عارف باللہ حضرت مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ کی نادرِ روزگار،

اور معرکہ آرا کتاب "مثنوی معنوی" کی جامع اور لاجواب شرح

کلیدِ مثنوی

حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہٗ

1

یہ وہ مقبول خاص و عام کتاب ہے کہ خواندہ ناخواندہ سب ہی اس سے دلچسپی لیتے ہیں مگر مضامین عالیہ ہونے کی وجہ سے مطالب سمجھنے میں بڑی دقت پیش آتی ہے اور بعض اوقات نوبت الحاد و زندقہ تک پہنچ جاتی ہے، حضرت حکیم الامت نے اشعارِ مثنوی کو واضح کرکے اور مسائل تصوف کو عام فہم بنا کر نہایت خوبی سے سمجھا دیا ہے حقیقت یہ ہے کہ اِس سے معتبر اور شریعت و طریقت کا پاس و ادب رکھ کر مضامین کو حل کرنے والی کوئی اور شرح نہیں لکھی گئی

اِدارہ تالیفاتِ اشرفیہ

بیرون بوہڑ گیٹ

ملتان

عارف باللہ حضرت مولانا جلال الدین رُومی رحمۃ اللہ علیہ کی نادر روزگار
اور معرکہ آراء کتاب مثنوی معنوی کی جامع اور لاجواب اُردو شرح

کلیدِ مثنوی

از:

حکیم الامۃ مجدد الملۃ حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہ

جلد ۱

یہ وہ مقبول خاص و عام کتاب ہے کہ خواندہ، ناخواندہ سب ہی اس سے دلچسپی لیتے ہیں۔ مگر مضامین عالیہ ہونے کی وجہ سے مطالب سمجھنے میں بڑی دقت پیش آتی ہے اور بعض اوقات نوبت الحاد و زندقہ تک پہنچ جاتی ہے۔ حضرت حکیم الامتؒ نے اشعارِ مثنوی کو واضح کر کے اور مسائل تصوف کو عام فہم بنا کر نہایت خوبی سے سمجھا دیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس معتبر اور شریعت و طریقت کا پاس ادب رکھ کر مضامین کو حل کرنے والی اور کوئی شرح نہیں لکھی گئی

ادارہ تالیفاتِ اشرفیہ
بیرون بوہڑ گیٹ • ملتان

ما شاء الله لا قوة الا بالله

چون در کریمه صدر قوله تتلو و یعلمهم الکتب بر فضل علم نظم و معنی و قوله یعلمهم بر شرف علم کلام و عقائد و علم سلوک قوله و الحکمة بر مزیت علم اسرار و علم اصول و ال با وضح بیان ست و از ان جزو بودن تصوف که مشتمل بر سلوک و اسرار ست از علم دین عنیک عیان ست و باتفاق اہل مذاق مثنوی معنوی را در کتب این فن خاص شان ست لاکن از اغلاقش محتاج تبیان ست بناءً علیه آین شرح اردو که معنونش را

کلید مثنوی

عنوانست و این جلد اول از انست و تمام نامی مولفش سیدنا مولانا محمد اشرف علی شہو عالیا کہ ذات سامیش رہنمای گمرہان و مقتدای جہانیان ست و در وے حل متن را چنان حل کرده که غایت امکانست و مسائل را بطورے تقریر نموده که موافق تحقیق اہل اتقان و ہم مطابق حدیث و قرآنست و اشکالات و اغلاط را بطرزے دور ساخته که مورث اطمینان قلوب انست و جابجا ملفوظات حضرت سیدنا الحاج محمد امداد الله قدس سره را که سطرے از ان منشط او ہا ثبت ہم در مطاوے شرح درده

مطبع مجتبائی واقع دہلی
در ... مطبوع

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بعد الحمد والصلوٰۃ۔ عرض ہے کہ آجکل اکثر طبقات کے لوگون کو مثنوی مولانا رومی علیہ الرحمۃ سے ایک خاص دلچسپی ہے مگر ناواقفی فن کی وجہ سے اُسکے مضامین سمجھنے مین اکثر غلطیان کرتے ہین اور چونکہ اُسکے حواشی و شروح اکثر یا طویل زیادہ ہین یا دقیق ہین اور بعضے اصل مطلب سے دور ہین یا اصول شرعیہ سے گذرے ہوئے ہین اس سبب سے وہ اُنکے رفع ضرورت کے واسطے کافی نہین سمجھے جاسکتے اسلیے اسکی حاجت معلوم ہوئی کہ مثنوی موصوف کی ایک مختصر شرح اُردو زبان مین لکھدی جاوے جسمین اصل مطلب یا جس مسئلہ پر اصل مطلب موقوف ہو سلیس تقریر مین پورا آجاوے اور الحاد و زندقہ یا حشو و زوائد آنے نہ پاوے اب بنام خدا سے برتر اسکو شروع کرتا ہون اور کلید مثنوی نام رکھتا ہون۔ وھو الموفق والمعین فی کل امر فی کل حین۔

بشنو از نے چون حکایت میکند　　وز جدائیہا شکایت میکند

یہ سوال تو نہایت ہی بیکار ہے کہ شروع مین حمد و نعت کیون نہین لکھی کیونکہ ان چیزون سے ابتدا کرنا کچھ لکھنے مین منحصر نہین ہے بلکہ زبان سے کہ لینا کافی ہے جسطرح کھانے پینے کے قبل زبان سے بسم اللہ کہی جاتی ہے کوئی لکھتا لکھاتا نہین اب شعر کا مطلب سنیے نے سے مراد روح انسانی ہے کہ عالم ارواح (ملکوت) مین محبت و معرفت حق مین مشغول و مستغرق تھی عالم اجسام (ناسوت) کے ساتھ متعلق ہونے سے صفات جسمانیہ شہوت و غضب کا اسپر غلبہ ہوا اور اسوجہ سے صفات روحانی یعنی محبت و معرفت وغیرہا مین کمی شروع ہوئی اسمین اگر جذبۂ غیبی یا کسی کامل کی صحبت یا دفاتر عشق و اہل عشق کے مطالعہ سے متنبہ ہوا اور دلائل یا ذوق

سے اپنی اصلی حالت اور اصلی صفات یاد آگئیں تو اُس کے فوت یا مغلوب ہونے پر افسوس ہوتا ہے تو اسوقت زبان قال یا زبان حال سے اُس تاسف کو ظاہر کرتا ہے حکایت سے یہی مراد ہے اور اس افسوس وغم و آہ و نالہ کے سبب اُسکو نے سے تشبیہ دی گئی اور چونکہ صفات حمیدہ روح کی بہت سی ہین محبت و معرفت و ذکر دائم اور سب مین کمی پاتا ہے اسلیے ایک ایک کو سوچکر پریشان ہوتا ہے کہ ان سب سے جدائی ہوگئی اس لیے فرماتے ہین کہ کئی جدائیونکی شکایت کرتا ہے۔

کز نیستان تا مرا ببریده اند	از نفیرم مرد و زن نالیده اند

جب نے کو روح سے تشبیہ دی گئی تو عالم ارواح کو نیستان کہنا زیبا ہوگا خلاصہ یہ کہ مجھکو عالم ارواح سے جدا کردیا گیا ہو اور ناسوت مین آکر وہ صفات مجھ سے جدا ہوگئی ہین تو اس درجہ شور و شیون مین مبتلا ہون کہ سننے دیکھنے والون کا کلیجہ پھٹا جاتا ہے مرد و زن سے مراد یہی ابنائے زمان ہین۔ قاعدہ ہے کہ سچے دردمند کا اثر دوسرون پر ضرور پڑتا ہے اس لیے اورون کا دردناک ہونا جائے تعجب نہین۔

سینہ خواہم شرحہ شرحہ از فراق	تا بگویم شرح درد اشتیاق

ہر چند دردمند کے درد سے اکثر لوگ متاثر ہوتے ہین مگر بعض غایت سنگدلی سے اصلا دل گداختہ نہین ہوتے بلکہ خود اُس دردمند کو فریبی اور ریاکار سمجھتے ہین نے کی طرف سے اُنکو جواب دیا جاتا ہے کہ تم جو میرے حال کے منکر ہو اُسکی وجہ یہ ہے کہ تم کسی کے درد فراق مین مبتلا نہین ہوے اور اس غم کا مزہ نہین چکھا درد غم فراق کے سمجھنے کے لیے ایسا سینہ چاہیے جو خود کسی کے فراق سے پارہ پارہ ہو اسوقت البتہ اپنا درد اشتیاق کھولون تب اُسکی سمجھ مین آوے اس تقریر مین تو سینے سے مراد دوسرے شخص کا سینہ ہوا۔ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اپنا ہی سینہ مراد ہو مطلب یہ ہوگا کہ میرے آہ و نالہ و فریاد و بکا سے کوئی شخص یہ نہ سمجھے کہ مین اس درد وغم سے نفور یا تنگدل ہون ہرگز نہین بلکہ میری تو یہ آرزو ہے کہ درد فراق سے اور بھی میرا جگر پاش پاش ہوجاے تاکہ اور بھی درد اشتیاق کا اظہار کرون قاعدہ ہے کہ عاشق کو خود اس درد عشق مین ایک خاص لذت ملتی ہے کہ وہ اُس کا زوال نہین چاہتا کذا قال مرشدی رحمہ اللہ تعالے

ہر کسے کو دور ماند از اصل خویش	باز جوید روزگار وصل خویش

مطلب اس شعر کا ظاہر ہے یعنی اسمین نے کی حکایت و شکایت کا سبب مذکور ہے کہ ہر شخص کا قاعدہ ہے کہ جب اپنی اصل سے جدا ہوتا ہے تو اُس زمانۂ وصال کا جویا ہوتا ہے مین بھی چونکہ عالم ارواح سے جدا ہوگئی جس سے میرے وہ صفات ضائع ہوگئے ہین اُسی باغ و بہار کی پھر طالب ہون

من بہر جمعیتے نالان شدم	جفت خوش حالان و بدحالان شدم
ہر کسے از ظن خود شد یار من	وز درون من نجست اسرار من

عاشق و طالب کے درد کا اثر دوسرون پر پڑتا ہے گو اکثر لوگ اجمالاً اتنا سمجھ سکتے ہین کہ اسپر کوئی صدمہ یا مصیبت

ہے اگر کچھ تفصیل سمجھے بھی تو یہ سمجھے کہ اپنی حالت پر قیاس کر لیتا کہ جس قسم کی مصیبت و بلا مین ہم مبتلا ہین ایسا ہی یہ بھی ہوگا یا تو اسکی بیوی مر گئی ہوگی یا کوئی بیماری ہوگی یا افلاس سے عاجز آگیا ہی یا کسی بازاری عورت نے بیوفائی کی ہی لیکن جو اسکے دلکو لاگ رہی ہے اُسکی کسکو خبر ہے اس لیے وہ نے کہتی ہی کہ میرا آہ و نالہ کسی پر مخفی نہین رہا بھلے بُرے سب سے سابقہ رہا اور مجھکو مصیبت زدہ بھی سمجھا اور اپنے اپنے گمان کے موافق میری ہمدردی بھی کی مگر میرے درد کی حقیقت کہ طلب قرب الٰہی تھی کسی نے نہ سمجھی ۔

سرِ من از نالۂ من دور نیست ؎ لیک چشم و گوش را آن نور نیست

یعنی میری حقیقت درد کی آہ و نالہ ہی سے مفہوم ہو سکتی تھی مگر چونکہ وہ امر ذوقی ہے جب تک کسیکو ذوق حاصل نہو اُسکو نہین سمجھ سکتا محض حواس ظاہری یا عقل معاش اُسکے ادراک کے لیے کافی نہین اور اُن کو اس کی ادراک کی قابلیت نہین نور سے مراد یہی قابلیت ادراک ہے اور کل امور ذوقی کی یہی حالت ہی بھوک کو وہی سمجھے جسکو بھوک لگی ہو ورنہ تمام جہان کے برابر بھی عقل ہو تو کیا اُسکے ادراک سے قاصر ہے ۔

تن ز جان و جان ز تن مستور نیست ؎ لیک کس را دید جان دستور نیست

یہ اوپر کے مضمون کی مثال ہے کہ دیکھو جسم و روح مین کمال قرب ہی مگر باوجود اس کے روح کو دیکھنا خلاف عادت ہے سو قریب ہونے سے ادراک ہو جانا ضروری نہین جب تک کہ قوت مدرکہ مین اُسکے ادراک کی قابلیت بھی نہو اسی طرح میرے درد کو باوجود دلیل قایم ہونے کے ادراک نہ کر سکنا محل تعجب نہین ۔

آتش ست این بانگ نای و نیست باد ؎ ہر کہ این آتش ندارد نیست باد

اسمین نالہ نے یعنی طالب حق کی تاثیر کا بیان ہی کہ یہ آتش ہے کہ دوسرون کو بھی سوختہ افروختہ کر دیتی ہے جیسا مشاہدہ ہے کہ عاشق حقیقی کی صحبت مین دوسرون مین بھی اشتعال و ہیجان پیدا ہو جاتا ہی مثل باد کے بے اثر نہین آگے اس عشق کا دولت عظمیٰ ہونا اس طرح بتلاتے ہین کہ جسکو یہ عشق نصیب نہو اُسکو بددعا دیتے ہین کہ اُسکا تو نیست و نابود ہونا ہی اچھا ہی وہ زندگی کیا جسکے ساتھ طلب نہ ہو ایسے جینے سے تو مرنا بہتر ہے یا اُسکو دعا دیتے ہین کہ جسکو یہ میسر نہوا ہو اُسکو میسر ہو جاوے اور اُسکے اثر سے اُسکو بیخودی و فنا نصیب ہو جاوے کذا قال مرشدی رحمہ اللہ تعالےٰ ۔

آتش عشق ست کاندر نے فتاد ؎ جوشش عشق ست کاندر مے فتاد

نے سے مراد وہی طالب وجہ تشبیہ وہی آہ و نالہ اور مے سے مراد مطلوب بمناسبت اسکے کہ طالبونکو بیخود کر دیتا ہی سو اس شعر مین شان عشق و محبت کا بیان ہے کہ یہ محبت ہی ایسی چیز ہے کہ محب کی صفت بھی ہی اور محبوب کی صفت بھی ہے چنانچہ ارشاد ہوا ہے یحبہم و یحبونہ اگرچہ دونون صفتون مین زمین آسمان کا بہت فرق ہے ؎ چہ نسبت خاک را با عالم پاک ۔ مگر مشارکت اسمی کیا کم نعمت ہے ؎ بلبل ہمین کہ قافیۂ گل شود بس ست ۔ بخلاف اور اکثر صفات کے کہ یا صرف عبد کی ہین یا معبود کی اور اس وصف کرنے کی مناسبت

آتش کھدیا اور مے کی مناسبت سے جوشش سے تعبیر کردیا یہ لفظی شاعرانہ رعایت ہے۔

نے حریف ہر کہ از یارے برید ۔ پردہایش پردہ ہاے ما درید

حریف ہم پیشہ کو کہتے ہین کبھی دوست ہوتا ہے کبھی دشمن اس لیے حریف کا اطلاق دونون معنی پر آتا ہے یہان مراد دوست ہے اس شعر مین اُس اوپر والے مضمون کا اعادہ ہو ؎ لیک چشم و گوش را آن نور نیست مطلب یہ ہو کہ جسکو کسی محبوب سے قطع و فراق پیش آیا ہو اُس سے نے کو البتہ مجانست و مناسبت ہے وہ اُسکے درد و غم کی حقیقت سمجھ سکتا ہے اب مولانا اپنی نسبت فرماتے ہین کہ ہم بھی چونکہ گرفتار فراق ہین اُسکے نالہاے زار سے ہمکو البتہ یہ اثر ہوا کہ ہماری غفلت اور سستی طلب کے پردے اُٹھ گئے اور طلب مین سرگرم ہوگئے۔ نے کے سوراخ جن مین سے آواز نکلتی ہے وہ پردے کہلاتے ہین یہان مراد نا رہے مجازاً اور دونون جگہ لفظ پردہ لانے مین شاعری رعایت ہو۔

ہمچو نے زہرے و تریاقے کہ دید ۔ ہمچو نے دمساز و مشتاقے کہ دید

اوپر جو نالۂ نے کا اثر بیان فرمایا ہے کہ اُس سے غفلت اُٹھ جاتی ہے اور گرمی طلب پیدا ہوتی ہے اور یہ رفع غفلت جسکے لیے تقلیل شہوات لازم ہے نفس کو ناگوار اور روح کو غذاے خوشگوار ہو اس لیے ارشاد فرماتے ہین کہ نے کے برابر نہ کوئی زہر ہے یعنی نفس کے حق مین اور نہ کوئی تریاق ہے یعنی روح کے حق مین اور جب دوسری روح کو اُسکے اثر سے یہ خوشگواری نصیب ہوتی ہو تو خود اُسکی گوارائی و لذت کی کیا حد ہو اسلیے وہ گو واصل کیون نہو جاوے اور زیادہ میدان طلب مین شتابان ہوتی ہے اسی قرب و وصال کو دمسازی یعنی موافقت اور اُس زیادتی طلب کو مشتاقی سے تعبیر کیا ہو یعنی عین وصل مین بھی اُسکو صبر و سکون نہین سعدی فرماتے ہین ؎ دلارام در بر دلارام جوے ٭ لب از تشنگی خشک بر طرف جوے ٭ نگویم کہ بر آب قادر نیند ٭ کہ بر ساحل نیل مستسقی اند ٭

نے حدیث راہ پر خون می کند ۔ قصہاے عشق مجنون می کند

راہ پُرخون سے مراد طریق عشق ہے چونکہ عشق سے آنکھین خونفشان ہوتی ہین اس لیے اُسکو پرخون کہا اور مجنون سے مراد مطلق عشاق۔ مطلب ظاہر ہے کہ یہ نے یعنی عاشق صادق اپنے درد و نالہ مین طریق عشق کی باتین اور عشاق کے قصے بیان کرتی ہے۔

محرم این ہوش جز بیہوش نیست ۔ مر زبان را مشتری چون گوش نیست

یعنی ہرچند کہ نے کا قصہ اسکی حالت سے بہت ظاہر ہے مگر اس قصہ عشق کو کہ واقع مین حقیقی ہوش و عقل وہی ہو جس سے مقصود حقیقی کی معرفت میسر ہوتی ہے وہی شخص سمجھ سکتا ہو جو ما سوی اللہ سے بیہوش یعنی بے التفات ہوگیا ہو دوسرا نہین سمجھ سکتا کیونکہ عالم و معلوم مین مناسبت شرط ہو دیکھو زبان سے جو کلمات نکلتے ہین کان تو ادراک کرتا ہو گویا وہی اُسکا مشتری یعنی خریدار ہے کیونکہ اُس کو اُس سے مناسبت ہو۔ اور دوسرے

حواس چونکہ صوت سے مناسبت نہین رکھتے وہ اُسکے ادراک سے قاصر ہین۔

گر نبودی نالۂ نے را ثمر ۔۔۔ نے جہان را پُر نہ کردی از شکر

اس شعر مین بیان ہے نالہ کرنے کے فوائد کا یعنی نالہ کرنے سے چونکہ طلب پیدا ہوتی ہے اور بحکم جوئندہ یابندہ طلب سے معرفت پیدا ہوتی ہے جو ثمرہ ہے طلب کا اس سے ثابت ہوا کہ نالۂ نے بے ثمر اور بے نتیجہ نہین بلکہ اُس سے ثمرۂ معرفت پیدا ہوتا ہے اب اسپر دلیل قائم کرتے ہین کہ اگر اس سے معرفت حاصل نہ ہوتی تو دنیا مین ہزارہا عارف بھرے ہوئے پڑے ہین یہ کہان سے آتے یہ اُسی نالہ کرنے و گفتار عشق کی بدولت ہے۔ شکر سے مراد معرفت ہے اور نے اور شکر لانے مین جو کلام کی لطافت ہے ظاہر ہے۔

در غم ما روزہا بیگاہ شد ۔۔۔ روزہا با سوزہا ہمراہ شد

طالب صادق باوجود واصل ہونے کے کبھی سیر نہین ہوتا اور ہمیشہ طالب ترقی کا رہتا ہے اگلے مقامات کو دیکھ دیکھ کر اپنی حالت کو پست سمجھتا ہے اپنی عمر گذشتہ کو ضائع و تلف شدہ سمجھتا ہے اس لیے تاسف کرتا ہے کہ اپنے غم مین بہت سے ایام عمر بیکار ہی گئے اور تمام ایام اس سوز و گداز ہی مین صرف ہوئے اور کچھ حاصل نہوا گویا اس شعر کا مضمون اُس شعر کے مضمون سے ملتا جلتا ہے ع ہیچ نے دمساز و مشتاقے کہ دید۔

روزہا گر رفت گو رو باک نیست ۔۔۔ تو بمان اے آنکہ چون تو پاک نیست

اس مین ایک گونہ مضمون اول سے اعراض ہے یعنی ایام تلف ہونے پر حسرت نہ کرنا چاہیئے اگر گئے بلا سے گئے عشق جو اصلی دولت ہے اور سب خرابیون سے پاک و صاف ہے اُسکا رہنا کافی ہے پس شعر سابق مین اصلاح عجب کی ہے کہ اپنی حالت کو پست قرار دیا اور اس شعر مین ناشکری کا علاج ہے کہ انکار نعمت نہ ہونے پاوے۔

ہر کہ جز ماہی ز آبش سیر شد ۔۔۔ ہر کہ بے روزی ست روزش دیر شد

اوپر کے اشعار مین اُن لوگون کا بیان تھا جو مشاہدۂ تجلیات و نزول واردات سے کبھی سیر نہین ہوتے اور تشنہ لب کشادہ دہن ہی رہتے ہین ایسے لوگ اصطلاح مین ماہی کہلاتے ہین کہ اُسکو کبھی پانی سے سیرابی نہین ہوتی اب دو قسم کے لوگون کا اور بیان کرتے ہین ایک وہ جنکو کچھ حاصل ہوا اور وہ اُسپر قانع ہو گئے وہ جز ماہی کہلاتے ہین ایک وہ جنکو کچھ حاصل ہی نہین ہوا اُنکو بے روزی کہا کہ اُن کی عمر ہی ضائع ہو گئی دیر بمعنی باطل مقصود اس شعر سے ترغیب دینا ہے کہ راہ عشق مین توقف نچاہیے۔

در نیابد حال پختہ ہیچ خام ۔۔۔ پس سخن کوتاہ باید والسلام

اوپر کے اشعار مین تین قسم کے لوگون کا بیان ہوا ہے کامل جسکو ماہی کہنا چاہیے ناقص جسکو جز ماہی کہا گیا محجوب جسکو بے روزی کہا ہے سو جیسا محجوب واصل کی حالت کو نہین سمجھ سکتا اسی طرح ناقص کامل کی حالت کو نہین سمجھ سکتا کیونکہ حالات امور ذوقیہ مین دلائل یا قیاس سے ادراک ممکن نہین اس لیے آثار و ثمرات کمال عشق کے جو اوپر سے بیان ہوتے چلے آتے ہین اُن کو ختم کرتے ہین کہ جب خام پختہ کے حال کو سمجھ نہین سکتا تو تطویل کلام سے کیا فائدہ

والسلام یہ کلمہ ختم کا ہے یا اسکے معنے یہ ہین والسلامۃ فی السکوت یعنی سلامتی اسی مین ہے کہ ان مضامین سے سکوت کیا جاوے کیونکہ اظہار اسرار مین اندیشہ غلط فہمی جہال کا ہے کذا قال مرشدی ؒ

منع اظہار اسرار

چند باشی بند سیم و بند زر	بند بگسل باش آزاد اے پسر

اوپر جو فرمایا ہو کہ خام پختہ کے حال کو نہین سمجھ سکتا اسلیے اظہار اسرار بیکار ہے اس سے طالبان اسرار کو ایک قسم کا اشتیاق پیدا ہوا اور اُسکا سمجھنا موقوف تھا پختہ ہونے پر اسلیے سوال پیدا ہوا کہ اچھا پھر اگر کوئی خام پختہ ہونا چاہے تو اُسکا کیا طریق ہو اسکا جواب ارشاد ہوتا ہے کہ تعلقات قطع کرو اور اموال و زر کی قید سے رہائی حاصل کرو کیونکہ یہ تعلقات حق تعالے سے غافل کر رہے ہین اور انکے تعلق کو بڑھنے نہین دیتے جب یہ کم ہونگے وہ قوی ہونگے شدہ شدہ کمال اور تجلی حاصل ہوگی ف یاد رکھنا چاہیے کہ ماسوی اللہ سے تین قسم کے تعلقات ہین تعلق محمود جسکا شریعت نے امر فرمایا ہو وہ تو مین تعلق بحق ہو اسکا قطع ناجائز تعلق مذموم جس سے شرع نے نہی فرمائی ہو اُسکا قطع واجب ہو تعلق مباح جو نہ طاعت ہو نہ معصیت اسمین قطع کی ضرورت نہین البتہ تقلیل اور انہماک نہ کرنا ضروری ہو پس جہان قطع تعلق کی تعلیم ہو مراد تعلق محمود نہین بلکہ مذموم و مباح ہو مگر مذموم بطور ترک کے اور مباح بطور تقلیل کے ۔

منع قطع تعلق از ماسوی اللہ

چند گنجد قسمت یک روزۂ	گر بریزی بحر را در کوزۂ
تا صدف قانع نہ شد پر دُر نہ شد	کوزۂ چشم حریصان پر نہ شد

ان اشعار مین حرص کی مذمت اور اُسکا بکار آمد ہونا بیان فرماتے ہین تاکہ قطع تعلق سہل ہوجاوے یعنے اگر تمام سمندر کو ایک کوزہ مین ڈالا جاوے تو اُس مین کتنا پانی آویگا صرف ایک دن کے خرچ کے لائق یعنی ظرف سے زیادہ نہ سما دیگا گو پانی زیادہ ہے تو کیا ہوا اسی طرح قسمت ایک ظرف ہو خواہ مال و متاع کتنا ہی زیادہ ہو مگر حصول اُسی قدر ہوگا جسقدر قسمت مین گنجایش ہو اور یون حریصون کی نیت کبھی بھرتی نہین آگے قناعت کی مدح ہو کہ جسطرح صدف قناعت کی بدولت پر گوہر ہوجاتی ہے اُسی طرح اگر تم قناعت اختیار کرو تو مثل گوہر کے نور و بہار حاصل کرو کذا قال مرشدی رحمہ اللہ تعالی

او ز حرص و عیب کلی پاک شد	ہر کرا جامہ ز عشقے چاک شد

عیب مین اضافت نہین ہے اور کلی عیب کی صفت نہین ہے بلکہ پاک کی تاکید ہو۔ اس شعر مین طریق قطع تعلقات ماسوی و زوال حرص دُنیا کا بتلانا منظور ہے کہ اسکا حصول بذریعہ عشق کے بہت سہولت سے ممکن ہو اُسکے بدولت آدمی حرص اور جمیع نقائص اور اخلاق ذمیمہ سے بالکل پاک ہوجاتا ہے ف اخلاق ذمیمہ کے دو علاج ہین ایک جزئی یعنے خاص وہ یہ ہو کہ ہر ہر خلق کا جدا جدا علاج کیا جاوے جیسا احیاء العلوم وغیرہ مین لکھا ہے اسکو طریق سلوک کہتے ہین دوسرا کلی یعنے عام وہ یہ کہ ذکر و شغل سے یا جس طرح شیخ کامل تجویز کرے حق سبحانہ و تعالے کی محبت قلب مین پیدا کیجاوے جب اُسکا غلبہ ہوگا اپنی ہستی و خودی مضمحل ہونا شروع ہوگی اور سب اخلاق ذمیمہ جو کہ اس خودی و دعوی ہستی سے پیدا ہوتے ہین زائل ہوجائینگے اسکو طریق جذب کہتے ہین

اقسام علاج اخلاق ذمیمہ

اور طریق اول گو بیخطر ہے مگر طویل ہے اور طریق ثانی گو خطرناک ہے مگر قریب ہی اور ہر شیخ کا مذاق مختلف ہوتا ہی مولانا پر چونکہ مذاق ثانی غالب ہی اسلیے اسی کی تعلیم فرماتے ہین اور اُسکی طرف رغبت دلاتے ہین اور اُسکی مدح کرتے ہین

شاد باش اے عشق خوش سودای ما　　اے طبیب جملہ علتہاے ما
اے دواے نخوت و ناموس ما　　اے تو افلاطون و جالینوس ما

ان اشعار مین عشق کی مدح مقصود ہے مجازاً اُسکو مخاطب قرار دیدیا کہ تو ایسا ہی کہ تیری بدولت خیالات درست ہوجاتے ہین (سودا خیال کو کہتے ہین) تجھسے سب امراض کا علاج ہوجاتا ہی جیسا اوپر بیان ہوچکا ہی تجھسے نخوت و ناموس کا دفعیہ ہوتا ہی عشق کو اس عار و ننگ کے دفع کرنے مین بہ نسبت دوسرے اخلاق ذمیمہ کے ایک خاص خصوصیت ہی کیونکہ عشق کے لیے ذلت لازم ہی اور ذلت و ناموس جمع نہین ہوتے ایک کے غلبہ سے دوسرا جاتا رہتا ہی

جسم خاک از عشق بر افلاک شد　　کوہ در رقص آمد و چالاک شد
عشق جان طور آمد عاشقا　　طور مست و خر موسیٰ صاعقا

جسم خاک سے مراد جسد مبارک رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم کا اور افلاک پر جانے سے مراد معراج ہی کوہ کا رقص مین آنا اشارہ ہی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصہ خواہش دیدار الٰہی کیطرف جیسا دوسرے شعر مین تصریح فرمادی ہی یعنی آپکا معراج تشریف لیجانا بدولت عشق کے ہوا کیونکہ آپ محبوب تھے اور محبوب کو قرب و عروج عطا ہوتا ہی ہے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصۂ دیدار بدولت عشق ہی کے ہوا کیونکہ اس واقعہ مین آپ محب تھے محبیت کی وجہ سے آپ نے دیدار کی درخواست کی اور اُس سے تجلی ہوئی کہ پہاڑ حرکت مین آگیا جسکو مستی سے تعبیر کیا ہی مجازاً اور موسیٰ علیہ السلام بیہوش ہوکر گر گئے غرض ایک اثر محبوبیت کا تھا دوسرا محبیت کا اسمین بھی عشق کی مدح کرنا مقصود ہی ف حکایت موسویہ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بعض لوگون کو یہ شبہہ ہوجاتا ہی کہ دنیا مین اللہ تعالےٰ کا دیدار واقع ہوسکتا ہی کیونکہ قرآن شریف مین فَلَمَّا تَجَلّٰی رَبُّہٗ صاف مذکور ہی جسکے معنی یہ ہین کہ اللہ تعالےٰ نے تجلی فرمائی یہی دیدار اور رویت ہی مگر یہ بڑی غلطی ہی دیدار اور رویت کے معنی ہین دیکھنا یہ فعل موسیٰ علیہ السلام کا ہے اسکی نفی قرآن مین صاف موجود ہی لَنْ تَرَانِیْ یعنے تو مجکو ہرگز نہین دیکھ سکتا یعنی اس حیات دنیوی مین۔ اور تجلی کے معنے ہین کھلجانا۔ ظاہر ہوجانا یہ فعل حق سبحانہ تعالےٰ کا ہی اسکا اثبات قرآن مین کیا گیا ہی سو ان دونون مین بڑا فرق ہوا ایک کے اثبات سے دوسرے کا اثبات لازم نہین آتا ورنہ قرآن مین نعوذ باللہ تعارض ہوگا حاصل آیت کا یہ ہوا کہ اللہ تعالےٰ تو ظاہر ہوگئے اور حجابات اُٹھا دیے مگر موسیٰ علیہ السلام دیکھ نہ سکے اور بیہوش ہوگئے خوب سمجھ لو

با لب دمساز خود گر جفتمی　　ہمچو نے من گفتنیہا گفتمی

اوپر کے اشعار مین شان و شوکت عشق کا بیان ہورہا تھا مقتضا مقام کا یہ تھا کہ عشق کے آثار و اسرار کو خوب بیان

کرین مگر چونکہ اُسکے آثار تو کل کے کل اُمور ذوقیہ ہین کہ بدون حصول عشق کے مفہوم نہین ہوسکتے اور اسرار علاوہ ذوقی ہونے کے بعضے دقیق و عمیق بھی ہین کہ ان کے اظہار مین خوف غلط فہمی و الحاد و زندقہ کا بھی ہے اس لیے اس مضمون کو ترک کرکے عذر فرماتے ہین کہ اگر میرا کوئی مخاطب صحیح ہوتا تو اسقدر اسرار عشق کو مین بھی مثل عشاق کے عیان بیان کرتا۔

ہر کہ او از ہمزبانے شد جدا ۔ بے نوا شد گرچہ دارد صد نوا

اس شعر مین قاعدۂ کلیہ بیان فرماتے ہین جو بطور علت مضمون بالا کے ہے کہ جو اپنے ہمزبان سے جدا ہوجاتا ہی گو اُسکے پاس کتنا ہی سامان علم و تحقیق کا ہو مگر بے سامان ہوجاتا ہی کہ کچھ مافی الضمیر اظہار ہی نہین کرسکتا

چونکہ گل رفت و گلستان در گذشت ۔ نشنوی زین پس ز بلبل سرگذشت

اسمین مثال ہے مضمون بالا کی کہ دیکھو جب موسم گل کا نکل جاتا ہے اور گلستان خزان سے ویران ہوجاتا ہے تو پھر بلبل کے چہچہے سُننے مین نہین آتے کیونکہ اُسکے ترانہ کا جاذب گل تھا وہ نہ رہا اسی طرح مخاطب صحیح جاذب مضامین کا ہوتا ہی جب وہ نہو تو سکوت ہی کیا جاتا ہی۔

ستر پنہانست اندر زیر و بم ۔ فاش اگر گویم جہان بر ہم زنم
آنچہ نے میگوید اندر این دو باب ۔ گر بگویم من جہان گردد خراب

زیر باریک آواز کو کہتے ہین۔ اور بم بلند آواز کو اور دو باب بھی اسی کو کہا ہے مراد اس سے مضامین رنگا رنگ مختلف ہین مطلب یہ کہ عشاق اپنے کلمات عشقیہ مین جو کچھ اجمالاً کہہ رہے ہین اُسکے راز و حقیقت کو اگر ظاہر اور مفصل کرکے کہہ دون تو عالم تباہ ہوجاوے وہ راز وحدۃ الوجود کا ہے کہ کلام عشاق کا تمام تر حاصل وہی ہی کہ ماسوی اللہ تعالیٰ کا وجود کالعدم ہے اور موجود حقیقی وہی ایک محبوب اعظم ہے سو گو یہ امر واقع مین خلاف شریعت نہین جیسا انشاء اللہ تعالیٰ قریب واضح ہوا جاتا ہی مگر چونکہ وہ امر ذوقی و حالی ہے اکثر اوقات الفاظ و عبارات اس کے ادا اور بیان سے قاصر رہتے ہین اکثر عوام اُس سے غلطی مین پڑجاتے ہین اور سب اشیا کو اوہام و خیالات سمجھکر حلال و حرام مین امتیاز اٹھادیتے ہین اور شریعت کے احکام کو چھوڑ دیتے ہین اور نظام تمام عالم کا شرع پر ہی ہے سو اسکے چھوڑنے مین لابد عالم مین تباہی آوے گی عالم انسان مین تو بوجہ ترک احکام کے اور دوسری مخلوقات مین اسلیے کہ سب کچھ انسان کے لیے پیدا ہوا ہی جب انسان نہ رہا تو دوسری مخلوقات باقی رہ کر کیا ہونگی کما قال اللہ تعالیٰ ولو یؤاخذ اللہ الناس بما کسبوا ما ترک علی ظہرہا من دابۃ۔

جملہ معشوق ست و عاشق پردۂ ۔ زندہ معشوق ست و عاشق مردۂ

ہر چند اوپر کے اشعار مین راز عشق کو کہ مسئلہ توحید وجود ہے پوشیدہ کرگئے مگر وہ اخفا عوام کے لیے تھا جو اسکی حقیقت کو نہین سمجھ سکتے اور گمراہی و ضلالت مین مین مبتلا ہوتے ہین اس شعر مین خواص کے لیے قدرے اس راز کیطرف اشارہ کردیا ہی سو یہ جو

اُسکو لائق فہم عوام کے بیان کرتا ہی مصرعہ اوّل مین اِس مسئلہ کا دعوی ہے مصرعۂ ثانی مین اُسکی تفسیر ہی پس جملہ معشوق ست
ہم معنی ہمہ اوست کا ہی جو اِس مسئلہ کا مشہور عنوان ہی عاشق سے مُراد کل ممکنات کہ مسخر قدرت خدا فنی ہین پردہ سے
مُراد موجود ظاہری جو حجاب اور ساتر ہی موجود حقیقی کا تشبیہًا اُسکو پردہ کہدیا کہ وہ بھی ساتر ہوتا ہی اور خود ظاہر نظر آتا ہے
اور پردہ وار نظر نہین آتا پس پردہ کے معنے موجود ظاہری ہوئے خلاصہ دعوی کا یہ ہوا کہ ممکنات تو صرف
موجود ظاہری ہین اور حقیقت مین کوئی موجود حقیقی یعنی موصوف بکمال ہستی نہین بجز ذات حق کے اسی مضمون کو
ہمہ اوست سے تعبیر کردیتے ہین یہ ایک جملہ ہی مطابق محاورات روزمرہ کے جیطرح کوئی حاکم کسی فریادخواہ
سے کہے کہ تمنے پولیس مین رپٹ لکھوائی تمنے کسی وکیل سے بھی مشورہ کیا اور وہ عرض کرے کہ جناب پولیس اور
وکیل سب آپ ہی ہین ظاہر ہی کہ اسکا یہ ہرگز مطلب نہین ہوتا کہ حاکم اور پولیس اور وکیل سب ایک ہی ہین انمین
کچھ فرق نہین بلکہ مطلب یہ ہوتا ہی کہ پولیس اور وکیل کوئی چیز قابل شمار نہین آپ ہی صاحب اختیار ہین اسیطرح
یہان سمجھ لینا چاہیے کہ ہمہ اوست کے یہ معنی نہین ہین کہ ہمہ اور اُو ایک ہین بلکہ مقصود یہ ہی کہ ہمکی ہستی قابل
اعتبار نہین صرف اُوم کی ہستی لائق شمار ہی اور باقی جتنے موجودات ہین ہستی تو اُنکی بھی واقعی ہی مگر اُنکی ہستی کامل
کے سامنے محض ایک ظاہری ہستی ہی حقیقی یعنی کامل نہین دوسرا مصرعہ اسی مضمون کی تفسیر اور تمثیل ہی تفصیل اسکی
یہ ہی کہ ہر صفت مین دو مرتبے ہوتے ہین ایک کامل ایک ناقص اور یہ قاعدہ ہی کہ کامل کے روبرو ناقص ہمیشہ کالعدم
سمجھا جاتا ہی اسکی مثال ایسی ہی کہ کسی بستی مین ایک شخص مثلا پانچ پارہ کا حافظ ہوا اور وہ ناظرہ خوانونمین حافظ مشہور ہو
اتفاق سے وہان ایک ایسا شخص آکر رہنے لگے جو تمام قرآن کا حافظ اور ہفت قرأت کا قاری ہو ایسی حالت مین
اگر کوئی اجنبی آدمی بستی والونسے دریافت کرنے لگے کہ تمھاری بستی مین کتنے حافظ ہین تو تمام عقلا یہی جواب دین گے
کہ ایک حافظ ہین اس جواب پر اگر کوئی عامی کہنے لگے کہ میان فلانا بھی تو حافظ ہی تو مبصر یہی جواب دیگا کہ لاحول
ولاقوۃ الا باللہ بھلا اسکے سامنے وہ بھی کوئی حافظ ہی حالانکہ ایک معنی کر حافظ وہ بھی ہے مگر چونکہ ناقص ہی اسلیے
کامل کے روبرو غیر حافظ قرار دیا گیا یا کوئی ادنی درجہ کا حاکم اپنے اجلاس پر بیٹھا ہوا شان حکومت دکھلا رہا تھا اور
پندار منصب سے کسی کو خاطر مین نہین لاتا تھا کہ ناگہان بادشاہ وقت اجلاس پر بطریق دورہ آپہونچا اُسکے دیکھتے
ہی ہوش اُڑ گئے اور سب پندار و دعوی و نشہ و غرور رہرن ہو گیا اب جو اپنے اختیارات کو اقتدار شاہی کے روبرو
دیکھتا ہی تو اُسکا کہین نام و نشان نہین پاتا نیچے کو گرا جاتا ہی نہ آواز نکلتی ہے نہ سر اوپر اٹھتا ہے اُسوقت گو
اس کا منصب و عہدہ معدوم نہین ہوا مگر کالمعدوم ضرور ہی بس اسیطرح سمجھنا چاہیے کہ گو ممکنات موجود ہین
کیونکہ اللہ تعالی نے اُنکو وجود دیا ہے موجود کیون نہوتے مگر وجود حق کے روبرو اُنکا وجود نہایت ناقص و
ضعیف حقیر ہے اسلیے وجود ممکن کو وجود حق کے روبرو گو عدم نہ کہین گے مگر کالعدم ضرور کہین گے جب یہ کالعدم
ہوا تو وجود معتد بہ ایک ہی رہ گیا یہی معنی ہین وحدۃ الوجود کے کیونکہ اسکا لفظی ترجمہ ہی ایک ہونا وجود کا سوا ایک ہونے
کے معنے یہ ہین کہ دوسرا اُنکو ہے ہی نہین مگر ایسا ہی ہے جیسا نہین ہے اسکو مبالغۃً ادعاءً وحدۃ الوجود کہا جاتا ہی شیخ سعدیؒ

نے خوب ہی بیان فرمایا ہی ؎ یکے قطرہ از ابر نیسان چکید۔ خجل شد چو پہنای دریا بدید ÷ کہ جائیکہ دریاست من کیستم گر او ہست حقا کہ من نیستم ÷ ہمہ ہر چہ ہستند ازان کمترند ÷ کہ با ہستیش نام ہستی برند ÷ شیخ نے تصریح کردی کہ ہست تو سب ہین مگر اُن کی ہستی ہستی حق کے سامنے ہستی کہنے کے قابل نہین۔ مولٰنا نے اس مصرعہ مین اس تفسیر کو ایک مثال مین بیان کیا ہی کہ حضرت حق کو مثل زندہ کے سمجھو اور ممکن کو مثل مردہ کے کہ گو نعش مردہ بھی کسی درجہ کا وجود رکھتی ہے مگر جسم تو ہی مگر زندہ کے روبرو اسکی ہستی قابل اعتبار نہین کیونکہ مردے کی ہستی ناقص ہی اور زندے کی ہستی کامل ہکامل کے سامنے ناقص بالکل مضمحل اور ناچیز محض ہی اس مسئلہ کو مرتبۂ تحقیق علمی مین توحید کہتے ہین جسکی تحصیل کوئی کمال نہین اور جب یہ سالک کا حال بن جاوے تو اس مرتبہ مین فنا کہلاتا ہی یہ البتہ مطلوب و مقصود ہے اور یہی حاصل وحدۃ الشہود کا ہے جسکی دلالت اس معنی پر بہت ہی ظاہر ہے کیونکہ اسکا ترجمہ ہی ایک ہونا شہود کا یعنی واقع مین تو ہستی متعدد ہی مگر سالک کو ایک ہی کا مشاہدہ ہوتا ہی اور سب کالعدم معلوم ہوتے ہین جیسا اوپر کی مثالون سے واضح ہو چکا ایک اور مثال سب سے واضح تر شیخ نے بیان فرمائی ہے ؎ مگر دیدہ باشی کہ در باغ و راغ ÷ بتابد بشب کرمکی چون چراغ ÷ یکی گفتش اے مرغک شب فروز چہ بودت کہ بیرون نیائی بروز ÷ ببین کاتشین کرمک خاک زاد ÷ جواب از سر روشنائی چہ داد ÷ کہ من روز و شب جز بصحرا نیم ولے پیش خورشید پیدا نیم ÷ پس وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود مین اختلاف لفظی ہے کما قال مرشدی مگر چونکہ وحدۃ الوجود کے معنے عوام مین غلط مشہور ہو گئے تھے اس لیے بعض محققین نے اسکا عنوان بدل دیا جو بہ نسبت عنوان متروک کے اس معنی مین زیادہ ظاہر ہے کیونکہ لفظ وحدۃ الوجود کی دلالت معنی مذکور پر مجازی ہے اور وحدۃ الشہود کی دلالت اس معنی پر حقیقی ہے اور دلیل نقلی اس مسئلہ کی یہ آیت ہو سکتی ہے کُلُّ شَیْءٍ ہَالِکٌ اِلَّا وَجْہَہٗ جیسا شارح عقائد نسفی نے تفسیر کی ہے۔

چون نباشد عشق را پروای او ÷ او چو مرغی ماند بے پروای او

اوپر بیان کیا ہی کہ عشق موصل قریب ہے اُسکے بعد ضمناً عشق کی مدح اور بعض اسرار کا ذکر ہونے لگا تھا اب اُسی مضمون کی طرف رجوع کرتے ہین اور تحقیق کرتے ہین کہ ہمنے جو عشق کو موصل کہا ہے اُسکی وجہ کیا ہی سو ایک ظاہری وجہ تو اوپر بیان ہو چکی ہی اس شعر کی شرح مین ؎ ہر کرا جامہ ز عشقے الخ اب دوسری حقیقی وجہ بیان فرماتے ہین کہ وجہ ایصال کی یہ ہوتی ہی کہ خود معشوق کو (جسکو مبالغۃً عشق کہدیا ہے) یعنی حضرت حق کو اُسکے حال پر توجہ ہو جاتی ہی اور اسکی نگرانی اور کشش فرمانے لگتے ہین ورنہ اگر اُنکو اسکی پروا نہ ہو تو یہ بیچارہ تو محض عاجز و درماندہ مثل مرغ بے پر کے رہ جاوے جسکے حال پر بجز وائے اور افسوس کے کچھ نہ کہا جاوے۔

من چگونہ ہوش دارم پیش و پس ÷ چون نباشد نور یارم ہم نفس

اسمین بیان ہے اُسی پروا و توجہ کا کہ وہ اپنے طالب کے ساتھ معیت فرماتے ہین ورنہ اگر اُنکی طرف سے معیت نہو جسکو ہم نے نفس سے تعبیر کیا ہے تو مجھکو پیش و پس کی کیا خبر رہے اور رہزنان طریقت سے جنکی شان مین لَاٰتِیَنَّهُمْ مِّنْ بَیْنِ اَیْدِیْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ آیا ہے کیسے مامون رہ سکون۔

نور او در یمن و یسر و تحت و فوق ÷ بر سر و بر گردنم مانند طوق

اسی معیت کا بیان ہے کہ انکا نور و عنایت و الطاف مجکو محیط ہو رہا ہے جیسا حدیث مین دعا آئی ہے اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ مِنْ فَوْقِیْ نُوْرًا وَّمِنْ تَحْتِیْ نُوْرًا وَّعَنْ یَمِیْنِیْ نُوْرًا وَّعَنْ شِمَالِیْ نُوْرًا وَنَحْوَہٗ۔

عشق خواہد کین سخن بیرون رود ۔۔۔ آئینہ غمّاز نبود چون بود

چونکہ اوپر سے عشق ہی کا بیان چلا آتا ہے اُسکے آثار کا اُسکے بعض اسرار کا اُسکی مدح کا اُسکے افعال کا اب فرماتے ہین کہ مضامین عشق کے غیر متناہی ہین کیونکہ وہ محبوب کی باتین ہین جنکا غیر متناہی ہونا قرآن مجید مین مذکور ہے قُلْ لَّوْ کَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّکَلِمٰتِ رَبِّیْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ کَلِمٰتُ رَبِّیْ اور غیر متناہی ہونیکی وجہ سے یہ قصہ دراز ہوا چاہتا ہے لیکن سامعین مین صفائے فہم نہین اس لیے تطویل کلام بیکار ہے کیونکہ بدون صفا کے اُس مین انتقاش و ادراک ہی نہین ہو سکتا اسکی مثال آئینہ کی سی ہے کہ اگر صاف نہو جسکو غماز سے تعبیر کیا ہے تو کیونکر اسمین کسی شکل کا انعکاس ممکن ہے۔

آئینہ ات دانی چرا غماز نیست ۔۔۔ زانکہ زنگار از رخش ممتاز نیست

اوپر مضامین عشق کے بیان نہ کرنے کا یہ عذر فرمایا تھا کہ مخاطب کو صفائے فہم حاصل نہین اب اسکی وجہ بیان فرماتے ہین تاکہ اُسکے صیقل کرنے کی رغبت پیدا ہو خلاصہ وجہ کا یہ ہوا کہ تیرے آئینۂ قلب پر زنگ تعلق ماسوی کا چڑھا ہوا ہے اسلئے صفائی مفقود ہے۔

آئینہ کز زنگ و آلایش جداست ۔۔۔ پر شعاع نور خورشید خداست

اوپر زنگ آلودہ آئینہ کا بیان تھا یہان بے زنگ آئینہ کا بیان فرماتے ہین کہ ایسے قلب مین انوار الٰہی تابان و درخشان ہوتے ہین اور معارف اور واردات اسپر وارد ہوتے ہین۔

رو تو زنگار از رخ او پاک کن ۔۔۔ بعد ازان آن نور را ادراک کن

جب علت نور و ظلمت کی معلوم ہو گئی اب فرماتے ہین کہ تمکو چاہیئے کہ قلب کو اس زنگ سے پاک و صاف کرو پھر نور الٰہی کا تمکو ادراک ہوگا۔ **ف** یہ دیباچہ اس کتاب مستطاب کا اگر غور کرکے دیکھا جاوے اسمین تمام سلوک کوٹ کوٹ کر بھر دیا گیا ہے کیونکہ خلاصہ تمام تر سلوک کا مبدا کا ذکر اور معاد کی فکر ہے سو آغاز کے اشعار مین اول مبدا کو یاد دلایا کہ تمہاری اصلی حالت کیا تھی اُس کے بعد اوس حالت کے دوبارہ پیدا کرنیکی ترغیب دی اور اسکا طریقہ اجمالاً بتلایا یہی فکر معاد ہے **ف** مثنوی کے نسخے تعداد و ترتیب اشعار بالا مین مختلف ہین مگر حضرت نے حضرت سعدی علیہ الرحمہ کی تصحیح کو ترجیح دی ہے کہ آپ کا اعلم علمائے مثنوی ہونا اس زمانہ مین مسلم تھا واللہ اعلم وعلمہ اتم و احکم

حکایت بادشاہ و عاشق شدنش بر کنیزک و خریدن بادشاہ آن کنیزک را و رنجور شدن آن کنیزک و تدبیر و معالجہ بادشاہ بہر کنیزک۔

ف یہ حکایت دیباچہ کے آخری شعر سے مربوط ہے ؎ رو تو زنگار از رخ او پاک کن الخ اسمین قلب سے

زنگار دور کرنیکا طریقہ ایک مثال کے ضمن مین جتلانا منظور ہی چنانچہ عنقریب تقریر اسکی آتی ہے

بشنوید اے دوستان این داستان | خود حقیقت نقد حال ماست آن

یعنی یہ داستان سنو کہ واقع مین ہماری ہی حالت کے مطابق ہی وجہ مطابقت کی یہ ہی کہ اس حکایت مین جسطرح بادشاہ کنیزک پر عاشق ہوا اسی طرح بادشاہ روح کنیزک نفس کا مطیع و عاشق ہوگیا ہی اور جس طرح کنیزک زرگر پر عاشق تھی اسی طرح نفس عاشق لذات دنیا ہے اور جسطرح بادشاہ نے طبیبان ناقص سے رجوع کیا مگر نفع نہوا اسی طرح شیخان ناقص سے رجوع کرلے سے فائدہ نہین ہوتا اور جسطرح اس غیبی طبیب نے معالجہ کیا کہ زرگر کو دوا کھلا کر بدصورت بنایا کہ کنیزک کو اس سے نفرت ہوگئی پھر ہلاک کردیا اور اس تدبیر سے کنیزک کو صحت ہوگئی اسیطرح شیخ کامل حُب لذات دنیا کو بتدریج نفس سے جدا کرتا ہی حتی کہ وہ انکو ترک کردیتا ہی اور امراض نفسانیہ سے نجات پاتا ہی اور بادشاہ روح پھر اس سے منتفع ہوتا ہی پس خلاصہ تعلیم طریق کا یہ ہوا کہ اگر زنگار چھڑانا چاہتے ہو تو شیخ کامل سے رجوع کرو اور اسکے ارشاد پر عمل کرو وہ بطریق مناسب تمہاری اصلاح کریگا ف مولانا کے کلام کا بڑا دو مضمون ہین ایک مقصود کہ توحید ہی۔ دوسرا اسکا طریق کہ اتباع شیخ کامل ہی

نقد حال خویش را گر پے بریم | ہم ز دنیا ہم ز عقبے بر خوریم

یعنی اگر اپنی موجودہ حالت مین غور و فکر کرتے رہا کرین تو دونون جہان کا ہمکو نفع حاصل ہو

این حقیقت را شنو از گوش دل | تا برون آئی بکلی ز آب و گل

آب و گل سے مراد دنیا وی تعلقات و نفسانی لذات ہین کیونکہ یہ صفات جسمانیہ سے ہین جسم کا آب و گل سے ہونا ظاہر ہے باقی مطلب صاف ہے۔

فہم گر دارید و جان را رہ دہید | بعد ازان از شوق پا در رہ نہید

رہ دیکے معنے دیجیے۔ جان سے مراد دل۔ مطلب یہ کہ فہم کو جمع و یکسو کرو اور دل کو متوجہ کردو اس حکایت اور اپنی حالت کے سمجھنے مین جب اس سے طریقہ معلوم ہو جاوے جیسا اوپر بیان کیا پھر طریق سلوک اختیار کرو۔

بود شاہے در زمانے پیش ازین | ملک دنیا بودش و ہم ملک دین

ظاہرا پیش ازین سے مراد امم سابقہ ہین یعنی ہمارے پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے پہلے کا زمانہ یعنی زمانہ سابق مین کوئی بادشاہ تھا جو دنیوی بادشاہی کے ساتھ دیندار بھی تھا۔

اتفاقا شاہ روزے شد سوار | با خواص خویش از بہر شکار

بہر صیدے میشد او بر کوہ و دشت | ناگہان در دام عشق او صید گشت

صید دونون مصرعون مین جدا جدا معنی مین لانا لطافت شاعری ہی باقی مطلب ظاہر ہے۔

یک کنیزک دید او بر شاہراہ | شد غلام آن کنیزک جان شاہ

غلام اور شاہ کا تقابل لفظی خالی از لطافت نہین یعنی بادشاہ اسکا عاشق ہوگیا۔

مرغ جانش در قفس چون در طپید | داد مال و آن کنیزک را خرید

طپیدن سے مراد اضطراب یعنی اسکا جو اضطراب بڑھا اسکو خرید لیا۔

چون خرید او را و برخوردار شد | آن کنیزک از قضا بیمار شد
آن یکی خر داشت پالانش نبود | یافت پالان گرگ خر را در ربود
کوزه بودش آب می نامد بدست | آب را چون یافت خود کوزه شکست

مقصود ان دونون تمثیلون سے یہ ہے کہ دنیا مین پوری کامیابی کسی کو کم ہوتی ہے جیسے ان دونون مثالون مین کہ ایک چیز ملی تو دوسری سے محروم ہے یہی حالت بادشاہ کی ہوئی کہ پایا تو کنیزک ہاتھ نہ آتی تھی اور وہ ہاتھ آئی تو اسکے وصال سے بوجہ بیماری کے محروم ہوگیا۔ گویا اشارہ ہے کہ دنیا و مافیہا سے دلچسپی نہ چاہیے کہ لذت تام اسمین میسر نہین ہوتی۔

شہ طبیبان جمع کرد از چپ و راست | گفت جان ہر دو در دست شماست

ہر دو سے مراد بادشاہ اور کنیزک یعنی اسکی جان تو اسلیے تمھارے قبضہ مین ہے کہ وہ بیمار ہے علاج نہ کروگے مرجائیگی اور میری جان اسلیے کہ مین اسکا عاشق ہون اسکی بیماری یا ہلاکت سے میرا بچنا مشکل ہے۔

جان من سہل است جان جانم اوست | دردمند و خستہ ام درمانم اوست

یعنی میری جان تو کچھ نہین حقیقت مین میری جان کی جان وہی ہے گویا مین بیمار ہون وہ میرا علاج ہے۔

ہر کہ درمان کرد مر جان مرا | برد گنج و دُر و مرجان مرا

مصرعہ اول مین مرجان مین مر زائد ہے اور دوسرے مصرعہ مین جزو کلمہ ہے۔ مرجان یعنی مونگا بادشاہ نے وعدہ انعام کا کیا بیماری کی صحت پر۔

جملہ گفتندش کہ جانبازی کنیم | فہم گرد آریم و انبازی کنیم

جان بازی جان لڑانا۔ گرد آوردن جمع کرنا۔ انبازی شرکت۔ مطلب یہ کہ ہم علاج مین خوب کوشش کرینگے اور فہم و حواس کو مجتمع کرکے باہمی مشورہ و اتفاق سے علاج کرینگے۔

ہر یکے از ما مسیح عالمے ست | ہر الم را در کف ما مرہمے ست

مبالغۃً اپنے کو مسیح کہدیا باقی مطلب ظاہر ہے۔

گر خدا خواہد نگفتند از بطر | پس خدا بنمودشان عجز بشر

گر خدا خواہد ترجمہ انشاء اللہ تعالی کا ہے اور ترکیب مین نگفتند کا مفعول ہے بطر یعنی تکبر۔ از بطر نگفتند کی علت ہے یعنی نازش و فخر کی وجہ سے انشاء اللہ نہ کہا خدا تعالی نے انکے دعوون کو پست کردیا۔

ترک استثنا مرادم قسوتے ست | نے ہمین گفتن کہ عارض حالتے ست

استثناء انشاء اللہ تعالی کہنا۔ قسوت سنگدلی اور پر انشاء اللہ تعالی نہ کہنے کی مذمت بیان فرمائی ہے اب

اسکی حقیقت بیان فرماتے ہین کہ ترک انشاء اللہ تعالی سے مراد یہی کہ دل سے ترک کرے یعنی دلین بوجہ قساوت وسنگدلی کے اللہ تعالی پر اعتماد اور تفویض نہ ہو صرف زبان سے کہنا نہ کہنا جو ایک عارضی حالت ہے قابل اعتبار نہین مصرعہ ثانی کی دو توجیہین ہوسکتی ہین ایک یہ کہ لفظ نے بمعنی بل اضراب کے لیے ہو معنے نہایت لطیف نکلین گے جسکا خلاصہ یہی کہ اول یہ کہا تھا کہ ترک استثنا سے مراد قساوت قلبی ہے اب کہتے ہین کہ نہین قساوت نہین بلکہ زبان سے بھی اگر کہا جاوے اور دل مین نہ ہو تو حالانکہ یہ ظاہر مین ترک استثنا نہین بلکہ استثنا ہے مگر ہمارے نزدیک یہ کہنا بھی ترک استثنا مین داخل ہے۔ دوسری توجیہ یہ کہ نے اپنی ظاہری معنے پر محمول ہو اور اسمین گفتن کے قبل مضاف یعنی لفظ ترک مقدر ہو یعنی ترک استثنا سے مراد قسوت ہے نہ کہ ترک کرنا اس زبانی انشاء اللہ کہنے کا کہ یہ محض ایک عارضی حالت ہے

	جان او با جان استثناست جفت		اے بسا ناوردہ استثنا بہ گفت

اسمین اوپر کے مضمون کی تاکید ہے یعنی انشاء اللہ کہنے نہ کہنے مین قلب پر مدار ہے زبان کا اعتبار نہین بہت سے آدمی زبان سے نہین کہتے مگر انکا دل استثنا کے روح و مغز سے کہ تفویض الی اللہ ہے ملا ہوا ہے۔

	گشت رنج افزون و حاجت ناروا		ہرچہ کردند از علاج و از دوا

اسمین بیان ہے اوپر کے مضمون کا پس خدا بنمودشان عجز بشر۔ اور مطلب ظاہر ہے۔

	از طبیبان برد یکسر آبرو		شربت و ادویہ و اسباب او

او کی ضمیر بیماری کی طرف ہے اور اسناد بردن کی شربت وادویہ واسباب کی طرف مجازی ہے اور آبرو مفعول ہے برد کا مطلب یہ کہ تشخیص ومعالجہ کی غلطی نے سب کو بے آبرو کر دیا۔

	چشم شاہ از اشک خون چون جوی شد		آن کنیزک از مرض چون موی شد

یعنی کنیزک بہت لاغر ہوگئی اور بادشاہ کی آنکھین غم مین نہر خون بن گئین۔

	آن دوا در نفع خود گمرہ شود		چون قضا آید طبیب ابلہ شود

گمرہ سے مراد غیر مؤثر بلکہ مؤثر مخالف باقی مطلب ظاہر ہے۔

	روغن بادام خشکی مے نمود		از قضا سرکنگبین صفرا فزود
	آب آتش را مدد شد ہمچو نفت		از ہلیلہ قبض شد اطلاق رفت

اسمین آثار کے مخالف اور معکوس ہونیکا بیان ہے چنانچہ ظاہر ہے۔ نفت ایک روغن ہے جو آگ کو بہت جلد قبول کرتا

	سوزش چشم و دل پر درد و غم		سستی دل شد فزون و خواب کم

دل کا عطف چشم پر ہے اور سوزش کا عطف بتقدیر عاطف سستی پر یعنی دل کی سستی اور چشم و دل کی سوزش افزون ہوگئی اور یہ بھی ممکن ہے کہ سوزش الخ مبتدا ہو اور ختم مصرعہ پر شدید اشد خبر مقدر ہو معنے ظاہر ہین۔

ظاہر شدن عجز حکیمان از معالجۂ کنیزک بر بادشاہ وبدرگاہ حق تعالی روآوردن بادشاہ و در خواب

دیدن بادشاه آن ولی را و حل مشکل او

شہ چو عجز آن طبیبان را بدید ... پا برہنہ جانب مسجد دوید
رفت در مسجد سوی محراب شد ... سجدہ گاہ از اشک شہ پر آب شد

یعنی اسقدر رویا کہ سجدہ کی جگہ تر ہو گئی باقی ظاہر ہے۔

چون بخویش آمد ز غرقاب فنا ... خوش زبان بکشاد در مدح و ثنا

فنا سے مراد مطلق بیخودی و بیہوشی یعنی روتے روتے بیخود ہو گیا تھا جب ہوش مین آیا تو اللہ تعالیٰ کی مدح و ثنا شروع کی

کاے کمینہ بخششت ملک جہان ... من چہ گویم چون تو میدانی نہان

کمینہ بمعنے ادنیٰ صفت بخشش کی مبتدا۔ اور ملک جہان خبر ہی یا بالعکس یعنی میری تمام سلطنت یا مطلق سلطنت آپ کا ادنے عطیہ ہے باقی سب ظاہر ہے۔

حال ما و این طبیبان سر بسر ... پیش لطف عام تو باشد ہدر

ہدر بمعنے باطل و ناچیز مطلب یہ کہ گو ہماری اور ان طبیبوں کی یہ حالت کہ آپ پر اعتماد نہ کیا مذموم اور قابل مواخذہ و سزا ہی مگر آپ کے لطف عام اور عفو کے روبرو محض ناچیز ہی اگر معاف فرما دیجیے تو کوئی دشوار نہین مقصود معافی چاہنا

اے ہمیشہ حاجت ما را پناہ ... بار دیگر ما غلط کردیم راہ

بار دیگر مین دو احتمال ہین یا تو غلط کردیم کے متعلق ہے اور یا محذوف کے اول صورت مین دیگر کے معنی مطلق تکرار و تعدد ہے یعنی ہم بار بار غلطیان کیا کرتے ہین اور دوسری صورت مین پناہ شو محذوف ہوگا یعنی آپ ہمیشہ ہماری پناہ بنے رہین ایک بار پھر پناہ ہو جایئے۔ اور ہم نے تو غلطی ہو گئی۔

لیک گفتی گرچہ میدانم سرت ... زود ہم پیدا کنش بر ظاہرت

یہ اوپر کے اس مصرعہ سے استدراک ہی۔ من چہ گویم چون تو میدانی نہان سے یعنے اگرچہ آپ علام الغیوب ہونیکی وجہ سے میرے اظہار حاجت کی ضرورت نہین مگر آپ کا ارشاد ہی کہ مجھ سے دعا کرو اسلیے زبان سے بھی عرض کرتا ہون پیدا کنش مین کن صیغہ امر کا ہی اور ضمیر (ش) راجع ہے (سر) کی طرف اور ظاہر سے مراد زبان۔

چون بر آورد از میان جان خروش ... اندر آمد بحر بخشایش بجوش
درمیان گریہ خوابش در ربود ... دید در خواب او کہ پیرے رو نمود
گفت اے شہ مژدہ حاجات روَت ... گر غریبی آیدت فردا ز ماست

مژدہ مین لفظ باد مقدر ہے یعنی تمکو مژدہ ہو۔ اور حاجات روت سے علیحدہ جملہ ہے غریب بمعنی مسافر مطلب یہ کہ اس مرد غیبی نے منجانب اللہ کہا کہ اب تمھارا کام بن گیا کل اگر کوئی مسافر آوے وہ ہماری طرف سے فرستادہ ہوگا اُسکے علاج سے فائدہ ہوگا باقی معنی اشعار ظاہر ہین۔

چونکہ او آید حکیم حاذق ست | صادقش دان کو امین و صادق ست
در علاجش سحر مطلق را بہ بین | در مزاجش قدرت حق را بہ بین

مطلق بمعنی کامل۔ مقصود تشبیہ دینا صرف سرعت تاثیر مین ہی سحر کے حلال و حرام ہونے سے یہان بحث نہین تشبیہ ہر حالین صحیح ہی اور مصرعہ ثانی کا حاصل یہ ہی کہ اُس معالج کے مزاج و افعال مین قدرت حق نمایان ہوگی کہ اُس سے مرض کو شفا ہو جائیگی

خفتہ بود این خواب دید آگاہ شد | گشتہ مملوک کنیزک شاہ شد

این خواب دید سے الگ جملہ ہے۔ گشتہ کے معنے گشتہ بود مین یعنی غم کنیزک مین مقید تھا خواب دیکھکر خوشی سے آتا و مسرور ہوگیا

چون رسید آن وعدہ گاہ و روز شد | آفتاب از شرق اختر سوز شد

وعدہ گاہ یعنی وقتِ وعدہ مراد روزِ فرداہے۔ شرق بمعنی مشرق۔ اختر سوز یعنی اختر کا غائب کر دینے والا مطلب ظاہر ہے یعنے صبح ہوئی جو وقت تھا وعدہ آمد معالج کا۔

بود اندر منظرہ شہ منتظر | تا بہ بیند آنچہ بنمودند سر

منظرہ جاے نظر مراد دریچہ۔ دوسرے مصرعہ مین بیان ہے انتظار کا۔ سر سے مراد وہی شب کا خواب باقی مطلب ظاہر ہے۔

دید شخصے فاضلے پر مایۂ | آفتابے درمیان سایۂ

سایہ سے مراد کمالات و معرفت۔ آفتاب سے تشبیہ دینا باعتبار انوار کے ہے سایہ سے مراد یہی ظاہری سایہ آفتاب کے مقابلہ مین لانا صنعت شاعری ہے و نیز دونون کا اجتماع چونکہ امر غریب ہے اسلیئے لطافتِ کلام اور بڑھ گئی مطلب یہ کہ ایک شخص جامع الفضائل والکمالات مشور بانوار باطنی سایہ مین چلا آرہا تھا

میرسید از دور مانند ہلال | نیست بود و ہست بر شکل خیال

ہلال سے تشبیہ دینے کی دو وجہ ہین ایک تو انتظار و اشتیاق کیونکہ ہلال کو نہایت شوق و انتظار سے دیکھتے ہین دوسرے نحیف و ضعیف ہونا بوجہ کثرت مجاہدات و ریاضات کے جسطرح ہلال لاغر ہوتا ہی۔ دوسرے مصرعہ مین انکو نیست و ہست دونون کے ساتھ موصوف کیا مختلف اعتبارات سے تو ہست تو باعتبار واقع کے کہا اور نیست مبالغۃً و تشبیہاً کہدیا یعنی چونکہ نہایت مضمحل تھے اسلیے گویا وجود ہی نرکھتے تھے اور اس معنی مین خیال سے تشبیہ دی جسطرح خیال واقع مین موجود ہوتا ہی اور باعتبار غیر محسوس و قلیل البقا ہونیکے مشابہ معدوم کے ہوتی

نیست وش باشد خیال اندر روان | تو جہانے بر خیالی بین روان

روان اول بمعنے جان۔ روان ثانی بمعنی جاری۔ اِس شعر مین اوپر کے مضمون کی تائید ہی جہان کا خیال پر جاری ہونا اُسکے ہست ہونیکے آثار مین سے ہے باقی خیال پر جاری ہونا خود امر ظاہر ہے کیونکہ آدمی افعال اختیاریہ مین اول کوئی بات سوچ لیتا ہے پھر کام شروع کرتا ہی خواہ وہ سوچی ہوئی بات صحیح ہو یا غلط۔

بر خیالے صلح شان و جنگ شان | وز خیالے فخر شان و ننگ شان

مطلب ظاہر ہے کوئی مصلحت خیال مین آگئی صلح ہوگئی۔ کوئی ضرورت خیال مین بس گئی جنگ پر آمادہ ہوگئے کسی کمال کا وہم ہوگیا۔ فخر شروع ہوگیا کسی بدنامی کا اندیشہ ہوا ننگ و عار کا غلبہ ہوگیا۔

آن خیالاتے کہ دام اولیاست	عکس مہرویان بستان خداست

اوپر خیال کے ضعیف و ناچیز ہونے کا ذکر تھا اس سے احتمال تھا کہ کوئی شخص تمام خیالات کو ناقابل اعتبار قرار دیکر اولیا کے خیالات کو بھی کہ وہ واقع مین مطلوب اور مقصود ہین اسی طرح ضعیف و حقیر سمجھ جاوے اس شعر مین اس غلطی کو رفع فرماتے ہین کہ اولیا کے خیالات ایسے نہین بلکہ وہ محمود اور صحیح ہین۔ ان خیالات سے مراد دو قسم کے خیالات ہین ایک مراقبات جن مین غور و خوض کرنے کے لیے اور قلب مین انکو مستحضر رکھنے کے لیے شیخ کامل فرماتا ہے مثلاً یحبہم و یحبونہ کے خیال کی تعلیم۔ دوسرے مکاشفات یعنی وہ علوم جو ذوقی طور پر ان مراقبات کے بعد قلب پر وارد ہوتے ہین مثلاً ہر معاملہ مین جو منجانب اللہ پیش آوے اس شخص کو کچھ فوائد و مصالح منکشف ہوجاوین جس سے یحبہم کا پورا علم الیقین بلکہ عین الیقین ہوجاوے اور جون جون یہ مراقبات و مکاشفات بڑھتے جاتے ہین حق تعالےٰ کے ساتھ دلچسپی و شیفتگی بڑھتی جاتی ہے اسی واسطے انکو دام اولیا کہا گیا دوسرے مصرعہ مین انکے محمود ہونے کا بیان ہے۔ بستان خدا سے مراد صفت علیہ الٰہیہ ہے باعتبار جامعیت علوم متکثرہ کے اسکو بستان کہدیا۔ اور مہرویان سے مراد خود علوم متکثرہ بوجہ جمیل ہونے کے انکو مہرو کہدیا کیونکہ حق تعالےٰ شانہ کے ذات و صفات سب جمیل ہین جیسا وارد ہے ان اللہ جمیل اور عکس سے مراد فیض سعنے یہ ہوئے کہ یہ خیالات علوم الٰہیہ کے (جنکا منشا صفت علیہ ہے) فیوض مین ہو جس نفسانی وساوس شیطانیہ نہین ہین جیسے اہل دنیا کو یا جاہلان شریعت مدعیان طریقت کو ہوتے ہین کہ خیال کو کمال اور ضلال کو کشف اور جہل کو علم سمجھ کر تباہ ہوتے ہین بلکہ خاص القاء رحمانی و الہام ربانی ہین۔

آن خیالے را کہ شہ در خواب دید	در رخ مہمان ہمی آمد پدید

یہان سے عود ہے قصہ کی طرف کہ شب کو جو علامتین خواب مین دیکھی تھین وہ مہمان کے رخ سے نمایان تھین اسکا یہ مطلب نہین کہ خواب مین جو پیر مرد نظر آیا تھا یہ مہمان وہی تھا کیونکہ اس مرد پیر نے جو غیبی قاصد تھا یہ کہا تھا کہ گر غریبے آیدت فردا ز ماست۔ تو ضرور یہ مہمان اور شخص ہونا چاہیے بلکہ مطلب یہ ہے کہ اس پیر مرد سے جو علامتین خواب مین سُنی تھین کہ وہ شخص ایسا ایسا ہوگا یہ مہمان ویسا ہی تھا۔

نور حق ظاہر بود اندر ولی	نیک بین باشی اگر اہل دلی

اوپر فرمایا تھا کہ رخ مہمان سے نشان غیبی ظاہر ہو رہا تھا اب فرماتے ہین کہ اس مہمان کی کیا تخصیص ہے ہر ولی کی یہی حالت ہے کہ اس مین انوار الٰہی نمایان ہوتے ہین مگر اُسکا ادراک اہل دل کو ہوتا ہے وہ انوار یہی ہین کہ اُسکی صحبت سے اللہ تعالیٰ کی محبت۔ آخرت کی رغبت۔ دنیا و ماسوی اللہ سے نفرت قلب مین پیدا ہوتی ہے حدیث مین ہے اِذَا رُاُوْا ذُکِرَ اللہ اور تجربہ ہے کہ اس شخص کے چہرہ پر بھی رونق اور نمکینی اور نرمی ہوتی ہے قال اللہ تعالےٰ سِیْمَاہُمْ فِیْ وُجُوْہِہِمْ مِنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ۔

آن ولی حق چو پیدا شد ز دور　　از سراپایش ہمی می ریخت نور

پیدا بمعنے ظاہر۔ ہمی لفظ زائد مطلب ظاہر ہے کہ وہ مہمان ولی جب دور سے نظر آیا اُسکے بدن سے انوار برستے تھے

شہ بجاے حاجبان در پیش رفت　　پیش آن مہمان غیب خویش رفت

بجاے بمعنی بطور۔ حاجب بمعنی دربان۔ مطلب یہ کہ بادشاہ بطور دربانون اور خادمون کے استقبال کے لیے بڑھا اور اپنے غیبی مہمان کے پاس آیا۔

ضیف غیبی را چو استقبال کرد　　چون شکر گوئی کہ پیوست او بورد

یعنی بادشاہ نے مہمان غیبی کا جب استقبال کیا تو دونون مین اسطرح اتصال ہوگیا جیسے گلقند مین شکر اور گلاب کے پھول کے بدبرے پیوستہ ہوجاتے ہین چونکہ اتصال کے لیے مناسبت ضروری ہی اسلیے اسمین اشارہ ہی کہ بادشاہ بھی کمال باطنی سے خالی نہ تھا جیسا آغاز داستان مین فرمایا ہی ع ملک دنیا بودش و ہم ملک دین

آن یکے لب تشنہ وان دیگر چو آب　　آن یکے مخمور وان دیگر شراب

اسمین بھی اُسی مناسبت وکشش باہمی کا بیان ہے کہ ایک یعنی بادشاہ مثل تشنہ کے تھا اور دوسرا یعنی مہمان مثل پانی کے اسیطرح بادشاہ مثل مخمور کے تھا اور مہمان مثل شراب کے مطلب یہ کہ بادشاہ طالب تھا اور مہمان مطلوب

ہر دو بحری آشنا آموختہ　　ہر دو جان بے دوختن بر دوختہ

مصرعہ اولی مین ہر دو مبتدا اور بحری خبر بحذف رابط۔ بحری منسوب بہ بحر بمعنی دریا۔ آشنا بمعنے شناوری مصرعہ ثانیہ مین ہر دو مبتدا بردوختہ خبر اور جان مفعول بردوختہ کا اور بے دوختن متعلق بردوختہ کا۔ معنی یہ ہوے کہ دونون بحری یعنی دریاے معرفت کے آشنا اور پیراک تھے اور دونونکی روحین ایسی متصل تھین جیسے باہم سلی ہوئی اور ظاہر مین انکو کسی نے سیا اور ملایا نہ تھا اسمین اوپر والے مضمون کی کہ دونون مین مناسبت تھی تصریح ہے کہ دونون عارف تھے

گفت معشوقم تو بودستی نہ آن　　لیک کار از کار خیزد در جہان

یعنی بادشاہ نے کہا کہ میرے مطلوب واقع مین آپ تھے وہ کنیزک نہ تھی یعنی قابل عشق و محبت کے آپ ہین کہ عارف کامل ہین لیکن عالم اسباب مین ایک امر دوسرے امر کا باعث اور بہانہ ہوجاتا ہی اللہ تعالی نے عشق کنیزک کو آپکی زیارت و ملاقات کا سبب بنادیا۔ گویا وہ مقصود بالعرض تھی اور آپ مقصود بالذات ہین۔

اے مرا تو مصطفی من چون عمر　　از براے خدمتت بندم کمر

تشبیہ مصطفے صلے اللہ علیہ وسلم سے محض مخدوم ہونے مین اور عمر رضی اللہ تعالی عنہ سے خادم ہونے مین ہے یعنی آپ مخدوم ہین مین خادم ہون۔ یہ تشبیہ مولانا کے الفاظ ہین بادشاہ کے نہین پس یہ اشکال لازم نہین آتا کہ جب یہ قصہ امم سابقہ کا ہی تو وہ بادشاہ مصطفے صلے اللہ علیہ وسلم اور عمر رضی اللہ تعالے عنہ کو کیسے جانتا تھا اور نہ اسکے لیے اس تکلف کی حاجت کہ کتب سابقہ سے اسکو اطلاع ہوئی ہوگی اور تخصیص نام عمر رضی اللہ تعالے عنہ کی محض رعایت وزن شعری سے ہے اسکے علاوہ تکلفات زائد ہین۔

از خداوند ولی التوفیق درخواست توفیق رعایت ادب در ہمہ حال و بیان کردن وخامت وضررہاے بے ادبی

از خدا جوئیم توفیق ادب　　بے ادب محروم گشت از لطف رب

مناسبت اسکی ماقبل سے ظاہر ہے ماقبل مین بیان کیا تھا کہ بادشاہ اُس مہمان ولی کے ساتھ ادب سے پیش آیا اس تقریب سے ادب کی خوبی بیان کرنے لگے اور اسمین اشارہ ہی کہ جب کسی کامل کی خدمت مین حضوری میسّر ہو باادب پیش آوے اور کوئی حرکت بے ادبی کی نہ کرے سورۂ حجرات مین اسکی مفصل تعلیم ہے۔

بے ادب تنہا نہ خود را داشت بد　　بلکہ آتش در ہمہ آفاق زد

یعنی بے ادب صرف اپنا ہی بُرا نہین کرتا بلکہ تمام اطراف عالم مین آگ لگا دیتا ہی۔ یعنی اسکی بے ادبی سے دوسرونکو بھی ضرر پہونچتا ہے۔ دوسرون کو دو قسم کے ضرر پہونچتے ہین ایک خاص یعنی صرف اُن لوگون کو جنھون نے اس بے ادبی یعنی گناہ و معصیت کو دیکھکر مداہنت اختیار کی اور باوجود قدرت کے عاصی کو نہ روکا خصوصًا جبکہ اُس سے بشاشت و انشراح کے ساتھ ملتا جلتا رہا اس صورت مین یہ شخص بھی مبتلاے گناہ و وبال ہوتا ہے یہ نہین کہ اس عاصی کا گناہ اسپر ہوتا ہی تاکہ لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی کے خلاف لازم آوے بلکہ خود اپنی گناہ مین گرانبار رہتا ہی کیونکہ باوجود قدرت کے سکوت کرنا خود مستقل گناہ ہی دوسرا ضرر عام جسمین وہ لوگ بھی شریک ہوجاتے ہین جو اس گناہ سے کچھ تعلق نہین رکھتے یہ ضرر مثل قحط و وبا کے ہی کہ اُنھون پر گون سب پر اسکا اثر ہوتا ہی لیکن یہ بلیات و مصائب فجار پر عذاب و عقوبت ہین اور ابرار پر رحمت و نعمت کہ اُنکے درجات بلند ہوتے ہین پس یہان بھی اشکال لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی کا لازم نہین آیا کیونکہ وزر سے مراد گناہ ہی نہ تکلیف دنیوی کہ انبیا و اولیا تک پر اسکا نزول ہوتا ہی یہ سب مضامین قرآن و احادیث صحیحہ مین جا بجا وارد ہین قال تعالی واتقوا فتنۃ لا تصیبن الذین ظلموا منکم خاصۃ۔ و فی الحدیث اوشک اللہ ان یعمہم بعقاب و فیہ یخسف باولہم و آخرہم ثم یبعثون علی نیاتہم متفق علیہ

مائدہ از آسمان درمے رسید　　بے شرا و بیع و بے گفت و شنید

مائدہ خوان کو کہتے ہین مگر یہان مجازًا من و سلوی مراد ہے بقرینۂ شعر مابعد کیونکہ وہ خوان پر نہ آتا تھا چونکہ بلا ذریعہ اسباب ارضیہ ملتا تھا اس لیے اُسکو آسمان کی طرف منسوب کیا یعنے قوم موسی علیہ السلام کو کہ بنی اسرائیل سے تھے من و سلوی بلا مشقت ملجاتا تھا نہ خرید و فروخت کرنا پڑتا تھا نہ کسی سے کہنا سننا پڑتا تھا۔ من ترنجبین کو کہتے ہین اور سلوی پرندہ ہی مثل لوا و بٹیر کے یہ چیزین اُنکو جنگل مین بلا تعب ملجاتی تھین۔

درمیان قوم موسے چند کس　　بے ادب گفتند کو سیر و عدس

بے ادب ترکیب مین حال ہی یعنی چند آدمیون نے بے ادبانہ اور گستاخانہ کہا کہ ہمکو لہسن اور عدس درکار ہے من اور سلوی نہین لیتے جیسا کہ قرآن مجید مین مذکور ہے۔

منقطع شد خوان و نان از آسمان	ماند رنج زرع و بیل و داسمان

خوان و نان سے مراد وہی من و سلوی مجازاً جیسا اوپر گذرا رنج بمعنے مشقت۔ زرع۔ کاشت بیل جسکو بیلچہ کہتے ہین۔ داسمان داتی جسکو بعض لوگ ہسیا بھی کہتے ہین یعنی وہ مفت کی نعمت بدولت ناشکری کے بند ہوگئی اور کھیتی کی مصیبت اُن کے سر پڑ گئی جیسا قرآن مجید مین مذکور ہی کہ جب اُنھون نے ساگ ترکاری لہسن پیاز وغیرہ کی خواہش کی تو ارشاد ہوا کہ کسی بستی مین جاؤ اور کھیتی کرکے یہ چیزین حاصل کرو۔

باز عیسے چون شفاعت کرد حق	خوان فرستاد و غنیمت بر طبق

عیسے چون شفاعت کرد جملۂ شرطیہ ہی حق مبتدا خوان معطوف علیہ غنیمت معطوف دونون ملکر فرستاد کا مفعول اور فرستاد جملہ جزائیہ مطلب ظاہر ہے کہ پھر بعد مدت دراز کے عیسے علیہ السلام کی شفاعت و دعاسے مائدہ نازل ہوا یہان خوان و مائدہ حقیقی معنی مین مستعمل ہی کیونکہ کھانا خوان پر چنا ہوا آیا تھا۔

مائدہ از آسمان شد عائدہ	چونکہ گفت انزل علینا مائدہ

عائدہ کے معنے عود کرنے والا۔ یعنے مائدہ نے آسمان سے پھر عود کیا جب عیسے علیہ السلام نے دعا کی اس جملۂ عربیہ کے معنے یہ ہین کہ نازل کر تو ہم پر مائدہ کو۔

باز گستاخان ادب بگذاشتند	چون گدایان زلہا برداشتند

زلہ بقیۂ طعام کو کہتے ہین مطلب یہ کہ پھر گستاخ لوگون نے ادب ترک کیا اور گدایان حریص کی طرح کھانے کا بچا اسکو باسی اُٹھا کر رکھا حالانکہ انکو اسکی ممانعت ہوئی تھی کہ جو بچے ذخیرہ نہ کرین بلکہ مساکین مین صرف کر دین۔

کرد عیسے لابہ ایشان را کہ این	دائم ست و کم نگردد از زمین

لابہ بمعنے تملق یعنے عیسے علیہ السلام نے اُن کو بہ نرمی سمجھایا کہ یہ خوان ہمیشہ نازل ہوا کریگا اور زمین سے بھی منقطع نہ ہوگا پھر ذخیرہ کرنے کی کیا ضرورت ہے۔

بدگمانی کردن و حرص آوری	کفر باشد پیش خوان مہتری

یعنی ذخیرہ تو وہان رکھا جاتا ہی جہان یہ گمان ہو کہ پھر ملے گا یا نہ ملے گا یا محض حرص کا غلبہ ہو سو یہ دونون امر یعنی بدگمانی اور حرص خوان خداوندی کے سامنے کفر کی باتین ہین یعنی اگر وعدۂ خداوندی پر اعتماد نہین تو حقیقۃً کفر ہی ورنہ مجازاً کفر ہے یعنی کفار کے اخلاق مین سے ہی اسکو کفر عملی کہتے ہین۔

زان گدارویان نادیدہ ز آز	آن در رحمت بر ایشان شد فراز

زان مین (ز) تعلیل کے لیے ہے اور متعلق ہی شد فراز کے ساتھ اور (ز آز) مین بھی (ز) تعلیل کے لیے ہی اور متعلق ہی نادیدہ کے ساتھ اور نادیدہ صفت ہی گدارویان کی۔ معنی یہ ہین کہ اُن حریصون کی وجہ سے جو کہ حرص کے سبب نادیدہ تھے وہ دروازۂ رحمت اس تمام قوم پر بند ہو گیا یعنی خوان آسمانی اُترنا موقوف ہو گیا۔

من و سلوی ز آسمان شد منقطع	بعد از ان زان خوان نشد کس منتفع

من وسلویٰ سے مراد وہی مائدہ ہی مجازاً وتشبیہاً یعنی وہ مائدہ موقوف ہوگیا پھر کسی کے لیے نازل نہین ہوا

ابر ناید از پے منع زکات ۔ وز زنا افتد وبا اندر جہات

یہ بھی تائید ہے اوپر والے مضمون سے بے ادب تنہا نہ خود را داشت بد الخ کی مطلب ظاہر ہے اس قسم کا مضمون ایک حدیث مین بھی آیا ہی۔

ہر چہ آید بر تو از ظلمات غم ۔ آن ز بیباکی وگستاخی ست ہم

یہ مضمون قرآن مجید کی اس آیت مین مذکور ہی وَمَا أَصَابَكُم مِّن مُّصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ أَيْدِيكُمْ ف اس مضمون پر بعض اوقات یہ شبہہ ہوا کرتا ہی کہ اگر ہر غم ومصیبت گناہ کی وجہ سے ہی تو بے گناہون پر جیسے انبیاء عظام علیہم السلام و اولیاء کرام رحمۃ اللہ تعالے علیہم ہین تمام مصائب کیون نازل ہوتے ہین جواب یہ ہی کہ یہان حقیقی غم ومصیبت مین گفتگو ہی سو وہ اہل ذنوب کے ساتھ خاص ہی اور جو مصائب انبیاء واولیا پر آتے ہین وہ محض صورۃً مصیبت ہوتے ہین اور نفس الواقع مین وہ نعمت ورحمت ہین اور اسمین انکو رضا وتسلیم بلکہ بعض اوقات لذت وراحت حاصل ہوتی ہے

ہر کہ بیباکی کند در راہ دوست ۔ رہزن مردان شد ونامرد اوست

رہزن مردان اس اعتبار سے کہدیا کہ یہ شخص انکے ضرر کا سبب بن گیا۔ راہ دوست سے مراد احکام الٰہی ہین اُسمین بیباکی کرنا اُسکی مخالفت کرنا باقی مطلب ظاہر ہی۔ اور یہ بھی ہوسکتا ہی کہ راہ دوست سے مراد طریق سلوک ہے اور اسمین بیباکی یہ کہ بلا اہلیت شیخ بنکر لوگون کو بیعت کرنے لگے اور مردان خدا یعنی طالبان حق کی رہزنی کرنے لگے کہ وہ اور جگہ سے بھی رہے اور یہان کچھ حاصل نہ ہوا کذا قال مرشدیؒ۔

ہر کہ گستاخی کند اندر طریق ۔ گردد اندر وادی حسرت غریق

طریق سے مراد بھی وہی ہے جو راہ دوست سے مراد ہے۔ وادی نالے کو کہتے ہین جسمین جنگل کا پانی جمع ہوکر چلتا ہے جنگل کو نہین کہتے باقی مطلب ظاہر ہے۔

از ادب پر نور گشتست این فلک ۔ وز ادب معصوم وپاک آمد ملک

از دو نون مصرعون مین تعلیل کے واسطے ہی یعنے فلک کا پُر نور ہونا کہ اُسمین آفتاب وماہتاب وتمام کواکب نورانی موجود ہین اور فرشتون کا معصوم وپاک ہونا بوجہ ادب کے ہی فلک کا ادب یہ کہ اُس سے دریافت فرمایا گیا کہ خوشی سے مطیع قدرت بنتا ہی یا جبر سے اُس نے عرض کیا کہ خوشی سے حاضر ہوتا ہون جیسا ارشاد ہی فَقَالَ لَهَا وَلِلْأَرْضِ ائْتِيَا طَوْعًا أَوْ كَرْهًا قَالَتَا أَتَيْنَا طَائِعِينَ الآیۃ اور فرشتونکا ادب یہ کہ اُنھون نے امتحان علم اسماء کے وقت عرض کیا سُبْحَانَكَ لَا عِلْمَ لَنَا إِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا إِنَّكَ أَنتَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ۔

بد ز گستاخی کسوف آفتاب ۔ شد عزازیلے ز جرأت رد باب

گستاخی سے مراد آدمیون کی گستاخی ہی نہ کہ آفتاب کی یعنی چونکہ آدمی طرح طرح کے گناہ کرتے ہین انکے خوف دلانے کے لیے اللہ تعالے آفتاب کو بے نور کردیتے ہین کہ قدرت وجلال الٰہی دیکھکر انکو ہیبت ہو اور گناہ سے باز آوین

جیسا حدیث مین ہی ولکن یخوف اللہ بہا عبادہٗ - اور یہ تخویف حکمت کسوف کی ہی نہ کہ علت - اس سے یہ شبہہ دفع ہو گیا کہ علت کسوف کی قمر کا حائل ہونا ہی درمیان زمین اور آفتاب کے اسمین تخویف کو کیا دخل ہے - تقریر بالا سے اسکا دفع ہونا ظاہر ہے کہ علت تو یہی حائل ہونا ہے مگر مصلحت اور حکمت اسمین تخویف ہی اسمین کوئی منافات نہین - اور عزازیل کا مردود درگاہِ خدا ... ی ہونا بوجہ تکبر کے مشہور ہے -

حال شاہ و میہمان بر گو تمام ۔ زانکہ پایانے ندارد این کلام

این کلام سے اشارہ ہے فضیلت ادب و مذمت بے ادبی کی طرف مطلب یہ کہ مضمون بہت دراز ہے جواب بادشاہ اور مہمان کا قصہ کہنا چاہیے

ملاقات پادشاہ بآن ولی کہ در خوابش نمودند

شہ چو پیش میہمان خویش رفت ۔ شاہ بود و لیک بس درویش رفت

درویش ترکیب مین حال ہی - مطلب یہ کہ گو وہ بادشاہ تھا مگر فقیرانہ و عاجزانہ اس مہمان کے سامنے آیا -

دست بکشاد و کنارانش گرفت ۔ ہمچو عشق اندر دل و جانش گرفت

کناران جمع کنار کی ہی بمعنی بغل یہان مراد دونون بغل ہین مطلب یہ کہ ہاتھ کھول کر مہمان کو اپنی دونون بغل مین لیا یعنی دونون طرف سے معانقہ کیا جیسا بعض کی عادت ہی - دوسرے مصرعہ مین تشبیہ ہی کہ جس طرح عشق کو جان و دل مین جگہ دیتے ہین کیونکہ عشق جان و دل ہی مین ہوتا ہی اسی طرح اسکو بھی اپنی جان و دل مین جگہ دی یعنی دل مین اسکی محبت و وقعت بٹھلائی -

دست و پیشانیش بوسیدن گرفت ۔ وز مقام و راہ پرسیدن گرفت

گرفت بمعنی شروع کرد - اور مقام و راہ سے پوچھنا محض التذاذ و اشتیاق سے تھا باقی مطلب ظاہر ہے

پرس پرسان میکشیدش تا بہ صدر ۔ گفت گنجے یافتم آخر بہ صبر

پرس پرسان حال ہی - صدر سے مراد صدر مکان یعنی اسی طرح ان سے بات چیت کرتے ہوے اپنے صدر مکان تک لے گئے اور اظہار شکر کے لیے کہا کہ مجکو صبر کی برکت سے یہ خزانہ مل ہی گیا یعنی آپ -

صبر تلخ آمد و لیکن عاقبت ۔ میوۂ شیرین دہد پر منفعت

پر منفعت صفت ثانی میوہ کی ہی - میوہ اپنی دونون صفت سے ملکر دہد کا مفعول ہی اور دہد مین ضمیر (او) کی صبر کیطرف راجع ہی مطلب ظاہر ہی کہ صبر گو تلخ یعنی دشوار ہی مگر آخر مین ثمرہ لذیذ و نافع دیتا ہی ثمرہ کامیابی کا

گفت اے ہدیۂ حق و دفع حرج ۔ معنی الصبر مفتاح الفرج

ہدیہ حق مین فک اضافت ہی بضرورت شعر اور دفع حرج بمعنی دافع حرج - حرج بمعنی تنگی و غم - معنے سے مراد مصداق جملہ الصبر مفتاح الفرج حدیث ہی جسکا ترجمہ یہ ہی کہ صبر کلید کشادگی ہی مطلب ہوا کہ اے عطیہ حق کہ تمہاری

ذات خدائے تعالیٰ نے مجھکو ایک نعمت دی اور اے تنگی کے دفع کرنیوالے کیونکہ تمھارے سبب تنگی دفع ہوئی یا
ہوگی اور اے مصداق اس حدیث کے مضمون کے کیونکہ صبر سے اللہ تعالیٰ نے یہ سامان کیا کہ تمکو دفع تنگی کے لیے بھیجا

اے لقاے تو جواب ہر سوال	مشکل از تو حل شود بے قیل و قال

لقا بمعنی ملاقات سوال سے مراد مطلق اشکال جواب سے مراد اسکا حل اور دفع ہوجانا مطلب یہ کہ آپ
ایسے بابرکت ہیں کہ آپکی ملاقات ہی سے ہر مشکل آسان ہوجاتی ہے چنانچہ مصرعہ ثانی میں اسکی تصریح ہے۔

ترجمان ہر چہ ما را در دل است	دستگیر ہر کہ پایش در گل است

ترجمان اور دستگیر خبر ہے مبتدا محذوف (تو) کی۔ ترجمان بمعنی بیان کنندہ مطلب یہ کہ جو بات ہمارے دل میں ہو
آپ اُسکے بیان کرنیوالے ہیں اور جو کسی مصیبت میں مبتلا ہو آپ اُسکے دستگیر ہیں ف دلکی بات بتادینا یہ علم
غیب نہیں بلکہ کشف ہے علم غیب اُس علم کو کہتے ہیں جو بلا واسطہ ہو اور یہ خاصۂ خداوندی ہے اور جو علم بذریعہ
کشف ہو اُسمیں کشف واسطہ ہے اس لیے وہ علم غیب نہیں۔

مرحبا یا مجتبیٰ یا مرتضیٰ	اِن تغب جاء القضا ضاق الفضا

آپ کو مرحبا ہے اے برگزیدہ و پسندیدہ اگر آپ غائب یعنی دور ہوں تو آجاے موت اور تنگ ہوجاوے
میدان یعنی طرح طرح کی بلاؤں کا ہجوم ہوجاوے۔

اَنتَ مولی القوم من لا یشتہی	قد ردی کلا لئن لم ینتہ

من لا یشتہی مبتدا ہے قد ردی خبر۔ کلا لئن لم ینتہ اشارہ ہے طرف آیت قرآنی کے بطور علت کے حکم سابق کے
لیے کلا بمعنی حقا معنے یہ ہیں کہ آپ مددگار اور خیرخواہ ہیں لوگوں کے جو آپ کی طرف رغبت نہیں کرتا وہ
ہلاک ہوجاوے گا جیسا اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اگر ابوجہل مخالفت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے
باز نہ آویگا ہم اُسکے بال پکڑ کر جہنم کی طرف گھسیٹیں گے۔

ف رغبت نہ کرنا بطور عداوت کے ہے تب تو ہلاک یہ ہے کہ کسی وبال میں مبتلا ہوگا کیونکہ اولیاء اللہ سے بغض کرنا موجب
خسران ہے جیسا کہ حدیث میں ہے من عادیٰ لی ولیا فقد اذنتہ بالحرب۔ اور اگر اس طرح ہے کہ عقیدت و محبت نہیں ہے تو
ہلاکت کے یہ معنے ہیں کہ اُن فیوض و برکات سے محروم رہے گا کیونکہ ان حضرات کے برکات کا حاصل ہونا عقیدت پر موقوف ہے۔

بردن بادشاہ آن طبیب را بر سر بیمار تا حال او بہ بیند

چون گذشت آن مجلس و خوان کرم	دستِ اُو بگرفت و برد اندر حرم

خوان کرم سے مراد طعام مہمانی ہے۔ حرم سے مراد گھر یعنی وہ جلسہ بات چیت کا جب ختم ہوچکا اور کھلانے
پلانے سے فراغ ہوا تو اُس مہمان غیبی کو کہ جسمانی اور روحانی طب میں حاذق تھا گھر کے اندر لیگیا کہ اُس کنیز کا حال دکھلاوے

قصۂ رنجور و رنجوری بخواند	بعد ازان در پیشِ رنجورش نشاند

رنجور بیمار از رنجوری بیماری مطلب کہ یہ سب حال اُسکا بیان کرکے اُسکے پاس بٹھلا دیا کہ نبض وغیرہ دیکھین

رنگ رو و نبض و قارورہ بدید ‍ ‍ ‍ ‍ ہم علاماتش ہم اسبابش شنید

علامات وہ حالات جو مرض سے پیدا ہون اور اسباب وہ حالات جنسے مرض پیدا ہو مطلب شعر کا ظاہر ہے

گفت ہر دارو کہ ایشان کردہ اند ‍ ‍ ‍ ‍ آن عمارت نیست ویران کردہ اند

عمارت آبادی مراد درستی مزاج - ویرانی سے مراد فساد مزاج مطلب یہ کہ اطبا نے مرض نہین پہچانا اس لیے علاج مرض کے خلاف ہونے سے مزاج مین بجاے درستی کے نادرستی بڑھ گئی۔

بے خبر بودند از حال درون ‍ ‍ ‍ ‍ استعیذ اللہ مما یفترون

یہ بھی اسی طبیب کا مقولہ ہے مطلب یہ کہ جن اطبا نے علاج کیا ہے اُن کو اندرونی حالت کا پتہ نہین لگا مصرعہ عربی کے یہ معنے ہین کہ پناہ مانگتا ہون اللہ تعالے کی اس بات سے جسکو وہ اطبا افترا کرتے ہین یعنی یہ کہ مرض کچھ تھا اور بتلا دیا کچھ۔

دید رنج و کشف شد بروی نہفت ‍ ‍ ‍ ‍ لیک پنہان کرد و با سلطان نگفت

یعنے طبیب عارف نے بیماری دیکھ لی اور حالت پوشیدہ اُنپر کھل گئی کہ اس کنیزک کو مرض عشق ہے جیسا آگے آتا ہے مگر اسکو اپنے دل مین رکھا بادشاہ سے نہین کہا۔

رنجش از صفرا و از سودا نبود ‍ ‍ ‍ ‍ بوی ہر ہیزم پدید آید ز دود

یعنی اُسکی بیماری کسی خلط صفراوی سوداوی کے سبب نہ تھی بلکہ وہ بیماری عشق مین مبتلا تھی دوسرا مصرعہ مثال ہے کہ جسطرح دھوئین سے لکڑی کی بو آتی ہے اور اُس سے معلوم ہوجاتا ہے کہ فلان لکڑی ہے اسیطرح علامات و آثار سے اہل بصیرت کو معلوم ہوجاتا ہے کہ اسکے دل مین عشق ہے۔

دید از زاریش کو زار دلست ‍ ‍ ‍ ‍ تن خوشست او گرفتار دلست

زاری یعنی گریہ یا اضمحلال یعنے اُسکی گریہ وزاری - یا اُسکے زار و نزار ہونے سے معلوم کرلیا کہ وہ بیماری دل مین مبتلا ہے بدن اچھا خاصا ہے مگر دل کہین پھنسا ہے۔

عاشقی پیداست از زاری دل ‍ ‍ ‍ ‍ نیست بیماری چو بیماری دل

یعنے دل کے بدحال ہونے سے عاشق ہونا معلوم ہوجاتا ہے دوسرے مصرعہ مین عشق کی شدت کا بیان ہے کہ بیماری دل (عشق) کے برابر بھی کوئی بیماری نہین ہوتی کہ جسم و جان سب ہی کو گداختہ کردیتی ہے یا نفی مماثلت باین معنی ہے کہ اور بیماریان تو مہلک ہین اور بیماری عشق حیات جاودانی کا باعث ہے اگر حقیقی ہو تب تو ظاہر ہے اور اگر مجازی ہو تو اسمین یہ قید ہے کہ وہ حقیقی تک پہونچا دے جسکا طریقہ آگے آتا ہے جیسا حافظ رح نے فرمایا ہے ؎ ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق ٭ ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما ٭ کذا قال مرشدی۔

علت عاشق ز علتہا جداست ‍ ‍ ‍ ‍ عشق اصطرلاب اسرار خداست

اصطرلاب ایک آلۂ ریاضیہ ہے جس سے آفتاب کا ارتفاع وغیرہ معلوم ہوتا ہے یہان مراد مطلق آلۂ معرفت
اسکے قبل عشق اور دیگر بیماریون مین نفی مماثلت کی تھی اس شعر مین تاثر و تغایر کا اثبات ہے کہ یہ بیماری عشق سب
امراض سے ممتاز ہے ہر طرح سے مثلاً اسکا علاج اور دیگر امراض کا علاج اور وعلی ہذا القیاس منجملہ اُن
تفاوتون کے ایک تفاوت یہ بھی ہے کہ عشق معرفت اسرار الٰہی کا ذریعہ ہے بخلاف اور بیماریون کے
رہا یہ کہ ذریعہ کیونکر ہے اُسکو آگے بتلاتے ہین ۔

	عاقبت مارا بدان شہ رہبر ست		عاشقی گر زین سر و گر زان سر ست	

سر بمعنی طرف اس شعر مین عشق کا ذریعۂ معرفت الٰہی ہونا بتلاتے ہین مطلب یہ کہ عشق خواہ اس طرف کا ہو یعنی مجازی
خواہ اُس طرف کا ہو یعنی حقیقی مگر آخر مین ہلوگون کو حضرت حق تک پہونچا دیتا ہے اگر وہ حقیقی ہے تب وصل
الی اللہ ہونا ظاہر ہے اور اگر مجازی ہے تو وہ ایک طریق خاص سے حقیقی تک پہونچا دیتا ہے اسطرح وہ وصل
الی اللہ ہو جاتا ہے جب وصول الی اللہ ہوگا اسرار کی معرفت ظاہر ہے اسطرح دونون قسم کا عشق ذریعۂ معرفت اسرار ٹھیکا
اور مطلق عشق مجازی کو گو وہ عشق حقیقی تک نہ پہونچا وے ذریعۂ معرفت اسرار نہین کہتے اسی لیے شعر مین (ما را) کی
قید بڑھائی مراد اس سے عارفین ہین کہ وہ لوگ عشق مجازی سے عشق حقیقی حاصل کرنے کا طریقہ جانتے ہین
وہ طریقہ یہ ہی کہ اگر ایسا اتفاق ہو کہ عشق مجازی مین بلا قصد مبتلا ہو جاوے تو اول عفت و پارسائی اختیار کرے یعنی کوئی
خلاف شرع اسکے ساتھ نہ کرے حتی کہ اُسکو قصداً نہ دیکھے نہ اُس سے باتین کرے نہ اسکی باتین کرے نہ دل مین قصداً
اسکا خیال کرے کیونکہ مخالفت شرع عشق حقیقی کے منافی ہے اور منافی کے رہتے ہوئے کب اُمید ہے
کہ عشق حقیقی حاصل ہو ۔ دوسرے اُس سے ظاہراً دوری اختیار کرلے اسطرح کہ اتفاقاً و مفاجاۃً بھی اُس پر نظر نہ پڑے
نہ اسکی آواز کان مین پہونچے تا کہ اُسکے قلب مین سوز و گداز پیدا ہوا اور اگر قصداً یا بغتۃً و اتفاقاً اس سے
متمتع رہا تو عمر بھر اس شغل مین رہے گا کبھی نوبت نہ آوے گی کہ ادھر سے مطلوب حقیقی کیطرف توجہ ہو تیسرے
یہ کہ خلوت و جلوت مین یہ سوچا کرے کہ اس شخص کا کمال یا حسن و جمال کہان سے آیا اور کسنے عطا کیا جب موصوف
مجازی کی یہ دلربائی ہے تو موصوف حقیقی کی کیا شان ہوگی بقول شخصے ع چہ باشد آن نگار خود کہ بندد این نگارہا
اس سے اسکا عشق مخلوق سے خالق کیطرف مائل ہو جاویگا یہی معنی ہین ۔ اس قول کے کہ شیخ کامل عشق مجازی کا ازالہ
نہین کرتا امالہ کر دیتا ہے جسطرح انجن گرم ہو مگر اُلٹا چلتا ہو تو قطع مسافت کرنے والے کو مناسب نہین کہ اسکو بجھاوے
بلکہ آگ تو روشن رکھنا چاہیے اور اسکی کل پھیر کر سیدھا چلا دیا جاوے ۔ اور بعض مشائخ نے جو بعض طالبین کو قصداً
عشق مجازی پیدا کرنیکا مشورہ دیا ہے مراد اس سے عشق حلال ہے نہ حرام کیونکہ معصیت تو وصل الی اللہ ہو ہی
نہین سکتی اور جو اس مشورہ سے غرض ہے وہ عشق حلال سے بھی حاصل ہے کیونکہ عشق مین گو وہ مجازی ہو یہ خاصیت
ضرور ہے کہ اس سے قلب مین سوز و گداز پیدا ہو جاتا ہے اور اسمین باقی تعلقات قلب کے دفع ہو جاتے ہین اور
خیال مین یکسوئی پیدا ہو جاتی اب صرف ایک کام باقی رہ جاتا ہے کہ اس تعلق کو حق تعالے کیطرف پھیر دیا جاوے

تو بہت آسانی سے قلب خالی ہو جاتا ہے جیسے گھر مین جھاڑو دیکر تمام خس و خاشاک ایک جگہ جمع کر لیتے ہین پھر کسی ٹوکرے مین اُٹھا کر یا ہر ایک دم سے پھینک دیتے ہین یہ ظاہر ہے کہ اگر ایک ایک تنکا گھر سے اُٹھا اُٹھا کر پھینکا جاوے مدت طویل صرف ہو اور پھر بھی اسقدر صفائی نہو غرض مقصود اصلی ترک تعلقات یا قلب مین رقت و سوز و گداز پیدا کرنا ہے اگر وہ اس طریق سے حاصل ہو جاوے تو بھی کافی ہے بعض نے اس طریق عشق مجازی کو اختیار کر لیا مگر چونکہ اس زمانہ مین اس طریق کے اندر خطرۂ شدید ہے کیونکہ نفوس مین شہوت پرستی و لذت جوئی زیادہ ہوا اسلیے قصداً ایسے طریق کا بتلانا جائز نہین ہان اگر اتفاقاً مبتلا ہو جاوے تو بطریق مذکورہ بالا اسکا امالہ عشق حقیقی کیطرف کر دینا چاہیے۔ اور طریقون کا بدل جانا زمانہ کے بدل جانے سے کوئی امر عجیب نہین یہ طریقہ حضرت مرشد علیہ الرحمہ کا ارشاد فرمایا ہوا ہے۔

ہر چہ گویم عشق را شرح و بیان		چون بہ عشق آیم خجل باشم ازان	

اوپر عشق کی مدح کا مذکور تھا اب فرماتے ہین کہ عشق چونکہ ذوقی امر ہے اور ذوقی امور کا ادراک فہم و جدان پر موقوف ہے تحریر اور تقریر اسمین کافی نہین اسلیے عشق کی جسقدر شرح کرتا ہون جب خود عشق کی شان دیکھتا ہون تو اپنے بیان سے شرمندہ ہوتا ہون کہ ناحق ہی اسقدر تطویل کی اور پھر بھی عشق کی حقیقت منکشف نہوئی بلکہ اُسکے آثار کو بہت کچھ بیان کے خلاف پایا اس سے اور شرمندگی ہوئی۔

گرچہ تفسیر زبان روشنگر ست		لیک عشق بے زبان روشن ترست	

اسمین اوپر کے شعر کی تائید ہے کہ اگرچہ بیان زبانی اکثر اشیا کی حقیقت کو زیادہ منکشف اور ظاہر کرتا ہے کیونکہ اقسام دلالت مین سے دلالت لفظیہ وضعیہ افادہ و استفادۂ معانی مین اتم و اکمل ہے اس بنا پر عشق کا حال بھی زبان سے زیادہ معلوم ہونا چاہیے تھا لیکن واقع مین بے زبان کا عشق زیادہ روشن ہے کیونکہ وہ ذوقی امر ہے جب خود اُسکا حصول ہوتا ہے اور اُسکی کیفیات قلب پر طاری ہوتی ہین کسی سے سننے کی ضرورت نہین رہتی خود اُسکے آثار کا مشاہدہ کر لیتا ہے اور اُسکی حقیقت خوب معلوم ہو جاتی ہے۔

چون قلم اندر نوشتن می شتافت		چون بہ عشق آمد قلم بر خود شگافت	

قلم بر خود شگافتن اس سے کنایہ ہے کہ لکھنے سے عاجز ہو گیا کیونکہ اگر لکھنے مین قلم تمام تر شگافتہ ہو جاوے پھر وہ لکھنے کے قابل نہین رہتا اسمین بھی وہی مضمون ہے کہ اور مضامین کے لکھنے مین خوب قلم چل رہا تھا مگر جب عشق کا ذکر آیا تو چونکہ وہ امر حالی ہے قالی نہین اسلیے اُسکی حقیقت کے لکھنے سے بند ہو گیا۔

چون سخن در وصف این حالت رسید		ہم قلم بشکست و ہم کاغذ درید	

اسمین بھی وہی مضمون ہے۔ این حالت سے مراد عشق۔ قلم شکستن و کاغذ دریدن کنایہ ہے اُسکی عاجز ہونے سے کیونکہ اگر قلم ٹوٹ جاوے اور کاغذ پھٹ جاوے ظاہر ہے کہ لکھنا آپ ہی بند ہو جاوے گا مطلب ظاہر ہے کہ جب گفتگوی عشق کی نوبت آئی تو لکھنا بند ہو گیا اُسکی وجہ یہی عشق کا حالی ہونا ہے جیسا اوپر گذرا

۱ عقل در شرحش چو خر در گل بخفت ۔ شرح عشق و عاشقی ہم عشق گفت

خرد در گل خفتن بھی کنایہ ہے خستہ و ماندہ ہو جانے سے کیونکہ اگر گدھا چلتے چلتے کیچڑ مین گر جاوے اور لیٹ جائے پھر چلنا مشکل ہوتا ہے اسکا مطلب بھی وہی ہے کہ عقل شرح عشق سے عاجز ہے دوسرے مصرعہ کا حاصل یہ ہے کہ عشق اپنی خود شرح کرتا ہے۔ اسکی وجہ وہی عشق کا حالی ہونا ہے جب کسی کو حاصل ہوگا خود اپنی حقیقت کا کشف ہو جائیگا عشق اور عاشقی کے ایک ہی معنی ہین اتنا فرق ہے کہ عشق اس صفت کی حقیقت کا نام ہے کسی کو حاصل ہونا نہونا اسکے مفہوم و معنی مین ملحوظ نہین اور عاشقی اُس حقیقت کا نام ہے جبکہ اسمین اسکا اعتبار بھی کیا جاوے کہ کسی کو حاصل بھی ہے غرض صفت حقیقیہ ہے اور عاشقی صفت اضافیہ حاصل دونون کا قریب ہے تاکید کے لیے مکرر لے آئے ہین ۔ یا عشق سے اسکی ذاتی صفت کیطرف اشارہ ہے اور عاشقی سے اسکے آثار کی طرف حاصل یہ ہوگا کہ عشق کے صفات اور آثار سب اُسکے حصول ہی سے دریافت ہوتے ہین ۔

آفتاب آمد دلیل آفتاب ۔ گر دلیلت باید از وی رو متاب

یہ اوپر کے مضمون کی مثال ہے اور ایک گونہ اُس مضمون کی علت کی طرف بھی اشارہ ہے یعنے جسطرح آفتاب کے دیکھنے کا ذریعہ خود آفتاب ہے کسی دوسرے واسطے کی نہ ضرورت نہ کفایت یہی کیفیت عشق کی ہے کہ خود اپنی حقیقت کے انکشاف کا ذریعہ ہے تحریر و تقریر اُسکے لیے واسطہ نہین ہو سکتی یہ تو تمثیل کا حاصل ہوا اور تعلیل کی تقریر یہ ہے کہ یہ قاعدۂ عقلی ہے کہ اگر کوئی شئے کسی شئے کی معرفت کا واسطہ ہو تو واسطہ کا بہ نسبت اُس ذی واسطہ کے زیادہ واضح ہونا ضروری ہے اور مفہوم عقلی کبھی مفہوم حسی سے زیادہ واضح نہین ہوتا اور عشق (بوجہ اسکے کہ امر وجدانی ہے اور وجدان اقسام حس باطنی سے ہے) منجملہ محسوسات ہے اور اوسکی تعریف و شرح جو کیجاتی ہے وہ امر عقلی ہے اسلیے وہ شرح اُسکی شناخت کے لیے کافی نہین بلکہ اُسکا جب ادراک ہوگا بلا واسطہ ہوگا جسکو یون کہا جاسکتا ہے کہ خود وہ اپنے ادراک کا واسطہ ہوگا جس طرح آفتاب کہ محسوس بحس ظاہری ہے اگر اُسکی تعریف کیجاوے تو وہ بوجہ مفہوم عقلی ہونے کے اُسکی معرفت کے لیے ناکافی ہے بلکہ وہ جب مدرک ہوگا بلا واسطہ ہوگا جسکو مولانا اسطرح تعبیر فرماتے ہین کہ خود آفتاب اپنی ذات کی ادراک کے لیے دلیل یعنی واسطہ اور ذریعہ ہے اگر تمکو اُسکی شناخت کا ذریعہ مطلوب ہو خود اسی کو مشاہدہ کرو اور اس سے اعراض کرکے دوسرے واسطے کو مت تلاش کرو

از وے ار سایہ نشانے میدہد ۔ شمس ہر دم نور جانے میدہد

وے کا مرجع وہی آفتاب مذکور۔ اور شمس سے مراد ذات حق مجازًا و تشبیہًا کما فی آیۃ النور مثل نورہ کمشکوۃ الخ اس سے اوپر کو رہو اتھا کہ عشق بلا واسطہ مدرک ہونے مین مثل آفتاب کے ہے اس سے شمس حقیقی (ذات حق) کیطرف ذہن منتقل ہو گیا (مولانا کے کلام مین اس طرح کے انتقالات بکثرت ہین) اور اس ظاہری آفتاب اور اُس حقیقی آفتاب مین فرق بیان کرنے لگے کہ ہرچند کہ یہ آفتاب ظاہری اس صفت کے ساتھ ضرور موصوف ہے کہ اُسکے ادراک کا کوئی واسطہ نہین خود بذاتہ مدرک ہوتا ہے جیسا کہ اوپر بیان ہوا مگر بقابلہ

آفتاب حقیقی کے وہ آفتاب ظاہری اس صفتِ مذکورہ مین پھر ناقص ہے اور آفتاب حقیقی اس صفت مین کامل ہے اسکی تقریر یون فرماتے ہین کہ اس آفتاب ظاہری کی معرفت مین تو کسیقدر سایہ کو بھی دخل ہے کیونکہ دونون باہم ضدین اور ایک ضد دوسرے کی ضد کی معرفت کا ذریعہ ہنجاتی ہے جیسا مشہور ہے الاشیاءُ تُعرفُ بِاضدادِھَا اور ظاہر بھی ہے کہ اگر گرمی نہوتی سردی کی کیفیت مفہوم نہ ہوتی اسی طرح اسکا عکس ہے اسی طرح آفتاب اور سایہ کہ دھوپ سے سایہ کی کیفیت سمجھ مین آتی ہے اور سایہ سے دھوپ کی۔ تو سایہ کو آفتاب یعنی دھوپ کی معرفت مین من وجہ دخل ہوا اسلیے آفتاب اس صفت مذکورہ یعنی بذاتہ وبلا واسطہ مدرک ہونے مین ناتمام ہوا بخلاف آفتاب حقیقی کے کہ وہ اس صفت مین کامل ہے اور اسکی وجہ بھی ساتھ ساتھ ارشاد فرمادی کہ وہ ہر وقت نور جان عطا فرماتا ہے یعنے ہر وقت ارواح عارفین مین اس سے نور پاشی ہوتی ہے خلاصہ اس وجہ کا یہ ہوا کہ آفتاب ظاہری تو چونکہ کبھی غائب بھی ہوجاتا ہے اور اس سے سایہ پیدا ہوتا ہے اور وہ اسکا ضد ہے اور ایک ضد دوسری ضد کی معرف ہوتی ہے اسوجہ سے وہ صفت مدرک بذاتہ ہونے کی اسمین ناقص ہے اور یہ شمس حقیقی چونکہ کسی وقت غائب نہین ہوتا ہر وقت وہ عطا فرماتا ہے اس لیے اسکی ضد نہین پائی جاتی کہ وہ اسکی معرف ہوتی ہے اسلیے وہ صفت مذکورہ مین کامل تام ہے اور یہ ظہور تام ہرچند کہ ہر وقت ہے مگر اسکا ادراک ہر شخص کو میسر نہین یہ خاص عارفین کا حصہ ہے کہ انکو نور معرفت میسر ہوتا ہے جسکو مولانا نور جان فرماتے ہین اور اسکو ہردم کہنا (جیسا مصرعۂ ثانی مین ہے) باعتبار ادھر کے نزول فیضان کے ہے ادھر سے خواہ ادراک ہو یا نہ ہو۔ اور اسی نور معرفت سے وہ حضرات ذوقا و وجدانا ذات پاک کا مشاہدہ کرتے ہین جسمین کسی ممکن و مصنوع سے استدلال کرنے کو دخل نہین ہوتا یہی معنی ہین عرفت ربی بربی کے اور اسی ادراک وجدانی بلا تردد کو مشاہدہ کہتے ہین اسمین دیکھنا وغیرہ کچھ نہین ہوتا اس تقریر سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حق جل وعلا شانہ کبھی غائب و مخفی نہین ہوتے اسلیے کوئی چیز انکی برابر ظاہر و منکشف نہین اور یہی غایت ظہور انکے خفا کا سبب بنگیا کیونکہ انکی ضد نہین پائی جاتی جس سے ادراک آسان ہوتا۔

سایہ خواب آرد ترا ہمچون سمر	چون برآید شمس انشق القمر

اسمین بھی آفتاب ظاہری اور شمس حقیقی کے آثار کے تفاوت کا بیان ہے اور تاکید و تائید ہے بالائی سایہ سے مراد یہی سایہ ہے جو ضد ہے دھوپ کی کہ اثر ہے آفتاب ظاہری کا اور شمس سے مراد شمس حقیقی (ذات حق) کا نور ہے جو قلوب عارفین پر متجلی ہوتا ہے سمر افسانہ و قصہ گوئی جو امرا کا معمول ہے کہ سوتے وقت اسکے سننے مین مشغول ہوتے ہین جس سے نیند آجا دے۔ قمر سے مراد ہستی ممکن وجہ مناسبت کی یہ ہے کہ جیسا قمر ظاہری شمس ظاہری سے نور حاصل کرتا ہے چنانچہ مسلم و مشہور ہے نور القمر مستفاد من نور الشمس اسیطرح ہستی ممکن شمس حقیقی سے وجود مین مستفیض ہے چنانچہ ظاہر و داخل عقائد ہے کہ اگر اللہ تعالے وجود ممکن کی عطا اور بقا نہ فرماوین اسکا ہونا اور رہنا دونون محال ہین پس حاصل شعر کا یہ ہوا کہ آفتاب ظاہری اور شمس حقیقی کب برابر ہوسکتا ہے آفتاب ظاہری تو غائب ہوجاتا ہے جس کے بعد سایہ رہ جاتا ہے جس سے نیند اور غفلت پیدا ہوتی ہے جس طرح افسانہ سے

نیند آتی ہے۔ غیبت آفتاب سے جو ظلمت ہوتی ہے اس سے نیند کا آنا مسئلۂ طبی او رمشاہدۂ عامّہ ہے غرض آفتاب ظاہری تو ایسا ہے کہ غائب بھی ہوتا ہے اور اسوقت نیند او رغفلت کا غلبہ ہوتا ہے اور شمس حقیقی کبھی غائب نہین ہوتا بلکہ ہروقت نور افشان رہتا ہے اور اُسکے ظہور سے وجود ممکن واقع مین ہر وقت مستہلک و مضمحل رہتا ہے جیسا دیباچہ مین تحقیق وحدۃ الوجود کی گذر چکی لیکن اس ظہور کی اطلاع جب تک نہین ہوتی اسوقت تک وجود ممکنات کا اضمحلال و استہلاک بھی معلوم نہین ہوتا اور جب نور عرفان سے اسکا ادراک و انکشاف ہوجاتا ہے تو اسوقت وجود ممکن کا (جسکو قمر کہا ہے) بے نور و نابود ہونا منکشف اور معلوم ہوتا ہے جیسا تحقیق مسئلہ توحید وفنا مین بیان ہوچکا اسی کو انشقاق سے تعبیر کیا ہے جسکے معنے زمین پھٹ جانا اور پارہ پارہ ہوجانا ظاہر ہے کہ جو نور قمر کی ہیئت اجتماعیہ مین ہے وہ اسکے ٹکڑون مین اگر وہ الگ ہوجاوے ہرگز نہین ہوسکتا اسلیے وہ کنایہ ہوگیا ہے بے نور ہونے سے جسکا حاصل ہے وجود ممکنات کے ضعیف و ہیچ ہونے کا علم ہوجاتا چونکہ یہ انکشاف قلب پر گاہ گاہ ہوتا ہے گاہ نہین ہوتا جیسا اوپر کے شعر کی شرح مین بیان ہوا اسی سے یہان بر آید بر جون کا لفظ لایا

خود غریبی در جہان چون شمس نیست		شمس جان باقی ست کورا امس نیست	

غریب مسافر۔ شمس سے مراد مصرعۂ اولی مین آفتاب ظاہری اور شمس جان سے مراد مصرعۂ ثانی مین ذات حق امس روز گذشتہ۔ اسمین بھی اسی مضمون بالا کا اعادہ ہے کہ یہ آفتاب تو ہروقت حرکت مین رہتا ہے کبھی طلوع ہوتا ہے کبھی غروب اور ذات حق کا ہروقت ظہور رہتا ہے کبھی اُسکو غیبت و زوال نہین۔ امس نہونا کنایہ ہے غائب نہونے سے کیونکہ اس کا وجود آفتاب کے غروب ہونے سے ہوتا ہے۔

شمس در خارج اگرچہ ہست فرد لیک آن شمسی کہ شد بندش اثیر		میتوان ہم مثل او تصویر کرد نبودش در ذہن و در خارج نظیر	

شمس سے مراد شعر اول مین آفتاب ظاہری اور دوسرے شعر مین ذات حق۔ اثیر۔ کرۂ ناری یا آفتاب بند مسخر و مقہور۔ یہ بھی تائید ہے اوپر کے مضمون کی۔ یعنے جیسا آفتاب ظاہری اور ذات حق مین باعتبار مدرک بالذات اور بالواسطہ ہونے او رظہور تام و ناقص کے تفاوت ہے اسی طرح یہ بھی تفاوت ہے کہ آفتاب ظاہری کو خارج مین فرد واحد ہے مگر ذہن مین اُسکے مثل دوسرے آفتاب کا تصور ہوسکتا ہے یعنے دوسرے آفتاب کا خیال اور فرض کرنا ممکن ہے بلکہ ہم لاکھون آفتاب کا ذہن مین نقشہ بنا سکتے ہین بخلاف شمس حقیقی (ذات حق کے (جسکا مسخر یہ آفتاب ظاہری بھی ہے یا یون کہیے کہ باوجودیکہ کرۂ ناری مین مادہ اطاعت نہین مگر یہ بھی اسکا مسخر ہے) کہ جیسا اُسکا نظیر خارج مین نہین ذہن مین بھی نہین ہے اور نہ ہوسکتا ہے۔

در تصور ذات او را گنج کو		تا در آید در تصور مثل او	

اس شعر مین اوپر کے مضمون کی وجہ ہے یعنے اُسکا نظیر ذہن مین اسلیے نہین آسکتا کہ خود اُسکی ذات تصور مین آنے کی گنجائش نہین رکھتی کسی شئے کا مثل ذہن مین جب تجویز ہوتا ممکن ہے کہ اول خود اس

کا تصور ذہن میں آجاوے اور ذاتِ حق سبحانہ وتعالےٰ کا خود تصور میں آنا جب محال ہے تو اُسکے مثل کا تصور کرنا ذہن کی کہاں مجال ہے اور یہ مسئلہ فلسفہ میں ثابت ہو چکا ہے کہ حقیقت وذات باری تعالیٰ کا تصور ذہن میں محال ہے

شمس تبریزی کہ نورِ مطلق ست		آفتاب ست وز انوارِ حق ست	

اوپر دو شمس کا بیان تھا ایک شمس حقیقی کامل (ذاتِ حق) دوسرا شمس ظاہری ناقص (قرص آفتاب) بمناسبت لفظ شمس کے ایک تیسرے شمس (شمس الدین) تبریزی (پیر طریقت مولانا) کی طرف ذہن منتقل ہو گیا جو شمس کامل کی نسبت تو ناقص اور شمس ناقص کے اعتبار سے کامل ہیں یہ معنوی مناسبت ہے اور لفظی مناسبت ظاہر ہے کہ شمس الدین انکا نام ہے۔ اس شعر میں اُنکی مدح ہے کہ شمس تبریزی بھی جو کہ نور مطلق یعنی نور کامل ہیں بمقابلہ آفتاب ظاہری کے (ایک قسم کے آفتاب ہیں اور منجملہ انوار حق کے (جنکو حق تعالےٰ نے تنویر وہدایت کے لیے پیدا کیا ہے) ایک نور ہیں۔ اشارہ ہے اسطرف کہ طالبوں کو ایسے کاملین سے استفادہ انوار کرنا چاہیے

چون حدیث روی شمس الدین رسید		شمس چارم آسمان سر در کشید	

سر در کشیدن غروب ہونا۔ اس میں تفضیل وترجیح ہے حضرت شمس تبریزی کی اس ظاہری آفتاب پر یعنے جب انکا ذکر آیا تو خجالت کے مارے یہ آفتاب فلکی پوشیدہ ہو گیا گویا زبان حال سے یوں کہنے لگا کہ میں انکے روبرو کیا مرتبہ رکھتا ہوں میں تو صرف اجسام کو منور کرتا ہوں اور یہ قلوب اور ارواح کو منور فرماتے ہیں شمس کو چارم آسمان پر بنا بر علی المشہور کہدیا ورنہ اس دعوے کی کوئی دلیل حکما کے پاس نہیں نہ کسی دلیل شرعی سے اسکی تائید ہوتی ہے بلکہ ظاہر آیات سے ایسا مفہوم ہوتا ہے کہ آفتاب اور سب ستارے آسمان اول پر ہیں واللہ اعلم۔

واجب آمد چونکہ آمد نام او		شرح کردن رمزے از انعام او	

رمزے بمعنی اندکے یعنی جب اُن کا ذکر کلام میں آگیا تو اُنکے بعض احسانات کا بیان کرنا ضروری ہے احسان سے مراد یہی ہے کہ اُنھوں نے تربیت باطنی فرمائی اور اسرار عشق وتوحید سے سرفراز فرمایا۔

این نفس جان دامنم بر تافتہ است		بوے پیراہان یوسف یافتہ است	

نفس بفتح فا دم وساعت۔ دامن بر تافتن۔ دامن پکڑ لینا بوی پیراہان یوسف یافتن کنایہ ہے مشتاق ہونے سے کیونکہ یعقوب علیہ السلام اُسکی خوشبو سونگھ کر مشتاق وصال جمال یوسفی ہو گئے تھے مطلب یہ ہوا کہ اسوقت میری جان نے میرا دامن پکڑ رکھا ہے اور تقاضا کر رہی ہے اور مشتاق ہو رہی ہے کہ اپنے مرشد کے انعام کا کچھ ذکر کرو۔ مراد اس انعام سے راز وحدۃ الوجود ہے کہ مرشد نے تعلیم فرمایا ہے۔ تفصیل اُس راز کی دیباچہ میں مذکور ہو چکی ہے۔

کز براے حق صحبت سالہا		باز گو رمزے از ان خوش حالہا	

یہ بیان ہے تقاضا کا مطلب ظاہر ہے کہ سالہا سال کی محبت کا مقتضا یہ ہے کہ ان حالات

مین ہے جوکہ صحبت مرشد سے نصیب ہونے مین کچھ بیان کرنا چاہیے۔

تا زمین و آسمان خندان شود ‏ ‏ عقل و روح و دیدہ صد چندان شود

زمین و آسمان کنایہ ہے عالم سے خندان رونق دار مطلب یہ کہ اس راز توحید کے بیان کرنے سے عالم مین رونق ہو جائے گی کیونکہ اس سے توجہ لِلّٰہ پیدا ہو جاتی ہے اور توجہ الی اللہ روح ہے آبادی عالم کی اور خود بیان کرنیوالے کے باطن مین بھی اس سے ترقی ہوگی کیونکہ بعض اوقات کسی مضمون کے بیان کرنے سے قلب مین اُسکی کیفیت تازہ اور قوی ہو جاتی ہے خلاصہ یہ کہ اُسکے بیان سے آفاقی و انفسی ترقی متصور ہے۔

گفتم ای دور اوفتادہ از حبیب ‏ ‏ ہمچو بیمارے کہ دور ست از طبیب

لا تکلفنی فانی فی الفنا ‏ ‏ کلت افہامی فلا احصی ثنا

حبیب یعنی محبوب مراد مرشد ممدوح۔ یعنی مین نے اپنی جان کو جواب دیا کہ تو مرشد سے اسطرح دور پڑی جیسے کوئی بیمار طبیب سے دور ہو مقصود اپنی دوری بیان کرنا ہی کیونکہ ہر شخص کی جان وہی شخص خود ہوتا ہے گویا اسمین عذر ہے کہ مین خود ہی درد فراق مین مبتلا ہون کیا بیان کرون عربی شعر کے معنے یہ ہین کہ مت تکلیف دو مجھکو کیونکہ مین (بیخودی) مین ہون۔ کند ہو گئی ہے میری فہم (بوجہ پریشانی فراق کے) پس نہین احاطہ کر سکتا ہون ثنا کو (مرشد کی)

کل شیء قالہ غیر المفیق ‏ ‏ ان تکلف او تصلف لا یلیق

اسکا ترجمہ یہ ہے کہ جو مضمون بیان کرے غیر افاقہ والا یعنے جسکے پورے طور سے ہوش درست نہون) اگر تکلف کرے یا لاف زنی کرے (یعنی اپنی طبیعت پر زور ڈالکر کچھ کہے یہ تکلف ہے یا محض اپنے کمال کو ظاہر کرنے کے لیے کچھ کہے یہ تصلف ہے) تو وہ مضمون لائق اور مناسب نہ ہوگا (یعنی جب طبیعت متوجہ نہو تو مضمون بنتا نہین اسلیے مجھکو معذور رکھنا چاہیے۔

ہرچہ میگوید مناسب چون نبود ‏ ‏ چون تکلف نیک نالائق نمود

نیک بسیار و بالکل۔ نالائق نامناسب مطلب یہ کہ غیر افاقہ والا جو کچھ کہتا ہے چونکہ وہ موقع و وقت کے مناسب نہین ہوتا یعنی ان تکلف آمیز کیطرح بالکل ہی نامناسب ہوتا ہے انہین بھی وہی اوپر والا عذر ہے۔

من چہ گویم یک رگم ہشیار نیست ‏ ‏ شرح آن یاری کہ او را یار نیست

شرح آن یاری گویم کا مفعول بہ ہے یار اول سے مراد حضرت حق۔ یار ثانی کے معنی شریک و نظیر۔ مطلب یہ کہ میری ایک رگ بھی اپنے ہوش مین نہین مین اپسے محبوب کی کیا شرح کرون جسکا کوئی شریک نہین کیونکہ اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ انعام مرشد سے مراد راز وحدۃ الوجود ہے اور ظاہر ہے کہ اسمین کمال الٰہی کا بیان ہے اسلیے اس راز کو اس شعر مین شرح آن یاری الخ سے تعبیر کیا ہے۔

شرح این ہجران و این خون جگر ‏ ‏ این زمان بگذار تا وقت دگر

ہجران اور خون جگر سے مراد بھی وہی راز وحدۃ الوجود ہے مناسبت انمین یہ ہی کہ وحدۃ الوجود کے غلبہ آنے سے عشق آلہی پیدا ہوتا ہی اور عشق کے خون جگر ہونے مین کیا شبہ ہی اور عشق مین کسی مقام پر پہونچکر صبر نہین ہوتا ہر وقت طالب ترقی رہتا ہی اور مقام مطلوب کے اعتبار سے اپنے کو مبتلائے ہجران سمجھتا ہی اسلیے اُس راز کو ہجران وخون سے تعبیر کرنا صحیح ہوا مطلب یہ کہ اُس راز کے بیان کو اسوقت رہنے دو پھر کبھی دیکھا جاوے گا

قَالَ أَطْعِمْنِي فَإِنِّي جَائِعٌ وَاعْجَلْ فَالْوَقْتُ سَيْفٌ قَاطِعٌ

ترجمہ یہ ہے کہ کہا جان نے غذا دے مجھکو (یعنی اُس راز کو بیان کردے کہ روحانی لذت ملیگی) اس لیے کہ مین بھوکی ہون اور جلدی کر کیونکہ وقت شمشیر قاطع ہو (یعنی مثل شمشیر کے پہلے وقت کو قطع اور معدوم کر دیتا ہی) اسلیے وقت کو غنیمت سمجھو اور اسکا حق کہ بیان اسرار ہو جسکا ہوقت تقاضا ہی بیان کرو

باشد ابن الوقت صوفی ای رفیق نیست فردا گفتن از شرط طریق

ابن الوقت ایک اصطلاحی لفظ ہی دو معنی پر اسکا اطلاق آتا ہی ایک وہ سالک جو مغلوب الحال ہو یعنی جو حالت اُسپر وارد ہو اُسکے آثار مین مغلوب ہو جاوے اسکے مقابل ابو الوقت ہی یعنی وہ سالک جو اپنے حال پر غالب ہو یعنی جس کیفیت وحالت کو چاہے اپنے اوپر وارد کرے یعنی جس کیفیت کیطرف توجہ وقصد کرے اُسکے آثار اُسمین پیدا ہو جاوین مثل انس وشوق وغنا ووجد وغیرہ دوسرے معنی ابن الوقت کے اور یہی جامع دونون مذکورہ معنونکو عام اور شامل ہین یعنی وہ سالک جو واردات مقتضائے وقت کا حق ادا کرے خواہ وہ واردات اُسپر غالب ہون یا یہ اُنپر غالب ہو اس شعر مین یہی معنی ثانی مراد ہین کیونکہ مطلقا صوفی کو ابن الوقت کہا گیا ہی ۔ و نیز شعر آیندہ مین ابن الوقت نہونے سے صوفیت کی نفی کی گئی ہی حالانکہ ابن الوقت بالمعنی الاول نہ ہونے سے صوفیت کی نفی لازم نہین آتی حاصل یہ کہ یہ بھی مقولہ جان کا ہی جو متقاضی اظہار اسرار ہی وہ کہتی ہی کہ تم صوفی ہو تو حق وقت کو ادا کرنا چاہیے اور دوسرے وقت کا وعدہ طریقت کے خلاف ہی

صوفی ابن الحال باشد در مثال گرچہ ہر دو فارغ اند از ماہ وسال

حال و وقت دونون متقارب المعنی ہین ۔ اوپر صوفی کو جو ابن الوقت کہا ہی اس سے شبہہ پڑتا ہی کہ شاید وقت کے معنے لغوی ہون اس شبہہ کو دفع کرتے ہین کہ صوفی کو ابن الوقت یا ابن الحال کہنا بطور مثال کے یعنی بطور مجاز کے ہی ورنہ صوفی اور وقت دونون ماہ وسال یعنی زمانہ سے فارغ ہین یعنی حال ووقت کے وہ معنی نہین جو زمانہ کا حصہ ہی بلکہ معنی اصطلاحی مراد ہین جسمین زمانہ سے کچھ تعلق نہین کہ وہ حالات وواردات قلبی ہین

تو مگر خود مرد صوفی نیستی نقد را از نسیہ خیزد نیستی

یہ بھی مقولہ جان کا ہی ملامت کے طور پر کہتی ہے کہ تم جو ٹال رہے ہو شاید صوفی نہین ہو ۔ دوسرے مصرعہ کا حاصل یہ ہی کہ نسیہ یعنی دوسرے وقت پر حوالہ کرنے سے موجودہ حالت کو نیستی زوال ہو جاتا ہے

گفتمش پوشیدہ خوشتر سرّ یار — خود تو در ضمنِ حکایت گوش دار

خلاصۂ جواب یہ ہی کہ ہرچند کہ رعایتِ وقت ضروری ہی مگر اُس سے زیادہ رعایت حکمت ضروری ہی اور مقتضائے حکمت یہ ہی کہ ایسے راز کو پوشیدہ رکھنا چاہیے یہاں اِس حکمت کو مجمل رکھا آیندہ شعر گفتم ار عریان الخ مین اُسکا مفصل بیان ہوگا اور مصرعۂ ثانی کا حاصل یہ ہی کہ مین نے بالکل اُسکو قلم انداز بھی نہین کیا اشارۃً حکایات و مثال مین ذکر بھی کردیا ہی پس حکایت سے مراد مطلق تمثیل و حکایت ہی چنانچہ مولانا کے کلام مین اشارۃً بہت جگہ یہ راز مذکور ہی دیباچے کے ایک شعر کی شرح مین ہم نے اُسکی عام فہم تفسیر بھی کردی ہی

خوشتر آن باشد کہ سرّ دلبران — گفتہ آید در حدیث دیگران

یعنے ایسے راز کا دوسرے حکایات و تمثیلات مین بیان ہونا مناسب ہے۔

گفت مکشوف و برہنہ بے غلول — بازگو دفعم مدہ ای بو الفضول

غلول خیانت مراد اخفا کیونکہ خیانت بھی خفیہ ہوتی ہی دفع ٹالنا مطلب ظاہر ہے کہ جان نے کہا کہ صاف صاف کہہ ڈال اشارے سے سیری نہین ہوتی اور ٹالم ٹولا مت کر

بازگو اسرار و رمز مرسلین — آشکارا بہ کہ پنہان سرِّ دین

اسرار مرسلین سے مراد وہی راز وحدۃ الوجود کا کیونکہ قرآن مجید سے ثابت ہی کہ تمام رسل نے لا الٰہ الا اللہ کی تعلیم کی ہی اور اِسکے معنے ہین لامعبود الا اللہ اور دلائل نقلیہ و عقلیہ سے ثابت ہی کہ جو ذات جمیع کمالات مین متفرد ہو معبود ہونا اُسی کا حق ہی تو انفراد فی الکمالات کے لیے معبود ہونا لازم ہی اور لازم کی نفی سے ملزوم کی نفی لازم ہی تو غیر اللہ سے استحقاق عبادت کی نفی سے کہ مدلول لا الٰہ الا اللہ کا ہے نفی انفراد فی الکمالات کی کہ مدلول وحدۃ الوجود کا ہی لازم ہوئی تو وحدۃ الوجود لا الٰہ الا اللہ کا مدلول التزامی ٹھہرا اور ملزوم کی تعلیم مین اشارۃً لازم کی تعلیم بھی ہوگئی لانّ الشئے اذا ثبت ثبت بلوازمہ اِس اعتبار سے اِسکو اسرارِ مرسلین سے کہدیا اور چونکہ لا الٰہ الا اللہ کا دلیل مطابقی نہین اسلیے رمز و اسرار کہا مصرعۂ ثانی مین دکہ بمعنی از اور آشکارا خبر مقدم سرّ دین مبتدا مؤخر یعنی سرّ دین آشکارا بہ از پنہان شدن یہ علت ہے حکم سابق کی یعنے دین کی بات جو انبیا نے تبلائی ہی اُسکا ظاہر کرنا چھپانے سے اچھا ہے

پردہ بردار و برہنہ گو کہ من — می نہ خسپم با صنم با پیرہن

پیرہن حجاب ہوتا ہے اگر کوئی کرتہ پہنکر صنم کے ساتھ سوئے تو درمیان مین ایک حجاب رہتا ہی کنایہ جس سے ہی کہ مین حکایات و تمثیلات کا پردہ نہین پسند کرتی صاف کہدو۔

گفتم ار عریان شود او در عیان — نے تو مانی نے کنارت نے میان

عریان ہونا اُس راز کا ظاہر ہوجانا یعنی اُسکے ظہور سے سب جہان ویران ہوجاوے جسکی تقریر دیباچے کے شعر مین گذر چکی ہے سے رہنا نست اندر زیرو بم الخ۔

آرزو می خواه لیک اندازه خواه	بر نتابد کوه را یک برگ کاه
تا نه گردد خون دل جان جهان	لب بہ بند و دیده بر دوز این زمان

برنتابد یعنے نہ بردارد۔ (برداشت نہ کر سکے) خون شدن۔ ہلاک ہونا۔ لب بہ بند کنایہ خاموشی سے ہے مطلب ظاہر ہے کہ اپنے حوصلے سے زیادہ فرمائش مت کر کہیں عالم کی جان یعنی ہستی برباد نہ ہو جاوے خاموش ہو جا

آفتابی کز وی این عالم فروخت	اندکے گر پیش تابد جملہ سوخت
فتنہ و آشوب و خونریزی مجو	بیش ازین از شمس تبریزی مگو

اس تمثیل میں دلیل ہے وجوب سکوت کی یعنی یہ ظاہری آفتاب تھوڑا اور نزدیک آ جاوے تو تمام عالم جل جاوے جب عالم کو اس ظاہری آفتاب کے انوار کی تاب نہیں تو آفتاب معنوی یعنی شمس تبریزی کے انوار بیان (از وحدۃ الوجود) کی کب تاب ہوگی اس لیے اظہار کا تقاضا مت کرو کہ یہ فتنہ و آشوب ہے۔

ف مولانا پر اس مقام میں دو کیفیتیں علی سبیل التعاقب و التوارد طاری ہیں سکر و صحو۔ سکر سے جوش اظہار اسرار ہوتا ہے اور صحو سے اُسکے مفاسد پر نظر کر کے اُس جوش کو سکون ہوتا ہے انہی دونوں کیفیتوں کے اعتبار سے خود اپنے کو سائل و مجیب قرار دے رکھا ہے ایک کیفیت کے اعتبار سے سوال کرتے ہیں۔ دوسری کے اعتبار سے جواب دیتے ہیں اس طرح متضاد کیفیتوں کا جلدی جلدی تعاقب آنا بہ کثرت سالکین کو پیش آتا ہے

این ندارد آخر از آغاز گو	رو تمام این حکایت باز گو

این کا اشارہ مضمون بالا کی طرف ہے آخر کا مفعول ہے ندارد کا۔ از آغاز متعلق ہے گو کا مطلب ظاہر ہے کہ اس مضمون کا تو کہیں پایان نہیں پہلا مضمون کہ کر حکایت تمام کرو

خلوت طلبیدن آن ولی از بادشاه با آن کنیزک جهت دریافتن مرض و رنج آن کنیزک

چون حکیم از این حدیث آگاه شد	در درون ہم داستان شاه شد
گفت ای شہ خلوتی کن خانہ را	دور کن ہم خویش و ہم بیگانہ را
کس ندارد گوش در دہلیزہا	تا بہ پرسم زین کنیزک چیزہا

خلوتی منسوب بہ خلوت یعنی جب وہ حکیم کامل اس قصہ سے آگاہ ہوئے اور اپنے باطن سے بادشاہ کے ہمداستان اور اُسکے احوال و اسرار پر مطلع ہوئے تو فرمایا کہ اس گھر کو خلوتی یعنی خالی کر دو اور سب یگانہ و بیگانہ کو علحدہ کر دو اور ایسا انتظام کرو کہ کوئی شخص دہلیز میں بھی کان نہ لگانے پاوے تاکہ میں کچھ ضروری باتیں اس کنیزک سے دریافت کروں

خانہ خالی کرد شاه و شد برون	تا بخواند بر کنیزک او فسون
خانہ خالی ماند و یک دیّار نے	جز طبیب و جز ہمان بیمار نے

فسون منتر۔ مراد یہاں شفقت آمیز باتیں حکیم کی کہ دلجوئی میں مثل سحر کے مؤثر تھیں دیّار صاحب دار یعنی گھر والا مطلب یہ ہوا کہ بادشاہ نے گھر خالی کر دیا اور خود بھی باہر چلا گیا تاکہ وہ حکیم اُس سے کچھ شفقت آمیز باتیں کرے

اور گھر بالکل خالی کر دیا ایک گھر والا بھی اسمین نرہا بجز طبیب و اُس بیمار کے کوئی نرہا۔

ف اگر شبہہ ہو کہ نامحرم کے پاس خلوت مین بیٹھنا اُس طبیب نے کہ عارف کامل بھی تھے کیسے گوارا کیا۔ جواب یہ ہی کہ اول تو یہ قصہ اُمم سابقہ کا ہی ممکن ہی کہ اُس شریعت مین ایسے موقع پر ایسی خلوت جائز ہو۔ دوسرے وہ طبیب بہت بوڑھے تھے غیر اولی الاربہ ہماری شریعت مین بھی بعض احکام مین مثل محرم کے ہی۔ تیسرے یہ کہ ضرورت معالجہ کیلیے بعض امور جو فی نفسہ ناجائز ہین مثل بدن دکھلانا وغیرہ جائز کر دیے جاتے ہین ورنہ بلا عذر شرعی نامحرم مرد و عورت کا تنہائی مین بیٹھنا حرام ہی

مسئلہ عورت سے خلوت با نامحرم

نرم نرمک گفت شہر تو کجاست　　که علاج و رنج ہر شہرے جداست
واندران شہر از قرابت کیستت　　خویشی و پیوستگی با چیستت
دست بر نبضش نہاد و یک بیک　　باز مے پرسید از جور فلک

رنج بیماری کیستت مین رت (قرابت کا مضاف الیہ ہی) چیستت مین رت (یعنی ترا) یک بیک تاکید مقدم جور فلک کی جور فلک سے مراد مصیبت باعتبار شاعرانہ محاورہ کے نہ باعتبار معنی حقیقی کے کیونکہ ایسے اعتقاد رکھنے سے حدیث مین ممانعت آئی ہی مطلب یہ کہ طبیب نے آہستہ آہستہ دریافت کیا کہ تیرا شہر کہان ہی کیونکہ ہر شہر کا علاج اور بیماری علحدہ ہی بوجہ اختلاف طبائع کے۔ اور اُس شہر مین تیرے اہل قرابت مین سے کون کون ہی اور قرابت اور تعلق کس کس سے ہی اور ہاتھ اُس کی نبض پر رکھا تھا اور ایک ایک واقعہ اور مصیبت کا حال پوچھتے تھے

چون کسے را خار در پایش خلد　　پاے خود را بر سر زانو نہد
وز سر سوزن ہمی جوید سرش　　ور نیابد مے کند از لب ترش
خار در پا شد چنین دشوار یاب　　خار در دل چون بود واده جواب

ان اشعار مین وجہ بیان فرماتے ہین اُس اہتمام کی جو طبیب موصوف نے کنیزک کے تحقیق حالات مین فرمایا خلاصہ یہ کہ دیکھو جب کسی کے پانؤن مین کانٹا چبھ جاتا ہی تو اُسکا کسقدر اہتمام کرتا ہی کہ اپنے پانؤنکو اُٹھا کر زانو پر رکھتا ہی تاکہ کانٹے کو نزدیک سے دیکھ سکے اور سوزن کی نوک سے اُسکا سرا تلاش کرتا ہی اور اگر اسپر بھی نہین ملتا تو لب لگا کر اُس جگہ کو تر کرتا ہی تو جب ایک ظاہری کانٹا پانؤن مین اسقدر دشواری سے ملتا ہی تو جو خار دل مین لگا ہو اُسکا تو کیا حال ہوگا ذرا جواب تو دو۔

خار دل را گر بدیدے ہر خسے　　دست کے بودے غمان را بر کسے

خس ناقص۔ دست بودن۔ قدرت بودن۔ غمان جمع غم مطلب یہ کہ اگر خار دل ہر ناقص کی سمجھ مین آجاتا تو کسی پر غموم آنے نہ پاتے کیونکہ اُسکے اسباب و تدابیر کو سمجھ کر دفع کر دیتا حاصل یہ کہ یہ کام ناقص کا نہین کامل کا ہے

ف اسمین اشارہ ہے کہ امراض نفسانیہ باطنیہ کے علاج کے لیے شیخ کامل سے رجوع کرنا چاہیے ناقص سے بیعت کرنا لاحاصل بلکہ مضر ہی۔

کس بزیر دُمِ خر خارے نہد — خر نداند دفع آن برمے جہد
برجہد وان خار محکم تر زند — عاقلی باید کہ خارے برکند
خر ز بہر دفع خار از سوز و درد — جفتہ می انداخت صد جا زخم کرد
آن لگدے کے دفع خار او کند — حاذقے باید کہ بر مرکز تنند

برکند بیرون آرد۔ جفتہ لات۔ مرکز جاے سوزیدنِ خار۔ تند گرد چیزے گردد مراد توجہ والتفات کند۔ یہ بھی تمثیل ہے مضمون بالا کی مطلب یہ کہ کوئی شخص اگر گدھے کی دم کے نیچے ایک کانٹا لگا دے وہ گدھا اُسکے دفع کرنیکا طریق تو جانتا نہیں اُچھلتا کودتا ہی اور جون جون اُچھلتا ہی کانٹا اور مضبوط گڑتا جاتا ہی کسی بڑے عاقل کی ضرورت ہی جو اُس کانٹے کو نکالے وہ گدھا دفع خار کی غرض سے بوجہ تکلیف کے دولتی پھینکتا ہی اور جگہ جگہ زخم کرلیتا ہی ان لاتو نکا چلانا اُسکے کانٹے کو کب دفع کرسکتا ہی کوئی بڑا ماہر چاہیے جو خاص موقع خار پر متوجہ ہو جاوے۔

آن حکیم خار چین اُستاد بود — دست مے زد جا بجامے آزمود
زان کنیزک بر طریق داستان — باز می پرسید حال باستان
با حکیم او رازہا میگفت فاش — از مقام خواجگان شہر تاش

باستان گذشتہ۔ خواجہ مالک۔ شہر تاش ہم شہر یعنی باشندگان یک شہر۔ مطلب یہ کہ وہ حکیم خار دل کے نکالنے والے اُستاد تھے نبض کے مختلف مقامات پر ہاتھ بدلتے جاتے تھے اور مرض کا امتحان و تشخیص کر رہے تھے۔ اور اُس کنیزک سے داستان زدن کے طور پر (نہ اہل شہوت کے طرز پر کہ باتین کرنے سے محض نفس کو لذت دنیا مقصود ہو اور باتونکا بہانہ) گذشتہ حالات دریافت کر رہے تھے اور وہ حکیم سے تمام راز صاف صاف کہہ رہی تھی وطن کا حال اور مالکون کا حال کہ کہان کہان بیچی گئی اور ہم وطنونکا حال

سوی قصہ گفتنش میداشت گوش — سوی نبض و جستنش میداشت ہوش
تا کہ نبض از نام کہ گردد جہان — او بود مقصود جانش در جہان

جستن بفتح جیم اُچھلنا۔ نام کہ ین دکہ، بمعنی کدام مضاف الیہ نام کا۔ جہان اول اسم فاعل سماعی از جستن بمعنی حرکت کنندہ۔ مقصود جان معشوق۔ مطلب یہ کہ حکیم صاحب کان تو اُسکی باتون کی طرف لگائے ہوئے تھے۔ اور توجہ نبض و رگ اُسکی حرکت کی طرف تھی تاکہ یہ دیکھیں کہ نبض ہین کس کے نام سے حرکت غریبہ پیدا ہوتی ہی وہی اُسکا معشوق اور محبوب ہوگا جسکے فراق مین گھُل رہی تھی

دوستان شہر خود را بر شمرد — بعد ازان شہر دگر را نام برد
گفت چون بیرون شدی از شہر خویش — در کدامین شہر بودستی تو بیش
نام شہرے برد و زان ہم درگذشت — رنگ روی و نبض او دیگر نگشت
خواجگان و شہرہا را یک بیک — باز گفت از جای و از نان و نمک

شہر شہر و خانہ خانہ قصہ کرد　　　نے رگش جنبید و نے رُخ گشت زرد

دیگر نگشت متغیر نشد۔ یعنی اُسنے اپنے شہر کے جان پہچان والونکو گنوایا اسکے بعد کسی اور شہر کا نام لیا حکیم صاحبنے پوچھا کہ جب تو اپنے شہر سے جدا ہوئی تو تو زیادہ کس شہر مین رہی اُسنے ایک شہر کا نام لیا اور اُسکو چھوڑ کر دوسرے مقام کا ذکر کیا مگر چہرہ کا رنگ اور نبض کچھ متغیر نہین ہوا غرض ایک ایک کرکے سب مالکون کا اور سب شہر ونکا اور سب جگہون کا اور کھانے پینے کا حال کہہ ڈالا شہر شہر گھر گھر کا قصہ بیان کیا مگر نہ نبض نے کوئی نئی حرکت کی اور نہ چہرہ پر زردی چھائی

نبض او بر حال خود بدے گزند　　　تا بہ پرسید از سمرقند چو قند
نبض جست و روی سرخش زرد شد　　　کز سمرقندی زرگر فرد شد
آہ سردے برکشید آن ماہروے　　　آب از چشمش روان شد ہمچو جوے
گفت بازرگانم آنجا آورید　　　خواجۂ زرگر دران شہرم خرید
در بر خود داشت سہ ماہ و فروخت　　　چون بگفت این ز آتش غم برفروخت

چو قند صفت سمرقند کی ہے۔ زرگر صفت سمرقند کی۔ فرد جدا یعنی اور سب مقامات و حالات بیان کرنیکے وقت نبض اُسکی اپنی اصلی حالت پر رہی یہانتک کہ سمرقند کا حال پوچھا جو حلاوت و لذت مین مثل قند کے ہے (اسمین اُس شہر کی مدح کردی بالخصوص کنیزک کیحالت کے اعتبار سے کہ اُس شہر مین اُسکا معشوق تھا تو اُسکے نزدیک تو وہ شہر ضرور مثل قند کے ہوگا) سمرقند کا نام لیتے ہی اُسکی نبض اُچھلنے لگی اور اُسکا چہرہ سُرخ زرد پڑگیا (گویا ریمین سرخی نہ رہی تھی مگر جتنی کچھ تھی وہ بھی اُڑگئی) اور وجہ اس تغیر کی یہ ہوئی کہ وہ زرگر باشندہ سمرقند سے جُدا ہوگئی تھی پس اسنے ایک سرد آہ کھینچی اور پانی ندی کی طرح اُسکی آنکھون سے جاری ہوگیا اور بیان کیا کہ کوئی سوداگر مجھکو وہان لایا تھا اور ایک زرگر نے مجھکو وہان خرید لیا تھا اور تین مہینہ تک اپنی بغل مین یعنی اپنے پاس رکھا اور بیچ ڈالا یہ کہکر آتش غم سے افروختہ ہوگئی

چون ز رنجور آن حکیم این راز یافت　　　اصل آن درد و بلا را باز یافت
گفت کوئی او کدام است و گذر　　　او سر پل گفت و کوئے غاتفر

گذر سڑک۔ غاتفر ایک محلہ ہے سمرقند کا یعنی جب حکیم صاحب نے مریض سے اس راز کو دریافت کرلیا تو اُس مرض کے اصلی سبب کو معلوم کرلیا پوچھا اُسکا کوچہ و محلہ کونسا ہے اور سڑک کونسی ہے اُسنے سڑک سرپل بتلائی اور محلہ غاتفر بتلایا

گفت انگہ آن حکیم با صواب　　　آن کنیزک را کہ رستی از عذاب
چونکہ دانستم کہ رنجت چیست زود　　　در علاجت سحرہا خواہم نمود
شاد باش و فارغ و ایمن کہ من　　　آن کنم با تو کہ باران با چمن
من غم تو می خورم تو غم مخور　　　بر تو من مشفق ترم از صد پدر

ہان و ہان این راز را باکس مگو	گرچہ از تو شہ کند بس جستجو

یعنے جب حلیم کو اسکا مفصل حال معلوم ہوگیا اُسوقت کنیزک سے کہا کہ اب تجھکو اس عذاب سے نجات ہوگئی (یعنی عنقریب نجات ہوجاویگی) جب مجھکو معلوم ہوگیا کہ تیری بیماری کیا ہے اب بہت جلد تیرے علاج مین ایسی سریع التاثیر تدبیرین کرونگا جیسا کہ جادو سریع الاثر ہوتا ہے غرض تو خوش رہ اور بے فکر اور بے اندیشہ رہ مین تیرے ساتھ ایسا معاملہ کرونگا جیسا بارش چمن کے ساتھ معاملہ کرتی ہے (یعنی پرورش) مین تیری غمخواری کرونگا اب تو مت غم کھا مین تیرے حال پر صدہا باپ سے زیادہ شفقت کرونگا مگر خبردار اِس راز کو کسی سے مت کہنا گو بادشاہ تجھسے کتنا ہی جستجو کرنا چاہے۔

تا توانی پیش کس مکشائے راز	بر کسے این در مکن زنہار باز
چونکہ اسرارت نہان در دل بود	آن مرادت زودتر حاصل بود
گفت پیغمبر کہ ہر کو سر نہفت	زود گردد با مرادِ خویش جفت
دانہ چون اندر زمین پنہان شود	سرِّ او سرسبزی بستان شود
زرّ و نقرہ گر نبودندے نہان	پرورش کے یافتندی زیر کان

ستر مصدر بمعنی پنہان شدن۔ اوپر حلیم کی نصیحت کا ذکر تھا کہ مریضہ کو اظہار راز سے منع کیا اب مولانا اس مناسبت سے ناظرین کتاب کو مشورہ دیتے ہین کہ جہانتک ہوسکے کسی کے روبرو راز مت کھولو (یعنی اپنے دل کی بات کسی سے مت کہو) اور کسی پر یہ دروازہ راز کا کشادہ مت کرو جب تمہارا ما فی الضمیر دل ہی مین رہیگا تو وہ مُراد جلدی حاصل ہوگی چنانچہ پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جسنے اپنے دل کی بات پوشیدہ رکھی وہ اپنی مراد کو جلدی پہونچتا ہے (یہ اشارہ اس حدیث کیطرف ہے استعینوا فی الحوائج بالکتمان) اب محسوسات مین سے اُسکی دو مثالین دیتے ہین کہ دانہ جب زمین مین پوشیدہ ہوجاتا ہے تو اُسکا پوشیدہ ہونا سرسبزی باغ کا سبب بنجاتا ہے اسیطرح زر و نقرہ اگر زمین کے اندر نہوتے تو معدن کے اندر کب نشو و نما پاتے۔ علوم طبعیۃ مین ثابت ہے کہ اجزاء ارضیہ و بخارات ملنے سے چاندی سونا بنتا ہے لیکن یہ سب اجزا زمین سے باہر نکال لیے جاوین تو چاندی سونا نہین بنتا۔ زمین کے اندر رہکر انکی حقیقت بدلتی ہے بعد طیاری نکالا جاتا ہے۔

ف اسمین اشارہ ہے کہ سالک کو لازم ہے کہ اپنے اسرار و مکشوفات و کیفیاتِ باطنی بجز شیخ کے کسی پر ظاہر نہ کرے۔

وعدہ ہا و لطفہائے آن حکیم	کرد آن رنجور را ایمن ز بیم

پھر قصہ کیطرف رجوع فرمایا یعنی حلیم صاحب کے وعدوں اور اُنکے الطاف نے اُس بیمار کو فکر و اندیشے سے بیخوف کر دیا

وعدہ ہا باشد حقیقی دلپذیر	وعدہ ہا باشد مجازی تاسہ گیر
وعدۂ اہل کرم گنج روان	وعدہ نا اہل شد رنج روان
وعدہ ہا باید وفا کردن تمام	ور نخواہی کرد باشی سرد و خام

وعدہ کردن را وفا باشد بجان ۔۔۔ تا بہ بینی در قیامت فیض آن

حقیقی صفت وعدہا علے ہذا القیاس مجازی صفت وعدہا۔ تاسہ بیقراری۔ روان اول بمعنی رائج۔ روان ثانی بمعنی جان یہ مقولہ مولانا کا ہی بمناسبت ذکر وعدۂ حکیم کے مطلب یہ کہ سچے وعدے دلکو لگتے ہین اور مجازی یعنی نادرست وعدے طبیعت مین تردد پیدا کرتے ہین (اشارہ ہی حدیث الصدق طمانینۃ والکذب ریبۃ کیطرف) اہل کرم کا وعدہ خزانۂ رائج یعنی خالص ہی کیونکہ خالص چاندی سونا بازار مین چلتا ہی نا اہل کا وعدہ جان کو مصیبت ہوجاتا ہی وعدہ کو پورے طور سے وفا کرنا چاہیے اور اگر ایسا نکروگے تو تم سرد و خام شمار کیے جاؤگے وعدہ کا جان و دل سے وفا کرنا لائق ہی تاکہ قیامت مین اُسکا نفع دیکھو (جب اُسکا ثواب ملنے لگے گا۔

ف س ہ وعدہا باشد الخ مین اشارہ ہی کہ شیخ کامل کے وعدہ سے طالب کو اطمینان ہوتا ہی خواہ وعدہ تعلیم کا ہو یا بشارت حصول ثمرات کی ہو اور شیخ مزوّر کے وعدہ سے قلب کو سکون نہین ہوتا کیونکہ وہ محض ٹالنا اور دہوکہ دینا ہوتا ہی

دریافتن آن ولی رنج کنیزک را وعرضہ داشتن رنج و مرض کنیزک را پیش بادشاہ

آن حکیم مہربان چون راز یافت ۔۔۔ صورت رنج کنیزک باز یافت

بعد ازان برخاست عزم شاہ کرد ۔۔۔ شاہ را زان شمۂ آگاہ کرد

یعنی اُس حکیم نے جب حقیقت حال معلوم کرلی اور صورت بیماری کی سمجھ لی وہان سے اُٹھکر بادشاہ کے پاس گئے اور کسیقدر احوال سے بادشاہ کو بھی آگاہ کردیا

شاہ گفت اکنون بگو تدبیر چیست ۔۔۔ در چنین غم موجب تاخیر چیست

گفت تدبیر آن بود کان مرد را ۔۔۔ حاضر آریم از پئے این درد را

مرد زرگر را بخوان زان شہر دور ۔۔۔ با زر و خلعت بدہ اُو را غرور

قاصدی بفرست کاخبارش کند ۔۔۔ طالب این فضل و ایثارش کند

تا شود محبوب تو خوشدل بدو ۔۔۔ گردد آسان این ہمہ مشکل بدو

چون بہ بیند سیم و زر آن بے نوا ۔۔۔ بہر زر گردد ز خان و مان جدا

غرور فریب۔ اخبار خبر دادن۔ فضل عطا۔ ایثار ترجیح دادن یکی را بر دیگرے مراد انتخاب یعنی بادشاہ نے کہا کہ اب بتلائیے کیا تدبیر ہو کیونکہ ایسے غم مین تاخیر کا تو کوئی سبب نہین حکیم نے کہا کہ تدبیر یہی ہی کہ اس شخص کو اس بیماری کے دفع کے لیے حاضر کیا جاوے آپ اُس زرگر کو اُس شہر سے بُلائیے اور مال و خلعت سے اُسکو پھسلائیے ایک قاصد بھیجیے کہ اُسکو خبر کرے (کہ بادشاہ بلاتا ہی) اور کہہ سنکر عطیات و انتخاب کا خواہشمند و اُمیدوار کرے (انتخاب یہ کہ بادشاہ نے سب کاریگرون پر تجکو ہی پسند کیا) تاکہ تمھاری محبوبہ کنیزک اُسکے سبب خوشدل ہوجاوے (یعنی اُسکے دیکھنے ملنے سے) اور یہ مشکل اُسکے سبب آسان ہوجاوے (کہ اُسکی بیماری زائل ہوجاوے) جب وہ زرگر مفلس مال و دولت دیکھے گا اُسکے حاصل کرنے کو اپنے خان و مان سے علیحدہ ہوکر چلا آوے گا

زر خرد را والہ و شیدا کند ۔ خاصہ مفلس را کہ خوش رسوا کند
زر اگرچہ عقل می آرد ولیک ۔ مرد عاقل باید او را نیک نیک

یہ مولانا کا مقولہ ہے۔ کہ مال عقل کو سرگشتہ اور شیفتہ کر دیتا ہے اور خصوصًا مفلس کو کہ اسکی تو بڑی گت بناتا ہے (یعنی وہ بہت جلدی حرص مین پھنسکر ذلیل و رسوا ہوتا ہے) اور گو مال و زر عقل کو بھی بڑھاتا ہی مگر ہر شخص کی عقل نہین بڑھتی بلکہ اُسکے لئے بڑے عاقل کی ضرورت ہے۔ (کہ روپیہ کو اچھے موقع پر صرف کرے اور اپنے دین کا معین و خادم اسکو بنا سکے یہ امر بدون علم دین اور ہمت قوی کے میسر نہین ہوتا۔

چونکہ سلطان از حکیم آنرا شنید ۔ پند او را از دل و جان برگزید
گفت فرمان ترا فرمان کنم ۔ ہرچہ گوئی آنچنان کن آن کنم

جب بادشاہ نے حکیم سے یہ مشورہ سُنا تو اُنکی نصیحت کو خوشی سے مان لیا اور عرض کیا کہ آپ ہی کے حکم کو حکم اصلی سمجھونگا اور جو کچھ ارشاد فرمایئے گا کہ یون کرو اُسیطرح کرونگا

فرستادن بادشاہ رسولان را بہ سمرقند بہ آوردن زرگر

پس فرستاد آن طرف یک دو رسول ۔ حاذقان و کافیان و بس عدول
تا سمرقند آمدند آن دو امیر ۔ پیش آن زرگر ز شاہنشہ بشیر
کای لطیف استاد کامل معرفت ۔ فاش اندر شہرہا از تو صفت
نک فلان شہ از برای زرگری ۔ اختیارت کرد زیرا مہتری
اینک این خلعت بگیر و زر و سیم ۔ چون بیائی خاص باشی و ندیم

نک مخفف اینک۔ زیرا بمعنے زیراکہ۔ مطلب یہ کہ بادشاہ نے ایک دو قاصد اُسکے بلانے کو بھیجے جو کہ دانا اور اس کام کے لیے کافی اور معتبر تھے یہانتک کہ وہ دونون اُس زرگر کے پاس بادشاہ کیطرف سے خوشخبری لیکر سمرقند آئے کہ اے زرگر تو جو بہت لطافت سے کام کرتا ہے اور اپنے فن کی معرفت مین کامل استاد ہے اور تمام شہر و نمین تیرے اوصاف کی شہرت ہے اسوقت فلان بادشاہ نے کچھ سونیکا کام بنانے کیلیے تجکو انتخاب و تجویز کیا ہے کیونکہ تو اس کام مین سب کا سردار ہے فی الحال یہ خلعت اور مال و دولت قبول کر جب وہان پہونچیگا تو بادشاہ کا خاص مصاحب اور ندیم ہو جاویگا۔

ف شاہنشاہ کا اطلاق مخلوق پر بروی حدیث ناجائز ہے یا تو مولانا کو وہ حدیث نہین پہونچی۔ یا اُسکو کراہت تنزیہی پر محمول کیا جیسا کہ بعض علما اسطرف گئے ہین اور ضرورت شعری نے اس کراہت کو رفع کر دیا یا یون کہا جاوے کہ علی الاطلاق شاہنشاہ کہنا ناجائز ہو اور خاص مُلک یا سلطنت کی قید سے جائز ہو مثلاً یہ مراد ہو کہ شاہ شاہان دنیا یا فلان اقلیم واللہ اعلم۔

مرد مال و خلعت بسیار دید ۔ غرہ شد از شہر و فرزندان برید
اندر آمد شادمان در راہ مرد ۔ بیخبر کان شاہ قصد جانش کرد
اسپ تازی بر نشست و شاد تاخت ۔ خونبہای خویش را خلعت شناخت

اے شدہ اندر سفر با صد رضا	خود بپاے خویش تا سوء القضا
در خیالش ملک و عز و مہتری	گفت عزرائیل رو آرے بری

غرہ فریفتہ - از شہر متعلق بربید - اسپ تازی براے برا سپ تازی - رو امر بمعنے برو - آرے بمعنی بلے - بری صیغہ خطاب از بردن بحذف مفعول اے بری ملک و عز و مہتری را مطلب یہ کہ اُس شخص نے جو بہت سامان خلعت دیکھا فریفتہ ہوگیا اور زن و فرزند سے جدا ہوکر خوش خوش چلا یہ خبر نہین کہ بادشاہ نے اُسکی جان لینے کا ارادہ کیا ہے غرض خوشی خوشی گھوڑے پر سوار ہوکر چلا جسکو خلعت سمجھا تھا وہ اُسکا خونبہا تھا کہ وہ دیکر اُسکی جان لیجاویگی - اسکے بعد مولانا بطور خطاب کے اُس کو فرماتے ہین کہ سفر مین اپنی خوشی سے اپنے پاؤن سے مرگِ بد کی طرف جارہا ہے اُس کے خیال مین حکومت اور عزت اور سرداری بھری ہوئی تھی اور عزرائیل بزبانِ حال اُس سے فرما رہے تھے کہ چل تو سہی ضرور حکومت و عزت حاصل کریگا یہ بطور استہزا کے ہے -

چون رسید از راہ آن مرد غریب	اندر آوردش بہ پیش شہ طبیب
سوی شاہنشاہ بُردش خوش بناز	تا بسوزد بر سرِ شمع طراز
شاہ دید او را بسی تعظیم کرد	مخزن زر را بدو تسلیم کرد
پس بفرمودش کہ بر ساز د ز زر	از سوار و طوق و خلخال و کمر
ہم ز انواع اوانی بے عدد	کان چنان در بزم شاہنشہ سزد
زر گرفت آن مرد و شد مشغول کار	بے خبر از حالت آن کار زار

غریب مسافر - شمع بمعنی معشوق مجازاً - طراز نام شہر در چین کہ از خوبان خیزند مراد بہ شمع طراز کنیزک - مخزن بمعنے خزانہ - سِوار کنگن - کمر پٹکا - اوانی جمع آنیہ برتن و کار زار موصوف صفت بمعنی خراب مطلب یہ کہ جب راہ قطع کرکے وہ مرد مسافر پہونچا تو حکیم اُسکو بادشاہ کے روبرو لے گئے اور بادشاہ کے پاس اُسکو ناز و انداز سے اسلیے لیگئے کہ اُس کنیزک کے لیے اُسکو فنا کیا جاوے بادشاہ نے اُسکی بہت تعظیم و تکریم کی اور سونے کا خزانہ یعنی بہت سا سونا اُسکے سپرد کردیا اور یہ فرمائش کی کہ سونے کی چیزین بناوے - کنگن - طوق - پازیب - پٹکا - اور طرح طرح کے بیشمار برتن جیسا بزم شاہی کے مناسب حال ہون غرض وہ سونا لے کر مشغول ہوگیا اور اُس حالتِ زار کی خبر نہ تھی کہ میرے لیے کیا تجویز ہوا ہے -

ف کوئی شبہہ نکرے کہ سونے کے برتن کا استعمال تو شرعاً ناجائز ہے کیونکہ جواب ہے کہ اول تو شرائع سابقہ کا حال معلوم نہین دوسرے مولانا نے تمثیلاً ذکر کیا ہے کہ فلان فلان چیزین بنوائی گئین تیسرے کھانا پینا اُن مین حرام ہے اگر محض تزین و تجمل مقصود ہو تو وہ اِس حکم مین داخل نہین چنانچہ در بزم سزد اسکا مؤید ہے

پس حکیمش گفت کای سلطان مہ	آن کنیزک را بدین خواجہ بدہ
تا کنیزک در وصالش خوش شود	آب وصلش دفع آن آتش شود

مہ بمعنی بہتر وسردار یعنی حکیم نے کہا کہ یہ کنیزک (بطور نکاح کے) اس زرگر کو دیدیجیے تاکہ وہ اس کے وصال سے خوش ہو جاوے اور آب وصل سے آتش مفارقت بجھ جاوے۔

جفت کرد آن ہر دو صحبت جوی را	شہ بدو بخشید آن مہ روے را
تا بصحت آمد آن دختر تمام	مدت شش ماہ میراندند کام

جفت کردن نکاح کردن - یعنی بادشاہ نے وہ کنیزک اس زرگر کو دیدی اس طور سے کہ نکاح کر دیا ان دونوں خواہان صحبت کا (کنیزک کا صحبت جو ہونا تو ظاہر ہے اور زرگر کا صحبت جو ہونا اس معنی کے اعتبار سے ہے کہ مرد کو طبعاً عورت کی طرف رغبت ہوتی ہے تو زرگر کا صحبت جو ہونا عام قاعدہ کے موافق ہوا اور کنیزک کا خاص تعلق کیوجہ سے) غرض چھ ماہ تک کامرانی کرتے رہے حتی کہ وہ بالکل تندرست ہوگئی (وصل محبوب سے عاشق کا تندرست ہونا مسئلہ طبی ہے -- اور جفت کردن تفسیر سے اس مقام کے ظاہری اشکالات کہ اگر عاریت تھی تو حرام ہے اگر ہبہ تھا تو اسکے مرنے پر ورثہ کا حق تھا بادشاہ کو کیسے حلال ہوگئی سب دفع ہوگئے کذا فی شرح مرشدی

تا بخورد و پیش دختر میگداخت	بعد از آن از بہر او شربت بساخت
جان دختر در وبال او نماند	چون ز رنجوری جمال او نماند
اندک اندک از دل او سرد شد	چونکہ زشت و ناخوش و رخ زرد شد

یعنی اسکے بعد حکیم نے ایک شربت بنایا اور زرگر نے کھانا شروع کیا آہین کوئی ایسی چیز تھی کہ اس سے گھلنا شروع ہوا جب بیماری مین حسن وجمال باقی نرہا تو کنیزک کی جان اس وبال سے چھٹ گئی جون جون وہ بدشکل اور بدرنگ ہوتا جاتا تھا اسکے دل سے محبت گھٹتی جاتی تھی۔

عشق نبود عاقبت ننگے بود	عشقہاے کز پے رنگے بود

یہ مقولہ مولانا کا ہے اوپر ذکر تھا کہ زرگر کے رنگ وروپ جاتے رہنے سے عشق کنیزک کا جاتا رہا اسی پر قاعدہ کلیہ ارشاد فرماتے ہین کہ جو عشق ومحبت محض رنگ وروپ پر ہوتا ہے وہ واقع مین عشق نہین ہوتا بلکہ محض ننگ ہوتا ہے یعنی جو فوائد عشق کے ہین وہ اس عشق سے حاصل نہین ہوتے بلکہ انجام اسکا حسرت وندامت ہے جب اسکی حقیقت کھلتی ہے اسوقت پچھتاتا ہے کہ مین کس واہیات مین مبتلا تھا - کوئی شبہہ نکرے کہ اوپر اس شعر مین (عاشقی گر زین سر الخ) فرمایا ہے کہ مجاز موصل حقیقت ہو جاتا ہے اور یہان اسکے خلاف فرماتے ہین کیونکہ جواب یہ ہے کہ موصل ہونا اسوقت ہے جب اسمین وہ شرائط ہون جنکو ہمنے اس شعر کی شرح مین مفصل ذکر کیا ہے چنانچہ اس شعر مین یہ قید (ما را) اسکی طرف مشیر ہے یعنی (ما عارفان را کہ رعایت شرائط می کنیم) اور مذموم اور موجب حسرت ہونا جسکا یہان ذکر ہے اسوقت ہے جب وہ شرائط نہ ہون

تا نرفتی بروے آن بد داورے	کاش آن ہم ننگ بودی یکسری

یکسرے یکطرفہ وبریک حالت یعنی کامل ودائم داوری حکومت وسختی مراد عذاب مولانا نے اوپر کے شعر مین عشق مجازی

کی مذمت فرمائی ہے اب فرماتے ہین کہ عشق مجازی خالی از شرائط یون تو علی الاطلاق ہی مذموم ہے مگر اسمین بھی جو خام وناپائدار وسریع الزوال ہووہ اور بھی موجب خسران ہے چنانچہ اس واقعہ مین ہوا کہ کنیزک کا عشق زرگر کے ساتھ خام تھا کہ حُسن وجمال کے گھٹنے سے گھٹنا شروع ہوا اس سے طبیب کو اُمید ہوئی کہ جب یہ بالکل مسلوب الحُسن ہوکر مرجاویگا تو عشق بالکل ہی زائل ہوجاویگا اسیوجہ سے اُسنے ہلاکت کی تدبیر کی گر اسکا عشق کہ واقع مین ننگ تھا مگر کامل و پختہ ہوتا اور روز روزانہ کم نہوتا تو طبیب اُسکی ہلاکت کی کیون تدبیر کرتا بلکہ اُلٹا یہ اندیشہ ہوتا کہ اسکے مرنے سے کنیزک نہ مرجاوے اسلیے زرگر کی جان کی حفاظت زیادہ ہوتی اسکے عشق ناقص نے اُسکو جلدی ہلاک کیا خلاصہ یہ کہ عشق مجازی مطلقاً مذموم اور ناقص اور زیادہ مذموم ہے جس سے غیر کو اسقدر مضرت پہونچی تو خود اس شخص کے حق مین کسقدر مضر ہوگا

خون دوید از چشم ہمچون جوی او — دشمن جان وی آمد روی او
دشمن طاؤس آمد پر او — ای بسا شہ را بکشتہ فرّ او

اس مین بیان ہے اس کا کہ اُسکا حسن اُسکے لیے موجب وبال ہوگیا یعنی اُسکی آنکھون سے جو خونفشانی مین مثل نہر کے تھین خون چلنے لگا (یعنی غم ہلاکت سے رونے لگا) اُسکا چہرۂ حسین اُسکے جان کا دشمن ہوگیا کیونکہ اگر وہ حسین نہوتا تو اُسکی ہلاکت کے لیے کیون تدبیر کیجاتی آگے اسکی دو مثالین فرمائین کہ جسطرح طاؤس کا دشمن اُسکا پر ہے (کہ پر کیوجہ سے اُسکا شکار کرتے ہین) اور جسطرح بہت سے بادشاہون کو اُنکی شان وشوکت نے قتل کرایا ہے کیونکہ اگر یہ شان وشوکت نہوتی تو اُن سے کسیکو اندیشہ نہوتا اور اُنکے دفع کی فکر کیجاتی)۔

چونکہ زرگر از مرض بدحال شد — وز گدازش شخص او چون نال شد
گفت من آن آہوم کز ناف من — ریخت این صیاد خون صاف من
ای من آن روباہ صحرا کز کمین — سر بریدندم برای پوستین
ای من آن پیلی کہ زخم پیلبان — ریخت خونم از برای استخوان
آنکہ کشتستم پی مادون من — می نداند کہ نخسپد خون من
بر منست امروز و فردا بر ویست — خون چون من کس چنین ضائع کیست

شخص جسم - نال ریشۂ قلم یعنی جب زرگر مرض سے بدحال ہوگیا اور اُسکا جسم مضمحل ہوکر مثل ریشۂ قلم کے ہوگیا کہنے لگا کہ میری مثال اُس آہو کی سی ہے کہ صیاد نے میری ناف سے میرا خون صاف بہلیا ہے اور میری مثال اُس صحرائی روباہ کی سی ہے کہ شکاریون نے کمین سے نکلکر پوستین کیواسطے میرا سر قطع کردیا ہے اور میری مثال اُس ہاتھی کی سی ہے کہ ہڈی کیواسطے زخم پیلبان نے میرا خون کیا ہی جس شخص نے مجھکو مجھ سے کمتر کے نفع کیواسطے قتل کیا ہے (یعنی طبیب جسنے مجکو بادشاہ کیواسطے مارا ہے جو درجہ مین مجھ سے کم ہے) اُسکو خبر نہین ہے کہ میرا خون خاموش نہ سوویگا بلکہ بدلا لیگا آج مجھپر ہلاکت ہے کل قاتل پر ہے مجھ جیسے آدمی کا خون کب ضائع جائیگا

گرچه دیوار افکند سایه دراز	باز گردد سوی او آن سایه باز
این جهان کوه است و فعل ما ندا	سوی ما آید نداها را صدا

صدا وہ آواز جو پہاڑ یا گنبد یا کنوین مین پکارنے کیوقت ویسی ہی پیدا ہوتی ہی یہ مقولہ مولانا کا ہی آپ اعمال کی پاداش کو دو مثالون مین بیان کیا ہی ایک مثال یہ کہ جیسے دیوارکا سایہ اول دراز ہوتا ہی پھر سمٹ کر اسی کیطرف لوٹ آتا ہی دوسری مثال یہ کہ عالم مثل کوہ کے ہی اور ہمارا فعل مثل ندا کے ہی ندا کے بعد ضرور صدا پیدا ہوتی ہی اسی طرح ہر فعل پر اس کی جزا مرتب ہوتی ہے۔

این بگفت و رفت در دم زیر خاک	آن کنیزک شد ز عشق و رنج پاک
زانکه عشق مردگان پاینده نیست	چونکه مرده سوی ما آینده نیست
عشق زنده در روان و در بصر	هر دمی باشد ز غنچه تازه تر
عشق آن زنده گزین کو باقی است	وز شراب جانفزایت ساقی است
عشق آن بگزین که جمله انبیا	یافتند از عشق او کار و کیا
تو مگو ما را بدان شه بار نیست	با کریمان کارها دشوار نیست

در دم فورنا۔ کار و کیا۔ مجموعہ لفظین بمعنی بزرگی و عز و شرف یعنی وہ زرگر ایسی باتین جو اوپر مذکور ہوئین کہکر فورنا مرگیا اور وہ کنیز عشق و مرض سے پاک ہوگئی آگے اسکی علت بیان فرماتے ہین کہ وجہ عشق کے زائل ہونیکی یہ ہی کہ مُردونکے عشق کو بقا نہین چونکہ مُردہ پھر ہمارے پاس آنیوالا نہین البتہ زندہ کا (یعنی حی قیوم کا) عشق روح اور بصر مین غنچہ کیطرح تازگی بخش ہوتا ہی تو اسی حی قیوم کا عشق اختیار کرو جو ہمیشہ باقی ہی۔ اور شراب جانفزا وصل جمال سے تیرا ساقی ہی (یعنی اپنی محبت کی لذت تجکو چکھاتا ہی) اُسکا عشق اختیار کرو جسکے عشق سے تمام انبیا کو عزت و عظمت نصیب ہوئی اور یون مت خیال کرنا کہ بھلا ہماری رسائی اُس دربار تک کہان ہی کیونکہ کریمونکو کوئی کام دشوار نہین ہوتا گو تم اپنی کوشش سے نہین پہونچ سکتے مگر وہ کریم ہین اپنے فضل سے تمکو رسائی عنایت کردینگے جیسے حدیث مین ہی مَنْ تَقَرَّبَ مِنِّی شِبْرًا تَقَرَّبْتُ اِلَیْہِ مِنْہُ ذِرَاعًا۔

ف اوپر کے قصہ سے معلوم ہوا کہ عشق مجازی وصل سے اور نیز زوال حسن سے و نیز ایسی مفارقت سے جسکے بعد اُمید وصل کی نہو زائل ہوجاتا ہی جیسے فرمایا ۵ زانکہ مردہ سوی الخ اس سے یہ بھی مفہوم اور لازم ہوتا ہی کہ عشق حقیقی کو کبھی زوال نہین نہ وصل سے کیونکہ ہر مقام کا واصل مقام آئندہ کا طالب ہی کیونکہ ۵ نہ حسنش غایتی دارد الخ۔ نہ زوال حسن کا وہان احتمال ہی نہین ۵ عشق آن زندہ گزین کو باقی ست الخ اور نہ ایسی مفارقت ہوتی ہی کہ توقع قرب کی نہو کیونکہ مومن کو یاس نہین ہوتا اور جسکے لیے یاس و سلب ایمان مقدر ہو اُسکو عشق نہین ہوتا مؤید وحدیث انا عند ظن عبدی بی اللطیفۃ الثالثۃ القلوب

در بیان آنکه زهر دادن مرد زرگر را به اشارت الهی بود نه به هوای نفس

کشتن آن مرد بر دست حکیم	نی پی امید بود و نی ز بیم

او نکشتش از برائے طمع شاہ — تا نیامد امر و الہام از اِلٰہ

اس قصہ مین یہ اشکال تھا کہ حکیم نے زرگر کو بے گناہ محض بے سبب مین زہر دیکر قتل کرڈالا اور بادشاہ نے اُسکو گوارا کیا پھر مولانا نے اوپر کے اشعار مین دونون کو دیندار اور عارف ٹھہرایا ہی یہ کیونکر ہو سکتا ہی اُسکا جواب دیتے ہین کہ حکیم کے ہاتھ سے زرگر کا کشتہ ہونا کسی نفسانی غرض سے نہ تھا کہ بادشاہ سے کسی نفع کی امید ہو۔ یا بادشاہ کا خوف اور دباؤ ہو نہ بادشاہ کی طبیعت کی رعایت مقصود تھی بلکہ محض الہام و امر ربانی کیوجہ سے تھا

آن پسر را کش خضر ببرید حلق — سرّ آن را در نیابد عام خلق

یہ مثال ہی کہ جسطرح خضر علیہ السلام نے اُس لڑکے کو قتل کرڈالا تھا اور اُسکی وجہ عام لوگون کی سمجھ مین نہین آسکتی ف تحقیق مقام کی یہ ہی کہ ہماری شریعت مین الہام پر عمل کرنا اُسوقت جائز ہی جبکہ وہ مخالف حکم شرعی کے نہ ہو ورنہ جائز نہین غرض جہان الہام اور وحی مین تعارض ہوتا ہی وحی پر عمل ہوتا ہی اور الہام متروک ہوتا ہی اور شرائع سابقہ مین ظن غالب یہ ہی کہ وحی اور الہام مین جب تعارض و تخالف ہوتا تھا الہام اُس وحی کا مخصص بنجاتا تھا اُس وحی کے حکم عام مین سے یہ موقع خاص جسکی نسبت الہام ہوا ہی مستثنےٰ ہو جاتا تھا اور بقیہ مواقع مین وحی کا حکم باقی رہتا تھا پس الہام کا مرتبہ اُن شرائع مین وہ تھا جیسا ہمارے اصول شریعت مین خبر واحد اور قیاس مجتہد کا اثر ہی کہ مخصص نص کا بن سکتا ہی اور ہماری شریعت میں الہام کا مرتبہ ان سب دلائل کے بعد ہی پس وحی سے مثلاً ایک ضابطہ کلیہ ثابت ہوا تھا کہ بلاجرم ظاہری کسی کو قتل مت کرو اب خضر علیہ السلام کو جبکہ وہ نبی نہ ہون الہام ہوا کہ (بہ مصلحت و حکمتِ خاص کہ قرآن مین مذکور ہے) اس بچہ کو اُس حکم خدا سے مستثنےٰ کیا جاتا ہے اسکو قتل کردو اُنھون نے اُسپر عمل کیا اسی طرح ممکن ہے کہ صحتِ بادشاہ مین عام خلائق کو نفع ہوگا اور ممکن ہے کہ مثل طفل مقتول خضر کے اس زرگر کی کسی آیندہ خرابی کی بھی اطلاع ہوئی ہو اسلیے اُسکے قتل کے لیے الہام کیا گیا ہماری شریعت مین ایسا امر ناجائز ہے

آنکہ از حق یابد او وحی و خطاب — ہرچہ فرماید بود عین صواب

آنکہ جان بخشد اگر بکشد رواست — نائب ست و دستِ او دستِ خداست

اسمین دلیل ہی الہام سے اس قتل کے جائز ہونے کی مطلب یہ کہ یہ تو سب کے نزدیک مسلم ہے کہ جو جان دینے والا ہے (یعنی اللہ تعالٰے) وہ اگر مار ڈالے تو جائز ہے (جب اللہ تعالٰے کے لئے یہ فعل جائز ہی اور فعل جائز کو کبھی خود کیا کرتے ہین کبھی نائب سے کراتے ہین اگر یہ کام نائب سے لے لیا یعنی الہام کرکے اُسکو امر فرمایا تو کیا اعتراض ہے اور وہ ولی اللہ تعالٰے کے نائب تھے اور اُنکا فعل مثل فعل خدا کے تھا تو اسمین شبہہ نہ کرنا چاہیے دست سے مراد کام ہی مجازاً بوجہ اسکے کہ اکثر کام ہاتھ سے ہوا کرتے ہین

ہمچو اسمٰعیل پیشش سر بنہ — شاد و خندان پیش تیغش جان بدہ

تا بماند جانت خندان تا ابد — ہمچو جان پاک احمد با احد

تحقیق الہام و وحی

عاشقان جام فرح آنگہ کشند	کہ بدست خویش خوبانشان کشند

سر نہادن نفس خود را تسلیم کردن۔ خوبان معشوقان۔ مطلب یہ کہ جب تمکو ویار اللہ کا نائب خداوندی ہونا معلوم ہوگیا تو تمکو چاہیے کہ اُنکی خدمت مین اپنے کو تسلیم کردو اور اُنکی تیغ ریاضت کے سامنے ہنسی خوشی جان دیدو (جان دینے سے مراد راحت و ہوائے نفسانی کا ترک کرنا ہے مطلب یہ کہ جو ریاضت و مجاہدہ اصلاح ظاہر و باطن کے متعلق تمکو تعلیم کرین اُسکو خوشی سے قبول کرو اور اُسپر عمل کرو) تاکہ ابد الآباد تک نجات و قرب الٰہی سے خوش رہو جسطرح حضرت احمد مجتبےٰ صلے اللہ علیہ وسلم نے احکام الٰہی پر رضا و تسلیم سے عمل فرمایا اور قرب خاص سے محفوظ و مسرور ہین۔ اور عشاق تو اُسوقت خوش ہوتے ہین کہ اُنکے معشوق اپنے ہاتھ سے اُنکو قتل کر ڈالین (مطلب یہ کہ طالبانِ الٰہی اُسوقت مسرور ہوتے ہین جبکہ شیوخ کاملین کہ اُن کے محبوب ہین یاضت شاقہ تبلا کر اُنکے نفسانی تقاضون کو فنا کر ڈالین

شاہ آن خون از پے شہوت نکرد	تو رہا کن بدگمانے و نبرد
تو گمان کردی کہ کرد آلودگے	در صفا غش کے ہلد پالودگے
بہر آنست این ریاضت وین جفا	تا بر آرد کورہ از نقرہ جفا
بگذر از ظن خطا اے بدگمان	ان بعض الظن اثم را بخوان
بہر آنست امتحان نیک و بد	تا بجوشد بر سر آرد زر زبد
گر نبودی کارش الہام الٰہ	او سگے بودے درانندہ نہ شاہ
پاک بود از شہوت و حرص و ہوا	نیک کرد او لیک نیک بدنما

غش چرک مراد صفات ذمیمہ۔ پالودگی صاف کردن۔ غش مفعول ہلد۔ پالودگی فاعل ہلد۔ جفا اول بمعنے مراد ریاضت۔ کورہ آتشدان۔ جفا ثانی بضم کدورت و خاشاک و کف وغیرہ۔ کورہ فاعل برآرد جفا مفعول برآرد۔ زبد بفتحتین کف دریا و شیر وجز آن مراد میل کچیل۔ زر فاعل جوشد و آرد۔ زبد مفعول آرد۔ مطلب اگر بادشاہ نے وہ خون شہوتِ نفسانی کے لیے نہین کیا تم بدگمانی اور نزاع کو ترک کرو تمھارا یہ گمان ہوگا کہ اُسنے اس فعل مین آلودگی گناہ کی اختیار کی۔ (حالانکہ یہ گمان غلط ہے کیونکہ بادشاہ ریاضت سے تصفیہ کر چکا تھا) اور صفائی مین تصفیہ و ریاضت صفات ذمیمہ کو کب چھوڑتی ہے اسی لیے تو ریاضت و مجاہدہ کیا جاتا ہے تاکہ (اخلاق حمیدہ سے صفات ذمیمہ جدا ہو جاوین جسطرح) کوٹھالی چاندی سے میل کو جدا کر دیتی ہے) پس پگھلانا مثل ریاضت کے ہے اور میل جدا ہو جانا تصفیہ ہے) سو بدگمانی سے تمکو علیحدہ رہنا چاہیے اور اللہ تعالےٰ کا ارشاد دیکھنا چاہیے۔ کہ فرماتے ہین بلاشک بعضی بدگمانی گناہ ہے نیک بد کا امتحان (مجاہدات تشریعیہ و تکوینیہ یعنی اختیاریہ و اضطراریہ سے) اسی لیے کیا جاتا ہے تاکہ (سب جُدا جُدا معلوم ہو جاوین جسطرح) سونا گرم ہو کر جوش کھاتا ہے اور میل کچیل کو اوپر لے آتا ہے تاکہ نکالکر پھینک دیا جاوے پس اگر اُسکا کام الہام کے موافق نہوتا تو وہ سگِ نفس پرست ہوتا بادشاہ کا ہے کو ہوتا

واقع میں وہ شہوت وحرص سے بالکل پاک تھا اور اُسنے جو کچھ کیا سب اچھا کیا مگر ظاہر بین شبہ پیدا معلوم ہوتا ہے

گر خضر در بحر کشتی را شکست	صد درستی در شکست خضر ہست
وہم موسیٰ با ہمہ نور و ہنر	شد ازان محجوب تو بے پر مپر

وہم مطلق خیال - اسمین تائید ہے ترک اعتراض کی یعنی دیکھو ظاہر میں خضر علیہ السلام نے کشتی کو توڑا تھا مگر واقع میں اُسکی حفاظت کی تھی جیسا قرآن مجید میں مذکور ہے لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام کا خیال باوجود تمام علم و معرفت و کمال و نبوت کے اُسکی وجہ معلوم کرنے سے محجوب رہا سو تم بے پر مت اُڑو ـ

ف اس قصہ سے بعضونکو شبہ ہوگیا ہے کہ علم باطن علم شریعت سے افضل ہی ہو جبسے موسیٰ علیہ السلام کو خضر علیہ السلام کے پاس استفادہ کیلیے بھیجا گیا اور اُس علم کے عالی ہونیکی وجہ سے موسیٰ علیہ السلام اُسکو نہ سمجھ سکے اور نیز اس سے مستنبط کیا ہے کہ اگر شیخ خلاف شرع کچھ عمل کرے تو مرید کو اُسکا اتباع واجب ہے چنانچہ اتباع نہ کرنے ہی سے موسیٰ علیہ السلام جدا کیے گئے سو خوب سمجھو کہ یہ سب دعوے باطل ہین علم باطن کا علم شرع سے افضل ہونا اس قصہ سے ثابت نہین ہوتا دو وجہ سے اول یہ کہ علم باطن تو ایک شعبہ ہے علم شریعت کا کیونکہ شریعت نام ہے اصلاح ظاہر و باطن کے طریقے کے جاننے کا اصلاح ظاہر یہ کہ اقوال و افعال درست کرے - اصلاح باطن یہ کہ عقائد و اخلاق درست کرے سو یہ سب شریعت نے مفصل طور پر بتلایا ہے اور شریعت اس مجموعہ کا نام ہے جسمین علم اصلاح ظاہر کو فقہ کہتے ہین اور علم اصلاح باطن کو تصوف و علم باطن کہتے ہین سو جزو کس طرح کل سے افضل ہوسکتا ہے - دوسری وجہ یہ کہ اس واقعہ مین حضرت خضر علیہ السلام کو جو بعض اُمور بعیدہ خفیہ کی اطلاع ہوگئی تھی یہ سرے سے وہ علم باطن ہی نہین جسمین گفتگو ہے بلکہ چند واقعات جزئیہ و حالات کونیہ ہین جنکا انکشاف انکو ہوگیا تھا جسکا حاصل صرف اسقدر ہے کہ جو چیزین زماناً یا مکاناً بعید تھین وہ آپکے علم مین قریب ہوگئین مثلاً بادشاہ مکاناً بعید تھا - بچہ کا کفر زماناً بعید تھا خزانہ مکاناً بعید و محجوب تھا سو دور کی چیز کا نزدیک معلوم ہونا علم باطن نہین بخلاف علم موسیٰ علیہ السلام کے کہ وہ علوم شرعیہ کلیہ و معارف الٰہیہ ہین کہ ظاہر و باطن سب اُسکے شعبے ہین غرض علم خضری کسی طرح علم موسوی سے فائق نہین ہے رہا موسیٰ علیہ السلام کا اُن کے پاس بھیجا جانا وہ صرف اس بنا پر تھا کہ موسیٰ علیہ السلام نے جواب سائل مین انا اعلم فرمایا تھا جو باعتبار قصد علوم الٰہیہ کے صحیح تھا مگر چونکہ لفظاً کل علوم کو شامل تھا اس لیے اللہ تعالےٰ نے تعلیم احتیاط الفاظ کے لیے تنبیہ فرمائی کہ بعض علوم گو وہ آپکے علوم سے کم ہون دوسرون کو دیے گئے ہین آپ کو نہین ملے اس لیے آپ کو جواب مین قید لگانا چاہیے تھا - اور آپ کا نہ سمجھنا ایسا ہے جیسے کسی بڑے کامل کو یہ خبر نہ ہو کہ پس دیوار کیا ہے سو اس واقعہ کا جاننے والا کسی طرح اُس کامل سے نہین بڑھ سکتا - اور جو مسئلہ استنباط کیا ہے وہ بھی غلط ہے اور قیاس مع الفارق کیونکہ یہان موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالےٰ کی شہادت سے کامل ہونا خضر علیہ السلام کا معلوم ہوگیا تھا تو یقیناً معلوم تھا کہ اُن سے کوئی امر خلاف شرع نہ ہوگا گو اُس کی وجہ نہ سمجھنے سے انکار فرمایا مگر پھر بھی سکوت و تسلیم کی گنجائش تھی اور جو شخص خلاف شرع ہو یا دوسرے کو ایسا امر بتلاوے اُسکا کامل ہونا ہی مشکوک

دفع شبہ افضلیت علم باطن از علم شریعت

ہو جاوے گا پھر یہ کہ حضرت خضر علیہ السلام شریعت موسویہ کے اتباع کے مکلف نہین تھا انکی شریعت جدا اور تھی بخلاف اسوقت کے کہ سب ایک شریعت کے مکلف ہین اب خلاف کرنے والے کا اتباع جائز نہین پس معلوم ہوا کہ یہ سب دعوے سرتا پا غلط ہین اور اس مقام پر مولانا کا مقصود فضیلت دینا علم خضری کو علم موسوی پر نہین بلکہ مطلب یہ ہے کہ جب بعض اکابر کو بعض چھوٹے اسرار پر اطلاع نہین ہوتی تو تم چھوٹے ہوکر بڑون کے اسرار کا انکار کیون کرتے ہو۔

ست عقل ست او تو مجنونش مخوان	آن گل سرخ ست تو خونش مخوان

یہ مثال ہے کہ بعض امور حسن اور قبیح ہم شکل ہوتے ہین مثلاً گل سرخ اور خون ایک رنگ ہین مگر پاک ناپاک کا فرق موجود ایک شخص نہایت عاقل ہے کہ نشاط کمال عقل سے اسکو ایک قسم کی ازخود رفتگی ہے وہ اور مجنون ازخود رفتگی مین یکسان ہین مگر زمین آسمان کا فرق ہے پس صرف اشتباہ صوری سے دونو کو یکسان سمجھنا غلطی ہے

کافرم گر بردمے من نام او	گر بدے خون مسلمان کام او
بر گمان گردد زمدحش متقی	می بلرزد عرش از مدح شقی

کافرم قسم ہے باقی مطلب ظاہر ہے شعر ثانی کا مصرعہ اولی حدیث کا مضمون ہے۔

خاص بود و خاصۂ اللہ بود	شاہ بود و شاہ بس آگاہ بود

آگاہ عارف باقی ظاہر ہے۔

سوے تخت و بہترین جا ہے کشد	آن کسے را کش چنین شاہے کشد

کشد اول بالضم۔ کشد ثانی بالفتح اسمین اشارہ ہے کہ اس قتل مین مقتول کا بھی نفع ہوا جیسا بعض اہل علم نے کہا ہے کہ خضر علیہ السلام کے طفل مقتول کو یہ نفع ہوا کہ وہ بالغ ہوکر کافر ہوتا بلوغ سے پہلے بے گناہ مرگیا جنتی ہوا کیا عجب کہ اس زرگر کو بھی اسی قسم کا کوئی نفع ہوا ہو جسکی اطلاع طبیب موصوف کو ہوئی۔

شرح میدار و ہلہ ار کام	قہر خاصے از براے لطف عام

قہر خاصے مفعول میدارد۔ ہلہ ار ترک کن۔ کام قدم یعنی در راہ اعتراض گام مزن یہ دوسرا جواب ہے اشکال مذکور کا علی سبیل التنزل جسکا حاصل یہ کہ دفع ضرر عام کے لیے شریعت محمدیہ بھی ضرر خاص کو روا رکھتی ہے یہان بادشاہ کا مرنا موجب مضرت عام خلائق ہونا بوجہ اسکے عادل ہونے کے اس لیے ضرر خاص زرگر تجویز کیا گیا یہ قاعدہ شرعیہ ہدایہ کے کتاب الحجر وغیرہ مین ہے مگر یہان اسکا چلنا مشکل ہے کیونکہ اتنا بنا ضرر کہ بلا جرم ظاہری قتل کردیا جاوے قاعدۂ مذکور مین یقیناً داخل نہین پس جواب اول ہی کافی ہے یہ دوسرا جواب مقصود نہ تھا محض علی سبیل التنزل تھا اگر مخدوش ہو کچھ حرج نہین۔

کے شدے آن لطف مطلق قہر جو	گر ندیدے سود او در قہر او
مادر مشفق ازان غم شادکام	طفل مے لرزد ز نیش احتجام

نیم جان بستاند و صد جان دہد ۔۔۔ انچہ در وہمت نیاید آن دہد

تو قیاس از خویش میگیری ولیک ۔۔۔ دور دور افتادہ بنگر تو نیک

پیشتر آ تا بگویم قصۂ ۔۔۔ بو کہ یابی از بیانم حصۂ

سودا و یعنی زر کر + آن لطفِ مطلق حکیم - بو مخفف بود بمعنی شاید آمین رجوع ہے مضمون سابق آن کسے را رخ کی طرف یطفل می لرزد مثال ہے مضمونِ مذکور کی نیم جان یعنے جان ضعیف وحقیر و فانی صد جان یعنی جانِ باقی مطلب یہ کہ ظاہر مین موت تھی مگر واقع مین حیات ابدی اسکے بعد بزرگون کے حال کو اپنے حال پر قیاس کرنے کی ممانعت اور اسکے متعلق ایک قصہ کے بیان کرنے کا وعدہ فرماتے ہین -

حکایت بقال و طوطی و روغن ریختن طوطی در دکان و اعتراض بقال و خاموش ماندنِ طوطی

یہ حکایت اوپر کے اس شعر سے مربوط ہے ؎ تو قیاس از خویش میگیری ولیک - مقصود اس حکایت سے یہ ہے کہ اہل اللہ کے افعال کو اپنے افعال پر قیاس کرنا غلطی کی بات ہے جسطرح اس طوطی نے اس درویش کو اپنے اوپر قیاس کیا تھا اور مضحکۂ خلائق بنی تھی -

بود بقالے مرا و را طوطیے ۔۔۔ خوش نوائے سبز و گویا طوطیے

بر دکان بودے نگہبان دکان ۔۔۔ نکتہ گفتے با ہمہ سوداگران

در خطاب آدمی ناطق بُدے ۔۔۔ در نوائے طوطیان حاذق بُدے

بقال بمعنی عطار کذا فی بہار عجم - خوش نوا خوش آواز - سبز یعنی سبز رنگ - یعنی کسی عطار کے یہان ایک طوطی تھی جسمین یہ اوصاف تھے کہ دوکان پر نگہبانی کے لیے رہا کرتی اور سوداگرون سے باتین کرتی - آدمیون کی بولی بھی بولتی - اور خود طوطیونکی آواز مین بھی مہارت رکھتی -

خواجہ روزے سوئے خانہ رفتہ بود ۔۔۔ در دکان طوطی نگہبانے نمود

گربۂ بر جست ناگہ از دکان ۔۔۔ بہر موشے طوطیک از بیم جان

جست از صدرِ دکان سوئے گریخت ۔۔۔ شیشہای روغن گل را بریخت

خواجہ مالک دوکان - بہر موشے متعلق برجست - طوطیک مبتدا جست خبر - از بیم جان متعلق جست یعنی مالک ایک روز گھر گیا ہوا تھا اور طوطی دوکان کی نگہبانی کر رہی تھی دفعۃً کوئی بلی چوہا پکڑنے دوڑی طوطی اپنی جگہ سے کہ صدر دوکان پر بیٹھی تھی - خوف جان سے جست کرکے ایک طرف چلی وہان روغن گل کے شیشے رکھے تھے اسکے بازو یا پاؤن لگنے سے سب گر گئے -

از سوئے خانہ بیامد خواجہ اش ۔۔۔ بر دکان بنشست فارغ خواجہ وش

دید پُر روغن دکان و جامہ چرب ۔۔۔ بر سرش زد گشت طوطی کل ز ضرب

خواجہ دش مانند سزدار یعنی گھر سے جو مالک آیا اور دکان پر بے فکر ہو کر بیٹھ گیا۔ دیکھتا کیا ہے کہ تمام دکان اور کپڑا جو فرش کے لیے بچھا رکھا تھا سب چکنا ہو رہا ہے۔ قرینہ سے سمجھا کہ یہ اسی کی حرکت ہے اتنا مارا کہ اُسکے سر کے بال اُڑ گئے اور گنجی ہو گئی۔

روزکی چندی سخن کوتاہ کرد — مرد بقال از ندامت آہ کرد
ریش بر میکند و میگفت ای دریغ — کافتاب نعمتم شد زیر میغ
دست من بشکستہ بودی آن زمان — چون زدم من بر سر آن خوش زبان
ہدیہ ہا میداد ہر درویش را — تا بیابد نطق مرغ خویش را

کاف روزک برائے تصغیر۔ یعنی کئی روز تک اُس طوطی نے خفا ہو کر بولنا چھوڑ دیا جس سے عطار کو بڑی ندامت اور حسرت ہوئی اپنی داڑھی کے بال نوچتا تھا کہ افسوس میری دکان کی رونق جاتی رہی جسطرح آفتاب بدلی مین آجاتا ہے اور زمین کی رونق گھٹ جاتی ہے میرا ہاتھ کیون نہ ٹوٹ گیا جب مین نے اسکو مارا تھا فقرا کو خیر خیرات دیتا تھا تاکہ اُنکی برکت سے وہ طوطی بولنے لگے۔

بعد سہ روز و سہ شب حیران و زار — بر دکان بنشستہ بُد نومید وار
با ہزاران غصہ و غم گشتہ جفت — کای عجب این مرغ کی آید بگفت
مینمود آن مرغ را ہر گون شگفت — وز تعجب لب بدندان میگرفت
دمبدم میگفت با او ہر سخن — تا کہ باشد اندر آید در سخن
بر اُمید آنکہ مرغ آید بگفت — چشم او را با صور میکرد جفت

جفت قرین۔ ہرگون ہر قسم۔ شگفت چیز عجیب۔ صور جمع صورت بمعنی نقش و نگار یعنی جب تین رات دن اسیطرح گذر گئے عطار اپنی دوکان پر حیران و پریشان مایوس بیٹھا ہوا اور غم مین سوچ رہا تھا کہ دیکھیے یہ طوطی کب بولتا ہے ہر قسم کی عجیب و غریب چیزین اُسکو دکھلاتا تھا اور تعجب سے دانتون مین اُنگلی دیتا تھا اور ہر طرح کی اُس سے باتین کرتا تھا کہ شاید کسی بہانہ بول پڑے اور اس بولنے کی امید مین اُسکے روبرو طرح طرح کے نقش و نگار پیش کرتا تھا۔

جولقیی سر برہنہ میگذشت — با سر بی مو چو پشت طاس و طشت
طوطی اندر گفت آمد در زمان — بانگ بر درویش زد کہ ای فلان
کز چہ ای کل با کلان آمیختی — تو مگر از شیشہ روغن ریختی
از قیاسش خندہ آمد خلق را — کو چو خود پنداشت صاحب دلق را

جولقی دلق پوش۔ طاس و طشت ہم معنی۔ یعنی تین روز کے بعد عطار مایوس بیٹھا تھا اس اثنا مین ایک دلق پوش ننگے سر سامنے سے گذرا جسکے سر پر مطلق بال نہ تھے پشت طاس کی طرح صاف اور درخشان تھا اُس کو دیکھتے ہی طوطی بولا اور پکار کے درویش سے کہا کہ او گنجے تو کس وجہ سے گنجون مین شامل ہوا معلوم ہوتا ہے کہ تو نے

کسی کا روغن گرایا ہوگا - لوگونکو اُسکے اس قیاس سے بڑی ہنسی آئی کہ دیکھو اسنے اس دلق پوش کو بھی اپنا جیسا سمجھا کہ یہ بھی روغن گرا کر گنجا ہوا ہوگا -

کار پاکان را قیاس از خود مگیر	گرچہ ماند در نوشتن شیر و سیر
جملہ عالم زین سبب گمراہ شد	کم کسے ز ابدال حق آگاہ شد
اشقیا را دیدۂ بینا نہ بود	نیک و بد در دیدہ شان یکسان نمود
ہمسری با انبیا برداشتند	اولیا را ہمچو خود پنداشتند
گفت اینک ما بشر ایشان بشر	ما و ایشان بستۂ خوابیم و خور
این ندانستند ایشان از عمٰی	ہست فرقے درمیان بے منتہا

شیر دودھ - سیر لہسن - ابدال قسمی از اولیاء اللہ کہ در عدد جبل باشند چون یکی از ایشان بمیرد دیگرے بجائے او قائم شود مراد مطلق اولیاء اللہ مجازاً از قبیل اطلاق مقید بر مطلق - عمٰی کوری مطلب یہ کہ بزرگون کے افعال کو اپنے اوپر قیاس مت کرو اگرچہ ظاہر مین دونون فعل یکسان ہون جسطرح شیر و سیر لکھنے مین یکسان ہین اکثر لوگ اسیوجہ سے خراب ہوگئے ہین کہ اولیاء اللہ کے حالات سے کم واقف ہوتے ہین - شقی لوگون کو دیدۂ بینا میسر نہ تھا اچھے بُرے اُنکی نظر مین یکسان نظر آتے تھے اسوجہ سے حضرات انبیا علیہم السلام سے ہمسری کا دعوے کیا اولیائے کرام کو مثل اپنے سمجھا اور کہنے لگے کہ ہم بھی بشر ہین یہ انبیا بھی بشر ہین ہم اور یہ دونون خواب و خورش کے مقید ہین (چنانچہ قرآن مجید مین ہے قَالُوا اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا الآیۃ مَا لِهٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ الآیۃ) یہ اُن کو کوری دل سے نظر نہ آیا کہ دونون کے درمیان بے انتہا فرق ہے -

ہر دو یک گل خورد زنبور و نحل	لیک زین شد نیش و زان دیگر عسل
ہر دو گون آہو گیا خوردند و آب	زین یکی سرگین شد و زان مشک ناب
ہر دو نے خوردند از یک آبخور	آن یکی خالی و آن پُر از شکر
صد ہزاران اینچنین اشباہ بین	فرق شان ہفتاد سالہ راہ بین

یہ چند مثالین ہین مضمون بالا کی - مثال اوّل دونون قسم کے زنبور ایک ہی قسم کے پھول چوستے ہین یعنی جسطرح کے پھول ایک کی غذا ہین وہی دوسرے کی مگر ایک سے صرف نیش پیدا ہوتا ہے اور دوسرے سے شہد بھی نکلتا ہے دوسری مثال دونون قسم کے آہو یہی گھاس اور پانی کھاتے پیتے ہین ایک سے صرف سرگین پیدا ہوتا ہے اور دوسرے سے مشک خالص حاصل ہوتا ہے - تیسری مثال دونون قسم کے نے ایک ہی گھاٹ پانی پیتے ہین مگر ایک تو خالی یعنی نرکل اور دوسری شکر سے پُر ہوتی ہے یعنی نیشکر - اسی طرح لاکھون نظائر دیکھ لو اور ان مین بہت سا فرق ملاحظہ کرلو خلاصہ یہ کہ دو چیزون کے کسی ایک امر مین شریک ہونے سے اُن مین دوسرے وجوہ تفاوت کے زائل نہین ہو جاتے -

این خورد گردد پلیدی زو جدا　　　وان خورد گردد ہمہ نور خدا
این خورد زاید ہمہ بخل و حسد　　　وان خورد زاید ہمہ نور احد

یعنے اسی طرح سمجھ لو کہ اشقیا اور اتقیا مین بہت سا فرق ہے ایک کھاتا ہے تو اس سے پلیدی اور بخل حسد پیدا ہوتا ہے اور دوسرا کھاتا ہے تو اسکے تمامتر نور خدا یعنے عشق الٰہی پیدا ہوتا ہے۔

این زمین پاک وان شورہ است و بد　　　این فرشتہ پاک وآن دیوست و دد
ہر دو صورت گر بہم ماند رواست　　　آب تلخ وآب شیرین را صفاست
جز کہ صاحب ذوق نشناسد شراب　　　او شناسد آب خوش از شورہ آب
جز کہ صاحب ذوق نشناسد طعوم　　　شہد را ناخوردہ کے داند ز موم

اسمین شقی اور تقی کے فرق کا بیان ہے کہ ایک تو مثل پاکیزہ زمین کے ہے یعنی تقی اور دوسرا مثل زمین شور کے ہے یعنی شقی اور اسی طرح ایک مانند فرشتہ کے ہے یعنی تقی دوسرا مثل شیطان اور درندہ کے ہے یعنی شقی۔ اس تفاوت کے ساتھ بھی اگر ظاہرا دونون مین مشابہت ہو تو ممکن ہے دیکھو آب شور اور آب شیرین مین کتنا فرق ہے مگر ظاہرا صفائی کی صفت دونو مین ہے اس فرق معنوی کو ہر شخص نہین سمجھتا مثلاً پینے کی چیزونکو وہی پہچانے گا جسکی قوۃ ذائقہ درست ہو اسی کو تمیز ہوگی کہ یہ شیرین پانی ہے اور یہ شور اسی طرح مزون کے تفاوت کو بھی وہی پہچانے گا جسکی قوۃ ذائقہ صحیح ہو۔ اسی طرح شہد اور موم کے مزے کے فرق کو بے کھائے کب سمجھ سکتا ہے حاصل یہ کہ اسی طرح جب تک ذوق باطنی صحیح نہو نیک و بد مین جب کہ وہ ظاہر مین متشابہ اور مشتبہ ہوں امتیاز نہین ہو سکتا

سحر را با معجزہ کردہ قیاس　(بنہادہ)　ہر دو را بر مکر پندارد اساس
ساحران با موسی از استیزہ ہا　　　برگرفتہ چون عصاے او عصا
زین عصا تا آن عصا فرقیست ژرف　　　زین عمل تا آن عمل راہی شگرف
لعنۃ اللہ این عمل را در قفا　　　رحمۃ اللہ آن عمل را در وفا

ژرف عمیق۔ شگرف قوی۔ اسمین ظاہر پرستون کی غلطی کا بیان ہے اور شعر بالا ہمسری با انبیا بر داشتند الخ کیطرف عود ہے یعنی سحر اور معجزہ کو فرعون نے یکسان سمجھا اور دونوکو مکر اور نظر بندی پر مبنی قرار دیا (چنانچہ قرآن مجید مین ہے اِنَّ ہٰذَا لَسَاحِرٌ عَلِیْمٌ اسیطرح ساحران فرعون موسیٰ علیہ السلام کے روبرو مقابلہ کیلیے انکے عصا کی طرح عصا لائے تھے حالانکہ دونون عصاؤنمین بڑا عمیق فرق تھا اور عمل ساحرین سے عمل موسوی تک مسافت بعید ہے عمل ساحرین کے پیچھے اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے اور عمل موسوی کے ساتھ اللہ کی رحمت ہے چونکہ انھون نے حکم الٰہی کا ایفا کیا کہ عصا ڈالنے کا انکو حکم ہوا تھا چنانچہ قرآن مجید مین ہے۔ اَوْحَیْنَا اِلٰی مُوْسٰۤی اَنْ اَلْقِ عَصَاکَ۔

کافران اندر مری بوزینہ طبع　　　آفتے آمد درون سینہ طبع
ہرچہ مردم میکند بوزینہ ہم　　　آن کند کز مرد بیند دمبدم

او گمان بردہ کہ من کردم چو او — فرق را کے داند آن استیزہ رو
این کند از امر و آن بہر ستیز — بر سر استیزہ رویان خاک ریز

مرے اما لہ مراد کا سے معنے مقابلہ۔ طبع اول بمعنی طبیعت۔ طبع ثانی بمعنی مُہر یعنی مُہر گمراہی اسمین تفصیل ہے مضمون بالا کی یعنی کفار مسلمانون کے ساتھ اعمال مین مقابلہ کرنے کے بارہ مین بوزینہ کی خاصیت رکھتے ہین پھر جملۂ معترضہ کے طور پر فرماتے ہین کہ قلب پر گمراہی کی مُہر لگ جانا بھی انسان کے سینہ مین بڑی آفت ہے کہ اس سے کبھی حقیقت تک نگاہ نہین پہونچتی اور صرف براہ عناد و مقابلہ نقلین کرنے سے کیا ہوتا ہے یون تو جو آدمی کرتا ہے بندر بھی کیا کرتا ہے اور گمان کرتا ہے کہ مین نے بھی آدمی کے مثل کام کر لیا اور جو دونون کامون مین فرق ہے اسکو وہ کب سمجھ سکتا ہے حالانکہ اُنمین بڑا فرق ہے کہ انسان تو علم کی وجہ سے کرتا ہے یعنی شرع کے حکم سے یا عقل و مصلحت کے حکم سے خواہ وہ مصلحت شرع کے موافق ہو یا مخالف ہو بہرحال وہ کسی نفع دینی و دنیوی کو سوچ کر کرتا ہے اور بندر کے فعل مین کوئی مصلحت نہین صرف انسان کی نقل ہی کرنا مقصود ہے اس کے بعد فرماتے ہین کہ ایسے ضدی لوگون کے منہ پر خاک ڈالو خلاصہ یہ ہے کہ اسی طرح اوصاف حمیدہ و اوصاف ذمیمہ بظاہر یکسان نظر آتے ہین مگر معنی اور حقیقت مین بے انتہا فرق ہوتا ہے۔

آن منافق با موافق در نماز — از پے استیزہ آید نے نیاز
در نماز و روزہ و حج و زکوٰت — با منافق مومنان در برد و مات
مومنان را برد باشد عاقبت — بر منافق مات اندر آخرت
گرچہ ہر دو بر سر یک بازیند — لیک با ہم مروزی و رازی اند
ہر یکی سوے مقام خود رود — ہر یکی بر وفق نام خود رود

برد جیت۔ مات ہار۔ مروزی منسوب بمرو خلاف قیاس از خراسان جانب مشرق رازی منسوب بہ رے برخلاف قیاس از عراق جانب مغرب۔ کافرون کو جو بندر کے ساتھ تشبیہ دیگئی تھی اوپر تو مشبہ بہ کا بیان تھا ان اشعار مین مشبہ کا بیان ہے کہ منافقین اہل اسلام کے ساتھ مقابلہ کرنے کے واسطے نماز و روزہ وغیرہ کرتے تھے اور کبھی مسلمان بڑھ جاتے تھے اور کبھی منافقین لیکن انجام کار آخرت مین مسلمانون کی جیت اور کفار کی ہار ظاہر ہو جاوے گی گو اسوقت ایک ہی طرح کا کام کر رہے ہین لیکن واقع مین بعد المشرقین ہے مومن جنت مین چلے جاوینگے اور منافق دوزخ مین جاوینگے جیسا شریعت نے ان کو لقب دیا ہے ویسا ہی اُن کے ساتھ معاملہ ہوگا۔

ف یہ مطلب نہین کہ نام اسکی علت ہے کیونکہ نام تو لفظ ظاہر ہے اور ظاہر کا غیر معتد بہ ہونا بیان فرما رہے ہین بلکہ مطلب یہ ہے کہ یہ لفظ علامت ہے اُس فرق معنوی کی جسکو منطقی دلیل انی کہتے ہین اور نفی کر رہے ہین ظاہر کے دلیل لمی ہونے کی پس تعارض نہ رہا۔

مؤمنش خوانیش جانش خوش شود | ور منافق تند و پر آتش شود
نام آن محبوب از ذات وے ست | نام این مبغوض ز آفات وے ست
میم و واؤ و میم و نون تشریف نیست | لفظ مومن جز پے تعریف نیست
گر منافق خوانیش این نام دون | ہمچو کژدم مے خلد در اندرون
گر نہ این نام اشتقاق دوزخ است | پس چرا در وی مذاق دوزخ ست

تشریف بزرگی۔ تعریف شناخت کردن۔ این نام دون مبتدائی خلد خبر۔ دوزخ اول عقائد و اخلاق ذمیمہ کہ موجب دوزخ ست۔ دوزخ ثانی بمعنی مشہور۔ ان اشعار مین بیان ہے معانی و حقائق کے معتبر ہونیکا یعنی حقیقت اور معنی مین اسقدر تاثیر ہے کہ اسکے تعلق اور تلبس سے لفظون مین بھی جو بے اثر محض ناقابل اعتبار ہین اثر آجاتا ہے چنانچہ کسیکو مومن کہیے خوش ہوجاتا ہے منافق کہیے ناراض ہوجاتا ہے (آگے تصریح فرمادی کہ یہ اثر خود لفظون مین نہین بلکہ معنی کیوجہ سے ہے چنانچہ ارشاد ہے کہ) مؤمن کا نام یعنی لفظ مؤمن جو محبوب ہے وہ مؤمن کی ذات یعنی اسکے صفات حقیقیہ کی وجہ سے ہے (یعنی اصل مین وہ صفات حمیدہ محبوب ہین اور صفات ذمیمہ مبغوض ہین لفظ مؤمن و منافق اُن اوصاف پر دلالت کرنے کی وجہ سے محبوب و مبغوض ہوگیا ہے) لفظ مومن کے اجزا تو صرف یہ حروف ہین (م و م ن) سو اُن مین کون سی بزرگی ہے تو یہ صرف شناخت اور امتیاز کے لیے ہے جو کچھ بزرگی ہے اس کے مدلول مین ہے کہ وہ صفت کمال ہے اسی طرح کسی کو منافق کہنے مین جو دل مین خلش اور ناگواری ہوتی ہے اسکی وجہ بھی یہی ہے کہ یہ نام دوزخ سے مشتق ہے یعنی صفات ذمیمہ سے (جو کہ اسباب دوزخ کے ہین) یہ لقب پیدا ہوا ہے کہ اُن صفات پر دلالت کرنے کے لیے وضع ہوا ہے اسی لیے اسمین دوزخ کا مذاق ہے کہ اسکے سننے سے حرارت غصہ کی پیدا ہوتی ہے۔

زشتی این نام بد از حرف نیست | تلخی آن آب بحر از ظرف نیست

اسمین تصریح ہے کہ یہ اثر حروف و الفاظ کا نہین بلکہ معنے کا ہے دوسرے مصرعہ مین اسکی مثال ہے۔ الفاظ کو ظرف سے اور معنی کو آب سے تشبیہ دینے مین علاقہ یہ ہے کہ جسطرح آب مقصود ہے اور ظرف تابع اسی طرح معنی مقصود ہے اور لفظ تابع خلاصہ یہ کہ بحر یعنی سمندر کا پانی خود تلخ ہوتا ہے برتن سے اسمین تلخی نہین آتی اسیطرح معنے قبیح خود قبیح ہین الفاظ سے اسمین قبح نہین آیا۔

حرف ظرف آمد درو معنی چو آب | بحر معنی عندہ ام الکتاب
بحر تلخ و بحر شیرین ہمعنان | درمیان شان برزخ لا یبغیان
وان کہ این ہر دو زیک اصلی روان | برگذر زین ہر دو رو تا اصل آن

مصرعہ اولیٰ مضمون سابق کا تتمہ ہے اسمین تحقیق ہے تشبیہ کی جیسا ہمنے تقریر کردی ہے دوسرے مصرعہ مین مولانا مضمون سابق سے توحید کیطرف منتقل ہوگئے جیسا اکثر مولانا کی عادت اس کتاب مین ہے کہ تھوڑی

مناسبت سے توحید کا بیان کرنے لگتے ہین کیونکہ مولانا پر یہ مذاق بہت غالب ہے یہان چونکہ اوپر معانی و صفات کا بیان تھا اور اللہ تعالیٰ خالق معانی ہین اس مناسبت سے توحید کا مضمون بیان فرمانے لگے کہ دریاے معانی وہ ذات ہے جسکے پاس اُمّ الکتاب ہے یعنی ذات حق اُسکو دریا مجازاً و استعارۃً اس علاقہ سے کہدیا کہ جسطرح دریا تمام نہرون اور چشمون کا مبدأ و معاد ہے بوجہ اسکے کہ انجرے دریاے بسبب حرارت آفتاب کے بلند ہو کر پانی بنکر برستا ہے پھر اکثر پانی بہکر دریا مین جا ملتا ہے اسیطرح ذات حق مبدی و معید تمام اشیا، اعیان و معانی کی ہے اور اُمّ الکتاب اُنکے پاس ہونا منصوص قرآنی ہے خلاصہ یہ کہ معانی مصنوعہ سے ذاتِ صانع پر استدلال کر کے مصنوعات سے اپنے خیال کو صانع کیطرف پہونچاؤ اور اُنکی قدرت کی نیرنگیان دیکھو کہ کیسے کیسے معانی بنائے اور انمین کیا اختلاف اور تمائز رکھا آگے فرماتے ہین کہ بحر تلخ یعنی اوصافِ ذمیمہ اور بحر شیرین یعنی اوصاف حمیدہ دونون برابر جاری ہین یعنی بعض اوقات بظاہر یکسان معلوم ہوتے ہین اور انمین اشتباہ واقع ہو جاتا ہے مثلاً سخاوت اور اسراف باہم - بخل و کفایت باہم - بغض فی اللہ و غضب نفسانی باہم - تواضع و تذلل باہم تکبر و علو ہمت باہم - خوش خلقی و مداہنت باہم - حلم و بے حمیتی باہم مشتبہ و ملتبس ہین مگر انمین ایک ایسا پردہ حائل ہے جسکی وجہ سے باہم مختلط اور مشتبہ نہین ہونے پاتے وہ برزخ ہر ایک صفت کے آثار و خواص ہین جنکی وجہ سے مشتبہ چیزین باہم ممتاز ہو جاتی ہین مثلاً سخاوت کے آثار ہین دوسرون کے نفع کا زیادہ اہتمام کرنا - اسراف کے آثار ہین اپنے ہواے نفسانی کا زیادہ اہتمام کرنا پس گو زیادہ خرچ کرنا دونین مشترک ہے مگر اس فرق سے دونون مین امتیاز ہو جاویگا اسیطرح باقی صفات مین فرق ہے پس اس شعر مین بھی وہی مضمون ہے کہ دو چیزون کے بظاہر یکسان ہونے سے دھوکا نہ کھانا چاہیے آگے پھر توحید کیطرف رجوع کیا کہ یہ دونون دریا تلخ و شیرین ایک اصل سے روان ہین تم ان سے گذر کر اصل کو دیکھو کہ ذات حق ہے ذات حق کو ان اوصاف کی اصل استعارۃً اس اعتبار سے کہا گیا کہ اصل کے معنی دلیل مثبت کے بھی آتے ہین اور اللہ تعالیٰ ان دونون چیزون کے ثابت اور پیدا کرنے والے ہین گو دلیل اور خالق کے مثبت ہونے مین تفاوت ہے - دیگر اصل علت فاعلی کو بھی کہتے ہین اور علت فاعلی ہونا حق تعالیٰ کا ظاہر ہی ہے - اور دوسرے معانی اصل کے یعنی مادہ یا قاعدہ کلیہ - یا راجح یہان مراد لینا محال و غلط ہین

زر قلب و زر نیکو در عیار	بے محک ہرگز ندارد اعتبار
ہر کرا در جان خدا بنہد محک	مر یقین را باز داند او ز شک
آنکہ گفت اِستفت قلبک مصطفاؐ	آن کسی داند کہ پُر بود از وفا
در دہانِ زندہ خاشاکے جہد	آنکہ آرامد کہ بیرونش نہد
در ہزاران لقمہ یک خاشاک خورد	چون درآمد حسِّ زندہ پے بہ برد

قلب کھوٹا - عیار پرکھنا - محک کسوٹی - اسمین رجوع ہے مضمون سابق کیطرف مطلب یہ کہ اوصاف ذمیمہ و حمیدہ کی مثال کھوٹے کھرے سونے کی سی ہے کہ دیکھنے مین یکسان ہین اور واقع مین بڑا تفاوت ہے مگر اسکے پرکھنے کیلیے کسوٹی کی

کی ضرورت ہے اسی طرح اوصافِ حمیدہ و ذمیمہ کی پہچان کے لیے نور بصیرت کی حاجت ہے جس کی جان مین اللہ تعالیٰ محک یعنی نور بصیرت رکھدیتے ہین وہ شخص یقین اور شک مین یعنی اُن اوصاف حمیدہ مین جن سے نور یقین پیدا ہوا اور اُن اوصافِ ذمیمہ مین جن سے ظلمت شک حاصل ہوئیا جو اوصافِ یقین سے سرزد ہون اور جو اوصاف شک سے صادر ہوے ہون اُن مین تمیز کرلیتا ہے آگے فرماتے ہین کہ یہ جو حدیث مین آیا ہی استفت قلبک (یعنی جن امور مین اشتباہ واقع ہوا اور کوئی شرعی واضح ذلیل اُس حکم کی تحقیق کرنے پر بھی نہ ملے اُسمین اپنے قلب سے دریافت کرلیا کرو اور اُسکے موافق عمل کیا کرو) سو یہ ہر شخص کے لیے نہین بلکہ اُس شخص کے حق مین ہے جو وفا سے پر ہو یعنی عہود خداوندی اُسنے پورے کیے ہون اور احکام الٰہی کا پابند ہوا اور اس سلئے اُسکو نور بصیرت عطا ہوا ہو اُس شخص کا قلب ایسا سلیم ہو جاتا ہے کہ اُسکا فتویٰ ایسے امور مین قابل اعتبار ہوتا ہے آگے مثال دیتے ہین کہ نور بصیرت سے جو امور مشتبہ کی پہچان ہو جاتی ہے اُسکی ایسی مثال ہے جیسے زندہ آدمی کے منھ مین کھانے وغیرہ کے ساتھ کوئی تنکا چلا جاوے چونکہ اُسکی قوت حسیہ زندہ ہی قوۃ حسیہ سے فوراً مطلع ہو جاوے گا اسی طرح چونکہ اہل بصیرت کو حیات معنویہ حاصل ہے اپنے حواس معنوی سے امور مشتبہ مین امتیاز کرلیتے ہین ۔

حسِ دنیا نردبانِ این جہان	حسِ عقبیٰ نردبانِ آسمان
صحتِ این حس بجوئید از طبیب	صحتِ آن حس بجوئید از حبیب
صحتِ این حس ز معموری تن	صحتِ آن حس ز تخریبِ بدن

حبیب یعنی محبوب مراد مرشد کامل - اوپر ذکر فرمایا ہے کہ امور محسوسہ مین حس ظاہری سے امتیاز ہوتا ہے اور امور معنویہ مین حس معنوی سے امتیاز ہوتا ہے ان اشعار مین اُس مضمون کا تتمہ ہے اور حس معنوی کی فضیلت اور اُسکے تحصیل کا طریقہ بیان کرنا مقصود ہے ارشاد فرماتے ہین کہ حس دنیا تو عالم سفلی کے معلومات حاصل کرنے کا ذریعہ ہے اور حس عقبیٰ یعنی حس معنوی (نور معرفت) عالم علوی کے اسرار معلوم کرنے کا طریقہ اگر اس حس جسمانی کا درست کرنا چاہتے ہو تو طبیب سے رجوع کرو اور اُس حس روحانی کی ترقی منظور ہو تو مرشد کامل سے رجوع کرو اسی کا تتمہ فرماتے ہین کہ حس جسمانی کی صحت تو بدن کی درستی سے ہوتی ہے اور حس روحانی کی صحت بدن کے تخریب سے ہوتی ہے خلاصہ یہ کہ نور معرفت حاصل کرو - اور اُسکے حاصل کرنیکے لیے شیخ کامل کی خدمت مین رجوع کرو اور وہ جو کچھ ریاضات شاقہ و ترک ہوائے نفسانی و تقلیل لذات تجویز فرماوین گو اسمین تمھارا جسمانی ضرر ہو اسکو گوارا کرو تب وہ نور معرفت نصیب ہوگا جس سے نیک و بد اور خواص و عوام مین فرق کرسکو گے

شاہ جان مر جسم را ویران کند	بعد ویرانیش آبادان کند
اے خنک جانی کہ در عشق مال	بذل کرد او خانمان و ملک و مال
کرد ویران خانہ بہر گنج زر	وز ہمان گنجش کند معمور تر
آب را ببرید و جو را پاک کرد	بعد از ان در جو روان کرد آبخورد

پوست را بشگافت پیکان را کشید	پوست تازہ بعد ازانش بردمید
قلعہ ویران کرد وازکافر ستد	بعد ازان بر ساختش صد برج وسد

انجو روحشمہ۔ سد دیوار۔ ان اشعار مین ہمت بڑھاتے ہین کہ ریاضات ومجاہدات سے جو لذات نفسانی وشہوات جسمانی کی تقلیل یا مضرت ہوگی اس سے ڈرنا نہ چاہیے کیونکہ اس سے اچھا اسکا ثمرہ میسر ہوگا کہ روحانی حیات قوت نصیب ہوگی اگر فناے جسم سے بقاے روح کا ثمرہ ملے تو کیا ضرر ہے اس لیے ارشاد فرماتے ہین کہ شاہ جان (مالک روح) یعنی حق تعالی اول جسم کو ویران کریگا (ریاضات ومجاہدات سے جو حسب امر خداوندی مرشد نے بتلاے ہین) پھر ویرانی کے بعد اسکو آباد کریگا (یہ آبادی معنوی ہے یعنی روحانی حیات نصیب ہوگی جس سے اس بدن کو بھی حقیقی آبادی نصیب ہوتی ہے کیونکہ حیات روحانی کی بدولت نجات ونعماے جنت وقرب الہی میسر ہوتا ہے اور وہان نعمتونکا حصول اسی بدن سے ہوگا چنانچہ اہل حق کا مذہب ہے کہ آخرت مین اسی بدن سے محشور ہونگے) اسکے بعد فرماتے ہین کہ وہ جان یعنی وہ شخص بہت اچھا ہے جو ثمرہ آیندہ (نعمت باقی) کے عشق (طلب) مین اپنا دنیوی سامان خرچ کر ڈالے اور بعض نسخون مین عشق حال ہے مراد اس سے حال باطنی ہوگا اسکا بھی مطلب اسی کے قریب قریب ہوا آگے چند مثالین ہین ویرانی بدن اور آبادی روح کی۔ مثال اول کوئی شخص یہ تحقیق کرکے کہ اس گھر کے نیچے خزانہ ہے اس گھر کو کھود ڈالے پھر وہ خزانہ نکالکر اسی سے اس گھر کو از سر نو تعمیر اور آباد کرے۔ مثال ثانی نہر کا پانی براے چندے بند کرکے اسکو صاف ودرست کردیا پھر اوپر سے پانی جاری کردیا۔ مثال ثالث کسی شخص کے بدن مین پیکان یعنی تیر کا لوہا جا بیٹھا اور وہ ویسے نہین نکلتا آخر کھال مین شگاف دینا پڑا جب اسکو نکالا گو اسوقت تکلیف اور کھال کا نقصان ہوا مگر اسکے بعد تازہ پوست اور جم آیا۔ مثال رابع کوئی قلعہ کسی کافر کے قبضہ مین ہے محاصرہ کے وقت اسکو منجنیق یا توپ وگولے سے توڑ پھوڑ کر اندر گھسے اور غنیم کو قتل کرکے اسپر قبضہ کیا بعد مقبوض ہوجانے کے پھر صدہا برج اور دیوارین بنادین حاصل یہ کہ ان سب مثالون مین دیکھو کہ سر دست تو صریح مضرت اور نقصان گوارا کیا گیا اور جو انجام سے بے خبر ہے وہ ضرور اس مضرت سے تنگدل ہوگا مگر چونکہ اس مضرت وویرانی مین سر تا سر مصلحت ہے کہ ایک فساد کو دفع کرکے سابق سے اچھی آبادی اور رونق ہوجاویگی اس لیے نفع آیندہ کے لیے ضرر حال کو گوارا کرلیا یہی حالت ویرانی بدن کی ہے کہ اسکا انجام آبادی روح ہے تو عاقل کو لازم ہے کہ اس سے تنگدل نہ ہو بلکہ بخوشی اسکو گوارا اور اختیار کرے۔

ف اس مقام پر دو امر سمجھنے کے قابل ہین اول یہ کہ منافع نفس دو قسم کے ہین ایک حقوق دوسرے حظوظ سو مجاہدہ وریاضت مین حظوظ کی تقلیل یا ترک کرایا جاتا ہے اور حقوق کو ضائع نہین کیا جاتا کہ یہ خلاف سنت بھی ہے حدیث مین ہے اِنَّ لِنَفْسِکَ عَلَیْکَ حَقًّا اور مضر باطن بھی ہے کیونکہ اس سے ضعف بڑھ جاتا ہے صحت مین خلل پڑتا ہے پھر ضروری عبادات واشغال سے بھی عاجز ہوجاتا ہے اس لیے ترقی باطنی سے محروم رہتا ہے دوسرا امر یہ ہے کہ بزرگون نے جو ریاضات ومجاہدات مین ترک لذات کیا ہے وہ بطور علاج کیا ہے

جیسے کوئی ظاہری مریض بطور پرہیز کے کوئی قوی غذا چھوڑ دیتا ہے کہ مضر ہوگی اسکو عبادت و موجب قرب الٰہی نہیں سمجھتا اب اسپر یہ اعتراض نہین ہو سکتا کہ یہ بدعت ہے قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی لَا تُحَرِّمُوْا طَیِّبٰتِ مَا اَحَلَّ اللّٰہُ لَکُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا کیونکہ بدعت اسوقت ہے جب بطور تقرب ہو ورنہ خود ابن عباسؓ کی روایت ہے مِنَ الْاِسْرَافِ اَنْ تَاکُلَ کُلَّ مَا اشْتَہَیْتَ پس مقصود ان حضرات کا یہ تھا کہ تکثیر لذات سے نفس کی قوت بہیمیہ کو غلبہ ہوتا ہے اور طاعات مین سستی و کاہلی یا معاصی کا تقاضا کرنے لگتا ہے بعض اوقات اسوجہ سے لذات متروک ہو جاتی ہین کہ غلبۂ محبت الٰہی مین لذات کی طرف التفات ہی نہین ہوتا سو یہ ترک غیر اختیاری ہے نہ سنت نہ بدعت

کار بیچون راکہ کیفیت نہد — اینکہ گفتم از ضرورت مے جہد
گہ چنین بنماید و گہ ضد این — جز کہ حیرانی نباشد کار دین
کاملان کز سر تحقیق آگہند — بیخود و حیران و مست و والہ اند

والہ شیدا و حیران - اوپر کے اشعار مین طریقہ حیات روحانی حاصل کرنے کا بتلایا تھا ؎ صحت آن حس ز تخریب بدن ؛ اور اس تخریب بدن و ریاضت کا ثمرہ ضمن تمثیلات مین سمجھایا تھا کہ اسکی بدولت روحانی حیات حاصل ہوگی جس سے مفہوم ہوتا ہے کہ وصول الی اللہ کا طریقہ ریاضت و مجاہدہ ہے اب یہ بتلانا مقصود ہے کہ اس طریقہ کی قید بندی کے لیے ہے اسکو اسکی کوشش کرنا چاہیے حق تعالیٰ اس طریقہ کا مقید نہین وہ قادر ہین اور کبھی ایسا کر بھی دیتے ہین کہ بدون ریاضات و مجاہدات محض اپنے فضل سے دولت باطنی و حیات روحانی عطا فرما دیتے ہین چنانچہ اس مضمون کے اثبات کے لیے فرماتے ہین کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ بیچون و بیچگون ہین اُنکے کامونکی کیفیت اور طریقہ کون معین کر سکتا ہے کہ اسی طرح ہوتا ہے جسطرح مذکور ہوا اور جتنا اور جو کچھ اوپر کہا گیا ہے یہ بھی ضرورت کیوجہ سے کہا گیا ہے کہ طالبان حق مجاہدہ و ریاضت مین مشغول ہون اور طلب مین سرگرمی کرین کہ حق محبت یہی ہے کہ محبوب کے لیے جفاکشی کرے اسکے بعد معاملات خداوندی کی کیفیت معین نہونیکی تقریر کرتے ہین کہ کبھی کوئی امر ایکطرح معلوم ہوتا ہے کبھی دوسری طرح دین کے کام مین بھی حیرت کے سوا کچھ نہین مطلب یہ کہ کبھی اول ریاضت ہوتی ہے پھر وصول الی اللہ میسر ہوتا ہے اسکو طریق سلوک کہتے ہین کبھی وصول الی اللہ پہلے ہو جاتا ہے پھر شوق ریاضت و عبادت کا پیدا ہو جاتا ہے اسکو طریق جذب کہتے ہین کہ اول قلب مین کسی کامل کی صحبت یا کسی بزرگ کی حکایت یا بلا کسی ظاہری وجہ کے ایک قسم کی کشش اور کیفیت عشقی حق جل شانہ کی پیدا ہو گئی پھر بتدریج تفصیلی سلوک کی تکمیل کرتا رہا جب عارف ان معاملات کو مختلف طور پر مشاہدہ کرتا ہے یا خود اپنے ساتھ مختلف معاملات اور اپنے اندر مختلف واردات دیکھتا ہی تو حق تعالیٰ کی قدرت کی نیرنگیان اور اسرار دیکھکر اُسکو حیرت و انگیز ہوتی ہے سو کار دین سے مراد یہی وصول الی اللہ ہی

اور حقیقت مین کار دین اس سے بڑھ کر کیا ہوگا اور اسمین حیرت کی یہ وجہ ہے جو مذکور ہوئی اسکے بعد تعمیم کے طور پر فرماتے ہین کہ اس معاملہ خاص وصول الی اللہ ہی کی کیا تخصیص ہے کاملین جو کہ راز حقیقت سے آگاہ ہین وہ تو ہر معاملہ قدرت وحکمت کو دیکھ دیکھ کر خواہ وہ خود اُسکے ساتھ پیش آوین یا دوسروںین معاینہ کرین۔ ہر وقت حیران و مست رہتے ہین یہان یہ شبہہ نہ کیا جاوے کہ حیرت تو ہمیشہ ناواقفی حقیقت کیوجہ سے ہوتی ہے پھر واقفی اور آگاہی کے ساتھ حیرت کی کیا وجہ بات یہ ہے کہ حیرت کبھی تو محض ناواقفی کیوجہ سے ہوتی ہے بشرطیکہ اُسکی تلاش وفکر بھی ہو۔ اور کبھی اسوجہ سے ہوتی ہے کہ واقفیت تو بہت ہے مگر پورا احاطہ حقیقت کا نہین سو آگاہی عارفین کی ظاہر ہے کہ گو کثیر ہو مگر پھر محدود ہے اور اسرار الٰہیہ غیر محدود اور محدود کسیطرح غیر محدود کا احاطہ نہین کرسکتا اسلیے خواہ کسیقدر علم و تحقیق حاصل ہو مگر اسرار کو احاطہ نہ کرسکنے کی وجہ سے حیرت ہی نصیب ہوتی ہے لیکن یہ حیرت عقائد و احکام ضروریہ اسلامیہ مین نہین ہے جنکی تحصیل کا انسان مکلف ہے اور حکما خود ان امور حقہ مین بھی متردد رہتے ہین یہان اسرار باطنیہ مین جو حیرت ہوتی ہے اسکا ذکر ہے **ف** پس حیرت دو قسم کی ہوئی ایک بوجہ جہل محض کے اِسکو حیرت مذمومہ کہتے ہین دوسری باوجود کثرت علوم و واردات کے (جسکو بعضے توالی تجلیات کہتے ہین) بوجہ عدم احاطہ حقائق و اسرار کے اسکو حیرت محمودہ کہتے ہین چنانچہ شعر آیندہ مین ان ہی اقسام کیطرف اشارہ ہے۔

اقسام حیرت

	بل چنین حیران کہ غرق و مست دوست		نے چنان حیران کہ پشتش سوی اوست	
	وین یکی را روی او خود روی اوست		آن یکی را روے او شد سوی دوست	

روی یعنی توجہ۔ یعنی ہمنے جو اوپر کہا ہے کہ عارف حیران رہتے ہین سو وہ ایسے شخص کیطرح حیران نہین ہین جسکی پشت دوست کیطرف ہو یعنی حق تعالیٰ سے غافل و محجوب ہو بلکہ وہ ایسے حیران ہین کہ علوم الٰہیہ مین مستغرق اور مست ہین مطلب یہ کہ انکی حیرت مذمومہ نہین بلکہ محمودہ ہے اسکے بعد حیرت محمودہ کے دو مرتبے بتلاتے ہین کہ ایک حیرت زدہ وہ ہے کہ اسکی توجہ دوست (حضرت حق) کیطرف ہے دوسرا وہ ہے کہ اسکی توجہ عین دوست کی توجہ ہے مطلب یہ کہ حیرت محمودہ مین بعض کو تو استغراق کم ہوتا ہے کہ اپنے سے بیخود نہین ہوتے اور حضرت حق کیطرف بھی توجہ رکھتے ہین بعض ایسے مستغرق ہو جاتے ہین کہ انکی صفت توجہ بھی نہین رہتی بلکہ توجہ حق مین فنا ہو جاتی ہے کیونکہ بیخودی مین ظاہر ہے کہ کسی قسم کی خبر نہین رہتی۔

معنی عینیت و غیریت و اصطلاحات مختلف

ف چونکہ روی او خود روی اوست سے عینیت مفہوم ہوتی ہے اور اسمین بہت لوگ غلطی کرتے ہین اسلیے اسکی تحقیق مختصر طور پر عرض کرتا ہون جاننا چاہیے کہ عینیت و غیریت دو لفظ متقابل ہین اور مختلف اصطلاح سے تین معنے پر ان کا اطلاق آتا ہے معنی اول عینیت کے یہ کہ دو مفہومونکا مصداق من کل الوجوہ ایک ہونا یعنی دو چیزونکا ہر طرح سے ایک ہونا کہ انمین کسی قسم کا فرق نہو جیسے انسان اور حیوان ناطق یا زید اور ذات زید کہ انمین اصلا تغایر نہین۔ اور غیریت یہ کہ اُن دونونمین کسی قسم کا تغایر اور امتیاز ہو یعنی فرق ہونا اس تفسیر پر عینیت اور غیریت مین باہم تناقض ہے جس سے ان دونونکا ایک محل مین جمع ہونا بھی محال ہے اور دونونکا کسی محل سے مرتفع ہونا بھی

محال ہے اور تیسرا دو معنی عینیت و غیریت کے یہی ہین اور یہی معنی لغوی ہین اور اسی مین اکثر عرفاً استعمال ہوتا ہے اور
اکثر اہل معقول بھی یہی مراد لیتے ہین اس تفسیر کے اعتبار سے کوئی شے موجود خواہ وہ حادث و مخلوق ہو جیسے تمام زمین و
آسمان کی چیزین یا قدیم و غیر مخلوق ہو جیسے صفات باری تعالیٰ کی عین ذات باری تعالیٰ کی نہین مخلوقات کا عین نہونا
تو باتفاق اہل نقل و عقل ہے اور صفات کا عین نہونا صرف جمہور اہل سنت کے نزدیک ہے بخلاف حکماء و اہل اعتزال
کے کہ صفات کو عین ذات کہتے ہین اور ظاہر قرآن اہل سنت کی تائید کرتا ہے کیونکہ جا بجا اللہ تعالیٰ نے اپنے کو علیم و
حکیم و سمیع و بصیر فرمایا ہے جسکے معنے ذی علم و ذی حکمت و ذی سمع و ذی بصر ہین اگر علم و حکمت و سمع و بصر عین ذات
ہوتین تو ذی علم و ذی حکمت وغیرہ کے معنے ذو نفسہ ہوتے اور یہ محض بے معنی ہے پس ظاہر قرآن و حدیث سے
یہی مفہوم ہوتا ہے کہ صفات زائد علی الذات ہین جب اس تفسیر کے اعتبار سے کوئی شے عین ذات حق نہین تو سب
ممکنات و صفات غیر ذات ہونگی (معنی ثالث) عینیت کی تو وہی تفسیر لی جاوے اور غیریت کے یہ معنی ہون کہ دو
چیزونمین سے کسی ایک کا بدون دوسرے کے موجود ہو سکنا۔ (جواز الانفکاک بین الشیئین و لو من جانب احد و بسا
اخری عدم التلازم بین الشیئین) اس تفسیر پر عینیت و غیریت مین باہم تناقض تو نہین مگر تضاد ہے یعنی دونون ایک
محل پر صادق نہین آسکتے مگر دونون مرتفع ہو سکتے ہین جیسی شان متضادین کی ہوتی ہے اور یہ اصطلاح متکلمین
کی ہے اس تفسیر کے اعتبار سے بھی ذات باری تعالےٰ اور مخلوقات مین عینیت نہین ہے جیسا اوپر گذرا بلکہ غیریت ہے
کیونکہ غیرت کے معنے تھے کسی ایک کا بدون دوسرے کے موجود ہو سکنا گو دوسرا بدون اس ایک کے موجود نہو سکے
تو گو مخلوقات بدون باریتعالےٰ کے موجود نہین ہو سکتی لیکن باری تعالےٰ تو بدون مخلوق کے موجود ہو سکتے ہین
اور واقع مین قبل ایجاد خلق کے موجود تھے اور مخلوقات کو فنا کر کے بھی موجود رہین گے پس غیریت کے معنے متحقق ہو گئے
سو حضرت حق و خلق مین عینیت کی نفی اور غیریت کا ثبوت ہو گیا لیکن ذات حق او صفات مین اس تفسیر پر نہ عینیت
ہوئی نہ غیریت عینیت تو اس لیے نہوئی کہ اُسکے معنے تھے دو چیزونکا بالکل ایک ہونا اور جب صفات زائد علی الذات
ہین جیسا اوپر بیان ہوا تو عینیت کہان ہوئی اور غیریت اس لیے نہ ہوئی کہ یہان ذات اور صفات دونونمین سے
ایک بھی ایسی چیز نہین کہ بدون دوسرے کے اُسکا پایا جانا ممکن ہو صفات تو بدون ذات کے اسلیے موجود نہین ہو سکتین
کہ یہ صفات تحقق مین تابع ہین اور ذات متبوع اور تابع کا وجود بدون متبوع کے محال ہے اور ذات بدون
صفات کے اسلیے نہین پائی جاسکتی کہ ذات کا خالی ہونا صفات کمال سے لازم آتا ہے اور وہ محال ہے پس ہر ایک دوسرے کیلیے
مستلزم ہوا اسلیے غیریت بھی نہوئی پس عینیت و غیریت دونون مرتفع ہو گئین یہی معنی ہین متکلمین کے اس قول کے (ہی لا عینہ و لا غیرہ)
معنے ثالث عینیت کے معنے ہین ایک شے کا دوسری شے کیطرح محتاج فی الوجود ہونا گو وہ دوسری شے اس پہلے کی محتاج نہو
اور غیریت کے وہ معنے ہین جو معنے اول مین مذکور ہوئے ہین یعنی اُن دونون شے مین کسی قسم کا تغایر اور امتیاز و فرق ہونا اور اس
تفسیر پر عینیت و غیریت مین نہ باہم تناقض ہے اور نہ تضاد بلکہ دونونکا جمع ہونا ایک محل مین ممکن ہے مثلاً زید اور اُسکے
صفات کہ صفت بدون زید کے نہین پائے جاتے اسلیے عینیت صادق آئی اور دونون باہم ممتاز بھی ہین اسلیے غیریت

صادق آئی اور یہ اصطلاح حضرات صوفیہ کرام کی ہے اس تفسیر کے اعتبار سے ذات باری تعالیٰ اور مخلوقات مین عینیت بھی ہے کیونکہ مخلوقات ذات باری تعالیٰ کی محتاج ہے گو ذات باری تعالیٰ احتیاج سے مبرا ہی اور غیریت بھی ہے کیونکہ مخلوقات باری تعالیٰ مخلوقات مین لاکھون طرح کے فرق ہین۔ ہرچند کہ اس معنے ثالث کے اعتبار سے صوفیہ تمام مخلوقات کو عین باری تعالیٰ سے کہتے ہین اسمین کسی سالک عارف کی تخصیص نہین مگر بعض اوقات اس تفسیر مین ایک قید اور بھی بڑھاتے ہین یعنے اس احتیاج الخلق الی الحق کا علم و معرفت بھی حاصل ہو اس معنی مقید کے اعتبار سے تمام مخلوقات مین سے صرف عارف کے لیے عینیت کا اثبات کرتے ہین کہ اسکو معرفت ہے دوسری مخلوقات اس عرفان سے خالی ہے پھر بعض اوقات اس قید پر ایک قید اور بڑھاتے ہین یعنی اس معرفت مین اسقدر استغراق ہو کہ خود مخلوق حتی کہ اپنی ذات اور ہستی کیطرف بھی التفات نہ رہے اس قید کے اعتبار سے تمام عارفین پر بھی عینیت صادق نہ آویگی بلکہ ان مین سے جو استغراق تام رکھتے ہین وہی اسکے مصداق ہونگے اس تقریر پر عینیت وغیریت کی کل پانچ تفسیرین ہوئین اور مولانا نے روی او خود روے دوست مین سب سے اخیر کے معنے مراد لیے ہین

روے ہر یک می نگر می دار پاس	بو کہ گردی تو ز خدمت رو شناس		
دیدن دانا عبادت این بود	فتح ابواب سعادت این بود		

یعنی اوپر کے شعر مین جو بمعنے اہل اللہ کی دو قسمین بیان کی ہین ـــ آن یکے را روے او شد الخ ان مین سے ہر ایک کی زیارت کیا کرو اور ادب کا لحاظ رکھا کرو شاید انکی خدمت کی برکت سے تکو بھی اہل حق اور اہل باطل کی روشناسی کا سلیقہ ہوجاوے اور امور مشتبہ مین جنکا ذکر اوپر کے اشعار مین ضمن تمثیلات مین کیا گیا ہے تمیز ہونے لگے آگے فرماتے ہین یہ جو منقول ہے کہ عالم کا دیکھنا عبادت ہے اس عالم سے بھی اہل اللہ مراد ہین ان ہی کا دیکھنا عبادت اور ان ہی کی خدمت سے ابواب سعادت مفتوح ہوتے ہین

در فرق میان محقق و مدعی و محق و مبطل

اوپر کے اشعار مین یہ بیان ہوا ہے کہ بعض اوقات حق و باطل ظاہرا باہم مشتبہ ہو جاتے ہین اسلیے تمیز کی ضرورت ہے اسی اشتباہ کی وجہ سے کبھی طالب غلطی سے شیخ مزور یعنے جھوٹے مکار پیرون کو شیخ کامل سمجھکر بیعت کرلیتا ہے اور ہمیشہ کے لیے تباہ ہوتا ہے اس لیے اس مضمون پر متنبہ فرمانا منظور ہے۔ یا یون کہا جاوے کہ اوپر اشعار مین کہا تھا کہ امور مشتبہ مین تمیز کرنیکے لیے جس حس کی ضرورت ہے اسکی صحت مرشد کامل سے کرنا چاہیے ـــ صحت این حس بجوئید از حبیب ۔ اسلیے فرماتے ہین کہ ہر ایک کو مرشد نہ بنانا چاہیے۔

چون بسی ابلیس آدم روے ہست	پس بہر دستے نباید داد دست		
زانکہ صیاد آورد بانگ صفیر	تا فریبد مرغ را آن مرغ گیر		
بشنود آن مرغ بانگ جنس خویش	از ہوا آید بیابد دام و نیش		
حرف درویشان بدزدد مرد دون	تا بخواند بر سلیمے زان فسون		

یعنی بہت سے شیطان آدمی کی صورت مین ہین (چنانچہ اللہ تعالےٰ نے بھی شیطان کی دو قسمین بیان فرمائی ہین شیاطین الانس والجن) اسلیے ہر شخص سے بلا تحقیق بیعت نہ کرنا چاہیے آگے مثال دیتے ہین کہ صیاد کا قاعدہ ہے کہ جانور کی سی بولی بولکر جانور کو دھوکا دیتا ہے وہ اپنے جنس کی آواز سنکر اتر آتا ہے اور جال اور عذاب مین اپھنستا ہے اسیطرح مکارونکی عادت ہے کہ درویشون کے اقوال یاد کرکے مجالس کو گرم کرتے ہین تاکہ سلیم یعنی سادہ لوح پر افسون کیطرح اثر ڈالین (اور سلیم مار گزیدہ کو بھی کہتے ہین افسون کے ساتھ اس لفظ کا لانا شاعری رعایت ہے) طالب اسکو سنکر معتقد ہوجاتا ہے اور ہلاکت اور ضلالت مین مبتلا ہوجاتا ہے۔

کارِ مردان روشنی و گرمی ست	کارِ دونان حیلہ و بے شرمی ست

روشنی سے مراد نور ایمان و عرفان۔ گرمی سے مراد گرمی عشق اسمین اشارہ ہے شیخ کامل کی پہچان کیطرف کہ اُنکے یہ صفات ہین (معرفت اور عشق) اور جو کمینے یعنی جھوٹے ہین اُنکی عادت حیلہ و بے حیائی ف مولانا نے شیخ کامل کے علامات اجمالاً بیان فرمائے ہین راقم اسکی تفصیل کرتا ہے جاننا چاہیے کہ جسطرح مرض ظاہری کے علاج کیلیے ایسے طبیب کی ضرورت ہے جو خود بھی صحیح و تندرست ہو مریض نہ ہو اور دوسرونکا علاج بھی کرسکے (کیونکہ اگر خود مریض ہے تو مسئلہ طبیہ ہے رائ العلیل علیل گو وہ طبیب ہو مگر اسکی رای قابل اعتماد نہین اگر وہ صحیح و تندرست ہے مگر علاج کا طریقہ نہین جانتا تب بھی اُس مریض کے مطلب کا نہین گو خود اچھا ہے) اسیطرح امراض باطنی کے علاج کے لیے ایسے شیخ و مرشد کی حاجت ہے جو خود بھی متقی و صالح ہو مبتدع و فاسق نہ ہو اور دوسرونکی بھی تکمیل کرسکے کیونکہ اگر بدعقیدہ و بدعمل ہے تو اولاً اسپر یہ اطمینان نہین کہ بخیر خواہی سے تعلیم کریگا بلکہ غالب تو یہی ہے کہ عقیدہ مین اپنا جیسا بنانے کی کوشش کریگا اور عمل مین اسکو اسلیے نصیحت نہ کرسکے گا کہ خود اسکا عامل نہین یہی خیال ہوگا کہ اگر نصیحت کرونگا یہ شخص اپنے دل مین کیا کہیگا بلکہ غالب یہ ہے کہ خود بھلا بننے کو اپنی بدعملی کو تاویل سے درست کرنا چاہیگا تو اسمین بڑی گمراہی کا اندیشہ ہے ثانیاً اسکو تعلیم مین انوار و برکات و تاثیر و امداد غیبی نہ ہوگی اسیطرح اگر متقی و صالح تو ہو مگر تربیت باطنی کا طریقہ نہ جانتا ہو تو وہ بھی طالب کی دفع ضرورت نہین کرسکتا اور جسطرح طبیب ظاہری کا طبیب ہونا ان علامات سے معلوم ہوتا ہے کہ علم طب پڑھا ہو کسی طبیب کامل کے پاس مدت معتد بہ تک مطب کیا ہو سمجھدار لوگ اسی کی طرف رجوع ہون اُسکے ہاتھ سے لوگ شفایاب بھی ہوتے ہون اسی طرح طبیب باطنی یعنی شیخ کے شیخ ہونیکی علامات یہ ہین کہ کسی کامل کی خدمت مین مدت تک مستفید ہوا ہو اہل علم و اہل فہم اسکو اچھا سمجھتے ہون اور اسی کی طرف رجوع کرتے ہون اُسکی صحبت سے محبت الٰہی کی زیادتی اور محبت دنیا کی کمی قلب مین محسوس ہوتی ہو اس کے پاس رہنے والون کی حالت روز بروز درست ہوتی ہوئی معلوم ہوتی ہو یہ شخص اس قابل ہے کہ اسکو شیخ بناوے اور اسکو اکسیر اعظم سمجھے اور اسکی زیارت و خدمت کو کبریت احمر جانے پس مجموعہ ان صفات کا جو شیخ کامل مین ہونا چاہیئن یہ ہے متقی و صالح ہو۔ متبع سنت ہو۔ علم دین بقدر ضرورت جانتا ہو۔ کسی کامل کی خدمت مین رہ کر فائدہ باطنی حاصل کیا ہو۔ عقلاء و علماء اسکی طرف مائل ہون۔ اسکی صحبت مؤثر ہو۔ اس سے مریدون کی حالت کی اصلاح ہوتی ہو

شیر پشمین از برای کد کنند / بو مسیلم را لقب احمد کنند
بو مسیلم را لقب کذاب ماند / مر محمد را اولو الالباب ماند
آن شراب حق ختامش مشک ناب / بادہ را ختمش بود گند و عذاب

کد گدائی بو مسیلم مراد مسیلمہ کذاب لفظ ابو زائد و ہا محذوف برای ضرورت شعر۔ آن عائد بہ صلے اللہ علیہ وسلم ختام چیزیکہ بر سر سبوئی شراب میگذارند و دہن سبو را بدان مہر کنند۔ شین ختمش مضاف الیہ بادہ راجع بہ مسیلمہ ولایت مین دستور ہے کہ پشمینہ سے شیر کی شکل بنا کر ایک لکڑی پر آویزان کرکے بھیک مانگتے ہین مطلب یہ کہ جھوٹے پیر سچے لوگونکی شکل بنا کر تحصیل دُنیا کرتے پھرتے ہین اور عوام الناس مسیلمہ (مکار) کو احمد (راستکار) سمجھتے ہین (لیکن انجام کار جھوٹے رسوا ہوتے ہین اور سچے منصور و مؤید من اللہ ہوتے ہین جسطرح مسیلمہ کا لقب کذاب رہ گیا اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا لقب صاحب عقل صاحب عرفان رہا۔ آپ شراب حق ہین جسکی مہر خاص مشک کی ہے کہ مہر توڑتے ہی خوشبو پھیلتی ہے اور سبو کے اندر سے پیجئے تو مستی نصیب ہوتی ہے اسیطرح حضور صلے اللہ علیہ وسلم جو وقت تکلم فرماتے ہین (مہر خاموشی توڑتی ہے) انوار و برکات پھیلتے ہین اور اگر باطن سے پیجئے تو مستی عشق و محبت نصیب ہوتی ہے اور مسیلمہ کے شراب کی مہر گندگی اور عذاب ہے کہ اُسکے منہ سے ضلالت گمراہی کی باتین نکلتی ہین

داستان آن بادشاہ جہود کہ نصرانیان را میکشت از تعصب

اوپر جھوٹے پیرون کے مکر و فریب کا بیان ہے یہ داستان اسی مضمون سے مربوط ہے کیونکہ اسمین یہودی وزیر کا قصہ ہے جو نصرانیون کو فریب دیکر ان کا پیر بن گیا اور انکے دین و دنیا کو تباہ کیا۔

بود شاہے در جہودان ظلم ساز / دشمن عیسےٰ و نصرانی گداز
عہد عیسیٰ بود و نوبت آنِ او / جان موسیٰ او و موسیٰ جان او
شاہ احول کرد در راہ خدا / آن دو دمساز خدائی را جدا

یعنی ایک بادشاہ یہودیون مین ظالم تھا حضرت عیسےٰ علیہ السلام کا بھی دشمن اور عیسائیون کا بھی ہلاک کرنیوالا اور زمانہ عیسےٰ علیہ السلام کی شریعت کا تھا اور انکے دین کا دور تھا یعنی لوگ انکی شریعت کے مکلف تھے غرض یہ قصہ ہمارے حضور صلے اللہ علیہ وسلم سے قبل کا ہے۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام دونون ایک جان ہین یعنی رسالت کے اعتبار سے دونون متحد ہین مگر اُس (باطنی) احول بادشاہ نے دین کے معاملہ مین اُن دونون حضرات کو جو دین حق مین متحد اور متفق ہین جدا جدا کر رکھا تھا کہ ایک کی تصدیق کرتا تھا دوسرے کی تکذیب وہ دونکا متفق ہونا اس آیت کا مضمون ہے۔ لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِہٖ۔

گفت استا د احولے را کاندر آ / رو برون آر از وثاق آن شیشہ را
چون درون رفت احول اندر خانہ زود / شیشہ پیش چشم او دو مے نمود

گفت استاد آن دو شیشہ نیست رو | احولی بگذار و افزون بین مشو
گفت اے استا مرا طعنہ مزن | گفت استا زان دو یک را در شکن
چون یکی بشکست ہر دو شد ز چشم | مرد احول گردد از میلان و خشم
شیشہ یک بود و بچشمش دو نمود | چون شکست او شیشہ را دیگر نبود

وثاق بحرکات ثلثہ خانہ - میلان شہوت - اس حکایت مین احول باطن (یہودی مذکور) کی تمثیل ہی احول ظاہر کے ساتھ خلاصہ حکایت کا یہ ہی کہ کسی اُستاد نے ایک احول شاگرد سے کہا کہ گھر مین سے فلان شیشہ اٹھا لا اندر جاکر جو دیکھا تو ایک شیشہ کے اُسکو دو نظر آئے آکر اُستاد سے پوچھا کہ وہان تو دو ہین ان مین سے کون سا لے آؤن اُستاد نے کہا کہ دو نہین ہین اس احول پن کو چھوڑ دے کہنے لگا کہ آپ طعنہ ناحق دیتے ہین واقع مین وہان دو رکھے ہین اُستاد نے کہا کہ اچھا ایک کو توڑ ڈال دوسرا لے آ اُسنے جو ایک کو توڑا تو دونون نظر سے غائب ہوگئے مولانا فرماتے ہین کہ اسیطرح آدمی شہوت وغضب سے احول اور غلط بین ہو جاتا ہی دیکھو شیشہ واقع مین ایک تھا اُسکو دو نظر آئے جب ایک توڑا دوسرا بھی نہ رہا - شہوت وغضب سے احول ہونیکی آگے تفصیل آتی ہی - اسیطرح وہ یہودی بادشاہ باطنًا احول تھا کہ دونون پیغمبرون کو غیر سمجھتا تھا - اور ایک کی تکذیب کرتا تھا مگر واقع مین دوسرے کی بھی تکذیب ہو رہی تھی کیونکہ ایک نبی کی تکذیب سے سب انبیا کی تکذیب لازم آتی ہے

خشم و شہوت مرد را احول کند | ز استقامت روح را مبدل کند
چون غرض آمد ہنر پوشیدہ شد | صد حجاب از دل بسوی دیدہ شد
چون دہد قاضی بدل رشوت قرار | کے شناسد ظالم از مظلوم زار

اسمین تفصیل ہی مضمون بالا کی سے مرد احول گردد از میلان و خشم ۔ مطلب یہ کہ غضب و شہوت آدمی کو غلط بین کر دیتے ہین اور روح کو استقامت سے بدل دیتے ہین کیونکہ ان دونو کی وجہ سے غرض نفسانی غالب ہو جاتی ہے اور غرض ایسی چیز ہے کہ جہان درمیان آئی ہنر اور امر اصلی پوشیدہ ہوا اور اول قلب پر اس سے حجاب واقع ہوتا ہی کہ اُسکا ادراک غلط ہو جاتا ہی اور چونکہ حواس اکثر آثار مین قلب کے تابع ہوتے ہین اسلیے قلب سے آنکھ کیطرف حجاب آجاتا ہی یعنی ادراک حسی مین بھی غلطی ہونے لگتی ہی مثلاً قاضی اپنے دل مین قرار دے لے کہ اس مقدمہ مین رشوت لونگا پھر ظالم اور مظلوم کو ہرگز نہین پہچان سکتا توضیح اسکی یہ ہی کہ غرض نفسانی دو طرح کی ہوتی ہی ایک کسی منفعت کا حاصل کرنا اسکو شہوت کہتے ہین دوسرے کسی مضرت کا دفع کرنا اسکو غضب کہتے ہین یہی دو وجہین ہوتی ہین بے انصافی کی اور دوسرے کے نفع و نقصان کے رعایت نہ کرنے کی جب دوسرے کے نفع و نقصان کی رعایت کا عزم نہ ہوگا تو حقیقت حال اور امر واقعی کو کیون تحقیق کریگا بلکہ بلا تحقیق بھی جو کچھ معلوم ہوگا اسکو اورون سے بھی پوشیدہ کریگا اور خود اپنے قلب سے نکالنے کی بھی کوشش کریگا ایسی حالت مین قلب اور حواس اپنا پورا کام نہ دینگے یہ معنی ہین قلب اور چشم پر حجاب آجانے کے -

شاہ از حقدِ جہودانہ چنان
صد ہزاران مومن مظلوم کشت

گشت احول کالامان یا رب امان
کہ پناہم دین موسیٰ را و پشت

یعنی وہ بادشاہ کینۂ جہودانہ کی وجہ سے ایسا احول اور غلط بین ہوگیا تھا کہ خدا کی پناہ اور اسی سے لاکھون اہل ایمان مظلوم قتل کرڈالے اور سمجھتا تھا کہ مین دین موسوی کا پشت و پناہ ہون کہ انکی دین کی حمایت مین نصرانیونکو کہ اسوقت وہ اہل ایمان تھے قتل کررہا ہون حقد جہودانہ سے مراد کینۂ شدید ہے کیونکہ یہودی سخت کینہ ور ہوتے ہین

آموختن وزیر مکر شاہِ گمراہ را

او وزیرے داشت گبر و عشوہ دہ
کو بر آب از مکر بر بستی گرہ

گفت ترسایان پناہ جان کنند
دینِ خود را از ملک پنہان کنند

کم کش ایشان را کہ کشتن سود نیست
دین ندارد بوی مشک و عود نیست

سِرّ پنہان ست اندر صد غلاف
ظاہرش با تست و باطن بر خلاف

عشوہ بمعنی فریب - ترسایان مبتدا پناہ جان کنند خبر خود مقولہ گفت - بوی مفعول ندارد - مشک و عود نیست جملہ مستانفہ غلاف پردہ - یعنی اُس بادشاہ کا ایک وزیر تھا نہایت مکار و چالاک مبالغۃً فرماتے ہین کہ پانی پر گرہ لگاتا تھا اُسنے بادشاہ سے کہا کہ نصرانی لوگ اپنی جان بچانے کو اپنا دین پوشیدہ کرلین گے سو انکو قتل مت کرو کہ اس سے کچھ فائدہ نہین ظاہر ہے کہ دین مین کوئی محسوس خوشبو تو ہے نہین کہ سونگھ کر معلوم کرلیا جاوے کہ اسکا یہ دین ہے کیونکہ دین کوئی مشک و عود نہین جسمین خوشبو آتی ہو وہ تو ایک پوشیدہ چیز ہے سیکڑون پردون مین (قلب مین) بندھے ممکن ہے کسی کا ظاہر تمھارے ساتھ ہو اور باطن بر خلاف ہو تمکو اسکا پتہ کیسے لگ سکتا ہے مقصود یہ کہ اگر نصرانی ظاہر مین تمھارا دین قبول کرلین اور دل مین اپنے مذہب پر رہین تو تم کیا کروگے تو اسطرح نصرانیت نابود نہین ہوسکتی

شاہ گفتش پس بگو تدبیر چیست
چارۂ این مکر و این تزویر چیست

تا نماند در جہان نصرانیے
نے ہویدا دین و نے پنہانیے

تزویر فریب - یعنی بادشاہ نے کہا کہ پھر تم بتلاؤ کیا تدبیر ہونا چاہیے اور اس مکر و فریب کا کیا علاج ہونا چاہیے جس سے دنیا مین کوئی نصرانی باقی نہ رہے نہ ظاہر دین کا نہ پوشیدہ دین کا۔

گفت ای شہ گوش و دستم را ببُر
بینیم بشگاف و لب در حکم مُر

بعد ازان در زیر دار آور مرا
تا بخواہد یک شفاعت گر مرا

بر منادی گاہ کن این کار تو
بر سر راہے کہ باشد چار سو

انگہم از خود بران تا شہر دور
تا در اندازم درایشان شر و شور

چون کشوند آن قوم از من دین پذیر
کار ایشان سر بسر شوریدہ گیر

در میان شان فتنها انگنم — کاہرمن حیران بماند در فنم

انچه خواہم کرد با نصرانیان — آن نمی آید کنون اندر بیان

چون شمارندم امین و مقتدا — دام دیگرگون نہم شان پیش پا

وز حیل بفریبم ایشان را ہمہ — وانداز ایشان افگنم صد دمدمہ

تا بدست خویش خون خویشتن — بر زمین ریزند کوتہ شد سخن

بشگاف صیغۂ امر۔ لب معطوف بر بینی۔ مُرتَبِع مراد شدید۔ شفاعت گر شفاعت کنندہ۔ شوریدہ پریشان اہرمن شیطان شان مضاف الیہ پا۔ دمدمہ فریب۔ خون خویشتن مفعول ریزند۔ یعنی وزیر نے کہا تدبیر اسکی یہہ کہ میرے کان اور ہاتھ کاٹ ناک اور لب چیر ڈالو سخت حکم دیکر۔ بعد اسکے مجکو دار کے نیچے لاکر کھڑا کرو۔ (تاکہ لوگ سمجھیں کہ دار پر کھینچا جاویگا) پھر کوئی شفیع تم سے مجکو مانگ لے (یعنی شفاعت کرکے دار سے بچالے) اور یہ کام منظر عام پر ہونا چاہیے جہان چوراہہ ہو پھر مجکو اپنے پاس سے کسی دور بستی مین نکلوا دو پھر دیکھو مین اُن نصرانیون مین کیا شور و شر پھیلاتا ہون جب وہ لوگ مجھ سے دین قبول کرنے لگینگے (یعنی دین کا مفتی مجکو مان لینگے) بس انکا کارخانہ درہم و برہم ہوا سمجھ لینا۔ انمین وہ فتنے ڈالونگا کہ شیطان بھی میرے فن سے حیران رہ جاویگا غرض مین جو کارروائی نصرانیونکے ساتھ کرنیوالا ہون وہ اسوقت بیان مین نہین اسکتی جب مجکو قابل اعتماد اور پیشوا شمار کرنے لگین گے اسوقت ایک دوسرا جال انکے سامنے پھیلاونگا اور حیلون سے سب کو دھوکہ مین ڈالونگا اور انکے درمیان سیکڑون چالاکیان وقع کرونگا حتی کہ اپنے ہاتھون اپنا خون خراب کرلین گے قصہ مختصر ہوا

پس بگویم من بسر نصرانیم — اے خدا اے رازدان مے دانیم

شاہ واقف گشت از ایمان من — وز تعصب کرد قصد جان من

خواستم تا دین ز شہ پنہان کنم — انچہ دین اوست ظاہر آن کنم

شاہ بوئے برد از اسرار من — متہم شد پیش شہ گفتار من

گفت گفتِ تو چو در نان سوزن ست — از دل من تا دل تو روزن ست

من ازان روزن بدیدم حال تو — حال تو دیدم ننوشم قال تو

گفت ثانی مصدر مضاف بہ تو مبتدا چو در نان سوزن ست۔ جملہ مقولہ گفت اول ننوشم اے نشنوم۔ و در بعض نسخ ننیوشم بطور استفہام انکاری۔ ان اشعار مین بیان ہے اس فریب کا مطلب یہ کہ جب میرا یہ حال بنایا جاویگا تو مین نصرانیون سے کہونگا کہ مین باطن مین دین نصرانی رکھتا تھا اور اسپر قسم کھاؤنگا کہ اے عالم الغیب آپ خوب جانتے ہین بادشاہ کسیطرح میرے دین سے واقف ہوگیا اور تعصب کیوجہ سے میری جان لینے کا قصد کیا مین نے بہت چاہا کہ اپنا دین بادشاہ سے چھپاؤن اور اُسی کا دین (یہودیت) ظاہر کرون (یعنی ظاہر مین یہودی بنا رہون) مگر بادشاہ کو میرے باطنی خیالات کا پتہ لگ گیا اور میرا ظاہری بیان (دعوے یہودیت) اُسکے روبرو بے اعتبار ٹھہرا اور مجھ سے کہنے لگا کہ تیری بات دلین اسطرح چبھتی ہے جیسے فرض کرو سوئی روٹی مین چھپادی جاوے

تو گو کھانیوالے کو نظر نہ آویگی مگر لقمہ چبانیکے وقت تو مُنہ مین چھپے گی اور معلوم ہوجاویگا اسیطرح تیرے دعوے مین جھوٹ کی آمیزش دل مین کھٹکتی ہی اور میرے دل سے تیرے دل تک ایک سوراخ ہی مین نے اس روزن سے تیری حالتِ اصلی کو دیکھ لیا ہی یعنی باہم ایک جگہ مدت تک رہنے سے اسقدر مزاج شناسی اور مناسبت ہوگئی ہی کہ اپنی عقل و فراست سے تیرے مخفی خیالات کو سمجھ سکتا ہون جب تیرا حال دیکھ رہا ہون تو قال کو کب سن سکتا ہون یہ تمام مضمون وزیر کا ہی کہ نصرانیون سے یہ باتین کرونگا۔

گر نبودے جانِ عیسیٰ چارہ ام ۔ او جہودانہ بکردے پارہ ام

بہرِ عیسیٰ جان سپارم سر دہم ۔ صد ہزاران منتش بر خود نہم

جان دریغم نیست از عیسیٰ ولیک ۔ واقفم بر علمِ دینش نیک نیک

حیف می آید مرا کاین دینِ پاک ۔ درمیانِ جاہلان گردد ہلاک

شکر ایزد را و عیسیٰ را کہ ما ۔ گشتہ ایم این دینِ حق را رہنما

از جہودان و ز جہودی رستہ ایم ۔ تا بہ زنارے میان را بستہ ایم

دور دورِ عیسیٰ ست اے مردمان ۔ بشنوید اسرارِ کیشِ او بجان

کاین شہ بے دین ظالم بس عدوست ۔ می نداند ہیچ دشمن را ز دوست

این فسق میگفت با نصرانیان ۔ لیک بودش دل بسوی شہ کشان

گفت شہ را کاے شہنشہ صبر کن ۔ تا من ایشان را کنم از بیخ و بُن

یہ بھی تتمہ ہے مضمون وزیر کا کہ مین نصرانیون مین یہ کہونگا یہ کہونگا یعنی اگر عیسےٰ علیہ السلام کی روح مقدس میری چارہ جو اور مددگار نہوتی تو وہ بادشاہ بالکل میرے ٹکڑے کر ڈالتا اور مین تو عیسےٰ علیہ السلام کے لیے جان اور سر دینے کو آمادہ ہون بلکہ جان دیکر انکا احسان اپنے اوپر مانون کہ میری جان قبول ہوگئی تو جان بچانیکے لیے مین نے اخفاءِ دین نہین کیا عیسےٰ علیہ السلام کو جان نذر کرنے سے مجکو دریغ نہین ہے مگر بات یہ ہے کہ مین آپ کے علم دین سے خوب واقف ہون مجکو یہ ضرور افسوس آتا ہے کہ یہ مقدس دین اسطرح جاہلون مین برباد ہوجاوے (کہ کوئی واقف نہ ہونے پاوے اور میری جان تلف ہوجاوے) خدا تعالیٰ کا اور عیسیٰ علیہ السلام کا شکریہ ادا کیا جاتا ہی کہ ہم اس دین حق کے رہنما ہوے۔ اور یہودیون اور یہودیت سے نجات نصیب ہوئی جب سے کہ زنارِ دین عیسوی باندھ لیا ہی (کوئی رسم زنار بندی کی ہوگی۔ یا وہ ڈورا مراد ہی جسمین صلیب باندھ کر گلے مین لٹکاتے ہین کذا اقال مرشدی) یہ دور دین عیسوی کا ہی اُنکے دین کے اسرار کو خوب دل و جان سے سُننا چاہیے کیونکہ یہ بد دین ظالم بادشاہ تو اُنکے دین کا پکا دشمن ہی اور دوست و دشمن کو کچھ نہین پہچانتا (یعنی بڑا بے تمیز و بے انصاف ہی) تو ایسے وقت مین جو علم حاصل ہوجاوے غنیمت ہی ورنہ رہا سہا اسکے ہاتھون برباد ہوجاویگا اور وہ وزیر جو بادشاہ کے سنہ پر اُسکو ظالم بد دین کہہ رہا تھا نصاریٰ کے اعتبار سے کہہ رہا تھا یعنی

نصرانیون سے جو جا کر کہیگا اُسکی حکایت نقل کر رہا تھا کہ مین اُن لوگون سے آپ کی نسبت یون یون کہونگا اور ویسے دل سے بادشاہ ہی کیطرف مائل تھا (چنانچہ ظاہر ہی) غرض وزیر نے یہ سب مضمون بیان کر کے بادشاہ سے کہا کہ آپ چندے صبر کیجیے دیکھیے مین سب کا استیصال کیے دیتا ہون اور بعض نسخون مین اخیر کے دو شعر نہین ہین اور نہ [illegible] زیادہ مناسب ہی کیونکہ شعر اول کی توجیہ تکلف سے خالی نہین

قبول کردن نصاری مکر وزیر را

چون وزیر این مکر را بر شہ شمرد — از دلش اندیشہ را کلی سترد
کرد با وے شاہ آن کارے کہ گفت — خلق حیران ماند زان راز نہفت
کرد رسوایش میان انجمن — تا کہ واقف شد بحالش مرد و زن
راند او را جانب نصرانیان — کرد در دعوت شروع او بعد ازان
حال عالم این چنین ست اے سیر — از حسد مے خیزد اینہا سر بسر

ستردن مونڈنا صاف کرنا۔ یعنی جب وزیر نے اپنے مکر کو بادشاہ کے روبرو بیان کیا اسکو اطمینان کلی ہوگیا اور تردد دفع ہوگیا اور اُسکے ساتھ وہی کارروائی کی جو اُسنے بتلائی تھی تمام لوگونکو ایک حیرت تھی کہ ایسے مقرب کو ایسی سزا دی غرض مجمع عام مین اسکو ذلیل و رسوا کیا کہ سب کو اطلاع ہوگئی اور نصرانیون کی آبادی کیطرف اسکو نکال دیا اُسکے بعد اُس وزیر نے دعوتِ دین شروع کی جیسے تجویز کیا تھا اب مولانا فرماتے ہین کہ اہل دنیا کی یہی حال ہی کہ حسد کے سبب طرح طرح کا فریب کیا جاتا ہی گو اپنا بھی ضرر کیون نہو جاوے کچھ پروا نہین رہتی

صد ہزاران مرد ترسا سوی او — اندک اندک جمع شد در کوے او
او بیان مے کرد با ایشان براز — سرِ انگلیون و زنار و نماز
او بیان مے کرد با ایشان فصیح — دائما ز افعال و اقوال مسیح
چون چنان دیدند ترسایانش زار — می شدند اندر غم او اشکبار
او بظاہر واعظ احکام بود — لیک در باطن صفیر دام بود

انگلیون۔ بفتح الف و گاف و سکون نون و لام وضم یا و واو معروف انجیل یا تسبیح ترسایان یعنی لاکھون نصرانی تھوڑے تھوڑے کرکے اُسکے محلہ و فرودگاہ مین جمع ہوگئے اور وہ اُن سے خلوت مین انجیل و تسبیح و زنار و نماز کے اسرار اور فصاحت و بلاغت کے ساتھ ہمیشہ حضرت مسیح علیہ السلام کے افعال و اقوال بیان کیا کرتا اور نصاری جب اسکی یہ حالت زار دیکھتے کہ کان ناک وغیرہ کاٹ دیے گئے تو اسکے غم سے بہت روتے وہ کمبخت ظاہر مین تو واعظ احکام تھا لیکن باطن مین اسطرح مکار تھا جیسا صیاد جال کے پاس بیٹھ کر پرندہ کی بولی بولتا ہی اور پرندہ اپنے ہمجنس کی آواز سنکر اُتر آتا ہی اور جال مین پھنس جاتا ہے۔

بہر این بعضے صحابہ از رسولؐ	ملتمس بودند مکر نفسِ غول
کو چہ آمیزد ز اغراضِ نہان	در عبادتہا و در اخلاصِ جان
فضل طاعت را نجستندے ازو	عیب باطن را بجستندے کہ کو
مو بمو و ذره ذره مکر نفس	می شناسیدند چون گل از کرفس
گفت زان فصلے حذیفہ با حسن	تا بدان شد وعظ و تذکیرش حسن
موشگافان صحابہ جملہ شان	خیره گشتندے دران وعظ و بیان

ملتمس جوینده - غول گمراه کننده - از اغراض بیان چہ است - کرفس اجوائن خراسانی - فصلے اندر کے مفعول گفت خیره حیران یعنی چونکہ بعض اوقات اپنے دشمن کے مکر و فریب کی اطلاع نہین ہوتی جسطرح اُن نصاری کو اُس وزیر کے فریب کی خبر نہوئی اور نفس ہمارا دشمن ہے اور اسیطرح اسمین بھی احتمال ہی کہ شاید کسی وقت اسکی شرارت کا پتہ نہ لگے اور گمراہ کر دے اِسلیے بعض صحابہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نفس کے مکرون کی تحقیق کیا کرتے کہ یہ عبادت و اخلاص مین کیا کیا پوشیدہ اغراض نفسانی شامل کر دیتا ہی (چنانچہ حدیث مین حضرت حذیفہؓ کا قول آیا ہی فرماتے ہین کہ سب لوگ حضور صلے اللہ علیہ وسلم سے خیر کی تحقیق کیا کرتے اور مین شر کی تحقیق کیا کرتا تا کہ اس سے بچون) طاعات کے فضائل ثواب کو اسقدر اہتمام سے نہ پوچھتے جسقدر عیب باطن (نفس) کی تفتیش کرنے کو کہ اسکو ارشاد فرمایئے اور پوچھ پوچھ کر ایسے محقق ہوگئے کہ مکر نفس کو مو بمو ذره ذره کر کے اسطرح پہچاننے لگے جسطرح آدمی بھول کو اجوائن سے علٰحده پہچان لیتا ہی اور انھین مضامین (علم مکائد نفس) مین سے کچھ مضامین حضرت حذیفہؓ نے حضرت حسن بصریؒ سے کہدیے تھے جس سے انکا پند و وعظ نہایت عمده ہوگیا تھا اور محققانِ صحابہ اس وعظ کو سنکر حیران ہوتے تھے کہ اپنے ہم رتبہ لوگوں مین انکا کیا علم ہی نہ اسوجہ سے کہ صحابہ اُن علوم سے ناواقف تھے اب اسمین کوئی شبہہ نرہا البتہ ایک دوسرا شبہہ یہان اور رہجاتا ہی کہ محدثین کے نزدیک حضرت حسن بصریؒ کو حضرت حذیفہ سے لقاء نہین ہوا پھر یہ مضمون کس طرح درست ہوگا اسی لیے بعض لوگون نے حسن سے امام حسن علیہ السلام مراد لیے ہین مگر وعظ و تذکیر کا قرینہ اس مراد سے آبی ہے کیونکہ وعظ مین حضرت بصریؒ ہی مشہور ہین پس اولی یہی ہی کہ حضرت حسن بصریؒ ہی مراد لیے جاوین اور جواب اشکال مذکور کا یہ دیا جاوے کہ بتلانا عام ہی خواه بواسطہ ہو یا بلا واسطہ چونکہ حضرت حذیفہؓ صاحب اسرار مشہور تھے اسلیے اکابر صحابہ مثل حضرت عمرؓ وغیره کے اُن سے بہت سی باتین پوچھا کرتے تھے اور حسن بصریؒ بعض صحابہ سے ملے ہین ممکن ہی کہ اُن صحابہ نے حضرت حذیفہؓ سے کچھ سنا ہو اور ان سے حضرت حسن بصریؒ نے سنا ہو پس یہ گفتن حذیفہؓ با حسن بواسطہ ہو گیا۔

متابعت نصارے وزیر جہود را

دل بدو دادند ترسایان تمام	خود چہ باشد قوت تقلید عام

در درون سینه مهرش کاشتند	نائب عیسیش می پنداشتند
او بسر دجال یک چشم لعین	ای خدا فریاد رس نعم المعین

یعنے تمام نصاری اُس وزیر کے تابع ہو گئے واقعی عوام الناس کی تقلید مین بھی کوئی استقلال نہین ہے بلکہ بے سمجھے بوجھے محض توہم و تخیل پر جسکے ساتھ چاہین ہو لیتے ہین اُسکے سینہ مین اُسکا تخم محبت بو لیا اور اُسکو حضرت عیسے علیہ السلام کا نائب سمجھنے لگے حالانکہ وہ باطن مین دجال یکچشم ملعون تھا جو عیسے علیہ السلام کا مخالف ہوگا یعنی مثل دجال کے تھا گمراہ و ضلال مین چونکہ مضمون خوفناک تھا کیونکہ اسیطرح ہملوگ بھی نفس و شیاطین الانس و الجن کے سینکڑون دھوکون مین پھنس جاتے ہین اس لیے مولانا مضطرب ہو کر اللہ تعالے سے التجا کرتے ہین کہ اے اللہ ہمارے فریاد رسی کیجیے آپ بہت اچھے مددگار ہین

صد هزاران دام و دانه است ای خدا	ما چو مرغان حریص بی نوا
دم بدم پابستهٔ دام نوایم	هر یکی گر باز و سیمرغی شویم
میرهانی هر دمی ما را و باز	سوی دامی میرویم ای بی نیاز

یہ تتمہ ہے مناجات کا یعنی لاکھون دام و دانے موجود ہین اور ہماری حالت مرغان حریص کی سی ہے وقتاً فوقتاً ایک نئے دام مین پھنس جاتے ہین گو ہم باز و سیمرغ ہی کیون نہو جاوین آپ کی یہ عنایت ہے کہ ہر وقت ہمکو ان دامون سے نکالتے رہتے ہین مگر ہم پھر دوسرے دام کیطرف چلنے لگتے ہین مراد یہ ہے کہ نفس و شیطان کے انواع اقسام فریبون مین پھنس جاتے ہین گو کتنے ہی بڑے کامل ہو جاوین مگر کچھ نہ کچھ اقل درجہ خطرات و وساوس ہی سہی اُن دشمنونکا جال ہم پر پڑتا رہتا ہے آپ نور ہدایت (تعلیم نبوت و الہام) سے اُس سے نجات دیتے ہین پھر دوسرے فریب مین پڑجاتے ہین۔

ما درین انبار گندم میکنیم	گندم جمع آمده گم میکنیم
می نیندیشیم ما آخر بهوش	کین خلل در گندم است از مکر موش
موش تا انبار ما حفره زده است	وز فنش انبار ما خالی شده است

یعنے ہماری ایسی مثال ہے کہ گندم کے انبار جمع کرتے ہین پھر اُسکو نہین پاتے ہم وحشیون کو یہ سوچ نہین ہوتی کہ یہ خرابی مکر موش سے واقع ہو رہی ہے اُسنے انبار گندم تک غار بنا رکھا ہے اور اُسکی کارروائی سے تمام انبار خالی ہو گیا ہے اسیطرح ہملوگ اعمال حسنہ کرتے جاتے ہین مگر اُنکے انوار و آثار و برکات کا کہین نشان نہین پاتے اسکی وجہ یہی ہے کہ نفس و شیطان اغراض و امراض عُجب و ریا وغیرہ پیدا کر کے سب ضائع کر دیتا ہے۔

اول ای جان دفع شر موش کن	وانگهان در جمع گندم جوش کن
بشنو از اخبار آن صدر صدور	لا صلوة تم الا بالحضور
گر نه موشی دزد در انبار ماست	گندم اعمال چل ساله کجاست
ریزه ریزه صدق هر روزه چرا	جمع می ناید درین انبار ما

موش مراد نفس و شیطان - جوش کن کوشش کن - صدر صدور سرداران مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انبار مراد حسنات مجموعہ

پنجہل سالہ مراد زمان مدید- اوپر بیان فرمایا تھا کہ نفس وشیطان مثل موش کے ہمارے اعمال کو ضائع کرتے ہین اب فرماتے ہین کہ اول اسکو دفع کرو پھر اعمال جمع کرو یعنی اخلاص سے عمل کرو ریا و عجب کو اسمین مت آنے دو پھر اعمال قابل اعتبار ہونگے) آگے تاکید کے لیے فرماتے ہین کہ احادیث سے دیکھو کیا معلوم ہوتا ہی کہ نماز تام وکامل نہین ہوتی بدون حضور قلب کے (اور حضور قلب) بدون دفع موش کے دشوار ہی پس دفع موش ضروری ٹھہرا) آگے موش کے وجود پر متنبہ فرماتے ہین کہ اگر ہمارے انبار اعمال مین موش نفس وشیطان نہین لگ رہا ہی تو پھر ذخیرہ اعمال کا (یعنی اُسکے انوار و برکات) کہان ہین اور اُنکے آثار محبت الٰہی و بغض دنیا کیون نہین مرتب ہوتے) اگر روزانہ صدق واخلاص کا ایک ایک ریزہ بھی جمع ہوتا رہتا تو کیا ایک انبار نہو جاتا اف ریا و عجب و دیگر اخلاق ذمیمہ مثل شہوت وغضب وغیرہ کے دفع کرنے کے دو درجے ہین اول یہ کہ اپنے اختیار سے اُنکا قصد نہ کرے اور جو پیش آوے اسکو بُرا سمجھے اور اُسکے مقتضا کے موافق عمل نہ کرے گو خطرات و وساوس کا ہجوم رہے یہ مرتبہ اختیاری اور فرض ہی اور خطرات کا ہجوم غیر اختیاری ہی کچھ مضر نہین دوسرا درجہ یہ کہ ان اخلاق کی بیخ وبنیاد ہی کا استیصال ہوجاوے یعنی نفس مین انکا تقاضا اور میلان بھی نرہے اور یہ ایسے ہی مبغوض ہوجاوین جیسے گ[illegible]گی طبعاً مبغوض و مستقذر ہوتی ہی اسکی تحصیل مستحب ہے اور موجب کمال اور عادۃً موقوف ہی مجاہدہ و ریاضت اور خلوت طویلہ پر اور یہی دو مرتبے ہین حضور قلب کے نماز مین اول یہ کہ نماز یا کسی نیک عمل مین بطور مقصودیت کے کوئی غیر اللہ قلب مین حاضر نہو یعنی عبادت سے مقصود کسی مخلوق کی رضا یا اُس سے مال وجاہ کا حاصل کرنا نہو یہ حضور قلب فرض ہی اور بدون اسکے نماز قبول نہین ہوتی اور عذاب ریا کا مستحق ہوتا ہی- دوسرا مرتبہ یہ کہ نماز مین بجز خدا تعالےٰ کے قلب کا التفات بطور تخیل کے بھی کسی جانب نہو پھر اسمین بھی دو مرتبے ہین ایک یہ کہ باختیار خود کسی غیر کا خیال قلب مین نہ لاوے اسکو خشوع کہتے ہین اور آیات واحادیث سے یہ بھی موکد معلوم ہوتا ہی گو درجۂ فرض مین نہو- دوسرا مرتبہ یہ کہ بلا قصد بھی کسی کا خیال نہ آوے یہ بدون فنائے نفس و قلب کے نصیب نہین ہوتا اور اسکی تحصیل مستحب ہے ف لَا صَلٰوۃَ اِلَّا بِحُضُوْرِ الْقَلْبِ کتب احادیث مین نظر سے نہین گذرا مگر اسکا مضمون بالکل قرآن و حدیث سے ثابت ہی پس بزرگون کا اسکو حدیث کہنا شاید بطور روایت بالمعنی کے ہو-

پس ستارہ آتش از آہن جہید | وان دل سوزیدہ پذرفت و کشید
لیک در ظلمت یکے دزدے نہان | می نہد انگشت بر استارگان
میکشد استارگان را یک بیک | تا کہ نفروزد چراغے بر فلک

ستارۂ آتش شرارۂ آتش مراد اعمال صالحہ- آہن چقماق مراد جوارح و اعضا- سوزیدہ سوختہ کہ زیر چقماق نہند مراد دل عامل- ظلمت مراد جہل از علوم طرق مجاہدہ و دفع نفس وشیطان- دزد نہان مراد نفس وشیطان چراغ بر فلک نفروختن مراد قبول نشدن اعمال- ان اشعار مین تمثیل ہی کہ نفس وشیطان کسطرح اعمال حسنہ کو ضائع کردیتا ہی اور یہ اشعار قصہ طلب ہین وہ قصہ اسی کتاب مستطاب کے دفتر ششم کے شروع مین آویگا کہ کسی کے گھر ایک چور آیا اُسنے تحقیق کرنیکے واسطے چقماق نکال کر اُسکے نیچے روئی یا کپڑا یا اسی قسم کی کوئی چیز رکھ کر اسکو جھاڑا اُس سے چنگاری سوختہ مین آگئی چور چپکے سے اُسکے پاس آبیٹھا چونکہ تاریکی تھی نظر نہ آیا اور چپکے سے اُسنے اس چنگاری کو اُنگلی سے دبا کر بجھا دیا اسیطرح ایک ایک چنگاری

پیدا ہوتی تھی اور وہ اُسکو بجھا دیتا تھا غرض وحشی نے پائی کہ اُس سے اپنے مال و متاع کی حفاظت کرسکتا اور جو نظر آیا
اسی طرح اعمال اور عبادات اعضا سے صادر ہوتے ہین اور قلب مین اُس سے کچھ نور و برکت بھی پیدا ہوتا ہی مگر نفس شیطان و
صفات ذمیمہ ریا و عجب وغیرہ کے ذریعہ سے اُسکو مٹا دیتا ہی اور قبول حق نہین ہونے پاتے و ظلمت عمل سے ہمکو تنبہ نہین لگتا

چون عنایاتت بود با ما مقیم	کے بود بیمے ازان دزد لئیم
گر ہزاران دام باشد در قدم	چون تو با مائی نباشد ہیچ غم

اسمین جناب باری سے عرض ہے یعنی گو نفس و شیطان کا مکر اندیشہ ناک ہی لیکن آپکی عنایت اگر ہم پر ہو تو اس سے کچھ اندیشہ
نہین اگر ہر ہر قدم پر ہزارون جال ہون لیکن اگر آپ ہمارے ساتھ ہون تو کچھ غم نہین ف اسمین اشارہ ہی کہ سالک کو اپنی
معرفت و مجاہدہ پر اعتماد نہ چاہیے بلکہ حق جل وعلا شانہ سے التجا کرتا رہے اور اُنکے فضل پر نظر و اعتماد رکھے للشیرازی ق
تکیہ بر تقوی و دانش در طریقت کافری ست ؎ راہرو گر صد ہنر دارد توکل بایدش ؎ تقوے عمل دانش علم باقی ظاہر ہی۔

ہر شبے از دام تن ارواح را	میرہانی میکنی الواح را
میرہند ارواح ہر شب زین قفس	فارغان نے حاکم و محکوم کس
شب ز زندان بے خبر زندانیان	شب ز دولت بیخبر سلطانیان
نے غم و اندیشۂ سود و زیان	نے خیال این فلان و آن فلان

ارواح را مفعول میرہانی میکنی الواح را زکند یدن - فارغان از ارواح یا از غم یہ نظیر ہو مضمون سابق گر ہزاران دام باشد
الخ کی یعنی اگر آپ چاہین ہم کو قید شرور نفس و شیطان سے چھڑا سکتے ہین جس طرح روزمرہ ہر شب بدام تن سے ارواح
کو چھڑا دیتے ہین گویا زندان (تن) کے تختے اور کیوڑا و کھاڑ کر قیدیون (ارواح) کو رہائی دیتے ہین پس ہر شب کو
اس قفس تن سے ارواح چھوٹ جاتی ہین اور بالکل بیفکر ہو جاتی ہین نہ کسی کی حاکم رہتی ہین نہ کسیکی محکوم و زندانیون
کو زندان کی خبر رہتی ہی نہ سلطنت والون کو دولت کی خبر رہتی ہی نہ نفع کی فکر نہ نقصان کا اندیشہ نہ زید کا خیال نہ عمرو کا
حاصل یہ کہ جس طرح ارواح کو روز کے روز اتنی بڑی قید سے اس طرح رہائی دیتے ہین کہ محض بے غم ہو جاتی ہین
اگر ہم کو بھی باطنی آفات سے بے غم کردین تو آپ کو کیا دشوار ہے۔

در تمثیل عارف و حال او و معنی آیۂ اللہ یتوفی الانفس حین موتہا والتی لم تمت فی منامہا

حال عارف این بود بیخواب ہم	گفت ایزد ہم رقود زین مرم
خفتہ از احوال دنیا روز و شب	چون قلم در پنجۂ تقلیب رب
آنکہ او پنجہ نہ بیند در رقم	فعل پندارد بجنبش از قلم

یعنے جو حال اور لوگون کا خواب مین ہوتا ہے کہ دنیا سے بیخبر و بے تعلق ہو جاتے ہین عارف کو بدون خواب کے

بیداری مین بھی وہ حال حاصل ہے کہ تن بدن سے محض بے خبر و بے تعلق ہین جیسے اللہ تعالے نے اصحاب کہف کی شان مین فرمایا ہی تحسبہم ایقاظا وہم رقود یعنے اسے مخاطب تو انکو جاگتا گمان کرتا ہی (بوجہ انکی آنکھ کھلی ہونے کے) اور حالانکہ وہ سوتے ہوے ہین (یہ مطلب نہین کہ اس آیت مین عارفین کی بے تعلقی و بیخبری دنیا کا بیان ہی اور یہ اسکی تفسیر ہی بلکہ مطلب یہ ہے کہ جو قصہ اس آیت مین مذکور ہی عارف کا حال اسکے مشابہ ہی غرض تشبیہ مقصود ہی نہ تفسیر خوب سمجھ لو) اس مضمون سے نفرت مت کرو (یعنی ہمارے اس دعوی کی تکذیب مت کرو کہ عارفین کا ایسا حال ہوتا ہی تو مشار الیہ مصرع اولی ہی نہ آیت فافہم) اب اس تشبیہ کی توضیح فرماتے ہین کہ احوال دنیا سے تمام اوقات غافل رہتے ہین (یہ مطلب نہین کہ وہ بیہوش ہین کیونکہ یہ تو ایک قسم کا استغراق ہے جو نہ کمال مقصود ہے نہ اسکو دوام ہے نہ وہ ہر عارف کے لیے عام ہی بلکہ مطلب یہ ہی کہ جو چیزین حاجب عن اللہ ہین اور جو افعال و اقوال اللہ تعالے سے غافل اور دور کرنے والے ہین ان حضرات کو ان امور کی طرف میلان و التفات نہین اور کوئی امر ان سے خلاف مرضی حق صادر نہین ہوتا چنانچہ دوسرے مصرعہ مین اسکی تصریح ہی کہ) اللہ کے ایسے مطیع ہین جیسے قلم ہوتا ہے کہ کاتب جدھر چاہتا ہی اسکو چلاتا پھراتا ہی (یہ مقصود نہین کہ مثل قلم کے انکی حرکات و افعال اضطراری ہین اول تو یہ عقیدۂ اہل حق کے خلاف ہی دوسرے اسمین ان حضرات کا کوئی کمال بھی نہو گا مثل مشین کے ہوجاوینگے اپنے ارادہ سے اطاعت انکے لیے ثابت نہو گی بلکہ مقصود یہ ہی کہ انھون نے اپنی رضا و اختیار کو رضا و اختیار خداوندی مین ایسا فنا کر دیا ہے کہ باوجودیکہ اقوال و افعال ان سے بقصد و اختیار صادر ہوتے ہین مگر چونکہ احکام شرعیہ انکے نزدیک مثل امور طبعیہ کے ہوگئے ہین جنمین انسان کا اختیار نہین ہوتا اسلیے ان کے حرکات مشابہ حرکت قلم کے ہوگئے ہین کہ تابع تحریک کاتب کے ہوتا ہی گو اسکا تابع ہونا اضطراراً ہے اور ان کا تابع ہونا اختیاراً ہے یہ تقریر تو افعال اختیاریہ کے اعتبار سے ہی اور اگر احوال اضطراریہ یعنی غیر اختیاریہ اور خود صفت اختیار کے (کہ غیر اختیاری ہی) اعتبار سے یہ حکم کہا جاوے تو مطلب یہ ہوگا کہ حالات و تاثیرات اسباب طبعیہ کیطرف اصلا التفات نہین فرماتے حتی کہ اپنے افعال کو بھی باعتبار مؤثریت کے اپنی طرف منسوب نہین سمجھتے بلکہ ہر وقت سبب حقیقی (حضرت خالق جل و علا شانہ) کا جو کہ منتہا سب اسباب و علل کا ہے مشاہدہ کرتے ہین اور اپنے کو مثل قلم بپنجۂ کاتب کے جانتے ہین گو افعال غیر اختیاری کے اعتبار سے یہ حکم سب کے لیے عام ہی کہ سب ہی کیحالت مثل قلم فی ید الکاتب کے ہی مگر چونکہ اور ونکی نظر اسباب ظاہری پر ہی اور انکی نظر سبب حقیقی پر ہے اس لیے بس علم و معرفت کے اعتبار سے انکی تخصیص اس حکم مین کیگئی آگے عوام کا حال بیان فرماتے ہین کہ جس شخص کو پنجہ نظر نہ آتا ہو وہ جنبش کو قلم کا فعل سمجھے گا اسی طرح عوام نے کہ امور اختیاریہ مین اپنے کو تابع احکام نہین بنایا خود رائی اختیار کی اور امور غیر اختیاریہ مین سبب حقیقی سے غافل رہے۔

ف ان اشعار مین توحید افعال کیطرف اشارہ ہی جسکا عنوان اس طرح مشہور ہی لا فاعل الا اللہ اس کا یہ مطلب نہین کہ خدا تعالے کے سوا کسیکی طرف کوئی فعل منسوب نہین اول تو یہ عقائد حقہ کے خلاف پھر صدور قبائح کا جناب باری تعالی سے

اسمین لازم آتا ہے پھر مشاہدہ اور وجدان بھی اسکی تکذیب کرتا ہے پھر یہ کہ تمام شرائع کا اسمین ابطال لازم آتا ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ منتہا سب اسباب فعل کا یا یون کہیے کہ خالق افعال کا بجز حق تعالے کے کوئی نہین گو وسائط وظاہری اسباب اور بھی ہین چونکہ عارف کو دوسرے فاعلین کیطرف التفات نہین ہوتا اس لیے وہ انکی نفی کر دیتا ہے سو واقع مین یہ نفی باعتبار قابل التفات ہونیکے یا التفات کرنیکے ہے یعنی کوئی فاعل قابل التفات کے یا ملتفت الیہ نہین بجز اللہ تعالی کے اسیطرح توحید صفاتی و توحید ذاتی کو سمجھنا چاہیے کہ اسکا یہ مطلب نہین کہ بجز صفات و ذات خداوندی کے کوئی صفت یا ذات موجود نہین بلکہ عارف کو کسی اور کی ذات و صفت کیطرف التفات نہین ہوتا اس مرتبہ مین وحدة کا حکم ہوتا ہے سو یہ تینون مراتب توحید وجودی کے فروع ہین جسکے معنی شرح دیباچہ مین گذر چکے ہین۔

شمۂ زین حال عارف وانمود — خلق را ہم خواب حسی در ربود

یعنی اللہ تعالے نے اپنی رحمت عامہ سے چاہا کہ عوام الناس کو بھی عارفین کی بیخودی و استغراق و مشغولی بحق سے آگاہ فرماوین تاکہ ان حالات کے حاصل کرنے کا شوق ہو اسلیے لوگون پر خواب کو مسلط کر دیا کہ اسی نمونہ پر قیاس کر لین۔

رفتہ در صحراے بیچون جان شان — روح شان آسودہ و ابدان شان
فارغان از حرص و اکباب و حصص — مرغ وار از دام جستہ در قفص

اکباب سرنگون شدن بر چیزے مراد حرص و طلب۔ یہ رجوع ہی مطلب سابق کیطرف سے ہر شبے از دام تن ارواح را الخ یعنے خواب مین میدان بے کیف (عالم مثال) مین انکی روح چلی جاتی ہو اور روح اور بدن دونون آسودہ ہوجاتے ہین (یعنی فکر و تشویش کہ فعل روح کا ہی اور تعب و مشقت کہ فعل جسم کا ہی سب قطع ہوجاتے ہین) حرص و طلب اور اپنے حقوق اور حصون سے فارغ و بے فکر ہوجاتے ہین جیسے پرندہ کہ دام اور قفس سے چھوٹ جاوے ف عالم مثال ایک عالم ہی جو عالم شہادت و عالم غیب کے درمیان ہی اسکو عالم برزخ بھی کہتے ہین۔ قرآن و حدیث کے اشارات سے اور اہل کشف کی تصریحات سے اسکا وجود ثابت ہی بعد مرگ تا قیامت اسی مین رہنا ہوتا ہی اور خواب مین وہی منکشف ہوتا ہی اور بعض بزرگون کے کلام سے معلوم ہوتا ہی کہ وہ عالم مقداری ہی مگر مادی نہین پس مقداری ہونے کے اعتبار سے عالم اجسام کے مشابہ ہی اور غیر مادی ہونے کے اعتبار سے عالم ارواح کے مشابہ ہی پس اجسام کہ مادہ و مقدار دونون رکھتے ہین اور ارواح کہ مقدار و مادہ دونون سے منزہ ہین یہ عالم ان دونون کے ساتھ ایک ایک وصف مین مشابہت رکھتا ہے چونکہ کیفیات مخصوصہ بالمادہ سے یہ عالم منزہ تھا اس لیے اسکو بیچون و بے کیف کہدیا ورنہ کیفیات لازمۂ مقدار کے ساتھ وہ موصوف ہی غرض اسکا بیچون ہونا خاص کیفیت کے اعتبار سے ہی مطلق کیفیت کے اعتبار سے نہین۔

چون بسوے دام باز اندر شوند — داد جویان در پے داور شوند
وز صفیرے باز دام اندر کشی — جملہ را در داد و در داور کشی
چونکہ نور صبحدم سر بر زند — کرکس زرین گردون پر زند

ترکِ رُوزِ آخر چو باززرین سپر ۔۔۔ ہندوی شب را بہ تیغ افگندہ سر
میل ہر جانے بسوے تن شود ۔۔۔ ہر تنے از روح آبستن شود
فالق الاصباح اسرافیلؑ وار ۔۔۔ جملہ را در صورت آرد زان دیار
روحہاے منبسط را تن کند ۔۔۔ ہر تنے را باز آبستن کند

دام مراد تن ۔ دام اندر یعنی اندر دام ۔ داور حاکم و حکومت کرگس زرین مراد آفتاب ترک روز مراد ۔ روز دکمانی بجین الماء) زرین سپر مراد آفتاب ۔ ہندو منسوب بہ ہند و رمحاورۂ فارسیان بمعنی دزد آبستن حاملہ فالق الاصباح شگافندۂ صبح مراد حق تعالے منبسط کشادہ از قید تن) تن کند در تن کند ۔ ان اشعار مین بیان ہی سوکر اٹھنے کا یعنی پھر جب ارواح دام تن مین آجاتی ہین تو اپنے دنیوی کام مین مشغول ہوجاتی ہین مثلاً اپنی داد خواہی کے لیے حاکم کے پیچھے پیچھے پھرتی ہین (دوسرا شعر بھی پہلے شعر کا بیان ہے کہ) اپنے حکم قدرت سے ارواح کو دام تن مین پھنسا دیتے ہین (جس طرح صیاد اپنی صفیر سے پرندہ کو جال مین بلا لیتا ہے) اور سب کو داد خواہی و حکومت مین (یعنے مختلف کامون مین) لگا دیتے ہین (پھر آگے اسکی زیادہ تفصیل ہی) جب صبح کی روشنی ظاہر ہوتی ہی اور آفتاب چرخ کہ مشابہ کرگس زرین کے ہے پر پھیلاتا ہے غرض وقت روز کہ شب کو دفع کرنے مین مشابہ ترک یعنی سپاہی کے ہے زرین سپر لیکر تلوار سے ہندوی شب کا سر جدا کر دیتا ہی یعنی دن کے آنے سے رات جاتی رہتی ہی اسوقت ہر روح کا میلان بدن کی طرف ہوتا ہی اور ہر بدن روح سے اس طرح بھر جاتا ہے جیسے حاملہ کا رحم بچہ سے بھر جاتا ہے اللہ تعالےٰ اسرافیل علیہ السلام کی طرح (کہ قیامت مین اُنکے صور پھونکنے سے سب زندہ ہوجاوینگے) تمام مخلوقات کو صورتِ (جسد) مین اُس دیار بیچون (عالمِ مثال) سے لے آتے ہین اور ارواح کو کہ قید سے کشادہ ہوگئی تھین پھر بدن کے اندر مقید کر دیتے ہین اور تمام ابدان کو ارواح سے پر کر دیتے ہین ۔

اسپ جان را میکند عاری ززین ۔۔۔ سر النوم اخو الموت است این
لیک بہر آنکہ روز آیند باز ۔۔۔ بر نہد بر پاے شان بندِ دراز
تاکہ روزش واکشد زان مرغزار ۔۔۔ در چراگاہ آردش در زیر بار

اسپ جان مراد روح کہ باعتبار کشیدن تعلقاتِ دنیا باسپ تشبیہ دادہ ۔ زین تعلق مشاغل دنیا عاری کردن از مشاغل دنیا رہا کردن ۔ بندِ دراز کنایہ از تعلق روح با بدن کہ حیات مؤجلۂ طویلہ است مرغ بفتح میم نوعی از گیاہ ہندی دُوب ۔ مرغزار سبزہ زار مراد عالم مثال چراگاہ مراد عالم دنیا ۔ ان اشعار مین دوبارہ سوجانے کا ذکر ہے یعنی روح کو پھر تعلقات دنیویہ سے خالی کر دیتے ہین اور النوم اخو الموت جو حدیث مین آیا ہے یعنے سونا مشابہ مرنے کے ہے اسکی یہی حقیقت ہے کہ سونے مین بے تعلقی دنیا سے موجود ہی لیکن اس مصلحت کیلیے کہ دن کو پھر بدن کی طرف آسکین اسکے پاؤن مین ایک رسن دراز باندھ دیتے ہین (جسطرح گھوڑے کو چرنے کے لیے چھوڑنے کے وقت رسی باندھ دیتے ہین کہ جب چاہین کھینچکر اپنے کام مین لگالین یعنی تعلق حیات باقی رکھتے ہین تاکہ

بدن کے وقت پھر عالم مثال سے عالم دنیا مین بار تعلقات دنیوی کے لادنے کیلیے اُسکو کھینچ لین ف اہل کشف کے کلام سے معلوم ہوتا ہی کہ اللہ تعالے نے انسان کو دو جسم عطا فرماۓ ہین ایک جسم عنصری کہ دنیا مین رہتا ہے اور آخرت مین بھی محشور ہوگا اور اسی پر سب ثواب وعذاب ہوگا۔ دوسرا جسم مثالی کہ عالم مثال مین موجود ہے اور خواب مین نظر آتا ہے اور روح حقیقی جو من امر ربی ہی (نہ طبی کہ اس کا تعلق صرف جسم عنصری سے ہی) دونون جسمون سے تعلق رکھتی ہی جاگنے کی حالت مین اس روح کی توجہ جسم عنصری کیطرف زیادہ ہوتی ہی اور سونیکی حالت مین اسکی توجہ جسم مثالی کی طرف زیادہ ہوجاتی ہے پس روح کا بدن سے نکلنا اور عالم مثال مین جانا اس سے مراد یہی ہی کہ جسم عنصری سے تعلق ضعیف ہوکر جسم مثالی سے تعلق بڑھ جاتا ہی اور عالم مثال سے بدن مین اسکا آنا اس سے مراد یہی ہی کہ جسم مثالی سے تعلق ضعیف ہوکر جسم عنصری سے زیادہ ہوجاتا ہی اور یہی مطلب ہو سکتا ہی آیت کا جو اس متن مین مذکور ہے یا بعبارت دیگر توفی الانفس سے مراد قبض یعنی تعطل حواس بحذف مضاف (حواس الانفس) ہی واللہ اعلم

کاش چون اصحاب کہف آن روح را	حفظ کردی یا چو کشتی نوح را
تا ازین طوفان بیداری و ہوش	وارہیدی این ضمیر و چشم و گوش

اوپر کے اشعار مین حالت خواب کی راحت و بے التفاتی دنیا کا بیان ہے اس کو سنکر عارف بوجہ اس کے کہ التفات الی غیر اللہ سے اسکو نفرت ہی تمنا کرتا ہی (پس یہ اشعار عارف کا مقولہ ہی) کہ کیا خوب ہوتا اگر اصحاب کہف کی طرح اس روح کو عالم مثال ہی مین محفوظ رکھتے (اور یہان نہ آنے دیتے) یا اگر اصحاب کہف کیطرح اسقدر مدت دراز تک کہ تین سو نو سال ہین وہان نہ رکھتے تو اتنی ہی مدت تک محفوظ رکھ لیتے جتنے روز کشتی نے حضرت نوح علیہ السلام کی حفاظت کی کہ چند ماہ تھے (مطلب یہ کہ اگر یہ نوم اطول یا طویل ہوتی تو کیا خوب ہوتا) تاکہ بیداری وہوشیاری کے اس طوفان سے (جو التفات غیر اللہ سے برپا ہوتا ہی) قلب وحواس کو نجات ہوجاتی۔

ف سالک پر مختلف حالات طاری ہوتے ہین جب استغراق کا غلبہ ہوتا ہی ایسی تمنا کرتا ہی ورنہ بیداری کی حالت مین خیال غیر کے آنے اور اُسکو قصداً ہٹانے سے جو مجاہدہ ہوتا ہی وہ استغراق سے کہین افضل ہی۔

اے بسا اصحاب کہف اندر جہان	پہلوی تو پیش تو ہست این زمان
غار با تو یار با تو در سرود	مہر بر چشم ست و بر گوشت چہ سود
باز گو کہ چیست این روپوشہا	ختم حق بر چشمہا و گوشہا

اوپر اس شعر مین (حال عارف این بود بیخواب ہم الخ) ذکر کیا تھا کہ عوام کی جو حالت بیخبری دنیا کی خواب مین ہوتی ہے وہ اولیاء اللہ کو بیداری مین نصیب ہوتی ہے اور اُس شعر مین اُن کو اصحاب کہف سے تشبیہ دی تھی جیساکہ اسکی شرح مین بیان کیا گیا ہی اب اُسی مضمون کی طرف رجوع فرماتے ہین گویا سامع دریافت کرتا ہی کہ جن لوگونکا آپ بیان کر رہے ہین وہ لوگ کہان ہین ہمکو بھی بتلایے اسکا جواب دیتے ہین کہ ہزارون اولیاء اللہ جو مشابہ اصحاب کہف کے ہین (اس صفت مین کہ ظاہراً بیدار اور واقع مین دنیا سے بے خبر) دنیا مین

موجود ہین تمھارے پاس تمھارے سامنے۔ اس زمانہ مین تمھارے یار غار یعنی ظاہر مین تم سے ملے جلے تمسے باتین کرتے ہونگے مگر جب چشم و گوش پر مہر لگ گئی ہو تو اُنکے ہونے سے تمکو کیا نفع۔ اب پوچھتے ہین کہ تبلاؤ تو سہی یہ حجابات کس وجہ سے ہین دکہ اولیاء اللہ کو پہچان نہین سکتے) خود ہی جواب دیتے ہین کہ اللہ کی مہر لگ گئی ہی چشم و گوش پر اسکے اس مہر کی تعین کرتے ہین تاکہ اسکے ازالہ کا اہتمام ممکن ہو

قصہ دیدن خلیفہ لیلی را

گفت لیلی را خلیفہ کان توئی	کز تو مجنون شد پریشان و غوی
از دگر خوبان تو افزون نیستی	گفت خامش چون تو مجنون نیستی
دیدۂ مجنون اگر بودے ترا	ہر دو عالم بے خطر بودے ترا
باخودی تو لیک مجنون بیخود است	در طریق عشق بیداری بد است

غوی گمراہ۔ خطر قدر و منزلت۔ حاصل قصہ کا ظاہر ہے کہ لیلی سے خلیفہ نے پوچھا کہ وہ تو ہی ہی جس سے مجنون پریشان و عقل گم کردہ ہو گیا دوسرے حسینون سے تو کسی بات مین زیادہ تو ہے نہین پھر یہ کیا بات اُس نے جواب دیا کہ چیپ تو مجنون نہین تو خاموش ہی رہ اگر تجھکو مجنون کی آنکھ میسر ہوتی اُس وقت دونون عالم تیرے نزدیک بیقدر معلوم ہوتے تجھ مین اور مجنون مین فرق یہ ہے کہ تو اپنی خودی مین ہی اور مجنون خودی سے گذر گیا ہی داس لیے تجھکو میری خوبی کا ادراک نہین ہو سکتا اور مجنون کو میرے سوا کسی پر نظر نہین اسلیے اُسنے ادراک کر لیا) اور طریق عشق مین بیداری اور ہوشیاری بُری بات ہی مولانا نے اس تمثیل مین مہر مذکور کی تعیین فرما دی کہ وہ مہر و حجاب دنیا کی ہوشیاری و خبرداری ہی جسمین کثرت خیال غیر اللہ لازم ہی پس جب غیر اللہ کا خیال دامنگیر حال ہوگا تو اللہ کا خیال اور طلب اور اس طلب کا ذریعہ یعنی اہل اللہ کی تلاش و پہچان کہان میسر ہوگی چنانچہ آگے تفصیل سے بتاتے ہین

ہر کہ بیدارست او در خواب تر	ہست بیداریش از خوابش بتر
چون بحق بیدار نبود جان ما	ہست بیداری چو دربندان ما
جان ہمہ روز از لگد کوب خیال	وز زیان و سود و از خوف زوال
نے صفا می ماندش نے لطف و فر	نے بسوے آسمان راہ سفر

دربندان قلعہ و بندی خانہ۔ ان اشعار مین دنیا کی ہوشیاری اور دنیا کے خیالات کی مذمت ہی یعنی جو شخص دنیا کا دانا ہے وہ خدا سے زیادہ غافل ہی اور اسکی بیداری اسکے سونے سے (جسمین بالکل حواس معطل ہو جاتے ہین) بدتر ہے (کیونکہ بیداری مین تحصیل دنیا کے لیے معاصی مین مبتلا ہوتا ہے پس دنیا کی بیداری و ہوشیاری کچھ بھی نہین اصل بیداری توجہ الی اللہ ہے) جب اللہ تعالے کے ساتھ ہمکو آگاہی و توجہ نہوئی تو بیداری واقع مین ہمارے لیے جیلخانہ ہی اگر اس بیداری کی بدولت قید تعلق ما سوی اللہ مین زیادہ مقید ہوتے ہین اس ما سوی اللہ کی طلب اور فکر مین روح کو ہر وقت کے پریشان خیالات کے لگد کوب سے اور دنیا کے نفع و نقصان کے خیال سے اور زوال مال و جاہ کے اندیشہ سے

ایسا مضر رہو پہنچا ہو کہ نہ اُسمین صفائی و رونق رہتی ہے نہ لطافت و زیبائش رہتی ہو نہ عالم علوی کی طرف سفر کر سکتی ہو کیونکہ توجہ تام دو طرف نہین ہو سکتی جب شب و روز تحصیل لذات عالم سفلی مین توجہ مبذول رکھے گا ظاہر ہے کہ عالم علوی کے لذات کیطرف متوجہ نہین ہو سکے گا۔

خفتہ آن باشد کہ او از ہر خیال
دارد امید و کند با او مقال

نے چنانکہ از خیال آید بجال
آن خیالش گردد او را صد وبال

دیو را چون حور بیند او بخواب
پس ز شہوت ریزد او با دیو آب

چونکہ تخم نسل را در شورہ ریخت
او بخویش آمد خیال از وی گریخت

ضعف سر بیند از ان و تن پلید
آہ از ان نقش پدید و ناپدید

اسکے قبل کے اشعار مین بیداری کی دو قسمین بتلائی ہین ایک بیداری بدنیا کہ مذموم ہو اور اس کے ضمن مین خیالات کا مضر ہونا بھی بتلایا دوسرے بیداری بحق کہ محمود ہے اس مضمون سے خفتن کی بھی دو قسمین نکل آئین ایک خفتہ از دنیا کہ محمود ہو ایک خفتہ از حق کہ مذموم ہو ان اشعار مین ان ہی دو قسمون کا بیان ہو کہ ہمارے کلام سے جو خفتہ کی فضیلت اور خیالات کی مذمت معلوم ہوتی ہے اس سے مطلق خفتہ مراد نہین اور اسی طرح مطلق خیال کی مذمت بھی مقصود نہین بلکہ خفتہ از دنیا کے خیالات تو نافع ہین پس وہ او خفتہ ہے کہ جسکے خیالات ایسے محمود ہون کہ ہر خیال سے اُسکو امید وصول الی اللہ ہو اور وہ خیال اس سے گفتگو کرے (یعنی خیالات طاعت و نگہداشت قلب کہ وہ ذریعہ وصول الی اللہ کا بھی ہو اور اُس سے واردات و علوم و حقائق بھی قلب پر فائض ہوتے ہین چونکہ وہ خیالات سبب اُن علوم و حقائق کے ہین اسلیے مجازاً یون کہدیا ہو کہ وہ خیالات اُس سے گفتگو کرین جیسا اس آیت مین ام انزلنا علیہم سلطانا فھو یتکلم بما کانوا بہ یشرکون) اور وہ خفتہ مراد نہین جسکے خیالات ایسے پریشان و مذموم ہون کہ جب خیال سے اپنی اصلی حالت (بیداری) مین آوے تو وہ خیال اس کے لیے وبال جان بنجاوے (یعنی دنیا کے پریشان خیالات کا اسوقت تو اسمین لذت ملتی ہو مگر جب اصلی بیداری یعنی موت کی نوبت آوے گی اُسوقت بجز گناہ و وبال کے کچھ نظر نہ آویگا) اس خفتہ اور اس خیال کی ایسی مثال ہے جیسے کوئی شخص خواب مین شیطان کو ایک حسین عورت کی شکل مین دیکھے اور اُس سے شہوت رانی کرکے آب ریزی کرے جب اُس نطفہ کو کہ تخم نسل تھا زمین شور یعنی محل بے ثمر مین صرف کر چکا اُسوقت ہوش مین آگیا اور وہ خیالی صورت غائب ہو گئی دیکھتا ہو کہ سر مین ضعف ہو گیا اور بدن ناپاک ہو گیا اب افسوس کر رہا ہو کہ وہ خیالی صورت کسطرح تو نظر آئی اور کسطرح جاگ کر غائب ہو گئی کیونکہ اُسکا وجود تو صرف خیالی تھا نہ واقعی یہی حال طالب غیر اللہ کا ہے

مرغ بر بالا پران و سایہ اش
میرود بر خاک پران مرغ وش

ابلہی صیاد آن سایہ شود
میرود چندانکہ بے مایہ شود

بے خبر کان عکس آن مرغ ہواست
بے خبر کہ اصل آن سایہ کجاست

تیر اندازد بسوے سایہ او	ترکشش خالی شود از جستجو
ترکش عمرش تہی شد عمر رفت	از دویدن در شکار سایہ تفت

سایہ اش مبتدا۔ میرود خبر۔ میرود چندانکہ مقدم موخر ست تقدیرا آنکہ چندانکہ میرود۔ تفت گرم و تیز۔ اوپر کے اشعار مین مذمت تھی دنیا کے پریشان خیالات کی اور ان اشعار مین تحقیق ہے دنیا کے طالب کی ایک تمثیل کے پیرایہ مین مطلب یہ کہ دنیا کا وجود ناپایدار آخرت کے وجود باقی کے سامنے ایسی نسبت رکھتا ہے جیسا سایہ کا وجود موہوم سایہ دار چیز کے وجود واقعی کے سامنے پس آخرت کو ترک کرکے دنیا کے طلب کرنیوالے کی ایسی مثال ہے جیسے کوئی جانور ہوا مین اُڑتا ہو اور اسکا سایہ زمین پر دوڑ رہا ہو اور کوئی کم عقل اُس سایہ کو شکار کرنا چاہے جسقدر اُسکے پیچھے دوڑیگا خالی ہاتھ رہیگا اُسکو خبر نہین کہ یہ مرغ ہوا کا عکس ہے نہ یہ خبر ہو کہ اس سایہ کی اصل کہان ہے وہ سایہ کیطرف تیر پھینک رہا ہے اور اسی جستجو مین ترکش اسکا خالی ہوگیا اسی طرح طالب دنیا کا ترکش عمر اس سایہ دنیا کے شکار و طلب مین جلدی جلدی خالی ہوتا جاتا ہے۔

در تحریص متابعت ولی مرشد

سایۂ یزدان چو باشد دایہ اش	وارہاند از خیال و سایہ اش
سایۂ یزدان بود بندہ خدا	مردۂ این عالم و زندہ خدا
دامن او گیر زوتر بے گمان	تا رہے از آفت آخر زمان

جب دنیا کے خیالات اور اُسکی طلب کی مذمت بیان فرماچکے تو اب اُس سے نجات حاصل کرنے کا طریق بتلاتے ہین وہ طریق شیخ کامل کی طرف سے توجہ اور تربیت اور طالب کی طرف سے شیخ کی متابعت و اطاعت ہے پس ارشاد فرماتے ہین کہ اگر کوئی ظل اللہ (انسان کامل چنانچہ دوسرے شعر مین آتا ہے) اس شخص کا مربی بنجاوے تو خیال اور سایۂ مذکور (دنیا و فکر دنیا) سے اُس کو نجات دیدے اس ظل اللہ سے مراد خدا کا کامل بندہ ہے جو اس عالم کا مردہ اور خدا کا زندہ ہے (یعنی اس عالم سے ایسا بے خبر ہے جیسا مردہ اور حق کا آگاہ ہے) ایسے شخص کا دامن جلدی سے بدون اسکے کہ (اُسکی تشخیص و معالجہ باطنی مین) کسی قسم کا شک و گمان کرو تھام لو تاکہ آخری وقت یعنی وقت موت کی آفت سے (نزع ایمان سے جس کا سبب اکثر حب دنیا کا غلبہ ہوتا ہے جیسا امام غزالی نے فرمایا ہے) بچ جاؤ۔ ف اوپر کے اشعار مین دنیا کو جو سایہ سے تشبیہ دی ہے وہ باعتبار ناپایداری کے ہے اور یہان جو مرد کامل کو سایہ سے تشبیہ دی ہے یہ باعتبار اسکے ہے کہ جیسے سایہ دلیل ہے وجود آفتاب کی اسی طرح مرد کامل دلیل اور رہنما ہے طرف ذات حق کے چنانچہ آگے آتا ہے۔

کیف مد الظل نقش اولیاست	کو دلیل نور خورشید خداست
اندرین وادی مرو بے این دلیل	لا احب الآفلین گو چون خلیل ؑ

کیف مد الظل اشارہ بسوے آیت الم تر الی ربک کیف مد الظل الخ نقش مثال اسمین اولیاے کاملین شیوخ مرشدین کے

ظل اللہ ہونے کا بیان ہے مطلب یہ کہ قرآن مجید میں جو اسی ظاہری سایہ و آفتاب کی نسبت ارشاد ہو کہ دیکھو اللہ تعالے نے سایہ کو کس طرح پھیلایا ہی الخ یہی مثال اولیاء کی ہو کہ جس طرح یہ سایہ آفتاب ظاہری کا پتہ بتلاتا ہی اسی طرح ولی کامل نور خداوندی کا ذکر تشبیہاً آفتاب معنوی ہو پتہ بتلاتا ہو کہ کس طریق سے وصول الی اللہ ہو سکتا ہی پس اگر وادی سلوک میں چلنا منظور ہے تو بدون اس دلیل و رہبر کے قدم مت رکھو اور چلنے کے بعد حجاب انوار والوان ناسوتی و ملکوتی پیش آویں انکو مطلب مت سمجھو بلکہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی طرح اُن پر لا احب الآفلین کہے جاؤ یعنی میں دوست نہیں رکھتا فنا ہونے والوں کو ۔

ف ان اشعار میں جیسا کہ ہم نے تقریر کردی ہو کہ اشارہ ہو کہ مراقبات و معاملات میں اگر کچھ انوار وغیرہ نظر آویں تو اپنے اعتقاد و عمل کو درست رکھے اعتقاد کی درستی تو یہ کہ اسکو حادث و مخلوق سمجھے خالق و قدیم نہ جانے کیونکہ حق تعالیٰ کی رویت دنیا میں نہیں ہو سکتی جیسا کہ دیباچہ کے شعر عشق جان طور آمد الخ کی شرح میں بیان ہوا ہی عمل کی درستی یہ کہ ان انوار میں مشغول نہو بلکہ اسکی نفی کرکے مطلوب حقیقی کی طرف متوجہ ہو جاوے کیونکہ وہ گو ملکوتی انوار ہیں لیکن پھر مخلوق ہیں تو اُسمیں مشغول ہونا ایسا ہی ہے جیسے مال و زر میں مشغول تھا حجاب ہونے میں دونوں برابر ہوے بلکہ ملکوت کے یہ نورانی حجاب ناسوت کے ظلمانی حجابات (مال و زر وغیرہ) سے زیادہ شدید ہیں) (کذا قال مرشدی) کیونکہ ناسوتی موجودات کو آدمی چونکہ مبتذل و حجاب سمجھتا ہو اور اُن میں زیادہ لذت بھی نہیں ہوتی اسلیے قلب اُن میں زیادہ مبتلا نہیں ہوتا اور انسان اُنکی ارتفاع کی کوشش بھی کرتا ہے اور ملکوتی انوار کو عظیم الشان اور ثمرۂ مجاہدہ و لذیذ سمجھتا ہو اس لیے اُس میں اگر مشغولی ہو گئی تو عمر بھر بھی اُس بند سے نکلنے کی امید نہیں اور اگر اُس کے ساتھ اُن انوار کو لاہوتی انوار (ذات حق و صفات) سمجھ گیا تو عمل کے ساتھ عقیدہ بھی بگڑا اس مقام پر بہت لوگ برباد ہو گئے ہیں اسلیے اعتقاد و عمل کی تصحیح کا اہتمام واجب ہو ۔

رُو زِ سایہ آفتابے را بیاب	دامن شہ شمس تبریزی بتاب
رہ ندانی جانب این سور و عرس	از ضیاء الحق حسام الدین بپرس

(رُو) صیغۂ امر۔ (ز) حرف جر۔ سایہ مرشد۔ آفتاب حضرت حق۔ سور دعوت عام۔ عرس مہانی عروس مطلب یہ ہو کہ جب ظل اللہ (مرشد کامل) کا موصل الی اللہ ہونا انکو اوپر کے اشعار میں معلوم ہو گیا تو اُس کے ذریعہ سے آفتاب (ذات حق) کو حاصل کرو آگے اپنے وقت کے کاملین کی تعیین کرتے ہیں (جنسے یہ دولت وصول کی حاصل ہو سکتی ہی) کہ شاہ شمس الدین تبریزی کا دامن پکڑو اور اگر اس فیض عام و لذت بخش کو اُن سے حاصل نکر سکو تو مولانا ضیاء الحق حسام الدین سے (کہ اُنکے نائب ہیں) دریافت کرو کیونکہ مولانا ضیاء الحق کو اول فیض حضرت شمس سے ہوا ہے پھر مولانا ہی سے تو مولانا کے پیر بھائی ہیں اور خلیفہ بھی مولانا نے اس مقام پر تو ضمناً حضرت اُن کا حضرت شمس سے مستفید ہونا بیان کیا ہو

در حسد گیرد ترا در رہ گلو	در حسد ابلیس را باشد غلو

کو ز آدم ننگ دارد از حسد	با سعادت جنگ دارد از حسد
عقبۂ زین صعب تر در راہ نیست	اے خنک آن کش حسد ہمراہ نیست
این جسد خانہ حسد آمد بدان	کز حسد آلودہ باشد خاندان
خان و مان ہا از حسد باشد خراب	باز و شاہین از حسد گردد غراب

غلو مبالغہ دراز حد گذشتن۔ عقبہ گھاٹی یعنے اگر حضرت شمس تبریز یا حضرت مولانا ضیاء الحق کا اتباع کرتے ہوئے تم کو عار آوے کہ مین کس سے کم ہون جو کسیکا اتباع کرون تو اس کا منشا حسد ہوا تو اسکی نسبت فرماتے ہین کہ اگر راہ حق مین حسد تیرا گلوگیر ہو جاوے تو سمجھ لے کہ حسد طریقہ ابلیس کا ہے کہ وہ اس صفت مین کمال رکھتا ہے کہ اُسکو آدم علیہ السلام سے بوجہ حسد کے عار ہوا تھا اور در واقع مین اس حسد کی بدولت اپنی ہی منفعت وسعادت سے مخالفت کرتا تھا (یعنے اپنا ہی نقصان کرتا تھا) اس راہ سلوک مین بھی حسد سے بڑھ کر کوئی امر مانع نہین (کہ اسکے سبب سے ناقصین کمال حاصل کرنے سے رہ جاتے ہیں) کامل کا اتباع کرنے کو خلاف شان سمجھا اور بالخصوص اپنے شیخ کے خلیفہ سے کہ وہ اپنا پیر بھائی ہوتا ہے رجوع کرنا تو غالب طبائع کے خلاف ہوتا ہے اور یہ خیال ہوتا ہے کہ ہم بوجہ پیر بھائی ہونے کے اسکے ساتھ مساوات کا مرتبہ رکھتے ہین پھر اس سے کس طرح التجا کرین (اور بدون اتباع کسی کامل کی تکمیل ممکن نہین) وہ شخص بڑا خوشحال ہے جسکے پاس حسد نہین (آگے اس حسد کا سبب بتلاتے ہین کہ وہ صفات جسمیہ کا غلبہ ہے مثل شہوت وغضب کے کیونکہ اس سے خود غرضی پیدا ہوتی ہے اور خود غرضی سے دوسرون پر جنکو اس غرض کا شریک یا موجب تقویت قرار دیتا ہے حسد پیدا ہوتا ہے چنانچہ فرماتے ہین کہ) یہ جسد خانۂ حسد ہی خوب جان رکھو کہ حسد سے تمام خاندان یعنے جو تمہارے بدن مین سکونت پذیر ہین مثل عقل وحواس کے سب آلودہ اور خراب ہو جاتے ہین اور حالانکہ یہ سب چیزین مثل باز وشاہین کے شکار کنندہ حقائق وعلوم عالیہ ہین مگر مثل غراب کے نجس وخوار یعنی طالب وحیلہ اندیش تحصیل اغراض خسیسہ دنیویہ ہو جاتے ہین اسلیے حسد کو ترک کرکے کاملین کا اتباع اختیار کرو ف چونکہ اولیاء پر حسد کرنے سے وبال وہلاک واقع ہوتا ہے اسلیے اللہ تعالے نے اکثر اولیاء کو مخفی رکھا ہے کہ لوگ مخالفت کرکے تباہ نہون کذا قال مرشدی رحمہ اللہ تعالے

گر جسد خانہ حسد باشد ولیک	این جسد را پاک کرد اللہ نیک
یافت پاکی از جناب کبریا	جسم پر از حقد و ز کبر و ریا
طہرا بیتی بیان پاکی ست	گنج نور ست از طلسمش خاکی ست

اوپر کے اشعار مین حسد کی مذمت اور اسکی وجہ صفات بشریہ جسمانیہ کا غلبہ ارشاد فرمائی تھی اب کوئی شخص کہتا ہو کہ جسد اور اسکے صفات وآثار سے تو کاملین بھی خالی نہین تو اُن مین بھی حسد ہوگا پھر اگر ہمکو اُن کے اتباع سے حسد ہو تو کیا عجب ہے اور اُن کا کیا اتباع کرین جبکہ اُن مین بھی وہی مرض ہو جو ہم مین ہے اس کا جواب ارشاد فرماتے ہین کہ اگرچہ جسد خانہ حسد ضرور ہوتا ہے لیکن اس جسد کو یعنی جسد کاملین کو اللہ تعالے نے بالکل

پاک کردیا یعنی ریاضت ومجاہدہ کی برکت سے اللہ تعالے نے اوصاف بشریہ ذمیمہ اُن سے دور کردیے اب اُن مین حسد وغیرہ کچھ نہین رہا پہلے جو جسم حقد وکینہ وریا سے پُرتھا اللہ پاک کی طرف سے اس کو پاکی حاصل ہوگئی اور قرآن مجید مین جو حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسمعیل علیہ السلام کو حکم ہو طہرا بیتی یعنی میرے گھر کو یعنی کعبہ کو پاک رکھو اس آیت مین قلب کے پاکی کا بھی بیان ہے (اشارۃً نہ صراحۃً جیسا کہ عنقریب اسکی تحقیق آتی ہے یعنی کاملین نے اس لیے اپنے قلب کو اوصاف ذمیمہ سے پاک کرلیا گو ظاہر مین اُس قلب کا طلسم یعنی کالبد خاکی ہے مگر وہ خود گنجینۂ نور الٰہی ہے وہ نور معرفت ومحبت واخلاق حمیدہ ہین ۔

ف جاننا چاہیے کہ اکثر صوفیہ کرام کے کلام مین بعض آیتون کا خلاف ظاہر معانی پر محمول ہونا پایا جاتا ہو ایسے مواقع پر ناظرین کو دو غلطیان واقع ہوجاتی ہین بعض لوگ تو یون اعتقاد کرلیتے ہین کہ قرآن شریف کی تفسیر یہی ہو اور علماء ظاہر نے جو تفسیر کی ہو وہ غلط ہو حالانکہ یہ اعتقاد بالکل باطل ورشعار زنادقہ کا ہو اور اس سے تمام شریعت ناقابل اعتبار اور منہدم ہوئی جاتی ہو اور بعض لوگ ان حضرات پر طعن کرنے لگتے ہین کہ اُنھون نے قرآن مین تحریف کردی اور تفسیر بالرائے کرتے ہین اس لیے اسکی تحقیق ضروری ہو۔ اصل یہ ہو کہ قرآن کی تفسیر تو وہی ہو جو علماء مفسرین نے لکھی ہو لیکن کبھی ایسا ہوتا ہو کہ جو مضمون مدلول ومقصود بالقرآن ہو اُس کے مشابہ کوئی دوسرا مضمون ہوتا ہو تو مدلول قرآنی سے ذہن اس مشابہ کی طرف منتقل ہوجاتا ہے جیسا زید اور عمرو مین مناسبت ہو اور زید کا حال بیان کرتے ہون اور عمرو یاد آجاوے اور اس انتقال ذہنی کی وجہ سے اُس مضمون مدلول قرآنی پر اُس مضمون مشابہ کو قیاس کرکے اُس کے لیے بھی وہی حکم جو مدلول قرآنی کے متعلق ہو ثابت کرنے لگتے ہین تو مقصود اُن کا اس نص مین اس مضمون کا داخل کرنا نہین ہوتا بلکہ محض قیاس وتمثیل کا قصد ہوتا ہو مثلاً اسی آیت طہرا بیتی کی تفسیر سے کہ تطہیر کعبہ ہو ذہن منتقل ہوا کہ انسان مین بھی ایک چیز مشابہ کعبہ کے ہو اور وہ قلب ہو کیونکہ جس طرح کعبہ پر انوار الٰہی نازل ہوتے ہین قلب پر بھی فائض ہوتے ہین اس سے یہ قیاس کیا کہ جس طرح تطہیر کعبہ ضروری ہو کیونکہ وہ مورد تجلیات ہو اسی طرح چونکہ قلب بھی مورد تجلیات ہے اُسکی تطہیر بھی ضروری ہو اور ورود تجلیات علت مشترکہ ہو اس کو علم اعتبار کہتے ہین جسکی اجازت فاعتبروا یا اولی الابصار مین موجود ہو اور جمیع فقہاء ومجتہدین احکام مین اس کا استعمال کرتے ہین پس اگر اس معنی مقیس کو کوئی شخص مجازاً مدلول نص کہدے بایں معنی کہ قیاس مظہر ہے نہ مثبت تو اس مین کوئی بات قابل مواخذہ نہین امر محقق اس باب مین یہ ہو کہ امام غزالی رحؒ نے بعض تصانیف مین اسکی تصریح فرمائی ہے اور بعض نے جو ان توجیہات کی تصحیح کے لیے یہ تکلف کیا ہو کہ ہر آیت کا ایک ظہر اور ایک بطن ہوتا ہو پس علماء ظاہر نے جو کہا ہو وہ ظہر ہو اور صوفیہ نے جو فرمایا ہو وہ بطن ہو یہ تکلف نہایت بعید ہے کیونکہ ظہر وبطن دونون کا اس آیت کے وجوہ محتملہ سے تو ہونا ضرور ہو اور ایسے نکات واعتبارات یقیناً آیت مین محتمل نہین ہوتے جیسا کہ ماہرین قواعد شرعیہ وعربیہ پر مخفی نہین اس لیے اُن کو بطن قرآن کہنا نہایت امر مستنکر ہے بلکہ بطن سے مراد وہ معانی دقیقہ ومستنبطات غامضہ ہین

جنکو حضرات مجتہدین سمجھتے ہین جسکی تفصیل اہل اصول سنے وجوہ دلالات مین لکھی ہے اور اُن بطون مین مراتب مختلف ہین بعض وہ ہین جنکو عوام نہین سمجھتے علماء متوسطین سمجھ جاتے ہین بعض وہ ہین جنکو علماء راسخین مجتہدین سمجھتے ہین بعض ایسے ہین جنکو صرف حضرات انبیاء علیہم السلام سمجھتے ہین وفوق کل ذی علم علیم۔

چون کنی بر بے حسد مکر و حسد	زان حسد دل را سیاہی ہا رسد
خاک شو مردان حق را زیر پا	خاک بر سر کن حسد را ہمچو ما

یعنی جب تم کو معلوم ہوگیا کہ اُن حضرات مین حسد باقی نہین رہا تو اُن پر حسد کرنا خسران عظیم ہے کیونکہ جب ایسے شخص پر حسد کروگے جو خود بے حسد ہو تو ایسے حسد سے دل مین بہت ظلمتین پیدا ہوتی ہین اس لیے تمکو چاہیے کہ مردان حق کے خاک پا بنجاؤ اور حسد کے سر پر خاک ڈالو جس طرح ہمنے خاک ڈالدی کہ باوجود اتنے بڑے فضل و کمال وعلم ظاہری کے حضرت شمس تبریزی کی جو بہت سا علم بھی نہین رکھتے متابعت اختیار کرلی (کذا قال مرشدی) اسکے بعد قصہ کی طرف رجوع فرماتے ہین اور اتفاق سے اس مین حسد کے وبال کا بھی مذکور آگیا کہ حسد کی بدولت اپنی جان کا نقصان کیا اور کان ناک کٹوالیے حسد ایسی بُری چیز ہے۔

بیان حسد وزیر

آن وزیرک از حسد بودش نژاد	تا بباطل گوش و بینی باد داد
بر امید آن کہ از نیش حسد	زہر او در جان مسکینان رسد

نژاد پیدائش۔ باطل ناحق۔ باد داد برباد داد۔ یعنی اُس وزیر کی طینت مین حسد تھا جب ہی تو مفت مین اپنے گوش وبینی ضائع وتلف کیے صرف اس لالچ پر کہ نیش حسد سے غریبون کی جان مین اُس کا زہر پھیل جاوے یعنی اُن کا نقصان ہو۔

ہر کسے کو از حسد بینی کند	خویشتن بے گوش و بے بینی کند
بینی آن باشد کہ او بوے برد	بوے او را جانب کوے برد
ہر کہ بویش نیست بے بینی بود	بوے آن بوی ست کو دینی بود

بینی کندن کنایہ از انکار ست۔ بینی کنایہ از امتیاز درمیان حق و باطل۔ بوے کنایہ از قوت ممیزہ۔ مطلب یہ کہ اُس وزیر کی کیا تخصیص ہے جو شخص حق کا انکار و مقابلہ کرتا ہے اپنے گوش وبینی دے بیٹھتا ہے اور (یہ ظاہری بینی مراد مت سمجھو بلکہ بینی سے باطنی بینی (قوت ممیزہ) مراد ہے جس سے (تمیز حق وباطل) حاصل ہو یعنے کلام سنکر کامل وغیر کامل مین تمیز کرلے) اور یہ بو (تمیز) کوے حق (یعنے راہ حق) تک پہونچادے (یعنی بعد تمیز کامل کے اُسکا اتباع اختیار کرے کہ وصول الی اللہ نصیب ہو) پس جس شخص کو یہ بو (تمیز حق وباطل) حاصل نہین وہ حقیقت مین بے بینی ہے کیونکہ بو تو وہی معتبر ہے جو دینی ہو جب اس بو کی تمیز نہ ہوئی تو ظاہری بینی اگر ہوئی

تو کیا اور نہ ہوئی تو کیا۔ ہٰذا فسر۔ مرشدیؒ قولہ بوے برد آلخ والیہ الاشارۃ فی قولہ تعالیٰ ولتعرفنہم فی لحن القول۔

چونکہ بوئے برُد و شکر آن نکرد	کفر نعمت آمد و بیشش خورد
شکر کن مر شاکران را بندہ باش	پیش ایشان مردہ شو پایندہ باش
چون وزیر از رہزنی مایہ مساز	خلق را تو بر میا ور از نماز

یعنی عارف کے کلام سے تمیز حاصل ہو گئی کہ یہ شخص کامل ہے اور اُسکی قدر نہ کی یعنی اُس کی خدمت اختیار نکی تو یہ کفران نعمت اسکی قوت ممیزہ کو سلب کردے گا یعنی اُسکی قوت ممیزہ کام ندے گی کما قال اللہ تعالیٰ ولئن کفرتم ان عذابی لشدید۔ اسلیئے تم کو شکر و خدمت کرنا لازم ہے وہ یہی ہے کہ ان شکر گزاروں (یعنی کاملین) کے غلام بنجاؤ اور اُن کے روبرو اپنی خواہش کو فنا کرکے مثل مردہ ہو جاؤ حیات ابدی حاصل کرلوگے اور اُنکی خدمت چھوڑکر خود شیخ مزور بنکر مثل وزیر کے رہزنی طالبان حق کی مت کرو اور خلائق کو نماز (یعنی طلب حق) سے مت روکو (کیونکہ جو شخص شیخ ناقص کے ہاتھ مین پھنس جاتا ہے وہ اور جگہ طلب کرنیسے بھی محروم ہو جاتا ہے۔

فہم کردن حاذقان نصاریٰ مکر آن وزیر را

ناصح دین گشتہ آن کافر وزیر	کرد او از مکر در لوزینہ سیر
ہر کہ صاحب ذوق بود از گفت او	لذتے میدید و تلخی جفت او
نکتہ ہا می گفت او آمیختہ	در جلاب و قند زہرے ریختہ

لوزینہ حلوائے بادام۔ مراد نصیحت۔ سیر لہسن مراد گمراہی۔ از گفت او متعلق میدید جلاب شربت یعنی وہ کافر وزیر دین کا ناصح بن رہا تھا اور مکر سے نصیحت مین گمراہی کی باتین ملا ملا کر کہتا تھا جس طرح کوئی حلوائے بادام مین لہسن ملادے جو لوگ صحبت اہل اللہ کی بدولت اہل ذوق ہو گئے تھے وہ اسکے کلام مین لذت دیکھتے مگر ساتھ تلخی باطل کی بھی اُس مین پاتے۔ وہ باریک باریک باتین دین کی کرتا مگر اُس مین شرارت و ضلالت کی باتین ملی ہوتین جیسے شربت قند مین کسی نے زہر ملا دیا ہو۔

ہان مشو مغرور زان گفت نکو	زانکہ باشد صد بدی در زیر او
ہر کہ باشد زشت گفتش زشت دان	ہرچہ گوید مردہ آنرا نیست جان
گفت انسان پارۂ انسان بود	پارۂ از نان یقین ہم نان بود

یہ مقولہ مولانا کا ہے بطور نصیحت فرماتے ہین کہ صرف ایسے مکارون کے ظاہری کلام دل پسند پر فریفتہ ہونا چاہیے کیونکہ اس کے باطن مین صد ہا خرابیان ہوتی ہین جو شخص خود اخلاق ذمیمہ رکھتا ہو گا اُس کا کلام ضرور برا اثر رکھے گا اور مردہ دل جو کہے گا اُسمین بھی جان یعنی تاثیر نیک نہ ہوگی کیونکہ انسان کا کلام مثل جزو انسان

سے کے ہو (تابع ہونے مین بس جیسا متکلم ہوگا ویسا ہی اُسکا کلام بھی ہوگا) جسطرح روٹی کا ٹکڑا روٹی ہوتا ہے۔

زان علی فرمود نقل جاہلان	بر مزابل ہمچو سبزہ است ای فلان
بر چنان سبزہ ہر آنکس کو نشست	بر نجاست بی شکی بنشستہ است
بایدش خود را بشستن زان حدث	تا نماز فرض او نبود عبث

نقل بضم نون نعمت۔ مزابل جمع مزبلہ جاے سرگین حدث گندگی۔ عبث باطل۔ حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ کا قول ہے نعمۃ الجاہل کروضۃ فی مزبلۃ۔ یعنی جاہل کی نعمت ایسی ہے جیسے مزبلہ پر درخت و سبزہ لگا ہو کہ ظاہر مین تر و تازہ و رونق دار ہے مگر اندر سے گندہ و ناپاک مقصود مولانا کا مضمون بالا کی تائید ہے حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ کے قول سے خلاصہ یہ ہے جو شخص جاہل یعنی نور معرفت سے خالی ہو اُسکی نعمت یعنی کلام کہ وہ بھی ایک قسم کی نعمت ہی ایسی ہے جیسے مزبلہ پر چمن یعنے وہ کلام ظاہر مین تو نہایت آب و تاب رکھتا ہے مگر اسمین معانی اور آثار کچھ بھی نہین اگر ایسے سبزے پر کوئی دھوکہ کھا کر بیٹھ جاوے تو یقینا وہ نجاست پر بیٹھ گیا اسی طرح اگر اُس کلام پر کوئی شخص عمل و اعتماد کرے ضرور ہلاکت مین پڑے گا اُسکو چاہیے کہ اپنے کو اُس گندگی سے دھوئے اسی طرح ایسے شخص کو چاہیے کہ ایسے کلام پر عمل و اعتماد کرنے سے توبہ کرے تاکہ اُسکی فرض نماز برباد نہو اسی طرح اس طالب کو اپنے مقصود وصول الی اللہ مین ناکامی نہو اشارہ اس طرف ہے کہ اگر شیخ مزور کے ہاتھ مین جا پھنسے تو اُسکی بیعت توڑ دے اور اُسکو چھوڑ دے

ظاہرش میگفت در رہ چست شو	وز اثر میگفت جان را سست شو
ظاہر نقرہ سپیدست و منیر	دست و جامہ زان سیہ گردد چو قیر
آتش ار چہ سرخ رویست از شرر	تو ز فعل او سیہ کاری نگر
برق گر نوری نماید در نظر	لیک ہست از خاصیت دزد بصر

ت یعنے ظاہری مضمون اُسکے کلام کا تو یہی ہوتا تھا کہ طریق حق مین چست و چالاک رہنا چاہیے لیکن اُس مین باطنی اثر نہ تھا بلکہ اور سستی بڑھتی تھی (کیونکہ صدق و اخلاص سے وہ نصیحت نہ تھی بلکہ محض مکر و ریا تھا) آگے محسوسات مین مثال دیتے ہین کہ اُسکا کلام ایسا تھا جیسے چاندی کہ ظاہر مین سفید ہے مگر ہاتھ اور کپڑا اُس کے ملنے سے سب سیاہ ہو جاتا ہے جیسا قیر یعنی روغن سیاہ کہ خارشتی اونٹونکو ملا جاتا ہے اسی طرح آگ کو دیکھو کہ ظاہر مین تو سُرخ ہے مگر اسکا اثر سیاہی ہے یہی حالت برق کی ہے کہ ظاہر نظر مین تو نور ہے لیکن خاصیت مین ربایندۂ نگاہ ہے۔

ہر کہ جز آگاہ و صاحب ذوق بود	گفت او در گردن او طوق بود
مدتی شش سال در ہجران شاہ	شد وزیر اتباع عیسی را پناہ
دین و دل را کل بدو بسپرد خلق	پیش امر و نہی او می مرد خلق

اوپر کے اشعار مین تو اہل ذوق و بصیرت کا بیان تھا جو وزیر کے سخنان فریب آمیز کو تاڑ گئے تھے اب عوام الناس کا ذکر فرماتے ہین کہ جو لوگ آگاہ و صاحب ذوق نہ تھے اُسکا کلام اُنکے گلے کا ہار ہو گیا تھا یعنی وہ لوگ اُسپر فدا و مسخر

ہو گئے تھے اسی طرح چھ سال تک بادشاہ سے جدا رہ کر وہ وزیر تابعین عیسیٰ علیہ السلام کا پشت و پناہ و رہبر بنا رہا ایمان و جان سب کچھ خلائق نے اس کے سپرد کر دیا اور اس کے اوامر و نواہی کے روبرو لوگ جان دیتے تھے

پیغام فرستادن شاہ پنہان بوزیر

در میان شاہ او پیغام ہا	شاہ را پنہان بدو آرام ہا
آخر الامر از برای آن مراد	تا دہد چون خاک ایشانرا بباد
پیش او بنوشت شہ کای مقبلم	وقت آمد زود فارغ کن دلم
زانتظارم دیدہ و دل بر رہ است	زین غمم آزاد کن گر وقت ہست
گفت اینک اندران کارم شہا	کافگنم در دین عیسیٰ فتنہ ہا

یعنے خفیہ طور پر اس کے اور بادشاہ یہودی کے درمیان پیغام چلتے تھے اور بادشاہ کو دل مین اسکی وجہ سے پورا اطمینان و سکون تھا آخر کار اس مقصود کے حاصل کرنے کے واسطے کہ عیسائیونکو خاک کی طرح برباد کرے بادشاہ نے وزیر کو یہ لکھا کہ اے میرے اقبال مند اب موقع آگیا ہے میرے دلکو جلدی بفکر کر دے انتظار مین دیدہ و دل راہ پر لگا ہوا اگر تیرے نزدیک بھی موقع آگیا ہو تو اس غم سے مجھکو نجات دے اُس نے جواب مین کہلا بھیجا کہ مین اسی فکر مین لگا ہون کہ دین عیسوی مین رخنے ڈالون۔

بیان دوازدہ امیر سبط نصاریٰ

قوم عیسیٰ را بُد اندر دار و گیر	حاکمان شان دہ امیر و دو امیر
ہر فریقے ہر امیری را تبع	بندہ گشتہ میر خود را از طمع
این دہ و این دو امیر و قوم شان	گشت بندہ آن وزیر بدنشان
اعتماد جملہ بر گفتار او	اقتدای جملہ بر رفتار او
پیش او در وقت و ساعت ہر امیر	جان بدادی گر بدو گفتی کہ میر
چون زبون کرد آن جہود کُ جملہ را	فتنۂ انگیخت از مکر و دہا

دار و گیر حکومت۔ دہ و دو دوازدہ۔ در وقت فی الفور متعلق بدادے۔ زبون مغلوب و مسخر کاف در جہودک برائے تحقیر۔ وہ وزیر کی یعنے امور متعلقہ سیاست مین اُن عیسائیون کے بارہ سردار تھے اور ہر سردار کا ایک ایک گروہ تابع تھا اور اپنی منفعت دنیوی کی وجہ سے اُسکی اطاعت کرتا تھا سو یہ بارہ سردار اور انکی قومین سب اُس بدنشان وزیر کے مطیع ہو گئے تھے کہ اُسکے اقوال پر سب کو اعتماد تھا اور اس کے افعال کا سب اقتدا کرتے تھے اور اطاعت کی یہ حالت تھی کہ اگر یہ ان سردارونکو یون کہدیتا کہ مرجاؤ تو ہر سردار فوراً جان دیدیتا

غرض جب اس نالایق حاسد نے سب کو مسخر کر لیا تو شرارت و چالاکی سے ایک نیا فتنہ غضب کا برپا کیا جس کا آگے بیان آتا ہے

تخلیط وزیر در احکام انجیل

ساخت طوماری بنام ہر کسے	نقش ہر طومار دیگر مسلکے
حکمہای ہر یکے نوع دگر	این خلاف آن زپایان تا زسر

یہان سے اُس فتنہ کا بیان شروع ہے یعنے اُس وزیر نے ہر سردار کے نام کا ایک طومار طیار کیا جس مین ہر طومار کا مضمون دوسرے طور پر تھا اور ہر ایک کے احکام نئے قسم کے تھے اور ہر طومار دوسرے طومار کے خلاف و معارض تھا ف اُن طومارون کے مضامین جو کہ آگے آتے ہین فی حد ذاتہا سب صحیح ہین اور سالک کو سب کی ضرورت پیش آتی ہے لیکن فریب اور مغالطہ اسمین یہ کہ جن مسائل مین تفصیل وتخصیص تھی (یعنی ایک مسئلہ ایک خاص حالت کے اعتبار سے ہے دوسرا مسئلہ دوسری حالت کے اعتبار سے یا ایک مسئلہ ایک قید سے صحیح ہو دوسرا مسئلہ دوسری قید سے۔ یا ایک مسئلہ کی درستی کے لیے ایک توجیہ ضروری ہو دوسرے کے لیے دوسری توجیہ کی ضرورت ہو) اُسنے اُن مین اجمال و تعمیم کر دی یا بعبارت دیگر یون کہا جاوے کہ قضایا جزیہ کو کلیہ کر دیا اس لیے سب غلط ہو گئے مثلاً کوئی شخص ایک سے تو کہدے کہ روزہ فرض ہے اور کوئی قید نہ لگاوے اور دوسرے سے کہدے کہ روزہ حرام ہے اور اسمین بھی کوئی قید نہ لگا دے اور یہ دونون اسکے معتقد ہونگے تو ضرور کسی وقت مین اُن مین نزاع ہو گا حالانکہ خاص خاص قید سے دونون حکم صحیح ہین یعنی قید رمضان کے ساتھ فرض ہونا صحیح ہے اور قید یوم العید سے حرام ہونا صحیح ہے مگر تعمیم کے طور پر دونون حکم غلط ہین راقم ہر مضمون مین انشاء اللہ تعالے تحقیق مسئلہ بھی ساتھ ساتھ لکھتا جاویگا تاکہ تخلیط باقی نہ رہے۔

در یکے راہ ریاضت را و جوع	رکن توبہ کردہ و شرط رجوع
در یکے گفتہ ریاضت سود نیست	اندرین رہ مخلصی جز جود نیست

یعنی ایک طومار مین تو طریق ریاضت و گرسنگی (بہ عطف تفسیری) کو توبہ اور رجوع الی اللہ (بہ عطف تفسیری) کا رکن اور شرط یعنی موقوف علیہ قرار دیا اور ایک طومار مین یہ لکھا کہ ریاضت سے کوئی نفع نہین اس طریق سے خدا تعالے ملنے مین جود و سخاوت کے سوا یعنی اُس کے برابر کوئی صورت خلاصی کی نہین پس دونون طومار مین تعارض ہو گیا تحقیق مسئلہ ریاضت بمعنی ترک حقوق نفس تو کسی حالت مین جائز نہین جیسا دیباچہ کے شعر سے بند بگسل الخ کی شرح مین گذرا ہے اور ریاضت بمعنی ترک یا تقلیل حظوظ ولذات نفس مبتدی سلوک کے لیے حسب مشورہ شیخ ضروری ہے اور اس سے تصفیہ باطن خوب ہوتا ہے اور منتہی و کامل کے لیے ریاضت چندان مفید اور ضروری نہین اُس کو زیادہ اہتمام جود یعنے نفع رسانی خلق اللہ کا کرنا مناسب ہے

غرض مبتدی کے لئے نفع لازمی کا اہتمام بہتر ہے اور منتہی کے لئے نفع متعدی کا اہتمام بہتر ہے۔

در یکی گفتہ کہ جود و جوع تو	شرک باشد از تو با معبود تو
جز توکل جز کہ تسلیم تمام	در غم و راحت ہمہ مکر است و دام
در یکی گفتہ کہ واجب خدمت ست	ورنہ اندیشہ توکل تہمت ست

در غم و راحت متعلق بہ تسلیم۔ اندیشہ فکر یعنی ایک مین یہ لکھدیا کہ جود اور جوع جنکی فضیلت طومار سابق مین درج ہے سب تیری جانب سے معبود کے ساتھ شرک ہے (کہ اسمین اپنے افعال وصفات وکمالات جود وجوع پر نظر ہے پس ان دونون کو ترک کرکے توکل اختیار کرنا چاہیے) بجز توکل وتسلیم کے جو کہ ہر حالت غم وراحت مین ہونا ضروری ہے سب باتین مکر ودام کی ہین اور ایک مین یہ لکھدیا کہ توکل سے کیا ہوتا ہے خدمت وطاعت کرنا چاہیے ورنہ توکل کی فکر کرنا گویا شارع علیہ السلام پر تہمت لگانا ہے کہ یہ امر ونہی سب فضول ہے (کیونکہ اگر توکل مقصود ہوتا تو اپنی طرف سے کسی کام کا ارادہ ہی جائز نہ ہوتا پس اسمین سب امر ونہی کا ابطال لازم آتا ہے غرض ان دونون مین باہم بھی اور طومار توکل اور طومار سابق مین تعارض ہوگیا۔

تحقیق مسئلہ جود وجوع یا دیگر اوصاف وافعال حمیدہ کو اگر اپنے ذاتی کمالات سمجھے اور معطی حقیقی پر جس نے یہ دولتین نصیب کی ہین نظر نہ رہے اور نہ اُنکے عطا ہونے پر شکر کرے نہ اُنکے زوال سے اندیشہ کرے یہ ایک قسم کا شرک طریقت ہے اور عجیب حرام اور خلاف توکل ہے۔ اور اگر ان اوصاف وکمالات کو عطیۂ خداوندی سمجھے اور شکر کرے اور دعا کرتا رہے کہ ان کو سلب نہ کیا جاوے تو یہ عین توکل ہے غرض جود وجوع کا قصد منافی توکل نہین بلکہ اُنکے حصول واتصاف مین اپنے اوپر نظر ہونا اور منعم پر نظر نہ ہونا یہ منافی توکل ہے اسی طرح طاعت وخدمت بجا آوری اوامر ونواہی منافی توکل نہین البتہ انکو اپنا ذاتی کمال سمجھنا یہ ضرور منافی توکل ہے پس ریاضات وعبادات وتحصیل کمالات اور توکل مین منافات کا دعوی کرنا جیسا طوماروں سے حاصل ہے غلط ہے توضیح اسکی یہ ہے کہ توکل کی دو قسمین ہین علماً وعملاً علماً تو یہ کہ ہر امر مین متصرف حقیقی ومدبر تحقیقی حق جل وعلا شانہ کو سمجھے اور اپنے کو ہر امر مین اُن کا محتاج اعتقاد کرے یہ توکل تو ہر امر مین عموماً فرض اور جزو عقائد اسلامیہ ہے قسم دوم توکل عملاً اسکی حقیقت ترک اسباب ہے پھر اسباب کی دو قسمین ہین اسباب دینیہ اور اسباب دنیویہ۔ اسباب دینیہ جن کے اختیار کرنے سے کوئی دینی نفع حاصل ہو ان کا ترک کرنا محمود نہین بلکہ کہین گناہ اور کہین خسران وحرمان ہے اور شرعاً یہ توکل نہین اگر لغۃً توکل کہا جاوے تو یہ توکل مذموم ہے۔ اور اسباب دنیویہ جن سے دُنیا کا نفع حاصل ہو اُس نفع کی دو قسمین ہین حلال یا حرام اگر حرام ہو اُس کے اسباب کا ترک کرنا ضروری ہے اور یہ توکل فرض ہے اور اگر حلال ہو اُسکی تین قسمین ہین یقینی اور ظنی اور وہمی اسباب وہمیہ جن کو اہل حرص وطمع اختیار کرتے ہین جس کو طول امل کہتے ہین ان کا ترک کرنا ضروری ہے اور یہ توکل فرض او واجب ہے اور اسباب یقینیہ جن پر وہ نفع عادۃً ضرور مرتب ہوجاوے جیسا کھانے کے بعد آسودگی ہوجانا۔ پانی کے بعد

تحقیق مسئلہ توکل و اقسام اسباب و احکام آن

پیاس کم ہوجانا اس کا ترک کرنا جائز نہین اور نہ شرعاً یہ توکل ہے اور لغتہً توکل کہا جاوے تو یہ توکل ناجائز ہے اور اسباب ظنیہ جن پر غالباً نفع مرتب ہوجاوے گر بار ہا تخلف بھی ہوجاتا ہو جیسے علاج کے بعد صحت ہوجانا یا نوکری و مزدوری کے بعد رزق ملنا ان اسباب کا ترک کرنا وہ ہے جس کو عرف اہل طریقت مین اکثر توکل کہتے ہین اسکے حکم مین تفصیل یہ ہے کہ ضعیف النفس کے لیے تو جائز نہین اور قوی النفس کے لیے جائز ہے بالخصوص جو شخص قوی النفس بھی ہو اور خدمت دین مین مشغول ہو اُسکے لیے مستحب بلکہ کسیقدر اس سے بھی مؤکد ہے پس خلاصہ تقریر کا یہ ہوا کہ توکل علمی تو مطلقاً اور عملی مین بمعنی ترک اسباب حرام و ترک اسباب نفع دنیوی موہوم فرض اور بمعنی ترک اسباب دینیہ و بمعنی ترک اسباب دنیویہ مباحہ یقینیہ حرام و مذموم و بمعنی ترک اسباب مباحہ دنیویہ ظنیہ ضعیف النفس کو حرام اور قوی النفس کو مستحب پس تین قسمین فرض اور دو قسمین حرام اور ایک بعض اوقات مین حرام اور بعض اوقات مین مستحب اس تقریر سے معلوم ہوگیا کہ جو توکل شرعاً ناپسند ہے اُسمین اور طاعت مین تنافی ہے ورنہ کوئی منافات نہین واللہ اعلم۔

در یکے گفتہ کہ امر و نہی ہاست　　بہر کردن نیست شرح عجز ماست

تا کہ عجز خود بہ بینیم اندران　　قدرت آنرا بدانیم آن زمان

دریکے گفتہ کہ عجز خود مبین　　کفر نعمت کردن ست آن عجز بین

قدرت خود بین کہ این قدرت از وست　　قدرت تو نعمت او دان کہ ہوست

دریکے گفتہ کزین دو درگذر　　بت بود ہر چہ بگنجد در نظر

یعنی ایک طومار مین یلکھدیا کہ جسقدر امر و نہی آئے ہین یہ کرنیکے لیے نہین ہین بلکہ ہمارے عجز و درماندگی کا اظہار ہے (یعنی نعوذ باللہ قصداً ایسے احکام مقرر کیے گئے ہین کہ جو بندہ نہ کر سکے اور اسکا اپنا عجز معلوم ہوجاوے) تا کہ ہم اپنا عجز اسمین مشاہدہ کرین اور اسوقت اللہ تعالیٰ کی قدرت کا ہم کو علم و یقین ہوجاوے (کیونکہ جب اپنا عجز معلوم ہوگا تو خدا کا قادر ہونا سمجھ مین آجاویگا اس طومار کا حاصل مذہب جبر کا اثبات اور اختیار عبد کی نفی ہے) اور ایک مین یلکھدیا کہ اپنے عجز کو مت دیکھنا (یعنے اپنے کو عاجز و بے اختیار مت سمجھنا کہ یہ اعتقاد عجز ایک قسم کی ناشکری نعمت ہے (کہ اللہ تعالیٰ نے تو نعمت اختیار عطا فرمائی اور یہ شخص اسکی نفی کرتا ہے) بلکہ اپنی قدرت کو دیکھنا چاہیے کیونکہ یہ قدرت حق تعالیٰ کی طرف سے عطا ہے اپنی قدرت کو ایسی ذات کی نعمت سمجھو جو کہ مصداق ھُو کا ہے (یعنی ذات حق) اور ایک طومار مین یلکھدیا کہ اس جبر و قدر دونون سے گذر جاؤ (یعنی نہ اس پر نظر کرو نہ اُسپر) کیونکہ جو چیز نظر مین آوے وہ سب بُت ہے (کہ اس پر نظر کرنے سے خدا تعالےٰ کی طرف سے توجہ ہٹ جاتی ہے) غرض نفی اختیار و اثبات اختیار دونون مین تعارض ہے پھر دونون کے عدم سے دونون اثبات کو تعارض ہے یہ طومار بھی متعرض ٹھہرے۔

تحقیق مسئلہ یہ امر بدیہی ہے کہ انسان کو اللہ تعالےٰ نے نیک و بد کا اختیار عطا فرمایا ہے اسی اعتبار سے بندہ کاسب افعال ہے اور یہ بھی یقینی ہے کہ اس اختیار مین انسان مستقل نہین حق جل و علا شانہ کا محتاج ہے انھون ہی نے اختیار بھی عطا فرمایا ہے اگر وہ اختیار نہ دیتے تو یہ مختار نہ ہوتا اور بعد عزم و ارادہ کے وہی فعل کو پیدا کرتے ہین کیونکہ بندہ کسی چیز کے پیدا کرنے کی قدرت نہین رکھتا

قال اللہ تعالیٰ اللّٰہُ خالق کل شیءٍ الآیہ غرض بندہ خالق افعال نہین پس مرتبۂ کسب مین قدرت و اختیار عبد کا حق ہے اور مرتبۂ خلق مین عجز عبد کا حق ہے اِس سے معلوم ہوگیا ہوگا کہ طومار مین عجز پر جو یہ مرتب کیا ہے کہ جب ہم عاجز ہین تو امر و نہی سب شرح عجز کے لیے ہے کرنے کے لیے نہین یہ ترتیب غلط اور الحاد ہے کیونکہ عجز مرتبۂ خلق مین ہے نہ مرتبۂ کسب مین اور امر و نہی مرتبۂ کسب مین وارد ہین پھر ان مین منافات کیا ہے۔ یہ تو قدرت و عجز کی تحقیق تھی اب رہا ان دونون صفتون پر نظر کرنا سو جب یہ عقیدہ مین داخل ہے تو نظر کرنا اسپر کیون نہ جائز ہوگا لیکن شرعاً یہ مطلوب نہین کہ ہر وقت آدمی اسی کو سوچا کرے کہ فلان اعتبار سے مین عاجز ہون فلان اعتبار سے قادر ہون بلکہ جب ذکر و عبادت مین مشغول ہو اُسوقت اُن امور کی طرف التفات کرنا اور ان کا قلب مین استحضار کرنا یکسوئی و غلبۂ توجہ الی اللہ کے منافی ہے جو چیز شاغل عن الحق ہو اُس کو حضرات اہل محبت شرک و بت تغلیباً و مجازاً کہدیتے ہین غرض مرتبۂ اعتقاد مین تو دونون پر نظر واجب ہے اور مرتبۂ استحضار مین عبادت کے وقت دونون پر نظر کرنا مضر باطن ہے پس واقع مین ان مسائل مین کوئی تعارض نہین اور بعض نسخون مین یہ دو شعر اور ہین جو مضمون مین شعر اخیر سے ملتے جلتے ہین ؎

در یکے گفتہ کہ عجز و قدرتت	بگذرد زہر چہ اندر فکرتت
از ہواے خویش در ہر ملتے	گشتہ ہر قومے اسیر ذلتے

ان کا حاصل بھی وہی ہے کہ جبر و قدر قابل التفات نہین مگر فرق اتنا ہے کہ وہان تو یہ کہا تھا کہ تم ان دونون سے گذر جاؤ اور یہان یہ کہا جاتا ہے کہ تم ان سے گذرنے کا اور انکے ترک کرنے کا اہتمام مت کرو بلکہ یہ عجز و قدرت اور جتنی چیزین تمھارے فکر و خیال مین ہین یہ سب خود بخود تم سے گذر جاوینگی اور تم سے الگ ہوجاوینگی (اور خود کسی چیز کے چھوڑنے کا اہتمام کرنا یہ بھی اپنے ارادہ و خواہش نفس کا ایک قسم کا اتباع کرنا ہے اور یہ ایسی بری چیز ہے کہ ہر ملت مین جو قوم کسی ذلت مین مبتلا ہوئی ہے وہ اسی خواہش نفسانی کے اتباع کی بدولت ہوئی ہے اور بعض نسخون مین زلت بمعنی لغزش ہے۔ ہر چہ اندر فکرتت معطوف ہے عجز و قدرت پر اور سب ملکر مبتدا ہے اور بگذرد خبر۔ اس طومار مین جو یہ مضمون ہے کہ بلا ارادہ یہ خود زائل ہوجاوے گا اس معنی صحیح ہے کہ ارادہ مؤثر حقیقی نہین کیونکہ بندہ خالق نہین مگر یہ کہنا کہ ارادہ نہ کیا جاوے مغالطہ ہے کیونکہ ارادہ سبب عادی ہے کیونکہ بندہ کاسب ہے جیسا کہ اوپر مفصل بیان ہوچکا ہے البتہ ارادہ و تدبیر مذموم قابل ترک ہے پس ترک تدبیر فی نفسہ مقصود نہین بلکہ اس لیے کہ تدبیر خلاف مرضی حق ہے سو جو تدبیر خلاف مرضی ہوگی اُس کا ترک محمود ہوگا اور جو تدبیر موافق مرضی حق و مامور بہ ہو اس کا ترک کس طرح محمود ہوگا بلکہ یہ ترک خود بوجہ خلاف مرضی ہونے کے مذموم ہوگا و نیز امور تکوینیہ غیر اختیاریہ مین تجویز لگانا یا امور اختیاریہ مین دعوے کے ساتھ عزم کرنا اور مشیت و تصرفات الٰہیہ پر نظر نہ رکھنا یہ بھی مذموم ہے۔

در یکے گفتہ بکش این شمع را	کاین نظر چون شمع آمد جمع را
از نظر چون بگذری و از خیال	کشتہ باشی نیم شب شمع وصال
در یکے گفتہ بکش باکے مدار	تا عوض بینی یکے را صد ہزار

که ز کشتن شمع جان افزون شود	لیلیت از صبر تو مجنون شود
ترک دنیا هر که کرد از زہد خویش	بیش آمد پیش او دنیا و بیش

لیلی کنایہ از محبوب حقیقی۔ مجنون محب۔ بیش اول ظرف بمعنی افزون۔ پیش اول ظرف بمعنی ہند پیش ثانی چیز مستقبل کنایہ از آخرت اوپر کے طومار میں کہا تھا مت بود ہرچہ بگنجد در نظر۔ جسمیں ترغیب تھی ترک نظر کی اب اُس کے معارض مضمون کا بیان ہے یعنی ایک طومار میں لکھدیا کہ اس شمع کو مت بجھاؤ یعنی یہ نظرا ور خیال جماعت طالبین کے لیے مثل شمع کے ہے اُس کو معطل مت کرو جب ہم نظر اور خیال کو چھوڑ بیٹھے (اور فکر و عقل سے کام نہ لیا) تو اس طرح سے مقصود کو فوت کردیا جیسے کسی نے نیم شب کے وقت شمع وصال گل کردی (کیونکہ نیک و بد میں تمیز کرنے والی عقل ہی ہے جب اس سے قطع نظر کرلی تو مقصود حقیقی جو اعمال حسنہ کے اختیار کرنے اور اعمال سیئہ کے ترک کرنے پر موقوف ہے کیونکر حاصل ہوگا) اور ایک طومار میں لکھدیا کہ کچھ پرواہ مت کرو عقل کو ترک کردو تاکہ اس ایک کے عوض میں تم کو لاکھ ملجائیں (یعنی عقل کے عوض میں الہام نصیب ہوگا جسکے ساتھ عقل کو وہ نسبت ہے جو نسبت ایک کو ایک لاکھ کے ساتھ ہے) وجہ زیادہ ملنے کی یہ ہوگی کہ شمع عقل کے گل کرنے سے شمع روح بڑھ جاتی ہے (کیونکہ روح کی لطافت ادراک کا مانع یہی توجہ مشاغل دنیویہ کی طرف ہے جس کا باعث عقل ہے جب مانع مرتفع ہوگا ادراکات روح میں ترقی ہوگی اور یہی الہام ہے) اور پھر جب ترک مقتضائے عقل پر مستقل و ثابت قدم رہوگے تو تمہارا محبوب تمہارا محب ہوجائیگا (یعنی علاوہ الہام کے یہ دوسری دولت ملیگی کہ تم حضرت حق کے محبوب ہوجاؤگے) آگے مثال میں کہا جاتا ہے کہ جو شخص زہد کی وجہ سے دنیا کو ترک کردیتا ہے اسکے روبرو دنیا بھی زیادہ آتی ہے اور آخرت بھی اُس کو ملتی ہے پس جس طرح دنیا کو ترک کرنے سے اس سے زیادہ اُسکو ملجاتا ہے اسی طرح عقل کے ترک کرنے سے اُس سے زیادہ دولت الہام اس کو نصیب ہوتی ہے۔

تحقیق مسئلہ عقل کی دو قسمیں ہیں عقل فلسفی و دنیوی و عقل ایمانی و دینی سو عقل فلسفی تو واقعی قابل ترک کردینے کے ہے اور یہی حاجب عن اللہ ہے اور عقل ایمانی کہ وہ مثمر الہام بھی ہے قابل اعتماد عمل کے ہے پس ان میں کوئی تعارض نہیں مگر تفصیل نہ کرنے سے وزیر کے طوامیر متعارض ہیں۔

تحقیق مسئلہ عقل فلسفی و ایمانی

در یکے گفتہ کہ آنچت داد حق	بر تو شیرین کرد در ایجاد حق
بر تو آسان کرد خوش آنرا بگیر	خویشتن را در میفگن در زحیر
در یکے گفتہ کہ بگذر زان خود	کان قبول طبع تو زشت ست و بد
راہ ہائے مختلف آسان شدست	ہر یکے را ملتے چون جان شدست
گر میسر کردن حق رہ بُدے	ہر جہود و گبر ازو آگہ بُدے
در یکے گفتہ میسر آن بود	کہ حیات دل غذائے جان بود
ہرچہ ذوق طبع باشد چون گذشت	بر نیارد ہمچو شورہ ریع و کشت

جز پشیمانی نباشد ریع او	جز خسارت پیش نارد بیع او
آن میسر نبود اندر عاقبت	نام او باشد معسر عاقبت
تو معسر از میسر باز دان	عاقبت بنگر جمال این و آن

زجیر تحقیق مراد تکلیف۔ زان خودا زخواہش خود۔ ریع پیداوار و محصول یعنی ایک طومار مین یہ لکھا کہ حق تعالے نے تجھ کو جو چیزین دی ہین وہ تیرے لیے شیرین یعنی حلال پیدا کر دی ہین تو خدا نے تجھ پر جسکو آسان کیا ہے تو بھی اس کو خوشی سے اختیار کر اور (انکو ترک کرکے) اپنے کو مصیبت مین مت ڈال (یعنی جو چیز آسانی سے ملجاوے اور اس کو طبیعۃ چاہے اس سے منتفع ہو اور نفس پر تنگی مت کرو) اور ایک مین یہ لکھدیا کہ اپنی خواہش سے گذرنا چاہیے کیونکہ تیری طبیعت کا قبول کرنا محض زشت و بد ہے (قابل اعتبار اور دلیل حلت کی نہین) اگر صرف کسی چیز کا طبیعت کے نزدیک آسان ہونا دلیل اُسکی خوبی کی ہو تو لازم آتا ہے کہ تمام مذاہب دنیا بھر کے حق ہون کیونکہ مختلف طریقے ان طریقہ والونکو آسان ہو رہے ہین اور اسی لیے ہر شخص کو اُس کا مذہب مثل جان کے عزیز ہو رہا ہے تو چاہیے سب مقبول و صحیح ہون حالانکہ یہ لازم یقیناً غلط اور باطل ہے) اگر حق تعالی کا کسی امر کو آسان کر دینا ہی طریقہ (شناخت حکم صحیح) کا ہوتا تو ہر یہودی اور گبر دین حق سے آگاہ ہو جاتا (کہ جس کو آسان دیکھا اُسی کو صحیح سمجھ لیا تو عالم مین کوئی گمراہ ہی نہ ہوتا اس سے معلوم ہوا کہ کسی امر کا آسان ہونا کوئی دلیل قابل اعتبار نہین) تیسرے مین یہ لکھدیا کہ کسی امر کا آسان ہونا صحیح ہونے کی دلیل تو ہے مگر اسمین نفس اور طبیعت کا اعتبار نہین بلکہ روح اور قلب کا اعتبار ہے پس آسان سے مراد صرف وہی امر ہے جو کہ قلب کی حیات اور روح کی غذا ہو اور نفس اور طبیعت کا ذوق قابل اعتبار نہین کیونکہ اُس کا میلان گاہے معاصی کی طرف بھی ہوتا ہے جس کا انجام حسرت کے سوا کچھ بھی نہین جیسا کہا ہے کہ جو چیز ذوق طبع کے موافق ہو اُسکی حالت تو یہ ہے کہ (اُسکے کرنے کے وقت تو کسی قدر اسمین لذت ملتی ہے مگر) جب وہ گذر جاتی اور ختم ہو جاتی ہے تو اُسمین کوئی ثمرہ اور نتیجہ حاصل نہین ہوتا جس طرح شور زمین مین کچھ نہین پیدا ہوتا ہے غرض بجز پشیمانی اور حسرت کے اور کچھ حاصل نہین ہوتا اور بجز خسران کے اُس کے بیع مین کوئی فائدہ نظر نہین آتا اور وہ (گو فی الحال سہل اور مرغوب معلوم ہوتا ہے مگر) انجام کار (موقع انکشاف واقعیات) مین سہل اور آسان نہین (معلوم) ہوتا بلکہ اُسوقت اس کا نام معسر اور دشوار ہوتا ہے تو تم کو چاہیے کہ معسر اور مُیسر مین تمیز کرو اور انجام کے اعتبار سے دونون کی صورت ملاحظہ کرو کہ آخرکار مین کون مُیسر و آسان ہوگا اور کون معسر و دشوار ہوگا غرض اوّل طومار مین آسان ہونے کو دلیل صحت کی ٹھہرائی دوسرے طومار مین اس کو رد کر دیا۔ تیسرے مین پھر تخلیط و خبط کر دیا کہ آسان ہونا دلیل تو ہے مگر اسمین طبع و نفس کا اعتبار نہین بلکہ قلب و روح کا اعتبار ہے اور یہ سب احکام متعارض ہین تحقیق مسئلہ طومار اوّل کا مضمون عقلاً و نقلاً غلط ہے نقلاً تو اس لیے کہ تمام شرائع باطل ٹھہرتی ہین۔ عقلاً اس لیے کہ امور متعارضہ متناقضہ کی صحت لازم آتی ہے چنانچہ طومار ثانی مین اس کا غلط ہونا خود تسلیم کر لیا گیا ہے رہا طومار ثالث مین جو اسمین تقیید و تاویل کی گئی ہے اسمین اتنا جزو تو صحیح ہے کہ احکام شرعیہ واقع مین آسان ہین اور

تحقیق مسئلہ اعتبار امور بر طبق نفس

ان کی آسانی روح صافی و قلب سلیم کو مدرک ہوتی ہے گو نفس اُس سے بھاگتا ہو لیکن کسی امر کے حلال و حرام و حق و باطل ہونے کے لیے روح و قلب کے نزدیک اُس امر کے آسان ہونے کو معیار قرار دینا اور اس کو مبنی ٹھہرانا یہ الحاد و زندقہ کا دروازہ کھولنا ہے کیونکہ اوّل تو ہر قلب و ارواح سلیم نہیں پھر جو سلیم بھی ہیں وہ بھی جمیع امور کے ادراک کے لیے کافی نہیں ورنہ وحی و بعثت سب بیکار رہوتی تیسرے ہر شخص اپنے قلب و روح کے سلیم ہونے کا دعوے کر سکتا ہے اور نفس کے احکام اور قلب و روح کے احکام میں امتیاز سخت دشوار پس اگر اس کو بناے کار ٹھہرایا جاوے تو سخت فتنہ و فساد و کشت و خون واقع ہو البتہ جن امور میں دلائل صحیحہ بظاہر متعارض ہوں یا دلیل شافی تک نظر نہ پہونچے اور اس وجہ سے وہ امور مشتبہ ہو جاویں انمیں قلب سلیم سے استفتاء اور اسکے فتوے پر عمل کرنا البتہ درست ہے

ور یکے گفتہ کہ اُستاوے طلب — عاقبت بینی نباید در حسب

عاقبت دیدند ہر گون ملتے — لاجرم گشتند اسیر زلتے

عاقبت دیدن نباشد دست باف — ورنہ کے بودے ز دینہا اختلاف

ور یکے گفتہ کہ اُستا ہم توئی — زانکہ اُستا را شناسا ہم توئی

مرد باش و سخرۂ مردان مشو — رو سر خود گیر و سرگردان مشو

چشم بر سترت بدار و از خلاف — دور شو تا یابی از حق ایتلاف

حسب کی ات و مفاخر ذاتیہ۔ دست باف ساختہ دست کنایہ از آسان سخرہ محکوم۔ سر قلب اوپر کے اشعار میں کہا تھا ۵ عاقبت بنگر جمال این و آن جس سے مفہوم ہوا تھا کہ کسی امر کی موجودہ حالت کو نہ دیکھنا چاہیے بلکہ اُسکے ثمرہ و انجام پر نظر کرنا چاہیے کہ خیر ہے یا شر۔ اب اُس کا طریقہ تبلایا جاتا ہے یعنی ایک طومار میں یہ لکھا کہ عاقبت بینی کے لیے (کسی استاد (مرشد و رہبر) کو تلاش کرنا چاہیے کیونکہ محض کمال ذاتی سے عاقبت بینی حاصل نہیں ہوتی (یعنی کتنا ہی علم و فضل رکھتا ہو گر بدون رہنما کے کسی شئی کی حقیقت معلوم نہیں ہوتی) تمام اہل ملت نے (اپنی راے سے) عاقبت بینی کی تھی (اور غور و فکر کر کے بلا اتباع انبیاء اپنے لیے خاص طریقہ اختیار کیا۔ آخر کو مقید ذلت ہوئے (اور حق واضح ہوا) عاقبت بینی کوئی آسان بات نہیں ورنہ ادیان میں اختلاف کیوں واقع ہوتا (پس معلوم ہوا کہ کسی رہبر کی تقلید ضروری ہے) اور ایک میں یہ لکھ دیا کہ میاں (استاد کیا) تم ہی اُستاد ہو (یعنی خود اپنی تحقیق پر عمل کرو) کیونکہ آخر تو استاد کو بھی تم ہی پہچانوگے (سو اگر تمھاری تحقیق قابل عمل نہیں تو استاد کی شناخت کرنے میں بھی قابل اعتبار نہیں پھر اُستاد کس طرح تجویز کروگے جب کوئی استاد ہی تجویز نہ ہوگا تو اتباع استاد کی کیا صورت ہوگی اور اگر تمھاری تحقیق قابل عمل ہے تو پھر کسی کی تقلید کی کیا ضرورت ہے) پس مرد (مستقل بالراے) رہو اور دوسروں کے محکوم نہ بنو اور جاؤ (اپنی تحقیق کے موافق) اپنے کام میں لگو اور تلاش رہبر میں) حیران پریشان مت ہو اور اپنے قلب و راے پر نظر رکھو اور اسکے خلاف عمل کرنے سے پرہیز کرو تاکہ

تحقیق مسئلہ تقلید و تحقیق

حق تعالیٰ سے قرب و وصال ہوجاوے غرض ایک طور پر مقلد ہونے کی ترغیب دی دوسرے مین محقق بننے کو کہدیا اور یہ باہم تعارض ہے

تحقیق مسئلہ امور ثابتہ بالوحی مین توکسی کو اتباع رہبر (انبیاء علیہم السلام) سے مفر و چارہ نہین اپنی رائے پر عمل کرنا کفر و معصیت ہے اور امور اجتہادیہ مین جسکو اللہ تعالیٰ نے سامان تحقیق و اجتہاد کا عطا فرمایا ہو اسکو اپنی تحقیق پر عمل کرنا جائز بلکہ واجب ہے اور جسکے پاس یہ سامان نہ ہو اس کو تقلید کرنا واجب ہے اعمال ظاہری مین بھی اور احوال باطنی مین بھی اور تفصیل اس سامان کی کتب اصول و کلام و سلوک مین بیان کی گئی ہے۔

در یکے گفتہ کہ این جملہ توئی	مے نگنجد در میان ما دوئی
این ہمہ آغاز ما و آخر یکے است	ہر کہ او دو بیند احول مردکیست
در یکے گفتہ کہ صد یک چون بود	این کہ اندیشد مگر مجنون بود
ہر یکے قولے ست ضد یک دگر	این بضد او ز پایان تا بہ سر
چون یکے باشد بگو زہر و شکر	مختلف در معنے و ہم در صور
در معانی اختلاف و در صور	روز و شب بین خار و گل سنگ و گہر

تحقیق مسئلہ اتحاد و تغایر موجودات

مردک تصغیر مرد برائے تحقیر۔ شعر اخیر در بعض نسخ نیست یعنے ایک مین لکھدیا کہ یہ تمام (موجودات عالم) تمھارا عین اور تمھارے ساتھ متحد ہے اور ہم مین دوئی کی گنجایش نہین ہے تو ہماری ابتدائی انتہائی حالتین سب ایک ہین جو شخص الگ الگ سمجھے وہ احول آدمی ہے (غرض تمام موجودات مین اتحاد کا حکم کردیا) اور ایک مین یہ لکھدیا کہ بھلا سو چیزین ایک کس طرح ہوسکتی ہین کوئی پاگل ہوگا جو ایسی بات سوچے دیکھو اقوال مختلفہ مین ہر قول دوسرے کے خلاف ہوتا ہے اور سرتا پا دوسرے کا ضد ہوتا ہے (یہ تغائر تو اعراض مین تھا اب جواہر کو لو) زہر و شکر باہم ایک کس طرح ہوسکتے ہین بلکہ باہم ضرور مختلف ہونگے باطنی خواص مین بھی اور ظاہری صورت و شکل مین بھی اسی طرح ہر چیز کے معانی (خواص) اور صورتون مین باہم اختلاف ہے روز و شب کو دیکھ لو۔ خار و گل کو دیکھ لو سنگ و گہر کو دیکھ لو۔ غرض موجودات مین ہرگز اتحاد نہین) ایک مین اتحاد کا اثبات دوسرے مین اس کی نفی صاف تعارض ہے

تحقیق مسئلہ اسمین کوئی شبہ نہین کہ باہم موجودات مین بعض امور مابہ الاشتراک ہین۔ اور بعض مابہ الامتیاز خواہ یہ امور داخل ماہیت ہون خواہ خارج اور خواہ مقدمات ہون یا آثار پس مابہ الاشتراک کے مرتبہ مین اتحاد صحیح ہے اور مابہ الامتیاز کے درجہ مین نفی اتحاد حق ہے منجملہ ان امور مشترکہ کے چونکہ وجود سب سے زیادہ اعم و اشمل ہے اسلیے صوفیہ کے کلام مین اتحاد وجودی کا بکثرت ذکر پایا جاتا ہے پس اتحاد بمعنی اشتراک ہے مجازاً ورنہ حقیقی معنے کے اعتبار سے دو چیزون مین اتحاد محال ہے کیونکہ اگر دو ایک ہوجاوین تو ان کا دو کہنا غلط ہوگا اگر دو رہین تو ایک ہونا غلط ہوگا۔

تا ز زہر و از شکر در نگذری	کے تو از گلزار وحدت بو بری
وحدت اندر وحدت است این مثنوی	از سمک رو تا سماک اے معنوی

سمک ماہی مراد ماہی ہے کہ حسب بعض روایات میر زمین بروی موضوع ست کنایہ از عالم سفلی سماک ستارہ ایست یعنی بلندی کنایہ از عالم علوی معنوی طالب معنی۔ یہ دونون شعر مقولہ مولانا کے ہین بطور جملۂ معترضہ کے درمیان مضامین طومار کے جو اوپر گذرے اور مضمون تمۂ قصہ کے جو آگے آتا ہے اسمین توحید کا ذکر ہے جیسی مولانا کی عادت ہے کہ بوجہ غلبہ مذاق توحید کے تھوڑی مناسبت سے ادھر منتقل ہو جاتے ہین اوپر کے اشعار مین چونکہ اتحاد و امتیاز کا بیان تھا اس سے توحید کا ذکر فرمانے لگے ارشاد فرماتے ہین کہ جب تک تم زہر و شکر یعنی عالم کثرت سے نہ گذرو گے (یعنی انکی طرف سے توجہ و التفات نہ ہٹاؤ گے اُسوقت تک باغ وحدت کی خوشبو نہ پاؤ گے (یعنی لذت توحید نصیب نہ ہوگی کیونکہ نفس ایک وقت مین دو طرف توجہ نہین کر سکتا جب مخلوقات کی طرف توجہ رہیگی تو ذات حق کیطرف تام نہ ہوگی اور بدون توجہ تام کے ذکر اسکو اضمحلال و فنا وجودات حادثہ کا لازم ہے جیسا شعر دیباچہ سر پنہان است الخ کی شرح مین بیان ہوا ہے) توحید کی لذت میسر نہین ہوتی چونکہ مثنوی مین بکثرت توحید کا ذکر ہے اسلیے فرماتے ہین کہ یہ ہماری مثنوی وحدت سے بھری ہوئی ہے پس طالب معنی و حقیقت کو چاہیے کہ عالم سفلی سے توجہ ہٹا کر ذات حق کیطرف متوجہ ہو جاے۔

زین نمط زین نوع دہ طومار ودو	برنوشت آن دین عیسیٰ را عدو

یہ تمہ ہے طومار نویسی کے قصہ کا یعنی اسی طرح اس دشمن دین عیسیٰ علیہ السلام نے بارہ طومار لکھکر طیار رکھے۔

بیان آنکہ اختلاف در صورت روش ست نہ در حقیقت راہ

او ز یکرنگی عیسیٰ بو نداشت	وز مزاج خم عیسیٰ خو نداشت
جامۂ صد رنگ از آن خم صفا	سادہ و یکرنگ گشتی چون ضیا
نیست یکرنگی کزو خیزد ملال	بل مثال ماہی و آب زلال
گرچہ در خشکی ہزاران رنگہاست	ماہیان را با یبوست جنگہاست

خم عیسیٰ مشہور ست کہ حضرت مسیح اللہ علیہ السلام در بدایت حال صباغی کردیک خم بود کہ ہر جامہ را دران زدے ہر رنگ خواستے درآمدے مگر مراد درینجا آن خم نیست بلکہ خم معنوی ست کہ اثر آن عکس این باشد کہ جامہ صد رنگ ازان یکرنگ شود و آن طریقۂ حقہ ایشان ست کہ اشخاص مختلف العقائد را بر یک طریق حق استوار کردی مجازاً و تشبیہاً آن را خم گفتہ تسمیۃ للشیٔ باسم ضدہ (اس سرخی مین بیان ہے کہ اہل حق کے حقیقت مقصود مین اختلاف نہین محض طرز عمل مین اختلاف ہے جس طرح ایک طبیب اپنے دو شاگردون کو دو مختلف مریضون کے معالجہ کے لیے بھیجے تو اختلاف مرض کیوجہ سے ضرور دونون کے نسخے مختلف ہونگے مگر مقصود اصلی کہ تعدیل مزاج ہے مشترک ہوگا اسی طرح اصول حضرات انبیاء علیہم السلام کے متفق ہین فروع مین بمصلحت اختلاف احوال امم کے البتہ اختلاف ہے اور مقصود سب کا کہ قرب و وصول الی اللہ ہے ایک ہے پس اس بیان مین تحقیق ہے اس یہودی وزیر کی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دین کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دین کا مخالف سمجھتا تھا

اور وحدت مقصود پر نظر نہ تھی چنانچہ اشعار مین فرماتے ہین کہ) اسکو عیسٰی علیہ السلام کی یکرنگی کا جو موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ انکو حاصل تھی) ادراک نہ تھا اور عیسٰی علیہ السلام کے خم باطنی کی تاثیر کا خوگر نہ تھا (ورنہ سمجھ جاتا کہ عیسٰی علیہ السلام لوگون کو موسیٰ علیہ السلام کا مخالف نہ بناتے تھے بلکہ سب کو ایک مقصود کی طرف کہ وہ دین موسوی و دین عیسوی مین متفق ہے متوجہ کرتے تھے جیسا کہ فرماتے ہین کہ) اس خم صفا کی یہ تاثیر تھی کہ سو رنگ کے کپڑے یعنے مختلف عقائد کے لوگ اس سے خالص اور یکرنگ (موصوف بہ توحید و قابل وصول الی اللہ) ہوجاتے تھے جس طرح روشنی کہ اپنی ذات مین یکرنگ ہوتی ہے اور (چونکہ محسوسات مین اکثر دیکھا جاتا ہے کہ ایک طرح کی چیز یا حالت پر مدت تک رہنے سے دل بھرجاتا ہے اور جی اکتا جاتا ہے جس کو عربی مین ملال کہتے ہین اسلیے ممکن تھا کہ کسی عامی کو اس قیاس پر یہ احتمال ہوتا کہ شاید باطنی یکرنگی بھی ایسی ہی ہو اسلیے اسکو دفع فرماتے ہین کہ) یہ ایسی یکرنگی نہین جس سے ملال پیدا ہو بلکہ اس یکرنگی کی ایسی مثال ہے جیسے مچھلی اور آب شیرین کہ مچھلی کو آب شیرین سے کبھی ملال نہین ہوتا گو آب شیرین مین مختلف احوال نہ ہون اور خشکی مین باوجودیکہ ہزارون رنگ ہین اور مختلف حالتین ہین مگر مچھلیون کو خشکی سے سخت اختلاف اور نفرت ہے اسی طرح اہل توحید و معرفت کو (جنکو تشبیہاً ماہی کہہ دیا کرتے ہین تعلق بہ ذات واحد حق سے (جسکو تمثیلاً دریا سے تعبیر کردیتے ہین) ہرگز سیری نہین ہوتی کہ گنجایش ملال ہو وجہ اس عدم ملال کی یہ ہے کہ ملال وہان ہوتا ہے جہان طلب ختم ہوجاوے اور طلب وہان ختم ہوتی ہے جہان مطلوب کے کمالات ختم ہوجاوین یا طالب کی معرفت منتہی ہوجاوے اور جب عارف کی نہ معرفت کبھی منتہی ہوا ورنہ مطلوب حقیقی کے کمالات منتہی ہوسکتے ہین تو طلب ختم ہونے کی کوئی صورت نہین بلکہ وہ آناً فاناً متزائد رہتی ہے پھر ملال کیسے ممکن ہے خوب کہا ہے ؎ نہ حسنش غایتے دارد نہ سعدی راسخن پایان ٭ بمیرد تشنہ مستسقی و دریا ہمچنان باقی ٭ اور عالم کثرت مین گو رنگا رنگ موجودات ہین مگر اُن سے عارف کو اسلیے دلچسپی نہین کہ وہ اکثر حاجب عن الحق ہوجاتے ہین۔

	تابدان مانند ملیک عزوجل سجدہ آرد پیش آن دریائے جود		کیست ماہی چیست دریا در مثل صد ہزاران بحر و ماہی در وجود	

کیست و چیست استفہام تحقیر۔ مثل مثال ملیک بادشاہ مراد خدا تعالیٰ اوپر کے اشعار سے عارفین کی ماہی سے اور حق تعالیٰ کی دریا سے تشبیہ مفہوم ہوئی تھی شاید کوئی نادان اس سے مشابہت تامہ سمجھ جاتا اس لیے اس کا دفعیہ فرماتے ہین کہ مثال دینے کے باب مین ماہی و دریا کی کیا حقیقت ہے کہ اس سے حق تعالیٰ کو تشبیہ دیجاوے لاکھون بحر و ماہی جو وجود مین آئے ہین اس دریائے جود (ذات حق) کے روبرو سر جھکائے ہوئے ہین۔

ف سمجھنا چاہیے کہ اکثر عارفین کے کلام مین حق تعالیٰ کو مختلف چیزون کے ساتھ جیسے آفتاب و دریا و ہوا وغیرہا سے تمثیل دیجاتی ہے اور یہ تشبیہ من کل الوجوہ نہین ہوتی جیسا بعض لوگ خشک مزاج یہی سمجھ کر بزرگون کو برا کہتے ہین یا بعضے ناواقف متصوف یہی سمجھکر اپنے عقائد کو خلاف شرع کرلیتے ہین بلکہ کسی خاص امر مین تشبیہ

ہوا کرتی ہے مثلاً اس مقام پر ذات حق کو دریا سے صرف اس امر مین تشبیہ دی کہ دریا مین بہ نسبت خشکی کے بساطت و وحدت ہوتی ہے اور ماہی کو اُس سے سیری نہین ہوتی جیسے ذات حق مین وحدت ہے اور طالب کو اُس سے سیری نہین ہوتی گو خود وحدت مین تفاوت ہو کہ دریا کی وحدت اضافی ہے اور ذات حق کی وحدت حقیقی مگر مطلق وحدت مین تو مناسبت ہے اس لیے یہ تشبیہ صحیح ہوگئی اور ایسی تشبیہ کا جواز قرآن مجید سے ثابت ہے مثل نورہ کمشکوٰۃ فیہا مصباح الآیہ پس مثل بفتح المیم والثاء اور مثال کی حقیقت شئی مشارک فی صفت تا ہے گو طرفین تمثیل مین ہزارون درجہ تفاوت ہو قال اللہ تعالیٰ وللہ المثل الاعلیٰ اور اسمین کوئی محال نہین۔ اور مثل بکسر اللام وسکون الثاء کی حقیقت شئی مشارک فی النوع ہے اور جناب باری مین اسکی محال نہین قال اللہ تعالیٰ لیس کمثلہ شئی پس مقصود تمثیل سے ایراد مثال ہوتی ہے نہ ایراد مثل بکسر المیم

چند باران عطا باران شدہ | تا بدان آن بحر دُرافشان شدہ
چند خورشید کرم افروختہ | تا کہ ابر و بحر جُود آموختہ
چند خورشید کرم تابان شدہ | تا بدان آن ذرہ سرگردان شدہ
پرتو دانش زدہ بر آب و طین | تا شدہ دانہ پذیرندہ زمین
خاک امین و ہرچہ در وے کاشتی | بے خیانت جنس آن برداشتی
این امانت زان امانت یافتست | کافتاب عدل بر وے تافتست
تا نشان حق نیارد نوبہار | خاک سرہا را نہ کردہ آشکار
آن جوادے کو جمادے را بداد | این خبرہا وین امانت وین سداد
آن جماد از لطف چون جان میشود | زمہریر از قہر پنہان میشود
آن جمادے گشت از فضلش لطیف | کل شئی من ظریف ہو ظریف
مر جمادے را کند فضلش خبیر | عاقلان را کردہ قہر او ضریر

آن ذرہ مراد آفتاب کہ پیش عظمت حق کم از ذرہ ست۔ نشان فرمان۔ سرہا امور مخفیہ مراد سبزہ و گل آن جوادے الخ آن مبتدا اشارہ بحق جوادے خبر بحذف رابطہ یعنے آن ذات حق چنان جوادیست الخ زمہریر خوان وزمستان۔ ضریر کور۔ اوپر کے اشعار مین حق جل وعلیٰ شانہ کی عظمت اور تمام مخلوقات کا اُن کی طرف محتاج ہونا مذکور تھا ان اشعار مین اسی مضمون کی تقویت وتائید ہے۔ فرماتے ہین کہ بحر مین جو صفت دُرافشانی آگئی ہے اُسکی وجہ یہی ہے کہ اُسپر عطاے الٰہی کی بارشین ہوئی ہین (پس بحر کی صفت عطا، حق تعالیٰ کی صفت عطاء کا فیض ہے) اور ابر و بحر مین جو صفت جود آگئی ہے کہ اُس قدر پانی اس سے ملتا ہے اس کی وجہ یہی ہے کہ اس پر کرم الٰہی کی تابشین ہوئی ہین (پس ابر و بحر کی صفت جود حق تعالیٰ کی صفت جود و کرم کا فیض ہے) اور آفتاب فلک مین جو صفت سرگردانی یعنی تحرک کی

(جس سے عالم کو نور بخشی ہوتی ہے) آگئی ہے اُسکی وجہ یہی ہے کہ اُسپر کرم الٰہی کی تابشین ہوئی ہین پس آفتاب میں صفت نور بخشی حق تعالیٰ کی صفت کرم بخشی کا فیض ہے) اور زمین جو دانہ کو قبول کرلیتی ہے اسکی وجہ یہی ہے کہ آب و گِل پر علم الٰہی کا پرتو پڑگیا ہے (پس زمین کا دانہ کو لے لینا جس کے لیے صفت علم کی عادۃً ضرورت ہے حق تعالیٰ کی صفت علم کا فیض ہے) اور خاک مین جو صفت امانت کی آگئی ہے جس سے وہ ایسی امین ہوگئی ہے کہ جو چیز اسمین کاشت کرو وہی اُس سے اُٹھالو یہ نہین کہ وہ خیانت کرکے اسکو بدل ڈالے اور گندم کا جو دیدے اسکی وجہ یہی ہے کہ اس زمین نے یہ صفت امانت حق تعالیٰ کی صفت امانت سے پائی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ عادل ہین اور عدل کے لیے امانت لازم ہے اس معنی کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ کے لیے صفت امانت ثابت ہوگئی ورنہ اللہ تعالیٰ کے مشہور اسماء مین اسم امین نہین ہے تو اُسی صفت عدل کا آفتاب اس زمین پر روشنی ڈال رہا ہے (پس زمین کی صفت امانت و عدل حق تعالیٰ کی صفت امانت و عدل کا فیض ہے) اور نیز زمین کے باعلم و خبر ہونے کا یہ اثر ہے کہ جبتک فصل بہار حق تعالیٰ کا فرمان نہین لاتی اُسوقت تک زمین سبزہ و گل کو باہر نہین نکالتی (جس طرح اہل عقل و شعور کہ حکم حاکم کا انتظار کیا کرتے ہین) وہ ذات پاک ایسے جواد ہین کہ ایک جماد محض کو (یعنی زمین کو کہ نباتات و حیوانات سے خارج ہے ایسے علوم دیے (جمع اسلیے لائے کہ یہان دو علم کا ذکر ہے ایک اس شعر مین پرتو دانش الخ اور دوسرا اس شعر مین تا نشان حق الخ جیسا دونون کی شرح سے منکشف ہوچکا ہے) اور ایسی امانت دی (جس کا ذکر اس شعر مین ہے خاک امین الخ) اور ایسی درستی دی (علمی درستی تو علوم ہین اور عملی درستی امانت ہے پس درستی مین سب صفات مذکورہ داخل ہوگئین) یہ حق تعالیٰ کا فیض لطف ہے جس سے وہ جماد (زمین) مثل ذی روح کے ہوجاتی ہے (کہ اسمین صفات ذی روح کے سے پیدا ہوجاتی ہین اور لطف علمی و عملی سے موصوف ہوجاتی ہے) اور اس صفت لطف کے ظہور سے خزان قہر (یعنی صفت قہر جس سے خزان ہوگئی تھی پوشیدہ ہوجاتی ہے (کیونکہ جب اسمائے جمالیہ لطف و رحمت و احیاء و نحوہا کے آثار ظاہر ہوتے ہین تو اسمائے جلالیہ قہر و غضب و اماتت کے آثار باقی نہین رہتے اسی طرح بالعکس اس کو اصطلاح مین توارد و تعاقب تجلیات و ظہور اسمائے متقابلہ و متضادہ کہتے ہین اور مسئلہ تجدد امثال اسی کی فرع ہے) غرض وہ جماد فضل خداوندی سے (یعنے فیض صفت لطف الٰہی سے) لطیف ہوجاتا ہے (جیسا اس سے قبل شعر مین کہا ہے ۔ آن جماد از لطف الخ) حقیقت مین جو چیز کسی خوب کی طرف سے ہوتی ہے وہ خوب ہی ہوتی ہے (پس حق تعالیٰ اپنے تمامی اسماء و صفات کے ساتھ جمیل ہین جہان انکا فیض ہوگا وہان بھی جمال و کمال پیدا ہوجاوے گا خوب کہا ہے ۔ ہرچہ آن خسرو کند شیرین بود) اور انکی ایسی قدرت ہے کہ (جب ان کی صفات جمالیہ کا ظہور ہوتا ہے تو) انکا فضل جماد کو باخبر کردیتا ہے جیسا اوپر بیان ہوا اور (جب صفات جلالیہ کا ظہور ہوتا ہے اُسوقت) بڑے بڑے عقلا و اہل علم کو انکا قہر اندھا کردیتا ہے (کہ امر حق انکو نظر نہین آتا جیسے بلعم و ابلیس وغیرہما

ف ان اشعار مین اشارہ بلکہ تصریح ہے کہ عالم مظہر ذات و صفات الٰہی ہے جس کا ماحصل یہ

ہے کہ ذاتِ مخلوقات جو کسی صفت خواہ وجود یا علم و قدرت یا غیر ذلک کے ساتھ موصوف ہوتی ہے
اس اتصاف مین ذات وصفات آلہی واسطہ ہے پس اتصافِ حق بصفات قدیمہ واسطہ ہوا اور اتصافِ
خلق بصفات حادثہ ذی واسطہ ہوا اب سمجھو کہ ایک شئے کا دوسری شئے کے لیے کسی صفت مین واسطہ ہونا
اسکی تین صورتین ہوتی ہین ایک تو یہ کہ اس صفت کے ساتھ حقیقۃً و بالذات واسطہ ہی موصوف ہوا ور ذی
واسطہ مین وہ صفت اصلا نہ ہو مگر چونکہ اس واسطہ کے ساتھ اس ذی واسطہ کو ایک قسم کا تعلق اور تلبس ہے
اس لیے مجازاً اسکی طرف بھی اس صفت کو منسوب کر دیتے ہین پس حقیقۃً اتصاف صرف واسطہ کو ہوتا ہے
اور مجازاً ذی واسطہ کو جس طرح کشتی واسطہ ہے کشتی نشین کے لیے صفتِ حرکت مین کہ یہان حرکت کے ساتھ
صرف واسطہ یعنے کشتی موصوف ہے اور ذی واسطہ یعنی کشتی نشین مجازاً جس کا حاصل یہ ہے کہ کشتی نشین کو
مطلق حرکت نہین ہوتی مگر تلبس اور تعلق کی وجہ سے اسکو بھی متحرک کہنے لگے ہین اس کا نام واسطہ فی العرض
ہے۔ دوسری صورت اس کا عکس یعنی وہ صفت ذی واسطہ مین پائی جاوے اور واسطہ مین اصلا
نہ ہو بلکہ وہ ذی واسطہ کو موصوف کر دینے مین سفیر محض ہو جیسے کپڑے کے رنگین ہونے مین صباغ واسطہ
ہے کہ یہ صفت رنگین ہونے کی صرف ذی واسطہ یعنی کپڑے مین پائی جاتی ہے چنانچہ اسی کو رنگین کہتے
ہین اور واسطہ یعنے صباغ مین یہ صفت مطلقاً نہین پائی جاتی چنانچہ اس کو نہین کہا جاتا کہ وہ رنگین ہوگیا
بلکہ محض کپڑے کے رنگین ہونے مین سفیر محض ہے اس کا یہ مطلب نہین کہ اس مین رنگینی کی صفت اصلا نہین
ممکن ہے کہ وہ خود بھی کلاً یا بعضاً اپنے کو اس رنگ سے رنگین کرلے مطلب یہ ہے کہ جو صفت کپڑے مین ہے
بعینہٖ اسکے ساتھ صباغ موصوف نہین گو مستقل طور سے ایسی ہی صفت اُسمین بھی پائی جاوے اُسکا ثبوت مستقل دلیل
سے ہوگا اور یہ رنگینی کپڑے کی اُس رنگینی رنگریز کیلئے مستلزم ودلیل نہ ہوگی اسکو واسطہ فی الاثبات کہتے ہین تیسری
صورت یہ کہ وہ صفت واسطہ اور ذی واسطہ دونون مین حقیقۃً پائی جاوے لیکن واسطہ مین پایا جانا علت ہو
اور ذی واسطہ مین پایا جانا معلول ہو پس اتصاف واسطہ کا اوّلاً ہوگا اور اتصاف ذی واسطہ کا ثانیاً
ہوگا جیسے قفل کھولتے وقت کنجی کو گھماتے ہین تو ہاتھ واسطہ ہے حرکت مین اور کنجی ذی واسطہ حرکت دونونکے ساتھ حقیقۃً
قائم ہے مگر جنبش ہاتھ کی علت ہے اور جنبش کلید کی معلول اسکو واسطہ فی الثبوت کہتے ہین پس واسطہ فی العرض وفی الاثبات مین
صفت ایک ہی ہے دوسری صفت موجود ہی نہین اور واسطہ فی الثبوت مین خود صفتین دو ہین جب یہ تمہید
سمجھ مین آگئی تو جاننا چاہیے کہ حق تعالیٰ کا واسطہ ہونا مخلوقات کے لیے اُن کے صفات مین بمعنی فی العرض
و فی الثبوت تو ہو نہین سکتا فی العرض تو اس لیے کہ اُسمین لازم آتا ہے کہ مخلوقات مین جتنی صفتین
ہین وہ سب حقیقت مین حق تعالیٰ ہی کی صفتین ہین اور مخلوق کی طرف محض مجازاً اُن کی نسبت ہے
اس لازم مین دو خرابیان ہین اول یہ کہ بعض صفات مخلوق مین ذمیم اور موجب منقصت ہین جن سے تنزہ
حق تعالیٰ کی واجب اور منصوص ہے اور دوسرے یہ کہ نصوص مین جابجا صفات حمیدہ وذمیمہ ہر دو کو مخلوقات

کی طرف مسند و منسوب کیا ہے اور اسناد مین اصل حقیقت ہے جب اس لازم مین دو خرابیان ہوئین تو باطل ٹھہرا جب لازم باطل ہوا تو ملزوم یعنے واسطہ فی العروض ہونا بھی باطل ٹھہرا البتہ اگر ان خرابیون کے جواب مین یہ کہا جاوے کہ جو صفات مخلوق مین ذمیم ہین وہ ان مخلوقات کے فساد استعداد کیوجہ سے ہین ورنہ اصل اور واسطہ انکا بھی صفات جمیلہ الٰہیہ ہین مثلاً حق تعالیٰ کی صفت قابض نے بشر کے ساتھ تعلق فرمایا جن کی استعداد صالح تھی وہ قابض بالحق ہوئے کہ اپنے حقوق پر اکتفا کرتے ہین اور جن کی استعداد فاسد تھی وہ قابض بالباطل ہوئے کہ غصب و سرقہ کرنے لگے جس طرح آفتاب کا نور کہ امر وحدانی بسیط ہے مختلف آئینون کے ساتھ یکسان متعلق ہوا کہ سرخ آئینہ مین وہ نور سُرخ ہوگیا زرد مین زرد وعلی ہذا القیاس اور اسمین کوئی خرابی یقینی نہین یہ تو خرابی اول کا جواب دیا جاوے اور خرابی دوم کی نسبت یہ کہا جاوے کہ یہ مسئلہ کشفی ہے جب اسناد کے غیر حقیقی ہونے پر دلیل قائم ہے تو اس اسناد کو مجازی کہا جاوے گا اس تاویل پر البتہ واسطہ فی العروض کی گنجائش نکل آوے گی اور مدار اسکے ثبوت کا کشف ہوگا چنانچہ بہت حضرات کی تقریر سے یہ مضمون مستفاد ہوتا ہے اور مولٰنا کے ان اشعار سے بھی ظاہرا یہی معلوم ہوتا ہے مگر اسمین تین احتیاطین ضروری ہین اول یہ کہ اسکو مثل عقائد منصوصہ کے داخل عقائد نہ کیا جاوے احتمال اُسکے غیر صحیح ہونے کا بھی رکھا جاوے دوسرے یہ نہ سمجھے کہ مخلوقات مین جسقدر اور جس حالت سے صفات وکمالات مشاہد ہوتے ہین بس اللہ تعالیٰ مین کماً وکیفاً اسیقدر ہین اس سے زائد نہین نعوذ باللہ منہ بلکہ دونون مین تناہی ولاتناہی وکمال ونقصان کا بعید تفاوت ہے تیسرے تاویل مذکور چونکہ دقیق ہے اس لیے عوام کے روبرو اسکی تقریر نہ کرے اور جو خود بھی تاویل سمجھ مین نہ آوے تو واسطہ فی العروض کو بالکل غلط سمجھے کیونکہ بالمعنی المتبادر واقع مین وہ غلط ہے اور واسطہ فی الثبوت ہونا اسلیے صحیح نہین کہ اول تو اسمین وہی خرابی لازم آتی ہے کہ جتنی صفات اچھی یا بُری مخلوقات مین حقیقۃً موجود ہین وہ سب حقیقۃً نعوذ باللہ باری تعالیٰ مین بھی پائی جاوین جس کا بطلان ابھی بیان ہوچکا اور اگر تاویل مذکور سے اسکی اصلاح بھی کرلیجاوے تو دوسری خرابی یہ لازم آتی ہے کہ علت سے تخلف معلول کا محال ہے اور صفات باری تعالیٰ کی قدیم ہین پس اگر وہ علت صفات خلق کی ہونگی تو صفات خلق کا قدیم ہونا لازم آویگا اور یہ عقلاً ونقلاً محال ہے جیسا کتب کلامیہ مین مذکور ہے جب دونون صورتین واسطہ کی باطل ہوئین اور واسطہ ہونا یقینی ورنہ استغنا ممکن کا واجب سے لازم آویگا پس واسطہ فی الاثبات کا حق ہونا متعین ہوگیا یعنی باری تعالیٰ اپنی قدرت وارادے سے مخلوق کو جو صفت چاہین عطا فرماوین اور اللہ تعالیٰ بعینہٖ ان صفات سے منزہ ہین انکی صفات مستقل دلائل عقلی ونقلی سے ثابت ہین اور ان صفات حادثہ کو اُن صفات قدیمہ سے بجز مشارکت لفظی کے (وہ بھی بعض مین) کوئی مناسبت ومشارکت ومشابہت نہین ؎ چہ نسبت خاک را با عالم پاک اس صورت مین مظہر ہونا عالم کا این معنے ہے کہ جس طرح مصنوع دلالت کرتا ہے وجود صانع پر اور مکتوب دلالت کرتا ہے وجود

کاتب پرا ور ظاہر ہے کہ دلیل سے مدلول کا علم و ظہور ہوتا ہی ہے اور یہ مظہریت تمام اجزاے عالم کیلئے عام ہے
مگر بعض مخلوقات جن کی بعض صفات اسماً و رسماً مناسب صفات حق تعالیٰ کے ہین اُن مین ایک ایسی مظہریت اور
زائد ہے جیسی مثال مظہر و موجب وضوح ہوتی ہے ذی مثال کے لیے ان مین سے چونکہ انسان کو سب سے زیادہ
مناسبت ہے اسلیے عارفین اسکو مظہر جامع واتم کہتے ہین یعنی باضافت دوسرے مخلوقات نہ بذاتہ باعتبار کمال
فی نفسہ کے اس بنا پر ان اشعار مین بھی بعض اشیا مین مظہریت زائدہ متحقق ہے اور واسطہ فی العروض
و واسطہ فی الثبوت مین ذی واسطہ کا مظہر صفتِ واسطہ ہونا اظہر ہے - اور مولانا کا یہ شعر ؏ آن جوادے کو
جمادی را بداد الخ فی الاثبات مین صریح ہے اور اسکے اوپر کے اشعار جو ظاہراً بشرط تاویل مذکور مشعر
واسطہ فی العروض کے ہین واسطہ فی الاثبات کی طرف اس طرح راجع ہوسکتے ہین کہ ابر و بحر و ارض مین
ان صفات کے ثابت ہونے کیلیے قدرت و ارادہ تو واسطہ ضرور ہے اور صفات باری تعالیٰ متلازم ہین
اس معنی کر انکا جود و کرم و عدل وغیرہ سب واسطہ ہوگیا یہ ضرور نہین کہ ان مخلوقات کا جود و کرم و عدل ہی بعینہ وہان
موجود ہے گو واسطہ فی العروض ماننے پر جمادے را بداد مین تاویل مطلق افاضہ کی گو تضمن فی العروض سہی ہوسکتی
ہے یہ تحقیق ہے مسئلہ مظہریت کی جو کہ ایک عنوان ہے تقریر مسئلہ توحید کا اور علاوہ اسکے چند عنوان اس مسئلہ
توحید کے اور ہین عینیت و غیریت - وحدۃ الوجود - اتحاد وجود - توحید ذاتی و صفاتی و افعالی چنانچہ
بفضلہ تعالیٰ ان پانچون عنوانون کی اپنے اپنے مواقع پر تحقیق گذر چکی والحمد للہ علیٰ ذلک حمداً کثیراً اور باقی تقریرات
یا اس طرف راجع ہین ان مین سے تنزلات ستہ کی تقریر یہی ہے جس کا حاصل مظہریت ہے اور یا محض امثلہ و تشبیہات ہین
ف اشعار مذکورہ مین ؏ زہر را قہر را پنہان کند - تجدد امثال کیطرف مشیر ہے جیسا
اُسکی شرح مین تنبیہ کی گئی ہے خلاصہ اس کا یون کہا گیا ہے کہ حق تعالیٰ کے اسماء ہر وقت فاعل رہتے ہین
(گو یہ لازم عقلی نہین مگر مکشوف ہے) پس احیاء کا جب فعل ہوا عالم موجود ہوگیا جب اماتت کا فعل ہوا سب
معدوم ہوگیا اور چونکہ فعل کے لیے محل کا قابل ہونا ضروری ہے اور احیاء کیلیے میت ہونا شرط ہے اور اماتت
کے لیے حی ہونا اس لیے حیات کے وقت احیا کا تعطل اور موت کے وقت اماتت کا تعطل لازم نہین
آتا کیونکہ فعل پایا گیا مگر محل قابل نہ ہونے سے اثر نہین ہوا -
ف مولانا کا قول این خبر ہا الخ اور کند فضلش خبیر ظاہراً مشعر ہے تمام اجزاے عالم کے ذی شعور ہونے پر جیسا
بہت اہل کشف نے تصریح فرمائی ہے اور بظاہر کتاب و سنت سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے گو ہمکو اس کا ادراک نہ ہو

جان و دل را طاقت آن جوش نیست	با کہ گویم در جہان یک گوش نیست
ہر کجا گوشے بد از وے چشم گشت	ہر کجا سنگے بد از وے یشم گشت
کیمیا ساز ست چہ بود کیمیا	معجزہ بخش ست چہ بود سیمیا
این ثنا گفتن ز من ترک ثناست	کاین دلیل ہستی و ہستی خطاست

پیش ہست او باید نیست بود　　چیست ہستی پیش او کور و کبود
گر نبودے کور ازو بگداختے　　گرمی خورشید را بشناختے
ور نبودے او کبود از تعزیت　　کے فسردے ہمچو یخ این ناحیت

یشم سنگ قیمتی۔ سیمیا علم نیرنجات و شعبدہ ہا۔ اوپر کے اشعار مین حق جل و علا شانہ کے اسرار قدرت و آثار عظمت کا بیان فرمایا تھا اس بیان سے جوش پیدا ہوا جس کا مقتضا یہ تھا کہ اور اسرار کھول ڈالین اُسی کی نسبت فرماتے ہین کہ جان و دل کو اس جوش کے ضبط کی طاقت نہین (اسلیے مین کچھ اور زیادہ کہتا) مگر کس سے کہون دنیا بھر مین ایک کان بھی سننے کے قابل نہین (جو ان اسرار کو سُنے اور سمجھے کیونکہ اکثر لوگ نہ سمجھنے سے یا تو انکار کرتے ہین و یا کفر و الحاد مین مبتلا ہو جاتے ہین) آگے گوش قبول کی مدح و فضیلت کو بیان کرتے ہین کہ جہان گوش قبول ہوتا ہے وہ چشم بنجاتا ہے (یعنی علم الیقین سے جو بذریعہ کان حاصل ہوتا ہے عین الیقین بنجاتا ہے یعنے قبول ارشاد کاملین و طلب صادق سے مشاہدہ نصیب ہوتا ہے) اور جہان سنگ ہوتا ہے وہ سنگ سے یشم بن جاتا ہے (یعنی بدولت قبول طلب کے ناقص کامل بنجاتا ہے مستقبل کو چشم گشت و یشم گشت بوجہ تیقن ماضی سے تعبیر کیا غرض گوش قبول ایسی چیز ہے مگر چونکہ گوش قبول نہین ہے یعنی کم ہے اور اعتبار غالب کا ہوتا ہے اور غالب کم فہم تھے اسلیے اظہار اسرار سے رک گئے اور چونکہ گوش قبول کا یہ اثر کہ علم الیقین سے عین الیقین اور نقصان سے کمال حاصل ہو جاوے یہ بھی تاثیر قدرت حق ہے اسلیے پھر مضمون سابق ثنا کا تازہ ہو گیا فرماتے ہین کہ) کیمیا کی کیا حقیقت ہے وہ ذات پاک کیمیا ساز ہین اور اسی کیمیا سازی کا یہ اثر ہے کہ ناقص سے کامل بنا دیا اور سیمیا کی کیا حقیقت ہے وہ ذات پاک معجزہ بخش ہین (چونکہ مضمون ثنا کا حالت بقا مین صادر ہوتا ہے اور بقا بمقابلہ فنا کے ادنی درجے کی حالت ہے اس لیے فرماتے ہین کہ) خود یہ ثنا کرنا ترک ثنا ہے (یعنی ترک مقتضائے ثنا ہے کہ وہ فنا ہے جیسے آگے آتا ہے) کیونکہ یہ دلیل ہے ثنا کرنے والے کی ہستی کی اور ہستی خطا ہے کیونکہ انکی ہستی خود ایسی ہے کہ اُس کے روبرو اپنی ہستی کو فنا کر دینا چاہیے اور انکی ہستی کے ہوتے ہوے اگر ہماری ہستی باقی رہے تو وہ کور و کبود ہے۔ کور ہونے کی دلیل تو یہ ہے کہ اگر وہ کور نہ ہوتی (اور چشم حقیقت بین سے دیکھتی اور اپنا نابود ہونا سمجھتی) تو اسکے سامنے مضمحل ہو جاتی اور گرمی خورشید (یعنی کمال ہستی حق) کو شناخت کرتی (جیسا وحدۃ الوجود کی تحقیق مین بیان کیا گیا ہے) اور کبود ہونے کی دلیل یہ ہے کہ اگر وہ جامۂ تعزیت پہن کر کبود نہ ہوتی (یعنی غم دنیا مین مبتلا نہ ہوتی) تو یخ کی طرح اس جانب یعنی دنیا مین کیون جم جاتی (غرض اس کا بقا اُسکی کوری و کبودی کی علامت ہے اور بمقتضا ادائے حقوق صفات باری تعالیٰ یہ تھا کہ اس کے روبرو فنا ہو جاتا حقیقی ثنا یہ تھی اسوقت ثنائے لسانی کہان ہوتی اس معنے کر ثنائے لسانی ترک ثنائے حالی ہے اور

جاننا چاہیے کہ اس بقار سے مراد بقار قبل الفنار ہے تو اضعاً اپنے لیے ظاہر ہیں اور دوسرون کیلیے باعتبار قصد کے مثل و مالی لا اعبد کے اس کا اثبات کر کے اس کو فنار سے ادنی ٹھہرا رہے ہین ورنہ بقار بعد الفنار اس فنا سے بدرجہا افضل ہے جیسا کہ مقرر و مسلم ہے اور اسوقت کی ثنا رسیلۃ الثنار و فضل المحامد ہے

دربیان خسارت وزیر درین مکر

ہیچو شہ نادان و غافل بُد وزیر	پنجہ می زد با قدیم ناگزیر
ناگزیر جملگان حی قدیر	لایزال و لم یزل فرد و بصیر
باچنان قادر خدائے کز عدم	صد چو عالم ہست گرداند بدم
صد چو عالم در نظر پیدا کند	چونکہ چشمت را بخود بینا کند

باچنان بدل ست از با قدیم یعنی بادشاہ کی طرح وزیر بھی جاہل اور غافل تھا کہ خدائے قدیم کے ساتھ جس سے کسی کو استغنا نہیں ہو سکتا مقابلہ کرتا تھا (مقابلہ یہی کہ اللہ تعالی اس زمانے مین دین عیسوی کو قبول و شائع کرنے کا حکم فرما دین اور وہ اُس کو محو کرنے کی کوشش کرے) وہ ذات پاک سب ہی کیلیے ناگزیر ہین کہ کسی کو اُن سے استغنا ممکن نہین اور زندہ ہین قدرت والے ہین ہمیشہ رہین گے اور ہمیشہ سے ہین اپنے کمالات مین یگانہ ہین بینا ہین وہ وزیر لیسے قدرت والے کیساتھ مقابلہ کرتا تھا جنکی یہ قدرت ہے کہ جیسا یہ عالم ہے ایسے ایسے سیکڑون دم بھر مین عدم سے وجود مین لے آوین (یعنی اگر چاہین تو پیدا کر دین تو عدم سے عدم حقیقی مراد ہوگا یا یہ کہ ایسا کیا کرتے ہین جیسا شعر آیندہ مین مذکور ہے تو عدم سے مراد عدم اضافی ہوگا یعنی عدم عن النظر) اور انکی قدرت مین کیا شبہہ ہو سکتا ہے وہ تو اسی عالم جیسے سیکڑون عالم تمھاری نظر مین پیدا کر کے دکھلا دیتے ہین جسوقت تمھاری آنکھ کو اپنی بینائی (معرفت) دیتے ہین (یعنی جب حق تعالی کی معرفت نصیب ہوتی ہے اور اس کی بدولت قلب پر عالم الغیب) سے علوم و احوال وارد و طاری ہوتے ہین تو خود اُن موجوداتِ قلبیہ و مکشوفات باطنیہ کا سلسلہ اسقدر ممتد و دراز ہوتا ہے کہ یہ عالم خلق (ظاہری) انکی وسعت و کثرت کے روبرو تنگ و تاریک معلوم ہوتا ہے اور اسوقت قدرت و عظمت الٰہیہ کا مشاہدہ بڑھتا ہے ۔ اور عالم باطنی سے یہی مراد ہے جس کی وسعت اور اسکے مقابلہ مین اس عالم ظاہری کی تنگی آگے بیان فرماتے ہین ۔

گر جہان پیشت عظیم و بیرتے ست	پیش قدرت ذرۂ میدان کہ نیست
این جہان خود حبس جانہای شماست	ہین روید آن سو کہ صحرای خداست
این جہان محدود و آن خود بیحد ست	نقش و صورت پیش آن معنی سد ست

صد ہزاران نیزۂ فرعون را	در شکست از موسی با یک عصا
صد ہزاران طب جالینوس بود	پیش عیسیٰ و دمش افسوس بود
صد ہزاران دفتر اشعار بود	پیش حرفِ امیش آن عار بود

افسوس تمسخر و لانع - ان اشعار مین اول اس عالم کا قدرت کے روبرو حقیر ہونا پھر عالم خلق (ظاہری) کی تنگی اور ضعف اور عالم امر (باطنی) کی فراخی وقوت بیان فرماتے ہین کہ یہ عالم گو تمھارے روبرو عظیم وجسیم ہے مگر قدرت کے روبرو یہ سمجھ لو کہ ایک ذرہ بھی نہین اور بعض نسخون مین بجاے پرتے کے بے بنی ہے بُن کہتے ہین جڑ کو مراد انتہا چونکہ جڑ بھی درخت کی انتہا ہوتی ہے مطلب یہ کہ عظیم اور بے انتہا ہے کذا قال مرشدیؒ اور یہ عالم خود تمھاری ارواح کا محبس ہے (جیسا حدیث مین ہے الدنیا سجن المؤمن) تم اس عالم کی طرف متوجہ ہو کر وہ خدائی صحرا ہے (صحرا باعتبار فراخی کے کہا کہ محبس سے فراخ ہوتا ہے) یہ عالم تو محدود ہے اور وہ عالم غیر محدود ہے نقش وصورت (عالم ظاہری کہ نقش وصورت سے پُر ہے) اس عالم معنوی کے سامنے بمنزلہ دیوار وآڑ کے ہے اسکی طرف متوجہ رہنا اسکی طرف متوجہ ہونے کا مانع ہے) یہ تو تنگی وفراخی کا ذکر ہو چکا آگے ضعف وقوت کا بیان ہے کہ فرعون (یعنی اُس کے ساحرین) کے لاکھون نیزون (لاٹھیون) کو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے جو ایک عصا لیے تھے شکست دے دی (کیونکہ ساحرین کے عصا مین اس عالم کا اثر تھا اور عصاے موسوی مین اُس عالم کا اثر تھا اس سے ضعف وقوت کا اندازہ ظاہر ہے لاکھون جالینوسی طب موجود تھین مگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے پھونک کے سامنے ایک کھیل تھا یا طب والون کے لیے موجب تاسف تھی کہ ہم اس کو چھوڑ کر اتنے روز ناحق طب یونانی مین مشغول رہے (پس طب یونانی مین اس عالم کے خواص وطبائع تھے اور دم عیسیٰ مین اس عالم کے برکات وتاثیرات تھین) ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک مین اشعار جاہلیت کے لاکھون دفتر تھے مگر حق تعالیٰ کے امی (پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام اللہ) کے سامنے وہ سب موجب ننگ تھے کہ اس کلام کے سامنے ان اشعار کو زبان سے نکالتے ہوے شرم آتی تھی (سو اشعار مین اس عالم کی فصاحت وبلاغت تھی اور کلام اللہ مین اس عالم کا اعجاز تھا)

ف اہل کشف کو یہ بات مکشوف ہو گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بعضے مخلوقات ذی مادہ وذی مقدار پیدا کی ہین انکو مادیات کہتے ہین تمام اجسام علویہ وسفلیہ ایسے ہی ہین اور بعضے مخلوقات مادہ ومقدار سے مجرد پیدا کی ہین انکو مجردات کہتے ہین اور ارواح انسانیہ اور دیگر لطائف قلب وسر وخفی واخفیٰ ایسے ہی ہین اور یہی مراد ہے صوفیہ کے اس قول سے کہ لطائف فوق العرش ہین مادیات کو عالم خلق اور مجردات کو عالم امر کہتے ہین اور گو متکلمین نے مجردات کا انکار کیا ہے مگر وہ انکار بلا دلیل ہے اور فلاسفہ گو اس کے قائل ہین مگر انکی یہ گمراہی ہے کہ انکو قدیم کہتے ہین اور عقول کے قائل ہین اور عالم مثال جس کا ذکر پہلے آچکا ہے ان ہی دونون عالم کے بین بین ہے یعنی غیر مادی ہونے مین عالم امر کے مشابہ ہے اور مقداری ہونے مین عالم خلق کے مشابہ ہے جیسے بعض حکماء کے نزدیک بُعد مجرّد کی

حالت ہے چونکہ عالم امر مین مقدار نہین اور حدود خواص مقدار سے ہین اس لیے عالم امر غیر محدود ہوا اور چونکہ اسمین مادہ بھی نہین الا زیادہ تر علت انفعال وضعف کی یہی مادہ ہے اسلیے اس عالم کے موجودات مین قوت بھی زیادہ ہے مولنا کا کلام ان ہی دو امرون کی شرح ہے ۔

با چنین غالب خداوندی کسے	چون نمیرد گر نباشد او خسے
بس دل چون کوہ را انگیخت او	مرغ زیرک با دو پا آویخت او
فہم و خاطر تیز کردن نیست راہ	جز شکستہ می نگیرد فضل شاہ

اللہ تعالی کی قدرت وغلبہ کا بیان کر کے پستی وشکستی وعجز وانکسار کی ترغیب دیتے ہین کیونکہ کسی کو غالب سمجھنے کے لوازم مین سے ہے اپنے کو مغلوب سمجھنا اور عاجزی سے پیش آنا فرماتے ہین کہ ایسے خداوند غالب کے روبرو کوئی شخص کیون نہ مرجاویگا (یعنی پستی وشکستی کیون نہ اختیار کریگا) اگر وہ کمینہ نہوگا (یعنی اگر وہ شقی نہوگا تو ضرور عجز وفنا کو اختیار کرے گا) انکی ایسی قدرت ہے کہ بہت سے ایسے دلون کو جو استقلال واستقامت مین مثل پہاڑ کے تھے (جیسے بلعم برصیصا) انکی جگہ سے اکھاڑ دیا اور سب استقلال خاک مین ملگیا اور مبتلاے معصیت وکفر ہوگئے) اور مرغ زیرک کو دونون پانون سے لٹکا دیا (مرغ زیرک سے مراد طوطی ہے جب اُس کا شکار کرنا چاہتے ہین ایک مجوف نلکی مین رسی یا ڈورا آر پار نکال کر اسکے دونون سرے درخت مین باندھ دیتے ہین جب طوطی اس نلکی پر آکر بیٹھتا ہے تو وہ نلکی گھومتی ہے اور طوطی گرنے کے خوف سے دونون پنجون سے اس نلکی کو مضبوط پکڑ لیتا ہے اور لٹک جاتا ہے صیاد آکر پکڑ لیتا ہے یہان ابلیس یا فلسفی کو مرغ زیرک سے تشبیہ دی جو نص کے مقابلہ مین قیاس فاسد سے استدلال کرتے ہین اور قیاس کے دونون مقدمون کی بدولت ضلالت وجہالت مین لٹکے رہتے ہین جیسے وہ مرغ دونون پانون سے لٹک جاتا ہے پس مصرعہ اول مین قوت عملیہ کو مغلوب کر دینے کی طرف اشارہ ہے اور مصرع ثانی مین قوت علمیہ کو معطل کر دینے کی طرف) جب قوت عملیہ وعلمیہ کا ناکافی ہونا ثابت ہوگیا تو معلوم ہوا کہ فہم وخاطر تیز کرنا یہ حق تک پہونچنے کی راہ نہین ہے بلکہ شکستگی کی ضرورت ہے بجز شکستہ لوگون کے فضل خداوندی کسی کو قبول نہین کرتا چنانچہ حدیث مین ہے انا عند المنکسرۃ قلوبہم داسکے یہ معنی نہین کہ علم وعمل بیکار ہے بلکہ تنبیہ ہے اسپر کہ علم وعمل حاصل کر کے اسپر اعتماد وغرور نہ کرے حق تعالی کی قدرت وتصرف کے سامنے کوئی تدبیر نہین چلتی البتہ علم وعمل کو فرض سمجھ کر اس مین کوشش کرے اور نظر رکھے محض خداوندی فضل پر اور ہمیشہ عجز وزاری وخوف کو اپنا شعار رکھے کیا خوب کہا ہے ؎ تکیہ بر تقوے و دانش در طریقت کافری ست ۔ راہرو گر صد ہنر دارد توکل بایدش ۔

اے بسا گنج آگنان کنج کاو	کان خیال اندیش را شد ریش گاو
گاو کہ بود تا تو ریش او شوے	خاک چہ بود تا حشیش او شوے
زر و نقرہ چیست تا مفتون شوی	چیست صورت تا چنین مجنون شوی

این سرا و باغ تو زندان تست　　　ملک و مال تو بلاے جان تست

(گنج آگنان پر کنندگان گنج - گنج گاو بکاف فارسی اول وکاف تازی دوم یا کاف تازی ہر دو ضم اول تفحص وتجسس گنج وبکاف فارسی ہر دو نام خزانہ از گنجہاے جمشید کہ در زمان بہرام ظاہر شدہ وجہ تسمیہ آنکہ در صورت گاوہا ونیز دیگر وحوش وطیور از طلا وجواہر ساختہ بودند ریش گاو در محاورہ احمق وستمر دخام وکوتہ اندیش را گویند حشیش گیاہ - اوپر ہیچ مرغ زیرک الخ مین عقل فلسفی کی مذمت بیان کی تھی اب ان کی مذمت کرتے ہین جو انبیاء واولیاء کی پیروی چھوڑ کر ان فلاسفہ کے تبع بن جاتے ہین اور چونکہ سبب اس اتباع کا حرص دنیا ہوتی ہے کہ فلاسفہ اسکی ترغیب دیتے ہین اسکی تدبیرین بتلاتے ہین بخلاف حضرات انبیاء واولیاکے کہ اس سے نفرت دلاتے ہین اسلیے طالبان دنیا انمہ دنیا کی طرف زیادہ جاتے ہین جیسا ہم لوگ اپنے زمانے مین مشاہدہ کر رہے ہین اسلیے دنیا وحرص دنیا کی مذمت بھی فرماتے ہین پس ارشاد فرماتے ہین کہ بہت سے خزانہ بھرنیوالے جو اسکی جستجو مین لگے رہتے ہین یا یہ ترجمہ کرو کہ بہت سے خزانہ بھرنے والے کہ وہ خزانہ گنج گاو ہے یعنی اسکی مثل ہے مراد یہ کہ بہت سے طالبان دنیا اس خیال اندیش کے دینے اس شخص کیلئے جو اپنے خیال وفکر کو اتباع ہوا مین صرف کرتا ہے جسکا اوپر ذکر ہوا مرغ زیرک الخ) مسخر ومطیع ہوجاتے ہین لاکم وہ خیال اندیش جو حماقت مین خود مثل گاو کے ہے کیا حقیقت رکھتا ہے کہ تم اسکی ریش ہوتے ہو یعنی اسکے ریش گاو ومسخر کیون بنتے ہو وہ اس قابل نہین) اور خاک (دنیا) کیا چیز ہے کہ اس کی گیاہ (جو اس سے چسپیدہ چسپیدہ پھیلتی ہے) بنتے ہو (مراد یہ کہ اس سے دلچسپی رکھتے ہو) آگے اسکی شرح فرماتے ہین کہ زر ونقرہ کیا چیز ہے کہ انکے مفتون ہوتے ہو اور یہ عالم صورت (دنیا) کیا چیز ہے کہ اسپر ایسے مجنون بنے جاتے ہو یہ تیرا گھر تیرا باغ سب تیرا زندان ہے (کہ فی الحال اسکی محبت مین گرفتار پریشانی ہو رہا ہے) اور یہ سب ملک ومال تیری جان کا وبال ہے (کہ مآل کار مین اسکی عقوبت چکھے گا زندان ہونا ابھی اوپر بھی گذر چکا ہے الدنیا سجن المومن)

آن جماعت را کہ ایزد مسخ کرد　　　آیت تصویرشان را نسخ کرد
چون زنے از کار بد شد روی زرد　　　مسخ کرد او را خدا و زہرہ کرد
عورتے را زہرہ کردن مسخ بود　　　آب وگل گشتن نہ مسخ است ای عنود
روح می بردت سوی چرخ برین　　　سوی آب وگل شدی در اسفلین
پس تو خود را مسخ کردی زین سفول　　　زان وجودی کہ بد آن رشک عقول
پس بدان کین مسخ کردن چون بود　　　پیش آن مسخ این بغایت دون بود

عنود سرکش - سفول پستی رفتن - عقول مراد ملائکہ - دون ادنی - ان اشعار مین تنفیر ہے حرص دنیا وطلب لذات سے خلاصہ یہ کہ جن لوگون کو اللہ تعالی نے مسخ کردیا ہے اور ان کے مسخ ہونے کی صورت حال کی آیت لکھ دی ہے دیکھنے قرآن مجید مین اس کا ذکر ہے جن مین سے ایک عورت بھی ہے کہ جب برا

کام کرکے زرد رو ہوگئی تو خدا تعالی نے اس کو مسخ کرکے زہرہ ستارہ بنا دیا جب عورت کو زہرہ بنا دینا مسخ ہے تو آب وگل ہوجانا (یعنی طبیعت جسمانیہ کا فطرت روحانیہ پر غالب ہوجانا) کیا مسخ نہ کہا جاویگا غور کرکے اسلیے خطاب کیا کہ اس آب وگل ہونے کو مسخ کہنے سے انکار کرنا عناد ہے (مطلب یہ کہ زہرہ تو پھر بھی ایک نورانی جسم ہے گو حقیقت انسانیہ سے کم ہے مگر آب وگل تو محض ظلمانی و مکدر چیز ہے جب زہرہ بننے کو مسخ کہا جاتا ہے تو آب وگل ہوجانے کو کیون نہ مسخ کہا جاوے گا) آگے اسکے مسخ کی شرح ہے کہ روح تمکو چرخ برین (قرب الہی) کی طرف لیجانا چاہتی تھی (کہ ذکر اللہ سے وصول الی اللہ حاصل کرے) مگر تم آب وگل (غلبۂ مقتضیات نفسانیہ طبعیہ) کی طرف متوجہ ہوکر اسفلین (بعد عن اللہ) مین جاگرے پس تم نے اس پستی کیطرف جانے کے سبب اپنے کو مسخ کر دیا اور ایسے وجود (غلبۂ احکام روحانی محبت و معرفت) کو چھوڑ بیٹھے کہ وہ رشک ملائکہ تھا اسکے بعد غور کرو کہ یہ مسخ کیا ہے واقع مین یہ مسخ اس مسخ زہرہ سے نہایت درجہ ادنی ہے۔

ف عقول فلاسفہ کے نزدیک دس مجردات کا نام ہے جو ازلی ابدی ہین اور یہی اسکے حقیقی معنی سمجھے جاتے ہین چونکہ اہل حق کے نزدیک انکا وجود باطل ہے اس لیے یہان مجازاً ملائکہ مراد لئے گئے ہین اور وہ مجرد نہین بلکہ مادی ہین البتہ مادہ انکا لطیف ہے اور رشک عقول کہنے مین اشارہ ہے کہ جس شخص کے احکام طبیعت شہوت و غضب و غفلت و معصیت پر احکام روحانی محبت و معرفت و ذکر و طاعت غالب ہون کہ مقتضیات طبع کا ظہور نہ ہونے دین ایسا شخص بعض ملائکہ سے بھی افضل ہے گو یہ فضیلت جزئی خاص اسیوجہ سے ہو کہ ملائکہ مین داعی معصیت کے بالکل نہین ہین تو معصیت نہ ہونا عجب نہین اور اس بشر سے باوجود داعی کے معصیت نہ ہونا عجیب اور دلیل ہمت و خشیت کی ہے تفصیل اسکی کتب کلام مین موجود ہے اور زہرہ کے قصہ مین بعض محققین نے کچھ اشکالات عقلی و نقلی نکال کر انکار کیا ہے اور بعض نے تاویل کرکے درست کیا ہے چنانچہ تفسیر عزیزی مین بسط سے لکھا ہے اگر یہ قصہ غلط بھی ہو تو مولنا کے مدعا مین مخل نہین کیونکہ یہ قصہ اس مدعا کی دلیل نہین بلکہ تمثیل ہے اور مثال کے صحیح نہ ہونے سے استدلال مین فرق نہین آتا جو مدعا ہے اسمین کلام نہین ہوسکتا کہ غلبۂ روح سے غلبۂ نفس ہونا حالت کا تنزل ہے۔

اسپ ہمت سوے آخور تاختی	آدم مسجود را نشناختی
آخر آدم زادۂ اے ناخلف	چند پنداری تو پستی را شرف
چند گوئی من بگیرم عالمے	این جہان را پر کنم از خود ہمے

یعنی تو نے اسپ ہمت کو آخور (لذات جسمانیہ) کیطرف دوڑا رکھا ہے (کہ شب و روز اسکی تحصیل مین مصروف ہے) اور آدم علیہ السلام کو جو مسجود ملائکہ تھے نہ پہچانا اے ناخلف آخر تو انکا ہی تو بیٹا ہے (پھر انکی قدر و منزلت تحصیل دنیا مین کیون برباد کر دی) کہانتک پستی کو بزرگی و ترقی سمجھتا رہیگا یہ بات کہانتک کہتا رہیگا کہ مین دنیا بھر پر قبضہ کرلون اور تمام جہان کو اپنے ہی (ساز و سامان و خدم و حشم و حکومت و جاہ) سے بھر دون مقصود اس استفہام چند پنداری و چند گوئی سے ترغیب ہے اس کے ترک کی اس لیے اس ترغیب سے ایک

سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر آپ کے مشورے کے موافق آیندہ کے لیے ان حجابات مذکورۂ دنیوی علوم یعنی فلسفہ وعقل معاش اور دنیوی اعمال یعنے تحصیل دنیا و لذات دنیا وہوس مال وجاہ کو ترک بھی کر دیا جاوے تو اسوقت تک زمانہ گذشتہ کے جو معاصی ۔ و تعلقات غیر اللہ و خیالات فاسدہ ۔ واخلاق ذمیمہ قلب مین مجتمع ہو گئے ہین انکا ازالہ کس طرح ہو سکتا ہے اور اس ترک سے جو جسم کو تعب اور ویرانی ہوگی وہ علاوہ اس کا جواب دیتے ہین

گر جهان پُر برف گردد سربسر	تاب خور بگدازدش در یک نظر
ور زاو وزر چون او صد هزار	نیست گرداند خدا از یک شرر
عین آن تخییل را حکمت کند	عین آن زهرآب را شربت کند
آن گمان انگیز را سازد یقین	مهرها رویاند از اسباب کین
پرورد در آتش ابراهیم را	ایمنی روح سازد بیم را
در خرابی گنجها پنهان کند	خار را گل جسمها را جان کند

وزر بار ۔ تقریر جواب یہ ہے کہ تم کو جو معاصی گذشتہ کا خیال ہے تو انکی مثال عنایت حق کے روبرو برف کی سی سمجھو آفتاب کے سامنے اگر تمام عالم بھی برف سے پُر ہو جاوے مگر آفتاب کی تابش اس کو ایک نظر (میں فوراً) سے پگھلا دیتی ہے اسی طرح تمھارے معاصی گو کتنے ہی ہون مگر حق تعالیٰ کی نظر عنایت سے (جو کہ توبۂ صادقہ پر متوجہ ہو جاتی ہے) سب نیست و نابود ہو جاوین گے ۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ شعر شعر سابق کا تتمہ ہو کر اگر فرض کیا جاوے کہ تمام عالم تمھارے سامان و تدبیرات سے پُر ہو جاوے تو تمھاری تدبیر برف جیسی ہے اور تقدیر جیسے آفتاب ۔ اگر تقدیر مساعد نہ ہوگی تمھاری سب تدابیر تحصیل دنیا کی لاشئے ہو جاوینگی ۔ اور شبہات کا جواب دوسرے شعر ور ز الخ سے شروع ہوا اور ورز کے عموم مین معاصی کو بھی داخل کر لیا جاوے ہکذا فسّرہ بالتفسیر مرشدی اور تعلقات غیر اللہ کی جو تم کو فکر ہے تو انکی مثال تعلق محبت الٰہی کی نسبت ایسی سمجھو جیسے کسی بار ہیزم وغیرہ کی نسبت ہے چنگاری کے ساتھ جسقدر اس شخص (تائب) کا بار تعلقات ہے بلکہ اس جیسے لاکھ آدمیون کا (بار) تعلقات بھی جس سے قلب پر سخت گرانی و ثقل مشاہد ہوتا ہے اس سب کو اللہ تعالیٰ ایک شعلۂ عشق حقیقی سے نیست و فنا کر دین گے (چنانچہ واقعی عشق حق مین یہی اثر ہے کہ عمر بھر کے تعلقات غیر اللہ کا نام و نشان بھی نہین رہتا) اور خیالات فاسدہ کا جو تم کو اندیشہ ہے تو اسمین جناب باریتعالیٰ کی کارسازی ہے کہ ان تخیلات فاسدہ کو عین حکمت و علم نافع کر دیتے ہین (خیالات فاسدہ و علوم ضارہ کے حکمت نافعہ بنجانے کی کئی صورتین ہین ایک تو یہ کہ یہ شخص شر و ضلالت سے خوب واقف ہو جاتا ہے اس لیے کسی کے دھوکہ مین نہین آسکتا جیسا کہا گیا ہے ؎ عرفت الشر لا للشر لکن لتوقیہ ؛ ومن لا یعرف الشر من الخیر یقع فیہ ؛ دوسرے اس شخص کو چونکہ قوت استدلال و قوت نظریہ حاصل ہے پہلے اس کو دعاوی باطلہ و مطالب فاسدہ مین صرف کرتا تھا اب اسی قوت کو نتائج صحیحہ و علوم حقہ مین صرف کریگا جس سے اورون کو بھی ہدایت اور بصیرت کی توقع ہے حدیث مین ہے

خیارہم فی الجاہلیۃ خیارہم فی الاسلام اذا فقہوا فی الدین تیسرے یہ شخص علوم باطلہ وعلوم حقہ مین موازنہ کرکے دیکھ سکتا ہے جس سے علوم حقہ کی قدر ومنزلت اسکی نظر مین بڑھ جاتی ہے جو تھے ان علوم باطلہ کو رد وخوب کرسکتا ہے پانچوین ان علوم باطلہ سے اور تدبیرات دنیا سے خوب سیر ہوچکا ہے اسلیے اسکی طرف میلان واشتیاق کبھی نہین ہوتا چھٹے اپنے نفس کو اور دوسرون کو بعض امور نقلیہ کو بعض امور عقلیہ پر قیاس کرکے تسلی دے سکتا ہے مثلاً مستبعدات مسلمہ عند الحکماء کو پیش کرکے کہہ سکتا ہے کہ جیسے یہ امور واقعیہ عقل عوام مین نہین آتے اسی طرح اسرار واحکام الٰہی بھی اگر قیاس مین نہ آدین تو انکار کرنا ان کا جہل ہے اور ان تخیلات مین سے جو خاص قسم وساوس وخطرات کی ہے اسمین قلب کے تقلبات کا مشاہدہ کرتا ہے اور انکے دفع مین مجاہدہ کرتا ہے اور پھر اس مین خالق ومقلب القلوب کے صنع عجیب کا معائنہ کرتا ہے تو وہ خطرات اسکے لیے مرآۃ جمال وکمال حضرت حق ہوجاتے ہین اور وساوس فاسدہ کے ہجوم کا ایک علاج یہ بھی ہے یہ جواب ہوا علوم مذمومہ کے متعلق) اور اخلاق ذمیمہ کی نسبت جو تمکو تردد ہے تو وہ غایت سے غایت زہر آب کی مثال ہے کہ جس طرح وہ مہلک جسم ہے اخلاق ذمیمہ مہلک روح ہین اور نیز زہر سے دوسرون کو ضرر پہونچتا ہے اسی طرح اخلاق ذمیمہ سے دوسرون کو گزند پہونچتا ہے مگر انکی ایسی قدرت ہے کہ جو چاہین تو زہر کو شربت کردین (اسی طرح سالک کے لیے ریاضت کی بدولت اخلاق ذمیمہ کو اخلاق حمیدہ کردیتے ہین جسکی توجیہ ابھی آتی ہے اب اگلے شعر کے ایک مصرع مین تخئیل کا مت ہونا اور دوسرے مین اخلاق ذمیمہ کا حمیدہ ہونا بیان فرماتے ہین کہ انکی ایسی قدرت ہے کہ وہ جو اسمین قوت قیاسیہ تھی جس سے طرح طرح کے شبہات ضلالت وظنون جہالت پیدا ہوتے ہین اس کو اب علوم حقہ یقینیہ مورث وموجب بنا دیتے ہین جیسا عنقریب بیان کیا گیا ہے اور وہ جو اسمین اسباب کین تھے یعنی اخلاق ذمیمہ جسکے سبب حق تعالیٰ سے بُعد وعداوت یا بندون کے ساتھ کینہ وحسد پیدا ہوتا تھا اب ان ہی اسباب کو محبت وقرب پیدا کردیتے ہین یعنی اسباب بُعد کو اسباب قرب کردیتے ہین (اسمین توجیہ موعود ہے اخلاق ذمیمہ کو اخلاق حمیدہ بنا دینے کی

ف تفصیل اس کی یہ ہے کہ ریاضت سے اخلاق ذمیمہ کے اصول کا ازالہ نہین ہوتا بلکہ ان کی تہذیب ہوجاتی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ان اصول کے آثار کا امالہ ہوجاتا ہے یعنی ان اخلاق کا مصرف بدل جاتا ہے مثلاً کسی شخص مین منجملہ اخلاق رذیلہ کے بخل وغضب موجود ہو تو ریاضت سے اسکی جڑ نہین جاتی کہ غضب وبخل ہی نہ رہے بلکہ تہذیب اس طرح ہوجاتی ہے کہ پہلے مواقع خیر مین بخل کرتا تھا اور بندگان نیک پر غصہ کرتا تھا اب نامشروع جگہ بخل کریگا اور مبغوضان الٰہی اور اپنے نفس پر غصہ کریگا تو اسباب بعد اس طرح اسباب قرب بنگئے ہکذا افاد مرشدی اور اس سے اس اختلاف کا بھی فیصلہ ہوگیا کہ ریاضت سے تبدیل اخلاق ہوسکتی ہے یا نہین اس سے معلوم ہوگیا تبدیل اصول تو نہین ہوسکتی حدیث مین ہے اذا سمعتم برجل زال عن جبلتہ فلا تصدقوہ اور تبدیل آثار ومصارف ہوسکتی ہے اس لیے حکم ہے مجاہدہ وریاضت کا آگے مثال ہے اس تبدیل مذکور کی انکی یہ شان ہے کہ آگ مین ابراہیم علیہ السلام کی پرورش کرتے ہین (یعنے حیات باقی رکھتے ہین کہ حقیقت پرورش کی

عن ابی ہریرۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال تجدون الناس معادن فخیارہم فی الجاہلیۃ خیارہم فی الاسلام اذا فقہوا رواہ مسلم

یہی ہے اور جو چیز روح کے لیے موجب خوف ہے یعنی آگ اس کو باعث امن و اطمینان کردیتے ہین دیس جسطرح آگ مین اتنی بڑی تبدیل کردی اسی طرح اوصاف ذمیمہ مین کردیتے ہین) باقی رہا جسم کے تعب و پریشانی سے جو گھبراتے ہو تو اس خرابی کی ایسی مثال ہے جیسے خرابہ کے اندر خزانہ ہوتا ہے اسیطرح خرابی جسمانی باعث آبادانی روح کی ہوجاتی ہے اور وہ خار تعب کو گل راحت بنا دیتے ہین دیعنی یہ تعب راحت کا سبب ہوتا ہے ان مع العسر یسرا اور اجسام کو ارواح کردیتے ہین دیعنی خود جسم کا بھی ضرر واقع مین نہین ہوتا اسکے اوصاف طبعیہ شہوت و غضب جس سے کلفت و پریشانی بھی ہوتی ہے اوصافِ روحانیہ حلم و کرم و علو ہمت و استغناء سے بدل جاتے ہین جس سے بدنی راحت میسر ہوتی ہے یہی معنی ہین جسمہا را جان کنند کے)

از سبب سوزیش من سودائیم در سبب سازیش سرگردان شدیم		وز خیالاتش چو سوفسطائیم وز سبب سوزیش ہم حیران شدیم

(سوفسطائی ایک فرقہ ہے جو حقائق اشیاء کے ثبوت کا منکر ہے کہتا ہے کہ یہ سب عالم خیال و وہم محض ہے اس سے اوپر بعض تبدیلات خلاف توقع و خلاف قیاس کا ذکر تھا کہ بعضے اسباب کو بعض مسببات سے ارتباط و تعلق نہین معلوم ہوتا مثلاً جہل کا باعث علم بن جانا اخلاق ذمیمہ کا موجب آثار حمیدہ بن جانا محسوسات مین آگ کا موجب سلامت بنجانا مولانا اسی مضمون پر حیرت ظاہر فرماتے ہین کہ حق تعالیٰ کی سبب سوزی سے مین سودائی اور حیران ہون اور اس سبب سوزی کے خیالات سے میری حالت سوفسطائی کی سی ہے۔ دکہ جس طرح وہ حقائق اشیاء کا انکار کرتا ہے میرے خیال مین بھی تاثیرات اسباب کا انکار پیدا ہوتا ہے مگر اتنا فرق ہے کہ وہ تو مطلقاً انکار کرتا ہے اور یہ اُس کے استقلال کا انکار کرتے ہین اسی لیے جو لفظ تشبیہ بڑھایا گیا) ان کی سبب سازی مین ہم سرگردان ہو رہے ہین اور انکی سبب سوزی مین بھی حیران ہو رہے ہین (ایک ہی اثر کو سبب سوزی و سبب سازی سے تعبیر فرمایا ہے سبب سوزی تو اسلیے کہا کہ اس سبب مین بظاہر صلاحیت معلوم نہین ہوتی کہ مسبب خلاف قیاس کا سبب بن جاوے جیسے امثلہ مذکورہ مین ظاہر ہے تو گویا سبب کو سوختہ کردیا اور ایسا ہی ہوگیا جیسے بلا سبب اس مسبب کو پیدا کردیا ہو اور سبب سازی اسلیے کہا کہ آخر تو اللہ تعالیٰ نے اُس کو سبب بنا ہی دیا ہے گو خلاف قیاس سہی)

ف تقریر تشبیہ بہ سوفسطائی سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بعض صوفیہ کے کلام مین جو عالم کا اوہام و خیالات ہونا مذکور ہے مراد اس سے ثبوت و تحقق کی نفی نہین ہے ورنہ یہ عین سوفسطائیت ہے پھر تشبیہ غلط ہوگی بلکہ مقصود نفی استقلال بالوجود کی ہے جیسا تقریر وحدۃ الوجود مین گذر چکا ہے فقط۔

برانگیختن وزیر مکر دیگر را در اضلال قوم عیسیٰ علیہ السلام

چون وزیر ما کرد بد اعتقاد		دین عیسیٰ را بدل کرد از فساد

مکر دیگر آن وزیر از خود ببست	وعظ را بگذاشت در خلوت نشست
در مریدان درفگند از شوق سوز	بود در خلوت چہل پنجاہ روز
خلق دیوانہ شدند از شوق او	از فراق حال و قال و ذوق او
لابہ و زاری ہمی کردند او	از ریاضت گشتہ در خلوت دوتو
گفتہ ایشان بے تو مارا نیست نور	بے عصاکش چون بود احوال کور
از سر اکرام و از بہر خدا	بیش ازین مارا مدار از خود جدا
ما چو طفلانیم و مارا دایہ تو	بر سر ما گستران آن سایہ تو

یعنی جب وہ مکار بد اعتقاد وزیر دین عیسوی کو براہ فساد بدل چکا تو اس نے ایک اور دنیا مکر گا نٹھا کہ وعظ کو چھوڑ کر خلوت مین بیٹھ رہا اور تمام مریدون مین سوز اشتیاق پھیلا دیا چالیس پچاس روز تک اسی حالت خلوت مین گذار دیے تمام خلقت اسکے شوق سے اور اسکے حال وقال و ذوق کی مفارقت سے دیوانہ ہوگئی پس تمام لوگ خوشامد و زاری کر رہے تھے اور وہ وزیر ریاضت کر کے خلوت مین دوہرا ہوگیا تھا (یعنی باہر نہ نکلتا تھا) وہ لوگ بولے کہ ہم کو بدون آپکے نور (ہدایت) نہین ملسکتا بھلا عصاکش نہ رہے تو نابینا کا کیا حال ہوگا اپنے اکرام (بزرگی) کا صدقہ اور اللہ کے واسطے اس سے زیادہ ہم کو اپنے سے علیحدہ مت رہنے دو ہماری مثال تو لڑکون کی سی ہے اور آپ ہمارے لیے مثل دایہ کے ہین ہمارے سرون پر اپنے سایہ عنایت کو گستردہ رکھو
ف تقریر مریدین کے ضمن مین اشارہ اس طرف بھی ہے کہ مرید کو پیر سے قبل از تکمیل بلا ضرورت شدید علیحدگی نہ چاہیے بلکہ اسکی صحبت و خدمت کو غنیمت سمجھنا چاہیے اسی لیے شیخ کو دایہ سے اور طالب کو طفل سے تشبیہ دی کہ قبل تربیت طفل دایہ سے جدا نہین کیا جاتا۔

گفت جانم از محبان دور نیست	لیک بیرون آمدن دستور نیست

وزیر نے جواب دیا کہ گو میرا جسم بظاہر بعید ہے مگر میری جان اہل محبت سے دور نہین یعنی جان اور باطن کے اعتبار سے مین تم سے قریب ہون لیکن باہر نکلنے کی اجازت نہین (اللہ تعالیٰ کی یا عیسیٰ علیہ السلام کی
ف اسمین مولانا نے اشارہ کیا ہے کہ اگر پیر سے محبت کامل ہو تو ظاہری دوری مانع فیض نہین حدیث المرء مع من احب اسکی مؤید ہے یہی محبت معیت روحانی ہے مگر یہ اس شخص کے لیے ہے جس کو تعلیم کی حاجت نہ رہی ہو صرف تقویت نسبت مین مشغول ہو ورنہ بدون قرب جسمانی کام نہین چلتا البتہ ثواب و برکت ضرور ہے اس مضمون کو بعض صوفیہ ان الفاظ سے تعبیر کرتے ہین کہ باطن پیر ہر جگہ ہے جسکے معنے سمجھنے مین عوام الناس غلطی کرتے ہین کہ پیر نعوذ باللہ ہر جگہ حاضر ناظر ہے سو یہ یقیناً غلط اور خلاف واقع ہے گو بطور خرق عادت و کرامت کے گاہے ایسا بھی واقع ہوا ہے مگر یہ امر مستمر ہے اور نہ ضروری ہے کہ جب پیر کی شکل نظر آوے تو وہ سچ مچ پیر ہی ہو بعض اوقات کوئی فرشتہ وغیرہ اس شکل مین نظر آجاتا ہے بلکہ معنی اس جملہ کے یہ ہین کہ باطن اصطلاح مین

اُس اسم الٰہی کو کہتے ہین جس کا کسی مخلوق مین ظہور ہو (ظہور کے معنی مسئلۂ ظاہر و مظہر مین بیان ہو چکے ہین) پس شیخ کامل مین اسم ہادی کا فیض ظاہر ہے سو باطن شیخ سے مُراد اسم ہادی ہوا چونکہ وہ حق تعالیٰ کی صفت ہے مکان و زمان سے منزہ ہے اور اس کا نور و فیض عام اور محیط ہے اس اعتبار سے کہد یا جاتا ہے کہ باطن شیخ ہر جگہ ہے جسکا حاصل یہ ہوا کہ صفت ہادی کا فیض کسی زمان و مکان کے ساتھ خاص نہین اور چونکہ قابلیت اخس فیض حاصل کرنے کی شیخ کی صحبت و تعلیم سے نصیب ہوتی ہے اس لیے باطن ہادی کو شیخ کی طرف باد نیٰ مُلابست مضاف کر دیتے ہین کذا قال مرشدی۔

آن امیران در شفاعت آمدند — وان مریدان در ضراعت آمدند

کاین چہ بدبختیست مارا اے کریم — از دل و دین ماندہ ما بی تو یتیم

تو بہانہ میکنی و ما ز درد — می زنیم از سوز دل دمہای سرد

ما بہ گفتار خوشت خو کردہ ایم — ما ز شیر حکمت تو خوردہ ایم

اللہ اللہ این جفا با ما مکن — لطف کن امروز را فردا مکن

میدہد دل مر ترا کاین بیدلان — بے تو گردند آخر از بیحاصلان

جملہ در خشکی چو ماہی می طپند — آب را بگشا ز جو بردار بند

ایکہ چون تو در زمانہ نیست کس — اللہ اللہ خلق را فریاد رس

دل دادن گوارا شدن و اجازت دادن مطلب یہ کہ اُن بارہ امیرون نے سفارش شروع کی اور عام مریدون نے تضرع شروع کیا کہ یہ ہماری کیسی بدقسمتی کی بات ہے کہ بدون آپکی معیت کے ہم دل اور دین دونون سے رہ جاوین گے (یعنی دل کی راحت اور دین کی ہدایت دونون برباد ہو جاوین گی) آپ بہانہ کر رہے ہین اور ہم درد کی وجہ سے سوزِ دل سے آہ سرد لگا رہے ہین کیونکہ ہم کو آپ کے کلام سننے کی عادت پڑ گئی آپکے شیر علم کی غذا کھا چکے ہین خدا کے واسطے اتنی سنگدلی تو ہم سے مت کرو بلکہ ہمارے حال پر مہربانی کرو اور امروز کو فردا مت کرو (یعنی ٹالو مت) کیا تمکو یہ بات گوارا ہے کہ یہ بیدل لوگ بدون تمہارے محض بیحاصل رہ جاوین (یہ سب مضامین گستاخانہ جوشِ عشق مین خلاف ادب نہین سمجھے جاتے) سب اسطرح بیقرار ہین جیسے خشکی مین ماہی آب آب (فیض) کو کھول دیجیے اور نہر (علم) سے بند (خاموشی) اُٹھا دیجیے آپ کے برابر دنیا مین کوئی شخص نہین خدا کے لیے خلق کی فریاد رسی کیجیے۔

ف شعر اخیر مین اشارہ ہے کہ اپنے شیخ کو سب سے افضل جاننا چاہیے اسکی تفسیر یہ ہے کہ یون اعتقاد کرے اور یقین کے ساتھ سمجھے کہ زندہ بزرگو نمین میری تلاش و جستجو سے اس سے زیادہ مجھکو نفع پہونچانے والا ملنے کی امید نہین کذا قال مرشدی اس تفسیر سے سب اشکالات مرتفع ہو گئے پس نہ یہ لازم آیا کہ اولیاے سابقین سے اسکو افضل سمجھے نہ یہ سمجھے کہ معاصرین مین عند اللہ اس سے کوئی افضل نہین کیونکہ یہ دونون اعتقاد آیت

وفوق کل ذی علم علیم کے مخالف ہونیکی وجہ سے باطل ہین اور وجہ اعتقاد مذکور کے ضروری ہونے کی یہ ہے کہ بدون اسکے سمجھے ہوئے قلب کو یکسوئی نہین ہوتی بلکہ ہر وقت ڈانواڈول رہتا ہے کہ شاید اور کسی جگہ سے زیادہ نفع پہونچے اور بدون یکسوئی کے کوئی ایسا کام نہین بن سکتا جس مین پوری توجہ کی ضرورت ہو جیسا ذکر و شغل کا حال ہے۔

دفع کردن وزیر آن مریدان خود را

گفت ہان اے سخرگان گفتگو	وعظ و گفتار زبان و گوش جو
پنبہ اندر گوش حس دون کنید	بند حس از چشم خود بیرون کنید

سخرگان تابعان۔ دون ادنی۔ بند حس اضافت بیانیہ۔ چشم مراد چشم باطنی مطلب یہ کہ وزیر نے جواب دیا کہ تم لوگ جو اس ظاہری گفتگو کے فریفتہ اور اس ظاہری زبان اور کان کے متعلق جو وعظ اور کلام ہے اسکے طالب ہو تم کو چاہیے کہ یہ کان جو ادنی درجہ کے حواس مین ہے اسمین پنبہ رکھو تو اس قید حس ظاہری کو اپنی چشم (وگوش) باطنی سے نکال دو یعنی ظاہری کلام کے فکر و تلاش سے کیا فائدہ اپنے باطنی حواس کو درست کرو اور باطنی فیوض حاصل کرو اسمین خلوت اور دوری مجھ سے مانع نہین۔

ف گو یہان قصہ مذکور ہے مگر مقصود مولنا کا ترغیب ہے تصفیہ باطن کی اور زبان وزیر سے اس کا نقل کرنا مانع اس مضمون کے صحیح ہونے کا نہین کیونکہ اس کا مکر و فریب بھی تو جب ہی چل سکتا ہے جب وہ مضمون اصل مین صحیح بھی ہو ورنہ قلعی نہ کھل جائے اور اہل فریب کی یہی عادت ہوتی ہے چنانچہ کہا گیا ہے ؎ حرف درویشان بدزدد مرد دون الخ آگے مولنا اس مضمون کی تفصیل فرماتے ہین۔

پنبہ آن گوش سرگوش سرست	تا نہ گردد این کران باطن کرست
بیحس و بیگوش و بیفکرت شوید	تا خطاب ارجعی را بشنوید
تا بہ گفت و گوی بیداری دری	تو ز گفت خواب بوئی کے بری

سر اول بکسر سین باطن۔ سر ثانی بفتح سین یعنی مشہور۔ تا نہ گردد این کر۔ اسم نہ گردد۔ کر خبر آن یعنی اس گوش باطنی کا پنبہ اور بند یہ گوش ظاہری ہے جبتک یہ گوش ظاہری بہرا نہ ہوگا وہ باطنی بہرا رہیگا کیونکہ نفس ایک آن مین دو طرف متوجہ نہین ہوتا جبتک ان حواس ظاہری کے محسوسات یعنے تعلقات دنیوی کی طرف توجہ و مشغولی رہے گی حواس باطنی کے مدرکات یعنی کیفیات روحانی اور علوم وجدانی کیطرف توجہ ناممکن ہے یہی معنی ہین اسکے کہ ظاہری حواس باطنی کے لیے قید ہین اسی لیے اگر ان امور باطنی کا ادراک چاہتے ہو تو (ظاہری حواس اور گوش اور قوت عقلیہ و فکریہ سے خالی ہو جاؤ (یعنی ان سے کام مت لو اور انکو تعلقات دنیوی کیطرف متوجہ مت کرو) جب اس قابل ہوگے کہ ارجعی کا خطاب سنوگے

گوش پنبہ از اطن بغض در مد وزیر

(یعنی قرآن مجید مین جو وارد ہے یَاۤ اَیَّتُهَا النَّفۡسُ الۡمُطۡمَئِنَّةُ ارۡجِعِیۡۤ اِلٰی رَبِّکِ رَاضِیَةً مَّرۡضِیَّةً کہ قیامت کے روز صاحب نفس مطمئنہ سے کہا جاویگا کہ تو اپنے رب کی طرف متوجہ ہو تو ان سے راضی اور وہ تجھ سے راضی اس خطاب کے سننے کے قابل ہوجاؤگے اس کا یہ مطلب نہین کہ دنیا مین خطاب ارجعی سننے لگوگے اگرچہ یہ ممکن ہے مگر لازم نہین کیونکہ یہ ایک قسم کا کشف ہے اور کشف لوازم وصول الی اللہ سے نہین ۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ اس تعطل حواس ظاہری کے سے تمہارا نفس مطمئنہ بنجاویگا کہ اس خطاب کے سننے کے اہل ہوجاؤگے گو سننا قیامت مین ہو اور بشنوید صیغہ بھی مستقبل کا ہے اور مستقبل مین بہت گنجایش ہے) آگے اس مضمون کی ایک مثال بیان فرماتے ہین کہ دیکھو جب تم بیداری کی گفتگو مین مشغول رہو (یعنے جاگتے رہو) اسوقت تک گفتگوے خواب کی کچھ بھی آگاہی نہین ہوتی (کیونکہ وہ تو خواب ہی مین ہوتی ہے اور بیداری مین جب خواب ممکن نہین تو اُس حالت کی گفتگو کی نوبت بھی نہین آسکتی اسیطرح یہ عالم ظاہری تو مثل بیداری کے سمجھو اور عالم باطن مثل حالت خواب کے سمجھو تو جبتک ادھر مشغولی رہیگی اُدھر توجہ و استغراق ممکن نہین اور بدون توجہ کے امور باطنی کا ادراک محال ہے۔

ف اسمین تعلیم فرمادی ہے کہ نور باطن کا حاصل ہونا موقوف ہے خلوت اور مراقبات پر اور مراقبہ موقوف ہے ترک توجہ امور دنیویہ پر اور ترک توجہ امور دنیویہ موقوف ہے تقلیل تعلقات ظاہری پر جب تعلق کم ہوگا فکر کم ہوگی جب فکر کم ہوگی اُدھر توجہ ہوسکے گی جب ادھر توجہ ہوگی علوم و احوال باطنی کا ادراک و حصول نصیب ہوگا

سیر بیرونست قول و فعل ما	سیر باطن هست بالای سما
حس خشکی دید کز خشکی بزاد	عیسی جان پای بر دریا نهاد
سیر جسم خشک بر خشکی فتاد	سیر جان پا در دل دریا نهاد
چونکه عمر اندر ره خشکی گذشت	گاه کوه و گاه دریا گاه دشت
آب حیوان را کجا خواهی تو یافت	موج دریا را کجا خواهی شکافت
موج خاکی فهم و وهم و فکر ماست	موج آبی محو و سکرست و فناست
تا درین سکری ازان سکری تو دور	تا ازین مستی ازان جامی نفور
گفتگوی ظاهر آمد چون غبار	مدتی خاموش کن هین هوشدار

مولوی

(یعنے ہم نے جو تعلقات ظاہری کو مانع انکشاف امور باطنی کا کہا ہے) اس سیر بیرونی سے مراد یہی ہمارے اقوال و افعال ہین اور سیر (باطنی ہرچند کہ واقع اسی عالم مین ہوتی ہے مگر چونکہ اس کا قبلۂ توجہ و منظرگاہ ذات حق جل شانہ ہے اور وہ قید جہت سے منزہ ہے اس حیثیت سے) سیر باطن بالاے سما سے متعلق ہے اسکے بعد حس ظاہری کی اس عالم ظاہری کے ساتھ اور روح باطنی کی اس عالم باطنی کے ساتھ مناسبت بیان فرماتے ہین کہ حس ظاہری نے تو صرف خشکی (عالم ظاہری) کو دیکھا ہے کیونکہ وہ خود خشکی سے پیدا ہوئی ہے اور روح نے جو کہ جوہر دریا مین عیسے علیہ السلام کے اور دوسرے نسخے کی بناء پر مشابہ موسیٰ علیہ السلام کے ہے دریا (عالم وطن پر قدم رکھا ہے

(یعنی حواس ظاہری چونکہ عناصر سے بنے ہین جو اس عالم کے کائنات مین سے ہین دنیا کی سیر کرتے ہین اور روح چونکہ عالم امر سے ہے باطن کی سیر کرتی ہے ناسوت کو خشکی سے اور باطن کو دریا سے اسلیے تشبیہ دیتے ہین کہ اولاً دریا مادہ حیات ہے وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ کُلَّ شَیْءٍ حَیٍّ بخلاف خشکی کے اسیطرح باطن باعث حیات روحانی ہے بخلاف ناسوت کے کہ اللہ تعالیٰ سے غافل کرنے والا ہے جو موت حقیقی ہے ثانیاً دریا مین وسعت بہت ہے بخلاف خشکی کے ایسی طرح باطن کی وسعت لا تقف عند حد ہے بخلاف ناسوت کے کہ بوجہ عالم خلق ہونے کے محدود و معدود ہے ثالثاً دریا مین بساطت ہے بخلاف خشکی کے کہ اسمین ترکیب غالب ہے اسیطرح باطن مین وحدت مقصود ہے بخلاف ناسوت کے کہ اسمین کثرت مطلوب ہے اسی لیے بعض اہل رموز نے آیۃ وَحَمَلْنٰہُمْ فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ کی تاویل کی ہے فی الناسوت والملکوت اور موسیٰ علیہ السلام کا دریا سے پار ہوجانا تو مشہور ہے یہ تشبیہ تو ظاہر ہے اور عیسیٰ علیہ السلام کا قصہ خود مولٰنا نے دفتر ششم مین بعد قصہ بلال و ہلال کے لکھا ہے ؎ ہمچو عیسیٰ بر سرش گردد فرات × کا یمنی از غرقہ در آب حیات × پس کسی تکلف کی حاجت نہین رہی پس ہرگاہ جسم عالم ظاہری سے مناسبت رکھتا ہے اور روح عالم باطنی سے مناسبت رکھتی ہے اسلیے جسم خشک (عنصری) کی سیر خشکی (عالم ظاہری) پر واقع ہوئی ہے اور سیر روحانی نے وسط دریا (باطن) مین قدم رکھا ہے (اور تم جو اب تک سیر باطنی سے محروم ہو اس سے یہ نہ سمجھنا کہ تمھاری روح مین اسکی صلاحیت نہین اور مضمون ؎ سیر جان پا در دل دریا نہاد × کا غلط ہے بلکہ وجہ اسکی یہ ہے کہ تم تمام عمر سیر ظاہری و تعلقات دنیوی مین رہے ہو تو ذرا خیال تو کرو کہ) جب تمام عمر خشکی (لذات دنیا مین) گذر گئی کبھی پہاڑ کبھی دریاے ظاہری کبھی جنگل مین مارے مارے پھرے تو چشمہ آب حیات (سیر باطن) کہان نصیب ہوگا اور موج دریای باطن کو چیرنا (عبور کرنا) کب میسر ہوگا (اسکے بعد خشکی اور تری جنکا اوپر تشبیہ مین ذکر تھا ان سے جو مراد ہے اسکو بتاتے ہین کہ) موج خاکی سے (جسکو اوپر خشکی سے تعبیر کیا ہے) یہی ہماری فہم و عقل دنیوی اور وہم و خیالات اور قوت فکریہ مراد ہے اور موج آبی سے (جسکو اوپر دریا سے تعبیر کیا ہے) احوال باطنی محو و سکر و فنا مراد ہے (پس یہی وہم و خیالات دنیوی حجاب ہے ان احوال باطنی کا چنانچہ آگے فرماتے ہین کہ) جبتک اس نشۂ دنیا مین مست رہوگے اور سکر باطنی سے دور رہوگے اور جبتک اس سے مست رہوگے اس جام باطنی سے نفور رہوگے (منجملہ ان تعلقات دنیویہ کے ظاہری کلام بھی ہے جسمین قلب کو ناسوت کیطرف زیادہ توجہ ہوتی ہے اسلیے) یہ ظاہری گفتگو بھی مثل غبار کے (حجاب) ہے ایک کافی مدت تک خاموشی اختیار کرو اور (قلب کیطرف) ہوش اور توجہ رکھو (یعنی تقلیل کلام و مراقبہ اختیار کرو)

ف محو اور سکر اور فنا یہ تینون اصطلاحی الفاظ ہین اور تین لفظ انکے متقابل ہین اثبات صحو بقاء یہ کل چھ الفاظ ہوے کہ چھ حالتون کے لیے موضوع ہین ان کے معنی مختصر طور پر تعلیم الدین سے نقل کرتا ہون۔

فصل فناء و بقاء مین فناء کی کئی قسمین ہین فناے افعال و اخلاق و صفات یعنے سالک کے برے

افعال واخلاق وصفات زائل ہوگئے اور بجائے اُنکے افعال واخلاق وصفات حمیدہ پیدا ہوگئے انکے پیدا ہونے کو بقاء کہتے ہین اس فناء مین فانی چیز واقع مین جاتی رہی تو یہ فناء واقعی ہے دوسری قسم فناءِ ذات وفناءِ خلق اسکے یہ معنی نہین کہ واقع مین سالک اور مخلوقات فناء ہوجاتے ہین بلکہ غلبہ شہود صفات وذاتِ حق کی وجہ سے سالک کو اپنے اور مخلوق کے وجود کا علم نہین رہتا تو یہ فناء علمی ہے واقعی اور حسی نہین جیسے کوئی غریب سا آدمی کسی شاہی دربار مین دفعۃً پہونچ جاوے بعض اوقات ہیبت کے مارے اس کو اپنے پرائے کی کچھ بھی خبر نہین رہتی اور واقع مین وہان سب موجود ہین پھر بعض اوقات اس فناء کا بھی علم نہین ہوتا جیسا سوتے مین اکثر اوقات یہ بھی خبر نہین ہوتی کہ مین سوتا ہون اسکو فناء الفناء کہتے ہین۔ اور بعض کی اصطلاح مین فناء الفناء بقاء کو کہتے یعنے وہ بیخودی جو فناء کہلاتی تھی جاتی رہی اور یہ شخص افاقہ مین آگیا اس لیے اسکو فناء الفناء کہا اور فناے صفات بشریہ کو قرب نوافل اور فناے ذات کو قرب فرائض بھی کہتے ہین فصل محو واثبات مین اسکے معنی قریب قریب معنی فناء وبقاء کے ہین اور وہی قسمین یہان بھی ہین فصل سُکر وصحو مین۔ انوار غیب کے غلبہ سے ظاہری وباطنی احکام مین امتیاز اٹھ جانا سُکر ہے اور اس امتیاز کا عود کر آنا صحو ہے غرض سُکر غیبت سے بڑھا ہوا ہے اسکے یہ معنی ہین کہ کوئی وارد قوی قلب پر آیا خواہ صفات خداوندی کا غلبہ ہوا یا کچھ ثواب وعذاب یاد آیا اور اسکے غلبہ سے حواس معطل ہوگئے اور ادھر کی خبر نہ رہی یہ غیبت ہے یعنی خلق سے اور جب ہوش آگیا حضور ہوگیا۔ اور کبھی اس غیبت کو حضور کہتے ہین یعنی حضور بحق الخ اور اشعار مذکورہ مین مراد فناء سے دوسری قسم ہے

مکر کردن مریدان با وزیر کہ خلوت را بشکن

جملہ گفتند اے حکیم رخنہ جو
این فریب واین جفا با ما مگو

ما اسیرانیم تاکے این فریب
بیدل وجانیم تاکے این عتیب

چون پذیرفتی تو مارا ز ابتدا
مرحمت کن ہمچنین تا انتہا

ضعف وعجز وفقر ما دانستۂ
درد ما را ہم دوا دانستۂ

یعنی سب مریدون نے وزیر کے جواب مین عرض کیا کہ اے حکیم رخنہ جو (یہ تحقیراً نہین کہا بلکہ مقصود یہ ہے کہ تمھاری خلوت باعث ہمارے رخنہ کا ہوگئی تو خلوت جوئی رخنہ جوئی ہوگئی غلبہ عشق مین ایسے الفاظ بے ادبی کے نکل جاتے ہین) ایسے فریب اور سنگدلی کی باتین ہم سے مت کرو (یعنی بے توجہی ہے ہم کو ثنا دوست یہ سب الفاظ غلبۂ عشق سے ہین جب تم نے ہم کو ابتدا سے قبول کیا ہے تو انتہا تک ہمارے ساتھ رحمت وشفقت کرتے رہو ہمارے ضعف وعجز واحتیاج کا حال تمکو معلوم ہے اور ہمارے درد (فراق) کی دوا (وصل وقرب) بھی جانتے ہو (پس خلوت چھوڑ کر ہماری خبر گیری کرو

چارپا را قدر طاقت بار نه ۔ بر ضعیفان قدر قوت کار نه

دانهٔ هر مرغ اندازهٔ وی ست ۔ طعمهٔ هر مرغ انجیرے کے ست

طفل را گر نان دهی بر جای شیر ۔ طفل مسکین را از آن نان مرده گیر

چونکه دندانها بر آرد بعد از آن ۔ هم بخود گردد دلش جویای نان

مرغ پر نارسته چون پران شود ۔ لقمهٔ هر گربهٔ دران شود

چون بر آرد پر بپرّد او بخود ۔ بے تکلف بے صفیر نیک و بد

(یہ سب مقولہ مولنٰنا کا ہے بطور انتقال کے قصہ سے طرف تعلیم کے جیسا مولنٰنا کا طریقہ مستمرہ ہے
ف ان تمثیلات کے ضمن مین مشائخ کیلیے ایک دستور العمل بتلانا منظور ہے کہ طالبونکو انکی استعداد سے زیادہ تعلیم کرنا
یا کوئی معاملہ کرنا یا بلا کمال کے خلافت دینا نہ چاہیے چنانچہ ایک تمثیل یہ ہیکہ چارپایہ پر اسکی طاقت کی قدر
بوجھ رکھنا چاہیے اسی طرح ضعیفون پر بھی انکی توت کے قدر کام ڈالنا چاہیے دوسری تمثیل یہ ہے کہ ہر مرغ کا دانہ
اور خوراک اسکے اندازہ کے موافق ہے ہر مرغ کی غذا انجیر کب ہو سکتی ہے تیسری تمثیل یہ ہے کہ اگر لڑکے کو
بجاے دودھ کے روٹی دینے لگو تو اس غریب کو اس روٹی کی بدولت مردہ ہی سمجھ رکھو ہان جب اسکے دانت نکل
آوینگے اسکے بعد اس کا دل خود روٹی کا خواہان ہونے لگے گا چوتھی تمثیل یہ ہے کہ جس پرندہ کے پر نہ جمے ہون اگر
وہ اڑنا شروع کرے تو یقیناً بلیونکا لقمہ بنے گا اور جب اسکے پر نکل آوین تو وہ خود بلا تکلف بلا احتیاج اسکے کہ کوئی
آدمی بھلا برا اسکو آواز دے اڑنے لگتا ہے اسی طرح جب مبتدی کے ساتھ منتہی کا سا معاملہ کیا جاویگا یا وہ
خود مستقل بننا چاہیگا جیسا کہ تمثیل چارم مین پران شود سے اشارہ معلوم ہوتا ہے تو وہ ضرور تباہ و ہلاک ہوگا کیونکہ ابتدا مین
اسکو ضرورت صحبت کی ہے جو بجاے شیر کے ہے البتہ جب اسکو بلا واسطہ فیض ہونے لگے اور مقام تمکین حاصل ہو جاوے
جو بجاے دانت نکلنے کے ہے اسوقت ترک صحبت کا مضائقہ نہین ورنہ پنجہ شیطان مین کہ مشابہ گربہ دران کے
ہے گرفتار ہوگا اور بوجہ ناتجربہ کاری عقبات سلوک کے خدا جانے کس جہالت ضلالت مین مبتلا ہو جاویگا کذا قال المحشی)

دیو را نطق تو خامش می کند ۔ گوش ما را گفت تو هش می کند

گوش ما هوش ست چون گویا توئی ۔ خشک ما بحر ست چون دریا توئی

با تو ما را خاک بهتر از فلک ۔ اے سماک از تو منور تا سمک

بے تو ما را بر فلک تاریکی ست ۔ با توای مه این فلک تاری کی ست

با تو بر خاک از فلک بردیم دست ۔ بر سما بے تو چون خاکیم پست

صورت رفعت بود افلاک را ۔ معنی رفعت روان پاک را

صورت رفعت برای جسمها ست ۔ جسمها در پیش معنی اسمها ست

الله الله یک نظر بر ما فگن ۔ لا تقنطنا فقد طال الحزن

(یہ اشعار زبانی مریدان وزیر کے ہین اور اس خطاب مین جواب بھی ہے وزیر کے مضامین کا جیسا جیسا اشارہ کردیا جاویگا لیکن جواب سے رد مقصود نہین بلکہ التجا و تضرع ہے خلاصہ یہ ہے کہ) دیو (نفس) کو تمہارا بولنا خاموش کرتا ہے (یعنے تمہارے کلام مین جو حقائق و معارف و تعلیمات و ارشادات ہوتے ہین اس سے خیالات نفسانی رفع ہوتے ہین تو آپ کا جو قول ہے ؎ مستے خاموش کن ہین ہوشدار الخ ہماری درخواست اسکے منافی نہین کیونکہ خاموشی مطلوب یہی خاموشی نفس ہے اور یہ آپ کے نطق سے حاصل ہے جسکے ہم خواہان ہین پس ہماری درخواست عین تعمیل آپ کے ارشاد کی ہے اور اسمین اشارہ ہے کہ کلام شیخ سے انوار و برکات حاصل ہوتے ہین بہت توجہ سے اسکو سننا چاہیے اور آپ جو کہتے ہین کہ ؎ پنبہ اندر گوش حس دون کنید الخ جسکا حاصل یہ ہے کہ گوش باطنی کو ہوشیار کرنا چاہیے تو ہم بھی یہی چاہتے ہین اسی لیے تو آپکے بولنے کے خواہان ہین کیونکہ) ہمارا گوش ہوش بنجاتا ہے جب آپ گویا ہوتے ہین (اور آپ جو کہتے ہین ؎ حس خشکی دید کز خشکی بزاد الخ جسمین خشکی سے تنفیر اور دریا کی ترغیب ہے تو ہم اسکے بھی مخالف نہین مگر یہ بھی آپکی ہی صحبت سے حاصل ہوگا کیونکہ) ہماری خشکی (صفات جسمانیہ) دریا (صفات روحانی) ہوجاتے ہین جب آپ دریاے افاضہ ہین (اور آپ جو کہتے ہین ؎ سیر باطن ہست بالاے سما الخ تو یہ دولت بھی آپ ہی کی صحبت مین میسر ہوگی کیونکہ) آپ کی معیت مین ہمارے واسطے خاک زمین بھی فلک سے بہتر ہے اور تم ایسے ہو کہ سماک سے سمک تک تم سے منور ہے اور بدون آپکی معیت کے خود اگر ہم فلک پر بھی پہونچ جاوین تو ہمارے لیے تاریکی ہے اور تمہاری معیت مین چونکہ تم مشابہ چاند کے ہو اس لیے۔ فلک کب تاریک ہوسکتا ہے (وجہ یہ کہ تمہارے پاس اگر زمین پر رہین تو تعلیم و تلقین و برکات صحبت کی بدولت انوار روحانی حاصل ہونگے جب تم سے دور ہوگئے گو فلک ظاہری پر پہونچ جاوین تو انوار روحانی سے بے بہرہ رہین گے کیونکہ رفعت مکانی کے لیے انوار روحانی لازم نہین چنانچہ کہتے ہین کہ) تمہاری صحبت مین تو خاک زمین پر رہ کر آسمان سے بڑھ جاوینگے اور بدون تمہارے آسمان پر رہ کر بھی مثل زمین کے پست ہوجاوینگے کیونکہ افلاک ظاہری کو تو صرف رفعت صوری ہی حاصل ہے اور روح کے لیے رفعتِ معنوی میسر ہے (جو تمہاری صحبت مین ملسکتی ہے) وجہ اس فرق کی یہ ہے کہ فلک تو جسم ہے اور اجسام کو رفعت صوری حاصل ہوتی ہے اور روح ایک امر معنوی ہے اور اجسام بمقابلہ معانی کے ایسی نسبت رکھتے ہین جیسے اسماے الفاظ کہ معانی کے مقابلہ مین غیر مقصود ہوتے ہین (اسی طرح اجسام غیر مقصود ہین اور ارواح مقصود پس غیر مقصود کے لیے رفعت کا ادنی درجہ مناسب ہے اور مقصود کیلیے اعلی درجہ مناسب ہے) خدا کیواسطے ہمپر ایک نگاہ ڈالدو اور ہمکو نا امید مت کرو کیونکہ غم بہت بڑھ گیا۔

جواب گفتن وزیر کہ خلوت را نمی شکنم

گفت حجت ہاے خود کوتہ کنید	پند را در جان و در دل رہ کنید

گر امینم متہم نبود امین	گر بگویم آسمان را من زمین
گر کمالم با کمال انکار چیست	ور نیم این زحمت و آزار چیست
من نخواہم شد ازین خلوت برون	زانکہ مشغولم باحوال درون

یعنی وزیر نے جواب دیا کہ بحث و حجت ختم کرو اور جو تم کو نصیحت کیجاتی ہے دل کے بجا پر اصرار نہ کرو اسکو جان و دل مین جگہ دو مختصر یہ کہ اگر مجکو امین اور اپنا خیر خواہ سمجھتے ہو تو امین پر تہمت و بدگمانی جائز نہین گو آسمان کو زمین کیون نہ بتلاؤن پس اگر مین تمہارے نزدیک کامل ہون تو اعتقاد کمال کے ساتھ انکار اور سوال جواب کیون ہے اور اگر مین کامل نہین ہون تو غیر کامل سے واسطہ کیا پھر اسقدر زحمت و آزار کیون ہے مین ہرگز اس خلوت سے باہر نہ نکلونگا کیونکہ احوال باطنی مین مشغول ہون۔

ف شعر ثانی مین اشارہ ہے کہ شیخ کامل جو جامع شریعت و طریقت و علم و عمل کا ہو اگر کوئی کام مرید کے فہم و قیاس سے خارج کرے یا کوئی کلام اس سے ایسا صادر ہو جاوے تو اس پر بدگمانی کرنا جائز نہین بلکہ اپنی فہم کا قصور سمجھے کہ اسکی کنہ اور حقیقت تک نہین پہونچے اور واقع مین وہ کلام خدا نہ ہوگا البتہ مرید کو کسی خلاف شرع امر کا حکم کرے تو جبتک اسکا موافق شرع ہونا سمجھ مین نہ آجاوے اسپر عمل جائز نہین حدیث مین ہے لَا طَاعَةَ لِمَخْلُوقٍ فِی مَعْصِیَةِ الْخَالِقِ لیکن اسکی خدمت مین انکار یا گستاخی یا اعتراض سے پیش نہ آوے بلکہ باادب عذر کردے اور اسکی کنہ دریافت کرنے کے لیے عرض کرے بعد اطمینان عمل کرے۔

لابہ کردن مریدان مر وزیر را و اعتراض مریدان بر خلوت وزیر

جملہ گفتند اے وزیر انکار نیست	گفت ما چون گفتن اغیار نیست
اشک دیدہ ہست از فراق تو دوان	آہ آہ ست از میان جان روان
طفل با دایہ نہ استیزد و لیک	گرید او گرچہ نہ بد داند نہ نیک

یعنی مریدون نے کہا کہ ہماری عرض بطور انکار کے نہین (جیسا آپ کہتے ہین کہ گر کمالم با کمال انکار چیست الخ) اور ہمارا کہنا اغیار کا سا کہنا نہین (کہ انکار پر محمول کیا جاسکے) اور دلیل اسکی یہ ہے کہ آپکے فراق سے آنسو چل رہے ہین اور دل سے ہائے ہائے جاری ہے (انکار مین یہ حالت کب ہوسکتی ہے) اسکی ایسی مثال ہے کہ بچہ جو روتا چلاتا ہے اسکو دایہ سے ستیزہ و مخالفت ہرگز مقصود نہین لیکن پھر بھی روتا ہے اگرچہ نیک و بد کو نہین جانتا پس جیسا اسکا رونا اضطراری اور طبعی ہے اسی طرح ہماری عرض معروض اضطراری ہے

ما چو چنگیم و تو زخمہ میزنی	زاری از ما نے تو زاری میکنی
ما چو نائیم و نوا در ما ز تست	ما چو کوہیم و صدا در ما ز تست

له رواه ... فی شرح السنة ... لا طاعة فی معصیة انما الطاعة فی المعروف متفق علیه کذا فی المشکوٰة صفحه ۳۱۹

ما چو شطرنجیم اندر بُرد و مات		بُرد و مات ما ز تست اے خوش صفات	

در زخمہ مضراب۔ نا سے نَے۔ بُرد و مات ہار جیت۔ یہان سے مولنٰنا مناجات کی طرف انتقال فرماتے ہین اور
اسمین مضامین توحید کے بیان کرتے ہین مناسبت ماقبل سے ظاہر ہے کہ وہان گریہ کا اضطراری غیر
اختیاری ہونا بیان کیا تھا یہان اسی مضمون کی تاکید و تقریر ہے کہ سب افعال مین ہماری یہی حالت ہے
کہ محض مجازی اختیار رکھتے ہین اور مختار حقیقی اور ہمارے سب افعال کے خالق حق تعالےٰ ہین اور
اس مرتبہ خلق مین ہم محض بے اختیار ہین چنانچہ فرماتے ہین کہ اے اللہ ہماری مثال چنگ کی سی ہے
اور آپ گویا مضراب ہا رہے ہین (یعنی خالق ہمارے افعال کے آپ ہی ہین تو گو ظاہر مین افعال ہم
سے سرزد ہو رہے ہین مگر مؤثر حقیقی واقع مین آپ ہی ہین تو اس بناء پر) ہم اگر زاری کرین تو وہ ہماری طرف
سے (حقیقۃً) نہین ہے بلکہ گویا آپ اس فعل کو کر رہے ہین (یعنی باعتبار مؤثر و خالق ہونے کے اور ہر چند یہ
حق تعالیٰ کی طرف حقیقۃً صرف خلق افعال کا منسوب ہے نہ صدور اسکا کہ وہ عبد کی طرف منسوب ہے، مگر بطور اسناد
الی السبب کے اس شعر مین زاری مے کنی کہدیا ہے جیسا ایک حدیث مین بھی وارد ہے کہ حق تعالیٰ کسی بندہ
سے قیامت مین پوچھین گے استطعمتک فلم تطعمنی یعنی مین نے تجھ سے کھانا مانگا تھا تو نے کھانا نہین دیا اسی طرح
پانی اور کپڑے کی نسبت ارشاد فرماوین گے تو بندہ عرض کریگا کہ آپ تو اس سے منزہ ہین اس کے
کیا معنی ارشاد ہوگا کہ تجھ سے ہمارے فلان بندہ نے کھانا یا پانی یا کپڑا مانگا تھا اگر تو اسکو دیتا تو مین تجھکو
ملتا الحدیث تو اس حدیث مین کھانا مانگنا کہ فعل عبد ہے حق تعالیٰ کیطرف بطور اسناد مجازی کے نسبت
کیا گیا اسی طرح قرآن مجید مین وارد ہے فاذا قرأناہ فاتبع قرآنہ اسمین قرأت جبرئیل علیہ السلام کو حق تعالیٰ کیطرف
نسبت کیا گیا اسی طرز پر مولنٰنا نے فرمایا ہے زاری میکنی) اب یہی مضمون دوسری مثال مین مذکور ہے کہ ہماری
مثال ایسی ہے جیسے نَے ہوتی ہے اور ہم مین جو آواز ہے وہ آپ کی جانب سے ہے جیسے نَے کی آواز نَے نواز
کیجانب سے ہے آگے تیسری مثال ہے کہ ہماری مثال پہاڑ کی سی ہے اور ہمارے اندر جو صدا پیدا ہوتی ہے
وہ آپکی طرف سے ہے جس طرح پہاڑ کی صدا بولنے والے کیطرف سے ہے (اور اسکا یہ مطلب نہین کہ ہمارے اندر
خدا کی آواز ہے کیونکہ مثال مین من کل الوجوہ تشبیہ نہین ہوا کرتی جیسا کہ شعر کیست ماہی چیست دریا در مثل الخ
کی شرح مین مفصل بیان کیا گیا ہے بلکہ صرف متاثر اور مؤثر ہونے مین تشبیہ ہے گو کیفیت تاثر و تاثیر مین تفاوت ہے)
آگے چوتھی مثال ہے کہ ہماری مثال شطرنج کی سی ہے کہ اسکے مہرون کی چال جسپر ہار جیت کا مدار ہے شاطر
کیجانب سے ہے اسی طرح ہماری ہار جیت یعنی وہ افعال جن سے ہم غالب آجاوین یا مغلوب ہوجاوین آپکی
جانب سے ہین (باعتبار موثر و خالق ہونے کے جیسا اوپر بھی کہا گیا ہے۔
ف مقصود مولنٰنا کا ان سب اشعار سے مراقبۂ توحید کی تعلیم ہے جسکا حاصل یہ ہے کہ اپنے اور تمام مخلوقات کے جمیع افعال و حرکات
و سکنات و تغیرات مین حق جل و علی شانہ کے موثر و خالق ہونے کا ہر وقت استحضار رکھے اور ہر چند یہ امر

داخل عقائد ہے مگر اعتقاد مین تصدیق اجمالی کافی ہے اور مراقبہ مین استحضار اور ہر جز پر تفصیلی توجہ زائد ہے کیفیت اضمحلال خلق کی اس کی بدولت پیدا ہوتی ہے اور شعب توحید سے یا ایک شعبہ ہے مگر محققان حال نے مطلقاً اہل زمانہ کو مراقبۂ توحید سے منع فرمایا ہے کیونکہ مسئلہ نازک ہے اور فہم ناقص اسلیے لغزش کا اندیشہ ہے کذا افاد مرشدیؒ اور یہ احقر عرض کرتا ہے کہ علاوہ نقصان فہم و قلت علم کے عشق و محبت الٰہی مین بھی کمی ہے ایسی حالت مین جب ہر شئے کو مستند الی الحق سمجھے گا اور وسائط و اسباب سے مطلق نظر اُٹھ جاویگی اور قلت محبت الٰہی سے بعض واقعات مین رضا و تسلیم مین کمی ہوگی تو وہ تنگی اور کدورت نعوذ باللہ حق جل و علیٰ شانہ کیطرف سے ہوگی اسوجہ سے جبتک کہ علم و فہم و عشق سب کامل نہون یہ مراقبہ ممنوع ہوگا فقہی قاعدہ بھی ہے کہ جس مستحب مین مفاسد کا اندیشہ ہو وہ مکروہ ہوجاتا ہے۔

ما کہ باشیم اے تو ما را جان جان	تا کہ ما باشیم با تو در میان
ما عدمہائیم و ہستی ہائے ما	تو وجودِ مطلقی فانی نما
ما ہمہ شیران و لے شیر علم	حملہ شان از باد باشد دمبدم
حملہ شان پیدا و ناپیدا است باد	آنکہ ناپیدا است ہرگز کم مباد

ہستی ہائے ما معطوف ہے فانی نما صفت وجود مطلق پیدا ظاہر اور ان کے اشعار مین جابجا لفظ ما آیا ہے ما چو چنگیم ما چو نائیم ما چو شطرنجیم - اب اس سے اضراب کر کے کہتے ہین کہ ہم کیا چیز ہین کہ آپ کے سامنے ہم پر لفظ ما صادق آوے کذا افاد مرشدیؒ (یعنی ہمارا وجود تو اتنا بھی نہین کہ ہم اپنے کو ہم کہہ سکین مقصود مبالغہ ہے اضمحلال وجود مین گویا وہ وجود ہی نہین بلکہ عدم ہے جیسا آگے فرماتے ہین کہ) ہم اور ہماری ہستی سب عدم ہین (گو ظاہر مین ہستی معلوم ہوتی ہے) اور آپ وجود مطلق (کامل) ہین مگر محسوس نہ ہونے کیوجہ سے) فانی نما ہین یعنی نظر حسی کی کتنی بڑی غلطی ہے کہ ہستی موہوم کو تو ہستی حقیقی سمجھتی ہے اور ہستی حقیقی کو موہوم اور خیالی سمجھتی ہے جیسا معاملات و خیالات سے مشاہدہ ہورہا ہے کہ اپنی ہستی پر جسقدر نظر ہے ہستی حق پر ہرگز نہین آگے اس مضمون کی مثال ہے کہ ہستی نیستی نما ہوجاوے اور نیستی ہستی نما ہوجاوے) ہماری ایسی مثال ہے جیسے شیر علم ہوتا ہے (پرچم پر تصویر بنا دیتے ہین کہ) ہوا چلنے سے حملہ کرتا ہوا معلوم ہوتا ہے تو حملہ تو نظر آتا ہے اور ہوا نظر نہین آتی (تو یہ حملہ نیست ہے اور ہست معلوم ہوتا ہے اور ہوا کہ محرک ہے ہست ہے اور نظر سے نیست معلوم ہوتی ہے اسی طرح ہماری ہستی اور افعال وجود واجب کے سامنے کالعدم ہین مگر محسوس و موجود معلوم ہوتے ہین اور حق تعالیٰ کا وجود اور مؤثریت موجود حقیقی ہین مگر اسکی طرف نظر نہین جاتی اسکے بعد اپنے لیے دعا کرتے ہین کہ) جو چیز نظر نہین آتی (یعنی مؤثریت حق تعالیٰ کی) وہ (ہمارے دل سے) کبھی کم ہو (یعنی خدا کرے حقیقت منکشف ہوجاوے اور صفات و افعال آئینہ کا مشاہدہ ہر وقت نصیب ہے کذا افاد مرشدیؒ

باد ما و بود ما از داد تست	ہستی ما جملہ از ایجاد تست

	لذت ہستی نمودی نیست را		عاشق خود کردہ بودی نیست را	

بادہو امسر اد الفاس - بود ہستی - داد عطا - عاشق تابع و مسخر یعنی ہماری سانس (حیات) اور ہماری ہستی وجود یہ سب آپکا عطیہ ہے (آگے اسکے عطیہ ہونے کا بیان ہے کہ) ہماری ہستی سب آپکی ایجاد کی ہوئی ہے (اسمین تصریح کردی کہ حق تعالی کیطرف جو اوپر کے اشعار مین اپنے افعال صفات کی نسبت کی ہے وہ نسبت خلق و ایجاد ہے جیسا و اسطہ فی الاثبات کی تحقیق مین بیان ہوچکا ہے) اور آپنے ایجاد کے بعد نیست (ممکن) کو ہستی (خیالی) کی لذت چکھادی (کہ اپنے وجود پر نظر کرکے خوش ہوتا ہے یہ تو نفسانی نعمت ہوئی) اور اس نیست (ممکن) کو اپنا عاشق بھی بنا لیا (یہ روحانی نعمت ہوئی کذا قال مرشدی) اور عشق و محبت کا مادہ سب کو عطا ہوا ہے بعض نے اسکو معطل کردیا ہے بعض نے اس سے کام لیا ہے اور ممکن ہے کہ یہ معنی ہون کہ عدم کو وجود دیدیا اور اسکو اپنا عاشق (تابع) بنا لیا کہ اسمین تصرف کرکے مبدل بہ وجود کردیا۔

ف توجیہ ثانی پر یہ اشکال ہوگا کہ اگر عدم سابق عدم محض ہے تو اسکے مسخر قدرت ہونے کے کیا معنی اور اگر وہ بعلت تعلق علم الٰہی کے عدم محض نہین ہے من وجہ وہ ثبوت کے ساتھ متصف ہے تو ایک شئے ممکن ثابت کا قدم لازم آتا ہے سو اصل مین تو یہ مسئلہ کشفی ہے عقول متوسطہ سے خارج ہے مگر ظاہر اً شق اول کو اختیار کرنا بہتر معلوم ہوتا ہے اور اس کے مقدور ہونے کے معنے یہ ہین کہ اسکی ضد پر قدرت ہے چونکہ قدرت متعلق ضدین سے ہوتی ہے ایک ضد کا مقدور ہونا مستلزم ہوگا دوسری ضد کے مقدور ہونے کو اور بعض نے شق ثانی اختیار کی ہے اور اس مرتبہ کو اعیان ثابتہ سے تعبیر کیا ہے اور اسکو صفت الٰہی کہا ہے تو ممکن کا قدم لازم نہین آیا مگر اسمین یہ اشکال ہے کہ وہ تصرفِ ایجاد کا محل نہین ہے نہ اسمین کوئی تغیر ہوا کیونکہ اسکی حقیقت علوم الٰہیہ ہین اور اللہ تعالٰے اپنی ذات وصفات مین تغیر سے منزہ ہین۔

	نقل و بادہ و جام خود را وا مگیر نقش با نقاش چون نیرو کند اندر اکرام و سخاے خود نگر لطف تو ناگفتہ ما مے شنود		لذت انعام خود را وا مگیر ور بگیری کیست جست و جو کند منگر اندر ما مکن در ما نظر ما نبودیم و تقاضا مان نبود	

(اوپر کہا تھا عاشق خود کردہ بودی نیست را جس سے نعمت عشق کا عطا فرمانا معلوم ہوا اب اسکی نسبت جناب باری مین عرض کرتے ہین کہ) اپنے انعام (نعمت عشق) کی لذت کو ہم سے سلب نہ کیجیے اور سامان عشق کو کہ نقل و بادہ و جام (و باطنی) ہے (مراد علوم و معارف و حالات باطنی ہین ہم سے واپس نہ لیجیے اور اگر آپ واپس لینا چاہین تو ایسا کون ہے جو نعوذ باللہ آپ سے مطالبہ کرسکے دکما قال اللہ تعالٰے لا یسئل عما یفعل وقال لا معقب لحکمہ کیونکہ ہم نقش ہین اور آپ نقاش ہین اور) نقاش کے ساتھ نقش کب زور و مقابلہ کرسکتا ہے (اور ہم اس نعمت کے استحقاق کا دعوے نہیں کرتے بلکہ اگر ہماری خطا اور قصور پر

نظر کیجاوے تو واقعی ہین ہم کسی طرح اس نعمت کے اہل نہین ہین مگر صرف آپکے فضل وکرم سے امید کرتے ہین تو ہم کو نہ دیکھیے اور ہماری حالت پر نظر نہ فرمائیے (ورنہ ہماری حالت تو بُری نکلے گی) اپنے اکرام وسخاوت کو دیکھیے (اور اسکے متوجہ ہونے کیلیے استحقاق کی ضرورت نہین چنانچہ) ہم پہلے بالکل نہ تھے نہ ہمارا تقاضا اور سوال) تھا کہ ہمکو فلان فلان نعمت دیجیے مگر آپکا لطف ہماری اَن کہی باتین سنتا تھا یعنے ہمارے بے مانگے وجود دیا اور جو چیزین ہمارے لیے مناسب دیکھین وہ دین انکو باتین کہدینا مجاز [illegible]

ف یہی معنی ہین اس قول کے جس چیز کو استعداد مقتضی تھی وہ عطا کی گئی اور اسکا یہ مطلب نہین کہ استعداد عطا کے لیے علت یا جزو علت ہے اور ہم استعداد کی وجہ سے مستحق ہوگئے تھے کیونکہ استعداد ایک امر عدمی ہے اسمین صلاحیت علت ہونے کی کب ہوسکتی ہے نہ ہمارا کوئی استحقاق تھا علت سب کی رحمت ومشیت حق تعالی کی ہے جس کے استحقاق کی کوئی علت نہین۔

نقش باشد پیش نقاش وقلم	عاجز وبستہ چو کودک در شکم
پیش قدرت خلق جملہ بارگہ	عاجزان چون پیش سوزن کارگہ
گاہ نقش دیو گہ آدم کند	گاہ نقش شادی وگہ غم کند
دست نے تا دست جنباند بدفع	نطق نے تا دم زند از ضر ونفع

یہ اشعار اس مصرع سے مرتبط ہین نقش با نقاش چون نیرو کند مطلب یہ کہ نقاش وقلم کے سامنے نقش محض عاجز اور مجبور رہتا ہے جس طرح ان کے پیٹ مین بچہ کہ کوئی اختیار وقدرت نہین رکھتا (اللہ تعالی اسکی جیسی صورت چاہین بنا دیوین ہو الذی یصورکم فی الارحام کیف یشاء) قدرت حق کے روبرو بارگاہ دنیا کی تمام مخلوق اسطرح عاجز ہین جسطرح سوزن کے سامنے کارگاہ (وہ ٹکڑا کپڑے کا جسپر سوزن سے بیل وبوٹہ بناتے ہین پس جسطرح سوزن مختلف نقوش بناتی ہے اسیطرح) قدرت حق کبھی شیطان کا نقش بناتی ہے کبھی آدم کا کبھی خوشی کا نقش طیار کرتی ہے کبھی غم کا (مخلوق کے پاس) نہ ہاتھ ہے کہ تصرف حق کے ہٹانے کو ہاتھ ہلا سکے نہ قوت نطق ہے کہ اپنے نفع وضرر کے بارہ مین ذرا دم مار سکے۔

تو ز قرآن باز خوان تفسیر بیت	گفت ایزد ما رمیت اذ رمیت
گر بپرانیم تیر آن کے ز ماست	ما کمان وتیر اندازش خداست

بیت جنس بیت مراد اشعار بالا متضمن توحید مطلب یہ کہ ہمارے اوپر کے ابیات کی تفسیر وتائید قرآن مین تلاش کرو کہ اللہ تعالی نے فرمایا ہے کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کفار کیطرف آپنے حقیقت مین کنکر نہین پھینکے جبکہ ظاہر مین پھینکے لیکن اللہ تعالی نے پھینکے تھے (یعنی خالق رمی کے آپ نہ تھے گو فاعل تھے اور اسیوجہ سے رمیت مین اس کا اثبات اسناد کیا گیا ہے بلکہ اللہ تعالی خالق تھے) پس اس آیت سے معلوم ہوا کہ اگر ہم تیر چلاوین تو وہ ہماری طرف سے نہین (باعتبار خالقیت کے) بلکہ ہم (مثل) کمان ہین اور تیرانداز

اللہ تعالی ہین (جیسے کمان آلہ ومحل صدور فعل ہوتا ہے اسی طرح ہم لوگ آلہ صدور فعل ہین اور جسطرح موثر تیر انداز ہے اسی طرح موثر حقیقی یعنی خالق صرف اللہ تعالی ہین اور یہی مضمون اوپر کے اشعار مین ہے پس قرآن مجید سے اسکی تائید ہو گئی اور ہر چند کہ اس آیت سے صرف رمی مین یہ حکم ثابت ہوا مگر چونکہ یہ سب افعال ممکنات کے باہم مساوی ومماثل ہین اسلیے سب مین یہ حکم بطور دلالۃ النص بالمساواۃ کے ثابت ہو جاویگا

ف ان اشعار مین مولنا نے حق تعالے کو فاعل (یعنے جاعل) اور عبد کو آلہ قرار دیا ہے اسکو اصطلاح صوفیہ مین قرب فرائض کہتے ہین اور ایک اعتبار سے اسکے عکس کا حکم کیا جاتا ہے یعنی بندہ کو فاعل اور حق تعالی کو آلہ کہا جاتا ہے اسکو قرب نوافل کہتے ہین چونکہ یہ دونون لفظ مجمل ہین اسلیے مختصر تفسیر عرض کرتا ہون جاننا چاہیے کہ جب بندہ ریاضت ومجاہدہ کرتا ہے تو اس کے صفات رذیلہ ودواعی شہوت وغضب زائل ہو جاتے ہین اور اسکے نفس مین ایک ملکۂ راسخہ حب مرضیات حق وبغض نامرضیات حق کا پیدا ہو جاتا ہے جس سے بلا تکلف اعمال حسنہ وافعال محمودہ صادر ہوتے ہین اور اعمال قبیحہ وافعال ذمیمہ قریب قریب معدوم ہو جاتے ہین ایسے شخص کی نسبت حدیث مین آیا ہے فاذا احببتہ کنت سمعہ الذی یسمع بہ وبصرہ الذی یبصر بہ ویدہ التی یبطش بہا ورجلہ التی یمشی بہا رواہ البخاری عن ابی ہریرہ رض یعنی اللہ تعالی فرماتا ہے کہ مین اسکے کان اور آنکھ اور ہاتھ پاؤن بنجاتا ہون اس کے ظاہری معنی مراد نہین ہین کہ عقلاً وشرعاً محال ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ چونکہ اسکے اعضاء وجوارح سے سب افعال میری مرضی کے موافق سرزد ہوتے ہین پس گویا مین ہی اسکے اعضاء بنجاتا ہون پس کلام تشبیہ وتمثیل پر محمول ہے چونکہ مجازاً اس حدیث مین حق تعالی کو آلہ اور عبد کو فاعل کہا گیا ہے کہ یسمع ویبصرہ وغیرہ کی اسناد عبد کیطرف ہے صوفیہ کرام نے اسی اطلاق کا اتباع کر کے یہ عنوان مقرر کیا ہے کہ بندہ فاعل اور حق تعالی آلہ بنجاوے اور چونکہ حدیث مین اس مرتبہ کا حصول تکثیر نوافل پر وارد ہے چنانچہ حدیث مذکور مین عبارت مذکورہ سے پہلے یہ جملہ ہے ومایزال عبدی یتقرب الی بالنوافل حتی احببتہ فاذا احببتہ الخ اور مجاہدہ وریاضت مین تکثیر نوافل لازم ہے خواہ نماز ہو یا روزہ یا کثرت مراقبات یا تقلیل شہوات اسلیے صوفیہ اتباعاً للحدیث اس مرتبہ کو قرب نوافل کہتے ہین اور چونکہ اسمین صفات وافعال رذیلہ کا ازالہ ہوا ہے اسلیے فناء صفات سے بھی تعبیر کرتے ہین دوسرا قرب اعلی درجہ کا ہے یعنی عبد کی ہستی ایسی مضمحل ہو جاوے کہ اپنے قدرت وارادہ حق کے روبرو ذوقی طور پر کالفانی وکالعدم جاننے لگے اور افعال واعمال مین بمنزلہ آلہ محضہ کے ہو جاوے اور حق تعالی کی موثریت مستقلہ پیش نظر ہو جاوے اس مرتبہ کو اس عنوان سے تعبیر کرتے ہین کہ حق فاعل ہو جاوے اور عبد آلہ بنجاوے اور چونکہ یہ اول سے اعلی ہے کیونکہ اول مین صرف فناء رذائل تھا فناء اختیار نہ تھا اور اسمین فناء اختیار ہے اس لیے اس سے اعلی ہوا اور حدیث مین تقرب بالفرائض کو تقرب بالنوافل سے اعلی وافضل کہا گیا ہے چنانچہ اسی حدیث کا

سب سے اول جزو یہ ہے وما تقرب الی عبدی بشئی احب الی مما افترضت علیہ اسلیے موافقۃ للحدیث صوفیہ اسکو قرب فرائض کہتے ہین اور چونکہ اسمین سالک کو اپنی صفات ذاتیہ قدرت و اختیار پر بھی نظر نہین رہتی اسلیے اسکو فنا ذات سے بھی تعبیر کرتے ہین

این نہ جبر این معنی جباری ست ۔ ذکر جباری برائے زاری ست
زاری ما شد دلیل اضطرار ۔ خجلت ما شد دلیل اختیار
گر نبودی اختیار این شرم چیست ۔ وین دریغ و خجلت و آزرم چیست
زجر استادان بشاگردان چرا ست ۔ خاطر از تدبیرہا گردان چرا ست

آزرم بمعنی صلح ف اوپر کے اشعار مین جو توحید کا ذکر تھا ان مین بعض اشعار مین تو امور تکوینیہ کا ذکر ہے جیسے نقش با نقاش الخ اسمین تو نفی اختیار عبد سے کوئی اشکال لازم نہین آتا اور بعض اشعار مین امور اختیاریہ کا ذکر ہے جیسے اکثر اشعار مین ۔ اس سے شاید کم فہمونکو شبہ واقع ہوجاتا کہ جب عبد سے اختیار کی نفی ہے تو مذہب جبر حق ہوگا ان اشعار مین اس اشکال کو دفع فرماتے ہین کہ (یہ جو ہم نے اوپر بیان کیا ہے یہ جبر نہین یعنی عبد سے بالکل نفی اختیار کی مقصود نہین اسکو جبر مذموم کہتے ہین) بلکہ جباری حق کے معنی ہین (یعنی مقصود یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اختیار کو ہمارے اختیار پر جبر و حکومت و غلبہ حاصل ہے گو ہمکو بھی کسیقدر اختیار حاصل ہو اس کو جبر محمود کہتے ہین اور انکی جباری (واستقلال اختیار) کا ذکر اسلیے کیا گیا ہے تاکہ ہم اپنے ضعف اختیار کو دیکھکر عجز وزاری اختیار کرین (اور واقع مین مذہب جبر صحیح نہین بلکہ حق توسط ہے درمیان جبر و قدر کے چنانچہ) ہمارا بعض اوقات عاجز ہوجانا دلیل اضطرار وبے اختیاری کی ہے جس کو اوپر بہت بسط سے بیان کردیا ہے اور بعض افعال ناشایستہ پر ہمارا خجل ہونا دلیل اختیار کی ہے کیونکہ اگر بالکل ہمکو اختیار نہو تو اسقدر شرم کیون آتی ہے اور حسرت اور خجالت کس لیے ہوتی ہے اسیطرح اگر اختیار نہین ہے تو شاگردونکو استاد زجر و توبیخ کیون کرتے ہین اور تدبیر مین خاطر پریشان کیون ہوتی ہے حاصل یہ کہ وجود اختیار کا ایسا بدیہی ہے کہ ہر وقت کے معاملات مین طبعاً اُس کا اثر اور مقتضا ظاہر ہوتا ہے

ور تو گوئی غافل است از جبر او ۔ ماہ حق پنہان شد اندر ابر او
ہست این را خوش جواب ار بشنوی ۔ بگذری از کفر و بر دین بگروے
حسرت و زاری کہ در بیماری ست ۔ وقت بیماری ہمہ بیداری ست
آن زمان کہ میشوی بیمار تو ۔ میکنی از جرم استغفار تو
مینماید بر تو زشتی گنہ ۔ میکنی نیت کہ باز آیم برہ
عہد و پیمان میکنی کہ بعد ازین ۔ جز کہ طاعت نبودم کار گزین
پس یقین گشت اینکہ بیماری ترا ۔ مے ببخشد ہوش و بیداری ترا

حق ا مرد ا ضمیر او جبر ابر کنایہ از جہل ۔ بگروی میل کنی گزین مختار و پسندیدہ حسرت مبتدا از ہمہ بیداری خبر ادیر جو شرم و خجلت سے نفی جبر و اثبات اختیار پر استدلال کیا گیا ہے اسپر ایک اشکال واقع ہوتا ہے ان اشعار مین

اس اشکال کی تقریر مع اسکے جواب کے مذکور ہے خلاصہ یہ ہے کہ اگر تم تقریر مذکور پر شبہ کرو کہ جس شخص کو افعال ناشائستہ پر شرم آتی ہے وہ بوجہ اختیار کے نہین بلکہ اسوجہ سے ہے کہ اسکو اپنے مجبور ہونیکی خبر نہین اور امر واقعی یعنی جبر جو مثل چاند کے واضح اور ثابت ہے اسکے ابر جہل مین نہان ہوگیا ہے تو اس کا ایک بڑا عمدہ جواب ہے اگر تم (غور سے) سنو اور کفر و ضلالت) کی باتون سے دور رہو اور دین (حق) پر مائل ہو (وہ جواب یہ ہے کہ بیماری مین جو حسرت و زاری ہوتی ہے وہ اس بیماری کے وقت مین بالکل بیداری (و آگاہی سے پیدا) ہوتی ہے جسوقت تم بیمار ہوتے ہو سب گناہون سے استغفار کرنے لگتے ہو اور گناہ کی زشتی و خرابی تمکو نظر آنے لگتی ہے اور یہ پختہ ارادہ کرتے ہو کہ اب راہ پر آجاؤنگا اور یہ عہد و پیمان کرنے لگتے ہو کہ اسکے بعد بجز طاعت اور کوئی کام پسند نہ ہوگا پس یقیناً ثابت ہوا کہ بیماری تجھکو ہوشیاری و بیداری بخشتی ہے (حاصل جواب کا یہ ہے کہ اول دو مقدمے ثابت و ظاہر ہین اول یہ کہ بیماری مین انسان کی جہالت اور غلطی دفع ہو جاتی ہے جسسے کہ بری بات کو بری سمجھنے لگتا ہے دوسرا مقدمہ یہ کہ بیماری مین توبہ کرتا ہے پس اگر برے افعال پر شرمانا بوجہ جہل و بیخبری کے ہوتا ہے جیسا سائل نے شبہ کیا ہے تو بیماری مین تو وہ جہل جاتا رہا پھر کیون شرماتا ہے توبہ کرتا ہے پس باوجود زوال جہل کے شرم و معذرت کرنا صاف دلیل ہے کہ واقع مین انسان کے لیے اختیار حاصل ہے کہ ثبوت اختیار کا بدیہی ہے اور یہ سب تقریرین تنبیہات ہین دلائل نہین ہین پس یہ مقدمات محتاج اثبات نہین -

پس بدان این اصل را اے اصل جو — هر کرا درد است او بردست بو

هر که او بیدارتر پر دردتر — هر که او آگاه‌تر رخ زردتر

(یہ دونون شعر جملۂ معترضہ ہین چونکہ اوپر درد جسمانی کا موجب آگاہی ہونا بیان کیا ہے اس مناسبت سے درد دل کی خوبی بیان کرنے لگے فرماتے ہین کہ اس قاعدہ کلیہ کو سمجھ لو کہ جسکو درد محبت ہوگا اسکو محبوب کا سراغ بلجاویگا اور جو شخص زیادہ بیدار (بحق) ہوگا محبت سے وہی زیادہ پر ہوگا اور جو زیادہ آگاہ (بحق) ہوگا وہی زیادہ رخ زرد (عاشق) ہوگا (حاصل یہ کہ محبت سے وصال محبوب میسر ہوتا ہے جیسا حدیث مین ہے مَن تَقَرَّبَ اِلَیَّ شِبْرًا تَقَرَّبْتُ اِلَیْهِ ذِرَاعًا الحدیث اور حدیث ہے اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ)

گر ز جبرش آگهی زاریت کو — بینش زنجیر جباریت کو

بستہ در زنجیر چون شادی کند — کے اسیر حبس آزادی کند

در تو می بینی که پایت بستہ اند — بر تو سرهنگان شہ بنشستہ اند

پس تو سرهنگی مکن با عاجزان — زانکه نبود طبع و خوی عاجز آن

چون تو جبر او نمی بینی مگو — ور همی بینی نشان دید کو

سرہنگی زور و ظلم - عاجزان اول جمع عاجز - عاجز آن ثانی مرکب از لفظ عاجز و آن اسم اشارہ دہیان سے عود ہے مضمون تحقیق مسئلہ جبر و قدر کیطرف اشکال مذکور کا پہلا جواب تحقیقی تھا یہ دوسرا جواب الزامی ہے

خلاصہ یہ ہے کہ) اگر تم جبر (وحکومت خداوندی) سے آگاہ ہو (جیسا دعوی کیا ہے کہ واقع مین انسان مجبور حکم آلہی ہے اور بالکل مختار نہین) تو زاری اور عاجزی تمہاری کہان ہے اور زنجیر جباری حق کیساتھ جو تمہاری بندش ومعرفت متعلق ہوتی ہے وہ (یعنی اسکی علامت) کہان ہے (یعنی ہر شئی کو اسکے آثار لازم ہوتے ہین اعتقاد جبر کے لوازم مین سے یہ ہے کہ کسی بات مین اپنا زور نہ چلاوے بلکہ اپنے کو زار و نزار وعاجز ومجبور سمجھے پھر کیا وجہ کہ باوجود اس اعتقاد کے تمہاری عاجزی کہین نظر نہین آتی اور حکم خداوندی کے روبرو اپنے اختیارات کو معطل نہین کرتے بلکہ لوگون پر زور وظلم کرتے ہو معلوم ہوا کہ تمہارا دل عقیدہ جبر کو قبول نہین کرتا پھر زبان سے دعوی جبر کا کیون کرتے ہو اور کیون اعتراض کرتے ہو آگے اسی کا تتمہ ہے چنانچہ فرماتے ہین کہ جو شخص زنجیر مین بندھا ہوتا ہے (جیسے تم اپنے کو مقید جباری حق سمجھ رہے ہو) وہ خوشی کب کرتا ہے (جیسے تم خوشیان کر رہے ہو) اور جو اسیر حبس ہوتا ہے وہ آزادی کب کرتا ہے اگر واقعی تمہارا اعتقاد ہے کہ تمہارا پاؤن (اختیار) باندھ رکھا ہے (زنجیر جباری مین) اور تم پر بادشاہ (حق تعالی) کے سرہنگ قضا وقدر مسلط ہوے بیٹھے ہین تو تم عاجزون کے ساتھ زور وظلم مت کیا کرو کیونکہ عاجزون اور بیچارون کی یہ خصلت اور عادت نہین ہوتی (حاصل یہ کہ دو حال سے خالی نہین یا تو جبر کے معتقد ہو یا نہین ہو) اگر اسکے جبر کے معتقد نہین ہو تو اس کا دعوے مت کرو اور زبان سے مت کہو اور اگر معتقد ہو تو اسکے آثار (عجز وبیچارگی) کہان ہین دکھلاؤ۔

در هر آن کاری که میلست بدان	قدرت خود را همی بینی عیان
در هر آن کاری که میلت نیست وخواست	خویش را جبری کنی کین از خداست

(اسمین بیان ہے تلبیس نفس معترض کا کہ جبر کا صرف بہانہ ہے حقیقت مین غرض اصلی اتباع ہوا ہے) جس کام مین تمکو رغبت ہوتی ہے اپنی قدرت کا مشاہدہ کرنے لگتے ہو (اور جبر سے دست بردار ہو جاتے ہو) اور جس کام مین رغبت اور خواہش نہین ہوتی اپنے کو جبری بنالیتے ہو کہ یہ خدا تعالی کی طرف سے ہے (ہمارے اختیار سے خارج ہے اگر سچ مچ جبر کا اعتقاد ہے تو مرغوب چیزونکی تحصیل مین اختیار اور قدرت سے کیون کام لیتے ہو اس سے معلوم ہوا کہ دعوے جبر محض بہانہ نفس ہے)

انبیا در کار دنیا جبری اند	کافران در کار عقبی جبری اند
انبیا را کار عقبی اختیار	کافران را کار دنیا اختیار
زانکه هر مرغی بسوی جنس خویش	میرود او در پس و جان پیش پیش
کافران چون جنس سجین آمدند	سجن دنیا را خوش آیین آمدند
انبیا چون جنس علیین بدند	سوی علیین بجان و دل شدند
این سخن پایان ندارد لیک ما	باز گوییم آن تمامی قصه را

(سجین دفتر فہرست اشقیا ، علیین دفتر فہرست سعدا ، مراد دریجا دفتر کہ دوزخ وبہشت ست مجازاً

خوش آئین وصف ترکیبی ہے اے ہمہ عادات دنیارا پسند کنندہ اوپر بیان کیا تھا کہ لوگ اپنے مطلب کو کبھی جبری بنجاتے ہین اور کبھی مختار ہوجاتے ہین اس سے معلوم ہوا کہ تسلیم دونون کو کرتے ہین جیسا کہ واقع مین دونون کا وجود حق ہے اب مشورہ دیتے ہین کہ کس موقع پر جبر کو غلبہ دینا مناسب ہے کہ غلو فی الاسباب کو ترک کردین اور کس مقام پر اختیار کو ترجیح دینا بہتر ہے کہ خوب اسباب مین سعی کیجاوے اور اسکے متعلق مختلف عادات کا اظہار فرماتے ہین کہ (انبیا علیہم السلام تو کار دنیا مین جبری (اور تارک اسباب ہین) اور کفار کار عقبی مین جبری اور تارک اسباب ہین) انبیاء کو کار عقبیٰ اختیار ہوا ہے (کہ اسکے اسباب مین سعی کرتے ہین) اور کفار کو کار دنیا اختیار ہوا ہے (کہ اسکے اسباب مین سعی کرتے ہین) وجہ اسکی یہ ہے کہ ہر پرندہ اپنی جنس کیطرف چلا کرتا ہے وہ پیچھے پیچھے ہوتا ہے اور اسکی جان یعنے خواہش و رغبت آگے آگے ہوتی ہے پس کفار چونکہ دوزخ کی جنس (یعنے اسکے مناسب تھے) اسلیے زندان دنیا کے طریقون کو پسند کرنے لگے (اور طالب دنیا ہوئے جس کا انجام جہنم ہے) اور انبیا چونکہ بہشت کی جنس (یعنے اسکے لائق تھے) اس لیے بہشت کیطرف جان ودل سے متوجہ ہوئے (اور راغب کار عقبیٰ ہوئے جسکا انجام بہشت ہے) اب آگے قصہ کیطرف رجوع فرماتے ہین کہ اس مضمون کا تو کہین انتہا ہی نہین ہم اس قصہ کا تتمہ بیان کیے دیتے ہین

نومید کردن وزیر مریدان را از رفض خلوت

آن وزیر از اندرون آواز داد	کاے مریدان از من این معلوم باد
کہ مرا عیسے چنین پیغام داد	کز ہمہ خویشان و یاران باش باد
روے در دیوار کن تنہا نشین	وز وجود خویش ہم خلوت گزین
بعد ازین دستوری گفتار نیست	بعد ازین با گفتگویم کار نیست
تا بزیر چرخ ناری چون حطب	من نسوزم در عنا و در عطب
پہلوی عیسے نشینم بعد ازین	بر فراز آسمان چارمین

اس وزیر نے حجرہ کے اندر سے پکار کر کہا کہ اے مرید و میری طرف سے جان لو کہ مجھکو حضرت عیسی علیہ السلام نے پیغام دیا ہے کہ تمام اقارب واحباب سے علیحدہ ہوجا دیوار کیطرف منہ کرکے (یعنی کسی کی طرف توجہ مت کر) اور تنہا بیٹھ جا اور اپنی ہستی سے بھی علیحدگی اختیار کرلے (یعنے مرجا) اب آگے کہنے کی اجازت نہین اور اسکے بعد مجکو گفتگو سے کچھ سروکار نہین اب سب کو رخصت کرتا ہون اور مرتا ہون اور چوتھے آسمان (یعنے علیہ السلام کے پاس) سامان دہستی) لیے جاتا ہون کب تک کرہ ناری کے نیچے (دنیا مین) مشقت ودماندگی (تعلقات غیر اللہ) مین ایندہن کیطرح جلتا رہون (یعنے مرکر اس عذاب تعلق دنیوی سے نجات پاؤن اور حضرت عیسی علیہ السلام کے پاس جاکر بیٹھ جاؤن چوتھے آسمان کے اوپر۔

ف حدیثوں مین حضرت عیسٰے علیہ السلام کا دوسرے آسمان پر ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات ہونا ثابت ہے آسمان چہارم پر ہونے کی کوئی دلیل نہین پس مولنا نے یا تو بنائے علے المشہور بین الشعراء فرما دیا یا آسمان سے مراد مطلق کرہ لیا جاوے تو ہم لوگ جو کرہ زمین پر بستے ہین ہمارے اوپر اول کرہ ہوا ہے دوسرا کرہ ناری جس کو ان اشعار مین چرخ ناری کہا ہے تیسرا کرہ آسمان اول چوتھا کرہ آسمان دوم اس توجیہ کے اعتبار سے چوتھے آسمان پر کہہ سکتے ہین۔

ولی عہد ساختن وزیر ہر یک امیر را جُدا جُدا

وانگہانی ہر امیرے را بخواند ‖ یک بیک تنہا بہر یک حرف راند

گفت ہر یک را بدین عیسوی ‖ نائب حق و خلیفہ من توئے

وان امیران دگر اتباع او ‖ کرد عیسٰے جملہ را اشیاع تو

ہر امیرے کو کشد گردن بگیر ‖ یا بکش یا خود ہمیدارش اسیر

لیک تا من زندہ ام این را مگو ‖ تا نمیرم این ریاست را مجو

تا نمیرم من تو این پیدا مکن ‖ دعوے شاہی و استیلا مکن

اینک این طومار و احکام مسیح ‖ یک بیک برخوان تو برامت فصیح

یعنی اسوقت خلوت مین اُس نے بارہ سرداروں مین سے ہر ایک کو الگ الگ بلا کر اس سے گفتگو کی اور یہ کہا کہ دین عیسوی مین نائب حق اور میرا خلیفہ صرف تو ہے اور دوسرے جتنے سردار ہین وہ سب تیرے تابع ہین حضرت عیسٰی علیہ السلام نے ان سب کو تیرا تابع بنا دیا ہے پس اگر ان مین سے کوئی امیر گردن کشی کرے اسکو گرفتار کر لینا خواہ قتل کر دینا یا اُسکو پا بزنجیر رکھنا لیکن جب تک مین زندہ ہون یہ راز کسی سے مت کہنا جب تک مین مر نہ جاؤن اس ریاست کی فکر مت کرنا ورنہ دوسرے امرا مجکو تنگ کرینگے کہ ہمکو خلافت کیون نہ دی یہ طومار اور احکام مسیح کے موجود ہین انکو امت عیسوی پر مفصل طور پر پڑھکر سنایا کرنا۔

ہر امیرے را چنین گفت او جدا ‖ نیست نائب جز تو در دین خدا

ہر یکے را کرد او یک یک عزیز ‖ ہر چہ او را گفت این را گفت نیز

ہر یکے را او یکے طومار داد ‖ ہر یکے ضد دگر بود المراد

متن آن طومارہا بد مختلف ‖ ہمچو شکل حرفہا یا تا الف

حکم این طومار ضد حکم آن ‖ پیش ازین کردیم این ضد را بیان

ضد ہمدیگر ز پایان تا بسر ‖ شرح دادستیم این را اے پسر

یعنے ہر امیر کو جُدا جُدا بلا کر یہی مضمون کہدیا کہ دین الٰہی مین بجز تیرے اور کوئی میرا نائب نہین اور ہر ایک کو

جدا جدا معز ز دیہ خلافت نام بنایا جو ایک سے کہا وہی دوسرے سے بھی کہا اور ہر ایک کو ایک طومار دیدیا اور ہر طومار دوسرے کے خلاف تھا تمام طوماروں کے مضامین اسطرح باہم مختلف تھے جسطرح حروف تہجی کی شکلین باہم مختلف ہوتی ہین اور ہر ایک کے احکام دوسرے احکام کے ضد اور خلاف تھے جیسا ہم اسکے قبل اس کا بیان بھی کر چکے ہین (اس سرخی مین تخلیط وزیر الخ ہر طومار دوسرے کا سراسر مخالف تھا جیسا ہم شرح کر چکے ہین۔

کشتن وزیر خویش را در خلوت

بعد ازان چل روز دیگر در ببست	خویش را کشت از وجود خود برست
چونکہ خلق از مرگ او آگاہ شد	بر سر گورش قیامت گاہ شد
خلق چندان جمع شد بر گور او	موکنان جامہ دران در شور او
کان عدد را ہم خدا داند شمرد	از عرب وز ترک و ز رومی و کرد
خاک او کردند بر سر ہای خویش	درد او دیدند درمان ہای خویش
آن خلائق بر سر گورش مہے	کردہ خون را از دو چشم خود رہے
جملہ از درد فراقش در فغان	ہم شہان وہم مہان وہم کہان

کرد قومی معروف۔ خویش اول۔ یعنی خود و خویش ثانی بمعنے خویش و خوب از فرہنگ جہانگیری پس لفظ خویش خود قافیہ است ردیف نیست فلا اشکال۔ مہ یک ماہ۔ خون را برلے خون رہے یائے مجہول ایداز دو چشم بیابان مقدم آن یعنے اسکے بعد اور چالیس روز خلوت گاہ کا دروازہ بند رکھا پھر خودکشی کرلی اور اپنے وجود سے خلاصی حاصل کی جب لوگ اسکے مرنے سے مطلع ہوئے تو اسکے گور پر قیامت گاہ بنگئی اسکی قبر پر بال نوچتے کپڑا پھاڑتے شور کرتے اسقدر لوگ جمع ہوئے کہ انکا عدد خداوتعالی ہی شمار کرنا جانتے ہین عرب بھی ترک بھی رومی بھی۔ کرد بھی۔ اسکے خاک گور کو اٹھا اٹھا کر اپنے سر پر ڈالتے تھے اور اس کے درد وغم کو عمدہ علاج سمجھتے تھے۔ (کیونکہ محبوب کیلئے تکلیف برداشت کرنا بھی راحت ہے) غرض ان لوگون نے اس کی گور پر ایک ماہ تک اپنی آنکھون کو خون کا راستہ بنا رکھا تھا اور اس کے درد فراق سے سب آہ وفغان مین مشغول تھے اہل حکومت بھی بڑے بھی چھوٹے بھی۔

طلب کردن امت عیسی علیہ السلام کہ ولیعہد از شما کدام است

بعد ماہے خلق گفتند اے مہان	از امیران کیست بر جایش نشان
تا بجائے او شناسیمش امام	تا کہ کار ما ازو گردد تمام

دست در دامان و دست او زنیم	سر ہمہ بر اختیار او نہیم
چونکہ شد خورشید و مارا کرد داغ	چارہ نبود بر مقامش از چراغ
چونکہ شد از پیش دیدہ وصل یار	نائبے باید ازو ماند یادگار
چونکہ گل بگذشت و گلشن شد خراب	بوئے گل را از کہ جوئیم از گلاب

یعنے بعد ایک ماہ کے لوگون نے مشورہ کیا کہ ان بارہ امیرون مین سے اُس وزیر کی جگہ کسکو بیٹھنا چاہیے تاکہ بجائے اُسکے اُس خلیفہ کو امام و پیشوا سمجھین اور کار دین کی اُس سے تکمیل ہو اور اسکے دست و دامان سے تمسک کرین اور ہم سب اسکی تجویز پر سر تسلیم خم کرین کیونکہ جب آفتاب چلا گیا اور ہم کو سوختہ کر گیا تو اسکی جگہ چراغ ہونا ضروری ہے اسی طرح جب آنکھون کے سامنے سے محبوب (مرشد) کا قرب اُٹھ گیا تو کوئی نائب اس کا یادگار رہنا اسے لیے ضرور چاہیے جسطرح مثلاً فصل گل گذر گئی اور باغ ویران ہو گیا اب بوئے گل کو صرف گلاب سے حاصل کر سکتے ہین - ان سب مثالون سے مقصود یہ ہے کہ جب اصل نہ مل سکے تو خلیفہ ہی سے فیض حاصل کرنا چاہیے -

چون خدا اندر نیاید در عیان	نائب حق اند این پیغمبران
نے غلط گفتم کہ نائب با منوب	گر دو پنداری قبیح آید نہ خوب
نے دو باشد تا توئی صورت پرست	پیش او یک گشت کز صورت برست

(منوب یعنی منوب عنہ و لفظ نے در ہر دو شعر کلمۂ نفی است برائے اضراب از ما قبل - یہان سے انتقال ہے دوسرے مضمون کی طرف بمناسبت مضمون سابق کے کہ اصل نہ ملنے کے وقت خلیفہ کی ضرورت ہے فرماتے ہین کہ اسیطرح اللہ تعالیٰ معائنہ خلق مین نہین آتے اس لیے یہ حضرات انبیاء علیہم السلام حق تعالیٰ کے نائب تجاویز گئے ہین (تاکہ ان سے فیوض حاصل کرین اب کہنے سے شبہ ہوا کہ نائب اور منوب عنہ تو الگ الگ ہوتے ہین تو انبیاء اور حق تعالیٰ بھی بالکل غیر ہونگے اس لیے اس سے اضراب کرکے فرماتے ہین کہ نہین مین نے (نائب) غلط کہدیا کیونکہ (ایسے) نائب کو منوب عنہ (حق تعالیٰ) کے ساتھ اگر غیر اور جدا سمجھو تو امر قبیح ہے خوب نہین (اب اس سے شبہ پڑا کہ شاید انمین بالکل اتحاد ہوگا اور کسی وجہ سے بھی غیریت نہ ہوگی اسلیے اس سے بھی اضراب فرماتے ہین) کہ نہین (دو اور جدا ہونیکو بالکل غلط نہین کہتا بلکہ اسمین تفصیل یہ ہے کہ) جبتک صورت پرستی مین رہو (یعنے وجود ظاہری کو دیکھو) تو واقع مین دو ہین (اور باہم غیر ہین) اور جو شخص صورت سے چھوٹ گیا اور وجود ظاہری سے قطع نظر کرلی اور صرف وجود حقیقی پر نظر رکھی) اس کے نزدیک ایک وجود ہے خلاصہ یہ کہ موجود حقیقی واجب تو صرف حق جل وعلا شانہ ہین اور واحد ہین اور اس مرتبہ وجود حقیقی واجب مین کوئی چیز موجود نہین کیونکہ سب ممکنات ہین موصوف بالوجوب کوئی نہین اور اگر موجود ظاہری کے مرتبہ مین دیکھا جاوے تو جن چیزونکو اللہ تعالے نے ایجاد فرمایا ہے وہ سب موجود ہین یہ مطلب ہے مرتبہ صورت مین

وجود ظاہری مین تعدد و تغایر کے حکم کرنے کا اور مرتبۂ معنے و حقیقت یعنی وجود واجبی مین وحدت کے حکم کرنے کا چنانچہ مسئلہ توحید سے بمختلف تقریرات و عنوانات سے گذر چکا ہے اسکی تفصیل معلوم ہوسکتی ہے۔

چون بصورت بنگری چشم تو دوست — تو بنورش در نگر کان یک تو است
لاجرم چون بر یکے افتد نظر — آن یکے بینی دو ناید در بصر
نور ہر دو چشم نتوان فرق کرد — چونکہ در نورش نظر انداخت مرد
دہ چراغ ار حاضر آید در مکان — ہر یکے باشد بصورت غیر آن
فرق نتوان کرد نور ہر یکے — چون بنورش روی آری بے شکے
اُطلب المعنی من الفرقان و قل — لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُسُل
گر تو صد سیب و صد آبی بشمری — صد نماید یک بود چون بفشری
در معانی قسمت و اعداد نیست — در معانی تجزیہ و افراد نیست

یہ سب تمثیلات ہین اُوپر کے مضمون کی یعنے دو چیزون مین من وجہ اتحاد اور من وجہ تغایر ہونے کی (تمثیل اول) اگر ظاہری صورت کو دیکھو تو آنکھین دو ہین اور اگر اسکے (مقصود) کو دیکھو تو وہ ایک ہے (اس اعتبار سے ایک ہونے مین کوئی خفا یا شبہ نہ تھا مگر تقریب فہم کے لیے اسکے ایک ہونے کا ایک اثر بیان فرماتے ہین کہ) نور کے ایک ہی ہونے کا یہ اثر ہے کہ جب کسی چیز کو دیکھو تو وہ ایک ہی نظر آتی ہے دو نظر نہین آتی اسوجہ سے دونون آنکھونکے نور مین بھی کوئی فرق نہین کرسکتا (کہ ایک اس آنکھ کے نور سے نظر آتی ہو اور وہ اُس آنکھ کے نور سے) جبکہ اسکے نور مین کوئی شخص نظر و فکر کرنا چاہے (تمثیل دوم) اگر کسی مکان مین دس چراغ لا رکھو تو ظاہر مین ہر چراغ دوسرے کا غیر ہے مگر ہر ایک کی روشنی مین جدا جدا تمیز نہین ہوسکتی جب اسکے نور کی طرف توجہ کرنے لگو (یعنے نہین کہہ سکتے کہ اتنی مقدار یا اتنی مسافت تک فلان چراغ کا نور ہے اور اسقدر فلانے کا) تلاش کرو اس مضمون کو قرآن مجید سے (یعنی اسکی تائید کو) اور یہ آیت پڑھو لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ یعنے ہم نہین تفریق کرتے کسی مین اللہ تعالی کے رسولون مین سے (کہ کسی کو مانین اور کسی کو نہ مانین وجہ تائید ظاہر ہے کیونکہ اس سے معلوم ہوا کہ نفس رسالت سب مین مشترک ہے جو کہ وصف مقصود ہے اسی لیے کسی کی تصدیق کسی کی تکذیب ناجائز ہے اسی طرح تمثیلات مذکورہ مین وصف مقصود نور ہے مشترک ہے) (تمثیل سوم) اگر تم سو سیب اور سو آبی یعنی بہی لیکر شمار کرنے لگو تو سو معلوم ہونگے اور جب سب کو نچوڑ لو سب ایک ہوجاویگی (اور تمائز مرتفع ہوجاویگا) ان تمثیلات سے یہ مقصود نہین کہ ان ہی مثالون کی سی نسبت اللہ تعالی مین اور مخلوقات مین ہے تعالی اللہ عن ذلک علوا کبیرا بلکہ مطلب صرف یہ ہے کہ جیسے ان مثالون مین مقصود بالعرض متعدد ہے اور مقصود حقیقی ایک ہے اسی طرح موجود غیر حقیقی متعدد ہے اور موجود واجب حقیقی ایک ہے پس وحدت موجود کو وحدت مقصود سے تشبیہ دینا منظور ہے اور تشبیہ من کل الوجوہ نہین ہے جیسا اوپر ایک مقام پر اسکی خوب تحقیق گذر چکی ہے

پس تمثیلات مذکورہ سے معلوم ہوا کہ معانی مین قسمت اور عدد اور اجزا اور افراد نہین (کیونکہ یہ سب مقتضی کثرت کو ہین) اور معانی مقصودہ مین محض وحدت ہے جیسا اوپر بیان ہوا پھران امور کی گنجائش کہان قسمت کم متصل مین ہوتی ہے عدد کم منفصل مین ہوتا ہے۔ اجزا پر کل کا صادق آنا ضروری نہین بلکہ اجزاء خارجیہ مین صحیح بھی نہین۔ افراد پر کلی کا صادق آنا ضرور ہے یہ فرق ان مفہومات مین ہے۔

اتحاد یار با یاران خوش است	پاے معنی گیر صورت سرکش است
صورت سرکش گدازان کن برنج	تا ببینی زیر او وحدت چو گنج
ور تو نگدازی عنایتہاے او	خود گدازد ای دلم مولاے او
او نماید ہم بدلہا خویش را	او بدوزد خرقۂ درویش را

اتحاد اتصال و تعلق - یار مطلوب و طالب مراد معنی - رنج ریاضت - مولا غلام - ہم براے حصر - خرقہ مراد قلب پارہ پارہ از عشق - دوختن مراد جمعیت بخشیدن یعنی جب ثابت ہو گیا کہ مقصود و مطلوب اصلی معنی یعنی حقیقت واحد حق تعالی ہے اور صورت یعنی موجودات ظاہری غیر حقیقی اُسکا حجاب ہے اور ہم تعلق طالبونکو مطلوب کے ساتھ رکھنا پسندیدہ و زیبا ہے (اور مطلوب حقیقت واحد ہے) تو تم معنی (حقیقت حق) کا اتباع کرو (اور اُسکو تلاش کرو) کیونکہ صورت (موجودات ظاہری) تو اتحاد سے سرکشی کرتی ہے (اور اس مین وارد ہونے کی قابلیت نہین کیونکہ تعدد و تغایر اسکے لیے لازم ہے اسی لیے وہ حجاب ہے) جب صورت کا یہ حال ہے تو اُسکو گداختہ کرو وریاضت سے (یعنے حق تعالی کے ساتھ ایسی مشغولی پیدا کرو کہ موجودات ظاہری نظر سے اُٹھ جاوین یہی مطلب ہے گداختہ اور فنا کرنے کا جیسا اقسام فنا مین بیان ہو چکا ہے) تاکہ اُس کے اندر وحدت (یعنے حقیقت واحدہ حق) خزانہ (مطلوب) کی طرح تمکو نظر آوے (یعنے قلب سے اُس کا مشاہدہ ہو جیسا عنقریب آتا ہے) اور اگر تم گداختہ نہ کرسکوگے (یہ مطلب نہین کہ تم ریاضت ہی نہ کرو بلکہ معنے یہ ہین کہ اگر یہ خیال ہو کہ ہم بیچارونکی ریاضت و کوشش مین یہ قوت کہان کہ اتنی بڑی دولت ملجاوے اُس کا جواب دیا جاتا ہے کہ اگر باوجود قصد و طلب کے یہ ثمرہ تمہاری قدرت سے خارج ہو تو غم نہ کرو اور مایوس مت ہو کیونکہ) حق تعالی کی عنایتین خود (اس کثرت کو نظر سے) گداختہ و فانی کردینگی (وہ ایسے ہین کہ میرا دل اُنکا غلام (و فریفتہ و مسخر) ہے (اس عنایت کو دیکھکر مقصود یہ ہے کہ سعی تم کرو اور ثمرہ حق تعالے مرتب فرما دینگے اب مضمون تا ببینی الخ کی شرح فرماتے ہین کہ آنکھ سے مشاہدہ نہین ہوتا بلکہ) حق تعالی ہی کا کام ہے کہ عارفین کے قلوب کو اپنا جلوۂ معرفت دکھلا دیتے ہین (جلوہ یہی ہے کہ بجز ذات و صفات حق کے کسی طرف التفات نہین رہتا) اور درویش کا قلب جو عشق (اور طلب) مین پارہ پارہ ہو رہا تھا اسکو جمعیت (وصال) عطا فرماتے ہین۔

ف کلمہ حصر مین اشارہ اسطرف ہے کہ معرفت و وصول حق سبحانہ تعالی کا مکتسب نہین ہے بلکہ محض موہوب ہے

اور اسکی کیا تخصیص ہے بلکہ جسقدر اسباب ہیں ثمرات و مقاصد کے لیے موضوع ہیں مثلاً پانی پینا سیرابی کیلیے علاج کرنا صحت کیلیے غور و فکر کرنا رائے صحیح کیلیے ان سب کے ثمرات محض منجانب اللہ ہیں مگر عادۃ اللہ یون ہی جاری ہے کہ بعد مباشرت اسباب کے ثمرات عطا فرما دیتے ہین اور بدون اسباب کے کم دیتے ہین اسلیے اسباب کا معطل ہونا لازم نہین آیا پس انسان مجاہدہ و ریاضت و طلب مین کمی نہ کرے مگر موثر حصول مقصود مین حق تعالی کی عنایت کو سمجھے۔

منبسط بودیم و یک جوہر ہمہ ‏‏ ‏ بے سر و بے پا بدیم آن سر ہمہ

یک گہر بودیم ہمچون آفتاب ‏ ‏ بے گرہ بودیم و صافی ہمچو آب

چون بصورت آمد آن نور سرہ ‏ ‏ شد عدد چون سایہ ہائے کنگرہ

کنگرہ ویران کنید از منجنیق ‏ ‏ تا رود فرق از میان این فریق

(منبسط بسیط و غیرہ مرکب۔ جوہر ذات مقابل عرض بے سر و پا اعضائے جسمانی۔ آن سر آن طرف مراد عالم ارواح گرہ مراد قید + مادہ ہمانی مراد نورانی سرہ خالص منجنیق بامیم مفتوح و نون زدہ و جیم مفتوح و نون مکسورہ و یائے معروف فلاخن بزرگ۔ اس سے اوپر کے شعر او نماید ہم الخ کے مصرعہ اول مین طالب کو معرفت حق اور مصرعہ ثانی مین انکو وصال حق حاصل ہوجانے کا ذکر تھا اور معرفت و وصل مین جانبین (یعنے محب و محبوب) مین باہمی مناسبت ضروری ہے اسلیے ان اشعار مین اس مناسبت کا بیان فرماتے ہین کہ ہم (مرتبہ روح مین) بسیط اور جوہر واحد تھے (یعنے نہ ترکیب تھی اور نہ تعدد تھا اور عالم مین ہم سب بے اعضا و جوارح تھے (یعنے جسم سے منزہ تھے) اور آفتاب کی طرح ایک ذات تھے (کہ اسمین کثرت و ترکیب خارجی نہین اسمین تشبیہ ہے معقول کو محسوس کے ساتھ) اور بے قید (بے مادہ) اور نورانی تھے مثل پانی کے (کہ اگدہ اور ظلمت و سیاہی سے خالی ہے) جب وہ نور خالص (روح) عالم صورت مین آیا (یعنے بدن سے متعلق ہوا) تو وہ نور متعدد اور متکثر ہوگیا (یعنے وہ روح واحد ارواح کثیرہ بنگئی ہر بدن کے ساتھ جدا روح متعلق ہوگئی) جیسے کنگرون کا سایہ ہوتا ہے (کہ انکے ساتھ جب نور آفتاب متعلق ہوا تو خود اس نور آفتاب مین ایک قسم کا تعدد آگیا کہ ایک کنگرہ پر دھوپ پڑنے سے اسکا سایہ الگ ہوگیا دوسرے کنگرہ کا سایہ الگ پڑا پس ابدان مثل کنگرون کے ہین اور روح مثل نور آفتاب کے ہے کہ تعلق ابدان سے خود اس روح واحد مین کثرت ہوگئی اور ارواح کثیرہ بن گئی) تو تمکو چاہیے کہ منجنیق (ریاضت و مراقبات) سے ان کنگرون (یعنے ابدان) کو ویران (اور فانی) کردو تاکہ اس گروہ (ارواح) مین فرق جاتا رہے (اور اسی روح واحد کی طرف کہ مربی و مفیض ارواح ہے توجہ ہوجاوے جسطرح کنگرون کے توڑ ڈالنے سے سب حصے دھوپ کے ایک بن گئے تقریر مناسبت کی یہ ہوئی کہ جیسے حق جل و علا شانہ بسیط ہین اسی طرح روح بسیط ہے جیسے حق تعالی واحد ہین اسیطرح روح واحد ہے جیسے حق تعالی قید مادہ سے پاک ہین اسیطرح روح قید مادہ سے پاک ہے جیسے نور وجود حق کے مظاہر مین کثرت ہے اسیطرح خود وجود روح مین کثرت ہے جیسے ان مظاہر کثیرہ کے اٹھا دینے سے کہ حجابات حق ہین نور حق کا مشاہدہ ہوتا ہے اسیطرح ان مظاہر کثیرہ کے اٹھا دینے سے کہ حجابات روح ہین نور روح واحد کا مشاہدہ ہوتا ہے ان ہی مناسبات کی وجہ سے روح کو

امر ربانی کہا جاتا ہے جب مناسبت ہوگئی تو اب معرفت و وصول کے امکان مین کوئی شبہ نہ رہا اور اس مناسبت کی تقریر امام غزالیؒ نے احیاء العلوم کی کتاب المحبۃ مین بہت مبسوط لکھی ہے۔

ف اشعار مذکورہ مین روح کے یہ پانچ حکم ثابت کیے ہین بسیط ہونا۔ واحد ہونا غیر مادی ہونا۔ روح کیلیے مظاہر کا کثیر ہونا اسکے مظاہر سے نظر اُٹھا لینے سے اُسکا مشہود ہونا۔ سو اسکی مختصر تقریر کیجاتی ہے جاننا چاہیے کہ ہرچند کہ کنہ و حقیقت روح کی نسبت یقینی طور پر کسی امر کا دعویٰ مشکل ہے مگر اہل کشف کے کلام سے اسقدر معلوم ہوتا ہے کہ روح ایک شئ حادث ہے اور عالم امر سے ہے یعنی مادہ سے مجرد ہے عالم خلق سے نہین یعنی مادی نہین تحقیق عالم خلق و عالم امر کی پہلے گذر چکی ہے اور اصل روح ایک ہے اسکو روح اعظم کہتے ہین اور تمام موجودات عالم کے ساتھ متعلق ہے اور یہ تعلق بطور حلول کے نہین بلکہ بطور تصرف و تدبیر کے ہے اور اسی کا فیض تمام اشیاء پر حسب اختلاف استعداد مختلف طور پر فائض ہے ادنیٰ درجہ کا فیض جمادات پر ہے کہ اسکی بدولت صرف انکی ترکیب محفوظ ہے اور اس سے زیادہ نباتات پر ہے کہ علاوہ حفظ ترکیب کے ان مین نشو و نما ہوتا ہے اس سے زیادہ حیوانات پر ہے کہ علاوہ حفظ ترکیب و نشو و نما کے ان مین حس و حرکت بھی ہے اس سے زیادہ جن و انسان پر ہے کہ علاوہ حفظ ترکیب و نشو و نما و حس و حرکت کے اُن مین عقل و مدرک کلیات بھی ہے اور پھر انسان پر اور بھی زیادہ کہ اسمین قابلیت عشق و معرفت الٰہی کی سب سے زیادہ ہے یہ سب فیوض اسی روح اعظم کے ہین لیکن ان فیوض کے پہونچنے کے لیے روح اعظم اور عالم اجسام کے درمیان کچھ وسائط بھی ہین کہ وہ بھی روح کہلاتے ہین اور وہ ہر شے اور ہر شخص کے ساتھ جدا جدا متعلق ہے اور اس روح اعظم کو روح سراجی اور ان ارواح جزئیہ کو روح زجاجی بھی کہتے ہین اور ان ارواح جزئیہ کو ارباب الطلسم و ارباب الانواع بھی کہتے ہین اور یہ احکام خمسہ روح اعظم کیلیے ثابت کیے جاتے ہین چونکہ وہ واحد ہے اسلیے حکم ثانی صحیح ہوا اور چونکہ عالم امر سے ہے اسلیے حکم ثالث صحیح ہوا اور چونکہ مرکب ہمیشہ مادی ہوتا ہے اور یہ مادی نہین اسلیے حکم اول صحیح ہوا۔ اور چونکہ ارواح جزئیہ اسکے مظاہر و وسائط فیض ہین اسلیے حکم رابع صحیح ہوا۔ اور اشیاء کثیرہ سے نظر اٹھ کر ایک پر پہچاننا بدیہی امر ہے پس حکم خامس بھی صحیح ہوا اور جاننا چاہیے کہ روح اعظم کو تجلی حق بھی کہتے ہین کیونکہ تجلی کہتے ہین ظہور کو اور ہر مصنوع اپنے صانع کا ظہور ہوتا ہے اور اگر اسکو کسی وجہ سے صانع کے ساتھ مناسبت زیادہ ہو تو اس سے زیادہ ظہور ہوتا ہے اور روح اعظم کو مناسبت زیادہ ہے جیسا بیان ہوا اسلیے اسکو تجلی حق کہنا زیبا ہوا اور صورت حق بھی اسی معنی کر کہتے ہین کیونکہ صورت کے معنی بھی ظہور کے ہین اور یہی معنی ہین حدیث اِنَّ اللّٰہَ خَلَقَ آدَمَ عَلٰی صُوْرَتِہٖ کے

دربیان آنکہ انبیاء علیہم السلام گفتند کَلِّمُوا النَّاسَ عَلٰی قَدْرِ عُقُوْلِہِمْ زیرا کہ آنچہ ندانند انکار کنند و ایشانرا زیان دارد وقال علیہ السلام اُمِرْنَا اَنْ نُنْزِلَ النَّاسَ مَنَازِلَہُمْ

چونکہ اوپر مضمون توحید کا نازک اور فہم عوام سے بلند تھا بالخصوص مناسبت درمیان حق تعالیٰ و روح کا مسئلہ

حاشیہ: ...حدیث ان اللہ ... ۱۲۔ — عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خلق اللہ آدم علی صورتہ ... متفق علیہ کذا فی المشکوٰۃ صفحہ ۳۹۶ — وقال علی رضی اللہ عنہ حدثوا الناس بما یعرفون اتحبون ان یکذب اللہ ورسولہ رواہ البخاری صفحہ ۲۴ ۱۲

اور اسکی تفصیل کرنے مین کم فہموں کی مضرت کا اندیشہ تھا اسلیے اس سُرخی مین اظہار معذرت کا فرمایا (اول حدیث کے معنی یہ ہین کہ کلام کرو تم لوگون سے اُنکی عقل کے موافق اور دوسری حدیث کا ترجمہ یہ ہے کہ ہم حکم کیے گئے ہین اس امر کا کہ لوگون کو اُنکے مراتب پر اُتارین) اور یہ مضرت تین طرح کی ہے ایک یہ کہ اُسکو خلاف شرع سمجھ کر قبول کرلین اور بدین اور ملحد بن جاوین۔ دوسرے یہ کہ الفاظ یاد کرکے اپنے کو اہل کمال سمجھنے لگین اور اہل کمال کا مقابلہ کرنے لگین تیسرے یہ کہ اُسکا انکار کرکے بیٹھین اور اہل اللہ کو بُرا کہین اور چونکہ مضرت اولیٰ و ثانیہ مضرت ثالثہ سے بڑھکر ہے اسلیے سرخی مین صرف تیسری کو بیان کیا تاکہ معلوم ہوجاوے کہ جب ادنیٰ گوارا نہین تو اعلیٰ کیسے گوارا ہوگی اس لیے سکوت ہی مناسب ہے۔

شرح این را گفتمی من از مرے — لیک ترسم تا نہ لغزد خاطرے
نکتہا چون تیغ پولاد ست تیز — گر نداری تو سپر واپس گریز
پیش این الماس بے اسپر میا — کز بریدن تیغ را نبود حیا
زین سبب من تیغ کردم در غلاف — تاکہ کژ خوانی نہ خواند بر خلاف
آمدیم اندر تمامی داستان — از وفا داری جمع راستان

مرے اما لہ مرا و بحث و جدال۔ الماس تیغ آبدار را ہم گویند۔ یعنی مین اس مقام کی شرح خوب بحث و دلائل سے لکھتا مگر اندیشہ کرتا ہون کہ کسی کے قلب مین لغزش نہو جاوے بہت سے باریک مضامین تیغ فولادی کی طرح تیز ہوتے ہین اگر تیرے پاس سپر (فہم) نہو تو پیچھے ہی ہٹنا چاہیے اس تیغ آبدار (مسائل دقیقہ) کے روبرو بدون سپر (فہم) نہ آنا چاہیے کیونکہ تلوار کاٹنے سے نہین شرماتی (اسی طرح یہ مضامین جب غلط ذہن مین آجاوین ایمان کو تباہ کردیتے ہین) اس سبب سے مین نے تیغ (بیان) کو غلاف (خاموشی) مین کرلیا ہے تاکہ کوئی کژخوان خلاف واقع نہ پڑھے (خود اپنے دل مین کہ خود خراب ہو "و دون کے روبرو کہ دوسرے برباد ہون) اب ہم داستان پوری کرنے مین متوجہ ہوتے ہین کہ اُن (دل کے) سچون نے (کہ دل سے وزیر کے مرید تھے) اُسکی وصیت کا کیسا ایفا کیا۔

جنگ کردن امرا در ولیعہدی و تیغ کشیدن بر ہمدگر

گر پس این پیشوا بر خاستند — بر مقامش نائبے می خواستند
یک امیرے زان امیران پیش رفت — پیش آن قوم وفا اندیش رفت
گفت اینک نائب آن مرد من — نائب عیسیٰ منم اندر زمن
اینک این طومار برہان من ست — کین نیابت بعد ازو آن من ست
آن امیر دیگر آمد از کمین — دعوی او در خلافت بد ہمین
از بغل او نیز طومارے نمود — تا برآمد ہر دو را خشم و جحود
آن امیران دگر یک یک قطار — بر کشیدہ تیغہائے آبدار

هر یکی را تیغ و طوماری بدست — در هم افتادند چون پیلان مست

هر امیری داشت خیل بیکران — تیغها را برکشیدند از میان

صد هزاران مرد ترسا کشته شد — تا ز سرهای بریده پشته شد

خون روان شد همچو سیل از چپ و راست — کوه کوه اندر هوا زین گرد خاست

تخمهای فتنه‌ها کو کشته بود — آفت سرهای ایشان گشته بود

آن بن حق من۔ کوه کوه بسیار سیہ بیان ہے داستان کا یعنی اُس مشیوا (وزیر) کے بعد وہ لوگ اُٹھے اور اُسکی جگہ نائب کے خواہان ہوئے ایک امیر آگے بڑھا اور اُس قوم کے روبرو آیا اور کہا کہ اُس شخص کا (بلا واسطہ) اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا (بواسطہ) نائب و خلیفہ ہون دیکھو یہ طومار میری دلیل ہے اسپر کہ نیابت میرا حق ہے وہ دوسرا امیر کہین چھپا کھڑا تھا وہ بھی نکلا اور یہی دعوی خلافت اُسکا بھی تھا اور ایک طومار اُسنے بھی بغل سے نکال کر دکھلایا اب دونون کو غصہ آیا اور ایک دوسرے کے دعوے کا انکار شروع کیا اسی طرح اور جو امرا تھے وہ بھی صف باندھ باندھ اور تیغ آبدار کھینچ کھینچ کر پہونچے ہر امیر کے ہاتھ مین تلوار اور ایک طومار غرض آپس مین چل پڑی ہر امیر کے پاس کثرت سے لشکر تھا تلوارین نیام سے نکال نکال آمادہ ہو گئے حاصل یہ کہ لاکھون نصرانی اسمین مقتول ہوئے اور سرہای بریدہ کے پشتے لگ گئے اور سیلاب کی طرح ہر طرف سے خون بہنا شروع ہوا اور ہوا مین تمام گرد اُڑ کر بھر گئی غرض وہ مکار وزیر جو تخم فتنہ بو کر مرا تھا وہ اُن نصرانیون کی آفت (اور اُنکی جان کو علت) ہو گئی۔

جوزها بشکست و آن کو مغز داشت — بعد کشتن روح پاک نغز داشت

کشتن و مردن که بر نقش تن ست — چون انار و جوز را بشکستن ست

آنچه شیرین ست او شد یار دانگ — وانکه پوسیده است نبود غیر بانگ

آنچه با معنی ست خوش پیدا شود — وانچه بی معنی ست رسوا شود

(جوز اخروٹ مراد بدن۔ مغز مراد کمال روحانی۔ دانگ حصۂ از درہم۔ یار دانگ یعنی با قیمت۔ اوپر ایک سُرخی فہم کردن حاذقان نصاری مین یہ شعر آیا ہے ؎ ہر کہ صاحب ذوق بود از گفت او + لذتی میدید تلخی جفت او + جس سے معلوم ہوا تھا کہ اُنمین کچھ لوگ اُس کے دام ضلال سے بچ گئے تھے اکثر فتن عامہ مین ایسے صلحا بھی قتل ہو جاتے ہین یہان اُنکا حال بیان فرماتے ہین کہ) قتل ہونے سے ابدان ہلاک ہو گئے مگر جن مین مغز (اور کمال باطنی ایمان و عرفان موجود) تھا (اُنکو قتل سے کچھ ضرر نہین پہونچا کیونکہ اُسکی روح تو پاک صاف رہی) بلکہ دنیا کے خرخشون سے نجات ہو گئی اور انوار و لطافت مین اُسکو ترقی ہو گئی اب بطریق انتقال قاعدۂ کلیہ کے طور پر بعد موت کے جو حالت پیش آتی ہے اُسکا بیان فرماتے ہین قتل ہو یا مرگ ہو جو جسم کو پیش آتا ہے اُسکی ایسی مثال ہے جیسے انار یا اخروٹ کو توڑ دیا جاوے اُسمین جو شیرین ہوتا ہے (توڑنے سے) اور زیادہ قیمتی ہو جاتا ہے (کیونکہ اُسکی خوبی ظاہر ہو جاتی ہے) اور جو بوسیدہ اور خراب ہوتا ہے بس آواز کے سوا کچھ

نہین ہوتا اسی طرح جب بدن پر موت آتی ہے جسمین کمال اور صفات حمیدہ ہین اُسکی تو خوبی ظاہر ہو جاتی ہے (کیونکہ پہلے عوارض جسمانیہ سے اسکے انوار و کمالات مضمحل و مغلوب ہو رہے تھے) اور جسمین کمالات و صفات حمیدہ نہین ہین وہ رسوا اور معذب ہوتا ہے (اور سب خرابیان جو اس حیات جسمانیہ سے پوشیدہ تھین وہ ظاہر ہو جاتی ہین۔

رو بمعنی کوش ای صورت پرست	زانکہ معنی بر تن صورت پرست
همنشین اہل معنی باش تا	ہم عطا یابی و ہم باشی فتا
جان بی معنی درین تن بی خلاف	ہست ہمچون تیغ چوبین در غلاف
تا غلاف اندر بود با قیمت ست	چون برون شد سوختن را آلت ست
تیغ چوبین را مبر در کارزار	بنگر اول تا نہ گردد کار زار
گر بود چوبین برو دیگر طلب	ور بود الماس پیش آبا طرب
تیغ در زرّادخانہ اولیاست	دیدن ایشان شما را کیمیاست

(پرست اول از پرستیدن۔ پرست ثانی مرکب از بر واست زرادخانہ سلاح خانہ یعنی جب ثابت ہو گیا کہ اعتبار کمالات روحانیہ کا ہے جسمانی قابل اعتبار نہین تو جاؤ کمال روحانی کی تحصیل مین کوشش کرو کہ عقائد و اخلاق و محبت و معرفت و اخلاص ہے اور جو آثار و اعمال جسمانی اس سے پیدا ہوتے ہین وہ اسی حکم مین ہین اور اگر بدون کمال روحانی کے جسمانی خوبی حاصل ہوئی تو کچھ بھی نہین کیونکہ معانی و کمالات روحانی جسم کے اعتبار سے مثل پر کے ہے (اگر پرندہ کے پر نہون محض بیکار ہے اسی طرح صورت بے معانی بیکار ہے اور جس طرح مرغ کے لیئے آلہ پرواز و عروج ظاہری کا پر ہے اسی طرح صفات روحانیہ کے لیئے آلہ ترقی و عروج باطنی ہین کہ ان صفات کی بدولت جسم کو بھی نعمائے جنت و حظوظ و لذات معرفت سے حصہ ملتا ہے اب ان معانی کے حاصل کرنے کا طریقہ بتلاتے ہین کہ) اہل باطن کی ہمنشینی اختیار کرو تاکہ تمکو عطاے الٰہی حاصل ہو اور جو الخ دو بنجاؤ (جو الخ دو فتی حافظ اسرار کو کہتے ہین یعنی تمکو اسرار عطا ہون آگے پھر مضمون رو بمعنی کوش الخ کی تاکید کرتے ہین کہ) جو جان معنی و کمال باطنی سے خالی ہو اس تن مین بلا خلاف اُسکی ایسی مثال ہے جیسے غلاف کے اندر لکڑی کی تلوار کہ جب تک غلاف کے اندر رہتی ہے با قیمت معلوم ہوتی ہے (کیونکہ خریدار کو معلوم نہین کہ لکڑی کی ہے) اور جب باہر نکلی پھر وہ جلانے کا ایندھن ہے (اسی طرح ایسی روح جب تک بدن کے اندر رہے گی ظاہر او نیا داروں کے نزدیک اس کی کچھ قدر و منزلت ہوتی ہے جو نہی بدن سے نکلی اور کندۂ جہنم بنی جب) تیغ چوبین (ایسی نکمی ہے تو اس) کو میدان جنگ مین مت لیجا پہلے ہی اسکو دیکھ لو تاکہ (عین وقت پر) کام خراب نہ ہو جاوے اگر دیکھنے کے وقت لکڑی کی نکلی تو دوسری تلاش کرو اور اگر الماس یعنی آبدار ہو تو خوشی سے آجاؤ (اسی طرح بے کمال کو میدان حشر مین مت لیجاؤ دنیا مین ہی درست کر لو تاکہ وہان خرابی نہو آگے شعر ہمنشین الخ کے مضمون کی تاکید ہے کہ) عمدہ تلوار (روح کی تکمیل) اولیاء اللہ کے سلاح خانہ (صحبت و خدمت) مین میسر ہو سکتی ہے (جس سے جہاد نفس کے طریقے معلوم ہو جاتے ہین)

(انکی زیارت تمھارے حق مین کیمیا کا حکم رکھتی ہے (کہ صفاتِ ذمیمہ کو صفاتِ حمیدہ سے مبدل کردیگی)

جمله دانایان همین گفته همین ‏— هست دانا رحمةً للعالمین
گر اناری می‌خری خندان بخر ‏— تا دهد خنده ز دانه او خبر
ای مبارک خنده اش کو از دهان ‏— مینماید دل چو دُر از دُرجِ جان
نامبارک خندهٔ آن لاله بود ‏— کز دهانِ او سوادِ دل نمود

(گر اناری الخ مقولہ گفتہ ہے ہست دانا جملہ معترضہ ہے چو در صفت دل از درج بدل از دہان اوپر کمال باطنی کے حاصل کرنے کا طریقہ بتلایا تھا کہ اولیاء اللہ کی خدمت و صحبت اختیار کرنا چاہیے اب اولیاء اللہ کی شناخت بتلاتے ہین اور مدعیان مزور سے بچاتے ہین فرماتے ہین کہ تمام داناؤن کا یہی قول ہے کہ اگر انار خریدنا ہو تو کھلا ہوا خریدو تاکہ اُسکا خندہ اُسکے دانہ کا حال بتلادے اور یہ بیچ مین کہدیا کہ واقعی دانا آدمی بھی لوگون کے حق مین موجب رحمت ہوتا ہے پھر خندۂ انار کا ذکر فرماتے ہین کہ اُسکا خندہ بھی کیسا مبارک ہوتا ہے کہ اپنے دہن سے (یعنی باہر سے) اپنا دل (یعنی دانہ) جو مشابہ موتی کے ہے دکھلا دیتا ہے اور دہن سے نظر آتا ایسا ہے جیسے صندوقچہ جان سے نظر آرہا ہو (جان روح اُسکا صندوقچہ بدن دانہ کو دل و جان سے تشبیہ دی اور پوست محیط کو بدن سے تشبیہ دی اسی طرح عارفین نے کہ رحمت الٰہی ہین فرمایا ہے کہ اگر کسی کو پیر بناؤ تو اُسکی شناخت کرو کہ اُسلے انوار و برکات باطنی ظاہر مین نمایان ہوتے ہون یعنی اُن مین اخلاق حمیدہ و صفات مرضیہ ہون اور اُنکی صحبت مین بیٹھکر قلب مین حلاوت و لذت و نور و سرور و جمعیت و سکون و محبت الٰہی و بے رغبتی دنیا معلوم ہوتے ہون کما قال اللہ تعالیٰ سِيمَاهُمْ فِي وُجُوهِهِم مِّنْ أَثَرِ السُّجُودِ وقال علیہ السلام اِذا رُؤُا ذکر اللہ اور چونکہ بعض مکار اور مدعی بھی بتکلف اخلاق حمیدہ اختیار کرلیتے ہین اسلیے امتیاز کا طریقہ بتلاتے ہین اور اُنکو لالہ سے تشبیہ دیتے ہین کہ بے برکت لالہ کا خندہ ہوتا ہے کہ اُسکے دہن ہی سے دل کی سیاہی نظر آتی ہے (اسی طرح گو مدعی بتکلف اخلاق و افعال حمیدہ اختیار کرتے ہین مگر چونکہ اُسمین اخلاص نہین ہوتا اس لیے اسکا اثر طالب کے قلب پر نور و سرور نہین ہوتا بلکہ وحشت اور ظلمت اور پراگندگی قلب پر معلوم ہوتی ہے خلاصہ یہ کہ اوصاف حمیدہ و برکاتِ قلبیہ سے کاملین کی پہچان ہو سکتی ہے ہمنے اس شناخت کو ایک مقام پر بیان کردیا اور شعر اول کی ایک توجیہ گو میرے مذاق کے خلاف ہے یہ بھی ہو سکتی ہے کہ مصرعۂ ثانی مقولہ ہو جاوے گفتہ کا اور مثل سابق کے اسمین بھی فضیلت اولیا ہو اور مابعد کے شعر سے یہ مضمون شناخت اولیاء شروع ہو۔

تا رِ خندان باغ را خندان کند ‏— صحبتِ مردانت از مردان کند
یک زمانے صحبتی با اولیا ‏— بهتر از صد ساله طاعت بی ریا
گر تو سنگِ خاره و مرمر شوی ‏— چون بصاحبدل رسی گوهر شوی
مهرِ پاکان درمیانِ جان نشان ‏— دل مده الا به مهرِ دل خوشان
کوی نومیدی مرو کامیدهاست ‏— سوی تاریکی مرو خورشیدهاست

دل ترا در کوے اہلِ دِل کشد	تن ترا در حبسِ آب و گل کشد
ہین غذاے دِل بدہ از ہمدلی	رو بجو اقبال را از مقبلی
دست زن در ذیلِ صاحب دولتی	تا ز افضالش بیابی رفعتی
صحبت صالح ترا صالح کند	صحبتِ طالح ترا طالح کند

(جب اولیاء اللہ کی شناخت بتلا چکے اب اُنکی صحبت کے برکات بتلاتے ہین کہ) جس طرح انار خندان تمام باغ کو رونق دار و پر بہار کر دیتا ہے اسی طرح مردانِ خدا کی صحبت تمکو مردِ خدا بنا دیتی ہے تھوڑی دیر تمھارا اولیاء اللہ کے پاس بیٹھ جانا (ہمیشہ یا کسی وقت) صد سالہ طاعت بے ریا سے بہتر ہوتا ہے (اگر ہمیشہ کے اعتبار سے لیا جاوے تو طاعت سے مراد وہ طاعت ہوگی جسمین گو ریا نہو مگر حضور قلب کامل نہو اور تب تو اُسکی یہ توجیہ ہوگی کہ ان کی صحبت سے حضور قلب مع اللہ میسر ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ حضور مع اللہ عبادت بے حضور سے اس خاص اعتبار سے بلاشک افضل ہے گو بوجہ مشقت کے وہ طاعت اس سے بہتر ہو اور اگر بعض اوقات کے اعتبار سے لیا جاوے تو کوئی اشکال نہین اور مراد وہ وقت ہوگا جو احیاناً کسی ولی پر آجاتا ہے جسمین وہ طالب کی ایک توجہ سے تکمیل فرما دیتے ہین کہ اُسکو صد سالہ مجاہدہ سے بھی میسر نہ ہوتی کذا قال مرشدنا) اگر تم سنگ خارا یا سنگ مرمر بھی ہوگے (یعنی کیسے ہی ناقص ہوگے) مگر جب صاحبدل کی خدمت مین پہونچ جاؤگے تو گوہر (یعنی کامل) بن جاؤگے اسلیے پاک لوگون کی محبت کو دل مین جگہ دینی چاہیے (مگر ہر شخص کے فریفتہ مت ہو جانا بلکہ) جو لوگ نیک باطن ہین اُن ہی کی محبت کرنا (اور یہ نہ سمجھنا کہ ایسے کامل کہان ہین پھر کسکے پاس جائین یہ تو نا امیدی کی بات ہے اور) نا امیدی کی راہ مت چلو کیونکہ (خداے تعالیٰ کے فضل سے) بہت امیدین ہین (اور اللہ تعالیٰ کاملین کو ہر زمانہ مین پیدا کرتے رہتے ہین) ظلمت (مدعیان مزدور) کی طرف مت جاؤ خورشید (منور باطن لوگ) موجود ہین (جب معلوم ہو چکا کہ اہل دل مفقود نہین گو مخفی ہون تو اُنکی جستجو مین لگے رہو) تمھارا دل تمکو اُن اہل دل کے پاس پہونچاویگا (اور لذاتِ جسمانی مین مشغول رہکر طلب مین کاہلی مت کرو کیونکہ) یہ جسم تمکو زندانِ آب و گل (لذاتِ نفسانیہ) کی طرف کھینچے گا (جسکا انجام بُرا ہوگا ہم تمکو متنبہ کرتے ہین کہ دل کو اسکی غذا (محبت و معرفت) کسی ہمدل سے (جسکا دل تمھاری طرح متوجہ بحق ہو) لیکر دینا چاہیے اور اقبال کو کسی صاحب اقبال سے لینا چاہیے اور کسی صاحب دولت (باطن) کا دامن ہاتھ مین لانا چاہیے تاکہ اُسکے عنایات سے تمکو رفعت (باطنی) حاصل ہو جاوے (کیونکہ صحبت مین وہ تاثیر ہے کہ) صالح کی صحبت تمکو صالح بنا دیتی ہے (اسی طرح) طالح (یعنی بدبخت) کی صحبت تمکو طالح بنا دیتی ہے۔

تعظیم مدح مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کہ مذکور بود در انجیل

مقصود اس سے یہ بیان کرنا ہے کہ جب مقبولین کے اسم کی تعظیم مین یہ برکت ہے کہ مسمّیٰ کی تعظیم و محبت و صحبت و اتباع مین کیسا کچھ نفع ہوگا اس لیے ضرور اُن سے قرب و تعلق رکھنا چاہیے یہی مضمون اوپر سے چلا آتا ہے۔

بود در انجیل نام مصطفیٰ	آن سرِ پیغمبران بحرِ صفا
بود ذکرِ حلیہ ہا و شکل او	بود ذکر غزو و صوم و اکل او
طائفہ نصرانیان بہرِ ثواب	چون رسیدندی بدان نام و خطاب
بوسہ دادندی بر آن نام شریف	رو نہادندی بدان وصف لطیف
اندرین فتنہ کہ گفتیم آن گروہ	ایمن از فتنہ بدند و از شکوہ
ایمن از شرِ امیران و وزیر	در پناہِ نام احمدؐ مستجیر
نسل ایشان نیز ہم بسیار شد	نام احمدؐ ناصر آمد یار شد

حِلیہ بکسر اول وسکون ثانی صفت کردن کسی را وزیور وپیکر وصنعت وآرایش۔ شکوہ ترس وبیم۔ مستجیر پناہ گیرندہ یعنی انجیل مین جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک لکھا تھا جو پیغمبرون کے سردار اور دریاے صفا ہین آپ کا حلیہ شریف بھی اُسمین مذکور تھا اور آپ کی صورت وشکل کا اور آپ کے جہاد اور روزہ اور اکل وشرب کا ان سب امور کا اُسمین بیان تھا نصرانیون مین سے ایک گروہ کی یہ عادت تھی کہ جب اُس مبارک نام وخطاب پر (تلاوت کرتے وقت) پہونچتے تو ثواب حاصل کرنے کو آپ کے اسم شریف پر بوسہ دیتے تھے اور آپکے اوصاف لطیف پر رخسارہ ملتے (محبت وتعظیم سے) ہمنے جو فتنہ وزیر کا بیان کیا ہے اِس قصہ مین وہ لوگ (اِس عمل کی برکت سے) فتنہ (وزیر) اور خوف (محاربۂ امراء) سے امون رہے نہ امراء کا شر (جنگ کہ ہلاک جسمانی تھا) اُنکو پہونچا اور نہ وزیر کا فتنہ (اضلال کہ ہلاک روحانی تھا) اُن تک آیا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسم مبارک کی پناہ مین اُنکو پناہ مل گئی اور دون سے اُنکی نسل بھی بہت بڑھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم مبارک اُنکا ناصر اور رفیق ہوگیا۔

وان گروہِ دیگر از نصرانیان	نام احمدؐ داشتندی مستہان
مستہان وخوار گشتند آن فریق	گشتہ محروم از خود و شرط طریق
ہم مخبط دین شان وحکم شان	از پئے طومارہاے کژ بیان

مستہان بیقدر کردہ شدہ۔ از خود از ہستی خود۔ شرط طریق دین کہ شرط طریق الی اللہ است۔ یعنی ان نصرانیون مین دوسرا گروہ اور تھا کہ وہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے نام مبارک کی بیقدری کرتے وہ لوگ اُس منحوس وزیر کے سبب فتنون سے ذلیل وخوار ہوگئے اور اپنی ہستی سے محروم ہوے (کہ قتل کیے گئے) اور دین سے بھی محروم ہوے (کہ وزیر نے عقائد خراب کردیے) اور اُنکا مذہب اور احکام بھی اُن طوماروں کی وجہ سے مخبط ہوگیا (یہ ضرر اُنکی نسل مین باقی رہا)

ف اس مقام پر دو گروہون کا بیان ہے ایک وہ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر مبارک کی نہایت تعظیم کرتے تھے وہ ہلاک جسمانی وہلاک روحانی دونون سے محفوظ رہے دوسرا گروہ وہ لوگ جو نعوذ باللہ آپ کے نام مبارک کی توہین کرتے تھے وہ ہلاک جسمانی وہلاک روحانی مین مبتلا ہوے جیسا ہماری شرح سے معلوم ہوا ہوگا تیسرے گروہ کا اس سے پہلے بیان آچکا ہے جہان مولانا نے فرمایا ہے جوزہا بشکست وآن کو مغز داشت الخ

جسکو جسمانی ضرر تو پہونچا کہ مارے گئے مگر روحانی ضرر نہین پہونچا یعنے گمراہی سے بچے رہے چنانچہ ہمنے اس مقام پر ان کے تعیین کے لیے یہ شعر بھی نقل کیا تھا ؎ ہر کہ صاحب ذوق بود از گفت او تلخ عجب نہین کہ تیسرا گروہ وہ لوگ ہون کہ نہ حضور کی توہین کرتے ہون اور نہ بہت تعظیم کرتے ہون اس لیے ان کی حالت بھی فریقین مذکورین کے بین بین رہی ہو اب اس مقام پر کوئی اشکال نہ رہا واللہ اعلم۔

ف جاننا چاہیے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام و اولیاء کرام کے آثار و تبرکات کی تعظیم اور وقعت دلیل محبت و موجب تنویر قلب ہے مگر اس شرط سے کہ حدود شرعیہ سے اعتقاداً یا عملاً تجاوز نہو نے پاوے کیونکہ شرع مین احکام مقصود بالذات ہین اور یہ امور مقصود بالعرض تو مقصود بالعرض کے واسطے مقصود بالذات کی تغییر جائز نہین اور راز اس مین یہ ہے کہ ایسی تعظیم مفرط متجاوز عن الحد الشرعی مین اللہ تعالیٰ کی ترک تعظیم ہے کیونکہ حفاظت حدود شرعیہ لوازم تعظیم حق تعالیٰ سے ہے پس واقع مین مقبولین کی تعظیم سے منع کرنا مقصود نہین بلکہ حق تعالیٰ کی بے تعظیمی سے روکنا مقصود ہے خوب سمجھ لو تاکہ انکار اور غلو دونون سے نجات پاکر اعتدال پر رہو۔

[illegible]

نام احمد چون چنین یاری کند	تا کہ نورش چون مددگاری کند
نام احمد چون حصاری شد حصین	تا چہ باشد ذات آن روح الامین

ماقبل پر تفریع کرکے فرماتے ہین کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک ایسی رفاقت کرتا ہے تو آپ کا نور مبارک (ذات مبارک) تو کیسی مدد کرتا ہوگا (یعنے حضور کے اتباع سے کسقدر نفع ہوگا آگے شعر اول کی شرح ہے کہ) جب حضور کا نام مبارک ایسا قلعہ مستحکم ہے کہ شرور کو نہین آنے دیتا) تو آپ کی ذات مبارک (جسکو اوپر نور کہا تھا) کیسی کچھ ہوگی (آپ کو روح اسواسطے کہا کہ آپکا اتباع باعث حیات روحانی ہے اور روایات سیر مین حضور کا باعث ایجاد خلق ہونا بھی مذکور ہے تو اس اعتبار سے آپ حیات ظاہری کے بھی سبب ہین اور امین ہونا خود ظاہر ہے کہ آپ امین علی الوحی ہین اب اسکے آگے ایک یہودی بادشاہ کا قصہ اور آتا ہے یا تو صرف یہ مناسبت ہو کہ یہ بھی یہودی تھا اہل حق کا دشمن وہ بھی یہودی تھا اہل حق کا دشمن اور یا یہ مناسبت ہو کہ اہل باطل ہمیشہ اہل حق کو ضرر پہونچاتے رہے ہین کبھی روحانی کبھی جسمانی کبھی دونون اور یا یہ مناسبت ہو کہ قوت ایمان ہر فتنہ سے بچاتی ہے جیسے اس اول قصہ مین ایسے لوگ اضلال وزیر سے اور بعضے قتل سے مامون رہے اور اسی طرح دوسرے قصہ مین قوی الایمان لوگ سجدۂ بت سے اور بعضے جلنے سے بھی محفوظ رہے جیسا آگے آتا ہے

حکایت بادشاہ جہود دیگر کہ در ہلاک دین عیسیٰ سعی می نمود

(ربط اس حکایت کا حکایت سابق کے خاتمہ پر مذکور ہو چکا ہے)

بعد ازین خونریز درمان ناپذیر	کاندر افتاد از بلائے آن وزیر
یک شہ دیگر ز نسل آن جہود	در ہلاک دین عیسیٰ رو نمود

گر خبر خواہی ازین دیگر خروج	سورۂ بر خوان والسماء ذات البروج
سنت بد کز شہ اوّل بزاد	این شہ دیگر قدم بروی نہاد

خونریز بمعنی خونریزی۔ درمان ناپذیر صفت آن رو نمود ظاہر شد۔ سنت طریقہ۔ مطلب یہ کہ اس خونریزی مذکور کے بعد جو کہ قابل درمان نہ تھی اور اُس وزیر کی آفت سے واقع ہوئی تھی اُس یہودی بادشاہ کی نسل سے ایک بادشاہ اور پیدا ہوا کہ وہ بھی دینِ عیسوی کے برباد کرنے مین ساعی تھا اگر اس دوسرے واقعہ کی خبر تحقیق کرنا منظور ہو تو والسماء ذات البروج پڑھ لو (اُس صورت مین خندق والون کا قصہ مذکور ہے جسکے متعلق مفسرین نے مختلف حکایتین نقل کی ہین مولانا نے اِن حکایت پر اسکو محمول فرمایا ہے) جو بُرا طریقہ (بربادی دینِ عیسوی کا) پہلے بادشاہ سے نکلا تھا اس دوسرے بادشاہ نے اُسکی پیروی کی۔

ہر کہ او بنہاد ناخوش سنتی	سوی او نفرین رود ہر ساعتی
زانکہ ہر چہ این کند زان گون ستم	زاو ببین جو بید خدا بے بیش و کم
نیکوان رفتند و سنت ہا بماند	وز لئیمان ظلم و لعنت ہا بماند
تا قیامت ہر کہ جنس آن بدان	در وجود آید بود رویش بدان

بدان در مصرع اول جمع بد و در مصرعۂ ثانی بمعنی بآن یہ مقولہ مولانا کا ہے مطلب یہ کہ جو شخص کوئی بُرا طریقہ ایجاد کرتا ہے ہر وقت اسکی طرف لعنت متوجہ ہوتی ہے کیونکہ یہ پچھلا آدمی اُس قسم کا جو کچھ ظلم وستم کریگا اُس پہلے شخص سے اللہ تعالی بلا کمی بیشی بازپرس فرما دینگے (چونکہ وہ اس طریقہ کا موجد تھا اس وجہ سے ہمیشہ اُسکے وبال مین مبتلا رہتا ہے) نیک لوگ گذر گئے اور اُن سے نیک طریقے دنیا مین باقی رہ گئے اور نالائق لوگون سے ظلم اور لعنت کی باتین رہ گئین (پس اُن نیکون کو اُن طریقون کا ثواب ہمیشہ ملتا رہے گا جو اُنکا اتباع کریگا اس کے ثواب مین وہ لوگ شریک ہونگے اسی طرح بُرے طریقون کو سمجھو حدیث مین ہے مَنْ سَنَّ فِی الْاِسْلَامِ سُنَّۃً حَسَنَۃً فَلَہٗ اَجْرُہَا وَاَجْرُ مَنْ عَمِلَ بِہَا مِنْ بَعْدِہٖ مِنْ غَیْرِ اَنْ یَّنْقُصَ مِنْ اُجُوْرِہِمْ شَیْءٌ وَمَنْ سَنَّ فِی الْاِسْلَامِ سُنَّۃً سَیِّئَۃً کَانَ عَلَیْہِ وِزْرُہَا وَوِزْرُ مَنْ عَمِلَ بِہَا مِنْ بَعْدِہٖ مِنْ غَیْرِ اَنْ یَّنْقُصَ مِنْ اَوْزَارِہِمْ شَیْءٌ قیامت تک جو شخص اُن بدون کا ہم جنس وجود مین آویگا اُسکا رخ اُسی طرف ہوگا (اور ویسے ہی کام کریگا)

رگ رگ ست این آب شیرین آب شور	در خلائق میرود تا نفخ صور
نیکوان را ہست میراث از خوش آب	آنچہ میراث ست اورثنا الکتاب
شد نیاز طالبان ار بنگری	شعلہا از گوہر پیغمبری
نور روزن گرد خانہ میدود	زانکہ خود برجی بہ برجی میدود
شعلہا با گوہران گردان بود	شعلہ آن جانب رود ہم کان بود

رگ رگ ساری در جمیع اجزاء بدن۔ آب شیرین مراد ہدایت و اوصاف حمیدہ۔ آب شور مراد ضلالت و

اوصاف ذمیمہ اوپر مذکور تھا کہ ہر ایک اپنی جنس سے ہدایت وضلالت حاصل کرتا ہے ان اشعار مین اسکی تائید ہے حاصل یہ کہ ہدایت وضلالت خلائق کی رگ رگ مین قیامت تک سرایت کرتی چلی جارہی ہے (یعنی جسکو جس صفت سے مناسبت ہے وہ اُسمین اثر کر رہی ہے چنانچہ ہنیک لوگون کو آب خوش (ہدایت) سے میراث ملی ہے اور جسکو میراث کہا جاتا ہے وہ وہ ہے جسکا بیان اس آیت مین ہے ثم اورثنا الکتاب الذین اصطفینا من عبادنا (یعنی وہ میراث کتاب اللہ ہے جو سراسر مشتمل ہدایت پر ہے پس طالبان حق مین جو صفت نیاز و عجز و بندگی کی ہے اگر غور کر کے دیکھو تو وہ گوہر رسالت (فیض نبوت) کے شعلے (انوار اور شعاعین) ہین (یعنی انکو حضرات انبیاء علیہم السلام سے میراث مین پہونچی ہین)

ف خلاصہ ذکر ہر زمانہ مین اولیاء کے کمالات وانوار حضرات انبیاء علیہم السلام کے فیوض وبرکات کے واسطہ سے حاصل ہوئے ہین) شعلے اور شعاعین موتیون کے ساتھ پھیرا کرتے ہین شعاع اُسی طرف جاتی ہے جس طرف موتی ہوتا ہے اسی طرح روشندان مین جو روشنی آتی ہے چونکہ وہ عکس آفتاب ہوتا ہے اسلیے گھر مین ادھر اُدھر گھوم جاتی ہے کیونکہ آفتاب بھی ایک برج سے دوسرے برج مین چلتا ہے (خلاصہ یہ کہ تابع اپنے حالات مین اپنے متبوع کے ساتھ ہوتا ہے اسی طرح ہر نبی کی جیسی نسبت ہوگی اُسکے تابعین وخادمین مین سرایت کریگی

ہر کرا با اخترے پیوستگی ست	مر ورا با اختر خود ہمتگی ست
طالعش گر زہرہ باشد با طرب	میل کلی دارد و عشق و طلب
ور بود مریخی خونریز جو	جنگ و بہتان و خصومت جوید او

یہ مضمون بالا کی تمثیل ہے یعنی جس شخص کو جس ستارہ سے تعلق ہوتا ہے وہ اپنے ستارہ کے ساتھ (اپنے حالات وافعال مین) دوڑتا چلتا ہے (یعنی ویسے ہی افعال اُس سے سرزد ہوتے ہین مثلاً) اگر زہرہ اُسکا طالع ہو جس مین خاصیت طرب کی ہے تو اُس مین میلان وعشق طلب کا اثر ہوگا اور اگر اُسمین طالع مریخ ہے جو کہ خونریز ہے تو وہ شخص جنگ وخصومت وبہتان کی فکر مین ہمیشہ رہے گا (اسی طرح جسکو جس شخص نیک وبد یا جس صفت نیک وبد سے تعلق اور مناسبت ہوتی ہے ویسے ہی صفات اختیار کرتا ہے)

ف مولانا کے کلام سے کوئی شبہہ نہ کرے کہ تاثیرات نجوم اور اُنکی سعادت ونحوست کے معتقد اور مثبت ہین کیونکہ کلام محض تمثیل پر مبنی ہے مثال کبھی واقعی ہوتی ہے کبھی فرضی چونکہ شعراء مین یہ مضمون مشہور تھا شاعرانہ طور پر اپنے کلام مین تمثیلاً لے آئے اور تحقیق اس مسئلہ کی یہ ہے کہ ہر دعوے کے لیے کسی دلیل کی حاجت ہوتی ہے پس جو تاثیرات کواکب کے مشاہدہ سے ثابت ہین مثلاً آفتاب مین حرارت ہونا ماہتاب مین برودت ہونا اور سب کواکب مین نور کا ہونا آفتاب کے طلوع سے دن کا ہونا اُسکے غروب سے رات کا ہونا ان تاثیرات کا اعتقاد جائز ہے شارع علیہ السلام نے اُنکی کہین نفی نہین فرمائی بلکہ بعض کا اثبات کیا ہے اور جو تاثیرات مشاہدہ سے مخفی ہین مگر اُنپر کوئی دلیل صحیح قائم ہے جس طرح کواکب کا رجوم شیاطین ہونا اسکا اعتقاد بھی واجب ہے اور جسپر کوئی دلیل صحیح

قائم نہین جیسے سعادت ونحوست وامثال ذٰلک عقلاً اسمین دونون احتمال تھے وجود اور عدم مگر شارع علیہ السلام نے چونکہ نفی کردی ہے یہ مرجح ہوگیا عدم تاثیر کو اور کوئی دلیل وجود کی جو دلیل شرعی کا معارضہ کرسکے موجود نہین لہذا نا قابل اعتبار ٹھہری اور نجومیون کے حسابات محض وہمی وتخمینی ہین ہزارون خبرین غلط نکلتی ہین تو ایسی وہمی دلیل قطعی دلیل کے معارض کب ہوسکتی ہے۔ پس اسکے بعد بھی اگر کوئی شخص ان کی تاثیرات کا قایل ہو اسمین تفصیل یہ ہوگی کہ اگر شارع کی تکذیب نہین کرتا بلکہ نصوص مین کچھ تاویل کرتا ہے اور کواکب کو مستقل بالتاثیر نہین مانتا بلکہ باذن الٰہی اُن کو اسباب عادیہ سمجھتا ہے چونکہ یہ اعتقاد خلاف واقع ہے اس لیے اس شخص کو صرف کذب کا گناہ ہوگا اور تاویل نصوص سے عجب نہین کسی قدر بدعت کا بھی گناہ ہو اور اگر شارع علیہ السلام کی تکذیب کرتا ہے یا کواکب مین مستقل تاثیر مانتا ہے تو وہ شخص کافر و مشرک ہے۔

اختران اند از وراے اختران | کاحتراق ونحس نبود اندران
سائران در آسمان ہاے دگر | غیر این ہفت آسمان مشتہر
راسخان در تاب انوار خدا | نے بہم پیوستہ نے ازہم جدا
ہرکہ باشد طالع او زان نجوم | نفس او کفار سوزد در رجوم
خشم مریخے نباشد خشم او | منقلب رو غالب و مغلوب خو
نور غالب ایمن از کسف وغسق | درمیان اصبعین نور حق

(منقلب رو اسم فاعل ترکیبی از رفتن۔ اوپر تمثیلاً آثار کواکب کا بیان کیا تھا اب اولیاء اللہ کو اختر سے تشبیہ دیکر اُنکے آثار وبرکات کا بیان فرماتے ہین کہ) اور بھی اختر ہین اِن ظاہری اخترون کے علاوہ کہ (وہ اولیاء اللہ ہین) اُن مین احتراق (بے نوری) اور نحوست (بے برکتی) کبھی نہین ہوتی (بخلاف ان ظاہری اخترون کے کہ کبھی دوسرے اجسام یا کواکب کی حیلولت سے منکسف بھی ہوجاتے ہین اور نجومیون کے زعم مین گاہے اُنمین نحوست بھی ہوجاتی ہے) اور وہ اختران معنوی یعنی اولیاء اللہ دوسرے قسم کے آسمانون پر سیر کرتے ہین جو ان سات مشہور آسمانون سے غیر ہین (یہ دوسرے قسم کے آسمان مقامات عروج روحانی سالکین کے ہین تشبیہاً آسمان کہدیا) اور وہ اختران معنوی انوار خداوندی کی تابش مین راسخ اور ثابت ہین (یعنی ہمیشہ منور بانوار خداوندی رہتے ہین بخلاف اِن اختران ظاہری کے کہ انکو تابش مین دوام وثبات نہین گاہے منور ہین گاہے مظلم) نہ وہ اختران معنوی باہم متصل ہین نہ ایک دوسرے سے منفصل ہین (کیونکہ اتصال وانفصال صفت اجسام ومادیات کی ہے جو عالم خلق سے ہے اور حقیقت انسانی کہ روح ہے مجردات سے ہے جو عالم امر سے ہے لہذا روح اتصال وانفصال سے منزہ ہے اور تحقیق عالم خلق وعالم امر کی اوپر گذر چکی) جس شخص کا طالع ان نجوم معنوی سے ہوتا ہے (یعنی اولیاء اللہ سے وہ مستفید ہوتا ہے) اُسکا نفس کفار کو (نفس امارہ وشیطان کو) سوختہ کردیتا ہے جس طرح اِن نجوم ظاہری سے شیاطین کو رجم کیا جاتا ہے۔ اور اس شخص مستفید من الاولیاء کی یہ صفت ہوتی ہے کہ اُسکا غصہ مریخی (یعنی نفسانی) غصہ نہین ہوتا (بلکہ اُسکا بغض فی اللہ ہے)

اور یہ شخص چلنے مین (تواضعاً منقلب و سرافگندہ ہو کر چلتا ہے اور واقع مین غالب ہوتا ہے اور ظاہر مین مغلوب خو ہوتا ہے (کہ حلم و کرم و عفو اختیار کرتا ہے اور واقع مین منصور من اللہ ہونے کے سبب غالب ہوتا ہے) کیونکہ یہ شخص جن نجوم معنوی سے مستفید ہے انکا نور غالب ہے اور کسوف و ظلمت (روحانی) سے مامون ہے اور حق تعالیٰ کی دو انگشت (امر و قدرت) کے درمیان ہے (یعنی منقاد و مطیع اور تابع فرمان و رضا ہوتا ہے لہذا یہ مستفید بھی اوصاف مذکورہ کے ساتھ موصوف ہوتا ہے)

حق فشاند آن نور را بر جانہا — مقبلان برداشتہ دامانہا

وان نثار نور را دریافتہ — روے از غیر خدا برتافتہ

ہر کرا دامانِ عشقے نابُدہ — زان نثار نور بے بہرہ شدہ

جزوہا را رویہا سوے کل ست — بلبلان را عشق با روی گل ست

(ان اشعار مین نور مذکور کے برکات کا بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے وہ انوار (انبیاء و اولیاء کے ارواح طاہرین پر نازل فرمائے ہین (کہ رسولون کو ہدایت کے لیے بھیجا کتابین نازل فرمائین) جو اُن مین اہل اقبال و خوش بخت ہین اپنے دامن طلب کو پھیلائے ہوئے ہین اور اس نثار نور کو حاصل کر رہے ہین اور غیر اللہ سے رُوگردانی کر رہے ہین اور جسکے پاس دامن عشق نہین ہے اس نثار نور سے وہ بے بہرہ ہے (اور مومنین کا انبیاء علیہم السلام سے مستفید ہونا جائے عجب نہین کیونکہ) اجزاء کو کل کی طرف توجہ ہوتی ہے جس طرح بلبلون کو روے گل سے تعشق ہوتا ہے (پس اہل ایمان مثل اجزاء کے تابع ہین اور انبیاء مثل کل کے متبوع اور تابع کی کشش متبوع کی طرف ضروری ہے)

گاو را رنگ از برون و مرد را — از درون جو رنگ سُرخ و زرد را

رنگہاے نیک از خُمِ صفاست — رنگ زشتان از سیاہ آبہ جفاست

صبغۃ اللہ نامِ آن رنگِ لطیف — لعنۃ اللہ بوے این رنگ کثیف

انچہ از دریا بدریا مے رود — از ہمان جا کامد آنجا مے رود

از سرِ کُہ سیلہاے تیز رو — وز تنِ ما جان عشق آمیز رو

(سیاہ آبہ آب گندہ جفا بالضم جیم کدورت و چرکین ساو پر تابع و متبوع کی مناسبت کا بیان کیا تھا یہان وجہ مناسبت کا بیان ہے کہ مناسبت کس چیز مین ہے فرماتے ہین کہ) گاے بیل کا مختلف رنگ تو ظاہری دیکھنا چاہیے اور آدمی کا مختلف رنگ باطنی دیکھنا چاہیے (مراد اس سے اخلاق مختلفہ حمیدہ و ذمیمہ ہین یعنی مناسبت مذکورہ اخلاق کے اعتبار سے ہے) اچھے رنگ (اخلاق حسنہ) خم صفا (انبیاء و اولیاء) سے حاصل ہوتے ہین اور برون کے رنگ (اخلاق ذمیمہ) آب گندہ و چرکین (شیاطین الانس والجن) سے حاصل ہوتے ہین اس رنگِ لطیف کا نام صبغۃ اللہ ہے (چنانچہ سورۂ بقرہ مین ہے صبغۃ اللہ ومن احسن من اللہ صبغۃ) اور اس رنگ کثیف کا اثر لعنت الٰہی ہے (تابع کے متوجہ ہونے کی بجانب متبوع کے ایسی مثال ہے کہ) چھوٹے دریاؤن سے جو کچھ بحر اعظم مین جاتا ہے یہ وہان ہی سے آیا تھا جہان

جاتا ہے (کیونکہ دریاؤن مین بارش کا پانی ہوتا ہے اور بارش سحاب سے ہوتی ہے اور سحاب مین بعض اوقات بخارات کا پانی ہوتا ہے اور بخارات زیادہ بحر اعظم سے پیدا ہوتے ہین) اسی طرح پہاڑ سے سیل کا پانی تیزی سے چلتا ہے (اور دریا مین جا ملتا ہے کیونکہ اسکی اصل بھی وہی بحر اعظم ہے جیسا ابھی گذرا) ان مثالون سے تابع کا متبوع کی طرف متوجہ ہونا معلوم ہوگیا تو سمجھنا چاہیے کہ ہماری ارواح کا مبدا اور جاذب چونکہ ذات حق ہے اس لیے) ہماری جان عشق آمیز تن سے (شہوات جسمانیہ سے) فرار کرکے اپنے اصل محبوب کی طرف کشش کرتی ہے (یہ سب تفصیل ہے اُس مضمون کی جو ابتداے حکایت مین تھا رگ رگست این آب شیرین و آب شور الخ۔

ف یہ جو ہمنے ان اشعار کی شرح مین کہا ہے کہ سحاب مین بعض اوقات بخارات کا پانی ہوتا ہے وجہ اُسکی یہ ہے کہ ظاہر آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ بارش کا پانی آسمان سے آتا ہے اور بعض روایات مین اسکی تصریح بھی ہے اور بارش کا بخارات سے ہونا مشاہدہ کیا گیا ہے اور مشاہدہ کی تکذیب بھی مثل روایات کے ناجائز ہے اس لیے تطبیق کے لیے یہ کہنا ضروری ہوا کہ دونون طرق سے بارش ہوتی ہے کبھی آسمان سے کبھی بوجہ بخارات کے اور ہمیشہ بخارات سے نہ ہونے کی اس سے بھی تائید ہوتی ہے کہ بعض اوقات کئی کئی سال بارش نہین ہوتی حالانکہ صعود بخارات اور طبقہ زمہریر اور اُسکی برودت سب سامان موجود رہتا ہے اور آسمان سے نازل ہونے کے لیے یہ ضرور نہین کہ وہان سے بطور تقاطر کے ہوتی ہو تاکہ یہ شبہہ ہو کہ بعض لوگون نے پہاڑون پر اپنے نیچے بارش ہوتے دیکھی ہے اور اوپر صاف ہے بلکہ ممکن ہے کہ بواسطۂ ملائکہ کے پانی آسمانون سے بادلون مین بھر دیا جاتا ہو جس طرح کنوئین سے مشک مین بھر کر کسی گھر کے گھڑون مین بھرتے ہین اور یہ کہنا صحیح ہوتا ہے کہ فلان کنوئین سے ہمارے یہان پانی آیا کرتا ہے۔

تحقیق نزول باران از آسمان وگاہی از بخارات

آتش افروختن بادشاہ جہود بت رہ پہلوی آتش نہادن کہ ہر کہ سجود بت کند از آتش رہائی یابد

آن جہود سگ بہ بین چہ رای کرد	پہلوے آتش بتے برپای کرد
کانکہ این بت را سجود آرد رست	ور نیارد در دل آتش نشست

یعنی دیکھو اُس سگ (یہودی بادشاہ) نے کیا راے سوچی آگ روشن کرکے اُسکے برابر ایک بت قائم کیا اور اشتہار دیا کہ جو شخص اس بت کو سجدہ کرلیگا وہ تو اس آگ سے بچ جاویگا اور اگر سجدہ نہ کریگا تو آگ کے اندر داخل کیا جاویگا۔

چون سزای آن بت نفس او نہ داد	از بت نفسش بتے دیگر بزاد
مادر بتہا بت نفس شماست	زانکہ آن بت مار واین بت اژدہاست
آہن و سنگ ست نفس و بت شرار	آن شرار از آب می گیرد قرار
سنگ و آہن زاب کے ساکن شود	آدمی با این دو کے ایمن شود
سنگ و آہن در درون دارند نار	آب را بر نارشان نبود گذار

زاب چون نار برون کشتہ شود　　　در درون سنگ و آہن کے رود

(یہان سے انتقال ہے قصہ سے طرف ارشاد کے فرماتے ہین کہ اُس بادشاہ کی گمراہی کی وجہ یہ تھی کہ) چونکہ اُسنے بت نفس کو سزا نہ دی تھی (اور اُسکو تابع احکام حق کا نہ بنایا تھا) اس لیے اُسکے بتِ نفس سے ایک دوسرا بت پیدا ہوگیا تھا (یعنی اس ظاہری بت کی عبادت کرانے کا سبب اُس کا نفس امارہ تھا تو گویا وہ بت اس نفس سے پیدا ہوا تھا آگے نفس کا سبب اور اصل ہونا اور بت پرستی اور ضلالت کا مسبب اور فرع ہونا بیان فرماتے ہین کہ) (تمام بتون کی اصل) تمہارا بت نفس ہے کیونکہ (ان دونون مین ایسی نسبت ہے کہ) وہ ظاہری بُت مثل سانپ کے ہے اور یہ بت مثل اژدہے کے ہے (یعنی نفس کا شر بُت کے شر سے زیادہ ہے کیونکہ شر بُت بھی تو شر نفس سے ہی پیدا ہوا ہے اور ایسی مثال ہے کہ) نفس تو آہن و سنگ ہے (جسکے جھاڑنے سے آگ نکلتی ہے) اور ظاہری بت مثال چنگاری کے ہے (جو سنگ و آہن سے پیدا ہوتی ہے) چنگاری تو پانی سے تھم بھی جاتی ہے (اور آگے اُسکا نقصان نہین پھیلتا) اور سنگ و آہن کو پانی سے کب سکون ہو سکتا ہے (یعنی اگر سنگ و آہن کو پانی مین دھویا جاوے یا غوطہ دیا جاوے تب بھی جب اُس کو جھاڑا جاویگا آگ دیگا یہ مادۂ نار یہ پانی سے زائل نہین ہو سکتا یہی حالت نفس کی ہے کہ اُس کی ذات مین شر ہے بخلاف بت ظاہری کے کہ اُس کا شر توسط پرستندہ کے ہے جب نفس کی یہ حالت ہے تو) آدمی اِس سنگ و آہن (نفس) کے ہوتے ہوئے کب مطمئن ہو سکتا ہے کیونکہ سنگ و آہن (جنکے ساتھ نفس کو مشابہت ہے) آگ باطن مین لیے ہین اور پانی کا اُن کی آگ تک گذر نہین ہوتا اور پانی سے چونکہ صرف خارجی آگ بجھائی جاتی ہے تو وہ سنگ و آہن کے باطن مین کب جا سکتی ہے

سنگ و آہن چشمۂ نار و دود　　　قطرہاشان کفر ترسا و جہود
بت سیاہ آبست در کوزہ نہان　　　نفس مر آب سیہ را چشمہ دان
بت درون کوزہ چون آب کدر　　　نفس شومت چشمۂ آن ای مصر
آن بت منحوت چون سیل سیاہ　　　نفس بتگر چشمۂ بر شاہراہ
صد سبو را بشکند یکپارہ سنگ　　　واب چشمہ میزہاند بیدرنگ
آب خم و کوزہ گر فانی شود　　　آب چشمہ تا ابد باقی بود
بت شکستن سہل باشد نیک سہل　　　سہل دیدن نفس را جہل ست جہل

یعنی سنگ و آہن آتش و دود کا چشمہ ہے (اسی طرح نفس چشمۂ ضلالت ہے) اور یہود و نصاریٰ کا کفر اُس سنگ و آہن (نفس) کے قطرے ہین (جس طرح چشمہ قطرات کی اصل ہے اسی طرح نفس انواع کفر و ضلال کی اصل ہے اور اس ظاہری بت کی مثال ایسی ہے جیسے کسی کوزہ مین آب سیاہ نہان ہو اور نفس کو ایسا سمجھو جیسا اُس آب سیاہ کا چشمہ تو بت ایسا ہوا جیسے کوزہ مین میلا پانی اور تمہارا نفس شوم اُس کا چشمہ ہوا یا وہ تراشا ہوا بت مثل سیل سیاہ کے سمجھو اور نفس بت تراش کو ایک چشمہ سمجھو جو شاہراہ پر بہتا ہو تو جس طرح کوزہ اور سیل کا پانی ایک جزو ہے آب چشمہ کا اسی طرح

انواع کفر و ضلال ایک شعبہ ہے شرارت نفس کا اور جو اس مضمون کو نہ سمجھے اُسکو اثناء کلام مین مصر یعنی خلاف حق پر اصرار کرنے والا فرما دیا) اگر سو گھڑے پانی سے بھرے ہون تو ایک پارہ سنگ سے ٹوٹ سکتے ہین اور اُنکا پانی ختم ہو سکتا ہے اور چشمہ کا پانی پارہائے سنگ کو بھی اُچھال کر بہ بدزنگ دفع کر دیتا ہے (پس اُسکے بند کرنے کی کوئی صورت نہین) سو خم و کوزہ کا پانی گو ختم ہو جاوے مگر آب چشمہ ہمیشہ باقی رہتا ہے (اسی طرح ظاہری شرور کا انسداد سہل ہے مگر نفس کے باطنی شرور کا خاتمہ مشکل ہے چنانچہ بطور نتیجہ کے فرماتے ہین کہ بت توڑنا تو آسان ہے مگر نفس کو سہل سمجھنا محض جہل ہے۔

صورت نفس ار بجوئی اے پسر	قصۂ دوزخ بخوان با ہفت در
ہر نفس مکرے و در ہر مکر زان	غرق صد فرعون با فرعونیان
در خدائے موسی و موسے گریز	آب ایمان را ز فرعونی مریز
دست را اندر احد و احمدؐ بزن	اے برادر وا رہ از بوجہل تن

یعنی صورت نفس کو اگر تحقیق کرنا چاہو تو دوزخ کا حال پڑھو جسمین سات دروازے ہین (یہ صفت کاشفہ ہے یعنی نفس مشابہ دوزخ کے ہے جس طرح دوزخ مین ہر قسم کے شرور و آفات ہین اسی طرح نفس مین بھی ہزارون شرور و آفات ہین بلکہ شرور دوزخ ان ہی شرور کا ثمرہ ہے) ہر دم (نفس مین) ایک مکر پیدا ہوتا ہے اور اُس کے ہر ہر مکر مین سیکڑون فرعون (اشقیاء اور گمراہ کنندہ) مع اپنے تابعین کے غرق ہو رہے ہین (کیونکہ تمامتر ضلال و اضلال شرارت نفس ہی سے واقع ہوتا ہے) پروردگار موسی اور موسیٰ (شیخ وقت) کی طرف التجا لینا چاہیے (یعنی شیخ کامل کا اتباع اور حق سبحانہ تعالی کی اطاعت کرنا چاہیے تاکہ مکر نفس سے حفاظت رہے) آب ایمان کو فرعونیت (سرکشی و عدم اتباع) سے ضایع نہ کرنا چاہیے حق سبحانہ تعالی اور جناب رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تمسک کرنا چاہیے اور بدولت اِس تمسک کے اس ابو جہل سے جو تن مین موجود ہے (یعنی نفس سے) نجات حاصل کر لینا چاہیے (یعنی اتباع شریعت طریق نجات و حفاظت کا ہے شرور نفس سے اور طریق اتباع کی تفصیل مین شیخ الوقت کی ضرورت ہے پس اتباع شیخ کامل عین اتباع شریعت ہے)۔

در آوردن پادشاہ جہود زنی را با طفل و انداختن طفل را در آتش و بسخن آمدن طفل در آتش

یک زنے با طفل آورد آن جہود	پیش آن بت و آتش اندر شعلہ بود
گفت ای زن پیش این بت سجدہ کن	ورنہ در آتش بسوزی بے سخن
بود آن زن پاک دین و مؤمنہ	سجدہ بت مے نکرد آن موقنہ
طفل از و بستید و در آتش فگند	زن بترسید و دل از ایمان بکند

یعنی ایک عورت بچہ دار کو بادشاہِ یہودی آگ کے روبرو لایا اور آگ بھڑک رہی تھی اور یہ کہا کہ اس بت کے روبرو سجدہ کرو ورنہ آگ مین لاکلام جلادی جاویگی وہ عورت نہایت پاک دین اور باایمان عارفتھی اُس کامل الیقین نے

بت کو سجدہ نہ کیا اُس بادشاہ نے اُس کا بچہ اُس سے لے کر آگ مین ڈال دیا اُس وقت عورت پر خوف (جان طفل) غالب ہوا اور دل ایمان سے اُکھاڑ دیا (یعنی مرتبہ خطرہ مین سجدہ بت کا خیال پیدا ہوا اور اُس سے کفر لازم نہین آتا جب تک اعتقاد اور عزم نہ بدل جاوے)

خواست تا او سجدہ آرد پیش بت ۔ بانگ زد آن طفل کانی لم امت
اندر آ اے مادر این جا من خوشم ۔ گرچہ در صورت میان آتشم
چشم بندست آتش از بہر حجیب ۔ رحمت ست این سر برآوردہ ز جیب
اندر آ مادر بہ بین برہان حق ۔ تا بہ بینی عشرتِ خاصانِ حق
اندر آ و آب بین آتش مثال ۔ از جہانی کاتش ست آبش مثال
اندر آ اسرار ابراہیم بین ۔ کو در آتش یافت ورد و یاسمین

یعنی اُس عورت نے (مرتبہ حدیث النفس مین) چاہا کہ بت کے روبرو سجدہ کر لون فوراً لڑکے نے پکارا کہ مین مرا نہین ہون اے مادر مشفق تو بھی آگ کے اندر چلی آ مین یہان خوش و خرم ہون گو ظاہر مین آگ مین پڑا ہون یہ آگ ایک قسم کی نظر بندی ہے تا کہ راز غیبی پردہ مین رہے یہ واقع مین رحمت خداوندی ہے مگر گریبان آتش سے اسنے ظہور کیا ہے (اسی کو تشبیہاً نظر بندی کہدیا کہ واقع مین تو رحمت ہے مگر صورت آگ کی ہے تا کہ عوام کی نظر سے سر غیبی مخفی رہے) اے مان اندر چلی آ اور دلیل (قدرت) حق کا معاینہ کر (کہ آگ ہے اور نہین جلاتی) تا کہ یہان آ کر خاصان حق کا عیش و آرام تجھکو نظر آوے (کہ آگ مین کیسا آرام کر رہے ہین) اندر آ اور پانی دیکھ کہ آگ کی صورت ہے (یعنی یہ آگ صورۃً گرم ہے اور در واقع مین سرد ہے) اُس عالم سے چلی آ جو واقع مین آگ ہے اور اُسکی صورت پانی کی سی ہے (یعنی دنیا جو فی الواقع مہلک ہے مگر ظاہراً پر نعمت و راحت ہے) اندر آ جا اور اسرار ابراہیمی کا مشاہدہ کر کہ اُنھون نے آتش (نمرودی) مین گلاب و چنبیلی پائے تھے (وہی نمونہ اسوقت موجود ہے)

مرگ مے دیدم گہ زادن ز تو ۔ سخت خوفم بود افتادن ز تو
چون بزادم رستم از زندان تنگ ۔ در جہانی خوش ہوائے خوب رنگ
من جہان را چون رحم دیدم کنون ۔ چون درین آتش بدیدم این سکون
اندرین آتش بدیدم عالمی ۔ ذرہ ذرہ اندرو عیسیٰ دمے
این جہانی نیست شکلی ہست ذات ۔ آن جہانی ہست شکلی بے ثبات

اِن اشعار مین عالمِ دنیا کی تنگی اور عالم غیب کی فراخی کا بیان ہے (لڑکا کہتا ہے کہ) مین جسوقت تیرے بطن سے پیدا ہوا تو اُسکو اپنی موت سمجھتا تھا اور مجھکو بہت ہی اندیشہ تھا تجھ سے وضع ہونے کا (کیونکہ اپنے نزدیک رحم کو بہت بڑا عالم سمجھتا تھا اور چونکہ دنیا کو دیکھا نہ تھا اس لیے اسکو تنگ جانتا تھا اور آتا ہوا گھبراتا تھا) اور جب پیدا ہو چکا اُسوقت معلوم ہوا کہ بڑے تنگ جیلخانہ سے نجات ہو گئی اور ایسے عالم مین (دنیا مین) آ پہونچا کہ جسکی ہوا بھی خوش اور

رنگ بھی خوب (اسی طرح اب یہان آکر) عالم دنیا کو رحم کی طرح پایا جبکہ اس آتش مین ہر طرح کا آرام دیکھا (یعنی جس طرح دنیا مین آکر رحم کی تنگی تحقیق ہوئی اسی طرح یہان آکر چونکہ عالم غیب کا مشاہدہ ہوا اُس کے سامنے دنیا تنگ معلوم ہوتی تب ہے) مین نے اس آتش مین ایک بڑا عالم دیکھا ہے کہ ایک ایک ذرہ اُسمین حیات بخش ہے (کیونکہ عالم غیب مین تو موت نہین ہے ہمیشہ کے لیے حیات ہی حیات ہے کما قال تعالی وان الدار الاخرة لھی الحیوان اور اُسکا دنیا سے بڑا ہونا ظاہر اور آیات واحادیث سے ثابت ہے) یہ عالم (جس کا اسوقت مشاہدہ کر رہا ہون یعنی عالم غیب) شکلاً یعنی ظاہراً تو نیست ہے مگر ذاتاً یعنی واقع مین ہست ہے اور وہ جہان (جس مین تو موجود ہے یعنی دنیا) شکلاً یعنی ظاہراً تو ہست ہے مگر بے ثبات ہے واقع مین (کیونکہ عالم غیب محسوس نہین تو ظاہراً معدوم ہوا لیکن اُسکو بقاء ابدی ہے اس لیے واقع مین موجود کہنے کے قابل وہی ہوا اور دنیا محسوس ہے تو ظاہراً موجود ہی لیکن اُسکو فنا ہے اس لیے واقع مین معدوم کہنے کے قابل ہے قال تعالی ما عندکم ینفد وما عند اللہ باق وقال والاخرة خیر وابقی) ۔

اندر آ مادر بحق مادری	بین کہ این آذر ندارد آذری
اندر آ مادر کہ اقبال آمدست	اندر آ مادر مدہ دولت ز دست
قدرت آن سگ بدیدی اندر آ	تا ببینی قدرت ولطف خدا
من ز رحمت میکشایم پای تو	کز طرب خود نیستم پروای تو
اندر آ و دیگران را ہم بخوان	کاندر آتش شاہ بنہادست خوان

آذر آتش۔ آذری ناریت۔ یعنی ای مان اندر آ جا مین تجکو حق مادری کے وجہ سے بلاتا ہون (یعنے چونکہ مجھپر تیرا حق ہے کہ تیری خیر خواہی کرون اسلیے یہ مشورہ دیتا ہون) اگر تو دیکھ اس آگ مین صفت آگ ہونے کی نہین اے مان اندر آ جا کہ اقبال وخوش بختی کا موقع آگیا ہے اور ایسی دولت کو ہاتھ سے ندے تو اُس سگ یہودی کی قدرت تو دیکھ چکی (کہ مسلمانون کو پکڑ پکڑ کر آگ مین جھونک دیا) اب یہان آ تا کہ خدائے تعالی کی قدرت ولطف کا مشاہدہ کرے کہ (آگ کو مخصوص فی باغ و بہار بنایا) مین صرف محبت کی راہ سے تیرا پانون (زنجیر جسم دنیا سے) کھولنا چاہتا ہون (کہ تجکو اصرار سے بلا رہا ہون یعنی تیرے ہی فائدہ کی نظر سے تجکو ترغیب دے رہا ہون ورنہ میری ذاتی غرض اس سے متعلق نہین ہے) کیونکہ شدت طرب سے خود مجھکو تیری پرواہ نہین ہے (خواہ آوے یا نہ آوے) تو بھی اندر آجا اور دوسرون کو بھی بلالے کیونکہ آگ مین بادشاہ حقیقی (حق تعالی) نے خوان نعمت لگا رکھا ہے

اندر آئید اے مسلمانان ہمہ	غیر عذب دین عذابست آن ہمہ
اندر آئید اے ہمہ پروانہ وار	اندرین آتش کہ دارد صد بہار
اندر آئید اے ہمہ مست خراب	اندر آئید اے ہمہ عین عتاب
اندر آئید اندرین بحر عمیق	تا کہ گردد روح صافی ورقیق

اب وہ لڑکا دوسرے مسلمانون کو آگ مین بلاتا ہی کہ اے مسلمانو سب اندر آجاؤ کیونکہ دین کے آب شیرین کے سوا سب چیزین عذاب (روحانی) ہین (تو جس حالت مین تم ہو وہ عذاب اور جو حالت یہان پیش ہے وہ حلاوت دین ہے تو اُسکو چھوڑکر اُسکو اختیار کرو) اے مسلمانو پروانہ کی طرح سب ایسی آگ مین آجاؤ جسمین صدہا بہارین ہین اور تم لوگ کہ محبت دنیا سے مست وخراب ہو رہے ہو اور اُس یہودی کے معتوب بن رہے ہو آگ کے اندر آجاؤ کہ سب جھگڑون سے نجات ہو اور تم اس عمیق دریا یعنے رحمت مین آجاؤ تا کہ تمھاری روح صاف اور لطیف ہو جاوے (اور دنیا کی کدورت وکثافت سے نجات ہو جاوے)۔

مادرش انداخت خود را اندر او	دست او بگرفت طفل مہر جو
مادرش ہم زان نسق گفتن گرفت	درّ وصف لطف حق سفتن گرفت
اندر آمد مادر آن طفل خرد	اندر آتش گوی دولت را ببرد
نعرہ میزد خلق را کای مردمان	اندر آتش بنگرید این بوستان
بانگ میزد در میان آن گروہ	پر ہمی شد جان خلقان از شکوہ

یعنی اُس لڑکے کی مان نے اپنے آپ کو اُس لڑکے کے پاس آگ مین ڈالدیا اور اُس مہرجو نے فوراً اُس کا ہاتھ پکڑ لیا پھر تو اُس کی مان نے بھی اسی طرح کہنا شروع کیا اور بیان لطف حق کے موتی پرونے شروع کیے (یعنی مثل لڑکے کے لطف حق کا بیان شروع کیا جو اُسکو آگ مین مشاہدہ ہوا) اُس طفل خرد کی مان نے آگ مین جاکر دولت حاصل کی اور خلقت کو چلا چلا کر کہنے لگی کہ ارے لوگو آگ مین یہ باغ دیکھو وہ اُس گروہ کے درمیان آوازین دے رہی تھی اور خلقت کے دل (اُس کلام کی) عظمت اور وقعت سے پُر ہو رہے تھے (کہ اس کو سنکر مغلوب الحال اور مست شوق ہوئے جاتے تھے)۔

انداختن مردمان خویشتن را در آتش

خلق خود را بعد ازان بی خویشتن	می فگندند اندر آتش مرد و زن
بی مؤکل بی کشش از عشق دوست	زانکہ شیرین کردن ہر تلخ ازوست
تا چنان شد کان عوانان خلق را	منع میکردند کاتش در میا
آن جہودک شد سیہ روی و خجل	شد پشیمان زین سبب بیمار دل
کاندر ایمان خلق عاشق تر شدند	در فنای جسم صادق تر شدند

یعنی تمام لوگ مرد وزن اسکے بعد بیخود ہو کر اپنے کو آگ مین ڈالنے لگے نہ اُن پر کوئی شخص ظاہر مین مسلط تھا (کہ اُن کو آگ مین زبردستی پھینکے) نہ کوئی ظاہری سامان کشش کا تھا (کہ کوئی چیز لذت ورغبت کی نظر آتی اور اُسکی حرص مین چلے جاتے) محض اللہ تعالی کے عشق سے یہ بات ہو رہی تھی کیونکہ تلخ (ناگوار) کا شیرین (گوارا) کر دینا تو

اُن ہی کا کام ہے پھر تو یہ نوبت ہوئی کہ سپاہی عام لوگوں کو روکتے تھے کہ آگ میں مت جاؤ وہ یہودی خوب سیاہ رو اور خجل ہوا اور بہت پشیمان ہوا اور دل افسردہ اور سُست ہو گیا کیونکہ لوگ اور زیادہ ایمان کے عاشق اور طالب ہو گئے جیکے مٹانے کی اُسنے فکر کی تھی یا اپنے جسم کے فنا کرنے میں اور زیادہ پختہ ہو گئے۔

مکرِ شیطان ہم درو پیچید شکر — دیو خود را ہم سیہ رو دید شکر
اُنچہ می مالید در روے کسان — جمع شد در چہرۂ آن ناکسان
آنکہ می درّید جامہ خلق چست — شد دریدہ آن او زیشان درست

(ناکسان جمع ناکس بمعنی سرنگون۔ آن او چیز او مراد جامۂ او۔ زیشان بسبب ایشان۔ درست علی وجہ الکمال درترکیب حال ست یہ مقولہ مولانا کا ہے فرماتے ہیں کہ) خدا کا شکر ہے شیطان کا (یعنی اُس یہودی بادشاہ کا) مکر اسی شیطان کی طرف لوٹ گیا اور اسی کو جا لپٹا اور شیطان نے اپنے ہی کو سیہ رو دیکھ لیا (یعنی اوروں کو ذلیل کرنا چاہا تھا خود ہی ذلیل و خوار ہو گیا) اور وں کے چہروں پر جو (سیاہی) ملتا پھرتا تھا وہ سب اُن ہی نگونساروں کے (یعنی یہودی بادشاہ اور اُس کے اعوان و انصار کے) چہرہ پر جمع ہو گیا اور جو شخص جستی چالاکی سے مخلوق کی جامہ دری کرتا تھا (یعنی مخلوق کو ہلاک و تباہ کرنا چاہتا تھا) اُن خلائق کی مظلومیت کے اثر سے پورے طور پر اُسی کا جامہ دریدہ ہو گیا (یعنی وہی تباہ ہو گیا)۔

کژ ماندن دہان آن مردک کہ نام محمّد صلے اللہ علیہ وسلم را تسخر خواند

یہ سرخی مضمونِ سابق سے مرتبط ہے کہ جس طرح اس شخص نے حضور کے نام پاک کو لہجہ سے کج کرنا چاہا اور خود ہی اسکا منہ کج ہو گیا اسی طرح اس یہودی نے جس ذلت میں اوروں کو مبتلا کرنا چاہا تھا خود ہی اسمیں مبتلا ہو گیا۔

ف یہ روایت کہیں حدیث میں نظر سے نہیں گزری۔

آن دہان کژ کرد و از تسخر بخواند — مر محمّد را صلے اللہ علیہ وسلم دہانش کژ بماند
باز آمد کاے محمّد عفو کن — اے ترا الطاف و علم من لدن
من ترا افسوس مے کردم ز جہل — من بدم افسوس را منسوب و اہل

افسوس استہزا و تمسخر یعنی مطلب یہ کہ ایک شخص نے براہ تمسخر کے منہ ٹیڑھا کر کے حضور سرورعالم صلے اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک لیا تو اُسکا منہ ٹیڑھا کا ٹیڑھا رہ گیا حضور کے پاس دوڑا آیا کہ یا رسول اللہ آپ کو الطاف اور علوم لدنی حاصل ہیں میرا قصور معاف کر دیجیے میں جہالت سے آپ سے استہزا کرتا تھا اور واقع میں مَیں ہی خود استہزا کے لائق اور اُس سے نسبت رکھتا تھا۔

چون خدا خواہد کہ پردہ کس درد — میلش اندر طعنۂ پاکان برد
ور خدا خواہد کہ پوشد عیب کس — کم زند در عیب معیوبان نفس

چونکہ اوپر اس شخص کے طعن واستہزار کا بیان تھا اس مناسبت سے اسکی مذمت بیان کرنے لگے فرماتے ہین کہ جب اللہ تعالیٰ کسی کی پردہ دری اور رسوائی چاہتے ہین تو اُسکا میلان نیک لوگون کے طعن مین پیدا کردیتے ہین اور جب کسی کی عیب پوشی اُن کو منظور ہوتی ہے تو وہ شخص عیب دار لوگون کے عیب مین بھی کلام نہین کرتا۔

چون خدا خواہد کہ مان یاری کند	میل ما را جانب زاری کند
اے خنک چشمے کہ آن گریان اوست	وی ہمایون دل کہ آن بریان اوست
آخر ہر گریہ آخر خندہ ایست	مرد آخر بین مبارک بندہ ایست
ہر کجا آب روان سبزہ بود	ہر کجا اشک دوان رحمت شود
باش چون دولاب نالان چشم تر	تا ز صحن جانت بر روید خضر

(خضر بفتحتین تازگی وسبزی۔ چونکہ اوپر اس شخص کا یہ بھی ذکر تھا کہ حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم کے حضور مین معذرت اور عاجزی کرنے آیا اس مناسبت سے عجز وزاری کی مدح کرنے لگے فرماتے ہین کہ جب اللہ تعالیٰ ہماری نصرت فرمانا چاہتے ہین تو ہمارا میلان عجز وزاری کی طرف پیدا کردیتے ہین اور وہ آنکھ نہایت خنک ہے جو اللہ تعالیٰ کی محبت مین گریان ہو اور وہ دل بہت مبارک ہے جو اللہ تعالیٰ کے عشق مین بریان ہے ہر گریہ کا انجام خندہ ہوتا ہے (جیسا ارشاد ہے اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا) اور جو شخص انجام بین ہو وہ نہایت مبارک شخص ہے آگے روانی اشک کی خوبی کی مثال دیتے ہین کہ جہان آب روان ہوتا ہے وہان سبزہ ہوتا ہے اسی طرح جہان اشک روان ہوگا وہان توجہ رحمت ہوتی ہے تم دولاب کی طرح چشم تر ہو تاکہ تمھارے میدان جان مین سبزی جمے (یعنی قلب مین انوار الٰہی کا فیضان ہو)۔

مرحمت فرمود سید عفو کرد	چون ز جرأت توبہ کرد آن روی زرد
رحم خواہی رحم کن بر اشکبار	لطف خواہی بر ضعیفان رحمت آر

یعنے حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے اُس شخص پر رحم فرمایا اور اُسکا قصور معاف کردیا جب اس شرمندہ نے اپنی جرأت سے توبہ کرلی (حضور کے عفو فرمانے کی مناسبت سے مولانا خطاب عام فرماتے ہین کہ) اگر تم کو اللہ تعالیٰ کی رحمت اور لطف حاصل کرنا مقصود ہو تو رونے والون پر اور ضعیف لوگون پر تم بھی رحم کرو۔

عتاب کردن آن بادشاہ جہود مر آتش را

رو بآتش کرد شہ کاے تند خو	آن جہان سوز طبیعی خوت کو
چون نمی سوزی چہ شد خاصیتت	یا ز بخت ما دگر شد نیتت
مے نہ بخشائی تو بر آتش پرست	آنکہ نہ پرستد ترا او چون برست
ہرگز اے آتش تو صابر نیستی	چون نسوزے چیست قادر نیستی

چشم بندست این عجب یا هوش بند | چون نسوزاند چنین شعلہ بلند
جادوئی کردت کسی یا سیمیات | یا خلاف طبع تو از بخت ماست

پھر رجوع ہے قصہ کی طرف یعنی اُس یہودی بادشاہ نے (غیظ وغضب مین مجنونانہ) آگ کی طرف متوجہ ہوکر کہا کہ تو تو تندخو (یعنی طبعاً بڑی تیز) ہے وہ تیری طبعی عادت جو کہ جہان سوز ہے کہان گئی گذری تو جلاتی کیون نہین تیری خاصیت کہان چلی گئی (ہماری قسمت سے تیری بنیاد (اصل وماہیت) ہی بدل گئی (کہ تو آگ ہی نہین رہی)، تو تو کبھی آتش پرست پر بھی رحم نہین کرتی اور جو تیری پرستش بھی نہین کرتا جیسے یہ آگ مین گرنے والے بچے وزن اور مسلمان) وہ کیونکر بچ گیا یہ تو احتمال نہین کہ تو جلانے سے صبر کرتی ہو کیونکہ تو صابر تو ہرگز نہین ہے پھر کیون نہین جلاتی کیا جلانے پر قادر نہین ہے عجب قصہ ہے یہ نظر بندی ہے یہ ہوش بندی ہے (یعنی ہمارے بصر مین خلل ہے یا بصیرت مین) یہ اتنا بلند شعلہ جلاتا کیون نہین تجھپر کسی نے جادو کردیا ہے یا کوئی طلسم وشعبدہ ہے یا تیرے مقتضائے طبیعت کے خلاف ہماری بدقسمتی سے وقوع مین آیا ہے۔

جواب دادن آتش بادشاہ جہود را بامر بادشاہِ حقیقی

گفت آتش من ہمانم آتشم | اندر آتا تو بہ بینی تابشم
طبع من دیگر نگشت و عنصرم | تیغ حقم ہم بدستورے برم
بر درِ خرگہ سگان ترکمان | چاپلوسی کردہ پیش میہمان
ور بخرگہ بگذرد بیگانہ رو | حملہ بیند از سگان شیرانہ او
من زسگ کم نیستم در بندگی | کم ز ترکی نیست حق در زندگی

یعنی آگ نے (باذن حق تعالیٰ) جواب دیا کہ مین وہی آگ ہون تو اندر آکر ذرا دیکھ میری حرارت کا تماشا تجکو نظر آوے میری خاصیت بدلی ہے نہ اصل اور ماہیت مین تغیر ہوا ہے مگر مین حق تعالےٰ کی تلوار ہون اجازت ہی سے کاٹ سکتی ہون (مستقل بالاختیار نہین ہون کہ بلا اجازت کچھ تصرف کرسکون) دیکھو قوم ترکمان کے کتے اُنکے خیمون کے دروازون پر پڑے رہتے ہین اگر کوئی مہمان وشناسا آتا ہے تو اُسکی کیسی چاپلوسی کرتے ہین اور اگر کوئی شخص بیگانہ خیمہ پر آ گذرتا ہے تو وہ شخص دیکھتا ہے کہ وہ کتے شیرون کی طرح اوسپر حملہ کرتے ہین (جب ترکی کے رو برو کتے کا یہ حال ہے تو) مین بندگی اور فرمان برداری مین کتے سے کم نہین ہون اور حق تعالےٰ صفت حی وقیوم ہونے مین ترکی سے کم نہین ہین (تو مین اُنکی اطاعت کیسے نہ کرون)۔

آتش طبعت اگر غمگین کند | سوزش از امر ملیک دین کند
آتش طبعت اگر شادی دہد | اندرو شادی ملیک دین نہد
چونکہ غم بینی تو استغفار کن | غم بامر خالق آمد کار کن

	عین بند پاے آزادی شود	چون بخواہد عین غم شادی شود	

کارکن اسم فاعل ترکیبی دریان سے انتقال ہے) اوپر آتش ظاہری کا تابع فرمان الٰہی ہونا مذکور تھا اب آتش باطنی کا تابع فرمان ہونا مذکور ہوتا ہے) مطلب یہ کہ اگر آتش طبع دروحی طبعی جسکو حار ہونے کیوجہ سے آتش کہدیا) تجکو غمگین کرے دیعنی تمھاری طبیعت کسی غمناک واقعہ سے متاثر ہو کر تھارے لیے جب غم ہو جاوے) تو یہ سمجھ لو کہ وہ شاہِ دین دحق سبحانہ وتعالی کے حکم دتکوینی) سے سوزش (واثر) پیدا کرے گی اسی طرح اگر آتش طبع تجکو خوشی بخشے تو اسمین بھی حق تعالی ہی خوشی کا اثر رکھدین گے دتو یہ آتش بھی مثل آتش ظاہری کے مسخر قدرت ہے) جب یہ بات ہے تو تم جب کبھی غم دیکھو تو فوراً استغفار کرو کیونکہ وہ غم بحکم خالق کارکن اور مؤثر ہوا ہے دکہ اللہ تعالی نے کسی گناہ کی وجہ سے تمپر مسلط فرمایا ہے جب تم رجوع الی اللہ کروگے اور گناہ معاف کرالوگے اللہ تعالی اُس غم کو حکم فرمادین گے کہ دفع ہو جاوے گا کیونکہ اُن کو جب منظور ہوتا ہے تو خود غم ہی خوشی بن جاتا ہی اور خود زنجیر پاے آزادی ہو جاتی ہے دیعنی انکی ایسی قدرت کاملہ ہے کہ زوال سکے غم کے لیے بسبب غم کے ازالہ کی اُنکو ضرورت نہین بلکہ ممکن ہو کہ سبب باقی رہے اور اُسکا اثر بدل جاوے کہ پہلے وہی قصہ باعث غم تھا اب وہی قصہ بوجہ اسکے کہ اسکی حکمت منکشف ہوگئی یا اسمین اجر و ثواب کی اُمید ہوگئی باعث مسرت ہوجاوے چنانچہ بارہا ایسا واقع ہوتا ہی۔

	با من و تو مردہ با حق زندہ اند		باد و خاک و آب و آتش بندہ اند	
	ہمچو عاشق روز و شب بیجان مدام		پیش حق آتش ہمیشہ در قیام	
	ہم بامر حق قدم بیرون نہد		سنگ بر آہن زنی آتش جہد	
	کاین دو میزایند ہمچون مرد و زن		آہن و سنگ از ستم بر ہم مزن	

(اوپر صرف عنصر آتش کے تابع فرمان ہونے کا بیان تھا اب دیگر عناصر و مرکبات کا تابع ہونا بیان کرتے ہین کہ) یہ چارون عنصر حق تعالی کے بندے ہین ہمارے تمھارے روبرو گو مردہ ہین مگر حق تعالی کے روبرو زندہ ہین دکہ حق تعالی کی معرفت اور طاعت انکو حاصل ہے) حق کے روبرو آگ ہمیشہ مثل عاشق بیجان دبے اختیار و مدہوش) کے شب و روز (خدمت کے لیے کمربستہ) کھڑی ہے (اسی طرح مرکبات کا حال ہے کہ) سنگ و آہن کو رگڑنے سے آگ جو نکلتی ہے وہ بھی حق تعالی کے حکم سے نکلتی ہے (اسکے بعد بطور جملہ معترضہ کے نصیحۃً فرماتے ہین کہ) ستم سے سنگ و آہن کو مت رگڑو دیعنی اپنے نفس پر معصیت سے یا اور پر ظلم مت کرو) کیونکہ ان سے مثل اقتران مرد و زن کے حوادث بد پیدا ہوتے ہین۔

ف مولانا نے زندہ اند مین تصریح فرمادی ہے کہ ان جمادات مین کسی قدر حیات ہے اور اہل کشف کے نزدیک تو یہ مسئلہ بالکل محسوسات مین سے ہے مگر اہل استدلال مین سے بھی بہت سے محققین اسکے قائل ہوے ہین اور آیات قرآنیہ و احادیث نبویہ مین جابجا ان اشیا کے لیے صفات و خواص حیات کو ثابت کیا گیا ہی قولہ اِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ لَرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ قولہ علیہ السلام ہذا جبل یحبنا ونحبہ اور اس مین

کوئی استبعاد نہین نہ کوئی دلیل اسکی نافی ہی اور ممکن ہو کہ وہ حیات ایسی ہو جس سے قطع و برید کا الم ان چیزون کو مدرک نہوتا۔

سنگ و آہن خود سبب آمد ولیک ۔ تو بالاتر نگر اے مرد نیک
کاین سبب را آن سبب آورد پیش ۔ بے سبب کی شد سبب ہرگز زخویش
وان سببہا کانبیا را رہبرست ۔ آن سببہا زین سببہا برترست
کاین سبب را آن سبب عامل کند ۔ باز گاہے بے بر و عاطل کند
این سبب را محرم آمد عقلہا ۔ وان سببہا راست محرم انبیا

(مضمون بالا کے ایک جزو کی تائید ہے کہ تمام ممکنات مسخر قدرت ہین اور اُنکے شعور و عدم شعور سے بحث نہین چنانچہ فرماتے ہین کہ سنگ و آہن آگ پیدا ہونے کے لیے سبب بیشک ہے مگر تم اور دیکھو کہ اس سبب تحتانی کا سبب فوقانی کوئی اور چیز ہے کہ اس سبب تحتانی کو اُس سبب فوقانی نے ظاہر کیا ہے بدون اُس سبب فوقانی کے یہ سبب تحتانی خود ہرگز نہین ہو سکتا (کیونکہ یہ سبب تحتانی حادث ہی اور وجود حادث کے لیے محدث کی حاجت ہے اور انتہا اسکی کسی قدیم تک ہونا واجب ہی تاکہ تسلسل محال لازم نہ آوے اور یہ منتہا ہی سبب اصلی و فوقانی ہی اور وہ اسماء و صفات الٰہیہ ہین جنکے تعلق سے عالم میں حوادث پیدا ہوتے ہین بعضے ابتداءً اور بعضے حوادث بتوسط دوسرے حوادث کے اور یہ دوسرے حوادث اسباب کہلاتے ہین اور اپنے وجود مین یہ بھی مثل جمیع حوادث محتاج اسباب قدیمہ کے ہونگے اور وہ اسباب قدیمہ کہ انبیاء علیہم السلام کے رہبر ہین (کہ اُنکا التفات و توجہ اُنکی طرف ہے) وہ ان اسباب حادثہ سے عالی اور فوق ہین (کیونکہ مؤثر عالی ہوتا ہے متاثر سے چنانچہ فرماتے ہین) کہ اس سبب حادث کو وہ سبب قدیم گاہے بااثر کردیتا ہے اور گاہے بے اثر و بیکار کردیتا ہے (کیونکہ اگر وہ اسمین اثر پیدا کرتا ہے تو اثر ہوتا ہے ورنہ نہین ہوتا) اس سبب حادث سے تو عقول عوام بھی واقف ہین اور اُن اسباب قدیمہ سے صرف انبیاء علیہم السلام واقف ہین (یعنی اصالۃً دوسرون کو اُن کی تعلیم سے تبعاً واقفیت ہوجاتی ہے۔

این سبب چہ بود بتازی گو رسن ۔ اندرین چہ این رسن آمد بفن
گردش چرخ این سببہا علت ست ۔ چرخ گردان را ندیدن زلت ست
این رسنہائے سببہائے جہان ۔ ہان وہان زین چرخ سرگردان مدان
تا نمانی صفر و سرگردان چو چرخ ۔ تا نسوزی تو ز بے مغزی چو مرخ

(اوپر کے اشعار مین ثابت کیا تھا کہ منتہا اسباب کا حق سبحانہ و تعالیٰ اور اُن کے اسماء و صفات ہین چونکہ بعض طبیعین و منجمین منتہا اسباب کا فلک کو سمجھتے ہین جن مین بعضے تو حق تعالیٰ کے وجود یا تاثیر ہی کے منکر ہین اور بعضے اختیار و ارادہ کے منکر ہین اسلیے مولانا فلک کے منتہی الاسباب ہونے کو باطل فرماتے ہین حاصل اشعار کا یہ ہے کہ اسباب جزئیہ کی مثال رسن کی سی ہے اور فلک کی مثال چرخی کی جسپر رسن کو کنوین مین چھوڑتے ہین اور دُنیا کی مثال چاہ کی سی تو جس طرح چرخی کے ذریعہ سے چاہ کے اندر رسن آتی ہوئی دیکھکر کوئی شخص چرخی کو فاعل و موثر نہین جانتا

بلکہ جو شخص چرخی کو گھو مارہا ہی فاعل و موثر اسی کو سمجھتے ہین اسی طرح فلک کو فاعل نہ سمجھنا چاہیے بلکہ وہ محض بمقتضاے ارادہ و حکمت الٰہی بعض اسباب حادث کا واسطہ ہے جیسے فصول اربعہ سبب ہین ثمار وحبوب کے پیدا ہونے کا اور ان فصول اربعہ مین اجرام سماویہ کے حرکات واوضاع مختلفہ وطلوع وغروب وغیرہا کو باذن الٰہی کچھ دخل ہے مگر متصرف حقیقی حق سبحانہ وتعالیٰ ہین چنانچہ فرماتے ہین کہ سبب کے معنے لغت عربی مین رسن ہین اور یہ رسن اس چاہ (دنیا) مین کسی فاعل کی ہنرمندی سے پہونچی ہے (تو کسی اور فاعل کی ضرورت ہوئی) اور فلک کی گردش (ظاہر مین) اس رسن کی علت ہے (جیسے کنوین کی چرخی) مگر چرخی گھمانے والے کو نہ دیکھنا (جو فاعل حقیقی ہے) بڑی لغزش اور غلطی ہے پس اس عالم کے رسنہاے اسباب کو خبردار اس فلک متحرک کی طرف مت سمجھنا تاکہ مثل چرخی چاہ کے (تمیز وبصیرت سے خالی اور حرکت جاہلانہ سے) سرگردان نہو جاؤ اور بے مغزی سے مرخ کی طرح (دوزخ مین) نہ جلو (مرخ بفتح المیم وکسر الراء وسکونہا بضرورۃ الشعر ایک درخت ہی جس سے آگ نکالتے ہین اور اُسکو سوختہ بناتے ہین اُسکو بے مغز اسلیے کہا کہ اگر اسمین اور کوئی منفعت مقصودہ سمجھی جاتی تو اُسکو جلانے کے لیے تجویز نہ کرتے)۔

ف ان اشعار مین حرکت فلک کا مضمون بنا بر علی المشہور والتمثیل ہے ورنہ اسپر کوئی دلیل عقلی ونقلی قائم نہین ہوتی البتہ کواکب کی حرکت صحیح وثابت ہی۔

باد آتش مے شود از امر حق ۔۔۔ ہر دو سرمست آمدند از خمر حق

آب حلم و آتش خشم اے پسر ۔۔۔ ہم ز حق بینی چو بکشائی نظر

گر نبودی واقف از حق جان باد ۔۔۔ فرق کے کردی میان قوم عاد

اسمین بھی وہی مضمون ہے تمام اشیا کے مسخر قدرت ہونے کا یعنی حق تعالیٰ کے حکم سے ہوا آتش بن جاتی ہے (جیسا کتب طبیعیات مین مذکور ہے اور مشاہدہ مین ہمیشہ آتا ہی) کیونکہ باد وآتش دونون شراب حق سے مست ہین (یعنی اُن کو جو حکم کیا جاتا ہی اسکا امتثال کرتے ہین) اور جس طرح یہ ظاہری باد وآتش مسخر حق ہین اسی طرح طبعی آب وآتش بھی مسخر ہین چنانچہ فرماتے ہین کہ آب حلم اور آتش خشم کو حق تعالیٰ ہی کی طرف سے دیکھوگے اگر ذرا غور کروگے (یعنی طبیعت مین جو آثار واخلاق برودت وحرارت سے پیدا ہوتے ہین وہ بھی بامر حق ہین) اسکے بعد پھر مضمون سابق سے یا من تو مردہ با حق زندہ اند کی طرف رجوع کرتے ہین جس مین مسخر قدرت ہونے کے ساتھ ان اشیا کے ذی شعور وذی ارادہ ہونے کا بھی اثبات تھا چنانچہ فرماتے ہین کہ اگر ہوا کی جان (روح) حق تعالیٰ سے واقف نہ ہوتی تو قوم عاد مین فرق کب کرتی کہ مسلمان جو خط کے اندر تھے اُن کو گزند نہ پہونچا اور کفار جو خط سے باہر تھے اُن کو ہلاک کر دیا اس خط کا بیان آگے آویگا

ف ظاہرا یہ شبہہ ہو سکتا ہے کہ اہل ایمان کو گزند نہ پہونچانا اور کفار کو ہلاک کرنا اسکو مستلزم نہین کہ ہوا مین حرکت ارادیہ ہو کیونکہ یہ اثر حرکت قسری پر بھی مرتب ہو سکتا ہے جواب یہ ہی کہ یہ امر محتمل ضرور ہے مگر قرائن قویہ سے ترجیح حرکت ارادیہ ہی کو معلوم ہوتی ہے کیونکہ حرکت قسریہ کے لیے خط کھینچنے کی حاجت نہین تھی قاسر یعنی اللہ تعالیٰ سب کو جانتے ہین اُن کے لیے اس علامت کی کیا ضرورت ہے پس غالب یہی ہے کہ ہوا مین اللہ تعالیٰ نے حرکت ارادی

بیہودہ کی تھی اور اُس کو شعور دیا تھا اُسکے اتیان کے لیے خط کھنچا تھا کہ اُسکے نیچے علامت ہو خصوصًا جب علاوہ اِس قرینہ کے نصوص بھی ظاہر اسکے مؤید ہون جیسا اوپر گذر چکا ہے اور آیۂ قالتا اتینا طائعین قریب قریب نص کے ہی اثبات شعور و ارادہ مین زمین و آسمان کے لیے اور گو حکما نے بھی فلک مین ارادہ مانا ہے مگر وہ سب دلائل لغو ہین اس لیے اُسپر اعتماد نہین کیا جاتا اور کوئی یون نہ سمجھے کہ جمادات کے کل حرکات کو ارادیہ کہا جاتا ہے بعض ضرور قسری ہین جیسا خود حیوانات کے بعض حرکات یقینًا قسری ہین پھر بھی نفی ارادہ کی نہین ہے ۔

قصۂ بادکہ در عہد ہود علیہ السّلام قوم عاد را ہلاک کرد

ہود گرد مومنان خطے کشید	نرم مے شد باد کانجا مے رسید
ہر کہ بیرون بود ازان خط جملہ را	پارہ پارہ مے شکست اندر ہوا
ہمچنین شیبان راعی می کشید	گرد بر گرد رمہ خطے پدید
چون بجمعہ می شد او وقت نماز	تا نیارد گرگ آن جا ترکتاز
ہیچ گرگے در نیامد اندر ان	گوسپندے ہم نگشتی زان نشان
باد حرص گرگ و حرص گوسفند	دائرہ مرد خدا را بود بند

ہوا ہ خلا یعنی ہود علیہ السلام نے (جبکہ اُن کے وقت مین ہوا کا طوفان آیا) اہل ایمان کے گرد ایک خط (بطور حصار کے) کھینچدیا ہوا جب وہان پہونچتی تھی نرم ہوجاتی تھی اور جو لوگ (کفار) اس خط سے باہر تھے اُن کو خلا مین اٹھا کر ٹپک کر ریزہ ریزہ کر ڈالتی تھی (اس سے ثابت ہوا کہ ہوا حق تعالی کی فرمانبردار ہے آگے دوسرا قصہ بیان فرماتے ہین جسمین اس مضمون سے ایک بات زائد بھی ہے یعنی بعض اوقات ان مخلوقات لایعقل کا اہل اللہ کے روبرو مسخر ہوجانا تو اللہ تعالی کے روبرو مسخر ہونا تو بدرجہ اولے ثابت ہوگا وہ قصہ یہ ہے کہ) اسی طرح شیبان راعی رحمۃ اللہ علیہ (کہ ایک بزرگ کاملین مین سے ہین) جب نماز جمعہ کو جانے لگتے تو اپنی جگہ گوسفندون کے گرد ایک خط کھینچدیتے تاکہ وہان بھیڑیا آکر حملہ نہ کرے سو نہ تو اس خط کے اندر کوئی بھیڑیا آتا اور نہ اُسکے باہر کوئی بکری نکلتی گویا گرگ کے اندر آنے کی حرص اور گوسفند کے باہر جانے کی حرص جو مشابہ ہوا کے ہے (کہ اُسکا روکنا دشوار ہے) اوس مقبول خدا کے حصار مین مقید ہوگئی تھی کہ حرص گرگ آگے نہ بڑھتی تھی اور حرص گوسفند باہر نہ جاتی تھی ۔

ہمچنین باد اجل با عارفان	نرم و خوش ہمچون نسیم گلستان
آتش ابراہیم را دندان نزد	چون گزیدہ حق بود چونش گزد
ز آتش شہوت نسوزد مرد دین	باقیان را بردہ تا قعر زمین
موج دریا چون بامر حق بتاخت	اہل موسیٰ را ز قبطی وا شناخت
خاک قارون را چو فرمان در رسید	با زر و تختش بقعر خود کشید

(ان اشعار مین عناصر اربعہ کا مسخر قدرت ہونا تفصیلاً بیان فرماتے ہین کہ جسطرح زمانۂ ہود علیہ السلام مین باد طوفان اہل ایمان کے لیے نرم ہوگئی تھی، اسی طرح باد اجل (یعنی مرگ وبلا کہ مہلک ہونے مین مشابہ باد عاد کے ہی) اہل معرفت کے ساتھ نرم وخوش ہوجاتی ہے مثل بلغ کے (کیونکہ اُن کو رضا بالقضاء کی وجہ سے اوس مین ناگواری نہین ہوتی بلکہ راحت ہوتی ہے) پس عنصر ہوا جو مشبہ بہ باد اجل کا ہے اور ہوائے معنوی کہ اجل ہے دونون مسخر قدرت ہوے کہ جسکو ایذا رسانی کا حکم ہوتا ہے اُس کے حق مین موذی ہین ورنہ راحت بخش۔ آگے عنصر آتش کا اور اسکی مناسبت سے آتش معنوی کا کہ شہوت ہے بیان فرماتے ہین کہ آتش نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دانت بھی نہین لگایا جب وہ برگزیدۂ حق تھے تو انکو کب ایذا پہونچا سکتی تھی (کیونکہ حق تعالیٰ مقبولین کے ایذا پہونچانے کے لیے حکم نہین فرماتے اور آتش بدون حکم حق کے کچھ کر نہین سکتی)، اسی طرح جو اہل دین ہین وہ آتش شہوت سے (کہ آتش معنوی ہی) نہین جل سکتے (یعنی مغلوب الشہوت نہین ہوتے) اور باقی لوگون کو یہ شہوت قعر زمین (دوزخ) تک لیجاتی ہی (کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اُسکو اہل دین پر مسلط نہین فرمایا اور وہ بدون اذن الٰہی تسلط نہین کرسکتی) آگے عنصر آب کا بیان ہی کہ دریا یے قلزم کی موج چونکہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی طرف (اوسکی تعمیل کرنے کو) دوڑی تابعین موسیٰ علیہ السلام کو قوم فرعون سے ممتاز کرکے پہچان لیا اور قوم موسیٰ علیہ السلام کو راستہ دیدیا اور قوم فرعون کو غرق کردیا آگے عنصر زمین کو بیان فرماتے ہین کہ خاک قارون جب اللہ تعالیٰ کا حکم پہونچا تو اُسکو مع زر اور تخت کے اپنے قعر مین کھینچ لیا) آگے بعض مرکبات عنصریہ کا مسخر قدرت ہونا مذکور ہے)۔

آب وگل چون از دم عیسیٰ چرید	بال وپر بکشاد مرغے شد پدید
هست تسبیحت بجاے آب وگل	مرغ جنت شد زنفخ صدق دل
از دہانت چون برآمد حمد حق	مرغ جنت ساختش رب الفلق

یعنی آب گل نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پھونک سے جب غذا حاصل کی (جب طین مین حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے پھونک دیا) تو بال وپر کھول دیے اور پرندہ بن گیا (تو یہ مرکب بھی مسخر قدرت ہوا کہ باذن الٰہی نفخ عیسوی سے پرندہ ہوگیا اب استطراداً طین معنوی کا مرغ معنوی بن جانا بیان فرماتے ہین کہ) تمھاری تسبیح (سبحان اللہ کہنا) بمنزلہ آب وگل کے ہے (کیونکہ فعل جسم کا ہے جو کہ مرکب آب وگل وغیرہ سے ہے اور ناشی اور منشا مین مناسبت ہونا ضرور ہے تو گویا تسبیح بھی بجاے آب وگل کے ہوگئی)، مگر بدولت نفخ صدق دل کے (کہ مشابہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نفخ کے ہی کہ صدق سے عبادت مین جان پڑجاتی ہے جس طرح دم عیسیٰ علیہ السلام سے پرندہ مین جان پڑجاتی تھی)، وہ تسبیح مرغ جنت ہوگیا اسی طرح جب تیرے منھ سے اللہ تعالیٰ کی حمد (الحمد للہ) نکلتی ہے تو اللہ تعالیٰ اُس کو مرغ جنت بنادیتے ہین (تو یہ طین وطیر معنوی بھی مسخر قدرت ہین کہ جس طرح بنانا چاہا بن گیا آگے اور قسم کے مرکب کا بیان ہے کہ اپنی ماہیت پر باقی رہے اور افعال وآثار دوسرے انواع کے اسمین پیدا ہوجاوین بخلاف اُس مرکب مذکور کے کہ اوسکی ماہیت ہی بدل گئی تھی کہ طین سے طیر، ہوگیا اور کوہ اپنی ماہیت سے نہین بدلا اور اُسی حالت مین اسمین عاشقانہ حرکت پیدا ہوگئی چنانچہ فرماتے ہین)۔

کوہ طور از نور موسیٰ شد برقص	صوفی کامل شد و رست او ز نقص
چہ عجب گر کوہ صوفی شد عزیز	جسم موسیٰ از کلوخے بود نیز

یعنی کوہ طور نور موسیٰ علیہ السلام سے رقص (حرکت) مین آگیا (نور الٰہی کو نور موسیٰ اسلیے کہدیا کہ مقصود اس نور کی تجلی سے موسیٰ علیہ السلام تھے) وہ پہاڑ صوفی کامل بن گیا (یعنے باعتبار اپنی حالت کے صوفی کامل کے مشابہ ہوگیا حرکت وجدیہ مین) اور نقصان (جمادیت) سے چھوٹ گیا (یعنی اوسکی حالت جمادات کی سی نرہی کیونکہ اُمین یہ حرکت کہان پس ثابت ہوا کہ کوہ طور بھی مسخر قدرت ہی) اور اگر پہاڑ صوفی عزیز بنگیا (گو باعتبار تشابہ حالت سہی) تو اسمین تعجب کی کیا بات ہے آخر حضرت موسیٰ علیہ السلام کا جسم بھی تو کلوخ (یعنی عناصر سے جسمین مٹی غالب تھی) بنا تھا (پس جب اُنکا صوفی ہونا مسلم ہے تو کوہ مین اُن آثار کا پیدا ہونا کیون ناممکن ہے غالبًا مولانا کی رائے یہ ہو کہ اُسمین کیفیت حقیقیہ عشقیہ اللہ تعالیٰ نے پیدا کردی تھی۔

ف ان تمام اشعار مین موجودات عالم کا مسخر قدرت ہونا بیان کیا گیا ہے پھر بعض مین شعور وارادہ کا بھی اثبات ہے اور بعض مین اس سے تعرض نہین۔

طنز وانکار کردن بادشاہ جہود و قبول نکردن نصیحت ناصحان خویش را

این عجائب دید آن شاہ جہود	جز کہ طنز و جز کہ انکارش نبود
ناصحان گفتند از حد مگذران	مرکب استیزہ را چندین مران
بگذر از کشتن مکن این فعل بد	بعد ازین آتش مزن در جان خود
ناصحان را دست بست و بند کرد	ظلم را پیوند در پیوند کرد
بانگ آمد کار چون اینجا رسید	پاے دارے سگ کہ قہر ما رسید

یعنی یہ عجائب غرائب باتین (بچہ کا آگ مین بولنا اور اُسکی مان اور خلائق کا اُسمین گرنا اور نہ جلنا) اُس یہودی بادشاہ نے دیکھین مگر بجز طنز وانکار کے اوس نے دوسرا کام نہ کیا (کہ توبہ کر لیتا) خیرخواہون نے اُس سے کہا کہ اپنے کو حد سے نہ بڑھانا چاہیے اور مرکب مخالفت کو اس قدر نہ چلانا چاہیے اب قتل کرنے سے درگذر کرو اور یہ فعل بد مت کرو اور اس وقت کے بعد سے اپنی جان مین آگ مت لگاؤ (یعنے اپنے کو ہلاک و وبال مین مت ڈالو معلوم ہوتا ہے کہ جب آگ مین لوگ نہ جلے تو تلوار سے قتل کرنا شروع کیا تھا اسی لیے بگذر از کشتن کہا گیا) اُس نے اون نصیحت کرنے والون کو باندھکر قید کردیا اور ظلم کو اور زیادہ پیوند در پیوند کیا (یعنے ایک ظلم عالم مخلوق پھر دوسرے ان ناصحون پر) جب نوبت (ظلم کی) یہان تک پہونچ گئی تو غیب سے ایک آواز آئی کہ او (ر) ناپاک کتے اچھا ٹھہر تو سہی اب ہمارا قہر پہونچا (یعنے پہونچا چاہتا ہے)۔

بر جستن آتش چہل گز بالا و حلقہ شدن گرد جہودان را در میان گرفتن و سوختن

بعد ازان آتش چہل گز بر فروخت
حلقہ گشت و آن جہودان را بسوخت

اصل ایشان بود آتش ز ابتدا
سوے اصل خویش رفتند انتہا

ہم ز آتش زادہ بودند آن فریق
جزوہا را سوے کل باشد طریق

آتشے بودند مومن سوز و بس
سوخت خود آتش مر ایشان را چو خس

یعنی اس آواز نے کے بعد آگ چالیس گز بلند بھڑکی اور مثل حلقہ کے ہو کر ان تمام یہودیون کو جلا پھونک برابر کر دیا (آگے مولانا کا ارشاد ہے متضمن اسرار و نصائح خاتمہ سرخی تک) اُن لوگون کی اصل ابتدا سے آگ کی تھی اسلیے وہ لوگ اپنی اصل کیطرف چلے گئے اور جل گئے آگ کو اُن کی اصل مجازاً بایں معنے کہا گیا کہ جسطرح ہر شے کو اپنی اصل سے مناسبت ہوتی ہے کفار کو دوزخ سے ایک خاص مناسبت ہے باعتبار تکوین کے بھی جیسا حدیث مین ہے کہ اللہ تعالی نے آدمیون کو پشت آدم سے نکالکر بعض کی نسبت فرمایا کہ یہ بہشت کے لیے پیدا ہوے ہین اور بعض کی نسبت فرمایا کہ یہ دوزخ کے لیے پیدا ہوے ہین اور نیز باعتبار صدور اعمال اختیاریہ کے بھی کہ جو اعمال موصل الی النار ہین اُنکی طرف کفار خوشی سے دوڑتے ہین پس ان مین اور دوزخ مین باین وجہ ایک خاص مناسبت ہوئی پس گویا انکا اصل مادہ دوزخ ٹھہرا) وہ لوگ آتش سے پیدا ہوے تھے (بتوجیہ مذکور) اور جزو کو ہمیشہ کل کیطرف راہ اور توجہ ہوتی ہے (اور اُن کو آتش سے ایسی مناسبت تھی گویا) وہ خود بھی ایک قسم کے آتش تھے جو مومن سوز تھی (اس مناسبت کی وجہ سے) آگ نے اُن کو خود مثل خس وخاشاک کے جلا دیا (کیونکہ ایک مجانس دوسرے مجانس کو اپنی طرف جذب کرتا ہے)۔

آنکہ او بود ست اُمہ ہاویہ
ہاویہ آمد مر او را زادیہ

مادر فرزند جویان وے ست
اصلہا مر فرعہا را در پے ست

آبہا در حوض گر زندانی ست
باد نشفش مے کند کارکانی ست

مے رہاند مے برد تا معدنش
اندک اندک تا نہ بینی بردنش

وین نفس جانہاے ما را ہمچنان
اندک اندک دزد داز حبس جہان

(اُمہ ہاویہ مبتدا خبر سے جملہ بنکر بود یعنی کان کی خبر ہے اشارہ ہے طرف آیت قرآنی کے اوپر کے اشعار خاص کفار کے باب مین تھے اب قاعدہ بیان فرماتے ہین کہ) جو شخص ایسا ہو کہ اُسکی مان (یعنی مسکن اصلی مثل رحم مادر کے) ہاویہ (دوزخ) ہو تو ضرور (باہمی مناسبت کی وجہ سے) ہاویہ اُسکے لیے گوشہ اقامت ہوگا کیونکہ فرزند کی مان ہمیشہ (فطری مناسبت کیوجہ سے) اپنے فرزند کی جویان ہوتی ہے (اسی طرح دوزخ اپنی غذا کو کہ کفار ہین ملنگے گی اور کہے گی ہل من مزید جیسا قرآن مجید مین مذکور ہے بخلاف اہل ایمان کے کہ اُن سے خود بعد چاہتی ہے جیسا حدیث

مین ہے کہ جو شخص دوزخ سے پناہ مانگتا ہے دوزخ بھی کہتی ہے کہ اے اللہ اُسکو دوزخ سے علیحدہ رکھیے) اور اصول تو ہمیشہ فروع کے درپے رہتے ہین (اور اُن کو اپنے ساتھ متصل کرنا چاہتے ہین اسکی مثال یہ ہے کہ) پانی حوض مین اگرچہ مقید ہے مگر پھر بھی ہوا اسکو چوستی اور جذب کرتی ہے چونکہ ہوا پانی ارکانی یعنے عنصری چیز ہے (سو دونون کا عنصری ہونا اور دونون کا ہیولیٰ مین متحد ہونا وجہ مناسبت کی ہے اور اس مناسبت کی وجہ سے ایک دوسرے کی طرف منقلب ہوجاتا ہے جیسا کتب فلسفہ طبیعیہ مین مذکور ہے اور ہوا کا جاذب آب ہونا ذکر مین اسلیے خاص کیا گیا کہ یہ زیادہ واقع ہوتا ہے اور اسکا عکس کم بس گویا ہوا مین اصالت کے معنی زائد ہوے) وہ ہوا اُس پانی کو زندان حوض سے چھڑا کر اپنے معدن (کرہ) تک اس طرح آہستہ آہستہ لے جاتی ہے کہ تمکو محسوس بھی نہین ہوتا کہ کتنا کس وقت لے گئی اور اسی طرح مثل تجاذب ہوا و آب باہمی مناسبت کیوجہ سے یہ ہمارا سانس ہماری جانون کو تھوڑا تھوڑا اس محبس دنیا سے (آخرت کی طرف لیے جاتا ہے (کیونکہ ارواح کو عالم غیب کے ساتھ زیادہ مناسبت ہے تو ہر وقت اُن کو اوس عالم سے قرب ہوجاتا ہے اور اُس کا ذریعہ اللہ تعالیٰ نے سانس کو بنایا ہے کہ اس سے عمر گھٹتی ہے اور جسقدر عمر گھٹتی ہے موت اور آخرت نزدیک ہوجاتی ہے اس سے بھی تائید ہوئی کہ باہمی مناسبت کے سبب کشش ہوتی ہے آگے اسی تجاذب متناسبین پر تفریع کرکے فرماتے ہین کہ یہ تجاذب عام و دائم ہے

تا الیہ یصعد اطیاب الکلم	صاعداً منا الی حیث علم
ترتقی انفاسنا بالمنتقی	متحفاً منا الی دار البقا
ثم یاتینا مکافات المقال	ضعف ذاک رحمۃ من ذی الجلال
ثم یلجینا الی امثالہا	کی ینال العبد مما نالہا
ہکذا تعرج و تنزل دائما	ذا فلا زالت علیہ قائما

یہان تک کہ اللہ تعالیٰ کی طرف صعود کرتے ہین پاکیزہ کلمات درحالیکہ وہ صعود کرنے والے ہوتے ہین ہمارے پاس سے اس مقام کی طرف کہ اللہ تعالیٰ جانتے ہین (اوس مقام تک جانا یہی معنے ہین اللہ تک جانے کے پس الی حیث ترکیب مین بدل ہوگا الیہ سے) پس چونکہ کلمات طیبات اور اُس مقام مین کہ مقام مقدس و مقام مقبول ہے باہم مناسبت ہے اسلیے باذن الٰہی وہ کلمات اوس مقام مین پہونچتے ہین سو اس سے بھی تجاذب جنسی کی تائید ہوئی (چڑھتی ہین ہماری سانس (یعنے ہمارے کلمات) مکان پاک مین ایسی حالت مین کہ وہ تحفہ بھیجا گیا ہے ہماری طرف سے دار بقا کیطرف (کلمات کو سانس اس لیے کہدیا کہ کلمات اصوات خاصہ ہین اور اصوات ہوا سے پیدا ہوتے ہین اور یہی ہوا باعتبار آمد و رفت کے سانس ہے) پھر آتی ہے ہمارے پاس پاداش اُس مقال (کلمات طیبات) کی اس مقال سے مضاعف بسبب رحمت کے ذوالجلال کی طرف سے (یعنی اُن کلمات ذکر و تلاوت کی جزا اللہ تعالیٰ کی طرف سے اصل عبادت سے زائد ہو کر ملتی ہے وہ جزاے مضاعف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اُس ذکر کو قبول فرماتے ہین دوسرے خود بندہ کا ذکر فرماتے ہین جیسا ارشاد ہے فَاذْکُرُونِیْ اَذْکُرْکُمْ تو بندہ نے

ایک عمل کیا تھا اور ادھر سے دو چیزین عطا ہوئین پھر کشان کشان لاتا ہے ہمکو جزا مضاعف ہونا یعنی قبول ذکر
طرف امثال اُن کلمات کے (یعنے اللہ تعالیٰ کے لطف قبول وعنایت ذکر کے اثر و برکت سے پھر بندہ ویسی ہی عبادت
اور ذکر کرتا ہے کیونکہ عبادت کے قبول ہونے مین یہ خاصیت ہے کہ بندہ کو اور زیادہ عبادت کی توفیق ہوتی ہے تاکہ
حاصل کرے بندہ دوسری عبادت کر کے) اس ثواب کو جو (پہلی عبادت کر کے حاصل کیا تھا) یعنی اسلیے توفیق دیتے ہین کہ پھر اسکو
جزا ملے اسیطرح عروج کرتے رہتے ہین کلمات طیبات اور نزول کرتی رہتی ہے مکافات و جزا و ہمیشہ یہ کیفیت ہے عروج و
نزول کی دفتا مبتدا محذوف خبر والعروج والنزول الدالة المقام علیہما پس ہمیشہ رہتے ہین وہ کلمات اور مکافات
اسی عروج و نزول پر قائم (یعنی کلمات کا عروج اور مکافات کا نزول ہمیشہ اسی طرح ہوتا ہے پس کلمات کا اپنے
مناسب مقام پر جانا اور مکافات کا اپنے محل قابل کی طرف آنا یہ سبب موید ہے جذب جنسیت کا یا یون کہا جاوے
کہ مقصود صرف عروج کا مضمون ہے اور مضمون نزول صرف تتمیم کے لیے بیان کر دیا گیا ہے)۔

پارسی گوییم یعنی این کشش　　زان طرف آید که آمد آن چشش
چشم هر قومی بسوی مانده است　　کان طرف یک روز ذوقی رانده است

یعنی ہم زبان فارسی مین اسکا حاصل بیان کرتے ہین کہ یہ کشش مذکور اُسطرف سے ہوتی ہے کہ جسطرف سے اول یہ ذوق
آیا تھا (یعنی ہر امر کا جسکے سبب سے ذوق پیدا ہوا ہے اسی کی طرف کشش ہوگی کیونکہ علت فوق سے ضرور مناسبت ہوگی
اور مناسبت مین کشش ضروری ہے مثلاً ذوق عبادت حق تعالیٰ کی طرف سے پیدا ہوا تو عبادت و عابد کی کشش اسیطرف
ہوگی اور مثلاً ذوق معصیت کسی شیطان الانس یا جن کی صحبت سے ہوا تو اُس عاصی کی کشش اسی طرف ہوگی) ہر قوم کی آنکھ
اُدھر ہی لگی رہتی ہے جدھر ایک دن بھی ذوق کو متوجہ کیا ہو (یعنی جہان سے کوئی ذوق خاص ملا ہے اُسی طرف نگرانی
قلب کی رہتی ہے اور ظاہر ہے کہ ذوق حاصل ہوتا ہے اپنے مجانس و مناسب سے تو بالضرور اوسی طرف توجہ و کشش ہوگی
جیسا آگے فرماتے ہین کہ ذوق مجانس ہی سے ہوتا ہے)۔

ذوق جنس از جنس خود باشد یقین　　ذوق جزو از کل خود باشد ببین
یا مگر آن قابل جنسے بود　　چون بدو پیوست جنس او شود
همچو آب و نان که جنس ما نبود　　گشت جنس ما و اندر ما فزود
نقش جنسیت ندارد آب و نان　　ز اعتبار آخر آن را جنس دان

زیادہ قابل جنسی مصدر ہست بمعنی جنسیت (یعنی جنس کو یقینا اپنی جنس سے ذوق حاصل ہوتا ہے اور جزو کو اپنے کل
سے ذوق حاصل ہوتا ہے (کیونکہ اُن مین مجانست ہے) یا (اگر باہم اُن مین بالفعل جنسیت نہوگی تو) بالتحقیق وہ شئے
جنسیت کے قابل ہوگی اور جب یہ شئے اوس دوسری شئے سے ملجاوے گی تو حقیقۃً جنس ہو جاوے گی (یعنی جنسیت
ضرور ہے خواہ بالفعل ہو یا بالقوۃ کہ سر دست تو مغائر ہے مگر اوس مین قابلیت ہے کہ جنس بن جاوے) مثلاً
آب و نان ہے کہ وہ (بالفعل) ہماری جنس نہین مگر اوس مین چونکہ قابلیت جنسیت کی ہے اسلیے بعد کھانے کے

وہ ہماری جنس ہوگیا اور ہمارے اندر درجز و بنکر) نشو و نما پیدا کر دیا تو آب و نان مین صورت جنسیت کی نہین مگر دوسرے اعتبار سے دکہ اوس مین اُس وقت جنس بننے کی قابلیت ہے اور آیندہ حقیقۃ جنس بن جاوے گا اس اعتبار سے اُسکو جنس سمجھو پس اس مجانست بالقوۃ کی وجہ سے آب و نان سے ذوق حاصل ہوتا ہے اور اوسکی طرف میلان ہوتا ہے)۔

در تغیر جنس باشد ذوق ما　　آن مگر مانند باشد جنس را

آنکہ مانندست باشد عاریت　　عاریت باقی نماند عاقبت

مرغ را گر ذوق آید از صفیر　　چونکہ جنس خود نیابد شد نفیر

تشنہ را گر ذوق آید از سراب　　چون رسد در وی گریزد جوید آب

مفلسان گر خوش شوند از زر قلب　　لیک آن رسوا شود در دارِ ضرب

(اسمین تحقیق ہے اس امر کی کہ گاہ گاہ جو غیر جنس کیطرف میلان ہوجاتا ہے اُسکی کیا وجہ ہے تو اوسکی وجہ فرماتے ہین کہ اگر غیر جنس کیطرف ذوق میلان ہو تو وہ غیر جنس غالبًا جنس کے ساتھ مشابہ ہوگا (یعنی اُس مین کوئی وصف عارضی جنس کا سا ہوگا اُس وصف کی وجہ سے میلان ہوگا تو وہ بھی حقیقت مین جنس ہی کا ذوق ہوا لیکن یہ ذوق قابل اعتبار نہین کیونکہ (جو وصف کہ اُسکی وجہ سے صرف وہ شے مشابہ جنس ہے وہ (عارضی ہونے کی وجہ سے) مثل عاریت کے ہوگی اور عاریت باقی رہا نہین کرتی (تو وہ وصف عارضی ضرور زائل ہوگا تو وہ ذوق و میلان بھی جو اُس وصف پر مبنی تھا زائل ہوجاوے گا کیونکہ اگر وہ وصف لازم ہو تب تو وہ شئے ہمجنس ہی ہوگی کیونکہ مجانست سے مراد مناسبت معتد بہ ہے خواہ امر ذاتی سے ہو یا امر عرضی سے لیکن وہ امر عرضی عرض لازم ہو عرض مفارق نہو ورنہ مناسبت معتد بہ نہو گی آگے اسکی مثالین دیتے ہین کہ) کسی پرندہ کو اگر صفیر صیاد سے (کہ اُس مرغ کی سی آواز بناکر بولتا ہے کہ وہ سنکر آجاوے اور دام مین پھنس جاوے) ذوق حاصل ہو مگر جب آکر اپنے جنس کو نہ پاوے گا تو ضرور اُسکو نفرت اور وحشت ہوجاوے گی (گو مشابہت صوت کی وجہ سے ایک لمحہ کے لیے اوسکو کشش اور موانست پیدا ہوگئی تھی مگر چونکہ وہ وصف اصلی نہ تھا اسلیے وہ موانست بھی زائل ہوگئی) اور مثلا تشنہ کو اگر ریگ درخشان دیکھکر اور غلطی سے اوسکو پانی سمجھکر ذوق پیدا ہوجاوے مگر جب اُسکے پاس آوے گا تو اُس سے بھاگ کر پھر پانی کو تلاش کرے گا (گو تھوڑی دیر کے لیے تشابہ صورت کی وجہ سے اوسکی طرف کشش ہوگئی تھی) اور مثلا مفلس لوگ کھوٹا سونا پاکر خوش ہوجاوین مگر جب وہ دار الضرب مین پہونچے گا (جہان وہ پرکھا جاوے گا) تو رسوا و بے قدر ہوجاوے گا (گو بوجہ اس کے کہ وہ زر قلب صورت اور شکل مین زر خالص کے مشابہ تھا جو مفلسون کا مطلوب ہے اور بوجہ مطلوبیت کے اُنکی طبیعت کے مناسب اور مجانس ہے اس تشابہ کی وجہ سے تھوڑی دیر کے لیے وہ بھی ان کا مطلوب ہوگیا تھا مگر جب معلوم ہوا کہ یہ وصف اسکا اصلی نہین ہے مطلوب نہ رہا)۔

تا زر اندودیت از رہ نفگند　　تا خیال کژ ترا چہ نفگند

از کلیله باز جو آن قصه را
واندر ان قصه طلب کن حصه را

در کلیله خوانده باشی لیک آن
قشر و افسانه بود نے مغز آن

(یہ ماقبل پر تفریع ہے اور طالب طریقت کے لیے آئین ارشاد و نصیحت ہے خلاصہ یہ کہ جب تم کو معلوم ہوا کہ بعض اوقات جسکی طرف کشش ہوتی ہے وہ قابل مطلوب ہونے کے نہین ہوتا صرف مکر و فریب سے مطلوب کے سے اوصاف اپنے اندر پیدا کرنے سے اوسکی طرف کشش ہونے لگتی ہے اور آخر مین معلوم ہوتا ہے کہ یہ وصف اصلی نہین اور یہ مطلوب بننے کے لائق نہین تو تم ہوشیار رہو اور ہر درویشی کی شکل و وضع بنانے والے کے معتقد مت ہو جاؤ اور اوسکو شیخ مت بنالو شاید وہ واقع مین کامل نہو بلکہ محض مکار ہو اور تم کو وہ خراب نہ کرے چنانچہ فرماتے ہین کہ) دیکھو ہرگز سونے کی قلعی (یشخان مزور کی تصنعات) تم کو راہ (خدا) سے دور نہ پھینکدے (کہ طریق وصول سے دور ہو جاؤ) خبردار خیال رہے (کہ مدعی کو محقق خیال کرکے اسکی متابعت کرنے لگو) تمکو چاہ ضلالت مین نہ ڈالدے (جس طرح اوس خرگوش کے بہکانے سے اس شیر نے کنوئین مین جھانک کر دیکھا اور صورت غیر واقعی کو واقعی سمجھ کر کنوئین مین جا رہا جسکا قصہ اسکے بعد آتا ہے) کتاب کلیلہ دمنہ مین اوس قصہ کو تلاش کرو اور اس قصہ مین اپنا حصہ (نصیحت) حاصل کر دیون تو تم نے اس کتاب مین پڑھا ہو گا مگر وہ محض پوست و افسانہ مغز (نتیجہ) نہین (اور ہم اوسکو مع نتیجہ بیان کرتے ہین اور شعر تا زر اند وذیت کی یہ بھی ترکیب ممکن ہے کہ تا علت کا ہو اور باز جو جو شعر مؤخر مین ہے وہ اس کا عامل ہو مطلب ظاہر ہے کہ اوس قصہ کو سمجھ کر پڑھ لو تاکہ زر اندودی اور خیال کژ تم کو تباہ نہ کرے)۔

تم الربع من الدفتر الاوّل بحمد الله تعالی خامس شعبان سنہ ۱۳۲۰ھ فی بلدة لکھنو حین کنت مسافرا فیها

بیان توکل و ترک جهد گفتن نخچیران آن شیر را

ربط قصہ کا ماقبل کے ساتھ سرخی بالا کے ختم پر بیان ہو چکا ہے۔

طائفه نخچیر در وادی خوش
بود شان از شیر دائم کشمکش

بسکه آن شیر از کمین در مے ربود
آن چرا بر جمله ناخوش گشته بود

حیله کردند آمدند ایشان بشیر
کز وظیفه ما ترا داریم سیر

جز وظیفه در پے صیدے میا
تا نگردد تلخ بر ما این گیا

یعنی کسی وادی مین ایک جماعت نخچیر دن کی رہتی تھی مگر ایک شیر کے ہاتھ سے مصیبت مین مبتلا تھی چونکہ وہ شیر جب چاہتا جسکو چاہتا اُٹھالے جاتا اسوجہ سے وہ چراگاہ سب کو تلخ معلوم ہوتی تھی آخر سب نے تدبیر کرکے شیر کے پاس آکر کہا کہ ہم تیرا روزینہ مقرر کیے دیتے ہین (جو حسب ضابطہ تیرے پاس پہونچ جایا کرے گا اور جس سے تو ہمیشہ سیر رہے گا سو بجز اپنے معمولی روزینہ کے (کیفما اتفق) شکار کرنے کے لیے مت آیا کر تاکہ (اس اندیشہ مین)

یہ گیاہ و سبزہ ہمکو تلخ نہ معلوم ہو۔

جواب شیر نخچیران را و فائدہ جہد گفتن

گفت آرے گر وفا بینم نہ مکر	مکرہا بس دیدہ ام از زید و بکر
من ہلاک فعل و مکر مردمم	من گزیدہ زخم مار و کژدمم
نفس ہر دم از درونم در کمین	از ہمہ مردم بتر در مکر و کین
گوش من لا یلدغ المؤمن شنید	قول پیغمبر بجان و دل گزید

یعنی شیر نے جواب دیا کہ (تمھاری تجویز مین) کیا مضائقہ بشرطیکہ ایفاے عہد دیکھون کوئی مکر و فریب نہو کیونکہ مین نے مختلف لوگون کے بہت مکر دیکھے ہین اور مین لوگون کی کارروائیون اور مکاریون کا مارا ہوا پڑا ہون اور موذیون کے نیش کا ڈسا ہوا ہون (اس لیے مجھکو اطمینان نہین آگے مولانا بطور انتقال فرماتے ہین کہ اسی طرح) نفس ہر وقت اندر گھات مین لگا بیٹھا ہے سب آدمیون سے زیادہ مکر و کینہ (و ضرر رسانی) مین مشغول ہے (اس قسم کے انتقالات سے تمام مثنوی اسی طرح یہ قصہ پڑھے اور یہی مضامین مصداق ہین حصہ کے جسکی نسبت اس داستان سے در قبل ارشاد ہوا تھا ۔ واندران قصہ طلب کن حصہ ا ه کذا افاد مرشدی رح آگے پھر شیر کا قول مذکور ہے کہ) میرے کان مین یہ حدیث پڑی ہوئی ہے لا یلدغ المؤمن من جحر واحد مرتین یعنی ایماندار ایسا محتاط ہوتا ہے کہ ایک سوراخ سے دو بار نہین ڈسوا تا (مطلب یہ کہ جس امر سے ایک بار ضرر اٹھا چکا ہو اوس امر کا ارتکاب پھر نہ چاہیے جیسا کہا گیا ہی مَنْ جَرَّبَ الْمُجَرَّبَ حَلَّتْ بِهِ النَّدَامَةُ پس جب مین لوگون کی بدعہدیان دیکھ چکا ہون تو پھر اُنکے اوپر اعتماد کرنا غلطی ہی) پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم کا قول جان و دل سے قبول کر لیا ہے۔

ف ہر چند کہ الفاظ حدیث کے عام ہین ضرر دینی و دنیوی کو مگر چونکہ شریعت کو زیادہ نظر دین پر ہے اس لیے اصلی مقصود حدیث کا یہ ہوگا کہ اگر مومن کسی امر سے دینی ضرر دیکھ چکا ہو مثلاً کسی شخص کی صحبت کا اثر یہ پایا کہ اُس سے عقائد یا اعمال یا اخلاق مین خرابی ہونے لگی تو دوبارہ اُس صحبت کو اختیار نہ کرے ورنہ ضرر دنیوی کی نسبت تو ایک حدیث مین وارد ہے اَلْمُؤْمِنُ غِرٌّ كَرِيمٌ یعنی ایماندار بھولا ہوتا ہے کہ دنیوی معاملات مین دھوکہ کھا جاتا ہے اسی طرح دھوکہ باز کی معذرت سے دل فوراً صاف ہو جاتا ہے آیندہ دھوکہ دینے کی بدگمانی کم ہوتی ہے گو اسمین یہ بھی احتمال ہو سکتا ہے کہ مطلب یہ ہو کہ وہ بوجہ کرم کے بھولا بن جاتا ہے اور دوسرے شخص کے دھوکہ بازی پر چشم پوشی کر جاتا ہے تاکہ وہ شرمندہ و ذلیل نہو۔

صحیح حدیث المؤمن غر کریم [illegible] ۱۲

ترجیح نہادن نخچیران توکل را بر جہد و اکتساب

جملہ گفتند ای امیر با خبر	الحذر دع لیس یغنی عن قدر

در حذر شوریدن شور و شرست	رو توکل کن توکل بہترست
با قضا پنجہ مزن اے تند و تیز	تا نگیرد ہم قضا با تو ستیز
مردہ باید بود پیش امر حق	تا نیاید زخم از رب الفلق

یعنی سب نخچیر بولے کہ تم حذر و احتیاط کو ترک کرو کیونکہ وہ تقدیر کے مقابلہ مین کافی و مانع نہین ہوتی احتیاط کرنے مین خواہ مخواہ کا شور و شر ہے توکل کرنا چاہیے توکل بہتر ہے قضا و قدر کا مقابلہ مت کرو تاکہ قضا و قدر بھی تمھارے ساتھ سختی نکرے حق تعالیٰ کے حکم کے روبرو بالکل مردہ بن جانا چاہیے تاکہ حق تعالےٰ کی طرف سے صدمہ نہ پہونچے (رب الفلق بمعنے خالق نور صبح)

ف اس مقام پر شیر اور نخچیرون کا مناظرہ تدبیر اور توکل کی ترجیح مین شروع ہوا اور مضامین مناظرہ کے سب حق ہین مگر ہر مضمون کا ایک مقام ہے کذا قال مرشدی رحمہ اللہ تعالیٰ راقم نے مضامین طومار وزیر یہودی کے ضمن مین اسکی تفصیل لکھدی ہے جس سے تدبیر اور توکل کے محل و مقامات کی تعیین ہوگئی ہے مگر دوبارہ دوسرے عنوان سے بطور تلخیص کے یہان بھی لکھے دیتا ہون اسکے سمجھنے کے بعد اگر مضامین مناظرہ پر منطبق کیا جاوے گا تو کسی مضمون مین اشکال و تعارض نرہے گا حاصل اوس تلخیص کا یہ ہے کہ تدبیر مین دو مرتبے ہین ایک اُسکا نافع ہونا دوسرا اُسکا جائز ہونا سو نافعیت مین تو تفصیل ہے کہ اگر وہ تقدیر کے موافق ہوگی تو نافع ہوگی ورنہ نہین اور اُسکے جواز مین یہ تفصیل ہے کہ اسمین دو مرتبے ہین ایک مرتبہ اعتقاد کا یعنی اسباب کو مثل حکماء طبیعین و منکرین قدر کے مستقل بالتاثیر سمجھا جاوے سو یہ اعتقاد شرعًا حرام و باطل ہے البتہ تاثیر غیر مستقل کا اعتقاد رکھنا یہ مسلک اہل حق کا ہے جس کا انکار اور نفی کرنا جبر مذموم ہے۔ دوسرا مرتبہ عمل کا یعنی مقاصد کے لیے اسباب اختیار کیے جاوین سو اُس کا حکم یہ ہے کہ اُس مقصد کو دیکھنا چاہیے کیسا ہے سو اسمین تین احتمال ہین یا وہ مقصد دینی ہے یا دنیاوی مباح ہے یا معصیت ہے اگر معصیت ہے تو اسکے لیے اسباب کا اختیار کرنا مطلقًا ناجائز ہے اور اگر وہ دین ہے تو دیکھنا چاہیے کہ وہ امر دین واجب ہے یا مستحب اگر واجب ہے تو اُسکے اسباب کا اختیار کرنا واجب ہے اور اگر مستحب ہے تو اوس کے اسباب کا اختیار کرنا مستحب ہے اور اگر وہ دنیائی مباح ہے تو دیکھنا چاہیے کہ وہ دنیائی مباح ضروری ہے یا غیر ضروری ہے اگر ضروری ہے تو اوس کے اسباب کو دیکھنا چاہیے کہ اُن پر اس مقصد کا ترتب یقینی ہے یا غیر یقینی اگر یقینی ہے تو اُسکے اسباب کا اختیار کرنا بھی واجب ہے اور اگر غیر یقینی ہے تو ضعفاء کے لیے اختیار اسباب واجب ہے اور اقویاء کے لیے گو جائز ہے مگر ترک افضل ہے اور اگر وہ دنیائی مباح غیر ضروری ہے تو اگر اُس کے اسباب کا اختیار کرنا مضر دین ہو تو ناجائز ہے ورنہ جائز مگر ترک افضل ہے۔ یہ کل دس صورتین ہین اور ہر ایک کا خاص حکم ہے اس تقریر سے معلوم ہو جاوے گا کہ کس مرتبہ مین توکل جائز یا ناجائز ہے اور ک[illegible]ین تدبیر جائز یا ناجائز ہے۔

ترجیح نہادن شیر جہد و اکتساب را بر توکل و تسلیم

گفت آرے گر توکل بہترست	این سبب ہم سنت پیغمبرست

گفت پیغمبر بآواز بلند / باتوکل زانوے اشتر بہ بند

رمز الکاسب حبیب اللہ شنو / از توکل در سبب کاہل مشو

در توکل جہد و کسب اولیٰ تر است / تا حبیب حق شوی این بہتر ست

رو توکل کن تو با کسب اے عمو / جہد مے کن کسب مے کن موبمو

جہد کن جدے نما تا وارہے / در تو از جہدش بمانی ابلہے

یعنی پیغمبر نے کہا کہ یہ مسلم ہے کہ توکل بہت اچھی چیز ہے مگر اسباب کا اختیار کرنا بھی تو آخر پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے چنانچہ پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو جو اونٹ پر سوار ہو کر حاضر ہوا تھا اور دروازہ مسجد پر اسکو بٹھلایا تھا، بآواز بلند فرمایا کہ (صرف توکل مت کرو) بلکہ توکل کے ساتھ اونٹ کا زانو بھی رسی سے باندھ دو تاکہ یہ چلا نہ جاوے) کاسب کو حبیب اللہ فرمایا گیا ہے اس کے اشارہ کو سمجھو (کہ کسب کی خوبی معلوم ہوتی ہے توکل کی وجہ سے اسباب مین کاہل مت بنو توکل کی حالت مین بھی کوشش اور کسب بہتر ہے تاکہ تم حبیب اللہ بن جاؤ پس توکل کسب کے ساتھ کرنا چاہیے اور جہد و کسب کو اچھی طرح اختیار کرنا چاہیے تاکہ (کاہلی کی مضرت سے بچے رہو اور اگر جہد و جد سے جسکو اللہ تعالیٰ نے مقرر فرمایا ہے رہ جاؤگے تو ابلہ سمجھے جاؤگے۔

ترجیح نہادن نخچیران توکل را بر جہد

قوم گفتندش سبب از ضعف خلق / لقمۂ تزویر دان بر قدر حلق

پس بدانکہ کسبہا از ضعف خاست / در توکل تکیہ بر غیرے خطاست

نیست کسبے از توکل خوب تر / چیست از تسلیم خود محبوب تر

بس گریزند از بلا سوے بلا / بس جہند از مار سوے اژدہا

حیلہ کرد انسان و حیلہ اش دام بود / آنکہ جان پنداشت خون آشام بود

در ببست و دشمن اندر خانہ بود / حیلۂ فرعون زین افسانہ بود

صد ہزاران طفل کشت آن کینہ کش / وانکہ او مے جست اندر خانہ اش

یعنی جماعت نخچیران نے کہا کہ اسباب کو (جن کے شروع ہونے کا سبب لوگون کی کم ہمتی ہے مثل لقمۂ تزویر کے سمجھو جو بقدر حلق (یعنی استعداد) کے ہوتا ہے (اور مریض کے بہلانے کو براے نام غذا کی شکل بنا کر دیا جاتا ہے کیونکہ بوجہ ضعف کے قوی غذا کو ہضم کرنے کی اُس مین استعداد نہین اسی طرح توکل کے لیے قوت ہمت کی ضرورت تھی جو عام خلائق مین مفقود ہے اسوجہ سے اُن کے ضعف کے لحاظ سے اسباب موضوع کیے گئے) غرض یہ سمجھ لو کہ کسب بوجہ ضعف خلق کے پیدا ہوا ہے ورنہ توکل مین تو غیر پر اعتماد کرنا سخت غلطی ہے (اور اسباب یقیناً غیر ہین اور کوئی کسب توکل سے بڑھ کر نہین اور بھلا اپنے کو تسلیم کر دینے سے بڑھ کر کیا چیز محبوب ہوگی بہت سے لوگ ایسے ہوے ہین

کہ بلا سے بھاگ کر بلا ہی کی طرف چلے گئے اور ایسی مثال ہو گئی جیسے سانپ سے بھاگے اور اژدہا کی طرف چلے گئے یعنی انسان نے کوئی تدبیر کی اور وہ تدبیر اوسکے لیے جال نکلی جس کو محبوب سمجھا تھا وہی خون پینے والا نکلا اور ایسی مثال ہو گئی کہ کسی نے گھر کا دروازہ بند کر لیا (کہ کوئی دشمن نہ آنے پائے) اور اتفاق سے دشمن گھر کے اندر موجود تھا چنانچہ فرعون کی تدبیر اسی قبیل کی تھی کہ لاکھون لڑکے قتل کر ڈالے اور جس کو تلاش کرتا تھا (یعنے حضرت موسیٰ علیہ السلام وہ اُس کے گھر کے اندر تھے (پس معلوم ہوا کہ جہد و تدبیر سب لاحاصل ہے)

دیدۂ ما چون بسے علت درو ست	رو فنا کن دید خود در دید دوست
دید ما را دید او نعم العوض	یابی اندر دید او کلی غرض
طفل تا گیرا و تا پویا نہ بود	مرکبش جز گردن بابا نہ بود
چون فضولی کرد و دست و پا نمود	در عنا افتاد و در کورد کبود

دیدہ ما فکر و تدبیر ما غرض مقصود (یعنی جب ہماری تدبیر و فکر مین سیکڑون خرابیان ہین (جیسا اوپر بیان کیا گیا کہ بعض اوقات نفع کے لیے تدبیر کرتے ہین اُسمین اُلٹا نقصان ہو جاتا ہے) تو اس حالت مین اپنی فکر و تدبیر کو تدبیر محبوب مین (کہ تقدیر ہے) فنا کر دینا چاہیے (یعنی اپنے سب کام حضرت حق کے تفویض کر دینا چاہیے یہی توکل ہے) کیونکہ اُن کی تدبیر ہماری تدبیر کا نعم العوض ہے (اگر اپنی تدبیر چھوڑ دین گے وہ ہماری کارسازی کرین گے) اور اون کی تدبیر سے تمامی مقاصد حاصل ہو جاوین گے (اسکی ایسی مثال ہے کہ) بچہ جب تک ہاتھ سے پکڑنے کے اور پاؤن سے چلنے کے قابل نہین ہوتا تو باوا کی گردن پر چڑھا چڑھا پھرتا ہے اور جب فضولی کر کے ہاتھ پاؤن نکالتا ہے تو مشقت اور مصیبت مین پڑ جاتا ہے (اسی طرح بندہ کی حالت ہے کہ اگر متوکل ہو کر بیدست و پا ہو جاوے تو حضرت حق جل شانہ کی طرف سے اوسکی کفالت ہوتی ہے اور جو کسب و تدبیر کرتا ہے اوسکو خود اپنا کفیل بننا پڑتا ہے۔

جانہائے خلق پیش از دست و پا	می پریدند از وفا سوے صفا
چون بامر اھبطوا بندی شدند	حبس خشم و حرص و خورسندی شدند
ما عیال حضرتیم و شیر خواہ	گفت الخلق عیال للالہ
آنکہ او از آسمان باران دہد	ہم تواند کو ز رحمت نان دہد

(وفا مصدر یعنی وافی و کامل شدن مراد کمال حالت یہ تائید ہے بے دست و پائی کے فضیلت کی اگرچہ توکل کی بے دست و پائی جو اوپر مذکور ہوئی ہے اختیاری ہے اور یہ دست و پائی جسکا ان اشعار مین ذکر ہے اضطراری ہے لیکن نفی اختیار دونون مین مشترک ہے اس سے قیاس کر کے ایک کی فضیلت سے دوسری کی فضیلت کا اثبات صحیح ہو سکتا ہے تو فرماتے ہین کہ) خلائق کی ارواح دست و پا یعنی قید اجسام سے پہلے (عالم تجرد مین) اپنے

کمال حالت کے سبب (کہ تجرد ہے) عالم صفا (عالم غیب) کی جانب مین (کہ علائق مادہ سے صاف ومنزہ ہے) ہم
عروج (معنوی) کیا کرتی تھین (وہ عروج معنوی معرفت ومحبت حق تعالیٰ کی ہے جو ارواح و ناسوت مین آنے
سے پہلے حاصل تھین) جب حکم اہبطوا کی وجہ سے مقید باجسام ہو گئے (یعنی ارواح کو حکم ہوا کہ جسم سے متعلق ہو جاؤ
جیسے ارشاد ہوا ہے ونفخت فیہ من روحی کذا قال مرشدی) چونکہ تعلق جسمانی ارواح کے حق مین عروج سابق
کے اعتبار سے تنزل کی حالت تھی اس لیے نفخ کو ہبوط کہدیا پس ہبوط روایت بالمعنی ہے اور اس
سے مراد وہ اہبطوا نہین ہے جو قرآن مجید مین بضمن قصہ آدم علیہ السلام مذکور ہے پس روایت باللفظ نہین
ہے کیونکہ یہ ہبوط بعد تعلق بالاجسام کے تھا حضرت آدم علیہ السلام کا جسمانی ہونا تو ظاہر ہے اور حدیث اخذ میثاق
سے معلوم ہوتا ہے کہ سب کو چیونٹیون کی قد وقامت مین عرفات مین جمع کرکے عہد لیا گیا پس اس سے بنی آدم کا
تقید بالاجسام بھی ظاہر ہے غرض جب وہ ارواح مقید بالاجسام کر دی گئین) تو (صفات بشریہ) غضب وحرص وفرح
مین گرفتار ہو گئین (جسکو افتتاح مثنوی مین شکایت جدائیہا سے تعبیر کیا ہے تو دیکھو بیدست وپائی کی حالت کیسی
محمود تھی پس اسی طرح اب باختیار خود بیدست وپا ہوجانا چاہیے آگے بچہ کی تمثیل کو منطبق فرماتے ہین کہ ہم اس بچہ
کی طرح بے دست وپا کیون نہ ہوجاوین کیونکہ ہم بھی اوس درگاہ مین مثل عیال واطفال کے ہین (کہ اون کی تربیت و
کفالت کے محتاج ہین) اور اُن سے اپنی غذا مانگتے ہین چنانچہ حدیث مین ارشاد ہوا ہے کہ خلائق اللہ تعالیٰ کی کنبہ ہین
اور زیر کفالت ہین تو ایسی حالت مین ہم تدبیر کیون کرین اللہ تعالیٰ ہی سے نہ مانگین کیونکہ جو ذات پاک آسمان سے
بارش عطا فرماتی ہے (جس سے ہم کاشت کی تدبیر کرتے ہین) وہ اسپر بھی تو قادر ہین کہ اپنی رحمت سے روٹی دیدین
(تو براہ راست ہی کیون نہ مانگین)۔

باز ترجیح نہادن شیر جہد را بر توکل کردن

گفت شیر آرے ولے رب العباد — نردبانے پیش پاے ما نہاد
پایہ پایہ رفت باید سوے بام — ہست جبری بودن اینجا طمع خام
پاے داری چون کنی خود را تو لنگ — دست داری چون کنی پنہان تو چنگ
خواجہ چون بیلے بدست بندہ داد — بے زبان معلوم شد اورا مراد
دست ہمچون بیل اشارتہاے اوست — آخر اندیشی عبارتہاے اوست

یعنی شیر نے جواب دیا کہ تمہاری تقریر مسلم ہے (کہ کارساز اللہ تعالیٰ ہی ہین) مگر اللہ تعالیٰ نے (مقاصد وثمرات
تک پہونچنے کے لیے اسباب کا) ایک زینہ ہمارے پاؤن کے آگے قائم کر دیا ہے پس بام پر ایک ایک پایہ طے
کرکے جانا چاہیے (اسی طرح مقاصد تک بذریعہ اسباب پہونچنا چاہیے) اس مقام پر جبری بنجانا (کہ مین زینہ قطع
نہین کرتا اللہ تعالیٰ بام پر خود پہونچا دین گے) نری طمع خام ہے جسکا کوئی ثمرہ مرتب نہین ہوگا اور بام تک ہرگز

نہ پہونچےگا، جب تمھارے پاؤن ہین تو اپنے کو لنگ کیون بناتے ہو اور جب تمھارے ہاتھ ہین تو تم انکو کیون چھپاتے ہو، اور کام کیون نہین لیتے، فرض کرو کسی آقا نے اپنے غلام کو ایک بیلچہ دیا جس سے زمین کھودتے ہین اور زبان سے کچھ نہ کہا، یقیناً بے زبان سے کہے اُسکو آقا کا مطلب معلوم ہوجاوےگا (کہ زمین کھودنے کا حکم دیا ہے) اسی طرح ہاتھ دینا (جو جوارح ظاہری سے ہے) بیلچہ کی طرح اللہ تعالیٰ کے اشارات ہین (کہ ان سے کام لو) اور اللہ تعالیٰ نے جو انسان مین انجام اندیشی کی قوت رکھی ہے (جو قوائے باطنی سے ہے) یہ ایسا ہے جیسے صریح عبارت سے فرمادیا ہو (کہ نقصان کو سوچو یہی سب کسب و تدبیر ہے) پس اللہ تعالیٰ کے نزدیک اُسکا محمود و پسندیدہ ہونا ثابت ہوگیا۔

چون اشارتہاش را بر جان نہی — در وفائے آن اشارت جان دہی
پس اشارتہاش اسرارت دہد — بار بردارد ز تو کارت دہد
حاملے محمول گرداند ترا — قابلے مقبول گرداند ترا
قابل امر وئی قابل شوے — وصل جوئی بعد ازان واصل شوے

(حامل بردارندہ۔ محمول برداشتہ شدہ) یعنی جب ثابت ہوا کہ ہاتھ پاؤن دینا اشارہ ہے کسب و عمل کا پس اگر تم اللہ تعالیٰ کے اشارات کو جان و دل سے قبول کرو اور اُن اشارات کے پورا کرنے مین کوشش کرو تو وہ اشارات خداوندی (یعنی اُن پر عمل کرنا) تم کو اسرار و علوم بخشین گے (کیونکہ مجاہدہ سے مشاہدہ حاصل ہوتا ہے) اور تم سے مشقت رفع کرکے ثمرہ دینگے اب تو تم اُن اعمال کو اُٹھانے ہو پھر وہ اعمال تمکو اُٹھالین گے (یا مجازاً دُنیا مین کہ سبب ہوجاوین عروج روحانی کے اور یا حقیقۃً قیامت مین جیسا حدیث مین ہے) اب تو تم احکام کو قبول کروگے پھر مقبول الٰہی ہوجاؤگے اب تک اوامر کے قبول کرنے والے ہوگے پھر قابل درگاہ خداوندی ہوجاؤگے اب (عمل و مجاہدہ سے) طالب وصل ہوگے پھر واصل ہوجاؤگے (پس یہ سب ثمرات کسب و عمل کے ہین اور جوارح و قوی کے تعطل مین یہ دولت کہان نصیب ہوسکتی ہے)۔

سعی شکر نعمتِ قدرت بود — جبر تو انکار آن نعمت بود
شکر نعمت نعمتت افزون کند — کفر نعمت از کفت بیرون کند
جبر تو خفتن بود در رہ مخسپ — تا نہ بینی آن در و درگہ مخسپ
ہان مخسپ ای کاہل بے اعتبار — جز بزیر آن درخت میوہ دار
تاکہ شاخ افشان کند ہر لحظہ باد — بر سرت دائم بریزد نقل و زاد
جبر خفتن در میان رہزنان — مرغ بے ہنگام کے یابد امان

یعنی سعی و عمل کرنا نعمت قدرت کا شکر ادا کرنا ہے (یعنی اللہ تعالیٰ نے جو صفت قدرت بندہ کو عنایت کی ہے وہ ایک نعمت ہے اُسکا شکر یہی ہے کہ اپنی قدرت کو اعمال نیک مین صرف کرے) اور اعتقاد جبر (نفی اختیار و قدرت)

کرلینا یہ اس نعمت کا انکار و کفران ہے اور نعمت کا شکر کرنا نعمت کو بڑھاتا ہے اور کفران کرنا نعمت کو تمہارے ہاتھ سے سلب کردیتا ہے (پس عمل کہ نعمت ہے موجب مزید نعمت ہوگا کہ قدرت و توفیق اعمال حسنہ کی زیادہ ہوگی اور جبر و تعطل کہ کفران ہے موجب سلب نعمت ہوگا کہ روز بروز توفیق مین کمی ہوتی جاویگی جسکا انجام حرمان ہوگا۔

ف اب جاننا چاہیے کہ جبر بالمعنی الاعم یعنی مطلق نفی الاختیار دو قسم ہے ایک وہ جس کا منشا فساد اعتقاد ہے یعنی یہ اعتقاد کرنا کہ واقع مین بندہ کو کوئی اختیار قوی یا ضعیف دیا ہی نہین گیا یہ جبر مذموم کہلاتا ہے اور فرقہ جبریہ اسی کی معتقد ہین اور اہل حق نے کتاب و سنت سے اسی کو باطل اور رد کیا ہے اور اسکے قائل ہونے کا اثر اعمال خیر کا ناقص یا متروک ہوجانا اور شہوات مین بیباک و دلیر اور اپنی بیگناہی کا معتقد ہوجاتا ہے دوسرا وہ جس کا منشا غلبۂ مشاہدہ اختیار خداوندی ہے یعنی چونکہ حق جل وعلا شانہ کے تصرفات و اختیارات عالم مین جاری و ساری دیکھ رہا ہی اس لیے باوجود اس اعتقاد کے کہ ہم کو بھی واقع مین کچھ اختیار دیا گیا ہے اس اختیار خداوندی کے روبرو اپنے اس اختیار ضعیف کو محض عدم تو نہین مگر کالعدم سمجھتا ہے جیسا وحدۃ الوجود کے مسئلہ مین وجود ضعیف کا مضمحل ہونا وجود قوی کے سامنے بیان کیا گیا ہے یہ جبر محمود کہلاتا ہے اور یہ عارفین کا مذاق ہے اور کتاب و سنت اسکو رد نہین کرتے بلکہ موید ہین اور اسکے حاصل ہونے کا اثر طاعات کا زائد و کامل ہوجانا اور خلاف مرضی الٰہی ارادون کا فنا ہوجاتا ہے جب یہ قسمین معلوم ہوگئین تو سمجھنا چاہیے کہ ان اشعار مین جو جبر کی مذمت کی گئی شاید کوئی تارک اعمال و عبادات یہ کہتا کہ میرا جبر محمود ہے مذموم نہین اسلیے مولانا اگلی شعر سے اسکا جواب دیتے ہین جسکا خلاصہ یہ ہے کہ تو غیر واصل ہے تیرا جبر جب ہوگا مذموم ہوگا البتہ واصل ہونے کے بعد جبر محمود نصیب ہوسکتا ہے اسی کو ایک مثال کے ضمن مین بیان کیا ہے جس سے دونون جبرون کے نتائج و آثار مین فرق بھی معلوم ہوجاوے گا چنانچہ ارشاد فرماتے ہین کہ مطلق جبر کی مثال ایسی ہے جیسا سونا (کہ اسمین مسلوب الاختیار ہوجاتا ہے) تو تم راہ مین مت سوؤ (یعنی جب تک طریق وصول الی اللہ کو قطع نہین کیا اسوقت تک جبر کو اختیار مت کرو کیونکہ ایسے وقت مین چونکہ غلبۂ مشاہدہ یقیناً حاصل نہین تو وہ جبر جبر مذموم ہوگا صرف نفس نے اپنے آرام کے لیے اسکو ایک بہانہ تجویز کیا ہے) جب تک اس (محبوب کے) در و درگاہ کو دیکھ لو (یعنی مقام مشاہدہ تک وصول نہ ہوجاوے) اسوقت تک مت سوؤ (یعنی جبر اختیار مت کرو) دیکھو خبردار تم کہ کاہل و بے اعتبار ہو (کیونکہ مبتدی کا قائل جبر ہونا نفس کی کاہلی سے ہوتا ہے اسلیے اسکا اعتبار نہین) جب تک درخت میوہ دار کے نیچے نہ پہونچ جاؤ (کہ وہ مقام وصول و مشاہدہ ہے جسکا ثمرہ قرب و فیوض الٰہیہ ہین) اسوقت تک مت سونا (یعنی جبر کو اختیار مت کرنا البتہ درخت مشاہدہ تک پہونچ کر اگر سو رہو یعنی جبر اختیار کرلو تو مضائقہ نہین کیونکہ وہ جبر دوسری قسم کا ہوگا کہ محمود ہے اور مضر نہین بلکہ موجب ترقی مراتب قرب ہے جیسا فرماتے ہین) تاکہ (اس درخت کے نیچے سونے سے) ہر لحظہ ہوائے فیض الٰہی شاخ کو ہلا کر تمپر میوہ افشانی کرے اور تمہارے سر پر نقل و زاد (مراتب قرب و علوم و اسرار) کو ریختہ کرے اور جبر مذموم ایسا ہے جیسا کوئی (منزل پر پہونچنے کے قبل) رہزنون کے درمیان سو رہے (تو بوجہ اسکے کہ بیوقت اسنے ایک کام کیا مثل مرغ بے ہنگام کے ہوگا

اور مرغ بے ہنگام امن نہین پاتا جیسا ولایت مین دستور ہے کہ بے وقت اذان کہنے سے اُس مرغ کو ذبح کر ڈالتے ہین اسی طرح یہ شخص ہلاک ہوگا۔

ور اشارتہاش را بینی زنی ‌ ‌ مرد پنداری و چون بینی زنی

این قدر عقلے کہ داری گم شود ‌ ‌ سر کہ عقل از وے بپرّد گم شود

زانکہ بے شکری بود شوم و شنار ‌ ‌ می برد بے شکر را در قعر نار

گر توکل می کنی در کار کن ‌ ‌ کسب کن پس تکیہ بر جبار کن

تکیہ بر جبار کن تا وارہی ‌ ‌ ورنہ افتی در بلا و گمرہی

(یہ معطوف ہے اوپر کے شعر ’’چون اشارتہاش را بر جان نہی‘‘ الخ پر جو اسکے قبل دسوان شعر ہے) مطلب یہ کہ اگر تم اشارات الٰہی سے (کہ ہاتھ یا نُون دینا اشارہ ہے حکم اعمال نافعہ کی طرف جیسا اوپر بیان ہوا ہے) اعراض کروگے (اور ان جوارح و قوی کو معطل کر دوگے) تو تم گو اپنے کو مرد سمجھو مگر واقع مین غور کروگے تو عورت ہوگے (کیونکہ بڑا مابہ الامتیاز مرد و زن مین کثرت فہم و قلت فہم ہے) اور چونکہ ان چیزون کا معطل کر دینا کفران نعمت ہے جیسا جبر کا کفران ہونا اوپر بیان کیا ہے اور کفران سے نعمت سلب ہو جاتی ہے اس لیے انجام اس تعطل کا یہ ہوگا کہ (تھوڑی بہت جو عقل رکھتے بھی ہو وہ بھی گم ہو جاوے گی اور جس سر سے عقل سلب ہو جاوے (جس مین دماغ ہے جس سے قوت عقلیہ کا تعلق ہے) تو وہ سر مثل (دم ہو جاوے گا (جو محل نجاست ہی کیونکہ بدعقلی بھی ایک قسم کی معنوی گندگی ہے) اور یہ عقل کا گم ہونا اسوجہ سے ہوگا کہ ناشکری بڑی نحوست اور عیب کی بات ہی اور ناشکر آدمی کو قعر جہنم مین لے جاتی ہے (جیسا ابھی جبر کا ناشکری ہونا بیان کیا گیا ہے جب معلوم ہوا کہ ترک اسباب مطلقاً مذموم ہے) پس اگر توکل کرو تو کام کے اندر توکل کرو (یعنی کسب اور کام کرو پھر اسباب کے اندر اثر بخشنے مین اور اُن پر مسبب کے مرتب ہونے مین) اللہ تعالیٰ پر اعتماد کرو (اور اسباب کو مستقل بالتاثیر مت سمجھو) یہ اعتماد خاص (استقلال تاثیر مین صرف اللہ تعالیٰ پر رکھو تاکہ (گمراہی سے) چھوٹ جاؤ ورنہ (اگر اسباب کو مستقل بالتاثیر سمجھ بیٹھے تو) بلاے گمراہی (فساد عقیدہ) مین پڑ جاؤ گے)۔

باز ترجیح نہادن نخچیران توکل را بر جہد

حیلہ ہا و بانگ ہا برداشتند ‌ ‌ کان حریصان کاین سبب ہا کاشتند

صد ہزار اندر ہزاران مرد و زن ‌ ‌ پس چرا محروم ماندند از زمن

صد ہزار ان قرن ز آغاز جہان ‌ ‌ ہمچو اژدرہا کشادہ صد دہان

مکرہا کردند آن دانا گروہ ‌ ‌ کہ ز بن برکندہ شد زان مکر کوہ

کرد مکر و حیلہ آن قوم خبیث ‌ ‌ گر ز ما باور نداری این حدیث

کرد وصف مکرہا شان ذوالجلال ‌ ‌ لتزول منہ اقلال الجبال

جز کہ آن قسمت کہ رفت اندر ازل	روے ننمود از سگال و از عمل
جملہ افتادند از تدبیر و کار	ماند کار و حکمہاے کردگار
کسب جز نامے مدان اے نامدار	جہد جز وہمی مپندار اے عیار

یعنی اُن نخچیرون نے شیر کو بآواز بلند جواب دیا کہ جن حریفون نے جو لاکھون ہی مرد و زن تھے ان اسباب مین مشقتین برداشت کین وہ (نتائج و مقاصد سے) دنیا مین کیون ناکام رہے لاکھون گروہون نے ابتداے عالم سے (حرص کے مارے) اژدہون کی طرح منہ کھول کر طرح طرح کے ایسے مکر و تدبیرین کین جن سے پہاڑ تک بیخ و بُن سے اُکھڑ گئے، یہ مبالغہ ہے یعنی ایسی قوی تدبیرین تھین کہ پہاڑون کو ہلا دیا اور ممکن ہے کہ حقیقی معنے مراد لیے جاوین کیونکہ عقلا نے پہاڑون کے تراشنے اور اوڑانے کی صنعتون کا استعمال ہمیشہ سے کیا ہے چنانچہ قرآن مجید مین بھی اسقدر مذکور ہے وتنحتون من الجبال بیوتا غرض اُس قوم خبیث (کفار) نے بمقابلہ حضرت انبیاء علیہم السلام کے طرح طرح کے (قوی) حیلے لیے اور اگر ہمارے کہنے سے ابیات کا یقین نہ آوے (کہ اُن کے حیلے ایسے قوی تھے جیسا مذکور ہوا) تو اللہ تعالیٰ نے بھی اُن کے مکرون کا بیان فرمایا ہے (جہان قرآن مجید مین یہ آیت ہے وان کان مکرہم لتزول منہ الجبال جسکو مولانا نے بطور روایت بالمعنی کے دوسرے لفظون مین ذکر کیا ہے جسکا ترجمہ یہی ہے کہ اُن کے مکرون سے بڑی بلند پہاڑ ٹل جاتے تھے (مگر باوجود اتنی کوشش کے) پھر بھی بجز اُس تقدیر الٰہی کے جو ازل مین ٹھہر چکا تھا اُن کے عمل و جہد و مکر کوئی اثر ظاہر نہ ہوا سب تدبیر اور کام سب گئے گذرے صرف اللہ تعالیٰ کا کام اور حکم باقی رہ گیا غرض معلوم ہوا کہ کسب بجز ایک نام (اور لفظ) کے کچھ نہ سمجھنا چاہیے اور کوشش کو بجز ایک خیال کے گمان نہ کرنا چاہیے (مراد یہ ہے کہ بہت ہی ضعیف ہے مثل اسم بلا مسمیٰ اور تخیل غیر واقعی کے عیار زیرک)۔

نگریستن عزرائیل علیہ السلام بر مردی و گریختن مرد در سرای سلیمان علیہ السلام و تقریر ترجیح توکل بر جہد

سادہ مردے چاشتگاہے دررسید	در سرا عدل سلیمانی دوید
روش گشتہ زرد و ہر دو لب کبود	پس سلیمان گفت اے خواجہ چہ بود
گفت عزرائیل در من این چنین	یک نظر انداخت پر از خشم و کین
گفت ہین اکنون چہ میخواہی بخواہ	گفت فرما باد را ای جان پناہ
تا مرا زینجا بہندستان برد	بو کہ بندہ کان طرف شد جان برد
پس سلیمان کرد بر باد این برات	برد باد او را بسوے سومنات
باد را فرمود تا او را شتاب	برد سوے خاک ہندستان بر آب

بادرا فرمود تا اورا شتاب ・ بر دسوی خاک ہندستان برآب
تک زدرویشی گریزانند خلق ・ لقمۂ حرص و امل زانند خلق
ترس درویشی مثال آن ہراس ・ حرص وکوشش راتو ہندستان شناس

(اس حکایت مین مضمون بالا کی تائید ہے کہ تدبیر بمقابلہ تقدیر کے نافع نہین ہوتی حاصل قصہ کا یہ ہے کہ) ایک سادہ لوح آدمی چاشت کے وقت حضرت سلیمان علیہ السلام کی دارالعدالت مین دوڑا ہوا ہونچا منھ تو زرد اور دونون ہونٹھ نیلے (جیسے خوف کی حالت مین ہوجاتا ہے) حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا میان کیا ہوا خیر ہے کہنے لگا کہ حضرت عزرائیل علیہ السلام نے مجھکو غصہ اور کینہ سے ایک نظر گھور کر اس طرح دیکھا کہ مین خوف زدہ ہوگیا (کچھ بعید نہین کہ حضرت عزرائیل علیہ السلام کو اُسنے دیکھا ہو اور بطور علم ضروری پہچانتا ہو) حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا پھر اب کیا چاہتا ہے اوسکی درخواست کر عرض کیا کہ اب آپ ہی میری جان کے لیے پناہ ہوسکتے ہین ہوا کو حکم دیجیے کہ مجکو یہان سے ہندستان مین پہونچا دے شاید اگر اُدھر چلا جاؤن تو جان کو بچاسکون آپ نے ہوا کو حکم دیا کہ فوڑا اُسکو پانی کی راہ سے (کہ نزدیک ہے) ملک ہندوستان مین پہونچا دے اور اُس کو ایسا حکم قطعی دیا گویا اوسپر پروانہ جاری کردیا کہ (ہندوستان کے حصون مین سے) اسکو سومنات پہونچا دے اور ہوا نے فی الفور وہان پہونچا دیا (اب مولانا بطور انتقال کے فرماتے ہین کہ دیکھو اسی طرح لوگ فقر و فاقہ سے بھاگ رہے ہین اور اسی وجہ سے حرص و طول امل کا لقمہ بن رہے ہین اِس خوف فقر کو اوسی شخص کے خوف کے مثل سمجھو اور حرص وکوشش کو ہندوستان سمجھو دیس جیسے ہندوستان مین جانا اُسکو مفید نہ ہوا جیسا آتا ہے اسی طرح حرص وکوشش مفید نہین ہوتی کہ فقر سے بچالے)

روز دیگر وقت دیوان و لقا ・ شہ سلیمان گفت عزرائیل را
کان مسلمان را بخشم از چہ سبب ・ بنگریدی باز گو اے پیک رب
اے عجب این کردہ باشے بہر آن ・ تا شود آوارہ او از خان و مان
گفتش اے شاہ جہان بیزوال ・ فہم کژ کرد و نمود اورا خیال
من در او از خشم کے کردم نظر ・ از تعجب دیدمش در رہ گذر
کہ مرا فرمود حق کامروز ہان ・ جان او را تو بہندستان ستان
دیدمش اینجا و بس حیران شدم ・ در تفکر رفتہ سرگردان شدم
از عجب گفتم گر او را صد پرست ・ زو بہندوستان شدن دور اندرست
چون بامر حق بہندستان شدم ・ دیدمش آنجا و جانش بستدم
تو ہمہ کار جہان را ہم چنین ・ کن قیاس و چشم بکشا و ببین
از کہ بگریزیم از خود اے محال ・ از کہ برتابیم از حق اے وبال

یعنی دوسرے روز جب عدالت کا وقت ہوا اور عزرائیل علیہ السلام سے ملاقات ہوئی تو حضرت سلیمان علیہ السلام نے ان سے پوچھا کہ کیا سبب تم نے اُس (غریب) مسلمان کو (اس طرح) غصہ سے دیکھا بڑے تعجب کی بات ہے کیا اس لیے ایسا کام کیا کہ وہ اپنے خان و مان سے آوارہ ہو جاوے وہ بولے کہ اے عالم بے زوال (دین) کے بادشاہ اُسکو غلط فہمی ہوئی اور (میرا غصہ محض اسکے خیال مین معلوم ہوا ورنہ واقع مین) مین نے اُسکو غصہ سے کب دیکھا تھا بلکہ اسکو راہ مین تعجب سے (ضرور) دیکھتا تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا تھا کہ آج ہندوستان مین اُسکی روح قبض کرو تو مین اُسکو یہان دیکھکر حیران ہوا اور فکر مین سرگردان تھا اور تعجب سے (دل مین) کہہ رہا تھا کہ اگر اسکے سیکڑون بال و پر بھی نکل آوین تب بھی ہندوستان پہونچنا اس سے بعید ہے پھر جب اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہندوستان پہونچا تو اسکو وہان دیکھا اور جان قبض کرلی (اب نتیجہ حکایت بتلایا جاتا ہے کہ) تم تمام جہان کا کارخانہ ایسا ہی سمجھ لو اور خوب قیاس کرلو اور آنکھ کھولکر دیکھ لو کہ بندہ تقدیر سے بھاگتا ہے اور تقدیر ہی مین پھنس جاتا ہے) بھلا ہم کس سے بھاگ رہے ہین کیا اپنی ذات سے بھاگتے ہین یہ تو محال ہے (یعنی جس طرح اپنی ذات سے بھاگنا محال ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ سے جو کہ جان سے بھی زیادہ قریب ہین بھاگنا زیادہ محال ہے چنانچہ دوسرے مصرعہ مین اسکی توضیح ہے کہ) ہم کس سے منھ پھیر رہے ہین کیا حق تعالیٰ سے منھ پھیرتے ہین یہ تو بڑا وبال ہے ۔

باز ترجیح نہادن شیر جہد را بر توکل و فوائد جہد بیان کردن

شیر گفت آرے ولیکن ہم بہ بین ۔ جہدہاے انبیا و مرسلین

سعی ابرار و جہاد مومنان ۔ تا بدین ساعت ز آغاز جہان

حق تعالیٰ جہدشان را راست کرد ۔ آنچہ دیدند از جفا و گرم و سرد

حیلہ ہاشان جملہ حال آمد لطیف ۔ کل شیء من ظریف ہو ظریف

دامہاشان مرغ گردونی گرفت ۔ نقصہاشان جملہ افزونی گرفت

جہد میکن تا توانی اے کیا ۔ در طریق انبیا و اولیا

با قضا پنجہ زدن نبود جہاد ۔ زانکہ این را ہم قضا بر ما نہاد

کافرم من گر زیان کردست کس ۔ در رہ ایمان و طاعت یکنفس

سر شکستہ نیست این سر را مبند ۔ یکدو روزک جہد کن باقی بخند

یعنی شیر نے جواب دیا کہ تمھارا قول مسلم ہے لیکن حضرات انبیاء و مرسلین علیہم السلام کی کوششین (اشاعت دین مین) اور نیک لوگون کی سعی اور مومنین کا جہاد ابتداے عالم سے کر اسوقت تک جو کچھ ہوا ہے یہ سب بھی تو دیکھنا چاہیے کہ آخر اُنھون نے جو کچھ سختی اور گرم و سرد جھیلا اللہ تعالیٰ اُن کی محنت راست لائے اور اُنکی

تدبیرین ہر حال مین لطیف رہین اور کیون نہ ہو جو چیز اچھے کی طرف سے ہو گی لا محالہ اچھی ہی ہو گی (وہ حضرات اچھے تھے اون کی تدبیرین بھی سب اچھی تھین) اون کے دامون نے آسمانی مرغ پکڑے (یعنی اُن کی تدابیر باعث حصول مراتب عالیہ ہوئین) اور اُن کے دین مین جو (باعتبار اشاعت کے نہ خود دین کی ذات مین کمی تھی اوس نے ترقی حاصل کی (جب تدبیر وسعی کا سنت انبیاء اور اولیا ہونا ثابت ہوا تو اے مرد زیرک تم سے جہان تک ممکن ہو انبیا و اولیا کے طریقہ مین کوشش کرو (اور ابتداے حکایت مین جو نخچیران کا قول مذکور ہے ع با قضا پنجہ مزن الخ اسکا جواب یہ ہے کہ) جہاد کرنا مقابلۂ قضا نہین کیونکہ اسکو بھی تو قضا ہی نے مقرر کیا ہے (کہ جہاد کروگے تو اعلاء کلمۃ اللہ اوس پر مرتب ہو گا یعنی یہ تاثیر بھی قضا و قدر کے موافق ہی) کافر کہکر حلف کرتا ہون اگر ایمان وطاعت کی راہ مین (کوشش کرکے) کسی نے بھی زیان اُٹھایا ہو (اور دست و پا کی سلامتی مین اون کو معطل کر دینا ایسا ہے جیسا سر مین چوٹ نہ لگی ہو اور اسکو باندھے پھرتا ہو سو یہ شخص اس کو نامعقول سمجھتا ہے اسی مضمون کو فرماتے ہین کہ) تمھارا سر تو ماشاء اللہ شکستہ نہین پھر کیون اسکو باندھتے ہو تھوڑے دنون ذرا کوشش کرلو (جس سے کچھ ذخیرۂ اعمال جمع ہو جاوے) پھر ابدالآباد تک خوش وخرم گذارنا ہے

بد محالے جست کو دنیا بجست	نیک حالے جست کو عقبی بجست
مکرہا در کسب دنیا بار دست	مکرہا در ترک دنیا وار دست
مکر آن باشد کہ زندان حفرہ کرد	آنکہ حفرہ بست آن مکری ست سرد
این جہان زندان وما زندانیان	حفرہ کن زندان و خود را وارہان

(اوپر جد و تدبیر کی ترغیب تھی شاید اسکو کوئی عام سمجھ جاتا اس لیے تعیین مراد کی جاتی ہو کہ مقصود طلب آخرت مین ترغیب دینا ہے نہ طلب دنیا مین کیونکہ جس نے دنیا کو طلب کیا اُسنے ایک بری اور باطل چیز کو طلب کیا اور جس نے آخرت کو طلب کیا اوسنے ایک محمود حالت کو طلب کیا کسب دنیا مین تدبیر ومکر کرنا محض سرد وخام ہے اور ترک دنیا کے لیے تدبیر کرنے کے باب مین آیات واحادیث وارد ہین (پس مکر کی دو قسم ہوگئین ایک مکر محمود ترک دنیا کے لیے دوسرا مکر مذموم کسب دنیا کے لیے) کام کا مکر (یعنی مکر محمود) تو یہ ہے کہ زندان مین سوراخ کردے (اور اوس سے نکل جاوے) اور جس نے پہلا سوراخ بھی بند کر دیا ہو ایسی تدبیر تو محض لغو ہی (اور مکر مذموم مین داخل ہے) کیونکہ زندان مین زیادہ مقید ہو جاوے گا آگے زندان کی تفسیر کیجاتی ہے کہ) یہ دنیا ایک زندان ہی جیسا حدیث مین ہی الدنیا سجن المومن) اور ہم سب زندانی ہین اسمین کوئی سوراخ کرکے اپنی رہائی کا سامان کرو (یعنی اسکے تعلقات قطع کرنے کی کوشش کرو یہ مکر محمود ہوگا نہ یہ کہ اوسکو بڑھا کر اوسمین زیادہ پھنسو کہ یہ مکر مذموم ہی بعد اس تقیید کے یہ مضمون شبہ کے لیے اس طرح مفید ہو سکتا ہے کہ قوت حلال کی تلاش بھی داخل طاعت و دین ہے)

چیست دنیا از خدا غافل بدن	نے قماش و نقرہ و فرزند و زن

مال را گر بہر دین باشی حمول — نعم مال صالح خواندش رسول

آب در کشتی ہلاک کشتی ست — آب اندر زیر کشتی پشتی ست

چونکہ مال و ملک را از دل براند — زان سلیمان خویش جز مسکین نخواند

کوزۂ سر بستہ اندر آب زفت — از دل پر باد فوق آب رفت

باد درویشی چو در باطن بود — بر سر آب جہان ساکن بود

آب نتواند مر او را غوطہ داد — کش دل از نفخۂ الہی گشت شاد

گرچہ جملہ این جہان ملک وی ست — ملک در چشم دل او لاشے ست

پس دہان دل بہ بند و مہر کن — پُر کنش از باد کبر من لدن

دنیا محمود و مذموم

(اوپر کے اشعار مین ترکِ دنیا کی ترغیب تھی اب دنیا کی حقیقت تبلاتے ہین کہ) دنیا خدا تعالیٰ سے غافل ہونے کا نام ہو نہ کہ متاع و نقرہ و فرزند و زن کا نام (تحقیق اسکی یہ ہے کہ دنیا اصل مین اوس حالت کا نام ہو جو موت کے قبل انسان پر گذر رہی ہے خواہ محمود ہو یا مذموم اگر وہ مانع عن الآخرۃ ہے تو دنیاے مذموم ہے اور اکثر لفظ دنیا اسی معنی مین استعمال کیا جاتا ہے اور اگر مانع عن الآخرۃ نہین ہے تو دنیاے محمود ہے اس مقام پر بھی ارشاد فرما رہے ہین کہ ہمنے جو مذمت دنیا کی بیان کی ہے وہ دنیاے مذموم کی ہے نہ دنیاے محمود کی کیونکہ) مال کو اگر دین کے لیے اپنے پاس رکھو تو اُسکے حق مین تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے نعم المال الصالح للرجل الصالح یعنی نیک آدمی کے لیے نیک مال اچھی چیز ہے (غرض مال دنیا مضر نہین حب دنیا قلب مین مضر ہے اور اسکی ایسی مثال ہے کہ) پانی اگر کشتی کے اندر بھر جاوے تو کشتی کی بربادی ہے اور اگر کشتی کے نیچے دبا ہوا رہے تو اوسکی (رفتار مین) معین ہے (پس دنیا مثال پانی کے ہے اور قلب مثال کشتی کے اگر دنیا اور اوسکی محبت قلب کے اندر چلی گئی تو قلب کی ہلاکت ہے اور اگر دنیا قلب سے باہر صرف ہاتھ مین رہے تو معین دین ہو سکتی ہے) یہی وجہ ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے باوجود اس حشمت و ثروت کے) چونکہ مال و ملک کو دل سے نکال رکھا تھا اس لیے اپنی نسبت کبھی بجز مسکین کے (لفظ بادشاہ وغیرہ نہین فرمایا) (کذا قال مرشدی مثلاً بلقیس کو نامہ لکھا اوسکے عنوان مین یہ کلمات تھے انہ من سلیمان۔ ورنہ سلاطین کی عادت ہو کہ اپنے نام کیساتھ کچھ القاب و مناصب ضرور لگاتے ہین نہ صرف اپنا نام لکھنا جو شعار مساکین کا ہے یہی معنی ہین اپنے کو مسکین کہنے کے اِس سے معلوم ہوا کہ دنیا داری دل مین دنیا ہونے کا نام ہے نہ صرف ملک اور قبضہ مین ہونے کا اسکی دوسری مثال یہ ہو کہ) ایک کوزہ کا منھ بند کر دو اور بڑے گہرے پانی مین چھوڑ دو چونکہ اُس کے قلب (جوف) مین ہوا بھری ہے اسوجہ سے وہ پانی کے اوپر تیرتا ہے اِسی طرح اگر درویشی (و رجوع الی اللہ) کی ہوا باطن کے اندر ہو وہ آب دنیا کے اوپر ساکن و مطمئن رہے گا (اوسکی محبت مین ہرگز غرق نہ ہوگا) اور ایسے شخص کو آب دنیا کبھی غوطہ نہ دے سکیگا کیونکہ اوسکا قلب اللہ تعالیٰ کی پھونک سے (کہ اوسمین اپنی محبت و معرفت بھر دی ہے) شادان و فرحان ہے اگر (فرضاً) سارا جہان بھی اوسکے ملک مین آجاوے جب بھی تمام ملک و سلطنت اوسکی نظر قلب مین محض لاشے

(جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ جس قلب مین محبت و معرفت ہو مثل کوزۂ سربستہ کے وہ غرق دنیا نہین ہوتا پس تم کو چاہیے کہ قلب کا منھ بند کر کے اوسپر مہر کردو (یعنی غیر اللہ کی محبت مت آنے دو) اور ہواے عظمت خداوندی سے اوسکو پر کردو (پس وہ مثل اوس کوزہ سربستہ کے ہوجاوے گا کہ اندر ہوا ابھر کر اوپر سے بند کر دیا اور بعض نسخون مین یادگیر ہے ۔ بادگیر اوس سوراخ کو کہتے ہین جو ہوا کے رخ پر مکان وغیرہ مین رکھدیا جاتا ہے یا بادبان کو کہتے ہین کذا قال مرشدی من لدن کے معنی ہین از نزد کے مراد از نزد حق ہے مطلب یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کے پاس سے ہواے فیوض آنے کے لیے روزن قلب کھول دو۔ یا بادبان غیب سے فیض لے لو مقصود ظاہر ہے ۔

کسب کن جہدے نما سعیے بکن	تا بدانی سر علم من لدن
جہد حق ست و دوا حق ست و درد	منکر اندر نفی جہدش جہد کرد
گرچہ این جملہ جہان پر جہد شد	جہد کے در کام جاہل شہد شد

(یہ اس سرخی کی ابتدائی اشعار سے مرتبط ہے جسمین شیر کی جانب سے کسب و تدبیر کی ترجیح بیان کی گئی ہے درمیان مین دنیا کی حقیقت بطور جملہ معترضہ کے آگئی تھی پس تقریر بالا پر بطور نتیجہ کے مرتب کر کے فرماتے ہین کہ) کسب و جہد کرو سعی کرو تاکہ تم کو اوس علم کا جو اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے راز معلوم ہو (کہ اسباب و مسببات کے ارتباط مین کیا کیا حکمتین ہین) جہد بے شک حق ہے دوا حق ہے درد حق ہے (پس درد سبب ہوتا ہے تحریک استعمال دوا کا پھر یہ تحریک سبب ہوجاتا ہے کہ دوا کی تحصیل و استعمال مین جہد کیا جاوے یہ سب دلیل ہے اسباب کے حق ہونے کی اور جہد کا حق ہونا یہان تک ثابت ہے کہ) خود منکر جہد بھی نفی جہد مین جہد سے کام لے رہا ہے (اگر جہد باطل محض ہی تو یہ شخص اوس سے کیون کام لیتا ہے لیکن جس شخص کی طبیعت ہی مین جہالت ہو تو اوسکا تو یہ حال ہے کہ) اگرچہ تمام عالم جہد سے پر ہو رہا ہے (اور شب و روز اسکا سلسلہ جاری ہے) مگر پھر بھی جہالت والے کے تالو مین وہ شہد ہوکر کب لگے گا (یعنی وہ کب اسکو شیرین و مقبول سمجھے گا۔

مقرر شدن ترجیح جہد بر توکل و تسلیم

زین نمط بسیار برہان گفت شیر	کز جواب آن جبریان گشتند سیر
روبہ و آہو و خرگوش و شغال	جبر را بگذاشتند و قیل و قال
عہدہا کردند با شیر ژیان	کاندرین بیعت نیفتد در زیان
قسم ہر روزش بیاید بے ضرر	حاجتش نبود تقاضاے دگر
عہد چون بستند و رفتند آنزمان	سوے مرعی ایمن از شیر ژیان
جمع بنشستند یکجا آن وحوش	اوفتادہ درمیان جملہ جوش

ہر کسے تدبیر و راے می زدند	ہر یکے در خون ہر یک می شدند
عاقبت شد اتفاق جملہ شان	تا بیاید قرعۂ اندر میان
قرعہ بر ہر کہ او فتد او طعمہ است	بے سخن شیر ژیان با لقمہ است
ہم برین کردند آن جملہ قرار	قرعہ آمد سربسر را اختیار
قرعہ بر ہر کو فتادے روز روز	سوے آن شیر او دویدے ہمچو یوز

یعنی اسی طریق سے شیر نے بہت سے دلائل بیان کیے جس کے جواب سے وہ جبری نخچیر سیر ہوگئے (یعنی گنجایش جواب نرہی) اور سب نے جبر کو اور قیل وقال کو ترک کردیا اور شیر ژیان سے عہد کیا کہ اس عہد مین شیر نقصان نہ اُٹھاویگا اور اُسکے پاس ہر روز کا حصہ بلا تکلف پہونچ جایا کریگا اور اُسکو مکرر تقاضا کرنے کی ضرورت واقع نہو گی اور عہد وپیمان کر کرا کر بخوف ہو کر چراگاہ پہونچے اور سب ایک جگہ جمع ہو کر بیٹھے اور سب مین ایک شور ہور ہا تھا اور ہر ایک مختلف راے اور تدبیر لگار ہا تھا اور ہر ایک دوسرے کی جان کا لاگو ہو رہا تھا (یعنی ہر ایک اس فکر مین تھا کہ خود بچ جاؤن اور شیر کی غذا بننے کو دوسرا جاوے) آخر سب کا دا سپر اتفاق ہوا کہ قرعہ نکالا جایا کرے جسپر قرعہ واقع ہوجایا کرے وہی شیر کی غذا اور لقمہ تجویز کیا جاوے اس پر سب کی راے قرار پا گئی اور قرعہ سب کو پسند آیا پس یہ معمول ہوگیا کہ جسپر قرعہ واقع ہوجاتا وہی شیر کے پاس دوڑ چلا جاتا جس طرح چیتا دوڑتا ہے (یعنی جلدی سے)

انکار کردن نخچیران بر خرگوش در تاخیر رفتن بر شیر

چون بخرگوش آمد این ساغر بدور	بانگ زد خرگوش کاخر چند جور
قوم گفتندش کہ چندین گاہ ما	جان فدا کردیم در عہد و وفا
تو مجو بد نامی ما اے عنود	تا نہ رنجد شیر رو تو زود زود

یعنی جب خرگوش کی باری آئی (کہ شیر کی غذا کے لیے جاوے) اوسنے شور مچایا کہ آخر ایسا ظلم کبتک ہوا کریگا دوسرے نخچیر بولے کہ (دیکھو) اتنی مدت تک ہم ایفاے عہد مین اپنی جان فدا کرتے رہے (کہ شیر کا لقمہ بنا کیے تا کہ بدعہدی نہ ہو) تو ہم کو بدنام مت کر اب تو جلدی جا تا کہ شیر رنجیدہ نہ ہوجاوے (عنود سرکش) ۔

جواب گفتن خرگوش نخچیران را دمہلت خواستن

گفت اے یاران مرا مہلت دہید	تا بمکرم از بلا بیرون جہید
تا امان یابد بمکرم جان تان	ماند این میراث فرزندان تان
ہر پیمبر امتان را در جہان	ہمچنین تا مخلصے میخواندشان
کز فلک راہ برون شو دیدہ بود	در نظر چون مردمک پیچیدہ بود

مردمش چون مردمک دیدند خرد	در بزرگی مردمک کس رہ نبرد

(دیرون شو یعنی بیرون شدن) خرگوش بولا کہ مجکو ذرا مہلت دو تاکہ میری تدبیر سے اس (روزانہ) مصیبت سے بچ جاؤ اور تمھاری جانوں کو امن حاصل ہو جاوے اور یہ چراگاہ میراث تمھارے فرزندوں کو ملے (ورنہ اگر یہی سلسلہ رہا تو ایک روز یوں ہی سب کا خاتمہ ہو جاوے گا اور یہ چراگاہ شیر کے قبضہ میں جاوے گی آگے بطور انتقال کے مولانا کا مقولہ ہے کہ) اسی طرح تمام حضرات انبیاء علیہم السلام اپنی اپنی امت کو اون کے مخلص (طریق نجات) کی طرف بلاتے رہے ہیں کیونکہ وہ حضرات اس عالم دنیا سے (جو محدود بہ فلک ہے) باہر جانے کا رستہ (نور بصیرت سے) مشاہدہ فرماتے ہوئے تھے (اور اسی راہ سے اپنی امت کو لے جانے کی کوشش فرماتے تھے کیونکہ حضرات انبیاء علیہم السلام کی تمامتر مساعی کا حاصل مقصود یہی رہا ہے کہ دنیا سے بے تعلقی اور آخرت سے تعلق ہو مگر عوام نہ جانتے تھے کہ ان حضرات کو اسرار جہ کا مشاہدہ حاصل ہے کیونکہ نظر عوام میں مردمک چشم کی طرح وہ حضرات بہ حیثیت یعنی مستور تھے (پس مردمک ظاہر میں بہت صغیر الجثہ اور قلیل المقدار ہے سرسری نظر میں یہ گمان نہیں ہوتا کہ اتنی بڑی صفت مشاہدہ کی ہوگی مگر دیکھو صفت بینائی میں کیسی کامل ہے اسی طرح) لوگوں نے اون حضرات کو مردمک کی طرح خرد و حقیر سمجھا مگر مردمک کی بزرگی میں کسی نے غور نہ کیا۔

اعتراض نخچیران بر سخن خرگوش

قوم گفتندش کہ اے خرگوش زار	خویش را اندازۂ خرگوش دار
ہین چہ لافست این کہ از تو مہتران	در نیاوردند اندر خاطر آن
معجبی یا خود قضامان در پیست	ورنہ این دم لائق چون تو کیست

(از متعلق مہتران دم سخن و دعوی) یعنی نخچیر بولے کہ اے خرگوش حقیر اپنے آپ کو خرگوش کے ہی مرتبہ میں رکھنا چاہیے یہ کیا واہیات شیخی کی باتیں بگھار رہا ہے کیونکہ جو تجھ سے بڑے ہیں وہ تو خیال میں بھی ایسی بات نہیں لائے پس یا تو تو خود پسندی میں مبتلا ہو رہا ہے یا ہم سب کی قضا آئی ہے (یہ تردید بطور مانعۃ الخلو کے ہے) یہ لمبے چوڑے دعوے تجھ جیسے شخص کے تو مناسب نہیں ہیں (کیونکہ تو ہر طرح حقیر ہے۔)

جواب باز گفتن خرگوش نخچیران را

گفت اے یاران حقم الہام داد	مر ضعیفے را قوی رائے فتاد
آنچہ حق آموخت مر زنبور را	آن نباشد شیر را و گور را
خانہا سازد پر از حلوائے تر	حق برو آن علم را بکشاد در
آنچہ حق آموخت کرم پیلہ را	ہیچ پیلے داند آن گون حیلہ را

یعنی خرگوش نے کہا کہ (واقع مین مین ضعیف و حقیر ہون کیا مین اور کیا میری رائے مگر یہ میری رائے کا نتیجہ نہین ہے بلکہ حق تعالیٰ نے مجکو الہام کیا ہے (اوس الہام کی وجہ سے) ایک ضعیف کے دل مین ایک قوی رائے آگئی (اور مخلوق ضعیف کو الہام ہونے مین تعجب نہین دیکھو اللہ تعالیٰ نے جو بات زنبور شہد کو (الہام سے) سکھلائی ہے (جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے واوحی ربک الی النحل) وہ بات شیر اور گورخر مین باوجود انکے کہین قوی تر ہونیکے کہان ہی کیونکہ وہ پھول چوسکر شہد طیار کرتی ہے گھر کیسا خوبصورت بناتی ہے شیر وغیرہ کو یہ بات کہان نصیب ہے چنانچہ فرماتے ہین کہ) وہ ایسے ایسے گھر بناتی ہے جو حلواے تر (شہد) سے پر ہوتے ہین حق تعالیٰ نے اس علم خاص کا دروازہ اوسپر کشادہ فرمادیا اسی طرح حق تعالیٰ نے کرم ابریشم کو جو کچھ تعلیم فرمادیا ہے (ریشم بنانا) ہاتھی (اتنا بڑا جانور ہے مگر وہ اس تدبیر کو نہین جانتا (پس معلوم ہوا کہ الہام کا دار و مدار قوت و ضعف پر نہین ہے) ۔

آدم خاکی زحق آموخت علم	تا بہفتم آسمان افروخت علم
نام و ناموس ملک را درشکست	کورے آن کس کہ باحق درشک ست
زاہد شش صد ہزاران سالہ را	پوزبندے ساخت آن گوسالہ را
تا نتاند شیر علم دین کشید	تا نگردد گرد آن قصر مشید
علمہاے اہل حس شد پوزبند	تا نگیرد شیر ازان علم بلند

(پوز بضم باے فارسی و واو مجہول گرداگرد دہان و پوزبند شبکہ کہ بر دہان گوسالہ بندند تا شیر کشیدن نتواند یہ بھی مضمون بالا کی تائید ہے کہ اللہ تعالیٰ ضعیف کو وہ علم و الہام دیدیتے ہین جو قوی کو نہین نصیب ہوتا چنانچہ حضرت آدم علیہ السلام باوجودیکہ عنصر خاک سے بنے تھے جو تیرہ و پست ہے اور ابلیس عنصر نار سے بنا تھا جو روشن و بلند ہے مگر پھر بھی) حضرت آدم علیہ السلام نے تو حق تعالیٰ سے علم (اسماء) سیکھ لیا اور آسمان ہفتم تک علم نے (سب چیزون کو) نیر اور روشن کردیا یا یون کہا جاوے کہ اونھون نے اپنے علم کو عالم بالا تک روشن اور ظاہر کردیا (کہ سب ملائکہ علویہ کو آپ کا عالم ہونا معلوم ہوگیا جس سے) ملائکہ کے فخر و جاہ کو شکستہ کردیا (یعنی وہ دعوے علم سے دست بردار ہوگئے چنانچہ قرآن مجید مین ہے قالوا سبحٰنک لا علم لنا) اسپر بھی جو حق تعالیٰ کی قدرت مین شک رکھتا ہو اوسکا اندھاپن ہے (غرض خاکی کو تو یہ رتبہ دیا اب اس ناری کا حال سنو کہ) چھ لاکھ سال کا جو (عابد و) زاہد تھا (یعنی شیطان) اکو حماقت و جہالت مین مثل گوسالہ کے تھا اوسکے منھ پر ایک چھینکا (جہل و ظلمت رائے کا) چڑھا دیا تاکہ علم دین کا (جس سے حقیقت آدم کو دیکھ سکتا) دودھ نہ پی سکے اور تاکہ اوس قصر بلند (حقیقت آدم) کے گرد نہ پھر سکے (کہ اوسکے حسن و جمال و فضل و کمال دیکھ لیتا اور شیطان کی کیا تخصیص ہے) تمام اہل حس کے (جن کے علم کا اثر قلب تک نہین پہونچا جیسے فلاسفہ وغیرہ) علوم (اوان) کے لیے مثل پوزبند کے ہوجاتے ہین کہ علم عالی (معرفت حق و حقائق) سے حصہ نہ لے سکین ۔

قطرہ دل را یکے گوہر فتاد	کان بدریاہا و گردونہا نداد

(یہ بھی تائید ہے مضمون بالا کی کہ علم کا دار و مدار قوت و ضعف ظاہری پر نہین چنانچہ قلب کو جو ایک قطرہ خون ہی

ایک ایسا جوہر (علم و عقل) ملا ہو۔ بڑے بڑے دریاؤن کو بلکہ آسمانون کو بھی نہین دیا گیا (باوجودیکہ مقدار مین ان دریاؤن اور آسمانون کے روبرو بیچارے قلب کی کچھ بھی حقیقت نہین ان سب مثالون سے واضح ہوگیا کہ کسی شئے کی ظاہری حالت پر نظر کرنا نہ چاہیے بلکہ باطن و حقیقت کو دیکھنا چاہیے ممکن ہے کہ کوئی چیز ظاہر مین ادنی ہو مگر باطنی حالت مین اعلی ہو یا ظاہر مین دو چیزین برابر ہون اور باطن مین تفاوت ہو آگے اسی پر تفریع فرمائی ہے

چند صورت آخر اے صورت پرست	جان بی معنیت از صورت نرست
گر بصورت آدمی انسان بدے	احمد و بوجہل ہم یکسان بدے
احمد و بوجہل در بتخانہ رفت	زین شدن تا آن شدن فرقیست زفت
این درآید سر نہند اوراب تان	او درآید سر نہد چون امتان

(ظاہر کے غیر معتبر باطن کے معتبر ہونے پر تفریع ہے کہ جب تم کو ظاہر (صورت) کا غیر معتبر ہونا معلوم ہوگیا تو کب تک ظاہر پرستی کرتے رہو گے اور اسی ظاہر پرستی کی بدولت اب تک تمہاری جان بے معنی (بے فہم) صورت سے نہین نکلی اور باطن شئے تک نہ پہونچی) حالانکہ محض صورت سے کچھ نہین ہوتا کیونکہ اگر آدمی صرف صورت ہی سے انسان (حقیقی موصوف بصفات انسانیت) ہوتا تو احمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوجہل بھی یکسان ہوتے (کیونکہ صورت بشریہ مین تو کچھ فرق نہین حالانکہ دونون مین باطنا زمین و آسمان کا فرق ہے) اور دیکھیے احمد اور ابوجہل تبخانہ مین گئے (تو بت خانہ کے اندر جانا صورۃ وظاہرا فعل مشترک ہے مگر پھر بھی) ایک کے جانے سے دوسرے کے جانے مین بڑا فرق ہے (وہ یہ کہ احمد صلے اللہ علیہ وسلم جو تشریف لاتے ہین تو آپ کے روبرو بت سرنگون ہوے جاتے ہین اور ابوجہل جو آتا ہے تو وہ خود امتیون کی طرح بت کے سامنے سر رکھ دیتا ہے (شاید مولانا کی نظر سے کوئی روایت گذری ہوگی اور اہل سیر نے اسقدر تو لکھا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شب ولادت شریفہ مین تمام دنیا کے بت سرنگون ہوگئے تھے سو یہ اوس سے بھی بڑھ کر ہے۔

نقش بر دیوار مثل آدم است	بنگر اندر صورت او چہ کم ست
جان کم ست آن صورت بیتاب را	رو بجو آن گوہر نایاب را
شد سر شیران عالم جملہ پست	چون سگ اصحاب را دادند دست
کے زیان استش ازان نقش نفور	چونکہ جانش غرق شد در بحر نور

(یہ بھی تائید ہے مضمون بالا کی کہ) دیوار پر جو (آدمی کا نقش بنا دیتے ہین وہ بالکل آدمی کے مشابہ ہوتا ہے بتلاؤ اوسکی (ظاہری) صورت مین کونسی بات کم ہوتی ہے بس ایک جان صرف کم ہے اسی لیے اوسکو بیتاب یعنی بے قوت کہنا چاہیے۔ جاؤ اوس گوہر نایاب (جان) کو تلاش کرو اور اس صورت بے جان کو چھوڑو اور دیکھیے جب کارکنان قضا وقدر نے سگ اصحاب کہف کو (غلبہ معنوی یعنی کمال معیت مقبولان الہی عطا فرمایا تو تمام شیران عالم کا سر اوسکے روبرو پست ہوگیا (یعنی درجہ مین شیر اوس سے کم ہوگئے (پس اس شعر کا مصرعہ مقدم ترکیب مین

مؤخر ہے اور موخر مقدم ہے) تو اوس کتے کو اس نقش نفور وصورت سگی سے کیا ضرر ہے جب اوسکی جان بحر نور میعت مقبولان الٰہی مین غرق ہے۔

وصف صورت نیست اندر خامہا	عالم وعادل بود در نامہا
عالم وعادل ہمہ معنی ست وبس	کش نیابی در مکان پیش وپس
مینزند برتن زسوے لامکان	می نگنجد در فلک خورشید جان

یہ بھی تائید ہے مضمون سابق کی یعنی خطوط مین جو عالم و عادل وغیرہ اوصاف حوالۂ قلم ہوتے ہین یہ اوصاف صورت کے نہین ہوتے بلکہ یہ عالم وعادل سب معانی ہین کہ انکو کسی مکان مین نہین پاسکتے (کیونکہ یہ اوصاف جسم کے نہین ہین جسکے لیے مکان کی ضرورت ہے پس اوصاف روح کے ہین اور روح عالم امر و مجردات سے ہے جیسا پہلے گذرا اسلیے وہ لامکانی ہی چنانچہ فرماتے ہین کہ روح جو نورپاشی مین مثل خورشید کے ہے فلک مین نہین سماسکتی (بخلاف ظاہری خورشید کے کہ فلک پر متمکن ہے) بلکہ لامکان سے جسم پر اثر پہونچا رہی ہے۔

ذکر دانش خرگوش و بیان فضیلت و منافع دانش

این سخن پایان ندارد ہوش دار	گوش سوی قصۂ خرگوش دار
گوش خر بفروش و دیگر گوش خر	کاین سخن را در نیابد گوش خر
رو تو روبہ بازی خرگوش بین	مکر و شیر اندازی خرگوش بین

(یعنی اس مضمون کا تو کہین انتہا نہین اب تم ہوش درست کرکے قصۂ خرگوش کی طرف کان لگاؤ مگر گوش ظاہری کو کہ مثل گوش خر کے ہو ترک کردو اور دوسرے قسم کا کان (یعنی گوش معنوی) اختیار کرو کیونکہ اس مضمون کو یہ گوش ظاہری ادراک نہین کرسکتا (یعنی قصہ سے جو نتائج و اسرار نکلتے ہین اُسکے لیے گوش معنوی کی ضرورت ہے) جاؤ خرگوش کی حیلہ بازی دیکھو اور اسکا فریب اور یہ کہ شیر کو کس طرح کنوئین مین ڈالدیا دیکھو۔

خاتم ملک سلیمان است علم	جملہ عالم صورت و جان است علم
آدمی را زین ہنر بیچارہ گشت	خلق دریاہا و خلق کوہ و دشت
زو پلنگ و شیر ترسان ہمچو موش	زو شدہ پنہان بدشت و کُہ وحوش
زو پری و دیو ساحلہا گرفت	ہریکے در جاے پنہان جا گرفت

(چونکہ یہ تدبیر خرگوش کی شعبۂ علم کا تھا اس لیے قصہ کو چھوڑ کر پھر بیان فضیلت علم کی طرف عود فرمایا جسکا سابق مین بھی ضمن تفصیل معنی بر صورت ذکر آچکا ہے پس فرماتے ہین کہ علم خاتم ملک سلیمان ہی (یہین دو توجیہین ہوسکتی ہین اول خاتم مبتدا علم خبر دوسرے اسکا عکس توجیہ اول کا حاصل یہ ہوگا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی انگشتری جو مشہور ہے کہ اوسکی وجہ سے تمام جن و انس وطیور وغیرہ اون کے مسخر تھے وہ انگشتری علم ہے اسکا یہ مطلب نہین کہ انگشتری

واقع مین اون کے پاس نہ تھی صرف علم تھا جسکو عوام انگشتری کہنے لگے بلکہ مطلب یہ ہے کہ خاصیت تسخیر انگشتری مین موجود تھی مگر خود وہ انگشتری اسی واسطے اون کو عطا ہوئی کہ اون کو دولت علم عنایت کی گئی تھی سو چونکہ سبب کا سبب سبب ہوتا ہی لہذا سبب اصل تسخیر کا وہ علم ہی ٹھہرا اور توجیہ ثانی پر علم کو خاتم ملک سلیمانی مجازاً و تشبیہاً کہا یعنی علم ایسی فضیلت کی چیز ہے جیسے مہر سلیمانی تھی کہ اوس سے سب مسخر ہوگئے تھے اسی طرح علم سے سب مغلوب ہوجاتے ہین دوسرے مصرعہ کا ترجمہ یہ ہے کہ) تمام عالم صورت ہے اور علم اوسکی جان ہی اور اسمین بھی دو توجیہین ہوسکتی ہین ایک یہ کہ عالم اور علم مین نسبت جسم اور جان کی ہے یعنی جس طرح جسم بلاجان بیکار ہے اسطرح جس جزو عالم مین علم نہو وہ جماد محض ہے دوسری توجیہ یہ کہ علم سے مراد علم الٰہی ہو چونکہ عالم موافق علم الٰہی کے ظاہر ہوا ہے اس لیے عالم مظہر علم الٰہی ہوا جس طرح جسم مظہر ہوتا ہے جان کا کہ آثار جسمانیہ سے روح کا وجود معلوم ہوتا ہی اسی طرح وجود عالم سے استدلال کیا جاتا ہے صفت علمیہ الٰہی پر کذا قال مرشدی فی التوجیہ الثانی بتغییر العبارۃ انسان سے اس ہنر علمی ہی کی وجہ سے تمام خلائق مجبور و عاجز ہو گئے تمام دریائی مخلوق بھی اور کوہ و دشت کی مخلوق بھی اوس انسان سے سب شیر و پلنگ موش کی طرح ترسان ہین اور دشت کوہ مین وحوش چھپتے پھرتے ہین اور دیو و پری نے ساحل دریا کو مسکن بنا رکھا ہے غرض سب نے اسی طرح پوشیدہ مقامات مین جگہ تجویز کر لی ہے (غرض علم ایسی چیز ہے جسکے سبب انسان سب وحوش و طیور اور جنات کو گرفتار کر سکتا ہے اور آزار پہونچا سکتا ہے اس خوف سے سب چیزین انسان سے بھاگتی ہین اس تقریر پر وحوش کی وحشت کو بھی گونہ عقلی ماننا پڑے گا جیسے جن کا توحش یقیناً عقلی ہے اور اگر وحوش کی وحشت طبعی مانی جاوے جیسا ظاہراً معلوم ہوتا ہے تو توجیہ مقام کی یہ ہوگی کہ ان چیزون کا توحش انسان سے بوجہ انسانیت کے ہے اور انسانیت بوجہ ناطقیت کے ہے جس مین علم بالکلیات کا اعتبار ماخوذ ہے پس اسطور پر علم انسان کا موجب توحش وحوش ہونا صحیح ہوگیا۔

آدمی را دشمن پنہان بسے ست — آدمی با حذر عاقل کسے ست

خلق خوب و زشت ہست از ما نہان — می‌زند بر دل بہر دم کوب شان

بہر غسل ار در روے در جویبار — بر تو آسیبے زند در آب خار

گرچہ پنہان خار در آبست پست — چونکہ در تو می خلد دانی کہ ہست

خار خار حسہا و وسوسہ — از ہزاران کس بود نی یک کسہ

باش تا حسہاے تو مبدل شود — تا بہ بینی شان و مشکل حل شود

تا سخنہاے کیان رد کردہ — تا کیان را سرور خود کردہ

داوپر انسان کے دشمنان ظاہر کا بیان تھا جو انسان سے خائف ہو کر خود بھاگتے ہین اب بعض دشمنان باطنی کا بیان کرتے ہین جن سے انسان کو خود خوف احتیاط کرنا چاہیے صرف اس مناسبت سے بیان کر دیا ہے کہ

عداوت دونون مین امر مشترک ہے گو اعداے ظاہری کا بیان بتائید فضیلت علم ہوا تھا اور اعداے باطنی کا بیان فضیلت مذکورہ سے متعلق نہین پس فرماتے ہین کہ) آدمی کے بہت سے پوشیدہ دشمن بھی ہین جو آدمی باحذر و احتیاط ہو عاقل آدمی وہی ہے (اور جسطرح یہان ہین دشمن ہین یعنی شیاطین یہی طرح باطن مین خیرخواہ بھی ہین یعنی ملائکہ پس) اچھی بُری خلقت ہم سے پوشیدہ موجود ہے (اور گو اون کا وجود ہم کو مشاہدہ سے محسوس نہین ہوا مگر ہم) انکا اثر قلب پر ہر وقت پہونچتا ہے (اس سے معلوم ہوا کہ کوئی چیز اندر اثر کرنے والی ہے رہی تعیین سو حدیث سے معلوم ہوگئی کہ ارشاد فرمایا ہے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کہ آدمی پر ایک اثر شیطان کا پہونچتا ہے اور ایک اثر فرشتہ کا الحدیث سو بُرے خیالات شیطان کی طرف سے ہوتے ہین اور اچھے خیالات فرشتہ کی طرف سے پہی انکا اثر ہے آگے مثال ہے یعنی کہ اثر سے مؤثر کا علم ہوجاتا ہے گو مؤثر مرئی نہو وہ مثال یہ ہے کہ مثلاً) غسل کرنے کے لیے تم ندی پر گئے اور پانی کے اندر (یا نون مین) کانٹا لگ گیا سو وہ کانٹا پانی کے اندر قعر مین ہے (اور نظر نہین آتا) مگر چونکہ تمھارے چبھ رہا ہے تم یقینًا جانتے ہو کہ بیشک ہے (پس شیطان گو نظر نہین آتا مگر بہکانے سے معلوم ہوتا ہے کہ ضرور ہے پھر یہ سمجھو کہ ہر شخص پر ایک ہی مسلط ہے بلکہ) یہ خلجانات و تعلقات جو اس ظاہری کے (جبکہ وہ معاصی مین صرف ہون)، اور وسوسہ باطنی کے (کہ بُرے خیالات آوین) یہ ہزارون اشخاص (یعنی شیاطین) کی طرف سے ہین نہ ایک شخص کی طرف سے (جیسا احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ وضو کے وساوس کے لیے ایک شیطان ہے جس کا نام خنزب ہے اور نماز کے وساوس کا ایک شیطان ہے جس کا نام ولہان ہے اسی طرح ہر امر کے لیے ممکن ہے کہ جدا جدا ہو! اور ان ملائکہ و شیاطین کا وجود و استدلال بالاثر علی المؤثر سے تو تم کو معلوم ہوگیا اگر مشاہدہ مطلوب ہے تو) ذرا صبر کرو (یعنی انتظار کرو یا مجاہدہ کرو) تاکہ تمھارے حواس (قوی مدرکہ بدل جاوین (یعنی موت سے یا عرفان سے) پھر ان کو (مشاہدہ عین سے مرنے کی حالت مین بعد قدرے انتظار کے یا مشاہدہ قلب سے عرفان کی صورت مین بعد مجاہدہ کے) دیکھو لوگے (اور یہ مشکل (شک و شبہہ کی جو استدلال مین پیش آتی ہے) حل ہوجاوے گی) اور اُسوقت معلوم ہوجاویگا کہ کن لوگون کی باتون کو تم نے رد کیا تھا اور کن لوگون کو اپنا سردار اور مطاع بنا رکھا تھا (یعنی ملائکہ کی مخالفت و شیاطین کی موافقت کی تھی یا بالعکس)۔

باز جستن نخچیران از خرگوش سر اندیشۂ اُو را

بعد ازان گفتند کای خرگوش چست ۔۔۔ درمیان آر آنچه در ادراک تست

ایکه تو با شیر در پیچیدۂ ۔۔۔ باز گو رائے که اندیشیدۂ

مشورت ادراک و ہشیاری دہد ۔۔۔ عقلہا مر عقل را یاری دہد

گفت پیغمبر بکن اے رای زن ۔۔۔ مشورت کالمستشار مؤتمن

قول پیغمبر بجان باید شنود ۔۔۔ باز گو تا چیست مقصود تو زود

یعنی نخچیروں نے کہا کہ اے چالاک خرگوش جو تدبیر تیرے ادراک ذہنی مین آئی ہے اُسکو ظاہر تو کر۔ تو باوجود
ضعیف وحقیر ہونے کے، شیر (قوی) کے ساتھ پیچ لگا رہا ہے تو جو کچھ سوچا ہے اوسکو بیان تو کر (کیونکہ) مشورہ کرنا ادراک
اور ہوشیاری بخشتا ہے اور ایک عقل کو بہت سی عقلین مدد پہونچاتی ہین پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ
جو شخص رائے سوچے اوسکو مشورہ کر لینا چاہیے چنانچہ حضور کے یہ الفاظ ہین المستشار مؤتمن یعنی جس سے مشورہ لیا
جاوے اوسکو چاہیے کہ امانت کے ساتھ مشورہ دے (یعنی جسکو اپنے نزدیک مصلحت سمجھے اوسکے خلاف مشورہ ندے
جب آپ نے مشورہ کے حقوق و آداب ارشاد فرمائے اس سے معلوم ہوا کہ مشورہ ایک مہتم بالشان چیز ہے پس گویا آپنے
ترغیب فرمادی پس اس تقریر پر مضمون مکمن اسے رائے زن مشورت روایت بالمعنی ہوگا اور قرآن مجید مین صیغہ
شاورہم صاف مذکور ہے۔ پس پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد دل وجان سے سُننا چاہیے تو اب جلدی کہہ تیرا کیا قصد ہے

منع کردن خرگوش راز را از ایشان

گفت ہر رازے نشاید باز گفت ‏ ‏ ‏ جفت طاق آید گہی گہ طاق جفت
از صفا گر دم زنے با آئینہ ‏ ‏ ‏ تیرہ گردد زود با ما آئینہ
در بیان این سہ کم جنبان لبت ‏ ‏ ‏ از ذہاب واز ذہب واز مذہبت
کاین سہ را بسیار خصم ست و عدو ‏ ‏ ‏ در کمینت ایستد چون داند او
ور بگوئی با یکے گوالوداع ‏ ‏ ‏ کل سر جاوز الاثنین شاع
گر دو سہ پرندہ را بندی بہم ‏ ‏ ‏ بر زمین مانند محبوس از الم

یعنی خرگوش نے جواب دیا کہ (مشورہ بیشک عمدہ چیز ہے لیکن) ہر راز کو ظاہر نہ کرنا چاہیے کیونکہ جوڑ دار بات
کبھی بے جوڑ ہو جاتی ہے اور بے جوڑ کبھی جوڑ دار بن جاتی ہے (سو اظہار کرنے سے وہ بات قابو سے باہر ہو جاتی
ہے اور ممکن ہے کہ تجویز کیا جاوے کچھ اور موقع ہو کچھ اس لیے اظہار مناسب نہین حاصل جواب یہ ہوا کہ مشورہ کا
حکم کل امور مین عام نہین بلکہ اُن امور مین ہے جسکا اظہار خالی از خطر ہو) اس اظہار راز کی ایسی مثال
ہے کہ مثلاً تم آئینہ پر پھونک مارو تو ضرور وہ آئینہ صفائی سے متغیر ہو کر ہمارے اعتبار سے مکدر و تیرہ ہو جاتا
ہے (پس متکلم کا راز کو مُنھ سے نکالنا بمنزلہ منھ سے پھونک نکالنے کے ہے اور مخاطب کا ذہن وقلب جس مین
وہ راز پہونچایا جاتا ہے بمنزلہ آئینہ کے ہے پس جس طرح آئینہ پھونک مارنے سے تیرہ ہو جاتا ہے اسی طرح
جب تک راز ظاہر نہین کیا جاتا سامع کے قلب مین مثل صفائے آئینہ محض سادگی وسلامتی رہتی ہے اور
جون ہی اُسکو راز پر مطلع کیا باعتبار غالب حالت طبائع کے اُسکے قلب مین بجائے سادگی سلامتی کے چالاکی اور تدبیر
ضرر رسانی جو بمنزلہ کدورت آئینہ کے ہے پیدا ہونا شروع ہوئی اس لیے اظہار راز مصلحت کے خلاف ہے
اول تو مطلقاً اور بالخصوص ان تین امر کو تو کاہے زبان پر بھی لانا نہ چاہیے اپنے جانے کا حال کہ کب جاؤنگا

اپنے نزد کا حال کہ کتنا ہے کہاں ہے اور جانے کی جگہ کہ کس منزل پر پہونچوں گا کسی حکیم کا قول ہے استر ذہبک و ذہابک و مذہبک) کیونکہ ان تین چیزوں کے بہت دشمن ہیں اگر کسی دشمن کو خبر ہو گئی تو وہ تاک میں لگا رہے گا اور اگر ایک آدمی سے بھی ظاہر کر دیا تو اوسکو خیر باد کہو کیونکہ جو راز دو سے چلا وہ پھیلا (اگر مراد دو شخص ہوں تب تو یہ قول اس اعتبار سے دلیل ہے کہ اکثر وہ راز دار بھی اپنے کسی مخصوص سے کہدیتا ہی تو تجاوز لازم نہیں اس اعتبار سے اظہار راز کو مطلقاً لازم ہے اور دو لب مراد ہوں تو ظاہر ہے کہ اظہار بدون اُن کے تجاوز کے ہو ہی نہیں سکتا بہر حال دونوں حالت میں اوسکا شیوع بطریق مذکور ہو جاتا ہے) اور راز کے سربستہ اور منتشر ہو جانے کی دوسری ایسی مثال ہے کہ دو چار پرندوں کو ایک دوسرے سے باندھکر دو تو زمین پر یوں بندھے مصیبت کے مارے پڑے رہیں گے (اور اگر کھولدو اُڑ جاوینگے اسی طرح جب تک مضامین راز قلب میں محبوس ہیں اُنتشار سے امن ہے اور جب یہ حبس رفع کر دیا جاوے تو اطراف و اقطار میں منتشر ہو جاتے ہیں۔)

مشورت دارید سر پوشیدہ خوب	در کنایت با غلط افگن مشوب
مشورت کردے پیمبر بستہ سر	گفتہ ایشانش جواب و بے خبر
در مثالے بستہ گفتے راے را	تا نداند خصم از سر پاے را
او جواب خویش بگرفتے ازو	وز سوالش مے نبردے غیر بو

(مشورت مفعول دارید و ذو الحال در کنایت متعلق بہ دارید۔ با غلط افگن متعلق بہ مشوب و آن حال ست از مشورت گفتے فعل۔ ر ایشان۔ فاعل۔ و شین مفعول اول او جواب مفعول ثانی و بیخبر حال از ایشان یعنی ہم نے جو اوپر کہا ہے کہ راز کو ظاہر نہ کرنا چاہیے اور حکم مشورہ عام نہیں ہے اس سے یہ نہ سمجھیے کہ راز میں بالکل مشورہ نہ کیا جاوے) مشورہ کی عادت تو رکھنا ضروری ہی (مگر) راز پوشیدہ ہی خوب ہے (حاصل یہ کہ راز میں صریح مشورہ نہ کیا جاوے بلکہ) وہ مشورہ کنایہ میں ہو جو ایسے کلام میں آمیختہ ہو کہ سامع کو غلط فہمی میں ڈالدے) (اور حقیقت واقعہ تک نہ پہونچنے دے یعنی مشورہ تو ہو مگر مبہم ہو کہ مشورہ پر بھی عمل ہو جاوے اور راز بھی مخفی رہے مثلاً کسی شخص کو یہ مشورہ لینا ہے کہ چار آدمی ایک ہزار روپیہ میں دہلی سے حج کر سکتے ہیں یا نہیں اور اوس کو اندیشہ ہے کہ اگر میں صاف اسی عنوان سے مشورہ لیتا ہوں تو لوگ سمجھ جاوینگے کہ یہی اپنے گھر والوں کو ملا کر چار آدمی ہیں معلوم ہوتا ہے یہ لوگ حج کو جانا چاہتے ہیں سو احتمال ہے کہ شاید بعض مانع خیر حارج ہوں یا یہ معلوم ہو جاوے گا کہ اس شخص کے پاس ایک ہزار روپیہ جمع ہے سو احتمال ہے کہ شاید کوئی درپے ہو کر چرا لے اس لیے اس شخص کو مناسب ہے کہ بجائے دہلی کے تو دس پانچ اسٹیشن بڑھا کر یا گھٹا کر کسی مقام کو سوال میں ذکر کرے اور بجائے چار آدمی کے آٹھ آدمی پورے اور دو بچے نصف ٹکٹ والے اور ایک بچہ بے ٹکٹ والا کل گیارہ آدمی سوال میں فرض کرے جو جواب تحقیق ہو اوس میں زائد کو منہا یا کم کو شامل کر کے حساب کرے جواب مقصود حاصل ہو جاوے گا اور کسیکو پتہ نہ لگے گا مگر یہ اوس وقت ہے جب کوئی مشیر معتمد

(ین نہ ملے یا ایسے مجمع مین مشورہ کرنا ہو جسمین اور لوگ بھی ناقابل اطمینان موجود ہون ورنہ صاف عنوان سے مشورہ کرنا زیادہ شفا بخش ہے) پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم اس طرح مشورہ فرماتے کہ حقیقت واقعہ سربستہ و معلق رہتی سامعین آپ سے جواب عرض کر دیتے مگر خود بے خبر رہتے دکہ کس واقعہ مین یہ مشورہ لیا گیا ہے اوسکی صورت یون ہوتی کہ کسی مثال مین اوس امر قابل رائے کو فرض کرکے فرما دیتے تاکہ مخالف حقیقت واقعہ کو تمیز نہ کر سکے اور اوسی مثال سے یعنی اوس مثال کے جواب سے) آپ اپنا جواب اخذ فرما لیتے اور آپکے سوال کی حقیقت کا رائحہ بھی کسی غیر آدمی تک نہ پہونچتا (حدیث مین ہے اذا غزی غزوۃ وری بغیرہا یعنی عزم غزوات مین توریہ و ابہام فرمایا کرتے تھے مولانا کا قول اسی مضمون کی روایت بالمعنی ہے)۔

این سخن پایان ندارد بازگرد	سوی خرگوش و در آ در تاچه کرد
حاصل آن خرگوش رای خود نگفت	مکر اندیشید با خود طاق و جفت
با وحوش از نیک و بد نگشاد راز	سر خود در جان خود میراند باز

یعنی اس مضمون (اخفاے راز) کی تو کہین انتہا نہین اب قصہ خرگوش کی طرف پھر عود کرنا چاہیے کہ اسنے کیا کیا غرض اوس خرگوش نے اپنی رائے کا اظہار نہین کیا اپنے ہی ذہن مین مختلف حیلے سوچتا رہا اور دوسرے وحوش سے بھلی بری کوئی بات نہین کھولی اپنی پوشیدہ تدبیر اپنے ہی دل مین چلا رہا تھا۔

قصۂ مکر خرگوش با شیر

ساعتی تاخیر کرد اندر شدن	بعد از ان شد پیش شیر پنجہ زن
زان سبب کاندر شدن او ماند دیر	خاک را می کند و می غرید شیر
گفت من گفتم کہ عہد آن خسان	خام باشد خام و سست و نارسان
دمدمہ ایشان مرا از خر فکند	چند بفریبد مرا این دہر چند
سخت درماند امیر سست ریش	چون نہ پس بیند نہ پیش از احمقیش

یعنی خرگوش نے جانے مین کسی قدر دیر لگا دی پھر شیر کے روبرو گیا اوس خرگوش کے توقف کے سبب شیر کا یہ حال تھا کہ تمام زمین کھود سے ڈالتا تھا اور غرا رہا تھا اور کہہ رہا تھا کہ مین تو پہلے ہی کہتا تھا کہ ان نالائقون کا عہد خام اور کچا اور ناتمام ہوگا ان کے مکر و فریب نے مجھکو دھوکے مین ڈالدیا (از خر افگندن در محاورہ فریب دادن دلی محمد) یا یون کہیے کہ گدھے سے بھی میرا رتبہ پست کر دیا (محمد رضا) نہ معلوم اہل زمانہ مجھکو کب تک ایسے دھوکے دیا کرینگے واقعی احمق حاکم بھی سخت درماندہ ہو جاتا ہے جب اپنی حماقت سے پس و پیش کو نہ دیکھے (جس طرح مجھکو قصہ پیش آیا کہ ان نخچیرون کے قول پر اعتماد کر لیا اور انجام کو نہ سوچا۔

راہ ہموارست و زیرش دامہا	قحط معنی درمیان نامہا

(حاشیہ: عن کعب بن مالک قال لم یکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یرید غزوۃ الا وری بغیرہا رواہ البخاری کذا فی المشکوٰۃ ۳۳۵)

لفظہا و نامہا چون دامہاست عمر چون آبست وقت او را چو جو	لفظ شیرین ریگ آب عمر ماست خلق باطن ریگ جوے عمر تو

(یہان سے انتقال ہے قصہ سے طرف مضمون ارشاد کے یعنی جس طرح معاملات ظاہری مین انجام بینی نکرنے سے غلطی مین گرفتار ہو جاتا ہے اسی طرح معاملات باطنی و سلوک مین انجام بینی نہ کرنے سے ضلالت و وبال مین مبتلا ہو جاتا ہے کہ شیخان مزور و مکار کے چرب و شیرین اقوال و نمایشی احوال کو دیکھ کر اُن سے بیعت ہو جاتا ہے اور حقیقت امر کی تحقیق نہین کرتا کہ اس ظاہر کا باطن کیا ہے اس مضمون کو ضمن تمثیل مین بیان فرماتے ہین کہ بسا اوقات اوپر سے ہموار رستہ معلوم ہوتا ہے اور اُسکے نیچے جال بچھا ہے (ایسے مقام پر عاقل کو اختیار در کار ہے) پس شیخان مزور کی ظاہری حالت مثل راہ ہموار کے ہے اور اُن کا خبث و فریب باطنی مثل دام نہانی کے ہے اور اکثر اسماء و الفاظ کے اندر معانی کا قحط ہوتا ہے (کہ تمام والقاب تو شاہ صاحب میان صاحب ذاکر شاغل عابد زاہد مگر ان اوصاف کا جو کہ معانی ان الفاظ کے ہین وہان پتہ بھی نہین یا الفاظ سے مراد عبارت و مضامین معرفت کے ہین کہ شیخان مزور درویشی کے مضامین نہایت فصاحت بلاغت سے بیان کرتے ہین مگر خود اُن حالات سے محض خالی پس یہ الفاظ و اسماء (بہر دو معنی مذکور) مثل دام کے ہین (کہ طالب سادہ لوح اُسمین پھنس جاتا ہے (اور پر خبث باطنی کو تشبیہ دام سے دی ہی بوجہ مہلک و مستور ہونے کے اور یہان الفاظ و عبارات ظاہری کو دام کہدیا صرف باعتبار مہلک ہونیکے گو کہ الفاظ مذکورہ مستور نہین ہین پس الفاظ شیرین کی ایک مثال تو دام کی ہوئی آگے دوسری مثال فرماتے ہین کہ) الفاظ شیرین ہمارے آب عمر کے لیے مثل ریگ کے ہین (جس طرح آب کو ریگ فنا کر دیتا ہے اسی طرح عمر طالب کو شیخان مزور کی یہ ظاہری باتین یہ حالتین اور شہرت برباد کرتی ہین کہ یہان کچھ حاصل نہین ہوتا بلکہ اور گمراہی بڑھتی ہے دوسری جگہ جانے کی توفیق نہین ہوتی اور جس طرح اس مقام پر شیخان مزور کے الفاظ کو ریگ عمر کہا ہے آگے خود شیخان مزور کو ریگ سے تشبیہ دینگے کیونکہ اصل مین برباد کن عمر طالب یہی ہین اور الفاظ تو محض واسطہ و ذریعہ ہین پس تشبیہ اول سے تشبیہ ثانی خود مفہوم ہوتی ہے اور لازم آتی ہے اور قبل اس تشبیہ ثانی کے ایک شعر ہے جسکو بعض نے ملحق کہا ہے اس ریگ یعنی شیخان مزور کیطرف میلان کا اصلی سبب بھی بتلایا ہے کہ وہ اخلاق ذمیمہ ہین چونکہ شیخان مزور کے یہان اُنکا ازالہ نہین کرایا جاتا بس نفس اپنی راحت کے لیے ادھر مائل کر دیتا ہے اور چونکہ بیان سبب ایک مستقل مضمون ہے اسی لیے اس شعر کا نہونا مضر بھی نہین جبکہ اسکو الحاقی کہا جاوے پس فرماتے ہین کہ) عمر تو مشابہ آب کے ہے اور زمانہ (یعنی ظرف زمان کہ عمر اوس مین کا ایک حصہ ہے) بمنزلہ نہر کے ہے (کہ آب اوس مین کا ایک حصہ ہوتا ہے) اور اخلاق ذمیمہ (جو تمھارے اندر ہین) تمھاری ریگ عمر (یعنی شیخان مزور کے طالب) اور جویندہ ہین (جیسا ہمنے ابھی تقریر کی ہے اور وہ شعر جس مین سبب کا بیان ہے یہی تھا اور شعر تشبیہی آگے آوے گا عیر مروح الخ۔

آن یکے ریگے کہ جوشد آب ازو	سخت کمیاب ست رو آن را بجو

ہست آن ریگ اے پسر مرد خدا	کہ بحق پیوست واز خود شد جدا
آب عذب دین ہمی جوشد ازو	طالبان را زو حیات ست و نمو
غیر مرد حق چو ریگ خشک دان	کآب عمرت را خورد او ہر زمان

جب شیخان مزدر کو ریگ سے تشبیہ دیکر اوس سے احتیاط رکھنے کا بیان کرنا منظور ہوا تو تکمیل مضمون کے لیے مقابلہ مین شیوخ کاملین کا بیان بھی لے آئے تاکہ طالب حق اُن کو تلاش اور اُن کا اتباع کرے اور چونکہ ظاہری حالت دونون شیخون کی یکسان ہوتی ہے اور باطنی حالت مین تفاوت ہوتا ہے اس لیے کاملین کو بھی مثل مزورین کے ریگ سے تشبیہ دی گئی کہ ظاہر مین سب ریگ ایک صورت کے ہوتے ہین مگر باعتبار اثر کے مختلف ہین کہ بعض ریگ تو ایسا ہے جس سے پانی اوبلتا ہے جس سے شیخان کامل کو تشبیہ دی ہے اور بعض ایسا ہے جو پانی کو خشک کر دیتا ہے جس سے شیخان مزورین کو تشبیہ دی ہے پس فرماتے ہین کہ) ایک ریگ تو وہ ہوتا ہے جس سے پانی اوبلتا ہے (شیخ کامل عارف اوسکے مشابہ ہے کہ علوم وحقائق اُس سے جوش زن ہوتے ہین) ایسا ریگ بہت کمیاب ہی اوسکو تلاش کرو اس ریگ مذکور سے مراد مرد خدا ہی جو حق سے واصل اور اپنے (حظوظ) سے منقطع ہوگیا ہو (علم) دین کا آب شیرین اُس سے جوش مارتا ہے جس سے طالبان حق کو حیات اور نمو ہوتا ہے اور جو مرد حق نہ ہو (بلکہ شیخ مزدر ہو) اوسکو مثل ریگ خشک کے سمجھو کہ تیرے آب عمر کو ہر وقت چوس رہا ہے (یعنی تیری عمر وعلم وعمل کو ضائع کر رہا ہے)۔

طالب حکمت شو از مرد حکیم	تا ازو گردی تو بینا و علیم
منبع حکمت شود حکمت طلب	فارغ آید او ز تحصیل و سبب
لوح حافظ لوح محفوظے شود	عقل او از روح محظوظے شود
چون معلم بود عقلش ز ابتدا	بعد ازان شد عقل شاگردی ورا
عقل چون جبریل گوید احمدا	گر یکے گامے نہم سوزد مرا
تو مرا بگذار زین پس پیش ران	حد من این بود اے سلطان جان

(یعنی جب معلوم ہوگیا کہ آدمی دو قسم کے ہین ایک کامل ایک مکار جاہل پس تم حکمت (و معرفت) کی طلب مرد حکیم (کامل) سے کرو تاکہ تم بھی بینا ودانا بن جاو کیونکہ جو طالب حکمت ہوتا ہے وہ منبع حکمت بنجاتا ہے اور (بعد منبع حکمت بنجانے کے) وہ تحصیل (مروج) اور اسباب (ظاہری تحصیل علم) سے فارغ ہوجاتا ہے (یعنی علوم وہبی لدنی اوسکے قلب پر فائض ہونے لگتے ہین) اور وہ شخص کہ (طلب کے وقت) لوح حافظ تھا (کہ علوم واسرار کو اپنے لوح قلب پر شیخ سے سنکر محفوظ رکھتا تھا بعد انکشاف علوم کشفیہ لدنیہ کے) لوح محفوظ کے مثل ہوجاتا ہے (کہ من جانب اللہ اوس مین علوم حقیقیہ کا انتقاش ہونے لگتا ہے) اور اوسکی عقل روح سے (یعنی الہام سے کما قال تعالی اوحینا الیک روحا من امرنا) محظوظ ہونے لگتی ہے (وحی یا الہام کو روح کہنا اس لیے ہے کہ وہ سبب حیات معنویہ ہے جیسے روح

سبب حیات جسمانیہ ہی ابتدائی حالت میں یعنی حصول معرفت کے قبل تو عقل اوسکی اُستاد تھی اور بعد ازان (جب اُسنے فیوض حاصل کر لیے تو) خود عقل اوسکی شاگرد ہو گئی (کیونکہ اول راہ طلب مین اوسکو عقل ہی لائی تھی اس لیے عقل استاد تھی پھر وہ وہ علوم حاصل ہونے لگے جو ادراک عقل و نظر سے خارج ہین اس لیے عقل شاگرد و محتاج بن گئی) پھر تو عقل اس سے وہ بات کہنے لگتی ہے جو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے جناب احمد مجتبیٰ صلے اللہ علیہ وسلم سے عرض کی تھی کہ اگر ایک قدم بھی آگے رکھتا ہون تو دنور جلال مجکو جلاے دیتا ہے آپ مجکو یہان ہی رہنے دیجیے اور خود آگے تشریف لیجائیے بس میری یہی حد تھی (پس جس طرح اس واقعہ مین حضرت جبرئیل علیہ السلام اول رہبر تھے پھر عاجز ہو گئے اسی طرح عقل اول رہبری کرتی ہی مگر آگے چلکر درماندہ ہو جاتی ہے) ف اس روایت کی ابھی طرح مجکو تحقیق نہین ہے۔

	ہر کہ ماند از کاہلی بے شکر و صبر	او ہمی داند کہ گیرد پاے جبر	
	ہر کہ جبر آورد و خود رنجور کرد	تا ہمان رنجوریش در گور کرد	
	گفت پیغمبر کہ رنجورے بہ لاغ	رنج آرد تا بمیرد چون چراغ	

(اوپر ترغیب تھی مرد حلیم یعنی شیخ کامل کے تلاش کرنے کی اور اخذ فیوض مین سعی کرنے کی اب مذمت فرماتے مین سعی اور طلب مین کاہلی کرنے کی پس ارشاد ہوتا ہے کہ) جو شخص کاہلی کے سبب ناشکرا اور بے صبر رہ گیا (یعنی قوتے مدرکہ و فاعلہ کا کہ نعمت الٰہی ہین حق ادا نہ کیا کہ اُنکو طلب مقصود مین صرف کرتا اور یہ ناشکری ہے اور مجاہدہ و ریاضت سے جی چرایا کہ اوسکی بدولت واصل ہو جاتا اور یہ بے صبری ہے غرض جس نے راہ طلب مین کاہلی کی) وہ اپنے دل مین (خوش ہو کر) یون جانتا ہو گا کہ مین نے جبر (محمود) کا پایہ تھام لیا ہے (جسمین سپر د رضا و تسلیم و توکل سے جیسا اوپر گذر چکا ہے حالانکہ طلب مقصود سے تقاعد کرنا یہ جبر مذموم ہے جسکا یہ حال ہی کہ) جس شخص نے ایسا جبر اختیار کیا اور اپنے کو مثل بیمار بنا لیا (کہ مجھکو قدرت علم و عمل کی نہین) آخر وہی بیماری (کاہلی) اسکو گور (جہل) مین پہونچا دیگی چنانچہ پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے (کہ جھوٹ موٹ) تمسخر سے بیمار پڑجانا سچ مچ کی بیماری کو کھڑا کر دیتا ہے حتی کہ چراغ کے دگل ہونے کی طرح مرجاتا ہے (یہ اشارہ ہے اس حدیث کی طرف ان تمارضتم لدیا تمرضوا جسکے معنی مین یہ مشہور ہے کہ منافقین اعمال اسلامیہ سے بچنے کے لیے بیمارون کی صورت بنا کر آتے تھے اوپر آپ نے فرمایا کہ ایسا کرنے سے سچ مچ کی بیماری ہو جاوے گی مگر مجکو اس حدیث کی تحقیق نہین مولانا نے بطریق علم اعتبار کے امراض باطنی کو مثل کاہلی و ترک سعی فی الحق کے امراض ظاہری پر قیاس کرکے ہلاکت کو دونون مین مشترک قرار دیا۔ اس سے ثابت ہو گیا کہ ایسا جبر مذموم ہے)

یعنی	جبر چہ بود بستن اشکستہ را	یا بہ پیوستن رگ بگسستہ را	
	چون درین رہ پاے خود نشکستۂ	بر کہ می خندی چہ پارا بستۂ	
	وانکہ پایش در رہ کوشش شکست	در رسید اورا براق و بر نشست	

حامل دین بود او محمول شد	قابل فرمان بد او مقبول شد
تاکنون فرمان پذیرفتی ز شاہ	بعد ازین فرمان رساند بر سپاہ
تاکنون اختر اثر کردے درو	بعد ازان باشد امیر اختر او
گر ترا اشکال آید در نظر	پس تو شک داری در انشق القمر

(اوپر کے اشعار مین تمسک بالجبر پر رد تھا کہ یہ کاہلی جبر مذموم ہے اب فرماتے ہین کہ اگر تم کو طریق جبر ہی کا اختیار کرنا پسند ہے تو جبر محمود کو اختیار کرو جسکی تفسیر اوپر ایک جگہ راقم نے لکھی ہے اور مولانا ایک خاص عنوان سے بتلاتے ہین جسمین ایک گونہ لغت سے استدلال بھی ہے حاصل اوسکا یہ ہے کہ) جبر کے معنی لغت مین یہ ہین کہ شکستہ کو درست کرنا یا قطع کی ہوئی رگ کو جوڑنا چنانچہ اہل لغت نے تصریح کی ہے پس جس حالت مین کہ تمنے راہ طلب مین ابھی تک اپنے قدم (سعی) کو شکستہ ہی نہین کیا تو (اوسوقت تک جبر کا نام لینا عقلا کے نزدیک اپنے اوپر ہنسوانا ہے) کیا منہ لیکر کسی کو ہنستے ہو کیونکہ تمنے (اوس حالت مین) شکستہ پانون کو کیا باندھا کہ جبر کے معنی صادق آوین کیونکہ بستن شکستہ کا مضمون صادق آنا موقوف ہے شکستن کے صادق آنے پر جب شکستن ہی نہین ہوا تو بستن یہ کیسے متحقق ہوگا پھر جبر کہان ہوا جسکے ساتھ تمسک کرنا چاہتے ہو) البتہ جس شخص کا پانون طریق مجاہدہ مین شکستہ ہوچکا ہو یعنی اپنی وسعت کے موافق کوشش خرچ کرکے ختم کرچکا ہو کہ اوس سے آگے کوشش متصور نہو جسکو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے جاہدوا فی اللہ حق جہادہ اور کوشش ختم کرنے کیلیے عاجز ہوجانا لازم ہے جسکو شکستہ پائی سے تعبیر کیا گیا ہے اس مناسبت سے شکستہ پائی سے مجازاً حق مجاہدہ مراد لیا ہے غرض تفسیر مذکور جسکا پانون شکستہ ہوچکا ہو) اوسکے لیے (براق) جذب الٰہی کا آوے گا اور وہ اوسپر سوار ہوجاوے گا (اور منزل قرب تک پہونچ جاویگا اور جذب کو براق باعتبار سرعت ایصال کے کہدیا یہ مضمون اشارہ اس مسئلہ کیطرف ہے کہ اکثر سلوک مقدم ہوتا ہے پھر جذب سے وصول الی اللہ ہوجاتا ہے جسکو شیخ شیرازی نے اس طرح فرمایا ہے ؎ بپاے طلب رہ بدانجا بری ÷ وز انجا ببال محبت پری ÷ اور اس سلوک کو سیر قدمی کہتے ہین اور آگے سیر نظری کہلاتی ہے پس سلوک گو علت تامہ وصول کی نہین مگر اکثر حالات کے اعتبار سے شرط ہے اور جاننا چاہیے کہ شکستہ پائی یعنی حق مجاہدہ وسلوک ہر چند کہ جبر محمود کی (جسکا ایک مقام پر اوپر بیان آچکا ہے) تفسیر نہین ہے مگر چونکہ یہ مجاہدہ سبب ہے وصول کا اور وصول سے جبر محمود یعنی مشاہدہ اضمحلال قدرت حادث بمقابلہ قدرت قدیم حاصل ہوجاتا ہے اس لیے اس مقام پر سبب جبر کو جبر قرار دیا مجازاً) ایسا شخص (جو حق مجاہدہ کرکے واصل ہوجاوے) اول حامل دین تھا کہ بار اعمال اپنے اوپر اٹھاتا تھا جو حاصل ہے سلوک کا) اب وہ محمول ہوجاویگا کشش غیبی بالاضطرار اسکو مقصود اصلی تک پہونچا دیگی جو حاصل ہے جذب کا) اول حق تعالیٰ کے فرمان کو قبول کرتا تھا اب درگاہ حق تعالیٰ مین مقبول ہوجاویگا (جیسے فرض کرو) کوئی شخص کبھی بادشاہ کی فرمانبرداری کرتا ہو اور اوسکے بعد چند روز مین ترقی مراتب ہوکر خود سپاہ پر حکمرانی کرنے لگے (یہی حال اس طالب کا ہوتا ہے کہ اول اللہ تعالیٰ کی یا شیخ کامل کی اطاعت کرتا

ہے حتی کہ پھر خود کامل ہو کر شیخ بنجاتا ہے اور مسند ارشاد پر متمکن ہو کر طالبین مین تصرف تربیت و تکمیل کا کرنے لگتا
ہے اور ابھی تک (یعنی قبل کمال تک) تو کواکب اس کے اندر اثر کیا کرتے تھے (بعض آثار تو کواکب کے ظاہر ہین
جیسے گرمی سردی وغیرہ اور بعض آثار کے ثبوت پر بجز دعوی اہل تنجیم کے کوئی دلیل نہین اگر پہلے آثار مراد ہون
تب تو کچھ اشکال نہین اور اگر دوسرے آثار مراد ہون تو یہ مضمون محض قول مشہور پر مبنی ہوگا بہرحال حسن اعتبار سے
کہا جاوے (ابتک کواکب اسکے اندر موثر تھے) پھر خود یہ شخص کواکب پر حکومت کرنے لگتا ہے (حکومت کے یا تو یہ
معنی ہین کہ اُن کے اندر تصرف کرنے لگتا ہے تب تو یہ ایک قسم کی کرامت ہے جسکا حصول لازمۂ ولایت نہین
مگر گاہے حاصل ہوجاتا ہے اور مولانا کے کلام مین دوام و استمرار کا کوئی لفظ نہین تاکہ اشکال لازم آوے بلکہ
بوجہ قضیہ غیر محصورہ ہونے کے یہ حکم جزئی ہوگا جس طرح شعر اول مین مرشد ہونے کا حکم کیا تھا اور وہ بھی کامل
ہونے کے لیے لازم نہین بلکہ محض یہ امور وہبی ہین جسکو چاہتے ہین مربی قلوب و مرشد بنادیتے ہین جسکو چاہتے
ہین صاحب خوارق و متصرف فی الاکوان بنا دیتے ہین اور جسکو چاہتے ہین بالکل مخفی رکھتے ہین اور یا حکومت کے
معنے یہ ہین کہ یہ شخص چونکہ فانی فی اللہ ہوگیا ہے اور ایسے شخص کی خواہش بالکل تابع ارادۂ خداوندی ہوجاتی
ہے اور کواکب کا محکوم ارادۂ خداوندی ہونا ظاہر ہے پس کواکب مین جو تغیر و تبدل بارادۂ آلہی ہوگا چونکہ وہ تغیر و
تبدل اس شخص کی خواہش کے موافق ہوگا جیسا ابھی مذکور ہوا پس مشابہ اسی کے ہوگیا جیسے خود اسکی خواہش
سے ہوا ہو بایں معنی مجازاً اسکو امیر اختر کہدیا اور احقر کے نزدیک اختر سے مراد قلب لیا جاوے جیسا اوپر ایک
جگہ گذرا ہے ٥ اختر انند از ورای اختران ۞ تو مطلب بہت بے تکلف ہوگا کہ اب تک وہ اپنے قلب کا مغلوب تھا کہ
اسکے میلان کے موافق عمل کیا کرتا تھا اب اپنے قلب پر حاکم و غالب ہوجاتا ہے کہ اسکے میلان کو تابع حکم
کرلیتا ہے) اور اگر (حاکم اختر ہونے کے باب مین) تمھاری نظر مین اشکال معلوم ہو تو سمجھا جاوے گا کہ تم کو معجزۂ
شق القمر مین بھی شک ہے (کیونکہ اس مین بھی قمر کے اندر تصرف واقع ہوا ہے پس اس معجزہ کا واقع ہونا دلیل
ہے اس تغیر خارق کے ممکن ہونے کی اگر ایسا امر ممکن اب بھی کسی مقبول کی کرامت ظاہر کرنے کے لیے اللہ
تعالی واقع کردین تو کیا محال ہے اوپر کے اشعار مین حاکم اختر ہونے کی توجیہات مین سے دونوں بہت ظاہر
تھین اُن کے لیے تو دلیل لانے کی حاجت نہین صرف تصرف خارق کی توجیہ مین استبعاد تھا اس لیے معجزۂ
شق القمر سے اُسپر استدلال کیا اور ظاہر ہے کہ جب امر مستبعد واقع ہوسکتا ہے تو دوسرے معانی غیر مستبعدہ کا
واقع ہوجانا تو بدرجۂ اولی ممکن ہوگا اس سے یہ اشکال دفع ہوگیا کہ یہ دلیل صرف ایک توجیہ کے ساتھ خاص
ہے دوسری توجیہون سے اسمین تعرض نہین)

ف مولانا کے استدلال مین اشارہ ہے کہ جو امر معجزہ نبی کا ہوسکتا ہے گو وہ کیسا ہی بعید اور دشوار کیون
نہو وہ بطور کرامت ولی سے بھی واقع ہوسکتا ہے بشرطیکہ کوئی دلیل مستقل اُسکے امتناع پر نہو جیسے ایتان مثل
القرآن کہ اسکا امتناع ثابت ہوچکا ہے اور یہی مذہب ہے محققین اہل سنت و جماعت کا۔

تازہ کن ایمان نہ از گفت زبان	اے ہوا را تازہ کردہ در نہان
تا ہوا تازہ است ایمان تازہ نیست	کین ہوا جز قفل آن دروازہ نیست
کردۂ تاویل لفظ بکر را	خویش را تاویل کن نے ذکر را
فکر تو تاویل کردہ ذکر را	ذکر را مان و بگردان فکر را
بر ہوا تاویل قرآن مے کنے	پست و کژ شد از تو معنے سنی

چونکہ اوپر معجزۂ شق القمر سے استدلال کیا گیا ہے احتمال تھا کہ کوئی ملحد اوس مین ایسی تاویل بعید کرکے جس مین شق القمر معنے حقیقی پر نہ رہے کہدے اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال اسلیے ابطال تاویل کے لیے فرماتے ہین کہ ایمان کو (صدق دل سے) تازہ کرو صرف زبان سے کہنا کافی نہین تمنے تو باطن مین ہواے نفسانی کو تازہ کر رکھا ہی (اور وہی ان تاویلات کا منشا بنتے ہین کیونکہ اہل بدعت کی تاویلات اسی بناء پر ہین کہ اول تسویل نفسانی سے ایک اعتقاد فاسد جمالیا اُسکے بعد مخالف نصوص مین تحریف شروع کردی سو) جبتک ہواے نفسانی تازہ ہی ایمان تازہ نہین ہوسکتا (جیسا حدیث مین ہی[1] لا یومن احدکم حتی یکون ہواہ تبعا لما جئت بہ) کیونکہ یہ ہواے نفسانی اُس دروازہ (علوم و حقائق) کا قفل ہے (جس سے حقائق منکشف نہین ہوسکتے اسی وجہ سے) تم محفوظ الفاظ مین تاویلین کرنے لگے ہو (محفوظ الفاظ سے مراد قرآن و حدیث صحیح کے الفاظ ہین اور اُن کو بوجہ محفوظ ہونے کے بکر کہا کیونکہ بکر بمعنی ناکتخدا بھی محفوظ ہوتی ہے) سو تم کو چاہیے کہ اپنی تاویل کرو (یعنی اپنے اندر تغیر پیدا کرو جس سے تمہارا جہل دفع ہو کر حقیقت امر واضح ہو) الفاظ قرآن کی تاویل مت کرو (یعنی اُنکو اُنکے اصل معنی سے مت بدلو قرآن کا نام ذکر ہو ناخود قرآن مین مذکور ہی (انا نحن نزلنا الذکر) تمھاری قوت فکریہ نے لفظ قرآنی کی تاویل کر رکھی ہے تم کو چاہیے کہ قرآن کو تو اُس کی اصلی حقیقت پر رہنے دو اور اپنی قوت فکریہ کو بدلو کہ اُسکا فساد مبدل بہ صحت ہو) تم محض ہواے نفسانی پر قرآن کی تاویل کرتے ہو جس سے تمھاری تاویل کی بدولت روشن معنی (قرآن کے جو باعتبار قواعد عربیہ و شرعیہ کے بہت صاف اور واضح تھے کج (اور متغیر) ہو گئے (اور ایسی ہی تاویل کی نسبت حدیث مین آیا ہے من[2] فسر القرآن برایہٖ فقد کفر ورنہ جو برعایت قواعد عربیہ و شرعیہ کے کوئی معنی بطور

---

[1] عن عبد اللہ بن عمرو قال قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم لا یؤمن احدکم حتی یکون ہواہ تبعا لما جئت بہ رواہ فی شرح السنۃ کذا فی المشکوۃ ۱۲

[2] عن ابن عباس عن النبی صلے اللہ علیہ وسلم قال اتقوا الحدیث عنی الا ما علمتم فمن کذب علی متعمدا فلیتبوأ مقعدہ من النار ومن قال فی القرآن برایہ فلیتبوأ مقعدہ من النار رواہ الترمذی ۱۲

احتمال کے کیے جاوین اس کی مشروعیت پر تمام اُمت متفق ہے اور حدیث لاینقضی عجائبہٗ سے اسکی اجازت مفہوم ہوتی ہے تنبیہ مراد مولانا کی تاویل باطل کا رد کرنا ہی جو شیوہ اہل بدعت کا ہی اور جو تاویل بضرورت رفع تعارض یا دفع استحالہ نقلی وعقلی برعایت قواعد شرعیہ وعربیہ دخلو از غرض نفسانی وشہادت نور بصیرت کی جاوے جس کو اہل حق نے خلفاً عن سلف اختیار کیا ہے خواہ درجۂ وجوب مین ہو یا درجۂ جواز مین اوس کا رو مقصود نہین پس بعض حواشی مین جو تاویل آیات صفات کو جسکو متاخرین نے اختیار کیا ہے اس رد مین داخل کردیا ہے بڑی غلطی ہے۔

زیافت تاویل رکیک مگس

ماندا حوالت بدان طرفہ مگس
کو ہمی پنداشت خودرا ہست کس

از خودی سرمست گشتہ بی شراب
ذرۂ خودرا بدیدہ آفتاب

وصف بازان را شنیدہ در بیان
گفت من عنقاے وقتم بی گمان

گفت من دریا و کشتی خواندہ ام
مدتی در فکر آن می ماندہ ام

آن مگس بر برگ کاہ و بول خر
ہمچو کشتیبان ہمی افراشت سر

اینک این دریا و این کشتی و من
مرد کشتی بان و اہل راے وفن

بر سر دریا ہمے راند او عمد
می نمودش آنقدر بیرون زحد

بود بے حد آن چنین نسبت بدو
آن نظر کو بیند آنرا راست کو

سلہ عن الحارث الاعور قال مررت فی المسجد فاذا الناس یخوضون فی الاحادیث فدخلت علی رضی اللہ عنہ فاخبرتہ فقال وقد فعلوا قلت نعم قال اما انی سمعت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم یقول الا انہا ستکون فتنۃ قلت ما المخرج منہا یا رسول اللہ قال کتاب اللہ فیہ نباء ما قبلکم وخبر ما بعدکم وحکم ما بینکم ہو الفصل لیس بالہزل من ترکہ من جبار قصمہ اللہ ومن ابتغی الہدی فی غیرہ اضلہ اللہ وہو حبل اللہ المتین وہو الذکر الحکیم وہو الصراط المستقیم ہو الذی لا تزیغ بہ الاہواء ولا تلتبس بہ الالسنۃ ولا یشبع منہ العلماء ولا یخلق عن کثرۃ الرد ولا ینقضی عجائبہ الخ رواہ الترمذی کذا فی المشکوۃ ۱۲

عالمش چندان بود کش بینش ست　　چشم چندین بحر هم چندینش ست
صاحب تاویل باطل چون مگس　　وهم او بول خر و تصویر خس
گر مگس تاویل بگذارد برای　　آن مگس را بخت گرداند همای
آن مگس نبود کش این عبرت بود　　روح او نے در خور صورت بود
همچو آن خرگوش کو بر شیر زد　　روح او کے بود اندر خورد قد

(عمد ستون مراد چوبکہ بدان کشتی راانند ۔ چمین بول وغائط مراد اینجا بول ۔ تصویر تصوران اشعار مین تاویل باطل کی تمثیل کے لیے ایک فرضی حکایت مذکور ہے جسکا حاصل یہ ہے کہ) تمھارا حال (تاویل باطل مین) اوس عجیب مگس کے مشابہ ہے جو اپنے کو سمجھتی تھی کہ مین بھی کوئی چیز ہون وہ آپ ہی آپ بے شراب پیے ہوے سرمست ہو رہی تھی اور اپنی ذرہ کو آفتاب سمجھتی تھی (یعنی اپنے چھوٹے مرتبہ کو کہ مثل ذرہ کے تھا عالی مثل آفتاب سمجھتی تھی) کہین بازون کا جو کہ شکاری جانور ہے حال سنا تھا کہنے لگی کہ عنقاے وقت مین ہی ہون (جو باز سے بھی بڑا ہوتا ہے غرض ایک مگس ایسی تھی اتفاقا) وہ مگس کہین ایک برگ کاہ پر جا بیٹھی جو بول خر مین تیر رہا تھا بس لگی ملاح کی طرح فخر کرنے کہنے لگی کہ مین نے دریا اور کشتی کا نام کتابون مین پڑھا تھا ایک مدت سے اس فکر مین تھی (کہ دریا و کشتی کیسی ہوتی ہونگی) اب معلوم ہوا کہ دریا اسکو کہتے ہین (یعنی بول خر کو) اور یہ (برگ کاہ) کشتی ہے اور مین ملاح ہون کہ اہل الراے اور اہل فن ہون بس اوس (تاویلی) دریا پر بیٹھی ہلی لگا رہی تھی اور اوتنی ہی مقدار اوسکو حد سے باہر معلوم ہوتی تھی اور واقعی وہ پیشاب اوسکی نسبت بعید ہی تھا ایسی نظر (ہر جگہ) کہان ملتی ہے جو اسکو صحیح (حالت پر) دیکھ لیا کرے اوس مگس کا عالم بھی اوتنا ہی ہوگا جتنی اوسکی نگاہ ہے جب نگاہ اتنی ہی تو اسکا دریا بھی اتنا ہی ہوگا (یعنی چونکہ اوسکی نگاہ تنگ تھی اس لیے اوتنا بول اوسکو دریاے ناپیدا کنار اور ایک جہان بعید و شمار نظر آتا تھا) بس اہل تاویل باطل کی حالت بھی اس مگس کی سی ہے (کہ اپنے کو عالم اور محقق سمجھتا ہے اور اسکا وہم اور تصور لغو (جسکا منشا دلیل شرعی نہین ہے) مثل بول خر کے ہے (کہ اوسمین مگس کی سیر حسی ہو رہی تھی اسی طرح مبتدع و ملحد کو اسکے وہم و خیال مین جسکا محل کچھ واقع مین نہین ہی سیر ذہنی اور حرکت فکری ہوتی ہے اور جس طرح اوسنے دریا و کشتی کا مصداق غلط سمجھا اسی طرح مبتدع مفہومات شرعیہ کا مصداق غلط سمجھتا ہی البتہ اگر مگس (ناقص العلم) اپنی راے سے تاویل کرنا چھوڑ دے (اور کامل کا اتباع اختیار کرے جو اوسکو حدود شرعیہ کے اندر رکھے اور راے کی قید سے صاف معلوم ہوا کہ تاویل بدلیل شرعی جائز ہے جیسا ہمنے اوپر تنبیہ مین بیان کیا ہے) تو اوس مگس (ناقص العلم) کو خوش نصیبی ہما (کامل العلم) بنادے گی (یعنی ناقص و اہل باطل بدولت اتباع اہل حق کے کامل و اہل حق ہو جاتا ہے) پھر وہ مگس (واقع مین) مگس ہی نہوگی جسکو اسقدر غیرت ہو کہ شرعیات مین راے سے تصرف کرنیکو مذموم سمجھکر ترک کر دے یعنی پھر ایسے شخص کو ناقص نہ سمجھنا چاہیے گو ظاہرا علوم درسیہ کی کمی سے ناقص نظر آوے جیسے بہت سے کاملین گذرے ہین کہ درس و تدریس مین مشغول نہین ہوے منقولات کو صحبت

علما سے حاصل کر لیا اور اسرار اُنکے قلب پر ملہم ہوے) اوسکی روح (یعنی باطن) اوسکی صورت (یعنی ظاہر) کے موافق نہین ہوگی (کہ ظاہر مین ناقص ہے اور واقع مین کامل آگے اس نقصان صوری و کمال معنوی کی ایسی مثال دیتے ہین جسمین عود قصہ کی طرف بھی ہے فرماتے ہین کہ) جیسے وہ خرگوش تھا جس نے شیر پر صدمہ پہونچایا اوسکی روح اوسکے قد وقامت کے موافق کب تھی (ظاہر مین تو بہت ہی حقیر وضعیف تھا مگر تدبیر اور رائے سے کبیر و قوی نکلا پس معلوم ہوا کہ ممکن ہے کہ کوئی ظاہر مین ناقص ہو مگر باطن مین کامل ہو)۔

رنجیدن شیر از دیر آمدن خرگوش

شیر میگفت از سر تیزی و خشم	کز رہ گوشم عدو بر بست چشم
مکرہاے جبریانم بستہ کرد	تیغ چوبین شان تنم را خستہ کرد
زین سپس من نشنوم آن دمدمہ	بانگ دیوانست و غولان آن ہمہ
بردران ای دل تو ایشان را مایست	پوست شان برکن کشان جز پوست نیست

یعنی شیر تیزی اور غضب سے کہہ رہا تھا (جبکہ خرگوش کو دیر لگی) کہ ان دشمنون نخچیرون نے کان کی راہ سے میری آنکھ بند کردی (یعنی جھوٹی سچی باتین سنا کر حقیقت امر کو مجھ سے مخفی کر دیا) ان جبریون کے مکر نے مجکو شکار کرنے سے مقید کر دیا اور ان کی تیغ چوبین (مضامین دروغ راست نما) نے میرے بدن کو خستہ (ضرر رسیدہ) کر دیا مین اسکے بعد سے کبھی ان کا فریب نہ سنونگا کیونکہ ان کی سب باتین محض شیاطین وغول کی آوازین ہین (کہ مسافرون کو پکار پکار کر راہ سے بھٹکا دیتے ہین) پس اے دل تو ان سب کو پھاڑ ڈال ہرگز توقف مت کر ان کا پوست اتار ڈال کیونکہ ان مین بجز پوست کے مغز یعنی (اخلاق حمیدہ مثل وفائے عہد وراستی وغیرہ) کچھ نہین ہے۔

پوست چہ بود گفتہاے رنگ رنگ	چون زرہ بر آب کش نبود درنگ
این سخن چون پوست معنی مغز دان	این سخن چون نقش معنے ہمچو جان
پوست باشد مغز بد را عیب پوش	مغز نیکو را ز غیرت غیب پوش
چون ز باد ستت قلم دفتر ز آب	ہر چہ بنویسی فنا گردد شتاب
نقش آب ست ار وفا جوئی ازان	باز گردی دستہاے خود گزان

(دست خود گزان حال از ضمیر باز گردی یعنی تاسف وحسرت کنان۔ یہ انتقال ہی اوپر پوست ظاہری ناقابل اعتبار ہونے کا بیان تھا یہان سے پوست معنوی کا ذکر فرماتے ہین کہ جانتے ہو پوست کیا چیز ہے یہ رنگارنگ کے اقوال مثل پوست کے ہین جن کی ایسی مثال ہے جیسے پانی پر (ہوا سے) لہرین (بشکل زرہ) بنجاتی ہین کہ اونکو کچھ ثبات نہین ہوتا اسیطرح ظاہر کلام کو مثل پوست کے سمجھو اور اُس کے معنی وحقیقت کو مثل مغز کے خیال کرو ونیز اس ظاہری کلام کو مثل نقش وجسم کے سمجھو اور معنی کو مثل روح کے تصور کرو (کہ جس طرح پوست ونقش غیر مقصود

ہوتا ہی اور مغز و روح مقصود اسیطرح کلام ظاہری غیر مقصود ہوتا ہی اور حقیقت مقصود وجہ تشبیہ ظاہر ہی کہ پوست کی خاصیت یہ ہوتی ہی کہ (اوسکے اندر اگر برا مغز ہی تو اوس مغز بد کا وہ عیب پوش ہی (کہ اوپر سے مغز کی خرابی نظر نہین آتی) اور (اگر اوسکے اندر اچھا مغز ہی تو اوس) اچھے مغز کے اعتبار سے غیرت کے سبب (کہ نیتوالا ون کے سامنے اوس کے اظہار کرنے سے غیرت آتی ہی) غیب پوش ہی (کہ اوس مغز کی خوبی جو مستور اور نظر ظاہری سے غائب ہی اوس کے لیے وہ پوست ساتر ہی اسی طرح کلام کی خاصیت ہی کہ اکثر مدعیون کا کلام رنگین اور پر تکلف ہوتا ہی اوس کلام کی وجہ سے اُن مدعیون کی حقیقت اور اصلی حالت عوام پر کھلنے نہین پاتی اور اون کا عیب چھپا رہتا ہی اور اہل حق کا کلام اکثر سادہ و بے تکلف و مختصر بقدر ضرورت ہوتا ہی اوسکے پردہ مین اون حضرات کا اصلی کمال عوام پر ظاہر نہین ہوتا اس سے کلام ظاہری کو پوست سے تشبیہ دینے کی تائید ہوگئی پس یہ کلام ظاہری باعتبار اثر اور خاصیت کے تو مشابہ پوست کے ہی اور اوس مین سے قسم خاص یعنی کلام رنگین و پر تزویر صفت بے بقائی مین مشابہ زدہ برآب کے ہی جیسا اوپر کے شعر مین ہی اور اب اوسی کی طرف رجوع کرتے ہین کہ) جب ہوا کا قلم ہوا اور پانی کا دفتر ہو تو جو کچھ لکھو گے وہ فوراً فنا ہو جاوے گا کیونکہ وہ تو محض نقش برآب ہی اوس سے اگر وفاداری (یعنی صحبت مدیدہ وبقا) کی طلب کرنے لگو تو انجام مین حسرت زدہ ہونا پڑے گا (کیونکہ اوسکو بقا نہوگا اسی طرح کلام اہل تزویر سے امید وفا نہ چاہیے بالخصوص شیخان مزور کے دھوکہ مین نہ آنا چاہیے۔

باد در مردم ہوا و آرزوست — چون ہوا بگذاشتی پیغام ہوست
خوش بود پیغامہای کردگار — کو ز سر تا پای باشد پایدار
خطبۂ شاہان بگردد وان کیا — جز کیا و خطبہای انبیا
زانکہ بوش بادشاہان از ہواست — بارنامہ انبیا از کبریاست
از درمہا نام شاہان برکنند — نام احمد تا قیامت می زنند
نام احمد نام جملہ انبیاست — چونکہ صد آمد نود ہم پیش ماست
این سخن پایان ندارد ای پسر — قصۂ خرگوش گو و شیر نر

(کیا سرداری معطوف بر خطبہ۔ بوش باول مفتوح و ثانی زدہ کرد و فر وخود نمائی۔ بارنامہ حشمت یا صحف اوپر کہا تھا چون ز باد ست قلم الخ اب اوس باد کی تعیین مشبہ مین اور تفصیل مشابہت کی فرماتے ہین کہ) لوگون مین جو ہوائے نفسانی اور آرزوہائے باطل ہین یہ (مشابہ) باد کے ہین (پس جو باتین اس سے پیدا ہوتی ہین یعنی جن باتون مین غرض نفسانی شامل ہی اور اوس مین صدق و اخلاص نہین ہی وہ بالکل مثل اوس نقش کے ہین جو ہوا سے پانی پر پیدا ہوئے ہین جو محض ناپائدار و ناقابل اعتبار ہین) اگر اس ہوائے نفسانی کو چھوڑ دو (اور قلب کو اوس سے خالی کردو) تو بجائے اسکے قلب مین (پیغام حق (واردات غیبیۂ خالیہ و حالیہ) آنے لگین

دیکھ جو باتین اُس سے پیدا ہون وہ البتہ قابل اعتماد ہون چنانچہ فرماتے ہین کہ حقتعالی کے پیغام خوب ہوتے ہین جو از سر تا پا پائدار (و باثبات) ہین (چنانچہ) بادشاہون کے خطبے اور سرداری سب بدل جاتے ہین (مثلاً ایک بادشاہ مرگیا اُسکا نام خطبہ سے خارج کردیا گیا اور حکومت کا ختم ہونا ظاہر ہی) بخلاف حضرات انبیاء علیہم السلام کی سرداری اور خطبون کے (کہ اُن کی وفات سے اُن کے احکام اور وجوب طاعت کا خاتمہ نہین ہوتا اور شریعت متاخرہ سے شریعت متقدمہ کا منسوخ ہوجانا یہ دوسری بات ہی کیونکہ ایسا نسخ تو خود ایک شریعت کے زمانۂ بقاء مین بھی ہوا کرتا ہی سو اسکو سلاطین کے زوال سلطنت کے مثل نہین ٹھہرا سکتے چنانچہ ظاہر ہی) اور انبیاء اور سلاطین مین وجہ اس تفاوت کی یہ ہی کہ سلاطین کا کروفر تو محض ہوا (و ہوس دنیوی) سے ہی اور حضرات انبیاء علیہم السلام کا تجمل و حشمت یا یون کہیے کہ حکم و شریعت حضرت کبریاء ہی (اس لیے) بادشاہون کا نام تو درا ہم (و دنانیر) سے مٹا دیتے ہین (چنانچہ ایک بادشاہ کے مرنے سے سکہ پر اسکا نام منقش ہونا موقوف ہوجاتا ہی اور (حضرات انبیاء علیہم السلام کی یہ شان ہی کہ) جناب احمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کا نام قیامت تک لیا کرین گے (اس سے ثابت ہوا کہ جو امر ہوا و ہوس سے ناشی ہو وہ ناپائدار ہی اور جو من جانب اللہ ہو وہ پایدار ہی اب فرماتے ہین کہ ذکر تو مطلق انبیاء علیہم السلام کا تھا جو سب کو شامل ہی پھر مصرعہ نام احمد تا قیامت الخ مین صرف احمد صلے اللہ علیہ وسلم کا نام لیا گیا اس سے کوئی شخص دوسرے انبیاء کی نفی نہ سمجھے کہ اُن کو بقاء نہین رہا جیسا ظاہرا اُن کے شرائع کے نسخ سے بھی شبہہ پڑسکتا ہی جس کا ایک جواب تو احقر عرض کرچکا ہی دوسرا جواب مولانا دیتے ہین کہ حضور کے نام لینے سے آپ کی تخصیص اور دوسرون کی نفی لازم نہین آتی کیونکہ) اسم احمد سب انبیاء کا نام ہی (حکماً کیونکہ آپ جامع کمالات جمیع انبیاء علیہم السلام کے ہین جیسا اپنے محل مین ثابت و مقرر ہی پس آپ کا وجود حکماً تمام انبیاء کا وجود ہی اور آپ کی شریعت کا بقاء حکماً سب شرائع کا بقاء ہی اس اعتبار سے تعمیم حکم کی بحال خود رہی اور سب انبیاء کے احکام کا بقاء ثابت ہوگیا اور اس جامعیت کی اور اس امر کی کہ آپ کا وجود و بقاء سب کا وجود و بقاء ہی ایسی مثال ہی جیسے سو کا عدد کہ نوّے کو شامل ہی پس) جب ہمارے پاس سو ہون گے تو نوّے بھی ضرور ہون گے (اور تطبیق مثال کی نہایت ظاہر ہی اب فرماتے ہین) کہ اس مضمون کا تو ذکر کہ جو من جانب اللہ ہوتا ہی وہ پائدار ہوتا ہی کہین انتہا نہین اب خرگوش و شیر کا قصہ کہنا چاہیے۔

ہم در بیان مکر خرگوش و تاخیر او در رفتن پیش شیر

در شدن خرگوش بس تاخیر کرد	مکر را با خویشتن تقریر کرد
در رہ آمد بعد تاخیر دراز	تا بگوش شیر گوید یک دو راز

یعنے خرگوش نے جانے مین خوب دیر لگائی اور اپنے دل ہی دل مین خوب مکر و تدبیر سوچا کیا غرض بعد

تا خیر دساز اب رستہ پر چلنا شروع کیا تا کہ شیر کے کان میں اپنی سوچی ہوئی باتوں میں سے جو مناسب وقت ہو ایک بات کہے۔

تا چہ عالمہاست در سودائے عقل	تا چہ با پہناست این دریائے عقل
بحر بے پایان بود عقل بشر	بحر را غواص باید اے پسر
صورتِ ما اندرین بحرِ عذاب	می دود چون کاسہا بر روئے آب
تا نشد پُر بر سرِ دریاست طشت	چونکہ پُر شد طشت در وے غرق گشت
عقل پنہان ست و ظاہر عالمے	صورتِ ما موج و یا از وے نمی
ہر چہ صورت می وسیلت سازدش	زان وسیلت بحر دور اندازدش
تا نہ بیند دل دہندہ راز را	تا نہ بیند تیر دور انداز را

(تا بمعنے آگاہ باش۔ وجہ برائے تفخیم عقل در شعر اول بمعنی مطلق قوت دہنیہ شامل ہر حیوان وانسان را در شعر ثانی قوت عقلیہ مخصوص بانسان۔ بحر عذاب دریائے شیرین۔ ہر چہ صورت بحذف رابطہ مبتدا ضمیر شین راجع بسوی ہر چہ مفعول سازد وفاعل سازد عقل بعض انسان فعل بفاعل ومفعول خبر مبتدا التقدیر آنکہ انچہ صورت ست بعض انسان وسیلت میسازداورا ودر مصرعہ دوم ضمیر شین راجع بفاعل سازد دل دہندہ راز وہمچنین تیر دور انداز مراد بہر دو روح چون روح طالب وعاشق راز یعنے معنے ہست وہمچنین روح فکر وعرفان خود را در دو رسانند لہذا وی را باین دو اسم تعبیر کردہ مطلب یہ ہی کہ) دیکھو تو خیال عقل مین کیسے کیسے عالم بھرے پڑے ہین اور دیکھو تو یہ دریائے عقل کیسا با وسعت ہی (جب تو خرگوش نے اُس حقیر جثہ پر شیر کی ہلاکت کی ہمت کی اور اپنی قوت فہم سے کیسی تدبیر نکال لی اب فرماتے ہین کہ یہ عقل مذکور تو صرف فراخ ہی ہی مگر) عقل انسانی تو دریائے بے پایان ہی (کیونکہ لطیفہ عقل مثل دیگر لطائف کے عالم امر سے ہی جو کہ حد ود سے منزہ ہی جیسا اوپر تحقیق آچکی ہی) اس دریا کے لیے غواص کی حاجت ہی (کہ خوض کر کے اس دریائے عقل مین جو ایک گوہر بے بہا معرفت کا ہی اُس کو نکال لاوے ورنہ پھر عقل انسانی وفہم حیوانی برابر ہین جس طرح جس دریا سے گوہر نہ نکالا جاوے وہ دریا اور جو دریا واقع مین بے گوہر ہی اس شخص کے حق مین یکسان ہین۔ اب اس لطیفہ غیبیہ عقل اور اجسام کی نسبت کو بیان کرتے ہین تاکہ اشتغال بالاجسام مانع حصول گوہر مذکور کا جو ثمرہ اُس لطیفہ کا ہی نہو جاوے پس فرماتے ہین کہ) ہماری صورت (یعنے اجسام) اس دریائے شیرین (عقل) مین اس طرح دوڑتے پھرتے ہین جیسے پانی کی سطح پر کوزے (وجہ تشبیہ دو ہین ایک یہ کہ اگر کثرت سے کوزے ہون کوزے نظر آوین گے پانی نظر نہ آویگا اسی طرح اجسام محسوس ہوتے ہین اور ارواح محسوس نہین۔ دوسرے یہ کہ کوزون کی حرکت پانی کی وجہ سے ہی اسی طرح اجسام کی حرکت روح کے تصرف سے ہی تو جب تک کوزہ (پانی سے) پر نہ ہو اُس وقت تک تو طشت مثلاً (اسی طرح کوزہ بھی) دریا کے اوپر رہتا ہی اور جب (پانی سے) پر ہو گیا تو اُسکے اندر غرق ہو گیا (اسی طرح جب تک یہ اجسام نور عقل سے پُر نہین ہوتے ہین تب تک احکام جسمانیہ کا غلبہ رہتا ہی اور احکام روحانیہ

مخفی رہتے ہین جس طرح طشت پانی کے اوپر غالب رہا اور پانی مستور اور جب نور عقل سے پر ہوتے ہین اور بصیرت کا کافی حصہ نصیب ہوجاتا ہی پھر احکام جسمانیہ شہوت وغضب مغلوب اور احکام روحانیہ محبت ومعرفت غالب ہوجاتے ہین جیسے مثال مذکور مین بعد پانی بھر جانے کے پانی اوپر ہوگیا اور طشت اندر مخفی وغائب ہوگیا اِس کے بعد وجہ تشبیہ کی تصریح فرماتے ہین کہ ہماری عقل ذکہ لطیفہ غیبیہ ہی پوشیدہ ہی (جس طرح پانی مثال مذکور مین مستور ہی) اور عالم (اجسام) ظاہر ہی (جس طرح کوزے ظاہر ومشاہد ہین خواہ یہ تشبیہ دو کہ ہماری صورت (اجسام) اُس (دریائے عقل) کی ایک موج ہی یا ایک نم ہی (وجہ تشبیہ یہ ہی کہ دریا متبوع ہوتا ہی اور موج ونم تابع ونیز کثرت امواج مین دریا کو امواج چھپا لیتی ہین اسی طرح عقل متبوع ومستور ہی اور اجسام تابع وساتر جب صورت یعنی اجسام کا تابع ہونا اور معنی یعنی عقل کا متبوع ہونا ثابت ہوگیا تو اب اخذ صورت وترک معنی کا ضرر بتلاتے ہین کہ) جو چیز کہ محض صورت ہی بعض شخص اسکو وسیلہ بناتا ہی (یعنی چاہتا ہی کہ عالم ظاہری کسی چیز کو ذریعہ مقصود حقیقی کا بنا لون جس طرح کفار نے اصنام کو وسیلہ بنانا چاہا اور یہ کہا مَا نَعۡبُدُهُمۡ اِلَّا لِیُقَرِّبُوۡنَاۤ اِلَی اللّٰہِ زُلۡفٰی یا فلاسفہ نے اس علم قشر کو ذریعہ وصول الی واجب الوجود کا بنایا تھا کذا قال مرشدی رحمۃ اللہ تعالی علیہ، اُس وسیلہ بنانے کی وجہ سے دریا (معنے) اُس شخص کو (اپنے سے) دور پھینکدیتا ہی (یعنے اشتغال بالصورت کی وجہ سے ادراک معنی اسکو نصیب نہین ہوتا کہ اسکو وسیلہ مقصود حقیقی کا بناتا کیونکہ اصل وسیلہ وصول الی اللہ کا معرفت اور طلب ہی اور وہ فعل قوت عقلیہ کا ہی جو کہ عالم معانی سے ہی پس باین معنے قوت عقلیہ مین قابلیت وسیلہ الی المقصود بننے کی ہی بخلاف صورت کے کہ اوس کے افعال جوارح اگر قابلیت توسل کی رکھتے ہین تو وہ بھی موقوف حسن اعتقاد واخلاص پر ہی جو فعل قلب کا ہی جو ماہیت مین عین عقل یا اُس کا مقارب ہی علے اختلاف اقوال المکاشفین بہر حال اصل توسل کی قابلیت امر معنوی یعنے عقل وقلب مین ہوئی جسم یا اوس کے افعال توسل مین اصل نہین ہوسکتے اسی مرتبہ اصالت فی التوسل مین جسم سے قابلیت توسل کی نفی فرما رہے ہین)، انجام اس توسل بالصورت کا یہ ہوتا ہی کہ یہ متوسل روح کو نہین دیکھ سکتا (کہ اوس کو وسیلہ قرب بنالیتا) اور روح کو دل دہندہ راز اور تیر دو انداز کہنے کی وجہ اوپر عبارت فارسی مین بیان کردی ہی اور اوس لطیفہ کو یہان جو روح کہہ دیا ہی اس سے کوئی شبہہ نہ کرے کہ بیان تو لطیفہ عقل کا تھا کیونکہ یہ سب لطائف متحد یا متقارب ہین اور انوار باہمی متعاکس اور افعال سب کے اکثر متلازم اس لیے جس عنوان سے تعبیر کیا جاوے مقصود نہین بدلتا ہر حالت مین مطلب ایک ہی ہی۔

اسپ خود را یاوہ داند وز ستیز	میدواند اسپ خود در راہ تیز
اسپ خود را یاوہ داند آن جواد	و اسپ خود اورا کشان کردہ چو باد
در فغان وجستجو آن خیرہ سر	ہر طرف پرسان وجویان در بدر

کانکه دزدید اسپ ما را کو کیست	اینکه زیر ران تست ای خواجہ چیست
آری این اسپ ست لیکن آن اسپ کو	با خود آ اے شہسوار اسپ جو
وصفہا را مستمع گوید براز	تا شناسد مرد اسپ خویش باز
جان ز پیدائی و نزدیکی ست گم	چون شکم پرآب ولب خشکے چو خم
در درون خود بیفزا درد را	تا بہ بینی سبز و سرخ و زرد را

داوپر کے اشعار مین معنی یعنے روح وعقل کا متبوع وقابل توسل ہونا اور صورت یعنی جسم کا تابع و ناقابل توسل ہونا بیان فرمایا تھا اب کوئی پوچھتا ہی کہ وہ روح کہان ہی تاکہ ہم اُسکو وسیلہ تقرب الٰہی بناوین ان اشعار مین اُس کا جواب ہی جس کا حاصل یہ ہی کہ وہ روح تم سے بہت قریب ہی اور اُسکو تم سے معیت حاصل ہی مگر اسکی واقفیت نہ ہونے سے بعید و محجوب ہی اس قرب واقعی اور بعد علمی کو ایک مثال کے ضمن مین بیان فرماتے ہین کہ فرض کرو) ایک شخص (گھوڑے پر سوار اور) اپنے گھوڑے کو (غلطی سے) گم شدہ سمجھتا ہی اور جہل وعناد سے اپنے گھوڑے کو راہ مین خوب تیزی سے دوڑا رہا ہی اپنے گھوڑے کو وہ جوانمرد گم شدہ سمجھ رہا ہی اور حالانکہ خود گھوڑا اُسکو لیے ہوا کی طرح پھر رہا ہی اور یہ شخص پکارتا ہی اور ہر طرف پوچھتا اور ڈھونڈھتا ہی کہ جس شخص نے ہمارا گھوڑا چرایا ہی وہ کہان اور کون ہی (کسی نے کہا کہ) میان تمھاری ران تلے جو ہی وہ کیا ہے آپ جواب دیتے ہین کہ) ہان یہ گھوڑا تو ہی لیکن وہ (میرا) گھوڑا کہان ہی (اُسی شخص نے کہا کہ) ذرا ہوش مین آؤ اور وہی اس سوار کی غل و پکار سننے والا چھپے چھپے حالات اور پتے بتا رہا ہی تاکہ یہ شخص اپنے گھوڑے کو پہچانے (پس جس طرح یہ شخص باوجودیکہ گھوڑے پر سوار ہی اور درصنع مین گھوڑا اُس کے پاس ہی مگر بوجہ بے خبری و بدحواسی کے چونکہ اُس کا علم نہین اُسکو گم اور بعید سمجھتا ہی یہی حال روح کا ہی کہ مثل گھوڑے کے وہ انسان کو لیے لیے پھرتی ہی کیونکہ تمام آثار وحرکات جسمانی بدولت روح کے واقع ہین اور اسی وجہ سے جسم کو راکب اور روح کو مرکب سے تشبیہ دی ہی اور جو اس کا عکس مشہور ہی کہ روح راکب اور جسم مرکب ہی وہ باعتبار متبوع اور تابع ہونے کے ہی پس دونون مین تعارض نہین مگر باوجود اسقدر معیت کے چونکہ انسان اُس کا ادراک نہین کرتا اسلیے اس سے بے خبر ہی اور متعجبانہ پوچھتا ہی چنانچہ تصریح فرماتے ہین کہ اسی طرح روح بسبب (غایت) ظہور و قرب کے (حواس سے) گم اور غائب ہی (پس محض غائب و غیر مدرک ہونے مین مشابہ مثال مذکور کے ہی یہ ضرور نہین کہ غیر مدرک ہونے کی علت بھی دونون جگہ ایک ہو) پس روح مین گو اس خفا کی علت غایت قرب و ظہور ہی جسکی تقریر قصہ کنیزک سے اور دی ارسایہ نشانی میدہد الخ مین گذر چکی ہی اور عنقریب پھر آتی ہی اور مثال مذکور مین بھی علت ہونا ضرور نہین) جیسے مشکا ہوتا ہی کہ اندر سے شکم کی طرح پرآب ہوتا ہی اور باہر سے خشک لب ہوتا ہی پس پانی باوجود موجود ہونیکے مستور ہی اسیطرح روح باوجود موجود ہونے کے مستور ہی اب کوئی پوچھتا ہی کہ پھر جب روح ایسی مخفی و مستور ہی اُسکا ادراک کیونکر کیا جا سکتا ہی تاکہ اُسکو وسیلہ قرب الٰہی وحصول معرفت بنایا جاوے جواب مین اس ادراک کا

طریقہ تبلاتے ہین کہ اپنے اندر درد کو (یعنے طلب وجستجو کو) بڑھانا چاہیے اُسوقت تمکو مختلف (مستور) چیزین نظر ہونگی (مراد اُن مختلف مستور چیزون سے لطائف غیبیہ ہین پس سرخ و سبز و زرد کنایہ مطلق اشیاے مختلفہ سے ہے خصوصیت ان الوان کی مقصود نہین کیونکہ محاورات مین متقابل اشیاء کا لانا مطلق اختلاف کے لیے مستعمل ہی جیسے گرم و سرد و تلخ و شیرین وغیرہ اگرچہ حسن اتفاق سے ان لطائف کو ان الوان مذکورہ سے خاص مناسبتین بھی ہین چنانچہ مکاشفین فرماتے ہین کہ لطیفۂ روح کا رنگ سفید ہی اور لطیفۂ قلب کا سرخ اور لطیفۂ سر کا سبز اور نفس کا زرد وعلی ہذا القیاس حاصل جواب کا یہ ہوا کہ طلب اور مجاہدہ کرو تو اللہ تعالی امور روحانیہ کی بصیرت وانکشاف ذوقا ووجدانا عطا فرما دین گے پھر اون کے ذریعہ سے طریق سلوک کو طی کر سکو گے۔

کی بہ بینی سرخ و سبز و بور را ... تا نہ بینی پیش ازان سہ نور را

لیک چون در رنگ گم شد ہوش تو ... شد ز نور آن رنگہا روپوش تو

چونکہ شب آن رنگہا مستور بود ... پس بدیدی دید رنگ از نور بود

نیست دید رنگ بے نور برون ... ہمچنین رنگ خیال اندرون

این برون از آفتاب و از سہاست ... وان درون از عکس انوار علاست

نور نور چشم خود نور دل ست ... نور چشم از نور دلہا حاصل ست

باز نور نور دل نور خدا است ... کو ز نور عقل و حس پاک و جداست

شب نبد نور و ندیدی رنگ را ... پس بضد نور پیدا شد ترا

شب ندیدی رنگ کان بے نور بود ... رنگ چہ بود مہرۂ کور و کبود

دیدن نور ست آنگہ دید رنگ ... وین بضد نور دانی بے درنگ

رنج و غم را حق پے آن آفرید ... تا بدین ضد خوشدلی آید پدید

پس نہانیہا بضد پیدا شود ... چونکہ حق را نیست ضد پنہان بود

کہ نظر بر نور بود آنگہ برنگ ... ضد بضد پیدا بود چون روم و زنگ

پس بضد نور دانستی تو نور ... ضد ضد را مے نماید در صدور

نور حق را نیست ضدے در وجود ... تا بضد او را توان پیدا نمود

لاجرم ابصارنا لاتدرکہ ... وہو یدرک۔ بین تو از موسی و کہ

و بور گلابی۔ سہا نام ستارہ ان اشعار مین توضیح ہی مضمون بالا کی سے جان پیدائی و نزدیکی ست گم ہے جیسا ہم اوپر عرض کر آئے ہین حاصل توضیح یہ ہی کہ ظاہر ہی کہ مختلف الوان کے دیکھنے کے لیے نور کا ہونا شرط ہی یہی وجہ ہی کہ شب کو تاریکی مین وہ الوان نظر نہین آتے اور چونکہ نور کی حقیقت سے ظاہر لنفسہ ومظہر لغیرہ ہی یعنے ایسی چیز کہ خود بھی ظاہر ہو اور دوسری چیز کے ظاہر ہونیکے لیے واسطہ ہو چنانچہ روشنی کی یہ شان کسی پر مخفی نہین کہ خود بھی نظر آتی ہی اور

اسکی وجہ سے دوسری چیزین بھی نظر آتی ہین اسلیے اُسکے ظہور مین کسیکو شبہ نہین ہوتا اور اسمین بھی شبہ نہین ہو کہ اول وہ خود نظر آکر پھر دوسری چیزون کے نظر آنیکا ذریعہ بنتی ہی پس ضرور ہی کہ جب ہم اجسام کے الوان کو دیکھتے ہین اول ہمکو روشنی جو اس جسم و لون کو محیط ہی نظر آتی ہی اور ثانیاً اُس کے واسطے سے وہ الوان نظر آتے ہین پس وہ روشنی نسبت الوان کے صفت ظہور مین قوی تر و زائد تر ہی مگر باوجود اسکے یقیناً الوان کو دیکھنے کے وقت ہمکو اسطرف التفات بھی نہین ہوتا اور ہرگز اس کا امتیاز نہین ہوتا کہ ہمنے اول نور کو دیکھا ہی پھر دوسری اشیار کو دیکھا ہی بلکہ بادی النظر مین یہی سمجھتے ہین اور یہی زبان سے کہتے ہین کہ ہمنے فلان رنگ فلان جسم کو دیکھا تو دیکھو روشنی باوجود کمال ظہور اور کمال قرب کے کس طرح ہماری توجہ ذہنی سے مخفی و مستور ہو گئی۔ کمال ظہور روشنی کا تو ظاہر ہی کہ دوسری اشیار اسکی بدولت ظاہر ہوتی ہین اور کمال قرب یہ ہی کہ روشنی جب دوسرون کے ظہور کا واسطہ ہی پس رائی اور لون مرئی کے درمیان مین تو نور کا واسطہ ہوا اور رائی و نور مین کوئی اور واسطہ نہین اور یہ ظاہر ہی کہ واسطہ کو بہ نسبت ذی واسطہ کے قوت مدرکہ کے ساتھ قرب ہوگا اس سے یہ قاعدہ ثابت ہو گیا کہ باوجود ظہور و قرب اختفار و استتار یعنی عدم التفات ممکن ہی پس توضیح مضمون موعود کی تمام ہو گئی یہانتک تو روشنی ظاہری کا حال مذکور ہوا اب اسی قیاس پر نور عقلی کو سمجھنا چاہیے کہ اسمین کوئی شک نہین کہ بہت سے امور معقولہ بذریعہ عقل کے مدرک ہوتے ہین جسطرح الوان بذریعہ روشنی ظاہری مدرک ہوتے تھے پس امور معقولہ بمنزلہ الوان ہوے اور عقل بمنزلہ روشنی ظاہری ہوئی۔ اور اس سے عقل کا ظاہر بنفسہ و مظہر لغیرہ ہونا بھی ثابت ہوا اور یہ مظہر لغیرہ ہونا وہ صفت ہی جسکو اہل معقول مبدأ انکشاف ہونا کہتے ہین اور یہی ماہیت تھی نور کی پس عقل کا نور ہونا ثابت ہوا اور نور کی اظہریت اور بیان ہو چکی ہی تو لامحالہ وجود عقل کا بہ نسبت معقولات کے اظہر ہونا اور بواسطۂ ادراک معقولات ہونے کے اقرب ہونا یقینی ہی بلکہ چونکہ خود عقل ہی مدرک ہی اسلیے بجاے اقرب کے عین اور نفس ذات کہا جاوے گا جس سے زیادہ کوئی قرب ہو ہی نہین سکتا اور باوجود اسکے ادراک اشیار کے وقت اسطرف التفات بھی نہین ہوتا کہ یہان مبدأ انکشاف کیا چیز ہی پس بقیاس نور حسی کے بھی اور بخصوصیت نور معنوی کے بھی وہ مضمون ثابت ہو گیا ؎ جان نہ پیدائی و ز نزدیکی ست گم الخ اب اس تقریر کو مولانا کے کلام سے سمجھنا چاہیے جسمین ضمناً اور معناً مین بھی ہین سو سننا چاہیے مولانا فرماتے ہین کہ (تم سرخ و سبز و گلابی رنگون کو (مثلاً) کب دیکھ سکتے ہو جب تک ان تینون رنگ سے پہلے نور (ظاہری) کو نہ دیکھو تو لیکن چونکہ (دیکھنے کے وقت) بالکل تمھاری توجہ رنگ ہی مین مستغرق ہوتی ہی اس سبب وہ رنگ اوس نور سے حجاب ہو گیا ہی (کہ رنگ کی طرف توجہ ہوتی ہی اور نور کی طرف التفات نہین ہوتا) مگر چونکہ شب کے وقت (تاریکی مین) وہ سب رنگ مستور ہو جاتے ہین اس سے تم سمجھ لیتے ہو کہ رنگ کا دکھلائی دینا بوجہ نور کے تھا (پس جسطرح) ظاہری رنگون کا دکھلائی دینا بلا نور ظاہری کے نہین ہوتا اسی طرح رنگ باطنی (کا حال ہی جسکو خیال کہتے ہین۔ اوسکو رنگ مشاکلۃ کہدیا اور خیال سے مراد مطلق مدرک باطنی ہی خواہ محسوس بحواس باطن ہو یا مدرک بالعقل ہو مجازاً خیال کا اطلاق سب پر کر دیا کہ اوسکو نور باطنی یعنے عقل کی احتیاج ہی اور یہ ظاہری نور تو آفتاب اور سہا کا ہی

اور وہ باطنی نورانوار عالیہ (انوار ذات وصفات حق کا عکس ہی (کیونکہ حادث مستفید قدیم سے ہوتا ہی اور ہر چند
کہ یہ نور ظاہری بھی ظل اوسی نور قدیم کا ہی مگر چونکہ بواسطۂ انوار باطنیہ لطائف روح وغیرہ کے ہی جیسا اہل کشف نے
تصریح کی ہی کہ صدور مین عالم غیب عالم شہادت سے مقدم ہی اسلیے عکس ہونے مین انوار باطنی کو بمقابلہ انوار ظاہری کے
ترجیح ہوئی باین وجہ تخصیص کردی اب فرماتے ہین کہ نور ہوتے مین یہ نور باطنی نور ظاہری سے قوی تر ہی کیونکہ)
نور چشم (جوکہ الوان کے دیکھنے کے لیے مثل نور آفتاب کے شرط ہی اُس نور چشم کا نور خود نور قلب ہی (کیونکہ اپنے
مقام مین ثابت ہوچکا ہی کہ مدرک اصل مین مدرکات باطنیہ ہین اور مدرکاتِ ظاہری محض آلات ووسائط وجوا سیس
ہین پس نور چشم کا مبدا انکشاف ہونا محتاج ہوا قوت مدرکہ عقلیہ کا پس اصل مین مبدا انکشاف وہ قوتِ عقلیہ ہوئی اسلیے
نور قلب کو نور چشم کا نور کہا گیا جب یہ نورانیت مین نور ظاہری سے بڑھکر ہی اور اس کا ظہور نور ظاہری کے ظہور سے
زیادہ ہی پس جب نور ظاہری باوجود نقصان ظہور کے مختفی ہوجاتا ہی کہ احساس مین اسکی طرف التفات نہین ہوتا
تو نور باطنی جس مین کمال ظہور ہی اس کا مختفی ہوجاتا تو کچھ بھی جاے عجب نہین پس جس مضمون کا یہان لکھنا مقصود تھا
وہ تو یہانتک ختم ہوگیا اب آگے محض مناسبتِ اختفاے نور بسبب کمال ظہور کے نور خداوندی کا ذکر کرنے لگے علاوہ
مناسبت مذکورہ کے اس مقام مین ایک خاص وجہ سے اسکی ضرورت بھی ہی وہ یہ کہ اوپر ترغیب دی تھی کہ معنی کو وسیلہ
مقصود حقیقی کا بنانا چاہیے پس ضروری ہوا کہ اس مقصود حقیقی کی تعیین بھی کردی جاوے تاکہ مضمون ہر پہلو سے کامل
ہوجاوے پس فرماتے ہین کہ) اسکے بعد نور دل کا نور خدا کا نور ہی کہ وہ نور عقل اور نور حس دونون سے منزہ ومبرا ہی
(یعنی قدیم ہی اصفات حادث سے مبرا ہی کیونکہ نور حس مدرک بالحس ہی اور نور عقل مدرک بالعقل ہی اور اس نور کا ادراک بالماہیۃ
نہ حس سے ممکن ہی نہ عقل سے تحقیق مقام یہ ہی کہ ہر حادث کے لیے ایک علت اور مبدأ کی ضرورت ہی ورنہ حادث کا
مستغنی عن المحدث ہونا لازم آویگا اور یہ محال ہی اور انکشاف مخلوق ایک امر حادث ہی کیونکہ حادث کی صفت حادث
ہوا کرتی ہی پس ہر ایک انکشاف حادث کے لیے ایک مبدأ کی ضرورت ہوئی تو انکشاف محسوسات کے لیے تو مبدأ
وانکشاف نور حسی ٹھہرا اور چونکہ انکشاف نور بھی ایک انکشاف ہی ایک مبدأ اسکے لیے بھی ضروری ہوگا سو وہ نور ادراک
قوت عاقلہ ہی اب چونکہ یہ بھی ایک انکشاف ہی اسکے لیے بھی ایک مبدأ ضروری ہی پس اگر وہ بھی حادث ہی تو
اوسمین گفتگو ہوگی پس دور لازم آویگا یا تسلسل اس لیے ضرور ہوگا کہ منتہی کسی قدیم کو کہا جاوے تو وہ ذات وصفات
حق جل وعلا شانہ کے ہین پس نور ظاہری نور چشم ہوا اور نور عقل نور نور چشم اور نور الٰہی نور نور عقل اور نور نور نور
چشم ہوا اور جب اس کا نور اصلی و مبدأ الانوار ہونا ثابت ہوا اور نور کیلیے ظہور لازم ہی پس جس جہ کا نور ہوگا اسی درجہ
کا ظہور ہوگا پس نور الانوار ظہور مین سب سے بڑھکر ہوگا اور ظہور علت تھی اختفاء کی تو مبدأ الانوار مین اس حیثیت سے اختفاء بھی
سب سے زیادہ ہوگا یہ سبب اختفاء کا باعتبار کیفیت ظہور کے ہی اور ایک سبب اختفاء کا باعتبار کمیت ظہور کے ہی وہ یہ ہی
کہ اوپر بیان ہوچکا کہ نور حسی جو سبب ہی ادراک الوان کا گاہے زائل بھی ہوجاتا ہی اس سے اسکا ادراک
بقاعدۂ الاشیاء تعرف باضدادہا سہل ہوجاتا ہی اس سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی نور ایسا ہو کہ کسی مدت خاص تک غائب نہو

کو اُس مدت تک اُس کا ادراک بمعنی التفات زیادہ دشوار ہوگا اور اگر نور ایسا ہو کہ کبھی بھی غائب نہوتا ہو تو اُس کا ادراک سب سے زیادہ مشکل ہوجاویگا یہ معنی ہین تفاوت ظہور باعتبار کمیت کے جس کا حاصل زمانہ ظہور کی کمیت کا تفاوت ہی پس نور حسّی تو روز کا روز غائب ہوجاتا ہی اس لیے یہ ظہور ضعیف ہی اسلیے اسمین اختفاء بھی کم ہی اور جلدی اس کا ادراک ہوسکتا ہی اور نور عقلی مین ظہور زیادہ طویل ہی اسلیے یہ اُس سے قوی ہی اس لیے اسمین اختفاء اُس سے زیادہ ہی اور جلدی اس کا ادراک نہین ہوتا اور نور الٰہی کبھی غائب ہی نہین ہوتا اسلیے یہ ظہور اقوی ہی اسلیے اسمین اختفاء سب سے زیادہ ہی اور اسکا ادراک بدون فضل الٰہی کے نصیب نہین ہوتا پس مولانا اشعار آیندہ مین اسی مضمون کو بیان فرماتے ہین کہ (دیکھو شب کو چونکہ نور حسّی نہ تھا اور رنگ کو (تاریکی مین) نہ دیکھ سکے اسلیے نور کا علم اسکے ضد سے ہوگیا (یعنی معلوم ہوگیا کہ دن مین مبدا انکشاف نور تھا) اسلیے شب کو رنگ دیکھ سکے کیونکہ اوسوقت نور نہ تھا اور رنگ (خود اپنی ذات مین) کیا چیز ہی ایک سرہ کو رد کبود ہی رکہ اسمین نورانیت نہین جس سے وہ مدرک ہوسکے پس اول نور کا دیکھنا واقع ہوتا ہی پھر رنگ کا دیکھنا ہوتا ہی اور یہ بات نور کے ضد سے بلا توقف جان لیتے ہو جیسا اوپر گذرا اور ایک ضد کا دوسرے ضد سے ظاہر ہونا عام قاعدہ ہی اسکی اور مثالین بھی ہین مثلاً رنج وغم کو اللہ تعالی نے اس لیے پیدا کیا ہی کہ اس ضد سے خوشدلی کی حقیقت ظاہر ہوجاوے پس معلوم ہوگیا کہ پوشیدہ چیزین (جنکی طرف التفات نہین ہوتا گو وہ محسوسات سے کیون نہ ہون) اپنے اضداد سے ظاہر ہوجاتی ہین اور چونکہ حق جل وعلا شانہ کا کوئی ضد تو ہی نہین (جسکے وجود سے نعوذ باللہ وجود حق زائل ہوجاوے) اس لیے وہ نہان ہین کیونکہ (ہمیشہ) نظر اول نور پر ہوتی ہی پھر رنگ پر ہوتی ہی (اس اعتبار سے ہر انکشاف مین اول ذات حقتعالی کا انکشاف ہوتا ہی پھر دوسری شی کا مثلاً ایک ضد دوسری ضد سے ظاہر ہوتی ہی جیسے رومی اور زنگی (کہ باعتبار رنگ کے ایک دوسرے کی ضد ہی جب یہ معلوم ہوا کہ ایک ضد کا ظہور دوسری ضد سے ہوتا ہی پس نور کی ضد سے تمکو نور کی حقیقت معلوم ہوسکتی ہی (اسیطرح کلیہ ہی کہ) ایک ضد دوسرے ضد کو قلوب مین واضح کردیتی ہی اور نور حق کی کوئی ضد موجود نہین تاکہ اُس ضد سے اُسکو ظاہر کرسکین پس لامحالہ لاتدرکہ الابصار وہو یدرک الابصار کا حکم ہوا (جسکا ترجمہ یہ ہی کہ اللہ تعالی کو یہ نگاہین ادراک نہین کرسکتین اور وہ نگاہون کو ادراک کرتے ہین اور لفظ یہ نگاہین اس سے یہ اشکال دفع ہوگیا کہ آخرت مین تو رؤیت ضرور ہوگی وجہ دفع ظاہر ہی کہ وہان نگاہین اس کیفیت پر نہ رہین گی بلکہ اُنمین خود تحمل پیدا کردیا جاویگا حاصل جواب یہ ہوا کہ الابصار مین الف لام عہد کا ہی جنس کا نہین اور اوپر گذر چکا ہی کہ فضل خداوندی کے بعد انکشاف ممتنع نہین اب فرماتے ہین کہ اگر اس حکم کی صحت کا شاہد چاہو تو حضرت موسی علیہ السلام اور جبل طور کے قصہ سے دیکھ لو کہ اُس قصہ مین ادراک بالبصر نہوا اور بصر کیا جبل کو بھی اُس کی تاب نہوئی اس سے لاتدرکہ الابصار کی تائید ہوتی ہی اور یاد رہے کہ ایک خاص تجلی تھی جس کا ادراک باوجود التفات وقصد کے بھی نہوسکا اور جس اختفاء کا ان اشعار مین بیان ہی وہ بمعنی عدم الالتفات ہی چنانچہ اوس کی علت مین ضد کا نہونا کہا گیا ہی تو ضد کے واقع نہونے سے یہی ادراک بمعنی التفات البتہ معدوم ہوتا ہی اور بمعنی عدم تحمل قوت مدرکہ صرف ضد

کے نہ ہونے کو لازم نہین مقصود مقام مین آیت سے استشہاد کرنا محض تنظیر ہی گو عدم الادراک اور اس کی علت دونون جگہ مختلف و متغائر ہو الحمد للہ کہ توقع سے زیادہ یہ مقام حل ہوگیا۔

صورت از معنے چو شیر از بیشہ دان　　یا چو آواز و سخن ز اندیشہ دان
این سخن آواز از اندیشہ خاست　　تو ندانی بحر اندیشہ کجاست
لیک چون موج سخن دیدی لطیف　　بحر آن دانی کہ باشد ہم شریف
چون ز دانش موج اندیشہ بتاخت　　از سخن و آواز او صورت بساخت
از سخن صورت بزاد و باز مرد　　موج خود را باز اندر بحر بُرد
صورت از بے صورتے آمد برون　　باز شد کانا الیہ راجعون

(ان اشعار مین بھی دوسری تمثیل کے ضمن مین بیان ہی عالم معانی کے اصل در قوی ہونیکا اور عالم صور کے فرع اور ضعیف ہونیکا خلاصہ یہ ہی کہ صورت کو معنی کے اعتبار سے ایسا سمجھو جیسا شیر ظاہر ہوتا ہی بیشہ سے یا ایسا سمجھو جیسے صوت اور کلام خارجی پیدا ہوتا ہی صورت ذہنیہ سے (کیونکہ جب کوئی شخص باختیار تکلم کرتا ہی چونکہ افعال اختیاریہ مین اون کے تصور کا سابق ہونا لازم اور دلیل عقلی سے ثابت ہی اسلیے ضرور ہی کہ اول اوس کلام کا کہ ایک صورت خاص ہی ذہن مین تصور کر لیتا ہی اوسیکو صورت ذہنیہ کہتے ہین پس ان مثالون مین بیشہ اس معنی کر اصل ہی کہ اُسمین سے شیر نکلا اور نیز بہ نسبت شیر کے بیشہ کو بقا بھی زیادہ ہی کہ ہزارون شیر آگے پیچھے مرتے چلے جاتے ہین اور بیشہ اپنی حالت پہ باقی رہتا ہی اور اس اعتبار خاص سے شیر فرع ہی اور طول بقا ر و قصر بقار کے تفاوت کو من وجہ قوت و ضعف کا تفاوت بھی کہہ سکتے ہین اور صوت و کلام کا فرع ہونا اور صورت ذہنیہ کا اصل ہونا تو محتاج بیان نہین اور ہی طول بقا و قصر بقا کا تفاوت بیان بھی ہی کیونکہ صورت ذہنیہ کو باعتبار کلام کے زیادہ بقا رہی پس صورت مثل شیر اور کلام کے فرع اور ضعیف یعنی سریع الزوال ہی اور معنی مثل بیشہ اور صورت ذہنیہ کے اصل اور قوی یعنی دیرپا ہی آگے تقریر فرماتے ہین صورت محسوسہ سے معنی غیر محسوس کے وجود پر استدلال کرنیکی کہ) دیکھو یہ کلام اور صوت ظاہری اُسی اندیشہ سے یعنی صورت ذہنیہ سے پیدا ہوئی ہی) جیسا اوپر گذر چکا ہی) مگر تمکو یہ معلوم نہین کہ اس صورت ذہنیہ کا دریا (اور منشا) جہان سے یہ صورت ذہنیہ پیدا ہوتی ہی کہان ہی (کیونکہ مراد اس دریا سے عقل ہی کہ صورت ذہنیہ اُس کا ایک فعل ہی اور فعل کے لیے فاعل کا منشا رہونا ظاہر ہی اور اُس کا معلوم نہ ہونا کہ کہان ہی اسوجہ سے ہی کہ یہ لطیفہ عقلیہ عالم امر سے ہی جو مجرد د بالمکان نہین جب اوسکے لیے مکان ہی نہین تو تعیین مکان کیسے ہوگی غرض کلام کا منشا صورت ذہنیہ ہی اور صورت ذہنیہ کا منشا قوت عاقلہ ہی تو قوت عاقلہ بواسطہ صورت ذہنیہ کے کلام کا بھی منشا ہوتی تو گو یہ منشا یعنی قوت عاقلہ محسوس نہین ہی مگر چونکہ اثر یعنے کلام محسوس ہی اسلیے اس اثر سے اوس مؤثر کے وجود پر استدلال کیا جاتا ہی چنانچہ آیندہ شعر مین اس استدلال کی تقریر فرماتے ہین کہ) لیکن جب موج کلام کو لطیف پاتے ہو تو اوسکے دریا کو بھی سمجھتے ہو کہ باشرف ہوگا (یعنے عمدہ

کلام سنکر سمجھتے ہو کہ اس شخص کا خیال کہ صورت ذہنیہ اور منشار اس کلام کا ہی اچھا ہوگا اور اُسکا اچھا ہونا دلیل ہی اُسکی قوت عاقلہ کے شرف اور کمال پر اور جب اُسکے شرف کا علم ہوگا تو اُسکے وجود کا بھی علم لازمی ہوگا اس حیثیت سے کلام سے استدلال کیا جاویگا وجود قوت عاقلہ پر وہ استدلال موعود یہی ہی آگے اسی کی تتمیم ہی کہ، جب عقل سے صورت ذہنیہ کی موج پیدا ہوتی ہی (جیسا ابھی بیان ہوچکا ہی کہ عقل منشار ہی صورت ذہنیہ کا) تو وہ صورت ذہنیہ صوت و کلام کی صورت بنالیتی ہی (یعنی وہ صورت ذہنیہ عین، اس کلام ظاہری کا ہوتی ہی اسکا یہ مطلب نہین کہ وہ ذہنی سے خارجی کی طرف مستحیل ہوجاتی ہی بلکہ مقصود یہ ہی کہ وہ صورت ذہنیہ اور یہ صورت خارجیہ کلامیہ دونون باعتبار ماہیت کے باہم متحد اور عین ہوتے ہین صرف اسی قدر فرق ہوتا ہی کہ وہی ایک حقیقت ایک ظرف مین عوارض ذہنیہ کے ساتھ مکتنف اور مقترن ہوجاتی ہی اور دوسرے ظرف مین عوارض خارجیہ کے ساتھ مکتنف اور مقترن ہوجاتی ہی غرض تغائر صرف باعتبار تشخص کے ہی نہ باعتبار حقیقت کے اور تشخص کے بدلنے سے حقیقت کا بدلنا ظاہر ہی کہ لازم نہین ان سب امور کی علوم عقلیہ مین تصریح ہی پس موافق اس تقریر کے) کلام کی ایک صورت پیدا ہوئی اور (بداہتہ) وہ پھر زائل ہوگئی (کیونکہ کلام اس ہیئت خاصہ صوتیہ کے ساتھ فوراً ہی خارج سے معدوم ہوجاتا ہی لیکن اوس کی صورت ذہن مین یقیناً منطبع ہوجاتی ہی کیونکہ ذہن مین تصور آسکتا ہی کہ اسطور سے یہ کلام خارج مین پایا گیا تھا غرض ذہن اوس کلام کی حقیقت کو عوارض مادیہ سے مجرد کرکے اپنے اندر لے لیتا ہی اور یہ ابھی معلوم ہوچکا ہی کہ یہ کلام خارجی اور اوس کی صورت ذہنی دونون باعتبار حقیقت کے متحد ہین پس اس بنا پر وہ کلام خارجی بعینہ صورت ذہنیہ ہوا اور صورت ذہنیہ کی وجہ سے حاضر عند العقل ہوگیا اور یہی عقل تھی جو بواسطہ صورت ذہنیہ کے منشا اس صورت خارجیہ کی تھی اب وہی صورت خارجیہ خارج سے معدوم ہوکر بواسطہ صورت ذہنیہ کے پھر عقل مین آگئی اور یہ آنا مرتبہ ادراک مین تو تمام عقلا کے نزدیک متفق علیہ ہی اور مرتبہ حفظ مین کہ عقل اُسکا خزانہ بن جاوے فلاسفہ کے نزدیک محض اسوجہ سے قابل انکار ہی کہ ادراک اور حفظ دو فعل ایک فاعل سے صادر نہین ہوسکتے مگر یہ بنا محض اصول فاسدہ پر مبنی ہی اس لیے اگر عقل کو خزانہ بھی کہا جاوے تو ممکن ہی اسی کو مولانا دوسرے مصرعہ مین فرماتے ہین کہ موج (یعنی کلام) اپنے آپ کو پھر دریا کے اندر (یعنی عقل مین) لے گئی (غرض جیسے موج دریا سے اُٹھتی ہی اور پھر اوس مین رہ جاتی ہی اسی طرح یہ کلام و صوت عقل سے پیدا ہوا پھر عقل ہی مین جا رہا پس اس بنا پر یہ کہنا صحیح ہوگیا کہ صورت (محسوسہ یعنی کلام) ایک بے صورت چیز سے (یعنی عقل سے) نکلی اور پھر اُسی کی طرف چلی گئی (جیسا ابھی مفصل بیان ہوا) کیونکہ اللہ تعالے نے فرمایا ہی انا الیہ راجعون (یس جس طرح اس آیت سے معلوم ہوتا ہی کہ ہم سب اپنے مبدی کیطرف جانے والے ہین اسی قیاس پر اس صورت کو کہا جاویگا کہ اپنے مبداء کی جانب رجوع کرگئی اسی اقبال کے اعتبار سے آیت سے استدلال کیا۔ ختم ہوا مضمون دوسری تمثیل کا پس اس تقریر سے بھی ثابت ہوا کہ صورت فرع معنے کی ہی اور معنی اوسکی اصل و مبدا و معاد ہی اور یہی مقصود تھا۔

پس ترا ہر لحظہ مرگ و رجعتی ست		مصطفٰے فرمود دنیا ساعتی ست	

فکر ما تیرے ست از ہو در ہوا — در ہوا کے پاید آید تا خدا
ہر نفس نو مے شود دنیا و ما — بے خبر از نو شدن اندر بقا
عمر ہمچون جوے نو نو میرسد — مستمرے می نماید در جسد
آن ز تیزے مستمر شکل آمدست — چون شرر کش تیز جنبانے بدست
شاخ آتش را بجنبانے بساز — در نظر آتش نماید بس دراز
این درازی مدت از تیزی صنع — می نماید سرعت انگیزی صنع
طالب این سر اگر علامہ ایست — نک حسام الدین کہ سامی نامہ ایست
وصف او از شرح مستغنے بود — رد حکایت گو کہ بیگہ مے شود

(درازی مدت بتدائی، نماید بمعنی معلوم میشود خبر۔ از تیزی جار مجرور متعلق بہ می نماید۔ سرعت انگیزی بدل از تیزی۔ طالب بمعنے محقق مجازاً۔ بعلاقہ آنکہ طلب سبب حقیقت میشود کما قال اللہ تعالیٰ کانت حفی عنھا۔ حسام الدین مراد مطلق عارف کذا قال مرشدی رح۔ سامی عالی۔ عارف را سامی نامہ تشبیھا باعتبار جامعیت اسرار فرمودہ چنانچہ گفتہ شدہ است وانت الکتاب المبین الذی الخ۔ وممکن است کہ سامی نامہ در ترکیب مثل خوش رو باشد یعنی آنکہ نامۂ اعمالش بلند رتبہ باشد بسبب اندراج حسنات ودوری نہ سیئات تہان سے بیان ہی مسئلہ تجدد امثال کا بطور تفریع کے ما قبل پر کیونکہ اوپر مذکور ہوا تھا کہ کلام قوت عاقلہ سے پیدا ہوا تھا اور پھر اوسی کی طرف رجوع ہو گیا اور ظاہر ہی کہ اگر پھر اوسی کلام کا تکلم کرنا چاہین تو پھر اسکو خارج کی طرف رجعت ہوتی ہی پس اس کلام پر اس طرح پر وجود و عدم علی سبیل التعاقب طاری ہوتے ہین ایسکو اول بطور تفریع فرمایا بعد اسکے پھر ترقی کر کے فرمایا کہ تمھارے اندر باعتبار کلام کے ہلکی کیا تخصیص ہی تمام عالم مین یہی قصہ ہو رہا ہی کہ برابر اوس پر عدم و وجود علی سبیل التعاقب طاری ہو رہا ہی یعنے ایک آن مین وہ معدوم ہوتا ہی پھر دوسری آن مین موجود ہوتا ہی وعلی ہذا القیاس یا مناسبت وار تباط کی یون تقریر کی جاوے کہ جب قوت عاقلہ کے تصرف سے اوسکا محل تصرف یعنی کلام آناً فاناً وجود و عدم کو قبول کر رہا ہی تو اسمار الٰہیہ کے تصرف سے اون کا محل تصرف عالم اس تعاقب وجود و عدم کو بدرجۂ اولیٰ قبول کرے گا کیونکہ فاعلیت اسمار الٰہیہ کی یقیناً قوت عاقلہ کی فاعلیت سے بڑھی ہوئی ہی کیونکہ کجا قدیم وکجا حادث پس ارشاد فرماتے ہین) پس مضمون بالا سے معلوم ہوا کہ تمھارے واسطے ہر لحظہ (موت اور رجعت (کلام کی) حاصل ہی (اور اسکی تائید حدیث سے بھی ہوتی ہی) کہ مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہی الدنیا ساعۃ دنیا ایک ساعت ہی جس سے معلوم ہوا کہ ایک ساعت لطیفہ یعنی آن سے زیادہ کسی حادث کی عمر نہین تو اسکے عموم مین تمھاری حالت مذکور بھی داخل ہو گئی۔ بندہ راقم کہتا ہی کہ مجکو اس حدیث کی تحقیق نہین اور نیز یہ معنی خلاف متبادر ہین ظاہر معنے اِس قول کے یہی ہین کہ دنیا ناپائداری مین مثل ایک ساعت کے ہی لیکن اس کا حدیث نہونا یا اسکے یہ معنی نہ ہونا اصل مسئلہ مین مضر نہین کیونکہ یہ مسئلہ کشفی ہی کشف کے لیے ثابت بالنقل ہونا ضروری نہین البتہ مخالف نقل نہونا ضروری ہی سو یہ مسئلہ کسی نقل شرعی کے مخالف نہین

اب اس تفریع مین تو کلام کے بے بقار ہونے کا بیان تھا اب آگے فکر و صورت ذہنیہ کا بے بقا رہونا بیان کرتے ہین کہ ہمارے فکر و خیالات کی ایسی مثال ہے جیسے کوئی شخص اوپر ہوائی تیر چھوڑے اسی طرح ہماری فکر حق تعالیٰ کی طرف سے آتی ہے اور ظاہر ہے کہ وہ تیر ہوا مین نہین رہتا تیر انداز کے پاس آکر گرتا ہے اسی طرح ہمارے افکار و خیالات بوجہ حادث ہونیکے ہمارے پاس باقی نہین رہتے حق تعالیٰ کی طرف راجع ہوتے ہین (حاصل اس تمثیل کا اشارہ ہے ایک استدلال کی طرف تقریر اوسکی یہ ہے کہ حادث کو بقار نہین ہوتا اور بقا رشامل ہے بقار قلیل و بقار کثیر کو پس لامحالہ فوراً وہ فنا ہوجاوے گا اور یہ شبہہ نکیا جاوے کہ آخر وجود کے ساتھ بھی تو موصوف ہوتا ہے اگرچہ ایک آن کے لیے سہی تو وہ بھی بقار ہوگیا جواب اسکا ظاہر ہے کہ بقار زمانی ہے آنی نہین پس وجود فی الآن سے بقار لازم نہین آتا البتہ یہ مقدمہ خود قابل کلام رہاکہ حادث کو بقار نہین ہوتا سو انصاف یہ ہے کہ اسپر کوئی دلیل قطعی عقلی قائم نہین ہوئی نہ اعراض مین نہ جواہر مین البتہ اکابر نے اسکو کشفی فرمایا ہے اور تقابل اسمار اس کی وجہ فرمائی ہے جیسا عنقریب آتا ہے اور وہ مسئلہ بھی کشفی ہے اب سمجھو کہ یہان تک کلام اور فکر کے بے بقا ہونے کا مذکور تھا جو دونون مقولۂ عرض سے ہین اب بطور عموم کے تمام حادث کے لیے اس حکم کو ثابت کرتے ہین کہ ہر دم تمام عالم از سر نو پیدا ہو رہا ہے اور ہم اس نو پیدائی سے اس ظاہری بقار کی وجہ سے بے خبر ہو رہے ہین پس (واقع مین) عمر ہر دم تازہ تازہ ہوتی جاتی ہے جس طرح نہر مین پانی چلتا ہے اور برابر اوپر سے نیا پانی آتا ہے (مگر) وہ عمر و وجود جسم مین (مثلاً) مستمر و دائم معلوم ہوتا ہے (جس طرح نہر کا پانی سرسری نظر سے ایسا ہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک ہی پانی ہے جو نظر آرہا ہے حالانکہ پہلی آن مین جو پانی کسی مقام پر موجود تھا وہ بوجہ جریان کے بہت دور نکل گیا مگر بوجہ اتصال جریان و تماثل اجزائے مائیہ کے اسکا آگے کو چلا جانا اور دوسرے اجزار کا اوسکی جگہ چلا آنا متمیز نہین ہوتا ہے یہی حالت وجود کی ہے کہ آن مقدم کا وجود اور ہے اور آن موخر کا وجود اور۔ اور درمیان مین عدم طاری ہوگیا ہے۔ ورنہ وجودین مین تغائر ہوتا مگر تماثل حصص وجودات اور درمیان مین فصل کے معلوم نہ ہونے سے شبہہ پڑتا ہے کہ وہ ایک ہی وجود باقی چلا آتا ہے غرض) وہ تیزی کی وجہ سے بشکل مستمر و باقی معلوم ہوتا ہے اِسکی ایسی مثال ہے جیسے کوئی شعلہ ہاتھ مین لیکر اوسکو زور سے جلدی جلدی گھمائے یعنی کسی سلگی ہوئی لکڑی کو خوب اہتمام و کوشش سے جنبش دو تو دیکھنے مین تمام آگ ہی آگ دور تک پھیلی ہوئی نظر آتی ہے (حالانکہ آگ صرف اوس مسافت حرکت کے ایک خاص اور نہایت ہی قلیل جز مین ہے مگر سرعت حرکت سے وہ آگ تمام مسافت کو گھیرے ہوئے معلوم ہوتی ہے یہی حالت بقائے حوادث مین سمجھو کہ) یہ درازی مدت کی یعنی طول بقار تیزی صنعت کی وجہ سے (یعنی وجود جلدی جلدی عطا فرملنے سے) جس کو سرعت انگیزی صنع بھی کہہ سکتے ہین موہوم ہوتا ہے اور ایسے دقیق راز کا واقف اور ماہر اگر کوئی علامہ ہے تو وہ عارف بھی ہے جو (بجائے خود) کتاب الاسرار ہو یا یون کہیے کہ جسکا نامۂ اعمال (بوجہ خلوص عن السیئات کے) بلند مرتبہ ہو (اشارہ اس طرف ہے کہ دولت عرفان کی بدولت تقوی کے نصیب ہوتی ہے) وہ عارف ایسا ہے

جسکا وصف شرح سے مستغنی ہی (اسوجہ سے) اس سے درگذر کر (اور حکایت بیان کر) کہ بالکل نا وقت ہوا جاتا ہی۔

ف مسئلہ تجدد امثال کی تقریر اور اوسکی مثال سب ان اشعار کی شرح کے ضمن میں مفصل مذکور ہو چکی ہی اب صرف اوس وعدہ کا ایفا رباقی رہا کہ تقابل اسما ر پر اُسکو مبنی کہا گیا ہی مختصر تحقیق اوسکی یہ ہی کہ یہ امر کشف سے ثابت ہوا ہی کہ اللہ تعالی کا کوئی اسم کسی وقت معطل نہین اور اون مین سے محیی اور ممیت بھی ہی پس یہ دونون بھی ہر وقت اپنا کام کرتے ہین اور محیی کا کام وجود دینا ہی اور ممیت کا کام فنا کر دینا اور ظاہر ہے کہ ایک وقت مین دونون اثر جمع ہو نہین سکتے پس لامحالہ علی سبیل التعاقب دونون اپنا اپنا کام کرین گے اور اس پر یہ شبہہ نہ کیا جاوے کہ جسوقت ایک اسم اپنا فعل کر رہا ہی اُوس وقت دوسرے کا تعطل لازم آوے گا کیونکہ جواب یہ ہی کہ ظہور اثر فاعل کے لیے قابلیت محل کی بھی شرط ہی پس جس وقت محیی مثلاً اپنا فعل کرنا چاہتا ہی وہ شی اوسوقت معدوم ہونا چاہیے تاکہ ایجاد ممکن ہو تو اُسوقت کو ممیت بھی فاعل ہی معطل نہین مگر چونکہ اعدام معدوم محال ہی اسلیے اوسکا اثر ظاہر نہین ہوا اسی طرح جسوقت ممیت نے اپنا فعل کرنا چاہا اوسوقت وہ شئ موجود ہونا چاہیے تاکہ اعدام ممکن ہو تو اُسوقت بھی گو محیی فاعل ہی معطل نہین مگر چونکہ ایجاد موجود محال ہی اس لیے اوسکا اثر ظاہر نہین ہوا پس اثر ظاہر نہ ہونے سے تعطل فاعل کا لازم نہین آتا کیونکہ یہ عدم ظہور اثر بوجہ عدم قابلیت محل کے ہی پس وہ شبہہ رفع ہو گیا فقط۔

رسیدن خرگوش بہ شیر و خشم شیر بروے

شیر را افزود خشم و شد نفور	دید کان خرگوش می آید ز دور
میدود بے دہشت و گستاخ او	خشمگین و تند و تیز و ترش رو
کز شکستہ آمدن تہمت بود	وز دلیری دفع ہر ریبت بود
چون رسید او پیشتر نزدیک صف	بانگ بر زد شیر ہان اے ناخلف
من کہ پیلان را زہم بدریدہ ام	من کہ گوش شیر نر مالیدہ ام
نیم خرگوشے کہ باشد کو چنین	امر ما را افگند او بر زمین
ترک خواب غفلت خرگوش کن	غرۂ این شیر اے خرگوش کن

در بیت تشبیہ۔ خرگوش در مصرعۂ اولی بمعنے مشہور و در مصرعۂ ثانیہ مرکب از خر بمعنی حمار و گوش۔ غرہ بضم غرش (آواز) مطلب بیت ظاہر ہی کہ شیر کو بڑا غصہ چڑھ رہا تھا دیکھا کہ دور سے خرگوش بیبا کانہ آ رہا ہی کیونکہ مضمحل آنے سے خواہ مخواہ مجرم ہونے کا شبہہ ہوتا ہی اور دلیری مین شبہہ جاتا رہتا ہی (کہ اگر یہ مجرم ہوتا تو دلیری سے کیون آتا) غرض جب شیر کے نزدیک آیا تو شیر نے ڈانٹا کہ مین ایسا ایسا ہون ذرا سے خرگوش کی یہ مجال ہے کہ ہمارا حکم نہ مانے اب خواب خرگوش کو چھوڑ اور میرا غرانا سن (کہ تیری سزا کا وقت

قریب ہے۔

عذر گفتن خرگوش بشیر و لابہ کردن مر شیر را

گفت خرگوش الامان عذریم ہست ۔ گر دہد عفوِ خداوندیت دست
باز گویم چون تو دستورے دہی ۔ تو خداوندے و شاہی من رہی
گفت چہ عذر اے قصورِ ابلہان ۔ این زمان آیند در پیش شہان
مرغ بے وقتی سرت باید برید ۔ عذرِ احمق را نمے باید شنید
عذرِ احمق بدتر از جرمش بود ۔ عذرِ نادان زہرِ ہر دانش بود
عذرت اے خرگوش از دانش تہی ۔ من نہ خرگوشم کہ در گوشم نہی
گفت اے شہ ناکسے را کس شمار ۔ عذر استم دیدہ را گوش دار
خاص از بہر زکوٰۃ جاہِ خود ۔ گمرہے را تو مران از راہِ خود
بحر کو آبے بہر جوئے دہد ۔ ہر خسے را بر سر و در رو نہد
کم نخواہد گشت دریا زین کرم ۔ از کرم دریا نہ گردد بیش و کم
گفت دارم من کرم بر جاے او ۔ جامۂ ہر کس برم بالاے او

دستور اجازت۔ رہی۔ غلام۔ قصور ابلہان کمتر از ابلہان۔ من نہ خرگوشم ای گوش من مثل خر نیست عذرت مغفول در گوشم نہی۔ خلاصہ یہ کہ۔ خرگوش نے امان مانگ کر کہا کہ اگر آپ معافی دین تو میرے پاس ایک عذر ہی اگر اجازت ہو کہون شیر بولا کیا خاک عذر ہی بھلا بادشاہون کے روبرو اسوقت آیا کرتے ہین بے وقت آنے مین تیری مثال مرغِ بے وقت کی ہی جسکا سر قطع کرنا واجب ہی اور احمق کا عُذر سننے کے قابل نہین کیونکہ وہ جرم سے بھی بدتر ہوتا ہی اور جاہل کے عذر سے علم و عقل کی بربادی ہوتی ہی خرگوش بولا بیشک مین نالائق ہون مگر تھوڑی دیر کیلیے اوسکو لائق فرض کر لو تاکہ عذر تو سُن سکو اپنی جاہ و منزلت کا صدقہ سمجھ کر مجھ کو مطرود مت کرو دیکھو دریا (جو اپنی فیاضی سے) سب نہرون کو پانی دیتا ہی خس و خاشاک کو اپنے اوپر لے لیتا ہی سو ظاہر ہی کہ دریا اس کرم کی وجہ سے کم نہین ہوجاتا (پس آپ بھی مثل دریا مجھپر کرم کیجیے) شیر نے کہا کہ مین کرم بھی موقع سے کرتا ہون (گویا) ہر شخص کا لباس اوس کے قد کے موافق قطع کرتا ہون (سو چونکہ تو محلِ لطف و کرم نہین ہی لہذا ساتھ تیرے کرم نہین کرون گا۔

گفت بشنو گر نباشم جاے لطف ۔ سر نہادم پیش اژدرہاے عنف
من بوقت چاشت در راہ آمدم ۔ با رفیق خود سوے شاہ آمدم
با من از بہر تو خرگوشے دگر ۔ جفت و ہمرہ کردہ بودند آن نفر

شیرے اندر راہ قصدِ بندہ کرد — قصد ہر دو ہمرۂ آیندہ کرد
گفتمش ما بندۂ شاہنشہیم — خواجہ تاشان کہ آن درگہیم
گفت شاہنشہ کہ باشد شرم دار — پیش من تو یاد ہر ناکس میار
ہم ترا و ہم شہت را بر درم — گر تو با یارت بگردی از درم
گفتمش بگذار تا بارِ دگر — روئے شہ بینم برم از تو خبر
گفت ہمرہ را گرو نہ پیش من — ورنہ قربانی تو اندر کیش من
لابہ کردیمش بسے سودے نکرد — یار من بستد مرا بگذاشت فرد
ماند آن ہمرہ گرو در پیش او — خون روان شد از دلِ بے خویش او
یارم از زفتی سہ چندان بُد کہ من — ہم بلطف و ہم بخوبی ہم بتن
بعد ازین زان شیر این رہ بستہ شد — حالِ ما این بود با تو گفتہ شد
از وظیفہ بعد ازین اُمید بُر — حق ہمے گویم ترا الحق مُر
گر وظیفہ بایدت رہ پاک کن — ہین بیا و دفعِ آن بے باک کن

خرگوش بولا کہ میں یوں نہیں کہتا کہ آپ لطف بے محل کیجیے مگر یہ کیسے معلوم ہوا کہ میں محل لطف نہیں ہوں اسلیے اول میرا حال سن لیجیے اگر میں محل لطف نہوں تو بیشک اژدہے کے سامنے پڑجانے پر رضامند ہوں قصہ یہ ہوا کہ میں چاشت کے وقت اپنے رفیق کے ساتھ آرہا تھا میرے ہمراہ نخچیروں نے آپکے لیے ایک اور خرگوش کر دیا تھا مرا اور رفیق سے یہی ہمارا راہ میں ایک اور شیر ملگیا اوسنے ہم دونوں کے لینے کا قصد کیا میں نے اُس سے کہا کہ ہم شاہی غلام ہیں اور اوس دربار کے ادنی درجہ کے خواجہ تاش ہیں مگر اُسنے کہا کہ تیرا بادشاہ کون بلا ہی میرے سامنے نالائقوں کا ذکر مت کر میں تجکو اور تیرے بادشاہ دونوں کو چیر ڈالونگا تب میں نے اُس سے کہا کہ تھوڑی دیر کے لیے مجھکو مہلت دے تاکہ ایک بار اپنے بادشاہ کا دیدار دیکھ لوں اور اوسکو تیری خبر پہونچا دوں اُسنے جواب دیا کہ اچھا اپنے اس ہمراہی کو میرے پاس رہن رکھ جا ورنہ میرے مذہب میں تو حلال کرنے کے قابل ہی ہے ہمنے اوسکی بہتیری خوشامد کی (کہ ہم دونوں کو جانے دے) مگر کچھ بھی فائدہ نہوا آخر میرے یار کو لے لیا اور مجھکو تنہا چھوڑ دیا وہ بے چارہ ہمراہی اوسکے پاس گروی رہ گیا ہی اور اوسکا دل قابو میں نہیں ہی اور آنکھ آنسوؤں روتا ہی اور وہ میرا ہمراہی فربہی میں مجھ سے تین حصے تھا لطافت میں بھی خوبی میں بھی تنومندی میں بھی اب آیندہ سے اوس شیر کی وجہ سے وہ رستہ بند ہو گیا ہی بس ہمارا یہ قصہ ہی جو عرض کیا گیا۔ اب اپنے معمولی روزینے سے اُمید قطع کیجیے اور میں بالکل سچ کہتا ہوں گو سچ بات تلخ معلوم ہوتی ہی اگر آپ کو معمولی روزینہ کی ضرورت ہو (جو ہمیشہ حسب معاہدہ نخچیروں کی جانب سے آیا کرتا ہی) تو رستہ کو پاک کیجیے اور آپنے اوس بے باک شیر کو دفع کیجیے (ورنہ وہ ہمیشہ اسی طرح راہ میں اوچک لیا کرے گا۔

جواب گفتن شیر خرگوش را و روان شدن با او

گفت بسم اللہ بیا تا او کجاست
تا سزا یے او وصد چون او دہم
پیش رو شو گر ہمی گوئی تو راست
ور دروغ ست این سزای تو دہم

اندر آمد چون قلاوزی بہ پیش
تا برد او را بسوے دام خویش

سوے چاہے کو نشانش کردہ بود
چاہ مغ را دام جانش کردہ بود

می شدند این ہر دو تا نزدیک چاہ
اینت خرگوشے چو آبے زیر کاہ

آب کاہے را بہامون مے برد
آب کوہے را عجب چون مے برد

دام مکر او کمند شیر بود
طرفہ خرگوشے کہ شیری را ربود

(قلاوز رہبر- مغ بفتح میم عمیق- اینت زہے وعجب- آب زیرکاہ کنایہ از مکار وجہ مناسبت ظاہرست کہ از بالا دیگر واز اندرون دیگر ست) یعنی شیر نے کہا بسم اللہ چل دیکھون وہ شیر کہان ہی اگر تو سچا ہی تو آگے چلکر بتلا تاکہ اوسکو اور اوس جیسے اگر سو بھی ہون سب کو سزا دون اور اگر یہ بات جھوٹ نکلی تو وہی سزا تجھکو دونگا- غرض وہ خرگوش آگے آگے ہو لیا اور مقصود اوسکا یہی تھا کہ اوسکو دام ہلاکت مین گرفتار کرے یعنی جس کنوین کو اوس نے اس کام کے لیے نشان کر رکھا تھا اور وہ بہت عمیق تھا جسکو ذریعہ ہلاکت بنایا تھا اسی طرح دونون کنوین کے نزدیک پہونچے مولانا تعجب سے فرماتے ہین کہ دیکھو تو ذرا سا خرگوش کیسا مکار ہی یہ تو ہمیشہ سے ہوتا آیا ہی کہ جنگل میدان مین پانی گھاس کو بہائے جاتا ہی یہ طرفہ معاملہ ہی کہ پانی پہاڑ کو لیے جاتا ہی دکیونکہ شیر اور خرگوش مین باعتبار عظیم اور حقیر ہونے کے وہی نسبت ہی جو پہاڑ اور پانی مین ہی) اس نے ایسا جال مکر کا پھیلایا کہ شیر اوس مین پھنس گیا واقعی ہی عجیب خرگوش کہ شیر دکی عقل) کو اوڑا دیا

موسیے فرعون را تا رود نیل
مے کشد با لشکر و جمع ثقیل

پشہ نمرود را با نیم پر
می شگافد بیدرو تا مغز سر

(تعجب مذکور کی تقویت کے لیے اور دو عجیب قصون کی طرف اشارہ فرماتے ہین کہ) دیکھو حضرت موسی علیہ السلام (باوجودیکہ سازوسامان کے اعتبار سے ضعیف تھے) فرعون کو رود نیل تک مع لشکر وجماعت گران کے کھینچے لیے جاتے ہین (یہ اسناد مجازی ہی سبب کی طرف) اور دیکھو ایک پشہ جسکے دو بازوون مین سے ایک ہی باز و تھا (اسی لیے نیم پر کہا) نمرود اتنے بڑے بادشاہ کا سر چیر کر مغز تک پہونچتا ہی دگویہ دلیل ہی اصلی کہ حقتعالی کی عجیب قدرت ہی کہ جب چاہین ضعیف کو قوی پر مسلط فرمادین کذا قال مرشدی رحمہ اللہ تعالی-

حال آن کو قول دشمن را شنود
بین جزاے آنکہ شد یار حسود

حال فرعونے کہ ہامان را شنود
حال نمرودے کہ شیطان را ستود

دشمن ار چه دوستانہ گویدت گر ترا قندے دہد آن زہر دان	دام دان گر چہ ز دانہ گویدت گر بتو لطفے کند آن قہر دان

(اس قصہ سے اوپر قدرتِ خداوندی کا عجیب ہونا مستنبط کیا تھا اب ایک دوسرا استنباط کرتے ہین کہ دشمن کے قول پر عمل کرنے کا انجام برا ہوتا ہی پس فرماتے ہین کہ یہی حال ہوتا ہی اُس شخص کا جو دشمن کے قول کو سنتا ہی اور جو شخص حاسد کا یار (یعنی متبع) ہو جاتا ہی اوسکی جزا دیکھو (کیسی بُری ہوتی ہی) یہی حال ہوا فرعون کا جس نے ہامان کی بات سنی (جو اُس کا دشمنِ دین تھا گو دنیا کے اعتبار سے دوست تھا) اور یہی حال ہوا نمرود کا جو شیطان کی تعریف کیا کرتا تھا (کیونکہ کسی کا اتباع کرنا مستلزم ہی اوسکے اچھے سمجھنے کو اسلیے اتباع کو مجازاً استود سے تعبیر کر دیا) پس دشمن اگر چہ تمکو دوستون کے طور پر کہے مگر اوسکے قول کو دام ہی سمجھنا چاہیے (یعنی ضررِ خفی) اگر چہ دانہ کی باتین کرے (یعنی نفعِ ظاہری کی) اگر وہ تمکو قند دے تو زہر سمجھو اور اگر تمھارے ساتھ لطف سے پیش آوے تو قہر سمجھو (اصل مقصود اشارہ اسطرف ہی کہ نفس و شیطان تمھارے دشمن ہین ان کے فریب سے بچنا چاہیے پس مراد دشمن سے شعر ار چہ الخ مین نفس و شیطان ہی کذا قال مرشدی رحمہ اللہ تعالیٰ)

چون قضا آید نہ بینی غیر پوست	دشمنان را باز نشناسے ز دوست
چون چنین شد ابتہال آغاز کن	نالہ و تسبیح و روزہ ساز کن
نالہ میکن کاے تو علام الغیوب	زیر سنگِ مکرِ بد مارا مکوب
انتقام از ما مکش اندر ذنوب	یا کریم العفو ستار العیوب
انچہ در کون ست اشیا ہر چہ ہست	وانما جان را بہر صورت کہ ہست
گر سگے کردیم اے شیر آفرین	شیر را مگمار بر ما زین کمین
آب خوش را صورتِ آتش مدہ	اندر آتش صورتِ آبے منہ
از شرابِ قہر چون مستی دہی	نیستہا را صورتِ ہستی دہی
چیست مستی بندِ چشم از دیدِ چشم	تا نماید سنگ گوہر پشم یشم
چیست مستی حِسہا مبدل شدن	چوب گز اندر نظر صندل شدن

(اوپر کے اشعار مین دشمنون سے تحذیر فرمائی تھی اب فرماتے ہین کہ جب قضا غالب ہوتی ہی تو بجز پوست کے (یعنی ظاہری حالت کے) کچھ نظر نہین آتا اور دشمن و دوست مین تمیز نہین ہوتی (اسلیے) اُس سے حذر نہین کرتا اور دام مین گرفتار ہو جاتا ہی پس جب ایسی حالت ہی تو صرف اپنے علم و تدبیر کے بھروسے مت رہو بلکہ توکل علی اللہ و رجوع الی اللہ سے تمسک کرو گو علم و تدبیر کو بھی ترک نہ کرو مگر علم و تدبیر کے ساتھ تضرع و زاری بھی شروع کرو اور نالہ اور تسبیح و روزہ (وغیرہ عباداتِ ظاہری و باطنی) کا اہتمام کرو اور عجز و زاری سے عرض کرتے رہو کہ اے عالم الغیب ہمکو دشمنانِ دین کے، مکرِ بد سے صدمہ مت پہونچائیو اور (گو ہمارے گناہو نکا مقتضا یہی کہ

کہ ہم مبتلاے قہر کیے جاوین مگرا آپ ہمسے گنا ہون کا انتقام نہ لیجیے آپ کا عفو کرم سے بھرا ہی اور آپ ستار العیوب ہین اور جسقدر اشیا رعالم ہستی مین موجود ہین وہ جس حالت پر واقع مین ہون اوسیطرح قلب پر منکشف فرما دیجیے (تاکہ نیک و بد مین امتیاز ہوجاوے اور کسی دہوکہ مین نہ پھنس جاوین) اور گو ہمنے سگانہ حرکتین کی ہین مگر آپ شیر (دشمن دین یعنی نفس و شیطان) کو ہمپر مسلط نہ کیجیے کہ کہین غفلت سے نکلکر ہمکو ہلاک کر ڈالے اور آب خوش کو آگ کی صورت نہ دیجیے ۔ اور آگ کے اندر پانی کی صورت نہ رکھیے (یعنے ایسا نہ ہو کہ امر نافع کو اوس کے نفس پر گران و ناگوار ہونے سے مضر سمجھ جاوین اور امر مضر کو نفس کی لذت و میلان کے دہوکہ سے نافع سمجھ جاوین) کیونکہ آپ جب اپنے قہر سے کسی کی عقل زائل فرما دین جیسے شراب سے عقل زائل ہوجاتی ہی تو اوس وقت معدوم چیزون کو موجود کی شکل دیدیتے ہین (یعنے جس چیز مین فی الواقع خیر نہین ہی اوس مین غلطی سے خیر نظر آنے لگتی ہی اور یہ علامت قہر الٰہی کی ہی اور مستی و زوال عقل سے کیا مراد ہی چشم بصیرت کا اوس کی قوت معرفت سے بند ہوجانا ہے کہ پتھر تو گوہر نظر آنے لگے اور پشم سنگ لشب معلوم ہونے لگے (لیعنے غیر نافع چیزین نافع نظر آنے لگین) اور مستی سے یہ مراد ہی کہ حواس (ادراک اصلی سے) مبدل ہوجاوین اور چوب گود یعنے جھاؤ نظر مین صندل معلوم ہونے لگے (اس کا مطلب بھی وہی ہی کہ غیر نافع بصورت نافع نظر آوے جیسا انہماک فی المعاصی یا غلبۂ الحاد و زندقہ مین واقع ہوتا ہی۔

قصۂ سلیمان علیہ السلام و ہُدہُد و بیان آنکہ چون قضا آید چشمہا بستہ شود

(یہ قصہ اوس بیت سے مرتبط ہی ؎ چون قضا آید نہ بینی غیر پوست الخ جیسا کہ ہُدہُد کے اس جواب سے معلوم ہوگا ؎ من بہ بینم دام را اندر ہوا + گر نہ پوشد چشم عقلم را قضا)

چون سُلیمان را سراپردہ زدند	جملہ مرغانش بخدمت آمدند
ہمزبان و محرم خود یافتند	پیش او یک یک بجان بشتافتند
جملہ مرغان ترک کردہ چیک چیک	با سلیمان گشتہ افصح من اخیک
ہمزبانی خویشی و پیوندی ست	مرد با نامحرمان چون بندی ست
ای بسا ہندو و ترک ہمزبان	ای بسا دو ترک چون بیگانگان
پس زبان محرمی خود دیگرست	ہمدلی از ہمزبانی بہترست
غیر نطق و غیر ایماء و سجل	صد ہزاران ترجمان خیزد ز دل

سراپردہ خیمہ ۔ چیک چیک سخن غیر فصیح ۔ من اخیک ای من الانسان لان المخاطب ہو الانسان و اخو الانسان انسان ۔ ہمزبانی خبر مقدم خویشی مبتدا مؤخر فاتضح المعنی بلا تکلف و خبط فتشکر ۔ سجل کتاب و صحیفہ یعنی حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے جو خیمہ نصب کیا گیا تو جسقدر طیور آپکے محکوم تھے سب حاضر ہوئے

کیونکہ آپ کو اپنا ہمزبان واقف راز دیکھا اس لیے ایک ایک کر کے سب دوڑ پڑے اور تمام طیور اپنی چاؤن چاؤن ترک کر کے آپکے ساتھ انسان سے بھی زیادہ فصاحت سے بولنے لگے (اب مولانا بطور جملۂ معترضہ کے انتقال فرماتے ہین کہ یہ زبان فہمی تو محض ظاہر کی ہمزبانی ہی جس سے اسقدر مناسبت ہوگئی کہ طیور آپکی خدمت مین آ دوڑے اور حقیقی ہمزبانی مناسبت ومجانستِ معنوی کا نام ہی کہ دو شخصون کو اوصاف مین اشتراک واتحاد ہو اور دلون مین باہم زیادہ اُنس ودلچسپی ہوتی ہی اور) نامحرمون کے ساتھ تو (جنسے کہ مناسبتِ معنوی نہ ہو) آدمی بالکل قیدی ہوجاتا ہی کہ ظاہر مین یکجا جمع ہین مگر قلب کو توحش ہی جس سے وہان بیٹھنا قید نظر آتی ہی بہت ہندی اور ترک (باوجود اختلاف لغت کے معنًا) ہمزبان ہوتے ہین (جبکہ اُن مین معنوی مناسبت ہو) اور بہت سے دونون ترک ہین اور پھر بیگانون کی طرح ہین (جب کہ اُن مین باہم کسیوجہ سے نفرت وبغض ہو باوجودیکہ زبان مشترک ہی) پس معلوم ہوا کہ محرمیت اور مناسبت معنوی کی زبان اور ہی ہی اور ہمدلی (جسکو مناسبت معنوی کہا گیا ہے) ہمزبانی ظاہری سے بہتر ہی (جب معنوی مناسبت ہوتی ہی تو) نہ بولنے کی ضرورت۔ نہ اشارہ کی حاجت نہ خط وکتابت کی احتیاج (جو کہ اقسام دلالت وضعیہ کے ہین) اور پھر دل سے ہزارون مترجم پیدا ہوجاتے ہین (وہ مترجم اوصاف معنویہ وجذبات باطنیہ ہین جن کا منشا نفس وقلب ہی۔ شاید اس مضمون سے اشارہ اسطرف ہو کہ طالب حق کو اہل اللہ کے ساتھ بہ نسبت اہل وطن وقرابت کے زیادہ تعلق رکھنا چاہیے۔

جملہ مرغان ہر یکے اسرارِ خود	از ہنر وز دانش واز کارِ خود
باسلیمان یک بیک وامے نمود	از برائے عرضہ خود را می ستود
از تکبر نے واز ہستیِ خویش	بہر آن تا رہ دہد اورا بہ پیش
چون بباید بندہ را خواجۂ	عرضہ دارد از ہنر دیباچۂ
چونکہ دارد از خریداریش ننگ	خود کند بیمار وکر وشل ولنگ

(دیباچہ حصۂ اجمالی کتاب وہ اصل رخسارہ را گویند ورخسارہ نیم چہرہ باشد ہمچنان دیباچۂ کتاب شطرے از و باشد وبقیہ کتاب شطری دیگر کہ مفصل ست۔ یہان سے پھر رجوع ہی قصہ کی طرف یعنی تمام طیور (جمع ہوکر) اپنے اپنے ہنر اور کام حضرت سلیمانؑ کے روبرو ظاہر کر رہے تھے اور اپنی واقعی حالت عرض کرنے کے لیے اپنی اپنی تعریف کر رہے تھے اور وہ براہ تکبر ودعوی ایسا نہ کرتے تھے بلکہ محض اسلیے کہ آپ اُن کو اپنی پیشی مین جگہ دین (اور کوئی خدمت سپرد کر دین اور قاعدۂ کلیہ ہی کہ) جب کوئی آقا کسی غلام کو پاتا ہی۔ (یعنے خریدتا ہی) تو وہ غلام اپنے ہنر کی اجمالی حالت اُسکے روبرو پیش کرتا ہی (تاکہ مجھکو خرید کرلے) اور جب غلام کو اُس کی خریداری سے (کسیوجہ سے) ننگ ہوتا ہی (اور چاہتا ہی کہ یہ شخص مجھکو نہ خریدے) تو اپنے کو بیمار اور بہرا اور شل بنا لیتا ہی (پس طیور چونکہ طالب خدمت تھے اس لیے عرض ہنر کرتے تھے۔

ف نیز اسمین اشارہ ہی کہ اگر عارف کو اپنا کمال ظاہر کرتے سنو تو دعوے پر محمول مت کرو بلکہ وہ جناب الٰہی مین

اظہار بندگی کرتا ہی تاکہ آیندہ اوس سے اور خدمت لی جاوے اور توفیق عطا فرمائی جاوے کذا قال مرشدی رحمہ اللہ تعالی۔ اور گاہی طالبین کے اعلام کے لیے ہوتا ہی کہ وہ اس سے مستفید ہو سکین۔ اور گاہے صرف تحدث بالنعمۃ ہوتا ہی۔ اور گاہی غلبۂ حال مین ہوتا ہی ونحو ذلک اور یہی عذر ہی بزرگون کے شطحیات کا۔

فائدہ میرے نزدیک چون بیابد مین اگر بباید بالستن سے ہو تو اچھا نسخہ ہی معنے یہ ہون گے کہ اگر غلام کو اوس خواجہ کی ضرورت ہو اور وہ اوسکو چاہیے ہوتا ہو کیونکہ بیا بد یافتن سے مقابل ننگ داشتن کے نہین ہی۔

نوبت ہدہد رسید و پیشہ اش	وان بیان صنعت و اندیشہ اش
گفت اے شہ یک ہنر کان کہترست	باز گویم گفت کوتہ بہتر است
گفت برگو تا کدام ست آن ہنر	گفت من آنگہ کہ باشم اوج بر
بنگرم از اوج با چشم یقین	می بہ بینم آب در قعر زمین
تا کجایست و چہ عمقستش چہ رنگ	از چہ می جوشد ز خاکے یا ز سنگ
اے سلیمان بہر لشکرگاہ را	در سفر مے دار این آگاہ را

دگفت کوتہ موصوف و صفت یعنی قول مختصر) یعنی اسیطرح ہدہد کی نوبت پہونچی کہ وہ اپنے پیشہ و صنعت و خیالات کو ظاہر کرے اُسنے عرض کیا کہ میرے اندر جو سب سے ادنی درجہ کا ہنر ہی وہ عرض کرتا ہون کیونکہ بات مختصر خوب ہوتی ہی آپنے فرمایا بیان کرو وہ ہنر کیا ہی عرض کیا کہ مین جسوقت (ہوا مین) بلندی پر ہوتا ہون تو وہان ہی سے یقین کے ساتھ پانی کو قعر زمین مین دیکھ لیتا ہون کہ کہان ہی اور کتنا عمیق ہی اور کیا رنگ ہی اور یہ کہ پتھر سے نکلتا ہی۔ یا ریگ سے۔ تو آپ سفر مین مجھکو لشکر کے لیے اپنے ہمراہ رکھیے (کہ سفر مین کبھی لشکر کو زمین کھود کر پانی نکالنے کی ضرورت ہوتی ہی۔

پس سلیمان گفت مارا شو رفیق	در بیابانہاے بے آب اے شفیق
تا بیابے بہر لشکر آب را	در سفر سقا شوے اصحاب را
ہمرہ ما باشے و ہم پیشوا	تا کنی کو آب پیدا بہر ما
باش ہمراہِ من اندر روز و شب	تا نہ بیند از عطش لشکر تعب
بعد ازان ہدہد بدان ہمراہ بود	زانکہ از آبِ نہان آگاہ بود

یعنی حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ اچھا جن بیدانون مین پانی نہین ملتا اون مین ہمارے ہمراہ رہا کر تاکہ لشکر کے واسطے پانی کو تلاش کرے اور ہمراہیون کے لیے بمنزلہ سقا کے ہو جاوے۔ راہ مین آگے آگے چلا کر تاکہ پانی کو ہمارے لیے حاصل کر سکے اور ہر وقت ہمراہ رہنا چاہیے تاکہ لشکر کو تشنگی سے تعب نہو بس اسکے بعد سے ہُدہُد آپکے ساتھ رہنے لگا کیونکہ اُس مین یہ کمال تھا کہ پوشیدہ پانی پر مطلع ہو جاتا تھا۔

طعنہ زدن زاغ در دعوے ہُدہُد

زاغ چون بشنود آمد از حسد	با سلیمان گفت کو کژ گفت و بد

از ادب نبود به پیش شه مقال — خاصه خود لاف دروغین و محال

گر مر او را این نظر بودے مدام — چون ندیدے زیر مشتِ خاک دام

چون گرفتار آمدے در دام او — چون قفس اندر شدے ناکام او

پس سلیمان گفت کاے ہدہد رواست — کز تو در اول قدح این دُرد خاست

چون نمائی مست خویش ای خوردہ دوغ — پیش من لافی زنی آنگه دروغ

یعنی زاغ نے جب ہدہد کی یہ بات سنی تو براہ حسد حضرت سلیمان علیہ السلام سے کہنے لگا کہ اسنے بالکل غلط اور لغو کہا ہی اول تو حضور کے روبرو بات کرنا ہی خارج از ادب ہی پھر خاصکر جھوٹی اور غیر ممکن الوقوع شیخی کی بات اگر اسکی ایسی نگاہ ہوتی تو ایک مشت خاک کے تلے اسکو جال نظر کیون نہ آجایا کرتا پس حضرت سلیمان علیہ السلام نے ہدہد سے ارشاد فرمایا کہ تجھکو ایسی بات کب زیبا تھی کہ اول ہی گفتگو مین جھوٹ بولکر ایسی مثال کر دی کہ جیسے کوئی پیالہ بھر کر شراب پلادے اور اول ہی پیالہ مین تلچھن نکلے دکیونکہ قاعدہ ہی کہ خم شراب کی تہ مین تلچھن کم و بیش ہوتی ہی سو بالکل خاتمہ کے پیالون مین اس کا آجانا عجیب نہین مگر اول ہی پیالہ مین آجانا دلیل ہی کہ کمال بے تمیزی سے شراب پیالے مین بھری ہی کہ تمام شراب مین تلچھن مل گئی، تو دوغ پیکر اپنے کو مست کس طرح دکھلاتا ہے یعنی میرے روبرو اول تو شیخی پھر وہ بھی جھوٹی کیونکر بگھارتا ہی د جیسے دوغ خوردہ مستی کرنے لگے تو نرا لاف دروغ ہی کہ کوئی جانے شراب پی ہی۔

جواب گفتن ہدہد طعنۂ زاغ را

گفت اے شہ برمن عور گدا — قول دشمن مشنو از بہر خدا

گر بناشد اینکه دعوے می کنم — من نہادم سر ببر این گردنم

زاغ کو حکم خدا را منکرست — گر ہزاران عقل دارد کافرست

در تو تا کافے بود از کافران — جاے گند و شہوتے چون کافران

من ببینم دام را اندر ہوا — گر نپوشد چشم عقلم را قضا

چون قضا آید شود دانش بخواب — مہ سیہ گردد بگیرد آفتاب

از قضا این تعبیہ کے نادرست — از قضا دان کو قضا را منکرست

کاف ران نگاف ران مراد فرج یا اینکہ اسم مخرج بول و غائط در مرد و زن بزبان فارسی مصدر بحرف کاف ست چنانچہ ظاہرست باین سبب بمعنی فرج مستعمل شدہ تعبیہ سامان درست کردن و لشکر آراستن یعنی ہدہد نے عرض کیا کہ حضور خدا را مجھ برہنہ و بے سامان اور گدا کے حق مین میرے اس دشمن کا قول ہرگز نہ سنین جس امر کا مین دعوی کر رہا ہون اگر بیاہر نہو تو مین اسپر راضی ہون کہ میرا سر گردن سے جدا کر دیجیے یہ زاغ جو حکم قضا کا

منکر ہو رہا ہی اور یہ نہین سمجھتا کہ میرا دام کو نہ دیکھنا غلبۂ قضا سے ہی ہیرے زمین کے اندر ہانی دیکھ لینے کی نفی و تکذیب نہین کرتا تو ایسی حالت انکار مین، اگر اس زاغ کو ہزارون عقلین بھی حاصل ہون جب بھی کافر ہی اور حکم کفر کے لیے یہ ضرور نہین کہ بالکل اصطلاح فقہی کے موافق ہی کافر ہو بلکہ یہان کافر کے معنے عام ہین حتی کہ اوس کے اعتبار سے اگر تمھارے اندر کافرون کا ایک کاف (یعنی شمہ) بھی ہو تو تم مثل پیشاب گاہِ زن کے محل گندگی و شہوت ہو گے (یعنی من وجہ کافر ہوگے پس کفر باین معنی کلی مشکک ہی اور یہی اصطلاح پر احادیث مین معاصی پر اطلاق کفر آیا ہی، مین ہو این سے دام کو (زیر زمین) ضرور دیکھ لیتا اگر میری چشم عقل کو قضاے الٰہی نہ بند کر دیتی۔ (لیکن) قضا جب آتی ہے تو عقل بھی سو جاتی ہی (یعنی ادراک اُس کا معطل ہو جاتا ہی) اور چاند خسوف سے سیہ پڑ جاتا ہی اور آفتاب کسوف سے گرفتہ و بے نور ہو جاتا ہی (یا مراد وہ عقول ہون جو مثل ماہ و خور روشن ہون اس طرح کا سامان ہو جانا قضا سے عجیب نہین بلکہ یہ جو قضا کا انکار کر رہا ہی یہ بھی قضا ہی کا اثر ہی۔

قصۂ آدم علیہ السّلام و بستن قضا نظر او را از مراعاتِ صریح نہی و ترکِ تاویل

مناسبت ماقبل سے محتاجِ بیان نہین کہ غلبۂ قضا وہ چیز ہی کہ حضرت آدم علیہ السلام سے باوجود اتنے بڑے علم کے غلطی ہو گئی۔

بو البشر کو علم الاسماء بگ ست | صد ہزاران علمش اندر ہر رگ ست
اسم ہر چیزے چنان کان چیز ہست | تا بپایان جانِ او را داد دست
ہر لقب کو داد آن مبدل نہ شد | آنکہ چستش خواند او کاہل نہ شد
ہر کہ آخر مؤمن ست اوّل بدید | ہر کہ آخر کافر او را شد پدید
ہر کہ آخر بین بود او مؤمن ست | ہر کہ آخر بین بود او بیدن ست
ہر کہ او را اقبل و آزاد خواند | او عزیز و خرم و دل شاد ماند

دگ بگ مخفف بیگ یعنی سردار بالفتح اول در ترکی امیر را گویند۔ آخر بین در مصرعۂ اولی عند اول مراد آخرت و در مصرعۂ ثانی یعنی آخور۔ بیدن مخفف بیدین (یعنی حضرت ابو البشر آدم علی نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام کہ مرتبۂ علم الاسماء سے مشرف ہین اور لاکھون علوم اُون کی رگ رگ مین بھرے ہین (آگے علم الاسمار کی تفسیر فرماتے ہین کہ) تمام اشیا جس حالت پر واقع ہین سب کا نام و نشان اُن کی آخری حالت تک اُنکی روح کو حاصل ہو گیا (خلاصۂ تفسیر کا یہ ہوا کہ صرف اشیاء کے نام یاد کرا دینا مراد نہین ہین بلکہ اسماء عام ہی حقائق و اوصاف کو بھی پس حاصل تعلیم اسماء کا یہ ہوا کہ اون کو تمام اشیاء کے نام اور ماہیات اور خواص بتلا دیے اور چونکہ بہت سے اوران حقائق و آثار مین سے وجدانیات مخصوصۂ بشر سے ہین اور ملائکہ اُن سے منزہ ہین جیسے سرور و حزن۔ و فسرح و غضب۔ و جوع و عطش و نحو ذلک اس لیے اُن کے علم کی استعداد ملائکہ مین پیدا نہوئی تھی اون کو اگر تعلیم بھی کیا جاتا تو بجز الفاظ کے انکو کوئی شی حاصل

نہو تی یہی علم تھا جس سے حضرت آدم علیہ السلام کو ملائکہ پر تفضیل دی اور وجہ خلافت چونکہ تنفیذ احکام الٰہی فی العالم تھی اور تنفیذ کے لیے محل تنفیذ کے خواص و آثار کا علم ضروری ہی اس لیے حضرت آدم علیہ السلام کو خلافت کے ساتھ خاص فرمایا گیا غرض حضرت آدم علیہ السلام کو چونکہ علم واقعیات کا عطا ہوا تھا اسلیے اُنھون نے جو لقب جسکو دیدیا وہ مبدل نہین ہوا) کیونکہ اونکا لقب دینا تو حکایت علم الٰہی کی تھی اور علم الٰہی مین جس چیز کی جو حالت ثابت ہی وہ بدل نہین سکتی پس جو محکی عنہ غیر مبتدل ہوگا اوسکی حکایت بھی مطابق محکی عنہ کے مبتدل نہین ہو سکتی، شلا کیسکو اونھون نے جست کہدیا تو کبھی کاہل نہین ہوا وجہ اسکی ابھی مذکور ہوئی) اور جو شخص حالت خاتمہ مین مومن ہونے والا ہی اُنھون نے پہلے ہی اُس کا مومن ہونا مشاہدہ فرمالیا اسی طرح جو شخص آخر مین کافر ہوگا اُنکو ظاہر ہوگیا اب فرماتے ہین کہ جب قابل اعتبار آخری حالت ہی جسکے علم سے حضرت آدم علیہ السلام کو شرف و امتیاز ہوگیا اور دنیا و آخرت مین آخری حالت آخرت ہی تو مقتضا عقل صحیح کا یہی ہی کہ آخرت پر نظر رکھے پس جو شخص آخرت پر نظر رکھتا ہی وہ مومن کامل ہی اور جو شخص (محض) آخور دنیا یعنی لذائذ و شہوات ہی پر نظر رکھے وہ بیدین ہی (اور اسی قیاس پر سمجھو کہ جو دونون طرف کچھ کچھ نظر رکھے وہ مومن ضعیف الدین ہوگا اب اوسپر عطف فرماتے ہین ~~ آنکہ چستش خواند الخ یعنی) اور آدم علیہ السلام نے جس شخص کو صاحب اقبال اور آزاد فرمایا وہ ہمیشہ باعزت اور خرم و دلشاد رہیگا کیونکہ اُنھون نے وہی فرمایا ہی جو علم الٰہی مین مقرر ہو چکا ہی۔

علم ہر چیزے تو از دانا شنو ... سرّ رمز علم الاسما شنو

اسم ہر چیزے بر ما ظاہرش ... اسم ہر چیزے بر خالق سرش

نزد موسے نام چوبش بُد عصا ... نزد خالق بود نامش اژدہا

بد عمر را نام اینجا بت پرست ... لیک مومن بود نامش در الست

آنکہ بد نزدیک ما نامش منی ... پیش حق این نقش بد کہ با منی

صورتے بد این منی اندر عدم ... پیش حق موجود نے بیش و نہ کم

حاصل این آمد حقیقت نام ما ... پیش حضرت کان بود انجام ما

مرد را بر عاقبت نامے نہند ... نے بر آن کو عاریت نامے نہند

چشم آدم چون بنور پاک دید ... جان و سرّ نامہا گشتش پدید

چون ملائک نور حق دیدند ازو ... جملہ افتادند در سجدہ بر رو

چون ملک انوار حق در وے بیافت ... در سجود افتاد و در خدمت شتافت

(یعنے جب تمکو کیفیت علم حضرت آدم علیہ السلام کی معلوم ہو گئی کہ اونکا علم چونکہ مطابق علم الٰہی کے تھا اس لیے اونکا قول اور کسی شئے کا کسی اسم سے نامزد کر دینا غلط نہ ہوتا تھا تو) تمکو چاہیے کہ جس چیز کا علم (واقعی) حاصل کرنا منظور ہو تو ایسے ہی دانا یعنی عارف سے تحقیق کرنا چاہیے (کہ مثل آدم علیہ السلام کے اُس کا علم لدنی ہو اور ایسے شخص کے

شخص کے (خبار (اقوال سے) راز علم الاسمار کا سمجھنا چاہیے (کہ اِن حضرات کے اقوال سے علم الاسماء کا پتہ لگتا ہی کہ اسمار حقیقت اشیار کے وہی ہین جو اِن پر منکشف ہوگے ہین نہ اسمار ظاہری جنکو ہمنے تجویز کرلیا ہی کیونکہ ہمارے نزدیک تو ہر شی کا صرف وہ نام ہی جو اوسکی ظاہری حالت سے معلوم ہوتا ہی (اور حالت باطنی ہم سے مخفی ہی نام رکھنے مین یا لقب دینے مین اُس کا بالکل لحاظ و اعتبار ہی نہین کیا جاتا) بخلاف حضرت حق تعالی کے کہ اونکے نزدیک اوس شی کا وہ نام ہی جو اوسکی باطنی حالت کا مقتضا ہی (اور عارف کا علم مستفاد ہی علم حضرت حق سے اسلیے اوسکی نظر بھی حقائق پر پہونچتی ہی اور اس کا یہ مطلب نہین کہ اُس شی کی حالت ظاہری جو مبنی ہی اسم ظاہری کا نعوذ باللہ علم الٰہی سے خارج ہی حق تعالی کے علم کا تمام غیب و شہادت کو محیط ہونا یقینی و قطعی ہی بلکہ مقصود یہ ہی کہ ہمارا علم تو صرف اسکی ظاہری حالت پر مقصور ہی اور تسمیہ و لقب مین اُسی پر نظر ہی اور حق جل و علا شانہ کی نظر اوسکے باطن پر بھی ہی اور یہ نسبت حالت ظاہری کے وہ زیادہ معتبر ہی پس گویا کہ اُن کے نزدیک وہی اُس شی کا نام ہی) مثلاً عصائے موسوی کا نام خود حضرت موسی علیہ السلام کے نزدیک صرف عصا تھا (کیونکہ اُن سے اُسکے اژدہا بنجانے کا علم مخفی و غائب تھا) اور حق تعالی کے نزدیک اُس کا نام اژدہا تھا (کیونکہ اُن سے یہ حالت غائب نہ تھی اور بوجہ تعلق اعجاز کے اس حالت پر خاص نظر تھی) اسی طرح حضرت عمرؓ کا نام دنیا مین (مدت تک) بت پرست رہا (کیونکہ اُن کے مؤمن بن جانے کی کیسکو اطلاع نہ تھی) اور روز الست مین اُن کا نام (علم الٰہی مین) مؤمن تھا (کیونکہ حق تعالی کو معلوم تھا اور مشیت کے نزدیک مقصود تھا) اسی طرح جس کا نام ہمارے نزدیک منی ہی (اور ہمکو معلوم نہین کہ اس سے آدمی ضرور بنے گا یا نہین) وہ اللہ تعالی کے علم مین ایسا ہی نقش (انسانی) تھا جس حالت مین تم میرے روبرو بیٹھے ہو (کیونکہ اُن کے روبرو یہ حالت بھی حاضر و منکشف تھی اور اتمام خلق یا مکلف بنانیکی وجہ سے حکمت الٰہی کے نزدیک منظور نظر تھی) اور یہ منی حالت عدم مین (یعنی جب صورت انسانیہ اِس مین موجود نہ تھی بلکہ معدوم تھی) اللہ تعالی کے علم مین بصورت (انسان) موجود تھی (نہ اسوقت کی صورت سے اُس مین بیشی تھی نہ کمی تھی) کیونکہ تمام ماضی و مستقبل علم ازلی مین اصلی حالت پر موجود ہین) حاصل کلام یہ ہی کہ ہمارا حقیقی نام حق تعالے کے نزدیک وہ ہوگا جو ہمارا انجام ہونے والا ہی (یعنی قابل اعتبار وہ حالت ہوگی جیسا حدیث مین ہی انما الاعمال بالخواتیم متفق علیہ کذا فی المشکوۃ) کارکنان قضا و قدر ہر شخص کا اُس کے انجام کے اعتبار سے نام رکھتے ہین (ایمان پر خاتمہ ہونے والا ہو تو مومن۔ کفر پر خاتمہ ہونے والا ہو تو کافر) اور اوس حالت کی بنا پر نام نہین رکھتے جو محض عاریت یعنی عارضی تھی (مثلاً وہ ایمان جو آخر مین سلب ہوگیا۔ یا وہ کفر جو انجام مین زائل ہوگیا غرض حق تعالی کے علم کی تو یہ شان ہی کہ سب اشیار اور اون کی سب ظاہر اور مخفی حالتین اون پر منکشف ہین) چونکہ حضرت آدم علیہ السلام نے بھی حق تعالے کے نور علم سے اشیار کا مشاہدہ کیا تھا اس لیے تمام اسمار کے حقائق اور اسرار اُن پر بھی منکشف ہوگئے (بس اصلی فضیلت حضرت آدم علیہ السلام کی اس نور الٰہی کا اُن پر تجلی فرمانا اور اُن کو یون علم مین منصبغ کردیتا ہی) چونکہ ملائکہ نے اون مین انوار حق کا ادراک کرلیا تھا اُس لیے وہ سجدہ مین گر گئے اور خدمت

کے لیے دوڑے (بخلاف ابلیس کے کہ اوس کی نظر صرف مادۂ طین تک رہی نور حق کے مشاہدہ سے کور رہا کما حکی اللہ تعالیٰ عنہ خلقتنی من نار و خلقتہ من طین)

این چنین آدم کہ نامش می برم	گر ستایم تا قیامت قاصرم
این ہمہ دانست و چون آمد قضا	دانش یک نہی شد بر وی عطا
کای عجب نہی از پئے تحریم بود	یا بتاویلے بد و توہیم بود
در دلش تاویل چون ترجیح یافت	طبع در حیرت سوے گندم شتافت
باغبان را خار چون در پاے رفت	دزد فرصت یافت کالا برد تفت
چون ز حیرت رست باز آمد براہ	دید بردہ دزد رخت از کارگاہ
رَبَّنَا اِنَّا ظَلَمْنَا گفت و آہ	یعنی آمد ظلمت و گم گشت راہ

ہدہد کہتا ہی کہ ایسے آدم جن کا مین ذکر کر رہا ہون (بس یہ قصہ گویا زبان ہدہد سے ہی) اور اگر قیامت تک آنکی تعریف کیا کرون تب بھی قاصر رہون اتنے بڑے بڑے علوم سے تو واقف مگر جب قضا غالب ہوئی تو ایک ہی لاتقربا ہذہ الشجرۃ کا علم اونپر پوشیدہ ہوگیا (اور دشمن کے وسوسہ سے اس تردد مین پڑگئے) کہ خدا جانے یہ نہی تحریم (مطلق) کے لیے ہی یا کسی تاویل اور ابہام سے ہی (تاویل پھیرنا کلام کا ظاہری معنی سے۔ ابہام متبادر ہونا معنی قریب کا اور مراد لینا معنی بعید کا) ف اس تاویل کی تقریر مین، لوگون کے اقوال مختلف اس حقیر کے خیال مین جو بے تکلف تاویل آتی ہی جس سے نہ کوئی لفظ قرآنی آبی ہی نہ ذوقِ سلیم کے خلاف ہی نہ کسی قانون شرعی و عقلی کے مخالف ہی وہ یہ ہی کہ ہر حکم امر ہو یا نہی کبھی مطلق و موبد ہوتا ہے۔ کبھی مقید و معلل کسی علت کے ساتھ اور قسم ثانی اوس قید یا علت کے ارتفاع سے مرتفع ہوجاتی ہی مثلاً کسی لڑکے کو منع کرین کہ دیکھو اس گھوڑے پر سوار مت ہونا اور قرائن سے معلوم ہوجاوے کہ بوجہ شوخ ہونے گھوڑے کے ممانعت ہوئی ہی سو گو الفاظ اس نہی کے مطلق ہین مگر قرائن سے مقید ہونا معلوم ہی اس صورت مین اگر یہ لڑکا شہسواری مین خوب مشق بہم پہونچاوے کہ گھوڑے کی شوخی کا تدارک کرسکے تو ہرگز اس حالت مین وہ نہی باقی نہین رہتی اسیطرح خلاصہ لغزش حضرت آدم علیہ السلام کا سمجھیے کہ اونکو یہ وسوسہ ہوگیا کہ گو لاتقربا نہی مطلق ہی مگر واقع مین یہ معلل ہی ایک علت کے ساتھ اور وہ علت یہ ہی کہ اس شجرہ کی خاصیت ہی کہ اسکو کھا کر فرشتہ بنجاتا ہی یا خالد ہوجاتا ہی اور وقت نہی کے دونون امر بوجہ ضعف استعداد کے آپکے مناسب تھے اب بکثرتِ ذکر و فیضان انوار و اسرار سے اسکی صلاحیت پیدا ہوگیئی ہی اس لیے ارتفاع علت سے وہ نہی معلول بھی مرتفع ہوگئی حضرت آدم علیہ السلام کو ملائکہ کے بعض جزئی فضائل حاصل کرنے کی طمع ہوگئی) غرض اُن کے دل مین جب تاویل کو ترجیح ہوگئی تو حیرت مین (اور تردد مین تو پہلے ہی وسوسہ سے مبتلا ہوگئے تھے) اُسمین کچھ تامل نہ فرمایا اور طبیعت گندم کیطرف دوڑ پڑی اس قصہ کی ایسی مثال ہوگئی جیسے کوئی باغبان ہو اور اُسکے پانون مین کانٹا چبھ جاوے وہ بیچارہ تو کانٹا نکالنے مین رہے

ذوق لطیف [illegible] ۱۲

اور چور صاحب فرصت پاکر اسباب لیکر چلتے ہون (اسی طرح باغبان علم الٰہی یعنی حضرت آدم علیہ السلام کے قلب مین خار وسوسہ لگا وہ اوسکی تفتیش مین لگے دزد (ابلیس) اسنے متاع تقوی وثبات آدم کو غارت کردیا) جب اُس حیرت و تردد سے پھر راہ (حقیقت شناسی) پر آگئے (اور سوچا کہ نہی تو لفظاً ومعناً مطلق ہی) اوسوقت معلوم ہوا کہ چور سب اسباب کارخانہ سے لے بھاگا (یعنی کارخانۂ قلب سے متاع صبر وعزم کو زائل کردیا) اُس وقت آہ آہ کرکے ربنا ظلمنا کہنا شروع کیا جسکا حاصل مطلب یہ تھا کہ (ہماری سمجھ پر) ظلمت آگئی (اور عقل پر پردہ پڑگیا) اور راہ (حقیقت شناسی) گم ہوگیا

ف (ظاہر طرزِ کلام سے معلوم ہوتا ہی کہ مولانا نے ظلمنا کو ظلم سے مشتق نہین کیا کہ اس مین نسبت ظلم کی ہوگی حضرت آدم علیہ السلام کی طرف لازم آوے گی اور اُس مین حاجت تاویل وتکلف کی ہوگی بلکہ ظلمت سے مشتق کہا ہی اور اسپر کوئی اشکال نہین۔ حقیر کہتا ہی کہ اکثر شراح نے یون ہی سمجھا ہی لیکن اس مین اگر اشکال معنوی کم ہوگیا تو کیا ہی اشکال لفظی ایسا قوی ہوگیا کہ مرتفع ہونا اُس کا دشوار ہی کیونکہ ظلمت سے ظلم یظلم کا اشتقاق استعمال مین دیکھا نہین گیا البتہ اظلم مستعمل ہی پھر یہ کہ ظلمنا اس صورت مین لازم ہوگا اُس کا تعدیہ مفعول بہ کی طرف مشکل ہوگا۔ پھر یہ کہ معنوی اشکال بحال خود باقی رہے کیونکہ فتکونا من الظّٰلمین نص قرآنی ہی اور یہان بھی تاویلات کرنا اُن ہی اشکالات کو مستلزم ہی اسلیے یون مناسب ہی کہ ظلمنا کو تو ظلم ہی سے مشتق کہا جاوے اور انفسنا کو اُس کا مفعول بہ قرار دیا جاوے اور ترجمہ یہ ہو کہ ہمنے اپنے نفسون پر ظلم کیا اور اس مصرعہ یعنی سہ آمد ظلمت الخ کو علت اس ظلم نفس کی کہی جاوے یعنی یہ ظلم نفس بایں وجہ صادر ہوا کہ سہ آمد ظلمت الخ اور اوس اشکال معنوی کا جواب یہ ہی کہ ظلم کے معنے وضع الشیٔ فی غیر محلہ ہی سو یہ خلاف اولی اور خطاے اجتہادی تک کو شامل ہی اور حضرت آدم علیہ السلام سے یہ اجتہادی خطا ہوئی۔ رہ گیا عتاب تو وہ عدم تامل ہوا کہ اگر تامل کرتے تو حقیقت کو سمجھ جاتے۔

تحقیق ترجمہ ربنا ظلمنا وتوجیہ نسبت ظلم بآدم علیہ السلام ووجہ عتاب بر خطائے اجتہادی۔

این قضا ابرے بود خورشید پوش	شیر و اژدرہا شود زو ہمچو موش
من اگر دامے نہ بینم گاہ حکم	من نہ تنہا جاہلم در راہ حکم
اے خنک آن کو نکوکاری گرفت	زور را بگذاشت او زاری گرفت
گر قضا پوشد سیہ ہمچون شبت	ہم قضا دستت بگیرد عاقبت
گر قضا صد بار قصد جان کند	ہم قضا جانت دہد درمان کند
این قضا صد بار گر راہت زند	بر فراز چرخ خرگاہت زند
از کرم دان اینکہ مے ترساندت	تا بملک ایمنی بنشاندت
این سخن پایان ندارد گشت دیر	گوش کن تو قصۂ خرگوش و شیر

(حضرت آدم علیہ السلام کا قصہ بیان کرکے بطور نتیجہ کے فرماتے ہین کہ) اس قضا کی ایسی مثال ہی جیسے کوئی ابر ہو کہ خورشید کو پوشیدہ کرلے (اسی طرح لہ یعنی کہ مثل خورشید کے روشن اور نمایان تھا غلبۂ قضا سے مشتبہ

ہوجاتا ہی اور قضا ایسی چیز ہی کہ بڑے بڑے شیر اور اژدہے اوسکے روبرو موش کے برابر ہوجاتے ہین (اب پھر مدعا
کہتا ہی کہ اگر مین حکم قضا کے وقت دام تدبیر نہ دیکھ سکون تو کچھ عجب نہین کیونکہ راہ قضا مین صرف مین ہی تنہا نادان
نہین بنا ہون (بلکہ بڑے بڑے دانا نادان بن گئے ہین جب آدمی اسطرح مغلوب قضا ہی تو) خوش حال وہ شخص ہی
جس نے نیک اعمال اختیار کیے (کہ عبدیت ہی) اور زور کو چھوڑ کر زاری اختیار کرلی (یہ ترک زور و اختیار زاری
امور تکوینیہ مین بھی ہوسکتی ہی اور امور تشریعیہ مین بھی۔ امور تکوینیہ مین تو یہ کہ جو بلا و مصیبت نازل ہو اوسکے
دفع مین اپنی تدبیر پر اعتماد نکرے بلکہ تدبیر کے ساتھ زاری و رجوع الی اللہ ضرور ہی اور امور تشریعیہ مین یہ کہ
اگر قضارا کوئی معصیت سرزد ہوجاوے تو زوری کی باتین نہ کرے کہ ہماری کیا خطا ہماری تقدیر مین یون ہی لکھا
تھا بلکہ عجز و زاری سے توبہ و استغفار کرے کہ اسمین امید عفو بھی ہی بخلاف بے باکی و گستاخی کے کہ دوسرا گناہ اور
درج فہرست اعمال ہوتا ہی اگر قضاے الٰہی تجھ پر کوئی بلا مثل شب سیاہ کے مسلط کردے تو (اُس سے بھاگ مت
کہ حقتعالی کی شکایت کرنے لگے اور غیر اللہ سے التجا کرے اور غیر مشروع تدبیرونکا سہارا پکڑے بلکہ اللہ تعالی ہی
کیطرف رجوع کر کیونکہ) انجام کار قضا ہی تیری دستگیری کریگی (یہان بھی بلا مین دو تون احتمال ہین تکوینی و تشریعی اور
تقریر اُسکے قریب ہی جیسے اوپر گذرا) اگر قضا سو بار تیری جان کا قصد کرے تو یاد رکھو کہ قضا ہی جان بخشی کریگی
اور وہی درمان کریگی (اسمین بھی وہی دونون احتمال ہین۔ اور تشریعی کے احتمال مین دستگیری اور درمان سے
مراد توفیق توبہ ہی) یہ قضا اگر سَو بار تیری رہزنی کرے تو بھی بلندی چرخ پر تیرا خیمہ نصب کریگی (اگر تکوینی ہے رہزنی
مراد ہو تو مطلب ظاہر ہی اِنَّ مَعَ العُسرِ یُسرًا اور نیز بلیات سے رفع درجات ہوتا ہی جیسا کہ احادیث مین ہی اور اگر
تشریعی لیا جاوے تو گناہ کا سرزد ہوجانا مراد ہی اور دوسرے مصرعہ کے معنے یہ ہونگے کہ توفیق توبہ کی دیکر
درجات علیا عطا فرمائے جاوینگے اِس صورت مین مقصود بشارت دینا ہی اہل ذنوب کو کہ توبہ کرنے کی
نیت محض اسوجہ سے ضعیف نہ کردین کہ ہمارے گناہ کثرت سے ہین اُنکے عفو کی کیا امید ہی بلکہ امیدوار بنین
اور توبہ کرلین کہ ضرور قبول ہوتی ہی) یہ بھی قضا کا کرم سمجھو کہ تم کو اپنے سے خوف دلاتی ہی (اور اس تخویف کے سبب قضا
سے تنفر یا فرار مت کرو) کیونکہ اُس کا مقصود تخویف سے یہ ہی کہ تمکو ملک امن مین (اطمینان سے) بٹھلادے (کیونکہ
جب ڈروگے تو معاصی سے بچوگے اور اطاعت و عبدیت اختیار کروگے اور یہی سبب ہی امن دائمی کا قال
اللہ تعالی اِنَّ الَّذِیْنَ یَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَیْبِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ اَجْرٌ کَبِیْرٌ۔ اب پھر قصہ کی طرف رجوع
فرماتے ہین کہ) اس مضمون غلبۂ قضا کا تو کہین پایان نہین ہے قصہ مین دیر بہت ہوگئی ہی اسلیے اب شیر و خرگوش کا قصہ سُننا چاہیے۔

پا واپس کشیدن خرگوش از شیر چون نزدیک چاہ رسید

شیر با خرگوش چون ہمراہ شد
پُر غضب پُر کینہ و بدخواہ شد

بود پیشا پیش خرگوش دلیر — ناگهان پا را کشید از پیش شیر
چونکہ نزد چاہ آمد شیر دید — کز رہ آن خرگوش ماند و پا کشید
گفت پا وا پس کشیدی تو چرا — پاے را واپس مکش پیش اندر آ
گفت کو پایم کہ دست و پاے رفت — جان من لرزید و دل از جاے رفت
رنگ رویم را نمے بینی چو زر — ز اندرون خود میدہد رنگم خبر

یعنی شیر خرگوش کے ساتھ غضب وکینہ مین بھرا ہوا چلا اور وہ خرگوش آگے آگے جا رہا تھا دفعۃً چلتے چلتے رک گیا یعنی جب اوس کنوین کے نزدیک پہونچا تو شیر نے دیکھا کہ وہ خرگوش چلنے سے رک گیا پوچھا کہ تو نے پیچھے کو پاؤن کیون ہٹایا ایسا مت کر آگے کو چل خرگوش بولا کہ میرا پاؤن ہی کہان رہا (جسکو تم ہٹاؤن یا ہٹاؤن) ہاتھ پاؤن سب بیکار ہو گئے اور جان مین لرزہ پڑ رہا ہی اور دل قابو مین نہین تم میرے چہرہ کا رنگ نہین دیکھتے کہ زرد پڑ گیا ہی باطنی حالت (خوف کی) خود رنگ سے معلوم ہو سکتی ہی۔

حق چو سیما را معرف خواندہ است — چشم عارف سوے سیما ماندہ است
رنگ و بو غماز آمد چون جرس — از فرس آگہ کند بانگ فرس
بانگ ہر چیزے رساند زو خبر — تا شناسی بانگ خر از بانگ در
گفت پیغمبر بہ تمییز کسان — مرء مخفی لدے طی اللسان
رنگ رو از حال دل دارد نشان — رحمتم کن مہر من در دل نشان
رنگ روے سرخ دارد بانگ شکر — رنگ روے زرد دارد صبر و نکر

(یہ انتقال ہی مضمون ارشادی کیطرف بمناسبت مضمون ز اندرون خود میدہد رنگم خبر کے) فرماتے ہین کہ حق تعالی نے چونکہ (کئی آیات مین) سیما کو یعنی علامات ظاہری کو معرف (یعنی ذریعۂ شناخت) فرمایا ہو (جیسے تعرفہم بسیماہم وغیرہا) اس لیے عارف کی نظر سیما کی جانب رہتی ہی (اِن علامات سے مراد وہ ہیئت ہی جو اثر صفت باطنی وطاعت ومعصیت کا ہی اور ادراک اوس کا فراست صحیحہ سے ہوتا ہی بس نہ مطلقاً ہر علامت مراد ہی کیونکہ بہتیرے اچھے لوگ ظاہرًا خستہ وحقیر وبدشکل ہوتے ہین۔ اور بہتیرے برے آدمی ظاہرًا چکنے چپڑے حسین وجمیل ہوتے ہین۔ اور نہ ہر شخص کا ادراک معتبر ہی کیونکہ المرء یقیس علی نفسہ بکثرت واقع ہوتا ہی اسی لیے وارد ہی اتقوا فراسۃ المومن فانہ ینظر بنور اللہ پس عارف کی نظر ایسے سیما کی طرف ہوتی ہی اور اوس کی فراست کے صحیح ہونے کے لیے خود اوس کا عارف ہونا کافی دلیل ہی) اور (ظاہری) رنگ و بو (اوسی قید کے ساتھ جو اوپر مذکور ہوئی) جرس کی طرح (جو جانور کے گلے مین لٹکا رہتا ہی) غماز (مخبر) ہی (جس طرح جرس سے معلوم ہو جاتا ہی کہ کوئی جانور آ رہا ہی) چنانچہ گھوڑے کی آواز گھوڑے کا پتہ جتلا دیتی ہی (کہ یہان گھوڑا ہی اور اسی کی کیا تخصیص ہی) ہر چیز کی آواز اوس کی خبر دیتی ہی حتی کہ آواز خر اور آواز در مین تمیز کر لیتے ہو (کہ یہ خر

بول رہا ہی یا کوئی دروازہ بند ہوا ہی چنانچہ پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم نے مختلف لوگون مین تمیز کر لینے کے لیے ارشاد فرمایا ہی المرء مخبوٴ تحت لسانہ لا فی طیلسانہ یعنی آدمی پوشیدہ ہوتا ہی اپنی زبان کی تہ مین نہ طیلسان یعنی لباس فاخرہ کے اندر مطلب یہ کہ لباس پر نظر مت کرو کیسا ہی گفتگو مین غور کرو کہ کس قسم کی ہی جیسا سعدیؒ کا قول ہی ؎ تا مرد سخن نگفتہ باشد ✽ عیب و ہنرش نہفتہ باشد ✽ تو اس حدیث سے بھی سیما کے معرف ہونے کی تائید ہوئی مگر اس قول کا حدیث ہونا میری نظر سے نہین گذرا۔ پھر زبان خرگوش سے کہا جاتا ہی کہ) رنگ رخ حال دل کی علامت ہی مجھ پر رحم کیجیے اور میری مہر والفت کو دل مین جگہ دیجیے (اور رنگ رو کا علامت حال دل ہونا اسطرح ہی کہ دیکھو) اگر چہرہ کا رنگ سرخ ہو تو یہ ندائے شکر ہی دکیونکہ دل مین کسی نعمت کی خوشی ہوتی ہی تو رنگ چہرہ کا ارغوانی ہو جاتا ہی اسطرح اگر زرد رنگ ہو تو صبر وکراہت وناخوشی کی علامت ہی دکیونکہ غم مین چہرہ کا رنگ زرد ہو جاتا ہی۔

ف عجب نہین کہ مقصود مولانا کا ان اشعار سے اسپر تنبیہ فرمانا ہو کہ ہر چند کہ محض ظاہر پر کسی حکم کا مدار نہین جیسا ظاہر پرستونکا برتاؤ ہی لیکن ظاہر بالکل بیکار بھی نہین جیسے بعض مدعیان باطن کا دعوی ہی کہ میان باطن درست ہونا چاہیے ظاہری نماز وروزہ وتقوی وطہارت مین کیا رکھا ہی اور اسی دھوکہ مین بہتیرے نادان بے شرع فقیرون کے دام مین پھنس جاتے ہین ان اشعار مین اس کا رد ہی تقریر اسکی یہ ہی کہ جو صفت انسان کے باطن مین ہوتی ہی ظاہر مین ضرور اس کا اثر پہونچتا ہی پس اگر ان لوگون کے قلب مین محبت وخشیت وذکر اللہ تعالی کا راسخ ہی تو ظاہری اعمال ان سے کیون نہین سرزد ہوتے غرض صلاح باطن کیلیے تو صلاح ظاہر لازم ہی اور اسکا عکس ضروری نہین اسلیے قابل اعتقاد وہ شخص ہوا کہ ظاہر وباطن اس کا دونون آراستہ ہون اگر ظاہر خراب ہو تب تو فوراً ترک کرنا چاہیے اور اگر ظاہر درست ہی تو فوراً اعتقاد نہ کرنا چاہیے تا وقتیکہ فراست صحیحہ وتتبع غائر سے معلوم نہ کر لے کہ اس ظاہر کا منشا امر باطنی ہی یا محض رنگ وروغن ہی طالب عاقل نشست وبرخاست وطرز کلام سے اسکو بخوبی معلوم کر سکتا ہی ان اشعار مین اس کی طرف بھی اشارہ ہی اسی لیے چشم عارف کی تخصیص کی ہی۔

در من آمد آنکہ دست و پا برد ✽ رنگ رو و قوت و سیما برد

آنکہ در ہر چہ در آید بشکنند ✽ ہر درخت از بیخ و بن او بر کند

در من آمد آنکہ از وے گشت مات ✽ آدمی و جانور جامد نبات

این خود اجزا اند کلیات ازو ✽ زرد کردہ رنگ و فاسد کردہ بو

تا جہان گہ صابر ست و گہ شکور ✽ بوستان گہ حلیہ پوشد گاہ عور

(خرگوش اپنے تغیر لون واضمحلال کی علت بیان کرتا ہی کہ) میرے اندر ایک ایسی چیز آگئی جو دست وپا سکو بیکار کر دے اور رنگ رو اور قوت وسیما (اصلی) کو زائل کر دے (وہ چیز تاثیر قضا یعنی حکم خداوندی کی تاثیر ہی جسنے دل مین خوف ہلاکت کا پیدا کر دیا اور اس سے یہ حالت ہو گئی آگے دور تک اسی تاثیر قضا کا ذکر ہی جس سے مختلف اشیاء مین مختلف تغیرات پیدا ہوئے یہ خوف بھی اسی کا ایک اثر ہی اسی طرح ہر محل مین مختلف

اثر ہی مگر اثر قضا ان سب مین امر مشترک ہی کیونکہ اِن تغیرات متنوعہ کا اثر قضا ہونا ظاہر و داخل عقائد ہی چنانچہ اگلی تفصیل فرماتے ہین کہ) وہ (تاثیر قضا) ایسی چیز ہی کہ جس چیز کے اندر آجاوے اُسی کو شکستہ و ریختہ کر دے اور سب درختون کو بیخ و بُن سے اکھاڑ ڈالے میرے اندر ایسی چیز آگئی ہی کہ اوس سے سب مغلوب ہو رہے ہین انسان و حیوانات و جمادات و نباتات (یہ تینون اخیر موالید ثلاثہ کہلاتے ہین اور مرکبات عنصریہ اِن ہی مین منحصر ہین اور انسان بھی حیوانات مین داخل ہی کیونکہ حیوان جاندار کو کہتے ہین نہ صرف جانور کو) اور ان موالید ثلثہ بیچارون کی کیا حقیقت ہی) یہ تو خود اجزا (یعنی فرع) ہین۔ خود کلیات (یعنی انکے اصول) کی (کہ عناصر اربعہ و اجرام علویہ ہین) یہ کیفیت ہی) یہ تو خود اجزا (یعنی اونکا رنگ زرد (یعنی متغیر) ہی اور بو فاسد ہو رہی ہی (کیونکہ عناصر کا تغیر کون و فساد رائحہ سے ظاہر ہی کہ تاثیر قضا سے ہی اور جاننا چاہیے کہ یہان اجزا اور کلیات سے مراد معنی اصطلاحی منطقی نہین کیونکہ اُس اصطلاح کے اعتبار سے نہ موالید ثلثہ عناصر کے اجزا ہین اور نہ عناصر موالید ثلثہ کلیات ہین بلکہ موالید ثلاثہ تو کل ہین اور عناصر اُن کے اجزا ہین اور کلیات نہ یہ ہین نہ وہ ہین بلکہ مراد اجزا و کلیات مجازاً فروع و اصول ہین جیسا ہمنے تفسیر کی ہی اور مرکبات کا بسائط کے لیے فرع ہونا ظاہر ہی پس اسمین کوئی اشکال نہین اور یہ بھی ہوسکتا ہی کہ جزو سے اصطلاحی معنی مراد لیے جاوین پس توجیہ اُسکی یہ ہوگی کہ درخت مثلاً مشتمل ہے چار عنصر پر اور چارون عنصرون مین سے جتنا جتنا اوسمین موجود ہی وہ جزو ہی تمام کرون کا پس مجموعۂ اجزاء اربعہ درخت ہے وہ بھی جزو ٹھہرا مجموعہ چارون کرون کا۔ اور اصول کو ہمنے عام لے لیا کہ عناصر تو باعتبار اجزاء ہونے کے اصل ہین اور اجرام علویہ باعتبار موثر ہونیکے اصل ہین وجہ اوس عام لینے کی یہ ہی کہ مولانا نے آگے تفصیل کلیات مین اجرام علویہ کو بھی ذکر فرمایا ہی۔ اور جاننا چاہیے کہ یہ عناصر اربعہ امہات کہلاتے ہین اور اجرام علویہ آبا کیونکہ اجرام علویہ کے اختلاف حرکات سے عناصر مین مختلف آثار پیدا ہوتے ہین اور ان ہی آثار کا نتیجہ ہی مختلف ترکیبات کا حاصل ہونا ان عناصر سے اور اُن مین مختلف احوال کا پیدا ہونا اور اسی لیے مرکبات موالید ثلاثہ کہلاتے ہین چنانچہ اسی اختلاف احوال کو بطور تفریع کے فرماتے ہین کہ) اسی تغیر اصول کیوجہ سے (کہ آبا و امہات موالید ثلاثہ کے ہین) اس جہان کی یہ حالت ہی کہ کبھی صابر ہی کبھی شاکر (یعنی کبھی بارونق و زینت ہی اور کبھی ویران و تباہ مجازاً صابر و شاکر کہدیا) چنانچہ باغ ہی ہی کہ کبھی حلہ پہن لیتا ہی (یعنی بہار مین برگ و بار سے مزین ہوتا ہی) اور کبھی برہنہ ہوجاتا ہی (یعنی خزان مین بے برگ ہوجاتا ہی)۔

آفتابے کو بر آید نار گون	ساعتے دیگر شود او سرنگون
اختران تافتہ بر چار طاق	لحظہ لحظہ مبتلاے احتراق
ماہ کو افزود ز اختر در جمال	شد ز رنج دق او ہمچون ہلال

نارگون انار رنگ۔ چار طاق خیمہ مراد فلک۔ احتراق سوختن مراد پنہان شدن نورش زیر شعاع آفتاب دق مرضِ معروف مراد کاستن۔ یہان سے بیان ہی تغیر اصول کا سو اول آبا (یعنی اجرام علویہ) کا بیان کرتے ہین

آفتاب (ہی کو دیکھو) کس طرح چمکتا دمکتا نکلتا ہی پھر دوسرے وقت مین (جب ڈھل جاتا ہی) کس طرح سرنگون (مائل بہ پستی) ہو جاتا ہی (حتی کہ غروب ہو جاتا ہی) یہ کتنا بڑا تغیر ہی اسی طرح (ستارون کو دیکھو کہ فلک پر کس طرح چمکتے ہین پھر وقتاً فوقتاً مبتلاے احتراق ہو جاتے ہین (یا تو آفتاب نکلتے وقت یا جب ایک کو دوسرے سے کسوف واقع ہوتا ہی) چاند جو حسن و جمال مین (جبکہ پورا ہوتا ہی) ستارون سے بھی بڑھا ہوا ہی وہ مرض دق سے ہلال بنجاتا ہی (یہ سب تغیرات تاثیر قضا ہی سے واقع ہوتے ہین۔)

این زمین با سکون و با ادب ... اندر آرد زلزلہ‌اش در لرز و تب

اے بسا کہ زین بلاے ناگہان ... گشتہ است اندر زمین چون ریگ آن

اے بسا کہ زین بلاے مُردہ ریگ ... گشتہ است اندر جہان او خردہ ریگ

این ہوا با روح آمد مُقترن ... چون قضا آید وبا گشت و عفن

آب خوش کو روح را ہمشیرہ شد ... در غدیرے زرد و تلخ و تیرہ شد

آتشے کو باد دارد در برودت ... ہم یکے بادے برو خواند یموت

خاک کو شد مایۂ گل در بہار ... ناگہان بادے در آرد زو دمار

حال دریا ز اضطراب جوش او ... فہم کن تبدیلہاے ہوش او

(مردہ ریگ چیزے کہ از مردہ باز ماندہ یعنی میراث چونکہ میراث را بے اختیاری لازم باشد مراد مطلق اضطراری ست خردہ ریگ ریزہ ریزہ۔ روح بالضم جان و بالفتح راحت۔ باد در برودت تکبر یموت یعنی می میرد۔ دمار بالفتح ہلاکی ان اشعار مین بیان ہی تغیر امہات یعنی عناصر کا پس فرماتے ہین کہ) اس زمین کو دیکھو جو بڑی سکون و ادب والی ہی (ادب سے مراد سکون ہی مجازاً) اوسکو زلزلہ کس طرح تپ و لرزہ مین مبتلا کر دیتا ہی (اور سکون زائل کر دیتا ہی سو یہ کتنا بڑا تغیر ہی اور اوسی قضاے الٰہی کا اثر ہی) اسی طرح بہت سے پہاڑ (کہ ایک جزو عنصر زمین کا ہی) اس بلاے ناگہانی سے زمین کے اندر ایسے ہو گئے ہین جیسے زمین کا ریگ یعنی بہت سے پہاڑ اس بلاے بے درمان سے دنیا مین (شکستہ ہو کر) ریزہ ریزہ ہو گئے ہین (جیسے کوہ آتش فشان مین آگ لگ جانے کیوجہ سے اجزاء جبل سوختہ ہو کر خاکستر بن جاتے ہین اور بلاے ناگہانی و بے درمان سے مراد اثر قضا ہی) اسیطرح اس ہوا کو دیکھو کہ اس روح سے کسقدر اقتران ہی (کہ آلات تنفس کے ذریعہ سے قلب مین پہونچکر روح کو حیات بخشتی ہی یا یون کہا جاوے کہ یہ ہوا راحت کے ساتھ کس درجہ قرین ہی کہ راحت ہوا کے ساتھ ساتھ ہی (اُسی حیات بخشی کی وجہ سے) مگر جب قضا آتی ہی تو یہی ہوا سبب وبا اور متعفن ہو جاتی ہی۔ اچھا پانی کو لو کتنی اچھی چیز ہی اور روح (حیات) کے ساتھ تو گویا لازم و ملزوم ہے کما قال اللہ تعالیٰ وجعلنا من الماء کل شیء حی) مگر تالاب مین اسکو بعض اوقات دیکھو کیسا زرد اور تلخ اور تیرہ ہو جاتا ہی۔ اب آگ کو لو کیسی تعلی کرتی ہی مگر ہوا کا ایک جھونکا آیا کہ فنا ہو گئی (چنانچہ چراغ کا ہوا سے گل ہو جانا مشاہدہ کیا جاتا ہی) پس چارون عنصرون کا حال معلوم ہو گیا آگے اسی مضمون کا تتمہ ہے کہ) خاک کو دیکھو کہ (مثل کوہ کے یہ بھی

عنصر زمین کا ایک جز دہی اور بہار مین پھول پھلواری کا خزانہ تھی دفعۃً ایک ہوائے خزانی ایسی چلی کہ اوسکی رونق کو تباہ کر دیا اسی طرح دریا کو جو بجائے خود ایک کرۂ عنصری ہے اور اوسکی حالت تموج سے اوسکے ہوش و حواس کے باختہ اور مبدل ہونے کو سمجھو تبدیل ہوش سے مطلق تغیر مراد ہی مجازاً و تشبیہاً)

چرخ سرگردان کہ اندر جست و جوست	حال او چون حال فرزندان اوست
گہ حضیض و گہ میانہ گاہ اوج	اندر و از سعد و نحسے فوج فوج
گہ شرف گاہے صعود و گہ فرح	گہ وبال و گہ ہبوط و گہ ترح

(اہل ہیئت میگویند کہ سبعۂ سیارہ بر دائرہ حرکت میکنند کہ مرکز این دائرہ نقطہ است فوق مرکز فلک الافلاک کہ مرکز ارض است و برین دائرہ یک نقطہ ابعد ست از مرکز فلک الافلاک و یک نقطہ اقرب ست از و نقطہ ابعد را اوج نامند و نقطۂ اقرب را حضیض و دو نقطہ اند بر محیط آن دائرہ کہ بعد آن ہر دو از مرکز عالم مساوی ست بہ بعد آن ہر دو نقطہ از مرکز آن دائرہ و این ہر دو نقطہ را ابعاد وسط گویند کہ در شعر بالا بہ میانہ تعبیر کردہ شد شرف بلندی نزد اہل تنجیم ہر برجی کوکبے خاص را خانۂ شرف ست چنانچہ برج حمل خانۂ شرف آفتاب ست صعود بر بالا رفتن فرح شادی و اہل تنجیم ہر برجی را خانۂ فرح کوکبے خاص قرار دادہ اند چنانچہ حمل خانہ فرح عطارد ست۔ وبال سختی و دشواری در اصطلاح اہل تنجیم در آمدن کوکب در برج مقابل خانۂ خود یعنی در برج ہفتم از ان خانہ چنانچہ اسد خانۂ آفتاب بمناسبت حرارت مزاج آفتاب واسد پس دلو کہ ہفتم اوست خانۂ وبال او بود۔ و ہبوط فرود آمدن و نقصان شدن و در اصطلاح نجوم عبارت ست از در آمدن کوکب در برج مقابل برج شرف کہ ہفتم او باشد چنانکہ در میزان ہبوط آفتاب بود کہ ہفتم حمل ست ترح ضد فرح و نزد نجومیان ترح ہر کوکبے در ہفتم خانہ فرح وے باشد چنانکہ ترح عطارد در میزان بود کہ ہفتم حمل ست این اصطلاحات ہیئت از بحر العلوم و اصطلاحات نجوم از الشیخ ولی محمد منقول ست مے گویم پس ترح و فرح متقابل ست و ہبوط و شرف متقابل پس صعود کہ تفسیرش مذکور نیست شاید کہ متقابل وبال باشد پس معنی صعود آمدن کوکب در برج کہ خانۂ خود باشد چنانچہ آمدن آفتاب در اسد۔ چونکہ اوپر اجرام علویہ یعنی صرف کواکب کا بیان فرمایا ہے یہان فلک کا بیان کرتے ہین اور بطور دلیل انی کے اوسکے تغیر پر موالید ثلاثہ سے استدلال کرتے ہین کہ) یہ چرخ جو حرکت سے ایسا سرگردان پھرتا ہی جیسے کوئی شخص کسی شی کو تلاش کرتا پھرتا ہو اسکی حالت تغیر بھی اسکی اولاد (موالید ثلاثہ) کی طرح ہے (کہ ان کے تغیر سے معلوم ہوتا ہے کہ اصل مین بھی تغیر ہوتا ہوگا ورنہ یہ آثار مختلفہ اوسکی حالت واحدہ سے پیدا نہوتے کیونکہ تغیر مسبب بدون تغیر سبب ممکن نہین) اور اوس فلک کا تغیر یہی ہے کہ اوسکی حرکت سے کبھی نقطۂ حضیض پیدا ہوتا ہی کبھی بعد اوسط کبھی اوج اور اوس فلک کے اندر سعد و نحس کواکب کی فوج کی فوج بھری ہی پھر اون کواکب کو کبھی حالت شرف کی حاصل ہوتی ہی کبھی صعود کی کبھی فرح کی کبھی وبال کی۔ کبھی ہبوط کی۔ کبھی ترح کی (مولانا نے اس مضمون کو محض شعرا کے طور پر اصطلاحات مذکورہ پر تمثیلاً مبنی فرمایا ہے اس سے امور مذکورہ کا حق ہونا لازم نہین آتا)

از خود ای جزوی ز کلها مختلط — فهم میکن حالتِ هر منبسط
چون نصیب مهتران درد ست و رنج — کهتران را کے تواند بود گنج
چونکه کلیات را رنج ست و درد — جزو ایشان چون نباشد روی زرد
خاصّہ جزوے کو ز اضداد ست جمع — ز آب و خاک و آتش و باد ست جمع

یہ اشعار بطور نتیجۂ اشعار سابقہ کے ہین اور ان مین استدلال ہی تغیر فرع متاثر سے تغیر اصل موثر اور تغیر موثر سے تغیر متاثر پر جسکو اصطلاح مین دلیل انی اور لمی کہتے ہین) حاصل یہ ہے کہ اے شخص تو جو ایک جزو (یعنی فرع) بہت سے کلون سے (یعنی اصول سے کہ عناصر ہین مخلوط (یعنی مرکب) ہے تو اپنی حالت تغیر سے اپنے تمام بسائط کی حالت (جن سے تو مرکب ہی سمجھ لے (کہ اسیطرح اُنمین تغیر ہو گا یہ استدلال اوّل ہی (پس جب راوپر ثابت ہو گیا کہ) سرداروں (یعنی اصول) کے حصہ مین درد و رنج (یعنی تغیر) ہے تو تابعین (یعنی فروع) کو کب خزانہ (سلامتی وعافیت) میسر ہو سکتا ہے (چونکہ اوپر مہتر و کہتر کا لفظ مجمل تھا اس لیے شرح فرماتے ہین) یعنی جب کلیات (اصول) کو رنج و درد حاصل ہے تو اون کا جزو (تابع مرکب) کیونکر زرد رو (یعنی متغیر) نہو گا (یہ استدلال ثانی ہے اور یون تو سب ہی مرکبات مین تغیر و تبدل واقع ہونا ضروری ہے مگر) خصوصًا ایسے جزو (یعنی مرکب) مین تو تغیر بہت ہی لازمی ہے جو بہت سے اضداد سے جمع ہو یعنی آب و خاک۔ و آتش۔ و باد سب سے جمع ہو (وجہ یہ کہ اضداد مین تغیر افتراق کی خود قابلیت زیادہ ہے کیونکہ وہ مقتضی ہین عدم اجتماع کو مراد اس سے انسان ہی جیسا آگے قرینہ موجود ہی ع جنگ اضداد ست عمر جاودان۔ کیونکہ بعد مرگ کے حیات ابدی اقسام مذکورہ موالید ثلاثہ مین سے صرف انسان کے لیے ثابت ہی اور چونکہ اقسام مذکورہ مین جن مذکور نہین ہین اسلیے اس تخصیص سے جن کی ابدیت کی نفی لازم نہین آتی اور ہر چند کہ اکثر مرکبات ان سب اضداد اربعہ سے مرکب ہین مگر انسان مین اون سے یہ امر زائد ہے کہ اسمین علاوہ ان اجزاء اربعہ کے کہ عالم خلق سے ہین اور اجزاء عالم امر کے بھی جو لطائف کہلاتے ہین داخل ترکیب ہین چنانچہ مصرعۂ مذکورہ مین جنگ اضداد کو عمر جاودان فرمانے سے اسطرف اشارہ بھی فرمادیا ہے کیونکہ محض ان اضداد اربعہ کا افتراق تو عمر جاودان کو مستلزم نہین یہ افتراق تو غیر انسان مین بھی پایا جاتا ہی حالانکہ ابدیت حاصل نہین پس یہ قرینہ ہے کہ اضداد مین لطائف کو بھی لے رکھا ہے پس اسقدر اضداد سے مرکب ہونا خاصۂ انسانی ٹھہرا پس ہمارا دعوی کہ اس سے مراد انسان ہے ثابت ہو گیا اور اگر کسی کو یہ شبہہ ہو کہ جمع بین الاضداد تو محال عقلی ہے پھر واقع کیسے ہوا جواب یہ ہے کہ اجتماع محال اجتماع فی الصدق ہے نہ اجتماع فی التحقق یعنے ایک شے پر دونون صادق نہین آسکتے مثلاً کوئی شے سفید بھی ہو سیاہ بھی ہو اور اگر دونون معًا متحقق ہو جاوین تو محال نہین مثلاً کپڑے مین ایک دھاری سیاہ ہو ایک سفید ممکن بلکہ واقع ہے تو مرکب مین اجتماع اضداد اسی قبیل سے ہے کہ اُس مین اجزاء مختلفہ متحقق ہین اور پھر بھی ایک جزو پر دوسرا جزو صادق نہین آتا)

این عجب نبود که میش از گرگ جست / این عجب که میش دل در گرگ بست

زندگانی آشتی دشمنان / مرگ دار فتن بااصل خویش دان

صلح دشمن دار باشد عاریت / دل بسوے جنگ تازد عاقبت

زندگانی زآشتی ضدہاست / مرگ آنکہ در میان شان جنگ خاست

صلح اضداد است عمر این جہان / جنگ اضداد است عمر جاودان

روزکے چند از براے مصلحت / باضدا اندر وفا و مرحمت

عاقبت ہریک بجوہر بازگشت / ہریکے با جنس خود ابناز گشت

لطف باری این پلنگ و رنگ را / الف داد و برد زیشان جنگ را

لطف حق این شیر را و گور را / الف داد است این دو ضد را در وفا

چون جہان رنجور و زندانی بود / چہ عجب رنجور گر فانی بود

خواند بر شیر او ازین رو پندہا / گفت من پس ماندہ ام زین بندہا

دشمن وار دشمن دارندہ دیگرے چنانکہ دوستدار جوہر اصل۔ رنگ بزکوہی الف بالکسر الفت سابق متعارفین
بیان ہے اس جمع اضداد مذکورۂ بالا کے عجیب اور عارضی ہونے کا اور اس سے زندگانی دنیا کے ناپایدار
ہونے پر استدلال کرنے کا پس فرماتے ہین کہ اسکا تو تعجب نہین ہوتا کہ میش گرگ سے بھاگ نکلے یہ البتہ عجیب
ہے کہ میش گرگ سے دلبستگی کرنے لگے دیکھنے اضداد کا متفرق ہونا عجیب نہین مجتمع ہونا عجیب ہی اور حقیقت زندگانی
دنیا کی ان اضداد کی صلح اور جمعیت ہے اور موت کی حقیقت یہ ہے کہ سب اضداد اپنے اپنے اصول مین جا ملین
(یہ اوس استدلال کا ایک مقدمہ ہے) اور ظاہر ہی کہ دشمنون کی صلح محض عاریتی و عارضی ہوتی ہی اور انجام کار
پھر مخالفت اور مفارقت ہی کی طرف میلان ہوتا ہی (یہ دوسرا مقدمہ ہوا اس استدلال کا پس دونون مقدمون
سے نتیجہ نکلا کہ زندگانی دنیا محض بے بقا و عارضی ہے آگے ان ہی مقدمات اور نتیجہ کی تفصیل و تصریح ہے
دکہا زندگانی صرف صلح اضداد کی بدولت ہے اور موت یہی ہے کہ ان مین اختلاف وافتراق ہو جاوے
پس اس دنیا مین جو عمر ہے وہ تو صلح اضداد کا نام ہے اور عمر باقی (جو بعد موت ہوگی) جنگ اضداد کا نام
ہے (جو حقیقت موت کی ہی) اب ان اضداد مین جو عناصر ہین اونکی جنگ تو یہ ہے کہ اون مین جو
اتصال و تماس حاصل ہی یہ جاتا رہے ہر ایک اپنے کرہ مین مل جاوے اور جو لطائف ہین اُنکی جنگ
ان عناصر سے یہ ہی کہ اُن کا تعلق اس جسم عنصری سے نرہے چنانچہ بعد مرگ یہی ہوتا ہے مگر یہ افتراق
عمر جاودانی کی شرط ہے کہ اوس سے ایکبار تقدیم ضروری ہے اوسکے لیے لازم دائم نہین کیونکہ یہ یقینی
ہے کہ حشر مین پھر یہ افتراق زائل ہوکر سب اضداد مین بدستور اجتماع ہو جاویگا (چندروز کیواسطے مصلحت
کے لیے (یہ اضداد اپنے اضداد کے ساتھ تعاون مہربانی مین لگ رہے ہین اخیر کو ہر ایک اپنی اپنی اصل کی طرف

ٹوٹ جاویگا اور اپنے جنس (یعنی نوع) کے ساتھ شامل ہوجاویگا محض لطفِ الٰہی نے ان اضداد کو کہ متضاد ہو نہین مثل پلنگ اور بز کو ہی سے این الفت دیدی ہے اور ان سے اختلاف کو رفع کر دیا ہے اور اسی لطفِ الٰہی نے اس شیر و گور خر کو (یعنی اضداد کو) صفت وفاداری مین اجتماع دیدیا ہے (یہ سب تحقیق ہے مقدمات کی پس جب (تقریر بالا سے معلوم ہوا کہ) یہ جہان زنجیر (یعنی متغیر) اور محبوس (یعنی محکوم قضا) ہی تو اگر زنجیر رم جاوے تو تعجب کی کیا بات ہی (یعنی اس عالم کا فنا ہو جانا کچھ بعید نہین اور جب شارع نے اُسکے وقوع کی خبر دیدی تو وہ غیر بعید متحقق اور ثابت ہو گیا یہ مضمون نتیجہ ہے اون مقدمات کا اور عجب نہین کہ مقصود مولانا کا ان تمام تغیرات کے بیان کرنے سے اسی زوال و فنا کا ثابت کرنا ہو تاکہ طالب حق اس فانی سے تعلق نہ بڑھاوے اور ان حوادث سے محدث کی طرف متوجہ ہو کر اوسکی طلب مین سرگرم ہو اب پھر قصہ کی طرف رجوع کرتے ہین کہ) اوس خرگوش نے اسی قبیل کے بہت سے مضامین (خطبہ) شیر کے روبرو بیان کیے اور کہا کہ مین ایسے ہی موانع کی وجہ سے (کہ جن سے تمام اجزاء عالم متغیر و مغلوب ہو رہے ہین پیچھے کو رہا جاتا ہون (اور آگے نہین بڑھ سکتا)

پرسیدنِ شیر از سبب پا واپس کشیدن خرگوش

شیر گفتش تو ز اسبابِ مرض	این سبب گو خاص کاینستم غرض
پاے را واپس کشیدی تو چرا	مید ہی بازیچہ اے داہی مرا
گفت آن شیر اندرین چہ ساکن ست	اندرین قلعہ ز آفات ایمن ست
یار من بستد ز من در چاہ برد	بر گرفتش از رہ و بیراہ برد

(غرض مقصود در داہی بدال مہملہ زیرک و چالاک) یعنی شیر نے کہا کہ (تو نے ابتک مجملاً بتلایا ہے کہ میرے اندر کوئی اثر عظیم آ گیا مگر اُسکی تعیین نہین کی کہ وہ کیا ہے تو اب) اپنے مرض (خوف) کے اسباب (مختلفہ) مین سے وہ خاص سبب بتلا کہ میرا مقصود اُسکا دریافت کرنا ہے (تو بتلا) تو نے پاؤن کو پیچھے کیون ہٹایا اے مکار تو مجھکو چکمہ دیتا ہی خرگوش نے کہا کہ (وہ خاص سبب یہ ہے کہ) وہ شیر (جس کا مین نے تم سے بیان کیا تھا) اس کنوین کے اندر رہتا ہی اور اوس قلعہ مین تمام آفات سے بیفکر ہے میرے یار کو (کہ خرگوش تھا) مجھ سے چھین کر اس کنوین مین جا رکھا ہے اور رستہ سے اوسکو اوچک بے رستہ لے گیا (کہ وہان جانے کا رستہ ہی نہین ہے)

قعرِ چہ بگزید ہر کو عاقل ست	زانکہ در خلوت صفاہاے دل ست
ظلمتِ چہ بہ کہ ظلمتہاے خلق	سر نہ برد آنکس کہ گیرد پاے خلق

یہ (استقبال ہے بمناسبت ذکر چاہ کے فضیلتِ خلوت کیطرف) (یعنی جو عاقل ہے وہ قعر چاہ کو (اپنے رہنے کے لیے) اختیار کریگا کیونکہ خلوت مین قلب کو خوب صفائی حاصل ہوتی ہے (اور اگر ظلمتِ چاہ ناگوار ہو تو یہ سمجھو کہ ظلمت خلق سے (جو کہ اُن کے ساتھ اختلاط کرنے سے قلب مین پیدا ہوتی ہے) ظلمت چاہ بہتر ہے (اس لیے

ظلمتِ چاہ کو گوارا کرنا چاہیے، جو شخص لوگون کے پانُون پکڑتا پھریگا (یعنی تحصیل اغراض کیلیے اُنسے اختلاط کریگا اور اونکی خوشامد کریگا) اُسکا سر سلامت نرہیگا (یعنی حیات معنوی اوسکی برباد ہوجاویگی)

ف قول فیصل باب خلوت مین یہ ہے کہ جس شخص کی کوئی ضروری حاجت دینی یا دنیوی نہ دوسرون سے متعلق ہو نہ دوسرون کی کوئی ایسی ہی حاجت اس شخص سے متعلق ہو اُسکے لیے خلوت جائز بلکہ افضل ہے خصوصًا ایام فتن و شرور مین یا جبکہ مخالطت کے خلجانات و تشویشات اور ایذاؤن پر صبر کرنیکی توقع و ہمت نہو احادیث مین جو ترغیب خلوت کی آئی ہے وہ ایسی ہی حالت مین ہے جیسے حدیث مین ہے ورجل معتزل فی شعف جبل لہ غنیمۃ یودی حقہا ویعبد اللہ او کما قال اور جس شخص کو دوسرے سے یا تو کوئی حاجت ضروری ہو خواہ دنیوی ہو جیسے تحصیل نفقہ عیال جبکہ توکل پر قادر نہو خواہ دینی ہو مثل تحصیل علوم ضروریہ اُسکے لیے خلوت جائز نہین اسیطرح اگر اسکے ساتھ خلائق کی حاجات دنیویہ یا دینیہ متعلق ہون تو بھی خلوت جائز نہین اور بعض احادیث سے جو نہی خلوت کی مفہوم ہوتی ہے وہ محمول ایسی ہی دونون حالتون پر ہے جیسے حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ تعالے عنہ کو تبتل سے منع فرمایا گیا کہ اوسوقت اُن کو بھی تحصیل علوم دین کی حاجت تھی ادھر مسلمانون کو بھی اونکی طرف دینی حاجت تھی بالخصوص اعلاء کلمۃ اللہ و ترقی اسلام مین بہت بڑی ضرورت تھی یہ تفصیل تو اس خلوت مین ہے جسکو بطریق عادت دائمی کے اپنے لیے تجویز و اختیار کرے ایک خلوت چند روزہ ہے جسکی ضرورت اسوقت مبتدی سلوک کے لیے واقع ہوتی ہے اور صحابہ کو اسکی حاجت نہ تھی وجہ یہ کہ مقصود اصلی تو تحصیل نسبت قلبیہ مع اللہ ہے اور وہ بدون یکسوئی قلب کے میسر نہین ہوتی پس صحابہ کو بوجہ وسعت ظرف کے مشاغل جلوت اس یکسوئی سے مانع نہ تھے کما قال تعالیٰ لا تلہیہم تجارۃ ولا بیع عن ذکر اللہ ۔ اور ہم لوگون کے ظرف اسقدر وسیع نہین لہذا جب تک تعلقات جلوت کی تقلیل نہ کی جاوے اُسوقت تک یکسوئی جو موقوف علیہ تحصیل نسبت کا ہے حاصل نہین ہوتی اس لیے اسکی ضرورت چند روز کے لیے ہوتی ہے حتی کہ جب ملکہ یادداشت راسخ ہوجاوے پھر اسی تفصیل مذکور مین یہ شخص بھی داخل ہوجاتا ہے مولانا کے یہ اشعار زیادہ تر مبتدی سلوک کی حالت پر چسپان ہین بقرینہ اس قول کے ؎ زانکہ در خلوت صفاہاے دل ست ۔ کیونکہ خلوت بغرض تصفیہ قلب مبتدی ہی کو اختیار کرنا پڑتی ہے بخلاف اور طبقات کے کہ اُنکے اغراض و مقاصد دوسرے ہوتے ہین مثل اجتناب فتن وغیرہا۔

گفت پیش آ زخم او را قاہرست ۔ تو ببین کان شیر در چہ حاضرست
گفت من سوزیدہ ام زان آتشی ۔ تو مگر اندر بر خویشم کشی
تا بہ پشت تو من اے کانِ کرم ۔ چشم بکشایم بچہ در بنگرم

یعنی شیر نے کہا کہ (تو درست، بیدھڑک آگے چلا آ ذرا یہ دیکھ لے کہ کنوین مین موجود بھی ہے پھر دیکھنا کہ میرے زخم سے ابھی اوسکا کام تمام ہوا جاتا ہے خرگوش نے کہا کہ مین اوس آتشی مزاج شیر سے خود ہی (مارے ہیبت کے) خاکستر ہوا جاتا ہون بھلا میری ہمت کہان کہ آگے بڑھ کر اوسکو دیکھون ہان اگر تم

مجھکو اپنی بغل مین لے لو تو آپکی تقویت پر آنکھ کھولکر کنوین مین دیکھ سکتا ہون۔

نظر کردن شیر در چاه و دیدن عکس خود را و عکس آن خرگوش را

چونکه شیر اندر بر خویشش کشید — در پناهِ شیر تا چه مے دوید
چونکه در چه بنگریدند اندر آب — اندر آب از شیر و او در تافت تاب
شیر عکس خویش دید از آب تفت — شکل شیرے فربه و خرگوش زفت
چونکه خصم خویش را در آب دید — مر ورا بگذاشت اندر چه جهید
در فتاد اندر چہے کو کنده بود — زانکه ظلمش بر سرش آینده بود

(تاب عکس تفت تستاب۔ زفت فربہ یعنی جب شیر نے اوسکو بغل مین لے لیا تو وہ شیر کی حفاظت مین ہوکر کنوئین کی طرف چلا اور جب دونون نے کنوئین مین جھانک کر دیکھا تو پانی مین شیر کا اور اوس خرگوش کا عکس پڑا شیر نے معًا پانی کے اندر دیکھا کہ ایک تو بڑا بھاری شیر ہے اور ایک موٹا سا خرگوش ہے (اور واقع مین ان ہی دونون کا عکس تھا) جون ہی شیر نے (اپنے خیال مین) اپنے حریف مقابل کو پانی مین دیکھا بس خرگوش کو تو الگ پھینکا اور وھم سے کنوئین کے اندر کود پڑا (خرگوش کو اسی لیے پھینک دیا ہوگا کہ ایک خرگوش کو تو وہ کنوئین والا شیر لے چکا ہو اب یہی بچا ہی اُس شیر کا کام تمام کر کے اُس خرگوش کو غذا بناؤن گا) مولانا فرماتے ہین کہ اس شیر نے جو کنوان ظلم کا (اوروں کے لیے یعنی نخچیرون کے لیے) کھودا تھا وہ شیر اُسی کنوئین مین جا گرا کیونکہ اسکا ظلم خود اُس کے سر پر آنے والا تھا۔ (چونکہ وقوع چاہ کا سبب اسکا ظلم تھا اسلیے اس حسی کنوین کو اوس چاہ معنوی کا عین مجازًا قرار دیدیا گیا اور باوجودیکہ شیر حیوان غیر مکلف ہے پھر اوسکے فعل کو ظلم کہنا باعتبار واقع کے نہین بلکہ اُن نخچیرون کے اعتبار سے ہے یعنی اُنکے حق مین تو اُس فعل کا اثر مثل اثر ظلم کے تھا پس یہ ظلم اضافی ہے نہ حقیقی)

چاه مظلم گشت ظلم ظالمان — این چنین گفتند جمله عالمان
هر که ظالم تر چهش با هول تر — عدل فرمودست بدتر را بتر
اے که تو از ظلم چاہے مے کنی — از براے خویش دامے می تنی
بر ضعیفان گر تو ظلمے مے کنی — دان که اندر قعر چاهِ بے بنی
گرد خود چون کرم پیله بر متن — بهر خود چه مے کنی اندازه کن
مر ضعیفان را تو بے خصمی مدان — از نُبی اذا جاء نصر الله بخوان
گر تو پیلے خصم تو از تو رمید — نک جزا طیرا ابابیلت رسید
گر ضعیفے در زمین خواهد امان — غلغل افتد در سپاهِ آسمان
گر بدندانش گزی پر خون کنے — درد دندانت بگیرد چون کنے

دبے بن بے نہایت۔ بنے بضم نون وکسر بار ویاے مجہول قرآن بباے فارسی ہم آمدہ وبکسر اول نیز گفتہ اند واما لہ نبار
نیست زیراکہ ہمزہ اللام حائل نگردد۔ یا انتقال ہے طرف وعظ کے بمناسبت ذکر چاہ کے یعنی ظالمون کا ظلم چاہ تاریک
ہوجاتا ہے (یعنی سبب ہوتا ہے اس قسم کی ہولناک جزا کا) تمام اہل علم نے اسیطرح فرمایا ہی اور جسقدر کسی کا ظلم زیادہ
ہوگا اوسکا چاہ ہولناک زیادہ ہوگا کیونکہ صفت عدل الٰہی تو فعل بدتر کے لیے جزاے بدتر ہی تجویز فرماتی ہی پس
تو جو ظلم کا کنوان کھود رہا ہے واقع مین اپنے ہی لیے جال بچھا رہا ہے تو جو ضعیفون پہ ظلم کر رہا ہی خوب سمجھ لے کر
لیے تہا گہتی کنوین کے اندر جانے کا سامان کر رہا ہے۔ تو اپنے گرد کرم ابریشم کی طرح کیون تار لپیٹ رہا ہے (ریشم کے کیڑے
کا قاعدہ ہے کہ اپنا لعاب کہ یاوہ ابریشم ہے نکال نکال کر اپنے اوپر لپیٹتا جاتا ہے یہان تک کہ اوسمین مرجاتا ہے
مطلب مصرعہ کا یہ ہوا کہ (یعنی ہلاکت کی کیون کوشش کر رہا ہے) واقع مین اپنے لیے کنوان کھود رہا ہے تو اندازہ سے
کھود (یعنی جسقدر سزا کا تحمل کرسکو اوتنا ظلم کرو) اور ظاہر ہے کہ سزا کا بالکل تحمل نہین ہوسکتا پس مطلب یہ ہوا کہ ظلم
بالکل مت کرو) اور ضعیفون کو یون نہ سمجھو کہ ان کی طرف سے کوئی مقابلہ کرنے والا نہین ہے (بلکہ اللہ تعالی اونکا
ناصر ہے) اور قرآن مجید مین اذا جاء نصر اللہ پڑھکر دیکھ لو (کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی باوجود ضعف ظاہری
وبے سامانی کے اللہ تعالی نے اہل مکہ جیسے اقویار کے مقابلہ مین کسطرح نصرت فرمائی جسکا اس آیت مین ذکر ہے)
اگر (بالفرض) تو (قوت مین) ہاتھی کے برابر ہوا اور تیرا مقابل (ضعیف) تجھسے بھاگ ہی گیا تو کیا ہوا، فوراً
سزا مین طیرًا ابابیل تیرے سرپر پہونچ جاوے گا (یعنی جس طرح اصحاب الفیل طیرًا ابابیل یعنی پرندون کی جماعت
سے ہلاک کیے گئے تھے تو بھی ہلاک کیا جاویگا اور ممکن ہے کہ کسی بہت ہی ضعیف وحقیر مخلوق کو تیرے ہلاک پر
مسلط کیا جاوے) جسوقت کوئی ضعیف زمین مین پناہ مانگتا ہے تو تمام جنود آسمانی (ملائکہ) مین ایک غلغلہ پڑجاتا
ہے اور اگر اوس ضعیف کو تو نے دانت سے کاٹ کر پرخون کردیا اور درد دندان مین مبتلا ہوگیا تو اسوقت کیا کریگا
(درد دندان یا تو حقیقی معنے پر محمول ہی یا مطلق تکلیف شدید مجازاً مراد ہے خلاصہ ان سب اشعار کا مذمت ہی ظلم کی

شیر خود را دید در چہ وز غلو — خویش را نشناخت آندم از عدو
نفس خود را او عدوے خویش دید — لاجرم بر خویش شمشیرے کشید

(یعنی شیر نے کنوین کے اندر اپنے کو دیکھا تھا مگر چونکہ اوسکو غیظ وغضب مین اوسوقت غلو تھا اسوجہ سے اپنے
کو اپنے دشمن سے تمیز نہ کرسکا کہ کنوین مین خود میری شکل ہے یا وہ خرگوش کا بتلایا ہوا شیر ہے) اوسنے اپنی
ذات کو اپنا دشمن (غلطی سے) سمجھا اسلیے اپنے ہی اوپر اوسنے تلوار چلائی (یعنی حملہ کیا)

اے بسا ظلمے کہ بینی از کسان — خوے تو باشد در ایشان اے فلان
اندر ایشان تافتہ ہستی تو — از نفاق وظلم وبدمستی تو
آن توئی وان زخم بر خود میزنی — بر خود آن ساعت تو لعنت میکنی
در خود آن بد را نمی بینی عیان — ورنہ دشمن بودۂ خود را بجان

حملہ بر خود مے کنی اے سادہ مرد همچو آن شیرے کہ بر خود حملہ کرد
چون بقعر خوے خود اندر رسی پس بدانی کز تو بود آن ناکسے
شیر را در قعر پیدا شد کہ بود نقش او آن کش دگر کس می نمود
ہر کہ دندان ضعیفے مے کند کار آن شیر غلط بین مے کند
اے بدیدہ خال بد بر روے عم عکس خال تست آن از عم مرم

دالن اشعار مین انتقال ہے شیر کے حال سے عام لوگون کے حال کی طرف کہ جسطرح شیر نے اپنی ذات کو دوسرے کی ذات سمجھا تھا اسی طرح بعضے لوگ دوسرون کے اندر صفات ذمیمہ سمجھتے ہین۔ اور درحقیقت وہ اپنے ہی اندر ہوتے ہین اور یہ امر بکثرت واقع ہوتا ہے اور اسکی دو صورتین ہوتی ہین ایک یہ کہ دوسرے مین جو عیب نظر آتا ہے وہ بعینہ اُسی کا عیب ہو جیسے کوئی شخص بخیل ہو اور وہ دوسرے کریم النفس کو دیکھے کہ کسی جگہ اوسنے خرچ مین تنگی کی تو وہ تنگی گو کسی مصلحت پر مبنی ہو مگر یہ بخیل بحکم المرء یقیس علی نفسہ اوسکو بخل ہی پر محمول کرے گا۔ اور دوسری صورت یہ ہے کہ دوسرے مین جو امر کہ واقع مین عیب نہین سو جب عیب معلوم ہوتا ہے وہ بعینہ تو اس گمان کرنیوالے مین نہین لیکن اسمین کوئی دوسرا عیب ہے اور وہ منشاء ہو گیا ہے دوسرے شخص کے غیر عیب کو عیب سمجھنے کا مثلاً کسی شخص نے براہ خیرخواہی زید کو اوسکی کسی غلطی پر آگاہ کیا اور زید نے اُسکو عناد و تحقیر پر محمول کیا اور اوس ناصح کو ان صفات ذمیمہ کے ساتھ موصوف سمجھا اور واقع مین اُسمین صفت عناد و تحقیر کی نہین ہے بلکہ خود زید مین عیب تکبر و نخوت کا ہے جو منشاء اور سبب ہو گیا ہے ناصح کی حق گوئی کو عناد سمجھ جانے کا یا مثلاً کسی حاکم عادل کو اقامت حدود کرتے دیکھا اور اُسکو ظالم سمجھا جسکا منشاء اس شخص کی صفت جہل ہے مولانا کا کلام دونون صورتون پر محمول ہو سکتا ہے جسمین بعض اشعار صورت اولی پر زیادہ چسپان ہوتے ہین اور بعض صورت ثانیہ پر چنانچہ تامل سے معلوم ہو سکتا ہے پس فرماتے ہین کہ) بہت سے ظلم و ستم تم کو دوسرون کی جانب سے معلوم ہوتے ہین اور وہ واقع مین تمھاری ہی خصلت ہوتی ہے جو ان مین نظر آتی ہے اُن کے اندر تمھاری انانیت جھلک رہی ہے جسکا نام نفاق و ظلم و بدمستی ہے سو وہ عیب دار واقع مین تو ہے اور وہ زخم (سب و شتم و شکایت کا) اپنے ہی اوپر لگا رہے ہو کیونکہ جس صفت پر لعنت ملامت کا مدار سمجھتے ہو وہ تمھارے اندر ہے پس واقع مین مورد ملامت تم ہو نہ کہ وہ) اور اُسوقت اپنے ہی اوپر لعنت بھیج رہے ہو مگر اپنے اندر تمکو وہ عیب نظر نہین آتا ورنہ خود اپنے مخالف (اور اپنے سے نفرت کرنیوالے) بن جاتے اسیلوجہ سے واقع مین اپنے اوپر حملہ کر رہے ہو جسطرح اُس شیر نے اپنے اوپر حملہ کیا تھا اور جب اپنے اخلاق کی تہ مین پہنچوگے (یعنی نظر تعمق سے حقائق اخلاق کو دیکھوگے) اُسوقت جانوگے کہ واقعی یہ نالائقی میری ہی تھی جیسا شیر کو بھی کنوئین ہی کی تہ مین معلوم ہوا کہ وہ اُسی کا نقش و عکس تھا جو اُسکو دوسرا شخص دکھلائی دیا تھا اسی طرح جو شخص کسی ضعیف و غریب پر اوس کی غیر خطا کو خطا سمجھکر ظلم کرتا ہے وہ اُسی شیر غلط بین کا سا عمل کرتا ہی کہ ظاہرا دوسرے کو مزید

پہونچا تا تھا اور وہ مضرت اسی پر پڑی اسی طرح ظاہر مین یہ شخص دوسرے کو تکلیف دیتا ہے مگر اسکا انجام خود اسکو بھگتنا پڑے گا، حاصل یہ کہ تم جو دوسرے مسلمان کے چہرہ پر بدنما خال دیکھ رہے ہو وہ حقیقت مین تمھارے خال کا عکس ہے اُس مسلمان سے نفرت مت کرو چونکہ سب مسلمان بھائی ہین تو وہ دوسرا مسلمان چونکہ اس مخاطب کے مسلمان باپ کا بھی بھائی ہوگا اس لیے اوسکو لفظ عم سے تعبیر کیا اور خال وعم مین جو صنعت لفظی ہے مخفی نہین ۔

مومنان آئینهٔ یکدیگر اند	این خبر را از پیمبر آورند
پیش چشمت داشتی شیشهٔ کبود	زان سبب عالم کبودت می نمود
گر نہ کوری این کبودی دان ز خویش	خویش را بد گو مگو کس را تو بیش
مومن ار ینظر بنور اللہ نبود	عیب مومن را برہنہ چون نمود
چونکہ تو ینظر بنار اللہ بدے	در بدی از نیکوئی غافل شدے
اندک اندک آب بر آتش بزن	تا شود نار تو نور اے بوالحزن

(ابوالحزن صاحب غم محض برلے بیت ۔ اوپر بیان تھا کہ جو شخص دوسرے مین عیب بتلاوے وہ اوسی کا عیب ہے تا ہے اس سے شبہہ ہو سکتا تھا کہ کاملین بھی تو طالبین کے عیوب نفس پر یا مصلحین عوام کے عیوب قولی وفعلی پر اطلاع دیا کرتے ہین تو لازم آتا ہے کہ وہ عیوب بھی خود اون کاملین ومصلحین کے ہونگے جیسا ہماری نسبت اوپر کہا گیا ہے مولانا اس شبہہ کو دفع کرتے ہین اور مخاطب بالا اور اہل کمال مین فرق بیان کرتے ہین خلاصہ اس فرق کا یہ ہے کہ تمھاری نظر تو نفسانی ہے جسمین غلط بینی ہوتی ہے اور کاملین کی نظر ایمانی ہے اور اسمین غلطی نہین ہوتی اور نظر ایمانی سے مراد یہی کہ اسمین اپنی کوئی ذاتی غرض یا تعصب یا جہل یا غیظ وغضب نہ ہو محض براہ شفقت دوسرے شخص کی حالت کی جانچ کی ہو۔ اور نظر نفسانی وہ جسکا منشا امور مذکورہ سے کوئی امر ہو پس ارشاد فرماتے ہین کہ اہل ایمان باہم ایک دوسرے کے آئینہ ہین (کہ آئینہ کیطرح اظہار عیب کردیتے ہین) اور اس روایت کو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے نقل کرتے ہین (کیونکہ حدیث ہے المؤمن مرآۃ المؤمن) مطلب یہ کہ لفظ مومن کے عنوان سے حدیث مین تعبیر کرنا دلالت کرتا ہے کہ حیثیت ایمان سے جو ارادہ واظہار ہوگا وہ معتبر ومعتد بہ ہے) اور تم نے چونکہ اپنی چشم عقل کے روبرو نیلی عینک لگا رکھی ہے اس سبب سے تمام عالم تمکو نیلا نظر آتا ہے (یعنی تم نے سادگی ایمان سے دوسرے کے حالات مین نظر نہین کی بلکہ اس نظر اور اوس منظور الیہ کے درمیان خود تمھاری کوئی صفت ذمیمہ مثل جہل وعناد وغیرہ حائل ہے اسلیے دوسرے عیب دار نظر آتے ہین جیسے کوئی شخص نیلی عینک لگا کر دیکھے تو سب چیزین نیلگون نظر آوین گی پس تم مین اور اہل کمال مین یہ فرق نکلا، اگر تم کور باطن نہو تو اوس کبودی کو (یعنی صفت ذمیمہ کو جو منشا ہو گیا دوسرون کو عیب دار سمجھنے کا) اپنے ہی اندر سمجھو اور اپنے آپ کو برا کہو کسی دوسرے کو برا مت کہو (بخلاف مومن کے جو نظر ایمانی سے دیکھتا ہے کہ اُس کا دیکھنا صحیح ہے کیونکہ) اگر مومن ینظر بنور اللہ کا مصداق نہ ہوتا (جیسا حدیث مین ہے اتقوا فراسۃ المؤمن فانہ ینظر بنور اللہ یعنی مومن کی فراست سے ڈرنا چاہیے وہ بیشک اللہ کے نور سے دیکھتا ہے اور

اللہ کے نور سے مراد وہی نظر ایمانی ہے غرض اگر وہ ناظر بنور اللہ نہوتا) تو دوسرے مومن کے عیوب کو صاف صاف کیونکر دکھلا دیتا (کہ وہ واقع کے بھی مطابق ہوتا ہے) اور تم مصداق ہو ینظر بنار اللہ کے (نار اللہ سے مراد صفات نفسانی ہین کیونکہ وہ سبب ہین نار کا مجازاً اونکو نار کہدیا کما فی قولہ تعالیٰ یاکلون فی بطونھم ناراً غرض چونکہ تم صفات نفسانی سے نظر کرتے ہو) اس لیے دوسرون کی بدی دیکھنے مین ایسے مشغول ہوئے کہ اُس کی نیکی سے مطلق غافل ہوگئے (پس تمکو نظر صحیح کرنے کے لیے ضرورت ہے اُس نار کے بجھانے کی اُس کا طریقہ یہ ہے کہ) تھوڑا تھوڑا پانی (فیضان کاملین اہل نور کا) اس آگ پر ڈالتے رہو (یعنے کاملین کے فیوض کو وقتاً فوقتاً حاصل کرتے رہو اور اون سے علماً و عملاً مستفید ہوتے رہو) (اس وقت تمھاری نار البتہ نور ہوجاوے گا (یعنی صفات ذمیمہ مبدل بہ صفات حمیدہ ہوجاوین گے۔)

تو بزن یا ربنا آب طہور ۔ تا شود این نار عالم جملہ نور
کوہ و دریا جملہ در فرمان تست ۔ آب و آتش ای خداوند آن تست
گر تو خواہی آتش آب خوش شود ۔ ور نخواہی آب ہم آتش شود
این طلب در ما ہم از ایجاد تست ۔ رستن از بیداد یارب داد تست
بے طلب تو این طلب مان دادۂ ۔ گنج احسان بر ہمہ بکشادۂ
بے شمار و حد عطاہا دادۂ ۔ باب رحمت بر ہمہ بکشادۂ
بے طلب ہم میدہی گنج نہان ۔ رائگان بخشیدۂ جان و جہان
در عدم کے بود مارا خود طلب ۔ بے سبب کردی عطاہاے عجب
خان و بان دادی و عمر جاودان ۔ سائر نعمت کہ ناید در بیان
ہکذا النعم الی دار السلام ۔ بالنبی المصطفےٰ خیر الانام
باطلب چون ندہی اے حیّ ودود ۔ کز تو آمد جملگی جود و جود

(اوپر ترغیب تھی نار کو نور سے مبدل کرنے کی اور یہ امر بظاہر دشوار تھا اسلیے جناب حق کی طرف التجا کرتے ہین اور مقصود اشارہ ہے کہ سالک کو اپنے علم و مجاہدہ پر مغرور نہونا چاہیے بلکہ ہمیشہ جناب باری تعالیٰ سے التجا کرتا رہے پس فرماتے ہین کہ) اے پروردگار آپ آب طہور (فیض رحمت) کو چھڑک دیجیے تاکہ یہ نار عالم (صفات ذمیمہ) تمامتر نور (صفات حمیدہ) بن جاوے کیونکہ (آپ کی حکومت و قدرت ایسی وسیع و عظیم ہے کہ) کوہ و دریا سب آپ کے حکم مین ہین اور آب و آتش آپکے ملوک ہین (اسلیے آپ جو تصرف چاہین اون مین کرسکتے ہین) اگر آپ چاہین تو آتش فوراً آب خوش ہوجاوے اور اگر آپ چاہین تو آب آتش ہوجاوے بلکہ خود ہماری یہ طلب و التجا بھی آپ ہی کی پیدا کی ہوئی ہے (کہ ہمارے قلوب مین اُسکو پیدا کر دیا ہے) اور تمام ظلم و سختی سے نجات پانا یہ آپ ہی کی عطا ہے یا یون کہو کہ یہ آپ ہی کی معدلت ہے (پس لفظ داد مین دو معنی کا

احتمال ہوا ہمنے اس صفت طلب کو طلب بھی نہ کیا تھا کہ ہمکو عنایت ہو گئی (اور یہ ظاہر ہی کیونکہ اگر ہر طلب سے پہلے ایک طلب کی ضرورت ہو تو تسلسل محال لازم آتا ہے) اور تمام مخلوقات پر خزانہ احسان آپنے کھول رکھا ہے اور بیشمار و بے تعداد عطیات آپنے دیے ہین اور دروازۂ رحمت سب کے لیے کھول رکھا ہے آپ بلا طلب خزانہ مخفی بھی (یعنی خزانۂ مالی یا باطنی) دیتے ہین اور جان اور (نعمہاے) جہان سب بصفت عنایت فرماتے ہین کیونکہ حالت عدم مین ہماری طرف سے طلب کہان تھی آپنے بلا سبب (یعنی بلا طلب) عجیب عجیب عطائین دی ہین خان و مان دیا۔ عمر جاودان دی (کیونکہ روح ابدی ہے گو ازلی نہین) اور باقی سب نعمتین دین جو بیان مین بھی نہین آسکتین (کما قال اللہ تعالیٰ وَاِنْ تعدوا نعمۃ اللہ لاتحصوھا) جس طرح اب تک نعمتین دیتے رہے ہین اسی طرح دارالسلام مین داخل ہونے تک انعام دیتے رہین ببرکت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے جو خیر الخلق ہین (غرض جب بلا طلب یہ سب کچھ دیا تو طلب کرنے پر آپ کیون نہ دین گے کیونکہ تمامتر ہستی اور سخاوت (جو عالم مین ہے) سب آپ ہی کی طرف سے ہے۔

مژدہ بردن خرگوش سوے نخچیران کہ شیر در چاہ افتاد

چونکہ خرگوش از رہائی شاد گشت	سوے نخچیران روان شد تا بدشت
شیر را چون دید محو ظلم خویش	سوے قوم خود دوید او بیش بیش
شیر را چون دید کشتہ ظلم خود	می دوید او شادمان و بار شد
شیر را چون دید در چہ گشتہ از زار	چرخ مے زد شادمان تا مرغزار
دست میزد چون رہید از دست مرگ	سبز و رقصان در ہوا چون شاخ و برگ

(یعنی جب خرگوش (شیر سے) رہائی پاکر خوش ہوا تو دوسرے نخچیرون کیطرف خوش خوش اُنکے صحرا کی طرف چلا جب شیر کو دیکھا کہ اپنے جزاء ظلم مین محو و ہلاک ہو گیا اور کنوین مین زار و نزار ہو کر گر گیا تو اپنی قوم کیطرف تیز تیز شادمانی اور راستی سے کودتا اچھلتا مرغزار تک دوڑا جاتا تھا اور چونکہ موت کے ہاتھ سے بچ گیا تھا تالیان بجاتا ناچتا چلتا تھا جس طرح شاخ و برگ ہوا مین سبز و رقصان ہوتے ہین۔

شاخ و برگ از حبس خاک آزاد شد	سر بر آورد و حریف باد شد
برگہا چون شاخ را بشگافتند	تا بہ بالاے درخت اشتافتند
با زبان شطأہ شکر خدا	می سراید ہر بر و برگے جدا
بے زبان ہر بار و برگ و ثناخہا	مے ستاید شکر و تسبیح خدا
کہ بپرورد اصل ما را ذو العطا	تا درخت استغلظ آمد فاستوی

(شطأہ شاخ سبزہ کہ اول از زمین بر آید۔ استغلظ قوی شد۔ استوی استاد (در این ہر اشارہ است بآیت سورہ فتح)

کز ع اخرج شطأہ فازرہ فاستغلظ فاستوی علی سوقہ الخ اور رقص خرگوش کو رقص شاخ و برگ سے تشبیہ دی تھی اسمین مشبہ بہ کا حال بیان کرنے لگے پس فرماتے ہین کہ اونکے رقص کیوجہ یہ ہے کہ شاخ و برگ اول مجلس خاک سے آزاد ہوکر (جیسا خرگوش دست شیر سے آزاد ہوا تھا) باہر نکلے (کیونکہ پہلے تخم زمین کے اندر دفن تھا) اور ہوا کے رفیق ہوگئے (کہ جدھر ہوا چلتی ہے ادھر اُسکو بھی حرکت ہوتی ہے) پھر برگون نے شاخ کو چیرا اور بالاے درخت تک چلے (اس آزادی اور بالارسی کی وجہ سے) حالت شطأہ کی زبان سے ہر بار و برگ جدا جدا (یعنی اپنے اپنے طور پر) خدا ے تعالیٰ کا شکر ادا کر رہے ہین (تفسیر اس شکر کی اوپر کے اس شعر مین گذر چکی ہی ع کہ جہان گرہ صابر ست وگہ شکور) جسکا حاصل یہ ہے کہ شکر ہوتا ہے حالت ملائمہ للطبع مین چونکہ یہ حالت درخت کی حالت طبعی کے موافق ہے اسلیے اسکو شکر سے تعبیر کر دیا اور بلا اس متعارف زبان کے تمام پھل اور پتی اور شاخین اللہ تعالیٰ کا شکر و تسبیح کر رہے ہین کہ اللہ تعالیٰ نے جو صاحب عطا ہین ہماری اصل کو (یعنی مادہ کو جس سے یہ سب چیزین نکلین) پرورش کیا (یعنی نشو و نما دیا) یہانتک کہ درخت استغلظ کی حالت سے پھر استوی کی حالت مین آگیا (یعنی یہ وجہ ہی اُنکے شکر کی ہے)

ف مولانا کے قول سے بزبان شطأہ الخ مین ان چیزون کی تسبیح حالی کا اثبات اور سے بے زبان ہر بار الخ مین تسبیح لسانی کی نفی مذکور ہے اس سے تسبیح حقیقی کی نفی کا توہم ہو سکتا ہے مگر یہ توہم غلط ہے کیونکہ تسبیح حقیقی کے لیے لسان کی ضرورت نہین تکلم حقیقی کافی ہے سو تکلم بلا لسان بھی ممکن بلکہ واقع ہے چنانچہ احادیث مین وارد ہے کہ قرب قیامت مین بعض جمادات و نباتات مثل احجار و اشجار کلام کرینگے اور خود قیامت مین دست و پا کا کلام کرنا منصوص قرآنی ہے پس ممکن ہے کہ بلا لسان تسبیح حقیقی واقع ہو سو تسبیح لسانی کی نفی سے تسبیح حقیقی کی نفی لازم نہین آتی اسی طرح حالی کا تسبیح حقیقی کے ساتھ جمع ہونا ممکن ہی اس لیے تسبیح حالی کے اثبات سے بھی تسبیح حقیقی کی نفی لازم نہین آتی۔ یا دوسری طالب علمانہ عبارت مین یون کہا جاوے کہ تسبیح حالی و تسبیح حقیقی مین تضاد نہین کہ ایک کا وجود دوسرے کے عدم کو مستلزم ہو اور تسبیح لسانی خاص ہے اور تسبیح حقیقی عام اور خاص کی نفی سے عام کی نفی لازم نہین آتی۔

جانہاے بستہ اندر آب و گل	چون رہند از آب و گلہا شاددل
در ہواے عشق حق رقصان شوند	ہمچو قرص بدر بے نقصان شوند
جسم شان در رقص و جانہا خود مپرس	وانکہ گرد و جان از انہا خود مپرس

(اوپر بیان تھا اشجار کی رہائی کا قید خاک سے اب بطور انتقال کے بیان ہے ارواح کی رہائی کا قید تعلقات جسمانیہ سے اور یہ انتقالات ہی زیادہ مقصود ہین کیونکہ یہ کتاب جس فن مین ہے اُس فن کے مسائل نظری و عملی ان انتقالات ہی مین مذکور ہین اور باقی تو قصص ہین جن کا مقصود نہ ہونا ظاہر ہے پس فرماتے ہین کہ ارواح تو آب و گل (یعنی جسم اور اُسکے تعلقات) مین مقید ہین جب وہ آب و گل سے شاددل ہوکر رہائی پاتی ہین (یا تو اضطراری سے کہ مطلقا اونکو جسم سے بے تعلقی ہوجاتی ہے اور اس صورت مین مطلق ارواح مراد نہ ہون گی بلکہ صرف ارواح

عارفین کی تاکہ احکام آیندہ اُسکے لیے ثابت ہوسکین اور یا موت اختیاری سے یہ رہائی پاتی ہین یعنی مجاہدہ وریاضت کرکے شہوات نفس کو قطع کرتی ہین اور اُمین خاص تعلقات ذمیمہ کے اعتبار سے بے تعلقی ہوتی ہے بہرحال جب یہ بے تعلقی ورہائی ارواح کو میسر ہوتی ہے) تو ہوائے عشق حق مین اوسوقت وہ رقصان (یعنی فرحان وشادان ہوتی ہین اور قرص بدر کی طرح بے نقصان ⁖ رہاتی ہین (یعنی جسطرح بدر بالکل اپنے نور مین کامل ہوجاتا ہے اسیطرح یہ ارواح اپنے نور معرفت ومعیت مین کامل ہوجاتی ہین) اور (اس فرحت ولذت کے اثر سے) اونکا جسم تک رقصان ہونے لگتا ہے روح کو توکیا پوچھتے ہو (کہ رقص جسم جس کے رقص کا اثر ہے یعنی جسم پر اوسکی بشاشت نمایان ہوجاتی ہے چنانچہ عاقل کو اہل اللہ کے بشرہ وہیئت سے اسکا ادراک ہوتا ہے بلکہ گاہے رقص بمعنی حقیقی بھی ہونے لگتا ہے جسکو وجد کہتے ہین موت اختیاری مین توان امور کا حکم ظاہر ہے اور موت اضطراری مین یا تو جسم مثالی مراد لیلیا جاوے اسکی حرکت وسیر احادیث مین مصرح ہی جیسا شہدار کی نسبت آیا ہے کہ سبز پرندون کے قالب مین جنت مین جہان جاہین کھاتے پیتے پھرا کرتے ہین۔ اور یا اسی جسم پر بعض آثار روحانیہ کا ظاہر ہوجانا مراد لیا جاوے جیسے جسم کا اپنی اصلی حالت پر مدتون تک رہنا جیسا بکثرت اولیاء اللہ کی حکایتین منقول ہین اور یہانتک تو انکا ذکر تھا جو ہنوز مقام سلوک وطلب مین تھے جیسا لفظ عشق دلالت کررہا ہے کیونکہ اضطراب جو لازمۂ عشق ہی طلب ہی مین ہوتا ہے اور بعد وصول سکون غالب ہوجاتا ہے سو یہ آثار مذکورہ تو طالب وسالک کو نصیب ہوجاتے ہین) اور جوکہ سرتاسر جان وروح ہی بن گیا ہو اوسکا حال تو بالکل ہی مت پوچھو (یعنے جو واصل ہوگیا ہو اوسکو طالب وسالک سے زیادہ دولت ملتی ہے کہ وہان تو صرف روح کے بعض آثار جسم پر ظاہر ہوگئے تھے مگر جسم سے کوئی فعل افعال ارواح مین سے صادر نہین ہوتا تھا اور یہان جسم سے بعضے وہ افعال صادر ہونے لگتے ہین جو روح سے صادر ہوا کرتے ہین اسی اعتبار سے اسکو وانکہ جان گردد سے تعبیر کیا گیا ہے اسی کو کسی بزرگ نے اسطرح بیان کیا ہے ارواحنا اشباحنا اشباحنا ارواحنا اور اُن افعال مین سے بعضے تو از قبیل خوارق ہین جیسے بلا توسط آنکھ کے دیکھنا بلا واسطہ کان کے سننا بدون غذائے حیوانی کے مدتون تک زندہ رہنا جیسا ہزارون اولیا سے منقول ہی اور بعضے افعال عادات مین ہین جیسے اپنی صحبت اور توجہ سے طالبین کے قلوب کا تصفیہ اور ارواح کا تجلیہ کرنا اور یہ تمام واصلین وکاملین کو میسر ہے۔ یہ سب افعال ایسے ہین کہ روح مجرد ان کی فاعل ہوسکتی ہے اور اقتران مع الجسم ان کے صدور سے فی نفسہ مانع ہے کاملین مین اقتران جسم کا مانع نہونا دلیل ہے کہ جسم مین خود صفت روح کی آگئی ہے کہ وہ موانع سے نہ رہا۔

ف مین اس شعر کی شرح مین پریشان تھا کہ اگر صرف خوارق کے ساتھ تفسیر کی جاوے تو وہ لازمۂ کمال نہین جس کا ہر کامل مین پایا جانا ضروری ہو اور ظاہر مولانا کے کلام سے عموم معلوم ہوتا تھا بڑے عرصہ کے بعد اُس تربیت باطنی کا مضمون قلب پر وارد ہوا جو تمام کاملین مین عام ہے مگر شبہہ یہ تھا کہ شاید یہ وارد محض خیالی ہو اسلیے بنام خدا خود مثنوی کیطرف رجوع کیا اور بند کرکے کھولا تو اول ہی سطر مین یہ شعر نظر پڑا ع بازاستادی کہ او محورہ است ✤ جان شاگردش از دموشہ است ✤ بس اسکے دیکھتے ہی تسکین ہوگئی

لعل تفسیر مذکور کی تائید ہوگئی والحمد للہ تعالیٰ علی ذلک ولا فخر۔

شیر را خرگوش در زندان نشاند — ننگ شیرے کو ز خرگوشے بماند
در چنان ننگے و آنگہ ایں عجب — فخر دین خواہی کہ گویندت لقب
اے تو شیرے در تگ این چاہ دہر — نفس چون خرگوش چو کشتت بقہر
نفس خرگوشت بصحرا در چرا — تو بقعر این چہ چون و چرا

(یہ دوسرا انتقال ہے خرگوش کے شیر کو چاہ مین گرا دینے کے قصے سے طرف بیان حال محبوسان چاہ جہل و ضلال کے اور اتفاق سے اسکو اپنے سابق متصل مضمون سے بھی ارتباط حاصل ہے کیونکہ سابق مین بیان تھا اُن ارواح کا جو تعلقات غیر اللہ سے مجرد و منزہ ہوگئی ہین اور اسمین بیان ہے اسکے مقابل کا کہ جو ان تعلقات مین محبوس و مقید ہین اور مراد اس مخاطب سے یا تیسخان مزور ہین کذا قال مرشدی رحمہ اللہ تعالےٰ دنیا فلاسفہ ہین دیا طالبان دنیا اور شیر سے مراد روح ہے۔ اور خرگوش سے نفس فخر دین سے مطلق معظم و مکرم۔ چاہ دہر سے دنیا صحرا سے لذات و شہوات۔ چہ چون و چرا سے تدابیر ریاکاری ویا مباحث فلسفیہ ویا قیل و قال معاملات دنیا اس تفسیر کے بعد مطلب ظاہر ہے کہ روح کو نفس نے تعلقات دنیویہ مین مقید کردیا اس روح کو عار و ننگ چاہیے کہ نفس امارہ سے عاجز ہوگئی (اور اُسکا مقابلہ و مدافعت نہ کرسکی) اتنے بڑے ننگ کے اندر تو مبتلا اور پھر چاہتا ہے کہ فخر دین تجھکو لقب دیا جاوے تو اسی شیر مذکور فی القصہ کے مثل چاہ دنیا مین جا پھنسا ہے اور تیرا نفس جو مکر و شرارت مین مثل اُس خرگوش کے ہے اوس نے تجھ کو ہلاک کر ڈالا ہے اور وہ (تجھ کو ہلاک کر کے) خود لذات دنیا مین چین اوڑا رہا ہے اور تو اس چون و چرا مین مقید پڑا ہے (مقصود ظاہر ہے کہ ترغیب دینا ہے روح کو پنجہ نفس سے چھڑانے کی)۔

سوے نخچیران دوید آن شیر گیر — کابشروا یا قوم اذ جا را لبشیر
مژدہ مژدہ اے گروہ عیش ساز — کان سگ دوزخ بدوزخ رفت باز
مژدہ مژدہ کان عدوے جانہا — کند قہر خالقش دندانہا
مژدہ مژدہ کز قضا ظالم بچاہ — او فتاد از لطف و عدل بادشاہ
آنکہ از پنجہ بسے سرہا بکوفت — ہمچو خس جاروب مرگش ہم بروفت
آنکہ جز ظلمش دگر کارے نبود — آہ مظلومش گرفت و سوخت زود
گردنش بشکست و مغزش بردرید — جان ما از قید محنت وارہید

یعنی وہ شیر کا پکڑنیوالا (خرگوش) نخچیر ون کی طرف آیا اور کہا کہ لو خوش ہوجاؤ کہ تمہارے پاس خوشخبری دینے والا آیا ہے اے عیش کرنے والو (کہ آیندہ عیش کرو گے) تم کو مژدہ دیتا ہون کہ وہ سگ دوزخ دوزخ مین جا پہونچا (یعنی ہلاک ہوگیا) اور وہ جو بہت سی جانون کا دشمن تھا خدا ئیتعالی کے قہر نے اُسکے دانت اُکھاڑ دیے (یعنی اوس کا

شر دفع فرماد یا اور قضاے الٰہی سے وہ ظالم کنوین مین گر پڑا اور عدل و لطف الٰہی کا ظہور ہوگیا جس نے اپنے پنجہ سے بہت سے سر کچلے تھے خس و خاشاک کی طرح جاروب موت نے اوسکی بھی صفائی کر دی جسکا بجز ظلم کے دوسرا شغل نہ تھا آہ مظلوم نے اوسکو پکڑ لیا اور فوراً جلا پھونک دیا اوسکی گردن ٹوٹ گئی اوسکا مغز پھٹ گیا اور قید محنت و مصیبت سے ہماری جان چھوٹ گئی۔

جمع شدن نخچیران سوے خرگوش و ثنا گفتن اورا

جمع گشتند آن زمان جملہ وحوش	شاد و خندان از طرب در ذوق و جوش
حلقہ کردند او چو شمعے درمیان	سجدہ کردندش ہمہ صحرائیان
تو فرشتہ آسمانے یا پری	بلکہ عزرائیل شیران نری
ہر چہ ہستی جان ما قربان تست	دست بردی دست و بازویت درست
راند حق این آب را در جوے تو	آفرین بر دست و بر بازوے تو
باز گو تا چون سگالیدے بمکر	آن عوان را چون بمالیدے بمکر
باز گو تا قصہ درمانہا شود	باز گو تا مرہم جانہا شود
باز گو کز ظلم آن استم نما	صد ہزاران زخم دارد جان ما
باز گو آن قصہ کو شادی فزاست	روح ما را قوت و دل را جان فزاست

(دست بردن غالب آمدن۔ سگالیدن اندیشیدن۔ عوان ظالم و سرہنگ۔ قوت غذا) یعنی تمام وحوش خوب جوش و خروش مین بھرے ہوے شادان و فرحان اوسکے گرد اگرد حلقہ باندھکر جمع ہوے اور وہ شمع کی طرح درمیان مین کھڑا تھا اور سب اُسکو سجدہ کرتے تھے اور کہتے تھے کہ معلوم نہین تو آسمانی فرشتہ ہے یا جن سے (کہ ایسا عجیب کام کیا) نہین بلکہ شیران نر کے حق مین تو قابض الارواح ہے غرض جو کچھ بھی ہو ہماری جان تجھپر قربان ہے تو شیر پر غالب آیا خدا کرے تیرا دست و بازو ہمیشہ صحیح و سالم رہے اللہ تعالیٰ نے یہ پانی تیری نہر کے حصہ مین مقرر کر رکھا تھا (یعنی یہ فتح تیرے نام لکھی تھی) تیرے دست و بازو پر ہزار آفرین ہو اچھا یہ تو کہو تم نے مکر سے کیا کیا سوچا تھا اور اوس ظالم کی کیسی گوشمالی کی ضرور بیان کرو تاکہ یہ حکایت (ہمارے زخمونکا) علاج ہو جاوے (یعنی شفاء غیظ ہو) اور ہمارے دلون کا مرہم بن جاوے کیونکہ اوس ستمگر کے ظلم سے ہماری جان مین ہزارون زخم پڑ رہے ہین اس قصے کا بیان کرنا مسرت کا باعث ہوگا اور ہمارے لیے غذاء روح اور دل مین قوت بڑھانے والا ہے۔

گفت تائید خدا بود اے مہان	ورنہ خرگوشے کہ باشد در جہان
قوتم بخشید و دل را نور داد	نور دل مر دست و پا را زور داد

ار بر حق سے رسد تفضیل ہا	باز ہم از حق رسد تبدیل ہا
جملہ فضل اوست دانید این چنین	سجدہ اش از جان و دل آرید ہین

یعنی خرگوش نے جواب دیا کہ اے بزرگو یہ محض خدائے تعالیٰ کی تائید تھی ورنہ ایک بیچارے خرگوش کی حقیقت ہی کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مجھکو قوت دی اور میرے دل کو نورِ فہم دیا اوسی نور دل نے اعضا وجوارح مین زور دیا کیونکہ حرکت اعضا کی تابع تصور قلب کے ہوتی ہے یہ سب من جانب اللہ ہوتا ہے کہ ایک کو دوسرے پر غلبہ دیدیتے ہین پھر اوسی طرف سے کبھی اوسکو بدل بھی ڈالتے ہین (کہ غالب کو مغلوب کر دیا اور مغلوب کو غالب) یہ سب اون کا فضل ہے تم یقیناً یون ہی سمجھو اور جان ودل سے اون ہی کو سجدہ کرو۔

پند دادن خرگوش نخچیران را کہ بدین شاد مشوید

حق بدور و نوبت این تائید را	می نماید اہل ظن و دید را
چون بنوبت میدہند این دولتت	از چہ شد پر باد و آخر سبلتت
ہین بملک نوبتی شادی مکن	اے تو بستہ نوبت آزادی مکن
آنکہ ملکش برتر از نوبت تنند	برتر از ہفت انجمش نوبت زنند
برتر از نوبت ملوکِ باقیند	دور دائم روحہا را ساقیند
ترک این شرب ار بگوئی یکدو روز	ترکنی اندر شراب خلد پوز
یکدو روزی چہ کہ دنیا ساعتست	ہر کہ ترکش کرد اندر راحتست
معنی الترک راحت گوش کن	بعد ازان جام بقا را نوش کن
بر سگان بگذار این مردار را	خرد بشکن شیشۂ پندار را

یعنی اللہ تعالیٰ یہ غلبہ دور ونوبت سے اہل الیقین (یعنی کاملین) و اہل گمان (یعنی ناقصین) کو دکھلا دیتے ہین (یعنی کبھی کسیکی باری ہوتی ہے کبھی کسیکی چنانچہ پہلے شیر کا دور تھا اب خرگوش وغیرہ کا اسی اشارہ ہی اس آیت کیطرف وَتِلْكَ الْاَیَّامُ نُدَاوِلُهَا بَیْنَ النَّاسِ) سو ناقصین کی نظر تو صرف اس واقعہ تک ختم ہو جاتی ہے اور کاملین اس سے عبرت پکڑتے ہین اور صفت قہاری خداوندی سے ڈرتے ہین اور اپنے ظاہری یا باطنی کمالات پر مغرور نہین ہوتے اور انکے زوال سے خائف و لرزان رہتے ہین پس اس مین اشارہ ہوا کہ سالک کو مغرور نہونا چاہیے کذا قال مرشدی رحمہ اللہ تعالیٰ جب یہ دولت غلبہ کی تمکو باری سے ملی ہی تو آخر تمہارے دماغ مین یہ کبر و نخوت کیون بھر گئی ہی خبردار کبھی ایسے ملک و دولت پر جو بطور نوبت کے ملا ہو خوش مت ہونا اور جب تم بستۂ نوبت ہو تو تم آزادی مت بگھارو (اب ملک فانی کی مذمت کر کے ملک باقی کی ترغیب دیتے ہین کہ جس شخص کو ایسا ملک دیا جاوے جو نوبت سے عالی ہو یعنی فانی نہو کیونکہ نوبتی کیلیے زوال وفنا لازم ہی اور مراد ایسے شخص سے اولیا و عارفین ہین) اوسکی نوبت یعنی نقارہ ہفت اختر سے بلند بجایا جاتا ہی (ہفت اختر سے مرا

سبعہ سیارہ چونکہ اہل ہئیت نے ان کا سات آسمانون پر ہونا مشہور کیاہے لہذا یہ کنایہ ہے ہفت آسمان سے اور ہفت آسمان سے برتر ہونیکی دو توجیہین ہوسکتی ہین ایک یہ کہ انکی شہرت ملائکہ مقربین مین ہوجاتی ہی جو ہفت آسمان سے بھی اوپر رہتے ہین جیسا حدیث مین آیاہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کو محبوب بناتے ہین تو حضرت جبرئیل علیہ السلام کو ارشاد ہوتاہے کہ ہمکو فلان بندہ سے محبت ہے تم بھی اُس سے محبت کرو پھر یہ ندا فرشتگان ہفت آسمان مین مشتہر کردی جاتی ہے دوسری توجیہ یہ ہوسکتی ہے کہ ہفت آسمان تو فانی ہین اور اُنکی دولت کہ محبوبیت ومقربیت ہی باقی ہے اور باقی کا برتر ہونا فانی پر ظاہر ہے) سو جو دور و نوبت سے عالی اور منزہ ہون حقیقت مین ملوک باقی وہ لوگ ہین کہ ہمیشہ اپنی ارواح کو (شراب محبت الٰہی) پلاتے رہتے ہین (آگے بعد ترغیب دینے کے اس دولت دائمی کی تحصیل کا طریقہ بتلاتے ہین تاکہ فائدہ ترغیب کا تام ہو پس فرماتے ہین کہ) اگر دو چار روز (یعنی مدت قلیل تک) اس شراب (لذات وشہوات نفسانیہ) کو ترک کردو اُسوقت اُس شراب خلد (قرب ومحبت الٰہی) سے تمھارا دہن تر ہوجاوے (مراد اس مدت قلیل سے عمر دُنیا ہے جیسا شعر آیندہ یکدو روزے چہ الخ اسکا قرینہ ہے پس لذات وشہوات سے مُراد دنیاے حرام ومانع عن الدین ہوگی جسکا ترک کرنا فرض وواجب اور اسی کا ترک شرط ہے دولت آخرت کے حاصل ہونیکی) اور جینے جو عمر دُنیا کو یکدو روز کہدیا وہ اتنی بھی کب ہے بلکہ محض ایک ساعت ہے (یعنی نہایت ہی قلیل ہے) اور جسنے اسکو ترک کردیا وہ بڑی راحت مین ہے (یہ اشارہ ہے اس قول کی طرف (اَلدُّنْیَا سَاعَۃٌ وَتَرْکُہَا رَاحَۃٌ فَاجْعَلْہَا طَاعَۃً) تم الترک راحۃ کے معنے سنو (اور سُنکر دنیا کو ترک کردو) اسکے بعد جام بقا کو نوش کرو اور اس دنیاے مردار کو اسکے طالبین کے حصہ مین جو مشابہ سگ کے ہین چھوڑدو اس دنیا کو کہ شیشۂ پندار ہے (کہ آدمی کو اسکے حاصل ہونے سے اپنی خودی نظر آتی ہے) بالکل چور چور کرڈالو (اسمین اشارہ ہے اس قول مشہور کیطرف الدنیا جیفۃ وطالبہا کلاب) **ف** ان اشعار مین امر ہے ترک دنیا کا اور یہ مضمون بیشمار آیات وروایات مین مذکور ہے سو تحقیق اسکی یہ ہے کہ دُنیا لغۃً نام ہی نزدیک کی چیز کا اور عرفاً مطلق اس حالت کا جو موت سے پہلے ہے اور شرعاً خاص اُس حالت کا نام ہے جو مانع عن الآخرۃ ہے اور مجازاً اُن اموال وامتعہ پر اطلاق کیا جاتا ہے جو اس مانعیت کے اسباب بنجائین پس جو احوال خواہ از قسم اقوال ہون یا از قبیل افعال واعمال یا عقائد وعلوم ہون اسیطرح جو اموال کہ آخرت واجبۃ التحصیل سے مانع ہونگے وہ سب دنیاے حرام ومذموم مین داخل ہین اور اسکے مذموم ہونے مین کسیکو شبہہ نہین ہوسکتا پس ہمارے زمانہ مین جو ترقی دُنیا کی بہت کچھ غل پکار ہے گو اسمین دین کا نقصان ہی کیون نہو اون سے صرف اتنا سوال کرلینا چاہیے کہ اس دائرہ کی وسعت مین آیا وہ دنیا بھی داخل ہی جسکی تحصیل حاکم وقت کے قانون کے خلاف اور حاکم کی اطلاع پر کیجاوے یا کہ داخل نہین اگر داخل ہی تو خود بھی ڈکیتی ورہزنی کرکر اس دعوی پر شاہد لاوین اور اگر داخل نہین تو وہ دُنیا کیونکر داخل دائرہ کیجاتی ہی جو قانون حاکم حقیقی کے خلاف اور اُنکی علم واطلاع پر حاصل کیجاوے اور نیز اُنسے یہ سوال کرنا چاہیے کہ کسی غذا کو باوجود اسکے لذیذ ومرغوب ہونے کے محض

اسکے مضر ہونے کی وجہ سے آپنے کبھی ضروری سمجھکر کیون ترک کیا ہی پھر دنیاے مذمومہ کو گو وہ لذیذ و مرغوب ہو مگر مضر آخرت ہونے کی وجہ سے ترک کرنا کیون نہین ضروری سمجھتے۔

تفسیر رجعنا من الجہاد الاصغر الی الجہاد الاکبر

چونکہ اس قصہ مین ایک دشمنِ ظاہری کے ہلاک ہونے کا ذکر تھا اس سے عدوے باطنی کے ہلاک کرنے کی ضرورت کی طرف انتقال فرماتے ہین اور یہ جملہ حدیث کرکے مشہور ہی مگر مجھکو تحقیق نہین لیکن اسکا حاصل دوسری صحیح حدیثون مین بھی آیا ہی چنانچہ ایک حدیث یہ ہی کہ المجاهد من جاهد نفسه۔ ایسی ترکیب مین مبتدا فرد کامل پر محمول ہوتا ہی پس معنی حدیث کے یہ ہوے کہ بڑا مجاہد وہ شخص ہی کہ اپنے نفس پر جہاد کرے جب وہ مجاہد بڑا ہوگا یہ جہاد بھی ضرور بڑا ہوگا یہی مدلول ہی لفظ جہاد اکبر کا اور اسکا اکبر ہونا اس سے ظاہر ہی کہ جہاد ظاہری بھی شرعًا اُسیوقت صحیح ہوتا ہی جب دشمن نفس کو احکام شرعیہ کے تابع رکھا جاوے نیت مین بھی۔ حدود و افعال مین بھی تحقق شرائط مین بھی۔ ورنہ اگر نفسانی غرض و حرکت سے ہوا تو وہ معصیت ہی اور یہ تابع رکھنا جہاد اکبر تھا پس جہادِ اصغر کا جہاد بننا جہاد اکبر کے تحقق پر موقوف ہوا پھر اُسکے اکبر ہونے مین کیا شبہ ہے۔

اے شہان کشتیم ما خصمِ برون	ماند زو خصمے بتر در اندرون
کشتنِ این کار عقل و ہوش نیست	شیر باطن سخرۂ خرگوش نیست
دوزخ ست این نفس و دوزخ اژدہاست	کو بدریاہا نگردد کم و کاست
ہفت دریا را درآشامد ہنوز	کم نگردد سوزشِ آن خلق سوز
سنگہا و کافران سنگدل	اندر آیند اندرو خوار و خجل
ہم نگردد ساکن از چندین غذا	تا ز حق آید مر اورا این ندا
سیر گشتی سیر گوید نے ہنوز	اینت آتش اینت تابش اینت سوز
عالمے را لقمہ کرد و درکشید	معدہ اش نعرہ زنان ہل من مزید
حق قدم بروی نہد از لامکان	آنگہ او ساکن شود از کن فکان

واینت عجب) یعنی اے بزرگو ہمنے اپنے ظاہری دشمن کو تو ہلاک کردیا مگر ایک دشمن جو اس سے بھی بدتر اور ضرر رسان تر ہی باطن مین رہ گیا ہی (مراد اس سے نفس ہی جیسا کہا گیا ہی اعدی عدوك التی بین جنبیك) اس دشمن باطنی کا ہلاک کرنا (یعنی اسکی صفات ذمیمہ کا زائل کرنا جسکو تزکیہ کہتے ہین) محض عقل و ہوشیاری کا کام نہین کیونکہ یہ شیر باطن خرگوش کے قابو کا نہین ہی (جیسا وہ شیر خرگوش کے داؤ مین آگیا تھا یہ شیر باطن ایسا نہین اور خرگوش سے مراد عقل استدلالی جو تہذیب نفس کے لیے کافی نہین کیونکہ اس بیچاری عقل کو اول تو خود بہت غلطیان تعیین حسن و قبح مین واقع ہوتی ہین اور جس جگہ صحیح بھی سمجھ گئی ہو مگر ہمت وکف نفس تو اُسکا کام نہین کیونکہ عقل مین قوت علمیہ ہی نہ قوت عملیہ اس لیے وہ کافی نہین آگے نفس کے شہوات و غلبات کے سکون کا دشوار ہونا ہے ایک مثال کے

فرماتے ہین کہ) اس نفس کی مثال دوزخ کی سی ہے اور دوزخ (کا حال یہ ہو کہ وہ) گویا ایک بڑا اژدہا ہے جو سیکڑون دریا پی جاوے اور اسکی تشنگی کم نہو چنانچہ دوزخ ساتون دریا کو پی جاویگی (یعنی خلق کثیر اسمین جاویگی کہ کثرت مین ہفت دریا کے برابر ہوگی لفظ سکون کی وجہ سے لفظ دریا مناسب ہوا) اور پھر بھی اس خلق سو ز کی سوزش کم نہو گی اور پتھر اور کفار اسمین زار و خجل ہو کر ڈالے جاوینگے مگر باوجود اتنی غذا کے اسکو سکون نہو گا یہان تک کہ حق جل شانہ اسکو ندا دینگے کہ تو سیر بھی ہوئی وہ عرض کریگی کہ ابھی نہین سیر ہوئی اللہ اکبر یہ آتش یہ تابش یہ سوزش کہ ایک عالم کو نوالہ بنا کر نگل گئی اور پھر اسکا معدہ ہو کہ ھل من مزید کا نعرہ لگا رہا ہو (یہ مضمون قرآن مجید مین تصریحاً مذکور ہے) آخر حق جل و علا شانہ لامکان سے اسپر اپنا قدم رکھینگے اس وقت جا کر اسکو سکون ہوگا گویا اسکو حکم ہوا کہ کن ساکنا یعنی ساکن ہو جا فکان ساکنا یعنی پس ساکن ہو گئی (یہ مضمون حدیث مین ہو واما النار فلا تمتلی حتی یضع اللہ قدمہ فتقول قط قط یہ حدیث متشابہات سے ہو زیادہ تفتیش موجب خطر ہو اور یہ جو فرمایا ہو از لامکان اس سے کوئی یون نہ سمجھے کہ لامکان کوئی مقام ہو اللہ تعالی کے رہنے کا بلکہ لامکان نقیض ہے مکان کی اور مقصود اس سے نفی کرنا ہے مکان کی حق تعالی سے جیسا کہ عقیدہ ہو اہل حق کا)۔

چونکہ جزو دوزخ ست این نفس ما	طبع کل دارد ہمیشہ جزوہا
این قدم حق را بود کورا کشد	غیر حق خود کہ کمان او کشد
در کمان ننہند الا تیر راست	این کمان را باژگون کژ تیرہاست
راست شو چون تیر و وارہ از کمان	کز کمان ہر راست بجہد بیگمان

(اوپر نفس کو دوزخ سے تشبیہ دی تھی اور دوزخ کا حال بیان کیا تھا اب نفس مشبہ کے بیان حال کی طرف رجوع کرتے ہین کہ) چونکہ ہمارا نفس بھی دوزخ کا ایک جزو ہو اسلیے ضروری بات ہے کہ اجزا مین ہمیشہ خاصیت اور طبیعت کل کی ہوتی ہے (دوزخ چونکہ نفس ذمیمہ کا مرجع ہو اسلیے تشبیہاً دوزخ کو اسکا کل اور اسکو دوزخ کا جزو قرار دیدیا کیونکہ کل بھی مرجع ہوتا ہو جزو کا اور اسی مرجعیت کے اعتبار سے قرآن مجید مین دوزخ کو ام فرمایا ہو اس آیت مین فامہ ھاویۃ اور مناسبت کا ہونا راجع و مرجع مین یقینی ہے) حاصل یہ کہ اس مناسبت کی وجہ سے نفس مین بھی مثل دوزخ کے یہ خاصیت ہو کہ اسکو قناعت و سیری نہین ہوتی اور جس طرح دوزخ کو قدم حق سے سکون ہوا تھا اسی طرح نفس کے لیے بھی قدم حق یعنی فضل خداوندی و جذبہ عشق الہی کی ضرورت ہو کیونکہ) یہ خاصیت قدم حق تعالی ہی مین ہو کہ اس نفس کو (اسکے صفات ذمیمہ سے) کشتہ کرے (اور اسکو تقاضائے شہوت سے سکون دے) بجز حق تعالی کے دوسرا ایسا کون ہو جو اسکی کمان کو کھینچے (اس شعر مین اور اسکے بعد والے دو شعرون مین نفس کو کمان کہا گیا ہو تو سمجھنا چاہیے کہ کمان مین تین صفتین ہین اول دشواری سے کھینچنا اور تکلف سے اس کا استعمال کرنا۔ دوسرے اس سے تیرون کا چھوٹنا اور نکلنا تیسرے اس مین جو تیر چھوڑنے کے لیے رکھا جاتا ہے اس کا راست ہونا سو ان تینون شعرون مین اسکو ایک ایک صفت کے اعتبار سے

کمان سے تشبیہ دی ہے پس اس شعر مین تو نفس کو باعتبار صفتِ اولی کے کمان سے تشبیہ دی ہے کہ اس سے کام لینا اور اُسکو قابو مین لانا اللہ تعالی ہی کا کام ہے وہ تائید فرماوین تو اُس سے کام لیا جا سکتا ہے ورنہ کیسی کے قابو مین نہین آتا اور دوسرے شعر مین دوسری صفت کا اعتبار کیا ہے چنانچہ فرماتے ہین کہ) متعارف کمان مین معمول ہے کہ سیدھا تیر رکھا جاتا ہے مگر اس کمان نفس کے تیر عجب ٹیڑھے میڑھے ہین (یعنی جو صفات و افعال اس سے سرزد ہوتے ہین وہ سب غیر مستقیم اور کج مج ہین اور تیسرے شعر مین تیسری صفت کا اعتبار کیا ہے چنانچہ فرماتے ہین کہ) تم تیر کی طرح راست ہو جاؤ اور اس کمان (نفس) سے نکل جاؤ کیونکہ کمان مین سے ہمیشہ جو تیر راست ہوتا ہے وہ نکل جاتا ہے (تم بھی جب راست ہو جاؤ گے، تو اس نفس کی کج ادائیون اور ٹیڑھی چالون سے نجات پا جاؤ گے)

چونکہ واگشتیم ز پیکارِ برون — روے آوردم بہ پیکارِ درون
قَدْ رَجَعْنَا مِنْ جِہَادِ الْاَصْغَرِیم — با نبی اندر جہادِ اکبریم
قوتے خواہم ز حق دریا شگاف — تا بسوزن برکنم این کوہ قاف
سہل شیرے دان کہ صفہا بشکند — شیر آنست آنکہ خود را بشکند

(با نبی بطفیل نبی کذا قال مرشدی رحمہ اللہ تعالی۔ سوزن کنایہ از مجاہدہ۔ کوہ قاف حجب نفسانی و طبعی باعتبار ضعف مجاہدہ و قوتِ حجب بہ سوزن و کوہ تعبیر فرمودہ یہ شعر اس شعر سے مربوط ہے ؎ ای شہان کشتیم ما خصم برون الخ ٭ اور درمیان مین اُس خصمِ درون کی قوت و شدت کا بیان تھا مطلب یہ ہے کہ) جب دشمن ظاہری کی جنگ سے فارغ ہو کر آگئے تو اب باطنی دشمن کی جنگ مین لگے ہین (اور یہی مراد ہے جہاد اصغر و جہاد اکبر سے چنانچہ تصریح فرماتے ہین) یعنی ہم جہاد اصغر (یعنی مقابلۂ عدوے ظاہری) سے تو (فارغ ہو کر) واپس آگئے ہین اب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت کے طفیل سے جہاد اکبر (مقابلۂ عدوے باطنی) مین مشغول و متوجہ ہوے ہین (اسمین اشارہ بلکہ صراحت ہے کہ تزکیۂ نفس و تصفیۂ باطن بدون اتباع طریقۂ نبویہ علی صاحبہا الف الف سلام و تحیہ میسر نہین ہوتا اور چونکہ اوپر اس مقابلہ و مقاتلہ کا شدید ہونا ثابت ہو چکا ہے اس لیے فرماتے ہین کہ) مین حق تعالی سے ایسی قوت کی درخواست کرتا ہون جو اپنی تاثیر کے اعتبار سے دریا شگاف ہو (یعنی وہ قوت غیبی ہو کیونکہ دریا شگافی اس قوت بشریہ سے ممکن نہین قوت غیبیہ درکار ہے جیسے حضرت موسی علیہ السلام کے لیے یہ واقعہ ہوا تھا غرض ایسی غیبی قوت درکار ہے تب جا کر مجاہدات سے اِن حجاباتِ نفسانیہ کو اُٹھا سکونگا (اور بوجہ ضعف مجاہدہ و قوتِ نفس کے یہ اُٹھانا ایسا عجیب ہو گا جیسے کسی نے سوزن سے کوہ قاف کو کھود کر پھینکدیا ہو) ایسے شیر کو سہل سمجھو جو صفون کو توڑ ڈالے بڑا شیر تو وہ ہے جو اپنی خودی کو منہدم کردے (یعنی جنگ بیرونی سہل ہے جنگ درونی دشوار اور کمال کی بات ہے یہ مضمون حدیث سے ملتا ہے ارشاد فرمایا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لیس الشدید بالصرعۃ ولکن الشدید الذی یملک نفسہ عند الغضب آگے اسی مضمون کی تائید و توضیح کے لیے حضرت امیر المومنین عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالی عنہ کا قصہ بیان فرمایا ہے کہ اُنھون نے اپنے نفس کو کس طرح شکستہ کر دیا تھا اور کسقدر پستی اختیار کی تھی

چنانچہ قصۂ آیندہ مین انکا باوجود حشمت وشوکت کے تن تنہا ایک درخت خرما کے نیچے بے تکلف سونا مذکور ہے جس سے پستی و شکستگی ظاہر ہے۔

آمدنِ رسول قیصرِ روم نزد عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ برسالت

در بیان این شنو یک قصۂ
تا بری از سر گفتم حصۂ

بر عمر آمد ز قیصر یک رسول
در مدینہ از بیابان نغول

گفت کو قصر خلیفہ اے حشم
تا من اسپ ورخت را آنجا کشم

قوم گفتندش کہ او را قصر نیست
مر عمر را قصر جان روشنی ست

گرچہ از میری ورا آوازہ ایست
ہمچو درویشان مر او را کازہ ایست

(نغول عمیق و دراز۔ کازہ خانۂ کاہ و نے ہندی چھپر۔ ربط اسکا ماقبل کے ساتھ سرخی ہذا سے پہلے بیان ہو چکا ہو پس مولانا فرماتے (این کہ) اس مضمون کے بیان مین (شیر آنست آنکہ خود را بشکند) ایک قصہ سنو تاکہ میرے کلام کی حقیقت سے حصہ حاصل کرسکو (وہ قصہ یہ ہو کہ) حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس ایک قاصد مدینۂ منورہ مین بڑے دور و دراز سے آیا اور آکر لوگون سے دریافت کیا کہ جناب خلیفہ کا قصر کدھر ہے کہان ہے تاکہ سواری و اسباب کو وہان لیجاؤن (اور ٹھہرون) لوگون نے اسکو جواب دیا کہ اُن کے پاس یہ ظاہری قصر نہین البتہ روحانی روشن قصر ہو گو اُن کی سلطنت کا ایک شہرہ ہے لیکن رہنے کے لیے اُن کے پاس غریبون کا سا ایک چھپر ہے۔

اے برادر چون بہ بینی قصر او
چونکہ در چشم دلت رست ست مو

چشم دل از موی و علت پاک آر
وانگہان دیدار قصرش چشم دار

ہر کرا ہست از ہوسہا جان پاک
زود بیند حضرت و ایوان پاک

چون محمد پاک شد زین نار و دود
ہر کجا رو کرد وجہ اللہ بود

چون رفیقی وسوسہ بدخواہ را
کے بدانی ثم وجہ اللہ را

حق پدید ست از میان دیگران
ہمچو ماہ اندر میان اختران

ہر کرا باشد ز سینہ فتح باب
او ز ہر ذرہ بہ بیند آفتاب

دو سر انگشت بر دو چشم نہ
ہیچ بینی در جہان انصاف دہ

گر نہ بینی این جہان معدوم نیست
عیب جز انگشت نفس شوم نیست

تو ز چشم انگشت را بردار ہین
وانگہانے ہر چہ میخواہی بہ بین

یہ مقولہ مولانا کا ہے زبان قوم سے حاصل یہ ہے کہ تجھکو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قصر معنوی رتبۂ باطنی

نظر آسکتا ہی جبکہ تیری چشم باطن مین (ہوا و ہوس کا بال جما ہوا ہی (جو ادراک حقائق سے مانع ہی پہلے چشم باطن کو موی ہوس و علت غرض سے پاک کر کے لاؤ اسوقت اُن کے قصر معنوی کے دیکھنے کی امید کرو (کیونکہ وہ قصر معنوی قرب درگاہ الٰہی ہی اور اُسکے مشاہدہ کے لیے ہوا و ہوس سے پاک ہونے کی ضرورت ہی پس) جس شخص کی جان ہو س سے پاک و صاف ہوگئی وہ بہت جلد اُس پاک درگاہ و قصر کا مشاہدہ کریگا (چنانچہ) ہمارے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ اس نار (ہوس) اور اُسکے دخان (آثار ہوس) سے منزہ و مبرا ہو گئے تھے تو جس طرف توجہ فرماتے تھے وجہ اللہ کا مشاہدہ نقد حال تھا (یعنی کوئی امر شغل و التفات الی الحق سے مانع نہ تھا اسمین آیۂ فثم وجہ اللہ کی تفسیر مقصود نہین کیونکہ اسمین خطاب خاص نہین ہی بلکہ خود مستقل مضمون ہی) اور تم چونکہ بدخواہ (یعنی نفس و شیطان) کے وساوس کے رفیق ہو رہے ہو (یعنی وساوس و ہوا و ہوس کے مقتضا پر عمل کر رہے ہو کیونکہ نرے وساوس مضر طریق نہین ہین) اسوجہ سے وجہ اللہ کا مشاہدہ میسر نہین آتا اور ہر شی موجب غفلت عن اللہ ہو جاتی ہی غرض یہ حجاب اور مانع تمھاری جانب سے ہی نہ حق تعالیٰ کی جانب سے کیونکہ) حق تعالیٰ تو دوسری موجودات مین سے ایسے ظاہر و واضح ہین جیسے چاند ہوتا ہی کہ تمام کواکب مین روشن اور عیان ہین پس جس شخص کا باب قلب کشادہ ہی وہ ہر ذرہ سے آفتاب (حقیقی یعنی ذات و صفات حق) کا مشاہدہ کرتا ہی (یعنی ہر شے سے استدلالاً یا ذوقاً و وجداناً حق تعالیٰ کی معرفت حاصل کرتا ہے اور جو شخص باوجود اس نور و ظہور کے ادراک حق سے محجوب ہو وہ حجاب خود اس شخص کی طرف ہی اور اسکی ایسی مثال ہے کہ مثلاً) تم دو سر انگشت اپنی دونون آنکھون پر رکھ لو تو بھلا تمکو کوئی چیز جہان کی نظر آویگی (لیکن) اگر تمکو نظر نہ بھی آوے تو جہان تو معدوم نہین ہوا جو کچھ عیب ہے اُس انگشت کا ہے جس کے ساتھ نفس کو مشابہت ہی (کہ اُسکے صفات کا غلبہ حجاب ہو جاتا ہے حقائق واضحہ کا، تم آنکھ پر سے ذرا اُنگلی ہٹا لو پھر اُسوقت جو کچھ چاہو دیکھ لو (اسی طرح زوال صفات نفس سے حقائق کا ادراک ہونے لگتا ہے۔

نوح را گفتند امت کو ثواب ۔۔۔ گفت او زان سوے و استغشوا ثیاب

روے و سر در جامہا پیچیدہ اند ۔۔۔ لاجرم با دیدہ و نادیدہ اند

آدمی دیدست باقی پوست ست ۔۔۔ دید آن است آنکہ دید دوست ست

چونکہ دید دوست نبود کور بہ ۔۔۔ دوست کو باقی نباشد دور بہ

یہ تائید ہے مضمون بالا کی یعنی حضرت نوح علیہ السلام سے اُن کی امت نے بطور انکار کے کہا کہ ثواب آخرت (جسکا ہمسے ایمان لانے پر وعدہ ہے) کہان ہے آپ نے فرمایا کہ وہ (حجاب) واستغشوا ثیاب سے اُس طرف ہے (یہ اشارہ ہے آیۂ استغشوا ثیابھم الخ کی طرف یعنی قوم نوح علیہ السلام نے اپنے کپڑون کو منھ اور سر اور کانون پر لپیٹ لیا تاکہ اُنکی نصیحت سننے مین نہ آوے مطلب جواب کا یہ ہوا کہ تمھارا کپڑا لپیٹنا دلیل اعراض کی ہی اور یہ اعراض حجاب ہی وہ ثواب اس حجاب مین محجوب ہو گیا اگر اس حجاب کو اُٹھا دو اور ایمان لے آؤ تو قلب سے ثواب و جزا کا مشاہدہ ہونے لگے) روی و سر کو تو کپڑون مین لپیٹ رکھا ہی لامحالہ (ظاہر مین) با دیدہ اور (باطن مین) نادیدہ

ہو رہے ہیں (اب بطور حاصل کے فرماتے ہیں کہ آدمی تو دید کا نام ہے (یعنی آدمی جسکی بدولت انسان کامل ہو جاتا ہے وہ صرف ادراک حقیقت ہی) اور باقی تو نرا پوست ہی (یعنی بیکار ہے) اور پھر دید بھی وہ معتبر ہو جو محبوب کی دید ہو اور جب محبوب کی دید نہ ہو تو اُس سے نابینا بہتر ہے اور محبوب بھی جو باقی نہو وہ دور ہی بہتر ہی (پس مطلوب وہ معرفت ہوئی جو محبوب حقیقی باقی کے ساتھ متعلق ہو)

چون رسولِ روم این الفاظ تر / در سماع آورد شد مشتاق تر
دیده را بر جستن عمر رض گماشت / رخت را و اسپ را ضائع گذاشت
هر طرف اندر پےِ آن مردِ کار / می شدی پرسان او دیوانه وار
کاین چنین مردے بود اندر جهان / وز جهان مانند جان باشد نهان
جست او را تاش چون بنده شود / لاجرم جوینده یابنده شود

یعنی جب قاصد رومی نے یہ الفاظِ تر (در عمر رض را قصر جان روشنی است الخ) سنے تو آپ کی زیارت کا زیادہ مشتاق ہوا اور اپنی آنکھ کو خاص آپکی تلاش کے لیے مقرر کر دیا اور اسباب و سواری کو یوں ہی بے قید چھوڑ دیا (اور اُس کے گم ہونے کی بھی پروانہ کی) اور چاروں طرف اُس کام کے آدمی (یعنی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کی تلاش میں پوچھتا ہوا دیوانہ کی طرح پھرتا تھا اور دل میں کہتا تھا کہ (حیرت ہی) دنیا میں ایسا شخص موجود ہو اور پھر انکا حال خلائق سے مخفی ہو جس طرح روح مخفی ہوتی ہے اور وہ اس لیے ڈھونڈھتا پھرتا تھا کہ آپ کا غلام بن جاوے آخر تلاش کرنے والے کو مطلوب مل ہی جاتا ہے)

یافتن رسول امیر المؤمنین عمر را رضی اللہ تعالیٰ عنہ خفته در زیر درختِ خرما

دید اعرابی زنے او را دخیل / گفت عمر نک بزیر آن نخیل
زیر خرما بن ز خلقان او جدا / زیر سایه خفته بین سایه خدا
آمد او آنجا و از دور ایستاد / مر عمر را دید و در لرزه فتاد
هیبتے زان خفته آمد بر رسول / حالتے خوش کرد بر جانش نزول
مهر و هیبت هست ضدِ همدگر / این دو ضد را جمع دید اندر جگر

(دخیل در قوم آنکست که نباشد از آن قوم و داخل شود در آن قوم و اینجا مراد نو آینده است عمر بضم و رفع شعری مسلم خوانده می شود) یعنی ایک اعرابی کی عورت نے اُس شخص کو نو وارد مسافر دیکھ کر کہا کہ دیکھو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اُس درخت خرما کے نیچے سب خلق سے علٰحدہ تشریف رکھتے ہیں اُس سایۂ خدا کو سایۂ درخت کے نیچے سوتا ہوا دیکھو غرض وہ قاصد وہاں آیا اور دور کھڑا ہو گیا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا دیکھنا تھا کہ اُسکے بدن پر لرزہ طاری ہو گیا اور اُس خفتہ کی ایک ہیبت اُس قاصد پر چھا گئی اور اُس کے باطن

مین ایک عمدہ حالت نے نزول کیا باوجودیکہ محبت اور ہیبت (ایک اعتبار سے) باہم گر ضد ہین (کیونکہ محبت سے تقاضاے قرب پیدا ہوتا ہے اور ہیبت سے تقاضاے بُعد) مگر اُسنے ان دونون ضدون کو باطن مین (مختلف اعتبار سے) مجتمع پایا (کہ وہ ہیبت عظمت کی تھی نہ خوف ضرر کی)۔

گفت با خود من شہان را دیدہ ام | پیش سُلطانان مہ بگزیدہ ام
از شہانم ہیبت و ترسے نبود | ہیبت این مرد ہوشم را ربود
رفتہ ام در بیشۂ شیر و پلنگ | روے من زیشان نگردانید رنگ
بس شدستم در مصاف و کارزار | ہمچو شیر آن دم کہ باشد کارزار
بسکہ خوردم بس زدم زخم گران | دل قوی تر بودہ ام از دیگران
بے سلاح این مرد خفتہ بر زمین | من بہفت اندام لرزان چیست این
ہیبت حق ست این از خلق نیست | ہیبت این مرد صاحب دلق نیست
ہر کہ ترسید از حق و تقویٰ گزید | ترسد از وی جن و انس و ہر کہ دید
اندرین فکرت بحرمت دست بست | بعد یک ساعت عمر از خواب جست

(ہفت اندام مصداقش از اعضاے ظاہری سر و سینہ و پشت و دو دست و دو پاے باشد۔ و از اعضاے باطنی دماغ و دل و جگر و سپرز و شش و زہرہ و معدہ و نزد بعضے گردہ بجاے معدہ و در ہر دو حال کنایت از تمام بدن) یعنی وہ اپنے دل مین (متعجب ہوکر) کہنے لگا کہ مین نے بہت سے بادشاہ دیکھے ہین اور جلیل القدر بادشاہون کے سامنے مقرب و مقبول رہا ہون باوجود اسکے بادشاہون سے مجھکو کبھی خوف نہین معلوم ہوا مگر اس شخص کی ہیبت نے میرے ہوش گم کردیے بارہا شیر و پلنگ کے بیشون مین جانے کا اتفاق ہوا مگر کبھی چہرہ کا رنگ تک نہین بدلا اسی طرح بہتیرے معرکون مین شرکت ہوئی لیکن اس طرح قوی دل رہا جیسے شدت و مصیبت کے وقت شیر رہتا ہے اور اُن معرکون مین بہت سے زخم کھائے بھی مارے بھی مگر اورون سے زیادہ مضبوط رہا (یہ تو میری قوت قلب کی کیفیت ہے مگر) یہ شخص بالکل نہتا زمین پر پڑا سو رہا ہے اور میرا تمام بدن کانپا جاتا ہے (اس سے ثابت ہوتا ہے کہ) بلا شبہہ یہ ہیبت حق ہے ہیبت خلق نہین ہے اور یہ ہیبت اس صاحب دلق کی نہین ہے واقعی جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے اور تقویٰ اختیار کرتا ہے اُس سے تمام جن و انس اور جو دیکھتا ہے ڈرنے لگتے ہین غرض اسی فکر مین تعظیم کے ساتھ دست بستہ کھڑا ہوگیا اور ایک ساعت کے بعد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ خواب سے اُٹھے۔

کرد خدمت مر عمر را و سلام | گفت پیغمبر سلام آنگہ کلام
پس علیکش گفت و او را پیش خواند | ایمنش کرد و بہ پیش خود نشاند
ہر کہ ترسد مر ورا ایمن کنند | مر دل ترسندہ را ساکن کنند

لاتخافوا ہست نزل خائفان	ہست درخور از برائے خائف آن
آنکہ خوفش نیست چون گوئی ترس	درس چہ دہی نیست او محتاج درس

یعنی (جب عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سوتے سے جاگے تو اُس قاصد نے آپکو سلام کیا اور حکم شرعی یہی ہے کہ پہلے سلام کرو پھر کلام کرو آپنے اُسکو وعلیکم السلام کہا اور اپنے پاس بلایا اور اُسکو مطمئن کرکے اپنے روبرو بٹھلایا (اب مولانا فرماتے ہین کہ جس طرح اُسکے ڈرنے کی وجہ سے اُسکو بے خوف کیا گیا اسی طرح) جو شخص ڈرتا ہے اُسکو بے خوف کیا کرتے ہین اور اُسکے دلکو سکون دیتے ہین لاتخافوا اہل خوف کی مہمانی ہوتی ہے (اشارہ ہے لاتخافوا ولا تحزنوا وابشروا بالجنۃ کی طرف) اور خائف کے حال کے مناسب بھی یہی ہے کیونکہ جسکو پہلے ہی سے خوف نہو اُسکو یہ کیونکر کہا جا سکتا ہے کہ خوف مت کر (کہ محض عبث ہے) اُسکو (خوف کا) درس کیا دوگے کہ وُہ اس درس کا محتاج نہین ہے (بلکہ ایسے شخص کو لاتفرح کہا جاتا ہے کذا قال مرشدی رحمہ اللہ تعالیٰ مقصود یہ ہوا کہ اگر آخرت مین مامون مطمئن ہونا چاہتے ہو تو دنیا مین خدای تعالیٰ سے خوب ڈرو اور تقویٰ اختیار کرو۔

آن دل از جا رفتہ را دل شاد کرد	خاطر ویرانش را آباد کرد
بعد ازان گفتش سخنہائے دقیق	وز صفاتِ پاکِ حق نعم الرفیق
وز نوازشہائے حق ابدال را	تا بداند او مقام و حال را

یعنی اُس قاصد کو جو (بوجہ ہیبت کے) از جا رفتہ ہو رہا تھا دل شاد فرمایا اور اُسکی خاطر ویران کو آباد کیا اور اُسکے بعد اُس سے باریک باتین فرمائین اور خدائے پاک کی صفات کا بیان کیا اور ابدال (یعنی مطلق اولیاء اللہ) پر جو حق تعالےٰ کی نوازشین ہین اُنکو بیان فرمایا تاکہ اُسکو حالات و مقامات کی اطلاع ہو جاوے (یہ بیان قالی تھا یا حالی یعنی آپ کی فیض سے یہ امور اوسپر منکشف ہو گئے اور وہ خود ان احوال و مقامات سے متصف کذا قال مرشدی رحمہ اللہ تعالیٰ۔ مین کہتا ہون کہ ظاہر احتمال ثانی ہے کیونکہ حضرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے ایسے امور کا تذکرہ منقول نہین اسی طرح مضامین آیندہ کو سمجھو۔

حال چون جلوہ است زان زیبا عروس	وین مقام آن خلوت آمد با عروس
جلوہ بیند شاہ و غیر شاہ نیز	وقت خلوت نیست جز شاہِ عزیز
جلوہ کردہ عام و خاصان را عروس	خلوت اندر شاہ باشد با عروس
ہست بسیار اہل حال از صوفیان	نادرست اہل مقام اندر میان

(مولانا حال و مقام کی تحقیق فرماتے ہین مگر شرح اشعار سے پہلے سمجھ لینا چاہیے کہ اصطلاح صوفیہ مین مقام اُس صفت باطنی کو کہتے ہین جو کسب و ریاضت و قصد سے حاصل کی ہو جیسے توکل و تواضع و صبر وغیرہ اور حال اوس وارد قلبی کو کہتے ہین جو بلا اختیار پیدا ہو گیا ہو جیسے شوق و وجد و استغراق وغیرہ چنانچہ مشہور ہے اَلْمَقَامَاتُ مَکَاسِبُ وَالْاَحْوَالُ مَوَاھِبُ۔ اور مقام کو اکثر ثبات و دوام ہوتا ہے اور حال اکثر بعد چندے زائل ہو جاتا ہے

اور نیز مقام کے آثار عوام سے مخفی رہتے ہین اور اوسکا معاملہ محض اللہ تعالی سے ہوتا ہے بخلاف حال کے کہ اکثر خلق پر بھی اُسکا ظہور ہو جاتا ہی مولانا اسی مضمون کو فرماتے ہین کہ) حال کی تو ایسی مثال ہی جیسے عروس کا جلوہ ہوتا ہے اور مقام کی مثال ایسی ہے جیسے عروس کے ساتھ خلوت ہوتی ہے جلوہ تو خود بادشاہ بھی دیکھتا ہی (جسکی وہ عروس ہے) اور دوسرے لوگ بھی دیکھتے ہین۔ اور خلوت کے وقت بجز بادشاہ کے کوئی بھی نہین ہوتا پس جلوہ تو عروس سب عام وخاص کے روبرو کرتی ہے اور خلوت کے اندر صرف بادشاہ ہی عروس کے پاس ہوتا ہے (پس جسطرح جلوہ کا ظہور عام ہے اسیطرح حال کا ظہور عام ہے اور جسطرح خلوت مین صرف بادشاہ سے معاملہ پڑتا ہے اسیطرح مقام کا معاملہ عوام سے مخفی صرف اللہ تعالے کے ساتھ ہے) اور صوفیون مین اہل حال تو بہت ہین اور اہل مقام بہت کم ہوتے ہین (جس طرح اہل جلوت بہت ہوتے ہین اور اہل خلوت ایک ہی ہوتا ہے مقصود مولانا کا تنبیہ کرنا ہے طالب کو کہ اہل حال کو کامل سمجھنا چاہیے جیسا عوام کی حالت وعادت ہے بلکہ اہل مقام کو ڈھونڈھنا چاہیے۔

از منازلہاے جانش یاد داد	وز سفرہاے روانش یاد داد
وز زمانے کز زمان خالی بدست	وز مقام قدس کا جلالی بدست
وز ہواے کاندرو سیمرغ روح	پیش ازین دیدست پرواز وفتوح
ہر یکے پروازش از آفاق بیش	وز امید ونہمت مشتاق بیش

نہمت حرص واشتیاق۔ یہان سے عود ہے قصہ کیطرف (یعنی حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے اوس قاصد کے سامنے روح کے منازل وسفر کا ذکر فرمایا (منازل یہی ہین کہ اول روح مجرد محض تھی پھر عالم مثال سے متعلق ہوئی پھر ناسوت سے متعلق ہوئی) اور اوس حالت کا ذکر کیا جو زمانہ سے خالی تھا (کیونکہ زمانہ مخلوق اور حادث ہی ضرور اس سے پہلے ایک حالت تھی اور اسکو حالت زمانہ کہدینا مجاز ہے) اور اس مقام قدس کا بیان کیا جو کہ جلالی ہے (اس سے مراد جبروت یعنی مرتبہ صفات الٰہیہ ہے یہ گویا تفسیر ہے مصرعۂ اولی کی ؎ وز زمانے کز زمان خالی بدست کی مطلب دونون شعرون سے یہ نکلا کہ صفات روح اور صفات حق کے اسرار بیان کیے) اور اُس ہوا کا بیان کیا کہ اسمین سیمرغ روح نے اسکے قبل پرواز یعنے عروج اور فتوح یعنی انبساط دیکھا ہے (مراد اس سے مرتبہ تجرد روح کا ہے کہ بوجہ تجرد کے اُسکو عروج ہی عروج تھا اور تعلق جسم سے آزاد اور پاک تھی) اوسکا ہر پرواز تمام آفاق سے بڑھکر تھا اور عاشق مشتاق کی امنگین اور شوق کیسا کچھ بلند ہوتا ہے اس سے بھی بڑھکر اوس کا پرواز تھا (یہ عروج محبت ومعرفت الٰہی مین تھا جسکو بوجہ عدم مانع کے روز افزون ترقی تھی۔

چون عمر اغیار رو را یار یافت	جان اورا طالب اسرار یافت
شیخ کامل بود وطالب مشتہی	مرد چابک بود ومرکب درگہی
دید آن مرشد کہ او ارشاد داشت	تخم پاک اندر زمین پاک کاشت

دمصرعۂ اولیٰ چون عمر شرط است۔ دمصرعۂ زیر تخم پاک جز از مصاریع درمیان معطوف بر شرط بحذف عاطف۔ درگہی مرکب کہ باسامان وزین پہ تہیہ سواری نگاہ دارند کنایہ از مستعد یعنی حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے اوس غبار صورت کو دکھا ہین جنبی تھا) یار پایا (کہ مناسبت باطنی رکھتا تھا) اور اوسکی جان کو طالب اسرار پایا پس شیخ بھی کامل تھے اور طالب راغب تھا اوسیی مثال تھی جیسے مرد سوار چابک ہو اور سواری عمدہ ہو تو سوار ہونے کی ہی دیر ہوتی ہے۔ اور مرشد کامل (یعنی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے دیکھا کہ اس مین استعداد ارشاد حقائق کی ہے اسلیے عمدہ زمین (قلب قاصد) مین عمدہ تخم (اسرار) کا بودیا (حاصل یہ ہوا کہ القاے اسرار وافاضۂ انوار کے لیے دو امر شرط ہین مفید یعنی شیخ کا کامل وقوی الفعل ہونا اور مستفید یعنی طالب کا منفعل یعنی قابل وقوی الاستعداد ہونا سو یہان دونون شرطین جمع تھین اسلیے خوب فیضان واقع ہوا۔

سوال کردن رسول از امیر المومنین عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

مرد گفتش کاے امیر المومنین	جان زبالا چون در آمد بر زمین
مرغ بے اندازہ چون شد در قفص	گفت حق بر جان فسون خواند وقصص
بر عدمہا کان ندارد چشم و گوش	چون فسون خواند ہمی آید بجوش
از فسون او عدمہا زود زود	خوش معلق مے زند سوے وجود
باز بر موجود افسونے چو خواند	زود او درا در عدم دو اسپہ راند

یعنی اوس شخص نے آپ سے سوال کیا کہ روح عالم بالا (یعنی عالم امر) سے زمین (عالم سفلی یعنی عالم خلق) پر کس طرح آگئی (یعنی مجرد کو جسم مادی سے کیسے تعلق ہوگیا حالانکہ دونون مین مناسبت نہین) اور یہ طائر غیر مقداری (کیونکہ عالم امر مقدار سے منزہ ہے) قید (جسم) مین کیسے آگیا آپ نے فرمایا کہ حق تعالیٰ نے روح پر افسون وقصہ پڑھ دیا مراد اس افسون سے کلمۂ کن ہے خلاصہ جواب کا یہ ہوا کہ یہ تعلق روح کا جسم کے ساتھ تکوینی واضطراری ہے اور وہ مناسبت پر موقوف نہین قصدی اور اختیاری نہین جسمین مناسبت کی ضرورت ہوتی ہے آگے اس کلمۂ کن اور قضا خداوندی کے تصرفات وتاثیرات کا بیان ہے کہ معدوم چیزون پر جن کے آنکھ کان بھی نہین ہین جب حق تعالیٰ وہ افسون پڑھ دیتے ہین تو وہ جوش مین آکر اوس افسون کے اثر سے جلدی جلدی اچھلتے کودتے (یعنی بلا کراہت بحالت وجود مین آجاتی ہین (کلمۂ کن سے معدومات کا موجود ہونا ظاہر ہے) پھر موجودات پر وہی افسون جہان پڑھا در فوراً عدم کی طرف راہی ہوے (جیسے دو گھوڑون والا جلدی چلتا ہے) یہ تصرف تو تمام کائنات کے لیے عام اور مشترک ہے اور بعضے تصرفات خاص خاص ہین جو ہر شئے مین مختلف ہین۔ اوس کا بیان فرماتے ہین۔

گفت در گوش گل وخندانش کرد	گفت با سنگ وعقیق کانش کرد

گفت با جسم آیتے تا جان شد او
بازدر گوش دمد نکتہ مخوف
گفت با نے تا کہ شاکر گشت او
تا بگوش ابر آن گویا چہ خواند
تا بگوش خاک حق چہ خواندہ است

گفت با خورشید تا رخشان شد او
در رخ خورشید افتد صد کسوف
گفت با آبے و گوہر گشت او
کو چو مشک از دیدہ خود اشک راند
کو مراقب گشت و خامش ماندہ است

مخوف بمعنی مخوف منہ یعنی اللہ تعالیٰ نے گوش گل مین وہ افسون کہدیا اور اوسکو خندان کردیا کیونکہ اوسکا خندان ہونا بحکم تکوینی خداوندی سے ہے اسیطرح باقی امور آیندہ) اور وہ افسون تیھر سے فرمادیا اور اوسکو عقیق کان بنادیا جسم (بے روح) سے کوئی بات کہدی جس سے وہ جان (دار) بنگیا اور خورشید سے کچھ کہدیا جس سے وہ رخشان ہوگیا پھر (دوسرے وقت) اوسکے کان مین ایک خوفناک نکتہ پھونک دیتے ہین جس سے خورشید بے نور ہوجاتا ہے وہ بات نے سے فرمادی جس سے وہ (یر) شکر ہوگیا۔ پانی سے کہدیا جس سے وہ موتی بن گیا ابر کے کان مین اوس متکلم (جل شانہ) نے کیا چیز پڑھدی ہے جس سے وہ مشک کی طرح اشک ریز ہوگیا۔ زمین کے کان مین کوئی ایسی بات فرمادی جس سے وہ مراقب درویش کی طرح خاموش رہ گئی۔

در تردد ہر کہ او آشفتہ است
تا کند محبوسش اندر دو گمان
ہم ز حق ترجیح یابد یک طرف
گر نخواہی در تردد ہوش جان
تا کنی فہم آن معماہاش را
پس محل وحی گردد گوش جان
گوش جان و چشم جان جز این حس ست

حق بگوش او معما گفتہ است
آن کنم کان گفت یا خود ضد آن
زان دو یک را برگزیند زان کنف
کم فشار این پنبہ اندر گوش جان
تا کنے ادراک رمز و فاش را
وحی چہ بود گفتن از حس نہان
گوش عقل و گوش حس زین مفلس ست

یہان بھی حق تعالیٰ کے ایک تصرف کا بیان ہے یعنی جو شخص کسی تردد مین پریشان ہورہا ہے (گویا حقتعالے نے اوسکے کان مین کوئی معما کہدیا ہے یعنی اوس امر کی دونون جانبین مساوی درجہ مین اوسکے ذہن مین القا کردی ہین اس سے تردد مین گرفتار ہوگیا جیسے معما سننے والا احتمالات مختلفہ مین پریشان ہوجاتا ہے اور اس القار کی حکمت یہ ہوتی ہے تا کہ اوس شخص کو دو گمانون مین محبوس کردین کہ اوسطرح کرون جو فلانے نے کہا ہے یا اوسکے خلاف کرون بعد اسکے اگر ایک جانب کو ترجیح ہوجاتی ہے وہ بھی جانب حق تعالیٰ سے ہی کہ اون دونون شقون مین سے ایک شق کو جس کنارہ پر ہو اختیار کرلیتا ہے (اب آگے مولانا بمناسبت لفظ تردد کے دوسرے مضمون کی طرف انتقال فرماتے ہین کہ) اگر تم اپنے باطن کو ترددات (جہل وحجاب) مین رکھنا نہ چاہو تو اس پنبہ (التفات بما سوی اللہ) کو گوش باطن مین مت بھرو تا کہ تم حق تعالیٰ کے اسرار کو سمجھنے لگو اور سب خفی وجلی

(حقائق) پر مطلع ہونے لگو یں گوشِ باطنی محل وحی (یعنی الہام) ہونے لگے (چنانچہ خود تفسیر فرماتے ہیں کہ وحی سے مراد یہی حواس باطنی سے کلام ہونے لگتا ہے (آگے حواس باطنی کا اثبات فرماتے ہیں کہ) باطن کے چشم و گوش اِن حواس ظاہری کے علاوہ ہیں اور اس ظاہری عقل و حواس کے کان اون حقائق سے بے بہرہ ہیں۔

لفظ جبرم عشق را بے صبر کرد	وانکہ عاشق نیست حبس جبر کرد
این معیت با حق ست و جبر نیست	این تجلی مہ است و ابر نیست
ور بود این جبر۔ جبر عامہ نیست	جبر آن امارۂ خود کامہ نیست

(جبر بے اختیاری۔ میم در جبرم مضاف الیہ عشق۔ یہاں سے انتقال ہے دوسرے مضمون کی طرف اوپر کے اشعار میں بیان تھا تصرفاتِ قدرتِ الٰہیہ کا جس سے مخلوقات کا اون تصرفات میں بے اختیار ہونا ثابت ہوتا ہے اسی بے اختیاری کو لفظ جبر سے تعبیر فرمایا ہے مطلب یہ ہے کہ اس بے اختیاری (مخلوقات) کے مضمون نے میری کیفیت عشقیہ کو بے تاب کر دیا اور اوسکو جوش میں لے آیا کیونکہ اس سے اپنے عاجز و درماندہ ہونے اور محبوبِ حقیقی کے مختار مطلق ہونے کا استحضار ہو گیا جس سے کیفیت عشقیہ جوشزن ہو گئی کیونکہ معرفت سے عشق بڑھتا ہے) اور جو شخص صاحبِ عشق نہیں (اور طاعت سے بھاگنے کا بہانہ ڈھونڈھتا ہے) اُسکو (اس مضمون نے) محبوس جبر (متعارف) کر دیا اور وہ اِس مضمون سے بوجہ اپنی کج فہمی کے یہ سمجھا کہ جب سب مخلوق بے اختیار ہیں تو میں بھی معاصی و شہوت پرستی میں مجبور ہوں اور یہ سمجھ کر مبتلائے عقیدۂ فاسدہ ہو گیا حالانکہ اللہ تعالیٰ کے مختار مطلق ہونے سے عبد کے اختیار کی مطلقاً نفی لازم نہیں آتی بلکہ اختیارِ تام و قدرتِ مستقلہ کی نفی لازم آتی ہے اور توجہ امر و نہی اوسپر موقوف نہیں بلکہ اختیارِ ضعیف بھی کافی ہے جسکو علمائے اصول و کلام نے صحت اسباب و سلامت آلات سے تعبیر کیا ہے) اور ایسی بے اختیاری (کا اعتقاد جس کا اوپر ذکر ہوا ہے واقع میں معیت بحق (کا اعتقاد) ہے (کہ اس سے استحضار عموم تصرف الٰہی کا ہوتا ہے اور حقیقت معیت کی یہی استحضار ہے) اور (یہ اعتقاد مذکور) جبر نہیں (جس کا اعتقاد مذموم ہے) اور یہ (اعتقاد مذکور اپنے حق اور نورانی ہونے میں مثل) تجلی ماہ ہے (تاریک و باطل ہونے میں مثل) ابر نہیں ہے اور اگر اسکو جبر ہی کے عنوان سے تعبیر کیا جاوے تب بھی یہ عوام کا جبر نہیں ہے اور نفس امارہ خود غرض کا جبر نہیں ہے (جس سے عوام الناس و نفس طاعت میں حیلہ جوئی کیا کرتا ہی خلاصہ یہ کہ یہ جبر مذموم نہیں بلکہ جبر محمود ہے جو واقع میں جبر نہیں محض مجازاً اسپر لفظ جبر بول دیا جاتا ہے۔

جبر را ایشان شناسند اے پسر	کہ خدا بکشاد شان در دل نظر
غیب و آئندہ بر ایشان گشت فاش	ذکر ماضی پیش ایشان گشت لاش
اختیار و جبر ایشان دیگر ست	قطرہا اندر صدفہا گوہر ست
ہست بیرون قطرۂ خرد و بزرگ	در صدف دُرہاے خرد ست و سترگ
طبع نافِ آہو ست آن قوم را	از برون خون و زدرون شان مشکہا

تو مگو کاین نافہ بیرون خون بود	خود بود در ناف مشکین چون شود
تو مگو کاین مس برون بد محتقر	در دلِ اکسیر چون گشتست زر
اختیار و جبر در تو بد خیال	چون درایشان رفت شد نور جلال
نان چو در سفرہ است آن باشد جماد	در تنِ مردم شود او روح شاد
در دلِ سفرہ نگردد مستحیل	مستحیلش جان کند از سلسبیل

یہانسے اُسی جبر محمود کا بیان ہی کہ اس جبر کو وہی حضرات پہچانتے ہین جنکی نظر باطن ہین اللہ تعالیٰ نے کشادہ کر رکھی ہے (اور اوس نظر باطن کیوجہ سے بہت سے مخفیات اور آیندہ امور اُن پر منکشف ہو گئے ہین بعضے بذریعۂ تعلیم شریعت کے بعضے الہام و ذوق سے) اور جو اشیا گذر جانے والی یعنی فنا ہو جانے والی ہین اُن کا ذکر اُن حضرات کے رُو برو محض لاشے (یعنی ناقابل التفات) ہو گیا ہے (یعنی طلب مقصود حقیقی مین سرگرم ہین دنیا و مافیہا اُنکے نزدیک لاشے. قدر ہے و فسر الماضی بالفانی مرشدی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ) ایسے حضرات کا جبر و اختیار بھی اور ہی طرح کا ہے (عوام کا سا نہین کیونکہ عوام مین جو بد اعتقاد ہین اُنکے جبر و اختیار کا بدعت اور مذموم ہونا تو ظاہر ہی ہے اہلِ حق کا اعتقاد یقیناً اُنکے مماثل نہین اور جو اون مین خوش اعتقاد ہین اونکا جبر و اختیار گو درجۂ توسط مین ہے اور حق ہے مگر صرف مرتبۂ علم مین ہے اوسکے ساتھ حال نہین ہے بخلاف حضرات عارفین کے کہ اپنے عجز اور حق سبحانہ و تعالیٰ کی قدرت کا اُنکے قلب پر استحضار بھی ہے اسکے بعد دبتا یُد اس مضمون کے کہ ان حضرات کا جبر و اختیار اور طرح کا ہے چند مثالین اسکی بیان فرماتے ہین کہ ایک ہی شئے ایک محل مین ایک صفت پر ہو دوسرے محل مین دوسری شان کی ہو جاوے) مثال اول قطرے صدف مین موتی بن جاتے ہین صدف کے باہر تو چھوٹے بڑے قطرے ہوتے ہین اور صدف مین وہی چھوٹے بڑے موتی ہو جاتے ہین مثال ثانی اس قوم عارفین کی خاصیت ناف آہوے مشک کی سی ہے کہ ظاہراً تو خون ہوتا ہے اور باطناً مشک ہوتا ہے سو تم (تعجبا و انکاراً) یون مت کہو کہ یہ نافہ تو ظاہراً خون ہوتا ہے تو ناف مین رہکر مشک کیسے ہو جاتا ہے مثال ثالث اسیطرح یون مت کہو کہ یہ تانبا باہر تو حقیر و کم قیمت تھا اکسیر کے اندر جاکر سونا کیونکر بن گیا (کیونکہ جب یہ امور واقع ہین تو انکار و تعجب کی کب گنجائش ہے کسی طرح) اختیار اور جبر (کو سمجھو کہ) تمہارے اندر تو محض ایک خیال تھا (خواہ خیال باطل ہو جیسا مبتدعین کا عقیدہ ہے خواہ خیال صحیح ہو مگر ذوق و حال سے خالی ہے) جب وہ جبر و اختیار اون عارفین مین پہونچا تو نور جلال بن گیا (کہ اعتقاداً بھی حق ہے اور حال و ذوق کے ساتھ بھی مقرون ہے) مثال رابع روٹی جسوقت دستارخوان مین ہوتی ہے جماد محض ہوتی ہے (کہ اوسمین مادۂ حیات نہین ہوتا) اور آدمی کے بدن مین پہونچکر وہ جان تازہ بن جاتی ہے (کیونکہ وہ روٹی ہضم ہو کر اوس سے بخار لطیف بنتا ہی جو مادۂ حیات بدن انسانی ہے) دیکھو دستارخوان کے اندر وہ اپنی حالت نہین بدلتی مگر روح حیوانی جو پہلے سے بدن مین موجود ہے) اپنی قوت سے جو حیات بخشی مین مثل سلسبیل چشمۂ جنت کے ہے اوسکی حالت بدل دیتی ہے۔

قوت جان ست این ای راست خوان　　تا چہ باشد قوتِ آن جانِ جان

نانست قوتِ تن ولیکن در نگر　　تا کہ قوت جان چہ باشد اے پسر

گوشت پارہ آدمی از زورِ جان　　می شگافد کوہ را با بحر و کان

زورِ جانِ کوہکن شق الحجر　　زورِ جانِ جان در انشق القمر

گر کشاید دل سر انبان راز　　جان بسوے عرش سازد ترکتاز

در زبان گوید ز اسرارِ نہان　　آتش افروزد بسوزد این جہان

(ان اشعار مین رجوع ہے اوس مطلب کی طرف جسکی تائید مین امثلہ مذکورہ لائے ہین)، فرماتے ہین کہ یہ درد روٹی کا مستحیل کردینا، تو روح حیوانی کی قوت ہے سو جان جان (یعنی روح انسانی جو روح حیوانی کا بھی مغز اور اوس سے افضل ہے اوس) کی قوت کیا کچھ ہوگی (اسی لیے عوام کے علوم و اعمال جب عارفین مین جاتے ہین جنمین روح انسانی کے آثار زیادہ کامل ہوتے ہین تو تعجب مت کرو اگر وہ علوم و اعمال وہان جاکر دوسرا رنگ کمال کا پیدا کرلین اسلیے کہا گیا ہے کہ ؎ اختیار و جبر ایشان دیگر ست + آگے روح حیوانی و روح انسانی کی قوت کے تفاوت کی توضیح کیلیے اُسکی ایک وجہ بیان فرماتے ہین کہ) بدن (جسکی حیات روح حیوانی سے ہی اُس) کی غذا تو روٹی ہے لیکن غور کرو کہ روح انسانی کی غذا کیا ہوگی (یعنی وہ علوم و معارف ہین جب دونون کی غذا اون مین تفاوت ہے اور غذا ہی سے قوت پیدا ہوتی ہے تو ضرور دونون کی قوت مین بھی تفاوت ہوگا پس روح حیوانی کا تصرف اپنی غذا مین ہوتا ہے کہ جماد سے روح کر دیتی ہے اور روح انسانی کا تصرف کمالات علمیہ و عملیہ مین ہوگا کہ ناقص سے کامل بنا دیتی ہے آگے بھی اسی تفاوت کی تائید و توضیح ہے کہ) آدمی جو گوشت کا ایک لوتھڑا ہے روح حیوانی کے زور سے پہاڑ کو اور دریا و کان کو چیر پھاڑ ڈالتا ہے (جیسے فرہاد کا قصہ مشہور ہے اور صنعتون سے بھی ان چیزون مین تصرف ہوا کرتا ہے کہ پہاڑ سے نہرین نکالی جاتی ہین اوسکے اندر راہین بنائی جاتی ہین دریا سے موتی کان سے چاندی سونا نکالتے ہین اور یہ سب تدابیر معاش بقار روح حیوانی کے لیے ہین گویا یہ اُسکے تصرفات ہین) پس کوہکن کی روح حیوانی کا زور یہ ہے کہ پتھر کو پارہ پارہ کردیتا ہے اور جانِ جان یعنی روح انسانی کی قوت یہ ہے کہ قمر کو دو پارہ کردیا (جیسا کہ احادیث مین حضور کا معجزہ شق القمر کا وارد ہے اور معجزہ سے غرض اصلی ہدایت خلق ہے جسکا حاصل افاضۂ علوم و اعمال ہے پس روح انسانی کا تصرف علوم و اعمال مین ثابت ہوگیا جب دوسرون کے علوم و اعمال مین یہ تصرف ہے تو اپنے علوم و اعمال مین زیادہ قوی ہوگا اس سے بھی تائید ہوئی ؎ اختیار و جبر ایشان دیگر ست + کی اور نیز تصرف علویات مین خارج ہے قدرت روح حیوانی سے اس اعتبار سے بھی روح انسانی کا اقوی فی التصرف ہونا ثابت ہوا آگے ارشاد فرماتے ہین کہ روح انسانی کے تصرفات قالی نہین حالی ہین سو) اگر کسی کا قلب انبان راز کا منھ کھول لے۔ (یعنی ذوق و کشف سے اوسپر مطلع ہوجاوے) تو روح عرش کی طرف عروج کرنے لگے یعنی تصرفات کاملین کی حقیقت منکشف ہونے سے معرفت و بصیرت مین ترقی ہو) اور اگر زبانِ اُن اسرار نہان کو ظاہر کرنے لگے تو (ضلالت کی) آگ سُلگ کر

فوراً اس عالم کو تباہ کر دے) کیونکہ سمجھ مین آوے نہین اس لیے غلط فہمی سے گمراہی پھیل جاوے اور وہ سبب فسادِ عالم کا ہو اسلیے زیادہ بیان نہین کیا گیا اجمال پر اکتفا کیا گیا۔

اضافت کردنِ آدم علیہ السلام آن زلت را بخویشتن کہ ربنا ظلمنا و اضافت کردن ابلیس گناہ خود را بحق کہ ربّ بما اغویتنی

یہ مرتبط ہے اُس مضمون سے ع اختیار و جبر ایشان دیگرست ٭ چنانچہ اس قصہ سے ظاہر ہے کہ ابلیس تو جبری محض بنگیا کہ اغوا کی اسناد سے اپنے کو بالکل بے تعلق کر دیا اور حضرت آدم علیہ السلام نے باوجود اس اعتقاد کے کہ خالق جمیع افعال کے اللہ تعالیٰ ہین تاہم اسناد ظلم کی مرتبہ کسب مین اپنی جانب فرمائی اور یہی ہے توسط بین الجبر المحض والقدر المحض چنانچہ اسنادِ مذکور آیہ ربنا ظلمنا مین مذکور ہے اور اعتقادِ مذکور حدیث محاجہ موسیٰ علیہ السلام مین مروی ہے مولانا قصہ سے پہلے اس توسط کی تحقیق فرماتے ہین۔

کردِ حق و کردِ ما ہر دو بہ بین	کرد ما را ہست دان پیداست این
گر نباشد فعل خلق اندر میان	پس مگو کس را چرا کردی چنان
خلق حق افعال ما را موجد ست	فعل ما آثار خلق ایزد ست
لیک ہست آن فعل ما مختار ما	زو جزا گہ نورِ ما گہ نارِ ما

(کرد بمعنی فعل ہست موجود خلق در فعل خلق بمعنی مخلوق. و در خلق حق و آثار خلق بمعنے پیدا کردن) مطلب یہ کہ فعل حق کو اور ہمارے فعل کو دونون کو دیکھو اور ہمارے فعل کو بھی موجود سمجھو کہ اُسکا وجود بدیہی ہے (دلیل بداہت یہ ہے کہ) اگر مخلوق کا فعل درمیان مین نہو تو کسیکو یون مت کہا کرو کہ تمنے یہ کام اسطرح کیون کیا (آگے فعل حق اور فعل عبد کی تعیین اور انمین جو باہم نسبت ہے اوسکا بیان ہے کہ) حق تعالیٰ کا فعل (کہ وہ خالقیت ہے) ہمارے افعال کا موجد ہے اور ہمارے افعال (کہ کسب ہے) خالقیت باری تعالیٰ کے آثار ہین لیکن وہ فعل ہمارا اختیاری ہے اور اُسی کے سبب جزا ملتی ہے کبھی نور (ثواب) کبھی نار (عذاب) غرض حق تعالیٰ خالق اور مختار مطلق ہین اور عبد کاسب مختار من وجہ ہے اس ارتباطِ مذکور کی بڑی عمدہ مثال یہ ہے کہ ایک بڑا بھاری پتھر ہے ایک حاکم نے اپنے حشم سے اعلان کر دیا کہ اس کا اٹھانا جرم ہے اور کیسی سے بدون ہمارے ہاتھ لگائے اُٹھ بھی نہین سکتا اور جو بارادہ اُٹھانے کے اسکو ہاتھ لگا دیگا ہم فوراً اُٹھوا دین گے اور اُسکو باعتبار قصد سے اسکا اُٹھانا قرار دیکر جرم قائم کرینگے اس صورت مین ظاہر ہے کہ اُٹھانے والیکا زور کافی بھی نہین مگر اُٹھانے مین بے قصور بھی نہین اور اوٹھوا دینے مین اور پھر مجرم قرار دینے مین حاکم پر کوئی الزام بھی نہین یہ اُٹھانا کسب ہے اور اُٹھوانا خلق ہے اور چونکہ خلق ہمیشہ متضمن مصالح و حکم کو ہوتا ہے اسلیے وہ مطلقاً خیر ہے گو ہم کو اون اسرار کا علم نہو کسب مین مفاسد بھی ہوتے ہین اس لیے وہ گاہے شر بھی ہوتا ہے۔

ناطقے یا حرف بیند یا غرض	کے شود یکدم محیطِ دو عرض

گر بمعنی رفت شد غافل ز حرف / پیش و پس یک دم نه بیند هیچ طرف
آن زمان که پیش بینی آن زمان / تو پس خود کی ببینی این بدان
چون محیطِ حرف و معنی نیست جان / چون بود جان خالق این هر دوان
حق محیط جمله آمد اے پسر / وا ندارد کارش از کار دگر
گفت ایزد جانِ ما را مست کرد / چونکه نداند آنکه را خود هست کرد

(ان اشعار مین یہ بیان کرنا مقصود ہی کہ عبد خالق افعال نہین جو مبنی ہی دو مقدمون پر مقدمۂ اولی۔ عبد اپنے افعال کو علمًا محیط نہین۔ مقدمۂ ثانیہ۔ خالق اپنی مخلوق کو علمًا محیط ہوتا ہی نتیجہ عبد خالق افعال نہین۔ اول مقدمہ اولی کا بیان فرماتے ہین کہ) بولنے والا جب بولتا ہی یا تو صرف حروف والفاظ کو دیکھتا ہی اور یا غرض و معنی کو دیکھتا ہی (یعنی چونکہ نفس ایک آن مین دو طرف متوجہ نہین ہوسکتا اسلیے اگر اسکی توجہ تام لفظ کی طرف ہو تو معنی کی طرف توجہ نہین ہوسکتی اسی طرح بالعکس) اور ایک آن مین (دفعةً) دو عرض کو (کہ لفظ اور معنی ہین) محیط (علمًا) نہین ہوسکتا اگر معنی کی طرف (مثلاً) متوجہ ہوتا ہی تو لفظ سے غافل ہوجاتا ہے (اسکی مثال ایسی ہی کہ) آگے اور پیچھے ایک ہی آن مین نہین دیکھ سکتا جسوقت (مثلاً) آگے دیکھوگے اسوقت پیچھے کب دیکھ سکتے ہو اسکو سمجھ لو (یہ تحقیق ہوئی مقدمۂ اولی کی) جب روح انسانی لفظ اور معنی کا (دفعةً) احاطۂ علمی نہین کرسکتی تو وہ ان دونون کی خالق کب ہوسکتی ہے (اسمین اشارہ ہے مقدمۂ ثانیہ کی طرف اور تصریح ہی نتیجہ کی تقریر اس مقدمہ کی یہ ہی کہ ایجاد اختیارًا موقوف ہی علم تام پر جو مراد ہی علم محیط سے اور عبد سے اسکا منفی ہونا ثابت ہوچکا ہی پس عبد خالق بھی نہین ہی البتہ) حق تعالی جمیع اشیاء کو (علمًا) محیط ہین کہ انکو ایک کار دوسرے کار سے غافل نہین کرتا (سب کا علم دفعةً ہوتا ہی پس خالق بھی وہی ہوسکتے ہین پس انھون نے جب پیدا کرنے کے لیے کلمۂ کن فرمایا تو) اللہ تعالی نے (اس کلمۂ کن کے فرمانے نے) ہمکو مست (مسخر قدرت) کردیا (کہ ہم بلا اپنے اختیار کے موجود ہوگئے اور بھلا ان کو ایسی اشیاء کا علم نہوگا جنکو خود پیدا کیا (یہ مضمون ہے اس آیت کا الا یعلم من خلق وهو اللطيف الخبير) اب بعد تحقیق عقیدۂ متوسط بین الجبر والقدر کے وہ قصہ سرخی کا لکھتے ہین)

گفت شیطان کہ بما اغویتنی / کرد فعلِ خود نہان دیو دنی
گفت آدمؑ کہ ظلمنا نفسنا / او ز فعلِ حق نہ بُد غافل چو ما
در گنہ او از ادب پنہانش کرد / زان گنہ بر خود زدن او بر بخورد
بعد توبہ گفتش اے آدمؑ نہ من / آفریدم در تو این جرم و محن
نے کہ تقدیر و قضاے من بُد آن / چون بوقت عذر کردی آن نہان
گفت ترسیدم ادب نگذاشتم / گفت من ہم پاس آنت داشتم
ہر کہ آرد حرمت او حرمت برد / ہر کہ آرد قند لوزینہ خورد

طیبات از بہر کہ للطیبین	یار را خوش کن مرنجان و ببین

یعنے شیطان نے بما اغویتنی کہا جس مین اسناد اغوا کی اللہ تعالیٰ کیطرف کی اور اپنے فعل کو ذکر کسب غوایت ہی پوشیدہ کیا اور حضرت آدم علیہ السلام نے کہا ظلمنا انفسنا جسمین نسبت ظلم کی اپنے نفس کیطرف کی یہ بات نہین کہ وہ فعل حق سے کہ خلق ہے غافل ہون جس طرح ہم اکثر امور مین اللہ تعالیٰ کی خالقیت سے غافل ہوکر دعوی بگھارا کرتے ہین مگر گناہ کے مقدمہ مین ادب کیوجہ سے فعل حق کو پنہان رکھا اور ذکر نہین کیا اور اسی امر کی بدولت کہ گناہ کو اپنی طرف منسوب کیا نیک پھل بھی ملا کہ عفو و رفع درجات سے مشرف ہوے جب توبہ قبول ہوچکی تو حق تعالیٰ نے انسے فرمایا (شاید مولانا نے کسی جگہ دیکھا ہوگا) کہ اے آدم کیا اس جرم و ابتلا کا خالق مین نہین ہون کیا یہ میری ہی قضا سے واقع نہین ہوا پھر معذرت کے وقت تمنے اسکا ذکر کیون نہین کیا حضرت آدم علیہ السلام نے عرض کیا کہ مجھکو یہ سب معلوم ہے مگر مین بے ادبی سے ڈرا اور ادب ترک نہین کیا ارشاد ہوا کہ دیکھو پھر مین نے تمھارے اس ادب کا کیسا لحاظ رکھا (خلاصہ یہ کہ ابلیس نے جبریہ محض کا سلک اختیار کیا جو باطل محض ہے اور حضرت آدم علیہ السلام نے مثل اہل حق کے قدر و جبر مین توسط اختیار کیا کہ حق تعالیٰ کو خالق اور اپنے کو کاسب قرار دیا مگر باقتضاے مقام خالقیت کا اظہار نہین کیا اور کاسبیت کا اظہار کردیا اب مولانا مصرعہ دوم کی تائید مین فرماتے ہین کہ جو شخص درگاہ خداوندی مین حرمت لاتا ہے (اور پاس ادب رکھتا ہے وہ صلہ مین حرمت ہی لے جاتا ہے (اور مقبول و مقرب بن جاتا ہے) اور مثل مشہور ہے کہ قند لاؤ لوزینہ لو اور (خود مضمون قرآنی ہے) الطیبات للطیبین یعنی اچھی حالتین اچھے لوگون کے لیے ہین سو محبوب حقیقی کو (ادب سے) خوش رکھو اور (بے ادبی سے ناخوش مت کرو اسکا خیال رکھو کیا خوب کہا ہے ع طرق العشق کلہا آداب + (ادبوا النفس ایہا الاصحاب)

تمثیل

یک مثال اے دل پئے فرقے بیار	تا بدانے جبر را از اختیار
دست کو لرزان بود از ارتعاش	وانکہ دستے را تو لرزانی زجاش
ہر دو جنبش آفریدہ حق شناس	لیک نتوان کرد این با آن قیاس
زان پشیمانے کہ لرزانیدیش	چون پشیمان نیست مرد مرتعش
مرتعش را کے پشیمان دیدۂ	برچنین جبرے چہ برچسپیدۂ

(ان مین توضیح مضمون بالا کی فرماتے ہین کہ) اے دل جبر و اختیار مین فرق بتلانے کیلیے ایک مثال لانی چاہیے تاکہ ایک کو دوسرے سے ممتاز کرکے جان سکو وہ مثال یہ ہے کہ ایک ہاتھ تو ایسا فرض کیا جاوے جو رعشہ سے لرزان ہے اور ایک دوسرا ہاتھ ایسا فرض کیا جاوے جسکو تم خود اپنے قصد و اختیار سے حرکت دو تو ہر چند کہ یہ دونون حرکتین اس امر مین مشترک ہین کہ آفریدہ حق ہین لیکن تاہم من کل الوجوہ دونون مساوی نہین کہ ایک کی حالت کو دوسرے

کی حالت پر قیاس کر سکین (بلکہ دونون مین ایک بدیہی فرق ہے کہ رعشہ کی حرکت غیر اختیاری ہے اور حرکت ارادیہ اختیاری ہے حرکت ارتعاشیہ مین جبر محض ہے حرکت ارادیہ مین کچھ اختیار بھی ہے اور اس فرق کے بدیہی ہونے کی دلیل یہ ہے کہ اس حرکت ارادیہ پر کبھی ندامت بھی ہوتی ہے (مثلا جب اوس سے کچھ نقصان ہو جاوے) اور مرتعش کو کیا وجہ کہ کبھی ندامت نہین ہوتی مرتعش کو کبھی نادم نہ دیکھا ہوگا (بس یہ ندامت دلیل ہی کہ نادم اس فعل کو اپنی طرف منسوب سمجھتا ہے اور اپنے قصد واختیار کو اوس مین دخیل جانتا ہی تو باوجود وضوح فرق وثبوت اختیار کے) پھر جبر محض پر کیون جمے ہوئے ہین۔

بحث عقلی ست این چہ عقل آن حیلہ گر ۔ تا ضعیفے رہ برد آنجا مگر
بحث عقلی گر در و مرجان بود ۔ آن دگر باشد کہ بحث جان بود
بحث جان اندر مقام دیگر ست ۔ بادۂ جان را قوامے دیگر ست
آن زمان کہ بحث عقلی ساز بود ۔ این عمرؓ با بوالحکم ہمراز بود
چون عمرؓ از عقل آمد سوے جان ۔ بوالحکم بوجہل شد در بحث آن
سوے حس وسوے عقل او کامل ست ۔ گرچہ خود نسبت بجان او جاہل ست
بحث عقل وحس اثر دان یا سبب ۔ بحث جانی یا عجب یا بوالعجب
ضوء جان آمد نماند اے مستضی ۔ لازم وملزوم ونافی مقتضی
زانکہ بینائی کہ نورش بازغ ست ۔ از عصا دان کہ عصاکش فارغ ست

(ان اشعار مین دلیل مذکور کا عقلی ہونا اور بقابلہ علم وہبی کے دلائل عقلیہ وعلوم استدلالیہ کا ضعیف ہونا بیان فرماتے ہین کہا یہ دلیل جو اوپر مذکور ہوئی بحث عقلی ہے (چنانچہ ظاہر ہے کہ فعل اضطراری کے ملزوم اور عدم ندامت کے لازم ہونیکا اثبات کیا اور پھر لازم یعنی عدم ندامت کا بعض افعال سے انتفا کیا اس سے ملزوم یعنی اون بعض افعال کا اضطراری ہونا منتفی ہوگیا پس اختیار کا وجود ثابت ہوگیا وہو المطلوب آگے ان علوم استدلالیہ کا ضعف اسلیے بیان کرتے ہین تاکہ طالب حق علوم وہبیہ کی طرف راغب ہو اور اوسکے حصول کا جو طریق ہے کثرت ذکر وتصفیہ قلب وتزکیہ نفس اوسمین مشغول ہو اور قیل وقال مین نہ پھنسا رہے پس فرماتے ہین) اور عقل بیچاری ہے کیا چیز صرف ایک حیلہ گر ہے (کہ اثبات مطلوب واسکات خصم کی ایک تدبیر نکال لیتی ہے گو اوسکو خود بھی شفا نہو گو یہ حیلہ گری اثبات حق کے لیے ہی محمود ہے مگر چونکہ عین الیقین وحق الیقین کو مفید نہین جسکو علم وہبی مفید ہے اسلیے اوسکے مقابلہ مین اوسکو حیلہ گر کہا گیا) اور اس حیلہ سے اتنا فائدہ ہے کہ جو شخص ضعیف ہی (یعنی علوم وہبیہ کی قوت نہین رکھتا) وہ اس سے امور حقہ کا کچھ پتہ لگالیوے (گو مرتبہ علم الیقین ہی مین سہی) اور مباحث عقلیہ اگرچہ حسن وخوبی مین مثل در ومرجان کے ہون لیکن وہ جو علوم روحانی ہین وہ اور ہی چیز ہین (مطلب یہ ہی کہ جو مباحث عقلیہ ردوانکار حق کیلیے ہین وہ تو مذموم ہین ہی جیسا اکثر مباحث فلسفیہ اونکا تو ذکر ہی نہین اونہین جو علوم محمود بھی ہین جیسے دلائل اثبات حقائق

کے جنکو تشبیہ دُر و مرجان کے ساتھ دی ہے وہ بھی باوجود محمود و حق ہونیکے علوم روحانیہ سے کم درجہ ہین۔

تحقیق مسئلہ تفاضل علوم عقلیہ و وہبیہ

ف تحقیق مسئلہ تفاضل علوم عقلیہ و وہبیہ جاننا چاہیے کہ دونون قسمون مین جو علم یقیناً کسی قاعدہ شرعیہ کے مخالف ہو وہ تو یقیناً باطل ہے اور جو علوم حقہ ہین انمین دونون قسمون مین دو دو قسمین ہین۔ علم عقلی بھی دو قسم ہی قطعی اور ظنی۔ اور علم وہبی بھی دو قسم ہے قطعی یعنی وحی۔ اور ظنی یعنی الہام پس وہبی قطعی عقلی قطعی سے افضل ہے۔ اور وہبی ظنی عقلی ظنی سے افضل ہے خود صاحب علم کے لیے بھی اور اوسکے تبعین کے لیے بھی پس علوم منقولہ شرعیہ دیگر علوم سے افضل ٹھہرے اور مراد مولانا کی یہی ہے اور عقلی قطعی۔ وہبی ظنی سے افضل ہے کیونکہ عقلی قطعی جسقدر اثبات حق مین قوی ہے وہبی ظنی نہین ہے آگے اوسی مضمون بالا کی تتمیم ہے کہ) مباحث علوم روحانیہ کے اور ہی مقام مین ہین (کہ وہ مقام وحی اور الہام کا ہے کیونکہ شراب روحانی کا (جس سے روح کو نشاط ہوتا ہے) اور ہی قوام اور مادہ ہے (کہ وہ معرفت و محبت خداوندی ہے کہ اوسکی بدولت وہ علوم روحانیہ نصیب ہوتے ہین) جس زمانہ مین کہ علوم عقلیہ کی بحث کا ساز و سامان موجود تھا یعنی زمانۂ بعثت نبوی کے قبل کہ عرب مین نور وحی نہ تھا صرف رائے اور تجربہ پر سب مدار تھا اوسوقت (حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ابو الحکم کے ساتھ (یہ لقب سابق ہے ابوجہل کا) ہمراز تھے (یعنی اوسمین دونون برابر تھے بلکہ غالباً ابوجہل اسمین بڑھا ہوا تھا مگر) جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ علم عقلی سے علم روحانی کی طرف آگئے (یعنی مشرف باسلام ہوگئے جس سے علوم روحانیہ منکشف ہوگئے) تو اوسمین ابو الحکم (نرا) ابوجہل ثابت ہوا (اور اپنے علوم عقلیہ سے مقابلہ حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کا نہ کرسکا) علوم حسیہ اور علوم عقلیہ مین وہ بیشک کامل ہے لیکن باعتبار علوم روحانیہ کے جاہل محض ہے علوم عقلیہ و حسیہ کا مدار بحث یا اثر یعنی معلول ہے یا سبب یعنی علت ہے (کیونکہ استدلال نظری گاہے علت سے معلول پر ہوتا ہے جسکو عرف منطق مین (دلیل لمی کہتے ہین گاہے معلول سے علت پر ہوتا ہے جسکو دلیل انی کہتے ہین) اور مباحث علوم روحانیہ کے یا عجیب ہین یا عجیب سے بھی زیادہ عجیب ہین (ابو العجب زیادہ عجیب کو اسلیے کہا کہ اب کہتے ہین اصل کو اور ظاہر ہے کہ اصل اپنی فرع سے اوس وصف خاص مین جسمین اصالت و فرعیت ہو زیادہ ہوتی ہے غالباً عجیب سے مراد علم الہامی ہی وجہ عجیب ہونے کی ظاہر ہے کہ بلا توسط اسباب ظاہری کے ہے اور زیادہ عجیب سے مراد علم وحی ہے اوسکا زیادہ عجیب ہونا اسلیے ہی کہ اسمین وہ اسباب بھی نہین جو الہام مین ہوتے ہین بلکہ یہ علم اوس سے بھی عالی ہے) الغرض جب نور روحانی کا غلبہ ہوتا ہے تو اسے طالب نور اسوقت یہ سب رخصت ہو جاتے ہین لازم۔ ملزوم نافی مقتضی۔ (یہ طریقے ہین استدلال عقلی کے ملزوم کے وجود سے وجود لازم پر اور لازم کے عدم سے عدم ملزوم پر اسیطرح نافی کے وجود سے منفی کے عدم پر اور مقتضی کے وجود سے مقتضا کے وجود پر استدلال کیا جاتا ہے) وجہ ان سب طرق کے رخصت ہوجانے کی یہ ہے کہ جس بینا کا نور چشم روشن ہوتا ہے وہ عصا اور عصاکش سے فارغ ہوتا ہی پس علم وہبی مثل چشم روشن کے ہی اور دلیل عقلی اور اسکا مدرس مثل عصا و عصاکش کے ہی۔

تفسیر وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَمَا كُنْتُمْ

یہ سرخی مرتبط ہے اوس شعر کے ساتھ جو عموم تصرفات الٰہیہ بیان مین آیا تھا این معیت باحق ست و جبر نیست الخ

بار دیگر ما بقصہ آمدیم
ما ازان قصہ برون خود کے شدیم

گر بجہل آئیم آن زندان اوست
ور بعلم آئیم آن ایوان اوست

گر بخواب آئیم مستان وییم
ور به بیداری بدستان وییم

ور بگرییم ابر پر زرق وییم
ور بخندیم آنزمان برق وییم

ور بخشم و جنگ عکس قہر اوست
ور بصلح و عذر عکس مہر اوست

ما کہ ایم اندر جہان پیچ پیچ
چون الف او خود چہ دارد ہیچ ہیچ

چون الف گر تو مجرد مے شوے
اندرین رہ مرد مفرد مے شوے

جہد کن تا ترک غیر حق کنے
دل ازین دنیاے فانی بر کنے

این سخن را نیست پایان اے پسر
از رسول روم بر گو با عمر

(دستان حکایت۔ زرق بمعنی ازرق آب صافی۔ یعنی ہم پھر اوسی مضمون معیت کی طرف رجوع ہوتے ہین اور واقع مین ہم اوس مضمون سے خارج ہی کب ہوے ہین بلکہ یہ تحقیق جبر و قدر کی بھی اُسی کے متعلقات سے درمیان مین آگئی تھی اب اوسی مضمون معیت کا تتمہ بیان فرماتے ہین کہ اگر ہم جہل مین مبتلا رہین تو یہ اُن ہی کا زندان ہے یعنی حق تعالی ہی کا تصرف ہے کہ محبس جہل سے نہین نکلے (یضل من یشاء) اور اگر علم تک ہماری رسائی ہوجاوے تو یہ بھی اُن ہی کا ایوان ہے کہ درجہ علم اون کے تصرف سے عطا ہوا (یھدی من یشاء) اور اگر سو رہین تو اون ہی کے بیہوش کیے ہوے ہین (اللہ یتوفی الانفس حین موتھا والتی لم تمت فی منامھا) اور اگر جاگ اُٹھین تو بھی اون ہی کی گفتگو مین ہین (یعنی یہ قوت بیانیہ اون ہی کی عطا فرمائی ہوئی ہے خلق الانسان علمہ البیان الم نجعل لہ عینین ولسانا وشفتین) اور اگر ہم رونے لگین تو بھی اُنھین کے ابر پرآب ہین (تشبیہا ابر کہدیا) اور اگر ہم ہنسنے لگین اوس وقت بھی اُنھین کی برق ہین (یعنی یہ رونا ہنسنا بھی اون ہی کے تصرف سے ہے وانہ ھو اضحک وابکی) اور اگر ہم خشم و جنگ مین لگ جاوین تو وہ بھی اُن کے قہر کا عکس ہے (یعنی یہ صفت قہر بھی اُنکی دی ہوئی ہے جس کا عکس اور اثر یہ خاص خشم و جنگ ہے) اور اگر ہم صلح و عذر مین مشغول ہون تو بھی وہ اون کی مہر کا عکس ہے (یعنی یہ صفت لطف بھی اون کی عطا ہے جس کا اثر یہ صلح خاص ہے وَاَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِھِمْ) غرض ہم اس عالم پیچ در پیچ مین کیا چیز ہین محض مشابہ الف کے ہین جو خالی محض ہے (کہ مخرج اوسکا خلا محض ہے حرکت اُس پر نہین نقطہ سے وہ خالی ہے ذرا کسی ساکن کے پاس آیا اور حذف ہوا اور یون معدوم محض نہین اسی طرح ہم لوگ بھی ایک ضعیف ہستی رکھتے ہین مگر کسی کمال اور صفت مین مستقل نہین نہ علم مین نہ قدرت مین بلکہ ہر امر مین محتاج ہین تکوین الٰہی کے اور اسی مضمون کے استحضار کو اوپر بیت کہا ہے اس لیے یہ مضمون تتمہ ہوا بیان معیت کا اور ضعف ہستی ممکنات ہر چند کہ واقع مین ثابت ہے مگر اس کا استحضار و معرفت محتاج تحصیل ہے اسی واسطے ثبوت دائمی

سکے اعتبار سے تو یہ کہا گیا ہے ؎ چون الف او خود چہ دارد الخ اور ترغیب تحصیل معرفت کے لیے آگے فرماتے ہین کہ اگر تم الف کی طرح مجرد ہو جاؤ (یعنی اپنے خلو عن الکمالات کی معرفت حاصل کر کے حالاً وعملاً اپنے اوپر غالب کر لو) تو اس راہ مین تم مرد یگانہ بن جاؤ (آگے اسکا طریقہ یہ ترک ماسوی اللہ ہے جس سے یہ معرفت حاصل ہوتی ہے بتلاتے ہین کہ) کہین کوشش کرو کہ غیر حق کو ترک کر دو اور اس دُنیاے فانی سے دل کو اُٹھا لو (اب قصہ سفیر روم کی طرف رجوع کرنے کے لیے فرماتے ہین کہ) اس مضمون کا تو کہین خاتمہ ہی نہین اسلیے سفیر روم کا جو قصہ حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے ساتھ ہوا اسکو بیان کرو۔

سوال کردن رسول روم از عمر رضی اللہ تعالی عنہ سبب ابتلاے ارواح با این آب و گل جسم

از عمرؓ چون آن رسول این را شنید
روشنیٔ در دلش آمد پدید

محو شد پیش سوال وہم جواب
گشت فارغ از خطا و از صواب

اصل را دریافت بگذشت از فروع
بہر حکمت کرد در پرسش رجوع

با عمر گفت او چہ حکمت بود و سر
حبس آن صافی درین جاے کدر

آب صافی در گلے پنہان شدہ
جان باقی بستۂ ابدان شدہ

فائدہ فرما کہ این حکمت چہ بود
مرغ را اندر قفس کردن چہ سود

یعنی حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے اوس سفیر رومی نے جب یہ مضمون سنا کہ روح کا تعلق بدن کے ساتھ امر کن سے ہو گیا جیسا اوپر آیا ہے ؎ گفت حق بر جان فسون خواند و قصص الخ، تو اس سے اوس کے قلب مین ایک نور (علم حقیقت کا) پیدا ہو گیا (جس سے اوس کے قلب کو اپنے سوال کے جواب مین کہ روح و بدن کے تعلق کا سبب پوچھتا تھا اشفار ہو گئی) اور سب سوال و جواب (کہ تعلق مذکور کے اسباب جزئیہ کے متعلق خیال مین پیدا ہو رہے تھے) محو ہو گئے اور اُن خیالات کے صحیح و غلط ہونے کی تحقیق سے فارغ اور بے فکر ہو گیا کیونکہ اصل سبب (کہ امر کن ہے) اُس کو تحقیق ہو گیا، اس لیے اسباب فرعیہ جزئیہ کی تحقیق کی اوس کو ضرورت نہ رہی اب (بعد تعیین سبب تعلق کے) وہ اس تعلق روح و بدن کی حکمت پوچھنے کی طرف متوجہ ہوا اور حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ سے عرض کیا کہ اس مین کیا حکمت تھی کہ روح صافی کو جسم مکدر مین محبوس فرمایا گویا آب صافی گل مین مستور ہو گیا یعنے روح باقی (کہ خلود کے لیے پیدا ہوئی ہے) اجسام مین مقید ہو گئی تو اس کا فائدہ ارشاد فرمائیے کہ اس مین کیا حکمت تھی اور اس مرغ روح کو قفس جسم مین بند کرنے سے کیا نفع تھا۔

گفت تو بحث شگرفے مے کنے
معنے را بند حرفے مے کنے

حبس کردی معنے آزاد را
بند حرفے کردۂ تو باد را

از برای فائدہ این کردہٗ	تو کہ خود از فائدہ در پردہٗ
آنکہ از وے فائدہ زائیدہ شد	چون نہ بیند آنچہ ما را دیدہ شد
صد ہزاران فائدہ است وہر یکے	صد ہزاران پیش آن یک اندکے

ذ شکرت عظیم۔ باد ہوا مراد معنی مجاز ازبنا برآنکہ ہر دو غیر منضبط اند یعنی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ تو بہت بڑی بات کی تحقیق کرتا ہے (کیونکہ تفتیش حکمت کی امر عظیم ہے) اور بہت بڑے مضمون کو حروف و الفاظ میں بند کرنا چاہتا ہے (کیونکہ بیان حکمت کو الفاظ جواب میں لانے کی درخواست کرتا ہے آگے اس مضمون کے بڑے ہونے کو فرماتے ہین کہ تو معنی آزاد (یعنی مضمون غیر محدود) کو محبوس (یعنی محدود و مقید) کرنا چاہتا ہے (چونکہ حکمتیں اور اسرار و مصالح الٰہیہ غیر متناہی ہین اور غیر متناہی حد سے خارج ہوتا ہے اسلیے بیان حکمت کو معنی غیر محدود کہا اور اسی غیر محدود ہونے کی وجہ سے اوسکو دوسرے مصرعہ مین باد سے تشبیہ دیتے ہین کہ تو ہوا کو حروف مین مقید کرنا چاہتا ہے (ہر چند کہ باد غیر متناہی نہین ہے مگر کسی درجہ مین چونکہ غیر منضبط ہے تشبیہ کے لیے تھوڑی مناسبت کافی ہے مقصود جواب کا یہ ہے کہ تو جو تحقیق حکمت کی کرتا ہے سو وہ غیر متناہی ہین اور الفاظ و عبارت متناہی ہین لہٰذا وہ اسکے لیے کافی نہین اسلیے بیان کرنا اونکا محال ہے چنانچہ آیندہ شعر صد ہزاران الخ مین اسی لاتناہی کیطرف اشارہ ہے کیونکہ ایسے الفاظ محاورات مین مخصوص اپنے معنی لغوی کے ساتھ نہین ہوا کرتے غرض قال مین تو انکا آنا مستحیل ہے اسلیے قال کی فکر تو چھوڑنا چاہیے اب صرف دو صورتین ہین یا تو اجمالاً سمجھ لینا چاہیے کہ ضرور کوئی فائدہ ہو کیونکہ فعل الحکیم لایخلو عن الحکمۃ اور تعیین و تفصیل کے درپے نہونا چاہیے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ تصفیۂ قلب مین کوشش کیجاوے تا کسیقدر اسرار کا انکشاف ہو اور اُس سے شفا ہو جاوے چنانچہ ان اشعار مین صورت اولیٰ مذکور ہے ؎ از برائے فائدہ این کردہ الخ اور آیندہ اشعار مین صورت ثانیہ مذکور ہے ؎ شکر حق چون طوق ہر گردن بود الخ چنانچہ شرح اونکی آتی ہے) یہ جو تو سوال کر رہا ہے ضروری بات ہے کہ کسی فائدہ کے لیے کر رہا ہے (مثلاً وہ فائدہ یہی ہے کہ اس مسئلہ کی تحقیق ہو جاوے) حالانکہ تو خود فوائد (کے علم محیط) سے حجاب مین ہے (یعنی پورے طور سے فوائد و مصالح کا احاطہ نہین کر سکتا کیونکہ ظاہر ہے کہ ممکن کا علم ناقص ہے پس جب تو باوجود محیط بالفوائد نہونے کے اپنے افعال مین رعایت فائدہ اور حکمت کی رکھتا ہے چنانچہ خود اس سوال مین بھی فائدہ سوچ رکھا ہے) تو جس ذات پاک کی قدرت سے فوائد پیدا ہوئے ہین بھلا جو فوائد ہمکو ملحوظ ہور ہے ہین کیا اُن کو ملحوظ اور مرعی نہون گے (مگر کوئی ایک آدھ فائدہ ہو تو بیان بھی کیا جاوے یہان تو) لاکھون فائدے ہین اور اُن لاکھون فائدون مین ایک ایک فائدہ ایسا عظیم اور مشتمل بر مصالح کثیرہ ہے کہ لاکھون فائدے بھی اوس ایک کے روبرو قلیل و ہیچ ہین۔

آن دم نطقت کہ جزو جزوہاست	فائدہ شد کل کل خالی چراست
آن دم نطقیکہ جان جانہاست	چون بود خالی ز معنی گوے راست

تو کہ جزوی کار تو با فائدہ ست | پس چرا در طعن کل آری تو دست
گفت را گر فائدہ نہ بود مگو | ور بود بل اعتراض و شکر جو
شکر یزدان طوق ہر گردن بود | نے جدال و رو ترش کردن بود
گر ترش رو بودن آمد شکر و بس | پس چو سرکہ شکر گوی نیست کس
سرکہ را گر راہ باید در جگر | گو برو سرکنگبین شو از شکر
معنی اندر شعر جز با خبط نیست | چون فلاسنگ ست و اندر ضبط نیست

یعنی تیرا بولا ہوا کلام جو کہ (کلام قدیم کی نسبت) نہایت ہی ادنی درجہ کا ہی (جیسا کہ واسطہ کا جزو الجزو کل کے سامنے ادنی درجہ کا ہوتا ہی جب وہ با فائدہ ہی تو جو کلام کہ کل الکل ہی (یعنی کلمہ کن کہ کلام قدیم ہی) اور کلام حادث سے بدرجہاے بیشمار عالی ہی جیسا کل الکل جزو الجزو سے عالی ہی وہ فائدہ سے خالی کیون ہوگا وہ بولا ہوا کلام جو روح الارواح ہی (کیونکہ ارواح مین حیات اُسی کلمہ کن سے آئی ہی) وہ معنی سے یعنی مقصود و فائدہ سے کیونکر خالی ہوگا جب تیرا کلام باوجود ناقص و حادث ہونے کے با فائدہ ہے تو قدیم و کامل کے کلام مین طعن (یعنی اشتباہ جو موہم طعن ہے) کیون کرتا ہے غرض دو حال سے خالی نہین یا تو تیرے کلام مین (جس سے سوال کر رہا ہے) فائدہ ہے یا نہین اگر فائدہ نہین ہے تو ایسا کلام مت کرو (اور کچھ مت پوچھو) اور اگر فائدہ ہے تو اعتراض (یعنی شبہہ جو موہم اعتراض ہی) چھوڑ دو اور شکر حق مین سعی کرو (مراد شکر سے شکر فعلی ہی یعنی مجاہدہ و ریاضت و مشقت فی العبادۃ چنانچہ نسخہ شکر جو اسکا موید ہے اور اگر دوسرا نسخہ شکر گو کا لیا جاوے جب بھی منافات نہین شکر لسانی سے نفی شکر ارکانی کی لازم نہین آتی مجموعہ نسختین کا مطلب یہ ہے کہ کھود کرید سے کچھ فائدہ نہین اجمالاً اتنا سمجھو کہ اسمین کچھ نفع ہے اور اس نفع پر کہ نعمت خداوندی ہے شکر ادا کرو اسمین نعمت کی ترقی ہوگی کما قال تعالی لئن شکرتم لازیدنکم وہ ترقی یہ ہی کہ معرفت اُس نفع کی بھی ہو جاویگی اور نیز شکر ارکانی سے تصفیہ قلب کا ہوگا اُس سے معرفت و انکشاف اُس نفع کا ہوگا پس یہان سے بیان ہی دوسری صورت کا صورتین مذکورتین سے) اور شکر حق ہر شخص پر اس طرح لازم ہی جیسا گردن مین طوق اور جدال و ترشروئی (جو مباحثہ مین ہو جاتی ہی) شکر نہین اگر ترشروئی کا نام شکر ہو تو سرکہ کے برابر کوئی بھی شکر گزار نہو (سرکہ سے مراد عوام الناس جو بحث و جدال مین مشغول رہتے ہین) اور اگر سرکہ کو (یعنی عامی مجادل کو) منظور ہو کہ مین جگر کے اندر پہونچون (یعنی اسرار آمیز تک میری رسائی ہو) تو اُس سے کہو کہ شکر سے ملکر سکنجبین بنجا (یعنے کسی صاحب رضا و تسلیم سے تعلق پیدا کر کے اور اُسکے تصرفات تعلیمی و عملی کو قبول کر کے قابلیت و اقفیت اسرار کی پیدا کرو) اور یہ مضمون مذکور بہت وسیع ہی شعر مین تنگی کی وجہ سے ناتمام طور پر آتا ہی جس طرح بڑا پتھر کہ پھینکنے مین ضبط مین نہین رہتا کہین پھینکو کہین گرتا ہی اسی طرح مضامین عالیہ کما ینبغی احاطہ نظم مین نہین آسکتے۔

بیان مَن اَرادَ اَن یَّجلِسَ مَعَ اللہِ فَلیَجلِس مَعَ اَہلِ التَّصَوُّفِ

یہ سرخی تتمہ ہے قصہ کا و نیز مرتبط ہے شعر بالا کے ساتھ سرکہ را گر راہ باید در جگر رنج۔

آن رسول از خود بشد زین یک دو جام — نے رسالت یاد ماندش نے پیام
والہ اندر قدرتِ اللہ شد — آن رسول اینجا رسید و شاہ شد
سیل چون آمد بدریا محو گشت — میغ پیش تیغ شمسے صحو گشت
سیل چون آمد بدریا بحر گشت — دانہ چون آمد بمزرع کشت گشت
چون تعلق یافت نان با بو البشر — نان مُردہ زندہ گشت و باخبر
موم و ہیزم چون فدائے نار شد — ذاتِ ظلمانی او انوار شد
سنگ سرمہ چون کہ شد در دیدگان — گشت بینائی شد آنجا دیدہ بان

دیدہ بان کسیکہ بر بلند نشستہ بہر طرف نگاہ کند۔ یعنی وہ سفیر رومی ان ہی ایک دو مضمون سے (کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے ارشاد فرمائے) از خود رفتہ ہوگیا نہ سفارت اوسکو یاد رہی نہ پیغام یاد رہا قدرت خداوندی (کے مشاہدہ) میں دیوانہ ہوگیا اگرچہ تھا وہ سفیر مگر یہاں آکر بادشاہ (یعنی عارف مستغنی عن الدنیا) ہوگیا۔ آگے فیض صحبت کی مثالیں بیان فرماتے ہیں۔ مثال اول سیل دریا میں آکر محو ہوگیا (اسی طرح ناقص کامل کی صحبت میں صفات بشریہ سے فنا ہوجاتا ہے) مثال دوم ابر تیغ آفتاب کے روبرو گھل کر دھوپ ہوگئی کیونکہ حرارت آفتاب ابر خفیف کو تحلیل کر دیتی ہے مثال سوم سیل دریا میں ملکر دریا ہوگیا مثال چہارم دانہ کھیت میں آکر کھیتی بن گئی مثال پنجم روٹی کو جب ابو البشر سے (اسی طرح ہر بشر سے) تعلق ہوا (یعنی اوس کی غذا ہوئی) تو نان مُردہ زندہ و باخبر بن گئی (کیونکہ اوس سے بخار لطیف بنتا ہے جو مادہ حیات حیوانیہ ہے) مثال ششم موم اور اسی طرح ہیزم جب آتش پر فدا ہوگئے (یعنی آگ میں جلگئے) تو اُن کی ظلمانی ذات مبدل بانوار ہوگئی (کیونکہ بہت سے اجزاء شمعیہ و حطبیہ نار بن جاتے ہیں) مثال ہفتم سنگ سرمہ جب آنکھوں میں پہونچا وہاں جاکر بینائی اور صاحب بینائی بن گیا (سب مثالوں سے مقصود یہ ہے کہ ناقص فیض صحبت سے کامل ہوجاتا ہے)۔

اے خنک آن مردہ کز خود رستہ شد — در وجود زندۂ پیوستہ شد
وائے آن زندہ کہ با مُردہ نشست — مردہ گشت و زندگی از وے بجست
چون تو در قرآن حق بگریختی — با روانِ انبیا آمیختی
ہست قرآن حالہائے انبیا — ماہیانِ بحرِ پاکِ کبریا
ور بخوانی و نۂ قرآن پذیر — انبیا و اولیا را دیدہ گیر
ور پذیرائی چو برخوانی قصص — مرغِ جانت تنگ آید در قفص
مرغ کو اندر قفص زندانی ست — می نجوید رستن از نادانی ست

(بعد بیان امثلہ فیض صحبت کے ترغیب صحبت کاملین کی دیتے ہیں کہ) وہ مُردہ (یعنی ناقص) بہت اچھا ہے جو اپنی

خودی (اور اتباع نفس) سے چھوٹ کر کسی زندہ (یعنی کامل) کے وجود (یعنی صحبت) مین ملگیا اور افسوس ہے اوس زندہ (یعنی صحیح الاستعداد) کے حال پر جو کسی مُردہ (یعنی فاسد الاستعداد) کی صحبت مین بیٹھا اور مُردہ بن گیا اور زندگی (یعنی استعداد صحیح) اوس سے رخصت ہوگئی۔

ف ایک دوست نے یہ شبہہ کیا تھا کہ جب بُرا آدمی اچھے آدمی کی صحبت مین جاوے گا اور وہ بُری صحبت سے بچنے کے واسطے اوس سے بھاگے گا تو صحبت نیک سے منتفع ہونے کی کیا صورت ہوگی احقر نے جواب دیا کہ اثر مطلوب ہوتا ہی پس صحبت بد وہ ہے جس کا قصد کر کے اُسکے پاس جاوے اس سے بچنا چاہیے) اور جب بد خو نیک کے پاس طالب ہوکر آیا اُسوقت اثر اُس کا ہوگا اس کو بھاگنا نہ چاہیے) اب آگے یہ فرماتے ہین کہ اگر صحبت نیک میسر نہو تو کیا کرے سو ارشاد ہے کہ جب تو قرآن مجید کے ساتھ تمسک رکھے گا تو گویا ارواح انبیا علیہم السلام ہی کی صحبت میسر ہوجاوےگی کیونکہ قرآن مجید مین حالات حضرات انبیا علیہم السلام کے ہین جو بحر کبریا کے ماہی تھے خلاصہ ارشاد کا یہ ہوا کہ اگر صحبت کامل کی میسر نہو تو اُن کے حالات وحکایات کو دستاویز بنانا بمنزلہ اُن کی صحبت کے ہے) پھر اگر صرف قرآن مجید کی تلاوت ہی کرتے ہو اور اوسکے (علوم واعمال کے) پورے قابل نہین ہوے ہو تب تو ایسا فرض کرو کہ گویا انبیا رواولیا کو صرف دیکھ لیا (مگر صحبت سے مستفید نہین ہوے مگر تاہم فائدہ سے خالی نہین) اور اگر اوس کے قابل بھی ہوگئے تو اوسوقت جب اون کے قصے پڑھوگے تو اُسکے (اثر اور برکت سے جب ماسوی اللہ دل سے نکلےگی اور حق تعالی سے تعلق بڑھے گا اسوجہ سے) تمھارا مرغ روح اس قفس تن مین تنگ ہوگا (اور طریقہ خلاصی کا ڈھونڈے گا اور یہ پذیرائی بمنزلہ اُن حضرات کی صحبت کی ہوگی) اور واقعی جو مُرغ قفس مین ہو اور خلاصی کی فکر نہ کرے سخت نادانی کی بات ہے۔

روحہاے کز قفسہا رستہ اند — انبیا و رہبر شایستہ اند
از بروں آواز شاں آید برین — کہ رہ رستن ترا این ست این
ما بدین رستیم زین تنگین قفص — جز کہ این رہ نیست چارہ این قفص
خویش را رنجور سازو زار زار — تا ترا بیروں کنند از اشتہار
کاشتہار خلق بند محکم است — در رہ این از بند آہن کی کم است
یک حکایت بشنو اے زیبا رفیق — تا بدانی شرط این بحر عمیق
بشنو اکنون داستانے در مثال — تا شوی واقف بر اسرار مقال

(اوپر فرمایا تھا کہ جو روح قفس سے چھوٹنے کی کوشش نہ کرے وہ نادان ہے اب ان ارواح کا ذکر فرماتے ہین جو خود بھی چھوٹ گئین اور دوسرون کو بھی اُسکی تعلیم دیتی ہین اور اُسکے ضمن مین رہائی کا طریق بھی بتلاتی ہین اور یہی نفع اصلی ہے اون کی صحبت سے) یعنی جو ارواح کہ قفس سے چھوٹ گئی ہین وہ حضرت انبیا (اور ہادی لوگ ہین اور عالم بالا سے اُن کی آواز اس طور پر آرہی ہے کہ رہائی کا طریق صرف یہی ہے اور ہم بھی اسی طریق

سے اس تنگ قفس سے رہا ہوئے ہین اور بجز اس طریق کے اور کوئی تدبیر ہی نہین اور وہ طریق یہ ہے کہ اپنے آپ کو بالکل رنجور اور زار و نزار (یعنی پست و شکستہ) بنا لو تاکہ تمکو عوام الناس شہرت (وجاہ) سے خارج کر دین کیونکہ خلائق مین مشہور (اور ذی جاہ) بن جانا یہ ایک سخت حجاب ہے (جو حصول فیوض سے محروم رکھتا ہے کیونکہ وہ بدون عبدیت تامہ کے حاصل نہین ہوتا) راہ خداوندی مین یہ حجاب قید آہنی سے کم نہین ہے (خلاصہ یہ ہے کہ تمام انبیا و اولیاء جو عالم بالا مین تشریف رکھتے ہین واسطہ در واسطہ اُنکی تعلیم یہی چلی آئی ہے اور اسی کو ندا راز عالم غیب فرمادیا ہے کہ وصول الی اللہ کا طریقہ ترک جاہ اور اتباع و انقیاد و تذلل احکام شرعیہ ظاہرہ و باطنہ کے روبرو اختیار کرنا ہے کیونکہ جاہ سے قبول حق یا عمل بالحق مین نقصان ہوتا ہے اور وہ مانع ہو جاتا ہے وصول الی اللہ کو آگے ایک حکایت مناسب مضمون ہذا کی تمہید ہے کہ) ایک حکایت سن لو تاکہ تمکو اس راہ کی شرط معلوم ہو جاوے اور ایک داستان کو مثال کے طور پر سن لو تاکہ ہمارے اس قول کی حقیقت سے واقف ہو جاؤ (کیونکہ اوس حکایت مین ذکر ہے کہ ایک طوطی نے بشکل مردہ بن کر دوسری طوطی کو تعلیم کیا تھا کہ ایسی حالت بنانے سے قفس سے رہائی ہو جاوے گی پس یہ مثال ہے اس کی کہ موتوا قبل ان تموتوا طریق نجات عن التعلقات والحجابات ہے)۔

قصۂ بازرگان کہ طوطی محبوس او را پیغام داد بطوطیان ہندوستان ہنگام رفتن بہ تجارت

بود بازرگان و او را طوطیے	در قفس محبوس زیبا طوطیے
چونکہ بازرگان سفر را ساز کرد	سوے ہندستان شدن آغاز کرد
ہر غلام و ہر کنیزک را ز جود	گفت بہر تو چہ آرم گوے زود
ہر یکے از وے مرادے خواست کرد	جملہ را وعدہ بداد آن نیک مرد
گفت طوطی را چہ خواہی ارمغان	کارمت از خطۂ ہندوستان

یعنی کوئی سوداگر تھا اور اوس کے پاس ایک طوطی تھی (جسکو عرف ہند مین طوطا کہتے ہین) اور وہ طوطی قفس مین محبوس تھی اور خوشنما تھی (اتفاق سے اوس سوداگر کو سفر پیش آیا) تو جب اوسنے سفر کا سامان کرنا شروع کیا اور ہندوستان جانے کا ارادہ کیا تو براہ جود و کرم ایک ایک غلام اور کنیزک سے پوچھا کہ تیرے واسطے کیا لاؤن جلدی بتلا ہر شخص نے اپنی اپنی خواہش اُس سے ظاہر کی اور اُسنے سب سے وعدہ کر لیا اسی طرح طوطی سے بھی پوچھا کہ تو کون سا تحفہ پسند کرتی ہے کہ تیرے لیے ہندوستان سے لیتا آؤن۔

گفتش آن طوطی کہ آنجا طوطیان	چون ببینی کن ز حال من بیان
کہ فلان طوطی کہ مشتاق شماست	از قضاے آسمان در حبس ماست
بر شما کرد او سلام و داد خواست	وز شما چارہ رہ و ارشاد خواست
گفت می شاید کہ من در اشتیاق	جان دہم اینجا بمیرم در فراق

این روا باشد کہ من در بند سخت ۔۔۔ گہ شما بر سبزہ گاہے بر درخت
این چنین باشد وفاے دوستان ۔۔۔ من درین حبس و شما در بوستان
یاد آرید اے مہان زین مرغ زار ۔۔۔ یک صبوحے درمیان مرغزار
یاد آرید از محبت ہاے ما ۔۔۔ حق مجلس ہا و صحبت ہاے ما
یاد یاران یار را میمون بود ۔۔۔ خاصہ کان لیلی واین مجنون بود

ادس طوطی نے جواب مین، کہا کہ وہان (یعنی ہندوستان مین) تم طوطیان کو دیکھو تو میرا حال اُنسے بیان کرنا کہ فلانی طوطی جو تمھارے (ملنے کی) اشتاق ہے وہ قضاے آسمانی سے ہماری قید مین ہے اُسنے تمکو سلام کہا ہی اور داد خواہی کی ہے اور تم سے تدبیر (طریق نجات کی) اور مشورہ کی درخواست کی ہے اور یون کہاہے کہ بھلا یہ زیبا ہے کہ مین تو اشتیاق مین اپنی جان دیدون اور یہان فراق مین مرجاؤن اور بند سخت مین مبتلا رہون اور تم کبھی سبزہ پر جا بیٹھو اور کبھی درخت پر۔ کیا دوستون کی وفاداری ایسی ہی ہوتی ہے کہ مین اس محبس مین اور تم باغون مین اے بزرگو بھلا کبھی تو کسی صبح کے وقت سبزہ زار مین جا کر اس ناتوان کو یاد کر لیا کرو اور اُن (قدیم) محبتون کو تو کبھی یاد کر لیا کرو اور جو جلسے اور صحبتین ہوا کرتی تھین اُنکا حق تو کبھی یاد کر لیا کرو کیونکہ دوستون کا یاد کرنا دوست کے لیے مبارک ہوتا ہے خاص کر جب کہ اُن مین لیلی و مجنون کا علاقہ ہو (یعنی دوستی مرتبہ عشق تک پہونچ گئی ہو ایک عاشق ہو دوسرا معشوق)

اے حریفان با بت موزون خود ۔۔۔ من قدح ہا می خورم پُر خون خود
یک قدح مے نوش کن بر یاد من ۔۔۔ گر ہمی خواہی کہ بدہے داد من
یا بیاد این فتادہ خاک بیز ۔۔۔ چونکہ خوردی جرعۂ بر خاک ریز
اے عجب آن عہد و آن سوگند کو ۔۔۔ وعدہ ہاے آن لب چون قند کو

(یہ بھی تتمہ ہے پیغام طوطی کا) یعنے اے طوطیو جو اپنے محبوب موزون کے ساتھ حریف یعنی ہم پیالہ وہم نوالہ ہو رہی ہو (یعنی اپنے دوستون مین خوش وخرم ہو) مین خون کے بھرے ہوے پیالے پی رہا ہون ایک پیالہ شراب بھی کا میری یاد پر نوش کر لو (یعنی عیش کے وقت مجھکو یاد کر لیا کرو) اگر میری داد دینا چاہتے ہو یا مجھ عاجز خاک چھاننے والے کی یاد پر سبزہ زاری کے وقت ایک آدھ چھینٹا زمین پر ڈال دو سخت تعجب ہے وہ قول و قرار جو یکجائی کے وقت ہوے تھے کہان گئے اور اس لب شیرین کے جو مشابہ قند کے ہے وعدے کہان گئے ۔

گر فراق بندہ از بد بندگی ست ۔۔۔ چون تو با بد بد کنی پس فرق چیست
این بدی کہ تو کنی در خشم و جنگ ۔۔۔ با طرب تر از سماع بانگ چنگ
اے جفاے تو ز دولت خوب تر ۔۔۔ وانتقام تو ز جان محبوب تر
نار تو این ست نورت چون بود ۔۔۔ ماتم این خود تا کہ سورت چون بود
از حلاوتہا کہ دارد جور تو ۔۔۔ وز لطافت کس نیابد غور تو

فی المثل جورت اگر عریان شود	عالم ار گریان بود خندان شود
نالم وترسم کہ او باور کند	وز ترحم جور را کمتر کند

(ان اشعار مین بطور استعمال کے خطاب ہے محبوب حقیقی کیطرف جسمین اول شکایت ہے فراق کی پھر اظہار ہے رضاء وتسلیم کا اُسپر اور چونکہ یہ اشعار غلبہ حال مین لکھے ہین بعض کلمات خلاف ادب صادر ہوگئے ہین مگر بوجہ عذر غلبہ حال کے ماول ہون گے مطلب یہ کہ) اگر میری خطا وگناہ کیوجہ سے مجھکو مبتلاے فراق کیا جاوے تو جب آپ بھی بد کے ساتھ برائی سے (یعنی سزا سے) پیش آوین تو پھر بندہ ومالک مین فرق کیارہا بلکہ اُنکی رحمت کا تو مقتضا یہ ہی کہ ہم کتنی ہی خرابی کرین وہ رحمت ہی فرماوین یہ غلبہ حال مین کہہ گئے ہین ورنہ سزاے عقوبت سے ارتفاع فرق تھوڑا ہی لازم آتا ہے آگے اُس عقوبت وجزا کا عین رحمت ہونا خصوصًا عاشق عارف کی نظر مین بیان کرتے ہین کہ آپ جو خشم وجنگ (یعنی فراق صوری) مین بندہ کے ساتھ سختی کر رہے ہین وہ بانگ چنگ کے سننے سے بھی زیادہ باطرب ہے (کیونکہ بلاے محبوب مین لطف مضمر ہوتا ہے جیسا احادیث مین ہے کہ بلا وغم سے کفارہ سیآت ورفع درجات ہوتا ہے اگر کہا جاوے کہ فراق تو عقوبت محضہ ہے جواب یہ ہی کہ یہان فراق سے مراد سخط وغضب آلہی نہین بلکہ انقطاع واردات اور سست ہوجانا حالات کا مراد ہے جسکو قبض کہتے ہین سو محقق ہوچکا ہے کہ اُسمین بھی فوائد ہوتے ہین جسمین اول درجہ مجاہدہ ومشقت وحزن ہے اسلیے معنی وہ رحمت ہے) اے محبوب آپکی جفا (یعنی بلا من جہۃ) دولت سے بھی خوبتر ہے (وجہ اوسکی اہل طریق نے یہ فرمائی ہے کہ بلا مین بہ نسبت نعمت کے تصفیہ قلب اور تربیت عبدیت کی زیادہ ہے) اور آپکا انتقام جان سے بھی زیادہ محبوب ہے اور جب آپکی نار (یعنی بلا وفراق) ایسی ہے تو آپکا نور (یعنی نعمت وصال) کیسا ہوگا (آگے تمثیل ہے کہ) جب ماتم (یعنی مصیبت) ایسی لذیذ ہے تو جشن عروسی (یعنی سامان لطف ورحمت) کیسا کچھ ہوگا آپکے جور (یعنی تجلی جلالی) مین (جسکو بلا وفراق سے تعبیر کیا ہے) جو حلاوتین ہین اور اُنکے غائت درجہ لطیف ہونے کی وجہ سے کوئی شخص اُن کے قعر (یعنی حقیقت) کو ادراک نہین کرسکتا اُن حلاوتون کے سبب سے آپکے جور کی یہ کیفیت ہے کہ اگر بالفرض وہ عریان ہوجاوے (یعنی اُسمین جو مصلحت اور رحمت مضمر ومستتر ہے وہ ظاہر ومنکشف ہوجاوے اور اہل عالم کو اسکی اطلاع ہوجاوے) تو اگر عالم گریہ مین (پہلے سے) مشغول ہو تو فورًا خندان ہوجاوے (یعنی اُن مصلحتون کے حصول سے مسرت بے اندازہ حاصل ہو) اور گو مین (اوس شدت وبلیہ ظاہری سے نالہ وشکایت (ظاہری) کر رہا ہون مگر ساتھ ہی اسکے مجھکو یہ اندیشہ ہے کہ محبوب حقیقی کہین اس کا یقین نہ کرے اور کہ واقع مین یہ شخص اس سے کارہ ہے) اور یہ یقین کرکے براہ ترحم کہین اُس جور کو کم نہ کردے (جو یعنی حلاوت بخش ولذت افزاے روح ہے باوجودیکہ محبوب حقیقی عالم الغیب والشہادۃ ہین پھر یہ کہنا کہ ترسم کہ او باور کند محض فرط عشق وغلبہ حال مین صادر ہوگیا ہے اور اس حالت مین لفظی بے ادبی عفو ہے باقی مقصود اصلی بے ادبی سے محفوظ ہے وہ یہ کہ اگر وہ میرے لیے بلا تجویز کرین تو وہ مجھکو راحت ونعمت سے زیادہ ولذیذ ہے مین اسکا زوال نہین چاہتا)

عاشقم بر قہر و بر لطفش بجد	اے عجب من عاشق این ہر دو ضد

عشق من بر مصدر این هر دو شد	چون نباشد عشق کژ دوے نیست بد
واللہ از زین خار در بستان شوم	ہمچو بلبل زین سبب نالان شوم
این عجب بلبل کہ بکشاید دہان	تا خورد او خار را با گلستان
این نہ بلبل این نہنگ آتش ست	جملہ ناخوش ہا ز عشق او را خوش ست
عاشق کل ست و خود کل ست او	عاشق خویش ست و عشق خویش جو

یعنی مین محبوب حقیقی کے قہر اور لطف دونون پر مبالغہ کے ساتھ عاشق ہون اور عجب بات ہے کہ مین ان دونون ضدون پر عاشق ہون (ضد مجازاً وصورۃً کہدیا ورنہ فی الواقع دونون صفتین ایک ذات مین جمع ہین پس ضد کیسے ہوسکتی ہین (لان الضدین لا یجتمعان) اور واقع مین میرا عشق ان دونون صفتون کے مصدر اور موصوف (یعنی ذات) پر ہے اور عشق کیونکر نہو اُس بدون تو گذر ہی نہین ہوسکتا (اور لطف پر عاشق ہونے کا تو کیا بیان ہے میرا عشق قہر پر اسقدر ہے کہ قسم ہے اگر اس خار (قہر) سے بستان (نعمت) مین چلا جاؤن تو بلبل کیطرح اس سببسے رونا شروع کردون (یہ شبہہ نہو کہ پہلے تو کہا ہے کہ مین لطف پر بھی عاشق ہون پھر بستان مین جانا سبب نالہ کا کیون ہوا جواب یہ ہے کہ یہان قہر سے مراد وہ ہے جو محبوب کا تجویز کیا ہوا ہو اور لطف سے مراد وہ ہے جو اپنا تجویز کیا ہوا ہو تو اوس لطف سے وہ قہر اچھا ہے بخلاف اُس لطف کے جسکو وہ خود تجویز کرین وہ اور قہر دونون محبوب ہونے مین مساوی ہین) یہ بلبل (یعنی عاشق ذات جس کا یہان بیان ہے) عجیب ہے کہ منہ کھولکر خار اور گلستان سب کو نگل جاتا ہے (یعنی قہر و لطف سبکو گوارا کرتا ہے بخلاف بلبل ظاہری کے کہ خار سے نفور اور گلستان کا طالب ہے) یہ بلبل کیا ہے نہنگ آتش ہے سب ناگوار چیزین اوسکو عشق کے سبب گوارا ہین کیونکہ وہ عاشق ہے ذات جامع الصفات کا (جسکو مجازاً واستعارۃً کل کہدیا) بلکہ ایک اعتبار سے عین کل ہے اور اس مرتبہ مین وہ اپنا عاشق ہے اور اپنے عشق کا جویان ہے۔

ف عینیت وغیریت کی تحقیق اور اُسکے معانی اصطلاحیہ کا بیان اوپر گذر چکا ہے خلاصہ یہ ہے کہ جب عشق الٰہی کے غلبہ سے عاشق کی ہستی اور اوس کے صفات مضمحل ہوجاتے ہین اور مشاہدہ وغلبہ استحضار صفات الٰہیہ کا رہنے لگتا ہے تو اوسوقت اپنے صفات کو مرآۃ یعنی آئینۂ مطالعۂ کمالات الٰہیہ کا دیکھتا ہے اور چونکہ مطلوب بالذات مطالعۂ کمالات الٰہیہ ہے اور اپنے ذات وصفات کو اوس کا مرآۃ وآلۂ مشاہدہ دیکھتا ہے اس حیثیت سے خود اپنی ذات وصفات بھی اوس کے مطلوب بالعرض ہوجاتے ہین پس عشق سے اضمحلال وفنا رہوا اور اُس سے غلبۂ مشاہدۂ صفاتِ الٰہیہ ہوا اور اُس سے اپنے کو آئینۂ مشاہدہ دیکھکر اپنا طالب وجویان ہوا یہ معنی ہین عین ہونے کے اور اپنے اوپر عاشق ہونے کے خوب سمجھ لو۔ اور بعض مقامات پر یعنی آغاز دفتر دوم مین مولانا نے مُرشد کو اپنی معرفت کا آئینہ فرمایا ہے تو ظاہرًا دونون مین اسلیے تعارض ہے کہ اگر آئینہ کا درجہ کم ہوتا ہے تو یہان تو اشکال نہین مگر مرشد کو آئینہ کہنے مین اشکال ہے اور اگر آئینہ کا درجہ زیادہ ہوتا ہے تو یہان اشکال ہے کہ اپنے کو آئینۂ کمالات حق کہا ہے۔ جواب یہ ہے کہ آئینہ کے لیے نہ کم درجہ ہونا ضروری نہ بلند درجہ ہونا ضروری

محض آلہ معرفت ہوتا ہی اگر وہ معرفت مقصود بالذات ہے تو آئینہ کم درجہ ہوگا جیسا یہان کہ اپنے کو آئینہ حق کہا اور اگر وہ معرفت مقصود بالعرض ہے تو آئینہ کا کم درجہ ہونا ضروری نہین جیسا اُس بعض مقامات مین ہے کیونکہ حاصل اُس مقام کا یہ ہے کہ مجھکو مرشد کی طرف کشش ہوئی کہ اُن سے فیوض حاصل کرون مگر چونکہ افادہ و استفادہ کے لیے مناسبت شرط ہے اِس لیے تحقیق کرنا ضروری ہوا کہ مین اُن سے فیض لینے کے لائق ہون یا نہین اس تحقیق کے لیے معیار کی تلاش ہوئی آخر سوچتے سوچتے یون سمجھ مین آیا کہ معیار بھی خود مرشد کی ذات ہی ہی یعنی اونکی صحبت مین رہکر اپنی حالت کی تفاوت اور ظہور استعداد کو دیکھنا چاہیے پس مین نے ناقصین سے اعراض کرکے مرشد کامل کی صحبت اختیار کی اور اپنی حالت کی کمی بیشی کو اور استعداد کی قوت و ظہور کو دیکھنا شروع کیا جب اُنکے کمالات کا انعکاس میرے قلب پر ہوا جسکو اسطرح تعبیر کیا ہے ؎ دیدہ تو چون دلم را دیدہ شد۔ الی آخر الابیات العشرۃ یعنی تمھاری آنکھ میرے قلب کی آنکھ بن گئی یعنی تمھاری صفت معرفت و بصیرت میرے قلب پر متجلی ہوئی جسکے فیض و قوت سے سیکڑون قلب تا تصہ محو معرفت ہوگئے اُسوقت مین نے اِس آئینہ کاملہ کو یعنی عکوس فیوض مرشد و ادراک استعداد کو غبار خطرات و وساوس سے صاف کیا یعنی اون فیوض و ادراک حالت استعداد کو دل مین جگہ دی اور خطرات و وساوس کی نفی کی تو اوس آئینہ مین اپنی حالت منکشف ہوئی وجہ انکشاف کی ظاہر ہے کہ جب اپنے قلب پر فیوض مرشد کے متجلی و منعکس ہوئے اور استعداد و کمالات کی مشاہدہ ہوئی تو معلوم ہوا کہ مجھ مین قابلیت انکی ہے اور مرشد سے مناسبت ہے اِس جگہ اپنی حالت کو نقش تو سے مجاز تعبیر کیا ہے یعنی نقش سے مراد حالت ہے اور باوجودیکہ وہ حالت خود اپنی ہی نقش تو سے اس لیے تعبیر کیا گیا کہ غایت مناسبت سے اپنی حالت) ایک اعتبار سے گویا مرشد کی حالت ہی۔ غرض کمالات مرشد کو اس طریق سے آئینہ قرار دیا تو چشم مرشد مین اپنا نقش دیکھا یعنی مرشد کی صفت معرفت و بصیرت کے انعکاس اور ظہور استعداد مکنون سے اپنی حالت مناسبت کا پتہ چلا اُسوقت مین سمجھا کہ مین نے اپنی حالت مناسبت کی تحقیق کر لی اور مرشد کی صحبت و حضوری مین طریق واضح سلوک کا ملگیا کہ انھین کی تعلیم و تربیت سے مقصود حاصل ہوگا لیکن ساتھ ہی وسوسہ گذرا کہ جنکو تو نے فیوض کا عکس سمجھ رکھا ہے اور جسکو تو نے استعداد سمجھا ہے شاید یہ تیرے محض خیالات اور اوہام ہون تو معیار تحقیق مناسبت مشتبہ ہوگیا اپنی ذات یعنی ذاتی استعداد و قابلیت کمالات و فیوض اور اوہام و خیالات مین غور کرکے فرق کرنا ضرور ہے اس وسوسہ کے ساتھ ہی میرے نقش نے مرشد کی آنکھ مین سے آواز دی یعنی میری حالت و استعداد نے جو کہ حاصل ہوئی تھی عکس کمالات بصیرت و معرفت مرشد سے مجھکو متنبہ کیا کہ مین اور تو متحد ہین یعنی مین تیری ذاتی اور واقعی حالت ہون خیال اور وہم کا احتمال نہین کیونکہ اس چشم منیر مین چونکہ حقائق جاگزین ہورہے ہین خیال و وہم کی گنجائش نہین ہی چونکہ مرشد کامل ہین اور اُنکے فیوض و کمالات بھی قوی ہین اس لیے اُن کی قوت فیض سے طالب و ملازم صحبت کی اصلی حالت ظاہر ہوجاتی ہے احتمال غلطی کا نہین ہی آگے بزبان مرشد کہا جاتا ہے کہ اگر تو اپنا نقش کسی اور کی آنکھ مین دیکھتا تو اوسکو خیال سمجھنا چاہیے تھا یعنی غیر کامل

کی صحبت اسکا معیار نہین ہو سکتی کیونکہ اوسمین نیستی یعنی نقصان کی صفت ہے اسلیے تصرف شیطانی کا دخل ہو سکتا ہے چونکہ وہ خود خیالات مین مبتلا ہے اُسکے ہمصحبت کے قلب پر بھی اُن خیالات کے انعکاس کا احتمال ہو اور چونکہ مین خود صاحب حقیقت ہون اسلیے میری صحبت مین بھی حقائق ہی کا انعکاس ہوگا، تو اس طریق مذکور سے اپنی حالت مناسبت وقابلیت فیوض کی معلوم ہو گئی اور اسی اعتبار سے مرشد کو اپنا آئینہ فرمادیا یہ خلاصہ ہے اوس مقام کا اور ظاہر ہے کہ اپنی یہ معرفت کہ مجھکو مرشد سے مناسبت ہے یا نہین مقصود بالذات نہین بلکہ محض اسلیے ہے کہ اسکے بعد طریق وصول الی اللہ کا دریافت کرکے مقصود بالذات تک پہونچون پس اب وہ اشکال جاتا رہا اور معلوم ہو گیا کہ اپنے کو ذات حق کا آئینہ کہنا اور معنی کے اعتبار سے ہے اور ذات مرشد کو اپنا آئینہ کہنا اور اعتبار سے ہے ہر چند کہ یہ مقام دفتر دوم مین ہے مگر چونکہ مقامات مشکلہ سے تھا اور حل کرنیوالون نے عجیب پریشان تقریرین کی ہین اور خدا جانے مین اُس مقام کی شرح تک کب پہونچتا اسلیے قصداً مین نے اسی جگہ اُسکو حل کر دیا ہے واللہ اعلم۔

صفتِ اُولی اجنحہ طیورِ عقولِ الٰہی

قصۂ طوطی جان زین سان بود — کو کسے کو محرم مرغان بود

کو یکے مرغے ضعیفے بے گناہ — واندرون او سلیمان با سپاہ

چون بنالد زار بے شکر و گلہ — افتد اندر ہفت گردون غلغلہ

(اولی اجنحہ وطیور وعقول سے مراد ارواح مجردہ ہین باعتبار عروج وترقی معنوی کے اُنکو اولی اجنحہ اور طیور کہدیا اور باعتبار تجرد کے مجازاً عقول کہدیا کیونکہ حکماء کا اعتقاد ہے کہ عقول موجود ہین اور مجرد ہین گو یہ اعتقاد فاسد ہے مگر مجاز کے لیے تھوڑا علاقہ کافی ہے) یعنی یہی مضمون جو اوپر بیان ہوا ہے کہ ع این عجب بلبل کہ بکشاید دہان الخ طوطی جان (یعنی روح) کا قصہ اوحال ہے (کہ وہ محو عشق الٰہی ہے) اور ایسا شخص کہان ہے (یعنی کمیاب ہے) جو ان طیور باغستان محبت کا محرم و راز دار ہو (کیونکہ انکا محرم وہی ہوگا جو اہل محبت ہو اور اہل محبت ظاہر ہے کہ بہت قلیل ہین اب حالت روح کسے تعجب کرکے فرماتے ہین کہ) کجا یہ مرغ ضعیف بیگناہ (یعنی روح انسان کامل اوسکو ضعیف باعتبار تعلق جسد عنصری کے کہا کہ خلق الانسان ضعیفا اور بے گناہ تر یعنی کی راہ سے کہا یا باعتبار اُسکے ترک معاصی کے کہا) اور کجا اوسکی یہ شان کہ اوسمین سلیمان (یعنی بادشاہ حقیقی کہ مجازاً سلیمان کہدیا) مع سپاہ ولشکر (یعنی صفات موجودہ جلوہ گر ہو) یعنی انسان کامل کی عجب شان ہے کہ باوجود ناچیز وبے بود ہونے کے مظہر ذات وصفات حق ہے اور مظہریت کی تحقیق اوپر گذر چکی ہے) جب وہ انسان کامل زار و نزار ہو کر نالہ کرتا ہے جسکا سبب نہ تو شکر یعنی مسرت ولذت وصال ہے اور نہ شکوہ والم فراق ہے بلکہ محض جوش عشق اوس کا سبب ہے تو اوسوقت سات آسمان مین غلغلہ پڑجاتا ہے (یعنی سُکّان الملکوت حیرت مین رہ جاتے ہین جیسا بہت احادیث مین مختلف اعمال پر ملائکہ کا تعجب وارد ہوا ہے۔

ہر وشش صد نامه صد پیک از خدا	یاربے زو شصت لبیک از خدا
زلت او به ز طاعت نزدِ حق	پیش کفرش جمله ایمانها خلق
ہر دمے او را یکے معراجِ خاص	بر سر فرقش نهد صد تاج خاص
صورتش بر خاک وجان بر لامکان	لامکانے فوق وهم سالکان
لامکانے نے که در فهم آیدت	ہر دمے در وے خیالے زایدت
بل مکان ولامکان در حکم او	ہمچو در حکمِ بہشتی چار جو
شرح این کوته کن وزین رخ بتاب	دم مزن والله اعلم بالصواب
باز میگردم ازین اے دوستان	سوے مرغ وتاجر وہندوستان

یعنی اُس انسان کامل کے پاس سیکڑون فرمان (یعنی الہامات) اور سیکڑون قاصد (یعنی ملائکہ یا حالات کیفیات) حق تعالیٰ کی طرف سے پہونچتے ہین اگر وہ ایک بار یارب کہتا ہے تو حق تعالیٰ کی طرف سے ساٹھ بار (یعنی بکثرت) اوسکو لبیک کہا جاتا ہے (یعنی وہ ایک توجہ کرتا ہے حق تعالیٰ بہت سی توجہات فرماتے ہین جیسا حدیث مین ہے من تقرب الی شبرا تقربت الیہ ذراعا الحدیث) اوسکی لغزش دوسرے کی سیکڑون طاعات سے حقتعالیٰ کے نزدیک افضل ہے کیونکہ اول تو وہ لغزش نہین صرف عوام الناس کی نظر مین غلطی ہے ورنہ واقع مین وہ بالکل حدود شرعیہ پر منطبق ہی مگر وجہ انطباق کو عوام نہین سمجھتے اور اگر واقع مین لغزش ہو بھی تب بھی بوجہ اسکے کہ اُس شخص کی توبہ بڑی کامل ہوتی ہے اور اس توبہ سے اسقدر رفع درجات ہوتا ہے کہ دوسرون کی طاعت سے بھی نہین ہوتا اس لیے زلت کو طاعت سے افضل فرمایا) اور اوسکے کفر کے روبرو تمام لوگون کی ایمان کہنہ اور کم رتبہ ہین (یہان بھی واقع مین وہ کفر نہین بلکہ حقائق واسرار ہین جنکو عوام بوجہ بدفہمی کے کفر سمجھتے ہین اور واقع مین وہ عین عرفان اور ایمان ہے اور دوسرون کے رسمی وتقلیدی ایمان سے یقیناً افضل ہی) ہر ساعت اُسکو ایک معراج خاص رہتی ہے (یعنی ہر آن قرب مین ترقی ہوتی رہتی ہے) اور اُسکے سر پر تاج خاص رکھا جاتا ہے (یہ تاج خلافت ہے جس سے خاص بندون کو سرفراز فرمایا جاتا ہے) اُسکی صورت (یعنی جسم) تو زمین پر ہے اور روح لامکان مین ہے (اب شبہہ ہوا کہ روح تو سب کی بوجہ تجرد عن المادہ عن الحیز کے لامکانی ہے اُسکو دفع فرماتے ہین کہ لامکان سے مراد یہ لامکان نہین ہے) جو سب ارواح کیلیے عام ہے بلکہ یہ وہ لامکان ہے جو سالکون کے وہم (یعنی خیال) سے برتر ہے (خلاصہ یہ کہ یہ لامکان عام تو حادث ہے اور ہر حادث کا ادراک نقل سے ہو سکتا ہے سو ہماری یہ مراد نہین بلکہ مراد اس سے وہ عدم التمکن ہے جو حق سبحانہ وتعالیٰ کے لیے ثابت ہے چونکہ اس کامل کو حق تعالیٰ سے قرب ہے لہٰذا اوسکی صفت لامکانیت سے بھی تلبس وتعلق ہے اس معنی کر کہدیا کہ جان برلامکان اور اس لامکان کا تعلق ظاہر ہے کہ عالم ارواح سے نہین ہی اور یہ بھی ظاہر ہے کہ یہ لامکان چونکہ حقتعالیٰ کی صفت ہے اور قدیم ہے اور قدیم کی کنہ کو ممکن دریافت یا

کرنہین سکتا لہذا وہم وخیال سے فوق ہوا اسی مضمون کو دوسرے عنوان سے فرماتے ہین کہ) وہ ایسا لامکان نہین ہے جو تمہارے فہم مین آجاوے اور ہر وقت اُسمین تمہارے خیالات پیدا ہوسکین (بلکہ وہ دوسرا ہی لامکان ہے جو خواص باری تعالی سے ہے جیسا ابھی بیان ہوا پس اس لامکان ممکن سے اوسکو تعلق نہین) بلکہ یہ مکان (عالم مادیات) اور یہ لامکان (عالم مجردات) تو دونون اُسکے حکم مین ہین (کیونکہ یہ خلیفۃ اللہ ہے سب عالم سے مقصود یہی ہے اس اعتبار سے درحکم اوکہدیا) جس طرح بہشتی کے حکم مین چارون نہرین پانی۔ اور دودھ۔ اور شراب اور شہد کی ہونگی (چونکہ یہ مضمون بہت طویل وعریض ہے اسلیے) اسکا بیان مختصر کرد اور اس سے رُخ پھیرو اور خاموش رہو پوری صحیح بات اللہ تعالی ہی کو معلوم ہے (اسمین اشارہ ہے کہ اکثر اس قسم کے مسائل ذوقیہ وکشفیہ ظنیہ ہین قطعی نہ سمجھے جاوین) اب اس سے پھر قصۂ مرغ وتاجر کی طرف متوجہ ہوتا ہون۔

دیدن خواجہ طوطیان ہندوستان را و پیغام رسانیدن ازان طوطی

مرد بازرگان پذیرفت این پیام	کو رساند سوے جنس او سلام
چونکہ در اقصاے ہندستان رسید	در بیابان طوطیے چندے بدید
مرکب استانید وپس آواز داد	آن سلام و آن امانت باز داد
طوطیے زان طوطیان لرزید بس	اوفتاد ومرد بگسستش نفس
شد پشیمان خواجہ از گفت خبر	گفت رفتم در ہلاک جانور
این مگر خویش ست با آن طوطیک	این مگر دو جسم بود و روح یک
این چرا کردم چرا دادم پیام	سوختم بیچارہ را زین گفت خام

یعنی اوس سوداگر نے (طوطی کے) اس پیام کو منظور کرلیا کہ اوسکی ہمجنس طوطیون کو اُسکا سلام (وپیام) پہونچا دیگا غرض جب وہ ہندوستان کی صدود مین پہونچا تو جنگل مین چند طوطی (کسی درخت وغیرہ پر) نظر پڑین سواری کھڑی کرکے پکار کر وہ سلام اور پیام پہونچا دیا پس اُن طوطیون مین سے ایک طوطی تھرتھرائی اور گرتے ہی اوس کا دم ٹوٹ گیا (یعنی مرگئی) وہ سوداگر (اس قصہ کے نقل کرنے سے (کہ فلان طوطی کہ از جنس شماست + از قضاے آسمان درحبس ماست الخ) بہت ہی پشیمان ہوا اور اپنے جی مین کہنے لگا کہ مین ناحق ایک جانور کی ہلاکت کا باعث بنا یہ طوطی شاید اوس طوطی کے ساتھ کوئی خاص تعلق رکھتی ہوگی عجب نہین کہ دونون باہم دو قالب یک جان (یعنی عاشق ومعشوق) ہون مین نے ایسا فعل کیون کیا یہ پیام کیون دیا اس غریب کو ایسی فضول بات کہکر ناحق سوختہ کیا۔

این زبان چون سنگ و فم آہن وش ست	وانچہ بجہد از زبان چون آتش ست
سنگ و آہن را مزن برہم گزاف	گہ زروے نقل وگہ از روے لاف

زانکه تاریکست و ہر سو پنبہ زار		درمیان پنبہ چون باشد شرار
ظالم آن قومے کہ چشمان دوختند		زان سخنہا عالمے را سوختند
عالمے را یک سخن ویران کند		روبہان مردہ را شیران کند

ف اوپر بیان تھا اُس پیام خاص کی مضرت کا اس مناسبت سے بیان فرماتے ہین بعض کلام کی بعض مضرتون کا پس ارشاد ہوتا ہے کہ) یہ زبان مثل سنگ کے اور دہن مثل آہن کے ہے (جس سے آگ پیدا ہوتی ہے) اور زبان سے جو کچھ نکلتا ہے اوسکی مثال آگ کی سی ہے (یعنی بعض کلام اس سے ایسا ضرر رسان نکلتا ہے جیسے آتش) سنگ و آہن کو بے سوچے سمجھے مت رگڑو (یعنی ایسی باتین مت کہو) خواہ بطور نقل کے خواہ بطور دعوے کے (مراد اس سے اسرار توحید ہین جن کا اظہار اکثر عوام کے حق مین سخت مضر ہے کیونکہ اونکا فہم وہان تک نہین پہونچتا اور خصوصًا اوسوقت کہ بیان کرنے والا خود محقق بھی نہو سنی سنائی کہنے لگے کہ اس صورت مین علاوہ کم فہمی مخاطب کے قاصر البیانی متکلم کی بھی ہوگی بالخصوص جب کہ اسکے ساتھ دعوی اتصاف بالتوحید کا بھی ہو اُسوقت بوجہ جدلاع درہزنی بندگان خدا کے اور زیادہ ضرر ہوگا خلاصہ یہ کہ ایسے اسرار زبان پر مت لاؤ) کیونکہ تاریکی ہو رہی ہے اور زمین ہر طرف پنبہ پھیلی پڑی ہے (جو تاریکی مین نظر نہین آتی کہ اس سے بچاکر شرار پھینکا جاوے) پس پنبہ مین شرار کا کیسا کچھ اثر ہوگا (تاریکی سے مراد یہ بصیرت نہونا کہ کون شخص قابل فہم اسرار ہے کون نہین پنبہ سے مراد نفوس ضعیف الفہم ناقص العقل۔ شرار سے مراد اسرار توحید یعنی بلا امتیاز عام لوگون کے روبرو اظہار اسرار کیسا غضب ڈھا دے گا) بڑے ظالم تھے جنھون نے آنکھین بند کرکے ایسی باتون سے ایک عالم کو ویران کر دیا (مراد ان ظالمون سے فرق باطلہ صوفیہ کے ہین) کیونکہ بعض بات عالم کو ویران کر دیتی ہے اور جبلار کو جو روباہ کی طرح خاموش پڑے تھے شیرون کی طرح جوش مین لے آتی ہے (جس سے وہ بھی بگھارنے لگتے ہین اور ضلوا فاضلوا کے مصداق بنتے ہین)

جانہا در اصل خود عیسے دم اند		یکزمان زخم اند و دیگر مرہم اند
گر حجاب از جانہا برخاستے		گفت ہر جانے مسیح آساستے
گر سخن خواہی کہ گوئی چون شکر		صبر کن از حرص و این حلوا مخور
صبر باشد مشتہاے زیرکان		ہست حلوا آرزوے کودکان
ہر کہ صبر آورد بر گردون شود		ہر کہ حلوا خورد واپس تر رود

ذان اشعار مین اسکا بیان ہے کہ پہلے جو بعض کلام کا ناقص ہونا بیان کیا ہے سو یہ روح کی صفت عارضی ہے ورنہ اصل فطرت کے اعتبار سے روح کامل ہے اور اُس کا ہر کلام کامل ہے پس فرماتے ہین کہ) ارواح اپنی اصل فطرت مین مسیحا دم ہین (اور عیسی علیہ السلام کی طرح) ایک وقت (بعضے لوگون کے لیے) زخم ہین اور دوسرے وقت (دوسرون کے لیے) مرہم ہین (یعنی جس طرح عیسی علیہ السلام کی سانس کہ بعضون کو حیات بخش ہے جیسا

قرآن مجید میں ہے احییٰ الموتیٰ اور بعضوں کو مہلک ہی جیسا حدیث میں ہے کہ آپ کی سانس اگر کافر کو لگ جاوے تو نمک کی طرح گھل جاوے اور یہ دونوں کمال ہیں اسیطرح ارواح و نفوس سے اصل فطرت کے اعتبار سے جو کلام پیدا ہوتا ہی وہ کامل ہوتا اہل کو اُس سے نفع ہوتا اور فاسد الاستعداد کو ضرر اور یہ دونوں اُسکے کمال تھے جیسا قرآن مجید کے کمالات میں سے ہی یضل بہ کثیرا و یھدی بہ کثیرا لیکن چونکہ ارواح اپنی فطرت اصلیہ کے مقتضا پر نہیں رہیں بلکہ تعلقات جسمانیہ سے اون میں صفات ذمیمہ مثل شہوت و غضب و جہل کا غلبہ ہوگیا اِس وجہ سے جس کلام کا منشا یہ امور ہونگے لامحالہ وہ ضرر بخش ہوگا البتہ) اگر یہ حجاب (یعنی آثار ذمیمہ تعلق جسمانی) ارواح سے مرتفع ہوجاتے تو ہر شخص کی بات حضرت مسیح علیہ السلام کی سی ہوتی پس اگر تمھاری خواہش ہو کہ تمھاری بات مثل شکر کے (حلاوت بخش و نافع) ہونے لگے تو تمکو چاہیے کہ حرص (کثرت طعام و کثرت کلام) سے صبر کرو اور حلوا مت کھاؤ یعنی لذائذ جسمانیہ و نفسانیہ کی تقلیل کرو مطلب یہ کہ مجاہدہ و ریاضت اختیار کرو تاکہ قلب پر اسرار حقہ کھلیں پھر جو بات ہوگی وہ کام کی ہوگی صبر کرنا یا بکسر صاد ایلوہ کھانا دانا لوگوں کو مرغوب ہوتا ہے (مراد اس سے وہی مجاہدہ و ریاضت ہی جو نفس پر شاق و تلخ گذرتا ہے) اور حلوا کھانا یہ بچوں کی خواہش ہوتی ہے (مراد اس سے تکثیر لذات نفسانیہ ہے جو نفس پرستوں کا شغل ہے) جو شخص صبر (و مجاہدہ) کرتا ہے وہ آسمان پر پہونچتا ہے (یعنی معارف و احوال میں عروج حاصل کرتا ہے) اور جو حلوا کھاتا ہے (یعنی نفس پروری میں رہتا ہے) وہ اور بھی پیچھے کو ہٹتا چلا جاتا ہے (یعنی جہل و قساوت میں بڑھتا ہے)

تفسیر قول فرید الدین عطار قدس سرہٗ

تو صاحب نفسی اے غافل میان خاک خون میخور	کہ صاحبدل اگر زہری خورد آن انگبین باشد

اوپر کے اشعار میں مبتدی و ناقص کو دو امر سے منع فرمایا ہے اظہار اسرار اور تلذذ بلذات سے یہیں احتمال تھا کہ شاید کوئی کسی کو یہ اظہار اور یہ تلذذ کرتا دیکھ کر اُسکی تقلید کرنے لگے کہ اگر یہ امور مذموم ہیں تو یہ کیوں کرتے ہیں اور اگر محمود ہیں تو ہم کو کیوں منع کیا جاتا ہے مولانا اس مقام پر اِس احتمال کو دفع فرماتے ہیں کہ یہ اظہار و تلذذ ناقص کو مضر ہیں اور کامل کو مضر نہیں لہذا نہ اعتراض جائز اور نہ تقلید درست۔

صاحب دل را ندارد آن زیان	گر خورد او زہر قاتل را عیان
زانکہ صحت یافت وز پرہیز رست	طالب مسکین میان تب درست
گفت پیغمبر کہ اے طالب جری	ہان مکن با ہیچ مطلوبے مرے
گفت احمد گر نمیخواہی زلل	ہین مکن با ہیچ مطلوبے جدل
در تو نمرودی ست در آتش مرو	رفت خواہی اول ابراہیم شو

چون نہ سباح و نے دریائیی	در میفگن خویش از خود رائیی
او ز قعر بحر گوہر آورد	از زیانہا سود بر سر آورد

یعنی صاحدل کو زیان نہین دیتا اگرچہ وہ زہر قاتل کو کیون نہ کہائے کیونکہ وہ صحت پا چکا ہے اور پرہیز سے چھوٹ گیا ہے بخلاف غریب طالب کے کہ ابھی وہ تپ مین گرفتار ہے (مطلب یہ کہ کامل چونکہ احوال نفسانیہ و صفات ذمیمہ سے نجات پا چکا ہے اس لیے اظہار اسرار و تلذذ بہ مباح اوسکو مضر نہین اور طالب مبتدی کہ امراض باطنہ و نقصان احوال مین مبتلا ہے اوسکے لیے یہ مضر ہے) پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اے بیباک طالب خبردار کسی مطلوب سے مقابلہ مت کرنا اور ارشاد فرمایا ہے کہ اگر تو لغزش سے بچنا چاہتا ہے تو کبھی کسی مطلوب سے مجادلہ مت کرنا (طالب سے مراد ناقص اور مطلوب سے مراد شیخ کامل ہیں اور مضمون اس حدیث سے مستنبط ہو سکتا ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صوم وصال سے منع فرمایا تو صحابہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ آپ بھی صوم وصال رکھتے ہین آپ نے فرمایا کہ تم میرے برابر کب ہو سکتے ہو اس سے ثابت ہوا کہ برابری کامل کی نکرنا چاہیے) تمہارے اندر ابھی نمرودی کی صفت ہے تم آگ مین مت جاؤ اگر ایسا ہی جانا ہے تو اول ابراہیم ہو جاؤ (یہ مثال ہے نمرودی سے مراد صفات نفسانیہ۔ آتش سے مراد حظوظ ابراہیم سے مراد صاحب قلب سلیم و نفس مہذب مطلب ظاہر ہے کہ یہ حظوظ ناقص کے لیے مہلک ہین اور کامل کو مضر نہین) تم جب نہ پیراک ہو اور نہ دریائی ہو تو اپنے آپکو دریا مین خود رائی سے مت ڈالو (سباح جسکے کمالات مکتسب ہون۔ دریائی جسکے کمالات موہوب ہون دونون قسمین کامل کی ہین) جو شخص کامل ہے وہ قعر دریا سے موتی نکالکر لاتا ہے اور وہ زیان سے سود ظاہر کر دکھاتا ہے (یعنی جو دوسرون کے لیے مظنہ ضرر کا ہے کامل اوس سے ضرر نہین پاتا بلکہ اوسکے اقوال و افعال مین لازمی و متعدی حکمتین اور منفعتین مثلاً رہوتی ہین مثلاً تلذذ بہ مباحات مین کبھی مقصود اوسکا اپنے ضعف و عجز کا اظہار ہوتا ہے کبھی مشاہدہ نعماے آخرت کا ہوتا ہے کبھی تقویت محبت منعم کی ہوتی ہے کبھی اوسے حق ضعیف ہوتا ہے کبھی کسی ضعیف القوے مرید کو اجازت ہوتی ہے کہ تنگی کر کے ضعیف نہو جاوے وعلی ہذا) +

کاملے گر خاک گیرد زر شود	ناقص ار زر برد خاکستر شود
دست ناقص دست شیطانست و دیو	زانکہ اندر دام تلبیس ست و ریو
چون قبول حق بود آن مرد راست	دست او در کارہا دست خداست
جہل آید پیش او دانش شود	جہل شد علمیکہ در ناقص رود
ہرچہ گیرد علتے علت شود	کفر گیرد کاملے ملت شود
اے مری کردہ پیادہ با سوار	سر نخواہی برد اکنون پاے دار

یعنی کامل اگر خاک کو بھی اختیار کر لیتا ہے وہ سونا بنجاتا ہے (جیسے حضرت عمار رضی اللہ تعالی عنہ نے کہ اکراہ کے وقت کلمہ کفر کا فرمادیا اور وہ خود ایک قانون شرعی بن گیا کہ ایسے وقت ایسے کلمات کی اجازت ہو گئی

کذا قال مرشدی رحمہ اللہ تعالیٰ) اور ناقص اگر سونا بھی لیتا ہے تو خاکستر ہو جاتا ہے (کیونکہ اوسکے اعمال صالحہ مین بھی اخلاص نہین ہوتا اس لیئے وہ بے قدر رہوتے ہین) ناقص کا ہاتھ واقع مین شیطان کا ہاتھ ہے کیونکہ وہ تلبیس وفریب کے دام مین خود گرفتار ہی بخلاف کامل صادق کے کہ وہ چونکہ مقبول حق ہوتا ہے اوسکا ہاتھ سب کامون مین گویا خدائے تعالیٰ کا ہاتھ ہے (کیونکہ وہ خلیفۃ اللہ ہے خلاصہ یہ کہ جب ناقص وکامل کا فرق معلوم ہوگیا تو ناقص کے ہاتھ مین ہاتھ نہ دینا چاہیے اور اوس سے بیعت نہونا چاہیے کیونکہ ؎ او خویشتن گم ست کرا رہبری کند ۞ اور کامل خلیفۃ اللہ ہے اوس سے بیعت مصداق انما یبایعون اللہ کا ہے) کامل کے روبرو اگر جہل بھی آتا ہے علم بن جاتا ہے (جہل سے مراد وہ امور جو کم فہمون کی نظر مین خلاف شرع معلوم ہوتے ہین جیسے مسائل توحید وجودی وغیرہ کے کہ صورۃً جہل ہین مگر اس کی تقریر و اعتقاد مین عین علم ہین کیونکہ وہ اس طرح اعتقاد اور تحقیق کریگا کہ خلاف قاعدۂ شرعیہ نہونے پاویگا بلکہ اوس سے معرفت وقوت ایمان کی تکمیل ہوگی) اور ناقص کے روبرو اگر علم بھی آتا ہے تو جہل بن جاتا ہے (کیونکہ وہ اوسکے فہم مین بھی غلطی کرتا ہے اور اوسکے موافق عمل بھی نہین کرتا اس لیے وہ بجائے نافع ہونے کے بجید ضرر رسان ہوتا ہے جسطرح نصوص مین اہل بدعت نے فاسد تاویلین کین اور منافقین کو اُن کے لا الٰہ الا اللہ نے کہ عین توحید واصل العلوم ہے نار کے درک اسفل مین پہونچایا کذا قال مرشدی رحمہ اللہ تعالیٰ اور یہی مطلب ہے اگلے مضمون کا کہ) جس آدمی مین کوئی علت (فساد اعتقاد یا فساد عمل کی) ہوتی ہے وہ جس چیز کو لیتا ہے وہ بھی علتی (اور مضر) ہوجاتی ہے اور کامل آدمی اگر ایسا امر بھی اختیار کرے جو (ظاہراً) کفر ہو وہ ملتِ مقبولہ ہو جاتا ہے (جیسا اوپر مفصل بیان ہوا جب ناقص وکامل کا تفاوت بخوبی ثابت ہوچکا اب مولانا مقلد ناقص کو منع فرماتے ہین کہ محقق کامل کا مقابلہ ہرگز نہ کرے کہ) اے شخص جو پیادہ ہوکر سوار کا مقابلہ کرتا ہے تو اپنا سر سلامت نہ لیجائیگا ذرا سنبھل (یعنی ہلاکت وخسران مین پڑے گا) جسکا اقل درجہ اوس کامل کے فیوض سے محروم ہوتا ہے اور اشد درجہ ایمان کا سلب ہوجاتا ہے جسکا مخالفت اولیاء اللہ سے اندیشہ ہے نعوذ باللہ منہ)

تعظیم ساحران موسی علیہ السلام راکہ اول تو عصا بیندا ز

ساحران در عہد فرعون لعین — چون مری کردند با موسی ز کین

لیک موسی را مقدم داشتند — ساحران او را بکرم داشتند

زانکہ گفتندش کہ فرمان آن تست — گر تو میخواہی عصا بفگن نخست

گفت نے اول شما اے ساحران — افگنید آن مکرہا را در میان

این قدر تعظیم دین شان را خرید — وز مری آن دست و پاہاشان برید

ساحران چون قدر او بشناختند — دست و پا در جرم او در باختند

ان اشعار مین اہل اللہ کے ساتھ ادب کرنیکی فضیلت اور بے ادبی کی مضرت کا بیان ہے) مطلب یہ کہ ساحر فرعون لعین کے زمانہ مین جب حضرت موسی علیہ السلام کے ساتھ مقابلہ سے پیش آئے (یہ تو بے ادبی تھی) مگر ساتھ ہی اتنا ادب بھی کیا کہ موسی علیہ السلام کو مقدم رکھا اور ساحرون نے آپکو مکرم سمجھا کیونکہ اُنھون نے عرض کیا کہ حکم آپکے اختیار مین ہے اگر آپکو منظور ہو آپ اول عصا ڈالیے اسپر آپنے فرمایا کہ نہین اول تم ہی لوگ اپنے سحر دن کو میدان مین ڈالو (غرض انکا ایک فعل ادب تھا اور ایک بے ادبی دونون نے اپنا اپنا اثر کیا) دین کی جو اسقدر تعظیم کی تھی (کہ موسی علیہ السلام کو اول ڈالنے کا اختیار دیا) اس تعظیم وادب نے تو اُن کو کفر و جہنم سے بچالیا اور مقابلہ جو کیا تھا اُس نے اُنکے ہاتھ پاؤن کٹوائے (چنانچہ قرآن مجید مین ہے کہ فرعون نے دھمکایا کہ تم نے دین موسوی اختیار کیا ہے مین تمھارے ہاتھ پاؤن کاٹ ڈالونگا آگے مولانا اُس تعظیم وادب کی ایک اور برکت بتلاتے ہین کہ) ساحرون نے جب حضرت موسی علیہ السلام کا حق پہچان لیا (یعنی مومن ہونے کے بعد آپکا رتبہ دریافت کیا اور سمجھے کہ ہمارا وہ مقابلہ جرم عظیم تھا جسکی سزا مین ہمارے ہاتھ پاؤن کاٹے جاتے ہین تو اپنے کو اس سزا کا مستحق سمجھ کر اُسکے دفع کی تدبیر و کوشش نہین کی ورنہ ممکن تھا کہ اکراہ کی حالت مین جان بچانے کیلیے زبان سے فرعون کے موافق کہدیتے مگر اُنھون نے ایسا نہین کیا بلکہ اپنے ہاتھ پاؤن جرم مقابلہ مین فدا کر دیے (یعنی اُسپر آمادہ و راضی رہے خلاصہ یہ کہ اس ہاتھ پاؤن کٹنے کے وقت جو صبر و استقلال اُنکو پیدا ہوا یہ بھی برکت اس ادب کی تھی کہ وہ اسکو سمجھ گئے اور صابر رہے یہ تقریر تو نسخہ شناختند بیاے موحدہ کی ہے اور اگر نشناختند بنون نافیہ ہو تو مطلب یہ ہوگا کہ مقابلہ کرنے مین چونکہ ساحرون نے آپکی قدر نہ کی اس جرم مین ہاتھ پاؤن دے بیٹھے

لقمہ و نکتہ است کامل را حلال — تو نۂ کامل مخور میباش لال

تو چو گوشی او زبان نے جنس تو — گوشہا را حق بفرمود انصتوا

کودک اول چون بزاید شیر نوش — مدتے خامش بود او جملہ گوش

مدتے می بایدش لب دوختن — از سخن گویان سخن آموختن

ور ندارد گوش تے تی مے کند — خویشتن را گنگ گیتی مے کند

تا نیاموزد نگوید صد یکے — ور بگوید حشو گوید بے شکے

کر اصلی کش نبود آغاز گوش — لال باشد کے کند در نطق جوش

زانکہ اول سمع باید نطق را — سوے منطق از رہ سمع اندر آ

ادخلوا الابیات من ابوابہا — واطلبوا الارزاق من اسبابہا

(ان اشعار مین عود ہے طرف مضمون سابق کے صاحبدل را ندارد آن زیان (الخ) فرماتے ہین کہ لقمہ (جسمین حظ نفس ہو) اور سخن دقیق (مثل اسرار توحید وغیرہ) کامل کے لیے جائز ہے اور تو کامل نہین ہے اسلیے (غذاے مرغوب نفس بکثرت) مت کھا اور گونگے بنے رہو (یعنی کلام مین بھی تقلیل کرو اور اسرار سے تو زبان بالکل ہی

بند رکھو ورنہ مضر ہوگا اور یہی معنی ہین حلال نہونے کے) تیری مثال تو کان کی سی ہی (کہ اوسکا کام بولنے کا نہین) اور کامل کی مثال زبان کی سی ہے کہ (اوسکا کام بولنے کا ہے) تو وہ تیری جنس نہین ہے (کہ تو اپنے کو اوس پر قیاس کرنے لگے) اور کانون کے لیے تو یہی حکم ہوا ہے فاستمعوا وانصتوا (یعنی سنو اور خاموش رہو مطلب یہ کہ تمکو خود اسرار زبان پر نہ لانا چاہیے بلکہ کسی کامل کی خدمت مین مستفید ہونا ضرور ہے پھر تم بھی بعد حصول کمال کے بولنے کے اہل ہوجاؤگے ورنہ کمالات سے محروم رہوگے آگے اسکی مثال دیتے ہین کہ) دیکھو اول جب لڑکا دودھ پیتا پیدا ہوتا ہے تو ایک مدت تک خاموش رہتا ہے اور سراپا گوش بنا رہتا ہے (اُس کو ایک مدت تک خاموش رہنا اور سخن گویون سے سخن سیکھنا ضروری ہوتا ہے (تب اُسمین بولنے کی صلاحیت ہوتی ہے) اور اگر کسی بچہ کے کان نہون (یعنی قوت سامعہ نہو) تو ویسے ہی مہمل آوازین نکالتا ہے اور دنیا مین گونگون مین شمار کیا جاتا ہے (اس سے معلوم ہوا کہ بدون سمع کے نطق نہین ہوسکتا) غرض جب تک بولنا نہ سیکھے بول نہین سکتا اور اگر بولے گا تو غیر مفید اصوات بولے گا پس پیدایشی بہرا جسکی ابتدا ہی سے قوت سامعہ نہو وہ ضرور گونگا ہوگا نطق مین اوسکو ہرگز جوش نہین ہوسکتا کیونکہ نطق کے لیے اول سمع کی ضرورت ہی تکلم کی طرف سماعت کی راہ سے آنا چاہیے جیسا قرآن مجید مین ارشاد ہے کہ گھرون مین دروازون سے جانا چاہیے اسی طرح رزق کو اوسکے اسباب سے تلاش کرنا چاہیے چنانچہ ارشاد ہے وأتوا البیوت من ابوابها اور ارشاد ہے فامشوا فی مناکبها وکلوا من رزقه غرض ہر شے اپنے طریقہ سے حاصل ہوتی ہے اگر کمال مطلوب ہے اطاعت و استفادہ و ریاضت اختیار کرو۔

نطق کان موقوف راہ سمع نیست	جز کہ نطق خالق بے طمع نیست
مبدع ست و تابع استاد نہ	مسند جملہ ورا اسناد نہ
باقیان ہم در حرف ہم در مقال	تابع اُستاد و محتاج مثال

حرف جمع حرفہ بمعنی پیشہ و صنعت یہ جملہ معترضہ ہے فرماتے ہین کہ) ایسا نطق جو طریق سمع پر موقوف نہین وہ صرف خالق جل شانہ کا نطق ہے جو طمع و احتیاج سے منزہ ہین کیونکہ وہ خود سب ممکنات کے موجد ہین اور کسی اُستاد کے تابع نہین اور وہ خود سب کی پناہ ہین اُنکا کوئی سہارا نہین (اس لیے وہ اپنی کسی صفت مین کسی سے مستفید نہین) اور باقی موجودات تو اعمال مین بھی افعال مین بھی اُستاد و تعلیم کنندہ کے بھی تابع ہین اور نمونہ کے بھی محتاج ہین (کہ اوسکو دیکھ کر یا سنکر کرین یا کہین)

زین سخن گر نیستی بیگانۂ	دلق و اشکے گیر و جو ویرانۂ
زانکہ آدم زان عتاب از اشک رست	اشک تر باشد دم توبہ پرست
بہر گریہ آدم آمد بر زمین	تا بود گریان و نالان و حزین
آدم از فردوس و از بالائے ہفت	پائے ماچان از برائے عذر رفت

گر ز پشت آدمی وز صلب او	در طلب می باش ہم در طلب او
ز آتش دل زاب دیدہ نقل ساز	بوستان از ابر و خورشید ست تاز
تو چہ دانی ذوق آب اے شیشہ دل	زانکہ ہمچون خر شدے تو پا بگل
تو چہ دانی ذوق آب دیدگان	عاشق نانے تو چون نادیدگان

(طلب بضم طا رگروہ - اب پھر وہی پہلی بات کہنے لگے کہ ہم نے جو اوپر کہا ہے کہ ہر شے اپنے طریقہ سے حاصل ہوتی ہی اگر کمال مطلوب ہے ریاضت واطاعت اختیار کرو) اگر اس مضمون سے تم بیگانہ نہین ہو (یعنی اوسکو سمجھ گئے ہو) تو ایک دلق (یعنی خرقہ فقر) لے لو اور آہ ونالہ (یعنی درد دل اختیار کرو) اور لوگون سے کنارہ کش ہو کر ایک ویرانہ تلاش کر کے وہان جا بیٹھو (مراد یہ کہ خلوت وریاضت شروع کر دو) آگے آہ ونالہ کی فضیلت مین فرماتے ہین کہ ہم آہ ونالہ کی کیون تعلیم کرتے ہین، اس لیے کہ حضرت آدم علیہ السلام عتاب الٰہی سے بدولت اس رونے ہی کے چھوٹے تھے اور توبہ پرست کی بات جیت یہی اشک تر ہے (کیونکہ توبہ پرست کو زبان سے کچھ کہنے کی چندان ضرورت نہین اوسکا کہنا بڑا یہی ہے کہ ندامت صادقہ پیدا ہو جاوے مراد اشک سے یہی ہے اطلاق المسبب علی السبب) اور گریہ وہ چیز ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام خاص اسی کے لیے زمین پر تشریف لائے تاکہ گریان ونالان وحزین ہون حضرت آدم علیہ السلام فردوس اور ساتون آسمانون کے اوپر سے دنیا مین (جو شابہ ہے پاے ماچان کے کہ ایک قسم کی عقوبت ہے) خاص عذر وتوبہ ہی کی غرض سے نازل ہوے (پاے ماچان یہ ہے کہ گنہگار کو ایک پانون سے کھڑا کیا جاوے تاکہ اوسکو تکلیف ہو دنیا چونکہ دار المحن ہی اسلیے اسکو اس سے تشبیہ دی اور اس شعر مین مولانا نے اشارہ فرمایا ہے نزول آدم علیہ السلام کی ایک حکمت تکوینیہ کیطرف جسکا حاصل یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کو گو ظاہر مین تنزل ہوا لیکن باطناً ترقی ہوئی کیونکہ اس لغزش سے ندامت ہوئی اور انکسار واضمحلال وجود کا غلبہ ہوا جو آثار عبدیت سے ہے پس مقصود اس سے تکمیل مقام عبدیت کی تھی کذا قال مرشدی رحمہ اللہ تعالیٰ لیکن اس مصلحت کے واسطے گناہ کا ارتکاب جائز نہین کیونکہ یہ حکمت تکوینیہ ہی حکمت تشریعیہ نہین خوب سمجھ لو) جب آدم علیہ السلام کے درد ونالہ ومجاہدہ کا حال سن چکے تو اگر تم اولی اولاد ہو تو تمکو بھی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کی طلب اور گردہ مین رہو اور آتش دل (یعنی عشق) اور آب دیدہ (یعنی گریہ) سے نقل درست کرو کیونکہ باغ کی تازگی ابر وخورشید سے ہوا کرتی ہے (تو تمھارے باغ دل کی تازگی کے لیے بھی حرارت خورشید عشق اور آب گریہ کی ضرورت ہے) مگر تم کہ محض نازک دل ہو (اور تاب ریاضت ومجاہدہ کی نہین رکھتے) گریہ وزاری کے ذوق کو کیا جانو کیونکہ تم خر وگدھے کی طرح (دنیاوی تعلقات وحب غیر اللہ مین) پا بگل ہو رہے ہو اور تم آب دیدہ کے ذوق کو کیا جانو تم تو نادیدون کی طرح روٹی (یعنی لذات نفسانیہ) کے عاشق بن رہے ہو۔

گر تو این انبان ز نان خالی کنی	پر ز گوہرہاے اجلالی کنی
طفل جان از شیر شیطان باز کن	بعد از انش با ملک انباز کن

تا تو تاریک و ملول و تیرهٔ — وان که با دیو لعین همشیرهٔ
لقمهٔ کو نور افزود و کمال — آن بود آورده از کسب حلال
روغنے کاید چراغ ما کشد — آب خوانش چون چراغے را کشد
علم و حکمت زاید از کسب حلال — عشق و رقت زاید از کسب حلال

(اوپر عشق نان کو مانع ذوق بتلایا تھا اب اس مانع کے ارتفاع کا اثر بتلاتے ہین کہ) اگر تم اس انبان شکم کو نان (یعنی حرص) سے خالی کرو (یعنی لذات و شہوات مین تقلیل کرو) اوسوقت گوہر ہاے اجلالی (یعنی انوار الٰہیہ ذوق و محبت سے پر کر سکتے ہو پس تم روح کو کہ مشابہ طفل ہے شیر شیطان (یعنی صفات ذمیمہ حرص وغیرہ) سے جدا کرو اسکے بعد ملائکہ مین اوسکو شامل کرو (یعنے صفات حمیدہ ملکیہ پیدا کرو) جبتک تم اپنے قلب کو دیکھو کہ تیرہ و تاریک ہی (یعنی نور معرفت سے خالی ہے) اور ملول و افسردہ ہے (یعنی نشاط محبت سے خالی ہے) یہ سمجھو لو کہ تم دیو لعین کے ساتھ ہم پیالہ و ہم نوالہ ہو رہے ہو (یعنی صفات شیطانیہ سے موصوف ہو رہے ہو یہانتک تو تکثیر مباحات سے منع فرمایا ہے آگے لقمۂ حرام سے بچنے کی تاکید فرماتے ہین گو وہ قلیل ہی کیون نہو پس ارشاد ہے کہ جو غذا کہ نور اور کمال کو بڑھا دے وہ وہی ہے جو کسب حلال سے حاصل ہو اس سے یہ بھی لازم آیا کہ لقمۂ حرام سے نور و کمال مین ترقی نہین ہوتی بلکہ زوال و نقصان ہوتا ہے اسیلیے اسکی مثال فرماتے ہین کہ) جو روغن چراغ مین آکر اوسکو بجھا دیوے اوسکو پانی سمجھنا چاہیے جو کہ چراغ کے حق مین مضر ہوتا ہے (اسی طرح جس غذا سے ہمارے نور باطن کو ضرر پہونچے وہ واقع مین غذا کہنے کے قابل نہین بلکہ زہر قاتل ہی جس سے بچنا ضروری ہی) کسب حلال مین یہ اثر ہی کہ اس سے علم و حکمت (قلب مین) پیدا ہوتا ہے اور اس سے عشق اور رقت قلب پیدا کرتا ہی۔

چون ز لقمہ تو حسد بینی و دام — جہل و غفلت زاید آن را دان حرام
ہیچ گندم کاری و جو بر دہد — دیدهٔ اسپے کہ کرہ خر دہد
لقمہ تخم ست و برش اندیشہ ہا — لقمہ بحر و گوہرش اندیشہ ہا
زاید از لقمہ حلال اندر دہان — میل خدمت عزم رفتن آن جہان
زاید از لقمہ حلال اے مہ حضور — در دل پاک تو و در دیدہ نور
این سخن پایان ندارد اے کیا — بحث با نورگان و طوطی کن بیا

کیا بزرگ۔ بیا قائم۔ یعنے جب تم کسی لقمہ سے حسد اور فریب اور جہل و غفلت دکی زیادتی) دیکھو تو اسکو سمجھ جاؤ کہ حرام ہوگا بھلا کہین ایسا ہو سکتا ہے کہ گیہون بوؤ اور جو پیدا ہون بھلا کسی گھوڑے کو دیکھا ہے کہ گدھے کا بچہ جنا ہو (اسی طرح ممکن نہین کہ غذا تو ہو حرام اور ثمرات پیدا ہون پاکیزہ) لقمہ کی مثال تخم کی سی ہی اور خیالات و افکار کی مثال جیسے اوس تخم کا پھل۔ یا دوسری مثال لقمہ کی جیسے دریا اور خیالات و افکار جیسے موتی) کہ جیسا تخم ہوتا ہے ویسا پھل اور جیسا دریا ہوتا ہے ویسے موتی اس طرح جیسی غذا ویسے خیالات، لقمۂ حلال سے رغبت

طاعت کی اور طیاری سفر آخرت کی پیدا ہوتی ہے اور لقمۂ حلال سے حضور قلب اور نور دیدہ پیدا ہوتا ہی (یعنی قواے مدرکہ باطنی مین ادراک صحیح و معرفت پیدا ہوتی ہے) اس مضمون کا توکہین انتہا ہی نہین ہے اب پھر بازرگان و طوطی کا قصہ لانا چاہیے۔

باز گفتن بازرگان با طوطی انچہ دیدہ بود از طوطیان ہندوستان

کرد بازرگان تجارت را تمام	باز آمد سوے منزل شاد کام
ہر غلامے را بیاورد ارمغان	ہر کنیزک را بہ بخشید او نشان
گفت طوطی ارمغان بندہ کو	انچہ گفتی وانچہ دیدے بازگو
گفت نے من خود پشیمانم ازان	دست خود خایان وانگشتان گزان
من چرا پیغام خامے از گزاف	بردم از بیدانشی واز نشاف
گفت ای خواجہ پشیمانی ز چیست	چیست آن کین خشم و غم را مقتضیست
گفت گفتم آن شکایتہاے تو	باگروہ طوطیان ہمتاے تو
آن یکے طوطے ز دردت بوی برد	زہرہ اش بدرید و لرزید و بمرد
من پشیمان گشتم این گفتم چہ بود	لیک چون گفتم پشیمانی چہ سود
نکتۂ کان جست ناگہ از زبان	ہمچو تیرے دان کہ جست او از کمان
وانگردد از رہ آن تیر اے پسر	بند باید کرد سیلے را ز سر
چون گذشت از سر جہانی را گرفت	گر جہان ویران کند نبود شگفت

دنشان حصہ۔ نشاف بے عقلی، یعنی وہ سوداگر تجارت کا کام پورا کرکے اپنے گھر خوش وخرم واپس آیا اور سب غلامون کے لیے اونکی فرمائش سوغات لایا اور سب کنیزون کے لیے اونکا حصہ لایا طوطی نے کہا کہ میری سوغات (یعنی میرے پیغام کا جواب) کہان ہے جو کچھ تمنے کہا ہو اور جو کچھ دیکھا ہو بیان کرو سوداگر نے کہا کہ مین کچھ نہین کہتا کیونکہ اوس کہے ہوے سے اب تک پشیمان ہو رہا ہون اور ہاتھ چبا رہا ہون اور اونگلیان کاٹ کاٹ کھا رہا ہون کہ مین نے ایسا لغو پیغام بے سوچے سمجھے بیدانشی اور بے عقلی سے کیون پہونچایا طوطی بولی کہ پشیمانی کس وجہ سے ہے وہ کیا بات ہے جو اس غم وغصہ کی باعث ہے سوداگر نے جواب دیا کہ مین نے وہ سب تیری شکایتین تیری ہمجنس طوطیون سے بیان کی تھین اُن مین سے ایک طوطی کو تیرے درد کا کچھ پتا لگ گیا فوراً کلیجا پھٹ کر تھرتھرا کر مر گئی تو مین پشیمان ہو رہا ہون کہ اُس کہنے کی کیا ضرورت تھی لیکن جب کہہ چکا تو پشیمانی سے کیا فائدہ ہوتا ہے کیونکہ جو بات زبان سے نکل گئی اسکی ایسی مثال سمجھو جیسا تیر کمان سے نکل جاوے تو وہ تیر راہ سے واپس نہین آتا اسی طرح وہ بات

واپس نہین ہوسکتی تواب فکر تدارک بیکار ہے البتہ اگر اول ہی سے اسکا انسداد کیا جاوے سہل ہے اسکی مثال سیل کی سی ہے کہ سیلاب کو ابتدا سے روکنا منردر ہے اور جب وہ بڑھ آیا تو ایک جہان کو بہے ڈالتا ہے اوسوقت اگر جہان کو ویران وتباہ کرڈالے عجب نہین۔

فعل را در غیب اثر ہا زاد نیست	وان موالیدش بحکم خلق نیست
بے شریک جملہ مخلوق خداست	آن موالید ارچہ نسبت شان بماست
زید پرانید تیرے سوے عمرو	عمرو را بگرفت تیرش ہمچو نمر
مدتے سالے ہمی زائید درد	دردہا را آفرید حق نہ مرد
زید رامی آندم ار مرد از وجل	دردہا مے زاید آنجا تا اجل
زان موالید وجع چون مرد او	زید را زاول سبب قتال گو
آن وجعہا را بدو منسوب دار	گرچہ ہست آن جملہ صنع کردگار
ہمچنین کشت و دم و دام و جماع	آن موالید ست حق را استطاع

(یہان سے تحقیق ہے مسئلہ جبر و قدر کی کذا قال مرشدی وجہ ربط کی ماقبل سے ظاہر ہے کہ اوپر بیان تھا کہ بولنا اختیاری ہے مگر اوسپر آثار کا ترتب خارج از اختیار ہے اب بتلاتے ہین کہ یہین کلام اور اثر کلام کی تخصیص نہین بلکہ سب افعال کا جوکہ آثار خاصہ کے اسباب ہین یہی حال ہی کہ وہ اسباب گو اختیار عبد مین ہین مگر اون کے آثار مین اختیار عبد کو کچھ دخل نہین پس فرماتے ہین کہ افعال اختیاریہ کے کچھ آثار غیب مین پیدا ہوجاتے ہین (گو بہت سے آثار عالم شہادت مین بھی پیدا ہوتے ہین مگر چونکہ فاعل کو اکثر اوسپر اطلاع نہین ہوتی اس لیے غیب کہدیا) اور وہ آثار زائیدہ مخلوق کے اختیار مین نہین ہین بلکہ محض بلا شرکت وہ سب موالید یعنی آثار خدا تعالی کے پیدا کیے ہوے ہین گو (مجازا) اونکی بھی نسبت (مثل اصل افعال واسباب کے) ہماری طرف کیجاتی ہے (مثلاً کہا جاتا ہی کہ زید نے عمرو کو مارڈالا اور زید کا کام صرف تلوار چلانا تھا نہ کہ جان نکالنا جسکو مارڈالنا کہتے ہین مگر چونکہ زید سے سبب اماتت صادر ہوا ہے لہذا مجازاً اماتت کی بھی نسبت اوسکی طرف کردیتے ہین چنانچہ خود ارشاد فرماتے ہین کہ) زید نے مثلاً عمرو کیطرف ایک تیر چلایا اور عمرو کو اوسکے تیر نے پلنگ درندہ کی طرح پکڑ لیا (یعنی زخمی کردیا) اور مثلاً ایک سال تک درد و تکلیف پیدا ہوتا رہا (تو یہ یقینی ہے کہ) اوس درد و تکلیف کو حق تعالے پیدا کرتے ہین نہ وہ شخص جس نے تیر مارا ہے (دلیل اسکی یہ ہے کہ) زید جس نے تیر مارا ہے اگر اتفاقاً کسی صدمہ و آفت سے مرجاوے جب بھی وہ درد و تکلیف اوس جگہ (یعنی عمرو کے بدن مین) مرتے دم تک پیدا ہوتے رہتے ہین (پس اگر اس درد کا خالق وموجد زید ہوتا تو اوس کا فعل ایجاد اس درد کے لیے علت تامہ ہوتا اور علت تامہ کے ارتفاع سے معلوم کا ارتفاع واجب ہے اور زید کے مرنے سے اسکے سب اوصاف وافعال کہ اوس کے ساتھ

قائم ہین مرتفع ہوگئے ہین تو چاہیے تھا کہ زید کے مرنے سے پھر درد نرہتا اور نہ آیندہ کوئی نیا درد پیدا ہوتا حالانکہ مشاہدہ اُسکی تکذیب کرتاہے اِس سے ثابت ہوا کہ زید موجد آثار نہین ہے البتہ چونکہ اِن آثار اور درد سے عمرو مرگیا ہے اسلیے زید کو اوس فعل اول تیراندازی کی وجہ سے جو کہ سبب موت کا ہے قاتل کہا جاویگا اور اُن تکالیف مسببہ کو اُسکی طرف (مجازاً) نسبت بھی کرینگے اگرچہ (حقیقۃً) وہ تمام آثار محض صنع کردگار ہین) کہ عبد کو خود اُنکی ذات مین کوئی اثر نہین) اسی طرح (سب اسباب کو سمجھو مثلاً کھیتی بونا ہی حیلہ وتدبیر کرنا ہے جال پھیلانا ہے جماع کرنا ہے کہ ان مین جسقدر آثار ہین سب حق تعالیٰ کے مقدور اور مخلوق) ہین۔

ف اس تقریر مین تو آثار کا اختصاص حق تعالیٰ کے ساتھ باعتبار مخلوقیت کے ثابت ہوا اور خود اسباب کا اختصاص باعتبار مخلوقیت کے اُسکے اور دلائل ہین وہ یہان مذکور نہین جیسا لفظ (بے شریکے) مین اشارہ ہی کہ یہان صرف آثار کا بیان ہے نہ اسباب کا کہ وہ بوجہ اس کے کہ کسبًا منسوب الی العبد ہین اور خلقًا منسوب الی الحق صورۃً مشترک فیہ معلوم ہوتے ہین۔

اولیا راہست قدرت از الٰہ — تیر جستہ باز آرندش ز راہ

بستہ در ہاے موالید از سبب — چون پشیمان شد ولی ز دست رب

گفتہ ناگفتہ کند از فتح باب — تا ازان نے سیخ سوزد نے کباب

گرت برہان باید وحجت مہا — از بنے خوان آیۂ او ننسہا

آیت انسوکم ذکرے بخوان — قدرت نسیان نہادن شان بدان

از ہمہ دلہا کہ آن نکتہ شنید — آن سخن را کرد محو و ناپدید

چون بتذکیر و بہ نسیان قادرند — بر ہمہ دلہاے خلقان قاہرند

چون بہ نسیان بست او راہ نظر — کار نتوان کرد ور باشد ہنر

خذ تمو اسخریۃ اہل السمو — از بنے خوانید تا انسوکم

بستہ جزا۔ چون شرط۔ ولی فاعل بستہ۔ از دست متعلق بہ بستہ و قید او مہا اسے مہ یعنی بزرگ۔ یہ اشعار مضمون سابق سے بطور استثنا کے ہین یعنی ہمنے جو اوپر کہا ہے کہ صدور اسباب کے بعد آثار کا ترتب قدرت عبد سے خارج ہے اور اس سے یہ بھی لازم آیا کہ یہ بھی قدرت نہین کہ آثار کو مرتب نہ ہونے دین کیونکہ قدرت کا تعلق دونون ضدون سے ہوتاہے جب ترتب مقدور نہین تو عدم ترتب بھی مقدور نہین بلکہ اوپر اسکی تصریح بھی فرمائی ہے ؎ وانگردد از رہ آن تیرا ے پسر الخ اب فرماتے ہین کہ یہ حالت غیر اہل خوارق کی ہے اور اہل خوارق اس سے مستثنیٰ ہین یعنی وہ باذن الٰہی قادر ہین کہ اسباب پر آثار کو مرتب نہونے دین جیسا کہ تفصیلاً فرماتے ہین کہ) اولیاء اللہ کو (یعنی بعض کو) حق تعالیٰ کی طرف سے یہ قدرت حاصل ہی کہ تیر جستہ کو (یعنی اسباب کو) راہ سے ہٹا لا دین (یعنی آثار کو مرتب نہونے دین جیسا کہ خود اس کی تفسیر فرماتے ہین کہ)

جب یہ ولی (صدور اسباب سے خواہ اس سے ہوا ہو یا دوسرے سے) پشیمان ہوتا ہے تو دست رب (یعنی قدرت حق) کے ذریعہ سے ابواب ہوا ئید (یعنی آثار) کو سبب سے بند کردیتا ہے (یعنی آثار کو سبب تک نہین آنے دیتا اور یہ قدرت اُسکی ذاتی نہین بلکہ بعطاے حق ہے جیسا از دست رب مین تصریح ہے پس شعر او لیار الخ مقدم ہے اور شعر بستہ الخ مؤخر ہے کذا قال مرشدی) غرض یہ ولی کہی بات کو مثل نہ کہی ہوئی کے کردیتا ہی (یعنی جسطرح ان کہی بات پر اثر مرتب نہین ہوتا اسی طرح کہی ہوئی پر آثار کو مرتب نہین ہونے دیتا) اور یہ قدرت بدولت اسکے ہی کہ اوسپر باب قرب وقبول مفتوح ہے تاکہ نہ بیخ جلنے پاوے نہ کباب (یہ کنایہ ہے عدم مضرت سے) اور اگر تمکو اسکی دلیل درکار ہو تو دو آیتین قرآن مجید کی پڑھکر دیکھو ایک وہ جس مین آیا ہے ننسہا (یعنی حق تعالیٰ فرماتے ہین کہ ہم اُس آیت کو بھلا دیتے ہین) دوسری آیت وہ جسمین انسوکم ذکری آیا ہے (یعنی قیامت مین اُن کفار کو جو اہل اللہ سے تمسخر کرتے تھے عتاب مین کہا جاویگا فاتخذتموهم سخریا حتی انسوکم ذکری کہ تمنے اُنکا مذاق بنا رکھا تھا یہانتک کہ اُنھون نے تمکو میری یاد بھی بھلا دی پس ان دونون آیتون کے ملانے سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے بھلا دینے کی نسبت اپنی طرف بھی کی اور اُون کیطرف بھی کی جس سے مفہوم ہوا کہ اُنکو بھی قدرت بھلا دینے کی دی گئی ہے مگر واقع مین وہ فعل اللہ تعالیٰ کا ہوتا ہے وہ باذن خداوندی ایسا کرسکتے ہین چنانچہ حاصل استدلال فرماتے ہین کہ) قدرت نسیان کرادینے کی اُنمین سمجھو یعنی جتنے قلوب نے کسی خاص مضمون کا ادراک کرلیا تھا اُس مضمون کو اُس ولی نے بالکل محو اور ناپدید کردیا (پس کلام جو سبب ہے موجود ہوا مگر بوجہ نسیان کے آثار اوسپر مرتب نہین ہوے) پس جب وہ لوگ یاد کرادینے پر اور بھلا دینے پر قدرت رکھتے ہین تو اس سے معلوم ہوا کہ تمام خلائق کے قلوب پر غالب ہین جب وہ نسیان کے ذریعہ سے عقل وفکر کا رستہ بند کردے تو گو کوئی کتنا بڑا عاقل ہو مگر کچھ کارروائی نہین کرسکتا (کیونکہ جس بنا پر آگے چلتا وہی محو ہوگئی چنانچہ فاتخذتموهم سخریا کو انسوکم تک پڑھکر دیکھ لو ترجمہ اسکا اوپر گذر چکا اہل السمو کے معنی اہل العلو یعنی تمنے اہل مراتب عالیہ کو مسخرہ بنایا تھا۔ یہ کمی بیشی الفاظ کی وزن کی ضرورت سے ہوئی اور روایت بالمعنی مین اتنی گنجائش ہوتی ہے) تنبیہ آیہ انسوکم ذکری مین اسناد انسوکم انسا کی مومنین کیطرف باجماع مفسرین مجازی ہے اور مطلب یہ ہی کہ مومنین کی حالت خستگی ومسکنت کی کفار کے لیے سبب نسیان ذکر بن گئی تھی مگر مولانا نے اسناد حقیقی لیکر اپنے دعوے پر استدلال کیا ہے چونکہ لفظ فی نفسہ محتمل اسناد حقیقی کو ہوسکتا ہی اور خرق عادت قواعد شرعیہ کے خلاف نہین اس لیے اس تفسیر کو باطل وتغییر معنے نہین کہہ سکتے بنظر قرائن مقام کے مرجوح ضرور ہے لیکن اثبات مدعا اس تفسیر پر موقوف نہین کیونکہ ایسے خوارق مشاہدہ سے ثابت ہین کہ کاملین کے تصرف سے بڑی پکی یاد کی ہوئی چیزین ذہن سے نکل گئین۔

ف ضرور یہ جاننا چاہیے کہ اولیاء اللہ کی دو قسمین ہین ایک وہ جنکے متعلق خدمت ارشاد وہدایت واصلاح قلوب وتربیت نفوس وتعلیم طرق قبول عنداللہ ہے اور یہ حضرات اہل ارشاد کہلاتے ہین اور انھین سے اپنے

تقسیم اولیاء باہل ارشاد واہل تکوین

عصر مین جو اکمل و افضل ہو اور اسکا فیض اتم دائم ہو اُسکو قطب الارشاد کہتے ہین اور یہ نائب حقیقی ہوتے ہین حضرات انبیاء علیہم السلام کے اور انکا طرز طرز نبوت ہوتا ہے۔ دوسرے وہ جنکے متعلق خدمت اصلاح معاش و انتظام امور دنیویہ و دفع بلیات ہے کہ اپنی ہمت باطنی سے باذن الٰہی ان امور کی درستی کرتے ہین اور یہ حضرات اہل تکوین کہلاتے ہین جنکو ہمارے عرف مین اہل خدمت کہتے ہین اور انمین سے جو اعلیٰ اور اقوی اور دوسرون پر حاکم ہوتا ہے اُسکو قطب التکوین کہتے ہین اور انکی حالت مثل حضرات ملائکہ علیہم السلام کے ہوتی ہے جنکو مدبرات امر فرمایا گیا ہے حضرت خضر علیہ السلام اسی شان کے معلوم ہوتے ہین پس مولانا نے جو اس مقام پر تصرفات مذکورہ ارشاد فرمائے ہین یہ اہل تکوین کا حال بیان کیا ہے اُنکے مقام و منصب کے لیے ایسے تصرفات عجیبہ کا ہونا لازم ہے بخلاف اہل ارشاد کے کہ اُنکا خود صاحب خوارق ہونا بھی ضروری نہین البتہ ان حضرات کے کرامات اور طور کے ہوتے ہین کہ اوسکا ادراک عوام کو نہین ہوتا بلکہ وہ امور ذوقی و وجدانی ہین کہ اکثر اوقات اُن کی خدمت و صحبت سے جو شخص مستفید ہوتا ہے اوسکو معلوم ہوتا ہے پس یہ حال اہل ارشاد کا بیان نہین کیا گیا باقی یہ کہ جب نفع طریقت اہل ارشاد ہی سے ہوتا ہے تو اہل تکوین کے کمالات بیان کرنے سے کیا فائدہ تو ہمین دو فائدے ہین ایک علمی دوسرا عملی علمی تو یہ کہ ایک کام کی بات معلوم ہو جاوے تاکہ علم ناقص نرہے عملی یہ کہ اکثر ایسے لوگ ظاہر صورت کے خستہ حال و شکستہ بال و ذلیل و خوار ہوتے ہین اگر یہ مسئلہ کسیکو معلوم ہوگا تو مساکین کی تحقیر و توہین تو نہ کرے گا خوب سمجھ لو

صاحب دہ پادشاہ جسمہاست	صاحب دل شاہ دلہاے شماست
فرع دید آمد عمل بے ہیچ شک	پس نباشد مردم الا مردمک
مردمش چون مردمک دیدند خرد	در بزرگی مردمک کس رہ نبرد
من تمام این را نیارم گفت زان	منع می آید ز صاحب مرکزان
چون فراموشی خلق و یاد شان	با وے ست او را رسد فریاد شان

(ان اشعار مین اولیاے مذکورین کی عظمت بیان فرماتے ہین کہ) حاکم ملک تو تمھارے اجسام کا بادشاہ ہے اور صاحبدل تمھارے قلوب کا بادشاہ ہے (کیونکہ اوپر ثابت ہو چکا کہ ان حضرات کو قلوب مین تصرف ہوتا ہے آگے صاحب تصرف ہونے کے ساتھ اوس کا صاحب کشف ہونا بیان فرماتے ہین کہ) عمل فرع علم کی ہے (پس جب وہ صاحب عمل یعنی تصرف ہین تو لامحالہ صاحب علم یعنی کشف بھی ہون گے اور جب عمل کو فرع علم کہنے سے علم کا اصل ہونا ثابت ہوا تو اوسکی افضلیت مین فرماتے ہین کہ) آدمی مین اگر کوئی چیز کام کی ہے تو پتلی ہے (کیونکہ اوس سے دید ہوتی ہے خلاصہ یہ کہ وہ شخص اس دولت باطن کیوجہ سے مشابہ پتلی کے ہے کہ ظاہر مین حقیر اور واقع مین کبیر چنانچہ فرماتے ہین کہ) ناواقف لوگون نے اُس ولی کو پتلی کیطرح حقیر سمجھا (جیسا اللہ تعالیٰ نے اُنکا قول نقل کیا ہے ان انتم الا بشر مثلنا) مگر پتلی کی حقیقی بزرگی کسی نے تحقیق نہ کی اور مین اس مضمون کو یعنی ان حضرات کے کمالات و تصرفات کو، اس لیے پورا نہین بیان کر سکتا کہ اہل مرکز (یعنی اہل تمکین جو مقام

ارشاد مین مرتکمز د تمکن ہین، ممانعت کر رہے ہین (کیونکہ ان اسرار کے بیان کرنے سے کم فہمون کو غلطی مین پڑ جانے کا احتمال ہے اور اہل فہم کو بھی کوئی معتد بہ نفع نہین کیونکہ ان مضامین کو تقرب الی اللہ کے طریقون مین کوئی دخل نہین، حاصل یہ کہ جب خلائق کی یاد اور فراموشی اس صاحب تصرف کے ساتھ متعلق ہی (جیسا اوپر بیان ہوا) تو ایسے باکمال کو خلائق کی فریادرسی کا حق پہونچتا ہے (یعنی اُنکی اعانت و امداد امور تکوینیہ مین باذن الٰہی کر سکتا ہے اور یہ مطلب نہین کہ مصائب مین اوسکو پکارنا مفید ہے۔

صد ہزاران نیک و بد را آن بہی	میکند ہر شب ز دلہا شان تہی
روز دلہا را ازان پُر می کند	آن صدفہا را پر از دُر می کند
آن ہمہ اندیشۂ پیشانہا	می شناسد از ہدایت جانہا
پیشہ و فرہنگ تو آید بہ تو	تا در اسباب بکشاید بہ تو
پیشۂ زرگر باہنگر نشد	خوے این خوشخو با آن منکر نشد
پیشہا و خلقہا ہمچون جہیز	سوے خصم آیند روز رستخیز
پیشہا و خلقہا از بعد خواب	واپس آید ہم بخصم خود شتاب
صورتے کان بر نہادت غالب ست	ہم بران تصویر حشرت واجب ست
پیشہا و اندیشہا در وقت صبح	ہم بدانجا شد کہ بود آن حسن و قبح
چون کبوترہاے پیک از شہرہا	سوے شہر خویش آرد بہرہا
ہرچہ بلبینی سوے اصل خود رود	جزو سوے کل خود راجع شود

(اس مقام مین بیان ہے اولیا رمذکورین کے ایک اور تصرف کا اور استطراداً بیان ہی عمل اور عامل کے درمیان مناسبت کا پس فرماتے ہین کہ) لاکھون اچھے بُرے خیالات کو وہ ولی بارونق و باکمال ہر شب کو قلوب مین سے نکالکر باہر کر دیتا ہے پھر دن کو اُن خیالات سے قلوب کو پُر کر دیتا ہے اور صدفون کو (یعنی قلوب کو) اُن گوہرون سے (یعنی خیالات سے) بھر دیتا ہے (حاصل یہ کہ ہر شب تو جو لوگون کو نیند آتی ہے جس سے قلب خیالات سے خالی ہو جاتا ہے اور پھر دن کو جاگ اُٹھتے ہین جس سے وہ خیالات پھر قلب مین آ بھرتے ہین یہ سونا اور جاگنا بھی باذن الٰہی اُن حضرات کے تصرف سے ہوتا ہے کیونکہ ان کی حالت تصرف مثل ملائکہ کے ہی اور ملائکہ کے متعلق اس قسم کی خدمتین ہوتی ہین جنکو حکمار طبیعت کا فعل کہتے ہین پس اگر ملائکہ کے ساتھ کوئی کام ان اولیا سے بھی لیا جاوے تو بعید نہین) اور وہ جسقدر خیالات گذشتہ ہوتے ہین ہدایت و تعلیم حق کی بدولت اُن کاملین کی ارواح اُنکو شناخت کرتی ہین (یعنی جس طرح حال ہین تصرف عملی ہی ماضی مین تصرف علمی یعنی کشف حاصل ہے اور اُن کے تصرف سے (تمہارا پیشہ اور ہنر و دانائی (جاگنے کے وقت) تمہارے ہی پاس آتا ہے (یہ نہین ہوتا کہ کسی کا پیشہ کسی کے پاس پہونچ جاوے اور یہ شخص اوسکو بھول جاوے)

تاکہ اُس ہنر کے ذریعہ سے تم پر دروازہ اسباب (و تدبیر حصول معاش) کا کشادہ ہو چنانچہ زرگر کا پیشہ آہنگر کے پاس نہیں جاتا خوشخو آدمی کے اخلاق زشت خو کے پاس نہیں جاتے (یعنی اُن حضرات کو ان اُمور مین تمیز بھی ہے کہ اختلاط و التباس نہین ہوتا جیسا اوپر کہا ہے میشناسد الخ اور تصرف بھی ہے کہ نزع و رد کرتے ہین آگے بمناسبت مشابہت صبح و قیامت کے تبغا فرماتے ہین کہ جسطرح جہیز مستحق جہیز کے پاس آتا ہے اسیطرح سب پیشے (یعنی اعمال) اور اخلاق اپنے خصم (یعنی صاحب کے پاس قیامت کے روز آجاوینگے جسطرح پیشے اور اخلاق سونیکے بعد اپنے صاحب کے پاس واپس آجاتے ہین پس جو موت یعنی طینت تیری ذات پر غالب ہوگی اُسی صورت پر ظاہر ہوا بھی) تیرا حشر ضروری ہے جیساکہ سب پیشے اور خیالات صبح کیوقت وہان ہی آجاتے ہین جہان پہلے سے وہ نیک و بد موجود تھا جسطرح پیک کبوتر شہر و نسے اپنے شہرو نمین خصے یعنی پیغام لیجاتے ہین (یہی خیالات مثل پیک کبوتر رہنگے ہوے کہ اپنے وطن کو آجاتے ہین اور اسیکی کیا تخصیص ہے) جس چیز کو دیکھ اپنی اصل کیطرف جا رہی ہے اور ہر جزو اپنے کل کی طرف رجوع ہوتا ہے . (جیسا مشہور ہے کل شئ یرجع الی اصلہ

شنیدن آن طوطی حرکت آن طوطی و مُردن و نوحۂ خواجہ بروے

چون شنید آن مرغ کان طوطی چہ کرد
ہم بلرزید و فتاد و گشت سرد

خواجہ چون دیدش فتادہ ہمچنین
برجہید و زد کُلّہ را بر زمین

چون بدین رنگ و بدین حالش بدید
خواجہ برجست و گریبان را درید

گفت ای طوطی خوب خوش حنین
ہے چہ بودت این چرا گشتی چنین

اے دریغا مرغ خوش آواز من
اے دریغا ہمدم و ہمراز من

اے دریغا مرغ خوش الحان من
راح روح و روضۂ رضوان من

گر سلیمانؑ را چنین مرغے بُدے
کے خود او مشغول آن مرغان شدے

ای دریغا مرغ کارزان یافتم
زود روا ز روے آن بر تافتم

جب اُس طوطی نے اُس ہندوستان والی طوطی کا قصہ سنا تو یہ بھی تھر تھرا کر گر گئی اور ٹھنڈی ہوگئی سوداگر نے جو اُسکو اسطرح گرا دیکھا گھبرا کر کھڑا ہو گیا اور کلاہ کو زمین پر دے مارا۔ سوداگر نے جو اُسکو اس رنگ اور اس حال مین دیکھا تو گھبرا اوٹھا اور گریبان پھاڑ ڈالا اور کہنے لگا کہ اے طوطی خوش آواز یہ تجھکو کیا ہو گیا تو اسطرح کیون ہوگئی ہائے میرا مرغ خوش آواز۔ ہائے میرا ہمدم و ہمراز۔ ہائے میرا مرغ خوش الحان۔ میرا راحت جان اور میرا روضۂ رضوان بالفرض اگر سلیمان علیہ السلام کے پاس ایسا مرغ ہوتا تو وہ اور مرغون مین کبھی مشغول نہوتے (ایسے گستاخانہ کلمات بغلبۂ حالت غم مین صادر ہوسکتے ہین) ہائے ایسا مرغ جو مجھکو ارزان مل گیا تھا جلدی ہی اُس سے مجھکو جدا ہونا پڑا

ای زبان تو بس زیانی مر مرا
چون توئی گویا چہ گویم مر ترا

ای زبان ہم آتش و ہم خرمنی
چند این آتش درین خرمن زنی

در نہان جان از تو افغان میکند / گرچہ ہرچہ گویدش آن میکند

ای زبان ہم گنج بے پایان توئی / ای زبان ہم درد بے درمان توئی

ہم صفیر و خدعۂ مرغان توئی / ہم انیس وحشت ہجران توئے

ہم خفیر و رہبر یاران توئے / ہم بلیس و ظلمت کفران توئے

چند امانم میدہی اے بے امان / اے تو زہ کردہ بکین من کمان

نک بپرانیدۂ مرغ مرا / در چراگاہ ستم کم کن چرا

یا جواب ما بدہ یا داد دہ / یا مرا ز اسباب شادی یاد دہ

اے دریغا نور ظلمت سوز من / اے دریغا صبح روز افروز من

اے دریغا مرغ خوش پرواز من / ز انتہا پریدہ تا آغاز من

عاشق رنجست نادان تا ابد / خیز لا اقسم بخوان تا فی کبد

از کبد فارغ بُدم با روے تو / وز زبد صافی بُدم در جوے تو

(چونکہ یہ رنج تاجر کو بدولت زبان کے پیش آیا اسلیے زبان کی شکایت کرتا ہے کہ) اے زبان تو میرے لیے بڑی زیان ہے اور مین تجھکو کیا کہون جبکہ تو خود ہی بولنے والی ہے (مطلب یہ کہ مین تجھکو جو کچھ کہونگا اُس کہنے کا آلہ بھی تو ہی ہو گی پھر مین کیا کہون کہ بُرا کہنے مین اُسی سے مدد لینی پڑتی ہے جسکو بُرا کہا جاوے اور یہ خود موجب انقباض ہے اسلیئے دل کھولکر تجھکو بُرا بھی کہنا ممکن نہین) اے زبان تو آتش بھی ہے (کہ کلمات قبیحہ تجھ سے صادر ہوتے ہین) اور خرمن بھی ہے (کہ کلمات حسنہ تجھ سے صادر ہوتے ہین) تو اس خرمن مین آگ کہانتک لگاویگی (کیونکہ کلماتِ قبیحہ سے کلمات حسنہ کی برکت واثر ضائع ہو جاتا ہے) باطن مین جان تیرے ہاتھون سے فریاد کرتی ہے اگرچہ یہ بھی ہے کہ جس بات کو تو کہتی ہے جان اُسی کو کرتی ہے (یہ اس طرح ہوتا ہے کہ بعض اوقات دل سے سوچا نہین یون ہی مُنھ سے کچھ کہہ ڈالا پھر رنج کے مارے اُسی طرح کرنا پڑا اگرچہ دل نہین چاہتا اور اُس مین ضرر ہوا) اے زبان تو خزانۂ بے انتہا بھی ہے (کیونکہ محل کلام بے پایان ہے) اور اے زبان تو درد بے درمان بھی ہے (کہ محل کلمات کفر بھی ہے) تو ہم آواز اور فریب دہندۂ مرغان بھی ہے (کہ جانور ویسی ہی بولی بول کر اُنکو گرفتار دام کر لیتے ہین) اور تو انیس وحشت ہجران بھی ہے (اسطرح کہ زبان سے کلمات تسلی و تسکین کے کیے جاوین جس سے وحشت کم ہو جاوے). تو بدرقہ اور رہبر یاران بھی ہے (کہ زبان سے رہنمائی بھی ہوتی ہے خواہ ظاہری ہو یا باطنی) اور تو بلیس اور ظلمت کفران بھی ہے (کہ اغوا و اضلال بھی اس سے ہوتا ہے) اری بے امان (کہ تجھ سے امید امان نہین ہے) کیونکہ تونے میری کینہ وری مین کمان کو زہ کر رکھا ہے تو مجھکو کہانتک امان دیگی یعنے مدد یگی جیسا کہ وجہ اُس کی مذکور ہوئی) تو نے میرے مرغ کو اُڑا دیا یعنے تیری وجہ سے وہ طوطی ہلاک ہو گئی) اب تو چراگاہ ظلم مین مجھکو کم چرنا چاہیے (یعنی ظلم نہ کرنا چاہیے) یا تو میری شکایت کا جواب دینا چاہیے

(کہ ساکت ہوجاؤں) (اور بیداد دینی چاہیے۔ (یعنی اپنے قصور کا اعتراف کرنا چاہیے) اور یا مجھکو اسباب خوشی یاد دلانے چاہئیں (تاکہ یہ غم وغصہ دور ہو مراد اسباب شادی سے یاد حق ہے کہ مزیل ہموم وغموم ہے یعنی ذکر اللہ میں مشغول ہوجانا چاہیے تاکہ غیر اللہ فراموش ہوجاوے) ہائے میرا مرغ جو (نور ظلمت سوز تھا) ہائے میری صبح روز افروز (یعنی وہی مرغ) ہائے میرا مرغ خوش پرواز کہ (جسکے مرجانے سے) میرا تمام سرمایہ عمر ابتداء سے انتہا تک ہاتھ سے جاتا رہا (یہ باعث ثابت ہے) کہ انسان نادان ہمیشہ تک (یعنی دم مرگ تک) رنج ومشقت پر عاشق رہتا ہے (یعنی انواع انواع بلیات ومصائب میں مبتلا رہتا ہے اور چونکہ اکثر پریشانی اپنے ہاتھوں لیتا ہی اور اُنکے اسباب میں خود سعی کرتا ہے اس لیے عاشق کہدیا گیا اور اسیواسطے انسان کو نادان سے تعبیر کیا اگر اسکی دلیل مطلوب ہو تو) اوٹھو اور لا اقسم سے کبد تک پڑھ کر دیکھو کہ اُس میں یہ مضمون ہے) لیکن اے طوطی تیرے دیدار سے سب رنج ومشقت جسمیں عام لوگ مبتلا ہیں) بھول گیا تھا اور تیری نہر (مصاحبت) میں (رنج وکدورت کے) میل کچیل سے صاف ہو گیا تھا

این دریغا ہا خیال دیدن ست	وز وجود نقد خود بریدن ست
غیرت حق بود وباحق چارہ نیست	کو دلے کز حکم حق صد پارہ نیست
غیرت آن باشد کہ او غیر ہمہ ست	آنکہ افزون از بیان ودمدمہ ست
اے دریغا اشک من دریا بدے	تا نثار دلبر زیبا شدے
طوطی من مرغ زیرک سار من	ترجمان فکرت واسرار من
ہرچہ روزے داد ناداد آمدم	او ز اول گفت تا یاد آمدم

(بیانتک تاجر کا مضطربانہ مضمون تھا جو مقتضائے طبع تھا اب اُسکو کچھ تنبہ ہوا اور عقل کو طبیعت پر غالب کرکے کہتا ہے کہ) یہ جو میں دریغ اور تاسف کر رہا ہوں (اسکا منشاء محض یہ ہے کہ جس چیز پر تاسف کیا جاتا ہے اُسکے) دیکھنے کا خیال ہے اور (انجام اسکا) اپنے نقد وجود (یعنی عمر گرانمایہ) سے قطع کرنا ہے (یعنی عمر برباد کرنا ہے خلاصہ یہ کہ اسقدر غم محض لغو ہے کیونکہ سبب بھی اسکا ضعیف ہے محض ایک خیال۔ اور نتیجہ بھی برا ہے کہ غم فانی میں اپنی عمر ضائع کرنا) یہ طوطی کا ہلاک ہوجانا مقتضائے غیرت حق ہے (کہ اللہ تعالے کو یہ بات ناپسند آئی کہ غیر سے دل لگایا) اور حق تعالے کے حکم کے سامنے کسی کا کیا چارہ ہے کوئی دل ایسا نہیں کہ حکم خدا سے صد پارہ (یعنی متاثر) نہو (یعنی خدا تعالی اُسمیں تصرف کرنا چاہیں اور وہ اس تصرف کو دفع کردے) اور غیرت حق کا سبب یہ ہے کہ وہ سب کے غیر ہیں (اسیطرح سب اُنکے غیر) اور وہ ایسے ہیں کہ بیان اور تدبیر کے احاطہ سے افزون ہیں (مطلب یہ کہ چونکہ مخلوقات غیر اللہ ہیں تو مخلوق سے تعلق کرنا غیر اللہ سے تعلق کرنا ہے اور یہ اُن کو پسند نہیں اسلیے بعض وقات اُس غیر کو اٹھا لیتے ہیں اور دوسرا مصرعہ گویا بیان ہے مغایرت کا یعنی انکی شان تو بیان وفہم سے علی ہے اور مخلوق احاطہ بیان وفہم کے اندر ہیں لہذا مغائرت ضروری ہے۔

ف مولانا اس مقام میں تصریحاً خلق اور ضمناً اثبات غیریت کا فرماتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ جہان اثبات عینیت کا دعویٰ ہے وہ عینیت اصطلاحی ہے نہ لغوی اب آگے پھر تاجر کی طبیعت کو عقل پر غلبہ ہوا کہتا ہے کہ کاش میرے آنسو دریا بن جاتے تاکہ دلبر زیبا (یعنی طوطی) پر نثار ہوتے میری طوطی کیسی تھی زیرک آدمی کے مشابہ تھی میرے رفکار و اسرار (یعنی دلی خیالات) کی مترجم تھی (یعنی ایسی دانا تھی کہ قرائن و بشرہ سے مافی الضمیر پر آگاہ ہو کر بیان کر دیتی تھی اور اسکی زیرکی کی یہ حالت تھی کہ) جو کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مجھکو روزی و نعمت ملتی تھی اور میری غفلت و ناشکری سے مثل ناداده کے ہو جاتی تھی (یعنی اسکا شکر کرنا بھول جاتا تھا جسطرح ناداده کا شکر کوئی نہیں کرتا) تو وہ مجھ سے پہلے اُس نعمت کا شکر ادا کرنے لگتی تھی جسے کہ مجھکو بھی یاد آجاتا تھا (یہانتک یہ سب مقولہ تاجر کا تھا)۔

طوطئی کاید ز وحی آواز او / پیش از آغاز وجود آغاز او

اندرون تست آن طوطی نہان / عکس او را دیدہ تو بر این و آن

می برد شادیت را تو شاد از و / می پذیری ظلم را چون داد از و

اے کہ جان را بہر تن میسوختی / سوختی جان را و تن افروختی

سوختم من سوختہ خواہد کسی / تا ز من آتش زند اندر خسی

سوختہ چون قابل آتش بود / سوختہ بستان کہ آتش کش بود

ای دریغا ای دریغا ای دریغ / کان چنان ماہی نہان شد زیر میغ

چون زنم دم کاتش دل تیز شد / شیر ہجر آشفتہ و خونریز شد

آنکہ او ہشیار خود تندست و مست / چون بود چون او قدح گیرد بدست

شیر مستے کز صفت بیرون بود / از بسیط مرغزار افزون بود

(شیر مست انجم مست - دم زدن سخن گفتن از غیاث - یہان سے بطور انتقال کے مقولہ ہے مولانا کا کہ بمناسبت قصہ طوطی ظاہری کے طوطی باطنی یعنی روح کا کہ طیران معنوی و خوش کلامی میں مشابہ طوطی کے ہے حال بیان فرماتے ہیں کہ) ایسی طوطی کہ اُسکی آواز (یعنی نطق) وحی (یعنی الہام) سے ہے اور اس وجود ظاہری کی ابتدا سے پہلے اُسکی ہستی کی ابتدا ہو چکی ہے (مراد اس سے روح ہے اور اُسکا صاحب الہام ہونا اور اسیطرح وجود ظاہری یعنی اجسام سے پہلے اُسکا پیدا ہونا ظاہر و مشہور ہے) وہ طوطی تمھارے اندر پوشیدہ ہے (کیونکہ روح کا وجود یقیناً ادراکات ظاہری سے مخفی ہے) اور تم اُسکے عکس یعنی آثار کو دوسری چیزوں میں یعنی اعضا و جسم عنصری میں دیکھ رہے ہو (یہ بھی ظاہر بات ہے کہ بدن پر آثار روح کے نمایاں ہوتے ہیں کیونکہ جتنے افعال بدن سے صادر ہوتے ہیں سب تصرف روح کا ہے ورنہ بدن محض ایک جماد ہوتا اور مفارقت روح کے بعد آخر جماد ہو جاتا ہی اور وہ عکس آثار تیری حقیقی مسرت کو ضائع کر رہے ہیں اور تو اُس سے خوش ہو رہا ہی اور تو اس ظلم و مضرت کو عدل و منفعت کیطرح اُس سے قبول و پسند کر رہا ہے (یعنی حقیقت روح اور اسکی معرفت اور اُسکے طریقہ تربیت سے غافل ہو کر لذات جسمانیہ

مین مشغول ہو رہا ہے اور اس ضرر کو اپنی ہوا پرستی مین نفع سمجھ رہا ہے چنانچہ آگے خود یہی تفسیر فرماتے ہین) کہ اے شخص تو نے روح کو جسم کیواسطے سوختہ اور برباد کر دیا اور روح کو برباد کرکے جسم کو بارونق کیا (البتہ اگر اسکا عکس ہوتا کہ جسم کو سوختہ کرکے روح کو رونق دیتے تو زیبا تھا جیسا طالبان حق کا طریقہ ہے چنانچہ تمثیلاً اپنا حال بیان فرماتے ہین کہ) مین نے اپنا جسم (عشق آلہی مین) سوختہ کر دیا کیا کسیکو سوختہ کی خواہش ہے (سوختہ کہتے ہین گھ س جیز کو جسین چقماق کی آگ لیتے ہین) تاکہ مجھ سے سوختہ لیکر (جسین آگ لگ چکی ہے) کسی خس (یعنی ناقص) مین لگا دے (مطلب یہ کہ ناقص کو چاہیے کہ کسی سوختہ عشق آلہی کی صحبت مین اپنے اندر بھی سوختگی عشق کی پیدا کرے) اور چونکہ سوختہ کی اصلی غرض یہ ہوتی ہے کہ وہ آتش کا قبول کرنیوالا ہوتا ہے تو تم کو ایسا ہی سوختہ لینا چاہیے کہ وہ آتش کا لینے والا ہو مطلب یہ کہ ہر سوختہ کی صحبت اختیار نکرنا چاہیے شاید وہ عشق غیر اللہ کا سوختہ ہو بلکہ اوس سوختہ کو اختیار کرنا چاہیے جسین اصلی صفت سوختگی (کہ قبول آتش عشق خداوندی ہے) پائی جاوے تاکہ تمکو بھی اُس سے یہی صفت حاصل ہو جو اصلی غرض سوختہ سے ہے) افسوس صد افسوس کہ ایسا چاند (یعنی روح) ابر (یعنی علائق جسمانیہ) کے نیچے پوشیدہ ہو گیا (تعلق روح جسد پر باسف مقصود نہین کردہ سراسر مقتضاے حکمت حق تعالے ہے بلکہ محجوب اور غافل لوگونکے حال پر افسوس فرماتے ہین کہ لذات جسمانیہ پر قانع ہوکر روح کی معرفت حاصل نکی جو کہ معرفت سے معرفت حق سبحانہ وتعالیٰ کی حاصل ہوتی جیسا مشہور ہے من عرف نفسہ فقد عرف ربہ اور ظاہر بھی ہے جسقدر اپنے حدوث وامکان وافتقار وذل واحتیاج اور صفات عبدیت پر نظر ہوگی اُسی قدر حقتعالے کی عظمت وکبریا منکشف ہوتی جاویگی اور جب جسم کیوجہ سے روح کی معرفت نہوئی پس گویا جسم اور روح سے اسطرح مانع ہو گیا جیسا ابر ادراک ماہ سے حاجب ہوتا ہے چونکہ مقام مقتضی اسکو تھا کہ اس رشاد تعلیمی کو ذرا تفصیل سے فرمادین حالانکہ محض اجمالاً فرمایا ہے اس لیے اپنے عذر کیوجہ فرماتے ہین کہ) مین کس طرح گفتگو کرون (کہ مجھکو قدرت نہین رہی) کیونکہ (ذکر سوختگی وعشق سے) آتش دل تیز ہو گئی (اور محبوب حقیقی کی مفارقت وہجران کا ذکر کہ تعلق بدن عنصری کسی درجہ مین حجاب ضرور ہے) شیر آشفتہ وخونریز ہو گیا (یعنے عشق وفراق کے غلبہ نے زبان کو بند کر دیا) اور بھلا جو شخص (یعنی مین کہ ہشیاری وصحو کی حالت مین بھی کسی قدر تند ومست رہتا ہون (کیونکہ بعض شیوخ پر ہر وقت کسیقدر حالت کا غلبہ رہتا ہے) تو وہ جسوقت شراب کا پیالہ ہاتھ مین لے (یعنی ذکر مذکور عشق کا آجاوے) اُس وقت اُس کا کیا حال ہوگا۔ جو تیم مستی مین بیان سے باہر ہو جبکہ اسکو میدان مرغزار عشق کا نظر پڑے اُس سے تو یقینی (مستی مین) ترقی ہوگی (اسلیے مین معذور ہون)۔

قافیہ اندیشم و دلدار من	گویدم مندیش جز دیدار من
خوش نشین اے قافیہ اندیش من	قافیہ دولت توئے درپیش من
حرف چہ بود تاتو اندیشے ازان	صوت چہ بود خار دیوار رزان
حرف وصوت وگفت را برہم زنم	تاکہ بے این ہر سہ باتو دم زنم
آن دمے کز آدمش کردم نہان	با تو گویم اے تو اسرار جہان

آن دمے را کہ نگفتم با خلیل	وان دمے را کہ نداند جبرئیل
آن دمے کز دمے مسیحا دم نزد	حق ز غیرت نیز بے ما ہم نزد
ما چہ باشد در لغت اثبات و نفی	من نہ اثباتم منم بے ذات و نفی
من کسے در ناکسے دریافتم	پس کسے در ناکسے درتافتم

(رزان جمع رز انگور - دیوار رزان کہ بہندی آنرا ٹٹی گویند - ما در بے ما ہم نزد کلمۂ عربیہ بمعنی نفی مراد فنا - نفی در بے ذات عطف تفسیری و نفی معطوف بر بے ذات - ان اشعار مین بھی غلبۂ حالت عشق کیوجہ سے اپنی خاموشی دبستہ دہنی کو دوسرے عنوان سے بیان فرماتے ہین کہ) مین قافیہ سوچتا ہون (تاکہ تکلم کردن) اور میرا دلدار مجھ کو کہتا ہے کہ مجھکو بجز میرے دیدار (یعنی توحید صفاتی و ذاتی) کے کچھ سوچنا بچاہیے (یعنی مجھکو غلبۂ حال عشق مین الہام ہوا کہ اسی حال مین مشغول رہ (اور قال کو اسوقت ترک کر) تو آرام سے بیٹھا رہ اے قافیہ سوچنے والے میرے نزدیک تو یہی قافیۂ دولت ہے (یس بجائے قافیہ کے اپنے حال مین کہ توحید مذکور ہے مشغول رہنا زیادہ بہتر ہے یہ سب مقولہ محبوب کا ہے) حرف کیا چیز ہے کہ تو اسکو سوچتا ہے اور صوت (یعنی لفظ) کیا چیز ہے محض دیوار انگور کا خار ہے (یعنی انگور کی ٹٹیون کے چہار طرف جو حفاظت کے لیے کانٹے لگا دیتے ہین وہ جس طرح انگور تک رسائی ہونیکے حجاب ہین اسی طرح غلبۂ حال کے وقت الفاظ و عبارات کی طرف التفات کرنا حجاب مقصود خاص کا ہے اور یہین اشارہ ہے کہ جسوقت کوئی حالت محمودہ غالب ہو اُسوقت دوسری طرف ملتفت ہونا بچاہیے) مین حرف وصوت وقال کو درہم و برہم کیے دیتا ہون تاکہ بلا واسطہ ان کے تجھ سے باتین کر دن (یعنے افاضۂ اسرار وعلوم بلا واسطۂ الفاظ ہوگا) جس بات کو مین نے حضرت آدم علیہ السلام سے مخفی رکھا تھا وہ بات تجھ سے کہے دیتا ہون اور جو بات مین نے حضرت خلیل اللہ علیہ السلام سے نہین کہی اور جس بات کو حضرت جبرئیل علیہ السلام بھی نہین جانتے اور جس بات کو حضرت مسیح علیہ السلام نے بھی کبھی نہین فرمایا اور غیرت (اخفاء اسرار) کیوجہ سے اُسکو حق تعالٰے نے (ہم سے بھی) بدون نفی و فنا کے نہین ظاہر فرمایا (اور لفظ ما جو بے ما مین آیا ہے اس سے مراد نفی ہے نہ اثبات کیونکہ) ما لغت (عربیہ) مین اثبات و نفی دونون کے لیے ہے (چنانچہ موصولہ اثبات کے لیے ہے اور نافیہ نفی کے لیے مگر) مین صاحب اثبات نہین ہون بلکہ معدوم الذات اور منفی محض ہون (یعنی مقام فنا مین ہون کہ تشبیہًا اوسکو عدم ذات اور نفی کہدیا اب مقام فنا کی مدح فرماتے ہین کہ) مین نے کس ہونا (یعنی ہستی و بقا) ناکس ہونے مین (یعنی نیستی و فنا مین) پایا اسلیے ہستی کو نیستی مین چھپا دیا

ف جاننا چاہیے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام کو اصالۃً اور اولیاے کرام کو تبعًا دو قسم کے علوم عطا ہوئے ہین علوم نبوت یعنی شرائع و احکام ظاہرہ و باطنہ اور علوم ولایت یعنی مواجید و اذواق اور جسطرح علوم نبوت سب انبیا کے جدا جدا ہین اسی طرح علوم ولایت بھی الگ الگ ہین پس ہر امت بھی ان علوم ولایت مین دوسری امتون سے ممتاز ہوگی اب سمجھنا چاہیے کہ جسکی نسبت ان اشعار مین کہا گیا ہے کہ وہ علوم نہ آدم کو معلوم نہ خلیل کو نہ جبرئیل کو

علیہم الصلوۃ والسلام مراد اس سے علوم نبوت نہیں ہیں دو وجہ سے اول اُن علوم میں حضرت جبرئیل علیہ السلام واسطہ ہیں انکو نہ معلوم ہونیکی کوئی وجہ نہیں۔ دوسرے اُنکے حصول کیلئے مقام فنا شرط نہیں کہ وہ جمیع عوام وخواص کو عام ہیں پس یہ کنایات معنی ہوگا سے حق ز غیرت نیز بے ما ہم نزد + اور وہ علوم محل غیرت بھی نہیں بلکہ انکا اظہار و اشاعت مقصود ہے بلکہ مراد اس سے علوم ولایت ہیں اور چونکہ اوپر معلوم ہوچکا ہے کہ ہر نبی کے علوم ولایت جدا ہیں اسلیے یہ کہنا مستبعد نہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بعض ایسے مواجید واذواق عطا ہوے ہوں کہ انبیاے سابقین کو وہ عطا ہوے ہوں اس واسطے چونکہ ان مواجید کے افاضہ میں ملائکہ کا توسط ضروری نہیں اس لیے ممکن ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کو بھی انکی اطلاع نہوئی ہو تو حاصل یہ ہے یہ مواجید خاصہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر فائض ہوے پھر تبعاً وتطفلاً آپ کے اولیاے امت کو عطا ہوجاویں پس اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اولیاے امت محمدیہ علوم میں انبیاء وملائکہ سے بڑھ جاویں کیونکہ یہ بڑھنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کیلیے ہوا ہے اور امت خود تابع ہے تو کمالات امت گو ظاہراً منسوب الی الامتہ ہیں مگر وہ واقع میں کمالات نبی ہیں پس امت کی فضیلت اسیطرح لازم نہیں آتی اگر آئینہ میں آفتاب کا انعکاس ہوجاوے تو آئینہ قدر ومنزلت میں ماہتاب پر فضیلت نہیں حاصل کرسکتا اور چونکہ حضرت عیسی علیہ السلام بوجہ آپکی امت میں داخل ہونیکے اُن مواجید سے مشرف ہونگے عجب نہیں کہ اسی لیے آپکی نسبت نگنجد یا نداند نہ کہا ہو بلکہ ہم نزد کہا گیا یعنی انھوں نے انکو ظاہر نہیں فرمایا گو انکو عطا ہوا ہو یا عطا حادی اور چونکہ یہ مواجید ثمرہ فنا و اضمحلال وجود کا ہے اسلیے بےما ہم نزد فرمایا اور ہر چند کہ اس مصرعہ میں یہ نہیں ظاہر کیا کہ بدون نفی کے کسی سے نہیں کہا مگر شعر آئندہ میں منم نے ذات ونفی قرینہ ہے کہ مراد یہ ہے کہ بدون نفی کے ہم سے نہیں کہا

جملہ شاہان بردۀ بردہ خودند — جملہ خلقان مردۀ مردہ خودند
جملہ شاہان پست پست خویش را — جملہ خلقان مست مست خویش را
دلبران بر بیدلان فتنہ بجان — جملہ معشوقان شکار عاشقان
می شود صیاد مرغان را شکار — تا کند ناگاہ ایشان را شکار
ہر کرا عاشق دیدیش معشوق دان — کو بہ نسبت ہست ہم این و ہم آن
تشنگان گر آب جویند از جہان — آب ہم جوید بعالم تشنگان
چونکہ عاشق اوست تو خاموش باش — او چو گوشت میکشد تو گوش باش

(بردہ ومردہ۔ وپست ومست۔ وفتنہ بمعنے مفتون وشکار بمعنی مسخر مراد ہمہ الفاظ مطلق محب قطع نظر از دیگر قیود)
اوپر بیان تھا علوم عظیمہ عطا فرمانے کا اب اسکی وجہ بیان فرماتے ہیں جسکا حاصل یہ ہے کہ وجہ اسکی محض اللہ تعالی کی عنایت اور فضل ہے کہ اپنے بندوں سے محبت فرماتے ہیں اس مضمون کو تمثیل کے طور پر بیان کرتے ہیں کہ) قاعدہ ہے کہ سب سلاطین اپنے محبین کے محب ہوتے ہیں اسیطرح عام خلائق بھی اپنے محبین کے محب ہوتے ہیں (یہ دو شعر کی شرح ہوگئی) دلبر لوگ اپنے بیدلوں یعنی عشاق پر جان سے مفتون (یعنی اُن کے محب) ہوتے ہیں اور تمام معشوق

اپنے عاشقوں کے مسخر (یعنی محب) ہوتے ہیں چنانچہ صیاد (اول) پرندوں کا مسخر ہو جاتا ہے (کہ انکی طلب میں اپنا گھر بار
چھوڑ کر جنگلوں میں مارا مارا پھرتا ہے) تب جا کر دفعۃً انکو مسخر و مبتلائے دام کرتا ہے بس جس شخص کو عاشق دیکھو اسکو
معشوق بھی سمجھو (کہ اسکا محبوب اسکو چاہتا ہوگا) کہ وہ ایک اعتبار سے عاشق ہے اور ایک اعتبار سے معشوق خلاصہ تشنہ
لوگ اگر دنیا میں پانی کے طالب ہیں تو پانی بھی تشنہ لوگوں کا طالب ہے (یعنی پانی باعتبار اس حکمت کے کہ پیاسوں کے
کے لیے مخلوق ہوا ہے انکو ڈھونڈتا ہے اور اہل عطش کو بس اسیطرح اللہ تعالے جسطرح اپنے بندوں کے محبوب ہیں
اسی طرح محب و منعم بھی ہیں اسوجہ سے ایسے ایسے فضل فرماتے ہیں) بس جب معلوم ہوا کہ وہ محب بھی ہیں بس اے
طالب تجھکو چاہیے کہ امیدوار ہو کر) خاموش بیٹھا رہے یعنی مفارقت و ہجران پر مایوسانہ اضطراب نکرے جیسا کہ
شعر سے مترشح ہوتا تھا ؎ چون زنم دم کاتش دل تیز شد ۔ شیر ہجر آشفتہ و خونریز شد) اور جب وہ تیرا کان پکڑ کر
(اپنی طرف) کھینچ رہے ہیں (جیسا کہ ان کے معاملہ ہدایت و ارشاد و بعثت رسل و توفیق و عطائے طلب و شوق
سے معلوم ہوتا ہے) بس تجھکو چاہیے کہ کان بنا رہے (یعنی احکام سن سن کر اطاعت کرتا رہے دونوں مصرعوں میں اشارہ ہے
طرف آیۂ فاستمعوا وانصتوا کے جسپر امیدوار کیا ہے لعلکم ترحمون۔

بند کن چون سیل سیلانی کند — ورنہ رسوائی و ویرانی کند

من چہ غم دارم کہ ویرانی بود — زیر ویران گنج سلطانی بود

غرق حق خواہد کہ باشد غرق تر — ہمچو موج بحر جان زیر و زبر

زیر دریا خوشتر آید یا زبر — تیر او دلکش تر آید یا سپر

بس زبون وسوسہ باشی دلا — گر طرب را باز دانی از بلا

گر مرادت را مذاق شکر است — بے مرادی نے مراد دلبر ست

(ان اشعار میں مع اشعار ماقبل و مابعد کے نظر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا پر مقام فنا غالب ہے اور اسمیں
محبوب حقیقی سے مخاطبات و مکالمات بطور القا و الہام کے ہو رہے ہیں جیسا اوپر فرمایا ہے ؎ قافیہ اندیشم و
دلدار من الی قولہ ؎ من نہ اثباتم منم بے ذات و نفی اور نیز معلوم ہوتا ہے کہ مقام مذکور میں پہونچکر غلبہ عشق میں
طالب ترقی فنا کے ہوئے ہیں جس کے مقصود تجلی بے حجاب ہے جیسا اوپر فرمایا ہے ؎ من کسی در ناکسی دریافتم
بس کسی در ناکسی در بافتم + اور اسکے بعد بطور جملہ معترضہ کے تحقیق علت عطائے مقامات عالیہ کی فرمادی تھی اور
آئندہ فرمایا ہے ؎ غرق حق خواہد الخ وغیر ذلک جو دلالت کر رہا ہے طلب ترقی پر اور محبوب حقیقی کیجانب سے اسکا
انکار ہو رہا ہے جیسا آگے آتا ہے ؎ گفت رو ہر چند ہر من این افسون مخوان جسکو افاقہ میں اگر خود بھی مان لیا ہے
اس شعر میں ؎ چشم جملہ تو اند دیدنت الخ اور چونکہ یہ کلام حالت مستی میں صادر ہوا ہے لہذا بعض الفاظ بظاہر
حدود ادب سے متجاوز ہیں جسپر امید ہے کہ غلبہ حال سے شرعاً معذور ہو سکتے ہیں اسیطرح خود طلب رویت میں بھی
باوجود منع شرعی کے غلبہ حال سے معذور قرار دیے جاوینگے جیسے معتوہ کہ مرفوع القلم ہے لیکن باوجود مستانہ

کلام کے ایک مسئلہ کی تحقیق اِن مضامین سے نکلتی ہے وہ یہ کہ اگرچہ سالک کو سلوک مین مقام مشاہدہ یعنی استغراق فی الصفات و مقام معائنہ یعنی استغراق فی الذات حاصل ہوسکتا ہے جسکو فنا سے بھی تعبیر کردیتے ہین مگر رویت یعنی انکشاف تام جسکو دیکھنا کہتے ہین اور جنت مین موعود ہے باوجود طلب و شوق سالک کے بھی قبل موت میسّر نہین ہوسکتا تھوڑی کی شرح اس مسئلہ کی شرح اشعار دیباچہ کتاب ہذا مین گذری ہے جب یہ تمہید معلوم ہوگئی اب اشعار کی شرح خوب غور سے سننا چاہیے مولانا اپنے باطن کو کہ مشتاق ترقی ہے خطاب کرکے فرماتے ہین کہ (جب سیل (فنا) سلانی (یعنی طغیانی و غلبہ کرنے لگے) تو (طلب ترقی کو کہ رویت بے حجاب ہے) بند کرد (یعنی طالب رویت مت ہو) ورنہ رسوائی اور ویرانی کر ڈالے گی (کیونکہ قواے مدرکہ جو اس عالم مین عطا ہوے ہین اُسکے متحمل نہین اگر فرضاً تجلی بیحجاب ہو تو ہستی قطعاً منہدم ہوجاوے جسطرح اسی تجلی سے پہاڑ پارہ پارہ ہوگیا تھا اور جب ہستی منہدم و مستہلک ہوجاویگی تو اعمال منقطع ہوجاوینگے جو سرمایہ ہے ترقی قرب و وصول الی اللہ کا یہی معنی ہین رسوائی و ویرانی کے مگر چونکہ شوق رویت غالب ہے اسلیے خود جواب دیکر رسوائی و ویرانی گوارا فرماتے ہین کہ) مجھکو کچھ غم نہین اگر ویرانی ہوجاوے کیونکہ ویرانہ کے اندر خزانہ سلطانی ہوتا ہے مطلب یہ کہ اگر ہستی منہدم و مستہلک ہوجاویگی اور موت آجاویگی تو کیا غم ہے اُسوقت تو تجلی بے حجاب میسر ہوجاویگی گنج سلطانی سے مراد یہی ہے) جو شخص عشق خداوندی مین غرق ہو (اور مقام مشاہدہ و معائنہ تک پہونچ گیا ہو) وہ تو یہی چاہیگا کہ اور غرق ہوجاؤن (اور یہ حجاب جسمانی اُٹھ جاوے کہ موت کے بعد بیحجاب رویت میسر ہو) اور موج بحر کیطرح جان زیر و زبر ہوجاوے (یعنی جسطرح موج اندیشہ نہین کرتی کہ اوپر رہونگی یا ڈوبونگی اسی طرح جانِ عاشق دریاے فنا مین زیادہ غرق ہونے سے اندیشہ نہین کرتی) زیر دریا موج دریا کے لیے زیادہ خوش آئندہ ہوتا ہے یا بالاے دریا (یعنی دونون برابر ہین) اسیطرح محبوب کا تیر زیادہ دلکش ہے یا سپر یعنی دونون دلکش ہین (تیر سے مراد ہلاک کرنا سپر سے مراد ہستی قائم رکھنا) آگے تعلیماً ارشاد فرماتے ہین کہ (تم بالکل مغلوب وساوس نہ ہوجاؤ کہ اگر (محبوب کے) طرب و بلا مین فرق سمجھو گے (پس ہستی کہ اسباب طرب ہے اور فناے اہلاک کہ بلا ہے دونون مین کچھ فرق نہین) اگر مانا جاوے کہ تمہاری مُراد مین (کہ طرب ہے) شکر کی سی حلاوت ہے مگر یون سمجھو کہ بے مرادی کہ بلا ہے) آیا محبوب کی مراد نہین ہے (یعنے اگر وہ اپنے ارادہ سے تم پر بلا نازل فرماوین اور تم طرب کا ارادہ کرتے ہو تو اُنکی مراد کو اپنی مُراد پر ترجیح سمجھو اور بلا پر راضی رہو یہ خطاب عوام کو ہے اس لیے طرب کو اُنکی مراد کہا اب یہ شبہہ نہ رہا کہ مولانا کی خواہش تو اِس مقام پر اہلاک ہے حاصل یہ ہوا کہ اگر رویت مین اہلاک ہوجاوے کہ بلا ہے مگر مین کچھ اندیشہ نہین کرتا۔

ہر ستارہ اش خونہاے صد ہلال　　خون عالم ریختن او را حلال
ما بہا و خون بہا را یافتیم　　جانب جان باختن بشتافتیم
اے حیات عاشقان در مردگے　　دل نیابے جز کہ در دل بردگے

اِن اشعار مین بھی اظہار ہے اپنی آمادگی کا ہلاک پر بعوض رویت کے مطلب یہ کہ) محبوب کا ایک ایک ستارہ (یعنی

تجلیات جو بعد موت منکشف ہونگی اور تعدد اس لیے کہا کہ ہر شخص کو اسکی استعداد کے موافق مختلف درجات پر ہونگی) سیکڑون عشاق کا جو ضعف سے مثل ہلال ہو گئے ہین خونبہا (یعنی عوض ہے اسلیے سارے عالم کے ہلاک کر دینے کا بھی اسکو حق پہونچتا ہے (یعنی جب ہلاک کر دینے کے بعد رویت بے حجاب ہو جاویگی تو یہ اس ہلاکت کا نعم العوض بنجاویگا پھر مین کیا اگر سارا عالم بھی ہلاک ہو جاوے تو مضائقہ نہین) ہمنے بہا اور خون بہا پالیا اسلیے جانبازی کیطرف دوڑ پڑے (یا تو خونبہا سے مراد تجلیات بے حجاب ہین جیسا اوپر آیا ہے تب تو یافتیم کا ماضی لانا بوجہ تیقن کے ہے اور مراد مستقبل ہے اور یا مراد وہ تجلیات ہین جو مشاہدہ و معاینہ مین وارد ہو مین اسوقت حاصل یہ ہوگا کہ بعد ہلاک کے جو کچھ ہوگا اسکے خونبہا و نعم العوض ہونے مین تو کوئی کلام ہی نہین ہمارے نزدیک تو جسقدر تجلیات فائض ہوئے ہین وہ بھی پیشگی عوض ہو سکتی ہین اگر اسکے بدلے بھی موت آجاوے اور کچھ نہ ملے مضائقہ نہین بلکہ شعر ہر ستارہ الخ مین بھی اگر یہی تجلیات مراد لیے جاوین تو اسکی تقریر بھی اسطرح ہو جاویگی کہ جو تجلیات ہو چکی ہین اگر انکے عوض مین سارے عالم کو ہلاک کر دین تو نے محل نہین) اے مخاطب عشاق کی حیات مرنے ہی مین ہے (پھر موت سے کیا غم) تمکو دل (یعنی حیات جسکا معدن دل ہے) ہرگز نہین مل سکتا جب تک دل کو (یعنی حیات کو) بردہ (یعنے محو و فنا) نہ کردو (مطلب یہ کہ اس حیات کے فدا کرنے سے وہ حیات ملتی ہے۔

من دلش جستہ بصد ناز و دلال	او بہانہ کردہ با من از ملال
منش جستہ بانیاز و بے ملال	او بہانہ کردہ از ناز و دلال
گفتم آخر غرق تست این عقل و جان	گفت رو رو بر من این افسون مخوان
من ندانم آنچہ اندیشیدۂ	اے دو دیدہ دوست را چون دیدۂ
اے گران جان خوار دیدستی مرا	زانکہ بس ارزان خریدستی مرا
ہر کہ او ارزان خرد ارزان دہد	گوہرے طفلے بقرص نان دہد

(اسمین بھی ذکر ہے طلب رویت کا اور محبوب کے جواب کا جو مایوس کرتا ہے اس مطلوب سے مطلب یہ کہ) مین نے (طلب رویت کے لیے) محبوب کی دلجوئی (یعنی رضا جوئی) ناز و دلال سے کی (یہ ایک طریق ہے دعا کا منشا اس کا انبساط و انس ہوتا ہے کہ بندہ لطف و رحمت الٰہیہ پر نظر کر کے اپنے تعلقات و خصوصیات ملکہ ایک قسم کا استحقاق ظاہر کر کے ذرا بے تکلف ہو کر حاجت مانگتا ہے مطلب یہ کہ مین نے طریق ناز سے رویت کی درخواست کی) اسنے میری درخواست سے ملول ہو کر (یعنی ناپسند کر کے) مجھسے بہانہ کر دیا (یعنی فردائے قیامت کا وعدہ کیا) پھر مین نے اسکو (یعنے اسکی رویت کو) نیاز کے طریق سے بلا ملال (یعنی نہایت شوق سے) طلب کیا (یہ بھی ایک طریق دعا کا ہے کہ عجز و انکسار سے حاجت مانگے منشا اسکا ہیبت ہے) اسنے اپنے ناز و دلال سے (یعنی غناء محبوبانہ سے) مجھسے بہانہ کر دیا (بہانہ کے معنی ابھی گذر چکے ہین) مین نے عرض کیا کہ آخر تو یہ عقل و جان آپکی معرفت و شوق مین غرق ہے (پھر اسکو کیون محروم فرمایا جاتا ہے) محبوب نے جواب دیا کہ چل چل مجھپر ایسے افسون مت پڑھ (یعنی ایسی طمع باتین مت کر کیونکہ عقل و جان میری رویت کے مقابلہ مین کیا چیز ہے جسکے عوض رویت کا طالب ہوتا ہے) مین نہین سمجھتا تو نے کیا سوچ رکھا ہے (یہ کنایہ ہے اس سے کہ تیرا

خیال بیہودہ ہے قابل التفات نہین) اے دودیدہ (یعنی بینندۂ دُو) تونے محبوب کو (یعنی مجھکو) کیا سمجھ رکھا ہے (کہ بیدھڑک میری) رویت کا طالب ہوتا ہے اور دودیدہ اسوجہ سے کہا کہ غرق تست این عقل وجان سے معلوم ہوتا ہے کہ ابھی تیری نظر مین اپنی ہستی بھی ہے تو گویا ایک آنکھ سے مجھکو دیکھتا ہے اور ایک آنکھ سے اپنے کو اور یہ خود ایک نقصان ہے اور اسکے ساتھ میری رویت کی طلب) اے کاہل تونے مجھکو بیقدر سمجھ رکھا ہے (کہ مجھکو مفت دیکھنا چاہتا ہے) وجہ یہ ہے کہ مین تجھکو مفت ملگیا ہون (اور یہ ظاہر ہے کہ خدا تعالےٰ کی رضا اور معیت مین کچھ دام تھوڑا ہی خرچ ہوتے ہین بلکہ جیسا مجاہدہ اس مطلوب کیلیے مناسب ہے اوتنا بھی نہین ہوسکتا اور فضل ہوجاتا ہے آگے اسوجہ مذکور کی تائید مین ایک قاعدۂ کلیہ کا بیان ہے کہ) جو شخص کسی چیز کو ارزان لیتا ہے وہ ارزان دے بھی دیتا ہے (اور اُسکی قدر نہین کرتا) چنانچہ بچۂ نادان قیمتی موتی کو ایک قرص نان کے عوض مین دیدیتا ہے) (یہانتک جواب ہے محبوب کا۔

غرق عشقی شو کہ غرق ست اندرین / عشقہاے اولین و آخرین

مجملش گفتم نکردم زان بیان / ورنہ ہم افہام سوزد ہم زبان

من چو لب گویم لب دریا بود / من چو لا گویم مراد الّا بود

من ز شیرینی نشستم رو ترش / من ز بسیارے گفتارم خمش

تا کہ شیرینے ما از دو جہان / در حجاب رو ترش باشد نہان

تا کہ در ہر گوش ناید این سخن / یک ہمے گویم ز صد سر لدن

(یہ ارشاد ہے مولانا کا مکالمات فیما بین خود و محبوب کا بیان کرکے سامع کو ترغیب دیتے ہین کہ یہ سب دولت بدولت عشق کے ہے تمکو بھی چاہیے کہ) ایسے عشق مین غرق ہوجاؤ جسمین سب اوّلین و آخرین کے عشق غرق ہین (یعنی عشق الٰہی مین کہ سب اوّلین و آخرین اُسمین غرق ہین اور ایک نسخہ مین غرق عشقی ام ہے اُس سے بھی مقصود یہی ہے کہ دیکھو مین ایسے عشق مین غرق ہون جس سے یہ دولت عطا ہوئی تمکو بھی سنکر رغبت چاہیے آپ آگے فرماتے ہین کہ کوئی شخص ہمارے بیان مذکور سے یون نہ سمجھے کہ بس مقام مشاہدہ و معائنہ مین یہی معاملات ہوے ہونگے جو مذکور ہوے کیونکہ) مین نے اُسکو بہت مجمل کہا ہے مفصل بیان نہین کیا ورنہ (مخاطبین کے) افہام اور (متکلم کی) زبان سب جل بھن جاتے (کیونکہ یہ اُمور ذوقی و وجدانی ہین زبان اُس کے بیان اور فہم اُسکے ادراک سے عاجز ہین اور ظاہر ہے کہ جو شخص کسی شے کے تحمل سے عاجز ہو اور وہ اُسکا قصد کرے بجز ہلاکت کے اور کیا ثمرہ ہے آگے اسکا بیان کرتے ہین کہ مین نے اُسکی تفصیل کا اخفا قولاً بھی کیا اور عملاً بھی قولاً تو اسطرح کہ) مین جب لفظ لب بولتا ہون (مثلاً) تو مراد لب دریا ہوتا ہے اور جب لفظ لا کہتا ہون تو مراد الّا ہوتا ہے (مطلب یہ کہ رموز و اشارات مین کلام کرتا ہون جسطرح کوئی لب بولکر لب دریا مراد لیا کرے کسیکو کیا پتہ چلیگا اور لا کلمہ نفی کا ہے مراد اس سے حادث کہ اصل مین معدوم ہے اور الّا کلمہ استثنا کا ہے جو بعد نفی کے موضوع ہے واسطے اثبات کے مراد اس سے قدیم کہ اُسکا وجود اصلی ہے مطلب یہ کہ حادث کی مثال مین قدیم کا راز بیان کرتا ہون سامع مثال کو مقصود

سمجھتا ہے اور میرا مقصود مشل ہوتا ہے (یہ تو اخفاے قولی ہے اور اخفاے عملی یہ ہے کہ) مین شیرینی کھاکر ترش ہوکر بیٹھ جاتا ہون (کہ ناظر سمجھے ترشی کھائی ہے) مین کثرتِ مضامین سے خاموش ہو بیٹھتا ہون (کہ ناظر سمجھے اُلکو کوئی بات معلوم نہین یعنی اپنی حالت ایسی بنالے رکھتا ہون کہ کیسکو یہ نہ معلوم ہو کہ یہ صاحبِ حال و صاحب ذوق ہونگے یہ اخفاے عملی ہے اور غرض اس اخفاے یہ ہے) تاکہ ہماری شیرینی (یعنی ذوق اسرار) دونون جہان والون سے (یعنی جن وانس سے) رو ترشی (یعنی خاموشی) کے حجاب مین پوشیدہ رہے اور اس غرض سے کہ ہر کان مین یہ بات نہ پہونچے سیکڑون اسرار لدنیہ سے کوئی ایک آدھ بات کہدیتا ہون ۔

تفسیر قول حکیم سنائی روح اللہ روحہ ؎ ہرچہ از راہ وا مانی چہ کفر آن حرف وچہ ایمان ۔ ہرچہ از دوست دور افتی چہ زشت آن نقش وچہ زیبا ۔ و در معنی قول النبی علیہ السلام اِنَّ سعدًا لغیورٌ وَاَنَا اَغْیَرُ مِنْ سَعْدٍ وَاللّٰہُ اَغْیَرُ مِنِّیْ وَمِنْ غَیْرَتِہٖ حَرَّمَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَہَرَ مِنْہَا وَمَا بَطَنَ اِلٰی اٰخِرِہٖ ۔

اوپر کے اشعار مین ذکر تھا کہ عارف کتمان اسرار کرتا ہے اب تبلاتے ہین کہ اسکی وجہ غیرت ہے اور زبان وفہم کا متحمل نہونا اس غیرت ہی کا اثر ہے جیسا شعر آیندہ ؎ جملہ عالم زان غیور آمد سے واضح ہے اور اس سرخی سے بھی یہی مقصود ہے چنانچہ اسیوجہ سے فضیلتِ غیرت مین حدیث لائے ہین اور حکیم سنائی کا قول لانیکی وجہ یہ ہے کہ بعد مرظاہر قبیح نہین ہوتا مگر غیرتِ الٰہی اُسکو اسلیے پسند نہین کرتی کہ اُسمین کسی امر احسن واہم کا ترک لازم آتا ہے پس وہ اس اعتبار سے قبیح ہوجاتا ہے مثلاً ایک شخص جسکے ذمہ حج فرض نہین ہے اور بندگان خدا کی اصلاح وتربیت نفس کیخدمت اُس سے جاری ہے وہ اُسکو چھوڑکر سفر حج کرے ہرچند کہ حج اُمور دین وایمان سے ہے مگر اس حالتِ خاصہ مین چونکہ اُسمین اُس سے بڑے مامور بہ کا ترک لازم آتا ہے اور اسوجہ سے وہ موجب بُعد عن اللہ ہے اس لیے وہ قبیح وناپسند ہوگا یہ معنے ہین قسیم چہ کفر آن حرف وچہ ایمان کے اسیطرح چہ زشت آن نقش وچہ زیبا کے ۔

جملہ عالم زان غیور آمد کہ حق ۔ برد در غیرت برین عالم سبق
او چو جان ست وجہان چون کالبد ۔ کالبد از جان پذیرد نیک وبد
ہر کہ محرابِ نمازش گشت عین ۔ سوے ایمان رفتنش میدان تو شین
ہر کہ شد مر شاہ را او جامہ دار ۔ ہست خسران بہر شاہش اتجار
ہر کہ با سلطان شود او ہمنشین ۔ بر درش شستن بود حیف وغبین
دست بوسش چون رسید از بادشاہ ۔ گر گزیند بوس پا باشد گناہ
گرچہ سر بر پا نہادن خدمت ست ۔ پیش آن خدمت خطا وزلت ست
شاہ را غیرت بود بر ہر کہ او ۔ بو گزیند بعد ازان کہ دید رو
غیرتِ حق بر مثل گندم بود ۔ کاہِ خرمن غیرت مردم بود
اصل غیرتہا بدانید از الٰہ ۔ وانِ خلقان فرع حق بے اشتباہ

(ان اشعار مین بیان ہے غیرتِ حق اور محلِ غیرت کا جسمین تحقیق ہے علّتِ کتمان اسرار کی) یعنی تمام عالم اسوجہ سے غیور ہے کہ حق تعالےٰ صفتِ غیرت مین سب سے سابق ہین (پس اس صفت کا فیض مخلوق کو عطا فرمایا سب غیور ہو گئے اور اس سے یہ لازم نہ سمجھا جاوے کہ جتنی صفات مخلوق مین ہین ویسی ہی حق تعالیٰ مین ہونا چاہیین ورنہ اگر حقتعالےٰ مین نہین ہونگی تو مخلوق مین کہان سے آوینگی یہ سمجھنا اسلیے غلط ہے کہ مخلوق مین بعض صفات ذلت و نقص کے ہین جنسے حق تعالےٰ منزہ ہے اور وہ صفات مخلوق مین حقتعالیٰ کی ایجاد سے موجود ہین البتہ ایجاد کا طریقہ بعض صفات مین اتفاق سے یہی ہے کہ اپنی صفات کا فیض نازل فرمایا جیسا غیرت مین واقع ہے) حق تعالےٰ کی مثال روح کی سی ہے، اور تمام عالم کی مثال جسم کی سی ہے اور جسم مین جو کچھ صفات کمال یا نقص کے ہین سب روح کی بدولت ہین (تشبیہ محض تاثیر و تاثر مین ہے نہ دوسری صفات مین یعنی حق تعالےٰ کی ایجاد و تاثیر سے عالم مین غیرت پیدا ہو گئی آگے چند مثالین دیکر محل غیرت کا بیان کرتے ہین (مثال اوّل) جس شخص کی محراب نماز (یعنی قبلۂ توجہ) عین ذات حق ہو (یعنی جو شخص مقام معائنہ مین ہو جو عبارت ہے التفات الی الذات المحضہ سے) اُسکو ایمان (استدلالی) کیطرف آنا عیب کی بات ہے (کیونکہ استدلال معائنہ سے کمتر ہے اعلےٰ کو چھوڑکر ادنےٰ کیطرف آنا ظاہر ہے کہ تنزل ہے اور ایمان سے مُراد مطلق ایمان نہین کیونکہ وہ تو مقام معائنہ مین بھی حاصل ہے۔ (مثال دوم) جو شخص بادشاہ کا جامہ دار خاص ہو جاوے اُسکو کپڑون کی تجارت کرنا گو بادشاہ ہی کیلیے ہو سخت خسران ہے (مثال سوم) جو شخص بادشاہ کا ہمنشین ہو اُسکو دروازہ پر بیٹھنا بڑا ظلم اور زیانکاری ہے (مثال چہارم) جس شخص کو بادشاہ کی دست بوسی میسر ہو جاوے اگر وہ پابوسی کو اختیار کرے سخت گناہ ہے گو بادشاہ کے قدم پر سر رکھدینا یہ بھی فی نفسہ بڑی خدمت ہے مگر اس خدمت دست بوسی کے سامنے نری خطا اور لغزش ہے (اب مثالون کے بعد محل غیرت کا بیان فرماتے ہین کہ) بادشاہ حقیقی کو اُس شخص پر غیرت ہوتی ہے جو کہ رُو (یعنی حقیقت) دیکھنے کے بعد بُو کو (یعنی اثر کو) اختیار کرے (حقیقت بینی سے مُراد مقامِ معائنہ ہے اور اثر سے مراد حکایت و تقریر ہے کہ مثل اثر کے دال ہے محکی عنہ پر مطلب یہ کہ اسرار کے بیان تفصیلی مین محبوب حقیقی کو اسوجہ سے غیرت ہے کہ اُسمین حال کو چھوڑکر قال کو اختیار کرنا ہے جسمین بقاعدۂ النفس لاتتوجہ الی شیئین فی آن واحد ضرور ہے کہ مشغولی بیان کیوقت اُس حضوری و معیتِ ذوقی مین کمی ہوگی اور یہی غیرت کا سبب ہے اس لیے مین نے تفصیلی بیان نہین کیا اور اجمالی بیان مین یہ امر لازم نہین آتا کیونکہ مشاہدہ سے ثابت ہوا ہے کہ ناتمام بیان کے لیے زیادہ توجہ کی حاجت نہین جو موجب ہو دوسری طرف سے توجہ منقطع ہونے کا اور بیان تام و کافی بدون توجہ تام کے ہوتا نہین اس لیے مولانا کے اجمالی بیان پر شبہہ نہین ہو سکتا) حق تعالےٰ کی غیرت مثال گندم کے ہے اور خلق کی غیرت مثل بھوسہ کے (وجہ تشبیہ کی صرف اصل ہونا اور تابع ہونا ہے چنانچہ خود آگے فرماتے ہین کہ) سب غیرتون کی اصل حق تعالےٰ کیطرف سے سمجھو اور غیرتِ خلائق کو بلا اشتباہ تابع غیرتِ حق کے سمجھو۔

	از جفائے آن نگار دہ دلہ		شرح این بگذارم و گیرم گلہ	

نالم ایرا نالہا خوش آیدش — از دو عالم نالہ و غم بایدش
چون ننالم تلخ از دستان او — چون نیم در حلقۂ مستان او
چون نباشم ہمچو شب بے روز او — بے وصال روے روز افروز او

(ان اشعار مین رجوع ہے مضمونِ سابق یعنی بیان طلب رویت کیطرف جیسا اوپر فرمایا تھا سہ من دلش جستہ الخ اور درمیان مین مضمون غیرت کا جُملہ معترضہ تھا پس فرماتے ہین کہ) مین اس مضمون غیرت کی شرح چھوڑتا ہون اور اُس محبوبِ وہ دلہ (یعنی صاحب تجلیات وشیون کثیرہ) کے جفا (یعنی استغنار و انکار رویت) کی شکایت (یعنے حکایت) پھر شروع کرتا ہون اور مین اسلیے آہ و نالہ کرتا ہون کہ محبوب کو نالہ و فریاد پسند ہے جن وانس سے نالہ و غم اُنکو مطلوب ہے (مراد نالہ و غم سے شوق و محبت وطلب ہے ان چیزونکے مطلوب و مامور بہ ہونے مین شبہہ نہین اور علاوہ پسندیدگی نالہ کے یہ بھی وجہ ہے کہ) مین محبوب کی دستان سے کیونکر نالان نہ ہون جبکہ مین اُسکے حلقۂ مستان مین داخل نہون زدستان یعنی مکر مُراد اس سے کچھ تجلی دکھلاکر رویت نکرانا جسطرح مکر مین کچھ بات ظاہر کردیتے ہین کچھ چھپالیتے ہین اور حلقۂ مستان سے مُراد مشغولانِ رویت مطلب ظاہر ہے کہ چونکہ رویت نہین ہوتی اسلیے نالان ہوتا ہون مین کیونکر شب کیطرح تیرہ و مکدر نہون جبکہ روز یعنی محبوب کے روے روز افروز کا وصال نصیب نہو

ناخوش او خوش بود بر جان من — جان فداے یارِ دل رنجان من
عاشقم بر رنج خویش و درد خویش — بہر خوشنودی شاہِ فرد خویش
خاک غم را سرمہ سازم بہر چشم — تا زگوہر پر شود دو بحرِ چشم
اشک کان از بہر او بارند خلق — گوہرست و اشک پندارند خلق
من ز جانِ جان شکایت میکنم — من نیم شاکے روایت مے کنم
دل ہمی گوید ازو رنجیدہ ام — وز نفاق سست می خندیدہ ام

(یہ اشعار ہم مضمون ہین اوپر کے اس شعر کے سہ نالم ایرا نالہا خوش آیدش مطلب یہ کہ) محبوب کیجانب سے جو امر پیش آوے گو وہ اپنی طبیعت کے خلاف اور طبیعت کو ناخوش ہی کیون نہو مگر وہ میری جان پر خوش و پسندیدہ ہے مین اپنے یار پر جو میری جان کو رنج دینے والا ہے اپنے دل کو قربان کرتا ہون (مطلب یہ کہ نالہ و غم گو موجب کلفت طبع ہے مگر بوجہ اسکے کہ اُنکے نزدیک پسندیدہ ہے جیسا اوپر کہا ہے نالہا خوش آیدش اسلیے مین بھی اُسکو اختیار کرتا ہون) اور مین اپنے درد و رنج پر خوش ہون کیونکہ اسمین میرے بادشاہ یکتا کی خوشنودی ہے مین خاکِ غم کو آنکھونکا سُرمہ بناتا ہون تاکہ گوہر سے (یعنی آنسوؤن سے) دونون دریا آنکھون کے پُر ہوجاوین (اور مین نے جو آنسو کو گوہر کہدیا اُسپر تعجب مت کرو کیونکہ) جو آنسو کہ حقتعالے کیواسطے خلقت برساتی ہے وہ واقع مین (بہ اعتبار قدر کے) گوہر ہین اگرچہ لوگ اُن کو آنسو سمجھین مین جانِ جان (یعنی محبوبِ حقیقی سے شکایت کررہا ہون (کہ میری درخواست رویت کو پورا نہین فرماتے) اور واقع مین شکایت نہین کرتا ہون (کیونکہ شکایت تو ناراضی سے پیدا

ہوتی ہے اور نعوذ باللہ محب ناراض کب ہو سکتا ہے محض روایت (یعنی حکایت) کرتا ہون رگو الفاظ سے شکایت معلوم ہوتی ہے) میرا دل یون کہتا ہے کہ مین محبوب حقیقی سے رنجیدہ ہون (یعنی درخواستِ رویت منظور نہونے سے مجھکو رنج پہونچا ہے اور مجھکو اپنے دل سے) نفاقِ سُست سے ہنسی آتی ہے (کیونکہ اندر سے محبوب کی رضا پر راضی ہے اور اوپر سے یہ باتین بناتا ہے اسی لیے اسکو نفاق کہدیا اور سُست اسلیے کہا ہے کہ نفاقِ شدید وہ ہے کہ باطن مین مخالفت ہو اور ظاہر مین موافقت اور یہان اِس کا عکس ہے اس لیے شدید نہوا بس ضعیف و سُست ہوا

راستی کن اے تو فخر راستان　　اے تو صدر و من درت را آستان

آستان و صدر در معنے کجاست　　ما و من کو آن طرف کان یار ماست

مرد و زن چون یک شود آن یک توئی　　چونکہ یکہا محو شد آنک توئی

این من و ما بہر آن بر ساختی　　تا تو با خود نرد خدمت باختی

تا تو با ما و تو یک جوہر شوی　　عاقبت محضِ جہان دلبر شوی

این من و ما ہمہ یک جا شوند　　عاقبت مستغرق جانان شوند

اسمین پھر درخواست ہے انکشافِ تام یعنی رویت کی مطلب یہ ہے کہ اے محبوب آپ کہ فخر راستان ہین (کما قال تعالےٰ ومن اصدق من اللہ قیلاً) میرے ساتھ معاملہ راستی کا برتاؤ کیجیے (یہان راستی مقابل دستان کے ہے جو اس شعر مین مذکور ہے ع چون بنالم تلخ از دستان او الخ جس سے مراد عدم انکشاف تام ہے جیسا اُس شعر کی شرح مین گذر چکا ہے پس راستی سے مراد انکشافِ تام ہوگا یعنی مجھکو رویت نصیب کر دیجیے) آپ صدر ہین اور مین آپکے دروازہ کا آستان ہون (تشبیہ صرف متبوع اور تابع ہونے مین ہے پس کوئی اشکال نہین چونکہ اس مین اپنی ہستی کا بھی دعویٰ ہے گو مرتبہ تبعیت مین سہی اور یہ استقلالاً واقع کے خلاف ہے اور التفاتاً ذوق فنا کے خلاف ہے لہذا اوس سے اضراب کرتے ہین کہ) آستان و صدر معنی مین کہان ہین۔ ما و من (یعنی ممکنات) کی ہستی کہان ہے جہان ہمارے محبوب کی ہستی ہو (معنی سے مراد ہستی حق اُسکو معنے بمعنے مقصود کے کہدیا جیسا اس قول مین ہے فالکل عبارۃ وانت المعنی مُراد یہ کہ اوپر جو صدر کے مقابلہ مین آستانہ کو موجود کہا تو آستانہ کی ہستی کہان ہے جسکا اثبات کرکے کہا جاوے کہ موجودِ حقیقی صدر ہے اور موجود ممکن آستان ہے یعنی ممکنات کا وجود استقلالاً واقع مین اور التفاتاً صاحب فنا کی نظر مین معدوم محض ہے چنانچہ مصرعۂ ثانی مین اسکی تصریح ہے) اے محبوب آپکی ہستی ما و من سے منزہ ہے اور آپ مثل لطیفۂ روح کے ہین جو مرد و زن مین ہوتی ہے (یعنی جسطرح ابدان کی حیات روح سے ہے اسی طرح آپ قیوم عالم ہین اور قائم بالذات حقیقۃً واقع مین اور صورۃً نظرِ صاحب فنا مین کوئی نہین) مرد و زن جب سب واحد ہو جاوین وہ واحد آپ ہی ہین اور جب سب واحد محو ہو جاوین اُنکے محو ہو جانے کے بعد جو چیز باقی رہیگی وہ آپ ہی ہین موجوداتِ کثیرہ مین ایک تمایز عرضی ہوتا ہے جیسا مرد و زن مین اور ایک تمایز ذاتی ہوتا ہے جیسا انسان و غیر انسان مین مثلاً اس اختلافِ عرضی کے ارتفاع سے اشتراک فی الذاتیات باقی رہتا ہے اور جب

اختلاف ذاتی بھی مرتفع ہوجاوے توموجودات کثیرہ ہی باقی نہین رہتے کیونکہ کثرت وثنینیت کو تمایز لازم ہے اور وہ منحصر ہے عرضی اور ذاتی مین جب دونون قسمین مرتفع ہوگئین تو مقسم یعنی تمایز مرتفع ہوگیا اور جب تمایز کہ لازم ہے مرتفع ہوگیا تو ملزوم یعنی کثرت وثنینیت بھی مرتفع ہوگئی پس مصرعۂ اولے مین ارتفاع اختلافِ عرضی کا بیان ہے جسکو مردوزن کے واحد ہونے سے تعبیر کیا ہے یعنی اختلافِ عرضی کے ارتفاع سے نوع واحد رہجاوے۔ اور مصرعۂ ثانیہ مین ارتفاع اختلافِ ذاتی کا بیان ہے یعنی جب وہ سب انواع جنکو یک ہا کہدیا ہے مرتفع ہوجادین توکثرت ہی مرتفع ہوجاوے اور چونکہ ایک ممکن کے رہنے سے بھی اُسکو واجب سے تمائز ضروری ہوگا اور تمایز مرتفع مان رکھا ہے اِس لیے لازم آیا کہ باقی موجود حقیقی ہی رہ جاوے گا اور مصرعۂ اولی مین آن یک تو ئی مین مجاز ہے جسمین وحدت اصطلاحیۃ بمعنے اضمحلالِ وجود ممکن کو اتحاد سے تعبیر فرمایا ہے مطلب یہ کہ واقع مین یا التفات مین کثرت کا مرتفع ہونا مستلزم بقاے وحدت کو ہے۔

یہ سب ما و من آپ نے اس لیے بنائے ہین کہ اپنے ساتھ خدمت کی نرد بازی فرمائی ہے (خدمت سے مراد یہی معنے متعارف ہین کہ خلائق مین دین یا دنیا کے کاروبار جاری ہین مطلب یہ کہ موجود حقیقی تو واحد ہی ہے یہ موجوداتِ عارضی محض اس لیے ایجاد کیے ہین کہ بمقتضاے حکمت ان سے کچھ کام لینا ہے اور چونکہ ممکنات کا استقلال وجود باطل ثابت ہوچکا ہے اسلیے بناءً علی الاتحاد الاصطلاحی واحدِ حقیقی کو مجازًا خادم ومخدوم کہدیا ولا مشاحۃ فی الاصطلاح) یہانتک کہ ایک وقت مین آپ ما و تو (یعنی موجودات متکثرہ) کیساتھ ایک ذات ہوجاوینگے اور پایان کار مین خالص ویسے ہی دلبر (جیسے پہلے تھے ہوجاوین گے (ایک ذات سے مُراد وہی اتحادِ اصطلاحی۔ اور ویسے ہی سے اشارہ ہے کان اللہ ولم یکن معہ شئی مراد یہ ہے کہ سب فانی ہوکر آپ باقی رہجاوینگے خواہ واقع مین مراد ہو جیسا نفخ صور کے وقت ہوگا خصوصًا اُن علما کے قول پر جو کہتے ہین کہ ایک لحظہ کیلیئے کوئی بھی نرہیگا اور جنھون نے بعض اشیار کو نفس فنار سے مستثنے کہا ہے اُنکے نزدیک اضمحلالِ وجود حکم فنار مین ہے اور گو وحدت بمعنی اضمحلالِ وجود غیر اب بھی ثابت ہے مگر اُسوقت یہ اضمحلال مشاہدہ سے ثابت ہوجاویگا کہ طریان عدم بطلان قدم کو مستلزم ہے اور یا یہ مراد ہو کہ نظر سالک فانی مین یہ اتحادِ اصطلاحی منکشف ہوجاتا ہے اور یہی تفصیل ہے شعر آیندہ مین جسمین فرماتے ہین کہ) یہ من و ماسب ایک ذات ہوجاوینگے اور انجام کار محبوب (کے انوارِ عظمت وجلال) مین سب غرق اور محو ہوجاوین گے (جسکے لیے استہلاک لازم ہے)

این ہمہ ہست و بیا اے امر کن　ای منزہ از بیان و از سخن
چشم جسمانہ تواند دیدنت　در خیال آرد غم و خندیدنت
دل کہ او بستہ غم و خندیدنست　تو بگو کہ لائق این دیدنست
آنکہ او بستہ غم و خندہ بود　او بدین دو عاریت زندہ بود
باغ سبز عشق کو بے منتہاست　جز غم و شادی درو بس میوہ ہاست
عاشقی زین ہر دو حالت برترست　بے بہار و بے خزان سبز و ترست

(اسمین پھر عود ہے درخواست رویت کی طرف یعنی) یہ تو ساری باتین ہین ہی اے محبوب جو کرم کرنیوالا ہی تم جاؤ یعنی (جلوہ فرمادو) اور تم بیان اور سخن سے منزہ ہو (آگے غلبہ سے کچھ افاقہ پاکر رویت کا دار دنیا مین ممتنع ہونا بیان فرماتے ہین کہ) بھلا چشم جسمانی کہین آپکو دیکھ سکتی ہے یا (مُقَیَّد) غم و خندیدن آپ کو خیال مین لاسکتا ہے جو دل کہ غم و خندہ کا مقید ہو (اے مخاطب) تم ہی بتلاؤ وہ اس رویت کے لائق کب ہوسکتا ہے (یعنی اس حیات مین رویت نہ چشم سے ہوسکتی ہے اور نہ قلب سے شعر اول کے مصرعۂ اوّل مین اول کی نفی ہے اور مصرعہ ثانی مین جسکی تفسیر شعر ثانی ہے ثانی کی نفی ہے اور غم و خندہ سے مراد کیفیات طبعیہ ہین یعنی مقید بالاحکام الطبعیہ قابل رویت نہین اور ظاہر ہے کہ دنیا مین یہ تقیید لازمی ہے البتہ دار آخرت مین یہ تقیید طبعیات کی نہ ہوگی اُسوقت رویت کا تحمل ہوگا چنانچہ آگے بھی یہی فرماتے ہین کہ) جو شخص مقید غم و خندہ کا ہوتا ہے وہ ان دونون عارتی (وفانی) کیفیتون کے ساتھ زندہ رہتا ہے (یعنے یہ کیفیات لازمہ حیات دنیویہ ہوتی ہین) اور عشق و محبت الٰہی جسکی کہین انتہا نہین اُسکا ہرا بھرا جو باغ ہے اُسمین اس غم و شادی کے سوا اور بہت سے میوے ہین بے منتہا سے اشارہ ہے طرف دار آخرت کے کہ وہ اور اُسکے عطایا و نعم سب لا منتہا ہین مطلب یہ کہ حیات اخرویہ مین محب مین یہ کیفیات طبعیہ نہون گی بلکہ بجاے اِن کے دوسرے ثمرات و کمالات ہون گے جنکی بدولت تحمل رویت کا ہوجاوے گا) اور واقع مین عاشقی (فی نفسہ) ان دونوں حالتون سے اعلیٰ ہے نہ اُسمین یہ بہار ہے نہ خزان ہے بدون اسکے وہ سبز و شاداب ہے (یعنی خود عشق کے لیے یہ کیفیات لازم نہین ہین کہ انفکاک محال ہو بلکہ یہ کیفیات جن کو بہار و خزان سے تعبیر کیا ہے اس عالم کی خصوصیات عارضہ سے ہین اور یہی مانع رویت ہین اُس عالم مین یہ زائل ہوجاوین گی اسی لیے یہ کہا ہے کہ یہ باغ وہان ہمیشہ سبز و شاداب رہے گا۔

ده زکوة روے خود اے خوبرو — شرح جانِ شرحه شرحه باز گو

کز کرشمه غمزهٔ غمازهٔ — بر دلم بنهاد داغ تازهٔ

من حلالش کردم ار خونم بریخت — من همی گفتم حلال او می گریخت

چون گریزانی ز ناله خاکیان — غم چه ریزی در دل غمناکیان

ایکه هر صبحے که از مشرق بتافت — همچو چشمهٔ مشرقت در جوش یافت

چه بهانه میدهی شیدات را — اے بهانه شکرین لبهات را

اے جهان کهنه را تو جانِ نو — از تن بے جان و دل افغان شنو

(اوپر افاقہ کی حالت مین امتناعِ رویت مستحضر ہوگیا تھا مگر پھر فنا کے غلبہ سے اشتیاق رویت کا تازہ ہوا اسلیے پھر عود کرتے ہین درخواست رویت کی طرف پس فرماتے ہین کہ) اے محبوبِ خوبرو اپنے روے خوب کی زکوٰۃ دیدو (یعنے رویت کا جلوہ دکھادو اور اسی کو زکوٰۃ حُسن کہاہے) اور میری جان پارہ پارہ کا کچھ بیان کرو (کہ یہ اپنی تمنا کو کب پہونچے گی اور مین محبوب سے اسلیے دیدار کا طالب ہورہا ہون) کہ اُنھون نے اپنے غمزہ غماز کے

کرشمہ سے میرے دل پر ایک درد داغ تازہ رکھ دیا (غالباً اُسی حالت غنا میں کوئی اور تجلی ہوئی ہے کرشمہ سے یہی مراد ہے جس سے اشتیاق مشتعل ہو گیا مگر چونکہ وہ بھی ناتمام ہے اِس لیے حسرت و درد کا داغ قلب کو لگ گیا) مین محبوب کو حلال کرتا ہوں (یعنی اپنی رضا ظاہر کرتا ہوں) اگر وہ میرا خون ریختہ کردین (یعنی ردیت سے مشرف کردین گو استہلاک ہوجاوے) مین تو حلال کردم کہتا جاتا تھا اور محبوب گریز کرتا تھا (یعنی میری درخواست کو قبول نہ کرتا تھا) اے محبوب خاک نشینوں کے نالہ سے گریز کس لیے کرتے ہو (یعنی اُنکی عرض کو کیوں نہین قبول کرلیتے) اور غمناکوں کے دل پر غم (حرمانِ دیدار) کیوں ڈالتے ہو اے محبوب جو ایسے ہین کہ جو صبح مشرق سے طلوع کرتی ہے وہ آپکو مثل چشمہ مشرق یعنی آفتاب کے جوش (یعنی کمال حُسن) مین باقی ہے (یعنی کسیوقت آپ کے حُسن کو نقصان و زوال نہین اور شعر آئندہ مین مقصود بالذات مذکور ہے کہ) اپنے شیدا کو کیا بہانہ دیتے ہو (یعنی وعدہ کے انتظار پر صبر نہین ہوتا) آپ ایسے ہین کہ آپ کے شکرین لب (یعنی کلام بشارت) کی کوئی بہا یعنی قیمت نہین اے محبوب کہ آپ اِس عالم کہنہ (یعنی متغیر) کے اعتبار سے مثل جان تازہ کے ہین (کہ آپ کی قیومی سے عالم قائم ہے اور اَلْاٰنَ کَمَا کَانَ آپ کی شان ہے اور اسی لیے جان کو کہا گیا) اِس تن بیجان و دل سے (یعنی عاشق سے جو جان و دل کھو بیٹھا اور محض پوست و استخوان رہ گیا) افغان سُن لو (کہ دیدار مانگ رہا ہے)

شرح گل بگذار از بہر خدا ❊ شرح بلبل گو کہ شد از گل جدا
باخیال و وہم نبود ہوش ما ❊ از غم و شادی نباشد جوش ما
حالتِ دیگر بود کان نادرست ❊ تو مشو منکر کہ حق بس قادرست
تو قیاس از حالتِ انسان مکن ❊ منزل اندر جور و در احسان مکن
جور و احسان رنج و شادی حادثست ❊ حادثان میرند حق شان وارثست

بعد مخاطبات و مکالماتِ طویلہ کے جب رُویت سے مایوسی ہو گئی اس لیے فرماتے ہین کہ) گل کا بیان (یعنی محبوب کے دیدار کا بیان) رہنے دو (کیونکہ جس بات کی اُمید منقطع ہو اُسکا ذکر بیفائدہ ہی) اب خدا کیواسطے بلبل (یعنی محب) کا بیان کرو جو اپنے محبوب سے جُدا ہو گیا ہے (یعنی عاشق کیحالت بیان کرو کہ طالبونکو نفع ہو آگے عشاق کا حال مذکور ہے کہ) ہمارا (یعنے عشاق کا) ہوش قُوّتِ خیال و وہم سے نہین ہے اور ہمارا جوش غم و شادی کیوجہ سے نہین ہے (ہوش سے مُراد علم اور جوش سے مراد حال مطلب یہ کہ عشاق کے علم و حال کو عوام النّاس کے علم و حال پر قیاس مت کرو کیونکہ عوام کے علم کے اسباب حواس و عقل متوسط و اخبار ہین و بس ہمارا علم جو ذات و صفات کے ساتھ متعلق ہے اُسکا سبب دوسری قوّتِ باطنہ ہے جسکو قوتِ قدسیہ و عقل عالی کہتے ہین اسی طرح عوام کی کیفیات قلبیہ کے اسباب یہی زمانہ کے واقعات غم و شادی ہین اور ہماری کیفیات و حالات کے اسباب واردات غیبیہ ہین جو بدولت نسبتِ باطنی و معیت حق کے قلب پر نازل ہوتے ہین اسی کو شعر آئندہ مین حالتِ دیگر سے تعبیر فرماتے ہین کہ) وہ ایک اور ہی حالت ہے کہ وہ نادر اور قلیل ہے اور تم (صرف

اسوجہ سے کہ تمکو بوجہ عدم حصول کے اُسکا ذوق نہیں) اُسکا انکار مت کرو کیونکہ اللہ تعالےٰ کی بڑی قدرت ہے (کہ ایک کو عطا فرما دین اور دوسرے کو اس کا ادراک بھی نہو اس حالت دیگر کی شرح ابھی اوپر آچکی ہے اور نادر ہونا اُسکا ظاہر ہے کہ سیکڑ دن مین کسی ایک آدھ کو نصیب ہوتی ہے) تم (عاشق حق کیحالت کو) انسان کے (عاشق) کی حالت پر قیاس مت کرو اور صرف جور واحسان مین ڈیرہ مت ڈال دو (یعنی انسان پر عاشق ہونے کے اسباب یہی صورت ظاہری کا دیکھ لیناہے اور اسکی لذت کا سبب محبوب کا احسان اور اسکے الم کا سبب محبوب کا جور ہے وبس بخلاف عاشق کے کہ اُسکے عشق اور لذت والم کے اسباب ہی نرالے ہین اور وہ اُمور دقیقہ ہین آگے اس قیاس کے غلطی کیوجہ فرماتے ہین کہ) جور واحسان (محبوب مجازی کا) اور رنج وشادی (محب مجازی کا جسکا سبب وہی جور واحسان ہے) یہ سب حادث ہین اور حادث سب مرجاوین گے اور حق سبحانہ وتعالےٰ اون کے وارث ہین (کہ سب کے فنا کے بعد وہ رہجاوینگے اور فنا اونپر محال ہے پس دوسرے محبوب حادث ہوے اور محبوب حقیقی قدیم ہین اور قدیم کا قیاس حادث پر فاسد ہے پس محبت مع الخلق ایک نسبت ہے جو بین الحادثین متحقق ہے اور محبت مع الحق ایک نسبت ہے جو بین القدیم والحادث متحقق ہے اور نسبت احد المنتسبین کے بدلنے سے بھی بدل جاتی ہے تو لامحالہ ان دونون محبتون کے اسباب وآثار کا مشترک ومتحد ہونا لازم نہین لہذا ایک کا قیاس دوسرے پر فاسد ہے۔

صبح شد اے صبح را پشت وپناہ
عذر مخدومی حسام الدین بخواہ

عذر خواہِ عقلِ کل وجان توئے
جانِ جان وتابشِ مرجان توئے

تافت نورِ صبح ما از نورِ تو
در صبوحے با مے منصورِ تو

دادہ حق چون چنین دارد مرا
بادہ کہ بود تا طرب آرد مرا

بادہ در جوشش گدائے جوش ماست
چرخ در گردش اسیر ہوش ماست

بادہ از ما مست شد نے ما ازو
قالب از ما ہست شد نے ما ازو

ما چو زنبوریم وقالبہا چو موم
خانہ خانہ کرد قالب را چو موم

بس دراز ست این حدیث اے خواجہ گو
تا چہ شد احوال آن مرد نکو

(صبوحی شراب نوشیدن صبح - معلوم ہوتا ہے کہ ان اسرار کو بیان کرتے کرتے صبح ہوگئی اس لیے حضرت حق کی جناب مین عرض کرتے ہین کہ) اے محبوب کہ آپ صبح کے پشت وپناہ ہین (جس طرح سب مخلوق کے قیوم ہین) اب صبح ہوگئی ہے مخدومی مولانا حسام الدین کا عذر قبول فرمالیجیے (کہ وہ نماز پڑہین پھر ہم دونون تحریر مضامین کے لیے حاضر ہوجاوینگے عذر خواہی کی یہ تفسیر حضرت مرشد علیہ الرحمۃ سے سنی گئی ہی) آپ عقل کل اور جان (یعنی مولانا حسام الدین) کے عذر قبول فرمانے والے ہین (عقل کل بوجہ عارف ہونے کے اور جان بوجہ مربی باطن ہونے کے اون کو کہدیا) اور آپ جانِ جان اور تابش مرجان ہین (مرجان سے مُراد عقل ہے

بوجہ چمک دمک کے اوپر کے مصرعہ مین مولانا حسام الدین کو جان و عقل کہا تھا اب فرماتے ہین کہ اس جان کی جان اور اس عقل کی تابش و نورانیت آپ ہی ہین ہے لئے آپ اُنکے قیوم و نوربخش ہین اسلیے آپ ہی اُنکی غذا بھی فرما دین گے آگے حق تعالٰے کی عنایت و فضل کا جو کہ خود اُن کے حال پر ہے بیان ہے کہ) ہماری صبح (کشف اسرار) کا نور چمک اُوٹھا (یعنی اسرار کھل گئے) اور ہم آپ کے نور (کشف حقائق) کی بدولت آپ کے شرابِ منصوری (یعنی عشق) کی شراب نوشی مین مشغول ہین (کیونکہ معرفتِ حقیقت بھی اسبابِ محبت و عشق سے ہے آگے بطور تحدث بالنعمۃ کے فرماتے ہین کہ) جب عطاے حق مجھکو اِس حالت مین رکھتی ہے (کہ شرابِ منصوری پی رہا ہون) تو یہ ظاہر ہے شراب کیا حقیقت رکھتی ہے کہ مجھکو طرب و مستی مین لاسکے (یعنی اس شراب کی مستی اُس شراب کی مستی کے روبرو محض ہیچ ہے) بادہ ظاہری جوش مین ہمارے جوش کے دریوزہ گر ہے اور چرخ گردش مین ہمارے ہوش کا گدا ہے (دریوزہ گری وہ کرتا ہے جسکے پاس کوئی چیز کم ہو پس یہ کنایہ ہے ناقص ہونے سے مطلب یہ کہ جوش بادہ ہمارے جوش سے کم ہے اور گردش چرخ ہمارے ہوش یعنی وجد و ادراک لذت سے کم ہے کیونکہ وہ جوش و گردش فانی ہے اور یہ جوش و ہوش باقی ہے) بادۂ ظاہری ہم سے مست ہے نہ کہ ہم اُس سے مست ہوئے ہین اور قالب ہم سے ہستا ہوا ہے نہ کہ ہم اُس سے ہست ہوے ہون (مُراد اس سے مقصود اور تابع ہونا ہے یعنی مستی شراب و ہستی قالب کے وجود مین وجود روح انسانی کو دخل ہے کیونکہ انسان مقصود ہے اور جمیع کائنات اسکے واسطے ایجاد کیئے گئے ہین) ہماری یعنی روح کی مثال زنبور کی سی ہے اور قالب مثل موم کے ہین روح نے قالب کے خانہ خانہ کو بھر رکھا ہی جسطرح زنبور خانہ خانہ کو موم سے بھر دیتی ہے (یہ تشبیہ بھی محض باعتبار اصل اور تابع ہونے کے ہے اب قصّہ کیطرف رجوع فرماتے ہین کہ) یہ مضامین عشق کے ازبس دراز ہین اجی صاحب وہ قصہ کہو کہ اوس مرد نیک (تاجر) کا کیا حال گذرا۔

رجوع بحکایتِ خواجہ تاجر

خواجہ اندر آتش و درد و حنین ۔ صد پراگندہ ہمی گفت این چنین
گہ تناقض گاہ ناز و گہ نیاز ۔ گاہ سوداے حقیقت گہ مجاز
مرد غرقہ گشتہ جانے میکند ۔ دست را در ہر گیاہے میزند
تا کدامش دست گیرد در خطر ۔ دست و پائے میزند از بیم سر

(یعنی وہ تاجر (غم کی) آگ مین اور درد و نالہ مین سیکڑون باتین پراگندہ اسیطرح کہہ رہا تھا جیسا سرخی شنیدن آن طوطی مین مفصل گذرا آگے اُن باتون کے پراگندہ ہونیکا بیان ہی کہ) وہ کبھی متناقض باتین کہتا تھا اور کبھی ناز کی باتین کرتا تھا کبھی نیاز کی۔ کبھی (عشق حقیقی کا سودا اُٹھاتا تھا کبھی مجاز کا (ناز کی باتین جیسے اِس شعر مین ؎ یاد دادیکن نگو یاد اور وہ الم نیاز جیسے اس شعر مین ؎ چند امیدم ہمی الم سوداے حقیقت جیسے اِس شعر مین ؎ غیرت آن باشد

کہ او غیر ہمہ است الخ مجاز جیسے دریغا الخ والے شعر میں در سود اے حقیقت و سوائے مجاز کا متناقض ہونا ظاہر ہے اب فرماتے ہیں کہ اوس تاجر کا سطح پراگندہ باتیں کرنا عجیب نہیں کیونکہ قاعدہ ہے کہ جو شخص غرق ہوتا ہو وہ یونہی جان توڑا کرتا ہے اور گھاس پھوس میں ہاتھ مارا کرتا ہے تاکہ کوئی شخص اس خطرہ میں اسکی دستگیری کرے اندیشہ سے کہ تو پانوں چلاتا ہے

دوست دارد دوست این آشفتگی	کوشش بیہودہ بہ از خفتگی
آنکہ او شاہ ست او بیکار نیست	نالہ از وے طرفہ کو بیمار نیست
بہر این فرمود رحمان اے پسر	کل یوم ہو فی شان اے پسر
اندرین رہ می تراش و مے خراش	تا دم آخر دمے فارغ مباش
تا دم آخر دمے آخر بود	کہ عنایت با تو صاحب سر بود
ہر کہ مے کوشد اگر مرد و زن ست	گوش و چشم شاہ جان بر روزن ست
این سخن پایان ندارد اے عمو	قصۂ طوطی و خواجہ باز گو

(اسمین انتقال ہے آشفتگی ظاہری سے آشفتگی باطنی کیطرف جو طلب مقصود حقیقی میں پیش آتی ہے مطلب یہ کہ محبوب حقیقی اس آشفتگی (یعنی طلب) کو پسند فرماتے ہیں اور سعی اگرچہ بے ثمر ہو مگر تعطل سے بہتر ہے اس لیے کہ طریق کو تو طے کیا جس سے قرب مقصود تو ضرور ہوا گو حصول مقصود ابھی نہیں ہوا) دیکھو جو بادشاہ (تمام کائنات کے ہیں یعنی حق تعالے) وہ بھی تو بیکار نہیں ہیں (جو کام اُنکی شان کے لائق ہے وہ ہر وقت کرتے ہیں مثلاً احیاء و اماتت و ترزیق و تخلیق - اور قبل تخلیق کے اپنی ذات و صفات کا مشاہدہ وغیر ذلک۔ دوسرا مصرعہ بطور مثل کے ہے کہ) نالہ اُس شخص کا زیادہ عجیب ہے جو بیمار نہو (یعنی حق تعالے کو کسی کام کی حاجت و ضرورت نہیں جیسے تندرست کو نالہ کی ضرورت نہیں پھر وہ کام کر رہے ہیں) اسی لیے رحمان نے ارشاد فرمایا ہے کل یوم ہو فی شان - یعنی اللہ تعالے ہر وقت کسی نہ کسی کام میں ہیں (جب تمکو طلب کی فضیلت معلوم ہو گئی تو تمکو چاہیے کہ اس طریق (وصول الی اللہ) میں ہمیشہ تراش و خراش کرتے رہو اور اخیر وقت تک ایک لحظہ بھی فارغ مت ہو کیونکہ آخری وقت تک تو کوئی گھڑی آخر ایسی ضرور ہو گی جسمیں عنایت ربانی تمھاری ہمراز و رفیق بنجاویگی (یعنی گر طلب میں لگے رہو گے کسی وقت ضرور وصول میسر ہو جاوے گا کیونکہ) جو شخص سعی و عمل کرتا ہے خواہ مرد ہو یا عورت ہو اُسپر شاہ جان (یعنی حق تعالے مالک الارواح) کا سمع و بصر لگا ہوا ہے (یعنی حقتعالے دیکھتے سنتے ہیں پھر کیسے ضائع ہو گا یہ مضمون اس آیت کا ہے قولہ تعالے لا اُضِیعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنکُم مِّن ذَکَرٍ اَوْ اُنثیٰ وَقَوْلُہٗ تَعَالیٰ لِلرِّجَالِ نَصِیبٌ مِّمَّا اکْتَسَبُوا وَلِلنِّسَاءِ نَصِیبٌ مِّمَّا اکْتَسَبْنَ اور اس مضمون کی تو کہیں انتہا نہیں ہے اوس طوطی اور خواجہ تاجر کا قصہ پھر کہنا چاہیے

افگندن خواجہ طوطی مردہ را از قفص و پریدن طوطی مردہ

بعد از انش از قفص بیرون فگند	طوطیک پرید تا شاخ بلند

طوطے مردہ چنان پرواز کرد ‌ ‌ کافتاب از شرق ترکے تاز کرد
خواجہ حیران گشت اندر کار مرغ ‌ ‌ بے خبر ناگہ بدید اسرار مرغ
روے بالا کرد و گفت اے عندلیب ‌ ‌ از بیان حال خودمان دہ نصیب
او چہ کرد آنجا کہ تو آموختے ‌ ‌ ساختے مکرے و ما را سوختے
چشم ما از مکر خود بر دوختے ‌ ‌ سوختے ما را و خود افروختے
گفت طوطے کو بفعلم پند داد ‌ ‌ کہ رہا کن نطق و آواز و گشاد
زانکہ آوازت ترا در بند کرد ‌ ‌ خویش را مردہ پئے این پند کرد
یعنی اے مطرب شدہ با عام و خاص ‌ ‌ مردہ شو چون من کہ تا یابے خلاص

(ترکتاز تاختن اور دن دیا درمیان ہر دو کلمہ زائد و مراد ہر عجلت سیر) یعنی بعد اسکے تاجر نے اوس طوطی کو پنجرہ سے باہر نکال کر پھینک دیا اور وہ اُڑ کر کسی بلند شاخ پر جا بیٹھی اور اُس طوطی نے جو ظاہر میں مرگئی تھی اس طرح پرواز کی جسطرح آفتاب مشرق سے دوڑتا ہوا چلتا ہے (کیونکہ نکلتے وقت اُسکی سیر بہت سریع معلوم ہوتی ہے) تاجر اس معاملہ سے سخت حیران ہوا اور بے خبری مین دفعتہ یہ پنہانی کارروائی طوطی کی دیکھی تو سر اٹھا کر طوطی سے کہا کہ اے مشابہ عندلیب اپنا حال بیان کر کے ہمکو بھی اُس سے کچھ حصہ دے (یعنی اس معاملہ کی حقیقت بیان کر شاید اُس مین ہمارے کام کی کوئی بات نکل آوے) اُس ہندوستان والی طوطی نے کیا کارروائی کی تھی کہ تو اُسکو سمجھ گئی اور مکر کر کے ہمکو (غم مین) جلایا اور فریب کی راہ سے ہماری آنکھون پر پٹی باندھ دی ہمکو تو سوختہ کیا اور اپنے کو خوش و خرم کر لیا طوطی نے جواب دیا کہ اُس طوطی نے مجھکو فعلی نصیحت کی تھی کہ تو اس گویائی اور خوش آوازی اور نشاط کو چھوڑ دے کیونکہ تجھکو اسی آوازہی نے مبتلاے قید کر رکھا ہے اسی پند کی غرض سے اوس طوطی نے اپنے کو بشکل مردہ بنا لیا تھا جسکا مطلب یہ تھا کہ تو جو عوام و خواص کے روبرو نغمہ سازی کرتی ہے تو میری طرح مردہ بنجا تاکہ اس قید سے رہا ہو جاوے۔

دانہ باشی مرغکانت برچنند ‌ ‌ غنچہ باشی کودکانت بر کنند
دانہ پنہان کن بکلی دام شو ‌ ‌ غنچہ پنہان کن گیاہ بام شو
ہر کہ داد او حسن خود را در مزاد ‌ ‌ صد قضاے بد سوے او رو نہاد
چشمہا و خشمہا و رشکہا ‌ ‌ بر سرش ریزد چو آب از مشکہا
دشمنان او را ز غیرت میدرند ‌ ‌ دوستان ہم روزگارش می برند
آنکہ غافل بود از کشت بہار ‌ ‌ او چہ داند قیمت این روزگار

(یہ مقولہ ہے مولانا کا شہرت کی آفت و مذمت اور گمنامی کی مدح و منفعت مین اور تصریح ہے مقصود قصہ کی) یعنی اگر تو دانہ بنے گا تو تجھکو مرغ چن جاوینگے۔ اگر غنچہ بنے گا تو بچے توڑ کر لیجاوینگے۔ (دانہ و غنچہ سے تشبیہ نمود و ظہور کمالات مین ہے یعنی مورد آفات ہوگا) اس لیے تم دانہ کو تو پوشیدہ کر دو (یعنی نمود کو مٹا دو) بالکل جال بنجاؤ کہ زیر زمین دفن

ہوتا ہے پھر دیکھ اسمین کیسے کیسے قیمتی جانور آجاتے ہین اسیطرح تمکو گمنامی سے ثمرات محمودہ حاصل ہونگے) اور غنچہ کو پوشیدہ کردو گیاہ بام بنجاؤ۔ (کہ حقیر و ذلیل ہوتی ہے مگر آفتاب سے محفوظ رہتی ہے) جس شخص نے اپنی خوبی (ادا کمال) کو (باعتبار شہرت کے) افزونی دی سیکڑون واقعات ناگوار اسکی طرف متوجہ ہوجاتے ہین لوگون کی نظرین اسکے غیظ و غضب اُن کے حسد ایسے شخص پر جیسے مشک سے پانی گرتا ہے اسطرح برسنے لگتے ہین (آگے اسکا بیان ہے کہ) دشمن تو حسد کے مارے اسکو پھاڑے کھاتے ہین اور دوست بھی اسکی عمر (بیہودہ ملاقات و اختلاط سے برباد کرتے ہین جو شخص کشت بہار سے) یعنی عمر سے کہ رونق و تازگی مین کشت بہار کے مشابہ ہے) غافل ہو وہ اس روزگار (یعنی عمر) کی قدر کیا جانے (اسلیے اسکو ضائع کر رہا ہے پس اسمین وضع مظہر موضع مضمر ہے۔

ف شہرت سے مبتدی کو عجب وعار تحصیل کمالات و بداخلاقی کی مضرت ہوتی ہے اور منتہی اس سے بقوتہ تعالیٰ محفوظ ہے

در پناہ لطف حق باید گریخت	کو ہزاران لطف بر ارواح ریخت
تا پناہے یابے آنگہ چہ پناہ	آب و آتش مر ترا گردد سپاہ
نوح و موسےٰ را نہ دریا یار شد	نے براعدا شان بکین قہار شد
آتش ابراہیم را نے قلعہ بود	تا برآورد از دل نمرود دود
کوہ یحییٰ را نہ سوے خویش خواند	قاصدانش را بزخم سنگ راند
گفت اے یحییٰ بیا در من گریز	تا پناہت گردم از شمشیر تیز

راو پرکے اشعار مین عوام کی دوستی کی مضرتین بیان کی ہین اب فرماتے ہین کہ اون کی دوستی کی پناہ چھوڑکر اللہ تعالےٰ کے لطف کی پناہ لینا چاہیے کہ اُنھون نے ہزارون الطاف ارواح پر نازل فرمائے ہین تاکہ تمکو پناہ حاصل ہو اور پناہ بھی کیسی کہ آب و آتش تک تمھاری سپاہ بن جاوین (یعنی تمھارے کام مین لگا دیے جاوین (دیکھو کیا حضرت نوح علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کیلیے پانی یار نہین ہوگیا تھا ور اُنکے اعدا پر قہر نہین ڈھایا تھا (کہ اُنکو غرق کردیا) دیکھو کیا حضرت ابراہیم علیہ السلام کیلیے آتش قلعہ نہ بنگئی تھی جسپر نمرود کے قلب مین سخت حسرت ہوئی تھی (کہ وہ ناکام رہا) دیکھو کیا حضرت یحییٰ علیہ السلام کو پہاڑ نے اپنی طرف نہین بلایا تھا اور جو اُنکی ایذا کا قصد کرتے تھے اُنکو پتھر و نسے زخمی کرکے نہین بھگا دیا تھا اور اُس پہاڑ نے حضرت یحییٰ علیہ السلام سے عرض کیا کہ میرے پاس چلے آیئے تاکہ دشمنونکی شمشیر تیز سے مین آپکو بچالون (اور قصے تو مشہور ہین حضرت یحییٰ علیہ السلام کا قصہ بعض محشین نے لکھا ہے کہ یہود نے آپکو ایذا پہونچانا چاہا تھا آپ وہان سے بھاگے تو پہاڑ نے آپ کو پکار لیا اور یہود پر سنگ باری شروع ہوئی سب دفع ہوگئے۔

وداع کردن طوطی خواجہ را و پند دادن و پریدن

یک دو پندش داد طوطے بے نفاق	بعد ازان گفتش سلام الفراق
الوداع اے خواجہ کردی مرحمت	کردے آزادم زقید مظلمت

الوداع اے خواجہ رفتم تا وطن — ہم شوی آزاد روزے ہمچو من
خواجہ گفتش فی امان اللہ برو — مر مرا اکنون نمودی راہِ نو
سوے ہندستانِ اصلی رو نہاد — بعد شدت از فرح دل گشت شاد
خواجہ با خود گفت این پندِ منست — راہِ او گیرم کہ این رہ روشن ست
جانِ من کمتر ز طوطے کے بود — جان چنین باید کہ نیکو پے بود

یعنی اُس طوطی نے سوداگر کو ایک دو مخلصانہ نصیحت کر کے سلام وداعی کیا کہ اے خواجہ الوداع آپنے بڑی مہربانی کی کہ مجھکو اپنی قید تنگ و تاریک سے آزاد کر دیا مین اب اپنے وطن پہونچا چاہتی ہون خدا کرے آپ بھی ایک دن (ان فضول تعلقات سے) میری طرح آزاد ہو جاوین تاجرنے کہا فی امان اللہ جا مجھکو تونے ایک نیا رستہ دکھلا دیا (یعنے ترکِ دنیا کا رستہ اور نیا اسلیے کہا کہ اس سے پہلے اُسکی طرف التفات نہ تھا) غرض وہ اپنے اصلی وطن کو ہندستان کو روانہ ہوئی اور شدت و مصیبت کے بعد فرحت سے دل شاد ہوئی تاجرنے اپنے دل مین کہا کہ یہ واقع مین میرے لیے نصیحت ہے مین بھی اسی کا طریق اختیار کرون کہ بہت صاف رستہ ہے (وہ طریق یہی ہے کہ موت قبل الموت اختیار کرے یعنی جس طرح مُردہ اپنے ارادہ سے اپنی شہوت سے اپنے غضب سے سب سے خالی ہو جاتا ہے اسی طرح حق تعالٰے کے ارادہ و رضا کے روبرو اپنی خواہش اور راے کو بیکار کر دے وہی تاجر کہتا ہے کہ میری جان طوطی سے تو گئی گذری نہین (کہ وہ اُس طریق سے واصل الی المقصود ہو جاوے اور مین نہ ہو سکون) جان تو ایسی ہی چاہیے جو نیک قدم ہو (یعنے راہ حق مین تگا پو کرے)۔

مضرتِ تعظیم خلق و انگشت نما شدن

تن قفس شکل ست و زان شد خار جان — از فریبِ داخلان و خارجان
اینش گوید من شوم ہمراز تو — وانش گوید نے منم انباز تو
اینش گوید نیست چون تو در وجود — در کمال و فضل و در احسان و جود
آنش گوید ہر دو عالم آن تست — جملہ جانہا ما طفیل جان تست
اینش گوید گاہ عیش و خرمے — آنش گوید گاہ نوش و ہمدمے
او چو بیند خلق را سرمست خویش — از تکبر میرود از دستِ خویش
او نداند کہ ہزاران را چو او — دیو افگندست اندر آبِ جو
لطف و سالوسِ جہان خوش لقمہ ایست — کمترش خور کو پُر آتش لقمہ ایست
آتشش پنہان و ذوقش آشکار — دُود او ظاہر شود پایانِ کار

یہ اشعار مرتبط ہین اوپر کے ان اشعار سے سے وانہ باقی الخ یعنی تن قفس کے مثل ہے اسی وجہ سے وہ جان

روح کے لیے مثل خار کے ہو رہا ہے (جیسا خار مانع ہوتا ہے باغ تک پہونچنے سے اسی طرح لذات جسم روح کو مانع ہو رہی ہین عالم قدس تک پہونچنے سے اور یہ مانع ہونا) آمد و رفت کرنیوالون کے فریب اغوا سے ہو رہا ہے کہ خوشامد کی باتین کرتے ہین اُس سے عُجب پیدا ہوتا ہے اور وہ عُجب مانع عن الوصول ہوجاتا ہے چنانچہ خود فرماتے ہین کہ) ایک کہہ رہا ہے مین اپنا ہمراز ہون۔ دوسرا کہتا ہے نہین صاحب مین آپ کا شریک حال ہون۔ ایک کہتا ہے کہ تمہارے مثل تو ہستی بھر مین نہین کمال مین بھی فضیلت مین بھی۔ احسان وجود مین بھی۔ ایک کہتا ہے دونون عالم حضور ہی کی ملک ہین (کیونکہ حضور خلیفۃ اللہ ہین) ہماری سب کی جانین آپ ہی کا طفیل ہے ایک کہتا ہی کہ آپ تو گویا زمانۂ عیش و خرمی ہین۔ دوسرا کہتا ہے آپ زمانہ حلاوت دہی ہین (یعنی ہمارے عیش و حلاوت کے اسباب آپ ہی کی ذات مقدس مین مجتمع ہین گویا آپ ہی زمانہ ہین) وہ شخص بیچارہ جب ایک مخلوق کو اپنا مست (وعاشق) دیکھتا ہی بس تکبر کی وجہ سے ہاتھونسے نکل جاتا ہی اسکو اتنی خبر نہین کہ اس جیسے ہزارون کو شیطان نے ور طۂ (ضلالت) مین دھکا دیدیا ہی یہ دنیا والون کا لطف و تملق ایک لذیذ لقمہ ہے اسکو ذرا کم کھاؤ کہ پُر آتش لقمہ ہی (یعنی اعظیم و تملق سے محظوظ مت ہو کہ انجام اسکا ہلاکت ہے) اس لقمہ کی آتش (یعنی ضرر) پنہان ہی اور اسکا ذوق (یعنی لذت) ظاہر ہے لیکن اس کا دھوان آخر مین نکلتا ہے (جب عجب غیرہ پیدا ہوگا ہلاکت مین ڈالیگا

تو مگو کان مدح را من کے خورم	از طمع می گو ید او من پے برم
ما دحت گر ہجو گو ید بر ملا	روز ہا سوزد دلت زان سوز ہا
گرچہ دانی کو ز حرمان گفت آن	کان طمع کہ داشت از تو شد زیان
آن اثر میماندت در اندرون	در مدیح این حالتت ہست آزمون
آن اثر ہم روز ہا باقی بود	مایۂ کبر و خداع جان شود

(ان اشعار مین ایک سوال و جواب ہے اور جو مدح پسندی کی مضرت بیان کی ہے اسپر کوئی شخص شبہہ کرسکتا ہے مولانا اسکو مع جواب کے نقل کرتے ہین کہ) تم یون مت شبہہ کرو کہ اوس خوشامد گو کی مدح سے مین کب خوش ہوتا ہون وہ مادح اپنی کسی طمع و غرض سے مدح کرتا ہے اور مین خوب سمجھتا ہون (یعنی جب مین اوس سے خوش نہین ہوتا تو مجھکو اسکا ضرر بھی نہین پہونچ سکتا مولانا جواب دیتے ہین کہ) اگر وہی مدح کرنے والا برملا تمھاری ہجو کرنے لگے تو مدتون تمھارا دل اوس سوزش سے جلتا رہتا ہے اگرچہ تم یقیناً جانتے ہو کہ اُس نے یہ ہجو اس لیے کی ہے کہ وہ اپنے مقصد سے محروم رہا (یعنی جو امید تم سے رکھتا تھا وہ خالی گئی (مگر باوجود اسکے) وہ اثر ہجو تمھارے دل مین خار کیطرح کھٹکتا رہتا ہی بس مدح مین بھی یہی حالت امتحان اور معیار ہے (جس سے معلوم ہوجاویگا کہ ہجو کو تم پسند کرتے ہو یا نہین اسیطرح (وہ اثر مدح بھی مدتون (دل مین) باقی رہتا ہے اور کبر و خداع کا مایہ (یعنی سبب) بن جاتا ہی (خلاصہ جواب کا یہ ہوکہ تمھارا یہ دعوے کہ مدح سے مین خوش نہین ہوتا اُسوقت سچ ہوسکتا ہے جب ہجو سے ناگواری بھی نہو لیکن جب ہجو کا اثر مدتون رہتا ہے جو دلیل ہے ناگواری کی تو اسی دلیل سے معلوم ہوتا ہے کہ مدح سے خوشی بھی ہوتی ہے

کیونکہ اسکا اثر بھی ۔ تون رہتا ہے پس ثابت ہوا کہ مدح ضرور پسند ہے پس یہ دعوائے تمہارا غلط ٹھہرا۔

نیک بنماید چو شیرین ست مدح	بد نماید زانکہ تلخ افتاد قدح
ہمچو مطبوخ ست و حب کانرا خوری	تا بدیرے شورش و رنج اندرے
ور خوری حلوا بود ذوقش دمے	این اثر چون آن نمے پاید ہمے
چون ہمی پاید نمے ماند نہان	ہر ضدے را تو بضد آن بدان
چون شکر پاشد نہان تاثیر او	بعد چندے دنبل آرد نیش جو
در حب و مطبوخ خوردی ای ظریف	اندرون شد پاک ز اخلاط کثیف

اسمین پھر عود ہے مضمون بالا کی طرف سے لطف وسالوس جہان الخ) یعنی چونکہ مدح شیرین ہے اس لیے خوش معلوم ہوتی ہے اور قدح یعنی ہجو ناگوار معلوم ہوتی ہے چونکہ وہ تلخ ہے (اس ہجو و مدح کی ایسی مثال ہے) جیسے جوشاندہ یا حب مسہل ہوتا ہے کہ اسکو کھا کر دیر تک شورش طبیعت اور تکلیف مین رہتے ہو (کیونکہ تلخ دواسے ناگواری ضرور ہوتی ہے یہ مثال تو ہجو کی ہے) اور اگر حلوا کھاؤ تو اسکا لطف تھوڑی دیر رہتا ہی اور اسکا اثر اس مطبوخ کے برابر دیرپا نہین ہے (گو وہ بھی فی نفسہ دیر تک رہتا ہے پس منافات نہوئی شعر بالا سے آن اثر ہم روزہا الخ اور یہ مثال مدح کی ہے) لیکن جب ظاہری آثار کے اعتبار سے اسمین پائداری نہین ہے تو ضرور باطن مین اسکا اثر رہتا ہی تم ایک ضد کیحالت کو اسکی ضد کی حالت سے سمجھو (پس مؤثر ہونا تو یقینی جب ظاہر مین نرہیگا تو اسکی ضد یعنی باطن مین ہونا چاہیے) غرض چونکہ شکر کی تاثیر اندر رہتی ہے بعد چندے دنبل نیش جو نکلنا شروع ہوتے ہین (اسیطرح مدح کا اثر اندر رہتا ہے اور اسکا ضرر عجب وغیرہ انجام مین مہلک ثابت ہوتا ہے) اور اگر حب و مطبوخ کو استعمال کرو تو اندر سب اخلاط کثیف سے پاک ہو جاتا ہے (گو استعمال کے وقت طبیعت کو کلفت ہوتی ہے مگر انجام اچھا ہے اسی طرح ہجو سے گو سردست بہت شورش طبع ہوتی ہے مگر انجام اسکا تہذیب اخلاق و تزکیہ نفس ہے)

نفس از بس مدحہا فرعون شد	کن ذلیل النفس ہونا لا تسد
تا توانی بندہ شو سلطان مباش	زخم کش چون گوی شو چوگان مباش
ور نہ چون لطفت نماند وین جمال	از تو آید آن حریفان را ملال
آن جماعت کت ہمے دادند ریو	چون بہ بینندت بگویندت کہ دیو
جملہ گویندت چو بینندت بدر	مردہ از گور خود بر کردہ سر
ہمچو امرد کہ خدا نامش کنند	تا بدان سالوس در دامش کنند
چون بہ بدنامی برآید ریش او	دیو را ننگ آید از تفتیش او
دیو سوے آدمی شد بہر شر	سوے تو ناید کہ از دیوے تبر
تا تو بودے آدمے دیو از پیت	مے دوید و مے چشانیدن میت

چون شدی در خوی دیوی استوار	میگریزد از تو دیو نابکار
آنکه اندر دامنت آویختند	چون چنین گشتی ز تو بگریختند

یعنی نفس بہت مدح سے فرعون ہو گیا ہے پس بہتر ہے کہ تم ذلیل النفس رہو اور سردار اور بڑے مت بنو جہانتک ہو سکے غلام رہو بادشاہ مت بنو دوسرے کے ظلم کو برداشت کرو جیسے گیند ہوتا ہے چوگان مت بنو یعنی ظلم مت کرو ورنہ (اگر اسوقت عارضی کمالات پر مثل مال و جمال و حکومت و عقل دنیا وغیرہ کے فخر اور عجب کروگے) جب یہ لطافت اور یہ خوبی نہ رہیگی تو اسوقت تمھارے رفیق تم سے گھبرانے لگین گے اور جو لوگ (خوشامد کرکے) تمکو دھوکہ دیا کرتے تھے جب تمکو دیکھین گے یون کہنے لگین گے کہ دیکھو شیطان آیا اور جب تمکو اپنے دروازہ پر کھڑا دیکھین گے یون کہا کرینگے کہ جیسا مردہ ہوتا ہے قبر سے نکل کر آیا ہو جیسے امرد سے معاملہ کرتے ہین کہ (خوشامد مین) اُسکو اپنے جان و مال کا) مالک کہتے ہین تاکہ اُسکو اس خوشامد سے اپنے داؤ مین لے آوین اور جب وہ لت خواری سے اُسکی داڑھی نکل آتی ہے تو شیطان کو بھی اُسکا حال دریافت کرنے سے عار آنے لگتی ہے (یعنی کوئی بُرے سے بُرا بھی اُسکو نہین پوچھتا) شیطان آدمی کے پاس تو بہکانے کیلئے بھی چلا جاتا ہے مگر (اُس زمانہ زوال کمال مین) تمھارے پاس پھٹکے گا بھی نہین کیونکہ تم خود شیطان سے بدتر ہو جاؤ گے جب تک تم آدمی رہے شیطان تمھارے پیچھے دوڑا پھرتا تھا اور شراب غفلت چکھاتا تھا اور جب تم خود خوے شیطانی مین مستحکم ہو گئے تو شیطان نابکار بھی تم سے بھاگنے لگا غرض جو لوگ ہر وقت تمھارے پلے سے بندھے رہتے تھے جب تم اس حالت مین ہو گئے تو وہ بھی تم سے بھاگنے لگے (حاصل یہ کہ اس چند روزہ کمال کا یہ انجام ہوتا ہے

تفسیر مَا شَاءَ اللّٰهُ كَانَ وَمَا لَمْ يَشَأْ لَمْ يَكُنْ

این ہمہ گفتیم لیک اندر بسیچ	بے عنایات خدا ہیچیم ہیچ
بے عنایات حق و خاصان حق	گر ملک باشد سیاہستش ورق

یعنی گو ہمنے اور بہت سی وعظ و نصیحت کی ہے لیکن کسی کام کے پختہ ارادہ کرنے مین جب تک کہ حقتعالٰے کی عنایت نہ ہو ہم محض ہیچ ہین اور بدون خداے تعالٰے اور خاصان خدا کی عنایت کے اگر فرضا فرشتہ بھی ہو تو اُس کا ورق اعمال محض سیاہ ہوگا (اور یہی مضمون ہے عبارت سرخی کا جس کا ترجمہ یہ ہے کہ جو اللہ تعالٰے چاہتے ہین وہ ہوتا ہے اور جو نہین چاہتے نہین ہوتا)

اے خداے قادر بیچون و چند	از تو پیدا شد چنین قصر بلند
واقفی بر حال بیرون و درون	نے کم و نے بیش و نے چندی و چون
اے خداے فضل تو حاجت روا	با تو یاد ہیچکس نبود روا
این قدر ارشاد تو بخشیدہ	تا بدین بس عیبہا پوشیدہ
قطرۂ دانش کہ بخشیدی زپیش	متصل گردان بدریاہاے خویش

قطرهٔ علمست اندر جان من	وارهانش از هوا وز خاک تن
پیش از آن کین خاکها خسفش کند	پیش از آن کین بادها نشفش کند

(جب یہ ثابت ہوا کہ بدون عنایت الٰہی کے کچھ نہین ہوسکتا اسلیے مضطر ہوکر متوجہ بجناب باریتعالےٰ ہوتے ہین کہ) اے خداے قادر جو کیف وکم سے منزہ ہو آپ ہی کے ایجاد سے ایسا قصر یعنی آسمان پیدا ہوا ہے آپ ظاہر و باطن کے حالات سے خوب آگاہ ہین نہ آپ مین نقصان وزیادت ہے نہ کم وکیف ہے اور آپ ایسے ہین کہ آپکا فضل حاجت روا ہے اور آپ کے سامنے کسی کی یاد روا نہین ہے اور ہمقدر ہدایت (کہ آپسے دعا عرض کررہے ہین) یہ بھی آپ ہی نے دی ہے یہان تک کہ اسکی بدولت ہمارے بہت سے عیوب پوشیدہ کررکھے ہین (کیونکہ دعا سے خدا تعالےٰ کی رحمت ہوتی ہے اور رحمت سے ذنوب کی ستاری ہوتی ہے آگے جواب ندا ہے کہ) ایک قطرہ علم جو آپنے پہلے سے (یعنی مانگنے سے پہلے یا اسوقت سے پہلے) عطا فرما رکھا ہے اسکو اپنے علم کے ساتھ کہ مثل دریاؤن کے ہے متصل فرما دیجیے (یعنی میرے علم کو اپنے علم قدیم سے مناسبت دیدیجیے کہ جسطرح علم قدیم مطابق واقع کے ہے اسیطرح میرے علم مین حقائق شناسی مین غلطی واقع نہو جیسا آیا ہی) اَرِنَا الْاَشْیَاءَ کَمَا ھِیَ اور اسکو عمل بطاعت لازم ہے) میری روح مین ایک قطرۂ علم پڑا ہوا ہے اوسکو ہواے نفس ورخاک تن سے چھڑا لیجیے قبل اسکے کہ وہ خاکِ تن اسکو اپنے اندر خسف وجذب کرلے اور قبل اسکے کہ یہ ہواے نفس اسکو خشک کردے (مطلب یہ کہ میرا علم شہوات جسمانیہ وحظوظِ نفسانیہ کا مغلوب نہو جاوے جس کا ثمرہ بدعملی ہے اور یہی غرض تھی درخواست اتصال بدریاے علمِ حق سے کیونکہ بدعملی کا منشا ایک گونہ جہل بہ حقائق اشیاء ہوتا ہے۔

گرچه چون نشفش کند تو قادری	کش ازیشان واستانی واخری
قطرهٔ کو در هوا شد یا که ریخت	از خزینهٔ قدرت تو کی گریخت
گر در آید در عدم یا صد عدم	چون بخوانیش او کند از سر قدم
صد هزاران ضد ضد را می کشد	باز شان حکم تو بیرون می کشد
از عدمها سوی هستی هر زمان	هست یارب کاروان در کاروان
خاصه هر شب جمله افکار و عقول	نیست گردد غرق در بحر نغول
باز وقت صبح چون اللهیان	بر زنند از بحر سر چون ماهیان
در خزان بین صد هزاران شاخ و برگ	از هزیمت رفته در دریای مرگ
زاغ پوشیده سیه چون نوحه گر	در گلستان نوحه کرده بر خضر
باز فرمان آید از سالار ده	مر عدم را کانچه خوردی باز ده
آنچه خوردی وا ده ای مرگ سیاه	از نبات و دارو و از برگ و گیاه

یعنی اگرچہ یہ بات ہے کہ بعد اسکے کہ ہوا یا خاک اوس قطرہ کو خشک کردے اوسوقت بھی آپ کو یہ قدرت ہے کہ

اون سے واپس لے لیں اون سے چھڑا لیں کیونکہ جو قطرہ کہ ہوا میں چلا گیا ہو یا خاک پر گر گیا ہو وہ آپ کے خزانہ قدرت سے تو کہیں نہیں نکل سکتا اگر وہ ایک عدم میں تو کیا بلکہ سو عدم میں چلا جائے مگر جب آپ اسکو طلب فرماویں وہ فوراً سر کو قدم بنا کر حاضر ہو جاوے دیکھو لاکھوں اضداد اپنے اضداد کو معدوم کر دیتی ہیں (مثلاً بہار خزاں کو اور خزاں بہار کو۔ اور خوشی غم کو اور غم خوشی کو وعلیٰ ہذا) مگر پھر آپ کا حکم اوسکو عدم سے باہر لے آتا ہے (اوسکو عدم سے باہر لانا عام ہے کئی صورتوں کو اول خود اوسکو عدم محض سے لانا۔ ثانی خود اوسکو عدم اضافی سے لانا جیسے پانی ہوا ہو جاوے پھر وہی ہوا پانی بن جاوے تو کون فساد میں فاسد صرف باعتبار صورت خاصہ کے منعدم ہو جاتا ہے مادہ باقی رہتا ہے یا بعد بیداری کے حواس کو عطا فرمانا کہ عدم محض نہوا تھا۔ ثالث اُسکے مثل کو عدم محض سے لانا۔ رابع اوس کے مثل کو عدم اضافی سے لانا جیسے برگ کو بعد خزاں کے پیدا کرنا گو دوسرا پہلے کے مثل ہے وجہ عموم یہ ہے کہ عدم دونوں قسموں پر اطلاق کیا جاتا ہے اسیطرح مثل شئے کو بھی احکام عرفیہ میں حکم شئے میں قرار دیا جاتا ہے اب کسی شعر میں کوئی اشکال لازم نہیں آتا) عدم سے وجود کیطرف ہر وقت بیشمار قافلے چلے آ رہے ہیں خاص کر ہر شب میں کہ تمام افکار و عقول ایک دریائے عمیق (یعنی خواب) میں جا کر معدوم ہو جاتے ہیں اور پھر صبح کیوقت اللہ والوں کی طرح (یعنی جس طرح اللہ والے بلا چون و چرا اطاعت کیا کرتے ہیں) اوس دریائے خواب سے مچھلیوں کی طرح سر نکال نکال باہر آ جاتے ہیں (یعنی خواب سے بیداری میں بحالتِ سابقہ ہو جاتے ہیں) اور دیکھو موسم خزاں میں لاکھوں شاخ و برگ (خزاں سے) شکست کھا کر دریائے عدم میں جا گرے تھے (اور حالت یہ ہو گئی تھی کہ) زاغ نوحہ گر دن کی طرح سیاہ پوش ہو گیا تھا اور باغ میں سبز درختوں کے خشک ہو جانے پر نوحہ کرتا پھرتا تھا (یہ مضمون شاعرانہ ہے) جب خزاں گذر گئی تو پھر مالک الملک کی طرف سے عدم کو حکم پہونچا کہ تونے جو کچھ نگلا ہے واپس دے اور اے مرگ سیاہ تونے جو کچھ نباتات اور گلاب کے پھول اور برگ و گیاہ کو کھایا ہے وہ سب واپس کر دے چنانچہ پھر سب برگ و شاخ درختوں پر نمودار ہو جاتے ہیں

اے برادر عقل یک دم باخود آر / دمبدم در تو خزان ست و بہار
اے برادر یک دم از خود دور شو / باخود آ و غرق بحر نور شو
باغ دل را سبز و تر و تازہ بین / پُر ز غنچہ و ورد و سرو و یاسمین
زانبہی برگ پنہان گشتہ شاخ / زانبہی گل نہان صحرا و کاخ

(اوپر اللہ تعالیٰ کی قدرت پر آفاقی خزاں و بہار سے استدلال کیا ہے اب بمناسبت مقابلہ انفسی خزاں و بہار کا بیان فرماتے ہیں کہ وہ بھی قدرت الٰہیہ پر دلالت کرتی ہے) یعنی اے بھائی تھوڑی دیر کے لیے ذرا عقل کو درست کر کے دیکھو خود تمھارے اندر دمبدم خزاں و بہار موجود ہیں (خزاں سے مُراد تعلقات کونیہ و اوصاف نفسانیہ ہیں اور بہار سے مراد معارف وجدانیہ و جذبات ربانیہ ہیں کہ انسان میں کم و بیش علیٰ سبیل التعاقب ذکا ورود ہوتا رہتا ہی یہاں اُنکے دیکھنے کو مولانا نے زیادہ اسلیے فرمایا ہی کہ اوس گلستان باطن کی سیر کرے اور اُسکے ثمرات سے کہ قرب و وصول الی اللہ ہی مالامال ہو چنانچہ

اگلے شعر مین اسکی تصریح ہی) ای بھائی تھوڑی دیر کیلیے خودی و انانیت سے (یعنی صفاتِ ذلیلۂ نفسانیہ غفلت و ہوا پرستی سے) دور ہو جاؤ اور آپ مین آؤ (یعنی اپنی معرفت حاصل کرو) اور بحر نور مین غرق ہو جاؤ (یعنی حقتعالیٰ کی معرفت مین مستغرق ہو جاؤ گے چنانچہ مشہور ہے من عرف نفسہ فقد عرف ربہ) باغ قلب کو دیکھو کیسا سبز و تر و تازہ ہی اور تمام غنچہ اور پھول درسرو دیا سمین سے پُر ہے (مراد اس سے واردات حالات قلبیہ ہین) اُسمین برگ اسقدر کثرت سے ہین کہ شاخ نظر نہین آتی اور پھول اس درجہ کثرت سے ہین کہ تمام صحرا و کاخ اُس سے چھپ رہا ہے اُن معارف و جذبات نے قلب کو گھیر رکھا ہے

این سخنہاے کہ از عقل کل ست	بوے آن گلزار سرو و سنبل ست
بوے گل دیدے کہ آنجا گل نبود	جوش مُل دیدے کہ آنجا مُل نبود
بو قلاوُز ست و رہبر مر ترا	مے برد تا خُلد و کوثر مر ترا
بو دواے چشم باشد نور ساز	شد ز بوے دیدۂ یعقوب باز
بوے بد مر دیدہ را تاری کند	بوے یوسف دیدہ را یاری کند

(اوپر کے اشعار مین باغ باطن کا کہ عبارت ہے معارف و احوال باطنہ سے اثبات کیا تھا چونکہ بہت سے محجوبین معاملات باطنیہ کے منکر بھی ہین اسلیے دلیل سے اُسکا اثبات کرتے ہین کہ) یہ مضامین (حقائق و دقائق) جو کہ عقل کل کیجانب سے (مجھکو الہام ہوتے ہین) یہ اُس گلزار سرو و سنبل (یعنی باغ باطنی) کی خوشبو (یعنی اثر) ہی (عقل کل مجازاً حقتعالیٰ کو کہدیا بوجہ احاطۂ علمیہ کے مطلب یہ کہ یہ مضامین عجیبہ غریبہ حکما و فلاسفہ و علماے ظاہر عاجز ہین یہ اُن ہی واردات قلبیہ کی بدولت اور اُن ہی کا اثر ہی اور اثر دلیل ہوتا ہی وجود مؤثر پر پھر انکار کی کوئی گنجائش نہین چنانچہ اسی تقریر کیطرف آگے خود ارشاد فرماتے ہین کہ) بھلا کہین گل کی خوشبو ایسی جگہ بھی دیکھی ہے جہان گل نہو اور شراب کا جوش بھی کہین دیکھا ہی جہان شراب نہو (یعنی ایسا نہین ہو سکتا) پس یہ خوشبو ایسی چیز ہی کہ تمھارے لیے قلاوز (یعنی رہبر) ہو کر تمکو خلد و کوثر تک لیجا سکتی ہے (ظاہر ہے کہ خوشبو سے مراد کاملین کا کلام ہے جیسا اوپر تصریح ہی سے این سخنہا الخ مین پس ترغیب دیتے ہین کلام کاملین سے مستفید ہونیکی کہ اوس کے قبول کرنیسے اور عمل کرنے سے تم بھی صاحبِ دولتِ جاودانی و عارفِ کامل ہو سکتے ہو) اور خوشبو وہ چیز ہے کہ آنکھ کیلیے دواے نور بخش ہے جس طرح ایک خوشبو سے (کہ وہ خوشبوے قمیص حضرت یوسف علیہ السلام تھی) حضرت یعقوب علیہ السلام کی آنکھ کھل گئی (اسیطرح کاملین کا کلام نور بصیرت و معرفت بخشتا ہی) اور بوے بد سے آنکھ مین تاریکی ہوتی ہی (یعنی اہل باطل و اہل ہوا و شیخانِ ناقص کے کلام سے ضلالت بڑھتی ہے) اور بوے یوسف آنکھ کو قوت دیتی ہی (یعنی کلام کاملین سے معرفت بڑھتی ہی جیسا اوپر بھی گذر چکا

تو کہ یوسف نیستی یعقوب باش	ہمچو او با گریہ و آشوب باش
چون تو شیرین نیستی فرہاد باش	چون نہ لیلی تو مجنون گرد فاش
بشنو این پند از حکیم غزنوے	تا بیابے در تن کہنہ نوے
این رباعی از شنو انجان و دل	تا بگل بیرون شوے از آب و گل
پند او را از دل و جان گوش کن	ہوش را جان ساز و جان ہم ہوش کن

آن حکیم غزنوی شیخ کبیر	گفته است این پند نیکو یاد گیر

اوپر کلام کاملین کی منفعت اور کلام ناقصین کی مضرت بیان کی تھی اب اسپر تفریع کرتے ہین کہ جب کاملین ایسے ہین تمکو چاہیے کہ انکی متابعت کرو اور باوجود ناقص ہونے کے دعوی کمال کا اور خود پسندی مت کرو چنانچہ فرماتے ہین کہ جب تم یوسف (یعنی مطلوب نہین ہو تو یعقوب (یعنی طالب ہی رہو اور انکی طرح گریہ و آشوب مین (یعنی درد و طلب مین) رہو دوسری مثال ہی کہ جب تم شیرین نہین ہو تو فرہاد ہی رہو (تیسری مثال ہی) جب تم لیلی نہین ہو تو مجنون ہی بنکر رہے مارے پھرو (طلب دونون مثالون کا مثل اول کے ہی) اور اس باب مین حکیم غزنوی رحمہ اللہ تعالی کی یہ نصیحت سنو جو اگلی سرخی مین آتی ہی تاکہ تم تن کہنہ مین (یعنی جان نے معرفت مین کہ مثل تن کہنہ کے ہے تازگی (یعنی معرفت) پاؤ اس آیندہ رباعی کو جان و دل سے سنو تاکہ بالکلیت آب و گل (یعنی تعلقات نفسانیہ) سے خلاصی حاصل ہو جاوے (رباعی اصطلاحا نہین محض چار مصرعہ کو باعتبار معنی لغوی کے کہدیا) انکی نصیحت کو دل و جان سے سنو اور ہوش کو جان بناؤ اور جان کو ہوش بناؤ (یہ کنایہ ہے جان کو کمال ہوشیار کرنیسے گویا جان اور ہوش ایک ہی ہو جاوین) غرض اون حکیم غزنوی شیخ کامل نے یہ نصیحت فرمائی ہے اچھی طرح یاد رکھو۔

پند حکیم غزنوی قدس سرہ رباعی

ناز را روئے بباید ہمچو ورد	چون نداری گرد بد خوئی مگرد
زشت باشد روے نازیبا و ناز	عیب باشد چشم نابینا و باز

پیش یوسف نازش و خوبی مکن	جز نیاز و آہِ یعقوبی مکن
معنئ مُردن ز طوطی بُد نیاز	در نیاز و فقر خود را مردہ ساز
تا دم عیسیٰ ترا زندہ کند	ہمچو خویشت خوب و فرخندہ کند
در بہاران کے شود سرسبز سنگ	خاک شو تا گل بروید رنگ رنگ
سالہا تو سنگ بودی دل خراش	آزمون را یک زمانے خاک باش
در بیان این شنو یک داستان	تا بدانی اعتقاد راستان

یعنے یوسف کے روبرو (مراد یوسف سے کامل ہے) ناز و خوبی (یعنی دعوی و اظہار کمال) مت کرو بجز آہ و نیاز یعقوبی کے اور کچھ مت کرو اور قصہ مذکورہ مین) طوطی کا مرنا اس سے مقصود یہی نیاز ہے پس نیاز و فقر مین اپنے کو مُردہ (یعنے خالی از صفات ذمیمہ) بناؤ تاکہ دم عیسی (شیخ کامل) تجھکو زندہ (یعنی متخلق باخلاق الٰہی) کردے اور اپنی طرح تجھکو بھی مبارک و خندہ (یعنے کردے) دیکھو بہار مین پتھر کب سرسبز ہوتا ہی) تو اگر تم بھی سخت و متکبر بنے رہو گے اور کسی کی متابعت نہ کروگے تو فیضان کاملین سے محروم رہو گے پس پتھر مت بنو بلکہ) خاک ہو جاؤ تاکہ رنگ برنگ کے پھول پیدا ہون (یعنی تذلل و متابعت اختیار کرو تاکہ انواع فیوض و برکات میسر ہون) سنگ دل خراش تو مدت سے بنے رہے ہو بھلا آزمائش ہی کی نظر سے تھوڑے دنون خاک بنکر تو دیکھو (دل خراش سے مراد ظالم جس کا ضرر دوسرون کو بھی پہونچے) تم اس عجز و نیاز کے بیان مین ایک داستان سنو تاکہ تم کو صادق الاعتقاد لوگون کے اعتقاد کا حال معلوم ہو (کہ وہ پیر چنگی کی داستان آگے آتی ہے باوجود دعائی

ہونیکے محض اپنے افعال پر ندامت اور گریہ وزاری کی بدولت اللہ تعالیٰ کا مقبول ہوگیا

عارف باللہ حضرت مولانا **جلال الدین رومی** رحمۃ اللہ علیہ کی نادر روزگار،

اور معرکہ آرا کتاب "**مثنوی معنوی**" کی جامع اور لاجواب شرح

کلیدِ مثنوی

حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا **محمد اشرف علی تھانوی** نور اللہ مرقدہ

2

یہ وہ مقبول خاص و عام کتاب ہے کہ خواندہ ناخواندہ سب ہی اس سے دلچسپی لیتے ہیں مگر مضامین عالیہ ہونے کی وجہ سے مطالب سمجھنے میں بڑی دقت پیش آتی ہے اور بعض اوقات نوبت الحاد و زندقہ تک پہنچ جاتی ہے، حضرت حکیم الامت نے اشعارِ مثنوی کو واضح کر کے اور مسائل تصوف کو عام فہم بنا کر نہایت خوبی سے سمجھا دیا ہے حقیقت یہ ہے کہ اس سے معتبر اور شریعت و طریقت کا پاس و ادب رکھ کر مضامین کو حل کرنے والی کوئی اور شرح نہیں لکھی گئی

ادارہ تالیفاتِ اشرفیہ

بیرون بوہڑ گیٹ
ملتان

عارف باللہ حضرت مولانا جلال الدین رُومی رحمۃ اللہ علیہ کی نادر روزگار
اور معرکہ آراء کتاب مثنوی معنوی کی جامع اور لاجواب اُردو شرح

کلیدِ مثنوی

از:

حکیم الامۃ مجدد الملۃ حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہ

جلد ۲

یہ وہ مقبول خاص و عام کتاب ہے کہ خواندہ، ناخواندہ سب ہی اس سے دلچسپی لیتے ہیں۔ مگر مضامین عالیہ ہونے کی وجہ سے مطالب سمجھنے میں بڑی دقت پیش آتی ہے اور بعض اوقات نوبت الحاد و زندقہ تک پہنچ جاتی ہے۔ حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ نے اشعارِ مثنوی کو واضح کر کے اور مسائل تصوف کو عام فہم بنا کر نہایت خوبی سے سمجھا دیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس سے معتبر اور شریعت و طریقت کا پاس ادب رکھ کر مضامین کو حل کرنیوالی اور کوئی شرح نہیں لکھی گئی

ادارہ تالیفاتِ اشرفیہ
بیرون بوہڑ گیٹ • مُلتان

ما شاء الله لا قوة الا بالله

چون در کریمه حمد قوله تعالی ویعلمهم الکتاب بر فضل علم نظم و معنی و قوله ویزکیهم بر شرف علم کلام و عقائد و
علم سلوک و قوله والحکمة بر فضیلت علم اسرار و علم اصول و ال باوضح بیان ست و ازان خرد و فن تصوف
که مشتمل بر سلوک و اسرار است از علم دین نیک عیان ست و باتفاق اهل مذاق مثنوی از کتب این
فن خاص شان ست لاکن از اخلاقش محتاج تبیان است و بنا بر علیه این شرح اردو که معنونش را

کلید مثنوی

عنوانست این حصه دوم جلد اول ازانست و نامی نقش مولانا اشرف علی حنفی مشهور عالمیان نسبت ـ که ذات
سامیش رهنمای گمرهان و مقتدای رهبانیانست و در اصل متن ابیات حل کرده که بغایت امکانست و مسائل الوهیت
تقریر نموده که هم موافق تحقیق اهل ایقان هم مطابق حدیث و قرآنست و اشکالات اغلاط اطرزی و ساخته
که صورت اطمینان امانست و جا بجا ملفوظات سید الحاج محمد امداد الله ره را که مطرب آن نشاط ذات
هم در بساط ویش سپرده و بایمای جناب حاجی محمد سعید صاحب تاجر کتب کلکته خلاصی اولا نمبره باهتمام محمد شفیع عفوا

مطبع مجتبائی واقع دہلی کا مطبوعہ

کلید مثنوی کی جلد اول کا دوسرا حصہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

داستان پیر چنگی کہ از بہر خداے تعالیٰ روز بینوائی چنگ زد در گورستان در عہد امیر المومنین عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(ربط اس کا ماقبل سے ابھی اوپر بیان ہو چکا ہے اور اس قصہ کے ماخذ کی تحقیق نہین)

آن شنیدستی کہ در وقت عمرؓ ۔۔۔ بود چنگی مطربے با کر و فر

بلبل از آواز او بیخود شدے ۔۔۔ یک طرب ز آواز خوبش صد شدے

مجلس و مجمع دمش آراستے ۔۔۔ وز نواے او قیامت خاستے

ہمچو اسرافیلؑ کآوازش بفن ۔۔۔ مردگان را جان در آرد در بدن

یا رسائل بود اسرافیلؑ را ۔۔۔ کز سماعش پر برستے فیل را

سازد اسرافیلؑ روزے نالہ را ۔۔۔ جان دہد پوسیدۂ صد سالہ را

(چنگی صفت مقدم مطرب۔ رسائل جمع رسیلہ بتاے مبالغہ بمعنے رسیل آنکہ در تیرا نداختن و خواندن شریک باشد مراد ہمزبان و ہم آواز) یعنی تم نے یہ قصہ بھی سنا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ مین ایک مطرب چنگ بجانیوالا بڑے کر و فر کا تھا جسکی آواز سے بلبل (جو خوش الحانی مین مشہور ہے) بیخود ہو جاتی اور

سامعین کو پہلے سے) ایک طرب (ہوتا تو) اسکی آواز خوب کے (وہ) سو حصہ بڑھ جاتا تھا مجلس اور مجمع کو اسکی آواز بارونق کر دیتی تھی اور اُسکی آواز سے (گویا) قیامت قائم ہو جاتی تھی جیسے اسرافیل علیہ السلام جنکی آواز اپنی تاثیر سے مردون کے بدن مین جان ڈال دیگی یا یون کہو کہ وہ اسرافیل علیہ السلام کا ہم آہنگ تھا کہ اسکے گانے سے (گویا) فیل کے پرچم آتے تھے (یہ سب شاعرانہ مبالغات ہین) اسرافیل علیہ السلام ایک دن ایسا نالہ کرینگے کہ سیکڑون سال کے بوسیدہ مردون کے جان ڈال دینگے (چونکہ اوپر اسرافیل علیہ السلام سے تشبیہ دی تھی اس لیے مشبہ بہ کا حال بیان کر دیا۔

اولیا را در درون هم نغمه هاست	طالبان را زان حیات بی بهاست
نشنود آن نغمه ها را گوش حس	کز ستمها گوش حس باشد نجس
نشنود نغمهٔ پری را آدمی	کو بود ز اسرار پریان اعجمی
گرچه هم نغمهٔ پری زین عالم ست	نغمهٔ دل برتر از هر دو دم ست
که پری و آدمی زندانی اند	هر دو در زندان این نادانی اند
سورهٔ رحمن بخوان ای مبتدی	تا شوی بر سر پریان مهتدی
معشر الجن سورة الرحمن بخوان	تستطیعوا تنفذوا را باز دان

(آئین انتقال ہے نغمۂ ظاہری کے ذکر سے نغمۂ باطن کے ذکر کی طرف) یعنی اولیاء اللہ کے نغمات باطن مین ہوتے ہین جنسے طالبان (حق) کو حیات بے بہا حاصل ہوتی ہے مراد ان نغمات سے تاثیرات صحبت و ارشادات ہین اور انکا ذریعۂ حیات ابدیہ ہونا ظاہر ہے ان نغمات کو یہ حسی کان (جن سے اصوات ظاہری کا احساس ہوتا ہے) نہین سن سکتے کیونکہ (فضول) باتون سے گوش حس نجس ہو جاتا ہے تاثیرات مین مسموع ہونے کی قابلیت ہی نہین اس لیے یہ حکم باعتبار کلمات ارشاد کے ہے ورنہ سننے سے مراد یہ ہے کہ اہل فسادات کے قلوب مین اثر نہین کرتے سب فضولیات مین مشغول اور اُن سے آلودہ ہونے کا اس اثر سے مانع ہونا ظاہر ہے اور اگر یہ گوش حس ان نغمات کا ادراک نہ کرین تو مستبعد نہین کیونکہ) دیکھو جنات کی باتین آدمی نہین سنتا کیونکہ وہ ان کے مخفی حالات سے محض اجنبی ہے باوجودیکہ ان کی باتین اسی عالم کی جنس سے ہین اور نغمۂ باطن تو دونون قسم کی باتون سے اعلی وارفع ہے (کلام انس سے بھی کلام جن سے بھی اور نغمۂ جن کے مجانس ہونے کی دلیل یہ ہے) کہ جن اور انسان دونون (عالم ناسوت مین مقید ہین اور دونون اپنی جہل و غفلت کے زندان مین (محبوس) ہین (جو کہ آثار ناسوت سے ہین) سورہ رحمن پڑھکر دیکھو تاکہ تمکو کچھ مخفی حالات جنات کے معلوم ہون اور سورہ رحمن مین بھی یہ آیت پڑھو یامعشر الجن والانس ان استطعتم ان تنفذوا من اقطار السموات والارض فانفذوا (اسکا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالی بطور تعجیز کے جن و انس کو خطاب کرکے فرماتے ہین کہ اے جن و انس اگر تمکو اس قدر قدرت ہے کہ اطراف سموات و

ارض سے باہر نکل جاؤ تو بھلا نکل تو جاؤ غرض یہ ہو کہ ہماری قدرت و عذاب سے بچکر نکل جانا محال ہو مقصود مولانا کا اس آیت کے یاد دلانے سے یہ ہو کہ یہ آیت دلالت کرتی ہو جن و انس کے مقید فی الاقطار ہونے پر پس زندانی ہونا ثابت ہو گیا حاصل مقام کا یہ ہو کہ جنات کی معمولی باتین جب سمجھ مین نہین آتین باوجودیکہ ان سے قرب مناسبت بھی ہو تو انبیاء اولیاء کے نغمات باطنی کا ادراک نہونا کیا بعید ہو۔

نغمہاے اندرون اولیا — اولاً گوید کہ اے اجزاے لا
ہین ز لاے نفی سرہا بر زنید — این خیال و وہم سر بیرون کنید
کار ایشان ست زان سوی پری — گر ددیت روشن چو گرد رہ پری
اے ہمہ پوسیدہ در کون و فساد — جان باقی تان نہ روئید و نہ زاد
گر بگویم شمۂ زان نغمہ ہا — جانہا سر بر زند از دخمہا
گوش را نزدیک کن کان دور نیست — لیک نقل آن بتو دستور نیست

(لا کلمۂ نفی مراد بدان ہستی ظاہری کہ در حقیقت نیستی ست و اجزاے لا مقیدان و تابعان این ہستی تشبیہاً اجزاء گفتہ کہ اجزاء تابع کل باشند اور پر غبات تھا ان نغمون کا اب ان نغمات کا مضمون اجمالاً بیان کرتے ہین کہ) اولیاء کے نغمات باطنی اول تو (اہل غفلت کو خطاب کر کے) یون کہتے ہین کہ اے گرفتاران (تعلقات ذمیمہ) ہستی موہوم اس ہستی سے اپنے کو نکالو اور یہ خیالات و اوہام مخفیہ (کہ التفات الی غیر اللہ ہی) دماغ سے باہر کرو۔ ان اولیاء کا کار وبار (یعنی نغمہ و فیض) جنات کے بھی اس طرف ہو (جیسا اوپر بیان آچکا ہے ؎ گرچہ ہم نغمہ پری زین عالم ست الخ مگر وہ اسوقت ظاہر و مفہوم ہو جب راہ طریقت کے گرد دوڑے پھرو (یعنی طالب ہو) اور نیز ان نغمات کا یہ مضمون ہو کہ اے سب لوگو جو اس عالم کون و فساد (کے تعلقات) مین گرفتار ہو تمھاری حیات باقیہ (کہ تعلق مع الحق سے حاصل ہوتی ہی) ابھی پیدا بھی نہین ہوئی (کیونکہ ان تعلقات فانیہ سے ہنوز نجات نہین ہوئی) اگر مین ان نغمون کی حقیقت کچھ بھی بیان کر دون تو قبرستان سے مردے نکل پڑین (اور جسقدر اوپر بیان کیا ہو وہ محض تعبیر لفظی ہو اور حقیقت اسکی امر حالی و وجدانی ہو کہ حصول سے منکشف ہوتی ہو اور اسکا کہنا یہی ہے کہ کسی پر وہ حالت قوت تصرف سے طاری کر دی جاوے اور ظاہر ہے کہ اسکا طاری ہونا بلاشبہ مردہ دلون کو زندہ کر دے اہل قبور سے یہی مراد ہین) ذرا گوش (باطن) کو نزدیک کر لو (تو وہ نغمات مفہوم ہونے لگین کیونکہ) وہ کچھ ادراک سے) بہت بعید نہین لیکن اسکو تم سے کہنے کی اجازت نہین (کیونکہ وہ حالی ہو بیان سے سمجھ مین نہین آتا البتہ صفاے قلب سے ادراک ہوتا ہی گوش باطن سے یہی مراد ہی۔

ہان کہ اسرافیل وقت اند اولیا — مردہ را زیشان حیات ست و نما
جانہاے مردہ اندر گور تن — بر جہد ز آوازشان اندر کفن

گوید این آواز آواہا جداست	زندہ کردن کار آواز خداست
چون ز صورت اولیا آگہ شوند	از طرب گویند چون بارہ شوند
ما بمردیم و بکلی کاستیم	بانگ حق آمد ہمہ برخاستیم

(آوا مخفف آواز) یعنی اولیاء اللہ اس وقت ہوتے ہین کہ مردہ (دل) کو ان سے حیات و نشو و نمائے (باطنی) ہوتا ہی اروح مردہ (جو گورتن مین غافل پڑی ہین) ان کی آواز (یعنی فیض و تعلیم) سے کفن (غفلت) مین حرکت کرنے لگتی ہین اور (خوش ہو کر) یون کہنے لگتی ہین کہ یہ آواز اور آوازون سے (تاثیر مین) جدا ہے (اور اصل یہ ہی کہ) زندہ کرنا آواز خدا کا اثر ہے (پس ان کی آواز ایک اعتبار سے خدا کی آواز ہے وہ اعتبار یہ ہی کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے وہ فیض و تعلیم ہو اسکی طرف موصل ہو اسکے نزدیک مقبول ہے پس گویا خدا کی آواز ہی جیسے من روحی مین نسبت روح کی حق جل شانہ کی طرف ہی) جب ارواح مردہ اولیاء کے نغمات سے واقف ہوتی ہین (یعنے ان کی تاثیرات سے منصبغ ہوتی ہین) تو طرب مین آکر جب راہ (وصول) پر پڑجاتی ہین تو یون کہنے لگتی ہین کہ ہم تو (تعلقات ماسوی اللہ سے) بالکل مردہ ہو چلے تھے اور بالکل گھاٹے مین آگئے تھے بانگ حق (... ت اولیاء) آئی جب ہم سب جی اٹھے (یعنے انکی برکت سے حیات باقیہ میسر ہوئی)۔

بانگ حق اندر حجاب و بے حجیب	آن دہد کو داد مریم را ز جیب
اے فناتان نیست کردہ زیر پوست	باز گردید از عدم ز آواز دوست
مطلق آن آواز خود از شہ بود	گرچہ از حلقوم عبداللہ بود
گفت او را من زبان و چشم تو	من حواس و من رضا و خشم تو
رو کہ بی یسمع و بی یبصر شدی	سر توئی چہ جائے صاحب سر توئی

(اوپر نغمات اولیاء کی تاثیر اور اسکا بالتاویل بانگ حق ہونا بیان کیا ہو اس تاثیر اور اس تاویل کو مکرر فرماتے ہین کہ) کلام حق خواہ (انبیاء و اولیاء کے) حجاب و واسطہ سے ہو خواہ بلا واسطہ ہو (جیسے خود انبیاء و ملائکہ سے مثلاً) وہ چیز دیتا ہو جو حضرت مریم علیہا السلام کو جیب قمیص سے دی تھی (یعنی حیات بخشتا ہو اور یون کہتا ہو کہ) اے لوگو جنکو فنا (یعنی تعلقات فانیہ) نے پوست مین (یعنی ظاہر پرستی مین) مبتلا کر رکھا ہی تم اس دار فنا سے اپنے محبوب حقیقی کی طرف رجوع کر دیہ کلام علی الاطلاق شہنشاہ حقیقی کی طرف سے ہوتا ہی گو کسی بندۂ مقبول کے حلق سے ہو (یعنی اگر وہ اس بندہ کا بھی کلام ہو تب بھی باعتبار تاویل مذکور کلام حق ہی ہو آگے اس کی تائید ہی کہ) اللہ تعالیٰ نے اس بندہ سے فرمایا ہے کہ مین تیری زبان و چشم ہون اور مین تیرے حواس و رضا و خشم ہون۔ جا (جبکہ یہ) تو بے یسمع و بے یبصر ہو گیا اور تو (میرا) خاص بن گیا بلکہ خاص تو کیا خود صاحب خاص (یعنی من) ہی بنگیا (ایک حدیث مین ایسے الفاظ آئے ہین مراد تشبیہ و استعارہ ہے حاصل اسکا کمال

اطاعت و رضا ہی۔

بیان حدیث من کان للّٰہ کان اللّٰہ لہ

چون شدی من کان للّٰہ از ولہ
من ترا باشم کہ کان اللّٰہ لہ

گہ تویی گویم ترا گاہے منم
ہر چہ گویم آفتاب روشنم

ہر کجا تابم ز مشکات دمے
حل شد آنجا مشکلات عالمے

ظلمتے را کآفتابش بر نداشت
از دم ما گردد آن ظلمت چو چاشت

ہر کجا تاریکی آمد ناسزا
از فروغ ما شود شمس الضحیٰ

(ولہ محبت و عشق۔ ناسزا صفت تاریکی۔ یہ تتمہ ہی ماسبق کا اور مقولہ ہی حق کا کہ حق تعالی اس بندۂ خاص سے یون فرماتے ہین کہ) جب تو محبت الٰہی سے من کان للّٰہ کا مصداق بن گیا (یعنی تو اللّٰہ کا ہوگیا) تو مین تیرا ہوجاؤن گا کیونکہ کان اللّٰہ لہ ایسے شخص کے واسطے وعدہ ہی (یعنی اللّٰہ تعالی ایسے شخص کے ہوجاتے ہین کبھی تجکو تو ئی کہدیتا ہون کبھی منم کہدیتا ہون اوران دونون لفظون مین سے جو کبھی کہدون مین ہی آفتاب روشن مراد ہوتا ہون (مطلب یہ کہ مجکو تجھ سے ایسا قوی تعلق ہوجاتا ہی کہ میرا فیض تیرے ہی واسطہ سے پہونچتا ہی خواہ اسکو میرا فیض کہدیا جاوے خواہ تیرا فیض کہدیا جاوے دونون اطلاق صحیح ہین ایک باعتبار حقیقت کے ایک باعتبار مجاز کے اوراسی اعتبار سے حدیث مین اس قسم کے الفاظ کا استعمال وارد ہوا ہے مرضت فلم تعدنی و استطعمتک فلم تطعمنی اوراسی بناء پر فرمایا ہی وما رمیت اذ رمیت ولکن اللّٰہ رمی) اور ارشاد حق ہوتا ہی کہ اے عارف) مین جہان کہین تیرے طاقچہ (وجود) سے ایک دم کے لیے چمک اٹھتا ہون وہان ایک عالم بھر کی مشکلین حل ہوجاتی ہین (مشکوٰۃ اور تابم کا لفظ بمناسبت آفتاب کے لائے ہین مراد یہ کہ میرا فیض جو بواسطۂ عارف پہونچتا ہی اس سے طریقت کی دشواریان دفع ہوجاتی ہین) جس ظلمت کو آفتاب ظاہری دفع نہین کرسکتا (مراد اس سے ظلمت جہل و غفلت و الحاد و زندقہ کی ہی) وہ ہمارے کلام کی برکت سے چاشت کی طرح نورانی ہوجاتی ہی اور جہان ناگوار تاریکی ہوتی ہی وہ ہمارے نور سے آفتاب چاشت بن جاتی ہی (یہ شعر سابق کا ہم مضمون ہی اور کلام و الہام حق سے ان ظلمات باطنہ کا رفع ہوجانا ظاہر ہے۔

آدمی را او بخویش اسما نمود
دیگران را ز آدم اسماے کشود

خواہ ز آدم گیر نورش خواہ ازو
خواہ از خم گیر می خواہ از سبو

کین سبو با خم بہ پیوست ست سخت
نے چو تو شاد آن سبوے نیکبخت

آب خواہ از جو بجو خواہ از سبو
کاین سبو را ہم مدد باشد ز جو

نور خواہ از مہ بجو خواہی ز خور
نور مہ ہم ز آفتاب ست اے پسر

مقتبس شو زود چون یابی نجوم	گفت پیغمبر کہ اصحابی نجوم
گفت طوبیٰ من رآنی مصطفیٰ	والذی یبصر لمن وجهی رای

(یعنی آدمی زائد مراد آدم شاد دعاست لفظ یا د بعد ان ان مقدر اوپر ثابت کیا تھا کہ فیض اولیاء کا فیض حق ہے اور اولیاء محض واسطہ ہیں یہان اسی مضمون کی تاکید ہے کہ) حضرت آدم علیہ السلام کو حق تعالیٰ نے خود (یعنی بلا واسطہ) اسماء کی تعلیم فرمائی اور دوسرون کو بواسطہ حضرت آدم کے اسماء منکشف ہوئے (پس وہ بھی فیض حق ہی بواسطہ آدم علیہ السلام کے) خواہ نور حق (یعنی علوم و معارف) کو حضرت آدم علیہ السلام سے حاصل کرو خواہ خود حق تعالیٰ سے لو (سب نور حق ہی ہے اسکی مثال ایسی ہے کہ) شراب خواہ خم مین سے لے لو خواہ سبو مین سے (کہ اسمین بھی خم ہی سے آئی ہے دونون حالتون مین وہ شراب خم ہی کا ہے) کیونکہ اس کدو کو (جسکو اوپر سبو کہدیا ہے) خم سے سخت اتصال (و تعلق) ہے (اسی طرح اولیاء اللہ کو حق تعالیٰ کے ساتھ ایک ارتباط خاص ہے) نہ کہ تیری طرح (کہ حق تعالیٰ سے دور و مہجور ہے) ہمیشہ وہ کدو شاد و آباد ہے (آگے دوسری مثال ہے کہ) آب معرفت خواہ نہر سے (یعنی حق تعالیٰ سے) ڈھونڈھو اور خواہ سبو سے (یعنی اولیاء اللہ سے) کیونکہ اس سبو کو بھی اس نہر سے ہی امداد پہونچتی ہے (اسکا یہ مطلب نہین کہ اولیاء اللہ کی حاجت نہین ہے عوام بلا واسطہ فیض لے سکتے ہین بلکہ مقصود اس شبہہ کا دفع کرتا ہے کہ فیض اولیاء اللہ غیر فیض حق ہے آگے تیسری مثال ہے کہ) نور خواہ چاند سے لے لو خواہ آفتاب سے کیونکہ نور ماہ بھی آفتاب ہی سے آتا ہے پس جب تمکو نجوم میسر ہون فوراً (نور آفتاب کا) ان سے استفادہ کرو (چنانچہ دو حدیثون سے اسکی تائید ہوتی ہے حدیث اول) جناب پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اصحابی کالنجوم یعنی میرے سب صحابہ رضی مثل ستارون کے ہین (تتمہ حدیث کا یہ ہے بایہم اقتدیتم اہتدیتم یعنی ان مین سے جس کے پیچھے ہو لوگے راہ حق ملجاوے گی پس حدیث مذکور سے ثابت ہوا کہ صحابہ کا اتباع مثل اتباع نبوی ہے پس مضمون سابق کی تائید ہوگئی۔ حدیث ثانی) فرمایا ہے مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم نے طوبیٰ من رآنی او رآی من رآنی یعنی بڑی خوش قسمتی ہے اس شخص کی جسنے مجکو دیکھا یا میرے دیکھنے والون کو دیکھا (مولانا نے حدیث کے جزو ثانی کو بالمعنے روایت کیا ہے ترجمہ یہ ہے) اور طوبیٰ اس شخص کے لیے ہے جو دیکھے اس شخص کو جسنے میرے چہرہ کو دیکھا ہو اس سے بھی تائید ظاہر ہے کہ رویت بلا واسطہ و بواسطہ دونون موجب برکت ہین۔

چون چراغی نور شمعی را کشید	هر کہ دید آن را یقین آن شمع دید
همچنین تا صد چراغ ار نقل شد	دیدن آخر لقای اصل شد
خواہ از نور پسین بستان تو آن	هیچ فرقی نیست خواہ از شمع دان
خواہ نور از واپسین بستان بجان	خواہ از نور پسین فرقی مدان
خواہ بین نور از چراغ آخرین	خواہ بین نورش ز شمع غابرین

یہ چوتھی مثال ہی مضمون سابق کی جسکے ضمن مین حدیث ثانی کی توضیح بھی ہی یعنی جب کسی چراغ نے کسی شمع کی روشنی قبول کرلی (یعنی اس سے روشن کرلیا گیا) تو جس شخص نے اس چراغ کو دیکھ لیا یقیناً (ایسا ہی ہی جیسا) شمع کو دیکھ لیا کیونکہ یہ بھی اسیکا نور ہی اسیطرح سو چراغ تک بھی اگر یکے بعد دیگرے یہی سلسلہ چلا جاوے (کہ ایک سے دوسرا روشن ہوجاوے دوسرے سے تیسرا و علی ہذا) جب بھی اخیر والے کا دیکھنا گویا اصل (یعنی اول شمع) کا دیکھنا ہے خواہ پچھلے نور سے (وہ روشنی) حاصل کرلو خواہ شمع سے سمجھو کچھ بھی فرق نہین اور چاہے روشنی کو اول والے نور سے لو اور چاہے پچھلے والے نور سے اور کچھ فرق مت سمجھو خواہ روشنی کو پچھلے چراغ سے سمجھو خواہ اسکی روشنی شمع سابق سے سمجھو (اسی طرح جو فیض حق بواسطہ ہو وہ فیض حق ہی ہی)

در بیان آن حدیث ان لربکم فی ایام دہرکم نفحات الا فتعرضوا لہا

یہ حدیث میری نظر سے نہین گذری مگر مضمون اسکا دوسری نصوص سے مؤید ہی ترجمہ اسکا یہ ہی کہ تمھاری عمر کے ایام و اوقات مین اللہ تعالیٰ کی جانب سے عطیات و فیوض بحال بندہ متوجہ ہوتے ہین ہوشیار ہوجاؤ کہ اسکے لیے تیار رہا کرو (یعنی اسکے منتظر اور نگران رہو اور اپنے حضور قلب و اصلاح اعمال سے اسکے قابل بنائے رکھو ربط اسکا ماقبل سے یہ ہی کہ اوپر ان فیوض حق کا بیان تھا جو بواسطۂ انبیاء و اولیاء حاصل ہوتے ہین جنکو نغمات سے تعبیر کیا تھا اب فیوض حق بلاواسطہ کا بیان ہی جنکو نفحات سے تعبیر کیا ہی۔

گفت پیغمبر کہ نفحتہاے حق | اندرین ایام مے آرد سبق
گوش ہش دارید این اوقات را | در ربائید این چنین نفحات را
نفحہ آمد مرشمارا دید و رفت | ہر کرا میخواست جان بخشید و رفت
نفحۂ دیگر رسید آگاہ باش | تا ازین ہم وا نمانی خواجہ تاش
جان آتش یافت زان آتش کشے | جان مردہ یافت در خود جنبشے
جان ناری یافت ازوے انطفا | مردہ پوشید از بقاے او قبا
تازگی و جنبش طوبے ست این | ہمچو جنبش ہاے خلقان نیست این
گر در افتد در زمین و آسمان | زہرۂ شان آب گردد در زمان
خود زبیم این دم بے منتہا | باز خوان فابین ان یحملنہا
ورنہ خود اشفقن منہا چون بدی | گرنہ از بیمش دل کہ خون شدی

جان آتش و جان ناری ہم معنی ناری و منکر آتش کشی بضم کاف و یاے زائدہ یعنی مطفی طوبے با الالف مقصورہ یعنے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہی کہ حق تعالیٰ کے فیوض ان ایام (عمر) مین سبقت اور توجہ فرمایا کرتے ہین تو گوش (دل) کو باہوش رکھا کرو ان اوقات کے لیے اور ایسے فیوض کو لے لیا کرو اور ان کی آمد کی یہ کیفیت ہی کہ) ایک فیض آیا اور تمکو (غفلت مین) دیکھا چلا گیا اور جو شخص اس کا

تو ہاں فی طالب تھا اسکو جان بخش گیا (یعنی اہل غفلت پر اثر نہوا اہل طلب پر اثر ہوگیا جیسا دوسری حدیث مین ہے کہ
اللہ تعالیٰ بعض شب مین خود متوجہ ہوتے ہین کہ کوئی رزق مانگنے والا ہے۔ کوئی بخشش چاہنے والا ہے پس جو شخص
مانگتا ہے اسکو ملتا ہے۔ صریح ہے اُدھر کی توجہ اور طالب کو ملنے مین) پھر ایک دوسرا نفحہ آیا تو اسی کی خبر رکھو کہین
اس سے بھی (محروم) نہ رہ جاؤ۔ جو جان آتشی تھی اس نے تو اس نفحہ کو آتش کش پایا اور جو جان مردہ تھی
اس نے (اس نفحہ کے اثر سے) اپنے اندر حرکت (وحیات) پائی (آتشی مین آتش کبر و عناد مراد ہے اور
آتش کش مین آتش استعداد و نور قبول حق مراد ہے۔ اور مردہ سے مراد جسمین صفت انکسار کی ہے کہ صفات نفسانیہ
اسکی مردہ ہوگئین مطلب یہ کہ ان فیوض کا اثر کفار و فجار مین بوجہ بد استعدادی کے پژمردگی و فسردگی و بطلان
استعداد ہوا اور مومنین محبین مین حیات و معرفت ہوا کما قال تعالیٰ وننزل من القرآن ما ہو شفاء
ورحمۃ للمومنین ولا یزید الظالمین الا خسارا۔ وقال تعالیٰ فاما الذین آمنوا فزادتہم ایمانا
وہم یستبشرون واما الذین فی قلوبہم مرض فزادتہم رجسا الی رجسہم اگلا شعر بھی اسی
مضمون کا ہے کہ) جان ناری کو اس (نفحہ) سے افسردگی نصیب ہوئی اور جو مردہ تھا اس نے بقا کی قبا پہنی
(کیونکہ فنا کے بعد بقا ملتی ہے) یہ تازگی اور جنبش (جو طالب کو میسر ہوئی ہے) مسرت (حقیقیہ) کی ہے عوام خلائق
کی سی (معمولی اور نفسانی) جنبش نہین ہے (اور وہ نفحات ایسے قوی ثقیل ہین کہ) اگر زمین یا آسمان پر واقع ہوجاوین
تو ان کا پتہ فوراً اس نفحہ بے انتہا کے بیم سے پانی ہوجاوے (یعنی متحمل نہ ہوسکین مگر چونکہ انسان کو اللہ تعالیٰ
نے تحمل دیا ہے وہ برداشت کرتا ہے کما قال تعالیٰ لو انزلنا ہذا القرآن علیٰ جبل لرأیتہ خاشعا متصدعا
من خشیۃ اللہ اور بے انتہا اس لیے کہا کہ کلمات وعطیات حق کی کوئی انتہا نہین ہے قال تعالیٰ قل لو
کان البحر مدادا لکلمات ربی لنفد البحر قبل ان تنفد کلمات ربی وقال تعالےٰ وان
تعدوا نعمۃ اللہ لا تحصوہا اور اس دعوے عدم تحمل کے اثبات کے لیے) تم یہ آیت پڑھ لو فابین
ان یحملنہا ورنہ اشفقن منہا کیون واقع ہوتا اگر اس کے بیم سے دل کو خون نہو جاتا کہ اشارہ ہے اس
آیت کی طرف انا عرضنا الامانۃ علی السموات والارض والجبال فابین ان یحملنہا واشفقن منہا
وحملہا الانسان یعنے ہم نے امانت کو پیش کیا آسمان اور زمین اور پہاڑون پر پس سب نے انکار کیا
اس کے اُٹھانے سے اور ڈر گئے اس سے اور انسان نے اسکو اٹھا لیا خلاصہ جامعہ مجموعہ تفاسیر امانت
کا ادائے حقوق طاعت والتزام عقوبت معصیت ہے کبھی یہی ادائے حقوق کی تنبیہ کے لیے اور کبھی
اسکے ثمرہ کے طور پر یہ واردات قلب پر نازل ہوتے ہین جسکو نفحات کہہ رہے ہین۔

دوش دیگر گونہ این می داد دست　　لقمۂ چندے در آمد رہ بہ بست
بہر لقمہ گشت لقمانے گرو　　وقت لقمانست اے لقمہ برو
از برائے لقمۂ این خارخار　　از کف لقمان برون آرید خار

در کف او خار و سایش نیز نیست	لیک نان از حرص آن تمییز نیست
خار دان آنرا که خرما دیدهٔ	زانکه بس نان کور و بس نا دیدهٔ
جان لقمان که گلستان خدا ست	پاے جانش خستهٔ خارے چراست

(در کف) مراد زمانہ غلبۂ احکام روحانیہ۔ لقمہ مراد لذائذ نفسانیہ۔ لقمان مراد روح زیرک۔ این خار خار مبتدا کہ خبرش مقدم است اوپر ذکر تھا آثار نفحات الٰہیہ کا اب جو بتلاتے ہین کہ اُن کا ادراک کیون نہین ہوتا پس فرماتے ہین کہ) حالت ماضیہ مین (یعنے جب روح اپنی لطافت پر باقی تھی) اور طور پر (یعنے وہی طور پر) یہ نفحات الٰہیہ حاصل تھے (مگر) چند لقمون نے اکر وہ دروازہ بند کر دیا (یعنے جب تعلقات جسمانیہ غالب ہوے تو غلبۂ شہوات نفسانیہ ان فیوض کے حجاب بن گئے) ایک لقمہ کے سبب لقمان محبوس ہو گیا (یعنی روح جیسی پاکیزہ چیز لذات نفسانیہ کی تحصیل مین لگ کر اپنے اصلی کام سے معطل ہو گئی افسوس کی بات ہی) یہ وقت تو لقمان کا ہے اے لقمہ تو رخصت ہو (مقصود اس سے ارشاد ہی کہ اپنا وقت عمر تجلیۂ روح مین صرف کرنا چاہیے اور لذات کو ترک کر دینا چاہیے) کیا ایک لقمہ کے واسطے اسقدر ترددات و خلجانات (تعجب) اس خار (فکر لذات) کو لقمان کے ہاتھ سے نکالنا چاہیے (یعنے روح کو اس کش و پیچ سے چھڑانا چاہیے) لقمان کے ہاتھ مین خار (تردد دنیا) گڑا ہوا ہی اور اس خار کا سایہ بھی نہین ہی (سایۂ خار اسکو کہتے ہین کہ خار لگے اور جگہ اور جھلک اس کی باہر سے نظر آوے اور جگہ۔ اس سے موقع خار مشتبہ ہو جاتا ہی پس مطلب یہ ہوا کہ یہان اس قسم کا اشتباہ بھی نہین بلکہ خار کا لگنا اور اُسکے لگنے کا موقع سب متیقن اور متعین ہے) لیکن تم لوگون کو (غلبۂ) حرص (دنیا) سے اتنی تمیز بھی نہین (کہ اُسکا لگنا معلوم ہو اور نکالنے کی فکر کرو اور واقعی ان تشویشات لایعنی سے روح مین جو ظلمت و کدورت پیدا ہوتی ہی اگر ذرا بھی التفات کرے تو بلاشبہ اسکا احساس ہوتا ہی)

جس چیز کو تو نے خرما (یعنی لذیذ) سمجھ رکھا ہی اسکو خار سمجھو (کہ موجب مجروحیت روح ہو رہا ہی) یہ کہ اسکو خرما کیسے سمجھ لیا ہی وجہ یہ ہی کہ تو نہایت درجہ نان کور (ناشکر) اور حد درجہ نا دیدہ ہی (کہ بجز لذات دنیا کے کوئی چیز تجھکو مقصود نہین) بھلا لقمان کی جان کہ خدا تعالی کا باغ ہی (جسمین کمالات و علوم کا ذخیرہ رکھا گیا ہی) وہ ایک خار کے لیے کیون خستہ کیجاتی ہی (بلکہ اُسکو تو مورد تجلیات الٰہیہ بنانا چاہیے)۔

اشتر آمد این وجود خار خوار	مصطفی زادے برین اشتر سوار
اشترا تنگ گلے بر پشت تست	کز نسیمش در تو صد گلزار رست
میل تو سوے مغیلان است و ریگ	تا چہ گل چینی ز خار اے مرده ریگ

(یہ تتمہ ہی ماقبل کا) یعنی یہ وجود خار خوار مثال اشتر کے ہی اور ایک مصطفی زادہ اسپر سوار ہی (وجود سے مراد تن عنصری اسکو خار خوار اس لیے کہا کہ لذات نفسانیہ کا طالب ہے اور شتر سے تشبیہ اسلیے دی کہ تن مرکب روح ہی اور مصطفی زادہ روح کو کہا جسکو پہلے لقمان سے تعبیر کیا تھا مصطفی زادہ باعتبار معظم ہونے کے

کہدیا یا اس اعتبار سے کہ سب ارواح تربیت یافتہ روح محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہیں وحضور ان سب کے مربی ہیں آگے اس تن کو مجازاً خطاب کرتے ہیں کہ) اے شتر تیری پشت پر لیسے پھولوں کی گٹھری لدی ہے کہ جس کے ہوائے نسیم سے تیرے اندر صدہا گلزار پیدا ہوگئے ہیں (یعنی تن مرکب روح کا ہو رہا ہے اور اسی کے تعلق سے یہ تن بھی کمالات سے متصف ہو رہا ہے یہی گلزار ہے مگر باوجود اس کے) اے شتر تیرا میلان ببول اور ریگ کی طرف ہو رہا ہے بھلا یہ تو بتلا کہ اے بے منفعت تو خار سے کیا گل حاصل کرسکتا ہے نفرت دلانا منظور ہے لذات نفسانیہ سے کہ باوجودیکہ تیرے پاس اتنی بڑی دولت ہے جس سے توطرح طرح کے ثمرات حاصل کرسکتا تھا مگر پھر بھی تیری رغبت ان لذات فانیہ کی طرف ہے جس سے کوئی توقع منفعت کی نہیں)

اے بگشتہ زین طلب از کو بکو	چند گوئی کین گلستان کو و کو
پیش ازین کین خار پا بیرون کنی	چشم تاریک ست جولان چون کنی
آدمی کو می نگنجد در جہان	در سر خارے ہمی گردد نہان

(اوپر فرمایا تھا کہ تیرے اندر گلزار موجود ہے اسپر سوال ہوتا ہے کہ وہ گلزار کہاں ہے اسکے جواب میں فرماتے ہیں کہ) اے مخاطب تو اس طلب (گلزار) میں کوچہ کوچہ مارا پھرتا ہے کہاں تک کہتا رہے گا کہ یہ گلستان (علوم و اعمال) کہاں ہے (یعنی تیرے ہی اندر موجود ہیں تو باہر کہاں ڈھونڈھتا ہے رہی یہ بات کہ اسکی اطلاع کیوں نہیں تو اسکی وجہ اور مانع اطلاع کی تعیین فرماتے ہیں کہ) قبل اسکے کہ یہ خار (حظوظ نفسانیہ) اپنے پاؤں سے باہر نکالو تمھاری آنکھ (ادراک حقایق سے) تاریک رکھوہے پھر کیونکر جولانی کرسکتے ہو (یعنی حظوظ نفسانیہ مانع ہیں آگے اسپر تعجباً فرماتے ہیں کہ) آدمی (یعنی روح انسانی) جو کہ تمام عالم میں بھی نہ سما سکتی ہو (کیونکہ مجرد کو کوئی مکان واحد وشکل محیط نہیں ہوسکتی ایسی روح) ایک ادنیٰ سے خار میں اس طرح مختفی ہوجاوے (یعنی حظوظ نفسانیہ کے غلبہ سے اسکے کمالات مضمحل اور بعید از ادراک ہوجاویں)

مصطفی آمد کہ سازد ہمدمی	کلمینی یا حمیرا کلمی
اے حمیرا آتش اندر نہ تو نعل	تا ز نعل تو شود این کوہ لعل
این حمیرا لفظ تانیث ست و جان	نام تانیثش نہند این تازیان
لیک از تانیث جان را باک نیست	روح را با مرد و زن اشراک نیست
از مؤنث و ز مذکر برتر ست	این نہ آن جان ست کز خشک و تر ست
این نہ آن جان ست کافزاید بنان	یا گہے باشد چنین گاہے چنان

(مصطفی مراد عارف ہمدمی کلامی حمیرا لقب عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا مراد روح۔ آتش اندر (یعنی اندر آتش نعل در آتش نہادن مشتاق کردن اوپر کے اشعار میں بیان تھا گرفتاران حظوظ نفسانیہ کا کہ کمالات روح سے بے خبر ہیں ان اشعار میں بیان ہے اسکا کہ عارفین جو حظوظ سے آزاد ہوگئے وہ کمالات روحانیہ

مطلع ہوجاتے ہین چنانچہ ارشاد ہوتا ہی کہ جسطرح مصطفے صلے اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا کو خطاب فرماتے تھے کہ مجھ سے باتین کرو اسی طرح) عارف کی حالت یہ ہی کہ روح سے ہمکلامی کرتا ہے اور اسکو خطاب کرتا ہی کہ اے روح مجھ سے ہمکلامی کر) یعنی عارف کو اوصاف روحانیہ سے مناسبت تامہ ہوجاتی ہی جسطرح ہمکلامون مین ہوتی ہی اور مراد ہمکلامی سے یہی ہی آگے اس ہمکلامی کے اثر کا بیان ہی کہ اے روح مجھ سے ہمکلام ہوکر) میرے اشتیاق کو (ذات حق کی طرف) بڑھا دے تاکہ تیرے اشتیاق بڑھانے سے (یہ دولت حاصل ہوکہ یہ کوہ لعل بن جاوے (یعنی یہ جسم یا نفس بھی آثار محبت آلہیہ سے متکیف ہوجاوے (یہ خطاب اور حکایت محض مجاز ہی مطلب یہ ہی کہ مناسبت روحانیہ سے آثار روحانیہ مثل شوق و محبت و معرفت آلہیہ اسپر غالب ہوجاتے ہین اب ان اشعار مین جو روح کو حمیراء سے تعبیر کیا اسکی توجیہ فرماتے ہین کہ) یہ لفظ حمیراء مؤنث ہی اور عرب کے لوگ روح کو لفظ مؤنث سے تعبیر کیا کرتے ہین (کیونکہ اس کی طرف ضمیر مؤنث کی پھرتی ہی کما قال اللہ تعالی کل نفس ذائقۃ الموت یعنی مین نے محض احکام لفظیہ و محاورات عربیہ کے اعتبار سے لفظ مؤنث سے تعبیر کردیا اس سے تانیث حقیقی لازم نہین آتی اسی کو آگے فرماتے ہین) لیکن اس تانیث (لفظی) سے روح کو کچھ اندیشہ نہین کیونکہ روح کو نہ مرد سے شرکت ہے (کہ مذکر بن جاوے) اور نہ عورت سے شرکت ہے (کہ مؤنث ہوجاوے) بلکہ مؤنث و مذکر دونون سے اعلی ہے (وجہ اسکی ظاہر ہے کہ روح انسانی اہل کشف کے نزدیک مجردات سے ہے ابدان کے ساتھ اسکو تعلق حلول نہین کہ ابدان کی تذکیر و تانیث سے وہ بھی اس سے موصوف ہوجاوے جیسا روح حیوانی کا حال ہے کہ وہ ایک بخار لطیف ہے جو منتشر ہے تمام بدن مین اسلیے وہ تبعاً مذکر و مؤنث بھی ہے چنانچہ اسیکو آگے فرماتے ہین کہ) یہ وہ روح نہین ہی جو خشک و تر (یعنی غذا) سے پیدا ہوتی ہے (یعنی یہ روح حیوانی نہین ہی) اور یہ وہ روح نہین ہی جو غذا سے بڑھ جاوے یا کبھی ایسی ہو اور کبھی ویسی (یعنی اس مین کماً و کیفاً تغیر و تبدل ہوتا رہے یعنی روح حیوانی نہین ہے)

خوش کننده است و خوش و عین خوشی	بی خوشی نبود خوشی ای مرتشی
مرتشی را هست از رشوت خوشی	صد خوشی یابی چو دست اندر کشی
چون تو شیرین از شکر باشی بود	کان شکر گاهی ز تو غائب شود
چون شکر گردی ز تاثیر وفا	پس شکر کی از شکر باشد جدا
زهر محض ست آنکه باشد بی وفا	هب لنا یا ربنا نعم الورا

(اسمین تتمہ ہی مضمون سابق یعنی مدح روح کا اور ترغیب ہی تحصیل مناسبت کی اسکے ساتھ جو اصلی مقصود ہی مدح سے اور وہی اصل مضمون ہی جس سے ابتدا اس بیان کی ہوئی ہی چنانچہ اوپر آیا ہی سہ وش دیگر گونہ الخ پس فرماتے ہین کہ) یہ روح خوش کرنے والی ہی اور خود خوش ہی بلکہ عین خوشی ہے

(چونکہ محبت و معرفت روح کی اصل فطرت میں رکھی گئی ہے گو احکام جسمانیہ سے مغلوب ہو جاوے اور محبت و معرفت اصل ہے تمام مسرتوں اور حلاوتوں کی اس لیے روح کو اس اعتبار سے تو خوش کہا اور چونکہ روح کا اتباع اختیار کرنے سے نفس کو بھی یہ مسرت نصیب ہوتی ہے اس لیے خوش کنندہ کہا اور چونکہ یہ خوشی اسکی اصل فطرت میں ہے اس لیے مثل فرائی و لازم کے ہوگئی کہ انفکاک متعذر ہے جسطرح عین کا انفکاک محال ہے اس لیے مبالغۃً عین خوشی کہدیا اب اس سے مناسبت پیدا کرنے کی ترغیب دیتے ہیں کہ) اے مرتشی قاعدہ ہے کہ خوش ہونا کسی پر صادق نہیں آتا جب تک کہ اسکو صفت خوشی کی حاصل نہو (مطلب یہ کہ اگر تم مسرور ہونا چاہو تو حسب قاعدہ مذکور صفت خوشی سے مناسبت و تعلق پیدا کرو اور وہ روح ہے جیسا اوپر آیا ہے پس یہ ترغیب ہوئی تحصیل مناسبت روحانی کی اور مرتشی کو خطاب اس لیے کیا کہ وہ ایک حرام اور وہمی خوشی میں مست ہو رہا ہے اس لیے اسکو متنبہ فرماتے ہیں کہ تیری خوشی اس خوشی کے روبرو کچھ بھی نہیں چنانچہ آگے اسکی تصریح ہے کہ) مرتشی کو رشوت سے خوشی ہوتی ہے لیکن اگر اس سے دست کش ہو جاؤ تو صدہا خوشیاں تم کو حاصل ہوں (یعنے لذات جسمانیہ و نفسانیہ کو ترک کرنے سے لذت روحانی نصیب ہو اب اس مناسبت سے جو خوشی حاصل ہوتی ہے اسکا حقیقی و باقی ہونا بیان فرماتے ہیں کہ) اگر تم شکر کے ذریعہ سے شیریں دہن ہو جاؤ تو ممکن ہے کہ وہ شکر کسی وقت تم سے غائب ہو جاوے (یعنے اجزاء شکر کے منھ سے زائل ہو جاویں اسوقت تم شیریں دہن نہ رہیگے کیونکہ جو علت تھی شیرینی کی وہ نہ رہی) لیکن اگر تم تاثیر وفا سے خود شکر ہی ہو جاؤ (تو پھر ہمیشہ شیریں رہوگے کیونکہ) شکر خود شکر سے کب جدا ہو سکتی ہے کہ سلب الشئی عن نفسہ محال ہے مطلب یہ کہ لذات جسمانیہ تو عارض ہیں ان سے متلذذ و مسرور ہوتے ہیں تو یہ جب اُن سے جدا ہو جاوینگے تمھارا تلذذ و سرور بھی ختم ہو جاویگا اور لذات روحانیہ باقی ہیں ان سے متلذذ ہونا دائمی ہے اس مضمون کی تعبیر اس طرح کی ہے کہ جب روح سے مناسبت پیدا کروگے اور اسکے احکام غالب ہو جاوینگے تو گویا تم خود روح بن جاؤگے اور وہ عین خوشی ہے پس تم عین خوشی ہو جاؤگے اور خوشی کا خوشی سے انفکاک ناممکن ہے پس تم سے کبھی مسرت زائل نہوگی اور چونکہ یہ مناسبت بدولت وفا و اطاعت کاملہ حق جلشانہ کے ہوتی ہے اس لیے زر تاثیر وفا بڑھا دیا آگے بیوفائی کی مذمت فرماتے ہیں کہ) جو شخص یا جو عمل بلا وفا ہو وہ زہر محض ہے (جس طرح وفا کے سبب عین شکر ہونا بتلایا ہے) اے ہمارے رب ہمکو کوئی اچھی مخلوق دیدیجیے (یعنے روح جو باوفا ہے ہمکو اس سے خصوصیت دیدیجیے) ف جہاں جہاں روح سے مناسبت پیدا کرنیکو کہا ہے وہ خطاب نفس کو ہے کہ تابع روح بن جاوے

عاشق از حق چون غذا یابد رحیق	عقل آنجا گم شود گم اے رفیق
عقل جزوی عشق را منکر بود	گرچہ بنماید کہ صاحب سر بود
زیرک و داناست اما نیست نیست	تا فرشتہ لا نشد اہرمنے ست
او بقول و فعل یار ما بود	چون بحکم حال آئی لا بود
لا بود چون او نشد از ہست نیست	چونکہ طوعاً لا نشد کرہاً بسے ست

(اوپر کے اشعار میں بیان کیا ہی کہ نفس کو روح کے تابع کرنے سے حلاوت دائمی میسر ہو جاتی ہی چونکہ اس حلاوت کی وجہ یہ ہی کہ عشق الٰہی کا غلبہ ہو جاتا ہی اور پابندان عقل فلسفی اس عشق کے منکر ہیں اس لیے مولانا اسکا اثبات اور نیز اسکے مدرک بالعقل نہ ہونیکا بیان فرماتے ہیں کہ) عاشق کو جب حق تعالیٰ سے شراب (عشق) غذا میں ملتی ہی تو عقل (فلسفی) وہاں بالکل گم ہو جاتی ہی (یعنی عقل اسکے آثار و احکام کا ادراک نہیں کر سکتی کیونکہ وہ امر ذوقی ہی عقلی) اور عشق جزوی (یعنی ناقص) عشق (الٰہی) کی منکر ہوتی ہی اگرچہ اپنے کو صاحب تحقیق ظاہر کرے (چنانچہ بڑے بڑے مدعیان علم و تحقیق نے اسکا قطعاً انکار کر دیا ہی اب وجہ انکار کی فرماتے ہیں کہ) وہ منکر زیرک و دانا سب کچھ ہی مگر نیست نہیں ہی (یعنی بوجہ زیرکی کے نظر فکری سے سمجھنا چاہا لیکن اپنے کو محبت الٰہی میں ماسوی سے فنا نہیں کیا تاکہ اسکو وہ ذوق حاصل ہو اور عشق کو جو امر ذوقی ہی سمجھ سکے اور فنا وہ چیز ہی کہ) جب تک فرشتہ بھی فانی (عشق الٰہی) نہو محض شیطان ہی (یعنی آج جو فرشتہ خصلت ہو رہا ہی وہ بدولت محبت الٰہی کے ہی اگر اسمیں یہ صفت نہوتی تو ہرگز پاک نہو سکتا) وہ عاقل قول اور فعل تک ہمارا (یعنی عشاق کا) شریک ہے (کہ طاعات لسانیہ اور جوارحیہ میں عشاق سے متفق رہتا ہی اور نہ اسکا انکار کرتا ہی نہ ادراک سے عاجز ہوتا ہی) مگر جہاں حال (باطنی) کی نوبت آئی اور وہ لاشئے محض (اور نرا جاہل و منکر) ثابت ہوا (اور ہم نے جو اس کو لاشئے کہا ہی اسپر تعجب نہ کرو کیونکہ) وہ جب ہست سے نیست نہ ہوا تو لاشئے محض ہی (اور ہر چند کہ ایک معنی کر وہ فانی ہی یعنی حق تعالیٰ اس میں جو تصرف تکوینی کرنا چاہیں مثلاً اسکو مریض کرنا یا موت دینا تو ذرا بھی مخالفت نہیں کر سکتا اور یہ بھی ایک قسم کی فنا ہی لیکن یہ فنائے اضطراری ہی اور یہ کوئی کمال نہیں کیونکہ) جب وہ طوعاً و اختیاراً فانی نہوا تو یوں تو فانی کرہاً و اضطراراً بہت ہیں (چنانچہ سب کفار بھی ایسے فانی ہیں قال تعالےٰ وللّٰہ یسجد من فی السموات والارض طوعاً و کرہاً وظلالھم بالغدو والاٰصال مگر باوجود اسکے گندہ جہنم و مطرود ہیں)

جان کمال ست و ندای او کمال	مصطفیٰ گویان ارحنا یا بلالؓ
اے بلالؓ افراز بانگ سلسلت	زان دمے کاندمیدم در دلت
اے بلالؓ آن گلبنت را جان سپار	خیز و بلبل وار جان می کن نثار

(یعنی جو روح ہی روح کی جسکا اوپر بیان تھا اس شعر میں کہ خوش گندہ ست الخ یعنی) روح کامل ہی اور اسکی ندا بھی کامل (چنانچہ اسی سے) مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے کہ اے بلالؓ (اذان سُناکر) ہم کو راحت دو (حدیث میں ہی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بلالؓ سے فرمایا ارحنا یا بلال اسکے مشہور معنی تو یہ ہیں کہ نماز کا اہتمام کرو تاکہ حق تعالیٰ کا فرض ادا کر کے راحت ہو کہ الحمد للہ حکم کا امتثال ہو گیا اور مولانا نے دوسری توجیہ فرمائی ہی یعنی آپ کا مطلب یہ تھا کہ ہمکو اذان سناؤ تاکہ اسمیں اپنے محبوب کا نام اور وہ بھی ایک مقبول عارف کی زبان سے سنکر راحت ہو یہ توجیہ بھی بعید نہیں پس مقصود مولانا کا یہ ہی کہ دیکھو غلبہ آثار روحانیہ

ایسی محمود چیز ہی کہ چونکہ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر یہ آثار غالب تھے اور اس غلبہ سے گویا وہ روح ہی بن گئے تھے اسلیے ان کی نداء ندائے روح تھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جیسے مقبول و محبوب خاص ان کی نداء کے مشتاق ہوتے تھے اور آپ کو اس سے لذت ملتی اور اس سے فضیلت حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر لازم نہیں آتی کیونکہ یہ دولت ان کو حضور ہی کی بدولت میسر ہوئی تھی چنانچہ فرماتے ہین کہ) اے بلال اپنی آواز خوشگوار ذرا بلند کرو اور یہ آواز اس فیض سے پیدا ہو جسکو مین نے تمھارے قلب مین القا کیا ہو (یعنے حضور قلب سے اذان کہو تاکہ اسمین قلبی کیفیت و حلاوت کا اثر ہو اسمین تصریح ہی کہ وہ حضور ہی کا فیض تھا رہا یہ کہ جب آپ ہی کا فیض تھا تو ان سے سنکر لذت لینے کے کیا معنے بات یہ ہی کہ طبعًا سننے مین زیادہ لذت ہوتی ہے خود نطق کرنے سے کیونکہ اس مین یکسوئی زیادہ ہوتی ہی جو شرط ہی زیادہ لذت کی آگے اس نداء سے جو نفع خود حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پہونچے گا اسکا بیان ہی کہ) اے بلال اپنے درخت گل کو جان تازہ دیدو (اور اذان کے لیے) اٹھو اور جان نثار کردو (گلبن سے مراد جسم عنصری کہ حامل ہی گل روح کا یعنی اذان کے برکات بوجہ عمل جوارح ہونے کے جسم مین بھی مؤثر ہون گے اور روح مین یہ اثر ہوگا کہ عشق الٰہی بڑھے گا جسکو جان می کن نثار سے تعبیر فرمایا ہی)

زان دمے کادم ازو مدہوش گشت　　ہوش اہل آسمان بیہوش گشت
مصطفیٰ بیخویش شد زان خوب صوت　　شد نمازش در شب تعریس فوت
سر از آن خواب مبارک بر نداشت　　تا نماز صبحدم آمد بچاشت
در شب تعریس پیش آن عروس　　یافت جان پاک ایشان دست بوس
عشق و جان ہر دو نہان اند و ستیر　　گر عروسش خواندہ ام عیبے مگیر

(یہ شعر زان دمے کادم الخ اس مصرعہ سے مربوط ہی ع زان دمے کاندر دمیدم الخ اور ترکیب مین اس سے بدل ہی باقی اشعار مین اس دم کے اثر کا بیان ہی اس مصرعہ مین ندائے بلال کا فیض محمدی سے ناشی ہونا مذکور تھا اور ظاہر ہی کہ فیض محمدی وحی الٰہی کلام حق سے ہی پس لے بلال ناشی از کلام و ندائے حق ہوئی اور اسی اعتبار سے نطق اہل اللہ کو نطق حق و مصداق بی ینطق کا کہا جاتا ہی اس مناسبت سے ندائے حق کے اثر کا بیان کرنے لگے پس فرماتے ہین کہ) یہ نداء اس دم سے ہی جس سے حضرت آدم علیہ السلام بیہوش ہو گئے تھے و اہل آسمان کے ہوش و حواس اس سے از جا رفتہ ہو گئے (مراد اس دم سے ندائے حق ہی جو وحی کے وقت حضرات انبیاء علیہم السلام کو مسموع ہوتی ہی حدیث بخاری مین صلصلۃ الجرس سے اسکو تشبیہ دی گئی ہی چونکہ حضرت آدم علیہ السلام بھی نبی ہین اور نزول وحی کے وقت ایک گونہ بیخودی ہو جاتی ہی اس لیے آدم علیہ السلام کی مدہوشی کا اثبات کیا اور نیز حدیث بخاری مین وحی الی الملائکۃ کا سلسلۃ علی صفوان سے تشبیہ دینا اور ملائکہ کا اسکی عظمت سے مغلوب الحواس ہو جانا وارد ہی جسکو بیہوشی اہل آسمان سے تعبیر کیا ہی اور اس صوت

ونداء کی ماہیت کی کچھ تحقیق نہین دی کہ کیا ہی باقی اتنی بات یقینی ہی کہ اللہ تعالی حوادث سے منزہ ہین پس اگر صوت حادث ہو تو اسکا نداء حق یا کلام حق کہنا باعتبار کسی خصوصیت خاصہ کے ہی جیسے روح اللہ وبیت اللہ عارف شیرازی نے عجب نہین اسی کی طرف اشارہ کیا ہو ؎ کس ندانست کہ منزل گہ آن یار کجاست + اینقدر ہست کہ بانگ جرسے می آید + آگے اسکے دوسرے اثر کا بیان فرماتے ہین کہ) مصطفے صلی اللہ علیہ وسلم اس آواز خواب سے بیخود ہو گئے تھے اور آپ کی نماز (اس بیخودی مین) شب تعریس مین فوت ہوگئی تھی پس خواب مبارک سے آپ سر نہ اٹھا سکے حتی کہ نماز صبح دن چڑھے تک مؤخر ہوگئی (یہ قصہ حدیث مسلم مین ہی کہ آپ سفر میں ایک منزل پر آخر شب مین مقیم ہوئے اور حضرت بلال رضی اللہ تعالی عنہ کو پہرہ پر مقرر کیا کہ صبح صادق کے وقت جگا دینا اور آپ اور سب صحابہ سو رہے حضرت بلال رضی اللہ تعالی عنہ کو بلا قصد نیند آگئی اور سب کی نماز قضا ہوگئی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو محزون دیکھکر تسلی فرمائی کہ تم نے جان کر تو نماز قضا نہین کی اور ارشاد فرمایا کہ اس وادی مین شیطان ہے یہان سے آگے چلو چنانچہ دوسرے میدان مین جا کر سب نے نماز قضا کی اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے جو دریافت فرمایا تو عرض کیا کہ شیطان نے آکر سلا دیا تعریس کہتے ہین آخر شب مین منزل پر اترنے کو اسی لیے اسکو شب تعریس کہتے ہین یہ خلاصہ ہی قصہ کا مولانا نے حضور کے اس خواب کی وجہ استغراق فی الوحی کو ٹھہرایا ہی جو کہ آپکی شان مبارک کے مناسب ہے اور اسمین کوئی اشکال نہین ممکن ہی کہ آپ کے امتداد خواب کی یہ وجہ ہو اور دوسرون کے خواب کا سبب اثر شیطانی ہو اور وہ بھی چونکہ خارج از اختیار تھا اسلیے موجب ملامت نہین غرض یہ کہ) شب تعریس مین اس عروس (یعنے محبوب حقیقی) کے نزدیک آپکی روح پاک نے دست بوسی (یعنی حضوری) حاصل کی چونکہ اسپر شبہہ ہوا کہ تمنے حضرت حق کی نسبت لفظ عروس استعمال کیا اور یہ سخت بے ادبی ہی اسکا جواب دیتے ہین کہ) عشق (یعنی معشوق حقیقی) اور روح دونون نہان اور مستور ہین اسلیے اگر حق تعالی کو (مجازًا وتشبیہًا) مین نے عروس کہدیا تو عیب گیری مت کرو (یہ وجہ تو محبوب حقیقی کو لفظ عروس تعبیر کرنیکی ہی اور اس سے پہلے روح کو حمیراء کہا تھا جسکی ایک وجہ تو وہان گذر چکی تھی دوسری تبعًا یہان بیان کر دی کہ مؤنث عادةً مستور ہوتی ہی اور جان بھی مستور ہی ف اسماء الٰہیہ کے توقیفی ہونے کے معنے یہ ہین کہ بطور اسمیتہ کے دوسرے الفاظ کا اطلاق جائز نہین باقی اگر بطور وصفیت کے باعتبار حقیقت یا مجاز کے کوئی لفظ اطلاق کیا جاوے تو منافی توقیفیت کے نہین خصوصًا غلبہ حال واذن الہامی مین کسیقدر سوء ادب بھی معاف ہی چنانچہ شعر آیندہ مین مغلوب الحال اور ماذون ہونیکا مولانا نے خود ذکر فرمایا ہی ف ان اشعار کے مضمون پر ایک عزیز نے کچھ سوالات کیے تھے اور احقر نے جواب دیا تھا چونکہ خالی از فائدہ نہین اس لیے اس سوال وجواب کو بعینہٖ نقل کرنا مناسب سمجھتا ہون وہو ہذا (سوال مولانا رومی پیر چنگی کے قصہ کے درمیان فرماتے ہین ؎ مصطفے بیخویش شد زان خوب صوت + شد نمازش درشب تعریس فوت + درشب تعریس پیش آن عروس + یافت جان پاک ایشان دست بوس + اسکی شرح بعض شراح نے اس طرح کی ہی کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی روحی آواز اذان سے (کیونکہ بظاہر

تعبیر حق بعروس و ادب آن

جواب سوال از عزیزی بر مضمون این اشعار

اسوقت (اذان بھی نہین) بیہوش ورستغرق مشاہدۂ تجلیات الٰہی مین ہوگئے کیونکہ انکی آواز۔ آواز ذات حق نغمۂ الٰہی بھی جیساکہ گذشتہ اشعار سے مفہوم ومتصور ہوتا ہی اور بظاہر شعر کے معنی یہی ہین اور جہانتک حدیث سے معلوم ہوتا ہی وہ یہی ہی کہ یہ وجہ آپکی غفلت کی نہ تھی بلکہ فی الواقع نوم تھی کیونکہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا قبل از خواب شریف بلالؓ کو واسطے بیدار کرنے کے تنبیہ کرنا اور بعد نماز فوت ہونے کے فرمانا کہ بلال کو شیطان نے خواب مین ڈالا اور یہ وادی وادی شیطان ہی جلدی بڑھو آگے چلکر نماز قضا پڑھین گے اس گذشتہ وجہ اور ظاہر مطلب شعر کے بالکل منافی ہی کیونکہ اگر آپکی واقعی حالت استغراقی تھی تو پھر آپ کے اس ارشاد عالی کی (کہ ہمکو بیدار کرنا جو خاص نوم پر دال ہی) کیا معنے اور بلال کے اس جواب کا (کہ یا حضرت مجھپر بھی وہی خواب غالب آگئی تھی جو آپ پر تھی کیا مطلب غرض جملہ الفاظ حدیث کے ارتباط وتعلق سے یہی معلوم ہوا کہ واقعی آپ پر نوم غالب تھی نیز آپ پر تو اکثر تجلیات الٰہی کا نزول ومشاہدات حق کا ہبوط رہتا تھا کبھی ایسا نہوا کہ آپکی نماز قضا ہوگئی ہو اسوقت کی کیا خصوصیت تھی علاوہ ازین حالت نماز سے زیادہ تو کوئی وقت قرب کا نہین کہ جسکے بارے مین الصلوٰۃ معراج المومن ارشاد ہی چاہیے کہ نہین زیادہ حالت استغراق ہو یہانتک کہ محو ذات حق ہوکر رکوع وسجود کی بھی اطلاع نہ رہے یعنی اگر قیام کی حالت مین استغراقی حالت کو عروج ہوا تو قیام ہی مین رہے رکوع کی نوبت ہی نہ آوے اگر حالت رکوع مین یہ حالت طاری ہوئی تو قعود تک نہ پہونچ سکے علی ہٰذا مگر کبھی حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ موقع نہین گذرا قطع نظران سب کے جو کچھ بھی معنی لیے جاوین خواہ حالت استغراقی مراد لین یا کیفیت نومی تو پھر آپکے اس ارشاد تنام عینای ولاینام قلبی کے کیا معنی اگرچہ بعض شروح مین بعض اعتراضات کے جواب مرقوم ہین مگر لائق تشفی نہین بلکہ مزید بران انواع انواع کے شبہات جاگزین ہوتے ہین حضور پر نور خوب حدیث شریف کے ظاہری وباطنی مطلب اور مولانا کے اشعار کے مدعا سے مطلع فرمائین (جواب) اول چند امور بطور مقدمات عرض کرتا ہون کہ فہم مطلب مین سہولت ہو۔ امر اول جو امر کہ نص مین مسکوت عنہ ہو اسکا دعوی کرنا کسی قرینہ سے نص کی مخالفت نہین البتہ امر مثبت فی النص کی نفی یا منفی فی النص کا اثبات یہ مخالفت نص کی ہی امر دوم جو واقعہ وجوہ مختلفہ کو محتمل ہو اور اسکی وجہ منقول نہو کسی دلیل ظنی سے اسکی تعیین کرنا کچھ مضائقہ نہین جیسا فلاسفہ مورخین نے ظن سے ہر واقعہ کے اسباب وعلل نکالے ہین۔ امر سوم اتحاد اثر سے اتحاد سبب ضروری نہین اسیطرح اتحاد سبب سے اتحاد سبب السبب ضروری نہین امر چہارم کاملین کو استغراق دائمی نہین ہوتا امر پنجم کسی شے کا محمود ہونا اس کے مقصود ہونے کو مقتضی نہین امر ششم اشعار مین بہت سی لفظی شاعری رعایتین بھی ہوتی ہین امر ہفتم کسی حاسہ کے تعطل سے اسکے مدرکات کا ادراک نہین ہوتا۔ بعد تمہید ان مقدمات کے سننا چاہیے کہ مولانا نے اول اذان بلال رضی اللہ تعالے عنہ کا ندائے حق سے ناشی ہونا بیان کیا ہے اس شعر مین ۵ نان دمے الخ اسکے بعد دو شعر وات مین اس ندائے حق کا اثر بیان فرماتے ہین کہ آپ اسکے اثر سے بیخود ومستغرق ہوگئے اور استغراق مین نماز قضا ہوگئی تو شب تعریس مین اس محبوب مطلق

یعنی ذات حق کے روبرو آپکی روح بحیثیت استغراق حاضر تھی الخ بیان مولانا نے استغراق کو سبب فوت صلوٰۃ کا ٹھہرایا اور حدیث مین اسکی وجہ نوم آئی ہو گرچہ ممکن ہو کہ نوم کے بعد یہ استغراق ہو گیا ہو لہذا کچھ تعارض نہین اب یہ کہ طول نوم کی کیا وجہ تھی سو نوم بلال وغیرہ کا سبب مجیئی شیطان ہونے سے یہ لازم نہین کہ آپکے نوم کی وجہ بھی یہی ہو بلکہ ممکن ہو کہ وہ استغراق ہو کیونکہ اتحاد اثر سے اتحاد سبب ضروری نہین (بحکم مقدمۂ سوم) اور ہرچند کہ حدیث مین استغراق کا سبب ہونا مذکور نہین مگر اسکی نفی بھی نہین تو اگر اسکے سببیت کا دعوے کیا جاوے تو حدیث کی مخالفت نہین (بحکم مقدمۂ اول) اور چونکہ آپکی شان پاک کے مناسب یہی وجہ ہو اس لیے دوسری وجوہ محتملہ مین سے اسکو ترجیح دینا مناسب ہو (بحکم مقدمۂ دوم) اور مولانا نے صرف استغراق کا اثر ہونا بیان کیا ہو جو کسی درجہ مین محمود ہو اسکا افضل بیان کرنا مقصود نہین تا کہ یہ شبہہ ہو کہ اگر استغراق مین فضیلت ہو تو نماز کیون فوت ہوئی کیونکہ محمودیت مستلزم مقصودیت نہین (بحکم مقدمۂ پنجم) اور چونکہ استغراق دائمی نہین ہوتا اسلیے دوسرے حالات کے اعتبار سے شبہہ نہین ہو سکتا (بحکم مقدمۂ چہارم) اور لفظ عروس صرف رعایت لفظی ہو نہ بیان اتفاق تا کہ مخالفت نعت کا شبہہ ہو (بحکم مقدمۂ ششم) اور وقت مبصرات سے ہے اور نوم عین سے کو مثل نعاس کے ہو جانے بصر معطل اور قوت التفات مختل ہو جاتی ہو لہذا اس کا ادراک نہوا (بحکم مقدمۂ هفتم) انتہی۔

از ملال یار خامش کردمے | گر همو مهلت بدادے یکدمے
لیک میگوید بگو هین عیب نیست | جز تقاضای قضای غیب نیست
عیب باشد کو نه بیند جز که عیب | عیب کے بیند روان پاک غیب
عیب شد نسبت بمخلوق جهول | نے بنسبت با خداوند قبول
کفر هم نسبت بخالق حکمت ست | چون بما نسبت کنی کفر آفت ست
ور یکے عیبے بود با صد صفات | بر مثال چوب باشد در نبات
در ترازو هر دو را یکسان کشند | زانکه آن هر دو چو جسم و جان خوشند

اشعار بالا مین جواب ہو اس شبہہ کا کہ ذات حق پر عروس کا اطلاق کیون کیا اور توجیہ اسکی تصحیح کی (اسپر یہ شبہہ ہوتا ہو کہ گو تاویل سے صحیح ہو گیا مگر ایسا لفظ موہم سوء ادب کیون استعمال کیا ان اشعار مین اسکا جواب ہے کہ مین (اندیشۂ) ناخوشی محبوب حقیقی سے (کہ استعمال الفاظ موہم کا بلا ضرورت شرعًا مکروہ ہو) خود ہی (ایسے لفظ سے) خاموشی اختیار کر لیتا اگر محبوب حقیقی خود ایک دم کے لیے مجکو مہلت دیتے لیکن وہ تو خود کہتے ہین کہ ہان (ایسے الفاظ) کہو کچھ عیب کی بات نہین (پس یہ کہنا) بدون تقاضائے حکم غیبی کے نہین (پس جب مین) ماذون بلکہ محکوم ہون تو معذور و مجبور ہون رہی یہ بات کہ مکروہ شرعی الہام سے کیسے جائز ہو گیا سو اسکا جواب یہ ہو کہ کراہت ایسے امور کی محض تنزیہی ہو اور فی نفسہ جائز ہے جیسا خود احادیث مین بہت سے

الفاظ کی ممانعت آئی ہو اور استعمال بھی وارد ہو جسکی نسبت یون کہا جاتا ہو کہ جواز فی نفسہ کی بنا پر یہ استعمال
ہوا ہو پس جب یہ استعمال فی نفسہ جائز ہو تو یہ الہام معارض شریعت کے نہوا۔ اور نیز کراہت وہان
ہو جہان ایہام کسی امر قبیح کا ہو اور جب استعمال کے ساتھ ہی اسکی توجیہ اور اسکا معنے مجازی ہونا صراحۃ
بیان کردیا جاوے تو کراہت لغیرہ بھی منتفی ہو جاتی ہو پھر یہ کہ اگر ایسے الہام سے کوئی شخص مغلوب الحال
ہو جاوے تو ایسی خفیف کراہت کا ارتکاب خود قواعد شرعیہ کے رو سے بھی عفو ہو جیسا زیادہ غلبۂ حال سے
زیادہ کراہت قابل مواخذہ نہین رہتی فافہم آگے امر فرماتے ہین حسن ظن کا کہ) وہ شخص خود عیب دار ہوتا ہے
کہ بجز عیب کے کسی شے پر اسکی نظر ہی نہ پڑے اور جس شخص کی روح غیبی (یعنے جسکا تعلق عالم غیب سے قوی ہے)
پاک ہوتی ہو وہ عیب کو کب دیکھتا ہو (مطلب یہ کہ اگر کوئی امر ظاہراً عیب ہو اور معنے عیب نہو تو اہل عیب
تو اس ظاہر کو دیکھتے ہین اور انکار کرنے لگتے ہین اور اہل اللہ اس معنی کو دیکھتے ہین اور گمان نیک کرتے ہین
چنانچہ اسی بنا پر فقہائے محققین کا ارشاد ہو کہ اگر ننانوے وجہ کفر کے ساتھ ایک وجہ ایمان کی ہو تو ایمان کا
حکم کرنا چاہیے یعنی اگر کسی قول یا فعل مین بہت سے وجوہ محتمل ہون جن مین بعض موجب کفر ہون اور بعض
نہون تو اس وجہ دوسرے محمل پر محمول کرنا چاہیے جو موجب کفر نہ ہو اور یہ مطلب نہین کہ اگر وجوہ موجبہ للکفر
قطعاً بھی پائی جاوین تو ایک وجہ ایمان کو ترجیح دین گے ورنہ دنیا مین کوئی کافر نہ نکلے گا آگے اسی جواب
مذکور کی توضیح فرماتے ہین کہ) ایسے امر کا عیب ہونا اس مخلوق کے اعتبار سے ہو جو جاہل ہو (کہ اسکے
فعل کا کوئی منشا صحیح نہین ہوتا اور جن مفاسد کی وجہ سے کراہت آئی ہے وہ مفاسد موجود ہوتے ہین
اور ایسے شخص کے اعتبار سے عیب نہین ہو جو صاحب قبولیت (یعنی مقبول) ہو (کہ اسکے افعال کا
منشا صحیح ہوتا ہو جیسا کہ لفظ مذکور کے استعمال مین کہ منشا اسکا اذن الہامی ہو اور بوجہ محفوف بقرائن توجیہ
ہونے کے مفاسد کا ایہام تک نہین آگے اس استبعاد کو ایک اجمالی مگر قوی دلیل سے دفع فرماتے
ہین کہ یہ کس طرح ہو سکتا ہو کہ ایک امر کسی کی نسبت حسن ہو اور کسی کی نسبت قبیح وجہ دفع یہ ہو کہ) دیکھو خالق
تعالی کی نسبت سے دیکھو تو (تخلیقاً) کفر مین بھی حکمت ہو اور اگر اسکو ہماری نسبت سے دیکھو تو (فعلاً)
وہ ایک سخت آفت ہو (پس کفر ایک چیز ہو مگر مرتبۂ تخلیق مین حسن و متضمن اسرار و مصالح ہو گیا مثلاً کفار سے
اہل ایمان کو ایذا پہونچتی ہو ان کو صبر کا ثواب ملتا ہو شہادت نصیب ہوتی ہو اسکی فضیلت ملتی ہے
اور ہزارون مصالح ہین جن کا احاطہ نہین ہو سکتا اور وہی مرتبہ فعل مین قبیح و موجب ہزاران مفاسد
ہو گیا اور کلم اصلی اس مین یہ ہو کہ حسن وہ ہو جس مین حکمتین معتد بہ ہون اور قبیح وہ ہو جس مین مفاسد ہون
تو حق تعالی تو جس چیز کو پیدا کرتے ہین گو وہ شے بری ہو مگر اسمین رعایت حکمت و مصلحت کی ہوتی ہے
گو ہم کو تفصیل معلوم نہ ہو مگر اعتقاد صفت حکمت حق تعالی ہمکو اس اجمالی یقین پر کشان کشان لاتا ہے
اس لیے ان کا پیدا کرنا مطلقاً حسن ہو بخلاف ہمارے کہ ہم بعضے کام ایسے بھی کرتے ہین جنمین مفاسد

ہوتے ہین اور اگر مصلحت بھی سمجھین مگر چونکہ حکیم مطلق کے نہی کا متعلق ہونا دلیل قطعی ہو ان مصالح کے غیر معتد بہا ہونے
پر اس لیے وہ مصلحت کالعدم ہو گی لہذا ہمارے افعال کبھی قبیح بھی ہوتے ہین خوب سمجھ لو پس ثابت ہو گیا کہ شے
واحد کا مختلف اعتبارات سے موصوف بہ حسن و قبح ہونا ممکن ہو۔ آگے علاوہ جواب مذکور کے ایک اور مستقل جواب
علی سبیل التسلیم والتنزل دیتے ہین کہ) اگر مان ہی لیا جاوے کہ) یہ ایک عیب ہی ہو سو صفات و کمالات کے ساتھ
تو اسکی ایسی مثال سمجھو جیسے مصری مین تنکے ہوا کرتے ہین کہ ترازو مین (تولنے کے وقت) دونون کو یکسان رکھتے
ہین (یعنی دونون ایک نرخ سے دیے لیے جاتے ہین) کیونکہ وہ دونون باہم ایسا تعلق رکھتے ہین جیسے جسم و جان
ہوتے ہین (یعنی چونکہ ان مین تعلق متبوعیت و تابعیت کا ہو اس لیے چوب بھی مصری کے حساب مین تولتے ہین
اسی طرح جب کمالات غالب ہون تو عیب کو اسکے تابع قرار دیکر مجموعہ کو کمال ہی کے حکم مین کہا جاویگا
کما قال تعالیٰ فمن ثقلت موازینہ فاولٰئک ہم المفلحون)

پس بزرگان این نگفتند از گزاف	جسم پاکان عین جان افتاد صاف
گفتشان و نفسشان و نقششان	جملہ جان مطلق آمد بے نشان
جان دشمن دارشان جسمی ست صرف	چون زیاد از نرد او اسمی ست صرف
آن بخاک اندر شد و کل خاک شد	وین نمک اندر شد و کل پاک شد
آن نمک کز وے محمد املح ست	زان حدیث با نمک او افصح ست
آن نمک باقی ست از میراث او	با تو اند آن وارثان او بجو

(زیاد یکے از بازیہائے نرد ماخوذ از لفظ عربی ست چراکہ درین بازی دو ہر نقش یک خال زیادہ کنند و آن اخال
زیاد گویند غیاث و بعضی گفتہ کہ زیاد اگر نام کوتہ قامتے نہادہ شود جز اسم نیست کہ معنی ندارد چراکہ در قامتش این
وصف نیست یہ تفریع ہو اس شعر پر ؏ عیب شد نسبت الخ یعنی جب بات ثابت ہو گئی کہ ایک شے ایک شخص کے
اعتبار سے عیب ہوتی ہو نہ دوسرے کے اعتبار سے) پس بزرگون کا یہ قول لغو نہین ہو کہ پاک لوگون کا جسم مثل
روح کے صاف ہو (گو یہی جسم دوسرون مین موجب صدہا عیوب ہو مثل شہوت و غضب مگر چونکہ ان حضرات نے
حظوظ النفسانیہ و لذات جسمانیہ کو فنا کر دیا ہو اس لیے ان کا جسم موجب عیب نہ رہا اور ایک جسم ہی کی
کیا تخصیص ہو) انکا تو بولنا اور انکا نفس اور ان کا نقش (یعنی صورت و جسم) سب کا سب روح مطلق ہے
جیسے بے نشان ہو (یعنے سب اقوال و افعال شوائب و کدورات جسمانیہ سے منزہ ہین مثل روح کے اور روح کو
بے نشان اس لیے کہا کہ وہ مجرد ہو آثار محسوسہ سے مدرک نہین اور جب وہ حضرات اس درجے کے ہین تو)
جو جان ان سے دشمنی رکھو وہ (جان نہین بلکہ) نرا جسم ہو (آگے ترقی کرکے فرماتے ہین کہ بلکہ جسم بھی نہین محض لاشے ہی
لفظ زیاد کی طرح جو کہ نرد مین ہوتا ہو وہ شخص بھی گویا نرا نام ہی نام ہو (اور اسکا کوئی مصداق واقع مین
موجود نہین مطلب یہ کہ انکا دشمن اور منکر چونکہ احکام جسمانیہ کا مغلوب ہے اسلیے اس کی

روح بھی جسم ہی اور چونکہ یہ احکام و حظوظ فانی محض ہیں اس لیے اسکو جسم بھی نہ کہنا چاہیے بلکہ محض لاشے کہنا زیبا ہے) ایسا شخص منکر خاک کے اندر (یعنی شہوات جسمانیہ کے اندر) غرق ہو گیا اور کل کا کل (یعنے اس کا جسم اور روح سب) نرا خاک (اور مکدر و تیرہ) ہو گیا اور وہ کامل نمک کے اندر گیا اور سب کا سب پاک ہو گیا (جیسا نمک پاک اور چمک والا ہوتا ہی اور اپنی خاصیت سے ہر شے کو اپنا جیسا بنا لیتا ہی مراد اس نمک سے چاشنی محبت و کمال روحانی ہی جس نے انکی ہر شے کو روحانی اور منزہ بنا دیا) اور وہ ایسا نمک ہی جس سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نمکین ہین اور اس کلام نمکین سے (جو اس نمک معنوی سے ناشی ہی) آپ افصح ہین (یہ اشارہ ہی ایک مشہور قول کی طرف جو حضور کی طرف منسوب کیا جاتا ہی انا املح واللہ اعلم حدیث ہی یا نہین مگر جو اصل دعویٰ مولانا کا ہے وہ یقیناً صحیح ہی کیونکہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا اتصاف بہ کمالات روحانیہ مین اعلیٰ و افضل ہونا یقینی و مسلم ہے اور یون کوئی نہ سمجھے کہ وہ نمک اب باقی نہین بلکہ) وہ نمک حضور کی میراث سے باقی چلا آتا ہی اور وہ وارث (جنکو وہ نمک یعنے کمال روحانی) حضور سے میراث مین پہونچا ہی تمھارے پاس ہی ہین تلاش کرو پاؤ نگے حدیث مین مصرح ہی ان الانبیاء لم یورثوا دینارا ولا درہما ولکن ورثوا العلم فمن اخذہ اخذ بحظ وافر پس بحکم حدیث علماے ربانی حضور کے وارث ہین اور ظاہر ہی کہ علماے ربانی وہی ہین جو متصف بکمالات روحانیہ ہون پس وہی مصداق وارث کے ہون گے اور وہ ہر زمانہ مین موجود ہین اور حسب وعدہ مخبر صادق لایزال طائفۃ من امتی منصورین علی الحق لا یضرہم من خذلہم۔ قیامت کے قریب تک رہین گے۔ البتہ تلاش و طلب شرط ہی ورنہ وجود مین کچھ شبہہ نہین۔

پیش تو بنشستہ ترا خود پیش کو	پیش ہستت جان پیش اندیش کو
گر تو خود را پیش و پس داری گمان	بستۂ جسمی و محرومی ز جان
زیر و بالا پیش و پس وصف تن ست	بے جہت ہا ذات جان روشن ست
برگشا از نور پاک شہ نظر	تا نہ پنداری تو چون کوتہ نظر
کہ ہمینی در غم و شادی و بس	اے عدم کو مر عدم را پیش و پس

یعنی وہ وارثان محمدی صلی اللہ علیہ وسلم تیرے روبرو بیٹھے ہین (یعنی جسماً قریب ہین) مگر تجکو خود پیش ہونا (یعنے حضور قلب جو طلب سے ہوتا ہی) کہان نصیب ہی (اسی لیے حکماً و معنیً وہ بعید ہین پس اس شعر مین تو پیش نہونے کو مانع کہنا اولیاء اللہ ٹھہرایا آگے دوسرے شعر مین پیش ہونے کو مانع فرماتے ہین اور یہ اختلاف عنوان محض لطافت شاعری ہی ورنہ مضمون و مقصود یعنی عدم معرفت دونون عنوانون مین محفوظ ہی وجہ یہ ہی کہ پیش کے دو معنی ہین ایک حضوری قلبی۔ دوسرے جہت مکانیہ پس اول معنی کے اعتبار سے تو اسکا نہونا مخل معرفت ہے اور دوسرے معنے کے اعتبار سے اسکا ہونا مخل ہی چنانچہ فرماتے ہین کہ) اگر تم اپنے آپ کو پس و پیش گمان کروگے (جو کہ خواص جسمیت سے ہی) تو تم جسم کے مقید رہو گے اور روح سے محروم رہو گے

کیونکہ زیر و بالا و پیش و پس (بالمعنے المذکور) اوصاف جسم سے ہی اور روح نورانی کی ذات بے جہت ہے (یعنی چونکہ تم پر اوصاف جسمانیہ غالب ہین اسلیے ادراک روحانیات سے محروم ہو پس تمکو چاہیے کہ شہنشاہ حقیقی کے نور پاک سے اپنی آنکھ کھولو (یعنے نور معرفت سے سمجھو) تاکہ تم کوتہ نظر شخص کی طرح سے یون نہ سمجھ جاؤ کہ بس تم اتنے ہی ہو کہ غم و شادی (طبعی) مین مقید ہو (جوکہ آثار جسمانیہ سے ہی بلکہ نور معرفت ہو تو سمجھ مین آجاوے کہ تمھارے اندر کوئی دوسرا جزو روحانی بھی ہی جسکا غم و شادی بھی دوسرے طور پر ہی اور اسکا ادراک ذوق سے ہوتا ہی اور اس جزو کے روبرو یہ جزو جسمی تو محض لاشے ہی جیسا فرماتے ہین کہ) اے عدم محض (کہ اپنے کو جسم محض سمجھ رہا ہی جو لاشے ہی) عدم کے پیش و پس کہان ہوتا ہی (یعنے جن آثار کو تو اپنے لیے ثابت کرتا ہی وہ بھی تو ثابت نہین پس معلوم ہوا کہ بمقابلہ روح کے جسم اور اسکے آثار محض ہیچ ہین)

روز باران ست میرو تا بشب	نے ازین باران ازان باران رب
ہست بارانہا جز این باران بدان	کہ نمی بیند و ما جز چشم جان
چشم جان را پاک کن نیکو نگر	تا ازان باران عیان بینی خضر

یہ تفریع ہی مضمون سابق پر یعنی جب ثابت ہوا کہ بمقابلہ آثار روحانیہ کے آثار جسمانیہ محض ہیچ ہین پس تمکو سمجھنا چاہیے کہ یہ بارش کا زمانہ ہی (جسمین فیوض الہیہ و برکات روحانیہ کی بارش ہوتی ہی) شب آنے تک برابر چلو (یعنی دم مرگ تک انکی تحصیل مین سعی کرو) اور اس ظاہری باران سے بحث نہین بلکہ باران رب کی گفتگو ہی (جسکی تفسیر اوپر آچکی ہی اور اگر تم کو تعجب ہو کہ ہمنے تو دوسرا باران کبھی دیکھا بھی نہین تو سمجھو کہ) اس باران کے علاوہ اور بھی بہت سے باران (غیبی) ہین کہ اسکو بجز چشم باطنی کے کوئی نہین دیکھ سکتا (اور اسکی وجہ ظاہر ہی کہ فیوض روحانیہ امور ذوقیہ ہین اس کے ادراک کے لیے ذوق باطنی درکار ہی) اگر تم چشم باطنی کو کھولو اور اچھی طرح دیکھو تاکہ اس بارش سے عیاناً سبزہ پیدا ہوا نظر آوے (مراد اُس سبزہ سے علوم حقہ و واردات قویہ ہین)

سوال کردن عائشہ از پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کہ باران شد و جامۂ مبارک تو تر نگشت

مصطفے روزے بگورستان برفت	با جنازہ یارے از یاران برفت
خاک را در گور او آگندہ کرد	زیر خاک آن دانہ اش را زندہ کرد

اس حکایت مین باران غیبی کا اثبات ہی پس یہ اس شعر سے مرتبط ہی (ہست بارانہا الخ) یعنی مصطفے صلی اللہ علیہ وسلم ایک روز قبرستان مین ایک صحابی کے جنازہ کے ساتھ تشریف لے گئے اور ان کی قبر مین مٹی بھر دی (یعنی ان کو دفن کیا) اور ان کے دانہ کو (یعنی جسم کو) زیر خاک زندہ کیا (یہ اشارہ ہی اس طرف کہ بعض مدارج سالک کے مرگ اور دفن پر موقوف رہتے ہین اور اس سے انکی ترقی ہوتی ہے پس ظاہر مین تو انکا دفن ہونا موت کا مؤکد اور مکمل تھا مگر بنا بر تحقیق مذکور گویا ان کے حق مین حیات بخشی تھی کذا قال مرشدی شدائد نزع کا

موجب کفارہ سیئات ہوتا تو بعض احادیث مین آیا ہی رہا دفن چونکہ اسمین بھی ایک علوبت بیکسی و بیبسی وعجز کی ہے تو اللہ تعالی کی رحمت کا متوجہ ہونا ایسے اسباب پر بعید نہین بعض حکایات سیر اسکی مؤید بھی ہین۔

این درختانند ہمچو خاکیان	دستہا برکردہ انداز خاکدان
سوے خلقان صد اشارت می کنند	وانکہ گوشستش عبارت می کنند
تیز گوشان راز ہا را بشنوند	غافلان آوازہا را نشنوند
با زبان سبز و با دست دراز	از ضمیر خاک مے گویند راز
ہمچو بطان سر فرو بردہ باب	گشتہ طاؤسان و بودہ چون غراب

(اسمین مضمون سابق کی مثال ہو یعنی زیر خاک ہونے سے کیا دولت ملتی ہو مطلب یہ کہ) یہ درخت بھی مثل مدفونان خاک کے ہین اور خاکدان (یعنی زمین) سے ہاتھ نکال رہے ہین (اور ان ہاتھون سے) خلائق کی طرف صدہا اشارے کر رہے ہین (کہ تم بھی ہماری طرح خاک تذلل کے نیچے دب جاؤ تاکہ ہماری طرح تم کو بھی رفعت و بلندی نصیب ہو) اور جس شخص کے (باطنی) کان ہین ان کے لیے عبارت (مین کلام) کرتے ہین (بہت سی آیات و احادیث کے ظاہر الفاظ بدلالت حقیقیہ نباتات وجمادات کے تکلم پر دلالت کرتے ہین اور اہل کشف اس کو سنتے ہین اس مصرعہ مین اسی طرف اشارہ ہی) جو لوگ تیز گوش (یعنی اہل کشف ہین) وہ (ان باطنی کانون سے) ان کے راز کو سنتے ہین (یعنی سنکر حقیقت اور مقصود کو بھی سمجھتے ہین) اور جو غافل ہین وہ نری آواز کو بھی نہین سنتے (اور مقصود تو کیا سمجھتے غرض وہ درخت) زبان سبز اور دست دراز سے ضمیر خاک کا راز بتلا رہے ہین (کہ دیکھو خاک کے اندر کیا کیا باغ و بہار ہے اور ہم کو زیر خاک ہونے سے کیا کیا ملا کذا قال مرشدی رح) ان درختون نے پانی کے اندر غوطہ لگا یا ہی یعنی رطوبت ارضی سے سیراب ہو رہے ہین اور (آب سے مراد اجزاء مائیہ جو زمین کے اندر ہین) بس وہ طاؤس (کی طرح مزین) ہوگئے حالانکہ محض مثل غراب کے تھے (یعنی خزان مین بدنما ہوگئے تھے اب بہار مین خوشنما ہوگئے اسیطرح خاک فروتنی و تذلل و فنا مین خاصیت ہے کہ جو شخص دنیا دار ہو کر مثل غراب مردار پر گرتا ہو وہ آب معارف سے سیر ہو کر بہار عنایت کی برکت سے مشرف بدولت بقا ہوتا ہے کذا سمعت مرشدی رح۔

فائدہ اول اوپر جو فرمایا ؎ تیز گوشان راز ہا را الخ اس سے کوئی نہ سمجھ جاوے کہ جو تیز گوش یعنی اہل کشف نہو وہ غافلین مین سے ہی کیونکہ یہان غفلت کی مذمت مقصود ہی نہ کشف کا لوازم ولایت سے ہونا سو اگر کشف کے ساتھ بھی غفلت ہو تو وہ کشف قابل اعتبار نہو گا اور اگر عدم کشف کے ساتھ تنبہ ہو تو وہ غفلت نہین۔

فائدہ دوم یہ جو کہا ہی ؎ از ضمیر خاک میگویند راز الخ اگر کسی کو بلسان قال یہ مضمون مسموع ہوا ہو تعجب نہین جیسا ظاہر ا یہ مصرعہ دلالت کرتا ہی ؎ وانکہ گوشستش عبارت میکنند الخ

در زمستان شان اگر محبوس کرد	آن غرابان را خدا طاؤس کرد
در زمستان شان اگرچه داد مرگ	زنده شان کرد از بهار و داد برگ

(اوپر کے شعر کی توضیح در توضیح ہی مطلب یہ کہ) زمستان (یعنے خزان) مین اگرچہ انکو محبوس (بے سامانی) کردیا تھا (مگر بہار مین) ان غرابون کو خدا تعالی نے طاؤس (مزین بہ برگ وثمر) کردیا (یا بعبارت دیگر یون کہو کہ) زمستان مین اگرچہ انکو (ایک قسم کی مرگ دیدی تھی دیگر) بہار سے انکو زندہ کردیا اور سامان عطا فرمایا۔

منکران گویند خود هست این قدیم	این چرا بندیم بر رب کریم
جمله پندارند کین خود دائم ست	وز قدیم این جمله عالم قائم ست

(اوپر اس مصرعہ مین آن غرابان را خدا الخ تصریح ہی اثبات صانع اور فاعل بالاختیار کی چونکہ بعضے اسکے منکر ہین انکا مذہب نقل کرکے رد کرتے ہین) منکر لوگ کہتے ہین کہ عالم قدیم ہی پھر (خواہ مخواہ) اسکو رب کریم کی طرف کیون منسوب کرین ان سب کا گمان ہی کہ یہ عالم دائم ہی اور قدیم سے یہ تمام عالم (بمادتہ یا بصورتہ) قائم ہی (منکر سے مراد دہریہ و فلاسفہ ہین کہ فرقۂ اول منکر ہی صانع کا اور دوسرا منکر ہی صانع بالاختیار کا اسی لیے قدم عالم کے قائل ہین کیونکہ صانع کا فاعل بالاختیار ہونا حدوث عالم بالذات و بالزمان کو مستلزم ہے کما تقرر فی الحکمۃ)

گوری ایشان درون دوستان	حق برویاند باغ و بوستان
هر گلی کاندر درون بویا بود	آن گل از اسرار کل گویا بود
بوی ایشان رغم انف منکران	گرد عالم می رود پرده دران
منکران همچون جعل زان بوی گل	یا چو نازک مغز از بانگ دهل
خویشتن مشغول می سازند و غرق	چشم می دوزند از لمعان برق
چشم می دوزند و آنجا چشم نی	چشم آن باشد که بیند مامنی

(ایمین رد ہی منکرین کا یعنی) انکا اندھا پن ہی خدا تعالی نے اپنے دوستون کے دل مین باغ و بوستان (دلائل حقہ استدلالیہ و وجدانیہ) کا لگا رکھا ہی ایمین کا جو پھول باطن مین خوشبو دے رہا ہی (یعنی جو دلیل قلب مین اطمینان بخش ہو رہی ہی وہ پھول اسرار کل ہی گویا ہو رہا ہی (یعنے وہ دلیل ذات جامع الصفات کے کمالات مخفیہ کا اظہار کر رہی ہی) اور وہ انکی خوشبو کو منکرنا کر کرم جاوین تمام عالم کے گرد حجابات (و سلوک) کو پھاڑتی ہوئی چل رہی ہی (یعنے وہ دلائل عام طور پر شائع ہو رہے ہین اور اپنا اثر دکھلا رہے ہین) مگر منکرین کی حالت اس بوے گل سے مثل کرم گندگی کے ہے (کہ خوشبو سے مرجاتا ہی) یا مثل حالت ضعیف الدماغ شخص کے ہے کہ بانگ دہل سے ہوجاتی ہی (یعنی پریشان ہوجاتا ہی اسی طرح ان دلائل کے فہم و سماع کی منکرین کو تاب نہین ہی) منکرین اپنے آپ کو (جہل مرکب مین) مشغول اور غرق رکھتے ہین اور چشم (عقل) کو برق (دلائل) کی چمک سے بند کر لیتے ہین (یعنے دلائل حقہ

مین غور بھی تو نہین کرتے ورنہ ضرور حق واضح ہو جاوے، غرض وہ آنکھین بند کر لیتے ہین اور آگے ضراب ہو کر وہان آنکھین ہی نہین (کیونکہ) آنکھ تو وہ ہی جسکو اپنا محل امن نظر آجاوے (پس جب انھون نے اپنی عقل سے اپنی نجات کا طریقہ تحقیق نہ کیا وہ عقل کالعدم ہی جیسا اس آیۂ کریمہ مین ہی صُمٌّ بُکمٌ عُمیٌ فہم لا یعقلون)

چون زگورستان پیمبر باز گشت ۔ سوے صدیقہ شد وہمراز گشت
چشم صدیقہ چو بر رویش فتاد ۔ پیش آمد دست بر وے می نہاد
بر عمامہ و بر رخ و بر موے او ۔ بر گریبان و بر و بازوے او
گفت پیغمبر چہ می جوئی شتاب ۔ گفت باران آمد امروز از سحاب
جامہایت می بجویم در طلب ۔ تر نمی بینم ز باران اے عجب
گفت چہ بر سر فگندی از ازار ۔ گفت کردم آن ردائے تو خمار
گفت بہر آن نمود اے پاک جیب ۔ چشم پاکت را خدا باران غیب

(یہین عود ہی قصہ کیطرف) یعنی جب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم قبرستان سے واپس تشریف لائے تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالی عنہا کے پاس آکر باتین کرنے لگے حضرت صدیقہ کی نگاہ جو آپکے چہرۂ مبارک پر پڑی تو قریب آکر انھون نے آپ کے چہرے پر ہاتھ رکھا اور آپ کے عمامہ ورُخ اور بال اور گریبان و بازو پر ہاتھ پھیرنا شروع کیا آپنے دریافت فرمایا کہ تم کیا دیکھتی ہو عرض کیا کہ آج ابر سے بارش ہوئی تھی مین آپکے کپڑے دیکھتی ہون مگر عجب بات ہی کہ بارش سے تر نہین پاتی آپنے ارشاد فرمایا کہ تم نے سر پر کیا کپڑا اوڑھا تھا عرض کیا کہ آپ کی اُس چادر کو سر بند بنایا تھا آپنے فرمایا بس اسی وجہ سے اللہ تعالی نے تمھاری چشم پاک کو باران غیب منکشف فرمادیا (یعنی وہ بارش ظاہری نہین تھی جس سے کپڑے تر ہوتے)

نیست آن باران ازین ابر شما ۔ ہست ابرے دیگر و دیگر سما
این چنین باران ز ابر دیگرست ۔ رحمت حق در نزولش مضمرست
بشنو از قول سنائی در رموز ۔ معنئے تا واقف آئی بر کنوز
گر تو بکشائی ز باطن دیدۂ ۔ زود یابی سرمۂ بگزیدۂ

(یہ مقولہ ہی مولانا کا کہ) یہ باران (جسکا اوپر ذکر ہوا) تمھارے اس ظاہری ابر سے نہین برستا بلکہ وہ دوسرا ہی ابر ہی اور دوسرا ہی آسمان ہی ایسی بارش اس دوسرے ابر سے نازل ہوتی ہی اور اس کے نازل ہونے مین حق تعالی کی رحمت مضمر ومخفی ہوتی ہی (اور اگر تم کو اس باران غیبی کے وجود مین ہمارے کہنے سے شبہہ رہے تو) حکیم سنائی کے قول سے جو رموز مخفیہ کے بارے مین ہی ایک مضمون سُن لو تاکہ گنج علم پر تم مطلع ہو جاؤ (اور اگر تم کو اُن کی تقلید پر بھی قناعت نہ ہو تو) اپنا دیدۂ باطنی اگر کھول لوگے (یعنے ریاضات و

مجاہدات سے حجابات شہوت وغفلت کے مرتفع کر دو گے) تو بہت جلدی ایک سر پسندیدہ (یعنے نور معرفت و وجدان صحیح) تم کو میسر ہوگا۔ آگے بعد شرح قول سنائی کے اس باران کی تعیین و تقسیم آتی ہے ؎ آن خزان نزد خدا الخ یعنی مراد اس باران سے معرفت و اوصاف روحانیہ ہین جو باران بہاری ہے اور جہل وغفلت و اوصاف نفسانیہ ہین جو باران خزانی ہے اور اوپر جو مطلقاً کہدیا ہے ؎ رحمت حق : رنز و لش الخ وہان رحمت سے مراد عام ہے خواہ رحمت آخرویہ ہو جیسے اوصاف روحانیہ مین ہے خواہ رحمت دنیویہ جیسے غفلت مین ہے کہ بقاء اس عالم کا بہیئت کذائیہ بدولت اسی غفلت کے ہے جیسا آگے آویگا ؎ اُستن این عالم ایجان غفلت ست۔

تفسیر بیت حکیم سنائی قدس اللہ سرہ

آسمان ہاست در ولایت جان	کار فرمائے آسمان جہان
در رہ روح پست و بالا ہاست	کوہہائے بلند و صحرا ہاست

یہ قول دلیل ہے مضمون بالا کی ؎ ہست ابر دیگر و دیگر سماء۔ جاننا چاہیے کہ محققین نے کہا ہے کہ تمام کائنات عالم مظاہر ہین اسماء الٰہیہ کے اور مظہریت کے معنے اوپر تفصیل گذر چکے ہین اور اصطلاح مین ان مظاہر کو ان اسماء کی صورت کہتے ہین اور ان اسماء کو ان مظاہر کی حقیقت مثلاً پانی مین صفت احیاء کی ہے اور یہ فیض ہے اسم محیی کا پس باعتبار اصطلاح کے یون کہا جاتا ہے کہ پانی صورت محیی کی ہے اور محیی حقیقت پانی کی ہے وعلی ہذا تو یہان صورت و حقیقت سے مراد معنی متبادر لغوی یا دوسرے فن کے اصطلاحی نہین ہین اور یہ بھی کہا ہے کہ بہ نسبت دوسری مخلوقات کے انسان مین صفات الٰہیہ کا ظہور اکثر و اتم ہے اسلیے انسان کو جامع کہتے ہین اور یہ ظاہر ہے کہ حقایق یعنی اسماء الٰہیہ مرئی ہین صورت یعنی مظاہر کے جب یہ سب مقدمات سمجھ مین آگئے تو جاننا چاہیے کہ حکیم سنائی کے شعر مذکور کا اور اسیطرح جو کلام اسکا ہم مضمون ہو اس کا حاصل یہ ہے کہ آسمان ظاہر اور نشیب و فراز اور کوہ و صحراء ظاہری جن اسماء و حقائق کے مظاہر ہین یہ اسماء وحقایق انسان مین جنکی حقیقت شرح ہی بوجہ اتم ظاہر و متجلی ہین پس مراد آسمان ہاسے وہی حقایق ہین اور انکا مرئی آسمان ظاہری ہونا ظاہر ہے اور سابق مین مذکور ہوچکا ہے اسی طرح پست و بالا و کوہ و صحرا جو روح مین ثابت کیا ہے ان سب سے مراد اُن مظاہر کے حقایق ہین جنکے تجلی اتم کا روح مین ہونا مذکور ہوا ہے اور اُن اسماء الٰہیہ کا اثر روح پر یہ ہے کہ واردات و کیفیات و حالات مختلفہ وجدانیہ طاری ہوتے ہین جو مراد ہے بارش مذکور سے جیسا اوپر آیا ہے اور آگے بھی آتا ہے پس عالم غیب مین اس طرح ان اشیاء کا وجود ثابت ہوگیا وہذا کلہ مستفاد من علوم مرشدی۔

پیر دانا اندرین رمزے بگفت	در حقیقت زین صدف درے بسفت
غیب را ابرے و آبے دیگرست	آسمان و آفتابے دیگرست

ناید آن الا کہ بر خاصان پدید	باقیان فی لبس من خلق جدید

یعنی پردانا (حکیم سنائی) نے اس باب مین جو رمز فرمایا ہی واقع مین اس صدف سے موتی پرو دیا ہی (صدف سے مراد الفاظ اور در سے مراد معانی الفاظ خاصہ مین کیسے معانی کو ادا فرمایا ہی اور وہ معنی یہ ہین کہ) عالم غیب کا ابر اور آب ہی دوسرا ہی اور آسمان اور آفتاب ہی دوسرا ہی (عالم غیب عالم ارواح ہی اسکا ابر و آسمان و آفتاب اسماء الٰہیہ ہین اور آب ان اسماء کا فیض ہی) وہ ابر و آب وغیرہ بجز خواص کے کسی پر ظاہر نہین ہوتے اور باقی لوگ تو ایسے ہین جسطرح وہ لوگ تھے جنکی نسبت کہا گیا ہی کہ وہ خلق جدید (یعنی بعث) سے اشتباہ مین ہین (یہ تشبیہ صرف اشتباہ ہی اور بجز خواص کے کسی پر اس کے ظاہر ہونے کی وجہ ظاہر ہی کہ وہ فیوض و آثار امور وجدانیہ ہین جو صاحب وجدان ہوگا وہ ادراک کریگا ورنہ اشتباہ بلکہ انکار مین بھی کچھ تعجب نہین) فائدہ باقیان پر جو حکم فی لبس من خلق جدید کا کیا ہی اس سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ قرآن مجید کی تفسیر کر رہے ہین اور آیت کا مورد بتلا رہے ہین کیونکہ آیت مین خلق جدید سے یقینا بعث مراد ہی اسیطرح مورد اسکا کفار ہین بلکہ مقصود تشبیہ دینا ہی اہل لبس کے ساتھ جیسا حضرت نے عین شرح مین عبارت بڑھا کر اسکو ظاہر کر دیا ہے۔

ہست باران از پے پروردگی	ہست باران از پے پژمردگی
نفع باران بہاران بوالعجب	باغ را باران پائیزی چو تب
باغ را باران نیسانے طرب	باز باران خزانے ہمچو تب
آن بہارے ناز پروردش کند	وین خزانی ناخوش و زردش کند
ہمچنین سرما و باد و آفتاب	بر تفاوت دان و سررشتہ بیاب
ہمچنین در غیب انواع ست این	در زیان و سود و در ربح و غبین

باران پائیز عبارت ست از خزان یعنی تحویل شمس میزان و عقرب و قوس کہ مابین تابستان و زمستان باشد نیسان مدت باران آفتاب در حمل و نام باران بہاری و ماہ ہفتم از سال رومیان۔ یہ بیان ہی باران غیب کے اقسام اور انکے آثار کا اجمالا (یعنی) ایک قسم تو باران غیب کی پروردگی (ارواح کے لیے ہی (اور وہ بہاری ہی) اور ایک قسم اسکی پژمردگی (ارواح) کے لیے ہی (اور وہ خزانی ہی اور معارف و اوصاف کمال سے روح کی تازگی اور ان کے اضداد سے اسکی پژمردگی ظاہر ہی اور یہی مراد ہی بہاری و خزانی سے جیسا شرح مین اور نیز ابھی متن مین آگے آتا ہی) باران بہاری کا تو نفع عجیب ہی اور باران خزانی باغ کے حق مین مثل تپ کے ہی یا بعبارت دیگر یون کہا جاوے کہ باغ کے حق مین باران بہاری طرب ہی اسکے بعد باران خزانی مثل تپ کے ہی وہ بہاری تو باغ کو ناز پروردہ کرتا ہی اور یہ خزانی اُس کو بدنما اور زرد کرتا ہی (باران ظاہری کے باغ ظاہری مین یہ آثار نمایان ہوتے ہین اور باران باطنی کے باغ باطنی ہین اور جس طرح

باران دو طرح کا ہو ظاہری و باطنی، اسی طرح سرما۔ اور ہوا اور آفتاب کو اسی تفاوت (وتقسیم) پر سمجھو اور اس سلسلہ کی مثل کو دریافت کرو (کہ دونون مصنوع و مسخر حق تعالیٰ کے ہین) اسی طرح غیب مین ان سب اشیاء کی انواع اپنے اپنے آثار مین سود و زیان و نفع و نقصان مین (مختلف) ہین (یعنے جسطرح اشیاء مذکورہ ظاہر مین ہین اور بعض آثار مین مؤثر ہین اسیطرح یہ اشیاء باطن مین ہین اور اپنے آثار مین موثر ہین اور ہم اوپر لکھ چکے ہین کہ مراد ان اشیا کے باطن سے حقائق واسما ہین اور چونکہ وہ اسماء انسان پر بھی متجلی ہین اسلیے ہمین انکے آثار ظاہر ہوتے ہین سود و زیان سے وہی آثار مراد ہین۔

این دم ابدال باشد زان بہار	در دل و جان ویدا زو سبزہ زار
فعل باران بہاری با درخت	آید از انفاس شان اے نیکبخت
گر درخت خشک باشد در مکان	عیب آن از باد جان افزا مدان
باد کار خویش کردہ بر وزید	آنکہ جانے داشت بر جانش گزید
ونکہ جامد بود خود واقف نشد	وائے آن جانے کہ او عارف نشد

(یہی بیان ہوا اُس باران کے اثر کا تفصیلا یعنی) یہ اولیاء اللہ کا کلام اُسی باران بہاری کا ایک شعبہ ہو کہ (طالبین کے) قلب و روح مین اُس سے (معارف و کمالات باطنی کا) سبزہ زار پیدا ہو جاتا ہو (اور کلام اولیاء کا اُس سے ایک شعبہ ہونا اس لیے ظاہر ہو کہ اول وہ واردات غیبیہ اُن کے قلب پر آتے ہین اور وہ منشاء ہوتا ہو اُس کلام اکسیر انضمام کا) باران بہاری کا جو فعل درخت کے ساتھ ہو ویسا فعل (طالبین کے ساتھ) اُن حضرات کے کلام سے ظاہر ہوتا ہو کہ اُن کو متصف بکمالات کر دیتا ہو) البتہ اگر کسی جگہ کوئی درخت ہی خشک ہو تو اس باد جان بخش سے اُسکا عیب در زیادہ ہو جاتا ہو (یعنی ہوا سے وہ دونا خشک ہو جاتا ہو مطلب یہ کہ جو لوگ فاسد الاستعداد اور منکر و معاند اولیاء اللہ کے ہین اور اُن کے کلام سے انکو نفع نہین ہوتا بلکہ اور اُلٹا انکار و خلاف بڑھتا ہو تو اس سے کلام کی تاثیر جان بخشی مین شبہہ نکرنا چاہیئے بلکہ وہ خرابی استعداد سامع کی ہو) ہوا تو اپنا کام کر کے چلتی ہوئی (اور بے دریغ سب کو فیض پہونچایا) اب جو شخص کچھ جان (یعنے استعداد صحیح) رکھتا تھا اُس نے تو اُس کو جان پر بھی ترجیح دیکر قبول کر لیا اور جو جماد محض (یعنی فاسد الاستعداد) تھا وہ خبر بھی نہین ہوا واقعی وہ جان بھی افسوس کے قابل ہو جسکو معرفت الٰہیہ میسر نہ ہو۔

در معنی این حدیث کہ اغتنموا برد الربیع فانہ یعمل بابدانکم کما یعمل باشجارکم واجتنبوا برد الخریف فانہ یعمل بابدانکم کما یعمل باشجارکم

ترجمہ اسکا یہ ہو کہ غنیمت سمجھو سردی ربیع کو کیونکہ وہ تمھارے بدن کے ساتھ وہی عمل کرتی ہو جو تمھارے درختوں کے ساتھ کرتی ہو اور پرہیز کرو سردی خریف سے کیونکہ وہ تمھارے بدن کے ساتھ وہی عمل

کرتی ہی جو تمھارے درختون کے ساتھ کرتی ہی۔ یہ مضمون اگلے شعر سے مربوط ہی ۵ این دم ابدال باشد زان بہار الخ جیسا آگے تصریح ہی پس تاویل این بود کا نفاس پاک الخ ف بزرگون کے کلام مین بعض احادیث پائی جاتی ہین جو کتب فن مین نہین پائی جاتین اور موافق قواعد محدثین کے وہ حدیث نہین ہی پس اسکی توجیہ کے دو طریق ہین ایک طریق یہ کہ محدثین نے جسطرح احادیث منامیہ پر حدیث کا اطلاق کیا ہی اسی طرح ممکن ہے کہ ان حضرات کو کشف سے انکا حدیث ہونا ثابت ہوا ہو اور احادیث الہامیہ پر اطلاق حدیث کا کردیا ہو کذا قال مرشدی دوسرا طریق یہ ہی کہ اگر حدیث بھی نہو تب بھی مضر نہین کیونکہ اس کے ایراد سے جو غرض ہوتی ہی وہ دوسری دلائل صحیحہ سے ثابت ہوتی ہی پس اخلال دلیل خاص سے اخلال مدعا و مقصود کا لازم نہین آتا رہا یہ امر کہ غیر حدیث کو حدیث کیون کہدیا اسکی وجہ یہ ہی کہ بزرگون مین حسن ظن غالب ہوتا ہی اور زیادہ تفتیش کی نہ عادت ہوتی ہی نہ مہلت اس لیے کسی سے سن لیا یا کہین لکھا ہوا دیکھ لیا یقین کر لیتے ہین ف باطنی معانی جو بیان کیے جاتے ہین جیسا اس جگہ کیا ہی مقصود اس سے تفسیر و تعیین مراد نہین ہوتی بلکہ محض تمثیل و قیاس ہوتا ہی ایک شے کی حالت کو دوسرے شے کی حالت پر اسکو علم اعتبار کہتے ہین پس تفسیر بالرای یا انکار معنی ظاہری کا طعن ان پر نہین ہو سکتا۔

قول پیغمبر شنو اے جان من — دور کن از خویشتن افکار و ظن
گفت پیغمبر ز سرمائے بہار — تن مپوشانید یاران زینہار
زانکہ با جان شما آن مے کند — کان بہاران با درختان مے کند
لیک بگریزید از برد خزان — کان کند کو کرد با باغ و رزان
راویان این را بظاہر بردہ اند — ہم بر آن صورت قناعت کردہ اند
بے خبر بودند از سر آن گروہ — کوہ را دیدہ ندیدہ کان بکوہ

یعنی پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد سنو اور اپنے اوہام و ظنون (فاسدہ) کو دور کرو (جو مانع عمل ہین) حضور نے فرمایا ہی کہ سردی بہار سے اپنے بدن ہرگز (کپڑون سے) مت چھپاؤ کیونکہ وہ تمھارے جان کے ساتھ وہ معاملہ کرتی ہی جو درختون کے ساتھ کرتی ہی لیکن سردی خزان سے بھاگو کیونکہ اسکا (تمھارے ساتھ) وہ اثر ہوگا جو باغ و انگور کے ساتھ ہوتا ہی راوی لوگ اسکو (صرف) ظاہری معنی کی طرف لے گئے ہین اور اسی پر قناعت کرتی ہی اور یہ گروہ سر مخفی سے بے خبر رہے (ایسی مثال ہی جیسے) کوہ کو دیکھا ہو اور اسمین جو کان مدفون ہے اسکو نہ دیکھا ہو (یعنی ظاہری معنی صحیح تو ہین مگر اسپر قناعت نہ کرنا چاہیے بلکہ اس سے منتقل ہو کر بطور اعتبار مذکور کے دوسرا مضمون بھی سمجھنا چاہیے)۔

آن خزان نزد خدا نفس و ہواست — عقل و جان عین بہارست و بقاست
مر ترا عقلے ست جزوی در نہان — کامل العقلے بجو اندر جہان

جزو تو از کل او کلی شود — عقل کل بر نفس چون غلی شود
پس بتاویل این بود کانفاس پاک — چون بہارست و حیات برگ و تاک
از حدیث اولیا نرم و درست — تن مپوشان زانکہ دینت راست پشت
گرم گوید سرد گوید خوش بگیر — تا ز گرم و سرد بجہی وز سعیر
گرم و سردش نو بہار زندگیست — مایۂ صدق و یقین و بندگیست
زان کزو بستان جانہا زندہ است — زین جواہر بحر جان آگندہ است
بر دل عاقل ہزاران غم بود — گر ز باغ دل خلالی کم بود

اس مین بیان ہے بطن حدیث کا جو وجہ ہے ربط کی مضمون ماقبل سرخی سے یعنی) خدا تعالی کے نزدیک یہ خزان نفس و ہوا ہے اور (کمالات) عقل و روح عین بہار بقا ہے تمھارے پاس ایک عقل ناقص ہے جو (اس نفس و ہوا مین) چھپی ہی ہے تمکو چاہیے کہ کسی کامل العقل (یعنی عارف کامل) کو جہان مین تلاش کرو تاکہ تمھاری عقل ناقص اسکی عقل کامل سے کامل ہوجاوے پھر وہ عقل کامل نفس پر (مثل) طوق (کے غالب ہوجاوے (اور نفس کو عاجز و بے قابو کردے پس تاویلی معنے (نہ تفسیری) یہ ہوے کہ (اولیاء اللہ کے) انفاس پاک مثل بہار اور حیات برگ انگور کے ہین پس اولیاء اللہ کی باتون سے خواہ وہ نرم ہون یا سخت ہون جی مت چراؤ کیونکہ وہ تمھاری دین کی قوت ہے خواہ گرم کہے خواہ سرد کہے خوشی سے قبول کرو تاکہ دنیا کے گرم و سرد سے اور دوزخ سے بچ جاؤ اسکا گرم و سرد (حقیقی) زندگی کی تازہ بہار ہے اور صدق و یقین و عبودیت کا سرمایہ ہے (مطلب یہ کہ شیخ اگر مجاہدات و ریاضات شاقہ بتلادے اُس سے تنگدل مت ہو کہ اُسمین سر تا سر تمھارا باطنی نفع ہے اور اِس سے کمالات صدق و یقین مین ترقی ہوتی ہے آگے خوش بگیر کی علت ہے) اسوجہ سے کہ ان انفاس سے (طالبین کا) باغ جان زندہ ہے اور ان جواہرات (حقایق و معارف) سے بحر جان (طالبین) پُر ہے (جیسا ابھی بیان ہوا ہے اور یہ باغ جان ایسی قدر و قیمت کی چیز ہے کہ) عاقل کے دل پر ہزارون غم چھا جاتے ہین اگر اُس باغ مین سے ایک تنکا بھی کم ہوجاتا ہے (پس اسکا تر و تازہ رکھنا بہت ضروری ہے اور کلام اولیاء سے وہ تازہ ہوتا ہے پس اسکا قبول کرنا ضرور ہوا اور عاقل سے مراد عارف ہے اور یہ اُس کمی مین ہے جو اپنی خطا و قصد سے ہوجاوے ورنہ جو بلا اختیار ہو عارف کامل اسپر ذرا غم نہین کرتا جیسا خود کہا ہے ؎ ناخوش او خوش بود بر جان من + دل فدائے یار دل رنجان من)

پرسیدن صدیقہ رضی اللہ تعالی عنہا از مصطفے صلے اللہ علیہ وسلم کہ سر باران امروز چہ بود

پس سوالش کرد صدیقہ ز صدق — با خشوع و با ادب از جوش عشق
کای خلاصہ ہستی و زبدہ وجود — حکمت باران امروزی چہ بود
این ز باران ہای رحمت بود یا — بہر تہدیدست و عدل کبریا

یا ز پائیزی پر آفات بود	این از آن لطف بہاریات بود

(یعنی حضرت صدیقہ نے صدق سے خشوع و ادب کے ساتھ جوش عشق سے دریافت کیا کہ اے خلاصۂ کائنات آج کے باران کی کیا حکمت تھی آیا یہ باران رحمت تھا یا تہدید اور عدل کے واسطے تھا یعنے یہ لطف بہاریات میں سے تھا یا خزانی پر آفات میں سے تھا یعنی یہ باران غیب از قسم بہاری تھا یا خزانی)

گر مصیبت بر نژاد آدم ست	گفت این از بہر تسکین غم ست
بس خرابی او فتادے و کمی	گر بر ان آتش بماندے آدمی
حرصہا بیرون شدے از مردمان	ایں جہان ویران شدے اندر زمان

یعنی آپ نے جواب دیا کہ یہ (نہ اس اعتبار سے بہاری ہو کہ اس سے افاضۂ کمالات کا قلوب عارفین پر مقصود ہو اور نہ اس معنی کر خزانی ہو کہ اوصاف ذمیمہ میں مبتلا کرنا منظور ہو بلکہ) محض اس غم کی تسکین کے لیے ہو جو مصائب کے واقع ہونے سے آدمی کی طبیعت میں پیدا ہو جاتا ہو اگر آدمی اُسی آتش غم و مصیبت میں مبتلا رہا کرتا تو بڑی خرابی اور کمی (عالم میں) واقع ہو جاتی یعنی یہ عالم فوراً ویران ہو جاتا اور ہر قسم کی حرص و اُمنگ آدمیوں میں سے نکل جاتی (اور ظاہر ہو کہ اس حالت میں ہر شخص اپنا اپنا پیشہ زراعت و تجارت وغیرہ ترک کر دیتا اور اسی پر بقاء عالم ہو بلکہ لزوم غم سے قلوب میں ایسی افسردگی چھا جاتی کہ بہت سے نیک کام بھی جو نشاط طبع پر موقوف ہیں جیسے تعلیم و تصنیف و آمادگی اسباب برائے اعلاء کلمتہ اللہ یہ سب معطل ہو جاتے دلیل اس تقریر کی مصرعۂ آیندہ ہو سعے نے ہنر ماند درین عالم نہ عیب + پس حاصل جواب یہ ہو کہ ان دونوں مذکورہ قسموں میں انحصار نہیں ہو بلکہ وہ تقسیم بطور مانعۃ الجمع ہو یہ اُن دونوں کے علاوہ ہو جو باعتبار یعنی ماہیت کے تو ایک مستقل قسم ہو کیونکہ نہ اس سے افاضۂ کمالات مقصود ہو نہ ابتلا با وصاف نفسانیہ منظور ہو جیسا بیان ہوا اور باعتبار آثار کے کبھی ایک قسم میں داخل ہو کبھی دوسری قسم میں کیونکہ اثر اسکا بالذات تسکین غم ہو جسکا مآل گاہے طلب کرنا امور مذمومہ کا ہوتا ہے اور گاہے سعی کرنا امور محمودہ میں مفصل گزرا ہو خوب سمجھ لو۔

ہوشیاری ایں جہان را آفت ست	استن این عالم اے جان غفلت ست
غالب آید پست گردد این جہان	ہوشیاری زان جہانست و چو آن
ہوشیاری آب و این عالم وسخ	ہوشیاری آفتاب و حرص یخ
تا نہ خیزد زین جہان حرص و حسد	زان جہان اندک ترشح میرسد
نے ہنر ماند درین عالم نہ عیب	گر ترشح بیشتر گردد ز غیب
سوے قصہ مرد مطرب باز رو	این ندارد حد سوے آغاز رو

(یہ مقولہ مولانا کا ہو تائید مضمون بالا میں یعنی) اس عالم کا ستون (و مدار قیام) غفلت ہے (امور مذمومہ

کے لیے غفلت مذمومہ اور امور محمودہ کے لیے کی مشاہدہ) ہوشیاری خالص اس عالم کی چیز ہے اگر وہ غالب آجائے تو یہ عالم (باجزائہ المحمودۃ والمذمومۃ) پست ہو جاوے اس ہوشیاری کی مثال آفتاب کی سی ہے اور حرص کی مثال (خواہ وہ مذموم ہو خواہ امور خیر کا نشا ہو) برف کی سی ہے اور دوسری مثال ہوشیاری مثل پانی کے ہے اور یہ عالم میل ہے (کہ آفتاب کے روبرو یخ نہیں ٹھیرتا اور آب کے روبرو وسخ نہیں رہتا) اس عالم کا اثر مشاہدہ تھوڑا تھوڑا مترشح ہوتا ہے تاکہ بالکلیہ حرص وحسد محمودہ ہو یا مذموم جیسا غبطہ) اس عالم سے مرتفع نہ ہو جاوے اگر عالم غیب سے وہاں کے اثر کا زیادہ ترشح ہونے لگے تو اس عالم میں نہ ہنر رہے اور نہ عیب رہے (یعنی امور محمودہ ومذمومہ سب ناپید ہو جاویں کیونکہ تجلی دائم ومشاہدہ مستمرہ سے آدمی معطل ہو جاتا ہے اس لیے محققین کا قول ہے کہ جیسے تجلی نعمت ہے استتار بھی نعمت ہے اچھی طرح سمجھ لو آگے قصہ کی طرف رجوع فرماتے ہیں کہ) یہ مضمون تو انتہا ہی نہیں رکھتا اب پھر ابتدا کی طرف چلو یعنی مطرب کے قصہ کی طرف عود کرو۔

بقیہ قصہ پیر چنگی وبیان مخلص آن

مطربی کز وی جہان شد پر طرب — رستہ آوازش خیالات عجب

از نوایش مرغ دل پران شدی — وز صدایش ہوش جان حیران شدی

چون بر آمد روزگار و پیر شد — باز جانش از عجز پشہ گیر شد

باز گرچہ پیل باشد بیگمان — پشہ اش سازد ضعیف وناتوان

پشت او خم گشت ہمچون پشت خم — ابروان بر چشم ہمچون پاردم

گشت آواز لطیف جانفزاش — ناخوش ومکروہ وزشت ودلخراش

آن نوا کہ رشک زہرہ آمدہ — ہمچو آواز خر پیرے شدہ

(یعنی ایسا مطرب کہ اس سے عالم پر طرب ہو رہا تھا اور اسکی آواز سے خیالات عجیب) سامعین کے قلب میں پیدا ہوتے تھے اور اسکی آواز سے مرغ دل پران ہونے لگتا تھا اور اسکی آواز سے ہوش جان حیران ہوتا تھا جب اسکی عمر ڈھل گئی اور بوڑھا ہو گیا اسکی جان جو مثل باز کے قوی تھی بوجہ ضعف کے پشہ گیر ہو گئی (یعنی پشہ کی پکڑنے والی ابتدا اس کے کہ بڑے بڑے شکار کرتی تھی یا پشہ کی پکڑی ہوئی یعنی پشہ سے بھی کمزور ہو گئی اور یہ تو قاعدہ چلا آتا ہے کہ) باز گو مثل فیل کے قوی ہو (ایک وقت میں ایسا ضعیف ہو جاتا ہے کہ) پشہ بھی اسکو ضعیف وناتوان کر دیتا ہے (کما قال تعالی ومن نعمرہ ننکسہ فی الخلق) اسکی پشت مثل مٹکے کے خم ہو گئی اور ابروین آنکھوں پر مثل دمچی کے ہو گئین اور اسکی آواز لطیف جانفزا ناخوش ومکروہ وزشت ودلخراش ہو گئی اسکی وہ آواز جو رشک زہرہ تھی وہ مثل آواز خرپیر کے ہو گئی۔

خود کدامین خوش کہ آن ناخوش نشد	یا کدامین سقف کان مفرش نشد
غیر آواز عزیزان در صدور	کہ بود از عکس دم شان نفخ صور
اندرونے کاندرو نہا مست ازوست	نیستی کاین ہستہا مان مست ازوست
کہربائے فکر و ہر آواز اوست	لذت الہام و وحی و راز اوست

(یعنی اس پیر چنگی کی آواز خوش کا ناخوش ہو جانا محل تعجب نہیں کیونکہ دنیا مین) ایسی کون سی خوش چیز ہی جو ناخوش نہین ہو گئی یا ایسی کون سی چھت ہی جو دگر کر) فرش نہین ہو گئی بجز اولیاء اللہ کی (باطنی) آواز کے (کہ عبارت ہے انکے فیوض و برکات سے) جنکی آواز کے عکس سے نفخ صور ہو (یعنے جیسا عکس اصل سے کمتر ہوتا ہی اسی طرح اُن کے فیوض و برکات نفخ صور سے اعلے واکمل ہین کیونکہ نفخ صور سے حیات جسمانی حاصل ہو گی اور اُن کے فیوض سے حیات روحانی حاصل ہوتی ہو اور حیات روحانی کا افضل ہونا حیات جسمانی سے ظاہر ہی) اُن اولیا کا ایسا باطن ہو کہ بہت سے باطن (طالبین کے) اس سے مست (محبت الٰہی) ہین اور وہ اولیاء ایسے فانی (فی اللہ) ہین کہ ہماری یہ سب ہستیاں اُنکی بدولت مست ہین (کیونکہ بقاء اس عالم کا حسب مضمون حدیث صحیح اللہ کے نام سے ہو اور اللہ کا نام اُن حضرات کے سبب عالم مین باقی ہے اس لیے اولیاء سبب بقاء عالم ہین) اور اولیاء کا اثر باطنی تمام افکار و صوات کا مثل کہربا کے جاذب ہو (یعنی اس کے سامنے سب خیالات اور اصوات بے اثر ہو جاتے ہین جس طرح کہربا کے روبرو کاہ بے ذاتہ ہو جاتی ہو یعنی وہ سب سے قوی الاثر ہی) اور وہ اثر باطنی الہام و وحی و اسرار سے (طالبین کی) لذت حاصل ہونے کا سبب ہو (کیونکہ اُس اثر باطنی سے اُن کے قلوب مین ذوق پیدا ہوتا ہو جس سے لذت وحی کا ادراک کرتے ہین

چونکہ مطرب پیرتر گشت و ضعیف	شد ز بے کسبی رہین یک رغیف
گفت عمر و مہلتم دادی بسے	لطفہا کردی خدایا با خسے
معصیت ورزیدہ ام ہفتاد سال	باز نگرفتی ز من روزے نوال
نیست کسب امروز مہمان توام	چنگ بہر تو زنم کان توام
چنگ را برداشت شد اللہ جو	سوے گورستان یثرب آہ گو
گفت خواہم از حق ابریشم بہا	کو بہ نیکوئی پذیرد قلبہا
چنگ زد بسیار گریان سر نہاد	چنگ بالین کرد و بر گورے فتاد

(چونکہ در بعض دیار بجاے تار چنگ تار از ابریشم مے کنند ابریشم بہا بر طریق محاورہ کنایہ از شے قلیل از اجرت تار ابریشم قیمت آن کنند مراد مطلق عوض) یعنی جب وہ مطرب بوڑھا اور ضعیف ہو گیا اور بے روزگاری سے ایک ایک روٹی کا محتاج ہو گیا (جناب باری تعالیٰ مین) عرض کیا کہ آپ نے مجکو بہت عمر اور مہلت بخشی اور

س کمینہ کے ساتھ بہت الطاف فرمائے حتی کہ مین ستر سال تک برابر گناہ کرتا رہا مگر ایک روز بھی مجھ سے اپنے عطیہ کو بند نہین کیا اب مین کمانے کے لائق نہین رہا اس لیے آج آپکا مہمان ہوتا ہون اور بہت روز مخلوق کو چنگ سنایا مگر آج) آپکے واسطے چنگ بجاتا ہون کیونکہ آخر آپ ہی کا ہون (یہ کہکر) چنگ کو (ہاتھ مین) اٹھایا اور حق تعالی کی طلب مین مدینہ کے گورستان کی طرف آہ کرتا چلا اور کہنے لگا (آج) حق تعالی سے (چنگ بجانے کی مزدوری) لونگا کیونکہ ناکارہ چیزون کو خوبی کے ساتھ (اپنے فضل و رحمت سے) وہی قبول کرتے ہین غرض بڑی دیر تک چنگ بجایا اور روتے روتے (زمین پر) سر ٹیک کر چنگ کو سرہانے رکھا ایک قبر پر گر پڑا (اور سو گیا)

خواب بردش مرغ جانش از حبس رست
چنگ و چنگی را رہا کرد و بجست

گشت آزاد از تن و رنج جہان
در جہان سادہ و صحرای جان

جان او آنجا سرایان ماجرا
کاندرینجا گر بماندندے مرا

خوش بدے جانم درین باغ و بہار
مست این صحرای غیب و لالہ زار

بے پر و بے پا سفر مے کردمے
بے لب و دندان شکر مے خوردمے

ذکر و فکرے فارغ از رنج دماغ
کردمے با ساکنان چرخ لاغ

چشم بستہ عالمے می دیدمے
ورد و ریحان بے کفی می چیدمے

یعنی اسپر نیند غالب ہوئی اور طائر روح اس حبس تن سے چھوٹ گیا اور چنگ اور چنگی کو (یعنی اسکے جسم کو) چھوڑکر نکل گئی (مراد رستن اور جستن سے جسم سے تعلقات کا کم ہوجانا ہے جیسا خواب مین ہوتا ہے) اسکی روح تن اور رنج عالم سے آزاد ہوگئی اور ایک عالم سادہ مین یعنی صحرائے عالم ارواح مین پہونچی (پس عطف صحرای کا تفسیری ہے اسکو سادہ اس لیے کہا کہ قیود جسمانیہ سے منزہ ہے اور وہان پہونچنے سے مراد اس طرف ملتفت اور مستغرق ہوجانا ہے) اسکی روح اس جگہ یہ قصہ گا رہی تھی کہ اگر اس جگہ مجکو رہنے دیتے تو میری جان اس باغ و بہار مین خوب خوش رہتی اور اس صحرائے غیب اور لالہ زار مین مست پھرتی (یعنی اگر مجھکو جسم سے تعلق نہوتا تو سیر ملکوت مین کہ عالم ارواح کو شامل ہے مشغول رہتی) اور بدون پر اور پاؤن کے سفر کرتی اور بدون لب و دندان کے شکر کھاتی اور ایسے ذکر و فکر مین رہتی جسمین دماغ کو تعب نہوتا اور ساکنان ملکوت کے ساتھ خوب خوشیان مناتی اور آنکھ بند کیے ہوئے ایک عالم کو دیکھتی اور بدون ہاتھ کے گل و ریحان چنتی (یہان پیر و پا و لب و دندان و دماغ و چشم و کف سے مراد آلات جسمانیہ ہین اور سفر اور شکر خواری و ذکر و فکر و دیدن و چیدن سے مراد سیر و تلذذ بعالم ارواح ہے چونکہ اس عالم مین روح اپنے افعال مین آلات جسمانیہ کی محتاج نہین اس بنا پر یہ مضامین فرمائے گئے)

مرغ آبی غرق دریائے عسل
عین ایوبی شراب و مغتسل

کہ بدو ایوب از پا تا بفرق	پاک شد از رنجہا چون نور شرق
گر بود این چرخ دہ چندین کہ ہست	ہست غیبی وآن جہان جز تنگ و پست
مثنوی در حجم گر بودے چو چرخ	در نگنجیدے درو زین نیم برخ

(عین ایوبی معطوف بر کوریا بحذف عاطفہ یہ مقولہ مولانا کا ہی یا مطرب کا یعنی مطرب کی اسوقت وہ حالت ہوئی) جیسے مرغ آبی دریائے عسل مین غرق ہوجاوے یا چشمۂ ایوبی مین غوطہ زن ہوجاوے جو کہ پینے کے لیے بھی تھا اور غسل کے لیے بھی تھا (روح مطرب کو مرغ آبی سے تشبیہ دی گئی اور عالم ارواح کو بوجہ لذت صفا کے دریائے عسل وچشمۂ ایوبی سے تشبیہ دی گئی) جس چشمہ کی وجہ سے حضرت ایوب علیہ السلام پاؤن سے سر تک تمام رنج وامراض سے نور آفتاب کی طرح صاف ہوگئے تھے (اسی طرح روح مطرب اس عالم کی مشغولی سے تمام غموم وہموم سے چھوٹ گئی تھی) اگر یہ آسمان جتنا اب ہی اس سے دس حصہ اور زیادہ ہوجاوے تو اس عالم کے سامنے پھر بھی تنگ وپست ہی اور مثنوی اگر حجم مین چرخ کے برابر ہوجاتی تو اُسمین اس عالم کے وسعت کے بیان) سے نیم پارہ بھی نہ سماتا (وجہ اسکی ظاہر ہی کہ عالم ارواح عالم امر سے ہی جو حدود مقدار ومادہ سے خارج ہی جیسا اوپر ایک مقام پر محقق ہوچکا ہی اور یہ عالم مادی ہی اور حدود مقدار ومادہ کے اندر داخل اور غیر محدود محدود سے ظاہر ہی کہ وسیع ہوگا)

کاین زمین و آسمان بس فراخ	کرد از تنگی دلم را شاخ شاخ
وین جہانے کاندرین خوابم نمود	از گشایش پر و بالم را گشود
این جہان و راہش ار پیدا بُدے	کم کسے یک لحظہ اینجا بُدے
امر می آمد کہ ہین طامع مشو	چون ز پایت خار بیرون شد برو
مول مولے می زد آنجا جان او	در فضائے رحمت و احسان او

(یہ مقولہ ہی مطرب کا مرتبط ہی اس شعر سے ”خوش بُدے“ اخ یعنی میری جان یہان خوش رہتی) اس لیے کہ ان ناسوتی زمین وآسمان نے جو کہ بہت ہی فراخ ہی (بمقابلہ عالم ملکوت کے) تنگ ہونے کی وجہ سے میرے دل کو پارہ پارہ کر رکھا ہی (یعنی انقباض ہوتا ہی) اور یہ عالم جو مجکو خواب مین نظر آیا ہی اس نے بوجہ کشادہ ہونے کے میرے پر وبال کو کھول رکھا ہی (یعنی روحانی انشراح حاصل ہے اب مولانا بطور جملہ معترضہ کے فرماتے ہین کہ) اگر یہ عالم ملکوت (جسمین بہشت بھی ہی) اور اُس تک پہونچنے کا رستہ ظاہر ہوجاتا تو (اسکے لطف ومسرت کو دیکھ کر لوگون کا یہ حال ہوجاتا کہ) کوئی شخص یہان دنیا مین بہت ہی کم رہنا پسند کرتا (کما قال تعالی ان زعمتم انکم اولیاء اللہ کذا قال مرشدی) روح مطرب کو (قضا وقدر سے) خطاب ہورہا تھا کہ خبردار بہت لالچ مت کر جب تیرے پاؤن سے خار (غفلت) نکل چکا (جو اس عالم کے مشاہدہ کرانے سے مقصود تھا) تو اب تو (دنیا مین) جا (مگر) اُسکی روح وہان

مجمل ہی ہی یعنی حق تعالی کی رحمت و احسان کے میدان مین (مطلب یہ کہ آنا نجا ہتی تھی) ف فعران جہان و
ہش الخ پر یہ شبہہ ہوتا ہی کہ حضرت موسی علیہ السلام نے مرنے مین کیون تامل فرمایا جواب یہ ہی کہ چونکہ اُن کو
ناسوت مین بھی مشاہدہ دائمی ملکوت کا حاصل تھا گویا زندہ در بہشت تھے اس لیے یہ مشاہدہ موت پر موقوف
نہ تھا اور ارشاد خلائق اعتبار سے ناسوت مین ترجیح تھی اور یہ شعر اُن عوام کے لیے ہی جنکے مشاہدہ دائمی ملکوت کے
لیے مفارقت ناسوت شرط ہی کذا قال مرشدی ؒ

قصہ امیر المومنین عمر رضی اللہ تعالی عنہ و خواب گرفتن او را

آن زمان حق بر عمر خوابے گماشت	تا کہ خویش از خواب نتوانست داشت
در عجب افتاد کاین معہود نیست	وین ز غیب افتاد بے مقصود نیست
سر نہاد و خواب بردش خواب دید	کامدش از حق ندا جانش شنید

یعنی اُسوقت (جبکہ پیر چنگی گورستان مین بیہوش پڑا تھا) حق تعالی نے حضرت عمر رضی اللہ تعالے عنہ پر
نیند کو اس درجہ غالب کیا کہ اپنے کو سونے سے کسی طرح روک نہ سکے آپ تعجب مین ہوئے کہ اسوقت
تو سونا معمول نہین ضرور یہ امر منجانب غیب ہی اور خالی از حکمت نہین فوراً سر رکھ کر لیٹ گئے اور سوگئے
خواب دیکھا کہ حق تعالی کی طرف سے ایک ندائے غیبی آئی جس کو ان کی روح نے سنا اسکا مضمون
آگے آوے گا)

آن ندائے کاصل ہر بانگ و نواست	خود ندا آنست وین باقی صداست
ترک و کرد و پارسی گو و عرب	فہم کردہ آن ندا بے گوش و لب
خود چہ جائے ترک و تاجیک ست و زنگ	فہم کردہ آن ندا را چوب و سنگ
ہر دمے آید از و بانگ الست	جوہر و اعراض میگردند مست
گر نمی آید بلے زیشان و لے	آمدن شان از عدم باشد بلے

(این ندائے غیبی کی صفت ہی کہ) وہ ایسی ندا ہی جو تمام آوازون کی اصل (یعنے علت موجدہ) ہی (کیونکہ منصوص
قرآنی ہی کہ سب اشیاء کی ایجاد امر کن سے ہوتی ہی اور وہ کلام حق ہی جسکو ندائے غیبی سے تعبیر کیا ہے
ور ندائے حقیقی تو وہی ندا ہی باقی تو سب صدائین ہین (جو پہاڑ وغیرہ مین آواز دینے سے پیدا ہو جاتی
ہین تشبیہ صرف علت و معلول ہونے مین ہی نہ بعینہ حکایت و محکی عنہ ہونے مین) اور جتنی قومین ہین عوام
و خواص سب نے اُس نداء کو اسطرح سمجھا ہی کہ نہ متکلم محتاج لب ہوے نہ سامعین کے کان تھے (کیونکہ یوم
میثاق مین کلام حق الست بربکم سب نے سمجھا اور اللہ تعالی کا لب سے منزہ ہونا ظاہر ہی اور ان کے
بھی یہ متعارف کان نہ تھے) اور ان ذوی العقول لوگون کا تو کیا ذکر ہی اس نداء کو تو

چوب سنگ (جمادات) بھی سمجھتے ہین چنانچہ ہر وقت ادھر سے بانگ الست آرہی ہر (مراد مطلق کلام حق ہر اطلاقا للمقید علی المطلق) اور سب جواہر و اعراض (جمادات و غیر جمادات) اس سے مست (و مسخر) ہورہے ہین کیونکہ عموم تصرف کلمۂ کن کا معلوم و مسلم ہر تو ندا ہونا تو یقینی رہا مکونات کا اسکو سمجھنا سو اگران مین شعور ثابت ہو جیسا اہل کشف فرماتے ہین تب تو کوئی استبعاد نہین اور اگر شعور نہ مانا جاوے جیسا اہل ظاہر کا زعم ہر تو اسوقت انکے انقیاد اضطراری کو تشبیہا فہم کہدیا کہ مثل اہل فہم کے منقاد ہین) اور اگران مکونات کی طرف سے (ندائے حق کے جواب مین) لفظ بلے نہین کہا جاتا تو کیا مضائقہ اس سے شبہہ عدم فہم کا نہ کیا جاوے کیونکہ) انکا عدم سے (وجود مین) آجانا یہی بلے کہنا ہر (یعنی اگر اطاعت بالقول نہین تو کیا ہر اطاعت بالفعل تو ہر اور گاہے بعد فہم کے محض اطاعت فعلی پر اکتفا کیا جاتا ہر بلکہ یہ اطاعت قولی سے ابلغ ہر کذا قال مرشدی)

آنچہ من گفتم ز فہم چوب و سنگ	در بیانش قصۂ بشنو بید رنگ
زانچہ گفتم زاگہی سنگ و چوب	در بیانش قصۂ ہشدار خوب

یعنی مین نے جو اوپر سنگ کے فہم اور شعور کا بیان کیا ہر اسکی تائید مین ایک اچھا قصہ سنو اور سمجھو (کہ ایک نالہ ستون کے ساتھ آپکی باتین کرنے کا اور اسی طرح دوسری حرکات عاقلانہ کا بھی ذکر ہے جو دلیل ہے اس کے ذی فہم ہونے کی)

قصۂ نالیدن ستون حنانہ از فراق پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم و مکالمات آن با آن حضرت صلے اللہ علیہ وسلم

فائدہ نالہ کرنا تو صحاح مین مذکور ہر اور مکالمت دارمی مین مروی ہر۔

استن حنانہ از ہجر رسول	نالہ می زد ہمچو ارباب عقول
در میان مجلس وعظ آن چنان	کز وے آگہ گشت ہم پیر و جوان
در تحیر ماندہ اصحاب رسول	کز چہ می نالد ستون باعرض و طول
گفت پیغمبر چہ خواہی اے ستون	گفت جانم از فراقت گشت خون
از فراق تو مرا چون سوخت جان	چون ننالم بے تو اے جان جہان
مسندت من بودم از من تاختے	بر سر منبر تو مسند ساختے

یعنی ستون حنانہ (نالہ کنندہ) رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی جدائی سے (جسکا بیان آگے آتا ہر) ذوی العقول کیطرح مجلس وعظ مین اس طرح (علی الاعلان) روتا تھا کہ اسکے رونے کی سب پیر و جوان کو خبر ہوگئی (یعنے سب نے اسکا رونا سنا) حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ تعالے عنہم اجمعین حیرت مین رہ گئے کہ یہ ستون

عرش سے بھی طول سے بھی (یعنی ہر جز و سے) کسو جہ سے روتا ہی پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم نے اُس سے ارشاد فرمایا کہ اے ستون تو کیوں روتا ہی اور کیا چاہتا ہی عرض کیا کہ میری جان آپ کے فراق سے خون ہوگئی جب میری جان آپ کے فراق سے سوختہ ہوگئی ہو تو میں کیسے نہ روؤں کیونکہ پہلے (جب تک منبر نہ بنا تھا) میں آپ کا تکیہ گاہ تھا (کہ خطبہ کے وقت اس سے کمر لگاتے تھے) آپ میرے پاس سے ہٹ گئے اور منبر پر مسند لگائی۔

پس رسولش گفت کاے نیکو درخت	اے شدہ با سر تو ہمراز بخت
گر بخواہی سازمت پر بار نخل	تا برد شرقی و غربی از تو دخل
گر تو میخواہی ترا نخلے کنند	شرقی و غربی ز تو میوہ چنند
یا در آن عالم حقت سر وے کند	تا تر و تازہ بمانی تا ابد
گفت آن خواہم کہ دائم شد بقاش	بشنو اے غافل کم از چوبے مباش

پھر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا کہ اے نیک درخت (چونکہ وہ تنہ درخت کا تھا اس لیے درخت کہدیا گیا) کہ تیرے باطن کے ساتھ بخت بلند ہمراز ہی (یعنی باطنا تو صاحب نصیب ہے) اگر تیری خواہش ہو تو اللہ تعالی سے دعا کرکے) تجکو ثمر دار درخت بنوا دوں تاکہ اہل مشرق و مغرب تجھ سے نفع حاصل کریں اور میوہ لیا کریں۔ یا اگر کہے تو یہ دعا کروں کہ حق تعالی اُس عالم میں تجکو درخت بنا دیں تاکہ ابد الآباد تک تر و تازہ رہے اُس نے عرض کیا کہ مجکو تو اُسی چیز کی خواہش ہی جسکو ہمیشہ کے لیے بقا ہو آگے مولانا کا مقولہ ہی کہ اے غافل ذرا سن تو چوب سے تو کمتر مت ہو (کہ اسنے دار البقاء کو اختیار کیا اور تو دار الفناء کی طلب میں سرگرداں ہے)

آن ستون را دفن کرد اندر زمین	تا چو مردم حشر گردد یوم دین
تا بدانی ہر کرا یزدان بخواند	از ہمہ کار جہان بیکار ماند
ہر کرا باشد ز یزدان کار و بار	یافت بار آنجا و بیرون شد ز کار

(یعنی اس ستون کو زمین کے اندر دفن کر دیا پس قیامت کے روز آدمیوں کی طرح محشور ہوگا اور دفن کرنا اشارہ اس طرف ہی تاکہ تمکو معلوم ہو جاوے کہ جس شخص کو اللہ تعالے نے اپنی طرف بلا لیا وہ دنیا کے تمام کار و بار سے بیکار ہو جاتا ہی اور جسکو اللہ تعالی سے تعلق ہو جاتا ہی اسکی وہاں رسائی ہو جاتی ہی اور کار دنیا سے خارج ہو جاتا ہی وجہ اشارہ ظاہر ہی کہ ستون نے جب آخرت کو اختیار کیا تو اسکو پھر دنیا کے کسی کام میں نہیں لائے بلکہ دفن کر دیا جس سے وہ اور کسی کام کا نہیں رہا پس جو شخص آخرت کو اختیار کریگا جو موقوف ہی اللہ تعالی کے بلانے پر وہ بھی ایسا ہی ہو جاویگا)

آنکہ او را نبود از اسرار داد	کے کند تصدیق او نالہ جماد

گوید آرے نے ز دل بہر وفاق	تا نگویندش کہ ہست اہل نفاق
گر نبودے واقفان امر کن	در جہان رد گشتہ بودے این سخن

یعنی اگرچہ قصہ مذکورہ سے جمادات کا نالہ و کلام کرنا ثابت ہو گیا مگر جس شخص کو اسرار (یعنی علم باطن) سے کچھ حصہ نہین ملا (محض علوم طبعیۃ فلسفیہ کا مقید ہی) وہ (اس قصہ) نالۂ جماد کی کب تصدیق کریگا اور یون زبان سے محض (مسلمانون کی) موافقت کے واسطے ہان ہان کہدے گا مگر دل سے نہ ملنے گا بلکہ صرف اسواسطے کہ مسلمان اسکو یون نہ کہین کہ یہ منافقین مین سے ہی اگر (دنیا مین) امر کن کے واقف لوگ (یعنی اہل باطن) نہ ہوتے تو دنیا مین یہ بات (کہ جمادات مین بھی شعور ہی) بالکل رد ہو جاتی (کیونکہ عقل متوسط اسکو قبول نکرتی اور کوئی صاحب قوت قدسیہ موجود نہ ہوتا پس لامحالہ انکار عام ہو جاتا اور اب بعض کو اسکا کشف عیانی ہی بعض کو کشف وجدانی و شرح صدر ہی کچھ لوگ ان کے اتباع سے اسکے معتقد ہین اس لیے انکار عام نہین ہی)

صد ہزاران اہل تقلید و نشان	افگندشان نیم وہمی در گمان
کہ بظن تقلید و استدلال شان	قائمست و جملہ پر و بال شان
شبہۂ انگیزد آن شیطان دون	در فتند این جملہ کوران سرنگون
پاے استدلالیان چوبین بود	پاے چوبین سخت بے تمکین بود
غیر آن قطب زمان دیدہ ور	کز ثباتش کوہ گردد خیرہ سر

(اسمین منکرین کے علوم و دلائل کے ضعف کا بیان ہی) کہ لاکھون آدمی جو محض (فلاسفہ نظر عقلی کی) تقلید اور آثار (سے اسباب پر استدلال کرنے والے ہین (اور اسباب و علل حقیقیہ تک نہین پہونچتے) ان کو ذرا سا وہم (جسکو وہ نظر عقلی سمجھتے ہین) گمان (غلط اور دعوی باطل) مین ڈالدیتا ہی کیونکہ انکا استدلال اور تقلید (مذکورین) محض ظنیات پر مبنی ہی اور وہی انکا تمامتر پر و بال ہی (جس سے وہ عروج کرتے ہین) جہان شیطان کمینہ نے ذرا شبہہ ڈالا اور یہ (نیل کے) اندھے سب کے سب (جہل مین) سرنگون جا گرے غرض اہل استدلال کی ایسی مثال ہی جیسے کوئی لکڑی کا پاؤن لگا کر چلنے لگے اور ظاہر ہی کہ لکڑی کا پاؤن محض کمزور ہوگا (اسیطرح انکا مدار تمامتر دلائل عقلیہ پر ہوتا ہی جو صورت کے اعتبار سے تو غالباً صحیح ہوتی ہین مگر مادہ یعنی مفہوم مقدمات کا نہایت اکثر تخمینی اور وہمی محض ہوتا ہی جسکو وہ بدیہی کہکر جان بچا لیتے ہین) بخلاف قطب زمان کے جو کہ صاحب بصیرت ہوتا ہی جسکے ثبات و استقلال (علمی و عملی و حالی) سے پہاڑ بھی حیران ہو جاتا ہی (یعنی ایسے شخص کا مدار علم وہبی ہوتا ہی جسکے روبرو دلائل فلسفیہ محض لغو و ہیچ ہین اور تخصیص قطب زمان کی باعتبار اس کے ہی کہ وہ اس علم مین اکمل ہی ورنہ تمام اہل اللہ کے لیے یہ حکم عام ہے۔

پاے نابینا عصا باشد عصا	تا نیفتد سرنگون او بر حصا
آن سوارے کو سپہ را شد ظفر	اہل دین را کیست سلطان بصر

با عصا کوران اگر رہ دیدہ اند / در پناہ خلق روشن دیدہ اند
گر نہ بینایان بدندے و شہان / جملہ کوران مردہ اندے در جہان
نے ز کوران کشت آید نے درود / نے عمارت نے تجارت ہا و سود
گر نبودی رحمت و افضال شان / در شکستے چوب استدلال شان

(اسمین پلے چوبین کا ضعیف ہونا اور اہل پاے چوبین کا رہنما و دستگیر کی طرف محتاج ہونا بیان کرتے ہین کہ) اندھے کا پانون صرف عصا اس لیے ہوتا ہی تاکہ کہین کنکر (پتھر) پر سرنگون نہ گر پڑے اور ایسا سوار کہ اہل دین کی پناہ کے لیے (نشان) ظفر ہو صرف وہ ہی جو شاہ بصیر ہو (یعنے نگاہ تیز رکھتا ہو مراد اس سے عارفین و اولیاء اللہ ہین کہ محجوبین جو نگاہ بصیرت نہین رکھتے گو علوم عقلیہ رکھتے ہون انکا اتباع کر کے حق تک پہونچ گئے ہین چنانچہ فرماتے ہین کہ) جو نابینا عصا لیے ہوے ہین انکو اگر کہین راستہ معلوم ہو گیا ہی تو (یقیناً سمجھ لو کہ) وہ کسی روشن دیدہ مخلوق کی پناہ مین ہون گے (یعنی اہل استدلال و اہل نظر کو باوجود علوم وہبیہ نہ ہونے کے اگر حق واضح ہو گیا ہی تو صرف عارفین کاملین کے اتباع کی بدولت ہی کہ انکی تحقیق کو اپنے دلائل پر ترجیح دیکر مان لیا) اگر دنیا مین بینا اور بادشاہ لوگ نہوتے تو تمام اندھے دنیا مین مرجاتے کیونکہ اندھون سے نہ تو کھیتی ہوتی نہ کھیتی کاٹ سکتے نہ عمارتین بنا سکتے نہ تجارت کر کے نفع حاصل کر سکتے (اسی طرح اگر عارفین نہوتے تو محجوبین موت جہل سے مرجاتے کیونکہ نہ حقیقت سمجھ سکتے نہ شبہات کو رفع کر سکتے اور اب گو خود محقق نہین ہین مگر اتباع سے حق تک تو پہونچ گئے) پس اگر ان عارفین کی مہربانی اور عنایت نہوتی (اور شفقت و ترحم سے امور حقہ کا اظہار نہ فرماتے) تو محجوبین کا عصاے استدلال فوراً شکستہ ہو جاتا (یعنی دلائل سے اثبات حق نہ کر سکتے تھے چنانچہ عصا کی تفسیر دلائل کے ساتھ آگے خود فرماتے ہین۔

این عصا چہ بود قیاسات و دلیل / آن عصا کہ داد شان رب جلیل
چون عصا شد آلت جنگ و نفیر / آن عصا را خرد بشکن اے ضریر
او عصاتان داد تا پیش آمدید / آن عصا از خشم ہم بر وے زدید
حلقہ کوران بچہ کار اندرید / دیدبان را در میانہ آورید
دامن او گیر کو دادت عصا / در نگر کادم چہا دید از عصے

(یعنی اس عصا سے کیا مراد ہی قیاسات و دلائل (عقلیہ جس سے نصوص صریحہ کا انکار یا اسمین تاویلین کرتے ہین) اور یہ عصا انکو کس نے دیا ہی حق جل و علا شانہ نے (یعنے خدا تعالی نے دولت عقل اسلیے دی تھی کہ اس سے انبیا و اولیا کو پہچان کر انکا اتباع کرین انھون نے اسکو اللہ تعالی ہی کی مخالفت مین صرف کیا اور انکے کلام مین تصرف شروع کیا) پس جب یہ عصا (ایسی چیز ہی کہ یہ) ذریعۂ جنگ و مخالفت ہی (جیسا ابھی بیان ہوا) تو اے نابینا اس عصا کو بالکل ریزہ ریزہ کر ڈالو (یعنے نصوص کے مقابلہ مین اسکو معطل محض کر دو) اللہ تعالی ہی نے تو تم کو

یہ عصا (استدلال) دیا اور تم آئین کے مقابل خشم (و مخالفت) سے وہ عصا لیکر کھڑے ہوگئے (یعنی اسکے ذریعہ سے نصوص کا انکار یا تحریف کرنے لگے) اے اندھون کے گروہ تم کس واہیات مین لگ رہے ہو (یعنی تمھاری شیخی ادراک حقائق بالعقل مین محض عبث ہے) کسی آنکھ والے کو اپنے مجمع مین لاؤ (یعنی کامل کا اتباع کرو) جس ذات پاک نے تم کو یہ عصا دیا ہو تم اسکا دامن پکڑو (یعنی بلا تاویل کلام حق سے کہ حبل اللہ ہے تمسک کرو) اور دیکھو کہ حضرت آدم علیہ السلام نے عصی سے کیا ثمرہ پایا (یہان عصی ماضی کا صیغہ ہے اشارہ ہے اس آیت کی طرف عصیٰ آدم ربہ فغویٰ اور یہان لانا صنعت شاعری ہے اور مراد اس سے تاویل ہے نص مین کہ سبب ہوگیا تھا اس عصیان کو ہی فی الآیۃ کا اطلاق المسبب علی السبب کیونکہ حضرت آدم علیہ السلام کو تاویل سے غلطی ہوئی۔

معجزہ موسے و احمد را نگر از عصا مارے و از استن حنین گر نہ نامعقول بودے این مزہ ہر چہ معقولست غفلت سے خرد این طریق نکر نامعقول بین	چون عصا شد مار و استن با خبر پنج نوبت می زنند از بہر دین کے بدے حاجت بچندین معجزہ بے بیان معجزہ بے جزر و مد در دل ہر مقبلے مقبول بین

مار یبای مصدری یعنی مار شدن نامعقول غیر مدرک بالعقل نہ منافی عقل جزر کشیدن مد دراز کردن آب ہونا نکر بمعنے منکر مقابل معروف۔ یہین تائید و تتمیم ہے ماسبق کی کہ محض مدرک بالعقل نہو سکنے سے کسی امر کو منکر نا چاہیے کیونکہ اکثر امور حقہ کے لیے ادراک عقلی ناکافی ہے چنانچہ حضرت موسی علیہ السلام کے اور حضرت احمد مصطفے صلے اللہ علیہ وسلم کے معجزہ کو دیکھو کہ عصا کس طرح سانپ بن گیا اور ستون کس طرح باشعور ہوگیا عصا کا ماربنجانا اور ستون کا نالہ کرنا یہ اہل دین کے لیے باواز بلند و بتکرار حق کا اثبات کر رہے ہین (جس کو اہل دین قبول کر رہے ہین) اگر یہ ذوق دین حق غیر مدرک بالعقل نہوتا (بلکہ ادراک عقلی اسکے لیے کافی ہوتا) تو اس قدر معجزات کی (جو کہ حضرات انبیا علیہم السلام کو عطا ہوئے ہین) ضرورت ہی کب ہوتی کیونکہ جو امر مدرک بالعقل ہوتا ہے اسکو تو عقل بلا بیان معجزہ و بلا تردد قبول ہی کر لیتی ہے پھر اثبات نبوت و وجوب اتباع انبیا کیا ضرور تھا پس اس کثرت سے معجزات کا ملنا صریح دلیل ہے اسپر کہ اسرار دین ضرور غیر مدرک بالعقل ہین مگر پھر بھی) اس طریق غیر معروف عند العقل غیر مدرک بالقیاس کو (کہ عبارت ہے دین سے) دیکھو کہ ہر صاحب اقبال کے قلب مین کس طرح مقبول ہو رہا ہے (صاحب اقبال سے مراد سعید ازلی و دیندار)

ہمچنین کز بیم آدم دیو و دد ہم ز بیم معجزات انبیا تا بنام مومن مسلمانے زیند حیلہ قلابان بران نقد تباہ	در جزائر در رمیدند از حسد سر کشیدہ منکران زیر گیا در تسلس تا ندانے کہ کیند نقرہ می مالند و نام پادشاہ

ظاہر الفاظ شان توحید و شرع ۔۔۔ باطن آن ہمچو در نان تخم ضرع
فلسفی را زہرہ نے تا دم زند ۔۔۔ دم زند دین حقش برہم زند

(شرح) گیا ہے ست سمی ہمچنین مرتبط بہ ہم زنیم الخ کہ در بیت ما بعد رست تسلسل تعلق۔ اس مین مذمت ہے ان لوگون کی کہ دل سے ایسے امور غیر مدرک بالعقل کی تکذیب کرتے ہین اور زبان سے بمصلحت یا بخوف تصدیق کر لیتے ہین یعنی جس طرح کہ آدمی کے خوف سے شیاطین و وحوش جزائر مین بھاگے بھاگے پھرتے ہین اور نیز حسد (یعنی نفرت طبعی) کیوجہ سے بھی اسیطرح معجزات انبیاء علیہم السلام کے خوف سے منکر لوگ گھانس مین سر دیے ہوے پڑے ہین (خوف معجزات سے مراد خوف عقوبت دنیویہ ہی جو انکار معجزات پر حکومت اسلام کے زمانہ مین جسمین مولانا تشریف رکھتے تھے مرتب ہوتا تھا کہ ملحدین و زنادقہ قتل کر دیے جاتے تھے یعنی اس اندیشہ سے زبان سے انکار نہین کر سکتے) تاکہ اسلامی آبرو کے ساتھ زندگی بسر کر سکین اور مسلمانون کے تعلق مین رہین تاکہ یہ نہ معلوم ہو کہ یہ کس عقیدہ کے ہین جسطرح کھوٹا روپیہ چلانے والے نقد شاہ (یعنے ناقص معدنی) پر چاندی کا پانی پھیر دیتے ہین اور بادشاہ کے نام کا ٹھپہ لگا دیتے ہین اسیطرح ان (منکرین منافقین) کے ظاہری الفاظ تو توحید اور شرع کے ہین مگر اس ظاہر کے اندر باطن ایسا ہی جیسا روٹی کے اندر (مثلاً) تخم ضرع ہو (کہ اوپر سے طیب اندر سے خبیث اسیطرح انکا ظاہر ایمان اور باطن کفر) غرض (خوف سے فلسفی کی مجال نہین کہ ذرا دم مارے (اور معجزات کا انکار کرے) اور اگر ذرا بھی دم مارے تو دین حق اسکو درہم و برہم کر ڈالے (یعنے حاکم اسلام اسکو قتل کر ڈالے)

دست و پاے او جماد و جان او ۔۔۔ ہرچہ گوید آن دو در فرمان او
با زبان گرچہ کہ تہمت می نہند ۔۔۔ دست و پاہاشان گواہی می دہند

(اسمین ایک دلیل الزامی کا بیان ہی کہ دیکھو فلسفی کے (مثلاً) ہاتھ پاؤن جماد ہین اور پھر بھی اسکی جان جو کچھ انکو امر کرتی ہی وہ اسکا کہنا مانتے ہین پس گو یا زبان سے تو اقرار کرتے ہین کہ جماد مین مادہ اطاعت کا نہین مگر خود انکے ہاتھ پاؤن (باعتبار حالت مذکورہ کے) گواہی دے رہے ہین کہ انکا اقرار محض غلط ہے اور جماد مین مادہ اطاعت کا ہی اور یہان دست و پا سے مراد مطلق جوارح ہین کہ زبان بھی اسمین داخل ہے جسمین نطق بھی ہی اسیطرح شعور سب مین ہی۔ اگر کہا جاوے کہ ان جوارح کو تو روح سے تعلق ہی اسلیے جماد محض نہین۔ جواب یہ ہی کہ اسیطرح جمادات کو روح ارواح سے تعلق خاص ہی اور ظاہر ہی کہ دونون تعلق تعلق تدبیر ہین نہ تعلق حلول پس ان مین حیات ہونا کیا عجیب ہی)

اظہار معجزہ محمد مصطفے صلے اللہ علیہ وسلم در دست بوجہل و گواہی سنگریزہ بحقیقت رسالت

(قصہ ستون حنانہ سے نباتات کا شعور و تکلم ثابت کیا تھا اس قصہ سے جمادات کا شعور و تکلم ثابت کرتے ہین کذا قال مرشدی)

فائدہ یہ روایت میری نظر سے نہیں گذری۔

سنگہا اندر کف بوجہل بود | گفت اے احمد بگو این چیست زود
گر رسولے چیست در دستم نہان | چون خبر داری ز راز آسمان
گفت چون خواہی بگویم کان چہاست | یا بگویند آنکہ ما حقیم و راست
گفت بوجہل این دوم نادر ترست | گفت آرے حق ازان قادر ترست
گفت شش پارہ حجر در دست تست | بشنو از ہر یک تو تسبیحے درست
از میان مشت او ہر پارہ سنگ | در شہادت گفتن آمد بے درنگ
لا الہ گفت و الا اللہ گفت | گوہر احمد رسول اللہ سفت
چون شنید از سنگہا بوجہل این | زد ز خشم آن سنگہا را بر زمین
گفت نبود مثل تو ساحر دگر | ساحران را سر توئی و تاج سر

یعنی ابوجہل کے ہاتھ میں کچھ کنکریاں تھیں کہنے لگا کہ اے محمد مصطفے صلے اللہ علیہ وسلم جلدی تبلائیے یہ کیا ہے آپ رسول ہیں تو یہ تبلائیے کہ میرے ہاتھ میں کیا چیز ہی جبکہ آپ راز آسمان کی خبر رکھتے ہیں حضور نے ارشاد فرمایا کہ اگر تو کہے تو یہ تبلادون کہ یہ کیا چیز ہی اور اگر تو چاہے تو ہاتھ میں کی چیز ہماری راستی وحقانیت کی شہادت دیسکتی ہی ابوجہل بولا کہ یہ دوسری بات تو بہت ہی عجیب ہی (یعنی اگر یہ ہوجاوے تو اور بھی خوب ہی) آپنے فرمایا کہ ہان اللہ تعالیٰ کو اس سے بھی زیادہ قدرت ہے آپنے فرمایا کہ چھ سنگریزے تیرے ہاتھ میں ہیں اب تو انکی صحیح صحیح تسبیح سن لے (اس جواب سے اسکی دونون درخواستین پوری ہوگئین) پس اسکی مٹھی میں سے ہر سنگریزہ نے بلا توقف کلمۂ شہادت پڑھنا شروع کیا لا الہ الا اللہ کہنے لگے اور محمد رسول اللہ کے الفاظ موتی کی طرح پرونے لگے ابوجہل نے جو سنگریزون سے کلمہ سنا غصہ سے ان سنگریزون کو زمین پر دے مارا اور کہنے لگا کہ آپکے مثل بھی کوئی ساحر نہوگا آپ ساحرون کے سردار اور تاج سر ہین (نعوذ باللہ تعالیٰ من جہل ابی جہل)

خاک بر فرقش کہ بد کور و لعین | چشم او ابلیس آمد خاک بین
چون بدید آن معجزہ بوجہل تفت | رفت در خشم و بسوے خانہ رفت
رہ گرفت و رفت از پیش رسول | او فتاد اندر چہ آن زشت جہول
معجزہ را دید و شد بدبخت و رفت | سوے کفر و زندقہ بس تیز رفت
این سخن را نیست آخر اے عمو | قصۂ آن پیر چنگی باز گو
باز گردد حال مطرب گوش دار | زانکہ عاجز گشت مطرب ز انتظار

یعنے اس بوجہل ملعون کے سر پر خاک پڑے کہ اندھا اور ملعون تھا اسکی نگاہ ابلیس کی طرح خاک

مین بھی دکہ آدم علیہ السلام کے مادہ طین کو تو دیکھا اور کمالات کو بوجہ تکبر کے نہ دیکھا اسیطرح اس ابوجہل نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ظاہری بشریت کو دیکھا اور تکبر سے آپ کے کمالات نبوت کو نہ دیکھا) غرض اپنا رستہ لیا اور حضور کے سامنے سے چلتا ہوا اور وہ زشت جاہل چاہ (ضلالت) مین گرا (ایسا بڑا) معجزہ دیکھا اور زیادہ بدبخت و سخت ہوگیا کفر و بددینی کی طرف اور زیادہ تیز چلنے لگا (اب قصہ پیر چنگی کیطرف رجوع فرماتے ہین کہ اس بات کی تو کہین انتہا ہی نہین (یعنی حق پر دلائل کثیرہ کا قائم ہونا اور منکرین کا عناد سے پیش آنا مضمون طویل ہے) اس پیر چنگی کا قصہ پھر کہنا چاہیے پھر مضمون سابق کی طرف رجوع کرنا چاہیے اور مطرب کا حال سننا چاہیے کیونکہ بیچارہ مطرب انتظار سے تنگ ہو رہا ہے (یہ مضمون شاعری کا ہے)۔

بقیۂ قصہ مطرب چنگی و پیغام رسانیدن امیر المومنین عمر با وانچہ ہاتف آواز داد

بانگ آمد مر عمرؓ را کای عمرؓ　　بندۂ ما را ز حاجت باز خر

بندۂ داریم خاص و محترم　　سوی گورستان تو رنجہ کن قدم

ای عمرؓ برجہ ز بیت المال عام　　ہفتصد دینار بر کف نہ تمام

پیش او بر کای تو ما را اختیار　　این قدر بستان کنون معذور دار

اینقدر از بہر ابریشم بہا　　خرج کن چون خرج شد اینجا بیا

یعنی حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ کو (خواب مین) آواز آئی (سرخی سے اس آواز کی تفسیر ہو سکتی ہے کہ ہاتف یعنی کسی فرشتہ کی تھی چونکہ بامر حق تھی اس لیے اس طور سے یہ مضمون ادا کیا گیا گویا خود اللہ تعالی فرما رہے ہین جیسا قرآن مجید مین قرائت جبرئیل علیہ السلام کو اللہ تعالی نے اپنی طرف منسوب کیا ہے فاذا قرأناہ الآیۃ۔ باقی یہ کہ اوپر اس آواز کی نسبت کہا ہے اصل مین بانگ و صدیست حالانکہ آواز ملک کو اس صفت سے موصوف نہین کر سکتے سو توجیہ اسکی یہ ہو سکتی ہے کہ یہ ندا حضرت عمرؓ کو بواسطہ تھی مگر چونکہ وہ دال ہے اصل پر اس لیے بعض احکام دال کے اعتبار سے لائے گئے اور بعض احکام مدلول کے اعتبار سے غرض اس آواز کا مضمون یہ تھا کہ) ہمارے بندہ کو محتاجی سے چھڑاؤ ہم ایک خاص اور محترم بندہ رکھتے ہین تم گورستان مین جاؤ اور اے عمرؓ اٹھو اور بیت المال عام سے سات سو دینار ہاتھ مین لو اور اسکے پاس جاکر یون کہو کہ تو ہمارا برگزیدہ ہے اسکو قبول کر اور (سردست زیادہ سے) معذور رکھ (یہ عنوان باعتبار محاورہ کلام عباد کے ہے ورنہ اللہ تعالی اس سے منزہ ہین) یہ تیرا ابریشم بہا ہے (جسکا ذکر اوپر مطرب کے کلام مین ہے گفت از حق خواہم ابریشم بہا) اسکو تو خرچ کر اور جب خرچ ہو جاوے پھر یہان آجانا (اور لیجانا ارشاد کہ چنگ زنی کا ابریشم بہا ہے محمول حقیقت پر نہین بلکہ اسکی غلطی پر اور اپنی رحمت پر متنبہ فرماتا ہے کہ باوجود ایسی گستاخ درخواست کے ہماری عطا منقطع نہین پس مقصود نادم کرنا ہے نہ خاص اس فعل کی اجرت دینا)۔

پس عمر زان هیبت آواز جست — تا میانرا بهر این خدمت ببست
سوی گورستان عمر بنهاد رو — در بغل همیان دوان در جستجو
گرد گورستان دوان شد او بسی — غیر آن پیر او ندید آنجا کسی
گفت این نبود دگر باره دوید — مانده گشت و غیر آن پیر او ندید
گفت حق فرموده ما را بنده ایست — صافی و شایسته و فرخنده ایست
پیر چنگی کی بود خاص خدا — حبذا ای سر پنهان حبذا
بار دیگر گرد گورستان بگشت — همچو آن شیر شکاری گرد دشت
چون یقین گشتش که غیر پیر نیست — گفت در ظلمت دل روشن بسی ست

(یعنی حضرت عمرؓ اس آواز (غیبی) کی ہیبت سے چونک پڑے اور اس خدمت (مفوضہ) کی انجام دہی کے لیے مستعد ہوے اور قبرستان کیطرف ہمیانی بغل مین لیکر اس (بندہ خاص) کی جستجو مین چلے اور قبرستان کے چارون طرف بہت کچھ پھرے مگر بجز اس پیر چنگی کے وہان کوئی نظر نہین پڑا اپنے دل مین کہنے لگے کہ حق تعالے نے تو یہ فرمایا ہی کہ ہمارا ایک خاص بندہ ہی جو پاک و لائق اور مبارک ہے بھلا پیر چنگی خدا کا مقبول کب ہوسکتا ہے (بیچ مین مولانا کہتے ہین) سبحان اللہ راز غیبی بھی عجیب ہوتے ہین (کہ حضرت عمرؓ جیسے عارف کامل پر یہ راز اسوقت منکشف نہوا) غرض دوسری بار پھر قبرستان کے چارون طرف پھرے جیسا شکاری شیر جنگل مین (شکار ڈھونڈھتا) پھرا کرتا ہی جب (اچھی طرح) یقین ہوگیا کہ بجز پیر چنگی کے یہان اور کوئی نہین ہی اپنے دل مین کہنے لگے کہ تعجب ہی کیا ہی بعض (اوقات) ظلمت مین بھی بہت سے روشن دل ہوتے ہین (یعنی ظاہر مین برے ہوتے ہین اور واقع مین اچھے ہوتے ہین **ف** وجہ اس شخص کے مقبولیت کی اس کا خلوص و زاری ہے گو مقرون بہ جہل تھا۔ رہا یہ امر کہ یہ جہل مانع قبول کیون نہوا سو اگر اس عمل کو معصیت لغیرہ کہا جاوے تو بوجہ انقطاع اس غیر کے کہ تلہی و ہیجان قوے شہویہ ہی مانع نہین ہوا اور اگر معصیت لعینہ ہی تو بوجہ غلبۂ حسنۂ خلوص کے اس سیۂ پر مانع نہین ہوا خوب سمجھ لو بلکہ اس جواب مجمل کو کسی عالم محقق سے مفصل کر لو۔

آمد و با صد ادب آنجا نشست — بر عمر عطسہ فتاد و پیر جست
مر عمر را دید و ماند اندر شگفت — عزم رفتن کرد و لرزیدن گرفت
گفت در باطن خدایا از تو داد — محتسب بر پیرکی چنگی فتاد
چون نظر اندر رخ آن پیر کرد — دید او را شرمسار و روی زرد
پس عمر گفتش مترس از من مرم — کت بشارتها ز حق آورده ام
چند یزدان مدحت خوی تو کرد — تا عمر را عاشق روی تو کرد
پیش من بنشین و مہجوری مساز — تا بگوشت گویم از اقبال راز

حق سلامت می کند می پرسدت　　چونے از رنج و غمان بے حدت
نک قراضہ چند ابریشم بہا　　خرج کن این را و باز اینجا بیا

(یعنی حضرت عمرؓ وہان تشریف لائے اور ادب سے بیٹھ گئے اتنے مین آپ کو چھینک آئی اور چھینک کی آواز سے) پیر چنگی چونک پڑا حضرت عمرؓ کو دیکھنا تھا کہ تعجب (وحیرت) مین رہ گیا اور ارادہ کیا کہ بھاگون اور (خوف کے مارے) تمام بدن پر لرزہ پڑگیا اور جی مین کہا کہ اے اللہ بس آپ ہی سے فریاد ہے (بیچارہ) پیر چنگی پر محتسب آ پہونچا حضرت عمرؓ کی نگاہ جو اسکے چہرہ پر پڑی دیکھا کہ بہت شرمندہ اور (خوف سے) زرد رنگ ہو رہا ہے آپ نے (تسلی دیکر) فرمایا کہ خوف مت کر اور مجھ سے مت بھاگ کیونکہ مین تیرے پاس حق تعالی کی بشارت مین لایا ہون حق تعالے نے تیری خصلت کی اسقدر تعریف کی ہے کہ عمر کو (یعنی مجکو) تیری زیارت کا مشتاق بنا دیا تو میرے سامنے بیٹھ اور الگ الگ مت رہ تاکہ تیرے کان مین اقبال کا راز کہون (یعنی اسرار مخفیہ کہون جس سے تیری مقبولیت معلوم ہوتی ہے) حق تعالی تجکو سلام فرماتے ہین اور تیرا حال پوچھتے ہین کہ اس بیحد رنج و غم مین تیرا کیا حال ہے اور (نیز ارشاد ہے کہ) یہ چند پارہ زر وسیم کے بطور ابریشم بہا کے لے اور انکو خرچ کر اور (جب خرچ ہو جاوین) پھر یہین چلا آئیو۔

پیر این بشنید و بر خود می طپید　　دست می خائید و جامہ می درید
بانگ می زد کاے خداے بے نظیر　　بس کہ از شرم آب شد بیچارہ پیر
چون بسے بگریست وز حد رفت درد　　چنگ را زد بر زمین و خرد کرد
گفت اے بودہ حجابم از آلہ　　اے مرا تو راہزن از شاہراہ
اے بخوردہ خون من ہفتاد سال　　اے ز تو رویم سیہ پیش کمال

(یعنی پیر چنگی نے یہ سنتے ہی لوٹنا شروع کیا کہ باوجود میرے اسقدر معاصی کے حق تعالی کی یہ رحمت) اور ہاتھ چبا چبا لیتا تھا اور کپڑے پھاڑ پھاڑ ڈالتا تھا اور چلاتا تھا کہ اے اللہ اب تو شرم کے مارے یہ بوڑھا پانی ہو کر بہا جاتا ہے (غرض اسی طرح سے) جب بہت رویا اور درد (وسوز) حد سے بڑھا تو (اس حالت مین) چنگ کو اٹھا کر زمین پر دے مارا اور چور چور کر ڈالا اور (اسکو خطاب حالی کرکے) کہا کہ تو ہی میرا حق تعالی سے حجاب بنا رہا تو ہی شاہراہ (اطاعت) سے میری رہزنی کرتا رہا اے تو ہی ستر برس تک میرا خون پیتا رہا (یعنی مجکو زیان پہونچاتا رہا) تیری ہی وجہ سے میرا منہ اہل کمال کے روبرو سیاہ رہا کہ کسی کامل کو منہ دکھلانے کے قابل نہ رہا اب آگے حق تعالی کی جناب مین خطاب معذرت کرتا ہے اور درمیان درمیان مین اپنے نفس کو ملامت کرتا ہے۔)

اے خداے با عطاے با وفا　　رحم کن بر عمر رفتہ در جفا
داد حق عمرے کہ ہر روزے ازان　　کس نداند قیمت آن در جہان
خرج کردم عمر خود را دمبدم　　در دمیدم جملہ را در زیر و بم

آه کز یاد ره و پردهٔ عراق　　رفت از یادم دم تلخ فراق
وای کز تری زیرافگند خرد　　خشک شد کشت دل من دل بمرد
وای کز آواز این بست و چهار　　کاروان بگذشت و بیگه شد نهار

زیر آواز باریک - وبم آواز بلند - ره مخفف راه انچه اول نوازند و بعد از ان سرود گویند - پردہ عراق نام پردہ سرود زیرافگند شعبهٔ ایست از موسیقی بست و چهار شعبهٔ موسیقی - و در بعض نسخ هشت و چار یعنی دوازده مقام) یعنی اے اللہ کہ آپ باعطا و باوفا ہین اس میری عمر پر رحم فرمائیے جو کہ سراسر جفا مین گذری ہے حق تعالی نے ایسی عمر دی تھی کہ اسکے ایک ایک دن کی قیمت (اتنی زیادہ ہے کہ اسکو) کوئی جان نہین سکتا مگر مین نے اپنی ایسی عمر کو تمام برباد کر دیا ور سب کو زیر و بم مین پھونک دیا افسوس کہ راہ اور پردۂ عراق کے فکر و ذکر مین موت کا وقت تلخ مجکو کبھی یاد نہ آیا ور افسوس کہ اس ذلیل زیرافگند کی تازگی و رونق کی بدولت میرے قلب کی زراعت (یعنی شوق طاعت) خشک ہوگئی اور میرا دل مردہ ہوگیا اور افسوس کہ موسیقی کے ان چوبیس شعبونکی بدولت قافلہ (عمر کا) گذر گیا ور وقت بے وقت ہوگیا (یعنی اب عمل صالح و طاعت کا وقت نہ رہا -

اے خدا فریاد زین فریاد خواه　　داد خواهم نے ز کس زین داد خواه
داد خود را چون ندادم در جهان　　عمر شد هفتاد سال از من جهان
داد خود از کس نخواهم جز مگر　　زانکه او از من بمن نزدیک تر
کاین منی از وے رسد دم دم مرا　　پس ورا بینم چو این شد کم مرا
همچو آن کو با تو باشد زر شمر　　سوے او دارے نه سوے خود نظر
همچنین در گریه و در ناله او　　می شمرد جرم چندین ساله او

(یعنی اے اللہ اس فریاد خواہ کی (یعنی میری) فریاد سن لیجیے مین کسی غیر کی فریاد نہین کرتا بلکہ خود اس داد خواہ کی (یعنی اپنے نفس کی) فریاد کرتا ہون (کہ اسنے مجکو برباد کیا ہے) جب مین نے عالم مین خود اپنی داد نہ دی (یعنی خیر خواہی نہ کی) یہ میری ستر برس کی عمر میرے ہاتھ سے نکل گئی اب مین اپنی داد کسی اور سے نہین چاہتا بجز اس ذات پاک کے جسکو میرے ساتھ میری ذات سے بھی زیادہ قرب ہے (کما قال اللہ تعالی ونحن اقرب الیہ من حبل الورید) وجہ زیادہ قرب کی یہ ہے کہ یہ میری ہستی (جس سے مین مین ہون) دمبدم (بطور تجدد امثال) انہی سے عطا ہوتی ہے (پس میرا مین ہونا محتاج ہوا اس تعلق کا جو انکے ساتھ ہے اس لیے وہ میری ذات سے بھی زیادہ مجھ سے قریب ہوے جب وہ مجھ سے ایسے قریب ہین) تو مین انکو ہی دیکھون گا جب کہ یہ ہستی میری نظر سے گم ہو چکی (یعنی اپنے نفس کا لاشے ہونا معلوم ہوگیا کہ اس سے کیا کیا خرابیان ہوئین اور وہ مجھ سے اقرب ہین اسلیے مین نے اپنے نفس سے تعلق چھوڑ دیا اور اس ذات پاک کی طرف متوجہ ہوا) اور اسکی ایسی مثال ہے جیسے کوئی شخص تمھارے سامنے روپیہ گن رہا ہو (جو تم کو ملین گے) تو تم اسکی طرف نگاہ رکھتے ہو اپنی طرف نہین

دیکھئے اسیطرح تعجب نہین اگر کوئی حق تعالیٰ کی طرف ایسا متوجہ ہو جاوے کہ خود اپنی نظر مین نہ رہے غرض اسیطرح سے گریہ و نالہ مین مشغول تھا اور سالہا سال کے جرائم شمار کر رہا تھا۔

گردانیدن عمر نظر او را از مقام گریہ کہ ہستی ست بمقام استغراق

پس عمرؓ گفتش کہ این زاری تو ہست ہم آثار ہشیاری تو
راہ فانی گشتہ راہ دیگرست زانکہ ہشیاری گناہ دیگرست
پس عمرؓ او را ازین حالت براند ز اعتذارش سوے استغراق خواند
ہست ہشیاری ز یاد ما مضے ماضی و مستقبلت پردہ خدا
آتش اندر زن بہر دو تا بکے پر گرہ باشی ازین ہر دو چو نے
تا گرہ با نے بود ہمراز نیست ہمنشین آن لب و آواز نیست
چون بطوف خود بطوفے مرتدی چون بخانہ آمدی ہم باخودی
اے خبرہات از خبردہ بے خبر توبۂ تو از گناہ تو بتر
اے تو از حال گذشتہ توبہ جو کے کنی توبہ ازین توبہ بگو
گاہ بانگ زیر را قبلہ کنے گاہ گریہ زار را قبلہ زنے

ان اشعار کے ترجمہ سے پہلے چند امور سمجھ لینا چاہیے اول طرق وصول الی اللہ کے مختلف ہین یعنی بعد اتفاق ضروریات شرعیہ کے تطوعات کے مرتبہ مین ہر شخص کی استعداد و مناسبت کے اعتبار سے قرب کا جدا طریق ہے اور ایک طریق دوسرے طریق کے اثر کو ضعیف کر دیتا ہے بلکہ ایک کو دوسرے کا مضر کہا جاویگا جس طرح کوئی شخص تقرب کے لیے کثیر نوافل کرتا ہو ظاہر ہے کہ اسکے لیے درس و تدریس حدیث کا شغل نماز کو مضر ہوگا اسلیے جس شخص کے لیے وہ تجویز کیا گیا ہے وہ دوسرے شغل سے روکا جاویگا دوم غیر منتہی کے لیے محویت حالت کاملہ ہے اور غیر اللہ کا شعور خواہ وہ اپنی حالت کا ہو یا دوسرے کی حالت کا ہو حالت ناقصہ ہے سوم حالت ناقصہ کو بمقابلہ حالت کاملہ کے مجازاً و اصطلاحاً گناہ و خطا سے تعبیر کر دیا جاتا ہے گو واقع مین وہ گناہ نہو بلکہ حسنہ ہو جب یہ سب امور سمجھ مین آ گئے اب جاننا چاہیے کہ جو شخص راہ عشق و محبت سے سلوک کا ارادہ کرے اسکے لیے مناسب ہے کہ گناہ سے ایک بار خوب توبہ کر لے پھر اپنے گناہون کو قصداً یاد نہ کرے کہ یہ طریق اس شخص کے طریق کو مضر ہے کیونکہ اسکے طریق کے لوازم مین سے ہے محویت و فنا اور اس طریق مین ہے مطالعہ اپنے حالات کا اسلیے اسکو اس شخص کے حق مین حالت ناقصہ ہونے کے اعتبار سے اصطلاحاً گناہ کہدیا جاتا ہے اس تحقیق کے بعد اب ترجمہ سے مطلب ان اشعار کا خوب سمجھ مین آ جاویگا۔

یعنی حضرت عمرؓ نے ارشاد فرمایا کہ یہ تیری گریہ و زاری (ہر چند کہ حالت محمود ہے مگر تیری حالت عشقیہ کے

اعتبار سے محمود نہین کیونکہ یہ شعور ہوشیاری کی علامات سے ہے اور شعور باعتبار محویت کے ایسی حالت والے کے لیے نقصان کی حالت ہے) کیونکہ فانی شدہ کا طریق ہی دوسرا ہے اسلیے کہ ہوشیاری (اور شعور اپنے حالات کا) یہ خود (باعتبار اصطلاح کے) ایک مستقل گناہ ہے (اور یہی معنے ہین اس قول کے وجودک ذنب لایقاس بہ ذنب) پھر حضرت عمرؓ نے اسکو اس حالت سے (اپنی قوت تصرف سے) جدا کیا اور اعتذار و توبہ کی حالت سے استغراق و فنا کی طرف لائے (اب مولانا فرماتے ہین) ہوشیار ہونا حالات ماضیہ کو یاد کرنا ہے اور ماضی و مستقبل دونون (کا مطالعہ) تیرے لیے حق تعالیٰ سے حجاب ہین (یعنے مانع استغراق و محویت ہین) اسی لیے اہل طریقت کا ارشاد ہے کہ صوفی کو ابن الحال رہنا چاہیے اور تذکر ذنوب سے زیادہ مانع ذکر اللہ کو کہا ہے کیونکہ آخر تذکر کے بعد بھی تو اس ذکر اللہ سے طہارت حاصل کریگا پھر پہلے ہی سے کیون نہ اسمین مشغول ہو جاوے قال اللہ تعالیٰ والذین اذا فعلوا فاحشۃ او ظلموا انفسہم ذکروا اللہ) پس ماضی و مستقبل دونون کو آگ لگا دو (یعنی دونون کی یاد کو چھوڑ دو) کیونکہ ان دونون کے سوچ بچار سے نے کیطرح پُر گرہ رہوگے (یعنی ایک قسم کا اللہ تعالیٰ سے حجاب باقی رہیگا ایک بوجہ اسکے کہ وہ مانع استغراق ہوگا دوسرا گناہ کا یاد کرنا دل مین ایک قسم کا انقباض پیدا کر دیتا ہے جس سے حلاوت ذکر کی اور بشاشت و انبساط حق تعالیٰ کے ساتھ جو پہلے تھا وہ زائل یا ضعیف ہو جاتا ہے اور یہ طریق عشق مین مضر ہے اور ایکبار مبالغہ سے توبہ کر ہی کر چکا ہے اسلیے معافی کی قوی امید ہو ہی گئی ہے پھر اللہ تعالےٰ سے انقباض کیون پیدا کرے آگے گرہ نے کی تشبیہ کی توضیح ہے کہ) دیکھو جب تک نے مین گرہ رہتی ہے (اور آر پار نہین ہوتی) وہ نے نواز کی ہمراز نہین بنتی اور اسکے لب آواز سے ہمنشینی میسر نہین ہوتی (یعنے اسکے اور اسکے درمیان حجاب رہتا ہے اسیطرح ماضی و مستقبل کا تصور و تذکر حجاب ہوتا ہے جیسا اوپر مذکور ہوا غرض یہ تصور و تفکر دلیل ہے شعور و خودی کی اور خودی ایسی چیز ہے کہ) اگر تم حالت طواف مین بھی (کہ بڑی عبادت ہے) مشغول ہو مگر ہو اسوقت اپنے طواف مین (یعنی اپنی خودی مین مشغول ہو) تو (اہل طریقت کے نزدیک حسب اصطلاح مذکور) تم مرتد ہوگے کیونکہ خانہ خدا مین بھی (کہ کعبہ ہے) اگر تم اپنی خودی مین ہو اے شخص تیرے اخبار ماضیہ و مستقبلہ خبر دہندہ سے (یعنے حق تعالیٰ سے) محض بے خبر ہین (یعنے اشتغال بحق مین نقصان ڈالنے والے ہین) ف اسلیے تیری یہ توبہ (کہ بعد تکمیل توبہ بشرائطہا کے بھی اسکا بار بار اعادہ کر رہا ہے) تیرے گناہ سے بھی (من وجہ) بدتر ہے (کیونکہ زمانہ گناہ مین تو غافل تھا اسلیے زمانہ غفلت مین خودی پر نظر ہونا محل تعجب نہین بخلاف زمانہ رجوع الی اللہ کے کہ زمانہ مشغولی بحق کا ہے پھر ایسی حالت مین خودی پر نظر ہونا زیادہ محل تعجب ہے اسلیے کہا جاتا ہے کہ) اے شخص جو حالات گزشتہ سے توبہ کرتا پھرتا ہے یہ تو بتلا کہ اس توبہ سے کب توبہ کریگا ایک زمانہ وہ تھا کہ بانگ زیر کو قبلۂ توجہ کر رکھا تھا (یعنے زمانہ گناہ مین تو اس گناہ مین مشغول رہا) اور ایک وہ زمانہ ہے کہ نالہائے زار کو بوسہ دے رہا ہے (یعنے اُن کو محبوب بنا رکھا ہے مطلب یہ کہ زمانہ توبہ مین اس گناہ مین مشغول ہو رہا ہے غرض سارا وقت مشغولی بغیر حق مین گذرا کبھی وہ مشغولی صورت معصیت مین تھی کبھی صورت طاعت مین بہرحال گناہ کے دائرہ سے نکلنا نصیب نہ ہوا۔

چونکہ فاروق آئینہ اسرار شد / جان پیر از اندرون بیدار شد
ہمچو جان بے گریہ و بے خندہ شد / جانش رفت و جان دیگر زندہ شد
حیرتے آمد درونش آن زمان / کہ برون شد از زمین و آسمان
جست وجوے از ورائے جستجو / من نمیدانم تو میدانی بگو
جست وجوی از ورای حال وقال / غرقہ گشتہ در جمال ذوالجلال
غرقۂ نے کہ خلاصی باشدش / یا بجز دریا کسے بشناسدش
عقل جزو از کل گویا نیستے / گر تقاضا بر تقاضا نیستے
چون تقاضا بر تقاضا می رسد / موج آن دریا بدینجا می رسد
چونکہ قصہ حال پیر اینجا رسید / پیر وجانش روے در پردہ کشید
پیر دامن را ز گفت وگو فشاند / نیم گفتہ در دہان او بماند

(اس مین بیان ہی حضرت عمرؓ کی توجہ سے اسپر استغراق غالب ہوجانے کا یعنی) چونکہ حضرت فاروق رضی اللہ تعالی عنہ آئینہ اسرار الٰہیہ تھے (آپ نے جو توجہ اتحادی دی تو وہی اسرار سینہ پیر چنگی مین پہونچے اس لیے پیر چنگی کی روح باطن سے بیدار (محق) ہو گئی اور روح (مجرد) کی طرح گریہ وخندہ سے منزہ ہو گیا (یعنی استغراق غالب ہو گیا اور ظاہر ہی کہ گریہ وخندہ یعنی قبض وبسط استغراق مین نہین رہتا اور وجہ تشبیہ روح سے اس اعتبار سے ہی کہ محل ان انفعالات کا نفس ہی اور روح قطع نظر تعلق نفس سے اس کے ساتھ موصوف نہین چنانچہ فرماتے ہین کہ) اس کی جان (من حیث التعلق بالنفس) تو فانی ہو گئی اور دوسری جان (یعنی روح مجرد من حیث التجرد) زندہ وقوی ہو گئی (جیسا ابھی بیان ہوا) اور اس کے باطن میں اسوقت ایک حیرت پیدا ہوئی (کہ لازمہ استغراق ہی) جس سے وہ زمین وآسمان سے باہر ہو گیا یعنی بیخود ہو گیا جس سے زمین وآسمان وجمیع ماسوی اللہ سے اسکا التفات قطع ہو گیا (اور اس حالت میں) اسکو ایک خاص جستجو متعارف جستجو سے علیحدہ پیدا ہوئی (یعنے متعارف جستجو تو مکتسب ہوتی ہی اُسکو ایک وہبی انجذاب نصیب ہوا) جسکی تفصیلی کیفیت مین نہین جانتا (اے مخاطب) اگر تجکو معلوم ہو تو بیان کر (مگر ہان) اتنا معلوم ہی کہ) ایک ایسی جستجو تھی جو قال وحال سے نرالی تھی (جسکی اجمالی کیفیت اسقدر بیان ہو سکتی ہی کہ) وہ جمال ذوالجلال (کے مشاہدہ) مین غرق ہو گیا تھا (مراد استغراق انجذابی ہی اور اسکا قال سے خارج ہونا تو ظاہر ہی ہی کیونکہ امر ذوقی ہے رہا حال سے خارج ہونا سو حال سے مراد حال متعارف یعنی طاری بعد الاکتساب ہی گو خود طریان اکتسابی نہو جیسا اوپر ویسے جستجو مین مذکور ہوا اور چونکہ کیفیت انجذابیہ ہر شخص کی جداگانہ ہی اسلیے ایک صاحب حال کو دوسرے صاحب حال کی کیفیت مفصل معلوم نہین ہو سکتی اسلیے بیان تفسیر سے عذر فرما کر عنوان اجمالی پر اکتفا فرمایا کہ وہ مستغرق جمال ہو گیا تھا (اور جمال کے لفظ سے رویت کا اشتباہ نہ کیا جاوے کہ

دار دنیا مین اسکا امتناع شرعاً ثابت ہی بلکہ بات یہ ہی کہ استغراق مین محض توجہ الی الحق رہ جاتی ہی اور حق تعالیٰ بفحواے ان اللہ جمیل
الحدیث جمیل ہین اس لیے اس توجہ کو استغراق فی الجمال یا مشاہدہ جمال سے تعبیر کر دیتے ہین اور اگر سالک اس حالت
مین کسی تجلی نورانی وغیرہ سے مشرف ہو تو وہ ذات نہین ہی بلکہ کوئی مثال ہی یعنی حادث ہی جسمین صفات عظیمہ
مناسبہ بصفات الحق رکھی گئی ہین پس ان صفات کا انکشاف گویا انکشاف صفات حق کا اس طرح سمجھا جاتا ہے
جس طرح کلکتہ کے نقشہ کو دیکھنا مجازاً محاورات مین کلکتہ کا دیکھنا سمجھا جاتا ہی اور اسی وجہ سے اسکو مثال کہتے ہین
کیونکہ مثال کے معنے مشارک فی الصفات ہین گو تشارک اسمی سے زیادہ اسکا درجہ نہین مثلاً جیسے انسان کو
سمیع و بصیر دیا ہی اس معنے کے اعتبار سے مثال کا اثبات خود قرآن مین ہی کمشکوٰۃ فیہا مصباح الآیۃ اور اسکو
اصطلاح فن مین تجلی مثالی کہتے ہین آگے اسی استغراق کی قوت تاثیر بیان فرماتے ہین کہ) وہ مستغرق بھی ایسا ویسا
نہ تھا جسکا اس سے خلاصی ہو جاوے یا جس دریاے نور حق مین وہ غرق ہوا ہی بجز اس دریا کے کوئی اسکو
پہچان سکے (اسمین دو حکم ہین ایک تو مصرعۂ ثانیہ مین سو اسکی توجیہ ہی جا بر من نمیدانم کی شرح
مین گذر چکی اور ایک حکم مصرعۂ اولیٰ مین اسکی دو توجیہ ہو سکتی ہین ایک یہ کہ وہ استغراق ایسا نہ تھا
جو زائل ہو جاتا اسکی وجہ یہ ہی کہ چونکہ بلا اکتساب قوت تحمل کی حاصل نہین ہوتی اگر ایسی حالت مین کوئی
کیفیت وہبی طور پر طاری ہو جاتی ہی صاحب کیفیت اسمین مغلوب الحواس و العقل ہو جاتا ہی اس سے افاقہ نہین
ہوتا بلکہ بعض اوقات مر بھی جاتا ہی یہ معنی ہین خلاصی نہ ہونے کے دوسری توجیہ خلاصی نہ ہونے کی یہ ہو سکتی
ہی کہ استغراق و فنا کا جو اثر تھا کہ ماسوی اللہ سے تعلقات قطع ہو جاوین اور اوصاف نفسانیہ مضمحل ہو جاوین
وہ اثر ایسا قوی تھا کہ گاہے زائل نہین ہو سکتا گو اس حالت سے افاقہ بھی ہو جاوے اور یہی معنی ہین اس قول کے
الفانی لا یرد حضرت مرشدی نے اس مصرعہ کی تفسیر مین یہی قول پڑھا تھا اسی جگہ سے کہا گیا ہی کہ واصل
کبھی مردود نہین ہوتا حدیث بخاری شریف اسکی مؤید ہی کذالک الایمان اذا خالط بشاشۃ القلوب اہل لطائف
نے اسکی عجیب مثال دی ہی جسطرح بالغ کبھی نابالغ نہین ہوتا میرے استاد حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ
علیہ فرماتے ہین کہ جو شخص مردود ہوتا ہی وہ واقع مین واصل ہی نہوا تھا گو اسکو یا دوسرون کو اسپر واصل ہونے کا
گمان ہو پس وہ صورۃً واصل ہوتا ہی نہ حقیقۃً اب حدیث مذکور کو حدیث ان الرجل لیعمل بعمل اہل الجنۃ و مایکون بینہ
و بین الجنۃ الا ذراع فیسبق علیہ القدر فیکون من اہل النار سے اور عقیدۂ کلامیہ السعید قد یشقی سے بھی تعارض نہین رہا)
عقل جزو از کل الخ (یہان دو نسخے ہین ایک گویا دوسرا پذیرا نسخہ اول کے معنے یہ ہین کہ عقل جزو یعنی عارف)
عقل کل (یعنی ذات حق) کے معاملات کا کبھی (اجمالاً بھی) بیان نہ کر سکتا اگر (ادھر سے) تقاضا پر تقاضا نہوتا
(اسمین تائید ہی اوپر کے مضمون کی تفصیل معلوم نہین یعنی جتنا مین نے کہدیا ہی وہ بھی تقاضاے الہامی کی وجہ
سے تاکہ ایک گونہ طالبین کو نفع ہو ورنہ اتنے کہنے کی بھی جرأت نہ تھی کیونکہ عوام الناس امثلہ کو حقیقت پر اور
معاملات الٰہیہ کو اپنے معاملات پر قیاس کر کے غلطی یا انکار مین پڑ جاتے ہین) لیکن چونکہ تقاضا پر تقاضا ہو رہا ہی

اسلیے اُس دریا (یعنی عالم غیب) کی موج (یعنی فیض بیان اجمالی) اس جگہ پہونچ رہی ہو کہ کچھ بیان اجمالی ہوجاتا ہو اور اُس سے نفع پہونچ جاتا ہو اور دوسرے نسخہ کے معنے یہ ہین کہ) عقل جزوی (یعنی سالک) عقل کل (یعنی ذات حق کے فیوض کو ہرگز نہین لے سکتا تھا (کیونکہ چہ نسبت خاک را با عالم پاک) اگر (اُدھر سے) جذبہ پر جذبہ نہوتا (یعنے انکے فضل سے دولت وصول میسر ہوتی ہی) لیکن چونکہ برابر جذبہ پر جذبہ پہونچ رہا ہو اسلیے اُس دریا (یعنے عالم غیب) کی موج (فیض) اس جگہ (یعنی قلب سالک مین) پہونچ رہی ہو (جس سے وہ واصل ہوجاتا ہی) غرض جب پیر چنگی کی حالت یہانتک پہونچی تو وہ پیر اور اسکی جان پردہ (حیرت) مین منھ چھپا کر رہ گئے (یعنی حیرت غالب ہوگئی) اور پیر چنگی نے دامن گفتگو سے جھاڑ دیا (یعنی وہ گفتگو قطع ہوگئی جو پہلے سے طول و عریض کر رہا تھا یا یہ مطلب ہے کہ اس حالت کو قال مین نہین لاسکا) اور وہی کہی ہوئی بات منھ کی منھ ہی مین رہ گئی (یعنے کلام سابق ناتمام رہ گیا یا یہ کہ غلبۂ حال مین کچھ حالت طاریہ کا بیان کرنا چاہا مگر قدرت نہوئی لب دوختہ رہ گیا یہ تقریر تو منقول ہو اور احقر کے مذاق پر آخر کے دو شعر کا مطلب یہ ہو کہ جب استغراق کی یہ نوبت پہونچی تو پیر اور اسکی جان ناسوت سے حجاب مین ہوگئی یعنے اسکا انتقال ہوگیا اور اسنے بولنے چالنے سے دامن جھاڑ دیا یعنے بولنا ختم اور بند ہوگیا بوجہ موت آجانے کے اور وہ کچھ بات کرنا چاہتا تھا مگر بات بھی منھ ہی مین لی ہی کہ خاتمہ ہوگیا وجہ اس انتقال کی برداشت نہ کرسکتا تھا۔ اس حالت قویہ کا جیسا مصرعہ غرقہ نے کہ خلاصی باشدش + کی ایک توجیہ کے ضمن مین بیان ہوا ہی پس بنا بر اس تقریر کے شعر آئندہ یعنی از پے این عیش و عشرت الخ کا مطلب بھی بدل جاویگا یعنے مولانا اس انتقال پر فرماتے ہین کہ ایسے مرنیکا کیا غم جو عیش و عشرت روحانی اسکو ملی اُسکے حاصل کرنے مین لاکھ جانین بھی قربان کردینا چاہیے فافہم

از پے این عیش و عشرت ساختن	صد ہزاران جان بباید باختن
در شکار بیشۂ جان باز باش	ہمچو خورشید جہان ممتاز باش
جان فشان افتاد خورشید بلند	میشود ہر دم تہی پر می کنند
در وجود آدمی جان و روان	میرسد از غیب چون آب روان
ہر زمان از غیب نو نو می رسد	وز جہان تن برون شو می رسد
جان فشان اے آفتاب معنوی	مر جہان کہنہ را بنا نوی

اوپر آیا تھا جانش رفت و جان دیگر زندہ شد + اسی کی تقریر فرماتے ہین کہ یہ تو ایک ہی جان فنا ہوئی تھی) ایسے عیش و عشرت میسر ہوجانے کے لیے (جو اس پیر چنگی کو نصیب ہوئی) اگر لاکھ جانین بھی ہون تو قربان کردینا چاہیے پس تمکو چاہیے کہ بیشۂ جان مین شکار کرنے کے لیے باز کی طرح رہو (یعنے حیات باقیہ کی تحصیل مین عالی ہمت رہو جو موقوف ہو اس حیات فانیہ کے مضمحل کرنے پر جس طرح اس پیر کی یہی حالت ہوئی کہ ایک جان دی دوسری جان لی اور اس جانبازی مین) تم مثل آفتاب کے ممتاز رہو کیونکہ یہ آفتاب جان افشان واقع ہوا ہے جان نور کو کہا ہو اور افشاندن اس کے ترشح کو اور اس جان افشانی کا اس کو یہ ثمرہ ملتا ہے کہ)

وہ (نو سے) ہر وقت خالی ہو جاتا ہی اور پھر اسکو بھر دیتے ہین (جس سے وہ ہر وقت نورانی رہتا ہی) اسیطرح آدمی کے وجود مین جان ہر دان عالم غیب سے مثل آب روان کے پہونچتی رہتی ہی یعنی ہر آن مین جان جدید پہونچتی ہی اور یہ اشارہ ہی مسئلہ مشہورہ تجدد امثال کی طرف مقصود یہ ہی کہ جان بازی سے اندیشہ نہ چاہیے کیونکہ یہ جان ظاہری بھی تو ہر وقت نئی آتی ہی اور پہلی فنا ہو جاتی ہی جس سے معلوم ہوتا ہی کہ جان کا خرچ ہونا مضر نہین فورا اسکا بدل ملجاتا ہی پس اسی قیاس پر سمجھو کہ اگر اس جان کو خرچ یعنی مضمحل کر دوگے تو اسی طرح اسکا بدل یعنی جان معنوی تمکو ملجاویگی اور تشبیہ پانی کے ساتھ اسوجہ سے ہی کہ آب روان سرسری نظر مین تو عین اول معلوم ہوتا ہے مگر واقع مین وہ گذر گیا اور اسکا مثل اسکی جگہ آگیا گو تماثل صوری سے اتحاد کا شبہہ پڑتا ہی اسی طرح تجدد امثال مین ہر شے فنا ہو کر دوسری شے اسکے مثل اسکے قائم مقام ہو جاتی ہی مگر بوجہ تشابہ کے شے ثانی عین اول معلوم ہوتی ہی غرض ہر آن مین عالم غیب سے جان تازہ پہونچتی ہی) اور (بلسان اشارت گویا) یہ امر پہونچتا ہی کہ اس عالم جسمانی سے خارج ہو جاؤ (اور اس جان ظاہری کو مضمحل کر دو یعنی جان تازہ پہونچنا گویا بدلالت حال ترغیب دے رہا ہی کہ جان ظاہری فنا کر دو اسیطرح اسکا بدل ملجاویگا جیسا مصرعہ اولی کی شرح مین بھی بیان کیا گیا ہی آگے مثال آفتاب پر بطور تفریع کے فرماتے ہین کہ جب جان بازی سے جان بخشی ہوتی ہی تو) اے آفتاب معنوی (سالک) تم بھی جان فشانی کرو اور اس عالم کہنہ (یعنی تن ناکارہ) کو رونق (جان تازہ کی) دکھلاؤ (جو اس جان ظاہری کے بدلے مین عطا ہوگی چونکہ انوار و برکات روحانیہ کا اثر جوارح پر بھی آتا ہی مثل اشتغال بطاعات و خشوع و خضوع اس لیے یہ کہا گیا کہ تن کو یہ رونق دکھلاؤ)

تفسیر دعاے آن دو فرشتہ کہ ہر روز بر سر بازار منادی کنند اللہم اعط کل منفق خلفا اللہم اعط کل ممسک تلفا و بیان آنکہ منفق مجاہد راہ حق ست نہ مسرف راہ ہوا

(اس حدیث کو بخاری و مسلم نے روایت کیا ہی مقصود اسکے لانے سے تائید ہی مضمون سابق کی کہ جان بازی سے جان بخشی ہوتی ہی وجہ تائید اطلاق لفظ انفاق کا ہی جو شامل ہی مال اور جان دونون کو) ترجمہ حدیث کا یہ ہی کہ اے اللہ ہر خرچ کرنے والے کو عوض دے اور ہر ممسک کو تلف دے)

گفت پیغمبر کہ دائم بہر پند ۔ دو فرشتہ خوش منادی می کنند

کاے خدایا منفقان را سیر دار ۔ ہر درم شان را عوض دہ صد ہزار

اے خدایا ممسکان را در جہان ۔ تو مدہ الا زیان اندر زیان

اے خدا تو منفقان را دہ خلف ۔ اے خدا تو ممسکان را دہ تلف

یعنی حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہی کہ ہمیشہ (بندون کی) نصیحت کے واسطے دو فرشتے خوب منادی کرتے ہین کہ اے خدا خرچ کرنے والون کو سیر رکھیے اور انکے ایک ایک درم کے عوض لاکھون دیجیے ممسکون کو دنیا مین بجز زیان در زیان کے اور کچھ نہ دیجیے اور انفاق کرنے والون کو عوض دیجیے اور امساک

کرنے والون کو تلف دیجیے۔

منفق و ممسک محل بین به بود	چون محل باشد مؤثر مے شود
اے بسا امساک کز انفاق به	مال حق را جز بامر حق مده
تا عوض یابی تو گنج بیکران	تا نباشی از عداد کافران
کاشتران قربان همی کردند تا	چیره گردد تیغ شان بر مصطفے
امر حق را باز جو از واصلے	امر حق را در نیابد هر دلے

(یہان سے شعر آئندہ بہر این مومن ہمی گوید تک بطور جملۂ معترضہ کے رفع ہی ایک ابہام کا کا اطلاق لفظ حدیث سے واقع ہوسکتا ہی کہ شاید کوئی شخص مطلق انفاق کو محمود اور مطلق امساک کو مذموم سمجھ جاوے خواہ محل مین ہو یا بے محل ہو اسلیے ارشاد فرماتے ہین کہ) منفق اور ممسک دونون محل مین اچھے ہوتے ہین جب اپنے اپنے محل مین ہون تو اچھا اثر کرتے ہین بہت سے امساک انفاق سے بہتر ہوتے ہین (مثلاً معصیت مین انفاق سے امساک بہتر ہی کیونکہ تمھارے پاس جو مال ہی وہ تمھارا نہین ہی حق تعالیٰ کا ہی بس) مال حق کو بدون امر حق کے مت خرچ کرو تاکہ (حکم کے موافق خرچ کرنے سے) تمکو عوض مین گنج بے پایان (ثواب کا) ملے اور تاکہ (بے حکمی مین خرچ کرنے سے) تمھارا شمار کافرون مین نہو جاوے کہ وہ لوگ شتر قربانی کیا کرتے تھے تاکہ (اس قربانی و انفاق کی برکت سے) انکی تلوار نعوذ باللہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر غالب ہوجاوے (اور وہ الٹا انکا وبال گردن ہوگیا کما قال تعالیٰ فسینفقونہا ثم تکون علیہم حسرۃ ثم یغلبون اسلیے بدون امر حق خرچ کرنا ٹھیک نہین) اور امر حق کو اپنی رائے فاسد سے متعین مت کرو بلکہ کسی واصل بحق سے تحقیق کرو (علماء راسخین سب اسمین داخل ہین کیونکہ امر حق کو ہر شخص کا قلب (و اجتہاد) ادراک نہین کرسکتا ف اسمین تاکید ہی غیر محققین کو تقلید محققین کے لیے

چون غلامے باغیے کو عدل کرد	مال شه بر باغیان او بذل کرد
در نبی انذار اهل غفلت ست	کان همه انفاق هاشان حسرت ست
طرفه تر آنکو همی پنداشت عدل	کز سخاوت کرده ام ایثار و بذل
بنده پندارد که او خود عدل کرد	مال شه را بر مساکین بذل کرد
عدل این باغی و دادش نزد شاه	چه فزاید دوری و روی سیاه

قربان کردن سروران عرب بامید آنکه قربانی ایشان قبول ست

سروران مکه در حرب رسول	بود شان قربان بامید قبول
بهر این مؤمن همی گوید ز بیم	در نماز اهدنا الصراط المستقیم

(یہ مثال ہی غیر محل مین خرچ کرنے والے کی کہ) جیسے کوئی باغی غلام ہو کہ اُسنے (اپنے نزدیک بڑا) عدل کیا کہ

بادشاہ کا مال باغیون پر خرچ کر دیا اسی واسطے) قرآن مجید مین اہل غفلت کو متنبہ فرمایا ہو کہ ان کفار کا انفاق سب باعث حسرت ہو (جیسا اوپر آیت گذر چکی ہی) اور طرفہ وہ شخص جو اسکو عدل سمجھ رہا ہو کہ مین نے سخاوت سے خوب خرچ کیا ہو (چنانچہ) وہ غلام یہی سمجھتا ہو کہ مین نے عدل کیا ہو کہ بادشاہ کا مال غریبون کو تقسیم و خیرات کر دیا ہو تو ایسے باغی کا عدل وعطا بادشاہ کی نظر مین بجز مردودیت اور سیاہ روئی کے اور کس چیز کو بڑھا سکتا ہی جیسا سرداران مکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے محاربہ مین قربانی بامید قبولیت (و غلبۂ جنگ) کیا کرتے تھے (اور سب ضائع ہوتی تھی) اسی لیے مسلمان خوف کے مارے نماز مین دعا کرتا ہو کہ اے اللہ ہمکو سیدھا رستہ دکھلا دیجیے (کہ ان نافرمانون کی طرح ناحق کو حق اور حق کو ناحق نہ سمجھتے ہین)

آن درم دادن سخی را لائق ست　　جان سپردن خود سخای عاشق ست
نان دہی از بہر حق نانت دہند　　جان دہی از بہر حق جانت دہند
گر بریزد برگہاے این چنار　　برگ بی برگیش بخشد کردگار
گر نماند از جود در دست تو مال　　کے کند فضل الٰہت پائمال
ہر کہ کارد گردد انبارش تہی　　لیکنش اندر مزرعہ باشد بہی
وانکہ در انبار ماند و صرفہ کرد　　اسپش و موش و حوادثہاش خورد
این جہان نفی ست در اثبات جو　　صورتت صفر ست در معنات جو
جان شور و تلخ پیش شاہ بر　　جان چون دریاے شیرین را بخر
ور نمیتانی شدن زین آستان　　گوش کن بارے ز من این داستان

(بعد جملہ معترضہ کے پھر رجوع ہی مضمون سابق ترغیب جان بازی کی طرف کہ) درم دینا تو سخی کے لائق ہو اور جان دینا عاشق کی سخاوت ہو اگر تم اللہ کے واسطے نان دوگے تمکو (عوض مین) نان ملے گی اور اگر اللہ کے واسطے جان دوگے تو جان ملے گی اگر درخت چنار کے پتے جھڑ جاوین گے (یعنی یہ ہستی موہوم فناء ہو جاوے گی) تو اللہ تعالیٰ اسکو بیسامانی کا سامان عطا فرماوین گے (یعنی ہستی مجرد دینگے جسکو کبھی خزان ہی نہین) اسی طرح اگر سخاوت کی وجہ سے تیرے ہاتھ مین مال نرہیگا تو اللہ تعالیٰ کا فضل تجکو کب پائمال ہونے دیگا (اسکی ایسی مثال ہو کہ) جو شخص کھیتی کرتا ہی اسکی کوٹھی خالی ہو جاتی ہو لیکن کھیت مین اسکی بہتری ہو (کہ بہت سا ملجاتا ہی) اور جس نے کوٹھی مین رہنے دیا اور بخل کیا تو گھن اور چوہے حوادث کے اسکو کھا ڈالین گے (یعنی سب خراب ہو جاوے گا اسیطرح اگر راہ حق مین جان بازی کی نعم العوض ملجاویگا ورنہ یہ عمر تو ایک روز ختم ہو ہی جاویگی اور بدل کچھ نہ ملیگا) یہ عالم (مثل) عدم محض (کے) ہے (یعنی فانی ہے) اثبات (یعنی بقا) مین سعی کرو اور تمھاری صورت (یعنی یہ ہستی ظاہری) محض خالی (از مغز) ہے اپنے معنے (یعنی مقصود حقیقی) کو تلاش کرو اس جان شور و تلخ (بیکار و بیقدر) کو بادشاہ حقیقی کے روبرو لیجاؤ (یعنی اُن کی راہ مین فدا کردو)

اور ایسی جان عوض مین لو جو شل دریاے شیرین کے ہو اور اگر تم اس آستان سے (یعنی دنیا سے کہ عالم غیب کے اعتبار سے بیرون در ہی) نکلنے کی (اور یہان کی ہستی کو فدا کرنیکی) ہمت نہین رکھتے تو مجھ سے ذرا یہ داستان آئندہ سن لو (تاکہ تمھاری نظر مین یک نظیر آجاوے کہ جب خلیفہ بغداد نے اس اعرابی کو آب شور کے عوض مین دجلۂ شیرین کی سیر اور انعام و اکرام اسکے حوصلہ سے زائد عطا کیا تو شاہنشاہ حقیقی سے کیا بعید ہی پس اس نظیر سے تمھاری ہمت اور رغبت بڑھ جاوے گی)

قصۂ آن خلیفہ کہ در کرم در زمان خود از حاتم طائی گذشتہ بود و نظیر خود نداشت

یک خلیفہ بود در ایام پیش / کردہ حاتم را گدای جود خویش

رایت اکرام و جود افراشتہ / فقر و حاجت از جہان برداشتہ

بحر و کان از بخشش صاف آمدہ / داد او از قاف تا قاف آمدہ

در جہان خاک ابر و آب بود / مظہر بخشایش وہاب بود

از عطایش بحر و کان در زلزلہ / سوی جودش قافلہ بر قافلہ

قبلۂ حاجت در و دروازہ اش / رفتہ در عالم بجود آوازہ اش

ہم عجم ہم روم ہم ترک و عرب / ماندہ از جود و سخایش در عجب

آب حیوان بود و دریای کرم / زندہ گشتہ ہم عرب زو ہم عجم

اندر ایام چنین سلطان داد / بشنو اکنون داستانی با گشاد

ربط اس داستان کا اوپر کے اس شعر سے ہی جان شو و تلخ ام خبیل ہمنے شعر در نمی دانی الخ کی شرح مین اوپر لکھا ہے) یعنی زمانہ سابق مین ایک بادشاہ اسلام تھا جسنے حاتم کو اپنی جود و عطا کا گدا بنا رکھا تھا اور جود و کرم کا نشان اسنے بلند کر رکھا تھا اور فقر و محتاجی (گویا) دنیا سے معدوم کردی تھی دریا اور معدن اسکی بخشش سے خالی ہو گئے تھے (یعنی اسکی چیزین سب خرچ کردی تھین اور یہ مبالغہ ہی) اور اسکی عطا قاف تا قاف پہونچ گئی تھی (یعنی محیط عالم ہو گئی تھی) اس عالم خاک پر وہ (گویا) ابر اور آب تھا اور بخشایش خداوندی کا مظہر تھا اسکی عطا سے تمام بحر اور معدن مین زلزلہ پڑ رہا تھا کہ اب ہمارے اندر کچھ نہ رہیگا وہ سب خرچ کر ڈالے گا) اسکی سخاوت کی طرف قافلہ پر قافلہ آرہا تھا اور اسکا دروازہ قبلۂ حاجت بن رہا تھا اور جہان بھر مین اسکی جود و سخا کا شہرہ ہو رہا تھا عجم اور روم اور ترک اور عرب سب اسکی جود و سخا سے تعجب مین تھے وہ (گویا) آب حیات تھا اور دریاے کرم تھا اس سے عرب اور عجم سب زندہ ہو رہے تھے (جسطرح آب حیات اور دریا سے زندگانی ہوتی ہی) ایسے بادشاہ با عطا کے زمانہ مین ایک فرحت انگیز یا ایک وسیع قصہ واقع ہوا اسکو سنو (گشاد خوشی یا وسعت)

قصۂ اعرابی درویش و ماجرا کردن زن با او بسبب قلت معاش و درویشی

یک شب اعرابی زنی مر شوی را — گفت و از حد برد گفت و گوی را
کین همه فقر و جفا ما می کشیم — جملہ عالم در خوشی ما ناخوشیم
نان مان نی نان خورش مان درد و رشک — کوزہ مان نی آب مان از دیدہ اشک
جامۂ ما روز تاب آفتاب — شب نہالین و لحاف از ماہتاب
قرص مہ را قرص نان پنداشتہ — دست سوے آسمان برداشتہ
ننگ درویشان ز درویشی ما — روز و شب از روزی اندیشی ما
خویش و بیگانہ شدہ از ما رمان — بر مثال سامری از مردمان
گر بخواہم از کسے یک مشت نسک — مر مرا گوید خمش کن مرگ و جسک

(نسک عدس جسک رنج و بلا) یعنی ایک شب ایک اعرابی کی بیوی نے شوہر سے کہا اور حد سے زیادہ کہا کہ تمام یہ فقر و سختی ہم جھیل رہے ہین سارا جہان آرام و خوشی مین ہی ہم ہی رنج و غم مین مبتلا ہین۔ روٹی ہمارے پاس نہین سالن ہمارا درد ہی اور حسد ہی صراحی پانی رکھنے کی ہمارے پاس نہین اور پانی کی جگہ آنکھ کے آنسو ہین لباس ہمارا دن مین تو گرمی آفتاب ہے اور شب مین نہالی اور لحاف کی جگہ ماہتاب ہے اور قرص ماہ کو (مارے حرص کے) قرص نان سمجھتے ہین اور (دعا کے لیے) ہاتھ آسمان کی طرف اٹھاتے ہین عزیزونکو بھی ہماری غریبی سے اور ہمارے شب و روز روزی کے سوچ مین لگے رہنے سے عار آتی ہی تمام اپنے بیگانے ہمسے بھاگنے لگے جسطرح سامری آدمیون سے بھاگا بھاگا پھرتا تھا اسکو یہ سزا منجانب اللہ ہوئی تھی بوجہ بانی ہونے گوسالہ پرستی کے پس اگر کوئی شخص اسکو ہاتھ لگا دیتا تھا تو دونون آدمی تپ محرقہ مین مبتلا ہو جاتے تھے اسلیے لوگ بھی اس سے بھاگتے وہ بھی لوگون سے بھاگتا پس وہ عورت اپنے کو اس سے تشبیہ دیتی ہی) اور اگر مین کسی سے ایک مٹھی مسور مانگتی ہون تو مجکو (طیش سے) جواب ملتا ہی چپ رہ۔ مرجا مصیبت مین پڑی رہ۔

مر عرب را فخر و غزوست و عطا — در عرب ما ہمچو خط اندر خطا
چہ غزا ما بے غذا خود کشتہ ایم — با شمشیر عدم سر گشتہ ایم
چہ خطا ما بے خطا در آتشیم — چہ نوا ما در دو غم را مفرشیم
چہ عطا ما بر گدائی می تنیم — مر مگس را در ہوا رگ می زنیم
شب نخفتم روز باشد ہیچ بے — در درون جز سوز ہیچا ہیچ بے
گر کسے مہمان رسد گر من منم — شب بخسپد دلق او را بر کنم
زین نمط در ماجرا و گفتگو — برد از حد عبارت پیش شو

گر غنا و فقر گشتیم خوار ❊ سوختیم از اضطراب و اضطرار

تا بکے ما اینچنین خواری کشیم ❊ غرقہ اندر بحر ژرف آتشیم

ناگہ ار روزے درآید میہمان ❊ شرمسار یہا بریم از وے بجان

لیک مہمان چون درآید بے ثبوت ❊ وانکہ کفش میہمان سازیم قوت

(خطا اندر یعنی اندر خط) یعنی عرب کے مفاخر مین سے ہی غزوہ کرنا عطا کرنا مگر ہم عرب مین ایسے ہین جیسے خط کے اندر حرف غلط ہوتا ہی (کہ محض بے اعتبار ہی) اور ہم غزوہ کیا کرتے تھے بے مارے مر رہے ہین یا یون کہو کہ شمشیر موت سے سر گشتہ ہو رہے ہین اور حرف خطا یعنے غلط اپنے کو کیا کہین ہم تو بے خطا ہی آتش غم مین جل رہے ہین اور سامان ہمارے پاس کہان ہوتا خود درد و غم کے فرش بن رہے ہین اور ہم عطا کیا کرتے خود گدائی کے لیے تیار ہو رہے ہین حتی کہ ہوا مین مگس کی رگ مارتے ہین (کہ شاید ہمین سے کچھ وصول ہو جاوے جسکو محاورہ ہند مین مکھی چوس کہتے ہین) شب کو نیند نہین آتی دن ہوتا ہی تو کچھ پاس نہین ہوتا اور پیٹ کے اندر بجز سوزش پیچ و تاب کے کچھ نہین ہوتا اگر فرضاً کوئی مہمان آپہونچے تو اگر مین ایسی حالت مین ہون جیسین کہ اب ہون (یعنے یہی افلاس رہے) تو جسوقت وہ شب کو سو رہے اسکا کمل اُتار لون غرض اسی طرح کی گفتگو شوہر کے روبرو بیان سے باہر کرتی ہی کہ رنج و فاقہ سے ہم ذلیل ہو گئے اور اضطراب و اضطرار سے ہم جل گئے اب کہان تک یہ خواری جھیلتے رہین گے آتش (رنج) کے دریاے عمیق مین غرق ہو گئے ہین اگر اتفاقاً کوئی مہمان کسی دن آنکلے تو بس بڑی شرمندگی اُٹھانی پڑے لیکن اگر وہ بلا تحقیق آجاوے (اور ہماری حالت تحقیق ہونیکی وجہ سے کچھ اپنی احتیاط نکرے) تو یقین جانو کہ اُسکی جوتیان ہی (بیچکر) کھا جائین۔

مغرور شدن مریدان محتاج و تشبیہ مدعیان مزور وایشان را شیخ واصل پنداشتن و نقد را از نقل نادانستن

بہر این گفتند دانایان بفن ❊ میہمان محسنان باید شدن

تو مرید و میہمان آن کسے ❊ کو ستاند حاصلت را از خسے

نیست چیرہ چون ترا چیرہ کند ❊ نور ندہد مر ترا تیرہ کند

چون ورا نورے نبد اندر قران ❊ نور کے یابند از وے دیگران

ہمچو اعمش کو کند دارو ے چشم ❊ چہ کشد در چشمہا الا کہ یشم

(اسمین انتقال ہی حال مفلس ظاہر سے طرف حال المفلس باطن کے یعنی اسی لیے (کہ مفلس کا مہمان بننے سے اپنا سرمایہ بھی تلف ہو جاتا ہی) علماء فن نے فرمایا ہی کہ مہمان محسنون کا بنتا چاہیے (تاکہ تمھارے ساتھ

احسان کرے مراد یہ ہے کہ بیعت ایسے شخص سے کرے جو دولت باطن سے مالا مال ہو اور تمہاری تربیت بھی کر سکے یعنی کامل مکمل ہو) تم ایسے شخص کے مرید اور مہمان ہو جو تمہارے حاصل سابق کو بھی چھین لے (یعنی جو ذوق و شوق پہلا تھا وہ بھی اسکی صحبت سے کم ہو جاوے) وہ تو خود (طریقت کے خطرات میں) دلیر ہے ہی نہیں تمکو تو کیا دلیر کریگا وہ تمکو نور (معرفت و سکینہ) نہ دیگا بلکہ تمکو تیرہ (سیاہ دل) کر دیگا کیونکہ جب اسکو خود اتصال نور (غیب) سے حاصل نہیں تو دوسرے اُس سے کیا نور حاصل کرینگے اسکی ایسی مثال ہے جیسے کوئی چندھا ہو اور وہ کسی کی آنکھ کا علاج کرے بھلا وہ اسکی آنکھ میں دوا کیا لگا دیگا بجز اسکے کہ آنکھ میں کوئی الا بلا بھر دے جیسے بال یا پشم کہ ایک تیھر ہی آنکھوں کو مضر (کیونکہ اسکو خود تو نظر آتا نہیں کہ میں کیا دوا لگا رہا ہوں خلاصہ یہ کہ جیسے فاقد البصر دوسرے کی بصر کا معالجہ نہیں کر سکتا اسی طرح فاقد البصیرت دوسرے کی بصیرت کا علاج نہیں کر سکتا۔

حال ما این ست در فقر و عنا ‏ ‏ ‏ ‏ هیچ مهمان خود مبادا مغرور ما
قحط ده سال ار ندیدی در صور ‏ ‏ ‏ ‏ چشمها بگشا و اندر ما نگر
ظاهر ما چون درون مدعی ‏ ‏ ‏ ‏ در دلش ظلمت زبانش شعشعی

(وہ عورت کہتی ہے کہ جسطرح اس شیخ ناقص مقلس کا حال ہے) بعینہ وہی ہمارا حال ہے فاقہ و رنج میں بس کوئی مہمان خدا کرے ہمارے دھوکہ میں نہ آجاوے اگر تمنے دس سال کے قحط کو صورت مجسم نہ دیکھا ہو تو آنکھیں کھول کر ہمکو دیکھ لو کہ وہ مجسم قحط ہم ہیں) بلکہ خود ہمارا ظاہر بھی ایسا ہی جیسا اس مدعی ناقص کا باطن (کہ تباہ محض ہی) اسکے قلب میں ظلمت ہے اور زبان خوب آب و تاب والی (یعنی ہماری تباہی اس مدعی سے بھی بڑھی ہوئی ہے کیونکہ اسکا ظاہر تو بارونق ہے صرف باطن ہی خراب ہے اور ہمارا تو ظاہر بھی خراب ہے۔

از خدا نے بوے او را نے اثر ‏ ‏ ‏ ‏ دعویش افزون ز شیث و بو البشر
دیو ننموده ورا هم نقش خویش ‏ ‏ ‏ ‏ او همیگوید ز ابدالیم بیش
حرف درویشان بدزدیده بسے ‏ ‏ ‏ ‏ تا گمان آید که هست او خود کسے
حرف درویشان بدزدد مرد دون ‏ ‏ ‏ ‏ تا بخواند بر سلیمے زان فسون
خرده گیرد در سخن بر بایزید ‏ ‏ ‏ ‏ ننگ دارد از درون او یزید
هر که داند مرو را چون بایزید ‏ ‏ ‏ ‏ روز محشر حشر گردد با یزید

(ایسے ہی پریشان ہے حال مدعی ناقص کا کہ) حق تعالی سے اسکو نہ بو پہونچی نہ کوئی اثر پہونچا (یعنی نہ صاحب معرفت ہو نہ صاحب حال) مگر دعوت اسکی حضرت شیث علیہ السلام و حضرت آدم علیہ السلام (یعنی انبیاء علیہم السلام) سے بھی بڑھی ہوئی (یعنی عوام کو طریقت کی طرف بلاتا ہی) کبھی شیطان تک نے بھی اسکو اپنی شکل نہیں دکھلائی (یعنی صاحب کشف بھی نہیں یا یہ کہ مکائد شیطان تک کی بھی شناخت حاصل نہیں) مگر قول یہ ہے کہ میں ابدال سے بھی

پڑھا ہوا ہون بہت سے ملفوظات بزرگون کے (کتب یا تقریرات سے) چرا کر یاد کر رکھے ہین تاکہ (سننے والون کو) گمان ہو جاوے کہ یہ بھی کچھ ہونگے اور کمینہ لوگون کا دستور ہی کہ ملفوظات کاملین کو یاد کر لیا کرتے ہین تاکہ بیچارے بھولے بھالے لوگون پر اس سے افسون پڑھ دین (جس سے وہ معتقد و مسخر ہو جاوین اور سلیم مار گزیدہ کو بھی کہتے ہین افسون کی مناسبت سے ہکالانا رعایت شاعری ہی) اور وہ تقریر مین حضرت بایزید (جیسے کاملین) پر خردہ گیری کرتا ہی (کہ فلان تحقیق مین ان سے یہ غلطی ہو گئی) لیکن اسکے باطن سیاہ سے یزید تک کو ننگ آتی ہی ایسے شخص کو جو کوئی بایزید سمجھے گا (یعنی کامل سمجھ کر معتقد ہو جاویگا) قیامت مین اسکا حشر یزید کے ساتھ ہوگا (وجہ یہ کہ جب ایسے ناقص کا اتباع کریگا تو ضرور وہ اُسکو گمراہ کریگا اسلیے حشر بھی گمراہون کے ساتھ ہوگا۔

بینوا از نان و خوان آسمان / پیش او ننهاد حق یک استخوان

او ندا کرده که خوان بنهاده ام / نائب حقم خلیفه زاده ام

الصلا ساده دلان پیچ پیچ / تا خورید از خوان جودم هیچ هیچ

سالها بر وعدهٔ فردا کسان / گرد آن در گشته فردا نارسان

دیر باید تا که سر آدمی / آشکارا گردد از بیش و کمی

زیر دیوار تنش گنجیست یا / خانهٔ مارست و مور و اژدها

چونکه پیدا گشت کو چیزے نبود / عمر طالب رفت آگاهی چه سود

(یعنی تمہ ہی بیان حال مدعی کاذب کا) یعنی آسمانی نان و خوان سے (کہ عبارت ہی غذائے روحانی معرفت و اسرار سے) محض بے نوا ہے اور حق تعالی نے اسکے سامنے ایک ہڈی بھی نہین ڈالی (یعنی اسمین دولت باطنی کا اثر اتنا بھی نہین جیسے ہڈی کہ فضلہ ہوتا ہی گوشت کا مگر باوجود اس بینوائی و افلاس باطنی کے) منادی عام کر رکھی ہے کہ مین نے (نعمت باطنی کا) خوان چن رکھا ہی اور مین نائب حق ہون اور خلیفہ زادہ ہون (یعنی مثل اپنے پدر آدم علیہ السلام کے خلیفۃ اللہ ہون) ادھر چلے آؤ اے احمقو جو حماقت مین پیچ در پیچ گرفتار ہو (مراد اس سے دنیادار امرا ہین جو ایسون کے بہت جلد معتقد ہو جاوین کذا قال مرشدی رحمہ اللہ تعالی غرض انکو بلاتا ہی کہ آؤ) تاکہ میرے (باطنی) خوان کرم سے حصہ حاصل کرو (مولانا رد فرماتے ہین کہ) یہان خاک نہین یہان خاک نہین (پھنس مت جانا) سالہا سال گذر گئے کہ فردا کے وعدہ پر لوگ (طالبان کم فہم) اُسکے در کے گرد پھر رہے ہین مگر وہ فردا ابتک نہین آیا (یعنے دھوکہ دے رکھا ہی کہ گو اب تک تمھارا مقصود حاصل نہین ہوا مگر اب عنقریب ہوا جاتا ہی مگر وہان رکھا کیا ہی جو دوسرون کو دے حقیقت مین) بڑی مدت چاہیے کہ آدمی کی خفیہ حالت ظاہر ہو کہ اسمین کچھ شے ہے یا کمی ہی اور یہ کہ اُس کے دیوار تن کے نیچے (یعنے قلب مین) خزانہ (معرفت و کمال) ہی یا کہ وہ مار و مور و اژدہا (رذائل نفسانیہ و خصائل شیطانیہ) کا گھر ہے (اس لیے عوام بے پہچانے اُس کے ہاتھ مین جا پھنسے) جب (بعد مدت) معلوم ہوا کہ یہ تو کچھ بھی نہین تھا لیکن طالب بیچارہ کی عمر ختم ہو گئی اب آگاہ ہونے سے

کیا فائدہ (یعنی جو فائدہ ابتداء سے اسوقت تک سلوک طریق میں مشغول رہنے سے ہوتا وہ فوت ہوگیا اور اتنا فائدہ اب بھی ہو کہ توبہ کرے اور بقیہ عمر کسی کامل کی صحبت میں گذارے اس فائدہ کی نفی مقصود نہیں۔)

در بیان آنکہ نادر افتد کہ مریدی در مدعی مزور اعتقاد بصدق ببندد کہ او کسیست و بدین اعتقاد بمقامے رسد کہ شیخش بخواب ندیدہ باشد و آب و آتش او را گزند نکند و شیخش را گزند کند ولیکن نادر نادر باشد

لیک نادر طالب آید کز فروغ　　در حق او نافع آید آن دروغ

او بقصد نیک خود جائے رسد　　گرچہ جان پنداشت آن آمد جسد

مرو یا رومی نماید حالہا　　کہ ندید آن ہیچ شیخش سالہا

چون تحری در دل شب قبلہ را　　قبلہ نے و آن نماز او روا

مدعی را قحط جان اندر سر است　　لیک ما را قحط نان بر ظاہر است

ماجرا چون مدعی پنہان کنیم　　بہر ناموس مزور جان کنیم

(اوپر مولانا نے ارشاد فرمایا ہے کہ اگر پیر ناقص ہے تو مرید کو باطنی نفع نہیں ہوتا اسپر سوال ہو سکتا ہے کہ بعض اوقات ایسا بھی ہوا ہے کہ باوجود پیر کے ناقص ہونے کے مرید محض اپنے خلوص نیت و خوش اعتقادی کی بدولت کامیاب ہو گیا ہے پھر شیخ مزور سے بچنے کی کیا ضرورت ہے اپنا اعتقاد درست چاہیے مولانا اسکا جواب دیتے ہیں کہ اکثر تو وہی ہوتا ہے جو ہمنے اوپر کہا ہے لیکن ایسے طالب بہت شاذ و نادر ہیں کہ نور (خوش اعتقادی کی وجہ) سے اسکے حق میں وہ (شیخ مزور کا) دروغ نافع ہو جاوے اور وہ طالب اپنی نیت نیک کی برکت سے کسی مقام (مقصود) تک پہونچ جاوے گو اس نے جسکو (یعنی پیر کو) جان (یعنی موصوف باوصاف روحانیہ) سمجھا تھا وہ تو جسد (یعنی مقلوب اوصاف جسمانیہ) ہی نکلا (اور اس سے کچھ نہیں ملا مگر اپنے خلوص کی وجہ سے محروم نہیں رہا) اور اسکو وہ حالات (باطنیہ) وارد ہوئے جنمیں سے شیخ کو برسوں میں خاک بھی نصیب نہیں ہوا اسکی ایسی مثال ہے جیسے وسط دشت میں قبلہ کی تحری (کر لیتے ہیں) کو واقع میں وہ قبلہ نہیں ہوتا مگر پھر بھی اسکی نماز درست ہو جاتی ہے (مقصود) تشبیہ دینا ایسی ہے کہ خطا بھی مثل صواب کے ہو جاتی ہے گو مشبہ نادر ہے اور مشبہ بہ حکم دائم و مستمر ہے تفاوت تشبیہ میں مقصود ہے نہ مضر ہے حاصل جواب یہ ہے کہ بنائے کار و مدار حکم وقعات اکثریہ پر ہوا کرتا ہے اور ایسے نوادر کلیت عرفیہ دعوی میں مخل نہیں ہوا کرتے پس ایسا نفع قابل اعتماد نہیں راز اسمیں یہ ہے کہ وصول الی اللہ ہوتا ہے جذبہ سے اور جذبہ ہوتا ہے اکثر سلوک سے اور وہ بدون شیخ کامل کے ممکن نہیں اور بلا سلوک کے بھی کبھی ایسا ہو جاتا ہے جیسا اس طالب کو ہو گیا پھر وہ عورت کہتی ہے کہ مدعی کا تو قحط (دولت باطنی) باطن میں ہوتا ہے لیکن ہمارا قحط نان ظاہر میں ہے سو اپنی حالت مدعی مذکور کی طرح اگر پنہاں کرنا چاہیں تو ناموس مصنوعی کے لیے جان کنی

(یعنی سخت مشقت) کرنی پڑے (جسکی اب تاب نہین اسلیے ترک عار کرکے فکر روزی کرنا چاہیے)

صبر فرمودن اعرابی زن خود را و فضیلت صبر و فقر گفتن با زن خود

شوے گفتش چند جوئی دخل و کشت — خود چہ ماند از عمر افزون تر گذشت
عاقل اندر بیش و نقصان ننگرد — زانکہ ہر دو ہمچو سیلے بگذرد
خواہ صاف و خواہ سیل تیرہ رو — چون نمی پاید دمے ازوے مگو
اندرین عالم ہزاران جانور — می زید خوش عیش بے زیر و زبر
شکر مے گوید خدا را فاختہ — بر درخت و برگ شب ناساختہ
حمد میگوید خدا را عندلیب — کاعتماد رزق بر تست اے مجیب
باز دست شاہ را کردہ نوید — از ہمہ مردار ببریدہ امید
نخوت و دعوی و کبر و ترہات — دور کن از دل کہ تا یابی نجات
ہمچنین از پشہ گیری تا بہ پیل — شد عیال اللہ و حق نعم المعیل

یعنی خاوند بولا کہ کہان تک آمدنی اور پیداوار کی جستجو کرتی ہے اور عمر رہ ہی کیا گئی ہے زیادہ تو گذر ہی چکی عاقل آدمی (رزق کی) بیشی کمی کو نہین دیکھا کرتا کیونکہ دونون (حالتین) سیلاب کی طرح گذر جاتی ہین خواہ صفائی سے خواہ تیرگی سے جب اسکو بقا نہین تو اسکا ذکر ہی کیا (دیکھو) اس عالم مین ہزارون جانور ہین کہ خوش عیشی سے بلا تردد زندگی بسر کر رہے ہین فاختہ ہے کہ خدا تعالی کا شکر درخت پر بیٹھی ادا کر رہی ہے اور حالانکہ رات کے لیے کچھ سامان مہیا نہین کیا ہے اسی طرح عندلیب اللہ تعالی کی تعریف کر رہی ہے کہ اے مجیب الدعوات روزی کا اعتماد آپ ہی پر ہے اسی طرح باز ہے کہ بادشاہ کے ہاتھ پر خوش بخوش سب مرداروں سے احتیاج قطع کیے بیٹھا ہے اسی طرح پشہ سے لیکر فیل تک سب عیال اللہ ہین اور اللہ تعالی ان سب کے ذمہ دار ہین (عیال جسکا نفقہ کسی کے ذمہ ہو خواہ استحقاقا خواہ تفضلا چونکہ اللہ تعالی نے تفضلا انکا نفقہ اپنے ذمہ لیا ہے لہذا عیال اللہ کہدیا قال اللہ تعالی وما من دابة فی الارض الا علی اللہ رزقہا وقال علیہ السلام الخلق عیال اللہ)

این ہمہ غمہا کہ اندر سینہ‌ہاست — از غبار و گرد باد و بود ماست
این غمان بیخ کن چون داس ماست — اینچنین و آنچنان وسواس ماست
وانکہ ہر رنجے ز مردن پارہ ایست — جزو مرگ از خود بران گر چارہ ایست
چون ز جزو مرگ نتوانی گریخت — دان کہ کلش بر سرت خواہند بیخت
جزو مرگ ار گشت شیرین مر ترا — دان کہ شیرین میکند کل را خدا
دردہا از مرگ مے آید رسول — از رسولش رو مگردان اے فضول

هر که شیرین می زید او تلخ مرد ‌ ‌ ‌ ‌ هر که او تن را پرستد جان نبرد
گوسفندان را ز صحرا می کشند ‌ ‌ ‌ ‌ وانکه فربه تر مر او را می کشند

(ان اشعار مین مولانا علت غم و تشویش رزق وغیرہ کی اور اسکا معالجہ بیان فرماتے ہین کہ) یہ جتنے غم و الم کہ قلب مین آتے ہین یہ سب ہمارے باد و بود (ہستی موہوم) کی گرد و غبار کے بدولت ہین (یعنے چونکہ اپنی اس ہستی سے دلچسپی ہو پس ہر چیز جو اسکی مخل و منقص لذت معلوم ہوتی ہو ناگوار گذرتی ہو ورنہ اگر اس سے بردشتگی کرلے تو ہر مصیبت سہل معلوم ہو کیونکہ کسی مصیبت کا اثر اس سے زیادہ تو نہین کہ زندگی کو قطع کردیگا جب زندگی محبوب نہوگی اسکا قطع بھی گوارا ہوگا چنانچہ اسکی تفصیل فرماتے ہین کہ) یہ غموم جو (عمر کے) بیخ کن (اور قاطع) ہین انکی مثال ہنسیا (یعنی درانتی) کی سی ہو اور یہ امر کہ یون ہوگا وُون ہوگا یہ ہمارے وساوس و خیالات ہین (کہ اس غم سے یون تکلیف ہوگی اس بیماری سے اس طرح موت ہوگی یہی خیالات پریشان کرتے ہین) یقیناً سمجھ بلکہ خواہ کوئی تکلیف ہو وہ موت کا ایک شعبہ و جزو ہے تو اگر (تمھارے پاس) کوئی تدبیر ہو تو اس جزو موت کو ٹال دو (یعنے قدرت نہین ہوسکتی) جب تم جزو موت سے نہین بھاگ سکتے اسی سے یقین کرلو کہ اس جزو کے کل کو (یعنے موت کو) بھی تمھارے سر پر نازل کرینگے پس اگر یہ جزو مرگ تمھارے نزدیک شیرین و گوارا ہوگیا ہوگا تو یقیناً اسکے کل (یعنے موت) کو بھی اللہ تعالےٰ تم پر شیرین و گوارا کردینگے۔ اور یہ تکالیف جو ہین موت کے قاصد ہین پس اسکے قاصدون سے تم روگردانی و کراہت مت کرو (بلکہ اسپر راضی ہو تاکہ اصل یعنی موت بھی مکروہ نہ معلوم ہو) اور جو شخص شیرین (و متنعم) ہوکر زندگی بسر کرتا ہو اور مصائب و بلیات کو ناگوار جانتا ہو تو وہ تلخی سے مرتا ہو (کیونکہ ایسے شخص کو موت جو اعظم المصائب ہے کیونکر ناگوار نہوگی) اور جو شخص تن پروری مین رہیگا وہ (ہلاکت سے) جان سلامت نہ لیجاویگا (یعنی وقت مفارقت لذات کے الم مین مبتلا ہوگا) اسکی ایسی مثال ہو کہ بکریون کو جنگل سے جمع کرکے لاتے ہین اور جو سب مین تازہ و فربہ ہوتی ہو اُسکو ذبح کرتے ہین۔

شب گذشت و صبح آمد ای قمر ‌ ‌ ‌ ‌ چند این افسانہ را گیری ز سر
تو جوان بودی و قانع تر بدی ‌ ‌ ‌ ‌ ز طلب گشتی خود اول زر بدی
زر بدی پر میوہ چون کاسد شدی ‌ ‌ ‌ ‌ وقت میوہ پختنت فاسد شدی
میوہ ات باید کہ شیرین تر شود ‌ ‌ ‌ ‌ چون رسن تابان نہ واپس تر رود
جفت مائی جفت باید ہم صفت ‌ ‌ ‌ ‌ تا بر آید کارہا در مصلحت
جفت باید بر مثال ہمدگر ‌ ‌ ‌ ‌ در دو جفت کفش و موزہ درنگر
گر یکے کفش از دو تنگ آید بپا ‌ ‌ ‌ ‌ ہر دو جفتش کار ناید مر ترا
جفت در یک خرد و آن دیگر بزرگ ‌ ‌ ‌ ‌ جفت شیر بیشہ دیدی ہیچ گرگ
راست ناید بر شتر جفت جوال ‌ ‌ ‌ ‌ آن یکے خالی و آن پر مال مال
من روم سوے قناعت دل قوی ‌ ‌ ‌ ‌ تو چرا سوے شناعت میروی

مرد قانع از سر اخلاص و سوز	زین نسق میگفت با زن تا بروز

(یہ مقولہ ہی اعرابی کا بی بی سے کہتا ہی کہ) رات گذر گئی اور صبح آچلی اے محبوبہ (یعنے زیادہ حصہ عمر کا گذر گیا اور تھوڑا باقی ہی) اب اس قصہ (فقر و فاقہ) کو کیا تازہ کرنے بیٹھی ہی تو جب جوان تھی (جو زمانہ ہی ہوس کا) تب تو بڑی قانع تھی اب آکر طالب زر ہو گئی سابق مین (مثل) زر (کے بے عیب) تھی پہلے تو ایسی تھی جیسا پر میوہ درخت انگور اب کیون بگڑ گئی اور میوہ پکنے کے وقت فاسد ہو گئی تیرا تو میوہ اب زیادہ شیرین ہونا چاہیے (یعنے تجربہ و قرب موت سے توکل روز بروز بڑھنا چاہیے) نہ یہ کہ رسی کے بل کیطرح اُلٹا اُترنے لگے تو تو میری جفت ہی اور جفت (اپنے جفت کا) ہم صفت ہونا چاہیے تاکہ مصلحت مین کار برآری ہو غرض جفت ایک دوسرے کے نمونہ کا ہونا چاہیے دیکھو کفش و موزہ کی دونون جفتون ہی کو دیکھ لو اگر (فرض کرو کہ) ایک جوتی دو تو مین سے پانون مین تنگ آوے تو دونون جفت محض ناکارہ ہو جاتے ہین (کیونکہ ایک پانون مین کوئی پہنتا نہین) ایسا بھی کہین ہوا ہی کہ ایک پانون مین چھوٹا دوسرے مین بڑا بھلا کہین شیر بیشہ کا جفت گرگ بھی دیکھا گیا ہی اسیطرح اگر گون کا ایک تھیلا خالی ہو اور دوسرا مال سے پر ہو تو اونٹ پر لادنے مین راست نہین آتا خلاصہ یہ کہ جب مین دل قوی ہو کر قناعت کی طرف جا رہا ہون تو پھر تو شناعت (یعنے ذمیمہ حرص) کی طرف کیون جا رہی ہی غرض وہ مرد قانع اخلاص و سوز قلب سے اسی طرح عورت سے دن نکلنے تک باتین کرتا رہا۔

نصیحت کردن زن شوہر را کہ سخن افزون از قدم و مقام خود مگو لم تقولون ما لا تفعلون کہ این سخنہا اگرچہ راست است اما این مقام توکل ترا نیست و این سخن گفتن فوق مقام معاملۂ خود ترا زیان دارد و کبر مقتاً عند اللہ باشد

ف اس سے کوئی شخص یون نہ سمجھے کہ عالم بے عمل کو دوسرون کو نصیحت کرنا جائز نہین کیونکہ یہ سمجھنا قواعد کلیہ شرعیہ و اجماع امت کے خلاف ہی بلکہ مقصود یہ ہی کہ بعض کہنا ایسے طرز و عنوان سے ہوتا ہی کہ اس سے دعوی عمل کا مترشح ہوتا ہی پس وہ دعوی مذموم ہی اور اگر محض تبلیغ کے طور پر ہو تو وہ مذموم نہین بلکہ مامور بہ ہی قال علیہ السلام فلیبلغ الشاہد الغائب وقال بلغوا عنی ولو آیۃ اھ من غیر تقیید بالصلاح فی المبلغ۔

زن برو زد بانگ کای ناموس کیش	من فسون تو نخواہم خورد بیش
ترہات از دعوی و دعوت مگو	رو سخن از کبر و از نخوت مگو
چند حرف طمطراق و کار و بار	کار و حال خود ببین و شرم دار
کبر زشتست و از گدایان زشت تر	روز سرد و برف وانگہ جامہ تر
چند دعوی و دم و باد و بروت	اے ترا خانہ چو بیت العنکبوت
از قناعت کے تو جان افروختی	از قناعت با تو نام آموختی
گفت پیغمبر قناعت چیست گنج	گنج را تو وانمیدانی ز رنج
این قناعت نیست جز گنج روان	تو مزن لاف اے غم و رنج روان

یعنی عورت یہ سنکر جھلا کر بولی کہ اے ناموس کیش (یعنی ایسے شخص کہ اُسکا کیش اور طریقہ صرف ناموس و تصنع ہو حقیقت سے خالی) مین اس سے زیادہ تیرے افسون مین نہ آؤنگی بیہودہ باتین دعوی (قناعت) کی اور دوسرون کو (قناعت کی طرف) دعوت و تبلیغ کرنے کی مت بنا چل دور ہو کبر و نخوت کی باتین مت کر کب تک ایسے کر و فر کے کلمات اور کاروبار رکھیگا ذرا اپنا عمل اور حال دیکھ کر تو شرما یون تو تکبر جو بھی کرے برا ہی لیکن اگر مفلس کرے تو اور زیادہ برا ہی (اسکی مثال کئی برائیون کے جمع ہو جانے مین ایسی ہی کہ) مثلاً دن بھی سردی کا ہو اور برف بھی گر رہی ہو اور کپڑا بھی تر ہو (ظاہر ہی کہ کتنی خرابیان جمع ہو گئی ہین) کہان تک دعوے بگھاریگا کتنے دم بھریگا کتنے موچھون پر تاؤ دیگا (سب کا حاصل یہ کہ کہان تک شیخی جتلاویگا) کہ مین ایسا قانع ہون ایسا متمول ہون) میان کا حال تو یہ ہی کہ گھر (یعنے قلب) خانہ عنکبوت سے بھی بودا ہی (یعنے قلب مین قوت قناعت نہین صرف زبانی جمع خرچ ہی) تو نے قناعت سے کون سے دن دلکو رونق دی ہو گی صرف اُس کا نام یاد کر لیا ہی (قناعت تو وہ چیز ہی جسکی نسبت حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہی کہ قناعت کیا چیز ہے ایک خزانہ ہی اور تجکو تو ابھی گنج اور رنج ہی مین تمیز حاصل نہین قناعت بلا شبہہ خزانہ ناپایان یا خالص ہے مگر تو کاہے پر لاف زنی کر رہا ہی کہ تو محض جان کا رنج و غم ہی (یہ حدیث مجکو یاد نہین)

تو مخوانم جفت و کمتر زن بغل — جفت انصافم نیم جفت دغل

چون قدم با میر و با بگ میزنی — چون مگس را در ہوا رگ میزنی

با سگان زین استخوان در چالشی — چون نئی اشکم تہی در نالشی

سوی من منگر بخواری سست سست — تا نگویم آنچہ در رگہاے تست

عقل خود را از من افزون دیدهٔ — تو من کم عقل را چون دیدهٔ

ہمچو گرگ زشت اندر ما مجہ — اے ز ننگ عقل تو بے عقل بہ

چونکہ عقل تو عقیلہ مردم ست — آن نہ عقلست بلکہ مار و کژدم ست

خصم ظلم و مکر تو اللہ باد — دست مکر تو زما کوتاہ باد

دغل نزدن کنایہ از اظہار جفتی چنانکہ کبوتران جفت باہم گر شاد شوند و بغل بہ بغل در پرواز آیند. بگ سردار. چالش رفتار و پیکار. عقیلہ پابند شتر. یہ تتمہ ہی کلام عورت کا یعنی خبردار مجکو اپنی جفت مت کہنا اور زوجیت کا اظہار مت کرنا مین تو انصاف کی جفت ہون نہ کہ دغل اور بے انصافی کی (جسکو تو نے اختیار کر رکھا ہی) تو دعوی استغنا کا کیے امرا اور سردارون کے ساتھ برابری کیون کرتا ہی جبکہ تیری یہ حالت ہے کہ ہوا مین مکھی کی رگ مارتا ہی (اسکی تفسیر پہلے آچکی ہی) کتون کے ساتھ تو ہڈی پر لڑتا پھرتا ہی اور خالی البطن کی طرح نالہ کرتا ہی (یعنے تیری تو حالت حرص کی بھرا پیرہ طویل و عریض دعوی) تو مجکو نظر حقارت سے مت دیکھنا کہین تیرے سارے رگ پٹھے کھولکر رکھدون تو اپنی عقل کو مجھ سے زیادہ سمجھ رہا ہی نہین معلوم مجھ ناقص العقل کو کیا

سمجھ رکھا ہی (یعنی مین تجھ سے کم عقل نہین ہون) برے بھیڑیے کی طرح ہمارے اوپر حملہ مت کر تیری عقل سے تو کہ واقع مین ننگ عقل ہے بے عقلی ہی بھلا کیونکہ جب تیری عقل آدمیون کو پھنساتی پھرتی ہی کہ دعوی زہد و قناعت سنکر گرفتار فریب ہو جاتے ہین) تو ایسی عقل درحقیقت عقل نہین ہے بلکہ وہ مار و کژدم ہی (جنسے مخلوق کو ضرر پہونچتا ہے اسی طرح تیری عقل سے ضرر روحانی پہونچتا ہی) پس تیرے ظلم و مکر کا تو اللہ ہی جواب دے اور ہم سے تو خدا کرے تیرا دست مکر الگ ہی رہے۔

هم تو ماری هم فسونگر اے عجب	مارگیر و ماری اے ننگ عرب
زاغ اگر زشتی خود بشناختے	همچو برف از درد و غم بگداختے
مرد افسون گر بخواند چون عدو	او فسون بر مار و مار افسون برو
گر نبودے دام او افسون مار	کے فسون مار را گشتے شکار
مرد افسونگر ز حرص کسب و کار	در نیابد در زمان افسون مار
مار گوید اے فسونگر هین و هین	آن خود دیدی فسون من بہ بین
تو بنام حق فریبی مر مرا	تا کنی رسوائے شور و شر مرا
نام حقم بست نے آن رائے تو	نام حق را دام کردی وائے تو
نام حق بستاند از تو داد من	من بنام حق سپردم جان و تن
یا بزخمم من رگ جانت برد	یا ترا چون من بزندانے برد
زن ازین گونه خشن گفتارها	خواند بر شوے خود آن طومارها

یعنی اے شوہر تو سانپ بھی ہی (میرے حق مین کہ مجکو ایذا و طعن دیتا ہی) اور افسونگر بھی ہی (لوگون کے حق مین کہ زہد و قناعت کا دعوی کرکے انکو فریب دیتا ہی) یہ نہایت عجیب بات ہی (کیونکہ یہ دونون صفتین عادۃً مجتمع نہین ہوتین) خلاصہ یہ ہوا کہ اے ننگ عرب تو مار بھی ہی اور مارگیر بھی ہی (مگر تجکو اپنے عیوب کی اطلاع نہین ورنہ سب دعوے رہ جاتے جسطرح) زاغ کو اگر اپنا زشت (روزشت خو) ہونا معلوم ہو جاتا تو برف کی طرح درد و غم سے گھل جاتا اور یہ نازش و خرامش بھول جاتا آگے مولانا بمناسبت ذکر افسونگر کے ایک مفید مضمون کا بیان فرماتے ہین جسکا حاصل یہ ہی کہ دنیا مین جو شخص کسی کے ساتھ حیلہ گری اور ضرر رسانی کرتا ہی وہ خود بھی حیلہ و ضرر مین مبتلا ہوتا ہی چنانچہ ارشاد ہی کہ) اگر کوئی شخص سانپ پر دشمن وار افسون پڑھتا ہی (تاکہ اس حیلہ سے اسکو گرفتار کرلے جسمین اسکا ضرر ہی) تو واقع مین وہ سانپ پر افسون پڑھتا ہی اور سانپ اسپر افسون پڑھتا ہے (اسکا افسون پڑھنا سانپ پر تو ظاہر و مشاہد ہی رہا سانپ کا افسون پڑھنا اسپر اسکا بیان یہ ہی کہ) اگر افسون مار اس مارگیر کے حق مین دام نہو جاتا تو یہ مارگیر افسون مار کا شکار کیسے بن جاتا (یعنے یہ مارگیر جو اسکو پکڑنے آیا ہی تو سانپ مین کوئی وصف مطلوب ایسا ضرور ہی جو اسکے آنے کا باعث ہی مثلا اسکا خوشرنگ

ہونا یا اسکا ذریعۂ معاش ہونا وغیرہ وغیرہ پس یہ وصف گویا اسکا جاذب ہے اور اسکے لیے بمنزلۂ دام کے ہی اور یہی مراد ہی افسون بار سے تشبیہاً سو مارگیر کا افسون حسی ہی اور مار کا افسون معنوی تو اس مثال میں گویا مارگیر اسپر حیلہ کرنے چلا تھا لیکن اُسکے حیلۂ معنویہ میں اول خود گرفتار ہو گیا لیکن باوجود اس گرفتاری معنوی کے) وہ افسون گر بوجہ حرص کسب و کار کے اسوقت اس افسون مار کا ادراک نہین کرتا (یعنے غلبۂ حرص مین اس مضمون کی طرف التفات نہین کرتا کہ مین بھی اس دام معنوی مین مقید ہو چکا ہون) سانپ (بزبان حال) کہتا ہی کہ اے افسونگر ذرا خبردار اور ہوشیار رہنا اپنا افسون تو دیکھ چکا ہی اب میرا افسون بھی دیکھ (یہ دوسرا افسون ہی کہ اُن اوصاف مطلوبہ کا مشاہدہ کر کے تو اُسمین مشغول ہو جاویگا اور افسون اول صرف اُن اوصاف کا تصور تھا) تو حق تعالیٰ کے نام سے مجکو فریب دیتا ہے (جسکو افسون مین پڑھکر مجکو گرفتار کر لیا ہی) تاکہ مجکو شور و شر سے رسوائے خلق کرے (جیسا سانپ کے تماشے مین شور و شر ہوتا ہی) مجکو واقع مین نام حق نے مقید (و بے قابو) کر دیا ہی نہ کہ صرف تیری رائے اور ہوس نے تو نے نام حق کو (تحصیل دنیا کے لیے جو میری گرفتاری سے مقصود ہی) دام بنا لیا ہی افسوس تیری حالت سو وہی نام حق تجھ سے میرا انصاف دلوائے گا مین نے تو اپنا جان و تن اُسی کے سپرد کر دیا ہی خواہ میرے ہی نیش سے تیری رگ جان قطع ہو جاوے (یعنے مین تجکو ڈس لون) یا تجکو بھی میری طرح کسی محبس مین مقید کر دے (اور یہ مصداق ہی ضرر کا جو بمقابلۂ ضرر رسانی مار کے ہی اور نام حق کا افسون مین ہونا اور سلسلۂ تکوین مین اس فعل پر انتقام کا مرتب ہونا باعتبار بعض اوقات و حالات کے ہی پس تخلف اسکا مخل مقصود نہین اصل مطلب یہ ہی کہ کچھ جز احیلۂ و ضرر کی ملتی ہی سو حیلۂ مذکورہ کا ضرر رہونا بھی ظاہر ہی کہ طلب دنیا اس اضرار ہی) غرض عورت نے ایسی ایسی درشت باتین طومار کے طومار شوہر کو سنا ڈالین۔

نصیحت مرد زن را کہ در فقیران بخواری منگر و در کار حق بگمان کمال نگر و طعنہ مزن در فقر و فقیران از بے نوائی خویشتن

گفت اے زن تو زنی یا بوالحزن　　　فقر فخر ست و مرا بر سر مزن

مال و زر سر را بود ہمچون کلاہ　　　کل بود او کز کلہ سازد پناہ

آنکہ زلف جعد رعنا باشدش　　　چون کلاہش رفت خوشتر آیدش

مرد حق باشد بمانند بصر　　　پس برہنہ بہ کہ پوشیدہ نظر

وقت عرضہ کردن آن بردہ فروش　　　بر کند از بندہ جامۂ عیب پوش

ور بود عیبی برہنہ اش کے کند　　　بل بجامہ خدعۂ با وے کند

گوید این شرمندہ است از نیک و بد　　　از برہنہ کردن او از تو رمد

خواجہ در عیب ست غرقہ تا بگوش　　　خواجہ را مال ست و مالش عیب پوش

گر طمع عیش نبیند طامعی	گشت دلها را طمع با جامعی
ور گدا گوید سخن چون زر کان	ره نیابد کالۂ او در دکان

یعنی مرد نے جواب دیا کہ اری عورت تو عورت ہی یا کوئی بلا ہی (جو سبب ہی غم و اندوہ کا) فقر تو فخر ہی مجکو طعنہ مت دے (اشارہ ہی طرف حدیث مشہور الفقر فخری کے مجکو حدیث ہونا تو یاد نہین لیکن فقر کی فضیلت مین بہت حدیثین وارد ہین اور جاننا چاہیے کہ بعض احادیث مین مذمت بھی آئی ہی سو تحقیق یہ ہی کہ ایک فقر تو وہ ہی جو غنائے قلب کے ساتھ ہو وہ تو محمود ہی اور ایک وہ ہی جو حرص و بے صبری کے ساتھ ہو وہ مذموم پس فقر اللہ اچھا اور فقر القلب برا) اس مال و زر کی ایسی مثال ہی جیسے سر کے لیے ٹوپی (کہ سر کے عیوب کو ڈھانک لیتی ہی اسی طرح مال دولتمند کے عیوب کو ڈھانک لیتا ہی جیسا مشاہدہ ہی کہ امیر آدمی سے منافع کی امید میں اسکے عیوب سے چشم پوشی کیجاتی ہی) پس وہ شخص غالبًا گنجا ہوگا جو ہر وقت ٹوپی اوڑھی رکھے اور جس شخص کے زلف اور گھنگر والے بال ہون اگر اسکی ٹوپی جاتی رہے تو وہ زیادہ خوش ہوگا (کہ اس حالت مین حسن و جمال زیادہ ظاہر ہوتا ہی اسیطرح اہل کمال کو مال کے پاس نہونے سے کچھ غم نہین ہوتا (دوسری مثال سنو) مرد حق کی مثال بصر کی سی ہی اچھی سمجھ لو کہ آنکھ کھلی ہوئی اچھی معلوم ہوتی ہی یا بند ہوئی ہوئی (تیسری مثال لو) جب بردہ فروش غلامونکو بیع کے لیے پیش کرتا ہی تو (عادت ہی کہ) غلام کے کپڑے نکال دیتا ہی کیونکہ کپڑا عیب ڈھکنے والا ہوتا ہی (تو مشتری کو احتمال ہوتا ہی کہ شاید اسکے بدن پر کوئی عیب ہوگا) اور اگر سچ مچ اسمین کسی قسم کا عیب ہوتا ہی تو اسکو برہنہ نہین کرتا بلکہ کپڑے پہنا کر مشتری کو یہ کہکر دھوکا دیتا ہی کہ اسکو ہر نیک و بد سے شرم بہت ہے برہنہ کرنے سے چھپ کر ابھی بھاگ جاویگا (اور تم دیکھ نہ سکوگے پھر خریدوگے کس طرح) اسیطرح سے (جیسا ان مثالون مین گذرا) میان مالدار صاحب کانون تک (یعنی سراپا) عیوب مین غرق ہوئے پڑے ہین مگر سرکار پاس مال ہی وہ مال عیوب کو چھپا رہا ہی کیونکہ طمع کیوجہ سے کسی طامع کو اسکا عیب نظر نہین آتا اور طمع ایسی چیز ہی کہ اسنے اکثر قلوب کو گھیر رکھا ہی اور یہی وجہ ہی کہ اگر کوئی غریب آدمی ایسی پاکیزہ بات بھی کہے جیسے معدن کا خالص سونا مگر اسکا مایہ (سخن) دکان (گوش و ذہن) مین دخل تک نہین پاتا۔

کار درویشی ورای فہم تست	سوی درویشان بمنگر سست سست
زانکہ درویشی ورای کارہاست	دمبدم از حق مر ایشانرا عطاست
زانکہ درویشان ورای ملک و مال	روزیی دارند ژرف از ذو الجلال
حق تعالی عادلست و عادلان	کی کنند استمگری بر بیدلان
آن یکی را نعمت و کالا دہند	وان دگر را بر سر آتش نہند
آتشش سوزد کہ دارد این گمان	بر خدای خالق ہر دو جہان
فقر فخری نز گزافست و مجاز	صد ہزاران عز پنہانست و ناز

(اوپر فقر کے فضائل میں تمثیلیں بیان کی گئی ہیں اب بطور حاصل کے کہتے ہیں کہ) درویشی کا کام تیری فہم سے خارج ہے اور تو اسکے فضائل و اسرار کے سمجھنے سے قاصر ہے) سو درویشی کو سست نظر سے مت دیکھ اسلیے کہ درویشی کا قصہ سب قصوں سے نرالا ہے ہر دم انواع گون کو حق تعالی سے عطائیں پہونچتی ہیں اسلیے یہ درویش لوگ اس ظاہری ملک و مال کے سوا غذائے عظیم و کثیر حق ذوالجلال کی طرف سے پا رہے ہیں (غذا سے مراد غذائے روحانی ہے اور وہ عطائے الہی ہے اور یہ تجربہ ہے اہل طریق کا کہ قلت طعام یا فاقہ کو تصفیہ باطن و تنویر قلب میں بڑا دخل ہے اور یوں کوئی اسکو ذریعہ ہی نہ بنا دے وہ اور بات ہے) حق تعالی بڑے عادل ہیں اور عادل لوگ بیدلوں یعنی عاجزوں پر ستمگاری کو کب روا رکھتے ہیں کہ ایک کو تو سب طرح کی نعمتیں دیں اور ہر طرح کا سامان عطا فرمادیں اور دوسرے کو آگ کے اوپر بٹھلا دیں (یہ دلیل ہے فضیلت فقر کی یعنی اگر فقر مطلقاً نعمت نہو اور اسمیں کسی قسم کا نفع نہ ہو تو نعوذ باللہ حق تعالی کی طرف ظاہراً نسبت جور کی لازم آتی ہے کہ امراء کو تو ایسے ایسے عیش دیئے اور فقرا ہر طرح خسارہ میں ہیں اور لازم محال ہے پس ملزوم یعنی فقر کا مطلقاً منافع سے خالی ہونا بھی منتفی و باطل ہے چنانچہ اوپر ایک بڑی منفعت کا بیان ہوچکا ہے کہ یہ معین ہوتا ہے تنویر باطن میں اور آخرت میں جو درجات اسپر ملینگے وہ علاوہ) خدا کرے اسکو دوزخ نصیب ہو جو کہ خدائے خالق دو جہان پر یہ گمان (جور کا) رکھے اور یہ جو آیا ہے الفقر فخری یہ کوئی فضول و بے معنی بات نہیں (کہ اخبار شرعیہ میں اسکا احتمال ہی نہیں) ورنہ اس میں کوئی مجاز و مبالغہ ہے (کہ بلا دلیل اسکا بھی احتمال غلط ہے) بلکہ اس فقر میں لاکھوں عزت اور ناز پنہاں ہیں (کہ وہ شخص اللہ تعالی کے نزدیک مکرم و محبوب ہوتا ہے گو خلائق کو اطلاع نہ ہو)

از غضب بر من لقب ہا راندۂ ۔۔۔ مارخوے و مارگیرم خواندۂ

گر بگیرم مار و دندانش کنم ۔۔۔ تا کشش از سر کوفتن ایمن کنم

زانکہ آن دندان عدو جان اوست ۔۔۔ من عدو را می کنم زین علم دوست

از طمع ہرگز نخوانم من فسون ۔۔۔ این طمع را کردہ ام من سرنگون

حاش للہ آن طمع از خلق نیست ۔۔۔ از قناعت در دل من عالمیست

از سر امرودبن بینی چنان ۔۔۔ زان فرود آتا نماند آن گمان

چونکہ برگردی و سرگشتہ شوی ۔۔۔ خانہ را گردندہ بینی آن توئی

(یہ مقولہ ہے اعرابی کا عورت سے کہتا ہے کہ) تو نے غصہ میں مجکو طرح طرح کے لقب دے ڈالے کہیں مار خو کہہ رہی ہے کہیں مارگیر نام رکھ رہی ہے جیسا اسکے کلام میں اوپر آیا ہے مار گیر و ماری الخ سو مار ہونیکا تو احتمال ہی نہیں کیونکہ میں نے تمکو ایذا کی کوئی بات نہیں کہی بلکہ تیری بات کا جواب دے رہا ہوں رہا مارگیر یعنے فریبندہ خلق بدعوی قناعت و توکل ہونا سو اول تو یہ بھی غلط ہے کیونکہ مقصود میرا اس کلام سے کسیکا اپنا معتقد بنانا نہیں ہے محض تیرا جواب دینا ہے اور علی سبیل التسلیم اگر اسکو فرض ہی کر لیا جاوے تو جواب یہ ہے کہ اگر میں سانپ پکڑا کرنے

دانت توڑ ڈالون تاکہ اسکو سرکوبی سے بیحوث کر دون کیونکہ اسکے دندان ہی اسکے دشمن جان ہین (کہ اسکے خوف سے لوگ اسکو مار ڈالتے ہین وہ نہون تو اچھا خاصہ کھیل ہی) سو مین اس علم افسونگری سے دشمن کو (یعنی خود سانپ کو) دوست و محبوب (لوگون کا) بناتا ہون (خلاصہ یہ ہوا کہ اسی طرح اگر عوام کو معتقد ہی بناتا ہو اس غرض سے کہ جب وہ معتقد ہو جاوینگے تو انکو تعلیم و ارشاد کر کے انکے صفات ذمیمہ کا جو مایہ عداوت خلق و ہلاک ابدی ہی ازالہ کر دون اور انکو عند الخلق وعند الخالق محبوب بنا دون تو ایسے معتقد بنانے مین بھی کچھ مضائقہ نہین اس مین اشارہ ہوا ایک مسئلہ کی طرف کہ ریاء الشیخ خیر من اخلاص المرید یعنی کامل اپنے کمالات کا اظہار بھی غرض محمود سے کرتا ہی کہ لوگونکو نفع ہو اور مرید اپنے نفع مین ساعی ہی اور ظاہر ہی کہ نفع متعدی افضل ہی نفع لازم سے) غرض مین طمع (اور کسی اپنی نفسانی غرض) سے یہ افسون نہین پڑھ رہا ہون کیونکہ طمع کو تو مین سرنگون کر چکا ہون (یعنے ریاضت سے اسکا ازالہ کر دیا ہی) اور اگر اسکو بھی طمع کہا جاوے تو حاشا و کلا کہ یہ طمع خلق سے نہین ہی (کہ مال و جاہ حاصل ہو) کیونکہ قناعت کا میرے قلب مین ایک عالم آباد ہی (بلکہ وہ طمع خالق سے ہی اجر و ثواب کی جیسا حضرات انبیاء علیہم السلام کا ارشاد تھا ان اجری الا علی اللہ) مگر تجکو بدگمانی سے میرا ہنر بھی عیب نظر آ رہا ہی جیسا مثل مشہور ہی کہ درخت امرود پر سے نیچے کا حال غلط نظر آتا تھا (پس) تو بھی درخت امرود پر سے (کہ وہ بدگمانی ہی) ایسا ہی غلط دیکھ رہی ہی اس سے اتر کر (یعنے بدگمانی ترک کر کے) دیکھ تاکہ وہ گمان غلط نرہے (یہ قصہ مشہور ہی کہ کسی کی عورت نے شوہر کو درخت پر چڑھا دیا اور خود مشغول فجور ہوئی اسنے للکارا کہنے لگی اسکی خاصیت ہے چنانچہ خود بھی چڑھ کر جھوٹ موٹ چلانا شروع کیا کہ تجھ سے کوئی مرد بدکاری کر رہا ہی مرد کو اطمینان ہو گیا کہ واقعی درخت ہی کی خاصیت ہے) دوسری مثال غلط بینی کی یہ ہی کہ اگر تمہارا سر گھومنے لگے تو سارا گھر گھومتا ہوا نظر آتا ہی حالانکہ گھومنے والے تم ہی خود ہو۔

در بیان آنکه جنبیدن هر کسی از انجاست که ویست هر کس را از چنبرهٔ وجود خود بیند تابهٔ کبود آفتاب کبود نماید و سرخ سرخ نماید چون تابها از رنگ بیرون آیند و سفید شوند از همه تابهای دیگر راست گوتر باشند و امام و پیشوای همه باشند

(یہ مضمون مربوط ہی شعر بالاسے ۵ چونکہ برگردی و سرگشتہ شوی الخ اور یہ مضمون مرادف ہے المرء یقیس علے نفسہ کا اور مثال مین اس مضمون کی تحقیق صحیح فرما دی گئی ہی کہ یہ اسوقت ہے جب اپنے اندر خود صفات ذمیمہ موجود ہون ایسا شخص اگر کسی مین اپنے افعال دیکھے گا تو اپنے ہی جیسے اسباب کا احتمال کریگا اسلیے اسکا قیاس معتبر نہوگا اور جب تصفیہ کر کے مثل آئینہ سفید کے صاف ہو جاوے پھر اسکا قیاس صحیح ہوگا اور یقیس علے نفسہ اس صورت مین نہ ہوگا)

دید احمد را ابوجهل و بگفت — زشت نقشی کز بنی هاشم شگفت
گفت احمد مر ورا که راستی — راست گفتی گرچه کارافزاستی
دید صدیقش بگفت ای آفتاب — نی ز شرقی نی ز غربی خوش بتاب

گفت احمد راست گفتی اے عزیز　　اے رہیدہ تو ز دنیاے نچیز
حاضران گفتند کاے صدر الورا　　راست گو گفتی دو ضد گو را چرا
گفت من آئینہ ام مصقول دست　　ترک و ہندو در من آن بیند کہ ہست
ہر کرا آئینہ باشد پیش رو　　زشت و خوب خویش را بیند درو

یعنی احمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ابو جہل نے دیکھکر جھک مار کر آپ (نعوذ باللہ) ایک نقش زشت ہین کہ بنی ہاشم سے آ ظاہر ہوا حضور نے اُسکو جواب دیا کہ تو سچا ہی اور سچ کہتا ہی اگرچہ فی نفسہ بیہودہ گو ہی اور حضرت صدیق نے جو دیکھا تو کہنے لگے کہ آپ تو آفتاب (معنوی) ہین جو نہ شرقی ہی نہ غربی (کیونکہ نور روح جہات سے منزہ ہوتا ہے خدا کرے آپ غیب بے وشین ہین آپنے انکو بھی یہی فرمایا کہ اے عزیز جو دنیاے ناچیز سے آزاد ہوگئے ہو تو تم سچ کہتے ہو حاضرین مجلس نے (تعجب سے) عرض کیا کہ اے سردار عالم آپنے دو متضاد باتین کہنے والون کو راست گو کیسے فرمادیا ارشاد ہوا کہ میری مثال تو آئینہ کی سی ہی کہ دست قدرت نے صیقل کیا ہی پس ترک ہو ہندی ہو کوئی ہو میرے اندر وہ وصف دیکھے گا جو اسمین موجود ہی جیسا کسی کے سامنے آئینہ رکھا ہوا ہو اور وہ زشت و خوب کو اسمین دیکھ لیتا ہی اسکا یہ مطلب نہین کہ وہ خوبی مرئی مین ہوتی ہی نہین بلکہ مطلب یہ ہی کہ اس خوبی پر نظر پڑنے کی علت رائی کی خوبی ہوتی ہی) فائدہ میری نظر سے یہ روایت نہین گذری۔

اے زن از طمع می بینی مرا　　زین تحری زنانہ بر تر آ
آن طمع را ماند و رحمت بود　　کو طمع آنجا کہ آن نعمت بود
امتحان کن فقر را روزے دو تو　　تا بفقر اندر غنا بینی دو تو
صبر کن با فقر و بگذار این ملال　　زانکہ در فقرست عز ذو الجلال
سرکہ مفروش و ہزاران جان بین　　از قناعت غرق بحر انگبین
صد ہزاران جان تلخی کش نگر　　ہمچو گل آغشتہ اندر گل شکر

(وہ مرد عورت سے خطاب کرتا ہی کہ) اے عورت تو اگر مجکو طماع سمجھتی ہی (جیسا مارگیر کہنے سے مستفاد ہوتا ہی) تو اس قیاس زنانہ کو ترک کردے (کہ سبب اسکا نقصان عقل ہی جو خاص زنان سے ہی) البتہ طمع کے مشابہ ضرور ہی مگر واقع مین وہ رحمت ہے (جیسا گر بگیرم مار و دندانش کنم۔ کی شرح مین گذر چکا ہی) اور بھلا جہان ایسی (باطنی) نعمتین (قلب مین) ہون وہان (حقیقی) طمع کی کہان گنجایش ہی تو دو روز تو فقر (کے منافع) کا امتحان کرکے دیکھ لے تاکہ فقر کے اندر اضعاف مضاعفہ غنا نظر آوے (کہ وہ غناے قلب ہے اور گو فقر مین مدت سے ہی مگر اسکے منافع کی طرف التفات نہین کیا [illegible] امتحان نہین ہوا) فقر مین صبر کر اور اس سے اکتامت کیونکہ فقر مین حضرت ذو الجلال کے نزدیک عزت ہوتی ہی فقر سے ترش روئی مت کر اور ہزارون جانون کو قناعت کی بدولت دریاے انگبین (لذت حلاوت باطنی) مین غرق دیکھ لے (مراد اس سے عارفین و محبین کی

جان ہی لاکھوں جانوں کو دیکھ لو جو تلخی (فقر و بلا و مجاہدہ) کو جھیل ہے ہیں کہ گل کی طرح گلقند (مقصود) میں لت ہو گئے ہیں

ای دریغا مر ترا گنجا بدے	تا ز جانم شرح دل پیدا شدے
این سخن شیرست در پستان جان	بے کشندہ خوش نمی گردد روان
مستمع چون تشنہ و جوئندہ شد	واعظ ار مردہ بود گوئندہ شد
مستمع چون تازہ آید بے ملال	صد زبان گردد بگفتن گنگ و لال
چونکہ نامحرم در آید از درم	پردہ در پنہان شوند اہل حرم
ور در آید محرمی دور از گزند	بر گشایند آن ستیران روے بند

(یہ مضمون بھی زبانی اعرابی کے ہے) یعنی کاش تجکو فہم کی گنجائش ہوتی اسوقت میری جان سے (اسرار قلب کی شرح ظاہر ہوتی (یعنے تجکو اگر مخاطب صحیح پاتا تو برکات فقر کے پورے بیان کرتا) کلام کی مثال دودھ کی سی ہے جو کہ پستان جان میں بھرا ہی سو بلا جاذب کے اچھی طرح رواں نہیں ہوتا (جس طرح دودھ بدون طلب بچہ کے جوش سے نہیں اترتا) اگر سننے والا تشنہ اور طالب ہوتا ہے تو واعظ اگر (فرضاً) مردہ بھی ہو تو زندہ ہو جاتا ہے یعنے جب سننے والا تازہ اور بے ملال ہو تو متکلم کیسا ہی گنگ و بے زبان کیوں نہ ہو (جو مراد ہے مردہ سے) وہ صد زبان ہو جاتا ہے (اور یہی مراد ہے زندہ سے) مثلاً دروازے سے کوئی نامحرم آجاوے فوراً مستورات پردہ کے اندر ہو جاتی ہیں اور اگر خدا سلامت رکھے۔ کوئی محرم آجاوے تو وہ مستورات برقع چہرہ سے اٹھا دیتی ہیں (یہی طرح اسرار و مضامین عالیہ مثل مستورات کے ہیں اور مخاطب صحیح مثل محرم کے اور منکر یا بد استعداد مثل نامحرم کے پس اہل خطاب سے مضمون کو جوش ہوتا ہے اور بد استعداد کے خطاب سے معاً انقباض ہو جاتا ہے اور یہ امر مجربات میں سے ہے

ہر چہ را خوب و خوش و زیبا کنند	از برائے دیدۂ بینا کنند
کے بود آواز چنگ و زیر و بم	از برائے گوش بے حس اصم
نافے را حق بیہدہ خوش دم نہ کرد	بہر انس آمد پے اہرم نہ کرد
مشک را حق بیہدہ خوشدم نہ کرد	بہر شم کرد و پے اخشم نہ کرد
حق زمین و آسمان را ساختہ است	در میان این نار و نور افراختہ است
این زمین را از برائے خاکیان	آسمان را مسکن افلاکیان
مرد سفلی دشمن بالا بود	مشتری ہر مکان پیدا شود

(اخشم آنکہ قوت شامہ او را آفتے رسیدہ باشد) یعنی اہلیت کی شرط ہونے میں مضامین ہی کی کیا تخصیص ہے ہر نیک میں ادراک کی اہلیت شرط ہے مثلاً جس چیز کو حسین و جمیل بناتے ہیں صرف دیدۂ بینا کے لیے بناتے ہیں کیونکہ اس ادراک کی اسی میں اہلیت ہے اور مثلاً چنگ اور زیر و بم آواز بے حس بہرے کے کان کے لیے

لگب ہوئی ہی (کیونکہ نہین اس ادراک کی قابلیت نہین ہی) پس نے کو حق تعالی نے خالی از حکمت خوش آواز نہین بنایا ہی بلکہ وہ اُنس کے لیے موضوع ہی ہر امر کے لیے نہین بنایا ہو (اہرم چو بیکہ بدان ہر سپہ کو بند۔ یا ہر من فائدہ یہان محض مدرک غیر مدرک ہونیکا ذکر ہی نہ حلت وحرمت کا پس اس سے استدلال باحت پر بالکل ناتمام ہی) اسیطرح مشک کو اللہ تعالی نے بیفائدہ خوشبودار نہین بنایا بلکہ سونگھنے کو بنایا ہی۔ ماؤف الشامہ کے لیے نہین بنایا (پس شامہ صحیحہ مین اہلیت ہی اور فاسدہ مین نہین ہی) اسیطرح حق تعالی نے زمین وآسمان بناکر دونون کے درمیان مین بہتیرے شر و خیر بنائے ہین (اور ہر ایک کے لیے جدا اہل ہین مثلاً) زمین کو خاکیون کے لیے بنایا۔ آسمان کو افلاکیون کا مسکن بنایا چنانچہ زمین کا رہنے والا (بالطبع) جہت فوق سے نفور ہوگا (یعنی محیط کی جانب اسکا میلان طبعی نہین ہوتا چنانچہ حکمت کے مشہور مسائل سے ہی اسکو مجازاً دشمنی کہدیا) اور ہر مکان کا مشتری پیدا ہوجاتا ہی (کہ بعض کا میلان مرکز کی طرف ہی بعض کا محیط کی طرف سب امثلہ سے معلوم ہوا کہ ہر چیز مین مناسبت شرط ہی)

اے ستیزہ ہیچ تو بر خاستی ... خویشتن را بہر کور آراستی

گر جہان را پر دُر مکنون کنم ... روزی تو چون نباشد چون کنم

گر بیابان پُر شود زر و نقود ... بے رضاے حق جوی نتوان ربود

ترک جنگ و رہزنی اے زن بگو ... ور نمی گوئی بہ ترک من بگو

مر مرا چہ جاے جنگ نیک و بد ... کاین دلم از صلحہا ہم مے رمد

بر سر این ریشہا نیشم مزن ... زخمہا بر جان بخویشم مزن

گر خمش گردی وگر نہ آن کنم ... کہ ہمین دم ترک خان و مان کنم

پا برہنہ گشتن بہ است از کفش تنگ ... رنج غربت بہ کہ اندر خانہ جنگ

(یہی مقولہ ہی اعرابی کا اور تتمہ ہی سابق کا یعنی اے بی بی بھلا کبھی ایسا بھی ہوا ہی کہ تو آمادہ ہوئی ہو اپنا بناؤ سنگار اندھے کے واسطے کیا ہو (اس سے بھی معلوم ہوا کہ ہر امر کے لیے قابل کی ضرورت ہی اس حالت مین) اگر مین تمام عالم کو (اسرار وحکمت کے) موتیون سے پُر کردون لیکن جب (بوجہ بدفہمی و ناطلبی کے) تیرے نصیب ہی مین نہو تو مین کیا کرون (اس لیے مین کہتا ہون اے دریغا مر ترا الخ) اور اگر تمام بیابان زر اور نقود سے پُر ہو جاوے لیکن جب تک اللہ تعالی کو منظور نہو جو برابر بھی کوئی نہین لے سکتا (اس زر و نقود سے مراد اگر وہی اسرار و علوم ہون تب تو یہ شعر اپنے ماقبل کا مرادف ہی اور اگر ظاہری زر و نقود مراد ہو تو کئی شعر اوپر جو شعر تھا ۵ صبر کن باقر الخ اسکی طرف رجوع ہی کہ قناعت اس لیے ضروری ہی کہ قسمت سے زیادہ نہین مل سکتا گو جنگل زر وسیم سے ہی کیون نہ بھر جاوے بہرحال) تو اس جنگ و رہزنی کو (کہ مجکو طریق مستقیم سے ہٹانا چاہتی ہی) ترک کردے اور اگر اسکو ترک نہین کرتی تو اچھا مجکو ترک کردے اور مجکو کسی نیک و بد سے رنج و تکرار کرنے کا تو کیا محل ہی میرا دل تو ان متعارف صلحون تک سے وحشت کرتا ہے (کیونکہ تعلقات سے میری طبعیت

آزاد ہی خواہ صلح و دوستی کا تعلق ہو خواہ جنگ و دشمنی کا بالخصوص جبکہ اکثر دوستون کی بدولت دین اور دنیا دونون کا ستیاناس ہوتا ہی) میرے ریش پر (تعلقات دنیا سے قلب مجروح ہی) نیش (طعن) مت مار اور میری جان بیخود پر زخم مت لگا اگر تو خاموش ہو گئی تو خیر ورنہ مین یہ کرونگا کہ اسیوقت گھر بار چھوڑ کر کہین چل دونگا کیونکہ تنگ جوتے سے تو ننگے پاؤن اچھا اور گھر مین لڑائی رہنے سے پردیس کی پریشانی اچھی۔

مراعات کردن زن شوہر را و استغفار کردن از گفتۂ خویشتن

زن چو دید او را کہ تند و توسن ست
گشت گریان گریہ خود دام زن ست

گفت از تو کے چنین پندا شتم
از تو من امید دیگر داشتم

زن در آمد از طریق نیستی
گفت من خاک شمایم نے ستی

جسم و جان و ہر چہ ہستم آنِ تست
حکم و فرمان جملگی فرمان تست

گر ز درویشی دلم از صبر جست
بہر خویشم نیست این بہر تو است

تو مرا در دردہا بودے دوا
می نمی خواہم کہ باشی بے نوا

جان تو کز بہر خویشم نیست این
از برائے تست این نالہ و حنین

خویش من واللہ کہ بہر خویش تو
ہر نفس خواہد کہ میرد پیش تو

کاش جانت کش روان من فدے
از ضمیر جان من واقف بدے

یعنی جب عورت نے دیکھا کہ یہ تو بہت ہی تند و تیز ہونے لگا تو رونا شروع کردیا اور رونا (ایسے موقع پر) عورتون کا معمول ہی کہنے لگی کہ تجھ سے مجکو ایسا گمان نہ تھا کہ قطع تعلق پر آمادہ ہوگیا تجھ سے تو مجکو وہی امید تھی (کہ ہمارا تمھارا ساری عمر کا ساتھ ہی) غرض عورت عجز و انکسار کی راہ سے کہنے لگی کہ مین تو تمھاری (جوتی کی) خاک ہون بی بی (ہونیکا دعویٰ) نہین (کرتی) ہون (یعنی لونڈی ہون گھر مین نہین ہون کذا قال مرشدی) میرا جسم اور جان اور جو کچھ بھی ہی وہ سب تمھاری ہی ہی اور حکم اور فرمان سب تمھارا ہی ہی (جو کہوگے مانون گی) اور اگر فقر و فاقہ سے میرا قلب صبر سے نکل گیا ہی تو وہ بھی اپنے خیال سے نہین وہ بھی تیرے ہی واسطے ہی کیونکہ تو میرے رنج و تکلیف کی دوا ہمیشہ سے رہا ہی (یعنے میرا غمخوار رہا ہی) اسلیے مجکو گوارا نہین کہ اس طرح بے سر و سامان ہو تیری جان کی قسم کہ یہ فکر و تردد مجکو اپنے لیے نہین بلکہ یہ سب غل پکار تیرے ہی واسطے ہے قسم کھا کر کہتی ہون کہ میری خودی و ہستی تیرے وجود کے واسطے ہر وقت اسی تمنا مین ہی کہ تیرے سامنے مرجاوے (اور فدا ہو جاوے) کیا خوب ہوتا کہ تیری روح کو جسپر میری جان فدا ہی میری روح کے مافی الضمیر سے واقفیت ہو جاتی (تو اسوقت تو ایسی باتین رکھی سوکھی نکرتا اور سمجھتا کہ مین تیری ہی خیر خواہی کرتی ہون)۔

چون تو با من اینچنین بودی بظن
ہم ز جان بیزار گشتم ہم ز تن

خاک را بر سیم و زر کردیم چون / تو چنینی با من ای جان را سکون
تو که در جان و تنم جا میکنی / زین قدر از من تبرا میکنی
تو تبرا کن که هستت دستگاه / ای تبرای ترا جان عذر خواه
یاد می کن آن زمانی را که من / چون صنم بودم تو بودی چون شمن
بنده بر وفق تو دل افروخت ست / هر چه گوئی پخته گویم سوخت ست
من سپاناخ تو با هر چم پزی / یا به ترشی یا به شیرین می پزی

یعنی جب تو میرے ساتھ ایسی بدگمانی رکھتا ہے تو مین بھی جان و تن سے بیزار ہوتی ہون (یعنے زندگی فضول ہے) مین سیم و زر پر خاک ڈالتی ہون جبکہ اے قرار جان تو ہی میرے ساتھ اسطرح ہونے لگا تو تو میرے جان و دل مین جگہ لیے ہوئے ہے (یعنی مین تو تجھکو اپنا جانتی ہون اور تو) اتنی ہی بات سے مجھ سے قطع تعلق کرنے لگا ہان جی تم قطع تعلق کر دو تمہارا زور چلتا ہے تیرے قطع تعلق کے باب مین (میری) جان (تیری) عذر خواہ ہے (وہ عذر یہی ہے کہ تجھکو دستگاہ ہے اور دستگاہ والا جو کرے زیبا ہے) ذرا وہ زمانہ تو یاد کر کہ جب مین (جوانی و حسن سے) مثل صنم کے تھی اور تو (عشق و محبت مین) مثل صنم پرست کے تھا (کیا اس حالت سے کچھ حقوق نہین ہے) خیر اب اس بندی نے تیری ہی موافق بات پر اپنے دل کو روشن کر لیا ہے حتی کہ جس چیز کو تو پختہ کہے گا مین (تائید و تاکید کے لیے) کہونگی کہ (صاحب پختہ کیا بلکہ) سوختہ ہے مین تو تیری ایسی (مطیع) ہون جیسے پالک کہ خواہ ترشی مین پکاؤ یا شیرینی مین سب زیبا ہے)

کفر گفتم نک بایمان آمدم / پیش حکمت از سر جان آمدم
خوی شاہانہ ترا نشناختم / پیش تو گستاخ خر در تاختم
چون ز عفو تو چراغی ساختم / توبہ کردم اعتراض انداختم
می نہم پیش تو شمشیر و کفن / می کشم پیش تو گردن را بزن
از فراق تلخ میگوئی سخن / ہر چہ خواہی کن و لیکن این مکن
در تو از من عذر خواہی ہست سر / با تو بی من او شفیعی مستمر
عذر خواہم در درونت خلق تست / ز اعتماد او دل من جرم جست
رحم کن پنہان ز خود ای خشمگین / ای کہ خلقت بہ ز صد من انگبین

(یعنی مین نے پہلے (گویا) کفر کی باتین کہی تھین اب ایمان لاتی ہون اور تیرے حلم کے آگے جان و دل سے آتی ہون مین نے تیرے شاہانہ مزاج کو نہ پہچانا تھا اس لیے گستاخ وار تیرے روبرو مرکب دوڑانے لگی تھی (یعنے جرأت کرنے لگی تھی)، اب تیری صفت عفو کو مثل چراغ کے اپنا رہنما و وسیلہ بنا کر توبہ کرتی ہون اور اعتراض ترک کرتی ہون اور مین تیرے سامنے شمشیر و کفن رکھتی ہون اور تیرے آگے گردن حاضر کرتی ہون

تو گردن مارڈے (یعنی سر تسلیم خم کرتی ہون جو سزا چاہے تجویز کر) تو فراق ناگوار کی گفتگو کرتا ہی (کہ قطع تعلق کر دونگا)
تو جو چاہے کہہ لے مگر (خدا کے واسطے) یہ مت کہیو میرا تو ایک عذر خواہ خود تیرے اندر موجود ہی اور وہ بلا میری موجودگی
کے ہر وقت تیرے ساتھ رہتا ہی اور میری سفارش کرتا ہی اور وہ عذر خواہ تیرا خلق حسن ہی کہ وہی باعث ہوتا
ہی عفو جرائم کا (اُسی) کی جرأت پر مجھ سے یہ جرم صادر ہو گیا پس اب مجھ پر اے خشمگین (ابتدائی) اپنی جانب سے
تہ دل سے رحم کر تیرے اخلاق تو سو من شہد سے بھی زیادہ شیرین ہین۔

زین نسق میگفت با لطف و کشاد | درمیان گریہ بر روا و فتاد
گریہ چون از حد گذشت و ہاے ہاے | از چنینش مرد را شد دل زجاے
چون قرارش ماند و صبرش بجاے | زانکہ بے گریہ بدا و خود دلرباے
شد ازان باران یکے برقے پدید | زو شرارے بر دل مردے جہید
آنکہ بندہ روے خوبش بود مرد | چون بود چون بندگی آغاز کرد
آنکہ از کبرش دلت لرزان بود | چون شوی چون پیش تو گریان بود
آنکہ از نازش دل و جان خون بود | چونکہ آید در نیاز او چون بود
آنکہ در جور و جفایش دام ماست | عذر ما چہ بود چو او خود عذر خواست
آنکہ جز خونریزیش کارے نبود | چون نہد گردن زہی سودا و سود
آنکہ جز گردن کشی نامد ازو | سر نہد پیش تو چون باشد بگو

یعنی وہ عورت اسی طرح کی باتین نرمی سے (یعنی تواضع سے) اور دل کھولکر کر رہی تھی اسی اثناء مین منھ کے
بھل گر گئی پس جب اسکا رونا اور ہاے ہاے مچانا حد سے گذر گیا تو اسکے رونے سے مرد کا دل ہل گیا اور
بھلا مرد کا صبر و قرار کیونکر قائم رہے کیونکہ وہ بدون رونے ہی کے دلربا (یعنے اسکی محبوبہ) تھی اُس باران
(گریہ) سے ایک برق (سوز دل زن) پیدا ہوئی اور اسکا ایک شرارہ (اثر) مرد کے دل پر آپڑا کہ اسکی سوزش
قلب بھڑک اُٹھی) جو شخص ایسا ہو کہ مرد اسکے چہرہ زیبا کا (پہلے سے) غلام ہو جب ایسا شخص غلامی (ظاہر کرنا
شروع کرے تو اسوقت اُس مرد کا کیا حال ہو جو شخص ایسا ہو کہ اسکی نخوت (محبوبانہ) سے تیرا دل تھراتا ہو کہ دیکھیے
سیدھے منھ بول بھی پڑیگا دیکھیے کسی بات پر مکدر نہو جاوے) جب ایسا شخص تیرے سامنے رونے لگے تو اسوقت تیرا کیا
حال ہو جو شخص ایسا ہو کہ اسکے ناز سے دل و جان خون ہو (یعنے اسکا گرفتار عشق ہو) جب ایسا شخص نیاز مین آجاوے تو اسوقت
تیرے دل کا کیا حال ہو جو شخص ایسا ہو کہ اپنے جور و جفا کرنے میں بھی ہمارے (پھنسانے کے) لیے دام (و جاذب قلب) ہو
جب ایسا شخص خود عذر کرنے لگے تو اسوقت ہمارے پاس (اسکے عذر قبول نکرنے کا) کونسا عذر ہو سکتا ہی جو شخص ایسا
ہو کہ بجز خونریزی کے اسکا کوئی کام نہو ایسا شخص اگر گردن جھکا دے تو عجب معاملہ اور عجب اثر ہو گا (سودا خرید و
فروخت۔ سود نفع کہ اثر آنست) جو شخص ایسا ہو کہ بجز گردن کشی کے کوئی بات اُس سے ظاہر نہوتی ہو ایسا

شخص اگر تیرے روبرو سر جھکا دے تو بتلا کیا حال ہو (مراد ان سب اشعار مین یہ ہی کہ اگر محبوب محب سے معاملہ محب سا کرنے لگے تو محب پر کیسا کچھ اثر ہوگا)

زین للناس حق آراستہ است	زانچہ حق آراست چون تانند جست
چون پے یسکن الیہاش آفرید	کے تواند آدم از حوا برید
رستم زال ار بود وز حمزہ بیش	ہست در فرمان اسیر زال خویش
آنکہ عالم بندہ گفتش بدے	کلمینی یا حمیرا میزدے
آب غالب شد بر آتش از نہیب	آتش جوشد چو باشد در حجیب
چونکہ دیگے در میان آمد شہا	نیست کرد آن آب را کردش ہوا
ظاہرًا بر زن چو آب از غالبے	باطنًا مغلوب و زن را طالبے
اینچنین خاصیتے در آدمی ست	مہر حیوان را کم ست آن از کمی ست

(مولانا اسکی وجہ فرماتے ہین کہ وہ مرد اس عورت کے گریہ وزاری سے کیون نرم ہو گیا) یعنی آیت زین للناس سے معلوم ہوتا ہی کہ (اس حب نساء کو) اللہ تعالی نے (قلب رجال مین) مزین (وخوشنما) بنایا ہی تو جس چیز کو اللہ تعالی نے مزین بنایا ہو اس سے کیونکر نکلنا ممکن ہی (یعنی یہ حب طبعی ہی اس لیے ضرور اثر کرتی ہی لیکن اگر کسی امر غیر مشروع کو مقتضی ہو تو مقتضا پر عمل نہ کرے گو دفع مقتضا پر قادر نہو) جب اللہ تعالی نے اسکو سکون قلب مرد کے لیے پیدا کیا ہی تو بھلا آدم (مرد) حوا (عورت) سے کہان قطع تعلق (قلبی) کر سکتا ہی اگر مرد رستم زال جیسا یا حمزہ سے بھی بڑھ کر قوی ہو مگر فرمان برداری کے وقت اپنی پیرزال ہی کا پابند ہوگا (یعنے طبعًا اسکی موافقت کریگا) جن ذات مقدس کے ارشاد کا تمام عالم غلام تھا (یعنے حضور صلے اللہ علیہ وسلم) آپ بھی (حضرت عائشہؓ سے ارشاد فرماتے تھے کہ مجھ سے باتین کرو لے حمیراء (یہ لقب ہی حضرت عائشہ کا مطلب یہ کہ عالم آپ کی بات کا مشتاق تھا اور آپ انکی بات کے مشتاق ہوتے اور گو ظاہر مین مرد غالب ہے مگر اسکی ایسی مثال ہے کہ پانی آتش پر اپنی عظمت سے غالب ہے (کہ اسکو بجھا دیتا ہی) لیکن اگر درمیان مین (دیگچی وغیرہ کا پردہ ہو جاوے تو بالعکس) آتش ہی پانی کو جوش دینے لگتی ہی (جس سے آتش کا غالب اور مؤثر ہونا ظاہر ہوتا ہی) غرض جب درمیان مین دیگچی آگئی تو اس پانی کو نیست و نابود کر کے ہوا بنا دیا اسیطرح ظاہر مین تم عورت پر غالب ہو مگر (بوجہ اسکے کہ درمیان مین مہر و الفت و رقت و ترحم کا حجاب آگیا) باطنًا عورت سے مغلوب ہو جاتے ہو (اور نرم و فرمان بردار بنجاتے ہو) انسان مین تو یہی خاصیت ہے اور حیوانات مین ترحم کی صفت کم ہوتی ہی اور سبب اسکا انکی عقل ہی اسلیے انمین صفت ترحم کی نہین اور اسلیے وہ اپنی مادہ سے اس خاص طور کی محبت نہین کرتے گو خاص وقت مین بوجہ شہوت کے زیادہ محبت ہوتی ہی

دربیان این خبر کہ انہن یغلبن العاقل ویغلبہن الجاہل

فائدہ یہ حدیث مجکو یاد نہین ترجمہ یہ ہو کہ عورتین عقلا پر غالب آئی ہین (کیونکہ انکی محبت ترحم کی ہوتی ہو بس انکی شکستگی سے پگھل جاتے ہین نیز ان پر حسن ظن غالب ہوتا ہو فریب مین آجاتے ہین) اور جاہل ان پر غالب آتا ہے (کیونکہ اسکی محبت شہوت کی ہوتی ہو جب آبریزی کر چکا محبت زائل ہوگئی کذا قال مرشدی)

گفت پیغمبر کہ زن بر عاقلان | غالب آید سخت بر صاحبدلان
باز بر زن جاہلان چیرہ شوند | زانکہ ایشان تند و بس خیرہ روند
کم بودشان رقت و لطف و وداد | زانکہ حیوانی ست غالب بر نہاد
مہر و رقت وصف انسانی بود | خشم و شہوت وصف حیوانی بود
پرتو حق ست آن معشوق نیست | خالق ست آن گوئیا مخلوق نیست

یعنی حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہو کہ عقلا یعنی اہل دل پر عورت خوب غالب آجاتی ہو پھر یہ بھی ہو کہ عورت پر جاہل لوگ خوب غالب ہوتے ہین اس لیے کہ وہ لوگ تند اور بدلحاظ ہوتے ہین اور انمین رقت قلب اور لطف و محبت کم ہوتی ہو وجہ یہ کہ اوصاف حیوانیہ اُن پر غالب ہوتے ہین کیونکہ مہر و رقت یہ اوصاف انسانی ہین (جو مبنی ہے محبت عقلاء کا) اور خشم و شہوت یہ اوصاف حیوانیہ ہین (اور وہ شہوت منشا ہوتا ہو محبت جاہل کا بس اس کے زائل ہوتے ہی ادنی محرک ہے کہ وہ کسی منفعت کا حاصل کرنا ہو یا کسی مضرت کا دفع کرنا انکا غضب حرکت مین آجاتا ہو اب آگے فرماتے ہین کہ وہ مہر و رقت جو عقلاء کے لیے عورت کے ساتھ محبت کا سبب ہے وہ حقیقت مین عورت کے ساتھ متعلق نہین بلکہ تعلق اس محبت کا اللہ تعالی کے ساتھ ہو مگر عورت چونکہ بعض صفات حق کی مظہر ہو اسلیے بالتبع اس سے محبت ہو چنانچہ ارشاد ہو کہ) وہ عورت پرتو حق ہو وہ خود محبوب نہین ہو (اور پرتو حق ہونے کے اعتبار سے) گویا وہ خالق ہو مخلوق نہین ہو (یعنی محبوبیت اس کی مرتبۂ مخلوقیت مین نہین بلکہ تشبیہ بالخالق کے مرتبہ مین ہو جیسے لفظ گویا دال ہو اور یہ مظہریت چند اعتبار سے ہو اول مرد کی جاذب قلب ہو دوسرے حمل بچہ کی ایک معنی کر مولد و مصور ہو تیسرے بچہ کی مربی ہو چوتھے سبب سکون قلب ہو پانچوین مصلح مواد معیشت ہو اور مظہریت کے معنے اوپر تفصیل سے گذر چکے ہین۔

تسلیم کردن مرد خود را بانچہ التماس زن بود از طلب معیشت و آن اعتراض را اشارت حق دانستن + بنزد عقل ہر دانندہ ہست + کہ با گردندہ گردانندہ ہست + از ان چرخہ کہ گرداند ورا پیر + قیاس چرخ گردون را ہمی گیر +

یعنی مرد کا عورت کی درخواست کو جو کہ تلاش معاش کے باب مین تھی مان لینا اور عورت نے جو اعتراضات کیے تھے اسکو منجانب اللہ سمجھنا کیونکہ ہر عاقل جانتا ہو کہ اگر کوئی چیز گھومنے والی ہوگی اس کے ساتھ کوئی

ہوا ہنوالابھی ہوگا چنانچہ جس چرخے کو بڑھیا گھماتی ہے (اور مشاہدۃً دیکھتے ہو کہ اسکا کوئی فاعل ہے) اسی پر چرخ گردون کو قیاس کرلو کہ اسکی حرکت یا جو حالت ہو کوئی اُسکا فاعل بھی ضرور ہوگا اور وہ حق تعالیٰ ہیں جب ہر حادثہ میں وہی متصرف ہیں تو کسی کی ایذا رسانی یا اعتراض رانی سے عاقل کو دلگیر نہونا چاہیے بلکہ یہ سمجھے کہ اللہ تعالےٰ نے جو اسکو ہم پر مسلط فرما دیا ہے اسمین ہماری خیر ہے)

مرد ازان گفتن پشیمان شد چنان	کز عوانی ساعت مردن عوان
گفت خصم جان جان چون آمدم	بر سر جان من لگدہا چون زدم
چون قضا آید نماند فہم و رائے	کس نمیداند قضا را جز خدائے
چون قضا آید فرو پوشد بصر	تا نداند عقل ما پا از سر
زان امام المتقین داد این خبر	کہ اذا جاء القضا عمی البصر
چون قضا بگذشت خود را می خورد	پردہ بدریدہ گریبان می درد

یعنی مرد اپنے کہنے سے ایسا پشیمان ہوا جیسے شحنہ مرنے کے وقت اپنے شحنہ ہونے سے متاسف ہوتا ہے (کہ کیون مین نے یہ عہدہ اختیار کیا تھا جس سے خلق خدا پر ظلم کیے) کہنے لگا کہ میں اپنی جان جان کا کیسے دشمن ہوگیا اور مین نے اپنی جان پر لاتین کیسے ماریں (یعنی اپنی محبوبہ سے سختی وا ہانت سے کیون پیش آیا آگے مقولہ مولانا کا ہے کہ) جب حکم قضا کا غلبہ ہوتا ہے فہم و رائے کچھ نہیں رہتا اور (اسرار) قضا کو اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں جب قضا آتی ہے نگاہ بند ہوجاتی ہے حتیٰ کہ ہماری عقل کو سر پاؤں کی تمیز نہیں رہتی اسی لیے امام المتقین (یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ) نے ارشاد فرمایا ہے کہ جب قضا آتی ہے آنکھیں اندھی ہوجاتی ہیں اور جب قضا گذر گئی بس یہ شخص (مارے ندامت کے اپنے آپ کو کھا جاتا ہے (کہ مین نے ایسی حرکت کیون کی) اسوقت حجاب (غفلت کا) اٹھتا ہے تو گریبان پھاڑتا ہے (یہی غلبہ قضا سے وہ مرد باوجود محبت کے سختی سے پیش آیا پھر پچھتایا)

مرد گفت اے زن پشیمان می شوم	گر بدم کافر مسلمان می شوم
من گنہگار توام رحمے بکن	بر مکن یکبارگی از بیخ و بن
کافر پیر ار پشیمان می شود	چونکہ عذر آرد مسلمان می شود
حضرت پر رحمت ست و پر کرم	عاشق او ہم وجود و ہم عدم
کفر و ایمان عاشق آن کبریا	مس و نقرہ بندۂ آن کیمیا

یعنی مرد نے کہا کہ اے عورت میں اب پشیمان ہوتا ہون اگر (فرضاً) مین کافر بھی ہوگیا تھا تو اب مسلمان ہوتا ہون مین تیرا گنہگار ہون تو رحم کر مجھکو جڑ پیڑ سے دفعۃً مت اکھاڑ (یعنی مجھسے مکدر مت ہو کہ اس مین میری بیخ کنی ہے) دیکھو اگر بڈھا کافر اپنے کفر پر نادم ہوتا ہے تو عذر کرتے ہی مسلمان ہوجاتا ہے (آگے مولانا کا مقولہ ہے کہ) وہ درگاہ عجیب رحمت اور کرم کی بھری ہوئی ہے جسپر وجود بھی عاشق ہے اور عدم بھی (عشق سے مراد تسخیر اضطراری ہے

اور ظاہر ہے کہ جب معدوم کو موجود کرنا چاہتے ہیں یا موجود کو معدوم کرنا ہرگز تخلف نہیں ہوتا) اسیطرح کفر و ایمان بھی اس بارگاہ کبریا کے مطیع (و مسخر) ہیں (کہ دونوں کے وہی موجد ہیں جنکے ایجاد سے تخلف محال ہے) غرض مس اور نقرہ دونوں اس کیمیا کے غلام ہیں (یعنی ناقص اور کامل سب متاثر ہیں انکے تصرفات سے)

در بیان آنکه موسی علیه السلام و فرعون هر دو مسخر مشیت حق اند چنانکه زهر و پازهر و ظلمت و نور و مناجات کردن فرعون در خلوت تا ناموس نشکند

موسی و فرعون معنی را رهی ۔ ظاهر آن ره دارد و این بی رهی

روز موسی پیش حق نالان شده ۔ نیم شب فرعون هم گریان شده

کاین چه غل ست ای خدا بر گردنم ۔ ور نه غل باشد که گوید من منم

زانکه موسی را منور کرده ۔ مر مرا زان هم مکدر کرده

زانکه موسی را تو مه رو کرده ۔ ماه جانم را سیه رو کرده

بهتر از ماهی نبود استاره ام ۔ چون خسوف آید چه باشد چاره ام

نوبتم گر رب و سلطان می زنند ۔ مه گرفت و خلق پنگان می زنند

می زنند آن طاس و غوغا می کنند ۔ ماه را زان زخمه رسوا می کنند

من که فرعونم ز خلق ای وای من ۔ زخم طاس آن ربی الاعلای من

(اس مقام پر مقصود مولانا کا مطلق تسخیر کا اثبات ہے گو بواسطۂ اختیار ہی کے ہو جیسا موسی علیہ السلام کا حق پر ہونا اور فرعون کا باطل پر ہونا اختیار سے تھا پس اسمین جبر کا اشکال ہے نہ اسکو کوئی عذر لا سکتا ہے مولانا نے خود مقامات کثیرہ مین جبر کا ابطال فرمایا ہے البتہ بعض اوقات غلبۂ شہوت یا غضب یا عار یا حسد وغیرہ اسباب ایسے جمع ہو جاتے ہین جس سے گو اختیار تو باقی رہتا ہے مگر ہمت نہین رہتی یہی علامت ہے قہر خداوندی کی اور اسی سے اشتباہ ہو جاتا ہے جبر کا جیسا ان اشعار مین فرعون کے بعض مقولات سے مترشح ہے حالانکہ جبر نفی اختیار کا نام ہے نہ نفی ہمت کا باوجود بقاء و قدرت اختیار کے) یعنی حضرت موسی علیہ السلام اور فرعون ایک امر معنوی (یعنے تصرف حق) کے مسخر ہین (یہ امر معنوی تو دونون مین مشترک ہے) اور ظاہر مین (جو مطابق واقع کے ہے) ایک تو راہ رکھتے ہین اور دوسرا بیراہ ہے (اور یہ تفاوت اسی امر معنوی کا اثر ہے آگے تفصیل ہے تسخیر کی کہ) موسی علیہ السلام تو دن کو بھی حق تعالی کے روبرو نالان ہو رہے ہین (یعنی علانیہ بھی عبادت کرتے ہین جسطرح خلوت مین کرتے ہین) اور نیم شب مین فرعون بھی گریان ہو رہا ہے اور تسخیر حق کا مشاہدہ کر رہا ہے جیسا آگے مذکور ہے) کہ اے اللہ یہ (انانیت و دعوی انا ربکم الاعلی کا) کیسا طوق میری گردن مین پڑ گیا ہے کیونکہ اگر طوق نہین ہے تو انانیت کا دعوی کون کرتا ہے طوق سے مراد احقر کے مذاق پر قضا و قدر ہے جسنے جکڑ رکھا ہے کما قال تعالی اِنَّا جَعَلْنَا فِیْٓ اَعْنَاقِہِمْ اَغْلٰلًا فَہِیَ اِلَی الْاَذْقَانِ

فہم مضمون) جس (قضا) سے آپ نے موسی علیہ السلام کو منور فرمایا ہے اسی سے مجھکو مکدر کر دیا ہے اور جس (قضا) سے موسی علیہ السلام کو ماہرو بنا دیا ہے اسی نے میرے ماہ جان کو سیاہ رو کر دیا ہے میرا ستارہ (استعداد وعقل) تو چاند سے بھی اچھا معلوم ہوتا تھا (چنانچہ انتظامات دنیویہ مین ظاہر ہے) مگر جب (تقدیر سے) اسمین خسوف لگ جاوے مین کیا علاج کرون (اس سے نفی اختیار لازم نہین آتی بلکہ اپنی حالت پر تنگدل ہو رنج ہو رہا ہے جیسے کم ہمت مغلوب الشہوت والغضب لوگون کی عادت ہے کہ چاہتے ہین ہمارے نفس کو کوئی ناگوار امر بھی نکرنا پڑے اور یون ہی ہماری صلاح ہو جاوے) اگرچہ لوگ میرے رب اور سلطان ہونے کی نوبت بجا رہے ہین (اور ڈنکے کی چوٹ سے اسکا اعلان کر رہے ہین) مگر اس (لغو حرکت) کی ایسی مثال ہے جیسے چاند کو تو گہن لگ رہا ہے اور خلقت تھالی بجا رہے ہین (بعض جہلاء سمجھتے ہین کہ اس سے گہن جلدی چھوٹ جاتا ہے مطلب یہ ہے کہ جسطرح اس حرکت سے چاند کو کوئی نفع نہین بلکہ اور اسکا فضیحتا ہے اور اظہار ہے اسکے گہن مین آجانے کا اسیطرح گو ظاہراً تو خلق کے اس اعلان ربوبیت سے میری بڑی عزت ہے مگر واقع مین میری حماقت کا اظہار اور میری رسوائی ہے چنانچہ آگے مصرح ہے کہ) لوگ تھالی بجاتے ہین اور شور و غل کرتے ہین بیچارے چاند کو اس بجانے سے رسوا کر رہے ہین یہی حال میرا ہے کہ مین شاہ مصر ہون اور خلق کے معاملہ سے میرے حال پر افسوس ہے اور وہ تھالی بجانا میری نسبت انا ربی الاعلی کہنا ہے (موافق میرے دعوے کے کہ انا ربکم الاعلی)

خواجہ تاشانیم اما تیشہ ات — می شگافد شاخ را در بیشہ ات

باز شاخے را موصل می کند — شاخ دیگر را معطل می کند

شاخ را بر تیشہ دستے ہست نے — ہیچ شاخ از دست تیشہ جست نے

حق آن قدرت کہ آن تیشہ تراست — از کرم کن این کژیہا را تو راست

باز با خود گفتہ فرعون اے عجب — من نہ در یا ربنا ام جملہ شب

در نہان خاکی و موزون می شوم — چون بموسی می رسم چون می شوم

(یہ بھی تتمہ ہے مقولۂ فرعون کا منجملہ مناجات کے) یعنی ہم دونون (مین اور موسی علیہ السلام) ایک آقا کے غلام ہین (یعنی ایک خدا کے بندے ہین) مگر آپکا تیشہ (قضا) آپ کے بیشہ (عالم) مین ایک شاخ کو تو شگافتہ کرکے اسمین ایک شاخ کو پیوند کر دیتا ہے (تاکہ عمدہ پھل لگے سو یہ تو موسی علیہ السلام کی مثال ہے کہ انکی روحانی تربیت فرمائی جاتی ہے تاکہ علوم وکمالات مین ترقی ہو) اور وہی تیشہ دوسری شاخ کو معطل (اور قطع) کر دیتا ہے (اور یہ میری مثال ہے کہ ہلاکت ابدی مین گرفتار رہون) بھلا شاخ کو تیشہ پر کچھ قدرت ہوتی ہے (جواب یہ کہ نہین ہوتی) بھلا کوئی شاخ تیشہ کے ہاتھ سے نکل سکتی ہے (جواب یہ کہ نہین نکل سکتی (ف اگر تمثیل نفی اختیار مین ہے تو مقولۂ فرعون کی تمثیل مسلم نہین اور اگر مطلق تسخیر مین ہے گو بواسطہ اختیار ہو تو جبر لازم نہین آگے فرعون کہتا ہے) بحق اس قدرت کے کہ وہ تیشہ آپ کے پاس ہے اپنے کرم سے آپ میری ان کجیون کو راست کر دیجیے (اس سے کوئی

شبہہ عدم استجابت دعاے ہدایت کا نکرے کیونکہ بعثت موسی علیہ السلام بغرض ہدایت خود استجابت ہی جو دعا سے بھی قبل ہو چکی ہی اب وہ خود اس دعوت کو قبول نکرے تو اسپر الزام ہی پھر اپنے دل مین سوچا کہ تعجب کی بات ہے کیا تمام تمام شب یا ربنا یا ربنا مین نہین رہتا ہون اور خلوت مین بالکل خاکسار اور معتدل الطبیعت ہو جاتا ہون اگر جہان موسی علیہ السلام کے پاس پہونچا خدا جانے کیا بلا ہو جاتی ہی کہ پھر وہی سرکشی وہی انکار فقط اس سے اکوئی شبہہ بھی نکرے کہ جب اسکے دل مین تصدیق بھی اور ندامت بھی تھی تو مومن ہو گیا دفع اس شبہہ کا یہ ہے کہ شرائع انبیاء علیہم السلام مین اختیار اور قصد سے تلفظ کلمات کفر کا اور تکذیب احکام آلہیہ کی اور جحود قبول حق سے کفر قرار دیا گیا ہی گو دل مین تصدیق ہو اور راز اسمین یہ ہی کہ یہ تصدیق اضطراری ہی جو شرعاً مطلوب اور مامور بہ نہین ہی کیونکہ امر متعلق ہوتا ہی افعال اختیاریہ کے ساتھ اور یہ اختیاری نہین خود مشاہدہ براہین سے بالاضطرار قلب مین پیدا ہو جاتی ہی کہ دفع کرنے سے بھی دفع نہین ہوتی جیسے کوئی سورج کو دیکھ کر چاہے کہ مین اسکو تاریک سمجھون ہرگز قادر نہین غرض یہ تصدیق اضطراری ہی اور مطلوب شرعاً تصدیق اختیاری ہے جسکے ساتھ جحود و صدور کفر بالاختیار کا جمع ہونا غیر ممکن ہے اسلیے ایسے شخص کو مومن نہین کہہ سکتے اس سے بہت سے نصوص کے معانی حل ہو گئے۔

آنکہ زر قلب دہ تو می شود	پیش آتش چون سیہ رومی شود
نے کہ قلب و قالبم در حکم اوست	لحظۂ مغزم کند یک لحظہ پوست
لحظۂ ماہم کند لحظہ سیاہ	خود چہ باشد کار این غیر آلہ
سبز گردم چونکہ گوید کشت باش	زرد گردم چونکہ گوید زشت باش
پیش چوگان ہاے حکم کن فکان	میدویم اندر مکان و لامکان

(فرعون کے سوال سابق «چون بموسی می رسم چون میشوم» کا مولانا جواب دیتے ہین کہ سبب اسکا یہ ہی کھوٹا سونا (آب و تاب مین) دس حصہ ہوتا ہی مگر دیکھو آگ کے روبرو کیسا سیاہ پڑ جاتا ہی (حاصل جواب یہ کہ حضرت موسی علیہ السلام مثل آتش و محک کے آلہ امتحان ہین جیسے محک سے اصلی حالت سونے کی کھل جاتی ہی اسی طرح موسی علیہ السلام کے سبب تیرا خبث باطنی جو صورت مناجات و تضرع مین مستور ہو گیا تھا ظاہر ہو جاتا ہی وجہ اسکی یہ ہی کہ اصل سبب ضلالت فرعون کا حب جاہ ہی خلوت مین کوئی امر مزیل جاہ نہین تھا اس لیے یہ ذمیمہ ساکن ہو جاتا تھا حضرت موسی علیہ السلام اسکو دعوت فرماتے تھے اختیار عبدیت کی طرف جسکے لوازم مین سے ترک جاہ ہی پس مزیل جاہ کے پیش آنے سے اُس ذمیمہ کو پھر حرکت ہوتی تھی پس دعوت موسویہ سبب تھی حرکت حب جاہ کی اور وہ سبب تھا اصرار علی الکفر کا اسطور پر موسی علیہ السلام بالواسطہ گویا بطور محک کے سبب اسکے ظہور ضلال کا ہو جاتے تھے یہ تو جواب تھا باعتبار تعیین سبب ظاہری کے آگے بطور اضراب کے سبب حقیقی کی تعیین سے جواب ارشاد ہی کہ) یہ بات نہین (یعنے تعجب نہین یا سبب مذکو حقیقۃً نہین) کیونکہ یا بلکہ ہمارا قلب اور

قالب سب انکے حکم مین ہین وہ ایک لحظہ ہمکو مغز بنا دیتے ہین ایک لحظہ پوست بنا دیتے ہین ایک لحظہ ماہ کردین ایک لحظہ سیاہ کردین بھلا یہ (تصرف) بجز خدا تعالی کے اور کسی کا کام بھی ہوسکتا ہو اگر ہمارے لیے حکم ہو کہ کھیتی بنجاؤ تو ہم فوراً ہرے بھرے ہوجاوین اور اگر حکم ہو کہ زرد ہوجاؤ تو فوراً زشت رو (اور بدنما) ہوجاوین غرض چوگان حکم حق کے روبرو (جو کہ صرف کن کہنے سے سب کچھ کردیتے ہین) ہم لوگ مکان اور لامکان مین دوڑے دوڑے پھرتے ہین) یعنے انکا حکم مکان یعنے عالم مادیات مین بھی چلتا ہو اور لامکان یعنی عالم مجردات مین جسمین ہمارے بعض اجزا یعنی لطائف بھی داخل ہین نافذ ہوتا ہو) اور مراد ان سب تمثیلات سے حالات متضادہ محمودہ و مذمومہ ہین اور حکم سے مراد حکم تکوینی ہو جیسے کن فکان اس پر دلالت کرتا ہو مگر بعض امور مین جن پر جزا و سزا ہو اختیار عبد بھی متوسط ہے لہذا شبہۂ جبر لازم نہین خوب سمجھ لو)

چونکہ بیرنگی اسیر رنگ شد	موسیٔ با موسیٔ در جنگ شد
چون بہ بیرنگی رسی کان داشتی	موسی و فرعون دارند آشتی

(بیرنگی اطلاق - مراد وجود مطلق رنگ تقید مراد وجودات خاصہ موسیٰ مطلق ہادی مہتدی - فرعون مطلق مثال مضل - یہ ظاہر ہو کہ موجودات عالم مطلق وجود مین باہم مشترک ہین اور انحاء وجود مین جنکو ظہورات کہتے ہین باہم متمائز و متغائر یعنی ہر موجود مین اسکا وجود جداگانہ آثار کے ساتھ ظہور کر رہا ہو مثلاً پانی مین وہی وجود اس طرح ظاہر ہوا کہ آگ کا بجھا دینا پیاس کا بجھا دینا وغیرہ وغیرہ آثار اسپر مرتب ہوئے پس اسی مطلق وجود کے مختلف افراد ہین جو حصص وجود کہلاتے ہین اور موجودات ان حصص وجود مین متمائز ہین اور مطلق وجود مین متحد اور یہ اہل کشف کو محقق ہو گیا ہو کہ یہ وجود مشترک ماہیت واحدہ ہو ہر ماہیت یا ہر موجود کا حصہ وجود دوسری ماہیت یا دوسرے موجود کے حصہ وجود سے مختلف بالماہیت نہین صرف آثار و عوارض کا اختلاف ہو اور یہ وجود مشترک حال ہو تمام موجودات مین جو ظل یعنی فیضان ہو ایجاد حق کا یعنے حق تعالی کا تعلق اس فیضان مین سب کے ساتھ یکسان ہو یہ نہین کہ کسی موجود مین ایک طرح کا فیضان دوسرے مین دوسری طرح کا جیسا اوپر ثابت ہوا کہ حصص وجود باہم مختلف بالحقیقۃ نہین وہی ایک حقیقۃ واحدہ سب مین مشترک ہو اور مسئلہ وحدۃ الوجود کی ایک تقریر یہ بھی ہو اور مرجع اسکا بھی وہی ہو جو دیباچہ مین بیان کیا گیا ہو کہ جب سب حصص سے نظر مرتفع ہوجاتی ہو چونکہ وجود مطلق کا بدون مقید کے محال ہو لہذا اس وجود مشترک سے بھی نظر مرتفع ہوگی پس وجود واجب ہی نظر مین رہ جاویگا جب یہ امر ممہد ہوچکا تو اب سمجھنا چاہیے کہ اوپر کے اشعار مین حضرت موسیٰ علیہ السلام کا طریق حق پر ہونا اور فرعون کا ناحق پر ہونا بیان کیا گیا ہے اس مناسبت سے بطور انتقال الی التوحید حسب عادت خود اس مسئلہ کی تحقیق فرماتے ہین کہ) جب اطلاق (یعنے وجود مطلق) مقید برنگ (یعنے متعین بوجودات خاصہ) ہوگیا تو ایک ہادی کو دوسرے ہادی سے

اختلاف و تمائز پیدا ہو گیا (جیسا ظاہر ہی کہ انبیاء علیہم السلام فروع شرائع مین مختلف ہین گو وہ اختلاف محمود ہی اور یہ بھی ظاہر ہی کہ یہ تمائز فی الوجود پر موقوف ہی) جب تم (ان وجودات متمائزہ کو نظر سے رفع کرکے) اسی اطلاق پر پہونچ جاؤ جو تمکو (مرتبہ ما بہ الاشتراک مین) حاصل تھا تو وہان بادی اور مضل بھی باہم مشترک و متحد نظر آوینگے (جیسا کہ ظاہر ہی مقصود اس سے ترغیب دینا ہی توحید پر کہ ان حوادث مختلفہ کے مشاہدہ پر نظر کو مقتصر مت کرو ان سے نظر بالا لیجاؤ تاکہ وہان مطلق سے بھی نظر گذر کر اصل علت یعنی ذات و صفات و افعال حق کا مشاہدہ میسر ہو)

گر ترا آید برین نکتہ سوال	رنگ کے خالی بود از قیل و قال
این عجب کاین رنگ از بیرنگ خاست	رنگ با بیرنگ چون در جنگ خاست

یہ سوال گو محض عامیانہ ہی مگر چونکہ کاملین سب کی رعایت فرماتے ہین اس لیے اسکا جواب دینا مقصود ہی یعنی) اگر اس مضمون مذکور پر جو (باعتبار فہم عوام کے) کسیقدر دقیق ہی یہ سوال پیدا ہو کہ رنگ یعنی موجودات کثیرہ تو قیل و قال یعنے اختلاف (محمود یا مذموم) سے کبھی خالی نہین رہتے (ورنہ اگر تمائز نہو تو ثنینیت باقی نرہے) پس یہ بات عجیب ہے کہ باوجود یہ تمام وجودات وجود مطلق سے ناشی ہوے ہین (کیونکہ یہ سب اسی کے حصص ہین جیسا اوپر مذکور ہوا) پھر کیا وجہ کہ یہ وجودات خاصہ اس مطلق سے (احکام مین) مختلف ہین (وہ اختلاف یہی ہی کہ وجود مطلق مین تو آثار مختلفہ نتھی اور انمین پیدا ہوگئے حاصل سوال یہ کہ حقیقت مقید کی جب عین حقیقت مطلق مع قید تا ہی تو بنظر اسکے عین مطلق ہونے کے ظاہراً مطلق و مقید کے احکام مین اختلاف ہونا مستبعد و مستغرب معلوم ہوتا ہی اور اگر باعتبار امکان کے اسکے استبعاد سے قطع نظر بھی کر لی جاوے تب بھی اس اختلاف مین کوئی حکمت اور نفع نہین معلوم ہوتا حالانکہ مقتضائے اصلی کو مرجوح کرکے امر زائد کو راجح کرنے کے لیے حکمت کی ضرورت ہی بخلاف مقتضائے اصلی کے کہ اسکا ابقاء تو خود مقتضائے حکمت ہی حکمت زائدہ کی ضرورت نہین اور یہان مرتبہ مطلق مین بالفعل کوئی اختلاف نہ تھا پھر مقیدات مین کیونکر ہو گیا اور کیون ہو گیا)

اصل روغن زآب افزون می شود	عاقبت با آب ضد چون می شود
چونکہ روغن را ز آب اسرشتہ اند	آب با روغن چرا ضد گشتہ اند
چون گل از خارست و خار از گل چرا	ہر دو در جنگ اند و اندر ماجرا
یا نہ جنگ ست این برای حکمت ست	یا چو جنگ خرفروشان صنعت ست
یا نہ این ست و نہ آن حیرانی ست	گنج باید جست این ویرانی ست

(ان اشعار مین جواب ہی سوال مذکور کا تقریر اسکی یہ ہی کہ ہر چند کہ حقیقت مقید کی عین حقیقت مطلق کی ہی مگر اسکے ساتھ مع قید ما کی قید بھی تو ہی خلاصہ یہ کہ مقید صرف مطلق کا نام نہین بلکہ مطلق مع القید کا پس یہ اختلاف احکام مطلق و مقید کا باعتبار مقید و مطلق کے عین ہونیکے نہین بلکہ باعتبار ان قیود منضمہ کے جنکے انضمام سے وہ مقید غیر ہو گیا ہی مطلق کا اسلیے ممکن ہی کہ مطلق کے اور مقید کے اور احکام ہون اور منجملہ اُنکے یہ حکم بھی ہو کہ

مطلق مین اختلاف نہ تھا مقید مین ہوگیا پس مطلق کا من وجہ اصل اور مقید کا فرع ہونا اس امکان کو مانع نہین چنانچہ نظیر
اسکی یہ ہو کہ) دیکھو روغن کا مادہ پانی سے نشوونما پاتا ہو چنانچہ ظاہر ہو کہ جن نباتات سے تیل نکلتا ہو وہ پانی سے
پرورش پاتے ہین پس اس اعتبار سے پانی من وجہ روغن کی اصل ہوا) مگر انجام کار پانی کے ساتھ (احکام
مین کیسا مخالف ہوجاتا ہو (حتی کہ دونون چراغ مین جمع ہوکر کام نہین دیسکتے) ہم جوابا پوچھتے ہین کہ جب
روغن کو پانی سے تربیت کیا گیا ہو پھر پانی اور روغن ضد کیون ہوگئے ہین) اس سے معلوم ہوا کہ اصل فرع
کی تساوی وتماثل تمام احکام مین ضروری نہین) اور جب گل خار سے ہو اور خار گل سے پھر کیون دونون مختلف
اور زبان حال سے) بحث اجنبی مین لگ رہے ہین (یعنے احکام اور آثار مختلف ہین اور گل سے خار کا ہونا اور اسکا
عکس بایمعنی ہو کہ اول درخت خاردار پیدا ہوتا ہو اسی خاردار درخت مین پھول لگ جاتے ہین پھر اُس گل
مین تخم ہوتا ہو اور اس تخم سے درخت خاردار پیدا ہوتا ہو کما فی قولہ تعالی یخرج الحی من المیت ویخرج المیت من الحی
اس اعتبار سے باہم گر اصل وفرع کہدیا اس تقریر سے امکان اختلاف اصل وفرع کا تو ثابت ہوگیا رہگیا دوسرا سوال
کہ اسمین نفع کیا ہو تو اسکا جواب ایک تو اسی تقریر سے نکلتا ہو یعنی ممکن ہو کہ یہ اختلاف خود مقصود بالذات ہو
پس سوال حکمت ہی بیکار ہے کیونکہ اگر ہر واقعہ مقصود للحکمۃ ہو تو وہ حکمت بھی ایک واقعہ ہو اسکے لیے بھی ایک
حکمت ضروری ہوگی وعلی ہذا القیاس یا تو تسلسل محال لازم آویگا و یا کسی واقعہ کو قطع تسلسل کے لیے
مقصود بالذات ماننا پڑیگا سو اسمین سب واقعات متساوی ہین اگر اول ہی سے اصل مسئول عنہ کو مقصود بالذات
کہدیا جاوے تو کیا امتناع ہو دوسرا جواب یہ ہو کہ) یا یون کہا جاوے کہ یہ اختلاف وقعی (یعنے مقصود بالذات) نہین بلکہ کسی حکمت کے
واسطے ہو (اور وہ حکمت مقصود بالذات ہو) اور خر فروشون یعنی دلالون) کی جنگ کیطرح ایک صنعت ہے (کہ انکو فی نفسہ جنگ
اور بحث مقصود نہین ہوتی بلکہ اسمین دوسری مصلحت ہوتی ہو کہ خریدار کی نظر مین سودے کی قدر ہوجاوے اور مراد اس حکمت سے
امر متعین ہو جو غور وفکر کرنیسے قابل ادراک کے ہو اور تیسرا احتمال جواب مین یہ ہو کہ) یا یون کہا جاوے کہ نہ یہ بات ہے نہ وہ
بات ہو (یعنے نہ خود اختلاف مذکور مقصود بالذات ہو نہ کوئی امر متعین ومنتہی مصالح کا ہو) بلکہ وہ حکمت محض حیرت ہو
(یعنی یہی حکمت ہو کہ عقلاء وعرفاء خوب غور کرنیکے بعد بھی جب اسمین کسی حکمت کی تعیین نکر سکین یا ہر حکمت کو محتاج
دوسری حکمت کا دیکھین الی مالا یتناہی تو عدم تعیین سے حیرت کا ان پر غلبہ ہو تاکہ سب غیر اللہ سے انکی نظر مرتفع
ہوجاوے اور اسیطرح عدم تناہی سے بزبان حال یہ پڑھکر ؎ حدیث از مطرب ومی گوی وراز دہر کمتر جو الخ سلسلہ سے
قطع نظر کرین اور غیر سے نظر مرتفع ہونے کی جو غایت ہو مولانا اسکو فرماتے ہین کہ) اب خزانہ تلاش کرو کہ یہ حیرت
ویرانی ہو (یعنی جب تم پر حیرت غلبہ کرے اور ماسوی اللہ نظر سے اٹھ جاوے تو اب جو اُسکا ثمرہ ہو حاصل
کرو کہ ذات حق مین توجہ کو مستغرق کردو کیونکہ یہ حیرت مثل ویرانی کے ہو کہ قلب سے سب غیر اللہ کی عمارت کو
منہدم کردیا اور خزانہ ویرانی مین ہوتا ہو پس مشاہدہ حق کا اسی حیرت مین ہوسکتا ہو کیونکہ توجہ الی اللہ کو توجہ
الی غیر اللہ مانع تھی جب مانع مرتفع ہوگیا تو مقصود حقیقی تک رسائی سہل ہے پس اسی مین کوشش کرو-

آنچه تو گنجش توہم می کنی ‏ ‏ زان توہم گنج را گم می کنی

چون عمارت دان تو وہم و رایہا ‏ ‏ گنج نبود در عمارت جایہا

در عمارت ہستی و جنگے بود ‏ ‏ نیست را از ہستہا ننگے بود

نے کہ ہست از نیستی فریاد کرد ‏ ‏ بلکہ نیست آن ہست را واداد کرد

تو مگو کہ من گریزانم ز نیست ‏ ‏ بلکہ او از تو گریزانست ایست

ظاہرا می خواندت او سوے خود ‏ ‏ وز درون می راندت با چوب رد

نعلہاے باژگونہ است اے سلیم ‏ ‏ نفرت فرعون تو میدان از کلیم

قومے اندر آتش سوزان چو ورد ‏ ‏ قومے اندر گلستان پر رنج و درد

(اوپر حصول گنج کے لیے ترغیب دی ہو اب تعیین گنج مین جو بعض کو غلطی ہوجاتی ہو کہ لذات دنیویہ کو گنج و مقصود سمجھتے ہین اُسپر متنبہ فرماتے ہین کہ) جس چیز کو (غلطی سے) تو گنج سمجھ رہا ہو (وہ خیال بالکل ایسا غلط ہو کہ) اُس خیال سے تو گنج (حقیقی) کو گم کیے ہوئے ہو (کیونکہ طالب لذات واصل الی اللہ نہین ہو سکتا آگے اس غلطی کی مثال فرماتے ہین کہ) خیالات اور راے کو (جن سے تحصیل لذات دنیا مین کام لیا جاتا ہی) مثل عمارات کے سمجھو اور گنج کبھی عمارتون کی جگہون مین ہوتا نہین (پس عقل معاش کے بقاء کی حالت مین جو مقصود تمکو حاصل ہے وہ گنج نہین اُس گنج کے حصول کے لیے اسکا فنا کہ کنایہ ہو ویرانی سے شرط ہو آگے ان عمارات یعنی عقل معاش و راے دنیوی کی مذمت فرماتے ہین کہ) عمارات مین تو (دعوی) ہستی اور اختلاف ہوتا ہو (اسی لیے فانی فی اللہ کو ان ہستیون سے (اور جو اسکے دلدادہ ہین انسے) نفرت ہوتی ہو (اور ہرچند کہ ظاہر مین ان بندگان ہوا و ہوس کو بھی بندگان حق سے نفرت و وحشت ہوتی ہو مگر) واقع مین یون نہین ہو کہ یہ مدعیان ہستی موہوم اُن فانیان راہ حق سے فریاد و گریز کرتے ہون بلکہ خود اُن اہل فنا ہی نے ان مقیدان ہستی کو (اپنے دل سے) رد کر رکھا ہو (پس اے گرفتار ہستی) تم مت کہو کہ مین ہی اُس صاحب فنا سے بھاگتا ہون (اور منہ نہین لگاتا) بلکہ واقع مین وہی تجھ سے نفور ہو تو (چاہیے) کھڑا رہ (اور دیکھ لے کہ کون بھاگتا ہو اور جسطرح اس نفرت مین معاملہ بالعکس ہو کہ ظاہر مین ناقصین اہل کمال سے نفور ہین اور واقع مین اہل کمال ہی ان ناقصین سے نفور ہین اسیطرح بلانے مین معاملہ بالعکس ہو کہ) ظاہر مین تو وہ تجکو اپنی طرف بلا رہے ہین (کیونکہ دعوت الی الحق انکا کام ہی) مگر باطن مین تجکو عصاے رد سے دفع کر رہے ہین (مطلب یہ ہو کہ باطن مین انکو اہل نقصان کی طرف بسبب بغض فی اللہ کے میلان نہین ہو اسلیے جذب نہین کرتے بلکہ نفرت کی وجہ سے قوت دافعہ غالب ہے اسلیے ان ناقصین کو انسے وحشت ہی) غرض اسکی مثال الٹی نعلون کی سی ہو (جنکو چور اپنے جوتون مین لگا لیتے ہین کہ اگر مشرق کو جاتے ہین تو مغرب کی طرف جانے کا نشان بنتا ہو اسیطرح یہان ظاہر مین کچھ اور محسوس ہوتا ہے اور باطن مین کچھ اور واقع ہو) پس فرعون کی نفرت کو (جو کہ اسکو موسی علیہ السلام سے ہے) تم حضرت

موسی علیہ السلام کی طرف سے مجبور کہ انھین کو اس سے نفرت ہے اس وجہ سے اسکو ادھر انجذاب نہین ہوتا چنانچہ آیت ربنا اطمس علی اموالہم واشدد علی قلوبہم اسکی صریح دلیل ہے اور سبب اسکا وہی بغض فی اللہ ہے اس لیے کوئی اشکال شرعی نہین کہ اہل اللہ تو خیر خواہ ہوتے ہین نہ کہ بدخواہ کیونکہ خیر خواہی کے لیے دعوت و ہدایت بس ہے جسمین انکو ذرہ برابر دریغ نہین اور اسی تعاکس ظاہر و باطن کے فروع مین سے ایک امر یہ ہے کہ) ایک قوم تو (یعنی اہل اللہ ظاہر مین) آتش سوزان (یعنی بلاد مجاہدہ) مین ہین اور (باطنا) گلاب کی طرح (روحانی مسرت سے) خندان ہین) اور ایک قوم (یعنی اہل ضلال ظاہر مین) گلستان (یعنی لذات دنیا) مین ہین اور (باطن مین) رنج و تکلیف مین آلودہ ہین (کیونکہ روحانی مسرت سے بے بہرہ ہین)

سبب حرمان اشقیاء از دو جہان کہ خسر الدنیا والآخرۃ

آن حکیمک اعتقادے کردہ است ۔ کاسمان بیضہ زمین چون زردہ است
گفت سائل چون بماند این خاکدان ۔ در میان این محیط آسمان
ہمچو قندیلے معلق در ہوا ۔ نے در اسفل می رود نے بر علا
آن حکیمش گفت کز جذب سما ۔ از جہات شش بماند اندر ہوا
چون ز مقناطیس قبہ ریختہ ۔ در میان ماند آہنے آویختہ
آن دگر گفت آسمان با صفا ۔ کے کشد در خود زمین تیرہ را
بلکہ دفعش می کند از شش جہات ۔ زان بماند اندر میان عاصفات

(یہ حکایت تمثیل ہے مضمون بالا یعنی نفرت فرعون تو میدان از کلیم ؑ کی) یعنی فلسفی کا اعتقاد ہے کہ آسمان مثل بیضہ کے (محیط) ہے اور زمین زردی بیضہ کیطرح (محاط) ہے کسی سائل نے کہا کہ پھر یہ زمین اسی محیط کے درمیان مین کسطرح مثل قندیل کے ہوا مین معلق ہے کہ نہ اسفل کی طرف جاتی ہے نہ اعلی کیطرف حکیم نے جواب دیا کہ چونکہ سب طرف سے آسمان اسکو کشش کرتا ہے اسلیے وہ خلاء مین رہ گئی جیسے مقناطیس کا ایک قبہ بنایا جاوے اور بیچون بیچ مین ایک گولہ لوہے کا لٹکا دیا جاوے (چونکہ وہ مقناطیس تمام جانب سے اسکو کشش کریگا لامحالہ وہ درمیان مین رہ جاویگا یہ جذب آسمان کا مذہب تو کوئی شاید کسی فلسفی کا ہوگا) دوسرے شخص نے (اسکے رد مین) کہا کہ بھلا آسمان پرصفا زمین تیرہ کو اپنی طرف کیون کھینچنے لگا کیونکہ تجاذب کے لیے تناسب شرط ہے اور صاف و تیرہ مین مناسبت مفقود ہے) بلکہ (وجہ تعلیق یہ ہے کہ) اسکو شش جہت سے دفع کرتا ہے (اور قوت دافعہ سب طرف سے متساوی ہے) اس لیے زمین درمیان مین تند ہواؤن کے جھکولون مین رہ گئی (شاید قوت دافعہ کو عاصفات کہدیا ہو یا درمیان مین رہنے سے تند ہوائین اس پر چلتی ہین (حاصل تمثیل یہ ہوا کہ اسی طرح اہل کمال اہل ضلال کو باطنا اپنے سے دفع

گہر سے قریبن بوجہ عدم تناسب کے اور یہی سبب ہے حرمان کا چنانچہ آگے تصریح ہے)

پس ز دفع خاطر اہل کمال / جان فرعونان بماند اندر ضلال

پس ز دفع این جہان و آن جہان / ماندہ اند این بیرہان بے این و آن

سرکشی از بندگان ذو الجلال / دانکہ دارند از وجود تو ملال

کہربا دارند چون پیدا کنند / کاہ ہستی ترا شیدا کنند

کہربائے خویش چون پنہان کنند / زود تسلیم ترا طغیان کنند

پس چونکہ اہل کمال کا قلب دفع کر رہا ہے اسلیے فرعونوں یعنی گمراہوں کی جان ضلال میں پھنسی ہے یعنی وہ حضرات انکو اس جہان میں بھی دفع کرتے ہیں (کہ ان سے نفرت و بغض فی اللہ رکھتے ہیں) اور اس جہان میں بھی دفع کرینگے کما حکی اللہ تعالی ونادی اصحاب النار اصحاب الجنۃ ان افیضوا علینا من الماء او مما رزقکم اللہ قالوا ان اللہ حرمہما علی الکافرین۔ وقال تعالی یوم یقول المنافقون والمنافقات للذین آمنوا انظرونا نقتبس من نورکم قیل ارجعوا وراءکم فالتمسوا نورا) اس لیے یہ بیراہ لوگ خسر الدنیا والآخرۃ ہوگئے تم جو بندگان ذو الجلال سے سرکشی و اعراض کیے ہوئے ہو خوب یقین کرلو کہ انکو بھی تمھارے وجود سے ملال ہے (پس گویا تم کو دفع کر رہے ہیں) انکے پاس ایک کہربا ہے (یعنی انکے قلب میں قوت جاذبہ ہے) وہ جب اسکو ظاہر کرتے ہیں (یعنی باذن الہی اس سے کام لیتے ہیں) تو تیری ہستی کو جو مثل کاہ کے ہے اپنا شیدا کرلیتے ہیں (جس طرح کاہ کو کہربا کی طرف کشش ہوتی ہے) اور جب وہ اپنی کہربا کو پوشیدہ کرلیتے ہیں (اور تجکو اپنی طرف جذب نہیں کرتے تو فورا تیری صفت تسلیم (وانقیاد و اعتقاد) کو مبدل بہ طغیان کر دیتے ہیں (یعنی تجکو ان سے انس نہیں رہتا

ف اور یہ کشش اور اسکی تاثیر موقوف ہے اذن الہی پر ورنہ اول تو کشش نہیں ہوتی اور اگر احیانا کسی عارض سے ہو بھی تو تاثیر نہیں ہوتی قال اللہ تعالی انک لا تہدی من احببت وقال علیہ السلام اللہم اید الاسلام بعمر بن الخطاب او بعمرو بن ہشام الحدیث۔

آنچنانکہ مرتبہ حیوانی ست / کو اسیر و سغبہ انسانی ست

مرتبہ انسان بدست اولیا / سغبہ چون حیوان شناسیش اے کیا

بندۂ خود خواند احمد در رشاد / جملہ عالم را بخوان قل یا عباد

عقل تو ہمچون شتربان تو شتر / میکشاند ہر طرف در حکم مر

عقل عقل اند اولیا و عقل ہا / بر مثال اشتران تا انتہا

اندر ایشان بنگر آخر ز اعتبار / یک قلاوز ست و جان صد ہزار

(ان مثالین میں اوپر کے مضمون یعنی خلق کے مسخر ہونے کی اولیاء اللہ کے لیے مثال اول جسطرح مرتبہ حیوانی (یعنی حیوانات) ہمارا مسخر مرتبہ انسانی (یعنی انسان) کا ہے (کما قال اللہ تعالی اللہ الذی سخر لکم الانعام

اسیطرح نوع انسان کو اولیاء اللہ کے ہاتھ مین مسخر سمجھو (چنانچہ دلیل یہ ہی کہ) تمام عالم کو (باعتبار معنی تسخیر کے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا بندہ ارشاد فرمایا ہی چنانچہ تم آیہ قل یاعبادی الذین اسرفوا کو پڑھ کر دیکھ لو (یہ تفسیر باعتبار معنی تسخیر کے گو مستحیل نہین مگر مستبعد ہے لیکن مدعاے مقصود سپر موقوف نہین اطیعوا الرسول۔ وارسلناک کافۃ للناس اسکے اثبات کے لیے کافی ہے **مثال ثانی**) دیکھو تمھاری عقل (متبوع ہونے مین) مثل شتربان کے ہے اور تم (اسکے تابع ہونے مین) مثل شتر کے ہو وہ عقل تمکو اپنے حکم قوی مین ہر طرف (جہان چاہتی ہی) لیے لیے پھرتی ہے اسیطرح اولیاء اللہ مثل عقل العقول کے ہین (کہ عقول کی رہبری کرتے ہین) اور بقیہ عقول اول سے انتہا تک مثل شترون کے ہین (کہ محتاج اتباع اولیا ہین) اُنکی حالت مین ذرا نظر عبرت سے غور کرو کہ (ان حضرات مین سے) ایک رہبر (ہوتا ہی) اور لاکھون کی جانین (اسکی پیرو ہوتی ہین) **ف** اوپر تسخیر جذبی کا بیان تھا اور اُن اشعار مین مطلق تسخیر مذکور ہے جو عام ہے اسکو بھی اور تسخیر ارشادی یعنی رہبری و رہنمائی کو بھی سو اتنی مناسبت ربط کلام کے لیے کافی ہے۔

چه قلاوُز و چه اشتربان بیاب	دیدهٔ کان دیده بیند آفتاب
یک جهان در شب بمانده میخ دوز	منتظر موقوف خورشیدست روز
اینت خورشیدی نهان در ذره	شیر نر در پوستین بره
اینت دریایی نهان در زیر کاه	پا برین که هین منه با اشتباه
اشتباهی و گمانی در درون	رحمت حق ست بهر رهنمون

(اوپر اولیاء اللہ کی عظمت شان مثالون مین بیان کی ہی اب اس سے اضراب کر کے فرماتے ہین کہ) قلاوُز و شتربان کی مثالین کیا چیز ہین (جن سے اولیاء اللہ کی عظمت کی حقیقت معلوم ہو سکے) تم وہ (باطنی) آنکھ دستیاب کرو جو آفتاب (انسان کامل) کو ادراک کر سکے یہ جہان تو (بدون اولیاء کے شب تاریک (جہل و ضلال) مین (حرکت و عروج الی الکمال سے) میخ دوز (یعنی بستہ) ہو رہا ہی اور روز (ہدایت کا طلوع ہونا تو خورشید (ذات انسان کامل) پر موقوف ہی اور اُسکا منتظر ہی (مطلب یہ کہ اگر اولیاء اللہ نہون تو تمام عالم تاریک ہی چنانچہ ظاہر ہے کہ انوار دین ان ہی کی ذات سے ہین) یہ خورشید (یعنی ذات انسان کامل کہ عبارت ہی اسکی روح سے) ایک ذرہ (یعنی جسم عنصری مین) پوشیدہ ہو رہا ہی (دوسری مثال) گویا شیر نر ایک بکری کی پوستین مین چھپ رہا ہے (تیسری مثال) یہ گویا ایک دریا ہی جو گھاس کے نیچے پنہان ہو رہا ہی (دیکھو خبردار) اس گھاس پر پانوُن مت رکھد ینا بوجہ اس شبہہ کے (کہ شاید یہ انسان کامل ہو مطلب سب امثلہ کا یہ ہی کہ اولیاء اللہ کی ظاہری حالت جسمانی کم روئی یا کمن جامگی و خستگی کو دیکھ کر اُن سے گستاخی و بد اعتقادی مت کرو کیونکہ اسمین اندیشہ ہلاکت کا ہی جیسے کوئی شیر کو جو بکری کی پوستین مین ہی چھیڑنے لگے یا گھاس پر جسکے نیچے دریا ہے پانوُن رکھنے لگے ظاہر ہے کیا انجام ہوگا آگے اِس شبہہ کا کہ شاید یہ انسانِ کامل ہو موجب رحمت ہونا فرماتے ہین کہ) یہ اشتباہ اور

گمانِ مذکورہ جو قلب مین آجاتا ہے یہ رہنمائی کے لیے رحمت حق ہو ورنہ مقتضا ولایت خاصّہ کا تو یہ تھا کہ عوام پر مرتبہ احتمال مین بھی اسکا انکشاف نہوتا اولیائی تحت قبائی لایعرفہم سوائی مگر اس صورت مین ان سے کوئی طالب بھی منتفع نہو سکتا اور نیز انکے ساتھ یہ گستاخی کرنے سے احتیاط نہ کیجاتی اور گو یہ گستاخی بلا علم ہوتی مگر بوجہ قدرت علی التدبر و تعدیل القصد کے معذوری نہوتی پس یہ رحمت حق ہو کہ اولیا کی ذات مین کچھ آثار ایسے رکھدیے جس سے اقل درجہ شبہہ تو انکے کامل ہونے کا ہو سکتا ہو جس سے انتفاع بھی سہل ہو اور ادب بھی ممکن ہو اس لیے مولانا اسکو دلیل وجوب ادب مین لائے۔

ہر پیمبر فرد آمد در جہان	فرد بود و صد جہانش در نہان
عالم کبرے بقدرت سحرہ کرد	کرد خود را در کہین نقشے نورد
ابلہانش فرد دیدند و ضعیف	کے ضعیفست آنکہ با شہ شد حریف
ابلہان گفتند مردی بیش نیست	واے آنکو عاقبت اندیش نیست
عاقبت دیدن بود از کاملے	دور بودن ہر نفس از جاہلے
بشنو اکنون قصۂ صالح روان	بگذر از صورت طلب معنی آن
زانکہ صورت بین نہ بیند عاقبت	عاقبت بینی بیابی عافیت

(یہ تقریر و توضیح ہو مضمون بالا کی کہ مقبولانِ الٰہی گو بظاہر ضعیف ہوتے ہین مگر باطناً انکی بڑی عظمت و رفعت ہوتی ہو پس فرماتے ہین کہ) ہر پیغمبر دنیا مین تنہا آئے ہین (مگر با وجودیکہ ظاہر مین) فرد ہوتے تھے انکے باطن مین سیکڑون عالم مخفی ہوتے ہین (وہ عالم فیوض ہین اسماء الٰہیہ کے یعنی انکے علوم و کمالات و قبولیت عند اللہ و منصوریت من اللہ) اس عالم اکبر کو (کہ عبارت ہو مجموعۂ موجودات عالم سے) اپنی خداداد قدرت سے مسخر کر لیا تھا (کہ نزول برکات مین سب اُن کے محتاج تھے حتیٰ کہ سموات و ارض کا بقاء مقبولان الٰہی کے دم تک ہے اور جب ان مین سے کوئی نرہیگا تو اللہ اللہ کہنا موقوف ہو جاویگا اور قیامت قائم ہو کر عالم نیست و نابود ہو جاویگا جیسا حدیث صحیح مین وارد ہے) مگر ظاہر مین اپنے آپ کو ایک ادنیٰ درجہ کی صورت (یعنی تن عنصری و عامیانہ حالت) مین پیچیدہ کر رکھا تھا سو بیوقوف لوگون نے انکو تنہا و ضعیف سمجھا لیکن ایسا شخص کیا ضعیف ہو سکتا ہو کہ بادشاہِ حقیقی کا مقرب و جلیس ہو بیوقوف کہا کرتے کہ ایک آدمی ہین اس سے زیادہ کوئی بات نہین (جیسا قرآن مجید مین حکایت ہے ابشراً مناواحداً نتبعہ) واقعی اس شخص کی حالت بھی افسوسناک ہو جو عاقبت اندیش نہ ہو (جیسا قرآن مجید مین جواب ہے سیعلمون غداً من الکذاب الاشر) انجام اندیشی اور ہر دم جہالت سے دور رہنا بھی کامل ہونے کی علامت ہو (اب اسکی تائید کے لیے تم صالح علیہ السلام کا مشہور قصہ سن لو اور اُسکے سننے سے یہ نتیجہ حاصل کر و کہ) صورت سے گذر کر معنی تک پہونچا کرو کیونکہ صورت بین انجام کو نہین دیکھتا ہو اگر عاقبت بینی کرنے لگو تو عافیت میسر ہو جاوے۔

حقیر دیدن خصمان صالح ناقہ را چون حق تعالی خواہد لشکرے را ہلاک گرداند در نظر ایشان خصمان را حقیر نماید و یقللکم فی اعینہم لیقضی اللہ امراً کان مفعولا ۵

ناقۂ صالح بصورت بد شتر | پے بریدندش ز جہل آن قوم مر

از برائے آب چون خصمش شدند | آب کور و نان کور ایشان بدند

ناقۃ اللہ آب خورد از جوے میغ | آب حق را داشتند از حق دریغ

ناقۂ صالح چو جسم صالحان | شد کمینے در ہلاکِ طالحان

تا بر آن امت ز حکم مرگ و درد | ناقۃ اللہ و سقیاہا چہ کرد

شحنۂ قہر خدا ز ایشان بجست | خونبہائے اشترے شہری درست

یعنی ناقہ حضرت صالح علیہ السلام کی ظاہر مین تو صرف ایک معمولی اونٹنی تھی اس قوم سخت نے جہالت سے اسکے ہاتھ پاؤن قطع کر ڈالے صرف قدرتی پانی کے واسطے اسکے دشمن ہوگئے (آب چاہ کو تشبیہاً آب جو کہدیا وجہ تشبیہ کی بلا صنعت بندہ کے اسکا پیدا ہونا ہی) واقعی وہ لوگ پانی کے بھی ندیدہ تھے اور کھانے کے بھی ندیدہ تھے (یعنی بخیل و حریص تھے) ناقۃ اللہ قدرتی چشمہ سے پانی پیتی تھی (یہان تشبیہاً جوے میغ کہدیا) خدا کا پانی خدا ہی سے دریغ کرتے تھے (یعنی اللہ کی خاص اونٹنی کو نہ دیتے تھے) ناقہ صالح کی مثال صلحاء کے جسم کی ہی (کہ مرکب ہے روح کا جو مشابہ ہی صالح علیہ السلام کے جیسا آگے آتا ہی) اور وہ طالحون کی ہلاکت کے لیے مثل کمین گاہ کے ہو کیونکہ شان کمین گاہ کی یہ ہوتی ہو کہ وہان سے ہجوم بلیہ کا گمان بھی نہین ہوتا اس طرف سے محض بیخوف وخطر ہوتا ہی اسی طرح صلحاء کو آزار جسمانی دیتے ہوے لوگ اندیشہ ناک نہین ہوتے اور اسکے سبب مبتلائے قہر الٰہی ہوتے ہین) یہانتک کہ اس امت پر ناقۃ اللہ اور اسکے پانی پینے کے معاملہ نے دیکھو موت اور مصیبت کا کیا واقعہ نازل کرایا کہ شحنۂ قہر خداوندی نے ان لوگون سے ایک ناقہ کے خونبہا مین پورے ایک شہر کا مطالبہ کر لیا (یہی قصہ ہوتا ہی جسم صلحاء کو آزار دینے کا اور جسم کی تخصیص بدین وجہ کیجاتی ہو کہ انکی روح پر تو کسی موذی اور کسی کی ایذاء کا دسترس ہی نہین ان کو ستانا صرف جسم تک اثر کرسکتا ہی جیسا عنقریب تصریحاً مثنوی مین آتا ہی)

روح صالح بر مثال اشترست | نفس گمرہ مرد را چون پے برست

روح ہمچون صالح و تن ناقہ است | روح اندر وصل و تن در فاقہ است

روح صالح قابل آزار نیست | نور یزدان سغبۂ کفار نیست

روح صالح قابل آفات نیست | زخم بر ناقہ بود بر ذات نیست

حق ازان پیوست با جسمے نہان | تاش آزارند و بینند امتحان

بیخبر کازار این آزار اوست | آب این خم متصل با آب جوست
زان تعلق کرد با جسمش اله | تا کہ گردد جملہ عالم را پناہ
کس نیابد بر دل ایشان ظفر | بر صدف آید ضرر نے بر گہر
ناقۂ جسم ولی را بندہ باش | تا شوی با روح صالح خواجہ تاش

(اس تطبیق ہی قصہ کی مقصود ہی یہ کہ مقبولان الٰہی کو ضعیف نہ سمجھے اور انکی مخالفت نکرے ورنہ مثل موذیان ناقہ صالح کے مستوجب ہلاکت ابدیہ کا ہوگا تقریر تطبیق کی یہ ہی کہ) روح جو مثل صالح علیہ السلام کے ہی وہ شتر کے مثل ایک چیز (یعنی تن) پر سوار ہی اور گمراہ (لوگوں کا) نفس اسکے لیے کونچین کاٹنے والا (یعنی آزار دہندہ) ہے پس (مقبولین کی) روح تو مثل صالح علیہ السلام کے ہوئی اور تن مثل ناقہ کے ہی سو روح تو (ہمیشہ) وصل (اور حضرت) میں ہی (کہ اسپر کسی کا اثر ایذاء کا نہین پہونچتا گو موذی لوگ یہی قصد کرتے ہون) اور تن فاقہ (وغم) مین (مبتلا ہوسکتا) ہی یعنی روح جو مثل صالح علیہ السلام کے ہی آزار کے قابل نہین (کیونکہ وہ عالم امر سے ہونے کے سبب ایک قسم کا نور الٰہی ہی کیونکہ مجردین مظہریت کی شان زائد ہی کہ وہ تنزہ وتجرد مین بھی مناسبت رکھتی ہے اور حقیقت نور کی یہی ظہور ہی) اور نور الٰہی کفار (ومخالفین) کا مغلوب نہین ہوسکتا اسلیے روح جو مثل صالح علیہ السلام کے ہی قابل آفات نہین ہی اور زخم (وتکلیف جو کچھ کاملین پر واقع ہوتی ہی وہ) ناقہ (یعنی جسم) پر ہی (انکی) ذات (یعنی روح) پر نہین ہی (مگر چونکہ تن کو بھی ایک خاص تعلق روح سے ہی اور روح کو ایک خاص تعلق حق تعالیٰ سے ہے اسلیے اسکے آزار رسانی سے وہی سزا ہوتی ہی جو ایذاء روح سے بلکہ ایذاء حق سے ہونا چاہیے کما قال تعالیٰ ان الذین یؤذون اللہ ورسولہ لعنہم اللہ الخ چنانچہ اسی کو فرماتے ہین کہ) حق تعالیٰ نے اسواسطے جسم سے (روح کو) باطن مین پیوستہ فرمادیا ہی تاکہ (اعدای اس جسم کو آزار دین اور اسکا نتیجہ بھگتین (بوجہ تعلق جسم مع الروح اور تعلق روح مع الحق کے جیسا ابھی بیان ہوا) یہ موذی اس سے بے خبر ہین کہ اسکا آزار دینا اسکا آزار دینا ہی (یعنے جسم کا آزار روح کا آزار ہی یا یہ کہ بواسطہ جسم کے روح کا آزار حق تعالیٰ کا آزار دینا ہی) کیونکہ اس خم (تن) کا پانی (یعنی روح) دریا (یعنی حضرت حق) سے اتصال (وتعلق خاص) رکھتا ہی اور (دوسرے) اسواسطے روح کا تعلق جسم سے کردیا ہی تاکہ (یہ شخص کامل) تمام عالم کے لیے (باعتبار ارشاد وہدایت وفیض رسانی کے) پناہ ہوجاوے (یعنی ایک حکمت یہ ہی کہ منکرین کو سزا ہو جسکا اول بیان کیا۔ دوسری حکمت یہ ہی کہ طالبین کو ہدایت وفیض ہو کیونکہ بدون تعلق جسمانی کے بعثت دنیا مین اور مخالطت ومجانست ووعظ وپند کچھ بھی نہوتا اور تمام عالم اسلیے کہا کہ ہدایت یعنی راہ نمودن تو سبھی کے لیے ہوئی ہی خواہ کوئی راہ مین بنا چاہے یا نہ چلے ہان) انکے دل پر (یعنی روح پر تو کوئی قابو پا نہین سکتا (یعنی کسی کی ایذا نہین پہونچ سکتی حتی کہ شیطان بھی مایوس ہی قال تعالیٰ ان عبادی لیس لک علیہم سلطان) اور جو کچھ ضرر پہونچتا ہی وہ صدف (یعنی جسم) پر ہی نہ کہ گوہر (یعنی روح) پر (جب کاملین کی یہ شان ہی تو) تم جسم اولیاء کے جو مثال ناقہ کے ہی خادم بنے رہو (یعنے ایذا مت پہونچاؤ بلکہ راحت دو)

تاکہ تمکو روح کے ساتھ جو مثل صالح علیہ السلام کے ہیں خواجہ تاشی کا علاقہ ہو جاوے (یعنی اس بندہ مقبول کے تم بھی بندہ مقبول ہو جاؤ)

گفت صالح چونکہ کردید این حسد — بعد سہ روز از خدا نقمت رسد

بعد سہ روز دگر از جان ستان — آتشی آید کہ دارد سہ نشان

رنگ روی جملہ تان گردد دگر — رنگ رنگ مختلف اندر نظر

روز اول روی تان چون زعفران — در دوم رو سرخ ہمچون ارغوان

در سوم گردد ہمہ روہا سیاہ — بعد از ان اندر رسد قہر الہ

گر نشان خواہید از من زین وعید — کرۂ ناقہ بسوی کہ دوید

گر توانیدش گرفتن چارہ ہست — ورنہ خود مرغ امید از دام جست

(بیان ہے تفصیل ہے عذاب کی جو ناقہ کے قتل پر نازل ہوا جسکا بیان مجمل آیا تھا ناقۃ اللہ وسقیاہا چہ کردہ او ہم ہم فشہ کی) یعنی حضرت صالح علیہ السلام نے فرمایا کہ جب تمھارے حسد کی یہانتک نوبت پہونچ گئی (کہ ناقہ کا پانی پینا گوارا نہوا حتی کہ اسکو قتل کر ڈالا) تو اب تین روز کے بعد خدا تعالی کی جانب سے انتقام آنیوالا ہے یعنی (آج کے دن کے علاوہ) تین روز اور گذر جاوین اسوقت آتش قہر خداوندی آنیوالی ہے جسکی تین علامتین ہین (جو قبل نزول عذاب ظاہر ہونگی) وہ یہ ہیں کہ (ان تین دن مین) تم سب کے چہرون کا رنگ مختلف الوان سے مشابہ متغیر ہو جاویگا اس طرح سے کہ اول روز تمھارے چہرے زعفران کیطرح زرد ہو جاوینگے اور دوسرے روز ارغوان کیطرح سرخ ہو جاوینگے اور تیسرے روز سب سیاہ ہو جاوینگے ان (تینون علامتون) کے بعد وہ قہر الہی (موعود) آویگا اور اگر (میری) اس وعید کی بھی علامت درکار ہے تو (ابھی جاکر دیکھ لو کہ اس) ناقہ کا بچہ (کہ اسکے ساتھ تھا) پہاڑ کی طرف بھاگا جا رہا ہے اگر تم اسکو بھی پکڑ سکو تو یہ ایک تدبیر ہے (عذاب سے بچنے کی یعنی اسکو پکڑ کر لاؤ رکھو خوب خدمت کرو تاکہ قتل ناقہ کا کفارہ اور اس سے توبہ ہو جاوے) ورنہ مرغ امید دام سے نکل ہی چکا ہے (اور امید نجات کی منقطع ہو چکی ہے)

چون شنیدند این از و جملہ بتک — در پی اشتر دویدندی چو سگ

کس نتانست اندر ان کرہ رسید — رفت و در کہسارہا شد ناپدید

ہمچو روح پاک کو از ننگ تن — می گریزد جانب رب المنن

گفت دیدید این قضا مبرم شدہ ست — صورت امید را گردن زدہ ست

کرۂ ناقہ چہ باشد خاطرش — کہ بجا آرید احسان و برش

گر بجا آید دلش رستید ازان — ورنہ نومیدید و ساعدہا گزان

جب ان لوگون نے آپ سے یہ بات سنی تو سب کے سب دوڑتے ہوے اس بچے کے پیچھے چلے لیکن

کوئی شخص اُس بچہ تک پہونچ سکا اور وہ پہاڑون مین گھس کر غائب ہو گیا جیسے پاک روح کی حالت ہوتی ہے کہ ننگ (و نفرت قید) تن کیوجہ سے حق جل شانہ کی طرف دوڑ کر جاتی ہے (جیسا حدیث مین ہے کہ اس کو فرشتے بلاتے ہین تو خوش بجوش نکل جاتی ہے) حضرت صالح علیہ السلام نے فرمایا کہ تم نے دیکھ بھی لیا اب یہ قضا مبرم (اور حتمی) ہو چکی ہے اور صورت امید کی اسنے گردن مار دی ہے (مولانا فرماتے ہین کہ تم کو معلوم بھی ہے کہ) کرۂ ناقہ کاہے کی مثال ہے (خود جواب دیتے ہین کہ) یہ مثال ہے اس کامل کی خاطر کی کہ اسکے ساتھ احسان اور اسکی خدمتگذاری کو بجالاؤ (یعنے جس طرح وہ بچہ اس ناقہ کے متعلقات مین تھا اور اسکی مدارات کفارہ اسکے آزار رسانی کا ہو جاتی اسی طرح بعد ایذا رسانی اولیاء کے انکی خاطر انکے متعلقات مین سے ہے کہ اسکی نگہداشت اور اسکو خوش کرنا کفارہ ہو سکتا ہے اُس ایذا رسانی کا) پس اگر اسکی خاطر بجا ہو وے (یعنے معذرت و خدمت سے اسکی کدورت رفع کر دی جاوے) تب تو تم اس (کے وبال) سے بچ گئے ورنہ ناامیدی اور حسرت ہے

چون شنیدند این وعید منکدر	چشم بنهادند آنرا منتظر
روز اول روی خود دیدند زرد	میزدند از ناامیدی آه سرد
سرخ شد روی همه روز دوم	نوبت امید و توبه گشت گم
شد سیه روز سوم روی همه	حکم صالح راست شد بی ملحمه
چون همه در ناامیدی سر زدند	همچو اشتر در دو زانو آمدند
در نبی آورد جبریل امین	شرح این زانو زدن را جاثمین
زانو آن دم زن که تعلیمت کنند	وز چنین زانو زدن بیمت کنند
منتظر گشتند زخم قهر را	قهر آمد نیست کرد آن شهر را

یعنی جب ان لوگون نے یہ وعید تیرہ سنی تو انتظار مین آنکھ لگا کر بیٹھ گئے پس اول روز اپنے چہرون کو دیکھا کہ زرد پڑ گئے اسوقت ناامیدی سے آہ سرد کرتے تھے (یہ حسرت طبعی تھی جو توبہ نہین ہے) پھر دوسرے روز سب کے چہرے سیاہ ہی ہو گئے اور بلا نزاع حضرت صالح علیہ السلام کا قول صحیح ہو گیا جب سب کی ناامیدی ظاہر ہو گئی تو اونٹ کی طرح زانو کے بل گر گئے جیسا کہ قرآن مجید مین جبرئیل امین اس زانو پر گرنے کی شرح (بطا جثمی کے لائے ہین فاصبحوا فی دیارہم جاثمین (جاثمین کے معنے لغت مین بر سینہ خفتہ کے ہین نہ بر زانو افتادہ کے بعض مفسرین کو بھی جاثمین کے اشتباہ سے کہ اسکے معنی بر زانو افتادہ کے ہین اس تفسیر مین غلطی ہوئی ہے اور یون جثوم کے لوازم مین سے جثو کو کہکر یہ تفسیر کر دیجاوے تو مجازاً صحیح ہے اب زانو زدن کی مناسبت سے ارشاد ہوتا ہے کہ) زانو مارنا (یعنی زانو پر ادب سے استاد کے روبرو بیٹھنا) اسوقت مفید ہے جب تعلیم کا وقت ہو اور اس تعلیم مین ایسے زانو مارنے سے تجکو ڈراوین اور بچاوین (ورنہ جب

عذاب الٰہی کا معائنہ ہو گیا اب اضطراری زانو زدن کس کام کا ہو قال تعالیٰ فلم یک ینفعہم ایمانہم لما رأوا بأسنا اور یہاں تو ہلاکت کا زانو زدن تھا ندامت و معذرت کا بھی نہ تھا) غرض اس حالت میں تمام قوم قہر کے منتظر ہو کر بیٹھے تھے کہ قہر آیا اور تمام شہر کو نیست و نابود کر دیا۔

صالح از خلوت بسوے شہر رفت — شہر دید اندر میان دود و تفت
نالہ از اجزاے ایشان می شنید — نوحہ پیدا نوحہ گویان ناپدید
ز استخوان شان شنید این نالہا — اشک خون از جان شان چون ژالہا
گریہ چون از حد گذشت ہاے ہاے — گریہاے جانفزاے دلرباے
صالح آن بشنید و گریہ ساز کرد — نوحہ بر نوحہ گران آغاز کرد

یعنی حضرت صالح علیہ السلام خلوت سے (کہ ہلاکت کے وقت آپ علیحدہ ہو گئے تھے) شہر کی طرف متوجہ ہوے دیکھتے کیا ہیں کہ (آثار قہر سے) تمام شہر دھواں دھار ہو رہا ہے ان کے اجزا سے رونے چلانے کی آواز آ رہی تھی (یہ نالہ عالم برزخ میں بوجہ تعذیب کے تھا آپ کو مکشوف ہو گیا اور ہر چند کہ یہ عذاب روح کو ہوتا ہے مگر بعض اوقات ان اجزاے جسمیہ پر بھی اسکا اثر نمودار ہوتا ہے چنانچہ قبروں سے بہت سے حالات برزخیہ منکشف ہوتے ہیں) نوحہ تو ظاہر ہو رہا تھا اور نوحہ گر ناپید (اور ہلاک) ہو چکے تھے انکی ہڈیوں سے یہ نالے سنائی دیتے تھے اور اشک خونیں ژالہ کی طرح (یعنی بکثرت) انکی ارواح (معذبہ) سے جاری تھے جب انکا گریہ اور ہاے ہاے حد سے متجاوز ہوا اور گریہ بھی کیا تھا کہ جانفزا اور دلربا تھا (دلربا تو بایں معنی کہ اسکو سنکر ہوش و حواس اُڑے جاتے تھے اور جانفزا اس لیے کہ انکو سنکر عبرت ہوتی تھی اور تکمیل حیات روحانیہ کے لیے آمادگی پیدا ہوتی تھی) اسوقت (براہ شفقت) حضرت صالح علیہ السلام نے اسکو سنکر رونا اور اُن نوحہ گروں پر نوحہ (یعنی غم) کرنا شروع کیا۔

گفت اے قوم بباطل زیستہ — وز شما من پیش حق بگریستہ
حق بگفتہ صبر کن بر جورشان — پند شان دہ بس نماند از دور شان
من بگفتہ پند شد بند از جفا — شیر پند از مہر جوشد وز صفا
بسکہ کردید از جفا بر جاے من — شیر پند افسرد در رگہاے من
حق مرا گفتہ ترا لطفے دہم — بر سر آن زخمہا مرہم نہم
صاف کردہ حق دلم را چون سما — روفتہ از خاطرم جور شما
در نصیحت من شدہ بار دگر — گفتہ امثال و سخن ہا چون شکر
شیر تازہ از شکر انگیختہ — شیر و شہدے با شکر آمیختہ
در شما چون زہر گشتہ آن سخن — زانکہ زہرستان بدید از بیخ و بن

(یعنی اس نوحہ مین آپنے اس قوم کو خطاب شروع کیا یا تو زبان قال سے اگر اموات کے لیے سماع ثابت ہو جیسا صوفیہ اسطرف گئے ہین یا زبان حال سے اگر سماع ثابت نہو جیسا اہل ظاہر کا مسلک ہے بہر حال مضمون خطاب کا یہ تھا کہ) آپنے فرمایا اے قوم جنھون نے تمام زندگی + باطل ہی مین بسر کی اور مین تمھارے ہاتھون (ہمیشہ) حق تعالی کے سامنے روتا ہی رہا جسپر حق تعالی نے مجکو ارشاد فرمایا کہ انکی کج ادائی پر صبر کرو اور انکو (بدستور) نصیحت کرتے رہو کیونکہ انکا دورہ اب تھوڑا ہی باقی ہے اسپر مین نے عرض کیا کہ نصیحت تو ان کے جور و جفا کیوجہ سے) جو انقباض طبیعت ہو گیا اس سے) بند ہو گئی کیونکہ نصیحت جو بمنزلہ دودھ کے ہے جب مخاطب سے محبت ہو اور اسکی طرف سے دل صاف ہو جب ہی جوش زن ہوتی ہے (اور وجہ میرے اس عرض کرنیکی جناب باری تعالی مین یہ ہوئی تھی کہ تمنے میرے حال پر بہت سی جفائین کی تھین اس لیے شیر نصیحت میری عروق مین منجمد اور ساکن ہو گیا تھا کہ اسکو جوش نہوتا تھا) حق تعالی نے (میرے معروضہ کے جواب مین) ارشاد فرمایا کہ مین تمکو صفت لطف عطا فرما دونگا (جس سے فسردگی و انقباض کا اثر نرہیگا جو مانع وعظ ہے) اور ان زخمون پر (جو انکی جفا ؤن سے پہونچے ہین مرہم رکھدونگا کہ انکا الم مغلوب ہو جاویگا) غرض حق تعالی نے میرا دل آسمان کیطرح صاف کر دیا اور میرے دل سے تمھارے جور جفا کا اثر بالکل زائل کر دیا اسلیے مین مکرر نصیحت مین مشغول ہو گیا اور طرح طرح کی مثالیں اور مضامین جو (حلاوت و لذت مین) مثل شکر کے تھے بیان کرنے لگا اور وہ مضامین خوشگواری و شیرینی مین لیے ہوئے تھے) جیسے تازہ دودھ شکر سے پیدا ہوا ہو (ایسا) شیر و شہد ان مضامین مین ملا ہوا تھا مگر تمھارے اندر (تمھارے انکار کے سبب) ان مضامین نے زہر کا کام کیا کیونکہ تم اصل فطرت سے زہرستان تھے (اس لیے بد استعدادی سے نافع بھی مضر اور موجب ہلاکت ہو گیا جیسا کہا ہے ؎ ہر چیز کہ در کان نمک رفت نمک شد + **ف** اصل مضمون اس خطاب بعد الہلاک کا قرآن مجید مین مذکور ہے قال تعالی فاصبحوا فی دارہم جاثمین فتولی عنہم وقال یا قوم لقد ابلغتکم رسالۃ ربی ونصحت لکم ولکن لا تحبون الناصحین ––

ہیچکس بر مرگ غم نوحہ کند	ریش سر چون شد کسی مو بر کند
چون شوم غمگین کہ غم شد سرنگون	غم شما بودید اے قوم حرون
رو بجود کرد و بگفت اے نوحہ گر	نوحہ ات را می نیرزد این نفر
کژ مخوان اے راست خوانندہ مبین	کیف آسی خلف قوم کافرین

(یعنی بعد خطاب قوم کے بطور استفہام کے اپنے نفس کیطرف متوجہ ہوے اور تسلی کیواسطے بطریق تعجب فرمانے لگے کہ) بھلا کوئی شخص غم کے زوال پر بھی نوحہ کیا کرتا ہے مثلا سر کا زخم جاتا رہے تو کیا کوئی شخص (غم مین) بال نوچتا ہے (یعنی ایسا نہین ہوتا ہے) پھر مین غمگین کیون ہوتا ہون جبکہ غم سرنگون ہو گیا یعنے اے سرکشو تم لوگ غم تھے (کہ ہلاک و سرنگون ہوئے گویا غم ہلاک ہو گیا تو خوش ہونا چاہیے) اور اپنے کو خطاب کر کے کہنے لگے کہ اے نوحہ گر (کہ انکی ہلاکت پر تاسف کرتا ہے) یہ لوگ تیرے نوحہ کے قابل نہین (اب مولانا اس مضمون

پر قرآن مجید سے استشہاد فرماتے ہین کہ اے صحیح پڑھنے والے کلام مبین یعنی قرآن مجید کے تم غلط مت پڑھنا دیکھو قرآن مین ہے فکیف آسی علی قوم کافرین یعنی مین کیونکر مغموم ہون قوم کفار (کی ہلاکت) پر (اور خلف بجاے علے کے بطور روایت بالمعنی بضرورت شعر لے آئے اور ہر چند کہ یہ قول شعیب علیہ السلام کا ہے جو بعد ہلاکت اپنی قوم کے فرمایا تھا مگر چونکہ حضرات انبیاء علیہم السلام کے طبائع و معاملات متشابہ متقاربہ ہوتی ہین اور خود صالح علیہ السلام کے کلام مین لاتحبون الناصحین مذکور بھی ہے جسکے لوازم عادیہ ہے ناصح کا محزون ہونا انکے ہلاکت اسلیے اس اجمال کو اس عبارت شعیبیہ سے مفصل کر دیا اور یہ بھی ممکن ہے کہ مولانا کو اسی قصہ مین اس آیت کا ہونا خیال مین گذرا ہو اور یہ کوئی مضائقہ و نقصان کی بات نہین ۔

باز اندر چشم خود او گریہ یافت   رحمت بے علتے بر وے بتافت
قطرہ می بارید و حیران گشتہ بود   قطرۂ بے علت از دریاے جود
عقل او میگفت کاین گریہ ز چیست   بر چنان افسوسیان شاید گریست
بر چہ میگریی بگو بر فعل شان   بر سپاہِ کینۂ بدنعل شان
بر دل تاریک پر زنگار شان   بر زبان زہر ہمچون مار شان
بر دم و دندان سگسارانہ شان   بر دہان و چشم کژدم خانہ شان
بر ستیز و تسخر و افسوس شان   شکر کن چون کرد حق محبوس شان
دست شان کژ پاے شان کژ چشم کژ   مہر شان کژ صلح شان کژ خشم کژ
از پے تقلید و از آیات نقل   پا نہادہ بر سر این پیر عقل
پیر خر نے جملہ گشتہ پیر خر   از زبان و چشم و گوش ہمدگر
از بہشت آورد یزدان بندگان   تا نماید شان سقر پروردگان

(یعنی گو اپنے کو بہت تسلی دی مگر) پھر اپنی آنکھ مین گریہ کا اثر پایا اور حق سبحانہ و تعالیٰ کی صفت رحمت نے جو محض بے علت ہے انپر تجلی فرمائی (یعنی بلا سبب غم پانا فیضان رحمت قدیمہ تھا جو بندون کے حال پر محض فضل سے متوجہ ہوتی ہے) آنسو برسا رہے تھے اور حیران تھے (کہ مجھکو کیون رونا آتا ہے) اور وہ آنسو دریاے جود (رحمت حق) سے بے علت آ رہے تھے + آپ کی عقل کہتی تھی کہ رونے کی کیا وجہ بھلا ایسے ظالمون پر کہین رونا مناسب ہے آخر کس بات پر روتے ہو بتلاؤ تو سہی کیا اُن کے افعال بد پر روتے ہو کیا اُن کے کینہ ور گروہ پر روتے ہو جو بدنعل اسپ کی طرح (جو نعل لگانے کے وقت کودے اور چھلے سرکش) تھے۔ کیا اُن کے قلب تاریک پر روتے ہو جو سراسر زنگ آلود تھا۔ کیا اُن کی زہریلی زبان پر روتے ہو جو سانپ کے مثل تھی کیا انکی گفتار و دندان پر روتے ہو جو کتے کے دانت کی طرح تھے۔ کیا ان کی زبان و چشم پر روتے ہو جو مسکن ہے کژدم کا (یعنی اس سے ایسی بات اور نظر نکلتی ہے جو موذی ہو) کیا انکی جنگ اور تمسخر اور ظلم پر (جو اہل ایمان کے ساتھ کرتے تھے) روتے ہو (یعنی انکی تو ساری چیزین بُری تھین

ایک بھی رونے کے اور اس کے فوت پر افسوس کرنے کے قابل نہین) اُنکے ہاتھ کج تھے پانون کج تھے آنکھ کج تھی (کہ نا مرضیات حق مین مصروف اور مشغول تھے) اونکی محبت کج تھی انکی صلح کج تھی اون کا غصہ کج تھا (کہ محل نا مشروع مین صرف ہوتی تھی اب مولانا انکی کجی کی علت بیان فرماتے ہین کہ) محض (آبا و اجداد گمراہ کی) تقلید سے اور انھین گمراہیون سے جو) نظائر منقول (تھی ان) سے اس شیخ عاقل (کامل یعنی حضرت صالح علیہ السلام) کو پامال (اور بیقدر) کر رکھا تھا اور وہ لوگ پیر کے خریدار (یعنی طالب شیخ کامل) نہ تھے بلکہ سب کے سب بوڑھے گدھے (کیطرح احمق) بن رہے تھے ایک دوسرے کی زبان چشم و گوش کی بدولت (یعنی باہم ایک کی دوسرا زبان سے تعریف کرتا ایک دوسرے کی بات سنتا ایک دوسرے کو نظر وقعت سے دیکھتا اس سے سب اپنے کو ذی رائے و مستغنی عن الہدایۃ سمجھتے تھے اسلیے سب گمراہ رہے آگے اسکی ایک مجمل وجہ بتلاتے ہین کہ جب کفار کو گمراہ رکھنا اور ہلاک کرنا مقصود تھا تو حضرات انبیاء علیہم السلام کا مبعوث ہونا اور اُنکا تبلیغ کرنا اور اُنکا کفار سے طرح طرح کی تکالیف جھیلنا اور سب کا جو ظاہرًا اصلی نتیجہ ہی کہ مخاطبین کو ہدایت ہو اسکا مرتب نہونا اسمین کیا حکمت ہی اس سے تو یہ حضرات عالم قدس مین رہتے تو ان سب تشویشات سے محفوظ رہتے پس فرماتے ہین کہ) حق تعالی اس لیے بہشت سے (یعنی مقام مشاہدہ انوار و قرب سے مقبول) بندون کو اس عالم (دنیا مین) لائے ہین تا کہ ان کو سقر پروردہ لوگون کا تماشا دکھلاوین (سقر پروردہ سے مراد کفار ہین کہ اصل مرجع انکا سقر ہے جیسا مرجع پروردہ کا مربی ہوتا ہی قال تعالی فامہ ہاویہ یعنی منجملہ بہت سے اسرار کے اسمین ایک مختصر حکمت یہ ہی کہ اہل جنت کو اہل دوزخ کی مفصل حالت دکھلانا منظور تھی کہ ان لوگون کے یہ افعال و اعمال ہوتے ہین اور دوزخ مین جانے کے یہ اسباب ہوتے ہین اور یہ موقوف تھا اسپر کہ ہادی لوگ یہان آکر دعوت کرین تا کہ انکار موجب استحقاق نار ہو اور اگر یہ حضرات یہان نہ آتے تو نہ استحقاق کی کوئی وجہ تھی اور نہ انکو مشاہدہ ان اعمال کا ہوتا اور قیامت مین صرف عقوبت کا مشاہدہ ہوگا نہ اعمال کا پس یہ ایک حکمت ہے اس معاملہ مین جس سے مقصود معرفت حق تعالی کی ہی اور وہ خود مقصود بالذات ہے اور اس حکمت مین حصر مقصود نہین ہے کیونکہ افعال حق مین بیشمار حکمتین ہوتی ہین صرف سائل کو کسی قدر تسلی دینا ہے۔

در معنی آیت مرج البحرین یلتقیان بینہما برزخ لا یبغیان

اہل نار و خلد را بین ہمدکان　　درمیان شان برزخ لا یبغیان

اہل نار و اہل نور آمیختہ　　درمیان شان کوہ قاف انگیختہ

اہل نار و نور با ہم درمیان　　درمیان شان بحر ژرفے بیکران

ہمچو در کان خاک و زر کرد اختلاط　　درمیان شان صد بیابان و رباط

ہمچنانکہ عقد در در و شبہ　　مختلط چون میہمان یکشبہ

صالح و طالح بصورت مشتبہ　　دیدہ بکشا بو کہ گردی منتبہ

طعم شیرین رنگ روشن چون قمر	بحر را نیمیش شیرین چون شکر
طعم تلخ و رنگ مظلم قیر وار	نیم دیگر تلخ ہمچون زہر مار

اوپر کے شعر سے مفہوم ہوا تھا کہ دنیا مین بہشتی اور دوزخی دو نو طرح کے لوگ موجود ہین اب فرماتے ہین کہ دنیا مین دونون کی حالت ظاہر نظر مین مشتبہ وغیر متمیز ہے اس لیے قدرے بصیرت وانتباہ سے کام لینا چاہیے یعنی ان مین جو اسباب خفیہ امتیاز کے ہین اور وہ اُن کی صفات محمودہ و مذمومہ ہین اُن مین تامل کر کے دونون کو شناخت کرنا چاہیے مقصود مولانا کا بچانا ہے اہل باطل کے پنجہ مین پھنس جانے سے اور اہل کمال کی خدمت مین گستاخی اور بے توجہی کرنے سے اور اس ظاہری اشتباہ واختلاط اور حقیقت مین ممتاز ومتفاوت ہونے کو تشبیہ دیتے ہین ان دریاؤن سے جن مین ایک شیرین ایک تلخ ہے مگر ظاہر مین ملے ہوے چل رہے ہین جیسا بہت جگہ واقع ہے چنانچہ خود کلکتہ مین جہان سب دریا سمندر مین گرے ہین میٹھا دریا ایسا ہی ہے پس مولانا کا مقصود تشبیہ دینا ہے نہ تفسیر کرنا فافہم یعنی اہل نار و اہل خلد کو ایک دوکان مین (کہ دنیا ہی) بیٹھا ہوا دیکھو مگر واقع مین) اُن کے درمیان لیکن ایک بڑا حجاب ہے جس سے وہ ایک دوسرے سے مختلط نہین ہونے پاتے (اور وہ حجاب اختلاف ہے صفات واخلاق کا جنمین تامل کرنے سے کھلم کھلا تفاوت محسوس ہوتا ہے جیسا مشاہدہ ہے) اہل نار و اہل نور (بظاہر باعتبار صورت حوائج بشریہ کے) باہم مختلط ہین مگر انکے درمیان مین (معنوی تفاوت اتنا بڑا ہے جیسا) کوہ قاف کھڑا ہے اہل نار اور اہل نور (صورۃً) متحد ہین مگر (معنیً) درمیان مین ایک دریائے عمیق بے پایان (حائل) ہے (جیسا ابھی گذرا) اسکی ایسی مثال ہے جیسے معدن مین خاک اور زر اختلاط کیئے ہوے ہین (کیونکہ سونے کے اجزا ان ہی اجزاء ارضیہ مین ملے ہوتے ہین) مگر دونون کے درمیان مین (اتنا بڑا تفاوت ہے جیسے) صد ابیابان اور کاروان سرائین (وہ تفاوت اختلاف ماہیت کا ہے کہ خاک اور نوع ہے سونا اور نوع ہے) دوسری مثال جیسے لڑی کے اندر موتی اور پوتھ مختلط ہوتے ہین جیسے ایک رات کا مہمان (کہ اُس سے عارضی اختلاط ہے بہت جلد مفارقت ہو جاویگی پس صورت دونون کی یعنی موتی اور پوتھ کی ایک سی ہے لیکن ماہیت مین اختلاف ہے اور اگر بکنے لگے تو ظاہر مین بھی جدائی پیدا ہو جاتی ہے) پس اسیطرح صالح اور طالح مین مشتبہ ہوتے ہین ذرا آنکھ کھولو شاید کہ تمکو انتباہ ہو جاوے (اسمین تصریح ہے مقصود بالمقام کی یعنی چشم بصیرت مین تمیز کر) تیسری مثال ایک دریا کا نصف (حصہ) تو شکر کیطرح شیرین ہے مزہ بھی شیرین رنگ بھی روشن جیسے چاند اور دوسرا نصف (حصہ) تلخ ہے جیسے سانپ کا زہر مزہ بھی تلخ رنگ بھی تاریک جیسا روغن قیر ہوتا ہے (یہ ایک سیاہ روغن ہے خارشتی اونٹون کو ملا جاتا ہے)

بر مثال آب دریا موج موج	ہر دو بر ہم می زنند از تخت و اوج
اختلاط جانہا در صلح و جنگ	صورت بر ہم زدن از جسم تنگ

موجہاے صلح برہم مے زنند — کینہ ہا از سینہ ہا برمے کنند
موجہاے جنگ بر شکل دگر — مہرہا را مے کند زیر و زبر
مہر تلخان را بشیرین مے کشد — زانکہ اصل مہرہا باشد رشد
قہر شیرین را بتلخی مے برد — تلخ با شیرین کجا اندر خورد

داو پر کے اشعار مین اتقیاء و اشقیاء کی نسبت تین حکم کیے ہین اوّل اُن مین باہم تفاوت ہونا۔ دوم اس تفاوت کا لازم ہونا چنانچہ ان کے درمیان مین برزخ لایبغیان اور کوہ قاف اور بحر ژرف و صد بیابان او رباط کا اثبات کرنا دونون حکم کے لیے مفید ہی سوم اس تفاوت کا مخفی ہونا جسپر مقام ہذا کے مقصود اصلی یعنی تحقیق تمیز کو متفرع کیا ہی جیسا صالح و طالح بصورت مشتبہ الخ مین اسکی مع مقصود کے تصریح ہے اب یہان سے تقریران ہی احکام و مقصود مذکور کی ہی پس اوّل ان اشعار مین اس تفاوت کا لزوم جس سے مطلق تفاوت بھی مستفاد ہوجاویگا بیان فرماتے ہین جسکا خلاصہ یہ ہے کہ ان کا تفاوت اس درجہ لازم ہی کہ باوجودیکہ صلحا طالحین کو اپنا جیسا اور طالحین صلحا کو اپنا جیسا بنانا چاہتے ہین مگر پھر بھی صالح صالح رہتا ہی اور طالح طالح یعنی سعید و شقی ازلی نہین بدلتا اور صلاح و عدم صلاح مین ازلیت و اصلیت ہی معتبر ہی چنانچہ اسکی تفصیل فرماتے ہین کہ دونون صالح و طالح تحت و فوق سے یعنی مختلف پہلوؤن سے ایک دوسرے پر غلبہ کرنا چاہتے ہین (جسکی تفسیر آگے آتی ہی) جسطرح آب دریا مین مختلف موجین (شیرین موج الگ اور تلخ موج الگ) اٹھتی ہین (جس سے بدلالت حال یہ معلوم ہوتا ہی کہ گویا دریاے مذکور کا حصہ شیرین چاہتا ہی کہ مین تلخ کو دبالون اور اُسکو مغلوب کرکے شیرینی مین اپنا تابع بنالون۔ اسیطرح گویا حصہ تلخ چاہتا ہی یہی حالت اتقیاء و اشقیاء کی ہی کہ ہر شخص اپنا اثر دوسرے پر پہونچانا چاہتا ہے جیسا تفسیر مین آوے گا) اور اُن مین ایک کا دوسرے پر جسمانی طور پر غلبہ کرنا اصل مین اسکا سبب ارواح کا ایک دوسرے سے صلح و جنگ مین اختلاط کرنا ہی (اختلاط یہ کہ اتقیاء صلح اور خیر کا اثر اشقیاء پر ڈالنے کے لیے انکی طرف متوجہ ہوتے ہین جیسا تفسیر مین آویگا مطلب یہ ہوا کہ چونکہ ارواح مین ایک دوسرے پر غالب آنا چاہتے ہین اسی کا یہ اثر ہی کہ اجسام بھی ایک دوسرے پر تسلط چاہتے ہین اور تنگ جسم کی صفت واقعیہ ہے جسکی وجہ ماديات کا محدود ہونا ہی پس مصرعۂ اولیٰ صورت برہم مبتدا ہی اور مصرعۂ دوم اختلاط خبر ہے مبالغۃً مسبب کو مبتدا اور سبب کو خبر بنادیا جیسے کہا جاوے۔ میان روپیہ تو نوکری ہی اور بعض نسخون مین چشم تنگ ہی اُسکا حاصل بھی یہی ہی کیونکہ چشم سے آثار جسمانیہ ہی نظر آتے ہین پس معنے یہ ہون گے کہ جس برہم زدن کا ادراک چشم تنگ سے ہورہا ہے اُسکا سبب اصلی وہ ہی جو مصرعۂ دوم مین مذکور ہے اس برہم زدن اور اختلاط کی تفسیر مذکور ہی کہ) صلحا تو صلح کی موجون کو (امواج جنگ پر غالب کرنا چاہتے ہین یعنی کینون کو (جو اشقیاء کے قلب مین خدا و رسول و اہل حق کی طرف سے ہین اُن کے)

سینون سے دور کرنا چاہتے ہین اور جنگ کی موجین (جو اشقیا کے قلب مین ہین) وہ اسکے برعکس صلح و موافقت حق کو (جو صفت ہے صلحا کی) درہم و برہم (اور ان کے قلب سے زائل) کرنا چاہتے ہین (یعنی یہ اشقیا ان صلحا کو مغلوب الا فرکرکے اپنے رنگ مین کہ عناد حق ہے رنگنا چاہتے ہین) غرض صفت مہر و اتقیا (جو صلحا کا خاصہ ہے) تلخ لوگون کو (یعنی فاسد الاعتقاد و العمل لوگون کو) شیرینی (یعنی ہدایت) کی طرف کھینچتی ہے (یعنی انکو راہ حق پر لانے کی کوشش کرتی ہے) کیونکہ تمام تر مہر و خیر خواہی کی اصل اور سبب حقیقی اپنا راہ راست پر ہونا ہے یعنی خود ہدایت پر ہونا مقتضی ہوتا ہے دوسرون کو راہ ہدایت پر لانے کا) اور قہر و عناد (جو اشقیا کا خاصہ ہے) شیرین لوگونکو (یعنی صحیح الاعتقاد و العمل لوگونکو) تلخی (یعنی ضلالت) کی طرف لانا چاہتا ہے (یعنی انکو راہ باطل پر لانے کی کوشش کرتا ہے) حاصل یہ کہ ہر فریق دوسرے کو اپنے رنگ مین منصبغ کرنے مین اس درجہ سرگرم ہے مگر باوجود اسکے تلخ اور شیرین کہان جوڑ کھاتے ہین (اور کب مخلوط و متحد ہوتے ہین یعنی شقی ازلی شقی رہتا ہے اور سعید ازلی سعید رہتا ہے یہ بیان ہو چکا لزوم تفاوت بین الاتقیا و الاشقیاء کا)۔

تلخ و شیرین زین نظر ناید پدید	از دریچہ عاقبت تانند دید
چشم آخر بین تواند دید راست	چشم اول بین غرورست و خطاست
اے بسا شیرین کہ چون شکر بود	لیک زہر اندر شکر مضمر بود
آنکہ زیرک تر بود بشناسدش	چونکہ دید از دورش اندر کشمکش
وان دگر در پیش رد بوے برد	وان دگر چون دست بنہد کرد رد
وان دگر بشناسدش چون بو کند	وان دگر چون بر لب و دندان زند
پس لبش ردش کند پیش از گلو	گرچہ نعرہ میزند شیطان کلو
وان دگر را در گلو پیدا کند	وان دگر را در بدن رسوا کند
وان دگر را در حدث سوزش دہد	دمبدم زخم جگر دوزش دہد
وان دگر را بعد ایام و شہور	وان دگر را بعد مرگ اندر قبور
در دہندش مہلت اندر قعر گور	لاجرم پیدا شود یوم النشور

(ان اشعار مین بیان ہے اس تفاوت بین الاتقیاء و الاشقیاء کے خفی و مشتبہ ہونے کا نظر عوام مین بخلاف نظر بصیرت کے جیسا فرماتے ہین کہ تلخ و شیرین (یعنی تقی و شقی کو) اس نظر ظاہر بین سے متمیز نہین کر سکتے البتہ دریچہ (چشم) عاقبت (بین) سے دیکھ سکتے ہین پس چشم انجام بین تو صحیح دیکھ سکتی ہے اور جو چشم اول بین ہو نرا دھوکہ اور غلطی ہے (مراد اول سے حالت ظاہری ہے جو چشم ظاہری سے اولا مدرک ہوتی ہے سو اوسمین سب اچھے برے مختلط ہین خواہ صورت شکل لے لو خواہ امیری غریبی لے لو خواہ ظاہری اخلاق و عادات لے لو اگر عادات طبعیہ لیجئے تو اشتباہ ظاہری ہے کیونکہ وہ مشترک ہین اور اگر اخلاق اختیاریہ کو تب بھی اسمین تصنع وغیرہ فریب ممکن ہے

گو اسپر دوام مشکل ہے مگر تاہم اشتباہ بعید نہین۔ اور مراد آخر اور عاقبت سے حالت باطنی ہی جو نظر قلب و ذوق سلیم
سے ثانیاً یعنی حالتِ ظاہری کے بعد مدرک ہوتی ہی اسی لیے اُسکو آخر کہا سو اسمین اختلاط و اشتباہ نہین ہوتا
طریق اُسکا یہ ہی کہ بعد ملاحظۂ اعمال و اخلاق ظاہری کے کہ طریق سنت پر منطبق ہون اُسکی صحبت مین رہکر یہ دیکھے
کہ قلب کی کیا حالت ہے اگر نورانیت جمعیت وحب الٰہی کی بیشی اور دنیا کی کمی اور امور خیر کی رغبت اور نامرضیات
حق سے نفرت قلب مین پائے اُس شخص کو کامل سمجھے اور اُس سے مستفید ہوا اور اگر اُسکے برعکس ظلمت کدورت
و پریشانی پائے اُس سے اجتناب کرے اور اگر کوئی تفاوت خیر یا شر مین نہ پاوے قدرے اور انتظار کرے
اگر یہی حالت رہے تو اُسکی نسبت کچھ نہ سمجھے دوسری جگہ طلب کرے آگے عاقبت بینی کی وجہ ضرورت فرماتے
ہین کہ) بہت سے شیرین ایسے ہین کہ شکر کی طرح ہین لیکن اُس شکر مین زہر بھی مضمر ہے (اسی طرح بعض لوگ
ظاہر مین صلحا کی صورت بنائے ہین مگر ان کے اندر اخلاق ذمیمہ ریا و سمعہ یا فساد عقائد یا حب دنیا پوشیدہ
ہوتی ہی) جو شخص خوب زیرک ہوتا ہی وہ تو دور ہی سے اُس زہر آلود شیرینی کو کشمکش (یعنی رکھنے اٹھانے)
مین دیکھکر پہچان لیتا ہی (اسیطرح جنکے قلب مین نور فراست ہی اُنکو زیادہ خوض و تجربہ کی ضرورت نہین اسکے
ناقص ہونے کو پہچان جاتے ہین) اور دوسرا آدمی ذرا پاس آنے سے پتہ لگا لیتا ہی اور تیسرا اسکو ہاتھ لگانے
اور ٹٹولنے سے واپس کر دیتا ہی اور چوتھا جب سونگھے جب پہچانتا ہی اور پانچوان جب لب دندان اُسپر مارے
اُسوقت نگلنے سے پہلے اُسکا لب ظاہر کر دیتا ہی (اسمین زہر ہی) اگرچہ شیطان (قوۃ شہوانیہ) للکارتا ہی کہ کھا بھی جلدی
چھٹے کو گلے کے اندر معلوم ہوتا ہی۔ اور ساتوین کو بدن مین پہونچکر رسوا کرتا ہی (کہ زہر پھیلتا ہی اور کرب محسوس ہوتا ہے
اور آٹھوین کو پاخانے مین سوزش دیتا ہی اور وقتاً فوقتاً ایسی تکلیف دیتا ہی جو جگر سے پار ہو جاتی ہی) اور نوین اور دسوین کو
کچھ دنون یا کچھ مہینون کے بعد اثر محسوس ہوتا ہی یہ سب مراتب ظہور اثر مشبہ بہ یعنی زہر کے اور درجات اُسکے
شناخت کنندون کے ہین مطلب یہ ہی کہ اسیطرح ناقصین و اہل تزویر کی شناخت کرنے والون کے مراتب
مختلف ہین بعض نور فراست سے فوراً پہچان لیتے ہین جیسا سب سے اول بیان ہوا بعض اُنکے پاس دو چار
بار بیٹھنے سے بعض کسیقدر مخالطت و معاملت کرنے سے بعض سالہا سال کے بعد شناخت کرتے ہین چونکہ مقصود
ذکر مشبہ بہ سے بیان حال مشبہ کا ہے اسلیے تفاوت درجات شناخت مشبہ بہ پر بعض درجات شناخت مشبہ کو
عطف کرکے فرماتے ہین کہ) بعض کو مرنے کے بعد قبر مین معلوم ہوگا (کہ ہم نے تمام عمر ایک گمراہ کے اتباع مین
بسر کی جسنے عقائد باطلہ کو عقائد حقہ کے رنگ مین ملمع کرکے جہل مین مبتلا رکھا بعد مرگ انکا باطل ہونا معلوم ہوا)
اور اگر بعض کو قعر گور مین بھی مہلت دیدیجاویگی تو قیامت کے روز اُسکا ظہور ہوگا (یہ حکم اُس نقصان کے
اعتبار سے صحیح ہو سکتا ہی جو باوجود صحت عقائد و اعمال کے مراتب کمال اخلاص حاصل نہون تو چونکہ اسپر
تعذیب تو ہے نہین اسلیے بعد مرگ معلوم ہونا ضروری نہین البتہ قیامت مین جب اہل خلوص کامل کو
درجات عالیہ ملین گے اور اُسکو کم اسوقت معلوم ہوگا کہ میرا ہادی ناقص تھا جو ان مراتب کمال سے اطلاع

تا دے سکا یا اگر عام لیا جاوے تو یہ توجیہ ہوگی کہ ہر چند کہ بعد موت انکشاف آثار اعمال و احوال کا ہو جاتا ہے مگر چونکہ پوری سزا قیامت مین ہوگی اس لیے تفصیل ثمرات اسی وقت معلوم ہونگی اور اُس کے مقابلہ مین علم برزخی مجمل ہے)

ہر نبات و شکرے را در جہان	مہلتے پیدا است از دور زمان
سالہا باید کہ تا از آفتاب	لعل یابد رنگ و رخشانی و تاب
باز ترہ در دو ماہ اندر رسد	باز تا سالے گل احمر رسد
بہر این فرمود حق عز و جل	سورۃ الانعام در ذکر اجل

(اوپر کے اشعار مین ادراک حقیقت کے مراتب مختلفہ کا بیان کیا تھا کہ کسی کو جلدی ادراک ہوتا ہے کسی کو دیر۔ اور اس اختلاف کی وجہ ظاہری تو ظاہر تھی کہ قواے ادراکیہ مختلف ہین یہان اسکی وجہ حقیقی بتلاتے ہین کہ) ہر نبات اور شکر کے لیے عالم مین دور زمانہ سے ایک میعاد خاص متحقق ہے چنانچہ آفتاب سے لعل مین رنگ و رخشانی پیدا ہونے کے لیے تو کئی سال چاہیین پھر ترکاری کو دیکھو کہ دو ہی ماہ مین اپنے کمال کو پہونچ جاتی ہے پھر گل سرخ ہے کہ ایک سال مین پھول آتا ہے اسی لیے حق عز و جل نے سورۂ انعام (کی آیت) مین ذکر میعاد مین فرمایا ہے کما قال تعالیٰ ثم قضیٰ اجلاً و اجل مسمیٰ عندہ ثم انتم تمترون۔ حاصل وجہ کا یہ ہوا کہ چونکہ علم الٰہی مین ہر شی کا وقت مقرر و مقدر ہے اس لیے جس شخص کے ادراک کا جو وقت معین ہے اُسی وقت ادراک ہوتا ہے)

این شنیدی مو بموئیت گوش باد	آب حیوان است خوردی نوش باد
آب حیوان خوان مخوان این را سخن	روح نو بین در تن حرف کہن

(یعنی یہ تحقیق مذکور (کہ اتقیاء و اشقیاء ظاہر مین مشتبہ و در نظر بصیرت مین متمیز ہین) تم نے سن لی خدا کرے تمہارا بال بال گوش ہو جاوے (یعنی اللہ تعالیٰ اسکی فہم مین تمہاری اعانت کرین) اور واقع مین یہ تحقیق مثل آب حیات کے (زندگی بخش و نفع بخش) ہے خدا کرے تمکو نافع ہو اور اس تحقیق کو آبحیات کہو (معمولی) بات مت کہو اور روح تازہ (یعنی مضمون تازہ) کو الفاظ کہنہ (مستعملہ قدیمہ) کے قالب مین دیکھ لو (مخاطب کے قبول و قدر کرنے اور اُس سے منتفع ہونے کے لیے مدح کر دی اور یہ عین شفقت ہے)

نکتۂ دیگر تو بشنو اے رفیق	ہمچو جان او سخت پیدا و دقیق
در مقامے ہست این ہم زہر مار	از تصاریف خداے خوشگوار
در مقامے زہر و در جاے دوا	در مقامے کفر و در جاے روا
در مقامے خار و در جاے چو گل	در مقامے سرکہ و در جاے مل
در مقامے خوف و در جاے رجا	در مقامے بخل و در جاے سخا
در مقامے فقر و در جاے غنا	در مقامے قہر و در جاے رضا

در مقامے جور و در جائے وفا | در مقامے منع و در جائے عطا
در مقامے دُرد و در جائے صفا | در مقامے خاک و جائے کیمیا
در مقامے عیب و در جائے ہنر | در مقامے سنگ و در جائے گہر
در مقامے حنظل و جائے شکر | در مقامے خشک و در جائے مطر
در مقامے ظلم و جائے محض عدل | در مقامے جہل و جائے عین عقل

(خوشگوار صفت غذا یعنی خوشگوار الکنندۂ غذا یا دوا وغیرہ۔ تصاریف جمع تصریف بمعنی تصرف۔ تحقیق مذکور کے متعلق فرماتے ہین کہ) اے رفیق ایک باریک بات اور سنو جو مثل روح کے (عاقل کامل کے روبرو تو) نہایت ظاہر ہی (کیونکہ عاقل وجود روح پر آثار خاصہ سے استدلال کرتا ہے) اور (جاہل احمق کے روبرو) بہت مخفی ہے (جیسا روح کے محسوس نہونیکی وجہ سے وہ اسکے وجود کا منکر ہوتا ہی جیسا بہت سے اہل طبعیات انکار کرتے ہین اور ان آثار خاصہ پر جو دوسرے حیوانات مین مفقود ہین جس سے روح انسانی کا مختلف بالحقیقۃ ہونا معلوم ہوتا ہی نظر نہین کرتے) آگے اس نکتہ کا دور تک ضمن تمثیلات مین بیان ہی حاصل اسکا یہ ہی کہ تحقیق مذکور باوجود مشابہ آب حیات اور کثیر النفع ہونیکے پھر بھی بعض کے حق مین مضر ہوگی اسکے بعد بہت سے اضداد متقابلہ جمع کئے ہین جنمین ایک نافع اور ایک مضر چلا جاتا ہی مقصود انکے مجموعہ سے مطلق نافع اور مضر ہونا ہے یعنی یہ تحقیق بعض کو نافع ہی بعض کو ضار ہے اور اکثر مضامین عالیہ کی یہی شان ہوتی ہی چنانچہ تحقیق مذکور طالب حق کے لیے تو اسطرح نافع ہی کہ اسکی طلب بڑھ گئی اور اسکو تنبیہ ہوگئی کہ باطل سے بچنے کی کوشش کریگا اور اسکی تمیز کریگا اور منہمک فی الدنیا کو یہ ضرر ہوگا کہ اسکی طلب اور بھی گھٹ جاویگی وہ بہانہ کریگا کہ جب حق و باطل اسطرح مشتبہ ہی تو طلب کرنا ہی فضول ہے شاید طلب کیا اور مطلوب تک نہ پہونچے پھر کیون جھگڑے مین پڑے پس وہ اور زیادہ معطل ہو جاویگا بقول شخصے ؎ خوئے بد را بہانۂ بسیار۔ چونکہ تمثیلات مذکورہ کی ایک ہی عبارت ہے اور لغات ظاہر و مشہور ہین اس لیے ترجمہ ترک کیا گیا)

گرچہ اینجا او گزند جان بود | چون بدانجا در رسد درمان بود
آب در غورہ ترش باشد ولیک | چون بانگوری رسد شیرین و نیک
باز در خم او شود تلخ و حرام | در مقام سرکگی نعم الادام
اینچنین باشد تفاوت در محل | مرد کامل این شناسد در ظہور

(اوپر مذکور تھا کہ مختلف مقامات مین ایک ہی شئے کے مختلف اثر ہو جاتے ہین یہان اسی کی تشریح ہی کہ) اگرچہ اس مقام مین (یعنی محب دنیا کے لیے) وہ مضمون (اشتباہ اہل حق و اہل باطل کا) گزند جان (و مضر) ہوتا ہی مگر وہی جب وہان (یعنی محب و طالب حق کے پاس) پہونچتا ہی عین علاج ہو جاتا ہے (جیسا ابھی اسکی تقریر گذر چکی ہے آگے اسکی مثال ہے کہ) دیکھو ایک ہی پانی ہے کہ انگور خام مین ترش ہوتا ہے مگر

جب وہ تجلی کو پہونچ جاتا ہی تو وہی پانی شیرین اور لذیذ ہوجاتا ہی پھر وہی پانی مٹکے مین (جب سڑ لیا جاوے تو) تلخ اور حرام ہوجاتا ہی اور وہی پانی سرکہ بنکر نعم الادام کا مصداق ہوجاتا ہے۔ (حدیث شریف مین سرکہ کے باب مین فرمایا ہے نعم الادام الخل یعنی کیا خوب سالن ہی سرکہ) غرض اسیطرح اور امور مین بھی اونکے وجود اور ظہور کے وقت (مختلف اعتبارات و مختلف حالات سے) تفاوت (احکام و آثار کا) ہوجاتا ہی جسکو مرد کامل شناخت کرلیتا ہے

دربیان آنکہ آنچہ ولی کامل کند مرید را نشاید گستاخی کردن و ہمان فعل کردن کہ حلوا طبیب را زیان ندارد و مریض را زیان دارد و سرما و برف انگور رسیدہ را زیان ندارد اما غورہ را زیان دارد کہ در راہ راست و نارسیدہ لیغفر اللہ لک ما تقدم من ذنبک و ما تاخر

یہ سُرخی تفریع ہی مضمون بالا پر یعنی جب ثابت ہوا کہ ایک ہی چیز کے مختلف مقامات مین مختلف آثار ہوتے ہین تو اگر ولی کامل کسی لذت مباحہ مالی یا جاہی مین مشغول پایا جاوے تو ناقص کو اُسکی نقل نہ کرنا چاہیے کیونکہ ممکن ہے کہ وہ لذت اُسکو مضر نہ ہو بلکہ کسی حکمت سے نافع ہو اور اس ناقص کو مضر ہو پس آنچہ سے مراد مباح ہے نہ حرام کیونکہ کامل کو اُسکا ارتکاب بالاختیار جائز نہین اور اضطرار مین کلام نہین اور مولانا کا استشہاد اسطرف مشیر ہے کہ ذنب سے مراد ایسے مباحات ہین اور اُن کا غفران یہ ہی کہ وہ مضر نہین ہونگی اور ناقص کو مضر ہونیکی وجہ اُس کا غیر مباح ہونا نہین ہے بلکہ اُس سے قوۃ بہیمیہ و سبعیہ بڑھتی ہی اور وہ مفضی الی المعصیۃ ہوجاتی ہے پس مضر لعینہ نہین لغیرہ ہے۔

گر ولی زہرے خورد نوشے شود — ور خورد طالب سیہ ہوشے شود

رب ہب لی از سلیمان آمدست — کہ مدہ غیر مرا این ملک و دست

تو مکن با غیر من این لطف و جود — این حسد را ماند اما آن نبود

نکتۂ لا ینبغی میخوان بجان — سر من بعدی ز بخل او مدان

بلکہ اندر ملک دیدا و صد خطر — مو بمو ملک جہان بُد بیم سر

بیم سر با بیم سر با بیم دین — امتحانی نیست ما را مثل این

پس سلیمان ہمتے باید کہ او — بگذرد زین صد ہزاران رنگ و بو

با چنان قوت کہ او را بود ہم — موج آن ملکش فرو می بست دم

خوان کہ القینا علی کرسیہ — چون بماند از تخت و ملک خود تہی

چون برو بنشست زین اندوہ گرد — بر ہمہ شاہان عالم رحم کرد

شد شفیع و گفت این ملک و لوا — با کمالے دہ کہ دادی مر مرا

ہر کرا بدہی و بخشی از کرم — او سلیمان ست و آنکس ہم منم

او نباشد بعدی او باشد معی — خود معی چہ بود منم بے مدعی

شرح این فرض ست گفتن لیک من	باز میگردم بقصہ مرد و زن

(یعنی اگر کامل زہر (یعنی مضر مباح) کا استعمال کرے تو وہ نوش (یعنی نافع) ہو جاتا ہے (اس طور پر کہ اسمین مشاہدہ منعم کا ہوتا ہے اور فنار و بقار کی وجہ سے احتمال مضرت کا باقی نہین رہا) اور اگر اُسی کو طالب (ناقص) اختیار کرے تو اُسکی بصیرت تاریک ہو جاوے (بوجہ تقویت قوۂ بہیمیہ سبعیہ کے چنانچہ اسی بنا پر) رب ھب لی الخ کی دعا حضرت سلیمان علیہ السلام سے (قرآن مین) منقول ہے یعنی کسی اور کو میرے سوا یہ سلطنت و اختیارات عطا نہ فرمایئے اور کسی اور کے ساتھ یہ لطف وجود نہ کیجیے سو یہ تو (بظاہر) حسد کے مشابہ معلوم ہوتا ہے مگر واقع مین حسد نہین تھا تم آیت لاینبغی لاحد من بعدی کو ذرا غور سے پڑھو اور اسکا سبب بخل مت سمجھو چنانچہ عنقریب وہ غور والا مضمون آتا ہے جس سے عدم بخل معلوم ہو جاویگا) بلکہ (اصل وجہ اس دعا کی یہ تھی کہ) آپنے سلطنت مین صدہا خطرات دیکھے کہ مو بمو اُسمین بیم سر تھا بیم سر یہی (کہ ہزارون آدمی اپنی جان کے دشمن) اور بیم سر بھی (کہ سر مین باطن و قلب کہ ضرور شغل لی اللہ مین کمی کا اندیشہ) اور بیم دین بھی (کہ اتنی جزئیات امور ملکی مین سے کسی کہ کسی امر مین خلاف حق ہو جانا کچھ بعید نہین) غرض ہم لوگون کے لیے حکومت کے برابر بھی کوئی چیز ابتلا کی نہین ہے پس کوئی ایسا ہی سلیمان علیہ السلام کی سی ہمت والا چاہیے جو ان لاکھون رنگ و بو مین سے (صاف پاک) نکل جاوے بلکہ اتنی بڑی قوت پر بھی جو کہ آپکو حاصل تھی سلطنت کی موجین (بعض اوقات) آپ کا دم توڑ ڈالتی تھین (دم بستن اور شکستن پیراک کے دم ٹوٹ جانے کو کہتے ہین جس سے اندیشہ غرق ہوتا ہے مطلب یہ کہ بعض امور خلاف اولی سہواً صادر ہو جاتے تھے جسکا سبب اشتغال نظم ملکی تھا گو وہ نظم بھی عبادت ہو چنانچہ) آیت القینا علی کرسیہ جسدًا الخ پڑھ کر دیکھ لو کہ کس طرح (ایک لغزش کے سبب) اپنے تخت و سلطنت سے خالی ہو گئے تھے (جس کا قصہ آیت بالا مین مذکور ہے اس آیت کی تفسیر غالبًا مولانا نے موافق قول مشہور کے سمجھی ہے چنانچہ بجانب الخ ظاہرًا اسی کا قرینہ ہے اور اُس لغزش کا سبب شغل سلطنت کا اسلیے ہے کہ ان ہی مشاغل مین اُس زوجہ کے عقائد کی خبر نہوئی مگر چونکہ وہ قصہ بعض قواعد شرعیہ کے خلاف معلوم ہوتا ہے اسلیے صحیح تفسیر آیت یہ ہے کہ آپ ایکبار امرار سلطنت پرستی جہاد پر ناخوش ہوئے اور فرمایا کہ مین سو بیبیون کے پاس جاؤن گا تو سو لڑکے ہون گے اور وہ دین کا کام کرین گے فرشتہ نے قلب مین کہا کہ انشاء اللہ کہہ لیجیے مگر خیال نہ رہا چنانچہ صرف ایک عورت کو حمل رہا اور وہ بھی ناقص الخلقۃ پیدا ہوا چنانچہ جسدًا سے وہی مراد ہے جو دکھلانے لیے تخت پر رکھا گیا تھا پس انشاء اللہ کا خیال نہ رہنا ظاہرًا اسی سبب سے تھا کہ امرار پر عتاب فرمانے مین مشغول تھے اور اسکا سبب ظاہر ہے کہ آپ کا سلطان ہونا تھا ورنہ آپ کو فکر انتظام ہی ضرور نہ تھی اس حیثیت سے اس خیال نہ رہنے کا سبب سلطنت ہوئی اگر مولانا کے قول کو مبنی علی المشہور نہ کہا جاوے اور مصرعۂ مذکورہ مین تھی ماندن کی توجیہ یہ کیجاوے کہ توبہ کے وقت سے خالی القلب ہو گئے اور توبہ بعد لغزش کے ہوتی ہے سو طور پر مذکور ہو جاویگا لغزش کا تو اس توجیہ کی گنجائش ہے مگر بعید اور بے ضرورت ہے) پس چونکہ آپ پر اس غم کی

(مجھ سے شغل سلطنت ہی کے سبب انشاء اللہ متروک ہو گیا) گر دیتے ہو چکی تھی (یعنی اسکی کدورت و ناگواری دیکھ چکے تھے) اس لیے تمام شاہانِ عالم پر آپنے رحم فرمایا اور سوچا کہ جب اس ہمت عالیہ پر سلطنت کا یہ اثر ہے تو کم ہمتون پر کیسا کچھ اثر ضرور واقع ہوگا اس لیے حق تعالیٰ کی درگاہ مین ان سب کی شفاعت فرمائی اور کہا کہ یہ ملک وعلم (اگر کسی کو دنیا ہو تو) ایسے کمالات کے ساتھ دیجیے جو مجکو دیے ہین (تاکہ مضار سلطنت سے مامون رہیں) اور جسکو آپ اپنے فضل وکرم سے (قبل عطاے سلطنت وہ کمالات) دیدین سو وہ شخص تو گویا سلیمان ہی ہے اور وہ شخص تو گویا مین ہی ہون یعنی وہ بعدی کا مصداق نہین (جسکے ساتھ وہ دعا مقید ہی) بلکہ وہ تو معی کا مصداق ہی یہان معیت وبعدیت باعتبار مرتبہ کے مراد ہی کہ اقسام تقدم وتاخر مین سے یہ بھی ایک قسم ہے یعنی وہ شخص مرتبہ مین میرے ساتھ ہی یعنی میرا ہم رتبہ ہی بعدی نہین ہی یعنی رتبہ مین مجھ سے موخر اور ناقص نہین ہی پس آیت مین بعدی کے معنے یہ ہوے بعدی فی الرتبۃ اس تفسیر پر یہ اشکال دفع ہو گیا کہ دعوت سلیمانی سے لازم آتا ہی کہ ہمارے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو بھی یہ دعا شامل ہی وجہ دفع ظاہر ہی کہ آپ بعدی بالتفسیر المذکور مین داخل نہین ہین لہذا افسردہ مرشدی آگے معی پر ترقی کرکے کہتے ہین کہ معی کیا چیز ہے بلکہ وہ شخص خود مین ہی ہون بلا (نزاع وکلام) کسی مدعی کے اور اس (کم عینیت) کی شرح کرنا گو ضروری ہی مگر مین اُن مرد وزن کے قصہ کی طرف رجوع ہوتا ہون (یہ احقر مختصر شرح اس عینیت کی کرتا ہی وہ یہ ہی کہ مقبولان الٰہی کا ہر کمال فیض خاص ہوتا ہی کسی اسم الٰہی کا اور اسی کو تخلق باخلاق اللہ کہتے ہین اور اُس اسم الٰہی کو اصطلاح مین اُس کامل کا باطن کہتے ہین پس جب کوئی کمال سلیمان علیہ السلام اور دوسرے کامل مین مشترک مانا جاوے تو دونوں کا باطن وہی اسم الٰہی ہوا اور اُس کا واحد ہونا ظاہر ہے پس یہ کہنا کہ دونون کامل ایک ہین اسکے یہ معنے ہین کہ انکا باطن بالاصطلاح المذکور ایک ہے)۔

مخلص ماجراے عرب وجفت او

ماجراے مرد وزن را مخلصے — باز می جوید روان مخلصے
ماجراے مرد وزن افتاد نقل — آن مثال نفس خود می دان وعقل
این زن ومردے کہ نفس ست وخرد — نیک بایست ست بہر نیک وبد
وین دو پایستہ درین خاکے سرا — روز وشب درجنگ واندر ماجرا
زن ہمی خواہد حویج خانقاہ — یعنی آب روی ونان وخوان وجاہ
نفس ہمچون زن پے چارہ گری — گاہ خاکی گاہ جوید سروری
عقل خود زین فکر ہا آگاہ نیست — در دماغش جز غم اللہ نیست

یعنی اس قصۂ مرد وزن کے خلاصہ کو مخلصین کا دل طلب کر رہا ہی (یا تو ظاہری خلاصہ مراد ہی یعنے قصہ کا

انتظار ہی یا باطنی خلاصہ یعنی تاویل اعتباری کہ انسان پر اس حکایت کا انطباق ہو پس بنا بر احتمال ثانی داگلا مضمون اسکی شرح ہی اور بنا بر احتمال اول انتقال ہو دوسرے مطلب کی طرف یعنی) یہ مرد و زن کا قصہ (مذکور) تو محض ایک نقل ہی (اور اصل قصہ جو قابل اہتمام ہی وہ روح و نفس کا ہی پس) اسکو اپنے نفس اور عقل کی مثال سمجھو (کہ زن مثال ہی نفس کی بوجہ نقصان رائے و غلبۂ حرص کے اور مرد مثال ہی عقل کی بوجہ کمال فہم و قوۃ اعتماد علی اللہ کے) اور یہ و زن و مرد کہ مراد نفس و عقل سے ہین یہ ہر انسان نیک و بد کے لیے (باعتبار متضمن ہونے حکمت آلہیۃ کے) ضروری الوجود ہین (کیونکہ اگر روح نہوتی تو انسان شر محض ہو تا خیر کی استعداد ہی نہوتی اور اگر نفس نہوتا تو فضیلت مجاہدہ کی نصیب نہوتی جسکی وجہ سے انسان کی بعض طاعات ملائکہ کی طاعت سے بھی زیادہ قابل قدر ہو جاتی ہے) اور یہ دونون اس عالم سفلی مین مقید ہو رہی ہین اور شب و روز اختلاف اور بحثا بحثی مین لگے ہین عورت (کا قاعدہ ہی کہ) خانہ داری کے حوائج کی (ہر وقت) طالب رہتی ہی یعنی آبرو ہو اور نان و خوان ہو اور جاہ ہو اسیطرح نفس بھی عورت کیطرح ہر وقت ان ہی تدبیرات مین کبھی خاکساری اور تملق اور کبھی بڑائی اور رنے ور اختیار کرتا ہی (یعنی جس طریق سے کام چلتا دیکھتا ہو اُسی کو اختیار کرتا ہی) اور عقل خود ان فکرون سے آگاہ نہین ہے اس کے دماغ مین بجز غم (طلب) حق سبحانہ و تعالے کے نہین ہے۔

اگرچہ سر قصہ این دانہ است و دام — صورت قصہ شنو اکنون تمام

گر بیان معنوی کامل شدے — خلق عالم عاطل و باطل بدے

گر محبت فکرت و معنیستے — صورت صوم و نمازت نیستے

ہدیہ ہائے دوستان با ہمدگر — نیست اندر دوستی الا صور

تا گواہی دادہ باشد ہدیہ ہا — بر محبت ہائے مضمر در خفا

زانکہ احسانہائے ظاہر شاہد اند — بر محبت ہائے سر اے ارجمند

(بعد بیان تاویل قصہ کے ظاہری قصہ کی طرف توجہ فرماتے ہین کہ) اگرچہ معنی باطنی قصہ کے تو یہین جو اوپر مذکور ہوے اور طالبین کے لیے) مثل دانہ و دام کے ہین (کہ اسی کی طمع مین حکایت بھی سن لیتے ہین اور ہر چند کہ دانہ و دام مجموعہ ظاہر حکایت و باطن حکایت کا ہی مگر چونکہ عادۃً باطن مستلزم ظاہر کو بھی ہوتا ہی لہذا مجموعہ کی صفت سے صرف اسکو موصوف کر دیا یا یون کہا جاوے کہ دانہ ست پر جملہ ختم ہو گیا دام اسپر معطوف نہین بلکہ مبدل منہ ہی اور صورت قصہ اسکا بدل و رسب ملکر شنو کا مفعول پس معنی یہ ہونگے کہ اگرچہ سر قصہ تو یہی دانہ ہو لیکن ظاہر قصہ جو کہ مثل دام کے ہے نیز سننے کے قابل ہی کیونکہ دانہ دام کے نیچے ہی ہوتا ہی تو اگر دام نہو تو دانہ کیسے لے یعنی گو مقصود اصلی صرف باطن حکایت ہی مگر) صورت قصہ کو بھی پورا اُسن لینا چاہیے (کہ اسمین بھی بہت نفع ہے چنانچہ ایک منافع تو ظاہر یہی ہے کہ اگر

ظاہری حکایت ہوتی تو اسکے مضمون کا انطباق باطنی حالات پر کیسے ہوتا اب اسی مناسبت سے آگے مطلقاً ظاہر طاعات و اعمال کی ضرورت اور باطن محض کا فوائد اور حکمتوں میں ناتمام ہونیکا بیان فرماتے ہین تاکہ ان لوگون پر رد ہو جو ظاہر کو عبث سمجھ کر شریعت کی نفی کرتے ہین پس ارشاد ہو کہ) اگر باطن کا بیان (یعنی ظہور) کامل ہو جاتا اور (درمیان سے ظاہر کا حجاب اٹھ جاتا) تو تمام خلق عالم معطل اور باطل (یعنی عبث و خالی از حکمت رہ جاتی (جسکا بیان یہ ہے کہ) اگر محبت صرف فکر اور امور باطنیہ کو قرار دیا جاتا تو صوم و صلوٰۃ کی صورت بالکل معدوم ہو جاتی (تو جو ان ظاہری عبادات مین حکمتین اور اسرار ہین ظاہر ہو کہ وہ بھی منفی ہو جاتے چنانچہ انمین سے ایک حکمت تو یہ ہو کہ) دوستون مین جو باہم ہدایا چلتے ہین وہ صرف چند چیزونکی صورتین (اور اشیاء ظاہری ہوتی ہین تاکہ وہ ہدایا مخفی و مضمر محبت پر شہادت دین کیونکہ احسانات ظاہری باطنی محبت پر شاہد ہوتے ہین (اسیطرح عبادات ظاہرہ شاہد اور دال ہین عقیدت و محبت قلبی پر اور حکمت کا اسمین حصر نہین تمثیلاً ایک حکمت عام فہم کا بیان کر دیا غرض اجمالاً اتنا سمجھ لینا چاہیے کہ اگر صرف باطن مقصود ہوتا تو یہ مقصود روح مجرد سے عالم ارواح مین زیادہ حاصل ہو سکتا تھا کیونکہ کدورت مادہ اور ظلمت ہیولے بھی حاجب نہوتی پس عالم اجسام کو پیدا کرنا اور اسکے ساتھ روح کو متعلق کرنا صریح دلیل ہی اسپر کہ کچھ کمالات و طرق قرب ایسے بھی ہین کہ ان کا حصول جسم اور طاعات بدنیہ پر موقوف ہی خوب سمجھ لو)۔

شاہدت گہ راست باشد گہ دروغ	مست گاہی از مے و گاہے ز دوغ
دوغ خوردہ مستیئے پیدا کند	ہاے و ہوے و سرگرانیہا کند
آن مرائی در صلوٰۃ و در صیام	می نماید جد و جہد نے بس تمام
تا گمان آید کہ او مست ولاست	چون حقیقت بنگری غرق ریاست

(اوپر اعمال ظاہری کو شاہد فرمایا تھا اس سے شاید کوئی اپنے یا دوسرے کے اعمال ظاہری سے دھوکہ کھا کر معتقد کمال کا ہو جاتا اسلیے فرماتے ہین کہ) شاید کبھی صادق ہوتا ہی کبھی کاذب جیسا مست کبھی شراب پی کر ہوتا ہی کبھی دوغ سے یعنی دوغ پی کر (جھوٹ موٹ کی) مستی ظاہر کرتا ہی اور بہت ہو ہا اور نماز دکھلاتا ہی (اسیطرح) ریاکار آدمی صوم و صلوٰۃ مین بڑی کوشش اور اہتمام دکھلاتا ہی تاکہ دیکھنے والون کو گمان ہو کہ بڑے مست محبت ہین اور جو حقیقت مین غور کر کے دیکھو تو بالکل ریاء مین مستغرق ہی (جبتک اعمال مین خلوص نہو وہ شاہد کاذب کے مثل ہے)

حاصل افعال بردنی رہبرست	تا نشان باشد برانچہ مضمرست
راہبر گہ حق بود گاہے غلط	گہ گزیدہ باشد و گاہے سقط
یارب آن تمیز دہ ما را بخواست	تا شناسیم آن نشان کژ ز راست
حس را تمیز دانی چون شود	زانکہ حس بیتظر بنور اللہ بود

یعنے حاصل کلام یہ ہے کہ افعال ظاہری رہبر ہین تاکہ کیفیات باطن پر علامت بنین (جیسے رہبر ہوتا ہے کہ نامعلوم رستہ بتلاتا ہے) سو رہبر کبھی حق ہوتا ہے کبھی غلط ہوتا ہے یعنی کبھی پسندیدہ ہوتا ہے کبھی ناکارہ ہوتا ہے (جیسا اوپر گذرا اس لیے دعا کرتے ہین کہ) اے یارب ہماری درخواست پر ایسی تمیز عطا فرما دیجیے کہ جس سے ہم علامت کج اور راست کو پہچان لیا کرین اور دوسرون کے دھوکہ مین بھی نہ آوین اور اپنے اعمال کو بھی شوائب ریا سے خالص کر سکین آگے ایسی تمیز کے حاصل ہونیکا طریق بتلاتے ہین کہ تمکو معلوم بھی ہے کہ حس (یعنی مدرکہ) کو ایسی تمیز کس طرح ہو جاتی ہے (یہ سوال ہے آگے جواب ہے کہ) اسطرح ہو جاتی ہے کہ حس ینظر بنور اللہ کا مصداق بنجاتی ہے (یعنی نور معرفت سے یہ تمیز ہو جاتی ہے)

در اثر نبود سبب ہم مظہرست	ہمچو خویشی کز محبت مخبرست
نبود آنکہ نور حقش شد امام	مر اثر را یا سببہا را غلام
چونکہ نور اللہ آید در مشام	مر اثر را یا سبب نبود غلام
تا محبت در درون شعلہ زند	زفت گردد وز اثر فارغ کند
حاجتش نبود پے اعلام مہر	چون محبت نور خود زد بر سپہر
ہست تفصیلات تا گردد تمام	این سخن لیکن بجو تو والسلام

(حاصل مقام بعد امعان نظر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہان اہل اعمال کی قسمین بیان کی ہین یعنے اصل مین دو قسمین ہین ایک وہ جنسے اعمال شاہد محبت ہونیکی حیثیت سے صادر ہوتے ہین یعنے مقصود اُن کا عبادت سے یہ ہے کہ یہ بندہ ہونیکی علامت ہے اور اسکو جناب باری مین پیش کرنے سے ہمارے بندہ ہونے کا اظہار ہے جیسے ہدیہ مین بعینہ یہی غرض ہوتی ہے۔ دوسرے وہ جنکے صدور اعمال مین یہ حیثیت نہین یعنی عبادت مین اُنکا کچھ مقصود ہی نہین پھر قسم اول کی دو قسمین ہین ایک مخلص جو اللہ کے سامنے اسکا اظہار کرتے ہین۔ دوسرے مرائی جو بندون کے سامنے اسکا اظہار کرتے ہین ان دونون قسمونکا ذکر تو اوپر کے اشعار مین ہے۔ تا گواہی دادہ باشد بہا سالی قولہ۔ شاہدت گر راست آید گہ دروغ الخ اسیطرح تقسیم اوّل کی قسم ثانی (یعنی جنکی عبادت مین انکا کچھ مقصود نہین) کی دو قسمین ہین انکا ذکر ان اشعار مین ہے ایک قسم وہ جو محض عادت کی موافق اعمال بجالاتے ہین اُن کو نہ اظہار بندگی کی طرف التفات ہوتا ہے نہ اخلاص کی کوشش کرتے ہین نہ ان بیچار ونکو کسیکی نظر مین اپنی وقعت ظاہر کرنا ہے اور اکثر عوام مسلمان اسی قسم کے ہین کہ جن نیک کامون کو اختیار کر لیا ہے خالی الذہن ہوکر ان کو کیے چلے جاتے ہین اور عادت سی پڑ گئی ہے اس شعر۔ در اثر نبود الخ مین ان ہی لوگون کا بیان ہے۔ دوسری قسم وہ جو تقاضائے محبت الٰہیہ سے کرتے ہین یعنے اللہ تعالیٰ کی محبت ایسی غالب ہے کہ ثواب و عذاب یا اظہار عبودیت کی طرف التفات بھی نہین ہوتا جو شخص مراتب اخلاص کو طے کر چکا ہے محبت اسکو بے چین کیے ہوے ہے اس لیے محبت مین غرق محبوب کی خدمت

کررہا ہی جسطرح عاشق اپنے معشوق کے پاس ہدیہ بغرض اظہار محبت نہین لیجاتا محض تقاضای عشق ہوتا ہے اگر ایسے شخص کو یہ بھی معلوم ہوجاوے کہ میری خدمت وعبادت مردود ہے تب بھی ترک نہ کرے بخلاف غیر محب کے کہ ایسی حالت مین فوراً ترک کردے اشعار سے نبود آنکہ الخ ان لوگون کا بیان ہے دوسری بات یہ سمجھو کہ یہان ایک صفت مقصودہ ہی یعنی محبت آلٰہیہ اور ایک اسکا اثر ہے جو محبت سے پیدا ہوتا ہے یعنی اعمال مقرون بالاخلاص اور ایک اس عمل خالص و محبت کا سبب ہے یعنی محض صورت اعمالی خالی از اخلاص وریاء کیونکہ سبب کہتے ہین اصطلاح شرع مین ایسے امر کو جو مفضی فی الجملہ ہو یعنی من وجہ مسبب کا وسیلہ بن جاوے اور اسکو وجود مسبب مین کچھ دخل ہو سو محض صورت اعمال گاہے ذریعہ بن جاتا ہے اعمال مع الاخلاص کا یعنی عادت سے اخلاص پیدا ہوجاتا ہی کما سمعت عن مرشدی پس اسکا سبب تو بلا واسطہ ہوا پھر اخلاص سے محبت پیدا ہوجاتی ہی پس اسکا سبب بواسطہ ہوا اسلیے محض صورت اعمال عمل خالص اور محبت کا سبب ہوگیا حدیث مین بھی صلٰوۃ کو وسیلہ فرمایا ہی جو ہم معنی ہی سبب کا۔ ان تینون لفظون کی تفسیر آگے کام آویگی تیسرے یہ سمجھو کہ کسی شئے کی نفی کرنے سے کبھی خود اس شئے کی نفی مقصود ہوتی ہے اور کبھی اسکی طرف التفات کرنے کی مثلاً کوئی اپنے شاگردسے کہے کہ مین شاگردی کی وجہ سے یہ رعایت نہین کرتا تو یہان یہ مقصود نہین کہ شاگردی نہین ہے بلکہ مطلب یہ ہی کہ اس رعایت مین اس صفت کا خیال نہین ہے جب تینون امر سمجھ مین آگئے اب حل اشعار مین بالکل سہولت ہوگئی سنو فرماتے ہین کہ) اگر اثر (یعنی اعمال مع الخلوص کہ اثر محبت ہے جیسا ہدیہ کہ اثر محبت خلق ہی) نہ پایا جاوے (بلکہ محض صورت اعمال ہی ہو) تو بھی ضرر نہین کیونکہ گاہے سبب بھی مظہر مقصود ہوتا ہی (اسی طرح محض صورت اعمال بھی جناب باری مین من وجہ مظہر محبت قرار دی گئی ہی اور وہ احیاناً بعد چندے اخلاص و محبت پیدا کردیتی ہی) اور اسکی ایسی مثال ہی جیسے علاقہ قرابت جو محبت سے مخبر ہے (یعنی صفت مقصودہ محبت ہوتی ہی اور اسکا اصل اثر ہدیہ جو صدق سے ہو جیسے وہان اعمال خالصہ تھے لیکن گاہے ہدیہ نہین ہوتا تو صرف علاقہ قرابت بھی محبت کا سبب قرار دیا جاتا ہے کہ وہ بھی اسکی طرف مفضی فی الجملہ ہوتا ہی اسی طرح یہان محض صورت اعمال کو سمجھو مقصود مولانا کا یہ ہے کہ اگر تمکو درجہ اخلاص کا حاصل نہو تو محض صورت اعمال ہی کو اختیار کرو کہ اس سے بھی امید کامیابی ہے اور یہ ہزار درجہ عمل مع الریا سے بہتر ہے کیونکہ وہ مہلک و مضر ہی جبکہ بقصد ہو ورنہ وسوسہ ہی اور اکثر بلکہ ہمیشہ ابتدا مین اعمال اسیطرح ہوتے ہین اسی مین تکلف سے اخلاص کا اہتمام شروع کرنے سے شدہ شدہ مقصود اصلی تک پہونچ جاتا ہی بعضے لوگ حضور تام نہ ہونے سے یا وسوسۂ ریا سے جو غیر اختیاری ہے تنگدل ہوکر ترک یا تقلیل کردیتے ہین یہ بڑی غلطی ہے۔ اب قسم رابع کا بیان فرماتے ہین کہ) جس شخص کے لیے نور حق (یعنی نور معرفت امام و رہبر بن جاتا ہی (یعنی عارف کامل ہوجاتا ہی چونکہ معرفت کاملہ کے لیے محبت لازم ہی ہے اس لیے) وہ شخص اثر (یعنی اعمال خالصہ) یا سبب (یعنی محض صورت اعمال) کا غلام (یعنی

مقید) نہین رہتا یعنی جب نور الٰہی (معرفت دماغ مین سما جاتا ہی (یہ تفسیر ہوئی نور کے امام ہونیکی) تو وہ اثر یا سبب کا (جنکے معنے مذکور ہوے) غلام نہین رہتا (یہان تمہید کے امر ثالث کو یاد کرو یعنی یہ مطلب نہین کہ وہ اعمال کا پابند نہین رہتا بلکہ مطلب یہ ہی کہ وہ ان اعمال کو اثر یا سبب ہونے کی حیثیت سے نہین کرتا یعنی وہ اعمال نہ صرف اسکی رسمی عادت ہوتی ہی اور یہ تو بہت ظاہر ہے اور نہ اظہار جناب باری مین مقصود ہے بلکہ محبت کے غلبہ مین مضطروار اس سے صادر ہو رہے ہین اور چونکہ غرق محبت ہو اس لیے التفات الی الغیر ہی نہین جسکے قطع کرنے کی حاجت ہو جو حقیقت ہی اخلاص کی اس لیے تحصیل اخلاص کا بھی اسکو قصد نہین کہ تحصیل حاصل محال ہی چنانچہ فرماتے ہین) یہانتک کہ (اس معرفت کاملہ کی وجہ سے) اس کے باطن مین محبت (الٰہی) شعلہ زن ہوتی ہی اور عظیم ہوتی جاتی ہی اور اثر سے فارغ کر دیتی ہی یعنی اس کو (عبادت سے) اظہار محبت کی حاجت نہین ہوتی جبکہ محبت اپنا نور آسمان پر پہونچانے ہوے ہے (یعنی اسکی محبت مقبول ہو چکی ہی کما قال تعالیٰ الیہ یصعد الکلم الطیب) اور اس غرض کے لیے کہ یہ مضمون پورا ہو تفصیلات بہت ہین جنمین سے ایک شمۂ احقر نے بیان کیا ہی) مگر تم (اس قوت ممیزہ کو) طلب کرو (جس سے ان اقسام اربعہ مین امتیاز کر سکو اور ان مراتب کی حقیقت بالخصوص مرتبہ رابعہ کی سمجھ سکو کیونکہ یہ امور حالی ہین صرف قال سے منکشف نہین ہوتے تم والسلام والحمد للہ تعالیٰ علی شرح ہذا المقام الذی اتعب الافہام و اضل الاوہام —

گرچہ شد معنی درین صورت پدید	صورت از معنی قریب ست و بعید
در دلالت ہمچو آبند و درخت	چون بماہیت روی دوراند سخت
دانہ مین کز آب و خاک و آفتاب	چون درختی گشت در عالم شتاب
ور بماہیت بگردانے نظر	دور دوراند اینہمہ از یک دگر
ترک ماہیات و خاصیات گو	شرح کن احوال آن دو ماہ رو
باز گو از ماجراے مرد و زن	زانکہ انجا مے ندارد این سخن

(اوپر اعمال کو صورت محبت کہا تھا اور مقصود اصلاح تھی اُن لوگون کی جو صورت کی نفی کرتے ہین اب احتمال ہوا کہ شاید کوئی اس صورت ہی کو مقصود عظم سمجھ بیٹھے اور معنی کو یعنی محبت و امور باطنہ کو بے قدر سمجھے جیسا اکثر عابدین کی حالت ہی کہ محض صورت پر قناعت کر رکھی ہو اس لیے ان اشعار مین انکے اس خیال کی اصلاح فرماتے ہین کہ) اگرچہ معنی کا ظہور اس صورت مین ضرور ہوا ہی لیکن پھر بھی صورت (عین معنی نہین بلکہ معنی سے من وجہ قریب ہی (یعنی باعتبار دلالت کے) اور من وجہ بعید ہی (یعنی باعتبار ماہیت کے پس صورت معنی کے متعلقات مین سے ہوئی اور بوجہ دلالت تو ضروری الحصول ہوئی اور بوجہ اختلاف ماہیت کے ناقابل قناعت ہوئی) یہ صورت و معنی دال و مدلول ہونے مین مثل آب اور درخت کے ہین

کہ درخت دلالت کر رہا ہی وجود آب پر کیونکہ اسکا وجود اسپر موقوف ہی اور وجود موقوف دال ہوتا ہے وجود موقوف علیہ پر) لیکن جب ماہیات مین پہونچو تو بہت ہی بعید ہین (کیونکہ دونون کی ماہیت قطعًا مختلف ہے پس درخت کہ امر ظاہر ہی مثل صورت کے ہوا اور آب کہ امر مخفی ہے مثل معنی کے ہوا آگے اُسکی توضیح ہی) دانہ کو دیکھو کہ آب و خاک و گرمی آفتاب سے کس طرح تھوڑی مدت مین درخت بن گیا لیکن اگر ماہیت مین نظر (عقلی) دوڑاؤ تو سب ایک دوسرے سے بہت بعید ہین (اور اسی اختلاف ماہیت کیوجہ سے ہر ایک کی خاصیت بھی جُدا ہی یعنی اسیطرح اعمال ظاہری گو دلیل محبت ہین مگر عین محبت تو نہین ایک فرض کے ادا سے دوسرا کیون معاف ہوگیا بلکہ اُسکی تحصیل بھی ضروری ہی آگے تتمیم قصہ کی طرف متوجہ ہوتے ہین کہ) ان ماہیات و خاصیات کا ذکر چھوڑو اُن دونون طالب رزق کے حال کی شرح کرو یعنی اس مرد و زن کا قصہ پھر بیان کرو کیونکہ اس مضمون کا تو کہین خاتمہ نہین۔

دل نہادن مرد عرب بر التماس دلبر خویش و سوگند خوردن کہ درین تسلیم مرا حیلتے و امتحانے نیست

مرد گفت اکنون گذشتم از خلاف — حکم داری تیغ بر کش از غلاف

ہرچہ گوئی مر ترا فرمان برم — در بد و نیک آیدم آن ننگرم

در وجود تو شوم من منعدم — چون محبم حب یعمی و یصم

یعنی مرد بولا کہ اب مین (تیرے) خلاف کرنے سے گذرا اب تو مجھپر ہر طرح کا حکم رکھتی ہی خواہ غلاف سے تلوار نکال لے (کہ مجکو جان دینے سے بھی عذر نہین) جو کچھ تو کہے گی مین فرمانبرداری کرونگا اور جو بھلائی برائی پیش آویگی مین کچھ نہ دیکھونگا اور مین تیری ہستی مین محو ہو جاؤنگا کیونکہ مین جب تیرا عاشق ہون تو عشق کی خاصیت یہی ہی کہ اندھا بہرا کر دیتا ہے (کہ محبوب کا عیب و صواب سب ایک معلوم ہوتا ہے)

گفت زن آہنگ برم می کنی — یا بحیلت کشف سرم می کنی

گفت واللہ عالم السر والخفی — کافرید از خاک آدم را صفی

در سہ گز قالب کہ دادش وانمود — ہرچہ در ارواح و در الواح بود

یاد دادش لوح محفوظ وجود — تا بدانست آنچہ در الواح بود

تا ابد ہرچہ کہ از پس بود و پیش — درس کرد از علم الاسمای خویش

تا ملک بیخود شد از تدریس او — قدس دیگر یافت از تقدیس او

آن کشاد شان کز آدم رو نمود — در کشاد آسمان ہاشان نبود

در فضای عرصۂ آن پاک جان — تنگ آمد عرصۂ ہفت آسمان

گفت پیغمبر کہ حق فرمودہ است — من نگنجم ہیچ در بالا و پست

در زمین و آسمان و عرش نیز — من نگنجم این یقین دان اے عزیز

در دل مومن بگنجم اے عجب　　گر مرا جوئی دران دلہا طلب
گفت فادخل فی عبادی تلتقی　　جنۃ من رؤیتی یا متقی
عرش باآن نور وبا پہنائے خویش　　چون بدید او را برفت از جای خویش
خود بزرگی عرش باشد بس پدید　　لیک صورت کیست چون معنی رسید

(یعنی عورت نے کہا کہ تو سچ مچ میرے ساتھ احسان کرنیکا قصد کرتا ہے (کہ میرے کہنے کے موافق تلاش معاش کریگا) یا اس بہانہ سے میرے دل کا بھید لیتا ہے (کہ موافق جانکر اور اپنا سب مافی الضمیر کہہ ڈالے گی) مرد نے جواب دیا کہ قسم کھاتا ہون اللہ تعالےٰ کی جو سر اور خفی کے جاننے والے ہین جنھون نے آدم صفی علیہ السلام کو خاک سے پیدا کیا (اسکے بعد بڑی دور تک حضرت آدم علیہ السلام کے کمالات کا بیان ہے اُسکے بعد جواب قسم ہی امتحانی نیست الخ پس بیان اُن کمالات کا یہ ہے کہ) تین گز (یعنی تین ہاتھ) کے قالب مین جو کہ انکو دیا تھا تمام اشیاء جو ارواح والواح مین تھین (افاضۂ علم سے) ظاہر کر دین (تین ہاتھ سے مراد ساڑھے تین ہاتھون کے ہاتھ سے جو ہمارے ہاتھ سے ساٹھ ہاتھ کے تھے اور کسر حذف کر دی آگے اس والمود الخ کی تفسیر ہے کہ) اُنکو لوح محفوظ کی (جو کہ احوال موجودت پر مشتمل ہے) تعلیم کر دی جس سے اُنکو اور ارواح کا بھی (جو کہ لوح محفوظ سے نقل کیجاتی ہین جیسا حدیث مین آیا ہے کہ لیلۃ البراۃ مین مقادیر لکھی جاتی ہین) علم ہو گیا (اور اسی سے علم ارواح کا حصول لازم آگیا کیونکہ ارواح مین جو علوم حاصل ہوتے ہین وہ سب بھی لوح محفوظ مین ہین) غرض ابد (یعنی قیامت) تک جو کچھ اگلے پچھلے علوم ہین وہ سب (اجمالاً) اپنی تعلیم سے جو کہ اسما کے ساتھ متعلق تھی درس فرما دیے (ابد کی تفسیر قیامت سے اسلیے کی گئی کہ ابد کے حقیقی معنی مین لاتناہی فی المستقبل ہی اور ممکن کو علوم غیر متناہیہ کا حاصل ہونا محال ہی اور غالباً سیوطی رحہ نے بعض رسائل مین ایک حدیث لکھی ہی جسمین تصریح ہے کہ لوح محفوظ مین بھی قیامت تک کے احوال ہین اور اجمالاً کی قید اسلیے لگائی گئی کہ ان اشیاء کا علم مفصل گو ممکن ہے مگر واقع نہ تھا چنانچہ حضرت آدم علیہ السلام کو مثلاً یہ علم نہ تھا کہ ابلیس مجکو دھوکہ دیگا اور مثلاً وہ لفظ حارث کے معنے نہ جانتے تھے کہ براہ لغزش اپنے بیٹے کا نام عبد الحارث رکھدیا اور مثلاً یہ یاد نہین رہا کہ مین اپنی عمر حضرت داؤد علیہ السلام کو دے چکا ہون پس اس سے کسی کا یہ استدلال و استنباط کرنا کہ جب حضرت آدم علیہ السلام کا علم محیط تھا تو ہمارے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا تو علم آپ سے زیادہ ہی ہی ضرور محیط ہوگا محض بے بنیاد ہو گیا حق یہ ہی کہ علم محیط بامور غیر متناہیہ خاصۃ حق جل وعلا شانہ کا ہی اور دوسرے کے لیے محال عقلی ہی اور قیامت تک کے محدود واقعات کا گو محال نہین لیکن بلا دلیل بلکہ خلاف دلیل قائل ہونا افتراء علی اللہ ہی اور اسماء سے مراد علم الاسماء مین موجودات کی امہات خواص و صفات و اصول و کلیات نعات ہین پس وہ علم متناہی ہی تھا اور مجمل بھی خوب سمجھ لو اس سے بیشمار اشکالات مرتفع ہوگئے مگر پھر بھی ایسا عظیم تھا) جسکی تدریس سے ملائکہ بیخود و ششدر رہ گئے (فاعل تدریس آدم علیہ السلام ہین

یعنی آدم علیہ السّلام نے جب بحکم خداوندی اُن کو وہ اسماء بتلائے جبکہ وہ خود نہ بتلا سکے جیسا قرآن مجید مین ہے فلمّا انبأہم باسمائہم الآیۃ) اور ملائکہ کو (اُسوقت) حق تعالیٰ کی تقدیس سے ایک نیا تقدس حاصل ہوا (یعنی ہرچند کہ وہ پہلے سے تسبیح وتقدیس مین مشغول تھے جیسا خود اُن کا مقولہ مذکور ہے نحن نسبح بحمدک ونقدس لک مگر اس امتحان علم اسماء مین عاجز ہونیکے وقت جو تسبیح وتقدیس اُن سے صادر ہوئی جیسا انبئونی باسماء ہٰؤلاء کے جواب مین انکا مقولہ آیا ہے سبحانک لاعلم لنا الاما علمتنا انک انت العلیم الحکیم چونکہ یہ وقت تھا اپنے عجز کے مشاہدہ کا جس سے قدرت حق کا مشاہدہ بڑھ جاتا ہے اس لیے یہ تسبیح وتقدیس پہلی تسبیح وتقدیس سے بڑھی ہوئی تھی اور ظاہر ہے کہ جب عبادت اکمل ہوگی تو اُس کا ثمرہ بھی اکمل ملتا ہے اس لیے قدس دیگر کہا اور منجملہ اسی ثمرۂ اکمل کے وہ ترقی علم کی تھی جو آدم علیہ السلام کے اُن کو اسماء بتلانے سے حاصل ہوئی جیسا آیا ہے قال یا آدم انبئہم باسمائہم فلما انبأہم باسمائہم الآیہ چنانچہ فرماتے ہین کہ اُن کے انکشافات (اور علوم) جو حضرت آدم علیہ السّلام کی بدولت حاصل ہوئے وہ سموات کے انکشافات مین بھی حاصل نہ تھے (یعنی ان کو پہلے سے سمواتؔ ارض کے احوال کی اطلاع تھی اور یہ اُن کے علوم تھے مگر آدم علیہ السلام کے ذریعہ سے جو علوم اُن کو حاصل ہوئے وہ بدرجہا اُن علوم سابقہ سے زائد تھے اور اُن علوم کے حاصل ہونے کی دو صورتین ہین ایک تعلیم آدم علیہ السلام سے جیسا اوپر آیا۔ دوسرے خود آدم علیہ السلام کے مشاہدہ سے کہ اُن مین جب علوم عجیبہ وکمالات غریبہ کا مشاہدہ کرین گے لابدان مشاہدات کا علم بڑھے گا اور اس تقریر سے یہ بھی لازم آیا کہ خود حضرت آدم علیہ السّلام مین ایسے کمالات تھے جو دوسری مخلوقات علویہ وسفلیہ مین نہ تھے کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو ملائکہ تواُن کا بھی مشاہدہ کرتے تھے پھر علوم کیون نہ بڑھے چنانچہ آگے یہی مضمون ہے کہ وسعت میدان روح پاک کے مقابلہ مین ساتون آسمان کا میدان تنگ ہے (یعنی آدم علیہ السّلام مین کمالاتِ روحانی تھے اور روح مین اسقدر وسعت ہے جسکی وجہ روح کا مجرد ہونا اور صفات مین حق تعالیٰ سے مناسبت ہونا ہے پس لابداُن کمالات مین بھی سب سے زائد وسعت ہوگی بخلاف آسمان کے کہ اُسمین یہ روح مجرد نہین ہے اُس کے جو کمالات ہون گے وہ مادی ہون گے اور مادی اول محدود پھر باری تعالیٰ کے ساتھ جو منزہ ہین اتنی مناسبت نہین اس لیے اسمین اس قدر وسعت کمالات کی نہوگی آگے اُسکی تائید ہے کہ) پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے (یعنی حدیث قدسی ہے) کہ مین کہین بالا و پست مین نہین سما سکتا ہون یعنی نہ زمین مین نہ آسمان مین بلکہ نہ عرش مین مین نہین سما سکتا اسکو یقینی سمجھو مگر عجب بات ہے کہ مؤمن کے قلب مین سما جاتا ہون (اس حدیث کے یہ الفاظ مشہور ہین لایسعنی ارضی ولاسمائی ولکن یسعنی قلب المؤمن مگر مجکو اس حدیث کی تحقیق نہین لیکن مطلب اسکا مکشوف ہے تو سند پر موقوف نہین حاصل اُسکا یہ ہے کہ کمالات ممکن کے مظہر ہین کمالات واجب کے انسان کامل مین چونکہ کمالات سب مخلوق سے زائد ہین تو ظہور کمالات آلٰہیۃ کا بھی اسمین زائد ہو اخصوصًا وہ صفات

جن سے حق تعالیٰ کے ساتھ مناسبت و تشبہ یا تخلق ہو وہ تو دو وجہ سے مرآۃ ظہور صفات حق ہیں ایک تعلق صانع و مصنوع سے۔ دوسرے نمونہ صفات حق بننے سے جس سے صفات حق کی معرفت کسیقدر تفصیل کے ساتھ حاصل ہو سکتی ہے پس اسی مظہر کمالات حق بننے کو مجازاً اسمانے سے تعبیر کردیا ورنہ اللہ تعالےٰ محاط ہونے سے منزہ ہیں آگے مومن کامل کے قلب میں سمانے پر تفریع ہے کہ) اگر تو مجکو (یعنی حق تعالیٰ کو) طلب کرنا چاہتا ہے تو ان (کاملین کے) قلوب میں طلب کر (کیونکہ جب میں ان قلوب میں ہوں تو وہاں ہی ملوں گا اور قلوب میں ڈھونڈھنے سے یہ مراد ہے کہ ان سے فیض باطنی حاصل کرو تو وہی کمالات معرفت و محبت وغیرہ تم میں پیدا ہوجاوینگے اور یہی وصول الی اللہ ہے آگے دلیل ہے کہ) قرآن شریف میں یہ مضمون ہے جسکا حاصل یہ ہے کہ تو میرے بندوں میں داخل ہو کہ جنت سے ملجاویگا کہ وہ میری رویت ہے (یہ تفسیر ہے آیۃ یا ایتہا النفس المطمئنۃ الی قولہ جنتی کی۔ مولانا نے وادخلی کا عطف فادخلی پر تفسیری لیا ہے کہ اول میں جانا اسمیں جانا ہے اور آیت کو مطلق لیا ہے حیات و ممات دونوں سے اس لیے جنت کی تفسیر رویت سے کی تاکہ حیات میں بھی صادق آوے اور رویت یہاں بصری نہیں مشاہدۂ اصطلاحیہ مراد ہے) اور عرش باوجودیکہ نورانی اور وسیع ہے مگر جب انسان کو دیکھا تو وہ بھی از جا رفتہ ہوگیا اور واقعی عرش کی بڑائی بیشک بہت ظاہر ہے لیکن معنی کے سامنے صورت کیا چیز ہے (یعنے عرش گو عظیم ہے مگر ایک علوی یعنی جسمانی و مادی چیز ہے اور انسان معنوی یعنی روحانی و مجرد چیز ہے اور مجرد کا مادی سے اشرف و اوسع ہونا بہت جگہ اسی شرح میں گذر چکا ہے فتذکر۔

ہر ملک می گفت ما را پیش ازین	الفتے می بود بر روے زمین
تخم خدمت در زمین می کاشتیم	زان تعلق ما عجب می داشتیم
کاین تعلق چیست با این خاکدان	چون سرشت ما بُدست از آسمان
الف این انوار با ظلمات چیست	چون تواند نور با ظلمات چیست
آدما آن الفت از بوے تو بود	زانکہ جسمت را زمین بُد تار و پود
جسم خاکت را ازینجا یافتند	نور پاکت را ازانجا تافتند
اینکہ جان ما ز روحت یافت ست	پیش پیش از خاک آن می تافت ست
در زمین بودیم و غافل از زمین	غافل از گنجیکہ در وے بُد دفین

(یہ بھی تتمہ ہے بیان فضائل و کمالات آدم علیہ السلام کا) یعنی تمام ملائکہ (حضرت آدم علیہ السلام سے خطاب کرکے) کہہ رہے تھے کہ ہمکو اس زمانہ کے قبل (یعنی جب آپ پیدا نہوئے تھے) روے زمین سے ایک قسم کی الفت معلوم ہوتی تھی ہم زمین پر احکام و طاعات (جو ہمکو سپرد تھیں) بجالاتے تھے اور اس تعلق سے (جو زمین کے ساتھ تھا) تعجب کیا کرتے تھے کہ ہمکو اس خاکدان سے تعلق ہونے کی کیا وجہ جب کہ

ہماری سرشت عالم علوی ہی ہے پھر ان انوار کو (یعنی ہمکو کہ نور سے مخلوق ہین) ان ظلمات (ارضیہ) سے الفت کیون ہے اور جو نورانی ہو وہ ظلمات کے ساتھ کیسے زندگی بسر کرسکتا ہے سوائے آدم علیہ السلام (اب معلوم ہوا کہ) وہ الفت آپ کے اثر سے تھی کیونکہ آپ کے جسم کا تار و پود (یعنی مادہ زمین سے بنا ہی پس آپ کے جسم خاکی کو دنیا سے لیا اور آپ کے نور پاک (یعنی روح) کو عالم بالا مین منور فرمایا ہماری ارواح کو آپ کی روح سے جس (نور) کا اب ادراک ہوا ہے یہ آپ (کے پیدایش) کے قبل خاک سے جھلکتا معلوم ہوتا تھا اور با وجودیکہ ہم زمین ہی مین رہتے تھے (اور اُسکو دیکھتے تھے مگر) زمین سے غافل تھے یعنی وہ جو خزانہ اسمین مدفون تھا اُس سے بے خبر تھے (مراد اس سے وہی نور آدم ہی چونکہ اجزاء ارضیہ منشاء جسم آدم علیہ السلام ہین اور روح کا تعلق جسم سے ضرور ہوتا ہی اس لیے ان اجزاء مین بھی اس تعلق روحانی کا اثر تھا اور وہ نور اسی تعلق کیوجہ سے تھا پس فرشتے کہتے ہین کہ نور کا تو مشاہدہ ہوتا تھا مگر حقیقت معلوم نہ تھی (بے خبری و غفلت سے یہی مراد ہے)۔

چون سفر فرمود ما را زان مقام
تا کہ حجت با ہمی گفتیم
نور این تسبیح و این تہلیل را
حلم حق گسترده بہر ما بساط
ہر چہ آید بر زبان تان بے حذر
ما ہمی دانیم خود را زِ شما
تا نگہ این دمہا چہ گرنا لائق ست
از پئے اظہار این سبق اے ملک
تا بگوئی و نہ گیرم بر تو من
صد پدر صد مادر اندر حلم ما
حلم ایشان کف بحر حلم ماست
خود چہ گویم پیش آن در این صدف

تلخ شد ما را ازان تحویل کام
کہ بجائے ما کہ آید اے خدا
میفروشی بہر قال و قیل را
کہ بگوئید از طریق انبساط
ہمچو طفلان یگانہ با پدر
لیک میخواہیم آواز شما
رحمت من بر غضب ہا سابق ست
در تو نہم داعیہ اشکال و شک
منکر حلمم نیارد دم زدن
ہر نفس زائد درافتد در فنا
کف رود آید ولے دریا بجاست
نیست الا کف کف کف کف

یہ تتمہ ہے قول ملائکہ کا بعد بیان تعلق الفت کے۔ کہتے ہین کہ جب ہمکو اس مقام (یعنی زمین سے سفر کرنیکا اور آسمان پر آنے کا) حکم فرمایا تو ہمکو (بوجہ اس تعلق الفت کے زمین کی مفارقت سے) گرانی ہوئی (یہ زمین سے آسمان پر بلانا اس لیے نہ تھا کہ تمھارے عوض مین اب دوسری مخلوق زمین پر رہے گی کیونکہ اول تو آدمی کو بعوض فرشتون کے نہین بسایا گیا بلکہ بعوض جنات کے دوسرے فرشتے تو اب بھی اُن ہی اپنے کامون مین زمین پر مشغول ہین بلکہ یہ بلانا غالبًا مشورہ کے لیے تھا یا آدم علیہ السلام کے

روبرو سجدہ کرانے کے لیئے اور فرشتونکو مفصل علم نہو گا کہ ہم پھر زمین پر بھیجے جاوینگے اس لیے یہ سمجھے ہونگے
کہ اگر دوسری مخلوق زمین پر رہی تو ہم سے زمین کو مفارقت ہو جاویگی جو بوجہ الفت کے گران تھی خدا جانے
مولانا کی نظر سے یہ مضمون اُلفت وگرانی مفارقت کا گذرا ہو گا آگے اس گرانی پر تفریع ہو کہ) انتہا یہ کہ ہم طرح
طرح کی حجتین (مشورہ کے وقت) عرض کرتے تھے کہ اے اللہ ہماری جگہ کون آتا ہو اس نور تسبیح و تہلیل کو
(جو ہمارا فعل ہو) آپ (اُس مخلوق جدید کی قال وقیل (یعنی عناد و فساد) کے عوض مین (جو اُسکا فعل ہو گا)
بدلتے ہین (کما قال تعالیٰ قالوا اتجعل فیہا من یفسد فیہا ویسفک الدماء ونحن نسبح بحمدک ونقدس لک۔ اگر وہ
روایت گرانی مفارقت ارض کی ثابت نہو تو اس قول ملائکہ کو صرف حق جل وعلا شانہ کے استشارہ کا جواب
کہا جاویگا اور یہی ظاہر ہے اور مقصود ملائکہ کو اعتراض حق تعالیٰ پر یا طعن آدمی پر نہین ہے کیونکہ کفر اور معصیت
سے ملائکہ منزہ ہین بلکہ محض اپنے مشورہ کا بغرض امتثال امر ظاہر کرنا اور تخلیق بنی آدم کی حکمت پوچھنا اور
اپنے لیے خلافت کی درخواست کرنا اور اس کے ضمن مین اپنے قدیم الخدمت ہونے کا اظہار کرنا ہو رہا یہ کہ
الفاظ مین کسی قدر ایہام بے تکلفی کا پایا جاتا ہو اس کا جواب دیتے ہین کہ) حق تعالیٰ کی صفت حلم نے ہمارے
لیے بساط (اجازت) بچھا دیا کہ خوب دل کھول کر جو کچھ تمھاری زبان پر آوے کہہ لو جس طرح باپ کے روبرو
بچے (سب کچھ کہہ لیتے ہین) اور گو ہمکو تمھارا ما فی الضمیر معلوم ہو لیکن ہم تمھاری آواز (سننا یعنی تمھاری زبان
سے کلام کہلانا) چاہتے ہین کیونکہ یہ تمھاری باتین اگرچہ لائق (مقام کمال ادب) نہین مگر میری رحمت
غضب پر سابق ہے اور اسی سابق ہونے کے اظہار کے لیے اے ملائکہ تمھارے اندر (مضمون) موجب
اشکال و اشتباہ کو پیدا کرتا ہون تاکہ تم (اُسکے بارہ مین کچھ) بولو (اور مین اپنی رحمت سے) تمپر مواخذہ
نہ کرون پس میرے حلم کے منکرین کو پھر کلام کرنے کی مجال نہے (یعنی بعد اثبات اس واقعے کے پھر انکار
نہ کر سکے یعنی یہ حکمت ہو تمکو بولنے کی اجازت دینے مین پس یہ جواب ہو گیا ایہام بے تکلفی الفاظ کا آگے
حلم کی عظمت کا بیان ہو کہ ہمارا حلم اتنا بڑا ہے کہ) سیکڑون باپ سیکڑون مائین (جو بچہ کے حق مین بڑی
رحیم و حلیم ہوتی ہین) ہمارے کارخانۂ حلم مین پیدا ہوتے ہین اور فنا ہو جاتے ہین (تو اُنکا حلم بھی فنا ہو جاتا
بخلاف ہمارے حلم کے کہ اُسکو فنا ہی نہین پس گویا) انکا حلم ہمارے دریاے حلم کا ایک ادنیٰ کف یعنی
بلبلہ ہے سو کف آنکھ ہے چل دیتا ہو اور دریا بحال خود اپنی جگہ قائم ہو (یہ تشبیہ محض متبوع اور تابع ہونے
مین ہو نہ جمیع اوصاف ولوازم مین ورنہ) مین کیا (مثال) کہہ سکتا ہون اس موتی (یعنی حلم حق) کے
روبرو یہ صدف (یعنی حلم والدین) تو کچھ بھی نہین اگر کف کا کوئی کف ہو اور اس کا کوئی کف ہو پھر اُسکا
کف ہو بس اس سے زیادہ نہین (بلکہ بدرجہا کم ہے کیونکہ + چہ نسبت خاک را با عالم پاک اور موتی صدف
بھی باعتبار عظیم و حقیر ہونیکے کہدیا)۔

حق آن کف حق آن دریاے صاف	امتحانی نیست این گفت و نہ لاف

از سر مہر و صفا ہست و خضوع | حق آنکس کہ بدو دارم رجوع
گر بہ پیشت امتحانست این ہوس | امتحان را امتحان کن یک نفس
سر مپوشان تا پدید آید سرم | امر کن تو ہر چہ بر وے قادرم
دل مپوشان تا پدید آید دلم | تا قبول آید ہر انچہ قابلم
چون کنم در دست من چہ چارہ است | درنگر تا جان من چہ کارہ است

(یہ تتمہ ہی مقولۂ عرب کا اور قسم معنیً معطوف ہی اوپر کی قسم واللہ عالم السر والخفی پر اور امتحانی نیست جواب ہے قسم کا یعنی اُس کف کی قسم (یہ محض تاکید سے ہے مجازاً قسم ہی کیونکہ مخلوق کی قسم حقیقۃً جائز نہین) اور اُس دریائی صاف (یعنی حلم حق جسکا ذکر اوپر ہی اُس) قسم مین جو کہ رہا ہون یہ نہ امتحان ہی (جیسا تجھکو شبہہ ہوا) اور نہ لاف زنی ہی کہ نرا دعوی کرون اور کرنیکا عزم نہو بلکہ محض محبت اور صفائی اور فروتنی کی راہ سے ہی قسم کھاتا ہون اُس ذات کی جسکے پاس مجھکو جانا ہی اور اگر (اسپر بھی تیرے نزدیک میری یہ ہوس (مصالحت و موافقت) محض امتحان ہی تو اچھا تو اسکے امتحان ہونے کا امتحان کرلے یعنی اپنے دل کی بات (یعنی جو کام مجھ سے لینے کی دل مین خواہش ہو) دل مین مت رکھ تاکہ میرے دل کی بات بھی تجھکو معلوم ہو جاوے۔ جو کام میری قدرت مین ہو تو وہ مجھکو بتلا کر دیکھ لے غرض مافی الضمیر کو پوشیدہ مت رکھ تاکہ میرا مافی الضمیر ظاہر ہو جاوے تاکہ مین جس قابل ہون اسکو قبول کرلون (پس تیرے بتلانے پر میرا امتحان ہو جاویگا کہ آیا مین صدق سے کہہ رہا ہون یا تیرا امتحان لے رہا ہون لیکن) مین کیا کام کر سکتا ہون اور میری قدرت مین کیا تدبیر ہے جو کچھ بتلاتا ہو ذرا پہلے دیکھ لیجیو کہ میری حقیقت کونسے کام کی ہی (کہ اُسمین مجکو عذر نہ ہوگا)

تعیین کردن زن طریق طلب روزی شوی خود را و قبول او

گفت زن یک آفتابے تافتست | عالمے زو روشنائی یافتست
نائب رحمان خلیفہ کردگار | شہر بغداد ست از وے چون بہار
گر بپیوندی بدان شہ شہ شوی | سوے ہر ادبار تا کے میروی
ہمنشینی مقبلان چون کیمیاست | چون نظرشان کیمیاے خود کجاست
چشم احمد بر ابوبکرے زدہ | او ز یک تصدیق صدیقے شدہ

یعنے عورت نے کہا کہ (تو پوچھتا ہی میری قدرت مین کیا تدبیر ہے سو وہ تدبیر مین بتلاتی ہون کہ) ایک آفتاب روشن ہو رہا ہی اور ایک عالم اُس سے روشنی لے رہا ہے (وہ کون ہی) نائب رحمان خلیفۃ اللہ (جس کی رونق افروزی) سے شہر بغداد مثل (فصل بہار کے (پر رونق) ہو رہا ہی اگر تو اُس بادشاہ کے پاس پہونچ جاوے تو (خود مال و دولت سے مثل بادشاہ کے) ہو جاوے پھر ادبار کی طرف کیون مائل ہوتا ہے

(مطلب یہ کہ خلیفۃ اللہ بڑا آگہی ہو وہان جاکر عرض حاجت کرآگے مولانا بطور انتقال کے فرماتے ہین کہ واقعی) اہل اقبال (یعنی اہل دولت باطنی) کی ہمنشینی بھی کیمیا ہی اور انکی نظر (یعنی توجہ) کے برابر کوئی کیمیا کہان ہے (کیمیا سلیے کہاکہ اُس سے اوصاف ذمیمہ کی تبدیل اوصاف حمیدہ سے ہوجاتی ہی جسطرح کیمیا سے ایک معدنی کی تبدیل دوسری معدنی سے ہوجاتی ہی) چنانچہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی نگاہ مبارک (توجہ دلی) حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالےٰ عنہ پر پڑگئی وہ ایک تصدیق سے (یعنی صرف ایمان لاتے ہی) صدیق ہوگئے (حضرت صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ قبل اسلام بھی حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے بڑے محب مخلص تھے حضور بھی بہت عنایت فرماتے تھے اشارہ اسطرف ہے کہ اُسی توجہ کی برکت سے ایسی استعداد کامل ہوگئی)

گفت من شه را پذیرا چون شوم	بے بہانہ سوئے او من چون روم
نسبتے باید مرا یا حیلتے	ہیچ پیشہ راست شد بے آلتے
ہمچو مجنونے کہ بشنید از یکے	کہ مرض آمد بہ لیلی اندکے
گفت آوہ بے بہانہ چون روم	ور بمانم از عیادت چون شوم
لیتنی کنت طبیبًا حاذقًا	کنت امشی نحو لیلی سابقًا
قل تعالوا گفت حق مارا بدان	تا بود شرم اشکنی ما را نشان
شب پران را گر نظر وآلت بدے	روزشان جولان وخوش حالت بدے

یعنی ہد ہد بولا کہ بھلا مین بادشاہ کے نزدیک مقبول کب ہوسکتا ہون (یعنی وہانتک رسائی اور دخل کب ممکن ہے کیونکہ کوئی ذریعہ نہین پس بلا ذریعہ اُسکے پاس کیون کر جاؤن میرے لیے یا تو کوئی سلسلہ ہونا ضروری ہے (یعنی کوئی سفارش و ذریعہ ہو) یا کوئی حیلہ ہو (مثلاً کسی قسم کا ہدیہ وغیرہ ہو) بھلا کوئی پیشہ (کام) بلا آلات بھی ٹھیک ہوا ہی (اسی طرح حاضری کے لیے آلہ و ذریعہ ہونا چاہیے) جیسے مجنون کا قصہ ہی کہ اُسنے کسی سے سُنا لیلی کچھ بیمار ہوگئی ہے کہنے لگا افسوس بے بہانہ کیسے جاؤن اور اگر عیادت سے رہ جاؤن تو میرا کیا حال ہوگا کاش مین طبیب حاذق ہوتا کہ لیلی کے پاس شوق سے جاتا (یعنی طب کا بہانہ ہوجاتا) حق تعالیٰ نے اسی واسطے ہمکو قل تعالوا فرمادیا ہے (یعنی پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم کو ارشاد ہی کہ آپ لوگون سے فرمائیے کہ آؤ) تاکہ ہمارے واسطے یہ ایک ایسا حکم ہوجاوے جس سے ہماری شرم کھل جاوے (یعنی بے وسیلہ جانے سے شرم آتی ہے جب خود ہی بلالیا تو کچھ حجاب کم ہوگیا یہ مضمون محض ایک نکتہ ہی ورنہ اُسکو مراد قرآنی کہنا بعد سے خالی نہین آگے اِسی ضرورت آلہ و ذریعہ کی تائید ہے کہ) شب پرون کے پاس اگر نظر اور آلہ ہوتا (یہ عطف تفسیری ہی یعنی اُنکی نظر ایسی ہوتی جو نور آفتاب کی برداشت کرتی کہ وہ ذریعہ ہوجاتی ادراک آفتاب مین) تو دن کے وقت اُن کو جولانی اور خوشحالی میسر ہوتی (پس فقدان آلہ کے سبب استفاضۂ نور سے محروم ہین)۔

گفت چون شاہ کرم میدان رود	عین ہر بے آلتے آلت شود
زانکہ آلت دعوی است و ہستی است	کار در بے آلتے و پستی است

(میدان کا مضاف الیہ موہبت مقدر ہی یعنی) عورت نے کہا کہ جب شاہ کریم میدان عطا مین چلتا ہی (یعنے دینے پر آتا ہے) تو خود بے آلتی ہی آلہ ہو جاتی ہی کیونکہ آلہ تو (ایک قسم کا) دعوی اور انانیت ہے (کہ ہم باسامان ہین جس سے استغنا مترشح ہوتا ہی) بڑی بات تو بے آلتی اور پستی مین ہی (جس مین پوری نیازمندی و اظہار احتیاج ہی) (اسمین اشارہ ہے کہ بندہ کو چاہیے کہ اعمال پر عُجب اور آلہ نجات ہونیکی حیثیت سے مدعیانہ نظر نہ کرے کہ نجات محض رحمت سے ہوگی جیسا حدیث مین مُصَرح ہی اور اعمال کو خلوص و محبت سے بطور خدمت کے نیازمندانہ و سائلانہ بجالاوے پس نفی ذات آلہ کی مقصود نہین بلکہ صفت آلیت کی جیسا احقر نے ذرا قبل سرخی دل نہادن مرد عرب سے مفصل بیان کیا ہے)

گفت کے بے آلتے سودا کنم	تا نہ من بے آلتے پیدا کنم
پس گواہی بایدم بر مفلسی	تا شہم رحمے کند در مفلسی

مرد نے کہا کہ بے آلتی (اور نیستی) کا خیال (اور دعوی) کب کر سکتا ہون (کہ اس حیثیت سے چلا جاؤن) جب تک (مقام اور حال) بے آلتی (کا) پیدا نہ کر لون (یعنی جب تک ایسا خلوص دل مین پیدا نہو جاوے کہ ان تکلفات و آلات سے بالکل نظر اُٹھ جاوے اُسوقت تک تصنع سے کسطرح اس مخلصانہ بے آلتی کی وضع بنا کر جا سکتا ہون کہ تصنع ضرور کھُل جاتا ہی اور بدون اتصاف حقیقی کے ہمت نہین پڑتی) تو اس صورت مین (کہ نہ وہ مقام ہی اور نہ کوئی ہدیہ ہی) مفلسی کا کوئی گواہ چاہیے (گواہ سے مراد اتصاف بصدق و خلاص ہی) تاکہ بادشاہ مفلسی میں مجھپر رحم کرے اور اثر اخلاص سے ثابت ہو جاوے کہ ہدیہ نہ لانا نہ اخلاص کے دعوی کا ذبہ سے ہی نہ ہماری بے تعظیمی سے ہی بلکہ سبب اُسکا افلاس ہی اور اسمین اشارہ ہے کہ ناقص غیر صاحب حال کو اپنے مرتبہ سے بڑھ کر اہل حال کے سے مقالات یا حالات بنانا تکلف سے مذموم ہے اور رہا صاحب حال سو وہ اُن مقامات و حالات مین خود مضطر ہو گا)

تو گواہی غیر گفت و گو و رنگ	وا نما تا رحم آرد شاہ شنگ
کاین گواہی کش ز گفت و رنگ بد	نزد آن قاضی القضاة آن جرح شد
پس گواہی نا بدون می بایدم	بے گواہی برون مے بایدم
صدق می باید گواہ حال او	تا بتابد نور او بے قال او

(مولانا بطور انتقال کے فرماتے ہین کہ) اے سالک تو بھی کوئی شاہد اس قال و وضع ظاہری کے علاوہ دکھلا جیسا وہ عرب اپنے قال اور ظاہری حال پر قناعت کر کے شاہد صدق و اخلاص ڈھونڈتا تھا تاکہ شاہ محبوب کو مجھپر رحم آوے (مراد اس شاہد سے اخلاص ہی اور علاوہ کے معنی یہ ہین کہ اعمال ظاہری بھی ہین اور یہ شاہد

(بھی ہو) کیونکہ یہ ظاہری شاہد جو (صرف) گفتار اور رنگ کا ہو اس احکم الحاکمین کے نزدیک مجروح ہو چکا ہے (اور کسی عبادت کا بدون اخلاص قبول نہ ہونا ظاہر ہے آگے تتمہ ہے مقولہ عرب کا بطور تفریع کے) پس اس صورت مین کوئی شاہد باطنی (یعنی صدق و اخلاص) مجکو ضروری ہو نہ یہ کہ ظاہری شاہد کی حاجت ہے کیونکہ آدمی کا شاہد حال صدق و خلوص چاہیے تاکہ اُسکا نور خلوص بے زبان سے کہے (دوسرے شخص پر) ظاہر ہو جاوے۔

ہدیہ بردن عرب سبوے آب باران از میان بادیہ سوے بغداد نزد خلیفہ و پنداشت کہ آنجا قحط آب ست

گفت زن صدق آن بود کز بود خویش	پاک برخیزی تو از مجہود خویش
آب باران ست ما را در سبو	ملکت و سرمایۂ و اسباب تو
این سبوے آب را بردار و رو	ہدیہ ساز و پیش شاہنشاہ شو
گو کہ ما را غیر زین اسباب نیست	در مفازہ ہیچ بہ زین آب نیست
گر خزینہ‌اش پر ز زر و گوہرست	اینچنین آبش نباشد نادرست

(یعنی عورت نے کہا کہ تو صدق کی ضرورت ثابت کر رہا ہو تو) صدق یہی ہو کہ اپنے وجود اور اپنی قدرت سے صاف الگ ہو جاوے (جیسا اوپر گفت چون شاہ کرم الخ کی شرح مین گذر چکا ہے) اور اگر علی سبیل التنزل ہدیہ اور وسیلہ کی ضرورت ہی تسلیم کر لیجاوے تو ہمارے پاس تو ایک عظیم الشان ہدیہ موجود ہے (یعنی) بارش کا پانی ہمارے گھڑے مین بھرا رکھا ہو جو کہ تیری سلطنت اور تیرا سرمایہ و اسباب ہے بس اس سبو کو اُٹھا اور جا اور بادشاہ کے روبرو اسکو ہدیہ گذران اور اس سے کہنا کہ ہمارے پاس بجز اسکے اور کچھ اسباب نہین اور تمام جنگل مین اس سے بہتر پانی نہین ہے اور بادشاہ کا خزانہ گو زر و گوہر سے معمور ہے مگر ایسا پانی اُسکے یہان بھی نہ ہوگا یہ تو ایک کمیاب چیز ہے۔

چیست آن کوزہ تن محصور ما	اندرو آب این حواس شور ما
اے خداوند این خم و کوزہ مرا	در پذیر از فضل اللہ اشتری
کوزۂ با پنج لولہ پنج حس	پاک دار این آب را از ہر نجس
تا شود زین کوزہ منفذ سوے بحر	تا بگیرد کوزۂ تو خوے بحر
تا چو ہدیہ پیش سلطانش بری	پاک بیند باشدش شہ مشتری
بے نہایت گردد آبش بعد ازان	پر شود از کوزۂ تو صد جہان
لولہا بربند و پر دارش ز خم	گفت غضوا عن ہوا ابصارکم

(یہ مقولہ مولانا کا ہے بطور استقبال کے کہ) تم جانتے ہو وہ کوزہ یعنی گھڑا (جو عرب لے چلا ہے) کیا چیز ہے (یعنی کس چیز کی مثال ہے) وہ ہمارا تن ہے جو گور کی طرح تنگ و تاریک ہے اور اسمین جو پانی تھا وہ ہمارے حواس ہین جو محض آب شور کے مثل ہین (یعنی جسطرح اُسکا بدنما گھڑا اور بدمزہ پانی بادشاہ نے قبول کر لیا تھا اسیطرح ہماری ہستی کہ سراسر عیب و نقصان ہے اگر بادشاہ حقیقی کی راہ مین صرف کیجاوے اور یہی پیش کرتا ہے تو وہ قبول فرما لیتے ہین اب مناجات فرماتے ہین کہ) اے اللہ میرے اس خم اور کوزہ کو (کہ میری ہستی ناقص ہے) آپ اپنے فضل سے قبول فرما لیجیے جیسا ارشاد ہے ان اللہ اشترى من المؤمنين الآیۃ (آگے اپنے نفس کو یا ہر سالک کو خطاب ہے کہ یہ تن) ایک کوزہ ہے جسمین پانچ حواس کی پانچ ٹونٹی لگی ہین (کہ ان مین سے مدرکات و محسوسات ذہن مین پہونچتے ہین اور خیالات ذہنیہ ان ہی کے ذریعہ سے صورت عمل مین ظاہر ہوتے ہین اس لیے مشابہ ٹونٹی کے ہوئے) پس اسکے پانی کو ہر نجس (یعنی اعمالِ قبیحہ و صفاتِ ذمیمہ سے) پاک رکھ تاکہ اس کوزہ (تن) سے دریا (یعنی ذاتِ حق) تک ایک (باطنی) راہ (یعنی معیت) ہو جاوے تاکہ یہ تیرا کوزہ (اس اتصال سے) دریا کے اخلاق حاصل کر لے (معیت و نسبت باطنی سے تخلق باخلاق اللہ و اتصاف بصفات حق ضروری ہے) تاکہ جب اسکو سلطان السلاطین کے سامنے بطور ہدیہ لیجاوے تو سلطان اُسکو پاک دیکھے اور خرید فرما لے (یعنی تجکو مقبول کر لے) اُس کے بعد اسکا پانی (یعنی علوم و حقائق) بے انتہا (بمعنے لا تقف عند حد) ہو جاوے (یعنی واردات کا انقطاع نہو) اور تیرے کوزے سے (یعنی اُس کے فیوض سے) صدہا جہان پر ہو جاوین (یعنی اہل عالم کو تیرا فیض پہونچے) پس (اس کوزے کے پاک رکھنے کے لیے) ٹونٹیان بند کر دے (یعنی معاصی و شہوات سے روک) اور ان کو آب خم سے پُر رکھ (اوپر شعر مناجات خم و کوزہ کا اتحاد مصرح ہے یعنی اُن حواس کو مطالعۂ احوال باطنی مین مشغول رکھ اور صور خارجیہ کی طرف التفات مت کر جیسے ٹونٹی جو خم کے اندر پانی سے پُر ہو) چنانچہ حکم ہے کہ بند رکھو ہوائے نفسانی سے اپنی آنکھین (یہ تفسیر ہے آیہ قل للمؤمنین یغضوا من ابصارہم کی)۔

ریش او پر باد کاین ہدیہ گر است
لائق چون آن شہے اینست راست

وان نمیدانست کانجا بر گذر
ہست جاری دجلۂ ہمچون شکر

در میان شہر چون دریا روان
پر ز کشتیہا و شست ماہیان

رو بر سلطان و کار و بار بین
تحسن تجری تحتہا الانہار بین

(رجوع ہے قصہ کی طرف) یعنی اس اعرابی کے دماغ مین ہوا بھری تھی کہ واقعی ایسا ہدیہ کس کے پاس ہوگا اور ایسے بادشاہ کے لائق (شان) یہ ٹھیک ہے اُس (غریب) کو یہ خبر نہ تھی کہ وہان گذرگاہ پر نہر دجلہ شیرین جاری ہے اور شہر کے اندر بحر اعظم کی طرح روان ہے اور تمام کشتیون اور مچھلیان پکڑنے کی شست سے پُر ہے (مولانا اُس کو خطاب حالی کرتے ہین کہ) ذرا سلطان کے یہان جا اور وہان کا کاروبار اور

نہرون کے جاری ہونے کا تماشا دیکھ (کہ حقیقت اپنے ہدیہ کی معلوم ہو)

اینچنین جسہا و ادراکات ما ۔ قطرہ باشد در آن بحر صفا
بازجوے و بازبین و بازیاب ۔ بازکہ از من عندہ ام الکتاب

(بطور استقبال کے فرماتے ہین کہ) اسیطرح (مثل آب سبو کے) ہمارے محسوسات و ادراکات ہین یعنی علوم و تحقیقات جنپر نازہے) اس بحر صاف (ذات وصفات حق) کے روبرو محض (قطرہ کی طرح) بے حقیقت ہین (پس ہمکو چاہیے کہ اسکو فنا کرکے اُسکو طلب کرین جیسا فرماتے ہین کہ) اُسی کو طلب کر۔ اُسی کا مشاہدہ کر اُسی کو حاصل کر آگے سوال ہے کہ کس سے طلب کرین (پھر جواب ہے کہ) اُس ذات سے جسکے پاس ام الکتاب (یعنی لوح محفوظ یا علم قدیم) ہے (مراد حق تعالےٰ یعنی آن کو اُن ہی سے طلب کرو جیسا کہا گیا ہے کہ ؎ نتوان ترا یافت الا بتو)

در نمد دوختن عرب سبوے آب باران را و بردن نزد خلیفہ

مرد گفت آرے سبو را سر بہ بند ۔ ہین کہ این ہدیہ ست ما را سودمند
در نمد در دوز تو این کوزہ را ۔ تا گشاید شہ بہدیہ روزہ را
کاینچنین اندر ہمہ آفاق نیست ۔ جز رحیق و مایۂ اذواق نیست
زانکہ ایشان ز آبہاے تلخ و شور ۔ دائما پر علت اند و نیم کور
مرغ کاب شور باشد مسکنش ۔ او چہ داند جاے آب روشنش

(اوپر ریش او پر بلا لغ مین اس اعرابی کا خیال مذکور تھا یہان اُسکا مقال جو اب زبانی ہے کہ) اس مرد نے کہا کہ ہان اس سبو کا منھ (کسی چیز سے) بند کردے (تاکہ چھلک نجاوے) بیشک یہ ہدیہ ہمارے لیے خوب نافع ہے اور اوپر سے اِسکو نمدے مین سی دے (کہ ٹوٹنے سے محفوظ رہے) تاکہ اس ہدیہ سے بادشاہ روزہ افطار کرے (یعنی یہ اس قابل ہے) کیونکہ ایسا پانی تمام عالم مین نہین ہے بجز شراب خالص و رمایۂ لذات کے اور کچھ (اِسکو کہنا زیبا) نہین ہے (آگے مولانا اُسکی لغویات کی وجہ بیان فرماتے ہین یعنی وہ) اس سبب سے کہہ رہا تھا کہ یہ اعرابی لوگ آب تلخ وشور سے ہمیشہ پر علت اور ضعیف البصر رہتے ہین (کیونکہ آب شور سے ضعف بصر ہوتا ہے یعنی چونکہ خود ہمیشہ ایسے ہی پانی استعمال مین لاتے ہین وہ اسی کو جانتے ہین (کیونکہ جس مرغ کا آب شور مسکن ہو وہ اپنے (حصہ کی) آب روشن کی جگہ کیا جانے (حصہ اس لیے کہا کہ طلب سے مل سکتا تھا ہکذا فسر کلمۃ الشان مرشدی رحمہ اللہ تعالےٰ)

ایکہ اندر چشمۂ شورست جات ۔ تو چہ دانی شط جیحون و فرات
اے تو نارستہ ازین فانی رباط ۔ تو چہ دانی صحو و سکر و انبساط

در بدانی نقلت از آب وجد ست	پیش تو این نامها چون ابجد ست
ابجد و هوز چه فاش ست و پدید	بر همه طفلان و معنی ناپدید

(بطور انتقال کے ارشاد ہی کہ اسی طرح) تمہارا مسکن تو چشمۂ شور بن لا ہی تم جیحون و فرات کا کنارہ کیا جانو (یعنی علوم حسیہ وعقلیۂ محضہ مین گرفتار ہو علوم حق کو کیا جانو اب علوم کے بعد حالات باطنہ کو کہتے ہین کہ) تم تو ابھی اس فانی سرای سے (یعنی مشغولی دنیا سے) نہین چھوٹے پس تم صحو وسکر وبسط کو (جو حالات باطنی ہین) کیا جانو اور اگر (برائے نام) جانتے ہوگے تو جیسے باپ دادا سے نقل کیا کرتے ہین (اسی طرح تم زرگون سے الفاظ سُن لیے ہونگے) اور تمہارے سامنے تو یہ اسماء ایسے ہین جیسے ابجد (مراد الف بے تے الخ) یعنی ابجد ہوز دیکھو اطفال مین کسقدر شائع وذائع ہین مگر انکی غرض (بچون) پر ظاہر نہین ہی (اہل علم جانتے ہین کہ ترکیب کلام ان کی غرض ہی)

پس سبو برداشت آن مرد عرب	در سفر شد میکشیدش روز و شب
بر سبو لرزان بد از آفات دهر	هم کشیدش از بیابان تا بشهر
زن مصلّے باز کرده از نیاز	رب سلّم ورد کرده در نماز
که نگهدار آب ما را از خسان	یا رب این گوهر بدان دریا رسان
گرچه شویم آگه ست و پرفن ست	لیک گوهر را هزاران دشمن ست
خود چه باشد گوهر آب کوثر ست	قطرهٔ زین ست کاصل گوهر ست
از دعاهاے زن و زاری او	وز غم مرد و گرانباری او
سالم از دزدان و از آسیب سنگ	برد تا دار الخلافت بیدرنگ

غرض وہ سبو اٹھاکر اعرابی سفر مین چلا اور شب وروز اسکے لے جانے سے کام تھا اور آفات زمانہ سے اس سبو پر اندیشہ کرتا جاتا تھا اسیطرح جنگل سے (جسمین وہ رہتا تھا) شہر (بغداد) تک لیے جاتا تھا ادھر عورت جانماز بچھاکر بہایت تضرع وزاری سے (اوقات) نماز مین یہ وظیفہ پڑھ رہی تھی کہ اے پروردگار صحیح وسلامت پہونچا دیجیے یعنی ہمارے پانی کو کمینے چورون سے محفوظ رکھیے اور اس موتی کو (یعنی اُسی پانی کو) اس دریائے سخاوت یعنی خلیفہ تک پہونچا دیجیے اگرچہ میرا شوہر ہوشیار اور ہنرور ہی لیکن پھر بھی موتی کے ہزارون دشمن ہوتے ہین (اور وہ پانی مثل موتی کے ہی آگے ترقی ہی کہ) موتی کی بھی کیا حقیقت ہی وہ تو آب کوثر ہے اور جو پانی موتی کا اصل مادہ ہی (یعنی جس سے موتی بنتا ہی) وہ اسی (ہمارے) پانی کا تو ایک قطرہ ہی غرض عورت کی دعا وزاری اور مرد کی مشقت اور جفاکشی کی بدولت چورون سے اور ٹوٹنے پھوٹنے سے محفوظ رہا و دار الخلافت تک اُسکو لیکر پہونچا۔

دید درگاهے پر از انعامها	اہل حاجت گسترید ه دامها

دیدم هر سوی صاحب حاجتی	یافته زان در عطا و خلعتی
بهر گبر و مؤمن و زیبا و زشت	یا همچو خورشید و مطر بل چون بهشت
دید قومی در نظر آراسته	قوم دیگر منتظر برخاسته
خاص و عامه از سلیمان تا به مور	زنده گشته چون جهان از نفخ صور
اہل صورت زان جواہر یافته	اہل معنی بحر نادر یافته
آنکه بی همت چه با همت شده	وانکه با همت چه با نعمت شده
بانگ می آمد کہ ای طالب بیا	جود محتاج گدایان چون گدا

(دیکھتا کیا ہو کہ ایک درگاہ ہے کہ داد دہش سے معمور ہے اور اہل حاجت نے اپنے اپنے دام بچھا رکھے ہین (دام سے مراد سوال ہی جو سبب ہوتا ہی عطا کا) برابر ہر طرف اہل حاجت کو اس درگاہ سے عطا و خلعت مل رہے ہین اور (بلا تخصیص) کافر مؤمن۔ بھلے۔ بُرے سب کے لیے آفتاب اور بارش بلکہ بہشت کیطرح دروازہ فیض کا کھلا ہے شاید بہشت کے باب مین کسیکو شبہہ ہو تو سمجھو کہ بہشت بھی سب ہی کے لیے کشادہ ہی اور اسکی طرف سب کو مدعو کیا جاتا ہے کوئی خود ہی نہ جاوے تو ایسی مثال ہی جیسے کوئی عمر بھر نور آفتاب سے منتفع نہ ہو تو اُس کے عموم مین کیا خلل ہے) ایک قوم کو دیکھتا ہی کہ (بادشاہ کے) پیش نظر آراستہ ہوئی کھڑی ہین۔ دوسری قوم ہے کہ (احکام شاہی کے) منتظر کھڑے ہین تمام خواص و عوام غنی سے لیکر فقیر تک سب مین جان آرہی ہے جس طرح نفخ صور سے جہان مین جان آجاوے گی اہل صورت (یعنی طالبان اموال ظاہری) کو جواہرات مل رہے ہین اور اہل معنی (یعنی طالبان قرب و خوشنودی) کو اور ہی عجیب دولت یعنی رضا جو اموال کے ساتھ وہ نسبت رکھتی ہی جو دریا کو جواہرات سے حاصل ہو رہی ہی جو بے ہمت تھے وہ (ہمت شاہی کو دیکھکر) باہمت ہو رہے ہین اور جو باہمت تھے وہ کس قدر بالنعمت ہو گئے ہین اور (غایت وفور کرم سے منادی کی) آواز آرہی ہی کہ کوئی مانگنے والا ہی تو چلے اُسکو دیا جاویگا اور پھر احسان نہ جتلایا جاویگا کیونکہ خود جود و کرم کو بھی سائلون کی ضرورت ہی (ورنہ کرم کس پر ہو تو ہم اپنی ضرورت سے بھی دیتے ہین نہ صرف انکی ضرورت سے پھر احسان کیون جتلاوینگے اور یہ غایت کرم ہے کہ خود سائلون کو بلانا اور اُن پر احسان نہ جتلانے کا اظہار کر دینا کہ کسی کو شرمندگی نہو)

در بیان آنکه چنانکه گدا عاشق کریم ست کریم هم عاشق گدا است اگر گدا را صبر بیش بود کریم بر در او آید و اگر کریم را صبر بود گدا بر در او آید اما صبر گدا کمال گدا و صبر کریم نقصان کریم ست

جود محتاج ست خواهد طالبی	همچنانکه توبه خواهد تائبی

روے خوبان ز آئینہ زیبا شود / روے احسان از گدا پیدا شود
پس ازین فرمود حق در والضحیٰ / بانگ کم زن اے محمدؐ بر گدا
چون گدا آئینۂ جود ست ہان / دم بود بر روے آئینہ زیان

(اوپر منادی کا قول تھا جود محتاج گدایان۔ یہ اشعار اس سے مربوط ہین اور مقولہ ہے مولانا کا یعنی مخلوقات کی صفت جود (اپنے ظہور مین) محتاج ہے سائل کو چاہتی ہے اور اسکی ایسی مثال ہے جیسے توبہ کا تحقق تائب کے وجود کو مقتضی ہے اسی طرح صفت جود سائلون اور غریبون کے ہونے کو مقتضی ہے جسطرح حسین لوگ کہ صاف آئینہ کو تلاش کرتے ہین کیونکہ حسین لوگون کے چہرہ کی زیبایش آئینہ سے (ظاہر) ہوتی ہے اسیطرح احسان کی صورت کا سائل سے ظہور ہوتا ہے (کیونکہ اگر سائل و محتاج نہون تو اسخیاء کی سخاوت کس طرح ظاہر ہو اور اسخیاء اس ظہور کے محتاج اسلیے ہین کہ اس سے ثواب ملتا ہے اور اس احتیاج الی الظہور سے یہ شبہہ مرتفع ہو گیا کہ خالق کی صفت جود کا ظہور بھی تو موقوف ہے وجود طالب پر وجہ ارتفاع یہ ہے کہ وہ خود محتاج ظہور نہین لہذا توقف ظہور مستلزم احتیاج الی الخلق نہین خوب سمجھ لو) پس اسیوجہ سے حق تعالیٰ نے سورۂ والضحیٰ مین فرمایا ہے کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم سائل کو جھڑکو مت (جیسا ارشاد ہے واما السائل فلا تنہر) کیونکہ جب سائل صفت جود کا آئینہ (کیطرح مظہر) ہے تو ظاہر ہے کہ آئینہ پر پھونک مارنے سے زیان ہوتا ہے (اور تاریک ہو جاتا ہے) اسیطرح سائل کو جھڑکنے سے اسکا قلب مکدر ہو جاتا ہے اور اس شخص کا عمل سخاوت صادر ہونے سے رہ جاتا ہے جس سے حرمان ثواب نصیب ہوتا ہے۔

آن یکے جودش گدا آرد پدید / وان دگر بخشد گدایان را مزید
پس گدایان آئینۂ جود حق اند / وانکہ با حق اند نور مطلق اند
وانکہ جز این دو بود خود مردہ است / او برین در نیست نقش پردہ است

(اوپر گدا کو آئینہ جود کہا ہے یہان گدا اور اہل جود کے بعض اقسام بیان فرماتے ہین کہ جواد کی دو قسمین ہین) ایک وہ شخص ہے جسکی جود گدا کو (اسکے پاس) لا حاضر کر دیتی ہے (یعنی یہ گدا کو تلاش نہین کرتا بلکہ گدا اسکی شہرت جود سنکر اسکی تلاش مین آتا ہے) دوسرا وہ شخص ہے جو گدا اون کو (از خود) عطاے مزید دیتا ہے (یعنے خود گدا کو تلاش کر کے اسکو دیتا ہے تو گدا کو تلاش کرنا دینے پر مزید ہے پس قسم اول ناقص ہے اور دسری مین اسی کو کہا ہے صبر کریم نقصان الکریم ست اور قسم دوم کامل جیسا ظاہر ہے اور گدا ؤن کی تین قسم ہین جیسا فرماتے ہین کہ) پھر گدا کی قسمین سے بعض گدا تو جود حق کے مظاہر ہین (ایک قسم تو یہ ہوئی مراد ان سے وہ محتاج ہین جو صبر و قناعت کئے اللہ تعالیٰ کے نام پر بیٹھے ہین جنکی نسبت آیا ہے لایسئلون الناس الحافا۔ انکو آئینہ جود حق اسواسطے کہا کہ بلا کسی ظاہری حیلہ کے جو اللہ تعالیٰ انکو رزق دیتے ہین تو اس عجیب طور پر دینے سے اللہ تعالیٰ کی صفت جود و رزاقی کا پورا ثبوت اور ظہور ہوتا ہے اور اس ظہور سے جو شبہہ احتیاج الخالق الی الخلق فی الظہور ہو سکتا تھا اسکو اوپر کے شعر روے خوبان الخ کی شرح مین دفع کر چکا ہون کہ احتیاج جب ہوتی جب خود ظہور محتاج الیہ ہوتا

وہان خود ظہور ہی کی احتیاج نہین اپنے ارادہ و اختیار سے خدا جانے کن کن حکمتون کے واسطے ظہور فرمایا ہی) اور جو درویش با حق ہین (یعنی ان کو نسبت معیت و مقام قرب حاصل ہی ان کو گدا کہنا محض مجاز ہی بلکہ) وہ خود جود مطلق ہین (کیونکہ جب اپنی صفات کو فنا کر کے متصف بصفات حق ہو گئے تو صفات حق مین سے جود مطلق بھی ہی اس کے ساتھ ہی ان کو تخلق ہوا اس لیے ان کی جود گویا جود مطلق ہو گئی حدیث مین بھی ہی اعنی غنی القلب اور یہ قسم دوم ہی جو اول سے کامل ہی) اور جو گدا ان دونون قسمون کے علاوہ ہو (یعنی نہ صابر ہو نہ کامل ہو بلکہ بیصبر طامع و حریص ہو خواہ تہذیب سے سوال کرتا ہو جیسے مکار و ریاکار لوگ بزرگون کی وضع تحصیل مال و جاہ کے لیے بنا لیتے ہین اور خواہ بے حیائی سے مانگتا ہو جیسے ٹکر گدے پھرتے ہین یہ تیسری قسم ہی تو) ایسا شخص خود مردہ ہی (کیونکہ اسمین آثار حیات حقیقیہ کے نہین) وہ اس دروازہ (قبول عند الحق) پر آنے کے لائق نہین بلکہ نقش پردہ (کی طرح بیرون در) ہے۔

فرق میان آنکہ درویش ست بخدا و تشنہ خدا و آنکہ درویش ست از خدا و تشنہ غیر

یک درویشے کہ او تشنہ خداست ‌‌ ‌ ہست دائم از خدایش کار دست

یک درویشے کہ تشنہ غیر شد ‌ ‌ او حقیر و ابلہ و بے خیر شد

نقش درویش ست او نے اہل جان ‌ ‌ نقش سگ را تو میندار استخوان

فقر لقمہ دارد او نے فقر حق ‌ ‌ پیش نقش مردہ کم نہ طبق

ماہی خاکی بود درویش نان ‌ ‌ شکل ماہی لیک از دریا رمان

نقش ماہی کے بود درویش آب ‌ ‌ آن ز بے آبی بگردد خراب

مرغ خانہ است او نہ سیمرغ ہوا ‌ ‌ لوت نوشد او نہ نوشد از خدا

(اوپر قسم ثالث کا ذکر تھا اس سے استدراک کر کے قسم ثانی کا بیان فرماتے ہین کہ) لیکن جو درویش کہ تشنہ (و مشتاق) حق تعالیٰ کا ہی اسکا معاملہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ سے ٹھیک رہتا ہی (اب پھر قسم اول سے استدراک کر کے قسم ثالث کا بیان کرتے ہین تاکہ مقصود کہ بیان فرق ہی جیسا مرخی ہین مذکور ہی اچھی طرح واضح ہو جاوے یعنی) لیکن جو درویش کہ غیر اللہ کا تشنہ و طالب ہی وہ محض ذلیل اور احمق اور بے خبر ہی اور وہ محض درویش کی صورت بے جان ہی تم نقش سگ کے سامنے ہڈی مت ڈالو (یہ تمثیل ہی یعنی نقش کے ساتھ اصل کا سا معاملہ مت کرو اب کچھ شبہہ نہ رہا) اور وہ شخص لقمہ کا فقیر ہی حق تعالیٰ کا فقیر نہین ہی تم نقش مردہ کے روبرو طبق مت رکھو (ممکن ہی کہ یہ مراد ہو کہ اسکو مال مت دو جیسا حدیث مین ہی لا یاکل طعامک الا تقی یہ تو ہدیہ و دعوت مین ہی اور اگر اسکے مہذب یا غیر مہذب سوال پر دیا جاوے تو جس صورت مین اس کے پاس مال یا قوت اکتساب ہو اسکو مانگنا تو حرام ہی ہی مگر اسکو دینا بھی فقہاء نے حرام

لکھا ہی کیونکہ اعانت علی المعصیۃ ہی اگر کوئی نہ دے تو بھیک مانگنا اور مکر و فریب کرنا چھوڑ دین اور جسکو سوال درست ہی اسکا یہان ذکر ہی نہین اُسکو دینا جائز بلکہ ضروری ہی) اور اس درویش حریص خالی از کمالات) کی مثال ماہی خاکی کی ہی (یعنی زمین پر یا دیوار پر جو ماہی کی تصویر بنا دیتے ہین) کہ وہ شکل تو ماہی کی ہوتی ہی مگر دریا سے بھاگتی ہے (یعنی پانی کی طالب و مشتاق نہین ہوتی جیسا فرماتے ہین کہ) نقش ماہی پانی کی محتاج و طالب کب ہوتی ہے اور پانی نہونے سے وہ کبھی پریشان اور مضطرب نہین ہوتی (ایسا ہی یہ درویش درویشون کی شکل تو ہے مگر حق تعالیٰ کا طالب و مشتاق نہین نہ اُسکو بعد حق سے کچھ بے چینی ہی دوسری مثال اُسکی یہ ہی کہ) وہ مرغ خانہ کے مثل ہی نہ سیمرغ ہوا کے مثل (یعنی عالم سفلی کی طرف مائل ہی نہ عالم علوی کی طرف) وہ لذیذ لذیذ کھانے کھانا جانتا ہی خدا تعالیٰ (کے فیوض) سے کچھ نصیب نہین ہوتا۔

عاشق حق ست او بہر نوال	نیست جانش عاشق حسن و جمال
گر تو ہم میکند او عشق ذات	ذات نبود وہم اسما و صفات
وہم زائیدہ ز اوصاف و حدست	حق نزائیدہ است او لم یولدست
عاشق تصویر و وہم خویشتن	کے بود از عاشقان ذوالمنن

اوپر درویشان حریص کا بیان تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے طالب نہین ہین اب ترقی کرکے فرماتے ہین کہ اگر ایسے شخص کے قلب مین کسی بزرگ کی صحبت یا برکت فکر سے کچھ اثر محبت آلہی کا بھی پایا جاوے تو اعتبار کے قابل نہین کیونکہ وہ حق تعالیٰ کا عاشق نعمت کے واسطے بن رہا ہی (یعنے خدا تعالیٰ نے جونکہ خوب نعمتین دے رکھی ہین طبعی طور پر کہ منعم کے ساتھ قلب کا تعلق ہوتا ہی کچھ محبت آلہی اُس کے قلب مین گدگداتی ہی) اور حسن و جمال (حق) کا وہ ہرگز عاشق نہین اور اگر وہ خود بھی توہم رکھتا ہو کہ مین ذات (حق) کا عاشق ہون تو اُسکی غلطی ہی کیونکہ اُس نے جیسا حق تعالیٰ کو خیال کر رکھا ہی خدا تعالیٰ اُس سے منزہ ہین پس) وہ ذات حق نہین ہی بلکہ اسماء و صفات آلہیہ کا ایک (فرضی) خیال ہی (اسماء و صفات بھی نہین ورنہ اُنکا عاشق تو حکم مین عاشق ذات ہی کے ہی یعنی چونکہ اسکو حال نصیب نہین اسلیے صفات حق اس پر متجلی نہین اور بدون تجلی کے معرفت نہین ہوتی لہذا وہ محض تصور صفات ہی) اور اُس سے محبت ہی اور وہم و تصور اوصاف وحدود سے پیدا ہوتا ہی (کیونکہ جو شخص صاحب حال نہین اور اسماء و صفات کا علم بدیہی ہی نہین۔ تو لابد قوت فکریہ سے معلومات تصوریہ کو ترتیب دیکر حدود و رسوم بنا کر اُسکے ذریعہ سے علم عقلی حاصل کریگا پس علم جسکو وہم و تصور کہا ہی اوصاف یعنی رسوم وحدود سے زائیدہ ہوا) اور حق تعالیٰ زائیدہ ہین نہین بلکہ لم یولد ہین (پھر وہ تصور زائیدہ ذات حق کہان ہوا تو اُسکا عاشق عاشق حق نہوا چنانچہ فرماتے ہین کہ) جو اپنے وہمی تصور کا عاشق ہو وہ حق تعالیٰ کے عشاق مین سے کب ہو سکتا ہی (اور ہرچند کہ ذوق و وجدان وحال سے جو علم حاصل ہوتا ہی وہ بھی حصولی ہے کہ حصول صورت ذہنیہ سے ہے مگر چونکہ عدم

تنزل مین مثل حضوری کے ہی بخلاف علم نظری کے کہ زوال کو زیادہ محتمل ہی اسلیے علم حالی کو بمقابلہ علم نظری کے بمنزلہ علم حضوری کے قرار دیکر حصولی کو نظری کے ساتھ خاص کیا اور اسکو زائیدہ فکر کہا)

عاشق آن وہم گر صادق بود — آن مجازش تا حقیقت مے کشد
شرح مے خواہد بیان این سخن — لیک مے ترسم ز افہام کہن
فہمہائے کہنۂ کوتہ نظر — صد خیال بد در آرد در فکر
بر سماع راست ہر تن چیر نیست — طعمۂ ہر مرغکے انجیر نیست
خاصہ مرغ مردۂ پوسیدۂ — پر خیالے اعمے بے دیدۂ

(اوپر تعمیم ہی عاشق خیال و تابع قال کی اب بعض صورتون مین اسکا بھی نافع ہونا فرماتے ہین کہ) اُس خیال کا عاشق بھی اگر صادق ہو (یعنے صدق و خلوص سے طاعات و اعمال و ذکر مین لگ جاوے اور طلب مین مستعد ہو جاوے) تو وہ مجازی (معرفت) بھی اسکو حقیقی تک پہونچا دیتی ہی (یعنی خلوص و اعمال و ذکر کے انوار سے ذوق و حال میسر ہو جاتا ہی) اور اس مضمون کا بیان کرنا ذرا شرح کا محتاج ہی مگر مجکو پرانی فہمون سے (یعنی علماء رسمی و حکماء و متکلمین سے) اندیشہ (انکار کا) معلوم ہوتا ہی (کیونکہ یہ لوگ حالات و ذوقیات سے منکر ہین) ایسے افہام کہنہ کوتہ بین صدہا خیال بد (اعتراضات و شبہات) اپنی فکرون مین لاوینگے کیونکہ حقائق کے سننے پر ہر شخص قادر نہین (بلکہ مخصوص ہی صاحب حال کے ساتھ) جسطرح ہر مرغ کی غذا انجیر نہین پھر خاصکر ایسا مرغ جو محض مردہ اور بوسیدہ ہو (کہ قلب مین ذرا کیفیت نہو) اور نرے علوم خیالیہ سے بھرا ہوا ور (علوم محمودہ سے) نابینا ہو (اس سے مراد حکما و فلاسفہ ہین اور خصوصًا اسلیے کہا کہ متکلمین بوجہ علم کتاب و سنت و خشیت الٰہی کے محض بے کیف و نابینا نہین آخر خشیت ایک حالت ہی اسکا انکار نہین کر سکتے گو بعض حالات کا انکار کرین کتاب و سنت کے حقایق منقولہ کا انکار نہین کر سکتے گو علوم کشفیہ مین کلام کرتے ہون)

نقش ماہی را چہ دریا و چہ خاک — رنگ ہندو را چہ صابون و چہ زاک
نقش اگر غمگین نگارے بر ورق — او ندارد از غم و شادی سبق
صورتش غمگین و او فارغ از ان — صورتش خندان و او زان بے نشان
وین غم و شادی کہ اندر دل خفیست — پیش آن شادی و غم جز نقش نیست
صورت خندان نقش از بہر تست — تا ازان صورت شود معنی درست
صورت غمگین نقش از بہر ماست — تا کہ ما را یاد آید راہ راست

(اس مین رجوع ہی ان ابیات کی طرف ماہی خاکی بود الخ جسمین بیان تھا رسمی درویشون کا درمیان مین علم نظری و ذوقی کا بیان جملہ معترضہ کے طور پر آگیا تھا پس فرماتے ہین کہ جب اس رسمی درویش کی مثال نقش ماہی کی سی ہی تو) نقش ماہی کے لیے دریا اور خاک برابر ہی (یعنے وہ طالب دریا نہین جس طرح وہ درویش

طالب حق نہین) جیسے رنگ سیاہ زشت کے لیے صابون کیا اور پھٹکری کیا جس سے رنگ کو صاف کرتے ہین یعنی وہ دونون کو مقتضی نہین) اور اگر کسی ورق پر (مثلاً) ایک مغموم صورت بنا دو تو اُسکو حقیقی غم و شادی کچھ حاصل نہین صورت تو غمگین ہو مگر وہ غم سے خالی ہو اسی طرح اگر صورت خندان ہو جب بھی وہ اُس سے محض بے خبر ہی سی طرح یہ غم و شادی جو (ناقصین کے) قلب مین مضمر ہو (خواہ وہ ناقصین درویش کہلاتے ہون یا دنیادار) اُس غم و شادی کے روبرو (جو کاملین پر وارد ہوتی ہو جسکو قبض و بسط کہتے ہین) نقش سے زیادہ نہین (مطلب یہ کہ ان ناقصین کے حالات ظاہری و باطنی سب نقل محض و نقش صرف ہین حقیقی کمالات سے محروم ہین آگے اس ظاہری غم و شادی طبعی کی حکمت بیان کرتے ہین کہ) ان نقوش ظاہری کی صورت خندان یا اُنکی صورت غمگین تمھارے ہمارے (ہدایت کے) لیے ہو تاکہ اس ظاہر کو دیکھ کر باطن درست ہو اور تاکہ ہمکو راہ راست یاد ہو جاوے (خلاصہ حکمت کا یہ ہوا کہ یہ ظاہری کیفیات باطنی کیفیات کے نمونے ہین اگر یہ نہوتے تو باطن کا یقین نہین ہو سکتا تھا اور لوگ اُس سے محروم رہتے اب انکو دیکھ کر کسی قدر استبعاد دفع ہو جاتا ہے پھر طلب سے حصول ہو جاتا ہی پس از بہر ست اور از بہر راست مین تقسیم مقصود نہین بلکہ جمع کرنا حکم مین مقصود ہی جیسا ترجمہ سے ظاہر ہو گیا)

نقشہاے کاندرین حمامہاست	از برون جامہ کن چون جامہاست
تا برونے جامہا بینی و بس	جامہ بیرون کن درآ اے ہمنفس
زانکہ با جامہ درآنسو راہ نیست	تن ز جان جامہ ز تن آگاہ نیست
باز میگردم سوے قصہ عرب	از بیان سر و راز بوالعجب

(جامہا جمع جامہ نہ جام و قافیہ از قبیل این قافیہ ست خراب کجا تا بکجا کہ در دیوان حافظ واقع شدہ۔ و حمام در شعر اول غیر آن حمام ست کہ در شعر دوم ظرف مقدر در آہست۔ حمام اول دنیا کہ عالم ظاہر ست محض بمناسبت نقش آوردند و حمام ثانی عالم باطن ست کہ در برہنہ شدن در آن بحمام تشبیہ دادند جامہ کن درجہ حمام کہ در آن رسیدہ جامہا از تن دور کنند و اضافت بیرون بسوئیش بیانیہ ست او را باعتبار حمام برون گفتند۔ از بیان متعلق باز میگردم اوپر ظاہر کا ادنی اور باطن کا مقصود و اعلی ہونا بیان کیا ہو اب تحصیل باطن کا طریقہ ایک مثال مین تبلاتے ہین کہ) یہ موجودات ظاہری مثل نقوش حمام کے ہین جنکا نقش محض ہونا اوپر بھی مذکور ہوا ہی) ان کی مثال ایسی ہے جیسے حمام کے بیرونی درجہ جامہ کن مین کپڑے رہتے ہین سو جب تک حمام سے باہر ہو بدن پر کپڑے نظر آتے ہین ہان کپڑے اُتار دو اور حمام کے اندر چلے جاؤ کیونکہ کپڑون سمیت اُس طرف جانے کا راستہ نہین (اسی طرح عالم ظاہری یعنی اجسام اور صفات جسمانیہ مثل کپڑے کے ہین اور عالم باطن یعنی ارواح و صفات روحانیہ مثل حمام کے جب تک صفات جسمانیہ و شہوات نفسانیہ کے ساتھ موصوف رہوگے باطن تک رسائی نہوگی اُن سے تجرد و ترک تعلق کر دو باطن منکشف ہوگا پس تن کی مثال جامہ کی سی ہے وجہ تشبیہ یہ ہے کہ

تن کو جان کی خبر نہین (یعنی صفات روحانیہ سے بے ذوق ہی) جسطرح جامہ کو تن کی خبر نہین (کہ جسم مین کیا کیا صفات ہین اور اسی وجہ تشبیہ پر متفرع ہی دوسری وجہ کہ تن صاحب روح ہی جیسے جامہ صاحب تن درحقیقت اس حجاب کی وہی بے خبری ہی آگے فرماتے ہین کہ) اب ان اسرار عجیبہ کا بیان چھوڑ کر اُس سے قصہ عرب کی طرف رجوع کرتا ہون۔

پیش آمدن نقیبان خلیفہ بہر اکرام اعرابی و پذیرفتن ہدیۂ اورا

آن عرابی از بیابان بعید ... بر در دار الخلافت چون رسید
پس نقیبان پیش اعرابی شدند ... بس گلاب لطف بر رویش زدند
حاجت او فہم شان شد بے مقال ... کار ایشان بد عطا پیش از سوال
پس بدو گفتند یا وجہ العرب ... از کجائی چونی از رنج و تعب

یعنی وہ اعرابی بیابان دور سے (چل کر) دروازۂ دار الخلافت پر پہنچا پس نقیب لوگ اعرابی کے روبرو آئے اور گلاب لطف خوب اُسکے مُنہ پر چھڑکا (یعنی بلطف پیش آئے) اور اُسکی حاجت بے کہے اُنکی سمجھ مین آگئی کیونکہ اُن لوگون کا معمول بلا مانگے دینا (ادھر اسکی خستگی بتلا رہی تھی) پس انھون نے اُس سے کہا کہ اے وجہ العرب (یعنی بزرگ عرب) تو کہان سے آتا ہی اور رنج و تعب سے تیرا کیا حال ہی (بیان کر)

گفت وجہم چون مرا وجہے دہید ... بے وجوہم کر پس پشتم نہید
اے کہ در روتان نشان مہتری ... فرتان خوشتر ز زر جعفری
اے کہ یک دیدارتان دیدارہا ... اے نثار دیدتان دینارہا
اے ہمہ ینظر بنور اللہ شدہ ... از بر حق بہر بخشش آمدہ
تا زنید آن کیمیاہاے نظر ... بر سر مسہاے اشخاص بشر
من غریبم از بیابان آمدم ... بر امید لطف سلطان آمدم
بوے لطف او بیابانہا گرفت ... ذرہاے ریگ ہم جانہا گرفت
تا بدینجا بہر دینار آمدم ... چون رسیدم مست دیدار آمدم
بہر نان شخصے بر نانبا دوید ... داد جان چون حسن نانبا بدید
بہر فرجہ شد یکے تا گلستان ... فرجۂ او شد جمال باغبان
ہمچو اعرابی کہ آب از چہ کشید ... آب حیوان از رخ یوسف چشید
رفت موسے کاتشے آرد بدست ... آتشے دید او کہ از آتش برست
جست عیسے تا رہد از دشمنان ... بردش آن جستن بچارم آسمان

تا وجودش خوشۂ مردم شدہ	دام آدم خوشۂ گندم شدہ
ساعد شہ یابد و اقبال و فرا	باز آید سوے دام از بہر خور

اعرابی نے کہا کہ مین بزرگ اسوقت ہونگا جب آپ لوگ مجلو آبرو دینگے اور اگر پس پشت ڈالدینگے (یعنے اعراض کرینگے) تو محض بے آبرو ہون آپ ایسے لوگ کہ آپ کے چہرون سے نشان سرداری عیان ہے اور آپ لوگون کی شان زر خالص سے بھی خوشتر ہے اور آپ کا ایک دیدار (دوسرون کے) ہزارون دیدار کے قائم مقام ہے اور آپ کے دیکھنے پر دینا نثار کردینا چاہیے آپ سب کے سب ینظر بنور اللہ کے مصداق ہین (جیسا حدیث مین ہے اتقوا فراسة المومن فانہ ینظر بنور اللہ یعنے آپ لوگ اہل ایمان و عرفان مین) اللہ تعالیٰ کے یہان سے (دنیا مین) خاص داد و دہش ہی کے لیے آئے ہو تاکہ اپنی نظر کرم کی کیمیا کو افراد بشر کے تانبے پر لگا دو (کہ وہ اہل دولت ہوجاوین حالت میری یہ ہے کہ) مین ایک پردیسی ہون ایک بیابان سے آیا ہون اور بامید الطاف سلطانی آیا ہون کیونکہ اُن کے الطاف کے شہرہ نے تمام بیابان کو احاطہ کر رکھا ہے اور ریگ کے ذرون مین بھی (گویا) جان آرہی ہے اس وجہ سے یہان زر و دینار کے لیے آیا تھا لیکن یہان جو پہونچا تو (دینار وغیرہ سب بھول گیا آپ کے یا سلطان کے دربار سلطانی کے) دیدار مین مست ہوگیا یہ ایسی بات ہوگئی کہ ایک شخص روٹی کے لیے ایک نان بائی کے پاس آیا لیکن نان بائی کا جمال دیکھ کر جان جاتی رہی (یعنے عاشق ہوگیا) یا جیسے کوئی سیر کرنے کو باغ مین گیا وہان باغبان کا جمال اُسکا تماشا گاہ سیر ہوگیا یا مثلا اُس اعرابی نے کنوین سے پانی نکالا تھا اسکو حسن یوسفی سے آب حیات کی چاشنی نصیب ہوگئی یا جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام اس لیے (کوہ طور پر) آئے تھے کہ آگ لاوینگے انھون نے ایسی آتش تجلی دیکھی کہ اس آگ کو بھی بھول گئے یا جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اسواسطے بھاگے تھے کہ (یہودی) دشمنون کے ہاتھ سے بچ جاوین مگر اُنکا وہ بھاگنا اُنکو چرخ چارم تک لے گیا (یہ بناءً علی الشہرۃ فرمادیا ورنہ بروی حدیث صحیح آسمان دوم پر تشریف فرما ہین چنانچہ تحقیق اُسکی مع توجیہ چرخ چارم کے قصہ وزیر یہودی مین لکھ چکا ہون) یا جیسے خوشہ گندم حضرت آدم علیہ السلام کے لیے (لغزش مین پھنس جانے کا) دام ہوگیا (جو بظاہر حالت ضرر کی تھی مگر اُسمین بھی نفع ہوا) یہانتک کہ اُنکا وجود آدمیون کا خوشہ بن گیا (کہ اُن سے نسل پھیلی جن مین کیسے کیسے اہل کمال ہوے جنسے کتنی مخلوق فیضیاب ہوئی اور آدم علیہ السلام کو بھی یہ نفع ہوا کہ اولاد مین جتنے صلحا۔ انبیا و اولیا۔ ہوئے اُنکے اعمال کے ثواب مین آپ بھی شریک ہین کیونکہ ولد صالح خیر جاری ہوتا ہے اور یہ بھی ایک تقریر ہے اس لغزش کے اسباب رفع درجات آدم علیہ السلام مین سے ہونیکی) یا جیسے کوئی باز دام کی طرف اس لیے آوے کہ دانہ کھاویگا پھر اسکو (بعد گرفتاری دام بادشاہ کا بازو (بیٹھنے کو) اور اقبال و شوکت میسر ہوجاوے (غرض مشترک ان سب تمثیلات مین یہ ہے کہ قصد کیا تھا چھوٹی چیز کا اور مل گئی بڑی چیز)

بر امید مرغ یا لطف پدر	طفل شد مکتب پے کسب ہنر

پس ز مکتب آن یکے صدرے شدہ | او ہلالے دادہ و بدرے شدہ
آمدہ عباس حرب از بہر کین | بہر قمع احمد و استیز دین
گشت دین را تا قیامت پشت و رو | در خلافت او و فرزندان او
آمدہ عمرؓ بقصد مصطفیٰ | تیغ در کف بستہ بس میثاقہا
گشتہ اندر شرع امیر المؤمنین | پیشوا و مقتدائے اہل دین
آن علف کش سوئے ویرانہا شدہ | بے خبر بر گنج ناگہ پا زدہ
تشنہ آمد سوئے جوئے آب در | دید اندر جوئے خود عکس قمر
من برین در طالب چیزے آمدم | صدر گشتم چون بدہلیز آمدم
آب آوردم بتحفہ بہر نان | بوئے نانم برد تا صدر جنان
نان برون راند آدمی را از بہشت | نان مرا اندر بہشتے در سرشت
رستم از آب و ز نان ہمچون ملک | بے غرض گردم برین در چون فلک

(یہی تتمہ ہو مضمون سابق کا دوسری تمثیلات کے ضمن مین یعنی) جیسے لڑکا مکتب مین کسب و ہنر سیکھنے محض مرغ (مثل کبوتر وغیرہ) یا باپ کی خوشنودی کی اُمید پر جاتا تھا (جسکا باپ نے وعدہ کیا تھا) مگر اُسکے بعد وہ مکتب سے صدر اعظم ہوکر نکلا جب مکتب مین وہ دیا گیا تھا ہلال تھا اب بدر ہوگیا یا جیسے حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو صاحب حرب تھے کینہ و مخالفت اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے قلع و قمع اور دین اسلام سے مقابلہ کے سبب (بدر مین آئے تھے (یعنی گو انکی خود یہ غرض نہ تھی جیسا بحر العلوم نے نقل کیا ہو کہ اکراہاً آئے تھے مگر اہل کینہ کا کینہ اُس اکراہ کا سبب ہوا اسلیے کینہ کو سبب کہا جا سکتا ہو گو سبب بعید ہو پس کین اور قمع اور استیزان کی صفت نہوگی اور کفار کی ہوگی مگر بہر حال یہان آکر جب گرفتار ہوکر مدینہ مین آئے اور مسلمان ہوگئے تو) پھر قیامت تک یعنی زمانہ دراز تک) وہ اور انکی اولاد خلافت کے اعتبار سے دین کے معین و مددگار ہوگئے یا جیسے حضرت عمرؓ (بقصد ہلاک) مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم ہاتھ مین تلوار لیے ہوئے بہت سے قول و قرار کرکے آئے تھے مگر پھر شرع مین امیر المؤمنین اور اہل دین کے پیشوا و مقتدا ہوگئے یا جیسے کوئی گھسیارا ویرانہ مین (گھاس کے لیے) چلا اور دفعتہ بے خبری مین خزانہ پر پاؤن پڑگیا یا جیسے کوئی پیاسا نہر کے پانی مین آیا اور نہر مین چاند کا عکس نظر آگیا جس کا گمان بھی نہ تھا اسیطرح) مین اس در پر چیز کا طالب آیا تھا مگر دہلیز پر قدم رکھتے ہی صدر یعنی سردار بن گیا (صدر و دہلیز کا مقابلہ لطافت شاعری ہی) مین پانی تحفہ مین لایا تھا تاکہ روٹی ملے سو روٹی کی بو (یعنی اُمید) نے مجکو صدر جنت تک (یعنی اس دربار تک) پہونچا دیا حالانکہ روٹی نے (یعنی گیہون نے) آدمی کو جنت سے نکالا ہی مگر (عجیب بات ہی کہ) مجکو روٹی نے جنت مین داخل کر دیا (کیونکہ اُمید نان اس درگاہ تک لائی) اور یہان آکر آب سے (جو تحفہ مین لایا ہون) اور نان سے (جسکی طلب مین آیا ہون) فرشتہ کیطرح (کہ اُسکو آب و نان کی

احتیاج نہین) چھوٹ گیا (یعنی دونون کی طرف التفات نہ رہا) اب تو اس درگاہ فلک جاہ پر بلا غرض طواف کرتا ہون

دربیان آنکہ عاشق دنیا بر مثال عاشق دیوار یست کہ برو آفتاب تافتہ وجہد نہ کرد تا فہم کند کہ این تاب از دیوار نیست از آفتاب ست از آسمان چارم لاجرم کلی دل بر دیوار نہاد و چون پرتو آفتاب با آفتاب پیوست او محروم ماند وحیل بینہم وبین مایشتہون

ف فلک چارم پر باعتبار قول مشہور اہل ہیئت کے کہدیا ورنہ خود اُن کے پاس بھی کوئی دلیل صحیح نہین ہے۔

بے غرض نبود بگردش در جہان — غیر جسم و غیر جان عاشقان
عاشقان کل نہ این عشاق جزو — ماند از کل آنکہ شد مشتاق جزو
چونکہ جزوے عاشق جزوے شود — زود معشوقش بکل خود رود
ریش گاو و بندۂ غیر آمد او — غرقہ شد کف در ضعیفے در زد او
نیست حاکم تا کند تیمار او — کار خواجہ خود کند یا کار او
فاذن بالحرب این شد مثل — فاسرق الدرہ بدین شد منتقل
بندہ سوے خواجہ شد او ماند زار — بوے گل شد سوے گل او ماند خار

(اوپر اعرابی کا قول آیا ہے بے غرض گردم الخ اس مناسبت سے تعلق بے غرض کی تحقیق فرماتے ہین) کہ دنیا مین کسی کار (دنیا) مین کوئی شخص بے غرض نہین ہے بجز جسم و روح (یعنی ذات) عشاق کے (کہ انکے افعال بجذب محبت ہوتے ہین کسی مقصود خاص کی طرف التفات نہین ہوتا نہ یہ کہ وہ غرض سے مستغنی ہوتے ہین کہ یہ مخلوق مین محال ہے) اور ان عشاق سے مراد کل کے (یعنی حق تعالیٰ کے) عشاق ہین نہ جزو کے (یعنے مخلوق کے یہان کل و جزو بمعنے متبوع و تابع کے ہے نہ بمعنے متبادر کے یعنی انکی بے غرضی کی مدح کر رہا ہون پس اس سے یہ لازم نہین آتا کہ عشق مخلوق مین بے غرضی نہین ہوتی بلکہ مطلب یہ ہے کہ وہ بے غرضی قابل مدح نہین کیونکہ اسکا مبنی یعنی عشق مخلوق خود مذموم و موجب خسران ہے چنانچہ فرماتے ہین کہ) جو مخلوق کا مشتاق و عاشق ہوتا ہے وہ حق تعالیٰ سے دور رہ جاتا ہے (ایک خسران تو یہ ہوا دوسرا خسران یہ کہ خود اس معشوق سے بھی جدائی ہوجاتی ہے پس خسر الدنیا والآخرہ ہوجاتا ہے چنانچہ فرماتے ہین کہ) جب ایک مخلوق دوسری مخلوق پر عاشق ہوتا ہے وہ معشوق تھوڑے دنون مین (ختم عمر پر) اپنے خالق کے پاس چلا جاتا ہے یہ عاشق مجازی محض احمق اور بندہ غیر ہے گویا ڈوب رہا ہے اس لیے کمزور چیزون کو پکڑ رہا ہے (جیسا مشہور ہے الغریق یتشبث بالحشیش اور مخلوق کا کمزور ہونا ظاہر ہے) وہ اسکا معشوق حاکم (مطلق) تو ہے نہین کہ اسکی (پورے طور سے) تیمارداری کرے (اور اُس کو راحت ابدی دے سکے) وہ بیچارہ معشوق اپنے مالک حقیقی کے احکام (تکوینیہ یا تشریعیہ علی سبیل منع الخلو) بجالاوے

یا اس عاشق کا کام کرے (یعنی خود ہی محتاج و مسخر قدرت ہے اسکو کیا راحت دے سکتا ہے) اسی واسطے مثل مشہور ہے کہ اگر برا کام کرنا ہو تو بی بی سے کرے (لونڈی سے کیا کرے) اور اسی واسطے منقول ہے کہ اگر چوری کرنا ہو تو موتی چرا دے (یعنے طلب مذموم میں بھی بڑی چیز طلب کرے یہاں مقصود اس مثل سے ظاہر ہے کہ مخلوق ادنی درجہ کی چیز ہے اپنی ہمت اسمیں صرف نہ کرے کہ ادنی بھی ہے اور مذموم بھی بلکہ حق تعالی کا عاشق ہو کہ عالی بھی ہے اور محمود بھی) وہ معشوق مجازی تو حق تعالی کا غلام تھا اپنے مالک کے پاس (مرکر) چلا گیا یہ عاشق مفارقت سے) زار و نزار رہ گیا جیسے بوے گل پھول کے پاس چلی گئی اور یہ مثل خار کے (خشک و لاغر) رہ گیا (یعنے مخلوق نہ اس کے راحت پہونچانے پر قادر ہے نہ ہمیشہ اُسکو اپنے وصل سے مسرور رکھنے پر یہ کتنا بڑا خسران ہے)

ہمچو آن ابلہ کہ تاب آفتاب	دید بر دیوار و حیران شد شتاب
عاشق دیوار شد کاین با ضیاست	بیخبر کان عکس خورشید سماست
چون باصل خویش پیوست آن ضیا	دید دیوار سیہ ماندہ بجا
او بماندہ دور از مطلوب خویش	سعی باطل بیخ ضائع پاے ریش
ہمچو صیادے کہ گیرد سایۂ	سایہ کے گردد ورا سرمایۂ
سایۂ مرغے گرفتہ مرد سخت	مرغ حیران گشتہ بر شاخ درخت
کاین مدمغ بر کہ می خندد عجب	اینت باطل اینت پوشیدہ سبب

(یہ مثال ہے عشق مخلوق کی کہ) جیسے کوئی احمق دیوار پر آفتاب کی روشنی (یعنی دھوپ) کو دیکھکر حیران ہوجاوے اور دیوار پر عاشق ہوجاوے کہ یہ خود منور ہے اور یہ خبر نہ ہو کہ یہ خورشید فلک کا عکس ہے جب وہ دھوپ اپنی اصل معدن میں جا ملی (یعنے غروب آفتاب سے دھوپ جاتی رہی) تو دیکھتا ہے کہ دیوار بجاے خود سیاہ ہو گئی اور یہ شخص اپنے مطلوب سے دور رہ گیا ساری مشقت و تکلیف (جو عشق دیوار میں اُٹھائی تھی) بیکار اور ضایع گئی اور پاؤن زخمی ہے (جس سے معشوق کی تلاش مین دوڑے) یا جیسے کوئی صیاد سایہ صید کو پکڑتا ہے بھلا سایہ کب ذخیرہ ہوسکتا ہے بس سایۂ مرغ کو بڑے زور سے پکڑے بیٹھا ہے اور وہ مرغ (جسکا سایہ زمین پر پڑتا ہے) اور وہ درخت پر بیٹھا حیران دیکھ رہا ہے کہ یہ ماؤف الدماغ اور ون پر دانکی کسی حماقت پر) کیا منہ لیکر ہنستا ہوگا کہ عجیب باطل چیز ہے (یعنی سایہ جسکو تھامے بیٹھا ہے) اور عجیب سبب خفی ہے (یعنے وہ مرغ کہ سبب ہے اس سایہ کا مطلب دونون مثالون کا یہ ہے کہ متبوع کو چھوڑ کر تابع کو طلب کرنا خسران ہے جیسا ان مثالون مین ہے اسیطرح حق تعالی کو کہ متبوع ہین چھوڑ کر خلق کو کہ تابع ہے طلب کرنا خسران ہے)

ور تو گوئی جزو پیوستہ کل ست	خار میخور خار ہم پیوستہ گل ست
جزو دیگر و نیست پیوستہ بکل	ورنہ خود باطل بدے بعث رسل

چون رسولان از پے پیوستن اند	پس چہ پیوندند شان چون یک تن اند
این سخن پایان ندارد اے غلام	زانکہ جدے سخت دارد این کلام
شرح کن حال عرب اے بانظام	روز پے گہ شد حکایت کن تمام

(یہین مضمون سابق پر ایک سوال و جواب ہے) یعنی اگر اعتراض کرو کہ جز وبھی تو کل سے ملا ہوا ہے (یعنے مخلوق کو بھی تو خالق سے ایک قسم کا تعلق اور اتصال ہے جسکو صوفیہ کی اصطلاح مین عینیت کہتے ہین اِس عینیت کے اعتبار سے مخلوق پر عاشق ہونا خالق پر ہوتا ہے پھر وہ مذموم کیون ہے یہ اعتراض اس اصطلاح کے نہ جاننے سے پیدا ہوتا ہے اور یہی ہے وہ ضرر جو عوام کو عبارات تصوف کے سننے سے پہونچا ہے مولانا جواب دیتے ہین کہ) اچھا تو پھر خار کھایا کرو کیونکہ خار کو بھی ایک قسم کا اتصال و تعلق گل کے ساتھ ہے (یہ جواب الزامی و مجمل ہے آگے تحقیقی و مفصل یہ ہے کہ) مخلوق من کل الوجوہ خالق کے ساتھ اتصال نہین رکھتی (کہ ایک کا عاشق دوسرے کا ہو) ورنہ خود انبیا علیہم السلام کا مبعوث ہونا بیکار ہو جاتا کیونکہ جب حضرات انبیا مخلوق کو خالق کے ساتھ ملانے کے واسطے آئے ہین تو اگر پہلے ہی دونون یکتن (یعنی متحد) ہین (جیسا معترض کہتا ہے) تو پھر ملانے کس چیز کو آئے ہین (پس یہ خود دلیل ہے کہ مخلوق وخالق مین اتصال مطلوب معترض نہین ہے) ف یہ جواب محتاج ہے کسیقدر شرح کا جاننا چاہیے کہ اتصال و اتحاد تین معنی پر اطلاق کیا جاتا ہے ایک معنی لغوی کہ دو چیزون کی ذات کا ذاتاً مل جانا اور ایک ہوجانا یہ تو اللہ تعالی کی جناب مین محال عقلی و نقلی ہے اور قائل ہونا اسکا الحاد و زندقہ ہے دوسرے معنے اصطلاحی جسکو عینیت کہتے ہین یعنی ایک شے کا متبوع اور محتاج الیہ موقوف علیہ ہونا اور دوسری کا محتاج و تابع و موقوف ہونا ایسا علاقہ تمام مخلوق کو خالق کے ساتھ ہے جیسا ایک جگہ اسکی مفصل بحث آچکی ہے تیسرے معنی عرفی یعنی محبیت و محبوبیت کا تعلق خاص دو شخصون مین ہونا یہ علاقہ خاص مقبولان الٰہی کو اللہ تعالی سے حاصل ہے پس اعتراض معترض کا بنائے علی المعنی الاول ہے جو معنی ثانی کی غلط فہمی سے پیدا ہوا ہے پس جواب اصلی کے لیے معنی ثانی کی شرح کافی ہوتی کیونکہ محض محتاج ہونے سے لازم نہین ہے کہ اسکا عشق عین عشق محتاج الیہ ہو جیسا بدیہی ہے مگر مولانا نے سہولت عوام کے لیے معنی ثالث پر جواب مبنی فرمایا جسکا حاصل یہ ہے کہ اتصال خلق و حق کا جو حکم کیا جاتا ہے اس مین اصطلاح دقیق کو تو تم سمجھ نہین سکتے اس لیے یون سمجھو کہ اس اتصال سے مراد معنی ثالث ہے جسکو تم محاورات مین بھی بولتے ہو پس جواب یہ ہوا کہ جب مراد اتصال سے یہ ہے تو یہ اتصال سب مخلوق کو حاصل نہین بلکہ انبیاء علیہم السلام کو اس اتصال کی تحصیل و تکمیل کے لیے بھیجا ہے پس جب یہ اتصال سب کو حاصل نہین تو ہر مخلوق کا عشق خالق کا عشق کیسے ہو جاویگا البتہ اس سے یہ لازم ہے کہ جس مخلوق کو ایسا اتصال ہے جیسے انبیا و اولیا ان سے محبت کرنا عین محبت حق تعالی کی ہوگی سو یہ لازم صحیح اور منصوص قرآنی ہے من یطع الرسول فقد اطاع اللہ اور مولانا کا کلام نص ہے اثبات تباین بین الخلق والحق مین اور اس تباین کا انکار توحید ملحدانہ کہلاتی ہے کذا سمعت عن شیخی رحمہ اللہ تعالی - اب قصہ کی طرف رجوع فرماتے ہین کہ) اس مضمون کی تو کہین انتہا نہین کیونکہ

اس مین سخت پیچیدگی ہو اس لیے اُس عرب کا حال کہو وقت تنگ ہو گیا ہے وہ حکایت پوری کرو۔

سپردن عرب ہدیۂ خود را بغلامان خلیفہ و شرح آن

با نقیبان حال خود را آن عرب — چون بگفت و دید ہنگام طلب
آن سبوی آب را در پیش داشت — تخم خدمت را دران حضرت بکاشت
گفت این ہدیہ بر سلطان برید — سائل شہ را ز حاجت وا خرید
آب شیرین و سبوی سبز و نو — ز آب بارانی کہ جمع آید بگو
خندہ می آمد نقیبان را ازان — لیک پذرفتند آن را ہمچو جان
زانکہ لطف شاہ خوب با خبر — کردہ بود اندر ہمہ ارکان اثر
خوی شاہان در رعیت جا کند — چرخ اخضر خاک را خضرا کند
شہ چو حوضی وان حشم چون لولہا — آب از لولہ رود در گولہا
چونکہ آب جملہ ز حوضی ست پاک — ہر یکی آبی دہد خوش ذوقناک
ور دران حوض آب شورست و پلید — ہر یکی لولہ ہمان آرد پدید
زانکہ پیوست ست ہر لولہ بحوض — خوض کن در معنی این حرف خوض

یعنی جب عرب نے اپنا حال نقیبون سے کہا اور دیکھا کہ اب طلبِ مقصود کا موقع ہو تو وہ گھڑا اُٹھا کر سامنے رکھدیا گویا تخم خدمت کو اُس درگاہ مین بو یا (کہ اب اس ہدیہ پر ثمرات مرتب ہون گے) اور کہا کہ یہ ہدیہ سلطان کے پاس لیجاؤ اور سلطانی سائل کو (یعنی مجکو) فقر و حاجت سے چھڑاؤ اور دیکھو پانی کیا شیرین ہو اور گھڑا سبز رنگ اور نیا ہی اور یہ اُس بارش کا پانی ہو جو گڑھے کے اندر جمع ہو گیا تھا نقیبون کو ان باتون سے ہنسی آتی تھی لیکن (براہ خوش اخلاقی) جان کیطرح اُسکو قبول کر لیا کیونکہ سلطان خوشخو دانا کی صفت لطف کا سب ارکان دولت مین اثر ہو گیا تھا آگے مولانا کا مقولہ ہو کہ) بادشاہون کے اخلاق رعیت کے اندر متمکن ہو جاتے ہین جیسا چرخ سبز رنگ (بارش سے) زمین کو سبز و تازہ کر دیتا ہو (یہ مثال محض شاعری ہو چونکہ زمین بارش مین محتاج آسمان کی ہو اسلیے اسکو بادشاہ اور اُسکو رعیت قرار دیدیا) بادشاہ کی مثال ایسی سمجھو جیسے ایک بڑا حوض ہو اور خدم حشم جیسے اُسمین نل لگے ہون اور ان نلون سے نالیون مین پانی جاتا ہو اگر ان سب نلون مین پانی پاک حوض سے آتا ہی تو وہ نل خوش مزہ پانی دین گے اور اگر اس حوض ہی مین شور اور پلید پانی ہی تو ہر نل مین سے وہی نکلے گا کیونکہ وہ سب نل حوض کے متصل ہین اس کلام کے مضمون مین خوب غور کر لو (وجہ شبہ مفہوم ہو جاوے گی اور پانی مثال اخلاق کی ہو اور وجہ اس تاثیر کی صحبت معنویہ ہو جسمین غالب کا اثر مغلوب پر آتا ہی اسی بنا پر مشہور ہی الناس علی دین ملوکہم)

لطف شاہنشاہ جان بے وطن — چون اثر کردست اندر کل تن
لطف عقل خوش نہاد خوش نسب — چون ہمہ تن را در آرد در ادب
عشق شنگ بیقرار بے سکون — چون در آرد کل تن را در جنون
لطف آب بحر کو چون کوثر ست — سنگریزش جملہ دُر و گوہر ست
ہر ہنر کاستا بدان معروف شد — جان شاگردش بدان موصوف شد
پیش اُستاد اصولی ہم اصول — خواند آن شاگرد چیست با حصول
پیش اُستاد فقیہ آن فقہ خوان — فقہ خواند نے اصول و نے بیان
پیش اُستادے کہ او نحوی بود — جان شاگردش ازان نحوی شود
باز اُستادے کہ او محو رہ است — جان شاگردش ازو محو شہ است
زین ہمہ انواع دانش روز مرگ — دانش فقرست ساز راہ و برگ

(تائید و توضیح ہے مضمون بالا کی یعنی) شاہ روح بے وطن (یعنی لامکانی) کی لطافت نے دیکھو تمام بدن مین کیسا اثر کیا ہے (کہ آثارِ حیات رگ رگ مین پھیل رہے ہین اور عقل پاک نہاد خوش نسبت کو دیکھو تمام بدن (و جوارح) کو کس طرح ادب مین لے آتی ہے (یعنی تعلیم عقل سے حرکات مین ادب ظاہر ہوتا ہے چونکہ روح مجردات مین سے ہے اور عقل اُسکے قویٰ مین سے ہے اس لیے روح کو لامکانی اور عقل کو خوش نسبت کہا کہ صفت کو موصوف سے نسبت ہوتی ہے) اور عشق کو دیکھو جو شوخ و بیقرار و بے سکون ہے کہ تمام بدن کو کس طرح (حرکات) جنون مین لے آتا ہے اور اس دریا کو دیکھو جو مثل کوثر کے ہے اسکے پانی کی لطافت سے اسکے تمام سنگریزے موتی اور جواہرات ہین (غالباً حوض کوثر ہی مراد ہے چونکہ بڑھانے مین مبالغہ ہو جاتا ہے کہ جب مشبہ کا یہ حال ہو تو اصل ایسا کیون نہوگا) اسی طرح جس فن مین اُستاد مشہور ہوتا ہے اُسکا شاگرد بھی اُسی سے متصف ہو جاتا ہے چنانچہ اصولی کے سامنے شاگرد مستعد اصول پڑھتا ہے اور فقیہ کے روبرو فقہ پڑھیگا نہ اصول اور نہ بیان اور جو نحوی ہوگا اُسکے پاس رہنے سے شاگرد نحوی ہو جاویگا پھر جو اُستاد محو طریقت ہوگا اُسکا شاگرد بھی شاہ حقیقی (کی زیارت) مین محو ہو جاویگا (اب یہان سے مولانا انتقال فرماتے ہین کہ گو یہ سب علوم مذکورہ کسی درجہ مین کمال ہین لیکن) ان سب انواع علم مین موت کے وقت صرف علم فقر ہی سامان سفر (آخرت) بن سکتا ہے (باقی سب الفاظ و اصطلاحات ہیچ یہان ہی رہ جاتے ہین اور علم احکام ظاہری و باطنی سب علم فقر مین داخل ہے چنانچہ تصوف کی تعریف کتب فن مین لکھی ہے معرفۃ طرق تعمیر الظاہر والباطن اگر شبہہ ہو اور پھر تو فقہ کا بھی ذکر ہے اسکا بیکار ہونا بھی لازم آتا ہے جواب یہ ہے کہ اور پردہ فقہ مراد ہے جسپر عمل کر کے وسیلۂ قرب نہ بنایا جاوے ورنہ سب علوم مذکورہ محمود ہین)

حکایت ماجرائے نحوی و کشتیبان

آن یکے نحوی بکشتی در نشست — رو بہ کشتیبان نہاد آن خود پرست

گفت هیچ از نحو خواندی گفت لا — گفت نیم عمر تو شد در فنا
دل شکسته گشت کشتیبان ز تاب — لیک آن دم گشت خاموش از جواب
باد کشتی را بگردابے فگند — گفت کشتیبان بدان نحوی بلند
هیچ دانی آشنا کردن بگو — گفت نے از من تو سباحی مجو
گفت کل عمرت اے نحوی فناست — زانکه کشتی غرق این گردابهاست

(علم فقر کے بوقت موت کارآمد ہونیکی مثال مین حکایت لاتے ہین کہ) ایک نحوی کشتی مین بیٹھا اور کشتیبان کی طرف متوجہ ہوکر وہ خود پرست پوچھنے لگا کہ کیون جی کچھ نحو بھی پڑھی ہے اسنے کہا کوئی نہین کہنے لگا واہ آدھی عمر یون ہی غارت ہوئی وہ بیچارہ دل شکستہ ہوکر پیچ وتاب کھانے لگا مگر اُسوقت جواب سے خاموشی اختیار کی اتفاق سے ہوا نے کشتی کو کسی گرداب مین جاڈالا اُسوقت کشتیبان نے پکار کر اُس نحوی سے پوچھا کہ کیون جی کچھ تیرنا بھی آتا ہے کہو تو کہنے لگا کوئی نہین مجھ سے سباحی کے جویان مت ہو اُس نے کہا واہ میان نحوی صاحب آپ کی ساری عمر غارت ہوئی کیونکہ کشتی اس گرداب مین ڈوبا چاہتی ہے (آگے تقریر تطبیق ہے)

محو مے باید نہ نحو اینجا بدان — گر تو محوی بے خطر در آب ران
آب دریا مرده را بر سر نهد — ور بود زنده ز دریا کے رهد
گر بمردی تو ز اوصاف بشر — بحر اسرارت نهد بر فرق سر
اے که خلقان را تو خر میخوانده — این زمان چون خر برین یخ مانده
گر تو علامه زمانے در جهان — نک فنائے این جهان بین وین زمان
مرد نحوی را ازان در دوختیم — تا شما را نحو محو آموختیم
فقه فقه و نحو نحو و صرف صرف — در کم آمد یابی اے یار شگرف

(یہ تقریر ہے تطبیق کی یعنی جسطرح وہان علم شناوری کی ضرورت تھی نحو کی ضرورت نہ تھی اسی طرح یہان (یعنی قطع راہ حق مین) علم محو (علم فنا) کی ضرورت ہے نحو کی ضرورت نہین اگر تم محو ہوچکے ہو تو بیخطر اپنے کو (بحر طریقت یعنی راہ حق واسرار وسلوک کے) پانی مین ڈال دو کیونکہ آب دریا مردہ کو اپنے اوپر اُٹھالیتا ہے (جیسا مشاہدہ ہے) اور اگر زندہ ہو تو دریا (مین غرق ہونے) سے چھوٹنا مشکل ہے اسی طرح اگر تم اوصاف بشریہ ذمیمہ سے فنا ہوچکے ہو تو بحر اسرار (بالتفسیر المذکور) تم کو اپنے سر پر اُٹھالیگا (اور کچھ خطرہ نہ ہوگا) اے شخص تم تمام مخلوق کو (نشۂ علم رسمی مین) گدھا کہا کرتے تھے اب (مرتے وقت) گدھے کی طرح خود (حب مال وجاہ کے) کیچ مین کیون پھنس رہے ہو جس سے جان رجوع الی اللہ سے اٹک رہی ہے اب وہ تمہارا علم کام کیون نہین آتا اگر تم دنیا مین

علائق دہر تھے تو کیا اب بھی اسوقت یہ دنیا (تمھارے اعتبار سے) فنا ہو گئی ہے کما قال علیہ السلام من مات فقد قامت قیامتہ) ہم نے نحوی کا قصہ اس لیے بیان کیا ہے کہ تمکو محو کا طریقہ بتلایا ہے (یعنی اسکی تحصیل کی ترغیب دی ہے) فقہ اور نحو اور صرف ان سب کا مغز اور مقصود محویت مین حاصل ہوگا (یعنی ان سب سے یہی مقصود ہونا چاہیے سو علم احکام تو اسکا خود واسطۂ قریب ہے اور علوم آلیہ بواسطۂ علم احکام کے اسکا واسطہ ہین ورنہ پھر یہ سب بیکار ہے جیسا اوپر شعر ۵ زین ہمہ الخ مین کہا ہے اور جو احقر نے فقہ کی توجیہ کی تھی یہ تقریر اسکی مؤید ہے کہ یہ علوم اگر وسیلۂ قرب ہو جاوین تو محمود ہین ورنہ بیکار)

آن سبوے آب دانشہاے ماست　　وان خلیفہ دجلۂ علم خداست

ما سبوہا پر بہ دجلہ مے بریم　　گر نہ خر دانیم خود را ما خریم

بارے اعرابی بدان معذور بود　　کو ز دجلہ غافل و بس دور بود

گر ز دجلہ باخبر بودے چو ما　　او نہ بُردے آن سبو را جا بجا

بلکہ از دجلہ اگر واقف شدے　　آن سبو را بر سر سنگے زدے

آن سبوے تنگ پر ناموس و ننگ　　شد حجاب بحر بر زن آن بسنگ

(وان خلیفہ بحذف مضاف یعنی دجلۂ خلیفہ۔ یہ مرتبط ہے قصہ کے اس شعر سے ۵ آن سبوے آب را در پیش بست الخ بطور انتقال کے فرماتے ہین کہ) وہ سبوے آب مثال ہمارے علوم کی ہے (یہ تسامحًا فرمایا مطلب یہ کہ سبو مثال ہماری ہستی کی ہے اور اُسکا آب مثال ہمارے علم کی ہے) اور وہ دجلۂ خلیفہ مثال دجلۂ علم خدا کی ہے (یعنی خلیفہ مثال خدا تعالیٰ کی) اور دجلہ مثال علم خدا تعالیٰ کی) ہم لوگ (اس اعرابی کی طرح) گھڑے بھر بھر کر دجلہ کے پاس لیجاتے ہین (یعنی اپنی حقیر ہستی کو علوم و کمالات ناچیز سے مزین کر کے علم و کمال خداوندی کے روبرو دعوی کرتے ہین کہ یہ ہمارے اوصاف ہین) اگر (اس حالت مین) ہم اپنے کو خر نہ سمجھین تو بیشک خر ہین خیر اعرابی تو اس لیے معذور بھی تھا کہ وہ دجلہ سے بے خبر اور دور تھا اگر ہماری طرح (کہ علم و کمالات خداوندی سے بقدر استعداد واقف ہین) وہ باخبر ہوتا تو اُس سبو کو ہرگز جا بجا نہ لیجاتا بلکہ اگر دجلہ کی اُسکو خبر ہوتی تو اُس سبو کو پتھر پر دے مارتا (مگر افسوس ہمنے اپنی ہستی و اوصاف کو فنا نہ کر دیا چونکہ ہمارا بھی یہ سبوی ہستی جو کہ تنگ اور پر ناموس و ننگ ہے بحر (کمالات حق) سے حجاب ہے (کہ اس طرف کی توجہ ادھر سے مانع ہے اس لیے اسکو (مجاہدہ کے) پتھر پر دے مارو (کہ فنا ہو جاوے اور مانع مرتفع ہو جاوے اور اس ہستی کا تنگ و پر ناموس و ننگ ہونا ظاہر ہے)

قبول کردن خلیفہ ہدیہ را و عطا فرمودن با کمال بے نیازی از ان ہدیہ

چون خلیفہ دید و احوالش شنید　　آن سبو را پر ز زر کرد و مزید

آن عرب را کرده از فاقه خلاص	داد بخششها و خلعتهای خاص
پس نقیبی را بفرمود آن قباد	آن جهان بخشش و آن بحر داد
کاین سبو پر زر بدست او دهید	چونکه واگردد سوے دجله اش برید
از ره خشک آمدست و از سفر	از ره دجله اش بود نزدیک تر
چون بکشتی در نشیند رنج راه	خود فراموشش شود آن جایگاه
همچنان کردند و دادندش سبو	پر ز زر و بردند تا دجله دو تو
چون بکشتی در نشست و دجله دید	سجده میکرد و از حیا وے می خمید
کاے عجب لطف این شه وهاب را	وان عجب تر کو ستد آن آب را
چون پذیرفت از من آن دریاے جود	آن چنان نقد دغل را زود زود

یعنی جب خلیفہ نے اُسکو دیکھا اور اُسکا حال سنا تو اُس سبو کو اشرفیوں سے پر کر دیا اور مزید بران اور بھی دیا اور اُس عرب کو فاقہ سے رہائی دی اور بہت سے انعام اور خاص خلعت دیے اُسکے بعد ایک نقیب کو اُس بادشاہ عظیم الشان نے جو کہ عالم بخشش اور دریاے عطا تھا حکم دیا کہ یہ سبوے پُر دینار اُسکے حوالہ کرو اور جب واپس جانے لگے تو اُسکو دجلہ کی طرف سے لیجاؤ کیونکہ خشکی کی راہ سے اور بڑے سفر سے آیا ہے دجلہ کی طرف سے مسافت کم پڑیگی اور نیز جب کشتی مین بیٹھے گا تو اس جگہ بیٹھ کر تکان سفر بھی فراموش ہو جاویگا غرض خدام نے ایسا ہی کیا اور اُسکو وہ گھڑا دیدیا جو اشرفیوں سے پر تھا اور دجلہ کی طرف لے گئے جو کہ دوہرا لطف تھا (کہ دولت بھی ملی اور تفریح بھی) جب وہ کشتی مین بیٹھا ہے اور دجلہ دیکھا ہے تو لیس حال تھا کہ مارے شرم کے سجدہ کی طرح پیشانی زمین سے لگ لگ جاتی تھی اور دوہرا ہوا جاتا تھا اور کہتا تھا کہ اس شاہ وہاب کے عجیب لطاف ہین اور سب سے زیادہ عجیب یہ ہے کہ اس نے ایسا پانی قبول کر لیا یا اللہ اس دریاے جود نے مجھ سے ایسا کھوٹا مال خوشی خوشی کس طرح قبول کر لیا (اس مین اشارہ ہے الطاف حق کی طرف کہ اسی طرح بندہ کے اعمال کو جو اُن کی عظمت و شان کے روبرو محض ہیچ ہین اپنے فضل و کرم سے قبول فرما لیتے ہین اور مالا عین رأت ولا اذن سمعت ولا خطرت علے قلب بشر عطا کرتے ہین)

کل عالم را سبو دان اے پسر	پر شده از لطف و خوبی بسر
قطرهٔ از دجلهٔ خوبی اوست	کان نمی گنجد ز پری زیر پوست
گنج مخفی بد ز پری چاک کرد	خاک را تابان تر از افلاک کرد
گنج مخفی بد ز پری جوش کرد	خاک را سلطان اطلس پوش کرد

(اس مین اعادہ ہے اس تشبیہ سابق کا کہ ہماری ہستی و کمالات مثل سبو آب کے ہین اور کمالات الٰہیہ

مثل دجلہ کے زیادت توضیح کے لیے اعادہ فرمایا ہی یعنی تمام عالم (کی ہستی) کو مثل سبو کے سمجھو (گو لطف و خوبی سے سر بسر بھر رہا ہو مگر) حق تعالیٰ کے دجلۂ خوبی کے سامنے ایک قطرہ ہی (یعنی محض ہیچ اور لاشے ہی) کیونکہ (وسعت مین) اس خوبی حق کی ایسی مثال ہی جیسے کوئی چیز پوست مین بھری ہو مگر اسمین گنجایش نہو اور اس سے نکلی پڑتی ہو) دوسری مثال جیسے مثلاً ایک گنج زیر زمین مخفی تھا وہ بہت پر ہونے سے (زمین کو) چاک کر کے نکل پڑا اور اپنی چمک دمک) سے زمین کو افلاک سے بھی نائمتا بان کر دیا یعنی اس گنج مخفی نے بہت پر ہونے سے جوش کیا اور زمین کو ایسا (روشن) کر دیا جیسے کوئی سلطان اطلس پوش ہو وجہ تشبیہ صرف دو مین وسعت و تقاضاے ظہور ہوبس اور نعوذ باللہ منظرار مین تشبیہ نہین ہی کہ وہ اضطرار سے منزہ ہین اور گنج مخفی سے تشبیہ دینے مین اشارہ ہی قول مشہور کنت کنزاً مخفیاً فاحببت ان اعرف فخلقت الخلق اس قول کی کوئی سند صحیح تو نظر سے نہین گذری مگر مضمون قواعد شرعیہ کے موافق ہی کیونکہ مخفی مرادف باطن کا ہی اور مثال دینا واجب کو ممکن سے خود منصوص قرآنی ہی عبادت کے لیے مخلوق کا پیدا ہونا ثابت ہی معرفت عبادت مین داخل ہی تو معرفت مقصود خلق ہوئی اور خلق پر ارادہ کی تقدیم یقینی اور معرفت کا خیر ہونا مسلم اور محبت کا حاصل ارادۂ خیر ہونا معلوم پس اس سے مجموعہ مضمون مذکور کا حاصل ہو گیا اور خاک سے اشارہ ہی طرف انسان کے جسمین جزو غالب خاک ہے اور اسمین اشارہ ہی مسئلہ مشہورہ فن کی طرف کہ اللہ تعالیٰ مع ذات و صفات کے جمیل ہین جیسا حدیث مین اللہ جمیل اور جمال مقتضی ہوتا ہی ظہور کو یعنی ظہور اسکے مناسب ہے اللہ تعالے حکیم ہین اس امر مناسب کی رعایت سے بالاختیار مخلوق کو پیدا کیا جس سے اپنے افعال کا اور انکے واسطہ سے اپنے صفات کا اور ان کے واسطہ سے اپنی ذات کا ظہور فرمایا پھر مخلوقات مین زیادہ اختصاص انسان کو دیا حتیٰ کہ خاص بندون کو اپنی صفات کا فیض خاص عطا فرمایا جیسا حدیث بیہقی مین ہی قال تعالیٰ انی علیم احب کل علیم حلیم الی آخرہ من حلمی و عقلی اسی لیے اس کو مظہر اتم یعنی باضافت دوسری مخلوقات کے کہتے ہین اور اس جمال مطلق و کامل کے لوازم مین سے ہی وسعت کیونکہ غیر وسیع محدود کا جمال بھی محدود غیر کامل ہوگا اس لیے تشبیہات مذکورہ مین وسعت کو مقتضی ظہور کہنا اور تحقیق مشہور مین جمال کو مقتضی کہنا باہم منافی نہین ہین خوب سمجھ لو)

ور بدیدی قطرہ از دجلہ خدا	آن سبو را او فنا کردے فنا
آنکہ دیدندش ہمیشہ بیخودند	بیخودانہ بر سبو سنگے زدند
اے ز غیرت بر سبو سنگے زدہ	وان سبو ز اشکست کامل تر شدہ
خم شکستہ آب ازو ناریختہ	صید درستی زین شکست انگیختہ
جزو جزو خم برقص ست و بحال	عقل جزوی را نمودہ این محال
نے سبو پیدا درین حالت نہ آب	خوش بہ بین واللہ اعلم بالصواب

یہ تفریع ہی تشبیہ سابق پر یعنی جب ہر شخص کی ہستی و کمالات ہستی و کمالات حق کے سامنے ایسی ناچیز ہی جیسے دجلہ اور آب دجلہ کے روبرو سبو اور آب سبو پس) اگر وہ شخص (جو مدعی کمالات ہی) دجلہ خداوندی سے ایک قطرہ بھی دیکھ لیتا (یعنی ایک شمہ بھی وجود کمالات الٰہیہ مین سے اُسکو منکشف ہو جاتا کیونکہ احاطہ ممکن کا واجب کو تو محال ہی ہی) تو اپنے سبو (یعنی ہستی و کمال) کو بالکل فنا کر ڈالتا (یعنی ایسی یا ضدت کرتا کہ ذوقاً و حالاً اُسکو کالعدم دیکھتا) اور جن لوگون کو اُن ہستی و کمال حق کا انکشاف ہو گیا ہی بیخودون کی طرح انھون نے سبوے ہستی کو سنگ مجاہدہ پر دے مارا ہی (اب اہل فنا کو خطاب کرتے ہین کہ) اے شخص جس نے براہ غیرت (کہ وجود واجب کے روبرو وجود ممکن پائداری کے قابل نہین) سبو پر پتھر مار دیا ہی (مغموم مت ہونا) کیونکہ وہ سبو اس شکست سے اور زیادہ کامل ہو گیا ہی (کیونکہ فناء عن الصفات البشریہ کو بقاء بالصفات الالٰہیہ لازم ہی) یہ خم ہستی شکستہ ہو گیا اور اُسمین سے پانی نہین گرا (یعنے فنائے ہستی سے صفاتِ کامل زائل نہین ہوئین بلکہ) صد ہا درستی اس شکست سے پیدا ہو گئی (کیونکہ اب علوم کمالات وہبیہ عطا ہوئے) اس خم ہستی کا ایک ایک جزو (شکستہ ہونیکے بعد) رقص و حالت مین ہی (کیونکہ اس شخص کے رگ رگ مین اثر نور اور محبت و معرفت کا سرایت کر جاتا ہی جیسا حدیث مین ہی اجعل فی قلبی نورًا و شعری نورًا و دمی و عصبی و لحمی و عظمی و بشری و فوقی و تحتی الی ان قال و اجعلنی نورًا) مگر عقل ناقص (یعنے عقل فلسفی و عقل معاش و مقید بعلوم رسمیّہ) کو یہ امر محال معلوم ہوتا ہی (کیونکہ یہ لوگ ان حالات و اذواق کے منکر ہین) اور اس حالت (فنا) مین نہ سبوے ہستی نظر آتا ہی نہ آب علم و کمالات اسکو اچھی طرح غور سے سمجھو واللہ اعلم بالصواب (یعنے اپنی ہستی و کمالات کی طرف التفات نہین ہوتا صرف توجہ الی اللہ والی صفات رہ جاتی ہی اسی لیے نے سبو پیدا کہا ہی نے سبو باقی نہین کہا شرح اسکی دیباچہ کتاب ہذا مین گذری ہی)

چون در معنی زنی بازت کنند | پر فکرت زن کہ شہبازت کنند
پر فکرت شد گل آلود و گران | زانکہ گل خواری ترا گل شد چو نان
نان گل ست و گوشت کمتر خور ازین | تا نمانی ہمچو گل اندر زمین
خاک میخوردیم عمرے در غذا | خاک ما را خورد آخر در جزا
چون گرسنہ میشوی سگ میشوی | تند و بد پیوند و بدرگ میشوی
چون شدی تو سیر مرداری شدی | بیخبر چون نقش دیواری شدی
پس دمے مردار و دیگر دم سگے | چون کنی در راہ شیران خوش تگے
آلت اشکار خود جز سگ مدان | کمترک انداز سگ را استخوان
زانکہ سگ چون سیر شد سرکش شود | کے سوے صید و شکارے خوش دود

اوپر اسرار بیان فرما کر کہا تھا کہ عقل جزوی پر ان اسرار کا انکشاف نہین ہوتا اب اس انکشاف کا طریقہ

اور مانع انکشاف کا بیان کرتے ہین کہ) اگر تم معانی (و اسرار) کا دروازہ کھٹکھٹاؤ تو تمھارے لیے کھولدیا جاوے (یعنی اسرار کو اسکے طریقہ سے کہ وہ ریاضت ہے طلب کرو تو انکشاف ہو) اور ذرا پر فکر کو ہلاؤ کہ تم کو شہباز بنادیا جاوے (یعنی مراقبات سے عروج روحانی کا قصد کرو کہ استعداد عروج حاصل ہو) مگر تمھارا پر فکر تو بالکل (لذات دنیویہ سے) گل آلودہ اور گران ہو رہا ہے کیونکہ تم گل خوار ہو اور گل تمھاری غذا روٹی کی طرح بن گئی ہے اور گل سے مراد یہی نان و گوشت (لذات دنیویہ) ہین ان کو ذرا کم کھایا کرو (یعنی تقلیل حظوظ کرو) تاکہ گل کی طرح زمین ہی مین نہ رہ جاؤ (یعنی عمر بھر اسی مین توجہ مبذول رہے اور عالم سفلی مین گرفتار رہو اور یہ لذات موجب افسردگی و مجوب ہو جاوین) ہم لوگ (مراد تم لوگ) عمر بھر غذا مین خاک (یعنی لذائذ دنیویہ) کھاتے رہے آخر (نتیجہ یہ ہوا کہ ہمکو خاک کھا گئی (یعنی مر کھپ گئے وہ لذائذ ہمکو نافع نہوئین) تمھاری حالت یہ ہے کہ اگر گرسنہ ہوتے ہو تو سگ ہو جاتے ہو (اور جھنجلاہٹ مین) تند خو اور بد خلق اور بد رگ ہو جاتے ہو اور اگر شکم سیر ہوتے ہو تو مردار کی طرح بے خبر مثل نقش دیوار ہو جاتے ہو غرض بعض اوقات مین مردار اور بعض اوقات مین سگ رہتے ہو تو پھر شیرون کے (یعنی سالکین کی) راہ مین کس طرح دوڑ سکتے ہو (مطلب یہ ہے کہ بدون ریاضت و تہذیب نفس کے جوع اور شبع دونون مضر ہین چنانچہ مشاہدہ ہے اس لیے طریقہ کے موافق (کہ اتباع شیخ و خلوص نیت و عزم سلوک اسکے شرائط مین سے ہے) ریاضت مین کوشش کرو چنانچہ فرماتے ہین کہ) اپنے آلہ شکار کو کتے سے زیادہ مت سمجھو (یعنی تمھارے قواے نفسانیہ و جسمانیہ اس لیے بنائے گئے ہین کہ انکو زیر حکومت عقل رکھ کر اعمال و طاعت مین جنمین ان قوی کی ضرورت ہے صرف کیا جاوے پس مثل سگ شکاری کے ہے) پس تم سگ کے روبرو ذرا تھوڑی استخوان ڈالا کرو کیونکہ اگر یہ سگ زیادہ سیر شکم ہو گیا تو سرکشی کرنے لگیگا پھر صید کی طرف کب خوشی سے دوڑیگا (یعنی زیادہ لذات و آرام مین مشغول ہونے سے یہ قوی طاعات مین کمی یا سستی کرنے لگین گے جیسا مشاہد ہے اور لفظ کمتر مین اشارہ ہے کہ مراد تقلیل ہے نہ ترک محض ورنہ زیادہ ضعف قوی سے بھی ضرر ہوتا ہے)

آن عرب را بے نوائی میکشید	تا بدان درگاہ و آن دولت رسید
در حکایت گفتہ ام احسان شاہ	در حق آن بے نوائے بے پناہ
ہرچہ گوید مرد عاشق بوے عشق	از دہانش میجہد در کوے عشق
گر بگوید فقہ فقر آید ہمہ	بوے فقر آید ازان خوش دمدمہ
ور بگوید کفر آید بوے دین	آید از گفت شکش بوے یقین
ور بگوید کژ نماید راستی	اے کژے کہ راست را آراستی
کف کژ کز بحر صافی خاستست	اصل صاف آن فرع را آراستست
آن کفش را صافی و محقوق دان	ہمچو دشنام لب معشوق دان

گشت این دشنام نامطلوب او	خوش ز بهر عارض محبوب او

(اور چند جگہ اس قصہ ظاہری کی تطبیق باطنی حالات پر فرمائی ہو اور آیندہ بھی آتی ہو۔ ہم عرب ماہم سبو لخ
پس الی شعار مین اسی تطبیق کی تائید اور تطبیق آیندہ کی تمہید ہو اور مقصود یہ ہو کہ محققین کے کلام مین ہمیشہ
مقاصد و معانی پر نظر رکھنا چاہیے ظاہر کو نہ دیکھنا چاہیے نہ خود ظاہر حکایت کو اور نہ اُن الفاظ کو جو ان معانی
کے بیان کرنے مین نامناسب یا موہم آجاوین) یعنے اس عرب کو بینوائی اُس درگاہ اور دولت تک
کھینچکر لے گئی اور اُس بینوا بے پناہ کے حق مین جو احسان بادشاہ کا ہوا (اُسکو ہم نے) صورت) حکایت
مین بیان کیا ہو (لیکن مقصود اس سے بندہ اور حق تعالے کے معاملہ کا بیان کرنا ہے کہ اسی طرح
بینوائی پر وہ رحم فرماتے ہین طلب شرط ہے اور حکایت سے اس مضمون کے مقصود ہونے کی وجہ یہ ہے کہ
ہم تو عاشق حق ہین) اور عاشق جو بات کہے گا (گو وہ معمولی ہو مگر) اسکے منہ سے مقام عشق ہی کی
خوشبو نکلے گی (اس لیے ہماری حکایات مین بھی معاملات محب و محبوب مقصود ہون گے) عاشق اگر فقہ کی
بات کریگا وہ بھی فقر ہی کی ہوگی اور اُس جوش کلام سے بوے فقر آوے گی) کیونکہ مقصود اُسکا اس علم
سے تحقیق مرضیات و نامرضیات محبوب ہوگا پس ہر مسئلہ سے اُسکی غرض یہ ہوگی کہ اس امر سے محبوب راضی
ہو اس سے ناراض اور یہی فقر ہی) اور اگر وہ (ظاہرًا) کفر کی بات کہے گا تو اُس سے بوے دین آویگی
(جیسے مسائل دقیقہ کہ ظاہر بین لوگ بوجہ نہ سمجھنے کے اُسکو کفر جانتے ہین اور وہ عین عرفان ہی) اور اُسکے
شک کی بات سے بھی یقین کی خوشبو آویگی (شک سے مراد کشف و الہام کہ جمہور کے قول پر وہ ظنی ہے یقینی
نہین مگر اسمین اثر یقینیات ہی کا سا ہو یعنے شفاے قلب و شرح صدر و طمانیت و سکون) اور اگر (ظاہر مین) کج
(اور غلط) بات بھی کہے گا تو راست معلوم ہوگی (اسکی مثال وہی کفر ظاہری اور دین حقیقی ہو سکتی ہے)
کیا اچھی کجی ہی کہ جس سے راست کی درستی ہو گئی (راست سے مراد طالب صادق صراط مستقیم پر
قائم اور ظاہر ہو کہ ایسے اسرار سے اُنکی اصلاح ہوتی ہی) اس کلام کج کی ایسی مثال ہے کہ بحر صاف سے
جو کف کج اُٹھتا ہی تو وہ اصل صاف (یعنی بحر) اس کف کو آراستہ کر دیتا ہو (یعنی اس کف کی شکل غیر ہندسی
بوجہ صفاے مادہ کے بدنما نہین معلوم ہوتی اسیطرح کلام کج ظاہری کا اصل منشا ایک قلب صافی
حق بین ہی اسلیے وہ لفظی کجی قبیح نہین) تم اس کف کو (بوجہ صفاء منشاء و اصل) صاف اور راست کیا ہوا
سمجھو اور ایسا سمجھو جیسے لب معشوق کی دشنام کہ اسکی دشنام نامرغوب اسکے عارض محبوب کے سبب خوش
(اور لذیذ) معلوم ہوتی ہی) وجہ شبہ صرف یہ ہو کہ ظاہر بُرا اور منشاء اچھا)

از شکر گر شکل نانے مے پزی	طعم قند آید نہ نان چون می مزی
ور بت زرین بیابد مومنے	کے ہلد او در لیے سجدہ ہلے
جان بیابد مومنے زرین وثن	کے ہلد آنرا برائے ہر شمن

بلکہ گیرد آتشش اندر فگند ۔۔۔ صورت عاریتش را بشکند
تا نماند بر ذہب نقش وثن ۔۔۔ زانکہ صورت مانع ست و راہزن
ذات زرش داد ربانیست ست ۔۔۔ نقش بت بر نقد زر عاریت ست
بہر کیکی تو گلیمی را مسوز ۔۔۔ وز صداع ہر مگس مگذار روز
بت پرستی گر بمانی در صور ۔۔۔ صورتش بگذار و در معنی نگر
مرد حجی ہمرہ حاجی طلب ۔۔۔ خواہ ہندو خواہ ترک و یا عرب
منگر اندر نقش و اندر رنگ او ۔۔۔ بنگر اندر عزم و در آہنگ او
گر سیاہ ست او ہم آہنگ توست ۔۔۔ تو سفیدش خوان کہ ہمرنگ توست
و سپید ست و ورا آہنگ نیست ۔۔۔ زو ببر کز دل مر او را رنگ نیست

(اوپر بیان ہوا ہی کہ مطلوب اصلی باطن ہی یہاں اُسی کی مثالیں ہیں) مثال اول تم شکر کو روئی کی شکل بناؤ لیکن جب چکھو گے تو قند کا مزہ آویگا روئی کا نہ آویگا (دیکھو ظاہر مؤثر نہ ہوا باطن مؤثر رہا) مثال ثانی اگر کسی مسلمان کو ایک سونیکا بت ملجاوے تو وہ اُسکو (بت سمجھ کر نفرت سے) کب چھوڑ دیگا کہ کوئی بت پرست اُٹھا لیگا (ہم نہیں اُٹھاتے) بلکہ (سونا سمجھ کر) اُسکو ضرور لے لیگا اور اُس بیہودہ شکل مٹانے کے لیے اُسکو لیکر آگ مین ڈال دیگا (اور پگھلاکر) اُسکی عارضی صورت کو توڑ ڈالے گا تاکہ سونے پر بت کی ہیئت باقی نرہے کیونکہ یہی شکل (بت پرست کے لیے خدا پرستی سے) مانع اور راہزن ہی اور سونا تو ذات ماہیت مین ایک قدرتی چیز ہی اور اس خالص سونے پر بت کی ہیئت عاریتی چیز ہی (تو اس ظاہری ہیئت کی وجہ سے اُسکی ذات کو کیون چھوڑا جاوے دیکھو اس مثال مین بھی ظاہر کا اعتبار نہین ہوا ورنہ اُسکو نہ لیتا باطن مطلوب رہا کہ وہ ماہیت ہی سونے کی البتہ غیر مشروع ہونے کی وجہ سے وہ ظاہر محو کیا گیا اور یہین اشارہ ہی کہ ظاہر مطلقًا ناقابل نظر بھی نہین اگر حدود شرعیہ سے متجاوز ہوگا تو اسکی اصلاح کرینگے پس یہان سے کسی کو اس سمجھنے کی گنجایش نہ رہی کہ جب باطن ہی معتبر ہی تو خلاف شریعت ہونا بھی مضر نہین خوب سمجھ لو آگے مثال ہی اسکی کہ ظاہر نامحمود کی وجہ سے کوئی شخص باطن محمود کو بھی چھوڑ دے تو نادانی ہی یعنی) تم ایک پسو کے واسطے سارے کمل کو مت جلاؤ اور مکھیون کے درد سر اور تکلیف دینے سے تم دن (کے انوار) کو مت چھوڑ دو (کہ تاریک مکان مین مقید ہو جاؤ کہ یہان نہ آوین مطلب یہ کہ غیر مطلوب کی ناگواری سے مطلوب کو کیون ضایع کرتے ہو اسی طرح ظاہر غیر مطلوب سے نفرت کر کے باطن مطلوب کو مت چھوڑو آگے ظاہر محض کو مقصود سمجھنے کی مذمت ہی یعنی) اگر تم صورت ظاہر مین مقید رہوگے تو (ایک قسم کے) بت پرست ہوگے صورت چھوڑ دو اور معنی (باطن) کو دیکھو۔ مثال ثالث مثلًا تم حج کرنے جاؤ تو ہمراہ لینے کے لیے کسی حاجی کو تلاش کرو خواہ وہ

ہندی ہو خواہ ترک ہو خواہ عرب ہو یعنی تم اس کے نقش و رنگ کو مت دیکھو بلکہ اس کے عزم و قصد کو دیکھو اگر وہ سیاہ رنگ ہے لیکن تمہارا شریک عزم ہے تو تم اسکو سفید سمجھو کیونکہ (باطناً) تمہارا ہمرنگ ہے اور اگر سفید ہوا اور اسکا وہ ارادہ نہ ہوا تو اس سے قطع تعلق کردو کیونکہ باطن کے رو سے اسکا وہ رنگ نہیں ہے (دیکھو اس مثال میں بھی شرکت قصدی پر کہ امر باطنی ہے نظر ہوتی ہے شکل و رنگ پر کہ امر ظاہری ہے نظر نہیں ہوتی)

این حکایت گفتہ شد زیر و زبر　　همچو فکر عاشقان بے پا و سر
سر ندارد چون ازل بودست پیش　　پا ندارد با ابد بودست خویش
بلکہ چون آبست ہر قطرہ ازان　　ہم سرست و پا و ہم بے ہر دو آن
حاش للہ این حکایت نیست ہین　　نقد حال ما و تست این خوش بہ بین
پیش ہر صوفی کہ او با فر بود　　ہرچہ آن ماضی ست لا یذکر بود
چون بود فکرش ہمہ مشغول حال　　تا نیاید اندر ذہن او فکر مآل
ہم عرب ما ہم سبو ما ہم ملک　　جملہ ما یوفک عنہ من افک
عقل را شو دان و زن این نفس و طبع　　این دو ظلمانی و منکر عقل شمع

(جیسا اوپر ثابت ہو چکا کہ مقصود اصلی معنی ہے اب فرماتے ہیں کہ اسیطرح حکایت مذکورہ میں بھی معنی مقصود ہیں یعنے) یہ حکایت بالکل غیر مسلسل بیان کی گئی جیسے فکر عاشق کہ نہ اس کی کہیں ابتدا ہوتی ہے نہ انتہاء (غیر مسلسل یہ کہ اجزاء حکایت کے درمیان درمیان اور مضامین کی طرف انتقال ہوتا گیا اب فکر عاشق کی بے سروپائی بطور جملہ معترضہ کے بیان کرنے لگے یعنی) ابتدا تو اس لیے نہیں ہوتی چونکہ موجود ازلی (ذات حق) اسکی پیش نظر (و قبلہ توجہ) ہے اور انتہا اس لیے نہیں ہوتی کہ اسکو موجود ابدی (ذات حق) کے ساتھ نسبت اور تعلق ہے (یعنی ذات حق چونکہ ازلی و ابدی ہے یعنی نہ ابتداء میں محدود ہے نہ انتہاء میں اور ایسے موجود کے کمالات کا غیر متناہی ہونا لازم اور بدیہی ہے اور یہی کمالات قبلہ توجہ عاشق ہیں اسلیے فکر کا بھی غیر متناہی ہونا ضروری ہے گو بوجہ حدوث بمعنے لاتقف عند حد ہوگا یہ وہ مضمون ہے ؎ نہ حسنش غایتے دارد نہ سعدی را سخن پایان + بمیرد تشنہ مستسقی و دریا ہمچنان باقی + آگے فکر عاشق کی بے سروپائی کی مثال ہے یعنے) بلکہ وہ مثل آب کے ہے جسمیں ہر قطرہ (اس مجموعۂ آب کے لیے) طرف ابتدائی بھی (فرض کیا جاسکتا ہے اور طرف انتہائی بھی اور دونوں کی نفی بھی) صحیح ہے کیونکہ قسمت بالقوہ میں دونوں حکم ہر قطرہ کے لیے صحیح ہیں اور قسمت بالفعل کے اعتبار سے دونوں منفی ہیں وجہ تشبیہ صرف ابتدا و انتہا کی اثبات و نفی ہر دو حکم کا مختلف اعتباروں سے صحیح ہوتا ہے چنانچہ فکر عاشق میں ابتداء و انتہا کی نفی کی وجہ صحت تو معلوم ہو چکی رہا اثبات دونوں حکم کا وہ باعتبار معنی غیر متناہی

بالفعل کے ظاہر ہی کیونکہ امکان وحدوث کے ساتھ لاتناہی بالفعل کا اجتماع محال ہی) حاصل کلام یہ کہ حاشا وکلا کہ (باعتبار قصد کے) یہ حکایت نہین بلکہ ہماری تمہاری حالت موجودہ ہی (اور ان ہی اپنے حالات ومعاملات پر تطبیق دینے سے یہ حکایت غیر مسلسل ہو گئی) اور جو صوفی شان تصوف رکھتا ہوگا اُسکے نزدیک تو قصص ماضیہ قابل ذکر نہین ہوتے بس وہ اگر ماضی کو کہے یا سنے گا تو حالت موجودہ پر انطباق پیش نظر رہے گا آگے ترقی فرماتے ہین کہ ماضی تو لیا اُسکی تو یہ شان ہی کہ) چونکہ اُسکی فکر بالکلیہ مشغول حال ہی ہوتی ہے اس لیے اُسکے ذہن مین تو فکر عاقبت بھی نہین آتی (کیونکہ وہ محبت و رضا و تسلیم مین غرق ہوتا ہی اسلیے جو تجلیات بالفعل وارد ہین اُن کے مشاہدہ مین مشغول ہی محبت اس مشاہدہ کو نہین چھوڑنے دیتی ادھر تسلیم و رضا نے سب امور مفوض بمشیت محبوب کر دیے اسلیے یہ نہین سوچتا کہ آیندہ میرے لیے کیا ہوگا اور اس کیفیت کو دعا سے کہ اسمین آیندہ کی طلب ہوتی ہی منافات نہین جیسا اہل ذوق جانتے ہین یعنی امتثال امر یا اظہار افتقار کے لیے مانگتے ہین اور قبول نہ ہونے کو ناگوار نہین جانتے اب اجمالاً قصہ کی تطبیق اپنی حالت پر فرماتے ہین کہ) عرب بھی ہم ہین اور سبو بھی ہم ہین۔ اور بادشاہ بھی ہم ہین غرض سب ہم ہی ہم ہین جنکو اس (کے ماننے سے انحراف ہے وہ منحرف ہوتے ہین (اس بیت مین مجاز بالحذف ہی اصل کلام یون ہی قصۂ عرب معاملہ ماست۔ قصۂ سبو معاملۂ ماست قصہ ملک معاملۂ ماست پھر ان تینون جملون مین بھی معاملہ کی اضافت ما کی طرف متفاوت ہے چنانچہ جملۂ اولی وثانیہ مین محمول ظاہر پر ہی جملۂ ثالثہ مین معاملہ با ماست مراد ہی تو اس مین معاملہ کا مضاف الیہ اصل مین حق ہی تو تقدیر عبارت یون ہوئی قصہ ملک معاملۂ حق با ماست اس صورت مین ملک سے حق کو تشبیہ ہوئی بعینہ کوئی اشکال نہین ورنہ لفظی کوئی اغلاق وتعقید ہی کیونکہ جملہ اولی وثانیہ مین اضافت مصدر کی فاعل کی طرف ہی اور ثالثہ مین مفعول کی طرف اور دونون یکسان حالت پر شایع وصحیح ہین اور مصرعۂ ثانیہ مین آیت کی تفسیر مدلول قرآنی نہین بلکہ اقتباس ہی جسکا جواز محققین کے نزدیک ثابت ہی پس اس شعر مین تین تشبیہین ہین جنکی تقریر اشعار بالا مین متفرق مواقع پر آچکی ہی اور مقصود صرف ان ہی تین امور کی تشبیہ نہین ہی ان کی تخصیص محض تمثیلاً ہی مطلب یہ ہی کہ سارا قصہ ہمارے معاملات کا نمونہ ہی چنانچہ ایک تشبیہ شعر آیندہ مین ہی کہ) عقل (صحیح) کو شوہر کی مثال سمجھو (کہ وہ مناظرہ مذکورہ سے عارف معلوم ہوتا ہی) اور اس نفس وطبیعت کو مثل عورت کے سمجھو (کہ اُسکو طلب دنیا تھی چنانچہ فرماتے ہین کہ) یہ دونون ظلمت (محجوبیت) مین مقید ہین اور (دولت باطنی کا) انکار کرتے ہین اور عقل مثل شمع کے ہی کہ خود بھی منور ہی اور دوسرون کو بھی منور کرتی ہی اگر کوئی طالب نور ہو مقصود مولانا کا ان تطبیقات مین حصر نہین ہی بلکہ محض تنبیہ کے واسطے دو چار تمثیلون کی تقریر فرمادی ہی تاکہ طالب حق ہر جگہ اسیطرح تامل کر کے منطبق کر لیا کرے)۔

بشنو اکنون اصل انکار از چه خاست | زانکه کل را گونہ گونہ جزوہاست
جزو کل نے جزوہا نسبت بکل | نے چو بوے گل کہ باشد جزو گل
لطف سبزہ جزو لطف گل بود | بانگ قمری جزو آن بلبل بود
گر شوم مشغول اشکال و جواب | تشنگان را کے توانم داد آب
گر تو اشکالے بکلی و حرج | صبر کن کالصبر مفتاح الفرج
احتما اصل دوا آمد یقین | احتما کن قوت جان را بہ بین
احتما کن احتما ز اندیشہ ہا | زانکہ شیران اندر این بیشہا
احتماہا بر دواہا سرورست | زانکہ خاریدن فزونی گرست
احتماہا مردوا را سرورست | ہضم دارد علت نو دیگرست
قابل این گفتہا شو گوشدار | تاکہ از زر سازمت من گوشوار
گوشوارہ چہ کہ کان زر شوی | تا بماہ و تا ثریا بر شوی

(گر خارشت اوپر کے شعر مین نفس و طبع محجوب کو منکر دولت باطنی کا فرمایا تھا اب کوئی پوچھتا ہی کہ جب دولت باطنی امر متحقق ہی اور دلائل اس کے تحقق پر قائم ہین پھر انکار کی کیا وجہ خصوصًا جبکہ ان سب کا موجد بھی ایک ہے اُسکا جواب دیتے ہین جسکا حاصل یہ ہی کہ اللہ تعالی نے لوگون کو مختلف الاستعداد پیدا کیا ہی اس لیے باوجود قیام اسباب اتفاق کے قبول و انکار حق مین مختلف ہوگئے اور یہ مضمون اشعار آیندہ اولا بشنو الخ مین تمام ہوا ہی درمیان مین استطرادًا دوسرے مضامین آگئے ہین پس فرماتے ہین کہ) اسکی وجہ سنو کہ انکار (حقائق و دولت باطنی کا باوجود قیام دلائل صحیحہ بلکہ مشاہدہ کے) کاہے سے پیدا ہوا ہی وجہ اسکی یہ ہی کہ کل کے (یعنے حق تعالی کے) اجزاء (یعنی مخلوقات) مختلف (الاستعداد) ہین (وہ اختلاف استعداد سبب اختلاف عقائد و اعمال کا ہوگیا اب اس شعر مین جو حق تعالی کو کل اور مخلوقات کو جزو کہدیا جو اصطلاح مین بمعنے متبوع و تابع ہی جسکا چند جگہ بیان کیا گیا ہے اور متبوع و تابع کے اقسام بہت ہین تو احتمال ہوا کہ ایسا نہو سامع جزو و کل کے حقیقی معنی سمجھ لے یا مجازی ہین کوئی معنی مستحیل سمجھ جاوے اس لیے اسکی تحقیق فرماتے ہین کہ) اس سے کل کا جزو (بالمعنے الحقیقی) مراد نہین (کہ اللہ تعالی اجزاء سے منزہ ہین) بلکہ محض مراد یہ ہی کہ جیسے جزو کو نسبت (تبعیت کی) کل کے ساتھ ہوتی ہی (یعنے معنی مجازی تشبیہی مراد ہین تابع) پھر یہ نسبت (تبعیت) بھی ایسی نہین جیسے بوے گل تابع گل ہوتی ہے (کہ وصفت ہی اور گل موصوف کیونکہ اللہ تعالی محل و موصوف بہ حوادث بننے سے بھی منزہ ہین) بلکہ ایسی نسبت مراد ہی جیسے لطف سبزہ (غیر گل) تابع لطف گل ہوتا ہی یا جیسے بانگ قمری کہ تابع بانگ بلبل ہوتی ہے (کہ لطف سبزہ نہ لطف گل کا جزو ہی نہ اسکی صفت اسیطرح بانگ قمری نہ بانگ بلبل کا جزو ہے نہ صفت

بلکہ حکم تبعیت محض بایںمعنے صحیح ہی کہ لطف سبزہ ناقص ہی اور لطف گل کامل اسیطرح بانگ قمری ناقص ہی اور بانگ بلبل کامل اور ناقص کو کامل کا تابع کہدیتے ہین اسی طرح حق تعالی کے ساتھ مخلوقات کو نہ علاقۂ جزئیت ہی نہ علاقۂ وصفیت بلکہ صفات وکمالات حق تعالے کے لیے علے سبیل الکمال ثابت ہین اور مخلوق اُن مین ناقص ہی بایںمعنے مخلوق کو جز ویعنی تابع خالق کا کہدیا ہے چونکہ اس معنی تبعیت مین بھی احتمال تھا کہ کوئی شخص غرض تشبیہ کی کہ مطلق اشتراک من وجہ ہوتا ہی نہ سمجھ کر ناقص وکامل ہونے کے تفاوت کو بعینہ اسی تفاوت مشبہ بہ کے مثل نہ سمجھ جاوے حالانکہ وہ بھی باطل ہی کیونکہ کہان نسبت محدود کی محدود کے ساتھ کہان محدود کی غیر محدود کے ساتھ پھر تبعیۃ خلق للخالق مین بمعنی فی الایجاد بھی معتبر ہے جو مشبہ بہ مین نہین اس لیے اشارہ فرماتے ہین کہ اشکال اسمین بھی ہی اور جواب بھی ہی جیسا احقر نے ابھی غرض تشبیہ کو بتلایا ہی لیکن) اگر ان اشکالات وجوابات مین مشغول ہو جاؤن تو طالبون کو (کہ انمین سے ایک وہ سائل سبب اختلاف کا بھی ہی) کب ضروری مضمون بتلا سکتا ہون (آگے ان اشکالون کے رفع ہونے کا طریقہ بتلاتے ہین کہ) اگر تم سراسر اشکال اور شبہہ بھی ہو تو ریاضت کرو کیونکہ ریاضت کلید کشادگی ہی (وجہ یہ ہی کہ حقیقت کے منکشف نہ ہونے سے لفظی ومعنوی اشکالات واقع ہوتے ہین ریاضت سے وجدان وذوق صحیح ہو جاویگا تو تعلق خالق ومخلوق کا کہ امر ذوقی ہی منکشف ہو جاویگا پھر کوئی اشکال نہ رہیگا آگے ریاضت کا رکن اعظم بتلاتے ہین کہ) پرہیز کرنا (محرمات وانہماک فی المباحات واشتغال بغیر الحق سے) یقیناً تمام دواؤن کی اصل ہی چندے پرہیز کرو پھر دیکھو روح مین کیا قوت ہی (آگے بطور تخصیص بعد تعمیم کے فرماتے ہین کہ) خیالات لایعنی سے بھی پرہیز کرو کیونکہ اس بیشۂ قلب مین بڑے بڑے مہلک خطرات وخیالات مثل شیر کے بھر رہے ہین (ان کو نکالو ورنہ خوف ہلاک ہی) اور پرہیز تمام دواؤن سے بڑھ کر ہی کیونکہ کھجلانے سے (کہ مرض خارشت مین بد پرہیزی ہی) خارش بڑھتی ہے اور اگر (بد پرہیزی سے) دارو (یعنی مسہل) کھپ جاوے تو اور نئی بیماری کھڑی ہو جاتی ہے (پس ریاضت کرکے) ان مضامین کے قابل ہو جاؤ پھر سنو تاکہ تمھارے لیے طلائی گوشوارہ بنا دونگا (یعنے اسرار ومعارف سناؤن گا آگے ترقی ہے کہ) گوشوارہ کیا چیز ہے تم خود معدن طلا ہو جاؤگے (یعنے اسرار ومعارف کے سننے کے محتاج نہ رہوگے خود صاحب اسرار بن جاؤگے اور انوار تمھارے قلب مین سے پیدا ہونے لگین گے) یہانتک کہ ماہ وثریا پر پہونچ جاؤگے (یعنی عروج باطنی ہو جاوے گا)

اولاً بشنو کہ خلق مختلف	مختلف جانند از یا تا الف
در حروف مختلف شور وشکیست	گرچہ از یک وجہ تا پا یکیست
از یکے رو ضد ویک رو متحد	از یکے رو ہزل واز یک روے جد

پس قیامت روز عرض اکبر ست	عرض آن خواہد کہ با زیب و فر ست
ہر کہ چون ہندوی بد سودائی ست	روز عرضش نوبت رسوائی ست
چون ندارد روی ہمچون آفتاب	او نخواہد جز شب ہمچون نقاب
برگ یک گل چون ندارد خار او	شد بہاران دشمن اسرار او
وانکہ سر تا پا گل ست و سوسن ست	پس بہار او را دو چشم روشن ست
خار بے معنی خزان خواہد خزان	تا زند پہلوے خود با گلستان
تا بپوشد حسن آن و ننگ این	تا نہ بینی رنگ آن و رنگ این
پس خزان او را بہار ست و حیات	یک نماید سنگ و یاقوت زکات

(یہین پہنچ ہی مضمون سابق بشنوا کنون اصل انکار الخ کی طرف مع ایک مضمون مفید زائد علی الجواب کے جوان اشعار مین مذکور ہی پس قیامت الخ اور یہ پس معطوف ہی اولا پر اب اولا اور پس کے معنے بھی درست ہو گئے جواب کے بعد اس مضمون کا بڑھانا اشارہ ہی طرف ارشاد طالب کے کہ تمھارا سوال محض تحقیقات لمیات کے لیے ہی جو چندان مفید نہین پوچھنے کی بات یہ ہی کہ اس اختلاف و انکار کا ثمرہ کیا ہوگا جسکو ہم بے پوچھے بتلادینگے اسکے لیے تیاری کرو خواہ علت اختلاف و انکار کی کچھ ہی اسکو جواب علی اسلوب الحکیم کہتے ہین پس ارشاد ہی کہ اول تو (اپنا خلاصۂ جواب) سنو کہ مختلف خلائق باعتبار اپنی حقائق کے مختلف ہین جیسے تختی کے حروف دیکھو ان حروف مختلفہ مین شور و شک (مراد مطلق اختلاف) واقع ہو رہا ہی کہ ہر ایک کی صوت جدا اصوت جدا اور ہی سے احیانا شبہہ ہو جاتا ہی کہ یہ کون حرف ہی اور احیانا دو شخص مین اختلاف ہو جاتا ہی اسلیے اسکو شور و شک سے مجازًا تعبیر فرمایا) اگرچہ ایک حیثیت سے سب ایک بھی ہین (کہ ماہیت جنسیہ مین متشارک ہین کیونکہ حرف کی تعریف سب پر صادق آتی ہی اس گرچہ مین اشارہ ہی سوال کے اس منشاء کی طرف جسکو احقر نے بشنوا کنون کی تمہید مین لفظ خصوصًا سے لکھا ہی) غرض ایک حیثیت سے متخالف ہین (کہ صورتین اور اصوات مختلف ہین) اور دوسری حیثیت سے (یعنے ماہیت) مین متحد ہین اسکی ایسی مثال ہی جیسے ایک بات ہو کہ وہ ایک طرح سے ہزل ہو اور دوسرے طور پر مقصود ہو (یہ تو جواب ہو گیا) پھر وہ مضمون مفید زائد علی الجواب سنو کہ قیامت کا دن بڑی پیشی کا دن ہوگا اور ظاہر ہی کہ پیشی اسکو پسند ہوتی ہی جو با زیب و فر ہو جو شخص ہندی زشت رو کی طرح سیاہ ہوگا پیشی کے دن اسکی رسوائی ہی چونکہ اسکا چہرہ آفتاب کا سا نہین ہی وہ صرف رات کو پسند کریگا جو نقاب کی طرح چھپائے رہے چنانچہ خار دار درخت جس پر ایک برگ گل بھی نہین آتا موسم بہار اسکی قلعی کھولنے مین دشمن ہی اور جو سر تا پا گل اور سوسن ہو بہار اسکو مثل چشم کے عزیز ہی غرض خار بے کمال تو خزان چاہتا ہی تا کہ خزان مین گلستان کے مقابلہ کا دعوے کر سکے تا کہ اس کا حسن اور اس کا عیب چھپا رہے تا کہ ان دونون کا رنگ اصلی نظر نہ آوے پس اس کے لیے

خزان ہی بہار اور حیات ہی تاکہ سنگ اور یاقوت پاکیزہ ایک نظر آوے (مطلب یہ کہ دنیا مین کہ مثل خزان ہی سب کا نیک و بد مخفی ہی قیامت مین کہ مثل بہار ہی سب کھل جاوے گا پس نیک اُسکے متمنی ہین اور بد متوحش)

باغبان ہم داند آن را در خزان	لیک دید یک بہ از دید جہان
خود جہان آن یک کس ست و آگہ است	ہر ستارہ بر فلک جزو مہ است
او جہان کامل ست و مفرد ست	نسخۂ کل وجود او را بدست
خود جہان آن یک کس ست و باقیان	جملہ اتباع و طفیلند اے فلان

(اوپر قیامت کا روز عرض اکبر ہونا بیان کیا تھا جس سے غرض یہ تھی کہ جب قیامت مین اس طرح عیوب باطنہ پر اطلاع عام ہوگی تو اسکی اصلاح کی تیاری کرنا ضروری ہی چنانچہ احقر نے اس غرض کی طرف اُن اشعار کی شرح مین اشارہ کیا ہی اب اس مقام مین اُسی غرض کی تکمیل کا طریقہ تبلانا منظور ہی جسکا حاصل یہ ہے کہ اصلاح عیوب بدون اطلاع عیوب ممکن نہین بعض امراض و عیوب اسقدر دقیق و خفی ہین کہ خود خواہان اصلاح کو اسپر اطلاع نہین ہوتی جیسا کتب سلوک و تہذیب دیکھنے سے معلوم ہوسکتا ہی تو ایسے شخص کی ضرورت ہوئی جو ایسے امراض کی تشخیص و تمیز کرسکے اور وہ شیخ کامل ہی پھر شیخ کامل جو تشخیص کرتا ہی اُس مین اکثر اسکی بھی ضرورت ہوتی ہی کہ یہ اپنے عیوب جسقدر اسکی سمجھ مین آوین اُس سے پوشیدہ نہ کرے جیسے بعینہ مثال طبیب کی ہی کہ بعض احوال نبض و قارورہ یا لمس یا لون بشرہ سے پہچان لیتا ہی اور بعض احوال مین خود اس مریض کے بیان کی بھی ضرورت ہوتی ہی تو اس خاص حالت مین بعض اوقات نفس اُسکے سامنے اظہار عیوب مین منقبض ہونے لگتا ہی پس مولانا ان اشعار مین ان دونون مضمونون کا بیان کرتے ہین شیخ کامل کے مبصر ہونے کا بھی اور اُس سے اپنے عیوب پوشیدہ نہ کرنے کا بھی پس ارشاد ہے کہ باغبان اُس (گل و خار) کو خزان مین بھی (کہ اُسوقت سب درخت ایک حالت مین ہین) جانتا ہے (کہ کس مین گل ہوگا کس مین نہ ہوگا) لیکن (بُرے درختون کے لیے) اس ایک کا دیکھنا تمام جہان کے دیکھنے سے (کہ موسم بہار مین واقع ہوگا) بہتر اور غنیمت ہی (کہ ایک ہی نظر مین رسوائی ہی ممکن ہی کہ فن باغبانی سے اسمین سے کوئی ایسا مادہ جدا کردے یا ایسا پیوند لگا دیا جاوے جس سے اسکے اوصاف کی تبدیلی ہوجاوے یہان شیخ کامل کو بوجہ مبصر و مصلح دقائق نفسانیہ ہونے کے باغبان سے تشبیہ دی ہی اور دنیا کو خزان سے تشبیہ دی ہی کہ اسمین وہ دقائق نظر عام سے مخفی ہین غرض تشبیہ سے یہ ہوئی کہ شیخ کامل کو ان دقائق عیوب کی اطلاع دینا بھی ہوسکتی ہی لیکن اس کے روبرو عیوب مذکورہ کے ظاہر ہونے سے شرم و عار کرنا نہ چاہیے اس لیے کہ یہان صرف ایک کو اطلاع ہوگی اور قیامت مین تمام جہان کو پھر اس ایک کی اطلاع ہر طرح مفید ہی کہ اصلاح کردے گا اور وہ عام اطلاع بجز اہانت کے

اور کیا ہوگی اس لیے شیخ کامل کو طلب کرکے اس سے اصلاح کرا لینا ضروری ہے آگے شیخ کامل کی علو شان کا بیان ہے تاکہ طالب کو عقیدت سے زیادہ نفع ہو پس ارشاد ہے کہ) وہ (شیخ) خود تن تنہا (بوجہ جامعیت کمالات کے) بجائے ایک عالم کے ہے اور وہ (ان دقائق عیوب سے) آگاہ ہے (دوسرے اہل عالم کی مثال اسکے سامنے ایسی ہے جیسے جتنے ستارے آسمان پر ہیں وہ چاند کے سامنے (نورانیت میں) ایک ادنی درجہ کی چیز ہیں اور وہ شخص بجائے پورے جہان کے ہے اور (اپنے کمالات میں) یکتا ہے اور نسخہ مقصود اعظم ہستی کا (کہ حقیقت انسانیہ ہے) اس کے ہاتھ میں ہے (حقیقت انسانیہ کا مقصود اعظم ہونا ظاہر ہے اور اسکے ہاتھ میں ہونے کے معنے یہ ہیں کہ اگر کوئی طالب صادق اس سے اپنی اصلاح باطل کرانا چاہے تو اس پر خوب قادر اور اس میں خوب ماہر ہے) اور وہ شخص اکیلا گویا سارا جہان ہے اور باقی سب لوگ اسکے تابع اور طفیلی ہیں (منافع دنیویہ میں بھی کہ ان حضرات سے عالم قائم ہے جس سے سب منتفع ہوتے ہیں اور منافع دینیہ میں بھی کہ سب کا انکی طرف محتاج ہونا محتاج بیان نہیں)

پس ہمیگویند ہر نقش و نگار　　مژده مژده نک ہمی آید بہار
تا بود تابان شگوفہ چون زره　　تا کنند آن میوه ہا پیدا گره
چون شگوفہ ریخت میوه سر کند　　چونکہ تن بشکست جان سر بر زند

(اوپر قیامت کا روز عرض اکبر ہونا مذکور تھا اب اسکے قرب آمد کا بیان فرماتے ہیں تاکہ طالب نجات و قرب الٰہی لیت و لعل کو چھوڑ کر اُسکے لیے مستعد ہو جاوے یعنی) پھر یہ سمجھو کہ (دنیا کا) ہر نقش و نگار (اپنے خزان تغیر و فنا سے) یہ مژده یعنی خبر دے رہا ہے کہ اب بہار (قیامت) چلی آ رہی ہے (جسطرح خود خزانی حالت بتلا دیتی ہے کہ اسکے ختم ہونے پر بہار آویگی اسیطرح دنیا میں ہر جزو کا فنا مشعر ہے فنائے کل پر جسکے بعد قیامت ہو گی وجہ تشبیہ اسکی بہار کے ساتھ اوپر آ چکی ہے اور اس اخبار و دلالت کی غایۃ یہ ہے) تاکہ (ابتدائے بہار میں) شگوفے ذرہ کی طرح چمکنے لگیں اور تاکہ (شباب بہار میں) وہ میوے اپنی گرہ ظاہر کریں اور (شگوفہ آجانے کے بعد میوہ میں کچھ دیر نہیں ہے شگوفہ جھڑنے کی دیر ہے) جون ہی شگوفہ جھڑا اور میوہ اُبھرا (اسی طرح دلائل قیامت بتلا رہے ہیں کہ یہ نشو و نما بدن کا اور بڑھنا عمر کا کہ مشابہ ہے شگوفہ کھلنے کے روز انہ اُس بہار قیامت سے قریب کر رہا ہے جسمیں معانی و دقائق خفیہ کہ بمنزلہ ثمرات بدن کے ہیں ظاہر ہونے والے ہیں اسکے ظہور میں بجز فنائے بدن کے اور کچھ دیر نہیں ہے جیسا فرماتے ہیں کہ) جون ہی یہ تن شکستہ و فنا ہوا اور روحانی حالات کا ظہور ہوا (جیسا حدیث میں ہے من مات فقد قامت قیامتہ اور پھر قیامت کبرےٰ میں بھی کیا دیر لگے گی کہ عمر برزخ حسب فحوائے نصوص بہت قصیر معلوم ہوگی سوال اس تشبیہ سے تقریر مذکور پر لازم آتا ہے کہ ابتدائے بہار دنیا ہی میں آ گئی ہے کیونکہ شگوفہ ابتدائے بہار میں ہوتا ہے اور اس سے اندیاد بدن و عمر کو تشبیہ دی ہے اور یہ دونوں چیزیں دنیا میں ہیں جواب یہ ہے

اگر کوئی چیز کچھ نہ کچھ تغیر سے خالی نہین اور ہر تغیر مقدمۂ فنا ہی جیسا حدیث مین ایسے حوادث کو منایا فرمایا ہے اور فنا مقدمۂ قیامت ہی اس بنا پر ہر تغیر مقدمۂ قیامت ہی پس ابتداء بہار ہو گئی)

آن شگوفه مژده میوه نعمتش	میوه معنی و شگوفه صورتش
چونکه آن کم شد شد این اندر مزید	چون شگوفه ریخت میوه شد پدید
تا شکسته خوشهاکے مے دهد	تا که نان نشکست قوت کے دهد
کے شود خود صحت افزا ادریه	تا هلیله نشکند با ادویه

(اسمین انتقال ہی فنائے اضطراری سے (جسکا اوپر بیان تھا) فنائے اختیاری کی طرف اور فائدہ اسکا ترغیب ہی مجاہدہ و ریاضت پر جو کہ مقصود اصلی ہی بیان قیامت سے یعنے اوپر کی تشبیہ سے معلوم ہو گیا کہ میوہ مثال معنی کی ہی اور شگوفہ مثال صورت کی اور شگوفہ گویا مخبر ہی اور میوہ اُسکا مقصود بالبشارت ہی اور جب شگوفہ گرتا ہے تب میوہ ظاہر ہوتا ہی اور جون جون شگوفے (گر گر کر) کم ہوتے جاتے ہین اتنے ہی یہ میوے افزون ہوتے جاتے ہین (پس اسی طرح اوصاف جسمانیہ حجاب اوصاف روحانیہ کے ہین اس لیے ان کو مجاہدہ و ریاضت سے فنا کرو تاکہ اوصاف روحانیہ سے مشرف ہو اور یہی فنائے اختیاری ہی آگے اس کی مثال ہی کہ بدون فنا کے مقصود اصلی حاصل نہین ہو سکتا یعنے دیکھو جب تک روٹی (کھانے کے لیے) توڑی نہ جاوے تو قوت نہین دے سکتی (کیونکہ وہ معدہ مین جا ہی نہین سکتی) اور اسی طرح جب تک (انگور کے) خوشے کچلے نہ جائین تو شراب نہین نکل سکتی اسی طرح جب تک ہلیلہ کو دوسری دواؤن کے ساتھ کوفتہ نہ کیا جاوے (جس سے استعمال کے قابل ہو جاوے) اسوقت تک پھیپھڑے کے لیے صحت افزا نہین ہو سکتی (پس جس طرح ان مثالون مین بدون شکستگی کے اصلی غرض حاصل نہوئی اسیطرح بدون فنا مقصود اصلی تک رسائی مشکل ہی اور چونکہ ریاضت و مجاہدہ کی تعیین طرق و تعدیل و ترتیب مین مرشد کامل کی حاجت ہوتی ہے اسلیے آگے اوصاف مرشد کامل کے اور آداب مسترشد کے بیان فرماتے ہین اور گو اوپر ان اشعار مین کہ باغبان ہم داند او کسیقدر اسکا بیان ہوا ہے مگر وہ بہت مجمل تھا اور یہان مفصل ہے) واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب و قد تم بحمد اللہ و عونہ الربع الثالث من ترجمۃ الدفتر الاول من المثنوی المعنوی للسابع والعشرین من جمادی الاولی سنہ ۱۳۲۶ھ من الہجرۃ النبویہ صلے اللہ علیہ وسلم عدد البریہ فقط۔

در صفت پیر و مطاوعت کردن با او

وجہ ارتباط ابھی اس سرخی سے اوپر بیان ہو چکی ہے

ای ضیاء الحق حسام الدین بگیر	یک دو کاغذ بر فزا در وصف پیر

گرچه جسمت نازک ست و بس نزار	بر نمی آید جهان را بے تو کار
گرچه جسم نازکت را زور نیست	لیک بے خورشید ما را نور نیست
گرچه مصباح و زجاجه گشتهٔ	لیک سرخیل دل و سررشتهٔ
چون سر رشته بدست و کام تست	درهاے عقد دل ز انعام تست

یعنے اے ضیاء الحق حسام الدین (جوکہ مثنوی کے تصنیف کے باعث ہین اور وہی لکھتے جاتے تھے) ایک دو ورق اور لیکر مرشد کامل کے اوصاف مین بڑھا او راگرچہ آپکا جسم (کثرت ریاضات سے) بہت ہی نازک اور ضعیف ہے (کہ لکھنے کی زیادہ مشقت کی برداشت مشکل ہی) مگر بدون آپ کے اہل جہان کی (یعنے انمین جو طالب ہین انکی) کار برآری (تحقیق اسرار و تعلیم طریقت کی) نہین ہوتی اور اگرچہ آپکے جسم نازک مین قوت نہین لیکن کیا کیا جاوے کہ) بدون خورشید کے ہم لوگونکو (یعنے طالبین کو) نور نہین میسر ہوتا (یعنے چونکہ آپ اپنے وقت کے شیخ ہین اور بدون توجہ شیخ الوقت کے طالبونکو نور باطنی اور مقصود اصلی نہین حاصل ہوتا اس لیے آپ اُن کے نفع رسانی کے لیے تعب برداشت فرمایئے جسمین اس مضمون کا تحریر فرمانا بھی داخل ہی) اور اگرچہ آپ (نورانیت مین) مثل چراغ اور (لطافت مین) مثل قندیل شیشہ کے ہوگئے (اور ایسے منور و لطیف کو وجالی الخلق مکدر و مشوش کرتی ہی لیکن (اسکے ساتھ ہی) آپ گروہ اہل دل کے سرخیل (اور پیشوا یعنی شیخ) اور (تصنیف مثنوی کے لیے) سر رشتہ اور سبب نظم بھی ہین پس جب (اسکا) سر رشتہ آپکے ہاتھ اور قبضہ مین ہی تو اس باطنی ہار (یعنے مثنوی) کے موتی (یعنے مضامین و اسرار) آپکے انعام کے سبب ہین کہ نفع رسانی خلائق آپ کو باعث ہوئی کہ مجھ پر تصنیف مثنوی کے لیے اصرار فرمایا یہی انعام ہی طالبین پر پس یہ دوسری وجہ اس مضمون کے تحریر فرمانے کی ہوئی حاصل اس وجہ کا یہ ہوا کہ علاوہ شیخ کامل ہونیکے دوسرا یہ امر بھی اسکا مقتضی ہی کہ آپ باعث تالیف ہین پس آپکے جذب رغبت سے یہ مضامین لکھے جاتے ہین اگر آپ اکتا جاوین تو مین بھی یہ مضامین نہین لکھ سکتا اس لیے آپ کو توجہ فرمانا تحریر مین ضرور ہوا تاکہ مجھ پر آمد ہو اور لکھتا جاؤن)

بر نویس احوال پیر راه دان	پیر را بگزین و عین راه دان
پیر تابستان و خلقان تیر ماه	خلق مانند شب اند و پیر ماه
کرده ام بخت جوان را نام پیر	کو ز حق پیرست نز ایام پیر
او چنان پیرست کش آغاز نیست	با چنان دُر یتیم انباز نیست
خود قوی تر می شود خمر کهن	خاصه آن خمرے که باشد من لدن
خود قوی تر می شود خمر قدیم	آن کهن تر بهتر اے شیخ علیم

(یعنے جب ثابت ہوگیا کہ آپ کو تحریر مین توجہ فرمانا ضروری ہی تو بس) مرشد واقف طریقت کا حال لکھیے

(اور وہ حال یہ مضامین ہین کہ اے طالب) پیر کو اختیار کرو اور اسکو عین رستہ سمجھو (یعنے راہ باطن کے لیے اسکو ایسی شرط اعظم سمجھو کہ گویا رستہ وہ خود ہی) پیر کی مثال موسم تابستان یعنی بہار کی سی سمجھو اور باقی خلائق کی مثال تیرماہ یعنی موسم خزان کی سمجھو (کہ خزان کی بے رونقی بہار ہی سے مبدل بہ رونق ہوتی ہی اسی طرح قلب کی تیرگی مرشد ہی سے مبدل لطف ہوتی ہی) اور خلائق مثال شب کی ہین اور پیر مثل چاند کے ہی) کہ شب چاند سے منور ہوتی ہی اسی طرح باطن خلق مرشد سے منور ہوتا ہی آگے لفظ پیر سے جو ایہام ہوتا ہی کہ شاید اُسکا بوڑھا ہونا ضروری ہی اسکے دفع کے لیے فرماتے ہین کہ) مین بخت جوان کو پیر کہہ رہا ہون (یعنی دولت باطنی سے جو خوش اقبال ہو مراد پیر سے وہ ہی خواہ جوان ہو یا بوڑھا) کیونکہ پیر کا پیر ہونا حق تعالی کی طرف سے ہی نہ کہ ایام و سال سے (یعنے اسکی ظاہری کم عمری وجوانی سے اسکے پیر ہونے مین شبہہ مت کرو کیونکہ) یون تو وہ ایسا پیر اور اتنا قدیم ہی جسکا کہین آغاز ہی نہین اور ایسے دُر یتیم کا کوئی نظیر نہین (اسکا یہ مطلب ہی کہ حق تعالی کے علم قدیم مین سب کا سعید و شقی ہونا موجود ہی اس سعادت معلومہ بعلم قدیم ازلی کے اعتبار سے مجازاً اُسکو قدیم کہدیا یعنے گو خود پیر قدیم نہین مگر پیری تو قدیمی ہی اور پیری ہی دیکھنے کی چیز ہی اور اسی طرح اگر وہ عمر مین بھی بوڑھا ہو تو اسکے ضعف جسمانی سے ضعف روحانی وضعف احوال باطنہ کا شبہہ مت کرو کیونکہ) پرانی شراب تو اور زیادہ تیز ہوجاتی ہی پھر خاص کر وہ شراب جو حق تعالی کی طرف سے ہو (یعنے شراب محبت وکیفیت باطنی) تو ایسی شراب تو کسقدر زیادہ اچھی ہوتی ہی (وجہ یہ کہ کیفیت باطنیہ یوماً فیوماً ترقی پذیر ہوتی ہی پس بڑھاپے مین روحانی قوت گھٹتی نہین بلکہ بڑھتی ہی پھر یہ کہ اسکا تجربہ وبصیرت احوال طالبین کے متعلق زائد ہوجاتا ہے اسلیے بوڑھا ہونا اُسکو مضر نہ طالب کو مضر۔

پیر را بگزین کہ بے پیر این سفر	ہست بس پر آفت و خوف و خطر
آن رہے کہ بارہا تو رفتۂ	بے قلاوز اندران آشفتۂ
پس رہے را کہ ندیدستی تو ہیچ	ہین مرو تنہا ز رہبر سر مپیچ
ہر کہ او بے مرشدے در راہ شد	او ز غولان گمرہ و در چاہ شد
گر نباشد سایۂ پیر اے فضول	پس ترا سر گشتہ دارد بانگ غول
غولت از رہ افگند اندر گزند	از تو داہی تر درین رہ بس بدند

(مربوط ہی اس مصرعہ کے ساتھ پیر را بگزین وعین راہ دان یعنے) پیر کو اختیار کرو کیونکہ بدون پیر کے یہ سفر (سلوک باطنی) سخت پر آفات وخطرات ہی (دیکھو جس رستہ مین بارہا چلنے کا تمکو اتفاق ہوا ہو (اکثر اوقات) بلا رہبر کے اسمین پریشان ہوجاتے ہو تو (بھلا) جس رستہ کو کبھی دیکھا تک نہ ہو جیسے طریق سلوک) اسمین تنہا ہرگز مت چلنا اور رہبر سے انحراف مت کرنا جو شخص بلا مرشد اس رستہ مین چلتا ہی وہ شیاطین (کے اغواء سے) گمراہ اور ہلاکت مین واقع ہوجاتا ہی یعنے اگر سایہ (توجہ وتعلیم) مرشد نہ ہو تو شیاطین کی آواز (یعنے خطرات و

عقائد فاسدہ) تمکو پریشان کریں اور شیاطین تمکو راہ (مستقیم) سے گزند (ہلاکت) میں ڈالدیں تمسے زیادہ زیرک اس راہ میں ہوے ہین (اور شیاطین نے اُنکو خراب کیا ہی (بدون مرشد کے گمراہ ہونیکی وجہ جاہل کے لیے تو یہ ہی کہ اسکو علم شریعت کا نہین ہوتا ذرا ذکر سے قلب مین کوئی کیفیت پیدا ہو گئی اپنے کو صاحب کمال سمجھنے لگا تکبر سے خراب ہوا کچھ کشف ہونے لگا اور اُسکی حقیقت نہ سمجھا اپنی کشف کے اعتماد پر کسی امر شرعی کا انکار کرنے لگا کوئی شیطانی خیال نظر آگیا کہ فلان گناہ کر لے اسکو کر بیٹھا خصوصًا جب باطنی ذوق وشوق یا کشف مین کمی نہ پائی پورا یقین ہو گیا کہ یہ فعل جب مضر باطن نہین ہوا تو حلال ہو گا حالانکہ یہ کیفیات اگر مخالف شرع کے ساتھ ہون قابل اعتبار نہین یہ ثمرہ ریاضت کا ہی نہ دلیل قبول کی اور اگر وہ شخص عالم ہی تو شیطان اُسپر اس طرح تسلط کرتا ہی کہ اول کسی طاعت کی طرف بُلاتا ہی اور انجام اسکا کوئی معصیت ہوتی ہی یا ریاضت مین اعتدال نہین رہتا اور اس سے جسمانی ضرر ہوتا ہی اور بہت سی طاعات ضروریہ سے بیکار ہو جاتا ہی بعض اوقات دقائق معصیت تک نظر نہین پہونچتی دنیا اور ایسی معاصی مین ہمیشہ مبتلا رہتا ہی بعض اوقات اطلاع پر بھی مرض کچھ ہوتا ہی علاج کچھ کرتا ہی بعض اوقات عقائد مین وسوسہ ڈالتا ہی اور دلیل کے مقدمات مین خدشہ نکالتا ہے حتے کہ بددین کر دیتا ہی آخر یہ بہتر فرقے گمراہ کیا علما سے خالی تھے ان ہی طریقون سے شیطان نے برباد کیا بعض اوقات اس تردد مین رہتا ہی کہ میرے لیے کون عمل نافع ہو گا کبھی اس کو لیا کبھی اُس کو لیا اسی طرح ایک پر بھی دوام نہین رہتا اور اُس کے برکات نہین ملتے پس شیطان کی ان سب چالاکیون کا دفعیہ شیخ کامل جانتا ہی اسکے اتباع سے آدمی سب بلاؤن سے محفوظ رہ سکتا ہی خوب یاد رکھو)

از نبی بشنو ضلالِ رہروان	کہ چہ شان کرد آن بلیس بد روان
صد ہزاران سالہ رہ از جادہ دور	بردشان و کردشان زاد بار عور
استخوانہا شان ببین و موے شان	عبرتی گیر و مران خر سوے شان
گردن خر گیر و سوے راہ کش	سوی رہبانان و رہ دانان خوش
ہین مہل خر را و دست از وے مدار	زانکہ عشق اوست سوے سبزہ زار
گر یکے دم تو بہ غفلت واہلیش	او رود فرسنگہا سوے حشیش
دشمن راہ ست خر مستِ علف	اے بسا خربندہ را کردہ تلف

(خربندہ آنکہ منقاد و مسخر خراست یہ دلیل ہی اُس مصرعہ کی کہ تو واہی تردین رہ بس بدند + اور پھر اسپر تفریع ہی یعنی) قرآن مجید سے ایسے رہرون کی ضلالت کا حال سُن لو (جنھون نے مرشدان کامل یعنی انبیاء علیہم السلام کا اتباع نہین کیا) کہ ابلیس بد ذات نے اُنکی کیا گت بنائی کہ جادہ مستقیم سے اُنکو لاکھون برس کی مسافت پر دور جا ڈالا اور اُنکو ادبار مین پھنسا کر (دولت ایمان سے) برہنہ کر دیا تم اُنکی ہڈیان اور بال دیکھکر عبرت پکڑو اور اپنے

خرِ نفس کو اُنکی (راہ) کی طرف مت چلاؤ (یعنے انہماک شہوات مین جوکہ سبب ہوا تھا انبیاء علیہم السلام کے اتباع نہ کرنے کا اُنکی موافقت مت کرو) بلکہ اس خرِ نفس کی گردن پکڑ کر راہ (مستقیم) کی طرف لے چلو یعنی جو اس راہ پر چل رہے ہین اور اس راہ کو جانتے ہین (اُنکی طرف لے چلو) اور اس خرِ نفس کو یون ہی (مطلق العنان) مت چھوڑ دو اور اس سے بیفکر مت ہو کیونکہ اسکا میلان سبزہ زار (یعنے لذات نفسانیہ) کی طرف ہو اگر تم ایک لحظہ بھی غفلت سے اسکو چھوڑ دوگے تو یہ کوسون گھاس کی طرف کو نکل جاوے گا (یعنے ہر وقت اسکی مراقب رہو کہ یہ اپنی خواہش کو کسی امر عظیم یا خفیف مین امر حق پر غالب نہ کردے) یہ خرِ نفس دشمن راہ حق ہے اور علف کا مست ہو اور اسنے بہت سے پیروان نفس کو برباد کیا (اگر کسی کو شبہہ ہوا ہو کہ دعویٰ تو یہ تھا کہ پیر کی ضرورت ہو اور دلیل مین ضرورت اتباع نبی کی ثابت کی پس جو شخص مسلمان ہو اسکے لیے پیر کی ضرورت نہ ہوئی اور جو کافر ہو اُسکو مسلمان ہونا کافی ہو جواب یہ ہو کہ اصل مقصود اتباع نبی کا ہو اور وہی مرشد اصلی ہین مگر خود اُنکی اتباع کامل کا طریقہ بھی راے سے یا علم رسمی سے معلوم نہین ہوتا جیسا ابھی اوپر گذرا ہو اس لیے جس شخص کا پیر نہ ہو وہ نبی کا بھی پورا متبع نہین البتہ زمان نبوت مین خود بلا واسطہ چونکہ نبی سے استفادہ ممکن ہو لہذا واسطہ کی حاجت نہین)

گر ندانی رہ ہر آنچہ خر بخواست	عکس آن کن خود بود آن راہ راست
شاوروہن پس آنگہ خالفوا	ان من لم یعصہن تالف
با ہوا و آرزو کم باش دوست	چون یضلک عن سبیل اللہ اوست
این ہوا را نشکند اندر جہان	ہیچ چیزے ہمچو سایہ ہمرہان

اوپر کہا ہو کہ نفس کا اتباع مہلک ہو اور مرشد رہنما کا اتباع منجی ہو اب فرماتے ہین کہ اگر (کسی وجہ سے اتفاقاً رہنما نہ ملنے سے) تم راہ معلوم نہ کرسکو تو (اسوقت یہ تدبیر ہو کہ) جو کچھ یہ خرِ نفس خواہش کرے اُس کے خلاف کرو کہ وہی راہ راست ہوگی (جیسا وارد ہو کہ) عورتون سے مشورہ لو پھر اُن کے خلاف کرو اور جو شخص عورتون کے خلاف نہ کریگا تلف ہوگا (یعنے یہی حالت نفس کی ہو اور امر مشترک دونون مین نقصان عقل ہے یہ مضمون حدیث کر کے مشہور ہو مجکو اسکی تحقیق نہین اگر ثابت ہو جاوے تو باعتبار اکثر کے ہوگا ورنہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرۂ حدیبیہ مین حضرت ام سلمہؓ کا مشورہ قبول فرمایا اور اسمین پوری کامیابی ہوئی اور جاننا چاہیے کہ یہ قاعدہ کہ نفس کے خلاف مین خیر ہو یہ مواقع مشتبہ مین ہو ورنہ محل غیر مشتبہ مین کسی معیار کی حاجت نہین حکم شرعی کافی ہو) غرض آرزو و ہواے نفسانی کا دوست (یعنی پیرو) مت بنو چونکہ اسکی یہ حالت ہو کہ تمکو اللہ کے رستے سے بہکا دیتی ہو (جیسا قرآن مین ہو لا تتبع الہویٰ فیضلک عن سبیل اللہ) اور اس ہواے نفسانی کو دنیا مین کوئی چیز بجز ظل (عنایت) رفقاء طریق (یعنی مرشدان کامل) کے شکستہ کرنیوالی نہین۔

وصیت کردن رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم مر علیؓ را کہ چون ہر کسے بنوع طاعتے تقرب از حق تعالی جوید تو تقرب جو بصحبت عاقل و بندۂ خاص تا از ایشان ہمہ پیشقدم باشی قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا تقرب الناس الی خالقھم بانواع البر فتقرب الی ربک بانواع العقل والسر تسبقھم بالدرجات والزلفے عند الناس فی الدنیا وعند اللہ فی الآخرۃ

اس سے تائید ہے شعر بالا ع این ہوا را نشکند الخ کی اور اس حدیث کی مجکو تحقیق نہین مگر مضمون بہت احادیث سے موافق ہی جنمین صحبت نیک کی برکات وارد ہین۔

گفت پیغمبر علیؓ را کاے علیؓ — شیر حقے پہلوانے پر دلے
لیک بر شیرے مکن ہم اعتمید — اندر آ در سایۂ نخل امید
ہر کسے گر طاعتے پیش آورند — بہر قرب حضرت بیچون و چند
تو تقرب جو بعقل و سر خویش — نے چو ایشان بر کمال و بر خویش
تو در آ در سایۂ آن عاقلے — کس نتاید برد از رہ ناد لے
پس تقرب جو بدو سوے الہ — سر مپیچ از طاعت او ہیچ گاہ
زانکہ او ہر خار را گلشن کند — دیدۂ ہر کور را روشن کند
ظل او اندر زمین چون کوہ قاف — روح او سیمرغ بس عالی طواف
دست گیر و بندۂ خاص الہ — طالبان را می برد تا پیش گاہ
گر بگویم تا قیامت نعت او — ہیچ آنرا مقطع و غایت مجو
آفتاب روح نے آن فلک — کہ ز نورش زندہ اند انس و ملک
در بشر روپوش گشتست آفتاب — فہم کن واللہ اعلم بالصواب

یعنے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ سے فرمایا کہ تم اسد اللہ ہو پہلوان ہو قوی القلب ہو لیکن تاہم شیری پر اعتماد نہ کرنا بلکہ نخل امید (یعنے کامل) کی سایہ (صحبت) مین رہنا اور جیسا اور لوگ تحصیل قرب درگاہ حق کے لیے مختلف اقسام کی طاعت بجا لاوین تو تم اپنی عقل (یعنی معرفت) اور کیفیت باطنی (یعنی محبت) سے قرب حاصل کرنا نہ کہ ان لوگونکی طرح محض اپنے کمال اور اعمال (ظاہری) سے (اور معرفت اور محبت کا حصول و بقا صحبت کامل پر موقوف ہی اسلیے تم عارف کامل کے زیر سایہ رہنا جو (بوجہ تمکین و تحقق کے) ایسا ہو جسکو کوئی شخص راہ سے نہ ہٹا سکے (جیسا اہل تلوین و اہل تقلید قائم نہین رہتے) پس ایسے شخص کے ذریعہ سے اللہ تعالے کا قرب حاصل کرو اور (طریق سلوک مین) اُسکی اطاعت سے ہرگز سرتابی مت کرو کیونکہ وہ ناقص کو کامل کر دیتا ہے اور بے بصیرت کو صاحب بصیرت کر دیتا ہے اور اسکا سایہ

(یعنی جسم کہ مثل ظل کے تابع روح ہی) زمین پر وہ قاف کی طرح پڑتا ہی (یعنی جیسا اُسکا سایہ زمین پر پڑتا ہی اور اُسمین اشارہ لطیف ہے اسکے استقلال وتمکین کی طرف) لیکن اُسکی روح مثل سیمرغ کے نہایت عالی طواف ہوتی ہی (یعنے اس کو علو روحانی نصیب ہوتا ہی) وہ دستگیر (طالبون کا) اور بندہ خاص اللہ تعالی کا ہوتا ہی کہ طالبون کو پیشگاہ قرب تک لیجاتا ہی اور اگر مین قیامت تک اُسکی تعریف کرون تب بھی اُسکی انتہا مت ڈھونڈھو وہ آفتاب روح ہی نہ کہ آفتاب فلک اور اُسکے انوار سے تمام انسان اور ملائکہ زندہ ہین وہ آفتاب روح اس جثۂ بشریہ مین پنہان ہو رہا ہی اُسکو خوب سمجھ لو اور صواب یقینی اللہ ہی کو معلوم ہی اشارہ ہی اسطرف کہ روح انسانی مجرد ہی اور ملائکہ مادی اور مادی نور مین مجرد سے کم ہی پس گویا وہ اسکا محتاج فی النور ہی اسلیے مبالغۃً زنورش زندہ کہدیا اور انسانون کا اس سے زندہ ہونا باعتبار حیات علمی کے ہی اور چونکہ انسان کامل کے معارف وحالات برابر متزائد رہتے ہین اسلیے مقطع محو فرمایا یعنے لاتقف عند حد ہین اور چونکہ تجرد روح کا کشفی ہی جو مظنون ہوتا ہی اسلیے اللہ اعلم بڑھا دیا اور ممکن ہی کہ شعر اخیر مین آفتاب سے مراد نور حق ہو اور روپوشی سے مراد مظہریت ہو بواسطہ روح کے بوجہ اسکے کہ روح بہ نسبت اور موجودات کے مظہر اتم ہی اور اس اشارہ کے دقیق ہونے کی وجہ سے فہم کن بڑھا دیا ہو۔

یا علی از جملهٔ طاعات راه　　برگزین تو سایهٔ خاص آله
ہر کسے در طاعتے بگریختند　　خویشتن را مخلصی انگیختند
تو برو در سایهٔ عاقل گریز　　تا رہی زان دشمن پنہان ستیز
از ہمہ طاعات اینت لائق ست　　سبق یابی بر ہر آن کو سابق ست
چون گرفتی پیر ہین تسلیم شو　　ہمچو موسے زیر حکم خضر رو
صبر کن بر کار خضرے بے نفاق　　تا نگوید خضر رو ہذا فراق
گرچہ کشتی بشکند تو دم مزن　　گرچہ طفلے را کشد تو مو مکن
دست او را حق چو دست خویش خواند　　تا ید اللہ فوق ایدیہم براند
دست حق میراندش زندہ اش کند　　زندہ چہ بود جان پایندہ اش کند

(یہ رجوع ہی اُس شعر کی طرف تو در آ در سایۂ آن عاقلی الخ یعنے) اے علی راہ حق کی تمام طاعات مین سے تم خاصان خداوندی کے سایہ (صحبت) کو (اہتمام مین) ترجیح دینا ہر شخص ایک ایک طاعت کی پناہ لے رہے ہین اور اپنے لیے خلاصی کی صورت نکال رہے ہین تم ایسے وقت مین کسی عاقل (عارف) کے سایہ صحبت کی پناہ لینا تاکہ (اُسکی برکت صحبت سے) (اس دشمن پنہان جنگ) یعنے نفس (سے چھوٹ جاؤ تمام طاعات مین یہی تمہارے لیے (زیادہ) لائق ہی اور جتنے لوگ مراتب مین بڑھ گئے ہین تم اسکے سبب اُن سب سے بڑھ جاؤ گے (وجہ یہ ہی کہ عارف کامل کی صحبت وتعلیم سے خلوص عبادات مین بڑھ جاتا ہی جسکے بدون عبادتین صورتین بے معنے ہوتی ہین اب بعد ترغیب صحبت کامل کے بعض آداب صحبت کامل کے بتلاتے ہین کہ) جب تم پیر بنالو تو یاد رکھو کہ ہمہ تن تسلیم بن جانا

او حضرت موسی علیہ السلام کیطرح زیر حکم خضر علیہ السلام چلنا (کہ اُنھون نے فرمایا تھا لا تعصے لک امرا) او خضر یعنے مرشد کامل کے افعال پر صبر (و سکوت) کرنا تاکہ خضر یون نہ کہدین کہ جاؤ ہماری تمھاری جُدائی ہی جسطرح موسی علیہ السلام سے جب صبر نہ ہوا تو خضر علیہ السلام نے فرمایا ہذا فراق بینی و بینک پس تشبیہ صرف بے صبری پر فراق کے مرتب ہونے مین ہی نہ کہ دونوان بے صبریون کے مساوات مین بھی کیونکہ موسی علیہ السلام کو بوجہ خود کامل ہونے کے یہ بے صبری اور یہ مفارقت مضر نہ تھی اور تمکو بوجہ ناقص ہونیکے مضر ہوگی حتی کہ اگر وہ کشتی کو توڑنے لگین تم دم مت مارنا اگر وہ طفل کو قتل کرنے لگین تم اپنے بال مت نوچنے لگنا (یعنے شور و شغب مت کرنا) اللہ تعالی نے جب اُس کے ہاتھ کو (بواسطہ یدِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے) اپنا ہاتھ فرمایا ہی یہانتک کہ ید اللہ فوق ایدیہم اسپر مرتب فرمایا ہی پس (یون سمجھو کہ اُس طفل کو اللہ کا ہاتھ مار رہا ہی اور زندہ کر رہا ہی اور زندہ کیا بلکہ اُسکو حیات ابدیہ بخش رہا ہی کیونکہ اس طفل کا قبل بلوغ مارا جانا اُسکے لیے کفر سے بچنے کا سبب ہوگیا جس سے حیات ابدیہ ضایع ہوجاتی۔ اور مقصود مولانا کا خصوصیت ان افعال کی نہین کیونکہ الہام سے قتل ہماری شریعت مین جائز نہین بلکہ غرض تشبیہ ہی یعنی اگر کوئی امر ظاہر اخلاف شرع اس سے سرزد ہو تو اسپر اعتراض مین جلدی اور بے صبری مت کرو اور یہ مطلب نہین کہ تو بھی تقلید کرنے لگے اور نہ یہ مطلب ہی کہ جب حد صبر سے خارج ہوجاوے تب بھی اسکا معتقد رہے بارہ حد صبر کی یہی ہی کہ غلبہ اسمین حالات محمودہ و علامات بزرگی کا ہو اور احیاناً کوئی امر ایسا صادر ہوجاوے تو اعتراض نہ کرے اور خود بھی تقلید نہ کرے اسی لیے صبر کن برکار فرمایا ہی اور کن عمل برکار نہین فرمایا اور تسلیم اور زیر حکم ہونے کو جو فرمایا ہی یہ خاص ہی طرق مختلفۂ سلوک مین کہ وہ سب دائرہ شرع شریف کے اندر داخل ہین۔

یار باید راہ را تنہا مرو　　از سر خود اندرین صحرا مرو
ہر کہ تنہا نادر این رہ را برید　　ہم بعون ہمت پیران رسید
دست پیر از غائبان کوتاہ نیست　　دست او جز قبضۂ اللہ نیست
غائبان را چون چنین خلعت دہند　　حاضران از غائبان لاشک بہ اند
غائبان را چون نوالہ مے دہند　　پیش مہمان تا چہ نعمت ہا نہند
کو کسے کو پیش شہ بندد کمر　　تا کسے کو ہست از بیرون در
جہد می کن تا رسے یابی درون　　ورنہ مانی حلقہ دار اندرون
چون گزیدی پیر نازک دل مباش　　سست و ریزندہ چو آب و گل مباش
نرم گوید سخت گوید خوش بگیر　　تا کند بر حملہ میراثت امیر
ور بہر زخمی تو پر کینہ شوی　　پس کجا بے صیقل آئینہ شوی

اسمین بھی ترغیب اور ضرورت پیر کی اور آداب صحبت کا بیان ہی (یعنے) راہ (حق) قطع کرنے کے لیے یار (یعنے مرشد) ضروری ہی تنہا یعنے اپنی رائے یا کتابون سے) سلوک طے نہ کرنا چاہیے اور خود سر ہو کر اس

میدان میں قدم رکھنا چاہیے اگر کسی نے شاذ و نادر اس راہ (سلوک) کو تنہا (بے صحبت پیر) قطع کر بھی لیا ہو وہ بھی
پیر ہی کے امداد ہمت (و توجہ) سے پہونچا ہو (یعنے اگر قرب جسمانی نہیں ہوا تو توجہ روحانی ضرور ہوتی ہے
کیونکہ پیر کا ہاتھ (یعنے تصرف باطنی) دور والوں سے بھی کوتاہ نہیں ہو اور اسکا ہاتھ تو اللہ ہی کا ہاتھ ہو جیسا اوپر
ید اللہ فوق ایدیہم کا حاصل گذر چکا ہو اور ید اللہ مقید قرب و بعد کا نہیں ہو یعنے اُنکی برکات توجہ و دعا و ہمت دور سے
بھی نافع ہیں بس بے پیر وصول جب بھی نہوا لیکن یہ سنکر صحبت جسمانی کو بیکار نہ سمجھنا کیونکہ دور والوں کو جب ایسی
خلعت دیتے ہیں تو پاس والے تو دور والوں سے بلاشبہ بہتر ہیں اور جب غائبوں کو بھی نوالہ دیدیتے ہیں تو مہمان
(جو کہ پاس ہوتا ہو اُسکے) روبرو تو کیسی کچھ نعمتیں رکھتے ہونگے اسکی مثال یہ ہو کہ کہاں تو وہ شخص جو بادشاہ کے
سامنے کمر بستہ تیار کھڑا رہتا ہو اور کہاں وہ شخص جو بیرون در پڑا ہو پس یہی کوشش کرنا چاہیے کہ اندر راہ
مل جاوے ورنہ زنجیر بیرونی کی طرح اندر سے دور رہیگے (یعنے صحبت جسمانی کا اہتمام ضروری ہو اس میں چند فوائد
ہیں اول خدمت سے پیر کا دل خوش کرنا دوم اُسکے تعلیم پر عمل کرکے اُسکی توجہ کو اپنی طرف منصرف کرنا سوم خود
اُسکے افعال و اشغال و اخلاق دیکھکر درستی ہونا چہارم مفصل تعلیم ہونا پنجم وقتاً فوقتاً شبہات و اغلاط کا رفع
ہوتا رہنا وغیر ذلک آگے آداب بتلاتے ہیں کہ) جب پیر بنا لیا تو نازک دل اور آب و گل کیطرح سست و ہر بات
پر بکھر جانے والے مت ہو آسان کام بتلاوے یا مشکل مجاہدہ تعلیم کرے خوشی سے قبول کرو تاکہ سب بڑوں کا
تمکو بڑا بناوے (یعنے درجۂ کمال تک پہونچاوے) اور اگر ہر بات کی تکلیف پر تنگدل و مکدر ہونے لگو تو (سمجھ لو کہ)
بے صیقل کیے (صفائی میں) آئینہ کی طرح کب بن سکتے ہو۔

قصۂ کبودی زدن قزوینی بر شانہ گاہ صورت شیر و پشیمان شدن بسبب زخم سوزن

این حکایت بشنو از صاحب بیان / در طریق و عادت قزوینیان
بر تن و دست و کتفہا بیدرنگ / میزنند از صورت شیر و پلنگ
برچنان صورت بیابی بی گزند / از سر سوزن کبودیہا زنند
سوی دلاکی بشد قزوینیی / کہ کبودم زن بکن شیرینیی
گفت چہ صورت زنم ای پہلوان / گفت بر زن صورت شیر ژیان
طالعم شیرست نقش شیر زن / جہد کن رنگ کبودی سیر زن
گفت بر چہ موضعت صورت زنم / گفت بر شانہ گہم زن آن رقم
تا شود پشتم قوی در رزم و بزم / با چنین شیر ژیان در عزم و جزم

(یہ داستان اُس شعر سے مربوط ہو در بہر زخمی تو پر کینہ شوی الخ یعنے جسطرح وہ قزوینی شکایت زخم و کم ہمتی سے اپنے
مقصد تک نہیں پہونچ سکا اسی طرح کم ہمتی سالک کی رہزن ہو) یعنے بیان کرنے والے سے یہ قصہ سنو کہ اہل

قزوین (نام شہر) کا طریقہ اور عادت تھی کہ بدن پر خصوصاً ہاتھ اور شانہ پر بید ہڑک شیر و پلنگ کی تصویریں گدوا لیتے ہیں اور اس تصویر کی جگہ میں بے درد ہو کر لگا تار سوئی سے کوچ کر نیل بھر دیتے ہیں ایک قزوینی کسی دلاک کے پاس اس غرض سے آیا کہ میرے نیل بھر دے اور اپنی شیرینی شکر لیلے اُسنے پوچھا کیا تصویر بناؤں کہنے لگا کہ شیر کی تصویر بنا دے میرا طالع اسد ہے اس لیے شیر کا نقش بنا دے اور خوب محنت سے نیل اچھی طرح بھر دے اُسنے پوچھا کہ کون جگہ بناؤں کہنے لگا کہ شانہ پر بنا دے تاکہ رزم و بزم میں ہمت و ارادہ کرنیکے وقت شیر سے میری پشت قوی رہے۔

چونکه او سوزن فرو بردن گرفت — درد آن در شانه گه مسکن گرفت
پهلوان در ناله آمد کای سنی — مر مرا کشتی چه صورت میزنی
گفت آخر شیر فرمودی مرا — گفت از چه عضو کردی ابتدا
گفت از دمگاه آغازیده ام — گفت دم بگذار ای دو دیده ام
از دم و دمگاه شیرم دم گرفت — دمگه او دمگهم محکم گرفت
شیر بی دم باش گو ای شیر ساز — که دلم سستی گرفت از زخم گاز
جانب دیگر گرفت آن شخص زخم — بیمحابا او مواسائی و رحیم
بانگ زد او کاین چه اندام است ازو — گفت این گوش است ای مرد نکو
گفت تا گوشش نباشد ای همام — گوش را بگذار و کوته کن کلام
جانب دیگر خلش آغاز کرد — باز قزوینی فغان را ساز کرد
کاین سوم جانب چه اندام ست نیز — گفت اینست اشکم شیر ای عزیز
گفت تا اشکم نباشد شیر را — چه شکم باید این ادبیر را
گشت افزون درد کم زن زخمها — اشکمے چه شیر را بهر خدا
خیره شد دلاک و بس حیران بماند — تا بدیر انگشت در دندان بماند
بر زمین زد سوزن آن دم اوستاد — گفت در عالم کسے را این فتاد
شیر بی دم و سر و اشکم که دید — این چنین شیرے خدا هم نافرید

جب دلاک نے سوئی کوچنا شروع کیا تو اُسکی تکلیف شانہ میں محسوس ہوئی قزوینی نے ایک چیخ ماری کہ اے مار ڈالا کیا تصویر بناتا ہے اُسنے کہا کہ آخر شیر بنانیکو کہا بھی تھا کہنے لگا کون سے عضو سے شروع کیا ہے اسنے کہا کہ دم سے شروع کیا ہے کہنے لگا کہ دم کو جلنے دو اُس دم سے تو میرا دم ہی بند ہو گیا اُسکی دمگاہ نے میرا دم بند کر دیا شیر بے دم کا سہی کیونکہ اس وزاری کی تکلیف سے بالکل طبیعت نڈھال ہو گئی اُسنے دوسری جگہ بیدردی بیرحمی سے بیجا با کوچنا شروع کیا وہ پھر چلایا کہ یہ کون عضو ہے اُسنے کہا کہ یہ کان ہے کہنے لگا کہ

خیر کان بھی نہیں اس کان کو جلنے دو اور قصہ مختصر کرو اُسنے اور جگہ سوئی چبھوئی پھر اُسنے غل مچایا کہ میان یہ کیا عضو ہی اسنے کہا کہ یہ پیٹ ہی کہنے لگا کہ چلو پیٹ بھی نہیں اس کمبخت (تصویر) کو پیٹ کی کون ضرورت ہی کیونکہ تکلیف بہت ہوتی ہی زخم وخم مت کرو اللہ واسطے پیٹ کیا ہوگا وہ دلاک عاجز ہوگیا اور حیران رہ گیا اور دیر تک دانتوں میں اُنگلی دبیے سوچتا رہا اور سوئی زمین پر دے ماری اور کہنے لگا کہ بھلا دنیا جہان مین کسی کو ایسا بھی معاملہ پڑا ہوگا جس شیر کے نہ دم ہو نہ سر ہو نہ شکم ہو کسی نے ایسا بھی شیر دیکھا ہی بلکہ ایسا شیر تو اللہ میان نے بھی پیدا نہین کیا ہے۔

چون نداری طاقت سوزن زدن　　از چنین شیر ژیان پس دم مزن
ای برادر صبر کن بر درد نیش　　تا رہی از نیش نفس گبر خویش
کان گروہی کہ رہیدند از وجود　　چرخ و مہر و ماہ شان آرد سجود
ہر کہ مرد اندر تن او نفس گبر　　مر ورا فرمان برد خورشید و ابر
چون دلش آموخت شمع افروختن　　آفتاب او را نیارد سوختن
گفت حق در آفتاب منتجم　　ذکر تزاور کذا عن کہفہم
خار جملہ لطف چون گل می شود　　پیش جزوی کو سوی کل می شود
چیست تعظیم خدا افراشتن　　خویشتن را خوار و خاکی داشتن
چیست توحید خدا آموختن　　خویشتن را پیش واحد سوختن
گر ہمی خواہی کہ بفروزی چو روز　　ہستی ہمچون شب خود را بسوز
ہستیت در ہست آن ہستی نواز　　ہمچو مس در کیمیا اندر گداز
در من و ما سخت کردستی دو دست　　ہست این جملہ خرابی از دو ہست

(یہ انتقال ہی قصہ سے طرف ارشاد کے یعنی) جب تمکو سوئی چبھنے کی برداشت نہین تو پھر ایسے شیر کا نام مت لینا (یعنی اگر مشقت ریاضت کا تحمل نہین تو طلب حق کا دعوی مت کرو) بھائی درد نیش (یعنی مجاہدات تشریعیہ و تکوینیہ) پر صبر (واستقلال) کرو تاکہ اپنے نفس خبیث کے ضرر وہلاک سے محفوظ رہو کیونکہ جو لوگ اپنی ہستی کو فنا کر چکے ہین (جو ثمرہ ومقصود ہی ریاضات ومجاہدات کا) تمام اجسام علویہ انکے روبرو مسخر ومنقاد ہین اور جسکے تن مین یہ نفس خبیث فنا ہوگیا ہی ابر وخورشید اسکی فرمانبرداری کرتے ہین جب اسکے قلب نے (نور الٰہی کی) شمع روشن کرنا سیکھ لیا تو آفتاب اسکو سوختہ نہین کرسکتا (مراد تسخیر وانقیاد وفرمانبرداری وسوختہ نکرنے سے وہی ہی جسکو قرآن مجید مین سخر لکم ما فی السموات وما فی الارض سے تعبیر فرمایا ہی یعنے بحکم خداوندی ہمارے کام مین لگے ہین اور ہر چند کہ یہ تسخیر عام ہے خلائق کو مگر مقبولین مین اس

مقصود اور دوسرے تابع ہین جیسا حدیث مین ہو انا ترزقون وتنصرون بضعفائکم اس لیے ان مین خصوصیت ہے چنانچہ حق تعالی نے آفتاب تابان کے شان مین (اصحاب کہف کے قصہ مین) فرمایا ہو تزاور عن کہفہم (پوری آیت کا ترجمہ یہ ہو کہ جب آفتاب نکلتا ہو تو داہنی جانب سے بچکر نکل جاتا ہو اور جب غروب ہوتا ہو تو بائین جانب سے کترا جاتا ہو یعنے اُن حضرات پر دھوپ نہین پڑتی یا تو بطور خرق عادت کے کیونکہ اللہ تعالی قادر ہو کہ آفتاب کی محاذات ہو مگر دھوپ نہ لگے آس پاس کی دیوارون کا سایہ اتنا ہی اور ویسا ہی رہے جیسا قبل محاذات شمس کے تھا پس شمس سے مراد دھوپ ہوگی اور یا وہ غار اس ہیئت اور وضع سے واقع ہو کہ اس مین دھوپ نہ جاتی ہو جیسا بعض نے کہا ہو کہ وہ غار قطب شمالی کے مقابلہ مین واقع ہو ہم بعض فصول مین اپنے بلاد مین بھی دیکھتے ہین کہ شمال رویہ مکانون مین دھوپ نہین آتی بہرحال جو ملوث بھی ہو) وہ ایسے خفتہ ہین کہ انکو خدا ہی سے کام تھا کہ انھون نے نہایت استقلال سے سب سے مخالف ہوکر کہدیا ربنا رب السموٰت والارض لن ندعو من دونہ الٰہا اسلیے ایسے مقبول ہوئے کہ آفتاب باذن حق انکے غار سے کنی بچا کر نکلنے لگا اگر خرق عادت ہو تب تو ترتب مقبولیت پر ظاہر ہو اور اگر وضع غار ہی کی ایسی ہو تب مقبولیت کا اثر یہ ہوگا کہ انکے قلب مین الہام فرمایا کہ ایسے آرام کے غار مین جا کر رہین غرض جو جزو اپنے کل کیطرف جاتا ہو (یعنے جو بندہ اپنے مولی کیطرف متوجہ ہوتا ہو) اسکے واسطے تمام تر خار مثل گل کے لطف محض ہوجاتا ہو (یعنے وہ محنت راحت ہوجاتی ہو) جانتے بھی ہو کہ خدا تعالی کا بڑا سمجھنا کسے کہتے ہین (آگے خود بتلاتے ہین کہ وہ) اپنے آپ کو خوار اور خاک سمجھنا (ہے) اور جانتے بھی ہو کہ خدائے تعالی کا واحد اعتقاد کرنا کیا چیز ہو وہ اپنے کو اُس واحد کے روبرو فنا کردینا ہو (مطلب یہ کہ حق تعالی کی تعظیم و توحید جو کہ جزو اعتقاد ہو وہ بھی کامل طور پر جب ہی نصیب ہوتی ہو کہ اپنے کو اسکے روبرو فانی و مضمحل کر دیا جاوے) اگر تم یہ چاہتے ہو کہ روز روشن کی طرح تم بھی نورانی ہوجاؤ تو اس اپنی ہستی کو جو شب تاریک کی طرح سیہ رو ہو خاکستر کردو اور اس اپنی ہستی کو اس ہستی نواز کی ہستی مین اس طرح گداختہ و فانی کرو جسطرح کیمیا مین تانبا پگھل جاتا ہو (پس جسطرح وہ سونا ہوجاتا ہو اسی طرح تم بھی کامل بن جاؤ گے) تمنے جو اس ما و من کو مضبوط ہاتھ سے پکڑ رکھا ہو یہ ساری خرابی دو ہستیون (پر نظر کرنے) سے ہو (یعنے تم جو ما و من و دعوی کمال مین گرفتار ہو اسکی وجہ یہی ہو کہ تم ہستی حق کے روبرو اپنی ہستی پر بھی نظر رکھتے ہو ورنہ اگر ہستی و عظمت حق نظر مین غالب ہوجاتی تو یہ خود بینی ہرگز نہین رہتی)۔

رفتن گرگ و روباہ در خدمت شیر بشکار

یہ داستان اوپر کے اس مضمون سے مربوط ہو ہست این جملہ خرابی از دو ہست یعنی دیکھو اس گرگ کی کیا خرابی ہوئی اور اپنے کو نابود کر دینے سے روباہ کا کیا بھلا ہوگیا۔

شیر و گرگ و روبہی بہر شکار	رفتہ بودند از طلب در کوہسار
تا بہ پشت ہمدگر بر صیدہا	سخت بر بندند بار و قیدہا

هر سه با هم اندران صحرای ژرف ‏ صید ہا گیرند بسیار و شگرف

گرچه زایشان شیر نر را ننگ بود ‏ لیک کرد اکرام و همراهی نمود

اینچنین شه را ز لشکر زحمت ست ‏ لیک همره شد جماعت رحمت ست

اینچنین مه را ز اختر ننگها ست ‏ او میان اختران بهر سخا ست

امر شاورهم پیمبر را رسید ‏ گرچه رایش را نبد رائی مزید

در ترازو جو رفیق زر شده ست ‏ نے ازانکه جو چو زر جوهر شده ست

روح قالب را کنون همره شده ست ‏ مدتے سگ حارس درگه شده ست

یعنے ایک شیر اور ایک گرگ اور ایک روباہ شکار ڈھونڈھتے ہوئے ایک کوہسار میں چلے تاکہ ایک دوسرے کی اعانت سے شکار کے جانور ونیز بارا ور قیود کو مضبوط باندھ لین (یعنے انکو پکڑ لین) یعنی اس میدان وسیع مین تینون ملکر بہت سے اور بڑے شکار پکڑین اگرچہ گرگ وروباہ کی ہمراہی سے شیر نر کو سخت عار تھی لیکن اسنے انکی قدردانی کی اور ہمراہ لے لیا ایسے بادشاہ کو (جیسا شیر تھا) بھیڑ بھڑکے سے سخت زحمت ہوتی ہی لیکن چونکہ جماعت موجب رحمت ہے اس لیے انکا ہمسفر ہوگیا ایسے ہی ماہ کو ستارون سے عار آتی ہی مگر پھر بھی نوربخشی کے لیے ستارون کے درمیان آجاتا ہی (گو اُسکے نور سے وہ خود دب جاوین) پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم کو شاورھم کا حکم ہوا ہی اگرچہ کوئی رائے بھی آپکی رائے سے بڑھی ہوئی نہ تھی جو بھی ترازو مین رفیق زر ہو جاتا ہی (کہ ایک پلہ مین سونا رکھتے ہین دوسری مین جو) لیکن نہ اسوجہ سے کہ جو بھی سونے کی طرح قیمتی ہوگیا روح فی الحال قالب کے ہمراہ ہوتی ہی ہے ایک مدت تک سگ درگاہ کا پہرہ دار ہوجاتا ہی (مگر ان صورتون مین مساوات لازم نہین آتی مقصود ان سب تمثیلات سے اشارہ فرماتا ہی اس طرف کہ اگر کاملین اپنی عنایت سے ناقصین کو مکالمت ومخالطت سے مشرف فرماوین تو مغرور نہو جاوین کہ انکو مجھ سے حاجت ہوگی یہ محض انکی مہربانی ہی کہ باوجود اپنی خلل اوقات کے دلداری فرماتے ہین اور مصرعہ لیک ہمرہ شد جماعت رحمت است مین اسطرف بھی لطیف اشارہ ہی کہ کاملین بھی خلوت مین تنہا رہین پر منت نہ رکھین کیونکہ رحمت وبرکات اجتماع کے حصول مین جانبین سے احتیاج ہے۔

چونکه رفتند این جماعت سوی کوه ‏ در رکاب شیر با فر و شکوه

گاو کوهی و بز و خرگوش زفت ‏ یافتند و کار ایشان پیش رفت

هر که باشد در پی شیر حراب ‏ کم نیاید روز و شب او را کباب

یعنے جب یہ مجمع کوہ کیطرف شیر کے ہمرکابی مین پہونچا تو ایک نیل گاے اور ایک بز کوہی اور ایک موٹا سا خرگوش انکو ملا اور مطلب پورا ہوگیا (اب بطور انتقال کے فرماتے ہین کہ) یہان جو شخص شیر جنگی کی متابعت مین رہیگا اسکو شب و روز کباب کی کیا کمی ہی (اشارہ اسطرف ہی کہ جو شخص عارفین کاملین کی صحبت مین رہے اُسکو علوم ومعارف کی کیا کمی ہی جو کہ غذاے روحانی ہی)۔

چون ز کہ در بیشہ آوردند شان — کشتہ و مجروح و اندر خون کشان

گرگ و روبہ را طمع بود اندران — کہ رود قسمت بعدل خسروان

عکس طمع ہر دوشان بر شیر زد — شیر دانست آن طمع ہا را سند

ہر کہ باشد شیر اسرار و امیر — او بداند ہرچہ اندیشد ضمیر

ہین نگہدار اے دل اندیشہ خو — دل ز اندیشہ بدی در پیش او

داند و خر را ہمی راند خموش — در رخت خندد برائے روے پوش

یعنی جب پہاڑ سے جنگل کی طرف ان شکارونکو کشتہ و مجروح کرکے خون مین گھسیٹتے لائے تو گرگ اور روبہ کو لالچ ہوا کہ شاہانہ انصاف کے ساتھ تقسیم ہوگی (اور کچھ کچھ سب کے حصہ مین آویگا) ان دونون کی اس طمع کا عکس شیر پر پڑا اور شیر سند و دلیل سے (یعنی قرائن و بشرہ سے) اس طمع کو جان گیا آگے بطور انتقال کے فرماتے ہین کہ) جو شخص اسرار کا شیر اور امیر ہوتا ہی وہ جو کچھ دل مین سوچا اسکو جان لیتا ہی (یعنی کاملین کے قلب صافی پر اسکا اثر پڑتا ہی جس سے انکا انکشاف ہوجاتا ہی) پس جس شخص کا قلب ایسے خیالات کا عادی ہو اسکو خبردار ہوجانا چاہیے اور قصداً برے خیالات (لانے) سے اسکے سامنے اپنے قلب کو محفوظ رکھنا چاہیے (مثلاً خود اُسپر بدگمانی و بد اعتقادی کرنے لگے یا مال وجاہ کی طلب و خواہش دل مین رکھے وہ ایسی باتون کو (اکثر) جان لیتا ہی مگر (اپنے اخلاق سے) خاموش یون ہی ہانکتا رہتا ہی اور پردہ پوشی کے جہت سے تمسے خندہ روئی سے پیش آتا ہی (یعنی اسکے پردہ پوشی کہ ڈہلنے سے اور اسکے نرم برتاؤ سے دھوکہ نہ کھاوے کہ اُسکو خبر نہین ممکن ہے کہ قصداً عیب پوشی کرتا ہو)......

شیر چون دانست آن وسواس شان — وا نگفت و داشت آن دم پاس شان

لیک با خود گفت بنمایم سزا — مر شما را اے خسیسان گدا

مر شما را بس نیامد راے من — ظن تان اینست در عطاے من

اے وجود راے تان از راے من — از عطاہاے جہان آراے من

نقش با نقاش چہ اسگالد دگر — چون سگالش اوش بخشید و نظر

اینچنین ظن خسیسانہ بمن — مر شما را بود ننگان زمن

ظانین باللہ ظن السوء را — گر نہ برم سر بود عین خطا

وا رہانم چرخ را از ننگ تان — تا بماند در جہان این داستان

یعنی شیر کو (قرائن و بشرہ سے) انکے خطرے پر اطلاع ہوگئی اور اسوقت انکا پاس کیا اور کچھ نہ کہا لیکن اپنے دل مین کہا کہ اے خسیسو دیکھو تمکو کیسی سزا دیتا ہون تمکو میری راے (و تجویز) پر کفایت نہ ہوئی (کہ خود تقسیم کا) طریقہ سوچنا شروع کر دیا میری عطا مین تمھارا ایسا گمان ہی کہ شاید نامناسب تقسیم ہو آگے بطور انتقال کے

حق تعالیٰ کا خطاب اہل آرائے سے بدلالت حال فرمانے لگے کہ اے بھلے مانسو تمہاری آرائے (جس سے ہماری قضا و قدر مین تجویزین لگا رہے ہو یہ آئی کہان سے) میرے ہی علم کا تو ظل ہی اور میری ہی عطا سے جان آرا کا فیض ہے پھر بیچارہ نقش کا کیا منھ ہی کہ نقاش کے روبرو تجویزین لگائے جب کہ قوۃ تجویز اور قوۃ نظریہ اُسی کا عطا فرمایا ہوا ہی (یعنی جب یہ رائے انکے علم نامتناہی کا ایک پرتو ہی تو اُسکے روبرو اُسکی وقعت از حقیقت ہی کیا ہی کہ اُسکی تجویز کو معتمد علیہ سمجھا جاوے بالخصوص جبکہ اُنکی ہی عطا بھی ہو تو بہت ہی نازیبا ہی کہ انھین کی عطا کو انھین کی مخالفت کا آلہ بنایا جاوے آگے پھر مقولہ شیر کا ہی کہ) اے ننگ زمن تمکو مجھپر ایسا خسیسانہ گمان ہوا پس ایسے شخصون کا جنکو خدا تعالیٰ سے بدگمانی ہو (اس طور پر کہ شیر خدا سے بدگمانی خدا سے بدگمانی ہی) اگر سر قطع نہ کرون تو بڑی غلطی ہی دیکھو ابھی اس عالم کو تمھارے ننگ وجود سے پاک کیے دیتا ہون تاکہ (عبرت کے طور پر) یہ قصہ دنیا مین (مذکور) رہے (ظانین باللہ مین یہ تفسیر مذکور اشارہ ہی اس طرف کہ خاصان خدا کی شان مین ظن بد ایسا ہی موجب خسرانی ہی جیسا حق تعالیٰ کے جناب مین کیونکہ انکے افعال بھی حکمت پر مبنی ہوتے ہین گو دقیق ہونے کے سبب سے نظر عوام سے مخفی ہون یا عناد کی وجہ سے کوئی تامل ہی نہ کرے)

شیر با این فکر می زد خندہ فاش	بر تبسم ہاے شیر ایمن مباش
مال دنیا شد تبسم ہاے حق	کرد ما را مست و مغرور و خلق
فقر و رنجوری بہست اے سند	کان تبسم دام خود را بر کند

یعنے شیر باوجود اس فکر کے (کہ انکو بھی سزا دیتا ہون) خندہ لگا رہا تھا (مولانا فرماتے ہین کہ) شیر کے تبسم پر بیخوف نہونا چاہیے (آگے اسکی تفسیر ہی کہ) دنیا کا مال بھی (گویا) اللہ تعالیٰ کا تبسم ہی جس نے تمکو مست اور مغرور اور بوسیدہ بنا رکھا ہی (یعنے ہم سمجھتے ہین کہ اللہ تعالیٰ کو ہمسے مواخذہ کرنا مقصود نہین ورنہ نعمت کیون دیتے حالانکہ یہ تبسم مغضب ہی جیسا ارشاد ہی سنستدرجہم من حیث لا یعلمون ونحوہ من الآیات پس اس حساب سے) فقر و مرض ہمارے لیے جو بڑی مصلحت ہے کہ اس سے وہ تبسم اپنا جال اکھاڑ لیتا ہی (یعنے تبسم مذکور یعنے مال وجاہ نے جو اپنے دام غفلت مین پھنسا رکھا تھا فقر و مرض سے وہ دام غفلت اُکھڑ جاتا ہے اور انسان کو تنبیہ اور توجہ الی اللہ اور دنیا سے بے تعلقی پیدا ہو جاتی ہی اس لیے یہ قرین مصلحت ہی خلاصہ مطلب مولانا کا یہ ہی کہ مال دنیا پر مغرور اور فقر و مرض سے تنگدل نہ ہو اور اس مین اندیشہ ناک اور شاکر اور اس مین راضی و صابر رہو)

امتحان کردن شیر گرگ را و گفتن کہ پیش آ و این صیدہا را بخش کن میان ما

گفت شیر اے گرگ این را بخش کن	معدلت را نو کن اے گرگ کہن

نائب من باش در قسمت گری / تا پدید آید که تو چه گوهری
گفت ای شه گاو وحشی بخش تست / آن بزرگ و تو بزرگ و زفت و چست
بز مرا که بز میانه است و وسط / روبها خرگوش بستان بی غلط
شیر گفت ای گرگ چون گفتی بگو / چونکه من باشم تو گوئی ما و تو
گرگ خود چه سگ بود کو خویش دید / پیش چون من شیر بی مثل و ندید
گفت پیش آ ای خری کو خود خرید / پیشش آمد پنجه زد اورا درید
چون ندیدش مغز و تدبیر رشید / در سیاست پوستش از بر کشید
گفت چون دید منت از خود نبرد / این چنین جان را بباید زار مرد
چون نگشتی محو اندر پیش من / فرض آمد مر ترا گردن زدن
گرچه غالب دارم اندر بذل فضل / گاه گاهی هم کنم از عدل فضل

یعنے شیر نے گرگ سے کہا کہ اسکو عدل و انصاف سے تقسیم کر اور تقسیم مین میرا نائب ہو جا تاکہ تیری طینت کا حال معلوم ہو گرگ نے کہا کہ گاؤ وحشی تو آپکا حصہ کیونکہ وہ بھی سب شکار مین بڑی ہی اور آپ بھی ہم سب سے بڑے ہین اور بکری میرا حصہ کیونکہ وہ متوسط جسامت کی ہی جیسا مین ہون) اور خرگوش کو روبہ لیجا دے (کہ دونون چھوٹے ہین) تقسیم صحیح ہو گئی شیر (کو غصہ آیا اور) بولا کہ تو نے یہ کیا بکا۔ میری موجودگی مین تو نے یہ ما و تو کیسی لگائی ہے گرگ بیچارہ کون کتا ہوتا ہی کہ مجھ بے ہمتا شیر کے روبرو خودبینی کرتا ہی گدھے تو جو خودبینی کرتا ہی ذرا ادھر آ وہ آگے بڑھا بس ایک پنجہ مارا اور پھاڑ چیر برابر کیا چونکہ اسمین مغز اور تدبیر صالح نہین پائی اسلیے سیاستہً اسکی کھال کھینچ ڈالی اور کہنے لگا کہ جب مجکو دیکھکر بھی تیری خودی نہ گئی (کہ میرے سامنے اپنا حصہ لگاتا ہے) تو ایسی جان کا ذلیل ہو کر مر جانا ضروری ہی اور جب تو میرے سامنے محو نہ ہوا تو تیری گردن مارنا فرض تھا مین اگرچہ بذل کہنے مین فضل کو غالب رکھتا ہون (یعنی مرحمت کو مبذول کرتا ہون) لیکن گاہ گاہ عدل کو بھی افزونی یعنی ترجیح دیتا ہون (اشارہ اسطرف ہی کہ اسیطرح حق جلشانہ کو بندہ کا دعوی ہستی و کمال پسند نہین آتا۔)

کل شیء هالک جز وجه او / چون نه در وجه او هستی مجو
هرکه اندر وجه ما باشد فنا / کل شیء هالک نبود ورا
زانکه در الاست او از لا گذشت / هرکه در الاست او فانی نگشت
هرکه بر در او من و ما می زند / رد باب است او و بر لا می تند

احتمال ہی طرف اشارہ مذکورہ کے یعنی) قرآن مجید مین ہی کہ کل شیء هالک الا وجهه یعنی ہر شے ہالک ہے بجز وجہ حق کے (جسکی ایک تفسیر یہ بھی ہی جسکو مولانا نے اس مقام میں اختیار فرمایا ہی کہ وجہ سے مراد ما یبتغی به وجه الله ہی یعنے وہ امور جنسے رضاء حق مطلوب ہو وہ فنائے انسان کے ساتھ فنا نہین ہوتے بلکہ اُن کا

ذخیرہ عنداللہ باقی رہتا ہے جو اس شخص کو ملجا ویگا جیسا ارشاد ہے ما عندکم ینفد وما عند اللہ باق) پس جب تم وجہ حق سے تعلق نہین رکھتے (اور رضاے حق کے طالب نہین ہو) تو تم ہستی (وبقاء) کی کیا ہوس رکھتے ہو۔ آگے بدلالت حال حضرت حق کی طرف سے کہتے ہین کہ) جو شخص ہماری وجہ (ورضاء) مین فنا ہوگیا۔ اسکے لیے کل شئی ہالک نہین ہے (کیونکہ اسکے احوال تفسیر مذکورہ وجہ حق مین داخل ہین جنکو فنا نہین اسیکو دوسرے لفظون مین سطرح فرماتے ہین) کیونکہ وہ شخص الا (یعنی الا وجہہ) مین آگیا ہے۔ اور لا (یعنے ہالک ومنفی) سے گذر گیا ہے اور جب الا مین آگیا تو فانی اور ہالک نہوگا (کیونکہ حکم مستثنے کا مغائر حکم مستثنے منہ کے ہوتا ہے۔ اور ممکن ہے کہ لا اور الا سے مراد لا الٰہ الا اللہ کا لا اور الا ہو اور لا سے گذرنا اس لا کے مدخول سے قطع کرنا اور الا مین آنا اسکے مدخول سے تعلق پیدا کرنا جسکا حاصل رضاے حق کو غیر حق پر ترجیح دینا ہے اور یہی وجہ حق ہے) اور جو شخص باب حق پر من و ما کا دعوی کر رہا ہے وہ مردود باب ہے اور ابھی لا (یعنے ہالک) پر جا ہوا ہے (خلاصہ اشعار یہ ہوا کہ گرگ کی طرح دعوے ہستی زیبا نہین بلکہ انکی رضا واطاعت مین اپنے کو فنا کردو۔ اسوقت وہ خود تمکو ہستی وبقاء جاودانی عطا فرما دینگے پس ہستی حاصل کرنیکا یہ طریق ہے۔ نہ کہ دعوے اور انانیت)

قصۂ آنکہ در یارے بکوفت۔ او از درون گفت کیست۔ گفت منم گفت چون توئی در نمی کشایم کہ ہیچکس را از یاران نمی شناسم کہ او من گوید

آن یکے آمد در یارے بزد	گفت یارش کیست اے معتمد
گفت من گفتش برو ہنگام نیست	برچنین خوانے مقام خام نیست
خام را جز آتش ہجر و فراق	کہ پزد کہ وا رہاند از نفاق
چون توئی تو ہنوز از تو نرفت	سوختن باید ترا در نار تفت

(یہ قصہ اسی شعر سے مربوط ہے کہ بر در ماند او راسکی مثال ہے یعنے) ایک شخص نے اپنے دوست کا دروازہ کھٹکھٹایا اسنے کہا کون دروازہ کھٹکھٹاتا ہے اسنے کہا مین کہنے لگا جاؤ (کھولنے کا) موقع نہین اور (ہمارے) خوان (وصل وقرب) پر ایسے خام (ناتجربہ کار آداب محبت) کا کام نہین۔ اور ایسے خام کو بجز آتش ہجر وفراق کے کون پختہ کرسکتا ہے۔ جو اسکو نفاق (وکمی خلوص) سے چھڑا دے پس جب حالت مین کہ اب تک تیری ہستی تجھ سے نہین گئی (کہ محبوب کے سامنے دعوے وجود کرتا ہے کہ مین ہون اور یہی خامی ہے تو تجکو پختگی حاصل کرنے کے واسطے فراق کی) آتش سوزان مین جلانا ضرور ہے۔

پشیمان شدن آن گوینده کہ منم وغربت وریاضت وغرامت یکسال کشیدن و بازگشتن مستغفر بر در خانہ و پرسیدن صاحب خانہ کہ کیست بر در و جواب گفتن

توئی بر در و نفی منی خود

رفت آن مسکین و سالے در سفر ۔ در فراق دوست سوزید از شرر
پختہ گشت آن سوختہ پس بازگشت ۔ باز گرد خانۂ انباز گشت
حلقہ زد بر در بصد ترس و ادب ۔ تا نہ بجہد بے ادب لفظے زلب
بانگ زد یارش کہ بر در کیست آن ۔ گفت بر در ہم توئی اے دلستان
گفت اکنون چون منی اے من درآ ۔ نیست گنجائی دو من را در سرا
نیست سوزن را سر رشتہ دوتا ۔ چونکہ یکتائی درین سوزن درآ

یعنے وہ غریب ایک سال تک سفر مین رہا۔ اور فراق دوست کے شرر سے جلتا رہا۔ اور خوب پختہ و تجربہ کار ہو کر واپس آیا۔ اور پھر اُس دوست کے گھر پر پہونچا۔ اور ڈرتے ڈرتے ادب سے زنجیر کھڑکھڑائی کہ کہین پھر کوئی کلمہ خلاف ادب منھ سے نہ نکل جاوے دوست نے پکار کر پوچھا کہ دروازے پر کون ہی کہنے لگا کہ دروازے پر بھی تو ہی ہی (یعنے مین تجھ مین ایسا فانی ہو گیا کہ گویا عدم محض ہو گیا اس لیے مین بھی تو ہی ہی) اسنے کہا کہ جب تو بھی مین ہی ہون تو اندر چلا آ کیونکہ اس گھر مین ایسے دو شخصون کی گنجایش نہین ہے کہ دونون مین کہنے والے ہون (پس مین تو اپنے کو مین کہتا ہی ہون پہلے تو بھی اپنے کو مین کہتا تھا اس لیے گنجایش نہ تھی اب جبکہ تو اپنے کو مین نہین کہتا تو گنجایش ہو گئی اسکی ایسی مثال ہے کہ) سوزن مین دو تاگے نہین جاتے (بلکہ دونون کو آگے سے ایک کر لیا جاتا ہی تب جا سکتا ہے) پس جبکہ تو (میرے ساتھ) متحد ہو گیا ہی تو اس سوزن (خانہ) مین چلا آ (اسی طرح بدون فنائے ذمائم و اضمحلال وجود درگاہ حق مین باریابی نہین ہوتی)

رشتہ را باشد بسوزن ارتباط ۔ نیست در خور با جمل سم الخیاط
کے شود باریک ہستی جمل ۔ جز بمقراض ریاضات و عمل
دست حق باید مر آنرا اے فلان ۔ کان بود بر ہر محالے کن فکان

(یہ اشکال ہی کہ) سوزن سے رشتہ کو مناسبت ہوتی ہی اور سوزن کا ناکہ اونٹ کے (گھسنے کے) لائق نہین ہوتا اسی بنا پر حق تعالی نے کفار کے امتناع دخول جنت کو اسکے ساتھ معلق فرمایا ہی یہان قرآن کی تفسیر مقصود نہین بلکہ صرف اپنے مضمون کے مثال کے طور پر لائے ہین یعنے مقامات باطن و عقبات طریق تنگی و دشوارگذاری مین مثل سوزن کے ہین اور ہمارا اپنے دعوی ہستی و انانیت مین پھولنا مثل شتر کے ہی پس ان دعوون کے ساتھ ان کا دخول کب ممکن ہی اس جمل کو رشتہ بناؤ تاکہ مناسبت ہو آگے اسکا طریقہ ہی کہ) یہ ہستی مشابہ جمل کے کب باریک ہو سکتی ہی بدون مقراض ریاضت و عمل کے پھر ریاضت

کے لیے شیخ کی ضرورت ہے کیونکہ) اس امر شدید و تبدیل بعید کے لیے حق تعالی کا ہاتھ چاہیے جو ہر محال (عادی) پر ایسے قادر ہیں کہ کن کہتے ہی ہو جاوے (اور دست شیخ مثل لے ید اللہ فوق ایدیہم ایک معنی کر دست حق ہے پس اسکی توجہ و تدبیر سے یہ مشکل آسان ہو سکتی ہے کہ ایسے طمطراق و کر و فر کے دعوے ہباءً منثورا ہو جاویں چنانچہ روزمرہ مشاہدہ ہے آگے حق تعالی کے آثار قدرت کا بیان ہے جنکی قدرت کا شیخ بھی ایک مظہر ہے۔

هر محال از دست او ممکن شود — هر حرون از بیم او ساکن شود
الکمه و ابرص چه باشد مرده نیز — زنده گردد از فسون آن عزیز
وان عدم کز مرده مرده تر بود — در کف ایجاد او مضطر بود
کل یوم هو فی شان بخوان — مرد را بے کار و بے شغلے مدان
کمترین کاریش هر روز آن بود — کو سه لشکر را روانه می کند
لشکرے ز اصلاب سوے امهات — بهر آن تا در رحم روید نبات
لشکرے ز ارحام سوے خاکدان — تا ز نر و ماده پر گردد جهان
لشکرے از خاکدان سوے اجل — تا ببیند هر کسے حسن عمل
باز بے شک بیش ازینها میرسد — آنچه از حق سوے جانها میرسد
وانچه از جانها بدلها میرسد — وانچه از دلها بگلها میرسد
اینت لشکرهاے حق بیحد و مر — از پے این گفت ذکری للبشر
این سخن پایان ندارد هین بتاز — سوے آن دو یار پاک اکباز

(مر بفتح اول و سکون دوم عدد پنجاہ را گویند وقت شمار چون پنجاہ رسد گویند یک مر شد اگر بصد رسد گویند دو مر شد مراد بے عدد و بے حساب) دست حق سے ہر محال (عادی) ممکن ہوتا ہے اور کوئی کتنا ہی سرکش ہو انکے خوف سے دم بخود رہجاتا ہے اور نا بینا اور جذامی کا اچھا ہو جانا تو کیا چیز ہے اس عزیز (غالب قادر) کے فسون (کلمہ کن) سے تو مردہ زندہ ہو جاتا ہے بلکہ عدم جو مردہ سے بھی بد تر (یعنی قبول ہستی مین کمتر و بعید تر) ہے انکے دست ایجاد مین بے اختیار ہے (کہ جب ایجاد کرنا چاہتا ہے وجود مین آنا پڑتا ہے) آیت کل یوم ہو فی شان پڑھ کر دیکھو (یعنے اللہ تعالی ہر وقت کسی نہ کسی کام مین ہین) اور انکو بے کار مت سمجھو انکا ایک چھوٹا سا کام تو ہر روز یہ ہے کہ وہ تین لشکرون کو روزانہ روانہ کرتے ہین ایک لشکر کو تو اصلاب (آباء) سے (ارحام) امہات کی طرف (کہ نطفے قرار پاتے ہین) اسلیے کہ رحم مین پیداوار ہو اور ایک لشکر ارحام سے دنیا کی (طرف) (کہ بچے پیدا ہوتے ہین) تاکہ یہ دنیا نر و مادہ سے پُر رہے اور ایک لشکر دنیا سے موت کی طرف تاکہ ہر شخص حسن عمل کو دیکھ لے پھر بالیقین ان تینون لشکرون (کے مجموعہ) سے پہلے ایسی چیز پیدا ہوتی ہے کہ وہ حق تعالی کی طرف سے روح حیوانی مین آتی ہے یعنے ریاح کہ مادہ شہوت ہے

اول غذا سے روح میں پیدا ہوتی ہے اور پھر روح سے بذریعہ تبخیر قلب میں آتی ہے اور پھر قلب سے کل یعنی تمام بدن میں بذریعہ عروق پھیل جاتی ہے اور اس ریاح سے خواہش جماع کی پیدا ہو کر آگے سلسلہ چلتا ہے اور اسکی تقدیم تینوں لشکروں پر ظاہر ہے یہ عجائب لشکر حق تعالیٰ کے بے حد و حساب ہیں اسی لیے ارشاد فرمایا ہے وما یعلم جنود ربک الا ہو وما ہی الا ذکری للبشر یعنے (تمہارے رب کے لشکروں کو بجز رب کے کوئی نہیں جانتا اور یہ محض) عبرت ہے واسطے بشر کے۔ اور اس مضمون کا تو کہیں خاتمہ نہیں ان دونوں پاکباز دوستوں کا قصہ بیان کرو۔

خواندن آن یار یارِ خود را پس از تربیت یافتن

گفت یارش اندر آ اے جملہ من ... نے مخالف چون گل و خارِ چمن

یعنے اسکے یار نے کہا کہ جب تو سراپا من ہے (یعنے میری ہستی میں فانی ہو گیا) تو اندر چلا آ اب تو گل اور خار کی طرح کہ چمن میں ہوتے ہیں مخالف نہیں (یہ پہلے بھی آچکا ہے گفت الکنون الخ)

رشتہ یکتا شد غلط کم شد کنون ... گر دو تا بینی حروفِ کاف و نون

کاف و نون ہمچون کمند آمد جذوب ... تا کشاند مر عدم را در خطوب

پس دو تا باید کمند اندر صور ... گرچہ یکتا باشد آن دو در اثر

یہ قول ہے مولانا کا بطور انتقال کے اور اسکے ضمن میں اس صاحب خانہ کی تمثیل مذکور۔ نیست سوزن را سر رشتہ دو تا الخ کے طرف بھی اشارہ ہے یعنے اب تاگا (دونوں سرے جڑ کر) اکہرا ہو گیا اور غلطی (دوئی کی جو مانع وصول سوزن تھی مرتفع ہو گئی گو مشاہدہ میں اب بھی دو ہی معلوم ہوتی ہیں جیسے کاف اور نون (کلمہ کن میں) الگ الگ ہیں) مگر اثر کے اعتبار سے متحد ہیں کہ مجموعہ کا اثر واحد ہے یعنی ایجاد) پس کاف و نون کمند کی طرح جاذب ہے یعنی عدم کو ایک امر عظیم (یعنے وجود) کی طرف کھینچ لاتی ہے سو کمند ظاہر میں دو لڑی ہونا چاہیے + (ورنہ اسمیں کوئی چیز پھنس نہیں سکتی) اگرچہ وہ دونوں لڑیں مگر اثر میں متحد ہوتی ہیں (کہ دونوں نے ملکر کشش کیا ہے مقصود اس تمثیل کاف و نون اور خود اسکی تمثیل کمند سے اشارہ ہے اسطرف کہ جس فنا ہستی کا ذکر ہو رہا ہے اسمیں دونوں ہستی حقیقۃً متحد نہیں ہو جاتیں کہ اسکا قائل ہونا فاد ہے بلکہ باعتبار اثر کے مشابہ اتحاد کے ہے یعنے اس شخص سے جو افعال و آثار صادر ہوتے ہیں وہ بعینہ وہی افعال و آثار ہیں جو مقتضائے رضا و امر حق ہیں۔

گر دو پا گر چار پا رہ را برد ... ہمچو مقراض دو تا یکتا برد

آن دو ہمبازان گازر را ببین ... ہست در ظاہر خلاف آن و این

آن یکے کرباس در جو می زند ... وان دگر انباز خشکش می کند

باز او آن خشک را تر می کند	گوئیا ز استیزه ضد بر می تند
لیک این دو ضد استیزه نما	یکدل و یک کار باشد اے فتا
ہر نبی و ہر ولی را مسلکے ست	لیک تا حق می برد جملہ یکے ست

(اوپر کے تمثیلات سے تباین حقیقی و اتحاد اثری مقصود تھا اسی کی توضیح کے لیے اور چند تمثیلات ہین) یعنی اگر دو پایہ (یعنے انسان مرغ وغیرہ) یا چار پایہ (جیسے اسپ شتر وغیرہ) راہ قطع کرنے لگین تو گو سب بیرون مین حقیقۃً تباین ہی مگر) دو پہلے مقراض کی طرح ایک ہی رشتہ قطع کرینگے (پس اثر مین اتحاد ہو گیا) اسی طرح اگر دو شخص شرکت مین دھوبی کا کام کرتے ہون تو ظاہر مین ہر شخص کا فعل دوسرے کے خلاف ہی یعنے ایک مثلاً کپڑے کو ندی مین بھگو بھگو کر تختہ پر مار رہا ہی اور وہ دوسرا اسکو خشک کر رہا ہی پھر وہ پہلا اسی خشک کو دکر (صاف کرنے کے لیے) تر کر رہا ہی گویا باہمی مخالفت سے ایک دوسرے کے ضد پر آمادہ ہو رہے ہین پس فعال دونون کے حقیقۃً متباین) لیکن یہ دونون ضد جو ظاہر مین گویا بالکل مخالف معلوم ہوتے ہین (واقع) مین یکدل اور ایک غرض ہین (کہ مقصود دونون کا کپڑے کا صاف کرنا ہی پس اثر مین اتحاد ہو گیا) اسی طرح ہر نبی کا دوسرے نبی سے اور ہر ولی کا دوسرے ولی سے مسلک جدا ہی (تو مسلکون مین حقیقۃً تباین) لیکن سب کی غرض یہی ہی کہ حق تک وصول کرا دین پس سب ایک ہین (پس اثر مین اتحاد ہی **ف** انبیا کے مسلکون مین تو احکام کا اختلاف ہی کہ اللہ تعالیٰ نے مختلف زمانون مین حسب اختلاف مصالح و طبایع انبیاء علیہم السلام پر مختلف شرایع و احکام نازل فرمائے اور اولیاء امت نبی واحد مین احکام کا اختلاف نہین بلکہ انکی ہی احکام پر عمل کرانے اور انمین خلوص پیدا کرنیکے طرق مختلف ہین پس احکام مشترک طرق مختلف بلکہ جیسا مجتہدین مین اختلاف ہی ان اولیاء کا اختلاف اس سے بھی اہون اور اخف ہی کیونکہ مجتہدین مین گاہے حلت و حرمت کا اختلاف ہو جاتا ہی گو وہ بھی اختلاف شرایع سے کم ہی اسلیے کہ مجتہدین سب کے سب متمسک شریعت واحدہ سے ہوتے ہین مگر وجوہ استدلال و فہم اسالیب و تعیین قرائن سے یہ اختلاف ہو گیا اور مقصود سب کا عمل ہوتا ہی شریعت محمدیہ پر اور اولیا اختلاف احکام سے بحث نہین کرتے احکام مین کسی ایک مجتہد کا اتباع کر لیتے ہین پھر ان ہی احکام متبوعہ مین اخلاص و تقرب کے تحصیل طرق مین حسب ذوق و استعداد طالب و تجربہ خود مختلف تعلیم فرماتے ہین اور اس تقریر سے ان مدعیان تصوف کی غلطی ظاہر ہو گئی جو اہل باطن کے لیے احکام جدا گانہ سمجھے ہوئے ہین)

رو کشیدن از سخن بسبب ملالت مستمعان

چونکہ جمع مستمع را خواب برد	سنگہاے آسیا را آب برد
رفتن این آب فوق آسیا ست	رفتنش در آسیا بہر شما ست
چون شما را حاجت طاحون نماند	آب را در جوے اصلی باز راند

ناطقہ سوے دہان تعلیم راست	ورنہ خود آن آب را جوی جداست
میرود بے بانگ بے تکرارہا	تحتہا الانہار تا گلزارہا

(سنگہاے آسیا را آب یعنی آب سنگہاے آسیا را۔ فاعل بُرد حق تعالیٰ و ہمچنین فاعل راند و مراد از سنگہاے آسیا دو لب۔ و از علوم و اسرار کہ در لب دہان لباس الفاظ پوشیدہ و در قلب معانی محض اند کما سیاتی تحتہا الانہا حال مقدم از گلزارہا۔ گاہ گاہ مصنف کو اثناے تصنیف مین قبض مضامین ہوتا ہے سو اسباب اُسکے مختلف ہین کبھی مصنف کا تعب قوت فکریہ اسکا سبب ہوتا ہو اور گاہے ناظرین و سامعین کی بے توجہی و بیقدری کا خیال و احتمال پھر یہ خیال گاہے غلط اور وہم محض ہوتا ہو اور گاہے قرائن سے صحیح و مظنون یا متیقن ہوتا ہو پھر یہ قرائن گاہے امور ظاہرہ حسیہ ہوتے ہین جسکا ادراک اہل ظاہر کو ہوتا ہو اور گاہے اشراق و کشف باطنی ہوتا ہو جو اہل باطن کے لیے آلۂ ادراک ہوتا ہو پس معلوم ہوتا ہو کہ مولانا کو اشراق سے مکشوف ہوا کہ اسوقت کے بعض ناظرین کو مثنوی دیکھتے دیکھتے اس جگہ پر پہونچکر کم شوقی و کم رغبتی پیدا ہو گی اس انکشاف سے قبض پیدا ہوا اور اُس حالت مین یہ اشعار ارشاد فرمائے (والغیب عند اللہ تعالیٰ) یعنے سننے والون کے مجمع کو چونکہ غفلت (اور بے توجہی) غالب ہو گئی تو حق تعالیٰ نے اُس پانی کو جو سنگ آسیا مین چل رہا تھا بند کر دیا (یعنی علوم و اسرار جو لبون سے نکل رہے تھے بند ہو گئے) اور واقع مین تو اس پانی کا جاری ہونا اس آسیا سے بہت دور پر ہے (یعنے مجریٰ اصلی ان علوم و اسرار کا قلب ہو جسکا لبون سے بعید ہونا ظاہر ہو اور آسیا مین اسکا چلنا محض تم لوگون کے لیے ہو (یعنے لب و زبان پر ان علوم کا آنا تمھاری تفہیم و تعلیم کے لیے ہو پھر جب تم ہی کو اس آسیا (کے چلنے) کی حاجت نہ رہی (یعنے ان اسرار کے بیان و تقریر کی طرف رغبت نہ رہی) تو حق تعالیٰ نے اس پانی کو اصلی نہر کی طرف جاری کر دیا (یعنے وہ علوم قلب مین بدستور رہ گئے چنانچہ خود بطور تفسیر فرماتے ہین کہ) نطق اسرار جو دہن پر آجاتا ہو وہ تمھاری تعلیم کے لیے ہے ورنہ اس آب اسرار کی نہر اصلی تو جدا ہی ہو یعنے قلب جسمین وہ آب اسرار بے آواز و بے تکرار گلزار (مواجید و حالات باطنیہ) تک چلا جا رہا ہو جس سے وہ گلزار ایسے ہین کہ گویا اُن کے اندر یہی انہار (اسرار جاری ہین (گلزار کا نشو و نما آب و انہار سے ہو اسی طرح حالات باطنیہ کی تربیت اسرار و معارف سے ہوتی ہے ورنہ جہل مین وہ حالات زائل ہو جاتے ہین گو خود حالات سے بھی گاہے معارف کا ورود ہوتا ہے مگر یہان تشبیہ صرف اعتبار اول سے ہو اور قلب مین بانگ و تکرار نہونا چاہیے۔

اے خدا بنما تو جان را آن مقام	کاندرو بے حرف میروید کلام
تا کہ سازد جان پاک از سر قدم	سوے عرصہ دور پہناے عدم
عرصۂ بس با کشاد و با فضا	وین خیال و ہست یابد زو نوا
تنگ تر آمد خیالات از عدم	زان سبب باشد خیال اسباب غم

یا ز ہستی تنگ تر بود از خیال	زان شود در وی قمر ہمچون ہلال
باز ہستی جہان حس و رنگ	تنگ تر آمد کہ زندانیست تنگ
علت تنگی ست ترکیب و عدد	جانب ترکیب حسہا مے کشد
ز آن سوے حس عالم توحید دان	گر یکے خواہی بدان جانب بران
امر کن یک فعل بود و نون و کاف	در سخن افتاد و معنی بود صاف
این سخن پایان ندارد باز گرد	تا چہ شد احوال گرگ اندر نبرد

(اوپر کے اشعار میں اسرار و معارف کا قلب میں جمع ہونا اور اوس محل میں حروف و اصوات سے منزہ ہونا بیان کیا ہے اور چونکہ اسرار و معارف کا ورود بلا قید حروف و اصوات قلب میں بذریعۂ الہام کے ہوتا ہے اس لیے الہام کی درخواست کرتے ہیں اور اس سے مولانا کو الہام کا حاصل نہ ہونا لازم نہیں آتا چنانچہ اسرار کا مجتمع ہونا خود دلیل حصول ہے بلکہ باوجود حصول کے اُسکی ترقی و تزاید کی درخواست کی جاتی ہے جس طرح قرآن مجید میں اہدنا الصراط المستقیم اہل ہدایت کو بھی تعلیم کیا گیا ہے طلب زیادت ہدایت کے لیے پس ارشاد فرماتے ہیں کہ) اے خدا آپ ہماری روح کو وہ مقام مشاہدہ کرا دیجیے جس میں بلا واسطہ الفاظ و حروف کے کلام پیدا ہوتا ہے (یعنی سلوک میں اُس مقام پر پہونچائیے جہان مشرف بالہام اسرار ہوں اور اسکو کلام کہنا اسوجہ سے ہے کہ کلام کی ایک نوع کلام نفسی بھی ہے) تاکہ ہماری روح (جو اُن قیود و صوت و حروف سے) پاک (ہے) (اور باعتبار غیر متشکل و غیر محدود ہونے کے) وسیع (اور باعتبار انعدام قیود مذکورہ کے بمعنے عدم اضافی کے ملقب بہ) عدم (ہے اُس) کی طرف متوجہ ہو اور معارف کے الہام ملنے روح کی کشش عالم غیب کی طرف ظاہر ہے اور فائدہ اس توجہ کا انکشاف توحید ہے آگے آتا ہے اُس شعر میں ؎ ز آن سوی حس عالم توحید دان × اور یہان سے اُس شعر تک اُس فائدے کی تمہید ہے یعنی وہ عالم کیسا ہے۔ نہایت ہی وسیع اور با فضا ہے اور عالم خیال (یعنی عالم مثال) اور عالم ہست (یعنی عالم شہادت) اُسی عالم غیب سے سامان وجود پاتا ہے (کیونکہ مسلمات فن سے ہے کہ وجود ممکنات میں اول متعلق ہوا ہے ارواح مجردہ کے ساتھ جسکو عالم غیب کہتے ہین پھر اُسکے ظہور کے لیے اُس کو عالم شہادت کے ساتھ متعلق کرنا منظور ہوا مگر بوجہ عدم مناسبت کے اِس ارتباط و تعلق کے قبل ایک ایسا عالم بنایا جو من وجہ دونون کے مشابہ ہو جسکو عالم مثال کہتے ہین کہ غیر مادی ہونے میں مشابہ غیب کے ہے اور مقداری ہونے میں مشابہ شہادت کے پس عالم غیب کا تعلق اول اُس عالم مثال کے ساتھ ہوا اور اُسکے واسطہ سے شہادت کے ساتھ ہوا اور اس طرح عالم غیب کا ظہور ہوا پس چونکہ عالم مثال و عالم شہادت دونون کو موجود کرنے سے مقصود عالم غیب کا ظہور رہا اس لیے مولانا عالم خیال و عالم ہست کو عالم غیب سے سامان وجود پانے والا فرما رہے ہین آگے اُسکی وسعت کی تاکید و توضیح ہے کہ) عالم خیال (یعنی

عالم مثال) عالمِ عدم (یعنی عالم غیب) کے اعتبار سے بہت ہی تنگ (اور محدود) ہے (کیونکہ آخر مقداری ہے
اور لا انتہا ہی مقدار کی باطل ہے پس محدود ہوگا اور محدود کا غیر محدود سے تنگ ہونا ظاہر ہے) اور اسی
تنگی کی وجہ سے خیال سبب غم ہو جاتا ہے (کیونکہ اصلی وجہ اسکی کسی واقعہ کی حکمت کا پورا منکشف
نہ ہونا ہے اور پورے انکشاف کے معنی یہین کہ اس شخص کو جسقدر انکشاف کی توقع اور انتظار ہے اُسکی
حد انتہائی تک پہونچ جائے پس چونکہ روح کو مرتبۂ تجرد محض مین بہ نسبت مرتبۂ تعلق بالمقداری وبالمادی
کے زیادہ انکشاف ہوتا ہے اِس لیے عالم مثال مین کہ خیال اُس مین داخل ہے انکشاف ناقص
ہوتا ہے اور زائد کی متوقع و منتظر رہتی ہے اور تجرد محض مین یہ انتظار رفع ہو جاتا ہے اِس لیے
انکشاف تام ہوتا ہے پس جب عالم مثال مین حکمت کا انکشافِ تام نہوا تو لابد خیال سبب غم کا ہوگا اور
ہم نے جو تعلق بالمقداری وبالمادی کو مانع انکشافِ تام کہا ہے اِس سے مراد مطلق تعلق نہین بلکہ تعلق تدبیر
ہے جو مستلزم تشویش ہے جیسا قبل نجات تک روح کے لیے مستمر و دائم ہے کہ قبل تعلق بالشہادۃ
کے خود اس تعلق کا انتظار ہی عالم مثال مین مانعیت انکشاف کے لیے کافی ہے اب اہل جنت کے
تعلق بین الروح والجسد پر مانعیت انکشاف تام کا شبہ نہین ہوسکتا کیونکہ وہ تعلق تشویش نہین اور اہل نار مین انکشاف
تام کا احتمال نہین ہوسکتا کیونکہ وہ تعلق تعلق تشویش ہے اس لیے اہل جنت مغموم نہون گے اور
اہل نار کو غم سے نجات نہ ہوگی۔ اور خیالات کا جمع لانا اشارہ ہے طرف تعدد انواع عالم مثال کے کیونکہ وہ
حال سے خالی نہین یا تو وہ خود بذاتہ قائم ہے یا قیام مین محتاج کسی محل کا ہے قسم اول کو خیال منفصل کہتے ہین اور
یہی واسطۂ تعلق وارتباط ہے عالم غیب وشہادت مین۔ اور قسم ثانی کو خیال متصل کہتے ہین اور وہ قائم ہے
ذہن کے ساتھ اگر ذہن نہ رہے وہ بھی معدوم ہو جاوے اور اکثر لفظ خیال سے یہی معنی اور لفظ عالم مثال
سے قسم اول بوجہ کثرت استعمال متبادر الی الفہم ہوتی ہے ورنہ مثال اور خیال دونون اصطلاحًا عام ہین
لیکن قسم اول کا مادی نہونا تو مطلقًا ہے اور قسم ثانی کا باعتبار نفی ترکیب من المادہ کے ہے ورنہ قیام
بالمادی کے اعتبار سے وہ مادی ہے) پھر یہ ہستی (یعنی عالم شہادت) عالم خیال (یعنی عالم مثال سے بھی
تنگ ہے (کیونکہ عالم مثال گو مقداری تھا مگر مادی نہ تھا اور یہ مادی بھی ہے تو خواص مادہ کے قیود اسمین
اور بڑھے یہ زیادہ مقید اور تنگ ہو گیا) اور اس تنگی ہی کی وجہ سے اِسمین (اُس غم خیالی مذکور کا یہ اثر
ہوتا ہے کہ) قمر کا سا حسین آدمی ہلال جیسا بے رونق ہو جاتا ہے (یعنی اگر عالم شہادت نہوتا تو وہ خیال
غم خالی خیال ہی رہتا چونکہ اب اُس کا تعلق مادہ سے ہوا اس لیے اُس مادہ پر اُس کا اثر ظاہر ہوا پس اسکا
سبب یہی قیود کا بڑھنا ہوا جسکو تنگی کہا گیا ہے) پھر اس ہستی (یعنی عالم شہادت) کی دو قسمین ہین ناسوت
یعنی دنیا اور ملکوت یعنی آخرت مکانیہ وزمانیہ کیونکہ عالم شہادت عالم مادہ کو کہتے ہین اور ملائکہ کا اور
اون کے مسکن سمٰوات کا اور جنت کا اور اُس کے سکان اہل ایمان کا مادی ہونا منصوص ہے

پس اُن دونون قسمون) مین سے بھی جو ہستی عالم محسوس (بالفعل) رنگا رنگ (یعنی متغیر) کی ہی (یعنی دنیا)
یہ اور بھی تنگ ہی کیونکہ (بنص حدیث الدنیا سجن المومن) ایک زندان تنگ ہے (بایں معنے کہ جس طرح
زندان مین دلچسپی نہین ہوتی مومن کامل کو دنیا سے کبھی دلچسپی نہین ہوتی متمنی و مشتاق نعماء باقیہ کا
رہتا ہے پس تنگی بمعنی مقید بالمقدار والمادہ ہے دنیا تو مطلق عالم شہادت کو شامل ہے اور بمعنی توحش و تنفر مومن
خاص ہے اُنکی ایک قسم یعنی دنیا کے ساتھ اور آخرت اس سے بری ہے اور راز اسمین وہی ہے جو احقر نے اوپر
ذکر کیا ہے کہ یہان تعلق روح کا تعلق تشویش ہے اور وہان ناجین کو تعلق تلذذ و تنعم ہوگا کیونکہ بعض تلذذات
تعلق جسدی پر موقوف ہین جیسا کھانا پینا مباشرت کرنا پس یہ تعلق انکشاف علوم و راحت مین سب
تعلقی سے افضل و اکمل ہے آگے عالم تنگ کی تنگی کی لم بیان فرماتے ہین کہ) علت تنگی کی مرکب واقعی اور
معدود ہونا ہے (یعنی ان مین سے ہر ہر واحد پس عالم مثال مین چونکہ اشیاء معدود ہین اور مرکب
نہین کیونکہ ترکیب خواص مادی سے ہے اور وہ مادی نہین اس لیے اُس مین تنگی کم ہے اور عالم شہادت
مین اشیاء معدود بھی ہین اور مرکب بھی اس لیے تنگی زیادہ ہوئی) اور اسی وجہ سے حواس مرکبات کی طرف
کشش کرتے ہین (اور یہ حکم صرف حواس ظاہرہ کے ساتھ خاص ہے جنکے ادراک مین مدرکات کا اقتران
بالمادہ شرط ہے جو خواص ترکیب سے ہے اور مقام مقتضی ہے بیان خاصہ عدد کو بھی جو عالم مثال مین
متحقق ہے غالبًا مصرعۂ اول مین عدد کا مذکور ہونا اور مصرعۂ ثانی مین حسہا کا جمع لانا مقالہ کے لیے
قرینہ کافی سمجھا ہو سو احقر کہتا ہے کہ اسی اقتران بالعدد کی وجہ سے حواس باطنہ عالم مثال کے ادراک
کی طرف کشش کرتے ہین کیونکہ اُن کے ادراک کے لیے ترکیب شرط نہین مگر عدم تجرد ضروری ہے اسی لیے
وہ مجردات سے متعلق نہین ہوتے البتہ عالم مثال خواب مین یا دوسرے طور پر اُن پر منکشف ہوتا ہے اور
چونکہ حسہا حواس ظاہرہ و باطنہ دونون کو شامل ہے اس لیے شعر آئندہ مین مطلق حس کے اعتبار سے
ایک حکم عام فرماتے ہین کہ) حس کے اُس پار (یعنی ماوراء الحواس الظاہرہ والباطنہ) عالم (انکشاف)
توحید کا ہے اگر تمکو واحد حق (کی توحید) مطلوب ہے تو حواس سے آگے بڑھو (اس عالم سے مُراد عالم غیب
ہے اور اسمین بیان ہے فائدہ توجہ بعالم غیب کا کہ انکشاف توحید ہے تقریر اسکی یہ ہے کہ تحصیل توحید
تحقیقی غیر تقلیدی کے دو طریقے ہین ایک استدلالی عقلی دوسرے ذوقی و کشفی عقلی یہ کہ مصنوعات سے
صانع پر بانضمام بعض مقدمات عقلیہ استدلال کیا جاوے اور اس طرق مین مادیات و محسوسات بھی
مثل مجردات و غیر محسوسات کے ہین بلکہ محسوسات سے استدلال زیادہ سہل ہے اور حکما و متکلمین کا مبلغ
طیران یہی توحید ہے۔ اور کشفی یہ کہ بلا واسطہ تقلید و استدلال ایک علم ضروری و انکشاف تام بحسب الاستعداد
پیدا ہو جاوے اور اس علم ذوقی کا مورد روح مجرد ہے جو کائنات عالم غیب سے ہے اور اس موردیت کے
لیے صفا و جلا شرط ہے اور وہ موقوف ہے محسوسات سے ذہول و بے تعلقی پر اور برخلاف طرق عقلی

کے توجہ الی المحسوسات اسکے لیے منافی ہے اور حضرات صوفیہ کا مطلوب یہ توحید ہے پس حاصل شعر کا یہ ہے کہ
جب تمکو اشعار بالا سے عالم شہادت و عالم مثال کا کہ عالم محسوسات بحواس ظاہرہ و باطنہ ہے بہ نسبت عالم
غیب کے تنگ اور مقید ہونا ثابت ہوگیا اور مقید و محسوس کا منافی انکشاف تام ہونا بھی معلوم ہے جیسا
ظاہر بھی ہے اور احقر نے زان سبب باشد الخ کی شرح مین اس اشارہ کی تقریر بھی کر دی ہے پس اگر تم کو
توحید کا انکشاف تام جو درجہ اکمل اور حضرات صوفیہ کا مذاق ہے مطلوب ہے تو عالم محسوسات سے تعلقاً
والتفاتاً قطع کرو کہ منافی انکشاف تام ہے اور عالم غیب کی طرف توجہ کرو تا کہ اُسکے موجودات مین سے
روح کو اِس انکشاف توحید کا آلہ بناؤ نہ یہ توجہ روح کی طرف خود اُسکو مقصود سمجھکر نہین کیونکہ التفات بماسوی
اللہ خود حجاب ہے خواہ وہ نورانی عالم غیب سے ہو خواہ ظلمانی ہو بلکہ اِس لیے ہے کہ وہ متوجہ الی الحق
ہو اور اُس واحد حقیقی کی معرفت کا ملہ ہو اب آگے اِس مضمون مذکور کی کہ مشغولی روح بماسوا حاجب انکشاف
توحید ہے ایک مثال لاتے ہین کہ) دیکھو امر کن جسکے تعلق سے ایجاد خلق ہوتا ہے مرتبۂ کلام نفسی مین محض
ایک فعل (بسیط) تھا اور اُس مین نون اور کاف مرتبۂ کلام لفظی مین واقع ہوگیا ورنہ اس کا مدلول
(کہ کلام نفسی ہے بالکل اِن حروف سے) صاف و پاک تھا (چنانچہ اب توجہ الی الحروف ذہن کو اُس مرتبۂ
کلام نفسی تک پہونچنے بھی نہین دیتا بلکہ کلمۂ کن سُنکر فوراً ہی مرتبۂ کلام لفظی کی طرف ذہن جاتا ہے پس
جس طرح کلام لفظی حجاب کلام نفسی کا ہے اسی طرح مشغولی روح بماسوا حجاب انکشاف توحید ہے اب
قصہ کی طرف رجوع فرماتے ہین کہ) اِس مضمون کی توکہین انتہا نہین قصہ کی طرف پھر رجوع کرو کہ اُس
گرگ کا عتاب شیر مین کیا حال ہوا

ادب کردن شیر گرگ را کہ در قسمت کردن بے ادبی کرد

گرگ را برکند سر آن سرفراز	تا نماند دو سری و امتیاز
فانتقمنا منہم ست اے گرگ پیر	چون نبودی مردہ در پیش امیر
بعد ازان رو شیر با روباہ کرد	گفت این را بخش کن از بہر خورد
سجدہ کرد و گفت کاین گاو سمین	چاشت خوردت باشد اے شاہ مہین
وان بُز از بہر میانہ روز را	یخنئے باشد شہ فیروز را
وان دگر خرگوش بہر شام ہم	شبچرۂ اے شاہ با لطف و کرم

(مہین بزرگ یخنی انچا چیزیکہ از مال و اسباب و غلہ و حیوانات نگاہ دارند) یعنی اُس شیر سرفراز نے
گرگ کا سر جدا کر دیا تا کہ خود سری اور امتیاز باقی نہ رہے (اور بزبان حال اوس کو خطاب کیا کہ)
اے گرگ فانتقمنا منہم اُسکو کہتے ہین چونکہ تو حاکم کے روبرو فانی ولاشئے نہ بنا بعد اُسکے

شیر روباہ کی طرف متوجہ ہوا اور کہا کہ تو اسکے حصے لگا اُسنے سر نیاز زمین پر رکھا اور کہا کہ یہ گاؤ فربہ تو آپ کی نہاری ہے اور یہ بُز دوپہر کیواسطے ذخیرہ رکھ لی جاوے رہا خرگوش وہ شام کے لیے رہے کہ شب کو کھائیے

گفت اے روبہ تو عدل افروختی　　اینچنین قسمت زکہ آموختی

از کجا آموختی این اے بزرگ　　گفت اے شاہ جہان از حال گرگ

گفت چون در عشق ما گشتی گرو　　ہر سہ را برگیر و بستان و برو

روبہا چون جملگی ما را شدی　　چونت آزاریم چون تو ما شدی

ما ترا و جملہ اشکاران ترا　　پاے بر گردون ہفتم نہ برا

چون گرفتی عبرت از گرگ دنی　　پس تو روبہ نیستی شیر منی

عاقل آن باشد کہ عبرت گیرد از　　مرگ یاران و بلاے محترز

شیر نے کہا کہ تو نے خوب عدل کیا۔ تو نے یہ تقسیم کس سے سیکھی اُس نے عرض کیا کہ حال گرگ سے شیر نے کہا جب تو ہمارے عشق مین گرو ہوگئی (اور اپنے کو لاشئے سمجھا) تو تینون کو اٹھا اور لے جا اے روبہ جب تو ہماری ہوگئی تو تجکو کیونکر آزار دین تو تو گویا ہم ہوگئی ہم بھی تیرے اور شکار بھی سب تیرے گردون ہفتم پر قدم رکھ اور عروج حاصل کر (یعنی تیرا رتبہ بڑہا دیا) اور جب تو نے گرگ کمینہ کے حال سے عبرت حاصل کی پس تو روباہ نہین بلکہ میری شیر ہے کیونکہ عاقل کا کام ہے کہ اپنے اقران کی ہلاکت اور بلائے واجب الاحتراز (کو دیکھ کر اُس) سے عبرت پکڑے۔

روبہ آندم بر زبان صد شکر راند　　کہ مرا شیر از پس آن گرگ خواند

گفت روبہ صد سپاس آن شیر را　　کز پس آن گرگ وا خواند او مرا

گر مرا اول بفرمودے کہ تو　　بخش کن این را کہ جان بردی ازو

یعنی اُسوقت روباہ نے سیکڑون شکر ادا کیے کہ مجکو شیر نے گرگ سے پیچھے بُلایا ورنہ اگر مجکو پہلے حکم ہوتا کہ تو تقسیم کر تو بھلا اُس سے کون جان بچا سکتا (یعنی مجھ سے بھی ایسی ہی حماقت موجب ہلاکت ہو جاتی)۔

پس سپاس او را کہ ما را در جہان　　کرد پیدا از پس پیشینیان

تا شنیدیم آن سیاستہاے حق　　بر قرون ماضیہ اندر سبق

تا کہ ما از حال آن گرگان پیش　　ہمچو روبہ پاس خود داریم بیش

امت مرحومہ زین رو خواندمان　　آن رسول حق و صادق در بیان

استخوان و پشم آن گرگان عیان　　بنگرید و پند گیرید اے مہان

عاقل از سر بنہد این ہستی و باد　　چون شنید انجام فرعونان و عاد

ورنہ بنہد دیگران از حال او　　عبرتے گیرند از اضلال او

(حکایت مذکورہ سے علاوہ مقصود اصلی یعنی ترغیب فنا کے ضمناً ایک اور فائدہ مستنبط کرکے بطور انتقال کے فرماتے ہیں کہ) ہم بھی خدا تعالے کا شکر کرتے ہیں کہ ہمکو دنیا میں گذشتہ لوگوں کے بعد پیدا کیا کہ ہمنے عقوبات خداوندی کو جوکہ قرون گذشتہ پر گذری ہیں اپنے سبق یعنی قرآن میں سن لیا اور ممکن ہے کہ اندر متعلق ماضیہ کے ہو) یعنی جو قرون سابق میں گذرے ہیں تاکہ اُن گرگان قدیم کا حال سُنکر روباہ کی طرح (ایسے امور مہلکہ سے) اپنی خوب حفاظت رکھیں اسی وجہ سے ہمکو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جوکہ صادق البیان ہیں (حدیث میں) امت مرحومہ فرمایا ہے (رواہ ابن ماجہ) اُن گرگوں کے استخوان اور بال (یعنی آثار ہلاک) صاف دیکھ لو اور اے بزرگو عبرت پکڑو (بعض امم ہالکہ کے آثار سفر شام میں اہل مکہ کو نظر پڑتے تھے) جس کو عقل ہے وہ تو جب فرعون واہل فرعون و عاد کا انجام سنتا ہے تو اس دعوی ونخوت کو دماغ سے نکال باہر کرتا ہے اور وہ باہر نہ نکالے گا تو اُسکے حال سے اور اُسکے اضلال خلق کے وبال سے اور لوگ عبرت حاصل کرینگے (یعنی وہ بھی ہلاک ہوگا)۔

تہدید کردن نوح علیہ السلام مر قوم را کہ با من مپیچید کہ من روپوشم باخدا در حقیقت بحق می پیچید اے مخذولان

ف اسمیں پھر رجوع ہے فضیلت فنا کی طرف کہ انبیا علیہم السلام کا اس سے وہ رتبہ ہوتا ہے کہ انکا مخالف حق تعالے کا مخالف شمار کیا جاتا ہے جیسا حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا کہ در حقیقت الخ جیسا قرآن مجید میں ہے۔ ولکنی رسول من رب العلمین الآیۃ واتقوہ واطیعون الآیۃ۔

گفت نوح اندر نصیحت قوم را
در پذیرید از خدا آخر عطا

بنگرید اے سرکشان من من نیم
من ز جان مردم بجانان میزیم

چون بمردم از حواسات بشر
حق مرا شد سمع و ادراک و بصر

چونکہ من من نیستم این دم ز ہوست
پیش این دم ہر کہ دم زد کافر اوست

یعنے حضرت نوح علیہ السلام نے نصیحت میں اپنی قوم کو ارشاد فرمایا کہ آخر یہ عطا حق تعالیٰ کی ہے اسکو قبول کرلو اور اے سرکش لوگو یہ سمجھ رکھو کہ میں میں نہیں ہوں (یعنی اپنی رائے سے کچھ نہیں کررہا) بلکہ میں اپنی ہستی سے فنا ہوکر محبوب کی معیت میں زندہ ہوں جب میں حواس بشریہ سے فنا ہوگیا (اور اُن کو اپنی رائے سے صرف کرنا منفی کردیا) تو حق تعالیٰ میری سمع و بصر ہوگئے (جیسا حدیث میں وارد ہے یعنی اُن کے خلاف مجھ سے کچھ صادر نہیں ہوتا) تو جب میں نرہا (جیسا ابھی گذرا) تو یہ میری بات چیت گویا انکی ہے (کما قال تعالے وما ینطق عن الھوی) تو جو شخص اس بات چیت کے سامنے دم مارے وہ کافر ہے (کیونکہ رسول کا انکار حق کا انکار اور کفر ہے)۔

هست اندر نقش این روباه شیر　　سوی این روبه نشاید شد دلیر
گر ز روی صورتش می نگروی　　غرش شیران ازان می نشنوی
گر نبودی نوح را از حق یدی　　پس جهانی را چرا برهم زدی
صد هزاران شیر بود اندر تنی　　هر دو عالم را همی دیدار زنی
او برون رفته بد از ما و منی　　او چو آتش بود و عالم خرمنی
چونکه خرمن پاس عشر او نداشت　　او چنان شعله بران خرمن گماشت
هر کہ او در پیش این شیر نهان　　بی ادب چون گرگ بکشاید دهان
همچو گرگ آن شیر بر درانَدش　　فانتقمنا منهم بر خواندش
زخم یابد همچو گرگ از دست شیر　　پیش شیر ابله بود کو شد دلیر
کاشکی آن زخم بر جسم آمدی　　تا دل و ایمان سلامت ماندی

(یہ مقولہ مولانا کا ہے مضمون بالا کی تائید مین اور فرض تمثیلات میں قصۂ مذکورہ شیر و گرگ و روباہ کی مناسبت کا لحاظ کیا ہے) یعنی اس روباہ کی شکل مین شیر ہے (جیسے قصۂ مذکورہ مین شیر نے کہا تھا سے پس تو روبہ نیستی شیرِ منی × مُراد یہ ہے کہ رُسُل و اولیاء گو ظاہر مین بشر ضعیف ہین مگر اُن کے ساتھ حق تعالیٰ ہوتے ہین) پس اس روباہ کی طرف دلیر ہو کر نہ آنا چاہیے (یعنی گستاخی و انکار سے پیش نہ آوے) اگر تم اُسکی ظاہری صورت (ضعیف) دیکھکر گرویدہ نہین ہوتے (اور اُسکی عظمت اپنے قلب مین نہین پاتے) تو کیا شیرونکا سا اُسکا غرانا بھی نہین سنتے (جس سے استدلال کرسکو کہ اُسکو کسی شیر کا زور ہے مطلب یہ ہے کہ مقبولان الٰہی کا مخلوق سے مستغنی ہونا اور اظہارِ حق مین باک نہونا اور کسی سے خوف و خطر نکرنا اور کسی شئے سے فکر و اندیشہ نکرنا کیا اُنکی معیت بحق پر دلالت نہین کرتا) چنانچہ حضرت نوح علیہ السّلام کو حق تعالیٰ کی طرف سے اگر تائید نہوتی تو اللہ تعالیٰ ایک عالم کو (اُن کے انکار و مخالفت کی سزا مین) کیون ہلاک فرمادیتے (اس سے معلوم ہوا کہ) اُس ایک تن مین ہزارون شیر (مضمر) تھے (یعنی انواع علاقات قرب و خصوصیات مع الحق اُن کو حاصل تھین) جس سے وہ دونون عالم کو ایک ارزن کے برابر سمجھتے تھے (کیونکہ دل مین عظمت الٰہی کے غلبہ کے بعد کسی کی عظمت نہین رہتی) اور وہ ما و من (یعنی دعوی کمال سے) پاک ہوچکے تھے (اس لیے حق تعالیٰ اُن کے وکیل و کفیل تھے) اور اُن کی مثال آتش کی سی اور دنیا (والون) کی (جنھون نے انکا انکار کیا تھا) مثال خرمن کی سی تھی (کہ مقدار مین تو آگ بہت قلیل ہوتی ہے مگر بڑے خرمن کے سوختہ کرنے کو کافی ہے اسی طرح آپ تنہا کے ساتھ انکار کرنے سے ہزارون ہلاک ہوگئے چنانچہ خود فرماتے ہین کہ) جب اُس خرمن نے حق تعالیٰ کے عشر کا (جو اُسکے متعلق ایک حق واجب ہے) لحاظ نہ کیا اُنھون نے ایک شعلہ اُس خرمن پر مسلط فرما دیا (اسی طرح اُس قوم نے

اطاعت نوح سے جو کہ حقوق الٰہیہ سے ہے انکار کیا اللہ تعالےٰ نے اُن ہی حضرت کی زبان سے بددعا کرا کر سبکو ہلاک کر دیا) پس جو شخص اُس شیر مضمر کے سامنے اُس گرگ کی طرح مُنہ کھولے گا تو اُسکو ویسی گرگ کیطرح پھاڑ چیر ڈالے گا اور فانتقمنا منہم اُسپر پڑھ دیگا اور اُس گرگ کی طرح شیر کے ہاتھ سے زخمی ہو گا تو شیر کے سامنے دلیری سے جانیوالا بڑا احمق ہے (مطلب ظاہر ہے کہ مقبولان آلٰہی کی مخالفت گویا مخالفت حق تعالےٰ ہے جسکا انجام ہلاکت وخسارت ابدی ہے) اور کاش اگر وہ زخم جسم ہی تک رہتا (تو غنیمت تھا تاکہ قلب (جو محل ایمان ہے) اور ایمان تو سالم رہتا) مگر مخالفت مقبولان آلٰہی کی اسے جو قہر خداوندی متوجہ ہوتا ہے اُس سے تو ایمان سلب ہو جاتا ہے جیسا حدیث مین ہے من عادیٰ لی ولیا فقد آذنتہ بالحرب اور ظاہر ہے کہ اللہ تعالےٰ کا محارب مؤمن نہین ہو سکتا۔

قصہ کم بکسست چون اینجا رسید	چون تو آنم کرد این سر را پدید
لیک ہم رمزے بگوییم با شما	تو کہ دریابید و گردید آشنا
ہمچو آن روباہ کم اشکم کنید	پیش او روباہ بازی کم کنید
جملہ ما و من بہ پیش او نہید	مالک ملک اوست ملک او را دہید
چون فقیر آئید اندر راہ راست	شیر و صید شیر خود آن شماست
زانکہ او پاکست و سبحان وصف اوست	بے نیازست او ز نغز مغز و پوست
ہر شکار و ہر کراماتے کہ ہست	از برائے بندگان آن شہ است
گفت الیس اللہ بکاف عبدہ	تا نگردد بندہ ہر سو حیلہ جو
ہر کہ او بر حق توکل مے کند	او بجائے خود تفضل مے کند
نیست شہ را طمع بہر خلق ساخت	نیمہ دولت خنک آن کو شناخت
آنکہ دولت آفرید و دو سرا	ملک و دولت ہا چہ کار آید ورا

(اوپر ذکر تھا کہ اہل اللہ کی مخالفت سے سلب ایمان کا اندیشہ ہے اسپر یہ استبعاد ہوتا ہے کہ مخلوق کی مخالفت پر قہر آلٰہی کے متوجہ ہونیکا کیا سبب ہے سو اس استبعاد کا جواب دینا اور سبب قہر کا بیان کرنا مقصود ہے لیکن چونکہ حاصل اُس سبب کا اِن حضرات کا مظہر صفات حق یعنی متصف بصفات آلٰہیہ ہونا تھا جس سے اِن کی مخالفت من وجہ مخالفت حق اور سبب توجہ غضب آلٰہی ہو گئی اور مسئلہ مظہریت کا نازک تھا گو احقر کے چند جا تقریر کرنے سے بفضلہ تعالےٰ واضح ہو چکا ہے اس لیے جواب کے قبل اسکی نزاکت کا اظہار اور جواب مین صرف اشارہ کو اختیار فرمایا پس فرماتے ہین کہ) جب کلام یہانتک پہنچا (کہ اُنکی مخالفت موجب سلب ایمان ہو جاتی ہے) تو میری قوت بیانیہ شکستہ ہو گئی کیونکہ ایسے راز دقیق کو (جو سبب ہے اِس قہر کا کہ مسئلہ مظہریت ہے) کس طرح ظاہر کر سکتا ہون (کہ بدفہمون کے

انکار یا غلط فہمی کا اندیشہ ہے) لیکن تاہم کچھ اشارہ کے طور پر تم لوگوں سے کہے دیتا ہوں شاید کہ تم (اگر عقل سلیم رکھتے ہو تو) اُسکو ادراک کرلو اور اُس سے واقف ہو جاؤ (اور کم فہم سالم رہیں اب پہلے اُس راز کی تمہید یعنی مقام مظہریت کے تحصیل کا طریقہ بیان فرماتے ہیں کہ) تم اُس روباہ کی طرح شکم کو کم کرو (یعنی حرص وخود بینی کہ اخلاق ذمیمہ میں سے ہیں چھوڑ دو) اور حق تعالےٰ کے روبرو حیلہ بازی مت کرو (یعنی تدبیر اور رائے کو فنا کرو) اور سب ما ؤ من اُن ہی کے سامنے رکھدو (یعنی دعوی ہستی وکمال مت کرو) کیونکہ وہ مالک الملک ہیں سو ملک وسلطنت اُن ہی کے حوالے کرو (خلاصہ سب کا یہ ہوا کہ تسلیم وانفیاد محض وفناء تام اختیار کرو اور اپنی صفات وکمالات حضرتِ حق کے روبرو مضمحل کردو یہ طریق تحصیل مقام مذکور رہا آگے اُس مقام کا جوکہ راز ہے بیان ہے یعنی) جب تم صراط مستقیم پر آکر (اپنی صفات وشہوات سے فقیرِ محض (اور خالی) ہو جاؤ گے (اور اُنکو فنا کردوگے اُسوقت تم کو مقام اتصاف بصفاتِ حق ومعیت خاصہ ایسا حاصل ہوجاویگا کہ) شیر اور صید شیر سب تمھارا ہی ہو جاوے گا (اشارہ اس طرف ہے کہ حق تعالےٰ کو تمھارے ساتھ معیت ہو جاوے گی اور سب نعم ظاہرہ وباطنہ تم کو عطا ہوں گی) کیونکہ وہ تو (حاجت سے) پاک ہیں اور سبحان اُن کی صفت ہے اور وہ نعمت باطنہ ونعمت ظاہرہ سب ہی سے بے نیاز ہیں پس جو کچھ جسمانی نعمتیں ہیں اور جو روحانی نعمتیں ہیں وہ سب اُس شاہنشاہ کے غلاموں ہی کے لیے ہیں چنانچہ خود ارشاد فرما دیا ہے۔ الیس اللہ بکاف عبدہ یعنی اللہ تعالےٰ اپنے بندہ کو کافی ہیں تاکہ بندہ (اُن کو کافی سمجھ کر) چاروں طرف (طلب نعم میں) بھٹکتا نہ پھرے اور جو شخص حق تعالےٰ پر توکل واعتماد (امور ظاہرہ وباطنہ میں) کر لیتا ہے حق تعالےٰ اپنی رحمت سے اُسپر فضل فرماتے ہیں اور حق تعالےٰ کو کسی شئے کی طمع نہیں ہے اُنھوں نے مخلوق ہی کے لیے یہ سب دولت (ظاہری وباطنی) بنائی ہے جو اسکا عارف ہو جاوے بڑا خوش قسمت ہے بھلا جسنے دولت (دو عالم) اور خود دونوں عالم پیدا کیے ہوں ملک ودولت اُن کے کس کام آوے گا (پس ثابت ہوا کہ یہ سب بندوں کے لیے ہے اس مضمون میں اُس راز کی طرف اشارہ ہو گیا کیونکہ صرف اجمالاً اتنا فرمایا کہ انقیاد وفناء پر نعمتیں عطا ہوتی ہیں اور اُن نعمتوں کی تعیین نہیں فرمائی سو اس میں کسیکو لغزش نہیں ہوسکتی اور صراحت اُس راز کی یہ ہے کہ وہ نعمت جو فناء پر عطا ہوتی ہے وہ بقاء۔ بیقاء حق ہے جس کا دوسرا عنوان اتصاف بصفاتِ حق ومظہریت بصفات الحق ہے اس بناء پر تقریر مضمون یہ ہوگی کہ حق تعالےٰ اپنی ذات وصفات میں غنی ہیں اُنکو اسکی حاجت نہ تھی کہ اپنی صفات کے آثار مبارکہ کا فیضان فرماویں اس فیضان سے گو تبعاً تمام خلائق مقصود ہیں مگر مقصود بالاصالۃ بندگان خاص ہیں کہ اُن کے حال پر انعام واکرام کرنے کے لیے وہ آثار اُن پر فائض فرمائے کہ اُن آثار کے فیضان سے اُن میں وہ صفات حمیدہ پیدا ہوگئیں کہ مشابہ ومناسب صفات حق کے ہیں اسی تشبہ کو اتصاف بصفاتِ حق کہتے ہیں جیسا کہ

ایک حدیث قدسی گذری ہے لاعطینہم من عقلی و علمی چونکہ یہ مضمون عوام کے اعتبار سے کسیقدر دقیق تھا اس لیے اُسکو اسجگہ صاف نہین فرمایا بہرحال جس شخص کو یہ رتبہ حاصل ہوگا چونکہ وہ صفات وکمالات مین خلیفۂ خداوندی ہوگا لابد خلیفہ کی مخالفت بعینہٖ مستخلف کی مخالفت ہوگی اس لیے موجب قہر مستخلف ہوگی۔

پیش سلطان پس نگہدارید دل	تا نگردید از گمان بد خجل
کو بہ بیند سر و فکر و جست و جو	ہمچو اندر شیر خالص تار مو
آنکہ او بے نقش و سادہ سینہ شد	نقشہائے غیب را آئینہ شد
سر ما را بیگمان موقن شود	زانکہ مؤمن آئینہ مؤمن شود
مومنے او مومنے تو بیگمان	در میان ہر دو فرقے بیکران
چون زند او نقد ما را بر محک	پس یقین را باز داند او ز شک
چون شود جانش محک نقدہا	پس بہ بیند نقد را و قلب را

داوپر کے اشعار مین جب دلیل سے ثابت ہوگیا کہ مخالفت اہل حق مین مخالفت حق ہے اب اُس پر بطور تفریع کے فرماتے ہین کہ جب انسان کا یہ رتبہ ہے تو اُس سلطان (ملک باطن) کے روبرو دل (کے خطرات بد تک) کی نگہداشت رکھو (اور ظاہری مخالفت تو در کنار) ہے تاکہ گمان بد سے جو دل مین لاؤ خجل نہ ہونا پڑے کیونکہ وہ شخص راز پنہان اور فکر و تجسس قلبی کو اس طرح دیکھ لیتا ہے جیسے شیر خالص مین بال صاف نظر آجاتا ہے (یعنی اُس کے پاس خلوص وخوش اعتقادی سے حاضر ہو ورنہ اُسکے قلب پر فساد طویت کا انعکاس ہو جاتا ہے اور اُس کا قلب شہادت دیدیتا ہے کہ یہ شخص مخلص نہین ہے آگے اس اطلاع خطرات کے استبعاد کو دفع فرماتے ہین کہ اس کا تعجب ہی کیا ہے کیونکہ) جو شخص (فکر ماسوی اللہ سے) بے نقش اور سادہ سینہ ہو جاتا ہے وہ تو نقوش عالم غیب (یعنی معارف و واردات) کا آئینہ ہو جاتا ہے تو ہمارے خطرات (جو علوم غیبیہ کے روبرو محض ہیچ ہین اُنکا) تو بلاشبہہ اُسکو تیقن ہو جاویگا کیونکہ حدیث مین ہے المؤمن مرآۃ المؤمن یعنی مومن دوسرے مؤمن کا آئینہ ہے (اس حدیث کی چند تفسیرین ہو سکتی ہین مولانا نے ایک کو اختیار فرمایا ہے کہ پہلے مؤمن سے مراد مؤمن کامل لیا ہے اور دوسرے سے مراد مطلق مؤمن مطلب ظاہر ہے کہ مؤمن کامل کے قلب پر انعکاس دوسرے مؤمنین کے مخفی حالات کا ہو جاتا ہے) اور یون تو وہ بھی مؤمن ہے اور تم بھی ہو مگر دونون کے درمیان بے انتہا فرق ہے (پس اگر تم کو اُسکا باطنی حال معلوم نہو تو اس سے شبہہ نہ کرنا کہ اسی طرح اُسکو بھی معلوم نہ ہوگا کیونکہ مرآتیت جانبین سے برابر ہے کیونکہ تم اور وہ برابر نہین تم مؤمن ناقص ہونے سے آئینۂ زنگ آلودہ ہوا در وہ کامل ہونے سے آئینۂ صافی ہے) بس جب وہ ہمارے نقد (حال) کو محک پر لگاتا ہے تو یقین اور شک مین تمیز کر لیتا ہے (کہ تمھارے

قلب مین کون چیز ہے آگے اُس محک کو تبلاتے ہین کہ) چونکہ اُس کا باطن نقود کا محک ہوگیا ہے (پس محک شہادت قلب ہے جیسا حدیث مین ہے اس لیے وہ کھوٹے کھرے کو پہچان لیتا ہے اتقوا فراسۃ المومن فانہ ینظر بنور اللہ)۔

نشاندن پادشاہان صوفیان را پیش روے خویش تا چشم شان روشن شود

یہ مربوط ہے اُس مضمون سے کہ نقشہاے غیب را آئینہ شد۔ یعنی چونکہ وہ آئینہ ہین اور آئینہ روبرو رکھا جاتا ہے اس لیے سامنے بٹھلائے جاتے تھے اور یہ مضمون محض لطافتِ شاعرانہ ہے ورنہ جس معنی کر وہ آئینہ ہین وہ مستلزم روبرو بٹھلانے کو نہین ہے جیسا ظاہر ہے۔

پادشاہان را چنین عادت بود ... آن شنیدہ باشی ار یادت بود
دست چپ شان پہلوانان ایستند ... زانکہ دل پہلوے چپ باشد بہ بند
مشرف و اہل قلم بر دست راست ... زانکہ علم ثبت و خط آن دست راست
صوفیان را پیش رو موضع دہند ... کآئینہ جانند و ز آئینہ بہند
حاجبان این صوفیانند اے پسر ... سادہ و آزادہ و افگندہ سر
سینہا صیقل زدہ در ذکر و فکر ... تا پذیرد آئینہ دل نقش بکر

یعنی بادشاہون کی ایسی عادت ہوتی ہے شاید تم نے سنا ہو اور یاد ہو کہ دست چپ کی طرف تو پہلوان کھڑے ہوتے ہین اس مناسبت سے کہ قلب (جو پہلوان بدن ہے) جانب چپ مین موضع ہوتا ہے (تو پہلوان کی طرف پہلوان رہنے چاہئین) اور مشرف اور اہل قلم داہنے ہاتھ رہتے ہین کیونکہ فن کتابت و خط اُس ہاتھ کا حصہ ہے (تو اہل خط کا اہل خط کی طرف ہونا مناسب ہے) اور صوفیون کو اپنے روبرو جگہ دیتے ہین کیونکہ اُنکا باطن مثل آئینہ کے ہے اور اس آئینہ (ظاہری) سے بہتر ہین (کیونکہ اِس آئینہ مین انعکاس صور جسمانیہ کا ہوتا ہے اور اُن کے باطن مین علوم الٰہیہ و کمالات روحانیہ کا اور اس ارتباط انعکاسی سے اُن کو حضرتِ حق کے ساتھ ایسا قرب ہوتا ہے گویا اُس بارگاہ کے حاجب (عہدہ دار جو بادشاہ سے ملاتا ہے) یہی صوفی ہین کہ (نقش غیر سے) خالی اور (تعلق غیر سے) آزاد اور (مشغولی بحق مین) سر افگندہ ہین سینون کو ذکر و فکر سے صیقل کر رکھا ہے تاکہ آئینہ قلب (معارف و کمالات کے) نقش کو خوب قبول کرلے۔

ہر کہ او از اصل فطرت خوب زاد ... آئینہ در پیش او باید نہاد
عاشق آئینہ باشد روے خوب ... صیقل جان آمد از تقوی القلوب
ہر کہ دارد روے خوب با نظام ... طالب آئینہ باشد والسلام

لہ مرحوم [illegible]

تا تو دیگر قول صورت نشنوی	بشنو اکنون یک مثال معنوی

(اوپر اولیاء اللہ کا آئینہ ہونا ثابت ہو چکا اب اس سے استدلال کرتے ہیں طالبان صحبت و مستفیضان خدمت اولیاء کی خوبی پر یعنی) قاعدہ ہے کہ جو شخص قدرتی طور پر حسین ہوتا ہے اُس کے روبرو آئینہ رکھنے کی ضرورت ہوتی ہے اور آئینہ کا عاشق ہمیشہ چہرۂ حسین ہوتا ہے (پس اولیاء اللہ کا محب و طالب صحبت وہی شخص ہوگا جو اصل فطرت میں صالح الاستعداد ہو اور شوائب وکدورات عارضہ کا ازالہ کرنا اور حسن باطنی کا کامل ہو جانا چاہتا ہو کیونکہ اولیاء کی صحبت و خدمت سے اپنے حُسن و قبح کی بصیرت حاصل ہو جاتی ہے جیسا کہ اُنکا آئینہ ہونا بیان ہو چکا ہے جسکی وجہ یہ ہے کہ) قلوب میں تقویٰ کامل ہونے سے باطن کا خوب صیقل ہو جاتا ہے (چونکہ اُن حضرات نے تقویٰ کامل اختیار کیا اس لیے آئینہ ہو گئے) غرض جو شخص چہرۂ حسین اور آراستہ رکھتا ہو گا وہ آئینہ کا طالب ضرور ہو گا (شرح اسکی ابھی گذری ہے) اب تم (اِس قاعدۂ مذکورہ کی کہ حسین کے لیے آئینہ مناسب ہوتا ہے) ایک پر معنی مثال سُن لو تاکہ اسکے بعد صورت پرستوں کی بات نہ سُنو (چنانچہ آگے یوسف علیہ السّلام کا قصہ مذکور ہے کہ اُنکے دوست نے اُن کے حُسن کے لیے آئینہ مناسب جان کر پیش کیا جس سے تائید مضمون مذکور کی ظاہر ہے اور اسکو پُر معنے اس لیئے کہا کہ اس قصہ سے شعر ۷ آئینہ ہستی چہ باشد نیستی الخ میں اُسی معنی مقصود بالا کی طرف انتقال فرما دینگے جسکے اعتبار سے اشعار بالا میں اولیاء کو آئینہ کہا ہے کیونکہ نیستی آئندہ سے مراد وہی بے نفسی وسادگی مذکور سابق ہے اور چونکہ طالبان معانی کو اِس انتقال کے بعد قصہ مقصود بالذات نہیں رہتا اس لیے فرمایا سہ تا تو دیگر الخ۔

آمدن مہمان پیش یوسف صدیق علیہ السلام

آمد از آفاق یارے مہربان	یوسف صدیق را شد میہمان
کاشنا بودند وقت کودکے	بر وسادہ آشنائی متکے
یاد دادش جورِ اخوان وحسد	گفت کان زنجیر بود و ما اسد
عار نبود شیر را از سلسلہ	نیست ما را از قضائے حق گلہ
شیر را بر گردن ار زنجیر بود	بر ہمہ زنجیر سازان میر بود
گفت چون بودی تو در زندان وچاہ	گفت ہمچون در محاق و کاست ماہ
در محاق ار ماہ نو گردد دو تا	نے در آخر بدر گردد در سما

(زنجیر ساز بمعنے صاحب زنجیر چنانکہ شرمسار بمعنے صاحب شرم) یعنی سفر سے کوئی دوست حضرت یوسف علیہ السّلام کا مہمان ہوا کہ دونوں لڑکپن کے دوست اور بالش دوستی پر تکیہ لگانے والے تھے

اُس دوست نے آپ کے بھائیون کے جور وحسد کا تذکرہ کیا آپ نے فرمایا کہ اُس تکلیف کی مثال زنجیر کی سی تھی اور ہماری مثال شیر کی سی۔ شیر کو زنجیر سے عار نہین ہوتی ہے اسی طرح ہمکو بھی قضائے الٰہی سے کوئی شکایت نہین ہے۔ شیر کی گردن مین اگر زنجیر بھی ہو تب بھی دوسرے زنجیر والے جانورونکا وہ بادشاہ ہی ہوتا ہے (یعنی بلیات خواص عبادپر آتی ہین جس سے اُن کی ذلت نہین بلکہ اور درجات بڑھتے ہین جیسا حدیث مین ہے اشد الناس بلاءً الانبیاء ثم الامثل فالامثل) پھر اُس دوست نے پوچھا کہ زندان اور چاہ مین آپ کا کیا حال تھا فرمایا جیسا گھٹنے مین چاند کا حال ہوتا ہے کہ اسوقت اگرچہ کوزہ پشت ہو جاتا ہے مگر آخر مین آسمان پر وہی بدر ہو جاتا ہے (یعنی جس طرح اُس کا انحطاط مقدمہ اُسکے کمال کا ہو جاتا ہے اسی طرح وہ ظاہری مشقت موجب تزاید کمالات و زیادت قرب الٰہی کی ہوگئی)۔

گرچہ دردانہ بہ ہاون کوفتند	نور چشم و دل از و افزو ختند
گندمے را زیر خاک انداختند	پس زخاکش خوشہا بر ساختند
بار دیگر کوفتندش ز آسیا	قیمتش افزود و نان شد جانفزا
باز نان را زیر دندان کوفتند	گشت عقل و فہم جان ہوشمند
باز آن جان چونکہ محو عشق گشت	یعجب الزراع آمد بعد کشت
باز آن جان چون بحق او محو شد	باز ماند از سکر و سوے صحو شد
عالمے را زان صلاح آمد ثمر	قوم دیگر را فلاح منتظر
این سخن پایان ندارد باز گرد	تا کہ با یوسف چہ کرد آن نیک مرد

اوپر کے مضمون کی تائید ہے اور مقصود ترغیب ہے ریاضات و مجاہدات کی کہ انکا ثمرہ ترقی کمالات ہے جیسے) موتی کو ہاون دستہ مین کوٹ کر چورا کر دیے جاتے ہین مگر (کحل الجواہر و خمیرہ لولو مین) آنکھ اور قلب کا نور اور سرور اُس سے حاصل کیا جاتا ہے (اسی طرح) گیہون کو (سردست) خاک مین ڈالدیا جاتا ہے پھر خاک سے اُسکے سنابل لیتے ہین پھر دوبارہ اُسکو چکی مین پیستے ہین جس سے قدر و قیمت بڑھ جاتی ہے اور وہ روٹی مقوی روح ہو جاتی ہے پھر روٹی کو دانتون مین پیستے ہین جس سے وہ (مضم ہو کر بخار لطیف یعنی روح حیوانی بنکر) جان انسانی قوت عقلیہ و فہمیہ (یعنی روح انسانی اور اُس کے قوی کی قوت بخش) ہوگئی (کیونکہ دنیا مین روح حیوانی و روح انسانی مین باہم جو ارتباط ہے اُس سے قوت حیوانیہ کو قوتِ انسانیہ مین بالمشاہدہ دخل ہے) پھر وہ روح (انسانی جسکو روح حیوانی سے قوت پہونچی ہے) جب محو عشق حق ہوگئی تو وہ گندم مذکور اب مصداق معنوی و حکمی یعجب الزراع کا بنا (یعنی مقام فنا مین پہونچکر اس شخص کی روح کو درجہ کمال و وصول بحق حاصل ہوا گویا وہ گندم بواسطۂ روح حیوانی اور انسانی کے درجۂ یعجب الزراع کو کہ عبارت ہے کمال حال سے اب پہونچا اور معنوی کی قید

اس لیے لگائی کہ ظاہراً وحقیقۃً مدلول یعجب کا کمال نباتی ہے نہ کمال انسانی پھر اسکے بعد یعنی جبکہ وہ روح انسانی محو محق ہوچکی (جیسا اوپر گذرا) تو سُکر سے ہٹ کر صحو کی طرف آئی (یعنی بعد محو وفنائے مذکور کے کہ درجہ کمال کا ہے صحو وبقا مین آئی کہ درجہ ارشاد وتکمیل ومشیخت کا ہے پس لفظ باز مبدل منہ ہے اور جملہ آن جان چون الخ بدل ہے غرض درجۂ تکمیل کے بعد یہ حال ہوا کہ) ایک عالم کو اُس شخص سے صلاح کا ثمرہ ملا اور بہتون کو فلاح نصیب ہوئی جسکا اُن کو انتظار تھا (یعنی اُس کے ارشاد وہدایت وفیض سے طالبین کو اتصاف بکمالات کہ صلاح ہے اور نجات عن الرذائل کہ فلاح ہے میسر ہوتا ہے اور ہرچند کہ دونون مین تلازم ہے مگر باعتبار غلبہ کے بعض کے لیے صلاح اور بعض کے لیے فلاح ثابت کیا) اور اس مضمون کا تو کہین خاتمہ نہین پھر قصہ کی طرف رجوع کرو کہ اُس نیک مرد نے یوسف علیہ السلام سے کیا معاملہ کیا۔

طلب کردن یوسف علیہ السلام ارمغان از مہمان

بعد قصہ گفتنش گفت اے فلان	ہین چہ آوردی تو ما را ارمغان
دیدن یاران تہیدست اے کیا	ہست بے گندم شدن در آسیا
بردر یاران تہیدست آمدن	ہست بے گندم سوے طاحون شدن

یعنی ادھر اُدھر کی باتین کرکے حضرت یوسف علیہ السلام نے اُس سے پوچھا کہو ہمارے لیے کچھ تحفہ بھی لائے (آگے یا تو حضرت یوسف علیہ السلام کی طرف سے مضمون ہے یا مولانا کا مقولہ ہے یعنی) دوستون کی زیارت خالی ہاتھ کرنا ایسا ہے جیسے چکی کے کارخانہ مین بے گیہون جانا (اگلا شعر بھی اسی کی تاکید ہے ظاہری مطلب تو ظاہر ہے اور میرے نزدیک اس مین مخفی اشارہ اس طرف ہے کہ ایسے حضرات کی خدمت مین حاضر ہونے کے لیے اگر بلا تکلف ممکن ہو تو ہدیہ ہمراہ لانا موجب برکات ہے کیونکہ وہ موجب تطییب قلب اون حضرات کا ہوگا اور عالم مسلمان کا جب دل خوش کرنا نافع ہے تو اہل اللہ کا تو بدرجۂ اولیٰ ہوگا اور تمثیل مذکور گویا مرادف ہے قول مشہور کی کہ جو خالی جاوے خالی آوے جیسا بے گندم جانے سے بے آرد آوے گا مگر یہ خالی ہونا اضافی ہے یعنی بمقابلہ ہدی کے اور نیز خود خلوص تام ہدیہ سے بڑھکر ہدیہ ہے۔

حق تعالیٰ خلق را گوید بحشر	ارمغان کو از برائے روز نشر
جئتمونا وافرادے بے نوا	ہم بدان سان کہ خلقنا کم کذا
ہین چہ آوردید دست آویز را	ارمغان روز رستاخیز را
یا امید بازگشتن تان نبود	وعدۂ امروز تان باطل نمود

وعدهٔ مہمانیش را منکری　　پس ز مطبخ خاک و خاکستر بری

ور نہ منکر چنین دست تہی　　بر در آن دوست چون پا می نہی

(وا یعنی واعاداہ۔ اسمین انتقال ہے درگاہ حق کے لیے ہدیہ تیار کرنیکی طرف یعنی) حق تعالیٰ خلق سے حشر کے روز فرماوینگے کہ اس یوم النشور کے لیے ہدیہ (ایمان و عمل صالح) کہان ہے تمہاری پاس فی‌لیں تم بندون کے حال پر کہ تنہا یعنی (اعمال سے) بے نوا اُسی طرح آگئے جس طرح ہمنے پیدا کیا تھا (یہ اشارہ ہے اس آیت کی طرف ولقد جئتمونا فرادیٰ کما خلقناکم مگر مشہور تفسیر یہ ہے کہ فرادیٰ مال و اہل و شفعاء سے جیسا اُن کا زعم تھا کہ ہمکو اہل و ولد ملین گے اور شفعاء ہمکو نفع دین گے اور حق تعالے فرماوین گے کہ) کہو سند عبدیت کے لیے کیا چیز لائے ہو جو اس روز رستاخیز کا ارمغان ہو یا یہ بات تھی کہ تمکو ہمارے پاس لوٹ کر آنے کا یقین نہ تھا اور آج کا وعدہ تمکو غلط نظر آتا تھا (اس لیے اعمال کا سامان نہین جمع کیا یہ اشارہ ہے اس آیت کی طرف افحسبتم انما خلقناکم عبثا وانکم الینا لا ترجعون اب مولانا کہتے ہین کہ) تو اسکی درگاہ مین مہمان ہوکر جانے کا منکر ہو رہا ہے (یعنی ولایت حال سے شبہ ہوتا ہے اس لیے ارمغان عمل کی فکر نہین جب تیرا یہ حال ہے) تو مطبخ (نعماء آخرت) سے خاک کھائیو۔ راکھ پھانک لیجیو (یعنی مہمانون کی طرح جاتا تو مطبخ مین حق ہوتا اب خالی ہاتھ چلا نعماء کا کس طرح مستحق ہوسکتا ہے) اور اگر تو (بدعوی خود مہمانی کا منکر نہین ہے تو پھر کیا وجہ کہ اس طرح خالی ہاتھ اُس دوست کے دروازے پر قدم رکھتا ہے (اہل ایمان کو مہمان کہنا موافق ان آیات کے ہے یحشر المتقین الی الرحمٰن وفدا۔ وقال نزلا من عند اللہ۔

اندکے صرفہ بکن از خواب و خور　　ارمغان بہر ملاقاتش ببر

شو قلیل النوم مما یہجعون　　باش در اسحار از یستغفرون

اندکے جنبش بکن ہمچون جنین　　تا بہ بخشندت حواس نوربین

چون بیابی آن حواس دوربین　　پا نہی بالای چرخ ہفتمین

وز جہان چون رحم بیرون میروی　　از زمین در عرصهٔ واسع شوی

آنکه ارض اللہ واسع گفتہ اند　　عرصهٔ دان کانبیا در رفتہ اند

دل نگردد تنگ زان عرصهٔ فراخ　　نخل تر آنجا نگردد خشک شاخ

حاملی تو مر حواست را کنون　　کند و ماندہ میشوی و سرنگون

چونکہ محمولی نہ حامل وقت خواب　　ماندگی رفت و شدی بی رنج و تاب

چاشنیٔ دان تو حال خواب را　　پیش محمولی حال اولیا

(اوپر ملامت تھی درگاہ حق مین ہدیہ نہ لیجانیکی اب اُس ہدیہ کا طریق فرماتے ہین کہ) اپنے خواب و خور کی مین کسیقدر صرفہ (یعنی تنگی و کمی) کرو اور اُن کی ملاقات کے لیے (ایمان و اعمال صالحہ کا) ہدیہ لیجاو شب کے

وقت اِس آیت کے مصداق رہو گا تو اقلیلاً من اللیل ما یھجعون یعنی وہ لوگ رات کو بہت کم سوتے
تھے اور آخر حصۂ شب اِس کے مصداق رہو و بالاسحار ھم یستغفرون یعنی آخر شب مین وہ لوگ استغفار
کرتے ہین اور (طلب حق مین) کچھ تو حرکت کرو جیسا وہ بچہ اُس حرکت کے بعد دنیا مین آکر باحواس ہوتا ہے
اِسی طرح طلب و مجاہدہ سے تمکو تو رباطن نصیب ہوگا اور جب وہ حواس دورمین تمکو عطا ہو جاوینگے
تو آسمان ہفتم کے اوپر (باعتبار غلبۂ روحانیت) قدم رکھوگے اور اِس عالم سے جو کہ (بمقابلۂ عالم روحانی
کے) مشابہ رحم کے ہے (باعتبار بے تعلقی کے) باہر نکل جاؤگے (جیسا وہ بچہ حرکت کرنے سے رحم تنگ سے
چھوٹ جاتا ہے) اور اِس زمین سے (روحانی) میدان وسیع مین پہونچوگے جسکو بزرگون نے ارض اللہ واسعۃ
کہا ہے یہ وہی میدان (روحانی) ہے جسمین (بالذات) حضرت انبیا علیہم السلام (اور بالعرض حضرات اولیاء
کرام) چلے ہین (مقصود مولانا کا قرآن کی تفسیر نہین ہے کیونکہ وہان یقیناً یہی زمین مراد ہی بلکہ مطلب یہی کہ
اہل طریق جسکو تشبیہاً و اصطلاحاً ارض اللہ واسعۃ کہتے ہین مراد اُس سے عالم روحانی ہی وہ میدان
ایسا فراخ ہے جسمین دل کبھی نہین گھبراتا کیونکہ اِس شخص کو ہمیشہ مشغولی بذات و صفات حق رہتی ہے
جسکے باب مین ارشاد ہے الا بذکر اللہ تطمئن القلوب) اور درخت تر بھی اِس جگہ شاخ خشک نہین بنتا یعنی
حلاوت باطنی کو کاہے فنا و زوال نہین آگے اِس کی دلیل ہے کہ) دیکھو اب چونکہ تم اپنی حواس کے حامل ہو
یعنی باختیار خود حواس سے کام لیتے ہو) اِس لیے سُست اور خستہ اور معطل ہو جاتے ہو سونے کی حالت
مین چونکہ حامل حواس نہین ہوتے بلکہ محمول ہو جاتے ہو (جیسا ظاہر ہے کہ حواس سے خود کام نہین لیتا بلکہ
جتنا کچھ حواس کام دیتے ہین مثلاً متخیلہ اپنا کام کرتا ہے وہ بطور خود کام دیتے ہین بلکہ خود انسان انکا تابع
ہوتا ہے کہ حاسۂ جس کام مین لگ رہا ہے یہ بھی اُسی مین مشغول ہے یہی مُراد ہے محمول ہونے سے) اِس لیے
ماندگی جاتی رہتی ہے اور بالکل رنج و تعب سے نجات ہو جاتی ہے (جب ادنیٰ محمولی سے دفع تعب ہو جاتا ہے
تو اولیاء اللہ کی حالت محمولی کے روبرو تو اِس ظاہری خواب کی حالت کو محض ایک نمونہ اور ادنیٰ اثر سمجھو
(انکی محمولی یہ کہ اپنا اختیار و قصد بالکلیہ ترک کرکے مرضی حق کے تابع محض و منقاد و خالص ہو جاتے ہین اور یہ
اُن کا طبعی امر ہو جاتا ہے اور محمولی خواب سے اکمل اِس لیے ہے کہ خواب محض ایک عارضی امر ہے اور یہ دائمی
جب ادنیٰ محمولی مین یہ راحت ہے تو اعلیٰ مین کس درجہ حلاوت ہوگی اِس لیے کہا گیا ہے دل نگردد تنگ الخ

اولیاء اصحاب کہف اند اے عنود	در قیام و در تقلب ہم رقود
میکشد شان بے تکلف در فعال	بے خبر ذات الیمین ذات الشمال
چیست آن ذات الیمین فعل حسن	چیست آن ذات الشمال اشغال تن
گر تو بینی شان بدشواری درون	نیست شان خوفے و ہم لا یحزنون
میرود این ہر دو از ہر دم پدید	بیخبر زین ہر دو ایشان در مرید

گر صدایت بشنواند خیر و شر	ذات گہ باشد زہر دو بے

(اسمین مجموعی اولیاء کی تقریر ہے یعنی) اولیاء اللہ کی حالت اصحاب کہف کی سی ہے کہ قیام مین اور کھانے پھرنے مین (گویا) سو رہے ہین اور حق تعالیٰ اُن کو بدون (اُن کے قصد و) تکلف کے افعال مین جانب راست اور جانب چپ اُنکو پھیر دیتے ہین اور انکو خبر بھی نہین (جس طرح اصحاب کہف کو داہنے بائین کروٹ دیدیتے ہین جیسا ارشاد ہے نقلبہم ذات الیمین و ذات الشمال اور یہان بھی مقصود تفسیر نہین ہے نہ ظہراً نہ بطناً بلکہ تشبیہ ہے آگے جانب راست و جانب چپ مذکور فی الشعر مذکور فی القرآن کی مراد بتلاتے ہین کہ) کچھ جانتے ہو ذات الیمین کیا ہے وہ افعال حسنہ اور طاعات مقصودہ ہین اور ذات الشمال کیا ہے وہ اشغال تن ہین (مثل اکل و شرب وغیرہ چونکہ یہ رتبہ مین طاعات سے کم ہین اس لیے ذات الشمال کہنا مناسب ہوا غرض وہ ان سب امور مین منقاد محض ہین احکام الٰہیہ کے اور اپنی خواہش اور رائے کی طرف اصلاً التفات نہین کرتے یہی معنی ہین بے خبری کے جسکو مجموعی کہا ہے) اور اگر تم اُن کو (خلاف مقتضائے مجموعی کہ راحت ہے کسی دشواری کے اندر دیکھو (خواہ وہ مجاہدۂ تشریعیہ ہو مثل اعمال و ریاضات یا مجاہدۂ تکوینیہ ہو مثل امراض و بلیات تو اُنکو محض ظاہری دشواری سمجھو اور) واقع مین اُنکو نہ خوف ہے اور نہ حزن (پس خلاف مقتضائے مجموعی کوئی امر لازم نہین آیا جیسا اولیاء اللہ کے باب مین ارشاد ہے اَلَاۤ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ اور آیت آئندہ لَهُمُ الْبُشْرٰى فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِى الْاٰخِرَةِ تعمیم کر رہی ہے عدم خوف و عدم حزن کی دنیا و آخرت مین اور دوسری آیات اثبات خوف سے تعارض نہو کیونکہ دو صورتین ہین ایک نفی خوف مین غیر اللہ کی قید دوسرے غلبہ محبت مین خوف کی طرف التفات نہونا اور حصول و ثبوت مستلزم استحضار و التفات کو نہین فافہم) غرض یہ دونون کام (یعنی طاعات و اشغال تن عوام سے (تو حالت خواب مین) اس طرح صادر ہوتے ہین کہ ان دونون سے وہ لوگ زائد یعنی بالکل بے خبر ہوتے ہین اور اولیاء اللہ سے (حالت بیداری مین) دونون کام اسطرح جاری رہتے ہین کہ انکو خبر (یعنی التفات و توجہ) نہین (جیسا احقر اوپر کہہ آیا ہی اور اس بیخبری کی مثال صدائے کوہ کی سی ہے کہ اگر صدا تمکو کوئی بھلی بری بات سُنا دے تو پہاڑ دونون سے بیخبر ہوتا ہے (اور وہ فعل بولنے والے کا ہوتا ہے پس یہ حضرت مثل کوہ ہین اور اُنکے اقوال و افعال مثل صدا کے اور حق تعالیٰ مثل متکلم اور منادی کے۔ وجہ تشبیہ صرف انکا مثل صدا کے تابع اور حق تعالیٰ کا مثل متکلم کے متبوع فی الاحکام ہونا ہے اور بقیہ صفات تشبیہ مین ملحوظ نہین)۔

گفتن مہمان یوسف علیہ السلام را کہ ارمغان بہر تو آئینہ آوردہ ام تا چون دران نگری مرا یاد آری

گفت یوسف ہین بیاور ارمغان	او ز شرم این تقاضا زد فغان

گفت من چند ارمغان جستم ترا ۔ ارمغانے در نظر نامد مرا
حبۂ را جانب کان کے برم ۔ قطرۂ را سوے عمان چون برم
زیره را من سوے کرمان آورم ۔ گر به پیش تو دل و جان آورم
نیست تخمے کاندرین انبار نیست ۔ غیر حسن تو که آنرا یار نیست
لائق آن دیدم که من آئینۂ ۔ پیش تو آرم چو نور سینۂ
تا به بینی روے خوب خود دران ۔ اے تو چون خورشید و شمع آسمان
آئینہ آوردمت اے روشنی ۔ تا چو بینی روے خود یادم کنی
آئینہ بیرون کشید او ز بغل ۔ خوب را آئینہ باشد مشتغل

یعنی حضرت یوسف علیہ السّلام نے اُس سے فرمایا کہ ہان جی وہ تحفہ دو (جو لائے ہو) وہ بیچارہ اس فرمایش سے شرمندہ ہو کر فغان کرنے لگا اور عرض کیا کہ مین نے آپ کے لیے ہر چند تحفہ تلاش کیا مگر کوئی تحفہ (آپ کے لائق شان) میری نظر مین نہ آیا (اور ہر شے کی نسبت یہ خیال آیا کہ) بھلا حبّہ کو معدن کے پاس کیا لیجاؤن اور قطرہ کو دریاے عمان کے پاس کیا لیجاؤن بلکہ آپ کے لیے تو اگر اپنا دل و جان بھی پیش کرون تو اُسکی بھی ایسی مثال ہے جیسے زیرہ کو گویا کرمان مین لایا (جو کہ معدن زیرہ کا ہی) کوئی ایسی چیز نہین ہے جو آپ کے گھر (انبار) کی انبار نہو بجز آپ کے حسن کے کہ (یہ آپکے یہان بھی منفرد ہے) کوئی اُس کا شریک (اور مجانس) نہین اس لیے مین نے مناسب یہ سمجھا کہ مین آپ کے پیشکش کرنے کے لیے ایک آئینہ لاؤن جو مثل نور سینۂ (اہل صفا) صاف ہو تا کہ آپ اپنا روی زیبا اُسمین دیکھا کرین اسلیے آئینہ لایا ہون کہ جب اُس مین اپنا چہرہ دیکھو مجکو یاد کروا اور یہ کہکر آئینہ بغل مین سے نکال سامنے رکھدیا واقعی حسین آدمی کے لیے آئینہ بھی اچھا مشغلہ ہوتا ہے۔

آئینۂ ہستی چہ باشد نیستی ۔ نیستی بگزین گر ابلہ نیستی
ہستی اندر نیستی بتوان نمود ۔ مالداران بر فقیر آرند جود
آئینۂ صافی نان خود گرسنہ است ۔ سوختہ ہم آئینۂ آتش زنہ است
نیستی و نقص ہر جائیکہ خاست ۔ آئینۂ خوبی جملہ پیشہاست
بہر آنکہ نیستی پالودگی ست ۔ وانچہ این ہستی ہمہ آلودگی ست
چونکہ جامہ چست و دوزیدہ بود ۔ مظہر فرہنگ درزی چون شود
ناتراشیدہ ہمی باید جذوع ۔ تا درو نجار اصل سازد یا فروع
خواجۂ اشکستہ بند آنجا رود ۔ کہ در آنجا پاے اشکستہ بود
کے شود چون نیست رنجور و نزار ۔ آن جمال صنعت طب آشکار

خواری و دونی مسہا بر ملا | گر نباشد کے نماید کیمیا
نقصہا آئینۂ وصف کمال | وان حقارت آئینۂ عز و جلال
زانکہ ضد را ضد کند پیدا یقین | زانکہ با سرکہ پدید ست انگبین

مہمان سے انتقال ہے صورتِ قصہ سے معنی مقصود کی طرف جو اشارۃ شعر بالا قبل سرخی آمدن مہمان یعنی بشنو اکنون الخ مین موعود تھا جیسا اُس شعر کی شرح مین احقر نے تقریر کر دی ہے اور اس انتقال مین عود ہے طرف مضمون شعر آنکہ او بے نقش الخ کی طرف جو سرخی نشاندن بادشاہان کے تھوڑا اوپر ہے جیسا کہ شعر بشنو اکنون الخ کی شرح مین احقر نے بے نقشی و نیستی کا متحد المعنی ہونا بیان کیا ہے پس ارشاد فرماتے ہین کہ جس طرح آئینہ حسن ظاہری کے لیے مظہر ہوتا ہے اسی طرح) ہستی حقیقی (کمالات وفیوض حق) کا آئینہ اور مظہر سالک کی ہستی (وفنا و اضمحلال) کا ہے (یعنی رذائل کے ازالہ اور غیر اللہ سے التفات قطع کرنے سے کہ عبارت ہے فنا سے انصباغ با نوار الٰہیہ و اتصاف بصفات حق کہ عبارت ہے بقاء سے نصیب ہوتا ہے) پس تم نیستی کو اختیار کرو اگر بے عقل نہین ہو کیونکہ ہستی (اور کمال) کا ظہور نیستی (اور نقص) سے ہوتا ہے (پس جب غیر اللہ سے خالی ہو جاؤ گے اور سائلانہ تہیدست ہو کر حضرت کبریا مین جاؤ گے اپنے انوار ہستی عطا فرمائین گے آگے اسکی چند مثالین ہین کہ دیکھو مالدار فقیرون ہی پر سخاوت کرتے ہین۔ اور روٹی (کی قوت ولذت) کا مظہر بھوکا ہی ہوتا ہے اور آتش زن یعنی چقماق کا مظہر سوختہ ہی ہوتا ہے (جسمین آگ جھاڑتے ہین ان سب مثالون مین احتیاج وطلب جسکا منشا نیستی یعنی خلو ہے سبب حصول ہستی یعنی منافع کا ہو گیا اسی طرح) جہان کہین (تعلقات غیر اللہ کی) نیستی اور کمی ہو گی وہ تمام کمالات و (فیوض الٰہیہ) کی حسن وخوبی کا مظہر ہو گی وجہ یہ کہ یہ نیستی تو (ماسوی اللہ سے) فنا ہو جانیکا نام ہے اور یہ نیستی (بمعنی دعوی کمال وجمیع تعلقات مع غیر اللہ) آلودگی محض ہے (اور فیوض الٰہیہ کے نزول کے لیے پالودگی شرط اور آلودگی مانع ہے پس نیستی مین شرط کا تحقق اور مانع کا ارتفاع ہے لہذا فیوض الٰہیہ کہ مراد ہے ہستی حقیقی سے متوجہ ہون گے آگے اسکی اور مثالین ہین کہ) دیکھو اگر کپڑا پہلے ہی سے تنگ و چست سلا ہوا ہو (اور اسمین تراش خراش کی گنجایش نہی ہو) تو درزی کی ہوشیاری کا مظہر کب بن سکتا ہے (بخلاف غیر دوختہ کے کہ اُسکی تراش اور دوخت مین اُسکا کمال ظاہر ہو سکتا ہے) اسی طرح لکڑیان ناتراشیدہ ہونی چاہیئن تاکہ نجار اُس مین سے جو چاہے بنا سکے اسی طرح جو شخص ٹوٹے ہاتھ پاؤن کے درست کرنیکا اُستاد ہو وہ اُس جگہ جاویگا جہان کوئی شکستہ پا ہو گا۔ اسی طرح جب کوئی بیمار نہو تو صنعت طب کی خوبی کب ظاہر ہو گی اسی طرح اگر تانبے مین بے قدری اور کم قیمتی کی صفت نہ ہو تو کیمیا کا اثر کیا ظاہر ہو گا غرض نقائص (وافتقار کہ مراد ہے نیستی سے) اوصاف کمال کے لیے (کہ مراد ہے ہستی سے) مظاہر ہین اور (بعبارت دیگر) ذلت (وعبدیت) عزت وجلال کے لیے مظہر ہے

(جیسا امثلۂ مذکورہ مین احتیاج و طلب بزبانِ حال سبب تکمیل کا ہوگیا) وجہ اسکی یہ ہے کہ ایک ضد کو دوسری ضد ظاہر کر دیتی ہے جیسا سرکہ کے ساتھ انگبین (کہ مزہ وغیرہ مین ضد سرکہ ہے اپنے اوصاف مین خوب) ظاہر ہوتا ہے (نیستی کا سبب ہو جانا اور ہستی کا مُسبب ہو جانا اسکی دو صورتین ہین اور اس شعر کا مفہوم دونونکو عام ہے ایک صورت جسکا اوپر سے بیان چلا آتا ہے کہ فنا سے بقا میسر ہوتی ہی اسکے اعتبار سے نیستی و ہستی کو ضدین کہنا مجازی ہوا اور ظہور سے مراد حصول ہی یعنی نیستی سبب حصول ہستی کا ہو جاتا ہی دوسری صورت جسکا بیان ذیل کے اشعار مین ہی کہ اپنے اندر نقائص پانے سے کمال کی طرف التفات ہوتا ہے اور وہ التفات سبب سعی کا ہوتا ہے اُس کمال کی تحصیل مین پس اس اعتبار سے نیستی و ہستی کو ضدین کہنا حقیقۃً ہے اور ظہور سے مراد یہی معنی متبادر ہین یعنی انکشاف علمی اور سرکہ و انگبین کی مثال مین وجہ شبہ مطلق ظہور ہے دونون عود تو تضمین

هرکه نقص خویش را دید و شناخت | اندر استکمال خود دو اسپه تاخت
زان نمی پرد بسوے ذوالجلال | کو گمانے می برد خود را کمال
علتے بدتر ز پندار کمال | نیست اندر جان تو اے مغرور ضال
از دل و از دیده ات بس خون رود | تا ز تو این معجبے بیرون رود
علت ابلیس انا خیر بدست | وین مرض در نفس هر مخلوق هست
گرچه خود را بس شکسته بیند او | آب صافی دان و سرگین زیر جو
چون بشوراند ترا در امتحان | آب سرگین رنگ گردد در زمان
در تگ جو هست سرگین اے فتے | گرچه جو صافی نماید مر ترا

(یہ تفریع ہے ما قبل پر باعتبار صورت ثانیہ کے یعنی جب ثابت ہو گیا کہ نیستی کی معرفت سے ہستی کی طلب ہوتی ہے تو) جو شخص اپنے نقص کو شناخت کر لیگا وہ اپنی تکمیل مین نہایت اہتمام سے سعی کریگا اور جسکو حق تعالی کی طرف عروج روحانی نہین ہوتا وجہ اُسکی یہ ہے کہ اپنے کو کامل سمجھتا ہے (اس لیے تحصیل کمال مین سعی نہین کرتا) اور سچ یہ ہے کہ پندار کمال سے بڑھکر بھی کوئی علت انسان مین نہین ہی (اور اس کبر و پندار کا نکالنا کوئی سہل تحصیل نہین ہے) دل اور دیدہ سے بہت سا خون بہتا ہے اُسوقت یہ خود بینی (دماغ سے) نکلتی ہے (یعنی سخت ریاضات خصوصاً تذلیل نفس کی ضرورت پڑتی ہی) ابلیس کی علت یہی انانیت تو تھی اور یہ مرض ہر شخص کے اندر (کم و بیش) موجود ہے اگرچہ (کسی وقت خود اُسکو بھی اطلاع نہو اور اسوجہ سے) اپنے آپکو منکسر اور متواضع سمجھنے لگے مگر واقع مین اُسکی مثال ایسی سمجھو جیسے اوپر سے صاف پانی ہو اور ندی کے اندر گوبر بیٹھا ہوا ہے (اسی طرح نفس کی تہ مین اصول اخلاق ذمیمہ کبر و عجب وغیرہ کے متمکن ہین مگر محرک کے پیش نہ آنے سے وہ ساکن ہین لیکن) جب اُسکو امتحان کے لیے ذرا ہلا کر دیکھو تمام پانی فوراً سرگین کا سا رنگ ہو جاوے تو قعر نہر مین (پہلے سے ہی) سرگین موجود تھا گو اوپر سے صاف پانی معلوم ہوتا تھا (اسی طرح اگر ایسے شخص کو کوئی

موقع امتحان کا پیش آوے اور اُن اخلاق ذمیمہ کا کوئی محرک واقع ہو جاوے اُسوقت سب آثار اُن کے ظاہر ہو جاوین مثلاً جو شخص اپنے کو کہہ رہا ہے کہ مین محض نالائق ہون اور دلین سمجھ رہا ہے کہ مین بڑی تواضع کر رہا ہون یہی الفاظ بلکہ اِس سے کم بھی کوئی کہکر دیکھ لے کیسے جامہ سے باہر ہو جاوین گے۔

هست پیر راه دان پر فطن　　　　باغہائے نفس و تن را جوے کن
جوے خود را کے تواند پاک کرد　　　　نافع از علم خدا شد علم مرد
آب جو سرگین نتاند پاک کرد　　　　جہل نفسش را نزو بد علم مرد
کے تراشد تیغ دستہ خویش را　　　　رو بجراحے سپار این ریش را
بہر ہر ریش جمع آمد مگس　　　　تا نہ بیند قبح ریش خویش کس
آن مگس اندیشہا و آمال تو　　　　ریش تو آن ظلمت احوال تو

(اور یہ ثابت ہوا کہ اپنا مرض بعض اوقات خود معلوم نہین ہوتا ہے اِس لیے دوسرے ماہر کی ضرورت ہوگی اُس ماہر کی تعیین فرماتے ہین کہ) مرشد واقف طریق صاحب علوم کا کام ہے کہ نفس و تن کے باغون مین جو نہر جاری ہے اُسکو اندر سے صاف کرے (نفس و تن کو باغ اعمال حسنہ کے اعتبار سے اور صورت اخلاق کو نہر اِس اعتبار سے کہ اخلاق سے اعمال کی تربیت و تکمیل ہوتی ہے کہدیا) اور نہر اپنے کو کب صاف کر سکتی ہے (اسی طرح آدمی اپنی اصلاح نہین کر سکتا بلکہ) انسان کامل کا علم (اِس مریض کے لیے) نفع بخشتا ہے کیونکہ اُسکا علم فیض علم الٰہی سے ہوتا ہے اس لیے وہ امراض دقیقہ کو پہچان لیتا ہے پس جس طرح) آب نہر خود سرگین کو پاک نہین کر سکتا (اسی طرح) اپنی جہالت نفس کو کوئی شخص علم فکری سے زائل نہین کر سکتا) تمکو چاہیے کہ جاؤ اور کسی جراح کو یہ زخم (عیوب نفس) سپرد کرو (یعنی مرشد کامل کے ہاتھ مین اپنی کو تفویض کرو اور تمکو یہ زخم عیوب ہرگز نظر نہ آویگا کیونکہ) ہر ہر زخم کے اوپر مکھیان لپٹ رہی ہین تاکہ کوئی شخص اپنے زخم کی ریم دیکھنے نہ پاوے (کیونکہ مکھیون مین وہ چھپ رہا ہے) اور وہ مکھیان تمھارے خیالات (فاسدہ) اور دور و دراز کی امیدین اور ہوسین ہین اور وہ زخم تمھاری ظلمت احوال ہے (پس شیطان ان تسویلات و تزئینات سے سیئات کو حسنات دکھلا رہا ہے پھر اِن ظلمات اور عیوب کی اطلاع کی خود کیونکر توقع ہے کما قال تعالے افمن زین لہ سوء عملہ فرآہ حسنا۔ اِس لیے ایسے شخص کی ضرورت ہوئی جو اُن مکھیون کو ہٹا کر زخم کی حالت دیکھکر علاج کرے وہ شخص مُرشد ہے)۔

چون نہد مرہم بر آن ریش تو پیر　　　　آن زمان ساکن شود درد و نفیر
تا کہ پندارد کہ صحت یافت است　　　　پرتو مرہم بر آنجا تافت است
ہین ز مرہم سر مکش ای پشت ریش　　　　وان ز پرتو دان مدان از اصل خویش
این سخن پایان ندارد ای جوان　　　　بشنو اکنون قصۂ درضمن آن

داور صحبت پیر کی ضرورت ثابت کی ہے اب اس سے منع کرتے ہین کہ بدون حصول کمال اُسکی صحبت سے جُدا نہ ہو یعنی) اور اگر پیر تمھارے زخم پر مرہم رکھدے تو اُس وقت درد و فغان کو سکون ہو جاوے جس گمان ہوتا ہے کہ مجکو صحت ہو گئی حالانکہ وہ مرہم کا اثر ہے جو وہان ظاہر ہو رہا ہے تو اس مرہم سے مستغنی نہو جانا اُس سکون کو محض پرتو مرہم سمجھو اصل عضو کی صحت مت سمجھو (مطلب ظاہر ہے کہ اگر صحبت مرشد سے کچھ نفس کے اندر صلاحیت محسوس ہو تو وہ عکس شیخ کا ہے گمانِ کمال کر کے اُس سے مستغنی نہو جاوے بلکہ حصول ملکۂ راسخہ و مقام تمکین تک اُسکی خدمت مین رہے (البتہ اگر شیخ کا اذن ہو تو یہ صورت مستثنے ہی وہ اعرف بالمصالح ہے مگر استغناء اُسوقت بھی موجب ہلاکت ہے) اس مضمون کا توکہین خاتمہ ہی نہین اسکے ضمن مین ایک قصہ سُن لو جس سے بدون کمال کے گمان کمال و استغناء عن الکامل کا ضرر ثابت ہوتا ہی

مرتد شدن کاتب وحی بسبب آنکہ پرتو وحی برو زد و آیت فتبارک اللہ احسن الخالقین پیش پیغمبر علیہ السلام خواند و گفت پس من ہم محل وحیم

ف۔ یہ قصہ تفسیر مدارک مین ہے اور ربط قصہ اس سرخی سے اوپر مذکور ہوا ہے۔

پیش از عثمان یکے نساخ بود ۔۔۔ کو بہ نسخ وحی جدے می نمود
چون نبی از وحی فرمودی سبق ۔۔۔ او ہما ترا وا نوشتے در ورق
پرتو آن وحی بر وے تافتے ۔۔۔ او درون خویش حکمت یافتے
عین آن حکمت بفرمودی رسول ۔۔۔ زین قدر گمراہ شد آن بوالفضول
کانچہ می گوید رسول مستنیر ۔۔۔ مر مرا ہست آن حقیقت در ضمیر
پرتو اندیشہ اش زد بر رسول ۔۔۔ قہر حق آورد بر جانش نزول
پرتو او ناگہش در دل بتافت ۔۔۔ در درون خویشتن حرفے نیافت
ہم ز نساخی بر آمد ہم ز دین ۔۔۔ شد عدوے مصطفی و دین بکین
مصطفی فرمود کاے گبر عنود ۔۔۔ چون سیہ گشتی اگر نور از تو بود
گر تو ینبوع الٰہی بودۂ ۔۔۔ این چنین آب سیہ نکشودۂ
تا کہ نا موسش بہ پیش این و آن ۔۔۔ نشکند بر بست از تو بہ دہان
اندرون می سوختش ہم زین سبب ۔۔۔ او نیارد تو بہ کردن اے عجب
آہ میکرد و نبودش آہ سود ۔۔۔ چون در آمد تیغ سر را در ربود

یعنی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے پہلے ایک کاتب تھا جو وحی کو اہتمام سے لکھتا تھا حضور صلے اللہ علیہ وسلم جو آیتین فرماتے جاتے وہ اُن کو لکھتا جاتا اُس وحی کے انوار اُسپر تابان ہوتے اور وہ اپنے باطن

مین مضمون حکمت پاتا (بعض اوقات) وہی مضمون (یعنی آیت) حضور صلے اللہ علیہ وسلم بھی فرما دیتے (چنانچہ آیت مذکورۂ سرخی مین ایسا اتفاق ہوا) بس اتنی بات سے وہ گمراہ ہو گیا کہ جو کچھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہین وہ بات تو میرے دل مین بھی ہوتی ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر اُسکا خیال منکشف ہو گیا اور قہر حق نے اُسپر نزول فرمایا اور اُس قہر کا اثر اُسکے قلب پر پڑا تو اپنے باطن مین ایک حرف بھی نہ پایا عہدۂ کتابت سے بھی خارج ہوا اور دین سے بھی پھر گیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اور دین کا دشمن بن گیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اے کافر معاند اگر یہ نور خود تیرا تھا تو اب سیاہ و بے نور کیون رہ گیا اگر تو چشمۂ (علم) الٰہی ہوتا تو ایسا آب سیاہ تجھ سے نہ ظاہر ہوتا (غرض قصہ کی یہان تک حاصل ہو گئی کہ گمان کمال و استغناء عن الکامل کا یہ ضرر ہوا آگے قصے کا تتمہ ہے یعنی) اِس خیال سے کہ لوگون کے روبرو میری ناموس کو بٹہ لگے (اُسوقت) توبہ سے بھی مُنھ بند کر لیا (کیونکہ معذرت و اعتراف بالخطا کرنے سے ذرا شان ہیٹی ہوتی ہی) اور اِس واقعہ کے سبب دل اُسکا بھی (حسرت سے) سوختہ ہوتا تھا (مگر پھر بھی) وہ توبہ نہ کر سکتا تھا یہ عجیب بات تھی بس (دل مین) آہ (و افسوس) کرتا تھا مگر وہ آہ اُسکو مفید نہ تھی (کیونکہ بدون اعتذار و ترک عار صرف تحسر ایک امر طبعی ہے جو قابل اعتبار نہین اور احقر نے توبہ سے مُنھ بند کرنے مین اُسوقت کی قید اسلیے لگائی کہ یوم فتح مکہ مین حضرت عثمان رضؓ کے ساتھ اِس کاتب نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مین حاضر ہو کر توبہ و تجدید اسلام کی اور اصابہ سے بحر العلوم نے نقل کیا ہے کہ صبح کی نماز پڑھکر جون ہی داہنے بائین سلام پھیرا کہ جان قبض ہو گئی غرض خاتمہ اچھا ہوا اور نام اُنکا عبد اللہ بن سعد بن ابی شرح ہے رضی اللہ تعالےٰ عنہ دبرکتہ عنا)

کردہ حق ناموس را صد من حدید — اے بسا بستہ بہ بند ناپدید
کبر و کفر آنسان ببست آن راہ را — کو نیارد کرد ظاہر آہ را
گفت اغلالاً فہم بہ مقمحون — نیست آن اغلال برما از برون
خلفہم سدًا فاغشیناہم — می نہ بیند بند را پیش و پس او
رنگ صحرا دارد آن سدی کہ خاست — او نمیداند کہ آن سد قضاست
شاہد تو سد روے شاہد ست — مرشد تو سد گفت مرشد ست
اے بسا کفار را سودائے دین — بند شان ناموس و کبر آن و این
بند پنہان لیک از آہن بتر — بند آہن را کند پارہ تبر
بند آہن را توان کردن جدا — بند غیبی را نداند کس دوا
مرد را زنبور گر نیشے زند — طبع او آن لحظہ بر دفعے تند
زخم نیش اما چو از ہستی تست — غم قوی باشد نگردد درد سست

داو پر خاص کاتب مذکور کے حق مین ناموس کا مانع توبہ ہونا بیان کیا تھا اب علی العموم اسکی مانعیت عن الحق

کا بیان کرتے ہین کہ اللہ تعالیٰ نے ناموس کو صد ہا من کا لوہا بنایا ہے اور بہت سے لوگ اس غیر محسوس قید مین مقید ہین اور اس کبر (ناموس) اور کفر نے (جو اُس ناموس سے پیدا ہوا ہے) راہ (حق) کو اس طرح بند کر رکھا ہے کہ (متکبر آدمی) آہ اور حسرت کو (جو احیانًا اپنی حالت شنیعہ پر پیدا ہوتی ہے ظاہر نہین کر سکتا جیسا حق تعالیٰ نے فرمایا ہے انا جعلنا فی اعناقہم اغلالًا فہی الی الاذقان فہم مقمحون یعنی ہم نے کفار کے گردنون مین بڑے بڑے طوق (موانع ایمان) ڈال رکھے ہین پس وہ طوق اُن کے زنخ تک (اڑے ہوے) ہین اس لیے وہ مُنھ اولالے ہوئے ہین (یعنی اگر کوئی ایسا شخص فرض کیا جاوے تو ظاہر ہے کہ وہ نہ گردن ہلا سکتا ہے کہ داہنے بائین دیکھ سکے نہ گردن نیچی کر سکتا ہے کہ سامنے دیکھ سکے اسی طرح کفار کے موانع ایسے قوی ہین کہ کسی جانب سے وضوح حق کی اُنکے لیے اُمید نہین) اور یہ اغلال واطواق ہم پر خارج سے مسلط نہین ہوئے (بلکہ ہماری ہی صفات ذمیمہ وملکات خبیثہ ہین جو ہمارے ساتھ لازم جان ہین) اور نیز حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے وجعلنا من بین ایدیہم سدًا ومن خلفہم سدًا فاغشیناہم فہم لا یبصرون یعنے ہمنے ان کفار کے سامنے ایک دیوار کھڑی کر دی ہے اور اُن کے پیچھے ایک دیوار کھڑی کر رکھی ہے پھر ہمنے اُن کو اوپر سے بھی چھپا رکھا ہے اِس لیے وہ دیکھنے نہین پاتے (یعنی اُنکی حالت ایسے شخص کی سی ہے عدم ابصار مین) مگر اس دیوار کو نہ وہ شخص آگے سے دیکھتا ہے نہ پیچھے سے (کیونکہ وہ دیوار محسوسات مین سے تو ہے نہین بلکہ صفات ذمیمہ خفیہ ہین جنکی طرف التفات بھی نہین اس لیے) وہ دیوار جو کہ درمیان مین قائم ہے صحراے کشادہ کے ہمرنگ ہے (جہان ظاہر مین دیوار نہین ایسے ہی یہ دیوار بھی معدوم معلوم ہوتی ہے لیکن معدوم سمجھنے والا یہ نہین جانتا کہ وہ حجاب ودیوار قضا کی ہے (جسکے اسباب بظاہر وہ عیوب خفیہ ہو گئے ہین اس لیے وہ محسوس نہین ہے) پس تیرا محبوب مجازی محبوب حقیقی کے مشاہدہ کا حجاب ہو رہا ہے اور تیرا مرشد نفسانی مرشد روحانی کی تعلیم کا حجاب ہو رہا ہے چنانچہ بہت سے کفار کو دین کے خیالات آتے ہین مگر یہ ناموس اور شان اور برادری کنبے کا پاس اُن کے لیے قید ہو رہا ہے باوجودیکہ یہ قید نظر نہین آتی مگر آہن سے زیادہ سخت ہے کیونکہ قید آہنی کو تو بسولہ قطع کر کے جدا کر سکتا ہے لیکن اس غیبی قید کا علاج کوئی (مدبر) نہین جانتا (مثلًا) کسی کو زنبور نیش مار دے تو اُسکی طبیعت (جو مدبر داخلی ہے اُس عارض خارجی کے) دفع کرنے پر آمادہ ہو جاتی ہے لیکن اگر کوئی نیش داخل ہی سے ہو تو (وہ کیسے دفع ہو اسلیے) بہت سخت تکلیف ہوگی اور درد کم نہ ہوگا (اس سے ثابت ہوا کہ خارجی عوارض کی تدبیر سہل ہے اور داخلی کی بہت دشوار ہے یہی حالت قید آہنی وقید کبر کی سمجھو)

شرح این از سینہ بیرون می جہد	لیک می ترسم کہ نومیدی دہد
نے مشو نومید خود را شاد کن	پیش آن فریاد رس فریاد کن
کای محب عفو از ما عفو کن	اے طبیب رنج ناسور کہن

(اوپر کے اشعار مین کبر و ناموس کا بند غیبی ہونا بیان کیا ہے جسکے بند ہونے کی علت حقیقۃً قضا و قہر الٰہی ہے
مگر اِس حقیقت کا استحضار ضعیف القلب لوگون کے لیے اس لیے مُضر ہے کہ اپنی ہر اصلاح کے وقت
انکو یہی خیال گھیرے گا کہ اگر ہم مقہور قضا ہو چکے ہون گے تو سعی لاحاصل ہوگی اِس کے غلبہ سے انکو یاس
کی نوبت آویگی جس سے کفر اور تعطل لازم ہے اِس لیے مولانا اُس علت کی طرف اجمالاً اشارہ اور اُسکی
تفصیل کے اظہار سے عذر اور یاس سے منع فرماتے ہین یعنی) اس مضمون مذکور کی شرح (اور تفصیل
حقیقت کہ سر قضا ہے) سینہ سے جوش زن ہوتی ہے (بوجہ غلبۂ توحید افعالی کے) لیکن مجھکو اندیشہ ہوتا
ہے کہ (کسی ضعیف القلب کو) نا اُمیدی کا باعث نہ ہوجاوے (جیسا احقر نے ابھی عرض کیا ہے اور
نا امیدی بہت مضر ہے اسلیئے) خبردار (مجاہدہ پر ثمرہ اصلاح کے مرتب ہونے سے) نا اُمید مت ہونا بلکہ
(رحمت الٰہی پر نظر کرکے) خوش رہنا اور (سعی مین اثر و برکت پیدا ہونے کے لیے) اُس فریادرس کے روبرو
فریاد کرتے رہنا کہ اے معافی کے پسند کرنے والے ہماری خرابیون کو (مثل کبر و ناموس وغیرہ) معاف
(اور محو) فرمادیجئے آپ بڑے بڑے امراض قدیمہ سے صحت بخشنے والے ہین (تو ہمارے ملکات خبیثہ سے شفا
دینا کیا مشکل ہے خلاصہ یہ کہ مجاہدہ کے ساتھ التجا رکھو انشاءاللہ تعالیٰ ضرور اصلاح ہوجاوے گی)۔

عکس حکمت آن شقی را یاوہ کرد	خود مبین تا بر نیارد از تو گرد
اے برادر بر تو حکمت جاریہ ست	آن ز ابدالست و بر تو عاریہ ست
گرچہ در خود خانہ نورے یافتست	آن ز ہمسایہ منور تافتست
شکر کن غرہ مشو بینی مکن	گوش دار و ہیچ خود بینی مکن
صد دریغ و درد کاین عاریتی	معجبان را دور کرد از امتی

(اسمین رجوع ہے مضمون ماقبل سرخی کی طرف و آن زبر تو دان مران از اصل خویش اور آن شقی سے
مراد کوئی خاص شخص نہین یعنی) شقی آدمی کو بھی (اہل کمال کا) پرتو حکمت گمراہ کردیتا ہے اسلیے خودبینی ہرگز
مت کرو تاکہ تمکو وبال نہ آوے بھائی جان یہ علم و حکمت جو تمہارے (قلب کے) اندر نزول کرتی ہوئی معلوم
ہوتی ہے یہ اولیاءاللہ (کی برکت) سے ہے (جنکی صحبت حاصل ہے) اور تمہارے پاس محض عاریت ہے (اسکی ایسی
مثال ہے کہ) گو کوئی گھر اپنے اندر نور پاتا ہے مگر وہ پاس والے نورانی گھر سے روشن ہوا ہے پس تم (اس
علم کے حصول پر) شکر کرو اور اُسکو اپنا کمال سمجھ کر) مغرور مت ہوا اور (اہل کمال سے اُس فیض کے پہونچنے
کا) انکار مت کرو اور (ہماری نصیحت) کان لگا کر سُنو اور ہرگز خودبینی مت کرو افسوس کا مقام ہے کہ اس
علم (و کمال) عاریتی نے اہل عجب کو امت مرحومہ سے خارج کر رکھا ہے (خواہ مبتلائے کفر کرکے خواہ
مبتلائے کبر بناکر کہ کمال امتیت کے خلاف ہے)۔

من غلام آنکہ او در ہر رباط	خویش را واصل نداند بر سماط

پس رہ لطفے کہ باید ترک کرد	تا بمسکن در رسد یک روز مرد

دا و پر اپنے کو کامل سمجھنے والے کی مذمت تھی یہان کامل نہ سمجھنے والی کی مدح ہے یعنی) ہم تو اس شخص کے غلام (اور معتقد) ہین جو (منازل سلوک کے) ہر منزل پر (پہونچکر) اپنے کو یون نہ سمجھے کہ مین خوان (مقصود) پر واصل ہوگیا کیونکہ بہت سے ترک اور قطع کرنے پڑتے ہین تب منزل (مقصود) پر ایک روز وصول میسر ہوتا ہے (مطلب یہ کہ ہمیشہ اپنے کو محتاج ترقی وتکمیل سمجھتا رہے)

گرچہ آہن سرخ شد آن سرخ نیست	پرتو عاریت آتش زنے نیست
گر شود پر نور روزن یا سرا	تو مدان روشن مگر خورشید را
ور در و دیوار گوید روشنم	پرتو غیرے ندارم این منم
پس بگوید آفتاب اے نارشید	چونکہ من غائب شوم آید پدید
سبزہا گویند ما سبز از خودیم	شاد وخندانیم وبس زیبا خودیم
فصل تابستان بگوید کاے امم	خویش را بینید چون من بگذرم
تن ہمی نازد بخوبی وجمال	روح پنہان کردہ فر وپر وبال
گویدش کاے مزبلہ تو کیستی	یکدو روز از پرتو من زیستی
غنج ونازت می نہ گنجد در جہان	باش تا کہ من شوم از تو جہان
گرم دارانت ترا گورے کنند	کش کشانت در تگ گورا فگنند
تاکہ چون در گور یارانت کنند	طعمۂ موران ومارانت کنند
بینی از گند تو گیرد آن کسے	کو بہ پیش تو ہمی مردے بسے
پرتو روح ست نطق وچشم وگوش	پرتو آتش بود در آب جوش
آنچنانکہ پرتو جان بر تن ست	پرتو ابدال بر جان من ست
جان جان چون واکشد پا از جان	جان چنان گردد کہ بی جان تن بدان

دا و پر اس مضمون کی کہ ہمارا کمال ظل کمال کاملین ہے یہ مثال آئی تھی گرچہ در خود خانہ نورے یافت ست الخ ان اشعار مین بھی اُس مضمون کی اور مثالین ہین یعنی ایک مثال تو گذر چکی دوسری مثال یہ کہ اگرچہ (آگ مین) لوہا سُرخ ہوجاتا ہے مگر (بالذات) وہ سُرخ نہین ہے (بلکہ) آتش زن کا پرتو عاریت ہے (تیسری مثال) اگر کوئی روزن یا مکان پر نور ہوجاوے تو تم خورشید ہی کو (بالذات) روشن سمجھو اور اگر (فرضاً) در و دیوار کہنے لگین کہ ہم (بالذات) منور ہین اور کسی غیر کا ہم پر عکس نہین ہے تو اُسوقت آفتاب (بزبان حال) کہے گا کہ اے ناخلف جب مین غروب ہوجاؤن گا اُسوقت حقیقت کھل جاویگی (چوتھی مثال) مثلاً سبزے کہنے لگین کہ ہم از خود سبز ہین اور شاد وخندان وزیبا رو ہم

(بالذات) ہین اُسوقت فصل بہار کہے گی کہ جب مین ختم ہو جاؤنگی اُسوقت اپنی حالت دیکھنا (پانچوین مثال) یہ جسم اپنے حسن وجمال پر خوب ناز کر رہا ہے اور روح اپنی شان اور پر و بال مخفی کیے ہوے ہے اور جسم سے کہہ رہی ہے کہ اے معدن کثافت تیری اصل کیا ہے خیر میرے پرتو فیض سے چند روز زندہ ہو گیا ہے جسپر تیرا کرشمہ ناز عالم مین نہین سماتا اچھا ٹھہر مین ذرا تجھ سے علیحدہ ہو جاؤن (اُسوقت دیکھنا) تیری بڑے گرمجوشی جتلانے والی دوست تیرے لیے ایک قبر کھودینگے اور تجکو کشان کشان اُسکے اندر ڈالدین گے اور اس دفن پر نتیجہ مرتب ہوگا کہ تجکو طعمہ مور و مار بنا وین گے اور جو لوگ تجھ پر جان فدا کرتے تھے وہ لوگ تیری بدبو سے ناک بند کرینگے پس یہ سب نطق و چشم و گوش روح ہی کا پرتو ہے جیسا پانی مین جو جوش ہے وہ آگ کا پرتو ہے (آگے تمثیلات کا مقصود بیان کرتے ہین کہ) جسطرح روح کا پرتو جسم پر ہے اسی طرح (علم و کمالات مین) اولیاء اللہ کا پرتو ہمارے ارواح پر ہے پس وہ روح الروح اپنا قدم ہماری روح سے ہٹالے (یعنی نظر التفات ہٹالین) تو ہماری روح ایسی (بے کمال) رہ جاوے جیسے بدون روح کے جسم رہ جاتا ہے اسکو یقینی جانو۔

سر ازان رو می نہم من بر زمین	تا گواه من بود در یوم دین
یوم دین کہ زلزلت زلزالہا	این زمان باشد گواه حالہا
کو تحدث جہرۃ اخبارہا	در سخن آید زمین و خارہا

(اوپر عجب و خود بینی کی مذمت اور گمان کمال کی غلطی مذکور تھی اب فرماتے ہین کہ اسی عجب و پندار کے ازالہ کے لیے ہم پر عبادت مین تذلل فرض ہوا ہے اسلیئے) ہم لوگ زمین پر کہ اخس الاشیاء ہی اپنا مُنھ (جو اشرف الاعضاء ہے) رکھتے ہین تاکہ وہ قیامت کے روز (اس انکسار و تذلل مین) ہماری۔ گواہ ہو (چونکہ جماد کی گواہی دینا ظاہرا مستبعد تھا اس لیے اُسکا اثبات قرآن مجید سے فرماتے ہین کہ) قیامت کے روز جب زلزلت الارض زلزالہا کا وقوع ہوگا یعنی زمین کو زلزلہ آوے گا اُسوقت وہ ہمارے احوال کی شہادت دیگی جیسا ارشاد ہے یومئذ تحدث اخبارہا یعنی اُس روز اپنی تمام خبرین کہہ ڈالے گی اور زمین اور خار سب باتین کرنے لگین گے۔

فلسفی گوید ز معقولات دون	عقل از دہلیز می ناید برون
فلسفی منکر شود در فکر و ظن	گو برو سر را بران دیوار زن
نطق آب و نطق خاک و نطق گل	ہست محسوس حواس اہل دل
فلسفی کو منکر حنانہ ست	از حواس انبیا بیگانہ ست
گوید او کہ پرتو سودای خلق	بس خیالات آورد در رای خلق
بلکہ عکس آن فساد و کفر او	آن خیال منکری را زد برو
فلسفی مر دیو را منکر شود	در ہمان دم سخرہ دیوی بود
گر ندیدی دیو را خود را ببین	بی جنون نبود کبودی بر جبین

(اوپر حشر و نشر و کلام جمادات کا بیان تھا چونکہ فلاسفہ ان کے منکر ہین اسلیے انکا رد کرتے ہین کہ) فلسفی عقلیات سافلہ کی گفتگو کر رہا ہے اور اُسکی عقل ابھی دہلیز سے بھی نہین نکلی (اور علوم عالیہ تک تو کیا پہونچتی) صرف قوۂ فکریہ و مقدمات ظنیہ کی بنا پر (حقائق کا اظہار کرتا ہے اُس سے کہدو کہ (ساری عمر) اسی دیوار (فکر) سے سر پھوڑتا رہیو آب و خاک و گل کا نطق اہل کشف کے نزدیک تو حواس باطن سے محسوس ہو رہا ہی سو فلسفی جو ستون حنانہ کے قصہ کا انکار کرتا رہا ہے وہ حضرات انبیاء علیہم السلام کے قوی مدرکہ سے محض محروم ہے اور (کشف کی نسبت) یون کہتا ہے کہ خلط سوداوی کا اثر (جس کا غلبہ بقلیل رطوبات سے ہو جاتا ہے) ایسے لوگونکے ذہن مین کچھ خیالات (غلط) جمع کر دیتا ہے (اور واقع مین وہ محض لاشئ ہی مولانا جواب دیتے ہین کہ ان حضرات کو سودا کا غلبہ نہین ہوا) بلکہ اسکے برعکس فلسفی کا فساد اعتقاد و کفر خود اُس خیال انکار کا اثر اُسمین پیدا کر رہا ہے (یعنی اُسکا یہ خیال اُسکے کفر کا اثر ہے) اسی طرح فلسفی شیطان و جنات کے وجود کا منکر ہے اور عین انکار کے وقت مین شیطان کا محکوم بن رہا ہے اے فلسفی اگر تو نے شیطان کو نہین دیکھا تو اپنے ہی کو دیکھ لے (کہ تیری حالت تباہ خود دلیل ہے وجود شیطان کی جو سبب ہوا ہے تیری گمراہی کا کیونکہ بلا جنون کے پیشانی پر نیلگونی نہین ہوا کرتی (پس جس طرح کبودی کہ اثر ہے جنون کا دلیل ہے وجود مؤثر کی جنون ہے اسی طرح تمھاری حالت کہ اثر ہے شیطان کا دلیل ہے وجود شیطان کی کہ مؤثر ہے)۔

هر کرا در دل شک و پیچانی ست	در جهان او فلسفی پنهانی ست
می نماید اعتقاد او گاه گاه	آن رگ فلسف کند رویش سیاه
الحذر ای مومنان کان در شماست	در شما بس عالم بی منتهاست
جمله هفتاد و دو ملت در توست	ده که روزی آن برآرد از تو دست
هر که او را برگ این ایمان بود	همچو برگ از بیم او لرزان بود
بر بلیس و دیو زان خندیده	که تو خود را نیک مردم دیده
چون کند جان باژگونه پوستین	چند واویلا برآید ز اهل دین

(اوپر فلاسفۂ منکرین کی مذمت تھی اب فرماتے ہین کہ فلاسفہ سے کوئی خاص فرقہ مراد نہین جو اسی لقب سے موسوم ہو بلکہ جسمین اس قسم کا مادہ ہو پھر سب کو متنبہ کرتے ہین کہ اورونکو بھی مغرور و مطمئن نہ ہونا چاہیے کہ ہم بڑے مومن کامل ہین شاید کوئی شعبہ فلسفیت کا دبا ہوا کسیوقت ظہور کرے یعنی جسکے دلمین کوئی شک اور اضطراب ہو خواہ وہ فرقہ اہل ایمان مین گنا جاتا ہو مگر) وہ دنیا مین مخفی فلسفی ہے (گو فرقۂ فلاسفہ مین شمار نہ ہونے سے علانیہ نہین چنانچہ گاہ گاہ اپنا اعتقاد (فلسفیانہ) ظاہر کر ڈالتا ہے (خواہ قصداً یا بلا قصد اُس کے منھ سے کوئی ایسی بات نکل جاتی ہی) اور رگ فلسفیت اُسکو (اہل حق کے مجمع مین) رسوا کر دیتی ہے (کما ہو مشاہد فی المدعین لا صلاح القوم فی زماننا آگے تنبیہ مذکور ہی کہ) اے اہل ایمان ڈرتے رہنا کہ وہ (مادۂ فلسفیت و انکار) تم سب کے اندر موجود ہے (اور اُس ایک

مادہ کی کیا تخصیص ہے) تمھارے اندر تو غیر متناہی (یعنی کثیر) عالم بھرے پڑے ہیں چنانچہ یہ بہتر مذہب جو ضلالت کے ہیں یہ بھی تمھارے اندر (مرتبۂ استعداد و اجمال میں) موجود ہیں ذرا ہشیار رہنا کبھی کسی روز وہ تم سے ظہور نہ کرے اور جس کے پاس اس کامل ایمان کا سامان ہو گا وہ پتے کی طرح اس خوف سے لرزان رہے گا (لان الایمان بین الخوف والرجاء) اور تم جو مطمئن ہو کر ابلیس اور دوسروں پر ہنس رہے ہو وجہ اسکی یہ ہے کہ تم اپنے کو بڑا صالح سمجھ رہے ہو لیکن ابھی کیا ٹھہر جب یہ روح پوستین الٹا کر نکلیگی (کنایہ ہے ظہور حقیقت و حالات مخفیہ سے) اُس وقت صدہا اہل دین (جو ظاہر میں بڑے دیندار سمجھے جاتے تھے) واویلا کرتے پھرینگے) کہ ہم اپنے کو کیسا پاک سمجھتے تھے ناپاک نکلے۔

بردکان ہر زر نما خندان شدست	زانکہ سنگ امتحان پنہان شدست
پردہ اے ستار از ما بر مگیر	باش اندر امتحان ما را مجیر
قلب پہلو می زند با زر بشب	انتظار روز میدارد ذہب
با زبان حال گوید زر کہ باش	اے مزور تا بر آید روز فاش
صد ہزاران سال ابلیس لعین	بود ز ابدال و امیر المؤمنین
پنجہ زد با آدم از نازیکہ داشت	گشت رسوا ہمچو سرگین وقت چاشت
پنجہ با مردان مزن اے بوالہوس	بر تر از سلطان چہ میرانی فرس

(تخویف و تنبیہ بالا کی تقریر ہے یعنی یہان حقیقت کے مخفی ہونیکی ایسی مثال ہے جیسے) دو کانون پر زرنما لوگ اسلیے بیٹھے ہنس رہے ہیں کہ سنگ امتحان (یعنی کسوٹی) غائب ہو قیامت میں وہ سنگ امتحان بہتیر و نکو رسوا کر دیگا اب گھبرا کر التجا کرتے ہیں کہ اے ستار ہماری پردہ دری نہ کیجیے گا اور امتحان کے وقت ہمکو اپنی حفاظت میں رکھیے گا (آگے خفاء حقیقت کی دوسری مثال ہے کہ) زر قلب زر خالص کے ساتھ رات کے وقت دعوی مساواۃ کا کر رہا ہے اور زر خالص دن نکلنے کا منتظر ہے اور زبان حال سے کہہ رہا ہے کہ ذرا صبر کر اے مکار دن نکلنے دے (بعد مثالون کے تخویف ہے یعنی) لاکھوں سال ابلیس لعین بزرگ اور افضل اہل ایمان رہا حتی کہ ناز و عجب میں اگر حضرت آدم علیہ السلام کا مخالف و مقابل بن بیٹھا اور ایسا رسوا ہوا جیسا تیز دھوپ کے وقت گوبر کہ بہت گندگی پھیلتی ہے آگے نصیحت ہے کہ) مردان خدا کا مقابلہ و دعوی مساواۃ کبھی مت کرنا بھلا بادشاہ سے آگے گھوڑا چلانا کیا زیبا ہے (اسی طرح یہ حضرات بوجہ قرب و قبول کے مثال بادشاہ کے ہیں ان سے سبقت کا دعوے خسران محض ہے)۔

دعا کردن بلعم باعور کہ موسیٰ علیہ السلام و قومش را ازین شہر کہ حصار دادہ اند بے مراد گردان

بلعم باعور را خلق جہان	سغبہ شد مانند عیسیٰ زمان

سجده ناوردند کس را دون او / صحت رنجور بود افسون او
پنجه زد با موسیٰ از کبر و کمال / آنچنان شد که شنیدستی تو حال
صد هزار ابلیس و بلعم در جهان / همچنین بودست پیدا و نهان
این دو را مشهور گردانید اله / تا که باشد این دو بر باقی گواه
رهزنان را در بیابان چون کشند / یک دو تن را سوے ده زایشان کشند
تا بہ بینند اہل ده گیرند پند / رویت ایشان بود شان ہمچو بند
این دو دزد آویخت بر دار بلند / ورنه اندر رہ بسی دزدان بدند
این دو را پرچم بسوے شہر برد / کشتگان قہر را نتوان شمرد
نازنینی تو و لے در حد خویش / الله الله پا منه ز اندازه بیش
گر زنے بر نازنین تر از خودت / در تگ ہفتم زمین زیر آردت
قصۂ عاد و ثمود از بہر چیست / تا بدانی کانبیا را نازکیست
این نشان خسف و قذف و صاعقه / شد بیان عز نفس ناطقه

(یہ مضمون مربوط ہے شعر بالا پنجه با مردان مزن الخ کے ساتھ یعنی) دیکھو بلعم بن باعور کے تمام لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرح فریفتہ و معتقد تھے اور اُسکی سی تعظیم کسی کی نہ کرتے تھے اور بیمار اُسکی جھاڑ پھونک سے صحت پاتے تھے (لیکن) حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ جو مخالفت کی تو وہ حال ہوا جو تمنے (کسی عالم سے) سنا ہوگا (کہ ایمان بھی سلب ہوگیا اور ظاہر ابھی ذلیل وخوار ہوگیا پس مخالفت اہل اللہ کی ایسی وبال کی چیز ہے اب فرماتے ہین کہ اس مخالفت پر کچھ ایک ہی دو کو سزا نہین ہوئی بلکہ) لاکھون ابلیس اور بلعم (کے مثل) دنیا مین ہو چکے ہین کچھ مشہور کچھ غیر مشہور جن مین سے ان دو کو اللہ تعالےٰ نے (زیادہ) مشہور کر دیا ہے تاکہ بقیہ امثال پر بطور نظیر کے ہو جاوین (جیسا ناظمان سلطنت کا قاعدہ ہوتا ہے کہ) جب رہزنون کو جنگل مین (جہان وہ پناہ لیتے ہین) قتل کرتے ہین تو ایک دو کی لاش کو بستی مین لے آتے ہین تاکہ بستی والے انکو دیکھین اور عبرت حاصل کرین اور انکو دیکھنا ایسے افعال سے بندش کے طور پر ہو جاوے (اسی طرح) ان دو کو (یعنی ابلیس اور بلعم کو گویا) سولی پر ٹانگ دیا ہے ورنہ عالم مین ایسے چور (باغی) بہت ہوئے ہین صرف ان دو کا پرچم یعنی پھریرا (شہرت کے لیے) شہر مین لے آئے ہین) ورنہ کشتگان قہر کا شمار نہین ہو سکتا (پس تمکو متنبہ ہونا چاہیے اور مقبولان الٰہی کی ہرگز مخالفت نہ چاہیے) اور ہمنے مانا کہ تم بھی نازنین (اور بوجہ طاعت و تقوی کے محبوب) ہو لیکن اپنے اندازہ پر (یعنی ان کے درجہ پر نہین ہو) خدارا اپنی حد سے آگے قدم مت رکھنا (اور انکا مقابلہ مت کرنا) اگر تم ایسے شخص پر جو تمسے زیادہ مقبول و محبوب ہے حملہ کرو گے تو تمکو قعر زمین ہفتم کے نیچے

پہونچاوے گا تمکو خبر بھی ہے کہ قصہ عاد وثمود کا (جو قرآن مین ہمکو سنایا گیا ہے) کس فائدہ کے لیے ہے یہ صرف اس لیے ہے تاکہ تمکو معلوم ہو جاوے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام کو کس پر ناز ہے (یعنے حق تعالیٰ کے محبوب ہین جنکی مخالفت سے لاکھون ہلاک کر دیے گیے) اور یہ آثار جو واقع ہوئے ہین (قارون کی لیے خسف اور (قوام لوط کے لیے) سنگباری اور (ثمود کے لیے) کڑک یہ سب نفس ناطقہ (یعنی روح) کی عزت کا بیان اور اظہار ہے (کہ حضرات انبیاء علیہم السلام ومقبولین کی وجاہت ومحبوبیت عنداللہ سبکو معلوم ہو جاوے)

جملہ حیوان را پے انسان بکش ۔ جملہ انسان را بکش از بہر ہش
ہش چہ باشد عقل کل اے ہوشمند ۔ عقل جزوی ہش بود اما نژند
جملہ حیوانات وحشی ز آدمی ۔ باشد از حیوان انسی در کمی
خون آنہا خلق را باشد سبیل ۔ زانکہ وحشی اند از عقل جلیل
خون ایشان خلق را باشد روا ۔ زانکہ انسان را نیند ایشان سزا
عزت وحشی بدین ساقط شدست ۔ کہ مر انسان را مخالف آمدست
پس چہ عزت باشدت اے نادرہ ۔ چون شدی تو حمر مستنفرہ
خر نشاید کشت از بہر صلاح ۔ چون شود وحشی بود خونش مباح
گرچہ خر را دانش زاجر نبود ۔ ہیچ معذورش نمیدارد ودود
پس چو وحشی شد از آن دم آدمی ۔ کے بود معذور اے یار سمی
لاجرم کفار را خون شد مباح ۔ ہمچو وحشی پیش نشاب ورماح
جفت وفرزندان شان جملہ سبیل ۔ زانکہ بے عقل اند ومردود وذلیل
باز عقلے کو رمد از عقل عقل ۔ گردد از عقلے بحیوانات نقل
بشنو اکنون در بیان این سخن ۔ قصۂ از جان ونیکو گوش کن

(نادرہ در محاورہ احمق را گفتہ ونادرہ می گویند) اور مقبولان الٰہی کی عزت کا ہلاک کفار کا سبب ہونا مذکور تھا یہان مثال کے ساتھ ان کفار مخالفین کا ذلیل اور کشتنی ہونا بیان فرماتے ہین یعنی (جس طرح جمیع حیوانات (خصوص وحشی کما سیاتی) انسان کے واسطے کشتہ ہوتے ہین اسی طرح انسان کو (جو کہ انسان مقبول سے وحشت ومخالفت کرتے ہون) انسان صاحب ہوش (کامل یعنی انبیاء واولیاء) کے واسطے کشتہ ہو سکتی ہین (کیونکہ حیوان کو جو نسبت انسان کے ساتھ ہے انسان غیر مقبول کو وہی نسبت انسان مقبول کے ساتھ ہے پھر مقبولین کے لیے غیر مقبولین کا ہلاک ہو جانا کچھ محل عجب نہین تھا) اور انسان صاحب ہوش سے مراد مطلق ذی عقل نہین کہ سب انسانوں کو شامل ہو بلکہ وہ شخص ہے جو عقل کامل (بصیرت دین ومعرفت حق) رکھتا ہی اور عقل ناقص (بالمعنی الاعم) ہوش ہے مگر افسردہ محض (کہ کامل کے مقابلہ مین اسکو عقل وہوش کہنا زیبا نہین آگے حیوانات مین سے بالخصوص

وحشی کا بیان کرتے ہیں کہ) جتنے حیوانات آدمی سے وحشت کرتے ہیں وہ بہ نسبت مانوس حیوانات کے اور بھی پست حالت میں ہیں (یعنی زیادہ ذلیل ہیں جب غیر عقلاء میں بوجہ تفاوت مناسبت مع العقلاء کے باہم درجہ میں تفاوت ہے تو خود عقلاء کے ساتھ تو غیر عقلاء کو کس درجہ تفاوت ہوگا آگے پستی مذکور کا بیان ہے کہ) دیکھو اُنکا خون خلق کے لیے (حیوانات اہلی سے زائد) بیدریغ مباح ہے کیونکہ وہ صاحب عقل عزیز (یعنی انسان) سے متوحش ہیں اُنکا خون خلق کے لیے بیدریغ روا ہو گیا کیونکہ انسان کے ساتھ اُنکو مناسبت نہیں (اور اہلی و وحشی میں اہلی کا بدون حاجت شدید ذبح نہ ہونا پھر غیر ماکول کا ذبح نہ ہونا اور وحشی کا محض لہو و تفریح کے لئے بلا لحاظ ضرورت و منفعت کے قتل کر ڈالنا دریغ و بیدریغ کے فرق کو ظاہر کر رہا ہے) پس جس حالت میں کہ وحشی جانور کی عزت کے ساقط ہونیکی صرف یہ وجہ ہے کہ وہ انسان کا مخالف ہے تو اے احمق تیری ہی کیا عزت ہو سکتی ہے جب تو (مقبولان الٰہی سے) وحشی گدھوں کی طرح (جو کہ شیروں سے بھاگتے ہیں) دور رہتا ہے (اہلی) گدھے کو بمصلحت (باربرداری و سواری وغیرہ کے) جان سے نہیں مارتے (یہ تو اثر تھا اتباع و اطاعت انسان کا) لیکن اگر وحشی گدھا ہو (یعنی گورخر) تو اُسکا خون (مثل دوسرے شکار کے) مباح ہو جاتا ہے باوجودیکہ اُسکو جس میں عقل نہیں جو اُسکو (آدمی سے وحشت کرنے سے) زجر اور منع کرے مگر پھر بھی اُسکو اللہ تعالیٰ معذور نہیں رکھتے (ورنہ انسان کو تشریعاً اُسکی اصطیاد سے منع فرما دیتے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ وحشت عن ذوی العقول کا اثر تکوینی اللہ تعالیٰ نے بیقدری بنائی ہے جب غیر عاقل ہوکر معذور نہ ہوا تو انسان جو مقبولین سے مخالفت کرتا ہے وہ تو عاقل ہے پھر اگر انسان (عاقل ہوکر) اُس سے (اُس گفتار سے) یعنی تعلیم کامل سے) وحشی و مخالف بن جاوے تو کب معذور ہو سکتا ہے اس وجہ سے لامحالہ کفار کا خون مباح ہو گیا جسطرح وحشی جانور کہ تیر اور نیزہ کے روبرو مباح ہو جاتا ہے اور کفار کے اہل و عیال سب (غنیمت میں) مباح ہو گئے کیونکہ دین سے بالکل بے عقل ہیں اور مردود ذلیل ہیں اور یہ وبال تو مطلق عقل دین سے وحشت و نفرت کرنے پر مرتب ہوا) پھر جو عقل (ناقص بالکل دین سے تو ناآشنا ہو مگر) عقل العقل (یعنی انبیاء و اولیاء) سے (من وجہ) بھاگتی ہو اسطرح سے کہ نصوص و احکام میں اپنی رائے و ہوا سے تاویلیں کرتی ہو اور بے چون و چرا انقیاد محض و تسلیم خالص نہ کرے جیسا اہل بدعت کا شیوہ ہے) وہ بھی مرتبہ عقلیت سے حیوانات کی طرف منتقل ہو جاتی ہے (جیسا خوارج کی نسبت کلاب النار وارد ہے) خلاصہ یہ کہ کفار تو مطلق عقل دین سے متوحش ہیں زیادہ گمراہ و ذلیل ہیں اور اہل ہوا عقل کامل سے متوحش ہیں اسلیے دوسرے درجہ میں گمراہ و خوار ہیں غرض جسقدر عقل و اہل عقل سے بعید ہوتا جاتا ہے مطرودیت و مردودیت بڑھتی جاتی ہے) اب اس مضمون کی توضیح میں (جو اوپر آچکا ہے خلاصہ غرہ مشو الخ جسکا سلسلہ یہانتک پہنچا ہے) ایک قصہ جان و دل سے اور اچھی طرح سن لو کہ بنا ءً علی المشہور ہاروت و ماروت کو اپنی تقدس پر اعتماد ہونے سے کیا ضرر ہوا و تنبیہاً یہ ارشاد ہوا جو آگے آتا ہے عصمتے کہ مر شمارا در تن ست الخ اور گو اہل تحقیق نے اس قصہ کی ہیئت کذائیہ تغلیط کی ہے مگر مولانا کو اس لیے مضر نہیں کہ اُنکا اصلی مقصود مذمت عجب نص قطعی سے ثابت ہے)

اعتماد کردن ہاروت و ماروت بر عصمت خویش در ہر فتن

همچو هاروت و چو ماروت شہیر　　از بطر خوردند زہر آلودہ تیر

اعتمادی بودشان بر قدس خویش　　چیست بر شیر اعتماد گاومیش

گرچہ او با شیر صد چارہ کند　　شاخ شاخش شیر نیمہ پارہ کند

گر شود پر شاخ ہمچون خارپشت　　شیر خواہد گاؤ را ناچار کشت

گرچہ صرصر بس درختان میکند　　با گیاہ پست احسان میکند

بر ضعیفی گیاہ آن باد تند　　رحم کرد اے دل تو از قوت ملند

تیشہ را ز انبوہی شاخ درخت　　کے ہراس آید ببرد لخت لخت

لیک بر برگے نکوبد خویش را　　جز کہ بر ریشہ نکوبد نیش را

شعلہ را ز انبوہی ہیزم چہ غم　　کے رمد قصاب ز انبوہی غنم

(ربط اس کا ابھی اوپر بیان ہو چکا ہے یعنی عجب و تکبر سے ایسا حال ہوتا ہے) جس طرح ہاروت و ماروت (کا ہوا) کہ تکبر کے سبب (قہر کا) زہر آلودہ تیر لگا انکو اپنے تقدس پر اعتماد ہوا تھا (بھلا) شیر پر گاؤمیش کا کیا اطمینان (اسی طرح بندہ قضا سے کیسے مامون ہو سکتا ہے) اگر گاؤمیش شیر کے سامنے (اپنی حفاظت کی) سو تدبیر کرے (تو کیا ہوتا ہے) شیر نر اُس کا ایک ایک جزو ٹکڑے کر ڈالے بلکہ اگر بالکل کچھوہ کی طرح سخت اُسکے تمام بدن پر سینگ ہی سینگ نکل آویں جب بھی شیر (اگر چاہے) گاؤ کو ضرور ہی مار ڈالے یہی مثال قضائے الٰہی ہے بندون کے ساتھ کہ تدبیر سے بچاؤ ممکن نہین ہے اس لیے بے خوف ہو کر عجب و تکبر کرنا محض نادانی ہے البتہ اگر عجز و افتقار اختیار کرے تو مورد رحم اور قہر قضا سے محفوظ رہ سکتا ہے اسکی مثال ایسی ہے کہ) صرصر اگرچہ بہت سے درختون کو اکھاڑ ڈالتی ہے لیکن گیاہ عاجز کے ساتھ احسان کرتی ہے (اور اُسکو نہین اکھاڑتی) اُس گیاہ کے عجز و ضعف پر وہ ہوا رحم کرتی ہے بس تم بھی (قضا کے روبرو) زور و قوت مت بگھارو (آگے قضا اور متکبر کی دوسری مثال ہے کہ) تیشہ کو درخت کے شاخون کے کثیر ہونے سے کب خوف ہوتا ہے وہ اُسکو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالتا ہے لیکن برگ کو تیشہ صدمہ نہین پہونچاتا البتہ ریشہ یعنی موٹی جڑون کو کاٹتا ہے (اسمین ضعیف کے مورد رحم ہونے کی بھی مثال ہوئی آگے تیسری اور چوتھی مثال ہے کہ) شعلہ کو لکڑیون کے زیادہ ہونے سے کیا فکر (اسی طرح) بکریون کے زیادہ ہونے سے قصاب کب بھاگتا ہے (یعنی قضا کو کسی کی کثرت و قوت مانع نہین)۔

پیش معنی چیست صورت بس زبون　　چرخ را معنیش میدارد نگون

تو قیاس از چرخ دولابے بگیر　　گردشش از چیست از عقل منیر

گردش این قالب ہمچون سپر　　ہست از روح مستر اے پسر

گردش این باد از معنی اوست　　ہمچو چرخے کو اسیر آب جوست

جز بمدد دخل و خرج این نفس ۔ از کہ باشد جز ز جانے پر ہوس
گاہ جیمش میکند گہ حا و دال ۔ گاہ صلحش می کند گاہے جدال
گہ یمینش می برد گاہے یسار ۔ گہ گلستانش کند گاہیش خار
ہمچنان این آب را یزدان پاک ۔ کرد بر فرعون خون سہمناک
ہمچنین این باد را یزدان ما ۔ کردہ بُد بر عاد ہمچون اژدہا
باز ہم این باد را بر مومنان ۔ کردہ بد صلح و مراعات و امان

(اوپر فرمایا تھا کہ قضا کے روبرو بندہ کی کچھ نہین چلتی یہان اُسکے ایک قاعدہ کلیہ کے ضمن مین مع تمثیلات مؤیدہ قاعدۂ مذکورہ کے بیان فرماتے ہین حاصل اُس وجہ کا یہ ہے کہ قضا مؤثر ہے اور بندہ متاثر اور قاعدہ یہ ہے کہ مؤثر کے روبرو متاثر کی کچھ نہین چلتی اِن اشعار مین مؤثر کو معنی اور متاثر کو صورت کہا ہے وجہ تشبیہ وہین اول مؤثر اکثر خفی ہوتا ہے مثل معنی کے اور متاثر محسوس ہوتا ہے مثل صورت کے دوسری مؤثر متبوع ہوتا ہے اور متاثر تابع جیسے معنی مقصود ہوتا ہے اور لفظ تابع پس فرماتے ہین کہ) معنی (یعنی مؤثر) کے سامنے صورت (یعنی متاثر) کی کیا اصل ہے محض مغلوب ہے (مثال اول) دیکھو چرخ کو (باوجود اتنی بڑی جسامت کے) اُسکا مؤثر (کس طرح) سرنگون کیے ہوے ہے (یہ مؤثر امر آلہی ہے کہ اِس ہیئت پر پیدا کیا) بس تم (اور چیزونکو بھی) چرخ دولابی پر قیاس کر لو کہ اُسکی گردش کس کے اثر سے ہے عقل منیر کی وجہ سے (یا تو روحانیت چرخ کی مراد ہے اگر ذی روح ہو یا ملائکہ مراد ہون اور یہ حرکت ہونے کی تقدیر پر ہے گو اب تک کوئی دلیل اُسپر قائم نہین بلکہ ظاہراً سکون صحیح معلوم ہوتا ہے (مثال دوم) دیکھو اِس جسم (انسانی) کی حرکت جو کہ (روح کے لیے) بمنزلہ لباس کے ہے روح مستور کی سبب سے ہے (جو مؤثر ہے مثال سوم) اِس ہوا کی حرکت اُسکی مؤثر کے سبب سے ہے (کہ امر آلہی ہے) جیسے پن چکّی کہ تابع (حرکت) آب کے ہوتی ہے (یہ مثال المثال ہے مثال چہارم ہوئی مثال پنجم) کمی بیشی اور آمد و رفت سانس کی یہ کہان سے ہے بجز روح کے (کہ اسمین مؤثر ہے) جو اِس سانس کو (یعنی صورت کو کہ ایک متموج ہوا اور سانس ہے) کبھی تو جیم بنا دیتی ہے (اگر مخرج جیم پر اُسکا اعتماد ہو گیا اسی طرح) کبھی حا اور دال بنا دیتی ہے (اور اگر اِن حروف سے ملکر مرکب مفید نکلے تو کبھی اُس (کلام) کو صلح اور کبھی جدال (کی گفتگو) کر دیتی ہے کبھی اُس (صورت) کو (زبان و دہان کے) داہنے جانب لیجاتی ہے کبھی بائین جانب لیجاتی ہے (کیونکہ مخارج حروف مختلف ہین) اور کبھی اُس (مرکب مفید) کو گلستان (کی طرح کلام فرحت انگیز) کر دیتی ہے اور کبھی خار (کی طرح کلام دلخراش) کر دیتی (ہے مثال ششم) اسیطرح اِس پانی کو ہمارے خدائے پاک نے (کہ مؤثر حقیقی ہین) فرعون پر خون سہمناک بنا رکھا تھا (مثال ہفتم) اسی طرح اِس ہوا کو ہمارے خدائے پاک نے عاد کے حق مین تو مثل اژدہا کے (مہلک) کر دیا تھا اور اسی ہوا کو مومنین کے حق مین صلح و امن و رعایت (کا سبب) بنا یا تھا ۔

گفت المعنی ہو اللہ شیخ دین ۔ بحر معنی ہاست رب العالمین

جملہ اطباق زمین و آسمان — ہمچو خاشاکے دران بحر روان
جملہ ہا و رقص خاشاک اندر آب — ہم ز آب آمد بوقت اضطراب
چونکہ ساکن خواہدش کرد از مرا — سوے ساحل افگند خاشاک را
چون کشد از ساحلش در موجگاہ — آن کند آن موج کاتش با گیاہ
این حدیث آخر ندارد باز ران — جانب ہاروت و ماروت اے جوان

(تمثیلات مؤیدہ قاعدہ مذکورہ مین مؤثرات مختلفہ کا ذکر تھا اب فرماتے ہین کہ گو مؤثرات ظاہری متعدد ہین مگر مؤثر حقیقی سب مین ذات حق ہے یعنی) شیخ دین کا قول ہے کہ المعنی ہو اللہ (شیخ اکبرؒ کا قول مشہور ہے فالکل عبارۃ وانت المعنی اور تفسیر معنی کی اوپر گذر چکی ہے) پس رب العالمین سب معانی (وعلل مؤثرہ) کے مرجع ہین مثل بحر کے (کہ مرجع انہار ہوتا ہے وجہ تشبیہ صرف مرجعیت ہے نہ خصوصیات مرجعیت) پس تمام طبق زمین وآسمان کے (اُن کے تصرف کے اس طرح تابع ہین) گویا ایک خاشاک ہے بحر روان مین کیونکہ خاشاک کا اُچھلنا کودنا پانی مین پانی کے اضطراب کے سبب ہوتا ہے (اور اضطراب آب مؤثر ہوتا ہے اسی طرح موجودات عالم کے حالات کی علت تصریفات امر حق ہین اس تصریف کو اضطراب کے ساتھ صرف تاثیر فی الافعال المختلفہ مین تشبیہ دیدی) اور جب اِن کائنات کو انکی سعی وحرکات سے ساکن کرنا چاہین گے تو اس خاشاک کو ساحل پر (بیرون دریا) ڈالدین گے (یعنی تعلق تاثیر ایجاد وابقا سے جدا کردین گے سب فنا ہو جاوینگی) پھر جب انکو ساحل (اعدام) سے موجگاہ (تاثیر ایجاد) کی طرف لے آوین گے (مثلاً قیامت کے روز یا دنیا ہی مین تجدد امثال) تو اُس خاشاک (کائنات) کے ساتھ ایسا تصرف (قوی) کرین گے جیسا آتش گیاہ کے ساتھ کرتی ہے (وجہ تشبیہ مین احراق ملحوظ نہین بلکہ مطلق قوۃ تاثیر جیسا ظاہر ہے کہ پانی کی نسبت آتش خاشاک وگیاہ مین زیادہ مؤثر ہے پانی کی تاثیر صرف صفت حرکت مین ہے اور آتش کی تاثیر تقلب ماہیت مین سو حق تعالے چونکہ کائنات کی صفات و ذات دونون مین مؤثر ہین اسلئے تشبیہ آب کی بعد تشبیہ آتش نہایت موقع کی ہے اور اس مضمون (تاثیر قدرت الٰہیہ) کا تو کہین خاتمہ نہین اب پھر ہاروت و ماروت کی طرف رجوع ہونا چاہیئے۔

بقیہ قصہ ہاروت و ماروت ونکال عقوبت ایشان

چون گناہ وفسق خلقان جہان — می شدی بر ہر دو روشن آن زمان
دست خائیدن گرفتندے ز خشم — لیک عیب خود ندیدندے ز چشم
خویش در آئینہ دید آن زشت مرد — رو بگردانید ازان وخشم کرد
خویش بین چون از کسے جرمی بدید — آتشے در وے ز دوزخ شد پدید

حمیت دین خواند او آن کبر را	ننگرد در خویش نفس گبر را
حمیت دین را نشانی دیگرست	که از آن آتش جہانے اخضرست

یعنی جب خلائق کے گناہ اور فسق پر اُن دونون کو اطلاع ہوتی تو اُسوقت غصہ سے ہاتھ چبانا شروع کرتے لیکن اپنا عیب آنکھ سے نظر نہ آتا تھا جیسی کسی بدصورت آدمی نے اپنا مُنھ آئینہ مین دیکھا تھا اور مُنھ پھیر لیا تھا اور بہت خفا ہوا اسی طرح خود بین آدمی کا قاعدہ ہے کہ جب کسی کا جرم دیکھتا ہے تو اُسکے باطن مین ایک آگ دوزخ کی مشتعل ہو جاتی ہے (مراد اس سے نفسانی غضب ہے جو اخلاق ذمیمہ موجبہ للنار سے ہے ونیز حدیث مین ہے کہ ایسا غضب شیطان سے ہے اور شیطان نار سے ہے پس غضب نار سے ہے غرض یہ غضب نار کا موجب بھی ہے اور موجب بھی) اور وہ اس غضب وکبر کو (تاویل کرکے) حمیت دینی کہتا ہے مگر اپنے اندر نفس ناپاک کو نہین دیکھتا (تاکہ معلوم ہو کہ منشا اس کا نفس ہے نہ حمیت دینی کیونکہ) حمیت دینی کے تو آثار ہی اور ہوتے ہین کہ اُس کے آتش غضب سے ایک عالم سبز وشاداب ہوتا ہے (وجہ یہ کہ جو غضب فی اللہ اور للدین ہوگا اُس مین اول تو رعونت نہین ہوتی بلکہ عین غضب مین اپنے عیوب پر نظر رہتی ہے دوسرے اقوال وافعال مین اعتدال سے تجاوز نہین ہوتا تیسرے بلا ضرورت مغضوب علیہ کو رسوا نہین کرتا اور نہ دل سے اُس کی بدخواہی کرتا ہے اور ظاہر ہے کہ ایسا غضب طاعت اور موجب اصلاح وانتظام عالم واقامۃ عدل بین الخلق ہے جسپر عمارت عالم موقوف ہے بخلاف غضب نفسانی کے کہ وہ ان علامات سے خالی ہے اسلیے وہ موجب فتنۂ وفساد ظاہری وظلمت باطنی ہے)۔

گفت حق شان گر شما روشنگرید	در سیہ کاران مغفل منگرید
شکر گوئید اے سیاہ و چاکران	رستہ اید از شہوت و از چاک ران
گر از آن معنے نہم من بر شما	مر شما را بیش نپذیرد سما
عصمتے کہ مر شما را در تن ست	آن ز عکس عصمت و حفظ من ست
آن ز من بینید نز خود ہین وہین	تا نچربد بر شما دیو لعین

(اسمین عود ہے قصہ کی طرف یعنی) حق تعالیٰ نے اُن سے فرمایا کہ اگرچہ تم نورانی ہو لیکن سیاہ کارون کو مغفل (اور قہر خدا سے بیخبر) ہو کر مت دیکھو بلکہ شکر کرو کہ شہوت اور فرج سے فارغ ہو اگر وہ صفت (یعنی شہوت) تمھارے اندر پیدا کردون تو آسمان تم کو قبول نہ کرے (یعنی ایسی معصیت مین مبتلا ہو جاؤ کہ آسمان مین رہنے کے قابل نہ رہو) پس یہ صفت معصومیت کی جو تمھاری ذات مین ہے یہ میری حفاظت کا فیض ہے تو اُسکو میری عطا سمجھو اپنی صفت مت سمجھو تاکہ تم پر شیطان ملعون غالب نہ ہو جاوے۔

آن چنانکہ کاتب وحی رسول	دید در خود حکمت و نور اصول
خویش را ہم صوت مرغان خدا	می شمرد آن بد صفیری چون صدا

لحن مرغان را اگر واصف شوی | بر ضمیر مرغ کے واقف شوی
گر بیاموزی صفیر بلبلے | تو چہ دانی کو چہ گوید با گلے
ور بدانی باشد آن ہم از گمان | چون ز لب جنبان گمانہائے کران

(یہ مقولہ ہی مولانا کا اور اسمین تقریر ہے مضمون بالائی کہ جو صفت تبعاً ہو اسکو اصالۃً جاننا مذموم ہے) جیسا اس کاتب وحی سوانح جسکا قصہ اوپر آیا ہی اپنے اندر جو علم اور نور وصول (الی الحقیقۃ) دیکھا تو اپنی کو طائران قدس (حضرات انبیا علیہم السلام) کا ہم لحن سمجھنے لگا (کہ مجھ پر بھی انکشاف وحی کا ہوتا ہی) حالانکہ وہ صدا تو وہی کی طرح ایک صفیر تھی (کہ نقل ہوتی ہے آواز مرغ کی اسی طرح وہ عکس تھا نور نبوت کا بوجہ مجاورت کے اس سے حصول حقیقت کا دعوی بڑی غلطی ہی) مثلاً تم لحن طوطی کی نقل اتارنے لگو تو اس سے طوطی کی مافی الضمیر پر اطلاع کہاں ہو سکتی ہے جو مدلول حقیقی ہے اصل لحن طیور کا (کی تخصیص بعد التعمیم ہے یعنی) مثلاً کسی بلبل کی نقل اُتارنا سیکھ لو لیکن تمکو یہ کیا معلوم کہ وہ گل سے کیا کہتی ہی اور اگر بالفرض کچھ جانا بھی تو وہ محض قیاس ہوگا (کہ اسکے نالے کیوقت اسکی حرکات وسکنات سے استدلال کروگے تو وہ ایسا ہوگا جیسے لب جنبان کو دیکھکر بہرے آدمیوں کا قیاس ہوتا ہے

بعیادت رفتن کر ہمسایۂ رنجور خویش

ربط اس کا بہت ما قبل سرخی سے ظاہر ہے

آن کرے را گفت افزون مایۂ | کہ ترا رنجور شد ہمسایۂ
گفت با خود کر کہ با گوش گران | من چہ دریابم ز گفت آن جوان
خاصہ رنجور و ضعیف آواز شد | لیک باید رفت آنجا نیست بد
چون ببینم کان لبش جنبان شود | من قیاسے گیرم آنرا ہم ز خود
چون بگویم چونئے اے محنتکشم | او بخواہد گفت نیکم یا خوشم
من بگویم شکر چہ خوردی ابا | او بگوید شربتے یا ماش با
من بگویم صح نوشت کیستان | از طبیبان پیش تو گوید فلان
من بگویم بس مبارک پاست او | چونکہ او آید شود کارت نکو
پائے او را آزمودستیم ما | ہر کجا شد می شود حاجت روا
این جوابات قیاسی راست کرد | عکس آن واقع شد اے آزاد مرد
گو بیا رنجور را خاطر ز کر | اندکے رنجیدہ بود اے پرہنر
کر در آمد پیش رنجور نشست | بر سر او خوش ہمی مالید دست
گفت چونے گفت مردم گفت شکر | شد ازان رنجور پر آزار و نکر
کاین چہ شکرست این عدو ما بدست | کر قیاسے کرد و آن کژ آمدست

بعد ازان گفتش چہ خوردی گفت زہر / گفت نوشت باد افزون گشت قہر

بعد ازان گفت از طبیبان کیست او / گفت ہمی آید بچارہ پیش تو

گفت عزرائیل سے مے آید برو / گفت پایش بس مبارک شاد شو

این زمان از نزد او آیم برت / گفتم او را تا کہ گردد غم خورت

کر برون آمد روانہ شادمان / شکر کش کردم مراعات این زمان

خود گمانش از کرے معکوس بود / کہ زیان محض را پنداشت سود

روبرہ می گفت باخود از عما / شکر کہ کردم عیادت جار را

(لغات) بدچارہ آبا نان خورش ماش باشوربا ے ماش صحیح خوب شد نگر ناگواری روبرہ یعنی روے خود در راہ آوردہ۔ حل لغات کے بعد مطلب قصہ کا صاف ہے حاجت بیان نہین۔

گفت رنجور این عدوے جان ماست / ما ندانستیم کو کان جفاست

خاطر رنجور جویان صد سقط / تاکہ پیغامش کند از ہر نمط

چون کسے کو خوردہ باشد آش بد / می بشوراند دلش تا قے کند

کظم غیظ انیست آنرا قے مکن / تا بیابی در جزا شیرین سخن

چون نبودش صبر مے پیچید او / کاین سگ ملعون کو گفتار او

تا بریزم بروے آنچہ گفتہ بود / کان زمان شیر ضمیرم خفتہ بود

چون عیادت بہر دل آرامی ست / این عیادت نیست دشمن کامی ست

تا ببیند دشمن خود را نزار / تا بگیرد خاطر زشتش قرار

(ماسبق) ذکر ہے اُس مریض کے غصہ کا اور ضمن مین بعض نصائح کا یعنی اُس بیمار نے کہا کہ یہ بہرا تو ہماری جان کا دشمن نکلا ہمکو خبر نہ تھی کہ یہ معدن بیوفائی ہے اور اسی طرح کی بُری بھلی سیکڑون باتین وہ بیمار دل مین سوچ رہا تھا تاکہ ہر طرح کی (سخت سُست) باتین اُسکو سناؤن اُسکی ایسی مثال ہے کہ جیسے کسی نے کوئی بدمزہ بدبو سالن کھالیا ہو تو اُسکو اُچھال ہوتا ہے تاکہ قے کرڈالے (اسی طرح اُس کے نفس مین شورش ہو رہی تھی کہ سب باتین اُگل ڈالون درمیان مین مولانا فرماتے ہین کہ کظم غیظ کے یہی معنی ہین کہ گو غصہ مین کیسی ہی بُری بُری باتین دل مین سے جوش زن ہون مگر اُنکو اُگل مت ڈالو تاکہ اِسکی جزا مین تمکو سخن شیرین حاصل ہو (سخن شیرین سے مراد وعدہ وبشارت آلہیہ جو کظم غیظ پر فرمایا ہے وسارعوا الی مغفرۃ الی قولہ المحسنین مگر چونکہ اُس مریض کو کسی طرح صبر نہ آتا تھا اسلیے وہ پیچ وتاب کھا رہا تھا کہ یہ سگِ ملعون کج سخن کہان چلا گیا تاکہ جو کچھ یہ کہکر گیا ہے مین بھی تو کچھ اُسکی خبر لون کیونکہ اُس وقت میرا شیر ضمیر خفتہ تھا یعنی اُس وقت کچھ جوش نہ آیا تھا اور عیادت تو راحت دل کے لیے ہوا کرتی ہے اِسنے جو عیادت کی ہے یہ عیادت نہین بلکہ پوری دشمنی ہے

کہ اپنے دشمن کو نزار دیکھ کر دل کو قرار ہوتا ہے (اسی طرح اس شخص نے میری تکلیف کو دیکھ کر اظہار مسرت کیا)

بس کسان کایشان عبادتها کنند ۔ دل برضوان وثواب آن نهند
خود حقیقت معصیت باشد خفی ۔ بس کدر کانرا تو پنداری صفی
همچو آن کر کو همی پنداشت ست ۔ کونکوئی کرد و آن خود بدست
او نشسته خوش که خدمت کرده ام ۔ حق همسایه بجا آورده ام
بهر خود او آتشی افروخت ست ۔ در دل رنجور خود را سوخت ست
فاتقوا النار التی او قدتم ۔ انکم فی المعصیة ازددتم
گفت پیغمبر بیک صاحب ریا ۔ صل انک لم تصل یا فتی

(اسمین انتقال ہے قصہ سے طرف ارشاد کے یعنی) بہت لوگ اپنی رائے سے) عبادتین کرتے ہین اور امید رضائے حق اور ثواب کی رکھتے ہین مگر واقع مین وہ معصیت خفیہ ہوتی ہے اور بہت سے مکدر اعمال کو تم صاف سمجھتے ہو جس طرح وہ بہرا (اپنی رائے سے عمل کرکے) سمجھا تھا کہ مین نے بڑا اچھا کام کیا حالانکہ وہ قبیح محض تھا اور وہ خوش تھا کہ مین خدمت عیادت بجالایا ہون اور ہمسایہ کا حق ادا کیا ہے لیکن اُسنے قلب مریض مین اپنے (ضرر کے لئے) ایک آگ (رنج کی) مشتعل کردی اور اُسمین اپنے کو سوختہ کیا (یہ بیان ہی ضرر کا کیونکہ بلا وجہ کسی کو ایذا دینا معصیت ہے اسی طرح تم جو محض رائے وقیاس سے عمل کررہے ہو) تم بھی اُس نار جہنم سے ڈرو جسکو تم نے روشن کررکھا ہے اس لیے کہ معاصی مین بڑھتے جاتے ہو (گو اپنی غلطی سے اُسکو طاعت سمجھتے ہو) جس طرح رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صاحب ریا سے فرمایا تھا کہ جاؤ پھر نماز پڑھو تمھاری نماز نہین ہوئی (صحاح مین یہ قصہ ہے کہ اُس نے نماز مین تعدیل ارکان نہ کیا تھا باقی اُسکا ریاکار ہونا کہین منقول نہین بلکہ جاہل اور ناواقف تھا لیکن اصل مطلب اِس زیادہ پر موقوف نہین وہ یہ کہ بعض اوقات اپنے گمان مین ایک عمل کو کامل سمجھا جاتا ہے اور اُسمین نفسانی یا شیطانی ظاہری یا باطنی جو غوائل ہوتے ہین اُس سے وہ عمل ناقص ہو جاتا ہے سو یہ مطلب اس زیادہ پر موقوف نہین بلکہ اگر یہ ثابت ہوتی تو محتاج توجیہ بعیدہ ہوتی کیونکہ ریاکار گمان غلط مین نہین ہوتا جسکا ذکر چلا آتا ہو

از برای چارهٔ این خوفها ۔ آمد اندر هر نمازے اهدنا
کین نمازم را میامیز اے خدا ۔ با نماز ضالین واهل ریا
از قیاسے کو بکرد آن کر چنین ۔ صحبت ده ساله باطل شد بدین
خواجه پندارد که طاعت می کند ۔ بیخبر کز معصیت جان می کند
رو قیاس خویشتن را ترک کن ۔ کز قیاس تو شود زشت کهن
خاصه اے خواجه قیاس حس دون ۔ اندر آن وحیی که هست از حد فزون

گوش حس تو بحرف اردر خورست	دان که گوش غیب گیر تو کرست

(یہ ماقبل پر مرتب ہے یعنی چونکہ طاعات مین معصیت خفیہ کا احتمال ہوتا ہے) ان ہی احتمالات کے تدارک کے لیئے ہر نماز مین دعاء اہدنا الصراط المستقیم کی داخل ہے (جس کے عموم مین یہ مضمون بھی داخل ہے) کہ اے اللہ میری نماز کو (کہ صراط مستقیم کا جزو ہے) ضالین (فاقدان قوت علمیہ) اور اہل ریا کے ساتھ (جو فرد ہی مغضوب علیہم یعنی فاقدان قوت عملیہ کی) شامل مت کیجیو (کیونکہ معصیت کی بھی دو انواع ہین اور دونون کبھی خفی ہوتی ہین اور قیاس محض بطلان عمل سے بچنے مین قابل اعتماد نہین دیکھو اُس بہری کے قیاس کی بدولت دس سال کی ملاقات ضائع ہوگئی (اسی طرح) میان تو سمجھ رہے ہین کہ ہین طاعت کرتا ہون اور اس کی خبر نہین کہ معصیت سے اپنا ضرر کر رہے ہین (اہل اللہ کی خدمت مین) جاؤ اور اپنا قیاس ترک کرو کیونکہ تمھاری قیاس سے تمھارا زخم ناسور بن جاوے گا (یعنی امراض نفسانیہ زیادہ جاگزین ہوجاوینگے) خصوصًا وہ قیاس جو حس کے واسطہ سے ہو جو کہ (مرتبہ مین عقل سے بھی) کم رتبہ ہے اور ایسی وحی کے مقابلہ مین جو حد (ادراک عقول) سے خارج ہے (یعنی اول تو قیاس عقل بھی جسکو اہل معقول قیاس کہتے ہین وحی کے مقابلہ مین قابل اعتبار نہین اور احساس کا مرتبہ تو عقل سے بھی کم ہے تو جو قیاس اس کے واسطہ سے ہوگا جسکو عرف معقول مین استقراء اور تمثیل کہتے ہین اُسکی تو وحی کے مقابلہ مین کیا وقعت ہے) اور اگرچہ تمھارا گوش حس حروف (کی ادراک) کی لیاقت رکھتا ہے مگر اس سے کیا ہوتا ہے کیونکہ وہ جو گوش (باطنی ہے جو کہ) غیب (یعنی وحی) کا ادراک کرنیوالا ہے وہ تو بہرا ہے (اور اسرار وحی کے ادراک کے لیے اُسکی ضرورت ہے پس جب وہ نہین ہے تو اگر اسرار و حکم تک تمھارا قیاس نہ پہونچے تو انکی نفی مت کرو اور بلاچون وچرا اُسپر عامل رہو اور اپنے قیاس ناقص کا اتباع مت کرو اور مقابلہ وحی کی قید مفید اُسکو ہے کہ مطلق قیاس مذموم نہین بلکہ صرف وہ جو بمقابلہ نص کے ہو بخلاف قیاس مجتہدین کے کہ تابع نص کے ہے کہ وہ محمود اور ممدوح ہے)۔

دربیان آنکہ اول کسیکہ درمقابلہ نص قیاس آورد ابلیس علیہ اللعنۃ بود

(اسمین مضمون سابق کی تقریر ظاہر ہے اور یہ ترجمہ ہے قول مشہور اول من قاس ابلیس کا جسکی شرح ابھی گذری ہے)

اول آن کس کین قیاسکہا نمود	پیش انوار خدا ابلیس بود
گفت نار از خاک بیشک بہتر است	من زنار و او ز خاک اکدر است
پس قیاس فرع بر اصلش کنیم	او ز ظلمت ما ز نور روشنیم
گفت حق نے بلکہ لا انساب شد	زہد و تقوے فضل را محراب شد

(یعنی) اول جس شخص نے انوار الٰہیہ (یعنی احکام منصوصہ) کے مقابلہ مین بیہودہ قیاسات چلانا شروع کیئے

وہ ابلیس تھا چنانچہ اسنے کہا کہ خاک سے نار افضل ہے اور مین نار سے پیدا کیا گیا ہون اور آدم علیہ السلام خاک تیرہ سے بنائے گئے ہین پس مناسب ہے کہ فرع کو اصل پر قیاس کیا جاوے سو وہ مادۂ ظلمانی سے بنے ہین (وہ انکی اصل ہوئی) اور مین مادۂ نورانی سے بنا ہون (وہ میری اصل ہوئی اسلیے مین اُن سے افضل ہوا اور اِس قیاس مین غلطی یہہ ہے کہ اسکی صحت موقوف ہے اِس مقدمہ پر کہ علت مسجودیت کی فضیلت باعتبار مادہ کی ہے حالانکہ یہ مقدمہ محض بلا دلیل ہے بلکہ جب نص اُسکے خلاف ہے تو خلاف دلیل ہوئی یعنی مقدمہ مذکورہ باطل بالدلیل ہی حق تعالیٰ کا ارشاد ہوا کہ یہ بات نہین بلکہ (ہمارے نزدیک) نسب کا (بالاستقلال) اعتبار نہین صرف زہد و تقوی فضیلت کا مدار ہی (جیسا ارشاد ہی فلا انساب بینہم اور ارشاد ہے ان اکرمکم عنداللہ اتقاکم پس گو نسب یعنی نسبت الی الجسم النورانی مین تو بڑھا ہوا ہے مگر زہد اور تقوی ان مین زیادہ ہے اسلیے یہ افضل ہین حاصل جواب اس مقدمہ مطویہ متضمنہ قول ابلیس پر منع مع السند ہے اور سند مین علت مسجودیت تبلا دی گئی اور حضرت آدم علیہ السلام کا تقوی و خشیت تو انکے عذر سے ظاہر ہے بخلاف ابلیس کے کہ کیسی بیباکی و شوخی سی گفتگو کی اسی طرح زہد یعنی حب دنیا نہ ہونا کہ توبہ دلیل ہے ترک جاہ کی جو دنیا کی شعب مین بڑا شعبہ ہے بخلاف ابلیس کے کہ جاہ مانع ہوا سجود او رپھر معذرت سے اور جواب مذکور اِس عنوان سے گو کلام الٰہی مین مفصلاً مذکور نہین مگر فما یکون لک ان تتکبر فیہا کی شرح ہو سکتا ہے اس طرح سے کہ تجکو اپنے کو بڑا سمجھنا نہ چاہیئے کیونکہ جس بڑائی پر مدار حکم رکھا گیا ہے یعنی فضیلت زہد و تقوی وہ تجھ مین نہین اور جو تیرے اندر ہے اُسپر مدار نہین رکھا گیا)۔

این نہ میراث جہانِ فانی ست	کہ بانسابش بیابی جانی ست
بلکہ این میراث ہای انبیاست	وارث این جانہای اتقیاست
پور آن بوجہل شد مومن عیان	پور آن نوح نبی از گمرہان
زادۂ خاکی منور شد چو ماہ	زادۂ آتش توئی اے روسیاہ

(یہ مقولہ ہے مولانا کا اور اسمین تائید ہے مضمون سابق لا انساب کی یعنی) یہ فضیلت کوئی میراث دنیوی نہین ہے کہ نسب کے علاقہ سے حاصل ہو جاوی بلکہ یہ روحانی میراث ہے (آگے اسکا بدل ہے یعنی بلکہ) یہ حضرت انبیاء علیہم السلام کی میراث ہے اور اُسکے وارث متقی لوگ ہین دیکھو ابوجہل کے فرزند (حضرت عکرمہؓ) مومن (اور صحابی) ہوئے حضرت نوح علیہ السلام کا فرزند (کنعان) گمراہ ہو (بس اسی طرح) خاک زادہ یعنی حضرت آدم علیہ السلام چاند کی طرح منور ہوئے اور اے سیاہ رو (ابلیس) تو آتش زادہ ہے (مگر تیرہ و تار ہے یہ خطاب ابلیس کو بطور صنعت التفات کے ہے چونکہ ذکر احوال سے ذہن مین مستحضر ہو گیا)۔

این قیاسات و تحری روز ابر	یا بشب مر قبلہ را کردست جبر
لیک با خورشید و کعبہ پیش رو	این قیاسات و تحری را مجو
کعبہ نا دیدہ مکن رو زو متاب	از قیاس اللہ اعلم بالصواب

(بعد اتمام قصہ رجوع ہے طرف مضمون بالا مذمت قیاس معارض نص کے یعنی) یہ قیاسات اور تحری (یعنی انکل) ابر کے روز یا رات کے وقت (جب قبلہ دلیل یقینی سے معلوم نہ ہو) قبلہ کا جابر اور بدیل بن سکتا ہے لیکن آفتاب کے نکلے ہوئے اور کعبہ کے سامنے ہوتے ہوئے تو قیاس اور تحری کی طلب جائز نہین (ایسی حالت مین تو) کعبہ کو آن دیکھا مت سمجھو اور اُس سے محض قیاس کی بناء پر مُنہ مت پھیرو (پس اسی طرح دلیل وحی مثل طلوع آفتاب اور مشاہدہ کعبہ کے ہے پس قیاس کی گنجایش کہان ہے اور اس مثال مین اشارہ صریحہ ہے کہ جب نص ثبوتا یا دلالۃً موجود نہ ہو قیاس مذموم نہین)۔

چون صفیری بشنوی از مرغ حق — ظاہرش را یاد گیری چون سبق
وانگہے از خود قیاساتے کنی — مر خیال محض را ذاتے کنی
اصطلاحاتے ست مر ابدال را — کہ نباشد زان خبر عقال را
منطق الطیرے بصوت آموختی — صد قیاس و صد ہوس افروختی
ہمچو آن رنجور دلہا از تو خست — کر بہ پندار اصابت گشت مست
کاتب آن وحی زان آواز مرغ — بردہ ظنی کہ منم انباز مرغ
مرغ پرے زد مر او را کور کرد — نک فرو بردش بقعر مرگ و درد

(اوپر مذمت تھی قیاس سے نصوص کے مقابلہ کرنے کی اسمین مذمت ہے قیاس سے اولیاء اللہ کی ہمسری کرنیکی یعنی) تمھاری یہ حالت ہے کہ کسی طائر حظیرۂ قدس (یعنی ولی کامل) سے کوئی صفیر (یعنی کوئی تحقیق حکمت) سن لی اور اُسکے الفاظ کو سبق کی طرح یاد کرلیا اور پھر اپنی طرف سے اُسمین بہت سے قیاسات ملالئیے اور اُن قیاسات سے اُن الفاظ کے خیالی اور غلط مدلولات معین کیے اور اُن مدلولات و آثار کو اپنے اندر موجود پایا بس اپنے کو اُن مقامات وکمالات سے جو کہ خیال محض ہے موصوف سمجھنے لگے پس خیالات کو حقائق (کمالات) سمجھ گئے (حالانکہ) اولیاء اللہ کے خاص اصطلاحات ہوتے ہین جنکی اہل عقل کو خبر بھی نہین ہوتی (مراد اصطلاح سے اصطلاح مصطلح نہین ہے کیونکہ اُسکا جان لینا کچھ مشکل ہے نہ کوئی کمال ہے مثل لغات کے کتب فن مین وہ بھی مدون ہین بلکہ وہ حقائق کمالات مراد ہین جن پر وہ الفاظ لغویہ یا اصطلاحیہ دلالت کرتے ہین چونکہ وہ امور ذوقیہ ہین اسلیے اُن کے ادراک حقیقت کے لئیے عقل کافی نہین پس خفاء عن العقل مین اصطلاح سے تشبیہ دیدی مثلاً کسی عارف سے محبت الٰہیہ کو سُنا اُسکا مدلول ایسا میلان قلب قرار دیا جو خود کے اندر بھی ہے بس اپنے کو محبین مین داخل کرلیا حالانکہ اُسکا مدلول ایک خاص کیفیت ہے جو بدون حصول کے مدرک نہین ہوتی جیسے نابالغ لفظ لذت جماع سے شیرینی کی سی لذت مراد لیکر اپنے کو اُس لذت سے متلذذ سمجھنے لگے اسی طرح) تمنے نطق طیور کا لہجہ سیکھ لیا ہے اور اُسمین صدہا قیاس اور صدہا خیالات و گمان پیدا کر رکھے ہین جیسا احقر نے ابھی بیان کیا) اس لیے اُس رنجور کی طرح بہت سے اولیاء اللہ

کے) قلوب ستے کبیدہ ہو رہے ہین (کہ تم حقائق کمالات کو نہین جانتے اور گمان ہے کہ جانتا ہون جیسا وہ سہرا اپنی صحیح الفہمی کے خیال مین مست تھا) اور جس طرح وہ کاتب وحی آواز طائر قدس سے (یعنی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاوت سے) گمان کر بیٹھا کہ مین بھی آپ کا شریک (وحی) ہون طائر قدس نے جو ایک پر مارا تو اُسکو نابینا کر دیا اور ہلاکت اور عقوبت کے قعر مین پہونچا دیا (یعنی آپ کے قلب مبارک کی متاذی و مکدر ہونے سے اُسکا علم و ایمان اُسوقت سلب ہو گیا پس دعوی کمال اشتمال مشیخت سے کہ مستلزم دعوی مساوات کاملین و موجب اضلال خلق ہے اولیاء اللہ کو ناگواری ہوتی ہے اسکے وبال و ضرر سے بچنے کے لیے ترک دعوی واتباع کاملین واجب ہے)۔

ہین بعکسے یا بطنے ہم شما	در میفتید از مقامات سما
گرچہ ہاروتید و ماروت کفزون	از ہمہ بر بام نحن الصافون
بر بدیہاے بدان رحمت کنید	بر منی و خویش بینی کم تنید
ہین مبادا غیرت آید از کمین	سرنگون افتید در قعر زمین

داسمین عود ہے طرف قصۂ ہاروت و ماروت کے اور تتمہ ہے مقولۂ سابقۂ حق تعالیٰ کا عصمتے کہ مر شمار اور تن ست الی آخر البیتین اور اس تتمہ مین لفظ ہم با عتبار اپنے مقولہ یعنی قصص معترضہ کاتب وحی و عیادت اصم کے لے آئے یعنی) تم لوگ محض (میری عصمت کے) عکس یا گنہگارون پر ظن بد کے سبب مقامات سماویہ سے نہ گرجانا تم ہاروت و ماروت ہو اور (اپنی) سب ہمچشمون سے بام نحن الصافون پر افضل ہو (قرآن مجید مین یہ ملائکہ کا قول مذکور ہے یعنی ہم حق تعالیٰ کی رو بر وصف باندھکر کھڑے ہوتے ہین غرض تاہم) بدون کی بدی پر رحم کھانا چاہیئے اور کبر و خود بینی مین نہ اینٹھنا چاہیے دیکھو ایسا نہ ہو کہ غیرت (الہیہ) کمین سے نکل پڑے اور تم قعر زمین مین سرنگون جا پڑو (جیسا حدیث مین ہے لاتظهر الشماتة لاخيك فيرحمه الله ويبتليك یعنی اپنے کسی بھائی مسلمان کی بدحالی پر جنکو ملامت ورنہ اُسپر رحمت ہو جاویگی اور تم اُسی بلا مین مبتلا ہو جاؤگے)۔

ہر دو گفتند اے خدا فرمان تراست	بے امان تو امانے خود کجاست
این ہمی گفتند و دل شان می طپید	بد کجا آید ز ما نعم العبید
خارخار دو فرشتہ می نہشت	تا کہ تخم خویش بینی را نکشت
پس ہمی گفتند کاے ارکانیان	بیخبر از پاکی روحانیان
تا کہ بر گردون تتق ہاے تنیم	بر زمین آئیم و شادروان زنیم
عدل ورزیم و عبادت آوریم	باز ہر شب سوے گردون بر پریم
تا شویم اعجوبۂ دور زمان	تا نہیم اندر زمین امن و امان
آن قیاس حال گردون بر زمین	راست ناید فرق دارد در کمین

(خار خار وسوسہ می نهشت میگذاشت تتق وشادروان بمعنی سراپردہ اسمین جواب ہے دونون فرشتونکا یعنی دونون نے عرض کیا کہ اے اللہ حاکم حقیقی آپ ہی ہین اور اگر آپ امن نہ دین توامن کہان مل سکتا ہے (یعنی ہم مدعی عصمت ذاتیہ نہین ہین) یہ بات گو زبان سے کہتے ہین مگر اُن کے دل مین (اِس مضمون پر سکون وقرار نہ تھا بلکہ) یہ بے چینی تھی کہ ہم تو بہت اچھے بندے ہین ہم سے بدی کہان ہو سکتی ہے غرض اُن دونون فرشتون کے اِس وسوسہ نے اُنکو چھوڑا نہین (یعنی برابر یہی خیال اُنکو گھیرے رہا) جب تک کہ خود بینی کا تخم اُنھون نے بو نہین لیا (اور چونکہ اِس وسوسہ کو اُنھون نے مستحسن سمجھا اسلیے وہ فعل اختیاری ہنگیا) پس (تو خود بینی سے) یون کہتے تھے کہ اے کائنات عنصریہ (یعنی آدمی) جنکو ملائکہ روحانیہ کی تقدس کی کچھ خبر نہین ہم آسمان پر (عبادت کے) شامیانے کھڑے کرتے ہین اب زمین پر اگر شامیانے کھڑے کرینگے یعنی عدل (بین الخلق) اختیار کرینگے اور خوب عبادت کرین گے اور ہر شب کو آسمان کی طرف چلے جایا کرینگے جس سے ہم اعجوبۂ زمان ہو جاوینگے (کہ ہمارے اِس جامعیت پر تعجب ہوا کرے گا) اور زمین مین امن و امان قائم کرینگے (مولانا اِس خیال کی غلطی فرماتے ہین کہ) آسمان و زمین کے حالات کو ایکدوسرے پر قیاس کرنا (کہ جو حالت عبادت وعصمت ہماری آسمان پر ہے وہی زمین پر رہیگی) صحیح نہین ہے باہم بڑا مخفی فرق ہے

دربیان آنکہ حال خود و مستی خود پنہان باید داشت از جاہلان

(یہان سے ایک تفریع ہے مضمون سابق پر یعنی جب ایک مقام کے دوسرے مقام پر قیاس کرنے کا فاسد ہونا معلوم ہو گیا تو اِس سے سمجھنا چاہیے کہ اگر خواص اپنے اسرار و حالات باطنیہ کو عوام کے روبرو ظاہر کرینگے تو ضرور وہ اپنے حالات پر قیاس کرینگے اور چونکہ وہ قیاس فاسد ہوگا اسلیے تمسخر و تکذیب سے پیش آوینگے پس اُنکے روبرو اظہار عبث ہوا بلکہ اُنکو مضرت معصیت تمسخر کی پہونچی اور اہل حال کو تکدر باطن کی مضرت ہوئی اِس لیے قصد اخفاء واجب ہے)۔

بشنو الفاظ حکیم پردۂ	سرہم آنجا نہ کہ بادہ خوردۂ
چونکہ از میخانہ مستی ضال شد	تسخر و بازیچۂ اطفال شد
می فتد او سو بسو در ہر رہے	در گل و می خندش ہر ابلہے
او چنین و کودکان اندر پئیش	بے خبر از مستی و ذوق ملیش
خلق اطفالند جز مست خدا	نیست بالغ جز رہیدہ از ہوا

(یعنی دانائے پردہ دار (اسرار الٰہیہ) کا قول سننا چاہیے (وہ کہتے ہین کہ) جہان شراب پی ہے وہان ہی سر رکھکر پڑ رہے (اور وہان سے باہر جاکر اپنی ہنسی نہ کرائے مراد حکیم سنائی رحمۃ اللہ علیہ ہین اُنکا شعر ہے سہ (بردار راز مقام مستی بے ؛ سر ہمانجا نہ کہ خوردی مئی ؛ کیونکہ جب شراب خانہ

سے کوئی مست حواس باختہ نکلے گا ضرور بازیگاہ اطفال کا بنے گا کہ سڑک پر ہر طرف کیچڑ مین گر گر پڑتا ہے اور ناواقف اُسکو ہنس رہا ہے اُسکی یہ حالت ہے اور لڑکے اُسکے پیچھے پیچھے ہین اور اُسکی مستی و ذوق شراب سے محض بیخبر ہین (اسی طرح حالات باطنی کے ظاہر کرنیوالے کی عوام اور بدذوقون مین مٹی پلید ہوتی ہے جو اہل باطن کے سامنے مثل اطفال کے ہین کیونکہ) بجز مست (عشق) الٰہی کے تمام مخلوق (گویا) اطفال ہین پس بالغ وہی ہے جو ہوائے نفسانی سے چھوٹ گیا ہے (کیونکہ بالغ اور نابالغ مین کمال ونقصان عقل کا تفاوت ہوتا ہے سو وہی تفاوت یہان ہے)۔

گفت دنیا لعب و لہوست و شما — کودکید و راست فرماید خدا
از لعب بیرون نرفتی کودکی — بی ذکات روح کے گردد زکی
چون جماع طفل دان این شہوتے — کہ ہمی رانند اینجا اے فتے
این جماع طفل چہ بود بازیئے — با جماع رستمے و غازیئے
جنگ خلقان ہمچو جنگ کودکان — جملہ بے معنے و بے مغز و مہان
جملہ با شمشیر چوبین جنگ شان — جملہ در لامینبغی آہنگ شان

(تشبیہ بالاطفال مذکور بالا کی تائید ہے یعنی) حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ دنیا لہو و لعب ہے اور (اس سے لازم آیا کہ) تم اطفال ہو (چنانچہ ارشاد ہے اعلموا انما الحیوۃ الدنیا لعب ولہو) اور حق تعالےٰ نے سچ فرمایا ہے ابھی تم لہو و لعب سے (کہ دنیا کے مشاغل لایعنی ہین) نہین نکلے ہو اس لیے طفل محض ہو اور جب تک (ان مشاغل فضولی و معصیت کو ترک کرکے) روح کا تزکیہ نہ کروگے کب پاک ہو سکتے ہو (آگے طالبان دنیا کے جمیع امور کا جو منحصر ہین تین امر مین شہوت و غضب و علم مثل اطفال کی عبث ہونا بیان فرماتے ہین سو اول شہوت کا بیان ہے کہ) اہل دنیا جو یہان شہوات و مرغوبات سے کامرانی کر رہے ہین اُسکی ایسی مثال سمجھو جیسے نابالغ کا جماع سو نابالغ کا جماع رستم و غازی کے جماع کے مقابلہ مین بجز ایک کھیل کے اور کیا ہے (یعنی بے سود محض چنانچہ شہوات دنیا کا بے ثمر ہونا ظاہر ہے یہ تو انکی شہوت ہوئی رہا غضب سو) خلائق کی جنگ بھی مثل جنگ اطفال محض بے معنی اور بے مغز اور بیقدر ہے (گویا) شمشیر چوبین سے جنگ ہو رہی ہے اور محض نامنزا اغراض مین سب کا قصد متوجہ ہو رہا ہے (چنانچہ یہان کی جنگ و جدال کا بے نتیجہ ہونا بھی ظاہر ہے آگے بیان ہے انکی قوت علمیہ و فکریہ کا بدلیل تغیر لفظ واقع در شعر جملہ الخ بوہم و حس در شعر وہم و حس الخ)۔

جملہ شان گشتہ سوارہ بر نئے — کاین براق ماست یا دلدل پئے
حامل اند و خود ز جہل افراشتہ — راکب و محمول رہ پنداشتہ
باش تا روزے کہ محمولان حق — اسپ تازان بگذرند از نہ طبق

یعرج الروح الیہ والملک	من عروج الروح یہتز الفلک
ہمچو طفلان جملہ تان دامن سوار	گوشۂ دامن گرفتہ اسپ وار
از حق ان الظن لا یغنی رسید	مرکب ظن بر فلکہا کے دوید
اغلب الظنین فی ترجیح ذا	لا تمارا الشمس فی توضیحہا
آفتاب حق چو گردد مستوی	در قیامت بر رشید و بر غوی
آنگہی بینید مرکبہاے خویش	مرکبے سازیدہ اند از پاے خویش
وہم و حس و فکر و ادراک شما	ہمچو نے دان مرکب کودک ہلا

(حق امر واقعی اسمین تشبیہ ہے علوم طالبان دنیا کی خواہ وہ امور معاشیہ کے متعلق ہو جیسے زراعت و تجارت وصنعت خواہ محض امور نظریہ ہون جیسے منطق فلسفہ خواہ وہ بلا اخلاص نیت کے فنون دینیہ کے متعلق ہو سکو تشبیہ دی ہے بانس کے ساتھ جسکو لڑکے مرکب بنلاتے ہین اور واقع مین خود اُس کے مرکب ہوتے ہین اسی طرح مقصود علم سے یہ ہے کہ صاحب علم کو کشش کر کے اللہ تعالیٰ تک پہونچا دے مگر ان لوگون کے علوم مذکورہ اُنکو کشش نہین کر سکتے بلکہ یہ لوگ خود اُسکو گھسیٹتے ہوئے اور اپنے اوپر اُسکا بار لادے ہوئے پھر رہے ہین بار اُسکا ظاہر ہے کہ اُسمین قوت فکریہ بے انتہا صرف کرتے ہین اور حاصل کچھ نہین بخلاف علوم وہبیہ کے یا اُن علوم مکتسبہ دینیہ کے جن مین خلوص ہو کہ اُن مین نہ اتنا تعب اور پھر اُنکا ثمرہ قرب اور نجات اور ایصال الی اللہ اس لیے وہ مشابہ ہے مرکب حقیقی کے کہ راکب کو مقصود تک بلا تعب پہونچا دیتا ہے یہ حاصل ہے اِن اشعار کا مع اشعار ما بعد کے اب ترجمہ کو منطبق کرتے جاؤ یعنی) یہ طالبان دنیا (اپنے علوم غیر موصلہ الی اللہ مین ایسے ہین گویا) سب کے سب ایک بانس پر سوار ہو رہے ہین کہ یہ ہمارا بُراق یا دُلدل قدم ہے اُن (علوم) کے خود حامل ہو رہے ہین اور اپنے کو جہل سے بلند راکب اور محمول سمجھے ہوئے ہین ذرا وہ دن آنے دو کہ (جو سچ مچ) محمولان حق ہین (کہ اللہ تعالیٰ نے اُنکو علوم موصلہ عطا فرمائے ہین) وہ اپنے گھوڑے دوڑاتے ہوئے نُہ طبق (یعنی ہفت آسمان اور کرسی و عرش) سے آگے بڑھ جاوینگے (یعنی علوم مذکورہ کے برکات و انوار سے اُن کے درجات بلند ہونگے اور ظاہر ہے کہ رفعت قبول عند اللہ رفعت جسمانی سے جو نُہ طبق کو حاصل ہے افضل و اکمل ہے) اُسدن مین ارواح اور ملائکہ حق تعالیٰ کی طرف عروج کرینگے جیسا قرآن مجید مین ہے تعرج الملئکۃ والروح الیہ فی یوم کان مقدارہ خمسین الف سنۃ اور ارواح (طیبہ) کے عروج سے عرش (خوشی کے مارے) جنبش کرنے لگے گا (جیسا حدیث مین ہے کہ جب حضرت سعد بن معاذ رضہ کا انتقال ہوا تو عرش ہلنے لگا مراد اِس دن سے یوم قیامت ہے یعنی اُس روز تمہارے گمان کی غلطی کہ حامل ہو کر اپنے کو محمول سمجھے ہو معلوم ہو جاویگی) غرض تم لوگ لڑکونکی طرح اپنے دامن پر سوار ہوئے ہو اور گھوڑے کی طرح دامن کا گوشہ پکڑ رکھا ہے (اِس تشبیہ کا بھی حاصل مثل تشبیہ اول کے ہے

اب آگے علوم غیر موصلہ کا ناکافی ہونا ثابت کرتے ہیں کہ حق تعالیٰ کی طرف سے آیۂ ان الظن لا یغنی من الحق شیئاً آچکی ہے (جس سے ثابت ہوا کہ) مرکب (اون) علوم ظنیہ کا (جن پر کوئی دلیل صحیح قائم نہ ہو) فلک پر نہیں دوڑتا (یعنی مقامات عالیہ قرب و قبول تک نہیں پہنچا سکتا اور عدم قیام دلیل صحیح کی قید اسلئے لگائی گئی کہ مراد ظن سے آیۂ مذکورہ میں ایسا ہی ظن ہے بدلیل سابق کے ان یتبعون الا الظن اور ظاہر ہے کہ کفار ایسے ہی ظنون کا اتباع کیا کرتے تھے اور ہر چند علوم شرعیہ جو بلا اخلاص نیت ہوں بالمعنی المذکور علوم ظنیہ میں داخل نہیں مگر چونکہ بوجہ فقدان خلوص کے یہ علوم اُس شخص کے حق میں موجب شفائے قلب و شرح صدر و موجب طمانینت نہیں ہوئے اس لیے حکماً وہ بھی اسمیں داخل اور عدم ایصال الی اللہ میں اسکے مشابہ ہوگئی اب ان ظنیات سے علوم مورثہ طمانینت موصلہ الی اللہ کی ساتھ معارضہ کرنے کو روکتے ہیں کہ) اغلب ظنین کا اثر صرف ایک شق کی ترجیح میں ہوتا ہے (نہ کہ افادۂ طمانینت میں پس اُس سے) آفتاب (یعنی علم طمانینت بخش) کا مقابلہ مت کر کیونکہ وہ (حقائق کی) کامل توضیح کر رہا ہے (جیسا آفتاب اشیاء مبصرہ کو خوب واضح کر دیتا ہے آگے تبلاتے ہیں کہ گو شیفتگان علوم ظلمانیہ کو یہاں اپنے علوم کا ضعیف و بے قدر ہونا معلوم نہیں ہوتا مگر) جب قیامت کے روز تمام رشد و غوی پر امور واقعیہ آفتاب کی طرح جبکہ وہ سمت الراس پر ہو منکشف ہو جاوینگے اُسوقت یہ لوگ اپنے مرکب (علوم) کو دیکھیں گے کہ یہ تو ہمنے اپنے پاؤں کو مرکب بنا رکھا تھا (یعنی خود اُسکے حامل تھے محمول نہ تھے جسکی شرح گذر چکی ہے) غرض تمہارے علوم وہمیہ و حسیہ و فکریہ اور خود تمہارا ادراک ایسے ہیں جیسے بانس اطفال کا مرکب ہوتا ہے۔

علمہائے اہل دل حمال شان	علمہائے اہل تن حمال شان
علم چون بر دل زند یارے شود	علم چون بر تن زند بارے شود
گفت ایزد یحمل اسفارہ	بار باشد علم کان نبود زہو
علم کان نبود ز ہو بے واسطہ	آن نپاید ہمچو رنگ ماشطہ
لیک چون این بار را نیکو کشی	بار برگیرند و بخشندت خوشی
ہین مکش بہر ہوا این بار علم	تا شوی راکب تو بر رہوار علم
ہین مکش بہر خدا این بار علم	تا ببینی اندرون انبار علم
چونکہ بر رہوار علم آئی سوار	بعد از ان افتد ترا از دوش بار

(اوپر جو مضمون ضمن تشبیہ میں مذکور ہوا ہے یعنی علم رسمی کا محمول اور علم قلبی کا حامل ہونا یہاں اُسکی تصریح ہے یعنی) اہل دل کے علوم تو اُنکے حمال ہیں اور اہل تن پر درون کے علوم اُن کے احمال (یعنی بار ہیں پس علم کا جب قلب پر اثر ہوگا (کہ خشیت و خلوص پیدا ہو جاوے) تو وہ (وصول الی اللہ میں) معین ہوگا اور اگر تن پر اثر ہوا (یعنی صرف زبان پر تقریر ہی یا یہ کہ اُسکو تن پروری کا ذریعہ بنایا) تو ترا بوجھ ادر

وبال) ہوگا (اور یہی معنی ہیں حامل محمول ہونیکے جیسا اوپر شرح گذرا) چنانچہ حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہو کمثل الحمار یحمل اسفارا (یعنی یہود جو عالم بے عمل تھے ایسے ہیں جیسا گدھا کہ کتابوں کا بوجھ لادتا ہے اور کچھ اُس سے منتفع نہیں ہوسکتا) اور جو علم حق تعالیٰ کی طرف سے نہ ہو وہ پایہی ہے یعنی جو علم اودھر سے بلا واسطہ نہو اُسکو ثبات نہیں ہوتا جیسا مشاطہ کا لگایا ہوا روغن کہ اُس وقت تو چمک دمک نظر آتی ہے بعد چندے زائل ہو جاتا ہے اسی طرح ایسے علم کا اثر قلب میں نہیں رہتا اور اسی عدم انتفاع کی وجہ سے بار کہا گیا اور اس شعر میں مراد علم سے معلومات نہیں کیونکہ اُن میں تو حضرات انبیاء علیہم السلام تک کو واسطہ سے حصول ہوتا ہے چنانچہ وحی میں ملائکہ واسطہ ہوتے ہیں بلکہ مراد ایک نور ہے جو معلومات پر بخلوص عمل کرنے سے قلب میں آتا ہے وہ موہوب محض ہوتا ہے اگرچہ اس موہوب کے لئے علم مکسوب شرط عادی ہے جیسے مقامات سلوک مکاسب ہیں پھر اُن پر احوال جو مواہب ہیں مرتب ہو جاتے ہیں پس مقصود تنفیر مکسوب سے نہیں ہے بلکہ موہوب کی ترغیب اور مکسوب پر قناعت نہ کرنیکی تحریص ہے کیونکہ جب تک یہ نور نہیں آتا اگر علم مکسوب سے کچھ قلب پر اثر خوف یا محبت کا آیا بھی بہت جلد زائل ہو جاتا ہے آگے اس علم مکسوب کے نافع ہونیکی شرط بتلاتے ہیں یعنی ہر چند کہ علم مکسوب پر اکتفا نہ چاہئے لیکن (اسکو عبث نہ سمجھ جانا کیونکہ) اگر اس بار کو اچھی طرح برداشت کرو (یعنی تحصیل علم میں نیت خالص رکھو اور اسپر عمل کرتے رہو) تو تمہارا بوجھ اُتار دیا جاوے گا (یعنی وہ علم تمہارا محمول نرہے گا) اور تمکو خوشی دی جاویگی (یعنی اُسکو تمہارا حامل بنا دیا جاوے گا آگے نیکو کش کی تفسیر ہے یعنی) خبردار رہو ہوائے نفسانی کی تحصیل کی غرض سے اس بار علم کو مت اُٹھانا تاکہ تم رہوار علم پر سوار ہو جاؤ بلکہ اُسکو خدا کی (رضا کے) لیے برداشت کرنا تاکہ اپنے قلب میں ڈھیروں علم دیکھو جب تم رہوار علم پر سوار ہو جاؤ گے تو سارے بار سے سبکدوش ہو جاؤ گے (یعنی حامل نہ ہوگے محمول بن جاؤ گے)۔

از ہوا ہا کے رہی بے جام ہو	اے زہو قانع شدہ با نام ہو
از صفت وز نام چہ زاید خیال	وان خیالش ہست دلال وصال
دیدۂ دلال بے مدلول ہیچ	تا نباشد جادہ نبود غول ہیچ
ہیچ نامے بے حقیقت دیدۂ	یا ز گاف ولام گل گل چیدۂ
اسم خواندی رو مسمی را بجو	مہ ببالا دان نہ اندر آب جو

(اوپر کے اشعار میں علم مکسوب کے وسیلہ وصول الی اللہ ہو جانے کا طریقہ ترک ہوا اور ابتغاء رضا بتلایا ہے اب اُسکی شرح فرماتے ہیں کہ) ہوائے نفسانی سے بدون جام (محبت) حق نجات نہیں ہوتی اور تم صرف نام حق پر قناعت کئے ہوئے ہو (یعنی صرف ذکر و طاعت ظاہری تصفیہ و وصول کے لیے کافی نہیں جبتک محبت نہ ہو لیکن اس سے ذکر زبانی و طاعت ظاہری کو عبث مت سمجھ لینا کیونکہ قناعت کی شکایت کی گئی ہے نہ ذکر کی ورنہ خود طریقہ محبت یہی ذکر ہے اس طرح سے کہ) صفت اور اسم (کے ذکر سے (جب بقصد اثر

باطنی کیا جاوے) قصور اور خیال (مذکور مسمیٰ موصوف کا) پیدا ہوتا ہے اور پھر وہ تصور بہر وصال بن جاتا ہے (اسطرح کہ شدہ شدہ وہ تصور غالب ہوتا جاتا ہے اور دوسرے تصورات کم ہوتے جاتے ہیں اور تصورات کی کمی سے تعلقات گھٹتے جاتے ہیں اور سب سے فصل ہوجانا یہی وصل ہے آگے خیال کے دلائل وصال ہونیکی توضیح ہے یعنی) تمنے کوئی دال دیکھا ہے جسکا مدلول نہ ہو جسطرح بدون جادہ کے غول نہیں ہوتا (تشبیہ محض استلزام میں ہے یعنی جس طرح وجود غول مستلزم وجود جادہ کو ہے کہ غول کو دیکھکر معلوم ہوجاتا ہے کہ ضرور یہان رستہ ہے ورنہ یہ بہکانے نہ آتا اسیطرح وجود دال مستلزم مدلول کو ہے آگے بھی اسی کی توضیح ہے کہ) کبھی کوئی اسم بلا مسمیٰ کے دیکھا ہے (خواہ وہ مسمیٰ موجود خارجی ہو یا ذہنی ہو اسی طرح نام وخیال حق کا کوئی مدلول ضرور ہوگا اور دلائل سے اسکا موجود واقعی ہونا ثابت ہے پس دال سے مدلول کیطرف ضرور انتقال ہوگا پھر اُس سے تعلق ہوجاویگا اور یہی وصول ہے پس ذکر ربانی میں یہ نفع ہوا لیکن اسپر قناعت نکرنا چاہیے اسلیے دوسرے مصرعہ میں ماقبل پر عطف ہے دیدی کے طور پر سوال ہے کہ) یا کبھی لفظ گل کے حروف سے واقعی گل حاصل کرسکے ہو (اسی طرح صرف الفاظ واسماء پر قناعت کرنے سے وصول الی الحقیقت نہیں ہوسکتا پس حاصل شعر کا یہ ہوا کہ نہ ذکر عبث ہے للشق الاول من السوال اور نہ کافی ہے للشق الثانی منہ اسلیے آگے تصریحاً فرماتے ہین کہ) نام تو لے چکے اب مسمیٰ کو ڈھونڈو کیونکہ چاند اوپر ہوتا ہے ندی کے اندر نہیں ہوتا (گو ظل اور اثر ہو)۔

گر ز نام و حرف خواہی بگذری	پاک کن خود را ز خود ہین یکسری
ہمچو آہن ز آہنی بیرنگ شو	در ریاضت آئینہ بے زنگ شو
خویش را صافی کن از اوصافِ خود	تا ببینی ذات پاک صاف خود
بینی اندر دل علوم انبیا	بے کتاب و بے معید و اوستا
گفت پیغمبر کہ ہست از امتم	کہ بود ہم گوہر و ہم ہمتم
مر مرا زان نور بیند جان شان	کہ من ایشان را ہمی بینم بدان
بے صحیحین و احادیث و رواۃ	بلکہ اندر مشرب آب حیات
سر امسینا لکردیا بدان	راز اصبحنا عرابیا بخوان
سر امسینا و اصبحنا ترا	می رساند جانب راہ خدا
ور مثالے خواہی از علم نہان	قصہ گو از رومیان و چینیان

(اوپر فرمایا ہے اسم خواہی رو مسمیٰ را بجو یہان اُسکا طریق بتلاتے ہین یعنی) اگر نام اور حرف (یعنی ذکر لسانی) سے (مسمیٰ کیطرف) بڑھنا چاہتے ہو تو اپنے کو اپنی ہستی سے بالکل پاک کرلو (یعنی اپنے اوصاف ذمیمہ سے اور اپنی طرف التفات سے بھی جسکو فنا کہتے ہین) اور لوہے کی طرح آہن ہونے کی صفت سے بے زنگ ہوجاؤ اور ریاضت کرکے آئینہ بے زنگ ہوجاؤ (پس جس طرح آہن مین صیقل سے اسکی

صفت ظلمت نہیں رہتی اور اسمین انعکاس صور ہونے لگتا ہی اسیطرح ریاضت و فنا سے تم مین تجلی حقیقت ہونے لگے گی یہی حصول ہی مسمی کا) پس اپنے آپ کو اپنے اوصاف (خودی) سے صاف کرلو تاکہ تم اپنی ذات کو اس حالت پر پاؤ کہ باطن مین بلاواسطہ کتاب اور تکرار کرانیوالے ہم سبق اور استاد کے علوم نبوت موجود ہون (پھر ان مین علوم حالیہ ہین وہ تو بعد صفاء باطن بیٔنہ نبوت سے اکثر بلا اکتساب فائض ہوتے ہین اور احیانًا علوم مکتسبہ منقولہ بھی بطور خرق عادت حاصل ہوجاتے ہین) چنانچہ پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ میری امت مین بعض ایسے لوگ ہونگے جو میرے ساتھ جوہر علم اور ہمت عمل مین مناسبت رکھتے ہون گے اور انکی روح مجکو اس نور سے مشاہدہ کریگی جس نور سے مین اُنکو دیکھتا ہون (یعنی جسطرح مین اوصاف ولایت کا اپنے نور باطن سے مشاہدہ کرتا ہون وہ میرے اوصاف وکمالات نبوت کا اپنے نور باطن سے مشاہدہ کرینگے چنانچہ اہل باطن کو آپکے نبوت وکمالات کا علم یقینی تحقیقی بطور شرح صدر کے حاصل ہوتا ہی) اس مشاہدہ مین صحیحین کا واسطہ ہوگا نہ احادیث کا نہ راویون کا بلکہ محض مشرب عشق مین جو کہ (بقاء ابدی بخشنے مین) مشابہ آب حیات کے ہی یہ مشاہدہ ہوگا (یعنے میری معرفت (ذوقیہ مین محض محبت اُنکے لیے کافی ہوگی اس مین دلائل نقلیہ کے محتاج نہونگے کیونکہ نقلیات ذوق کے لیے کافی نہین اور یہ لازم نہین آتا کہ احکام مین بھی دلائل کے محتاج نہون گے یہ مضمون روایت بالمعنی ہی اس حدیث کی سیکون فی امتی رجال محدثون الے ملہمون اور اگر بلاواسطہ اکتساب کے علوم حاصل ہوجانے کا واقعہ دریافت کرنا چاہو تو) امسیت کردیا واصبحت عربیا کا راز جان لو اس راز کا جاننا تمکو راہ خدا کی طرف لیجاویگا دکیا انکو سنکر تمکو بھی ترغیب ہوگی وہ قصہ یہ ہی کہ کوئی شخص ابوالوفا نام قوم کردسے چوپانی کرتے تھے کہین بسم اللہ لکھی ہوئی پڑی تھی اسکو پاک صاف کرکے ادب سے اونچی جگہ رکھدیا اللہ تعالی کی رحمت متوجہ ہوئی شب کو بلاواسطہ کتاب اور تکرار کرانیوالے ہم سبق اور استاد کے تمام علوم کھل گئے اور زبان بھی عربی ہوگئی صبح کو منبر پر بیٹھکر اول وعظ مین ارشاد فرمایا الحمد للہ الذی امسیت کردیا واصبحت بہ عربیا یعنی شام کو مین کردی تھا اور صبح کو عربی بنگیا اور بعض نے کہا ہے کہ بعض طالب علمون کو گفتگو کرتے دیکھکر تمنا کی کہ مین بھی ایسا ہی عالم ہوتا انھون نے تمسخر سے وہ مہمل لفظ زیر عصفرہ تبلاکر کہا کہ اگر کوئی تمام شب اولٹا لٹک کر صبح تک انکو پڑھے وہ عالم ہوجاوے ان بیچارہ نے سادگی سے صدق کے ساتھ ایسا ہی کیا صبح کو علوم اُن پر فائض ہوے متبحر عالم اور ولی کامل ہوگئے بہرحال یہ واقعہ خرق عادت ہے جو احیانًا واقع ہوجاتا ہی باقی فیضان عادی جن علوم کا ہوتا ہی وہ علوم حالیہ ہین جیسا اوپر گذرا) اور اگر علم باطن کے حاصل ہونے کی کوئی مثال چاہتے ہو تو اہل روم اور اہل چین کا قصہ پڑھ لو جسکو آگے بیان کرینگے کہ اہل روم نے نقوش نہین بنائے محض صیقل کیا سب نقوش اس مین منعکس ہوگئے اسیطرح یہ حضرات قلب کو صیقل کرتے ہین علوم و معارف جو قلب کے محاذاۃ مین ہین منعکس ہوجاتے ہین اور دوسرے قلوب کو بھی محاذاۃ ہوتی ہی مگر قابلیت وصفاء نہ ہونا حاجب و مانع ہوجاتا ہے)

قصہ مری کردن رومیان و چینیان در صنعت نقاشی

چینیان گفتند ما نقاش تر ۔۔۔ رومیان گفتند ما را کر و فر
گفت سلطان امتحان خواہم درین ۔۔۔ کز شما خود کیست در دعویٰ گزین
اہل چین و روم چون حاضر شدند ۔۔۔ رومیان در علم واقف تر بدند
چینیان گفتند خدمتہا کنیم ۔۔۔ رومیان گفتند ما حکمت تنیم
چینیان گفتند یک خانہ بما ۔۔۔ خاص بسپارید و یک آنِ شما
بود دو خانہ مقابل دربدر ۔۔۔ زان یکے چینی ستد رومی دگر
چینیان صد رنگ از شہ خواستند ۔۔۔ پس خزینہ باز کرد آن ارجمند
ہر صباحے از خزینہ رنگہا ۔۔۔ چینیان را راتبہ بود و عطا
رومیان گفتند نے نقش و نہ رنگ ۔۔۔ در خور آید کار را جز دفع زنگ
در فرو بستند و صیقل مے زدند ۔۔۔ ہمچو گردون سادہ و صافی شدند

(ربط اس کا سرخی سے اوپر بیان ہو چکا ہے یعنی کسی بادشاہ کے روبرو) چینیون نے کہا ہم زیادہ نقاش ہین رومیون نے کہا ہمارا کمال بڑھا ہوا ہے بادشاہ نے کہا ہم امتحان لینا چاہتے ہین کہ تم مین سے کون اپنے دعوے مین ترجیح رکھتا ہے پس دونون طرف کے آدمی حاضر ہوئے اور واقع مین اس علم مین رومی زیادہ واقف تھے چینی بولے ہم خوب محنت کرینگے رومی بولے ہم خوب کاریگری دکھلائین گے چینیون نے (رومیون سے) کہا کہ اچھا ایک گھر خاص ہمکو دیدو اور ایک تمھارا رہا غرض دو گھر آمنے سامنے تھے ایک چینیون نے لیا دوسرا رومیون نے لیلیا چینیون نے بادشاہ سے طرح طرح کے رنگون کی درخواست کی اُسنے خزانہ کھولدیا اور روزانہ صبح کے وقت خزانہ سے چینیون کے پاس رنگون کا بھیجا جانا ایک دائمی معمول ہوگیا اور رومیون نے (باہم) صلاح کی کہ بجز دفع زنگ کے کوئی نقش و رنگ کارآمد نہ ہوگا پس دروازہ بند کرکے اُنھون نے صیقل کرنا شروع کیا جس سے (گھر کی) در و دیوار و سقف آسمان کی طرح صاف شفاف ہوگئی۔

از دو صد رنگی بہ بیرنگی رہیست ۔۔۔ رنگ چون ابرست و بیرنگی مہیست
ہرچہ اندر ابر ضو بینی و تاب ۔۔۔ آن ز اختردان و ماہ و آفتاب

(چینیون کے رنگ اور رومیون کی بے رنگی لغوی سے بطور جملۂ معترضہ انتقال ہے طرف بیان رنگ و بیرنگی اصطلاحی یعنی وحدۃ و کثرت کے مع تفصیل بے رنگی کے یعنی) بہت سے مختلف رنگ سے (یعنی کثرت سے) بیرنگی (یعنی وحدۃ) کی طرف راہ (استدلال و معرفت) ہے (کیونکہ مصنوع سے صانع کی معرفت ہوتی ہے) رنگ کی مثال ابر کی سی اور بے رنگی کی مثال چاند کی سی (اور وجہ تشبیہ یہ ہے کہ) ابر مین جو کچھ روشنی اور چمک

دیکھتے ہو اُسکو کیا ور ماہ و آفتاب کی طرف سے سمجھو (اسی طرح عالم امکان و کثرت مین جو کچھ کمالات ہین سب مستفاد ہین فیض واحد حق سے تعالےٰ شانہٗ عجب نہین کہ مقصود اس مضمون سے ترغیب ہو ترک اشتغال بماسوی اللہ کی)

چینیان چون از عمل فارغ شدند	از پے شادی دہل ہامی زدند
شہ در آمد دید آنجا نقشہا	می ربود آن عقل را و فہم را
بعد از ان آمد بسوے رومیان	پردہ را بالا کشیدند از میان
عکس آن تصویر و آن کردارہا	زد برین صافی شدہ دیوارہا
ہرچہ آنجا دید اینجا بہ نمود	دیدہ را از دیدہ خانہ مے ربود

(پھر عود ہی قصہ کی طرف یعنی) جب چینی لوگ اپنے کام سے فارغ ہوے تو خوشی کے مارے شادیانے بجا رہے تھے بادشاہ (حسب درخواست) آیا اور نقش و نگار کا ملاحظہ کیا جس سے عقل و فہم دنگ ہوئی جاتی تھی اسکے بعد رومیون کی طرف آیا انھون نے درمیان کا پردہ اُٹھا دیا پس (چینیون کے) اُن تمام نقوش و صنائع کا عکس ان صیقل زدہ دیوارون پر منعکس ہو گیا اور جو کچھ وہان دیکھا تھا وہ سب یہان زیادہ مستحسن معلوم ہوا (کیونکہ یہان شفافی زیادہ تھی) کہ اسکے دیکھنے سے گویا آنکھین اپنی جگہ سے (شدت اشتیاق سے) نکلی جاتی تھین۔

رومیان آن صوفیانند اے پسر	بے ز تکرار و کتاب و بے ہنر
لیک صیقل کردہ اند آن سینہا	پاک ز آز و حرص و بخل و کینہا
آن صفاے آئنہ وصف دل ست	صورت بے منتہا را قابل ست
صورت بے صورت بے حد و غیب	ز آئنۂ دل تافت بر موسیٰ ز جیب
گرچہ آں صورت نگنجد در فلک	نے بعرش و فرش و دریا و سمک
زانکہ محدود ست و معدود ست آن	آئنۂ دل را نباشد حد بدان
عقل اینجا ساکت آید یا مضل	زانکہ دل یا اوست یا خود اوست دل
عکس ہر نقشے نتابد تا ابد	جز ز دل ہم با عدد ہم بے عدد
تا ابد ہر نقش نو کاید برو	مے نماید بے حجابے اندرو

(مقصود قصہ کا بیان ہے کہ صوفیۂ کرام کی مثال اُن رومیون کی سی ہے کہ تکرار اور کتاب اور تحصیل سے عاری ہین جسمین نقوش و مضامین کا اشتغال ذہن مین ہوتا ہے لیکن سینہ کو (ریاضت سے) صیقل کر لیا ہے (وہ صیقل یہی ہے کہ) آز و حرص و بخل و کینہ سے پاک کر لیا ہے (اور یہی چیزین موانع ہین فیضان انوار و اسرار غیبیہ سے جب انکا ازالہ ہو گیا تو) مثل آئینہ کے صفائی قلب کی صفت ہو گئی (اور جب قلب موصوف

بہ صفائی ہو گیا تو) علوم غیر متناہیہ کے حصول صلوت کی اس مین قابلیت ہو گئی (اسی کو شعر ماقبل سرخی مین علم نہان فرمایا ہی اور اسکا غیر متناہی ہونا باعتبار واقع کے بمعنے غیر متناہی بالفعل کے ہی اور باعتبار حصول ذہنی کے بمعنے لاتقف عند حد ہی اور چونکہ بجز ذات وصفات نفس کے سب اشیاء کا علم حصولی ہوتا ہی اور اس حاصل کو صورت کہتے ہین اسلیے صلوت بے منتہا سے تعبیر فرما دیا) اور اسی (علم) بے صلوت و بجد و بے عیب کی صلوت (ذہنیہ) تھی جسنے موسی علیہ السلام پر (وقت کلام الٰہی کے) انکے گریبان سے یعنے انکے آئینہ قلب سے (جو ظاہر اگریبان سے مجاورت رکھتا ہی) طلوع کیا تھا (یعنے یہی علم لدنی وہبی تھا جو بپیرایہ کلام مین آپکے قلب پر منکشف ہوا اور اس علم کو صلوت و بجد یعنے بے منتہا کہنے کی وجہ تو ابھی بیان ہو چکی اور بے صورت مین صورت کی نفی باعتبار معنی متعارف صورت کے ہی سو اس کا منتفی ہونا علم سے ظاہر ہی اور بے عیب کہنے مین کوئی تردد ہی نہین اگرچہ وہ صلوت (علمیہ) افلاک مین بھی نہین سما سکتی نہ عرش مین نہ زمین مین نہ دریا اور ماہیان یعنی مخلوقات دریا مین (لیکن قلب مین سما گئی) وجہ یہ کہ یہ سب اشیاء محدود اور معدود ہین (یعنی اگرچہ اجسام متصل واحد ہین جیسا حکماء کہتے ہین تو کم متصل و مقدار مین متناہی ہین اور اگر اجزاء لایتجزی سے مرکب ہین تو وہ اجزاء کم منفصل اور عدد مین متناہی ہین) بخلاف آئینہ دل کے کہ اسکی کوئی حد ہی نہین (کیونکہ وہ جسم نہین جو متصل یا مرکب ہو بلکہ عالم امر سے ہی جو حد و ترکیب سے منزہ ہی حاصل دلیل یہ ہوا کہ ان علوم کے لیے تجرد عن المادہ شرط ہے اسلیے قلب قابل ہی نہ یہ اجسام عظام) اور اس مقام مین (کہ صفاء قلب کے بعد اس مین اقسام علوم وہبیہ کا ہونے لگتا ہی) عقل (متوسط) یا تو ساکت (وحیرت زدہ) رہ جاتی ہی اور یا اگر کچھ اسکے متعلق اثباتا یا نفیا بیان کرتی ہی تو بوجہ غلط فہمی و غلط بیانی کے) دوسرون کو بھی غلطی مین مبتلا کر دیتی ہی اور سبب اسکا یہ (تردد) ہوتا ہی کہ قلب کو اس صورت (علمیہ) کے ساتھ اقتران ہی (جیسا علم حصولی مین ہوتا ہی) یا قلب اسکا عین ہی (جیسا علم حضوری مین ہوتا ہی کہ عالم عین علم و مبداء انکشاف و عین معلوم ہوتا ہی اور ان مین تغائر اعتباری بھی نہین ہوتا خلاصہ تقریر کا یہ ہی کہ عقل متوسط انکشاف معلومات کے دو طریقے جانتی ہی ایک حصولی مکتسب دوسرا حضوری اس لیے وہ علم وہبی کے انکشاف کو اسی مین داخل کرکے تامل کرتی ہی کہ کونسی قسم ہی حالانکہ وہ نہ حضوری ہی کیونکہ وہ ذات وصفات نفس کے ساتھ خاص ہی نہ حصولی مکتسب ہے کیونکہ موہوب ہے اور اسکے حصول کی کیفیت محض ذوقی ہی جسکو عقل متوسط ادراک نہین کر سکتی اور ظاہر ہے کہ ادراک نہ کرنے کے بعد تین حالتین ہوتی ہین یا حیرت یا انکار یا بلا دلیل کوئی کیفیت متعین کرکے اثبات اول کو سکوت کہا ثانی ثالث کو اضلال) اور بجز قلب (مذکور) کے کوئی قوۃ (مدرکہ) ایسی نہین جسمین تمام نقوش (وصور علمیہ) کا ابدالآباد تک انعکاس ہوتا رہے (گو حاصل بالفعل ہر حال مین متناہی ہوگا) خواہ وہ نقوش باعدد ہون (جیسے ممکنات کہ متناہی العدد ہین) اور خواہ بے عدد ہون (جیسے کمالات حق تعالی کہ خارج از حصر عدد ہین جیسے اوپر تقریر کی ہے کہ معلومات غیر متناہیہ بمعنے لاتقف عند حد کی قابلیت کے لیے

ادراک کا تجرد شرط ہی) بس یہی قلب ہے جسپر جو نقش (صورت علمیہ) جدید (جو اسکے قبل حاصل نہین ہوا) وارد ہوتا ہی بلا حجاب آسمین حاصل ہوجاتا ہی (کیونکہ موانع وحجب کہ ظلمت وکدورت رذائل والتفات الی ماسوی اللہ ہی ریاضت سے مرتفع ہوچکے ہین۔

اہل صیقل رستہ اند از بوی ورنگ ... ہر دمے بینند خوبی بیدرنگ

نقش وقشر علم را بگذاشتند ... رایت عین الیقین افراشتند

رفت فکر و روشنائی یافتند ... نحر و بحر آشنائی یافتند

مرگ کز وی جملہ اندر وحشت اند ... میکنند این قوم بر وے ریشخند

کس نیابد بر دل ایشان ظفر ... بر صدف آید ضرر نے بر گہر

گرچہ نحو و فقہ را بگذاشتند ... لیک محو و فقر را برداشتند

تا نقوش ہشت جنت تافتست ... لوح دلشان را پذیرا یافتست

برتر انداز عرش و کرسی و خلا ... ساکنان مقعد صدق خدا

صد نشان دارند و محو مطلق اند ... چہ نشان بل عین دیدار حق اند

(یہی تتمہ ہی مضمون شعر بالا لیک صیقل کردہ اند الخ کا یعنی) اہل صیقل بوی و رنگ سے (یعنے استدلال بالآثار سے) چھوٹ گئے اور ہر وقت علوم محمودہ کا بلا توقف مشاہدہ کررہے ہین (بلا توقف اسلیے فرمایا کہ توقف وتامل نظریات مین ہوتا ہے اور علوم وہبیہ محتاج نظر نہین) بس انھون نے علم کے (مرتبہ) نقش وپوست کو چھوڑدیا ہی اور عین الیقین کا پرچم بلند کیا ہے (نقش وپوست سے مراد مرتبہ الفاظ خاصہ دالہ کا کہ تابع معانی ہین یا عین الیقین سے مراد مرتبہ مدلول کا کہ مقصود ہی کیونکہ ثابت ہی کہ مقصود خاص مضامین ضروریہ ہین خواہ وہ عربی الفاظ مین ہون یا فارسی واردو مین بس ترک الفاظ سے مراد ترک تقیید بالالفاظ ہی) انکی قوۃ فکریہ (جو علوم استدلالیہ مین ہوتی ہی) رخصت ہوئی اور انکو نور (قلب) حاصل ہوگیا جس سے انکشاف علوم ہوگیا اور پیراکی کے لیے انکو ایک دریا (علوم وہبی کا) ملگیا (جسکا کہین کنارہ نہین جیسا غیر محدود ہونا اوپر ثابت ہوچکا ہی اور اس انکشاف حقائق پر یہ امر بھی مرتب ہوا کہ) موت جس سے تمام عالم وحشت کرتا ہی یہ حضرات اسپر ہنستے ہین (یعنی ڈرتے نہین کیونکہ انکو موت کی حقیقت منکشف ہے جس سے وہ یقیناً جانتے ہین کہ) انکی قلب (وروح) پر کوئی شخص قابو نہین پاسکتا (اسی طرح موت بھی روح کو منعدم نہین کرسکتی) جو کچھ ضرر (موت سے) پہونچیگا وہ صدف (یعنے بدن) پر ہوگا نہ کہ گوہر (یعنی روح) پر (اسلیے انکو اندیشہ نہین اور ہرچند دوسرونکا عقیدہ بھی یہی ہے مگر یہ حال غالب نہین اسلیے معاملہ مین اسکا اثر نہین) اور اگرچہ ان حضرات نے نحو کو (یعنے علوم آلیہ کو) اور فقہ (مین تبحر) کو (جو کہ قدر فرض پر زائد ہی) ترک کردیا ہی لیکن (بجاے اسکے) محویت اور فقر کو (جو کہ ہر شخص کے لیے محتاج الیہ ضروری ہی) لیلیا ہی (اور انکا قلب ایسا نورانی ہی کہ جب سے ہشت جنت پیدا ہوئی ہین اسکے لوح دل کو (اپنے انعکاس کے لیے) قابل دیکھا ہی (خواہ کشف عیانی سے خواہ وجدانی سے) ان حضرات کا

مرتبہ عرش و کرسی اور خلاء سے (جو کہ فوق العرش ہی) بڑھکر ہی (کیونکہ) یہ حضرات مقعد صدق و مقام قرب الٰہی کے ساکن ہین (اور ظاہر ہی کہ علو قرب علو جہت سے جو کہ عرش و کرسی وغیرہ کو حاصل ہی بدرجہا افضل ہے اور اسمین اشارہ ہی آیت فی مقعد صدق عند ملیک مقتدر کیطرف) اور صدہا نشان (بقاء باللہ کے) انکے پاس ہین اور (فناء فی اللہ سے) محو مطلق ہوگئے ہین (نشان سے مراد صفات و کمالات کہ نشان یعنی ظلال و عکوس کمالات حق کے ہین آگے ترقی عنوان کی ہی نہ معنون کی یعنی) نشان کیا دکھتے ہو) بلکہ (یون کہو کہ) عین دیدار حق ہین (پہلے گذر چکا ہی کہ دو شی مین کمال تناسب کو اصطلاح مین اتحاد و عینیت کہدیتے ہین یہان اسی بناء پر عین کہدیا اور تناسب ظاہر ہی ہی) تنبیہ احقر نے اثناء شرح ابیات ہذا مین علوم آلیہ اور تبحر زائد علی الفرض کی تشریح و تقیید جو کردی ہی اس سے علوم دینیہ ضروریہ مقصودہ کے عبث یا مضر ہونے کا شبہ دفع ہوگیا فافہم۔

پرسیدن پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم مر زید را کہ امروز چونی و چگونہ بامداد کردی و برخاستی و جواب گفتن او کہ اصبحت مومنا حقا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

یہ داستان مربوط ہی بیت بالا اہل صیقل رستہ اند الخ اور تا نقوش ہشت جنت تافت ست الخ سے جن کا حاصل تصفیہ بالمجاہدہ پر ترتب مشاہدہ کا ہی چنانچہ اسمین آیندہ اس قسم کے مضامین ہین گفت تشنہ بودہ ام الخ اور ہشت جنت ہفت دوزخ پیش من الخ جن کا حاصل وہی امر مذکور ہی اور مقصود ترغیب ہے تصفیہ باطن کی جسپر واردات علمیہ و حالیہ مرتب ہون ف اس روایت مین خلط ہوگیا ہی وہ یہ کہ زید خیر سے سوال کیف اصبحت کا ہی مگر اسکے جواب مین یہ مضامین نہین ہین جو یہان مذکور ہوے ہین گو علامت ایمان کامل ہونے مین دونون مشترک ہین اور جسکے جواب مین اس قسم کے مضامین ہین انکا نام زید نہین بلکہ عوف بن مالک ہے چنانچہ دونون روایتین الرحمۃ المہداۃ کی کتاب الایمان سے نقل کرتا ہون عن محمد بن صالح الانصاری ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لقی عوف بن مالک فقال کیف اصبحت یا عوف بن مالک قال اصبحت مومنا حقا فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان لکل قول حقیقۃ فما حقیقۃ ذلک قال یا رسول اللہ اظلفت نفسی من الدنیا واسہرت لیلی واظماءت ہواجری کانی انظر الی عرش ربی وکانی انظر الی اہل الجنۃ تنیزاورون فیہا وکانی انظر الی اہل النار یتضاغون فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عرفت او لقنت فالزم رواہ ابو بکر بن ابی شیبۃ وعن زید الخیر انہ قال یا رسول اللہ اخبرنی ما علامۃ اللہ فیمن یرید وما علامتہ فیمن لا یرید قال لی کیف اصبحت یا زید قلت اصبحت احب الخیر واہلہ ان قدرت علیہ بادرت الیہ وان فاتنی حزنت وحننت الیہ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فتلک علامۃ اللہ فیمن یرید ولو ارادک لغیرہا ہیاک لہا رواہ رزین اور ایک خلط محشیون سے ہوگیا کہ ان کو زید بن حارثہ لکھدیا ہے حالانکہ یہ دوسرے صحابی ہین

انکا نام پہلے بوجہ شجاعت کے زید الخیل تھا حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے زید الخیر بدل دیا تھا لیکن نام کے بدل جانے سے اصل مقصود میں خلل نہیں آتا اور چونکہ یہ مقصود عوف بن مالک کی حدیث سے ملتا ہے اسلیے حضرت نے اسی کو اصل قرار دیا ہے اور جاننا چاہیے کہ مولانا کے اکثر مضامین یہان روایت بالمعنے ہین۔

گفت پیغمبر صباحے زید را	کیف اصبحت اے رفیق باصفا
گفت عبدا مومنا باز اوش گفت	گو نشان از باغ ایمان گو شگفت
گفت تشنہ بودہ ام من روزہا	شب نخفتستم ز عشق و سوزہا
تا ز روز و شب گذر کردم چنان	کہ ز اسپر بگذرد نوک سنان
کہ از ان سو جملہ ملت یکے ست	صد ہزاران سال و یک ساعت یکے ست
ہست ازل را و ابد را اتحاد	عقل را رہ نیست زان سو ز افتقاد

یعنی پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے زیدؓ سے (اور بروایت صحیحہ عوفؓ سے) سوال کیا کہ تم کس حالت میں صبح کو اُٹھے انھون نے عرض کیا کہ عبد مومن (تحقیقی) اٹھا آپ نے ارشاد فرمایا کہ اگر تمھارا باغ ایمان شگفتہ ہو تو اسکی کیا علامت ہے انھون نے عرض کیا یا رسول اللہ مین (نے ایسا مجاہدہ کیا کہ) دن کو (روزہ سے) پیاسا رہا اور شب کو عشق و سوزش سے سویا نہین جسپر یہ ثمرہ مرتب ہوا کہ مین لیل ونہار (یعنے زمانہ) سے اس طرح گذر گیا جس طرح سپر سے نوک سنان گذر جاتی ہے (چونکہ ممکنات سب زمانی ہین اسلیے مراد اس سے یہ ہے کہ مجھ کو ذات وصفات حقتعالے سے نسبت ومعیت ہو گئی اور وہان ایسی تنزیہ ہے) کہ اسطرف سب مذاہب یکسان ہین اور لاکھون سال اور ایک ساعت سب یکسان ہین (اس کا یہ مطلب نہین کہ وہان اشیاء مختلفہ ہین اور پھر سب متحد ہین بلکہ یہ ترکیب مستعمل ہوتی ہے اشیاء مختلفہ کے تشارک فی النفی ہونے مین حاصل یہ کہ مذاہب اور ازمنہ سب حادث ہین اور ذات وصفات حق حوادث سے منزہ ہے) اور وہان ازل اور ابد میں اتحاد ہے (یعنے دونون صفتونکا منشا نفس ذات واحدہ ہے نہ اضافت الی الامور الخارجہ) اور اسطرف عقل کو بوجہ گم ہوجانے کے رستہ نہین ملتا (ذات وصفات حق کی کنہ کا فوق العقل ہونا ظاہر ہے) اور یہ ثمرہ مذکورہ روایت مین مذکور نہین مگر ذکر ملزوم بعینہ ذکر لازم ہے)

گفت ازین رہ کو رہ آوردی بیار	در خور فہم و عقول این دیار
گفت خلقان چون بہ بینند آسمان	من بہ بینم عرش را با عرشیان
ہشت جنت ہفت دوزخ پیش من	ہست پیدا ہمچو بت پیش شمن
یک بیک وا می شناسم خلق را	ہمچو گندم من ز جو در آسیا
کہ بہشتی کیست و بیگانہ کے ست	پیش من پیدا چو مار و ماہی ست

(کو بمعنے کجا رہ آورد بمعنے سوغات یعنی) حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس راہ (معرفت) سے

جو ہدیہ لائے ہو کہان ہے اسکو لاؤ (مگر) اِس عالم والون کے فہم وعقل کے مناسب (ہونا چاہیئے یعنی ذات وصفات کے اسرار نہ ہون یہ ارشاد روایت مذکورہ مین صریح نہین مگر چونکہ قواعد شرعیہ سے اسرار خارج از فہم عوام کا اظہار ممنوع ہے اِس قرینہ سے وال فما حقیقۃ ذلک جو روایت مین منصوص ہے ایسے امور ممکنۃ الادراک کے ساتھ خاص ہوگیا پس اُس سوال اجمالی کی گویا یہ تفسیر ہے) انھون نے عرض کیا کہ جب خلائق آسمان کو دیکھتے ہین مین اُسوقت عرش اور اہل عرش کو دیکھتا ہون اور ہشت جنت اور ہفت دوزخ میرے روبرو اس طرح منکشف ہین جیسا بت پرست کے روبرو بت ہوتا ہے اور مین ایک ایک کرکے تمام مخلوق کو تمیز کر رہا ہون جسطرح گیہون کو جو سے آسیا مین (پیسنے کے وقت) امتیاز کرلیا جاتا ہے کہ کون تو جنتی ہے اور کون ملعون ہی میرے روبرو بالکل ظاہر ہین جس طرح مار اور ماہی مین ظاہر امتیاز ہوتا ہے (اُس روایت مین لفظ کاف وارد ہے جو موضوع ہے تشبیہ کے لیے جس سے ظاہرًا حدیث کا مفہوم یہ معلوم ہوتا ہے کہ مجکو ایمانی یقین وانشراح صدر ایسا حاصل ہے کہ جیسا خود عرش وجنت ونار کو دیکھکر حاصل ہونا چاہیئے تھا اسکو کشف وجدانی کہتے ہین جیسے حدیث احسان مین لفظ کانک تراہ وارد ہے اُسکا حاصل بھی یہی ہے کہ اگر خدا تعالیٰ کو فرضًا دیکھتے ہوتے تو عبادت کو کیسا سنوار کر کرتے اب بھی ایسی ہی سنوارو آگے اُسکی دلیل ہے فان لم تکن الخ یعنی باوجود نہ دیکھنے کے اِس طرح سنوارنا اِس لیے ضروری ہے کہ گو تم نہین دیکھتے مگر وہ تو دیکھتے ہین جسکا مقتضا ایسا ہی سنوارنا ہے مگر ظاہرًا مولانا نے اسکو کشف عیانی پر محمول فرمایا ہے پس کانّ مجازًا تحقیق کے لیے ہوگا جیسا لعل کو قرآن مین کہتے ہین)۔

این زمان پیدا شده بر این گروه — یوم تبیض و تسود وجوه
پیش ازین هرچند جان پر عیب بود — در رحم بود و ز خلقان غیب بود
الشقی من شقی فی بطن ام — من سمات الله یعرف حالهم
تن چو مادر طفل جان را حامله — مرگ درد زادن ست و زلزله
جمله جانهای گذشته منتظر — تا چگونه زاید آن طفل بطر
زنگیان گویند خود از ماست او — رومیان گویند بس زیباست او
چون بزاید در جهان جان وجود — پس نماند اختلاف بیض و سود
گر بود زنگی برندش زنگیان — روم را رومی برد هم از میان
تا نزاد او مشکلات عالم ست — آنکه او نازاده بشناسد کم ست
او مگر ینظر بنور الله بود — کاندرون پوست او را ره بود

(اس مین کشف صحابی کی تائید ہے کہ) اِس گروہ پر اِس وقت وہ دن (احیانًا) مکشوف ہو جاتا ہی جس مین بہت سے چہرے روشن ہو جاوینگے اور بہت سے سیاہ ہو جاوینگے (مراد روز قیامت ہے جس مین

سعادت وشقاوت عام مخلوق پر ظاہر ہو جاویگی لیکن اُسوقت عام انکشاف نہین) اور ہر چند کہ اس یوم سے پہلے بھی (یعنی تعلق بالاجسام کی حالت مین) ارواح ونفوس عیوب سے پُر تھے مگر عام مخلوق کو اُنکی شقاوت کی اطلاع اِس وجہ سے نہ تھی کہ) وہ اہل غیب (گویا) رحم مین تھے (یعنی اجسام بمنزلہ رحم مادر کے تھے) اور اسلیئے عام خلق سے مخفی تھے اور (ہر چند کہ تشبیہ اجسام کی رحم کے ساتھ اُسکے موجب خفا ہونے مین ہے محلیۃ شقاوت مین اشتراک لوازم تشبیہ سے نہین لیکن چونکہ اتفاق سے اِس مین بھی تشارک ہے اسلیئے مشبہ بہ مین انکا حدیث سے اثبات فرماتے ہین کہ) شقی وہ شخص ہے جو بطن مادر مین شقی ہو (جیسا حدیث مین مصرح ہے کہ رحم مادر مین شقاوت وسعادت لکھدی جاتی ہے لیکن عام خلق کو اُس مکتوب کی اطلاع نہین ہوتی البتہ جو حضرات اہل کشف ہین (اُنکے نزدیک) علامات آکیہ سے اُنکی حالت (شقاوت کی) معلوم ہو جاتی ہے (گواحیانا سی آگے تشبیہ مذکور کی توضیح وزیادت تطبیق ہے کہ) اِس تن (فانی) کی مثال مادر کی سی ہے اور روح کو حمل کی طرح لیے پھرتی ہے اور موت کی مثال ایسی ہے جیسے جننے کے وقت تکلیف اور ہل چل ہوتی ہے (پس جس طرح دردزہ کے بعد بطن مادر سے لڑکا جدا ہوتا ہے اور دنیا مین آتا ہے اسی طرح دردمرگ کے بعد روح بدن سے مفارق ہوتی ہے اور مفارقت کے بعد عالم ارواح مین منتقل ہوتی ہے اور اصطلاح مین اُسکو ولادت ثانیہ کہتے ہین) اور جتنی ارواح سابقہ گذر چکی ہین سب کو انتظار رہتا ہے کہ دیکھیے یہ طفل روح جو (دنیا مین) شاداں تھا کس حالت پر پیدا ہو کر (عالم ارواح مین) آتا ہے زنگی (یعنی اشقیاء) تو کہتے ہین کہ وہ ہم مین سے ہوگا اور رومی (یعنی سعداء) کہتے ہین کہ وہ حسین وجمیل ہے (لہذا ہم مین سے ہوگا) پس جب وہ طفل روح جو موجود ہے پیدا ہو کر عالم ارواح مین پہونچتا ہے اُسوقت ابیض واسود (یعنی رومی وزنگی) کا اختلاف رفع ہو جاتا ہے اگر وہ شقی ہو گیا وہ اشقیا مین جا ملا اور اگر سعید ہے سعداء مین شامل ہو گیا غرض جب تک (بولادت ثانیہ) پیدا نہین ہوا تھا تمام اہل عالم ارواح پر مشتبہ تھا (کیونکہ) غیر مولود کو پہچاننے والے تو کم ہی ہین (جیسے اِس ولادت مین سب حاضرین منتظر رہتے ہین کہ لڑکا کیسا ہوگا اور قرائن سے آراء مین مختلف ہوتے ہین بعد ولادت حقیقت حال واضح ہو جاتی ہے پہلے سے یقینا کوئی نہین جانتا البتہ اگر کوئی شخص ینظر بنور اللہ کا مصداق ہو کر پوست کے اندر کا حال معلوم کرلے (تو خیر یعنی قبل مرگ اُس کو اسی کی سعادت وشقاوت مکشوف ہو جاوے گواحیانا سی جیسے کامل طبیب مبصر کا حکم لون مولود کے باب مین گاہے صحیح ہو سکتا ہے آگے جاننا چاہیے کہ مراد روح سے اِس مقام پر نسمہ ہے جو روح بکسر را کا متعلق بفتح لام ہے اِس تعلق کی وجہ سے اُسکو بھی روح کہا جاتا ہے وجہ اسکے مراد ہونے کی یہ ہے کہ سعداء واشقیاء کا اختلاف مقر اسی نسمہ کے اعتبار سے ہے واللہ اعلم)۔

اصل آب نطفہ اسپیدست وخوش	لیک عکس جان رومی وحبش
میدہد رنگ احسن التقویم را	تا باسفل مے برد این نیم را

یوم تبیض و تسود وجوه ترک و هندو شهره گردد زان گروه
فاش گردد کہ تو کاہی یا کہ کوہ هندوے یا ترک پیش هر گروه
در رحم پیدا نباشد هندو ترک چونکہ زاید بیندش خرد و بزرگ
این سخن پایان ندارد بازران تا نمانیم از قطار و کاروان

(اوپر قبل ولادت اخفاء احوال والوان کا علم تھا یہان اُسکی وجہ مذکور ہے یعنی) اصل رنگ تو نطفہ کا سفید اور خوبصورت ہوتا ہے (خواہ وہ کسی کا نطفہ ہو) لیکن رومی اور حبشی کا اثر جزئیت (جو اسمین مضمر ہے مولود کی) حسین صورت کو تو خوبصورت رنگ دیدیتا ہے (یہ حکم باعتبار رومی کے ہے) اور بعض مولود کو (مراتب رنگ مین سے) اسفل درجہ مین لیجاتا ہے (یعنی بدنما و سیاہ کردیتا ہے یہ حکم باعتبار حبشی کے ہے پس کلام مین لف ونشر مرتب ہے خلاصہ یہ کہ چونکہ ناظرین نے صرف نطفہ دیکھا ہے جسمین اختلاف الوان نہین اور مؤثر فی الاختلاف پر اُسمین کوئی علامت دال نہین لہذا لون جنین مخفی رہتا ہے اسی طرح دنیا مین ناظرین صرف صور و اعمال دیکھتے ہین جو سعداء و اشقیاء مین اکثر اوقات یا بعض اوقات متشابہ ہوتے ہین اور مؤثر فی السعادت والشقاوت کہ اختلاف جبلت ہے اُسپر کوئی امر دال نہین لہذا سعادت وشقاوت مخفی رہتی ہے البتہ) جب وہ دن آویگا کہ بہت سے چہرے سفید ہوجاوینگے اور بہت سے سیاہ ہوجاوین گے (مراد قیامت کا دن ہے) اُسوقت ترک جمیل (یعنی سعید) اور ہندی زشت (یعنی شقی) اِس مختلط گروہ مین سے ممتاز گروہ شہرۂ عالم ہوجاوینگے اور علانیہ ظاہر ہوجاوے گا کہ تم کاہ ہو یا کوہ ہو (یعنی اعمال کا وزن خفیف ہے یا ثقیل) اور تمام گروہون کی نظر مین تمہارا زشت رو اور خوبرو ہونا معلوم ہوجاویگا (جسطرح) رحم مین معلوم نہین ہوتا کہ ہندی ہے یا ترکی ہے مگر جب پیدا ہوتا ہے تو سب چھوٹے بڑے دیکھ لیتے ہین (یہان تک تقریر ہوگئی سبب اخفاء عن نظر العامہ کی اب قصہ کی طرف عود فرماتے ہین کہ) اس مضمون کا تو خاتمہ ہوگا (کہ اسباب خفاء سعادت وشقاوت کی جس کا تعلق سر قدر سے ہے تحقیق کرتے رہین) اب شبدیز قلم کو قصہ کی طرف چلانا چاہیے تاکہ قطار اور قافلہ (یعنی قصۂ مقصودہ) سے نہ رہ جاوین۔

جواب زید رضی اللہ عنہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کہ احوال خلق بر من پوشیدہ نیست

جملہ را چون روز رستاخیز من فاش می بینم عیان از مرد و زن
ہین بگویم یا فرو بندم نفس لب گزیدش مصطفے یعنی کہ بس

(ان صحابی کا جواب اوپر اس شعر مین شروع ہوا ہے گفت خلقان چون بہ بیند آسمان اور یہ اُس کا تتمہ ہے یعنی) مین سب کو خواہ مرد ہون یا زن ایسا صاف اور علانیہ دیکھ رہا ہون جس طرح قیامت مین دیکھین گے (اور لوگ دیکھین گے) ہان (فرمائیے) سب کہہ ڈالون یا سانس بند کرلون آپ نے اپنا لب مبارک دانت

مین دبا کر (اشارہ) سے فرمایا کہ بس کرو (اس روایت مین یہ درخواست اور جواب صریحاً تو مذکور نہین البتہ انکی تعدد کافی النظر سے احتمال تطویل کلام کا جو مشروط تھا اذن کے ساتھ اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے ارشاد فالزم سے امر بقطع الکلام کا استنباط ممکن غیر بعید ہے فافہم)۔

یا رسول اللہ بگویم سر حشر ۔۔۔ در جہان پیدا کنم امروز نشر
بل مرا تا پردہا را بر درم ۔۔۔ تا چو خورشیدے بتابد گوہرم
تا کسوف آید ز من خورشید را ۔۔۔ تا نمایم نخل را و بید را
وا نمایم روز رستاخیز را ۔۔۔ نقد را و نقد قلب آمیز را
دستہا ببریدہ اصحاب شمال ۔۔۔ وا نمایم رنگ کفر و رنگ آل
وا کشایم ہفت سوراخ نفاق ۔۔۔ در ضیائے ماہ بے خسف و محاق
وا نمایم من پلاس اشقیا ۔۔۔ بشنوانم طبل و کوس انبیا
دوزخ و جنات و برزخ در میان ۔۔۔ پیش چشم کافران آرم عیان
وا نمایم حوض کوثر را بجوش ۔۔۔ کآب بر روشان زند بانگش بگوش
وانکہ تشنہ گرد کوثر می دوند ۔۔۔ یک بیک را وا نمایم تا کیند
وان کسان کہ تشنہ بر گردش دوان ۔۔۔ گشتہ ام ایندم نمایم من عیان
می بساید دوش شان بر دوش من ۔۔۔ نعرہاشان می رسد در گوش من
اہل جنت پیش چشمم ز اختیار ۔۔۔ در کشیدہ یک دگر را در کنار
دست یکدیگر زیارت مے کنند ۔۔۔ وز لبان ہم بوسہ غارت می کنند
کر شد این گوشم ز بانگ آہ آہ ۔۔۔ از حنین و نعرۂ واحسرتاہ
این اشارتہاست گویم از نغول ۔۔۔ لیک می ترسم ز آزار رسول

(کوئی یون نہ سمجھے کہ لب گزیدش مصطفے یعنی کہ بس کے بعد اُن صحابی نے یہ مضمون عرض کیا کہ صحابہ سے اسکا احتمال ہی نہین بلکہ یہ سب اشعار بین بگویم واقع مصرعہ اولی شعر بالا کی شرح ہے اور آگے جو آتا ہے گفت دم درکش کہ اسپت گرم شد یا اُس شعر کے مصرعہ ثانیہ لب گزیدش الخ کی شرح ہے یعنی ان صحابی نے عرض کیا کہ) یا رسول اللہ (اگر اجازت ہو تو) حشر کے حالات مخفیہ سب کہہ ڈالون اور دنیا مین بعث و نشر کو آج ظاہر کردون (بیان مفصل سے یا قلوب مین تصرف کرکے اُن پر مکشوف کردینے سے) مجھکو ذرا اجازت دیجیے تاکہ سب حجابات اٹھا ڈالون (بہر دو احتمال مذکور) تاکہ آفتاب کی طرح میرا جوہر (علمی یا تصرفی) روشن ہو جاوے تاکہ مجھ سے خورشید کو بھی (کم نوری کا) کسوف لگ جاوے (کیونکہ نور آفتاب مین صرف توضیح مادیات کا خاصہ ہے اور ظاہر ہے کہ توضیح اسرار اس توضیح سے افضل ہے لہذا اس اعتبار سے آفتاب کو کم نور کہین گے

اور تاکہ مین نخل (یعنی عاملین با ثمر) اور بید (یعنی عاملین بے ثمر کو ظاہر کردون اور قیامت کا دن اور نقد نقص کو اور جو ان مین قلب آمیز ہین (یعنی جو طاعات خلوص سے ہوئی ہین اور جن مین ریا ملگئی ہے) ان سب کو ظاہر کردون اور اصحاب شمال (یعنی اہل دوزخ حسرت سے گویا) ہاتھ قطع کر رہے ہین (یعنی یہبھی دکھلا دون) اور رنگ زرد اور رنگ سرخ کو دکھلا دون (مراد غم اور خوشی کا رنگ ہے کما قال تعالیٰ وجوہ یومئذ مسفرۃ ضاحکۃ مستبشرۃ ووجوہ یومئذ علیہا غبرۃ ترہقہا قترۃ) اور نفاق کے ساتون سوراخ (یعنی اُسکے طرق متعددہ واسباب کثیرہ) ایسے چاند کی روشنی مین جس کو نہ خسوف ہو نہ نقصان ظاہر کردون (مراد اس سے نور کشف صحیح ہے) اور اہل شقاوت کی پلاس کو (جو شعار ذلت ہے) دکھلا دون اور حضرات انبیا علیہم السلام کے طبل و کوس کو (کہ عبارت ہے عزت و حشمت سے) سب کو سنوا دون اور دوزخ اور بہشت اور برزخ (یعنی عالم قبر یا اعراف) جو درمیان مین (دنیا و آخرت یا دوزخ و جنت کے) ہے کفار کی آنکھون کے سامنے (قوت تصرف سے) معاینہ کرا دون اور حوض کوثر کو جوش مارتا ہوا دکھلا دون اس طور پر کہ اُنکے مُنھ پر اُسکا پانی چھڑکا جاوے اور اُسکی آواز اُنکے کان مین آوے (تصرف قوی سے بعد مکانی یا زمانی مین قصر مسافت ممکن ہے) اور جو لوگ کوثر کے گرد پیاسے دوڑتے پھر رہے ہین ایک ایک کو دکھلا دون کہ کون کون ہین یعنی جو لوگ اُسکے آس پاس تشنہ پھر رہے ہین مین اسوقت انکو دکھلا دون (تفسیر مین اسوقت کی قید مفسّر سے زیادہ ہے) اُنکا شانہ میرے شانہ سے چھل رہا ہے (واقعات مستقبلہ کے کشف مین اس طرح تمثل ممکن ہے) اور اُن کے نعرے میرے کان مین پہونچ رہے ہین اور اہل جنت خوشی خوشی ایک دوسرے سے معانقہ کر رہے ہین اور مصافحہ کرتے ہوے باہم یاد کر رہے ہین اور لبون سے بوسہ بھی دے رہے ہین (جیسا روایت مذکورہ مین ہے وکانی انظر الی اہل الجنۃ یتزاورون فیہا) اسی طرح میرا یہ کان (دوزخیون کی) آہ آہ اور نالہ و نعرۂ واحسرتاہ سے گویا بہرا ہو گیا ہے (جیسا حدیث مذکور مین ہے وکانی انظر الی اہل النار یتضاغون فیہا) اور مین جتنا عرض کر رہا ہون (بمقابلہ وسعت مکشوفات کے بمنزلہ اشارات اجمالیہ کے ہین) اور مین تہ کی بات (یعنی پوری حقیقت و تفصیل) بھی عرض کرسکتا ہون مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف مزاج ہونے کا اندیشہ ہے (یا تو اس لیے کہ کشف اسرار آپ کے نزدیک پسندیدہ نہین یا اسلیے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اُن سے زائد انکشاف ہے تو ضرور تطویل کلام جسمین کوئی فائدہ نہ ہو موجب ملال و گرانی ہوگا)۔

همچنین می گفت سرمست و خراب　　داد پیغمبر گریبانش بتاب
گفت دم درکش کہ اسپت گرم شد　　عکس حق لا یستحیی زو شرم شد
آئنہ تو جست بیرون از غلاف　　آئنہ و میزان کجا گوید خلاف
آئنہ و میزان کجا بندد نفس　　بہر آزار و حیاے ہیچ کس
آئنہ و میزان محک ہاے سنی　　گر دو صد سالش تو خدمتہا کنی

گز برای من بپوشان راستی ‏ بل فزون بنما و منما کاستی

اوش گوید ریش و سبلت بر مخند ‏ آئنہ و میزان وانگہ ریو و بند

چون خدا ما را برای آن فراخت ‏ کہ بما بتوان حقیقت را شناخت

این نباشد ما چہ ارزیم ای جوان ‏ کی شویم آئین روی نیکوان

لیک درکش در بغل آئینہ را ‏ گر تجلی کرد سینا سینہ را

(اوپر کہہ چکا ہون کہ یہ اشعار مصرعہ کب گزیدش کی شرح ہے جسکا روایت بالمعنے ہونا فالزم کا اُس سے اوپر ذکر کر چکا ہون یعنی) وہ صحابی (غلبۂ حال سے) مست و بے سروپا ہوکر ایسی باتین کر رہے تھے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کے گریبان کو تاب دیکر فرمایا کہ بس خاموشی کرو تمھارا اسپ (بیان) بہت گرم ہوگیا اور تم پر توالحق یستحیی (یعنی آئہ واللہ لایستحیی من الحق) کا پڑ گیا اس لیے (اظہار حقائق کے باب مین) باک جاتا رہا (گویا یہ قیض ہے حق تعالیٰ کی اِس صفت کا کہ وہ اظہار حق سے باک نہین فرماتے) اور تمھارا آئنہ (بیان کا) غلاف (اعتدال) سے باہر نکل گیا (کیونکہ اسرار مخفیہ جن کا اختفاء قرین حکمت ہے زبان پر آنے لگے اور بیان کی وجہ تشبیہ آئینہ سے ظاہر ہے کہ دونون مظہر ہین پس اس حالت مین بشرط قدرت سکوت احوط ہے کیونکہ ایسی حالت مین یہ نہایت دشوار ہے کہ تکلم ہوا اور اُسپر نظر رہے کہ اسرار مخفیہ زبان پر نہ آوین کیونکہ) آئینہ اور میزان کبھی خلاف واقع نہ کہینگے (یہان خلاف واقع عام ہے اور اظہار البعض واخفاء البعض کو شامل ہے پس مغلوب الحال کا بیان و نطق بمنزلہ آئینہ و میزان کے ہے کہ جو چیز اُسکے سامنے اور اُسکے اندر آجاویگی ضرور اُسکا اظہار کر دے گا ہان اگر اخفاء چاہو تو آئینہ و میزان سے کام ہی مت لو یہ مشابہ سکوت کے ہے آگے مولانا اس تشبیہ کی توضیح فرماتے ہین کہ) آئینہ اور میزان کسی کی ناگواری یا شرم کے خیال سے (اظہار امر واقعی سے) کب خاموش ہوتے ہین بلکہ یہ دونون ایسی روشن معیار ہین کہ اگر (بالفرض) دو سو سال تک آپکی خدمت (اس خوشامد مین) کیجاوے کہ تم امر واقعی کو میری خاطر سے ظاہر مت کرنا بلکہ (اگر آدھ سیر چیز ہو مثلاً تو اُسکو) زیادہ (مثلاً سیر بھر) کرکے دکھلانا اور کمی مت کرنا (اور یہ امر وزن للبیع کے وقت مطلوب ہوتا ہے یا وزن للشراء کے وقت اسکے عکس کی درخواست کیجاوے اور یہ قضیہ شرطیہ باعتبار میزان کے ہے اور آئینہ مین انعکاس کی کمی بیشی اسکی نظیر ہے بہر حال ایسی درخواستون کے وقت) وہ تم کو یہ جواب دینگے کہ تم احمق مت بنو بھلا ایسا ممکن ہے کہ آئینہ اور میزان اور پھر فریب و حیلہ (یعنی اُنکا اجتماع ممکن نہین) جب ہمکو اللہ تعالیٰ نے خاص اسی واسطے پیدا کیا ہے کہ ہمارے ذریعہ سے حقیقت واقعی دریافت ہوسکے پس (اگر) ہم مین یہ صفت بھی نہ ہو تو پھر ہم کس مصرف کے ہین اور (اس حالت مین) اچھے لوگون کے سامنے منہ کرنے کے بھی لائق نہین۔ (آگے تتمہ ہے ارشاد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یعنی یہ بیشک دشوار ہے کہ آئینہ بیان کھلا رہے اور پھر اسرار مخفی رہین) لیکن تم ایسا کرو کہ (اُس) آئینہ (بیان) کو بغل (سکوت) مین چھپا لو اگرچہ (ہم جانتے ہین کہ) انکشاف (حقائق) نے

تمہارے سینہ کو بمنزلہ طور سینا کے (جسپر موسیٰ علیہ السلام مشرف تجلی کلامی ہوئے تھے) بنا رکھا ہے (جس سے جوش کشف اسرار کا ہوتا ہے لیکن چونکہ اظہار خلاف حکمت ہے لہذا ضبط کرنا چاہئیے)۔

گفت آخر ہیچ نگنجد در بغل　　آفتاب حق و خورشید ازل

ہم دغل را ہم بغل را بر درد　　نے جنون ماند بہ پیشش نے خرد

گفت یک اصبع چو بر چشمے نہی　　بینی از خورشید عالم را تہی

یک سر انگشت پردہ ماہ شد　　وین نشان ساتری شاہ شد

تا بپوشاند جہان را نقطۂ　　مہر گردد منکشف از سقطۂ

لب بہ بند و غور دریائے نگر　　بحر را حق کرد محکوم بشر

(یہ سوال و جواب قالی نہیں بلکہ حالی ہیں پس حدیث مذکور میں منقول نہ ہونا مضر نہیں اور اس توجیہ مولانا کے بہت مضامین سے شبہ عدم نقل کا مرتفع ہوجاویگا اور حال کو صورت قال میں لانا کذب نہیں چنانچہ حدیث میں وارد ہوا ہے کہ حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے کچھ اشعار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو پڑھے اور انمیں یہ استعمال موجود ہے قال اللہ قد ارسلت جندا ہم الانصار عرضتہا اللقاء ؛ حالانکہ یہ مضمون نہ قرآن میں ہے نہ کسی حدیث قدسی میں صرف معاملہ الٰہیہ سے ماخوذ ہے یعنی) وہ صحابی بولے کہ بھلا آفتاب (اسرار) حق اور خورشید (علوم) ازلی (جو کہ قلب پر فائض ہوتے ہیں) کہیں بغل میں سما سکتا ہے (یعنی جب ان علوم کا غلبہ کے ساتھ قلب پر ورود و ہجوم ہوگا تو قلب پر اختیار نہ رہیگا اور زبان تابع ہے قلب کی اسلیے اسپر بھی اختیار نہ رہیگا پس جوش قلب سے ضرور اظہار اسرار ہوگا اور رکھ لسان پر قدرت نہ ہوگی پھر کس طرح سکوت کروں اور کوئی یہ شبہ نہ کرے کہ پھر فرو بندم نفس کیوں کہا تھا جواب یہ ہے کہ بعض اوقات قبل آغاز کسی کام یا کلام کے جوش نہیں ہوتا ہے پھر شروع کرنے سے جوش ہوجاتا ہے فرو بندم اُس کے اعتبار سے تھا اور ہیچ نگنجد دوسرے اعتبار سے ہے بہر حال جب آفتاب علوم بغل میں نہیں سما سکتا تو) دغل کو بھی اور بغل کو بھی سب کو پھاڑ ڈالے گا اور اسکے سامنے نہ جنون رہ سکتا ہے نہ عقل رہ سکتی ہے (بغل سے مراد سکوت جیسا اوپر تفسیر کی گئی اور دغل سے مراد لغو و ہذیان مضامین خلاف واقع کیوں کہ دغل میں اظہار خلاف واقع کا ہوتا ہے اور جنون سے مراد اختلاط عقل جس سے حقیقت امر مخفی رہے اور اسلیے خلاف واقع ہذیان بکے اور عقل سے مراد انجام اندیشی جس سے اظہار اسرار سے زبان روکے مطلب ظاہر ہے کہ غلبہ ورود اسرار میں چونکہ حقائق منکشف ہوتے ہیں اسلیے اُسوقت نہ تو اختلاط عقل و اختفاء حقائق ہوگا اور اسلیے جو کہے گا ہذیان ہوگا ع قلندر ہرچہ گوید دیدہ گوید ؛ اور چونکہ جوش ہوتا ہے اسلیے اُسوقت مصلحت پر نظر نہ ہوگی اور ضبط دشوار ہوگا پس نہ بغل رہی نہ دغل نہ جنون رہا نہ عقل) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے (ایک مثال میں جواب ارشاد) فرمایا کہ اگر آنکھ پر ایک انگلی رکھ لو تو تمام عالم کو خورشید سے خالی پاؤگے (پس آفتاب حق کا پوشیدہ ہونا اس طرح ممکن ہے) اسی طرح ایک پور انگلی کی ماہتاب کا حجاب ہوسکتی ہے (حاصل جواب یہ ہے کہ جس طرح آفتاب کے پوشیدہ

کرنے کے لیے عقلاً دو طریقے ہین ایک یہ کہ اُسمین تصرف کیا جاوے کہ اُسکو طلوع سے یا بزوغ سے یا ارتفاع سے روکدیا جاوے اور یہ بیشک قدرت سے خارج ہے دوسرا طریق یہ کہ اپنے اندر تصرف کیا جاوے کہ آنکھ پر اُنگلی رکھلی جاوے اور یہ قدرت مین داخل ہے اسی طرح اسرار کے پوشیدہ کرنے کے دو طریقے ہین ایک یہ کہ قلب پر اُنکو وارد نہ ہونے دیا جاوے یا بعد ورود کے کیفیت اور آثار باطنیہ کا جوش و غلبہ نہ ہونے دیا جاوے سو یہ تو بلاشبہ خارج از قدرت ہے اور باین معنی قلب پر واقعی اختیار نہ ہونا مسلم ہے اور دوسرا طریقہ یہ کہ اپنے قلب مین عزم پیدا کیا جاوے کہ زبان بند رکھین سو اس اعتبار سے قلب پر قدرت حاصل ہے اور باین معنی قلب پر اختیار نہونا مسلم نہین اور امر بالکف مین یہی قدرت عزم کی کافی ہے اور جمیع اعمال مین یہی قدرت مدار تکلیف ہو ورنہ مغموم کا نوحہ اور مصیبت زدہ کا مصیبت آمیز گلہ منہی عنہ نہ ہوتا البتہ بعض احوال مین کف لسان محتاج تعب و تکلف کا ضرور ہے لیکن تاہم جوش سے علم و قصد کا زوال ضروری نہین) اور یہ مثال مذکور (مستوریت آفتاب و ماہتاب کی حق تعالیٰ کی ستاری کا ذکر اُنھون نے اسرار کو نظر خلق سے مستور فرما رکھا ہے) نمونہ اور نظیر ہے (یعنی بہت حقائق فی نفسہ ظاہر ہین جیسے خود ذات و صفات الٰہیہ کہ الظاہر کا مصداق ہین مگر حق تعالیٰ نے اُنکو اسی طریق سے چھپایا ہے کہ مخلوق کی ابصار و بصائر پر حجاب ڈالدیا حتی کہ وہی مصداق ظاہر مصداق الباطن کا ہوگیا پس حجب مدرک بالفتح پر نہین بلکہ مدرک بالکسر پر اسی بناء پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو لن ترانی فرمایا لن اریٰ نہین فرمایا آیۂ نحن اقرب الیہ منکم ولکن لاتبصرون سے بھی اسکی تائید ہوتی ہے آگے ساتری شاہ پر بعض حسیات کی مستوریت بطور مثال کے متفرع فرماتے ہین یعنی) حتی کہ ایک نقطہ (جو آنکھ کے تل پر پیدا ہوجاتا ہے) تمام عالم کو چھپا لیتا ہے اور دیکھو ایک قطعۂ ابر سے آفتاب کم نور ہوجاتا ہے (جب تقریر و تمثیل مذکور سے کف لسان پر قدرت ثابت ہوگئی تو) اب لب کو (اظہار اسرار سے) بند کرو اور (قلب پر من وجہ اختیار ثابت ہونے کے لیے) دریائے عظیم کا عمق دیکھو کہ (باوجود اتنے بڑے عمق کے) حق تعالیٰ نے اُسکو ہر بشر کا محکوم کر رکھا ہے (کہ اُس مین انواع انواع تصرفات آلات کے ذریعہ سے کرتا ہے کما قال تعالیٰ اللہ الذی سخر لکم البحر لتجری الفلک فیہ بامرہ ولتبتغوا من فضلہ باوجودیکہ بعض آلات مثل کشتی وغیرہ بعض امور مین مثل حرکت وغیرہ خود اُسکے تابع و محتاج ہین مگر پھر بھی جب چاہتا ہے کشتی کو ساکن کر لیتا ہے پس اسی طرح گو قلب مثل دریا کے اپنی وسعت سے پورا محکوم نہ ہو مگر من وجہ ضرور محکوم ہے اور زبان مثل کشتی کے گو اُسکے تابع ہو مگر بیشک اُسکا ساکن و ساکت کر دینا اختیار مین ہے جیسا حدیث مین ہے القلب یحزن والعین تدمع ولا نقول الا ما یرضی ربنا)۔

ہمچو چشمۂ زنجبیل و سلسبیل　　　ہست در حکم بہشتی جلیل

چار جوی جنت اندر حکم ماست　　　این نہ زور ما بفرمان خداست

ہر کجا خواہیم داریمش روان　　　ہمچو سحر اندر مراد ساحران

ہمچو این دو چشمۂ چشم روان　　　ہست در حکم دل و فرمان جان

گر بخواہد رفت سوے زہر مار ورنجواہد رفت سوے اعتبار

گر بخواہد سوے محسوسات رفت ورنجواہد سوے ملبوسات رفت

گر بخواہد سوے کلیات راند ورنجواہد حبس جزئیات ماند

ہمچنین ہر پنج حس چون نائزہ بر مراد امر دل شد جائزہ

ہر طرف کہ دل اشارت کردشان می رود ہر پنج حس دامن کشان

دست و پا در امر دل شد مبتلا ہمچواندر دست موسے آن عصا

دل بخواہد پا درآید زو برقص یا گریزد سوے افزونی زنقص

دل بخواہد دست آید در حساب یا اصابع تا نویسد او کتاب

دست در دست نہانی ماندہ ست او درون تن را برون بنشاندہ ست

گر بخواہد بر عدو مارے شود ورنجواہد بر دلے یارے شود

گر بخواہد کفچہ در خوردنی ورنجواہد ہمچو گرزدہ منی

(اوپر محکومیت قلب کو محکومیت بحر سے تشبیہ دی تھی ان اشعار مین بھی اسی کی تشبیہات متعددہ ہین کیونکہ محکومیت قلب بوجہ امر خفی ہونے کے قابل اہتمام اور اپنے اثبات مین محتاج زیادت توضیح کا ہی یعنی انکی ایسی مثال ہے جیسے چشمۂ زنجبیل اور سلسبیل جنتی کے حکم مین ہونگے اسی طرح جنت کی چارون نہرین (آب وشیر وخمر وشہد کی) ہمارے حکم مین ہون گی اور یہ ہماری ذاتی قوت سے نہین ہو گا بلکہ حق تعالی کا حکم ہے (کہ وہ مسخر کردی گئے) کہ ہم جدھر چاہین انکو لیجائین گے (کما قال تعالی یفجرونہا تفجیرا) جیسا سحر کہ ساحرون کے ارادہ مین ہوتا ہے (کہ جہان چاہین چلادین گو موقوف ہوتا ہے مشیت قدیمہ پر) اور محکومیت قلب کی ایسی مثال ہے جیسے آنکھون کے دو چشمہ جاری (جن سے نور شعاعی نکلتا ہے) کہ قلب وروح کی حکم مین ہین اگر قلب چاہتا ہے تو وہ آنکھ زہر مار (یعنی اسباب معصیت) کی طرف چلی جاتی ہے اور اگر قلب چاہتا ہے تو وہ آنکھ (سامان) عبرت کی طرف ہولیتی ہے اور اگر دل چاہتا ہے تو وہ محسوسات کیطرف متوجہ ہو جاتی ہے اور اگر دل چاہتا ہے تو وہ (انواع) ملبوسات (کے تماشے مین لگ جاتی ہے (یہ تخصیص بعد تعمیم ہے وکذا مابعدہ) اور اگر دل چاہتا ہے تو اُسکو کلیات کی طرف چلا دیتا ہے اور اگر دل چاہتا ہے تو جزئیات (کے مشاہدہ) مین محبوس رہ جاتی ہے (یہان کلیات و جزئیات سے معنی مصطلح اہل معقول مراد نہین جسپر ادراک الکلی بالبصر کا امتناع لازم آوے بلکہ کلیات سے اصول مواد ترکیب یعنی بسائط عناصر اور جزئیات سے انکی فروع یعنی مرکبات عنصریات مراد ہین جیسا سرخی باواپس کشیدن خرگوش مین اس شعر مین یہی مراد ہے۔ ع۔ این خود اجزا اند کلیات از والخ چنانچہ اسکی شرح گذر چکی) اسی طرح پانچون حواس نل کی طرح موافق خواہش دل کے جاری ہوتے ہین کہ دل انکو جسطرف اشارہ کردیتا ہے حواس خمسہ ہی طرف دامن کشان ہولیتے ہین

اسی طرح ہاتھ پاؤں حکم دل میں پھنسے ہوئے ہیں جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دست مبارک میں عصا تھا چنانچہ اگر دل چاہتا ہے تو پاؤں فوراً رقص کرنے لگتا ہے یا نقصان سے نفع کی طرف دوڑنے لگتا ہے اور اسی طرح اگر دل چاہتا ہے تو ہاتھ حساب میں لگ جاتا ہے یا انگلیاں کتاب لکھنے میں چلنے لگتی ہیں غرض یہ (ظاہری) ہاتھ ایک باطنی ہاتھ یعنی قلب کے قبضہ میں ہے کہ وہ اندر موجود ہے اور بدن کو باہر بٹھا رکھا ہے (اور وہاں سے کام لیتا ہے) اگر وہ چاہتا ہے تو یہ (ظاہری ہاتھ) دشمن کے مقابلہ میں مار بن جاتا ہے اور اگر وہ چاہتا ہے تو یہ دوست کے حق میں یار ہو جاتا ہے اگر وہ چاہتا ہے تو یہ کھانے میں چمچہ بن جاتا ہے اور اگر وہ چاہتا ہے تو یہ (غصہ میں) گرز دہ من ہو جاتا ہے (خلاصہ مقصود سب تشبیہات کا یہ ہے کہ اسی طرح دل بھی محکوم حقیقت انسان یعنی روح ہے)۔

دل چہ می گوید بدیشان اے عجب ‌‌ ‌— طرفہ وصلت طرفہ پنہانی سبب

دل مگر مہر سلیمان یافتہ است — کو مہار پنج حس برتافتہ است

پنج حسے از برون میسور او — پنج حسے اندرون مامور او

دہ حس ست و ہفت اندام دگر — وانچہ اندر گفت ناید مے شمر

(اور ضمن تشبیہ میں قلب کا حاکم اور حواس و اعضا کا محکوم ہونا مذکور تھا اب مولانا اس پر استبعاد و استعجاب ظاہر فرماتے ہیں جس سے غرض غالباً قدرت عجیبہ و صنعت غریبہ حق تعالیٰ کا استحضار و استلذاذ ہے پس فرماتے ہیں کہ) تعجب ہے کہ دل ان حواس و اعضا سے کیا کہدیتا ہے باہم عجیب اتصال اور عجیب تعلق معلوم ہوتا ہے شاید دل کو مہر سلیمانی مل گئی ہے جس سے حواس خمسہ کی عنان پھیر رکھی ہے (یہ احتمال محاورات میں شک کے لیے نہیں بلکہ زیادت تعجب کے لیے ہے اور یہیں وجہ اشارہ ہے تعیین سبب تسخیر اور اسکی تشبیہ کی طرف یعنی اللہ تعالیٰ نے اس میں ایک قوت ملکوتی رکھی ہے کہ مشابہ ہے خاتم سلیمانی کے) پانچ حواس تو ظاہری اسکے مقید ہیں اور پانچ حواس باطنی اسکے محکوم ہیں غرض دس تو حواس ہیں اور سات اعضاء ہیں اور بعضی چیزیں کلام میں نہیں آئیں ان کو تم شمار کر لو کہ وہ بھی محکوم ہیں جاننا چاہیے کہ حواس ظاہری یہ ہیں سامعہ باصرہ شامہ ذائقہ لامسہ اور باطنی یہ ہیں حس مشترک خیال وہم حافظہ متصرفہ اور ہفت اندام ظاہری یہ ہیں سر سینہ پشت دونوں ہاتھ دونوں پاؤں اور باطنی یہ ہیں دل جگر دماغ گردہ زہرہ شش طحال)۔

چون سلیمانی دلا در مہتری — بر پری و دیو زن انگشتری

گر درین ملکت بری باشی ز ریو — خاتم از دست تو نستاند سہ دیو

بعد ازان عالم بگیرد اسم تو — دو جہان محکوم تو چون جسم تو

ور ز دستت دیو خاتم را ببرد — پادشاہی فوت شد بختت بمرد

بعد ازان یا حسرتا شد للعباد — بر شما مختوم تا یوم التناد

ور تو دیو خویشتن را منکری — چون روی آنجا تو روشن بنگری

مکر خود را گر تو انکار آوری	از ترازو و آئنہ کے جان بری
این سخن پایان ندارد چون کنم	بعد ازین بر قصۂ لقمان تنم

(بمناسبت تشبیہ قوت قلب بخاتم سلیمانی کے یہان سے انتقال ہے مضمون ارشادی کی طرف یعنی) جب بمقتضائے تشبیہ مذکور تم (باعتبار قلب کے) سلیمان (معنوی) ہو اور دلاور سردار ہو تو تمکو چاہیے کہ (مثل حضرت سلیمان علیہ السلام کے) تمام پریون اور دیوون پر سکہ حکومت بٹھلا دو (مراد پری سے قوی روحانیہ اور دیو سے قوی نفسانیہ یعنی ان سب کو طاعات مین صرف کرو اور نفسانیہ کو معاصی سے روکو اور ان پر غالب ہو اگر تم اپنے اس ملک (ہستی) مین (کسی قوت نفسانیہ کے) فریب (مین آجانے) سے بچے رہوگے تو اس انگشتری (قوت ملکیہ) کو تم سے دیو (جسنے سلیمان علیہ السلام کی انگشتری دھوکہ سے لے لی تھی) نہ لے سکے گا (یعنی شیطان تم پر غالب نہ آسکے گا کما قال تعالی انہ لیس لہ سلطان علی الذین آمنوا وعلی ربہم یتوکلون انما سلطانہ علی الذین یتولونہ والذین ہم بہ مشرکون کیونکہ غلبہ شیطان کا مشروط ہے فساد قوی نفسانیہ کے ساتھ) پھر اسکے بعد تو تمھارا وہ رتبہ ہو جاویگا کہ ایک عالم تمھارا نام لینے لگے گا (یعنی محبوب و مکرم خلق ہو جاؤ گے کما قال تعالی ورفعنا لک ذکرک وقال صلے اللہ علیہ وسلم فیوضع لہ القبول فی الارض) اور دونون عالم (یعنی خلق کا ظاہر و باطن) تمھارے اس طرح محکوم ہو جاوینگے جس طرح اپنے جسم پر تمکو حکومت ہے (جیسا کاملین مکملین کی حالت کا مشاہدہ ہے کہ بواطن خلق مین تصرف تربیت فرماتے ہین اور خلائق اپنے جسم سے بھی انکی خدمت واطاعت کرتی ہین) اور اگر تمھارے ہاتھ سے شیطان اس انگشتری کو لیگیا (یعنی معصیت یا بدعت یا کفر وشرک مین مبتلا کرکے قوت ملکیہ ضایع کردی) تو بادشاہی گئی گذری اور قسمت پھوٹ گئی پھر تو یا حسرۃ علی العباد قیامت تک تم پر کسطرح لگ گیا (یعنی تمھاری حالت قابل حسرت ہوگئی پھر خواہ وہ حسرت ابدی ہو یا محدود ہو۔ اور جاننا چاہیے کہ تشبیہ مین قصہ دیو کا لانا بنا بر علی المشہور ہے ورنہ محققین کے نزدیک یہ قصہ بے اصل ہے مگر مقصود مین مضر نہین کما مر مرارا) اور اگر تم اپنے دیو کے وجود کا انکار کرتے ہو (یعنی کہتے ہو کہ میرے اندر قوی نفسانیہ نہین رہے جیسا مدعین کہا کرتے ہین) تو جب وہان (یعنی عالم آخرت مین) جاؤ گے ان کو علانیہ دیکھ لینا اور اگر اسکے فریب مین آنے سے انکار ہے) باوجود عدم زوال قوی خبیثہ کے مین نے ان کے مقتضی پر عمل نہین کیا تھا اور ان کو مغلوب ومقہور رکھا تھا) تو یہ بتلاؤ کہ ترازو (میزان عمل) اور آئنہ (صحیفۂ اعمال) سے کسطرح جان بچاؤ گے (اور ان دونون چیزون کا عموما آلۂ عدل ہونا ظاہر ہے اور اوپر بیان بھی آچکا ہے اور میزان عمل ونامۂ عمل تو موازنہ معائنۂ اعمال کے لیے خصوصا موضوع ہی ہین) اور اس مضمون کا کہ قیامت مین سب قلعی کھلے گی کہین خاتمہ نہین (کیونکہ وہان کے واقعات لاتحصی ہین) مین کیونکر (سب کی شرح کرون (اسلیے اتنے ہی مضمون کے بعد امتحان یوم قیامت کے مثال کے لیے) حضرت لقمان علیہ السلام کے قصہ کی طرف متوجہ ہوتا ہون (تاکہ اس امتحان کا نمونہ معلوم ہو جاوے)۔

متهم کردن غلامان و خواجه تاشان مر لقمان را که میوه‌های پروریده و گزیده آوردیم او خورده

بود لقمان پیش خواجه خویشتن — در میان بندگانش خوار تن
می فرستاد او غلامان را بباغ — تا که میوه آیدش بهر فراغ
بود لقمان در غلامان چون طفیل — پر معانی تیره صورت همچو لیل
آن غلامان میوهای جمع را — خوش بخوردند از نهیب طمع را
خواجه را گفتند لقمان خورد آن — خواجه بر لقمان ترش گشت و گران
چون تفحص کرد از لقمان سبب — در عتاب خواجه اش بگشاد لب
گفت لقمان سیدا پیش خدا — بندهٔ خائن نباشد مرتضیٰ
امتحان را کار فرما ای کیا — شربت ز آتش بده بهر نما
امتحان کن جمله ما را ای کریم — سیرمان در ده تو از آب حمیم
بعد از ان ما را بصحرای بران — تو سوار و ما پیاده می دوان
آنگهان بنگر تو بدکردار را — صنعهای کاشف الاسرار را
گشت ساقی خواجه از آب حمیم — مر غلامان را و خوردند آن ز بیم
بعد از ان می راندشان در دشتها — می دویدند آن نفر تحت و علا
قی در افتادند ایشان از عنا — آب می آورد ز ایشان میوها
چونکه لقمان را در آمد قی ز ناف — می بر آمد از درونش آب صاف

خوار تن بیقدر قوله پر معانی الخ اے چنانکہ شب ظاہرا سیاہ و در حقیقت پر از اسرار و اوصاف باشد کہ وقت قرب و خلوص بمحبوب ست نہیب. غارت مرتضیٰ برگزیدہ خبر فعل نباشد و اسمش بندہ خائن رانش بمعنے دانش بمعنی دور کردن و راندن مراد دفع طعام بے قے باشد نما ظہور حمیم گرم عنا مشقت بعد حل لغات مطلب واضح ہے ربط اس کا شعر مکر خود را الخ سے ہے یعنی امتحان کے سامنے انکار نہین چلتا جیسا اس قصہ مین ہوا۔

حکمت لقمان چو تاند این نمود — پس چه باشد حکمت رب الوجود
یوم تبلی السرائر کلها — بان منکم کامن لا یشتهی
چون سقوا ماء حمیما قطعت — جملة الاستار مما افضحت
نار زان آمد عذاب کافران — که حجر را نار باشد امتحان
این دل چون سنگ را تا چند چند — پند گفتیم و نمی پذرفت پند

ریش بدرا دار وے بد یافت رگ	مر سر خر را سزد دندان سگ

(جملۂ الاستاد نائب فاعل قطعت متن در سما بیان استاد ضمیر فضحت راجع بسوے ما بتاویل استاد و استاد فضاح سوے استاد بنظر حالت تقطع و ہوا قتباس لانقل استمین مقصود حکایت کا فرماتے ہین کہ جب لقمان کی حکمت ایسی مخفیات کو ظاہر کر سکتی ہے تو پروردگار عالم کی حکمت تو کیسی کچھ ہوگی داُسکے روبرو کسطرح خفا نہ سکتا ہے جس روز تمام پوشیدہ امور کا امتحان ہوگا اُسوقت تمسے لیسے ایسے امور ظاہر ہونگے کہ انکا ظاہر ہونا تمکو مرغوب نہین اور جبوقت اہل نار کو گرم پانی پلایا جاوے گا اُسوقت تمام پردے پارہ پارہ ہوجاوین گی جو کہ فضیحت کر دینگے دکہ اس حالت کو دیکھنے والے جان لین گے کہ یہ نافرمان تھے اور قصۂ مذکورہ کی آب گرم کی مناسبت سے اس آب گرم کو ذکر کرنا محض صنعت لفظیہ بطور لطیفہ کے ہے ورنہ دونون مین تفاوت غرض سقی کا کہ قصہ مین امتحان ہے اور یہان عقوبت اسی طرح مسقی کا کہ قصہ مین اُس کا عموم ہے اور یہان خصوص ظاہر ہے اور کفار کے واسطے عذاب آتش کا اسلیے تجویز کیا گیا کہ آتش سے سنگ کا ابتلا ہوتا ہے دیہ بطور نکتہ کے ہی کہ کوہ کن لوگ جب آلات سے کام چلتا نہین دیکھتے تو آگ سے توڑتے ہین آگے گویا حق تعالیٰ کا مقولہ ہی کہ اسی طرح) کفار کے دل مثل سنگ کو ہم کتنا کتنا نرمی سے کہتے رہے مگر ایک نصیحت بھی پذیرانہ ہوئی (انجام کار آتش سے سابقہ پڑا آگے اُنکے عمل اور عقوبت کے تناسب کی مثال ہے کہ) زخم بد کی رگ داروی بد ملتی ہے اور سر خر کے (کھانے کے) لیے دندان سگ زیبا ہی (یہ اشارہ ہے مثل مشہور گوشت خر دندان سگ کیطرف

للخبیثات الخبیثون حکمت ست	زشت را ہم زشت جفت وبایت ست
پس تو ہر جفتی کہ می خواہی بگیر	محو او باش و صفات او پذیر
نور خواہی مستعد نور شو	دور خواہی خویش بین و دور شو
ور رہی خواہی ازین سجن خرب	سر مکش از دوست واسجد واقترب
سرکشان را بین سراسر در عذاب	سر بنہ واللہ اعلم بالصواب
این سخن پایان ندارد خیز زید	بر براق ناطقہ بر بند قید

(مضمون تناسب عمل و عقوبت کفار پر بطور تفریع کے ارشاد فرماتے ہین کہ جب ثابت ہو گیا کہ خبیثات کے لیے خبیثون کی خصوصیت حکمت ہے اور زشت کے لیے زشت ہی قرین اور لائق ہے بس اب تمکو اختیار ہے کہ جس قرین کو چاہو اختیار کر لو (یعنی خواہ مرشد الی الحق کے ساتھ ہو جاؤ خواہ شیاطین الانس والجن کے تابع بنجاؤ) اور اُسی قرین کی ذات مین محو (محبت) ہو جاؤ اور اُسی کی صفات قبول کر لو جیسا حدیث مین ہی المرء علی دین خلیلہ فلینظر من یخالل) اگر تم نور چاہتے ہو تو (صحبت کاملین سے) نور کی استعداد پیدا کر لو اور اگر (رحمت خداوندی سے) دور رہنا چاہتے ہو تو خود بینی کرنے لگو اور دور ہو جاؤ اور اگر اس زندان ویران (دنیا) سے نجات کا راستہ چاہتے ہو تو اپنے محبوب حقیقی سے سرکشی مت کرو اور سجدہ و عبادت مین مشغول ہو جاؤ اور مقرب بن جاؤ اور سرکشون کو سر بسر عذاب

مین مبتلا سمجھو اور سر انقیاد خم کردو) مطلب یہ کہ جیسی صحبت ہوگی ویسے عمل ہونگے ویسا ثمرہ ہوگا آگے
رجوع ہے قصہ کی طرف یعنی) اس مضمون (مکافات) کا تو کہین پایان نہین اے زید آمادہ ہو کر مرکب ناطقہ
کو مقید کردو (یعنی سکوت اختیار کرو)۔

حکایت زید با پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم و جواب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

ناطقہ چون فاضح آمد عیب را — میدراند پردہاے غیب را
غیب مطلوب حق آمد چندگاہ — این دہل زن را بران بربند راہ
تگ مران درکش عنان مستور بہ — ہرکس از پندار خود مسرور بہ
حق ہمی خواہد کہ نومیدان او — زین عبادت ہم نگردانند رو
ہم مشرف در عبادتہاے او — مشتغل گشتہ بطاعتہاے او
ہم بامیدے مشرف مے شوند — چند روزے در رکابش می دوند
خواہد آن رحمت بتابد بر ہمہ — بر بد و نیک از عموم مرحمہ
حق ہمی خواہد کہ ہر میر و اسیر — با رجا و خوف باشند و حذیر
این رجا و خوف در پردہ بود — تا پس این پردہ پروردہ بود
چون دریدی پردہ کو خوف و رجا — غیب را شد کر و فر اندر ملا

(ان اشعار مین بیان ہے اخفاء اسرار کی بعض حکمتون کا یعنی) چونکہ قوت ناطقہ عیوب کی فضیحت کرنیوالی ہے
(کیونکہ جسکا عیب مکشوف ہوگا اُسکا بھی بیان ہوجاویگا) اور وہ ناطقہ دوسرے پردہاے غیب کو بھی دریدہ کرتی
ہے حالانکہ غیب (کا غیب رہنا) چندے (یعنی دنیا مین) حق تعالی کو مطلوب ہے اس لیے اس ڈھول بجانیوالے
کو (یعنی ناطقہ کو اظہار سے) دور کرو اور راہ (اظہار) بند کرو اور اسکو تیزی سے مت چلاؤ اور اسکی لگام
کھینچو (اسرار غیبی کا) مستور رہنا بہتر ہے اور (دنیا مین) ہر شخص کا اپنے گمان (اصابت) مین فرحان رہنا
(باعتبار حکمت تکوینیہ کے) بہتر ہے (کما قال تعالی کل حزب بما لدیہم فرحون پس ایک حکمت تو یہ ہوئی اور دوسری
حکمت یہ ہے کہ حق تعالی کو یہ منظور ہے کہ جو لوگ (بوجہ باطل پر ہونے کے) اُن (کے ثواب) سے ناامید (ومحروم)
ہین وہ بھی اس عبادت سے (کہ وہ کر رہے ہین) روگردانی نہ کرین (اور ظاہر ہے کہ اگر انکو اپنا حرمان مکشوف ہوجاوے تو
فوراً عبادت چھوڑ دین اب رہی یہ بات کہ اگر ایسی عبادت رہی بھی تو کیا نفع اسکی نسبت فرماتے ہین کہ) وہ لوگ حق تعالی
کی عبادت سے مشرف اور اُنکی اطاعت مین مشتغل رہ کر امید (واقعی) سے بھی مشرف ہوجاتے ہین چونکہ چندے خدمت
مین مشغول رہے ہین (یعنی یہ نفع ہوتا ہے کہ اس عبادت وخدمت کی برکت سے وہ مقبول ہوجاتے ہین پس کشف راز
سے عبادت متروک ہوجاتی اور اس مقبولیت سے بے بہرہ رہتے رہا یہ شبہ کہ کشف مین یہ بھی تو معلوم

ہوتا کہ ہم عبادت سے مقبول ہو سکتے ہین اُسکا جواب یہ ہے کہ مخلوق کا کشف محیط تام تو ہو نہین سکتا اِس لیے
غالب یہی ہوتا ہے کہ کچھ مکشوف ہوا کچھ مخفی رہ گیا اِس لیے یہ مضرت لازم ہے) غرض حق تعالیٰ عموم رحمت سے
چاہتے ہین کہ وہ رحمت سب نیک وبد پر نازل ہو (رہا یہ کہ کفار مین اس اخفاء سے توبہ توقع بھی نہین پھر اِس مین
کیا حکمت ہے (اسکا تحقیقی جواب تو یہ ہے کہ ہم نہین جانتے دوسرا جواب مولانا کے اشعار آیندہ سے نکل سکتا ہی جو خود
ایک تیسری حکمت مستقلہ ہے یعنی) حق تعالیٰ یون بھی چاہتے ہین کہ تمام حاکم اور محکوم خوف ورجا مین پڑے رہین اور
(ظاہر ہے کہ) خوف ورجاء اخفاء مین ہوتا ہے تاکہ اِس پردۂ اخفاء کے اندر (اپنی حالت مین) نشو ونما پاتا رہے
اور اگر پردہ پھاڑ دو تو پھر خوف ورجا کہان پھر تو برملا غیب کا کروفر ظاہر ہو جاوے (پس یہ حکمت عام ہے مومن و
غیر مومن سب کے اخفاء احوال کی رہا یہ سوال کہ خود خوف ورجا مین کیا حکمت ہے اسکا وہی تحقیقی جواب کافی ہے

حکایت

برلب جو بردہ ظنے یک فتے ۔ کہ سلیمان ست ماہی گیر ما
گر وست این از چہ فردست وخفیست ۔ ورنہ سیمای سلیمانیش چیست
اندرین اندیشہ می بود او ودل ۔ تا سلیمان گشت شاہ مستقل
دیو رفت از ملک وتخت او گریخت ۔ تیغ بختش خون آن شیطان بریخت
کرد در انگشت خود انگشتری ۔ جمع آمد لشکر دیو وپری
آمدند از بہر نظارہ رجال ۔ درمیان شان آنکہ بد صاحب خیال
چون در انگشتش بدید انگشتری ۔ رفت اندیشہ وگمانش یکسری

(یہ حکایت تمثیل مضمون بالا کی تائید مین ہے کہ انکشاف غیب کے ساتھ خوف ورجا جو ملزوم ہی احتمال کا جمع نہین
ہوسکتا یعنی) کسی ندی کے کنارہ پر ایک شخص کو (انوا شبرہ سے زمانۂ تسلط صخر جنی مین جیسا کہ خلاف تحقیق
مشہور ہے) یہ شبہ ہوا کہ یہ ماہی گیر سلیمان علیہ السلام معلوم ہوتے ہین پس اگر واقع مین یہ وہی ہین تو اس طرح
تنہائی اور گمنامی کی حالت مین کیون ہین اور اگر وہ نہین ہین تو (چہرہ پر) آثار سلیمانی کیون (نمایان) ہین غرض
اسی فکر مین اُسکا دل دو طرف تھا حتی کہ حضرت سلیمان علیہ السلام (دوبارہ) شاہ مستقل ہو گئے اور وہ شیطان (صخر جنی
آپ کے ملک وتخت سے بھاگ گیا اور آپ کے تیغ اقبال نے اُسکو ہلاک کیا اور آپنے اپنی انگشت مین انگشتری پہن لی
اور تمام دیو وپری کا لشکر جمع ہو گیا اور زیارت کے لیے بہت سے لوگ حاضر ہوے (اتفاق سے) اُن لوگون کے
درمیان وہ شخص مبتلائے خیال بھی حاضر تھا (جو تردد مین رہا کرتا تھا کہ یہ سلیمان ہین یا نہین) پس اُس نے
جب آپ کے ہاتھ مین انگشتری دیکھی (اور شاہانہ شان وشوکت وتسخیر جن وطیور کا مشاہدہ کیا)
اُسوقت اُسکا تردد اور شبہ بالکل جاتا رہا (وجہ تائید ظاہر ہے کہ دیکھو اس شخص کو انکشاف تام کے

وقت احتمال سلیمان ہونے نہ ہونے کا جاتا رہا اور ایک شق متعین ہو گئی اور تمثیل صرف اسی امر مین ہے یہ ضرور نہین کہ حکمت اختفاء دونون جگہ یکسان ہو اور اس قصہ کا خلاف تحقیق ہونا غرض تمثیل مین مضر نہین۔

وہم آنگاہست کان پوشیدہ است — این تحری از پے نادیدہ است
شد خیال غائب اندر سینہ زفت — چونکہ حاضر شد خیال او برفت

دان اشعار مین وجہ تائید کی تاکید ہے کہ احتمال اُسیوقت تک ہے جب تک کوئی چیز پوشیدہ ہے اور یہ تحری وقیاس نادیدہ چیز کے لیے ہے اور غائب ہی چیز کا خیال دل مین قوی رہتا ہے اور جب وہ سامنے آگئی تو خیال زائل ہو جاتا ہے (اور یہ ظاہر بھی ہے کیونکہ قوت خیال بعد غیبت عن المدرک کے حافظ صور ہے۔

گر سمائے نور بے باریدنست — ہم زمین تاریے بالیدنست
یومنون بالغیب مے باید مرا — زان ببستم روزن فانی سرا
گرچہ ہست اظہار کردن خود کمال — مے رہاند جانہا را از خیال
لیک یک در صد بود ایمان بغیب — نیک دان وبگذر از تزویر وریب
چون شگافیم آسمان را در ظہور — چون بگوئیم بل ترے فیہا فطور
تا درین ظلمت تحری گسترند — ہر کسے رو جانبے مے آورند
مدتے معکوس باشد کارہا — شحنہ را دزد آورد بر دارہا
تا کہ بس سلطان عالی ہمتے — بندۂ بندہ خود آید مدتے

دیہ مرتبط ہے مضمون اشعار ماقبل حکایت کے ساتھ غیب مطلوب حق آمد چندگاہ الخ اور مثل اُن اشعار کے یہان بھی بیان ہے اختفاء غیبیات کی بعض حکمتون کا پس ایک حکمت تو شعر اول مین مذکور ہے جو سلسلہ مجموعہ مین چوتھی حکمت ہے یعنی) اگر آسمان منور بکواکب) بلا بارش رہتا تو زمین بے نور بلا نشو ونما رہتی) تفسیر اُسکی واللہ اعلم احقر کے خیال مین یہ ہے کہ جس طرح زمین پر آسمان کے دو قسم کے فیوض ہین ایک بلا واسطہ حجاب یعنی نور پاشی دوسرا بواسطۂ حجاب یعنی بارش کہ بواسطۂ سحاب ہوتی ہے اسی طرح عالم غیب ہے کہ مشابہ آسمان کے ہے عالم شہادت پر کہ مشابہ زمین کے ہے فیوض کی دو صورتین محتمل ہو سکتی ہین ایک بلا واسطہ حجاب جیسا کشف علوم کی صورت مین ہوتا ہے دوسرا بواسطہ حجاب جیسا اب ہے کہ بواسطۂ حضرات ملائکہ وحضرات انبیا علیہم السلام کے نازل فرمایا گیا پس جس طرح صرف نور پاشی آسمان سے کہ فیض بے حجاب ہے زمین کی آبادی عادۃً نہین ہو سکتی بلکہ وہ آبادی وابستہ ہے بارش کے ساتھ کہ فیض من الحجاب ہے جیسا کہ ظاہر ہے اسی طرح عالم غیب کے فیوض اگر بلا حجاب نازل ہوتے یعنی کشف عالم ہو جاتا کہ حقائق سب کو مشہود ہو جاتے تو عالم شہادت کی آبادی ممکن نہ تھی کیونکہ معائنہ کی حالت مین زراعت وتجارت وحرفت وصنعت کی مہلت اور اقامت کسکو ہوتی اسی طرح صدور معصیت بھی نہ ہوتا تو اقامت عدل واصلاح بین الناس کا تحقق

بھی ظاہر ہے کہ نہ ہوتا بلا غلبہ مشاہدہ مین چونکہ ایک گونہ حواس وعقل مین تعطل آجاتا اس لیے طاعات و عبادات کا وجود بھی مستبعد تھا اور عمارت عالم شہادت کی ان ہی امور سے ہے اس لیے محققین کا قول ہے جسکو ایک جگہ مولانا نے ان الفاظ مین فرمایا ہے ؎ استن این عالم ای جان غفلت ست الخ پس معلوم ہوا کہ حجاب کا ہونا مقتضائے مصلحت عمارت عالم ہے اور جس طرح مشبہ بہ مین اس کے عکس مین کہ نہ بارش ہوا کرتی اور نور پاشی نہ ہوتی نیز آبادی زمین مختل ہوتی اسی طرح مشبہ مین بھی اگر حجاب محض ہوتا اور بالکلیہ انکشاف نہ ہوتا تب بھی عالم شہادت کی عمارت منہدم ہو جاتی کیونکہ ایمان موقوف علیہ ہے عمارت عالم کا چنانچہ جب یہ بالکلیہ عالم سے منعدم ہو جاویگا قیامت قائم ہو جاویگی اور ایمان ایک قسم کا کشف وجدانی وعلم ذوقی و نور وہبی ہے جو بعد مباشرت اسباب بلا واسطہ قلب مین القا کیا جاتا ہے پس بقاء عالم وابستہ ہوا استتار من وجہ وانکشاف من وجہ کے ساتھ واللہ اعلم آگے بقیہ اشعار مین ایمان بالغیب کی مطلوبیت کو استتار مذکور کی ایک اجمالی حکمت قرار دیکر اُسکو چند حکمتون مین مفصل فرماتے ہین اور چونکہ اشعار بالا مین حق ہمی خواہد چند جا آیا ہے جو معنی اس عبارت کے ہے کہ حق می فرماید کہ چنان میخواہم اس لئے اس مضمون کو مقولہ حق قرار دیکر فرماتے ہین کہ) مجھکو ایمان بالغیب مطلوب ہے اس لیے مین نے سرائے فانی کا روزن (جس سے عالم غیب کا مشاہدہ کر سکتے) بند کر دیا اور اظہار اسرار اگرچہ فی نفسہ (موجب) کمال (یقین) ہے (کیونکہ) قوی مدرکہ کو خیالات مخلہ سے چھڑا دیتا ہے (اور اسکا مقتضا یہ تھا کہ کشف اسرار کر دیا جاتا اور ایمان بالمعاینہ ہوتا لیکن (بعضی حکمتین بضمن ایمان بالغیب کے مطلوب ہین اور وہ حجاب رہنے سے حاصل ہو سکتی ہین مثلاً ایک حکمت جو مجموعہ حکم کے اعتبار سے پانچوین ہے یہ ہے کہ) ایمان بالغیب (جسکا تحقق بقاء حجاب مین ہوتا ہے) فیصدی ایک جگہ ہوتا ہے (جیسا کہ اہل ایمان کا قلیل العدد ہونا مشاہد ہے قرآن مجید مین بھی ہے قلیل من عبادی الشکور اور حدیث مین بھی مومنین کا بہ نسبت کفار کے قلیل ہونا مذکور ہے اس مصرعہ مین اس حکمت کا ایک مقدمہ مذکور ہے دوسرا مقدمہ بداہت کی وجہ سے بیان نہین کیا وہ یہ کہ محبوب چیز اگر قلیل ہو زیادہ محبوب ہوتی ہے جس سے یہ نتیجہ پیدا ہوا کہ اس صورت مین جو مومن ہین وہ اللہ تعالی کے بہت محبوب ہون گے پس یہ کتنی بڑی حکمت ہے پس اسکو خوب سمجھ رکھو اور تزویر وشک سے بچے رہو (اور چھٹی حکمت یہ ہے کہ) اگر عالم غیب کو (کہ وراء السماء ہے) ظاہر کرنے کے لیے آسمان کو شق کر دون تو پھر (قرآن مجید مین) آیہ ہل تری من فطور کیونکر کہی جاوے (اسکا ترجمہ یہ ہے کہ بھلا نظر کیا آسمان مین تم کوئی رخنہ دیکھتے ہو مقصود اس خطاب سے متوجہ کرنا ہے استدلال علی القدرت والحکمۃ پر اور ظاہر ہے کہ معاینہ کے وقت استدلال کی گنجایش نہین ہوتی اور قطع نظر اس سے یہ خاص استدلال تو باقی نہ رہتا پس حاصل یہ ہوا کہ اس استدلال خاص مین جو حکمت مودع ہے اظہار اسرار مین وہ ضائع ہو جاتی اور ساتوین حکمت یہ ہے) تاکہ اس ظلمت (دنیا) مین لوگ قیاسات کو ممہد کرین اور

(اختلافات قیاسات کے سبب) ہر شخص ایک ایک طریق کی جانب متوجہ ہو جاوے (کما قال تعالیٰ ولو شاء ربک لجعل الناس امۃ واحدۃ ولا یزالون مختلفین الا من رحم ربک ولذلک خلقھم) اور تاکہ ایک مدت خاص تک (یعنی بقاء دنیا تک) بہت سے کام معکوس رہیں یعنی مثلاً شحنہ کو چور دار پر چڑھا وے اور تاکہ مثلاً بہت سے عالی ہمت سلاطین ایک مدت تک اپنے سے کمتر لوگوں کے محکوم رہیں (مراد شحنہ وسلاطین سے مقبولان الٰہی ہیں کہ عالم غیب میں بادشاہ ہیں اور دزد اور بندہ مضاف الیہ سے کفار وظالم مراد ہیں جو اس عالم میں محض مجرم وخوار ہیں حاصل تقریر یہ ہوا کہ احتجاب غیب سے آراء و قیاسات میں اختلاف ہوا اور کفر وایمان کی راہیں پیدا ہوئیں اور احیاناً اہل ایمان کو ظاہراً پست حالت میں رکھنا یا تو معلولات اختفاء میں سے ہو یا علل اختفاء میں سے ہو تقریر اول کی یہ ہوگی کہ چونکہ انکی وجاہت مخفی ہے اسلیے کفار پر انکی ہیبت نہیں تقریر ثانی کی یہ ہوگی کہ یہ بھی ایک ابتلاء ہے ورنہ ان کے غلبۂ دائمی سے ان کا حق پر ہونا منجملہ بدیہیات ہو جاتا تو پورا اختفاء کہ احتیاج الی النظر میں ہے نہ رہتا اور ہر حال میں اہل ایمان کے حق میں یہ موجب ترقی مراتب قرب اور کفار کے حق میں موجب تزاید بُعد ہے)۔

بندگی در غیب آمد خوب وکش — حفظ غیب آمد در استعباد خوش
کو کہ مدح شاہ گوید پیش او — تا کہ در غیبت بود او شرم رو
قلعہ داری کز کنار مملکت — دور از سلطان و سایہ سلطنت
قلعہ نفروشد بمال بیکران — پاس دارد قلعہ را از دشمنان
غائب از شہ در کنار ثغرہا — ہمچو حاضر او نگہدارد وفا
پیش شہ او بہ بود از دیگران — کہ بخدمت حاضرند و جانفشان
پس بغیبت نیم ذرہ حفظ کار — بہ کہ اندر حاضری زان صد ہزار
طاعت و ایمان کنون محمود شد — بعد مرگ اندر عیان مردود شد

(اسمیں بھی مثل اشعار سابقہ بیان ہے حکمت اختفاء کا یعنی آٹھوین حکمت یہ ہے کہ) عبادت (معبود کے غیب ہونے میں خوب و مستحسن ہے اس لیے عبادت کا کام لینے میں غیب کا ظہور سے محفوظ رکھنا نہایت مناسب ہے اسکی ایسی مثال ہے کہ) کجا وہ شخص کہ بادشاہ کی مدح اُسکے روبرو ہو کر کرے اور کجا وہ جو حالت غفلت میں (بادشاہ کا) لحاظ رکھتا ہو (یعنی یہ دوسرا امر زیادہ عجیب ہے) دوسری مثال یہ کہ مثلاً ایک قلعہ دار ہی سرحد سلطنت پر بادشاہ سے اور ظل خلافت سے دور رہتا ہے اور (فرضاً) اُسکو کسی غنیم سے قلعہ کے عوض میں بیشمار مال ملتا ہو مگر وہ شخص مال بیشمار کے عوض میں قلعہ نہیں دیتا اور دشمنوں سے قلعہ کی حفاظت کرتا ہے بادشاہ کے نزدیک یہ شخص دوسرے (بعضے) لوگوں سے جو ہر وقت خدمت میں حاضر اور جان فشان رہتے ہیں افضل ہوگا پس (ثابت ہوا کہ) حالت غیبت میں نصف ذرہ خدمت کا پاس رکھنا اُس سے بہتر ہے کہ حاضری میں اُس سے لاکھ حصہ زیادہ پاس رکھا جاوے (دیکھو اس کا مؤید یہ ہے کہ) طاعت اور ایمان اب (دنیا میں)

محمود و مقبول) ہے اور بعد موت معاینہ کی حالت مین غیر مقبول ہے (ورنہ کوئی کافر ہی دوزخ مین نہ جاتا
کیونکہ وہان سب تصدیق کرلین گے کما قال تعالیٰ عنہم ربنا ابصرنا وسمعنا فارجعنا نعمل صالحا انا موقنون اور
وجہ تائید ظاہر ہی کہ یہان ایمان بالغیب ہے اور وہان بالمعاینہ پس حکمت اختفا کی متقرر ہوگئی اس مقام کا مضمون
شعر بالا لیک یک در صد الخ سے متقارب ہے صرف اتنا تفاوت ہے کہ وہان اجبیت باعتبار حالت کمیت
ایمان کے ہے کہ قلت ہے اور یہان باعتبار حالت کیفیت کے ہے کہ اعجبیت ہے غرض یہ کل آٹھ
حکمتین ہوئین وجود باطل در دنیا ترجیح قانط عموم خوف ورجا بقاء عمارت عالم اعجبیت اہل ایمان
استدلال و نظر زیادت مراتب ایمان و کفر اعجبیت ایمان مومنین واللہ اعلم ف مولانا نے جو جا بجا
علم لدنی و ایمان تحقیقی کشفی کو ترجیح دی ہے اُس سے یہ شبہہ نہ کیا جاوے کہ یہ مضمون اُس کے معارض ہے
کیونکہ وہان کشف ذوقی و وجدانی ہے جو اسی ایمان بالغیب کی ایک اعلیٰ درجہ کی فرد ہے اسکو حدیث مین
بشاشت سے تعبیر کیا گیا ہے کشف عیانی نہین اسی طرح یہ شبہہ نہ کیا جاوے کہ انبیاء و ملائکہ علیہم السلام کا ایمان
بالمعاینہ ہوتا ہے اُسپر اس ایمان بالغیب کی ترجیح لازم آئی کیونکہ یہان الکلیت و افضلیت کا اثبات
نہین بلکہ عموم کشف نہ ہونیکی حکمتین اور ایمان بالغیب کا اعجب ہونا مذکور ہے سو انبیا اور ملائکہ کے کشف سے
نہ عموم کشف لازم ہے اور نہ عوام مومنین کے ایمان کا افضل ہونا لازم ہی بلکہ افضل و اقوی وہی ہوگا جو
کشف الٰہی قطعی سے ہوتا ہی البتہ اعجب ہونا خود حدیث مین مصرح ہی سو کسی شے کا اعجب ہونا مستلزم الکلیت کو نہین حدیث
یہ ہے روی البیہقی عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ای الخلق اعجب الیکم ایمانا
قالوا الملائکۃ قال وما لہم لا یومنون وہم عند ربہم قالوا فالنبیون قال وما لہم لا یومنون والوحی ینزل علیہم قالوا فنحن
قال وما لکم لا تومنون باللہ وانا بین اظہرکم قال فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اعجب الخلق الی ایمانا لقوم یکونون من بعدی یجدون
فیہا صحفا فیہا کتاب یومنون بما فیہا اور اس کشف مین قطعی الٰہی کی قید اس لیے لگائی کہ کشف ظنی سے ایمان بالغیب
بدرجہا افضل ہی اور کشف کوئی کمال مقصود نہین اور اسی طرح شعر اخیر سے یہ شبہہ نہ کیا جاوے کہ ایمان بالمعاینہ
مطلقاً غیر مقبول ہے کیونکہ یہ وہی کہ بعد جحود و انکار بالغیب کے ہوا ہے ورنہ دونون کا جمع ہوجانا نور علیٰ نور کا
مصداق ہے ان تمام شبہات کا اچھی طرح ازالہ کرلو اس مقام مین دھوکہ ہوجاتا ہے۔

چونکہ غیب و غائب و روپوش بہ	پس دہان بربند و لب خاموش بہ
اے برادر دست وادار از سخن	خود خدا پیدا کند علم لدن
بس بود خورشید را رویش گواہ	اے شئے اعظم الشاہد اللہ

داور بیان تھا اختفاء اسرار کی متعدد حکمتون کا اب اپنی نفس کو اور دوسرے عارفین مطلعین علی حکمۃ الاختفاء
کو خطاب فرماتے ہین کہ جبکہ مطلقاً اسرار غیبیہ کا غیب رہنا اور اُسکا غائب در روپوش رہنا بہتر ہے داور
حکمتہائے اختفاء خود بھی منجملہ اسرار ہین کیونکہ اُنکا تعلق صفات حکمت و مشیت و علم الٰہی سے ہی تو مقتضائے

اولویت اختفاء اسراران حکمتون کا اخفا بھی اولی ہوگا پس (انکے تفصیل وبیان سے تم بھی منھ بند کرلو اور لبون کو خاموش کرلو یہی بہتر ہے اے برادر (تفصیل حکم مین) کلام کرنے سے دست برداری کرو حق تعالے (جب مخاطبین کو مطلع فرمانا چاہین گے تو خود (انکے قلب مین علم لدنی (و ذوقی) پیدا کردینگے (جس سے انکو انکشاف حکمتون کا ہوجاوے گا) اور خورشید کے لیے تو خود النکا رخ ہی کافی گواہ ہے (یہی مقال علم حالی و ذوقی ہے برخلاف علم قالی کے کہ دلائل و مقدمات و نظر کا محتاج ہے وہ محتاج کسی واسطہ کا نہین ہوتا پس وہ علم قلب عارف مین ایک قسم کی شہادت آلہیہ بلا واسطہ ہے اور یہ یقینی و مسلم ہے کہ) سب سے بڑی شاہد کون شئے ہے وہ حق تعالیٰ ہین (کما قال تعالیٰ قل اے شئ اکبر شہادۃ قل اللہ شہید الآیۃ یعنی تم تفصیل حکم سے سکوت کرو جب حق تعالیٰ کو منظور ہوگا لوگون پر خود منکشف فرمادینگے)۔

نے بگویم چون قرین شد در بیان	ہم خدا و ہم ملک ہم عالمان
یشہد اللہ و الملائک و اہل العلوم	انہ لا رب الا من یدوم
چون گواہی داد حق کہ بود ملک	تا شود اندر گواہی مشترک
زانکہ شعشاع و حضور آفتاب	بر نتابد چشم و دلہائے خراب
چون خفاشی کو تف خورشید را	بر نتابد بگسلد امید را

(اوپر مشورہ ہے بیان حکم سے سکوت کرنے کا یہان اس سے اضراب ہے اور ضرورت بیان تحقیق ہے پس فرماتے ہین کہ) نہین ہم تو (اس باب مین) ضرور کچھ کہین گے چونکہ (قرآن مجید کی اس آیت مین شہد اللہ انہ لا الٰہ الا ہو والملائکۃ واولوا العلم) اللہ تعالیٰ اور ملائکہ اور علماء سب ذکر مین (بطور عطف کے) قرین ہو رہے ہین یعنی اللہ تعالے بھی گواہی دے رہے ہین اور ملائکہ بھی اور اہل علم بھی کہ کوئی معبود نہین بجز ذات باقی کے (یہ مضمون اس آیت کا ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ باوجود شہادت آلہیہ کے پھر بھی شہادت ملائکہ و علماء مین کوئی مصلحت ہے ورنہ) جب حق تعالیٰ شہادت (توحید کی) دے چکے پھر فرشتے (یا اہل علم) کیا چیز ہین کہ شہادت مین شریک ہون پس اسکی وجہ یہی ہے کہ آفتاب کی شعاع اور محاذات کا تحمل ہر چشم و قلب ناکارہ سے نہین ہوسکتا جیسے خفاش کہ تابش آفتاب کو نہ برداشت کرسکے اور (اس وجہ سے حصول نور سے) بالکل ہی امید منقطع کردے (تو ایسی حالت مین مصلحت ہوگی کہ اسکو ماہ و اختر کے انوار سے مستفید کیا جاوے یعنی اسی طرح گو علم لدنی و حالی شہادت آلہیہ ہے۔ مگر خود قرآن مجید مین بعد شہادت آلہیہ کے شہادت ملائکہ و علماء کی ذکر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ بوجہ ضعف و نقصان استعداد کے عامہ خلائق جو مثل خفاش کے ہین اسکی قابلیت نہین رکھتے کہ وہ مثل آفتاب کے ہے اسلیے وحی ملائکہ و تعلیم اہل علوم یعنی انبیا و ورثہ انبیا کی جو مشابہ قمر و نجوم کے ہین ضرورت ہے پس اس بنا پر عامہ خلائق کیلیے علم لدنی کے انتظار مین حکمتون کے بیان کو کیونکر متروک کردیا جاوے۔ اور جاننا چاہیے کہ اس اضراب کا ماقبل و ما بعد واقع مین

متعارض نہیں سکوت کا مشورہ درجۂ تفصیل کے لیے ہے اور بیان کی ضرورت درجہ اجمال کے لئے ہے

پس ملائک را چو ماہان باز دان — جلوہ گر خورشید را بر آسمان
کان ضیا ما ز آفتابے یافتیم — چون خلیفہ بر ضعیفان تافتیم
چون مہ نو یا سہ روزہ یا کہ بدر — مرتبہ ہر یک بود در نور و قدر
ز اجنحہ نور ثلاث او رباع — بر مراتب ہر ملک را آن شعاع
ہمچو پرہاے عقول انسیان — کہ بسے فرق ست شان اندر میان
پس قرین ہر بشر در نیک و بد — آن ملک باشد کہ مانندش بود

(یہ تتمہ ہے مضمون سابق کا یعنی چونکہ ضعف استعداد کی وجہ سے مثل خفاش کے آفتاب فیض حق سے بلا واسطہ استفاضہ متعذر ہے اس لیے ملائکہ و اولوالعلم کے توسط کی احتیاج ہوئی) پس ملائکہ کو اور اسی طرح انبیاء علیہم السلام کو) مثل اون چاندون کے سمجھو جو آسمان پر (نور) خورشید کو (بنا بر قضیہ ثابتہ نور القمر مستفاد من نور الشمس) جلوہ دیتے ہین (چاند کا جمع لانا باعتبار تفاوت مراتب زیادت و نقصان نور کے ہے اور وہ ملائکہ مثل قمر کے بزبان حال یون کہتے ہین) کہ ہمنے یہ روشنی آفتاب (فیض حق) سے حاصل کی ہے اور محض نائب کے طور پر ضعیف (الاستعداد) مخلوق پر ہم تابان ہوئے ہین (اور اُن ملائکہ مین) ماہ نو یا ماہ سہ روزہ یا بدر کی طرح ہر ایک کا انوار اور قرب مین ایک خاص مرتبہ ہے اور نورانی بازوؤن سے جو کسی کے تین ہین کسی کے چار علی قدر المراتب ہر فرشتہ کو انوار حاصل ہین جیسے آدمیون کے بازوہائے عقل مین کہ باہم بہت فرق ہوتا ہے (آگے جملہ معترضہ کے طور پر اس تفاوت مراتب و مناصب ملائکہ پر ایک تفریع جو مقام ہذا سے اجنبی ہے فرماتے ہین کہ جب ملائکہ کا تفاوت مراتب ثابت ہے) پس (اسکے فروع مین سے یہ بھی ہے کہ) ہر بشر کا قرین خواہ وہ بشر نیک حالت مین ہو یا بد حالت مین (بعد مرگ) وہی فرشتہ ہوگا جو اُس کی حالت کے مناسب ہوگا (یہان مانند سے مراد مشابہ نہین بلکہ مناسب مراد ہے یعنی نیک کے ساتھ ملائکہ رحمت کے اور بد کے ساتھ ملائکہ عذاب کے)۔

چشم اعمش نور خور را بر نتافت — اختر او را شمع شد تا رہ بیافت
گفت پیغمبر کہ اصحابی نجوم — رہروان را شمع و شیطان را رجوم
ہر کسے را گر بدے آن چشم و زور — کو گرفتی ز آفتاب چرخ نور
کے ستارہ حاجتستی اے ذلیل — کہ بود بر نور خورشید او دلیل
ہیچ ماہ و اخترے حاجت نبود — کہ بود بر آفتاب حق شہود

(اوپر ملائکہ کو صریحاً اور مشارکت عصمت و قرب سے انبیاء علیہم السلام کو لزوماً چاند سے تشبیہ دی تھی اب دوسرے اولوالعلم کو نجوم سے تشبیہ دیکر اُنکا واسطہ فیض حق ہونا ثابت فرماتے ہین کہ) ضعیف البصر کی

آنکھ چونکہ نور آفتاب کو برداشت نہین کرسکتی اِس لیے کوکب اُسکی آنکھ شمع بنگیا حتی کہ اُسکو بھی رستہ ملگیا چنانچہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ اصحابی کالنجوم (بایہم اقتدیتم اہتدیتم) یعنی میرے صحابہ مثل ستارون کے ہین (تم جس کے پیچھے بھی ہولوگے دین کا رستہ پالوگے حدیث تو اسی قدر ہے آگے مولانا کا مقولہ ہے کہ تشبیہ بالنجوم کی وجہ یہ ہے کہ وہ حضرات) رہرون کے لیے مثل شمع ہین اور شیاطین کے لیے رجوم ہین (جیسا کوکب مین یہی صفتین ہوتی ہین آگے وجود قمر و کوکب سے عامہ خلائق کے ضعف پر بضمن مثال کے بصورت قیاس استثنائی استدلال کرتے ہین کہ) اگر ہر شخص کو ایسی چشم اور قوت حاصل ہوتی کہ وہ آفتاب چرخ سے نور حاصل کرسکتا تو کوکب کی حاجت کیا تھی کہ نور خورشید کی طرف رہبر ہوجاتا ہی بلکہ چاند اور کوکب کسی کی بھی حاجت نہ تھی جو کہ آفتاب حق پر شاہد ہوتے ہین (یہان ماہ سے اشارہ ہے ذوات حضرات انبیاء علیہم السلام کی طرف اور اسی قرینہ سے اوپر تشبیہ بماہ مین ملائک کے ساتھ احقر نے اسکی طرف اشارہ کردیا ہے اور کواکب سے اشارہ ہے صحابہ و راسخین فی العلم کی طرف اور مقدمہ ثانیہ قیاس کا بہت ظاہر ہے یعنی حالانکہ یہ سب اجرام نیرہ موضوع ہوئے ہین نتیجہ مین ضعف استعداد ثابت ہوگیا۔)

ماہ می گوید بابر و خاک و فے ۔۔۔ من بشر بودم ولے یوحی الی

چون شما تاریک بودم در نہاد ۔۔۔ وحی خورشیدم چنین نورے بداد

ظلمتے دارم بہ نسبت با شموس ۔۔۔ نور دارم بہر ظلمات نفوس

زان ضعیفم تا تو تابے آوری ۔۔۔ کہ نہ مرد آفتاب انوری

ہمچو شہد و سرکہ در ہم بافتم ۔۔۔ تا سوے رنج جگر رہ یافتم

(اس مین بھی بیان ہے وسائط کے مستفید من الحق و مفید للخلق ہونے کا یعنی) چاند (کہ عبارت ہے ذوات قدسیہ حضرات انبیا علیہم السلام سے) ابر اور خاک او ظلمت سے (کہ عبارت ہے عامۂ خلائق سے) یون کہہ رہا ہے کہ مین بھی تمھارے مثل بشر ہون لیکن مجھ پر وحی نازل ہوتی ہے (کما قال تعالیٰ قل انما انا بشر مثلکم یوحی الی و قالت لہم رسلہم ان نحن الا بشر مثلکم و لکن اللہ یمن علی من یشاء من عبادہ) اور مین بھی تمھاری طرح اصل مادہ کے اعتبار سے یہ انوار نہ رکھتا تھا (کما قال تعالیٰ ما کنت تدری ما الکتاب و لا الایمان) لیکن آفتاب وحی سے مجھ کو یہ نور حاصل ہوگیا (کما قال تعالیٰ و لکن جعلناہ نورا نہدی بہ من نشاء من عبادنا) پس مین بہ نسبت آفتاب (یعنی ذات و کمالات الٰہیہ) کے تو گویا بے نور ہون (کیونکہ کمال واجب کے روبرو کمال ممکن محض مضمحل ہے) لیکن ظلمات نفوس (کو دفع کرنے) کے لیے مین با نور ہون (کما قال تعالیٰ یزکیہم و قال سراجا منیرا) اور مین (بمقابلہ نور قدیم کے نور مین) ضعیف اسلیے بنایا گیا ہون تاکہ (اے ضعیف) تو تاب لا سکے کیونکہ تو آفتاب نور کا مرد نہین ہے اور میری مثال (توسط فیض مین) ایسی ہے کہ سرکہ کی طرح (کہ انگبین مین ہوتا ہے) شہد مین ملگیا ہون جس سے مرض جگر تک (واسطہ ہضم پہونچانے کے لیے) چلا ہون (مطلب یہ کہ

فیض حق مثل شہد کے ہے اور خلق مثل کبد کے اور ان کے امراض باطنیہ مثل ضعف ہضم کبدی کے اور میری تعلیم قالی مثل سرکہ کے پس جس طرح اس مرض کبد مین سکنجبین سے معالجہ ہوتا ہے جسمین گویا شہد کو مع سرکہ کے پہونچایا جاتا ہے جس سے بواسطہ اصلاح معدہ اصلاح کبد ہوتی ہے اسی طرح فیض حق خلق تک اُن کے امراض باطنیہ کے ازالہ کے لیے میری معرفت پہونچتا ہے)۔

چون ز علت وا رہیدی اے رہین	سرکہ را بگذار و میخور انگبین
تخت دل معمور شد پاک از ہوا	بروی الرحمن علی العرش استوی
حکم بر دل بعد ازین بے واسطہ	حق کند چون یافت دل این رابطہ

(اوپر سے واسطۂ فیض کی ضرورت کا اثبات چلا آرہا ہے اب اُس حالت کو تبلاتے ہین کہ جسمین واسطہ کی ضرورت نہین رہتی اور اسمین تتمیم ہے اُس مضمون کی جو نے بگویم چون قرین شد در بیان الی آخر الابیات الخمسۃ چنانچہ احقر نے وہان حاصل تقریر مین بیان کیا تھا کہ علم لدنی کے انتظار مین عامہ خلائق کے لیے حکمتون کے بیان کو کیونکر متروک کردیا جاوے پس مجموعۂ مقامین کا خلاصہ یہ نکلا کہ جب تک یہ حالت علم لدنی کی حاصل نہ ہو جیسا عامۂ خلائق کی حالت ہے اُسوقت تک تو معرفت حکمت مین واسطہ قال کا ضروری ہے گو اجمالاً سہی البتہ جب یہ حالت حاصل ہوجاوے جیسا خواص کو عطا ہوتی ہے ایسے شخص کے لیے بیشک اِس واسطہ قال کی ضرورت نہین اور اس حالت عدم بقاء ضرورت واسطہ کو مثال بالا متصل کی شق مقابل کے ساتھ تشبیہ دیکر سمجھاتے ہین یعنی) اے گرفتار مرض جب تم علت (وامراض سے) چھوٹ گئے اب سرکہ چھوڑ دو اور شہد کھاتے رہو (یعنی بعد تصفیۂ قلب وتزکیۂ نفس کے اب واسطۂ تعلیم قالی کی ضرورت نہین رہتی فیض حق بلا اس واسطہ کے آتا ہے چنانچہ آگے تصریح ہے کہ جب تخت دل (انوار صفا ومحبت سے معمور ہوگیا اور (ظلمات) ہوا سے پاک ہوگیا تو اُسکی مثال (نزول انوار مین) عرش کی سی ہوگئی کہ اُس پر حضرت رحمن مستقر ہین (جسکی حقیقت اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے) بعد اس حالت کے حق تعالیٰ اپنے احکام (متعلقہ معارف واسرار نہ کہ متعلقۂ حلال وحرام) قلب پر بلا واسطہ (علم قالی کے) وارد فرمانے لگتے ہین جب یہ نسبت خاصہ حاصل ہوجاتی ہے ف احقر کی تقریر مین تین شبہات کا دفع ہے اول کیا علم لدنی والے کو واسطۂ رسل کی ضرورت نہین رہتی دفع اُسکا یہ ہے کہ واسطہ سے مراد صرف تعلیم قالی ہے نہ مطلق واسطہ دوم کیا ایسے شخص کو حلال وحرام کے باب مین تعلیم قالی کی ضرورت نہین رہتی دفع اُسکا یہ ہے کہ صرف اسرار ومعارف کے متعلق یہ حکم خاص ہے اور حلال وحرام مین سب تعلیم منقول کے محتاج ہین سوم کیا الرحمن علی العرش استوی مین قلب مراد ہے دفع اسکا یہ ہے کہ کلام مبنی ہی تشبیہ پر تقریر مذکور مین نظر کرنے سے تینون جواب اسمین مذکور ومصرح ملین گے واللہ اعلم

رجوع بحکایت زید رضی اللہ عنہ

این سخن پایان ندارد زید کو	تا دہم پندش کہ رسوائی مجو

نیست حکمت گفتن این اسرار را	چون قیامت می رسد اظہار را
زید را اکنون نیابی کو گریخت	جست از صف نعال و نعل ریخت
تو کہ باشی زید ہم خود را نیافت	ہمچو اختر کہ برو خورشید تافت
نے ازو نقشے بیابی نے نشان	نے کہی یابی براہ کہکشان

(نعل ریختن شتاب رفتن مانند اسب از رفتار و درینجا بمعنی اول ست کسے کہ می خواہد کہ شتاب برود ہر دو نعلین از پا انداختہ می دود) یعنی اس مضمون (آثار علوم لدنیہ) کا توکہین خاتمہ نہین ہے (یہ بتلا دو کہ حضرت زید کہاں ہین تاکہ دھیان کا قصہ بیان کرون اور انکو (نقلا عن الرسول صلی اللہ علیہ وسلم نصیحت کرون (یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نصیحت کا قصہ نقل کرون) کہ (کشف اسرار کرکے اہل عیوب کی) رسوائی مت کرو اور جبکہ ان اسرار کے اظہار کے لیے قیامت کا دن آنیوالا ہے تو ان اسرار کو کہنا قرین حکمت نہین (ورنہ قیامت اور دنیا مین اس امر مین فرق نہ رہے گا آگے حضرت زیدؓ کا حال بیان فرماتے ہین کہ) اے سامع حکایت اب تم زید کو نہ پاؤ گے (اس لیے اب ان کا قصہ کیا بیان کیا جاوے) کیونکہ وہ (مقام لسانہ سے مقام کل لسانہ مین کہ عبارت ہے غلبۂ حیرت سے) چلدئے اور صف نعال سے (یعنی بقاء آثار صفات وافعال بشریہ سے کہ ان مین سے قصد و اختیار و اظہار اسرار بھی ہے) اڑ گئے اور نہایت تیزی سے سٹک گئے (مولانا نے اُن کے سکوت بامر الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اُسپر محمول فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے برکت ارشاد یا قوت تصرف سے اُنپر مقام تحیر کا غلبہ ہوا اور اس سے دم بخود رہ گئے آگے ترقی ہے کہ) تم تو کیا چیز ہو کہ زید رضؓ کا پتہ لگا سکو خود زیدؓ بھی اپنے کو نہین پا سکتے (کیونکہ تحیر مین استغراق ہوتا ہے) جیسے ستارہ فرض کیا جاوے کہ اُسپر خورشید طلوع ہو جاوے تو (اُسوقت) نہ اُس ستارہ کی شکل (حواس سے) پاؤ گے نہ نشان (روشنی وغیرہ کا) ہوگا اور ایک ایک ستارہ تو کیا رہتا کہکشاں جو بیشمار ستارون کا مجموعہ ہے اُس) کہکشاں کی مسافت مین بھی ایک کاہ (یعنی ایک ستارہ نہ ملے گا اسی طرح حضرت زیدؓ پر کسی صفت الٰہی کی ایسی تجلی قوی ہوئی کہ اُنکی صفات وافعال سب مضمحل ہو گئے اور ممکن ہے کہ اس صفت کی تعیین کی جاوے کہ وہ صفت علمیہ الٰہیہ تھی بقرینہ بیت مابعد کہ اُسمین محو دانش آیا ہے اور یہ مناسبت بھی ہے کہ اظہار اسرار کا منشا ان کا علم تھا تو اس کا اضمحلال اسی صفت کے غلبہ و عظمت سے اقرب ہے یعنی حق تعالی کے علم کی بسطت و وسعت اُنپر منکشف ہوکر اپنا علم و کشف ہیچ معلوم ہوا اور اس سے جوش بیان سرد پڑ جاوے)۔

شد حواس و نطق بے پایان ما	محو نور دانش سلطان ما
حسہا و عقلہا شان در درون	موج در موج لدینا محضرون
چون شب آمد باز وقت بار شد	انجم پنہان شدہ بر کار شد
خلق عالم جملگی بیہش شوند	پردہا بر رو کشند و بغنوند

صبح چون دم زد علم افراخت خور — ہر فتی از خوابگہ برداشت سر
بیہشان را وادہد حق ہوشہا — حلقہ حلقہ حلقہا در گوشہا
پاے کوبان دست افشان در ثنا — ناز نازان ربنا احییتنا
آن جلود و آن عظام ریختہ — فارسان گشتہ غبار انگیختہ
حملہ آرند از عدم سوے وجود — در قیامت ہم شکور وہم عنود

(یہان بمناسبت ذکر محویت زید کے بطور انتقال سے تمام خلائق کی محویت کا جو عالم ارواح مین تھے بیان فرماتے ہین پھر تتمیم احوال کے لیے موت و برزخ وقیامت کا ذکر ہے یعنی) ہمارے حواس ونطق جو بی پایان تھے (مراد ارواح کے مطلق قوی مدرکہ وفاعلہ ہین اور چونکہ وہ عالم امر سے ہے جو کہ حدود ومقادیر سے منزہ ہے اسلیے بے پایان کہا گیا غرض وہ قوی عالم ارواح مین) ہمارے شاہنشاہ حقیقی جل شانہ کے نور علم مین محو تھے یعنی تمام حواس وعقول اُن (ارواح) کے (اس عالم) باطن مین مقام لدنیا محضرون مین متوجہ (ومجتمع) ہو رہے تھے (ترجمہ اُس جزو آیت کا یہ ہے کہ ہمارے پاس سب حاضر کیے گئے ہین مراد اس سے مقام حضور وقرب ہے جس کے لیے مشاہدہ لازم ہے جسکے لوازم مین سے محویت ہے مطلب یہ کہ سب ارواح کی صفات غلبۂ مشاہدہ سے انوار صفات الٰہیہ علم وغیرہ مین محو تھین پس مضمون محویت تو جو کہ قصۂ بالا سے مناسبت رکھتا ہے یہان ختم ہوا اور اس کا بیان کرنا عجب نہین اس لیے ہو کہ بعض کم فہم واردات باطنیہ کا انکار کیا کرتے ہین اسلیے اُسکی نظیر تبلادی کہ ایسی محویت ایک بار سب پر طاری ہو چکی ہے رہا یہ کہ اسکو بھی کوئی تسلیم نہ کرے سو ممکن ہے مگر پھر بھی اسکی تسلیم مین اسقدر استبعاد نہین کیونکہ عالم ارواح کی حالت کا بوجہ سے یاد نہ آنا یہ ظاہر بینون کے نزدیک اِس محویت کا مؤید ہو سکتا ہے آگے تتمیم احوال کے لیے فرماتے ہین کہ) پھر جب (بعد انقضاے حیات جسمانیہ کے) شب آتی ہے اور بار (اشغال) کا وقت جاتا رہتا ہے (یعنی موت کا وقت آتا ہے اور روح پر جو تعلق جسم کا بار تھا وہ جدا کرلیا جاتا ہے اور موت کو شب سے تشبیہ دینا باعتبار اسکے ہے کہ وہ وقت نوم ہے اور نوم اخو الموت ہے) اور (اُسوقت) ستارہاے پوشیدہ اپنے (نور افشانی کے) کام مین لگ جاتے ہین (یعنی ملائکہ جو دنیا مین مخفی تھے تصرف فی الارواح شروع کر دیتے ہین پس وجہ تشبیہ صرف اختفاء فی الدنیا ہے اور یہان اوپر کی وجوہ تشبیہات ذات حق با آفتاب وادراکات وعلوم بنجوم وغیرہا اصلا ملحوظ نہین غرض جب ایسی حالت ہوتی ہے) تو اُسوقت تمام خلق (سکرۃ الموت سے) بیہوش ہو جاتے ہین اور پردے چہرون پر تان کر اونگھنے لگتے ہین (یہ بعد الموت عالم برزخ کی حالت ہے ہر چند کہ وہان محویت نہین ہے لیکن بہ نسبت افاقۂ بعث کے گویا سکر کی سی حالت ہے آیات لبثنا یوما او بعض یوم ومن بعثنا من مرقدنا وحدیث نم کنومۃ العروس اُسکی مؤید ہے اور تعجب نہین کہ یہی اشارہ ہو کیونکہ غنودگی ایک حالت بین النوم والیقظہ ہے واللہ اعلم) پھر جب صبح (قیامت) طلوع ہوگی اور اُسکا

آفتاب (ظہور) بلند ہوگا تو ہر شخص اپنی خوابگاہ (یعنی مرقد) سے (بعث کے لیے) سر اٹھا دے گا اور بالمعنی المذکور) جو بے ہوش تھے اُن کو حق تعالیٰ ہوش دین گے (کما قال تعالیٰ فکشفنا عنک غطاءک فبصرک الیوم حدید و قال تعالیٰ اسمع بہم و ابصر یوم یاتوننا) اور اگروہ کا گروہ بسبب امر بعث مین اُس وقت) حلقہ بگوش ہون گے (کما قال تعالیٰ یوم یدعوکم فتستجیبون بحمدہ) اور اچھلتے کودتے ہونگے (کما قال مہطعین الی الداع) اور حمد خداوندی مین دست افشانی کرتے ہونگے (کما مر من قولہ تعالیٰ بحمدہ) اور اپنی حالت حیات پر ناز کرتے ہونگے اور یون کہتے ہون گے ربنا امتنا اثنتین و احییتنا اثنتین یعنی اے ہمارے پروردگار آپ نے ہمکو دوبار بے جان کیا ایک قبل ولادت کہ بے جان تھے دوسرے موت متعارف سے اور دوبار جاندار کیا ایک ولادت دنیویہ مین دوسرے اب قیامت مین (ہر چند کہ پائے کوبان اور دست افشان اور نازنازان قبادر معانی کے اعتبار سے کہ مسرت ہے اہل ایمان کے ساتھ خاص ہے مگر معنی مجازی مطلق تقلب و تحرک کے اعتبار سے عام ہے) اور وہ پوست واستخوان جو ریزہ ریزہ ہوگئی تھین وہ (اب زندہ ہوکر گویا) سوار بن گئے جو غبار اڑاتے چلتے ہین غرض عدم سے وجود کی طرف قیامت کے روز سب مومن و کافر حملہ آور ہونگے (یعنی سب زندہ ہوجاوین گے)۔

سر چرا می پیچی چرا ناویدۂ | در عدم اول نہ سر پیچیدۂ

در عدم افشردہ بودی پائے خویش | کہ مرا کہ برکند از جائے خویش

می نہ بینی صنع ربانیت را | کہ کشید او موئے پیشانیت را

تا کشیدت اندرین انواع حال | کہ نبودت در گمان و در خیال

آن عدم او را ہمارہ بندہ است | کار کن دیوا سلیمان زندہ است

دیو می سازد جفان کالجواب | زہرہ نے تا دفع گوید یا جواب

خویش را بین چون ہمی لرزی ز بیم | مر عدم را نیز لرزان دان مقیم

ور تو دست اندر مناصب می زنی | ہم ز ترس ست آنکہ جانے میکنی

(ہمارہ ہموارہ اور بعث کا اثبات تھا یہان منکرین بعث پر رد ہے یعنی) اے منکر تو کیا انکار کر رہا ہے ایسا (بھولا) کیون بنا جاتا ہے جیسے (عدم سے وجود مین آنے کو) کبھی دیکھا نہین عدم (سابق مین اسکی قبل (بدلالت حال وجود مین آنے سے) کیا انکار نہین کر چکا ہے یعنی (اُس) عدم مین خوب پاؤن جما رکھا تھا (جس سے بدلالت حال گویا یون کہہ رہا تھا) کہ بھلا مجھ کو میری اس جگہ سے کون اکھاڑ سکتا ہے پھر تو صنعت ربانی کو دیکھتا نہین کہ وہ تیرے موئے پیشانی پکڑ کر کشان کشان اپنے مختلف احوال کی طرف لائی کہ تیرے گمان و خیال مین نہ تھی پس معلوم ہوا کہ وہ عدم ہمیشہ سے انکا مسخر و منقاد ہے (آگے مثل کے طور پر خطاب فرماتے ہین کہ) اے دیو کام کرتا رہ ذرا انحراف مت کر کہ سلیمانؑ (جو بجہر

عالم ہین) زندہ (مراد یہ کہ انکار حشر مت کرو اللہ تعالیٰ ہی قائم ہین یا تُنسے خوف کر ہیبت سلیمانی سے دیو بڑی بڑی لگین تالا بولن کی پرابر بنا رہے ہین مجال نہین کہ ٹال دین یا جواب دے سکین (اسی طرح اشد سے اشد مخلوق حق تعالیٰ کی مسخر ہین) ہم اپنا حال دیکھ لو کہ ہیبت (حق) سے کیونکر لرزان ہو رہے ہوا سی طرح عدم کو بھی ہمیشہ سے لرزان سمجھو اور اگر تم دیکھو کہ مین تو نعوذ باللہ حق تعالیٰ سے نہین ڈرتا بلکہ خوب اسباب معصیت کو مال کو جاہ کو جمع کر رہا ہون پھر عدم کو خوف مین اپنے اوپر کیسے قیاس کر لون تو خوب سمجھ لو کہ تم جو بڑی بڑی عہدون پر ہاتھ مار رہے ہو تو یہ ساری مصیبت جھیلنا خود خوف (حق) کی سبب سے ہے کیونکہ تحصیل مال وجاہ بسبب خوف فقر و ذلت کے ہی اور فقر و ذلت خود من جانب اللہ ہی تو گویا وہ ساعی ڈرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھ کو فقر مین مبتلا نہ فرما دین پس یہ بیخوفی کی دلیل نہین بلکہ خوف کی دلیل ہی پس قیاس مذکور صحیح رہا لیکن چونکہ ثواب وعقاب عزم پر ہے اور یہ خوف اسکی زعم و عزم مین خوف حق نہین اسلیے اسکے ثمرہ کا مستحق نہ ہوگا

هرچه جز عشق خداے احسن ست ‌ ‌ ‌ گر شکر خاییست آن جان کندن ست

چیست جان کندن سوے مرگ آمدن ‌ ‌ ‌ دست در آب حیاتے نازدن

خلق را دو دیده در خاک ممات ‌ ‌ ‌ صد گمان دارند در آب حیات

جهد کن تا صد گمان گردد نود ‌ ‌ ‌ شب برد در تو بخسپے شب رود

در شب تاریک جو آن روز را ‌ ‌ ‌ پیش کن آن عقل ظلمت سوز را

در شب بد رنگ بس نیکی بود ‌ ‌ ‌ آب حیوان جفت تاریکی بود

سر ز خفتن کے توان بر داشتن ‌ ‌ ‌ با چنین صد تخم غفلت کاشتن

خواب مرده لقمه مرده یار شد ‌ ‌ ‌ خواجه خفت و دزد شب بر کار شد

(یہ انتقال ہے مذمت طلب دنیا و غیر اللہ کی طرف یعنی جتنے جو اور سعی الدنیا کو جان کندن سے تعبیر کیا ہے سو واقع مین) بجز عشق خداے احسن کے جو کچھ بھی ہے اگرچہ وہ شکر خائی کیون نہ ہو (یعنی کیسی ہی لذت ہو) مگر فی الحقیقت جان کندن ہی ہے (اور اس) جان کندن (کی حقیقت جانتے ہو کیا ہے وہ یہ ہے کہ موت (یعنی دنیاے فانی) کی طرف آنا (جو سبب ہلاکت کا ہے) اور آب حیات (یعنی عشق الٰہی) کو حاصل نہ کرنا۔ عام مخلوق کی آنکھین دنیاے فانی کیطرف لگ رہی ہین اور آب حیات (مذکور کے وجود اور نافع ہونے) مین سیکڑون ضعف یقین رکھتے ہین (اگر اپنی اصلاح منظور ہے تو) ریاضت اختیار کرو تاکہ ضعف یقین کے مراتب فیصدی نوے تو ہو جاوین (یعنی اگر یقین کا درجہ کمال حاصل نہ ہو تب بھی حرمان محض تو نہ رہے آگے ریاضت کا طریق بتلاتے ہین کہ) شب کو سلوک طے کیا کرو ورنہ شب تو ختم ہو ہی جاوے گی اور شب تاریک مین اُس فجر (عشق الٰہی) کو طلب کیا کرو اور عقل (معاد) کو جو کہ ظلمت سوز ہے اپنا پیش رو بناؤ (یعنی اُسکا اتباع کرو کہ وہ طلب حق کی طرف متوجہ کرتی ہے اور شب کو بے قدر نہ سمجھو کیونکہ شب اگرچہ بد رنگ و سیاہ ہے مگر اُسمین بڑی خوبیان ہین جیسے آب حیات (بقول مشہور) قرین ظلمت ہے اسی طرح عشق الٰہی کہ مشابہ آب حیات ہے

اکثر شب خیزی سے میسر ہوتا ہے کیونکہ وہ وقت زیادہ توجہ رحمت اور نیز یکسوئی قلب کا ہے غرض جذب و انجذاب دونون کامل ہوتے ہین آگے شب خیزی کے موانع پر متنبہ فرماتے ہین تاکہ ازالہ کیا جاوے یعنی) جب صد ہا تخم غفلت (و بے توجہی) کاشت کیے جاتے ہون ایسی حالت مین خواب سے کب سر اٹھ سکتا ہے (یعنی جب قلب مین توجہ اور فکر نہ ہوگا شب خیزی دشوار ہے) اور خواب مردہ اور غذائے مردہ تمھارے قرین ہو رہے ہین (خواب مردہ تو خواب غفلت و بے توجہی اور غذائے مردہ لقمۂ حرام یہ سب موانع ہین پس ان موانع سے) میان سو گئے اور چور (نفس و شیطان) اپنے کام مین لگ گئے (اور خواب کو مردہ سے مقید کرنا مفید ہے اسکو کہ اعتدال کے ساتھ بہ نیت حفظ صحت کہ معین ہے عبادت مین خواب کرنا مضر باطن نہین کما قیل نوم العالم عبادۃ) —

توہمی دانی کہ خصمانت کیند | نار یان خصم وجود خاکیند
نار خصم آب و فرزندان اوست | ہمچنانکہ آب خصم جان اوست
آب آتش را کشد زیرا کہ او | خصم فرزندان آبست و عدو
بعد ازان این نار نار شہوت ست | کاندرو اصل گناہ و زلت ست
نار بیرونی بآبے بفسرد | نار شہوت تا بدوزخ مے برد
نار شہوت مے نیارامد بآب | زانکہ دارد طبع دوزخ در عذاب
نار شہوت را چہ چارہ نور دین | نورکم اطفاء نار الکافرین
چہ کشد این نار را نور خدا | نور ابراہیم را ساز اوستا
تا ز نار نفس چون نمرود تو | وارہد این جسم ہمچون عود تو
شہوت ناری براندن کم نشد | او بماندن کم شود بے ہیچ بد
تا کہ ہیزم مے نہی بر آتشی | کے بمیرد آتش از ہیزم کشی
چونکہ ہیزم باز گیری نار مرد | زانکہ تقوے آب سوئے نار برد

عنوان: در بیان دشمنان و حفاظت

(اوپر فرمایا ہے دزد شب در کار شد یہان ان اعداء کی تعین اور ان سے حفاظت کی تدبیر بتلاتے ہین یعنی) تم نہین جانتے کہ تمھارے مخالف کون ہین سو (ہم بتلاتے ہین کہ) آتشی خاکی کے مخالف ہوتے ہین (یعنی شیطان تمھارا دشمن ہے اور شیطان کا ناری اور انسان کا خاکی ہونا ظاہر ہے اور نار جس طرح خاک کی مخالف ہے اسی طرح) نار پانی کی اور جو پانی سے مخلوق ہو اسکی مخالف ہے جیسے (اسکا عکس بھی ثابت ہے) کہ پانی اس نار کا مخالف ہے (یعنی جانبین سے عداوت ہے سو انسان کا آبی ہونا بھی ظاہر ہے قال اللہ تعالیٰ بدأ خلق الانسان من طین ثم جعل نسلہ من سلالۃ من ماء مہین اور جانبین مین سے اسکی عداوت ہونا بھی ظاہر ہے اور ہم بھی اسکے مامور ہین

قال اللہ تعالیٰ ان الشیطان لکم عدو فاتخذوہ عدوا آگے تقریر ہے آب و آتش کی عداوت حسیہ کی کہ پانی آگ کو اسلیے بجھا دیتا ہے کہ چونکہ وہ آگ آبی مخلوق کی مخالف اور دشمن ہے غرض ایک دشمن تو یہ شیطان ناری ہوا) اور اس کے علاوہ دوسری نار (جو دشمن انسان ہے) وہ نار شہوت ہے کہ انسان کا اور گناہ و لغزش کی اصل بنا ہے (حاصل یہ کہ دوسرا دشمن نفس ہے جو منبع ہے شہوت وغیرہ صفات رذیلہ کا آگے انکا اشد ہونا بیان کرتے ہیں کہ) نار خارجی تو ایک پانی سے بجھ جاتی ہے اور یہ نار شہوت دوزخ تک لیجاتی ہے اور اسکو پانی سے سکون نہیں ہوتا کیونکہ اسکی خاصیت ضرر رسانی میں دوزخ کی سی ہے (کہ وہ پانی سے نہیں بجھتی اور باہم شہوت و دوزخ کے متناسب ہونیکی تائید حدیث سے ہوتی ہے حفت النار بالشہوات پس اس سے ثابت ہوا کہ یہ نار شہوت نار خارجی سے اشد ہے اور اگر نار خارجی کو عام لیا جاوے کہ شامل ہو شیطان کو بھی تب حکم اشدیت کی یہ تقریر ہو گی کہ جس طرح آتش عنصری ایک پانی سے بجھ جاتی ہے اسی طرح شیطان ایک لاحول یا قدرے ذکر اللہ سے دفع ہو جاتا ہے مگر نفس کہ مار آستین ہے اسکی خباثت صرف اوراد و اذکار سے نہیں جاتی آگے تحقیق فرماتے ہیں کہ) اچھا پھر اس نار شہوت کا کیا علاج ہے (اگر یہ طریق کافی نہیں خود جواب دیتے ہیں کہ) اسکا علاج نور دین ہے (یعنی نور معرفت جو ریاضت و مراقبات سے باطن میں پیدا ہو جاتا ہے) جیسا تمہارا نور (ایمان قیامت میں) نار کافرین (یعنی دوزخ) کو بجھا دیگا (اس روایت کے یہ لفظ مشہور ہیں جز یا مومن فان نورک اطفا ناری مگر مجھکو اسکی تحقیق نہیں اسی طرح) اس نار شہوت کو صرف نور الٰہی (یعنی معرفت و عشق الٰہی) بجھا سکتا ہے (مگر اس نور الٰہی کے حاصل کرنے کے لیے) نور ابراہیمی (یعنی فیض مرشد کامل) کو استاد اور رہبر بناؤ (یعنی مرشد کی متابعت اختیار کرو جسکی شان ابراہیم کی سی ہو کہ انکو نور الٰہی حاصل تھا تو نار نمرودی نے اثر نہ کیا اسی طرح مرشد نے انوار الٰہیہ سے اپنی تہذیب کر لی ہے تم اس سے وہ نور حاصل کرو) تا کہ تیرا یہ جسم جو (ضعف میں) مثل لکڑی کے ہے اس نار نفس سے جو (سرکشی میں) مثل نمرود کے ہے (یعنی نار شہوت نفسانیہ سے) نجات پا جاوے (یعنی جسم سے معاصی جو مفضی الی النار ہیں سر زد نہ ہوں

یہانتک علاج نار شہوت کا بتلایا ہے چونکہ بعض کوتہ نظر شہوت مذمومہ کا علاج یہ سمجھتے ہیں کہ اس شہوت کو پورا کر لیا جاوے تاکہ طبیعت خالی ہو جاوے پھر توبہ کر لی جاوے چنانچہ شیطان بھی دھوکہ دیکر بعض اطفال طریقت سے معصیت صادر کرا دیتا ہے اس لیے مولانا اسکو دفع فرماتے ہیں کہ) یہ جو شہوت مثل نار کے ہے یہ پورا کرنے سے کم نہیں ہوتی البتہ ساکن (اور ضبط) کرنے سے ضرور کم ہو جاتی ہے (اسکی ایسی مثال ہے کہ جب تک آگ پر لکڑیاں رکھتے رہو تو آگ اس ہیزم کش (کی اس تدبیر) سے کب بجھیگی البتہ اگر لکڑیاں نکال لو فوراً بجھ جاوے گی (اسی طرح اسباب قضاء شہوت سے اسکو اور ہیجان ہوتا ہے اور تحرز سے قدرے تعب کے بعد جوش و خروش فرو ہو کر نسیاً منسیاً ہو جاتی ہے) کیونکہ تقوی (اور تحرز) اس نار (شہوت) کیطرف آب (حفظ و معیت الٰہی) کو لیجاتا ہے (اس سے سکون ہو جاتا ہے جیسا قرآن مجید میں اتقوا اللہ یصلح لکم

اعمالکم کو مرتب فرمایا گیا ہے اور فرمایا ہے ان اللہ مع المتقین تنبیہ مولانا کا یہ علاج شہوت مذمومہ کے ساتھ خاص ہے جیسا کہ اس سے بچنے کو تقوی سے تعبیر فرمانا اسکی دلیل ہے اور احقر نے کوتہ نظرون کی بیان غلطی مین پڑنے کی تصریح بھی کردی ہے اور شہوت مذمومہ مین شہوت حرام مطلقًا اور انہماک مباح مین دونون داخل ہین اب اسپر یہ شبہ نہین ہوتا کہ حدیث مین وارد ہے کہ اگر کسی اجنبیہ کیطرف میلان ہو تو اپنی بی بی سے فراغت کرلے اس سے وہ خیال دفع ہوجاتا ہے کیونکہ یہان شہوت مذمومہ کو شہوت مباحہ سے دفع کیا گیا ہے اور شہوت مذمومہ سے تو تحرز ہی رہا اور مباح مین بھی انہماک نہین ہوا بلکہ محض دفع ضرورت منظور نظر ہے چنانچہ خود اس حدیث مین جملہ ان الذی معہا مثل الذی معہا مقصودیت دفع ضرورت کو بتلا رہا ہے فافہم واللہ اعلم گویا تحرز کا ایک طریق یہ بھی ہے ۔

گر سیہ گردد ز آتش روے خوب — کو نہد گلگونہ از تقوے القلوب

نار پاکان را ندارد خود زیان — کے ز خاشاکے شود دریا نہان

ہر کہ تریاک خدائی را بخورد — گر خورد زہرے مگویش کو بمرد

گر طبیعت گوید اے رنجور زار — از عسل پرہیز کن ہین ہوشدار

گر جوابش گوئی از جہل اے سقیم — کہ چرا تو میخوری بے ترس و بیم

گویدت در دل حکیم مہربان — کو قیاسی کردۂ چون ابلہان

آب چشمہ بین ز ریزش شد فزون — آب خم بین خود ز خوردن شد نگون

خور کند رنجور را رنجور تر — وانکہ معمورست خود معمور تر

در تو علت شد فروزد ہمچو نار — ہین مکن با نار ہیزم را تو یار

زین دو آتش خانہ ات ویران شود — قالب زندہ از و بے جان شود

در من از ناریست ہست آن ہمچو نور — نار صحت در تن افزاید سرور

نار صحت چون فزاید در وجود — بے زیان تن شود صد گونہ سود

(اور شہوت مذمومہ کی آفات کا بیان تھا جس کا ایک شعبہ توسع فی المباح بھی ہے چونکہ بعض کاملین سے ایسا توسع مشاہدہ مین آتا ہے اس لیے احتمال تھا کہ شاید کوئی ناقص تقلید کرکے ہلاک ہو اس مقام پر اسکی تحقیق فرماتے ہین کہ) جو شخص خوب رو ہے (یعنی حسن باطنی مین کامل ہوتا ہے) وہ آتش (شہوت) سے سیاہ رو نہین ہوتا (یعنی شہوت اسکو ضرر نہین کرتی مگر حرام مین نفی ضرر اس طریق سے ہے کہ اللہ تعالی انکو محفوظ رکھتے ہین اور توسع فی المباح مین بالمعنے المتبادر ہے کہ باوجود تلبس کے متضرر نہین ہوتا وجہ اسکی یہی ہے کہ اسکی قوت بہیمیہ و سبعیہ مضمحل ہوگئی ہے اور ذکر اسکا ملکہ ہوگیا ہے اسلیے یہ توسع اسکو نہ حرام تک لیجا سکتا ہے نہ موجب غفلت ہوسکتا ہے بخلاف مبتدی کے کہ اسمین یہ احتمالات ہین اس لیے

بحیثیت علاج کے روکا جاتا ہے نہ کہ ترک کو قربت مقصودہ سمجھ کر کہ شعبہ ہے بدعت ورہبانیت کا غرض یہ کہ کامل کو اسکا ضرر نہین پہونچتا) کیونکہ وہ تقوی القلوب کا گلگونہ ملے ہوئے ہے (یعنی بہ برکت کمال تقوی اُسکو ضرر نہین ہوتا اور کمال اُسکا وہی اضمحلال دائم وغلبۂ ذکر ہے جیسا احقر نے اُسکی تقریر کردی ایسی حالت مین ناقص کو اُسکی تقلید نہ کرنی چاہیئے کیونکہ) نار شہوت پاک لوگون کو ضرر نہین پہونچاتی اسکی ایسی مثال ہے کہ خاشاک سے دریا مستور نہین ہوسکتا (پس وہ دریا ہین اور شہوت خاشاک اُنپر غالب نہین آسکتی بخلاف ناقص کے) اور جو شخص تریاق خدائی کو کھالے گا (وہ تریاق تخلیہ وتحلیہ ہے) اگر وہ زہر بھی کھالیگا (یعنی جو ناقصین کے حق مین مثل زہر کے ہے جیسے توسع مذکور) اسکو مت کہنا کہ ہلاک ہوگا (لیسے کامل پر اگر ناقص اپنے کو قیاس کرنے لگے تو اُسکی ایسی مثال ہے کہ) جیسے تمکو کوئی طبیب کہے کہ بھائی شہد سے ذرا پرہیز رکھنا خیال رکھنا سو اگر اُسکے جواب مین اُس سے یون کہنے لگو کہ تم بے دھڑک کیون کھاتے ہو تو وہ اپنے دل مین (ضرور) کہے گا کہ یہ تمنے بالکل ہی غلط قیاس کیا ہے (کیونکہ ناقص کا قیاس کامل پر بڑا مغلطہ ہے چنانچہ ایک مثال مین سمجھاتے ہین کہ) چشمہ کے پانی کو دیکھو کہ جسقدر بہتا ہے اور بڑھتا ہے اور ایک مٹکے کا پانی دیکھو کہ جہان تھوڑی مدت پیا گیا اور مٹکا خالی ہوکر اوندھا ہوگیا (پس ثابت ہوا کہ ناقص کا قیاس کامل پر غلط ہے اور وہ طبیب یون کہے گا کہ) قوی کھانا بیمار کو زیادہ بیمار بناتا ہے اور جو (صحت سے معمور ہے اُسکو (قوت بخشکر) زیادہ تر معمور کردیتا ہے اور اے رنجور تیرے اندر آگ کی طرح یہ کھانا بیماری کو ترقی دے گا تو خبردار تو ایسی حالت مت کرنا کہ نار اور ہیزم کو ملادو (یعنی بد پرہیزی کرکے مرض کو بڑھالو جنکی مثال آتش وہیزم کے اجتماع کی سی ہے) کیونکہ یہ دونون آتش (یعنی آتش عنصری اور آتش مرض) ایسے ہین کہ ایک سے تو شہر ویران ہوجاویگا اور وہ آتش عنصری ہے اور دوسری سے قالب زندہ بے جان ہوجاویگا (اور وہ آتش مرض ہے) اور میرے اندر جو (مقویات وغیرہ کھانے سے) آتش (یعنی حرارت) ہے تو وہ مثل نور کے ہے (کیونکہ وہ حرارت صحت ہے) اور حرارت صحت جسم مین سرور زیادہ کرتی ہے اور جب یہ حرارت صحت وجود مین بڑھتی ہے تو بلاکسی ضرر جسمانی کے انواع فوائد بخشتی ہے (بخلاف رنجور کے کہ اُسکو حرارت مقویات کی بوجہ ضعف اور فساد مادہ کے سخت مضر ہوگی اسی طبیب کی طرح کامل ناقص سے حالاً یا قالاً کہتا ہے کہ مجکو توسع مذکور ضرر نہین بلکہ بوجہ قوت علی الطاعت ومشاہدہ صفت منعمیت حق تعالی کے موجب تقویت زیادت کمالات ہے اور تجکو مضر ہوگا جیسا اوپر سبب مضر ہونے کا گذر چکا۔

آتش افتادن در شہر در زمان امیر المومنین عمر رضی اللہ تعالی عنہ

اِس کا ربط ما قبل سے اِس طرح ہے کہ اوپر نار شہوت کے سمجھنے کے لیے آب تقوی کی ضرورت ثابت

کی تھی چنانچہ فرمایا تھا ؎ زانکہ تقوی آب سوے نار برد اور فرمایا تھا ؎ کو نہد گلگونہ از تقوے القلوب یہان اسکی تائید ہے کہ تقوی ایسی چیز ہے کہ آتش ظاہری کے بجھانے مین اسکو دخل تام ہے چنانچہ آگے آتش فرو ہونیکی وجہ مین آیا ہے نز براے ترس و تقوی و نیاز مجھ کو اس روایت کی تحقیق نہین ۔

آتشے افتاد در عہد عمرؓ ۔۔۔ ہمچو چوب خشک می خورد او حجر

در فتاد اندر بنا و خانہا ۔۔۔ تا زد اندر پر مرغ و لانہا

نیم شہر از شعلہا آتش گرفت ۔۔۔ آب می ترسید ازان و می شگفت

مشکہاے آب و سرکہ می زدند ۔۔۔ بر سر آتش کسان ہوشمند

آتش از استیزہ افزودے لہب ۔۔۔ می رسید او را مدد از صنع رب

آتش از استیزہ افزون می شدے ۔۔۔ می رسید او را مدد از بیحدے

خلق آمد جانب عمرؓ شتاب ۔۔۔ کآتش ما خود نمی میرد ز آب

گفت آن آتش ز آیات خداست ۔۔۔ شعلۂ از آتش بخل شماست

آب بگذارید و نان قسمت کنید ۔۔۔ بخل بگذارید گر آن منید

خلق گفتندش کہ در بگشودہ ایم ۔۔۔ ما سخی و اہل فتوت بودہ ایم

گفت نان در رسم و عادت دادہ اید ۔۔۔ دست از بہر خدا نگشادہ اید

بہر فخر و بہر بوش و بہر ناز ۔۔۔ نز براے ترس و تقوی و نیاز

مال تخم ست و بہر شورہ منہ ۔۔۔ تیغ را در دست ہر رہزن مدہ

اہل دین را باز دان از اہل کین ۔۔۔ ہمنشین حق بجو با او نشین

ہر کسے بر قوم خود ایثار کرد ۔۔۔ خوجہ پندارد کہ او خود کار کرد

یعنی حضرت عمرؓ کے وقت مین ایکبار ایسی آگ لگی کہ خشک لکڑی کی طرح پتھر کو جلائے ڈالتی تھی اور تمام عمارتون اور گھرون مین پہونچگئی حتی کہ طیور کے پرون اور آشیانون تک صدمہ پہونچا غرض نصف شہر شعلون سے بھر گیا اور گویا پانی کو بھی اس سے خوف و تعجب ہوتا تھا ہوشیار لوگ پانی کے اور سرکہ کے (غرض جو کسی کو ملا) بھرے مشکین اسپر ڈالتے تھے مگر آگ کے شعلے اسی جوش خروش سے ترقی پر تھے اور وسعت کردگار سے جو کہ بے پایان ہے اسکو مدد پہونچ رہی تھی (جسکا سبب خاص بھی آگے آتا ہے اور اس مین دو شعرون کا مطلب آگیا) حضرت عمرؓ کے پاس لوگ دوڑے ہوئے آئے کہ (خدا جانے کیا بات ہے) ہماری یہ آگ پانی سے فرو نہین ہوتی آپنے ارشاد فرمایا کہ یہ آگ آیات (قہر) خداوندی سے ہے اور یہ تمہاری آتش بخل کا ایک شعبہ ہے (یعنی تمہارا بخل ہی سبب ہے قہر الٰہی کا) تم پانی ڈالنا تو موقوف کرو اور روٹیان (مساکین کو) تقسیم کرو اور بخل ترک کرو اگر تم میرے ساتھ تعلق رکھتے ہو (بخل سے مراد حقوق واجبہ کا امساک ہے خواہ واجب راتب ہون جیسے زکوٰۃ وغیرہ یا غیر راتب ہون

جیسے کسی حاجتمند معذور کی امداد پر قدرت ہوتے ہوئے دریغ کرنا لوگوں نے عرض کیا کہ حضرت ہمنے تو دروازہ (داد و دہش کا) کھول رکھا ہے اور ہم باسخاوت اور باقوت ہو رہے ہیں آپ نے ارشاد فرمایا کہ تم لوگوں نے روٹیاں بطور رسم و علو کے دی ہیں اور خدا تعالی کے واسطے ہاتھ نہیں کشادہ کیا محض فخر و ریا اور اترانے کے لیے دیا ہے نہ کہ خوف اور تقوی اور خضوع کی وجہ سے (اور شاید کوئی کہے کہ مال خرچ کرنا تو ہر طرح محمود ہی ہے تو وہ سمجھ لے کہ مال کی مثال تخم کی سی ہے اُسکو شورہ زمین میں مت ڈالو کہ محض ضائع کرنا ہے اسی طرح غیر محل میں صرف مت کرو) اور دوسری مثال یہ ہے کہ تلوار کو رہزن کے ہاتھ میں مت دو (اسی طرح ایسے شخص کو مت دو جو اسکو معین معصیت بنادے) بلکہ اہل دین اور اہل عناد (یعنی اہل خلاف) میں امتیاز کرو (یعنی مال سے اہل دین کی اعانت کرو اور اہل خلاف کی مت کرو جیسا حدیث میں ہے لایاکل طعامک الا تقی لیکن طعام و کسوت حاجت اس سے مستثنی ہو آگے ترقی کے طور پر فرماتے ہیں کہ صرف اعانت مالیہ ہی کی کیا تخصیص ہے کہ اہل دین کے ساتھ کیجاوے بلکہ مطلق مجانست و مخالطت میں بھی اُسکا لحاظ رکھو) جلیس حق کو تلاش کرکے اُسکے پاس بیٹھو (جلیس حق سے مراد جسپر ذکر الہی غالب ہو جیسا حدیث قدسی میں ہے انا جلیس من ذکرنی آگے پھر اُس عطاء کا غیر محل میں ہونا بیان فرماتے ہیں کہ) ہر شخص نے چھانٹ چھانٹ کر اپنوں کو دیا (صرف اپنا سمجھ کر بلا لحاظ حاجت و مصلحت کے ورنہ صورت حاجت میں اُنکی تقدیم خود منصوص ہے) اور پھر سمجھ یہ رہے ہیں کہ ہمنے اچھا کام کیا (یعنی اگر تقوی سبب عطا ہوتا تو اُس میں اخلاص ہوتا حالانکہ حسب تقریر مذکور اخلاص نہیں ہے معلوم ہوا کہ منشا اُسکا تقوی نہ تھا۔

قصہ خیو انداختن خصم در روے امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ و انداختن آنحضرت شمشیر از دست

اوپر اخلال بالتقوی اور بے اخلاصی کی مذمت تھی اس قصہ میں اخلاص ناشی عن التقوی کی مدح اور تعلیم ہے جیسے حضرت علی نے اُس کافر کو بخوف مشارکت نفس چھوڑ دیا۔

از علیؑ آموز اخلاص عمل
شیر حق را دان منزہ از دغل

در غزا بر پہلوانے دست یافت
زود شمشیرے برآورد و شتافت

او خیو انداخت بر روے علیؑ
افتخار ہر نبی و ہر ولی

او خیو انداخت بر روے کہ ماہ
سجدہ آرد پیش او در سجدہ گاہ

در زمان انداخت شمشیر آن علیؑ
کرد او اندر غزایش کاہلی

گشت حیران آن مبارز زین عمل
وز نمودن عفو و رحمت بے محل

گفت بر من تیغ تیز افراشتی
از چہ افگندی مرا بگذاشتی

آن چہ دیدی بہتر از پیکار من
تا شدی تو سست در شکار من

آن چہ دیدی کہ چنین خشمت نشست	تا چنین برقے نمود و باز جست
آن چہ دیدی کہ مرا زان عکس دید	در دل و جان شعلۂ آمد پدید
آن چہ دیدی برتر از کون و مکان	کہ بہ از جان بود و بخشیدم جان
در شجاعت شیر ربانیستی	در مروت خود کہ داند کیستی
در مروت ابر موسائی بہ تیہ	کامد از وے خوان و نان بے شبیہ

یعنی حضرت علیؓ سے اخلاص سیکھنا چاہیے اور اسد اللہ کو آمیزش ریا سے پاک جاننا چاہیے جہاد مین کسی پہلوان پر آپ غالب آئے اور فوراً تلوار نکالکر اُسپر دوڑے اُسنے (جان سے ناامید ہوکر، نعوذ باللہ حضرت علیؓ کے چہرۂ مبارک پر جو فخر انبیاء و اولیاء کو افتخار ہے تھوک دیا (اور چونکہ افتخار کبھی بڑونکو بھی چھوٹون پر ہوتا ہے جیسے حدیث مین ہے کہ مین اور امتونکے مقابلہ مین تمپر فخر کرونگا اور حدیث مین ہے کہ اللہ تعالیٰ اہل عرفات پر ملائکہ کے سامنے فخر فرماتے ہین اسلیے کوئی اشکال نہین اولیاء کا فخر تو یہ ہے کہ ہم مین ایسے بزرگ ہین اور انبیاء کا یہ کہ ہمارے اتباع مین کیسے شخص ہین) اُسنے ایسے چہرہ پر نعوذ باللہ تھوکا کہ چاند کو بھی اُسکے سامنے سجدہ کرنا زیبا ہے (کنایہ ہے افضلیت سے) آپ نے اُسیوقت تلوار پھینکدی اور اُسکے جنگ مین التوا فرمادیا وہ حریف اِس عمل سے اور اس بے محل عفو فرمانے سے نہایت متحیر ہوا (کیونکہ اُسکا مقتضا ظاہراً تو یہ تھا کہ اور بھی جلدی قتل کرڈالتے) اور عرض کیا کہ آپ نے مجھپر تلوار کا وار کیا پھر کس وجہ سے تلوار پھینکدی اور مجکو چھوڑ دیا (اور کافر کو چھوڑ دینے کا شبہ مسئلہ من سے کہ مجتہد فیہ ہے مدفوع ہے دوسرے معرکہ مین دوسرا شخص اُسکے شر کو دفع کرسکتا ہے) آپکو میرے جنگ و قتل سے بڑھکر کیا چیز نظر آگئی کہ آپ اسطرف مشغول ہوکر میرے مقابلہ و مقاتلہ مین ڈھیلے پڑگئے اور وہ کیا چیز نظر آگئی کہ آپ کا غصہ جاتا رہا اور ایسی برق غضب چمکی اور لوٹ گئی وہ کیا چیز نظر آگئی کہ اُس مشاہدہ کے عکس اور اثر سے خود میرے دل و جان مین ایک شعلہ سا نکل گیا (یعنی مجھپر بھی اثر ہوا اور آگے معلوم ہوگا کہ اُنسے جو عمل صادر ہوا اخلاص تھا اور اخلاص کا منشا توحید خالص ہے پس وہ نظر آنیوالی چیز توحید ہوئی اور اُسکا اثر ہوجانا مخالف پر عجیب نہین تشیر الیہ قولہ تعالیٰ ادفع بالتی ہی احسن فاذا الذی بینک و بینہ عداوۃ کانہ ولی حمیم) اور وہ کیا چیز نظر آگئی کہ کون و مکان سے برتر ہے اور وہ جان سے بھی عزیز ہے (کیونکہ چھوڑنے مین ظاہراً اپنی جان کا بھی اندیشہ تھا اور آپنے اُسکو دیکھکر میری جان بخشی کی) توحید کا برتر از کون و مکان اور بہتر از جان ہونا ظاہر ہے) آپ شجاعت مین تو اسد اللہ مسلم و مشہور ہین ہی مگر فتوت (اور عالی ہمتی) مین کون سمجھ سکتا ہے کہ آپ کس درجہ کے ہین (کیونکہ مقاتلہ شجاعت سے تھا اور عفو فتوت سے) آپ کی شان فتوت مین ابر موسیٰ علیہ السلام کی سی ہے کہ وادی تیہ مین اُس سے نان و خوان بے مثل آتا تھا (جسطرح وہ مظہر انعام حق تھا آپ بھی ایسے ہی ہین شاید من و سلویٰ کی نزول مین اُس ابر کا دخل مولانا کی نظر سے گذرا ہوگا ورنہ قرآن مجید مین صرف اسقدر مذکور ہے کہ سایہ کے لیے وہ ابر بھیجا گیا تھا واللہ اعلم)

ابرہا گندم دہد کان را بجہد	پختہ و شیرین کند مردم چو شہد
ابر موسے پر رحمت بر کشاد	پختہ و شیرین و بے زحمت بداد

از برای پختہ کاران کرم / رحمتش افراشت در عالم علم

تا چہل سال آن وظیفہ وان عطا / کم نشد یک روز زان اہل رجا

تا ہم ایشان از خسیسی خاستند / گندنا و ترہ و خس خواستند

جملگی گفتند با موسے زآن / بقل و قثا و عدس سیر و پیاز

زین گدا روئی و حرص و آز شان / منقطع شد من و سلوے ز آسمان

(یہ مقولہ ہے مولانا کا ہمین بیان ہے حال مشبہ بہ کا یعنی) اور ابر تو گندم اس طرح دیتے ہین کہ اُسکو لوگ محنت اُٹھا کر مثل شہد کے پختہ و شیرین (یعنی کھانے کے قابل) بناتے ہین اور ابر موسوی جو پر رحمت کھولکر آیا تو اُسنے پختہ و شیرین اور بے زحمت دیا اور جو لوگ کرم خداوندی سے پختہ خواری کے خوگر تھے اُن کے لیے اُنکی رحمت نے اپنا پھریرہ کھڑا کر دیا (شاید من و سلوی کا تیار اور پختہ ہو کر آنا مولانا کو تحقیق ہوا ہو) غرض چالیس سال تک اُس وظیفہ اور عطا مین اُن اُمید وارون سے ایک روز کمی نہین ہوئی یہان تک کہ خود وہی اپنی پست حوصلگی سے اُٹھے اور گندنا و ترکاری اور کاہو کی درخواست کی (لعموم البقل) اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے حرص کے مارے سب کہنے لگے کہ ترکاری اور ککڑی اور مسور اور لہسن اور پیاز کہان ہین (وہ چاہیے یہ چیزین قرآن مین منصوص ہین) اُنکی اِس گدا روئی اور حرص (کی شامت) سے من و سلوی آسمان سے منقطع ہو گیا (مولانا کا خیال معلوم ہوتا ہے کہ مثل مائدہ عیسیٰ علیہ السلام کے من و سلوی کا بھی نزول ہوتا تھا واللہ اعلم

امت احمد کہ ہستند از کرام / تا قیامت ہست باقی آن طعام

چون ابیت عند ربی فاش شد / یطعم و یسقی کنایت ز آش شد

ہیچ بے تاویل این را در پذیر / تا در آید در گلو چون شہد و شیر

زانکہ تاویل ست وا داد عطا / چونکہ بیند آن حقیقت را خطا

آن خطا دیدن ز ضعف عقل اوست / عقل کل مغز ست و عقل جزو پوست

خویش را تاویل کن نہ اخبار را / مغز را بدگوی نے گلزار را

(اس مین مدح ہے اُمت محمدیہ کی بمقابلۂ بنی اسرائیل کے کہ اُن سے طعام غیبی منقطع ہو گیا مگر اِس اُمت مین وراثۃً عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم باقی ہے یعنی) اُمت احمد صلی اللہ علیہ وسلم کی کہ اکرم الامم ہین اُنکے لیے وہ طعام غیبی قیامت تک باقی ہے (آگے اُسکا بیان ہے) جبکہ (حدیث مین) ابیت عند ربی صاف آیا ہے تو یطعم و یسقی عبارت آش (بالمعنی الحقیقی) سے ہے (حدیث مین ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو صوم وصال سے یعنی جسمین نہ افطار ہو نہ سحر منع فرمایا صحابہ نے عرض کیا کہ حضور رکھتے ہین یعنی اور ہم شائق اتباع ہین تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایکم مثلی ابیت عند ربی یطعمنی و یسقینی یعنی تم مین میری برابری کون کر سکتا ہے مین تو قرب الٰہی مین شب بسر کرتا ہون وہ مجھکو کھلا پلا دیتا ہے اِس حدیث مین تین احتمال ہین اول یہ کہ طعام غیبی حسی مراد ہو اور شبہ فساد صوم کا ابیت سے مدفوع ہے کیونکہ شب کو کھانے سے روزہ فاسد

مضمون حدیث ابیت عند ربی الخ

نہیں ہوتا انکا حاصل جواب یہ ہوگا کہ پھر وصال کہاں رہا دوسرا احتمال یہ کہ طعام سے مراد غذاے روحانی ذکر و فکر ہو اور اثر اسکا مثل طعام حسی کے قوت حسیہ ہو کہ مغنی عن الطعام ہو جاوے حاصل جواب یہ ہوگا کہ علت نہی کی ضعف ہے اور میرے لیے اُسکا تدارک ہو جاتا ہے تیسرا یہ کہ غذا بھی روحانی ہو اور اثر بھی قوت روحانیہ ہو حاصل جواب یہ ہوگا کہ ہمکو اشتغال بالکیفیات الروحانیہ سے الم جوع محسوس نہیں ہوتا پس ثالث مین طعام اور اثر دونوں محمول مجاز پر ہین اور ثانی مین طعام مجاز پر محمول اور اثر حقیقت پر اور اول مین دونوں محمول ہین حقیقت پر پس ثالث مجاز محض ہے ثانی حقیقت قاصرہ اول حقیقت کاملہ اور اکثر اہل ظاہر احتمال ثالث کیطرف گئے ہین مولانا اُنپر رد فرماتے ہین کہ حدیثین صریح الالفاظ ہین اور کوئی قرینہ صارفہ عن الحقیقۃ نہیں ہے پھر کیون تاویل کیجاوے اب دو احتمال حقیقت کے رہ گئے اول حقیقت کاملہ ثانی حقیقت قاصرہ اور مولانا کا کلام دونوں کو محتمل ہے اگر اول مراد ہو تو یہ نوع خوارق سے ہے اور رد کا مخاطب منکر کرامات ہے اور اگر ثانی مراد ہو تو وہ ذاکرین کے احوال غالبۃ الوقوع سے ہے اور رد کا مخاطب منکر ذوقیات ہے خوب سمجھ لو غرض دونوں معنی حقیقی کے اعتبار سے اُس طعام کا بقاء امت مین ثابت ہوا اور کنایت سے مراد عبارت ہے جیسا احقر نے تصریح کر دی ہے آگے تفصیل ہے رد کی یعنی، چندے بلا تاویل (و مجاز) اس (حدیث کے معنے) کو قبول کر لو تاکہ تمہارے حلق مین (باعتبار ذات یا اثر کی) شہد و شیر کیطرح پہونچے (وجہ ترتب یہ ہے کہ جو شخص اول محض تقلید سے حقیقی معنے پر محمول کرے گا وہ اُسکے حصول کی سعی کر سکتا ہے اور اُسکا اُمیدوار ہو سکتا ہے اور وعدہ کان سعیہم مشکورا اور انا عند ظن عبدی بی صادق ہے اسلیے وہ بعد چندے مشرف ہو سکتا ہے بخلاف اس شخص کے کہ مجاز پر محمول سمجھتا رہے) کیونکہ تاویل (و حمل علی المجاز) عطاے الٰہی کو (ایک گونہ) واپس کرنا ہے چونکہ اُس حقیقت کو (جو کہ عطاے الٰہی ہے) خلاف واقع سمجھتا ہے (اس لیے اُس سے بعد ہوتا جاتا ہے اور قرب حصول کو بعد سے مبدل کرنا یہ بھی مشابہ واپسی کی ہے) اور یہ خلاف واقع سمجھنا محض اُسکے ضعف عقل (معاد) سے ہے اور عقل کامل یعنی عقل معاد کی مثال مغز کی سی ہے اور عقل ناقص یعنی عقل معاش کی مثال پوست کی سی (ضعف و قوت عقل معاد ہی کا معتبر ہے) سو تم اپنی تاویل کو احادیث کی مت کرو (یعنی اپنے فہم درست کرو تاکہ معنی حقیقیہ سمجھنے لگو) اور اپنے مغز کو برا کہو نہ باغ کو (یعنی باغ کی صفت حقیقی خوشبو ہے اگر اسکا ادراک نہو تو اپنے مدرکہ کا قصور سمجھو نہ یہ کہ مدرکہ کو صحیح الادراک سمجھو اور باغ سے اُسکی صفت حقیقیہ کی نفی کر کے بدبو کو ثابت کرنے لگو یہی حال نصوص کے معانی حقیقیہ اور اپنے فہم کا سمجھنا چاہیے)۔

اے علی کہ جملہ عقل و دیدۂ　شمۂ واگو از انچہ دیدۂ
تیغ حلمت جان ما را چاک کرد　آب علمت خاک ما را پاک کرد
باز گو دانم کہ این اسرار ہوست　زانکہ بے شمشیر کشتن کار اوست

(یہ مقولہ ہے اُس پہلوان کا یعنی) اے علی آپ تو سراسر عقل و بصیرت ہین آپ کو جو کچھ نظر آیا ہے اُسمین سے کچھ فرمائیے آپ کی تیغ حلم نے ہماری جان کو چاک کر ڈالا (یعنی اُس حلم کا قلب مین قوی اثر ہوا) اور آپکے

آپ علم نے (جس سے یہ حلم پیدا ہوا) ہماری خاک کو (یعنی ہماری ہستی کو) پاک کردیا (بایں معنی کہ کینہ و عداوت آپ سے نزہا اور یہ پاکی ہے بعض اخلاص رذیلہ سے گو کسی خاص شخص ہی کے ساتھ سہی) ہاں (مفصل فرمائیے (گو اجمالاً اتنا تو جانتا ہوں کہ یہ (یعنی اس حالت کا منشا منجملہ اسرار الٰہیہ ہے (کہ آپ کے قلب پر انکا ورود فرمایا ہے) کیونکہ بے شمشیر کے قتل کرنا یہ اُن ہی کا کام ہے (سو اصل سبب میرے کشتۂ حلم ہونے کا وہ امر منجانب اللہ ہے جس سے آپ کا حلم مسبب ہے اور اوپر عرض کرچکا ہوں کہ وہ منشا توحید ہے اور اُسکے ورود کا منجانب اللہ ہونا ظاہر ہے)۔

صانع بے آلت و بے جارحہ	واهب این ہدیہای رابحہ
صد ہزاران روح بخشد ہوش را	کہ خبر نبود دو چشم و گوش را
صد ہزاران می چشاند روح را	کہ خبر نبود دہان را اے فتے

(یہ مقولہ ہے مولانا کا واسطے تقریر مضمون بالا یعنی اللہ تعالیٰ کے معطی اسرار و فاعل بے آلت تیغ وغیرہ ہونیکی یعنی) وہ بدون آلات و جوارح کے صناع ہیں اور اِن ہدایائے پُرسود کے معطی ہیں (آگے اُن ہدایا کا بیان ہے کہ) لاکھوں راحتیں ہوش کو (یعنی عقل کو) ایسی عطا فرماتے ہیں کہ آنکھ اور کان (باوجودیکہ جواسیس العقل ہیں مگر اُن) کو خبر بھی نہیں ہوتی (اور ہرچند کہ یہ امر جمیع عقلیات کو عام ہے مگر مراد مولانا کی خاص حقائق و معارف ہیں) اور لاکھوں شرابیں (محبت الٰہیہ کی) روح کو ایسی چکھاتے ہیں کہ منھ (جو آلہ ہے کھانے پینے کا اُس) کو خبر بھی نہیں ہوتی (اور ظاہر ہے کہ محبت کا ادراک منھ کو نہیں)۔

باز گو اے باز عرش خوش شکار	تا چہ دیدی این زمان از کردگار
چشم تو ادراک غیب آموختہ	چشمہاے حاضران بر دوختہ

(یہ مقولہ ہے اُس مبارز کا یعنی) اے باز عرش جو صید اسرار کو خوب لیتا ہے مفصل بتلائیے کہ آپ نے اس وقت حق تعالیٰ کی طرف سے کیا دیکھا (کیونکہ) آپ کی چشم (باطنی) ادراک اسرار غیبیہ کی مشاق (اگرچہ) اور حاضران مجلس کی آنکھ (اُسکے ادراک سے) بند ہے۔

آن یکے ماہے ہمی بیند عیان	وان یکے تاریک می بیند جہان
وان یکے سہ ماہ مے بیند بہم	این سہ کس بنشستہ یک موضع نعم
چشم ہر سہ باز و گوش ہر سہ تیز	در تو آویزان و از من در گریز
سحر عین ست این عجب لطف خفی ست	بر تو نقش گرگ و بر من یوسفی ست
عالم از ہجدہ ہزار ست و فزون	ہر نظر را نیست این ہجدہ زبون

(یہ مقولہ ہے مولانا کا واسطے تقریر مضمون بالا تفاوت اہل ادراک کے یعنی) ایک وہ شخص ہے جو چاند کو

صاف دیکھ رہا ہے (مراد ماہ سے تشبیہاً حق تعالیٰ ہین اور بیندہ سے مراد مشاہدہ ہے جسکی تفسیر کئی بار گذر چکی ہے اور اسکو عیان کہنا مجازاً ہے باعتبار اطمینان تام کے یعنی مشاہدہ و غلبہ توجہ بحق سے مشرف ہے اور خلق کی طرف اصلاً ملتفت نہین) اور ایک دوسرا شخص وہ ہے جو عالم کو تاریک دیکھ رہا ہے (یعنی صرف مخلوق پر اُسکی نظر التفات ہے اسکو مرآۃ مشاہدہ انوار حق نہین بنایا اور مصنوع سے صانع کیطرف توجہ منصرف نہین کی گویا عالم اس کی نظر مین تاریک ہے) اور ایک تیسرا شخص وہ ہے جو تین چاند دفعۃً دیکھ رہا ہے (مراد اس سے وہ شخص ہے جو ایک حالت مین حق اور خلق پر نظر رکھتا ہے پس ایک ماہ تو حق تعالیٰ ایک ماہ خلق باعتبار مرآت ہونے حق کے ورنہ بدون مرآتیۃ کے ابھی تاریک کہہ چکے ہین تیسرا ماہ یہ مجموعہ دو ماہ کا اور ہر چند کہ اس مجموعہ کا کہ موجود اعتباری ہے شمار کرنا ضرور نہ تھا لیکن چونکہ نظر بحق و نظر بخلق کا جمع علی سبیل التعاقب اس مرتبہ مین مقصود بالحکم نہین بلکہ علی سبیل الاجتماع ملحوظ ہے اس مجموعہ کے اعتبار کرنے سے اس اجتماع کیطرف اشارہ ہو گیا کیونکہ مجموعہ مین ہیئت وحدانیہ کا اعتبار ضروری ہے اور وحدت و اجتماع دونون کالمترادف ہین پس ہم تاکید کے لیے ہے اور ان مراتب ثلثہ سے اول کو اصطلاح مین جمع کہتے ہین ثانی کو فرق ثالث کو جمع الجمع غرض یہ تین قسم کے اشخاص ہین) اور تینون (ظاہر مین) ایک جگہ مگر اپنے اپنے خیال مین مست بیٹھے ہین (غم بمعنے مطلق خیال مجازاً) اور تینون کی آنکھین کھلی ہوئی اور تینون کے کان تیز (یعنی ظاہری وحسی حالت یکسان مگر پھر اس قدر تفاوت کہ) ایک حالت ایک شخص سے قریب اور متعلق اور دوسرے سے بعید و نفور (مثلاً مشاہدہ حق کہ صاحب جمع سے قریب اور صاحب فرق سے بعید اور یہان من و تو سے مراد صرف یکے و دیگری ہے بلا لحاظ معنے تکلم و خطاب) یہ تفاوت عظیم (باوجود تقارب امکنہ و احوال کے) ایک غیبی سحر (یعنی تصرف عجیب) اور عجب خفی اور لطیف (یعنی متعسر الادراک) امر ہے کہ ایک حالت ایک شخص کے لیے نقش گرگ ہے اور دوسری کے لیے نقش یوسفی ہے (مثلاً مشاہدۂ خلق کہ صاحب فرق کے لیئے مضر اور مہلک اور صاحب جمع الجمع کے لیے عین ایمان و عرفان) اور گو عالم اٹھارہ ہزار بلکہ اس سے بھی زیادہ ہین (جیسے عالم انسان عالم اسد عالم فرس پس عوالم سے مراد انواع ہین اور مراد محض کثرت ہے) مگر (اس تفاوت نظر کی وجہ سے) یہ عوالم ہر نظر کے تابع نہین ہین (یعنی سب کو ادراک نہین ہوتا باعتبار آلۂ معرفت ہونے کے)۔

راز بکشا اے علیؑ مرتضےٰ	اے پس سوء القضا حسن القضا
یا تو واگو آنچہ عقلت یافتست	یا بگویم آنچہ بر من تافتست
از تو بر من تافت چون داری نہان	میفشانی نور چون مہ بے زبان
لیک اگر در گفت آید قرص ماہ	شبروان را زودتر آرد براہ
از غلط ایمن شوند و از ذہول	بانگ مہ غالب شود بر بانگ غول
ماہ بے گفتن چو باشد رہنما	چون بگوید شد ضیا اندر ضیا

(یہ مقولہ ہے اُس مبارز کا یعنی) اے علی مرتضیٰؓ آپ اس راز کو کھول دیجیے اور آپ تو میرے حق میں قضاے ضار کے بعد قضاے خیر بن گئے (کہ بعد قصد قتل کے عفو فرما دیا) یا تو آپ فرمائیے جو کچھ آپکے باطن کو ملا ہے یا نہیں تو میں کہوں جو کچھ (آپ کی حالت سے) مجھ پر منعکس ہو گیا ہے اور (جب) مجھ پر اُسکا عکس پڑ چکا ہے (جس سے مجکو اطلاع ہو گئی) پھر آپ کیون پوشیدہ فرماتے ہین (اور وجہ انعکاس کی یہ ہوئی کہ) آپ مثل چاند کے ہین جو بدون (گویائی) زبان (کے) نور افشانی کرتا ہے لیکن (باوجود نور افشانی) زبان کے کہ راہ بینی کے لیے کافی ہے) اگر قرص ماہ بولنے بھی لگے تو شب کے چلنے والون کو بہت جلدی راہ پر لگا دے (کہ کچھ تامل بھی نکرنا پڑے) اور غلطی اور خیال سے اوتر جانے سے (بالکل) مامون ہو جاوین (ورنہ اس کا احتمال رہتا ہے) اور کلام ماہ کلام غول بیابانی پر غالب آجاوے (اور کذب غول کا بدیہی ہو جاوے) اور چاند جبکہ بلا کلام کیے ہوئے (محض نور سے) رہنما ہوتا ہے تو اگر بولنے بھی لگے تو (سبحان اللہ) نور علیٰ نور ہو جاوے (اسی طرح اگر آپ اپنی حالت خود ارشاد فرماوین گے تو اطمینان ونفع کامل ہو گا ورنہ تردد بھی رہے گا اور احتمال غلط فہمی کا بھی ہے ف اِس مقام سے مستنبط ہوتا ہے کہ باطنی نفع زندہ شیخ سے زیادہ ہوتا ہے بالخصوص جبکہ سلوک کامل نہ ہوا ہو کیونکہ وہ بولنے پر قادر ہے ہر امر کو مفصل بتلا سکتا ہے اور اُسکے بیان سے اپنے حالات و واردات کا ابہام دفع ہو جاتا ہے بخلاف میت کے کہ صرف تقویت نسبت کا فائدہ تو اس سے ہوتا ہے مگر تعلیم وتلقین جو مدار اعظم ہے مفقود ہے اور اگر خرق عادت کے طور پر کبھی تکلم کا اتفاق بھی ہو جاوے تب بھی یہ تفصیل اور بسط کہان نصیب ہے اور اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ تقریر بہ نسبت تحریر کے زیادہ انفع ہے کیونکہ تحریر مین بہت سی تفاصیل منضبط نہین ہو سکتین پس شیخ کے حضور مین استفادہ افضل ہے غیبت مین خط وکتابت کرنے سے اور کوئی یہ شبہہ نہ کرے کہ یہان علم قال کو ترجیح دی جا رہی ہے اور پہلے مرجوح فرما آئے ہین جواب یہ ہے کہ مرجوح قال ہے غیر اہل حال کا اور راجح قال ہے صاحب حال کا طالب کے لیے کیونکہ اس کے قال مین دونون امر یعنی قال وحال مجتمع ہین اور ظاہر ہے الاثنان خیر من الواحد۔

چون تو بابی آن مدینۂ علم را | چون شعاعی آفتاب حلم را
باز باش اے باب بر جویاے باب | تا رسد از تو قشور اندر لباب
باز باش اے باب رحمت تا ابد | بارگاہِ ما لہٗ کفواً احد
بر ہوا و ذرۂ خود منظرے ست | ناگشادہ کے بود کانجا درے ست
تا نہ بکشاید درے را دیدبان | در درون ہرگز نجنبد این گمان
چون کشادہ شد درے حیران شود | مرغ امید وطمع پران شود
غافلے ناگہ بویران گنج یافت | سوی ہر ویرانہ زان پس می شتافت
تا ز درویشے نیابی تو گہر | کے گہر جوئی ز درویشے دگر

سالہا گر ظن دود با پائے خویش	نگذرد ز اشگاف بینی ہائے خویش
تا بہ بینی نایدت از غیب بو	غیر بینی ہیچ مے بینی بگو

یہ بھی مقولہ ہے اُس مبارز کا یعنی) اے علیؓ جب آپ مدینۃ العلم (رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم) کے باب (یعنی مظہر علم) ہین (جیسا ایک متکلم فیہ حدیث مین ہے انا مدینۃ العلم وعلی بابہا) اور جب آپ آفتاب علم (ذات مقدسہ صلی اللہ علیہ وسلم) کے شعاع ہین (یعنی علم وعمل دونون مین مظہر ذات پاک حضور نبوی ہین) تو اے باب آپ کو جویلے باب پر مفتوح رہنا چاہیے تاکہ آپ کی بدولت پوست (یعنی ناقص) در مغز (یعنی کمال کو پہونچ جاوے اور اے باب رحمت درگاہ ذات بے مثل جل شانہ کے آپ کو چاہیے کہ مدت العمر تک مفتوح رہیے (اور اگر آپ یہ فرمائین کہ باب ہونے مین میری کیا تخصیص ہے ہر ذرہ کائنات کا طالب حق کے لیے باب وصول ہے تو اُس کے متعلق یہ التماس ہے کہ بے شک ہر ہوا اور ہر ذرہ دریچہ (مشاہدہ جمال الٰہی) ہے اور (یہ بھی مسلم کہ) جہان (خاص وصول طالبین کی غرض سے) دُر ہوتا ہے وہ ناکشادہ نہین ہوتا تو بہت سے ابواب وصول الی الحق کے مفتوح ہین لیکن) جب تک دیدبان (یعنی عارف کامل اول) کسی دروازہ کو کھولدے (یعنی صاحب معرفت نکردے) اُسوقت تک یہ گمان (کہ ہر ذرہ باب وصول ہے) دل مین بھی نہین جمتا پھر اُسکو وسیلہ طلب کیسے بنائے گا پس پھر بھی آپ ہی کی توجہ وتعلیم موقوف علیہ ٹھہری) البتہ اگر (عارف کامل کی توجہ سے) ایک باب بھی (معرفت کا) کشادہ ہوجاوے تو اُس مین حیرت (محمودہ) پیدا ہو (اور اُس سے انکشاف حقیقت کی) امید وطمع کا مرغ (آگے کو) پرواز کرنے لگے (کیونکہ حیرت ہوتی ہے انکشاف من وجہ سے اور انکشاف من وجہ سے شوق ہوتا ہے انکشاف باقی وجوہ کا) اسکی ایسی مثال کہ کسی ناواقف کو ویرانہ مین خزانہ ملگیا پھر وہ ہر ویرانہ مین دوڑا جاتا ہے اسی طرح جب تک ایک درویش سے کوئی جوہر (نعمت باطنی) تمکو نہ ملے گا تو دوسرے درویش سے دوسری نعمت باطن کب ڈھونڈھو گے (اور بدون کم وبیش فتح باب باطن کے) نرا خیال ہے تخیل تو سالہا سال بھی اگر دوڑتا ہے تب بھی سوراخ بینی سے آگے نہ جاوے گا اور جب تک بینی (باطن) مین کچھ غیب کا رائحہ نہ آوے تو بتلاؤ کہ اُس وقت تک بجز (ظاہری) بینی کے اور بھی کچھ نظر آتا ہے ف اِس مین تعلیم ہے کہ بدون فیض مرشد کامل کے مناسبت باطن سے نہین ہوتی اور بدون اِس مناسبت کے ترقی نہین ہوتی تو صرف اپنی استعداد علمی وکتب بینی وذہانت پر رہنا وصول مین ناکافی ہے مرشد ڈھونڈھو۔

سوال کردن از آنحضرت کہ چون بر من ظفر یافتی چرا از قتل من اعراض فرمودی ومرا نہ کشتی

پس بگفت آن نو مسلمان دلی	از سر مستی ولذت یا علیؓ

کہ بفرما یا امیر المومنین ۔۔۔ تا بجنبد جان بہ تن ہمچون جنین

(پھر عود ہے قصہ کیطرف یعنی) اوس نومسلم ولی نے مستی اور لذت سے آپ کی خدمت مین عرض کیا کہ یا امیر المومنین اسکی وجہ فرمائیے تاکہ جان کو تن مین حرکت (وجدیہ) ہو جس طرح بچہ کو (شکم مین) ہوتی ہے ف معلوم ہوا کہ وہ شخص آپ کی برکت سے مسلمان بلکہ صاحب باطن ہو گیا تھا۔

هفت اختر هر جنین را مدتے ۔۔۔ میکنند اے جان بنوبت خدمتے
چونکہ وقت آید کہ جان گیرد جنین ۔۔۔ آفتابش آن زمان گردد معین
چون جنین را نوبت تدبیر و رو ۔۔۔ از ستارہ سوے خورشید آید او
این جنین در جنبش آید ز آفتاب ۔۔۔ کافتابش جان ہمی بخشد شتاب
از دگر انجم بجز نقشے نیافت ۔۔۔ این جنین تا آفتابش بر نتافت
از کدامین رہ تعلق یافت او ۔۔۔ در رحم با آفتاب خوب رو
اندرہ پنہان کہ دور از حس ماست ۔۔۔ آفتاب چرخ را بس راہ ہاست
آن رہے کہ زر بیابد قوت ازو ۔۔۔ وان رہے کہ سنگ شد یاقوت ازو
آن رہے کہ سرخ سازد لعل را ۔۔۔ وان رہے کہ برق بخشد نعل را
آن رہے کہ پختہ سازد میوہ را ۔۔۔ وان رہے کہ دل دہد کالیوہ را

(آید او در شعر سوم تاکید ضمیر متصل ست در آید یہ ضمیر منفصل آورا جع جانب نوبت در و۔ آو پر حرکت جنین کو مشبہ ٹھہرایا تھا یہان اوسکے اسباب کی تحقیق فرمانے لگے اور اس تحقیق کو محض اہل نجوم کے مشہور اصول پر شاعرانہ طور پر مبنی فرمایا ہے کیونکہ تمثیل مین اسکا مضائقہ نہین اور یہان مقصود اصلی تمثیل ہی ہے گویا حکایۃً عن المبارز فرماتے ہین کہ اس طرح جنین مین جان پڑنے کے وقت افاضۂ آفتاب کی ضرورت ہے گو اوسکے قبل اور کواکب اوسکی تربیت کرتے رہین اسی طرح گو اب تک اسباب تربیت اجسام کی مجکو احتیاج رہی مگر اب کہ حرکت روحانیہ کا وقت ہے آپ کی ذات مبارک کہ آفتاب ہے محتاج الیہ ہے خوب سمجھ لو پس فرماتے ہین کہ) کواکب سبعہ سیارہ ایک مدت تک نوبت بنوبت خدمت (تربیت مادہ وصورت) کرتے رہتے ہین دیگر جب جنین مین جان پڑنے کا وقت آتا ہے تو اُسوقت (منجملہ کواکب مذکورہ کے صرف) آفتاب اوسکا معین (حرارت حیوانیہ کے حصول مین) ہوتا ہے پس جب تدبیر جنین کا دورہ اور رخ دوسرے ستارون سے آفتاب کی طرف بدلتا ہے اوسوقت جنین آفتاب (کے اثر) سے حرکت (حیوانیہ) مین آتا ہے کیونکہ آفتاب سے اوسمین حرکت حیوانیہ پیدا ہوتی ہے اور دوسرے کواکب سے اس جنین نے بجز نقش وصورت ظاہری کے اور کچھ نہین پایا (یعنی جان نہین پڑی) تا وقتیکہ اوسپر تابش آفتاب نہ ہوئے (آگے تعجباً سوال فرماتے ہین کہ) معلوم نہین کون سی راہ سے اوس جنین نے رحم مین آفتاب کے ساتھ تعلق

حاصل کرلیا (خود جواب دیتے ہین کہ) ایک راہ مخفی سے (تعلق ہوگیا) جو ہمارے حواس سے بعید ہے کیونکہ آفتاب چرخ کی بہت سی راہین ہین یہ وہ راہ ہے جس سے (معدن مین) سونے کو آفتاب سے نشو ونما ہوتا ہے اور یہ وہ راہ ہے کہ اوس سے پتھر یاقوت بن جاتا ہے اور یہ وہ راہ ہے کہ لعل کو سرخ کردیتا ہے اور یہ وہ راہ ہے کہ اوس سے نعل آہنی مین (جب اوسکو سنگ چقماق سے مارا جاوے) برق آتش پیدا ہوتی ہے اور یہ وہ راہ ہے کہ جس سے میوہ پختہ ہوتا ہے اور یہ وہ راہ ہے کہ ضعیف القلب مین قوت قلب پیدا ہو جاتی ہے (مجکو اصول نجوم کی تحقیق نہین مگر غالباً یہ سب آثار اون کے نزدیک آفتاب کی کسی مناسبت و مزاج خفی سے متعلق ہون گے ورنہ اگر راہ نہان اور دور از حس کی قید نہ ہوتی تو حرارت آفتاب سے وابستہ ہونا مشاہد تھا)۔

بازگو اے باز پر افروختہ	با شہ و با ساعدش آموختہ
بازگو اے باز عنقا گیر شاہ	اے سپاہ اشکن بخود نے با سپاہ
امت وحدی یکے و صد ہزار	بازگو اے بندہ بازت را شکار
در محل قہر این رحمت ز چیست	اژدہا را دست دادن کار کیست

(یہ مقولہ ہے مبارز کا یعنی) مفصل ارشاد فرمائیے اور آپ ایسے ہین جیسے کوئی باز ہو جسکے پر و بازو پرواز بلند کے لیے) قوی ہون اور بادشاہ اور ساعد بادشاہ (پر اوسکو بیٹھنے کی تعلیم ہوئی ہو اور وہ شاہی باز عنقا کو پکڑتا ہو (اسی طرح آپ عروج روحانی مین فائق ہین اور حق تعالی کے ساتھ معیت رکھتے ہین اور مراتب عالیہ کو حاصل کیے ہوئے ہین) اور آپ تن تنہا (قوت ظاہری یا قوت باطنی سے) سپاہ شکن ہین سپاہ کی بھی حاجت نہین آپ تنہا (اپنی جامعیت کمالات کی وجہ سے) بجاے ایک گروہ کے ہین (جیسا قرآن مجید مین حضرت ابراہیم علیہ السلام کو امۃ فرمایا گیا ہے) پس آپ (ایک حیثیت سے) ایک ہین اور (ایک حیثیت سے) صد ہزار ہین اور بندہ آپ کے باز کا شکار ہے (یعنی آپ کا مسخر ہوگیا ہے) مفصل فرمائیے کہ محل قہر مین یہ مہربانی کس سبب سے ہے اور (دشمن جون) اژدہا کو قابو دینا یہ کون کیا کرتا ہے۔

جواب دادن امیر المومنین علی کہ سبب افگندن شمشیر از دست چہ بود دران حالت

گفت من تیغ از پے حق میزنم	بندہ حقم نہ مامور تنم
شیر حقم نیستم شیر ہوا	فعل من بر دین من باشد گوا
من چو تیغم وان زنندہ آفتاب	ما رمیت اذ رمیت فی الحراب
رخت خود را من ز رہ بر داشتم	غیر حق را من عدم انگاشتم
سایہ ام من کدخدایم آفتاب	حاجبم من نیستم او را حجاب
من چو تیغم پر گہرہاے وصال	زندہ گردانم نہ کشتہ در قتال

خون نپوشد گوہر تیغ مرا	باد از جا کے برد میغ مرا
کہ نیم کوہم زصبر و حلم و داد	کوہ را کے در رباید تند باد

یعنی آپ نے فرمایا کہ مین محض اللہ کے لئے تیغزنی کرتا ہون اور مین حق تعالیٰ کا مطیع ہون بندۂ تن (یعنی نفس) نہین ہون اور مین شیر خدا ہون شیر نفس نہین ہون چنانچہ میرا یہ فعل میرے (کمال) دین کا شاہد ہوا اور مین بوجہ غایت انقیاد امر الٰہی کے آلہ محض (مثل تیغ) ہون جسکا مارنیوالا آفتاب (حقیقی) ہے چنانچہ قرآن مجید مین یہ مضمون موجود ہے کہ ما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمی یعنی اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم جب آپ نے کنکریان پھینکی تھین تو آپ نے نہ پھینکی تھین بلکہ اللہ تعالیٰ نے پھینکی تھین یعنی ہمنے اثر پہونچا دیا تھا مگر مولانا نے اُسکو محمول فرمایا ہی غایت موافقت امر الٰہی پر ورنہ تقریب تام نہ ہوگی اور رفی الحراب بمعنی در قتال وزن کے لیے بڑھا دیا ہے اور مجموعہ کو قتال کہا جاوے گا) اور مین نے اپنا رخت (ہستی) راہ سے اوٹھالیا ہے اور غیر حق کو مین نے (مثل) عدم محض سمجھ لیا ہے (یعنی مقام فناء مین ہون اور میری مثال سایہ کی سی ہے کہ (مرتبۂ تبعیت مین) آفتاب سے جدا نہین ہوتا اسیطرح مین احکام مین تابع محض حق تعالیٰ کا ہون) اور مین (اورون کے لیے درگاہ حق کا) حاجب ہون یعنی وہ دربان جو طالبین کو بادشاہ تک پہونچاتا ہے) اور مین حجاب (اور مانع) نہین ہون (حاصل یہ کہ کامل ہونے کے ساتھ مکمل بھی ہون) اور مین ایسی تلوار ہون جسمین (بجائے متعارف موتیون کے جن سے اہل ولایت تلوار کو مرصع کرتے ہین) وصال (و قرب الٰہی) کے موتی لگے ہین (یعنی تیغزنی سے میرا مقصود اصلی قتل نہین ہے بلکہ یہ غرض ہے کہ کفار کی اصلاح ہو جاوے اور جان بچانے کے لیے ایمان لے آوین جس سے شدہ شدہ ایمان کامل حاصل ہو جاتا ہے چنانچہ تفسیر فرماتے ہین کہ) مین قتال مین کشتہ نہین کرتا (یعنی وہ حظ یا غیظ کے لیے بالذات مقصود نہین) بلکہ زندہ کرتا ہون (یعنی یہ مقصود ہوتا ہے گو کوئی قبول نہ کرے آگے تمثیل ہے کہ) میرے گوہر تیغ کو خون کا دھبہ نہین لگتا اور میرے ابر کو ہوا نہین جنبش دیتی مین کاہ نہین ہون بلکہ صبر و حلم کا کوہ ہون اور کوہ کو باد تند کب ہٹا سکتی ہی یہان تیغ اور میغ اور کوہ سے ذات مرتضویہ کی تشبیہ مراد ہے اور گوہر سے مراد اخلاق حمیدہ اور خون اور باد سے اخلاق ذمیمہ اور کاہ سے تابع اخلاق ذمیمہ مطلب ظاہر ہے کہ اخلاق نفسانیہ میرے اخلاق حمیدہ پر غالب نہین آسکتے اور مجھ سے مثل تابع اخلاق ذمیمہ کے افعال نامرضیہ صادر نہین کراسکتے چنانچہ آگے مقولۂ مولانا مین یہ تفسیر مصرح ہے اور اگر شبہ ہو کہ رخت خود را الخ مین فناء و اضمحلال کا دعویٰ ہے اور یہان کوہ سے تشبیہ دینا استقلال کو مقتضی ہے جو اوسکے منافی ہے جواب یہ ہے کہ یہ تشبیہ مرتبہ بقاء باللہ مین ہے پس لوازم فناء سے ہوا۔

آنکہ از بادے رود از جا خسے ست	زانکہ باد ناموافق خود بسے ست
باد خشم و باد شہوت باد آز	برد او را کہ نبود اہل نیاز
باد کبر و باد عجب و باد حلم	برد او را کہ نبود از اہل علم

(یہ مقولہ ہے مولانا کا واسطے تفسیر و تقریر مضمون بالا کے یعنی جس شخص کو ایک باد سے قرار نہ ہے وہ

ہنگام ہے (اور دوسرے مصرع مین ایک امر لازم کی دلیل ہے جو مصرعۂ اولی سے مفہوم ہوتا ہے یعنی اوس شخص کی حالت خطرناک ہے کیونکہ ناموافق ہوائین تو بہت سی ہین (جنکا بیان اشعار آئندہ مین ہے) پس جب یہ شخص ایک ہوا سے اوکھڑ گیا تو اون بہت ہواؤن کے آگے کیا ٹھہرے گا اس لیے اوسکی حالت محل خطر ہے) اور باد غضب اور باد شہوت اور باد حرص ایسے شخص کو (اعتدال شرعی پر قائم رہنے سے) جنبش دیتی ہے جو اہل نیاز نہین ہوتا اور باد کبر اور باد عجب اور باد بے وقاری ایسے شخص کو ہلا دیتی ہے جو صاحب علم نہین ہوتا (نیاز بمعنی تواضع اشارہ ہے اخلاق حمیدہ کی طرف اور علم عبارت ہے معرفت سے اور اخلاق ذمیمہ کے مقتضا پر عمل کرنے کا سبب ظاہر ہے کہ دولت تہذیب و معرفت سے حرمان ہے)۔

کوہم و ہستی من بنیاد اوست	ور شوم چون کاہ بادم یاد اوست
جز بباد او نجنبد میل من	نیست جز عشق احد سرخیل من
خشم بر شاہان شہ و ما را غلام	خشم را من بستہ ام زین ولگام
تیغ حلمم گردن خشمم زدست	خشم حق بر من ہمہ رحمت شدست
غرق نورم گرچہ سقفم شد خراب	روضہ گشتم گرچہ ہستم بوتراب

(یہ مقولہ ہے حضرت علیؓ کا تتمہ مقولہ سابقہ کا یعنی) مین (حلم و وقار مین) مثل کوہ کے ہون اور میرا وجود اوس (حلم و وقار کی) اصل (اور اوس کے ساتھ موصوف) ہے (اس لیے مین جنبش نہین کرتا) اور اگر کبھی کاہ بنجاتا ہون (یعنی جنبش کرتا ہون تو نفس محرک نہین ہوتا بلکہ) میری محرک حق تعالی کے ہوا ہے حکم ہے یعنی بدون اون کے حکم کے میری قوت میلان مین حرکت نہین ہوتی اور بجز عشق الہی کے میرا کوئی پیشرو نہین (جسکا مین اتباع کرون) صفت غضب سلاطین پر حکمران ہے اور ہماری غلام ہے اور مین نے اوسپر زین ولگام لگا رکھا ہے (یعنی وہ میری مغلوب ہے) اور میری تیغ حلم نے میرے غصہ کی گردن ماردی ہے (یعنی اخلاق حمیدہ نے اخلاق ذمیمہ کا ازالہ کر دیا ہے) اور خشم خداوندی میرے حق مین سراپا رحمت ہوگیا ہے (اسکی توجیہ یہ کی گئی ہے کہ بجائے غضب کے مجھپر رحمت فرمائی جاتی ہے اور احقر کے نزدیک یہ معنی ہین کہ سئیات و معاصی پر جو غضب الہی کی توجہ معلوم ہوئی اور مین اونکو ترک کرکے مستحق رحمت ہوگیا تو وہ غضب اس طور پر میرے لیے سبب رحمت بنگیا) اور مین (مرتبۂ روح مین) غرق نور ہون اگرچہ (ریاضت سے) میرا تن زار و نزار ہوگیا ہے اور مین (گلہائے معارف سے) باغ ہوگیا ہون اگرچہ (نام کا) ابو تراب ہون (یعنی خاک والا اور تراب متعارف کا محل روضہ بنجانا جیسا مشاہد ہے موجب زیادت لطافت شعر ہے ف اور بعض محشیون نے شعر اول کے مصرعۂ اولی مین ہستی من سے مراد ذات حق لیا ہے اس وجہ سے کہ اصل علت اختیار یہ سب ہستیون کی وہی ہین آہ) حاصل یہ کہا ہے کہ میری متانت و استوازی جانب حق سے ہے تشبیہا بنا دکہدیا پس مجموعہ شعر کا خلاصہ یہ ہوگا کہ میرا سکون بھی بامر حق ہے اور حرکت بھی بامر حق واللہ اعلم۔

چون در آمد علتے اندر غزا / تیغ را دیدم نہان کردن سزا
تا احب للہ آید نام من / تا کہ ابغض للہ آید کام من
تا کہ اعطے للہ آید جود من / تا کہ امسک للہ آید بود من
بخل من للہ عطا للہ و بس / جملہ للہ ام نیم من آن کس
وانچہ للہ می کنم تقلید نیست / نیست تخییل و گمان جز دید نیست
ز اجتہاد و از تحرے رستہ ام / آستین بر دامن حق بستہ ام
گر ہمی پرم ہمی بینم مطار / ور ہمی گردم ہمی بینم مدار
ور کشم بارے بدانم تا کجا / ماہم و خورشید پیشم پیشوا
بیش ازین با خلق گفتن روی نیست / بحر را گنجائی اندر جوے نیست
پست می گویم باندازہ عقول / عیب نبود این بود کار رسول
از غرض حرم گواہی حر شنو / کہ گواہی بندگان نرزد بجو

(یہ مقولہ ہے حضرت علی ؓ کا اس کے ماقبل تک تمہید تھی سبب عفو کی یہان تعیین ہے سبب کی اجمالاً لفظ علتی مین اور دفتر ہذا کی بالکل آخر مین تعیین ہے تفصیلاً چون غزا و اندا ختے الخ مین یعنی) جب جہاد مین ایک (نفسانی) علت شامل ہونے لگی تو اوس وقت مین نے تلوار کو بند کر لینا مناسب سمجھا تاکہ میرا نام (اللہ تعالیٰ کے نزدیک) احب للہ (کے مصداقون مین) ہو جاوے اور تاکہ میرا اصل مقصود ابغض للہ رہے اور تاکہ میری سخاوت (کا منشا) اعطی للہ ہو اور تاکہ میری ہستی امسک للہ (کے ساتھ موصوف) رہے (یہ اشارہ ہے ایک حدیث کی طرف من احب للہ وابغض للہ اعطی للہ و منع للہ فقد استکمل الایمان یعنی جس شخص کی محبت اور بغض اور دینا اور نہ دینا سب اللہ ہی کے واسطے ہو وے بیشک اپنا ایمان کامل کر لیا مطلب جواب کا یہ ہوا کہ تاکہ میرا عمل اخلاص سے ہو) پس میرا بخل بھی اللہ ہی کے لیے ہے اور عطا بھی اللہ ہی کے لیے ہے غرض مین سب کا سب اللہ ہی کے واسطے ہون اور کسی کا تابع نہین ہون (یہی حالت کہ مین جو کچھ اللہ کے لیے کرتا ہون وہ (براہ) تقلید نہین ہے (کہ کسی سے سن لیا کہ اخلاص کا یہ طریقہ ہے) اور محض تخییل اور ظن نہین ہے (کہ قوت نظریہ سے طرق اخلاص پر استدلال کر کے عمل کرنے لگا بلکہ تحقیق اور بصیرت کے سوا اور کوئی چیز (متمسک نہین ہے (اس باب مین) اجتہاد اور قیاس سے چھٹا ہوا ہون اور حق تعالیٰ سے ایسا ارتباط ہے گویا اپنی آستین کو (اس حق سے باندھ رکھا ہے (پس اوس ارتباط سے مجکو بھی انکشاف حقائق کا ہوتا ہے اور جب مین صاحب بصیرت ہون پس اگر مین کبھی اوپر اڑتا ہون تو مجکو مسافت پرواز نظر آتی ہے اور اگر کبھی ایک ہی جگہ گھومتا ہون تو مجکو مدار حرکت نظر آتا ہے (جسکے گرد گھومتا ہون) اور اگر کبھی کوئی بوجھ اوٹھا کر لیجاتا ہون تو یقیناً جانتا ہون کہ کہان تک لیجانا ہوگا غرض (استفادۂ نور مشاہدہ مین) مثل چاند کے ہون اور آفتاب (فیض حق) میرا پیشرو ہے (مراد طیران سے انتقال من حال الی حال ہے مثلاً مراقبۂ عظیم کی طرف یا بالعکس اور دوران سے

دوام اوس حال کا اور بارکشی سے تحمل اعمال یعنی اپنے تبدل احوال وتحمل اعمال مین مجکو یہ بصیرت ہی کہ باقتضائے حق وقت ورود تجلیات ونظام عدل شرع کس وقت اور کس وقت تک کیا مناسب ہے اور یہ بصیرت القا ربانی و ذوق صحیح سے ہوتی ہے جو موہوب محض ہے اوس مین اکتساب واجتہاد کی گنجایش نہین گو اس حالت کے مقدمات محتاج کسب واجتہاد و تقلید ہون چنانچہ عقائد واعمال جو موقوف علیہ اس حالت کے ہین وہ اکتساب پر موقوف ہین) اور جس قدر مین نے اپنی حالت باطنی بیان کی ہے اس سے زیادہ عامہ خلائق سے کہنا موقع نہین کیونکہ (یہ اسرار مثل بحر کے ہین اور لوگون کی عقول مثل نہر کے اور) نہر مین بحر کے سمانے کی جگہ نہین ہے (اس لیے مین بہت تنزل کرکے باندازہ عقول کہہ رہا ہون اور یہ امر نامناسب نہین بلکہ سنت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جیسا صحیح بخاری مین حضرت علی رضہ کا قول تعلیقاً مروی ہے حدثوا الناس بما یعرفون اتحبون ان یکذب اللہ ورسولہ) ورہر چند کہ میرے ان اقوال مذکورہ پر کوئی حجت ودلیل قائم نہین کی گئی جس کی وجہ یہی ہے کہ وہ استدلالیات سے نہین مگر تم خود میرے قول ہی کو حجت ودلیل سمجھو وجہ یہ کہ (مین اغراض نفسانیہ) سے آزاد (اور پاک) ہون اور آزاد کی گواہی سننا واجب ہے کیونکہ غلام کی گواہی جو برابر بھی قدر نہین رکھتی (یعنی مقبول نہین حاصل یہ کہ میرا قول شہادت ہے اور شاہد کا قول خود دلیل وحجت ہے اوس سے حجت کا مطالبہ نہین ہوتا البتہ شرائط شہادت حریت وغیرہ ہونا ضرور ہے سو وہ میرے اندر متحقق ہے اور یہ تمثیل بطور لطیفہ کے ہے مقصود یہ ہے کہ فوقیات مین اہل ذوق وکاملین کا قول واجب القبول ہے ناقصین پابند ہوا وہوس کے قول پر اعتماد نہین)۔

در شریعت مر گواہی بندہ را — نیست قدرے وقت دعوے وقضا
گر ہزاران بندہ ات باشد گواہ — بر نسنجد شرع ایشان را بکاہ
بندۂ شہوت بتر نزدیک حق — از غلام و بندگان مسترق
کاین بیک لفظے شود از خواجہ حر — وان زید شیرین و میرد سخت مر
بندۂ شہوت ندارد خود خلاص — جز بفضل ایزد وانعام خاص
در چہے افتاد کو را غور نیست — وان گناہ اوست جبر و جور نیست
در چہے انداخت او خود را کہ من — در خور قعرش نمی یابم رسن
چون گناہ اوست ای جان چون کنم — کہ ورا از قعر چہ بیرون کنم
بس کنم گر این سخن افزون شود — خود جگر چہ بود کہ خارا خون شود
این جگرہا خون نشد از سختی است — غفلت و مشغولی و بدبختی است
خون شود روزیکہ خونش سود نیست — خون شو این وقتی کہ خون مردود نیست
چون گواہی بندگان مقبول نیست — عدل آن باشد کہ بندہ غول نیست
گفت ارسلناک شاہد در نذر — زانکہ بد از کون او حر ابن حر

(اس مین تقریر ہے مضمون بالا گواہی بندگان نزد بجوکی اور بیان ہے اسکا کہ بندہ سے یہان کیا مراد ہے یعنی شریعت
مین دعویٰ و حکم حاکم کے وقت غلام کی گواہی کی کچھ بھی قدر نہین حتی کہ اگر کسی مقدمہ مین) ہزارون غلام بھی جاکے
گواہ ہون مگر شریعت اونکو ایک تنکے کے برابر بھی نہین سمجھتی (جب ظاہری غلام کی بے قدری کا یہ حال ہے تو بندۂ
شہوت (وغلام حرص) تو حق تعالیٰ کے نزدیک ان ظاہری غلامون سے جو رقیق بنا لیے گئے ہین بدرجہا بدتر ہے
کیونکہ ظاہری غلام تو اگر میان ایک لفظ کہدے کہ تو آزاد ہے آزاد ہو جاتا ہے اور بندہ شہوت کی یہ حالت ہے کہ زندگی
تو اوسکی (تلذذات وتنعمات سے) شیرین ہو سکتی ہے مگر مرگ بڑی تلخ ہوتی ہے اور نیز وہ کسی طرح (عذاب و وبال سے)
آزاد ہی نہین ہوتا بجز اسکے کہ اللہ تعالیٰ ہی کا کچھ فضل وانعام خاص ہو جاوے (اور بلا توسط توبہ و اعمال محض
اپنے فضل سے مغفرت فرماوین یا مراد یہ کہ بلا مجاہدہ و ریاضت وہبی طور پر جذبۂ غیبی سے اصلاح فرماوین اور یہان
مین اشارہ ہے کہ حق تعالیٰ قادر ہین بلا اسباب کے ثمرہ دینے پر اور بلا توبہ و اعمال بخشدینے پر جیسا اہل سنت و جماعت
کا مذہب حق ہے آگے نذار (خود خلاص کی علت کا بیان ہے کہ) وہ (اپنی اتباع شہوات کے شامت سے)
ایسے کنوئین مین جا کر گرا ہے کہ اوسکا کہین انتہا نہین (مراد اس کنوین سے اوسکے استعداد باطنی صلاح و ہدایت
کا برباد ہو جانا ہے اور انہماک فی الشہوات سے واقعی یہ حالت پیدا ہو جاتی ہے کہ بری بات سے جی بُرا نہین ہوتا
یہی علامت ہے فساد استعداد کی جیسا حدیث مین ہے اذا سرتک حسنتک وساءتک سیئتک فانت مومن)
اور یہ (فساد استعداد) خود اس شخص کے گناہون کا (جن کا منشا شہوت ہے) ثمرہ و وبال ہے نعوذ باللہ حق تعالیٰ
کی طرف سے اسپر کوئی ظلم و جور نہین (کما قال تعالیٰ وقالوا قلوبنا غلف بل لعنہم اللہ بکفرہم وقال تعالیٰ وما ظلمناہم
ولکن کانوا انفسہم یظلمون) غرض اوسنے اپنے کو ایسے کنوئین مین ڈالدیا ہے کہ مین اوس کے قعر کی موافق کوئی
رسن نہین پاتا کہ اوسکو نکال لون رسن سے مراد ارشاد و نصیحت یعنی بعد فساد استعداد کے ایسی قساوت قلب
ہو جاتی ہے کہ کوئی نصیحت و ارشاد مؤثر نہین ہوتی جیسا حدیث مین بھی ہے الا ان ابعد شئی من اللہ القلب القاسی
مگر اس سے اہلیت خطاب کی مسلوب نہین ہوتی کہ اوسکا مدار قدرت بمعنے صحت اسباب و سلامت آلات
ہے اور یہ مفقود نہین) اور جب اوسی کے گناہ کا وبال ہے تو مین کیا تدبیر کرون کہ اوسکو قعر چاہ سے باہر
نکال لون (تدبیر سے مراد بھی وہی نصیحت و ارشاد ہے) اور مین اب بس کرتا ہون (فساد استعداد و قساوت قلب
کے آثار کو زیادہ نہین بیان کرتا کیونکہ) اگر یہ مضمون زیادہ بڑھ جاوے گا تو (ایسی ناامیدی پیدا ہو جاوے گی کہ
جگر کی تو کیا حقیقت ہے (اوس سے) سنگ خارا خون ہو جاوے گا (اور یہ اس لیے مضر ہے کہ جن مین ہنوز
کچھ استعداد باقی ہے اور درجہ ختم اللہ علی قلوبہم کو نہین پہونچے وہ غلطی سے اپنے کو اس درجہ مین سمجھ کر توبہ و معذرت
سے معطل ہو کر بیٹھ رہین گے اب کوئی شخص پوچھتا ہے کہ فساد استعداد کے انتہائی آثار کو بیان کرنے سے اگر جگر
خون ہوتا تو حضرات انبیاء علیہم السلام نے کفار کے حق مین تو اوسکا بیان بھی فرما دیا ہے جیسا قرآن مجید مین
ختم اللہ علی قلوبہم آیت موجود ہے مگر کفار کا جگر تو خون نہین ہوا اوسکا جواب دیتے ہین کہ) یہ جگر جو خون نہین ہوئے

اسکی وجہ قساوت اور غفلت اور مشغولی شہوات اور شقاوت ازلی ہے (کما قال تعالیٰ ثم قست قلوبکم من بعد ذلک فھی کالحجارۃ او اشد قسوۃ الی آخر الآیۃ) اور ایک روز ایسے (سخت) جگر بھی خون ہونیوالے ہین مگر جب کوئی نفع نہ ہوگا او جسوقت وہ خون ہونا مقبول نہ ہوگا (یعنی قیامت مین جہان ندامت و معذرت وگریہ وزاری محض بے اثر ہے کیونکہ وہ دار الجزاء ہے دار العمل نہین آگے پھر مضمون غلامی و آزادی کا مذکور ہوتا ہے یعنی) جب غلامونکی گواہی مقبول نہین (بلکہ اوسکے لیے صفت عدالت شرط ہے جسکا ایک جزو حریت ہے تو) صاحب عدالت تو ایسا شخص ہوتا ہے جو شیطان کا غلام اور مطیع نہ ہو چنانچہ قرآن مجید مین جو (جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی شان مبارک مین) انا ارسلناک شاہدا فرمایا ہے (یعنی آپ کی صفت شاہد و مقبول الشہادت فرمائی ہی تو اوسکی وجہ یہی ہے کہ آپ ذاتاً و نسباً آزاد تھے (گو دونون آزادیون مین تفاوت ہو کہ ذاتی آزادی شامل ہو حریت ظاہریہ و معنویہ کو اور نسبی خاص ہو صرف ظاہری کے ساتھ پس اس شعر سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آباء و اجداد کے مسئلہ اسلام سے بحث کرنا محض بے ربط ہے) ۔

چونکہ حرم خشم کے بند دمرا	نیست اینجا جز صفات حق درآ
اندر آ آزاد کردت فضل حق	زانکہ رحمت داشت بر خشمش سبق
اندر آ اکنون کہ رستی از خطر	سنگ بودی کیمیا کردت گہر
رستۂ از کفر و خارستان او	چون گلے بشگفتہ در بستان او
تو منی و من توام اے محتشم	تو علی بودی علی را چون کشم
معصیت کردی بہ از ہر طاعتے	آسمان پیمودۂ در ساعتے

(یہ مقولہ ہے حضرت علیؓ کا یعنی) جب کہ مین حر یعنی آزاد ہون تو صفت غضب مجکو کب اپنا اسیر بنا سکتی تھی یہان تو بسبب حصول مرتبۂ فنا و بقاء کے بجز صفات حق کے اور کچھ نہین رہا ہے تو آکر دیکھ لے (یعنی میری صفات منسلب صفات حق کے ہوگئین جسکو تخلق با خلاق اللہ کہا جاتا ہے مجازاً و مبالغۃً اوسکو صفات حق کہدیا جیسے زید اسد اے کالاسد) اب تو (بے تکلف میرے پاس) آجا کہ تجکو فضل خداوندی نے (کفر و عذاب سے) آزاد کر دیا کیونکہ اوسکی رحمت اوس کے غضب پر سابق ہے (کہ باوجود ارتکاب موجب غضب کے اللہ تعالیٰ نے ایسے اسباب جمع کر دیے جس سے تو مرحوم ہو گیا کہ میرے قلب مین القاء فرمایا کہ نفسانی غصہ کو طاعت مین شامل نہ کرنا چاہیے اس لیے مین قتل سے باز رہا پھر تیرے قلب مین اس کا اثر شرمندگی و گداختگی دل القا فرمایا اور وہ سبب ہو گیا اعتقاد صدق دین اسلام کا جسمین ایسے اخلاق کی تعلیم ہے اور اس طرح تو مرحوم ہو گیا اور یہ جو فرمایا تھا جز بفضل ایزد الخ اوسکا یہ بھی ایک مصداق ہے) اور تو چلا آ کہ اب سب خطرات سے چھوٹ گیا اور پہلے تو مشابہ سنگ کے تھا تجکو کیمیائے فضل نے مثل گوہر کے بنا دیا اور کفر سے اور اوس کے خارستان سے تجکو نجات ہو گئی اور گلستان حق مین مثل گل کے تو شگفتہ ہو گیا (گلستان سے مراد بندگان

خاص مراد مضمون فادخلی فی عبادی ہی) اور اب ہم دونون (گویا) ایک ہو گئے اور تو (علم الٰہی مین) علی تھا یعنی میرے ساتھ متحد المشرب ہونیوالا) تو پھر مین علی کو کس طرح قتل کر سکتا تھا یعنی جسکا اسلام مقدر تھا اللہ تعالیٰ اُسکو میرے قتل سے بچاتے کے لیے کیونکر اسباب جمع نہ فرما دیتے) تو نے ایسی معصیت کی کہ (بوسطہ اسباب اتفاقیہ کے باعتبار اپنے ثمرہ کے صدہا طاعت سے بہتر تھی (احقر ان اسباب کا سلسلہ بیان کر چکا ہی) اور تو نے ایک ساعت مین (ایسا عروج باطنی کیا گویا) تمام آسمان ناپ ڈالا (اسلام سے بڑھکر کیا عروج ہوگا)

بس خجستہ معصیت کان مرد کرد
نے ز خارے بردمد اوراق ورد
نے عمر رضہ را قصد آزار رسول
مے کشیدش تا بدرگاہ قبول
نے بسحر ساحران فرعون شان
میکشید و گشت دولت عون شان
گر نبودی سحرشان وآن جحود
کے کشیدی شان بفرعون عنود
کے بدیندے عصا و معجزات
معصیت طاعت شدای قوم عصات
ناامیدی را خدا گردن زدست
چون گناہ و معصیت طاعت شدست
چون مبدل میکند او سیئات
عین طاعت میشود رغم وشات
زین شود مرجوم شیطان رجیم
وز حسد او بطرقد گردد دو نیم
او بکوشد تا گناہے آورد
زان گنہ ما را بچاہے آورد
چون بہ بیند کان گنہ شد طاعتے
گردد او را نا مبارک ساعتے

(اس مین توضیح ہو مضمون بالا معصیت کردی بہ از ہر طاعتے کی اور مقصود اس سے تقویت رجا فضل الٰہی ہے تاکہ منہمکین فی المعصیت بھی قبول توبہ سے ناامید نہ ہون اور نیز اشارہ ہو کہ مبتلایان ذنوب کو نظر حقارت اور اپنے کو نظر عجب سے نہ دیکھے شاید انکا انجام اچھا ہو جاوے او معصیت کی مدح ہرگز مقصود نہین حاشا وکلا چنانچہ شعر ناامیدی را خدا گردن زدست جو بطور نتیجہ کے فرمایا ہی اسکی دلیل ہی پس ارشاد ہو کہ) بڑی مبارک معصیت تھی جو اُس شخص سے صادر ہوئی (یعنی اُسکا اثر مبارک ہو گیا جیسا احقر لکھ چکا ہی اور اس مین تعجب ہی کیا ہی) دیکھو خار سے کیا گلاب کی پتی نہین نکلتی دیکھو حضرت عمر کو کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا پہونچانے کا قصد کیا بارگاہ قبول تک کشان کشان نہین لے گیا (چنانچہ قصہ انکے اسلام کا مشہور ہی) اور دیکھو کیا فرعون نے ساحرون کو اُنکے سحر ہی کی وجہ سے (جوکہ معاصی سے ہی) نہین طلب کیا اور دولت (قبول) اُنکی معین ہو گئی اگر اُن ساحرون مین ساحری اور کافری کی صفت نہ ہوتی تو انکو فرعون معاند کے پاس کون خبر پہونچاتی اور جب وہان نہ پہونچتے تو عصا و معجزات کب دیکھتے (اور پھر مسلمان کیونکر ہوتے یعنی اس خاص طریق سے ان کا اسلام لانا انکو بیگانا انہی اسباب پر موقوف تھا ورنہ عدم توقف فی نفسہ ظاہر ہی) غرض اے گناہگار (معصیت سبب) طاعت بنگئی اور جب حق تعالیٰ سیئات کو (حسنات سے) مبدل فرمانا چاہتے ہین

تو معصیت کو) عین طاعت کر دیتے ہین (عین کنا مبالغۃ ہی چونکہ وہ سیئہ محو ہوگیا اور بجاے اُسکے طاعت ثبت ہوگئی گویا اُسی کا استحالہ ہوگیا) اور اس امر سے شیطان رجیم اور زیادہ صدمہ زدہ ہوتا ہی اور مارے حسد کے اُسکے ٹکڑے اڑجاتے ہین کیونکہ وہ تو کوشش کرتا ہی کہ ہمسے گناہ صادر کرادے اور اُس گناہ سے ہمکو چاہ ہلاکت مین ڈالے تو جب دیکھتا ہی کہ وہ گناہ تو (بطریق مذکور بسبب) طاعت ہوگیا تو وہ وقت اُسپر بڑا سخت ہوتا ہی اور پچھتاتا ہی کہ مین نے ناحق گناہ کرایا تھا ورنہ یہ طاعت نہ ہوتی **ف** اس سے محققین نے فرمایا ہی کہ شیطان بھی باوجود اتنے بڑے چالاک ہونے کے دھوکہ کھاتا ہی اور یہ معلوم ہوا کہ شیطان کو علم غیب نہین ہی اسی طرح بھوت پلید (جن وغیرہم کو جیسا عوام کا غلط گمان ہی)

اندر آمن در شادم مر ترا	تف زدے و تحفہ دادم مر ترا
من جفا گر را چنین ہا میدہم	پیش پاے چپ چنان سر می نہم
پس وفا گر را چہا بخشم بدان	گنجہا و ملکہاے جاودان
جاودانہ بادشاہی بخشمش	انچہ اندر وہم ناید بخشمش
من چنان مردم کہ بر خونی خویش	نوش لطف می نہ شد در قہر نیش

(یہ مقولہ ہی حضرت علی کا یعنی) تو آجا مین نے تیرے لیے دروازۂ (فیض) کھول رکھا ہی تو نے تو مجھ پر تھوک دیا مگر مین تحفہ دینے کو آمادہ ہون اور (میرا معمول ہی ہی کہ) مین اہل جفا کو ایسے ہی (انعامات) دیا کرتا ہون اور پاے چپ پر بھی اسی طرح سر رکھا کرتا ہون (یعنی ذلیل اور کج آدمی سے بھی مدارات کرتا ہون) پس اہل وفا کو تو خیال کرلو کیا کچھ خزانہ وملک جاودانی دے ڈالون گا (یعنے اُسکو اور زیادہ فیض ہوگا اور اُس مین یہ بھی اشارہ ہی کہ اور جب معصیت گاہے سبب طاعت بن جاتی ہی تو اگر طاعت ہی سبب ورطاعت ہی سبب ہو تو نور علی نور ہوگا پس ثابت ہوگیا کہ معصیت کی مدح مقصود نہ تھی) غرض اہل وفا کو سلطنت جاودانی بخشدون گا اور جو اُسکے خیال مین بھی نہ آویگا وہ بخش دونگا (اور ظاہر ہی کہ دولت باطنی ذوقی ہی قبل حصول خیال مین نہین آتی) اور مین تو ایسا جوانمرد ہون کہ اپنے قاتل پر بھی میرا نوش لطف گاہے قہر مین نیش نہین بنا (جسکا قصہ آگے آتا ہے)۔

گفتن پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم بگوش رکابدار (بمعنی چاکر ۱۲) امیر المومنین علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہ ہر آئنہ کشتن امیر بدست تو خواہد بود

ف قاتل علی کا صحابی ہونا کہین منقول نہین اس لیے اس روایت مین کلام ہی البتہ روضۃ الصفا وغیرہ مین خود حضرت علی کا قول مذکور ہی کہ آپ اشارت قریب بصراحت سے اس شخص کے قاتل ہونے کی پیشین گوئی فرمایا کرتے تھے واللہ اعلم یہ کشف تھا یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ سُنا تھا۔

گفت پیغمبر بگوش چاکرم　　کو برد روزی ز گردن این سرم
کرد آگہ آن رسول از وحی دوست　　کہ ہلاکم عاقبت بر دست اوست
او ہمی گوید بکش پیشین مرا　　تا نیاید از من منکر خطا
من ہمی گویم چو مرگ من ز تست　　با قضا من چون توانم حیلہ جست
او ہمی افتد بہ پیشم کای کریم　　مر مرا کن از برای حق دو نیم
تا نیاید بر من این انجام بد　　تا نسوزد جان من بر جان خود
من ہمیگویم برو جف القلم　　زان قلم بس سرنگون گردد علم
ہیچ بغضے نیست در جانم ز تو　　زانکہ این را من نمیدانم ز تو
آلت حقی تو فاعل دست حق　　چون زنم بر آلت حق طعن و دق

یعنی پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے خدمتگار کے کان میں اسکی نسبت فرمایا کہ یہ شخص میرا سر گردن سے جدا کرے گا اور آپنے وحی سے اطلاع دی کہ میری ہلاکت انجام کار اسکے ہاتھ سے ہوگی وہ خدمتگار مجھ سے کہا کرتا ہے کہ آپ مجکو پہلے ہی قتل کر دیجیے تاکہ مجھ سے ایسی خطائے شنیع سرزد نہ ہو اور مین یہ کہدیتا ہون کہ جب میری موت تیرے ہاتھ سے مقدر ہی تو مین قضا کے مقابلہ مین کیا تدبیر کر سکتا ہون (یعنے تدبیر محال خارج از قدرت ہے اگرچہ بالغیر سہی یہ جواب اعتقادیات کے رو سے ہی اور عملیات مین اس کا جواب یہ ہی کہ تدابیر شرعًا جائز نہین) وہ میرے سامنے گر گر پڑتا ہی کہ خدارا مجکو دو ٹکڑے کر دیجیے تاکہ مجھ پر یہ انجام بد نہ آنے پاوے اور تاکہ مجکو اپنے پر حسرت نہ ہونے پاوے مین یہ کہدیتا ہون کہ جا بھائی قلم تقدیر خشک ہو چکا ہی اس قلم سے تو بڑے بڑے بلند مراتب لوگ سرنگون اور پست ہو جاتے ہین اور (تو اطمینان رکھ) میرے دل مین تیری جانب سے ذرہ برابر بغض نہین ہی کیونکہ اس امر کو (تخلیقًا) تیری جانب سے نہین سمجھتا (اور نسبت اکتسابیہ کشف تخلیقی کے غلبے سے غائب عن النظر ہو گئی اور اسی بنا پر سمجھتا ہون کہ) تو آلہ حق اور فاعل (خلقًا) دست حق ہی تو مین آلہ حق پر طعن و اعتراض کیسے کرون (توضیح اسکی یہ ہی کہ ہنوز قتل کی نسبت بوجہ عدم صدور تیری طرف اختیاری نہین ہوئی جو بحکم شرع تجھسے قصاص جائز ہو ابھی [illegible] صرف تیری طرف نسبت قتل کی اسقدر ہی کہ تیری تقدیر مین لکھا ہی سو یہ نسبت تیرے اختیار سے خارج ہے اور اسپر قصاص جائز نہین وہ جواب مذکور عملیات سے یہی ہے)۔

گفت او پس آن قصاص از بہر چیست　　گفت ہم از حق و آن سر خفی ست
گر کند بر فعل خود او اعتراض　　ز اعتراض خود برویاند ریاض
اعتراض او را رسد بر فعل خود　　زانکہ در قہرست و در لطف او احد
اندرین شہر حوادث میر اوست　　در ممالک مالک تدبیر اوست

آلت خود را اگر خود بشکند — آن شکسته گشته را نیکو کند
رمز ننسخ آیۃ او ننسہا — نأت خیرًا در عقب میدان مہا
ہر شریعت را کہ حق منسوخ کرد — او گیا برد و عوض آورد ورد
شب کند منسوخ نور روز را — چون جمادی وان خرد افروز را
باز شب منسوخ شد از نور روز — تا جمادی سوخت زان آتش فروز
گرچہ ظلمت آمد آن نوم و سبات — نے درون ظلمت ست آب حیات
نے دران ظلمت خردہا تازہ شد — سکتۂ سرمایۂ آوازہ شد

(زیادہ غالب یہ ہی کہ اس گفت کا فاعل وہ مبارز ہی نہ رکابدار حضرت علی کا قول جو اوپر رکابدار کی درخواست کے جواب مین منقول ہوا ہی اُسپر مبارز تحقیق کرتا ہے تقریر سوال مناسب مقام یہ ہی کہ ہرچند کہ قبل الصدور و بعد الصدور نسبت قتل مین اختیاریت و اضطراریت کا تفاوت ہی مگر یہ جواز قصاص مین مفید نہین معلوم ہوتا کیونکہ ایسی حالت مین کہ بوحی یا کشف سے ایک شخص کا قاتل ہونا معلوم ہی تو اُسکے لیے جو بات بعد الصدور ہی وہی قبل الصدور کیونکہ اسکا مصدر قتل ہونا علی التساوی مشترک ہی پس قبل الصدور مثلًا قتل کر ڈالنے مین اگر قبح لازم آتا ہے کہ ایک شخص جان سے گیا اُسکے احبا و اقربا کو ضرر و الم پہونچا وہی قبح بعد الصدور قصاصًا قتل کرنے مین لازم آتا ہی اول مین کوئی نئی قباحت معلوم نہین ہوتی کیونکہ مفروض یہ ہی کہ وحی سے اُسکا قاتل ہونا متیقن تھا سو ورثہ اس قاتل کے اگر وہ مقتول ہوجاوے یہ شکایت بھی نہین کرسکتے کہ شاید یہ قتل نہ کرتا پھر شریعت نے اول کو ناجائز قرار دیکر دوسرے کو جائز کیون قرار دیا حاصل جواب یہ ہی کہ قتل قبل الصدور خلاف حکمت تھا اور بعد الصدور یعنی قصاص موافق حکمت کے چنانچہ ادنی بات یہ ہی کہ مثلًا دونون صورتون مین طبعی گوارائی و ناگواری مین ضرور فرق ہوتا اور اس فرق کی وجہ وہی نسبت کا تفاوت اختیاریت و اضطراریت ہی اس لیے اول ناجائز ہوا اور اُسکے ارتکاب کو ایسا سمجھا گیا کہ گویا عبد معارضہ کرتا ہی آلات حق کے ساتھ من حیث الآلیت جو قبیح عقلًا ہی اور ثانی جائز ہوا اور اُسکے ارتکاب کو یون قرار دیا گیا کہ گویا حق تعالی خود اپنے آلات کو شکستہ اور اپنے احکام کو منسوخ فرما رہے ہین اور یہ قبیح نہین بوجہ متضمن حکمت کے اب ناظر کو چاہیے کہ ترجمہ کو اس تقریر سے ملالیوے یعنی) اُس مبارز نے عرض کیا کہ پھر قصاص کس لیے مشروع ہوا آپ نے ارشاد فرمایا کہ چونکہ یہ بھی من جانب اللہ ہی (جیسے عبد کی آلیت منجانب اللہ تھی) اور یہ باریک بات ہی (جس کے سمجھنے کے لیے تامل صحیح ضروری ہی) سو حق تعالی اگر اپنے فعل پر خود اعتراض فرمانے لگین (یعنی ایسا حکم مقرر فرماوین کہ صورۃً اعتراض و معارضہ ہو) تو چونکہ اس اعتراض (صوری) سے بہت سے باغ (حکمت و مصلحت کے) پیدا کردیتے ہین اُس لیے مضائقہ نہین (یعنے ان احکام مین حکمتین ہوتی ہین بخلاف امور غیر مشروعہ کے کہ خلاف حکمت ہونے کی وجہ سے عبد اُسکے ارتکاب سے نرا معارض و مخالف ہوگا) انکو اپنے

افعال پر (صوت) اعتراض کا حق حاصل ہی کیونکہ وہ قہر اور لطف مین یگانہ ہین (یعنے موصوف بصفات کمال ہین اور اُن صفات مین حاکم اور حکیم ہونا بھی ہی جو مقتضی ہی استعمال طلاق تصرفات کو) اور اس عالم حوادث مین وہی حاکم ہین اور تمام عوالم مین وہی مالک تدبیر ہین پس اگر وہ اپنے آلات کو خود شکستہ کر دین تو (اس لیے قبیح نہین کہ) وہ اس شکستہ کو درست کر لیتے ہین (یعنے اس کا انجام خیریت اور صلاح ہوتا ہی چنانچہ احکام تشریعیہ و تکوینیہ مین تامل کرنے سے معلوم ہو سکتا ہی سو احکام تشریعیہ کے باب مین تو) آیت ما ننسخ من آیۃ او ننسہا نات بخیر منہا او مثلہا کو سمجھ لو جسمین ننسخ او ننسہا کے عقب مین نات بخیر ہی (حاصل اسکا یہ ہی کہ جو کسی آیت کو ہم کبھی منسوخ فرما دین یا اسطور سے منسوخ کر دین کہ اُسکو ذہن سے بھلا دین تو ہم اس سے بہتر یا ویسا ہی حکم نازل فرما دیتے ہین غرض) حق تعالی نے جس شریعت کو منسوخ فرمایا ہے اسکی ایسی مثال ہو گئی جیسے گیاہ کو اُٹھا لیا اور گلاب اُسکے عوض مین لے آے (یعنے دوسرے حکم مین اُسوقت کے اعتبار سے زیادہ مصالح تھے (اسکے بعد احکام تکوینیہ کو سمجھو کہ) نور روز کو شب منسوخ کر دیتی ہی جس سے عاقل انسان (سونے سے) مثل جماد کے (بےحس و حرکت) ہو جاتا ہی اسکے بعد نور روز سے شب منسوخ ہو جاتی ہی جس سے (انسان و حیوان کی صفت جمادیت جاگنے سے) زائل ہو جاتی ہے (آگے اس تغیر و تبدل کے حکمت کا بیان کرتے ہین سو نور روز کی حکمتین تو بہت ظاہر ہین اس لیے صرف ظلمت شب کے بیان حکمت پر اکتفا فرمایا کہ) اگرچہ یہ نوم و آسایش شب کی (عقول و حواس کے لیے) ایک قسم کی تاریکی ہے (کہ عقول و حواس بیکار ہو گئے) مگر تمکو معلوم نہین کہ آب حیات ظلمت ہی مین ہوتا ہی چنانچہ دیکھ لو کہ اُس ظلمت مین کیا عقل و حواس تازہ نہین ہو گئے (یعنے تکان رفع ہو کر قوت عود کر آئی) تھوڑے زمانہ کا سکوت (جو نوم مین ہوتا ہی) بہت سی نطق و تکلم کا (جو دن کے وقت ہوتا ہی) سرمایہ اور معین ہو گیا۔

کز ضد ہا ضد ہا آید پدید	در سویدا روشنائی آفرید
جنگ پیغمبر مدار صلح شد	صلح این آخر زمان زان جنگ بد
صد ہزاران سر برید آن دلستان	تا امان یابد سر اہل جہان
باغبان زان می برد شاخ مضر	تا بیابد نخل قامت ہا و بر
میکند از باغ دانا آن حشیش	تا بیابد باغ و میوہ خرمیش
می کند دندان بد را آن طبیب	تا رہد از درد و بیماری حبیب

(یہ مقولہ ہی مولانا کا اس شعر تک کہ لیے راسربرالخ اس مین تعلیل ہی اور نیز تمثیل ہے مضمون بالا کی کہ اور اللہ سبحانہ و تعالی جو شکست و تخریب فرماتے ہین اس مین مصالح اور حکمتین ہوتی این) کیونکہ اضداد سے دوسری اضداد پیدا ہوتی ہین (یعنے ایک شے کے انہدام و انعدام سے دوسری چیز کی درستی ہوتی ہی پس یہ تضاد اصطلاحی نہین تغائر المحلین محض عنوان کے اعتبار سے مجازا فرما دیا اس کی مثالین کچھ تو اوپر گذر ہی چکی ہین

نسخ آیات و تبدل لیل و نہار اور کچھ مثالیں آگے فرماتے ہیں) چنانچہ سویدائے قلب میں (کہ قلب میں ایک سیاہ نقطہ ہے)
روشنی عقل پیدا کردی یا سیاہی چشم میں روشنی بینائی پیدا کردی (اس مثال میں شکستگی و درستی بھی ملحوظ نہیں اور نیز
ایک حال دوسرا محل ہے اسکو تضاد میں لانا بہت ہی توسع ہے اس لیے بہتر ہے کہ اسکو نظیر کہا جاوے
ادنیٰ مناسبت دوسری مثال) دیکھو جناب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی جنگ (کہ ظاہر میں تخریب بلاد و قتل عباد
تھی) صلح و امن کا مدار ہوگئی (کیونکہ بدون قلع و قمع مفسدین کے اقامت عدل و امان ممکن نہیں) پس اسوقت
کا امن و امان اُس جنگ ہی کی بدولت ہے (ورنہ اہل حق کا غلبہ نہ ہوتا اور امن و امان مفقود ہوتا) اُس
محبوب دو عالم نے لاکھوں (مفسدین کے) سر کاٹ ڈالے تاکہ اور اہل عالم کے سروں کو امن حاصل ہو
تیسری مثال) باغبان (قلم کرنے میں) ہری ہری شاخیں اسلیے کاٹ ڈالتا ہے تاکہ درختوں کو نشوونما
اور خوبی حاصل ہو (چوتھی مثال) دانا باغبان گھاس پھوس باغ میں سے اس لیے اوکھاڑ ڈالتا ہے
تاکہ اسکا وہ باغ میوہ اور خوبی سے موصوف ہوجاوے (پانچویں مثال) خراب دانت کو طبیب اس لیے
اوکھاڑ ڈالتا ہے تاکہ اُسکا دوست بیماری سے چھوٹ جاوے۔

پس زیادتہا درون نقصہاست — مر شہیدان را حیات اندر فناست
چون بریدہ گشت حلق رزق خوار — یرزقون فرحین شد خوشگوار
حلق حیوان چون بریدہ شد بعدل — حلق انسان رست و افزاید فضل
حلق انسان چون بریدہ شد ببین — تا چہ زاید کن قیاس آن زاین
حلق ثالث زاید و تیمار او — شربت حق باشد و انوار او
حلق ببریدہ خورد شربت ولے — حلق از لا رستہ مردہ در بلے
بس کن اے دون ہمت کوتہ بنان — تا کیت باشد حیات جان نہان
زان نداری میوہ مانند بید — کابرو بردی پے نان سپید

(اوپر کے مضمون پر تفریع ہے اور مقصود اس تفریع سے ترغیب ہے مجاہدہ و ریاضت و تقلیل شہوات کی یعنی جب ثابت ہوا
کہ جو شکستگی اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے حکم تکوینی یا تشریعی سے ہوتی ہے اسکا انجام درستی ہے پس (معلوم ہوا کہ حق تعالیٰ کی
پسندیدہ) نقصانوں میں ترقی ہوتی ہے دیکھو شہیدوں کو موت سے حیات حاصل ہوتی ہے اور ان کا حلق رزق خوار
جب کٹ جاتا ہے تو انکو درجہ یرزقون فرحین کے حاصل ہونے سے خوشگواری ہوتی ہے (یہ ٹکڑا ہے آیت کا
ترجمہ یہ ہے کہ ان شہیدوں کو رزق دیا جاتا ہے اور وہ خوش ہوتے ہیں آگے مقصود بالتفریع کی تصریح ہے کہ
جب حیوان کا حلق موافق حکم الٰہی کے کہ عین عدل ہے کاٹے جانے سے انسان کا حلق پیدا ہوجاتا ہے (یعنے
اسکے غذا بننے سے اسمیں نشوونما ہوتا ہے) اور اس حیوان کی فضیلت بڑھ جاتی ہے کہ جزو انسان بنجاتا ہے
تو جب انسان کا حلق (موافق حکم کے) کٹ جاوے (جیسا جہاد اصغر یا اکبر میں) تو ذرا اسکو اسپر قیاس کرکے دیکھو کیا چیز پیدا

ہو گی (خود ہی جواب دیتے ہیں کہ) ایک تیسرا حلق (علاوہ حلق حیوانی و انسانی جسمانی کے) پیدا ہو گا کہ وہ روحانی ہے)
اور اس حلق ثالث کی تیمارداری و تربیت شربت حق یعنی انوار حق سے ہو گی (مراد اسرار و حالات و مشاہدہ حق ہے
اور اسکا تعجب بیان کرنا کہ حلق بریدہ کہیں شربت پی سکتا ہے کیونکہ) حلق بریدہ بھی شربت پیا کرتا ہے مگر (ہر حلق نہیں
وہی حلق جو اپنے وجود فانی سے چھوٹ گیا ہو اور اقرار بلی شہدنا یعنی توحید خالص میں مردہ اور فنا ہو گیا ہو
یعنی مرتبہ فنا کا حاصل کر لیا ہو اور ظاہر ہے کہ اسرار و حالات عالیہ مشروط بفنا ہوتے ہیں آگے مستغرق لذات کو
خطاب ہے کہ اے کم ہمت کوتاہ دست (بنان سر انگشت کو کہتے ہیں) تیری حیات غذائے ظاہری سے کب تک
رہے گی (روٹی کھانے سے ممانعت نہیں فرماتے بلکہ اسپر قناعت کرنے اور غذائے روحانی کی طلب کرنے پر
ملامت ہے) تو جواب تک درخت بید کی طرح بے ثمر رہا (یعنی نعمت باطنی سے محروم رہا) اسکی وجہ یہ ہے کہ تو لذات
حسیہ کے لیے اپنی آبرو ریزی کرتا پھرتا ہے (مراد حرص و انہماک ہے)

گر ندارد صبر زین نان جان حس ۔۔۔ کیمیا را گیر و زر گردان تو مس
جامہ شوئی کرد خواہی اے فلان ۔۔۔ رو مگردان از محلہ گازران
گرچہ نان بشکست مر روزہ ترا ۔۔۔ در شکستہ بند پیچ و بر ترا
چون شکستہ بند آمد دست او ۔۔۔ پس رفو آید یقین اشکست او
گر تو آن را بشکنی گوید بیا ۔۔۔ تو درستش کن نداری دست و پا
پس شکستن حق او باشد کہ او ۔۔۔ مر شکستہ گشتہ را داند رفو
آنکہ داند دوخت او داند درید ۔۔۔ ہرچہ او بفروخت نیکوتر خرید
خانہ را کند و چہ جنت ساخت او ۔۔۔ پست کرد و بر فلک افراخت او
خانہ را ویران کند زیر و زبر ۔۔۔ پس بیک ساعت کند معمورتر
گر یکے را سر ببرد از بدن ۔۔۔ صد ہزاران سر برآرد در زمن

(اور ترغیب بھی ریاضت و مجاہدہ کی یہاں اسکے سہل ہونے کا طریقہ اور مثمر ہونے کی شرط بتلاتے ہیں جسکا حاصل
امر ہو طلب و اتباع مرشد کا اور اپنی رائے پر اعتماد نکرنے کا یعنی) اگر تمھاری روح حسی (یعنے حیوانی) ان لذات سے
صبر نہیں کر سکتی (یعنے مجاہدہ کی ہمت نہیں ہوتی) تو تم کیمیا (یعنے مرشد کامل) کا دامن پکڑو اور اسکی بدولت
اپنے مس کو زر بنالو (یعنے اسکی توجہ اور تربیت کی برکت سے تمھارا نقصان مثلاً کم ہمتی مبدل بکمال ہو جاویگا
پھر ترک لذات سہل ہو جاوے گا آگے مثال میں ضرورت مرشد کا اثبات ہے یعنی) اگر تم کو کپڑا صاف کرنا
منظور ہو تو محلہ گازران سے روگردانی مت کرو (اسی طرح اگر تصفیہ قلب و تزکیہ نفس مطلوب ہو تو حضرات
کاملین کی طرف رجوع کرو) اور اگرچہ (اب تک) ان لذات حسیہ نے تمھارا روزہ (تقوی) شکستہ
کیے رکھا مگر تم شکستہ بند سے جا لپٹو اور ترقی کرتے چلے جاؤ (مرشد کامل ہے کہ تجدید تقوے اس کا

کام ہو اور اسپر ترتب تقوی کا ظاہر ہو اور اگر وہ کوئی شکستگی تجویز کرے مثلاً کسر شہوت و قوت بہیمیہ تو اندیشہ مت کرو
کیونکہ جب اسکا ہاتھ شکستہ بند ہو تو اسکی شکستگی عین درستی ہے کیونکہ وہ اسکی تعدیل کریگا جس سے وہ معتدل
ہو جاویگی اور وسیلہ قرب بنے گی پس طرق ریاضت مین اسکا اتباع کرو اور خود اپنی رائے سے طرق ریاضت
تجویز مت کرو کیونکہ) اگر تم خود اس قوت بہیمیہ وغیرہا) کو شکستہ کرنے لگو گے تو وہ کامل (بزبان حال) کہے گا
کہ تو یہان (میرے پاس) آ کیونکہ تو ایسے دست و پا نہین رکھتا جو اسکے درست کرنیوالے ہون (یعنی تجھ مین
وہ اصلاح کی قوت علمیہ عملیہ نہین غالب ہے کہ تجاوز عن الاعتدال سے مضرت ہو جاوے پھر ترقی کے قابل نہ رہے
مثلاً غلو فی الجوع سے معدہ خراب ہو جاوے اور اس سے ضعف اور امراض صعبہ پیدا ہو جاوین کہ اذکار
واشغال و مراقبات تو درکنار فرائض سے بھی عاجز ہو جاوے اور نسبت مطلوبہ سے محروم رہے) پس
ثابت ہو گیا کہ شکستہ کرنا اسی شخص کا حق ہے جو شکستہ کو درست بھی کرنا جانتا ہو اور وہ مرشد کامل ہے
جیسا مفصل بیان ہوا آگے مثالین ہین کہ) مثلاً جو شخص سینا جانتا ہو (قاعدہ سے) پھاڑنا بھی وہی جانتا ہے
اور مثلاً ایسا (قاعدہ دان) شخص جو فروخت کرے گا (جس مین سر دست زوال ملک ہے) اس سے بہتر
خرید کرلے گا (کہ معنے بقاء ملک مع شے زائد ہے) اور مثلاً کسی نے (پرانا) گھر کھود ڈالا اور پھر بہشت
جیسا بنالیا کہ اول اسکو پست کر دیا مگر پھر عالیشان بنادیا اور اول گھر کو ویران اور زیروزبر کر دیتا ہے
پھر جلدی ہی اس سے زیادہ اسکو رونق دار کر دیتا ہے (پس مرشد کامل) اگر کسی کا سر بدن سے
قطع کر دے (مراد قطع لذات نفسانیہ کہ نفس کے نزدیک گویا سر کاٹنا ہے) تو لاکھون سر ظاہر کر دیتا ہے (
مراد عطاء لذات روحانیہ)

گر نفرمودی قصاصے بر جنات	خود نگفتے فی القصاص آمد حیات
خود کرا زہرہ بدے تا او ز خود	بر اسیر حکم حق تیغے زند
زانکہ داند ہر کہ چشمش را کشود	کان کشندہ سخرۂ تقدیر بود
ہر کرا آن حکم بر سر آمدے	بر سر فرزند خود تیغے زدے

(یہ تتمہ ہے مقولہ حضرت علی کا یعنی) اگر حق تعالیٰ اہل جنایت پر قصاص مشروع نہ فرماتے اور آیۂ ولکم فی القصاص حیوۃ
نازل نہ فرماتے تو کس کی مجال تھی (یعنی اختیار جابر کس کو حاصل تھا) کہ وہ اپنی طرف سے ایسے شخص پر تلوار چلاوے
جو مسخر تقدیر حق ہو کیونکہ جو شخص اپنی چشم بصیرت کو کھولے گا وہ یقیناً جانے گا کہ وہ قاتل مسخر تقدیر تھا اور حکم تقدیری
ایسا غالب ہے کہ وہ جس پر نافذ ہو جاوے وہ اپنے فرزند کے سر پر تلوار چلا ڈالے (اور محبت پدری بھی مانع نہ ہو
چنانچہ سلاطین مین ایسے واقعات ہوئے ہین) **ف** تقریر تتمہ کی حسب تقریر مذکور تتمہ کے یہ ہے
کہ نسبت اختیاریت جو مبنی ہے قتل بعد الصدور کا خود اسکا قابل اعتبار ہونا اور اسکی تاثیر کا
معتد بہ ہونا چونکہ فی نفسہ محل اشتباہ مین ہونا جیسا بہت سے عقلا کو اب تک شبہ ہے

اور وہ جبریہ بن گئے اور خصوص صاحب کشف توحید افعالی کی نظر مین تو وہ معدوم محض تھا اس لیے عقل محض حکم جواز قتل کے لیے کافی نہ ہوتی مگر ورود شرع سے ظاہر ہوگیا کہ وہ نسبت معتد بہ معتبر ہے اس لیے اُس پر عمل کرنیکی گنجایش ہوگی اور وہ اشتباہ جاتا رہا مگر اہل نظر کے نزدیک تو اس اشتباہ کا منتفی ہونا محض مرتبۂ اعتقاد مین ہو باشرح صدر او محققین اہل ذوق کو شرح صدر حاصل ہے اسکو خوب سمجھ لینا یہ موقع ہے لغزش ناظرین کا کیونکہ غلبۂ انکشاف توحید افعالی سے مولانا کا کلام اس مقام مین مسئلۂ اختیار کے باب مین کسی قدر مبہم و مجمل ہوگیا ہے مگر چونکہ خود مولانا بہت مواقع مین اختیار کا اثبات بڑی شد و مد سے فرما چکے ہین اسلیے گنجایش شبہ کی نہین ہوسکتی واللہ الموفق للصواب فی کل باب اور اس تتمہ مین اشارہ ہے کہ حسن و قبح افعال کا شرعی ہے عقلی نہین یعنی عقل اسکے ادراک و احاطہ تفاصیل کے لیے کافی نہین)

رو بترس و طعنہ کم زن بر بدان	پیش دام حکم عجز خود بدان
پیش حکم حق بنہ گردن زجان	تسخر و طعنہ مزن بر دیگران

(یہ مقولہ ہے مولانا کا اس مین ماقبل پر تفریع کرکے ممانعت ہے عاصی پر طعن و تمسخر اور اپنی حالت پر عجب و غرور کرنے کی یعنی جب ثابت ہوگیا کہ تقدیر کے روبرو سب مغلوب ہین تو جاؤ ذرا ڈرتے رہو کہ خدا جانے تمھاری تقدیر مین کیا لکھا ہے اور بدون پر طعن مت کرو اور دام حکم تقدیری کے روبرو اپنی درماندگی کو سمجھو کہ اگر تمھاری تقدیر مین بدی لکھی ہے تو ہرگز اسکو نہین ٹال سکتے تمکو چاہیے کہ حکم حق کے روبرو دل و جان سے گردن جھکا دو (یعنی اوامر شرعیہ مین انقیاد اور اوامر تکوینیہ مین تسلیم اختیار کرو) اور دوسرون پر تمسخر اور طعن مت کرو مبادا تم بھی ایسی بلا مین مبتلا ہو جاؤ ف اس مین عجب و طعن سے ممانعت ہے کہ منہیات سے ہے نہ کہ ارشاد و اصلاح و اقامت حدود سے کہ وہ خود آمر بامر تکوینی کا امر تشریعی ہے)

تعجب کردن آدم علیہ السلام از فعل ابلیس و عذر آوردن و توبہ کردن

روزے آدم بر بلیسے کو شقی ست	از حقارت و ز زیافت بنگریست
خویش بینی کرد و آمد خود گزین	خندہ زد بر کار ابلیس لعین
بانگ بر زد غیرت حق کاے صفی	تو نمیدانی ز اسرار خفی
پوستین را باز گونہ گر کنم	کوہ را از بیخ و از بن بر کنم
پردہ صد آدم آن دم بر درم	صد بلیس نو مسلمان آورم
گفت آدم توبہ کردم زین نظر	اینچنین گستاخ نندیشم دگر
یا ربا این جرأت ز بندہ عفو کن	توبہ کردم من مگیرم زین سخن

(یہ مربوط ہے مضمون بالا پیش دام حکم عجز خود بدان سے یعنی) ایک روز آدم صفی علیہ السلام نے ابلیس شقی

کو حقارت و دناءت کی نظر سے دیکھا اور اپنے کمالات پر نظر فرمائی اور اپنی ذات کو پسند کیا اور ابلیس کے فعل پر خندہ فرمایا (چونکہ حضرت آدم علیہ السلام معصوم ہیں اس لیے حقیقت تحقیر و حقیقت عجب مراد نہیں بلکہ کوئی معاملہ ایسا ہوگا جیسا معجب سے صادر ہوتا ہے مگر بقول مقربان ابیش بود حیرانی اس صورت عجب پر بھی انکی اصلاح کی گئی یعنی) غیرت الٰہیہ نے خطاب فرمایا کہ اے برگزیدہ درگاہ تم اسرار خفی کو (بطور احاطہ کے) نہیں جانتے ہو میری وہ قدرت ہے کہ) اگر پوستین کو اولٹ دون (یعنی استعداد امکانی شر کی جو کہ اخیار مین ایجاد خیر سے مضمحل ہو اسکے متعلق بالفتح یعنی شر کے ایجاد سے ظاہر کر دون اور اسیطرح خیر کے امکان کو جو کہ اشرار مین ایجاد شر سے مضمحل ہے ایجاد خیر سے ظاہر کر دون کہ مشابہ ہے پوستین اولٹ دینے کے) تو بڑے بڑے کاملین کو جو رسوخ مین کوہ ہین بیخ و بن سے اکھاڑ ڈالون (یعنے سب استقامت برباد ہو جاوے) اور اسوقت صدہا آدم کی پردہ دری کر ڈالون اور صدہا نو مسلم ابلیس پیدا کر دون حضرت آدم علیہ السلام (کانپ اٹھے اور آپ) نے عرض کیا کہ اے اللہ مین اس نظر (بد بینی و خود بینی) سے توبہ کرتا ہون کبھی ایسا گستاخی کا خیال نکرون گا اے پروردگار بندہ کی اس جرأت کو معاف فرمائیے مین توبہ کرتا ہون اس بات سے مجھ پر مواخذہ نہ فرمائیے۔

یا غیاث المستغیثین اہدنا — لا افتخار بالعلوم والغنا

لا تزغ قلباً ہدیت بالکرم — واصرف السوء الذی خط القلم

بگذران از جان ما سوء القضا — وا مبر ما را ز اخوان الصفا

تلخ تر از فرقت تو ہیچ نیست — بی پناہت غیر پیچاپیچ نیست

رخت ما ہم رخت ما را راہزن — جسم ما مر جان ما را جامہ کن

دست ما چون پای ما را می خورد — بی امان تو کسی چون جان برد

ور برد جان زین خطرہای عظیم — بردہ باشد مایۂ ادبار و بیم

زانکہ جان چون واصل جانان نبود — تا ابد با خویش کور است و کبود

چون تو ندہی راہ جان خود بردہ گیر — جانکہ بی تو زندہ باشد مردہ گیر

(یہ تتمہ ہے مناجات آدم علیہ السلام کا یعنی) اے فریاد یون کے فریاد رس آپ ہی ہمکو راہ بتلائیے ہمکو علوم اور اموال (یعنی نعمت روحانی و جسمانی) پر کوئی فخر نہین آپنے (ہمارے) جس قلب کو اپنے فضل و کرم سے ہدایت فرمائی ہے اس مین کجی پیدا نہ کیجیے (یہ اقتباس ہے آیت ربنا لا تزغ قلوبنا بعد اذ ہدیتنا الخ سے) اور جو خرابی قلم (کتابت تقدیر) نے ہمارے لیے لکھی ہو اسکو دور کر دیجئے (کیونکہ مقدر مکتوب مین محو و اثبات ممکن ہے کما قال تعالیٰ یمحوا اللہ ما یشاء و یثبت و عندہ ام الکتاب البتہ مقدر معلوم بعلم الٰہی مین یہ ناممکن ہے کیونکہ خلاف علم وقوع محال ہے اور یہ بحث ذرا دقیق و محتاج تطویل ہے) اور آپ ہماری جان سے

قضائے سخت کو دفع کر دیجیے اور ہمکو اخوان الصفا سے علیحدہ نہ فرمائیے (مراد اہل اللہ ہین جنکی محبت غرض سے صاف محض
للہ ہوتی ہی) اور آپ کی فرقت سے زیادہ کوئی چیز تلخ نہین اور اگر آپ پناہ ندین تو برا الجھاؤ ہی الجھاؤ ہی اور ہمارا
رخت ہستی خود ہماری رخت ہستی کے حق مین ضرر رسان ہی (کیونکہ لذات وشہوات کا خمیازہ خود ہی بھگتنا پڑیگا چنانچہ
آگے اسکی تفسیر ہی (اور ہمارا جسم ہماری روح کے گویا کپڑے اوتارنے والا (یعنی ضرر رسان) ہی مطلب یہ کہ ہم خود اپنی
خیر خواہی نہین کر سکتے آپ ہی فضل فرمائیے) اور جب ہماری یہ حالت ہے کہ ہمارا ہاتھ (یعنے ہمارا عمل دنیوی) ہمارے
پاؤن کو کھا رہا ہی (یعنی قوت سلوک طریق الہی کو ضائع کر رہا ہی) تو اس حالت مین بدون آپکے امان دیے
ہوئے (مہالک سے) کون جانبر (اور ناجی) ہو سکتا ہی اور اگر بلا آپکے امن دیے ہوئے کوئی اپنی جان ان خطرات عظیمہ
سے نکال بھی لیجاوے تو وہ واقع مین ایسی جان لے گیا ہی جو بدبختی اور خطرات کا سرمایہ ہی (کیونکہ جب یہ
مفروض ہی کہ اللہ تعالی کا امن ہمراہ نہین ہی تو ظاہر ہی کہ وہ واقع مین ناجی نہین ہوا محض فرض محال یا
اسکا زعم ہی جسکی غلطی عنقریب مرتے ہی معلوم ہو جاوے گی چنانچہ مولانا علت مین یہی تقریر فرماتے ہین
یعنی) وجہ یہ کہ جب جان وصل جانان نہین ہی (جیسا مفروض ہی کہ معیت امن ورحمت نہین ہے) تو وہ
تو ابدالآباد تک اپنی حالت مین کور و کبود رہے گی (اور یہی مطلب ہے بیت آیندہ کا یعنے) اے اللہ جب
آپ راہ (نجات) نہ دینگے تو اُس جان کا پردہ ور ستگار ہونا تو صرف مفروض ہی مفروض ہے اور
جو جان آپ کی معیت نہ رکھتی ہو اُسکو تو مردہ سمجھنا چاہیے **ف** یہ تلازمات ایسے ہین جیسے اس آیت
مین ولو علم اللہ فیہم خیرا لاسمعہم ولو اسمعہم لتولوا وہم معرضون الآیۃ فتامل۔

گر تو طعنہ می زنی بر بندگان ‌ ‌ ‌ مر ترا آن می رسد اے کامران
ور تو ماہ و مہر را گوئی جفا ‌ ‌ ‌ ور تو قد سرو را گوئی دوتا
ور تو چرخ و عرش را گوئی حقیر ‌ ‌ ‌ ور تو کان و بحر را گوئی فقیر
آن بہ نسبت با کمال تو رواست ‌ ‌ ‌ ملک و اقبال و غناہا مر تراست
کہ تو پاکی از خطر و نیستی ‌ ‌ ‌ نیستان را موجد و مغنیستی
آنکہ رویانید داند سوختن ‌ ‌ ‌ وانکہ بدرید داند دوختن
می بسوزد ہر خزان مر باغ را ‌ ‌ ‌ باز رویاند گل صباغ را
کاے بسوزیدہ برون آ تازہ شو ‌ ‌ ‌ بار دیگر خوب و خوش آوازہ شو
چشم نرگس کور شد بازش بساخت ‌ ‌ ‌ حلق نے برید و باز او را نواخت

(یہ بھی تتمہ ہی مناجات سابقہ کا اور اس مین ناظرین کے ایک سوال مقدر کا جواب ہے یعنے اوپر اہل معصیت کی تحقیر
اور اعتراض سے منع کیا گیا ہی حالانکہ خود کلام الہی مین اہل معصیت کی سخت تحقیر کی گئی ہے پس بصورت
مناجات جواب دیتے ہین گویا مناجات کا خطاب حق تعالی سے ہو اور جواب کا خطاب سائل کو یعنی ہمارے

پروردگار اگر آپ اپنے بندون پر طعن و اعتراض فرما دین تو آپ کو زیبا ہو اور اگر آپ ماہ و مہر کو (جو روشن ہین) مخفی اور تاریک فرمانے لگین اسی طرح اگر آپ قامت سرو کو خمیدہ فرمانے لگین اور اسی طرح اگر آپ چرخ و عرش کو حقیر فرمانے لگین اور اسی طرح اگر آپ معدن اور بحر کو تہیدست فرمانے لگین یہ سب کچھ آپ کے کمالات کی نسبت سے صحیح اور بجا ہو (یہ نہین کہ نعوذ باللہ ہو تو کذب مگر حاکم حقیقی پر کون مواخذہ کرے بلکہ یہ سب فرمانا مطابق واقع کے ہوگا) کیونکہ تمام سلطنت اور اقبال اور غناسب آپ ہی کے لیے ثابت ہو اور وجہ یہ کہ آپ احتمال عدم اور عدم سے پاک ہین اور سب فانیون کے آپ موجد بھی ہین اور مفنی بھی ہین (پس ایسے کامل الذات جامع الکمالات کی نسبت حقیقت مین نور ماہ و خور اور جمال سرو اور عظمت فلک و عرش اور غناے معدن و بحر کی کیا حقیقت ہے بلاشبہ وہ سب کے سب ناقص ہین آگے موجد و مفنی کی صفت پر تفریع ہے کہ) جو پیدا کر سکتا ہو اسکو فنا کرنے کی بھی قدرت ہے اور جسنے فنا کیا ہو وہ پھر ایجاد بھی کر سکتا ہو دیکھو ہر فصل خزان مین باغ کو سوختہ کر دیتے ہین اور پھر (بہار مین) گل رنگین کو پیدا کر دیتے ہین (اور اسکو خطاب تکوینی فرماتے ہین کہ اے سوختہ (عدم سے) باہر نکل پھر (وجود مین) تازہ ہو جا اور مکرر خوشنما اور خوبی مین مشہور ہو جب (خطاب مین مثل کو بجاے عین کے مجازاً فرض کر لیا) اور اسی طرح چشم نرگس جو (خشک ہو کر) کور ہو گئی تھی اسکو (تجدد مثل سے) پھر درست کر دیا اور نے کا حلق دریدہ کر دیا (جو بظاہر منقص ہے) مگر پھر اُسمین صفت نواختگی کی پیدا کر دی (جو مکمل ہے یعنے نقصان کے بعد کمال دنیا انکا کام ہو اور یاد رکھنا چاہیے کہ درید اور نواخت دونون مین اسناد تکوینی ہے مگر اول بواسطہ صنعت عباد اور ثانی بلاواسطہ جیسا ظاہر ہے آگے بطور نتیجہ کے فرماتے ہین کہ) چونکہ ہم محض مصنوع ہین اور صانع نہین ہین اس لیے صرف مسخر (تقدیر) اور قانع (یعنے سائل امان یا راضی بقضا) ہین (پس جو شخص خود مصنوع مسخر قدرت ہو اسکو کسی پر بطور عجب کے اعتراض کرنا کب زیبا ہو البتہ صانع جو قادر مطلق ہین اور خود ہر طرح منزہ وہ اگر اعتراض کرین تو انکا حق ہے)

ما همه نفسے و نفسے میزنیم — گر نخواهی ما همه اهرمنیم

زان ز آهرمن رهیدستیم ما — که خریدی جان ما را از عمی

تو عصاکش هر کرا که زندگیست — بی عصا و بی عصاکش کور چیست

غیر تو هر چه خوش ست و ناخوش ست — آدمی سوزست و عین آتش ست

هر کرا آتش پناه و پشت شد — هم مجوسی گشت و هم زردشت شد

کل شیء ما خلا الله باطل — ان فضل الله غیم هاطل

(یہ بھی تتمہ ہو مناجات کا جسمین محض مناجات ہی مقصود ہو یعنی) ہم سب (غایت احتیاج سے) نفسی نفسی پکار رہے ہین اور اگر آپ (ہماری ہدایت) نہ چاہین تو ہم سب شیطان ہو جاوین

کما قال تعالیٰ ولولا فضل اللہ علیکم ورحمتہ لاتبعتم الشیطان فی الحدیث واللہ لولا اللہ ما اھتدینا ولا تصدقنا ولا صلینا
اور ہم جو شیطان سے بچے ہوئے ہیں تو صرف اسوجہ سے کہ آپ نے کورچشمی (وضلالت) سے ہماری جان کو بچا لیا ہے
اور جس شخص کو حیات (ابدیہ) ملنے والی ہے آپ ہی اُسکے عصا کش (اور ہادی) ہیں اور واقعی بدون عصا اور
عصا کش کے اندھے کا کیا حال ہو اور جو چیز آپ سے مغائر ہو (یعنی آپ سے حاجب اور مانع ہو) خواہ وہ نفس کو خوش اور
لذیذ معلوم ہو یا ناخوش معلوم ہو وہ یقیناً آدمی سوز وعین آتش (یعنی مہلک) ہے اور جسکی پشت و پناہ آتش بنے گی
وہ مجوسی اور زردشت (بمثل مجوسیان) ہو کر رہیگا (مطلب یہ کہ جو غیر اللہ کو اپنا قبلہ توجہ بناویگا وہ ضال ومضل ہوگا)
اور جو چیز غیر اللہ ہے وہ باطل ہے اگر غیر سے مراد معنی لغوی لیے جاویں تو باطل کے معنے فانی ہیں اور اگر حاجب عن اللہ
لیا جاوے تو باطل کے معنے بے کار و غیر نافع ہیں اور اصل میں یہ قول لبید کا ہے جسکی تصدیق جناب رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی ان اصدق کلمۃ قالہا الشاعر کلمۃ لبید الا کل شئی ما خلا اللہ باطل) اور بلاشبہ
حق تعالیٰ کا فضل ابر بارندہ (انعام واحسان) ہے۔

باز گشتن بحکایت امیر المومنین حضرت علی و مسامحت کردن او با خونی خویش

باز رو سوے علی و خونیش — وان کرم با خونی و افزونیش
گفت دشمن را ہمی بینم بچشم — روز و شب بروے ندارم ہیچ خشم
زانکہ مرگم ہمچو جان خوش آمدست — مرگ من در بعث چنگ اندر زدست
مرگ بے مرگے بود ما را حلال — برگ بے برگے بود ما را نوال

یعنی پھر حضرت علیؓ اور اُن کے قاتل کا قصہ بیان کرو اور وہ جو اپنے خونی کے ساتھ کرم اور فضل کرتے رہے چنانچہ
آپنے (اُس مبارز سے) بیان فرمایا کہ میں دشمن کو اپنی آنکھ سے شب و روز دیکھتا ہوں اور اُسپر ذرا غصہ نہیں آتا
کیونکہ موت مجکو جان کی برابر عزیز معلوم ہوتی ہے اور میری موت نے حیات کو مضبوط پکڑ رکھا ہے (یعنی
موت خصوص موت شہادت سبب حیات ابدیہ ہے اور ہم موت سے کیا گھبراتے جبکہ) موت بلا موت (یعنی
موتوا قبل ان تموتوا) ہمارے لیے حلال ہو چکی ہے (یعنی موت اختیاری کو کہ عبارت ہے فنا سے اختیار کر چکے
ہیں) اور بے سامانی کا سامان ہمکو عطیہ مل چکا ہے (اس سے بھی مراد فنا ہے کہ سامان و دعوی ہستی کا رافع ہے
ف نفی خشم کی علی الاطلاق مراد نہیں کیونکہ اُس شخص کا فعل معصیت ہے اور معاصی پر بغض فی اللہ
فرض ہے بلکہ حیثیت خاص سے ہے یعنی اس حیثیت سے کہ میرا ضرر رسان ہے مبغوض نہیں دو وجہ سے
ایک تو انکشاف قضائے الٰہی و غلبہ نسبت خالقیہ حق کی وجہ سے جیسا اوپر آچکا ہے دوم محبوبیت
موت کی وجہ سے جسکا یہاں ذکر ہے دوسری حیثیت سے کہ اسکا فعل معصیت ہے مبغوض ہوگا اور بغض
وعدم بغض کا اجتماع دو حیثیت سے ممکن ہے یہی تقریر ہے رفع تعارض ظاہری کی درمیان

وجوب رضا بالقضا و وجوب سخط علے المعصیت کی۔

برگ بے برگی ترا چون برگ شد | جان باقی یافتی و مرگ شد
آنچه خوف دیگران آن امن تست | بط قوی در بحر و مرغ خانہ سست
ظاہرش مرگ و بباطن زندگی | ظاہرش ابتر نہان پایندگی
از رحم زادن جنین را رفتن ست | در جہان اورا ز نو بشکفتن ست

(یہ مقولہ ہی مولانا کا واسطے تقریر مضمون سابق کے یعنے) جب بے سامانی تمھارا سامان بنجاوے تو تمکو حیات ابدی حاصل ہوجاوے اور موت مرتفع ہوجاوے (یعنے فنا سے بقا حاصل ہوتی ہی پھر موت سبب نقصان نہین ہوتی) اور جس چیز سے دوسرے ڈرتے ہین (یعنے موت) وہ تمھارے لیے سبب امن (و راحت) ہوجاوے (جیسا حدیث مین ہے مستریح او مستراح منہ) اسکی ایسی مثال ہی کہ بحر مین بط قوی ہوتی ہی اور مرغ خانگی سست ہوتا ہے (پس ثابت ہوا کہ ممکن ہے ایک شے ایک کو نافع ہو دوسرے کے لیے مضر) پس اس کی ظاہری حالت موت ہی مگر باطنًا وہ زندگی ہے اور ظاہری حالت ویرانی ہے مگر باطنًا وہ بقا ہے جیسا رحم سے پیدا ہونا بچہ کے حق مین (رحم سے تو) خروج اور سفر ہی ہی مگر یہ سفر اسکے لیے اس جہان مین از سر نو شگفتہ ہونا ہی (اسی طرح دنیا سے جانا یہان سے تو انتقال ہی ہی مگر وہان عالم راحت و وسعت مین پہونچ جانا ہے)

چون مرا سوے اجل عشق و ہواست | نہی لاتلقوا بایدیکم چراست
آنکہ مردن پیش جانش تہلکہ است | حکم لاتلقوا بگیرد او بدست
آنکہ مردن پیش او شد فتح باب | سارعوا آمد مر اورا در خطاب
زانکہ نہی از دانہ شیرین بود | تلخ را خود نہی کے حاجت شود
دانہ کش تلخ باشد مغز و پوست | تلخی و مکروہیش خود نہی اوست

(یہ مقولہ بلسان حضرت علی ہی اور یہ جواب ہی ایک سوال مقدر کا جو مضمون بالا پر وارد ہوتا ہی کہ موت کا مطلوب و محبوب ہونا اسی طرح موت اختیاری مین یامنات شاقہ کا اختیار کرنا تو خلاف نص قرآنی ولاتلقوا بایدیکم الی التہلکۃ کے ہی چونکہ یہ سوال مبنی ہی اس تفسیر پر کہ تہلکہ سے مراد ہلاکت ظاہری لیجاوے اس لیے مولانا اُسکی نفی کرکے دوسری تفسیر کا اثبات فرماتے ہین اور اُسکے لیے اول ایک مقدمہ ممہد فرماتے ہین تقریر اُسکی یہ ہی کہ یہ امر بشہادت بداہۃ عقل سلیم متقرر ہی کہ نہی اس چیز سے کیجاتی ہے جو اکثر نفوس کو مرغوب ہو ورنہ خود اسکا غیر مرغوب ہونا احتراز کے لیے کافی تھا نہی کی ضرورت نہ ہوتی اسکی تائید اس سے ہوتی ہے کہ شریعت نے خمر سے تو نصًا ممانعت فرمائی کہ مشتہی تھی اور یہ کہین نہین فرمایا لاتشربوا ابوال الخنازیر ولا تاکلوا اقذارہا کیونکہ وہ خود مکروہ و مستقذر تھا پس اس بناء پر ضرور ہوا کہ تہلکہ سے مراد ہلاکت

ظاہری نہین کیونکہ یہ تو خود غیر مرغوب عندالاکثر ہی بلکہ ایسے معنے مراد ہین جو مرغوب عندالاکثر ہون اور وہ ہلاکت باطنی ہے
یعنی نفس کے بقا اور راحت و لذت مین کو شان ہونا جیسا حدیث مین ایک صحابی سے اسکی تفسیر آئی ہی کہ تم ہجوم
علی العدو کو تہلکہ سمجھتے ہو حالانکہ مراد اس سے تقاعد عن الجہاد ہی جب اس دلیل سے اسکی تفسیر متعین ہو گئی اب
محبین موت اضطراری و موت اختیاری پر شبہ مخالفت نفس کا نرہا اور کوئی یہ شبہ نہ کرے کہ جنکو موت محبوب
ہی اُن کے حق مین تو بقاعدۂ مذکورہ وہی منہی عنہ ہونا چاہیے دفع اسکا عندالاکثر کی قید سے ہو گیا یعنے جب
مرغوبیت عندالاکثر کے لحاظ سے حکم مقرر ہو گیا اور احکام شرعیہ عام ہوتے ہین اس لیے وہ ان شاذ نادر حالت
والون کو بھی شامل ہو گیا اور اسباب موت ہر دو قسم کی طرف مسارعت ممنوع نہین ہوئی اور کوئی یہ شبہ بھی نہ کرے
کہ پھر خودکشی کیون حرام ہی گو دوسری آیت سے سہی اسکا جواب یہ ہی کہ بعض حالتون مین وہ بھی اکثر نفوس غیر صابرہ
کے نزدیک مرغوب ہی اور یہ شبہ بھی نہ کیا جاوے کہ پھر اس بناء پر یہان بھی یہی تفسیر ممکن ہی جواب یہ ہے کہ
بیشک ممکن ہے مگر بناء علی تفسیر الصحابی یہان یہی راجح ہے اور مقدمۂ مذکورہ صرف مفید ترجیح ہے
اس تقریر کو خوب سمجھ کر اشعار کو حل کرو) یعنے جب مجکو (یعنے صرف خواص کو) موت کی طرف عشق
و میلان ہے (اور عامۂ نفوس کو نہین اور بناءً علی المقدمۃ المذکورۃ منہی عنہ + مین اعتبار رغبت عندالعام کا ہے)
تو پھر (عام طور پر) نہی لاتلقوا کی ضرورت ہی کیا تھی کیونکہ جس شخص کے نزدیک مرنا تہلکہ ہے (جیسا عام لوگون
کی حالت ہی) وہ تو (پہلے ہی سے) حکم لاتلقوا کو مضبوط پکڑے ہوئے ہین (پھر منع عام کی کیا ضرورت ہوتی حالانکہ
منع عام کیا گیا ہی اس سے ثابت ہوا کہ یہ تہلکہ ظاہری آیت کی تفسیر نہین ہی اور اس مقام پر جیسا نہی کا
ایک قاعدہ تھا دوسرا قاعدہ امر کا ہی کہ مامور بہ وہ شئے ہوتی ہی جو نافع محض ہو خواہ نفس پر شاق ہو یا نہ ہو
چنانچہ اکل و شرب و لبس و وطی منکوحہ بقدر حاجت مامور بہ و موجب اجر ہی اور منہی عنہ مذکور کی ضد یعنی
مجاہدہ ظاہری و باطنی نافع محض ہی پس وہ مامور بہ ہو گا چنانچہ خود نہی مذکور بھی اُسکو متضمن ہی لان النہی
عن الشئے یقتضی الامر بضدہ اور صریحًا و مستقلًا بھی مامور بہ ہے چنانچہ اسکی نسبت فرماتے ہین کہ جس شخص کی
نظر (صحیح مستفاد من الشرع) مین مرنا موجب فتح ابواب (فلاح) ہے اُسکے خطاب مین امر سارعوا وارد
ہوا ہی (اور یہ نظر عام ہی تقلیدی و تحقیقی کو پس سب اہل ایمان اس مین داخل ہین اور یہ حکم بھی عام ہی
گو کسی کو اس مین لذت بھی ہو کسی کو نہ ہو مگر نفع عام ہے اور یہ دو شعر اگرچہ تقریر احقر پر سابق سے مرتبط
ہو گئے جس مین سخت صعوبت برداشت کرنی پڑی لیکن اگر نہ ہون جیسا بعض نسخون مین نہین ہین
تو زیادہ اولی ہی کیونکہ اسکے بعد شعر زانکہ الخ علت ہی مصرعہ نہی لاتلقوا بایدیکم حراست کی اور اصل علت
و معلول مین اتصال فی الذکر ہی یعنی تفسیر تہلکہ ظاہرہ پر نہی کی ضرورت نہ تھی) کیونکہ نہی ہمیشہ دانۂ شیرین سے
ہوا کرتی ہی اور جو چیز خود تلخ ہو گی اسکو نہی کی کون ضرورت ہی وجہ یہ کہ جس دانہ کا مغز اور پوست تلخ ہو تو
اسکی تلخی اور کراہت خود ہی (مفید غرض) نہی ہے (جیسا احقر تقریر مقدمہ مین لکھ چکا ہے

دانهٔ مردن مرا شیرین شدست	بل هم احیاء پے من آمدست
اقتلونی یا ثقاتی لائما	ان فی قتلی حیوتی دائما
ان فی موتی حیاتی یا فتے	کم افارق موطنی حتے متے
فرقتے لو لم یکن فی ذا السکون	لم یقل انا الیہ راجعون
راجع آن باشد که باز آید بشهر	سوئے وحدت آید از تفریق دہر

(یہ بقیہ مقولہ ہو حضرت علی کا محبوبیت موت کے بیان مین یعنی) میرے لیے (برخلاف حالت مذکورہ عوام کے) دانہ موت شیرین ہو گیا (اور اسپر اگر شبہہ اس کے منہی عنہ ہونے کا حق خواص مین ہو تو وہ نہی اور امر کے قاعدین مذکورین سے دفع ہو چکا ہو کہ نہی مین عند الاکثر معتبر ہے پھر حکم عام ہوتا ہو اور امر مین نافعیت معتنبہ پر ملاہو اور مرغوبیت منافی نہین) اور مضمون بل احیاء میرے (اور میرے امثال کے) لیے آیا ہے (یعنے شہدا کے لیے خواہ جہاد صغر مین ہون بعبارۃ النص خواہ جہاد اکبر مین بالمقایسہ بدلیل حدیث المجاہد من جاہد نفسہ اور حضرت امیر تو جامع ہین دونون شہادتون کے) اے میرے معتمد لوگو مجکو قتل کر ڈالو اور مجکو (امور نا ملائم پر) ملامت بھی کرتے جاؤ (تاکہ تن کشی کے ساتھ نفس کشی بھی ہو) بلاشبہ میرے قتل مین میری حیات ابدیہ ہے (مقصود امر بالقتل نہین ہو بلکہ اظہار عدم مبالاۃ بالقتل ہو اور یہ ماخوذ ہو حضرت حسین منصور کے شعر سے جو غلبۂ حال مین اُن سے صادر ہوا ہو ؎ اقتلونی یا ثقاتی + ان فی قتلی حیاتی اور اسمین ممکن ہو کہ امر بالقتل حقیقۃ ہو اور ملامت لازم من القتل اُن کے دعوی خلاف ظاہر پر) بلاشبہ میری موت میری حیات ہے اور مین کسقدر اور کب تک اپنے وطن (اصلی) سے جدا رہون گا (اور مین نے جو دنیا کو محل فرقت اور آخرت کو وطن اصلی کہا ہو اسکی دلیل یہ ہے کہ) اگر اس مسکن مین میری حالت فرقت کی نہ سمجھی جاتی تو قرآن مجید مین (ہماری تعلیم کے لیے) یہ نہ فرماتے کہ انا الیہ راجعون یعنی ہم اللہ تعالی کی طرف رجوع ہونے والے ہین کیونکہ رجوع ہونیوالا تو اسی کو کہتے ہین کہ اپنے شہر وطن کو آوے اور فرقت زمانہ سے یکجائی کی طرف آوے (پس راجعون سے ثابت ہو گیا کہ ہمارا وطن آخرت ہو اور دنیا محل فرقت ہے)

افتادن رکابدار در پای امیر المومنین علیؓ که ای امیر مرا بکش و ازین قضا باز رہان

این سخن پایان ندارد چاکرم	چون شنید این سر زسید گشت خم
آمد و در خاک پیشم او فتاد	دمبدم در پاے من سر می نہاد
باز آمد کای علیؓ زودم بکش	تا نه بینم آن دم و وقت ترش
من حلالت میکنم خونم بریز	تا نه بیند چشم من آن رستخیز
گفتم از ہر ذرہ خونی شود	خنجرا اندر کف بقصد تو رود

یک سر مو از تو نتواند برید	چون قلم بر تو چنان خطے کشید
لیک بے غم شو شفیع تو منم	خواجۂ روحم نہ مملوک تنم
پیش من این تن ندارد قیمتی	بے تن خویشم فتی ابن الفتی
خنجر و شمشیر شد ریحان من	مرگ تن شد بزم و نرگستان من

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہین کہ اس مضمون (محبوبیت موت) کی تو کہین انتہا نہین (اب قصہ سنو کہ) جب خدمتگار نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ راز سنا تو (مارے رنج اور شرم کے) ختم ہوگیا اور آکر میرے سامنے گر پڑا اور بار بار میرے قدمون مین سر رکھتا تھا اور لوٹ لوٹ کر آتا تھا کہ اے حضرت مجکو جلدی قتل کروا لیجیے تاکہ مین اس وقت تلخ کو نہ دیکھنے پاؤن اور مین اپنا خون آپ کو معاف کرتا ہون مجکو قتل کر دیجیے تاکہ وہ قیامت کا وقت (کہ جب مین آپ کو قتل کرون) میری آنکھون کے سامنے نہ آوے مین نے اُسپر جواب دیا کہ (تو احمق ہوا ہے) اگر بالفرض ہر ہر ذرۂ عالم خونخوار بنجاوے اور خنجر بکف ہوکر تیرے ارادہ قتل سے چلین تب بھی ایک سر مو تیرا نہین کاٹ سکتے جبکہ قلم (تقدیر) نے تجھ پر یہ امر لکھ دیا ہے لیکن تو (میری طرف سے مواخذہ کا) غم مت کر مین (دعوی نہ کرونگا بلکہ) تیری شفاعت کرونگا (اور قبول ہونا اللہ تعالی کو معلوم ہے) کیونکہ مین حُر روحانی ہون اور مملوک تن (و پابند نفس) نہین ہون (کہ اپنے نفس کے لیے غضب عمل مین لاؤن) اور میری نظر مین اس تن کی کوئی قدر و قیمت نہین ہے (کیونکہ فانی ہے تو فی سبیل اللہ فنا ہو جانا زیادہ بہتر ہے) اور مین بدون واسطہ تن کے موصوف بہ فتوت ہون اور فتوت میرے بزرگون سے چلی آتی ہے (گو وہ فتوت اس درجہ کی نہ ہو پس اسکو بھی مسئلہ اسلام آبا سے کوئی مس نہین اور فتوت چونکہ ملکات نفسانیہ سے ہے اس لیے بدون واسطہ تن کہا) اور خنجر و شمشیر میرے نزدیک ریحان ہے اور یہ موت جسمانی میرے نزدیک جشن اور نرگستان ہے (یہ حاصل ترجمہ ہے حضرت علی کے اس شعر کا ٥ السیف والخنجر ریحاننا + اف علی النرجس والآس + شرابنا من دم اعدائنا + وکاسنا جمجمۃ الراس **ف** قولہ شفیع تو منم سے دو مسئلے ثابت ہوتے ہین ایک یہ کہ اہل بدعت خوارج وغیرہ کافر نہین ہین کیونکہ کفار کی شفاعت نہوگی دوسرے یہ کہ اگر اپنے یا دوسرے کے کشف سے معلوم ہو جاوے کہ فلان معصیت میری تقدیر مین لکھی ہے تب بھی وہ مباح و جائز نہین ہوتی ورنہ اس خدمتگار کو گناہ ہی نہوتا پھر شفاعت کے کیا معنے **ف** وعدہ شفاعت پر یہ شبہ کرنا کہ حضرت امام حسن نے اس سے قصاص کیون لیا محض لغو شبہہ ہے وعدہ شفاعت فی الآخرۃ کسی دلیل شرعی سے مسقط قصاص نہین۔

آنکہ او تن را بدینسان پے کند	حرص میری و خلافت کے کند
زان بظاہر کوشد اندر جاہ و حکم	تا امیران را نماید راہ حکم

تا بیارآید بہر تن جامۂ	تا نویسد او بہر کس نامۂ
تا امیری را دہد جان دگر	تا دہد نخل خلافت را ثمر
میرئی او بینی اندر آن جہان	فکرت پنہانیت گردد عیان
ہین گمان بد مبر اے ذولباب	با خود آ واللہ اعلم بالصواب

(یہ مقولہ ہے مولانا کا حضرت علی کی مدح میں بطور تفریع کے اور اس میں رد ہے خوارج و شیعہ کہ حضرت امیر کو طالب دنیا و حریص خلافت کہتے ہیں خوارج تو التزاماً اور شیعہ لزوماً کہ آپ کے تسلیم و سکوت کو تقیہ پر محمول کرنے سے یہی لازم آتا ہے یعنی) جو بزرگ اپنے تن کو اس طرح ماریں (کہ قاتل کے ساتھ رحم و کرم فرماویں) بھلا وہ حکومت اور خلافت کی حرص کب کرینگے محض اعمال حکومت میں (بعد قبول خلافت بدون سعی باصرار الناس اس لیے ظاہراً کوشش فرمالیتے تھے (یعنی حکومت کے کام کہیتے تھے) تاکہ اہل حکومت کو حکومت کرنے کا طریقہ بتلادیں (کہ اس طرح عدل کرنا چاہیے) اور تاکہ جامۂ (سلطنت) کو تمام (اہل حکومت کے) تنوں پر آراستہ فرماویں (آگے اس جامہ کو زیب بر کرنا اہل حکومت کا کام ہے) اور تاکہ (اہل حکومت میں سے) ہر شخص کے واسطے نامہ (عدل) کو لکھ جاویں (آگے اس پر عمل انکا کام ہے) اور تاکہ حکومت میں جان تازہ ڈالدیں (جو سلاطین دنیا میں نہیں تھی کیونکہ شریعت کے وفاق اور خلافت میں یقینی فرق ہے) اور تاکہ درخت خلافت کو بار آور فرمادیں (کہ آثار صالحہ عدل کے بعد انقضائے خلافت بھی باقی رہیں) اور انکی امارت عظمت شان تو اس عالم میں (جاکر) دیکھنا (کہ اُسکے روبرو یہاں کی حکومت محض لاشے ہے) اُسوقت تمہارے پوشیدہ خیالات (فاسدہ) ظاہر ہو جاوینگے (یعنی انکی غلطی ثابت ہو جاویگی کہ واقعی جس شخص کے پاس سلطنت ابدیہ ہو وہ ایک حصہ زمین پر حکومت کرنے کا کب حریص ہو سکتا ہے فی الواقع یہ گمان غلط تھا) پس خبردار اے عاقل کبھی انپر (طلب دنیا یا تقیہ وغیرہ کا) گمان بد مت کرنا اور ذرا ہوش میں آؤ واللہ اعلم بالصواب (اشارہ اس طرف ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کا علم صواب ہے اور اللہ تعالیٰ نے انکی قرآن میں مدح فرمائی ہے اور حریص دنیا ممدوح حق ہو نہیں سکتا اس سے معلوم ہوا کہ تمہارا گمان غلط ہے قل انتم اعلم ام اللہ الآیۃ)

بیان آنکہ فتح طلبیدن پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم مکہ و غیر مکہ را اجہت دوستی ملک دنیا نبود چونکہ فرمود الدنیا جیفۃ وطالبہا کلاب بلکہ بامر بود

جد پیغمبر بفتح مکہ ہم	کے بود در حب دنیا متہم
آنکہ او از مخزن ہفت آسمان	چشم دل بربست روز امتحان

از پے نظارۂ او حور و جان — پر شدہ آفاق ہر ہفت آسمان
قدسیان افتادہ بر خاک رہش — صد چو یوسف اوفتادہ در جہش
خویشتن آراستہ از بہر او — خود ورا پروائے غیر دوست کو
آنچنان پر گشتہ از اجلال حق — کاندر و ہم رہ نیابد آل حق
لا یسع فینا نبی مرسل — والملک والروح ایضاً فاعقلوا
گفت ما زاغیم و ہمچون زاغ نے — مست صباغیم و مست باغ نے
چونکہ مخزن ہائے افلاک و عقول — چون خسے آمد بر چشم رسول
پس چہ باشد مکہ و شام و عراق — کہ نماید او نبرد و اشتیاق
آن گمان و ظن منافق را بود — کو قیاس از جہل و حرص خود کند

(اوپر فرمایا ہے کہ حضرت علی کی جد خلافت حب دنیا کی وجہ سے نہ تھی اسی کی مناسبت سے فرماتے ہیں کہ) اسی طرح پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی جد و جہد جو فتح مکہ کے لیے تھی نہیں حب دنیا کا احتمال کب ہو سکتا ہے (بلکہ محض اشاعت و تقویت دین کے لیے تھی چنانچہ آیات انا فتحنا و اذا جاء نصر اللہ اس فتح کے ثمرات پر دال ہیں آگے اسکی دلیل بیان فرماتے ہیں کہ) جن پیغمبر کی یہ شان ہو کہ اُنھوں نے امتحان کے وقت چشم دل کو مخزن ہفت آسمان سے بند کر لیا ہو (یعنے شب معراج میں بجز نظارہ کمال و جمال الٰہی کسی مخلوق کی طرف سیر و تماشا کے طور پر کسی طرف التفات نہیں فرمایا البتہ مرآتیت ماموربہا منافی نظارہ کمال الٰہی نہیں کما قال تعالیٰ ولقد رای من آیات ربہ الکبریٰ) حالانکہ خود آپ کے نظارہ کے لیے تمام حوریں اور روحیں اطراف ہفت آسمان میں بھر رہی تھیں اور ملائکہ مقدسین آپ کے خاک راہ پر (انتظار میں) پڑے تھے (کنایہ محض انتظار سے ہے) اور یوسف علیہ السلام کے سے (حسین صورت و سیرت) آپ کی چاہ محبت میں گرے تھے (کنایہ ہے محض اشتیاق سے یعنے سب آپ کے منتظر و مشتاق تھے جیسا سوال او قد ارسل الیہ سے مترشح ہے) اور سب نے اپنے کو آپ کے لیے آراستہ کر رکھا تھا مگر (باوجودان تمام تراسباب مشغولی کے) آپ کو بجز محبوب حقیقی کے کسی طرف التفات (بالذات) نہ تھا بلکہ آپ معائنہ جلال حق سے ایسے معمور تھے کہ آپ کے رتبہ کمال میں اہل اللہ (یعنے اولیاء اللہ) کا وہم تک نہیں پہنچتا (اور ظاہر ہے اور شیخ اکبر نے بھی تصریح فرمائی ہے کہ اولیاء انبیاء علیہ السلام کے کمالات کی حقیقت کا ادراک نہیں کر سکتے آگے ترقی ہے کہ اولیا تو کیا چیز ہیں آپ کا تو یہ ارشاد ہے کہ ہمارے وقت خاص میں (جو حق تعالیٰ کے ساتھ ہمکو حاصل ہے) کسی نبی مرسل اور ملائکہ اور جبرئیل کو (جو بڑے ملک مقرب ہیں) گنجایش نہیں تم لوگ سمجھ لو (یہ مضمون بعنوان حدیث مشہور ہے مگر اسکی سند کہیں نہیں دیکھی لیکن آپ کا مراتب کمال و قرب میں اکمل و افضل انبیاء ہونا اس مضمون کا مصحح ہے) آپ بزبان حال

فرمارہے ہین کہ ہم مصداق مازاغ البصر کے ہیں اور زاغ کی طرح (ملتفت الی جیفۃ الدنیا) نہیں اور ہم تو صباغ عالم کے مست (اور دلدادہ) ہین باغ عالم کے مست (اور طالب) نہیں ہین (یہ اشارہ ہو تفسیر آیت مازاغ البصر فرمانے کی طرف اور غالباً اس مین قول شہوا اختیار کیا ہو کہ رویت حق پر محمول ہو مگر راجح بلکہ متعین رویت جبرئیل علیہ السلام پر حمل کرنا ہو کیونکہ خود جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تفسیر فرمائی ہو پھر دوسرا احتمال کہان رہا چنانچہ حدیث اسراء مین امام مسلم نے مسروق وحضرت عائشہ کے مناظرہ مین روایت کیا ہو کہ حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ مین نے اس امت مین سب سے اول یہ سوال حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا آپ نے فرمایا انما ہو جبرئیل لم ارہ علی صورتہ التی خلق علیہا غیر ہاتین المرتین گو یہ تفسیر مستلزم نفی رویت الٰہیہ کو نہیں اسکا اثبات دوسری دلیل سے ممکن ہو اور اگر اس شعر کو اسی محقق تفسیر پر مبنی کیا جاوے تب یہ توجیہ ہوگی کہ نظر الی الآیات جو من حیث الآیات ہمسے مطلوب تھی اس سے ہمکو تریغ نہین ہوا کہ انکی ذات سے متلذذ ہونے لگتے) غرض یہ کہ جب (عالم ملکوت کہ) افلاک و ملائکہ کا مخزن (ہے) جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر مبارک مین ایک خس کے برابر تھا تو مکہ اور شام اور عراق کے واسطے (خود ان کو مقصود بنا کر) آپ کیا مقاتلہ اور اشتیاق فرماتے ایسا گمان تو صرف منافق کو ہو سکتا ہو جو اپنے جہل و حرص سے ایسا قیاس کیسے (کما قیل المرء یقیس علی نفسہ)

آبگینہ زرد چون سازی نقاب	زرد بینی جملہ نور آفتاب
بشکن آن شیشہ کبود و زرد را	تا شناسی گرد را و مرد را
گرد فارس گرد سر افراشتہ	گرد را تو مرد حق پنداشتہ
گرد دید ابلیس و گفت این فرع طین	چون فزاید بر من آتش جبین
تا تو می بینی عزیزان را بشر	دانکہ میراث ابلیس ست آن نظر
گر نہ فرزند ابلیسی اے عنید	پس بتو میراث آن سگ چون رسید

(اوپر نظر منافق کا فساد مذکور تھا یہان اسکی مثال اور اسکی اصلاح کا امر ہو یعنی) اگر زرد آبگینہ کو مثلاً تم نقاب کی طرح آنکھون پر لگالو تو تمام دھوپ زرد نظر آویگی اس لیئے تمکو چاہیے کہ اس شیشہ کبود و زرد کو (جو غلط انداز غلط نما ہی) چور چور کر ڈالو (یعنے اسباب غلط بینی کو کہ اتباع غرض نفسانی ہو رفع کرو) تاکہ تم کو گرد کی اور مرد کی شناخت ہو (گرد سے مراد حالت محسوسہ اور مرد سے مراد کمال مخفی بوجہ اختفاء کمال باطنی کی حالت محسوسہ مین مثل اختفاء مرد کے گرد مین چنانچہ فرماتے ہین کہ) سوار کے گرد گرد غبار بلند ہو جاتا ہو اور سوار کو پنہان کر دیتا ہو) تم اس غبار کو مرد حق گمان کیئے بیٹھتے ہو (یعنے یہ سمجھتے ہو کہ مرد حق جو سنا گیا ہے وہ یہی غبار ہو اور وہ ہے مبتذل پس مرد کو مبتذل سمجھنے لگتے ہو اور اس سے بد اعتقاد ہو جاتے ہو اور یہ مطلب نہین کہ گرد کے معتقد ہو جاتے ہو کہ خلاف مقصود و مقام ہے) ابلیس نے صرف گرد (یعنی حالت ظاہری

آدم علیہ السلام کی کہ خلق من مادۃ الطین ہی) دیکھی اور کہنے لگا کہ یہ مخلوق خاکی مجھ سے کہ آتش جبین (یعنی مخلوق آتشی ہون کیونکر افضل ہوسکتا ہی (کہ مین اسکو سجدہ کرون) پس تم بھی جب تک اہل اللہ کو خالی بشر سمجھتے رہوگے (یعنی انکے اوصاف کو منحصر مقتضیات بشریت مین سمجھوگے اور کمالات روحانیہ کی نفی کردوگے جیسا کفار نے صیغہ حصر سے کہا تھا ان انتم الا بشر مثلنا) تو جان رکھنا کہ ایسی نظر اور اعتقاد میراث ابلیسی ہی اور اگر تم (بنسب معنوی) فرزند ابلیس نہین ہو تو بتلاؤ اُس مردود کی میراث تمکو کیونکر پہونچی۔

من نیم سگ شیر حقم حق پرست	شیر حق آنست کز صورت برست
شیر دنیا جوید اشکاری و برگ	شیر مولیٰ جوید آزادی و مرگ
چونکہ اندر مرگ بیند صد وجود	ہمچو پروانہ بسوزاند وجود

(اسمین عود ہی قصہ کی طرف اور یہ مقولہ ہی حضرت علیؓ کا یعنے) مین سگ نفس نہین ہون بلکہ شیر حق ہون اور حق پرست ہون اور شیر حق اسکو کہتے ہین جو (حب) صورت (وجسم) سے چھوٹ جاوے (پس جب مین شیر حق ہون تو مین بھی محب جسم و نفس نہین ہون) اور شیر دنیا تو شکار اور سامان ڈھونڈھتا ہی اور شیر حق آزادی (غیر اللہ سے) اور موت (جسمانی یا نفسانی کہ فناء ہی) ڈھونڈھتا ہی (چنانچہ موت جسمانی کے باب مین حدیث ہی من احب لقاء اللہ احب اللہ لقاءہ اور فناء کی مطلوبیت ظاہر ہی) چونکہ وہ موت مین صد ہا وجود یعنی وجود ابدی) دیکھتا ہی اسلیے پروانہ کی طرح اپنی ہستی کو سوختہ کردیتا ہی (یعنے طمع بقاء مین فناء اختیاری اور موت جسمانی کی تقدیر پر مظان رضاء حق سے اپنے جسم کو نہ بچانا توجیہ سوزانیدن کہا جاویگا کما قال تعالی ولا یرغبوا بانفسہم عن نفسہ وفی الحدیث یبتغی الموت مظانہ کلما سمع ہیعۃ طار الیہا)

شد ہوائے مرگ طوق صادقان	کہ جہودان را بد آندم امتحان
در نبی فرمود کاے قوم یہود	صادقان را مرگ باشد فتح و سود
ہمچنانکہ آرزوئے سود ہست	آرزوئے مرگ بردن زان بہ است
اے جہودان بہر ناموس کسان	بگذرانید این تمنا بر زبان
یک جہودی اینقدر زہرہ نداشت	چون محمد این علم را بر فراشت
گفت اگر رانند این را بر زبان	یک یہودی خود نماند در جہان
پس یہودان مال بردند و خراج	کہ مکن ما را تو رسوا اے سراج
جزیہ بپذرفتند و مے بودند شاد	ہمچنان واللہ اعلم بالرشاد

(یہ مقولہ ہی مولانا کا واسطے تقریر مضمون بالا محبوبیت موت کی یعنی) جب موت صادقین کے لیے طوق گلو (یعنی لازم) ہوتا ہی جو کہ اس زمانہ (نبوی) مین یہود کے لیے امتحان مقرر ہوا تھا چنانچہ قرآن مجید مین ارشاد ہی (قل یا ایہا الذین ہادوا ان زعمتم انکم اولیاء للہ من دون الناس فتمنوا الموت ان کنتم صادقین جس کا

حاصل یہ ہی کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ یہود سے فرما دیجیے کہ اے یہودیو (اگر دعوی ولایت مین صادق ہو تو) موت تو صادقین کے لیے سامان فتح و نفع ہی پس جسطرح نفع مالی کی آرزو ہوا کرتی ہی موت کی آرزو تو اس سے زیادہ اولی ہی (کہ یہین نفع ابدی ہی) اے یہودیو لوگون مین اپنی بات رکھنے کے لیے ہی ذرا لفظ تمنا زبان سے تو کہہ ڈالو مگر جب محمد صلی اللہ علیہ نے اسکا اشتہار دیا ایک یہودی کو بھی تو اسقدر ہمت نہ ہوئی (کہ زبان ہی سے کہہ لے) حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہی کہ اگر یہودی ذرا بھی زبان پر لفظ تمنا لاتے تو ایک یہودی دنیا مین زندہ نہ رہتا پس یہودی مال و خراج (آپکی خدمت مین) لے گئے کہ آپ ہمکو رسوا نہ فرمائیے (ہم جزیہ دیکر رہا کیے رہین گے غرض جزیہ (دینا) قبول کیا اور اسی حالت مین خوش رہے (مگر تمنائے موت نہ کرسکے پس معلوم ہوا کہ وہ صادق نہ تھے) اور اللہ تعالی ہی ہدایت کا حال خوب جانتے ہین (کہ کون اسکے دعوے مین صادق ہے کون کاذب)

این سخن را نیست پایانے پدید — دست با من دہ چو چشمت دوست دید
اندر آ در گلستان از مزبلہ — چونکہ در ظلمت بدیدی مشعلہ
بے توقف زود تر در نہ قدم — زین چہ بیرون سوے باغ ارم
ہم بنبردش گفت از بہر خدا — شرح کن این را و بپذیرم ہلا

(یہ مقولہ ہی حضرت علی کا یعنی) اس مضمون کا تو (شیر حق آن ست کز صورت برست) مین انتہا ظاہر نہین ہوتی اب تو تیری چشم باطنی نے جب محبوب حقیقی کا مشاہدہ کر لیا تو (بیعت کے لیے) میرے ہاتھ مین اپنا ہاتھ دیدے اور جبکہ تو نے ظلمت کفر مین شعلۂ ایمان کو دیکھ چکا ہی (یعنے جو قلب پہلے سے تاریک تھا اس مین اللہ تعالی نے نور ہدایت پیدا کر دیا) تو اب مزبلۂ باطل سے گلستان حق کی طرف آجا اور اس چاہ ضلالت (سابقہ) سے جسکا کہین قعر نہین بلا توقف جلدی قدم اٹھا کر باغ ارم (ہدایت) کی طرف چلا آ۔ آپ کے اس حریف جنگ نے عرض کیا کہ (مجکو عذر کیا ہی مگر بسبب عفو کی تحقیق مین بے صبر ہون) خدا کے واسطے اسکی شرح کر دیجیے اور مجکو (غلامی مین قبول فرما لیجیے تو ہان (کہہ دیجیے کیا بات تھی)

گفتن امیر المومنین با قرین خود کہ سبب ناکشتن تو چہ بود و مسلمان شدن او بدست حضرت رضی اللہ تعالی عنہ

گفت امیر المومنین با آن جوان — کہ بہنگام نبرد اے پہلوان
چون خدو انداختی بر روے من — نفس جنبید و تبہ شد خوے من
نیم بہر حق شد و نیمے ہوا — شرکت اندر کار حق نبود روا

نگاریده کف مولیستی — آن زجاجے کردہ من نیستی
نقش حق را هم بامر حق شکن — بر زجاجہ دوست سنگ دوست زن

یعنی حضرت امیرالمومنین نے اس شخص سے (اس عفو کا سبب) فرمایا کہ لڑائی کے وقت جب تونے میرے منھ پر تھوک دیا تو میرے نفس کو (غصہ سے) جنبش ہوئی اور میرا خلق حسن بگڑنے لگا پس (میرا غزوہ) کچھ تو اللہ تعالی کے واسطے رہگیا اور کچھ ہواے نفسانی ہوگیا اور حق تعالی کی عبادت مین شرکت جائز نہین (چنانچہ بنا خلق کے واسطے ریاء فی العبادۃ کو حدیث مین شرک فرمایا ہی) اور تو دست حق کا بنایا ہوا ہے اور حق تعالی کا مملوک ہے میرا مملوک نہین (کہ جس طرح چاہون تصرف کرون پس وہی تصرف جائز ہوگا جو باذن حق ہو اور شرکت فی العبادت مین اذن حق نہین ہے اسلیے تجکو چھوڑ دیا کیونکہ تو مصنوع حق ہے اور مصنوع حق کو امر حق ہی سے توڑنا چاہیے اور شیشۂ دوست پر سنگ دوست ہی مارنا چاہیے (یعنی انکے مصنوعات و مملوکات مین انکے ہی اذن سے تصرف کرنا چاہیے اور چونکہ تمام مخلوق ایسی ہی ہے اس لیے یہ حکم جمیع افعال کو عام ہوگیا اور اسکی تحقیق کہ اس بناء پر کافر کا چھوڑ دینا کس طرح جائز تھا اس قصہ کے اول مین عرض کر چکا ہون جس کا مبنی جواز من و فداء ہے۔

گبر این بشنید و نورے شد پدید — در دل او تا کہ زنارش برید
گفت من تخم جفا مے کاشتم — من ترا نوعے دگر پنداشتم
تو ترازوے احد خو بودۂ — بل زبانہ ہر ترازو بودۂ
تو تبار و اصل خویشم بودۂ — تو فروغ شمع کیشم بودۂ
من غلام آن چراغ شمع خو — کہ چراغت روشنی پذرفت ازو
من غلام موج آن دریاے نور — کو چنین گوہر در آرد در ظہور
عرض کن بر من شہادت را کہ من — من ترا دیدم سرافراز زمن
قرب پنجہ کس ز خویش و قوم او — عاشقانہ سوے دین کردند رو
او بہ تیغ حلم چندین خلق را — واخرید از تیغ چندین حلق را
تیغ حلم از تیغ آہن تیز تر — بل ز صد لشکر ظفر انگیز تر

یعنی اس کافر نے جو یہ بات سنی تو اسکے قلب مین ایک نور ظاہر ہوا جس سے اسنے زنار توڑ ڈالا اور اس سے پہلے قوت قریبہ کا مرتبہ پیدا ہو چکا تھا جسکو مولانا نے تافتن اور دوست دیدن اور مشعلہ سے تعبیر فرمایا تھا اور یہ مرتبہ ہے فعلیت کا) اور عرض کیا کہ مین (آپکے ساتھ) تخم جفا بوتا تھا (کہ آپ کا مقابل بنا اور گستاخی سے پیش آیا) مین تو آپ کو کچھ اور ہی طرح کا سمجھتا تھا (کہ مال و جاہ کے لیے ان کا قتال ہے) مگر آپ تو میزان (عدل فی الاخلاق والاعمال) نکلے جو متخلق باخلاق الٰہیہ ہین (کہ عدل صفات الٰہیہ سے ہے) بلکہ

آپ تو دوسری ترازوان کے لسان ہین جس سے میزان کی استقامت معلوم ہوتی ہو یعنی دوسرے اہل کمال کے معیار استقامت ہین کہ آپ کی حالت پر منطبق کرکے انکے کمال و نقصان کا حال معلوم ہوتا ہو) پس میرا خاندان اور اصل قرابتدار تو آپ ہی ہین (یعنی مین اپنے کنبہ کو چھوڑتا ہون) اور میرے اس کوشش کے (جواب قلب مین القا ہوا ہی) فرزع شمع (یعنے سبب ہدایت) آپ ہی ہین مین تو اس چراغ شمع خو کا غلام ہون جن سے آپکے چراغ کو نور حاصل ہوا (مراد جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جنکے فیض سے آپ کو یہ کمال ملا) مین تو اس موج دریاے نور کا غلام ہون (یعنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کہ بحر انوار حق کے موج یعنے مظہر کمالات حق ہین) جو ایسے گوہر کو (جیسے حضرت علی ہین) ظاہر کرین پس مجھ پر کلمۂ شہادت کو پیش فرمائیے کہ مین آپ کو (اس وقت تمام زمانہ سے افضل سمجھتا ہون غرض اُسکے اقارب برادری مین سے پچاس آدمیون کے قریب نے نہایت عشق و شوق سے اسلام قبول کیا آپ نے تیغ حلم سے اتنی خلق کو یعنی تیغ ہلاکت سے اتنے حلقون کو بچا لیا واقعی تیغ حلم لوہے سے زیادہ تیز ہی بلکہ صدہا لشکر سے بڑھکر باعث فتح و ظفر ہے۔

خاتمہ دفتر اول مثنوی

اس خاتمہ مین چندے تصنیف بند کر دینے کا باعث مذکور ہی کیونکہ دفتر دوم متصل شروع نہین ہوا حاصل اُسکا یہ ہے کہ اسوقت طبیعت مین آمد معانی کا جوش نہین ہا اور اُسکا سبب یہ ہی کہ مستمعین کی توجہ معانی کی طرف نہین رہی جسکی وجہ بطور مانعۃ الخلو طویل ہو جانا ہو دفتر کا یا سامعین کا میلان و انس ہو حکایات و قصص کے ساتھ جن کے ایراد سے اصلی مقصود توضیح اُن معانی کی ہی اور وہ محض تمثیل و تنظیر ہین لیکن سامعین کو بعض اوقات نفس حکایات کی طرف زائد میلان ہو جاتا ہی اسی امر کو اس مقام پر لقمہ دو خوردہ شد سے تعبیر فرمایا ہے جسکی تفسیر خود آگے فرمائی ہی نان چو معنی بود الخ اور اسی کو ایک مقام پر اس دفتر مین اس طرح بیان فرمایا ہے چونکہ جمع مستمع را خواب برد + سنگہاے آسیا را آب برد + الخ اور اسی کو ایک مقام پر دفتر دوم مین اس طرح بیان فرمایا ہی این زمان بشنو چہ مانع شد مگر + مستمع را رفت دل جاے دگر + خاطرش شد سوے صوفی قنق + اندران سودا فرو شد تا عنق + الخ رہی یہ بات کہ تحریر مین مستمعین تو غائب ہوتے ہین مولانا کو کیسے معلوم ہو گیا کہ یہان سامعین کو معانی مین نشاط نہین رہے گا جواب یہ ہی کہ مولانا تو صاحب کشف ہین لیکن اگر کوئی صاحب کشف بھی نہو جب بھی قرائن و تجربۂ طبائع سے اس قلت نشاط کا ظن بھی بستگی طبیعت مصنف کے لیے کافی ہی رہا یہ امر کہ جیسا اس سے پہلے اور اسکے بعد بھی ان اسباب کا تحقق ہوا ہی جیسا اور بعض مقامون کا ذکر ہوا ہی اُس پر سبب یعنے تصنیف کا بند ہو جانا کیون نہین مرتب ہوا جواب اسکا یہ ہے کہ ملال و عدم نشاط ایک کلی مشکک ہے اسکے مراتب کمی بیشی و ضعف و قوت و قصر و امتداد مین متفاوت ہین پس ممکن ہی کہ اس مقام پر زائد اور قوی و ممتد ہوا ہوا اور ان مقامون پر ناقص و ضعیف و قاصر ہوا ہوا اس لیئے ایک جگہ ترتب مسبب مین موثر ہوا ایک جگہ

نہ ہوا واللہ اعلم

اور یاد رکھنا چاہیے کہ جسطرح کمی جوش معانی کی مقتضی ہو سکوت عن الکلام کو اسی طرح بہت زیادتی جوش معانی کی بھی مقتضی ہو سکوت عن الکلام کو کیونکہ کمی مین کلام کرنے کا ضرر یہ ہو کہ اولاً متکلم کی طبیعت حاضر نہونے سے کچھ تو تقریر کافی نہین ہوگی دوسرے مخاطب کے متوجہ نہونے سے کچھ وہ ناتمام سمجھے گا اس طور پر غلط فہمی کا احتمال اسمین غالب ہوگا اور زیادت مین تو اسرار دقیقہ ناقابل برداشت فہم سامعین کے ظاہر ہوجانے سے لزوم ضرر یقینی ہو چنانچہ مولانا نے ایک مقام پر اسکو بھی بیان فرمایا ہو ؎ من ز شیرینی نشینم رو ترش + من ز بسیاری گفتارم خمش + تاکہ در ہر گوش ناید این سخن + یک ہمی گویم ز صد سر لدن + اور بھی بہت مقامات مین ایسے موقع پر اجمال واعراض فرمائے ہین کما لا یخفی۔

اے دریغا لقمۂ دو خوردہ شد
گندمے خورشید آدم را کسوف
اینت لطف دل کہ از یک مشت گل
نان چو معنے بود خوردش سود بود
ہمچو خار سبز کاشتر می خورد
چونکہ آن سبزیش رفت و خشک گشت
می دراند کام و لنجش اے دریغ
نان چو معنے بود بود آن خار سبز
تو بدان عادت کہ اورا پیش ازین
بر ہمان بو میخوری این خشک را
گشت خاک آمیز و خشک و گوشت بُر

جوشش فکرت ازان افسردہ شد
چون ذنب شعشاع بدرے را خسوف
ماہ او چون میشود پروین گسل
چونکہ صورت گشت انگیزد جحود
زان خورش صد نفع ولذت می برد
چون ہمانرا می خورد اشتر بدشت
کان چنان وردے مربا گشت تیغ
چونکہ صورت شد کنون خشک ست و بُر
خوردہ بودی اے وجود نازنین
بعد ازان کامیخت معنے با ثرے
زان گیاہ اکنون بپرہیز اے شتر

یعنی افسوس ہو کہ دو لقمہ کھا لیے گئے (یعنی سامع کو قصص وحکایات کی طرف توجہ ہوگئی) اس لیے میرا جوش فکر افسردہ ہوگیا (کیونکہ سامع کی جانب سے جذب معانی کا نرہا اور سامعین کی بے توجہی سے فکر کے افسردہ ہونے کا تعجب مت سمجھو دیکھو) ایک گندم خورشید (سکنی جنت) آدم علیہ السلام کے لیے باعث کسوف بنگیا جس طرح ذنب نور بدر کا سبب خسوف ہوجاتا ہو (ذنب ایک عقدہ ہو منجملہ عقدتین کے دوسرے کا نام راس ہو اور یہ دو نقطے ہین کہ مدار شمس و مدار قمر کے تقاطع سے پیدا ہوئے ہین جب ایک نقطہ مین آفتاب ہوتا ہو اور دوسرے مین قمر تو وقت دونون مین زمین حائل ہوجاتی ہو اور قمر کو خسوف ہوجاتا ہو مطلب یہ کہ نورانی اور لطیف چیز ادنی سبب ظلمت و کدورت سے متاثر ہوجاتی ہو یہی حال فکر کا سمجھو جو صفت ہے قلب کی پس) قلب کی بھی عجیب لطافت ہے کہ ایک مشت گل سے اسکا ماہتاب کس طرح ثریا کے مثل پراگندہ (و منتشر الاجزاء) ہوجاتا ہے (مشت گل اسی بے توجہی کو کہا ہے

تشبیہًا بوجہ جامع کدورت کے یعنے بے توجہی سامع سے متکلم کا دل ہٹ جاتا ہی اور بیان کافی نہین ہوتا) نان (یعنے حکایات و امثال) جب تک (ذریعہ) معانی و علوم مقصودہ رہے (یعنے سامعین معانی کو مقصود بالذات سمجھتے رہے اُسوقت تک اسکا کھانا (یعنے انکا کہنا سننا) مفید تھا اور جب وہ (نان) صورت بن گئی (یعنے حکایات مقصود بنکر معانی پر مقصودیت مین غالب آگئین) تو اب وہ باعث جحود معانی ہو گئی (جیسے احقر نے اوپر غلط فہمی کے تقریر کی ہی اور غلط فہمی جحود کا ترتب ظاہر ہی) اسکی ایسی مثال ہی کہ جیسے اونٹ خار سبز کو کھاتا ہی اور اس خورش سے نفع (غذائیت) و لذت حاصل کرتا ہی لیکن جب اُسکی سبزی جاتی رہے اور وہ خشک ہو گیا اگر پھر وہ اسکو جنگل مین چرنے لگے تو تمام اسکے کام و لب کو چیر ڈالے اور چیرے کہ وہ جو پہلے گلقند کے مثل (لذیذ) تھا اب وہ تلوار کا کام دینے لگا (تطبیق مثال کی یہ ہی) نان جب تک معنے رہے وہ خار سبز کے مثل ہی اور جب وہ صورت بن گئی اب وہ خار خشک او سخت کے مثل ہو گئی) مطلب یہ کہ حکایات مشابہ خار کے ہین اور اُنکے ضمن مین جو معانی مقصودہ ہین وہ مشابہ سبزی کے ہین جو ضمن خار مین ہی اور معانی کا مقصود رہنا مشابہ ہی خار مین سبزی رہنے کے اور اس سے قطع نظر کر لینا مشابہ ہی سبزی جلاتے رہنے کے اور جس طرح خار سبز نافع ہے اور خار خشک مضر اسی طرح حکایات بقصد معانی سننا نافع ہے اور خلو عن المعانی کی حالت مین مضر جیسا احقر نے وجہ ضرر اوپر عرض کی ہے) تم اپنی اسی عادت (سابقہ) کے موافق کہ اس سے پہلے (حالت سبزی مین) اسکو کھاتے رہے ہو اسی احتمال پر اب اس خشک کو کھانا چاہتے ہو جبکہ معنے آمیختہ بہ خاک ہو چکا ہی اور جب وہ خاک آمیز اور خشک اور گوشت کو پارہ پارہ کر دینے والا ہو گیا ہے تو اب اُس گیاہ سے شتر کو پرہیز کرنا چاہیے (مطلب ظاہر ہی کہ تم پہلے ہوئے اب بھی حکایات سُننا چاہتے ہو حالانکہ سابق اور حال مین یہ فرق ہو گیا ہی کہ پہلے تمکو معانی کی طرف توجہ تھی اس لیے حکایات نافع تھین اور اب توجہ نہین رہی اس لیے مضر ہونگی اور اس مقام کی دوسری توجیہ بھی ہو سکتی ہی کہ دو لقمہ سے مراد اپنا عود ہو بعض احکام بشریہ کی طرف کسی خاص وجہ سے خواہ زیادہ تحریر فرمانے سے طبیعت مین ملال ہو گیا ہو یا کوئی حاجت یا عارض پیش آ گیا ہو کیونکہ کاملین کو بھی ان امور سے قبض ہو جاتا ہی گو عوام کے قبض سے ممتاز ہوتا ہی کہ قبض عوام نقصان عبدیت سے ہے اور ان کا کمال عبدیت سے پس تقریر یہ ہو گی کہ مجکو بعض عوارض موجبہ انقباض پیش آ گئے اور ان عوارض سے میرا قلب متاثر ہو گیا اور آمد معانی کی کم ہو گئی پس جب تک نظم مشابہ معنی پُر از معانی تھی نافع تھی اب اگر لکھون گا نری نظم ہو گی جو مضر ہی اس لیے مخاطب کو اب زبان اشتیاق سے تقاضا نظم کا بامید نفع جسکا خوگر ہو رہا ہے نہ چاہیے چندے التوا و امہال ضروری ہی اور یہ توجیہ میرے ذوق مین راجح ہے لیکن چونکہ شروع تحریر مین مرجوح معلوم ہوئی اس لیے ذکر مین مؤخر ہو گئی۔ واللہ اعلم باسرار عبادہ۔

سخت خاک آلودہ می آید سخن	آب تیرہ شد سر چہ بند کن
تا خدایش باز صاف و خوش کند	او کہ تیرہ کرد ہم صافش کند

صبر آرد آرزو را نے شتاب	صبر کن واللہ اعلم بالصواب

(اس مین خطاب ہی اپنے نفس کو بطور تفریع کے ماقبل پر یعنی جس طرح کنوین سے پانی نکلتے نکالتے گدلا آنے لگتا ہی اسی طرح اب کلام بہت خاک آلودہ نکلنے لگا اور پانی بالکل میلا ہو گیا اب کنوین) کا منھ بند کر دو تاکہ حق تعالی اسکو صاف اور خوش رنگ و خوش مزہ کر دین وہی خالق ہین تیرگی کے اور وہی صاف کر دینگے (چاہ سے مراد قلب اور آب سے مراد کلام یعنے قلب سے بہت مضامین نکلے اب خواہ اپنے انقباض سے یا سامع کے انقباض سے قلب مین وہ نشاط نرہا جو موجب صفاء سخن ہی اس لیے سکوت مناسب ہے تاکہ یہ انقباض بعد چندے مبدل بہ نشاط و انبساط ہو جاوے واللہ یقبض و یبسط اور چونکہ باوجود انقباض کے بعض اوقات مصلحتاً افادہ و استفادہ پر نظر ہونے سے تقاضائے تکلم ہوتا ہی اسکی نسبت ارشاد فرماتے ہین کہ) آرزو صبر سے خوب پوری ہوتی ہی عجلت سے نہین ہوتی اس لیے صبر ہی کرنا چاہیے (یعنے آرزوِ افادہ و استفادہ کی محمود ہی مگر تعجیل مین یہ ناتمام رہیگی بوجہ آمد نہ ہونے مضامین کے اور صبر و تانی سے معانی کی آمد ہونے لگے گی اس سے افادہ و استفادہ خوب ہوگا) واللہ اعلم بالصواب (عجب نہین یہ دلیل ہو محمودیت صبر کی یعنی حق تعالی تو امر صواب کو خوب جانتے ہین اور انھون نے صبر کا امر اور اسکا نافع و مثمر ہونا فرمایا ہی معلوم ہوا کہ امر صواب یہی ہی کما قال اللہ تعالے یا ایہا الذین آمنوا اصبروا و صابروا و رابطوا واتقوا اللہ لعلکم تفلحون) **ف** اس مقام مین اشارہ ہی اس طرف کہ عارف کو بحکم وقت کلام کرنا چاہیے جب طبیعت اپنی اور سامعین کی حاضر ہو اور علوم و معارف کی آمد ہو اور اس مین اعتدال ہو کہ نہ بیان مین تکلف ہو اور نہ اتنا غلبہ ہو کہ ضبط سے خارج ہونے کا اندیشہ ہو اسوقت افادہ فرماوے چنانچہ آمد کی قلت اور بلا انقباض کثرت دونون کا مقتضی سکوت ہونا اوپر مولانا کے کلام سے ثابت کیا گیا ہی اور اگر یہ شبہہ ہو کہ بعض محققین کا ارشاد ہی کہ تکلم و سکوت مین نفس کی مخالفت کرنا چاہیے جب کلام کی طرف رغبت ہو اسوقت سکوت اور جب سکوت کی طرف رغبت ہو اسوقت کلام کرے جواب اسکا یہ ہی کہ یہ اس شخص کے لیے ہی جو ہنوز مجاہدہ مین مشغول ہی پس یہ بھی ایک مجاہدہ ہی اور یہان جو مذکور ہی وہ اہل مشاہدہ و کاملین کے لیے ہے فلا تعارض۔ اور راز اسمین یہ ہی کہ محتاج مجاہدہ چونکہ ناقص ہی اسلیے سکوت و تکلم دونون مین نفسانی غرض ہوتی ہی لہذا معالجہ واجب ہوا اور کامل اغراض سے مطہر ہو چکا ہی اسکا تکلم محض تربیت طالبین کے لیے منجانب اللہ ہی پس تقاضائے کلام نافع امر الہامی آلہی ہوگا لہذا اسکے اتباع کے لیے کلام ضروری ہوگا اور اسکے خلاف مین الہاماً امر سکوت ہوگا لہذا اسکے امتثال کے لیے سکوت ضروری ہوگا چون قلم در پنجہ تقلیب رب واللہ اعلم **ف** احقر الفقر نے اپنے مرشد طیب اللہ ثراہ وجعل مقعد الصدق مثواہ کی بالکل یہی شان دیکھی اکثر اوقات ایسے مسائل پوچھے گئے جو حضرت صاحب کے نزدیک سہل سے سہل تھے مگر آپ نے بے تکلف فرما دیا کہ اس وقت قلب متوجہ نہین کسی وقت خود بیان ہو جاوے گا سبحان اللہ کیا ذات مجسم حالات تھی کہ تمام اقوال و افعال و احوال آپ کے سچ عرض کرتا ہون کہ مسائل فن کی تفسیر تھی زاد اللہ تعالے

في درجاته ورزقنا من بركاته ف مولانائے رومی اور مرشد مخدومی کا تمثل فی التکلم کو تحقیقی ہے لیکن اہل تحقیق کی تقلید جائز کبھی موجب
تحقیق ہوجاتی ہے اسلیے یہ احقر بھی طبیعت کے سست ہوجانے اور بعض دوسرے ضروری کاموں کے پیش آجانے سے فی الحال
دفتر ثانی کی شرح شروع کرنیکی ہمت نہیں کرتا اب جو کچھ اور جب بھی اللہ تعالی کو منظور ہوا انکے سپرد ہے تمت بحمد اللہ الترجمة الكاملة
للدفتر الاول من المثنوي المعنوي بوقت الاضحى من اليوم الجمعة عاشر رجب سنة الف وثلثمائة واحدى وعشرين من هجرة النبي في كورة
تھانہ بھون في مسجد مرشدي عمرها الله تعالى بالانوار والبركات وختم لنا بالخير والحسنات ط

خاتمہ ترجمہ دفتر اول مثنوی معنوی

حامداً ومصلیاً کسی کتاب کے مقاصد کا پورا احاطہ اسوقت ہوتا ہے جب اسکے بنائے تالیف و رعایات کا تالیف کیوقت لحاظ و التزام مرعی ہے مطالعہ کتاب
سے پہلے معلوم ہوجاوے سو وجہ تالیف تو خطبہ میں مذکور ہو چکی ہے اور رعایات تصنیف کا علم خود مصنف کو بھی پہلے سے کہیں ہوتا عین تصنیف
میں حسب ضرورت انکا وقوع ہوتا جاتا ہے اور اسیوقت انکی تعیین ہوتی ہے اسلیے آخر میں انمیں سے بھی بعض کو اختصار کیساتھ ظاہر کیے دیتا ہوں مناسب
ہوگا اگر ناظرین خطبہ اور اس خاتمہ کو کتاب سے پہلے مطالعہ فرمالیں اول تقریر ترجمہ میں بالکل قدر ضرورت پر جسپر حل مقام موقوف تھا
اکتفا کیا گیا ہے نہ کسی ضروری قید یا شرط یا توضیح وغیرہ کو ترک کیا گیا کہ مطلب سمجھنے میں خلل یا غلطی ہو نہ بلا ضرورت کوئی مضمون خارج از حل لیا گیا کہ
مقصود و غیر مقصود میں خلط ہو جاوے اور مواقع اضافہ ضروری میں تمیز بین الاصل والزیادة کے لیے زائد کو بین الہلالین معلم کر دیا گیا اس طرح کہ اگر ان محصورات سے
قطع نظر کیجاوے تو ترجمہ رہجاوے اور وہ بھی مربوط اور اسکے مجمل دوم بیان مطالب میں حتی الامکان ایسی سلیس تقریر اختیار کی گئی ہے کہ جس شخص کو فن سے
ذرا بھی مناسبت ہوگی اسکو مطلب بالکل آئینہ ہوجاویگا باقی جسکو مناسبت ہی نہ ہو یا کوئی مضمون فی نفسہ دقیق اور علوم عقلیہ پر موقوف ہے وہاں
عام فہم کردینا میری وسعت سے خارج تھا ایسے شخص یا ایسے مقام کے لیے کسی ماہر سے رجوع کرلینا اس صعوبت کو سہولت سے مبدل
کرسکتا ہے سوم مولانا کے الفاظ مبہمہ کو واضح اور الفاظ غیر مصطلحہ کو مصطلحہ کے ساتھ تفسیر کرنے میں بہت کوشش کیگئی ہے تاکہ مانوس و معروف عنوان کی
اجنبیت وغرابت کو جو مانع فہم ہے مرتفع کردے چہارم جہاں کہیں لغت غیر مشہور یا کسی دوسرے فن کی کسی اصطلاح غیر معروف یا کسی ترکیب
مغلق کے حل کی احتیاج سمجھی ترجمہ سے پہلے اسکو لکھدیا گیا پنجم تقریر میں مضامین کا باہم ارتباط و اتساق نہایت اہتمام سے ملحوظ رکھا گیا
جس سے انشاء اللہ تعالی طبیعت میں کہیں الجھن اور پریشانی نہ ہوگی جس جگہ سے دیکھا جاویگا امواج دریا کیطرح مضامین میں روانی نظر آویگی
ششم کسی مقام پر اپنے علم و وسعت کے موافق کسی مضمون کو نہ حدود شرعیہ سے خارج ہونے دیا اور نہ دائرہ تصوف سے اسکا قدم باہر نکلنے دیا
کیونکہ مولانا جیسے جامع بین الظاہر والباطن محقق عارف کے کلام میں یہ دونوں احتمال یقیناً منفی ہیں ہفتم جہاں کوئی مسئلہ محتاج تفصیل تھا یا
کسی شبہ کا دفع ضروری تھا یا کوئی فائدہ مہمہ مستنبط ہوتا تھا یا کسی آیت و حدیث یا خود مولانا کے دوسرے مقام کے کسی کلام یا دوسرے
اکابر کے اقوال سے کسی مضمون کا تعارض دفع کرنا مقصود تھا یا اور ایسا ہی کوئی امر مہم تھا اسکو بعد تقریر ترجمہ اصل مضمون کے حرف ف
بڑھا کر لکھدیا گیا اور حاشیہ پر اسکا مجمل عنوان تعبیری لکھدیا اگر ان عنوانات کو جمع کرلیا جاوے تو کتاب کے بڑے حصہ مضامین ضروریہ کی ایک
مفید فہرست تیار ہوسکتی ہے ہشتم بعض فوائد جو بلا واسطہ حضرت مرشدی علیہ الرحمہ سے سنے ہیں تتمیم فائدہ و زیادت اطمینان ناظرین و مزید
برکت و نیز تدوین ملفوظات کے لیے مع تصریح نسبت جابجا اضافہ کیے گئے اور وہی بھی فوائد و فصول جو حقیقت فن کے قواعد و اصول ہیں
اہل دانش ناکارہ کے سرمایہ جرأت ہیں اس ترجمہ پر ورنہ بڑھتا مگر وہ ایک برگ کاہ نہم اس تالیف میں نہ کسی محشی و شارح کا اتباع تقلیدی اور
اعتماد جامد کیا گیا ہے اور نہ کسی کے خلاف پر رد و قدح کا قصد کیا گیا ہے البتہ کسی ضروری تنبیہ سے کسی پر رد لازم آگیا ہو تو مجبوری ہے
دہم مولانا کے کلام میں جو روایات و احادیث مذکور ہیں انمیں جو میری نظر سے نہیں گذرے اپنی لاعلمی کی تصریح کردی اور جہاں اثباتاً یا نفیاً
تحقیق ہو سکی اسکی بھی تصریح کردی ہے مگر عدم ثبوت یا ثبوت عدم کے موقع میں بھی حتی الوسع اس مضمون کو دوسرے دلیل ثابت سے مؤید کردیا
اور بعض احادیث حضرت کے کلام میں آئی ہیں مگر ہر جگہ تخریج تلاش کرنے کا تعب مجھ سے نہ اٹھ سکا لیکن جو حدیث خوب یاد تھی وہی لایا ہوں
پس جس حدیث کی نسبت کچھ کلام نہ پایا جاوے اسکو میری یاد کی رو سے صحیح او ثابت سمجھا جاوے وہذا آخر ما اردت ایرادہ ہہنا۔ غرض
یہ مجموعہ بہیئت موجودہ بفضلہ تعالی اکثر مہمات مسائل سلوک و حقائق کا جامع اور بہت اغلاط و شبہات کا دافع ہے اللہ تعالی اسکو
بے علموں کے لیے آلہ علم اور اہل علم کے لیے محرک طلب اور اہل طلب کے لیے موجب ازدیاد بصیرت و طمانیت فرمادیں
وافوض امری الی اللہ ان اللہ بصیر بالعباد رقم بالغد من یوم ختم الترجمہ۔ فقط کتبہ محمد اشرف علی حنفی چشتی تھانوی۔

عارف باللہ حضرت مولانا جلال الدین رُومی رحمۃ اللہ علیہ کی نادر روزگار،
اور معرکہ آرا کتاب "مثنوی معنوی" کی جامع اور لاجواب شرح

کلیدِ مثنوی

حکیمُ الاُمّت مجدد الملت حضرت مولانا مُحمّد اشرف علی تھانوی نوراللہ مرقدہٗ

3

یہ وہ مقبول خاص و عام کتاب ہے کہ خواندہ ناخواندہ سب ہی اس سے دلچسپی لیتے ہیں مگر مضامین عالیہ ہونے کی وجہ سے مطالب سمجھنے میں بڑی دقت پیش آتی ہے اور بعض اوقات نوبت الحاد و زندقہ تک پہنچ جاتی ہے، حضرت حکیمُ الاُمّت نے اشعارِ مثنوی کو واضح کر کے اور مسائل تصوف کو عام فہم بنا کر نہایت خوبی سے سمجھا دیا ہے حقیقت یہ ہے کہ اِس سے معتبر اور شریعت و طریقت کا پاس و ادب رکھ کر مضامین کو حل کرنے والی کوئی اور شرح نہیں لکھی گئی

اِدارہ تالیفاتِ اشرفیہ
بیرون بوہڑ گیٹ
مُلتان

کلیدِ مثنوی

عارف باللہ حضرت مولانا جلال الدین رُومی رحمۃ اللہ علیہ کی نادر روزگار
اور معرکہ آراء کتاب "مثنوی معنوی" کی جامع اور لاجواب اُردو شرح

کلیدِ مثنوی

از:

حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہ

جلد ۳

یہ وہ مقبول خاص و عام کتاب ہے کہ خواندہ' ناخواندہ سب ہی اس سے دلچسپی لیتے ہیں۔ مگر مضامین عالیہ ہونے کی وجہ سے مطالب سمجھنے میں بڑی دقت پیش آتی ہے اور بعض اوقات نوبت الحاد و زندقہ تک پہنچ جاتی ہے۔
حضرت حکیم الامتؒ نے اشعارِ مثنوی کو واضح کر کے اور مسائل تصوف کو عام فہم بنا کر نہایت خوبی سے سمجھا دیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس سے معتبر اور شریعت و طریقت کا پاس ادب رکھ کر مضامین کو حل کرنیوالی اور کوئی شرح نہیں لکھی گئی۔

ادارہ تالیفاتِ اشرفیہ
بیرون بوہڑ گیٹ • مُلتان

ربع اول دفتر دوم

قال تعالی کما ارسلنا فیکم رسولا منکم یتلوا علیکم اٰیٰتنا و یزکیکم و یعلمکم الکتٰب والحکمة و یعلمکم ما لم تکونوا تعلمون

چوں در کریمہ صدر قولہ یتلوا و یعلمکم الکتٰب بر فضل علم نظم و معنی و قولہ یزکیکم بر شرف علم کلام و عقائد و علم سلوک و قولہ والحکمة بر مزیت علم اسرار و علم اصول دال با وضع بیان رسیدہ از آں جملہ فن تصوف کہ مشتمل بر سلوک و اسرار ست از علم دین نیک عیان ست باتفاق اہل مذاق مثنوی در کتب این فن خاص شان ست لٰکن از اغلاق بیش محتاج تبیان ست بناءً علیہ ایں شرح اردو کہ معنونش را

کلید مثنوی

عنوان ست ایں ربع اول از دفتر دوم از آں ست (بالفاظ و عبارت (مولوی) شبیر علی و مولوی حبیب احمد سلمہما اللہ کہ ہر یکے از ایشان برائے صاحب معانی یعنی حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب دام ظلہم بمنزلہ لسان ترجمان ست) در اصل متن را چناں حل کردہ کہ غایت الامکان ست و مسائل را بطورے تقریر نمودہ کہ ہم موافق تحقیق اہل اتقان و ہم مطابق حدیث و قرآن ست و اشکالات و اغلاط را بطرزے دور ساختہ کہ مورث اطمینان وامان و جابجا ملفوظات سیدنا الحاج شیخ امداد اللہ رحمہ اللہ کہ مطربِ آذان و منشط اذہان ست ہم در و بین سطور

حسب فرمائش

محمد شبیر علی مالک اشرف المطابع تھانہ بھون ضلع مظفر نگر باطبع رسید

تمهید کلید مثنوی دفتر دوم

بعد حمد ایزد و نعت نبی — عرضه دارد احقر اشرف علی
اول و سادس کلید مثنوی — چون نوشتم از فیوض مولوی
در دفاتر باقیه همت ندید — لاجرم از شرح او تن در کشید
لیک از اصرار بعض احباب صدق — که بند از فضل حق اصحاب صدق
طرز دیگر سهل گردم اختیار — گر زبان تقریر سازم درس وار
دیگران ضبطش کنند اندر قلم — بس همین سان شد شروع اندر رقم
آنچنانکه مثنوی چون در بهشت — مولوی گفت و حسام الدین نوشت
همچنین این نقش پاک از نقش رفت ع — بنده می گفتے و شبیرش نوشت
جذب ذوق و شوق شبیر علی — می کشد جان را بشرح مثنوی
جذب ذوق و شوق انعام اله — سوے شرح مثنوی بنمود راه
جذب ذوق و شوق آن احمد حسن — داد شرح مثنوی را جان و تن
جذب ذوق و شوق احمد با حبیب — مثنوی را مے کند شرح غریب
یافت از احمد حسن جلوه وقوع — نیز عزمم بعد فترت شد رجوع
گشت از شبیر در رقمش شروع — کرد انعام الله سامان شیوع
هم حبیبم دون وعد التزام — حاشیه بنگاشت در بعضے مقام
احمد و انعام و شبیر و حبیب — از شما شد بدرا این حل عجیب

ع فهرست بعضے از ایشان در اشعار آینده است ۱۲ منه ع یعنی از مخالفت شرع و درست چنانکه بعضے در حل او درین مبتلا میشوند ۱۲ منه ع باز ایشان را بعضے اعذار مانعه از طبعش پیش آمد لکن نیة المومن خیر من عمله ۱۲ منه

چون کشیدیم ازین رہ زابتدا	ہم بریدم از دعا تا انتہا
نیمہ از ماہ محرم رفتہ بود	کہ بہ جنبش آمد این دریاے جود
یک ہزار و سہ صد و سی و چہار	بود سال ہجرت خیر الخیار
یا معید و مبدی ہر انتظام	ما ہمہ را بخش توفیق ختام
طالبان را ہم بدہ زو نفع تام	ختم شد تمہید باقی والسلام

حاصل اِن اشعار تمہید یہ کا یہ ہے کہ جب بندہ کلید مثنوی دفتر اوّل و سادس کے لکھنے سے فارغ ہوا بقیہ دفاتر کی شرح کی ہمت اپنے اندر نہ پائی بعض احباب صدق نے جب اسمین زیادہ اصرار کیا تو بندہ نے ایک صورت سے اُسکا وعدہ کیا کہ مجھ سے کوئی صاحب پڑھ لین اور میری تقریر منضبط کرلین چنانچہ بعد مشورہ اِسکا انتظام اِس طرح ہوا کہ مین بیان کرتا تھا اور برخوردار شبیر علی برادرزادہ بندہ بالالتزام اور مشفقم مولوی حبیب احمد کرانوی بدون ع وعدہ التزام اُسکو روزانہ لکھ لیتے تھے ضرورت کے مواقع پر مین نے بھی دیکھ لینے کا وعدہ کر لیا تھا چنانچہ جن مواقع پر مجھ سے دیکھنے کی درخواست کی گئی مین نے دیکھا بھی برخوردار مذکور کی تحریر عام ناظرین کے لیے زیادہ مفید ہے اور مشفق موصوف کی تحریر اہلِ علم کے لیے زیادہ نافع ہے حق تعالیٰ سے دعاے تسہیل اختتام سب کام کرنیوالون کے لیے کرتا ہون فقط اشرف علی نصف محرم ۱۳۳۴ھ

نوٹ دونون عزیزون کی شرح پوری ہونے کے بعد دونون کے جمع کرنے کی یہ صورت قرار دی گئی کہ اول جلی قلم سے عنوان شرح حبیبی قائم کرکے مولوی حبیب احمد صاحب کی شرح کو چند اشعار کے متعلق لکھا پھر شرح شبیری کا عنوان قائم کرکے اُن ہی اشعار کی شرح کو لکھا پھر آیندہ اشعار کی شرح کو اسیطرح دونون عنوان قائم کرکے علی التعاقب لکھا وہکذا الی انتہاء الدفتر اور مجموعہ کا نام کلید مثنوی دفتر دوم مقرر رکھا گیا فقط۔

ع مگر پھر اُنھون نے بھی بالالتزام پوری شرح لکھی ۱۲ منہ

اشرف علی۔ آخر رجب ۱۳۳۴ھ

شرحِ حبیبی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حامدًا و مصلیًا - اما بعد واضح ہو کہ جب مولانا دفتر اول کی تکمیل سے فارغ ہوئے تو دوسرا دفتر فورًا شروع نہین ہوا بلکہ دو سال تک اسکا شروع موخر ہوگیا - اسکی ظاہری وجہ جو تذکرہ نویسون نے لکھی ہے - یہ تھی کہ مولانا حسام الدینؒ کی بیوی کا انتقال ہوگیا تھا اور وہ اسمین مشغول ہوگئے تھے چونکہ تحریر مثنوی مین اُنکو بھی دخل تھا - کہ وہی قلمبند کرنیوالے تھے اِس لیے کام اتنے عرصہ تک بند رہا - لیکن مولانا اِسکی دوسری وجہ بیان فرماتے ہین چنانچہ فرماتے ہین -

مدتی این مثنوی تاخیر شد	مہلتی بایست تا خون شیر شد
تا نزاید بخت تو فرزند نو	خون نگردد شیر شیرین خوش شنو
چون ضیاء الحق حسام الدین عنان	باز گردانید ز اوجِ آسمان
چون بمعراجِ حقائق رفتہ بود	بے بہارش غنچہا نشگفتہ بود
چون ز دریا سوے ساحل باز گشت	چنگ شعر مثنوی باساز گشت

(حل) خون استعداد علوم و معارف بشیر فعلیت و تحقق علوم و معارف معراج حقائق عروج روحانی لاقتناص الحقائق - بہار افاضہ غنچہاے نشگفتہ مضامین عالیہ جو ہنوز بیان مین نہین آئے - دریا - عالم ملکوت وجہ شبہ یہ ہے کہ جسطرح دریا دیکھنے مین متشابہ الاجزا معلوم ہوتا ہے اور اِسکے اجزا مین اختلاف بیّن نہین ہوتا - یہی شان عالم ملکوت کی ہے یا دریا سے مراد حق سبحانہ ہون - اُسوقت وجہ شبہ یہ ہوگی کہ جسطرح دریا سے متعارف پیاسون کو سیراب کرنیوالا - اور مایۂ حیات جسمانی ہے - یون ہی حق سبحانہ تشنگان وصال و قرب کو سیراب کرنیوالے اور مایۂ حیات روحانی و جسمانی ہر دو ہین اور ساحل سے مراد یا عالم ناسوت ہے -

للاختلاف البین فی اجزائہ یا مخلوق لعدم صفۃ البحر الحقیقی فیہ فی حد ذاتہ -

مولانا فرماتے ہین کہ ایک عرصہ تک نظم مثنوی مؤخر ہوگئی - اور ایسا ہونا بھی چاہیے تھا کیونکہ خون کے دودھ بننے اور علوم و معارف قوت سے فعل مین آنے کے لیے وقفہ کی ضرورت تھی - اِس لیے کہ ہر کام کے لیے ایک وقت معین ہوتا ہے اور اِسکے لیے وجود شرائط اور ارتفاع موانع کی ضرورت ہوتی ہے مثلاً پستان مین خون کے دودھ بننے کے لیے تولد ولد یا اُسکا قریب الولادۃ ہونا شرط ہے - اور ایسا نہ ہونا مانع - پس جبتک تیری خوش قسمتی سے تیرے گھر مین نیا بچہ نہ پیدا ہو یا عنقریب پیدا ہونیوالا نہ ہو اُسوقت تک خون پستان مین خوش مزہ اور شیرین دودھ نہین بن سکتا یون ہی یہان علوم و معارف کے ظہور کے لیے بھی کچھ شرائط اور کچھ موانع تھے پس جبتک نہ وجود شرائط اور ارتفاع موانع نہ ہوا اُنکا ظہور کیونکر ہو سکتا تھا تفصیل اِس اجمال کی یہ ہے کہ چونکہ مولانا حسام الدینؒ اقتناص حقائق کے لیے عالم ملکوت کو بعروج روحانی تشریف لے گئے تھے اور کسب علوم جدیدہ کے لیے متوجہ الی الحق تھے اِس لیے افاضہ حقائق سے معذور تھے کیونکہ جبتک استفاضہ نہ ہوا افاضہ کیونکر ہو سکتا ہے اور یہ جان اُنکے افاضہ کے مضامین عالیہ ظاہر نہ ہوے تھے اب چونکہ اُنھون نے عالم بالا سے اِس عالم کی طرف عنان توجہ کو منعطف کیا اور دریا سے

ساحل کی طرف لوٹے یعنی سکر و استغراق سے صحو مین آئے۔ اور متوجہ الی الخلق للحق ہوے تو شعر مثنوی کا چنگ باساز ہوا اور تحریر مثنوی کا انتظام مکمل ہوا (ف) مولانا حسام الدین مولانا کے پیر بھائی بھی ہین اور انسے مستفید بھی مولانا اُنکے نہایت معتقد ہین اور مثنوی کو اُنھین کے افاضات سے فرماتے ہین اور اِنکے کلام سے ظاہر یہ بھی ہے۔ کہ وہ حقیقۃً مفیض ہین۔ نہ کہ علی وجہ التسبب۔ اگر ایسا ہو بھی تو کچھ مستبعد نہین کیونکہ گو تکمیل انکی مولانا ہی سے ہوئی ہے لیکن اختلاف استعدادات کی بنا پر ایک مستفید کا مفید سے بڑھ جانا کچھ بعید نہین۔ پس اس مفید کا مستفید سے فی الجملہ مستفید ہونا بھی کچھ بعید نہین۔
ف ۲ چون بمعراج حقائق الخ گو نظم مین مؤخر ہے مگر مضمون کے لحاظ سے چون ضیاء الحق الخ پر مقدم ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شرح شبیری مدتے الخ۔ ایک مدت تک مثنوی کی تحریر مؤخر رہی۔ ایک عرصہ کی ضرورت تھی کہ خون دودھ ہو بالبیت بصیغہ ماضی مثنوی کا لکھنا ایک مدت تک موقوف رہا تھا اور اسکا سلسلہ بند ہو گیا تھا اِسکی وجہ یہ ہوئی کہ مولانا حسام الدین رح جنکے افاضات سے مولانا اس مثنوی کو سمجھتے ہین اور یہ سمجھنا خواہ انکساراً ہو یا واقعیت پر مبنی ہو اُنکی بیوی کا انتقال ہو گیا تھا۔ چونکہ وہ اُسکے رنج کی وجہ سے مشغول رہے اس لیے اِسکا لکھنا بھی موقوف ہو گیا۔ یہ وجہ تو تذکرہ نویسون کے بیان کی بنا پر تھی لیکن مولانا رومی رح کے کلام سے اِسکی ایک دوسری وجہ معلوم ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ مصرعہ ثانی مین خون سے مراد استعداد اور قابلیت کمال ہے اور شیر سے مراد فعلیت کمال ہے۔ پس فرماتے ہین کہ ایک مدت تک اِسکا لکھنا موقوف رہا اِس لیے کہ ایک مدت درکار تھی کہ استعداد و قابلیت سے درجہ فعلیت کمال حاصل ہو جیسا کہ خون مین اول استعداد و قابلیت دودھ بننے کی ہوتی ہے اور ایک مدت کے بعد وہ دودھ بنجاتا ہے پس مولانا حسام الدین رح کو ضرورت تھی کہ ان مین جو استعداد استفادہ کمالات کی عالم غیب سے تھی وہ حاصل ہو جاوے اور اِسکے بعد افاضہ علی الخلق کر سکین جس خلق مین کہ مولانا روم بھی شامل ہین اور اُن افاضات مین یہ مثنوی بھی داخل ہے پس حاصل نتیجہ یہ ہوا کہ اس مدت مین وہ استعداد درجہ فعلیت کو پہونچ گئی اور مولانا حسام الدین نے عالم غیب سے استفادہ کر کے اِس طرف افادہ کیے۔ توجہ کی بظاہر تذکرہ نویسوں کی وجہ اور مولانا کی وجہ مین تعارض معلوم ہوتا ہے کہ وہ تو مرگ زوجہ کو وجہ سمجھتے ہین اور یہ استغراق مولانا حسام الدین کو فرماتے ہین تو وجہ تطبیق یہ ہے کہ مولانا حسام الدین کو جو یہ استغراق ہوا ہوا اُس واقعہ کی وجہ سے ہوا ہو اور پھر اُس استغراق مین اِسقدر مدت تک اُنکے کمالات مین ترقی ہوتی رہی ہو اب یہان یہ بھی سمجھ لینا چاہیے کہ مولانا حسام الدین مولانا رومی کے پیر بھائی ہین اور مولانا سے مستفید بھی ہین مگر مولانا روم مثنوی کو ان ہی کے افاضات سے فرماتے ہین یہ یا تو بوجہ انکسار کے ہو یا کسیقدر واقعیت پر مبنی ہو اور صورت ثانیہ کی بناء پر یہ شبہ نہ کیا جاوے کہ جب مولانا سے مستفید ہین تو مولانا اُنکے لیے مثل شیخ کے ہوے تو اُن سے مولانا کو استفادہ کیسے ہو سکتا ہے اِس لیے یہ ممکن بلکہ واقع بھی ہے کہ مفید کو احیاناً مستفید سے کچھ حاصل ہوتا ہے سو بعض مرتبہ تو وہ فیض اور کوئی نفع ہی ہوتا ہے جو کہ مستفید سے حاصل ہوتا ہے اور بعض مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ بوجہ اُسکی طلب کے مفید کے ذہن مین وہ القاء ہو جاتا ہے جیسا کہ بعض مرتبہ ایک مقام مطالعہ کے وقت اُستاد کی سمجھ مین نہین آیا لیکن جب شاگرد کو پڑھانے بیٹھتا ہے تو فوراً سمجھ مین آ جاتا ہے دوسرا یہ شبہ بھی نہ کیا جاوے کہ جب مولانا حسام الدین کامل تھے جنکے کمالات بالفعل ہوتے ہین تو اُنکو اس استفادہ کی کیا ضرورت

جس کے لیے ان کو ایک مدت تک اس طرف توجہ کرنا پڑی اور یہ اس لیے نہیں ہو سکتا کہ کمال کے مراتب مختلف ہیں اور کسی کو ایک ہی وقت میں وہ سب مراتب حاصل نہیں ہو جاتے تو کامل میں بھی ممکن ہے کہ کوئی کمال جو پہلے حاصل نہ تھا وہ حاصل ہو اور اسمیں اول استعداد کا پھر فعلیت کا مرتبہ ہوگا اور گو باعتبار اس کمال کے جو ابھی حاصل نہیں ہوا ہے اس کامل کو بھی ناقص کہہ سکتے ہیں مگر چونکہ صوفیہ میں ادب بھی بہت ہے اسلیے کاملین کے حق میں نقص کا اطلاق نہیں کرتے اور انکو اس حالت میں ناقص نہیں کہتے بلکہ یوں کہتے ہیں کہ اول کامل تھے اب اکمل ہوگئے پھر اولیاء اللہ دو طرح کے ہوتے ہیں ایک وہ جو کہ کامل ہوتے ہیں مکمل نہیں ہوتے اور دوسرے وہ جو کامل مکمل دونوں ہوتے ہیں پس اول فرقہ کو تو خداوند تعالے عالم غیب سے استفادہ ہی میں مشغول رکھتے ہیں اور وہ دوسروں کو افادہ نہیں کرتے اور دوسری قسم اول خود استفادہ عالم غیب سے کرتے ہیں اسکے بعد افاضہ علی الخلق کرتے ہیں اور متوجہ الی الخلق ہوتے ہیں لیکن یہ توجہ الی الخلق للحق ہوتی ہے للخلق نہیں ہوتی جیسی کہ عوام کو ہوتی ہے پس اسیطرح مولانا حسام الدین نے علوم جدیدہ حاصل کرنیکے لیے اتنی مدت تک عالم غیب کی طرف توجہ کی اسکے بعد جب وہ استعداد مبدل بہ فعلیت ہوگئی تو پھر اس طرف توجہ کی اس شعر میں اس تاخیر کی حکمت اور علت مجملاً بیان کر دی آگے اسکو مفصل بیان کرتے ہیں۔

تا نزاید الخ جبتک کہ تیری خوش نصیبی سے فرزند جدید پیدا نہیں ہوتا اسوقت تک پستان مادر میں خون دودھ نہیں بنتا اوپر کے شعر میں خون سے استعداد کمال اور شیر سے مراد فعلیت کی ہے اب اسکو ظاہر کرکے اور ایک مثال ذکر فرماتے ہیں کہ دیکھو جب تک لڑکا پیدا نہیں ہوتا اسوقت تک خون سے دودھ نہیں بنتا اسیطرح جبتک حالت جدیدہ جو تربیت باطن میں دخیل اور مثل فرزند نو کے ہے حاصل نہیں ہوتی وہ استعداد درجہ فعلیت کو نہیں پہونچتی اور خون کا دودھ ہونا یا تو ولادت سے کچھ قبل ہوتا ہے تب تو زائد سے مراد قریب زائیدن ہوگا اور اگر بعد ولادت ہوتا ہے تو مراد ظاہر ہے یہ مسئلہ طبی ہے تحقیق نہیں۔

چون ضیاء الحق۔ یعنی جب مولانا ضیاء الحق حسام الدین حالت سکر سے حالت صحو کی طرف آئے (آگے چون ز دریا الخ اسکا بدل ہے اور اسکی جزا رچنگ شعر الخ اس مبدل منہ کی بھی جزا ہے اور درمیان میں شعر چون بمعراج حقائق الخ جملہ معترضہ کے طور پر ہے) اور چونکہ وہ اقتناص حقائق کے لیے عالم بالا کی طرف متوجہ تھے تو انکی عدم توجہ سے یہ غنچے نہ کھلے تھے جب وہ دریا سے ساحل کی طرف واپس آئے تو مثنوی کا سامان پھر مہیا ہوگیا۔ معراج بمعنے عروج معراج حقائق عروج لاقتناص الحقائق نہار مراد توجہ غنچہا مضامین عالیہ دریا عالم ملکوت ساحل عالم ناسوت مطلب یہ کہ چونکہ مولانا حسام الدین عالم غیب کی طرف متوجہ تھے اور انکی اس طرف کی کم توجہی سے یہ علوم عالیہ ظاہر نہ ہوسے تھے مگر جب انھوں نے اس طرف توجہ کی تو پھر مثنوی کا سامان مہیا ہوگیا اور اسکو شروع کر دیا گیا۔ اب یہاں یہ بھی سمجھو کہ صوفیہ توجہ الی الحق کو تو عروج

سے تعبیر کرتے ہین اور توجہ الی الخلق کو جوکہ للحق ہوتی ہے نزول سے تعبیر کرتے ہین دوسرے یہ سمجھو کہ صوفیہ عالم ملکوت کو دریا سے تشبیہ دیتے ہین اور عالم ناسوت کو ساحل سے تشبیہ دیتے ہین اس لیے کہ عالم ملکوت مین بھی باہم ایسا ہی تناسب ہی جس طرح اجزا دریا مین بھی باہم تشابہ ہوتا ہی اگرچہ دراصل ان مین بھی اشیاء مختلفہ ہوتی ہین گر بظاہر دیکھنے مین تو پانی ہی آتا ہی جوکہ ایک چیز ہی اور جس طرح عالم ناسوت کے اجزا مین تخالف ہوتا ہے اسی طرح ساحل پر بھی تشتت واختلاف اجزا زیادہ ہوتا ہی اس مقام پر ایک سوال مولوی انعام اللہ خان صاحب نے کانپور سے بھیجا اور صاحب درس نے اُسکا جواب لکھا بوجہ مفید ہونے اور اِس مقام کے مناسب ہونے کے بعینہ نقل کیا جاتا ہی **سوال** مثنوی کے دفتر کے خاتمہ اور اُسکی شرح سے یہ معلوم ہوا تھا کہ سامعین کی توجہ معانی کی طرف نہین رہی تھی جسکے سبب سے آمد معانی کا جوش نہین رہا تھا اور اسی لیے دفتر اول کے ختم ہونے کے بعد پھر دفتر ثانی جلد تر شروع نہین ہوا اور اب اِس دفتر دوم مین دوسری وجہ بیان فرمائی کہ مولانا حسام الدین کو اس مدت تک تحریر مثنوی کی طرف توجہ نہین ہوئی اس لیے تحریر مثنوی مؤخر رہی پس اب دفتر اول کے خاتمہ والی وجہ کو مانا جاوے یا دفتر دوم کے آغاز والی کو یا دونون کو اور اسکی تحریر وتطبیق کیا ہوگی)۔ **جواب** وجہ تطبیق یہ ہے کہ ابتدا توقف اُس سبب مذکور فی آخر الدفتر الاول سے ہوئی ہو اور امتداد توقف اس سبب مذکور فی اول الدفتر الثانی سے ہوا ہو فلا تعارض ۔

شرح حبیبی

مثنوی که صیقل ارواح بود　　　باز گشتش روز استفتاح بود
مطلع تاریخ این سودا و سود　　　سال هجری شش صد و شصت و دو بود
بلبلی زینجا برفت و باز گشت　　　بهر صید این معانی باز گشت
ساعد شه مسکن این باز باد　　　تا ابد بر خلق این در باز باد

مثنوی جوکہ ارواح کو زنگ صفات ذمیمہ سے صاف کرکے۔ انکے لیے حقائق ومعارف کا دروازہ کھولدینے والی ہی اُسکے تمامی کی طرف عود کا دن روز استفتاح یعنی رجب کی پندرہوین تاریخ ہی جب روز خانہ کعبہ کا دروازہ زائرین کے لیے کھولا جاتا تھا اور اِس متاع گرانمایہ اور سراسر نفع کی دوکان یعنی مثنوی جوکہ علوم ومعارف سراسر نفع سے مالا مال ہی اسکے شروع کی تاریخ سنہ ۶۶۲ چھ سو باسٹھ ہجری تھی کار مثنوی کے سرانجام ہونیکی وجہ یہ ہی کہ ایک بلبل یعنی عاشق الٰہی یا نادر علی اقتناص الحقائق (حسام الدین) یہان سے عالم بالا کو گئے اور متوجہ بحق ہوے۔ اور پھر نزول فرمایا اور متوجہ بخلق للحق ہوے۔ اور ان معانی کے شکار کے لیے بمنزلہ باز کے ہوگئے یعنی حق سبحانہ سے کسب حقائق کیا پھر ان حقائق کا ہم پر افاضہ فرمایا۔ اِس طرح یہ کام سرانجام ہوا۔ خدا کرے

بادشاہ کا ساعد ہمیشہ اس باز کا مسکن رہے۔ یعنی قرب الٰہی اُن کو ہمیشہ حاصل رہے اور یہ قرب الٰہی کا دروازہ اُنکی طرح اور مخلوق پر بھی کھلا رہے۔

شرح شبیری

مثنوی الخ یعنی مثنوی جو کہ ارواح کے لیے مثل ایک صیقل کے ہے اُس کے دوبارہ شروع ہونیکی تاریخ ۱۵۔ رجب تھی مثنوی کا صیقل ارواح ہونا تو ظاہر ہی یوم استفتاح رجب کی پندرہ تاریخ کو کہتے ہیں اس لیے کہ اُس زمانہ مین اُس تاریخ کو کعبہ کا دروازہ کھلا کرتا تھا اور اُسمین داخلی ہوا کرتی تھی۔ لہذا اُسکو یوم استفتاح کہتے تھے۔
مطلع تاریخ الخ یعنی ان علوم اور منافع کے دوبارہ شروع ہونیکا سنہ ۶۶۲ھ چھ سو باسٹھ ہجری تھا سود المعنی اسباب و متاع مراد علوم سود نفع مُراد نفع علوم یعنی کہ ان علوم اور اُنکے ثمرات کو دوبارہ سنہ ۶۶۲ھ مین شروع کیا گیا۔
بلبلے زینجا الخ یعنی ایک بلبل یہان سے گیا اور پھر واپس آگیا اور اب واپسی کے وقت ان معانی کے شکار کرنے کے لیے باز ہوگیا۔ مطلب یہ کہ مولانا حسام الدین جو کہ ان علوم کے اعتبار سے اول مانند بلبل کے تھے جو کہ شکار نہین کرتا اس عالم ناسوت سے عالم ملکوت کی طرف متوجہ ہوے اور جب وہان سے وہ واپس ہوے تو ان علوم کے حاصل ہوجانیکی وجہ سے وہ مثل باز کے ہوگئے جیسے کہ وہ شکار کرتا ہی اسیطرح یہ ان معانی کو شکار کرلائے۔
ساعد شہ الخ یعنی بادشاہ کی کلائی خدا کرے اس باز کی جائے گاہ ہو اور یہ دروازہ مخلوق پر ہمیشہ کھلا رہے چونکہ پہلے مولانا حسام الدین کو باز سے تشبیہ دی تھی اب کہتے ہین کہ خدا کرے مولانا کو کمال قرب حق حاصل رہے اور اس افاضہ کا دروازہ مخلوق پر (جسمین کہ خود مولانا بھی شامل ہین) کھلا رہے اور افاضہ ہوتا رہے یہان تک تو تاخیر کی حکمت اور علت بیان فرمائی جسکا کہ مجملاً ذکر اول شعر مین کردیا تھا کہ افادہ کے لیے اوّل استفادہ کی ضرورت ہوا کرتی ہی۔ بعدہ مفصلاً بیان کردیا کہ تاخیر کی وجہ مولانا حسام الدین کا استغراق اور توجہ الی عالم الغیب تھی اب آگے دوسرا مضمون شروع کرتے ہین اور اس قسم کے انتقالات مولانا کے کلام میں بہت ہوتے ہین اور اُنکو ماقبل سے ربط ضرور ہوتا ہی مگر بعض جگہ تو ربط سہولت سے سمجھ مین آجاتا ہی اور بعض جگہ بعد غور کے مگر یہان تو ربط ظاہر ہی کہ یہان تک اس تاخیر کی حکمت جنکا حاصل موانع وجود کتاب ہے بیان کرکے فرماتے ہین کہ بعد وجود کتاب کے اس کتاب کے استفادہ سے بعض موانع بھی ہوا کرتے ہین۔ پس فرماتے ہین

شرح حبیبی

آفت این در ہوا و شہوت ست	ورنہ اینجا شربت اندر شربت ست
این دہان بر بند تا بینی عیان	چشم بند آن جہان حلق و دہان
اے دہان تو خود دہان دوزخی	وے جہان تو بر مثال برزخی

شیر صافی پہلوئے جوہائے خون	توز باقی پہلوے دنیاکے دون
شیر کو خون می شود از اختلاط	چون دروگامی زنے بے احتیاط

مولانا نے اوپر دعا کی تھی کہ تقرب حق سبحانہ کا دروازہ خدا کرے مولانا حسام الدین کی طرح اوروں پر بھی کھلا رہے جس سے مفہوم ہوتا تھا کہ یہ نہایت اچھی چیز اور حاصل کرنے کے قابل ہے۔ اب اِس کے متعلق چند مفید باتین بتلاتے ہین۔ اور فرماتے ہین کہ قرب حق سے شہوت وہواے نفس بہت بڑا مانع ہے جسکے باعث ہر شخص اِس نعمت عظمیٰ کو حاصل نہین کرسکتا ورنہ یہ نہایت ہی لذیذ اور مزیدار شے ہے اگر اِن موانع کا غلبہ نہ ہوتا تو کوئی بھی اِسکو نہ چھوڑتا مقصود یہ ہے کہ ان موانع کو مرتفع کرنا چاہیے اور اِس دولت کو حاصل کرنا چاہیے آگے اسکا طریقہ بتلاتے ہین کہ بس مُنھ کو بند کر لے۔ اور تقلیل طعام وکلام کر یعنی نہ ضرورت سے زیادہ کھا اور نہ ضرورت سے زیادہ بول بجدید اس لیے نہین ہوسکتی کہ ضرورۃ بحسب اقتضائے احوال مختلف ہوتی ہے اگر تو ایسا کریگا تو تجھپر اسرار الٰہی منکشف ہون گے۔ خوب سمجھ لے کہ بہت بڑے حاجب اور چشم باطن کو اُس عالم کے مشاہدہ سے باز رکھنے والے یہ حلق اور دہان ہی ہین۔ جیسا کہ تدبیر سے معلوم ہوسکتا ہے۔ آگے فرماتے ہین کہ ارے مُنھ تو فی الحقیقت دوزخ کا دہانہ ہے یعنی تو دوزخ مین جانیکا بہت بڑا ذریعہ ہے۔ اور اے جہان تو ایک برزخ کی طرح ہے۔ کہ تو من وجہ مضر اور من وجہ نافع ہے۔ لہذا تو بین بین ہے نہ بالکل نافع اور نہ سراسر مضر اِس شعر کے پہلے مصرعہ مین تو حفظ دہن کی طرف اشارہ ہے اور دوسرے مصرعہ مین اشیاے عالم کے استعمال مین احتیاط پر تنبیہ ہے۔ آگے اِس مضمون کو کسی قدر واضح کرتے ہین۔ اور دوسرے شعر مین مماثلت برزخ کی تشریح ہے چنانچہ فرماتے ہین کہ مشابہ برزخ ہونیکی وجہ یہ ہے کہ اسمین دو وصف جمع ہین ایک ذہنیت اور مانع عن الحق ہونا۔ اور دوسرا ذریعہ معرفت الٰہی ہونا یا یون کہو کہ خون کی طرح مکروہ ہونا اور دودھ کی طرح مرغوب ہونا لہذا یہ بین بین ہے کہ نہ سراسر نافع ومرغوب ہے اور نہ بالکل مضر ومکروہ ہے اِس لیے برزخ کے مشابہ ہے اِس سے اگلے شعر مین تعلیم احتیاط ہے۔ اور فرماتے ہین کہ جب تو عالم مین بے احتیاطی سے قدم رکھے گا۔ اور اس کے استعمال مین حدود شرعیہ سے تجاوز کریگا تو ایک شے جو بشرط احتیاط تیرے لیے مفید اور فی نفسہ مرغوب تھی وہ ایک نامرغوب اور مکروہ شے کے ساتھ ملکر مکروہ ہو جائیگی۔ نماز فی نفسہ مرغوب اور مثل شیر ہے لیکن جب اِسمین نیت فاسدہ مثل ریا وغیرہ مل گئی جو ایک نامرغوب چیز اور مثل خون ہے تو اس سے وہ مرغوب نماز بھی نامرغوب ہو جائیگی اور بجائے طاعت کے معصیت ہو جائیگی۔ پس تمکو اسکے استعمال مین نہایت احتیاط چاہیے اور اسکے استعمال مین اتباع نفسانی سے نہایت احتراز چاہیے کیونکہ اِس سے بہت بڑے نتائج پیدا ہوتے ہین آگے اِس بے احتیاطی کی مثال سے اُسکے ضرر کو بیان کرتے ہین اور فرماتے ہین یک قدم زد آدم اندر ذوق نفس الخ۔

شرح شبیری

آفت این الخ۔ یعنی اس کتاب کی آفت جو استفادہ سے مانع ہے ہوا و شہوت ہیں ہے ورنہ اس جگہ تو شربت ہی شربت ہے آفت سے مراد دو ہوتی ہیں ایک موانع دوسرے نتائج بد جیسا کہ قول مشہور لکل شئی آفۃ وللعلم آفات میں بھی دو احتمال ہیں۔ یہاں بھی آفت کی دو توجیہ عقلاً محتمل ہو سکتی تھیں ایک تو یہ کہ اس کتاب سے ہوا و شہوت پیدا ہوتی ہے یہ تو نتائج بد ہیں مگر قرینہ مقام سے یہاں یہ مراد نہیں ہو سکتی۔ دوسرے یہ کہ اس کتاب کی تحصیل سے ہوا و شہوت مانع ہیں اور اگر یہ حجابات نہوں تو پھر تو آمین شربت ہی شربت یعنی معارف و علوم ہی ہیں اور معارف کی تشبیہ شربت سے بوجہ اُنکے مرغوب ہونیکے ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے (کما قالہ المولوی انعام اللہ) کہ مصرعہ اولیٰ میں در بمعنے دروازہ ہو جو اسکے شعر میں بھی مذکور تھا یعنی آفت این دروازہ مذکورہ ہوا و شہوت ہے

این دہان الخ۔ یعنی منھ کو بند کر تاکہ ظاہر غیر دیکھ سکو کیونکہ اُس جہان کے چشم بند اور حجاب تو یہ حلق اور دہان ہی ہے یہاں دہان کے بند کرنے سے دو مراد ہیں ایک تو قلتِ کلام دوسرے قلتِ طعام جیسا کہ آگے حلق اور دہان را تا اسپر شاہ ہے یعنی تم قلتِ کلام اور قلت طعام اختیار کرو تاکہ علوم و معارف کو ظاہر طور پر دیکھ سکو اور اُن سے عجب تو یہ زیادتی طعام اور کلام ہی ہیں۔ حلق سے مراد اکل ہے اور دہان سے مراد کلام ہے یہاں یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ چونکہ تبدل زمان سے تبدل امزجہ ہو جاتا ہے اور پھر اُن ہی کے مناسب معالجات بھی ہوا کرتے ہیں لہذا قلتِ طعام پہلے لوگوں کے لیے کہ وہ قوی ہوتے تھے مفید تھی لیکن آج کل صرف قلتِ کلام تو ضروری ہے مگر قلتِ طعام نہ کرے کہ پھر کام بھی نہ کر سکے گا۔

ای دہان الخ۔ یعنی اے منھ تو خود ایک دوزخ کا منھ ہے اور اے جہان تو خود مثل ایک برزخ کے ہے۔ دوزخ سے مراد پیٹ ہے یعنی اوپر جو کہا تھا کہ منھ کو بند کر دو تو فرماتے ہیں کہ اے منھ تو تو ایک دوزخ کا منھ ہے اور یا یہ معنے ہیں کہ چونکہ طعام و کلام ہی سے ہوتا ہے۔ لہذا دوزخ کے منھ کا راستہ ہونیکی وجہ سے اسکو دوزخ کہدیا گیا ہے۔ اب چونکہ شبہ ہو سکتا تھا کہ جب دنیا کی اور اُسکی متعلقات کی اسقدر مذمت کی تو پھر اُن سے بالکل علیحدہ رہنا ضروری ہوا لہذا اس شبہ کو رفع فرماتے ہیں کہ یہ جہان برزخ کی مثل ہے کہ جسطرح برزخ کا تعلق دونو جانب سے ہوتا ہے اسیطرح اِس جہان کا تعلق بھی نفع اور ضرر دونوں سے ہے اگر مطابق شریعت و طریقت کے اُس سے تعلق رکھا جاوے تو وہ مفید ہے ورنہ مضر ہے۔

نور باقی الخ۔ یعنی اِن دنیاوں کی ساتھ ساتھ ایک نور باقی و صافی ہدایت کا موجود ہے جسطرح کہ خون کی ندیوں کے ساتھ ساتھ دودھ ہوتا ہے یہاں مثالوں سے اُس برزخ کی تفسیر کرتے ہیں کہ جسطرح سے کہ دُنیا کے ساتھ ساتھ کہ وہ مضر ہے نور ہدایت کہ وہ مفید ہے لگا ہوا ہے اور اسیطرح سے خون کے ساتھ ساتھ کہ وہ نجس ہے شیر صافی لگا ہوا ہے خون کے ساتھ شیر کے لانیسے یہ بھی اشارہ ہے کہ جیسے مادۂ خون اور مادۂ شیر ایک ہے اسیطرح استعداد نفع و ضرر بھی ایک مادہ میں جمع ہیں اگر اُسکو صراط مستقیم پر چلکر استعمال کیا گیا تو وہ ہی نافع ہے ورنہ وہی مضر ہے مثلاً غضب کہ محل امر میں وہی نافع ہے اور محل نہی میں وہی مضر ہے۔

ہو جاوے یعنی اگر ایک قدم بھی حد احتیاط مراتب شرعیہ سے رکھو گے تو وہ تمہارا شیر صافی خون ہو جاویگا یعنی کہ اگر شریعت سے ایک قدم بھی باہر رکھو گے تو وہ خیر یعنی نفع مبدل بہ خون یعنی ضرر ہو جاویگا آگے اسکو ایک حکایت سے ثابت کرتے ہین کہ ؎ یک قدم زد آدم اندر ذوق نفس الخ۔

شرح حبیبی

یک قدم زد آدم اندر ذوق نفس ہمچو دیوان از وے فرشتہ میگریخت	شد فراق صدر جنت طوق نفس بہرنانے چند آب از چشم ریخت

دیکھو آدم علیہ السلام نے لذتِ نفس مین معمولی ہی مداخلت کی تھی لیکن اسکا یہ نتیجہ ہوا۔ کہ مفارقت مقام عالی جنت ایک مدت دراز کے لیے انکے گلے کا ہار ہو گئی۔ اور وہی آدم جنکے سامنے فرشتون نے سجدہ کیا تھا اب خود انہی کی یہ حالت ہو گئی کہ وہ ہی فرشتے اُنسے یون بھاگنے لگے جس طرح کہ وہ شیطان ملعون سے بھاگتے ہین یا یون کہو کہ جسطرح شیطان آدم علیہ السلام سے بھاگتا ہے یون ہی فرشتے بھی بھاگنے لگے مگر توجیہ اول قریب ہے اور تشبیہ ایک متنفر کو دوسرے متنفر سے ہے نہ کہ حضرت آدم علیہ السلام کو یا فرشتون کو شیطان سے فتدبر ولاتزل۔ اور دیکھو کہ چند دانہ گندم کے لیے۔ جو مادہ ہین روٹی کا کتنی مدت تک اُنکو رونا پڑا۔ ف یک قدم زد آدم اندر ذوق نفس۔ کی تشریح یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کو حق سبحانہ نے روکا تھا کہ دیکھو اس درخت کے پاس بھی نہ پھٹکنا اسمین سے کھانا تو درکنار۔ وہ ایک وقت معین تک اس حکم کا امتثال کرتے رہے۔ شیطان اپنی عداوت نہانی کے سبب حضرت آدمؑ کو ضرر پہونچانے کی فکر مین تو ہمیشہ ہی رہتا تھا مگر اسکو کوئی تدبیر نہ سوجھی تھی بالآخر اسکو ایک تدبیر سوجھی اور اُسنے حضرت آدم علیہ السلام سے کہا کہ اس درخت کے پھلون کے کھانے سے حق سبحانہ نے تمکو اس لیے منع کیا تھا کہ تم فرشتہ یا خالد فی الجنۃ نہ بن جاؤ۔ اور ممانعت کی وجہ یہ نہ تھی کہ حق سبحانہ کو تمہارا فرشتہ یا خلود فی الجنۃ بننا مقصود نہین بلکہ اصل وجہ یہ تھی کہ تم مین اُسوقت اسکی لیاقت نہ تھی۔ اب ماشاء اللہ اتنے دنون جنت مین رہ کر اور ذکر الٰہی کرکے قابلیت پیدا ہو گئی ہے لہذا اب کھا لینا مرضی حق سبحانہ کے خلاف نہین اور گو نہی بصورت مطلق ہے۔ مگر فی الحقیقت موقت بوقت استعداد قابلیت ہے۔ اور قسم کھا کر کہا کہ جو کچھ مین کہتا ہون محض تمہاری خیر خواہی سے کہتا ہون۔ میری کوئی ذاتی غرض نہین حضرت آدم علیہ السلام نے جب یہ پیچ دار تقریر سُنی تو چونکہ داؤن پیچ سے واقف نہ تھے۔ اور ملکیت یا خلود فی الجنۃ انکو زیادت قرب یا دوام قرب کے باعث مطلوب تھی۔ اس لیے اسکو کھا لیا اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ اس واقعہ مین نفس کا دخل صرف اتنا تھا کہ اسنے ایک منہی عنہ پھل کو کھانے کی خواہش کی اور حضرت آدم علیہ السلام نے اسکا اتباع یہ کیا کہ اسکو کھا لیا لیکن چونکہ وہ یہ جانتے تھے کہ یہ نفس کی شرارت ہے جو شیطان کے برانگیختہ کرنے سے پیدا ہوئی ہے بلکہ وہ اسکو قرب الٰہی کا ذریعہ سمجھتے تھے۔ نہ کہ معصیت۔ اور حق سے دور کرنیوالا

لہذا انھون نے گو واقع مین باتباع نفس کیا لیکن اسکو اقتضاء نفس جان کر نہین کیا اس لیے یہ انکی ایک
لغزش اور خطائے اجتہادی تھی جسپر وہ ایک اجر کے مستحق تھے نہ کہ حقیقۃً معصیت اور حق سے دور کرنیوالی
کیونکہ حقیقۃً معصیت وہ ہی جو دیدہ و دانستہ ہو۔ اب یہان ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہی کہ جب وہ ایک ثواب کے
مستحق تھے تو سزا کیسی اسکا جواب مولانا اگلے اشعار مین دیتے ہین اور کہتے ہین ؎ گرچہ یک مو بد گنہ کو جستہ بود

شرح شبیری

یک قدم الخ یعنی آدم علیہ السلام نے بظاہر ایک قدم ذوق نفس مین رکھا تھا اُسکا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک مدت تک جنت کے
مقام عالی سے علحدہ رہے یعنی آدم علیہ السلام کہ جن سے ہمکو کوئی نسبت نہین چہ نسبت خاک را با عالم پاک
پھر انھون نے کوئی زیادہ اور بہت بڑی نافرانی بھی نہ کی تھی بلکہ صرف ایک ذرا نافرمانی صرف صورۃً ہوگئی
تھی ورنہ حقیقت مین اُنکا فعل معصیت نہتھا جیساکہ خود خداوند تعالی فرماتے ہین آیۃ وقال ما نہٰکما ربکما عن
ہذہ الشجرۃ الا ان تکونا ملکین او تکونا من الخالدین وقاسمہما انی لکما لمن الناصحین فدلّٰہما بغرور الآیۃ کہ شیطان نے اُنکو دھوکا
دیا اور اُسنے یہ کہا کہ تکو جو منع کیا گیا تھا وہ اس لیے کہ کہین تم فرشتہ نہ ہو جاؤ اور ہمیشہ ہمیشہ جنت ہی مین نہ رہنے لگو
کیونکہ اُسوقت تم مین اِسکی قابلیت نہ تھی اور اکل من الشجرۃ کا یہ خاصہ ہی کہ یا فرشتہ ہو جاوے یا خالد ہو جاوے
پس اُسوقت بوجہ عدم استعداد نہی کی گئی اور اب استعداد ہوگئی ہی اب کچھ حرج نہین آدم علیہ السلام یہ نہ سمجھے کہ یہ نہی
گو بصورت مطلق عن قید الوقت تھی مگر فی الحقیقت موقت تھی استعداد ہو جانے تک اب چونکہ ہم مین استعداد تمام
(بوجہ اکرام اور اسقدر مدت جنت مین رہنے کے) ہوگئی ہی اس لیے اب نہی باقی نہ رہی اور اس خیال کو اُسکی
قسمین کھانے نے موکد کر دیا اور یقین دلا دیا کہ مین تمھارا خیر خواہ ہون اِس تقریر کے بعد یہ شبہ بھی رفع ہوگیا کہ انہاکما
ربکما عن ہذہ الشجرۃ الخ سے دو باتین صاف معلوم ہوئین ایک یہ کہ شیطان نے یاد دلا دیا تھا کہ اللہ تعالی نے
تکو اسکے اکل سے منع کیا ہی دوسرے گویا اُسنے یہ بھی بتلا دیا کہ خداوند کریم کو مقصود یہ ہی کہ تم فرشتے یا خالد نہ ہو
تو اُنھون نے باوجود یاد ہونے کے اور باوجود اس امر کے معلوم ہونے کے کہ ملکیت و خلود خلاف مرضی حق ہے
پھر رضائے خداوندی کے خلاف کیون کیا وجہ رفع ظاہر ہی کہ اُنکو تو یہ سمجھا دیا گیا تھا کہ تکو مطلقاً نہی ہے ہی نہین
اور اسیطرح مطلقاً فرشتہ بننے سے یا خالد ہونے سے روکنا مقصود نہین ہی۔ کیونکہ یہ دونون امر تو فی نفسہٖ محمود ہین
بلکہ ایک خاص وقت تک مقصود تھا جو کہ گذر چکا پس وہ دھوکے مین آگئے پس جب آدم علیہ السلام کو اس
امر کا یقین ہوگیا کہ اکل شجرہ کا خاصہ ہی کہ فرشتہ یا خالد ہو جاوے اور اُنکو یہ امر بوجہ دوام قُرب اور زیادتی قرب
مقصود تھا اور اُسکو اِس طرح حاصل ہوتے دیکھا اور نہی کے موبد کے شبہ کو ابلیس اپنی تلبیس اور تلمیع سے پہلے ہی
زائل کر چکا تھا اس لیے انھون نے اکل شجرہ کا ارتکاب کیا پس انھون نے ارتکاب خلاف کا کیا مگر بقصد خلاف
کے نہین بلکہ بغرض قُرب حق یہ تو حالت آدم علیہ السلام کی تھی اور ہم لوگ ارتکاب معاصی کرتے ہین بر

مقصد معصیت تو بھلا جب آدم علیہ السلام کے لیے باوجود انہیں اسقدر خصوصیات جمع ہونے کے فراق صدمۂ جنت ایک مدت تک ہوا تو ہمارا تو کیا حشر ہوگا اور طوق کہدینا باعتبار طول زمان بلا لزوم کے ہے اسلیے کہ طوق کبھی نہ کبھی تو گردن سے نکل ہی آتا ہے اور ہمارے حضرت حاجی صاحب قدس اللہ سرہ فرماتے تھے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے ارتکاب خلاف ہی نہیں کیا بلکہ انہوں نے ایک طاعت کی ہے جس سے انکی ترقی ہوئی حضرت نے یہ ایک بہت بڑا دعوی کیا ہے جسکو ثابت بھی فرمادیا خلاصہ اسکا یہ ہے کہ جنت مین حق تعالی کے اسمار جمالیہ کی تجلی تو آدم علیہ السلام پر تھی ہی ورا سماء جلالیہ کی بھی علماً تھی لیکن ذوقاً نہ تھی اس زلت سے یہ تجلی بھی آپ پر فائض ہوئی دوسرے بعض اسمار جمالیہ کی بھی تجلی جو کہ موقوف ہے اسمار جلالیہ پر ذوقاً نہ تھی اول کی مثال منتقم کی تجلی ثانی کی مثال تواب کی تجلی نیز ان تجلیات کے برکات وثمرات بھی علی درجۃ الکمال حاصل نہ تھے لیکن یہ فعل ان کے ترقی مراتب کا سبب ہوگیا جو طاعت سے مسبب ہے پس حکماً وہ فعل انکے حق مین طاعت ہوگیا اور قواعد ظاہرہ پر بھی خطاے اجتہادی پر ایک ثواب ملتا ہے۔ باقی صورت عتاب کی یہ مقربان را بیش بود حیرانی کی بنا پر ہے۔

همچو دیو الخ یعنی انسے فرشتے اسطرح بھاگنے لگے جس طرح کہ دیو یعنی شیطان سے بھاگتے تھے یا یہ کہ جسطرح سے دیو فرشتہ سے بھاگتا ہے اسیطرح ان سے فرشتے الگ رہنے لگے اور ایک روٹی کے واسطے بہت مدت تک روئے یہان تشبیہ صرف بھاگنے مین ہے نہ کہ آدم علیہ السلام یا فرشتہ کو دیو سے تشبیہ دینا مقصود ہے۔

شرح حبیبی

گرچہ یک مو بد گنہ کو جستہ بود		لیک آن مو در دو دیدہ رستہ بود
بود آدم دیدۂ نور قدیم		موے در دیدہ بود کوہ عظیم

حاصل جواب یہ ہے کہ واقعی یہ ایک بال کیطرح حقیر گناہ تھا جسکو خطاء اجتہادی کہتے ہیں اور اسپر وہ اجر کے مستحق تھے نہ کہ سزا کے لیکن بات یہ ہے کہ واقع مین یہ ایک نقص تھا جو حضرت آدم کے اندر پیدا ہوگیا تھا چونکہ حق کو نہایت محبوب تھے اور چونکہ حضرت آدم اپنی محبوبیت مین مثل آنکھ کے تھے اور وہ گناہ مثل بال کے اور آنکھ کا بال بھی ایک پہاڑ معلوم ہوتا ہے اسلیے حق سبحانہ کو منظور نہوا کہ انکے اندر اتنا نقص بھی ہو۔ لہذا اسکے دور کرنیکی تدبیر کی اور معتوب کیا تاکہ یہ اتنا عیب بھی نہ رہے اور اسکی تلافی ہوکر بالکل پاک صاف ہوجائین اور آیندہ کے لیے متنبہ ہوجائین کہ اس قسم کا کوئی اور نقص انکے اندر پیدا نہ ہو یہان تک اتباع ہونے کی مضرتون کا بیان تھا۔ اب اتباع ہوے سے بچنے کی تدبیر تبلاتے ہین اور فرماتے ہین کہ

گر در آن حالت بکردی مشورت الخ۔

شرح شبیری

گرچہ یک الخ۔ یعنی اگرچہ وہ گناہ ایک بال برابر تھا لیکن وہ بال دونوں آنکھوں میں جم آیا تھا مطلب یہ کہ اگرچہ وہ گناہ بہت ہی چھوٹا تھا اور بال کے برابر تھا مگر دیکھو وہی بال اگر جسم پر بجز چشم کے کسی جگہ بھی جم جائیں اور کتنے ہی بڑے بڑے ہو جاویں تکلیف دہ نہیں ہوتے مگر جو آنکھ میں ذرا سا بال بھی جم جاوے وہ کس قدر تکلیف دہ ہوتا ہے اسیطرح یہ گناہ بھی انکے حق میں عظیم ہو گیا اور گناہ کہدینا باعتبار ظاہر کے ہے یا عصی ربہ کا ترجمہ کیا جاوے ورنہ اصل میں تو وہ گناہ تھا ہی نہیں بلکہ بقول حضرت حاجی صاحبؒ طاعت تھی جیسا کہ گذرا۔

بود آدم الخ یعنی آدم علیہ السلام نور قدیم کی چشم (یعنی دیکھنے والے) تھے اور آنکھ میں بال کا ہونا ایک بڑے پہاڑ کیطرح ہوتا ہے یہاں دیدۂ نور قدیم سے اللہ تعالیٰ کی آنکھ اور عین اللہ ہونا مراد نہیں ہے بلکہ مراد یہ ہے کہ آدم علیہ السلام نور قدیم کے دیکھنے والے مثل چشم کے اور مقربین بارگاہ میں سے تھے اِسلیے انکا یہ بال برابر گناہ بھی ایک کوہ عظیم کے برابر ہو گیا بمضمون حسنات الابرار سیئات المقربین تو جب آدم علیہ السلام کو ایک قدم الگ رکھنے سے یہ ہوا تو ہم تو پھر کہاں رہیں گے واللہ اعلم بالصواب۔ اور دیدۂ نور قدیم کی ایک توجیہ (کما قالہ المولوی انعام اللہ) یہ بھی ہو سکتی ہے کہ انکی ذات مثل آنکھ کے تھی اور ذات قدیم کا نور اسمیں سمایا ہوا تھا یعنی وہ نور الٰہی کے مظہر تھے انتہیٰ۔

شرح حبیبی

گر دران حالت بکردی مشورت ۔ در پشیمانی نگفتے معذرت

یعنی اگر حضرت آدم علیہ السلام اس حالت میں جبکہ ابلیس انکو مخالفت حکم خداوندی کی ترغیب دے رہا تھا۔ حق جل شانہ سے استفسار کر لیتے کہ یہی بات ہے جو ابلیس کہہ رہا ہے یا اسمیں اسکا دھوکا اور ضلال ہے تو انکو نادم ہو کر معذرت کرنیکی نوبت نہ آتی کیونکہ ایسی حالت میں اس مخالفت امر الٰہی کی نوبت ہی نہ آتی جو مبنیٰ ہے۔ اِس معذرت کا۔ تو حاصل یہ ہے کہ احکام الٰہی سے واقفیت کی ضرورت ہے۔ اور یہ واقفیت کہیں بلا واسطہ اور براہ راست حق سبحانہ وتعالیٰ ہی سے ہوتی ہے اور کبھی بواسطہ کسی ہادی کے حضرت آدم علیہ السلام کو یہ معرفت بلا واسطہ حاصل ہو سکتی تھی۔ اِس لیے انکو حق سبحانہ سے استفسار چاہیے تھا۔ اور جہاں یہ ممکن نہ ہو۔ وہاں دوسری صورت ہے۔ یعنی ہادی و مرشد سے استفسار جسکی طرف مولانا نے اگلے شعر میں اشارہ کیا ہے آگے در پشیمانی نگفتے معذرت کی دلیل بیان فرماتے ہیں اور کہتے ہیں ۵ زانکہ با عقلے چو عقلے جفت شد الخ۔

شرح شبیری گر دران الخ یعنی اگر اُس حالت میں مشورہ کر لیتے تو پھر پشیمانی کی وقت معذرت کی نوبت نہ پہونچتی اوپر سے مولانا نے ہوا و شہوت میں پھنسنے کو مذموم فرمایا ہے اور اسکو ایک حکایت بیان کر کے ثابت فرمایا ہے کہ ہوا و شہوت میں پھنسنے سے یہ نتیجہ ہوا کہ حضرت آدم علیہ السلام جن سے بظاہر ایک لغزش ہو گئی تھی اور درصل وہ لغزش بھی نہ تھی اُنکے لیے مضار پیش آئے اور اُس سے صحبت بد کا مضر ہونا بھی ثابت ہو گیا لہٰذا اب اُس سے انتقال فرماتے ہیں اور اسکی مناسبت سے دوسرا مضمون شروع کرتے

ہین اور وہ یہ کہ اس ہوا و شہوت سے بچنے کی اور صحبت بد سے الگ رہنے کی تدبیر بتلاتے ہین کہ اگر اس حالت
مین جبکہ اسمین مبتلا ہونے کو تھے حق تعالی سے مشورہ کر لیتے تو بعد مین پشیمان ہو کر معذرت کی ضرورت نہ ہوتی۔
یہان حق تعالی کے ساتھ مشورہ کرنا صرف خصوصیت آدم علیہ السلام کی وجہ سے ہے کیونکہ وہ بلاواسطہ تلقی عن الحق
کر سکتے تھے مگر مقصود اس سے یہ ہے کہ طالب کو چاہیے کہ ہوا و ہوس سے بچے اور شریعت سے الگ نہ ہو اور تدبیر اسکی
یہ ہے کہ تلقی عن الحق کرے خواہ بلاواسطہ جیسے کہ انبیا علیہم السلام کر سکتے ہیں اور خواہ بواسطہ مرشد کے غرضکہ مقصود
مولانا کا بیان سے یہ ہے کہ جب ابلیس مخالفت حکم خداوندی کی ترغیب دے تو تم اس سے اس طرح بچو کہ تلقی
عن الحق کرو اور خداوند کریم سے پوچھ لو کہ اسپر عمل کرنا درست ہے یا نادرست اور خداوند کریم سے پوچھ لینا باعتبار ہمارے شریعت
الٰہیہ پر منطبق کر لینا ہے پس بیان سے ترغیب ہوئی صحبت نیک کی اور تدبیر ہے صحبت بد سے بچنے کی دوسرے
مصرعہ مین فرماتے ہین کہ اگر وہ تلقی عن الحق کر لیتے تو پھر پشیمان ہو کر انکو معذرت کی نوبت نہ آتی اسلئے یہ معنی نہین
کہ انکو پشیمانی تو ہوتی مگر معذرت نہ کرتے جیسا کہ ظاہر الفاظ سے متبادر ہوتا ہے بلکہ معنے یہ ہین کہ وہ پشیمانی بھی نہوتی
اور وہ لغزش ہی سرزد نہ ہوتی جس سے کہ معذرت کی نوبت پہنچتی۔ اب مقصود مولانا کا یہ ہوا کہ حق تعالی سے تلقی احکام
کرنی ضروری ہے یا بواسطہ مرشد کے اور اہل اللہ کے یا بلاواسطہ (جیسا کہ اس مقام پر ہے) تو پھر ندامت کی حاجت نہو
آگے اسکی دلیل بیان کرتے ہین ۔ کز انکہ با عقلے چو عقلے الخ

شرح حبیبی

آنکہ با عقلے چو عقلے جفت شد		مانع بد فعلے و بد گفت شد

یعنی حضرت آدم کو معذرت کی نوبت نہ آتی کیونکہ یہ قاعدہ ہے کہ جب ایک عقل یعنی عقل مستفیض عقل مفیض کے ساتھ
مقرون ہوگئی تو وہ صدور اقوال بد و افعال ناشائستہ سے مانع ہو جاتی ہے خواہ افعال بد افعال قلوب ہون یا افعال جوارح
کیونکہ مطلب مشورہ تو عمل ہی کے لیے ہوگا اور جب مشورہ نیک ہوگا۔ اور مستشیر کا قصد اس نیک مشورہ پر عمل کرنیکا
ہوگا تو اسکا نتیجہ افعال و اقوال سئیہ سے احتراز ضروری ہے اور عقلے با عقلے جفت شد مین اسی کی طرف اشارہ ہے کہ
اقتران عقلین یون ہونا چاہیے کہ مستفیض کی عقل بحیثیت استفادہ اور بقصد عمل مقرون ہو ساتھ مفیض کی عقل من حیث
الافادۃ۔ و مشورہ نیک۔ جب قاعدہ یہ ٹھہرا۔ تو اگر حضرت آدم علیہ السلام اس ذات منزہ عن شوائب النقص سے
استصواب کرتے جسمین احتمال خطا بھی نہین تو ہرگز یہ نوبت نہ آتی اس تقریر سے وہ شبہ بھی مندفع ہوگیا کہ حق
جل شانہ کے لیے عقل کا اطلاق جائز نہین کیونکہ یہان عقلے سے عقل ہادی و رہنما مراد ہے نہ کہ عقل حق سبحانہ۔
یہانتک صحبت نیک کی ترغیب تھی تاکہ آدمی اسکے منافع سے بہرہ ور ہوسکے۔ آگے صحبت بد سے احتراز کی ترغیب ہے
تاکہ وہ اسکے برے نتائج سے محفوظ رہے۔ اور فرماتے ہین۔ ے نفس چون با نفس دیگر یار شد الخ

شرح شبیری	آنکہ الخ یعنی جبکہ ایک عقل کے ساتھ دوسری عقل قرین ہوگئی اور مل گئی تو اب بد فعلی اور بد گوئی سے مانع ہوگی یہان سے مضمون شعر بالا کی دلیل بیان کرتے

ہین کہ جب ایک عقل دوسری عقل کے ساتھ مل جاتی ہے تو پھر بدقولی اور بدفعلی سے کہ یہی گناہ کے اقسام ہین اور گناہون کی بھی جڑ ہے۔ رہائی ہوجاتی ہے اور وہ دوسری عقل ملکر ان برائیون اور گناہون سے مانع ہوجاتی ہے یہان یہ شبہ نہ ہو کہ عقل کا اطلاق خداوند تعالیٰ پر کسطرح جائز ہے کیونکہ اسماء خداوندی بالکل توقیفی ہین اور شرع مین جو اسمار آگئے ہین اُنکے علاوہ اُن امور کا جو کہ خداوند تعالیٰ کی صفات کے مُشابہ ہون اطلاق کردینا جائز نہین ہے۔ جواب یہ ہے کہ شعر بالا کی شرح مین بیان کردیا گیا ہے کہ تلقی عن الحق بواسطہ بھی ہوسکتی ہے اور بلاواسطہ بھی تو خصوصیت آدم کی وجہ سے شعر بالا مین تو تلقی بلاواسطہ مراد تھی مگر یہان تلقی بواسطہ مرشد کے اور اہل اللہ کے مراد ہوگی تو اب مطلب یہ ہوگیا کہ جب تمھاری عقل کے ساتھ مرشد کی عقل بھی ملجاویگی تو پھر ہوا و شہوت سے مانع ہوجاویگی یہان با عقلے جو عقلے کہنے سے یہ بھی بتلادیا کہ صرف مرشد کی عقل ہدایت کے لیے کافی نہین ہوتی۔ بلکہ جب تمھاری عقل بھی اُسکے ساتھ ملجاویگی اور تم خود بھی چاہوگے کہ کام کرو اُسوقت ہدایت ہوسکتی ہے اور اُسوقت ممانعت عن الاقوال والافعال السیئہ ہوسکتی ہے لہذا یہ شعر نگفتے معذرت کی دلیل ہوگئی کہ آنکو معذرت کرنے کی نوبت اِسلیے نہ آئی کہ آنکی عقل اور مرشد کی عقل ارتکاب ہوا سے مانع ہوجاتی پس یہان عقل سے مراد عقل رہنما مرشد ہے۔

یہان تک صحبت نیک کی ترغیب دلائی اور اُسکے منافع بتلائے آگے صحبت بد کا ضرر بتلاتے ہین کہ نفس چون با نفس الخ۔

شرح حبیبی

نفس چون با نفس دیگر یار شد	عقل جزوی عاطل و بیکار شد

یعنی جسطرح صحبت عارف منبع خیرات و برکات ہے یون ہی صحبت اشرار منشاء شرور و مفاسد ہے۔ اِسلیے کہ جب ایک داعی الی الشر دوسرے داعی الی الشر سے قرین و مصاحب ہوتا ہے تو وہ جو اُسکی عقل ناقص ہوتی ہے وہ بھی معطل و بیکار ہوجاتی ہے کیونکہ وہ اگر کام دیسکتی ہے تو اُسیوقت جبکہ اُس سے کام لیا جاوے اور اُس سے کام لینے کا مانع یعنی خواہشات نفسانی کا غلبہ اول تو خود اُسکے اندر ہی موجود ہے پھر اُسکے ساتھ مانع خارجی کا اضافہ اور ہوگیا کہ داعی الی الشر کے ساتھ مناوست و مصاحبت ہے جسکا نتیجہ یہ ہوگا کہ اگر کسیوقت ہوائے نفسانی کو اُسنے مغلوب بھی کرلیا تو وہ مصاحب اِسکو تقویت پہنچا کر پھر اِسکی کمزور عقل کو مغلوب کردیگا۔ یہان سے پھر صحبت نیک کی ترغیب کی جانب انتقال فرماتے ہین اور فرماتے ہین ؎ گر ز تنہائی تو ناامیدی شوی الخ۔

شرح شبیری

نفس چون الخ یعنی کہ جب ایک نفس دوسرے نفس کے ساتھ ہوگیا تو وہ عقل جزوی یعنی ناقص بھی بیکار ہوگئی اوپر کہا ہے کہ جب ایک عقل دوسری عقل کے ساتھ ملجاویگی تو وہ مانع ہوجاویگی بدافعالی اور بداقوالی سے اب فرماتے ہین کہ جب نفس یعنی داعی الی الشر دوسرے

نفس یعنی داعی الی الشر سے ملجاویگا اور دو داعی الی الشر مجتمع ہو جاوینگے تو وہ عقل ناقص بھی جو کہ تنہا اور ابھی ناقص تھی جاتی رہیگی لہذا صحبت بد سے بچنا ضروری ہی اور صحبت نیک حاصل کرنا ضروری ہوا تاکہ اسکی عقل ناقص مرشد کی عقل کامل کے ساتھ ملکر دافع ازہوا و ہوس ہو جاوے آگے بھی یہی مضمون اتباع مرشد کو بیان فرماتے ہین ؎ کہ گرز تنہائی تو ناہید ے شوی الخ۔

شرح حبیبی

زیر ظل یار خورشید ے شوی	گرز تنہائی تو ناہید ے شوی

یعنی صحبت نیک تنہائی سے بھی زیادہ سود مند ہی۔ چہ جائیکہ صحبت بد۔ کیونکہ اگر تو تنہائی سے کمال مین مثل مشتری کے ہوگیا ہی۔ تو کسی محقق مرشد ہادی کے زیر سایہ اور اسکی صحبت مین خورشید کے مثل کامل النور ہو جاوے گا آگے اسی کی تاکید ہی اور فرماتے ہین ؎ رو بجو یار خدائی را تو زود الخ۔

شرح شبیری

گرز تنہائی الخ یعنی اگر تو تنہائی و انفراد کی وجہ سے مثل ناہید (یعنی مشتری مراد ستارہ خورد) کے ہوگا تو یار کے سایہ مین آکر خورشید کی طرح ہو جاویگا یعنی اگر انفراد اور تنہا ہونیکی وجہ سے تم مین نقص آگیا ہی اور تم ایک چھوٹے ستارہ کی طرح رہ گئے ہو جسمین کہ چمک دمک بہت ہی کم ہوتی ہی تو یار یعنی مرشد کے سایہ مین آجاؤ اور انکا اتباع کرو تاکہ انکے اتباع سے مثل خورشید کے کامل النور ہو جاؤ خورشید سے مراد کامل النور اور ناہید سے مراد ناقص النور ظل سے مراد اتباع ہی مطلب یہ ہوا کہ کسی شخص کی صحبت حاصل کرو کہ اسکے فیوض و برکات کی وجہ سے ایکدن تم مین وہ نور جو اسوقت ناقص ہی کامل ہو جاویگا اور قرب حق حاصل ہو جاویگا جو مطلوب ہی اور اسکی وہ تقریر بھی ہو سکتی ہی جو شرح حبیبی مین مذکور ہی (ولعلہ احسن من ہذا) آگے اسی مضمون کو بہت صاف الفاظ مین بیان فرماتے ہین کہ رو بجو یار خدائی را تو زود الخ۔

شرح حبیبی

چون چنان کردی خدا یار تو بود	رو بجو یار خدائی را تو زود

یعنی جبکہ تجھے صحبت عارف محقق کے فوائد معلوم ہوگئے۔ تو جا۔ اور کسی محقق خداشناس کو جس سے تو محض خدا کے لیے صاحبت و منادمت اختیار کرے ڈھونڈھ۔ جب تو نے ایسا کیا تو خدا تیرا یار ہوگا کیونکہ جب یہ صحبت محض خدا ہی کے لیے ہے تو گویا خدا ہی کے ساتھ ہی۔ یا یہ کہ گو اسوقت تو صحبت با عارف ہی مگر اسکا نتیجہ یہ ہوگا۔ کہ یاری خدا حاصل ہوگی۔ آگے ان لوگون پر رد فرماتے ہین جو ہر حالت مین عزلت کو ضروری خیال کرتے ہین اور فرماتے ہین ؎ آنکہ در خلوت نظر بر دوختست الخ۔

شرح شبیری رو بجو الخ - یعنی جا اور کسی یار خدائی کو بہت جلد تلاش کرلے اور جب تو نے ایسا کر لیا تو پھر خداوند تعالی تیرا یار ہو گیا۔ یار خدائی سے مراد وہ یار جو خدا کے واسطے ہو اور محبوب حق ہو ور منسوب الی الحق ہو مطلب یہ کہ جب معلوم ہو گیا کہ صحبت نیک کی تحصیل ضروری ہے اور صحبت بد سے بچنا بھی ضروری ہے تو اب کسی خدا والے کو تلاش کرلے جسکی صحبت مین رہ کر اور جسکے ساتھ مل کر تو اُس نقص کو پورا کر سکے اور جب تو نے اسکو تلاش کر لیا اور اُسکا اتباع کیا تو پھر خداوند کریم تمھارے ساتھ اور تمھارا یار ہو گیا یعنی پھر قرب خداوندی تم کو حاصل ہو جاوے گا ور واصل الی اللہ ہو جاؤ گے آگے بھی یہی مضمون ہے کہ اگر ایسا شخص ڈھونڈھ لو تو پھر اُسکی صحبت خلوت سے بہتر ہے فرماتے ہین سہ آنکہ در خلوت نظر بردوخت است الخ

شرح حبیبی

آخر آنرا ہم زیار آموخت ست	آنکہ در خلوت نظر بردوخت ست

یعنی جن لوگون نے خلوت ہی کو اپنا مطمح نظر بنایا ہے اور ہر صحبت سے اجتناب ضروری سمجھا ہے انہون نے اِس خوبی عزلت کو بھی تو آخر کسی یار محقق و عارف ہی سے سیکھا ہے پس اگر صحبت مطلقاً نا محمود ہوتی تو یہ نکتہ انکے کیسے ہاتھ لگتا پس معلوم ہوا کہ ہر عزلت قابل اختیار و ہر صحبت قابل ترک نہین۔ آگے عزلت و صحبت کے محال و مواقع کی تعیین و تفصیل فرماتے ہین اور فرماتے ہین خلوت از اغیار باید نے زیار الخ۔

شرح شبیری آنکہ الخ - یعنی جس شخص نے کہ خلوت ہی مین نظر کو سی رکھا ہے اور وہ مطلق خلوت ہی کو ترجیح دیتا ہے آخر اسنے یہ بات (کہ خلوت کو ترجیح ہے) یار ہی سے تو سیکھی ہے تو پھر اس سے کیون الگ ہوتا ہے مطلب یہ ہے کہ نہ خلوت مطلقاً اچھی ہے جیسا کہ بعض لوگ سمجھتے ہین۔ اور نہ جلوت مطلقاً اچھی بلکہ ہر شے کا ایک محل ہوتا ہے تو خلوت ہی کو مطلقاً ترجیح دینا اچھا نہین ہے کیونکہ آخر یہ بات کہ خلوت بہتر ہے کہان سے سیکھی ہے۔ یہ بھی تو اُس یار ہی سے یعنی مرشد ہی سے سیکھی ہے تو پھر اُسکی صحبت سے اعراض کرنا معقول نہین مع مقصود مولانا کا یہ بتلانا ہے کہ مرشد کی صحبت ضروری ہے اور اِس سے خلوت کرنے مین نقصان ہے کہ فیوض و برکات کو مرشد سے حاصل نہ کر سکے گا یہان سے راغبین الی العزلت مطلقاً کا رد بھی ہو گیا اب آگے خود اُس محل کو بتلاتے ہین کہ خلوت کا محل کیا ہے فرماتے ہین کہ خلوت از اغیار باشد نے زیار الخ۔

شرح حبیبی

پوستین بہر دے آمد نے بہار	خلوت از اغیار باید نے زیار

یعنی صحبت و عزلت ہر دو مفید ہین۔ مگر اپنے اپنے محل پر اغیار اور ناجنسون سے عزلت چاہیے تاکہ انکی شر سے

محفوظ رہے نہ کہ یار۔ اور ایسے شخص سے جو قطع منازل الی الحق کے لئے اس کا ممد و معاون اور رہبر ہو۔ مثلاً پوستین کی ضرورت فصل خزان مین ہوتی ہی تاکہ اسکے اثر بد سے محفوظ رہے نہ کہ فصل بہار مین۔ کہ اس کے اعتدال اور آثار محمودہ سے انتفاع مقصود ہوتا ہی۔ آگے پھر صحبت نیک کا فائدہ بیان فرماتے ہین عقل با عقل دگر دوتا شود الخ۔

شرح شبیری خلوت الخ۔ یعنی خلوت تو اغیار سے چاہیے نہ یار سے دیکھو پوستین موسم سرما مین ہی مناسب ہوتی ہی نہ بہار مین دے سے مراد موسم سرما ہی کہ وہی موسم خزان ہوتا ہی اور بہار سے مراد موسم گرمی ہی مقصود یہی ہی کہ ہر شے کے لئے ایک محل اور موقع ہوتا ہی پس خلوت اور عزلت کا بھی ایک موقع اور محل ہی اور وہ یہ کہ خلوت اغیار سے ہونی چاہیے جو کہ حق سے غافل کر دیتے ہین اور یار سے یعنی مرشد سے خلوت نہ ہونا چاہیے جیسا کہ دیکھو پوستین بھی اپنے محل پر یعنی موسم سرما مین ہی مناسب معلوم ہوتا ہی۔ اور موسم گرما مین اچھا معلوم نہین ہوتا۔ اسی طرح اگر خلوت اور عزلت بھی اپنے محل پر نہ ہو یعنی مرشد سے علیحدگی ہو تو یہ مضر ہی اور مناسب نہین یہان مولانا جلوت اور عزلت کے درمیان مین فیصلہ فرما رہے ہین کہ پس اغیار سے خلوت چاہیے اور مرشد کی صحبت اختیار کرنی چاہیے جیسا کہ حدیث مین ہی بالکل اوسکا مصداق ہی الوحدة خیر من الجلیس السوء والجلیس الصالح خیر من الوحدة۔ اور حضرت حاجی صاحب قدس سرہٗ بھی فرمایا کرتے تھے کہ خلوت از اغیار نہ از یار۔ شاید حضرت بھی اسی سے فرماتے ہون آگے پھر اوسی مضمون کو فرماتے ہین کہ جب دو عقل باہم مل جاوینگی تو ان مین قوت ہو جاویگی اور مانع ہوا اور شہوت سے ہون گی پس فرماتے ہین کہ عقل با عقل دگر دوتا شود الخ۔

شرح حبیبی

عقل با عقل دگر دوتا شود	نور افزون گشت رہ پیدا شود

یعنی صحبت نیک کا یہ فائدہ ہی کہ ایک عقل نورانی جو کہ مستفیض کو طلب حق کی طرف رہنمائی کرتی ہی اور اس کو عمل پر آمادہ کرتی ہی جب دوسری عقل نورانی کی ساتھ مصاحب ہو گی جو کہ خود بھی راہ حق سے واقف ہی اور دوسرون کی بھی رہنمائی کرتی ہی۔ تو دو نورانی چیزون کے ملنے سے نور زیادہ بڑھیگا اور نور علی نور کی کیفیت پیدا ہو کر راہ حق بالکل واضح ہو جائیگی پس معلوم ہوا کہ مستفیض کی عقل کی بھی ضرورت ہی مگر عمل کے لئے اس سے اون لوگون کے خیال کی غلطی بھی ظاہر ہو گئی۔ جو صرف مرشد کی توجہ کو کافی سمجھتے ہین اسکے بعد اسکی صحبت بد کی مذمت فرماتے ہین اور مضمون سابق کا اعادہ فرماتے ہین نفس با نفس دگر خندان شود الخ۔

شرح شبیری عقل الخ۔ یعنی ایک عقل کی ساتھ دوسری عقل ملکر مضاعف ہو جاتی ہین تو پھر نور بڑھ جاتا ہی اور راہ ظاہر ہو جاتی ہی عقل اول سے اپنی عقل اور عقل ثانی سے مراد مرشد اور رہنما کی عقل مطلب وہی کہ صحبت نیک اختیار کرنا ضروری ہی اسلئے کہ اگر تمھاری عقل کی ساتھ مرشد کی عقل مل جاوے گی تو اوسمین قوت زیادہ ہو جاویگی اور یہان بھی عقل با عقل دگر فرمانے سے یہی مراد ہی کہ جو لوگ صرف مرشد کی ہمت اور توجہ کو کافی سمجھتے ہین اور وہ کچھ کرنا نہین چاہتے وہ بالکل غلطی پر ہین بلکہ جب مرشد کی عقل اور ہمت بھی شامل ہو جاویگی تو پھر نور علی نور ہو جاویگا مگر پہلے سے نور کی تو ضرورت ہی اور عمل مین تو اپنے

ہی عقل کی ضرورت ہوگی اور عقل مرشد صرف رہنمائی کرسکتی ہے جیسا کہ پہلے بھی زانکہ با عقلے الخ کے تحت میں بیان ہوچکا ہے اب ہمیں صحبت نیک کی ترغیب دیکر پھر صحبت بد کی مضرت اور اس سے اجتناب ضرور ہونا بیان کرتے ہیں فرماتے ہیں کہ نفس با نفس دگر خندان شود الخ۔

شرح حبیبی

ظلمت افزون گشت رہ پنہان شود	نفس با نفس دگر خندان شود

یعنی صحبت نیک میں تو یہ فائدہ تھا اب صحبت بد کی مضرت سنو جب کہ ایک نفس مبتلائے ظلمات معاصی دوسرے ایسے ہی نفس کے ساتھ بے تکلف ہوگا تو اسکا نتیجہ یہ ہوگا کہ ظلمت بڑھے گی اور ظلمات بعضہا فوق بعض ہوکر راہ حق بالکل چھپ جائیگی اسکی تفصیل اوپر گذر چکی۔ یہانتک طالب راہ خدا کے لیے راہنما کی ضرورت اور مانع طلب حق کو بتلایا آگے اس راہنما سے منتفع ہونے کی شرط بتلاتے ہیں اور فرماتے ہیں۔ ے یار چشم تست ای مرد شکار الخ

شرح شبیری

نفس با نفس الخ یعنی ایک نفس جب دوسرے کے ساتھ میل جول کرے اور ایک دوسرے کو دیکھکر خوش اور خندان ہو تو ظلمت بڑھ جائیگی اور راہ پوشیدہ ہوجاویگی نفس سے مراد داعی شر کا مر یعنی جب دو داعی شر کا اجتماع ہوجاویگا تو پھر تو ظلمات بعضہا فوق بعض کا مصداق ہوجاویگا اور راہ ہدایت بالکل پوشیدہ اور معدوم ہوجاویگی اب چونکہ صحبت نیک کا ضروری ہونا بتلا دیا آگے اسکے آداب بتلاتے ہیں کہ ہر امر کے لیے کچھ شرائط ہوتے ہیں لہذا اس صحبت کے مؤثر ہونے کیلیے آداب مرشد کی ضرورت ہے پس فرماتے ہیں ے کہ یار چشم تست اے مرد شکار الخ

شرح حبیبی

از خس و خاشاک او را پاک دار	یار چشم تست اے مرد شکار

یعنی یہ تو تجھکو معلوم ہوچکا کہ طالب راہ حق کے لیے صحبت ناجنس سے پرہیز لازم ہے اور صرف اسی قدر کافی نہیں بلکہ ایک راہبر اور رہنمائے کامل کی ضرورت ہے اور اس راہبر سے انتفاع ناممکن ہے جبتک کہ شرط انتفاع نہ پائی جائے۔ اور وہ شرط ہے ادب۔ اور ایسے امور سے احتراز جس سے اسکو تکدر ہو کیونکہ مدار فیضان دل کا ملنا ہے اور جبتک دل نہ ملیں گے۔ توجہ اور شفقت کامل ناممکن ہے۔ اور وہ بھی مدار فیضان ہے۔ اور تکدر مانع ہے دل ملنے سے اور دل کا نہ ملنا مانع ہے توجہ تام و شفقت کامل سے۔ اور توجہ تام و شفقت کامل کا نہ ہونا۔ مانع ہے فیضان سے لہذا ثابت ہوا کہ تکدر مانع فیضان ہے اور تکدر کچھ اس خاص فیضان سے مانع نہیں بلکہ ہر فیضان سے مانع ہے۔ چنانچہ جب استاد اپنے کسی شاگرد سے ناخوش ہوتا ہے تو نہ اسکی طبیعت میں جوش و انبساط ہوتا ہے اور نہ تقریر میں بسط و تفصیل نہ اسکی کوشش کہ کسیطرح یہ سمجھ جاوے حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ میاں محمد اشرف کاندھلوی مصنف تفسیر سورۂ یوسف پہلے حضرت میانجی صاحب قدس سرہ کو برا کہا کرتے تھے۔ جب وہ انسے طالب ہوے تو حضرت نے فرمایا کہ میاں صاحب مدار اس طریق کا امانت پر ہے میں خیانت پسند نہیں کرتا اسلیے صاف کہتا ہوں کہ تمہیں مجھ سے فیض نہیں ہوسکتا تم کوئی اور مرشد تلاش کرلو میں ہر چند تمہاری طرف توجہ

نفس با نفس دگر خندان شود ظلمت افزون گشت رہ پنہان شود

کرتا ہون مگر تمھاری باتین یاد آکر توجہ تام سے مانع ہوجاتی ہین تکدر چونکہ لوازم بشریت سے ہے اس سے اہل اللہ تو درکنار انبیائ
بھی مستثنیٰ نہین چنانچہ حضرت وحشی نے بحالت کفر حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو شہید کیا بعد کو وہ مسلمان بھی ہوے صحابی
بھی ہوے اور بہ برکت صحبت آنحضرت صلعم اس مرتبہ کو پہونچے کہ اغواث و اقطاب بھی اس درجہ تک نہین پہنچ سکتے۔
مگر جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم انسے یہ ہی فرماتے ہل تستطیع ان تغیب وجہک عنی اور کبھی صورت نہ دیکھتے
کیونکہ جب انکی صورت سامنے آتی حضرت حمزہ رضی کا واقعہ یاد آکر غم تازہ ہوجاتا۔ اور انکے قاتل کی طرف سے طبعًا
انقباض و ملال پیدا ہوجاتا اس سے حضرت وحشی وہ خاص فیض حاصل نہ کرسکے جو بصورت عدم تکدر انکو حاصل ہوتا
اس مضمون کو مولانا ایک تشبیہ و تمثیل کی صورت مین بیان کرتے ہین۔ اور فرماتے ہین کہ اے وہ شخص جو اقتناص
صید معارف کے درپے ہے تو مرشد کو رہنمائی کے لیے ایسا سمجھ جیسے آنکھ۔ پس جسطرح آنکھ اسی وقت رستہ دکھلاتی ہے
جبکہ وہ خس و خاشاک سے پاک ہو ورنہ بند ہوجاتی ہے اور تو راہ کے دیکھنے سے عاجز ہوجاتا ہے۔ یون ہی تجھکو چاہیے
کہ ان اسباب سے اجتناب کرے جن سے مرشد کی طبیعت مین تکدر و انقباض پیدا ہو۔ ورنہ راہ حق کے دیکھنے سے
محروم رہیگا۔ اگلے شعر مین بھی اسی مضمون کو بیان فرماتے ہین اور کہتے ہین سہ ہین بجاروب زبان گردی مکن الخ۔

شرح شبیری

یار چشم الخ۔ ای طالب اگر تو تیری آنکھ کے مانند ہے تو تو اسکو خس و خاشاک سے (مثل آنکھ کے)
صاف رکھ۔ یار مراد مرشد چشم تمثیلاً مرشد کو کہدیا خس و خاشاک مراد مکدرات
بکسر الدال مطلب یہ کہ مرشد جبکہ آنکھ کے مانند ہی عزیز ہونے مین بھی اور اس امر مین بھی کہ جسطرح آنکھ رہنمائی کرتی
ہے اسی طرح مرشد بھی رہنمائی کرتا ہے تو جسطرح خس و خاشاک سے آنکھ کو بچاتے ہو کہ اوس مین کوئی چیز پڑ نہ جاوے اسی طرح
مرشد کو بھی مکدرات سے بچاؤ اور اسکو مکدر مت کرو۔ اگرچہ اسکے تکدر سے کوئی گناہ تو نہ ہوگا مگر یہ تجربہ سے معلوم ہوا ہے کہ
اگر مرشد اور ہادی کے دل مین مسترشد کی جانب سے کوئی تکدر آجاتا ہے تو وہ فیوض اور برکات بند ہوجاتے ہین حکایت
ہمارے پردادا پیر حضرت میانجیو نور محمد صاحب قدس اللہ سرہم کی شان مین ایک صاحب بہت ہی گستاخی کیا کرتے تھے اور
معتقد نہ تھے اوس کے بعد انکو ہدایت ہوئی اور اونھون نے اس خرافات سے توبہ کی اور میانجیو صاحب رح سے بیعت ہو گئے
کچھ روز بعد حضرت میانجیو صاحب نے فرمایا کہ صاحب جو بات ضروری ہو اوسکو پوشیدہ نہ رکھنا چاہیے اسلئے مین آپ سے کہتا ہون
کہ آپ کسی اور سے رجوع کرین آپ کو مجھ سے نفع نہ ہوگا اس لیے کہ مین جب آپکی طرف متوجہ ہوتا ہون اور نفع
پہونچانا چاہتا ہون فوراً پچھلے وہ کلمات ایک دیوار کیطرح آگے آکر حائل ہوجاتے ہین۔ اور میانجیو صاحب رح تو کوئی صحابی نہین
تابعی تبع تابعی نہین تھے بلکہ ایک متاخر امتی ہین اسباب تکدر کی وجہ سے تکدر ہوجاتا تو خود حضور مقبول صلے اللہ علیہ وسلم مین واقع
ہوا ہے دیکھیے حضرت وحشی قاتل حضرت حمزہ رض جب مسلمان ہوکر حاضر خدمت ہوئے ہین تو حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے یہی
فرمایا کہ ہل تستطیع ان تغیب وجہک عنی۔ یعنی اے وحشی کیا تم یہ کرسکتے ہو کہ میرے سامنے نہ آؤ مطلب یہ کہ جب تم میرے سامنے
آتے ہو فوراً یہ خیال ہوتا ہے کہ انھون نے میرے چچا کو قتل کیا ہے تو جگر ٹکڑے ٹکڑے ہوجاتا ہے۔ پس معلوم ہوا کہ اوس تکدر
کا اثر حضور پر بھی اسقدر تھا کہ انکو دیکھ نہ سکتے تھے اور اگرچہ انکا اسلام قبول ہوا اور وہ دیدار نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے
مشرف ہوئے اور انکو وہ دولت صحابیت کی بھی حاصل ہوئی کہ آج کسیکو میسر نہین ہوسکتی مگر وہ نفع جو طول صحبت سے حاصل

ہوتا ظاہر ہی کہ نہیں ہوا۔ اسی طرح دیکھو کہ اوستاد کو جب کسی شاگرد سے تکدر ہو جاتا ہی تو وہ خواہ کسی قاعدہ مین پابند ہونے کی وجہ سے یا کسی اور وجہ سے اوسکو پڑہاوے اور اوسکے سامنے تقریر بھی کرے مگر تقریر مین وہ شگفتگی نہ ہوگی اور تقریر رک رک کر کریگا تو وہان چونکہ فیضان قالاً ہوتا ہے لہذا تکدر کا اثر بھی قال ہی پر ہوگا اور یہان چونکہ فیضان حالاً ہی لہذا تکدر کا اثر بھی حال ہی پر ہوگا۔ اور وہ یہ کہ فیضان بند ہو جاویگا۔ اور یہ بھی یاد رکھو کہ مدار فیض دل کے ملنے پر ہی اگر دونون کا دل ملا ہوا ہی تو برابر فیض جاری رہیگا اور اگر خدانخواستہ ایسا نہین ہی اور اوس سے کچھ تکدر ہو گیا ہی تو وہ فیضان بند ہو جا دیگا اور طالب کو مرد شکار کہنا اس اعتبار سے ہی کہ وہ ان معانی کو شکار کرتا ہی اور حاصل کرتا ہی اور ایک امر اور لحاظ کے قابل ہے کہ جو بے ادبی بے پروائی سے ہو یہ اثر اسی کا ہوتا ہی کہ فیضان بند ہو جاتا ہی اور جو حیانا کبھی غلطی ہو گئی اوسکا یہ اثر نہیں ہوتا اور خود مرشد کے قلب کو بھی اسکا ادراک ہوتا ہی کہ یہ تو قلت مبالات سے ہی اور یہ اتفاقی غلطی ہو گئی ہے پس مقصود بیان سے یہ ہوا کہ طالب کو چاہیے کہ اس ذہن مین لگا رہا ہی کہ مرشد کو کوئی تکدر اسکی جانب سے نہ ہوا سلئے کہ جسطرح آنکھ جب تک خس و خاشاک سے پاک ہوتی ہی اوسی وقت تک رستہ دکھاتی ہی اسیطرح مرشد بھی جب تک تکدر سے خالی ہی رہنمائی کریگا پس اگر یہ اس کوشش مین ہی کہ اسکی جانب سے تکدر نہو گو کوئی غلطی ہو گئی وہ تو معاف ہی اور اگر اس فکر مین نہین ہی بلکہ بالکل بے پروائی سے کام لیتا ہی تو پھر تو یہی حشر ہوگا۔ آگے بھی اسی مضمون کو بیان فرماتے ہین کہ ہین بجاروب زبان گردی مکن الخ۔

شرح حبیبی

چشم را از خس رہ آوردی مکن	ہین بجاروب زبان گردے مکن

رہ آوردی کردن تحفہ دینا۔ یعنی دیکھ زبان کی جھاڑو سے گرد نہ اڑانا اور آنکھ کو خس و خاشاک کا تحفہ نہ دینا یعنی زبان سے واہی تباہی باتین کر کے شیخ کے قلب کو مکدر نہ کرنا۔ زبان کی تخصیص اس بنا پر ہی کہ اغلب احوال مین تکدر کا باعث زبان ہی ہوتی ہی اور اسکا موجب تکدر ہونا اظہر واکثر ہی اور اسمین احتیاط بھی کم کیجاتی ہی۔ ورنہ ہر سبب تکدر ممنوع ہی خواہ زبان سے ہو یا کسی اور طریقہ سے اگلے شعر مین اس مدعا کو دلیل سے ثابت کرتے ہین اور فرماتے ہین۔ چونکہ مومن آئینہ مومن بود الخ۔

شرح شبیری

ہین بجاروب الخ رہ آوردی۔ تحفہ۔ جو کہ سفر اور راستہ مین سے لایا جاتا ہی۔ ہان زبان کی جھاڑو سے گرد مت اڑاؤ۔ اور آنکھ کے لئے خس و خاشاک کو تحفہ مت کرو مطلب یہ کہ زبان سے واہی تباہی باتین اسطرح مت کہو کہ اوس سے تکدر ہو جو کہ مشابہ ہی گرد کے اور کوئی فعل ایسا مت کرو جو مرشد کے لئے تکدر کا باعث ہو اور اس بکدر مین زبان کو اس لیے خاص کیا کہ اس سے تکدر بہت ہوتا ہے بخلاف اور جوارح کے کہ ان کے افعال مین اکثر تاویل محتمل ہوتی ہے پس مقصود یہ ہوا کہ اپنے کسی فعل سے شیخ کو مکدر مت کرو اب آگے ایک نظیر دیکر بتلاتے ہین کہ چونکہ مومن آئینہ مومن بود الخ۔

شرح حبیبی

روی او ز آلودگی ایمن بود	چونکہ مومن آئینہ مومن بود

امین۔ بکسر ہمزہ و میم امالہ آمن۔ بمعنی امون و محفوظ بود۔ بمعنی باید بود۔ یعنی چونکہ ایک مومن دوسرے مومن کا آئینہ ہوتا ہے اور آئینہ اسی وقت قابل انتفاع ہوتا ہے اور اسی وقت اس سے کام نکلتا ہے جبکہ وہ گرد و غبار سے محفوظ اور مامون ہو۔ لہذا چاہیے کہ کسی مومن کو مکدر نہ کیا جاوے۔ اور شیخ کامل مومن کامل ہے۔ لہذا اوسکو بالاولے مکدر نہ کرنا چاہیے تفصیل اسکی یہ ہے کہ حدیث مین وارد ہے۔ المؤمن مرآۃ المؤمن۔ اور حاصل اسکا یہ ہے کہ ایک مومن کو دوسرے مومن کے لیے ایسا ہونا چاہیئے جیسا آئینہ یعنی جسطرح آئینہ دیکھنے والے کے عیوب بھی ظاہر کرتا ہے اور دوسرون پر ظاہر نہین کرتا۔ یون ہی مومن کو چاہیے کہ جب مومن کے اندر کوئی عیب ہو اسکو اسپر متنبہ کردے اور اسکو رسوا نکرے اور یہ بات بدون خیر خواہی و دلسوزی کے نہین ہو سکتی اور دلسوزی و خیر خواہی کامل اوسوقت تک نہین ہو سکتی جبتک اسکی طبیعت کدورت سے بالکل صاف نہو۔ اسلیے ہر مومن کو لازم ہے کہ دوسرے مومن کی طبیعت کو تکدر سے بچاوے تاکہ وہ اسکا دلسوز اور شفیق و ہمدرد رہے۔ اور اسکے عیوب پر مطلع کرکے ان مفاسد سے اسکو بچاوے اور اسکی اصلاح کرے۔ بالخصوص شیخ کہ وہ مصلح کامل ہے۔ اور اس سے اسکو کامل نفع کی توقع ہے۔ پس اسکو تکدر سے بچانا نہایت اہم اور ضروری ہے تاکہ یہ تکدر حصول مقصد علی وجہ الکمال مین مزاحم نہ ہو۔ اگلے شعر مین بھی اسی مدعا کو ظاہر فرماتے ہین اور کہتے ہین۔ یار آئینہ است جان را در حزن۔

شرح شبیری

چونکہ مومن الخ یعنی جب مومن دوسرے مومن کے لیے آئینہ کی طرح ہے تو اوسکا منہ آلودگی اور تکدر سے امین ہونا چاہیے امین امالہ آمن۔ لفظ فارسی نہین ہے یہ ایک حدیث کی طرف اشارہ ہے وہ یہ کہ المؤمن مرآۃ المؤمن اس حدیث کے معنی تو یہ ہین کہ مومن کو دوسرے مومن کے لئے آئینہ کیطرح ہونا چاہیے خبر بمعنی انشا ہے جسطرح کہ آئینہ عیب تو دکھلا دیتا ہے مگر فضیحت نہین کرتا مثلاً یہ کہ اگر کسیکے چہرہ پر سیاہی لگی ہے تو آئینہ یہ تو دکھلا دیگا کہ منہ پر سیاہی لگی ہے مگر جب اوسکو رکھدوگے تو یہ نہین کہ جا آوے اوس سے کہے کہ ان کے منہ پر سیاہی لگ رہی ہے پس اسی طرح مومن کو دوسرے مومن کے لیے ہونا چاہیے کہ خیر خواہی سے عیب تو بتلا دے مگر اوسکو گاتا نہ پھرے۔ لیکن مولانا نے اسکو دوسرے معنے پر محمول کیا ہے اور صوفیہ کے کلام مین اکثر جگہ یہ دیکھا جاتا ہے کہ وہ احادیث یا آیات کو دوسرے معنی خلاف ظاہر پر محمول کرتے ہین تو اس سے شبہہ تفسیر بالرائے کا نہ ہو جاوے یہ حضرات تفسیر نہین کرتے بلکہ لطائف و نکات کے طور پر فرما دیتے ہین کہ اس سے باعتبار تنظیر کے اسپر بھی استدلال ہو سکتا ہے جیساکہ مثلاً حدیث مین ہے کہ جس مکان مین کتا ہوتا ہے وہان فرشتہ نہین آتا۔ یہان بعض صوفیہ کہتے ہین کہ کلب سے اشارہ ہے صفات سبعیہ بہیمیہ کی طرف اور ملائکہ سے انوار و برکات الٰہیہ کی طرف تو اس سے یہ معنی بھی مستفاد ہوسے کہ جس شخص مین صفات سبعیہ بہیمیہ غالب ہون وہان انوار نہین آتے تو یہ معنی درجہ تفسیر مین نہین ایک نظیر کے طور پر ہین کہ جسطرح وہان صفت سبعیہ مانع دخول ملائکہ سے ہوی اسی طرح یہان بھی صفات سبعیہ کا پایا جانا جو کہ مشابہ ہین کلب کے مانع ہوئین انوار الٰہیہ کے نزول سے پس اب یہ شبہ کہ یہ حضرات تفسیر بالرائے کرتے ہین بالکل جاتا رہا اور معلوم ہو گیا کہ یہ حضرات حقیقۃً تو وہی معنی مراد لیتے ہین مگر چونکہ دونون معنے مناسب اور متشابہ ہوتے ہین اس لئے ان معنے کو بھی درجہ اعتبار و قیاس مین اوسکا ایک مصداق مان لیتے ہین لہذا مولانا بھی بدون انکار معنے اصلی کے اسکو ایک دوسرے معنی پر محمول فرماتے ہین کہ شیخ کامل جو اپنی صفائی مین اور تمکو عیوب دکھلاتے ہین مثل آئینہ کے ہے تو جسطرح آئینہ اگر آلودہ ہو جاتا ہے تو وہ کچھ نفع نہین دیتا اسیطرح شیخ اگر مکدر ہو گیا تو وہ بھی فیض نہین پہنچا سکتا۔ لہذا اسکی آلودگی یعنی تکدر سے محترز رہنا چاہیے تاکہ یہ تکدر حصول مقصود سے مانع نہ ہو جاوے اور اگر شرح حبیبی کی تقریر لی جاوے تو اس معنے کا اثبات اس حدیث سے بدرجہ

تفسیر مین بھی ہوسکتا ہی آگے بھی اسی مضمون کو فرماتے ہین کہ یار آئینہ ست جانرا در حزن الخ۔

شرح حبیبی

یار آئینہ ست جان را در حزن | بر رخ آئینہ ای جان دم مزن

یعنی یار معہود (شیخ کامل) حالت غم و بعد عن الحق مین روح و جان کے لیے آئینہ ہے کہ روح سے عیوب اور نقائص کو طالب پر ظاہر کرتا ہے (جیسا کہ آئینہ معروف جسم کے لیے آئینہ ہوتا ہے اور جسم کے عیوب کو ظاہر کرتا ہی) پس ایجان آئینہ کو پھونک مار کر میلا نہ کرنا اور اس سبب سے اسکے نفع سے محروم نہ ہونا یعنی ان اسباب کا ارتکاب نہ کرنا۔ جو شیخ کے لئے موجب تکدر ہین اگلے شعر مین اسی مضمون کا اعادہ فرماتے ہین اور کہتے ہین تا نپوشد روے خود را از دمت الخ۔

شرح شبیری

یار آئینہ الخ یعنی یار جان کے لئے اندوہ و غم کی حالت مین کہ مراد بعد عن الحق کی حالت ہی مثل ایک آئینہ کے ہی تو آئینہ کے سطح پر پھونک مت مارو۔ دم مزن مراد سکوت کن۔ یعنی چونکہ آئینہ تو ظاہر صورت کے دکھلانے کے لیئے ہوتا ہی اور جو نقص اوس مین ہوتے ہین اونکو ظاہر کرتا ہی تو اگر اوسکے سطح پر پھونک مار دو گے تو وہ اوس سے مکدر ہو جاویگا اور پھر اپنا کام نہ کرسکیگا یعنی عیوب و نقائص کو ظاہر نہ کریگا بس اسیطرح شیخ کو کہ وہ جان کے لئے اور روح کے لئے آئینہ ہی اور وہ اون کے عیوب اور نقائص پر مطلع کرتا ہی۔ وا ہی بتاہی بکواس سے مکدر مت کرو کہ اگر کہین وہ مکدر ہو گیا تو پھر جو غرض اوسکی صحبت سے ہی حاصل نہ ہوگی اور فیضان بند ہو جاویگا آگے بھی اسی کو فرماتے ہین کہ تا نپوشد روے خود را از دمت الخ۔

شرح حبیبی

تا نپوشد روی خود را از دمت | دم فرو بردن بباید ہر دمت

یعنی تاکہ وہ آئینہ تمھاری پھونک سے اپنا چہرہ نہ چھپا سکے اس لیے تمکو ہر وقت اپنا سانس روکے رہنا چاہیے یعنی نامناسب باتون سے ہر وقت سکوت رکھنا چاہیے۔ تاکہ طبع شیخ کدورت سے مصون و محفوظ رہے اگلے شعر مین مضمون سابق کی طرف عود فرماتے ہین اور صحبت نیک کی دوسرے عنوان سے ترغیب دیتے ہین اور کہتے ہین کم ز خاکی چونکہ خاکے یار یافت الخ۔

شرح شبیری

تا نپوشد الخ یعنی تاکہ وہ آئینہ اپنا منہ تمھاری پھونک کی وجہ سے چھپا نہ لے اس لئے ہر دم تمکو اپنی پھونک کو روکے رکھنا چاہیئے۔ دم فرو بردن مراد سکوت مطلب یہ کہ کہین مرشد تمھاری ان بے ادبیون اور ان باتون سے مکدر ہو کر اپنا فیضان بند نہ کرے اسلئے تمکو سکوت اختیار کرنا چاہیے اور فضول نہ بکنا چاہیے لیکن یہان یہ بھی سمجھ لینا چاہیئے کہ یہ مراد نہین کہ بالکل ہی نہ بولے جیساکہ بعض لوگون نے ادب نکالا ہی کہ مرشد کے سامنے بالکل بولتے ہی نہین سو یہ ادب نہین بلکہ یہ بھی بے ادبی اور تکلیف دہ ہی اصل یہ ہی کہ ہر شے کا ایک موقع ہوتا ہی کلام نہ کرنے سے اور سکوت کرنے سے مراد مولانا کی یہ ہی کہ فضولیات اور واہیات باتون سے بچنا چاہیے اب اگر وہ کوئی بات دریافت کرے یا خود کوئی بات کہنا ضروری ہی اور موقع

سکوت مضر ہوگا جیسا کہ وہان کلام مضر تھا پس یہ نہین کہ اگر اب شیخ کوئی بات پوچھے تو کہدین کہ مثنوی مین تو مولانا نے منع کیا ہی ہم کس طرح بولین اور سمجھو تو کہ مولانا رحمۃ نے جو منع کیا ہی تو اوس کلام سے منع کیا ہی جو مکدر کرنیوالا ہو۔ اور ظاہر ہی کہ جو ضروری امر ہوگا وہ مکدر کرنیوالا کس طرح ہو جاویگا خوب سمجھ لو اور آداب صحبت کو لحاظ رکھکر صحبت اولیاء اللہ حاصل کرو اب آگے پھر مولانا صحبت نیک کا نافع ہونا اور اوسکے منافع بیان فرماتے ہین کہ کم زخاکی چونکہ خاکے یار یافت الخ۔

شرح حبیبی

کم زخاکی چونکہ خاکے یار یافت	از بہارے صد ہزار انوار یافت

کم زخاکی بطور استفہام کے ہے۔ اور از بیانیہ ہے۔ بہار بیان ہے۔ یار کا۔ انوار جمع ہے نور کی۔ بمعنے شگوفہ۔ حاصل یہ ہے کہ کیا تو خاک سے بھی کم ہو۔ دیکھ خاک کو ایک یار موافق (بہار) مل گیا اسکی صحبت سے ہزارون شگوفون سے آراستہ ہوگئی۔ اگر تجھے بھی کسی شیخ کی صحبت مین رہنا نصیب ہو تو کیا تو گلہائے معارف الٰہیہ سے مزین نہ ہوگا۔ ہوگا۔ اور ضرور ہوگا۔ اسلئے تجھے لازم ہو کہ کسی شیخ کامل کی صحبت مین رہے آگے بھی اسی مضمون کو بیان فرماتے ہین۔ اور کہتے ہین۔ آن درختے کو شود بایار جفت الخ۔

شرح شبیری کم زخاکی الخ یعنی کیا تو خاک سے بھی کم ہی دیکھ تو جب خاک نے اپنے یار بہار کو پالیا تو پھر لاکھون شگوفے اُسنے حاصل کر لئے یعنی شگوفے کھل گئے۔ کم زخاکی استفہام ہے آیا از خاک کمتری از بیانیہ انوار جمع نور بفتح النون شگوفہ۔ مطلب یہ کہ کیا تو خاک سے بھی کم ہوگیا کہ فوائد صحبت حاصل نہین کرسکتا اور اُس کے منافع کو حاصل نہین کرسکتا۔ حالانکہ دیکھ جب خاک بہار سے ملتی ہی یعنی موسم بہار آتا ہی تو خاک مین بھی کیسے کیسے غنچے اور شگوفے کھلتے ہین اور بہار کے صحبت کے فیض سے وہ خاک کیا کیا نفع حاصل کرتی ہی مگر تو صحبت نیک سے وہ فوائد اور برکات اور انوار حاصل نہین کرتا مقصود یہ کہ حاصل کرنا ضروری ہی آگے بھی اسی کو بیان فرماتے ہین کہ آن درختے کو شود بایار جفت الخ

شرح حبیبی

آن درختے کو شود بایار جفت	از ہوائے خوش زسر تا پا شگفت

یعنی جو درخت اپنے یار یعنی ہوائے خوش کے ساتھ مقرون ہوگیا سر سے پاؤن تک کھل گیا اور پھل پھول سے مالا مال ہوگیا پس تو بھی اگر کسی شیخ کی ملازمت اختیار کرے تو اعلیٰ ثمرات وعمدہ نتائج سے کیون کر محروم ہو سکتا ہی آگے پھر صحبت ناجنس سے احتراز کی تعلیم فرماتے ہین اور کہتے ہین۔ در خزان چون دید او یار خلاف الخ۔

شرح شبیری آن درختے الخ یعنی وہ درخت کہ اپنے یار ہوائے خوش سے مقرون ہوا تو سر سے پاؤن تک کھل گیا اور سرسبز ہوگیا جفت مقرون از ہوائے از بیانیہ مطلب یہ کہ جو درخت موسم بہار مین ہوائے خوش سے جو اوسکی یار ہی مقرون ہوا اور اوسکی صحبت مین رہا تو سر سے پا تک سرسبز اور بار آور ہوگیا اور خوب پھول پھل لایا تو جب صحبت ہوائے خوش کا یہ اثر ہے کہ وہ درخت سرسبز ہوگیا تو صحبت نیک اور صحبت مرشد کا تو پھر اثر کیون نہ ہوگا کہ اوس سے

ثمرات حاصل ہون اور قرب الٰہی بڑہے اور انوار و تجلیات کا ورود ہو اور یہان تک تو یہ بیان فرمایا تھا کہ صحبت نیک سے اوس درخت مین اسطرح پھول پھل آئے اور وہ یون متفید ہوا آگے صحبت بد کی کیفیت بیان فرماتے ہین کہ جب اوسکو صحبت بد حاصل ہوئی تو اوسنے کیا کیا اور اس مین تعلیم ہے مسترشد کو کہ اگر صحبت نیک میسر ہو تو کیا کرنا چاہیے اور اگر صحبت بد پیش آوے تو کیا کرنا چاہیے اسی کو فرماتے ہین کہ جب درخت کو صحبت بہار حاصل ہوئی جو کہ صحبت نیک کے مثل ہے تو اوسنے اوس سے خوب ثمرات حاصل کئے اور خوب سرسبز ہوا اب آگے صحبت بد کی حالت بیان فرماتے ہین کہ درخزان چون دید او یار خلاف الخ

شرح حبیبی

در خزان چون دید او یار خلاف	در کشید او رو و سر زیر لحاف

یعنی درخت کی یار موافق (ہوائے خوش) کے ساتھ تو وہ حالت تھی جو اوپر مذکور ہوئی۔ اب یار مخالف کے ساتھ اسکا معاملہ سنو۔ جبکہ موسم خزان مین یار مخالف و ہوائے ناموافق سے پالا پڑا تو اسنے فوراً اپنے سر کو لحاف کے اندر کرلیا۔ اور اپنے شگوفون کو پوشیدہ اور اپنے کمالات کو مخفی کردیا اسیطرح تم پر لازم ہی کہ صحبت ناجنس سے حتی الامکان احتراز کرو۔ اور احتراز ناممکن ہو تو سکوت اختیار کرو اور اپنے حالات و اسرار کو محفوظ رکھو

شرح شبیری درخزان الخ یعنی کہ جب اوسنے یار مخالف خزان کو دیکھا تو اوسنے اپنے منہ پر لحاف ڈال لیا۔ سر زیر لحاف کشیدن مراد از علٰحدگی و روپوشی۔ مطلب یہ کہ جب خزان آئی تو اوس درخت نے جسنے کہ بہار مین خوب ثمرہ حاصل کئے تھے روپوشی اور علٰحدگی اختیار کی اور اپنے شگوفون کو مخفی کردیا اور اوسپر ظاہر نہین کیا پس تم بھی اسی کی تقلید کرو کہ اگر تمکو صحبت شیخ و مرشد حاصل ہو تب تو اوس سے فیوض کا استفادہ کرو اور اپنی حالت و اسرار کو اوس سے پوشیدہ نہ کرو۔ اور جب ناجنس اور نااہلون کی صحبت ہو تو اسنے اسرار کو مخفی رکھو اور اون پر ظاہر مت کرو اون سے علٰحدگی کرو آگے اسکی وجہ بیان فرماتے ہین کہ یار مخالف سے کیون مخفی رہنا چاہیے تو فرماتے ہین کہ گفت یار بد بلا آشفتن ست الخ

شرح حبیبی

گفت یار بد بلا آشفتن ست	چونکہ او آمد طریقم خفتن ست

یعنی وہ درخت بزبان حال کہتا ہے۔ کہ (صحبت) یار بد غضب کی پریشانی (کا موجب) ہے لہذا جب وہ آئے تو میری روش یہ ہے کہ مین سورہتا ہون۔ یعنے اسکے سامنے اپنی شگفتگی ظاہر نہین کرتا اور بالکل اجنبیانہ برتاؤ کرتا ہون۔ لہذا طالب کا بھی یہی فرض ہو کہ ناجنس سے علٰحدگی اور اجنبیت اختیار کرے اور بالکل اُسکو منھ نہ لگائے اپنے کام مین مصروف رہے۔

شرح شبیری گفت یار بد الخ یعنی اوسی درخت نے بزبان حال کہا کہ یار بد تو گویا بلا کا پریشان کردینا ہی۔ یعنی جیسے کسی بلا نے پریشان کردیا تو جب وہ آگیا اب میرا طریقہ سوتا ہی خفتن مراد سکوت کردن و علیحدگی

نودن۔ مطلب یہ کہ جب یار بد خزان آگئی کہ جو بلا کی طرح ہی اسلئے ہمنے یہ طریقہ اختیار کیا کہ بالکل سکوت کرلیا۔ فرماتے ہین کہ اے مسترشد جب کوئی ناجنس اور یار ناموافق تمکو ملجاوے تو تم بھی سکوت اختیار کرو اور اوس سے علیحدہ رہو کہ وہ ایک بلا کا نزول ہی۔ اب آگے صحبت بد سے علیحدگی کے مطلوب اور محمود ہونے کو ایک مثال سے واضح کرتے ہین فرماتے ہین کہ پس بخسپم باشم از اصحاب کہف الخ۔

شرح حبیبی

بہ ز دقیانوس باشد خواب کہف	پس بخسپم باشم از اصحاب کہف

یہ بھی درخت ہی کا مقولہ ہے وہ کہتا ہے کہ ایسے وقت مین سو جاتا ہون اور اصحاب کہف مین سے ہو جاتا ہون کیونکہ غار مین سو رہنا (صحبت) دقیانوس سے بہتر ہے۔ پس اے طالب تو بھی ناجنسون کی صحبت سے حذر کر آگے ایسے خواب کے بہ نسبت ایسی بیداری کے بہتر ہونے کی وجہ بیان فرماتے ہین اور کہتے ہین یقظہ شان مصروف دقیانوس بود الخ

شرح شبیری پس بخسپم الخ یعنی پس مین سو رہون اور اصحاب کہف مین سے ہو جاؤن اسلئے کہ دیکھو اصحاب کہف کا سو رہنا صحبت دقیانوس سے بہتر ہے۔ دقیانوس اوس بادشاہ کا نام ہی جس کے زمانہ مین اصحاب کہف ہوئے ہین مطلب یہ کہ جب وہ یار خلاف آوے اور صحبت بد پیش آوے تو مین اصحاب کہف کی طرح سو رہون اور علیحدہ ہو جاؤن یہی بہتر ہی جسطرح کہ جب اونھون نے دیکھا کہ اگر یہان رہتے ہین تو دقیانوس کی صحبت جو صحبت بد ہی میسر ہوگی لہذا اونھون نے علیحدگی اختیار کی پس اسی طرح اے مسترشد اگر تجکو صحبت بد سے پالا پڑے تو تو بھی علیحدگی کرنا کہ یہی مناسب ہی آگے بھی یہی مضمون فرماتے ہین یقظہ شان مصروف دقیانوس بود الخ۔

شرح حبیبی

خواب شان سرمایۂ ناموس بود	یقظہ شان مصروف دقیانوس بود

یعنی اصحاب کہف کی بیداری دقیانوس جیسے نااہل وناجنس کے کام آتی تھی۔ اور اُنکی نیند عزت عند اللہ کا سرمایہ تھی پس اِس خواب کو اُس بیداری پر کیونکر ترجیح نہ ہوگی آگے بھی اسی مضمون کو بیان فرماتے ہین۔

شرح شبیری یقظہ شان الخ یعنی اونکی جاگنے کی حالت تو دقیانوس کی صحبت مین مصروف ہوتی تھی اور اونکا خواب عزت وناموس کا سرمایہ ہوگیا۔ ناموس عزت۔ مطلب یہ کہ اونکی جاگنے کی حالت تو دقیانوس کی صحبت مین گذرتی تھی اور اونکا سونا عزت عند اللہ کا سبب ہوگیا مقصود یہ ہی کہ جسوقت صحبت بد اور ناجنس ہو تو عزلت ہی بہتر ہی اور اوسکی صحبت مین رہنے سے الگ ہی رہنا مناسب ہی آگے پھر اسی مضمون کہ بعض خواب بعض بیداری سے افضل ہی صاف طور پر بیان فرماتے ہین کہ خواب بیداریست چو بادانش است الخ۔

شرح حبیبی

خواب بیداری ست چون با دانش ست　　وای بیداری که با نادان نشست

یعنی جو نیند معرفت حق سبحانہ کے ساتھ ہو وہ حکم مین بیداری کے ہے اور اُس بیداری کی حالت نہایت قابل افسوس ہے جو اپنی بیداری کو نادان و عاری عن معرفۃ الحق کی صحبت مین صرف کرتا ہی اور اس نعمت عظمیٰ کی قدر نہین کرتا جو اسکو بصورت اپنے محل پر صرف ہونے کے دولت لازوال یعنی قرب حق تک پہنچانے والی ہی ایک نسخہ با نادانش ست بھی ہی اس صورت مین بیداری کے یا کا معروف پڑھنا زیادہ مناسب ہی اسوقت دوسرے مصرعہ کے معنے یون ہون گے۔ کہ وہ بیداری قابل افسوس ہی جو جہل اور حق سے ناواقفیت کی ساتھ ہی اور مجہول بھی ہو سکتی ہی اسوقت معنے یہ ہون گے کہ اوس بیدار کی حالت قابل افسوس ہی جو متلبس بجہل عن الحق ہی۔ یہانتک صحبت ناجنس سے احتراز اور دقیانوس کی صحبت سے بہاگ کر اصحاب کہف کے غار مین سو رہنے اور اوسکی فضیلت کا بیان تہا۔ آگے اسی مناسبت سے اہل اللہ کی عزلت کی وجہ بیان فرماتے ہین ان سکتے ہین چونکہ زاغان خیمہ بر گلشن زدند الخ۔

شرح شبیری خواب الخ یعنی سونا بھی مثل بیداری کے ہی اگر عقل اور سمجھ کے ساتھ ہو۔ اور افسوس اوس بیدار پر کہ جو نادان کے ساتھ بیٹھا۔ اور نسخہ ثانی کی بنا پر جسمین بیداری بیاے معروف ہی اور آخر مین اسطرح ہی با نادانش ست یہ معنے ہون گے کہ افسوس اوس بیداری پر کہ جو بے عقلی اور کم فہمی کے ساتھ ہو مطلب یہ کہ علم و معرفت کی ساتھ جسکا طریق صحبت مرشد ہی۔ سو رہنا یعنی عزلت عن الخلق بھی مضر نہین بلکہ وہ بھی مثل بیداری کے ہی کیونکہ مقصود اصلی حاصل ہی اور با اوس بیدار پر افسوس ہی کہ جو بظاہر ملتا جلتا ہی صحبت مین رہتا ہی مگر صحبت نادان مین رہتا ہی اور نسخہ ثانیہ پر بیدارے کی یا مجہول بھی ہو سکتی ہی و تقریرہ مافی الشرح الحبیبی۔ یہان تک صحبت غیر مجانس سے مسترشد کی تحذیر تھی آگے بیان ہی کہ صحبت غیر مجانس کے باب مین شیوخ کاملین کی عادت مذکور ہی کہ ایسے وقت مین وہ لوگ کیا کرتے ہین اور مولانا بہت ہی تھوڑی مناسبت سے انتقال فرماتے ہین مگر ربط ماقبل سے ضرور ہوتا ہی اور اگر مولانا کے کلام مین ربط نہ بھی ہوتا تب بھی تعجب نہ تھا اس لئے کہ ایک مجذوبانہ کلام ہی مگر باینہمہ ربط ضرور ہوتا ہی جیسا کہ بیان کیا گیا ہی بس فرماتے ہین کہ چونکہ زاغان خیمہ بر گلشن زدند الخ۔

شرح حبیبی

چونکہ زاغان خیمہ بر گلشن زدند　　بلبلان پنہان شدند و تن زدند

گلشن عالم۔ زاغان اہل باطل و محجوبین۔ خیمہ زدن و غیرے ڈالنا تسلط ہونا بلبلان کاملان۔ تن زدن خاموش ہونا یعنی جبکہ تم کو معلوم ہو گیا کہ صحبت ناجنس سے احتراز نہایت ضروری ہی سلئے جبکہ عالم بہ اہل باطل و محجوبین کا تسلط ہوا اور انہی کا تین کائین۔ اور صداہاے نامطبوع سے عالم کو پر کر دیا۔ تو اہل اللہ جو بلبلون کی طرح چہکتے تھے اور اپنے نغمہاے شیرین سے اہل دل کے کانون اور انکی جانون کو پر از نشاط و سرور کرتے تھے۔ اپنے چہکنے کو بے سود سمجھ کر خاموش ہو بیٹھے

اور عزلت اختیار کی اور ایسا ہونا بھی چاہیے تھا چنانچہ حق سبحانہ تعالیٰ فرماتے ہین یا ایہا الذین آمنوا علیکم انفسکم لا یضرکم من ضل اذا اہتدیتم اور جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہین اذا رایت شحا مطاعا و ہوی متبعا . . . . . فعلیک نفسک - اگلے شعر مین انکے اس فعل کا موجہ ہونا بیان فرماتے ہین اور کہتے ہین زانکہ بے گلزار بلبل خامش ست الخ -

شرح شبیری

چونکہ الخ - یعنی جب زاغون نے گلشن مین خیمہ لگالیا اور اقامت کرلی تو بلبلین وہان سے روپوش ہوگئین اور خاموش ہوگئین - زاغان مراد اہل باطل - گلشن مراد عالم - خیمہ بر گلشن زدن اقامت کردن - بلبلان اہل کمال و اہل حق - تن زدن خاموش شدن یعنی جبکہ اہل باطل نے اور مجو مین نے دنیا مین اپنا تسلط کرلیا اور وہ لوگ غالب ہوگئے تو اوسوقت اہل اللہ و اہل حق نے وہان سے علیحدگی اختیار کی اور خاموش ہوگئے یہ ما قبل کی دلیل بھی ہوسکتی ہی کہ اسے مسترشد تجھ کو جو تعلیم دی جارہی ہے کہ غیر مجانس کی صحبت سے علیحدگی چاہیے اسکی دلیل یہ ہی کہ ایسے وقت مین اہل کمال کی بھی یہی عادت ہی کہ وہ علیحدہ ہوجاتے ہین اور اہل کمال کو بلبل کی ساتھ ہونے مین تشبیہ ہی کہ جسطرح بلبل گلشن مین چہچہاتی ہی اور بولتی ہی اور بدون گلشن کے خاموش رہتی ہی اسی طرح اہل کمال بھی جب تک اونکے طالب اور اونکی بات کو سننے والے ہوتے ہین فیوض و برکات کو جاری رکھتے ہین اور جب غیر مجانس اور اہل باطل جمع ہوجاتے ہین تو سکوت کرتے ہین اب اسی مضمون کو آگے بیان فرماتے ہین کہ جب اہل باطل کا تسلط ہوجاتا ہی تو وہ علیحدگی کیون اختیار کرتے ہین فرماتے ہین -

شرح حبیبی

زانکہ بے گلزار بلبل خامش ست	غیبت خورشید بیداری کش ست

گلزار سے مراد طالبین و قدر دان ہین - اور وجہ تشبیہ سرود کا محل گفتار ہونا ہے جس طرح گلزار بلبل کے چہچہون کا محل ہے کیونکہ گلون کا نظارہ اسکے لیے موجب نشاط ہے اور نشاط اسکے چہچہانے کا سبب ہی یون ہی اہل اللہ کے لئے طالبین کا شوق اور انکی قدردانی انکے لئے موجب نشاط و سرور ہوتی ہی اور وہ نشاط و سرور افادات عجیبہ ملذ للاسماع و الارواح کا ذریعہ ہوتے ہین حاصل یہ ہی کہ حالت مذکورہ مین اہل اللہ کی خاموشی بالکل برمحل ہی اسکی وجہ پیشتر بھی معلوم ہوچکی ہی اور یہ وجہ بھی ہی کہ وہ مثل بلبل ہین اور طالبین و راغبین مثل گلزار - اور گلزار کے بغیر بلبل خاموش ہوتی ہی کیونکہ داعی موجود نہین ہوتا - پس لازم کہ اہل اللہ بھی بدون قدردانون کے خاموش ہون - دوسرے مصرع مین دوسری دلیل بیان فرماتے ہین اسکی تفصیل یہ ہی کہ وجود طالبین مشابہ ہی طلوع شمس سے کیونکہ جسطرح طلوع شمس سوتون کو جگاتا ہی یون ہی وجود طالبین سبب ہوتا ہی اہل اللہ کے مسند ارشاد پر جلوہ افروزی کا - اس بنا پر انکا عدم مشابہ ہوگا غروب شمس سے کیونکہ جسطرح غروب آفتاب جاگتون کو سلا دیتا ہی - یون ہی انکا عدم باعث ہوتا ہی خمول اہل اللہ کا - اور اہل اللہ کی مسند ارشاد پر جلوہ افروزی کو تشبیہ دی - بیداری سے - کیونکہ جسطرح آثار حیات کا ظہور بیداری سے ہوتا ہی یون ہی اہل اللہ کہ بمنزلہ حیات للعالم ہین ان کی برکات کا ظہور ان کے اس جلوہ افروزی بر مسند ہدایت سے ہوتا ہی - اس بنا پر ان کا خمول مشابہ ہوگا نوم کے - پس حاصل یہ ہوا کہ جب غیبت شمس بیداری کو فنا کرنے والی ہی تو عدم فقدان طالبین ان کی اس جلوہ گری کو بند کرنیوالا کیون نہ ہوگا - یا یون کہو کہ یہ اشارہ ہی اہل اللہ کے خمول کے نتیجہ بدکی

طرف سے اس وقت حاصل یہ ہوگا کہ فقدان طالبین کی صورت مین اہل اللہ عزلت اختیار کرتے ہین اور ان کو ایسا کرنا چاہیے اور اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہی کہ عالم مین ظلمت ضلالت پھیل جاتی ہی۔ اور وہ بالکل تیرہ وتار ہوجاتا ہی اور جو کچھ بیداری تھوڑی بہت عقول ناقصہ کے سبب تھی وہ سب فنا ہوجاتی ہی جیسا کہ غروب شمس سے یہ ظاہری بیداری معدوم ہوجاتی ہی۔

شرح شبیری چونکہ الخ۔ یعنی دیکھو بے گلزار کے بلبل خاموش رہتا ہی اور جب خورشید غائب ہوجاتا ہی تو بیداری جاتی رہتی۔ گلزار مراد طالبین بلبل مراد اہل کمال۔ یعنی دیکھو بلبل بھی تو جب گلزار نہین ہوتا تو خاموش رہتا ہی اسیطرح جب طالبین اور قدردان نہین رہتے تو اہل کمال بھی علیحدہ ہوجاتے ہین طالبین کی تشبیہ گلزار کی ساتھ باعتبار محل گفتار ہونے کے ہی کہ جس طرح بلبل پھولون کے گلزار سے علیحدہ ہوکر خاموش رہتی ہی اسی طرح اہل کمال طالبین وقدردانون کے گلزار سے علیحدہ رہکر خاموش رہتے ہین۔ پس مقصود یہ ہی کہ ہر شے کے لئے ایک محل ہونا چاہیئے خاموشی کا بھی وقت ہوتا ہے اور بولنے کا وقت اور ہوتا ہی اب دوسرے مصرعہ مین اسی مضمون کی ایک دوسری مثال بیان کرتے ہین کہ دیکھو جب یہ آفتاب ظاہری غائب ہوجاتا ہی تو بیداری بھی نہین رہتی اور ہر شے پر ایک سکوت کا عالم رہتا ہی اور جب تک وہ سامنے رہتا ہے تو ساری چہل پہل ہوتی ہی اسیطرح طالبین کے نہونے سے جو سبب تھے جوش کلام اہل کمال کے اونکی بیداری یعنی توجہ الی اظہار الاسرار خاموش ہوجاتی ہی اب چونکہ مولانا بہت تھوڑی سی مناسبت سے ایک مضمون سے دوسرے مضمون کی طرف انتقال فرماجاتے ہین اور یہان مثال کے طور پر آفتاب ظاہری کا ذکر آگیا تھا آگے آفتاب صوری اور آفتاب معنوی یعنی عارف باللہ مین فرق اور اول پر ثانی کی تفضیل بیان کرتے ہین پس فرماتے ہین آفتابا ترک این گلشن کنی الخ۔

شرح حبیبی

آفتابا ترک این گلشن کنی	تا کہ تحت الارض را روشن کنی
آفتاب معرفت را نقل نیست	مشرق او غیر جان وعقل نیست

پہلے شعر مین ایک توجیہ کی بنا پر اہل اللہ کی تشبیہ بالشمس مستفاد ہوئی تھی ان اشعار مین اہل اللہ کی فوقیت شمس پر اظہار فرماتے ہین جس کا حاصل یہ ہی کہ اے آفتاب تو تحت الارض کو روشن کرنے کے لئے اس گلشن عالم کو چھوڑتا ہی۔ اور اس کے بغیر تو دوسری جانب کو منور نہین کرسکتا۔ جسکی وجہ یہ ہی کہ تیری نور افشانی کا محل اجسام کثیفہ ہین اور آفتاب معرفت یعنی عارف کی نور افشانی کا محل عقل وجان ہی اور تمام نفوس پر ایک ہی مقام سے نور افشانی ہوسکتی ہی۔ اسکی ضرورت نہین کہ ایک طرف سے توجہ پھیر کر دوسری جانب نور افشانی کیجائے۔

شرح شبیری آفتابا الخ یعنی اے آفتاب تو اس گلشن (عالم) کو چھوڑتا ہی جب کہین زمین کے دوسرے حصہ کو روشن کرتا ہی۔ گلشن مراد عالم۔ چونکہ پہلے شعر مین کہا ہی کہ جب یہ آفتاب نہین رہتا تو خاموشی طاری ہوجاتی ہی اب کہتے ہین کہ دیکھو آفتاب صوری اور معنوی مین یہ فرق ہی کہ یہ آفتاب جب زمین کے دوسرے حصہ کو روشن کرنا چاہتا ہی تو اسکو اس عالم سے غائب ہونا پڑتا ہی اور جب اس عالم سے علیحدگی اختیار کرتا ہی تب دوسری طرف کو روشن کرتا ہی یہان تو آفتاب صوری اور آفتاب ظاہری کی حالت بیان کردی آگے آفتاب معنوی کی حالت بیان کرتے ہین تاکہ ما بالفرق معلوم ہوجائے اسلئے فرماتے ہین کہ۔

آفتاب الخ - یعنی آفتاب معرفت منتقل نہین ہوتا اور اوس کا مشرق جان و عقل کے سوا اور کچھ نہین ہی آفتاب معرفت عارف و کامل - جان و عقل مراد جان و عقل مستفیدین مطلب کہ اوپر بیان کیا ہے کہ اس آفتاب معنوی کو دوسری طرف روشنی پہونچانے کیلئے اپنی مشرق سے غیبت ہوتی ہی اور اس طرف سے فیض روشنی کو روکنا پڑتا ہی اور سب چیزون پر ایکدم سے روشنی نہین پہونچا سکتا اور لیکن آفتاب معنوی کو جو کہ مرشد ہی اوسکا مشرق اور محل ظہور انوار قلب مستفیدین ہی اپنے مطلع سے کبھی غیبت نہین ہوتی اور اوسکو اسکی ضرورت نہین کہ جب زید کو مثلاً فیض پہونچا رہے تو عمر سے غفلت اور غیبت ہو بلکہ وہ ایک وقت مین سب مستفیدین کو فیض پہونچا سکتا ہی اب یہانتک تو آفتاب ظاہری اور معنوی یعنی مرشد کے فیض مین فرق بیان کیا تھا آگے اس آفتاب معنوی یعنی عارف کی حالت کے بیان سے بھی ترقی کرتے ہین اور کہتے ہین کہ خاصہ خورشید کمالی کان سری است الخ -

شرح حبیبی

روز و شب کردار او روشن گری ست	خاصہ خورشید کمالی کان سری ست

یہ تو ان آفتابہائے معرفت کی حالت تھی جو عالم امکان سے تعلق رکھتے ہین اب اس خورشید کمال کی حالت سنو جو بیرون از عالم امکان ہی اسکا تو کہنا ہی کیا ہی اوس کا تو کام رات دن منور کرنا ہی -

شرح شبیری خاصہ الخ یعنی خاصکر وہ خورشید کمالی کہ اوس طرف کا ہی جسکا کام رات دن روشنگری ہی ہی خورشید کمالی مراد باری تعالی سری معنی طرف - روشنگری مراد فیض بخشی مطلب یہ کہ آفتاب ظاہری اور آفتاب معنوی تو فیض پہونچاتے ہی ہین - مگر بڑھکر دیکھو کہ خاصکر وہ خورشید کمالی کہ جو انتہائے کمال کو پہونچا ہوا ہے اور جو اوس طرف یعنی عالم امکان سے باہر کا ہی کس طرح روشنگری کر رہا ہے اور ہر وقت اور ہر گھڑی فیض پہونچا رہا ہی اور اوس کا کام ہی یہ ہے کہ رات دن فیض کو جاری رکھتا ہی اوسکو تو کیسے غیبت ہوگی آگے اس شمس کامل سے مستنیر ہونے کو فرماتے ہین کہ مطلع شمس آ اگر اسکندری الخ -

شرح حبیبی

بعد از ان ہر جا روی نیکو فری	مطلع شمس آ اگر اسکندری

یہین تر غیب ہی اہل اللہ سے استفاضہ کی یعنی اگر تو سکندر راہ حقیقی آب حیات کا طالب ہی تو مطلع شمس معرفت - یعنی اہل اللہ کے پاس آ اور کمال حاصل کر کہ وہ خورشید کمال مذکور کے محل ظہور انوار مثل مطلع شمس کے ہین پھر تو جہان جائیگا نصیبہ کا سکندر ہوگا خواہ متوجہ بحق ہو یا متوجہ بخلق الاول ظاہر والثانی للان توجہ مثل ہذا المرء الی الخلق یکون للحق جامر الحق والنفع الحق فیکون فیہ من القرب مالا یکون فی توجہ الناقص الی الحق -

شرح شبیری مطلع الخ - یعنی شمس موصوف سابق کے محل طلوع کے پاس آ جاؤ اگر سکندر ہو اسکے بعد تو جہان کہین جاویگا خوش نصیب ہوگا - مطلع شمس قلب کامل اسلئے کہ انوار آلہیہ کا محل طلوع ہی - سکندر مراد طالب حقیقی قولہ تعالی حتی اذا بلغ مطلع الشمس الخ مطلب یہ کہ اگر تم طالب ہو اور اوس خورشید کامل یعنی باری تعالی سے فیض لینا چاہتے ہو تو اولیاء اللہ کے پاس جاؤ اور اون سے میل کرو کہ اون کا قلب اوس کے انوار کے طلوع ہونے کی جگہ ہی

تو جب تم اوس مطلع کے پاس پہونچ جاؤگے اور اوس سے یعنی اولیاء اللہ سے تعلق رکھوگے تو پھر کہین جاؤ تم خوش نصیب اور نیکو فر ہوگے کہین جانے سے یہ مراد ہی کہ پھر خواہ تمکو توجہ الی الحق ہو اور خواہ توجہ الی الخلق ہو کہ وہ بھی للحق ہوگی ہر طرح خوش نصیب ہوگے اور مطلع نور و فیض سے نور اور فیض حاصل کرتے رہوگے اب آگے اس صحبت سے جو نفع ہوگا اوسکو فرماتے ہین کہ بعد ازان ہر جا روی مشرق بود الخ۔

شرح حبیبی

بعد ازان ہر جا روی مشرق بود	شرقہا بر مغربت عاشق بود

یعنی اس کے بعد جہان جائیگا یعنی جس طرف متوجہ ہوگا۔ خواہ الی الحق یا الی الخلق تیرے لئے ہر جگہ مشرق ہی ہوگا یعنی ہر حالت مین تو مقتبس انوار ہوگا اور توجہ الی الخلق تجھکو کچھ مضر نہوگی اور تیری حالت توجہ الی الخلق پر جو بظاہر مشابہ مغرب ہی سیکڑون ظاہری مشرقین عاشق ہون گی کہ ان کے لئے وہ نور کہان جو اس حالت مین بھی تیرے لئے ہی۔

شرح شبیری بعد ازان الخ۔ یعنی اس کے بعد تم جس جگہ جاؤگے تمہارے لئے مشرق ہی ہوگا۔ اور مشرق تیرے مغرب پر عاشق ہون گے مشرق مراد مطلع انوار الٰہیہ شرقہا مراد توجہ الی الحق مغرب توجہ الی الخلق کہ ظاہراً حالت ناقصہ است مطلب یہ ہی کہ جب تم اوس مطلع شمس سے تعلق پیدا کرلوگے اور اوس سے فیوض و برکات حاصل کرلوگے تو پھر جس طرف بھی توجہ کروگے خواہ الی الخلق ہو خواہ الی الخلق ہو وہ تمہارے لئے مشرق اور مطلع شمس ہی ہوگا یعنی ہر حالت مین تمہارا قلب مطلع نور رہیگا۔ توجہ الی الحق مین تو ظاہر ہے اور توجہ الی الخلق مین اسلئے کہ وہ للحق ہوگی مصرعہ ثانیہ کا یہی حاصل ہی کہ پھر تمہاری یہ حالت ہوگی کہ دوسرے ناقصون کی توجہ الی الحق تمہارے توجہ الی الخلق پر کہ للحق ہی عاشق ہوجاویگی چنانچہ ظاہر ہی کہ کامل کی توجہ الی الخلق مین جو طاعت ہی وہ اکمل ہی اوس طاعت سے جو ناقص کی توجہ الی الحق مین ہو۔ پس طالب کو ضروری ہو اکہ اولیاء اللہ سے تعلق پیدا کرے اور اون کے ذریعہ سے فیوض اور انوار حق کو حاصل کرے یہان تک تو توجہ الی الحق کی ترغیب تھی اب آگے اوس کی تدبیر بتلاتے ہین حس خفاشت سوئی مغرب دوان الخ۔

شرح حبیبی

حس خفاشت سوئی مغرب دوان	حس دُر پاشت سوئی مشرق روان

اس سے پیشتر مولانا نے توجہ الی الحق کی ترغیب دی تھی اب اس کا طریق بتاتے ہین۔ اور فرماتے ہین کہ تیرے اندر دو قسم کے حواس ہین۔ ایک حس خفاش جو کہ ظلمات عالم ناسوت پر فریفتہ اور اُن سے دلچسپی رکھنے والی ہی اور دوسری حس درپاش جو کہ انوار الٰہیہ کا ادراک کرکے مدرک کو محو انبساط کرتی ہی حس اول حس مادی ہی جس مین حواس ظاہرہ مثل باصرہ سامعہ وغیرہ اور حواس باطنہ مثل وہم وغیرہ بلکہ ہر وہ قوت جو داعی الی الشہوات ہو داخل ہین اس کا کام تو یہ ہی کہ وہ عالم ناسوت کی طرف راغب ہی جو کہ سراپا ظلمت ہونے کے باعث مغرب سے مشابہ ہی اور حس ثانی لطائف خمسہ مجردہ ہین ان کا کام یہ ہی کہ وہ عالم ملکوت کی طرف مائل ہین جو کہ سراپا نور اور انوار الٰہیہ سے لبالب ہونے کے باعث مشابہ بالمشرق ہی

حس خفاشت سوی مغرب دوان و حس درپاشت سوی مشرق روان +

شرح شبیری حس الخ - یعنی تیری حس ظاہری جو خفاش کی مانند ہی مغرب کی طرف دوڑتی ہی اور تیرے اندر جو حس باطنی ہی وہ مشرق کی طرف روانہ ہوتی ہی حس خفاش سے حس ظاہری کو تشبیہ دیتے ہین اور پھر اوس کے لئے مغرب کی طرف جانا بتلاتے ہین جس طرح کہ خفاش ظلمات کی طرف جو اکثر مغرب مین ہوتی ہی جاتی ہی اور نور سے جو مشرق مین ہوتا ہی بہاگتی ہی اسی طرح یہ حواس اور قوی مدرکہ ظاہرہ یعنی مادیہ جو حواس باطنہ کو بھی شامل ہی تلذذات اور تنعمات کی طرف جاتے ہین اور اوس نور سے جو مطلع شمس یعنی حق تعالی کی طرف سے فائض ہو رہا ہی الگ رہتے ہین اور حس درپاش سے تشبیہ ہے حس باطنی یعنی قوت روحانیہ کو اسلئے کہ انوار الٰہیہ کا ادراک کرتی ہی اور ظلمات سے الگ رہتی ہی - اس شعر مین مولانا کو یہ بیان کرنا مقصود ہی کہ ہم نے جو توجہ الی الحق کی اوپر رغبت دلائی ہی اوسکی تدبیر یہ ہی کہ حواس ظاہری جو کہ تلذذات اور تنعمات کی طرف لیجاتے ہین اون سے علیحدگی کرو اور اون حواس کو کام مین لاؤ جو کہ درپاش یعنی جامع الانوار ہین اور موصل الی الحق ہین جو حاصل ہی مجاہدہ و ریاضت کا بس مقصود مولانا کا اس کہنے سے یہ ہی کہ مجاہدہ اختیار کرو اور نفس کی مقتضیات کو ترک کردو کہ نفس تو تمکو ظلمات کی طرف یعنی شہوات کی طرف لیجاویگا اور روح تمکو مشرق انوار یعنی حق تعالی کی طرف لیجاویگی یہان تو یہ بتلادیا تھا کہ کچھ دواعی نفس ہوتے ہین اور کچھ دواعی روح ہوتے ہین آگے فرماتے ہین کہ راہ حس راہ خران ست اے سوار الخ -

شرح حبیبی

اے خران را تو مزاحم شرم دار	راہ حس راہ خران ست اے سوار

جبکہ پہلے شعر سے تجھکو معلوم ہو چکا کہ تیرے اندر دو قسم کے حواس ہین اور ہر دو کے مطلوب جداگانہ ہین تو اب تجھکو جاننا چاہیے کہ حس مادی کا رستہ اور اوس کے مقتضیات کا اتباع بہائم اور اہل دنیا کا کام ہی جو مشابہ بہائم ہین بہلا تو ان گدہون سے بہڑتا ہی اور ان ہی کی روش پر چلتا ہی اس سے تجھے شرم آنی چاہیے اور تیرا فرض یہ ہونا چاہیے کہ حس مادی کا اتباع کر کے ظلمات عالم ناسوت مین نہ بیٹھے بلکہ اُس حس کے مقتضیات کو ترک کر اور لذات شہوانیہ کو خیرباد کہہ اور حس باطنی مجرد کا اتباع کر کے اوس کے مدرکات عجیبہ سے بہرہ اندوز اور مالامال ہو - یہ تھا وہ طریق توجہ الی الحق کا جسکو مجاہدہ کہتے ہین مگر مقصود یہ نہین کہ حواس مادیہ سے بالکل ہی متمتع نہ ہونا چاہیے کیونکہ اگر ان سے مطابق اذن شارع انتفاع ہو تو مضائقہ نہین بلکہ مقصود یہ ہی کہ اُن سے انتفاع مین اس طرح منہمک نہ ہونا چاہیے کہ وہ مانع ہو جائے انتفاع بالحس المجرد سے خواہ بالکل یا کم - آگے پھر مضمون سابق کا اعادہ فرماتے ہین اور کہتے ہین پنج حسے ہست جز این پنج حس الخ -

شرح شبیری راہ حس الخ - یعنی اسے تیز رو راہ حس تو خردن کی ہی اور تو خردن سے ملا جلا چلتا ہی شرم کی بات ہی نفس کے اتباع کے موافق چلنا اور مقتضیات شہوات وغیرہ پر عمل کرنا تو دنیادار اور نااہلون کا کام ہی تو تو طالب قرب ہو کر اوس راہ پر کیون چلتا ہی اور جب اوس راہ پر چلیگا تو ظاہر ہی کہ اون لوگون سے میل جول بھی ہوگا تو تجھ کو اس سے شرم نہین آتی کہ نااہلون اور غیر جنسون کی ساتھ رہے مطلب یہی ہی کہ تلذذات اور خواہشات نفسانی کو ترک کردینا چاہیے - کیونکہ وہ اہل حق کا طریقہ نہین ہی اور ترک خواہشات سے مراد تقلیل ہی کہ مجاہدہ یہی ہی اور اوس سے دواعی نفسانی کمزور اور کم ہو جاتی ہین بالکل معدوم نہین ہوتی اور سوار کہدینا اس اعتبار سے ہی کہ تو اس راہ نفس

مین تیز رو ہے اور عادت ہی کہ سوار بہ نسبت پیادہ کے تیز چلتا ہی اس مناسبت سے طالب کو سوار کہہ دیا اب یہان چونکہ کہا تھا کہ حس مختلف ہوتی ہین حس نفسانی اور حس روحانی آگے اسکی تشریح فرماتے ہین کہ پنج حسے ہست جز این پنج حس الخ۔

شرح حبیبی

آن چو زر سرخ وین حس ہا چو مس	پنج حسے ہست جز این پنج حس

ہم پہلے بھی اشارہ کر چکے ہین کہ تیرے اندر دو قسم کے حواس ہین اور اب پھر کہتے ہین کہ تیرے اندر صرف حواس مادیہ ہی نہین بلکہ ان کے علاوہ چند اور حواس بھی ہین جو مجرد ہین اور وہ حواس ان حواس سے زیادہ قیمتی اور کار آمد ہین اور ان مین اس قدر تفاوت ہی جس قدر زر اور مس مین وہ اگر مثل سونے کے ہین تو یہ مثل تانبے کے (ف ۱) ان حواس مجردہ کی تفصیل یہ ہی کہ انسان جس طرح عناصر سے بنا ہی جو کہ مادیات سے ہین یون ہی کچھ مجردات سے بھی مرکب ہی اور اُن کو لطائف ستہ کہتے ہین کیونکہ وہ لطیف اور غیر محسوس ہوتے ہین اور تعداد مین چھ ہین نفس روح قلب سر خفی اخفی ان سب کے خواص جدا گانہ ہین نفس کو ان مین تغلیباً داخل کر لیا ہی ورنہ اصل لطائف پانچ ہین اور وہی حواس خمسہ ہین ان لطائف کو فوق العرش بھی کہتے ہین بایں معنی کہ ان کے لئے کوئی مکان وحیز عرش سے بالا ہی بلکہ اس لئے کہ یہ مجردات اور مستغنی عن الاحیاز والامکنہ ہین اور عرش منتہی عالم مادی محتاج الی الحیز ہی پس فوق العرش بمعنی خارج ومنزہ عن الامکنہ والاحیاز ہی۔ پس اب پنج حسے ہست جز این پنج حس" مین یا تو لفظ پنج سے عدد مخصوص مراد لیا جاوے اور پہلے پنج سے لطائف خمسہ مراد ہون اور دوسرے پنج سے حواس خمسہ ظاہرہ بظہور رہا اور باطنہ کو ان کے تابع کر دیا جاوے یا ظاہرہ کے مفہوم کو عام لیلیا جاوے بمعنی مادیہ بمقابل مجرد کا۔ اور یا پنج سے مراد مطلق متعدد ہو یہ ہی اقرب اور بے تکلف ہے (ف ۲) دوسرے مصرعہ مین اس طرف بھی اشارہ ہو سکتا ہی کہ گو حواس مادیہ ناکارہ ہین مگر ان مین صلاحیت ہی کہ توجہ الی الحق کے کام آسکین اس طریق سے کہ ان سے علی الوجہ المشروع کام لیا جاوے۔ کیونکہ حواس مجردہ کو سونے سے تشبیہ دی ہی اور ان حواس کو مس سے اور مس بھی کیمیاوی طریق سے سونا بن سکتا ہی۔

شرح شبیری پنج حسے الخ۔ یعنی ان حواس خمسہ (ظاہرہ) کے علاوہ اور حواس بھی ہین اور وہ حواس زر سرخ کی مانند ہین اور یہ حواس تانبے کی مانند ہین۔ یہان حواس روحانی کو پنج کہنے سے عدد پنج مراد نہین بلکہ مراد یہ ہی کہ ان حواس خمسہ ظاہری کے علاوہ اور حواس بھی ہین اور یہی تفسیر بے غل وغش ہی اور بے تکلف ہی لیکن اگر الفاظ ہی کی توجیہ کی جاوے تو یہ معنی بھی ہو سکتے ہین کہ چونکہ لطائف صوفیہ کے بیان چھ ہین نفس روح قلب سر خفی اخفی جس مین سے نفس کو تو تغلیباً داخل کر لیتے ہین کیونکہ وہ نفس جو کہ داعی الی الشر ہی قوۃ مادیہ ہی مجرد نہین اور لطائف مجرد ہین اسلئے جب اسکو لطائف سے نکال ڈالا جاوے تو آگے لطائف پانچ ہی رہتے ہین اور مراد لطائف سے چند مجردات ہین جو انسان کی ترکیب مین داخل ہین جس طرح مادیات مین سے عناصر اوسکی ترکیب مین داخل ہین چنانچہ نفس ناطقہ کو تو حکما بھی جزء انسان کہتے ہین اور وہ اُن کے نزدیک مجرد بھی ہی تو یہ بھی مراد ہو سکتی ہی کہ اول پنج سے مراد لطائف خمسہ ہین اور ثانی سے مراد حواس خمسہ ظاہرہ مگر اس توجیہ مین ایک گونہ تکلف معلوم ہوتا ہی بے تکلف تو یہی ہے

کہ کہا جاوے کہ پنج سے مراد عدد ہی ہی نہین لیکن اگر کسی کو پنج کے لفظ کی رعایت ضروری ہو تو وہ ثانی توجیہ کو اختیار کرلے ع
ولناس فیما یعشقون مذاہب ہاور بعض لوگون نے ان لطائف خمسہ کو قرآن شریف سے ثابت کیا ہی اور کہتے ہین انہ یعلم السر واخفی
مین یہی سر و اخفی مصطلح مراد ہی گر یہ صریح جو رہے یہ کیا ضروری ہو کہ ساری باتین قرآن ہی سے ثابت ہوا کرین اور جو اوس
سے ثابت نہ ہوا کرے تو اوسکی نفی کردی جاوے بلکہ بات یہ ہی کہ اگر کوئی امر ایسا ہو کہ وہ اصول شرعیہ کے اور قرآن و حدیث
کے خلاف نہو اور کسی مستقل دلیل سے ثابت ہو تو اوسکو بھی کہا جاویگا کہ یہ صحیح ہے اور اوسکو تسلیم کرین گے دیکھو آخر زید قائم قرآن
سے کہین ثابت ہی گر جب ایک مستقل دلیل سے ثابت ہی اسکو تسلیم کرتے ہین اور مانتے ہین پس اسی طرح یہ لطائف ایک مستقل
دلیل سے ثابت ہین اور اونکو تسلیم کرنے کے لئے قرآن شریف مین ہونا ضروری نہین ہی تو اب حاصل یہ ہوا۔ کہ ان حواس ظاہرہ
کے علاوہ کچھ حواس اور بھی ہین اور کچھ مدرکات اور بھی ہین کہ یہ حواس ظاہرہ تو ان شہوات کا ادراک کرتے ہین اور وہ دوسری
حواس انوار الٰہیہ کا ادراک کرتے ہین اور متوجہ الی الحق ہوتے ہین لہذا اون کی طرف توجہ چاہیئے اور ان حواس مین نہ پھنس جانا
چاہیئے۔ اور جاننا چاہیئے کہ یہان سے مجردات کے مقابل پنج حس کہا ہی جسکی تفسیر حواس ظاہرہ سے کیگئی سو یہ ظاہرہ عام
ہی باطنہ مصطلحہ اہل حکمت کو بھی کیونکہ وہ بھی مادی ہین اور ان لطائف کو یا مطلق ادراک روحانی کو حس کہنا مجازاً و مشاکلۃً
ہے بمعنی مطلق مدرک اور یہان جو مس جو کہا ہی ایک لطیفہ کے طور پر اسکے یہ معنی بھی ہو سکتے ہین کہ جس طرح کیمیا گری مین
تانبے سے سونا بن جاتا ہی اور تانبے مین سونا بننے کی استعداد ہوتی ہی اسی طرح ان حواس مین بھی استعداد موجود ہی اس امر
کی ان کو اوس طرف متوجہ کردیا جاوے اور یہ دونون جمع اس طرح جن مین ایک طرف مادیات ہین دوسری طرف مجردات ہین کام
دین گے ان مجردات کو صوفیہ کے یہان لطائف کہتے ہین اور ان مین سے ہر ایک کے کچھ خواص بھی جدا جدا ہین اور ان
لطائف کا خاصہ مشترکہ توجہ الی الحق ہی اور یہان صوفیہ کے اس قول کے معنی سمجھ لینا بھی ضروری ہین کہ وہ کہتے ہین کہ لطائف
فوق العرش ہین ناواقف اسمین بہت غلطی کرتے ہین اور یون سمجھتے ہین کہ لطائف کے لئے عرش مکان اور حیز ہی تو سمجھ لو کہ لطائف
جب مجردات ہین تو اون کے لئے مکان اور حیز کس طرح ہو سکتا ہی لہذا یہ معنی نہین ہین کہ لطائف عرش پر متمکن ہین بلکہ مطلب
یہ ہی کہ چونکہ عرش تمام امکنہ کو حاوی ہی اسلئے اوسکے اوپر ہونے کے یہ معنی ہوئے کہ خارج عن الحیز والمکان ہین نہ یہ کہ اون کے
لئے عرش مکان اور حیز ہی پس انسان مین پانچ حواس ظاہرہ تو مادی ہوئین اور کچھ مجردات ہین سو مادیات کے مقتضیات
سے علیحدہ ہو کر اون مجردات سے کام لینا ضروری ہوا۔ یہان تک تو یہ بتلایا کہ ان حواس کے علاوہ کچھ اور حواس بھی ہین
آگے مقصود مین ان حواس ظاہرہ کا بیکار ہونا اور اونکا کار آمد ہونا بتلاتے ہین لہذا فرماتے ہین کہ اندران بازار کاہل محشر اند الخ۔

شرح حبیبی

اندران بازار کاہل محشر اند	حس مس را چون حس زر کے خرند

یعنی جس بازار مین اہل محشر اور مکلفین کو جانا ہے اور اپنی کمائی کا معاوضہ لینا ہے یعنی عالم آخرت مین وہان
حس مس کو جنس کاسد سمجھا جاتا ہی اور حس زر کے پورے دام لگتے ہین دونون ایک بھاؤ نہین بک سکتے پس تم کو
چاہیے کہ متاع رائج کو کساد سے بچاؤ اور متاع کاسد کو رائج بنانے کی کوشش کرو اہل محشر سے مراد مکلفین
ہین کہ مخاطب بالشرع وہی لوگ ہین یا مطلق محشور ہونیوالے مگر مقصود مکلفین ہی کو سنانا ہی اور مکلفین کو بعنوان اہل محشر

اسلئے تعبیر کیا گیا تاکہ اسکے مزید تنبیہ کا باعث ہو اور وہ سمجھین کہ ہم فقط دنیا ہی مین نہ رہین گے بلکہ ہمکو آخرت مین بھی جانا ہے۔

شرح شبیری اندران الخ۔ یعنی اوس بازار مین کہ جہان اہل محشر ہین اس حس مس کو حس زر کی برابر کیسے خرید ین گے **بازار اہل محشر۔ عالم غیب** مس حواس مادیہ حس زر حواس مجردہ۔ مطلب یہ کہ عالم غیب کے بازار مین ان حواس کو اون لطائف اور حواس باطنی کے برابر کس طرح کرین گے بلکہ وہان تو حواس باطنی کی ہی پرسش ہوگی عالم غیب کے موجودین کو اہل محشر کہدیا باعتبار مآل کے ہی اور اسمین یہ بھی اشارہ ہی کہ پورا پورا ظہور اس کے مس ہونے اور بیکار ہونے کا اور اون کے زر اور باکار ہونے کا تو محشر ہی مین ہوگا یہان چونکہ حواس ظاہر اور دواعی شہوت کا بیکار ہونا عالم غیب مین بیان کیا تھا اب اسکی وجہ بتلاتے ہین کہ وہ بیکار اور دوسرے باکار کیون ہین فرماتے ہین کہ حس ابدان قوت ظلمت میخورد الخ

شرح حبیبی

حس جان از آفتابے مے چرد	حس ابدان قوت ظلمت میخورد

اس شعر مین دونو حسون کے درمیان دوسرے عنوان سے تفاوت دکھلانا مقصود ہی یعنی حس مادی کی تو غذا عالم ناسوت سے ہی جو سراپا ظلمت ہی یعنی اس کے مدرکات و مطلوبات تو مادیات ہین اور حس روح یعنی حس مجرد کی خوراک اور اوس کا مطلوب نور حق ہی۔ واین الثریٰ من الثریا۔

شرح شبیری حس ابدان الخ۔ یعنی ابدان کی حس ظلمت سے غذا حاصل کرتی ہی اور جان کی حس ایک آفتاب سے چرتی ہی مطلب یہ کہ یہ حواس ظاہرہ تو ظلمت یعنی کدورات شہوات سے خوش ہوتے ہین اور اوسی مین انکو نشو و نما ہوتا ہی اور یہ اون ہی شہوات ہوا و ہوس سے تلذذ حاصل کرتے ہین مگر حس روح ایک آفتاب سے یعنی حق تعالی سے غذا حاصل کرتی ہی اور اوسکو تلذذ اور نشو و نما انوار الٰہیہ سے اور برکات سے ہوتا ہی تو معلوم ہوا کہ چونکہ حس ابدان ظلمات اور شہوات نفسانی مین لگی رہتی ہے اور عالم غیب کی طرف متوجہ نہین ہوتی اسلئے وہ تو وہان بیکار ہے اور حس روح جو کہ اوس طرف لگی رہتی ہی اور فیوض و برکات اوسی عالم سے حاصل کرتی ہی وہان باکار ہی اب چونکہ یہان تک تعلیم بھی توجہ الی الحق کی اور اوسکی تدبیر بھی بتلائی تھی کہ مجاہدہ ہی اور مجاہدہ کے لئے جو طریقے بتلائے ہین کہ نفس کی مخالفت کرو اور اوسکی مقتضیات پر عمل مت کرو اور یہ بہت ہی مشکل تھا اور اپنی قوت سے خارج تھا اسلئے آگے خداوند تعالی کی بارگاہ مین مناجات اور دعا کرنے لگے اور یہ ان کی ایک عادت مطردہ ہی کہ جہان کسی امر کی تعلیم کرتے ہین اور وہ سخت ہوتا ہی تو فوراً خداوند تعالی سے مناجات مین مشغول ہوجاتے ہین لہذا فرماتے ہین کہ اے بے بردہ رخت حس ہاسوی غیب الخ۔

شرح حبیبی

دست چون موسیٰ برون آور ز جیب	اے بہ بردہ رخت حس ہاسوی غیب

مولانا کی عادت ہی کہ جب کسی امر کی صعوبت کو محسوس کرتے ہین تو مناجات مین مشغول ہوجاتے ہین چونکہ اوپر مجاہدہ کی ضرورت بیان کی تھی اور مجاہدہ ایک امر شاق ہے اسلئے مناجات مین مصروف ہوتے ہین اور فرماتے ہین کہ اے حس

مجردہ کے سامان کو خفا کی طرف لیجانیوالے اور اسکو باقتضائے حکمت مخفی اور ان کے مقتضیات کو مغلوب کرنیوالے موسی علیہ السلام کی طرح ید بیضا ہاتھ جیب سے نکال اور ہمکو ظلمت جہل وضلالت مین نور معرفت وہدایت عطا فرما اور اپنی قدرت سے حواس مخفیہ کو پردۂ خفا سے نکالکر انکو غالب بنا۔ اب مولانا پر توحید اور سکر کا غلبہ ہوتا ہے اور فرماتے ہین۔

شرح شبیری اے الخ۔ یعنی اے وہ ذات کہ جو متاع حواس (باطنی) کو پوشیدگی اور خفا کی طرف لے گیا ہے اب موسیٰ علیہ السلام کی طرح گریبان سے (منور) ہاتھ نکالئے جسہا سے مراد حس جان اور روح اور سوئے غیب سے مراد مطلق خفا اور پوشیدگی ہے عالم غیب مراد نہین جیسے بعض لوگ اپنی غلطی سے ایسا سمجھتے ہین اور دست چون موسیٰ الخ سے مراد یہ ہے کہ جس طرح موسیٰ علیہ السلام اپنے ہاتھ کو گریبان مین لیجا کر مخفی کر دیتے تھے اور جب نکالتے تھے تو وہ منور ہوتا تھا اسی طرح آپ بھی اون حواس روحانیہ کو جو خفا مین ہین اپنے دست تصرف سے ظاہر فرما دیجئے کہ اون کے نور سے حقیقت بینی میسر ہو مطلب یہ کہ دعا کرتے ہین کہ یا الہ العالمین ہم مین تو ان مجاہدات کے پورا کرنیکی ہمت ہی نہین ہان اگر آپ انکو پردہ خفا سے نکالکر ہمارے قلوب کو ان سے منور فرمادین تو ہوسکتا ہے کہ ان سے ہماری اصلاح ہو جاوے اور ان حواس ظاہرہ کے مقتضیات کو مغلوب فرما دیجئے یہان تک تو دعا تھی کہ اون حواس باطنی مخفیہ کو میرے لئے ظاہر فرما دیجئے آگے اسکو بتلاتے ہین کہ اون کے اظہار کی کیا ضرورت ہے لہذا فرماتے ہین اے صفاتت الخ جس کا حاصل یہ ہے کہ مقصود اس اظہار سے حصول معرفت حق ہے۔

شرح حبیبی

اے صفاتت آفتاب معرفت	وآفتاب چرخ بند یک صفت

اس شعر مین صفت اور صفات سے مراد متعارف عوام ہے یعنی افعال۔ نہ کہ متعارف خواص۔ کیونکہ انکو آفتاب بمعنی آلہ ظہور کہا گیا ہے اور آلہ ظہور افعال آلہیہ ہین نہ کہ صفات بلکہ ان صفات کے ظہور کا آلہ بھی افعال ہی ہین تفصیل اسکی یہ ہے کہ حق سبحانہ تعالیٰ اگر عالم کو پیدا ہی نہ کرتے جو کہ اختیاری ہونے کے باعث ممکن تھا تو کسی عارف ہی کا وجود نہ ہوتا پھر معرفت کیسی۔ تو معرفت کا آلہ تخلیق عالم ہوا جو کہ ایک فعل ہے افعال حق سے پس آلہ معرفت فعل ہوا تخلیق عالم کے بعد پھر جن چیزون سے حق سبحانہ کی معرفت ہوتی ہے وہ اسکی مصنوعات عجیبہ ہین جو دال ہین اس کے افعال خاصہ اور تاثیرات مخصوصہ پر اور یہ دلالت کرتی ہین صفات خاصہ مثل قدرت کاملہ وحکمت بالغہ وعلم محیط پر اور ان سے استدلال ہوتا ہے ذات پر لہذا یہان بھی افعال ہی آلہ معرفت ٹھہرے اس پر شبہ یہ ہو سکتا ہے کہ یہان تو آلہ مصنوعات ہین نہ کہ افعال اسکا جواب یون ہو سکتا ہے کہ مصنوعات من حیث الذات آلہ نہین بلکہ من حیث کونہا۔ آثار للافعال آلہ ہین تو درحقیقت افعال ہی آلہ ہوئے معنے شعر یہ ہین کہ اے وہ ذات جس کی تجلیات وافعال آلہ ہین اسکی معرفت کا اور آفتاب چرخ جسکے ایک فعل یعنی ایجاد خاص کا پابند و تابع ہے جواب ایا اینہ ہین

شرح شبیری اے صفاتت الخ۔ یعنی اے ذات کہ تیری صفات یعنی تجلیات وافعال (تیری) معرفت کے لئے آفتاب اور (ذریعہ) ہین اور یہ آفتاب آسمانی بھی اون ہی تجلیات مین سے ایک تجلی کا مسخر اور بندہ یعنی تابع صفت ہے صفات سے مراد افعال وتجلیات صفت بمعنی متعارف مراد نہین کیونکہ معرفت کا آلہ افعال ہی ہین مطلب یہ کہ آپ کے افعال مثل آفتاب کے آپکی معرفت کے ذریعہ ہین یعنی جس طرح آفتاب سے نور حاصل کرکے دوسری اشیاء کا علم ہوتا ہے اسی طرح ان افعال کو دیکھکر تیری معرفت ہوتی ہے اور جس طرح آفتاب آلہ اظہار اشیاء ہے اسی طرح یہ افعال

وتجلیات بھی معرفت ذات کیلئے آلہ ہین جاننا چاہیئے کہ صوفیہ کے کلام مین ہرطرح کی اصطلاحات ہوتی ہین وہ بعض جگہ تو حکمائ کی اصطلاح کے موافق کلام کرتے ہین اور بعض جگہ محاورۂ عوام کے مطابق کلام کرتے ہین اسلیئے لوگون کو دونون اصطلاحون کے خلط سے بہت سے شبہات ہوجاتے ہین پس یہان محاورہ عامہ کی موافق صفات سے مراد افعال ہین جیسے بولتے ہین کہ زید بڑی صفت کا آدمی ہے اوس صفت کو بیان کرتے ہین تو کہتے ہین کہ وہ خوب خرچ کرتا ہے تو دیکھو خرچ کرنیکو جو کہ ایک فعل تھا صفت سے تعبیر کرتے ہین تو یہان بھی صفات سے مراد افعال ہی ہین دوسرے مصرعہ مین فرماتے ہین کہ یہ آفتاب چرخ بھی تیرے افعال مین سے ایک فعل یعنی ایجاد مشخص خاص کا تابع ہے جب یہ ایسا نور بخش ہے تو آپ کی تجلیات کیسی کچھ نور معرفت کا سبب ہون گی یہان چونکہ کہا تھا کہ افعال ہی آلہ معرفت ہین آگے اسی کی کچھ تفصیل ہے کہ۔

شرح حبیبی

گاہ خورشید وگہے دریا شوی	گاہ کوہ قاف وگہ عنقا شوی

تیری معرفت کا آلہ کبھی آفتاب ہوتا ہے کبھی دریا کبھی کوہ قاف کبھی عنقا۔ کیونکہ یہ سب تیری مصنوعات اور تیرے افعال کے آثار اور ان کے مظاہر ہین اصل مقصد تو یہ ہے اور جو عنوان اختیار کیا ہے کہ کبھی تو آفتاب ہوتا ہے اور کبھی دریا اور کبھی کوہ قاف اور کبھی عنقا وہ محض تعبیر ہے بعض احادیث مین بھی اس قسم کی تعبیرات آئی ہین مثلاً ایک حدیث مین ہے کہ حق سبحانہ فرماتے ہین ساابن آدم مجھے بُرا کہتا ہے یہ اسے زیبا نہین کیونکہ وہ زمانے کو بُرا کہتا ہے زمانہ تو مین ہون یہان اپنے آپ کو زمانہ کہا ہے لیکن اول تو تعبیر مفضی الی الفساد نہین کیونکہ ہر اہل زبان عامی ہو یا من الخواص سمجھتا ہے کہ اس کا مقصود یہ ہرگز نہین کہ خدا زمانہ ہے بلکہ مقصود یہ ہے کہ وہ زمانہ کو بُرا اسلیئے کہتا ہے کہ بعض تصرفات اُسکو ناپسند ہوتے ہین اور ان تصرفات کو وہ زمانہ کی طرف منسوب کرتا ہے اسلیئے وہ اسکو بُرا کہتا ہے۔ ورنہ اصل مقصد اس کا متصرف کو برا کہنا ہے اور متصرف حقیقی تو ہم ہین لہذا فی الحقیقۃ ہمین کو برا کہتا ہے گو تعیین متصرف مین غلطی کرنے کے سبب سے ہمارا نام نہین لیتا دوسرے اگر بالفرض مفضی ہو بھی تو یہ فعل صاحب شریعت کا ہے جسکی شان یہ ہے کہ لایسئل عما یفعل وہم یسئلون غایۃ مافی الباب یہ کہ دیگر متشابہات کی طرح یہ بھی متشابہات مین داخل ہوگا۔ اس سے دوسرون کو اجازت نہین ہوسکتی کہ وہ بھی اس قسم کی تعبیرین کیا کرین یہان سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ صوفیہ کے اس قسم کی تعبیرات فی نفسہ اپنے اندر ایک معنی صحیح رکھتی ہین مگر حالت سکر مین تو معذوری ہے اور بجز حالت سکر کے ایسی تعبیرات کی اجازت نہین کیونکہ اس قسم کی تعبیرات مفضی الی الفساد ہوتی ہین حتی کہ انہی تعبیرات نے بعض لوگون کو کفر تک پہونچا دیا ہے چنانچہ ایک صاحب کو دیکھا کہ وہ حق سبحانہ کو عالم کا مادہ خیال کرتے تھے ایک دوسرے صاحب حق سبحانہ کو کلی طبعی سمجھتے تھے اور ان خیالات کا کفر ہونا ظاہر ہے۔

شرح شبیری | گاہ خورشید الخ۔ یعنے اے ذات تو کبھی خورشید ہوجاتی ہے اور کبھی دریا اور کبھی کوہ قاف اور کبھی عنقا صوفیہ کے اس قسم کے کلام سے لوگون کو بہت دہوکا ہوتا ہے اور نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ کفر کی نوبت ہو جاتی ہے اور جہال یون سمجھ لیتے ہین کہ خورشید و دریا وغیر ذلک ہونے سے یہ مراد ہے کہ ذات حق نعوذ باللہ بطور استحالہ کے ذات دریا ہوگئی یا ذات خورشید خود ذات حق ہے حتی کہ ایک صاحب کو دیکھا گیا کہ وہ حق تعالیٰ کو عالم کے لئے مثل مادہ کے خیال کرتے تھے اور یون سمجھتے تھے کہ پہلے تو حق تعالیٰ بیشک منزہ تھے مگر جب ان مخلوقات کو پیدا کیا تو اپنے ہی کو ان صورتون مین متجلی

یا حال کردیا ایک دوسرے صاحب تھے وہ حق تعالیٰ کو ایک کلی طبعی خیال کئے ہوئے تھے جس سے کہ لازم آتا ہی کہ جب یہ مخلوقات فنا ہون تو وہ بھی باقی نہ رہے وہو صریح الکفر لہٰذا اس مقام کو خوب اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے کہ صوفیہ کے کلام مین جو اس قسم کے الفاظ ہوتے ہین یہ محض تعبیرات ہوتے ہین مقصود ان سے خود ذات حق کا ان محمولات کی ساتھ اتحاد نہین ہوتا اور دیکھو ایسی تعبیرات خود نصوص مین بھی موجود ہین حدیث مین ہی ان اللہ ہو الدہر دیکھو اللہ تعالیٰ کے لئے دہر کو محمول قرار دیا پس جو تاویل یہان کروگے وہی تاویل ان حضرات کے کلام مین بھی کرو ہان یہ الفاظ موحش ضرور ہوتے ہین مگر صحیح اور واقعی ہوتے ہین جیسا کہ حدیث مین وارد ہونے سے معلوم ہوتا ہی اور یہ بھی معلوم ہوگیا کہ اس قسم کے الفاظ ماول ہوتے ہین مگر یہ فرق ہی کہ اہل ظاہر اور تاویل کرتے ہین اور یہ حضرت دوسری تاویل کرین گے مگر مضمون ایک ہی ہوگا مثلاً یہ کہ اہل ظاہر تو کہتے ہین کہ یہان مضاف محذوف ہی اور عبارت یہ ہی کہ ان اللہ مقلب الدہر اور یہ حضرات کہین گے کہ ان اللہ ظاہر فی الدہر والدہر مظہر لہ اور حاصل اسکا بھی وہی ہی جو مقلب الدہر کا تھا کیونکہ مصنوع کا مظہر ہونا اس معنی کر ہے کہ اوس سے ظہور وادراک صانع کا ہوتا ہی اور آلہ ادراک فعل ہی جیسا یہان تقلیب پس مقلب الدہر وظاہر فی الدہر کا ایک ہی مطلب ہوگا - یہ توجیہ تو دفع اشکال کی تھی باقی صوفیہ اس ظاہریت ومظہریت مین علاوہ تعلق ایجاد کے ایک دوسرے تعلق خاص کے بھی قائل ہین جوکہ محض کشفی ووجدانی ہی جسکو الفاظ سے سمجھانا مشکل ہی اور سچ یہ ہی کہ ان حضرات کو ذوقیات ووجدانیات مین مافی الضمیر کے اظہار کے کافی الفاظ نہین ملتے اسلئے کہ یہ امور ذوقی اور کشفی ہین اور اونکا تو وہ حال ہوتا ہی مگر دوسرون کو کیسے سمجھائین ہان خود اچھی طرح سمجھے ہوئے ہین جس طرح کہ اگر کوئی مرد صحبت کے لطف کو عنین کو سمجھانا چاہے تو خواہ وہ کتنی ہی کوشش کرے مگر وہ قادر نہین کہ اوس لطف کی کیفیت کو اوس پر طاری کردے بلکہ اوسکو مثال دے دے کر اور تشبیہات سے سمجھا دیگا پس اسی طرح ان حضرات کے یہ چونکہ احوال اور ذوقی امور تھے اسلئے دوسرون کے سمجھانے کے لئے اونکو الفاظ نہ مل سکے اور مجبور ہوکر حسیات سے مثال دیکر سمجھاتے ہین کہین ظل اور شخص کی مثال دیکر کہین آفتاب اور زمین کی مثال دیکر اور درحقیقت یہ مظہریت ذوقی وکشفی ہی پس اسکو یہان بھی فرمایا کہ تیرا مظہر کبھی تو خورشید ہوتا ہی اور کبھی دریا یعنی تیری معرفت کبھی اوسکے ذریعہ سے ہوتی ہی اور کبھی اس سے اور خوب سمجھ لو کہ حق تعالیٰ کسی ممکن یا حادث مین حلول کئے ہوئے نہین ہی بلا حلول ایک خاص تعلق کے یہ حضرات قائل ہین علاوہ تعلق ایجاد کے اسیکو وحدۃ الوجود بھی کہتے ہین جسکو ایک دوسرے معنی کر حکما نے بھی مانا ہی اور اس کے قریب قریب پہونچ گئے ہین وہ کہتے ہین کہ وجود تو سب اشیاء کا ایک ہی ہی مگر ذات مختلف ہین اس سے آگے مسئلہ کشفی تھا وہان تک اون کی رسائی نہ ہوسکی وہانتک صوفیہ پہنچے اور اوسکو اتحاد ذوات سے تعبیر کرنے لگے اور اس تعبیر کو خود تو سمجھ گئے مگر دوسرون کو نہ سمجھا سکے جسکی وجہ سے بچارون پر کفر کے فتوے لگے اور تیر مطاعن کے نشانہ بنے یہان تک کی تقریر سے چونکہ جہال کو شبہ حلول کا ہوسکتا ہی اور بعض کو ہوا بھی ہی اسلئے آگے اس شبہ کو دفع فرماتے کہ تو نہ این باشی نہ آن درصفات خویش الخ -

شرح حبیبی

تو نہ این باشی نہ آن در ذات خویش	اے فزون از وہمہا وز بیش بیش

اب مولانا حالت سکر سے حالت صحو کی طرف عود فرماتے ہین اور پہلے شعر سے جو حلول واتحاد کا شبہ ہوتا تھا اس کا ازالہ

فرماتے ہین اور فرماتے ہین کہ تو اپنی ذات مین نہ یہ ہی نہ وہ - تو تو اوہام سے بھی بالاتر ہی بلکہ اگر اوہام سے بھی بڑھکر کوئی چیز ہو تو اس سے بھی ارفع واعلی ہی پھر ممکنات حال یا ان سے متحد کیونکر ہو سکتا ہی -

شرح شبیری | توشاہین ساکن - یعنی تو فی حد ذاتہ تو نہ یہ ہی نہ وہ ہی اسے وہ ذات کہ اوہام سے بھی اور جو چیز کہ اوہام سے آگے ہی اوس سے بھی فوق ہی یعنی ورار الورار ثم ورار الورار ثم ورار الورار ہی لہذا یہ شبہ باطل ہی کہ تو کسی چیز مین حلول کئے ہوئے ہی آگے مثالون سے سمجھاتے ہین کہ

شرح حبیبی

روح با علم است و با عقل ست یار	روح را با ترکی و تازی چہ کار

یعنی روح ممکنات مین سے ہی اور اسکو علم وعقل سے تعلق ہی جو اسکی صفات ہین مگر اسکو تازی و ترکی سے کیا علاقہ کہ یہ صفات مادیات سے ہین جبکہ ایک ممکن کی یہ شان ہی کہ باوجود جسم سے اس قدر تعلق کے کہ اس کے تمام آثار کا منشا وہی ہی پھر الگ ہی تو آپ تو واجب ہین آپ کو ممکن ہالک الذات سے کیا نسبت کہ اوس مین حال یا اوس سے متحد ہون -

شرح شبیری | روح الخ - یعنی روح علم اور تعقل کے ساتھ مقرون و موصوف ہے سو اپنی مناسب صفات تو اوس مین ہین مگر خواص ابدان سے منزہ ہی چنانچہ اسکو عربی یا ترکی سے کوئی مطلب نہین اور ان قیود سے بالکل مبرا و منزہ ہی یعنی جس طرح روح کو باوجودیکہ بدن ذی روح کی ساتھ تدبیر وغیرہ کا تعلق ہوتا ہی مگر پھر بھی ابدان کی قیود سے مثل ترکیت و تازیت منزہ ہوتی ہی چنانچہ روح مجرد کو کوئی یہ نہین کہتا کہ یہ روح تازی ہی اور یہ ترکی ہی اسی طرح حق تعالی بھی اپنی صفات کے ساتھ موصوف ہین اور سب اشیار کے ساتھ معیت بھی رکھتے ہین مگر اون اشیار کی قیود سے مبرا و منزہ ہین اور کسی شئے مین حلول کئے ہوئے بھی نہین ہین آگے اسی تنزیہ کی ایک خاص تحقیق کی طرف اشارہ فرماتے ہین -

شرح حبیبی

از تو اے بے نقش و با چندین صور	ہم مشبہ ہم موحد خیرہ سر

اے بے صورت والے بے چون و بیچگون تیری تو یہ شان ہی کہ با این ہمہ مظاہر تیرے بارہ مین مشبہ و منزہ ہر دو سرگردان و حیران ہین اور یا بے نقش صفت اول اور با چندین صور صفت ثانی ہو یعنی اے بے صورت والے ذات التعلق مع المظاہر اور کیسا تیری کنہ معلوم نہین اس اجمال کی تفصیل یہ ہی کہ تشبیہ سے مراد ہی خالق کو مخلوق سے مشابہ بتانا اور تنزیہ کے معنی ہین خالق کو مشابہت مخلوق سے متعالی بتانا پس مشبہ وہ ہی جو خالق کو مخلوق سے مشابہ بتادے اور منزہ وہ ہی جو خالق کو مشابہت مخلوق سے منزہ و مبرا ٹھیرا وے مشبہین و منزہین کے درجات مین تفاوت ہی بعض تو مشبہ کامل ہین یہ وہ لوگ ہین جو مخلوق کی صفات مختصہ کو حق سبحانہ کے لئے ثابت کرتے ہین جیسے تشکل - تمکن - تحیز - جسمیت وغیرہ وغیرہ بعض منزہ تام ہین یہ وہ لوگ ہین جو حق سبحانہ کو ممکن کی جملہ صفات مختصہ و غیر مختصہ سے عاری ٹھہراتے ہین حتی کہ علم سے بھی پھر مشبہین کاملین کو آپس مین تعین تشکل وغیرہ مین اختلاف ہوا - کوئی ایک شکل متعین کرتا ہی کوئی دوسری یہانتک تو مشبہین و منزہین کاملین یعنی غالین کا بیان تھا اب ان لوگون کی حالت سنو جو جامع بین التشبیہ والتنزیہ ہین یہ وہ لوگ ہین جو حق سبحانہ کے لئے

صفات غیر مختصہ بالممکن تو ثابت کرتے ہین مگر صفات مختصہ بالممکن کی نفی کرتے ہین ان کے دو گروہ ہین ایک وہ جو نفس صفات کی تو نفی کرتے ہین مگر آثار کو ثابت کرتے ہین اور ان آثار کا منشا ر نفس ذات کو بتاتے ہین وہ کہتے ہین کہ خدا علیم ہی مگر بصفۃ العلم نہین بلکہ بذاتہ یون ہی قدیر بھی ہی مگر بصفۃ القدرۃ نہین بلکہ بذاتہ علی ہذا القیاس مرید بھی ہی مگر بصفۃ الارادہ نہین بلکہ بذاتہ اور ارادہ کے معنی متعارف نہین لیتے بلکہ کچھ اور ہی تراشتے ہین دوسرے وہ جو نفس صفات کو بھی ثابت کرتے ہین پھر دوسرے گروہ کے دو گروہ ہو گئے ایک وہ جو ان نصوص کی تاویل کرتے ہین جن مین استوار علی العرش ۔ بطش ۔ ضحک ۔ ید ۔ وجہ وغیرہ واقع ہین دوسرے وہ جو تاویل نہین کرتے مگر اس کا اعتراف کرتے ہین کہ ان سے مثل صفات مخلوقین تو یقیناً مراد نہین لیکن یہ الفاظ اپنے معنی حقیقیہ ہی مین مستعمل ہین رہی یہ کہ بات کہ پھر وہ صفات کیسی ہین ۔ اوسکو علم حق سبحانہ کی طرف تفویض کرتے ہین اور خود کوئی کیفیت متعین نہین کرتے مسلک اول متکلمین کا ہے اور مسلک ثانی محدثین و سلف صالحین کا ۔ آجکل عام طور پر لوگ مسلک متکلمین ہی کے موافق اعتقاد رکھتے ہین اگر مسلک ثانی احوط واسلم واشبہ بالحق ہی تو مسلک اول ابعد عن شبہۃ التجسم پھر دوسرے گروہ کے دو فرقے ہوگئے فرقہ اولے وہ جو کہتا ہی کہ خدا ممکنات سے ذاتاً مبائن محض ہی اور اسکو مخلوقات سے صرف اپنی صفات وافعال کے ذریعہ سے تعلق ہی ۔ جیسے علم ۔ ارادہ ۔ قدرت ترزیق تخلیق غضب ۔ رحمت وغیرہ وغیرہ ۔ فرقہ ثانیہ وہ جو کہتے ہین کہ خدا کو ذاتاً بھی اپنی مخلوقات سے کچھ تعلق ہی اور اس تعلق کو وہ کشفاً اور ذوقاً سمجھتے ہین مگر کافی الفاظ نہ ملنے کے سبب وہ اس تعلق کو دوسرونکو نہین سمجھا سکتے وہ اپنے مقصد کو تشبیہات کے پیرایہ مین ظاہر کرنا چاہتے ہین اور اسکے لئے اقرب سے اقرب تشبیہات تلاش کرتے ہین کبھی دریا اور موج کی مثال دیتے ہین کبھی روح اور جسم کی وغیرہ وغیرہ مگر افسوس کہ ہر تشبیہ ناکافی ہوتی ہی ۔ اور پورے مدعا کو ظاہر نہین کر سکتی لوگ اسکو تشبیہ تام سمجھکر دہوکہ مین پڑجاتے ہین اور ایمان تک کہو بیٹھتے ہین امثلۂ متعارفہ مین سب سے اقرب گو فی نفسہ وہ بھی بعید ہی ۔ وللہ المثل الاعلیٰ تشبیہ شمس در خہنائے سقف ہی دیکھو ایک چہت ہین چند سوراخ ہین بعض بشکل دائرہ بعض بشکل مثلث بعض مربع وغیرہ وغیرہ مگر شمس کسی سے بشکل دائرہ جلوہ گر ہوتا ہی اور کسی سے بشکل مثلث اور کسی سے بشکل مربع وغیرہ وغیرہ اور یہ تمام سوراخ اُسکے مظاہر مختلفہ ہین مگر آفتاب اِن سب سے مبائن اور جدا ہی یہ سب تیجے من وجہ مشبہ اور من وجہ منزہ ہین کما ہو الظاہر اگلے اشعار بھی اسی مضمون کا تتمہ ہین ۔ فرماتے ہین کہ مشبہ را موحد میکنی الخ

شرح شبیری | از تواے الخ یعنی اے وہ ذات کہ باوجود بے نقش وصورت ہونے کے اتنی صورتین تیری مظاہر ہین تمام عالم خواہ وہ مشبہ ہون یا موحد (یعنی اہل تشبیہ ہون یا اہل تنزیہ) تیری معرفت مین حیران ہین ترکیب عبارت یون ہی کہ اے بے نقش و یا چندین صور از تو ہم مشبہ وہم موحد خیرہ سر ست با چندین صور کا مطلب یہ ہی کہ اس قدر مختلف صورتین تیرا مظہر ہین اور بے نقش کا مطلب یہ ہی کہ تو فی حد ذاتہ منزہ ہی اور یہان مشبہ موحد بالمعنی الشرعی کا مقابل نہین ہی تاکہ غیر موحد اور کافر مراد ہو بلکہ یہ مشبہین بھی موحدین مین ہی ہین اور توحید سے مراد معنی متعارف نہین بلکہ تشبیہ کے مقابل یعنی تنزیہ اور ان سب کی تفصیل آگے آتی ہی معلوم کرنا چاہئے کہ مشبہ اوسکو کہتے ہین کہ جو خالق کو مخلوق سے مشابہ فی بعض اوصاف بتادے نہ کہ فی الحقیقت اور موحد بمعنی منزہ اُس کو کہتے ہین جو کہ خالق مین بعض اوصاف مشترکہ کا قائل ہو اور اس مفہوم عام کے اعتبار سے مشبہین اور منزہین کے مراتب مختلف ہون گے سو بعض حکما نے تو تنزیہ محض کے قائل ہونے مین اتنا غلو کیا ہی کہ کہتے ہین کہ خداوند تعالیٰ صرف ذات ہی

ذات ہین اور اُن کے لیے صفات بالکل ثابت نہین غرض صفات کا ایکدم سے انکار کرتے ہین حتی کہ علم کا بھی انکار کرتے ہین اور کہتے ہین کہ ذات کے ساتھ تو کسی اور شے کا نام آنا ہی نہ چاہیے۔ ان کے مقابلہ مین اصطلاحًا وہ لوگ مشبہ ہوںگے جو کہ ذات کے لیے صفات کو ثابت کرتے ہین اب قائل بالصفات مین وہ لوگ منزہ ہین جو صفات کو عین ذات مانتے ہین جیسے جمہور حکما اور وہ لوگ مشبہ ہونگے جو صفات کو زائد علی الذات مانتے ہین جیسے اہل شرع پھر ان زائد علی الذات ماننے والون مین وہ منزہ کہلاوین گے جو علم و قدرت کو بالمعنی الحقیقی ثابت کہتے ہین مگر ید و ساق و قدم و وجہ و نزول و استواء وغیرہ مأول کہتے ہین جیسے اکثر علماء خلف اور وہ مشبہ کہلائین گے جو ان کے بالمعنی الحقیقی قائل ہین مگر بلا کیف جیسے اکثر سلف مثلاً قرآن شریف مین ید کے معنے منزہ تو یہ لین گے کہ اس سے مراد قدرت اور استواء علی العرش سے مثلاً مراد استیلا ہوگا۔ اور مشبہ یہ کہین گے کہ ید سے مراد ید ہی ہے اور استواء ہی ہے مگر اُس کی کیفیت کہ وہ کس طرح ہے ہمکو معلوم نہین اور اسکو ہم خداوند تعالیٰ ہی کی طرف تفویض کرین گے اور مذہب اول خلف کا ہے اور مذہب ثانی سلف کا اور محدثین کا ہے پھر ان قائلین بہ ید و وجہ و نزول و استواء بالمعنی الحقیقی مین بھی دو فرقے ہین ایک وہ کہ کہتے ہین کہ حق تعالیٰ کو ممکن سے صرف تدبیر و تصرف کا تعلق ہے اور کوئی تعلق نہین ہے یہ منزہ ہین ان کے مقابلہ مین مشبہ وہ لوگ ہین جو کہتے ہین کہ حق تعالیٰ کو ممکنات کے ساتھ علاوہ تدبیر و تصرف کے ایک اور بھی تعلق باعتبار ذات کے ہے یہ مسلک اکثر صوفیہ کا ہے مگر اُس تعلق کو وہ کشفًا اور ذوقًا ہی جانتے ہین اور اس تعلق کے بیان کرنے کے لیے اُنھین الفاظ نہین ملتے اور اُسے دوسرون کو سمجھا نہین سکتے پس مجبور ہو کر تشبیہات سے سمجھاتے ہین چنانچہ کبھی دریا و امواج سے تشبیہ دیتے ہین کبھی خورشید و زمین سے کبھی ظل اور شخص سے مگر افسوس ساری تعبیرین ناکافی ہوتی ہین اور اُنکے مافی الضمیر کے اظہار کے لیے ہرگز کافی نہین ہوتین جیسا کہ شعر گاہ خورشید الخ کی تقریر مین عین کی مثال دی گئی ہے اب جہال ان تعبیرات و تشبیہات کو جو صرف تقریب فہم کے لیے ہوتی ہین تشبیہ تام سمجھ گئے اور کفر مین مبتلا ہوگئے لہذا خوب سمجھ لو کہ صرف تعبیرات اور تشبیہات ہین اور مراد تشبیہ من کل الوجوہ نہین اور ان سب مین عمدہ اور اقرب تشبیہ شمس اور چھت کے مختلف رخنون کی ہے اگرچہ فی نفسہ یہ بھی بعید ہے مگر بہ نسبت دوسرے تشبیہات کے اقرب ہے اسکو یون سمجھو کہ ایک چھت مین مختلف سوراخ ہین کوئی مربع ہے کوئی مثلث ہے الی غیر ذلک اور ان مین سے شمس کی روشنی اور اُسکا نور آرہا ہے اور اُس سے زمین پر اُس نور کی مختلف اشکال پیدا ہورہی ہین کہین وہ دھوپ مربع ہے کہین مثلث ہے الی غیر ذلک مگر پھر بھی ذات شمس پر اسکا کوئی اثر نہین اور اس مین اختلاف صور متحقق نہین ہوتا اور وہ ان سب سے منزہ و مبرا ہے اور اسی مثال کو مولانا محمد قاسم صاحب رح نے ایک موقع پر بہت ہی نفیس طریقہ سے بیان فرمایا کہ دیکھو جب سورج نور افگنی کرتا ہے تو اُس کا نور ایک گھوڑے پر بھی پڑرہا ہے اور ایک عطر کے کارخانہ پر بھی مگر نہ اُسکی بدبو کا اثر وہان تک جاتا ہے اور نہ دوسرے کی خوشبو وہان تک پہونچتی ہے پس اُسکو زمین سے تعلق بھی ہے مگر پھر بھی اُس کے آثار و خواص سے منزہ ہے اور اُسکی صفات و آثار اُس تک متعدی نہین ہوتے پس اسی طرح صوفیہ کہتے ہین کہ حق تعالیٰ کو ممکنات کے ساتھ ایک خاص تعلق بھی ہے اور پھر بھی وہ منزہ ہے یعنی وہ تعلق حلول و اتحاد نہین اور ایک فرقہ مشبہ کا ان صوفیہ کے مقابل ہے کہ حلول و اتحاد و تجسم وغیرہ کے قائل ہین جو ضلالت محضہ ہے انکے

مقابلہ مین صوفیہ منزہ ہین اور اِس تقریر سے یہ بھی معلوم ہو گیا ہو گا کہ تنزیہ محض بھی جیسے بعضے حکمار ضال سمجھے صحیح نہین اور تشبیہ محض بھی جیسے مجسمہ وغیرہ سمجھے صحیح نہین مسلک حق جمع مینہا ہے بشرطیکہ اِس جمع مین شرائع کا بھی اتباع کیا جاوے اور شیخ محی الدین اِس جمع کو فرماتے ہین سہ فان قلت بالتنزیہ کنت مقیدا + وان قلت بالتشبیہ کنت محددا + وان قلت بالامرین کنت مسددا + وکنت اماما فی المعارف سیدا + الخ اِسی جگہ اسی کو مولانا فرماتے ہین کہ اے ذات حق جنکی یہ شان ہے کہ آپ کو سب کے ساتھ تعلق بھی ہے اور اِس تعلق سے اِس قدر صورتین آپکی مظاہر ہین مگر ساتھ ہی آپ اُن سب سے منزہ بھی ہین پس اے ایسی ذات آپ سے یعنی آپکے کنہ کے دریافت کرنے مین تمام عالم خواہ وہ مشبہ ہون یا منزہ سرگردان ہے یعنی کسی کو آج تک کنہ کا پتہ نہین چلا کوئی تنزیہ مین غالی ہو گیا مثلاً صفات کی نفی کرنے لگا کوئی تشبیہ مین مفرط ہو گیا کہ تجسیم تک کا قائل ہو گیا کوئی متوسط و جامع بین التنزیہ والتشبیہ رہا مگر حقیقت دونون کی نہ سمجھ سکا نہ یہ معلوم کر سکا کہ تیری ذات کو دوسری اشیار سے کیا تعلق ہے کوئی کچھ کہنے لگا کوئی کچھ کسی نے تجھے دوسری اشیار کے ساتھ متحد کر دیا کسی نے دوسری اشیار کو معدوم کہدیا الغرض تو ان سب سے ورار الورار ثم ورار الورار ہے سہ اے برتر از خیال و قیاس و گمان و وہم + وز ہرچہ گفتہ اند و شنیدیم و خواندہ ایم + دفتر تمام گشت و بپایان رسید عمر + ما ہم چنان در اول وصف تو ماندہ ایم + آگے اِسی حیرانی کو فرماتے ہین کہ۔

شرح حبیبی

گہ مشبہ را موحد مے کنی	گہ موحد را بصورت رہزنی
گہ ترا گوید ز مستی بوالحسن	یا صغیر السن یا رطب البدن
گاہ نقش خویش ویران مے کند	از پئے تنزیہ جانان مے کند

یہان تک ذات بیچون مین فرقون کا اختلاف اور ان کا تحیر اور پریشانی دکھلائی تھی اب مختلف اوقات مین ایک شخص کے احوال کا تفاوت اور اسکی پریشانی و سرگردانی ظاہر فرماتے ہین اور کہتے ہین کہ کبھی ایک مشبہ ہوتا ہے مگر تو اسکو منزہ کر دیتا ہے یعنی جب وہ تشبیہ مین غور کرتا ہے تو اسکو تیری شایان شان نہین پاتا اس لیے رجوع کرتا ہے اور تنزیہ کا قائل ہوتا ہے اِس بنار پر تو اپنی اخفار کنہ حقیقت کے سبب سے سبب بنتا ہے اسکے اِس تحول و تقلب کا یون ہی ایک شخص منزہ ہوتا ہے پھر تو اسکو قول بالصورت سے گمراہ کرتا ہے یعنی وہ تنزیہ کو تیرے شایان شان نہ پاکر تشبیہ کا قائل ہوتا ہے اور یہ محض اِس لیے کہ تیری کنہ اِس سے مخفی تھی اِس لیے اِس تغیر کا سبب بھی تو ہی ہوتا ہے کبھی ایک عارف ایک بچہ مین تیرا جلوہ دیکھتا ہے یا اِس صورت مین تجلی مثالی اُس پر ظاہر ہوتی ہے اور غلبہ شوق و جوش مستی سے تجھے نو عمر اور نرم بدن کہکر پکارتا ہے ۔ اور کبھی اُس پر تیری تنزیہ کا غلبہ ہوتا ہے تو اپنی ہستی کو مغائر ہستی حق دیکھ کر اُسکو بھی مٹا دیتا ہے اور صرف ایک تیری ذات کو موجود مانتا ہے اور تو ہی تو ہے کہتا ہے کبھی انا الحق پکارتا ہے اور کبھی ما فی جبتی غیر اللہ کا نعرہ لگاتا ہے یہ اختلاف و تشتت آرا تیری کنہ کے معلوم نہ ہونے کے سبب سے ہے پس ظاہر ہوا کہ تو اوہام و مبیش زاد ہام

بھی بالاتر ہے ہماری اس تفصیل سے یہ بھی معلوم ہوا۔ کہ موحد کردن اور رہزدن کی اسناد حق سبحانہ کی طرف مجازی ہے اور یہ اقرب الی الادب ہونے کے سبب اختیار کی گئی ہے اور اس سے اسناد حقیقی بمعنی ایجاد کے امتناع کا شبہ نہ کیا جاوے اہل سنت نے دلائل سے اسکو صحیح مانا ہے۔

شرح شبیری گر مشبہ الخ۔ یعنی کبھی تو مشبہ کو موحد کر دیتا ہے اور کبھی موحد کے لیے صورت سے رہزن ہو جاتا ہے مطلب یہ کہ جب مشبہ کو تشبیہ کے کسی درجہ مین کوئی اشکال پیش آتا ہے تو مضطر ہو کر تنزیہ کو اختیار کرتا ہے اور منزہ ہو جاتا ہے اور کبھی منزہ کو تنزیہ کے کسی درجہ مین ایسا ہی کوئی اعضال پیش آتا ہے تو وہ مشبہ ہو جاتا ہے اور یہان تو دو شخصون کا ذکر تھا جن پر یہ مختلف حالتین ہوتی ہین کہ کبھی مشبہ پر غلبہ تنزیہ ہوتا ہے اور کبھی منزہ پر غلبہ تشبیہ ہوتا ہے آگے فرماتے ہین کہ بعض مرتبہ ایک ہی شخص پر مختلف اوقات مین دونون کا غلبہ ہوتا ہے لہذا فرماتے ہین

گہ ترا گوید الخ۔ یعنی کبھی تو مستی مین آکر (غلبہ تشبیہ مین) عارف یون کہنے لگتا ہے کہ اے کم عمر والے اور اے نرم نرم بدن والے (تو یہان صفات محدثہ کو قدیم پر محمول کر دیا) اور کبھی اپنی ہستی کو مٹا کر اُسکی تنزیہ کرنے لگتا ہے اور آپ کو سب سے منزہ و مبرا جانتا ہے جسکی وجہ غلبہ تنزیہ ہے کہ اسمین سب صفات و ذوات محدثہ کو مغائر سمجھتا ہے اس لیے سب کو فنا کرتا ہے بخلاف حالت تشبیہ کے کہ اُسمین مغایرت کا حکم نہین ہوتا اس لیے فنا مین کوشش نہین کرتا۔ ابو الحسن سے مراد عارف ہے یعنی صاحب فعل حسن۔ مولانا کا مطلب یہ ہے کہ کبھی تو یہ احوال الگ الگ دو شخصون پر طاری ہوتے ہین اور ایک مشبہ سے منزہ اور دوسرا منزہ سے مشبہ ہو جاتا ہے اور کبھی ایک شخص پر دونون حالتین گذرتی ہین اور وہ کبھی مشبہ ہوتا ہے اور کبھی موحد ہو جاتا ہے مثلاً ایک وقت مین عارف کی نظر تعلقات حق مع الممکن پر ہے اُسوقت مین وہ مشبہ ہو جاتا ہے جیسے کہ کسی بچہ کو تیرا مظہر دیکھتا ہے (نہ یہ نظر شہوت کہ وہ مذموم ہے) اور اُسکو صغیر السن اور رطب البدن پاتا ہے تو مشبہ ہو کر حالت سکر و مستی مین اُسکی صفات کو تیری طرف مضاف کرنے لگتا ہے اور کہہ اٹھتا ہے یا صغیر السن یا رطب البدن (ولکن ان تجلی الحق احیانا فی مثل ہذہ الصورۃ ویناد یہ بہ فی ذلک الوقت ویکون مثل ذلک تجلیا مثالیا مخلوقا مظہرا للحق فافہم) اور کبھی اس شخص پر تنزیہ کا غلبہ ہوتا ہے اور یون سمجھتا ہے کہ وہ ذات تو بالکل منزہ ہے اور اُسکو اور ممکنات کو کیا نسبت اس لیے اپنی ہستی کو بھی مٹا دیتا ہے اور کالعدم سمجھ لیتا ہے اور خیال کرتا ہے کہ اپنے وجود کو وجود سمجھنا بھی ایک قسم کا شرک ہے اس لیے موحد ہو کر بالکل ذات بحت کی طرف توجہ کرتا ہے اور کسی چیز کو اُسمین مشارک نہین سمجھتا غرضکہ تیری معرفت علی وجہ الکمال کسی کو نہ ہو سکی یہ تقریر حضرت حاجی صاحب قدس سرہ کی برکت ہے کہ مثنوی حل ہو رہی ہے ورنہ محشی تو قیل و قال ہی مین رہتے ہین اور مقصود مولانا سے کہین دور جا پڑتے ہین وللہ درہ پہلے چونکہ کہا ہے کہ حواس ظاہرہ جو مدرک تلذذات اور ناسوت مین گرفتار ہین ان کو بیکار کر کے حس روحانی سے کام لینا چاہیے اور بیچ مین ذات خداوندی کو اور اُسکی صفات کو بیان کرنے لگے تھے آگے پھر اُسی مضمون بالا کی طرف رجوع فرماتے ہین کہ چشم حس را ہست مذہب اعتزال الخ۔

شرح حبیبی

دیدۂ عقل ست سنی در وصال	چشم حس را ہست مذہب اعتزال

اد پر بیان کیا تھا کہ حس مادی کو جو عالم ناسوت مین گرفتار ہے بیکار کر کے حس مجرد سے کام لینا چاہیے اسی کی طرف پھر عود کرتے ہین اور فرماتے ہین چشم حس تو عملاً معتزلی المذہب ہے کہ وہ حق بینی کی کوشش نہین کرتی تو گویا معتزلہ کی طرح منکر روایت حق ہے اور دیدۂ عقل وحس مجرد حالت قرب مین عملاً سنی المذہب ہے کہ مثبت رویت ہے اور حق بینی کی کوشش کرتی ہے اِس صورت مین در بمعنی ظرفیت ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ تعلیل کے لیے ہو جیسا کہ ان کے کلام مین بکثرت ہے یعنی چشم عقل تحصیل قرب اور مشاہدہ محبوب حقیقی کے لیے سنی المذہب اور معتقد رویت ہے تاکہ اِس اعتقاد کی بنا پر مشاہدہ و معائنہ محبوب حقیقی مین سعی کرے یا یون کہو کہ چشم ظاہر تو دنیا مین جمال حقیقی کا مشاہدہ نہین کر سکتی اور اِس لیے وہ منکر رویت ہو کر معتزلہ کے مشابہ ہو گئی۔ رہی چشم باطن سو وہ دنیا مین بھی بصورت قرب حق حاصل ہو جانے کے جمال حق کا مشاہدہ اصطلاحیہ کر سکتی ہے اِس لیے وہ منکر رویت نہین اور سنی المذہب سے مشابہ ہے پس ایسی حالت مین تو اس آنکھ کے پیچھے کیون پڑا ہے جس سے حصول مقصود ناممکن ہے اور اس آنکھ کی بینائی تیز کرنے کی فکر کیون نہین کرتا جس سے فوز مرام کی توقع ہے تجھ پر لازم ہے کہ قرب حق حاصل کرے اور چشم حق بین سے جمال حق معائنہ کرے آگے فرماتے ہین سخرۂ حس اند اہل اعتزال الخ۔

شرح شبیری چشم حس الخ۔ یعنی چشم حواس ظاہرہ کا مذہب تو معتزلی ہے اور دیدۂ عقل سنی ہے وصال مین وصال مراد قرب در وصال کے معنے یا تو یہ لیے جاوین کہ وصال اور قرب کی حالت مین وہ سنی ہے اور یا یہ کہا جاوے کہ در بمعنی لاجل کے ہے اور یہ مولانا کے کلام مین اکثر ہے تو معنی یہ ہون گے کہ دیدۂ عقل سنی ہے بغرض تحصیل قرب اور وصال کے مطلب یہ ہے کہ جس طرح معتزلی اعتقاداً منکر ہوتے ہین دیدار کے اور انکا یہ عقیدہ ہے کہ دیدار حق نہ ہو گا بخلاف اہل سنت والجماعت کے کہ وہ دیدار حق کے قائل ہین اِسی طرح یہ حواس ظاہرہ کہ متوجہ الی الحق نہین ہوتے اور اس طرف سے توجہ ہٹا کر اِس طرف تلذذین اور تنعم مین پڑے ہین عملاً دیدار کے منکر ہین اور عملاً ہونے کے یہ معنے کہ عمل ایسا کرتے ہین جس سے معلوم ہوتا ہے کہ دیدار کے اور وصال کے قائل نہین ہین کیونکہ اگر قائل ہوتے تو اس طرف توجہ کرتے اور کوشش کرتے کہ ہمکو قرب حاصل ہو بخلاف حس عقل کے جو کہ حواس باطنہ ہین کہ وہ اِس کوشش مین ہوتے ہین کہ کسی طرح قرب ہو۔ پس جب تجھکو قابلیت اور استعداد اس امر کی ہے کہ سنی ہو سکے اور اِسکی کوشش کرے کہ دیدار قرب حق ہو تو بڑے افسوس کی بات ہے کہ تو اِس طرف توجہ نہین کرتا اور ان حواس ظاہرہ کی مدرکات مین پھنسا ہوا ہے تجھکو چاہیے کہ چشم حق بین کو کھولے اور اس سے کام لے آگے بھی اِسی مضمون پر تفریع کرتے ہین اور فرماتے ہین کہ۔

شرح حبیبی

خویش را سنی نمایند از ضلال	سخرۂ حس اند اہل اعتزال

یعنی حس ظاہری کے مسخر و منقاد اور اسی کی دھن میں لگے رہنے والے گو زبان سے اپنے کو سنی ظاہر کرتے ہیں مگر یہ انکی گمراہی ہے اور حقیقت سے ناواقفیت وہ درحقیقت معتزلی ہیں کیونکہ چشم عقل کے تو قائل ہی نہیں اگر قائل ہوتے تو جس طرح چشم ظاہر کا خیال رکھتے ہیں اور اسکو ہر قسم کی مضرت سے بچاتے ہیں یوں ہی چشم باطن کی بھی فکر کرتے پس انکا یہ دعوی بھی کہ ہم چشم باطن کو مانتے ہیں محض زبانی ہی دعوی ہے پس ثابت ہوا کہ وہ چشم باطن کے منکر ہیں اور چشم ظاہر حق بین (عالم دنیا میں) ہے نہیں لہذا وہ اس عالم کے اعتبار سے معتزلی اور منکر رویت ہیں۔

شرح شبیری | مسخرہ الخ۔ یعنی جو لوگ حس ظاہر میں مسخر و مقید ہیں وہ اہل اعتزال ہیں اور گمراہی کی وجہ سے اپنے کو سنی بتاتے ہیں یہاں مسخرہ حس مبتدا ہے اور اہل اعتزال خبر ہے یعنی جو لوگ کہ حس ظاہر میں مسخر ہو جاتے ہیں وہ واقع میں عملاً معتزلی ہیں مگر زبان سے اپنے کو سنی کہتے ہیں اور انکا یہ کہنا بالکل گمراہی اور غلطی ہے اس لیے کہ حق بینی کا انکار کر رہے ہیں اگر اسکو مانتے تو جس طرح چشم حس سے کام لیتے ہیں اسی طرح وہ چشم باطن سے بھی تو حق بینی کا کام لیتے انکا یہ کام نہ لینا دلیل اسکی ہے کہ وہ اس کے منکر ہیں آگے بھی یہی مضمون ہے فرماتے ہیں کہ۔

شرح حبیبی

ہر کہ در حس ماند او معتزلی ست	گرچہ گوید سنیم از جاہلی ست

یعنی جو شخص ظاہری حس میں پھنس کر رہ گیا وہ معتزلی ہے اگرچہ زبان سے کہتا ہے کہ میں سنی ہوں یہ کہنا اس کا نادانی سے ہے تفصیل اوپر مذکور ہوئی۔

شرح شبیری | ہر کہ الخ۔ یعنی جو شخص اس حس ظاہر میں رہ گیا وہ فی الحقیقت معتزلی ہے اگرچہ زبان سے کہے کہ میں سنی ہوں اسکا یہ کہنا محض جہالت ہے مطلب یہ کہ جو شخص ان حواس کے ادراکات میں پھنسا ہوا ہے اور ان ہی کے مشتبہات اور مقتضیات پر عمل کرتا ہے وہ دراصل معتزلی اور منکر قرب و دیدار ہے اگرچہ اپنی زبان سے اپنے کو سنی ہی کہتا ہے مگر حقیقۃً و عملاً معتزلی ہی ہے اور اپنے اس دعوی میں وہ جھوٹا ہے اور اسکا یہ دعوی جہالت سے ہے آگے پھر اسی مضمون کو فرماتے ہیں کہ جو ان سے نکل کر ان حواس تک پہونچ گیا وہ اہل تحقیق اور اہل بینش ہو گیا۔ پس فرماتے ہیں کہ۔

شرح حبیبی

ہر کہ بیرون شد ز حس او سنی ست	اہل بینش چشم حس خویش بست

جو حس ظاہری کو چھوڑ دے یعنی اسکو معطل و بیکار کر دے۔ اور عالم ناسوت سے توجہ ہٹالے سنی فی الحقیقت وہ ہے۔ اس لیے کہ اہل بینش۔ اور معتقد رویت اپنے چشم ظاہری کو بند کر لیا کرتے ہیں الا فی ما اذن اللہ۔ اہل بینش میں اضافت بادنی ملابست ہے مجھے ذوقاً یہ تاویل اچھی معلوم ہوتی ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ اہل بینش سے مراد اہل بصیرت ہوں۔

شرح شبیری | ہر کہ الخ۔ یعنی جو شخص کہ ان حواس ظاہرہ کے مقتضیات سے باہر ہو گیا وہ سنی ہے اور اہل تحقیق اور اہل بنیش نے اپنے حواس ظاہرہ کی آنکھ بند کر لی ہے یعنے جس شخص نے عالم ناسوت کی طرف توجہ نہ کی بلکہ عالم غیب کی طرف توجہ کی اور اس چشم حس کو بیکار کر دیا اور اس سے کام نہ لیا اہل تحقیق اور اہل بنیش میں سے ہے اور چشم حس کو بیکار کر دینے سے مراد یہ ہے کہ جہان اسکو بیکار کرنے کی ضرورت ہو ورنہ یہ معنی نہیں کہ اہل تحقیق اپنی آنکھیں بند کیے پھرتے ہیں پھر اسی کو بیان کرتے ہیں کہ جسنے حس باطن سے کام لیا وہ فائز المرام ہو گیا لہذا فرماتے ہیں۔

شرح حبیبی

ہر کہ از حس خدا دید آیتے	در بر حق داشت بہتر طاعتے

حس خدا میں اضافت بادنی ملابست ہے یعنی جس نے حس باطن سے جو جمال حق کا مشاہدہ کرنے والی ہے حق سبحانہ کی کوئی نشانی بھی دیکھ لی تو وہ حق سبحانہ کے نزدیک ایک بہتر عبادت رکھتا ہے جو کہ اس کے یہان مقبول و پسندیدہ ہے۔

شرح شبیری | ہر کہ از۔ الخ۔ یعنی جس نے حس خداوندی کی ایک جھلک بھی دیکھ لی اور اسکو تھوڑی سی بھی معرفت ہو گئی اس نے حق تعالےٰ کے نزدیک ایک بڑی طاعت پالی حس کی اضافت خدا کی طرف بادنی ملابست ہے یعنی موصل الی الحق مطلب یہ ہوا کہ جسکو تھوڑی سی معرفت بھی حاصل ہو گئی اسکو تو بہت بڑی نعمت اور طاعت مل گئی جس سے بڑھ کر اور طاعت ہو نہیں سکتی۔ یا یہ کہا جاوے کہ چونکہ اسکو قرب اور معرفت حاصل ہے اس لیے اسکی طاعت دوسرون کی طاعت سے بہتر ہو گی کہ وہ معرفت کے ساتھ ہو گی آگے فرماتے ہین کہ ان حواس کو بیکار کرنے اور حواس باطن کو باکار کرنے کی کیا ضرورت ہے کیا یہ حواس مقصود مین کافی نہیں پس فرماتے ہین کہ۔

شرح حبیبی

گر بدیدے حس حیوان شاہ را	پس بدیدے گاؤ خر اللہ را

بھلا تو اتنا تو سمجھ کہ اگر چشم ظاہری جو تمام حیوانات مین مشترک ہے خدا بین ہوتی تو بیل اور گدھے بھی تو خدا کو دیکھتے جب کہ ایسا نہیں تو معلوم ہوا کہ کوئی اور ہی قوت خدا بین ہے تو تو اسکی درستی کی فکر کیون نہین کرتا اس کے پیچھے کیون پڑا ہے۔

شرح شبیری | گر بدیدے الخ۔ یعنی اگر حس حیوانی شاہ کو دیکھ لیا کرتی اور اس سے اسکا ادراک ہو جایا کرتا تو پھر تو گاؤ خر بھی کہ ان مین بھی یہ حس حیوانی موجود ہے اللہ تعالیٰ کا مشاہدہ کر لیا کرتے مطلب یہ کہ یہ تو مسلم ہے کہ قرب حق اور وصول الی الحق ضروری ہے اور یہ بات اس حس ظاہری سے حاصل نہیں ہوتی دلیل اسکی یہ ہے کہ اگر یہ حس بھی ادراک حق کا کر سکتی تو حیوانات علاوہ انسان کے جو ہین وہ بھی اللہ کو دیکھ سکتے اور چشم ظاہری سے ادراک کر لیا کرتے لیکن ایسا نہیں ہے پس معلوم ہوا کہ یہ حس ادراک حق کے لیے کافی نہیں لہذا

وہ حس جو اس ادراک کے لیے کافی ہو حاصل کرنا ضروری ہوا اور وہ حس باطن ہی ہے جیسا کہ اوپر معلوم ہوا ہے لہذا ان حواس کو معطل کر کے اُنکی تحصیل ضروری ہوئی وہو المطلوب۔ آگے بھی اسی مضمون کا اثبات ہے فرماتے ہیں کہ

شرح حبیبی

گر نبودے حس دیگر مر ترا	جز حس حیوان زبیرون ہوا
پس بنی آدم مکرم کے بدے	کے بحس مشترک محرم شدے

اچھا تو یہ سمجھ کہ اگر سوائے حس حیوانی کے مقتضیات نفسانی سے تعلق نہ رکھنے والی کوئی اور حس تیرے لیے نہ ہوتی تو انسان کو جسکا تو بھی ایک فرد ہے لقد کرمنا کا خلعت کیونکر عطا ہوتا اور انسان صرف ایک حس مشترک کے ذریعہ سے محرم راز و مقرب بارگاہ حق سبحانہ کیونکر بن سکتا تھا اس تقریر پر حل عبارت یوں ہوگا کہ گر نبودے شرط اور پس حرف جزا بنی آدم مکرم کے بدے۔ جزا اور معطوف علیہ۔ اور کے بحس مشترک محرم شدے جزا و معطوف لیکن تحقیقی جزء ثانی معطوف مقدر ہے جو معلول ہے جزء ثانی معطوف مذکور فی الکلام کا معلول کو محذوف کر کے علت کو قائم مقام کر دیا اسوقت تقدیر عبارت یوں ہوگی اگر انسان کے لیے کوئی اور حس نہ ہوتی تو مکرم کیسے ہوتا اور محرم کیونکر بنتا کیونکہ صرف حس مشترک کے ذریعہ سے محرم کیسے ہوسکتا تھا یعنی صرف حس مشترک کے ذریعہ سے محرم ہونا نا ممکن تھا اسکی نظیر ایسی ہے جیسے کسی عہدہ دار کم تنخواہ اور صاحب جائداد سے کہا جاوے کہ اگر تو رشوت نہ لیتا تو صرف تنخواہ سے اتنی بڑی جائداد کیونکر خرید سکتا تھا کیونکہ اسکی تقدیر یوں ہے کہ اگر تو رشوت نہ لیتا تو اتنی بڑی جائداد نہ خریدتا کیونکہ صرف تنخواہ اسکے لیے کافی نہ تھی اور دوسری نظیر آیت قرآنی ان یسرق فقد سرق اخ لہ من قبل ہے جسکا مطلب یہ ہے کہ اگر یہ چوری کرے تو کچھ تعجب کی بات نہیں کیونکہ انکے یہاں تو ہوتی ہی آئی ہے کیونکہ اس سے پہلے اسکے بھائی نے چوری کی ہے فقد حصل الجمع بین التوجیہین والحمد للہ علی ذلک۔

شرح شبیری اگر نبودے الخ۔ یعنی اگر حس حیوانی کے علاوہ دوسری حس تجھ میں نہ ہوتی جو کہ ہوا و ہوس کے خارج سے حاصل ہے یعنی ہوا و ہوس سے باہر ہے تو پھر بنی آدم مکرم کیونکر ہوتا کیونکہ حس مشترک فی الحیوان والانسان سے کس طرح محرم راز ہوسکتا تھا۔ یہاں بادی النظر میں یوں معلوم ہوتا ہے کہ مصرعہ بحس مشترک الخ معطوف بحذف عاطف ماقبل پر ہے مگر اصل میں یوں نہیں ہے بلکہ وہ الگ مضمون ہے کیونکہ عطف میں تو معنے بالکل غلط ہو جاوینگے اسلیے کہ پھر یہ معنے ہونگے کہ اگر دوسری حس نہ ہوتی تو بنی آدم مکرم نہ ہوتا حالانکہ ہوا اور نیز حس مشترک کی وجہ سے کب محرم راز ہوتا حالانکہ ہوا۔ اور یہ باطل ہے کیونکہ حس حیوانی اور حس مشترک سے محرم راز کہاں ہوا ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ دیکھو اگر تمہارے پاس کوئی حس علاوہ اس حس حیوانی کے نہ ہوتی تو پھر تم مکرم کس طرح ہوسکتے تھے اس لیے کہ جیسے تمہارے پاس حس حیوانی تھی اسی طرح ان کے پاس بھی تو تھی حالانکہ تم مکرم ہوے جیسا کہ ولقد کرمنا بنی آدم سے معلوم ہوتا ہے لہذا معلوم ہوا کہ وہ حس جسکی وجہ سے کہ مکرم ہوے ہیں ضرور قابل تحصیل ہوئی اب مصرعہ ثانیہ میں اسکی دلیل کے طور پر یہ فرماتے ہیں کہ دیکھو تو حس مشترک سے کس طرح مشاہدہ کر سکتے ہیں کہ وہ تو دونوں میں مشترک ہے تو لازم آتا ہے کہ انکو بھی مشاہدہ ہوا کرے اور ایسا ہے نہیں پس معلوم ہوا کہ اس مشاہدہ کے لیے کسی دوسری چیز کی ضرورت ہے اور ایک توجیہ مصرعہ کے بحس مشترک الخ کے صحت عطف کی بھی ہوسکتی ہے وہو مذکور فی الشرح الحبیبی اور بیان

اور اسیطرح شعر سابق پس بدیدے گاو خرالله را مین دیدن وغیرہ سے مراد رؤیت بالمعنے المتبادر نہین بلکہ مشاہدہ اصطلاحی یا معائنہ مراد ہے مشاہدہ کہتے ہین توجہ الی الصفات کو اور معائنہ کہتے ہین توجہ الی الذات کو بغیر نفی صفات کے یعنی توجہ ذات کی طرف اس طرح ہو کہ صفات کی طرف اسوقت التفات نہ ہو۔ پس یہان دیدن سے دونون مراد ہوسکتے ہین یہان ان حواس کا بیکار ہونا بتلایا تھا آگے بتلاتے ہین کہ بغیر حواس باطنی کے تنزیہ اور تشبیہ بالمعنین المذکورین فی ہابین جسکے جامع اہل حق ہوتے ہین دونون باطل ہین فرماتے ہین کہ۔

شرح حبیبی

باطل آمد بے زصورت رفتنت		نامصور یا مصور گفتنت

اور مشاہدہ حق کی ضرورت بتائی تھی اور حس ظاہری کو اس کے لیے ناکافی بتایا تھا اب حصول مشاہدہ کی تدبیر بتلاتے ہین اور فرماتے ہین کہ اس مقصد کے حصول کا ذریعہ یہ ہے کہ قید صورت سے آزاد ہو اور عالم ناسوت سے تعلق منقطع کرے قیل وقال سے کچھ کام نہین چلتا عمل کی ضرورت ہے جب تک تو صورت کو نہ چھوڑیگا خواہ تو یہ کہے کہ خدا مصور اور مجسم ہے خواہ یہ کہہ کہ وہ شکل وصورت سے منزہ ہے دونون بیکار اور لغو ہین کہ اس سے وہ وصول الی الحق حاصل نہین ہوتا جیسا ہونا چاہیے گو ایک عقیدہ صحیحہ نجات کافی بلکہ ذریعہ بن ہی جاتا ہے یا یون کہو کہ تیرا خدا کو مصور اور نامصور کہنا دونون باطل ہین جب تک کہ عالم ناسوت سے تعلق قطع نہ کرے کیونکہ مشبہین ومنزہین کے قوی ادراکیہ معرفت حق سبحانہ سے قاصر ہین مشبہ ہونا اس لیے باطل ہے کہ بہت ممکن ہے کہ تو تشبیہ مین اس درجہ تک پہونچ جائے۔ جہانتک کہ واقع نہین۔ مثلا یہ کہ خدا کی صورت ایسی ہے اسکا قد ایسا ہے اسکے سر پر بال ہین وغیرہ وغیرہ جیسا کہ اہل ہوا ہر قائل ہوے ہین اور منزہ ہونا اس لیے باطل ہے کہ مبادا تو تنزیہ کے اس مرتبہ تک پہونچ جائے کہ صفات ثابتہ بالنصوص کی بھی نفی کرنے لگے۔ جیسے ید۔ وجہ۔ استوار علی العرش وغیرہ وغیرہ اس لیے عالم ناسوت سے قطع تعلق کرنا لازم ہے تاکہ ان مہالک سے نجات پائے۔

شرح شبیری | نامصور الخ۔ یعنی تیرا حق کو نامصور کہنا یا مصور کہنا بغیر ترک صورت اور ظاہر کے بالکل باطل ہے مطلب یہ کہ منزہ جب غیر مصور کہے گا اور خود مقید ہوگا صورت کے ساتھ تو یہ بھی باطل ہوگا اور جب مشبہ مصور کہیگا اور وہ بھی خود صورت کا مقید ہوگا تو یہ بھی باطل ہے اور مشبہ کے مصور کہنے کا باطل ہونا تو ظاہر ہے کہ جب وہ مقید بصورت ہے تو مصور سے مراد وہی صورت لیگا جسمین وہ مقید ہے یعنی جوارح اور اعضاء ممکنات اور حادث کے جسکا باطل ہونا ظاہر ہے ہان منزہ کے غیر مصور کہنے کا باطل ہونا ذرا دقیق ہے اسکو ذرا سمجھ لو کہ منزہ جس قصد سے غیر مصور کہہ رہا ہے یعنی جسکو وہ صورت سمجھ رہا ہے اسکی نفی وہ تو فی نفسہ صحیح ہے مگر اس سے بلا اس کے قصد کے نفی الواقع لازم آتا ہے کہ اسکی نفی معارض ہوگی نصوص سے کے یعنی جب نامصور کہا تو جو امور مثل ید ووجہ ونزول واستواء وغیرہا نصوص مین وارد ہین انکی نفی بھی ہو جاویگی کیونکہ ایسا شخص کہیگا لیس لہ ید۔ ولیس لہ وجہ الی غیر ذلک تو چونکہ اس کے اس کہنے سے انکار نصوص لازم آتا تھا اس لیے وہ بھی باطل ہوگا چنانچہ خود حدیث مین ہے کہ رأیت ربی فی احسن صورۃ یہان آخر صورت سے

کیا مراد ہوگا جو یہان مراد ہے وہی مصور کہنے مین سمجھ لو پھر منزہ کا مطلقاً غیر مصور کہنا تو صحیح نہ ہوگا اور یہ ظاہر ہے کہ اس حدیث کے معنی تو یہی ہین کہ فی احسن صورۃ لہ اور یہ مراد نہین ہے کہ مین اچھی صورت مین تھا اُس حالت مین حق تعالے کو دیکھا اسیطرح ید و وجہ وغیرہا کی جو شخص نفی کریگا حالانکہ ثابت بالنصوص ہین اور مبالغین فی التنزیہ اسمین مجاز اس لیے لیتے ہین کہ حقیقت لینے مین ممکن کے ساتھ مماثلت ہو جاویگی لیکن پھر چاہیے کہ علم وغیرہ مین بھی مجاز لیا جاوے ورنہ اسیطرح علم و قدرت وغیرہ بھی توصفات ممکن سے ہین حالانکہ وہان تم خود یہی کہتے ہو کہ علم حقیقۃً حق تعالے کے لیے ثابت ہے مگر اُسکی کیفیت ہمکو معلوم نہین اسیطرح اگر یہان بھی کہدو کہ حقیقۃً ید ثابت ہے مگر ہمکو اُسکی کیفیت معلوم نہین تو کیا حرج ہے بعینہ ویسی ہی بات ہے اور ان صفات کے اثبات سے حق تعالے کی مماثلت ممکن کے ساتھ لازم نہین آتی ہان مشابہت اصطلاحیہ مین کوئی محذور نہین پس حق تعالے کے لیے مثل بکسر المیم و سکون الثاء ممتنع ہے کہ حقیقت اُسکی مشارک فی النوع و الحقیقۃ ہے اور مثل بفتحتین ممتنع نہین قال تعالے لیس کمثلہ شئ وقال ولہ المثل الاعلےٰ اسیطرح مثال قال تعالے مثل نورہ کمشکوٰۃ الآیہ اور یہان یہ شبہ نہ کیا جاوے کہ حق تعالے کے اسماء تو توقیفی ہین پھر اُسپر مصور یا ذی ید وغیرہ کا اطلاق کس طرح درست ہو سکتا ہے کہ یہ اسم منصوص نہین بات یہ ہے کہ بطور تسمیہ کے تو بلا توقیف اطلاق جائز نہین لیکن بطور توصیف کے جائز ہے جبکہ وہ وصف ثابت بالدلیل ہو جیسا کہ رایت ربی فی احسن صورۃ کہنے سے معلوم ہوتا ہے کہ احسن کا اطلاق کیا گیا حالانکہ اسماء خداوندی مین سے نہین ہے اسیطرح مصور کا اطلاق بھی بطور توصیف کے جائز ہوگا پس مقصود مولانا کا اس فرمانے سے یہ ہے کہ جب تک عالم ناسوت سے الگ نہ ہوگے اور اُسی مین مقید رہوگے اُسوقت تک خواہ مشبہ ہوکر مصور کہو خواہ منزہ ہوکر نامصور کہو سب باطل اور بے سود ہے اور باطل آمدکی ایک اور توجیہ سہل بھی ہے جسکو شرح حبیبی مین اول ذکر کیا ہے آگے بتلاتے ہین کہ مصور یا نامصور کا اطلاق کون کرسکتا ہے فرماتے ہین کہ۔

شرح حبیبی

کہ ہمہ مغز ست و بیرون شد ز پوست	نامصور یا مصور پیش اوست

خدا مصور ہو یا نامصور جیسا بھی ہے انھین کے نزدیک ہے اور وہی اُسکو جانتے ہین جو ظاہر کو چھوڑ کر سراپا تحقیق و معرفت بن گئے ہین کیونکہ وہ مشاہدہ کرنیوالے ہین اور تیرا تو محض ظن و تخمین ہے جو بالکل بے سود ہے۔

شرح شبیری نامصور الخ۔ یعنی نامصور کہنا یا مصور کہنا اُس شخص کے نزدیک صحیح ہوگا کہ جو بالکل مغز ہی مغز ہو چکا ہو اور قشر سے باہر ہو گیا مطلب یہ کہ جو شخص علم تحقیق مین کامل ہو چکا ہو اور عالم ناسوت سے نکل کر دوسرے عالم کی طرف متوجہ ہے اور وہ اِسکی حقیقت کو بھی جانتا ہے کہ نامصور سے کیا مراد ہے اور مصور سے کیا مراد ہے تو حقیقۃً تو اُسکو سب کہنا روا ہے اور جب تک اِس حد کو نہ پہونچے اُس وقت تک جائز نہ ہوگا یہان تک بیان تھا کہ ان حواس ظاہرہ کے اتباع کو ترک کرکے حواس باطنہ کا اتباع اختیار کرو اور یہ بھی معلوم ہوگیا کہ ان حواس مین بھی استعداد ہے کہ اُس طرف متوجہ ہو جاوے لہذا اب نفس سے باہر ہونے کی تدبیر بتلاتے ہین جسکا حاصل مجاہدہ ہے اور مقصود تو تدبیر بتلانا ہے مگر اُسکو توبیخ سے شروع کرتے ہین پس فرماتے ہین کہ۔

بامصور یا نامصور گفتنش ... [illegible]

شرح حبیبی

گر تو کوری نیست بر اعمی حرج	ورنہ رو کالصبر مفتاح الفرج

اوپر عالم ناسوت سے قطع تعلق اور ترک ظاہر کی ترغیب دی تھی اب اسکا طریقہ بتلاتے ہین لیکن توبیخ سے ابتدا کرتے ہین اور فرماتے ہین اگر تو اندھا اور مسلوب الاستعداد ہے تو ہم کچھ نہین کہتے کیونکہ اندھے پر کوئی تنگی نہین اور اگر اندھا نہین اور یقینًا نہین کیونکہ کل مولود یولد علے الفطرۃ۔ تو تجکو مجاہدہ کرنا چاہیے اور مخالفت نفس سے جو تکالیف وشدائد تجھے پہونچین سب کو فراخ حوصلگی کے ساتھ برداشت کرنا چاہیے کیونکہ الصبر مفتاح الفرج۔

شرح شبیری اگر تو الخ۔ یعنی اگر تو اندھا ہے تب تو تجھ پر بفحواے لیس علے الاعمی کوئی تنگی نہین اور اگر نہین ہے تو جا کہ صبر مفتاح ہے کشادگی کی۔ مقصود مولانا کا یہ بتلانا ہے کہ جب تم مین استعداد موجود ہے اور پھر بھی تم اسکو کام مین نہین لاتے تو یہ بڑی بدبختی کی بات ہے لیکن اسکو توبیخ کے طور پر شروع کیا ہے کہ کیا اندھا تو نہین ہے کہ معذور رکھا جاتا ہے۔ چونکہ قرآن مین ہے لیس علے الاعمی حرج یعنی یہ تو نہین ہے کہ تجھ مین قبول قبولیت کی استعداد ہی نہین کہ جو عدم جہد کی صورت مین معذور سمجھا جاوے بلکہ استعداد تو موجود ہے جیسا اوپر بیان ہوا تو اب جاؤ اور مجاہدات اور ریاضات کرو کہ یہی چیزین تمہارے لیے انوار الٰہیہ کو اور قرب کو بڑھادینگی اور یہ جو پردے عالم ناسوت کے پڑے ہین انکو اٹھادینگی یہی کو فرماتے ہین کہ پردہاے دیدہ را داروے صبر الخ۔

شرح حبیبی

پردہاے دیدہ را داروے صبر	ہم بسوزد ہم بسازد شرح صدر

یہان سے اس صبر اور مجاہدہ کا نفع بیان فرماتے ہین کہ یہ صبر ایسی مفید چیز ہے کہ چشم باطن کے سامنے کے تمام حجب ظلمانیہ کو جو حق بینی سے مانع ہین پھونک دیگی باب سینہ کو انوار الٰہیہ کے داخلہ کے لیے کھولیگی۔ جسکا نتیجہ یہ ہوگا کہ تیری آنکھ مشاہدہ جمال محبوب سے مسرور ہوگی اور سینہ انوار الٰہیہ سے معمور۔

شرح شبیری پردہاے الخ۔ یعنی آنکھ پر جو پردہ جھلی وغیرہ آجاتی ہے اُسکو دوا لگانا اُس پردہ کو بھی جلا دیتا ہے اور شرح صدر بھی کر دیتا ہے اور پردیدہ سے مراد حواس لئے ہین اب کہتے ہین کہ حواس پر جو ناسوت کے پردے پڑگئے ہین اور اُس طرف توجہ نہین ہوتی اِسپر دواے صبر لگا دو یعنی مجاہدات وریاضات کرو تاکہ وہ ریاضات ان حجابات کو بھی اٹھادین اور شرح صدر بھی کردین یعنی قلب کو کدورات سے پاک صاف کردین اور اِس قابل بنادین کہ اُس طرف توجہ ہوسکے آگے اِسی کو فرماتے ہین کہ آئینہ دل چون شود صافی و پاک الخ۔

شرح حبیبی

آئینہ دل چون شود صافی و پاک	نقشہا بینی برون از آب و خاک

صبر سے ایک فائدہ یہ ہوگا کہ تیرا آئینہ دل کدورت ماسوے اللہ سے پاک صاف ہوجائے گا تو سب تجھے

عالم ناسوت سے باہر کی صورتیں بھی دکھلائی دینگی - چنانچہ اہل اللہ کو بہت کچھ عجائبات منکشف ہوتے ہیں - چنانچہ شیخ عبد الکریم جیلی فرماتے ہیں کہ میں نے ایک دریا دیکھا جس کی ایک موج ما بین السماء والارض سے دس لاکھ حصہ بڑی ہے اور میں نے دوزخ کے تمام طبقات کی پیمائش کی اور شیخ محی الدین ابن عربی پر غالباً تمام اہل دوزخ و اہل جنت کی تعداد منکشف ہوئی مگر ان حضرات کی نظر میں یہ مقصود نہیں ہوتے چنانچہ حضرت حاجی صاحب قدس سرہ فرماتے ہیں کہ ان سب کو نظر انداز کرنا چاہیے کہ یہ بھی حجاب بلکہ سخت حجاب ہیں ان الحجب النورانیۃ اشد من الحجب الظلمانیۃ البتہ علوم معاملہ جو اسپر منکشف ہوتے ہیں اور حسب استعداد انکا منکشف ہونا لازم ہے وہ مقصود اور نافع ہیں پس سالک کو چاہیے کہ صرف ذات و صفات حق و معاملات کو مطمح نظر بنائے اور سب کو نظر انداز کر دے -

شرح شبیری آئینہ الخ - یعنی جب آئینہ دل کدورتوں اور تعلقات عالم ناسوت سے صاف اور پاک ہو جاویگا تو پھر تو تم بہت سے نقوش دیکھو گے جو کہ آب و خاک سے باہر اور علیحدہ ہونگے مطلب یہ کہ جب مجاہدہ کرنے سے تمہارا دل صاف ہو جاویگا تو تم بہت سے نقش یعنی انوار و تجلیات دیکھو گے کہ جو آب و خاک سے باہر ہیں اور اس قدر حکماء کو بھی ماننا پڑا ہے کہ ان قوی مدرکہ معلومہ کے علاوہ ایک اور قوت بھی ہے جس کو قوت قدسیہ کہتے ہیں اور اسکے جو ادراکات ہوتے ہیں وہ ہر شخص کی سمجھ میں نہیں آتے اور کہتے ہیں کہ ہماری رسائی اس قوت قدسیہ تک نہ ہوسکی مگر وہ صرف اس لیے مانتے ہیں کہ خود انکے اکابر میں بعضے ایسے ہوئے کہ ان کے علوم انکے احاطہ سے باہر ہیں تو انکو صاحب قوت قدسیہ مانا تاکہ جو بات انکی ان کے سمجھ میں نہ آئی اسکو کہدیتے ہیں کہ یہ کام قوت قدسیہ کا ہے اور ہم میں نہیں ہے اس لیے ہم اس کے سمجھنے سے عاجز ہیں اسکا مطلب وہی جانیں گر افسوس اس گمراہی پر کہ اپنے اکابر کے کلام میں تو ایسے امور ہونیکی وجہ سے قوت قدسیہ کے قائل ہوں اور انسے معارضہ نہ کریں مگر رسول صلے اللہ علیہ وسلم کو اور دوسرے حضرات انبیاء کو بزعم خود عقلیات سے معارضہ ہونے پر نہ مانیں اور انسے معارضہ کریں - پس مقصود مولانا کا یہ ہے کہ مجاہدہ کرکے تم اپنے دل کو صاف کرو پھر دیکھو کس قدر نقوش تمکو دکھلائی دیتے ہیں - اور یہ نقوش دو طرح کے ہوتے ہیں ایک تو کونیات دوسرے آلہیات تو یہ حضرات کونیات کے تو مرتبہ علم و قصد میں بالکل نفی کرتے ہیں یعنی انکی طرف توجہ کرنے کو شرک فی الطریق سمجھتے ہیں ہاں آلہیات کی طرف توجہ کرتے ہیں ہمارے حضرت حاجی صاحب فرماتے ہیں کہ لا کے ساتھ ان انوار ملکوتیہ کی بھی نفی کر دو اور بجز اس کے کسیکو مقصود مت سمجھو دوسرے بھی فرماتے تھے حجب نورانیہ اشد ہوتے ہیں حجب ظلمانیہ سے کہ جبتک حجب ظلمانیہ میں رہتا ہے اسوقت اپنے کو محجوب تو سمجھتا ہے اور جب حجب نورانیہ میں پھنس گیا تو اسوقت اسکو شبہ وصول الی الحق کا ہو جاتا ہے اور یا تو یہ خیال کرتا ہے کہ یہ تجلی ذات حق کی ہے اور یا ایسا نہیں سمجھتا مگر انسے لذت لیتا ہے لہذا عمر اسی میں رہتا ہے اور مقصود یعنی قرب حق سے محروم رہتا ہے اسلیے کہ سمجھتا ہے کہ مقصود تو حاصل ہو ہی گیا اب آگے کیا ضرورت ہے چنانچہ بعض صوفیہ سالہا سال تک روح کی تجلی کو تجلی ذاتی سمجھتے رہے ہیں ایک مدت کے بعد معلوم ہوا کہ ہم غلطی پر تھے اور اسوقت تک روح کی پرستش میں لگے ہے البتہ اگر اسکی طرف قصد و التفات نہ ہو تو نفس کشف مضر نہیں مگر لازم بھی نہیں چنانچہ بعض کو عمر بھر بھی یہ امور کشوف نہیں ہوئے بعض کو بڑے بڑے امور کشوف ہوئے چنانچہ حضرت عبد الکریم صاحب جیلی فرماتے ہیں کہ میں نے ایک دریا دیکھا کہ جو موجیں مار رہا ہے اور اسکی ایک موج اسقدر بڑی ہوتی ہے کہ جو بعد بین السماء والارض ہے اس سے دس لاکھ حصہ زیادہ مگر اسکے روکنے تھامنے کو فرشتے کھڑے ہیں کہ اسکی موجیں باہر نہ جاسکیں اگر اسکی ایک موج بھی باہر

نکل آوے تو ظاہر ہے کہ آسمان وزمین سب کو غارت کردے لیکن عرش اس سے بڑا ہے اور وہ سب کو محیط ہے جسقدر اشیا ہیں ہیں ان سب کو عرش محیط ہے۔ اب دیکھ لو کہ وہ کس قدر بڑا ہوگا اور نیز اُنھوں ہی جنت دوزخ کی پیمائش لکھی ہے اور کہتے ہیں کہ ہم وہاں گئے اور اُن کی پیمائش کی اور یاد پڑتا ہے کہ شیخ محی الدین ابن العربی نے دوزخیوں اور جنتیوں کی تعداد بھی لکھی ہے۔ مگر باوجود اس قدر عظیم الشان علم ہونے کے بھی خود یہ حضرات بھی اُسکی طرف متوجہ ہونے سے منع کرتے ہیں البتہ جو کشف کہ نافع ہے وہ الٰہیات کا ہے یعنی اٰلہ حق کی صفات اور افعال اور معاملات بین الحق والعبد کا وہ کشف جسکو قرب الی الحق میں داخل ہو اول کو علوم مکاشفہ ثانی کو علوم معاملہ کہتے ہیں اور اول غیر لازم ہے اور ثانی حسب استعداد لازم ہے مقصود مولانا کا بھی یہی ہے کہ مجاہدات وریاضات سے قلب کو پاک اور صاف کرلو پھر دیکھو کہ علوم معاملہ میں سے دائما اور علوم مکاشفہ میں سے احیانا کیسے کیسے نقوش اور کیا کیا باتیں تمکو معلوم ہوتی ہیں اور انوار الٰہیہ میں سے کس کس کا فیضان میسر ہوتا ہے آگے اسی کو بتلاتے ہیں کہ۔ ؎ ہم ببینی نقش وہم نقاش را + فرش دولت را وہم فراش را۔ یعنی جب قلب کے آئینہ کو صاف کرلوگے تو اُسمیں وہ نقش بھی تم کو معلوم ہونگے اور صاحب نقوش کو بھی دیکھوگے اور فرش دولت کو بھی دیکھوگے اور اس کے بچھانے والے کو بھی یعنی جب مجاہدات وریاضات سے قلب کو کدورات سے پاک کرلیگے اور عالم ناسوت سے اُسکا تعلق قطع کردوگے تو پھر انوار الٰہیہ کا بھی مشاہدہ ہوگا اور ذات باری کا بھی معائنہ ہوگا بالمعنے المذکور سابقا اور فرش دولت سے مراد فرش آرام یعنی وہی کیفیات کہ جن سے سکون وآرام ہوتا ہے اور سچ یہ ہے کہ جو سکون اُسوقت حاصل ہوتا ہے وہ شاید مدۃ العمر کسی عیش وآرام میں بھی نہیں ہوتا یہ ایک ذوقی امر ہے ورنہ بتلادیتا۔ خیر۔ مراد یہ کہ عالم ناسوت میں جس قدر اشیا ہیں سب کی نفی کردو بس اُس عالم کی طرف توجہ کرو پھر دیکھو کیا کیا مزے آتے ہیں اور کیسے کیسے لطف حاصل ہوتے ہیں ؎ یزیدک وجہہ حسنا + اذا ما زدتہ نظرا + اسمیں جس قدر زیادتی ہوگی اُسی قدر لطف بڑھے گا اب بیان چونکہ سب غیر اللہ کی نفی کی تعلیم تھی اس لیے یہ شبہ ہوسکتا تھا کہ پھر شیخ بھی تو غیر اللہ ہے اُسکی بھی نفی ہونا چاہیے اور مثل اور عالم ناسوت کے اس سے بھی تعلق قطع کرنا ضروری ہوا پھر جا بجا اور بھی شعر رو بجو یار خدائی را تو زود الخ میں اسکا امر کیوں کیا اسکا آگے جواب دیتے ہیں وللہ دره فرماتے ہیں کہ چون خلیل آمد خیال یار من۔

شرح حبیبی

چون خلیل آمد خیال یار من	صورتش بت معنی او بت شکن

او پر مجاہدہ کی ضرورت بتائی تھی مگر وہ بے شیخ کامل کے اکثر بجائے نفع کے نقصان پہنچاتا ہے اس لیے ضرورت شیخ کو بتلاتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ میرے شیخ کے خیال کی مثال ایسی ہے جیسے ابراہیم علیہ السلام کہ اُنکی صورت تو بت ہے اور معنی وحقیقت بت شکن۔ اول یہ سمجھنا چاہیے کہ ابراہیم علیہ السلام کی صورت کیونکر بت ہے۔ اور معنے کیونکر بت شکن ہیں سو اسکی وجہ یہ ہے کہ حضرت خلیل کا جب انکی قوم سے مناظرہ ہوا تو اُنھوں نے اولاً ایک ستارہ کی بابت یہ الفاظ استعمال کیے ہذا ربی۔ پھر دوسرے ستارہ یعنی قمر کی بابت یہی الفاظ استعمال کیے پھر تیسرے ستارہ شمس کی بابت الفاظ ہذا ربی ہذا اکبر کہے ان الفاظ کا بت اور مشرک ہونا ظاہر ہے لیکن حقیقت دیکھی جاتی ہے تو یہی

الفاظ بت شکن نیخ کن شرک ہیں ۔ کیونکہ مناظرہ مین اولاً وہ دعویٰ متعین کیا جاتا ہے جسکا اثبات یا ابطال مدنظر ہوتا ہے اور دلائل کی عمارت کی بناء اسی دعویٰ پر ہوتی ہے ۔ جب یہ امر ممہد ہوچکا ۔ تو اب سمجھو کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ہٰذا ربی ۔ یا ہٰذا ربی ہٰذا اکبر فرمانا ۔ اس دعویٰ کی تعیین اور تقرر ہے جس کا باطل کرنا مدنظر ہے اور حقیقت اس قول کی یہ ہے کہ تمھارا دعوےٰ جس کو تم مجھ سے منوانا چاہتے ہو یہ ہی ہے کہ ہٰذا ربی ۔ اب اسکی حقیقت دیکھ لو کہ یہ دعویٰ کہانتک صحیح ہے ۔ اُسکے بعد اسکا ابطال فرمایا ہے تو یہ الفاظ گو بصورت بت اور شرک ہیں مگر فی الحقیقت بت شکنی اور ہدم اساس شرک کے لیے ستعمال کیے گئے ہین ۔ اسکے بعد یہ سمجھو کہ خیال یار کیونکر بصورت بت اور بمعنی بت شکن ہے اُسکی حقیقت یہ ہے کہ صوفیہ کرام کی اصطلاح مین بت کہتے ہین غیر اللہ کو ۔ اور خیال یار کا بصورت غیر اللہ ہونا ظاہر ہے ۔ اور حقیقت کے لحاظ سے دیکھئے تو غیر اللہ نہین بلکہ غیر اللہ کو دل سے مٹانے والا ہے لہذا بت شکن ہے اور یہ حکم کہ خیال یار غیر اللہ نہین اس سے یہ سمجھنا کہ عین خدا ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اِنکے عرف مین غیر اللہ وہ ہے جس سے خدا کے لیے تعلق نہ ہو ۔ اور خیال یار سے تعلق محض خدا کے لیے ہے کہ وہ موصل الی اللہ ہے ۔ اب تشبیہ ٹھیک ہوگئی وہ شبہ بھی مندفع ہوگیا کہ ان کے دل مین غیر اللہ کیونکر آیا ۔ اور ضرورت شیخ بھی ثابت ہوئی کہ ماسوے اللہ کو دل سے مٹاتا ہے آگے اس بت شکنی کی تفصیل اور تشریح کی طرف اشارہ ہے چنانچہ فرماتے ہین ۔ شکر یزدان را کہ چون او شد پدید الخ ۔

چون خلیل آمد خیال یار من ۔ صورتش بت معنی او بت شکن

شرح شبیری ‌ چون الخ ۔ یعنی میرے یار (و مرشد) کا خیال حضرت خلیل اللہ علیہ السلام کے مانند ہے کہ اُسکا ظاہر تو بت ہے مگر باطن اُسکا بت شکن ہے ۔ مطلب یہ کہ شیخ کا خیال ایسا ہے کہ جیسے حضرت خلیل اللہ علیہ السلام تھے ظاہر مین توجب کہ کوکب طلوع ہوا یہ فرمایا کہ ہٰذا ربی اور جب وہ چھپ گیا تو کہا کہ مین اس شے کو جو افول قبول کرے رب نہین بناتا پھر جب قمر نے طلوع کیا تو اُسکو کہا کہ ہٰذا ربی پھر جب وہ بھی پوشیدہ ہوگیا تو کہنے لگے کہ اگر مجھے اللہ تعالیٰ ہدایت نہ کرتے تو ضرور مین بھی قوم گمراہ مین سے ہوجاتا اُس کے بعد جب شمس طلوع ہوا تو کہا کہ ہٰذا ربی ہٰذا اکبر یعنی لو بھائی اب اس سے بڑھ کر تو کوئی کوکب نہین اور تو اپنی صفت نور مین سب سے اعلےٰ ہے اگر اُسکو بھی افول ہوا تو پھر بس ان مین سے کوئی بھی لائق الوہیت کے نہ رہے گا چنانچہ جب وہ بھی روپوش ہوگیا تو فرمانے لگے کہ اے قوم مین تمھارے شرک سے بری ہون چونکہ اُنکی قوم کواکب پرست تھی اس لیے اُنھون نے معارضہ بھی کواکب ہی سے کیا یہان بعض مورخ لکھتے ہین کہ چونکہ ابراہیم علیہ السلام تہخانہ مین پلے تھے اور اُنھون نے کواکب کو دیکھا نہ تھا اس لیے جب کواکب نے طلوع کیا تو وہ اُسکو پہچان نہ سکے اور اس لیے ہٰذا ربی کہدیا ۔ یہ بالکل غلط ہے اس لیے کہ اگر مان بھی لین کہ وہ تہخانہ مین پلے تھے تو بھی انبیاء علیہم السلام کے عقول اور ادراکات تو فطرۃً ہی کامل اور اکمل ہوتے ہین اور اصل فطرت کا تو مقتضی ہی یہ ہے کہ وہ غیر خدا کو خدا نہ سمجھے جیسا کہ کل مولود یولد علی الفطرۃ الخ سے معلوم ہوتا ہے تو یہ کہنا اول تو اس طرح باطل اور غلط تھا پھر آگے انی بری مما تشرکون کہنا صاف دلیل ہے کہ وہ اسکا اعتقاد نہ رکھتے تھے اس لیے کہ اگر اُنکا یہ اعتقاد ہوتا تو یون کہتے کہ انی بری مما اشرک پس یہ قول کہ اس ہٰذا ربی کہنے کے وقت اُنکا اعتقاد بھی اسی کے مطابق تھا بالکل غلط در غلط ہے بلکہ ہٰذا ربی ظاہر مین تھا اور معنے اُسکے یہ ہین ہٰذا ربی بزعمکم مگر مجاراۃ خصم کے طور پر اس قید کی تصریح نہین فرمائی

توحضرت خلیل پر یہ بات صادق آئی صورتش بت معنے او بت شکن ﴿ پس اسیطرح شیخ اگرچہ بظاہر بت ہے اس لیے کہ کل شئی شیغلک عن الحق فہو طاغوتک۔ لیکن اصل مین اور فی الواقع وہ بت شکن ہے کہ بت پندار کو توڑنے کی اور غیر اللہ کو چھوڑنے کی تعلیم کرتا ہے وغیر ذلک پس وہ غیر حق نہ ہوا بالمعنے الذی سیاتی اور اسکی نفی ماسوائے حق کی نفی مین داخل نہ ہوئی۔ یہان غیر کے معنے سمجھنا ضرور ہے وہ یہ کہ غیر اصطلاح صوفیہ مین کہتے ہین بے تعلق کو اور یہ محاورہ عام کا ہے کہا کرتے ہین کہ تم کچھ غیر تھوڑا ہی ہو اور یہ غیر مقابل عین کا نہین ہے تو اب مراد اس سے کہ وہ غیر حق نہین ہے یہ ہوا کہ وہ حق سے بے تعلق نہین ہے بلکہ حق سے اُسکو تعلق ہے اور وہ موصل الی الحق ہے پس اس لیے اسکی نفی نہین ہوتی ایک صاحب نے حضرت مولانا تھانوی دام فیضہم سے دریافت کیا تھا کہ جب لاالٰہ الا اللہ مین لا سے ماسوی اللہ کی نفی ہوئی تو حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی بھی نفی ہوگی اسکا جواب حضرت نے یہی دیا کہ وہ ماسوی اللہ ہی نہین اور غیر حق ہی نہین اس لیے کہ غیر حق وہ ہے جسکو حق سے تعلق نہ ہو سا اور اُنسے زیادہ کس کو تعلق ہوگا اور یہ اگر محاورہ کے موافق بھی نہ ہوتا تب بھی کہہ سکتے تھے کہ اپنی اصطلاح ہے آئین کسی کا اجارہ نہین ہے۔ جو چاہین اصطلاح مقرر کرلین اور یہان بہت سے محشیون سے ایسی صریح غلطی ہوئی ہے کہ خیال یار سے مراد تصور شیخ کا شغل لے لیا ان بھلے مانسون سے کوئی پوچھے کہ مولانا رومی کے وقت مین یہ شغل کب تھا یہ تو بعد کے لوگون نے کچھ مصلحت سمجھکر ایجاد کرلیا ہے دوسرے مثنوی اشغال کی کتاب نہین ہے یہان تو خیال سے مراد اسکی صحبت و خدمت و معیت ہے اور خیال سے تعبیر اس لیے کردیا کہ غالب اوقات مین تو مرشد پاس نہین رہتا اسکا خیال مع المحبۃ ہی دلمین رہتا ہے آگے اسی کو فرماتے ہین کہ شکر یزدان راکہ چون او شد پدید الخ۔

شرح حبیبی

شکر یزدان راکہ چون او شد پدید	درخیالش جان خیال خود بدید

خدا کا شکر ہے کہ جب خیال یار ظاہر ہوا تو اُس کے خیال سے میری روح کا نقشہ اس کے سامنے کھینچ گیا اور اُسکو اپنی حالت معلوم ہوگئی۔ اول تو اہل اللہ کی خاصیت ہوتی ہے کہ انکو دیکھنے سے خدا یاد آتا ہے۔ اذا رؤا ذکر اللہ انکی شان ہے اور یاد خدا کا ذریعہ ہے معرفت نفس اس لیے اولاً معرفت نفس ہوتی ہے اور یہ معرفت مفضی سلسلے معرفۃ الحق ہوجاتی ہے من عرف نفسہ فقد عرف ربہ۔ دوسرے قاعدہ ہے وبضدہا تتبین الاشیاء جب ایک سرتاپا کمال ناقص کے مقابل ہوگا تو اسکا کمال عند فقدان المانع ناقص کے لیے اپنے نقصان کے ادراک کا سبب ہوجاویگا۔ اور یہ ادراک و احساس اسکو تحصیل کمال پر آمادہ کریگا اس سے بھی ضرورت شیخ ثابت ہوگئی جو اصل مقصود تھا جیسا کہ پہلے شعر سے ثابت ہوتی تھی۔

شرح شبیری ا شکر یزدان الخ۔ یعنی خدا کا شکر ہے کہ جب وہ خیال مرشد ظاہر ہوا تو اُس کے خیال سے جان نے اپنا خیال دیکھا یعنی اپنی طرف خیال کیا اور اپنے کو پہچانا یہان سے ایک مضمون شروع ہوتا ہے کہ جو دور جاکر ختم ہوا ہے اور اُسکے بیچ مین بہت سے امور متعلقات مین سے بیان کردیے گئے مین وہ مضمون یہ ہے کہ جب تک انسان کو اپنی معرفت نہین ہوتی اُسوقت تک معرفت حق بھی نہین ہوسکتی بفحوائے

من عرف نفسہ فقد عرف ربہ۔ اس لیے کہ جب انسان نے اپنے معاصی کی طرف نظر کی تو اسکی پردہ پوشی اور حلم کی معرفت ہوئی جب اپنے اندر عجز کو سوچا تو اُس کی قدرت اور کبریائی کی طرف نظر گئی علیٰ ہذا تو یہ مسئلہ تو معلوم ہوا کہ جب تک اپنے نفس کی معرفت نہیں ہوتی اُسوقت تک معرفت حق نصیب نہیں ہوتی لہذا یہاں سے اِس مسئلہ کیطرف اشارہ کرکے اُسکا طریقہ بتاتے ہیں اور اِس نعمت کے حصول پر شکر کرتے ہیں کہ خدا کا شکر ہے کہ خیال یار آیا اور اُسکے آنے سے یہ نفع ہوا کہ اپنی طرف نظر ہوگئی اور اپنی طرف نظر ہونے سے آئندہ حق تعالےٰ کی طرف نظر ہونیکی استعداد معلوم ہوگئی اس لیے کہ من عرف نفسہ فقد عرف ربہ۔ اور خیال یار کے آنے سے اپنی طرف نظر ہونے کے یہ معنی ہیں کہ یہ ایک مسئلہ تجربہ سے ثابت ہے کہ اولیاء اللہ کے قرب سے تنبہ ہوتا ہے اپنے حال پر اِسیطرح اُنکے خیال سے اللہ یاد آتا ہے خواہ بواسطہ معرفت نفس خواہ بلاواسطہ جیسے کہ حدیث میں آیا ہے کہ اذا رُؤا ذکر اللہ یعنی جب اُنپر نظر پڑے تو اللہ یاد آوے پس اِس سے معلوم ہوگیا کہ خیال یار کے آنے سے اپنی طرف توجہ ہوگئی جو کہ موصل ہے توجہ الی الحق کی طرف پس اِس قرب مرشد سے اتنا پتہ لگا کہ استعداد اور قابلیت ہمارے اندر ہے کہ وصل الی الحق ہوسکیں آگے فرماتے ہیں کہ خاک درگاہت دلم را می فریفت الخ۔

شرح حبیبی

خاک درگاہت دلم را می فریفت	خاک بر وی کو ز خاکت می شکیفت

اب غیبت سے خطاب کی طرف التفات فرماتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اے یار تیری درگاہ کی خاک میرے دل کو فریفتہ کرتی تھی اُس پر خاک پڑے جو تیری خاک سے جدا رہ کر صبر کر سکے اور تیری خاک در کا طالب و جویاں نہ ہو پورا شعر جملہ معترضہ ہے۔ پہلا مصرعہ تو غلبہ شوق میں ہے جو خیال یار سے پیدا ہوا۔ اور دوسرا بددعا ہے ان لوگوں کے لیے جنکو خاک در محبوب کی طلب نہ ہو۔ یہاں تک طلب حق کی ترغیب اور اِسکے متعلقات کا بیان تھا آگے اِس امر کا بیان ہے کہ وصول الی الحق کے لیے جس طرح طلب کی ضرورت ہے۔ یوں ہی حسن ذاتی یعنی قابلیت و استعداد فطری کی بھی ضرورت ہے۔ تاکہ محبوب کیطرف سے جذب ہوسکے جو ملاک وصول ہے چنانچہ فرماتے ہیں

شرح شبیری خاک درگاہت الخ۔ یعنی تیرے در کی خاک مجھے اپنی طرف جذب کرتی تھی اور کھینچتی تھی (دوسرے مصرعہ میں دعا کے طور پر فرماتے ہیں کہ خدا کرے اُس پر خاک پڑے جو تیری خاک سے صبر کئے بیٹھا ہے یہاں التفات ہے غیبت سے خطاب کی طرف یعنی اسوقت تک تو شیخ کو یار وغیرہ کے لفظ سے تعبیر کرتے رہے اب یہاں اُسکو مخاطب کر کے کہتے ہیں کہ تیری خاک در میرے دل کو لبھاتی ہے اور جذب کرتی ہے اُس استعداد کی وجہ سے جو پہلے مصرعہ میں معلوم ہوچکی آگے فرماتے ہیں کہ گفتم ار خوبم پذیرم این ازو الخ۔

شرح حبیبی

گفتم ار خوبم پذیرم این ازو	ورنہ خود خندید بر من زشت رو

یون سوچتا ہون کہ میرے دل مین طلب تو ہے لیکن معلوم نہین کہ مجھ مین وہ خوبی بھی ہے یا نہین جسکی بنا پر اُدھر سے جذب ہوسکے یعنی استعداد فطری ۔ چونکہ مجھے معلوم نہین ۔ اِس لیے کہتا ہون کہ اگر مجھ مین خوبی موجود ہے تو میرے دل کی یہ خواہش اور تمناے وصول مقبول یار ہوگی اور مین فائز المرام اور کامیاب ہونگا ورنہ بباعث محرومی زشت رو ابلیس مجھ پر ہنسے گا ۔ یا یون کہو کہ مجھ زشت رو پر محبوب تحقیراً ہنسے گا کہ دیکھو یہ کیا کر رہا ہے کہ ایسی قابلیت تو ہے نہین اور ہم تک وصول چاہتا ہے واللہ اعلم ۔

شرح شبیری | گفتم الخ ۔ یعنی مین نے اپنے سے کہا کہ اگر مین خوب ہون تب تو حق سبحانہ تعالےٰ اِس استعداد کو اُس سے یعنی دل سے قبول فرمالیگا ۔ اور اگر ایسا نہین ہے تو پھر خود ابلیس بھی مجھپر ہنسے گا پذیرد کی ضمیر حق سبحانہ تعالےٰ کی طرف ہے اور این کا اشارہ استعداد کی طرف اور از وے سے مراد قلب ہے جو کہ شعر سابق مین مذکور ہے کہ ع خاک در گاہت دلم را میفریفت ٭ تو از و کا حاصل از من ہوا کیونکہ قلب و ذی قلب کے احکام مین تلازم ہے مطلب یہ کہ اگر مین خوب ہون اور اچھا ہون تب تو مجھے امید ہے کہ مین درجہ قبولیت کو پہونچ جاؤنگا اور قبول کر لیا جاؤنگا لہٰذا حاصل یہ ہوا کہ میری جو یہ فریفتگی ہے اور مجھ کو جو تجھ پر فریفتگی اور تیری طرف کشش ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مجھ مین قابلیت موجود ہے ورنہ یہ کشش کیون ہوتی اسکے بعد اب امتحان کے طور پر دیکھنا صرف اِس قدر ہے کہ آیا یہ قابلیت اصلیہ ہے یا عارضی ہے اور دوسرے مصرعہ مین ابلیس کے ہنسنے سے یہ مراد ہے کہ جب ہم اُسکے لائق نہ ہونگے تو وہ ہنسے گا کہ دیکھئے آپ لائق بنکر تشریف لیچلے ہین ۔ اور یہ مضمون اسطرح دور تک چلا گیا ہے اختتام اِس مضمون کا آگے جا کر ہوا ہے ۔ اب اسی امتحان کو فرماتے ہین کہ چارہ آن باشد کہ خود را بنگریم الخ ۔

شرح حبیبی

چارہ آن باشد کہ خود را بنگریم	در خورِ آنیم ما نا درخوریم

جبکہ وصول کے لیے قابلیت کی ضرورت ہے تو طلب کے لیے یہ دیکھ لینا چاہیے کہ ہم محبوب کے قابل بھی ہین یا نہین

شرح شبیری | چارہ آن الخ ۔ یعنی اب علاج یہ ہے کہ ہم اپنے کو دیکھین کہ آیا ہم اُس کے لائق ہین یا نہین نادر خوریم یعنی غیر لائقیم ۔ مطلب یہ ہوا کہ اب اِسکی تدبیر کہ ہماری قابلیت اصلیہ ہے یا عارضی [illegible] یہ ہے کہ ہم خود اپنے اندر خیال کرین اور سوچین کہ یہ قابلیت کیسی ہے آگے کہتے ہین کہ اِس کے معلوم کرنیکی ضرورت کیون ہے پس فرماتے ہین کہ ۔

شرح حبیبی

او جمیل ست و یحب للجمال	کے جوان نو گزیند پیرہ زال

اِسکا دیکھنے کی اِس لیے ضرورت ہے ۔ کہ محبوب خود جمیل و مجمع خوبیہاے اور بحکم الجنس الی الجنس یمیل وہ جمیل ہی کو پسند کرتا ہے پس اگر تو جمیل نہین تو مقبول ہو نہین سکتا ۔ پس سعی لاحاصل ہے ۔ اور اگر جمیل ہے ۔ تو کامیاب ہوگا ۔ دوسرے مصرع مین پہلے مصرع کی تمثیل ہے کہ دیکھو ایک نوجوان بڑھیا کی طرف کیسے رغبت کریگا ۔

ایسے ہی محبوب جمیل ہی قبیح کو قبول نہین کرتا۔

طیبات از بہر کہ للطیبین	خوب خوبی را کند جذب ازیقین

بات یہ ہی کہ اچھون کے سیلیے اچھی ہی ہوتی چاہیئین اور یہ بات یقینی ہو کہ اچھا اچھی ہی کو اپنی طرف کھینچتا ہے مصرع اول مین اقتباس ہے آیہ قرانی الطیبات للطیبین والطیبون للطیبات سے

شرح شبیری او جمیل ست الخ۔ یعنی وہ جمیل ہے اس لیے جمیل ہی کو محبوب رکھتا ہے اور دیکھو نہ کہ جوان آدمی کسی بڑھیا کو کیون قبول کرنے لگا پس وہ جمیل ہو کر بری چیز کو کیون قبول کرنے لگا ہے اور دیکھو طیبات کس کے لیے ہوتی ہین طیبین کے لیے اور خوب تو خوبی ہی کو جذب کیا کرتا ہے نہ کہ زشتی کو۔ مطلب یہ کہ اس دیکھنے کی کہ آیا ہم اسکے لائق ہین یا نہین اور خوب ہین یا نہین اس لیے ضرورت ہے کہ وہ جمیل ہے پھر وہ تا ہین اگر ہم خوب نہ ہون گے کیون قبول کریگا جس طرح کہ دیکھو ایسی مثال ہے کہ کوئی جوان بڑھیا بوی کو کیون قبول کریگا اور طیبات تو طیبین ہی کے لیے ہوا کرتی ہین اور خوبی کو اچھا ہی کشش کریگا پس اگر ہم برے ہون گے تو ہمکو وہ قبول نہ کریگا اس لیے اس کی معلوم کرنے کی ضرورت ہوئی کہ ہم اُس کے لائق بھی ہین اور یہ امتحان محض زیارت بصیرت کے لیے ہے ورنہ طلب خود دلیل استعداد قریب کی ہے جسکا اضلال مقصود ہوتا ہے اسکو طلب ہی نہین عطا ہوتی والذین جاہدوا فینا لنہدینہم سبلنا۔

شرح حبیبی

اوپر بیان کیا تھا۔ کہ جذب مطلوب کے لیے ضرورت ہے طالب کے حسن معنوی اور قابلیت ذاتی کی اور اسکی وجہ بیان کی تھی کہ الجنس الی الجنس یمیل۔ اسی کو مولانا مختلف تمثیلات کے ذریعہ سے ذہن نشین کرنا چاہتے ہین۔ اور فرماتے ہین کہ۔

در ہر آن چیزی کہ تو ناظر شوی	مے کند با جنس سیرا ے معنوی
در جہان ہر چیز چیزے جذب کرد	گرم گرمے را کشید و سرد سرد
قسم باطل باطلان را مے کشد	باقیان را مے کشد اہل رشد
ناریان مر ناریان را جاذبند	نوریان مر نوریان را طالبند
صاف را ہم صافیان طالب شوند	دُرد را ہم تیرگان جاذب شوند
زنگ را ہم زنگیان باشند یار	روم را با رومیان افتاد کار
چشم چون بستی ترا تا سہ گرفت	نور چشم از نور روزن کے شگفت
تاسہ تو جذب نور چشم بود	تا بہ پیوندد بنور روز زود

یعنی تو جس چیز کو دیکھے گا۔ یہی پائے گا۔ کہ اپنے جنس کے ساتھ چلتی ہے اور اسی کی طرف مائل ہے عالم مین ہر چیز نے اپنی مجانس) ایک چیز کو جذب کر رکھا ہے۔ گرم ہے۔ تو اُس نے گرم کو کھینچ رکھا ہے۔ اور سرد ہے تو سرد کو۔ باطل باطلون کو کھینچتا ہے اور اہل رشد باقیون کو کھینچتے ہین ناری ناریون کو کھینچتے ہین۔ اور نوری نوریون کو دیا تو ناری سے مراد وہ ہین جنکی ترکیب مین نار کو دخل ہے۔ اور نوری سے مراد ملائکہ وغیرہ ہین۔ یا ناری سے مراد کفار ضلال ہین اور نوری سے مراد مہتدین) صاف لوگ صاف کے طالب ہین اور مکدر و محبوس عالم ناسوت ظلمت کو

سمجھتے ہین زنگی زنگ کے یار ہین اور رومیون کو روم سے کام ہے جب تو آنکھ بند کر لیتا ہے تو تجھے پریشانی لاحق ہوتی ہے کیونکہ نور بصر بدون نور آفتاب کے کب صبر کر سکتا ہے (تو جانتا ہے کہ تیری آنکھ بند کرنے سے باوجودیکہ بظاہر کوئی سبب پریشانی نہین پریشانی کیون ہوتی ہے) اسکا سبب وہی مجانست اور نور بصر کا نور آفتاب کی طرف انجذاب ہے کہ نور بصر نور آفتاب سے بوجہ مجانست کے حتی الامکان جلد ملنا چاہتا ہے اور پردۂ چشم بیچ مین حائل ہو کر موجب بُعد ہو گیا ہے۔ یہ راز ہے اس پریشانی کا (چونکہ ایک نور دوسرے نور کی طرف کھچتا ہے یہی سبب ہے کہ اندھیرے مین نیند جلد آتی ہے بہ نسبت روشنی کے کیونکہ روح ایک جوہر نورانی ہے اسلئے جب روشنی دیکھتی ہے تو اسکی طرف متوجہ ہوتی ہے اور نیند نہین آتی اور جب اندھیرا دیکھتی ہے تو گھبرا کر باطن کی طرف متوجہ ہوتی ہے۔ اور نیند جلد آتی ہے) آگے مولانا اسی سلسلہ مین نصیحت فرماتے ہین اور فرماتے ہین چشم باز ار تاسہ گیرد مر ترا۔

شرح شبیری | چونکہ اوپر بیان کیا تھا کہ اوجمیل ست الخ۔ آگے اسی کو متفرق مثالون سے ثابت کرتے ہین کہ دیکھو ہر شے اپنے ہمجنس کی طرف کھچا کرتی ہے اسی وجہ سے مجھے امتحان کی ضرورت ہوئی کہ یہ جذب اصلی ہے یا عارضی پس فرماتے ہین کہ۔

دیدہ ہر آن الخ۔ یعنی جس چیز کو دیکھا اپنے ہمجنس کی طرف جاتی ہے اور اسی کی طرف میلان کرتی ہے۔ اے معنوی یعنی اے طالب معنی و حقیقت۔

در جہان الخ۔ یعنی جہان مین ہر چیز دوسری کو جو اس کے مناسب ہوتی ہے جذب کرتی ہے۔ دیکھو گرم گرمی کو کھینچتا ہے اور سرد سرد کو۔

قسم باطل الخ۔ یعنی فریق باطل باطلون کو کھینچتا ہے اور جذب کرتا ہے اور باقی لوگون کو یعنی غیر باطل کو اہل رشد اور اہل ہدایت کشش کرتے ہین یعنی جب باطلون کو باطل نے اپنی طرف کھینچ لیا تو لاجرم باقی لوگ تو اہل رشد ہی رہ جاوین گے وہ اپنے ہمجنس کی طرف کھنچین گے۔

ناریان الخ۔ یعنی ناری لوگ تو ناریون اپنے ہمجنس کو جاذب کرتے ہین اور نوری نوریون کے طالب ہین۔ ناری سے مراد کفار یا جنات۔ اور نوری سے مراد اہل ایمان یا ملائکہ مطلب وہی کہ ہر شخص اپنے جیسے کا طالب ہے۔

صاف را۔ الخ۔ یعنی جو صاف ہین وہ صاف کے طالب ہین اور جو مکدر ہین وہ تلچھٹ کے جاذب ہین۔

زنگ را۔ الخ۔ یعنی زنگی لوگ زنگیون کے یار ہوتے ہین اور رومی رومیون کے۔ یہان تک کئی مثالین ہمجنس کے جذب کرنے کی دیکر آگے اسپر بطور تفریع کے فرماتے ہین کہ۔

چشم الخ۔ یعنی جب تو آنکھ بند کرے جب تجھے ایک قسم کی گھبراہٹ ہوتی ہے اس لیے کہ نور چشم نور روزن سے کب صبر کر سکتا ہے۔ تاسہ یعنی گھبراہٹ۔ نور روزن سے مراد نور شمس اس لیے کہ اہل تمدن پر جو کہ مساکن مین رہتے ہین وہ اکثر دروازون وغیرہ سے یا روشندانون سے ہی ظاہر ہوتا ہے۔

شگفت۔ مخفف شکیفت صبر کرنا۔ مطلب یہ کہ دیکھو کہ جب تم آنکھ بند کر لیتے ہو تو کیسی گھبراہٹ ہوتی ہے اور یہ کیون ہوتی ہے اس لیے کہ نور چشم نور آفتاب سے بسبب دونون کے مجانس ہونے کے کس طرح صبر کر سکتا ہے

و یہ مسئلہ طبی بھی ہے کہ جہان نور شمس ہو وہان اگر آنکھ بند کرلو تو دل گھبراتا ہے اور آنکھ کھول دیتے کو دل چاہتا ہے اور اسی لیے تجربہ ہے کہ اگر چاندنی مین سونا چاہو تو نیند نہین آتی اور اگر اندھیرا کرلو تو بہت جلد نیند آتی ہے اس لیے کہ روح نورانی ہے اگر باہر نور رہوتا ہے تو وہ باہر کی طرف متوجہ رہنا چاہتی ہے اور اگر اسکو اُس سے روکو تو وہ گھٹتی ہے اور جب اس نور ظاہری کو بند کردو تو وہ باہر کی ظلمت سے گھبرا کر اندر کی طرف متوجہ ہوجاتی ہے پس نیند آجاتی ہے لہذا یہان سے بھی معلوم ہوا کہ ہر شے اپنے ہمجنس کی طرف متوجہ رہتی ہے آگے خود فرماتے ہین کہ۔

تاسہ۔ الخ۔ یعنی تمھاری یہ گھبراہٹ اس لیے تھی کہ نور چشم نور روز کو جذب کر رہی تھی اور چاہتی تھی کہ نور روز سے جلدی سے ملجاوے لہذا گھبراتی ہے لیکن چونکہ بعض مرتبہ باوجود آنکھون کے کھلا ہونے کے بھی گھبراہٹ ہوتی ہے اور خود بخود دل گھبرایا کرتا ہے آگے اس لیے اسکی وجہ بھی بتلاتے ہین مع ایک فائدہ سلوکیہ کے کہ چشم باز ار تاسہ گیرد مر ترا الخ۔

شرح حبیبی

چشم باز ار تاسہ گیرد مر ترا ۔۔۔ دان کہ چشم دل ببستی بر کشا

این تقاضای دو چشم دل شناس ۔۔۔ کو ہمی جوید ضیاے بے قیاس

چون فراقِ آن دو نورِ بے ثبات ۔۔۔ تاسہ آورد و کشادی چشمہاست

پس فراق آن دو نور پایدار ۔۔۔ تاسہ مے آرد مر آنرا پاس دار

یعنی اگر ایسی حالت مین کہ تیری آنکھین بھی کھلی ہوئی ہون (اور کوئی اور سبب ظاہر بھی پریشانی کا موجب نہ ہو) اور تجھے اُلجھن ہو۔ تو سمجھ لے کہ تو نے اپنی چشم باطن کو بند کرلیا ہے یہ اُلجھن اس کے سبب سے ہے پس تو چشم باطن کو کھول تاکہ اس پریشانی سے نجات پاوے اور تو اسکو چشم باطن کا یہ تقاضا سمجھ کہ انکو نور خارج از وہم و قیاس کی ضرورت ہے کہ جب ان دو ناپائدار نورون یعنی نور چشم و نور آفتاب کی مباعدت اور مفارقت اُلجھن پیدا کرتی ہے تو تو گھبرا کر آنکھین کھول دیتا ہے پس جب ان دو پائدار نور یعنی نور باطن۔ و نور عالم غیب کی مفارقت اُلجھن پیدا کرے تو اسوقت اسکا بھی تو لحاظ رکھ اولاً اپنی تشویش دکھلائی تھی پھر اسکا سبب بتلایا۔ اسکے بعد جملہ معترضہ کے طور پر کچھ نصیحت فرمائی۔ اب مضمون سابق کی طرف عود کرکے فرماتے ہین او چو می خواند مرا من بنگرم الخ۔

شرح شبیری چشم باز ار الخ۔ یعنی اگر باوجود اس چشم ظاہر کے کھلا ہونے کے بھی تجھے گھبراہٹ اور تنگی ہو تو سمجھ لے کہ یہ تنگی چشم دل کے بند ہونیکی وجہ سے ہے لہذا اسکو کھولدے جب کام چلے گا۔

این تقاضاے الخ۔ یعنی اس گھبراہٹ کو دل کی دونون آنکھون کا تقاضا سمجھ کہ وہ بھی اُس روشنی کی تلاش مین ہے جو کہ بے حد اور بے قیاس ہے مطلب یہ کہ جب آنکھ کھولے ہوے پر بھی تمکو گھبراہٹ ہو تو سمجھ لو کہ یہ گھبراہٹ اس لیے ہے کہ دل کی دونون آنکھین اپنے ہمجنس یعنی نور بیحد بے قیاس کی یعنی انوار الٰہیہ کی جویان و متلاشی ہین اور دو چشم دل کہنا یا تو دو چشم ظاہر کی مناسبت سے ہے اور یا یہ مراد ہے کہ ایک چشم مین نور کم ہوتا ہے اور دو چشم مین زیادہ پس مراد نور کامل ہوگا اور کامل ہونا نور قلب کا ظاہر ہے اسی لیے وہ نور بے قیاس اور کامل ہی کی تلاش بھی کرتا ہے آگے

پھر اسی پر تفریع فرماتے ہین کہ۔

چون الخ۔ یعنی جب بے ثبات اور فانی نوروں کے کہ ایک نور چشم ہے اور دوسرا نور آفتاب ان کی باہمی جدائی اور علیحدگی سے تمکو گھبراہٹ پیدا ہوئی اور اسکا تم نے یہ علاج کیا کہ اپنی آنکھین کھول دین تو جب پائدار اور باقی انوار ہین کہ ایک نور قلب ہے دوسرا نور بے قیاس علیحدگی ہوگی تو وہ کس طرح گھبراہٹ اور پریشانی پیدا نہ کریگی پس تجھکو چاہیے کہ اسکا پاس رکھے اور اسکا بھی علاج کرے اور اسکا علاج بھی یہی ہے جو کہ چشم ظاہر کی گھبراہٹ کے وقت تو نے کیا ہے یعنی چشم دل کو بھی کھول اور اس نور پائدار یعنی انوار الہیہ کے ساتھ مقرون کردے جیسا کہ ع وانکہ چشم دل بہ بستے برکشا ✣ مین بتلا چکے ہین اب یہان تک تو یہ بیان کیا کہ جن دو چیزون مین مناسبت ہوتی ہے اور جو دو چیزین آپس مین ہمجنس ہوتی ہین وہ آپس مین ایک دوسرے کو کشش کیا کرتی ہین اس رشد کے جذبے سے مجھے بھی معلوم ہوتا ہے کہ مجھ مین قبولیت کی صلاحیت اور استعداد ہے لیکن یہ دیکھنا باقی ہے کہ آیا یہ استعداد اصلی ہے یا عارضی پس فرماتے ہین کہ او چو می خواند مرا من بنگرم الخ۔

شرح حبیبی

اوچو مے خواند مرا من بنگرم — لایق جذبم و یا بد پیکرم

گر لطیفے زشت را در پے رسد — تسخرے باشد که او بادے کند

که به بینم نقش خود را اے عجب — تا چه رنگم همچو روزم یا چو شب

نقش جان خویش مے جستم بسے — هیچ مے ننمود نقشم از کسے

گفتم آخر آئینه از بهر چیست — تا به بیند هر کسے کو چیست کیست

آئینه آهن برائے پوستهاست — آئینه سیمای جان سنگین بهاست

آئینه جان نیست الا روئے یار — روی آن یاری که باغدزان دیار

گفتم اے دل آئینه کل را بجو — رو به دریا کار بر ناید ز جو

زین طلب بنده بکوئے تو رسید — درد مریم را بخرما بن کشید

دیدهٔ تو چون دلم را دیده شد — صد دل نادیده غرق دیده شد

آئینه کلی ترا دیدم ابد — دیدم اندر چشم تو من نقش خود

گفتم آخر خویش را من یافتم — در دو چشمش راه روشن یافتم

گفت وهم کان خیال تست هان — ذات خود را از خیال خود بدان

نقش من از چشم تو آواز داد — که منم تو تو منی در اتحاد

اندرین چشم منیر بے زوال — از حقائق راه کے یابد خیال

در دو چشم غیر من تو نقش خود — گر به بینی آن خیالے دان و رد

آنکه سرمه نیستی در مے کشد — باده از تصویر شیطان مے چشد

چشم او خانه خیال ست و عدم — نیستها را هست بیند لاجرم

چشم من چون سرمه دید از ذوالجلال — خانهٔ هستی ست نے خانه خیال

یعنی جب مطلوب مجھے اپنی طرف بلاتا ہے تو مین سوچتا ہون کہ معلوم نہین کہ مین اس قابل بھی ہون کہ محبوب مجھے اپنی طرف کھینچے
یا نہین پھر خیال کرتا ہون کہ مجھ مین صلاحیت نہوتی تو آخر وہ بلاتا کیون؟ اس مین یہ شبہہ ہوتا ہے کہ بلانا میری قابلیت کی دلیل نہین ہوسکتا
کیونکہ اگر کوئی پاکیزہ صورت کسی بدصورت کے پیچھے پھرتا ہے تو اس سے اسکو بنانا۔ اور اسکے ساتھ مسخرہ پن مقصود ہوتا ہے
ممکن ہے کہ یہ بلانا بھی اسی قبیل سے ہو پھر متحیر ہوکر تعجب سے فرماتے ہین کہ) غضب کی بات ہے کہ مین خود اپنی
صورت کو دیکھتا ہون کہ مین گورا ہون یا کالا (یعنی مجھ مین نور استعداد فطری ہے یا نہین) اور پتہ نہین چلتا آگے
فرماتے ہین کہ مین نے اپنی روح کی صورت اصلی اور یہ کہ آیا وہ فطرۃً صالح للجذب ہے یا نہین۔ معلوم کرنے مین
بہت کچھ سعی کی مگر کسی سے اسکا کچھ بھی پتہ نہ چلا بالآخر مین نے سوچا کہ آخر آئینہ کس لیے ہے وہ تو محض اس لیے
ہے کہ ہر شخص اسمین اپنی صورت دیکھے اور جانے کہ وہ کیا ہے اور کون ہے تم آئینہ سے یہ لوہے کا آئینہ نہ سمجھ
جانا کیونکہ اس سے تو صرف رنگ معلوم ہوسکتے ہین۔ اجسام بھی نہین معلوم ہوسکتے۔ چہ جائیکہ روح کی صورت اور
صلاحیت فطری۔ بلکہ روح کا آئینہ تو ایک بہت بڑی بیش قیمت چیز ہے تم حیران ہوگئے کہ آخر وہ کیا ہے تو ہم
تمھین بتائے دیتے ہین سنو آئینہ جان صرف روے یار ہے۔ مگر یہ متعارف یار نہین بلکہ وہ یار جس کا تعلق عالم ملکوت
سے ہے اور علائق عالم ناسوت کو یک لخت قطع کر چکا ہے۔ (یعنی مرشد۔ مرشد کو آئینہ اس لیے کہا کہ جس طرح آئینہ
سے ظاہری حالت معلوم ہوجاتی ہے یون ہی مرشد کی صحبت سے معرفت ذات و حالت روح حاصل ہوجاتی ہے
اسکی وجہ اوپر بھی مذکور ہوچکی ہے اور ایک وجہ یہ بھی ہے کہ جب آدمی مرشد کے پاس ہوتا ہے تو اسکے دل مین
سکون وطمانینت پیدا ہوتی ہے اور وہ دنیا سے اپنی توجہ ہٹاتا ہے اور خدا کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ یہ علامت ہے
اسکی حالت کے محمود ہونے کی۔ اور اگر یہ کیفیات پیدا نہ ہون بلکہ انکی متضاد کیفیتین پیدا ہون تو اسکی دو صورتین
ہین یا تو وہ مرشد خود ہی ناقص ہے سو وہ تو محل کلام ہی نہین۔ یا کامل ہے پس اسکی دو صورتین ہین یا تو یہ کہ خاص
اسی کی صحبت مین یہ کیفیت پیدا ہوتی اور کاملین کی صحبت مین یہ بات نہین ہوتی۔ اس صورت مین سمجھنا چاہیے
کہ اسکی حالت فی نفسہ محمود ہے مگر اس شیخ سے اُسے نفع نہ ہوگا۔ دوسرا شیخ تلاش کرنا چاہیے۔ اور اگر ہر شیخ کی
صحبت مین یہی کیفیت ہوتی ہے تو سمجھا جائیگا کہ حالت اچھی نہین ہے۔ مگر قابلیت واستعداد بالکل فنا نہین
ہوئی۔ ورنہ حد تکلف سے نکل جاتا بلکہ بہت مضمحل اور کمزور ہوگئی ہے کسی طبیب دل حاذق کی طرف رجوع
کرنی چاہیے کہ وہ اپنی حذاقت و مہارت سے کسی مناسب تدبیر سے اسکو تقویت پہونچادے) جب مین نے
یہ دیکھا کہ یہ کام آئینہ سے نکل سکتا ہے تب مین نے اپنے دل سے کہا کہ آئینہ کل اور مرشد کامل وحاذق تلاش
کرنا چاہیے اور دریا پر جانا چاہیے کہ ندی نالون اور ناقصین سے کام نہ چلیگا۔ قصہ مختصر یہ کہ مجھے اپنی حالت
معلوم کرنے کی ضرورت تھی اور مجھے کوئی رستہ نہین ملتا تھا۔ بالآخر مجھے پتہ چلا اور اب یہ غلام اس غرض سے
حضور کی خدمت مین حاضر ہوا ہے کہ مجھے میری روح کی کیفیت معلوم ہوجائے اور اصلی بات یہ ہے کہ
بیماری ہی طبیب کی طرف رجوع کردینے پر آمادہ کرتی ہے اور بے چینی ہی کسی راحت دہ کی طرف متوجہ
ہونے پر مجبور کرتی ہے۔ چنانچہ وہ درد ہی تھا جو مریم کو نخل خرما کی طرف لے گیا۔ آپ کا نور معرفت میرے لیے
جو اپنی معرفت کا آلہ بنا ہے تو کیون۔ اس لیے کہ سیکڑون اندھے دل اس نور معرفت مین غرق ہوچکے ہین اور

اس سے متوجہ ہو کر بینا بن گئے ہیں۔ اور اس بنا پر بیماردلوں کے معالجہ میں آپ کو مہارت تامہ حاصل ہو چکی ہے آیندہ اشعار کے حل سے پہلے یہی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ انکی عبارت کو حل کیا جاوے لہذا اولاً بقدر ضرورت حل عبارت کرتے ہیں پھر مطالب لکھیں گے حل عبارت جاننا چاہیے کہ چشم ظاہر میں محسوسات کی صورتیں منطبع ہوتی ہیں۔ اور بعض صورتیں محسوس بھی ہوتی ہیں چنانچہ ذوق کہتا ہے کہ ؎ دیکھ چھوٹوں کو ہے اللہ بڑائی دیتا ۔ آسمان آنکھ کے تل میں ہے دکھائی دیتا + اور وہ تصویریں فوٹو کے ذریعہ سے حاصل بھی ہو سکتی ہیں اور الکو بڑھا کر دیکھ بھی سکتے ہیں جب کہ یہ امر ممہد ہو چکا تو سمجھو۔ کہ مولانا نے شیخ کے قلب روشن کو آنکھ سے تشبیہ دی۔ اور اس میں اپنی حالت کو منطبع مانا۔ اور اپنی نسبت اس کے دیکھنے کا ادعا کیا۔ اور اس صورت کو بزبان حال متکلم بھی مانا۔ علے ہذا القیاس قلب ناقص کو بھی آنکھ مانا اسمیں بھی انطباع صورت حالت اور اسکی رویت کا ادعا کیا وغیرہ وغیرہ یہ تو محض عنوان تعبیری تھا اور اصل مقصود وہی شیخ کی معرفت کا سبب ادراک بننا وغیرہ وغیرہ ہے اِسکو مدنظر رکھکر دیدم اندر چشم تو من نقش خود سے آخر تک پڑھنا چاہیے۔ تاکہ الجھن نہ ہو۔ گر دردو چشمش میں در کو سببیہ کہنا بہ نسبت ظرفیہ کہنے کے زیادہ اقرب اور بے تکلف ہے از حقائق راہ کے یا بد خیال میں از سببیہ ہے۔ غیاث اللغات میں از کو بمعنی مع بھی لکھا ہے اور اِس مقام پر بے تکلف بھی ہے مگر اسمیں شبہ ہے کہ از بمعنی مع ہوتا بھی ہے یا نہیں کیونکہ انھوں نے جو مثال دی ہے وہ بے محل ہے۔ اور اس سے بمعنی مع ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ وہ مصرع یہ ہے دل بستگی از سنبل گل پوش تو دارد + کیونکہ یہاں از ملابست کے لیے ہے ملابست اور چیز ہے اور معیت اور شے تیسری توجیہ یہ ہے کہ از بمعنی در ہو جیساکہ اس مصرع میں ہے ادیم از چہل روز گردد تمام + کما فی غیاث اللغات چوتھی توجیہ یہ ہے کہ از بمعنی عن ہو۔ اور جسطرح عن بدل کے لیے آتا ہے۔ یوں ہی یہ بھی ہو۔ مگر اِسکی کوئی سند ہاتھ نہیں لگی۔ پانچویں توجیہ یہ کہ از بمعنی مجاوزہ ہو یعنی حقائق کو چھوڑ کر خیال اس آنکھ میں کیسے آسکتا ہے چھٹی توجیہ یہ کہ از حقائق راہ کے یا بد خیال کے معنی یہ ہوں۔ خیال حقائق کے راہ یابد یعنی اِس چشم منیر بے زوال میں اشیاء متحققہ فی نفس الامر ولو فی غیر ہذا المحل کی صورت اختراعیہ کیونکر آسکتی ہے اور وہ آنکھ ان اشیاء کو (کسراب بقیعۃ یحسبہ الظمان ماءً) ایسے محل میں کیونکر دیکھ سکتی ہے۔ جہاں وہ نہیں ہیں۔ یہ توجیہ بالکل بے تکلف اور صافی عن الغبار معلوم ہوتی ہے۔ جب یہ مضمون ذہن نشین ہو چکا تو اب اصل مطلب سنو۔ مولانا فرماتے ہیں کہ۔

جناب شیخ میں تو آپ ہی کا معتقد ہوں۔ اور آپ ہی کو کامل سمجھتا ہوں کیونکہ میں سب جگہ ٹھوکریں کھا چکا۔ لیکن کسی جگہ مجھے اپنی روح کی کیفیت اور حالت نہ معلوم ہوئی اور میں نہ جان سکا کہ میں کیسا ہوں۔ جب ہوئی تو یہاں آکر ہوئی اور آپ ہی کے چشم دل میں مجھے اپنی حالت کی صورت نظر آئی اور آپ ہی کے نور معرفت کے سبب میں اپنی حالت پر مطلع ہوا۔ مولانا پر پھر وہم کا غلبہ ہوتا ہے اور ہونا بھی چاہیے۔ کیونکہ مقصود جس قدر اعز ہوتا ہے۔ اور طلب جس قدر شدید ہوتی ہے اُسی قدر زیادہ توہمات اور احتمالات مانعہ عن الوصول مہیب بنکر پریشان کرتے ہیں مطلوب مولانا کا اعز ہونا تو ظاہر ہے۔ شدت طلب ان کے کلام سے ظاہر ہے پس ایسی صورت میں وساوس کا ہجوم کچھ مستبعد نہیں۔ لیکن ایسے وقت مرشد حاذق کی نہایت شدید ضرورت ہوتی ہے کہ حتی الامکان طالب کو وساوس سے نجات دلاکر یاس سے بچاوے چنانچہ ایک صاحب پر اسی قسم کے وساوس کا ہجوم ہوا حضرت مجدد الملۃ والدین

اطال بقائہ وعم فیضہ سے رجوع کیا حضرت اقدس نے تشفی فرمائی جسکا اثر اتنا ہوا کہ انھون نے تسلیم کیا آپ نے جو کچھ فرمایا ہے اسمین عقلاً تو شبہ کی گنجائش نہین لیکن یہ کہا کہ دل کو اطمینان اور سکون نہین ہوتا۔ حضرت نے فرمایا کہ تمکو اطمینان نہین ہوتا۔ نہ ہو۔ بلا سے ہمین اطمینان ہے کہ تمھاری حالت اچھی ہے۔ طبیب کو اپنے اطمینان کی ضرورت ہے اگر مریض کا اطمینان نہ کر سکے کچھ پروا نہین کیونکہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ فرق نہایت لطیف ہوتا ہے جسکو طبیب اپنی خداقت سے محسوس کرتا ہے مگر مریض کو نہین سمجھا سکتا۔ کیونکہ نہ تو اسمین حذاقت ہے اور نہ اعتدال مزاج۔ پس تم کو اتنا ہی سمجھ لینا کافی ہے کہ ہمین اطمینان ہے الحمد للہ کہ اس سے تسکین ہوگئی (للہ درہ ما ادق نظرہ والطف تدبیرہ) آگے مولانا فرماتے ہین کہ جب مجھے معلوم ہوگیا کہ میری حالت اچھی ہے اور مین لائق جذب محبوب ہون تو میرے وہم نے کہا کہ یہ تو دیکھ لے کہ جو کچھ تجھے معلوم ہوا اور جو صورت تو نے چشم یار مین منطبع دیکھی وہ تیری اختراعی اور کرشمہ بقیعۃ یحسبہ الظمآن ماءہے یا تیری حالت کا اصلی نقشہ اور سچی تصویر تجکو چاہیے کہ حقیقت واقعیہ اور خیالی واختراعی صورت مین امتیاز کرے جب یہ وہم ہوا تو میری حالت کی وہ تصویر جو چشم شیخ مین منطبع تھی اور جسکو مین نے دیکھا تھا چشم یار سے پکار اٹھی کہ خبردار دھوکا نہ کھانا اور مجھے اختراع متخیلہ نہ سمجھنا مین تیری حالت کا اصلی نقشہ اور سچی تصویر ہون اور تو مجھ سے متحد ہے مین تجھ سے۔ کیونکہ مین اور حالت دونون ایک ہین اور تو اور حالت دونون ایک تجھے تو میرے اختراعی ہونے کا احتمال اور توہم بھی نہ ہونا چاہیے کیونکہ اس پائدار اور روشن چشم مین اشیاء متحققہ فی نفس الامر ولو فی غیر ہذا المحل المخصوص المتعین کی صورت اختراعیہ کیونکر آسکتی ہے۔ خود اس چشم کا اختراع صورت تو درکنار یہان تو اسکی بھی گنجائش نہین کہ کوئی اپنی ہی اختراعی صورت اسمین مشاہدہ کرے یعنی فی الحقیقت تو اس آنکھ مین کوئی صورت نہ ہو اور کوئی شخص اپنی متخیلہ کے اختراع سے سمجھے کہ آئین فلان صورت منطبع ہے۔ یہ بھی ناممکن ہے بلکہ اگر کسی ناقص کی آنکھ مین تجھے اپنی حالت کی اور صورت نظر آوے تو اسکو اختراعی اور مردود سمجھ کیونکہ جو شخص عالم فانی کے نظارہ مین منہمک ہے وہ تخیلات اور تسویلات شیطانیہ سے بہرہ اندوز ہوتا ہے اسی کی آنکھ مین اختراعی صورتین آتی ہین۔ خواہ خود اسی آنکھ کی اختراعی ہون یا دوسرون کی۔ اور وہی غیر واقعیات کو واقعیات دیکھتا رہی وہ آنکھ جسکا مین ہون اسکا کحل الجواہر نور ذوالجلال ہے۔ جو غیر واقعیت کے وہم وخیال سے بھی مبرا اور متعالی ہے پھر اس آنکھ مین غیر واقعیات اور اختراعیات کو کیا دخل وہ تو سراسر واقعیات ہی کا محل ہے خلاصہ یہ کہ مولانا فرماتے ہین کہ جب مجھے اپنی حالت معلوم ہوئی تو مجھے اسکی غیر واقعیت کا شبہ ہوا۔ مگر شیخ کے نور معرفت نے دستگیری کی اور کچھ ایسی بصیرت پیدا ہوئی کہ خود وہ حالت ہی میرے لیے اپنی واقعیت کی دلیل ہوگئی۔ اور شیخ کے کمال کا اعتقاد اسکا معاون بن گیا۔ چونکہ اوپر غیر واقعیات کو واقعی سمجھنے کا۔ ناقص کی حالت کے بیان مین تذکرہ آچکا ہی تو مولانا آگے بیان فرماتے ہین اور کہتے ہین تا بیکے مو باشد از تو پیش چشم الخ

تا یکے مو باشد از تو پیش چشم	در خیالت گوہرے باشد چو یشم
یشم را آنگہ شناسی از گہر	کز خیال خود کنی کلی عبر

یعنی اوپر معلوم ہوچکا ہے کہ ناقص غیر واقعی چیزون کو واقعی سمجھتا ہی اب ہم تجھے بتلاتے ہین کہ جب تک تیری آنکھ کے سامنے ایک بال بھی رہیگا اور عالم ناسوت سے تجھے ذرا سا بھی تعلق رہیگا اسوقت تک ادراک و احساس کی غلطی قائم رہیگی اور تو موتی کو یشب سمجھیگا یشب ایک پتھر موتی رکھوتی اور سفری جسے نون

مین مجھے اسوقت امتیاز ہو سکتا ہے۔ جبکہ تو خیال (امرد یگر قوی مادیہ) سے بالکل گذر جائے اور انکو بالکل بیکار و معطل کر دے
شرح شبیری | او چومی خواند الخ۔ یعنی جب وہ مجھے بلاتا ہے تو اب مین دیکھتا ہون کہ آیا مین اُس کے لائق ہون یا بدشکل و نالائق ہون مطلب یہ کہ جب اُدھر سے کشش ہے تو مجھے اپنے اندر یہ دیکھنا ہے کہ یہ استعداد اصلی ہے یا یون ہی کسی عارض کی وجہسے یہ کشش ہے اور اِس دیکھنے کی اِس لیے ضرورت ہے۔
گر لطیفے الخ۔ یعنی اگر کوئی خوبصورت آدمی کسی بدصورت کے پیچھے پھرنے لگے تو یہ ایک مسخرہ پن ہوگا جو کہ وہ حسین اُس زشت رو سے کرتا ہے مطلب یہ کہ اگر مجھ مین استعداد اصلی نہ ہوگی تو مرشد کا جذب ایسا ہی ہوگا جیسا کہ اُس حسین کا اُس زشت رو پر عاشق ہونا پہلے چونکہ اوپر کہا ہے سے چارہ آن باشد کہ خود را بنگریم الخ۔ یعنی اب علاج کہ ہم اپنے کو دیکھین آگے اُسی مضمون کی طرف عود ہے فرماتے ہین
کہ ببینم الخ۔ یعنی کہ علاج یہی ہے کہ اب مین اپنی حالت اور اپنے نقش کو دیکھون کہ میری حالت دن کی طرح ہے یا رات کی طرح مطلب یہ کہ جب علاج یہی ٹھہرا کہ مین اپنی حالت کو دیکھون تو اب مین نے دیکھنا چاہا کہ آیا میری استعداد صالح ہے یا فاسد ف یہان یہ بھی معلوم کر لو کہ انسان خواہ کسی قدر معاصی کرے اور خواہ کتنا ہی حق سے دور رہے مگر اُسکی استعداد بالکلیہ زائل نہین ہوتی حتیٰ کہ حالت کفر مین بھی استعداد زائل نہین ہوتی ہان استعداد محجوب ہو جاتی ہے کہ کالعدم ہو جاتی ہے اور اُسکا کوئی اثر ظاہر مین نہین رہتا۔ اور دیکھو تو اگر بالکل معدوم ہو جایا کرتی تو پھر انسان قبول حق کا مکلف ہی کیون رہتا اور یہ عذاب و ثواب ہی کیون ہوتا یہ سب اسی لیے ہے کہ باوجود استعداد ہونے کے اُسکو اپنے معاصی اور نافرمانیون سے اِس درجہ کو پہونچا دیا ہے کہ کالعدم ہو گئی خوب سمجھ لو۔ آگے فرماتے ہین کہ۔
نقش جان الخ۔ یعنی اپنی حالت کو مین نے بہت تلاش کیا مگر کسی شخص کے ذریعہ سے اپنی حالت مجکو نظر نہ آئی مطلب یہ کہ مین نے اپنی حالت کو معلوم کرنا چاہا مگر کسی کے ذریعہ سے مین معلوم نہ کر سکا یہ اور معلوم ہو چکا ہے کہ حالت معلوم ہونے مین شیخ کو کیا دخل ہے پس یہ معلوم نہ ہونا دو سبب سے ہوتا ہے کبھی شیخ کے ناقص ہونے سے کبھی کسی خاص شیخ کے ساتھ مناسبت نہ ہونے سے لیکن مقصود حاصل نہ ہونا دونون مین مشترک ہے۔
مقصود صرف اِس قدر ہے کہ مجھے کہین اپنی معرفت کیفیت استعداد کی حاصل نہ ہوئی جو کہ شرط نفع سلوک تھی یعنی مجھے یہ نہ معلوم ہو سکا کہ مجھ مین صلاحیت اصلی ہے یا نہین۔ لہذا مین نے یہ سوچا کہ۔
گفتم الخ۔ یعنی پھر مین نے خود کہا کہ آخر آئینہ کس لیے ہے۔ آئینہ تو اسی لیے ہوا کرتا ہے کہ ہر شخص اُس مین یہ دیکھ سکے کہ کون ہے اور کیا ہے مطلب یہ کہ اِس مرشد کامل سے فیض قرب حق حاصل کرنے کے لیے جو اِس امتحان کی ضرورت ہے کہ میری استعداد صحیح ہے یا فاسد اس امتحان کے لیے کسی ذریعہ خارجیہ کو کیون تلاش کیا جاوے کہ اُس سے تحقیق کر کے پھر مرشد کی طرف متوجہ ہون خود اسی مرشد کو کیون نہ آئینہ بنایا جاوے۔ جیسا آگے شعر آئینہ جان نیست مین معلوم ہوگا اور آئینہ مرشد کو اس لیے کہا ہے کہ جس طرح آئینہ کی محاذاۃ سے بعض حالت جسمانیہ معلوم ہو جاتی ہے اسیطرح مرشد کے پاس بیٹھنے سے بھی اپنی حالت روحانیہ معلوم ہو جاتی ہے کہ آیا استعداد قبول حق قوی اصلی ہے یا ضعیف و عارضی اِس لیے کہ اگر بزرگون کے پاس بیٹھنے سے خدا یاد آوے اور محبت حق زیادہ ہو

ور عالم ناسوت کے بعد ہوا در قطع تعلق کو دل چاہے تو معلوم ہوتا ہے کہ استعداد باقی ہے ورنہ سمجھے کہ ضعیف ہوگئی اب اسکا
علاج ضروری ہے یہاں یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ اگر اس شخص کو سب شیوخ اور مقبولین حق کے پاس جانے سے
یہ بات پیش آتی ہے تب تو سمجھے کہ بیشک استعداد ہی کمزور ہوگئی مگر وہ بھی لاعلاج نہیں مایوسی جائز نہیں اور
اگر ایسا ہے کہ کسی خاص شیخ کے پاس رہتے ہوے تو اُسکی حالت درست رہتی ہے اور توبہ الی اللہ اور محبت حق
رہتی ہے لیکن اسکے علاوہ دوسرون۔۔۔ گو وحشت تو نہین ہوتی لیکن وہ حالت بھی قائم نہین رہتی بلکہ توجہ
ناسوت کی طرف رہتی ہے یا یہ کہ کسی ایک شیخ کے پاس وحشت ہوتی ہے اور باقیون سے اُنس اور محبت اور توجہ
بحق ہوتی ہے ان دونون صورتون مین استعداد اور قابلیت موجود ہے مگر یہ سمجھا جاویگا کہ اسکو اول صورت مین
توسواے ایک کے اور سب سے اور دوسری صورت مین خاص اُس شخص سے مناسبت نہین ہے اس لیے
اُس سے اسکو فیض نہین پہونچتا لہذا اخیر کی دونون صورتون مین پریشان نہ ہو کیونکہ مذموم حالت نہین ہے۔
ہان اول کی صورت مین علاج کی فکر بہت جلد چاہیے ورنہ اگر خدانخواستہ معاصی کے اور حجابات حائل ہوگئے تو
پھر علاج زیادہ مشکل ہوگا گو ممکن ہوگا **ف** یہ بات پہلے بھی بیان کردی گئی ہے کہ اولیاء اللہ کی صحبت سے خدا یاد
آتا ہے بلکہ اُنکے خیال اور ذکر سے بھی خدا یاد آتا ہے اور اسکے نظائر بہت موجود ہین چنانچہ ایک صاحب حالت
نزع مین تھے اور ہمارے حضرت حاجی صاحب قدس سرہ کے خادمون مین سے تھے اور اُنکو گاے بھینس وغیرہ
سے بہت ہی محبت تھی اس لیے اُس بیہوشی کے عالم مین وہ اُن ہی گاے بھینسون کی باتین کیا کرتے تھے
کہ اسکو کھولو اور اسکو باندھو وغیرہ وغیرہ چنانچہ اسوقت بھی ایسا ہی ہوا ایسے وقت مین اُنکی یہ حالت دیکھکر لوگ
بہت گھبرائے اور لوگون کو بہت ہی وحشت ہوئی حالانکہ کوئی وحشت کی بات نہ تھی اور اُنکی حالت خدانخواستہ
خراب نہ تھی اس لیے کہ یہ تو ایک ہذیان تھا جو اُنکی زبان سے نکل رہا تھا مگر خیر چونکہ لوگونکو وحشت تھی اس لیے
خیر خواہون کو یہ فکر ہوئی کہ انکا خیال اس طرف سے ہٹانا چاہیے اور کسیطرح انکو متوجہ الی الحق کرین اب یہان
بہت بڑے عاقل کی ضرورت تھی کہ وہ یہ سمجھے کہ اسوقت کونسی بات مفید ہوگی اور کس طرح انکی توجہ اس طرف سے
ہٹائی جاوے خیر وہان بھی ایک صاحب موجود تھے جو کہ عاقل تھے اُنھون نے اُنکے کان مین کہدیا کہ حضرت
حاجی صاحب (قدس سرہ) تشریف لائے ہین معًا وہ کہنے لگے کہ حضرت کے لیے فرش بچھاؤ حضرت کو اچھی طرح
بٹھاؤ وغیرہ وغیرہ بعد اُنکا ذہن حضرت حاجی صاحب کے تلقین کیے ہوے ذکر کی طرف منتقل ہوگیا اور اُنکی
زبان پر ذکر جاری ہوگیا اور اسی مین انتقال ہوگیا۔ اے اللہ ہر مسلمان کا خاتمہ بالخیر فرمائیے (یہان ناظرین
کاتب کے لیے دعاء مغفرت اور اصلاح فرماوین اور یہ کہ حق تعالٰے اپنی محبت دے آمین ثم آمین) اور اسی قسم
کی بہت سی نظیرین موجود ہین جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان حضرات کے خیال سے اور ذکر سے انکو دیکھنے سے
ہر طرح خدا یاد آتا ہے لہذا اُنکی صحبت آئینہ ہوگئی اپنی استعداد کے دیکھنے کی کہ اگر انکے پاس جانے سے انس
ہوتا ہے اور تعلق بحق ہوتا ہے تو معلوم ہوا کہ خیر ابھی کچھ باقی ہے ورنہ علاج کرو کہ یہ دق کی طرح تمکو کھا جائیگا اور تمکو خبر بھی ہوگی
اے اللہ سب کو ہدایت فرما۔ اب آگے اُس آئینہ کی تعیین اول اجمالاً پھر تفصیلاً کرتے ہین کہ وہ آئینہ کیا ہے
فرماتے ہین کہ۔

آئینہ الخ - یعنی یہ لوہے کا آئینہ تو زنگ کے دیکھنے کے واسطے ہے اور چہرۂ جان کے دیکھنے کے واسطے جو آئینہ ہے وہ تو بڑا بیش قیمت ہے۔ آئینہ اصل لفظ آہینہ ہے یعنی لوہے کا اس لیئے کہ اول سکندر نے لوہے کو صیقل کر کے اس قدر صاف کردیا تھا کہ اُسمین مُنھ دکھلائی دینے لگتا تھا اور نہ اس سے پہلے کسی کو یہ خبر نہ تھی کہ اپنا چہرہ دیکھنے کی بھی کوئی صورت ہے لہذا اسکو آہینہ کہنے لگے پھر بعد مین کثرت استعمال کی وجہ سے آئینہ ہوگیا مطلب یہ کہ ہم نے جو کہا ہے کہ آخر آئینہ تو اسی لیے ہے کہ اُسمین اپنی حالت کو دیکھین تو یہان کسی کو یہ شبہ نہ ہوجاسے کہ اِس سے مراد آئینہ متعارف ہے لہذا فرماتے ہین کہ یہ لوہے کا آئینہ مجکو مقصود نہین ہے اِس لیئے کہ یہ تو صرف الوان کو دکھلاتا ہے ذی لون کو بھی نہین دکھلا سکتا اس لیے کہ یہ جس قدر صورتین انسان دیکھتا ہے کسی نہ کسی لون مین مستور ہین مثلاً یہ کوئی کہے کہ مین نے زید کو دیکھا اس سے مقصود یہ نہین ہے کہ اُسکی ذات کو دیکھا بلکہ اُسکے رنگ کو جو اُس کے ساتھ درجہ اطلاق مین لازم غیر منفک ہے اُسکو دیکھا اور یہ بات ظاہر ہی پس یہ غیر الوان کے لیے کافی نہین اور مجکو جسکا دیکھنا ہے وہ لون نہین دوسرے مصرعہ مین فرماتے ہین کہ جو آئینہ جان کی حالت دیکھنے کے لیے ہے وہ بہت ہی بیش قیمت ہے اُسکو اور اِسکو کیا مناسبت۔ اب اُس بیش قیمت آئینہ کو متعین تفصیلی بتلاتے ہین کہ۔

آئینہ الخ - یعنی آئینہ جان کا سوائے روئے یار کے اور کوئی نہین ہے اور یار بھی وہ جو کہ اُس دیار کا ہو۔ یعنی ابتک تو اسی خیال مین رہا کہ کسی اور ذریعہ سے مین اپنی حالت معلوم کرلون جب میری استعداد اور قابلیت معلوم ہوجاوے تب مرشد سے رجوع کرون اور اُسوقت مرشد کے پاس جاؤن لہذا اسکے واسطے بہت مارا پھرا اور بہت سے طرق اِسکے لیئے نکالے مگر سارے ناکافی ثابت ہوئے اور کہین دوسری جگہ اپنی حالت معلوم نہوسکی لہذا مین نے یہ سوچا کہ بس اگر آئینہ بھی ہے تو وہی ہے اور مرشد ہی کی خدمت سے استعداد وغیرہ کا سب پتہ چل جاویگا اور در بدر ناصیہ فرسائی سے کوئی حاصل نہین ہے اور اُسی کی صحبت میرے لیے آئینہ ہوجاویگی۔ دوسرے مصرعہ مین فرماتے ہین کہ وہ یار بھی وہ ہو جسکو اُس دیار یعنی عالم غیب سے تعلق ہو اور حق کی طرف اُسکی توجہ ہو اس لیئے کہ اگر ایسا نہین ہے تو پھر اُسکی صحبت سے بھی کوئی نفع نہین ہوسکتا آگے بھی اسی کو فرماتے ہین کہ۔

گفتم الخ - یعنی مین نے یہ کہا کہ اے دل آئینہ کامل کو ڈھونڈھ اور دریا کے پاس جا اس لیے کہ ندی نالون سے کام نہین چلتا مطلب یہ کہ یہ تو متعین ہوگیا کہ اپنی حالت کو آئینہ مین دیکھنا چاہیے اور یہ بھی معلوم ہوگیا کہ وہ آئینہ بھی مرشد ہے لہذا فرماتے ہین کہ اب مرشد بھی کامل تلاش کرنا چاہیے اور ناقصین سے حذر چاہیے اس لیے کہ اُن ناقصون سے کام نہین چلتا جب تک کہ وہ خود بھی کامل نہ ہو اس لیے کہ جو راستہ دیکھے ہوئے ہے وہی دوسرون کو راستہ اچھی طرح دکھلا بھی سکتا ہے اور جس نے خود ہی پوری طرح راستہ نہین دیکھا وہ دوسرے کو کیا دکھلاویگا اور ان صوفیہ کے کلام مین لفظ کل اور کلی دونون بمعنی کامل آتے ہین آگے التفات ہے اس غیبت سے خطاب کی طرف اب تک تو مرشد کو غائب کے صیغہ سے تعبیر کرتے رہے اب اُسکو خطاب کرکے فرماتے ہین زین طلب الخ اور یہ نہ سمجھا جاوے کہ یہ خود مولانا کی حالت ہے اور مولانا ہی اِس مثنوی لکھنے کی حالت مین تلاش شیخ مین ہین۔ نہین۔ کیونکہ مولانا تو اسکے لکھنے کے وقت کامل و مکمل تھے بلکہ فرضی طور پر اپنی طرف منسوب کرکے دوسرون کی حالت جتلانا مقصود ہے۔ پس فرماتے ہین کہ۔

زین طلب الخ - یعنی مین اِس طلب مین تیرے کوچہ مین آیا ہون اور دیکھو مریم علیہا السلام کو درد ہی نے کھجور کی جڑ مین پہونچا دیا تھا مطلب یہ کہ چونکہ مجھے طلب حق تھی اِس لیے اُسی طلب مین بندہ آپ کے دروازہ پر حاضر ہوا ہے کہ آپ توجہ فرما دین اور مجھے کامیاب کر دین اِس لیے کہ ؎ آنان کہ خاک را بنظر کیمیا کنند + آیا بود کہ گوشہٴ چشمے بما کنند + اور ؎ خسرو غریب است و گدا افتادہ در کوے شما + باشد کہ از بہر خدا سوے غریبان بنگری + اِسی طلب اور اِسی اُمید مین درِ دولت پہ آپڑا ہون اِس لیے کہ دیکھو مریم علیہا السلام کو بھی درد ہی نخل کی طرف کھینچ کر لے گیا تھا تو جب مجھے بھی دردِ طلب ہوا مین بھی خدمت مین حاضر ہوا ہون ؎ بہ بازمان سلطان کہ رساند این دعا را + کہ بہ شکر بادشاہی زنظر مران گدا را + خدا کے لیے اِس در سے مجھے محروم نہ فرمانا اور اب تو یہ تمنا ہے کہ ؎ عمر بھر تک نکلنا ہو تیرے کوچہ سے + دم اسی در پہ نکل جاے تمنا ہے یہی + مقصود سے بہت دور چلا گیا مقصود مولانا کا یہ ہے کہ اب آپ کے دروازہ پر حاضر ہو گیا اور یہ طلب ہی مجھے لائی ہے اب آگے بتلاتے ہین کہ مین نے اپنی حالت کس طرح معلوم کی پس فرماتے ہین کہ۔

دیدہٴ الخ - یعنی جب آپکی آنکھ میرے دل کے لیے آنکھ ہو گئی اور وہ چشم حق بین ہے جسمین سیکڑون دل نادیدہ غرق ہو چکے ہین یعنی مستفیض ہو چکے ہین تو مین نے تم کو آئینہ کلی ہمیشہ کے لیے سمجھ لیا۔ اور مین نے اپنا نقش تمھاری آنکھ مین دیکھا مطلب یہ کہ جب آپکا نور اور آپکی صحبت کا فیض میرے لیے ادراک کا آلہ بن گیا اور مین نے اُسی نور مین اپنی حالت دیکھ لی - تو مین نے تمکو ہمیشہ کے لیے اپنا رہنما اور اپنے عیوب پر خبر دینے والا سمجھ لیا اور اپنی حالت کو آپکی نور چشم مین دیکھ لیا یعنی جب مجکو آئینہ کی تلاش تھی اور ثابت ہوا کہ آئینہ بھی مرشد ہی ہوتا ہے اور روے یار کے سوا اور کوئی اپنی حالت کے معلوم کرنے کے لیے کافی نہین ہوتا پس چونکہ آپ اِن صفات سے موصوف تھے لہذا مین آپ کو مرشد سمجھکر آپ کے درِ دولت پر حاضر ہوا ہون اور اِس طلب مین حیران و سرگردان ہو کر آپ تک پہونچا ہون اور اِس مدت مین بہت سے ناقصین کے پاس جا چکا ہون مگر ؎ آفاقہا گردیدہ ام مہر بتان ورزیدہ ام + بسیار خوبان دیدہ ام لیکن تو چیزے دیگری + آگے فرماتے ہین کہ۔

گفتم الخ - یعنی مین نے کہا کہ آخر مین نے اپنے کو پا لیا اور اُسکی دونون آنکھون مین راہ روشن اور صاف مجکو مل گئی - مطلب یہ کہ جب آپ کا نور باطن میرے لیے آئینہ ہو گیا - اور مین نے اپنی حالت کو آپ کے نور کے ذریعہ سے دیکھ لیا تو اب مین نے اپنے سے کہا کہ اب تو مین نے اپنی حالت دیکھ لی اور مین نے آپ کے نورِ چشم مین راہ ہدایت پالی جس سے کہ ثابت ہو گیا کہ میرے اندر قابلیت ہے اور یہ قول کہ در دو چشمش یہ ایسا ہے جیسے کہا جاوے در نورِ چراغ اور مراد اِس سے شیخ کی نورِ بصیرت ہے یعنی آپ کے فیضان بصیرت سے کہ وہی سبب ہے ظہور استعداد طالب کا اِسکے بعد اِنکو توہمات وارد ہوے اور یون خیال ہوا کہ یہ جو مین نے سمجھا ہے یہ بھی تو میرا ہی خیال ہے اور ممکن ہے کہ غلط ہو اور گو اِس حالت کے بعد کوئی وجہ شبہ کی نہین مگر قاعدہ ہے کہ جب کسی بڑی چیز کی طلب ہوتی ہے تو طبعًا اُس سے ملنے ہونیکا احتمال بہت سے امور پر ہوتا ہے کہ شاید یہ بھی ملنے ہو - پس اِسی طرح اِنکو بھی شبہات اور توہمات ہوے آگے فرماتے ہین کہ۔

گفت وہمم الخ - یعنی میرے وہم نے کہا کہ یہ سارے تیرے تخیلات ہین اور تو نے جو اُس نور مین اپنی حالت

دیکھی ہے وہ تیری حقیقی حالت نہین ہے بلکہ ایک خیال ہے کہ مجھ مین استعداد ہے ورنہ حقیقۃً استعداد وغیرہ شاید کچھ نہ ہو اس لیے اپنی ذات کو یعنی اپنی استعداد اصلی کو کہ مشابہ ذاتی کے ہے جسکو ذات سے تعبیر کر دیا اپنے خیال وہمی سے ممتاز کر کے سمجھ جب یہ شبہ ہوا تو اُسکو اِس طرح دفع کیا گیا کہ۔

نقش من الخ۔ یعنی میرے نقش نے تیری آنکھ سے آواز دی کہ مین تو ہون اور تو مین ہے اتحاد کی وجہ سے مطلب یہ کہ جب یہ توہمات میرے اوپر سوار ہوے تو اُسوقت میری اُس حالت نے بزبان حال تیری نور چشم و نور بصیرت کی مدد سے یہ کہا کہ مجکو خیال اور باطل مت سمجھنا اس لیے کہ جو تو ہے وہی مین ہون اور جو مین ہون وہی تو ہے اور مین اور تو تو متحد ہین یعنی مین تیری ذاتی و اصلی حالت ہون اصلی کو ذاتی قرار دیا اور ذاتی کو ذات قرار دیکر اسطرح تعبیر کر دیا کیونکہ تو منی و منم تو کے معنے ہین تو ذات منی و من ذات تو اور مراد یہ ہے کہ من ذاتے تو ہستم یعنی حالت اصلی تو غرض جب دونون متحد ہین تو پھر خیال کس طرح ہو سکتا ہے بلکہ وہ تو بالکل واقعی ہوگا اور اِس خیال مین مت پڑ جانا اور مجھ مین یعنی استعداد اصلی کے وجود مین شک مت کرنا ف سالک کو اسکے بہت احوال مین ایسے بڑے بڑے توہمات سوار ہوتے ہین اُسوقت اگر کوئی شیخ کامل ملگیا تب تو سنبھل جاتا ہے ورنہ بس خدا اُسوقت ایمان کو بھی سلامت رکھے تو نہایت غنیمت ہے ایک صاحب نے جو کہ ایک دوسرے بزرگ سے بیعت تھے حضرت حکیم الامۃ دام فضلہم کی خدمت مین اپنی بدحالی کے گمان پر کچھ پریشانیان لکھین حضرت نے اُنکا جواب عطا فرما کر تسلی دی اُنھون نے بار بار پوچھا اُسکا جواب ہمیشہ دیا گیا آخر ایک مرتبہ اُنھون نے لکھا کہ مجھے اب مانتے کی تو مجال نہ رہی اور عقلاً تو کوئی شبہ نہین ہے مگر اطمینان اور تسلی نہین ہوتی کہ یہ بدحالی نہین ہے حضرت نے تحریر فرمایا کہ ہمکو تمھاری تسلی کی ضرورت نہین اِس لیے کہ طبیب کو یہ ضرورت نہین کہ وہ مریض کو بھی یقین دلادے کہ تو اچھا ہو گیا بلکہ اگر طبیب کو خود معلوم ہو جاوے کہ اِسکو افاقہ شروع ہو گیا ہے اور عنقریب صحت پاویگا تو یہ کافی ہے اور بعض مرتبہ اِس قدر لطیف نفع ہوتا ہے کہ جسکو خود مریض محسوس نہین کرتا اور وہ سمجھتا ہے کہ میرا مرض اب تک باقی ہے اور مجھے مطلق بھی افاقہ نہین مگر طبیب خوش ہوتا ہے کہ اب یہ اچھا ہو جاویگا بلکہ بعض اوقات صحت کے بعد بھی مریض کی سمجھ مین نہین آتا اسیطرح چونکہ ہمکو تسلی ہے کہ تمھاری حالت مذموم نہین ہے بس اِس قدر کافی ہے تم کو تسلی دلانے کی ضرورت نہین بس اِس سے اُنکی تسلی ہو گئی (وللہ درہ) پس اِسی طرح بزبان حال وہ پکار رہی ہے کہ مین اور تو الگ الگ نہین ہین پس مین تو تیری حقیقی حالت ہون آگے اِسکی وجہ بتاتے ہین کہ اِسکو خیال کیون نہ سمجھنا چاہیے فرماتے ہین کہ۔

اندرین الخ۔ یعنی اِس چشم روشن اور بے زوال مین حقائق کی وجہ سے خیال کہان راہ پا سکتا ہے مطلب یہ کہ چونکہ یہ چشم حقیقت بین ہے اسمین تو حقائق آتے ہین اور وہ حقائق خیال غلط کو نہین آنے دیتے اِس لیے یہان خیال کا کیا کام اور اسمین غلط کس طرح آسکتا ہے آگے فرماتے ہین کہ۔

در دو چشم الخ۔ یعنی اگر کسی اور کی آنکھ مین تم اپنے نقش کو دیکھو تو اُسکو خیال جانو اور مردود سمجھو مطلب یہ کہ اگر کسی غیر کی نور چشم مین تم اپنی حالت اِسکے خلاف دیکھو کہ جو یہان دیکھی ہے تو اُسکو خیال اور رد سمجھنا کہ وہ باطل ہے یا یہ مطلب ہے کہ اگر اور کہین اپنی حالت کا امتحان کرتے تو اُسکو غلط سمجھنا مضائقہ نہ تھا آگے اُس غیر کو بتلاتے ہین کہ

آنکہ سرمہ الخ۔ یعنی جو شخص نیستی کا سرمہ لگاتا ہے اور شیطان کے تخیل سے بادہ پی رہا ہے اسکی آنکھ ایک خیال اور عدم یعنی امر غیر واقعی کا گھر ہے کہ وہ بہت سے معدوم اشیاء کو موجود سمجھ لیتا ہے مطلب یہ کہ جو شخص ناسوت مین لگا ہے اور اسکا تعلق ناسوت سے ہے اور شیطان کی تخیلات مین مبتلا ہے اُسکا ادراک خیالی اور معدوم اشیاء کی طرف رہتا ہے اور وہ بہت سے معدوم کو موجود سمجھ لیتا ہے اور علی العکس اسیطرح جب نظر کا اس سے اتصال ہوگا وہ بھی غلط بین ہوسکتی ہے پس جو تیری حالت وہان دکھلائی دیتی ہے یا دکھلائی دیتی وہ بالکل باطل اور خلاف واقع ہے یا ہوتی آگے اِس کے مقابلہ مین مرشد کی راست نمائی کا بیان فرماتے ہین کہ۔

چشم من الخ۔ یعنی چونکہ میری آنکھ نے حق تعالے کی طرف سے ایک سُرمہ دیکھا ہے اِس لیے یہ تو حقیقت اور ہستی کا گھر ہے اور خیال باطل کا گھر نہین ہے مطلب یہ کہ چونکہ یہ نور جو میرے چشم مین موجود ہے حق تعالیٰ کی طرف سے ہے اِس لیے یہ چشم باطل اور خیال کا محل نہین ہوسکتی۔ بس جو تونے اپنی حالت میرے اندر دیکھی ہے وہ بالکل صحیح اور مطابق بواقعہ ہے ف اِس مقام کا خلاصہ اِسکے قبل ایک مختصر عنوان سے خود حضرت مولانا دام ظلہم نے کلید مثنوی دفتر اول ابتداء قصہ طوطی و بازرگان مین ایک مناسبت سے اِس مقام کے مہتم بالشان ہونے کے سبب لکھا تھا اِس مقام پر اُسکا بعینہ نقل کردینا نافع معلوم ہوا وہو ہذا بعبارتہ حاصل اس مقام کا یہ ہے کہ مجھکو مرشد کی طرف کشش ہوئی کہ اُن سے فیوض حاصل کرون مگر چونکہ افادہ و استفادہ کے لیے مناسبت شرط ہے اِس لیے یہ تحقیق کرنا ضروری ہوا کہ مین اُنسے فیض لینے کے لائق ہون یا نہین اِس تحقیق کے لیے معیار کی تلاش ہوئی آخر سوچتے سوچتے یون سمجھ مین آیا کہ معیار بھی خود مرشد کی ذات ہی ہے۔ یعنی اُنکی صحبت مین رہ کر اپنی حالت کے تفاوت اور ظہور استعداد کو دیکھنا چاہیے پس مین نے ناقصین سے اعراض کرکے مرشد کامل کی صحبت اختیار کی اور اپنی حالت کی کمی بیشی کو اور استعداد کی قوت و ظہور کو دیکھنا شروع کیا جب اُن کے کمالات کا انعکاس میرے قلب پر ہوا جسکو اِس طرح تعبیر کیا ہے ؎ دیدۂ تو چون دلم را دیدہ شد الی آخر الابیات العشرۃ یعنی تمھاری آنکھ میرے قلب کی آنکھ بن گئی۔ یعنی تمھاری صفت معرفت و بصیرت میرے قلب پر متجلی ہوئی جس کے فیض و قوت سے سیکڑون قلوب ناقص محو معرفت ہو گئے اُسوقت مین نے اُس آئینہ کاملہ یعنی عکوس فیوض مرشد و ادراک استعداد کو غبار خطرات و وساوس سے صاف کیا یعنی اُن فیوض و ادراک حالت استعداد کو دل مین جگہ دی اور خطرات و وساوس کی نفی کی تو اُس آئینہ مین اپنی حالت منکشف ہوئی وجہ انکشاف کی ظاہر ہے کہ جب اپنے قلب پر فیوض مرشد کے متجلی اور منعکس ہوے اور استعداد کمالات کی مشاہدہ ہوئی تو معلوم ہوا کہ مجھ مین قابلیت انکی ہے اور مرشد سے مناسبت ہے غرض کمالات مرشد کو اِس طریق سے آئینہ قرار دیا تو چشم مرشد مین اپنا نقش دیکھا یعنی مرشد کی صفت معرفت و بصیرت کے انعکاس اور ظہور استعداد مکنون سے اپنی حالت مناسبت کا پتہ چلا اُسوقت مین سمجھا کہ مین نے اپنی حالت مناسبت کی تحقیق کرلی۔ اور مرشد کی صحبت و حضوری مین طریق واضح سلوک کا مل گیا کہ انھین کی تعلیم و تربیت سے مقصود حاصل ہوگا لیکن ساتھ ہی وسوسہ گذرا کہ جن کو تونے فیوض کا عکس سمجھ رکھا ہے اور جسکو تونے استعداد سمجھا ہے شاید یہ تیرے محض خیالات اور اوہام ہون تو معیار تحقیق مناسبت مشتبہ ہوگیا اپنی ذات یعنی ذاتی استعداد و قابلیت کمالات و فیوض اور اوہام و خیالات

مین غور کرکے فرق کرنا ضرور ہے اس وسوسہ کے ساتھ ہی میرے نقش نے مرشد کی آنکھ مین سے آواز دی یعنی میری حالت و استعداد نے جو کہ حاصل ہوئی تھی عکس کمالات بصیرت و معرفت مرشد سے مجھ کو متنبہ کیا کہ مین اور تو متحد ہین یعنی مین تیری ذاتی اور واقعی حالت ہون خیال اور وہم کا احتمال نہین کیونکہ اس چشم منیر مین چونکہ حقائق جاگزین رہتے ہین۔ خیال و وہم کی گنجائش نہین ہے یعنی چونکہ مرشد کامل ہین اور اُن کے فیوض و کمالات بھی قوی ہین اس لیے اُنکی قوت فیض سے طالب و ملازم صحبت کی اصلی حالت ظاہر ہوجاتی ہے احتمال غلطی کا نہین ہے آگے بزبان مرشد کہا جاتا ہے کہ اگر تو اپنا نقش کسی اور کی آنکھ مین دیکھتا تو اُسکو خیال سمجھنا چاہیے تھا یعنی غیر کامل کی صحبت اسکا معیار نہین ہوسکتی کیونکہ اُسمین نیستی یعنی نقصان کی صفت ہے اس لیے تصرف شیطانی کا دخل ہوسکتا ہے چونکہ وہ خود خیالات مین مبتلا ہے اُسکے ہم صحبت کے قلب پر بھی اُن خیالات کے انعکاس کا احتمال ہے اور چونکہ مین خود صاحب حقیقت ہون اس لیے میری صحبت مین بھی حقائق کا ہی انعکاس ہوگا تو اس طریق مذکور سے اپنی حالت و مناسبت و قابلیت فیوض کی معلوم ہوگئی اور اسی اعتبار سے مرشد کو اپنا آئینہ فرمایا یہ خلاصہ ہے اُس مقام کا واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب اور شرح حبیبی مین بھی اسکی ایک توجیہ سہل اور لطیف عنوان سے کی گئی ہے وہ بھی طرب انگیز ہونے کے سبب قابل ملاحظہ ہے لیکن معنون اسکا اُسکا متحد ہے آگے بتائید شعر بالا آنکہ سرمہ نیستی الخ و شعر چشم او خانہ خیالست الخ مولانا فرماتے ہین کہ اگر کوئی ذراسی شئے بھی چشم کے آگے ہوگی تو وہ بھی مانع ہوتی ہے نظر کو اسیطرح جب نور چشم کے آگے کدورتین ناسوت کی آجاوینگی تو وہ بھی مانع ہونگی اُس نور کے لیے فرماتے ہین کہ تا ملکے الخ۔ یعنی جب تک ایک بال بھی تیری نگاہ کے سامنے رہیگا اُس وقت تک وہ تجھے دیکھنے نہ دیگا اور گوہر تجھے یشب معلوم ہوگا۔ یشم مبدل از یشب۔ ایک پتھر جو فی نفسہ تو قیمتی ہے مگر گوہر سے بہت کم قیمت ہوتا ہے مطلب یہ کہ جسوقت تک ناسوت کی طرف تمھارے اندر کچھ بھی تعلق باقی رہے گا اور تم ایک بال کے برابر بھی اُس طرف توجہ رکھوگے تو تمھارے خیال مین گوہر یشب معلوم ہوگا یعنی حقیقت تمھارے خیال مین باطل اور بے اصل معلوم ہوگی اور تم اُس حجاب کی وجہ سے حقیقت شئے کو معلوم نہ کرسکوگے آگے اسکی تدبیر بتاتے ہین کہ اس باطل سے کس طرح نجات ہوسکتی ہے فرماتے ہین کہ۔

یشم را الخ۔ یعنی یشم کو گوہر سے جب پہچان سکوگے جب کہ اپنے اس باطل خیال سے پوری اور کلی طور پر علیحدگی اختیار کروگے مطلب یہ کہ حقیقت کو اُسوقت دیکھ سکوگے جب اس عالم ناسوت کے تعلق سے کہ خیال زا ہے کلیۃً پرہیز کروگے اور علیحدہ ہوجاؤگے اُسوقت تم حقیقت شناس ہوسکتے ہو ورنہ اگر ایک بال بھی تمھاری چشم حقیقت بین کے سامنے ہے تو وہ تمکو مانع عن النظر ہوگا آگے اسپر ایک حکایت کی تمہید مین فرماتے ہین کہ یک حکایت بشنواے گوہر شناس الخ۔

شرح حبیبی

تا بدانی تو عیان را از قیاس	یک حکایت بشنو اے گوہر شناس

اے ایک حکایت سُن تاکہ تو مشاہدہ اور ظن و تخمین مین امتیاز کرسکے۔ اور تجھے معلوم ہوجاے کہ ہمارا بیان

ظنون و تخمین پر مبنی نہین بلکہ اسکی بنا مشاہدہ پر ہے۔

ہلال پنداشتن آن شخص خیال را در عہد عمرؓ و تنبیہ نمودن او را

ماہ روزہ گشت در عہد عمرؓ	بر سر کوہے دویدند آن نفر
تا ہلال روزہ را گیرند فال	آن یکے گفت اے عمر اینک ہلال

امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ کے زمانہ مین رمضان آیا کچھ لوگ ہلال رمضان سے مبارک فال لینے کو (اور رسم کے دیکھنے کو) ایک پہاڑ پر گئے انہین سے ایک شخص نے کہا امیر المؤمنین دیکھو۔ وہ رہا چاند۔

چون عمرؓ بر آسمان مہ را ندید	گفت کاین مہ از خیال تو دمید
ورنہ من بیناترم افلاک را	چون نمی بینم ہلال پاک را

جب امیر المؤمنین کو (بغور دیکھنے کے بعد بھی) آسمان پر چاند نظر نہ آیا تو فرمایا کہ یہ چاند تو تیرے تخیلہ کا اختراع ہے ورنہ مین (اپنی تیزی نظر کے باعث) آسمانون کو زیادہ دیکھتا ہون پھر کیا وجہ ہے کہ مجھے چاند نظر نہین آتا

گفت تر کن دست بر ابرو بمال	آنگہان تو بر نگر سوے ہلال
چونکہ او تر کرد ابرو مہ ندید	گفت اے شہ نیست مہ شد ناپدید

اور فرمایا کہ مین ابھی اسکی تصدیق کرائے دیتا ہون اچھا اپنا ہاتھ تر کر کے ذرا بھون پر پھیر اور پھر چاند کو دیکھ کہ اب بھی دکھلائی دیتا ہے یا نہین۔ جون ہی اس نے تر ہاتھ سے ابرو کو تر کیا تو چاند نہ دکھلائی دیا کہا امیر المومنین اب تو چاند نہین نظر آتا۔ وہ تو غائب ہو گیا۔

گفت آرے موے ابرو شد کمان	سوے تو افگند تیرے از گمان

امیر المؤمنینؓ نے فرمایا بہت ٹھیک ہے بات یہ ہے کہ ابرو کا کوئی بال ٹیڑھا ہو کر بشکل ہلال بن گیا اس نے تمھارے تخیلہ مین چاند کی صورت پیدا کر دی۔ گمان بیان ہے تیر کا۔ چونکہ مصرع اول مین ٹیڑھے بال کو بنا بر مشاکلت و مشابہت صوری کمان کہا تھا اس لیے دوسرے مصرع مین گمان کو تیر کہا اور اس خیال کے پیدا کرنیکو تیر افگندن سے تعبیر کیا اس حکایت سے حس مادی کی غلطی ثابت کر کے آگے بطور نتیجہ حکایت پند و نصیحت فرماتے ہین اور کہتے ہین چون یکے مو کژ شد از ابروے او۔

شرح شبیری ایک حکایت الخ۔ یعنی اے گوہر شناس تو ایک حکایت سن تاکہ عیان کو قیاسات سے ممتاز کرے مطلب یہ کہ اے طالب ہم تم کو ایک حکایت سناتے ہین جس سے تمکو معلوم ہوگا کہ حقیقت بینی کسے کہتے ہین اور قیاسیات اور تخمینیات کیا ہوتے ہین اور گوہر شناس اس اعتبار سے کہا یعنی اے طالب گوہر شناسی وحقیقت بینی۔ آگے وہ حکایت بیان فرماتے ہین۔

ایک شخص کا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ مین خیال کو ہلال سمجھنا اور اسپر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تنبیہ

ماہ روزہ الخ۔ یعنی عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ مین رمضان کا چاند دیکھنے کے لیے لوگ ایک پہاڑ پر گئے۔

تا ہلال الخ۔ یعنی وہ اس لیے گئے کہ رمضان کے چاند کی فال لین یعنے اسکو دیکھکر سعادت پر استدلال کرین کہ

اب روزہ سے برکات حاصل ہونگے۔ انہین سے ایک نے کہا کہ اے عمر رضہ ہلال یہ ہے۔

چون عمر الخ۔ یعنی جب عمر رضی اللہ عنہ نے آسمان پر چاند کو نہ دیکھا تو فرمایا کہ وہ چاند تیرے خیال کی وجہ سے ظاہر ہوگیا تھا

ورنہ من الخ۔ یعنی مین تو تجھ سے زیادہ تیز چشم ہون پھر مین چاند کو کیون نہین دیکھتا۔ یہان کشف مراد لینے کی ضرورت نہین سیدھی بات یہ ہے کہ اُس شخص کی بینائی مین فرق ہوگا اور حضرت عمر رضہ کی بینائی اُس سے زیادہ ہوگی پس فرماتے ہین کہ میری بینائی تجھ سے اچھی ہے۔ مگر مین پھر بھی چاند کو نہین دیکھتا تو تو نے کس طرح دیکھ لیا معلوم ہوا کہ تجھے بھی اصل چاند نظر نہین آیا۔

گفت الخ۔ یعنی تو ذرا ہاتھ بھگو کر اپنے ابرو پر پھیرے اور پھر دیکھ کہ ہلال کہان ہے۔

چونکہ الخ۔ یعنی جب اُسنے (آنکھ کہنے سے) ابرو تر کر لی تو اب چاند ندارد ہوگیا تو کہنے لگا کہ یا امیر المومنین اب تو چاند نہ رہا اور وہ تو معدوم ہوگیا پس حضرت عمر رضہ نے فرمایا کہ

گفت الخ۔ یعنی فرمایا کہ ہان ابرو کا بال کمان کی طرح سامنے آگیا تھا جس نے تیری طرف ایک خیال اور وہم کا تیر پھینکا اور کمان تیر کا تقابل خالی از لطف نہین آگے مولانا فرماتے ہین کہ۔

چون یکے الخ۔ یعنی اُسکی ابرو کا ایک ہی بال ٹیڑھا ہوگیا تھا تو اس بال نے ایک ماہ نو کی شکل دکھلا دی مطلب یہ کہ ایک بال جو کہ بظاہر کوئی حقیقت نہین رکھتا جب ٹیڑھا ہوگیا تو اُس سے بھی حقیقت پوشیدہ ہوگئی اور اسکو خلاف واقع ہلال دکھلائی دینے لگا تو جب ہم سارے ہی کج اور عالم ناسوت کی طرف متوجہ ہونگے تو ہماری کیا حالت ہوگی پھر تو حقیقت بینی ہمسے ممکن ہی نہین اِسی کو فرماتے ہین کہ۔

موے کژ الخ۔ یعنی جب ایک بال کی کجی آسمان کا پردہ بن گئی تو جب سارے اجزا ہی تمھارے کج ہون اُسوقت کیا ہوگا مطلب یہ کہ آسمان جیسی صاف چیز کو دیکھتے ہوئے نگاہ کے سامنے صرف ایک بال آگیا تو وہ ایک بال ہی حقیقت بینی سے مانع ہوگیا اور جب تم سارے کے سارے کج ہوگئے اُسوقت تو حقیقت پاس بھی نہین پھٹک سکتی اور اِس راہ سے تو بال بھر ملتلگی بھی راہ زن ہوجاتی ہے اِسی کو فرماتے ہین کہ۔

شرح حبیبی

چون یکے موکژ شد از ابروے او — شکل ماہ نو نمود آن موے او

موی کژ چون پردۂ گردون شود — چون ہمہ اجزات کژ شد چون بود

چون یکے موکژ شد او را راہ زد — تا بدعوی لاف دیدہ ماہ زد

جب کہ اسکی ابرو کا ایک بال ٹیڑھا ہوگیا تو اِس نے ہلال کی صورت اِسکے متخیلہ مین پیدا کردی اب ذرا غور کرو کہ جب ایک ٹیڑھا بال بصر اور آسمان کے درمیان حائل ہوگیا اور بصر کو حقیقت بینی سے مانع ہوگیا۔ تو جبکہ تیرے سارے اجزا ٹیڑھے ہین تو اسکا کیا نتیجہ ہوگا۔ اور کیا تیرے حواس مادیہ ادراک حقائق علے ما ہی علیہ فی نفس الامر کے لیے کافی ہوسکتے ہین بالخصوص ایسی حالت میں جبکہ اس کے خلاف ایک دلیل بھی موجود ہے کہ شخص مذکور کو اس کے ایک بال نے ٹیڑھا ہو کر راہ حقیقت بینی سے بیابان تک بھٹکایا اور اتنا تو ی دھوکہ دیا کہ دعوی کے ساتھ رویت ہلال کی

ڈینگ مارنے لگا۔ اور اُسکو اپنی غلط بینی کا احتمال تک نہ ہوا۔

راست کن اجزات را از راستان ‌ ‌ سر مکش اے راست روزان آستان
هم ترازو را ترازو راست کرد ‌ ‌ هم ترازو را ترازو کاست کرد
هر کہ با ناراستان هم سنگ شد ‌ ‌ در کمی افتاد و عقلش دنگ شد

جب کہ تجھے معلوم ہوگیا کہ اجزار کی ناراستی کا حقیقت بینی پر بُرا اثر پڑتا ہے اس لیے تجھ پر لازم ہے کہ اپنے اجزا کو درست کرے اور اپنے آپ کو بالکل مرضی حق سبحانہ کے مطابق بنا وے اور یہ بات بطور خود حاصل نہین ہوسکتی بلکہ اس کے لیے ضرورت ہے اُن لوگون کی جو اپنے آپ کو راست کر چکے ہین اور مطابق مرضی حق سبحانہ کے بن چکے ہین۔ اس کے چند وجوہ ہین اوّل تو خود صحبت ہی مؤثر ہے دوسرے یہ کہ جو کام کسی نمونہ کو سامنے رکھ کر کیا جاتا ہے۔ اسمین سہولت ہوتی ہے تیسرے یہ کہ اس راہ مین خطرات اور مہالک بہت ہین جنکو وہ عبور کر چکے اور اُن سے بچنے کی تدابیر جان چکے ہین اور تو ابھی ناواقف اور ناتجربہ کار ہے تیرا ان سے نجات پانا سخت دشوار ہے اس بنا پر ضروری ہے کہ تو اُنکا آستانہ نہ چھوڑے دیکھ باٹ کو باٹ ہی ٹھیک اور پورا کرتا ہے اور باٹ کو باٹ ہی گھٹاتا ہے یعنی اگر کسی باٹ کو پورے باٹ کے برابر کیا جاوے تو پورا ہوگا اور اگر کم باٹ کے برابر کیا جاوے تو کم ہوگا اس سے معلوم ہوا کہ نمونہ کو بہت بڑا دخل ہے۔ پس اگر تیرے سامنے بہتر نمونہ ہے تو تو اچھا ہوسکتا ہے اور برا نمونہ ہے تو برا بن جائیگا۔ تو جانتا ہے کہ برے نمونہ کا اثر کیا ہوگا سمجھ لے کہ جو شخص ناقصون کا قرین بنتا ہے اور ناقصین کی صحبت اختیار کرتا ہے وہ گھاٹے مین رہتا ہے اور اُسکی عقل دنگ ہوکر لا یعقلون سبیلاً کا مصداق بنجاتا ہے

رو اشداء علی الکفار باش ‌ ‌ خاک بر دلداری اغیار پاش
بر سر اغیار چون شمشیر باش ‌ ‌ هین مکن روباه بازی شیر باش
تا ز غیرت از تو یاران نگسلند ‌ ‌ زانکہ آن خاران عدوی آن گلند
آتش اندر زن بگرگان چون سپند ‌ ‌ زانکہ این گرگان عدوے یوسفند

تجھے معلوم ہوچکا ہے کہ راستی کی ضرورت ہے اور اس کے لیے ٹھیک نمونہ کی مگر صرف نمونہ کافی نہین بلکہ تیرے لیے عمل کی بھی ضرورت ہے اور عمل کے لیے ایک ضابطہ کی وہ ضابطہ ہم کسیقدر تفصیل کے ساتھ تجھے بتاتے ہین وہ ضابطہ یہ ہے۔ کہ کفار اور اعداء اللہ کے مقابلہ مین سخت رہ اسکے معنے یہ نہین کہ خواہ مخواہ لوگون سے لڑتا پھر۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ جو لوگ اغیار اور مانع عن التوجہ الی الحق ہون کا نُنا من کان اُنکی ملاطفت پر خاک ڈال اور اُنکی خاطر سے دین مین مداہنت مت کر دیکھ ہم پھر کہتے ہین اعداء اللہ کے سر پر شمشیر برہنہ رہ۔ خبردار روباہ بازی اور پالیسی کو اختیار نہ کرنا بلکہ شیر رہنا اور اُنکی مخالفت سے جو خطرات پیش آوین یا پیش آنے کا احتمال ہو اُن سے ہرگز نہ ڈرنا بلکہ نہایت جرأت و ہمت و فراخ حوصلگی سے اُنکو برداشت کرنا۔ لیکن یہ اسوقت ہے جبکہ اُن کی مخالفت کے سوا چارہ نہ ہو۔ اور اگر صاحب مرجانے

اور لاٹھی نہ ڈھونڈنے تو سختی کی ضرورت نہیں) تیرے ایسا نہ کرنے مین اندیشہ ہے کہ خود اپنے لوگ تجھے اغیار سے ملتا دیکھ کر جوش غیرت سے تجھ سے قطع تعلق نہ کر بیٹھین۔ کیونکہ کوئی شخص اسکو پسند نہین کرتا کہ اپنا دوست اس کے یا اس کے دوست کے دشمنون سے اختلاط رکھے چنانچہ حق سبحانہ فرماتے ہین یا ایہا الذین آمنوا لاتتخذوا عدوی و عدوکم اولیاء۔ یعنی اے وہ لوگو جو ایمان لاکر ہمارے محبین مین داخل ہو چکے ہو ہمکو ناپسند ہے کہ تم ہمارے دوست ہوکر ہمارے دشمنون سے یا ہمارے دوستون کے (یعنی خود اپنے) دشمنون سے ملو۔ لہذا تمکو ایسا نہ کرنا چاہیئے اس آیت مین حق سبحانہ نے کفار کو عدو سے تعبیر کرکے ممانعت فرمائی۔ جس سے معلوم ہوا کہ منشاء نہی انکی عداوت ہے پھر اولاً عدو کو اپنی طرف مضاف کیا اور پھر اپنے دوستون کی طرف مضاف کیا جس سے معلوم ہوا کہ ان مین سے ہر ایک مستقل وجہ ہے ممانعت کی گو اول اہم ہے جسکی اہمیت پر تقدیم دلالت کرتی ہے اور عدوی و عدوکم مین جس طرح منشاء نہی کی طرف اشارہ ہے یون ہی امتثال پر تحریض بھی ہے تو حاصل آیت یہ ہوا کہ تم کفار سے مت ملو اور انکو اپنا دوست نہ بناؤ۔ اسکی وجہ اول تو یہ ہے کہ وہ ہمارے دشمن ہین۔ اور تم ہمارے دوست ہین یہ پسند نہین کہ ہمارے دوست ہمارے دشمنون سے ملین پھر تمکو ہماری محبت کا دعوےٰ کرکے ہمارے دشمنون سے ملنا زیبا بھی نہین۔ بڑی وجہ تو یہ ہے مگر اس کے ساتھ ہی ایک وجہ اور بھی ہے اور وہ بھی فی نفسہ ایک مستقل وجہ ہے گو پہلی وجہ کے برابر نہین وہ یہ کہ یہ لوگ تمھارے بھی دشمن ہین اور تم ہمارے دوست ہو اول تو ہمکو یہ ہی پسند نہین کہ ہمارا دوست اغیار سے ملے پھر اسمین تمھارا ذاتی ضرر بھی ہے قطع نظر اس سے کہ ہمکو پسند ہے یا ناپسند دوسرے مصرع مین دوستون کے قطع تعلق کی وجہ بیان فرماتے ہین کہ ان کے قطع تعلق کا سبب یہ ہے کہ یہ خار ہین اور دشمن ہین اُن کے محبوب حقیقی کے اس لیے وہ ہرگز گوارا نہین کرسکتے کہ تم انکی محبت کا دعویٰ کرکے انکے محبوب کے دشمنون سے تعلق رکھو بس تم ان بھیڑیون کو سبند کی طرح چولھے مین ڈالو۔ کیونکہ جس طرح تمھارے ایسا نہ کرنے مین یہ خطرہ ہے کہ تمھارے دوستون کو ناگوار ہوکر اس کے قطع تعلق کا باعث ہوگا یون ہی اسکی وجہ یہ بھی ہے کہ یہ خود تمھارے محبوب کے بھی دشمن ہین اول تو خود محبوب کا دشمن ہونا ہی کافی وجہ ہے انکی مہاجرت کی اس کے علاوہ اسمین خود تمھارا ذاتی ضرر بھی ہے کہ مانع وصال محبوب ہین۔ وائی ضرر اشد منہ۔ حاصل یہ ہوا کہ اغیار کے ساتھ تعلق رکھنے مین تین خرابیان ہین خود محبوب ناخوش ہوگا۔ دوست قطع تعلق کردین گے۔ وصال سے محروم رہوگے۔ تحذیر من الاغیار کے بعد ایک بہت بڑی کٹھن اور صعب العبور گھاٹی پر تنبیہ فرماتے ہین اور ایک بہت بڑے غول بیابانی سے ہوشیار کرتے ہین جو تمام سے زیادہ خطرناک ہے کیونکہ اور اغیار کی طرف سے نہ تو عموماً اضلال کی سعی ہوتی ہے اور نہ وہ اسکی اتنی تدابیر جانتے ہین برخلاف اس غول بیابانی ابلیس کے علاوہ ازین وہ بھی اسی کے چیلے ہین اس تنبیہ کی ضرورت اس لیے ہے کہ سالک کو اس سے ہر وقت اور لامحالہ سابقہ پڑتا ہے۔

[illegible]

جان بابا گویدت ابلیس ہین ———— تا بدم بفریبدت دیو لعین
اینچنین تلبیس با بابات کرد ———— آدمی را این سیہ رخ مات کرد

دیکھو تمام اغیار مین ایک بہت بڑا غیر ہے جو سب سے زیادہ خطرناک ہے اگر تم اس سے بچ جاؤ تو پھر کچھ اندیشہ نہین اور وہ ابلیس ہے دیکھو اس سے بچنا وہ تجھے بیٹا کہتا ہے اور ہر وقت تیری مقتضیات نفس کی مساعدت کرکے اور بظاہر دل خوش کن صورتین دکھلا کر تجھپر اپنا پدر مشفق ہونا ثابت کرنا چاہتا ہے تاکہ اس دھوکے سے یہ غول بیابانی تجھے بہلالے۔ اور کچھ تیری ہی ساتھ اسکا یہ برتاؤ نہین بلکہ تیرے باپ آدم علیہ السلام کے ساتھ بھی اس نے اسی قسم کا دھوکا کرکے اور انپر اپنی خیر خواہی و شفقت ثابت کرکے انکو شکست دی تھی اس لیے وہ تیرا پشتینی دشمن ہے۔

بر سر شطرنج چست ست این غراب ———— تو مبین بازی بچشم نیمخواب
زانکہ فرزین بندہا داند بسے ———— کو بگیرد در گلویت چون خسے

یہ بھی یاد رکھنا کہ بساط شطرنج پر جو تیرے اور اس کے درمیان بچھی ہوئی ہے یہ سیاہ کوا۔ بڑا چست ہے اور نہایت ہوشیاری سے چالین چلتا ہے ایسی حالت مین تجھے اونگھتے ہوئے بازی کو نہ دیکھنا چاہیے اس لیے کہ تیرا حریف بڑا کھلاڑی ہے اسی فرزین کو قید کرلینے کے ایسے بہت سے داؤن آتے ہین جو تیری لیے تنکے کی طرح گلوگیر ہوکر وبال جان ہوجائین گے اور تجھے اپنے فرزین کو ان پھندون سے نکالنا بہت دشوار ہوگا بس تو اسکو پھنسنے ہی نہ دینا۔ حاصل یہ ہے کہ تمکو شیطان کے ساتھ پالا پڑا ہے تم وصول الی الحق چاہتے ہو وہ مانع ہے لیکن چونکہ اسکو بہت سی تدبیرین ایسی آتی ہین کہ وصول الی الحق سے روکدے اور رات دن وہ اپنے کام مین مشغول ہے تمکو اس سے غافل نہ رہنا چاہیے کیونکہ متنبہ ہوکر بھی اس سے بازی لیجانا ایک اہم کام ہے چہ جائیکہ غافل رہکر۔ فرزین شطرنج کا ایک نہایت اہم مہرہ ہوتا ہے کیونکہ باقی مہرے یا سیدھے چلتے ہین یا ٹیڑھے یہ دونون چالین چلتا ہے شطرنج بازون کو یہ مہرہ نہایت عزیز ہوتا ہے۔ کہ وہ دو مہرے دیکر بھی اس کو بچالینا بہتر سمجھتے ہین حتے کہ اسکو بچانے کے لیے اپنے دونون رخ دیدیتے ہین اس کے مقید ہونے سے بازی کو بہت کمزوری لاحق ہوجاتی ہے اور کامیابی کی امید گو کمزور ہوجاتی ہے مگر معدوم نہین ہوتی۔ پس مولانا کے کلام مین ایک نہایت لطیف اشارہ اس طرف بھی ہے کہ شیطان اس استعداد فطری کو جو کہ اپنی نہایت گرامی قدر ہونے کے باعث فرزین سے مشابہ ہے مغلوب تو کردیتا ہے مگر فنا نہین کرسکتا اس بنا پر مرتے دم تک آدمی کو یاس نہ ہونی چاہیے اور کسی ایسے استاد کی مدد سے اس عزیز مہرہ کو ان بندشون سے آزاد کرنا چاہیے۔ جو ابلیس کے داؤن پیچ سے پوری واقفیت رکھتا ہو اور انکا توڑ بخوبی جانتا ہو۔

در گلو ماند خس او سالہا ———— چیست آن خس مہر جاہ و مالہا
مال خس باشد چو ہست او بے ثبات ———— در گلویت مانع آب حیات
گر برد مالت عدو پر فنے ———— رہزنے را بردہ باشد رہزنے

اور شیطانی پھندون کو بوجہ مانع من الانتفاع بالاشیاء النافعۃ المطلوبۃ ہونے کے اِس خس سے تشبیہ دی تھی جو گلے مین پھنس جائے اور اُنکے لیے گلے مین پھنسنا ثابت کیا تھا جو کہ لوازم مشبہ بہ سے تھا لہذا ان اشعار مین خس کو استعارہ کیا ہے ان پھندون کے لیے۔ اور اِس کے لیے لازم یا مناسب مشبہ بہ یعنی گلے مین پھنسا رہنا ثابت کیا ہے۔ اِس کے بعد اِس خس یعنی پھندون کی تفسیر کی ہے حب جاہ ومال سے۔ پس حاصل کلام یہ ہوا کہ یہ شیطانی پھندے برسون تیرے لیے وبال جان رہین گے اور تو ان سے نجات نہ پا سکے گا تو جانتا ہے کہ وہ پھندے کیا ہین۔ اچھا تو نہین جانتا۔ تو ہم سے سُن۔ گو اِس مقام پر ہم اُنکی تفصیل نہین کر سکتے۔ مگر ایک گُر بتائے دیتے ہین وہ یہ کہ اصل پھندا اور سب سے بڑا پھندا حب جاہ و حب مال ہے۔ باقی پھندے قریب قریب سب اِسی کی شاخین ہین۔ یہان حب مال کو خس کہا ہے آگے اِسکی وجہ بیان فرماتے ہین۔ حب کہ مال تیرے گلے مین آب حیات نثار کرنے دے اور تجھے ان نعمتون سے متمتع نہ ہونے دے جو حیات روح کا مدار اور اسکی غذا ہین تو اسکو خس کا کہنا بالکل درست ہے کیونکہ وہ بھی گلے مین پھنسکر پانی وغیرہ اشیا کو جو حیات جسمانی کا مدار ہین معدہ مین جانے سے روکتا ہے۔ جب یہ ثابت ہوگیا کہ مال ایک خس اور وبال جان اور دشمن زندگانی روح ہے۔ تو اگر کوئی چالاک دشمن تیرا مال لیجا دے تو تجھے ہرگز ملال نہ کرنا چاہیے بلکہ خوش ہونا چاہیے کہ ایک رہزن کو دوسرا رہزن لے اُڑا اور تجھے اس کے ضرر سے بچا دیا۔ اِسپر ایک حکایت یاد آگئی جو ہمارے اِس بیان کی تائید کرتی ہے سنو۔ دزدکے از مارگیرے مار برد الخ۔

شرح شبیری ا چون بکے الخ۔ یعنی جب ایک بال کج ہوگیا تو اُس نے اُسکی راہ زنی یہانتک کی کہ اُسنے چاند دیکھنے کی شیخی بگھاری۔ مطلب وہی کہ ایک بال بھر کجی نے اُسکی رہزنی کی اور سبب حقیقت بینی نہ ہونے کے شیخی کرنے لگا کہ ہم نے چاند دیکھا ہے اسیطرح جو شخص عالم ناسوت کی طرف متوجہ ہے اور اِسی کے ساتھ تعلق رکھتا ہے وہ بھی حقیقت بینی سے محروم ہے اگرچہ اپنے کو حقیقت بین بتلا دے جب یہ بات ہے تو ایسے کے پھندے مین مت پھنس جانا کہ گمراہ ہو گے آگے اِسی کجی کو دور کرنے کی تدبیر بتلاتے ہین کہ۔

راست کن الخ۔ یعنی اب اپنے اجزا کو سیدھون سے سیدھا کر اور لے راست رو اِس آستان سے الگ مت ہو مطلب یہ کہ اب اِس اجزا کی کجی کو اسطرح دور کرو کہ راست لوگون اور صالحین کی صحبت اختیار کرو اور اُنکے در سے سرکشی مت کرو خدا کریگا کہ اُنکی برکت سے تم بھی راست ہو جاؤگے اور راست رو کہنا اِس معنی کے اعتبار سے ہے کہ اے طالب راست روی ورنہ اگر وہ راست رو ہے تو پھر اُسمین کجی ہی کہان ہوگی آگے اِسکو (کہ راستون سے راستی حاصل ہو جاویگی) ایک مثال دیکر فرماتے ہین کہ

ہم ترازو الخ۔ یعنی دیکھو ترازو کو ترازو ہی راست اور درست کرتی ہے اور ترازو ہی ترازو کو گھٹا دیتی ہے یہان محشیون نے بہت ہی تکلف کیا ہے اور کہین ترازو سے کچھ مراد لیا ہے اور کہین کچھ مگر یہان سیدھی اور آسان بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ یون کہا جاوے کہ ترازو سے مراد باٹ ہین اور محل تول کر حال مراد لیا ہے جو شائع ذائع ہے مطلب یہ کہ دیکھو اگر ایک باٹ درست ہو اور دوسرے کو اُس کے برابر کر لو تو یہ دوسرا بھی

درست اور ٹھیک ہوجاویگا۔ اور اگر اول بات کچھ کم ہے تو دوسرے کو بھی کم کردیگا اسیطرح اگر اچھے لوگون کے پاس جاؤ گے اور کاملین کی صحبت اختیار کروگے تو ویسے ہوجاؤ گے اور اگر بُرے لوگون اور ناقصین کی صحبت مین ہوگے تو اسیطرح ناقص اور بُرے رہوگے آگے اِسی کو فرماتے ہین کہ۔

ہر کہ با۔ الخ۔ یعنی جو شخص ناراستون کے ساتھ رہا وہ کمی مین پڑگیا اور اُسکی عقل دنگ ہوگئی مطلب یہ کہ جو ناقصون مین پھنس گیا وہ ناقص ہی رہا اور اس طریق مین حیران و ششدر ہی رہا اور حقیقت بینی سے محروم۔ جب یہ معلوم ہوگیا کہ ناقصین کی صحبت مضر ہوتی ہے تو فرماتے ہین کہ۔

رو اشداء۔ الخ۔ یعنی اب جاکر اشداء علے الکفار رہ اور اغیار کی دلداری پر خاک ڈال مطلب یہ کہ اب تم کو چاہیے کہ اُن لوگون کی طرح رہو جنکی شان ہے اشداء علی الکفار رحماء بینہم اور اُن لوگون کی صورتون پر خاک ڈالو اور اُن سے قطع تعلق کردو جو کہ غیر اللہ ہین اور یہان بھی غیر سے مراد مقابل عین نہین بلکہ غیر سے مُراد بے تعلق جو کہ اللہ سے غافل کرنیوالا ہو خواہ کوئی ہو مال ہو اولاد ہو بیر ہو کوئی ہو بس اُس ایک سے جو بچھے اپنی طرف لگادے اُس سے الگ رہ کہ وہی لنفع طریق ہے آگے بھی اِسی کو فرماتے ہین کہ۔

بر سر الخ۔ یعنی اغیار پر شمشیر کی طرح رہو اور اُن سے خبردار حیلہ حوالہ مت کرنا بلکہ شیر کی طرح رہو۔ مطلب یہ کہ جو اغیار ہین اُن سے بالکل بے تعلق رہو اور حیلہ وحوالہ اور تعلق کی ضرورت نہین ہے بلکہ شیر کی طرح رہو کہ اگر کہین کسی صاف بات کی ضرورت ہو تو وہان حیلہ وحوالہ سے کام لو اور چاہو کہ یہ بھی راضی رہین اِسکی کیا ضرورت ہے بلکہ شیرون کی طرح بالکل بہادرانہ طریقہ رکھو کہ جو دلین ہے صاف کہدو کسی سے ڈرنا کیا ہے اور یہ اسلیے کہ تا ز غیرت الخ۔ یعنی کہین غیرت کی وجہ سے تمسے یار اور اہل اللہ علیحدہ نہ ہوجاوین اِس لیے کہ وہ کانٹے اُس گل کے دشمن ہین مطلب یہ کہ جب تم اغیار کی صحبت مین رہوگے اور اُن ہی سے تعلق رکھوگے تو جو لوگ تعلق خدا کے ساتھ رکھنے والے ہین وہ تمکو چھوڑ دینگے اِس لیے کہ وہ تو پھول کی طرح ہین اور اغیار کانٹے کی طرح ہین تو پھول تو کانٹے سے علحدہ ہی رہیگا اور اُس سے بھاگے گا۔ اسیطرح مجمع اغیار دیکھ کر اُنکو غیرت ہوگی اور وہ یہ سمجھین گے کہ اب اِسکو تعلق مع اللہ باقی نہ رہا لہذا سب اِسکو چھوڑ دین گے اور ہے بھی یہی بات کہ جب کسی کو دین سے نکلتے دیکھتے ہین اُس سے علحدگی اور کنارہ کشی کرتے ہین چاہے وہ مولوی ہو یا درویش ہو بلکہ اگر اپنے اقربا کو بھی دیکھے کہ وہ دین سے علحدہ ہو رہے ہین سمجھے کہ باپ اپنے بیٹے کو اور بیٹا اپنے باپ کو تو اگر دیندار ہین خدا کی قسم ایک نفرت سی ہوتی ہے اور یون دل چاہتا ہے کہ اب اِس سے علحدہ ہی رہین تو اچھا ہے اِس لیے کہ اُن کی صحبت مین بیٹھنے سے بیّن فرق معلوم ہوتا ہے اور یون معلوم ہوتا ہے کہ چارون طرف سے ظلمات نے آگھیرا والعیاذ باللہ خداوند کریم ہر مسلمان کو اِس سے بچادے اور اپنی محبت اور اپنے رسول صلے اللہ علیہ وسلم کی محبت عطا فرمادے آمین ثم آمین۔ آگے بھی اِسی مضمون کو دوسرے پیرایہ مین بیان کرتے ہین کہ۔

آتش الخ۔ یعنی ان بھیڑیون مین آگ لگادے سپند کی طرح اِس لیے کہ یہ یوسف کے دشمن ہین۔ سپند کالادانہ جسکو آگ مین جلاتے ہین مطلب یہ کہ یہ اغیار جو گرگ کے مانند ہین انمین سپند کی طرح آگ لگادو اور سب سے قطع تعلق کردو اِس لیے کہ یہ تو تمھارے دشمن ہین (یوسف سے مراد خود تم ہو الگ لیا جاوے تو بہتر ہے)

اور طریق حق سے مانع ہین اور سچ یہ ہے کہ اُس ایک کے سامنے کسی اور طرف توجہ ہو یہ تو بڑے ظلم کی بات ہے
سوا اسکے نہ کسی سے خوف ہو نہ کسی سے تعلق ہو بس ایک اُسکی طرف توجہ ہو جو کہ اصل مقصود اور
اصل طریق ہے اور یہ مذہب ہونا چاہیے کہ ؎ ہمہ شہر پُر زخوبان منم وخیال ماہی + چہ کنم کہ چشم یک بین نکند
بکس نگاہے + یعنی بس اب تو ایک سے ہی تعلق ہے اور وہی حقیقی خوبصورت اور حسین بھی ہے اگرچہ ساری دنیا
حسینان مجازی سے بھر رہی ہو مگر ہمکو کیا ہمارے حضرت حاجی صاحب قدس سرہ سے ایک مرتبہ مکہ معظمہ
مین کسی نے آکر کہا کہ شریف صاحب آپ سے کچھ مخالفت رکھتے ہین اور کسی قسم کا گزند پہونچادین تو کچھ عجب نہین
پس حضرت ایک مجلس عام مین فرما رہے تھے کہ ہمکو کسی کی پرواہ نہین کوئی ہو خواہ وہ شریف ہو یا بادشاہ ہم جانتے
ہین کہ ہمکو کوئی بھی حقیقی ضرر نہین پہونچا سکتا اس لیے کہ یہ لوگ جو ضرر بھی پہونچادین گے وہ جان ہی پر ہوگا اور
جان کا ضرر ضرر نہین جیسا کہ خود قرآن شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ جب فرعون نے سحرہ سے کہا کہ مین تم کو
سولی دیدونگا اور تمھارے ہاتھ پاؤن کاٹ ڈالونگا اُسوقت اُنھون نے یہی کہا کہ کوئی حرج نہین اس لیے کہ یہ تو
صرف جان پر ہوگا اور اس کے بعد جو ہمکو فائدہ ہوگا اور جو چیز حاصل ہوگی وہ بہت ہی عزیز اور بہت ہی نفیس
ہے اور وہ یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ کی طرف چلے جاوین گے اور ہمکو قرب حق حاصل ہوگا۔ پس معلوم ہوا کہ ضرر
جان ضرر ہی نہین ہے بلکہ اسکو اُنھون نے فائدہ کہا کہ ہم خودکشی نہین کر سکتے اگر تو مار ڈالیگا تو ہمکو مقصود یعنی
قرب حق حاصل ہو جاویگا ہان اصل اور حقیقی ضرر اپنے نفس کا ہے اس سے ہر وقت خائف رہنا چاہیے یہ
دشمن بہت قوی ہے اگر خدانخواستہ اس نے کہین قابو پالیا تو یہ ایمان کو لے ڈوبے گا اور ظاہر ہے کہ ضرر ایمان
اشد ہے ضرر جان سے جسکو ایک جگہ مولانا خود فرماتے ہین ؎ تا توانی دور شو از یار بد + یار بد بدتر بود از
مار بد + مار بد تنہا ہمین بر جان زند + یار بد بر جان وبر ایمان زند + اور حضرت نے یہ بھی فرمایا کہ شاید ان کا
یہ خیال ہو کہ چونکہ انکو کعبہ محبوب ہے اس لیے انکو یہان سے نکال دین گے تو انکو یہ ضرر ہوگا مگر نہین اسلیے
کہ کعبہ ان پتھرونکا نام نہین ہے بلکہ کعبہ کہتے ہین تجلی اُلوہیت کو اور مدینہ کہتے ہین غلبۂ عبودیت کو تو ہم جہان بھی
ہون گے اور یہ حالت وہان طاری ہوگی وہین ہمارا مکہ ہے اور وہین مدینہ ہے۔ اور اس مجلس مین ایک شخص
تھا جو کہ شریف صاحب کی ناک کا بال سمجھا جاتا تھا اور بہت ہی منھ چڑھا تھا مگر حضرت کو اسکی ذرا پرواہ نہ
تھی اور برابر یہی فرما رہے تھے کہ مجکو کسی کی پرواہ نہین اور مین کسی سے نہین ڈرتا۔ اسیطرح مولانا فرماتے
ہین کہ غیر اللہ سے نہ خوف کی ضرورت ہے نہ اُسکا ضرر ضرر ہے بلکہ ایک معنی کو نفع ہے جیسے اوپر تقریر ہوئی
اب آگے ابلیس اور نفس کے دشمن ہونے کو بتلاتے ہین کہ۔

جان بابا الخ یعنی ابلیس تجکو جان بابا کہتا ہے تاکہ تجھ کو دم دیکر بہلا پھسلالے۔ جان بابا کہتے ہین فرزند کو
مطلب یہ کہ تجھے پھسلاتا ہے اور کہتا ہے کہ تو تو میرے فرزند کی طرح ہے اور میری جان کی طرح اور ان سے
کوئی شخص فریب کیا نہین کرتا لہذا مجھ سے کوئی فریب نہین کرتا ہون اور یہ دیو لعین تجھے دم دے رہا ہے
آگے بھی اسی کو فرماتے ہین کہ۔

این چنین الخ یعنی اسی قسم کی تلبیس اسنے تمھارے بابا سے بھی کی ہے اور آدمی کو بازی مین اس نے

ہرادیا مطلب یہ کہ اسکی تلبیس اور فریب کچھ نئے نہیں ہیں بلکہ پہلے تمھارے بابا حضرت آدم علیہ السلام کے ساتھ بھی اس کمبخت نے ایسا ہی کیا تھا اور آخر دیکھ لو کہ آدمیوں کو ہرا ہی دیتا ہے اور یہ کمبخت اسقدر ہوشیار ہے کہ اس سے بچنا ذرا مشکل ہے اگر تم بھی ہوشیار رہوگے تو ضرور اس سے بچ سکتے ہو ورنہ بہت مشکل ہے اسی کو فرماتے ہیں کہ۔

برسر الخ۔ یعنی یہ کوا سر شطرنج پر بہت ہی ہوشیار ہے تو تم بھی بازی کو نیمخواب آنکھ سے مت دیکھو۔ (غراب سے مراد صرف اسکی چالاکی اور بدذاتی ہے) مطلب یہ کہ یہ کمبخت ہر وقت تمھاری گھات میں ہے کہ ذرا تم کو غافل پاوے اور فوراً مات دے لہذا تمکو بھی چاہئے کہ اس سے غافل نہ رہو بلکہ اس سے زیادہ چست رہوگے تب تو کام چلے گا ورنہ مات کھاؤگے اور پھر قابو پالیگا پھر کچھ نہ ہوسکے گا اس لیے کہ یہ داؤ پیچ خوب جانتا ہے پس فرماتے ہیں کہ

زانکہ فرزین الخ۔ یعنی اس لیے کہ یہ فرزین کی قیدیں بہت جانتا ہے تو وہ تنکے کیطرح تمھارا گلا آدباوے گا (فرزین بند بااضافۂ مقلوبی یعنی بندہاے فرزین) مطلب یہ کہ چونکہ یہ بہت ہی ہوشیار ہے اور اسکی اس ردوبدل کو شطرنج کی بازی سے تشبیہ دی اس لیے فرماتے ہیں کہ فرزین کو قید کرنے کی وہ بہت سی تدبیریں جانتا ہے اور جب فرزین کو (جو شطرنج میں ایک مہرہ ہوتا ہے اور نائب السلطنت کہلاتا ہے) قید کرلیا تو بس پھر تو جیدان اسکے ہاتھ ہے اور وہ تمکو حقائق وانوار کے حصول سے اس طرح روکے گا کہ جس طرح گلے میں پھندا لگ جایا کرتا ہے اور پھر کوئی شے حلق سے نیچے اترہی نہیں سکتی اسیطرح جب یہ قابو پالیگا تو تمکو تحصیل انوار وحقائق سے مانع ہوگا اور تمکو متوجہ الی الحق بہت مدت تک نہ ہونے دیگا اسی کو فرماتے ہیں کہ۔

در گلو الخ۔ یعنی تمھارے گلے میں اسکا خس سالہا سال تک باقی رہیگا اور وہ خس کیا ہے وہ حب جاہ وحب مال ہے۔ مطلب یہ کہ وہ خس جو گلے میں اٹک جاتا ہے فوراً ہی نکل جاتا ہے مگر اس کمبخت کا خس کہ وہ منع عن توجہ الی اللہ ہے بہت مدت تک باقی رہتا ہے اور یہ اسکو نکلنے ہی نہیں دیتا اور وہ خس حب جاہ وحب مال ہے کہ یہ ایسا مرض ہے کہ مدتوں کے مجاہدہ وریاضت کے بعد جاتا ہے بلکہ حب جاہ تو جلدی زائل ہو بھی جاتی ہے مگر حب مال تو بڑی مشکل سے نکلتی ہے اس لیے کہ جب حب مال ہے تو تم اسکو کسب کریگا اور اسمیں انہماک ہوگا اور بہت جگہ یہ ہوگا کہ جاہ وعزت کو خاک میں ملانا پڑیگا تب مال حاصل ہوگا لہذا حب جاہ تو اس طرح بھی نکل گئی مگر حب مال باقی رہتی ہے جو ایک مدت تک مجاہدات وغیرہ سے نکلتی ہے اور بعض مرتبہ جب شیخ دیکھتا ہے کہ کسی کو حب جاہ بھی ہے اور حب مال بھی ہے اور دونوں مرض قابل ترک ہیں پس اگر ایک مرض سے دوسرے مرض کا علاج ہو جاوے کہ حب جاہ اس طرح جاتی رہے کہ حب مال میں لگے تو اگرچہ وہ حضرات اسکی اجازت تو نہیں دیتے مگر ہان تسامح فرماتے ہیں اور یہی سمجھتے ہیں کہ خیر ایک شے تو زائل ہو ہی ہے دوسرے کیلیے کوئی دوسرا علاج تجویز کردیا جاویگا بس یہان آکر شیخ کامل اور عاقل کی ضرورت ہے کہ وہ سمجھے کہ اس کے اندر سے رذائل کو کس طرح اور کس تدبیر سے نکالا جاوے اور کس کا علاج کس سے کیا جاوے اگر اسمیں کہیں غلطی ہوتی ہے اور کوئی ایسی بات کہدی کہ جس سے دوسرے کو وحشت سوار ہوئی تو بس تو وہ گھبرا کر طریق کو چھوڑ بیٹھے گا۔ یہان یہ بھی سمجھ لو کہ ذکر وشغل

تصفیہ کی مدد کے لیے ہیں کہ تصفیہ قلوب جو کہ مجاہدات سے ہو رہا ہے اسمیں امداد ہو اور انکی برکت سے جلدی
ہو جاوے ورنہ یہ یاد رکھو کہ اسکو دخل کچھ نہیں ہے بعض لوگ جو صرف ذکر و شغل ہی کرتے ہیں اور اسکو کافی خیال
کرتے ہیں یہ بالکل غلط ہے اسکی تو ایسی مثال ہے کہ جس طرح طبیب مسہل دے اور اسمیں مدد کے لیے عرق گاؤزبان
بتاوے اب کوئی احمق صرف عرق گاؤزبان کو کافی سمجھے اور مسہل کا نسخہ نہ پیوے بلکہ صرف عرق ہی پیوے تو اگرچہ
اس عرق سے بھی کچھ نفع ضرور ہوگا کہ ایک آدھ اجابت تو ہو ہی جاویگی مگر وہ بات کہاں جو کہ مسہل پینے کے بعد
ہوتی پس اسیطرح اگر صرف ذکر و شغل ہی میں لگا رہا اور دوسری تدابیر سے ازالہ رذائل نہ کیا تو ظاہر ہے کہ ذکر کی
برکت ضرور ہوگی اور اس سے بھی نفع ہوگا مگر وہ تصفیہ جو بعد مجاہدات کے حاصل ہوتا کیا ہو سکتا ہے اور کتب
فن میں دیکھ لو کہ اس کے لیے حضرات نے کیا چیز تجویز کی ہے مثلاً احیاء العلوم کو دیکھ لو کہ کہیں ذکر و شغل کی تعلیم کی ہے
یا نہیں معلوم ہوا کہ کہیں بھی نہیں بلکہ جہاں کہیں ہے تدابیر بتلائی گئی ہیں کہ اس طرح کرو تو تم کو یہ فائدہ ہوا اور اسطرح
کرو تو یہ غرض ذکر و شغل صرف مدد کے طور پر ہیں اور اصل میں ازالہ رذائل کے لیے تو صرف مجاہدہ ہے جناب مولانا
رحمت اللہ صاحب مرحوم کیرانوی ایک مرتبہ ایک گاؤں میں تشریف لے گئے جہاں کے لوگ شرک و کفر میں مبتلا
تھے مگر زبان سے اپنے کو مسلمان کہتے تھے تو وہاں کے ملاجی نے کہا کہ حضرت یہاں کے لوگوں کو میں بہت روز
سے نصیحت کرتا ہوں مگر کوئی مانتا ہی نہیں مولانا نے دریافت کیا کہ کیا نصیحت کرتے ہو کہنے لگے کہ میں یہ کہتا ہوں
کہ لنگا پہننا چھوڑ دو اسکو کوئی نہیں سنتا حضرت نے فرمایا کہ شاید تمھاری عقل جاتی رہی ہے کہ تم اس امر کی تعلیم کو
لے بیٹھے بھائی اول ان کو شرک و کفر سے تو نکالو رفتہ رفتہ یہ بھی چھوٹ جاویگا اس کے بعد مولانا نے دریافت کیا
کہ یہاں کا سردار کون ہے معلوم ہوا کہ ایک عورت ہے وہ چودھرائن ہے۔ مولانا نے اسکو بلایا معلوم ہوا کہ وہ
ایک پنڈت کی معتقد ہے بس اب مولانا نے اس سے کوئی گفتگو نہیں کی بلکہ اسی کی معرفت اس پنڈت کو
بلایا جب وہ آیا تو مولانا اس کے استقبال کے لیے اٹھ بیٹھے جب اس نے منع کیا تو فرمایا کہ آخر آپ بھی تو اپنے
مذہب کے بزرگ ہیں۔ خیر جب وہ بیٹھا تو اس سے دریافت کیا کہ پنڈت جی ہندو مذہب والوں کے علاوہ
اور کسی مذہب والے بھی ناجی ہیں۔ کہا نہیں۔ پھر پوچھا کہ مسلمان سے ہندو بھی ہو سکتا ہے اسکا بھی یہی
جواب کہ نہیں اس لیے کہ انکا اصل مذہب یہی ہے۔ پھر دریافت کیا کہ پھر ان مسلمانوں کی نجات کی بھی کوئی
صورت ہے اس نے کہا کہ کوئی نہیں بس مولانا نے فوراً اس عورت سے کہا کہ لو جی سن لو پنڈت جی تو تمکو دوزخی
کہتے ہیں اس لیے کہ اگرچہ یہ لوگ شرک میں مبتلا تھے مگر زبان سے تو مسلمان ہی کہتے تھے اس عورت نے فوراً
اس پنڈت سے کہا کہ کمبخت تو گاؤں سے نکل جا تجھے اس قدر کھلایا پلایا اور پھر بھی تو آج یہ کہنے بیٹھا۔ غرضکہ
اسکو نکالدیا اور اس کے بعد مولانا کیرانوی نے سب کو تجدید ایمان کرائی اور نماز روزہ کی تعلیم کی اور ان ملاجی سے
کہا کہ خبردار جو ایک سال تک ستے سے لنگے کا نام بھی لیا۔ غرضکہ جب طبیب کامل ہوتا ہے تو وہ سمجھتا ہے
کہ اس کے لیے یہ نسخہ مفید ہوگا بلکہ طبیب بعض مرتبہ سنکھیا کھانے کو دیدیتا ہے اور اس کو وہ مفید ہوتا ہے اسیطرح
بعض مرتبہ شیخ ایک مرض کو دوسرے کے ازالہ کا سبب دیکھکر یا تو تسلیم کرتا ہے اور یا خود کہدیتا ہے کہ خیر
اس کام کو کرتے رہو اور جانتا ہے کہ جب یہ چھوٹ جاویگا تو اس دوسرے کو بھی دوسری تدابیر سے چھڑا دینگے

پس غرض اس ساری تقریر سے یہ ہے کہ اگر ایسے وقت شیخ کامل ملگیا تب تو فائز المرام ہو ورنہ پھر تو موت اور تباہی تقریر بہت دور چلی گئی مقصود مولانا روم مرح کا یہ ہے کہ وہ خس جس کے ذریعہ سے شیطان تمکو حق کیطرف توجہ سے مانع ہوتا ہے حب جاہ وحب مال ہے کہ یہ دونون اس طریق کے رہزن ہین اب آگے ان دونون مین سے مال کی تخصیص کرتے ہین اس لیے کہ اکثر ابتلا اسی مین ہے اور جہان حب مال ہوگی حب جاہ اکثر نہین ہوگی بس اسی کو فرماتے ہین کہ

مال خس الخ - یعنی مال جو ایک خس ہے اور بے ثبات ہے اور تمھارے گلے مین آب حیات کے جانے سے مانع ہے مطلب یہ کہ حب مال جبکہ وہ بے ثبات ہی ہے اور تمھارے لیے انوار اور حقائق کی تحصیل سے مانع بھی ہے تو اسکا تو یہ نتیجہ ہونا چاہیے کہ اسکی محبت تمھارے دلمین ہرگز نہ رہے اور اسکا یہ اثر ہونا چاہیے کہ جسکو آگے بیان کرتے ہین کہ -

گر برد - الخ - یعنی اگر تمھارا مال کوئی چالاک اور پرفن لیجاوے تو (صرف یہ ہوا کہ) ایک رہزن کو دوسرا رہزن لے گیا مطلب یہ کہ اسکی بے ثباتی اور مانعیت کا تو یہ اثر ہونا چاہیے کہ اگر کوئی شخص مال کو لے بھی جاوے تو اسکا غم نہ ہو اس لیے کہ حقیقت اسکی یہ ہے کہ ایک رہزن اور گمراہ کنندہ کو دوسرا رہزن یعنی چور لے گیا تو تمکو خوش ہونا چاہیے - نہ کہ رنجیدہ اور دیکھو اسکی ایسی مثال ہے جیسے کہ اس اگلی حکایت سے ظاہر ہوتا ہے -

شرح حبیبی

دزدیدن دزدے مارے را از مارگیرے وگزیدن مار دزد را وکشتن اورا

دزدکے از مارگیرے مار برد — ز ابلہے آنرا غنیمت مے شمرد
وارہید آن مارگیر از زخم مار — مار کشت آن دزد خود را زار زار

ایک چور کسی سنپیرے کا سانپ (جو پٹاری مین بند تھا) چرا لے گیا - وہ بیوقوف اسکو اپنی حماقت سے مال سمجھتا تھا یہ خبر نہین تھی کہ دشمن جان ہے - اس چور کے سانپ کو چرا لینے کا یہ نتیجہ ہوا کہ سنپیرا تو سانپ کے زخم سے بچ گیا - مگر چور نے جب بطمع مال اس پٹاری کو کھولا تو سانپ نے اسکے کاٹ لیا اور وہ چور مرگیا -

مارگیرش دید و پس بشناختش — گفت از جان مار من پرداختش
در دعا مے خواستے جانم ازو — کش بیابم مار بستانم ازو
شکر حق را کان دعا مردود شد — من زیان پنداشتم آن سود شد

سنپیرے نے چور کو دیکھکر قرائن سے پہچان لیا اور دلمین کہا کہ ہو نہ ہو میرے ہی سانپ نے اس کے قفس تن کو طائر روح سے خالی کیا ہے مین تو حق تعالے سے دعا مین درخواست کرتا تھا کہ وہ چور مجھے کہین ملجائے تو مین اپنا سانپ اس سے لے لون مگر خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ میری دعا قبول نہ ہوئی ورنہ مین جان سے جاتا - مین تو سانپ کی چوری کو اپنا نقصان سمجھتا تھا لیکن درحقیقت وہ سراسر نفع ہوگیا پس اب تم سمجھ سکتے ہو کہ جب وہ شے کہ جس کو

تم مال سمجھتے ہو مال نہیں بلکہ مار ہے۔ تو اسکو اگر کوئی دشمن اڑا لیجائے تو اسمین تمہارا ضرر نہیں بلکہ سراسر نفع ہے اگرچہ تم اس مارگیر کی طرح اپنی ناواقفیت اور غلطی سے نقصان سمجھو چونکہ یہان دعا مضر کے قبول نہ ہونے کا ذکر تھا اس لیئے مولانا فرماتے ہین پس دعا ہا کان زیان ست وہلاک الخ۔

شرح شبیری

حکایت ایک شخص کے سپیرے کے سانپ کو چرا لینے کی اور اُس سانپ کے چور کو کاٹ کر مار ڈالنے کی

وزدکے الخ۔ یعنی ایک چوٹٹا ایک سپیرے کا سانپ لے گیا اور اپنی بیوقوفی سے اُسکو غنیمت سمجھا۔ (شاید سانپ کی ٹوکری لے گیا ہو اور اُسکو یہ سمجھا ہو کہ اسمین کوئی مال ہوگا اور اُسکو غنیمت سمجھا کہ خیر ایک چیز اُٹھا لایا) آگے مولانا فرماتے ہین کہ۔

وارہید الخ۔ یعنی وہ سپیرا تو اُسکے زخم سے چھوٹ گیا (اس لیے کہ ممکن تھا اُسی کو کاٹ لیتا) اور اُس سانپ نے اپنے چور کو خوب ذلیل کر کرکے مار ڈالا (یعنی اچھی طرح کاٹا حتی کہ وہ مرگیا)

مارگیرش الخ۔ یعنی (جب وہ سپیرا اسکو تلاش کرتا ہوا اُس شخص تک پہونچا) تو اُس نے اُسکو دیکھا (اور آثار سے پہچانا کہ اسی نے چرایا ہے اس لیے کہ ٹوکری وغیرہ رکھی ہوگی) تو کہنے لگا کہ میرے سانپ نے اسکو جان سے خالی کردیا یعنی مار ڈالا۔

در دعا الخ۔ یعنی میری (مراد خود) دعا یہ تھی کہ اگر وہ کہین ملجاوے تو مین اُس سے اپنا سانپ لے لون۔

شکر حق الخ۔ یعنی خدا کا شکر ہے کہ وہ دعا قبول نہ ہوئی بلکہ مردود ہوئی اور مین نے اس عدم قبولیت کو نقصان سمجھا تھا مگر وہ میرے لیئے نفع ہوگیا اس لیے کہ ممکن تھا کہ وہ میرے ہی کاٹ لیتا پس اسیطرح سمجھو کہ اگر کوئی تمہارا مال لیجادے تو غم کرنا کس قدر بیجا ہے اس لیے کہ ایک رہزن کو جو کہ مانع عن طریق حق تھا ایک دوسرا رہزن یعنی چور لے گیا پھر غم کا ہے کا آگے مولانا ہر دعا کے قبول نہ ہونیکی حکمت اور وجہ بتلاتے ہین کہ۔

شرح حبیبی

بس دعاہا کان زیانست وہلاک	از کرم مے نشنود یزدان پاک
مصلحت و مصلحت را دا اُو	کان دعارا باز مے گرداند او
وان دعاگوینده شاکی می شود	مے برد ظن بد و آن بد بود
می نداند کو بلائے خویش خواست	وز کرم حق آن بدو نا ورد راست

بہت سی دعائین ایسی ہوتی ہین کہ بظاہر تو مفید معلوم ہوتی ہین مگر حقیقت مین موجب زیان وہلاکت ہوتی ہین حق سبحانہ اپنے فضل وکرم سے اُنکو قبول نہیں فرماتے۔ اسکی وجہ استغنا نہیں ہوتی بلکہ اسکا اصلی سبب یہ ہوتا ہے کہ حق سبحانہ محض اپنے فضل وکرم سے اپنے خاص خاص بندون کی مصلحتون کا لحاظ رکھتے ہین چونکہ بندہ حقیقت میں

واقف نہین ہوتا اس لیے اسکو اپنے لیے نافع سمجھکر دعا کربیٹھتا ہے اور حق سبحانہ مصلحت دان ہین اس لیے اس کو مضر سمجھکر رد کر دیتے ہین اور جب دعا قبول نہین ہوتی تو دعا کرنے والا شاکی ہوتا ہے اور خیالات فاسدہ دل مین لاتا ہے حالانکہ قبول نہ کرنا بیجا نہین ہوتا بلکہ اسکی شکایت اور گمان بد نازیبا ہوتا ہے کیونکہ اس بیچارے کو یہ نہین معلوم ہوتا کہ اس نے اپنے لیے ایک مصیبت کی درخواست کی تھی اور حق سبحانہ نے اسپر اپنا فضل کیا کہ اسکی درخواست کو منظور نہ کیا اور جیسا اس نے چاہا تھا ویسا اس کے لیے نہ کیا پس تم کو چاہیے کہ جب ایسی صورت پیش آئے تو سمجھ لو کہ اس کے قبول نہ ہونے مین بھی کوئی مصلحت ہوگی اور پریشان نہ ہو۔ اوپر بیان کیا گیا تھا کہ کبھی آدمی ایک ایسی شے کی درخواست کرتا ہے جو اس کے لیے مضر ہوتی ہے۔ آگے اسی کی تائید ایک حکایت سے کرتے ہین۔

شرح شبیری | بس دعا الخ - یعنی بہت سی دعائین ایسی ہوتی ہین کہ وہ سراسر نقصان اور مہلک ہوتی ہین مگر حق تعالے اپنے بیحد لطف وکرم کی وجہ سے اُنکو قبول نہین فرماتے مطلب یہ کہ جس طرح اس سپیرے نے دعا کی تھی کہ مجھے وہ شخص ملجاوے تو مین اس سے اپنا سانپ لیلون اور وہ دعا قبول نہ ہوئی پھر اُس دعا کا نقصان دہ اور مہلک ہونا معلوم ہوا اسیطرح بہت سی ایسی دعائین ہوتی ہین کہ جنکو تم اپنے لیے مصلحت سمجھتے ہو اور یون سمجھتے ہو کہ اگر یہ دعا قبول ہو جاوے تو ہمکو بہت نفع ہوگا اور ہم فائز المرام ہونگے مگر وہ تمھارے لیے بالکل غارت اور تباہ کردینے والی ہوتی ہین عسیٰ ان تکرھوا شیئا و ھو خیر لکم و عسیٰ ان تحبوا شیئا و ھو شر لکم - پس جس قدر امور ہین اُنکو تفویض کرنا چاہیے ہان دعا کرنا ضرور اس لیے کہ خداوند کریم اس سے خوش ہوتے ہین کہ اُنکا بندہ اُن سے کچھ مانگے اور دیکھو جا بجا تعلیم ہے کہ ہم سے اس طرح مانگو یہ مانگو اسکی ایسی مثال ہے جس طرح کہ باپ اور بیٹے کی کہ اگر بیٹا اگر باپ کے سامنے مچلے اور ضد کرے کہ ہم فلان کام کرین گے اُسکو اسوقت اُسکا یہ مچلنا اور بظاہر دق کرنا ہی بھلا معلوم ہوتا ہے اب بعض مرتبہ تو اگر وہ شے اس کے لیے نافع ہوتی ہے یا مضر نہین ہوتی اُسکو اجازت دیدیتا ہے اور اگر دیکھتا ہے کہ یہ امر اِس کے لیے مضر ہوگا خواہ دین کو یا دُنیا کو تو اُسکو ہرگز قبول نہین کرتا مگر اُسکو دوسری چیزین دیدیتا اور کہتا ہے کہ بیٹا وہ تمھارے لیے مُضر ہے اور نقصان دہ ہے تم اسکو لے لو بس اسیطرح اللہ تعالے اپنے بندہ کے مانگنے اور دعا کرنے سے بہت ہی خوش ہوتے ہین اور وہ جس شے کے لیے دُعا کررہا ہے اگر اُس کے لیے وہی مناسب ہے تو اُسکو وہی عنایت فرما دیتے ہین اور اُس دعا کو قبول فرما لیتے ہین ورنہ اُسکی جگہ اس کو کوئی اور شے عنایت فرماتے ہین جیسا کہ حدیث مین ہے کہ جو بندہ دعا کرتا ہے وہ مردود نہین ہوتی اس لیے کہ اگر وہ قبول نہ ہوگی تو اُسکی جگہ یا تو کوئی بلا جو اسپر آنیوالی تھی ٹل جاویگی یا کوئی اور نفع پہونچ جاویگا پس دعا کرنا تو ضروری ہوا مگر اُسکے نتیجہ کا موافق اپنے خیال کے نہ ہونے سے رنجیدہ نہ ہو کہ یہ برا ہے اس لیے کہ۔

مصلح ست الخ - یعنی وہ مُصلح ہے اور مصلحت (عباد) کو جانتا ہے کہ اس دعا کو قبول نہین کرتا مطلب یہ کہ جب وہ اپنے بندون کا خیرخواہ اور مصلحت جاننے والا ہے تو اب وہ جب مصلحت سمجھتا ہے جس دعا کو چاہتا ہے قبول فرما لیتا ہے اور جسکو مصلحت نہین سمجھتا اُسکو رد فرما دیتا ہے پس اس رد ہونے سے غمگین ہونا بہت نادانی ہے

اس لیے کہ تمھاری مصلحت اسوقت اس دعا کے رد ہونے ہی کو مقتضی تھی آگے فرماتے ہیں کہ۔
وان دعا الخ۔ یعنی (جب دعا قبول نہیں ہوتی اور وہ خود اس داعی ہی کی مصلحت ہوتی ہے مگر) وہ شکایت کرنے لگتا ہے اور گمان بد لیجاتا ہے حالانکہ وہ گمان ہی خود بد ہوتا ہے (آن بد بود کی ضمیر اگر ظن کی طرف لیجاوے تب تو یہ معنی ہونگے اور اگر شاکی کی طرف لیجاوے تو یہ معنی ہونگے کہ وہ گمان بد کرتا ہے حالانکہ خود ہی بُرا ہوتا ہے) اور دیکھو یہ نہیں سمجھتا کہ وہ خود اس چیز کی دعا کر رہا ہے جو اس کے لیے بلائے جان ہو جاویگی۔ مگر چونکہ خداوند کریم اسکی مصلح کو خوب جانتے اور سمجھتے تھے اس لیے اس دعا کو اس کے حق میں قبول نہیں فرماتے بلکہ رد فرما دیتے ہیں پس حاصل مقام اور مقصود مولانا کا یہ ہے کہ دیکھو شیطان کے پھندوں سے بچتے رہنا کہ اگر کہیں اسمیں پھنس گئے تو پھر تمکو نکلنا مشکل ہو جاویگا اور اس کے پھندے حب مال حب جاہ ہیں انکی محبت دل سے نکال دو کہ حدیث میں بھی ہے حب الدنیا راس کل خطیئۃ۔ یعنی دنیا کی محبت تمام معاصی کی جڑ ہے لہذا اسی سے بچنا ضروری ہے اور جب اسکی محبت نہ ہوگی تو اس کے جاتے رہنے سے غم بھی نہ ہوگا اور نہ ہونا چاہیے اسلیے کہ اسکی مثال تو بالکل ایسی ہے جیسے ایک رہزن کو دوسرا رہزن لیجاوے جیسا کہ سیپیرے کی مثال سے معلوم ہوتا ہے اور محبت تو حق تعالی کی ہونی چاہیے اور اسی پر پورا پورا بھروسہ چاہیے اگر وہ کوئی کام تمھاری مرضی کے خلاف بھی کرے تو وہ خلاف مرضی ہونا نہ چاہیے اسلیے کہ وہ تمھاری مصلحتوں کو اچھی طرح جانتا ہے اسیطرح جو تمکو مضر۔ وہ ہیں انکو بھی خوب جانتا ہے پس شاکی نہ ہونا چاہیے سہ کہ خواجہ خود روش بندہ پروری داند۔ آگے اسی مضمون کو بیت مرتبہ تو ایک بات کو چاہتا ہے اور وہ تیرے لیے مصلحت نہیں ہوتی ایک مثال سے بیان کرتے ہیں کہ۔

شرح حبیبی

التماس کردن ہمراہ عیسی علیہ السلام از زندہ کردن استخوانہا

گشت با عیسی یکے ابلہ رفیق	استخوانہا دید در گور عمیق
گفت اے ہمراہ نام آن سنی	کہ بدان تو مردہ زندہ مے کنی
مر مرا آموز تا احسان کنم	استخوانہا را بدان با جان کنم

یعنی ایک احمق حضرت عیسے علیہ السلام کا رفیق سفر ہوا ایک گہرے گڑھے میں اسکو کچھ ہڈیاں دکھائی دیں پس اس نے حضرت عیسے علیہ السلام سے درخواست کی اور کہا اے یار مجھے حق سبحانہ کا وہ نام سکھلا جس سے تو مردوں کو زندہ کرتا ہے تاکہ میں ایک نیک کام کروں یعنی اس کے ذریعہ سے ان ہڈیوں کو جاندار اور زندہ کردوں۔

گفت خامش کن کہ آن کار تو نیست	لائق انفاس و گفتار تو نیست
کان نفس خواہد زبارن را پاک تر	وز فرشتہ در روش چالاک تر

عمرہا بایست تا دم پاک شد — تا امینِ مخزنِ افلاک شد
خود گرفتی این عصا در دست راست — دست را دستانِ موسیٰ از کجاست

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا کہ چپ رہ یہ تیرا کام نہیں ہے اور تیرے پڑھنے کے لائق نہیں ہے کیونکہ اس کے لیے ایسے دم کی ضرورت ہے جو بارش سے بھی زیادہ پاک ہو اور جس طرح نجاسات جسمانیہ سے پاک ہوتی ہے وہ اس سے بھی زیادہ نجاسات روحانیہ سے پاک ہو اور ذکر الٰہی مین فرشتون سے بھی زیادہ تیز چلتی ہو اور دم کے پاک ہونے کے لیے عموماً ایک عرصہ دراز کی ضرورت ہے الا ماشاء اللہ تاکہ مجاہدات و ریاضات طویلہ کے بعد پاک ہوکر خزائن عالم ملکوت کا حامل اور امین بن سکے۔ اور اس سے وہ عجائبات ظاہر ہو سکین جو سفلیات کی احاطہ قدرت سے باہر ہین دیکھ لے لاٹھی تو تیرے ہاتھ مین بھی ہے مگر تو اسکو سانپ نہین بنا سکتا کیون محض اس لیے کہ وہ افسون اور تاثیر کہان ہے جو موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ مین تھی۔ گو اس کے حصول مین کسب کو دخل نہ تھا لیکن مقصود صرف اس قدر ہے کہ طہارت ہونی چاہیے خواہ بفضل بحت ہو یا اسمین کسب کو بھی فی الجملہ دخل ہو۔ (تنبیہ) عمرہا بایست الخ کا مذکورہ بالا مطلب اس بنا پر لکھا گیا ہے۔ کہ بایست اور رشد کو بمعنی مستقبل لیا گیا ہے یہان ایک توجیہ اور بھی ہے وہ یہ کہ دم سے مراد۔ دم عیسیٰ علیہ السلام ہو خواہ۔ بعد یا بحذف مضاف الیہ۔ اے دمم۔ اس تقدیر پر معنی یہ ہون گے کہ میرے دم کے پاک ہونے کے لیے ایک عرصۂ دراز کی ضرورت تھی چنانچہ ایک عرصہ دراز تک مجاہدات و ریاضات و ذکر اللہ کے بعد یہ کمال حاصل ہوا الخ۔ مگر اس توجیہ مین یہ خدشہ ہوتا ہے۔ کہ اس عنوان سے معلوم ہوتا ہے کہ انکی ریاضات اس تاثیر کا سبب اور باعث ہوئی ہین گو موجب نہین حالانکہ یہ انکا ایک معجزہ تھا جسمین اعمال کو دخل نہ تھا نیز یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ انکا اعمال انکی طہارت نفس کا سبب بنے ہین مگر امر بالعکس معلوم ہوتا ہے کہ انکی طہارت جبلی ان اعمال و مجاہدات کا سبب ہے نہ یہ کہ مجاہدات و ریاضات سبب طہارت لانہم علیہم السلام طاہرون مطہرون من بدو الفطرۃ معصومون من اول الامر۔ وہو فضل محض ولطف صرف من ربہم الکریم لا دخل لکسبہم فیہ اصلا۔ دوسرا نسخہ اس مقام پر عمرہا بایست کا دم پاک شد ہے اس کے معنی یہ ہین کہ آدم علیہ السلام کے پاک ہونے کے لیے ایک عرصہ دراز کی ضرورت تھی کہ وہ اس عرصہ کے بعد پاک ہوکر امین مخزن افلاک ہوئے پھر تمھاری کیا ہستی ہے۔ اسمین یہ خدشہ ہے کہ اوّل تو پیدا ہوتے ہی آدم علیہ السلام امین مخزن افلاک ہو گئے تھے اور اگر زمانہ تخمر کو بھی لیا جاوے تو وہ بھی صرف چالیس روز تھا (جیساکہ یاد پڑتا ہے) اور وہان دنون کا بڑا ہونا محض احتمال ہے۔ ثانیاً اسمین بھی ان کے کسب کو دخل نہ تھا محض لطف و فضل رب تھا ثالثاً انکی پاکی مین کسب کو دخل نہ تھا ان وجوہ سے وہ توجیہ اقرب معلوم ہوتی ہے جو ترجمہ مین اختیار کی گئی ہے کیونکہ اسمین گو ماضی کو مستقبل کے معنے مین لینا پڑتا ہے مگر معنی بے تکلف ہے دق وضّا نا السید الشریف فی حواشی المطول بقولہ راع جانب المعنی والا حوجک الی تکلفات کثیرۃ۔

گفت اگر من نیستم اسرار خوان — ہم تو برخوان نام را بر استخوان

اسپر اس نے کہا کہ اگر مین ان اسرار کے پڑھنے کے لائق نہین۔ کیونکہ وہ شرائط مفقود ہین جو انکی تاثیر کے لیے لازمی ہین تو خود آپ ہی پڑھ دیجیے۔

گفت عیسی یارب این اسرار چیست	میل این ابلہ درین گفتار چیست
چون غم خود نیست این بیمار را	چون غم جان نیست این مردار را
مردۂ خود را رہا کردست او	مردۂ بیگانہ را جوید رفو

حضرت عیسےٰ نے متعجب ہو کر حق سبحانہ سے دریافت کیا کہ خدایا یہ کیا بھید ہے۔ اور یہ بیوقوف اس قسم کی باتون کی طرف کیون مائل ہے۔ اِس بیمار کو اپنی فکر کیون نہین اور یہ مردہ دل اپنی حیات روحانی کی فکر کیون نہین کرتا۔ اِسکا دل جو صفات بہیمیہ اور غلبہ نفس سے مردہ یعنی قریب المرگ اور قریب مسلوب الاستعداد ہو چکا ہے اُس کو تو اِس نے چھوڑ رکھا ہے اور دوسرے مردہ کی جان و تن مین اتصال چاہتا ہے اور اِس کے زندہ ہونے کی باصرار درخواست کرتا ہے۔

گفت حق ادبار گر ادبار جوست	خار روئیدن جزای کشت اوست
آنکہ تخم خار کارد در جہان	ہان وہان او را مجو در گلستان
گر گلی گیرد بکف خاری شود	ور سوی یاری رود ماری شود
کیمیای زہر مارست آن شقی	بر خلاف کیمیای متقی
ہین مکن بر قول و فعلش اعتمید	کو ندارد میوہ مانند بید

حق سبحانہ نے بذریعہ وحی ارشاد فرمایا کہ جو بدبخت بدبختی کو ڈھونڈھتا ہے اور اِن چیزون کے پیچھے پڑتا ہے جو اس کے لیے مضر ہین تو اسکی کھیتی اور سعی کا ثمرہ خار یعنی نتیجہ بد ہوتا ہے چنانچہ تم کو اسکا نتیجہ عنقریب معلوم ہو جائیگا اور تم جان لوگے کہ اِس بدبخت کے سر پر شامت سوار تھی اور اپنے ہاتھون مین خود کلھاڑی مار رہا تھا آگے مولانا نتیجہ حکایت کے طور پر نصیحت فرماتے ہین۔ کہ جو شخص اِس دُنیا مین رہکر کانٹون کا بیج بوتا ہے اور اعمال سیئہ مین گرفتار اور مقتضیات نفس کا پابند ہوتا ہے اُسکو گلستان مین نہ ڈھونڈھنا۔ اور اس کے لیے ثمرات محمودہ کی توقع نہ رکھنا۔ اِسکی حالت تو یہ ہوتی ہے کہ اگر وہ پھول ہاتھ مین لے اور بظاہر کوئی نیک کام کرے تو وہ بھی اس کے لیے بوجہ غرض انسانی کی آمیزش اور عدم خلوص نیت کے خار۔ اور موجب مضرت ہو جاتا ہے۔ اور اگر کسی یار یعنی ولی اللہ کی خدمت مین جاتا ہے۔ تو وہ اس کے لیے مار اور موت روحانی کا سبب بن جاتا ہے کیونکہ اِسکو اہتداء تو مقصود ہوتا نہین۔ کوئی نفسانی غرض ہوتی ہے اس لیے وہ اِن شرائط پر بھی کاربند نہین ہوتا جو استفاضہ کے لیے ضروری ہین لہذا خسران ابدی مین مبتلا ہو جاتا ہے (اِس شعر مین لفظ یار کو ہم نے بمعنی مرشد کامل قرار دیا ہے اور اس سے عمل صالح بھی مراد ہو سکتا ہے۔ والاقرب ہوالاول لان الافادۃ خیر من الاعادۃ۔ جس مطلب کو مولانا نے مصرع اول مین اور بر توجیہ ثانی پورے شعر مین ادا فرمایا ہے اِسی مضمون کو ایک دوسرے شعر مین بھی دوسرے عنوان سے ادا فرمایا ہے چونکہ حضرت حاجی صاحب قدس سرہ نے اِس کے مضمون کو ایک نہایت نفیس دلیل سے ثابت فرمایا ہے لہذا افادۃً للناظرین اِسکا حل بھی درج کیا جاتا ہے مولانا فرماتے ہین سہ ہرچہ گیرد علتے علت شود * کفر گیرد کاملے ملت شود * یعنی مبتلائے امراض روحانی کے لیے وہ اعمال بھی جو فی نفسہ صالح اور قابل غذائے

روح مین مادۂ فاسدہ کی طرف مستحیل ہو جاتے اور اعمال سیئہ بن جاتے ہین اور کامل اگر کفر بھی اختیار کرتا ہے تو وہ کفر بھی دین ہو جاتا ہے حضرت حاجی صاحب اسکی وجہ بیان فرماتے ہین کہ دیکھو ایمان سے بڑھ کر کوئی عمل صالح نہین لیکن منافقین بظاہر ایمان لائے تو انکی نسبت حق سبحانہ فرماتے ہین فی قلوبھم مرض فزادھم اللہ مرضا۔ اور حضرت عمار نے بظاہر کفر اختیار کیا اور کلمۂ کفر زبان سے نکالا تو ظاہری کفر جزو دین بن گیا اور قیامت تک کے لیے قانون مقرر ہو گیا کہ من اکرہ وقلبہ مطمئن بالایمان سے کوئی مواخذہ اور بازپرس نہ ہوگی) پس اس بدبخت کی کیمیا تو یہ ہے کہ تریاق بھی زہر مار ہو جاتا ہے اور اعمال صالحہ بھی سیئہ بن جاتے ہین برخلاف کیمیائے متقی کے وہان زہر مار بھی تریاق ہو جاتا ہے اور فی الجملہ اعمال سیئہ بھی حسنہ ہو جاتے ہین۔ جب تو یہ جان چکا تو ہم تجھ سے کہتے ہین کہ خبردار ایسے کے قول و فعل پر اعتماد نہ کرنا اور ظاہری عمدہ صورت سے دھوکا نہ کھانا۔ وہ افعال و اقوال ثمرات محمودہ سے بید کی طرح بالکل معرا ہین چنانچہ ہم تمکو ایک حکایت سناتے ہین جس سے معلوم ہو کہ ایسے لوگون کے اقوال و افعال پر بھروسہ کرنیکا کیا نتیجہ ہوتا ہے۔ صوفی مے گشت در دور افق الخ۔

شرح شبیری

گشت الخ۔ یعنی عیسیٰ علیہ السلام کے ایک بیوقوف ساتھ ہو گیا اور اُسنے ایک گڑھے مین کچھ ہڈیان دیکھین (گور سے عمیق سے مراد یا تو خود قبر ہے تب تو یہ معنی ہون گے کہ کسی قبر مین وہ ہڈیان گر گئی ہونگی اس لیے کہ وہ تو شیر کی تھین تو گور مین کس طرح ہوتین اور اگر گور سے عمیق سے مراد مطلق گھڑا گڑھا لیا جاوے جیسا کہ ترجمہ مین لیا گیا ہے تو مراد یہ ہے کہ کسی گڑھے مین کچھ ہڈیان دیکھین)

گفت الخ۔ یعنی اُس شخص نے کہا کہ اے ہمراہی (یعنی عیسیٰ علیہ السلام اس لیے کہ وہ بھی اُس کے ہمراہ تھے اور وہ اُن کے ہمراہ تھا) اُس روشن کا نام کہ جس سے تم مردہ کو زندہ کیا کرتے ہو مجھے بھی سکھلا دو تاکہ مین بھی احسان کرون اور ہڈیون کو اُسکی برکت سے باجان کردون (یعنی روشن مراد ذات حق تعالیٰ۔ احسان کنم مین اگر احسان کو بمعنی منت لیا جاوے تب تو یہ معنی ہون گے کہ مین اسپر احسان کرون کہ اسکو زندہ کردون اور اگر احسان سے مراد مطلق فعل حسن ہو تو یہ مراد ہوگی کہ مین بھی ایک اچھا کام کرون اس لیے کہ ہر شے کا وجود اُس کے عدم سے قوی بہتر ہے تو اسکو ذی الروح کر دینا بھی ایک فعل حسن ہوگا) آگے عیسیٰ علیہ السلام اُسکو جواب دیتے ہین کہ۔

گفت خامش الخ۔ یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ ارے خاموش رہ اس لیے کہ یہ تیرا کام نہین ہے (کیونکہ ہر کام کے لیے کچھ شرائط ہوتے ہین اور اسکی شرط ہے کہ کلام مین برکت ہو اور یہ ہے نہین) اور تیرے کلام اور تیرے کلمات مجھے قابل اور لائق نہین ہے اس لیے کہ وہ نام تو ایسا کلام چاہتا ہے کہ جو بارش سے بھی پاک ہو اور وہ شخص فرشتہ سے بھی (عبادت مین) چست و چالاک ہونا چاہیے (فرشتہ سے چست و چالاک کہنا مبالغہ ہے) مطلب یہ کہ چونکہ شرط ہے برکت دم و کلام وہ تجھ مین معدوم ہے پس اُمیر یہ اثر یعنی مردہ سے زندہ ہونا بھی مرتب نہین ہو سکتا اور اس کے لیے تو ایک پاک نفس اور ایک اُس شخص کے دم کی ضرورت ہے جو کہ طاعت حق مین چست و چالاک ہو آگے فرماتے ہین کہ۔

عمرہا الخ۔ یعنی بہت سی عمرون کی (یعنی مدت کی) ضرورت تھی کہ آدم علیہ السلام پاک ہوئے یہانتک کہ مخزن افلاک کے امین ہوئے مطلب یہ کہ برکت نفس کے لیے جو کہ شرط ہے کلام کے مؤثر ہونے مین ایک مدت

مجاہدہ اور ریاضت کی ضرورت ہے دیکھو آدم علیہ السلام کو کس قدر مدت کی ضرورت ہوئی اُن مین استعداد پیدا
ہوئی اُس کے بعد وہ امین مخزن افلاک ہو سکے اِس لیے کہ اُس کے بعد ہی تو اُنکو کونیات اور الٰہیات کے اسماء وغیرہ
تعلیم ہوسے تھے یہان یہ شبہ ہوتا ہے کہ آدم علیہ السلام تو فوراً پیدا ہوے اور فوراً اُن کو اسمار کی تعلیم ہوئی اور فوراً ہی
مسجود ملائکہ ہوے اور اُس کے بعد ہی دخول جنت ہوا اور پھر متصل ہی اکل حنطہ ہوا تو پھر عمر ہا کہنا صحیح نہ ہوگا اس لیے
کہ حضرت ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ آدم علیہ السلام عصر کے وقت پیدا ہوے تھے اور غروب نہ ہونے پایا تھا
کہ جنت سے نکالے گئے تو اسکی توجیہ یا تو یہ کیجاوے کہ یہ باعتبار وہان کے ایام کے ہے کہ ایک دن وہان کا اتنا
بڑا ہوتا ہے کہ یہان اُس مدت مین بہت سی عمرین گذر جاوین اور یا یون کہا جاوے کہ چونکہ آدم علیہ السلام کا مادہ
تو پہلے سے موجود تھا ہی اور اِس کے متعلق خود حدیث مین تصریح بھی ہے کہ وہ ایک مدت تک اُنکا خمیر ہوتا رہا
تو اب یہ معنے ہونگے کہ اُنکے مادہ ہی مین استعداد پیدا ہونا شروع ہوگئی تھی اور اُس کے بعد جب وہ مادہ رہا تو اُس وقت
سے اور وقت وجود تک استعداد کامل ہوگئی تھی اور ایک نسخہ تا دم پاک شد ہے اُس بنا پر یہ معنے ہون گے کہ
ایک مدت کی ضرورت تھی کہ میر آدم کہ جسکی برکت سے مردہ کو زندہ کر دینا پاک ہوا اِس لیے کہ انبیار کی استعداد بھی
تو قبل نبوت کامل ہوتی رہتی ہے اور اُنکو بھی ایک مدت تک مجاہدات کرنا پڑتے ہین مقصود یہ کہ یہ کام اُسوقت
ہو سکتا ہے کہ عبادات وریاضات کر کر کے تم اپنے کو اِس قابل بنا لو پھر شاید ممکن بھی ہے ورنہ صرف الفاظ کے سیکھنے
سے کیا ہوتا ہے آگے ایک اور مثال دیتے ہین کہ ۔

خود گرفتی الخ۔ یعنی تو نے خود اِس عصا کو اگر اپنے ہاتھ مین لے بھی لیا مگر موسیٰ علیہ السّلام کے ہاتھ جیسا افسون
کہان سے لاؤ گے مطلب یہ کہ تم نے یہ تو سیکھ لیا کہ موسیٰ علیہ السّلام کے ہاتھ مین بھی عصا تھا اِس لیے تم نے بھی
ایک عصا لے لیا مگر جو اُن کے ہاتھ مین برکت تھی اور جسکی وجہ سے وہ عصا اژدہا ہو جاتا تھا کہان سے لاؤ گے
پس اِسطرح اگر تم نے الفاظ سیکھ بھی لیے مگر وہ برکت جو اُن کو مؤثر بنانے کے لیے درکار ہے کہان سے لاؤ گے
کہ اُسکی استعداد پیدا کرنیکے لیے ایک مدت کی ضرورت ہے اور وہ بھی جب جبکہ حق تعالے بھی چاہین پس
تم کو اِن الفاظ کے سیکھنے سے کچھ فائدہ نہ ہوگا جب اُس ہمراہی نے یہ سُنا تو آگے کہتا ہے کہ ۔

گفت الخ۔ یعنی اُس نے کہا کہ اچھا اگر مین اُن اسرار کا جاننے والا اور پڑھنے والا نہین ہون (تو نہ سہی مگر آپ تو
ہین) لہذا آپ ہی وہ نام پاک اِن ہڈیون پر پڑھ دیجئے کہ یہ زندہ ہو جاوین جب وہ بہت ہی مصر ہوا تو عیسےٰ
علیہ السّلام دعا کرنے لگے کہ ۔

گفت عیسیٰ الخ۔ یعنی عیسےٰ علیہ السلام جناب باری مین دعا کرنے لگے کہ اے اللہ یہ کیا بھید ہین جو اِس
بیوقوف کا میلان اِس بات کی طرف ہے اور اِس بیمار نے اپنے غم کو کیون چھوڑ رکھا ہے اور اِس مردار کو
اپنی جان کا غم کیون نہین اور اِس نے اپنے مردہ کو تو چھوڑ رکھا ہے اور دوسرے کے مردہ کو چاہتا ہے کہ اُسین
رفو ہو جاوے یعنی یہ روح کے ساتھ ملجاوے مطلب یہ کہ جب عیسیٰ علیہ السلام نے دیکھا کہ اسکا اصرار بہت سی
بڑھ رہا ہے اور یہ مانتا ہی نہین تو دعا کرنے لگے کہ یا الٰہی اِسمین کیا بھید ہین اور یہ اِس قدر اصرار کیون کرتا
ہے یہان یا تو عیسیٰ علیہ السلام کو معلوم ہو گیا ہوگا کہ یہ ہڈیان شیر کی ہین اِس لیے فرماتے ہین کہ یہ تو زندہ ہو کر خود

اسی کو پھاڑ دیگا اور ہلاک کر دیگا پھر اس کے اصرار مین کیا بھید ہین اور اس کے لیے کیا مقدر ہے اور یا یہ کہ معلوم نہ ہوا ہو مگر حسرت اس لیے فرماتے ہین کہ آخر اس فضول کام مین یہ کیون لگا ہوا ہے اور مجھے دق کر رہا ہے اور یہ شخص خود بیمار ہے اُسکا تو علاج کرتا نہین اور اُسکی تو فکر نہین ہے کہ غافل عن الحق ہے اور خود ہی مردار کیطرح ہوگیا ہے مگر کچھ خیال اور غم نہین ہے اور افسوس اس نے اپنے کو چھوڑ رکھا ہے اور اپنی اصلی حیات کی طرف متوجہ نہین ہوتا کہ وہ طاعت اور ذکر اللہ ہے اور دوسرون کی فکر مین ہے کہ کسی طرح انہین یہ زندہ حیات کچھ جاوے اور یہ زندہ ہو جاوین تو آخر اسمین کیا بھید ہین آگے حق تعالیٰ کی طرف سے جواب عنایت ہوا کہ۔

گفت حق الخ۔ (یہان ادبار اول مین لفظ صاحب محذوف ہے یعنی صاحب ادبار) یعنی حق تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر صاحب ادبار بدبختی کو تلاش کرتا ہے (تو کرنے دو) اس لیے کہ کانٹے اُگنا تو اُس کے بونے کا بدلہ ہے (جیسا بویا ویسا کھیل پاویگا) مطلب یہ کہ اگر یہ اصرار کرتا ہے تو تم اِسکے قول کو مان لو اور ان کو زندہ کر دو اس لیے کہ جب اسکی قسمت مین ہلاک ہونا ہے تو یہ ضرور ہلاک ہو ہی جاویگا اور جب اس نے کانٹے بوئے ہین یعنی اعمال سیئہ کا مرتکب ہوا ہے تو اسکو اُسکی جزا بھی ویسی ہی ملیگی آگے مولانا فرماتے ہین کہ۔

آنکہ الخ۔ یعنی جو شخص کہ کانٹے بوتا ہے (یعنی اعمال سیئہ کا مرتکب ہوتا ہے) تو اُسکو تم ہرگز ہرگز گلستان مین مت تلاش کرو (یعنی اُسکو اس جگہ جہان ثمرات محمودہ حاصل ہوتے ہین مت تلاش کرو اس لیے کہ اس نے اعمال ہی اس لائق نہین کئے تو اُسے ثمرات محمودہ کہان سے حاصل ہونگے آگے فرماتے ہین کہ۔

گر گلے گیرد الخ۔ یعنی اگر یہ شخص پھول بھی لیگا تو وہ بھی خار ہو جاویگا اور اگر کسی یار کی طرف جاویگا تو وہ سانپ ہو جاویگا۔ مطلب یہ کہ اگر وہ کوئی عمل حسن بھی کریگا تو وہ بھی حسن نہ رہیگا اس لیے کہ اسمین مثلاً ریا کا شائبہ ہو تو وہ عمل حسن کہان رہا بلکہ وہ بھی معصیت ہوگئی اسیطرح ایک دوسرے مقام مین خود مولانا فرماتے ہین ؎ ہرچہ گیرد علتے علت شود ÷ کفر گیرد کاملے ملت شود ÷

اور اس شعر کی توجیہ حضرت حاجی صاحب قدس سرہ خوب فرماتے تھے کہ ہرچہ عام ہے اعمال حسنہ کو اور ایمان کو سبکو شامل ہے اب اسمین سے ایک فرد کی بابت فرماتے تھے کہ ہرچہ گیرد علتے علت شود مین یہ بھی داخل ہے کہ دیکھو ایمان جو کہ نجات کا ذریعہ ہے اور اسی سے سعادت دارین حاصل ہوتی ہے اسی کو منافقین نے اختیار کیا اُنکے لیے ایمان بھی ذریعہ ہوگیا زیادتی خسران کا کہ فرمایا جاتا ہے ان المنافقین فی الدرک الاسفل من النار یعنی منافقین نار کے سبب سے نیچے کے طبقے مین ہونگے والعیاذ باللہ تو دیکھو کہ اسی ایک شے کو علتی نے اختیار کیا تو کیا حشر ہوا کہ باوجود منجی ہونے کے پھر اُسکے لیے سبب خسران ہوگیا اور دوسرے مصرعہ کو اس طرح سمجھو کہ دیکھو حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کہ اُنھون نے بظاہر کلمۂ کفر کہا تھا جس سے کہ متبادر کفر ہوتا ہے مگر وہی داخل دین ہوگیا اور قیامت تک کے لیے مسئلہ ہوگیا کہ اگر اکراہ کے وقت کسی نے زبان سے کلمۂ کفر کہہ دیا تو اُسکا ایمان زائل نہین ہوتا بس دیکھو کہ ایک کامل نے کفر اختیار کیا مگر وہ ملت اور دین ہوگیا (واللہ در القائل) سچ یہ ہے کہ اس سے اچھی توجیہ ممکن ہی نہین اور اس شعر کا مصداق اور کوئی امر اس قدر بظاہر طور پر نہین ہو سکتا اے اللہ حضرت کے فیوض ہم خدام پر فائض فرمایئے اور اُنکی برکت سے حسنات کی توفیق عطا فرمایئے آمین ثم آمین بس معلوم ہوا کہ جو شخص

ملتی ہے اگر وہ دین کی بات بھی اختیار کرے گا تو وہ اس کے لیے مہلک اور سبب خسران بنجاویگی آگے بھی اسی مضمون کو فرماتے ہین کہ۔

کیمیائے الخ۔ یعنی اس شقی کی کیمیا بھی سانپ کا زہر ہے بخلاف کیمیائے متقی کے کہ وہ اس کے بالکل خلاف اور برعکس ہے (کیمیا کہتے ہین تبدیل ماہیۃ الی ماہیۃ اُخری کو) لہٰذا فرماتے ہین کہ اس شقی کے اعمال کی ماہیۃ جب بدلتی ہے تو وہ حسنات سے سیأات ہوجاتے ہین جیسے کہ سانپ کا زہر ہوتا ہے کہ وہ آخر مہلک ہوجاتا ہے بخلاف متقی کے اعمال کے کہ وہ اس کے بالکل خلاف اور عکس ہوتے ہین اس لیے کہ اگر شقی حسنات بھی کرے گا وہ بھی اسکی نیت کے درست نہ ہونیکی وجہ سے سیأات ہوجاوینگی اور جو متقی ہوگا وہ اگر سیئات کا بھی ارتکاب کرے گا اس کے لیے وہ بھی حسنات ہوجاوینگی جیساکہ اوپر بیان کیا گیا ہے آگے فرماتے ہین کہ۔

ہین مکن الخ۔ یعنی ہرگز ایسے شخص کے قول و فعل پر اعتماد مت کرنا اس لیے کہ اُس کے اندر میوہ ہی نہین جیساکہ بید ہوتا ہے (کہ اسمین بھی میوہ نہین ہوتا) مطلب یہ کہ اس شخص کے قول فعل پر ہرگز اعتماد نہ کرنا چاہیے اس لیے کہ اس کے پاس ثمرات محمودہ تو ہین ہی نہین۔ آگے فرماتے ہین کہ اگر اس کے قول پر اعتماد کروگے تو ایسا حال ہوگا کہ جیساکہ اس حکایت آئندہ مین معلوم ہوتا ہے فرماتے ہین کہ۔

شرح حبیبی

اندرز کردن صوفی خادم را در تیمار بہیمہ او

صوفیے مے گشت در دور افق	تا شبے در خانقاہے شد قنق
یک بہیمہ داشت در آخر بہ بست	او بصدر صفہ با یاران نشست
پس مراقب گشت با یاران خویش	دفترے باشد حضور یار پیش

ایک صوفی سیاحی کرتے پھرتے تھے ایک رات خانقاہ مین مہمان ہوئے اُن کے پاس ایک جانور (گدھا) تھا اسکو تو آخور پر باندھ دیا اور خود یاران جلسہ کے ساتھ مسند صدارت پر جلوہ افروز ہوگئے اور یاران جلسہ کے ساتھ مراقبہ مین مشغول ہوگئے اور ہونا بھی چاہیے تھا کیونکہ اغلب احوال مین حضور یار ہی ان کا دفتر ہوتا ہے اور وہ یار ہی کی تجلیات کا مشاہدہ و مطالعہ کیا کرتے ہین اور بعض نسخون مین بجائے بیش کے پیش ہے۔ یعنی حضور یار کا دفتر کے سامنے رہتا ہے۔

شرح شبیری

ایک صوفی کا خادم خانقاہ کو اپنے جانور کی حفاظت کے لیے نصیحت کرنا

صوفی الخ۔ یعنی ایک صوفی سیر و سیاحت کرتا پھرا کرتا تھا یہان تک کہ ایک رات کو ایک خانقاہ مین مہمان

ہوگیا (فتح لفظ ترکی یعنی مہمان)

پاک بہیمہ الخ - یعنی اُس کے پاس ایک جانور تھا اُس کو آخور مین باندھ دیا اور خود یارون کی جماعت مین صدر پر جاکر بیٹھ گیا (صدر صفۂ یاران سے مراد یہ کہ اُن لوگون نے جو کوئی جگہ بنا رکھی ہوگی وہان آپنے تشریف رکھی)

پس مراقب الخ - یعنی پس وہ جاکر مراقب ہوکر بیٹھ گیا اور حضور یار تو ایک بہت بڑا دفتر ہوتا ہے مطلب یہ کہ وہان صدر پر جاکر یہ صوفی مراقب ہوکر بیٹھ گیا اب آگے مصرعہ ثانی مین انتقال فرماتے ہین اِس حکایت سے مضمون کیطرف یعنی وہ تو مراقب ہوگیا اور حضور یار کا دفتر تو بہت ہی بڑا ہے اُس کے مطالعہ کے لیے بہت زیادہ مدت کی ضرورت ہے چونکہ مولانا کے دل مین تو ایک ہی چیز بس رہی ہے پس جہان انکو ذرا سی بات ملی فوراً اُسکی طرف چل دیتے ہین سے گلستان مین جاکر ہر گل کو دیکھا + تیری ہی سی رنگت تیری ہی سی بو ہے + پس اسی بنا پر اُس حکایت کو چھوڑ کر مشاہدہ جمال باری کی طرف متوجہ ہوگئے اور اُسکو بیان کرنے لگے کہ جمال یار کے مطالعہ کا دفتر تو ایک بے نہایت اور بے پایان دفتر ہے اُس کے مشاہدہ کے لیے بھی ایک مدت درکار ہے آگے اِس دفتر کی تعیین فرماتے ہین کہ -

شرح حبیبی

دفتر صوفی سواد و حرف نیست — جز دل اسپید ہمچون برف نیست
زاد دانشمند آثار قلم — زاد صوفی چیست انوار قدم

اور وہ دفتر غلبۂ احوال مین اُن کے پیش نظر کیون نہ ہو - اِس لیے کہ صوفیون کا دفتر سیاہی اور حرف کا ہوتا نہین کہ یہ اسمین مصروف رہین اِنکا دفتر تو صرف قلب روشن ہے جو برف کی طرح سفید ہو اہل علم کا سرمایہ تو حروف و نقوش ہوتے ہین جو آثار قلم ہین اور صوفی کا سرمایہ ذات قدیمہ کے انوار اور اُسکی تجلیات ہوتی ہین اور جاننا چاہیے کہ سواد اور سفید کے تقابل مین ایک لطیف اشارہ ہے - دفتر ثانی کی فوقیت پر بہ نسبت اول کے اور آثار قلم اور انوار قدم مین تو گویا کہ تصریح ہے فوقیت کی - اور یہ بھی ملحوظ رہنا چاہیے کہ سالک پر اولاً افعال حق سبحانہ کا ظہور ہوتا ہے اُسکو تجلی افعال کہتے ہین پھر صفات کا اِسکو تجلی صفات کہتے ہین اُس کے بعد ذات بحت کا اُسکو تجلی ذات کہتے ہین انوار قدم سے مراد تجلیات افعال ہین جیسا کہ اشعار آئندہ سے ظاہر ہوگا نیز یہ بات بھی سمجھ لینی چاہیے کہ او حضور یار کو دفتر کہا تھا اور یہان قلب روشن کو اِسکی وجہ یہ ہے کہ دفتر سے مراد ما ینظر فیہ و یلتفت الیہ ہے چونکہ قلب بالتبع مظہر ہوتا ہے اور تجلیات بالذات لہذا دونون کو دفتر سے تعبیر کرنا درست ہے)

ہمچو صیادے سوے اشکار شد — گام آہو دید و بر آثار شد
چندگاہش گام آہو درخورست — بعد ازان خود ناف آہو رہبرست

اِس صوفی سالک کی مثال بالکل ایسی ہے جیسے ایک شکاری شکار کو گیا راستے مین اُس نے ہرن کے نقش قدم دیکھے اور وہ اُنہی پر پڑ لیا - پس اِس شکاری کو کچھ دیر تو ہرن کی کھری کے نشانات کی ضرورت پڑتی ہے اُس کے بعد جب ہرن قریب رہ جاتا ہے تو خود اُسکی ناف کی خوشبو اُس کے لیے رہبر ہو جاتی ہے اور وہ خوشبو کے ذریعہ سے ہرن تک پہنچ جاتا ہے - یون ہی صوفی سالک کے لیے ابتداء تجلیات افعال کی ضرورت

ہوتی ہے جب سالک تجلیات افعال کا مشاہدہ کرتا ہے تو فرط شوق قطع منازل الی المطلوب الحقیقی میں مصروف ہوتا ہے اور ما شاء اللہ قطع منازل کرتا رہتا ہے اُس کے بعد ادھر سے جذب ہوتا ہے اور تجلی صفاتی ہوتی ہے اُس کے بعد تجلی ذاتی ہوتی ہے۔ وهو المطلوب۔ پس جاننا چاہیے کہ وصول الی المطلوب کا مدار جذب حق پر ہے اگر اُدھر سے جذب نہ ہو تو محض سلوک موصل الی المطلوب نہیں اسی لیے کسی بزرگ نے فرمایا ہے جذبۃ ربانیۃ خیر من عبادۃ الثقلین۔ کیوں نہ ہو سلوک کا منشا محبیت ہے اور جذب کا محبوبیت۔ وبین المحبیۃ والمحبوبیۃ مهامه لا تطوی۔ سلوک اور جذب میں ایک فرق عظیم الشان یہ ہے کہ سالک کے لیے نفس الامر میں ہر وقت ضلال کا اندیشہ اور خطرہ ہے کیونکہ اسکا مدار اپنی سعی پر ہے اور تخلف سعی باقتضاے نفس یا باغواے شیطان کچھ مستبعد نہیں برخلاف مجذوب من الحق کے کہ اس کے لیے نفس الامر میں خطرہ نہیں من یهدہ اللہ فلا مضل لہ لیکن خود اسکو مطمئن نہ ہونا چاہیے لان الایمان بین الخوف والرجاء۔ ولان الضلال بعد الجذب ممکن فی نفسہ مقدور للہ عزوجل ابلیس کے باوجود ریاضات شاقہ و مجاہدات طویل گمراہ ہوجانیکا سبب یہ ہی بیان کیا جاتا ہے کہ سالک محض تھا جذبۂ ربانیہ اس سے متعلق نہ ہوا تھا جذب اور سلوک کے فرق کو ایک بزرگ نے نہایت سلیس عنوان سے سمجھایا ہے افادۃً للناظرین لکھا جاتا ہے۔ کوئی بادشاہ قصر شاہی کے دریچہ سے سیر کر رہا تھا اتفاقاً اُسکی نظر ایک بزرگ پر پڑی تو انکو آواز دی کہ شاہ صاحب ہم کمند ڈالے دیتے ہیں اسپر کو آپ تشریف لے آئیے ایک بات دریافت کرنی ہے وہ کمند کے ذریعہ سے چڑھ گئے تو بادشاہ نے دریافت کیا کہ حضرت آپ خدا تک کیسے پہنچے ان بزرگ نے جواب دیا کہ اسیطرح جس طرح تمہارے پاس پہنچا۔ اگر میں چاہتا کہ تم تک پہنچوں تو سر ٹپک مارتا۔ مگر نہیں پہنچ سکتا تھا۔ تم نے چاہا تو ایک لمحہ میں تمہارے پاس پہنچا ہوا ہوں پس اگر میں وصول الی الحق کی سعی کرتا اور اُدھر سے جذب نہ ہوتا تو وصول ناممکن تھا لیکن جب ادھر سے جذب ہوا تو نا محدود مسافت دم بھر میں قطع ہوگئی آگے مضمون ماقبل کا تتمہ ہے۔

چونکہ شکرِ گام کرد و رہ برید		لاجرم زان گام در کامے رسید	
رفتن یک منزلے بر بوے ناف		بہتر از صد منزل گام و طواف	

یعنی چونکہ اس شکاری نے نقش سم آہو کا شکر کیا اور اسکی قدر کی۔ یعنی اسکی مقتضی پر کاربند ہو کر طلب آہو پر کمربستہ ہوا تو اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ اس نقش کی بدولت مقصد اصلی تک پہنچ گیا اور آہو کا شکار کر لیا اگر ایسا نہ کرتا تو محرومی لابدی تھی یوں ہی سالک کا فرض ہے کہ ان انوار قدم اور تجلیات افعال کی نہایت قدر کرے اور ان کو نعمتِ عظمیٰ اور موہبت کبریٰ سمجھے۔ اور قطع منازل الی المطلوب میں جہد بلیغ کرے تاکہ اول وہ بوے ناف اور تجلی صفات تک پہنچے اور وہاں سے بجذب مطلوب محبوب تک پہنچ جائے۔ یاد رکھو کہ نقشِ آہو اور تجلیات افعال فی نفسہٖ ایک موہبت کبریٰ ہے۔ مگر ان کو بوے ناف اور تجلیات صفات سے کوئی نسبت نہیں۔ کیونکہ نقش آہو اور تجلیات افعال کی بعد اپنی سعی کی ضرورت ہے اور بوے ناف و تجلیات صفات کے بعد ادھر سے جذب ہوتا ہے اور سعی اور جذب میں جو فرق ہے۔ ظاہر ہے۔ اس لیے بوے ناف پر ایک منزل چلنا نقش پر سو منزل چلنے سے کہیں بہتر ہے کیونکہ اول تو نقش پر چلنے میں ملغ سعی پیش آنے کا اندیشہ ہے برخلاف بوے ناف پر جانے کے دوسرے جبکہ نقش پر چل رہا ہے

تو طالب ہے اور جب کہ بوسے نان پر جا رہا ہے تو مطلوب - واین الطالب من المطلوب سہ سیر زاہد ہر مہے تا بپیشگاہ + سیر عارف ہر دمے تا تخت شاہ +

آن دمے کو مطلع مہتابہاست	بہر عارف فتحت ابوابہاست

سالک اور مجذوب مین یہ فرق ہے کہ سالک جب تک سالک رہتا ہے ہر مہینہ فناء قصر شاہی ہی مین رہتا ہے اور مجذوب من الحق ہر لحظہ اور ہر آن تخت شاہی تک پہونچتا ہے۔ پہلے فرمایا تھا کہ دفتر صوفی دل سفید ہمچو برف ہے اب اسکی طرف رجوع فرماتے ہین اور کہتے ہین جو دل انوار حق سبحانہ کی محلیت کے باعث ہزار دن ماہتابون کا مطلع بن چکا ہے۔ عارف کے لیے فتح ابواب جنان معارف کا سبب ہے۔ اور اسمین نظر کرنے سے اسکو وہ معارف حاصل ہوتے ہین جنکی نسبت کہنا مناسب ہے۔ لاعین رأت ولا اذن سمعت - ولا خطر علی قلب بشر

با تو دیوارست و با ایشان درست	با تو سنگ و با عزیزان گوہرست
آنچہ تو در آئینہ بینی عیان	پیر اندر خشت بیند بیش ازان
پیر ایشانند کاین عالم نبود	جان ایشان بود در دریاے جود
پیش ازین تن عمرہا بگذاشتند	پیشتر از کشت بر برداشتند
پیشتر از نقش جان پذرفتہ اند	پیشتر از بحر درہا سفتہ اند

اے عامی محجوب وہ دل تیرے لیے مثل دیوار کے ہے اور جس طرح دیوار مانع دخول اور رائی و مرئی کے درمیان حائل ہوتی ہے۔ یون ہی تو اسکو حائل بین الرائی والمرئی و مانع من دخول معارف وانوار حق سمجھتا ہے اسی لیے تو ایسے لوگون کی وقعت و قدر نہین کرتا۔ بلکہ انکی تحقیر کرتا ہے اور ہمارے مہربان اہل اللہ کے لیے وہ مثل دروازہ کے ہے جس طرح دروازہ محل دخول و ذریعہ ابصار ہوتا ہے یون ہی وہ قلب محل دخول معارف الٰہیہ اور ذریعہ رویت انوار حق ہے انکی تو یہ حالت ہے کہ جن اشیاء کا تو آئینہ عالم مین بعد اس کے طیاری اور تحقق بالفعل کے معائنہ کرتا ہے وہ انکو اسمین اسوقت بھی دیکھتے تھے - جبکہ وہ صیقل ہو کر مکمل بھی نہ ہوا تھا۔ اور مرتبہ استعداد ہی مین تھا یعنی جن حقائق کا تو بعد تکون عالم اسمین ادراک واحساس کرتا ہے وہ لوگ ان کا ادراک اسمین اس کے تکون سے پہلے کرتے تھے (اور یہ امر کچھ مستبعد نہین کیونکہ عالم ارواح مین ارواح کا نفس ادراک تو نفس سے ثابت ہے پس اگر یہی تفاوت جو بعد تعلق بدن ارواح مین مشاہدہ و معائن ہے قبل از تعلق بالجسد بھی ہو تو کیا بعید ہے جب یہ مسلم ہو چکا تو جس طرح وہ اب ان حقائق کا ادراک کرتے ہین جو تکونی الحال مدرک نہین - بلکہ ممکن ہے کہ دوسرے وقت مدرک ہون یون ہی اگر اسوقت مین بھی وہ ان اشیاء کا ادراک کرتی ہون جو تمکو اسوقت مدرک نہ تھین - بلکہ ممکن الادراک تھین - اور جنکا ادراک تم کو بعد تعلق بدن ہوا ہے تو کچھ تعجب کی بات نہین) اور یہ پیر تو وہ لوگ ہین کہ جب یہ عالم موجود اور متحقق بالفعل نہ تھا اس وقت بھی انکی روح حق سبحانہ کے دریائے جود مین غرق تھی۔ اور معارف الٰہیہ وکونیہ کے موتی رول رہی تھی انھون نے تعلق بالاجساد سے پیشتر ایک زمانہ دراز گذارا ہے جسمین وہ معارف الٰہیہ وکونیہ سے متمتع رہے ہین - حالانکہ اسوقت تک انھون نے کوئی عمل نہین کیا تھا بلکہ جو کچھ انھون نے حاصل کیا وہ محض عنایت و فضل ایزدی تھا اسی بناء پر یہ کہنا ٹھیک ہے کہ انھون نے کھیتی سے

پہلے ہی حاصل کرلیا ان حضرات کو اجسام کے تعلق سے پہلے حیوۃ (روحانی) حاصل ہو چکی ہے حالانکہ عام طور پر حیات (جسمانی) جسم کے بعد حاصل ہوتی ہے اور یہ لوگ بحر عالم اجسام کے تحقق بالفعل سے ہی پیشتر اس کے موتی پرو چکے اور کام مین لا چکے ہین یعنی اُس کے حقائق واسرار سے آگاہی حاصل کر چکے ہین اگلے اشعار مین بھی اسی مضمون کا تتمہ ہے -

مشورت کردن خدای تعالی با فرشتگان در ایجاد خلق

مشورت مے رفت در ایجاد خلق　　جان شان در بحر قدرت تا بحلق
چون ملائک مانع آن مے شدند　　بر ملائک خفیہ خنبک می زدند
مطلع بر نقش ہر کہ ہست شد　　پیش ازان کین کل پابست شد
پیشتر ز افلاک کیوان دیدہ اند　　پیشتر از دانہا نان دیدہ اند
بے دماغ و دل پر از فکرت بدند　　بے سپاہ جنگ بر نصرت زدند
آن عیان نسبت بایشان فکرت ست　　ورنہ خود نسبت بدوران رویت ست
فکرت از ماضی و مستقبل بود　　چون ازین دو رست مشکل حل بود
دیدہ چون بے کیف ہر با کیف را　　دیدہ پیش از کان صحیح و زیف را
پیشتر از خلقت انگورہا　　خوردہ میہا و نمودہ شورہا
در تموز گرم مے بینند دے　　در شعاع شمس مے بینند فے
در دل انگور مے را دیدہ اند　　در فنائے محض شے را دیدہ اند
آسمان در دور ایشان جرعہ نوش　　آفتاب از جود شان زربفت پوش

یعنی جس وقت حق سبحانہ باقتضائے مصلحت باوجود علم کامل کے فرشتون سے تخلیق آدم کے بارہ مین انکی رائے دریافت کر رہے تھے یہ لوگ اسوقت بھی بحر قدرت الٰہی مین ڈوبے ہوئے عجائبات قدرت کا مشاہدہ کرتے تھے اور جب فرشتے بوجہ مصالح تخلیق پر مطلع نہ ہوتے اور مفاسد سے آگاہ ہونے کے اپنی رائے تخلیق آدم کے خلاف ظاہر کر رہے تھے تو اسوقت یہ لوگ علم مصالح کی بنا پر فرشتون کے اس فعل پر دوستانہ اور بعنوان بے تکلفی تالیان بجا رہے تھے اور ہنس رہے تھے (یعنی اُن کی اس ناواقفیت اور غلط رائے پر تعجب کر رہے تھے اور خنبک می زدند عنوان تعبیر ہے - معنی حقیقی مقصود نہین سو اس تعبیر مین جو ایہام گستاخی اور اہانت کا تھا اُسکو ہمنے ترجمہ سے دفع کر دیا فتامل) جو چیز ہست ہوئی یعنی جس کے لیے ہستی اور وجود مقدر ہو چکا ہے اسکی ہستی اور تعلق بالجسد سے پہلے اس سے واقف تھے (یاد رکھنا چاہیے کہ ان عنوانات سے انکا علم محیط مقصود نہین ہوتا بلکہ تکثیر منظور ہوتی ہے ورنہ ادلہ شرعیہ کے معارض ہو جائینگے -) اُنھون نے وجود افلاک سے پہلے کیوان یعنی زحل کو اور دانون سے پہلے روٹی کو دیکھ لیا تھا حالانکہ تعلق بالجسد سے پیشتر نہ انکے لیے دل تھا نہ دماغ جو کہ آلات ادراک ہین لیکن وہ اسوقت بھی اشیاء کو سوچ رہے تھے اور حالانکہ ان کے پاس نہ شیطان سے لڑنے کے لیے فوج تھی

اور نہ شیطان سے لڑائی تھی مگر وہ اس وقت بھی منصور و مظفر تھے اور شیطان کی کوئی ہستی نہ تھی تھے ان کے لیے
ان عبادی لیس لک علیہم سلطان کا خلعت تیار ہو چکا تھا (اس میں بیان ہے انکی کمال قوت علمیہ کا) جو کچھ حقائق ومعارف انپر اسوقت منکشف تھے۔ ان کو انکے لحاظ سے فکرت کہنا مناسب ہے لیکن محجوبین کے لحاظ سے اسکو رویت کہنا مناسب ہے۔ اس لیے کہ فکرت امر ماضی و مستقبل کی بابت ہوتی ہے اور جب کوئی شے ماضی و مستقبل سے دور اور معائن و مشاہد ہو تو فکرت کیسی۔ پس چونکہ وہ علم واقعات آیندہ کا تھا اس لیے ان کے لحاظ سے فکرت تھا۔ رہے محجوبین انکے لحاظ سے رویت تھا کیونکہ ان کو ویسا علم بعد وجود بھی حاصل نہیں۔ وہ لوگ بے کیف اور مجردات کو بھی اسیطرح دیکھتے تھے جس طرح باکیف اور مادیات کو۔ اور کان کا وجود بھی نہ تھا مگر وہ کھری کھوٹی معدنیات کو دیکھ رہے تھے۔ انگوروں کی خلقت سے پہلے شرابیں پی چکے تھے اور شور مچا رہے تھے (یعنی تکلیف سے پیشتر شراب محبت الٰہی سے مست اور مخمور ہو چکے تھے) صرف یہ ہی نہیں انکے وجود یا ان کے مادہ اور ظرف سے پہلے ہی انکا مشاہدہ کر رہے تھے بلکہ ان کے ضد کے وجود کی حالت میں بھی انکو دیکھتے تھے۔ چنانچہ ماہ تموز میں جو گرمیوں کا مہینہ ہوتا ہے جاڑے کے مہینے دے کو دیکھتے تھے اور دھوپ میں سایہ کا معائنہ کر رہے تھے۔ حالانکہ انگور میں بالفعل شیرہ ہوتا ہے مگر وہ اسمیں شراب دیکھ رہے تھے اور عدم سابق میں وجود کا مشاہدہ کر رہے تھے یہانتک ان کے کمال علمی و عملی کا بیان ختم ہو گیا۔ آگے انکا فیض بیان فرماتے ہیں آسمان کو انہی کے دور ساغر میں سے ایک گھونٹ ملا ہے کہ چکر میں ہے (یعنی اسکا وجود اور اسکا چکر انہیں کی بدولت ہے اور دور ایشان۔ اور جرعہ نوش۔ بمناسبت دور فلک استعمال کئے گئے ہیں) اور آفتاب کو یہ جگ مگ کرتا ہوا خلعت زربفت یعنی چمک دمک انہیں کی سخاوت کا نتیجہ ہے (یعنی وہ ہی اس کے سبب ہیں لہذا گویا انہیں کا دیا ہوا ہے۔) شرح ابیات آیندہ کے لیے کچھ تمہید اولاً ضروری معلوم ہوتی ہے کیونکہ وہ مدار ہے حل ابیات کا سو جاننا چاہیے کہ مولانا کو ارواح اولیاء کے متعلق چار باتیں بیان کرنی ہیں اول کمال قوت علمیہ و عملیہ دوم انکا باعث و سبب ایجاد عالم ہونا سوم انکا متحد الحقیقت ہونا چہارم انکا متحد فی الصفة ہونا۔ انمیں سے اول و چہارم ان کے ساتھ مخصوص ہیں اور دوم و سوم غیر مخصوص دو کو اوپر بیان کر چکے اور دو کا بیان کرنا باقی ہے۔ ان کا بیان ابیات آیندہ میں کرتے ہیں۔ انکے بیان سے قبل ایک تمہید کی ضرورت ہے سو جاننا چاہیے کہ لفظ حقیقت کے بارہ میں اہل تصوف کی اصطلاح اہل معقول سے جداگانہ ہے انکی اصطلاح میں حقیقت ظاہر کو کہتے ہیں اور صورت و مرآة مظہر کو۔ مثلاً آئینہ میں کوئی شخص اپنی صورت دیکھتا ہے تو وہ شخص خود ظاہر اور حقیقت کہلائیگا اور آئینہ صورت و مظہر و مرآة وغیرہ۔ جب یہ تمہید معلوم ہو چکی تو اب سنو کہ عالم کے اندر جس قدر چیزیں ہیں وہ انواع و اشخاص میں منقسم ہیں اور ہر نوع کے لیے کچھ آثار مختصہ ہوتے ہیں جو دوسرے نوع میں نہیں ہوتے مثلاً پانی کی خاصیات جدا ہیں اور آگ کی الگ مٹی کی الگ۔ ہوا کی الگ علےٰ ہذا القیاس اور ان آثار مختصہ کا ایک مصدر اور منشا ہوتا ہے فلاسفہ اسکو صورت نوعیہ کہتے ہیں اور صوفیہ اسکو روح کہتے ہیں پس ہر نوع کی روح کے اشخاص اس نوع کے افراد و اشخاص سے متعلق ہو کر ان کے آثار مختصہ کا مصدر ہوتے ہیں مثلاً جمادات کے لیے ایک نوع روح ہے جسکا اثر حفظ ترکیب ہے تو اس نوع روح کے

افراد اشخاص جمادات سے وابستہ ہوکر انکی ترکیب خاصہ کی حفاظت کرین گے۔ علیٰ ہذا نباتات کے لیے ایک نوع روح ہے جسکا اثر تغذیہ و تنمیہ اُس کے افراد۔ اشخاص نباتات سے متعلق ہوکر مفید تغذیہ و تنمیہ مخصوص ہونگے یون ہی حیوانات کے لیے ایک نوع روح ہے جسکا کام ہے۔ تولید مثل و احساس و ادراک الی حد معین اِسکے افراد افراد حیوانات سے متعلق ہوکر ان کامون کو سرانجام دین گے۔ علیٰ ہذا القیاس انسان کے لیے ایک نوع روح ہے جسکا ثمرہ ہے ادراک حقائق کونیہ و معارف و اسرار الٰہیہ وغیرہ۔ اِس کے اشخاص خاصہ اشخاص و افراد انسانی سے متعلق ہوکر اُس کام کو انجام دین گے یہ بھی معلوم ہوچکا تو اب جاننا چاہیے کہ ان تمام ارواح کے علاوہ ایک روح اور ہے جسکو روح اعظم اور نفس کلی کہتے ہین وہی روح صادر اول ہے حق سبحانہ سے اور مربی ہے اِن تمام ارواح جزئیہ کی۔ اور ارواح جزئیہ اسی کے فیض سے مستفیض اور اسی کے محکوم و تابع ہین۔ لیکن یہ تربیت اضطراری ہے نہ کہ اختیاری بلکہ ایسی ہے جیسے تربیت شمس للاشجار و الاثمار۔ اور تربیت ماء للاشجار۔ اِس لیے اِسکے لیے علم باحوال المربیات و اشجار و تفاصیل تربیت ضرور نہین چونکہ ارواح جزئیہ اُس کے آثار کا مظہر ہین۔ اور روح اعظم اپنے آثار کے لحاظ سے انہین ظاہر۔ اس لیے روح اعظم کو ارواح جزئیہ کی حقیقت اور ارواح جزئیہ کو اِسکے مظاہر اور مرایا کہا جاتا ہے اور ارواح جزئیہ انسانیہ کو بوجہ روح اعظم کے مظہر اتم ہونے کے ارواح زجاجیہ۔ اور روح اعظم کو بظہورہ فی الارواح الانسانیہ الی الوجہ الاکمل روح سراجی کہتے ہین چونکہ اوپر معلوم ہوچکا ہے کہ انکی اصطلاح مین ظاہر فی المظاہر کو انکی حقیقت کہتے ہین اور یہ بھی معلوم ہوچکا کہ روح اعظم تمام ارواح مین اپنے آثار کے لحاظ سے ظاہر ہے اور ارواح جزئیہ عالم اِس کے مظاہر مختلفہ۔ تو یہ کہنا صحیح ہے کہ تمام عالم کی حقیقت ایک ہے اور انہین مین ارواح اہل اللہ بھی ہین۔ لہٰذا ارواح اہل اللہ کا متحد فی الحقیقت ہونا ثابت ہوگیا۔ اہل اللہ کے متحد فی الحقیقۃ ہونے کی ایک دوسری توجیہ بھی ہے جو اِس مقام کے مناسب نہین کیونکہ ابیات آیندہ مین اُسکو خال سے تعبیر کرنا اِس سے آبی ہے۔ وہ توجیہ یہ ہے کہ حق سبحانہ کو حقیقت ارواح بمعنی ظاہر فیہا مانا جائے اور باقی تقریر وہی ہے جو اوپر مذکور ہوئی۔ جب کہ یہ معلوم ہوگیا کہ حقیقت ارواح روح اعظم ہے تو اب یہ بتلا دینا بھی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ وہ روح اعظم کیا ہے۔ غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ روح جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے کیونکہ صوفیہ کرام روح اعظم کو صادر اول اور مظہر اکمل و اتم حق سبحانہ کا مانتے ہین اور یہ دونون باتین کسی اور شی مین پائی نہین جاتین کیونکہ حدیث شریف مین آیا ہے۔ اول ما خلق اللہ نوری۔ اور جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا مظہر اتم و اکمل ہونا خود مسلمات مین سے ہے لہٰذا ضرور ہے کہ دونون کا مصداق ایک ہو۔ اور یہی منشاء ہے۔ ہمارے زمانہ کے مدعیان تصوف کی ضلال و اضلال کا۔ کیونکہ جب انھون نے روح اعظم کو مربی ارواح عالم جانا تو اول غلطی یہ کی کہ جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو رب العالمین کہنا شروع کر دیا اور نحو تربیت سے واقف نہ ہوئے۔ اگر اسی نوع کی تربیت کی بنا پر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو رب العالمین کہنا جائز ہو تو آفتاب کو رب الاثمار وغیرہ اور پانی کو رب النبات وغیرہ کہنا بھی جائز ہوگا۔ اِس بنا پر تمام عالم ارباب سے پر ہو جاویگا ارباب متفرقون خیر ام اللہ الواحد القہار۔ اور یہ فرق کہ پانی وغیرہ تو بہ تربیت روح آن جناب سرور کائنات علیہ التحیات والصلوات مربی ہین نہ بالذات اِس لیے ان کو ارباب کہنا جائز نہین تو ہم کہین گے کہ روح

آنحضرت تربیت رب العالمین جل مجدہٗ مربی ہے نہ بالذات۔ اِس لیے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو بھی رب العالمین کہنا درست نہین۔ اور دوسری غلطی یہ کی کہ تربیت کو اختیاری سمجھکر آپ کے لیے علم محیط ثابت کیا اور یہ بناء فاسد علی الفاسد ہے۔ کما اوضحناہ فیما سلف۔ ہان یہ تربیت فی نفسہ ایک نعمتِ عظمیٰ و موہبت کبرٰے اور منقبت علیا مختصہ آن جناب ہے جسمین کوئی ممکن آپ کا شریک نہین۔ والحمد للہ علے ذٰلک اِس مقام پر ایک اور غلطی یہ کرتے ہین کہ روح اعظم حقیقت محمدیہ کو سمجھتے ہین حالانکہ ہر دو جدا گانہ ہین روح اعظم وہ روح ہے جسکا تعلق بلا واسطہ جسد اطہر سرورِ کائنات علیہ افضل الصلوات سے ہے اور مخلوق و ممکن ہے۔ اور حقیقت محمدیہ مرتبہ ثانیہ ہے مراتب وجوب مین سے یعنی صفات کا مرتبہ اجمالی جسکو مرتبہ علم بھی کہتے ہین وہ واجب ہے دکہ ممکن و مخلوق چونکہ یہ مرتبہ مربی ہے روح آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا اِس لیے اِس کو حقیقت محمدیہ کہا جاتا ہے۔ ان تمام غلطیون کا منشاء علوم شرعیہ و اصطلاحات صوفیہ سے ناواقفیت ہے یہ تو اہل اللہ کے متحد الحقیقۃ ہونے کی تفصیل تھی اب ان کے متحد فی الصفۃ ہونے کا بیان سُنو وہ صفت جسمین سب متحد ہین وہ صفت اہتدا اور اپنے کو مرضیات حق سبحانہ کے تابع کر دینا مقتضیات نفس پر خاک ڈالنا۔ تقرب الی اللہ مین ساعی ہوتا ہے۔ چونکہ تفارق و تصادم تخالف و تناقض پیدا ہوتا ہے۔ تزاحم اغراض سے جو کہ اہل اللہ مین مفقود ہے اِس لیے وہ سب متحد و متفق ہین۔ اور جن لوگون پر بہیمیت اور سبعیت کا غلبہ ہے ان کے اغراض مین تخالف ہے۔ لہذا ان مین تشتت۔ و تفرق۔ تباغض۔ و تحاسد۔ تمزق۔ و تنازع موجود ہے اور اتحاد و اتفاق مفقود۔ جب یہ تمہید گوش گذار ہو چکی تو اب حل کتاب سُنو۔

چون ازیشان مجتمع بینی دو یار	ہم یکے باشند ہم سی صد ہزار
بر مثال موجہا اعداد شان	در عدد آوردہ باشد بادشان
مفترق شد آفتاب جانہا	در درون روزن ابدانہا
چون نظر بر قرص داری خود یکیست	آن کہ شد محجوب ابدان در شکیست

یعنی جب انمین سے چند شخصون کو باہم دیکھو تو سمجھ لو کہ وہ سب ایک بھی ہین اور متعدد بھی ایک تو حقیقت اور ظاہر کے لحاظ سے ہین اور متعدد تشخصات اور صور کے ذریعہ سے انکی مثال قریب قریب ایسی ہے جیسے کہ ایک دریا ہو جسکو طوفان باد نے متلاطم کر رکھا ہو اور اِس وجہ سے اِس کے اندر سیکڑون موجین پیدا ہو گئی ہون۔ بس جس طرح یہ موجین اپنی حقیقت کے لحاظ سے ایک ہین۔ کیونکہ سب کی حقیقت پانی ہے۔ اور تشخصات و تشکلات کے ذریعہ سے جدا۔ یون ہی ان اہل اللہ کو سمجھو۔ (مگر انمین اور موجون مین اتنا فرق ہے کہ پانی موجون کے لیے جس طرح حقیقت باصطلاح صوفیہ ہے۔ یون ہی باصطلاح اہل معقول ہے لیکن روح اعظم اہل اللہ کے لیے باصطلاح صوفیہ حقیقت ہے نہ باصطلاح ارباب معقول) ان کے اتحاد حقیقت کی تفصیل یہ ہے کہ انکی ارواح مین آفتاب (روح اعظم) ان کے ابدان مختلفہ سے جو بمنزلہ سوراخون کے ہین جلوہ گر ہو کر متعدد محسوس ہوتا ہے اور حقیقت مین ایک ہے جیسے کہ آفتاب ظاہری مختلف سوراخون مین جلوہ گر ہو کر متعدد محسوس ہوتا ہے اور جب ذات شمس پر نظر کرو تو ایک ہی ہے اسی طرح جو حقیقت مین تو باور کر سکتا ہے۔ مگر جن لوگون کو تعداد ابدان نے حقیقت مینی سے روک دیا ہے وہ تو شک ہی مین رہین گے

اور کہیں کہ بھلا یہ اشخاص سب جنکے تشخصات جدا تشکلات علیحدہ ۔ افعال و مقتضیات ممتاز و احد کیونکر ہو سکتے ہیں

تفرقہ در روح حیوانی بود	نفس واحد روح انسانی بود
چونکہ حق رش علیہم نورہ	مفترق ہرگز نہ گردد نور او
روح انسانی کنفس واحدست	روح حیوانی سفال جامدست

جسطرح یہ لوگ متحد بحقیقۃ ہیں یوں ہی مقصد اور مطمح نظر بھی اِنکا ایک ہی ہے کیونکہ سب طالب حق اور اپنے کو مرضیات حق سبحانہ کے تابع کرنے والے اور مہتدین کامل ہیں اِس لیے اِنمیں تدافع و تمانع بھی نہیں ۔ کیونکہ تدافع اور تمانع تفرق ۔ اور تشعب خاصہ ہے سبعیت اور بہیمیت کا اور سبعیت اور بہیمیت خاصہ ہے روح حیوانی کا ۔ روح انسانی اِن صفات ذمیمہ سے مبرا ہے اِس بنا پر تفرقہ کا مدار روح حیوانی ہوئی ہے ۔ پس جن پر روح حیوانی کا غلبہ ہوگا انھیں میں تدافع اور تمانع حقیقی وہین ہو سکتا ہے اور جن پر روح انسانی غالب ہے وہ سب حقیقۃً متفق ہوں گے اِنمیں تشعب و تفرق حقیقی وہیں نہ ہوگا ۔ اہل اللہ میں تفرق و تشتت کیونکر ہو سکتا ہے جبکہ حق سبحانہ نے انپر اپنا نور چھڑکا ہے اور اُن کو اسکا کافی حصہ پہونچا ہے اور یہ لوگ اِس کے اثر سے متاثر ہو چکے ہیں ۔ اور جب کہ حق سبحانہ کا نور تاثیرات متضادہ اور متخالفہ نہیں رکھتا بلکہ صرف ایک صفت ہدایت رکھتا ہے (اسمیں اشارہ ہے ایک حدیث شریف کی طرف جسکا مضمون یہ ہے کہ حق سبحانہ نے ارواح کو جمع کرکے اِنپر اپنا نور چھڑکا ۔ من اصابہ فقد اہتدی ۔ ومن اخطأہ ضل) ہماری تقریر بالا سے یہ شبہ بھی دفع ہوگیا کہ رش نور اگر مقتضی ہے عدم اختلاف کو تو چاہیے کہ اہل حق میں اختلاف نہ ہو ۔ حالانکہ اختلاف مشاہد ہے کیونکہ اہل حق میں دو قسم کا اختلاف ہے ۔ ایک للہ ۔ دوسرا للنفس ۔ اول تو اختلاف حقیقی ہی نہیں بلکہ محض صوری ہے اِسکی نفی مقصود ہی نہیں دوسرا اختلاف اختلاف حقیقی ہے لیکن اِسکا منشا روح حیوانی ہے اب اگر وہ نسبت اتحاد کے بہت کم ہے تو نظر کرنے کے قابل ہے اور اگر زیادہ ہے تو اِسکا منشا غلبہ روح حیوانی اور روح انسانی کی کمزوری اور نور کا کم پہونچنا ہے ۔ پس رش نور تو عدم اختلاف ہی کو مقتضی ہے لیکن جس قدر پہنچے گا اُتنا ہی اتحاد پیدا کریگا ۔) پس ثابت ہوا کہ تمام ارواح انسانیہ گویا کہ ایک ہی ہیں اور یہ بھی ظاہر ہوگیا کہ روح حیوانی بالکل بے قدر و بے حقیقت مثل سفال جامد ہے ۔

عقل جزو از رمز این آگاہ نیست	واقف این سر بجز اللہ نیست
عقل را خود با چنین سودا چہ کار	کر مادر زاد با سرنا چہ کار

عقل ناقص اِس حقیقت کی واقفیت کے لیے کافی نہیں کیونکہ اسکو ایسی قوت عطا نہیں کی گئی ہے کہ وہ بطور خود اور اشیاء کی طرح اِس کا بھی ادراک کرے بلکہ اِس کے علم کو حق تعالےٰ نے اپنے لیے رکھا ہے پس اپنے خاص خاص بندوں کو اِس سے سرفراز فرماتے ہیں خود عقل کو اِس متاع بے بہا سے کیا واسطہ ۔ کہ اِسکو تو اِس کے ادراک کی قوت تفویض ہی نہیں کی گئی ۔ اِس بنا پر وہ حقیقت کی نسبت سے ایسی ہے جیسے پیدایشی بہرا ۔ شہنائی کے لحاظ سے ۔ اور پیدایشی بہرے کو شہنائی سے کیا کام ۔ تو اِسی طرح عقل کو بھی اِس حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ۔

یک زبان بگذار اے ہمرہ ملال ۔۔۔ تا بگویم وصف خالے زان جمال

در بیان ناید جمالِ خالِ او ۔۔۔ ہر دو عالم چیست عکس خال او

چونکہ من از خال خوبش دم زنم ۔۔۔ نطق مے خواہد کہ بشگافد تنم

ہمچو مورے اندرین خرمن خوشم ۔۔۔ تا فزون از خویش بارے میکشم

کے گذارد آنکہ رشک روشنی ست ۔۔۔ تا بگویم آنچہ فرض و گفتنی ست

بحر کف پیش آرد و سدے کند ۔۔۔ جر کند وز بعد جر مدے کند

اوپر روح اعظم کا تذکرہ کیا جو کہ جمال حق سبحانہ کے لیے بوجہ مظہر اتم ہونے کے بمنزلہ خال کے تھی۔ اِس کے ذکر سے مولانا کا ساغر لذت لبریز ہوتا ہے اور جوش مستی مین فرماتے ہین شعر ۵ زبان بہ بار خدایا یہ کس کا نام آیا + کہ میرے نطق نے بوسے میرے دہن کے لیے + اے رفیق تو ذرا اکتاتا نہین۔ مین جمال محبوب حقیقی کے خال اور مظہر روح اعظم کی کچھ صفت بیان کرون۔ بیان کے لیے الفاظ نہین ملتے تو پریشان ہو کر فرماتے ہین اُس کے اوصاف تو احاطہ بیان سے باہر ہین مین بیان کیونکر کرون مختصر اور ناکافی بیان یہ ہے کہ دونون عالم اِس خال کا عکس ہین۔ اور سب اِس کے فیض سے مستفیض اور اِسی کے باعث موجود ہین جب کہ مین اپنی استطاعت کے موافق اِس کے خال خوب کے اوصاف بیان کرنا چاہتا ہون تو میری گویائی راہ زبان کو ناکافی سمجھکر میرے جسم کو پھوڑ کر نکلنا چاہتی ہے گو مجھ مین اُس خال کے پورے اوصاف کے بیان کرنے کی قدرت نہین۔ مگر جس قدر ہے اتنی ہی سے خوش ہون کہ اپنی بساط سے زیادہ بوجھ اُٹھائے ہوے ہون۔ ورنہ مین تو اِس کے قابل بھی نہ تھا۔ پس میری مثال ایسی ہے جیسے ایک چیونٹی کہ خرمن مین سے ایک دانہ کھینچ لاتی ہو اور سمجھتی ہو کہ مین تمام خرمن کو نہ اُٹھا سکی مگر پھر بھی اپنی حیثیت سے زیادہ اُٹھا لائی اول تو مجھے اِس خال کے پورے طور پر اوصاف بیان کرنے پر قدرت ہی نہین مگر جس قدر بیان کر سکتا ہون اور کرنا چاہیے اُسکو بھی مفصل نہین بیان کر سکتا کیونکہ رشک روشنی (یعنی حق سبحانہ) کے خلاف مرضی ہونے کا خیال مانع ہے (حق سبحانہ کو رشک روشنی اور روح اعظم کو خال کہتے ہین ایک لطیف نکتہ ہے وہ یہ کہ وجود مشابہ ہے نور سے۔ لکونہما مقتضیین للظہور۔ اور عدم فنا مشابہ ہین ظلمت اور تاریکی سے لاقتضا ئہما الخفاء۔ پس حق سبحانہ جو وجود بحت ہین جن مین شائبہ عدم کبھی نہین اُنکو استعارۃً روشنی بلکہ رشک روشنی کہا۔ کہ عام روشنیون مین وہ ظہور اور اسکے لیے وہ وجود کہا۔ جو حق سبحانہ کے لیے ہے۔ اور روح اعظم کہ فی حد ذاتہ ممکن اور ہالک الذات ہے اُس کو فی ذاتہ تاریک اور سیاہ مانا۔ لیکن چونکہ صرف مظلم اور تاریک ہی نہ تھی بلکہ جمال رشک روشنی سے کافی طور پہ بہرہ اندوز اور اسکا مظہر اتم تھی اِس لیے اُس کو خال کہا کہ خال فی نفسہ سیاہ اور تاریک ہوتا ہے مگر حسن محبوب اِسکو زیور جمال سے متجلی اور نور حسن سے متجلی کر دیتا ہے) اِس لیے میری ایسی مثال ہے جیسے دریا بہتا ہو۔ اور خس و خاشاک کو کھینچکر اپنے سامنے روک قائم کر دے جو کہ اُس کو بہنے سے روک دے۔ پس جیسے وہ اول خس و خاشاک کو کھینچکر لاتا ہے اور پھر اُن کو اپنے سامنے پھیلاتا ہے اور وہ خس و خاشاک اِس کو روانی سے روک دیتے ہین یون ہی اولاً میری طبیعت کا دریا اظہار حقائق و اسرار کے لیے جوش مارتا ہے مگر پھر وہی ایک مانع کو پیدا

کر دیتا ہے جو کہ اسکو روانی سے روکدیتا ہے یعنی حق سبحانہ کی ناخوشی (کما ھو الظاھر من گذارد آنکہ رشک روشنی ست اور سامع کی طبیعت کا قصہ کی طرف مائل ہونا (کما ھو الظاہر من قولہ این زمان بشنو چہ مانع شد مگر الخ) ان دو باتونکا خیال پیدا ہوتا ہے اُس سے طبیعت رُک جاتی ہے۔

شرح شبیری دفتر صوفی الخ۔ یعنی فرماتے ہین کہ صوفی کا دفتر مثل علمار ظاہر کے سیاہی اور حروف نہین ہے تا بلکہ اُسکا دفتر تو بجز دل سفید مانند برف کے اور کچھ نہین ہے۔ یعنی صوفی تو اُس دفتر مین جسمین کہ حروف ہوتے ہین مطالعہ نہین کرتے بلکہ اُنکا دفتر اور ملتفت الیہ تو اُنکا دل ہے جو کہ انوار کی وجہ سے برف کی طرح سفید ہورہا ہے یہان یہ شبہ نہ کیا جاوے کہ اوپر تو کہا تھا کہ اُنکا ملتفت الیہ صرف حضور یار ہوتا ہے اور وہ اُسی طرف لگے رہتے ہین اور یہان کہتے ہین کہ اُنکا ملتفت الیہ سوائے قلب کے اور کچھ نہین ہوتا تو بظاہر ان دونون صورتون مین تعارض معلوم ہوتا ہے مگر تعارض نہین ہے اس لیے کہ حضور یار جب حاصل ہوگا اور جب یار کی طرف توجہ ہوگی وہ بواسطہ دل کے ہی ہوگی لہذا قلب ملتفت الیہ بالعرض ہوا اور حضور یار ملتفت الیہ بالذات ہوا تو معنی یہ ہوگئے کہ صوفی تو بواسطہ قلب کے حضور یار ہی مین مشغول الی اعلیٰ طرف ملتفت رہتے ہین آگے بھی اسی کو فرماتی ہین کہ زاد دانشمند الخ۔ یعنی دانشمند اور عالم ظاہر کا سرمایہ تو یہی قلم کے آثار ہین جو کہ وہ لکھتا ہے اور صوفی کا سرمایہ انوار قدیم ہین مطلب یہ کہ صوفی اور عارف کا التفات تو اُس ذات قدیم کے انوار کی طرف رہتا ہے اور علماء کا التفات اور اُنکی توجہ کتب وغیرہ مین رہتی ہے جیسا کہ ظاہر ہے اب یہان یہ بات قابل لحاظ ہے کہ انوار قدم سے مراد تجلیات افعالی ہین اس لیے کہ سالک کو اسی طرح معرفت حاصل ہوتی ہے کہ اول اُسکو تجلیات افعالی منکشف ہوتی ہین اُن کے دیکھنے کے بعد اُن کے ذریعہ سے ذات وصفات کی معرفت حاصل ہوجاتی ہے پس یہان انوار قدم سے مراد تجلیات قدیمہ نہین ہین اس لیے کہ افعال باری تعالےٰ تو سب حادث ہین صرف ذات و صفات قدیم ہین بلکہ معنی یہ ہین کہ ذات قدیم کے انوار اور سلوک کی یہی ترتیب ہے کہ اول سالک کو تجلیات افعالی کا ظہور ہوتا ہے پھر ان کے ذریعہ سے تجلیات ذاتی وصفاتی منکشف ہوتی ہین اور اسی ترتیب کو مولانا خود اگلے شعر مین فرماتے ہین کہ۔

ہمچو صیادے الخ۔ یعنی جیسے ایک شکاری کسی شکار کے پیچھے گیا اور (مثلاً) ہرن کے آثار دیکھکر اُنپر چلنا شروع کیا تھوڑی دیر تک تو یہ نشان قدم اُس کے کام آوین گے اُس کے بعد خود نافۂ ہرن اُس کا رہبر بن جاویگا مطلب یہ کہ صوفی کا سرمایہ انوار قدم کا ہونا اس طرح سمجھو کہ جیسے کوئی شکاری ہرن کے پیچھے گیا اور اسکے نشان قدم دیکھتا چلا گیا اور یہ نشان قدم اُس ہرن کے افعال ہین صفات یا ذات تو نہین مگر یہی نشان قدم اُس کی ذات کی بھی معرفت کرادین گے اور ایک وقت مین اُس تک لیجاکر کھڑا کرینگے اسیطرح اول سالک کو تجلیات افعالی کا ظہور ہوتا ہے اُس کے بعد اِنکی مدد سے ذات وصفات کی معرفت حاصل ہوجاتی ہے مگر یہ نشان قدم پر چلنا اُس کو تھوڑی ہی دور تک لائق ہے اُس کے لیے یہی مناسب ہے کہ کچھ دور تک تو ان آثار کو دیکھتا ہوا چلا جاوے اُس کے بعد تو اُس کے نافہ کی خوشبو خود اسکو اپنی طرف بلائیگی اور وہ خوشبو خود بتلادیگی کہ اے طالب وہ ذات جسکی تو تلاش مین ہے یہان موجود ہے یہان مولانا نے

فن ہکے ایک مسئلہ کی طرف اشارہ کردیا کہ سلوک بغیر جذب کے کافی نہین ہوتا تفصیل اسکی یہ ہے کہ جب سالک راہ طے کرتا ہے تو اول اسکو تجلیات ہوتی ہین اُس کے بعد باری تعالےٰ کی طرف جذب ہوتا ہے اور وہ اُسکو اپنی طرف کھینچتے ہین تب تو اُسکو وصول الی اللہ میسر ہوتا ہے پس جیسا کہ اِس ہرن کے نافہ کی خوشبو کچھ دیر بعد اُس طالب کو اپنے صاحب کے وجود پر مطلع کردیتی ہے اسیطرح یہ تجلیات افعالی ذات وصفات کی معرفت کے لیے آلہ اور سبب ہوجاتی ہین اور جب انسان عمل کرتا رہتا ہے تو اُس کو اکثر جذب ہوہی جاتا ہے ورنہ بغیر جذب کے تو واصل ہوہی نہین سکتا اسکی ایسی مثال ہے کہ جس طرح ایک بزرگ جارہے تھے اور سامنے ایک بادشاہ کسی غرفہ وغیرہ مین بیٹھے تھے ان کو دیکھنے کا بہت اشتیاق تھا جب دیکھا تو پکارا کہ حضرت بہت روز سے آپ سے ملنے کا اشتیاق تھا آج بعد مدت کے یہ دولت نصیب ہوئی ہے اب اگر دروازہ کی طرف کو آپ آوین گے تو بہت ہی چکر پڑیگا اس لیے کہ قلعہ وغیرہ تو بہت دور مین ہوتے ہین لہذا مین کمند ڈالتا ہون آپ اُسیر کو تشریف لے آوین غرضکہ اُس نے کمند ڈالی ادہر اسکو اُنھون نے پکڑ لیا بادشاہ نے اُن کو کھینچ لیا جب وہ آگئے تو اُس نے کہا کہ حضرت مجھے بہت روز سے اسمین اشکال ہے کہ آپ واصل الی الحق کس طرح ہوے اور خدا تک کس طرح پہونچے اُنھون نے بہت ہی عمدہ جواب دیا کہنے لگے کہ اِس طرح پہونچا جس طرح کہ تم تک پہونچا اس لیے کہ اگر مین آنا چاہتا تو نہین معلوم کس قدر موانع ہوتے کہین دربان روکتے کہین کچھ کہین کچھ اور جب آپ نے بُلانا چاہا تو فوراً کمند ڈالدی اور کھینچ لیا۔ پس اگر اُس طرف سے جذب نہ ہو تو پھر کوئی سالک بھی واصل نہین ہوسکتا اور یہی وجہ ہے کہ شیطان نے اِس قدر عبادت کی اور پھر بھی مردود ہوا اِس لیے کہ سالک محض تھا اور اُسکو جذب نہ ہوا تھا پس صرف سلوک کام نہ آیا اور دیکھو اگر اُس طرف سے جذب ہوچکا ہوتا تو وہ کیا یہ کہہ سکتا تھا کہ اسجد لمن خلقت طینا اُسکی تو حالت اگر جذب ہوجاتا تو یہ ہوتی کہ حکم ارشاد کو بجان ودل بجالاتا پھر اپنی ہستی کو ہستی نہ سمجھتا اور یہ نہ کہتا کہ خلقتنی من نار وخلقتہ من طین اور عادت اللہ یون جاری ہے کہ جو مجذوب ہوجاتا ہے اور جسکو اُس طرف سے جذب ہوجاتا ہے پھر وہ گمراہ نہین ہوتا۔ ہان خود اُس کو ہر وقت اور ہر گھڑی یہ خوف رہنا چاہیے کہ شاید مین مردود ہوجاؤن اور اِس جذب کی بابت حدیث مین آیا ہے وکذلک الایمان اذا خالط بشاشتہ القلوب۔ یعنی ایمان اور اعمال صالحہ قلب مین اُتر جاوین اور جاگیر پکڑ جاوین اور جب تک یہ نہین ہوتا اُسوقت تک وہ شخص واصل ہی نہین ہوا پس مقصود یہ ہوا کہ اول سالک کو تجلیات افعالی کا ظہور ہوتا ہے اُس کے بعد اُن کے واسطہ سے تجلیات ذاتی وصفاتی کی معرفت ہوتی ہے پھر اُس طرف سے جذب ہوتا ہے اُس وقت کامل اور واصل الی الحق ہوتا ہے آگے بھی یہی فرماتے ہین کہ۔

چون بشکر الخ۔ یعنی جب اُس نے اُس نشان قدم کی قدر کی اور اُسی کے ذریعہ سے راستہ طے کیا تو آخرکار اُس نشان قدم کے ذریعہ سے مقصد کو پہونچ گیا مطلب یہ کہ جب اُن تجلیات افعالی کے ظہور کے وقت یہ راستہ کو طے کرتا رہا اور پھر انہین بلکہ تلاش مطلوب مین چلتا ہی رہا تو آخرکار ایک دن جذب ہوہی گیا اور فائز المرام ہوہی گیا آگے فرماتے ہین کہ۔

رفتن الخ۔ یعنی تیرا ایک منزل نافہ کی بو پر چلنا تیری سو منزلوں سے بہتر ہوگا جو صرف نشان قدم پر چلنا ہوگا اور صرف طواف ہی ہوگا مطلب یہ کہ جذب کے ساتھ ایک منزل کا طے کرنا زیادہ نافع اور بہتر ہوگا بغیر جذب کے سلوک محض سے سو منزلیں طے کرنے سے کسی بزرگ کا قول ہے جذبۃ من جذبات الرحمٰن خیر من عبادۃ الثقلین یعنی اگر اس طرف سے ایک جذبہ بھی ہوجاوے تو پھر جو قرب اور جو مقصود اُسمیں حاصل ہوگا وہ ثقلین کی اُس عبادت سے جو بغیر جذب ہو بہتر و انفع و ارفع ہے اور یہ تو بہت موٹی بات ہے اس لیے کہ اول صورت میں تو اس طرف سے طلب اور شان محبیۃ کی ہے اور صورت ثانیہ یعنی جذب کی صورت میں اُس طرف طلب ہے اور شان محبوبیت کی ہے تو جب وہ چاہیں گے تو ایک دم میں واصل کرلیں گے اور اگر صرف یہی چاہے گا تو سر مارتا پھرا کرے کبھی بھی وصل سے بہرہ ور نہیں ہوسکتا۔ لہذا معلوم ہوا کہ جذب من الحق ہی اصل ہے آگے بھی اسی مضمون کو بیان فرماتے ہیں کہ۔

سیر زاہد الخ۔ یعنی زاہد کی پہونچ تو ہر مہینہ میں پیش گاہ تک ہوتی ہے اور عارف کی پہونچ ہر دم تخت شاہی ہوتی ہے (زاہد سے مراد سالک غیر مجذوب اور عارف سے مراد مجذوب پیشگاہ کہتے ہیں اُس دروازہ وغیرہ کو جہاں سے بادشاہ سامنے ہو) مطلب یہ کہ سالک بغیر جذب کے تو ایک مدت دراز میں کہیں پیشگاہ تک پہونچ سکے گا یعنی بہت سے بہت ایک مدت میں قرب اور تجلیات اور انوار کو دیکھ لیگا گر وہ شخص جو کہ مجذوب ہے ہر دم اور ہر گھڑی واصل ہوتا ہے اور تخت شاہی تک پہونچتا ہے اس لیے کہ جب انھوں نے چاہا بہت ہی تھوڑی مدت میں بہت جلد واصل ہوگیا۔ پس معلوم ہوا کہ بغیر جذب من الحق کے کوئی واصل نہیں ہوسکتا اب آگے اُس پہلے شعر دفتر صوفی سواد و حرف نیست الخ کے مضمون کی طرف رجوع کرتے ہیں فرماتے ہیں کہ۔

آن دلے الخ۔ یعنی وہ دل جو کہ ماہتابوں کا مطلع ہے اور عارف کے واسطے فتحت ابوابہا کا مصداق ہے مطلب یہ کہ وہ دل سفید وہ دل ہے کہ مہتابوں اور تجلیات الٰہیہ کا مطلع ہے اور عارف کے لیے تو یہ ابواب جنت کے کھلنے کا سبب ہے اِس لیے کہ جو عارف ہوگا وہ اعمال صالحہ کریگا لہذا اُس کے لیے جنت کے دروازہ کھل جاوینگے اسیطرح جب وہ اُس قلب کے ذریعہ سے باری تعالےٰ کی طرف متوجہ اور ملتفت ہوگا تو اُس کے لیے جنت معارف کے دروازہ کھل جاوینگے اب آگے اُس قلب کا باعتبار استعداد کے متفاوت ہونا فرماتے ہیں کہ۔

با تو الخ۔ یعنی تیرے پاس تو وہ ایک دیوار کی طرح ہے اور اُن کے پاس ایک موتی کی طرح ہے اور تیرے پاس تو پتھر ہے اور اُن عزیزوں اور عارفوں کے نزدیک گوہر ہے مطلب یہ کہ یہ قلب تیرے پاس تو ایسا ہے کہ جس طرح دیوار ہوتی ہے اِس لیے کہ تو اُس سے کام ہی نہیں لیتا اور عارفوں کے پاس ایسا ہے جیسا کہ موتی ہوتا ہے اپنی درخشانی میں یعنی قلب عارف منور ہوتا ہے بانوار الٰہیہ اِس لیے وہ مثل دُر کے ہے اور چونکہ قلب عامی بالکل بے نور اور بیکار ہوتا ہے اِس لیے مثل دیوار کے ہے آگے پھر اسی تفاوت کو بیان فرماتے ہیں کہ

آنچہ تو الخ۔ یعنی جو چیز کہ تم آئینہ میں بالکل عیاناً اور ظاہر طور پر دیکھ رہے ہو پیر اور عارف اِسکو آئینہ میں اِس سے پہلے سے دیکھ رہا تھا (آئینہ کو آئینہ بعد صیقل کہتے ہیں اور مراد عالم بعد تکون اور قبل صیقل اُسکو خشت

کہتے ہین اور مراد عالم قبل تکون) مطلب یہ کہ تم جو کچھ اس وقت اِس عالم مین مخلوقات وغیرہ دیکھ رہے ہو اور اپنے
قلب سے بعد صیقل کے ان کو دیکھ کر حق تعالے کی معرفت کر رہے ہو تو جو عارف ہوتے ہین وہ ان اشیا سے پہلے ہی
قبل تکون سے معرفت حاصل کرتے تھے۔ پس جس طرح ارواح مین تفاوت ہوتا ہے اسیطرح بعد اُن کے ظہور کے
اُنکی استعداد مین بھی تفاوت ہوتا یہان صرف یہ تسلیم کرنا پڑیگا کہ یہ تکوینیات قبل از تکون ارواح کے سامنے حاضر
تھین اور اُس کے ذریعہ سے ان کو معرفت ہوتی تھی تو اِس سے کوئی محذور لازم نہین آتا بلکہ یہ بات ممکن ہے
کہ بعض ارواح کو اُن کے ذریعہ سے معرفت حاصل ہوتی ہے اور یہان یہ شبہ بھی نہین ہو سکتا کہ اگر اُن کے
وہ اشیا وہان پیش نظر تھین تو یہان آکر وہ یاد کیون نہین اور انکا ذہول کیون ہوا اِس لیے کہ دیکھو جس طرح ازل مین تمام
ارواح کو جمع کر کے اللہ تعالے نے اقرار ربوبیت لیا تھا اور سب نے اقرار کر لیا تھا لیکن اِس وقت کسی کو بھی یاد
نہین الاماشاء اللہ سوا اگر ایک آدھ کو کسی کو یاد بھی ہوا جیسے کہ بعض بزرگون کی حکایتون سے معلوم ہوتا ہے
تو اُس سے کلیہ نہین بن سکتا پس فرماتے ہین کہ جو چیز کہ ان کونیات مین تم اب بعد قلب کی صفائی دیکھتے ہو اُسکے
ذریعہ سے معرفت حاصل کرتے ہو جو لوگ کہ عارف ہین وہ اللہ تعالے کے یہان حالت روح ہونے مین بھی
مشاہدہ کرتے تھے اور اِس کے ذریعہ سے معرفت ہوتی تھی آگے فرماتے ہین کہ۔

پیر ایشانند الخ۔ یعنی وہ وہ بوڑھے (اور عارف ہین) کہ جب یہ عالم بھی نہ تھا مگر انکی جان دریائے جود (یعنی
معرفت) مین تھی مطلب یہ کہ انکو قبل تکون بھی انکے ذریعہ سے معرفت ہوئی تھی اور اِس عالم کی پیدائش سے
پہلے بھی وہ دریائے معرفت مین تھے آگے بھی یہی مضمون ہے فرماتے ہین کہ۔

پیش ازین الخ۔ یعنی وہ اِس بدن سے پہلے بہت سی عمرین گذار چکے ہین اور اِس کھیتی سے قبل ہی پھل اُٹھا
چکے ہین مطلب یہ کہ اِس بدن مین آنے سے پہلے ہی اُنھون نے بہت بڑی مدت معرفت ہی مین گذار دی ہے
اور عمل کرنے سے پہلے ہی وہ پھل پا چکے ہین اِس لیے کہ اعمال تو اِس عالم مین آنے کے بعد ہوے ہین اور
اُن کی معرفت پہلے سے اِسیطرح تھی لہذا اِس عمل کی کھیتی سے پہلے ہی وہ پھل اُٹھا چکے ہین آگے فرماتے ہین کہ
پیشتر الخ۔ یعنی (وہ ایسے لوگ ہین کہ) نقش سے پہلے ہی جان کو قبول کر چکے ہین اور بحر کے ہونے سے پہلے ہی
موتی پرو چکے ہین (نقش سے مراد تعلق بالجسد بحر سے مراد عالم کہ دریائے معارف ہے) مطلب یہ کہ وہ تعلق
بالجسد سے پہلے ہی جان کو قبول کر چکے ہین یعنی معرفت حاصل کر چکے ہین اور دریا کی پیدائش سے قبل ہی
وہ موتی حاصل کر چکے ہین اور موتی سے نفع ہوتا ہے اُس کا لڑی مین پرونا اور ان کونیات کا نفع یہ ہے کہ انکے
معرفت حاصل ہو بس وہ اِس عالم مین آنے سے پہلے ہی معرفت حق حاصل کر چکے ہین۔

مولانا کو اِس مقام پر روح کے چند احکام خاصہ وعامہ بیان کرنا مقصود ہے۔ خاصہ تو وہ جو کہ خاص اہل اللہ
اور کاملین کے ساتھ مختص ہین اور عام وہ جو کہ اُن کے علاوہ اور دوسرون مین بھی پائے جاتے ہین اوپر سے
بھی یہی مضمون آرہا ہے اور آگے بھی اِسکی مضمون کو بیان فرماتے ہین اور یہان تک جو بیان ہوا ہے وہ تو
احوال واحکام خاصہ تھے اور آگے بھی احوال خاصہ ہی بیان فرماتے ہین اُس کے بعد بعض وہ احکام بھی
بتلادین گے جو کہ عام ہین ارواح کاملین وغیر کاملین پر۔ ان پہلے اشعار کا ماحصل تو یہی تھا کہ ارواح

کاملین کو قبل تعلق بالجسد بھی معرفت حاصل ہوتی ہے بلکہ کونیات کا علم اور اُنکی معرفت قبل اُن کے تکون کے ہوتی ہے اور یہ مسئلہ کشفی ہے جسکی کوئی دلیل بجز کشف کے نہیں ہے کہ ان حضرات کو یہ بات مکشوف ہوئی کہ قبل تعلق بالجسد بھی معرفت ہوتی ہے اور معرفت کا ہونا تو خود نصوص سے ثابت ہوتا ہے اِس لیئے کہ دیکھئے اقرار ربوبیت ارواح ہی سے لیا گیا ہے اور اُن کو اسوقت اِس خاص امر کی معرفت تھی پھر حدیث میں ہے کہ الارواح جنود مجندۃ الخ یعنی ارواح ایک لشکر کے لشکر ہیں اب اُنمیں سے جن میں وہاں اُلفت اور مناسبت تھی اُنمیں یہاں آکر بھی الفت اور مناسبت ہے اور جنمیں وہاں تناکر تھا اور مناسبت نہ تھی اُنمیں یہاں بھی تناکر ہی رہتا ہے پس اِس قدر تو معلوم ہوا کہ بعض علوم و معارف ارواح کو وہاں بھی حاصل تھی اور اِس عالم میں آکر اِنکا اثر بھی مرتب ہوا تو اگر یہ حضرات اپنے کشف اور مشاہدہ سے کسی دیگر معارف کے حصول کے بھی مقر ہیں تو کیا حرج ہے اور مان لینے میں کیا محذور ہے کہ خداوند کریم نے ان کو وہاں کونیات کے تکون سے پہلے ہی معرفت عطا فرما دی تھی لہذا ایک حکم تو یہ ہوا کہ روح کو قبل از تعلق بالجسد ہی معرفت اشیاء تھی اسکو پہلے سے بیان فرماتے آرہے ہیں اور آگے بھی اسی کو فرماتے ہیں

خداوند تعالےٰ کا مشورہ کرنا فرشتوں سے مخلوق کو پیدا کرنے میں

مشورت میرفت الخ۔ یعنی مشورہ جاری تھا مخلوق کے پیدا کرنے کے بارہ میں اور یہ حضرات قدرت کے دریا میں حلق تک غرق تھے۔ مطلب یہ کہ ابھی مخلوق کی پیدائش کا مشورہ ہی تھا (اور مشورہ کہدینا باعتبار ظاہر کے ہے ورنہ خداوند کریم کو مشورہ کی کیا ضرورت تھی) اور ابھی تک انسان پیدا بھی نہ ہوا تھا مگر جو کاملین ہیں انمیں اُسوقت بھی استعداد موجود تھی اور اُسوقت بھی آثار قدرت کے مشاہدہ میں از سرتا پا غرق تھے اور اُسوقت بھی انکو مشاہدہ اور معرفت حاصل تھی تو جب اُنکو اُسوقت بھی معرفت حاصل تھی اور وہ مشاہدہ کر رہے تھے تو ضرور ہے کہ اُنکو اِس مشورہ کی بھی خبر ہوگی اور اُن کو یہ بھی اطلاع ہوگی کہ ہمارے ایجاد کا مشورہ ہو رہا ہے اور فرشتے یہ جواب دے رہے ہیں اِسی کو فرماتے ہیں کہ۔

چون ملائک الخ۔ یعنی جب ملائک اِس ایجاد کے مانع ہوئے تو ملائکہ پر تال بجاتے تھے (ٹھنک تالی بجانا) مطلب یہ کہ جب اُن کو معرفت قبل تکون ہی تھی تو جو مشورہ ہو رہا تھا اِس کو وہ سب دیکھ رہے تھے اور جب ملائکہ نے عرض کیا اتجعل فیہا من یفسد فیہا اور اِس عرض سے یہی مطلب تھا کہ اُنکو پیدا نہ کیا جاوے تو چونکہ ان حضرات کو معرفت تھی یہ اُنپر ہنستے تھے کہ یہ فضول دخل در معقولات دیتے ہیں اور اُنکو اِس سے کیا مطلب یہ تو ہونیوالی بات ہے یہاں یہ شبہ نہ ہو کہ یہاں فرشتوں کی شان میں ایک گستاخی معلوم ہوتی ہے کہ اُن کو اِس امر کی اطلاع نہ تھی اور اُنپر یہ لوگ ہنس رہے تھے دوسرے اوپر کے شعر میں اللہ تعالےٰ کے لیے مشورہ کو ثابت کرتے ہیں بات یہ ہے کہ اول تو صفات انسانی صفات ملائکہ سے افضل و اشرف ہیں دوسرے یہ کہ اِس حالت میں چونکہ مولانا اولیاء اللہ کی معرفت اور حقیقت کو بیان فرمارہے ہیں اِس لیے اُن کو ایک جوش میں کہدیا اور اِسی حالت میں یہ بھی کہدیا کہ ابھی مشورہ ہی تھا کہ اُن کو خبر تھی جس کو ایک جگہ خود بھی فرماتے ہیں کہ ؎

گفتگوے عاشقان در امر رب ٭ جوشش عشق ست نے ترک ادب ٭ حاصل یہ ہوا کہ کاملین کی معرفت وجود اشیاء سے پہلے اور خود اُن کے تعلق بالجسد سے بھی پہلے سے تھی آگے اِس کو پھر صاف طور سے فرماتے ہیں کہ۔

مطلع بر نقش الخ یعنی وہ ہر اُس شخص کی حالت پر مطلع تھے جو کہ ہست ہوا اس سے پہلے یہ نقش مٹی میں پابند ہوا مطلب وہی کہ ہر شے کے ہست ہونے کے قبل اور تعلق بالجسد سے پہلے اُن کو اُسکی معرفت تھی یہاں یہ شبہ نہ کیا جاوے کہ اِس سے اُن کے علم کا محیط ہونا لازم آتا ہے اِس لیے کہ یہاں مولانا کو یہ مقصود نہیں ہے اور مقصود ہو بھی کیسے سکتا ہے جب کہ اور دلائل سے یہ امر منفی ہے بلکہ مقصود صرف اِس قدر ہے کہ اُن کو علم بقدر ضرورت تھا آگے بھی اِسی کو فرماتے ہیں کہ۔

پیشتر ز افلاک الخ یعنی افلاک سے پہلے کیوان کو دیکھ چکے ہیں اور دانوں سے پہلے روٹی کو دیکھ لیا ہے یعنی ابھی متبوع موجود ہی نہیں ہوا اور اُس کے توابع کو دیکھ لیا مثلاً آسمان ابھی پیدا بھی نہیں ہوا اور ستارے جو کہ اُسکے تابع تھے اُنکی معرفت ہوئی اور دانوں سے پہلے روٹی کو پہچان لیا اور یہاں یہ مراد نہیں کہ افلاک سے پہلے کواکب کو دیکھ لیا یعنی افلاک کو نہیں دیکھا نہیں بلکہ مراد یہ ہے کہ افلاک کا علم تو ہوا مگر یہ کچھ ایسا بعید نہیں ہے بلکہ بعید یہ ہے کہ افلاک کے تکون سے قبل ہی کواکب کی معرفت ہو گئی پھر فرماتے ہیں کہ۔

بے دماغ و دل الخ یعنی بے دل و دماغ کے فکر سے پر تھے اور بے سپاہ و جنگ کے مدبر آمادہ تھے (فکر سے مراد علم ہے) مطلب یہ کہ بغیر دل و دماغ کے جو کہ آلہ ہیں ادراک اقسام علوم کا اُن کو علوم و فکر موجود تھے اور بغیر آلات اور اسباب کے اُنکو علوم حاصل تھے یہ تو اُن کی قوت علمیہ کا بیان تھا آگے اُنکی قوت عملیہ کا بیان ہے کہ وہ باوجود اِس کے کہ اُن کے پاس شیاطین کو دفع کرنے کے اسباب موجود نہ تھے مگر پھر بھی منصور علی الشیطان تھے اور وہ جانتے تھے کہ ہم پر اُسکا قابو چل ہی نہیں سکتا جیسا کہ قرآن شریف سے معلوم ہوتا ہے فرماتے ہیں لیس لک علیہم سلطان۔ پس اُنکو اِس سے قبل سے یقین تھا اور معرفت تھی آگے بھی اِسی کو فرماتے ہیں کہ

آن عیان نسبت الخ یعنی یہ معائنہ اُنکی نسبت تو فکر ہے۔ مگر جو لوگ دور ہیں اُنکی نسبت رویت ہے۔ مطلب یہ کہ اِس معائنہ اشیاء کو اُن اولیاء اللہ کی نسبت سے فکر کہدیا اِس لیے کہ اُن کو جو اور علوم حاصل ہوئے ہیں اُن کے مقابلہ میں یہ کچھ بھی نہیں اور بالکل ہیچ ہیں۔ ہاں جو لوگ دور ہیں اور جنکو معرفت نہیں اُنکی نسبت سے یہ مثل رویت کے ہے کہ اُن کو یہی حاصل ہو جاتا بہت غنیمت ہے آگے بھی اِسی کی تشریح فرماتے ہیں کہ۔

فکرت از ماضی الخ یعنی تیرا فکر تو ماضی اور مستقبل سے ہوتا ہے اور جب ان سے دور ہو گیا تو بس مشکل حل ہو گئی۔ مطلب یہ کہ فکر تو اِسی طرح ہوتا ہے کہ یا تو کسی زمانہ ماضی کے کام کو سوچا جاوے یا مستقبل کے۔ اور جہاں ماضی اور مستقبل ہی نہ ہو بلکہ سب اشیاء مشاہد اور معائن ہوں تو پھر اُن کو فکر کیوں ہو گی اِس لیے کہ جب اِس قید ماضی و مستقبل سے نکل گئے بس مشکل حل ہو گئی یہاں فکر سے مراد فکر متعارف ہے یعنی اُن کو سوچنے کی ضرورت نہیں ہے اور اوپر فکر سے مراد یہ تھا کہ چونکہ اُن کے علوم ان سے بہت عالی ہیں اس لیے انکو فکر کہدیا آگے بھی اِسی کو فرماتے ہیں کہ۔

دیدہ چون الخ یعنی وہ ہر بے کیف اور بے باکیف کو دیکھے ہوئے ہیں اور کان سے پہلے ہی کھوٹے کھرے کو دیکھ چکے ہیں مطلب یہ کہ جس طرح وہ مادیات کو دیکھتے ہیں اور اُسکا مشاہدہ کرتے ہیں اُسی طرح مجردات کو بھی

دیکھتے ہین اُن کے نزدیک دونون برابر ہین اور وہ معدن سے پہلے ہی پہچان لیتے ہین کہ یہ کھرا ہے اور یہ کھوٹا ہے بظاہر تو معدن سے نکلنے کے بعد ہی کھرا کھوٹا معلوم ہوتا ہے مگر یہ اِس سے بھی پہلے معلوم کر لیتے ہین آگے فرماتے ہین کہ۔

پیشتر از خلقت الخ۔ یعنی انگور کے پیدا ہونے سے پہلے ہی شراب کو پی رکھا ہے اور اُسکی وجہ سے شور کر رہے ہین یعنی شراب تو بعد شیرہ نکلنے کے بنتی ہے مگر وہ لوگ اُسکو خود انگور ہی مین دیکھے ہوے ہوتے ہین اور یہان تک معرفت ہوتی ہے کہ اُسکا اثر بھی ہوتا ہے اور وہ اُسکی وجہ سے شور کرتے ہین یعنی اُس معرفت کے وقت اُنکو بیحد سرور ہوتا ہے اور اُنپر احوال طاری ہوتے ہین۔

در تموز گرم الخ۔ یعنی تموز کے مہینہ مین جو کہ گرم ہوتا ہے وہ ماہ دے کو دیکھتے ہین (یعنی سردی کا بھی مشاہدہ کرتے ہین) اور شعاع شمس مین بھی سایہ کو دیکھتے ہین (حالانکہ سایہ بعد شعاع کے ہوتا ہے مگر وہ وقت شعاع اور روشنی مین دیکھتے ہین اِس لیے کہ اُن کے سامنے تو موجودات اور معدومات سب بقدر ضرورت منکشف ہوتے ہین۔ لہٰذا جسوقت گرمی کا وجود ہے اُسوقت بھی وہ سردی کا معائنہ کر رہے ہین تموز کہتے ہین گرمیون کے ایک مہینہ کو اور دے جاڑے کے مہینہ کو)

در دل انگور الخ۔ یعنی انگور کے اندر وہ ابھی سے مے کو دیکھ رہے ہین (حالانکہ اُسمین فی الحال شیرہ ہوتا ہے اور بعد ایک مدت کے وہ شراب بنتی ہے مگر وہ ابھی سے اُسمین شراب ہی کو دیکھ رہے ہین) اور عدم محض کی حالت مین وہ شے کو دیکھ رہے ہین یعنی جسوقت کہ کسی شے کو ابھی عدم ہے اُسکی معرفت بھی اُنکو حاصل ہے یہان عدم سے مراد عدم سابق ہے عدم لاحق مراد نہین یعنی یہ مراد نہین کہ وہ شے بعد وجود کے معدوم ہوئی بلکہ مطلب یہ کہ اُسکو ابھی وجود حاصل ہی نہین ہوا اور وہ اُسکا مشاہدہ کر رہے ہین حاصل ان مضامین کا یہ ہوا کہ اولیاء اللہ کو معرفت مین اسباب کی ضرورت نہین ہوتی بلکہ اُن کو اسباب کے وجود سے قبل ہی ہر شے کی معرفت ہو جاتی ہے۔ مولانا کو یہان تک روح اولیاء کا حال معرفت اور علم بتلانا مقصود تھا اب آگے اُنکا فیض اور اُن کے وجود کا دوسری اشیاء کے لیے موجب برکت ہونا بتلاتے ہین جو کہ روح کے احکام مین سے دوسرا حکم ہے اور یہ حکم عام ہے کاملین اور غیر کاملین سب کی ارواح مین پایا جاتا ہے۔

آسمان در دور الخ۔ یعنی آسمان بھی اُنکے زمانہ مین جرعہ نوش ہے اور آفتاب کو بھی اُنکی سخاوت سے یہ لباس زربفت ملا ہے مطلب یہ کہ آسمان کا وجود بھی صرف ان ہی کے لیے ہے اور اُس کو قیام ان ہی کی برکت سے ہے اور آفتاب کو جو ایک لباس زربفت حاصل ہوا جسکی وجہ سے وہ اِس قدر منور اور دل فریب ہے وہ ارواح ہی کی برکت اور فیض کا اثر ہے۔ اور یہ امر خود نص سے ثابت ہے فرماتے ہین کہ ہو الذی خلق لکم ما فی الارض جمیعا۔ پس معلوم ہوا کہ اصل مقصود تو پیدائش انسان ہے اُس کے قیام اور آرام کے لیے یہ سب اشیاء ہین اب اُنہین سے جو اولیاء اللہ مین اُنکا فیض اور اُنکی برکت کی وجہ سے خود اُنکو قیام بھی ہے ورنہ اگر وہ نہون اور صرف کفار ہی کفار رہ جاوین تو یہ سب غارت ہو جاوے جیسا کہ قیامت کو ہوگا اب آیندہ اشعار کے سمجھنے کے لیے ایک تمہید کی ضرورت ہے سو جاننا چاہیے کہ مولانا کو ارواح کے متعلق چار حکم بیان کرنا مقصود ہین

اول تو انکا کمال علمی و عملی۔ دوئم انکا عالم کی ایجاد کا سبب ہونا سوم سب کا متحد الحقیقت ہونا چہارم متحد فی الصفت ہونا ان چارون مین سے دوئم و سوئم تو احکام عامہ ہین اور اول و چہارم مخصوص ہین ارواح اولیاء اللہ کے ساتھ۔ ان چار مین سے دو کو تو اوپر بیان کر دیا ہے اور وہ دو انکا کمال علمی و عملی اور انکا سبب ایجاد عالم ہوتا ہے آگے دو باقی کا بیان ہے اُن کے سمجھنے کے لیے اِس تمہید کی ضرورت ہے سو یون سمجھو کہ لفظ حقیقت کے معنی اصطلاح صوفیہ مین اور ہین اور اصطلاح اہل معقول مین دوسرے ہین صوفیہ کے یہان حقیقت ظاہر کو کہتے ہین اور مظہر کو صورت و مرآۃ سے تعبیر کرتے ہین مثلاً کوئی آئینہ مین اپنی صورت دیکھتا ہے تو اِس شخص کو تو ظاہر اور حقیقت کہین گے اور آئینہ صورت و مظہر کہلائیگا۔ اب یون سمجھو کہ عالم مین جس قدر اشیا ہین وہ سب انواع و اشخاص مین منقسم ہین اور ہر نوع کے لیے کچھ آثار مختصہ ہین جو دوسری مین نہین ہین اور اِن آثار کا ایک مصدر ہوتا ہے جہان سے کہ یہ سب پیدا ہوتے ہین فلاسفہ تو اُس کو صورت نوعیہ کہتے ہین اور صوفیہ اُس کو روح کہتے ہین کہ ہر ہر نوع کی روح کے آثار اُس کے افراد و اشخاص سے متعلق ہو کر اِن کے تشخصیہ آثار کا مصدر ہوتے ہین۔ تو مثلاً جمادات کے لیے ایک نوع روح ہے جسکا اثر حفظ ترکیب ہے پس یہ اپنے افراد و تشخصات کے ساتھ ملکر انکی ترکیب کی حفاظت کرین گے اُس کے بعد ایک روح نباتات کے لیے ہے اسکا اثر تنمیہ و تغذیہ ہے مع حفظ ترکیب کے اُس کے بعد ایک نوع روح حیوانات کے لیے ہے اسکا اثر احساس و ادراک وغیرہ ہے مع حفظ ترکیب و تنمیہ و تغذیہ کے پھر ایک نوع روح انسان مین ہے جسکا اثر ادراک حقائق کونیہ و اسرار الٰہیہ ہم مع مذکورین کے اب یون سمجھو کہ ان سب کے علاوہ ایک اور روح ہے جس کو روح اعظم کہتے ہین اور اُسی کو نفس کلی بھی کہتے ہین اور وہی حق تعالےٰ نے صادر اولی ہے اور دیگر ارواح کے لیے بھی مربی ہے اور ارواح جزئیہ اسی کے فیض سے مستفیض ہین اور اسی کے تابع ہین لیکن یہ تربیت اضطراری ہے اختیاری نہین جس سے کہ یہ لازم ہو کہ اُس کو تربیت کے لیے علم احوال جزئیات بھی ضروری ہے اسکی ایسی مثال ہے جیسے کہ شمس سے تربیت ہوتی درختون کی اور پھلون کی یا پانی سے درختون کی تربیت ہوتی ہے مگر اُس کو اِن کے متعلق بھی اطلاع نہین ہوتی اسیطرح روح اعظم کے لیے یہ ضروری نہین کہ اُسکو تربیت کے لیے علم کلی ہو لہذا چونکہ ارواح جزئیہ اور اُس کے آثار کا مظہر ہین اور روح اعظم اُن مین اپنے آثار کے لحاظ سے ظاہر ہے۔ روح اعظم کو ارواح جزئیہ کی حقیقت اور دیگر ارواح کو اُسکا مظہر کہا جاتا ہے اور چونکہ ارواح جزئیہ انسانی کو ارواح زجاجی بھی کہتے ہین اس لیے کہ یہ روح اعظم کی مظہر اتم ہین اور چونکہ روح اعظم ان کے اندر بوجہ اتم ظہور کرتی ہے اِس لیے اُسکو روح سراجی کہتے ہین جب معلوم ہو گیا کہ اِن کی اصطلاح مین حقیقت ظاہر کو کہتے ہین اور یہ بھی معلوم ہوا کہ روح اعظم اپنے آثار کے اعتبار سے دیگر ارواح مین ظاہر ہے اور وہ سب اِس کے مظاہر ہین تو اب یہ کہنا بالکل صحیح ہے کہ تمام عالم کی حقیقت ایک ہے اور جب ان ہی مین ارواح اولیا بھی ہین تو یہ بھی صحیح ہے کہ تمام اولیاء اللہ کی حقیقت ایک ہے اور وہ روح اعظم ہے اب یہ بھی سمجھ لو کہ وہ روح اعظم کیا ہے غور کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ روح اعظم حضور سرور کائنات صلے اللہ علیہ وسلم کی روح ہے اِس لیے کہ صوفیہ روح اعظم کو صادر اول اور مظہر اتم مانتے ہین اور یہ بات کسی اور شے مین پائی نہین جاتی اِس لیے کہ حدیث مین ہے اول ما خلق اللہ نوری اور حضور کا

صلے اللہ علیہ وسلم کا مظہر اتم و اکمل ہونا مسلمات سے ہے لہذا ان دونوں کا مصداق ایک ہونا ضروری ہوا اور یہی
منشا ہے ہمارے زمانہ کے صوفیہ کے ضلال و اضلال کا اس لیے کہ جب روح اعظم کو دیکھا کہ تمام عالم کی مربی یہی ہے
اور وہ ہے روح حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی لہذا حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو رب العالمین کہنے لگے اور یہ نہ سمجھا کہ یہ تربیت
کس قسم کی ہے اس لیے کہ اگر اسی قسم کی تربیت کی بنا پر حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو رب العالمین کہنا صحیح ہے تو آفتاب
کو رب الاثمار اور پانی کو رب الاشجار کہنا بھی صحیح ہوگا والعیاذ باللہ پھر کیا ہے اگر اسی تربیت کا اعتبار کرو تو پھر تو
تمام عالم ارباب سے بھر جاویگا نعوذ باللہ من ذلک - اب اگر یہ کہا جاوے کہ پانی وغیرہ تو حضور صلے اللہ علیہ وسلم
کی روح سے تربیت پاکر پھر مربی ہیں - بالذات نہیں ہیں تو ہم کہیں گے کہ روح حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی بھی اللہ تعالے
جل شانہ سے تربیت پاکر مربی ہوتی ہے بالذات یہ بھی مربی نہیں ہے - پھر یہ غلطی کی کہ تربیت کو اختیاری سمجھکر آپکے لیے
علم محیط ثابت کرنے لگے حالانکہ خود تربیت ہی اختیاری نہیں بلکہ اضطراری ہے جیسا کہ پہلے بیان کر چکے ہیں ہاں یہ
تربیت خود ایک بہت بڑا انعام اور عظیم الشان شرف ہے کہ سوائے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے اور دوسرا کوئی
ممکن بھی اس سے مشرف نہ ہوا والحمد للہ علے ذلک اور یہاں ایک اور غلطی یہ کرتے ہیں کہ روح اعظم حقیقت محمدیہ
کو سمجھتے ہیں حالانکہ دونوں بالکل علحدہ ہیں اس لیے کہ روح اعظم وہ روح ہے جسکا تعلق بلا واسطہ جسد اطہر آنحضرت
صلے اللہ علیہ وسلم سے ہے اور وہ مخلوق اور ممکن ہے اور حقیقت محمدیہ مراتب وجوب میں سے دوسرا مرتبہ ہے
یعنی صفات کے اجمال کا مرتبہ ہے جس کو علم بھی کہتے ہیں اور وہ واجب ہے نہ ممکن و مخلوق اور چونکہ یہ مرتبہ مربی ہے
حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک کا اس لیے اس کو حقیقت محمدیہ کہتے ہیں یہ ساری غلطیاں اصطلاحات
صوفیہ کو نہ جاننے کی وجہ سے ہوتی ہیں پس معلوم ہوا کہ روح اولیاء اللہ متحد فی الحقیقۃ ہے اب متحد فی الصفۃ ہونیکا
بیان سنو جوکہ ارواح کے احوال و احکام میں سے چوتھا حکم تھا۔ یوں سمجھو کہ وہ صفت جسمیں کہ سب متفق ہیں
اہتداء ہے یعنی سب کا ہدایت پر ہونا اور اپنی مرضیات کو حق کے تابع کر دینا ہے اور چونکہ اختلاف تو تخالف
اغراض سے پیدا ہوتا ہے کہ زید کی اور غرض ہے اور عمرو کی اور لہذا آپس میں اختلاف پیدا ہو گیا اور جب
غرض سب کی ایک ہی ہوگی تو ہرگز ہرگز اختلاف پیدا نہ ہوگا لہذا یہ حضرات متحد فی الصفۃ بھی ہوئے
اب اگلے اشعار میں ان دو احکام باقیہ کا بیان ہے اول اولیاء اللہ کی روح کا متحد فی الحقیقۃ ہونا بیان
فرماتے ہیں کہ -

چون از ایشان الخ - یعنی جب ان میں سے چند شخصوں کو مجتمع دیکھو تو یوں سمجھو کہ وہ ایک بھی ہیں اور متعدد
بھی ہیں اس لیے کہ وہ باعتبار حقیقت کے تو متحد ہیں اور باعتبار تشخصات کے اور صور کے متعدد ہیں جیسا کہ
اوپر معلوم ہوا آگے اسکو ایک مثال سے بتاتے ہیں کہ -

بر مثال موجہا الخ - یعنی پانی کی موج کی طرح ان کے اعداد ہیں جن کو کہ ہوا نے متعدد کر دیا ہو اور بظاہر
وہ متعدد معلوم ہوتی ہیں مگر اصلی حقیقت ایک ہوتی ہے اور وہ پانی ہے اسیطرح ارواح اولیاء اللہ بھی
متحد فی الحقیقۃ ہوتے ہیں اور بظاہر باعتبار تشخصات متعدد اور مختلف ہوتے ہیں لیکن فرق صرف اس قدر
ہے کہ پانی تو حقیقت امواج باصطلاح اہل معقول ہے اور یہاں متحد باصطلاح صوفیہ ہیں نہ باعتبار روح

اہل معقول آگے ایک دوسری مثال سے سمجھاتے ہیں۔

مفترق شد الخ یعنی آفتاب جان ان ابدان کے روزنوں میں مفترق اور متعدد ہوگیا ہے ورنہ اگر اُس قرص خورشید پر نظر کرو تو وہ ایک ہی ہے اور جو شخص کہ اس تعدد کو دیکھنے لگا اور اسمین پھنس گیا وہ شک میں پڑگیا مطلب یہ کہ روح اعظم جو فیض پہونچانے میں اور مربی ہونے میں مثل آفتاب کے ہے ابدان میں آکر متعدد معلوم ہوتی ہے جسطرح کہ آفتاب مختلف سوراخوں سے ظاہر ہوتا ہے اور انمین کسی کی شکل کیسی ہوتی ہے اور دوسری اس کے خلاف ہوتی ہے حالانکہ اگر اُس آفتاب کی ٹکیا کو دیکھو تو وہ ایک ہی ہے اسیطرح وہ روح اعظم تو ایک ہے مگر بظاہر یہ تعدد معلوم ہوتا ہے اور جو شخص کہ اس تعدد ابدان کی طرف چلا اور اُسکو حقیقت بینی حاصل نہ ہوئی وہ شک میں پڑگیا کہ بھلا جب ان تشخصات میں تعدد ہے تو یہ کیسے ایک ہوسکتے ہیں پس اُسکو یہ بات حقیقت بینی سے روک دیتی ہے یہانتک تو روح کا متحد فی الحقیقۃ ہونا بیان کیا ہے آگے اُسکا متحد فی الصفۃ ہونا بیان فرماتے ہیں کہ۔

تفرقہ در روح الخ یعنی تفرقہ اور تعدد تو روح حیوانی میں ہوتا ہے اور روح انسانی تو نفس واحد ہوتی ہے۔ یہاں متحد فی الصفۃ ہونے کو بیان فرماتے ہیں کہ تعدد اور تفرقہ تو روح حیوانی میں ہوتا ہے اس لیے کہ اُن میں بہیمیت اور سبعیت بڑھی ہوتی ہے اور اُن کے اغراض ایک دوسرے سے بالکل مختلف اور متغائر ہوتے ہیں اس لیے اُن میں تعدد فی الصفات ہوجاتا ہے ورنہ روح انسانی کے (اور وہ اولیاء اللہ کی روح ہے) اغراض اور اُنکے صفات تو ایک دوسرے کے متغائر ہوتی ہی نہیں جیسا کہ اوپر تمہید میں بیان کیا گیا ہے اور اس اتحاد کو اگر اتفاق کہا جاوے تو انسب ہے آگے اس اتفاق کا راز بتلاتے ہیں کہ۔

چونکہ حق الخ یعنی چونکہ حق تعالےٰ نے اُن پر اپنا نور چھڑک دیا ہے (اس لیے وہ مفترق نہیں ہیں کیونکہ) نور حق تو مفترق اور متعدد نہیں ہوا کرتا یہ اشارہ ہے اُسکی طرف جو کہ حدیث میں ہے کہ ان اللہ تعالےٰ خلق خلقہ فی ظلمۃ فرش علیہم من نورہ فمن اصاب من ذٰلک النور فقد اہتدی ومن اخطأ فقد ضل یعنی خداوند تعالیٰ نے اول مخلوق کو ایک ظلمت میں پیدا کیا اُس کے بعد اپنا نور اُن پر چھڑکا جسکو وہ نور پہونچ گیا وہ تو مہتدی ہوگیا اور جسکو نہ پہونچا وہ ہی گمراہ ہوگیا۔) مطلب یہ ہوا کہ چونکہ اولیاء اللہ کی ارواح جسقدر ہیں سب کو وہ نور پہونچا ہے اور اُسی وجہ سے یہ مہتدی ہیں پس انمیں افتراق نہیں ہے اس لیے کہ نور خداوندی بھی نہیں مفترق اور متعدد ہوا کرتا ہے لہذا سب اولیاء اللہ ایک ہی صفت پر ہیں اور وہ صفت اہتداء ہے آگے اسکا فیصلہ فرماتے ہیں کہ۔

روح انسانی الخ یعنی روح انسانی تو مثل ایک نفس واحد کے ہے اور روح حیوانی مثل سفال جام کے ہے (یہاں یہ نہیں کہا کہ روح انسانی نفس واحد ہے بلکہ یوں کہا کہ مثل نفس واحد کے ہے جس سے معلوم ہوگیا کہ حقیقت واحد ہونا باصطلاح ارباب معقول مراد نہیں ہے بلکہ باصطلاح صوفیہ مراد ہے پس فرماتے ہیں کہ بوجہ اولیاء اللہ کی اغراض کے متحد ہونے کے اُن کی ارواح مثل ایک نفس کے ہیں کہ جو نفس واحد ہوتا ہے اُس کے اغراض بھی آپس میں جدا نہیں ہوتے اور روح حیوانی ایک بیکار شے ہے اس لیے کہ اُسمین بہیمیت اور سبعیت کا غلبہ ہے جو مانع عن الحق ہے۔) یہانتک احوال بیان کرکے آگے فرماتے ہیں کہ انکو سمجھنے کے لیے یہ عقل جزوی کافی نہیں ہے بلکہ اُن حضرات سے تعلق ہونا ضروری ہے فرماتے ہیں کہ۔

عقل جزو الخ - یعنی عقل جزوی ان رموز سے آگاہ نہین ہے اور ان اسرار سے سوائے اللہ کے کوئی واقف نہین ہے پس جو شخص کہ علم الٰہی سے متجلی ہوگا اور اُسمین یہ علوم متجلی ہون گے وہی واقف ہو سکتا ہے اس کے علاوہ یہ عقل جزوی جسمین کہ سبعیت اور بہیمیت غالب ہے واقف نہین ہو سکتی آگے اسکو ایک مثال سے ثابت کر کے بتلاتے ہین کہ۔

عقل را الخ - یعنی عقل کو اس خیال سے کیا کام اور جو مادرزاد بہرا ہو اُسکو شہنائی سے کیا کام دمِ سرنا کہتے ہین شہنائی کو مطلب یہ کہ عقل جزوی کو اِس خیال سے کیا کام اور وہ یہان تک اور اُسکی حقیقت تک کہان پہونچ سکتی ہے اِسکی ایسی مثال ہے کہ جیسے کوئی شخص مادرزاد بہرا ہو تو اُسکو شہنائی کی آواز سے کیا کام اُسکو تو کچھ بھی سنائی نہ دیگا۔ اگرچہ فی الحقیقۃ کیسی ہی دلفریب ہو اسیطرح اگرچہ یہ علوم و معارف حقیقۃً توکس قدر عالی ہین مگر جسے احساس ہی نہ ہو اور جسکی اُن تک رسائی ہی نہ ہو اُسکو کیا خبر کہ اِن مین کیا سرود اور کیا بات ہے اگلے شعر مین مخاطب کو پھر متوجہ کرتے ہین اور کہتے ہین کہ ابھی اُکتا و مت۔ اِس لیے کہ یون قاعدہ ہے کہ اگر مخاطب کسی مضمون کے سُننے سے گھبرا جاتا ہے تو متکلم پھر اُس مضمون کو بیان بھی نہین کر سکتا بلکہ اُسکی طبیعت بھی رُک جاتی ہے اِس لیے فرماتے ہین کہ۔

یکزمان بگذار الخ - یعنی اے مخاطب تھوڑی دیر کو ملال چھوڑ دے اور اُکتا یا مت جا (ابھی مین نے کہا ہی کیا ہے) اب مین اُس کے جمال مین سے ایک خال کا وصف بیان کرون جو کہ اُس کے جمال کے سامنے کچھ حقیقت نہین رکھتا اور وہ خال روح اعظم ہے اِس لیے کہ جمال حق کی مظہر ہے جیسا کہ خال سے حسن ظاہر ہوتا ہے آگے اُس کے جمال کی حالت کے بیان سے عاجز ہونا ظاہر فرماتے ہین کہ۔

در بیان الخ - یعنی اُس کے جمال کی حالت تو بیان مین آ ہی نہین سکتی اِس لیے کہ دونون عالم کیا ہین اُس کے خال کا عکس ہین جب دونون عالم اُس کے خال کے عکس ہوئے تو اُس کے حسن کی حالت کس طرح بیان ہو سکتی ہے اور خال کا جمال ہونا اِس طرح کہ خال سے مراد روح اعظم جیسا کہ بیان ہوا اور روح اعظم کا عکس دو جہان ہونا ظاہر ہے کہ سب اُسی کے مظاہر اور اُسی سے تربیت پا رہے ہین اور وہی سب کی مربی ہے۔ آگے یہ بیان کرتے کرتے جو اِنپر ایک حالت طاری ہوئی ہے اُسکو بیان فرماتے ہین کہ۔

چونکہ من الخ - یعنی جب مین اُس کے خال خوب کی کیفیت اور اُس کے حالات بیان کرتا ہون (تو بوجہ جوش کے اور مضامین کی آمد کے) میرا کلام یون چاہتا ہے کہ میرے بدن کو پھاڑ دے اور وہ حقائق و معارف اِس قلب مین سما نہین سکتے۔ آگے حق تعالیٰ کے اوصاف کا غیر محدود ہونا اور اُن کے بیان سے اپنا عجز بیان فرماتے کہ

ہمچو مورے الخ - یعنی مین اس خرمن مین ایک چیونٹی کی طرح ہون کہ اپنی ہمت سے زیادہ بوجھ کھینچ رہا ہون مطلب یہ کہ اِس خرمن حقائق و معارف مین میری مثال ایسی ہے جیسے کہ ایک چیونٹی کہ اگرچہ وہ سارے خرمن کو اُٹھا کر لیجا نہین سکتی مگر خوش ہوتی ہے کہ خیر اِسمین سے جس قدر مجھ سے اُٹھ سکے گا بلکہ اُس سے بھی زیادہ لیجا سکتی ہون اسیطرح وہ حقائق و معارف مجھ سے کہان بیان ہو سکتے تھے مگر خیر اُنمین سے جو بیان کرتا ہون

وہ بھی اپنی طاقت وہمت سے باہر ہوتے ہیں آگے فرماتے ہیں کہ اگرچہ میں اُنہیں سے کسیقدر بیان کرنا چاہتا ہون مگرحق تعالےٰ نے مجھے روکتے ہیں اور عرض کرنے کی مجال نہیں ہوتی پس فرماتے ہیں کہ۔

نے گذارد الخ۔ یعنی وہ ذات جوکہ رشک روشنی ہے مجھے کہان اجازت دیتی ہے کہ میں اُن باتون کو ظاہر کرسکون اور بیان کرسکون جو میرے دلمیں ہیں مراد یہ کہ اللہ تعالےٰ ہمکو حقائق کا علم دیتے ہیں مگر ساتھ ہی ممانعت بھی فرماتے ہین کہ دیکھو یہ ظاہر نہ ہونے پاوین اور مجھے کہنے نہیں دیتے آگے اسکی تشریح فرماتے ہین کہ۔

بحرکف الخ۔ یعنی جس طرح سمندر موجون کے سامنے جھاگ ڈالدیتا ہے اور اُسکی وجہ سے موجون کی روانی رُک جاتی ہے اور ایک دیوار کی طرح ہو جاتی ہے اور کبھی وہ دریا موجون کو بڑھاتا ہے اور کبھی گھٹاتا ہے اسیطرح خداوند تعالےٰ ان اسرار ومضامین کی روانی کے وقت مجھے روک دیتے ہین اور کہنے نہیں دیتے۔ دوسرے مصرع مین جر کند وز بعد جر مدے کند کے معنے یہ ہین کہ کبھی اِس طرح کرتا ہے کہ امواج کو گھٹا دیتا ہے اور کبھی بڑھا دیتا ہے اسی سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کبھی اِسکا عکس ہوتا ہے کہ کبھی موجین اول بڑھتی ہین پھر گھٹتی ہین بس مقصود صرف یہ ہوا کہ گاہے چنین گاہے چنان پس یہان صورت ثانیہ مراد ہے کہ اول بڑھاتے ہین اور پھر گھٹاتے ہین یعنی اول تو اسرار وحقائق کا علم دیتے ہین اور وہ اس قدر جوش زن ہوتا ہے کہ جسم کو پھاڑ کر نکلنا چاہتا ہے مگر پھر اُن کے اظہار سے روک دیتے ہین ۔ جر کہتے ہین کسی شے کا اپنی طرف کھینچنا اور مد کہتے ہین اُسی کو دوسری مرتبہ ڈھیل دیدینا اور آگے کی طرف بڑھا دینا بس مطلب حل ہوگیا۔ کہ ایک معنے تو یہ ہے کہ حق تعالیٰ کی طرف سے روک اور ممانعت ہے آگے فرماتے ہین کہ کہین یہ مت سمجھنا کہ موانع اُدھر سے ہی ہین نہین بلکہ تمھاری طرف سے بھی کچھ موانع ہین فرماتے ہین کہ۔

شرح حبیبی

بستہ شدن تقریر معنی حکایت بہ سبب میل مستمعان باستماع ظاہر

این زمان بشنو چہ مانع شد مگر
خاطرش شد سوے صوفی قنق
لازم آمد باز رفتن زین مقال
صوفی صورت مپندار اے عزیز
جسم ما جوز و موزست اے پسر
ورنہ تو اندر نگذری اکرام حق

مستمع را رفت دل جاے دگر
اندران سودا فروشد تا عنق
سوے آن افسانہ بہر وصف حال
ہمچو طفلان تاکے از جوز و مویز
گر تو مردی زین دو چیز اندر گذر
بگذرا ند مر ترا از نہ طبق

اب سن کہ میری اِس گفتگو کے قطع کرنے کا کیا سبب ہوا غالبًا سننے والے کا دل دوسری طرف متوجہ ہو گیا ہوگا یہ ضرور نہیں کہ اِس وقت کوئی سننے والا موجود ہو۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ یہان تک پہنچکر مولانا کو خیال آگیا کہ مین اِس قصّہ کو چھوڑ کر بہت دور نکل گیا جو شخص مثنوی دیکھے گا وہ اُکتا جائیگا اور اِسکا دل ضرور قصّہ صوفی کی طرف

مائل ہو گا یہ خیال کر کے اِس قصہ کی طرف رجوع کیا اور اِسکا سبب بیان کیا) مین کہون کیا تیرا دل تو قصہ صوفی کی طرف ہے اور سر اسر اِسی خیال مین ڈوبا ہوا ہے اِس بنا پر مجھے ضرور ہے کہ مین اِس گفتگو سے اِس قصہ کی طرف رجوع کرون تم صوفی سے ظاہری صوفی نہ سمجھنا بلکہ حقیقی صوفی سمجھنا یہان سے مذمت میل الی الصورۃ بیان فرماتے ہین۔ آخر تو کب تک پابند صورت رہیگا اور لڑکون کی طرح جوز و مویز سے خوش ہو گا۔ ہمارا جسم تو جوز و مویز کی طرح نادانون کے دل کو لبھانے والا ہے تجھے چاہیے کہ اِس جوز و مویز کو چھوڑ اور حقیقت تک پہنچ اگر تو سعی کریگا اور اپنی سعی سے منزل مقصود تک نہ پہنچ سکیگا۔ تو حضرت سبحانہ تیری دستگیری فرمائین گے اور اپنے فضل سے تجھے عالم ناسوت سے اوپر پہونچا دین گے یعنی سلوک سے مطلوب تک نہ پہونچو گے (اور ہرگز نہ پہونچو گے) تو حق سبحانہ کی طرف سے جذب ہو گا اور وہ جذب منزل مقصود تک پہونچا دیگا۔ مذمت میل الی الصورۃ بیان فرما کر پھر قصہ کی طرف رجوع فرماتے ہین اور کہتے ہین بشنو اکنون صورت افسانہ را۔

شرح شبیری

حکایت معنی کی تقریر کا بستہ ہو جانا اِس وجہ سے کہ سامعین کی توجہ ظاہری حکایت کی طرف ہے

این زمان الخ ۔ یعنی اِس وقت سنو کہ کیا مانع ہوا ہے (اور بیان اسرار سے ہم کیون رک گئے) اِس لیے کہ سننے والے کا دل دوسری طرف ہو گیا اور یہ قاعدہ ہے کہ اگر متکلم یہ سمجھے کہ مخاطب میرے کلام کی طرف متوجہ نہین ہے تو اُسکی تقریر بند ہو جاتی ہے اور زبان چلتی نہین اسیطرح مولانا فرماتے ہین اور اگرچہ اِس وقت جبکہ مولانا مثنوی لکھ رہے ہین کوئی سامع موجود نہین ہے مگر مصنف کو یہ خیال آجاتا تھی کہ اب شاید سامعین اُکتا گئے ہونگے تحریر سے روک دیتا ہے پس یہی سبب بیان ہوا کہ مولانا کو یہ خیال ہوا کہ شاید اب اِن حقائق کے سننے سے لوگ گھبرا گئے ہون لہذا دوسرا مضمون شروع کرنا چاہتے ہین اب اُس اُکتانے کا سبب فرماتے ہین کہ۔

خاطرش شد الخ ۔ یعنی اُسکا دل اُس مہمان صوفی کی طرف مائل ہو گیا اور اُسی خیال مین گردن تک غرق ہو گیا مطلب یہ کہ چونکہ سامعین کو یہ خیال ہوا کہ اُس صوفی مہمان کی حکایت تو چھوڑ دی اور یہ کیا بیان کرنے لگے اور اُس کے یاد آنے سے اُس طرف توجہ ہو گئی اور اُن معانی کے بیان سے گھبرا گئے۔ لہذا اب اُس طرف توجہ ضروری ہوئی اِسی کو فرماتے ہین کہ۔

لازم آمد الخ ۔ یعنی اب لازم ہوا کہ اِس گفتگو سے باز رہین اور اُس افسانہ کے بیان کی طرف متوجہ ہون آگے ایک مضمون ارشادی کی طرف انتقال ہے کہ اِس صوفی کے قصہ سے تم یہ صوفی ظاہر کو مت سمجھ لینا اِسی کو فرماتے ہین۔

صوفی صورت الخ ۔ یعنی تم صوفی صورت کو مت سمجھنا اور بچون طرح کب تک جوز و مویز سے کھیلو گے۔ مطلب یہ کہ اِس حکایت کو صرف افسانہ ہی مت سمجھنا بلکہ اِس کے معانی کی طرف خیال کرنا کہ جسطرح اِسنے

اپنے خادم پر اعتماد کیا اور وہ نااہل اعتماد کے قابل نہ تھا تو اس نے نقصان اُٹھایا اسیطرح تم بھی کہین ناقصین کے پھندے مین پھنس کر نقصان مت اُٹھانا اور اس حکایت سے سمجھ لو کہ ناقص پر اعتماد کافی نہین ہے آگے بھی یہی مضمون ہے کہ۔

جسم ما جوز الخ۔ یعنی یہ ہمارا جسم جوز و مویز ہے اے لڑکے (یعنی طالب مبتدی) اگر تو مرد ہے تو ان دونون چیزون سے (یعنی جسم و صورت سے) گذر جا (علٰحدہ ہوجا اور اسمین مت پھنس) چونکہ یہان ان دونون سے علٰحدگی اختیار کرنے کو کہا ہے اسلیے آگے فرماتے ہین کہ۔

ور تو اندر الخ۔ یعنی اگر تو نہ گذر سکے گا تو اکرام حق تجھے تو آسان سے گذار دیگا مطلب یہ کہ تم اپنی طرف سے کوشش کرو اور ان چیزون سے علٰحدگی اختیار کرو اور اس کوشش مین ہو پھر اگر تم وہانتک پہونچ سکوگے تو اُسکے بعد تو جذب من اللہ ہوجاویگا اور تم واصل الی الحق ہوجاؤگے پس مقصود یہ ہے کہ کام کرتے رہو اُسکے بعد وہانتک پہونچادینا حق تعالٰی کا کام ہے آگے اُسی قصہ کی طرف رجوع کرتے ہین اور فرماتے ہین کہ۔

شرح حبیبی

التزام کردن خادم تیمار بہیمہ را و تخلف نمودن

بشنو اکنون صورت افسانہ را — لیک ہین از کہ جدا کن دانہ را
حلقۂ آن صوفیان مستفید — چونکہ در وجد و طرب آخر رسید
خوان بیاوردند بہر میہمان — از بہیمہ یاد آورد آن زمان
گفت خادم را کہ در آخر برو — راست کن بہر بہیمہ کاہ و جو

اچھا اب صورت واقعہ سُن لیکن دیکھ بھُس مین سے غلہ جُدا کر لینا اور صرف قصہ پر نظر نہ رکھنا بلکہ اس سے نصیحت حاصل کرنا جب ان صوفیون کا حلقہ حال قال مین ختم ہوا تو میہمان کے لیے کھانا لایا گیا اب صوفی صاحب کو اپنا گدھا بھی یاد آیا اور خادم سے کہا بھائی آخور پر جاؤ اور گدھے کے لیے گھانس اور جو کا انتظام کردو۔

گفت لاحول این چہ افزون گفتن است — از قدیم این کارہا کار من است
گفت تر کن آب خوش را از نخست — کان خرک پیرست و دندانہاش سست
گفت لاحول این چہ میگوئی مہا — از من آموزند این ترتیبہا
گفت پالانش فرو نہ پیش پیش — داروی منبل بنہ بر پشت ریش
گفت لاحول آخر این حکمت گذار — جنس تو مہمانم آید صد ہزار
جملہ راضی رفتہ اند از پیش ما — ہست مہمان جان ما و خویش ما

اس نے کہا لاحول ولا قوۃ آپ کے فرمانے کی ضرورت کیا ہے یہ تو میرے ہمیشہ کے کام ہین انہین مجھے کسی کے بتانے کی ضرورت نہین۔ صوفی صاحب نے فرمایا میان ذرا اس کے جو کو پیشتر سے بھگو دینا کیونکہ بیچارہ گدھا

بڈھا ہے اور دانت کمزور ہین خادم نے جواب دیا سرکار یہ آپ کیا فرماتے ہین ان باتون کو تو لوگون کو مجھ سے سیکھنا چاہیے نہ کہ مجھے سکھایا جاوے صوفی صاحب نے فرمایا میان پہلے پہل اسکا پالان اتار دینا اور زخمی کمر پر مرہم منبل (نام دوا) لگا دینا خادم نے جواب دیا لاحول ولا قوۃ اِس حکمت کو جانے دیجیے کچھ آپ میرے یہان نئے مہمان نہین آئے آپ سے ہزارون میرے یہان مہمان ہوتے ہین اور سب کے سب ہمارے یہان سے خوش گئے کیونکہ مہمان کو تو ہم جان کے برابر اور اپنا عزیز سمجھتے ہین۔

گفت آبش ده و لیکن شیر گرم — گفت لاحول از توام بگرفت شرم
گفت اندر جو تو کمتر کاه کن — گفت لاحول این سخن کوتاه کن
گفت جائش را بروب از سنگ و پشک — ور بود تر ریز بروے خاک خشک
گفت لاحول اے پدر لاحول کن — با رسول اہل کمتر گو سخن

صوفی صاحب نے کہا میان اِسے پانی بھی پلا دینا مگر نیم گرم تاکہ ٹھنڈا پانی اِس کے دانتون کو ضرر نہ پہنچائے اِس نے جواب دیا لاحول ولا قوۃ مجھے تو آپ سے شرم آتی ہے کہ اِس قدر سمجھا چکا ہون اور آپ کی سمجھ مین نہین آتا۔ صوفی صاحب نے کہا میان جو مین تھوڑا سا بھُس بھی ملا دینا۔ اُس نے جواب دیا لاحول ولا قوۃ اِس گفتگو کو مختصر کیجیے۔ صوفی صاحب نے کہا اسکی جگہ کو بھی ذرا ڈھیلون اور لید وغیرہ سے صاف کر دینا اور اگر جگہ تر ہو تو اُس پر سوکھی مٹی ڈال دینا اِس نے جواب دیا اے قبلہ لاحول پڑھیے لاحول۔ لائق قاصد (مراد کار کن) کو ہرگز زیادہ ہدایات نہین کرنی چاہئین۔

گفت بستان شانہ پشتِ خر بخار — گفت لاحول اے پدر شرمے بدار
گفت دم افسار را کوتہ ببند — تا ز غلطیدن نیفتد او بہ بند
گفت لاحول اے پدر چندین منال — بہر خر چندین مرو اندر جوال
گفت برپشتش فگن جل زود تر — زانکہ شب سرماست ای کان ہنر
گفت لاحول اے پدر چندین مگو — استخوان در شیر نبود تو مجو
من ز تو استاترم در فن خود — میہمان آید مرا از نیک و بد
لائق ہر میہمان خدمت کنم — من ز خدمت چون گل و چون سوسنم

صوفی صاحب نے فرمایا بھائی ذرا گدھے کی کمر پر کھریرا بھی پھیر دینا اِس نے کہا لاحول ولا قوۃ قبلہ کعبہ تو شرم کیجیے کہ آپ مجھے کس وقت سے دق کر رہے ہین صوفی صاحب نے فرمایا اُسکی پچھاڑی بھی ذرا چھوٹی رکھنا تاکہ لوٹنے سے اِسمین پھنس نہ جائے اُس نے کہا لاحول ولا قوۃ آپ اتنا رونا نہ روئیے اور ایک گدھے کے لیے اتنے پریشان نہ ہوجیے صوفی صاحب نے فرمایا کہ اُسپر جھول ذرا جلدی سے ڈال دینا کیونکہ جاڑے کی رات ہے اِس نے کہا لاحول ولا قوۃ اے قبلہ اِس قدر فرمانے کی ضرورت نہین آپ فضول حرکت کیون کرتے ہین مین آپ سے زیادہ اپنے فن مین ماہر ہون میرے یہان اچھے برے ہر قسم کے میہمان آتے ہین اور مین ہر ایک کی خدمت اُسکی حیثیت کے موافق کرتا ہون اور مین محض خدمت ہی کے سبب سے گل و سوسن

کی طرح سب کو محبوب ہو۔

خادم این گفت و میان بربست چست — گفت رفتم کاہ و جو آرم نخست
رفت وز آخر نکرد او ہیچ یاد — خواب خرگوشی بر آن صوفی فتاد
رفت خادم جانب اوباش چند — کرد بر اندرز صوفی ریشخند
صوفی از رہ ماندہ بود و شب دراز — خوابہا میدید با چشم فراز
کان خرش در چنگ گرگے ماندہ بود — پارہا از پشت و رانش مے ربود
گفت لاحول اینچہ مالیخولیاست — اے عجب آن خادم مشفق کجاست

خادم یہ کہکر تیار ہوا اور کہا اچھا مین جاکر بھُس اور جو ئے آؤن پھر یہ سب کام کرونگا۔ یہ کہکر چلدیا اور آخور کو بالکل بھول گیا۔ ادھر صوفی صاحب خادم کے بھروسہ پر مطمئن ہوکر سوگئے ادھر تو صوفی صاحب کی یہ حالت تھی کہ وہ مطمئن ہوکر سورہے تھے اُدھر خادم کی یہ حالت کہ چند آوارہ لوگ جو اُس کے یار دوست تھے اُن کے جلسہ مین پہنچ گیا اور صوفی صاحب کی ہدایتون کا مضحکہ اُڑانے لگا۔ صوفی صاحب کا بدن رستے کی تکان سے چور چور تھا ہی۔ اور رات بھی لمبی اِس لیے گہری نیند مین سورہے تھے اور آنکھین مندگی خواب مین دیکھ رہے تھے کہ انکا گدھا ایک بھیڑیے کے پنجے مین پھنس گیا ہے اور بھیڑیا اُس کے ٹکڑے اُڑا رہا ہے۔ کبھی کمر کا ٹکڑا لیجاتا ہے کبھی ران کا۔ علی ہذا القیاس صوفی صاحب خواب ہی مین فرماتے ہین لاحول ولا قوۃ یہ کیا خلل دماغ ہے جب کہ خادم نگران ہے تو کہین ایسا ہوسکتا ہے پھر دلمین اِس واقعہ کی صحت کا وسوسہ پیدا ہوتا ہے تو فرماتے ہین اے غضب خادم شفیق کیا ہوا جو بھیڑیا گدھے کی یہ گت بنا رہا ہے۔

باز میدید آن خرش در راہ رو — گہ بچاہے مے فتاد و گہ بگو
گونہ گون میدید ناخوش واقعہ — فاتحہ مے خواند با القارعہ
گفت چارہ چیست یاران جستہ اند — رفتہ اند و جملہا در بستہ اند
باز مے گفت اے عجب آن خادمک — نے کہ با ما گشت با نان و نمک
من نکردم باوے الا لطف و لین — او چرا با من کند بر عکس کین
ہر عداوت را سبب باید سند — ورنہ جنسیت وفا تلقین کند

پھر دیکھتے تھے کہ انکا گدھا رستہ چلنے مین کبھی کنوئین مین گرتا ہے کبھی کھائی مین غرض یون ہی ناگوار واقعات دیکھتے تھے اور دفع مصیبت کے لیے کبھی الحمد پڑھتے کبھی القارعہ۔ کبھی فرماتے تھے کیا تدبیر کرون سب لوگ تھکے ماندے اپنے اپنے حجرون مین دروازے بند کیے سورہے ہین کسی کو اُٹھا بھی نہین سکتا پھر کہتے تھے تعجب ہے کہ خادم بھی نہین جس نے ہمارے ساتھ کھانا کھایا تھا ہم نے تو اُس کے ساتھ ملاطفت اور نرمی ہی برتی ہے وہ میرے ساتھ اُلٹی دشمنی کیون کرتا ہے۔ ہر عداوت کو کسی سبب پر مبنی ہونا چاہیے ورنہ ہمجنس ہوتا تو وفا ہی سکھلاتا ہے۔

باز مے گفت آدمی با لطف وجود — کے بر آن ابلیس جورے کردہ بود
آدمی مر مار و کژدم را چہ کرد — کہ ہمی خواہند او را مرگ و درد

گرگ را خود خاصیت بدریدن ست　　کاین حسد در خلق آخر روشن ست
باز می گفت این گمان بد خطاست　　بر برادر این چنین ظنم چراست
باز گفتی حزم سوء الظن گفت ست　　ہر کہ بد ظن نیست کے ماند درست

پھر کہتے تھے کہ عداوت کے لیے سبب کیا ضرور ہے۔ کہ مہربان کریم آدم علیہ السلام نے شیطان پر کب کوئی زیادتی کی تھی کہ اُس کے معاوضہ میں شیطان نے اُن سے عداوت کی۔ آدمی نے سانپ بچھو کا کیا بگاڑا ہے کہ وہ اس کی موت اور تکلیف چاہتے ہیں بھیڑیے کے پھاڑنے کی عادت ہی ہے بلکہ اس قسم کا حسد تمام مخلوق میں مشاہد ہو رہا ہے پھر کہتے تھے کہ یہ بدگمانی بیجا بات ہے بھائی کی نسبت اس قسم کا گمان کیوں ہے پھر کہتے تھے بدگمانی ہی حزم و احتیاط ہے جو شخص بدظن نہ ہو کب محفوظ رہ سکتا ہے یعنی احتیاط اسی میں ہے کہ ہر شخص سے اس طرح معاملہ کیا جاوے جس طرح بدگمانی کی حالت میں کیا جاتا ہے لیکن بلا وجہ اعتقاد برائی کسی کی نسبت نہ ہو جاوے فلا تعارض بین قول الشیخ سعدی نگہ دار زان شوخ در کیسہ در + کہ داند ہمہ خلق را کیسہ بر + و بین قولہ ہر کرا جامہ پارسا بینی + پارسا دان و نیک مرد انگار

صوفی اندر وسوسہ وان خر چنان　　کہ چنان بادا جزاے دشمنان
آن خر مسکین میان خاک و سنگ　　کژ شدہ پالان دریدہ پالہنگ
کشتہ رہ جملہ شب بے علف　　گاہ در جان کندن و گہ در تلف
خر ہمہ شب ذکر گویان کاے الٰہ　　جو رہا کردم کم از یک مشت کاہ
با زبان حال میگفت اے شیوخ　　رحمتے کہ سوختم زین خام شوخ

صوفی صاحب تو اسی اُدھیڑ بن میں غلطان پیچان رہے اُدھر گدھے کی وہ بری حالت تھی کہ خدا ایسی حالت دشمنوں کو نصیب کرے۔ بیچارہ گدہا مٹی اور پتھروں میں لوٹتا تھا پالان لوٹنے سے ٹیڑھا ہو گیا تھا باگ ڈور ٹوٹ پھوٹ گئی تھی رستے کا مارا ہوا تھا رات بھر بے چارہ کے گذاری کبھی جان کنی کی حالت میں تھا کبھی یہ حالت ہوتی تھی کہ اب مرا۔ رات بھر یوں ہی دعائیں مانگتا رہا کہ الٰہی میں نے جو چھوڑ دیے تھوڑا سا بھس ملجاوے اور زبانِ حال سے کہہ رہا تھا کہ اے مشایخ تمھیں میرے حال پر رحم کرو اس بے شرم ناتجربہ کار مالک سے تو میری جان جل بھن کر کوئلہ ہو گئی کہ خود خبر نہیں لی۔ اور خبر گیری سپرد کی تو ایسے نالائق کے۔

آنچہ آن خر دید از رنج و عذاب　　مرغ خاکی بیند اندر سیل آب
پس بہ پہلو گشت آن شب تا سحر　　آن خر بیچارہ از جوع البقر
نالہ میکرد از فراق کاہ و جو　　مستمند از اشتیاق کاہ و جو
ہمچنین در محنت و درد و سوز　　نالہا میکرد از شب تا بروز

جو تکالیف گدھے نے برداشت کیں ویسی تکلیفیں خشکی کے جانور کو پانی میں ہو سکتی ہیں گدہا بیچارہ تمام رات صبح تک شدت گرسنگی سے کروٹیں بدلتا رہا کبھی بھس و جو کے نہ ملنے سے چلاتا تھا کبھی بھس اور جو کے اشتیاق میں رنجیدہ ہوتا تھا غرض محنت و تکلیف اور جلن کے سبب شام سے صبح تک چلاتا رہا۔

روز شد خادم بیامد بامداد　　زود پالان جست بر پشتش نہاد
خر فروشانہ دو سہ زخمش بزد　　کرد با خر آنچہ با سگ مے سزد

خر جہندہ گشت از تیزی نیش	گو زبان تا خر بگوید حال خویش

صبح ہوئی تو خادم صاحب تشریف لائے پالان ڈھونڈھ کر فوراً گدھے پر کس دیا خرفروشوں کی طرح دو تین ڈنڈے بھی رسید کئے اور گدھے کے ساتھ وہ برتاؤ کیا جو کتے کے ساتھ ہونا چاہیے۔ گدھا بیچارہ ڈنڈوں کے صدمہ سے کودنے لگا مگر زبان کہاں تھی جو اپنی حالت کہتا کہ رات بھر تو فقیری یہ گت بنائی اب مرے پر سو دُرے یہ کہ پالان کس کر سفر کی زحمت میں پھنسایا جاتا ہے اور اوپر سے ڈنڈے بھی لگائے جاتے ہیں۔

گمان بردن کاروانیان کہ مگر بہیمہ صوفی رنجورست

چونکہ صوفی برنشست و شد روان
ہر زمانش خلق بر مے داشتند
این یکے گوشش ہمی پیچید سخت
وان دگر در نعل او مے جست سنگ
باز می گفتند اے شیخ این چیست
گفت آن خر کو بشب لاحول خورد
چونکہ قوت خر بشب لاحول بود

او در افتادن گرفت آن ہر زمان
جملہ رنجورش ہمی پنداشتند
وان دگر در زیر گامش جست لخت
وان دگر در چشم او مے دید رنگ
دے ہمیگفتی کہ شکر این خر قویست
جز بدین شیوہ نتاند راہ برد
شب مسبح بود در روز اندر سجود

غرض جبکہ صوفی صاحب اس پر سوار ہو کر چلدئے تو رستہ میں وہ گدھا دم بدم گرنے لگا لوگ ہر مرتبہ اسکو اٹھاتے تھے اور سمجھتے تھے کہ بیچارہ بیمار ہے کوئی اٹھانے کے لیے اس کے زور سے کان مروڑتا کوئی اس کے پاؤں کے نیچے کنکری وغیرہ تلاش کرتا کوئی اس کے نعل کے اندر کنکری وغیرہ دیکھتا کوئی آنکھ کا رنگ دیکھتا غرض یونہی ہر ایک اسکی وجہ دریافت کرنے میں مشغول تھا۔ جب کوئی وجہ نہ معلوم ہوتی تو طنز سے شیخ سے کہتا کہ حضور تو کل رات فرماتے تھے کہ خدا کا شکر ہے کہ یہ گدھا بہت مضبوط ہے۔ آج اسے کیا ہوا یہ گر گر کیوں پڑتا ہے۔ صوفی صاحب نے فرمایا کہ صاحبو جس گدھے نے رات بھر لاحول کے سوا کچھ نہ کھایا ہو وہ تو رستہ یونہی قطع کریگا۔ چونکہ اس بیچارے نے رات بھر لاحول کھائی ہے اس لیے رات بھر اس نے تسبیح پڑھی اور صبح کو سجدہ میں مشغول ہے۔

شرح شبیری | بشنوا کنون۔ الخ۔ یعنی اب اس افسانہ کی صورت سن لو مگر دیکھو دانہ کو خس و خاشاک سے علیحدہ کر کے مطلب یہ کہ لو اب اس حکایت کو سن لو مگر یہ سمجھ لو کہ اسمیں جو معنے ہیں اور بمنزلہ دانہ کے ہیں ان کو خس و خاشاک صورت سے علیحدہ کر کے دیکھنا اور یہی مت سمجھنا کہ اس سے مقصود صرف بیان افسانہ ہے بلکہ مقصود یہ ہے کہ جس طرح اس صوفی نے اعتماد نا اہل پر کیا تم بھی کہیں ایسا ہی مت کرنا آگے اس صوفی کی حکایت کا تتمہ ہے فرماتے ہیں کہ:۔

ذمہ داری کر لینا خادم کا خبرداری بہیمہ کی اور پھر اسکی خبرداری نہ کرنا

حلقۂ آن الخ۔ یعنی جب اُن صوفیوں کا جو کہ مستفید من الحق تھے (خواہ وہ استفادہ سچا ہو یا جھوٹا) حلقہ

حالت وجد طرب مین ختم اور تمام ہوگیا تو وہ لوگ اس صوفی مہمان کے لیے کھانا لائے اُس وقت اس صوفی مہمان کو اپنا جانور بھی یاد آیا تو کہنے لگا کہ۔

گفت خادم را الخ۔ یعنی خادم (خانقاہ) سے کہنے لگا کہ آخور مین جاکر ذرا اُس جانور کے لیے گھانس دانہ درست کردو۔

گفت لاحول الخ۔ یعنی خادم نے کہا کہ لاحول ولا قوۃ یہ کیا فضول بات آپ نے کہی میرا تو یہ قدیمی کام ہے مطلب یہ کہ اس سے خوب واقف ہون بتلانے کی ضرورت نہین۔

گفت تر کن الخ۔ یعنی اُس صوفی نے کہا کہ اُسکا دانہ پہلے سے بھگو دینا اس لیے کہ وہ گدھا بوڑھا ہے اور دانت کمزور ہین۔

گفت لاحول الخ۔ یعنی خادم نے کہا کہ لاحول ولا قوۃ آپ یہ کیا فرمارہے ہین اس کام کو تو لوگ مجھ سے سیکھتے ہین یعنی فن خدمت سے خوب واقف ہون۔

گفت پالانش الخ۔ یعنی اُس صوفی نے کہا کہ پہلے پہل اُسکا پالان اوتار لیجو اور زخم کی دوا اُسکی زخمی کمر پر لگا دیجو مُبل ایک گھاس کا نام ہے جو زخم پر لگایا جاتا ہے۔

گفت لاحول الخ۔ یعنی خادم نے کہا کہ لاحول ولا قوۃ آخر اس حکمت آموزی کو چھوڑیے تم جیسے مہمان ہمارے یہان لاکھون آتے ہین اور سب کے سب ہم سے راضی ہی جاتے ہین اور مہمان تو ہماری جان ہے ہمارا عزیز ہے

گفت آبش الخ۔ یعنی اُس صوفی نے کہا کہ اُسکو پانی بھی پلا دینا مگر ذرا نیم گرم ہو تو خادم نے کہا لاحول لا قوۃ مجھے تو آپ کے اصرار سے شرم بھی آنے لگی۔

گفت اندر جو الخ۔ صوفی نے کہا کہ اُس کے دانہ مین تھوڑا گھاس بھی ڈال دینا خادم نے کہا کہ لاحول و لا قوۃ اس بات کو چھوڑیے اور کرم کیجئے۔

گفت جایش الخ۔ صوفی نے کہا کہ ذرا اُسکی جگہ جھاڑ دو کر پتھر اور سنگین وغیرہ سے صاف کر دینا اور اگر جگہ تر ہو تو اُسپر تھوڑی خشک مٹی ڈال دینا۔

گفت لاحول الخ۔ خادم نے کہا کہ لاحول ولا قوۃ اے قبلہ لاحول پڑھیے اور بھیدار قاصد سے کم بات کیجیے اس لیے کہ وہ خود جانتا ہے۔ رسول اہل موصوف صفت۔

گفت بستان الخ۔ صوفی نے کہا کہ کھر یا لیکر گدھے کی کمر مین کھجلا دینا۔ خادم بولا کہ لاحول ولا قوۃ قبلہ اتو شرم کیجیے کہ کیا کیا فضولیات بک رہے ہو۔

گفت دُم الخ۔ صوفی نے کہا اُسکی پچھاڑی ذرا تنگ ہی باندھ دیجو تاکہ لوٹنے کے وقت اسمین اُلجھ نہ جاوے۔

گفت لاحول الخ۔ خادم بولا کہ لاحول ولا قوۃ قبلہ اتنا نہ روئیے (یعنی اس قدر پریشان نہ ہو جیے) اور ایک گدھے کے واسطے اس قدر رخفامت ہو جئے۔ در جوال رفتن محاورہ ہے یعنی خفا شدن۔

گفت بر پشتش الخ۔ صوفی نے کہا کہ اُس کے اوپر جھول بھی جلدی ہی ڈال دینا اس لیے کہ سردی کی رات ہے اسے مہر مند۔

گفت لاحول الخ۔ خادم نے کہا کہ لاحول ولا قوۃ اے قبلہ اس قدر نہ فرمایئے دیکھئے تو دودھ مین ہڈی کہان ہوتی ہے لہذا تم مت ڈھونڈو مطلب یہ کہ فضول کام مت کرو۔

من ز تو اُستا ترم الخ۔ اور خادم ہی نے یہ کہا کہ مین اپنے فن مین تم سے زیادہ اُستاد ہون اور یہان تو مہمان اچھے برے سب طرح کے آتے ہین مین ہر ایک میہمان کے لائق اور مناسب خدمت کرتا ہون اور مین اس خدمت کی وجہ سے مثل گل اور سوسن کے محبوب ہوگیا ہون یا یون کہا جاوے کہ مین خدمت سے اس طرح کھلتا اور خوش ہوتا ہون کہ جس طرح پھول ہوتا ہے اور سوسن ہوتی ہے۔

خادم این گفت الخ۔ خادم نے یہ کہکر اپنی کمر چست کس لی اور کہنے لگا کہ اب مین پہلے گھاس و دانہ لاؤن

رفت وا ز آخر الخ۔ یعنی وہ خادم صاحب وہان سے تشریف لے گئے اور آخور کی طرف رُخ بھی نہ کیا اور اُسے مطلق یاد نہ کیا یہان صوفی صاحب بے فکر ہوکر خوب آرام سے سو رہے مطلب یہ کہ اُس صوفی سے تو سب وعدہ کرلیا اور کیا کچھ بھی نہین بلکہ۔

رفت خادم الخ۔ یعنی وہ خادم وہان سے چل کر چند اوباش لوگون کے پاس گیا اور صوفی کی ان نصیحتون پر مسخرہ پن کرنا شروع کیا۔

صوفی از رہ ماندہ الخ۔ یعنی صوفی راستہ کا تھکا ہوا تھا اور رات بھی خوب لمبی تو اُس نے خواب دیکھنا شروع کین آنکھین بند کیے ہوے فراز کھلے ہوے کے اور بند کے دونون معنی مین آتا ہے مطلب یہ کہ جب وہ سوگیا تو اُسکو خوابین نظر آنے لگین۔

کان خرش الخ۔ صوفی نے یہ خواب دیکھا کہ اُسکا گدھا ایک بھیڑیے کے چنگل مین ہے اور وہ کبھی اُسکی کمر سے ایک ٹکڑہ گوشت کا نے کھاتا ہے اور کبھی ران سے مطلب یہ کہ خوب گت بن رہی ہے۔

گفت لاحول الخ۔ یعنی وہ صوفی خواب مین کہنے لگا کہ لاحول ولا قوۃ یہ کیا مالیخولیا اور پراگندہ خیالات ہین اور تعجب کی بات ہے کہ وہ خادم مشفق کہان ہے یعنی اگر وہ ہوتا تو اس بیچارے کی یہ گت کیون بنتی۔

باز میدید الخ۔ پھر دیکھا کہ اُسکا گدہا راستہ چلنے مین کبھی کنوین مین گرتا ہے اور کبھی گڈھے مین گرتا ہے مطلب یہ کہ بیچارے کی بُری گت بن رہی ہے درراہ رو سے مراد درراہروی ہے یعنی راہ چلنے مین اسکی یہ حالت تھی۔

گونہ گون الخ۔ یعنی قسم قسم کے ناگوار واقعات دیکھ رہا تھا اُسکی وجہ سے کبھی سورۂ فاتحہ پڑھتا تھا اور کبھی القارعہ عالمون کے یہان یہ دونون سورتین دفع بلا کے لیے ہین لہذا مولانا نے بھی بنا پر مشہور لکھ دیا۔

گفت چارہ چیست الخ۔ (اب اصل صوفی صاحب کی آنکھ کھلی) تو کہنے لگا کہ اب علاج ہی کیا ہوسکتا ہے اس لیے کہ سب یار تو تھکے ماندے ہین اور سب (اپنے اپنے حجرہ مین) چلے گئے ہین اور دروازہ بند کرلیا ہے مطلب یہ کہ جب ان حضرت کی آنکھ کھلی تو اُس خواب کا قلب پر کچھ اثر ہوا لیکن کہنے لگے کہ آخر علاج ہی کیا ہوسکتا ہے خانقاہ مین ایک ہو کا عالم ہے سب لوگ اپنے اپنے حجرون مین تھکے ماندے بیٹھے ہین کس کو جگاؤن کہ اُسکی خبر لے۔ پھر اس توہم کو دفع کرتا تھا۔ اور کہتا تھا کہ۔

باز میگفت الخ۔ پھر کہنے لگا کہ تعجب کی بات ہے کہ وہ خادم کیا ہمارے ساتھ ہم نان و نمک نہ ہوا تھا۔

مطلب یہ کہ اُس بدگمانی سے واپس ہو کر کہتا ہے کہ اُس خادم نے جب ہمارے ساتھ روٹی کھائی ہے تو وہ ایسی بیوفائی نہیں کر سکتا کہ اُس جانور کی خبر نہ لیتا۔ نے کہ با ما الخ استفہام تقریری۔

من نکردم الخ۔ یعنی مین نے اُس کے ساتھ مہربانی اور نرمی ہی کی ہے پھر وہ میرے ساتھ اُسکے بالعکس کینہ کیون کرتا اِس لیے کہ۔

ہر عداوت را الخ۔ یعنی ہر عداوت کا کوئی سبب ہوتا ہے ورنہ ہمجنس ہونا تو وفا کی تعلیم کرتا ہے اور یہ تو وفا کرنے کو مقتضی ہے مگر پھر وہم سوار ہوا اور کہنے لگا کہ۔

باز می گفت الخ۔ پھر کہنے لگا کہ (جنسیت تو بیشک وفا کی تعلیم کرتی ہے مگر) دیکھو کہ آدم علیہ السلام نے باوجود اِس لطف و کرم کے ابلیس لعین پر کیا ظلم کیا تھا کہ وہ اُن کا دشمن ہو گیا اِسی کو دوسری مثال سے بیان کرتا ہے اور دل کو سمجھاتا ہے۔

آدمی مر مار را الخ۔ یعنی دیکھو سانپ بچھو کا آدمی نے کیا بگاڑا ہے کہ یہ اُسکا مرنا اور اُسکی تکلیف چاہتے ہین پھر ایک اور مثال دیتا ہے کہ۔

گرگ را خود الخ۔ یعنی بھیڑیے کی خاصیت پھاڑ ڈالنا ہے اور یہ حسد روشن ہے اور اِسکو سب جانتے ہین حالانکہ انسان نے اُسکا کچھ بھی نقصان نہین کیا بس معلوم ہوا کہ بعض مرتبہ بے سبب بھی دشمنی ہوا کرتی ہے اور یہ شبہ ہو گیا کہ اگرچہ مین نے اُس خادم کے ساتھ کوئی بات ایسی نہین کی جس سے کہ وہ میرا دشمن ہوتا مگر ممکن ہے کہ بے سبب کے بھی دشمن ہو گیا ہو لیکن پھر اِس وہم کو دفع کرتا ہے۔

باز می گفت الخ۔ یعنی پھر یہ کہنے لگا کہ یہ بدگمانی کرنا بُری بات ہے اور بھلا بھائی پر یہ گمان میرا کیون ہے اور کس لیے ہے مطلب یہ کہ یہ بدگمانی بھائی پر نہ ہونی چاہیے پھر اسمین وہم پیدا ہوتا تھا اور کہتا تھا۔

باز گفتے الخ۔ یعنی پھر کہنے لگتا کہ یہ میرا سوء ظن نہین ہے بلکہ یہ تو دور اندیشی ہے اِس لیے کہ جو دور اندیش نہین ہے وہ درست کب رہ سکتا ہے حزم سوء الظن سے اشارہ ہے ایک حدیث کی طرف وہ یہ ہے الحزم سوء الظن یعنی دور اندیشی کی بات یہ ہے کہ ہر شخص سے بدگمان رہے یہان یہ سمجھ لو کہ حدیث مین دوسری جگہ مسلمان پر بلا قرینہ کے بدگمانی کرنے سے ممانعت آئی ہے اور یہان بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ ہر شخص پر بدگمانی کرنی چاہیے تو اِسکو یون سمجھو کہ ایک تو سوء الظن عملاً ہے یعنی عمل اِس طرح ہو کہ جس سے سوء ظن معلوم ہو لیکن قلبی پر بدگمانی نکرے دوسرے یہ کہ دلمین بدگمانی ہے اور بلا کسی قرینہ اور دلیل کے کسی کو متہم کرے۔ سو صورت اول تو جائز ہے اور حدیث مین یہی معنے ہین کہ عملاً سب کی طرف سے بدگمان رہے تاکہ اپنی چیز کی اچھی طرح حفاظت کر سکے اور دوسری صورت ممنوع ہے کہ بلا کسی قرینہ قویہ کے کسی کو متہم کرے پس یہ صوفی کہنے لگا کہ اِس طرح رہنا جس سے کہ بدگمانی مترشح ہوتی ہے وہ دور اندیشی اور اپنی چیز کی حفاظت ہے لہذا اگر مجھے اُسپر اِس قسم کے گمان ہین تو کوئی تعجب نہین ہے آگے اُس بیچارے گدھے کی کیفیات بیان کرتے ہین کہ اُس بیچارے پر کیا گذری فرماتے ہین کہ۔

صوفی اندر الخ۔ یعنی صوفی تو ان وساوس مین مبتلا تھا اور وہ گدھا اِسی حالت مین تھا کہ بس دشمن کی بھی یہی حالت ہو یعنے اُسکا بُرا حال تھا۔

آن خر مسکین الخ - یعنی وہ بیچارہ گدہا خاک اور پتھرون مین پڑا ہوا تھا اور اُس کا پالان بھی ٹیڑھا ہو گیا تھا اور زیر بند بھی پھٹ گیا تھا اور -

کشتہ ازرہ الخ - یعنی راستہ کا تھکا ہوا ساری رات کا بے گھاس دانہ کبھی اُس کو جان کنی ہوتی تھی اور کبھی مرنے کو ہوتا تھا -

خرہمہ شب الخ - یعنی وہ گدہا رات بھر یہ دعا کر رہا تھا کہ یا الٰہی مین نے جو (یعنی دانہ) چھوڑا مجھے ایک مٹھی گھاس ہی مل جاوے -

با زبان حال الخ - یعنی بزبان حال وہ گدہا کہہ رہا تھا کہ اے شیوخ (خانقاہ) رحم فرمائیے کہ اس بد معاش (صوفی) کی وجہ سے مین جل گیا اور مجھپر یہ مصیبتین پڑین آگے مولانا اس گدھے کے مطالب کی ایک مثال دیتے ہین کہ

آنچہ این الخ - یعنی اس بیچارے گدھے پر جو رنج و عذاب گذر رہا تھا اُسکی ایسی مثال تھی جس طرح کہ اگر خشکی کے جانور کو پانی مین ڈال دو اُسکی حالت ہوتی ہے آگے پھر اُسی کی حالت کو بیان فرماتے ہین کہ -

بس یہ پہلو الخ - یعنی وہ تمام رات صبح تک اُس بیچارے گدھے کو جوع البقر کی وجہ سے کروٹین بدلتے گذری جوع البقر اور جوع الکلب وغیرہ امراض ہوتے ہین جس مین بھوک بہت لگتی ہے مطلب یہ کہ بھوک کے مارے کروٹین بدلتے ہی گذری اور نیند نہ آئی -

نالہ میکرد الخ - یعنی وہ گدھا گھاس دانہ کے نہ ملنے کی وجہ سے روتا تھا اور گھاس دانہ کے اشتیاق مین غمگین تھا -

ہمچنین در محنت الخ - یعنی اسیطرح اس مصیبت اور درد اور جلن مین رات بھر نالہ و فریاد کیا صبح تک -

روز شد خادم الخ - یعنی دن ہوا تو صبح ہی وہ خادم صاحب تشریف لائے اور جلدی سے پالان ڈھونڈھکر اُسکی پشت پر رکھدیا یعنی صوفی صاحب کی سواری کے لیے طیار کردیا -

خرفروشانہ الخ - یعنی خرفروشون کی طرح اُس کے دو تین زخم لگائے اور جو کتے کے ساتھ کرنا چاہیے اُس (گدھے) نے اِس گدھے کے ساتھ کیا مطلب یہ کہ جس طرح گدھے بیچنے والے جانور کی تیزی دکھلانے کو کتے مار کر ہنکاتے ہین اسیطرح اس نے بھی بہت ہی بے دردی سے اُسکو مارنا شروع کیا تاکہ معلوم ہو کہ خوب کھا کر مضبوط ہو گیا ہے -

خرجہندہ الخ - یعنی وہ گدھا اُس زخم کی وجہ سے کودنے پھاندنے لگا اور بچارا زبان کہان سے لاوے کہ اپنا حال بیان کرے کہ مجھپر یہ گذری غرضکہ اُس خادم نے اِس بیچارہ کو اچھی طرح بھوکا پیاسا مارا اور اب صوفی صاحب سوار ہو کر تشریف لے چلتے ہین ذرا دیکھیے کیا گت بنتی ہے -

صوفی کے جانور کو قافلہ والون کا بیمار سمجھنا

چونکہ صوفی الخ - یعنی جب کہ وہ صوفی صاحب (صبح کو) اُس پر بیٹھکر روانہ ہوے تو وہ گدھا منھ کے بھل گرنے لگا -

ہر زمانش الخ - یعنی ہر وقت اُسکو لوگ اُٹھاتے تھے اور سب کے سب اُسکو بیمار سمجھتے تھے -

آن یکے الخ - یعنی کوئی اُسکا کان خوب زور سے ملتا تھا (تاکہ تیز چلے) اور کوئی اُس کے قدم مین زخم ڈھونڈھتا تھا

کہ شاید اُس زخم کی وجہ سے نہ چل سکتا ہو۔
وان دگر در الخ ۔ یعنی کوئی اُس کے نعل مین کنکر ڈھونڈھتا تھا (کہ شاید اُسکی تکلیف سے نہ چل سکتا ہو) اور کوئی اُسکی آنکھ کی رنگت دیکھتا تھا اس لیے کہ گھوڑون گدھون کی بیماری آنکھ سے ہی معلوم ہوتی ہے تو وہ بھی اِسلیے آنکھ دیکھتا تھا کہ شاید کچھ بیمار ہو۔
باز می گفتند الخ ۔ یعنی (جب کہ ان باتون مین کچھ نہ پایا تو) کہتے تھے اجی حضرت شیخ صاحب اِسکا گرنا پڑنا کس سبب سے ہے اور حالانکہ آپ کل فرماتے تھے کہ خدا کا شکر ہے کہ گدہا خوب قوی ہے اور خوب چلتا ہے مطلب یہ کہ کل تو یہ تعریفین تھین اور آج اِسکی یہ حالت ہے یا بایں شور اشوری یا باین بے نکی آگئے اُس صوفی نے خوب جواب دیا کہنے لگا۔
گفت آن خر الخ ۔ یعنی وہ صوفی کہنے لگا کہ جس گدھے نے رات بھر لاحول کھائی ہو وہ تو بجز اِس طریقہ کے اور کسیطرح چل ہی نہین سکتا اِس لیے کہ۔
چونکہ قوت الخ ۔ یعنی چونکہ گدھے کا کھانا رات بھر لاحول ہی رہا ہے لہذا رات بھر تسبیح خوان رہا اور اب سجدہ کر رہا ہے یعنی رات بھر انتڑیون نے قل ہو اللہ پڑھی اب سجدہ کر رہی ہین کہ گر گر پڑتی ہین اب آگے مولانا اِس صوفی کی حکایت سے انتقال فرماتے ہین ایک مضمون ارشادی کی طرف کہ جس طرح اِس صوفی نے نااہل پر اعتماد کر کے اور اُسکی باتون سے دھوکا کھایا کہین تم بھی نہ پھنس جانا اِسی کو فرماتے ہین کہ۔

شرح حبیبی

چون ندارد کس غم تو ممتحن — خویش کار خویش باید ساختن
آدمی خوارند اغلب مردمان — از سلام علیک شان کم جو امان
خانهٔ دیو است دلهای همه — کم پذیر از دیو مردم دمدمه
از دم دیو آنکه او لاحول خورد — همچو آن خر در سر آید در نبرد
هر که در دنیا خورد تلبیس دیو — وز عدوی دوست رو تعظیم و ریو
در ره اسلام و بر پول صراط — در سر آید همچو آن خر در خباط
عشوه های یار بد منیوش هین — دام بین ایمن مرو تو در زمین
صد هزار ابلیس لاحول آر بین — آدما ابلیس را در مار بین
دم دهد گوید ترا ای جان دوست — تا چو قصابی کشد از دوست پوست
دم دهد تا پوستت بیرون کشد — وای آن کز دشمنان افیون چشد
سر نهد بر پای تو قصاب وار — دم دهد تا خونت ریزد زار زار
همچو شیران صید خود را خویش کن — ترک عشوه اجنبی و خویش کن
همچو خادم دان مراعات خسان — بیکسی بهتر ز عشوه ناکسان

در زمین مردمان خانہ مکن / کار خود کن کار بیگانہ مکن
کیست بیگانہ تن خاکی تو / کز برائے اوست غمناکی تو
تا تو تن را چرب و شیرین میدہی / جوہر جان را نہ بینی فربہی
گر میان مشک تن را جا شود / روز مردن گند او پیدا شود
مشک را بر تن مزن بر دل بمال / مشک چہ بود نام پاک ذوالجلال
آن منافق مشک بر تن مے نہد / روح را در قعر گلخن مے نہد
بر زبان نام حق و بر جان او / گندہا از کفر بے ایمان او
ذکر با او ہمچو سبزہ گلخن ست / بر سر مبرز گل ست و سوسن ست
آن نبات آنجا یقین عاریت ست / جای آن گل مجلس ست و عشرت ست
طیبات آمد برائے طیبین / للخبیثین را خبیثات ست ہین

اے مبتلاے آزمایش ۔ اور اے مکلف جب کسی کو تیری فکر نہیں تو تجھے اپنا کام خود کرنا چاہیے لوگونکی تو یہ حالت ہے کہ اُنمیں اکثر آدم خوار و ضرر رسان ہیں پھر ان سے انتفاع کی کیا توقع ہو سکتی ہے تجھے تو ان کے سلام علیک سے بھی بچنا چاہیے نہیں معلوم اسمین بھی کیا راز ہے سب کے دلون مین شیطان گھسا ہوا ہے اور اس نے ان کو اپنا گھر بنا لیا ہے ان شیطان آدمیون کے فریب مین نہ آنا جسنے فریب شیطانی سے لاحول کھائی اور اسپر اطمینان کر لیا تو وہ اس گدھے کی طرح اپنے اور شیطان کے معرکہ اور مقابلہ مین سر کے ہی بل گرا اور شکست ہی کھائی کبھی کامیاب نہ ہوا اور جس شخص نے دنیا مین شیطان سے دھوکھا کھایا اور اپنے اس دوست نما دشمن کی مکارانہ تعظیم اور دوسرے مکرون سے مغالطہ مین پڑا وہ راہ اسلام اور پل صراط پر اس گدھے کی طرح اپنی بے ڈھنگی چال کی بدولت ضرور سر کے بل گریگا پس اپنے اس بدست دوست کی فریب آمیز باتین نہ سُننا اور زمین مین بے کھٹکے نہ چلنا ۔ اے آدمی دیکھ تو سہی دُنیا مین لاکھون ابلیس ہین جو اس خادم کی طرح لاحول پڑھ پڑھ کر فریب دیتے ہین اور یاد رکھ کہ ایسی جگہ بھی تجھے شیطان ملیگا جہان وہم و گمان بھی نہ ہو چنانچہ حضرت آدم کو بہکانے کے لیے سانپ کے اندر حلول کر کے جنت تک پہونچا تھا (مولانا نے اسی مضمون کی طرف آدما ۔ ابلیس را در مار بین سے اشارہ کیا ہے) یہ تجھے جان دوست کہکر پکارتا اور میٹھی میٹھی باتین کرتا ہے تجھے دھوکھا دیتا ہے تاکہ تجھے ہلاک کر دے جسطرح قصائی گائے کو فریب دیکر اور قدمون مین گر گر گراتا ہے ۔ اور اُسکی کھال نکال لیتا ہے یہ بھی اسیطرح تجھے فریب دیتا ہے تاکہ تیری کھال نکالے اور تجھے موت روحانی مین مبتلا کرے ۔ ہاے افسوس ان لوگونکی حالت پر جو دشمنون کے ہاتھ افیون کھا کر بیہوش ہو جاتے ہین اور انکو اپنا کام کر گذرنے کا موقع دیتے ہین یعنی وہ لوگ جو شیطان کے فریب مین آکر عقل کھو بیٹھتے ہین جس سے اس کو اپنی مقصد برآری کا پورا موقع ہاتھ آجاتا ہے شیطان کی تو بالکل ایسی حالت ہے (جیسا کہ ہم پہلے بھی بیان کر چکے ہین) جیسے قصائی کہ وہ فریب دیکر تیرا خون بہانا اور موت روحانی مین مبتلا کرنا چاہتا ہے جب تجھے معلوم ہو گیا کہ شیطان کی یہ حالت ہے

اور اکثر آدمیون مین شیطان حلول کیے ہوے ہے تو بس تو کسی پر اعتماد نہ کر اور شیر کی طرح اپنا شکار خود کر اور اپنون اور پرایون کی نازبرداری چھوڑ ان نااہلون اور کمینون کی مراعات کو ایسا ہی سمجھ جیسے اس خادم کی مراعات۔ اور سمجھ لے کہ نااہلون کی نازبرداری سے عدم استعانت ہی بہتر ہے ہم پھر کہتے ہین کہ دوسرون کی زمین مین گھر نہ بنا۔ اور ان پر اعتماد نہ کر۔ بس اپنا کام کئے جا دوسرون کی فکر مین کبھی مت پڑ۔ اور جس طرح دوسرون سے کام لینا چھوڑا ہے یون ہی دوسرون کے کامون مین مشغول بھی مت ہو جس سے تیرے کامون مین خلل پڑے۔ اور جبکہ دوسرون کا کام اپنا ہی کام ہو تو وہ اس ممانعت مین داخل ہی نہین جیسے ارشاد و ہدایت وغیرہ امور جو امور من اللہ مین) عام بیگانون کو تو تو جانتا ہے ایک خاص بیگانہ کو بھی ہم تجھے بتائے دیتے ہین تو جانتا ہے وہ بیگانہ کون ہے وہ تیرا تن خاکی ہے جس کے لیے تو ہمیشہ مغموم رہتا ہے پس تو جبتک اس کے کام مین مصروف رہیگا اور اسکو چرب و شیرین لقمے کھلائیگا تیری روح مین قوت اور موٹائی پیدا نہین ہوسکتی یاد رکھ کہ جسم کی فکر تو بالکل ہی بے سود ہے اس لیے کہ اگر مشک کے انبار مین بھی اسکو رکھدیا جاوے تب بھی مرتے ہی اسمین بدبو آنے لگے گی لہذا بدن مین مشک ملنا بالکل بے سود ہے پس تو بدن مین مشک نہ لگا بلکہ دل پر مل دل پر لگانے کا مشک یہ متعارف مشک نہین بلکہ وہ مشک حق سبحانہ کا نام پاک ہے۔ منافق حقیقی یا اعم من الحقیقی والشبیہ بہ بدن مین تو مشک لگاتا ہے مگر روح کو دوزخ مین جھونکتا ہے یعنی زبان پر تو خدا کا نام ہے لیکن اسکی روح مین اس کے کفر یا بے ایمان حقیقی یا اعم منہ و من الشبیہ بہ کی ہنون نجاستین اور گندگیان بھری ہوئی ہین اس کے اور اس کے ذکر کی ایسی مثال ہے جیسے گھوڑے پر سبزہ اور پیخانہ کی جگہ پر گل و سوسن وہان وہ سبزہ یقیناً عاریت اور عارضی ہے ورنہ اصلی جگہ اسکی مجلس عیش و طرب ہے اس لیے کہ اچھی چیزین اچھون کے لیے ہین اور بری بُرون کے لیے۔ یہان چونکہ نفس پروری اور بد باطنی کی مذمت کی تھی آگے بعض اخلاق ذمیمہ سے روکتے ہین جن سے باطن مین برائی پیدا ہوتی ہے۔ اور کینہ کی تخصیص مزید شناعت کی بنا پر ہے۔

کین مدار آنہا کہ از کین گمرہند ۔۔۔ گورشان پہلوے کین داران نہند

اصل کینہ دوزخ ست و کین تو ۔۔۔ جزو آن کل ست و خصم دین تو

چون تو جزو دوزخی ہان گوش دار ۔۔۔ جزو سوے کل خود گیرد قرار

ور تو جزو جنتی اے نامدار ۔۔۔ عیش تو باشد چو جنت پائدار

تلخ با تلخان یقین ملحق شود ۔۔۔ کے دم باطل قرین حق شود

کینہ نہ رکھنا کیونکہ جن کو کینہ نے راہ راست سے بھٹکا دیا ہے انکی قبر کینہ دارون کے برابر بنائی جائیگی یعنی عالم برزخ مین ان کو مقارنت و مرافقت ایسے ہی لوگون سے ہوگی اس لیے کہ وہی ان کے ہم مشرب ہین۔ ایک وجہ تو اسکی برائی کی یہ تھی دوسری وجہ یہ ہے کہ نفس کینہ یعنی مرتبہ حقیقت کلیہ مین جو کہ اپنی افراد کے اعتبار سے مثل جزو کے ہے مآل کے لحاظ سے دوزخ ہے اور تیرا کینہ بھی اسی کل کی ایک شاخ اور اسی کلی کا ایک فرد ہے جسکو تشبیہاً کل و جزو کہدیا لہذا تیرا کینہ دوزخ کی شاخ اور جزو دوزخ ہوگا۔ تیسری وجہ

خرابی کی یہ ہے کہ وہ تیرے دین کا دشمن ہے پس جبکہ یہ معلوم ہوگیا کہ تیرا کینہ نفس کینہ کا جزو اور اُسکی ایک شاخ اور اِس کلی کا ایک فرد ہے اور نفس کینہ دوزخ ہے تو اگر تو اِس کینہ کا ملازم ہوگا تو تو بھی بمنزلہ جزو دوزخ کے ہوگا اور یہ مُن رکھ کہ جزو اپنے کل ہی مین جا کے ٹھیرتا ہے تو اِس سب کا نتیجہ یہ ہوا کہ اگر تو کینہ کا ملازم ہوگا اور اُسکو اپنے سے جُدا نہ کریگا تو تیرا ٹھکانا دوزخ ہوگا اور جبکہ کینہ اور اِسی تقریر سے جزو دوزخ قرار پایا تو جو شخص کینہ ور نہین لامحالہ جزو جنت ہوگا پس اگر تو جزو جنت ہے تو تیری مزیدار زندگی جنت کی طرح پائدار ہوگی اور تو دنیا مین بھی راحت مین رہیگا۔ لعدم الموذی اور آخرت مین بھی چین سے رہے گا۔ یہ جو ہم نے کہا ہے کہ گورشان پہلوے کین داران نہند۔ اِسکی وجہ یہ ہے کہ الجنس یمیل الی الجنس عام قاعدہ ہے۔ اور تلخ ہمیشہ تلخون ہی کے ساتھ ملحق ہوتا ہے۔ اور باطل بات باطل ہی کے ساتھ میل کھاتی ہے حق بات کے ساتھ اُسکو لگاؤ نہین ہوتا تو لازم ہے کہ کینہ دار بھی کینہ دارون ہی کے ساتھ ہون (تنبیہ) اصل کینہ دوزخ ست کی دو توجیہین ہوسکتی ہین اول یہ کہ اصل سے مراد مرجع ہو اور دوسری یہ کہ اصل کینہ سے مراد نفس کینہ ہو اور اصل کی اضافت کینہ کی طرف بیانیہ من قبیل لجین الما رہو۔ اور دوزخ اسپر مبالغہ محمول ہو بلحاظ مآل ہونیکے اور مولانا کا اصل کینہ کو دوزخ کہکر کینِ تو کو اُس کل کا جزو کہنا۔ اور پھر مخاطب کو اُسکی صفت غیر منفکہ کی وجہ سے جزو دوزخ کہنا توجیہ ثانی کا مؤید ہے۔

اے برادر تو ہمین اندیشۂ	مابقی تو استخوان و ریشۂ
گر گلست اندیشۂ تو گلشنی	ور بود خارے تو ہیمہ گلخنی
گر گلابی بر سر و جیبت زنند	ور تو چون بولی برونت افگنند
طبلہا در پیش عطاران بہ بین	جنس را با جنس خود کردہ قرین
تو رہائی جوز تا جنسان تجبد	صحبت ناجنس گورست و لحد
جنسہا با جنسہا آمیختہ	زین تجانس زینتے انگیختہ
گر درآمیزند عود و شکرش	برگزیند یک یک از ہمہ گرش

چونکہ ہم نے اوپر اصلاح اعمال کی طرف تیری توجہ منعطف کی ہے اور افعال اختیاریہ کا صدور موقوف ہے عزم پر اور عزم کا تحقق موقوف ہے ادراک فعل پر جسکو ہم فکر کہتے ہین اِس لیے ہم کہتے ہین کہ تو سراپا فکر ہے کیونکہ اصل الاصول فکر ہی ہے۔ اور باقی سب اُس کے توابع اور ممد و معاون بمنزلہ ہڈی اور گوشت وغیرہ کے ہین پس لازم ہے کہ تو اُسکی اصلاح کرے اور تیرا فکر محمود ہو۔ اِس لیے کہ اگر تیرا فکر گل کی طرح خوبی و حسن معنوی رکھتا ہوگا تو تو اس کو اپنے اندر رکھنے کے سبب گلشن کی طرح محبوب اور مرغوب ہوگا۔ اور اگر وہ خار کی طرح نامرغوب ہے تو تو اِسکے اشتمال کے سبب گلخن دوزخ کا ایندھن ہوگا اور اگر تو خوبی و حسن اندیشہ کے سبب گلاب ہے تو خوبان تجھے سر مین اور گریبان مین لگائین گے یعنی نیک لوگ تیری قدر و منزلت کرین گے اور اگر تو گندگی اندیشہ کے باعث پیشاب ہے تو وہ تجھے باہر پھینکدین گے اور تیری کچھ عزت و وقعت نہ کرین گے چونکہ خیال کے حسن و قبح مین صحبت کو بھی بہت بڑا دخل ہے اِس لیے صحبت

نیک کی ترغیب دیتے ہین اور صحبت بد سے تحذیر کرتے ہین اور فرماتے ہین یاد رکھ کہ ہر چیز کے لیے ایک محل مناسب ہوتا ہے اور وہ پہلو سے مجانس ہے عطار کے ڈبون کو دیکھ کہ متناسب اشیاء کے ڈبے پاس پاس ہوتے ہین لہذا تو کوشش کر کے ناجنسون کی صحبت سے نکل۔ اس لیے کہ صحبت ناجنس باعث ہلاکت ہے جب ایک جنس اپنی ہمجنس کے ساتھ ملتی ہے تو اس تجانس سے ایک زینت پیدا ہوتی ہے اور وہ چیزین ایک جگہ اچھی معلوم ہوتی ہین اور جب ایک ناجنس دوسری ناجنس کے قرین ہوتی ہے تو اس سے ایک ناگوار صورت پیدا ہوتی ہے یہ ہی وجہ ہے کہ جب کسی عطار کی دوکان مین عود و شکر ملجاتے ہین تو وہ ایک کو دوسرے سے الگ کرتا ہے اور ایک جا نہین رہنے دیتا۔

طبلہا بشکست و جانہا ریختند
نیک و بد با ہمدگر آمیختند

حق فرستاد انبیا را بہر این
تا جدا گردد ز ایشان کفر و دین

حق فرستاد انبیا را با ورق
تا گزید این دانہا را بر طبق

مومن و کافر مسلمان و جہود
پیش ازیشان جملہ یکسان مینمود

پیش ازیشان ما ہمہ یکسان بدیم
کس ندانستی کہ ما نیک و بدیم

بود نقد و قلب در عالم روان
چون جہان شب بود ما چون شب روان

تا بر آمد آفتاب انبیاء
گفت اے غش دور شو صافی بیا

ایک ناجنس کو دوسرے ناجنس سے جدا کرنا کچھ عطار وغیرہ ہی کے ساتھ مخصوص نہین بلکہ حق سبحانہ بھی یہی کرتے ہین کیونکہ جب ارواح کے ڈبے ٹوٹے۔ اور عالم ارواح سے جہان وہ اپنے اپنے مجانس کے ساتھ اقتران رکھتی تھین جدا ہو کر عالم اجسام مین آئین اور خلط ملط ہو گئین تو حق سبحانہ نے انبیاء کو بھیجا کہ انہین سے کفار اور مومنین کو باہم ایک دوسرے سے جدا کر دو۔ اور انبیاء کو کتابین دیکر بھیجنے کا یہ مقصد تھا کہ یہ اشرف ذاتی یعنی مومنین جو اپنی ناجنس یا اور کفار مین خلط ملط ہو گئے ہین ان کو چن کر طبق مین الگ رکھدو اور انکو شرف امتیاز بخشو۔ چنانچہ انہون نے ایسا ہی کیا کہ لوگون کو حق کی دعوت دی کچھ لوگون نے اسکو قبول کیا۔ اور کچھ نے رد۔ اس طرح ہر دو فریق جدا جدا ہو گئے۔ ورنہ اس سے پیشتر مومن و کافر مسلمان اور یہودی سب یکسان دکھائی دیتے تھے اور ہم سب یکسان تھے کسی کو معلوم نہ تھا کہ ہم نیک ہین یا بد۔ عالم مین کھرے کھوٹے کا یکسان چلن تھا۔ اور عالم رات کی طرح تاریک تھا اور ہم رات مین چلنے والون کی طرح اسمین اٹکل پچو چل رہے تھے حتی کہ انبیاء کا آفتاب طلوع ہوا۔ اور اس نے کھرے کو قبول کر لیا اور کھوٹے کو پھینکدیا یعنی مومنین کو شرف ملازمت بخشا۔ اور کفار کو مردود و مطرود کیا۔

چشم داند فرق کردن رنگ را
چشم داند لعل را و سنگ را

چشم داند گوہر و خاشاک را
چشم را زان می خلد خاشاکہا

دشمن روز ند این قلابگان
عاشق روز اند این زرہاے کان

زانکہ روزست آئینہ تعریف او
تا ببیند اشرفی تشریف او

انبیاء مومن وکافر مین کیونکر نہ تمیز کرتے اور نا اہلون کے ہاتھ سے اذیت کیون نہ اُٹھاتے حالانکہ وہ انسانون مین بمنزلۂ چشم ہین اور چشم کا کام رنگون مین امتیاز کرنا ہے چشم ہی پتھر اور لعل مین فرق کرتی ہے چشم ہی موتی اور خاشاک مین تمیز کرتی ہے یہی وجہ ہے کہ آنکھ مین خس و خاشاک پڑکر اسکو ایذا دیتے ہین کیونکہ وہ اُنکی قدر گھٹانے والی ہے اسیطرح یہ عیار لوگ جو کھوٹے سکے چلانے کے عادی ہین آفتاب انبیاء کے دشمن ہین کیونکہ وہ انکی قلعی کھولتا ہے اور یہ کان کے سونے (یعنی مومن لوگ) اُس آفتاب کے عاشق ہین اِس لیے کہ وہ انکی قدر بڑھاتا ہے اور انکی تعریف کا آئینہ ہے تاکہ اِس سے اشرف و اعلےٰ کو اپنا علو مرتبت معلوم ہوتا ہے۔

حق قیامت را لقب زان روز کرد ... روز بنماید جمال سرخ و زرد

پس حقیقت روز سر اولیاست ... روز پیش ماہ شان چون سایہاست

عکس راز مرد حق دانید روز ... عکس ستاریش شام چشم دوز

زان سبب فرمود یزدان والضحےٰ ... والضحےٰ نور ضمیر مصطفےٰ

قول دیگر کاین ضحےٰ را خواست دوست ... از برای آنکہ این ہم عکس اوست

ورنہ بر فانی قسم خوردن خطاست ... خود فنا چہ لائق گفت خداست

از خلیلے لا احب الآفلین ... پس فنا چون خواست رب العالمین

لا احب الآفلین گفت آن خلیل ... کے فنا خواہد ازین رب جلیل

باز واللیل ست ستاری او ... وین تن خاکی زنگاری او

حق سبحانہ نے اِسی سبب سے قیامت کو یوم کہا ہے جس کے متعارف معنی روز اور دن ہین کہ روز جس طرح سرخ و زرد کی حالت ظاہر کر دیتا ہے یون ہی وہ سرخرویون اور زردرویون کو ایک دوسرے سے کامل طور پر جدا کر دیگا اور ظاہر کر دیگا کہ کون سُرخ رو ہے اور کون زردرو۔ جب یہ حالت روز متعارف کی ہے تو تو اندازہ کر سکتا ہے کہ اصل روز کی کیا حالت ہوگی اصل روز کیا ہے باطن اولیاء۔ اور روز متعارف اُس روز کا مظہر ہے اور وہ روز اِس کے لیے حقیقت اور ظاہر۔ اِس روز کو اُن کے روز سے کیا نسبت یہ تو انکی چاندنی رات کے مقابلہ مین بھی ایسا ہے جیسا نور کے مقابلہ مین سایہ۔ ایک سایہ نہین بلکہ بہت سے سایون کا مجموعہ۔ تم کو یاد رکھنا چاہیے کہ روز متعارف کی روشنی اور شب تاریک کی تاریکی اپنی ذاتی نہین بلکہ اولیاء اللہ کے اندر دو باتین ہین ایک نور باطن دوسری شان ستاری جسکا مقتضی ہے خفا جو مناسب ہے ظلمت کے اور جسکا مظہر ہی حجاب ظلمانی جسم پس دن انکے نور باطن کا عکس ور اسکا مظہر ہی اور رات اوس حجاب ظلمانی جسم کا عکس اور اوسکا مظہر ہی یہی وجہ ہی کہ حق سبحانہ نے ضحےٰ کی قسم کھائی ہی کیونکہ ضحےٰ سے مراد نور قلب مصطفےٰ علیہ التحیۃ والثنا ہی اور مفسرین جو ضحےٰ سے ضحی متعارف مراد حق سمجھتے ہین ایک درجہ مین یہ بھی صحیح ہے اِس صورت سے کہ اِسکو مقسم بہ اِس لحاظ سے کہا جاوے کہ وہ عکس نور ضمیر مصطفےٰ ہے۔ ورنہ من حیث الذات وہ فانی ہے اور فانی من حیث الذات تو اِس قابل بھی نہین کہ حق سبحانہ کے کلام مین واقع ہو چہ جائیکہ مقسم بہ ہو کیونکہ مقسم بہ کو محبوب اور عزیز ہونا چاہیے حالانکہ خلیل فرماتے ہین لا احب الآفلین تو رب جلیل احب الآفلین کیونکر فرما سکتے ہین۔ اور ضحی سے ضحی فانی

من حیث الذات کیسے مراد لے سکتے ہین جب کہ خلیل رب جلیل آفلین کو محبوب اور عزیز نہین رکھتے تو رب جلیل آفلین کو ہرگز عزیز نہین رکھ سکتے۔ اور ضحیٰ سے فانی من حیث الذات ہرگز مراد نہین لے سکتے۔ چونکہ اوپر تم کو بتایا گیا ہی کہ رات مین تاریکی اولیاء اللہ کے حجاب ظلمانی سے آئی ہے یہی وجہ ہو واللیل مین لیل سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان ستاری یا بدن ان کا تن خاکی زنگاری مراد ہی جو مظہر ہی انکی شان ستاری کا جسکا مقتضی خفا ہے جو مناسب ہے ظلمت کے۔

آفتابش چون برآمد زان فلک	با شب تن گفت ہین ما ودعک
وصل پیدا گشت از عین بلا	زان حلاوت شد عبارت ماقلی

آفتابش مین ضمیر شین راجع ہے ضمیر مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثنا کی طرف۔ آفتاب سے مراد ذات حق سبحانہ ہے جو منور ضمیر ہے اور فلک سے مراد فلک الوہیت ہے برآمدن آفتاب ذات حق از فلک الوہیت کنایہ ہے تربیت ضمیر کی طرف متوجہ ہونے سے۔ با شب تن گفت مین تن کو ما ودعک کا مخاطب بنانے مین نکتہ یہ ہے کہ اصل باعث اس خطاب کا تن ہی ہے کیونکہ جب جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے روح وغیرہ کی بابت دریافت کیا گیا تو آپ نے وعدہ فرمالیا کہ مین کل جواب دونگا اور انشاء اللہ سے ذہول ہوگیا۔ اسپر پندرہ روز تک وحی بند رہی کفار نے فقرے کسنے شروع کئے۔ ربّ محمدٍ ودع محمدًا۔ رب محمد قلی محمدًا۔ آپ کو سخت ملال ہوا تسکین وتشفی کے لیے یہ آیت نازل ہوئی۔ والضحیٰ واللیل اذا سجیٰ ما ودعک ربک وما قلیٰ الخ پس منشاء اس آیت کا ذہول ہے جو کہ تعلق رکھتا ہے قوائے جسمانیہ سے۔ لہذا مورد عتاب ہونے کا توہم جسم ہی پر ہو سکتا ہے کہ وہی منشاء زلۃ ہے اس لیے اسی کو مخاطب بنا کر فرمایا گیا ما ودعک ربک وما قلی۔ اور اصل مقصد ان اشعار کا دفع کرنا ہے اس شبہ کا جو ماسبق سے پیدا ہوا تھا یعنی یہ کہ جب جسم ظلمانی ہے۔ تو اسکو حق سے بعد ہوگا اسکو یون دفع فرماتے ہین کہ جب اس ضمیر کا روشن کرنے والا آفتاب (یعنی ذات حق سبحانہ) سماء ربوبیت سے جلوہ گر ہوا۔ اور تربیت کی جانب متوجہ ہوا۔ تو جسم ظلمانی سے فرمایا کہ ضمیر روشن مصطفےٰ کی قسم اور اے جسم کاللیل تیری قسم ہمنے تجھے چھوڑا نہین۔ اور تجھ سے ہمین مخالفت نہین کیونکہ تو گو تاریک ہے مگر ضمیر مصطفےٰ سے تعلق رکھتا ہے اور انکی شان ستاری کا مظہر ہے لہذا خود بلائے ہجر ہی سے وصل پیدا ہوگیا اور اسی حلاوت وصل پر ما قلی اور اسکا ماقبل ما ودعک دلالت کرتا ہے۔ کیونکہ جب تودیع وقلی کی نفی کی گئی تو اتصال وعلاقہ خود ثابت ہوگیا۔

ہر عبارت خود نشان حالتی ست	حال چون دست وعبارت آلتی ست
آلت زرگر بدست کفش گر	ہمچو دانہ کشت کردہ ریگ در
والت اسکاف پیش کفش گر	پیش سگ کہ استخوان در پیش خر
بود انا الحق در لب منصور نور	بود انا اللہ در لب فرعون زور
شد عصا اندر کف موسے گوا	شد عصا اندر کف ساحر ہبا
این سبب عیسیٰ بدان ہمراہ خود	در نیاموزید آن اسم صمد
کو نداند نقص بر آلت نہد	سنگ بر گل زن تو آتش کے جہد

دست و آلت ہمچو سنگ و آہن ست — جفت باید جفت شرط زادن ست

ماو دعک ربک وما قلی وصل پر دال کیون نہ ہوگا حالانکہ ہر عبارت اپنے مناسب ایک حالت اور ایک مقصد پر دلالت کرتی ہے (پھر یہ تو حق سبحانہ کی عبارت ہے) اور عبارت اور حال کی مثال ایسی ہے جیسے ہاتھ اور آلہ جس طرح آلہ ہاتھ کو بتلاتا ہے کہ ہاتھ کد ہے لکڑیان چیرنے والا ہے یا زیور بنانے والا وغیرہ وغیرہ۔ یون ہی عبارت بھی اپنے مناسب حال پر دلالت کرتی ہے جیسے ماودعک وما قلی وصل پر۔ لہذا آلہ کو ہاتھ کے مناسب اور عبارت کو حال کے مطابق ہونا چاہیے۔ ورنہ ہر دو بے جوڑ۔ اور بے تکے ہونگے چنانچہ سُنار کا اوزار موچی کے ہاتھ مین۔ یون ہی بے جوڑ اور غیر مفید ہے جیسے ریت مین غلہ بونا اور موچی کے اوزار کسان کے ہاتھ مین یون ہی نامناسب۔ اور بے تکے ہین جیسے کتے کے سامنے گھانس اور گدھے کے سامنے ہڈی۔ کچھ آلت دست یا عبارت ہی کی تخصیص نہین۔ بلکہ ہر چیز اپنے مناسب اور موافق کے ساتھ زیب دیتی ہے دیکھو منصور نے بھی انا الحق کہا اور فرعون نے بھی مگر منصور کے لیے باعث نور ہوا۔ کیونکہ مقام فنا پہنچ کر اور اپنی ہستی کو مٹا کر کہا تھا اور فرعون کے لیے جھوٹ ہوگیا۔ کیونکہ اس نے اپنی ہستی کو قائم رکھکر اور حق سبحانہ کی نفی کے لیے کہا تھا نیز دیکھو لاٹھی حضرت موسےٰ کے ہاتھ مین بھی تھی اور ساحر کے ہاتھ مین بھی۔ مگر حضرت موسےٰ کے ہاتھ مین دلیل نبوت ہوئی اور ساحر کے ہاتھ مین بیکار اور لاشے محض۔ چونکہ ہر چیز اپنا مناسب اور موافق طلب کرتی ہے اسی لیے حضرت عیسےٰ نے اپنے ہمراہی کو اسم اعظم نہ بتلایا کہ اُس کے مناسب نہ تھا اِس لیے کہ اُس کو بتلانے سے وہ اسم اسکو وہ کام تو دیتا نہین جو حضرت عیسےٰ کو دیتا تھا لہذا وہ اسکو اسم کا نقص بتلاتا حالانکہ یہ اسم کا قصور نہین بلکہ خود اسی مین شرط فاعلیت مفقود ہے مثلاً اگر کوئی پتھر کو گارے پر مارے تو آگ نہ نکلے گی کیونکہ محض اِس لیے کہ منفعل قابل نہین پس جب عدم قابلیت منفعل مانع ظہور اثر تاثیر ہے تو عدم قابلیت فاعلیت بالاولے مانع ہوگی۔ پس ہاتھ اور آلہ مین باہم ایسا ہی تناسب ہونا چاہیے جیسے پتھر اور لوہے مین۔ اور جوڑ کی ضرورت ہے کیونکہ جب تک جوڑا (بیوی) نہ ہو بچہ پیدا نہین ہوسکتا اسیطرح اگر پتھر ہے اور اسکا جوڑ لوہا نہین بلکہ گارا ہے تو آگ نہین نکل سکتی یون ہی اگر آلہ ہے مگر استعمال کرنیوالا کامل نہین تو آلہ کام نہ دیگا۔

آنکہ بے جفت و بے آلت یکے ست — در عدد شک ست و آن یک بے شکے ست

آنکہ دو گفتن و سہ گفتن و بیش ازین — متفق باشند در واحد یقین

احولی چون دفع شد یکسان شوند — آن دو سہ گویان یکے گویان شوند

گر یکے گوئی تو در میدان او — گرد برمے گرد از چوگان او

گوے آنگہ راست بے نقصان شود — کو ز دست زخم شہ رقصان شود

گوش دار اے احول اینہا را بہوش — داروے دیدہ بکش از راہ گوش

پس کلام پاک در دلہاے کور — مے نپاید مے رود تا اصل نور

وان فسون دیو در دلہاے کژ — مے رود چون کفش کژ در پاے کژ

سب کے افعال کے نتائج کے حصول کے لیے ضرورت ہے جوڑہ اور آلہ کی لیکن جس کے لیے ضرورت نہین

وہ صرف ایک ذات ہے ایک ہے اِس لیے کہا کہ ایک تو تیقن ہے اور تعدد مین شک ہے کیونکہ جو لوگ دو یا
تین یا اِس سے زیادہ آلہ کے قائل ہین وہ سب ہمارے ساتھ ایک پر متفق ہین اور باقی احولی سے ایک کو دو
یا تین سمجھتے ہین اگر وہ احولی دفع ہو جائے تو سب یکسان ہو جائین وہ دو یا تین ماننے والے بھی وحدانیت کے
قائل ہو جائین۔ اے مخاطب گو تو وحدانیت کا قائل ہے اور اِس لیے حق پر بھی ہے مگر صرف وحدانیت کے
دعوے پر اکتفا نہ کرتا کیونکہ حقیقت اعتقاد وحدانیت یہ ہے کہ تو اس کے میدان مین اِس کے چوگان حکم سے
گیند کی طرح گھومے اور ہمہ تن اسکا مطیع و منقاد ہو جب تک تجھ مین یہ کیفیت نہ پیدا ہو گی تو ناقص رہیگا
کیونکہ تو واقع مین چوگان حکم خدا کے لیے مثل گیند کے ہے اور گیند اُسی وقت ٹھیک اور نقصان سے پاک
ہوتی ہے جبکہ بادشاہ کی ضرب کے سامنے جس طرح وہ چاہے اُس طرح ناچے۔ اے احول ان باتون کو
خوب کان کھول کر سُن لے اور دیدہ قلب کی دو کان کی راہ سے جذب کر یعنی ہمارے نصائح تیرے
دیدۂ قلب بیمار کے لیے کحل الجواہر ہین ان کو غور سے سُن۔ اور دل مین جگہ دے کہ یہ تیرے دیدۂ بصیرت
کو روشن کرینگی۔ اگر تو ایسا نہ کرے تو کچھ تعجب کی بات نہین کیونکہ کلام پاک اندھے دلون مین داخل نہین
ہوتا اور ان مین اثر نہین کرتا بلکہ وہ اُن دلون مین داخل ہوتا ہے جن مین نور موجود ہے ہان شیطانی باتین
ان ٹیڑھے دلون مین گھر کرتی ہین کیونکہ ان کو ان سے مناسبت ہے کہ یہ بھی ٹیڑھی ہین وہ بھی ٹیڑھے پس
انکی اور اُنکی ایسی مثال ہوئی جیسے ٹیڑھی جوتی اور ٹیڑھا پاؤن کہ باہمی تناسب کے باعث وہ جوتی اُس
پاؤن مین آجاتی ہے اور عدم تناسب کے باعث سیدھی جوتی نہین آسکتی۔

گرچہ حکمت را بتکرار آوری	چون تو نااہلے شود از تو بری
گرچہ بنویسی نشانش مے کنی	ورچہ لافے بیانش می کنی
او ز تو رو در کشد اے پرستیز	بندہا را بگسلد وز تو گریز
ورنخوانی و بہ بیند سوز تو	علم باشد مرغ دست آموز تو
او نپاید پیش ہر نا اوستا	ہمچو باز شہ بخانہ روستا

چونکہ ہر چیز کا میلان اپنی مناسب کی طرف ہوتا ہے اِس لیے اگر تو حکمت کو بار بار سیکھے یا دُہرائے تو بھی وہ
تیرے پاس نہ ٹھہریگی اور تجھ سے دور بھاگے گی اگر تو اسکا اہل نہین ہم پھر کہتے ہین کہ اگرچہ تو حکمت کو لکھے
لوٹ کرے اور مونچھون پر تاؤ دیکر اُسکو بیان کرے لیکن وہ تجھ سے اعراض ہی کریگی اور بھاگنے کے لیے رسی
تڑائیگی (رہا تو بھاگنے کا یہ مطلب ہے کہ اُسکو آئیگی ہی نہین اگر آ گئی تو جلد زائل ہو جائیگی یا یہ کہ بوجہ اُسکے
غیر مؤثر ہونے کے تیرے لیے اسکا عدم و وجود برابر ہوگا اور وہ بحالت حصول ایسی ہو گی گویا کہ نہین ہے بلکہ
بھاگ گئی) اور اگر تو پڑھے نہین مگر تیرے اندر سوز اور اہلیت ہو تو علم تجھ سے مانوس اور تیرے ہاتھ پر پلا
ہوا جانور ہے یعنی تیرے قابو مین ہے کیونکہ اس صورت مین تجھے علم لدنی حاصل ہو گا۔ ہم پھر کہتے ہین کہ
علم نااہل کے پاس نہین ٹھہرتا کیونکہ وہ محبوب حق سبحانہ اور بازشہ کی مثل ہے اور بازشہ دیہاتی کے گھر کیون
رہنے لگا اول تو جائیگا ہی نہین اور اگر کسی وجہ سے چلا گیا تو رہیگا نہین۔

یافتن شاه باز خویش را در خانهٔ کمپیر و مبتلا شدن

علم آن باز ست کو از شہ گریخت	سوی آن کمپیر کو می آرد بیخت
تا کہ تتماجی پزد اولاد را	دید آن باز خوش خوش زاد را
پایکش بست و پرش کوتاہ کرد	ناخنش ببرید و قوتش کاہ کرد
گفت نااہلان نکردندت بساز	پر فزود از حد و ناخن شد دراز
دست ہر نااہل بیمارت کند	سوی مادر آکہ تیمارت کند

پس اس علم کو جو نااہلون کو حاصل ہوتا ہے تم اس باز کی مثل سمجھو جو بادشاہ سے بھاگ کر اس بڑھیا کے پاس آیا تھا جو اپنے بچون کے لیے حریرہ پکانے کے واسطے آٹا چھان رہی تھی اسکا واقعہ یہ ہے کہ اس بڑھیا نے اس عمدہ اور پاکیزہ نسل باز کو دیکھا تو اسکو پکڑ لیا اور پکڑ کر اس کے پاؤن مین ڈورہ وغیرہ باندھ دیا اور پر کاٹ کر چھوٹے کر دیے ۔ ناخن سب تراش ڈالے کھانے کیلیے دوب سامنے ڈالدی اور کہا کہ نااہلون نے تجھ سے موافقت نہ کی اور تیرے ساتھ اچھا سلوک نہ کیا اس لیے تیرے پر بھی بڑھ گئے اور ناخن بھی بڑے بڑے ہوگئے اگر تو ایسے ہی نااہلون کے پاس رہتا تو ان کے ہاتھ سے تو ضرور بیمار ہوجاتا تو نے بہت اچھا کیا کہ اپنی مادر شفقہ کے پاس چلا آیا مین تیری غمخواری کرونگی اور تیری آسایش کا خیال رکھونگی بس جس طرح بڑھیا کے پاس اس باز کی گت بنی یون ہی نااہلون کے پاس علم کی بنتی ہے ۔ اس واقعہ سے جس طرح مضمون ماسبق کی تائید ہوتی ہے یون ہی اس سے ایک اور نتیجہ بھی نکلتا ہے جسکو مولانا آگے بیان فرماتے ہین ۔

مہر جاہل را چنین دان ای رفیق	کژ رود جاہل ہمیشہ در طریق
جاہل ار با تو نماید ہمدلی	عاقبت زخمت زند از جاہلی

یعنی جو جاہل اور نادان کی محبت کو بھی بڑھیا ہی کی محبت کے مثل سمجھ کیونکہ جاہل ہمیشہ ٹیڑھا چلتا ہے پس اگر جاہل تیرے ساتھ ہمدردی کرے تو سمجھ لینا کہ انجام کار یہ تجھے اپنی نادانی سے کوئی صدمہ ضرور پہونچائے گا ۔

روز شہ در جستجو بیگاہ شد	سوی آن کمپیر و آن خرگاہ شد
دید ناگہ باز را در دود و گرد	شہ برو بگریست زار و نوحہ کرد

غرض کہ بادشاہ کو ڈھونڈھتے ڈھونڈھتے ناوقت ہوگیا بالآخر اس بڑھیا اور اس کے ٹھکانے کی طرف چلا جب وہان پہونچا تو کیا دیکھتا ہے کہ باز دھوئین اور گرد مین بیٹھا ہوا ہے ۔ یہ دیکھکر بادشاہ اسکی حالت پر گریہ وزاری کرنے لگا ۔

گفت ہر چند این جزای کار تست	کہ نباشی در وفای ما درست
چون کنی از خلد در دوزخ قرار	غافل از لایستوی اصحاب نار
این سزای آنکہ از شاہ خبیر	خیرہ بگریزد بخانہ گندہ پیر

(تنبیہ) گفت ہر چند الخ مین جواب ہر چند بقرینۂ بیت سابق محذوف ہے فقط بادشاہ نے باز کو اس خستہ حالت مین دیکھکر اس سے کہا کہ گو تیری اس حرکت کی کہ تو ہماری وفا مین ثابت قدم نہ رہا سزا تو یہ ہی تھی کہ تجھپر رحم نہ کیا جاتا مگر ہماری شفقت ورحمت بیکران کا تقاضا ہے کہ پھر تجھے اپنے پاس رکھنا چاہتے ہین تجھے اتنی بھی سمجھ نہ ہوئی کہ جنت دہمارے قصر معلے) کو چھوڑکر دوزخ (اس بڑھیا کے گھر) کو اپنا ٹھکانا بنایا اور لایستوی اصحاب النار و اصحاب الجنۃ کو بالکل بھول گیا جو اپنی ہر بات کی خبر رکھنے والے اور ہر قسم کی راحت پہونچانے والے بادشاہ کے پاس سے محض بلا وجہ اور باغیانہ بڑھیا کے گھر بھاگ جائے اسکی یہی سزا ہے جو تجھے ملی۔

گندہ پیر جاہل این دنیا دنی ست	ہر کہ مائل شد بدو خوار و غبی ست
ہست دنیا جاہل و جاہل پرست	عاقل آن باشد کزین جاہل برست
ہر کہ با جاہل بود ہمراز باز	آن رسد با او کہ با آن شاہباز

اب نتیجہ حکایت کے طور پر نصیحت فرماتے ہین کہ دنیا دنی کو جاہل بڑھیا سمجھو۔ پس جو شخص اپنے شہنشاہ حقیقی کو چھوڑکر اس دنیا دنی کی طرف مائل ہوگا وہ اس باز کی طرح ذلیل اور کودن ہوگا کہ اس نے جنت اطاعت کی قدر نہ کی اور دوزخ معاصی مین پھنس گیا۔ اور لایستوی اصحاب النار و اصحاب الجنۃ کو یک لخت فراموش کردیا۔ چونکہ دنیا خود بھی جاہل اور حق ناشناس ہے اور جاہلون اور حق ناشناسون ہی کی قدر بھی کرتی ہے اس لیے عاقل وہی ہے جس نے اس جاہل کے دام سے رہائی پائی کیونکہ جو شخص جاہل کا ہمراز و دمساز ہوگا اس کا آخر مین وہی حشر ہوگا جو اس شہباز کا ہوا تھا بن جبکہ اس نے اسکو پیشتر ہی سمجھ لیا تو یہ اسکی عقل کی دلیل ہے۔

باز مے مالید پر بر دست شاہ	بے زبان میگفت من کردم گناہ
پس کجا نالد کجا زارد لئیم	گر تو بپذیری بجز نیک اے کریم
لطف شہ جان را جنایت جو کند	زانکہ شہ ہر زشت را نیکو کند

نصیحت سن چکے تو پھر اصل قصہ سنو وہ باز بادشاہ کے ہاتھ پر بیٹھا ہوا تملق و الحاح کے طور پر اپنے پر بادشاہ کے ہاتھ پر مل رہا تھا اور گو زبان نہ تھی مگر بزبان حال کہہ رہا تھا کہ اے شاہ واقعی مجھ سے قصور ہوا اور مین نادم ہون آپ مجھے قبول فرمالیجیے۔ اور میرا قصور معاف کردیجیے کیونکہ اگر آپ نیکون ہی کو قبول کرین اور جن سے کوئی لغزش ہوگئی باوجود ندامت اور معذرت کے بھی آپ انکو قبول نہ فرماوین تو پھر ہم سے نالائقون کا کہان ٹھکانا ہے اور وہ کہان جاکر روئین اور کس جگہ زاری کرین ان کے لیے تو آپ کے در کے سوا کوئی ٹھکانا ہی نہین۔ میری غلطی کی وجہ یہ تھی کہ بادشاہ سلامت کے الطاف خسروانہ نے ارتکاب جرائم پر دلیر کردیا تھا کیونکہ حضور ہماری ہر برائی کو نظر انداز فرماتے ہین جس سے وہ بوجہ عدم مواخذہ کے مثل نیکی کے ہوجاتی ہے پس اصل وجہ یہ تھی اس قصور کی۔

رو مکن زشتے کہ نیکیہاے ما	زشت آید پیش آن زیباے ما
خدمت خود را سزا پنداشتے	تو لواے جرم ازان افراشتے

چون ترا ذکر و دعا دستور شد	زان دعا کردن دلت مغرور شد
ہم سخن دیدی تو خود را با خدا	اے بسا کس زین گمان افتد جدا
گرچہ با تو شہ نشیند بر زمین	خویشتن بشناس و نیکوتر نشین

تجھے معلوم ہوگیا کہ باز کی اس غلطی کا باعث اسکی وہ جرأت تھی جو بادشاہ کے اسکی لغزشوں کو نظرانداز کرنیسے پیدا ہوئی تھی پس تجکو چاہیے کہ حق تعالےٰ کے عفو و درگذر سے مغرور ہوکر جرائم پذیر نہ ہوجائے برائی پر جرأت تو درکنار تجھیر لازم ہے کہ اپنی طاعت پر بھی مغرور نہ ہو کیونکہ تو جس قدر بھی طاعت کریگا لامحالہ وہ طاعت حق سبحانہ کی قدر عالی سے کم ہوگی لہذا وہ طاعت بوجہ کما ینبغی نہ ہونے کے زشت ہوگی۔ تیری جرأت علی الجرائم کی وجہ عفو حق تو ہے ہی لیکن بڑی وجہ یہ ہے کہ تو نے اپنی خدمت کو مناسب سمجھا۔ اور جب ذکر حق اور دعا تیرا معمول ہوگیا تو اس دعا کرنے سے تیرا دل مغرور ہوگیا اور غلطی مین پڑگیا اور تو اپنے کو خدا سے ہم سخن سمجھ بیٹھا۔ ارے بہت سے لوگ اس گمان باطل سے حق سے جُدا ہوگئے ہین کیونکہ اول تو یہ خود بری بات ہے کہ عجب و خودبینی ہے۔ دوسرے جب آدمی ایسا سمجھنے لگتا ہے تو وہ بدین خیال کسی معصیت مین مبتلا ہوجاتا ہے کہ نیکیان غالب ہین تو ایک گناہ کیا ضرر پہنچائیگا اور وہ معصیت کسی دوسری معصیت کیطرف مفضی ہوجاتی ہے وہلم جرا۔ اور بالآخر وہ مردود بارگاہ ہوجاتا ہے یا ایک ہی معصیت خذلان کا باعث ہوجاتی ہے (نعوذ باللہ منہ ونسالہ العصمۃ والتوفیق) دیکھ اپنی غلطیون پر مواخذہ نہ ہونے پر اور اپنی ناقص طاعت پر جو ایک درجہ مین معصیت ہے کبھی مغرور نہ ہونا کیونکہ اگر بادشاہ ذرہ نوازی کرے اور تیرے برابر زمین پر بیٹھ جائے تو تجھے اپنی حیثیت ملحوظ رہنی چاہیئے اور خوب سنبھل کر بیٹھنا چاہیے اور اسکی اس ذرہ نوازی سے مغرور ہوکر گستاخ نہ ہونا چاہیے۔

باز گفت اے شہ پشیمان می شوم	توبہ کردم نو مسلمان مے شوم

باز کہتا تھا کہ اے بادشاہ مین قصور پر نادم ہون اور اب توبہ کرتا ہون کہ پھر ایسا نہ کرونگا اور از سر نو طاعت کا عہد کرتا ہون۔

آنکہ تو مستش کنی و شیر گیر	گر زمستی کژ رود عذرش پذیر
گرچہ ناخن رفت گر باشی مرا	برکنم من پرچم خورشید را
ورچہ پرم رفت چون بنوازیم	چرخ بازی کم کند در بازیم
اگر کمر بخشیم کہ را برکنم	در دہے کلکے علمہا بشکنم
آخر از پشہ نہ کم باشد تنم	ملک نمرودی بہ پر برہم زنم
در ضعیفے تو مرا بابیل گیر	ہر یکے خصمے مرا چون پیل گیر
قدر فندق افگنم بندق خریق	بند قم در فعل صد چون منجنیق
گرچہ سنگم ہست مقدار نخود	لیک در ہیجا نہ سر ماند نہ خود
موسے آمد در وغا بایک عصاش	زد بران فرعون و بر شمشیر ہاش

ہر رسولے یک تنہ کان در زدست	بر ہمہ آفاق تنہا بر زدست
نوح چون شمشیر در خواہید ازو	موج طوفان کرد حق شمشیر او

اوپر باز کے بادشاہ سے معذرت کرنے کو بیان کیا تھا یہاں اپنے کو حق سبحانہ کا عاصی باز قرار دیکر اپنے شہنشاہ حقیقی سے معذرت اور مناجات فرماتے ہین اور کہتے ہین کہ اے شہنشاہ حقیقی مین گو عاصی ہون لیکن مجھے تیرے الطاف فراوان اور رحمت بیکران اور بے انتہا چشم پوشی نے مغرور کر دیا اور اس بنا پر مین حقیقت معصیت کو پیش نظر نہ رکھ سکا۔ پس بوجہ عدم تمیز بین النفع والضرر کے مین کبھی مثل مست اور کبھی مثل نیم مست کے ہوگیا چونکہ مین تیری شان رحیمی اور عفو پر بھولا ہوا تھا اس لیئے مجھ سے خطائین ہوگئین پس اے اللہ تو میرا عذر قبول فرما اور مجھپر رحم کر۔ گو معصیت کے سبب میری استعداد ناقص ہوگئی اور اس نے میرے قوی محرکہ الی الطاعات کو مضمحل کر دیا لیکن مین بالکل ناکارہ نہین ہوا گو میرے ناخن جلتے رہے اور قوی محرکہ الی الطاعات خراب ہوگئین لیکن اگر تو میرا ہو جاوے اور تیری توفیق اور امداد میری مساعد ہو تو مین اب بھی پرچم آفتاب کو اکھیڑ سکتا ہون یعنی اسپر تصرف کر سکتا ہون اور گو میرے پر جلتے رہے یعنی میری وہ قوتین خراب ہوگئین جن سے مین عروج روحانی کرتا لیکن اگر تیری نوازش ہو تو میری سرعت حرکت اور گردش کے مقابلہ مین فلک بھی کیا گردش کر سکتا ہے اور اگر تو مجھے اپنی خدمتگاری کا پٹکا عنایت کرے تو اب بھی پہاڑ کو اکھیڑ سکتا ہون اور مشکل سے مشکل طاعت کو انجام دے سکتا ہون اور اگر تو مجھے قلم عنایت کرے تو صرف قلم سے فوجون کے جھنڈون کو توڑ سکتا ہون (توضیح اسکی یہ ہے کہ ملازمین شاہی دو قسم کے ہوتے ہین ایک اہل قلم۔ دوم اہل شمشیر اہل شمشیر کو فوجون کو شکست دینے کی سلطنت کی طرف سے پوری قوت حاصل ہوتی ہے اور اہل قلم کو پوری قوت نہین ہوتی لیکن وہ بادشاہ کی ملازمت مین ہوتے ہین اور ان کو بادشاہ کی حمایت حاصل ہوتی ہے جب یہ معلوم ہو چکا تو اب سمجھو کہ مولانا فرماتے ہین کہ اے اللہ اگر تو مجھے اپنی ملازمت مین لے لے اور اپنی حمایت مین داخل کر لے تو مین صرف اسی حمایت اور تعلق کی بناء پر لشکر شیطانی کو شکست دے سکتا ہون اور مجھے کسی آلہ کی ضرورت نہین) اے اللہ مین کیسا ہی گیا گذرا سہی مگر پھر بھی مچھر سے تو کم نہین مین تیری حمایت کے بھروسہ پر ایک بیاد معمولی قوت سے نمرود نفس و شیطان کی باجبروت سلطنت کو تلپٹ کر سکتا ہون یہ بھی سہی کہ مین کمزوری مین ابابیل ہون اور میرا دشمن نفس و شیطان قوت مین ہاتھی ہے لیکن مین فندق کے برابر توڑ کر نکل جانیوالی گولیان پھینکونگا اور میری ہر گولی سو قلعہ شکن گولیون کا کام کریگی اگرچہ میری گولی چنے کے برابر ہے اور قوت مزاحمت بہت کمزور ہے لیکن جنگ با نفس و شیطان مین نہ حریف کے پاس سر رہیگا نہ خود۔ سب کا صفایا ہو جائیگا اور دشمن کو کامل شکست ہوگی۔ صاحبو مین نے جو کچھ کہا ہے یہ واقعی امر ہے لفاظی نہین واقعی حمایت خداوندی مین یہی قوت ہے اور اسی امداد اور حمایت کی صورت مین مجھ سے ان باتون کا صدور کچھ بھی مستبعد نہین بلکہ اسکی نظیرین موجود ہین دیکھو موسیٰ علیہ السلام فرعون کے مقابلہ مین ایک لاٹھی ہی تو لیکر آئے تھے اور ان کے پاس کیا تھا لیکن چونکہ حمایت خداوندی شامل حال تھی اس لیئے

بھی سے اُس کو نہس نہس کر دیا اور اُسکی تلواروں کا بھی ستیاناس کر دیا نیز جس ایک رسول نے تمام عالم کا مقابلہ کیا ہے آخر اُس نے تمام عالم پر اکیلے ہی تو حملہ کیا ہے۔ اور دیکھو نوح علیہ السلام نے جب حق سبحانہ سے دشمنوں کے مقابلہ کے لیے تلوار مانگی تھی تو حق سبحانہ نے موج طوفان ہی کو تو ان کے لیے تلوار بنا دیا تھا اور جو پانی کہ مادہ حیات ہے اُسی کو تو آلہ ممات بنا دیا تھا جب یہ واقعات موجود ہیں تو اگر اُسکی حمایت سے مجھ سے بھی مذکورہ بالا کارنامے ظہور میں آئیں تو کیا بعید ہے۔

شرح شبیری چون ندارد الخ۔ یعنی اے مبتلا جب کوئی تیرا غم نہیں کھاتا تو تجھے اپنا کام خود کرنا چاہیے آدمی خوار ند الخ۔ یعنی اکثر لوگ آدمی خوار ہوتے ہیں تم انکو سلام علیک سے بہت کم اُس کو ڈھونڈو مطلب یہ کہ بہت سے آدمی ایسے ہوتے ہیں کہ وہ دوسروں کو نقصان پہونچاتے ہیں لہذا تم اُنکے چرب زبانی اور عمدہ عمدہ باتوں کے دھوکے میں مت آجانا اور اُن سے ہمیشہ بچتے رہنا ورنہ نا اہلوں کے ہاتھ میں پڑکر تم بھی اسیطرح پچھتاؤ گے آگے بھی اسی مضمون کو فرماتے ہیں کہ خانۂ دیوست الخ۔ یعنی سب کا دل دیو کے مانند ہوتا ہے تو تم ان شیاطین الانس سے دھوکا مت کھانا ہمہ کہدینا باعتبار اغلب کے ہے یعنی ان آدمیوں سے جو در اصل دیو کی طرح ہیں دھوکے میں مت پڑنا اور نا اہلوں کی صحبت سے ہمیشہ پرحذر رہنا مقصود یہی ہے کہ نا اہلوں کی صحبت سے بچاتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ۔

از دم دیو الخ۔ یعنی اُس دیو سے جس نے دھوکا کھایا وہ اُس گدھے کی طرح مقابلہ کے وقت سر کے بل گریگا۔ مطلب یہ کہ جن لوگوں نے نا اہلوں سے دھوکا کھایا اور اُنکی عمدہ عمدہ باتوں کے پھندے میں پھنس گئے وہ اسیطرح قیامت کے روز گرینگے۔ لاحول خوردن کنایہ ہوگیا ہے دھوکا کھانے سے اس لیے کہ اُس خادم نے لاحول کہہ کہہ کر اُسکو دھوکا دیا پس کنایہ ہوگیا دھوکا کھانے سے۔

ہر کہ در دنیا الخ۔ یعنی جو شخص دنیا میں شیطان سے دھوکا کھاوے اور اُس دشمن سے جو کہ دوست کی طرح ہو تعظیم اور تکریم سے دھوکا کھاوے تو اُسکا نتیجہ یہ ہوگا کہ دنیا اور عقبی دونوں میں سر کے بل اُس گدھے کی طرح گرے گا مطلب یہ کہ جو شخص اپنے معتقدین کو دیکھکر (کہ ہمارے معتقد بہت ہیں اس لیے ہم ضرور کچھ ہونگے ورنہ یہ اتنے لوگ کیوں معتقد ہوتے) دھوکا کھاوے اور اپنے آپ کو کچھ سمجھنے لگے نتیجہ یہ ہوگا کہ قیامت کے دن بھی اور دنیا میں بھی ہلاک ہوگا آگے پھر فرماتے ہیں کہ۔

عشوہا سے الخ۔ یعنی یار بد کی دھوکے کی باتیں مت سنو اور ذرا جال دیکھکر چلو اور بالکل نڈر ہو کر راہ مت طے کرو اس لیے کہ۔

صد ہزار الخ۔ یعنی لاکھوں شیطانوں کو تم دھوکا دینے والے سمجھو اور اے آدمی شیطان کو اور اُسکی تلبیسات کو اس طرح سمجھو کہ جس طرح سانپ ہوتا ہے کہ بظاہر کس قدر خوشنما اور خوبصورت ہوتا ہے مگر اصل میں دیکھئے تو کس قدر زہریلا اور مہلک ہوتا ہے بس اسیطرح یہ ابلیس تم کو بہلاتا ہے مگر درحقیقت بہت ہی ضرر رساں اور ہلاک کرنیوالا ہے اسی کو فرماتے ہیں کہ۔

دم دہد الخ۔ یعنی وہ شیطان دم دیتا ہے کہ اے میری جان اور میرے دوست (اور یہ اس لیے کہتا ہے) کہ تاکہ قصاب کی طرح تجھے دوست بناکر تیری کھال کھینچے اور اس لیے کہ۔

دم دہد تا پوستت الخ۔ یعنی وہ اس لیے دم دیتا ہے تاکہ تیری کھال کھینچے اور اُس شخص کی حالت پر بڑا افسوس ہے کہ دشمنون کے ہاتھ سے افیون کھائے اس لیے کہ وہ دشمن تو اس لیے افیون کھلاتے ہین کہ یہ نشہ مین ہوجاویگا اور ہم اس پر قابو پالین گے بس مطلب یہ کہ شیطان تمھارے ساتھ اس لیے تلبیسات کرتا ہے تاکہ تمکو پھانس لے اور خوب قابو پالے بس اس سے بچنا چاہیے اور اِس کی اس عاجزی اور چاپلوسی سے بچنا ضروری ہے اس لیے کہ۔

سر نہد الخ۔ یعنی یہ قصاب کی طرح تمھارے سامنے عاجزی کرتا ہے اور اس لیے دم دیتا ہے تاکہ تمھارا خون اچھی طرح گرادے مطلب یہ کہ جس طرح قصاب جانور کی خدمت کرتا ہے اور اُسکو خوب فربہ کرکے پھر ذبح کرڈالتا ہے اسیطرح یہ بھی چاپلوسی کرتا ہے تاکہ ایک دن تمکو ہلاک کردے لہذا ان سے بچنا چاہیے اور نااہلون کی صحبت مین نہ رہنا چاہیے فرماتے ہین کہ۔

ہمچو شیر سے الخ۔ یعنی شیر کی طرح اپنا شکار خود کرو اور اپنون اجنبیون کی چاپلوسی کو چھوڑو مطلب یہ کہ جو کام کرو اپنی ہمت سے کرو اور دوسرون کے اعتقاد کی وجہ سے اپنے مقبول ہونے پر کیون استدلال کرتے ہو خود اپنی حالت کیون نہین دیکھتے کہ کس قدر خراب ہو رہی ہے پھر جب حالت تو اس قدر خراب ہے اور پھر بھی دوسرون کے کہنے پر اعتماد ہے تو یہ ایسی مثال ہے کہ گھر سے آیا ہے معتبر نائی لہذا ان نااہلون کی تعریف سے اترا ؤ مت اسی کو فرماتے ہین کہ۔

ہمچو خادم الخ۔ یعنی ان نااہلون کی خوشامد کی ایسی ہی مثال ہے جیسا کہ وہ خادم تھا کہ اُس نے اُن صوفی صاحب کی خوشامد کرکرکے خوب گت بنائی پس تنہا رہنا نااہلون کی خوشامد مین پھنسنے سے بہتر ہے۔

در زمین الخ۔ یعنی دوسرون کی زمین مین گھر مت بناؤ (مطلب یہ کہ دوسرون کے بھروسہ پر اپنے کام کو مت چھوڑو) اور اپنے کام کو خود کرو ورنہ پچھتاؤ گے یہان تک تو ممانعت اس سے تھی کہ کسی سے تعلق استعانت کا مت رکھو اور اپنے کام کو دوسرون پر مت ڈالو اب آگے اعانت سے بھی منع فرماتے ہین کہ نہ کسی کی اعانت کرو اور نہ کسی سے استعانت کرو لہذا اعانت کی ممانعت کو اس لفظ سے شروع فرماتے ہین کہ کار بیگانہ مکن یعنی اپنا کام خود کرو جو کہ خلاصہ ہے عدم استعانت کا اور دوسرون کا کام بھی مت کرو جو کہ خلاصہ ہے اعانت کا حاصل یہ ہے کہ ان لوگون سے تعلق ہی مت رکھو نہ اعانت کا نہ استعانت کا آگے بھی دور تک یہی مضمون ہے فرماتے ہین کہ۔

کیست بیگانہ الخ۔ یعنی بیگانہ کوئی اور نہین ہے بلکہ خود تیرا یہ تن خاکی ہے (اور اسی مین لگ کر تجھکو خدا سے غفلت ہوتی ہے) اور اسی کی وجہ سے یہ تیری ساری غمناکی اور مصیبتین ہین آگے فرماتے ہین کہ۔

تا تو تن را الخ۔ یعنی جب تک تم اس تن خاکی کو چرب و شیرینی دیتے رہوگے (اور اسی کی پرورش اور تزئین مین لگے رہوگے اس وقت تک) تم جوہر جان کی فربہی نہین دیکھ سکتے (یعنی تمکو ترقی الی الحق حاصل نہین ہوسکتی بلکہ اسی مین لگے رہوگے آگے اِس بدن کی حقیقت بتاتے ہین اور اس سے مقصود اس کے تزئین وغیرہ کا لاحاصل ہونا ظاہر فرماتے ہین کہ۔

اگر میان مشک الخ۔ یعنی اگر مشک کے اندر بھی اس بدن کو جگہ ملے (اور تم اس کو سر سے پانون تک مشک مین لپیٹ دو تو آخر کار یہ انجام ہوگا) کہ مرنے کے دن اسکی گندگی اور ناپاکی ساری ظاہر ہو جاویگی لہذا بدن کو مشک مین بسانا یعنی اسکی اس قدر خدمت کرنا بالکل فضول ہے اسی کو فرماتے ہین کہ۔

مشک را الخ۔ یعنی مشک کو بدن پر مت لگاؤ بلکہ دل پر ملو (لیکن چونکہ مشک ظاہری تو کس طرح دل پر ملی جاوے اس لیے بتلاتے ہین کہ) مشک کیا ہے اور ہم کس کو مشک کہتے ہین وہ اُس ذات پاک ذوالجلال والاکرام کا نام ہے یعنی اُس کے نام کو صرف زبان ہی سے مت لو بلکہ اُس کا اثر دل پر بھی ہو تب کام دیسکتا ہے اور جو شخص کہ صرف زبان ہی سے اُس نام پاک کو لیتا ہے اُسکی ایسی مثال ہے کہ جیسے۔

آن منافق الخ۔ یعنی وہ منافق کہ اُس مشک کو یعنی اُس نام پاک کو صرف زبان ہی سے لیتا ہے اور صرف زبان ہی تک رکھتا ہے مگر دل مین اُس کا کوئی اثر نہین ہوتا تو وہ اپنی روح کو بھاڑ کے گڑھے مین یعنی دوزخ مین ڈالتا ہے اور زبان سے نام لینے کے یہ معنے ہین کہ منافقین جب مسلمانون سے ملتے تھے تو کہا کرتے تھے کہ آمنا۔ لہذا یہ زبان سے خدا کا نام لیتا ہے اس لیے کہ زبان سے کہتے تھے اور دل مین اُن کے اسکا کچھ بھی اثر نہ ہوتا تھا اور روح کے قعر گلخن مین ڈالنے سے یہ مراد ہے کہ جس کو اللہ تعالے فرماتے ہین ان المنافقین فی الدرک الاسفل من النار۔ پس معلوم ہوا کہ یہ جسم ظاہری کے بناؤ سنگار مین لگ جانا بھی اُس طرف سے بیگانگی ہے اور یہ تم کو نہ چاہیے اس لیے کہ جسم کی حقیقت ہی کیا ہے جس کو کہ تم اس قدر پرورش کرتے ہو اور جو چیز کہ اصل ہے یعنی روح اُس کو چھوڑ رکھا ہے ارے ظالم جس روز یہ روح نہ ہوگی اُس دن یہ بدن بالکل بیکار ہوگا اور آج جو یہ بناؤ سنگار اچھا معلوم ہوتا ہے اُسکی وجہ بھی وہی وجود روح ہے پس اصل مین تو اُسکی خبر لینا چاہیے آگے پھر اُس منافق کی زبانی نام حق لینے کی مثال دیتے ہین کہ۔

بر زبان نام الخ۔ یعنی اُسکی زبان پر تو خداوند ذوالجلال کا نام پاک ہے اور اندر اُس کے کفر کی وجہ سے گندگیان بھر رہی ہین اور یہان کفر بے ایمان کہنے سے یہ مراد ہے کہ وہ کفر جو کہ بے ایمانی کے ساتھ ہو اور ایمان کا مقابل ہے اور وہ مراد نہین جو کہ خود کفر کے مقابل ہو اس لیے کہ کفر مین ہی تو مراتب ہوتے ہین بعض کفر دون کفر ہوتا ہے پس مراد یہ کہ خالص کفر کی وجہ سے اُس کے اندر تو گندگیان بھر رہی ہین اور زبان سے نام حق لیتا ہے پس ہرگز کار آمد نہین ہے اور اُسکی ایسی مثال ہے۔

ذکر با او الخ۔ یعنی اُن گندگیون کے ساتھ ذکر زبانی ایسا ہے کہ جس طرح بھاڑ پر سبزہ ہوتا ہے اور جس طرح پاخانہ کی کوڑی پر گل و سوسن اُگ آوین کہ یقیناً یہ نباتات ان مقامات پر عاریۃ ہین ورنہ ان کی اصل جگہ تو مجالس ہین اور محافل عشرت ہین پس اسیطرح یہ صرف زبانی ذکر اور خدا کی یاد ایسی ہی ہے اور یہ بھی ناپائدار ہے اور اسکا جب تک قلب پر اثر نہ ہو کار آمد نہین ہوسکتی بس اس جسم کی تزئین اور تحسین کو چھوڑو اور روح کی تزئین مین لگو جو کہ اصل ہے آگے اسی پر تفریع فرماتے ہین کہ۔

طیبات آمد الخ۔ یعنی طیبات تو طیبین کے لیے ہوتی ہین اور خبیثات خبیثین کے لیے پس انوار اور رحمۃ الٰہیہ جو طیبہ ہے اگر تم طیب ہوگئے تو تم کو ملیگی ورنہ وہ خبیثین کے پاس نہین آیا کرتی خوب سمجھ لو اور ان بیگانون کو

چھوڑو اور اصل مقصود رضاء حق کو اختیار کرو۔

چونکہ اوپر کے شعر سے کیست بیگانہ تن خاکی تو الخ سے یہان تک اِس امر کو بیان کیا تھا کہ بدن کی تزئین اور تحسین مین مت لگو کہ خواہشات نفسانی اِسی مین انہماک سے پیدا ہوتی ہین جو کہ مانع طریق اور مضر ہین اب آگے بھی اُن ہی کو بیان فرماتے ہین کہ اِس بدن کی پرورش سے خصائل ذمیمہ پیدا ہوتے ہین پس فرماتے ہین کہ۔

کین مدار آنہا الخ ۔ یعنی کینہ مت رکھو کہ جو لوگ کینہ سے گمراہ ہوے ہین اُنکی قبر کینہ ورون کے پاس رکھین گے گور سے مراد برزخ ہے مطلب یہ کہ کینہ ایک بہت بُری شے ہے اِس لیے اس سے بچنا کیونکہ اگر تم کینہ رکھوگے تو برزخ مین تم کو کینہ ورون کے پاس رکھا جاویگا اور جو عذاب وغیرہ اُن کے لیے ہوگا وہ ہی تمھارے لیے بھی ہوگا اور کینہ کی تخصیص بیان مین اِس لیے کی کہ یہ بہت ہی اہتم بالشان ہے اور اِس مین اکثر مبتلا ہوتے ہین پس اِسی کو بیان فرمادیا آگے اِسکو ایک تشبیہ دیکر بتلاتے ہین فرماتے ہین کہ۔

اصل کینہ الخ ۔ یعنی کینہ کی اصل دوزخ ہے اور تمھارا کینہ بھی اُسی کل کا ایک جزو ہے اور تمھارے دین کا دشمن ہے یہان اصل کینہ دوزخ ست سے مراد یہ نہین کہ کینہ دوزخ سے پیدا ہوتا ہے اور اِسکی اصل دوزخ ہے بلکہ مراد یہ ہے کہ جس طرح اصل متبوع ہوتی ہے اور اسکی فروع اُس کے تابع ہوتے ہین اور قاعدہ ہے کہ فرع اپنی اصل کی طرف جایا کرتی ہے یہین مثال دیکر فرماتے ہین کہ جسطرح اصل کی طرف اوسکی فرع رجوع کیا کرتی ہین اسیطرح تمھارا کینہ بھی دوزخ کی طرف رجوع کریگا اور دوزخ کی طرف کھینچ کو لیجاویگا کین تو جزوآن کل ست سے اسکی دلیل بتلاتے ہین کہ دیکھو تو جب قاعدہ ہی کہ اصل کی طرف فرع رجوع کرتی ہی اور تمھارا کینہ اوس کل کی فرع ہی لہذا یہ بھی تمکو دوزخ کی طرف لیجاویگا اس سے بچنا ضروری ہی اور دوسری وجہ اس سے بچنے کی یہ ہے کہ تمھارے دین کا دشمن ہی پھر تو اس سے بچنا بہت ہی ضرور ہوا آگے اسی مضمون کو صاف کرکے بیان فرماتے ہین اور ایک تفریع کے طور پر فرماتے ہین کہ۔

چون تو جزو الخ ۔ یعنی جب تم جزو دوزخ ہو تو ذرا ہوش سے کام لو اِس لیے کہ (قاعدہ ہے کہ) جزو اپنے کل کی طرف رجوع کرتا ہے اور اُسکا قرارگاہ وہی ہوتا ہے مطلب یہ کہ اگر تم مین اخلاق ذمیمہ مثل کینہ وغیرہ کے ہین اور یہ اشیاء ہین جزو دوزخ یعنی سبب دوزخ مین جانے کا تو ذرا ہوش سنبھالو اِس لیے کہ جزو تو کل کی طرف راجع ہوا کرتا ہے پس یہ اخلاق بھی تم کو دوزخ کی طرف لیجاوین گے اور اگر ایسا نہین ہے تو فرماتے ہین کہ۔

ور تو جزو الخ ۔ یعنی اگر تو جزو جنت ہے اے نامدار تو تیرا عیش جنت کی طرح پائدار اور قائم ہوگا جزو جنت ہونے سے یہ مراد ہے کہ اگر تمھارے اعمال جنت کے قابل ہین اور اعمال حسن ہین تو تمھاری عیش دائمی ہوگی و ابدی ہوگی جس طرح کہ جنت دائمی اور ابدی ہے اِس لیے کہ ارواح ازلی تو نہین ہین مگر ابدی ہین اگرچہ بعض لوگ ایک لمحہ کے لیے ان کی فنا کے قائل ہوے ہین تا کہ آیت کل شئی ہالک الا وجہہ کے معنی درست ہوجاوین لیکن پھر بھی وہ فنا معتد بہ نہ ہوگی اور اگر ان کو ابدی مان بھی لیا جاوے تب بھی اِس آیت سے معارضہ لازم نہین آتا اس لیے کہ استحالہ تو ازلی ماننے مین ہے نہ کہ ابدی ماننے مین پس مقصود مولانا کا یہ ہوا کہ اعمال سیئہ کو ترک کرنا چاہیے اور اعمال حسنہ کا ارتکاب چاہیے اِس لیے کہ اعمال سیئہ تو دوزخ کی طرف راجع ہوتے ہین اور اعمال حسنہ جنت کی طرف آگے یا تو اِسی پر تفریع کہا جاوے یا دلیل کہا جاوے فرماتے ہین کہ۔

تلخ با تلخان الخ یعنی تلخ تلخون کے ساتھ یقیناً ملحق ہوتا ہے اور دم باطل حق کے ساتھ کب ہو سکتا ہے مطلب یہ کہ اوپر جو ہم نے بیان کیا ہے کہ اعمال سیئہ دوزخ کی طرف راجع ہوتے ہین اور اعمال حسنہ جنت کیطرف تو اسکی دلیل یہ ہے کہ دیکھو ہر چیز اپنے مجانس کی طرف جاتی ہے تلخ تلخون کے ساتھ ملحق ہوتا ہے پس اعمال سیئہ دوزخ کی طرف راجع ہون گے اور دیکھو تو حق بات باطل کے ساتھ کس طرح ہو سکتی ہے لہذا معلوم ہوا کہ جیسے اعمال ہون گے ویسا ہی اس پر اثر مرتب ہوگا اور اگر اسکو تفریع کہا جاوے تو یہ معنی ہون گے کہ اعمال سیئہ دوزخ کی طرف راجع ہون گے اور حسنہ جنت کی طرف جس طرح کہ دیکھو تلخ تلخون کے ساتھ ملتے ہین اور بات بھی تو یہی ہے کہ باطل کے ساتھ حق کس طرح ہو سکتا ہے پس معلوم ہوگیا کہ ہر جنس اپنی دوسری جنس کی طرف رجوع ہوتی ہے اب یہان جو کہا ہے کہ جیسے اعمال ہون گے ویسی ہی اُسپر جزا ہوگی آگے اِن اعمال کے درست ہونے کی تدبیر تبلاتے ہین۔

اے برادر الخ۔ یعنی اے بھائی تو تو اندیشہ اور فکر ہی ہے اور باقی تو ہڈیان اور گوشت پوست ہین یہان یون سمجھو کہ ہر فعل اختیاری سے قبل اُسکا عزم اور ارادہ ہوتا ہے اور ارادہ سے پہلے اُسکی فکر اور سوچ کہ اِس کام کو کرنا چاہیے یا نہ کرنا چاہیے پس فرماتے ہین کہ اے بھائی یعنی اے طالب تم تو صرف فکر ہو اور سوچ ہو اور تمھارے اندر اصل شئی اور معتد بہ چیز تو یہ فکر ہے اور سوچ ہے۔ ورنہ ویسے تو تم گوشت ہڈیان رگین وغیرہ ہو جو کہ دیگر حیوانات کے اندر بھی موجود ہین پس تم کو جو شرف ہے وہ تو صرف اِسی فکر کی وجہ سے ہے کہ تم فکر کر سکتے ہو اور ہر کام سے پہلے سوچ سکتے ہو لہذا اگر تم اِس فکر اور اِس سوچ کو درست کر لوگے کہ جب تم سوچا کرو تو افعال حسنہ ہی کو سوچا کرو تو تمھارے اعمال بھی درست ہو جاوین اور وہ اعمال جنت ہو جاوینگے اور یہان خود ذات انسان کو اندیشہ کہنا مبالغہ ہے ورنہ اصل مین تو انسان اندیشہ اور فکر والا ہے اور فکر اسمین پائی جاتی ہے پس مقصود یہ ہوا کہ تم تو ایسے ہو جیسے کہ سراپا فکر ہی ہو اور اِس ترکیب کی ایسی مثال ہے جیسا کہ قرآن شریف مین ہے ان ہو الا ذکری للعالمین۔ تو دیکھو کہ قرآن شریف پر ذکری کا اطلاق کیا گیا ہے حالانکہ قرآن شریف کی ذات ذکری نہین ہے بلکہ اُس کے اندر ذکری ہے پس اسیطرح یہان بھی فرما دیا آگے اِس اندیشہ کی تفصیل فرماتے ہین کہ۔

گر گل ست الخ۔ یعنی اگر تیرا فکر اور اندیشہ گل ہے یعنی اعمال حسنہ مین تو تو گلشن ہے اور اگر وہ فکر اور اندیشہ خار ہو تو پھر تو گلخن کا ایندھن ہے مطلب یہ کہ اگر تمھاری قوت فکریہ اعمال حسنہ مین ہے اور تم انکو سوچتے ہو تو تم ایسے جیسا کہ گل کے لیے گلشن محل ہوتا ہے اسیطرح تم بھی اُن کے محل ہو جاؤگے اور وہ اعمال تم کو جنت کی طرف لیجاوین گے اور اگر وہ فکر خار ہے یعنی اعمال سیئہ مین تو پھر تم گلخن کا ایندھن ہو یعنی دوزخ کا ایندھن ہو جیسے کہ خود قرآن شریف مین ہے وقودہا الناس والحجارہ پس مقصود یہ ہوا کہ اگر اعمال سیئہ مین تو جزا دوزخ ہے اور اگر حسنہ مین تو جزا جنت ہے آگے بھی اسی کو مؤکد فرماتے ہین کہ۔

گر گلابے الخ۔ یعنی اگر تم گلاب کی طرح ہو تو تم کو سر اور گریبان پر لگا دین گے اور اگر پیشاب کی طرح ہو تو باہر پھینک دین گے مطلب یہ کہ اگر تیرا اندیشہ اور فکر اعمال صالحہ حسنہ مین ہے تو اہل اللہ تیری قدر کرین گے

اور تجھکو اچھا جانین گے اور اگر تمھارے اعمال خراب اور سیئہ ہین تو تم کو دور پھینک دینگے اور اپنے سے علٰحدہ کردین گے لہذا تم ایسا فکر مت کرو جس سے کہ اعمال سیئہ ناشی ہون بلکہ فکر بھی اعمال حسنہ ہی کا ہونا چاہیے تاکہ اُس سے جزا بھی حسن ہی ملے آگے ایک مثال سے سمجھاتے ہین کہ۔

طبلہا در پیش الخ۔ یعنی دیکھو قرابے عطارون کے سامنے دیکھو کہ ہر جنس کو اُسکی دوسری ہمجنس کے ساتھ رکھا ہے مطلب یہ کہ دیکھو جس طرح وہان اپنے اپنے مجانس کے پاس ہر چیز ہے عرق عرق ایک جگہ ہین اور شربت شربت ایک جگہ پس اگر تمھارے اعمال سیئہ ہین تو وہ دوزخ کے اندر لیجاوینگے ورنہ جنت مین پس جب ایسا ہے تو تم صحبت ناجنس سے بچو اسی کو فرماتے ہین کہ۔

تو رہا ئی جو الخ۔ یعنی تو ناجنسون سے کوشش کرکے علٰحدگی ڈھونڈو۔ اس لیے کہ ناجنس کی صحبت تو گورا ورلحد ہے یعنی قلب کے لیے گور و لحد ہے اسلیے کہ اعمال سیئہ سے تو قلب مردہ ہوجاتا ہے اور یہ مضمون خود حدیث سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ حدیث مین ہے المرء مع من احب دوسری حدیث مین ہے المرء علی دین خلیلہ۔ پس معلوم ہوا کہ جیسے لوگون اور جیسے اعمال سے مجانست اور میل ہوگا یہ شخص بھی ویسا ہی ہوجاوے گا آگے پھر اُس مثال عطار کی طرف رجوع فرماتے ہین کہ۔

جنسہا با جنسہا الخ۔ یعنی اُس عطار نے جو ہر جنس کو اپنے دوسرے مجانس سے ملا رکھا ہے تو اس تجانس سے کیسی زینت کر رکھی ہے اور اس سے کیسی زینت حاصل ہوئی ہے پس اسیطرح اگر ہم بھی اعمال صالحہ کی طرف اپنی فکر کو لیجاوینگے تو اُس سے زینت اور فلاح حاصل ہوگی جو کہ جنت ہی ہے آگے پھر اسی کی تاکید کے طور پر لاتے ہین کہ۔

گر در آمیزند الخ۔ یعنی اگر اُسکا عود اور شکر کوئی ملا دے تو وہ عطار ہر ہر چیز الگ الگ کریگا مطلب یہ کہ دیکھو اگر اُسکی اشیا آپس مین کوئی گڈمڈ کردے اور بالکل دو غیر جنس کو آپس مین ملا دے تو وہ اُن کو چن کر علٰحدہ علٰحدہ کریگا پس اسیطرح اللہ تعالےٰ نے انسان کو بھی ہر ایک کے مجانس کے ساتھ رکھا تھا جیسا کہ حدیث مین ہے کہ اللہ تعالےٰ نے کچھ ارواح ایک طرف کین اور فرمایا کہ ہؤلاء للجنۃ ولا ابالی اور پھر دوسرے ارواح دوسری طرف رکھین اور فرمایا ہؤلاء للنار ولا ابالی۔ پس معلوم ہوا کہ درجہ استعداد مین سب علٰحدہ علٰحدہ تھے اور ہر جنس دوسری جنس سے ممتاز تھی اور اہل جنت ایک جگہ تھے اور اہل نار دوسری جگہ مگر دُنیا مین آکر سب مل جل گئے اور آپس مین وہ امتیاز جو اصل استعداد مین تھا باقی نہ رہا پس اسی کو فرماتے ہین کہ۔

طبلہا بشکست الخ۔ یعنی قرابے ٹوٹ گئے اور جانین گر گئین اور اچھے برے سب ایک دوسرے مین مخلوط ہوگئے مطلب یہ کہ جس طرح قرابے ٹوٹ جانے سے سب اشیا مل جاتی ہین اور آپس مین امتیاز باقی نہین رہتا اسیطرح ارواح جب عالم ارواح مین تھین تو سب مین امتیاز تھا مگر عالم اجسام مین آکر ایک دوسرے سے خلط ملط ہوگئین اور سب نیک و بد مل گئے اور کچھ بھی امتیاز نہ رہا پس اب ضرورت ہوئی کہ کوئی ایسا ہو جو کہ اس خلط کو رفع کرے اور پھر اُس امتیاز کو جو کہ عالم ارواح مین درجہ استعداد مین تھا ظاہر کردے پس فرماتے ہین کہ۔

حق فرستاد الخ۔ یعنی اللہ تعالےٰ نے انبیا علیہم السلام کو اس کے لیے بھیجا تاکہ کفر و دین سب الگ ہوجاوین

اور سب مین امتیاز رہے مطلب یہ کہ ہر چیز کو اپنے ہم جنس کے ساتھ ملاتا کچھ عطار وغیرہ کا کام ہی نہین ہے بلکہ خداوند کریم نے بھی ارواح کو اپنی اپنی مجانس کے ساتھ ملایا تھا مگر چونکہ وہ استعداد جو کہ ہر مجانس اپنے دوسرے کے ساتھ رہنا چاہتا تھا دنیا مین آکر اور اس عالم اجسام مین آکر مفقود ہو گئی اس لیے اللہ تعالے نے اس کے اظہار کے لیے انبیا کو بھیجا تاکہ وہ آکر ہر ہر جنس کو علیحدہ علیحدہ فرما دین آگے فرماتے ہین کہ۔

حق فرستاد انبیا الخ۔ یعنی حق تعالی نے انبیا کو بھیجا اور ساتھ مین ان کے ساتھ مصاحف بھی اتارے یہانتک کہ انھون نے ان دانون کو ایک طبق مین چن دیا یعنی سب کو ایک دوسرے سے متمیز کر دیا اس لیے کہ جنھون نے ان انبیا اور ان مصاحف کو مانا وہ حق پر ہو گئے اور جنھون نے انکی تکذیب کی وہ گمراہ ہوے پس مہتدی اور ضال سب الگ الگ جدا ہو گئین اور ان انبیا کی تشریف آوری سے پہلے سب گڈمڈ اور خلط ملط تھے اسی کو فرماتے ہین کہ۔

مومن و کافر الخ۔ یعنی مومن اور کافر اور مسلمان اور یہودی انبیا سے پہلے سب یکسان تھے اور آپس مین کوئی امتیاز اور فرق نہ تھا اور یہ مضمون قرآن شریعت مین بھی ہے فرماتے ہین کہ کان الناس امۃ واحدۃ فبعث اللہ النبیین مبشرین و منذرین یعنی پہلے تو آدمی سب امۃ واحدہ اور ایک ہی جنس کے تھے پھر اللہ تعالے نے انبیا کو ڈرانے والے اور بشارت دینے والے بھیجا پس جنھون نے اطاعت کی وہ مطیع اور منقاد اور مومن اور مسلمان ہو گئے اور جنھون نے تکذیب کی وہ نافرمان اور سرکش اور کافر اور گمراہ ہو گئے۔ آگے بھی اسی کو فرماتے ہین کہ۔

پیش از ایشان الخ۔ یعنی حضرات انبیاء علیہم السلام کی تشریف آوری سے پہلے ہم سب یکسان ہی معلوم ہوتے تھے اور کوئی شخص یہ نہ جانتا تھا کہ ہم نیک ہین یا بد ہین۔

بود نقد الخ۔ یعنی کھوٹا اور کھرا عالم مین سب چلتا تھا اور جہان رات کی طرح تھا اور ہم رات کو چلنے والون کی طرح تھے مطلب یہ کہ جس طرح رات کو اندھیری مین کھوٹا اور کھرا سکہ سب چل جاتا ہے اور کسی کو امتیاز نہین ہوتا کہ ان مین کون کھرا ہے اور کون کھوٹا اسیطرح انبیاء کے آنے سے پہلے عالم مین ایک ظلمت طاری تھی کہ جسمین نیک و بد کا امتیاز نہ تھا اور سب آدمی یکسان ہی معلوم ہوتے تھے اور ایسی حالت تھی کہ جس طرح رات کو چلنے والے ہوتے ہین کہ ان کو راستہ کا پتہ تو چلتا نہین ہے پس اٹکل پچو جس طرف کو منھ اٹھا تب بے تحاشا کی طرح چلے جاتے ہین اسیطرح اس ظلمت مین کسی کو راستہ حق تو معلوم نہ تھا کہ اسپر چلتا بلکہ اپنی سمجھ سے جس کو اچھا سمجھتے اس کو اچھا کہتے اور جس کو برا سمجھتے اسکو برا کہتے اس لیے کہ پہلے اگر عقل سے ادراک نیک و بد ہو بھی سکتا ہو تو صرف اس قدر کہ اخلاق کی حالت معلوم ہو جاویگی جو کہ اعمال کے سامنے معتد بہ نہین ہین اگر اعمال خراب اور اخلاق بہت اچھے ہین تو وہ اخلاق کسی کام کے نہین ہین بلکہ اخلاق مع اعمال حسنہ ہون تب ٹھیک ہو سکتا ہے اور اعمال قبل بعثت انبیاء معلوم نہ تھے اس لیے بالکل شب روون کی سی حالت تھی اور اسی ظلمت مین سب کام کر رہے تھے کہ۔

تا بر آمد آفتاب الخ۔ یعنی یہانتک کہ آفتاب انبیاء علیہم السلام نے طلوع کیا اور اس نے کہا کہ اے کھوٹے

دور ہوجا اور سلئے صافی تو آ مطلب یہ کہ جس طرح آفتاب کے نکلنے سے ہر نیک و بد اور ہر کھوٹے کھرے مین امتیاز ہوجاتا ہے اسیطرح جب انبیاء علیہم السّلام جو امتیاز دینے مین مثل آفتاب کے تھے تشریف لائے تو گمراہون کو مہتدین سے علیحدہ کردیا اور سب کو ممتاز کردیا آگے فرماتے ہین کہ۔

چشم داند الخ ۔ یعنی آنکھ ہی رنگ مین فرق کرنا جانتی ہے اور آنکھ ہی لعل اور سنگ کو متمیز کرسکتی ہے اور آنکھ ہی گوہر و خاشاک مین امتیاز کرتی ہے اسی لیے خاشاک آنکھ مین زیادہ چبھتے ہین کیونکہ اسکو دونون مین فرق معلوم ہوتا ہے پس خاشاک اسمین زیادہ کھٹکتے ہین مطلب یہ کہ اس ظلمت مین سب لوگ مثل اندھون کے تھے جب انبیاء علیہم السّلام تشریف لائے جب سب کی آنکھ کھلی اور اس وقت نیک و بد مین امتیاز ہوسکا اور چونکہ انبیاء علیہم السّلام جو کہ مثل چشم کے تھے نیک و بد کو خوب جانتے تھے اس لیے انکی نظر مین وہ بہت ہی برے معلوم ہوتے تھے اور بہت ہی کھٹکتے تھے پس جب کہ سب کھرا کھوٹا ظاہر ہونے لگا تو جو لوگ کھوٹ چلانے والے تھے یعنی جن مین استعداد اعمال سیئہ کی تھی ان کو بہت ہی رنج ہوا کہ افسوس اب ہمارا کھوٹ نہ چلیگا اور جو لوگ کھرے چلانے والے تھے یعنی استعداد حسنہ رکھتے تھے وہ خوب خوش ہوے کہ اب ہماری قدر ہوگی اسی کو فرماتے ہین کہ۔

دشمن روز اند الخ ۔ یعنی جو لوگ کھوٹے ہین یہ تو اس روز کے (یعنی انبیاء علیہم السّلام کے) دشمن ہوگئے کہ اب ہماری وہ گمراہی نہ چل سکے گی اور جو خالص معدن کے سونا تھے یعنی انکی استعداد اچھی تھی وہ اسپر سو جان سے عاشق ہوگئے کہ الحمد للہ اب امتیاز دینے والا آگیا ہے اور اب ہماری قدر ہوگی آگے اسی کو فرماتے ہین کہ۔

زانکہ روز ست الخ ۔ یعنی نیک آدمیون کو اس لیے خوشی ہوئی کہ یہ روز انکی تعریف اور ان کے اظہار کے آئینہ تھے اور انھون نے یہ سمجھا کہ اب کوئی اشرف اور کوئی بھلا آدمی ہماری قدر اور منزلت کو جانیگا۔ مولانا کے کلام مین کہین علوم ہوتے ہین اور کہین کشفیات کو بیان فرماتے ہین اسیطرح کہین کچھ نکات بھی بیان فرمایا کرتے ہین پس اس مضمون پر کہ دن امتیاز دینے والا ہوتا ہے آگے ایک نکتہ بیان فرماتے ہین کہ۔

حق قیامت را الخ ۔ یعنی اسی لیے کہ روز ممیز ہوتا ہی اللہ تعالےٰ نے قیامت کو بھی روز کہا (جیسا کہ جا بجا قرآن شریف مین یوم الساعۃ وغیرہ آیا ہے) اور یہ اس لیے کہ جس طرح دن ممیز ہوتا ہے اور سب چیزون کو اسمین تمیز دیدیتا ہے اسیطرح قیامت مین ہر شے اپنے دوسرے سے ممتاز اور علیحدہ ہوجاویگی اب آگے صاف طور پر اس روز کی تعیین کرتے ہین کہ۔

پس حقیقت الخ ۔ یعنی اس روز کی حقیقت اولیاء اللہ کا باطن ہے اور یہ ظاہری روز ان کے چاند کے سامنے سایہ کی طرح ہے یہان اولیاء سے مراد عام لیا جاوے یعنی مقبولین خدا تاکہ انبیاء علیہم السّلام بھی اسمین داخل ہوجاوین پس مطلب یہ ہوا کہ یہ تو معلوم ہے کہ حقیقت صوفیہ کی اصطلاح مین ظاہر کو کہتے ہین اور صورت کہتے ہین مظاہر کو اور یہ بھی معلوم ہے کہ جس قدر کونیات ہین وہ سب علیحدہ علیحدہ اسماء کے مظاہر ہین اور ظاہر اور حقیقت انکی وہ اسماء ہین اور ان سب کونیات مین جامع بلکہ اجمع انسان ہے کہ اسمین اکثر اسماء کا ظہور ہوتا ہے پھر انمین سے جو مقبول اور مقرب الی اللہ ہین وہ بدرجہ اتم و اکمل جامع ہین اور یہ بھی

معلوم ہے کہ جس قدر کائنات ہین وہ ساری انسان کے لیے ہین اور خلقت انسان مقصود بالذات ہے پھر اِس انسان مین سے بھی خلقت حضور رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم مقصود اعظم ہے۔ پس اب یون سمجھو کہ مولانا فرماتے ہین کہ اُس روز کی حقیقت جو ممیز ہے نیک و بد مین وہ مقربین حق کا (جسمین کہ انبیا بھی ہین) باطن ہے کہ وہ اسم جو کہ ممیز ہے اور جسکی شان فرق بین الحق والباطل ہے اُن حضرات کے باطن مین ظاہر ہے اور اُس اسم آلٰہی کی تجلی اور ظہور کی وجہ سے اُن حضرات کے قلوب اِس درجہ کو پہونچے ہین کہ وہ ممیز ہوگئے ہین اور یہ روز ظاہری اُنکی اُس تجلی اور اُس ظہور کے سامنے سایہ کی طرح ہے اِس لیے کہ ظاہر ہے کہ تجلی جو اُن حضرات کے قلوب سے متعلق ہے کامل اور اکمل ہے اور جو تجلی کہ اِس نہار ظاہری پر ہے وہ تبعًا اور ناقص ہے آگے فرماتے ہین کہ۔

عکس راز مردان الخ۔ یعنی مردان حق کے باطن کی تجلی کے عکس کو روز سمجھو اور اُن کی ستاری اور پوشیدگی کے عکس کو شام سمجھو مطلب یہ کہ جو اسم کہ اولیاء اللہ کے قلوب مین متجلی ہوکر حالت بسط پیدا کرتا ہے اور پھر اُنکے قلوب کی تجلی کا یہ عکس ہے کہ روز ظاہری پیدا ہوتا ہے اور وہ اسم آلٰہی کہ جو اُن پر حالۂ قبض کو مسلط کردیتا ہے اُسکا عکس شب ظاہری اور شام ظاہری کو سمجھو اور حدیث مین آیا ہے وباسم الذی وضعتہ علی النہار فاستنار وباسم الذی وضعتہ علی اللیل فاظلم۔ پس معلوم ہوا کہ بعض اسماء ایسے ہین کہ جن کی تجلی سے اور اُن کے اثر سے روز و شب پیدا ہوتے ہین اور چونکہ پہلے معلوم ہوچکا ہے کہ کل کونیات تابع ہین انسان کے اور انسان مقصود بالذات ہے اور اسمین اُن اسماء کا ظہور اور اُنکی تجلی بدرجہ اکمل واجمع ہوتی ہے پس اب ظاہر ہے کہ اُن اسماء کے اثر نے اُن حضرات کے قلوب پر حالت قبض و بسط پیدا کی اور پھر اُن کا عکس پڑکر یہ ظاہری کو رات دن پیدا ہوگئے اور چونکہ یہ بھی معلوم ہوچکا کہ انسان مین بھی پھر کامل تجلی حضور مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک پر ہوتی ہے اِس لیے آگے فرماتے ہین کہ۔

زان سبب فرمود الخ۔ یعنی اِسی سبب سے اللہ تعالےٰ نے والضحیٰ فرمایا اور والضحیٰ نور ہے قلب مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کا مطلب یہ کہ قرآن شریف مین جو اللہ تعالیٰ نے ضحیٰ کی قسم کھائی تو اِس سے مراد وہی روز اور وہی تجلی ہے اور یہ حضور مقبول صلے اللہ علیہ وسلم کا قلب مبارک ہے آگے دوسری توجیہ اہل ظاہر کی بیان کرکے فرماتے ہین کہ اِس سے بھی ہمارا مقصود حاصل ہے اور یہ مولانا کی عادت کے خلاف ہے کہ توجیہات مختلفہ کو بیان فرمادین مگر یہان چونکہ اُس سے بھی مقصود حاصل ہوتا تھا اِس لیے اُسکو بیان فرمایا کہ۔

قول دیگر الخ۔ یعنی ایک دوسرے قول کے مطابق یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ نے اِسی ظاہری نہار کا قصد کیا ہے اور اِسی کی قسم کھائی ہے تو یہ بھی اِس لیے کہ یہ نہار ظاہری بھی اُسی نور قلب حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا عکس ہے یعنی اہل ظاہر مفسرین تو یہی کہتے ہین کہ قسم اِس نہار ظاہر کی کھائی ہے پس فرماتے ہین کہ اِسکی قسم بھی اِس لیے کھائی کہ یہ اُس تجلی کا عکس ہے آگے اُسکی دلیل لاتے ہین کہ اِس نہار ظاہری کی قسم کیون نہین ہوسکتی اور کہان سے معلوم ہوا کہ اِس سے مقصود نور ضمیر مصطفےٰ ہی ہے پس فرماتے ہین کہ۔

ورنہ بر فانی الخ۔ یعنی اگر یہ مراد نہ ہوتا تو فانی کی قسم کھانا خود خلاف ادبی ہے اور فانی شے اللہ تعالےٰ کے کلام کے لائق کہان سے ہوسکتی ہے خطا کے معنے یہان خلاف ادبی کے ہین یعنی چونکہ یہ نہار ظاہری تو فانی ہے

اس لیے اللہ تعالیٰ کا اسکی قسم کھانا خلاف اولیٰ ہے پس ضرور ہوا کہ اس قسم سے مراد وہی نور ضمیر مصطفےٰ لیا جاوے دوسری یہ بات ہے کہ قرآن شریف مین جہان کہین قسم ہے وہ مقسم کے مناسب ہے اور اسکو حضرت حکیم الامتہ دام فیضہم نے اپنی تفسیر مین لکھا ہے کہ قرآن شریف مین قسم اپنے مقسم کے مناسب ہے پس اس کے اعتبار سے بھی اگر اس سے مراد نور ضمیر حضور صلے اللہ علیہ وسلم لیا جاوے تو بھی مناسب ہے اس لیے کہ اس قسم کے بعد حضور صلے اللہ علیہ وسلم ہی کا ذکر ہے پس یہ بھی اسی کے مناسب ہو تو بہتر ہے آگے اسی شعر کی تائید مین فرماتے ہین کہ۔

از خلیلے الخ۔ یعنی حضرت خلیل اللہ ابراہیم علیہ السلام تو لا احب الآفلین (مین پوشیدہ اور فنا ہونے والون کو محبوب نہین رکھتا) فرمادین تو پھر رب العالمین کس طرح فانی شے کا قصد قسم مین کرتے اور دیکھو تو حضرت خلیل اللہ علیہ السلام تو لا احب الآفلین کہین تو اللہ تعالےٰ فانی شے کو کس طرح لیا ہین گے۔ پس مقصود مولانا کا یہ ہے کہ اس قسم سے مراد وہی نور ضمیر مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم ہے اور یہ نہار فانی نہین ہے اور اس کو دلیل سے ثابت کر دیا اور تاکیدون سے مؤکد کر دیا یہان تک تو ع عکس را از مرد حق دانید روز + کو ثابت کیا آگے دوسرا مصرع ع عکس ستاریش شام چشم دوز + کو ثابت کرتے ہین فرماتے ہین کہ۔

باز واللیل است الخ۔ پھر واللیل سے مراد انکی ستاری ہے اور وہ اُن کا تن زنگاری ہے یعنی والضحےٰ کے آگے واللیل ہے تو اس سے مراد حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے اور اُن کی پوشیدگی ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جسد مبارک ہے جو قلب مبارک کو مثل زنگار پوشیدہ کیے ہوئے تھا پس معلوم ہوا کہ والضحےٰ سے مراد وہ نور ضمیر صلے اللہ علیہ وسلم ہے اور اُسکا عکس یہ نہار ظاہری ہے اور واللیل سے مراد حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی ستاری اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا جسد مبارک جو ساتر ہے قلب کا مراد ہے اور اس عکس کا یہ ظاہری لیل ہے اور بعض بزرگون نے لکھا ہے کہ اسم باسط کا اثر اور اسکی تجلی تو قلب پر بسط کرتی ہے اور اسی سے یہ نہار ظاہری ہوتا ہے اور یا قابض کی تجلی قلب پر قبض پیدا کرتی ہے اور اسی سے لیل ظاہری پیدا ہوتی ہے۔

چونکہ اوپر والضحےٰ کی تفسیر مولانا نے نور ضمیر مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم سے کی ہے اور واللیل کی تفسیر حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کے تن خاکی سے کی ہے اور اُس تن کو زنگاری کہا ہے جس سے کہ یہ شبہ ہوتا ہے کہ جسد مبارک حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کا منور نہین بلکہ محجوب ہے اس لیے آگے اس شبہ کا جواب بطور دفع دخل مقدر کے دیتے ہین جسکا حاصل یہ ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا جسد مبارک بھی محجوب نہین ہے اس لیے کہ اُسکو تعلق اور تلبس ہے اُس ضمیر سے جو کہ منور ہے پس اب اس مضمون کو اس طرح تعبیر فرماتے ہین کہ۔

آفتابش الخ۔ یعنی جب اُس ضمیر کے آفتاب نے اُس آسمان سے طلوع کیا تو شب تن سے کہا کہ ما ودعک (یعنی نہین چھوڑا تجھکو) یہان یون سمجھو کہ اول درجہ ہے الوہیت کا جس کے معنے ہین جامع جمیع صفات آگے کل صفات اُسکی تفصیل ہین پس اُن صفات مین سے ایک صفت ہے ربوبیت اب مطلب یہ ہوا کہ جب اُس ضمیر کے آفتاب نے کہ وہ حق تعالےٰ شانہ ہین اس لیے کہ وہ ضمیر تو اُن ہی سے روشن ہے اور اُن ہی سے انوار حاصل کر رہی ہے (فلک سے) یعنی مرتبہ الوہیت سے کہ جامع جمیع صفات ہے (طلوع کیا) یعنی مرتبہ

ربوبیت مین ظہور کیا اور حضور مقبول صلے اللہ علیہ وسلم کی تربیت فرمانے کے لیے (تو اُس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جسد مبارک سے فرمایا ما ودعک) مقصود مولانا کا یہ ہے کہ یہان ما ودعک کا خطاب جسد خاکی کو ہے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے تو جب اُسکو خطاب ما ودعک ربک وما قلی کا ہوا تو وہ کس طرح محجوب ہو سکتا ہے اور چونکہ اِسکی شان نزول مین ایک قول یہ بھی ہے کہ یہود نے روح کے متعلق کچھ سوال کیا تھا تو حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ کل کو جواب دونگا اور اسکے ساتھ انشاء اللہ نہین کہا تو اِسکی وجہ سے بہت روز تک وحی منقطع رہی تھی اور کفار کہتے تھے کہ اللہ تعالےٰ نے محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کو چھوڑ دیا اُن سے ناراض ہو گئے اِسپر یہ آیت نازل ہوئی تو چونکہ ترک انشاء اللہ ذہول کی وجہ سے ہوا اور ذہول ہوتا ہے اِس جسد کے مقتضیات کے غلبہ سے اِس لیے مولانا فرماتے ہین کہ یہ خطاب جسد مبارک حضور صلے اللہ علیہ وسلم ہی کو ہے پس مقصود یہ ہوا کہ جسد خاکی حضور مقبول صلے اللہ علیہ وسلم کا بھی محجوب نہین ہے بلکہ وہ بھی منور ہے جیسا کہ خطاب سے معلوم ہوتا ہے اور یہ نہ کہا جاوے کہ اچھا اگر یہ بھی مان لیا جاوے کہ جسد مبارک محجوب نہین ہے مگر پھر بھی حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے لیے ذہول تو تسلیم کرنا پڑیگا اور یہ تو کہا جاویگا کہ آپ کو ذہول ہوا تو بات یہ ہے کہ ذہول وہ مذموم ہے کہ جسمین کوئی مصلحت نہ ہو اور جسمین کوئی مصلحت ہو وہ مذموم نہین ہے پس یہان تو نبی صلے اللہ علیہ وسلم مین اولیاء اللہ کو کہ جن کو حضور صلے اللہ علیہ وسلم سے کوئی نسبت نہین اِس سے بہت سے منافع ہوتے ہین مثلاً عجب کا علاج ہی وغیرہ وغیرہ پس چونکہ یہان مصلحت تھی اِس لیے یہ ذہول مذموم نہین ہے آگے اِسکو خود مولانا بیان فرماتے ہین کہ

وصل پیدا گشت الخ۔ یعنی اِس عین بلا مین وصل حاصل ہو گیا اور اُس حلاوت سے معبر ما قلی ہو گیا۔ مطلب یہ کہ یہ جو ایک ابتلا تھا کہ کچھ روز تک وحی بند رہی اِس سے ایک وصل حاصل ہو گیا اور ایک حلاوت اور لُطف حاصل ہوا جسکی تعبیر الفاظ ما ودعک ربک وما قلی کر رہے ہین ورنہ اگر وہ ذہول نہ ہوتا اور یہ ابتلا نہ ہوتا تو پھر ان الفاظ سے خطاب کہان ہو سکتا تھا لہذا اِس آزمائش اور ابتلا مین یہ بھی حاصل ہوا اور اسکی ایسی مثال ہے کہ جس طرح بنو سلمہ اور بنو حارثہ نے غزوۂ احد مین کچھ تاخیر کی تھی اُسپر آیت اذ ہمت طائفتان ان تفشلا واللہ ولیہما نازل ہوئی تھی تو وہ اِسکو بیان فرما کر کہتے ہین کہ ہم یہ نہین چاہتے کہ ہم اُحد مین شریک ہوتے اور یہ آیت نازل نہ ہوتی بلکہ ہم اِس وقت خوش ہین اِس لیے کہ اِس وقت اللہ تعالےٰ نے ہمارے لیے یہ بھی فرمایا کہ واللہ ولیہما اگر ہم تاخیر نہ کرتے تو یہ کہان فرماتے پس اسیطرح اگرچہ ایک بظاہر ابتلا تھا مگر در اصل اُسمین ایک لطف اور مزہ ہے اور اِس لُطف کو الفاظ ما ودعک ربک وما قلی سے تعبیر کر رہے ہین آگے اِس مضمون کی طرف انتقال فرماتے ہین کہ ہر عبارت اپنے مدلول پر دال ہوتی ہے اور ہر عبارت سے اُس کے مناسب شئے پر دلالت ہوتی ہے فرماتے ہین کہ۔

ہر عبارت الخ۔ یعنی ہر عبارت ایک حالت پر دال ہے اور حال ہاتھ کے مانند ہے اور عبارت آلہ ہے۔ مطلب یہ کہ جس طرح ہاتھ مین کسی آلہ کا ہونا دلالت کرتا ہے اُس ہاتھ پر اور اُس ہاتھ کو بتلاتا ہے کہ کس کا ہے مثلاً اگر ایک ہاتھ مین لوہار کے آلات ہین تو یہ آلات دلالت کرتے ہین اِس امر پر کہ یہ ہاتھ لوہار کا ہے علےٰ ہذا پس اسیطرح سمجھو کہ حالت کی تو ایسی مثال ہے جیسے کہ ہاتھ ہوتا ہے اور عبارت کی مثال ایسی ہے جیسے کہ

آلہ ہوتا ہے کہ وہ آلہ اُس ہاتھ پر دلالت کرتا ہے اسیطرح ہر عبارت اپنے مدلول پر اور حالت پر دلالت کرتی ہے اور ہر
عبارت کی جو مناسب حالت ہوتی ہے اُسی پر دلالت کرتی ہے آگے اِسکو بیان فرماتے ہین کہ ہر شے اپنے اپنے
محل مین اچھی معلوم ہوتی ہے فرماتے ہین کہ۔

آلت زرگر الخ۔ یعنی سونار کے آلات اگر کسی موچی کے پاس ہون تو اُنکی ایسی مثال ہے جیسے کہ دانہ ریگ مین بو دیا
جاوے کہ وہ بالکل بے محل ہوگا اور اُسپر کوئی اثر مرتب نہ ہوگا نہ وہ جمے گا نہ کچھ پس اسیطرح آلات زرگر کفش دوز
کے سامنے بے محل اور فضول ہین اور فضول بھی بسبب بے محل ہونیکی وجہ سے ہین آگے دوسری مثال ہے کہ۔

و آلت اسکاف الخ۔ یعنی اور آلات موچی کے کسان کے سامنے بالکل ایسی مثال رکھتے ہین کہ کُتے کے
سامنے گھانس ہو اور گدھے کے سامنے ہڈیان ہون یعنی یہ بھی بے جوڑ اور بے محل ہونے کی وجہ سے بالکل
فضول اور بے سود مین آگے ایک اور مثال دیتے ہین کہ۔

بود انا الحق الخ۔ یعنی منصور نے انا الحق کہا تو وہ اُن کے لیے نور ہوگیا اور فرعون نے انا اللہ کہا تو وہ اُسکے لیے
دروغ ہوگیا۔ مطلب یہ کہ چونکہ منصور کی ایک ایسی حالت تھی کہ جس پر انا الحق اور انا اللہ کہنا پھبتا تھا اس لیے
وہ برمحل ہونے کی وجہ سے نور ہوگیا۔ و چونکہ وہ حالت فرعون پر نہ تھی اس لیے اُس کے لیے وہ الفاظ ہلاک
اور جھوٹ ہوگئے یہان ایک حکایت مناسب مقام یاد آئی وہ یہ کہ ایک بزرگ نے اللہ تعالےٰ سے ایک حالت
ناز مین یہ پوچھا کہ یا الٰہ العالمین وہی کلمہ منصور نے کہا تو وہ مقبول بارگاہ ہوئے اور وہی کلمہ فرعون نے کہا تو وہ مردود
بارگاہ ہوا ارشاد ہوا کہ اسکی وجہ یہ کہ منصور نے جو انا الحق کہا تھا تو اس لیے کہ اپنی ہستی کو مٹا دے اور ہمکو ثابت کرے
اور فرعون نے جو کہا تھا وہ اِس لیے کہ ہمکو مٹا دے اور اپنی ہستی کو ثابت کرے پس اس لیے منصور مقبول ہوئے
اور فرعون مردود ہوا اور یہان مولانا کو مقصود منصور کی مدح نہین ہے اِس لیے کہ اُنکی یہ حالت حالت کمال نہ تھی
بلکہ صرف اِس قدر مقصود ہے کہ چونکہ منصور کی وہ حالت اِس قابل تھی کہ اُن سے یہ کلمہ نکلے اور وہ حالت اِس کی
محل تھی اِس لیے یہ تو برمحل ہونے کی وجہ سے مقبول ہوگیا اور وہ فرعون کے لیے بے محل تھا اِس لیے وہ مردود ہوگیا آگے
ایک اور مثال دیتے ہین کہ۔

شد عصا الخ۔ یعنی عصا موسیٰ علیہ السلام ہاتھ مین تو اُنکی رسالت پر گواہ بنا اور جادوگرون کے ہاتھ مین ایک
فضول اور واہیات شئے ہوگئی کہ اگرچہ بظاہر وہ بھی ویسے ہی بن گئے مگر بے سود اِس لیے عصائے موسیٰ نے سب کو
نگل لیا اور وہ ہباءً منثورا ہوگئے آگے اِسپر متفرع کرتے ہین۔

زین سبب الخ۔ یعنی اِسی سبب سے عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے ہمراہی کو وہ اسم اللہ تعالےٰ کا نہ سکھلایا کہ خود
تو جانے گا نہین اور آلہ پر نقص رکھے گا کہ اثر مرتب نہ ہونا آلہ کی خرابی سے ہے اور دیکھا گر پتھر کو مٹی پر مارو تو آگ
کہان نکلتی ہے مطلب یہ کہ چونکہ اُس ہمراہی عیسےٰ علیہ السلام مین اُس اسم کے سیکھنے کی قابلیت ہی نہ تھی اور وہ اسم
اِس کے مناسب نہ تھا اِس لیے اُنھون نے اُسکو نہ سکھلایا۔ (جیسا کہ حکایت گذشتہ سے معلوم ہوتا ہے) اور
اِس لیے نہ سکھلایا کہ وہ جانتے تھے کہ یہ اِسکا محل نہین ہے اور بے محل ہونے کی وجہ سے جب اثر مرتب نہ ہوگا تو
اپنی تو خبر نہ لیگا کہ اثر مرتب نہ ہونا یہ اِس لیے ہے کہ مجھ مین ہی قابلیت نہین ہے۔ بلکہ یون کہنے لگے گا کہ اس اسم مین ہی

خرابی ہے جو اس پر اثر مرتب نہیں ہوتا اور اس بے محل ہونے کی ایسی مثال ہے کہ اگر تم پتھر کو دوسرے پتھر سے مارو تو اُن سے آگ پیدا ہوتی ہے لیکن اگر اُس پتھر کو گارے پر مارو تو ہرگز آگ نہ نکلے گی بس اسیطرح ہر چیز بے محل ہونے کی وجہ سے بیکار اور فضول ہوتی ہے آگے اسی کو فرماتے ہین کہ۔

دست وآلت الخ - یعنی ہاتھ اور آلہ کی ایسی مثال ہے جیسے کہ پتھر اور آہن ہوتا ہے اور جفت ہونا چاہیے اس لیے کہ پیدا ہونے کے لیے جفت ہونا شرط ہے یعنی دست وآلات کی ایسی مثال ہے کہ جیسے پتھر اور لوہا کہ دونوں آپس مین مناسب ہین اور دونون ۔۔۔ کہ پھر ان سے اثر مرتب ہوتا ہے پس اسیطرح آلات اگر ہاتھ کے مناسب ہون گے تو اثر مرتب ہوگا اس لیے کہ اثر کے پیدا ہونے کے لیے مناسب قابل اور فاعل کی ضرورت ہے اگر قابل اور فاعل مناسب نہ ہون گے تو یہ اثر مرتب نہین ہو سکتا پس معلوم ہوا کہ ہر چیز مین تناسب قابل و فاعل کی ضرورت ہے لیکن ایک وہ ذات ہے کہ جسکو ان آلات ظاہری کی ضرورت نہین اب یہان سے مولانا توحید کے مضمون کو بیان کرتے ہین فرماتے ہین کہ۔

آنکہ بے جفت ست الخ - یعنی وہ ذات کہ جسکو تناسب کی اور آلات کی ضرورت نہین ہے وہ ایک ہی ہے اور اگرچہ عدد مین شک ہوا ہے مگر ایک اُن سب مین بے شک ہے مطلب یہ کہ اللہ تعالےٰ کے عدد مین اختلاف کیا ہے اور کسی نے دو کہا کسی نے تین کہا کسی نے زیادہ مگر یہ سارے کے سارے ایک پر تو متفق ہین اس لیے کہ جو لوگ دو کہتے ہین وہ بھی ایک کے تو قائل ہین کیونکہ دو کے ضمن مین ایک پایا جاتا ہے اور اسیطرح اور زیادہ کے ضمن مین بھی ایک تو پایا جاتا ہے پس ایک تو سب کا متفق علیہ ہوا اب اور زاید جو کہتے ہین اُس کے لیے اُن کو ضرورت ہوگی کہ دلیل لاوین اور ثابت کرین اور ہمکو ضرورت نہین کہ دلیل لاوین اس لیے کہ جو ہم کہتے ہین اُس کے وہ خود ہی قائل ہین اور اُس کو وہ بھی مانتے ہین آگے اسی مضمون کو صاف طور پہ فرماتے ہین کہ۔

آنکہ دو گفت الخ - یعنی جو لوگ دو کے قائل ہین اور جو تین کے اور اس سے بھی زیادہ کے وہ ایک پر تو یقیناً متفق ہین آگے اُن کے اس اختلاف کی وجہ بیان فرماتے ہین کہ۔

احولی چون الخ - یعنی یہ اختلاف صرف احولی کی وجہ سے ہے اور جب یہ احولی جاتی رہے گی تو سب یکسان ہو جاوینگے اور دو وتین کہنے والے سب ایک کے قائل ہو جاوینگے اور ساری حقیقت کھل جاویگی ورنہ احولی قیامت کو دور ہوگی یہانتک تو غیر موحدین سے خطاب تھا آگے موحدین کو خطاب ہے کہ جسطرح تم توحید کو مانتے ہو توحید کامل نہین موحد کامل تو وہ ہے جسکی یہ شان ہو کہ۔

گر یکے الخ - یعنی اگر تم ایک کہتے ہو تو اُس کے میدان مین اُس کے بلے سے اُس کے گرد گھومو مطلب یہ کہ اگر تم موحد ہو تو اُسکی تو یہ شان ہونی چاہیے کہ جس طرف کو مرضی حق لیجاوے اُسی طرف کو چلو جس طرح کہ گیند بلے کے تابع ہوتی ہے اسیطرح تم بھی اُسکی مرضی کے تابع ہو جاؤ اُسوقت موحد کامل ہوگے اس لیے کہ۔

گوی آنکہ الخ - یعنی وہ گیند درست اور ٹھیک ہوگی کہ جو بادشاہ کی ضرب سے ناچے گی اور جس طرف کو ضرب پڑیگی اُسیطرف کو چلے گی اُسکو کہا جاویگا کہ یہ گیند درست چل رہی ہے پس اسیطرح اگر تم مرضی حق کے تابع ہو جاؤ گے اور جس طرف کو اُسکی مرضی ہوگی تم چلو گے اُس وقت کہا جاویگا کہ تم درست اور ٹھیک ہو۔ آگے اِس پر

تنبیہ فرماتے ہیں کہ۔
گوش دار اے الخ۔ یعنی اے احول (جسکو کہ اس وقت اپنی بینائی خراب ہونے کی وجہ سے ایک کے دو دکھلائی دیتے ہیں) اس بات کو ذرا کان لگا کر ہوش سے سن لے اور کان کے ذریعہ سے آنکھ میں دوا لگالے مطلب یہ کہ اصل مقصود بصیرت کا درست ہونا ہے لیکن چونکہ اس بات کے سننے سے بصیرت حاصل ہوتی ہے اور بصیرت کا سبب ہے اسکا سننا لہذا ایسا ہوگیا کہ جس طرح آنکھ کی دوا کان کی طرف سے لگائی جاوے پس تم اسکو سن لو اور اسپر عمل کرو اور احولی کا علاج کرو پھر تمکو بھی ایک ایک ہی نظر آویگا آگے تفریع ہے اس مضمون پر جو کہ اوپر بیان کیا ہے کہ ہر شے اپنے مناسب محل میں اچھی طرح جمتی ہے ورنہ بیکار ہوتی ہے لہذا فرماتے ہیں کہ۔
پس کلام پاک الخ۔ یعنی (چونکہ ہر شے اپنے محل میں مناسب ہوتی ہے اس لیے) کلام پاک اُمّی قلوب میں بھی نہیں آتے بلکہ وہ اصل نور کی طرف چلے جاتے ہیں یعنی اللہ تعالےٰ کی طرف اس لیے کہ اگرچہ اُن کو کوئی نہ سنے مگر وہ کلام پاک تو مقبول ہوگا۔ الیہ یصعد الکلم الطیب کی دلیل سے معلوم ہوا کہ کلام پاک اُسکی طرف لوٹ جاتے ہیں اور اندھے قلوب میں نہیں آتے اس لیے کہ یہ قلوب ان کا محل نہیں ہیں ہاں جن امور کے یہ محل ہیں وہ امور انمیں خوب جمتے ہیں پس فرماتے ہیں کہ۔
وان فسون الخ۔ یعنی اور وہ شیطان کا فسون اور شیطان کی کج باتیں اُس کے قلب میں خوب جمتی ہیں جیسے کہ ٹیڑھے پاؤں میں ٹیڑھا جوتا خوب آتا ہے مطلب یہ کہ چونکہ یہ قلوب کلمات طیبہ کا محل تو ہوتے نہیں اس لیے وہ تو انمیں آتے نہیں ہاں فسون گری شیاطین کی ان میں خوب جمتی ہے اس لیے کہ دیکھو اہل عرب جو کہ فصاحت اور بلاغت کے نقاد اور اُس کے جاننے والے تھے کہ یہ فصیح ہے اور یہ غیر فصیح ہے مگر چونکہ بعض کے قلوب میں کجی تھی اس لیے قرآن شریف پر جو کہ فصاحت میں حد کو پہونچا ہوا ہے ایمان نہ لائے اور اُسکی تکذیب کی اور مسلیمہ کذاب جس نے عبارات واہیہ کو جمع کرکے پیش کیا اور اُسکی تصدیق کی پس اسیطرح جب کہ قلوب میں کجی ہوتی ہے وہ بھی حق کو قبول نہیں کرتے اور باطل کی طرف انکا رجحان ہوتا ہے آگے فرماتے ہیں کہ اگر علم کو اور حکمت کو تم بار بار بھی حاصل کرو اور ہو نااہل تو [illegible] اور علم بوجہ اس کے کہ تم اُس کے لیے محل نہیں ہو تم سے علحدہ اور بری ہو جاویگی پس فرماتے ہیں کہ۔
گرچہ حکمت را الخ۔ یعنی اگرچہ علم و حکمت کو تم بتکرار حاصل کرو لیکن جب تم نااہل ہو تو وہ تم سے علحدہ اور بری ہو جاویگا بری ہونے سے یا یہ مراد ہے کہ وہ بالکل رہیگا ہی نہیں جیسا کہ بعض مرتبہ دیکھا گیا ہے کہ کسی نے اُستاد کی شان میں گستاخی کی یا اور کسی کی شان میں گستاخی کی تو اُس سے علم بالکل جاتا رہا اور ذہول ہوگیا یا یہ معنے ہوں کہ علم کا کوئی اثر تمھارے اندر نہ ہوگا لہذا مولانا فرماتے ہیں کہ اگرچہ تم بار بار کوشش کرکے حاصل بھی کرلو لیکن وہ تمھارے پاس نہ ٹھیریگا اگرچہ ایک مرتبہ آجاوے آگے فرماتے ہیں کہ۔
گرچہ بنویسی الخ۔ یعنی اگر تم اُسکو لکھو اور نشان کرو۔ (یعنی نوٹ کرو) اور اگرچہ تم اترا اترا کر اُس کو بیان کرو (لیکن جب نااہل ہوگے) تو وہ تم سے اعراض کریگا اور بہت دور بھاگے گا مطلب یہ کہ خواہ تم اُس کے رکھنے کی کتنی ہی کوشش کرو اور کتنی ہی تدبیریں کرو کہ اُسکو یادداشت کے طور پر لکھکر بھی رکھو نوٹ بھی کرو کہ یاد رہے

لیکن بے محل ہونے کی وجہ سے وہ تم سے الگ اور دور بھاگے گا۔ یہ تو متعلمین کے لیے تھا اور معلمین کے لیے فرماتے ہیں کہ تم بھی ذرا اترا نامت کہ ہم اس طرح بیان کر رہے ہیں اور یوں جانتے ہیں کہ اگر تم بھی نااہل ہو گے تو وہ تم سے بھی علیحدہ ہو جاویگا اور اگر تم اہل ہو تو اس کے لیے فرماتے ہیں کہ۔

ورنہ خوانی الخ۔ یعنی اور اگر تم علم کو بطریق متعارف حاصل بھی نہ کرو لیکن خداوند کریم تمھارے سوز قلبی کو دیکھیں (اور یہ جان لیں کہ تم حق تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو) تو پھر علم (ظاہری) تو تمھارا مرغ دست آموز ہو جاوے کہ جسطرح جس جانور کو ہاتھ پر کھلا کر پلتے ہیں پس اگر وہ کہیں چلا بھی جاتا ہے لیکن جب اس کو ذرا آواز دی فوراً ہاتھ پر آبیٹھتا ہے اسیطرح علم ہو جاویگا کہ جب ذرا توجہ کروگے فوراً علم حاصل ہو جاویگا جیساکہ اولیاء اللہ کو ہوتا ہے کہ علوم وہبی ہوتے ہیں اور علوم اور معانی کا الہام ہوتا ہے اور وہ الہام بعض مرتبہ تو بغیر الفاظ کے ہوتا ہے اور کبھی مع الفاظ کے ہوتا ہے پس اگر مع الفاظ ہو تب اور اگر بغیر الفاظ ہو تب دونوں صورتوں میں مقصود حاصل ہے کہ علوم ومعانی اُن کو ملہم ہوتے ہیں اور بے حصول ظاہری بھی حاصل ہو جاتے ہیں آگے پھر اُس مضمون کی طرف رجوع کرتے ہیں کہ اگر نااہل ہے تو علم اُس کے پاس نہیں ٹھہرتا فرماتے ہیں کہ۔

او نپاید الخ۔ یعنی وہ علم کسی نااہل کے پاس نہیں ٹھہرتا جیساکہ بادشاہ کا باز کسی دیہاتی کے یہاں نہیں ٹھہرتا اس لیے کہ جس باز نے کہ دست شاہ میں پرورش پائی ہو وہ بھلا کسی دیہاتی کے یہاں کیوں رہے گا۔ آگے فرماتے ہیں کہ اگر کبھی نااہلوں کے پاس آجاتا ہے تو اُسکی اچھی طرح گت بنتی ہے جیساکہ بازشاہ ایک دیہاتن کے یہاں چلا گیا تھا اُس کی گت بنی اس لیے کہ اُس باز کے لیے وہ دیہاتن نااہل تھی اور اُس کے لیے وہاں جانا بے محل تھا۔

بادشاہ کا اپنے باز کو بڑھیا کے گھر میں پانا اور رنجیدہ ہونا

علم آن باز ست الخ۔ یعنی علم باز شہ کی طرح ہے کہ جب وہ باز بھاگ کر ایک بڑھیا کے گھر میں چلا گیا تھا جب کہ وہ آٹا چھان رہی تھی اسیطرح اگر علم نااہلوں کے پاس چلا جاتا ہے تو اُسکی بھی خوب گت بنتی ہے جیسی اس باز کی حجامت ہوئی۔

تا کہ تتماجے الخ۔ یعنی (وہ بڑھیا آٹا اس لیے چھان رہی تھی) تاکہ اولاد کے لیے حریرہ وغیرہ پکاوے تو اُسنے اُس عمدہ اور خوش نسل باز کو دیکھا (تتماج درترکی قسمے از آش)

پانکش بست الخ۔ یعنی اُسکا چھوٹا سا پاؤں باندھ دیا اور اُس کے پر کاٹ ڈالے اور اُس کے ناخن تراشے اور کھانے کے لیے نرم نرم گھانس لائی (اچھی قدر کی) اور کہنے لگی کہ۔

گفت نا اہلان الخ۔ یعنی کہنے لگی کہ نااہلوں نے تجھے درست نہ کیا تیرے پر حد سے بڑھ گئے اور ناخن لمبے ہو گئے اور کہنے لگی کہ۔

دست ہر نا اہل الخ۔ یعنی ہر نااہل کا ہاتھ اور اُس کے پاس رہنا تجھکو بیمار کر دیگا۔ بیٹا ماں کے پاس آؤ کہ تمھاری اچھی طرح خبر لیگی (اچھی طرح خبر لے ڈالی) آگے مولانا فرماتے ہیں کہ۔

مہر جاہل را الخ - یعنی جاہل کی دوستی کو اسیطرح سمجھ اور جان اس لیے کہ جاہل سیدھے راستہ مین بھی ہمیشہ کج ہی چلتا ہے (تو تجھ کو بھی کجی ہی سکھلا دے گا) اور اگر جاہل کسی کے ساتھ ہمدردی کا اظہار بھی کرتا ہے (تو وہ بھی کچھ قابل اعتبار نہین) اس لیے کہ آخرکار وہ اپنی جہالت کی وجہ سے زخم لگاتا ہے (یعنی نقصان پہونچاتا ہے جیسا کہ اس باز کے ساتھ نااہل بڑھیا نے کیا)

روز شہ در الخ - یعنی بیچارے بادشاہ کا سارا دن اسکی تلاش مین برباد ہوا (آخرکار ڈھونڈھتے ڈھونڈھتے) اس بڑھیا کے جھونپڑے کی طرف بھی آنکلا۔

دید ناگہ باز را الخ - یعنی (جب وہ بادشاہ تلاش کرتے کرتے اس بڑھیا کے گھر پر پہونچا تو) دیکھا کہ باز دھوین اور گرد مین اٹا ہوا بیٹھا ہے اُس کو دیکھکر بادشاہ بہت ہی رویا اور آہ وزاری کرنے لگا مطلب یہ کہ بہت ہی رنجیدہ ہوا اور کہنے لگا کہ۔

گفت ہرچند الخ - یعنی بادشاہ کہنے لگا کہ اگرچہ تیرے اس کام کا تو یہی بدلا تھا کہ تو ہماری وفا مین درست نہ رہا یعنی اگرچہ تیری اُس حرکت کا کہ تو نے ہم سے بیوفائی کی یہی بدلا تھا جو کہ تجھے ملا مگر ہم پھر بھی تجھ پر لطف وکرم کرتے ہین اور تیری اس حالت پر افسوس کرتے ہین اور ہرچند کے مدخول پر اس سے پہلے کا شعر دال ہے کہ ع

شہ بریدو بگریست زار و نوحہ کرد

کہ تیری اس حرکت پر ہرگز لطف وکرم نہ چاہیے تھا مگر ہم کو پھر بھی تجھ پر افسوس ہوتا ہے اور مقصود مولانا کا یہان بزبان بادشاہ کے اس بات کا بتلانا ہے کہ ہمارے حرکات اور ہمارے معاصی تو اس قابل نہ تھے کہ وہ بارگاہ آلہی مین قبول ومنظور ہون مگر خداوند کریم پھر بھی لطف وکرم فرماتے ہین اسی مضمون کو آگے خوب صاف کر کے خود فرماتے ہین کہ۔

چون کنی الخ - یعنی جنت سے اور آرام وراحت سے دوزخ مین کس طرح جائگاہ کرتے ہو اس حال مین کہ تم لا یستوی اصحاب النار واصحاب الجنۃ الخ سے غافل ہوتے ہو۔ چون استفہامیہ ہے اور غافل حال ہے چون سے - پس مطلب یہ کہ تم خلد طاعت سے نکل کر جہنم معاصی مین کس طرح جاتے ہو اور تم آیت لا یستوی اصحاب النار واصحاب الجنۃ (اصحاب نار اور اصحاب جنت برابر نہین ہوتے) سے غافل اور طاعت کو خلد اور معاصی کو جہنم اس لیے کہا کہ طاعت مین جو حلاوت اور جو لطف اور آرام اور راحت قلبی ہوتی ہے معاصی مین وہ سب زائل ہو جاتی ہے اور انکی جگہ کدورت اور پریشانی اور کلفت اور بدمزگی نصیب ہوتی ہے اور جو عذاب کہ آخرت مین ہوگا وہ تو علیحدہ ہے اور طاعت مین تو وہ مزا ہے کہ بعض صاحب حال تو یہ کہتے ہین کہ خیر جنت کی نعمتون کا اور اُسکا مزا جو کچھ ہوگا اُسکی تو خبر نہین مگر خدا کی قسم نماز مین وہ لذت حاصل ہوتی ہے کہ جنت مین کیا ہوگی تو ان حضرات صاحب حال کے قول کی تاویل کیجاویگی اور کہا جاویگا کہ چونکہ ابھی اُس مزے کو چکھا نہین اس لیے ایسا کہتے ہین لیکن پھر بھی غور کرنے کی بات ہے کہ آخر کوئی تو لذت ہوگی کہ جو اُس لذت کو وہ اس درجہ کہتے ہین کہ جنت سے بھی زیادہ ہے - اور مسلمان جب کہ اس کو اپنا ایمان اور عظمت وجلال خداوندی اور عقوبت مستحضر ہو تو ہرگز گناہ کر ہی نہین سکتا۔ یہ جو کچھ ہوتا ہے ان امور کے مستحضر نہ ہونے کی وجہ سے ہوتا ہے۔ اعتقاد تو ہر شخص کا ہوتا ہے مگر مستحضر نہین ہوتا اسی کو حدیث مین بھی فرماتے ہین کہ لا یزنی الزانی

دہ مومن یعنی مومن کبھی زنا نہیں کرتا مطلب یہ کہ جب اُسکو یہ سب امور مستحضر ہوں گے تب وہ مومن کامل ہوگا تو وہ گناہ بھی نہیں کرسکتا۔ ( ) کو مولانا فرماتے ہیں کہاں طاعات سے جو معاصی کی طرف توجہ ہے تو وہ صرف اسی لیے ہے کہ اس وقت اس سے غافل ہے۔ ورنہ کبھی معاصی سرزد ہو نہیں سکتے آگے پھر اُس باز کی حالت بیان فرماتے ہیں کہ۔

این کسزا سے آنکہ الخ یعنی یہ اُسکی سزا ہے کہ جو شاہ باخبر سے اعراض کرکے اُس گندہ بڑھیا کے گھر میں بھاگے مقصود مولانا کا یہ ہے کہ جو حق تعالیٰ کی طرف سے توجہ ہٹا کر دوسری جانب متوجہ ہو اُسکی یہی سزا ہوتی ہے اور یہی گت بنتی ہے جو اس باز کی بنی۔ آگے مولانا گندہ پیر سے مراد متعین فرماتے ہیں کہ۔

گندہ پیر جاہل الخ۔ یعنی وہ گندہ پیر اور جاہل یہ دنیا لعین ہے جو شخص اس میں لگ گیا اور اس طرف متوجہ ہوا وہ ذلیل اور غبی ہے یعنی کج فہم ہے اور جب اُسکی طرف متوجہ ہوگا تو پھر ذلیل وخوار ہوناتو ظاہر ہے جیسے کہ یہ باز ذلیل وخوار ہوا آگے مولانا فرماتے ہیں کہ۔

مہت دنیا جاہل الخ۔ یعنی دنیا جاہل ہے اور جاہل پرست اور جاہل کی قدردان ہے اور عاقل تو وہ ہے کہ اس جاہل سے علیحدہ ہوگیا۔ اور دنیا کے جاہل ہونے سے مراد اہل دنیا کا جاہل ہوتا ہے کہ اہل دنیا جاہل ورناداں اور نااہل ہیں پس عاقل تو وہی ہے جو ان سے علیحدہ ہو جاوے آگے فرماتے ہیں کہ۔

ہر کہ با جاہل الخ۔ یعنی جو شخص کہ جاہل کے ساتھ ہمراز ہوا تو آخر کار اُسکو وہی پہونچے گا اور اُسکی وہی گت ہوگی جو کہ اس شاہباز کی اُس جاہل بڑھیا کے ہاتھوں پڑکر بنی تھی مطلب یہ کہ جو شخص اہل دنیا کی طرف متوجہ ہوگا اور نااہلوں سے ربط وضبط رکھے گا اُسکی تو یہی گت بنے گی اور وہ تو ذلیل وخوار ہی ہوگا آگے مولانا پھر اُس باز کی حالت کو بیان فرماتے ہیں کہ۔

باز می مالید الخ۔ یعنی باز بادشاہ کے ہاتھ پر بازو مل رہا تھا اور بے زبانی سے (یعنی بزبان حال) کہہ رہا تھا کہ میں نے گناہ کیا ہے۔ مقصود مولانا یہ ہے کہ جس طرح اس باز پر اُسکی اس چاپلوسی سے اور منت سے بادشاہ کو رحم آیا اور اُس پر نظر لطف وکرم کی اسیطرح جب کوئی بعد گناہ کے تائب ہوکر آتا ہے اور اپنی خطاؤں کا اعتراف کرتا ہے اُس پر بھی رحمت خداوندی نازل ہوتی ہے اور لطف وکرم متوجہ ہوتا ہے آگے بھی مولانا تائب کی حالت کو بزبان باز بیان فرماتے ہیں کہ۔

پس کجا نالد الخ۔ یعنی (وہ باز کہہ رہا تھا) کہ پھر یہ نالائق اور پاجی کہاں جاکر روے اور کہاں نالہ وزاری کرے اگر آپ سوائے نیکوں کے اور کسیکو قبول ہی نہ کریں۔ مقصود یہ ہے کہ اُس تائب پر اب حالت غالب ہے اور کہتا ہے کہ بیشک مجھ سے خطا ہوگئی اور گناہ سرزد ہوگیا اُس کا اعتراف کرتا ہوں مگر سوائے آپ کی بارگاہ کے اس نالائق کا اور کوئی ٹھکانا بھی تو نہیں ہے کہاں جاوے اور کس کے پاس جاکر نالہ وزاری کرے اگر آپ سوائے اچھوں کے اور کسی کو قبول ہی نہ کریں چونکہ تائب پر حالت طاری ہے لہذا اُسکو مولانا آگے پھر بزبان باز فرماتے ہیں کہ۔

لطف شہ جانرا الخ۔ یعنی بادشاہ کے لطف وکرم جان کو اس امر پر جری کردیتا ہے کہ وہ جنایت اور گناہ کرنے لگتی ہے اس لیے کہ جانتی ہے کہ بادشاہ تو ہر بُرے کو اچھا کرہی دیتے ہیں۔ مقصود یہ ہے کہ رحم کرنا ہمارے تو مارا کرد گستاخ

چونکہ آپکی وہ شان ہے کہ سیئات کو بھی مبدل بہ حسنات فرما دیتے ہین اور حسنات کی وجہ سے سیئات کی طرف توجہ نہین ہوتی جیسا کہ خود فرماتے ہین کہ ان الحسنات یذہبن السیئات۔ پس اس لیے مجھے جرأت ہوتی ہے کہ اگر سیئات صادر بھی ہو جاوینگے تو کیا ہے وہ بارگاہ تو ایسی ہے کہ ان سیئات کو بھی حسنات کر دیتی ہے پس اسی لیے معاصی اور خطائین سرزد ہوتی ہین اور یہی لطف وکرم سبب ہے اس جرأت کا اب چونکہ مولانا صاحب مقام ہین اور یہ حالت بیان فرمائی ہے صاحب حال کی اس لیے اب اسکی غلطی پر متنبہ فرماتے ہین جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک صاحب مقام صاحب حال کی غلطی پر متنبہ کرتا ہے پس فرماتے ہین کہ۔

رو ملرز الخ۔ یعنی جاؤ اور برائی مت کرو اس لیے کہ ہماری نیکیاں ہی اُس زیبا کے سامنے برائیان ہین مقصود یہ کہ اس خیال کو چھوڑو کہ اُسکا لطف وکرم ہماری سیئات کو حسنات کے ساتھ مبدل کر دیگا اور اس خیال سے ارتکاب معاصی کا مت کرو اس لیے کہ جن کو تم حسنات سمجھ رہے ہو وہ خود حسنات ہی نہین ہین بلکہ اُس حسین کے سامنے تو یہ بھی سیئات ہی ہین پس اب کل سیئات ہی سیئات ہو گئین اور حسنات بالکل باقی نہ رہین تو اب یہ خیال کہ وہ ایسا کریم ہے کہ سیئات کو حسنات کے ساتھ مبدل کر دیگا اور سیئات کو حسنات کے تابع کر دیگا صحیح ہے مگر پہلے حسنات بھی تو ہون جن کو تم حسنات سمجھ رہے ہو وہ سیئات ہی ہین اور سچ یہی ہے اس لیے کہ دیکھ لیا جاوے کہ مثلاً نماز کہ جسکو دن بھر مین پانچ مرتبہ ادا کرتے ہین کس طرح ہوتی ہے اور اُس کے جو شرائط ہین اُن مین سے کس قدر ادا کرتے ہین اور کتنے ترک کرتے ہین ہماری نماز اور عبادتون کی بالکل ایسی مثال ہے کہ جس طرح ایک گنوار ایک بہت ہی لطیف المزاج اور نازک کو پنکھا کر رہا ہو تو اول تو اُس نازک کو اسکا طرز ہی تکلیف دہ ہوگا لیکن اُسپر طرہ یہ کہ یہ گنوار اُس پنکھے سے اُسکی کبھی ٹوپی پھینک دیتا ہے اور کبھی اُس کے منھ پر پنکھا ارتا ہے اور کبھی اور طریقہ سے تکلیف پہونچاتا ہے اور وہ تحمل کئے ہوئے بیٹھا ہے تو یہ شخص دو گھنٹہ تک پنکھا جھلنے کے بعد یہ سمجھے کہ مین نے دو گھنٹہ تک خدمت کی اور آرام پہونچایا مگر دیکھ لو کہ اسکا یہ خیال کہان تک صحیح ہے اور آیا اس نے یہ راحت پہونچائی یا اور کلفت دی پس اسیطرح ہماری عبادت ہے کہ ہم عبادت کر کے خوش ہوتے ہین کہ ہم نے اتنی دیر تک عبادت کی اور خداوند کریم کو راضی اور خوش کیا مگر درحقیقت ہماری یہ عبادت قابل ہی نہین کہ اسکو عبادت کہا جا سکے جیسا کہ اُس کو یہ نہین کہہ سکتے کہ اُسنے پنکھا جھلا اور چونکہ خداوند کریم تو تاثر سے پاک ہین اس لیے اُن کو کوئی اثر نہین ہوتا ورنہ اگر کوئی ایسا ہوتا کہ جو متاثر ہوتا تو ہماری اس عبادت کا خوش کن ہونا تو درکنار اور تکلیف دہ ہوتی۔ پس ایسی عبادت پر ناز کرنا اور اترانا بالکل بے محل ہے اور اسکو عبادت کہنا اور حسنات مین داخل کرنا ہی غلط ہے پس یہ کہنا کہ سیئات حسنات کے تابع ہو جاوینگے غلط ہوا اس لیے کہ یہان حسنات ہی نہین ہین جن کے تابع سیئات ہونگے آگے بھی اسی مضمون کو فرماتے ہین کہ۔

خدمت خود را الخ۔ یعنی چونکہ تو نے اپنی خدمت کو سزاوار اور لائق پذیرائی سمجھا اس لیے تو نے جرم کا جھنڈا بلند کیا ہے اور یہ سمجھ کر اترانے لگا کہ ہمارے پاس طاعات بھی تو ہین اُنمین یہ سیئات بھی نبھ جاوینگے حالانکہ یہ خدمت اور طاعات ہی اس قابل نہین کہ قبول کیجاوین اگر خداوند کریم قبول فرمالین تو صرف اُنکا فضل اور کرم ہے ورنہ ہماری طاعات بھی سیئات ہین اور سیئات تو سیئات ہین ہی۔ آگے پھر یہی مضمون ہے۔

چون ترا ذکر و دعا الخ یعنی چونکہ تیرا دستور ذکر کرنا اور دعا کرنا ہوگیا اسلیے تیرا دل مغرور ہوگیا مقصود یہ کہ جب تو نے یہ سمجھا کہ اگر معاصی بھی سرزد ہون گے تو کچھ خوف نہین ہے اس لیے کہ جب توبہ کرلین گے فوراً سب معاف ہوجاوینگے اور انکا کوئی اثر باقی نہ رہے گا بلکہ ایسے ہوجاوین گے جس طرح مولود نو ہوتا ہے کہ بالکل معصوم ہوتا ہے اور التائب من الذنب کمن لا ذنب لہ کے مصداق بن جاوینگے پس تو نے بیباکانہ گناہ شروع کردیے کہ توبہ کرلین گے اور معاف کرالین گے حالانکہ اسپر مغرور ہونا سراسر تیری غلطی ہے کیونکہ توبہ قبول کرنا تو محض انکے فضل و کرم سے ہے ورنہ ہماری توبہ بھی اس قابل نہین کہ قبول کیجاوے آگے اسی مضمون کو بیان فرماتے ہین کہ۔

ہم سخن دیدی الخ۔ یعنی تو نے اپنے کو خدا کے ساتھ ہمکلام دیکھا (اس لیے مغرور ہوگیا) حالانکہ بہت سے لوگ اسی گمان کی وجہ سے دور جا پڑے ہین اور بعید عن الطریق ہوگئے ہین مطلب یہ کہ تم نے جو استغفار اور توبہ شروع کی تو اس سے مغرور ہوگئے کہ اب تو ہم خدا کے ساتھ ہمکلام ہوگئے ہین اور اللہ تعالےٰ سے باتین کررہے ہین تو اس گمان مین مت پڑنا اس لیے کہ بہت سے لوگ اسیطرح گمراہ ہوچکے ہین اور اس گمان مین پڑکر حق تعالیٰ سے بعید ہوگئے ہین پس اگر تمنے اپنے کو ہم کلام بھی پایا تو یہ انکا فضل ہے مگر تم کو تو اپنے اوپر اور اپنے اعمال پر نظر رکھنی چاہیے کہ وہ کیسے ہین اور کس قابل ہین آگے اسی کو فرماتے ہین کہ۔

گرچہ با تو شہ الخ۔ یعنی اگرچہ بادشاہ تمھارے ساتھ زمین پر بیٹھ جاوے لیکن تم اپنے کو پہچانو اور اچھی طرح بیٹھو مطلب یہ کہ اگر حق تعالےٰ نے تمھاری عبادتون اور دعاؤن کو مقبول فرمالین اور اُن کو عبادت سمجھین تو اس سے مغرور نہ ہوجاؤ کہ اب تو ہم اللہ تعالےٰ کی عبادت کرنے والون مین سے اور مقربین اور ہمکلامون مین سے ہوگئے ہین بلکہ تم تو اپنا مرتبہ اور اپنی قدر پہچانو اور حق تعالےٰ کے سامنے مؤدب رہو کہ تمھارے اعمال تو اس قابل ہین ہی نہین کہ اُن کو قبول کیا جاوے اور کسی درجہ مین بھی انکو حسنات کہا جاوے اُن کا اُس کو قبول فرمالینا یہ محض فضل ہے ہم کیا اور ہمارے اعمال کیا ؎ منت منہ کہ خدمت سلطان ہمی کنی ٭ منت شناس ازو کہ بخدمت بداشتت ٭ اب یہان تک تو مولانا نصایح فرماکر انتقال فرماتے ہین قصۂ باز کی طرف فرماتے ہین کہ۔

باز گفت اے شہ الخ۔ یعنی باز کہتا تھا کہ اے بادشاہ مین (اپنی حرکت سے) بہت ہی پشیمان ہوتا ہون اور اب توبہ کرکے نومسلم ہوتا ہون مقصود یہ کہ تائب بھی جب نادم ہوتا ہے اور پشیمان ہوکر اپنے گناہون کا اعتراف کرکے معافی چاہتا ہے تو اللہ تعالےٰ اسکی خطائین معاف فرمادیتے ہین اور بالکل ایسا ہوجاتا ہے کہ جیسے نومسلم بالکل بے گناہ ہوتا ہے اس لیے کہ حدیث مین ہے التائب من الذنب کمن لا ذنب لہ اور چونکہ تائب پر ایک حالت طاری ہوتی ہے اس لیے بزبان باز اسکو اس طرح بیان فرماتے ہین کہ۔

آنکہ تو مستش الخ۔ یعنی جسکو کہ آپ مست کردین یا نیم مست کردین اگر وہ مستی کی وجہ سے کج چلے تو اُسکا عذر مانو اور معذور سمجھنے سے مراد یہ ہے کہ اُس کے ساتھ معاملہ معذور کا فرمائیے کہ اُسکی اس لغزش کو معاف فرمادیجیے شیر گیر محاورہ ہے نیم مست کو کہتے ہین اب آگے اس توبہ کے بعد خداوند کریم سے مدد کے طالب ہوتے ہین اور کہنے لگتے ہین کہ اگرچہ ہم گناہ کرتے کرتے اس درجہ اور اس حد کو پہونچ گئے ہین مگر جب آپ ساتھ ہون گے تو پھر کوئی خوف نہین ہے اسی کو فرماتے ہین بزبان باز کہ۔

اگرچہ ناخن رفت الخ۔ یعنی اگرچہ میرے ناخن نہین رہے مگر جب آپ میرے ہین (یعنی بادشاہ) تو مین خورشید کے پرچم اکھاڑ ڈالونگا مطلب یہ کہ اگرچہ معاصی کرنے سے میری وہ حالت نہین رہی لیکن اگر آپ (یعنی اللہ تعالےٰ) میرے ہین تو مجھے کچھ بھی غم نہین اور مین بلند سے بلند مرتبہ تک پہونچ سکتا ہون اور عالی سے عالی مقام تک میری رسائی ہو سکتی ہے۔ آگے فرماتے ہین کہ۔

ور چہ پرم الخ۔ اگرچہ میرے پر جاتے رہے مگر جب آپ مجھے نوازین گے تو میری اڑان کے سامنے آسمان بھی بازی نہین کر سکتا۔ یعنی اگرچہ میری حالت ہوا و ہوس مین پھنس کر اور نالائقون مین رہنے کی وجہ سے بہت ہی ردی ہو گئی ہے مگر جبکہ آپ میرے ہین تو مجھے غم نہین اس لیے کہ پھر تو مین اس قدر بلند پہنچ سکتا ہون کہ آسمان بھی میری رسائی کے سامنے کم اور نیچا ہے اور مین بلند مراتب کو حاصل کر سکتا ہون آگے فرماتے ہین کہ۔

گر کمر بخشیم الخ۔ یعنی اگر آپ مجھے پٹکا عنایت فرما دین تو مین کوہ کو اکھاڑ ڈالون اور اگر ایک کلک عنایت ہو تو بڑے بڑے علمون کو توڑ ڈالون۔ مطلب یہ کہ اگر اللہ کی طرف سے تھوڑی سی بھی مدد ہو تو نفس و شیطان کیا کر سکتے ہین انکے قلعون کو اور ان کے علمون کو بالکل آسانی سے توڑ اور اکھاڑ سکتا ہون آگے فرماتے ہین کہ۔

آخر از پشہ الخ۔ یعنی آخر مچھر سے تو میرا بدن کم نہین ہے اور مین ملک نمرودی کو ایک پر سے درہم برہم کر دونگا مطلب یہ کہ آخر مچھر نے کہ جو اس قدر ضعیف ہے نمرود جیسے شوکت و جلال کے بادشاہ کے ملک کو تیری مدد سے تباہ کر دیا تو میرا جثہ تو اس سے کچھ بڑا ہی ہے تو اگر مجھے آپ کی مدد ہوگی تو نفس و شیطان کے ملک کو تو درہم برہم کر دونگا اور یہ مجھپر ہرگز غالب نہین آسکتے آگے اس مضمون سے منتقل ہو کر فرماتے ہین کہ۔

در ضعیفی الخ۔ یعنی تم مجھے ضعف مین ابابیل کی طرح سمجھ لو اور میرے ہر دشمن کو ہاتھی کی طرح زبردست سمجھ لو لیکن۔

قدر فندق الخ۔ یعنی مین ایک فندق کی برابر ایک غلہ جو چیر نے پھاڑنے والا ہوگا پھینکونگا مگر وہ غلہ طاقت اور قوت مین منجنیق کے برابر ہوگا پس جسطرح کہ ابابیل کا ایک چھوٹا سا کنکر جس کے سر پر پڑتا تھا اسکو چیر پھاڑ کر نکل جاتا تھا اور یہ اسی لیے کہ اللہ تعالےٰ کی مدد ان کے ہمراہ تھی پس جب میرے ساتھ اللہ تعالےٰ کی مدد ہوگی تو مین بھی قوت مین اسیطرح ہو جاؤنگا اور مین ایک بہت ہی تھوڑے سے کام سے نفس و شیطان کو زیر کر لونگا اس لیے کہ میرے اس ذرا سے کام مین تیری مدد کی وجہ سے بہت زیادہ قوت پیدا ہو جاویگی اور۔

گرچہ سنگم است الخ۔ یعنی اگرچہ میرا پتھر ایک چنے کے برابر ہے مگر لڑائی کے وقت نہ خود سر کو چھوڑیگا نہ خود بلکہ سب کو چیر پھاڑ ڈالے گا۔ مطلب یہ کہ اگرچہ میری قوت اور طاعت کچھ بھی نہین مگر جب آپ کی مدد ساتھ ہوگی تو پھر تو مین نفس و شیطان کو لڑائی مین خوب اچھی طرح مغلوب کر سکتا ہون آگے اسی مضمون کو ایک اور مثال سے ثابت اور مؤکد کرتے ہین فرماتے ہین کہ۔

موسےٰ آمد الخ۔ یعنی موسےٰ علیہ السلام بھی تو لڑائی اور مقابلہ کے وقت صرف ایک عصا ہی لیکر تشریف لائے تھے مگر (چونکہ آپکی مدد انکے ساتھ تھی اس لیے) اسی عصا سے فرعون کو اور اسکی تلوارون وغیرہ سب کو

مارا اور سب پر غالب ہوئے تو یہ برکت ساری آپکی مدد کی ہی پس اگر میرے ساتھ بھی امداد ہوگی تو مین بھی نفس و شیطان سے مقابلہ مین غالب ہونگا آگے ایک اور نظیر پیش کرتے ہین کہ۔

ہر رسولے الخ۔ یعنی ہر رسول اکیلے ہی آئے لیکن تمام عالم پر غالب ہوئے اس لیے کہ آپکی مدد اُن کے ساتھ تھی آگے فرماتے ہین کہ۔

نوح چون شمشیر الخ۔ یعنی نوح علیہ السلام نے جب حق تعالیٰ سے شمشیر چاہی (کہ جسکے ذریعے سے کفار پر غالب ہون) تو اللہ تعالیٰ نے اُنکی شمشیر طوفان کو بنا دیا۔ یعنی اس طرح اُن کی مدد فرمائی اسیطرح میری بھی مدد ہو تو مین بھی ان کفار سے یعنی نفس و شیطان سے لڑ کر غلبہ پاؤن اب آگے اس تائب کے قول سے انتقال فرما کر اللہ تعالےٰ کا قول بیان کرنے لگے اس لیے کہ ان پر ایک حالت طاری ہے بس فرماتے ہین کہ۔

شرح حبیبی

احمدا خود کیست اسپاہ زمین ‌‌ ‌ ماہ بین بر چرخ بشگافش جبین
تا بداند سعد و نحس و بے خبر ‌ ‌ ‌ دور تست این دورِ نے دورِ قمر
دور تست آنرا کہ موسےٰ کلیم ‌ ‌ ‌ آرزو مے برد زین دورت مقیم
چونکہ موسےٰ رونق دور تو دید ‌ ‌ ‌ کاندرون صبح تجلی مے دمید
گفت یارب این نہ دورِ رحمت ست ‌ ‌ ‌ آن گذشت از رحمت آنجا رویتست
غوطہ دہ موسےٰ خود را در بحار ‌ ‌ ‌ از میانِ دورۂ احمد برآر

اور حضرت موسےٰ و حضرت نوح کے کارنامے بیان کیے تھے جو ان سے بتائید الٰہی ظہور مین آئے تھے اب اس تائید الٰہی کا مذکور فرماتے ہین جو جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہوئی چنانچہ فرماتے ہین کہ احمد پیارے۔ دیگر انبیا کے تصرفات تو زمین ہی تک محدود تھے اور آپ کے سامنے سیاہ زمین کیا چیز ہے آپ تو اس تائید الٰہی سے جو آپ کے لیے حاصل ہے آسمان پر چاند کی پیشانی کو اشارہ انگشت شہادت سے دو نیم کیجیے تاکہ ہر سعید۔ اور جاہل منحوس و شقی کو معلوم ہو جائے کہ آج کل آپ کا دور دورہ ہے نہ کہ چاند وغیرہ کا۔ جیسا کہ منجمین سمجھتے ہین۔ آپ کے دور کی کیا بات ہے یہ وہ دور ہے جسکی موسےٰ کلیم اللہ باینہمہ عظمت و جلال ہمیشہ آرزو کرتے تھے جسکی تفصیل یہ ہے کہ جب موسے علیہ السلام نے آپ کے زمانہ کی رونق کا مشاہدہ کیا۔ اور دیکھا کہ آپ کا دور نور الٰہی سے جگمگا رہا ہے اور صبح کے مانند پر نور بنا ہوا ہے تو فرمایا کہ اسکو صرف رحمت کا دور نہین کہا جا سکتا بلکہ وفور انوار و تجلیات و کثرت قرب کے سبب اسکو تو دور رویت کہنا چاہیے اے اللہ اپنے موسےٰ کو کسی سمندر مین غوطہ دے اور جناب احمدؐ کے دور مین نکال یعنی کوئی ایسی صورت کر کہ مین اس دور سے اس دور مین پہنچ جاؤن۔

شرح شبیری | احمدا خود کیست الخ۔ یعنی (اللہ تعالےٰ فرماتے ہین کہ) اے احمد صلے اللہ علیہ وسلم یہ سیاہ زمین کیا چیز ہین ہم نے آپ کو ایسی قدرت دی ہے کہ آپ

آسمان پر چاند کے دو ٹکڑے کر ڈالے۔

تا بداند بعد الخ۔ یعنی تاکہ ہر بے خبر نیک و بد جان لے کہ یہ زمانہ آپکا ہے اور دور قمر نہیں ہے مطلب یہ کہ اول تو دور قمر کوئی شے تھا ہی نہیں لیکن اگر اس کو کچھ مان بھی لیا جاوے کہ کچھ تھا تو اب نجومی وغیرہ کو معلوم ہو جاوے کہ اب آپکا دور آگیا ہے اور ان چاند سورج کی قدرت وغیرہ سب باطل ہو گئی آگے اس مضمون سے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے دور کی تعریف کی طرف منتقل ہوتے ہین پس فرماتے ہین۔

دور تست آنرا الخ۔ یعنی آپ کا وہ دور ہے کہ موسیٰ کلیم علیہ السلام ہمیشہ آپ کے دور مین ہونے کی آرزو رکھتے تھے یہ اشارہ معلوم ہوتا ہے ایک حدیث کی طرف جو کہ ابو نعیم نے حلیہ مین روایت کی ہے وہ یہ ہے

کہ حدیث عن انس فی حدیث طویل قال قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم قال تعالے یا موسیٰ انبئ بنی اسرائیل انہ من لقینی وہو جاحد باحمد ادخلتہ النار ولو کان ابراہیم خلیلی وموسیٰ کلیمی قال ومن احمد۔ قال یا موسیٰ وعزتی وجلالی ما خلقت خلقا اکرم علی منہ کتبت اسمہ مع اسمی فی العرش قبل ان اخلق السموات والارض والشمس والقمر بالفی الف سنۃ وعزتی وجلالی ان الجنۃ محرمۃ علی جمیع خلقی حتی یدخلہا محمد صلے اللہ علیہ وسلم وامتہ قال موسیٰ ومن امتہ قال الحمادون یحمدون اللہ صعودا وہبوطا وعلے کل حال یشدون اوساطہم ویطہرون اطرافہم صائمون بالنہار رہبان باللیل اقبل منہم الیسیر وادخلہم الجنۃ بشہادۃ ان لا الہ الا اللہ قال موسیٰ یا رب اجعلنی نبی تلک الامۃ قال نبیہا منہا قال فاجعلنی من امتہ قال استقدمت واستاخر سا جمع بینک وبینہ فی دار الجلال رواہ فی الحلیہ۔

یعنی انس رض سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کہ فرمایا اللہ تعالے نے کہ اے موسےٰ بنی اسرائیل سے کہدیجیے کہ جو شخص میرے پاس منکر باحمد صلے اللہ علیہ وسلم آویگا اُسکو مین دوزخ مین جھونک دونگا خواہ وہ ابراہیم میرے خلیل اور موسےٰ میرے کلیم ہی کیون نہ ہون اسپر موسیٰ علیہ السلام نے پوچھا کہ احمد کون ہین ارشاد ہوا کہ اے موسےٰ قسم ہے میری عزت وجلال کی کہ مین نے کوئی مخلوق اُن سے زیادہ مکرم پیدا نہین کی اور اُنکا نام اپنے نام کے ساتھ عرش مین آسمان وزمین شمس وقمر کی پیدائش سے کروڑون برس پہلے لکھ چکا ہون اور قسم ہے اپنی عزت وجلال کی جب تک محمد صلے اللہ علیہ وسلم اور اُنکی اُمت جنت مین داخل نہ ہولین گے اُس وقت تک جنت تمام میری مخلوق پر حرام ہے موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا کہ اُنکی اُمت کون ہے ارشاد ہوا کہ جو لوگ اللہ تعالے کی حمد کرتے ہین ہر حالت مین چڑھتے ہوے بھی اور اُترتے ہوے بھی اور اپنی کمر عبادت کے لیے کسے ہوے ہین اور اپنے ہاتھ منھ وغیرہ پاک رکھتے ہین دن کو صائم ہون گے اور رات کو رہبان ہون گے مین اُن سے تھوڑی سی عبادت بھی قبول کر لونگا اور اُن کو لا الہ الا اللہ کہنے پر جنت مین داخل کر دونگا۔ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا کہ پھر اُس اُمت کا نبی مجھے کر دیجئے ارشاد ہوا کہ اُس کا نبی تو اُن مین سے ہی ہوگا پھر عرض کیا کہ اچھا مجھے اُن کی اُمت مین سے کر دیجیے ارشاد ہوا کہ تم پہلے ہوگئے ہو اور وہ بعد مین آوین گے لیکن مین تم کو دار الجلال مین اُنکے ہمراہ جمع کر دونگا انتہی۔ پس یہان اس شعر مین مولانا کو اس حدیث کا جزو اخیر مقصود ہے کہ موسے علیہ السلام نے آپ کے دور مین ہونے کی تمنا کی کہ یا اللہ مجھے اُن کی اُمت مین سے کر دیجیے پس معلوم ہوا

کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا دور مبارک وہ ہے کہ جسکی تمنا انبیا نے کی ہے آگے بھی اسی مضمون کو بیان فرماتے ہین کہ۔

چونکہ موسےٰ الخ۔ یعنی جب کہ موسیٰ علیہ السلام نے آپ کے دور مبارک کی رونق دیکھی اسمین انوار و تجلیات صبح کی طرح ظاہر و روشن تھے تو فرمانے لگے کہ۔

گفت یارب الخ۔ یعنی موسےٰ علیہ السلام نے کہا کہ اے الٰہی یہ کیسا رحمت کا زمانہ ہے اور کیسا مبارک ہے اور وہ رحمت سے گذر کر فرمانے لگے کہ یہان تو رویت ہے کہ کھلم کھلا ظاہر طور پر رحمت کا نزول ہوتا ہے اسکے بعد پھر دعا فرماتے ہین کہ۔

غوطہ دہ الخ۔ یعنی اے الٰہ العالمین آپ اپنے موسےٰ کو رحمت کے دریاؤن مین غوطہ دیجئے اور احمد صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مین اپنے موسےٰ کو کر دیجئے اسپر ارشاد ہوا کہ۔

شرح حبیبی

گفت یا موسے بدان بنمودمت	راہ آن خلوت بدان بکشودمت
کہ تو زان دوری و این دور اے کلیم	پا بکش زیرا درازست این گلیم
من کریم نان نمایم بندہ را	تا بگریاند طمع آن زندہ را
بینی طفلے بمالد مادرے	تا شود بیدار و واجوید خورے
کو گرسنہ خفتہ باشد بے خبر	وان دو پستان مے چکد از مہر ور
کنت کنزا رحمۃ مخفیۃ	فابتعثت امۃ مہدیۃ

حق سبحانہ تعالےٰ نے فرمایا کہ اے موسےٰ مین نے ان کرامات و برکات عہد مصطفوی کو تجھ پر اسی لیے ظاہر کیا ہے اور اس خلوت خانہ کا رستہ تیرے لیے اسی واسطے کھولا ہے کہ تو اُس دور کی کرامات و برکات سے متمتع ہو کر اسی دور مین اُس دور سے ہو جائے پس تو مطمئن رہ کیونکہ یہ گلیم دور مصطفوی کی بہت وسیع ہے اس لیے اُس کے فیوض و برکات سے متمتع ہونا صرف ارباب آن عہد تک محدود نہین بلکہ دوسرے لوگ بھی مستفید ہو سکتے ہین ہم کریم ہین اس لیے جب بندہ کو روٹی دکھلاتے ہین تو انکو دینا مقصود ہوتا ہے اور دکھلانا اسلیے ہوتا ہے کہ دیکھکر اس کو لالچ آئے اور وہ اسکی خواہش اور طلب مین روئے اور پھر ہم اسکو دیدین اور طلب و خواہش کے بعد دینے کی وجہ یہ ہے کہ جو شے طلب و شوق کے بعد حاصل ہوتی ہے وہ زیادہ محبوب و مرغوب اور قابل قدر ہوتی ہے لیکن یہ عادت دائمی کلی نہین بلکہ بلا طلب بھی بہت کچھ دیتے ہین ہمارے اس طرز کو منافی شفقت و رحمت نہ سمجھنا کیونکہ اسکی نظیر خود تمھارے درمیان مین بھی موجود ہے مان کی شفقت و رحمت مین کسی کو کلام نہین لیکن جب بچہ بھوکا سو جاتا ہے تو مادر مشفقہ کی پستان مین دودھ جوش مارتا ہے اور ٹپکنے لگتا ہے پس اس بچہ کی نیند سے بیدار ہونے اور رونے کی تکلیف کی کچھ پروا نہین کرتی بلکہ باقتضائے شفقت وافرہ و رحمت متکاثرہ اسکی ناک مل کر اسکو جگاتی اور بیدار کرتی ہے تاکہ وہ اُٹھکے

اور غذا ڈھونڈے۔ پس جس طرح ماں کی رحمت جوش کرتی ہے اور وہ بچے کو خواب خوش سے کہ مشابہ عدم ہے اٹھاتی اور طلب پر آمادہ کرتی ہے یونہی میں بھی رحمت کا ایک پوشیدہ مخزن تھا اور وہ طالبین کی خواستگار تھی اور طالبین خواب عدم میں تھے لہذا میں نے اصالۃً تو ایک امۃ محمدیہ (امت مصطفویہ) کو اس خواب سے اٹھایا اور تبعاً اوروں کو بھی بیدار کیا اور وجود میں لایا تاکہ وہ آثار رحمت کے طالب ہو کر اس سے بہرہ ور ہوں۔

شرح شبیری

گفت یا موسیٰ الخ یعنی اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے موسیٰ میں نے تمکو اس لیے دکھلایا اور اس خلوت کی طرف اسی لیے راہ کھول دی ہے تاکہ۔

کہ تو زان دوری الخ۔ یعنی تم اس زمانہ میں بھی اسی دور میں سے ہو اور خوب پاؤں پھیلاؤ اس لیے کہ یہ کمبل خوب دراز ہے یعنی تم کو اس زمانہ میں بھی اس زمانہ کی برکات حاصل ہونگی اور یہ دریائے رحمت تو خوب وسیع ہے اسمیں تم کمی سے مت ڈرو بلکہ خوب اچھی طرح مانگو اور حاصل کرو وہ برکات تم کو خوب حاصل ہونگی اور میں نے تمکو اسی لیے دکھلایا ہے تاکہ تم طمع کر کے اس کو مانگو اور پھر میں تم کو دوں اس لیے کہ میری یہی عادت ہے کہ۔

من کریمم الخ۔ یعنی میں تو کریم ہوں اور بندہ کو روٹی اس لیے دکھلاتا ہوں تاکہ وہ اس کو دیکھکر مانگے اور روے۔ مطلب یہ کہ میں تو کریم ہوں اور میں تو اپنے بندوں پر رحمت کرنا چاہتا ہوں مگر اول ذرا دکھلا کر طمع دلاتا ہوں اس کے بعد جب اس کو پوری طرح شوق ہو جاتا ہے اور وہ شوق اس قدر ترقی کرتا ہے کہ یہ بندہ رونے لگتا ہے تو میں اس وقت اسکو دیتا ہوں تاکہ اسکی قدر ہو اور شکر کرے اور دیکھو اسکی تو ایسی مثال ہے جیسے کہ ماں اور بچہ ہوتے ہیں کہ۔

بینی طفلے الخ۔ یعنی ماں بچے کی ناک ملتی ہے تاکہ بیدار ہو کر اپنی خوراک مانگے مطلب یہ کہ جس طرح ماں چاہتی ہے کہ بچے کو غذا دے مگر اول اسکو سونے سے جگاتی ہے جسکی وجہ سے وہ خلاف عادت ہونیسے روتا ہے پس جیسے ہی وہ رویا اور اس نے فوراً اسکو غذا دیدی اسیطرح ہم ہیں کہ اول بندہ کو نعمتیں اور رحمتیں دکھلاتے ہیں جب وہ ان کو مانگتا ہے اور مچلتا ہے اور رونے لگتا ہے اس وقت اسکو عطا فرما دیتے ہیں اور وہ ماں اس لیے بچہ کو جگاتی ہے کہ۔

کو گرسنہ الخ۔ یعنی اس لیے وہ جگاتی ہے کہ وہ بچہ بھوکا سو گیا ہے اور اس ماں کے دونوں پستان مہربانی کی وجہ سے ٹپک رہے ہیں پس اسکو جگا کر وہ پستان اس کے منہ میں دیدیتی ہے اسیطرح چونکہ ہماری رحمت جوش کھاتی ہے اور چاہتی ہے کہ کہیں نازل ہو پس اس وقت ہم نعمتیں اپنے بندہ کو دکھلاتے ہیں اور جب وہ مانگتا ہے تو اسکو عطا فرما دیتے ہیں آگے بھی یہی مضمون ہے کہ۔

کنت کنزاً الخ یعنی میں ایک کنز تھا رحمت مخفی پس میں نے امۃ محمدیہ بھیجی اشارہ ہے کنت کنزاً مخفیاً فاحببت ان اعرف فخلقت الخلق کی طرف مطلب یہ کہ چونکہ میں خزانہ رحمت مخفی تھا اور اس رحمت کا اقتضا یہ تھا کہ کسی پر نازل ہو اور یہ کہ میں پہچانا جاؤں تو بس میں نے ایک امۃ محمدیہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی امت کو بھیجا اس لیے کہ یہ امت معرفت میں کامل ہے لہذا خلقت میں بھی مقصود زیادہ ہوگی آگے مولانا

فرماتے ہین کہ اللہ تعالے جو تم کو نعمتین دکھلاتے ہین وہ اسی لیے تاکہ تمکو عطا فرماوین فرماتے ہین کہ۔

شرح حبیبی

هر کرامات که می‌جوئی بجان — او نمودت تا طمع کردی در آن
چند بت بشکست احمد در جهان — تا که یارب گوی گشتند امتان
گر نمودی کوشش احمد تو هم — می‌پرستیدی چو اجدادت صنم
این سرت وارست از سجده صنم — تا بدانی حق او را بر امم
تا بگوئی شکر این رستن بگو — کز بت باطن همت برهاند او
مر سرت را چون رهانید از بتان — هم بدان قوت تو دل را وارهان
سر ز شکر دین از آن برتافتی — کز پدر میراث مفتش یافتی
مرد میراثی چه داند قدر مال — رستمی جان کند و مجان یافت زال

اب مولانا حسب عادت نصیحت کی طرف متوجہ ہوتے ہین اور فرماتے ہین کہ جس قدر فیوض و برکات کا تو جان دل سے طالب ہے وہ اسی کی دکھلائی ہوئی ہین اور اسی کی توفیق مساعدت سے تیرا جی اُن کے لیے للچاتا ہے حتی کہ تیرا اسلام بھی اسی نمائش کا نتیجہ ہے چنانچہ اس نے رسول کو بھیجا انھون نے حق کی طرف دعوت دی اور بہت سے بتون کو توڑا جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ اُمتی خدا کو پکارنے لگے تو یہ کس شے کا نتیجہ ہے صرف اسی نمائش اور مساعدت کا اگر حق سبحانہ کی طرف سے نمائش اور تحریک نہ ہوتی اور وہ رسول کو نہ بھیجتے اور رسول اس قدر کوشش نہ کرتے تو تو بھی اپنے آبا و اجداد کی طرح بت پوجتا کاہے کو اسلام سے واقف ہوتا اور کیونکر اسے طلب کرتا۔ اصل احسان تو حق سبحانہ کا ہے مگر چونکہ اسکا ظہور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے ہوا ہے کہ انکی کوشش سے تیرا سر سجدہ بت سے چھوٹا ہے اس لیے تجکو جاننا چاہیے کہ آپ کا حق اُمتیون پر کیا ہے اور جہان تک تجھسے ہوسکے اس نعمت رہائی کا شکر زبان سے بھی ادا کر اور جوارح سے بھی اور قلب سے بھی اور طریقہ شکر یہ ہے کہ جہان تک ممکن ہو کمال اتباع مصطفوی مین ساعی ہو اس شکر کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اسکی برکت سے بت باطن کی پرستش اور اتباع نفس سے بھی نجات پا جائیگا کیونکہ شکر سے منعم نعمتون مین اضافہ کرتا ہے چنانچہ حق سبحانہ فرماتے ہین لئن شکرتم لازیدنکم۔ جس قوت کے ذریعہ سے تو نے اپنے سر کو سجدہ بتان سے چھڑایا ہے اسی قوت کے طفیل اور اسکے اتباع و موافقت سے تو دل کو بت باطن اور اتباع نفس سے چھڑا کیونکہ اسکے سوا اور کوئی ذریعہ ہی نہین اب تک جو تو نے شکر دین سے اعراض کیا ہے اور اسکی قدر نہین کی اسکی وجہ یہ ہے کہ باپ کی بدولت تجھکو بلا مشقت اور بلا طلب مال مل گیا ہے یعنی تو مسلمان کے گھر پیدا ہوا اس لیے تو بھی مسلمان ہوگیا ورنہ اگر تجھے طلب کے بعد ملتا اور تو اس کے حاصل کرنے مین مشقتین برداشت کرتا تب تجھے قدر ہوتی جس شخص کو ترکہ مین مال ملتا ہے اسکو اسکی قدر نہین ہوتی۔ وہان تو یہ ہوتا ہے کہ ایک حوصلہ مند اور بہادر اسکی تحصیل مین مصائب اور مشقت برداشت کرتا ہے اور ایک کم حوصلہ اور نا قادر علی الاکتساب

مفت مین قابض ہو جاتا ہے ع گلچھرے اڑاسکے کوئی دولت ہو کسی کی۔

شرح شبیری ہر کراماتے الخ۔ یعنی کہ جو نعمت اور جو رحمت کہ تم جان و دل سے تلاش کرتے ہو اس کو اللہ تعالے نے تمھین دکھلا دیتے ہین تاکہ تم اس کے حصول کی تمنا کرو اور اسمین طمع کرو آگے پھر مولانا نعت کی طرف متوجہ ہوتے ہین فرماتے ہین کہ۔

چند بت بشکست الخ۔ یعنی احمد صلے اللہ علیہ وسلم نے کتنے ہی بت توڑ ڈالے یہان تک کہ یارب کہنے والے بہت ہوگئے امت مین سے۔ اور اگر حضور مقبول صلے اللہ علیہ وسلم نہ ہوتے تو یہ شرف کہان حاصل ہوتا اسی کو فرماتے ہین کہ۔

گر نبودے الخ۔ یعنی اگر احمد صلے اللہ علیہ وسلم کی کوشش نہ ہوتی تو آج تم بھی اپنے باپ دادا کی طرح بت پرست ہوتے اب تم کو انکا شکر گذار ہوتا لازم ہے کہ انھون نے تمھارے سر کو سجدہ بتان سے چھڑایا فرماتے ہین کہ۔

این سرت وارست الخ۔ یعنی تمھارا یہ سر بتون کے سامنے سجدہ کرنے سے چھوٹ گیا تاکہ تم اسکا حق اور احسان پہچانو اور اسکا شکریہ ادا کرو اور اس شکر کی برکت سے اس بت باطن سے بھی چھوٹ جاؤ فرماتے ہین کہ۔

گر بگوئی الخ۔ اگر تم اس چھوٹنے کا شکر کہو تو کہنا چاہیے کہ اسکی برکت سے بت باطن سے بھی وہی تم کو چھوڑا دین آگے فرماتے ہین کہ۔

مر سرت را الخ۔ یعنی جب اسنے تمھارے سر کو بتون سے بچایا تو اسی قوت سے وہ تمھارے دل کو بھی چھڑا دین گے آگے مولانا اس سے انتقال فرماتے ہین اور ہماری غفلت کی وجہ بیان فرماتے ہین کہ۔

سر ز شکر الخ۔ یعنی دین کے شکریہ سے اس لیے سرتابی کرتے ہو کہ باپ دادا سے مفت مین پالیا ہے اسکی کچھ قدر نہین ہے اگر کچھ محنت اور مشقت کرکے حاصل کیا ہوتا تو اسکی قدر ہوتی اور جسکو مفت کی چیز ملا کرتی ہے وہ یون ہی بے قدری کیا کرتا ہے فرماتے ہین کہ۔

مرد میراثی الخ۔ یعنی جسکو مال میراث مین ملا ہو وہ اسکی قدر کیا جانے دیکھو رستم نے تو جان کندنی سے پیدا کیا اور زال کو مفت مین ملگیا تو خوب گلچھرے اڑائے پس اسیطرح ہم کو بھی دین اسیطرح ملگیا ہے کہ باپ مسلمان دادا مسلمان تو ہم بھی مسلمان اگر خود حاصل کرتے تو اسکی قدر ہوتی اب اس سے انتقال فرماتے ہین اور رجوع کرتے ہین اللہ تعالے کے قول کی طرف کہ اللہ تعالے فرماتے ہین کہ جب کوئی روتا ہے اور طلب کرتا ہے تو ہمارا دریائے رحمت جوش مین آتا ہے پس فرماتے ہین کہ۔

شرح حبیبی

چون بگریانم بجوشد رحمتم	آن خروشنده بنوشد نعمتم
چون نخواہم داد خود ننمایمش	چونش کردم بسته دل بگشایمش
رحمتم موقوف آن خوش گریہاست	چون گریست از بحر رحمت موج خاست

تا نگرید ابر کے خندد چمن	تا نگرید طفل کے جوشد لبن

پھر مضمون سابق کی طرف عود فرماتے ہین یعنی حق سبحانہ فرماتے ہین کہ جب مین رولاتا ہون تو میری رحمت جوش مین آتی ہے اور وہ گریہ وزاری کرنیوالا (میری نعمت کو بزبان حال) یہ کہتے سنتا ہے کہ مین نعمت ہون (تو دوست مین آگئی) جب مجھے دینا مقصود ہوتا ہے تب ہی مین دکھلاتا بھی ہون - اور جب مین اسکو دل گرفتہ اور مغموم اور محزون کرتا ہون تو اس کے دل کو کھول بھی دیتا ہون اور مسرور محظوظ بھی کر دیتا ہون لیکن ہماری رحمت اس گریۂ وزاری پر موقوف ہوتی ہے جو ہمکو بھلی معلوم ہوتی ہے اور جب وہ رونے لگتا ہے تو ہمارا بحر رحمت موجین مارنے لگتا ہے پھر اُسکو محروم نہین کرتے (لیکن یہ طرز عمل وہین ہوتا ہے جہان اسکے خلاف مین کوئی مصلحت مانع نہ ہو ورنہ بلا طلب بھی دیتے ہین) اب مولانا فرماتے ہین کہ فی الحقیقت رونا ایک عجیب خاصیت اور عجیب تاثیر رکھتا ہے دیکھو جب تک ابر نہ روئے گا چمن کیونکر ہنس سکتا ہے (یعنی جب بارش نہ ہو باغ مین سرسبزی اور شادابی کیونکر پیدا ہو سکتی - (یعنی پھول کیونکر کھل سکتے ہین) اور جب تک بچہ نہ روئے دودھ کیسے جوش مار سکتا ہے پس معلوم ہوا کہ رونے مین عجیب تاثیر ہے -

شرح شبیری | چون بگریانم الخ - یعنی حق تعالیٰ فرماتے ہین کہ جب مین رولاتا ہون تو میری رحمت جوش مارتی ہے اور وہ گریۂ وزاری کرنے والا (میری نعمت کو بزبان حال) یہ کہتے ہوے سنتا ہے کہ مین نعمت ہون (تو دوست مین آگئی) اور اگر ہم کو عطا فرمانا مقصود نہوتا تو ہم دکھلاتے ہی کیون اسی کو فرماتے ہین کہ -

گر نخواہم داد الخ - یعنی اگر مین دینا نہ چاہتا تو مین دکھلاتا بھی نہین اور جب (اس دکھلانے کی وجہ سے) اُسکو بستہ دل کیا ہے تو اسکو ہم ہی کھولین گے یعنی جب بندہ دیکھا طامع ہوا اُس کے حصول کا اور پھر حاصل نہ ہونے سے رنجیدہ ہوا ہے تو اس رنجیدگی اور بستہ دلی کو ہم ہی کھولین گے اور یہان جو حق تعالیٰ فرماتے ہین کہ جب ہم نے دکھلایا ہے تو اُس کو عطا بھی فرما دین گے تو یہان موسے علیہ السلام کو جو کمالات ملے ہین وہ حضور مقبول صلے اللہ علیہ وسلم ہی کے کمالات سے مستفاد ہین اس لیے کہ یہ مسلم ہے کہ جس قدر کمالات ہین اُن مین اصل تو حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے کمالات ہین اور پھر اُن سے مستفید دیگر انبیا بھی ہین لہذا موسیٰ علیہ السلام کو بھی اُن ہی کمالات مین سے حصہ ملا ہے آگے پھر اسی مضمون کو کہ بعد طلب اور آہ وزاری کے رحمت جوش مین آتی ہے بیان فرماتے ہین کہ -

رحمتم موقوف آن الخ - یعنی میری رحمت اُن گریون کے اوپر موقوف ہے اور جب کوئی روتا ہے تو ابر رحمت سے موج اُٹھتی ہے - مطلب یہ کہ حق تعالیٰ فرماتے ہین کہ جب تک منت وزاری اور طلب نہ ہوگی اُسوقت تک ہماری رحمت کو جوش نہ ہوگا - پس طلب ہونی چاہیے - پھر دیکھو کہ کس طرح رحمت نازل ہوتی ہے آگے مولانا اس مضمون کو ایک نظیر سے مؤکد فرماتے ہین کہ -

تا نگرید ابر کے الخ - یعنی جب تک ابر روتا نہین اُس وقت تک چمن ہنستا نہین اور جب تک لڑکا نہین روتا اُس وقت تک دودھ کو جوش نہین ہوتا مطلب یہ کہ دیکھو یہ امر تو حق تعالیٰ اور بندہ ہی مین مخصوص نہین ہے

بلکہ دوسرے اشیاء مین پایا جاتا ہے کہ دیکھو جب تک بارش نہین ہوتی (جو کہ مثل ابر کے رونے کے ہے) اُسوقت تک چمن مین شادابی پیدا نہین ہوتی اور جب تک بچہ نہین روتا اُس وقت تک پستان مادر مین دودھ جوش نہین کھاتا پس اسیطرح جب بندہ کی طرف سے طلب ہوتی ہے اُسی وقت حق تعالیٰ کی طرف سے نزول رحمت ہوتا ہے آگے اِسی کی تائید مین ایک حکایت بیان فرماتے ہین کہ۔

شرح حبیبی

حلوا خریدن شیخ احمد خضرویہ از جہت غریمان بالہام حق تعالےٰ

بود شیخے دائما او وام دار ۔۔۔ از جوانمردی کہ بود او نامدار
دہ ہزاران وام کردی از مہان ۔۔۔ خرج کردے بر فقیران جہان
ہم بوام او خوانقاہے ساختہ ۔۔۔ جان و مان و خانقہ در باختہ
احمد خضرویہ بودے نام او ۔۔۔ خدمت عشاق بودے کام او
وام او را حق ز ہر جامی گزارد ۔۔۔ کرد حق بہر خلیل از ریگ آرد
گفت پیغمبر کہ در بازارہا ۔۔۔ دو فرشتہ مے کنند دائم ندا
کاے خدا تو منفقان را دہ خلف ۔۔۔ وے خدا تو ممسکان را دہ تلف
خاصہ آن منفق کہ جان انفاق کرد ۔۔۔ حلق خود قربانی خلاق کرد
حلق پیش آورد اسمٰعیل وار ۔۔۔ کارد بر حلقش نیارد کرد کار
پس شہیدان زندہ زان رویند و خوش ۔۔۔ تو بدان قالب بمنگر گبر وش
چون خلف دادست شان جان بقا ۔۔۔ جان ایمن از غم و رنج و شقا

یہان سے گریہ کی فضیلت بیان فرماتے ہین اور کہتے ہین کہ گریہ کی برکت کے متعلق ایک حکایت سُن۔
ایک بزرگ اِس سبب سے کہ وہ فضیلت سخاوت سے معزز و ممتاز تھے ہمیشہ قرضدار رہتے تھے ہزارون روپیہ سیٹھون سے قرض لیتے اور فقیرون پر صرف کر دیتے قرض ہی سے ایک خانقاہ بھی بنائی تھی قرض ہی مین اپنا سارا گھر بار اور خانقاہ سب کھو چکے تھے احمد خضرویہ ان کا نام تھا اور اہل اللہ ہی کی خدمت انکا مطمح نظر تھا۔ حق سبحانہ ان کے قرض کو کہین سے نہ کہین سے ادا کرا دیتے تھے اُن کے نزدیک یہ امر کچھ بھی دشوار نہین کیونکہ اُنکی تو وہ قدرت کاملہ ہے کہ انھون نے ریت کو آٹا کر دیا تھا یعنی ریت سے آٹا دلا دینا جب آسان ہے تو کسی شخص سے روپیہ دلا دینا کون سی بڑی بات ہے اور یہ خرچ کرنا انکا کچھ مذموم نہ تھا بلکہ محمود تھا اِس لیے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے دو فرشتے بحکم خداوندی بازارون مین ہمیشہ یہ دعا کرتے ہین کہ الٰہ العالمین تو سخی کو اِس کے خرچ کردہ مال کا بدلہ عنایت فرما اور بخیل کے مال کو تباہ و برباد کر اِس دعا کی مقبولیت اور اِس بنا پر عام طور پر اسخیا کو بدل ملنا ضرور ہے بالخصوص وہ سخی جس نے

اپنی جان صرف کی ہے اور اپنے گلے کو خلاق عالم کے لیے قربان کر دیا ہے اور اس کے خنجر ناز کے لیے اسمعیل علیہ السلام کی طرح گلا سامنے کر دیا ہے یعنے اپنے کو مرضیات حق سبحانہ مین فنا کر دیا ہے اس کو تو بالا وے بدل ملیگا کہ حق سبحانہ اس کے حلق پر چھری نہ چلائین گے اور اس فنا کے معاوضہ مین اسکو بقا بخشین گے پس یہ شہیدان خنجر ناز اس سیلیے زندہ اور خوش اور مصداق لاتحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ امواتا بل احیاء عند ربہم یرزقون فرحین بما اٰتٰہم اللہ ہین کہ حق سبحانہ نے اس کے بدلے مین ان کو جان اتقا بخشی ہے۔ تو جانتا ہے۔ جان اتقا کیا ہے۔ وہ وہ جان ہے جس کو نہ رنج کا کھٹکا ہے نہ محرومی کا پس خبردار تو ان کے جسم کی خشکی پر کافرون کی طرح ہرگز نظر نہ کرنا اور اس سے انکی حقارت پر استدلال نہ کرنا انکی تو یہ شان ہے۔ رب اشعث اغبر مدفوع بالابواب لو اقسم علے اللہ لابرہ۔ او کما قال صلے اللہ علیہ وسلم۔

شرح شبیری

شیخ احمد خضرویہ کا حلوا خریدنا قرضخواہون کیواسطے اللہ تعالیٰ کی الہام کرنے سے

بود شیخے دائماً الخ - یعنی ایک شیخ تھے اور وہ ہمیشہ اپنی جوانمردی کی وجہ سے قرضدار رہا کرتے تھے اس لیے کہ وہ نامدار تھے از جوانمردی علت ہے وام دار کی مطلب ظاہر ہے۔

دہ ہزاران الخ - یعنی دس دس ہزار بڑے لوگون سے قرض لیا کرتے تھے (اور اسکو) فقیران جہان پر خرچ کر دیا کرتے تھے۔ دہ ہزاران سے مراد عدد نہین ہے بلکہ مطلب یہ کہ امرا سے بہت زیادہ قرض لیا کرتے تھے اور پھر اسکو غربا، فقرا، کی خدمت مین خرچ کر دیتے تھے۔

ہم بوام او الخ - یعنی قرض ہی سے ایک خانقاہ بھی بنوائی تھی اور خاندان اور خانقاہ سب ہارے ہوئے خان و مان کا - اہل و عیال مطلب یہ کہ انھون نے قرض ہی سے ایک خانقاہ بھی بنوائی تھی اور اپنا اہل و عیال اور خانقاہ وغیرہ سب چیزین خدا کے واسطے لٹا دی تھین اور جو ان کے پاس تھا سب خدا کی راہ مین وہ خرچ کرتے تھے۔

احمد خضرویہ الخ - یعنی احمد خضرویہ انکا نام تھا اور انکا مقصد (اس قرض لینے سے) عاشقان الٰہی کی خدمت کرنا تھا۔ کام مقصد۔

وام او را الخ - یعنی اللہ تعالے ان کے قرض کو ہر جگہ سے ادا فرما دیتے تھے (اور دیکھو) حق تعالے نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے ریتے سے آٹا بنا دیا مطلب یہ کہ ان کے قرض کے ادا ہو جانے کو کچھ مستبعد مت سمجھنا اس لیے کہ خداوند تعالے کی قدرت تو اس سے کہین زیادہ ہے دیکھو حضرت خلیل اللہ علیہ السلام کے لیے ریت سے آٹا بن گیا تھا سو اگر انکا قرض ادا ہو جاتا تھا تو کیا بعید ہے آگے مولانا اس حکایت سے انتقال فرما کر انفاق فی سبیل اللہ کے فضائل بیان فرماتے ہین۔

گفت پیغمبر الخ - یعنی پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ بازارون مین ہمیشہ دو فرشتے ندا کرتے ہین کہ

کاے خدا الخ یعنی اے خدا (تو اللہ کی راہ میں) خرچ کرنے والوں کو تو عوض عنایت فرما اور اے خدا تعالیٰ تو (اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے) بخل کرنیوالوں کو تلف کردیجئے مطلب یہ کہ اے اللہ جو تیری راہ میں خرچ کرتے ہیں اُن کو تو اُسکا عوض اور مال دے کہ وہ اور خرچ کریں اور آخرت میں بھی اُن کو اُسکا عوض عطا فرما۔ اور جو لوگ بخیل ہیں اور تیری راہ میں خرچ نہیں کرتے اُن کے مال کو تلف فرما کہ فضول اور بیکار ہے اور یہ مضمون حدیث کا ہے آگے فرماتے ہیں کہ۔

خاصہ آن الخ یعنی خاص کر وہ خرچ کرنے والا کہ جان کو خرچ کرے اور اپنے حلق کو پیدا کرنیوالے کی قربانی کردے مطلب یہ کہ جو لوگ کہ اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے والے ہیں اُنکی تو یہ فضیلت ہے جیسا کہ مضمون حدیث سے معلوم ہوا مگر خاص کر وہ لوگ بہت زیادہ خرچ کرنیوالے اور افضل ہیں کہ جو اپنی جانیں خدا کی راہ میں قربان کردیتے ہیں آگے پھر اسی کو فرماتے ہیں کہ

حلق پیش الخ یعنی حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی طرح حلق سامنے لے آئے ہیں (پس اس طاعت اور تسلیم کی وجہ سے) اللہ تعالےٰ اُن کے حلق پر چھری نہیں چلنے دیتے مطلب یہ کہ جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کے کہنے سے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام نے اپنی جان دینا منظور کرلیا تھا اور خدا کی راہ میں قربان ہونیکے لیے طیار ہوگئے تھے مگر اللہ تعالےٰ نے اُن کے اِس تسلیم و رضا کی وجہ سے اُن پر چھری نہ چلنے دی اور اُنکو زندہ و سلامت رکھا بلکہ اُنکی جگہ دنبہ آگیا جیسا کہ مشہور ہے اسیطرح جو لوگ خدا کی راہ میں اپنی خواہشات نفسانی کو مٹا دیتے ہیں اور مجاہدات و ریاضات کرتے ہیں خداوند کریم اُنکو بھی حیات ابدی عنایت فرماتے ہیں آگے اِسی مضمون پر تفریع فرماتے ہیں کہ۔

پس شہیدان الخ یعنی پس شہدا اسی وجہ سے زندہ اور خوش ہیں اور تو اس قالب کو گبر کی طرح مت دیکھ مطلب یہ کہ چونکہ جو لوگ اپنی خواہشات کو مٹا دیتے اور ترک کردیتے ہیں اور اپنی جان کو جان نہیں سمجھتے اُن کو حق تعالےٰ نے ایک حیات ابدی عنایت فرماتے ہیں اسی لیے جو لوگ شہید ہوتے ہیں اور اپنی جان راہ حق میں قربان کردیتے ہیں وہ ہی خوش اور زندہ رہتے ہیں چونکہ یہاں یہ شبہ ہوتا تھا کہ شہدا کو حیات کہاں نصیب ہوتی ہے بلکہ وہ تو مر جاتے ہیں اِسکا دفعیہ فرماتے ہیں کہ گبر کی طرح اِس قالب ظاہری کو مت دیکھو کہ اِسکو موت آگئی ہے بلکہ اُن کو جو حیات حاصل ہوئی ہے وہ حیات حقیقی ہے اگرچہ موت ناسوتی اور بدنی اُنپر طاری ہوئی ہو لیکن حقیقۃً وہ زندہ ہی ہوتے ہیں اور اُنکی زندگی کا یہ اثر ہوتا ہے کہ اُنکا بدن خراب نہیں ہوتا جس سے معلوم ہوا کہ اُن کو بدن کے ساتھ بھی کچھ تعلق باقی رہتا ہے آگے فرماتے ہیں کہ۔

چون خلف داد الخ یعنی جب کہ عوض میں اُنکو جان بقا عنایت ہوگئی ہے ایسی جان جو کہ غم اور رنج اور شقاوت سے بے خوف ہے (پس وہ زندہ ہیں اور خوش ہیں) یہاں چون خلف داد الخ کی جزا محذوف ہے اور دال علی الجزا پس شہیدان الخ ہے لہذا مطلب یہ ہوگیا کہ چونکہ جن لوگوں نے مجاہدات و ریاضات کرکے اپنی خواہشات نفسانی کو بالکل کالعدم کردیا ہے۔ اُسکے عوض میں اُنکو ایسی باقی اور پائدار

زندگی حاصل ہو گئی ہے کہ جسمیں نہ رنج ہے نہ غم ہے نہ شقاوت ہے اِس لیے وہ بالکل خوش اور زندہ ہین اور یہان یہ شبہ نہ ہو کہ ارواح تو عامہ مسلمین کی بلکہ کفار تک کی باقی رہین گی پھر ان کی تخصیص کیا ہے اِس لیے کہ اگرچہ ارواح کفار بھی رہین گی مگر اُنکا رہنا کالعدم ہے کیونکہ اُن کے لیے ارشاد ہے لا یموت فیہا ولا یحیی کہ وہ اُنکی زندگی ہی ہوگی اور نہ موت ہی آویگی پس اُس کا اعتبار نہین کیا گیا اور عامہ مسلمین کی ارواح کی حیات چونکہ اِس قدر قوی نہین ہے جیسے کہ ان شہدا کی ارواح کی ہے اِس لیے اُن کا بھی اعتبار نہین کیا گیا آگے پھر قصہ کی طرف رجوع فرماتے ہین کہ۔

شرح حبیبی

شیخ وامی سالہا این کار کرد	می ستدی داد ہمچون پا مرد
تخمہا می کاشت تا روز اجل	تا بود روز اجل میر اجل
چونکہ عمر خویش در آخر رسید	در وجود خود نشان مرگ دید
وامداران گرد او بنشستہ جمع	شیخ در خود خوش گدازان ہمچو شمع
وامداران گشتہ نومید و ترش	درد دلہا یار شد با درد شش
شیخ گفت این بدگمانان را نگر	نیست حق را چار صد دینار زر

قرض کے عادی بزرگ برسون یہی کام کرتے رہے اور نہایت استقلال کے ساتھ لین دین جاری رکھا کہ امرا سے لیتے اور فقرا کو دیتے فی الحقیقت وہ موت کے روز ثمرات حاصل کرنے کے لیے بیج بو رہے تھے تاکہ وہ اِن ثمرات کی بدولت موت کے روز ایک بڑے سیٹھ ہون آخرکار جب شیخ کا آخری وقت ہوا اور آثار مرگ اپنے اندر مشاہدہ کیے تو قرضداروں کی جماعت نے آگھیرا اور اُن کو گھیر کر بیٹھ گئے اور شیخ بے فکر محبت الٰہی مین شمع کی طرح خوب گھل رہے تھے اُدھر قرضخواہون کی یہ حالت تھی کہ ناامید اور بدمزہ ہو رہے تھے پھیپھڑے کے درد کے ساتھ دردِ دل بھی شامل ہو گیا تھا یعنی بیحد مضطرب اور بیچین تھے شیخ اِنکی حالت قرائن وغیرہ سے معلوم کرکے دلمین کہہ رہے تھے کہ ان بدگمانون کو دیکھو کہ خواہ مخواہ پریشان ہین کیا خدا کی قدرت مین چار سو دینار کا ادا کر دینا بھی نہین۔

شرح شبیری | شیخ وامی الخ۔ یعنی قرض والے شیخ نے برسون یہ کام کیا اور جوانمردی کی طرح داد و ستد کرتے تھے مطلب یہ کہ جس طرح جوانمرد بے فکر ہو کر کام کرتے ہین اسیطرح یہ قرضدار شیخ بھی قرض لیتے تھے اور پھر اُسکو ادا کر دیتے تھے آگے فرماتے ہین کہ۔

تخمہا می کاشت الخ۔ یعنی موت کے دن تک تخم (عمل) بوتے تھے تاکہ موت کے دن بہت بڑے میر ہون مطلب یہ کہ وہ اخیر عمر تک یہ داد و دہش کرتے رہے تاکہ خدا تعالےٰ کے یہان اُنکا رتبہ بلند ہو اور ایک بہت بڑے بزرگ اور میر اپنے انفاق کی وجہ سے ہون آگے فرماتے ہین کہ۔

چونکہ عمر شیخ الخ۔ یعنی جبکہ شیخ کی عمر آخر کو پہونچی اور انھون نے اپنے اندر موت کی نشانیان دیکھین تو۔

دام داران الخ ۔ یعنی اُن کے گرد قرضخواہ جمع ہوکر بیٹھ گئے اور شیخ خود بخود خوش اور شمع کی طرح گھلنے والے تھے مطلب یہ کہ جب اُنکی عمر آخر ہوئی اور اُن کو بھی معلوم ہوگیا کہ اب زندگی نہین رہی تو اُس وقت سب قرضخواہ اپنا قرض مانگنے آئے مگر شیخ خوش تھے اس لیے کہ جانتے تھے کہ خداوند کریم دینے والا ہے وہی دیگا اور جسطرح شمع گھلا کرتی ہے مگر روشن ہوتی ہے اسیطرح شیخ بوجہ اس کے کہ روح تحلیل ہو رہی تھی گھل رہے اور گھل رہے تھے مگر شمع کی طرح روشن اور خوش بھی تھے پس جبکہ قرضخواہون نے دیکھا کہ یہ تو مرے اور قرض کس سے ملے گا تو ۔

واداران الخ ۔ یعنی قرضخواہ ناامید اور غصہ مین ہوگئے اور دل کا درد جگر کے درد کے ساتھ ملگیا مطلب یہ کہ جس طرح درد دل اور درد جگر دونون مہلک ہین اور جب دونون جمع ہوجاوین تو اور بھی زیادہ مہلک ہین اسیطرح ان قرضخواہون کی حالت تھی کہ بہت ہی مصیبت مین تھے اور کبھی غصہ آتا تھا کہ ایسے کو قرض دیا ہی کیون تھا اور کبھی ناامید ہوتے تھے غرضکہ ایک عجیب مصیبت مین مبتلا تھے اور درد دل اور درد جگر سے مراد خود درد نہین ہے بلکہ کئی مصیبتون کا جمع ہونا ہے جیسا کہ ظاہر ہے جب اُنکی یہ حالت ہوئی تو شیخ اپنے دلمین کہنے لگے کہ ۔

شیخ گفت الخ ۔ یعنی شیخ کہنے لگے کہ ان بدگمانون کو تو دیکھو (کہ ابھی سے گھبرائے جاتے ہین) کیا حق تعالیٰ کے پاس چار سو دینار بھی سونا نہین ہے مطلب یہ کہ خدا پر بھروسہ ہونا چاہیے وہی دیگا مگر معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگون کا یہ گمان ہے کہ خدا کے پاس چار سو دینار بھی نہین اس لیے کہ اگر یہ گمان نہ ہوتا تو اس قدر پریشان کیون ہوتے یہی سمجھتے کہ خدا دیگا یہان تو یہ ہو رہا تھا اُدھر ایک لڑکا حلوا بیچ رہا تھا اسی کو فرماتے ہین کہ ۔

شرح حبیبی

کودکے حلوا ز بیرون بانگ زد
لاف حلوا بر امید دانگ زد

شیخ اشارت کرد خادم را بسر
کہ برو آن جملہ حلوا را بخر

تا غریمان چونکہ آن حلوا خورند
یکزمانے تلخ در من ننگرند

در زمان خادم برون آمد زدر
تا خرد آن جملہ حلوا زان پسر

گفت او را کین ہمہ حلوا بچند
گفت کودک نیم دینارست واند

گفت نے از صوفیان افزون مجو
نیم دینارت دہم دیگر مگو

اتنے مین ایک لڑکے نے آواز دی ۔ حلوا گرم گرم اور دانگ کی امید مین حلوے کی خوب تعریف کی شیخ نے اپنے خادم کو سر کے اشارہ سے کہا کہ جاؤ سب حلوا خرید لو ۔ تاکہ جب یہ قرضخواہ حلوا کھالین تو کچھ دیر تو یہ مجھے بدمزہ ہوکر نہ دیکھین اور کچھ عرصہ تک تو ان بیچارون کو اس کوفت سے نجات ملجاوے یہ سن کر خادم دروازہ سے باہر آیا کہ وہ سارا حلوا لڑکے سے خرید لے ۔ اور اُس سے کہا کہ یہ سارا حلوا کتنے مین دوگے لڑکے نے کہا کہ اسکی قیمت کچھ اوپر نصف دینار ہے خادم نے کہا میان فقیرون سے زیادہ نہ لو ہم تمھین نصف دینار دین گے بس اب کچھ نہ کہنا ۔

شرح شبیری

اکو کے حلوا الخ- یعنی ایک لڑکے نے باہر سے حلوے کی آواز دی اور حلوے کی یعنی داموں کی امید پر ماری مطلب یہ کہ کسی لڑکے حلوا فروش نے باہر آواز لگائی اور دام ملنے کے واسطے اُس حلوے کی تعریفیں تھیں مثلاً یہ کہ گرما گرم حلوا وغیرہ وغیرہ جیسا کہ دستور ہے بس سنتے ہی شیخ نے بلالیا-

شیخ اشارت کرد الخ- یعنی شیخ نے خادم کو سر سے اشارہ کیا کہ جا اور اُس سارے حلوے کو خرید لے اس لیے کہ-

تا غریمان الخ- یعنی تاکہ جب تک کہ قرضخواہ حلوا کھاویں تھوڑی دیر مجھے کڑوی نگاہوں سے نہ دیکھیں گے یہاں یہ شبہ نہ ہو کہ شیخ نے اس لیے حلوا کھلایا تاکہ کچھ دیر کے لیے اُنکا تقاضا کم ہو بلکہ چونکہ اُنکی عادت کھلانے پلانے کی بھی اس لیے اُنھوں نے اسوقت بھی اُنکو حلوا کھلا دیا جب شیخ نے سر سے اشارہ کیا تو-

درزمان خادم الخ- یعنی وہ خادم اُسی وقت دروازہ سے باہر آیا تاکہ اُس سارے حلوے کو اُس لڑکے سے خرید لے-

گفت او را کین الخ- یعنی اُس خادم نے اُس لڑکے سے کہا کہ یہ سارا حلوا کتنے کا ہے تو وہ لڑکا بولا کہ کچھ اوپر آدھے دینار کا- اندکنا یہ از عدد مبہم + از سہ تا نہ یعنے چند-

گفت نے از صوفیان الخ- یعنی اُس خادم نے کہا کہ صوفیوں سے زیادہ مت لے تجھے آدھا دینار دونگا بس اور کچھ مت کہہ-

شرح حبیبی

او طبق بنهاد اندر پیش شیخ
تو به بین اسرار سر اندیش شیخ

کرد اشارت با غریمان کین نوال
نک تبرک خوش خورید این حلال

بهر فرمان جملگی حلقه زدند
خوش همین خوردند حلوا همچو قند

چون طبق خالی شد آن کودک ستد
گفت دینارم بده ای پیر خرد

شیخ گفتا از کجا آرم درم
وام دارم میروم سوی عدم

کودک از غم زد طبق را بر زمین
ناله و گریه بر آورد و حنین

ناله میکرد و فغان و های های
کای مرا بشکسته بودی هر دو پای

کاشکی من گرد گلخن گشتمی
بر در این خانقه نگذشتمی

صوفیان طبل خوار لقمه جو
سگ دلان همچو گربه روی شو

از غریو کودک آنجا خیر و شر
گرد آمد گشت بر کودک حشم

پیش شیخ آمد که ای شیخ درشت
تو یقین دان که مرا استاد کشت

گر بر استاد روم دست تهی
او مرا بکشد اجازت میدهی

وان غریمان هم بانکار و جحود — رو بشیخ آوردہ کاین بارے چہ بود
مال ما خوردی مظالم می بری — از چہ بود این ظلم دیگر بر سری
تا نماز دیگر آن کودک گریست — شیخ دیدہ بست و بروی ننگریست
شیخ فارغ از جفا و از خلاف — درکشیدہ روے چون مہ در لحاف
با اجل خوش با ازل خوش شاد کام — فارغ از تشنیع و گفت خاص و عام

لڑکے نے خوانچہ شیخ کے سامنے رکھ دیا۔ اب تو واقف اسرار شیخ کے اسرار ملاحظہ کر کہ اسکا کیا انجام ہوتا ہے خیر یہ تو جملہ معترضہ تھا اب اصل قصہ سن شیخ نے قرضخواہون کو اشارہ کیا کہ یہ ہماری جانب سے عطیہ ہے اب تم اس مال طیب کو تبرکا خوب کھاؤ قرضخواہون نے تعمیل ارشاد شیخ کے لیے خوانچہ کے گرد حلقہ باندھ لیا اور قند کی طرح مزے لے لے کر خوب حلوا کھایا جب کھا چکے اور خوانچہ خالی ہو گیا تو لڑکا اُٹھا اور کہا کہ میرا نصف دینار دلوائیے شیخ نے کہا میان مین روپیہ کہان سے لاؤن مجھ پر تو اور ہی قرض بہت سا ہے اور کوئی دم مین راہی ملک عدم ہوتا ہون اس لیے تحصیل زر پر بھی قدرت نہین لڑکے نے مارے رنج کے خوانچہ کو زمین پر دے پٹکا اور گریہ وزاری شروع کر دی وہ ڈھاڑین مار مار کر روتا اور ہاے ہاے کرتا تھا اور کہتا تھا کہ جب مین یہان آتا تھا میرے پاؤن کیون نہ ٹوٹ گئے کاش مین بھاڑ کے پاس جاتا اور وہ میرا جانا بے سود اور تکلیف دہ ہوتا مگر اس خانقہ مین نہ آتا یہ کھاؤ اور چرب لقمہ تلاش کرنے والے صوفی اپنے سینون مین کتون کی طرح حریص اور موذی دل رکھتے ہین اور بلی کی طرح منہ دھو کر پارسا اور مقدس بنے بیٹھے ہین۔ لڑکے کا شور سن کر بھلے برے آدمی سب اکھٹے ہو گئے اور لڑکے کے گرد اژدحام ہو گیا لڑکا دوبارہ شیخ کی طرف متوجہ ہوا اور کہا بے مہر بڑے میان آپ یقین جانئے کہ میرا استاد مجھے مار ہی ڈالے گا کیا آپ جائز رکھتے ہین کہ مین خالی ہاتھ جاؤن اور میرا اوستاد مجھے مار ڈالے اور دیگر قرضخواہون نے بھی اعتراض کرنا شروع کیا اور کہنا شروع کیا کہ آخر یہ کیا حرکت تھی جناب نے کی جب آپکے پاس کچھ دینے کو نہین تھا تو حلوا خریدنے کو کس نے کہا تھا ہمارا تو مال کھا گئے اور حقوق العباد کی گٹھری اپنے سر پر لیے جاتے ہو ایک اور ظلم اپنے سر پر رکھا اسکا کیا سبب ہے عصر کی نماز تک وہ لڑکا رویا کیا اُدھر تو یہ حالت تھی اُدھر شیخ نے اپنی آنکھین بند کر لی تھین اور لڑکے کی طرف نظر اُٹھا کر بھی نہ دیکھتے تھے اور لوگون کی زیادتی اور مخالفت کو بالکل نظر انداز کر کے اپنا چاند سا منھ کپڑے مین لپیٹ لیا تھا اور موت اور عالم باقی سے مسرور اور شاد کام تھے۔ اور خاص و عام کی ملامت اور سخت گفتگو کا کچھ بھی لحاظ نہ تھا۔

شرح شبیری او طبق بنہاد الخ یعنی اس حلوا فروش نے طبق حلوا شیخ کے سامنے رکھ دیا اب ذرا اس بھید کے سوچنے والے شیخ کے اسرار کو دیکھو کہ کہان تک اُنھون نے سمجھا اور کیا کیا ظہور مین آیا)

کرد اشارت الخ یعنی شیخ نے قرضخواہون کو اشارہ کیا کہ یہ ما حضر کچھ تبرک ہے اس حلال کو خوب کھاؤ۔ نک مخفف ہے اینک ۔

بھر فرمان الخ۔ یعنی شیخ کے حکم کی وجہ سے سب نے حلقہ باندھ لیا اور اُس قند جیسے حلوے کو خوب کھایا (اس حکم کو کیسا مانا)۔

چون طبق خالی شد الخ۔ یعنی جب طبق خالی ہوگیا تو اُس لڑکے نے لے لیا اور کہا کہ اے عقلمند مجھے دینار دیجیے۔

شیخ گفتا الخ۔ یعنی شیخ نے کہا کہ دام کہان سے لاؤن مین تو (پہلے سے ہی) قرضدار ہون اور عدم کی طرف جاتا ہون اور یہ اس لیے کہا تا کہ اسکو معلوم ہو کہ ارے یہ تو ابھی مرا جاتا ہے اس لیے اُس کو اور بھی گھبراہٹ ہو اور پھر جو مقصود ہے اس کو رُلانا وہ بوجہ اتم حاصل ہو۔ جب لڑکے نے یہ سنا تو

کودک از غم الخ۔ یعنی اُس کودک حلوا فروش نے غم کی وجہ سے طبق کو زمین پر دے پٹکا اور نالہ وگریہ کرنے لگا اور رونے کی آواز نکالی حنین کہتے ہین رونے کی آواز کو۔ یعنے اُس بچے نے جب دیکھا کہ یہ دام نہین دیتے اور پھر اسپر طرہ یہ کہ بلکہ عدم کو جارہے ہین جہان سے واپسی کی اُمید بھی نہین تو وہ بہت ہی رونے چلانے لگا اور کہنے لگا۔ کہ۔

نالہ می کرد الخ۔ یعنی وہ لڑکا نالہ کرتا تھا اور فغان اور ہاے ہاے کہ کاش میرے دونون پاؤن ٹوٹ جاتے کہ مین یہان نہ آتا اور مجھپر یہ بلا نازل نہ ہوتی اور کہتا تھا کہ۔

کاشکے من الخ۔ یعنی کاش مین بھاڑ کے گرد ہی گھوم لیتا اور اس خانقاہ کے دروازہ پر نہ آتا گلخن سے مراد وہ بھاڑ وغیرہ جہان حلوا وغیرہ پکاتے ہین یعنی مین اپنے گھر ہی کے پاس پھر لیتا مگر یہان نہ آتا آگے اُس حلوا فروش نے غصہ مین آکر صوفیون کو برا بھلا کہنا شروع کر دیا کہتا ہے کہ۔

صوفیان طبل الخ۔ یعنی صوفی طبل کی طرح کھانے والے لقمہ کو ڈھونڈھنے والے کتے جیسے دل والے اور بلی کی طرح منھ دھونے والے۔ طبل خوار سے مراد زیادہ کھانے والا جیسا کہ ڈھول کا پیٹ بڑا ہوتا ہے جب یہ بہت ہی چلایا تو۔

از غریو الخ۔ یعنے اُس لڑکے کے چلانے سے اُس جگہ اچھے برے اُس لڑکے پر سب جمع ہوگئے۔

پیش شیخ آمد الخ۔ یعنی وہ لڑکا شیخ کے سامنے آیا کہ اے سخت شیخ تو یقین جان کہ مجھکو استاد نے مار ڈالا چونکہ اُس کا مارنا یقینی تھا اس لیے اسکو صیغۂ ماضی سے تعبیر کر دیا کہ گویا یون سمجھ کہ اسنے مار ہی ڈالا اور کہنے لگا کہ

گر بر استا روم الخ۔ یعنی اگر مین استاد کے پاس خالی ہاتھ جاؤنگا اور وہ مجھے مار ڈالیگا کیا تم اسکی اجازت دیتے ہو اور تمکو یہ گوارا ہے کہ مین مار ڈالا جاؤن استاد سے مراد وہ شخص ہے جو اسکو حلوا فروخت کرنیکو دیتا ہوگا جب اسنے بہت شور وغل مچایا تو وہ قرضخواہ بھی کہنے لگے کہ۔

وان غریمان الخ۔ یعنی اور وہ قرضخواہ بھی انکار و نفرت سے شیخ کی طرف متوجہ ہو کر بولے کہ آخر یہ کیا تھا اور تم نے یہ کیا کیا کہ ایک تو ہمارا قرض تھا ہی اُس بچارے غریب بچے کا حلوا ہمین کھلا دیا اور اُس کے دام نہین دیتے اور کہنے لگے کہ۔

مال ما خوردی الخ۔ یعنی ہمارا مال تو کھایا اور اب حقوق (اپنے ساتھ) لیجاتے ہو (مگر) اُن کے علاوہ اور دوسرا

یہ حق کیون سے لیا۔ اور یہ ظلم کیون کیا اور اس لڑکے نے رونا شروع کیا۔

تا نماز دیگر الخ۔ یعنی عصر کی نماز تک وہ لڑکا روتا رہا اور شیخ نے آنکھ بند کر لی اور اُسکی طرف دیکھا بھی نہین

شیخ فارغ الخ۔ یعنی شیخ اِن جفاؤن سے اور مخالفت سے فارغ اور علحدہ چاند جیسا منھ لحاف مین لپیٹے ہوئے تھے مطلب یہ کہ اِس جھگڑے کا اور ان باتون کا شیخ پر کوئی اثر نہ تھا بلکہ وہ بالکل خوش تھے اِس لیے کہ جانتے تھے کہ جس قدر قرض ہے سب خدا کے واسطے لیا ہے اللہ میان خود ادا فرمادین گے مجھے کیا فکر ہے اور اُنکی یہ حالت تھی کہ۔

با اجل خوش الخ۔ یعنی اپنی موت سے بھی خوش اور اپنے مقدر پر بھی خوش اور ویسے بھی خوش اور لوگونکی تشنیع اور سرزنش سننے سے بالکل فارغ۔ اور اُنکو کچھ پرواہ ہی نہ تھی کہ کوئی کیا کہہ رہا ہے آگے مولانا فرماتے ہین کہ اُنکی یہ حالت اِس لیے تھی کہ۔

شرح حبیبی

آنکہ جان در روی او خندد چو قند — از ترشروئی خلقش چہ گزند

آنکہ جان بوسہ دہد بر چشم او — کے خورد غم از فلک وز خشم او

در شب مہتاب مہ را بر سماک — از سگان و عوعو ایشان چہ باک

سگ وظیفہ خود بجا مے آورد — مہ وظیفہ خود برخ مے گسترد

کارک خود مے گزارد ہر کسے — آب نگذارد صفا بہر خسے

خس خاشہ مے رود بر روے آب — آب صافی می رود بے اضطراب

مصطفےؐ مہ مے شگافد نیم شب — ژاژ می خاید ز کینہ بولہب

آن مسیحا مردہ زندہ مے کند — وان جہود از خشم سبلت می کند

بانگ سگ ہرگز رسد در گوش ماہ — خاصہ ماہی کو بود خاص اللہ

مے خورد شہ بر لب جو تا سحر — در سماع از بانگ چغزان بیخبر

شیخ موصوف اُنکی باتونکی طرف متوجہ کیون نہ ہوے بات یہ ہے کہ جن لوگون کا محبوب حقیقی اپنی تبسم شیرین اور اپنی اظہار رضا سے اُن کے دلون کو لذت بخشتا ہوتا ہے اِن کو مخلوق کی ترشروئی اور ناراضگی سے اصلا نقصان نہین ہوتا اس لیے وہ اِسکی پروا بھی نہین کرتے اور جنکا محبوب حقیقی اُنکی آنکھ پر بوسہ دیتا یعنی ان سے پیار و محبت کرتا ہے ان کو زمانہ اور اِسکی ناموافقت سے کبھی کوئی ملال نہین ہوتا۔ ہو کیونکر دیکھو چاندنی رات مین چاند کو آسمان پر کتون اور اُنکی بھون بھون سے کچھ اندیشہ ہوتا ہے ہرگز نہین۔ پس اُن فلک رفعت کے مادہ ہاے کامل کو حضیض مذلت کے کتون اور ان کی بھون بھون سے کیونکر اندیشہ ہو سکتا ہے۔ بس کتا اپنا معمول ادا کرتا ہے اور چاند اپنا معمول پورا کرنے مین مشغول ہے اور چہرہ پر نور افشانی کر رہا ہے۔ یون ہی عوام اپنی بکواس مین لگے ہوتے ہین اور اہل اللہ

اپنے فرائض توجہ الی اللہ اور افاضہ علی المستفیدین مین مصروف ہوتے ہین خلاصہ یہ ہے کہ ہر ایک اپنا کام
کرتا ہے اور دوسرے کی پروا نہین کرتا مار صافی تنکے کے سبب اپنی صفا نہین چھوڑتا تنکا ذلت کے ساتھ
پانی پر بہا چلا جاتا ہے اور پانی اسکی پرواہ بھی نہین کرتا بلکہ اطمینان کے ساتھ بہتا رہتا ہے جناب رسول اللہ
صلے اللہ علیہ وسلم اپنا کام کر رہے ہین ادہر چاند کے ٹکڑے کر رہے ہین اور ابولہب اپنا کام کر رہا ہے اور
عداوت سے بیہودہ بکواس بک رہا ہے مسیحا علیہ السلام مردہ زندہ کر رہے ہین ادہر ایک یہودی مارے
غصہ کے اپنی مونچھین اکھیڑے ڈالتا ہے بھلا تو سمجھ تو سہی کہین چاند بھی کتے کی آواز سنتا ہے اور اس سے
متاثر ہوتا ہے بالخصوص وہ چاند جو خواص حق سبحانہ مین سے ہے ہرگز نہین۔ دیکھو ایک بادشاہ ندی
کے کنارے صبح تک شراب پیتا ہے اور گانے بجانے اور عیش وطرب مین مشغولی کے سبب مینڈکون
کی ٹرٹر سے بالکل بیخبر اور بے پروا ہوتا ہے بس جب شاہان صوری کی یہ حالت ہے تو شاہان معنوی
جو مے عشق حق سبحانہ سے سرشار اور لذت وصال سے بہرہ یاب اور مسرور وشادکام ہین وہ عوام کی
ٹرٹر پر کیونکر کان دہرین گے۔

شرح شبیری آنکہ جان الخ۔ یعنی جسکے سامنے جان قند کی طرح ہنس رہی ہو اُسکو مخلوق
کی ترشروئی سے کیا خوف مطلب یہ کہ جس شخص کے سامنے کہ حق تعالی کی تجلی ہو
جو کہ جان جان اور روح الروح ہین پھر اُسکو مخلوق کی برائی بھلائی کی طرف کیا التفات ہوسکتا ہے
اُسکے سامنے تو ساری چیزین کالعدم ہونگی آگے فرماتے ہین کہ۔

آنکہ جان بوسہ دہد الخ۔ یعنی جس کے لب پر جان نے بوسہ دیا ہو وہ فلک سے اور اُسکے غصہ سے
کب غم کھاوے مطلب یہ کہ جو حق تعالے کے نزدیک محبوب ومقرب ہو اُسکو ان حوادثات زمانہ سے
کیا فکر ہے وہ اپنے کام مین مشغول ہوگا اور دیدار سے اپنی آنکھین ٹھنڈی کریگا یا انکی طرف متوجہ ہوگا
آگے اِسی مضمون کو ایک مثال سے واضح فرماتے ہین کہ۔

در شب مہتاب الخ۔ یعنی چاندنی رات مین برج سماک پر چاند کو کتون کی بھون بھون سے کیا
خوف ہے بلکہ۔

سگ وظیفہ الخ۔ یعنی کتا تو اپنا معمول پورا کر رہا ہے اور چاند اپنا معمول چہرون پر بکھار رہا ہے مطلب
یہ کہ جو شخص تجلی الٰہی کے مشاہدہ مین ہو اور اسکو لوگ برا بھلا کہین تو اُسکی تو ایسی مثال ہے کہ جیسے
چاندنی رات مین چاند تو اپنی روشنی سے لوگون کے چہرون کو منور کر رہا ہے اور خود بھی منور ہے اور کتے
بھی بھونک رہے ہین مگر اُس چاند کو اُن کتون کے بھونکنے سے کوئی اثر نہین ہوسکتا کہ اُسکی جلوہ گستری
مین کوئی نقصان ہو بلکہ اُسکی جلوہ گستری اسیطرح رہے گی وہ کتے بھونک بھونک کر خود ہی چُپ
ہو جاوین گے اسیطرح ان شیخ کو بھی ان لوگون کے طعن وتشنیع کی پرواہ نہ تھی بلکہ یہ اپنے کام یعنی مشاہدہ
جمال حق مین مصروف تھے آگے مولانا فرماتے ہین کہ ہر شخص اپنا اپنا کام کرتا ہے جیسا فرماتے ہین کہ۔

کار کُن خود الخ۔ یعنی اپنا کام ہر شخص ادا کرتا ہے دیکھو پانی اپنی صفائی کو ایک تنکے کی وجہ سے چھوڑ

نہین دیتا مطلب یہ کہ دنیا مین ہر شخص اپنا اپنا کام رہا ہے دیکھو خس وخاشاک پانی پر آتے ہین اور وہ اُسپر غلبہ
چلتے ہین مگر وہ اپنے اِس کام مین لگے رہتے ہین مگر پانی اپنی اُس روانی اور صفائی کو نہین چھوڑتا بلکہ خس و
خاشاک بھی اُسپر گذر جاتے ہین اور وہ اُسیطرح صفائی کے ساتھ گزرتا ہوا چلا جاتا ہے وہ اپنے کام مین ہے
اور خس و خاشاک اپنے کام مین آگے اِسی کو فرماتے ہین کہ۔

خس خسانہ الخ۔ یعنی خس تو کمینون کی طرح پانی پر چلا جاتا ہے اور پانی (اِسیطرح) صاف وشفاف بےکسی
رُکاوٹ کے چلتا رہتا ہے آگے اِس مضمون کو ایک اور مثال سے واضح کرتے ہین کہ۔

مصطفیٰ مہ الخ۔ یعنی مصطفیٰ صلے اللہ علیہ وسلم آدھی رات کو چاند کے دو ٹکڑے کر رہے تھے اور ابولہب کینہ
کی وجہ سے بیہودہ بک رہا تھا پس وہ اپنے کام مین مشغول تھے اور بولہب اپنے کام مین آگے دوسری
مثال ہے کہ۔

آن مسیحا مردہ الخ۔ یعنی ادھر عیسیٰ علیہ السلام تو مردہ کو زندہ فرما رہے تھے اور اُدھر یہودی عفصہ کی وجہ
سے اپنی موچھین اُکھاڑتا تھا کہ افسوس اِنکا معجزہ ظاہر ہو رہا ہے اور انکی سچائی ظاہر ہوتی ہے یہان بھی
اسی مضمون کی توضیح وتشریح ہے کہ ہر شخص اپنے اپنے کام مین ہے اُسیطرح یہان شیخ مشاہدہ جمال مین تھے
اور وہ لوگ اُنکو برا بھلا کہہ رہے تھے لیکن اُنکو اِسکی پرواہ بھی نہ تھی آگے مولانا فرماتے ہین کہ جب کتون کی
آواز چاند تک نہین پہونچتی تو پھر خاصان الٰہی تک ان سگان دنیا کی آواز کہان اثر کرسکتی ہے فرماتے ہین کہ

بانگ سگ الخ۔ یعنی کتون کی آواز کہین چاند تک پہونچتی ہے خاص کر اُس چاند تک جو کہ خاصان
الٰہی مین سے ہو مطلب یہ کہ جو مقربان الٰہی ہوتے ہین اُن کے قلب تک ان کدرات کا گذر ہی نہین ہوتا تاکہ
اُن کو مشاہدہ سے باز رکھین بلکہ اُنکو اِس طرف التفات بھی نہین بس وہ تو اُس طرف متوجہ ہین اور
خوش ہین آگے اِسکی مثال دیتے ہین کہ۔

سے خوردشہ الخ۔ یعنی بادشاہ ندی کے کنارے پر صبح تک سماع مین اور میخواری مین رہتا ہے اور
مینڈکون کی آواز سے بے خبر ہوتا ہے چونکہ اکثر عیش وطرب کے جلسے ایسے پر فضا مقامات پر ہوتے ہین اسلیے
یہان لب جو کہدیا مطلب یہ کہ دیکھو بادشاہ رات بھر عیش وطرب مین مشغول رہتا ہے اور اُس کے
پاس ہی مینڈک بولتے ہین مگر اُسکو اِس وجہ سے کہ محویت دوسری طرف ہوتی ہے مینڈکون کی آواز کی
خبر بھی نہین ہوتی اُسیطرح جو لوگ مقربان خدا ہین جب وہ مشاہدہ مین محو اور مستغرق ہوتے ہین تو اُنکو
بھی ان اہل دنیا کے طعن وتشنیع کی خبر نہین ہوتی۔ آگے پھر رجوع اُس حکایت کی طرف فرماتے ہین کہ۔

شرح حبیبی

ہم شدے توزیع کو دک دانگ چند	ہمت شیخ آن سخا را کرد بند
تا کسے ندہد بکودک ہیچ چیز	قوت پیران ازان بیش است تیز
شد نماز دیگر آمد خادمے	یک طبق بر سر زپیش حاتمے

صاحب مالے و حالے پیش پیر ہدیہ بفرستاد کز وے بد خبیر
چار صد دینار بر گوشہ طبق نیم دینارے دگر اندر ورق
خادم آمد شیخ را اکرام کرد وان طبق بنہاد پیش شیخ فرد
چون طبق پوش از طبق برداشت او خلق دیدند آن کرامت را ازو
آہ و افغان از ہمہ برداشت و کاے سر شیخان و شاہان این چہ بود
این چہ سرست این چہ سلطانی ست باز اے خداوند خداوندان راز
ما ندانستیم ما را عفو کن بس پراگندہ کہ رفت از ما سخن
ما کہ کورانہ عصاہا مے زنیم لاجرم قندیلہا را بشکنیم
ما چو کران ناشنیدہ یک خطاب ہرزہ گویان از قیاس خود جواب
ما ز موسے پند نگرفتیم کو گشت از انکار خضرے زرد رو
با چنان چشمے کہ بالا مے شتافت نور چشمش آسمان را مے شگافت
کردہ با چشمت تعصب موسیا از حماقت چشم موش آسیا
شیخ فرمود آن ہمہ گفتار و قال من بحل کردم شما را آن جدال
سر آن این بود کز حق خواستم لاجرم بنمود راہ راستم
گفت این دینار اگرچہ اندک ست لیک موقوف غریو کودک ست
تا نگرید کودک حلوا فروش بحر بخشائش نمی آید بجوش

اِس لڑکے کے لیے چند دانگ کا چندہ ہو سکتا تھا اور لوگوں نے ایسا کرنا بھی چاہا مگر شیخ کی ہمت عالی نے اِس سخاوت کو روک دیا اور ممانعت کر دی کہ کوئی شخص اِس لڑکے کو کچھ نہ دے یہ تو ان لوگوں کے نزدیک ادنیٰ بات ہے اِن حضرات کی ہمت عالی تو اِس سے بھی کہین ارفع و اعلیٰ ہے۔ الغرض نماز عصر ہو چکی تو ایک خادم کسی سخی کے یہان سے ایک طبق سر پر رکھے ہوئے آیا۔ بات یہ تھی کہ ایک شخص دولتمند بھی تھے اور صاحب حال بھی اور اِن بزرگ سے واقف اور اِن کے شناسا بھی تھے انہون نے پیر صاحب کے یہان ہدیہ بھیجا تھا اور اِس ہدیہ کی تفصیل یہ تھی کہ طباق کے اندر چار سو دینار تھے اور ایک طرف کو نصف دانگ ایک پڑیا مین بندھا رکھا تھا وہ خادم آیا اور شیخ کی خدمت مین آداب بجا لایا اور اس خوان کو شیخ یکتائے روزگار کے سامنے رکھ دیا جب شیخ موصوف نے اس پر سے خوان پوش اُٹھایا تو لوگون نے انکی کرامت مشاہدہ کی اِس پر سب نے اپنی حرکات ناشایستہ پر نادم ہو کر گریہ وزاری شروع کر دی جب ہوش آیا تو دریافت کیا کہ حضرت یہ کیا بات تھی اِس پریشان کرنے مین کیا راز تھا اور اِس کے بعد اِس تصرف مین کیا حکمت تھی پہلے ہی آپ نے ایسا کیون نہ کیا اِس کے بعد معذرت کی کہ حضرت ہم واقف نہ تھے ہمین معاف فرمائیے ہم سے بہت کچھ خرافات سرزد ہوئی ہے جس پر ہمکو بہت ندامت ہے اصل بات یہ ہے کہ ہم اندھون کی طرح لاٹھی مارتے ہین۔ اِسکا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ہم قندیلون کو جو نا قابل شکستن ہین

توڑ ڈالتے ہین یعنی ہم اپنی لکڑ توڑ اور ناز یبا باتون سے کبھی کبھی اپنی نادانی سے اہل اللہ کے قلوب صافیہ
کو بھی صدمہ پہونچا بیٹھتے ہین ہماری حالت یہ ہے کہ بہرون کی طرح بات تو سنتے نہین اور اپنے
اختراعی سوال کا جواب دینے لگتے ہین پس وہ جواب سوال از آسمان اور جواب از ریسمان کا مصداق
ہوجاتا ہے غرض کہ ہماری حرکات بالکل بے تکی اور بے محل ہین افسوس ہم نے موسیٰ علیہ السلام کے
واقعہ سے بھی سبق حاصل نہ کیا۔ کہ وہ باایں ہمہ عظمت وشان اپنے سے کم رتبہ حضرت خضر پر اعتراض کرکے
خفیف ہوے تھے۔ پس ایسی حالت مین ہمکو کب زیبا تھا کہ ہم اپنے سے کہین ارفع واعلےٰ پر اعتراض
کرین۔ اے شیخ مثل موسے آپکی اس آنکھ کے ساتھ جو اوپر کو جاتی ہے اور جسکی نظر آسمان کے پار ہوتی ہے
جلی کے چوہے (یعنی ہماری آنکھ نے حماقت سے تعصب کیا اور اپنے کو اس سے بڑھ کر سمجھا جس کا ہمین
افسوس ہے مین شیخ نے فرمایا کہ اس سب گفتگو اور جھگڑے کو مین نے معاف کیا اسکا راز یہ تھا کہ مین نے
حق سبحانہ سے درخواست کی تھی کہ اے اللہ تو کہین سے ادائگی قرضہ کا انتظام کردے تو اسنے مجھے
ایک راہ راست موصل الی المطلوب دکھلایا اور فرمایا کہ دینار گو کوئی حیثیت نہین رکھتے مگر انکا ملنا حلوا فروش
لڑکے کے رونے پر موقوف ہے جب تک وہ لڑکا نہ رویگا ہمارا بحر کرم جوش مین نہ آئیگا۔

شرح شبیری ہم بشدے الخ۔ یعنی اس لڑکے کے حصہ کے موافق تھوڑا چندہ بھی ہوسکتا تھا
مگر شیخ کی ہمت نے اس سخاوت کو بند کردیا شیخ نے سب کو چندہ کرنے سے
روک کر فرمایا کہ۔

تا کسے ندہد الخ۔ یعنی کوئی شخص لڑکے کو ہرگز کچھ نہ دے (بلکہ اسکو مین خود دونگا اور یہ اس لیے تھا کہ شیخ کو
معلوم تھا کہ اس کے اس رونے مین ہی مصلحت واسرار ہین آگے مولانا فرماتے ہین کہ) پیرون اور شیخون
کی قوت (توکل) تو اس سے بھی کہین زیادہ ہوتی ہے (سو اگر یہان انکو خدا پر بھروسہ تھا تو کچھ تعجب کی
بات نہین) بس جبکہ خوب یہ چپقلش ہورہی تھی اور سب کہہ رہے تھے کہ ایک تو ہمارا مال کھا گئے پھر اس
غریب بچے کا بھی مال کھا گئے اور وہ بچہ رو رہا تھا اُس کو روتے روتے عصر کا وقت ہولیا تھا کہ اس
سارے قصہ کا ظہور ہوا اور۔

شد نماز الخ۔ یعنی نماز عصر ہوگئی تو ایک خادم کسی سخی کے پاس سے ایک طبق سر پر رکھے ہوے آیا۔
صاحب مالے وحالے الخ۔ یعنی ایک صاحب مال وحال نے پیر کے پاس ہدیہ بھیجا تھا اسلیے
کہ وہ انکی حالت سے خبردار تھا کہ یہ مقروض رہا کرتے ہین لیکن تعجب یہ تھا کہ شیخ پر جس قدر قرض تھا
اُسی مقدار مین اُسنے بھیجا حتےٰ کہ اُس حلوا فروش کے دام بھی الگ رکھدیے دیکھو اگر کسی کو کوئی دس روپیہ
دے تو اس قدر تعجب نہین لیکن اگر دس روپیہ اور ایک دونی دے تو یہ بہت ہی عجیب ہے کہ یہ
دونی کیسی اسی طرح اُس نے بھی چارسو دینار بھیجے اور وہ نصف دینار بھی بھیجا جیسا کہ آگے معلوم ہوگا
فرماتے ہین کہ۔

چار صد دینار الخ۔ یعنی چارسو دینار تو طبق کے ایک گوشہ مین رکھے ہوے اور آدھا دینار

ایک کاغذ مین لپٹا ہوا ہیان یہ شبہ نہ ہو کہ اُس سخی آدمی کو یہ معلوم ہو گا کہ شیخ پر چار سو دینار قرض ہین اور اُس حلوا فروش کا قصہ بھی معلوم ہو گا لہٰذا اُس نے اسیطرح بھیجے اِس لیے کہ یہ نفی تو ہو سکتا ہے کہ اسکو اسکی کچھ خبر نہ تھی بلکہ حق تعالےٰ نے ہی اُس کے دلمین یہ ڈال دیا کہ چار سو دینار اور نصف دینار بھیجدو اور کاغذ مین اِس لیے لپیٹ کر بھیجا کہ اُن دیناروں مین مل نہ جاوے جیسا کہ اب بھی دستور ہے کہ دونی چونی وغیرہ کو کاغذ مین لپیٹ دیتے ہین اسیطرح وہ بھی کاغذ مین لپیٹ دیے ہونگے پس وہ خادم آیا اور۔

خادم آمد شیخ را الخ۔ یعنی وہ خادم آیا اور شیخ کا اکرام کیا (یعنی سلام و مصافحہ وغیرہ کیا) اور اُس طبق کو اُس شیخ فرد کے سامنے رکھدیا۔

چون طبق پوش الخ۔ یعنی جب سرپوش طبق سے اُٹھایا تب لوگون نے اُنکی کرامت دیکھی کہ جس قدر قرض تھا اُتنا ہی نپا تلا آیا ہے جب سمجھے کہ اللہ اکبر یہ تو بہت ہی بڑے بزرگ ہین اور اُسوقت ہر طرف شور و غل اُٹھا اِسی کو فرماتے ہین کہ۔

آہ وافغان الخ۔ یعنی سب سے آہ و فغان نکلی (اور کہنے لگے کہ) اے شیخون اور شاہون کے سردار یہ کیا تھا اور۔

این چہ سر است الخ۔ یعنی یہ کیا بھید ہے اور آخر یہ کیا سلطانی ہے اے رازدانون کے آقا کچھ تو فرمائیے) اور عرض کرنے لگے کہ۔

ماندانستیم الخ۔ یعنی ہم (آپکی قدر) نہ جانتے تھے ہکو معاف فرمائیے اور ہم سے بہت پریشان اور بیہودہ باتین صادر ہوئی ہین اور عرض کرنے لگے کہ۔

ماکہ کورانہ الخ۔ یعنی ہم کہ اندھون کی طرح لاٹھی مارتے ہین بیشک بہت سی قندیلون کو توڑتے ہین مطلب یہ کہ ہم جو سخت باتین کہتے ہین اور لٹھ سا مارتے ہین اِس سے بہت سے قلوب اولیاء کو جو قندیل کی طرح روشن و منور ہین توڑتے ہین مگر کیا کرین اندھے ہین اور کہنے لگے کہ۔

ماچو کران الخ۔ یعنی ہم بہرون کی طرح ہین کہ (دوسرے کی) ایک بات بھی نہین سُنتے اور اپنے ہی قیاس سے بیہودہ جوابات دیتے ہین اور بیہودہ بکتے ہین آگے اپنے کو موسیٰ علیہ السلام سے اور شیخ کو خضر سے تشبیہ دیکر فرماتے ہین کہ جب موسےٰ جیسے جلیل القدر نبی بھی اپنے سے ایک ادنیٰ آدمی کے اسرار کو نہ سمجھ سکے تو اگر ہم آپ کے اسرار نہ سمجھے تو کیا عجب ہے پس کہتے ہین کہ۔

ما ز موسےٰ الخ۔ یعنی ہم نے موسیٰ علیہ السلام سے نصیحت حاصل نہ کی کہ وہ خضر علیہ السلام کے انکار سے (کہ وہ اُن سے درجہ مین کم تھے) شرمندہ ہوے تو پھر آپ کے اسرار ہم کیسے سمجھ سکتے تھے حالانکہ آپ ہم سے درجہ مین بھی افضل و اعلےٰ تھے آگے اپنے کو تو موش آسیا سے تشبیہ دیتے ہین اور اُن کو موسیٰ علیہ السلام سے تشبیہ دیتے ہین کہ۔

باچنان چشم الخ۔ یعنی باوجود ایک ایسی آنکھ کے کہ جو اوپر کو دوڑتی تھی اور اُس آنکھ کا نور آسمانون کو پھاڑ کر گذر جاتا تھا اے موسےٰ آپکی آنکھ کے ساتھ حماقت کی وجہ سے ایک چکی کے چوہے نے تعصب کیا

یہان با چشمت مین وضع مظہر موضع مضمر ہے اور کردبا چشمت مین کرد کی ضمیر ہے چشم موش آسیا کی طرف جو کہ لفظاً دوسرے مصرعہ مین مذکور ہے اور رتبۃً مقدم ہے اور عبارت یون ہوگی کہ موسیا از حماقت چشم موش آسیا با چشمت تعصب کرد اب مطلب یہ ہوگیا کہ ہم لوگ جو کہ موش آسیا کی طرح اندھے ہین اور حقیقت مین نہین آپ سے (کہ موسے علیہ السلام کی طرح ہین اور علوم اور انوار کی تجلی آپ پر ہوتی ہے اور جمال حق کا مشاہدہ کرتے ہین) مقابلہ کیا اور اسرار کو نہ سمجھا کہ اس سارے قصہ مین کیا بھید ہے لہذا اب خدا کے لیے ہمین اس بھید سے آگاہ فرما دیجئے آگے شیخ نے جواب دیا اور فرمایا کہ۔

شیخ فرمود الخ ۔ یعنی شیخ نے فرمایا کہ وہ ساری باتین اور لڑائی جھگڑا مین نے تمکو معاف کیا۔

راز آن الخ ۔ یعنی اور اس کا راز یہ تھا کہ حق تعالےٰ سے مین نے دعا کی تھی آخرکار اُنھون نے مجھے سیدھی راہ دکھادی اور ارشاد ہوا کہ۔

گفت این دینار الخ ۔ یعنی ارشاد ہوا کہ یہ دینار اگرچہ تھوڑے ہی ہین لیکن (ہمارے علم مین انکا ملنا) ایک بچے کے رونے پر موقوف ہے۔

تا نگرید الخ ۔ یعنی جب تک کہ حلوا فروش لڑکا نہ روویگا اُسوقت تک دریاے بخشائش جوش مین نہ آویگا پس جب کہ یہ ارشاد ہوا تو اُسکو اس ترکیب سے رولایا اور پھر دیکھ لو اُسکا ثمرہ بھی بہت جلد معلوم ہوگیا اور بحر بخشائش جوش مین آگیا اور عطا شروع ہوگئی آگے مولانا فرماتے ہین کہ۔

شرح حبیبی

اے برادر طفل طفل چشم تست	کام خود موقوف زاری دان نخست
کام تو موقوف زاری دلست	بے تضرع کامیابی مشکل ست
گر همیخواهی کہ مشکل حل شود	خار محرومی بگل مبدل شود
گر همیخواهی کہ آن خلعت رسد	پس بگریان طفل دیدہ بر جسد

یہان سے بطور نتیجہ کے نصیحت فرماتے ہین اور کہتے ہین کہ اے بھائی تو اپنے کو بھی بمنزلہ کودک حلوا فروش کے سمجھ ۔ اور اپنے مقصد کو اسکی گریۂ و زاری پر موقوف جان ۔ علیٰ ہذا تو اپنے دل کو بھی بمنزلہ کودک حلوا فروش کے سمجھ کیونکہ تیرا مقصد اُسکی اشکباری پر ہی موقوف ہے اور جب تک تضرع نہ ہوگا اُسوقت تک کامیابی دشوار ہے پس اگر تو چاہتا ہے کہ تیری مشکل حل ہوجاوے اور محرومی کا خار کامیابی کے گل سے بدل جاوے اور اگر تو یہ چاہتا ہے کہ خلعت خوشنودی حق سبحانہ تجھے عطا ہو تو تو اپنے طفل چشم کو اپنے جسم کی تباہی پر اور اُس کے اصلاح کے لیے رولا تاکہ وہ شہوات نفسانیہ اور صفات بہیمیہ سے پاک ہو اچھا ایک قصہ سُن جس سے تجھے معلوم ہو کہ رونا کس قدر ضروری چیز ہے۔

شرح شبیری اسے برادر طفل الخ ۔ یعنی اے بھائی (تمھارے پاس) طفل تمھاری آنکھ ہے پس حصول مقصد کو اسکی زاری کا موقوف سمجھو کہ جب یہ رووے گی اُس وقت

مقصد حاصل ہوگا اور اگر آنکھ سے آنسو نہین نکلتا تو اُسکی تدبیر بتلاتے ہین کہ۔

کام تو موقوف الخ - یعنی (اصل مقصود تو زاری قلب ہے بس) اپنے مقصد کے حصول کو زاری قلب پر موقوف سمجھو اور بے تضرع اور زاری کیے ہوئے تو کامیابی مشکل ہے لہٰذا اگر آنکھ سے نہ روئے تو قلب سے تو روئے کہ یہ تو ممکن ہے آگے فرماتے ہین کہ اگر مقصد کا حاصل ہونا چاہتے ہو تو اسکی تو یہ ہی تدبیر ہے فرماتے ہین کہ۔

گر ہمی خواہی الخ - یعنی اگر تو چاہتا ہے کہ مشکل حل ہو جاوے اور خار محرومی گل (حصول مقصد) سے مبدل ہو جاوے اور اگر چاہتے ہو کہ وہ خلعت حصول تم کو حاصل ہو جاوے تو اس طفل آنکھ کو اپنے جسم پر رُلا۔ مطلب یہ کہ اگر تم چاہتے ہو کہ مقصود قرب الی الحق میسر ہو تو اپنی آنکھ کو اپنی خواہشات نفسانی پر رُلا دُو اور اُن سے بچو اور تو یہ کرو پھر دیکھو کہ قرب حق میسر ہوتا ہے کہ نہین جب تم رو ؤ گے تو انشاء اللہ بحر بخشش ضرور جوش مین آویگا **ف** درس کے وقت اس قصہ پر یہ اشکال ظاہر کیا گیا کہ شیخ نے اس طفل کو بلا ضرورت ایذا پہونچائی۔ جیسا اُسکا رونا اسکی صاف دلیل ہے۔ اور یہ غیر مشروع ہے اور الہام کی بنا پر یہ غیر مشروع کا ارتکاب ناجائز ہے۔ اور اس کے ساتھ ہی احادیث نہی اخذ عصا لاعبا یا جادا و نہی عن ایذاء فی اعیاد مزاح پر بھی بحث ہوئی۔ اس کے جواب مین مختلف رائین ظاہر کی گئین۔ چنانچہ مولوی حبیب احمد صاحب نے اپنی رائے ذیل کی عبارت مین ظاہر کی وہو ہذا

(۱) حرمت اخذ مال غیر کی دو قسمین ہین (۱) بحق اللہ (۲) بحق العبد۔ حرمت اولے رضاء عبد سے مرتفع نہین ہوسکتی۔ اور حرمت ثانیہ رضاء عبد سے مرتفع ہو جاتی ہے۔ اور رضاے عبد کی تین صورتین ہین اول یہ کہ وقت اخذ صراحۃً متحقق ہو دوم یہ کہ وقت اخذ دلالۃً موجود ہو سوم یہ کہ وقت اخذ نہ تو صراحۃً موجود ہو اور نہ دلالۃً۔ بلکہ بعد مین حاصل کیجاوے۔ پہلی صورت مین آخذ ابتدا ہی سے عاصی نہ ہوگا۔ دوسری صورت کی دو صورتین ہین۔ اول یہ کہ آخذ کو کسی معقول وجہ کی بناء پر اعتماد ہو کہ اگر مالک کو اپنے مال کے ضائع ہونے کا علم ہوا اور اس وقت تک یہ علم نہ ہوا کہ فلان شخص نے لیا ہے۔ اور بعد کو اسکا علم بھی ہوا تو گو اس صورت کو واقعہ کے علم سے پہلے ناگواری اور نارضامندی لاحق ہو۔ مگر بعد علم کے نہ اس سے ناراض ہوگا کہ تونے بلا اجازت لیا کیون۔ اور نہ اس سے کہ لیا تھا تو اچھا کیا۔ مگر ہم کو اطلاع کیون نہ دی بلکہ ہر دو امور کو بخوشی گوارا کریگا۔ دوسرے یہ کہ وہ جانتا ہے کہ بعد علم اخذ میرا لے لینا تو ناگوار نہ ہوگا مگر اطلاع نہ کرنا ناگوار ہوگا۔ پہلی صورت مین ہر دو امر کا وقت اخذ بھی دلالۃً اذن ہے اس لیے آخذ نہ تو اخذ کے سبب گنہگار ہوگا اور نہ عدم اطلاع ہی کے باعث۔ اور جہل بحقیقۃ الحال سے جو اذیت لاحق ہوئی ہے وہ کالعدم سمجھی جاویگی کیونکہ گو آخذ اپنی عدم اطلاع کے سبب اس تکلیف کا باعث ہوا مگر چونکہ وہ اس فعل مین بالدلالۃ ماذون تھا لہٰذا وہ تکلیف بھی بالدلالۃ اذن مرضی ماذون ہوگی۔ اور تحمل تکلیف پر بھی اسکی رضامندی متحقق ہوگی۔ دوسری صورت مین اذن اخذ تو دلالۃً ثابت ہوگا مگر اذن عدم اطلاع نہ ہوگا۔ لہٰذا اخذ کے سبب تو ابتدا ہی سے گنہگار نہ ہوگا۔ مگر عدم اطلاع کے سبب ضرور گنہگار رہوگا۔ تیسری صورت مین وقت آخذ

تو گنہگار رہیگا مگر بعد حصول رضا گناہ مرتفع ہوجائیگا۔

(۲) حرمت ایذار کی بھی دو قسمین مین (۱) بحق اللہ (۲) بحق العبد۔ حرمت اولے رضار عبد سے مرتفع نہین ہوسکتی اور حرمت ثانیہ مرتفع ہوسکتی ہے اور رضاے عبد کی تین قسمین ہین اول یہ کہ وقت ایذا صراحتہً رضا متحقق ہو۔ دوم یہ کہ وقت ایذار رضا دلالۃً متحقق ہو۔ تیسری یہ کہ وقت ایذار تو رضا نہ صراحتہً متحقق ہو نہ دلالۃً۔ مگر ایذار رضامندی حاصل کرلیجاوے۔ پہلی صورت مین وقت ایذا ہی گنہگار نہ ہوگا اور دوسری صورت مین بھی وقت ایذا ہی سے گنہگار نہ ہوگا لتحقق الاذن اما صراحتہً او دلالۃً۔ اور تیسری صورت مین اولاً گنہگار ہوگا مگر بعد حصول رضا گناہ باقی نہ رہیگا مثلاً سوتے کو جگا دینا ضرور ایذا ہے اور ممنوع بھی ہے۔ لیکن جب سونے والے کی طرف سے صراحتہً اذن ہو اور اُس نے کہدیا ہو کہ تم کو اجازت ہے جس وقت تم چاہو مجھے جگا سکتے ہو۔ تو اِسکو اُٹھا دینے مین کوئی گناہ نہین خواہ اُسکو اُٹھنے مین طبعاً تکلیف ہو۔ یا اِس وجہ سے کہ وہ نہین جانتا کہ جگانیوالا ماذون لہ ہے کیونکہ اِس تکلیف کے تحمل پر وہ صراحتہً رضامند ہوچکا ہے اور اگر کسی نے اپنی کسی غرض سے اپنے باپ یا بھائی یا کسی اور ایسے شخص کو جسکی نسبت اُسکو اعتماد ہو کہ وہ میرے اِس فعل سے اصلاً ناخوش نہ ہوگا گو اُسکو طبعاً تکلیف ہو یا اِس وجہ سے کہ وہ یہ نہین جانتا کہ جگانیوالا مین ہون یا میرے جگانے کی غرض سے واقف نہین اِس لیے ابتداءً ناخوش ہو مگر بعد علم وہ ناخوشی مبدل بہ رضا ہوجائیگی) جگایا تو یہ گناہ نہین اِس لیے کہ دلالۃً اِس جگانے کا بھی اذن ہے اور اِسکی وجہ سے جو تکلیف ہو اُسپر بھی رضا ہے۔ اور اگر کسی ایسے شخص کو سوتے سے جگانے جسکی بابت مذکورہ بالا اطمینان حاصل نہین تو یہ جائز نہین لعدم الاذن والرضا اور ایسا کرنے والا عاصی ہوگا۔ مگر معافی کے بعد گناہ مرتفع ہوجائیگا۔

(۳) حرمت مزاح کی بھی دو صورتین ہین (۱) بحق اللہ اما بالذات او بواسطۃ لافضائہ الی المحرم بحق اللہ۔ (۲) بحق العبد۔ حرمت اولے تو رضاے عبد سے مرتفع نہین ہوسکتی اِن حرمت ثانیہ مرتفع ہوسکتی ہے۔ اور رضاے عبد کی تین صورتین ہین اول یہ کہ مزاح موذی کی صراحتہً اجازت حاصل ہو۔ مثلاً کہدیا ہو کہ تم کو ہر وقت یا کسی خاص وقت مین ایسے مزاح کی بھی اجازت ہے۔ جس سے یہ نہ جاننے کے سبب کہ مزاح کرنے والے تم ہو یا جو بات مزاحاً کہی گئی ہے اُسکا اصل مقصد نہ سمجھنے کے باعث یا جو کام مزاحاً کیا گیا ہے اُسکو جد پر محمول کرنیکی وجہ سے کچھ دیر کے لیے ہم کو ملال اور تکلیف ہو دوسری صورت یہ کہ دلالۃً اذن ہو یعنی مزاح کرنیوالا کسی معقول وجہ کی بنا پر یہ اعتماد رکھتا ہو کہ اگر مین فلان شخص سے مذاق کرونگا تو اُسکو اِس وجہ سے تو ضرور تکلیف اور ناگواری لاحق ہوگی کہ وہ کسی وجہ سے اسکو جد پر محمول کریگا۔ باوجودیکہ اِسکو یہ علم ہی نہین کہ مین نے مذاق کیا ہے اسلیے وہ اِسکو دوسرے کا فعل سمجھے گا۔ لیکن جب اُسکو حقیقت حال پر اطلاع ہوگی اور جان لیگا کہ جد نہین تھی بلکہ مزاح تھا یا یہ کہ مزاح کرنے والا فلان شخص ہے۔ تو فوراً وہ تکلیف اور ناگواری رفع ہوجاویگی اور اِسکو یہ خیال بھی نہ ہوگا کہ اِسنے مجھے خواہ مخواہ پریشان کیا۔ تیسری صورت یہ کہ یہ دونون صورتین نہ ہون بلکہ اسکے فعل سے اُسکو ایذا بھی ہو اور بعد علم بحقیقۃ الحال وہ ناگواری باقی بھی رہی اور اِس کے بعد اُسکی درخواست پر یا بلا درخواست رضامندی متحقق ہوجائے پہلی صورت کا جواز تو ظاہر ہے۔ دوسری صورت بھی جائز ہے۔ کیونکہ شخص مذکور کی

جانب سے مازح کو اس قسم کی تکلیف دینے کا دلالۃً اذن تھا اور وہ اُس کے تحمل پر دلالۃً رضامند تھا یہی وجہ ہے کہ جب اُس کو حقیقت حال پر اطلاع ہوتی ہے تو اُس کو یہ بھی خیال نہیں ہوتا۔ کہ مجھے بلاوجہ تکلیف دی گئی۔ فارتفع المحرم اِن دونوں صورتوں میں مازح ابتدا ہی سے گنہگار نہیں ہوتا۔ اور تیسری صورت میں ابتدا اگرچہ گنہگار ہوتا ہے۔ مگر بعد حصول رضا گناہ مرتفع ہوجاتا ہے لعدم الرضا ابتداء وتحققہ بعد ذلک۔

(۴) جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا بڑھیا سے مزاح دلالۃً اذن کی بنا پر تھا گو اِسمیں ایذا بھی مگر دلالۃً بڑھیا کی طرف سے اسکی تحمل کی رضا بھی تھی اور یہ کہنا کہ ایذا ہی نہیں تھی اور اس کے لیے اتقرئین القرآن کو قرینہ بنانا ٹھیک نہیں معلوم ہوتا۔ کیونکہ ایذا کا مطلقاً انتفا تو بڑھیا کے رونے ہی سے صحیح نہیں رہا جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا بیشتر سے یہ سمجھنا کہ یہ عورت اِس کلام کے مضمون کو سمجھ جائیگی اور اِس ابہام سے اسپر کچھ اثر نہ ہوگا۔ سو یہ غرض ابہام اور نفس مزاح ہی کو باطل کرتا ہے۔ بلکہ اِس سے مقصود اپنے کلام کے حق ہونے کا ثبوت اور اُس کے رنج کا ازالہ ہے۔ اور نصوص ممانعت مزاح یا تو قسم ثالث پر محمول ہیں یا محرم بحق اللہ پر۔ یا اُس مزاح پر جو موذی ہو۔ اور اِس کے لیے نہ وقت ایذا رضا ہوا ور نہ بعد ایذا۔

(۵) جائز مزاح کے لیے مقدار ایذا کی تعیین نہیں ہوسکتی۔ بلکہ اختلاف مواقع اور تفاوت مراتب تعلقات سے اسکی مقدار گھٹتی بڑھتی رہتی ہے انتہیٰ تقریر المولوی حبیب احمد۔

تو اِس تقریر کی بنا پر شیخ کے فعل کی توجیہ یہ ہوئی کہ یہ ایذا کی دوسری قسم تھی کہ اُن کو قرائن سے یہ معلوم تھا کہ یہ ناگواری دام ملنے سے مایوسی کے ساتھ مقید ہے۔ دام ملتے ہی اور یہ معلوم ہوتے ہی کہ یہ فعل اِس مصلحت سے تھا ناگواری جاتی رہیگی۔ پس ارتکاب غیر مشروع کا شبہ جاتا رہا اور صاحب درس کا مع بعض دوسرے مخصوصین کے اِس بحث میں ایک اور مسلک ہے کہ اگر ایذا کے کسی درجہ کو بھی جائز نہ کہا جاوے۔ اور لا یاخذا احدکم عصا اخیہ الخ کو اطلاق ہی پر محمول رکھا جاوے تو حدیث عجوز میں یہ کہا جاویگا کہ یہ نہی عن الایذاء اسوقت ہے جب مازح کا پہلے سے یا تو قصد ہو یا علم ہو۔ اور یہاں اِسکی کوئی دلیل نہیں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے خیال فرمایا ہوگا کہ قرآن سے اِسکو حقیقت پر اطلاع ہے اور اِس لیے اِسکو مزاح سمجھکر خوش ہوگی پس آپ کا ایذا کا قصد تھا اور نہ اِسکا علم تھا۔ مگر خلاف آپ کے خیال کے وہ ناواقف نکلی جب حضور نے اُس ناواقفیت کا اثر کہ بکا ہے مشاہدہ فرمایا اُس کو حقیقت پر مطلع فرمادیا تو اِس بنا پر شیخ کے فعل کی وہ توجیہ نہ ہوگی بلکہ کہا جاویگا کہ گو اُنکا یہ فعل قواعد پر منطبق نہ ہو لیکن چونکہ مسئلہ مجتہد فیہ و نظری ہے اُنکی راے موافق مسلک مذکور اولاً کے ہوگی پس تقریر ثانی کی بنا پر اُن سے خطا اجتہادی ہوئی جس میں بجاے گناہ کے ایک ثواب ملتا ہے۔ وہذا اسلم وان کان الاول عند البعض احکم واللہ اعلم۔

اشرف علی ۱۵ صفر ۱۳۲۶ھ ہجری

چونکہ اوپر سے گریہ کی فضیلت بیان فرمائی ہے اُسکی مناسبت سے اِس حکایت کو بیان فرماتے ہیں

ترسانیدن شخصی زاہدے را کہ کم گری تا کور نشوی

شرح تبلیغی

زاہدی را گفت یاری در عمل　　کم گری تا چشم را ناید خلل
گفت زاہد از دو بیرون نیست حال　　چشم بیند یا نہ بیند آن جمال
گر چہ بیند نور حق خود چہ غم ست　　در وصال حق دو دیدہ چہ کم ست
ور نخواہد دید او را گو برو　　این چنین چشم شقی گو کور شو

کسی زاہد نے اپنے ہم مشرب سے کہا کہ بھائی اتنا نہ رویا کرو تاکہ تمھاری آنکھوں مین نقصان نہ آجاوے تو اس زاہد نے کیا خوب جواب دیا کہ جناب دو حال سے خالی نہین یا تو میری آنکھین آخرت مین جمال حق کا مشاہدہ کرینگی یا نہین اگر کرینگی تو پھر کیا ہوا ہے اگر یہ جاتی رہین وصال حق کے وقت جو قیامت مین دو آنکھین مجھے ملینگی وہی کیا کم ہین اور اگر دیدار حق سبحانہ اُنکی قسمت مین نہین تو جانے دو بلا سے جاتی رہین ایسی بد قسمت اور محروم آنکھون کا تو اندھا ہونا ہی بہتر ہے پس اگر اندھی ہو جائین تو ہو جانے دو اس کے بعد مولانا حسب عادت نصیحت فرماتے ہین۔

غم مخور از دیدہ کان عیسی ترست　　چپ مرو تا بخشدت دو چشم راست
عیسی روح تو با تو حاضرست　　نصرت از وی خواہ کو خوش ناصرست
لیک بیگار تن پر استخوان　　بر دل عیسی منہ تو ہر زمان
ہمچو آن ابلہ کہ اندر داستان　　ذکر او کردیم بہر راستان
زندگی تن مجو از عیسیت　　کام فرعونی مخواہ از موسیت
بر دل خود کم نہ اندیشہ معاش　　عیش کم ناید تو بر درگاہ باش
این بدن خرگاہ آمد روح را　　یا مثال کشتی مر نوح را
ترک چون باشد بیابد خرگہی　　خاصہ چون باشد عزیزی درگہی

جب تجھے معلوم ہو چکا کہ طالب حق آنکھ کی کچھ پرواہ نہین کرتے تو تو بھی آنکھ کی کچھ فکر نہ کر اور جس قدر رو سکے رو کیونکہ آنکھین دینے والا تیرا یار ہے۔ پس اگر جاتی بھی رہین اور تجھے ضرورت بھی ہو اور خواہش بھی ہو تو وہ پھر دیسکتا ہے اور ٹیڑھا مت چل بلکہ صراط مستقیم پر قائم رہ اسکا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ تجھکو راست اور حقیقت بین اور غلط بینی سے محفوظ دو آنکھین عنایت کریگا جن سے تو حقائق کو علی ما ہی علیہ دیکھ سکے گا تیری روح کو حیات جاوید عطا کرنے والا تو تیرے ساتھ ہے بس تو اس کے ماسوا کو چھوڑ کر صرف اُسی کو اپنا مددگار بنا اور اُس سے مدد کی درخواست کر کہ وہ اچھا مددگار ہے اور اِدھر اُدھر مت بھٹک۔ مگر ان ہی ہڈیون سے بھرے ہوے جسم کی بے نتیجہ حیات و بقا کی اپنے جینے اور روح کو حیات ابدی بخشنے والے اور چشم حقیقت بین عنایت کرنیوالے حق سبحانہ سے ہر وقت درخواست مت کرنا جیسے اُس احمق نے حیات جسم مردہ کی حضرت عیسی سے لغو درخواست کی تھی جسکا ہم اثنا قصہ مین ارباب طبع مستقیم کی عبرت کیلیے

ذکر کر چکے ہین بلکہ اصالۃً حیات روح کی درخواست کرنا اور اُس کے لیے آنکھین مانگنا اور اگر حیات روح کی غرض سے حیات واصلان ہم کی بھی درخواست ہو تو کچھ مضائقہ نہین کیونکہ یہ بھی فی الحقیقۃ حیات روح ہی کی درخواست ہے۔ دیکھو ہم پھر کہتے ہین کہ اپنے عیسیٰ (حق سبحانہ) سے جو تجھ حیات روح عطا کر سکتے ہین حیات جسم کی درخواست ہرگز نہ کرنا اس لیے کہ جو جس کے شایان شان ہوتا ہے اس سے اسی کی درخواست کیجاتی ہے موسیٰ جنکا کام مقصد فرعونی کا ملیامیٹ کرنا ہے اُن سے مقصد فرعونی کی درخواست سراسر نازیبا ہے بس حق سبحانہ جن کے شایان شان روح پروری ہے ان سے تن پروری کی ہرگز درخواست نکرنا اور معاش کی فکر کا بار بھی اپنے دل پر نہ ڈالنا بس تو فقط اس شہنشاہ کی ڈیوڑھی پر حاضر رہ یعنی اس کی اطاعت اختیار کر تیرے لیے روٹیون کی کمی نہین جب کہ اصل معیشت کی یہ حالت ہے جس پر مدار حیات ہے تو اور چیزین یا غیر ضروری ہین انکی فکر تو محض لاطائل ہے یا ضروری ہین مگر رزق سے کم تو جو رزق کا انتظام کریگا وہ اِن ضروریات کو بھی پورا کریگا لہذا انکی فکر بھی بے سود ہے تو یون سمجھ کہ بدن روح کا خیمہ ہے جسکو حق سبحانہ نے روح کی مہمانی کے لیے قائم کیا ہے اور روح اسمین حق سبحانہ کی مہمان ہے تو جس جواد وغنی نے اُسکو اپنا مہمان بنایا ہے اور رہنے کے لیے خیمہ دیا ہے کیا وہ کھانا نہ دیگا ضرور دیگا چنانچہ وہ اپنے کلام پاک مین اطلاع بھی دے چکا ہے چنانچہ فرمایا ہے وما من دابۃ فی الارض الا علی اللہ رزقہا یا بدن کو مثل کشتی کے سمجھ۔ اور روح کو مثل نوح کے۔ پس جس نے نوح علیہ السلام کو کشتی مین رزق پہنچایا تھا۔ جہان انکو کسب کی بھی قدرت نہ تھی کیا وہ روح کو بدن کے اندر غذا نہ دیگا بات یہ ہے کہ ہر چیز کے لیے اسکی ضروریات حاصل ہوتی ہین چنانچہ جب ترک ہوگا تو اُسکو خیمہ بھی ملیگا پھر جب کہ وہ مقرب بارگاہ شاہی بھی ہو تو بالاولے اسکو خیمہ ملیگا پس اگر تو معمولی شخص ہے اور درگاہ حق سبحانہ کا مقرب نہین تب بھی تجھے ضروریات زندگی ملین گی چہ جائیکہ مقرب بارگاہ حق سبحانہ ہو اُسوقت تو بالاولے تیرے لیے ضروریات فراہم کیجائینگی چونکہ اشعار مذکورہ مین ترغیب تھی حق سبحانہ سے حیات روح طلب کرنے کی اور حیات جسم کے متعلق درخواست نہ کرنیکی آگے حیات روح کے بجائے حیات جسم طلب کرنے کا ضرور بیان کرتے ہین اور اِس مناسبت سے قصۂ عیسیٰ علیہ السلام کی طرف رجوع فرماتے ہین۔

شرح شبیری

ایک شخص کا ایک زاہد کو ڈراتا کہ کم رو کہین اندھے نہو جاؤ

زاہدے را الخ۔ یعنی ایک زاہد سے اُس کے ایک ہم مشرب یار نے کہا کہ رویا کم کرو تا کہ کہین آنکھ مین خرابی نہ آجاوے یہ سُن کر اُس زاہد نے جواب دیا اور خوب جواب دیا کہنے لگا کہ۔

گفت زاہد الخ۔ یعنی اُس زاہد نے کہا کہ دو حال سے خالی نہین یا تو اُس جمال کو (یعنی جمال حق کو) یہ آنکھ دیکھے گی یا نہ دیکھے گی پس اگر اُس جمال کو دیکھا تو ان کے جلتے رہنے کا غم نہین اسی کو کہتے ہین کہ

گر بہ بیند نور حق الخ ۔ یعنی اگر نور حق کو دیکھا تب تو کچھ غم نہیں اور حق تعالے کے وصال میں (اور اسکی آرزو اور حسرت میں اگر) دو آنکھیں ۔ (جاتی بھی رہیں) تو کیا کم ہیں مطلب یہ کہ اُس وصال کے سامنے تو انکی تو کچھ بھی حقیقت نہیں دو آنکھیں ہیں ہی کیا اور اگر اُس جمال کو نہ دیکھیں گی تو پھر ان کا عدم وجود برابر بلکہ عدم اولےٰ ہے اسی کو فرماتے ہیں کہ ۔

ورنہ خواہد دید الخ ۔ یعنی اور اگر جمال حق کو نہ دیکھی گی تو پھر تو اُس سے کہدو کہ جا ایسی بدبخت آنکھ سے تو کہدو وہ اندھی ہو جاوے اور اُسکا اندھا ہو جانا ہی بہتر ہے لہذا اگر میرے اس رونے سے دیدار حق ہو اور اس وجہ سے آنکھیں اندھی ہو جاویں تب تو کچھ بھی غم نہیں اُس کے وصال کے سامنے یہ دو آنکھیں ہیں ہی کیا اگر لاکھوں آنکھیں بھی ضائع ہو جاویں اور وہ ملجاوے تو بس کافی ہے اور اگر اُس کے دیدار سے محروم ہیں تو پھر ان کو اندھا ہی ہو جانا چاہیے اور ایسی آنکھ اگر پھوٹ جاوے یہی بہتر ہے آگے مولانا فرماتے ہیں کہ اس آنکھ کے جاتے رہنے سے غمگین مت ہو اس لیے کہ ۔

غم مخور الخ ۔ یعنی ان آنکھوں کا غم مت کھاؤ اس لیے کہ وہ عیسیٰ تو تمھارے ہیں اور ٹیڑھے مت چلو تاکہ تمکو وہ دو آنکھیں درست عنایت فرماوے یہاں عیسیٰ سے مراد حق تعالے ہیں اور تشبیہ صرف احیاء وشفاء بخشی میں ہے کہ جس طرح عیسیٰ علیہ السلام مردہ کو زندہ فرما دیتے تھے اندھے اور زاد کو بھی اچھا کر دیتے تھے اسیطرح حق تعالے ہیں تو پھر اگر آنکھیں جاتی رہیں تو کیا غم ہے وہ پھر درست فرما دیں گے اور چونکہ یہ ضروری نہیں کہ مشبہ بہ مشبہ سے اکمل ہو اس لیے حق تعالے کو عیسےٰ علیہ السلام سے تشبیہ دینے میں کوئی خرابی لازم نہیں آتی جیسا کہ خود قرآن شریف میں ہے مثل نورہ کمشکوٰۃ فیہا مصباح پس دیکھ لو کہ نور شمع ناقص ہے اور نور حق کامل و اکمل ہے لیکن پھر بھی مشکوٰۃ فیہا مصباح مشبہ بہ ہے اور حق تعالے مشبہ ہیں اسیطرح یہاں بھی ہے ۔ فلا اشکال آگے فرماتے ہیں کہ

عیسیٰ روح الخ ۔ یعنی تمھاری روح کا عیسےٰ (زندہ رکھنے والا) تمھارے ساتھ حاضر ہے اور موجود ہے تو تم اُس سے مدد چاہو اس لیے کہ وہ بہت اچھا مدد کرنیوالا ہے ۔ یہاں عیسیٰ روح میں عیسیٰ سے مطلق محیی مراد ہے جیسے کہ حاتم سے مطلق سخی مراد ہے پس مطلب یہ ہوا کہ حق تعالےٰ تو تیرے ساتھ ہیں جیسا کہ خود فرماتے ہیں کہ نحن اقرب الیہ من حبل الورید ۔ پس باوجود اس قدر قرب کے پھر بھی تو اُس سے غافل ہے تو سخت تعجب ہے تجھ کو تو چاہیے کہ اُس سے امداد چاہے اور حیات روح کے لیے اُس سے دعا کرے کہ یا الٰہی مجھکو حیات روح میسر فرما کہ جسکے ذریعہ سے میں تیری معرفت حاصل کر سکوں اور تجھ تک پہونچ سکوں ۔ مگر اُس سے اس تن ظاہری ہی کی اصلاح کے لیے ہر وقت دعا مت مانگو بلکہ اُس سے تو اصلاح قلب اور حیات روح ہی کی دعا کرو اسی کو فرماتے ہیں کہ ۔

لیک بیگار تن الخ ۔ یعنی (اُس سے مدد چاہو دعا کرو) لیکن اس تن پر استخوان ہی کی بیگار اُس عیسیٰ کے قلب پر مت ڈالو مطلب یہ کہ حق تعالے سے نصرت چاہو اور دعا کرو کہ حق تعالے تمھارے قلوب کی اصلاح فرما دیں لیکن اُس بدن کی تزئین و تحسین و تربیت ہی کی ہر وقت فکر میں مت لگے رہو اس لیے کہ یہ ایک بیگار اور فضول ہے اسکی فکر ہی کیا اور دل عیسےٰ سے مراد دل حق تعالے ہے اور دل کہدینا ایسا ہے جیسا کہ

قرآن شریف مین ہے تعلم ما فی نفسی ولا اعلم ما فی نفسک۔ پس جس طرح وہان نفس کا اطلاق حق تعالیٰ پر صحیح ہے اسیطرح یہان دل کا اطلاق بھی صحیح ہے آگے اس کے ایک مثال کی طرف اشارہ کرکے توضیح فرماتے ہین کہ
ہمچو آن ابلہ الخ۔ یعنی (تمھارا اس تن خاکی کی اصلاح اور تزئین کی فکر کرنا) اُس بیوقوف کی طرح ہے کہ جسکا ذکر ہم نے راست لوگون کے واسطے ایک داستان مین کیا ہے (پس جس طرح اُس نے حقیقت سے غافل ہوکر احیاء جسم چاہا تھا اور نقصان اٹھایا جیسا آگے معلوم ہوگا اسیطرح تم بھی حق سے دور اور خاسر ہوگے آگے پھر اسی کی تاکید فرماتے ہین کہ ظاہری آرایش کو ترک کرو اور باطن کی طرف متوجہ ہو فرماتے ہین کہ۔
زندگی تن الخ۔ یعنی اپنے صنی (یعنی حق تعالیٰ) سے تن ظاہری ہی کی زندگی مت چاہو بلکہ اسکو تابع رکھو اصل مقصود حیات روحانی کو سمجھو) اور اپنے موسیٰ سے فرعونی مقصد مت چاہو اس لیے کہ فرعون کا مقصود تو صرف ظاہر پرستی اور تن پروری تھا تو تم حق تعالیٰ سے اسی مقصد کی دعا مت کرو بلکہ اگر اسکی دعا کرو بھی تو تبعاً اصل مقصود حیات روح ہی ہے آگے خدا پر بھروسہ رکھنا اور اصل زندگی روح ہی کی زندگی کو سمجھنا بیان فرماتے ہین کہ۔
بر دل خود الخ۔ یعنی اپنے دل پر معاش کا فکر کم رکھو (اس لیے کہ معاش سے تو صرف زندگی بدن ظاہری ہوتی ہے جو کہ اصل مقصود نہین ہے اصل مقصود حیات روح ہے لہذا) تم درگاہ حق مین حاضر تو رہو (پھر دیکھو کہ) اس عیش (ظاہری) مین بھی کمی نہ آویگی آگے اسکی دلیل بتلاتے ہین کہ اگر تم درگاہ حق مین حاضر رہوگے تو عیش ظاہری مین ہی اس لیے خلل نہین واقع ہوسکتا کہ۔
این بدن خرگاہ الخ۔ یعنی یہ بدن (ظاہری) روح کے لیے (مثل) ایک خیمہ کے ہے (تو جس نے خیمہ لگایا ہے وہی اسکو درست بھی رکھیگا اور وہی اسکی مرمت وغیرہ بھی کریگا تاکہ خراب نہ ہوجاوے کہ خراب ہونے سے اُس شخص کو جس کے لیے خیمہ لگایا گیا ہے کلفت ہوگی پھر تمہین کیا فکر ہے اور) یا نوح علیہ السلام کی کشتی کی مثال سمجھو کہ جس نے نوح علیہ السلام کو کشتی دی ہے وہی اسکی حفاظت بھی کرینگے اسیطرح جب روح کی حفاظت کے لیے بدن انسان مقرر ہوا ہے اور مقرر کرنے والے حق تعالیٰ ہین تو ضرور ہے کہ اسکی حفاظت اور اسکا تغذیہ وغیرہ بھی وہی فرماوینگے ہمکو کیا فکر ہے اور یہ امر مشاہد ہے کہ جس نے اللہ پر بھروسہ کیا اُسکو وہان سے ملا ہے کہ جہان سے گمان بھی نہ تھا اور اُس وقت اسکا مصداق معلوم ہوتا ہے ویرزقہ من حیث لا یحتسب پس چاہیے کہ خدا پر بھروسہ کرے اور اصلاح روح کی فکر مین لگے آگے اسی کی ایک اور مثال فرماتے ہین کہ۔
ترک چون باشد الخ۔ یعنی جب سپاہی ہوتا ہے تو اُسکو خیمہ وغیرہ ملتا ہے اور پھر خاص کر اُس کو جو کہ مقرب بارگاہ بھی ہو پس جس طرح کہ سپاہی اپنا نان ونفقہ بادشاہ کے ذمہ سمجھتا ہے اور اسی پر مطمئن ہوکر خود کوئی فکر نہین کرتا تو اُس کو بادشاہ کی طرف سے کل سامان ملتا ہے اور وہ آرام سے رہتا ہے اور پھر اگر وہ سپاہی مقبول بارگاہ بھی ہو تب تو اُس کو ضروری سارا سامان ملیگا تو اسیطرح جو شخص حق تعالیٰ پر بھروسہ کرے اور یہ سمجھے کہ بس وہ خود روزی پہونچادیگا اور اپنے آپ فکر چھوڑ کر توکل علی اللہ کرے

اُسکی حق تعالےٰ ضرور مدد فرمادینگے اور وہ انشاءاللہ کبھی پریشان نہ ہوگا۔ یہان یہ شبہ ہوتا ہے کہ ہم تو دیکھتے ہین کہ جو لوگ متوکل ہوتے ہین وہ بھی پریشان ہوتے ہین تو اس کو یون سمجھو کہ پریشانی اصل مین قلب سے ہوتی ہے اور پریشانی ظاہری جسکا اثر قلب پر نہ ہو اصل پریشانی نہین ہوتی پس جو اولیاء اللہ اور متوکل ہین اُن کو حقیقی قلبی پریشانی کبھی نہین ہوتی ہان پریشانی ظاہری کہ مثلاً فاقہ ہوگیا بیٹا مرگیا وغیرہ وغیرہ پیش آتی ہین سو وہ پریشان نہین ہے اسکی ایسی مثال ہے کہ جیسے کوئی ملازم کسی نواب کے یہان ہے اور اُس کو علاوہ تنخواہ کے روٹی بھی ملتی ہے مگر روزانہ کھانا دس بجے آجاتا تھا اور آج بارہ بج گئے ہین مگر ابھی تک کھانے کا پتہ نہین تو اس وقت اس سے دریافت کیا جاوے کہ بھائی بارہ بج گئے اور روٹی نہین آئی تو تم کچھ اور فکر کرو تو وہ یہی کہے گا کہ روٹی ضرور آویگی لیکن آج کسی خاص مصلحت سے دیر ہو گئی ہے جسکا مجھے علم نہین تو اگرچہ اُسکو بظاہر بھوک لگ رہی ہے مگر اُسکا قلب مطمئن ہے کہ ضرور کھانا ملیگا بس یہی حال ان حضرات متوکلین کے فاقہ اور پریشانی ظاہری کا ہے خوب سمجھ لو۔ اور یہان یہ مت سمجھ جانا کہ بس پھر کیا ہے توکل کرکے اسباب کو ترک کرکے بیٹھ رہین خدا دیگا یہ سمجھنا بہت بڑی غلطی ہے۔ اس لیے کہ دیکھو حدیث مین ایک بدوی کا قصہ ہے کہ اُس نے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم مین اونٹ کو باندھ کر پھر خدا پر بھروسہ رکھون کہ میرا اونٹ گم نہ ہوگا یا مطلق العنان چھوڑکر بھروسہ کرون ارشاد ہوتا ہے کہ اِعقل وتوکل یعنی اُس کو باندھ دے اور پھر توکل کر۔ اِس لیے کہ اگر تم نے اُسکو باندھ بھی دیا تو پھر بھی تو خدا ہی اُسکی حفاظت کرتا ہے ورنہ چور کھول کر لیجاوین خود رسی توڑکر بھاگ جاوے وغیرہ۔ پس اسیطرح جو اسباب شریعت نے انسان کو بتلادیے ہین اُنکا ارتکاب ضروری ہے بعد ارتکاب اسباب بھی تو اُس فعل کا مرتب کردینا حق تعالیٰ ہی کا کام ہے تمھارے بادا کا اجارہ ہے کہ جب تم اسباب کا ارتکاب کرلیا کرو تو اُسپر ضرور اثر مرتب ہو ہی جایا کرے اثر کا مرتب فرمادینا تو فعل حق تعالےٰ کا ہے اُسی پر بھروسہ رکھو اب معلوم ہوا کہ اسباب کا ارتکاب کرے اور پھر بھی حق سبحانہ تعالےٰ ہی پر بھروسہ رکھے اور بعض جگہ جو سنا گیا ہے کہ کسی بزرگ نے بالکل ترک اسباب کردیا اور اُن کے لیے غیب سے کھانے وغیرہ آتے تھے یہ اُنکی خصوصیت ہے اور کرامت ہے ؎ کار پاکان را قیاس از خود مگیر ✤ گرچہ ماند در نوشتن شیر و شیر ✤ خوب سمجھ لو۔ واللہ اعلم بالصواب۔

ادہر چونکہ زاہد کے قصہ کے ضمن تمثیلاً اشارہ کیا تھا اُس رفیق عیسے علیہ السلام کے قصہ کی طرف لہذا اب اُس قصہ کو پورا فرماتے ہین۔

شرح حبیبی

تمامی قصۂ زندہ شدن استخوان بدعاے عیسی علیہ السلام

چونکہ عیسے دید کان ابلہ رفیق	جز کہ استیزہ نمیداند طریق

می نه گیرد پند را از ابلہی　　نحل مے پندارد او از گمرہی
خواند عیسیٰ نام حق بر استخوان　　از برائے التماس آن جوان
حکم یزدان از پئے آن خام مرد　　صورت آن استخوان را زندہ کرد
از میان بر جست یک شیر سیاہ　　پنجہ بر زد کرد نقشش را تباہ
کلہ اش بر کند مغزش ریخت زود　　ہمچو جوزی کاندرو مغزی نبود
گر ورا مغزے بدے زاشکستنش　　خود نبودے نقص الا بر تنش
گفت عیسیٰ چون شتابش کوفتے　　گفت زانرو کہ تو زو آشوفتی
گفت عیسیٰ چون نہ خوردی خون مرد　　گفت در قسمت نبودم رزق خورد

جبکہ عیسیٰ علیہ السلام نے دیکھا کہ یہ احمق ساتھی لجاج وجدال کے سوا کوئی اور طریق جانتا ہی نہیں اور اپنی حماقت سے مفید اور سود مند بات کو مانتا ہی نہیں۔ بلکہ میری اس پہلوتہی اور معذرت کو وہ احمق بخل سمجھتا ہے تو اسکی درخواست کے سبب ان ہڈیون پر اسم حق سبحانہ پڑھا اسپر حق سبحانہ کے حکم سے اس نادان آدمی (کی سزا دہی) کے لیے وہ ہڈیان زندہ ہوگئین اور ان مین سے ایک کالا شیر نکلا جس نے نکلتے ہی اس شخص کے سر پر ایک پنجہ مارا اور اس کے نقش ہستی کو مٹا دیا۔ اسکی کھوپڑی اتار لی جس سے سارا بھیجا نکل پڑا اور اسکا سر ایسا ہوگیا جیسے اخروٹ جسمین گری نہ ہو اس سے اسکو سراسر نقصان ہوا کیونکہ اسمین حقیقی مغز اور عقل و فہم نہ تھی۔ لیکن اگر اسمین حقیقی مغز ہوتا تو اول تو یہ نوبت ہی نہ آتی اور اگر بالفرض آتی بھی تو اس سے صرف اس کے جسم مین نقصان آتا روح پر کوئی کچھ اثر نہ ہوتا اور ضرر جسمانی لاشے محض ہے تو فی الحقیقت اسکو کچھ بھی نقصان نہ ہوتا اب سراسر نقصان اس لیے ہوا کہ روح تو پیشتر ہی سے مردہ تھی اگر وہ زندہ تھا تو محض حیات جسمانی سے اب وہ بھی جاتی رہی تو زندگی کا کچھ حصہ بھی اس کے لیے باقی نہ رہا و ہٰذا الاخسران مبین حضرت عیسےٰ نے شیر سے دریافت کیا کہ تو نے اسکو اتنی جلدی کیون کچل دیا اس نے جواب دیا کہ وجہ یہ تھی کہ آپ اس سے بلاوجہ پریشان ہوئے تھے حق سبحانہ کو گوارا نہ ہوا کہ بعد وجود سبب ہلاک کے اسکو ذرا سی بھی مہلت دیجائے اور اپنی خیالی کامیابی پر ذرا بھی خوش ہولے اسپر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دریافت کیا کہ اچھا تو نے اسکا خون کیون نہ پیا تو اس نے جواب دیا کہ رزق کھانا میرے لیے مقدر نہ تھا آگے مولانا نصیحت کی طرف انتقال فرماتے ہین۔

شرح شبیری

عیسیٰ علیہ السّلام کی دعا سے ہڈی کے زندہ ہونیکے قصہ کا تتمہ

چونکہ عیسیٰ الخ۔ یعنی جب کہ عیسےٰ علیہ السلام نے دیکھا کہ یہ بیوقوف رفیق سوائے مخالفت کے اور کچھ طریق جانتا ہی نہین اور۔

ہی نکیر والخ - یعنی بیوقوفی کی وجہ سے نصیحت کو قبول نہین کرتا اور گمراہی کی وجہ سے بخل خیال کرتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بتانے مین بخل کرتے ہین اور یہ نہین سمجھتا کہ اسمین کیا خرابیان ہین پس جب عیسے علیہ السلام نے دیکھا کہ اب یہ مانے گا نہین تو آخر کار انھون نے اُس اِسم کو ہڈی پر پڑھ دیا اسی کو فرماتے ہین کہ۔

خواند عیسیٰ الخ - یعنی عیسے علیہ السلام نے ہڈی پر حق تعالےٰ کا نام پڑھ دیا اُس جوان کے عرض کرنے کی وجہ سے پس جب اُس نام حق کو پڑھا تو وہ ہڈی زندہ ہوگئی اِسکو فرماتے ہین کہ۔

حکم یزدان الخ - یعنی حکم خداوندی نے اُس خام مرد کے واسطے (یعنی اُس کے کہنے کی وجہ سے) اُس ہڈی کی صورت کو زندہ کر دیا تو۔

از میان بر جست الخ - یعنی (فوراً) درمیان سے ایک شیر سیاہ کودا اور پنجہ مارکر اُس رفیق کے نقش (ہستی) کو تباہ کر دیا اور۔

کلہ اش الخ - یعنی اُسکا کلہ توڑ دیا اور جلدی سے مغز بکھیر دیا جیسے کہ اسمین مغز تھا ہی نہین اِس لیے کہ اگر مغز اور عقل ہوتی تو وہ ایسی بات ہی کیون کہتا اور حقیقت کو سمجھکر اِس اصرار سے اعراض کرتا آگے مولانا جملہ معترضہ کے طور پر فرماتے ہین کہ۔

گر ورا مغزے الخ - یعنی اگر اُسکا مغز (عقل) ہوتا تو اُس کے ٹوٹنے سے صرف اُس کے بدن ہی پر نقصان آتا کہ وہ مغز پاش پاش ہوجاتا مگر روح کو تو فرحت ہوتی کہ یہ حجاب جسمانی اُٹھ کر وصل حاصل ہوجاتا مگر چونکہ اِس کو عقل تو تھی نہین کہ جو حقیقت کو پہچانتا اس لیے جسم پر بھی آفت آئی اور روح کو بھی فرحت نہوئی خسر الدنیا والآخرہ - جب اُس شیر نے اُسکو مار ڈالا تو اُس سے عیسےٰ علیہ السلام نے پوچھا کہ۔

گفت عیسیٰ الخ - یعنی عیسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ تو نے اِس کو اِس قدر جلد کیون ہلاک کر دیا تو اُس شیر نے کہا اِس لیے کہ آپ اُس سے پریشان ہوچکے تھے اور اُس نے آپ کو بہت پریشان کیا تھا لہذا اُسکی یہ سزا اُسکو دی گئی یہان سے معلوم ہوگیا کہ مقبولانِ حق کے ساتھ گستاخی کرنا اور اُن کے کہنے کو نہ ماننے کی کیا سزا ہوتی ہے اور کیا کیا آفات انسان پر آتے ہین۔ دیکھو اِس شخص نے نہین مانا تو اِسکو یہ سزا ملی پس اگر آج کوئی شخص اہل اللہ کے ساتھ گستاخی کرتا ہے تو اگرچہ شیر سیاہ اُس کے بدن ظاہری کو ہلاک نہین کرتا لیکن کیا موت باطن قابل حسرت وافسوس نہین ہے خدا کی قسم دل مرجاتا ہے اور قلب مین وہ شگفتگی وبحالی ہرگز ہرگز نہین رہتی یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہر وقت ایک بار سر پر رکھا ہے اور اِس شخص کو عیش دنیاوی مین بھی لذت حاصل نہین ہوتی پس چاہیے کہ اہل اللہ کی بیادبی اور اُن کو ستانے سے بچے اور ہمیشہ اُنکی اطاعت کرے آگے پھر عیسےٰ علیہ السلام نے اُس شیر سے دریافت کیا کہ۔

گفت عیسیٰ چون الخ - یعنی (پھر) عیسیٰ علیہ السلام نے (اُس شیر سے) پوچھا کہ (اگر تو نے اِسکو مارا تھا تو) تو نے اِسکا خون کیون نہ پیا (جیسا کہ شیرون کا معمول ہے کہ شکار کا خون پی لیتے ہین) تو شیر نے کہا کہ میری قسمت مین رزق کھانا نہ رہا تھا اس لیے کہ اگر میری قسمت مین اِسکو کھانا ہوتا تو مین پہلے ہی حیات مین اِسکو کھا لیتا

اور کھانے سے پہلے مرتا ہی کیون پس جب کہ مین مرگیا تھا تو معلوم ہوا کہ میری قسمت مین اب رزق نہ رہا تھا یہان یہ شبہ نہ ہو کہ ممکن ہے کہ اسکی قسمت مین یہ ہو کہ اول حیات مین اس قدر رزق اسکو ملیگا اور حیات ثانیہ مین اس قدر تو پھر اسکا کہنا کہ میری قسمت مین رزق رہا ہی نہین کیسے صحیح ہوگا۔ جواب یہ ہے کہ حدیث مین ہے کہ جبتک ہر چیز اپنا رزق پورا نہین پا لیتی اُس وقت تک اسکو موت نہین آتی۔ پس اسکا پہلے مرجانا دلیل ہے اسکی کہ اسکی قسمت مین رزق رہا ہی نہ تھا اگر یہ آدمی اسکا رزق ہوتا تو ضرور ہے کہ پہلے ہی ملجاتا اب آگے مولانا انتقال فرماتے ہین کہ جس طرح اس شیر نے مارا تو کھایا نہین اسیطرح بہت سے لوگ جمع کر جاتے ہین مگر اُس سے متمتع نہین ہوتے فرماتے ہین کہ۔

شرح حبیبی

اے بسا کس ہمچو آن شیر ژیان	صید خود ناخوردہ رفتہ از جہان
قسمتش کاہے نہ و حرصش چو کوہ	ناموجہ کرد تحصیل وجوہ
جمع کردہ مال و رفتہ سوے گور	دشمنان در ماتم او کردہ سور
اے میسر کردہ بر ما در جہان	سخرہ و بیگار را از ما وارہان
طعمہ بنمودہ بما و [illegible] بودہ شست	آنچنان بنما بما آنرا کہ ہست

اے ایسے بہت سے لوگ ہین کہ اس غضبناک شیر کی طرح دُنیا سے چلے جاتے ہین اور اپنا شکار نہین کھاتے (مال و متاع مکسوب سے متمتع نہین ہوتے) اور ان کی حرص حطام دنیا کی تحصیل مین پہاڑ جیسی ہوتی ہے لیکن انکی قسمت مین ایک تنکا بھی نہین ہوتا اور نامشروع طور پر آمدنیان بڑھاتے ہین اور مال جمع کرتے ہین خود تو بحسرت و یاس قبر مین چلے جاتے ہین۔ اور دشمن ان کے ایام ماتم مین خوشیان مناتے ہین۔ اے وہ ذات پاک جسنے بیگار اور شاق و غیر نافع کامون کو ہمارے لئے آسان کردیا ہے ہمکو اس بیگار سے چھڑا اور جو چیز فی الحقیقت مچھلی کے شکار کا کانٹا اور مضر ہے لیکن ہمکو غذا اور نافع محسوس ہوتی ہے تو ہمکو اسکی حقیقت دکھلا دے کہ ہم اُسکو علی ما ہی علیہ فی نفس الامر دیکھ لین اور دھوکہ نہ کھائین اس کے بعد پھر اصل قصہ کی طرف رجوع کرتے ہین۔

شرح شبیری اے بسا کس الخ یعنی اس شیر مست کی طرح بہت سے لوگ ایسے ہین کہ اپنے شکار کو بغیر کھائے ہوئے جہان سے روانہ ہو جاتے ہین اور انکو اس سے عیش حاصل کرنا نصیب نہین ہوتا بلکہ جمع کیا اور دوسرون کے واسطے چھوڑ گئے آگے فرماتے ہین کہ۔

قسمتش کاہے الخ یعنی اُسکا حصہ تو ایک تنکا بھی نہین اور حرص پہاڑ کیطرح اور نامشروع طریق سے آمدنیون کو حاصل کیا نہ جائز دیکھا نہ ناجائز دیکھا جس طرح حاصل ہوا حاصل کیا اور۔

جمع کردہ مال الخ یعنی مال جمع کرکے گور کی طرف چلا گیا (اور خود اُس سے منتفع نہ ہوا) تو دشمن اُس کے ماتم (کے زمانہ) مین خوشی کرتے ہین اس لیے کہ وہ جانتے ہین کہ جو اس نے جمع کیا تھا وہ اب ہمکو ملیگا پس

نرے حسرت اور افسوس کی بات ہے کہ جمع بھی کیا بیہودہ طرق سے اور وبال اخروی اپنے سر لیا اور پھر اُس سے منتفع بھی نہ ہوا۔ اب آگے مولانا مناجات فرماتے ہین اور اِس سے پناہ مانگتے ہین فرماتے ہین کہ۔

اے میسّر کردہ الخ۔ یعنی اے وہ ذات کہ جس نے ہم پر اس جہان مین ان بیہودہ امور کو اور فضول کامون کو آسان فرما دیا ہے ہمکو اُس سے چھڑا دے اور اسمین مبتلا نہ فرما اور۔

طعمہ بنمودہ الخ۔ یعنی ہمکو لقمہ دکھلائی دیتا ہے حالانکہ وہ کانٹا ہے (جیسے کہ مچھلی کو بظاہر تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ میرا کھانا رکھا ہوا ہے لیکن اصل مین وہ کانٹا ہوتا ہے آخر اُسی مین پھنس جاتی ہے اسیطرح ہم دھوکہ مین آکر دام نفس مین پھنس جاتے ہین) پس ہمکو ویسا ہی دکھلا دے جیسا کہ وہ ہے یعنی ہمکو حقیقت مین فرما دیجیے ہم صرف ظاہر بینی ہی پر نہ رہین بلکہ ہمکو حقیقت بینی میسّر ہو اور حطام دُنیا مین پھنس کر کہین ہلاک نہ ہو جاوین آگے پھر اُس حکایت کی طرف رجوع فرماتے ہین کہ۔

شرح حبیبی

گفت آن شیر اے مسیحا آن شکار	بود خالص از برائے اعتبار
گر مرا روزی بدے اندر جہان	خود چہ کار ستے مرا با مردگان

پھر اس نے کہا کہ اے عیسیٰ وہ شکار تو محض اِس لیے تھا کہ لوگ عبرت پکڑین کہ اہل اللہ کے ساتھ گستاخی کرنی اور ان کو لا یعنی درخواستون سے پریشان کرنیکا یہ نتیجہ ہوتا ہے باقی رہا میرا کھانا سو اگر میری قسمت مین اس سے زیادہ کھانا ہوتا جو مجھے حیات اولیٰ مین مل چکا ہے تو مین مردون ہی مین کیون شامل ہوتا کیونکہ میری قسمت مین جتنا رزق تھا حیات اولےٰ مین تھا پس اگر اسکا کھانا بھی میری قسمت مین ہوتا تو مجھے اسوقت زندہ رہنا چاہیے تھا تاکہ مین اپنا رزق پورا کرکے مرون۔ مولانا آگے پھر نصیحت فرماتے ہین۔

شرح شبیری گفت آن شیر الخ۔ یعنی اُس شیر نے کہا کہ اے عیسے (علیہ السلام) یہ شکار تو صرف عبرت کے واسطے تھا میرا رزق نہ تھا صرف اِس لیے تھا کہ لوگ اِسکو دیکھ کر عبرت حاصل کرین کہ اگر ہم اہل اللہ کے ساتھ گستاخی کرینگے تو ہماری بھی یہی گت بنے گی آگے پھر وہ شیر کہتا ہے کہ گر مرا روزی الخ۔ یعنی اگر میری روزی جہان مین باقی رہتی تو مجھے مردون سے کیا کام تھا یعنی پھر مین مرتا ہی کیون اِسکو کھا کر ہی مرتا آگے پھر بتاتے ہین کہ یہ سزا اُس شخص کی ہے کہ جو ایسا مسیحا پاوے اور اس سے ایسی بیہودہ باتون کا سوال کرے بڑا تعجب ہے اِسی کو فرماتے ہین کہ۔

شرح حبیبی

این سزاے آنکہ یابد آب صاف	ہمچو خر در جو بمیرد از گزاف
گر بداند قیمت آن جوے خر	او بجاے پا نہد در جوے سر
او بیابد آن چنان پیغمبرے	میر آبی زندگانی پرورے

چون بمیرد پیش او از فکر کن — اے امیر آب ما را زندہ کن

این سگ نفس ترا زنده مخواه — کو عدوے جان تست از دیرگاه

خاک بر سر استخوانے را که آن — مانع این سگ بود از صید جان

سگ نۂ بر استخوان چون عاشقی — دیوچه وار از چه بر خون عاشقی

آن چه چشم ست اینکه بینائیش نیست — ز امتحانها جز که رسوائیش نیست

سهو باشد ظنها را گاه گاه — این چه ظن ست اینکه کور آمد براه

کردۂ بر دیگران نوحه گری — مدتے بنشین و بر خود میگری

ز ابر گریان شاخ سبز و تر شود — زانکه شمع از گریه روشن تر شود

هر کجا نوحه کنند آنجا نشین — زانکه تو اولیٰ ترین اندر حنین

زانکه ایشان در فراق فانی اند — غافل از لعل بقاے کانے اند

زانکه بر دل نقش تقلیدست بند — رو بآب چشم بندش را برند

زانکه تقلید آفت ہر نیکوئیست — که بود تقلید اگر کوه قوی ست

گو ضریرے لمترست و تیز خشم — گوشت پاره اش دان کاو نیست چشم

گر سخن گوید ز مو باریک تر — آن سرش را زان سخن نبود خبر

مستی دارد ز گفت خود ولیک — از بر وے تا بمی راہ ست نیک

همچو جویست او نه آبے خورد — آب ازو بر آب خواران بگذرد

آب در جو زان نمیگیرد قرار — زانکه آن جو نیست تشنه آب خوار

همچو نائے ناله و زاری کند — لیک بیگار خریداری کند

نوحه گر باشد مقلد در حدیث — جز طمع نبود مراد آن خبیث

نوحه گر گوید حدیث سوزناک — لیک کو سوز دل و دامان چاک

از مقلد تا محقق فرقہاست — کاین چو داؤدست و آن دیگر صداست

منبع گفتار این سوزے بود — وان مقلد کہنه آموزے بود

ہین مشو غره بدان گفت حزین — بار بر گاوست بر گردون حنین

ہم مقلد نیست محروم از ثواب — نوحه گر را مزد باشد در حساب

کافر و مومن خدا گویند لیک — در میان ہر دو فرقے ہست نیک

آن گدا گوید خدا از بہر نان — متقی گوید خدا از عین جان

الله الله میزنی از بہر نان — بے طمع پیش آو الله را بخوان

گر بدانستے گدا از گفت خویش — پیش چشم او نه کم ماندے نه بیش

سالہا گوید خدا آن نانخواه — ہمچو خر مصحف کشد از بہر کاه

گر بدل در تافتے گفت لبش	ذرہ ذرہ گشتہ بودے تابش
نام دیوے رہ برد در ساحری	تو بنام حق پشیزے مے بری

واقعی جس (تشنگی سے جان بلب) کو صاف پانی ملے اور وہ بجائے اس کے کہ اُس سے اپنی پیاس بجھائے اور اپنی جان بچائے۔ گدھے کی طرح بیہودگی سے اسمین پیشاب کردے جیسا کہ اس رفیق عیسیٰ نے کیا کہ اسکو ایسا میر آب ملا۔ جو اپنے آب فیضان سے جانون کو سیراب اور تر و تازہ کرتا ہے اور پیاسون کی جان بچاتا ہے اور اُس نے بجائے اِس کے کہ اپنی جان بچاتا اور اُس کو سر سبز و شاداب کرتا اُلٹا انکو مکدر کردیا۔ اس کی یہ ہی سزا ہے کہ جان سے جاتا رہے جس طرح رفیق عیسےٰ اپنی جان سے گیا۔ اگر اِس گدھے کو اِس نہر کی قدر و قیمت معلوم ہو۔ تو بجائے اس کے کہ وہ اُسمیں پاؤن رکھے اور اپنی ناشائستہ حرکت سے اِسکو مکدر کرے وہ بجائے پاؤن کے اِسمین مُنھ ڈال کر پانی پئے۔ اور باقاعدہ اِس سے مستفید ہوکر اپنی جان بچائے لیکن اپنی حماقت اور غفلت سے اسکی قدر نہین جانتا اور ہلاک ہوجاتا ہے۔ ہاے افسوس اُس احمق رفیق کو ایسا پیغمبر ملے۔ جو بودہاے ارواح کا باغبان اور انہار فیوض کا مالک اور زندگانی پرور ہو۔ اور وہ اِسکے سامنے اِس کے امر کن ہیئا متصرف فیک کیف نشار کو سن کر مر نہ جائے اور اپنے کو مردہ بدست زندہ نکردے اور یون نہ کہے کہ اے امیر آب تو ہین حیات روحی بخش۔ ہم پیاس سے جان بلب ہین۔ اور ہماری جانون کے پودے سوکھ کر عنقریب مرجانے والے ہین ہمین تیری توجہ کی سخت ضرورت ہے۔ ہان تو تو اپنی سگِ نفس کی زندگی نہ چاہتا کیونکہ وہ تیری جان کا بہت دنون سے دشمن ہے اور تیری گھات مین لگا ہوا ہے تو اسے پہلے ہی مار دینا۔ ایسا نہ ہو کہ تجھے قابو پاکر ہلاک کر ڈالے۔ اگر تو اسکی زندگی چاہے گا تو تو بھی اسطرح اپنی جان کا دشمن ہوگا جس طرح وہ احمق رفیق عیسےٰ علیہ السلام۔ اور دیکھ اِس سگ نفس کو ہڈی نہ دینا اور اسکو لذات سے متمتع نہ ہونے دینا کیونکہ یہ ہڈی اِس کے لیے جان کا شکار کرنے اور اُس کے منافع سے متمتع ہونے سے مانع ہوگی۔ خاک پڑے اِس ہڈی پر جو اِسکو صید جان سے محروم کردے۔ تو جسم کی فکر مین کیون پڑتا ہے اُسمین ہڈیان اور گوشت اور خون ہی تو ہے تو کتا بھی نہین پھر ہڈی و گوشت پر کیون عاشق ہے اور جونک بھی نہین پھر خون پر کس لیے فریفتہ ہے بلکہ تو اپنی چشم دل کی فکر کر وہ اندھی ہے اور جو آنکھ اندھی ہو وہ بھی کوئی آنکھ ہے اُسکا وجود عدم سے بدتر ہے اِس لیے کہ بالکل نہ ہو تو کوئی امتحان بھی نہ لیگا کیونکہ اسوقت دعویٰ ابصار ہی نہ ہوسکے گا اور اگر بظاہر ہو مین اور دعوی بینائی کیا گیا تو امتحان مین بجز رسوائی کے اور کیا ہوگا اور تیرا یہ عذر ہرگز نہ چلے گا کہ رویت قلبی از قبیل ظنون ہے اور ظنون مین غلطی ہوتی ہے۔ اِس لیے کہ ظنون مین غلطی ہوتی ہے مگر گاہ گاہ یہ کیا کہ راہ مطابقت مظنون مین بالکل ہی چوپٹ ہو اور کبھی مظنون سے مطابق ہی نہ ہوا ہو اب تک تو دوسرون ہی پر روتا رہا ہے اب کچھ دنون الگ بیٹھ کر اور گوشہ نشین ہوکر ذرا اپنے اوپر بھی تو رو کر دیکھنا کہ اِس رونے کے ثمرات تجھے کیا ملتے ہین رونے مین بڑی کرامت ہے تو اِسکو لغو نہ سمجھنا دیکھ ابر روتا ہے تو شاخین سر سبز و شاداب ہوتی ہین اور شمع روتی ہے تو اور روشن ہوتی ہے پس معلوم ہوا کہ گریہ نفع لازم بھی رکھتا ہے اور متعدی بھی پس تو ہنسنے والون کی محفل مین نہ بیٹھنا بلکہ جہان لوگ روتے ہین وہان بیٹھنا تاکہ اُنکو

روتے دیکھ کر تجھے بھی آنے کیونکہ تو ان سے زیادہ رونے کا مستحق ہے کیونکہ ان کا تو کوئی فانی محبوب اِن سے جاتا رہا ہے گو اصلی لعل نما ہے باقیہ بھی کھو گیا۔ لیکن اسکی ان کو پروا نہیں بخلاف تیرے کہ تیرا بیش قیمت اور بے بہا لعل کھو گیا اور تجھے اسکا خیال بھی ہے اِس لیے رونے کا زیادہ مستحق تو ہے چونکہ نقش تقلید بھی دل کے لیے ایک کرا ہے جو کہ فیضان حق کو دلمین پہونچنے سے روکتا ہے اِس لیے جا اور آنسوؤن سے اِس کرے کو صاف کر اور اس روک کو اُٹھا کیونکہ تقلید محض اور نقل صرف ہر بھلائی اور خوبی کے لیے آفت ہے اِسلیے تقلید اگر پہاڑ کے برابر بھی ہے تب بھی تنکے کے مانند بے حقیقت ہے کیونکہ ایک اندھا آدمی گو کتنا ہی قوی اور کتنا ہی غصہ ور ہو مگر چونکہ اِس کے آنکھین نہین اِس لیے محض گوشت کا لوتھڑا ہے اسیطرح مقلد کو سمجھو کہ وہ بھی اندھا ہے پس اِسکی تقلید گو کتنی ہی قوی ہو مگر کس کام کی۔ مقلد اگر بال سے بھی باریک بات کہے گا تو بھی فضول کیونکہ خود اِس کے دماغ کو تو خبر ہے ہی نہین صرف سنی سنائی ہانک رہا ہے خود نہین سمجھتا کیونکہ صاحب حال نہین اور جب تک حال نہ ہو اُسوقت تک سمجھنا حقیقت مین سمجھنا نہین کہا جا سکتا۔ بلکہ سمجھنے کی نقل ہے وہ مستی بھی رکھتا ہے اور ہاؤ ہو بھی کرتا ہے لیکن شراب مین اور اسمین بہت بعد ہے اور یہ مستی بلا شراب کے ہے۔ لہذا نقلی ہے۔ اُسکی مثال ایسی ہے جیسے ایک ندی کہ خود تو پانی نہین پیتی مگر پیاسون تک پانی پہنچاتی ہے کیونکہ اپنی باتون سے وہ خود کچھ فائدہ نہین اُٹھاتا۔ ہان سامعین مین جو اہل دل ہین وہ اِن سے مستفید ہوتے ہین اور یہ علوم و معارف اِسکو کیون فائدہ نہین پہنچاتی اِسکی وجہ یہ ہے کہ اِسکو طلب اور پیاس نہین اور جب تک طلب اور پیاس نہ ہو اسوقت تک علوم و معارف کچھ مفید نہین ہوتے سمجھو کہ ندی اپنے پانی سے مستفید کیون نہین ہوتی اِسکی وجہ یہی ہے کہ اُسے پیاس اور پانی کی طلب نہین نیز اُس مقلد و ناقل علوم و معارف بیان کرنے والے اور رونے پیٹنے والے کی مثال ایسی ہے جیسے بانسری کہ نالہ و زاری کرتی ہے مگر اِس سے اِسکو کچھ فائدہ نہین ہوتا صرف خریداری کے لیے بیگار بھگت رہی ہے کہ مشتری اِسکو خرید لے اور مالک کو فائدہ ہو یون ہی اُس مقلد کا علوم و معارف بیان کرنا اور رونا پیٹنا اِسکو کچھ نافع نہین بلکہ طالبین اہل دل کی بیگار ہے کہ وہ اِس سے منتفع ہون گے۔ ناقل گفتار اور مقلد کو ایسا سمجھو جیسے نوحہ گر کیونکہ نوحہ گر دل سے تو روتا نہین بلکہ اِسکا مقصود کچھ وصول کرنا ہوتا ہے یون ہی اِس مقلد کی یہ گفتار پر اسرار و معارف دل سے تو ہے نہین بلکہ صرف طلب مال و جاہ کے لیے ہے۔ نوحہ گر موثر اور سوز سے پُر باتین کرتا ہے مگر نہ اِسکے دلمین سوز ہے اور نہ اِسکا دامن پھٹا ہوا ہے پس یون ہی یہ مقلد بھی ہے۔ بات یہ ہے کہ مقلد ناقل اور محقق صاحب دل مین زمین آسمان کا فرق ہے اگر محقق کو داؤد علیہ السلام سے تشبیہ دیجئے اور اُسکی تحقیق کو لحن داؤدی سے تو مقلد پہاڑ کے مشابہ اور اسکی نقل کو صدائے بازگشت کہنا چاہیے کہ آوازین دونون ایک ہین مگر ایک اصل ہے اور دوسری نقل محقق کی گفتگو کا سرچشمہ سوز دل ہوتا ہے اور مقلد و ناقل چونکہ کہنہ مشق ہے اِس لیے کہتا ہے دیکھ مقلد کی المناک گفتگو سے دھوکھا نہ کھانا کیونکہ یہ درد جو اِس گفتگو مین ہے وہ اِس کے سوز دل کے سبب نہین بلکہ یہ کلام کسی دل جلے کا ہے اِس لیے اِسمین یہ درد ہے لہذا اِس کی مثال ایسی ہے جیسے بوجھ تو بیلون پر ہے اور گاڑی چون چون کرتی ہے اِس لیے کہ درد تو دوسرے کے دلمین ہے

اور ظاہر اسکی زبان سے ہو رہا ہے مگر مطلقاً مقلد بھی برا اور ثواب سے محروم نہیں کیونکہ محقق ہونے کے لیے اولاً مقلد بننے کی ضرورت ہے۔ پس جو شخص محقق ہونے کے لیے مقلد بنے وہ ضرور ثواب کا مستحق ہے آخر نوحہ گر کو بھی تو اجرت ملتی ہی ہے۔ ہکو تو مقصود اس مقلد کی مذمت ہے جس کو محض نقل اور تحصیل حطام دین مقصود ہوا اور اس تقلید کو تحقیق کا ذریعہ بنانا مد نظر نہ ہو (ف مولانا نے مقلد بحت۔ اور مقلد لاجل التحقیق دونوں کو نوحہ گر سے تشبیہ دی مقلد بحت اور نوحہ گر میں وجہ شبہ نقل بغرض تحصیل حطام دنیا ہے اور مقلد لاجل التحقیق اور نوحہ گر میں استحقاق اجر ہے نقل خوب سمجھ لو دہوکھا نہ کھانا) محقق اور مقلد بحت میں فرق یوں بھی سمجھو کہ مومن ہو یا کافر۔ خدا دونوں کہتے ہیں مگر ان کے درمیان جو فرق ہے وہ ظاہر ہے اور دیکھو۔ کہ گدا اگر بھی خدا کہتا ہے اور متقی بھی۔ مگر اول روٹی کے لیے کہتا ہے اور دوسرا اخلوص دل اور اطاعت محضہ سے جنمیں شائبہ بھی غرض کا نہیں پس جو فرق ان دونوں میں ہے۔ وہی فرق مقلد و محقق میں ہے آگے نصیحت فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ بھلے مانس روٹی کے لیے اللہ اللہ کے نعرے لگاتا ہے نہایت نازیبا حرکت ہے اگر تجھے فائدہ مقصود ہے تو غرض چھوڑ اور بلا کسی طمع کے آ۔ اور اللہ اللہ کہہ۔ افسوس گدا اگر کو خبر نہیں کہ میرے پاس کیسی دولت ہے اور میں اس کو کس بے دردی اور بے قدری سے ضائع کر رہا ہوں اگر اس اللہ اللہ کی حقیقت اسے معلوم ہوتی پھر نہ اسکی نظروں میں کم چیز سماتی نہ زیادہ اور وہ اسکو ہفت اقلیم کی سلطنت کی تحصیل کا بھی ذریعہ نہ بناتا۔ روٹی تو درکنار وہ ٹکڑ گدا ہر سوں اللہ اللہ کہتا ہے مگر اسی ناواقفیت کے سبب اس کے برکات و ثمرات محمودہ سے محروم رہتا ہے اور اسکی مثال ایسی ہوتی ہے جیسے گدھا جو کہ چارہ کی لالچ میں کلام اللہ کو کمر پر لاد کر منزل مقصود تک پہنچاتا ہے اگر اس کے دل پر اس گفتگوے زبانی کی کچھ بھی چوٹ پڑ جاتی تو اسکا قالب ریزہ ریزہ ہو جاتا۔ بھلے مانس ذرا سمجھ تو سہی کہ جادوگری میں شیاطین کا نام منزل مقصود تک پہنچا دیتا ہے کیا خدا کے نام میں اتنی تاثیر بھی نہیں ہے۔ اور ضرور ہے مگر تو اس سے کام نہیں لیتا۔ بلکہ تو تو اسکو کوڑیوں کی تحصیل کا آلہ بناتا ہے۔ اس بیان پر یہ شبہ ہوتا تھا کہ جس شے میں کوئی تاثیر ہوتی ہے وہ اسکی حقیقت سے واقفیت پر موقوف نہیں ہوتی مثلاً سنکھیا قاتل ہے سو وہ اسوقت بھی قاتل ہے جب کہ کوئی شخص یہ نہ جانتا ہو کہ یہ سنکھیا ہے یا اسمیں یہ تاثیر ہے پس مولانا حکایت آئندہ سے اس استبعاد و شبہ کا ازالہ فرماتے ہیں۔

شرح شبیری

این سزاے آنکہ الخ۔ یعنی یہ سزا اس شخص کی ہے جو کہ صاف پانی پاوے اور پھر ندی میں گدھے کی طرح بیہودگی سے پیشاب کر دے مطلب یہ کہ جو شخص ایسے نبی کو جو کہ مثل آب صاف کے ہیں پاوے اور پھر اُن کے سامنے اپنے تن ظاہری کی زیبائش اور آرائش کی درخواست کرے اور اُن سے یہ چاہے کہ تن ظاہری کو وہ زندہ کر دیں تو اس شخص پر بڑا تعجب ہے اور اسکی یہ سزا ہے کہ اسکا ظاہری بدن بھی خراب ہو اور باطن تو خراب ہو ہی جاوے گا اور یہ ساری خرابی اسکی ہے کہ اس شخص کو اس نعمت کی قدر نہیں ہے اور یہ نہیں جانتا کہ اس سے کیا نفع حاصل کرنا چاہیے اس لیے ان بیہودگیوں میں پھنس رہا ہے ورنہ اگر جانتا تو کبھی ایسی حرکت نہ کرتا اسی کو فرماتے ہیں کہ

گر بدانداِ الخ۔ یعنی اگر وہ گدھا اس ندی کی قیمت اور قدر جانتا تو اس کے اندر پاؤں کی جگہ سر رکھتا مطلب یہ

اگر یہ شخص انکی قدر جانتا اور حقیقت کو دیکھ لیتا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کیا چیز ہین اور کس کام کے ہین تو پھر تو انکا تابع اور مطیع ہو جاتا اور جو چیز ان سے حاصل کرنی چاہیے تھی یعنی حیات روحانی اسکو حاصل کرتا آگے پھر افسوس فرماتے ہین کہ جب کسی کو ایسے نبی ملین اور وہ انکی یہ قدر کرے تو بڑی حسرت کی بات ہے اسی کو فرماتے ہین کہ۔

او بیا ید الخ۔ یعنی جو شخص کہ ان جیسے پیغمبر کو پاوے جو کہ امیر آب ہین اور زندگانی بخشنے والے ہین تو ان کے سامنے امر کن سے یہ کہتا ہوا کیون نہ مرجائے کہ اے امیر آب ہمکو زندہ کردے۔ امیر آب وہ کہلاتا ہے جو پانی تقسیم کرے اور چونکہ آب موجب حیات ہوتا ہے تو قاسم آب کو قاسم حیات کہنا صحیح ہے اور امر کن ہین امر سے مراد تشریعیات ہین تکوینیات نہین ورنہ تکوینیات کا تخلف تو امر کے بعد محال ہے اب سمجھو کہ فرماتے ہین کہ بڑے افسوس کی بات ہے کہ کسی کو ایسی حیات بخش زندگی پرور نبی ملین اور وہ انکا مطیع اور فرمانبردار نہ ہو اور انکا مطیع ہو کر ان سے حیات روحانی کا سائل نہ ہو اور شریعت پر عمل نہ کرے جس کے لیے کہ ہر وقت کن کا خطاب متوجہ ہو رہا ہے اسکو تو چاہیے کہ بس جس طرح وہ حکم کرین اسپر عمل کرے اور اپنی رائے اور سمجھ کو مطلق دخل نہ دے۔ بلکہ اسکا تو یہ مذہب ہونا چاہیے کہ سے زندہ کنی عطائے تو ور بکشی فدئے تو + دل شدہ مبتلائے تو ہر چہ کنی رضائے تو + اس کے سامنے تو کالمیت فی ید الغسال ہونا چاہیے اور انکی خدمت مین یہ عرض کرے کہ اے حیات روحانی کے بخشنے والے مجھے حیات روحانی عطا فرما۔ اور خبردار اپنے نفس کمینہ کی حیات کو اس معطی حیات سے مت طلب کر اسی کو فرماتے ہین کہ۔

ہین سگ نفس الخ۔ یعنی ہان اپنے اس نفس کتے کی زندگی مت چاہ اس لیے کہ یہ تیری جان کا دشمن ایک مدت سے ہے لہذا اگر تو اسکی حیات کو مانگے گا اور اسکی دعا کریگا تو یہ سمجھ لینا کہ اپنے دشمن کو خود اپنے سر پر سوار کر لینا ہے۔ خدا کے لیے اس دشمن کو فنا اور ہلاک ہی کر دینا کہین اسکی زندگی کی درخواست مت کرنے لگنا اور اسمین لگ کر اس حیات حقیقی کو مت بھول جانا اسی کو فرماتے ہین کہ۔

خاک بر سر الخ۔ یعنی اس ہڈی پر خاک پڑے کہ وہ اس کتے کو جان کے شکار کرنے سے مانع ہو جاوے مطلب یہ کہ اس جسم پر (جو کہ ہڈیان اور گوشت ہی ہے) خاک پڑے جب کہ یہ انسان کو معانی کے شکار سے مانع ہو اور اسکو معانی کے حاصل کرنے سے جو کہ جان کی طرح ہین اور توجہ الی الحق سے روک کر ان ہڈیون مین لگانے خدا کرے یہ کہین غارت ہو اور اسپر خاک پڑے آگے فرماتے ہین کہ تم کو جو یہ گوشت پوست توجہ الی الحق سے مانع ہو جاتا ہے تو تم کہین کتے تو نہین ہو کہ کتے کی طرح ان چیزون پر گرے جاتے ہو فرماتے ہین کہ۔

سگ نہ استخوان الخ۔ یعنی تو کتا تو نہین ہے جو ہڈی پر عاشق ہے اور جونک کی طرح خون پر کس لیے فریفتہ ہے مطلب یہ کہ تم جو اپنے جسم کی اور تن ظاہر کی حیات پر جان دیتے ہو اور وہ بھی ہڈی وغیرہ ہی تو تم کتے تو نہین ہو اس لیے کہ ہڈی پر تو کتا عاشق ہوتا ہے اور جس طرح جونک خون پر فریفتہ ہوتی ہے اسیطرح تم بھی اپنے خون پر فریفتہ ہو رہے ہو کہ بس ہر وقت اسی کی فکر مین لگے ہوئے ہو اسکی فکر

چھوڑ دو اور حیات اصلی اور حقیقی کی فکر کرو آگے مولانا اس مضمون سے انتقال فرما کر اُس پہلے مضمون کی طرف جو کہ آنکھ حقیقت بین نہ ہو وہ اندھی ہے اور اُسکو بینا نہ کہنا چاہیے رجوع فرماتے ہین کہ۔

آن چہ چشمست الخ۔ یعنی وہ کیا آنکھ ہے جسکی بینائی نہین اور امتحانون سے اُسکو رسوائی کے سوا کچھ حاصل نہین مطلب یہ کہ جو آنکھ حقیقت بین نہ ہوا ور جسکو معرفت حق نہ ہو وہ تو ایسی ہے جیسے کسی شخص کے حلقہ چشم تو ہین تپلی ہین روشنی نہین ہے اور وہ دعویٰ کرے کہ مین بینا ہون پس جب امتحان ہوگا اور کوئی شے سامنے پیش کرکے کہا جاویگا کہ بتاؤ کیا ہے تو اُس وقت بجز اس کے کہ رسوائی ہو اور کچھ نتیجہ نہین ہو سکتا پس اسیطرح جو نگاہ حق شناس نہین گو بظاہر بینا معلوم ہوتی ہے مگر حقیقۃً وہ کور ہے کسی نے خوب کہا ہے کہ ؎

یارب نہ ہو وہ دل کہ جو درد آشنا نہ ہو + پھوٹے وہ آنکھ جس سے کہ آنسو بہا نہ ہو+ یا الٰہی ہمین سب کو اپنی معرفت اور اپنی محبت عطا فرما آمین۔ اب یہان کوئی یہ کہہ سکتا تھا کہ ہم سے جو غلطیان ہوتی ہین جس سے کہ معلوم ہوتا ہے کہ ہم اندھے ہین وہ بھول سے ہوجاتی ہین ورنہ عمداً ہم کبھی نہین کرتے آگے مولانا اسکا جواب فرماتے ہین کہ۔

سہو باشد الخ۔ یعنی ظنیات مین بھول کبھی کبھی ہوجاتی ہے (اسکا تو کچھ مضائقہ نہین مگر) یہ کیسا ظن ہے کہ اندھے ہی ہوکر راہ چلتے ہو مطلب یہ کہ اگر بھول چوک کہا جاوے تو بھول تو کبھی کبھی ہوتی ہے مگر یہ امور تو روزانہ پیش آتے ہین جس سے کہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ سہو نہین ہے بلکہ یہ ساری خرابی اسکی ہے کہ حقیقت کو جانتے نہین بس اندھون کی طرح جو دل مین آیا کر لیا کچھ خبر نہین کہ انجام کیا ہوگا۔ اپنی خبر تو لیتے نہین اور دوسرون پر افسوس کرتے ہو کہ تم ایسے ہو اور تم ایسے ہو حالانکہ تم کو تو اپنے ہی اوپر گریہ وزاری کرنے سے فرصت نہ ہوتی۔ یہ فرصت تو کہ دوسرون کے عیوب گنے جاوین علامت ہے غفلت کی لہذا ذرا سوچو اور اسکا تدارک کرو اسی کو آگے فرماتے ہین کہ۔

گرد برد یگران الخ۔ یعنی تم دوسرون پر افسوس اور نوحہ گری کرتے ہو (کہ فلان شخص ایسا ہوگیا حالانکہ تمکو چاہیے کہ) ایک مدت بیٹھ کر اپنے اوپر گریہ وزاری کرو اور خداوند کریم سے گریہ وزاری کرکے قصور معاف کراؤ آگے گریہ کی حکمت بتاتے ہین کہ رونے سے کیا ہوگا فرماتے ہین کہ۔

ز ابر گریان الخ۔ یعنی ابر کے رونے سے شاخ سبز اور تر ہوجاتی ہے اور اس لیے کہ شمع رونے سے زیادہ روشن ہوجاتی ہے جیسا کہ ظاہر ہے کہ جس قدر گھلتی ہے اُسی قدر زیادہ روشن ہوتی ہے پس اگر تم بھی روو گے اور اپنی حالت پر گریہ وزاری کروگے تو تم بھی اسیطرح روشن ہوگے اور تمھارا باطن منور ہوجاویگا اور شاخ سبز و تر کی طرح تمکو باطنی تر و تازگی حاصل ہوگی۔ پس تمکو چاہیے کہ درگاہ حق مین آہ وزاری کرو اور ایسے ہی لوگون کی صحبت مین رہو جو کہ رونے والے ہین اگرچہ اُنکا رونا تضنع ہی سے ہو مگر پھر بھی تم اُن سے ملو اور اُن کے پاس بیٹھو اس لیے کہ اُن کے پاس بیٹھنے سے تمکو بھی رونا آویگا جیسا کہ قاعدہ ہے اسی کو فرماتے ہین کہ۔

ہر کجا نوحہ کنند الخ۔ یعنی جہان نوحہ کرنے والے ہون وہان تو بھی بیٹھ اس لیے کہ اُنکی نسبت کر تجھکو

رونا اولیٰ ہے اس لیے کہ۔

زانکہ ایشان الخ۔ یعنی تو اس لیے اولیٰ ہو کہ یہ لوگ تو ایک شئے فانی کو فراق اور فنا کی وجہ سے رو رہے ہین اور اُس سوتی سے جو کہ معدنی ہے اور باقی ہے غافل ہین پس جبکہ یہ اپنی لاعلمی کی وجہ سے فانی شے کے فوت ہونے پر اس قدر نوحہ وبکا کر رہے ہین تو بڑا تعجب ہے کہ تو ایک اُس شے کے فوت ہونے پر بھی آہ وزاری نہ کرے جو کہ ہمیشہ باقی رہنے والی ہے اور حقیقی لعل کی طرح ہے پس تیرا یہ نہ رونا اس لیے ہے کہ تو بروں کی تقلید کرتا ہے اور اُسکا اثر تجھ پر ہے اسی کو فرماتے ہین کہ۔

زانکہ بر دل الخ۔ یعنی (یہ حقیقت کو نہ دیکھنا اور اپنی حالت پر گریہ وزاری نہ کرنا) اس لیے ہے کہ دل پر (بروں) کی تقلید کی قید لگی ہے سو جاؤ اور آنکھ کے پانی سے اسکو اس قید سے چھوڑاؤ اور پھر اُس قید سے چھوٹر اکر اُسکو خدا کی طرف لگا دو۔ یہ بروں کی تقلید بہت بڑی مہلک شے ہے خدا کے لیے اس سے بچتے رہنا کہین اسمین پھنس نہ جانا اسی کو فرماتے ہین کہ

زانکہ تقلید آفت الخ۔ یعنی اس لیے کہ یہ تقلید (بدان) ہر نیکی کی آفت ہے (اور اُسکو ہلاک کر دینے والی شے ہے) سو تقلید بدون کو ایک تنکے کے برابر سمجھو اگرچہ (بظاہر) ایک قوی پہاڑ معلوم ہو آگے اسکی ایک مثال دیکر اسکی توضیح فرماتے ہین کہ۔

گر ضریرے الخ۔ یعنی اگر کوئی اندھا بہت ہی فربہ اور تیز غصہ والا ہے (یعنی بہت ہی کچھ فربہ اور چالاک ہے) مگر تم اُسکو ایک گوشت کا لوتھڑا سمجھو اس لیے کہ اُسکی آنکھ نہین ہے۔ اسیطرح جس شخص کی آنکھ حقیقت کو نہ دیکھے وہ تو بالکل فضول اور کالعدم ہے اُس کا ہونا اور نہ ہونا برابر ہے لہذا یہ شخص خواہ کسی قدر تیز ہو سب کچھ ہو مگر کسی مصرف اور کسی کام کا نہین اگرچہ زبان سے بہت ہی بک بک کرتا ہو اسکا کچھ اعتبار نہین لمتر بلام مفتوح قوی ہیکل و فربہ۔ اور چونکہ یہ شخص اندھا ہونیکی وجہ سے کسی شے کو دیکھ تو سکتا نہین اس لیے جو کچھ بھی کہے گا سُنی ہوئی کہے گا اور دوسرون کی تقلید سے کہے گا۔ پس ظاہر ہے سہ شنیدہ کے بود مانند دیدہ ؎ اسی کو فرماتے ہین کہ۔

گر سخن گوید الخ۔ یعنی اگرچہ یہ اندھا بال سے بھی باریک بات سکلے لیکن اسکی خبر اُس کے سر کو نہ ہوگی اس لیے جو کہیگا بے دیکھی ہوگی اور جب بے دیکھی ہے تو اُسکو پوری طرح سمجھ کر نہ کہیگا پس اُس کے سر کو کیا خبر کہ اُس نے کیا کہا صرف زبان سے جو چاہا نکالدیا اور چاہے وہ باتین کر کر کے بہت ہی مست ہو جاوے اور یہ معلوم ہو کہ اسکو بے حد لذت اور لطف ہو رہا ہے مگر سب کو غلط سمجھو کہ یہ جو کچھ کہہ رہا ہے بالکل بے سمجھے کہہ رہا ہے اسی کو فرماتے ہین کہ۔

مستئے وارد الخ۔ یعنی وہ اپنی گفتگو کی وجہ سے مستی رکھتا ہے (اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اپنی باتون کو اس قدر سمجھتا ہے کہ خود بھی مست ہوا جاتا ہے مگر) اُس سے شراب (حقیقی) تک (جو کہ مست کر دینے والی ہے) ایک بہت بڑا راستہ ہے اور بہت بڑا تفاوت ہے کہاں وہ اور کہاں وہ مست کر دینے والی شراب کو سون دور پڑا ہے اسکو اُسکی ہوا بھی نہین لگی آگے ایسے شخص کی جو کہ محقق نہ ہو بلکہ صرف

مقلد بنکر زبانی باتین کرے اور دلین اُسکے کچھ نہ ہو ایک مثال دیتے ہین کہ۔
ہمچو جوئیست الخ۔ یعنی (یہ شخص) مانند ایک ندی کے ہے کہ وہ خود پانی نہین پیتی بلکہ پانی اُسمین سے پینے والون پر گذرتا ہے اور وہ اُس سے منتفع ہوتے ہین اسیطرح یہ شخص جوکہ علوم و معارف کو یاد کر کے دوسرون کی دیکھا دیکھی بیان کرتا ہے تو اُس کے قلب کو تو اِن سے خاک بھی فائدہ نہین ہان جو لوگ سن رہے ہین اُن کو ضرور نفع ہوگا مگر یہ کورے کا کورا رہے گا۔ آگے اِسکی وجہ بتاتے ہین کہ ندی مین پانی کیون نہین ٹھہرتا فرماتے ہین کہ۔
آب در جوزان الخ۔ یعنی ندی کا پانی ندی مین اس لیے نہین ٹھہرتا کہ ندی کو پیاس نہین ہے اور وہ پانی پینے والی نہین ہے ورنہ اگر وہ پیاسی ہوتی تو سارا پانی اُسی مین جذب اور ہضم ہو جایا کرتا دوسرون تک پہونچتا ہی کیون اسیطرح اگر اِس شخص کو طلب ہوتی تو یہ علوم خود اسی کے قلب مین نہ رہتے دوسرون تک کیون پہنچتے اور کیون گاتا پھرتا معلوم ہوتا ہے کہ خود اسکو طلب نہین ہے اِس لیے وہ معانی وغیرہ بھی اِس کے پاس نہین ٹھہرتے بلکہ بس آئے اور گذر رے ذرا اپنا کچھ اثر نہین کرتے۔ آگے ایک اور مثال دیتے ہین کہ۔
ہمچو نائے الخ۔ یعنی (جو حقیقت مین نہ ہو) وہ مثل نئے کے ہے کہ آہ وزاری بہت کرتی ہے لیکن (خود اُسمین اُسکا کوئی اثر نہین ہوتا بلکہ) خریدار کی بیگار کر رہی ہے کہ اُسکو حظ آرہا ہے اور وہ خوش ہو رہا ہے مگر اِن حضرت کو پتہ بھی نہین اسیطرح جو شخص کہ محقق نہین ہوتا بلکہ صرف مقلد ہوتا ہے وہ بھی باتین تو سنی سنائی کہدیتا ہے اور اُسکا نفع سامعین کو ہوتا ہے مگر اُس کے قلب پر اسکا کوئی اثر نہین ہوتا۔ آگے ایک اور مثال دیتے ہین کہ۔
نوحہ گر باشد الخ۔ یعنی (دیکھو) نوحہ گر باتون مین مقلد ہوتا ہے (جو باتین اور لوگ کہہ رہے ہین اُن ہی کو یہ بھی دُہرا کر آہ و واویلا کر رہا ہے حالانکہ اِس کے دل مین رنج و غم سے ایک ذرہ بھی نہین) اور اِس خبیث کی مراد سوائے طمع کے کچھ بھی نہین ہوتی بلکہ اُسکو تو یہی مقصود ہوتا ہے کہ اِس آہ وزاری کرنے سے مجھے کچھ ملیگا۔ کوئی بات دل سے نہین کہتا اِس لیے کہ اُس کے دل مین رنج ہی نہین ہوتا (نوحہ گر سے وہ مراد ہے جو لوگ اپنا پیشہ کر لیتے ہین کہ جہان مجلس غم ہوئی اور اُن کو کچھ ملا اُنھون نے رونا شروع کیا جیسے کہ اکثر مجالس مراثی وغیرہ مین ایسے لوگ ہوتے ہین) آگے اِسی کو فرماتے ہین کہ کہان اُسکی یہ واویلا اور کہان رنج دلی فرماتے ہین کہ۔
نوحہ گر گوید الخ۔ یعنی نوحہ گر سوزناک باتین کہتا ہے لیکن (اصلی) سوز دل اور دامان چاک کہان ہے وہ صرف بناوٹ سے سارے کام کرتا ہے دل پر اُس کے کوئی اثر نہین ہوتا اسیطرح وہ لوگ ہین جو کہ صرف مقلد ہین خود محقق نہین ہین کہ اُنکو صرف الفاظ یاد ہوتے ہین اور وہ اُنکو دُہرا دُہرا کر مست ہوئے جاتے ہین اور دل کورا کا کورا پڑا ہوا ہے آگے فرماتے ہین کہ مقلد اور محقق مین بہت زیادہ فرق ہے کہ محقق جو کہتا ہے دل سے کہتا ہے اور از دل خیزد بر دل ریزد کا مصداق ہوتا ہے اور مقلد کے پاس صرف زبانی جمع خرچ ہوتا ہے بس فرماتے ہین کہ۔

از مقلد تا محقق الخ۔ یعنی مقلد اور محقق میں بہت زیادہ فرق ہے اور یوں سمجھو کہ اسکی (یعنی محقق کی) مثال تو ایسی ہے کہ جیسے داؤد علیہ السلام تھے کہ خود صاحب آواز تھے اور وہ دوسرا (یعنی مقلد) ایسا ہے کہ جیسے آواز ہوتی ہے کہ صرف الفاظ اور صوت ہوتی ہے اور کچھ نہیں ہوتا اور داؤد کی ذات خود کامل تھی اسی طرح جو محقق کہیگا وہ تو وہ بات کہیگا جو کہ سمجھی ہوتی اور دل سے ہوگی اور جو شخص کہ اسکی تقلید کر رہا ہے وہ صرف ایک آموختہ سا جو کچھ اسکو پہلے سے یاد ہو پڑھتا چلا جاویگا اسی کو فرماتے ہیں کہ۔

منبع گفتار الخ۔ یعنی اس (محقق) کی بات تو سوز دل سے ہوگی اور مقلد تو ایک پڑھا ناسیکھا ہوا ہوگا اسکو کچھ خبر بھی نہ ہوگی کہ میرے منھ سے کیا نکل رہا ہے بس ایک آموختہ سا یاد ہوگا اور ہر جگہ اسی کو پھیر دیگا کسی نے خوب کہا ہے ؎ کہاں سے لائیگا قاصد بیان میرا زبان میری + مزا جب تھا کہ خود سنتے زبانی داستان میری + اس لیے کہ جس درد سے خود متکلم اپنی حالت زار کو بیان کریگا دوسرا وہ درد کہاں سے لاویگا کہ جو محبوب کے دل پر اور دوسرون کے دل پر بھی اثر کر جاوے پس اگر یہ قاصد اترانے لگے کہ ہم بھی اس محبوب کے سامنے اس حالت کو بیان کر آئے تو یہ اسکی سراسر بیوقوفی ہے اسی کو ایک مثال دیگر واضح فرماتے ہین کہ۔

ہین مشو غرہ الخ۔ یعنی ہان تم کہین اس غمگین گفتگو سے مغرور مت ہو جانا اس لیے کہ اسکی تو ایسی مثال ہے کہ جس طرح) بوجھ تو بیلون پر ہوتا ہے اور گاڑی مین سے آواز نکلتی ہے حالانکہ اس گاڑی کو بوجہ جماد محض ہونے کے یہ بھی خبر نہین کہ مجھ پر بوجھ ہے کہ نہین مگر پھر بھی آپ چون چون کر رہی ہے جو بیل بیچارے بوجھ کھینچ رہے ہین اور اسکو محسوس بھی کرتے ہین وہ چپ چاپ جا رہے ہین کہ جیسے ان پر کچھ ہے ہی نہین بس اسیطرح جو کہ مقلد ہین وہ تو بک بک لگاتے ہین اور خاک بھی خبر نہین ہوتی کہ اس قول سے مقصود کیا ہے بہت واویلا کرتے ہین لیکن مطلوب کی خبر نہین اور جو لوگ محقق ہوتے ہین وہ تو زبان بھی نہین ہلاتے اور چپ چاپ اس بار محبت کو کھینچتے ہین اور اُف نہین کرتے جو گذرتا ہے دل پر گذرتا ہے۔ لیکن اگر کوئی محقق نہ ہو اور مقلد ہی ہو کر نقلین اُتارا کرے تو وہ بھی انشاء اللہ ثواب سے محروم نہ رہیگا اسی کو فرماتے ہین کہ۔

ہم مقلد الخ۔ یعنی مقلد بھی ثواب سے محروم نہ رہے گا جب کہ اس نقل سے بھی نیت درست ہو اور اگر نیت مین بھی خرابی ہے تو کچھ نہ ملیگا۔ اگلے مصرعہ مین ایک مثال سے سمجھاتے ہین کہ دیکھو نوحہ گر کو بھی حساب مین مزدوری ملتی ہے جس طرح اسکو اصلی رنج نہ تھا بلکہ صرف دوسرون کی نقل اُتار کر سوزناک باتین کر رہا تھا لیکن اسکو بھی مزدوری ملتی ہے اسیطرح اگر تم دل سے یہ باتین نہ بھی کہو گے بلکہ خلوص سے دوسرون کی نقلین بھی اُتارو گے تو انشاء اللہ تم بھی محروم نہ رہو گے اس لیے کہ خود فرماتے ہین کہ ان لم تبکوا فتباکوا یعنی اگر حقیقۃً رونا نہ آوے اور نہ روسکو تو رونے والون کی صورت ہی بنالو تو اگرچہ انمین سے نہ ہوگے مگر انکی نقل اُتارنے والون مین سے تو ہوگے کسی نے خوب کہا ہے ؎ احب الصالحین ولست منہم + لعل اللہ یرزقنی صلاحاً + آگے ایک اور مثال سے واضح کرتے ہین کہ دیکھو ایک بات

ہوتی ہے اور دو کہنے والے ہوتے ہیں اس لیے اس ایک ہی بات میں کس قدر فرق ہو جاتا ہے فرماتے ہیں کہ
کافر و مومن الخ۔ یعنی کافر اور مومن دونوں خدا کہتے ہیں اور اسکو مانتے ہیں (اس لیے کہ ایسے اندھے تو
بہت ہی کم ہیں جو کہ وجود صانع کا بالکل انکار کرتے ہیں اکثر تو ایسے ہیں کہ صانع عالم کو مانتے ہیں مگر دیکھو
ان دونوں کے درمیان میں ایک عظیم الشان فرق ہے دونوں ایک بات کہنے والے اور پھر کس قدر
فرق ہے سو یہ سارا فرق اسی کے باعث ہے کہ ایک سمجھ کر کہہ رہا ہے اور اسکو مانتا ہے مع اسکی
معرفت کے اور دوسرا اسکو صرف دلائل کی وجہ سے مانتا ہے کہ جب وہ دیکھتا ہے کہ یہ دنیا کا کارخانہ
چل رہا ہے اور بظاہر اسکا چلانے والا کوئی نظر نہیں آتا تو مضطر ہو کر صانع کے وجود کا قائل ہوتا ہے
اور جو مومن ہے وہ اسکو مانتا ہے مع اسکی معرفت کے اگرچہ معرفت اسکو بھی ان اسباب سے ہی
ہوتی ہے مگر بعد معرفت انکی طرف التفات نہیں رہتا بلکہ بس وہ اسکا ہو گیا شیخ سعدی فرماتے ہیں کہ
سے آنکس کہ ترا شناخت جان را چہ کند ✽ فرزند و عیال و خانمان را چہ کند ✽ وہ تو زبان حال سے ہر وقت
یہ کہتا ہے کہ سے رہے وہ جان جہان یہ جہان رہے نہ رہے ✽ مکین کی خیر ہو یا رب مکان رہے نہ رہے ✽
اور وہ بیچارہ کافر کچھ بھی نہیں جانتا بس ان اسباب ہی میں پھنس جاتا ہے خوب سمجھ لو آگے ایک اور
مثال دیتے ہیں فرماتے ہیں۔ کہ

آن گدا گوید الخ۔ یعنی دیکھو فقیر خدا کہتا ہے روٹی کے واسطے اور متقی خدا کا نام لیتا ہے تو عین جان سے
پس دیکھو ایک ہی نام دو کے منھ سے نکلتا ہے اور کس قدر فرق ہے کہ ایک بے ادب ہے اور دوسرا
مقرب اور پہلے شعر میں ایک مردود ہے اور دوسرا محبوب ہے یہ ساری وجہ اسی سمجھ اور عقل اور تحقیق
کی ہے ورنہ یہ فرق کیوں ہوتا پس ہم بھی ان لذات دنیا کے واسطے خدا کا نام لیتے ہیں ذرا ان کو ترک
کردیں اور پھر خدا کا نام لیں دیکھو کیا اثر ہوتا ہے اور کیسی برکت ہوتی ہے اسی کو فرماتے ہیں کہ۔

اللہ اللہ الخ۔ یعنی تم اللہ اللہ روٹی کے واسطے کہتے ہو (تاکہ نعماء دنیا حاصل ہوں) اے کمبخت اس
طمع کو چھوڑ اور پھر آکر خدا کا نام لے اور دیکھ کہ کس طرح برکات نازل ہوتی ہیں آگے فرماتے ہیں کہ۔

گر بداند سے الخ۔ یعنی اگر وہ فقیر (جو کہ روٹی کے واسطے خدا کا نام لے رہا ہے) اپنے اس قول (کی حقیقت)
کو جان لیتا تو پھر اسکی نگاہ میں نہ کم رہتا نہ زیادہ بس وہ تو اسکا ہو جاتا یہ ساری خرابی تو اسی کی ہے کہ حقیقت
یعنی حاصل نہیں ہے اور ہم اس سے بالکل خالی ہیں آگے اسی کو فرماتے ہیں کہ۔

سالہا گوید الخ۔ یعنی یہ شخص برسوں تک خدا کا نام روٹی (اور معاش دنیوی) کے واسطے لیتا ہے جس طرح
کہ گدھا کہ قرآن کا بوجھ اٹھاتا ہے گھاس کے واسطے اسیطرح ہم جو حقیقت کو نہیں جانتے ان علوم و معانی
کا بوجھ اٹھا رہے ہیں اور اس نام پاک کو لے رہے ہیں تاکہ اسکو دیکھ کر لوگ پھندے میں پھنسیں اور سمجھیں کہ
حضرت تو بڑے صوفی ہیں کس قدر علوم و معارف بیان فرماتے ہیں بس اسکی ایسی ہی مثال ہے جیسے کہ
کسی نے کہا ہے سے حرف درویشان بدزدد مرد دون ✽ تا بہ پیش جاہلان خواند فسون ✽ اگر ان کے یہ
کلمات دل میں بھی جگہ کئے ہوئے ہوتے تو پھر ان کی یہ حالت تھوڑا ہی رہتی یہ تو کچھ اور ہی ہو جاتے

اسی کو فرماتے ہین کہ۔
گر بدل در تافتے الخ یعنی اگر یہ اسکی زبانی گفتگو دل مین بھی چمک جاتی تو اسکا قالب ذرہ ذرہ ہوجاتا اور یہ جسم ظاہری بھی پھٹ کر ٹکڑے ٹکڑے اڑ جاتا آگے فرماتے ہین کہ۔
نام دیوے الخ یعنی ایک دیو کا نام تو ساحری مین اپنا اثر کر جاوے (اور ساحر اس نام خبیث پر مٹا ہے) تو بڑے شرم اور غیرت کی بات ہے کہ تم نام پاک حق تعالےٰ سے ایک پیسہ حاصل کرو یعنی اس کمینی دنیا کو حاصل کرو جو کہ کالعدم اور لاشے ہے اور اس نام کے ذریعہ سے اپنے حلوا مانڈے کو درست کیا جاوے تم سے تو وہ ساحر اس صفت مین بہتر ہے کہ ایک کا ہو تو رہا آگے ایک حکایت بیان فرماتے ہین کہ جسطرح یہ شخص حقیقت نہ جاننے کے باعث دھوکہ مین تھا اسیطرح بوجہ حقیقت سے اندھا ہونے کے ہم بھی دھوکہ مین پڑے ہوے ہین پس فرماتے ہین کہ۔

شرح حبیبی

خاریدن روستائی در تاریکی شیر را بظن آنکہ گاوست

روستائے گاؤ در آخر بہ بست	شیر گاوش خورد و بر جائش نشست
روستائے شد در آخر سوے گاؤ	گاؤ را مے جست شب آن کنجکاؤ
دست می مالید بر اعضاے شیر	پشت و پہلو گاہ بالا گاہ زیر
گفت شیر ار روشنی افزون بدے	زہرہ اش بدریدے و دل خون شدے
این چنین گستاخ زان می خاردم	کو درین شب گاؤ می پندار دم

ایک دیہاتی نے اپنا بیل آخور پر باندھا۔ شیر نے اسکا بیل تو کھالیا اور خود اسکی جگہ بیٹھ گیا پیچھے سے دیہاتی آگیا اور وہ متلاشی بیل کو رات مین ڈھونڈھنے لگا جب بیل کی جگہ پہونچا تو شیر کو بیل سمجھ کر اسکے اعضا پر ہاتھ پھیر تا رہا کبھی پشت پر ہاتھ پھیرتا تھا کبھی پہلو پر۔ کبھی اوپر کبھی نیچے۔ شیر نے دل مین کہا کہ اگر روشنی زیادہ ہوتی تو اسکا پتہ پھٹ جاتا۔ اور دل خون ہوجاتا اس طرح بیباکانہ مجھے اس لیے کھجلا رہا ہے کہ رات مین وہ مجھے بیل سمجھتا ہے یعنی مجھ مین بزدل آدمی کا پتہ پھاڑ دینے اور دل خون کر دینے کی خاصیت ہے لیکن اسپر جو اثر نہین ہوتا اسکی وجہ یہ ہے کہ یہ میری حقیقت سے واقف نہین آگے نتیجہ کے طور پر فرماتے ہین کہ۔

شرح شبیری

ایک دیہاتی کا شیر کو چمکارنا گاے کے دھوکے مین

روستا ے گاو الخ۔ یعنی ایک دیہاتی نے گاے آخور مین باندھ دی شیر نے اسکی گاے تو کھالی اور اسکی جگہ پر بیٹھ گیا۔

روستائی شد الخ۔ یعنی وہ دیہاتی آخور مین گاے کی طرف گیا اور گاے کو رات کے وقت تجسس کی طرح ڈھونڈھ رہا تھا۔

دست می مالید الخ۔ یعنی وہ دیہاتی اُس شیر کے اعضا پر ہاتھ ملتا تھا کبھی پشت پر کبھی پہلو پر کبھی نیچے غرض کہ خوب سہلا رہا تھا۔

گفت شیر از الخ۔ یعنی اور شیر کہہ رہا تھا کہ اگر روشنی زیادہ ہوتی تو اُس شخص کا پتہ پھٹ جاتا اور دل خون ہو جاتا۔

این چنین گستاخ الخ۔ یعنی یہ اِس طرح گستاخی (اور آزادی) سے اِس لیے مجھے کھجا رہا ہے کہ وہ رات کی وجہ سے مجھے گاے سمجھ رہا ہے۔ اگر اسکی آنکھ اِسوقت بینا ہوتی اور مجھے پہچانتا اور میری حقیقت کو سمجھتا تو ہرگز ایسی گستاخی نہ کرتا۔ آگے مولانا اس حکایت سے انتقال فرماتے ہین کہ اسیطرح ہم حقیقت نام حق سے ناواقف اور اندھے ہو رہے ہین اگر ہمکو معلوم ہو جاوے کہ یہ کیا چیز ہے تو پھر اسکے ساتھ اِس قدر لاپروائی اور بے التفاتی کا برتاؤ نہ کرین بس فرماتے ہین۔

شرح حبیبی

حق ہمی گوید کہ اے مغرور کور	نے ز نامم پارہ پارہ گشت طور
کہ لو انزلنا کتابا للجبل	لانصدع ثم انقطع ثم ارتحل
از من از کوہ اُحد واقف بُدے	پارہ گشتے و دلش پر خون شدے
از پدر وز مادر این بشنیدۂ	لاجرم غافل درین پیچیدۂ
گر تو بے تقلید ازو واقف شدے	بے نشان بے جاے چون ہاتف شدے
بشنو این قصہ پئے تہدید را	تا بدانی آفت تقلید را

حق سبحانہ فرماتے ہین۔ کہ اے دھوکے مین مبتلا اندھے کیا میرے نام کی تجلی سے کوہ طور پارہ پارہ نہین ہو گیا۔ اور فرماتے ہین کہ اگر ہم کتاب کو پہاڑ پر نازل کرتے۔ تو وہ پھٹ جاتا پھر منقطع ہو جاتا۔ پھر چلدیتا۔ اگر کوہ احد مجھ سے واقف ہوتا تو وہ بھی ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا۔ اور اسکا دل بھی پر خون ہو جاتا۔ اچھا اب اسکی وجہ سُن کہ تجھپر اثر کیون نہین ہوتا۔ اِسکی وجہ یہ ہے کہ تو نے ماں باپ سے سُن لیا ہے اور یہی مین پھنسا ہوا ہے۔ اور تحقیق کا درجہ حاصل نہین کیا اگر تو تقلید سے جدا ہو کر۔ اِس سے واقف ہوتا تو تو بھی ہاتف کی طرح بے نشان محسوس و بے مکان محسوس ہو جاتا۔ اچھا اب تو ایک قصہ سُن جس سے تجھے تقلید محض کی خرابی معلوم ہو۔

شرح شبیری | حق ہمی گوید الخ۔ یعنے حق سبحانہ تعالے فرماتے ہین کہ اے اندھے مغرور کیا

میرے نام ہی سے طور جیسے پہاڑ کے ٹکڑے ٹکڑے نہ ہو گئے تھے۔ مگر تو ایک وہ ہے کہ جس طرح تھا ویسا ہی ہے اور تیرے اندر کچھ بھی اثر نہیں ہوتا۔ اور نام سے پارہ پارہ ہونا اس لیے فرمایا کہ اُس وقت بھی تو ایک اسم کی تجلی ہی ہوئی تھی جس کے سبب سے طور بالکل خاک سیاہ ہو گیا یہ عظمت تو ہمارے نام کی ہے اور کتاب کی عظمت یہ ہے کہ۔

کہ لو انزلنا الخ۔ یعنی حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اگر ہم اپنی کتاب کو کسی پہاڑ پر اتارتے تو وہ پھٹ جاتا اور پھر ٹوٹ جاتا اور پھر (اپنی جگہ سے) چل بھی دیتا۔ یعنے اُس پر اُس کتاب کی عظمت وجلال کا یہ اثر ہوتا تو حیف ہے انسان پر کہ اُس پر بالکل بھی اثر نہ ہو۔ اور بُت سا بنا رہے ف اِس شعر پر اور اِسیطرح اسکے ماخذ یعنے آیت لو انزلنا ہذا القرآن علی جبل الخ پر یہ شبہ ہوتا ہے کہ یہ الزام تو مقبولین مطیعین پر بھی عائد ہوتا ہے کہ وہ بھی اِس درجہ تو قرآن سے متاثر نہیں ہوئے۔ جواب یہ ہے کہ مقصود اِس سے اِس درجہ کی تاثیر کی مطلوبیت نہیں ہے کیونکہ اِس صورت میں تو پھر اطاعت ہی کا تحقق نہ ہوگا اور یہ حکمت تکلیف کے خلاف ومنافی ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ قرآن مجید سے جو کہ فی نفسہ ایسا مؤثر ہے گو اسکی اتنی تاثیر انسان میں بوجہ حکمت مطلوب نہیں مگر جس قدر مطلوب ہے اُس قدر تو انسان کو مؤثر ہونا چاہیے جیسا مطیعین ہوتے بھی ہیں فافہم۔ (حضرت والا دام ظلہم نے یہ فائدہ راقم کو لکھ کر عنایت کیا تھا کہ اسکو یہاں بڑھا دوں) آگے پھر اسی کو فرماتے ہیں کہ۔

از من ار کوہ الخ۔ یعنی حق تعالےٰ فرماتے ہیں کہ اگر احد پہاڑ مجھ سے واقف ہوتا تو اُسکو میری معرفت ہو جاتی تو ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا اور اُس کا دل خون ہو جاتا یعنے اُسکی ہستی فنا ہو جاتی پس حیرت ہے کہ انسان کو اثر نہ ہو۔ اور یہ اثر اِس لیے نہیں ہوتا کہ خود تو حاصل کیا نہیں بے محنت مل گیا ہے فرماتے ہیں کہ

از پدر وز مادر الخ۔ یعنے ماں باپ سے اِس (نام پاک) کو سُن لیا ہے اِسی لیے غافل کی طرح اِسمیں کیسا ہوا ہے مطلب یہ ہے کہ خدا کا نام ماں باپ سے سُن لیا ہے اِس لیے اُسکی کوئی قدر نہیں ہے اور بالکل بے پرواہ اور غافل رہتا ہے۔ اور بے التفاتی سے اِس نام پاک کو لیتا ہے اگر محقق ہو کر اِس نام پاک کو لیتا تو جانتا کہ کیا چیز ہے اب تو ماں باپ کی سُنی سنائی باتیں خود بھی کہنے لگے۔ اِسی کو فرماتے ہیں کہ۔

گر تو بے تقلید الخ۔ یعنے اگر تو اُس سے بے تقلید کے واقف ہوتا تو بے نام اور بے محل ہاتف کی طرح ہو جاتا اگرچہ ہاتف بھی بادی ہے اور اُس کا محل اور مقام سب کچھ ہے مگر جس طرح وہ بظاہر دکھلائی نہیں دیتا اسیطرح تم بھی اُس سے واقف ہو کر اپنی ہستی کو مٹا دیتے اور یہ حالت ہوتی کہ ؎ چو سلطان عزت علم برکشد۔ جہاں سر بجیب عدم درکشد ٭ پس اسیطرح اُسکو جان کر اپنے نشان کو بے نشان اور اپنی ہستی کو عدم سمجھنے لگتے آگے فرماتے ہیں کہ۔

بشنو این قصۂ الخ۔ یعنے اب تم اِس قصہ (ذیل) کو تہدید کے واسطے سُن لو تاکہ تم کو محقق نہ ہونیکی اور صرف) تقلید کی آفات اور خرابیاں معلوم ہو جاویں۔

شرح حبیبی

فروختن صوفیان بہیمۂ صوفی مسافر را جہت سفرہ وطعام

صوفیے در خانقاہ از رہ رسید
مرکب خود برد و در آخر کشید

آبکش داد و علف از دست خویش
نے چو آن صوفی کہ ما گفتیم پیش

احتیاطش کرد از سہو و خباط
چون قضا آید چہ سود از احتیاط

صوفیان درویش بودند و فقیر
کاد فقرٌ ان یکن کفرا یبیر

اے تو نگر تو کہ سیری ہین مخند
بر کژی آن فقیر دردمند

از سر تقصیر آن صوفی رمہ
خر فروشے در گرفتند آن ہمہ

کز ضرورت ہست مردارے مباح
بس فسادے کز ضرورت شد صلاح

ہمدران دم آن خرک بفروختند
لوت آوردند و شمع افروختند

ایک صوفی کسی خانقاہ مین کہین سے آپہونچا۔ وہان پہونچکر اُس نے اپنی سواری کا جانور (گدہا) آخور پر باندھ دیا۔ اور پانی بھی خود ہی پلایا۔ اور چارہ بھی اپنے آپ ہی ڈالا۔ اِس صوفی کی طرح جسکا ذکر ہم نے پیشتر کیا ہے دوسرے کے بھروسہ نہین رہا۔ اِس سے مقصود اُسکی احتیاط تھی۔ کہ کہین بھول چوک اور کوئی بے عنوانی نہ ہو۔ لیکن حکم خداوندی اور تقدیر الٰہی کے سامنے احتیاط بالکل بے سود ہے۔ وہ صوفی لوگ مفلس و محتاج تھے اِس لیے اُنکی نیت بدل گئی۔ اور کچھ عجب نہین کیونکہ بعض فقر تو کفر عظیم کا سبب ہو جاتا ہے۔ یعنی جبکہ غنی القلب نہ ہو۔ یہ تو بد دیانتی اور اضاعت اور اتلاف حق عبد ہی ہے۔ لیکن اے تونگر تو سیر ہے۔ تجھے ایسے لوگون کی حالت معلوم نہین پس تجھے ایسے المناک محتاجون کی اِس روش کج پر ہنسنا اور اُنکی تحقیر کرنا نہ چاہیے۔ بلکہ اِسکا علاج اور تدارک کرنا چاہیے تجھے کیا معلوم کہ اگر تو اِس مصیبت مین مبتلا ہو تو اسوقت تیرا کیا حال ہو۔ ممکن ہے کہ تیری نوبت کفر تک پہونچ جاوے۔ خیر تو اِس صوفیون کی جماعت نے غلطی سے اور بطور معصیت کے یا بہ سبب دولت دنیوی و اخروی سے کم بضاعتی کے اِس گدھے کے بیچنے کی ٹھان لی اور حیلہ یہ تراشا کہ گو یہ فعل حرام ہے مگر الضرورات تبیح المحظورات یعنی ضرورت کے وقت بعض ناجائز امور بھی جائز ہو جاتے ہین اور بہت سے نقصانات اور خرابیان صلاح و درست ہو جاتی ہین۔ مگر احتیاج اور طمع نے انکو یہ نہ سوچنے دیا کہ وہ کونسی ضرورتین ہین جن سے مردار حلال ہو جاتا ہے یہ سوچ کر انھون نے اِس گدھے کو بیچ ڈالا اور انواع و اقسام کے کھانے لائے۔ اور شمع روشن کی غرض خوب ٹھاٹھ بنایا۔

شرح شبیری

صوفیوں کا ایک مسافر صوفی کے جانور کو فروخت کرڈالنا کھانے اور سماع کے لیے

صوفی در خانقاہ الخ۔ یعنی ایک صوفی راستہ سے خانقاہ مین پہونچا اور اپنی سواری کو آخور کی طرف کھینچا۔ یعنی لیجا کر باندھ دیا۔ اور۔

آبکش داد الخ۔ یعنی اُس جانور کو تھوڑا پانی اور گھاس اپنے ہاتھ سے دیا۔ اور اُس صوفی کی طرح نہین جسکا کہ ہم نے پہلے ذکر کیا ہے یعنی اُسکی طرح غافل نہین ہوا اور دوسرون پر بھروسہ نہ کیا بلکہ اُسکی خدمت خود کی اور۔

احتیاطش کرد الخ۔ یعنی بھول سے اور خبط سے اُسکی احتیاط کی۔ مگر جب قضا آوے تو احتیاط سے کیا فائدہ ہوتا ہے۔ وہی ہوتا ہے جو منظور خدا ہوتا ہے۔

صوفیان درویش الخ۔ یعنی وہ سارے صوفی (جوکہ وہان جمع ہو گئے تھے) مفلس اور فقیر تھے اور قریب ہے کہ (ایسا) فقر کفر کبیر ہو جاوے یعنی سبب ہو جاوے۔ کفر کبیر کا اور یہان فقر سے مراد بعض فقر ہے ورنہ کل فقر تو ایسا نہین ہوتا اس لیے کہ ارشاد ہے الفقر فخری۔ پس بعض فقر ایسا ہوتا ہے کہ جو کفر تک نوبت پہونچا دیتا ہے۔ یہان یہ مقصود ہے کہ ان لوگونکا فقر ایسا ہی تھا اور وہ فقر جو کہ اس حدیث کا مصداق ہے یہان نہ تھا اس لیے کہ سب مکار تھے۔ آگے مولانا فرماتے ہین کہ۔

اے تونگر تو الخ۔ یعنی اے تونگر جو کہ پیٹ بھرا ہوا ہے ہرگز اس دردمند صوفی کی کجی پر مت ہنس اس لیے کہ جس مصیبت اور بلا رفقر مین یہ مبتلا ہے کیا خبر ہے کہ اگر تم مبتلا ہوتے تو تم کیا کچھ کر بیٹھتے۔ پس مقصود مولانا کا یہ ہے کہ جو شخص کہ گناہون مین مبتلا ہے اور تم نیک ہو تو اُس گنہگار پر مت ہنسو۔ اس لیے کہ کیا خبر ہے کہ تم خود بھی اُسی مین مبتلا ہو جاؤ۔ جیسا کہ حدیث مین بھی ہے۔ من ضحک ضحک یعنی جو کسی پر ہنسے وہ خود بھی ہنسا جاتا ہے اس طرح سے کہ وہ بھی اُسی مین مبتلا ہو جاتا ہے۔ اور دوسرے اُسپر ہنستے ہین جیسے کہ یہ ہنستا تھا۔ لہٰذا اُسکو حقیر و ذلیل مت سمجھو۔ بلکہ اُسپر تاسف کرو۔ اور اُسکی حالت سے دردمند ہو اور اُسکی تدبیر نرمی سے یا سختی سے جیسا موقعہ ہو اور مناسب ہو کرو۔ اور خود حق تعالےٰ سے ہر وقت پناہ مانگو۔ آگے فرماتے ہین کہ۔

از سر تقصیر الخ۔ یعنی ان صوفیون کی جماعت نے بسبب (اوس) کمی کے (جو اُنہین تھی) سب نے خر فروشی اختیار کی۔ مطلب یہ کہ چونکہ یہ لوگ کامل تو تھے نہین کہ جسکی وجہ سے صبر و استقلال کامل ہوتا اور اس مصیبت پر صبر کرتے اس لیے سب نے یہ حرکت کی کہ اُس صوفی جدید کا گدہا فروخت کر دیا۔ اور اُس خر فروشی کے جواز کے لیے یہ بات گھڑی کہ۔

در ضرورت ہست الخ۔ یعنی (وہ صوفی کہنے لگے کہ) ضرورت مین تو مردار بھی مباح ہو جاتا ہے اور بہت سے فساد ضرورت کی وجہ سے اچھے اور درست اور جائز ہو جاتے ہین ان حضرات نے

ضرورت کو بھی خود ہی تراشا اور اُسپر احکام بھی خود ہی جاری کر لیے اور سب حلال کر کرا اُس غریب کا گدھا فروخت کر دیا۔ بس جب یہ سمجھ لیا اور اُسکو ضرورت کی وجہ سے حلال سمجھا تو۔
ہم در آندم الخ۔ یعنی (بس یہ سوچ کر) اُسی وقت اُس گدھے کو فروخت کر دیا۔ (اور پھر) عمدہ عمدہ کھانے لائے۔ اور شمع روشن کی۔ یعنی پھر کیا تھا خوب چہل پہل ہو گئی۔ لوت بوا و المجہول غذاے عمدہ و نفیس ولذیذ۔

شرح حبیبی

ولولہ افتاد اندر خانقہ	کامشان لوت و سماع وولولہ
چند ازین صبر و ازین سہ روزہ چند	چند ازین زنبیل و این دریوزہ چند
ما ہم از خلقیم و جان داریم ما	دولت امشب میہمان داریم ما
تخم باطل را از ان مے کاشتند	کانکہ آن جان نیست جان پنداشتند

اب کیا تھا خانقاہ میں ایک شور مچ گیا۔ کہ آج کی رات کھانے بھی خوب اُڑین گے محفل سماع بھی ہو گی۔ اور خوب شور بیگی اور اُچھل کود ہو گی۔ کیوں نہ ہو آخر صبر کب تک اور تین تین دن کے روزے کب تک۔ جھولی کب تک اور دریوزہ گری کب تک۔ کبھی تو ہم کو بھی چین نصیب ہو آخر ہم بھی تو مخلوق خدا ہیں۔ ہمارے بھی تو جان ہے۔ خیر آج تو دولت ہمارے یہاں میہمان ہے۔ آج تو جی بھر کے مزے لوٹ لیں یہ لوگ باطل کا بیج اِسلیے بو رہے تھے اور خیال باطل اِسلیے جما رہے تھے کہ اِن احمقوں نے نفس کو روح سمجھا۔ اور جو جان نہیں تھی اُسکو جان گمان کیا اور نفس کے تقاضے کو روح کا تقاضا خیال کیا۔

شرح شبیری ولولہ اُفتاد الخ۔ یعنی (جب کہ یہ لذیذ اور عمدہ کھانے وغیرہ آ گئے تو) خانقاہ میں ایک شور ہو گیا کہ آج کی رات تو عمدہ کھانے ہیں اور سماع ہے اور جوش ہے مطلب یہ کہ اب کیا ہے مزے ہیں خوب اُڑاؤ اور سماع سنو اور جوش کرو۔ اِس لیے کہ اِس قدر تو فاقے اُٹھائے اور آخر ہماری بھی تو جان ہے پھر کیوں نہ کھاویں اِسی کو فرماتے ہیں کہ۔
چند ازین صبر الخ۔ یعنی کہاں تک صبر ہوا اور یہ تین دن کے روزے کہاں تک اور یہ جھولی کب تک اور یہ بھیک کہاں تک آخر ہم تو مخلوق ہیں اور جان رکھتے ہیں اور آج کی رات تو دولت ہمارے یہاں میہمان ہے۔ چونکہ یہ بچارے بہت ہی بھوکے تھے۔ اِس لیے کہنے لگے کہ اب صبر کہاں تک کریں اب تو دولت ہمارے یہاں میہمان ہے خوب مزے اُڑاوین گے۔ آگے مولانا فرماتے ہیں کہ۔
تخم باطل الخ۔ یعنی (یہ لوگ) تخم باطل اِسلیے بو رہے تھے (یعنی بُرے کام کہ اُس بیچارے کا گدھا چرا کر فروخت کر دیا اِس لیے کر رہے تھے) کہ جو چیز جان نہیں تھی (اور قابل پرورش نہیں تھی) اُسکو جان سمجھے مطلب یہ کہ چونکہ یہ لوگ نفس ہی کی حیات کو حیات سمجھے اِس لیے اُسی کی پرورش میں اور اُسی کی تغذیہ میں لگ گئے۔ اور اِس غذا کی تحصیل بھی ناجائز طریق سے کی حالانکہ پرورش کے قابل روح ہے

اور اصل حیات روحانی ہے۔ ورنہ اگر جسمانی حیات ہو اور روح مردہ کی طرح ہو تو پھر کس کام کا وہ تو بالکل فضول ہے۔ یہ لوگ تو لطف اور مزے مین تھے اور وہ مسافر غریب تھکا ماندہ تھا تو اُسکی اُن حضرات نے خوشامد مین خوب خدمت کی کہ کہین اُسکو رات مین خبر نہ ہو جاوے اسی کو فرماتے ہین کہ۔

شرح حبیبی

وان مسافر نیز از راہ دراز — خستہ بود و دید آن اقبال و ناز

صوفیانش یک بیک بنواختند — نرد خدمتہاش خوش می باختند

آن یکے پایش ہمی مالید دوست — وان یکے پرسیدش از جاے نشست

وان یکے افشاند گرد از رخت او — وان یکے بوسید دستش را و رو

گفت چون میدید میلان شان بوے — گر طرب امشب نخواہم کرد کے

ان صوفیون کی تو یہ حالت تھی اور وہ مسافر بیچارہ بھی درازی سفر سے تھکا ماندہ تھا یہان آکر اُسنے وہ توجہ اور الطاف دیکھے جنکا ہم آگے ذکر کرتے ہین تو بیچارہ دھوکے مین پڑکر نفع ونقصان سب کچھ بھول گیا۔ ایک ایک صوفی نے اُسکی خوب آؤ بھگت کی۔ اور اُسکی خدمت کرنے مین نہایت ہوشیاری سے چالین چلین کہ اِسے کسی قسم کا شبہ نہ ہو جاوے کوئی پاؤن دباتا تھا کوئی ہاتھ۔ کوئی کہتا حضرت یہان تشریف رکھیے کوئی انکے اسباب کی گرد جھاڑتا تھا۔ کوئی ہاتھ چومتا اور پیشانی پر بوسہ دیتا تھا۔ غرض وہ ان چاپلوسیون سے اِس قدر مغرور ہوا کہ دلمین کہتا تھا کہ آج بھی مزے نہ اُڑائے تو پھر کب اُڑائین گے۔

شرح شبیری وان مسافر الخ۔ یعنی اور وہ مسافر دور کے سفر کی وجہ سے (تھکا ماندہ اور) خستہ ہو رہا تھا اُس نے (ان لوگونکی اِس قدر) توجہ دیکھی اور ناز برداری تو خوش ہوا اور خواہش سماع اور مجلس طرب کی کی جیسے کہ آگے معلوم ہوتا ہے۔ آگے ان صوفیون کی توجہ اور ناز برداری کو بیان فرماتے ہین کہ اُنھون نے کیا کیا کیا۔ فرماتے ہین کہ۔

صوفیانش الخ۔ یعنی وہ صوفی ایک ایک اُسکو نوازتا تھا اور اُسکی خدمت کی چوسر خوب خوش ہوکر کھیل رہے تھے۔ مطلب یہ کہ ہر شخص الگ الگ خدمت کے لیے کمربستہ اور تیار تھا۔ اور۔

آن یکے الخ۔ یعنی کوئی اُس کے ہاتھ پاؤن دباتا تھا اور کوئی اُسکی قیامگاہ کو دریافت کرتا تھا۔ کہ حضرت کا دولتخانہ کہان ہے غرض کہ اُسکا گدہا فروخت کیا اور خوب اُس کو گدہا بنایا اچھی بیچارے کی کمبختی آئی۔

وان یکے الخ۔ یعنی اور کوئی اُس کے اسباب مین سے گرد جھاڑ رہا تھا اور کوئی اُس کے ہاتھ اور منھ چومتا تھا۔ غرض کہ جب وہ خوب گدھے بن لیے اور ذرہ مزہ مین آگئے تو اب آپ کو مستی سوجھی اور بولے کہ۔

گفت چون الخ۔ یعنی جب اُس نے اُنکا میلان اپنی طرف دیکھا تو بولا کہ اگر آج ہی کی رات طرب کرونگا توکب کرونگا یعنی آج تو یاران مجلس موجود ہین اور ہر طرح کا سامان موجود ہے پھر آج تو ضرور سماع ہونا چاہیے بہتر ہے آگے یہ ساری سستی نکلے گی ذرا ٹھہر جائیے۔

شرح حبیبی

لوت خوردند و سماع آغاز کرد	خانقہ تا سقف شد پُر دود و گرد
دودِ مطبخ گرد آن پا کوفتن	ز اشتیاق و وجد جان آشوفتن
گاہ دست افشان قدم می کوفتند	گہ بسجدہ صفہ را می روفتند

غرض جب خوب سیر ہوکر کھانا کھا چکے تو قوالی شروع ہوئی اور خانقاہ چھت تک گرد اور دھوئین سے پُر ہوگئی۔ دھوان تو باورچیخانہ کا تھا جسمین کھانے تیار کیے گئے تھے اور گرد وہ تھی جو پاؤن سے گت بجانے اور شوق و وجد سے جان کو پریشان کرنے اور اوچھل کود سے اُڑی تھی۔ اُن صوفیونکی قوالی مین یہ حالت تھی کہ کبھی تو ہاتھ نچا نچا کر پاؤن سے گت بجاتے تھے اور کبھی پیشانی زمین پر رگڑتے اور اس طرح صفہ مین جھاڑو دیتے تھے۔

شرح شبیری | لوت خوردند الخ۔ یعنی سب نے کھانا کھایا اور سماع شروع ہوا۔ تو خانقاہ چھت تک دھوئین اور گرد سے بھر گئی۔ آگے بتاتے ہین کہ یہ دھوان اور گرد کہان سے آیا۔ پس فرماتے ہین کہ۔

دودِ مطبخ الخ۔ یعنی دھوان تو باورچیخانہ کا تھا۔ (اس لیے کہ آج تو خوب کھانے پکے ہین) اور گرد اُس پاؤن پٹکنے کی تھی (جو کہ وجد کی حالت مین ہوا تھا) اور اشتیاق اور وجد کی اور جان کے آشفتہ ہونے کی وجہ سے خوب اوچھل کود رہے تھے۔

گاہ دست الخ۔ یعنی کبھی تو تالیان بجاتے ہوے پیر پٹیتے تھے اور کبھی سجدہ سے اُس صفہ کو (یعنی چبوترہ وغیرہ کو صاف کر رہے تھے اِس لیے کہ جب لوٹتے تھے تو وہان کی جگہ تو صاف ہوتی ہی تھی مطلب یہ کہ خوب وجد کر رہے تھے۔ آگے فرماتے ہین کہ یہ صوفی اِس وجہ سے مست ہوجاتے ہین کہ اُن کو کبھی کبھی کھانے کو ملتا ہے۔ تو جب ملتا ہے خوب مزہ کرتے ہین پس فرماتے ہین کہ۔

شرح حبیبی

دیر یابد صوفی آز از روزگار	زان سبب صوفی بود بسیار خوار
جز مگر آن صوفیے کز نور حق	سیر خورد و فارغ ست از ننگ و دق
از ہزاران اندکے زین صوفی اند	باقیان در دولت او می زیند

چونکہ زمانہ صوفیون کو بہت دیر مین اُنکا مطلوب دیتا ہے۔ اِس لیے یہ لوگ بہت حریص اور

بہت کھانے والے ہوتے ہین اور کھانے کے لیے جائز اور ناجائز کچھ نہین دیکھتے الا وہ صوفی جسنے نور حق اور نور معرفت سے اچھی طرح اپنا پیٹ بھر لیا ہے وہ بیشک اس قسم کی شرمناک اور قابل ملامت باتون سے بالکل بے کھٹکے ہین۔ لیکن اس قسم کے صوفی ہزارون مین معدودے چند ہین۔ اور یہ نقلی صوفی انھین کی بدولت جیتے ہین کہ لوگ ان کو اُن کے مشابہ دیکھ کر ان کے مثل سمجھ جاتے ہین اور جس طرح اُنکی خدمت کرتے ہین یون ہی اُنکی بھی خاطر تواضع کرتے ہین۔

شرح شبیری | دیر یابد الخ۔ یعنی چونکہ اپنی تمنا کو زمانہ سے بہت دیر مین پاتا ہے اس لیے صوفی بہت کھاؤ ہوتا ہے کیونکہ جسے روز ملے اسکی تو نیت بھری رہتی ہے اور جسے بعد تمناؤن کے ملا ہو وہ تو ہوس کا مارا ایک دم سے بیحد کھا جاویگا۔ لیکن یہ حالت اُن صوفیون کی ہے جو کہ مکار ہوتے ہین اور حقیقۃً صوفی نہین ہوتے اور جو صوفی حقیقی ہوتے ہین وہ ایسے نہین ہوتے بس اسی کو مولانا فرماتے ہین کہ۔

جز مگر آن الخ۔ یعنی سوائے اُس صوفی کے کہ جو نور حق کو سیر ہو کر کھا چکا ہے وہ اس تنگ و دق سے فارغ ہوتا ہے۔ دق سے مراد دروازون پر جاکر آواز دینا۔ جیسا کہ شیخ سعدی کہتے ہین دمِ دق الباب کرم الفتح۔ مطلب یہ کہ جو شخص کہ نور حق سے پر ہے اور اُس کے اندر حق تعالےٰ کی معرفت اور اُسکا نور بھرا ہوا ہے وہ ان بیہودہ حرکتون اور گداگری سے فارغ اور علٰحدہ ہے اُسکو اسکی غرض نہین کہ وہ تمام دنیا پر گرتا پھرے مگر اس قسم کا صوفی کہین ہزارون مین سے ایک ہوتا ہے اور باقی جو مکار ہین وہ سارے اِن ہی کے طفیل مین کھانے والے ہین اسی کو فرماتے ہین کہ۔

از ہزاران الخ۔ یعنی ہزارون مین سے تھوڑے سے اس قسم کے صوفی ہین اور باقی انکی دولت اور اِن کے طفیل مین زندگی بسر کرتے ہین اس لیے کہ عوام الناس تو یہ نہین جانتے کہ اِن دو مین کون مکار ہے اور کون سچا ہے بلکہ وہ تو صرف یہ دیکھتے ہین کہ جس شخص کی صورت درویشون کی سی ہو گی بس وہ سچا ہی ہو گا۔ لہٰذا مکار لوگ بھی اُن ہی کی صورت بنا لیتے ہین اور عوام دھوکے مین آجاتے ہین پس یہ مکار ان ہی کے طفیل سے زندگی بسر کرنے والے ہوئے اب آگے مولانا پھر اُس حکایت کی طرف رجوع فرماتے ہین کہ۔

شرح حبیبی

چون سماع آمد ز اول تا کران	مطرب آغازید یک ضرب گران
خر برفت و خر برفت آغاز کرد	زین حراره جملہ را انباز کرد
زین حراره پائے کوبان تا سحر	کف زنان خر رفت و خر رفت ای پسر
از رہِ تقلید آن صوفی ہمین	خر برفت آغاز کرد اندر حنین

جب قوالی کی نوبت ابتدا ہی مین بربط تک پہونچی تو قوال نے ایک زبردست گت بجائی شروع کی

اور گدہا چلد یا گدہا چلدیا گانا شروع کیا اور اس ترانہ مین سب کو شریک کر لیا۔ سب لوگ اسی ترانہ سے صبح تک پاؤن سے گت بجاتے رہے۔ اور گدہا چلد یا گدہا چلد یا کہتے ہوئے تالیان بجاتے رہے۔ انکی دیکھادیکھی اس گدھے والے صوفی نے بھی رد رو کر گدہا چلدیا گدہا چلدیا کا راگ الاپنا شروع کر دیا۔

شرح شبیری | چون سماع آمد الخ۔ یعنی جبکہ سماع اول سے آخر تک آیا۔ یعنی خوب جوش مین ہونے لگا) تو مطرب نے بر بط پر ایک چوٹ شروع کی۔ کران یعنی بربط۔

خر برفت الخ۔ یعنی (اس مطرب نے بربط پر ایک چوٹ لگا کر) خر برفت و خر برفت شروع کر دیا اور اس ترانہ مین سب کو شریک کر لیا۔ یعنی کچھ ایسے جوش کے ساتھ کہا کہ سب کے سب جوش مین آکر یہی کہنے لگے اور۔

پائے کوبان الخ۔ یعنی اس ترانہ کی وجہ سے پاؤن پیٹ رہے اور تالیان بجا بجا کر کہہ رہے تھے خر برفت و خر برفت والے پسر یعنی اس مصرعہ کو سب لوگ کہہ رہے تھے۔ اور خوب کود ناچ رہے تھے غرض انپر تو مستی سوار تھی۔ مگر اُن حضرت صوفی نو وارد صاحب کو دیکھئے کہ وہ بھی تو ان ہی کے ساتھ ہو گئے اور خود بھی یہی کہنے لگے۔ اسی کو مولانا فرماتے ہین کہ۔

از رہ تقلید الخ۔ یعنی تقلید کے طریقہ پر اس صوفی نے بھی یہی خر برفت غمگین آواز مین کہنا شروع کر دیا اس لیے کہ وہ لوگ تو شرارت سے کہہ رہے تھے اور شاید یہ حضرت یون سمجھے ہون گے کہ خر برفت سے یہ مراد ہے کہ قوت بہیمیہ جاتی رہی ہے۔ جو کہ گدھے کے مانند تھی بس یہ بھی اُن صوفیون کے ساتھ بے حقیقت کو سمجھے ہوئے وہی الفاظ دُہرانے لگے۔

شرح حبیبی

چون گذشت آن نوش و جوش آن سماع	روز گشت و جملہ گشتند الوداع
خانقہ خالی شد و صوفی بماند	گرد از رخت مسافر می فشاند
رخت از حجرہ برون آورد او	تا بخر بر بندد آن ہمراہ جو
تا رسد در ہمرہان او می شتافت	رفت کو را آخر خر خود را نیافت
گفت آن خادم بآبش بردہ است	زانکہ خر دوش آب کمتر خوردہ است

جب کھانا پینا اور جوش و خروش اور قوالی ختم ہوئی تو فوراً ہی دن ہو گیا۔ اور سب لوگ رخصت ہو گئے۔ اب ساری خانقاہ خالی ہو گئی اور اکیلا صوفی بیچارہ رہ گیا۔ اُس نے بھی چلنے کی تیاری کی اور اپنے سامان کو جھاڑنے پونچھنے لگا۔ بالآخر صاف کرکرا کے حجرہ سے سب سامان نکالا۔ تاکہ وہ جلدی سے گدھے پر لاد کر چلدے۔ اور ساتھیون سے جلدی ملجاوے۔ اسی لیے اسقدر جلدی کر رہا تھا جب آخور پر گیا تو گدہا ندارد۔ سوچا کہ خادم پانی پلانے لے گیا ہوگا۔ کیونکہ رات گدھے نے پانی کم پیا تھا یہ سوچ کر خاموش ہو رہا۔

شرح شبیری

چون گذشت آن نوش الخ۔ یعنی جب کہ یہ کھانا پینا اور جوش و سماع ختم ہوگیا اور دن ہوگیا اور سب نے الوداع کہی یعنی سب رخصت ہوگئے تو۔

خانقہ خالی شد الخ۔ یعنی خانقاہ خالی ہوگئی اور وہ صوفی رہ گیا تو اسباب مسافرت سے گرد جھاڑتا تھا جو کہ رات کو کودنے پھاندنے مین لگ گئی تھی۔ مطلب یہ کہ اب سب چیزین درست کر کے یہ بھی تشریف لیجانے کو تیار ہوے اور۔

رخت از حجرہ الخ۔ یعنی اُس صوفی نے اسباب حجرہ سے باہر نکالا تاکہ یہ ہمراہی کو تلاش کرنیوالا اُس اسباب کو گدھے پر باندھے ہمراہ جو مسافر کو کہدیا اُس لیے کہ اُسکو بھی ہمراہی کی تلاش ہوتی ہی یہ حضرت اسباب کو گدھے پر باندھنے چلے اب رات کے واقعات کی شرح معلوم ہوگی کہ وہ کھانا کیا تھا اور وہ سماع کیا تھا۔

تا رسد در ہمرہان الخ۔ یعنی یہ صوفی جلدی کر رہا تھا تاکہ اپنے ہمراہیون مین جلدی سے پہونچ جاوے تو یہ آخور مین گیا وہان گدھے کو نہ پایا۔ تو اب بھی اُن کو کچھہ شبہ نہین ہوا بلکہ حسن ظن کی وجہ سے کہنے لگا کہ

گفت آن خادم الخ۔ یعنی (حسن ظن کی وجہ سے) کہنے لگا کہ وہ خادم اُس کو پانی پلانے کے واسطے لے گیا ہوگا۔ اِس لیے کہ اُس نے کل پانی کم پیا تھا۔ بیچارہ بہت ہی بزرگ تھا کہ کسی کے ساتھ بدظنی ہوتی ہی نہ تھی۔ خیر اب کسر نکلتی ہے۔

شرح حبیبی

خادم آمد گفت صوفی خر کجاست
گفت خادم ریش بین جنگے بخاست

گفت خر را من بتو بسپردہ ام
من ترا بر خر موکل کردہ ام

بحث با توجیہ کن حجت میار
آنچہ من بسپردمت واپس سپار

از تو خواہم آنچہ من دادم بتو
باز دہ آنچہ کہ بسپردم بتو

گفت پیغمبر کہ دستت آنچہ برد
بایدش در عاقبت واپس سپرد

ورنۂ از سرکشی راضی بأین
نک من و تو خانۂ قاضی دین

گفت من مغلوب بودم صوفیان
حملہ آوردند و بودم نیم جان

تو جگر بندی میان گربگان
اندر اندازی و جوئی زان نشان

در میان صد گرسنہ گردۂ
پیش صد سگ گربۂ پژمردۂ

گفت گیرم کز تو ظلما بستدند
قاصد جان من مسکین شدند

تو نیائی و نگوئی مر مرا
کہ خرت را مے برند اے بے نوا

تا خر از ہر کہ بود من واخرم
ورنہ تو زنسیے کنند ایشان زرم

صد تدارک بود چون حاضر بدند
این زمان ہر یک با قلیمے شدند

من کرا گیرم کرا قاضی برم	این قضا خود از تو آمد بر سرم
چون نیابی و نگوئی ای غریب	پیش آمد این چنین ظلم مهیب
گفت و اللہ آمدم من بارہا	تا ترا واقف کنم زین کارہا
تو ہمی گفتی کہ خر رفت ای پسر	از ہمہ گویندگان با ذوق تر
باز می گشتم کہ او خود واقف است	زین قضا راضی است مرد عارف است
گفت آن را جملہ می گفتند خوش	مر مرا ہم ذوق آمد گفتنش
مر مرا تقلید شان بر باد داد	کہ دو صد لعنت برین تقلید باد
خاصہ تقلید چنین بیحاصلان	کابرو را ریختند از بہر نان
عکس ذوق آن جماعت می زدی	وین دلم از عکس ذوقین می شدی

جب خادم آگیا تو صوفی نے کہا گدہا کہان ہے۔ خادم نے جواب دیا۔ جناب ذرا اپنی ریش مبارک تو ملاحظہ کیجئے۔ یہ ریش مقطع اسیر یہ باہمین اور انمین جھگڑا شروع ہوگیا۔ صوفی نے کہا کہ گدہا مین نے تیرے سپرد کیا تھا اور تجھی کو اسکا نگران مقرر کیا تھا مین تجھ سے لونگا۔ تو معقول بات کہہ جھگڑے کی بات نہ کر اور جو مین نے تیرے سپرد کیا تھا تو اُسے واپس دے۔ مین نے جو تجھے دیا تھا وہی تو لیتا ہون تجھ سے کچھ مانگتا تو نہین۔ پس جو کچھ مین نے تجھے دیا تھا اُسکو واپس کردے۔ دیکھ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ علی الید ما اخذت۔ یعنی جو کچھ ہاتھ نے لیا ہے اسکا وہ ذمہ دار ہے اور اسکو واپس کرنا چاہیے اور اگر تو مین پلیج کریگا اور میرا گدہا مجھے نہ دیگا تو مین ہون اور تو ہے۔ اور قاضی شرع کا گھر خادم نے کہا کہ میرا کیا قصور ہے۔ صوفیون نے مجھ پر حملہ کیا مین مغلوب اور نیم جان تھا اس لیے مین اُنکی مزاحمت و مدافعت نہ کرسکا۔ ذرا تو خیال کر کہ تو اگر چھڑی کلیجی بلیون کے درمیان مین ڈالتا ہے پھر اُسے ڈھونڈھتا ہے۔ نیز سو بھوکون کے درمیان ایک روٹی رکھتا ہے۔ اور سو کتون کے آگے ایک کمزور بلی کو چھوڑتا ہے پھر ایسی صورت مین وہ روٹی اور بلی بچ سکتی ہے۔ یعنی لٹنے قزاقونکی اندر گدھو کو مجھ بیچارہ کے سپرد کرکے پھر مجھ سے مطالبہ کرتا ہے۔ تیری عقل کہان ہے۔ اسپر صوفی نے کہا کہ اچھا مین نے مانا کہ انھون نے تجھ سے جبراً چھین لیا اور تو انکی مزاحمت نہ کرسکتا تھا۔ اور ان کمبختون نے مجھ غریب کی جان لینے کی ٹھان لی لیکن یہ کون سی بات تھی کہ تو مجھ تک نہ آئے اور آکر یہ نہ کہے کہ یہ لوگ تیرا گدہا لیے جاتے ہین تاکہ جو گدہا لے گیا ہے مین اسکو اس سے واپس لے لون یہ بھی نہ ہو تو مین ان سے تھوڑا تھوڑا روپیہ وصول کرکے اپنے گدھے کی قیمت پوری کرلون جب وہ موجود تھے تو سو تدبیرین ہوسکتی تھین۔ اب کوئی کہین چلا گیا کوئی کہین۔ اب مین کسے پکڑون اور کسے قاضی کے پاس لیجاؤن یہ مصیبت مجھپر محض تیری وجہ سے پڑی ہے۔ اے کمبخت تیرے لیے کون سی وجہ تھی کہ تو نہ آوے۔ اور آکر نہ کہدے۔ کہ اس قسم کا خوفناک ظلم پیش آیا ہے اگر کچھ تدارک ہوسکے تو کرلے۔ خادم نے کہا کہ مین خدا کی قسم کھا کر کہتا ہون کہ مین چند مرتبہ آیا کہ

آپ کو ان کاموں سے مطلع کردن۔ لیکن مین جب آیا تو یہی دیکھا کہ آپ سب لوگون سے زیادہ ذوق وشوق کے ساتھ فرما رہے ہین خر رفت اے پسر۔ لہذا مین سمجھ کر لوٹ جاتا تھا کہ آپ کو خود اطلاع ہے اور چونکہ آپ عارف اور صاحب دل ہین اسلیے قضائے الٰہی پر صابر و شاکر ہین۔ صوفی نے کہا کہ مجھے بالکل بھی اطلاع نہ تھی۔ اور خر رفت خر رفت جو کہتا تھا۔ تو اسکی وجہ یہ تھی کہ سب لوگ مزہ مین کہہ رہے تھے سب مجھے بھی اسکا کہنا پُرلطف معلوم ہوا اس لیے مین بھی کہنے لگا۔ اس بیجا تقلید پر خدا کی دو سو لعنتین ہون مجھے اسنے تباہ کیا۔ پھر تقلید بھی کن کی ان نااہلون کی جنھون نے روٹی کے لیے آبرو کھو دی۔ بس بات یہ تھی کہ اس نااہل جماعت کے ذوق کا عکس مجھپر پڑتا تھا۔ اور میرا دل اُس عکس سے مزے لے رہا تھا۔ اِس لیے مین بھی اِنکا ہمنوا ہوا اور گدھا کھو بیٹھا۔ (ف جاننا چاہیے کہ تقلید دو قسم کی ہے۔ اول مفیدیہ تو تقلید محققین بغرض تحقیق ہے۔ دوم مضرہ تقلید ناقصین۔ وتحقیق ارباب کمال لتحصیل حطام الدنیا ہے والاول اضر من الثانی وتتفاوت مراتب الضرر فیہ بحسب تفاوت مراتب النقصان والاغراض التی یقلد لاجلہا) اِس بیان سے چونکہ تقلید کی مذمت ظاہر ہوئی تھی جس سے غلط فہمی کا اندیشہ تھا کہ کوئی مطلق تقلید کو بُرا نہ سمجھے۔ اِس لیے آگے تقلید مفید کو بیان کرتے ہین اور فرماتے ہین۔

شرح شبیری خادم آمد الخ۔ یعنی (یہ حضرت انتظار ہی مین تھے کہ) خادم آگیا تو صوفی نے کہا کہ گدھا کہان ہے تو خادم بولا کہ ذرا داڑھی کو ملاحظہ کیجئے۔ (کہ باین ریش و فش اور یہ جھوٹ مجھپر لگاتے ہین شرم نہین آتی۔ بس یہ کہتے ہی) لڑائی شروع ہو گئی اور خوب چھٹی۔ صوفی بولا کہ۔

گفت خر را الخ۔ یعنی صوفی بولا کہ گدھا مین نے تو تجھے سپرد کیا تھا اور مین نے تو تجھکو گدھے کا محافظ بنایا تھا۔ لہذا مین تو تجھ سے ہی لونگا۔

بحث با توجیہ الخ۔ یعنی بات دلیل کے ساتھ کہو اور فضول لڑائی مت کرو۔ اور جو کچھ مین نے تم کو سپرد کیا ہے واپس سپرد کرو باتین مت بناؤ۔

از تو خواہم الخ۔ یعنی مین تو تجھ سے وہ چیز مانگتا ہون جو تجھکو دی ہے اور جو چیز مین نے تجھے سپرد کی ہے وہ واپس دے۔

گفت پیغمبر الخ۔ یعنی دیکھو پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ تمھارا ہاتھ جو چیز لیجاوے تو اُسکو چاہیے کہ آخرکار اسکو پھر واپس دے۔ اِس لیے کہ ہاتھ کو ہاتھ سیجا نتا ہے۔ کہتے ہین کہ اِس ہاتھ نے اور اُس ہاتھ دے۔ بس یہ صوفی صاحب اُس خادم کے سر ہو گئے کہ میرا گدھا لاؤ۔

ورنہ از سرکشی الخ۔ یعنی اور اگر تو سرکشی کی وجہ سے اِس طرح راضی نہین ہے (اور ڈھنگ سے گدھے کو واپس کرنا نہین چاہتا) تو پھر مین ہون اور تو ہے اور دین کے قاضی۔ یعنی پھر فیصلہ قاضی کے یہان جاویگا۔ اور وہان فیصلہ ہو گا۔ ورنہ میرا گدھا دیدو۔

گفت من مغلوب الخ۔ یعنی وہ خادم کہنے لگا کہ مین تو مغلوب تھا اِس لیے کہ صوفیون نے ایکدم سے

مجھ پر حملہ کر دیا تو مین تواوہ مرا ہو گیا مطلب یہ کہ مین کیا کرون سارے صوفی حملہ کر کے مجھے مغلوب کر کے گدہا لے گئے
تو جگر بندی الخ۔ یعنی تو کلیجی تلی وغیرہ کو بلیون کے سامنے ڈال کر پھر اسکو تلاش کرتا ہے کہ کہین اسکا نشان ملے۔
در میان صد گرسنہ الخ۔ یعنی تو سو بھوکون کے سامنے ایک ٹکیا ہو (تو اسکا کیا پتہ چل سکتا ہے) اور سو کتون کے سامنے ایک پژمردہ بلی ہو (تو کیا وہ اسکو چھوڑین گے) مطلب یہ کہ تم نے تو خود گدہا پن کیا کہ اس گدہے کو یہان باندھ دیا۔ حالانکہ یہ لوگ تو بھوکے تھے ہی بس اڑا گئے۔ اور اب مجھے الزام دیتے ہو کہ تو نے گدہا کھویا ہے۔ مین کیا کرون۔ یہ تو جناب ہی کا دقوت ہے۔
گفت گیرم الخ۔ یعنی وہ صوفی کہنے لگا کہ مین نے فرض کیا کہ تجھ سے ظلماً ہی چھین لیا اور وہ مجھ مسکین کے جان کے لیوا ہوے مگر۔
تو نیائی الخ۔ یعنی تو کیون نہ آیا اور مجھ سے کیون نہ کہا کہ اے فقیر بینوا تیرے گدہے کو لیے جاتے ہین
تا خر از ہر کہ الخ۔ یعنی (تو نے مجھ سے کیون نہ کہا) تاکہ جو میرے گدہے کو لیجاتا مین اس سے واپس لے لیتا۔ اور اگر وہ بک ہی چکا تھا اور گدہا نہ مل سکتا تو وہ میرے روپیہ کا چندہ ہی کر دیتے خیر دام ہی ملتے وہی میرے کام آتے۔
صد تدارک بود الخ۔ یعنی جب وہ سارے موجود تھے تو سو تدارک ہو سکتے تھے اور اب تو ہر ایک الگ الگ ملک مین چلا گیا ہے۔
من کرا گیرم الخ۔ یعنی اب مین کس کو پکڑون اور کسے قاضی کے پاس لیجاؤن یہ قضا میرے سر پر تیری ہی وجہ سے آئی ہے۔
چون نیائی الخ۔ یعنی تو کیون نہ آیا اور تو نے کیون نہ کہا کہ اے غریب ایسا ظلم خوفناک پیش آیا ہے۔
گفت واللہ آمدم الخ۔ یعنی تو وہ خادم کہنے لگا کہ خدا کی قسم مین تو کئی بار آیا کہ جناب کو ان کامون کی خبر کرون۔
تو ہمی گفتی الخ۔ یعنی (مگر جب مین آیا تو دیکھا کہ) آپ بہ نسبت دوسرون کے زیادہ جوش وخروش کے ساتھ خر رفت فرما رہے ہین۔
باز می گشتم الخ۔ یعنی (جب مین یہ دیکھتا) تو مین واپس ہو جاتا تھا۔ کہ حضرت تو خود واقف ہین (کہ خر برفت وخر برفت کہہ رہے ہین اور یون سمجھتا تھا کہ) حضرت باس تقدیری امر پر راضی ہین اسلیے کہ مرد عارف ہین تو ایک گدہے کے جلتے رہنے سے کوئی غم نہین ہے اور فرما رہے ہین کہ جاتا رہا اچھا ہوا۔ اب ساری عارفیت معلوم ہو گئی۔
گفت آنرا الخ۔ یعنی وہ سارے کے سارے اسکو خوش خوش کہہ رہے تھے تو مجھکو اسکے کہنے مین مزہ آیا اسلیے مین بھی کہنے لگا اور کہین میرا مقصود یہ تھوڑا ہی تھا کہ مجھے اسکا علم ہے۔

مر مرا تقلید شان الخ۔ یعنی (وہ صوفی کہنے لگا کہ) مجھے ان (کمبختون) کی تقلید نے برباد کیا۔ اور ایسی تقلید پر (جو کہ نا اہلون کی ہو) دو سو مرتبہ لعنت ہو۔ اگر مین خود سمجھ کر کہتا تو اب مجھے کیون پچھتانا پڑتا۔

خاصہ تقلید الخ۔ یعنی خاصکر ان جیسے نا اہلون اور بیجا صلون کی تقلید کہ جنھون نے روٹی کے واسطے آبرو گرادی چونکہ تقلید تین قسم کی ہوتی ہے ایک وہ جو کہ غافلین عن الحق کی ہوتی ہے وہ تو مضر ہوتی ہے اور دوسری وہ جو کہ ضالین اور گمراہون کی ہوتی ہے وہ اضر ہوتی ہے اور تیسری وہ جو کہ اہل اللہ کی ہوتی ہے وہ مفید اور منجی ہوتی ہے پس مولانا نے مر مرا تقلید شان الخ مین تو تقلید مضر کو بیان فرمایا اُس کے بعد اضر کو بیان فرماتے ہین اس لیے خاصۂ لائے کہ وہ تقلید تو جیسی تھی وہ تھی مگر ان ضالین کی تقلید تو خاصکر بہت ہی اضر ہے آگے عکس چندان باید الخ سے تقلید اہل اللہ کو بیان فرماوین گے جو کہ محمود اور مفید ہے اگلے شعر مین پھر وہ صوفی کہتا ہے۔

عکس ذوق الخ۔ یعنی (میرے قلب پر) اُس جماعت کے ذوق کا عکس پڑتا تھا اور اُس عکس کی وجہ سے میرا دل پُر ذوق ہوتا تھا۔ یعنی چونکہ اُنکو تو مزہ آہی رہا تھا کہ خوب مفت کے کھانے ملے تھے مگر اُس مزہ کا عکس مجھپر بھی پڑتا۔ اور مجھے بھی مزہ آنے لگا۔ اِس مزہ مین حضرت کی کمبختی آگئی۔ آگے مولانا انتقال فرماتے ہین کہ۔

شرح حبیبی

عکس چندان باید از یاران خوش	کہ شوی از بحر بے عکس آبکش
عکس کاول زد تو آن تقلید دان	چون پیاپے شد شود تحقیق آن
تا نشد تحقیق از یاران مبُر	از صدف مگسل نہ گشتہ قطرہ دُر

تم غلطی مین نہ پڑنا اور مطلق تقلید کو مذموم نہ سمجھنا۔ بلکہ کاملین کے عکس اور تقلید کی تو ضرورت ہے لیکن صرف اِسی قدر کہ اِس سے حق سبحانہ سے بدون عکس اور تقلید کے فیض حاصل کرنے کے قابل ہو جاوے۔ اور جب اِس قابل ہو گیا پھر عکس اور تقلید کوئی چیز نہین۔ (ف) حضرت اقدس مجدد الملۃ والدین نے فرمایا کہ حضرت حاجی صاحب نور اللہ مرقدہ فرماتے تھے کہ شیخ کو ایسا سمجھو جیسے مشاطہ کہ طالب و مطلوب کے درمیان واسطہ اور ہر ممکن تدبیر سے طالب کو مطلوب تک پہونچانے والی وہی ہوتی ہے۔ لیکن عین وصال اور خلوت راز مین صرف طالب و مطلوب ہی ہوتے ہین۔ اور مشاطہ کو کچھ تعلق خلوت سے نہین ہوتا۔ یون ہی شیخ طالب کو حق سبحانہ تک پہونچاتا ہے۔ اور بعد وصول اِس کے اور حق سبحانہ کے درمیان محض بلا واسطہ تعلق ہوتا ہے۔ اور شیخ کو ان معاملات اور راز و نیاز مین کوئی دخل نہین ہوتا۔ یہ قصہ بیان کر کے فرمایا کہ اِس سے تم سمجھ سکتے ہو کہ حاجی صاحب قدس سرہ کی تعلیم و تربیت اِغراض سے کس قدر دور تھی۔ اور اُنکو اِس وصف مین انبیاء سے کس قدر تشابہ تھا۔ کیونکہ جو لوگ غرض رکھتے ہین وہ کبھی ایسی بات نہین کہتے۔ جس سے لوگونکو معلوم ہو جاوے

کہ ایک وقت ایسا بھی آتا ہے جہین پیر صاحب کی حاجت نہین ہوتی۔ اسی سلسلہ مین حضرت ممدوح نے ایک اور واقعہ بیان فرمایا جس سے حضرت حاجی صاحب قدس سرہ کی کمال بے غرضی اور شفقت برطالبین ظاہر ہوتی ہے۔ وہ یہ کہ حضرت قدس سرہ اپنے مستفیدین سے فرماتے کہ میری بیعت کا اصل مقصود وصول الی الحق ہے۔ پس اگر تمھارا یہ مقصد کہین اور یہان سے زیادہ حاصل ہو تو میری طرف سے بخوشی اجازت ہے۔ کہ شوق سے وہان مستفید ہو۔ ایک صاحب نے اس واقعہ سے کمال بیغرضی او شفقت کے علاوہ ایک اور لطیف بات نکالی ہے۔ وہ یہ کہ حضرت حاجی صاحب کے یہان جو کھرا مال مل سکتا ہے دوسری جگہ نہین ملسکتا۔ کیونکہ ایسی بات وہی کہہ سکتا ہے جسکو اعتماد ہو کہ اس اچھا مال اور کہین نہین مل سکتا۔) آگے مولانا فرماتے ہین کہ جب ابتدا ابتدا مین تجھ پر شیخ کے حال کا عکس پڑے۔ تو تو اسکو تقلید سمجھ۔ اور جب لگاتار ہوتا رہتا ہے تو آخر مین وہی تحقیق بنجاتا ہے۔ وہ عکس جب تک تحقیق نہ بنجاوے اس وقت تک مشایخ سے مستغنی نہین ہو سکتا اس لیے اُن سے تعلق استفادہ قطع مت کر۔ اور جب تک تیرا قطرہ یعنی عکس تقلیدی جو کہ تحقیق بننے کی صلاحیت رکھتا ہے موتی یعنی تحقیق نہ ہوجاوے اس وقت تک اپنے شیخ سے جو کہ سیپ کی طرح مربی ہے علاقہ منقطع نکر ورنہ صفت نقصان سے نجات نہین پا سکتا۔ کیونکہ اگر قطرۂ ابر نیسان آغوش صدف سے جبتک کر الگ ہوجاوے تو ہرگز موتی نہین بن سکتا۔ **ف** حضرت اقدس مدظلہ العالی نے اس مقام پر بھی ایک مزید افادہ فرمایا تھا۔ اس کو بھی اس جگہ درج کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ فرمایا کہ شیخ وصول الی المطلوب کے لیے بمنزلہ واسطہ فی العروض کے ہوتا ہے اور مرید اور شیخ کی ایسی مثال ہوتی ہے جیسے کشتی اور مسافر۔ کہ چلتی کشتی ہے اور مسافر کی منزل بھی قطع ہوتی ہے۔ لیکن وہ مسافر خود نہین چلتا۔ بلکہ کشتی اُسے لیے جارہی ہے۔ ایسی حالت مین اگر مسافر یہ سمجھکر کہ مین چلتا ہون کشتی چھوڑ دے تو نتیجہ ہلاکت ہوگا۔ یون ہی خود مرید نہین چلتا۔ بلکہ شیخ اُسے کھینچے لیے جارہا ہے۔ پس اگر مرید یہ سمجھکر کہ مین خود قطع منازل کر رہا ہون شیخ کو چھوڑ دے۔ فذلک ہو الخسران المبین (اللھم احفظنا) یہ حالت تو اُسوقت تک ہوتی ہے جب تک کہ طالب درجہ تحقیق تک نہین پہونچتا۔ اور جبکہ درجہ تحقیق کو پہونچ جاتا ہے۔ تو پھر اُسکی دو صورتین ہین۔ کبھی تو شیخ خود بھی محقق ہوتا ہے اور مرید سے اُسکا مرتبہ تحقیق زیادہ ہوتا ہے۔ اور کبھی مرید سے پیچھے رہ جاتا ہے۔ پہلی صورت مین شیخ واسطہ فی الثبوت کے مثل ہوتا ہے۔ کیونکہ جو کچھ مرید کو ترقی ہوتی ہے وہ گو اپنی ہی رفتار سے ہوتی ہے مگر شیخ کی بدولت اور چونکہ شیخ خود بھی اس نوع ترقی کے ساتھ موصوف ہوتا ہے جس کے ساتھ مرید متصف ہے گو اُس فرد خاص کے ساتھ متصف نہین ہوتا۔ لہذا اسکو واسطہ فی الثبوت سے مشابہ کہنا زیادہ مناسب ہے اور دوسری صورت مین چونکہ شیخ خود ترقی نہین کرتا جو مرید کو ہو رہی ہے۔ اور مرید ترقی کر رہا ہے جو کہ اسی شیخ کی بدولت ہے اس لیے اس صورت مین شیخ کو واسطہ فی الثبوت کی قسم ثانی سے تشبیہ دینا زیادہ مناسب ہے۔ جسکو واسطہ فی الاثبات بھی کہا جاتا ہے جیسے صباغ و ثوب کہ صباغ

کیپڑہ کو رنگ دیتا ہے مگر خود نہین رنگا جاتا۔ اِسکی مثال ایسی ہے جیسے ایک مرغی کے تلے بط کے انڈے رکھدیے جائین اور مرغی اِنکو سے کر بچے نکالے۔ تو وہ بچے تو دریا مین تیرین گے اور مرغی کھڑی دیکھے گی حالانکہ انکا تیرنا بلکہ انکا وجود خود اسی مرغی کی بدولت ہے۔ اب مرید گے اپنے شیخ سے بڑھ جانیکا استبعاد مندفع ہوگیا لیکن ایسی حالت مین مرید کو چاہیے کہ شیخ کی وہی عظمت و وقعت دلمین رکھے اور مغرور نہ ہوجاوے۔ کیونکہ یہ سب کچھ اسی کا طفیل اور اسی کی برکت ہے۔

شرح شبیری عکس چندان الخ۔ یعنی یاران خوش (اہل طریقت) کا عکس اس قدر ضروری ہے کہ دریا سے بے عکس کے پانی لینے لگو۔ مطلب یہ کہ مرید کو شیخ کی اسوقت تک ضرورت ہے جب تک واصل الی الحق نہ ہوجاوے۔ اور جب واصل ہوجاتا ہے اور اُسکو تعلق مع اللہ پیدا ہوجاتا ہے پھر اِن پیر صاحب کی بھی ضرورت نہین رہتی۔ بلکہ وہ خود ہی فیوض و برکات کو حاصل کرنے لگتا ہے۔ اور شیخ کی ایک مثال حضرت حاجی صاحب قدس سرہ العزیز فرمایا کرتے تھے کہ شیخ کی ایسی مثال ہے جیسے مشاطہ ہوتی ہے کہ درمیان مین پیغام دینے والی اور سبب وصل دولھا دلھن تو یہی ہوتی ہے۔ اور سارا اسی کا طفیل ہے۔ مگر جسوقت وہ خاص وقت وصل آتا ہے تو پھر درمیان مین وہ مشاطہ صاحب بھی نہین رہتین اور اُنکا گذر بھی وہان تک نہین ہوتا۔ بلکہ بس وہان تو ایک دولھا ہے اور دوسری دلہن ہے سے مشرکت غم بھی نہین چاہتی غیرت میری ✣ غیر کی ہو کے رہے یا شب فرقت میری ✣ بس اسیطرح شیخ کی حاجت بھی جب ہی تک ہے جب تک کہ مرید کو حضوری حاصل نہین ہوتی۔ اور یہ حاصل ہوگئی تو پھر تو مرید خود اقتباس معانی کرتا ہے اور بعض مرتبہ وہ فیوض و برکات حاصل ہوتے ہین اور اُس مرتبہ کو پہونچ جاتا ہے کہ وہان شیخ کی بھی رسائی نہین لیکن اِسپر اتراوے نہین کہ ہم شیخ سے بڑھ گئے ہین اور اگرچہ اس حالت مین شیخ کی ضرورت فی الواقع تو نہین ہوتی لیکن اِس شخص کو چاہیے کہ اپنے کو شیخ سے ہرگز ہرگز مستغنی نہ سمجھے۔ اِس لیے کہ جو کچھ بھی یہ مزہ اور لطف ہے سارا اُسی کی بدولت اور اسی کے طفیل مین ہے۔ تو اِس سے مستغنی ہوجانا اور علیحدہ ہوجانا بہت بڑی ناشکری ہے اور مصداق ہے من لم یشکر الناس لم یشکر اللہ کا پس مرید تو اپنے کو ہرگز ہرگز مستغنی نہ سمجھے ہان واقع مین وہ مستغنی ہوجاتا ہے۔ اور اب اُسکو شیخ کی ضرورت حصول مقصد کے درجہ مین نہین رہتی۔ اور پھر شیخ محض واسطہ فی العروض رہ جاتا ہے۔ لہذا معلوم ہوا کہ جسوقت تک خود محقق نہ ہوا اسوقت تک تو شیخ کی تقلید ضروری ہے اور جب محقق ہوجاوے تو پھر تقلید کی ضرورت نہین۔ اور اجتہاد فقہ مین تو منقطع ہوگیا اور اب کسی کو جائز نہین کہ فقہ مین اجتہاد سے کام لے۔ لیکن طریقت مین اب بھی اجتہاد کر سکتا ہے۔ اور یہ وہ طریق ہے کہ جسمین ہر مقلد محقق اور ہر مبتدی منتہی اور ہر غیر مجتہد مجتہد بن سکتا ہے۔ اِسی کو مولانا فرماتے ہین کہ عکس کاول الخ۔ یعنی اولاً جو عکس (تمھارے قلب پر اہل اللہ کا) پڑا ہے اُسکو تو تقلید جانو۔

(کہ محض عکس ہی عکس ہے ذرا الگ ہوئے اور غائب ہوجاویگا) اور جب (یہ عکس) پے درپے پڑتا رہے تو یہی تحقیق ہوجاتی ہے پس جب تک تحقیق حاصل نہ ہو یاران طریقت سے قطع مت کرو۔ (اور اُن سے علٰحدہ مت ہو) اور جبوقت تک قطرہ معنی نہ ہوجاوے اُسکو سیپی سے علٰحدہ مت کرو۔ مطلب یہ کہ اولاً جو تمھارے قلب پر احوال دار دات طاری ہوئے ہین انکو تو بالکل بے حقیقت اور ناپائدار سمجھو اس لیے کہ صرف عکس ہی عکس ہے ہان اگر کام مین لگے رہوگے اور یہ عکس تمھارے قلب پر اسیطرح سایہ افگن رہے گا۔ تو ایک دن وہ ہوگا کہ تم خود محقق ہوجاؤگے اور پھر تم کو اس تقلید کی ضرورت نہ رہے گی۔ اور اپنی ایسی مثال سمجھوکہ جیسے قطرۂ آب صدف مین آکر ٹھیرا تو جب تک وہ پوری طرح موتی نہ بن جاوے اِس سے پہلے اگر وہ اتراویگا اور یہ سمجھے گا کہ بس مین تو کامل موتی ہوگیا اور اِس خیال سے چھٹک کر سیپی سے علٰحدہ ہوجاویگا تو آخر نتیجہ ہوگا کہ سمندر مین ملجاویگا۔ اور کسی کو خبر بھی نہ ہوگی۔ کہ یہ وہ قطرہ ہے جو کہ موتی ہونیوالا تھا اور اگر اسیطرح صدف مین رہے گا تو ایک دن وہ ہوگا کہ غواص اُس کو نکال کر لاویگا اور لاکھون خریدار عالم مین اُس کے ہوجادین گے۔ اور ہر شخص اُس کے دیدار کا مشتاق ہوجاویگا لہذا جب تک کہ تم خود محقق نہ ہوجاؤ۔ اور اِس قابل نہ ہوجاؤ کہ اپنے پاؤن پر خود کھڑے ہو تو ہرگز ہرگز شیخ سے قطع مت کرو ورنہ سمجھ لو کہ جیسے تھے ویسے ہی رہ جاؤگے سوا گرچہ تم شیخ سے کمالات مین بڑھ بھی جاؤ۔ مگر پھر بھی اُسی کا طفیل سمجھو اور اُسکے ہمیشہ مشکور رہو تاکہ اُسکی برکت سے تم کو اور برکات حاصل ہون اور مراتب ترقی پر ہون۔ اور اتباع شیخ مین ترک اخلاق ذمیمہ جزو اعظم ہے۔ اِسی کو فرماتے ہین کہ۔

شرح حبیبی

صاف خواہی چشم وعقل وسمع را
زانکہ آن تقلید صوفی از طمع
زانکہ صوفی را طمع بر روش زراہ
طمع لوت وطمع آن ذوق وسماع
گر طمع در آئنہ برخاستے
گر ترازو را طمع بودے بمال
گفت گیرم کز طمع قارون شوی
ہر نبی می گفت با قوم از صفا
من دلیلم حق شمارا مشتری
سہت مزد کار مرد لال را

بردران تو پردہائے طمع را
عقل او بر بست از نور ولمع
ماند در خسران وکارش شد تباہ
مانع آمد عقل اورا اطلاع
در نفاق آن آئنہ چون ماستے
راست کے گفتے ترازو وصف حال
آخر الامر اندران ہامون شوی
من نخواہم مزد پیغام از شما
داد حق دلالیم ہر دو سری
مزد باید داد تا گوید سزا

چیست مزدِ کار من دیدار یار | گرچہ خود بو بکر بخشد چل ہزار
چل ہزار او نباشد مزد من | کے بود شبہ شبہ دُرِّ عدن

ہین اگر تو چاہتا ہے کہ میری آنکھ غلط بینی سے محفوظ رہے اور عقل غلط فہمی سے بچے۔ اور کان ناقابل اثر آوازون سے متاثر ہو کر ان کو جاسے قبول نہ بخشین اور یون اُڑادین گویا سُنا ہی نہین۔ تو طمع کے پردے پھاڑ ڈال۔ کیونکہ صوفی کی تقلید ہی نے جسکا منشا طمع تھی اُسکی عقل کو بند کردیا تھا۔ کہ راستے کی روشنی اور چمک اسمین نہ پہونچ سکے۔ اور چونکہ صوفی کو طمع ہی نے سیدھے راستہ سے بھٹکا دیا تھا اسی لیے وہ خسارہ مین رہا۔ اور اسکا کام بگڑا۔ اور کھانون اور ذوق وشوق اور قوالی ہی کی طمع اُسکو حقیقت حال پر مطلع ہونے سے مانع ہوئی طمع وہ بد بلا ہے کہ اگر آئینہ مین بھی پیدا ہو جاتی تو وہ بھی ہماری طرح منافق ہو جاتا اور صاف صاف نہ کہہ سکتا۔ بھلے کو بُرا اور بُرے کو اچھا کہتا۔ نیز اگر ترازو مین یہ وصف مذمومہ ہوتی تو ناممکن تھا کہ ترازو اشیا کی کمی بیشی کو ٹھیک ٹھیک بتلا دیتی۔ ترازو تو یہ کہتی ہے کہ مین نے مانا کہ تو طمع سے قارون ہو جاویگا لیکن پھر کیا۔ آخر نتیجہ یہی ہوگا کہ تو ان عالیشان محلون کو چھوڑے گا اور تنہا اور خالی ہاتھ جنگل مین گھر بناویگا۔ نیز ہر نبی اپنی قوم سے نہایت صفائی کے ساتھ یہی کہتے تھے لا اسئلکم علیہ اجرا ان اجری الا علی رب العالمین یعنی مین تم سے رسالت پر اجر نہین مانگتا۔ حق سبحانہ تمھارے خریدار اور طلبگار ہین اور مین بیچ مین دلال اور واسطہ ہون حق نے میری دلالی تمھاری طرف سے بھی دیدی ہے اور اپنی طرف سے بھی۔ لہذا مجھے تم سے کوئی مطالبہ نہین دلال کو مزدوری کی ضرورت ہے۔ تاکہ وہ معاملہ مین ٹھیک ٹھیک اور مناسب گفتگو کرے۔ اس لیے مجھے بھی مزدوری کی ضرورت ہے گو عام دلالون مین اور مجھ مین یہ فرق ہے۔ کہ اُنکا کام مزدوری پر موقوف ہوتا ہے اور میرا کام محض امتثال امر کے لیے ہے مگر مجھ مین اور ان مین یہ امر مشترک ہے کہ جیسے وہ مزدوری سے مستغنی نہین ہوتے یون ہی مین بھی مستغنی نہین اور جس طرح انکی دلالی پر مزدوری مرتب ہوتی ہے۔ یون ہی میری دلالی پر بھی مرتب ہے (اس تقریر سے وہ شبہ جاتا رہا جو مزد با یدداد تا گوید سزا پر وارد ہوتا ہے۔ کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیا بھی بطمع کام کرتے ہین اگر ان سے کام کو کہا جاوے۔ اور مزدوری کی امید نہ دلائی جاوے تو وہ ٹھیک کام نہ کرین۔ وحاشا ہم عن ذلک وجہ دفع یہ کہ مصرعہ مذکور کا تعلق عام دلالون سے ہے نہ کہ انبیا سے چونکہ عام دلال بطمع اجرت ہی اچھا کام کرتے ہین۔ اس لیے بیان کردیا گیا ہے ورنہ اسکو تشبیہ مین دخل نہین) اور میری مزدوری دیدار یار کے سوا اور کچھ نہین۔ اگر ابو بکر چالیس ہزار درم راہ خدا مین صرف کردین تو یہ میری رسالت کی اُجرت نہین بلکہ انھون نے جو کچھ کیا اپنے لیے کیا۔ اور چالیس ہزار درم میری اُجرت ہو بھی نہین سکتی۔ کیونکہ وہ بمنزلہ پوتھون کے حقیر ہین اور میری اُجرت دیدار یار دُرِ عدن کی طرح بیش بہا ہے۔ اور دُرِ عدن پوتھون کے مشابہ ومماثل نہین ہوسکتا۔ پھر میری اُجرت کو ان حقیر دراہم سے کیا نسبت۔

اصاف خواہی چشم الخ۔ یعنی اگر چشم عقل اور سمع عقل کی صفائی چاہتے ہو تو طمع کے پردون کو پھاڑ ڈالو اور طمع کو ترک کر دو۔ اس لیے کہ یہ ایسی شے ہے کہ نہ حق کو سننے دیتی ہے اور نہ دیکھنے دیتی ہے۔ اور جب یہ ایسی بلا ہے تو اس طریق مین تو مانع اشد اور حاجب ہوگی۔ لہذا اسکو ترک کر دو۔ اور پھر دیکھو کہ کس طرح انوار کی بارش ہوتی ہے۔ آگے پھر اُس صوفی کے قصہ کی طرف رجوع فرماتے ہین کہ۔

زانکہ آن تقلید الخ۔ یعنی (دیکھ لو کہ) طمع نے اُس صوفی کی عقل کو اُس نور درخشان سے بند کر دیا حقیقت کے علم سے مانع ہوگئی۔

زانکہ صوفی الخ۔ یعنی (دیکھ لو کہ) صوفی کو طمع راستہ سے علحدہ لے گئی۔ (اور طریق حق سے اُسکو منصرف کر دیا) تو خسران مین رہ گیا اور اُسکا کام تباہ ہوگیا۔ آگے اُس طمع کو بتاتے ہین کہ وہ طمع صوفی کس شے کی تھی فرماتے ہین کہ۔

طمع لوت الخ۔ یعنی اُن لذیذ کھانون کی طمع اور اُس ذوق و سماع کی طمع اُسکی عقل کو اطلاع (حقیقت) سے مانع ہوگئی اور بوجہ لاعلمی کے حقیقت سے نقصان اُٹھایا۔ آگے ایک نظیر بتاتے ہین کہ۔

گر طمع در آئینہ الخ۔ یعنی اگر آئینہ مین بھی طمع ہوتی تو آئینہ بھی نفاق مین ہمارا ہی جیسا ہوتا۔ مطلب یہ کہ آئینہ جو بدصورت کو بدصورت اور خوبصورت کو خوبصورت ظاہر کر دیتا ہے اور کسی سے چاپلوسی کی وجہ سے غیر واقعی امر کو ظاہر نہین کرتا کہ خوشامد کے مارے بدصورت کو خوبصورت ظاہر کرتا۔ یہ بوجہ بے طمع ہونے کے ہی ہے آگے ایک اور نظیر فرماتے ہین کہ۔

گر ترازو را طمع الخ۔ یعنی اگر ترازو کو مال مین طمع ہوتی تو وہ ہر چیز کی حالت کو ٹھیک ٹھیک کب کہہ سکتی تھی۔ بلکہ طمع کی وجہ سے کم کو درست اور زیادہ کو کم بتلایا کرتی۔ تاکہ اُسکو بھی کچھ ملے۔ تو یہ ساری راست گوئی اسی وجہ سے ہے کہ نہ آئینہ کو طمع ہے اور نہ ترازو کو آگے ایک تیسری نظیر فرماتے ہین کہ۔

ہر نبی می گفت الخ۔ یعنی ہر نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی قوم سے فرماتے تھے کہ مین تم سے اپنے اس پیام رسانی کی مزدوری نہین چاہتا جیسا کہ قرآن شریف مین بھی ہے کہ یا قوم لا اسئلکم من اجر ان اجری الا علی رب العالمین کہ اے قوم مین تم سے کوئی اُجرت اِس کام پر نہین طلب کرتا بلکہ میری اُجرت تو حق تعالیٰ کے پاس ہے۔ وہی عنایت فرمادین گے۔ تو دیکھ لو کہ چونکہ ان حضرات کو مزدوری وغیرہ کی طمع نہ تھی۔ حق کو حق اور باطل کو باطل کر دکھاتے تھے۔ کسی کی خوشامد اور چاپلوسی نہ تھی۔

من دلیلم الخ۔ یعنی (ہر نبی فرماتے تھے کہ) مین دلال ہون اور حق تعالیٰ تمھارے خریدار ہین (جیسا کہ ان اللہ اشتری من المومنین انفسہم سے معلوم ہوتا ہے اور دلال بائع و مشتری دونون سے اپنی مزدوری لیتا ہے تاکہ دونون جیسی سکے مگر) مجھے حق تعالیٰ ہی نے دونون طرف کی مزدوری عنایت فرمادی ہے سب مجھے اب تم سے لینے کی ضرورت نہین ہے۔

مہست مزد کار الخ۔ یعنی دلال کے کام کی مزدوری ضرور ہوا کرتی ہے۔ اور اُسکو مزدوری دینی چاہئے

تا کہ ٹھیک اور سزاوار بات کہے۔
چیست مزد کار الخ۔ یعنی (وہ فرماتے ہین کہ) ہمارے کام کی مزدوری تو دیدار حق سبحانہ تعالے ہے
اگرچہ ابو بکر رضی اللہ عنہ (خود سعادت حاصل کرنے کو) چالیس ہزار (دینار) بخشین مگر ہم کو اُنکی ضرورت
نہین ہے۔ یعنی بس حق کے دیدار کے سامنے ہکو اور کچھ نہین چاہیے۔
چل ہزار اِ وا الخ۔ یعنی (نبی علیہ السلام فرماتے ہین کہ) وہ اُن کے چالیس ہزار میری مزدوری کہان
ہوسکتے ہین اس لیے کہ دُرِّ عدن کے مشابہ پوتھ کہان ہوسکتی ہین۔ شبہ بکسر الشین مشابہ وشبہ بفتحتین پوتھ
مطلب یہ کہ یہ چالیس ہزار دینار وغیرہ اُس دیدار یار کے مثل اور اُس کے مشابہ کب ہوسکتا ہے۔ تو
جب ہم کو دیدار یار میسّر ہے تو پھر ان چالیس ہزار یا پچاس لاکھ کی کیا پرواہ ہے۔ اور یہ اُس دولت کے
برابر کب ہوسکتے ہین۔ اور چالیس ہزار کہنا باعتبار بیان زیادت کے ہے۔ کہ خواہ کتنا ہی خرچ کرین عدد
مراد نہین ہے۔ آگے مولانا فرماتے ہین کہ۔

شرح حبیبی

یک حکایت گویمت بشنو بہوش — تا بدانی کہ طمع شد بند گوش
ہر کرا باشد طمع الکن شود — با طمع کے چشم دل روشن شود
پیش چشم او خیال جاہ و زر — ہمچنان باشد کہ مو اندر بصر
جز مگر مستے کہ از حق پُر بود — گرچہ بدہی گنجہا او حُر بود
ہر کرا از دیدار برخوردار شد — این جہان در چشم او مردار شد
لیک آن صوفی ز مستی دور بود — لاجرم از حرص او بے نور بود
صد حکایت بشنود مدہوش حرص — در نیاید نکتۂ در گوش حرص

اچھا خوب خیال کرکے اور توجہ سے ایک حکایت سُن۔ تا کہ تجھے معلوم ہو جائے کہ ایک جگہ طمع کان کے لیے
ڈاٹ بن گئی اور اس سے تو نتیجہ نکال لے کہ طمع کان کی ڈاٹ ہو جاتی ہے اور کچھ یہ بھی نہین کہ طمع کان ہی
کو بند کرتی ہے بلکہ زبان کو بھی بند کرتی ہے۔ کہ صاحب طمع صاف اور سچی بات نہین کہہ سکتا
اِس لیے مثل ہکلے کے ہو جاتا ہے۔ اور اسکا اثر کان اور زبان ہی تک محدود نہین رہتا بلکہ چشم دل پر
بھی پڑتا ہے۔ کہ طمع سے چشم بصیرت اندھی ہو جاتی ہے۔ اور بالکل لہم قلوب لا یفقہون بہا ولہم اعین
لا یبصرون بہا ولہم آذان لا یسمعون بہا اولئک کالانعام بل ہم اضل کا مصداق ہو جاتا ہے اسکی آنکھ
کے سامنے ہمیشہ جاہ و زر کی صورت خیالیہ رہکر اسکو ہمیشہ یون پریشان رکھتی ہے جس طرح آنکھ کے
اندر بال اور یہ طمع سب لوگون مین پائی جاتی ہے۔ بجز اُس مست کے جو شراب محبت حق سے لبالب ہے
اسکی تو یہ شان ہوتی ہے کہ اگر تم اسے بہت سے خزانے بھی دیدو تب بھی آزاد ہے۔ اور سب پر لات
مار کر الگ کھڑا ہو جاوے۔ کیون نہ ہو بات یہ ہے کہ جو دیدار حق سبحانہ سے بہرہ یاب ہوا اُس کی نظر مین

دنیا مردار کے مانند مکروہ و مبغوض ہوگئی۔ مگر تم کو یہ شبہ نہ کرنا چاہیے کہ صوفیون کی یہ حالت ہے۔ تو پھر وہ صوفی کیونکر طمع مین گرفتار ہوگیا۔ کیونکہ وہ حقیقی صوفی نہ تھا۔ بلکہ مستی سے دور تھا۔ اور شراب محبت حق اُس نے نہین پی تھی۔ اِس لیے لامحالہ وہ حرص سے بے نور تھا جو حرص سے مدہوش ہوتا ہے وہ سو حکایتین سُنتا ہے مگر اُس کے گوش حرص مین ایک نکتہ بھی نہین پہونچتا۔ اچھا اب وہ حکایت سُن جسکا ہم نے اوپر ذکر کیا ہے۔

شرح شبیری | ایک حکایت الخ۔ یعنی (مولانا فرماتے ہین کہ) مین تم سے ایک حکایت کہتا ہون ذرا ہوش سے سننا تاکہ تم جان لو کہ طمع بند گوش ہوجاتی ہے۔ اور جہان طمع ہوتی ہے وہان حق کو انسان سُن ہی نہین سکتا۔

ہر کرا باشد الخ۔ یعنی جسکو طمع ہو وہ گنگ ہوجاتا ہے (اس لیے کہ جس سے طمع ہے اسکو کوئی حق بات نہین کہہ سکتا۔) اور طمع کے ساتھ دل کی آنکھ کب روشن ہوسکتی ہے۔ یعنی حقیقت بینی میسر نہین ہوسکتی ہے

پیش چشم الخ۔ یعنی اُس (طامع) کی آنکھ کے سامنے جاہ وزر کا خیال ایسا (حاجب) ہوتا ہے کہ جس طرح آنکھ مین بال کہ وہ بھی آنکھ کو دیکھنے سے مانع ہوتا ہے۔ اسیطرح یہ بھی آنکھ کو حقیقت بینی سے مانع اور حاجب ہوتا ہے۔

جز مگر مستے الخ۔ یعنی سوائے اُس مست کے کہ نور حق سے پُر ہو۔ (کہ اُسکو طمع نہین ہوتی اس لیے کہ وہان اُسکی جگہ ہی نہین) اور اگرچہ تم اُسکو خزانے کے خزانے دو مگر وہ ان سب سے آزاد ہوگا۔

ہر کہ از دیدار الخ۔ یعنی جو شخص کہ دیدار حق سے مشرف ہوگیا تو اُسکی نگاہ مین تو یہ جہان (مثل) مردار کے ہوگیا۔ آگے پھر اُس صوفی کی حالت کو بیان فرماتے ہین کہ۔

لیک آن صوفی الخ۔ یعنی (جو شخص کہ اہل بصیرت ہوگا وہ تو اِس دنیا کی طرف ہرگز توجہ نہ کریگا) لیکن وہ صوفی مستی (حقیقی اور اصلی) سے دور تھا۔ لہذا وہ حرص کی وجہ سے بے نور تھا۔ اور اُسکو نور معرفت حاصل نہ تھا۔ لہذا طمع نے اُسکو خراب کیا۔

صد حکایت بشنود الخ۔ یعنی جو شخص کہ حرص مین مدہوش ہوتا ہے وہ سیکڑون حکایتین سنتا ہے مگر اُس کے کان مین جو کہ حرص سے بھرا ہوا ہوتا ہے ایک بات بھی نہین آتی۔ اور حرص کی وجہ سے بالکل کور و کر ہوجاتا ہے جیسا کہ حکایت ذیل سے معلوم ہوتا ہے۔

شرح حبیبی

قصۂ آن مفلس کہ در زندان بود و زندانیان ازو در فغان

بود شخصے مفلسے بے خان و مان	ماندہ در زندان و بند بے امان
لقمۂ از زندانیان خوردے گزاف	بر دل خلق از طمع چون کوہ قاف

زانکہ آن لقمہ ربا چابک برد	زہرہ نے کس را کہ لقمہ نان خورد
او گدا چشمت اگر سلطان بود	ہر کہ دور از دعوت رحمان بود
گشت زندان دوزخے زان نان ربا	مر مروت را نہادہ زیر پا

یعنی ایک شخص مفلس اور خانمان برباد ایک جیلخانہ اور بے امان قید مین رہتا تھا۔ اسکی حالت یہ تھی کہ بے محابا قیدیون کی روٹیان کھاتا اس لیے وہ اپنی طمع کے سبب مخلوق کے دل پر کوہ قاف کے مانند گران تھا۔ کسی کو اتنی طاقت نہ تھی کہ روٹی کا ایک ٹکڑہ کھائے۔ کیونکہ وہ روٹی چھیننے والا فوراً اُڑا لیجاتا تھا۔ بات یہ ہے کہ جو شخص دعوت خداوندی سے دور اور غذاے روحانی سے محروم ہے وہ دنیاوی حیثیت سے گو بادشاہ ہو مگر گدا چشم اور حریص وطماع ہے۔ غرض اُس شخص نے انسانیت کو پامال کر دیا تھا۔ اور جیلخانہ اُسکی وجہ سے دوزخ ہو گیا تھا۔

شرح شبیری

قصہ اس شخص کا کہ قیدخانہ مین تھا اور قیدی اُس سے مصیبت مین تھے

بود شخصے مفلسے الخ۔ یعنی ایک شخص مفلس بے اہل وعیال کے تھا اور وہ قیدخانہ مین قید بے امان مین ہو گیا تھا۔ یعنی کسی وجہ سے یہ مفلس صاحب قید ہو گئے تھے۔

لقمہ زندانیان الخ۔ یعنی قیدیون کا کھانا بیہودگی کی وجہ سے کھا جاتا تھا اور حرص کی وجہ سے تمام مخلوق پر کوہ قاف کی طرح گران تھا۔

زہرہ نے کس را الخ۔ یعنی کسی کو اتنی طاقت نہ تھی کہ ایک لقمہ روٹی کا کھالے اس لیے کہ وہ لقمہ لینے والا جلدی سے لیجاتا ہے۔ اور صیغۂ حال سے استحضار ماضی کے واسطے تعبیر کیا۔ گویا کہ اب لیجا رہا ہے آگے مولانا فرماتے ہین کہ۔

ہر کہ دور از دعوت الخ۔ یعنی جو شخص کہ اللہ تعالیٰ کی دعوت سے دور ہو کہ اُسکو توکل نصیب نہ ہو تو وہ فقیر جیسی آنکھ والا ہوتا ہے اگرچہ بادشاہ ہی ہو۔ اس لیے کہ جس طرح فقیر حریص ہوتا ہے ویسا ہی وہ بھی حریص ہوتا ہے۔ تو اُسکا ظاہری جاہ ومال کسی کام نہ آیا۔ جب تک کہ غناے باطن حاصل نہ ہو۔ آگے پھر اُسی مفلس کی حالت کو فرماتے ہین کہ۔

مر مروت را نہادہ الخ۔ یعنی اُس مفلس نے مروت کو تو پاؤن تلے رکھ لیا تھا۔ (اور بیحیائی پر کمر باندھ رکھی تھی) تو اُس روٹی اُچکنے والے کی وجہ سے یہ زندان دوزخ ہو گیا تھا۔ یعنی ایک تو فی نفسہ قیدخانہ مصیبت کی جگہ ہے اور پھر اگر اسمین علاوہ اِس مصیبت کے اور مصائب بھی ہون تو پھر تو بہت ہی مصیبت کا مقام ہو جاتا ہے۔ اور کسی حالت مین چین مل ہی نہین سکتا بس یہی حالت دنیا کی ہے جسکو خود مولانا فرماتے ہین کہ

شرح حبیبی

گر گریزی بر امید راحتے	زان طرف ہم پیشت آید آفتے
ہیچ کنجے بے دو و بے دام نیست	جز بخلوتگاہِ حق آرام نیست
کنج زندان جہان ناگزیر	نیست بے پا مزد بے دق الحصیر
واللہ از سوراخ موشے در روی	مبتلائے گربہ چنگالے شوی
آدمی را فربہی ہست از خیال	گر خیالاتش بود صاحب جمال
ور خیالاتش نماید ناخوشے	مے گدازد ہمچو موم از آتشے
در میان مار و کژدم گر ترا	با خیالات خوشان وارد خدا
مار و کژدم مر ترا مونس بود	کان خیالت کیمیائے مس بود
صبر شیرین از خیال خوش شدست	کان فرح وان تازگی پیش آمدست
آن فرح آید ز ایمان در ضمیر	ضعف ایمان ناامیدی و زحیر
صبر از ایمان بیابد سر کلہ	حیث لا صبر فلا ایمان لہ
گفت پیغمبر خداش ایمان نداد	ہر کرا نبود صبوری در نہاد

رسمی جیلخانہ کا حال تو سُن چکے۔ اب حقیقی جیلخانہ کا حال سُناتے ہین۔ پس سُنو کہ گوشہ قیدخانہ دینا تکلیف و زحمت اور مشقت و رنج سے خالی نہین۔ بخدا اگر تو چوہے کے سوراخ مین بھی چلا جاوے تو وہان بھی توبلی کے پنجے مین گرفتار ہوگا یعنی اگر تو تنہائی مین بھی رہیگا تب بھی تکالیف سے نجات نہ پائیگا۔ اگر کوئی اور موذی شے نہ ہوگی تو کم از کم خیال ہی ہوگا جو پریشان کریگا۔ اب ذرا خیال کی تاثیرات بھی سُن لے۔ اگر آدمی کے خیالات اچھے ہون خواہ واقع مین یا خیالی طور پر تو آدمی کو اُن سے فربہی حاصل ہوتی ہے۔ اور اُس کے خیالات اُسکو ناگوار واقعہ دکھلاتے ہین تو یون گھلنے لگتا ہے جیسے آگ سے موم اگر خدا اسے تجھے سانپ بچھو سی موذی چیزون کے درمیان رکھے لیکن تیرے خیالات کو اچھا رکھے تو وہ سانپ بچھو تیرے مونس ہوجائینگے اور تجھے اِن سے کوئی پریشانی نہ ہوگی کیونکہ وہ تیرا خیال تانبے کو کندن کردینے والا۔ اور موذی کو مونس بنادینے والا ہے۔ عمدہ ہی خیال کی بدولت صبر باایہمہ تلخی و ناگواری شیرین اور گوارا ہوجاتا ہے۔ اُسکی وجہ یہ ہوتی ہے کہ واقعی فرح اور تازگی سامنے ہوتی ہے یعنی صبر سے حصول فرح و تازگی کی امید ہوتی ہے۔ اس فرح کے دلمین آنے کا اصل منشا ایمان ہوتا ہے۔ کیونکہ ایمان نام ہے تصدیق کا پس جب ان مواعید کی تصدیق ہوگی جو صبر کرنیوالون کے لیے کیے گئے ہین اور مانع مرتفع ہوگا تو امید ہوگی اور اُمید سے فرح خواہ مخواہ ہوگی۔ اور جب تصدیق ہی نہ ہوگی یا ہوگی مگر عوارض کے سبب ذہول عنہ ہوگی تو فرح کہان پس جبکہ ایمان منشا ہے امید کا اور امید منشا ہے فرح کا تو ناامیدی دلیل ہوگی ضعف ایمان کی اور موجب ہوگی رنج و تکلیف کے لیے

اسی واسطے صبر کو ایمان کہکر شرف بخشا گیا ہے۔ چنانچہ حدیث مین وارد ہے الصبر نصف الایمان۔ پس جب صبر نہین تو ایمان بھی نہین۔ لانعدام الکل بانعدام الجزء پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جسکی سرشت مین صبر نہین اُسکو خدا نے کامل ایمان نہین دیا۔

شرح شبیری گر گریزی الخ۔ یعنی اگر تم کسی راحت کی اُمید پر کسی مصیبت سے بھاگو تو اُس طرف بھی تمھارے آگے ایک نئی آفت اور مصیبت آدیگی۔ مقصود یہ کہ دنیا کی بھی یہی حالت ہے کہ اول تو خود زندان ہے ہی کہ الدنیا سجن المومن فرمایا گیا ہے لیکن پھر اسپر طرہ یہ کہ طرح طرح کی مصیبت اور کامشونکا سامنا رہتا ہے۔ اور کسی حالت مین بھی چین اور قرار نہین۔

ہیچ کنجے الخ۔ یعنی کوئی کونہ اِس دنیا کا بے درندے اور چرندے کے نہین ہے اور سوائے حق تعالے کی خلوتگاہ کے کہین بھی آرام نہین ہے۔ اِس لیے کہ یہ امر مشاہدا ور ظاہر ہے کہ دنیا مین پھنسکر انسان کبھی راحت سے نہین گذار سکتا۔ بلکہ ہمیشہ پریشانیون مین مبتلا رہتا ہے۔ ہان جو لوگ کہ متوجہ الی الحق ہین اور واصل بحق ہین وہ بیشک آرام سے ہوتے ہین۔ اور اُن کو ہرگز پریشانی نہین ہوتی۔ ہان رنج طبعی اور غم ضرور ہوتا ہے۔ مگر اضطراب اور پریشانی کہ مصیبت کے وقت یون سوچین کہ اب کیا ہوگا۔ اور اِسکا کیا تدارک ہوگا۔ یہ نہین ہوتی۔ مثلاً دو شخص ہین ایک وہ جو کہ خدا کا نام لینے والا ہے اور دوسرا دنیادار ہے۔ اور دونون کے بیٹے مثلاً مریض ہین تو رنج تو دونون کو ہوگا۔ مگر دونون کے رنج مین یہ فرق ہوگا۔ کہ جو خدا کا نام لینے والا ہے اُسکو یون پریشانی نہ ہوگی کہ اگر یہ مرجاوے تو کیا ہوگا اور میری زندگی کس طرح بسر ہوگی الی غیر ذالک بلکہ اُسکو صرف رنج طبعی ہوگا۔ جو کہ طبیعت انسانی کا مقتضا ہے۔ جیسا کہ خود حضور مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ہوا۔ کہ حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کے انتقال پر فرماتے ہین۔ کہ انا لفراقک یا ابراہیم لمحزونون کہ لے ابراہیم ہم تمھارے فراق کی وجہ سے غمگین ہین۔ تو جب غم طبعی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ہوا تو آج کون ہے جو یہ دعوے کرے کہ ہمین رنج ہی نہین ہوتا۔ ہان وہ شخص کہ جس کے قلب سے حق تعالے نے رحم اور محبت کا مادہ ہی نکال دیا ہو وہ اِس سے مستثنی ہے۔ لیکن جو شخص کہ فطرت سلیمہ پر ہو اور خدا کا نام لینے والا ہو تو اُسکو ان حوادثات زمانہ سے ہرگز ہرگز پریشانی نہ ہوگی بلکہ اسکی نظر ہر وقت حق تعالے پر رہے گی۔ اور یہ سمجھے گا کہ جو ہوگا اُدھر ہی سے ہوگا پھر کیا غم ہے لہذا اُسکا قلب بشاش ہوگا۔ دوسرا شخص جو کہ دنیادار اور غافل عن الحق ہے اُسکی نظر چونکہ سوائے اسباب کے دوسری ایسی شئے پر جو کہ اسکو اطمینان اور صبر دلانے والی ہو نہین ہے اِس لیے اُسکو بھی اضطراب ہوگا۔ کہ اگر اِس دوا سے شفایاب نہ ہوا تو دوسری کرنی چاہیے اور اگر اِس سے بھی نہ ہوا تو تیسری۔ غرض کہ کہین چین نہین اور اگر کہین اسی مین وہ صاحبزادے صاحب مر بھی گئے تو پھر اُنکی پریشانی کا پوچھنا ہی نہین پھر تو یہ سوچا جاتا ہے کہ اگر فلان حکیم کا علاج ہوتا تو ضرور اچھا ہوجاتا اگر فلان دوا کیجاتی تو شفایاب ہوجاتا۔ تمام اسی حسرت مین اور پریشانی مین رہتا ہے۔ اب معلوم ہوگیا کہ غم اور شے ہے اور وہ ایک امر طبعی ہے جو کہ مذموم بھی نہین اور پریشانی اور شے ہے جو کہ مذموم ہے

اور خدا کا نام لینے سے یہ پریشانی نہین ہوتی - آگے پھر اس دنیا کی مذمت فرماتے ہین کہ -

کنج زندان الخ - یعنی اس جہان ناگزیر کے زندان کا کونہ بغیر مصیبت کے اور بے دق الحصیر کے نہین ہر دق الحصیر بوریا توڑنا تو چونکہ زیادہ کام کریگا اسی کے بیٹھنے سے بوریا ٹوٹے گا اس لیے دق الحصیر محاورہ ہو گیا ہے مشکل کام کرنے سے مطلب یہ کہ دنیا مین اگر ایک کونہ بھی اختیار کرو اور ظاہر خلق سے علیحدگی بھی ہو مگر جب قلب مین دنیا ہے تو پھر بھی مصیبت ہی ہے

واللہ ار سوراخ الخ - یعنی خدا کی قسم اگر کسی چوہے کے سوراخ مین بھی تو چلا جاوے تو بھی کسی بلی کے چنگل مین مبتلا ہو جاویگا - مطلب یہ کہ اگرچہ کتنا ہی جا کر کہین چھپو مگر دنیا مین مصیبتین اور بلائین ہر جگہ موجود مین اگر کسی ایسی جگہ جا کر رہو کہ جہان کوئی شئے موذی نہ ہو لیکن انسان کے اندر خیال ایک ایسی شے ہے کہ ہر جگہ موجود ہے - جیسے کہ ایک ذاکر شاغل شخص تھے وہ کہتے تھے کہ مین تمام کامون سے فارغ ہو کر ذکر مین مشغول ہوتا ہون تاکہ کوئی وسوسہ وغیرہ نہ آوے - مگر جب ذکر کرنے بیٹھتا ہون تو یہ خیال ہوتا ہے کہ ندی پر ایک درخت اس قسم کا کھڑا ہے - سو اسکا کیا علاج تو اگرچہ یہ اُن کو مضر نہ تھا مگر ایک پریشان کن بات تو تھی - لہذا اگر انسان دنیا مین کہین چھپ کر رہے بھی اور کوئی شے موذی وہان نہ ہو تو ایک خیال ایسی شے ہے کہ ہر جگہ پریشان کرنے کو موجود ہے - پس مولانا آگے خیال ہی کو بتاتے ہین کہ -

آدمی را الخ - یعنی اگر انسان کے خیالات صاحب جمال اور اچھے ہوتے ہین تو اسکو فربہی حاصل ہوتی ہے اور خوب موٹا ہو جاتا ہے -

در خیال اتش نماید الخ - یعنی اور اگر اس کے خیالات اسکو کوئی ناخوش بات دکھاتے ہین تو موم کیطرح آگ سے پگھلتا ہے - یعنی اُن ہی خیالات مین گھلنے لگتا ہے - تو دیکھو کہ خیال جو کہ ظاہر مین بالکل لاشے ہے اور کہین محسوس بھی نہین مگر پھر بھی اگر اچھا ہے تو انسان کو موٹا تازہ کر دیتا ہے - اور اگر خراب ہے تو اسکو گھلا دیتا ہے - اور دبلا اور لاغر کر دیتا ہے - اور خیالات خوش ایسی شے ہے کہ -

درمیان مار و کژدم الخ - یعنی اگر خداوند تعالے تم کو عمدہ خیالات کے ساتھ سانپ اور بچھوؤن مین بھی رکھے تو وہ سانپ بچھو بھی تمھارے مونس ہو جاوین اور تمھارے یہ خیالات تانبے کے لیے کیمیا ہو جاوین - مطلب یہ کہ اگر خدا تعالے اپنے خیال مین رکھکر ظاہر مصائب مین مبتلا کر دے تو وہ بھی مونس اور گوارا ہو جاتے ہین اس لیے کہ یہ شخص تو اپنے خیال مین مست ہوتا ہے اسکو یہ مصائب ظاہری معلوم بھی نہین ہوتے - جیسا کہ ایک جگہ فرماتے ہین کہ ؎ ہر کجا دلبر بود خرم نشین + جنت است آن اربود قعر زمین ٭ اور یہ امر مشاہد ہے کہ جب کوئی اچھا خیال غالب ہوتا ہے تو پھر انسان کو مصائب ظاہری اور ظاہری کلفتین معلوم نہین ہوتین - جیسا کہ پہلے بھی بیان ہوا ہے تو یہ سارا دھندا کہ ایک بات سے آدمی موٹا ہوتا ہے اور ایک سے گھلتا ہے اور ایک جگہ مصائب مین رہ کر بھی خوش ہے اور دوسری جگہ ظاہری نعمامین بھی مصیبت مین ہے - سب خیال کی وجہ سے ہوتا ہے - ورنہ یہ تو کوئی شے بھی نہین -

صبر شیرین الخ - یعنی صبر جیسی چیز بھی جو شیرین اور خوشگوار ہے تو وہ بھی خیالات خوش کی وجہ سے ہی کہ وہ فرح اور تازگی سامنے آئی ہے - اس لیے کہ جب انسان یہ سمجھ لیتا ہے کہ صبر کرنے کا حکم خدا تعالی کا ہے تو بس اس خیال کی وجہ سے وہ صبر خوشگوار ہو جاتا ہے ورنہ صبر تو بہت ہی مشکل شے ہے - آگے مولانا خود اس فرح کو فرماتے ہین کہ -

آن فرح آید الخ - یعنی وہ فرح اور تازگی ایمان کی وجہ سے دلمین آئی ہے اور ضعف ایمان ہی ناامیدی اور مشقت ہے - یہان سبب کا اطلاق مسبب پر مبالغۃ کردیا ہے اس لیے ناامیدی اور زحیر کا سبب ضعف ایمان ہے نہ کہ ضعف ایمان خود ناامیدی اور زحیر ہے - بس مطلب یہ ہوا کہ یہ جو فرح ہے یہ بھی ایمان کی وجہ سے دلمین آتی ہے اور یہ خود ایک خیال ہے اور جب ضعف ایمان ہوتا ہے اور اس خیال مین کمزوری پیدا ہوتی ہے تو پھر وہی حالت ناامیدی اور مشقت کا سبب بنجاتی ہے - آگے فرماتے ہین کہ -

صبر از ایمان الخ - یعنی صبر ایمان کی وجہ سے امتیاز پاتا ہے اور جہان صبر نہین ہے وہان ایمان بھی نہین ہے اس لیے کہ حدیث شریف مین آیا ہے کہ الصبر شطر الایمان (او کما قال) یعنی صبر ایمان کا نصف حصہ ہے تو پھر اگر کسی شے کا نصف حصہ مفقود ہو تو وہ شے تو معدوم ہی کہلا دیگی - اس لیے کہ کل تو ایک جزو کے مفقود ہونے سے ہی کل نہین رہتا چہ جائیکہ کل کا نصف مفقود ہو تو پھر تو بطریق اولی وہ شے مفقود ہوگی اسی بنا پر یہ فرمادیا کہ جہان صبر نہین وہان ایمان بھی نہین -

گفت پیغمبر الخ - یعنی پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ خدا نے اُسکو ایمان عطا نہین فرمایا جس کی طبیعت مین کہ صبر نہین ہے یہ روایت بالمعنی ہے اور توجیہ اسکی شعر بالا مین مذکور رہی - آگے فرماتے ہین کہ

شرح حبیبی

آن یکے در چشم تو باشد چو مار — ہم وے اندر چشم آن دیگر نگار

زانکہ در چشمت خیال کفر اوست — وان خیال مومنے در چشم دوست

کاندرین یک شخص ہر دو فعل ہست — گاہ ماہی باشد او و گاہ شست

نیم او مومن بود نیمیش گبر — نیم او حرص آورے نیمیش صبر

گفت یزدانت فمنکم مومن — باز منکم کافر گبر کہن

ہمچو گاوے نیمۂ جلدش سیاہ — نیمۂ دیگر سپید و ہمچو ماہ

ہر کہ این نیمہ بہ بیند رد کند — ہر کہ آن نیمہ بہ بیند کد کند

از جمال یوسفؑ اخوان پس نفور — لیک اندر دیدۂ یعقوبؑ نور

از خیال بد نظرشان زشت دید — چشم فرع و چشم اصلی نا پدید

چشم ظاہر سایۂ آن چشم دان — ہر چہ آن بیند بگردد این بدان

سایۂ اصل است فرع اما کجا — سایہ با خورشید یا دارد بجا

تو مکانے نے اصل تو در لامکان	این دکان بربند وبکشا آن دکان
شش جہت مگریز زیرا در جہات	ششدرست وششدرہ مات مات
این سخن را نیست حد زندانیان	مضطر ند از دست آن خر قلتبان

خیالات جس طرح اپنے اثر کے لحاظ سے مختلف ہوتے ہین۔ یون ہی اپنی ذات کے لحاظ سے بھی مختلف ہوتے ہین کیونکہ ایک ہی شخص تیری نظر مین سانپ ہوتاہے اور وہی دوسرے کی نظر مین معشوق اور تصویر کیونکہ تیری آنکھ کے سامنے تو اُسکی کفر کی صورت ہے اور اُس کے دوست کی نظر مین اُسکی مومنی کی صورت کیونکہ اُس کے اندر دونون طرح کے فعل ہین بعض ایسے جو کفار کے لیے مناسب ہین۔ اور بعض ایسے جو مومنین کو شایان۔ پس تو پہلے قسم کے افعال پر نظر رکھتا ہے۔ اور دوست دوسری قسم کے افعال پر۔ اس لیے کبھی وہ پھلی کے مثل مرغوب ہوتا ہے اور کبھی کانٹے کی طرح مکروہ و ناپسندیدہ۔ نیز اس لیے وہ آدھا مومن ہے۔ اور آدھا کافر۔ اور آدھا حریص بوجہ کفر کے اور آدھا سراپا صبر بوجہ ایمان کے۔ چنانچہ حق تعالے فرماتے ہین فمنکم مومن ومنکم کافر یعنی بعض حصہ تمھارا مومن ہے اور بعض کافر یعنی ایک اعتبار سے یہ معنی بھی صحیح ہین گو مراد حق سبحانہ یہ معنی نہین) اس لیے ہر شخص کی ایسی مثال ہے جیسے ایک بیل جسکا آدھا جسم سیاہ ہو اور آدھا سپید چاند کی طرح کیونکہ اُسمین سواد کفر بھی ہے اور نور ایمان بھی پس جو شخص کالے حصہ کو دیکھتا اور جہت کفر کا لحاظ کرتا ہے۔ وہ تو ناپسند کرتا ہے۔ اور جو سپید حصہ کو دیکھتا اور نور ایمان کو پیش نظر رکھتا ہے۔ وہ اُس کے قبول مین سعی کرتا ہے۔ چنانچہ دیکھ لو۔ یوسف علیہ السلام کے بھائی اُن کے جمال سے نہایت متنفر تھے اور یعقوب علیہ السلام کی آنکھ مین اُسکو دیکھنے سے روشنی بڑھتی تھی۔ اسکی وجہ یہی تھی کہ حضرت یوسف علیہ السلام کی نسبت اُنکا خیال بُرا تھا۔ اس لیے نظر بھی اُنکو بُرا ہی دیکھتی تھی لہذا یون کہا جاسکتا ہے۔ کہ نہ اُن کی ظاہری آنکھین تھین جو کہ ایک درجہ مین فرع اور تابع ہین چشم باطن کے۔ اور نہ چشم باطن بھی جو کہ ایک حیثیت سے اصلی اور متبوع ہے کیونکہ آنکھ کا کام یہ ہے کہ وہ مبصر کو علی ما ہو علیہ بحسب قوۃ الابصار دکھاوے۔ اور جو آنکھ ایسا نہین کرسکتی۔ بلکہ مبصر کا جہل بڑھا کر جہل بسیط کو مرکب کردیتی ہے۔ اُسکو معدوم کہنا زیبا ہے۔ چشم ظاہری کو ہمنے فرعی اور تابع اس لیے کہا کہ یہ آنکھ چشم باطن کے لیے بعض حیثیات سے بمنزلہ عکس کے ہے۔ پس چشم باطن جس چیز کو جیسا دیکھتی ہے چشم ظاہر بھی اُسکی کی طرف منقلب ہوجاتی ہے۔ اور یہ بھی اُسکو ویسا ہی دیکھتی ہے۔ گو فرع اصل کا عکس ہوتی ہے اس لیے اُس کو اصل سے گونہ مشابہت ہوتی ہے۔ لیکن پھر بھی دونون مین زمین آسمان کا فرق ہے۔ کجا اصل کجا فرع۔ بھلا کہین سایہ خورشید کے مقابلہ کی تاب لاسکتا ہے۔ ہرگز نہین پھر اصل کے سامنے جو بمنزلہ خورشید کے ہے فرع جو مثل سایہ کے ہے۔ کیا حقیقت رکھتی ہے۔ جب تجھے اصل و فرع کا تفاوت معلوم ہوگیا تو سن کہ تو ذی مکان ہے اور فرع ہے لامکان اور روح مجرد کی اور وہ لامکانی روح مجرد تیری اصل ہے۔ تو دوکان فرع کو بند کر اور جسم کی خدمت و آرائش وغیرہ چھوڑ کہ اسمین خسارہ ہے اور روح کی دوکان کھول اور اسکو سجا کہ اس سے تم کو نہایت نفع ہوگا۔ اور تو دولت عقبےٰ سے مالا مال

ہو جائیگا۔ اور تو چھ جہتوں یعنی عالم ناسوت کی طرف مت بھاگ اس لیے کہ چھ جہتوں مین ششدر (چھ در) ہین۔ اور ششدرہ مین جب بادشاہ پھنس جاتا ہے تو بس مات ہو جاتی ہے اور بازی ہر جاتی ہے۔ (ششدرہ بساط شطرنج وسطی چار خانوں کو کہتے ہین۔ جب بادشاہ ان گھرون مین آجاتا ہے تو مات لازمی ہے۔ چنانچہ کوئی شاعر کہتا ہے۔ شاہ در چار خانہ می آید۔ مات از ہر بہانہ می آید۔) اس گفتگو کی تو کوئی انتہا ہی نہین۔ قیدی لوگ ا بھیڑوے گدھے کے ہاتھ سے پریشان ہین۔ اس سے انکو نجات دلانا چاہیے۔

شرح شبیری آن یکے در چشم الخ۔ یعنی وہ ایک شخص ہوتا ہے کہ تمھاری آنکھ مین تو وہ سانپ معلوم ہوتا ہے اور وہی شخص دوسرے کی نگاہ مین نگار۔ اور اچھا معلوم ہوتا ہے تو یہ فرق صرف خیال ہی کا تو ہے۔ آگے اس اختلاف کی وجہ بتاتے ہین کہ۔

زانکہ در چشمت الخ۔ یعنی یہ اس لیے کہ تمھاری نگاہ مین تو اس کے کفر کا خیال ہے (یعنی اس ایک شخص مین جو برائیان ہین تمھاری نگاہ تو انپر پڑ رہی ہے) اور دوست کی نگاہ مین اسکی مسلمانی کا خیال ہے (یعنی وہ باتین ہین جو کہ اسمین بھلی ہین) پس دیکھو کہ ایک ہی شخص کے لیے بوجہ اختلاف خیال دو شخصون کے الگ الگ احکام جاری ہوتے ہین۔

کاندرین یک شخص الخ۔ یعنی کہ اس ایک ہی شخص کے اندر دونون باتین ہین کبھی مچھلی معلوم ہوتا ہے (جو کہ مقصود اور عمدہ ہوتی ہے) اور کبھی شست معلوم ہوتا ہے جو کہ مقصود نہین ہے مطلب یہ کہ کبھی اسکی صفات حمیدہ پر نظر ہوتی ہے تو اچھا معلوم ہوتا ہے۔ اور کبھی اس کے افعال ذمیمہ پر نظر ہوتی ہے تو برا معلوم ہوتا ہے یہ سارا تفاوت خیال ہی کا ہے۔

نیم او مومن الخ۔ یعنی نصف اسکا مومن ہوتا ہے اور نصف گبر ہوتا ہے۔ اور نصف حرص سے پر ہوتا ہے اور نصف صبر ہوتا ہے مطلب یہ کہ ایک ہی شخص مین دونون باتین ہوتی ہین کبھی کسی کو مومن معلوم ہوتا ہے۔ اور کسی کو کافر اور کسی کو صابر معلوم ہوتا ہے اور کسی کو حریص۔ یہ ساری باتین خیالی ہی ہین۔ آگے مولانا اسکی تائید مین آیت وھو الذی خلقکم فمنکم کافر ومنکم مومن کی تفسیر فرماتے ہین۔ فرماتے ہین کہ۔

گفت یزدانت الخ۔ یعنی (دیکھو) اللہ تعالے نے فرمایا ہے کہ بعض تم مین سے مومن ہین اور بعض کافر پرانے گبر ہین۔ اصل معنی آیت تو یہ ہین کہ تمھارے مجموعہ مین سے بعض افراد مومن ہین اور بعض افراد کافر ہین لیکن یہان مقصود مولانا کا یہ ہے کہ یہ امر تو ثابت ہے کہ حالات اور خیالات کے اختلافات سے تفاوت ہوتا ہے اور اسی بنا پر اس آیت کے بھی ایک یہ معنی ہو سکتے ہین کہ ہر فرد مین بعض مومن ہے اور بعض کافر ہے پس یہان یہ نہ کہا جاوے کہ مولانا تفسیر بالرائے کرتے ہین اس لیے کہ مقصود مولانا کا یہ نہین کہ اگر اس آیت کی یہ تفسیر ثابت نہ ہو تو پھر یہ مضمون بھی ثابت نہ ہو۔ بلکہ مقصود یہ ہے کہ یہ بات تو ایک مستقل دلیل سے ثابت ہے اب اسکی بنا پر اس آیت کی یہ تفسیر بھی ہو سکتی ہے اور حدیث مین جو آیا ہے کہ قرآن شریف کی آیات کی تفسیر مین ایک تو معنی ظاہر ہین اور ایک انکا بطن ہے اس سے یہ

مقصود نہین کہ وہ بطن ہے صوفیہ کے نکات ہوتے ہین اس لیے کہ صوفیہ جو نکات بیان کرتے ہین وہ تو مدلول
الفاظ ہی نہین ہوتے بلکہ معنی حدیث کے یہ ہین کہ ظہر اور بطن دونون مدلول لفظ ہوتے ہین - مگر اُس سے ایک تو
معنی ظاہری الفاظ سے سمجھ مین آتے ہین اور دوسرے اُس سے غور کرنے سے نکلتے ہین جیسے کہ مثلاً قرآن شریف
مین اُن صحابہ کی نسبت جوکہ دراصل مالدار تھے مگر مسلمان ہونیکی وجہ سے اُن کے مال پر قبضہ کفار کا ہوگیا تھا
حق تعالیٰ نے للفقراء فرمایا تو اب اس سے ظاہر بین لوگ تو صرف یہ سمجھے کہ صدقات فقراء کے لیے ہین -
جن کے پاس مال نہ ہو - اُس کے بعد فقہاء نے اسمین اور غور کیا اور اس سے یہ نکالا کہ جب یہ لوگ مالدار
تھے اور پھر بھی انکو فقراء کہا گیا تو معلوم ہوا کہ اگر کسی مسلمان کے مال پر کافر کا قبضہ ہو جاوے تو وہ کافر اُسکا
مالک ہو جاتا ہے ورنہ اگر وہ مالک نہ ہوتے تو وہ چیزین انکے ملک مین داخل رہتین - اور یہ فقراء نہ ہوتے
لہذا ایک معنی اُسی آیت کے یہ بھی ہین جسکو کہ فقہاء کہتے ہین کہ اشارۃ النص سے نکلتے ہین اور یہ دونون مدلول آیت
ہین - مگر بہ نسبت پہلے معنی کے اِسکو بطن کہا جاویگا - اور اُسکو ظہر کہا جاویگا - اب اگر ان دونون کے علاوہ کوئی
اور تیسرے معنی کوئی شخص یا مثلاً اور کوئی نکالے اور وہ بھی مدلول الفاظ قرآن ہون تو اُسکے بہ نسبت یہ دونون
ظہر ہون گے اور وہ بطن ہون گے پس معلوم ہوا کہ حدیث مین جو ظہر اور بطن آیا ہے اُس سے یہی مراد ہے
کہ دونون معنی مدلول لفظ ہون خواہ تو بدلالۃ النص یا باشارۃ النص یا کسی طرح اور جو معنی مدلول لفظ نہ ہون وہ
نہ بطن مین داخل ہون گے نہ ظہر مین پس صوفیہ کے جو نکات ہوتے ہین وہ نہ بطن ہوتے ہین اور نہ ظہر بلکہ وہ
اس معنی کر ہوتے ہین کہ مدلول لفظ تو وہ بھی ہے مگر یہ معنی بھی ہو سکتے ہین جیسے کہ صوفیہ کہتے ہین کہ قرآن شریف
مین ہے اذہب الی فرعون انہ طغی تو اس کے یہ معنی بھی ہو سکتے ہین کہ اے شخص تو اپنی روح کو نفس کی طرف
متوجہ کر اور اُسکی اصلاح کر اس لیے کہ اُس نے سرکشی کی ہے حالانکہ اصل مین معنی یہ ہین کہ اے موسیٰ فرعون
کے پاس جائیے اس لیے کہ اُسنے بہت سرکشی کی ہے - تو اب صوفیہ یہ نہین کہتے کہ جو معنی ہم نے بیان کیے
وہی ہین جس سے کہ تفسیر بالرائے کا الزام اُنپر عائد ہو - بلکہ وہ ان معنی اصلی کو مان کر یون کہتے ہین کہ ایک
معنی یہ بھی ممکن ہین کہ موسیٰ سے مراد روح ہو جو کہ لطافت اور پاکیزگی مین موسیٰ علیہ السلام کی طرح ہے
اور فرعون سے مراد نفس ہو جو کہ ناپاکی اور سرکشی مین فرعون کی طرح ہے اور اسکی ایسی مثال ہے کہ جیسے
حق تعالیٰ نے بنی نضیر کا قصہ بیان فرما کر یون فرمایا ہے کہ فاعتبروا یا اولی الابصار تو اس سے یہی مراد ہے
کہ اول بنی نضیر کی حالت کو دیکھو اور پھر اپنی حالت کو دیکھو اگر دونون کو مطابق پاؤ تب تو تم بھی اپنے اوپر اس عذاب
کو وارد سمجھو اور اس سے خوف کرو - اور عبرت حاصل کرو - پس اسیطرح صوفیہ بھی کہتے ہین کہ تم بھی اپنی حالت کو
دیکھو اور پھر فرعون کی حالت کو دیکھو پس اگر دونون مطابق ہون تو جو اسپر عذاب نازل ہوا ہے اُس سے ڈر کر
اصلاح کر لو - پس معلوم ہوگیا کہ ظہر معنی اور بطن معنی سے اور مراد ہے اور صوفیہ جو تفسیر کرتے ہین وہ نہ ظہر ہے نہ
نہ بطن بلکہ نکات کے طور پر ایک امر زائد کو جو قرآن سے مفہوم ہوتا ہے بیان فرماتے ہین جسمین کہ کوئی خرابی
لازم نہین آتی - فافہم فانہ غریب جداً (وللہ در القائل) آگے پھر اسکی ایک مثال دیتے ہین کہ -
ہیچو گاوے نیمہ الخ - یعنی (ایک ہی شخص مین دو حالتین معلوم ہونگی ایسی مثال ہے کہ) جیسے

ایک بیل ہے کہ آدھی کھال تو اسکی کالی ہے اور آدھی دوسری وہ چاند کی طرح سفید ہے۔
ہر کہ این نیمہ الخ۔ یعنی جو شخص اس آدھے (سیاہ) کو دیکھتا ہے تو رد کرتا ہے اور جو کوئی اُس نصف (سپید) کو دیکھتا ہے تو (اُس کے حاصل کرنے کی) کوشش کرتا ہے۔ اسیطرح ایک ہی شخص میں ایک شخص تو خوبی کو دیکھ رہا ہے وہ تو اُسکو مقبول بارگاہ جانتا ہے اور دوسرا اُسکی برائی پر نظر کر رہا ہے تو وہ اسکو مردود جانتا ہے۔ یہ بھی سب خیال ہی کے کرشمے ہین۔
از جمال یوسف الخ۔ یعنی (دیکھو) یوسف علیہ السلام کے (کہ ایک ہی شخص ہین) جمال سے (اُنکے) بھائی تو متنفر (اور اُنکے دشمن) تھے لیکن حضرت یعقوب علیہ السلام کی آنکھ کا نور تھا۔ اسکی وجہ آگے مولانا خود فرماتے ہین کہ۔
از خیال بد نظر الخ۔ یعنی بُرے خیال کی وجہ سے چشم فرع اُن کو بُرا بھلا دیکھ رہی تھی۔ اور چشم اصل ناپدید تھی۔ مطلب یہ کہ چونکہ اخوان یوسف علیہ السلام کے خیالات اُنکی طرف سے خراب تھے۔ اس لیے اس چشم فرع سے اُنکو زشت رو ہی دیکھ رہے تھے اور باوجود اس قدر حسن وجمال کے وہ اُن کے دشمن ہی تھے اور یہ اس لیے تھا کہ اُنکی چشم اصلی ظاہر نہ تھی بلکہ وہ بند تھی آگے مولانا خود اس چشم ظاہر کو چشم فرع کہنے کی وجہ بتلاتے ہین کہ۔
چشم ظاہر الخ۔ یعنی چشم ظاہر کو اُس چشم قلب کا سایہ سمجھو۔ تو جو کچھ وہ دیکھے گی یہ بھی ویسی ہی ہو جاویگی مطلب یہ کہ اصل تو چشم قلب ہے۔ اگر وہ غلط بین ہے تب تو یہ چشم ظاہر بھی غلط بین ہی ہوگی۔ اور اگر وہ حقیقت بین ہوگی تو یہ بھی حقیقت بین ہی ہوگی۔ پس چونکہ جو اُسکی حالت ہوتی ہو وہی اُسکی ہوتی ہے اس لیے اُسکو فرع اور اُسکو اصل کہا۔ اور چونکہ اُن اخوان یوسف کی چشم قلب ہی کور تھی اس لیے اُن کو وہ جمال یوسف بھی ان چشم ظاہری سے دکھلائی نہ دیتا تھا۔
سایۂ اصل است الخ۔ یعنی فرع بھی یہ اصل کا سایہ ہے۔ لیکن کہاں (یہ اور کہاں وہ) کیونکہ خورشید کے ساتھ سایہ کب اپنی جگہ پر رہ سکتا ہے۔ مطلب یہ کہ ایک تو چشم فرع ظاہر غلط بین ہوتی ہے اُسکی اصل تو وہ چشم باطن ہوتی ہے جو کہ غلط بین ہو۔ دوسرے یہ چشم باطن جو کہ غلط بین ہے فرع ہے اور اُسکی اصل وہ چشم باطن ہے جو کہ حقیقت بین ہو پس فرماتے ہین کہ اگرچہ چشم باطن غلط بین بھی چشم باطن حقیقت بین ہی کا سایہ ہے۔ اور اُسی کی فرع ہے مگر وہ کہاں اور وہ کہاں چہ نسبت خاک را با عالم پاک۔ پس اس چشم غلط بین کو بند کرو اور چشم حقیقت بین کو کھولو تو تمکو حقیقت معلوم ہو۔ اسی کو فرماتے ہین کہ۔
تو مکانے الخ۔ یعنی تو تو مکانی ہے (اور مادی ہے) اور اصل تیری (یعنی روح) لامکان مین ہے۔ (یعنی مجرد ہے) تو تو اس دکان کو (یعنی ان مادیات مین انہماک کو) بند کر اور وہ دکان کھول (یعنی عالم غیب کیطرف متوجہ ہو اور ان دنیا کے جھگڑون مین پھنسکر حقیقت بینی سے محروم مت ہو۔ یہان روح کو لامکانی فرمایا جو کہ مجرد کے خواص سے ہے۔ حالانکہ متکلمین روح کو مادی کہتے ہین تو اصل یہ ہے کہ اس بارہ مین متکلمین کی رائے غلط ہے۔ اس لیے کہ وہ تجرد کو خواص باری تعالےٰ سے کہتے ہین حالانکہ یہ محض دعوے ہے جسکی

کوئی دلیل نہین اور محض مصادرہ علی المطلوب ہے۔ اس لیے کہ اول روح کا غیر مجرد مادی ہونا ثابت ہو۔ اسوقت وہ خواص باری تعالےٰ سے ہو سکتا ہے۔ اور جب یہ ہی نہین تو پھر خواص مین سے کیسے ہو جاویگا۔ صوفیہ اور حکما راسی کے قائل ہین کہ روح مجرد ہے۔ اور تجرد خواص باری تعالےٰ سے نہین ہے۔ ہان یہ حکما ر کی گمراہی ہے کہ اُسکو قدیم بالذات کہنے لگے صوفیہ اُسکو قدیم نہین کہتے ہان مجرد کہتے ہین۔ اور اسمین کوئی خرابی نہین اور وہ روح جسکی بابت حدیث مین لفظ نسمہ کا آیا ہے اور جسکو کہ فرشتے حریر مین لپیٹ کر لیجاتے ہین۔ وغیرہ وغیرہ اِس سے روح طبی مراد ہے جسکو کہ جسم مثالی بھی کہتے ہین جسکو اہل کشف نے لکھا ہے کہ روح بالکل انسان کی ہمشکل ہوتی ہے۔ اور اُسی کے مثل ہوتی ہے پس اُس حدیث سے تجرد روح پر کوئی اعتراض نہین ہو سکتا۔ اب مقصود مولانا کا یہ ہے کہ بس سب طرف سے توجہ ہٹا کر ایک طرف یعنی اللہ کی طرف توجہ کر لو۔ اِسی کو صاف طور پر پھر فرماتے ہین کہ۔

شش جہت الخ۔ یعنی ان شش جہات مین بھاگے مت پھرو۔ اس لیے کہ ان جہات مین تو ششدر رہ جاتا ہے۔ اور جب ششدرہ مین آ گئے تو پھر مات ہی ہے۔ مطلب یہ کہ حق کو چھوڑ کر چارون طرف مارے مارے مت پھرو۔ اس لیے کہ اِس طرح تو تم ششدر ہو جاؤ گے اور حیران رہوگے حاصل خاک بھی نہ ہوگا۔ اِس لیے کہ دیکھو جب مہرہ شطرنجی ششدرہ مین (جو کہ شطرنج کے بیچ کے چار خانون کو کہتے ہین) پھنس جاتا ہے۔ تو پھر مات ہو جانا لازمی امر ہے پس اگر تم ان شش جہات مین پھنس گئے تو تم بھی مات کھاؤ گے۔ اور کچھ بھی حاصل نہ ہوگا۔ آگے فرماتے ہین کہ۔

این سخن رانیست الخ۔ یعنی ان باتون کی تو کہین حد نہین ہے۔ (یہ علوم و معانی تو کہین بھی ختم نہین ہو سکتے لہذا ان کو تو ابھی یہین چھوڑو اس لیے کہ) وہ قیدی لوگ اُس گدھے کی وجہ سے بہت تنگ ہین اور مضطر ہین پس اُن کو جلدی اُسکے ہاتھ سے رہائی دلانا چاہیے۔ پس فرماتے ہین کہ۔

شرح حبیبی

شکایت کردن اہل زندان نزد وکیل قاضی از دست آن مفلس

با وکیل قاضی ادراک مند — اہل زندان در شکایت آمدند

کہ سلام ما بقاضی بر کنون — باز گو آزار ما زین مرد دون

کاندرین زندان بماند او مستمر — یاوہ تاز و طبل خوار است و مضر

مرد زندانی نیابد لقمۂ — ور بصد حیلت کشاید طعمۂ

در زمان پیش آید آن دوزخ گلو — حجتش اینکہ خدا گفتہ کلوا

چون مگس حاضر شود در ہر طعام — از وقاحت بے صلاح و بے سلام

پیش او ہیچ است لوت شصت کس — کر کند خود را اگر گوییش بس

زانکہ چون قحط است سالہ داد داد	ظل مولانا ابد پایندہ باد
گو ز زندان تا رہد این گاومیش	یا وظیفہ کن ز وقفی لقمہ اش
ای ز تو خوش ہم ذکور وہم اناث	داد کن المستغاث المستغاث

کسی روز قاضی کا ایک کارندہ جیلخانہ کے معائنہ کے لیے آیا۔ تو قیدیون نے اس سے شکایت کی اور کہا کہ قاضی صاحب سے ہمارا سلام عرض کر دیجئے اس کے بعد ہمکو جو اس کمینہ شخص سے تکلیف پہونچ رہی ہے وہ بیان کر دیجئے کہ حضور والا یہ شخص عرصہ دراز سے جیل مین ہے اور نہایت بیہودہ اور بیجد کھانے والا اور سخت ایذا دینے والا ہے۔ اگر کوئی قیدی سو تدبیرون اور نہایت مشقت سے بھی کھانا حاصل کرتا ہے تو اسکی بدولت اس کو ایک لقمہ بھی نصیب نہیں ہوتا فوراً یہ شخص جسکا حلق دوزخ کی طرح ہل من مزید پکارتا ہے کھانے آبیٹھتا ہے۔ اگر کوئی منع کرتا ہے تو کہتا ہے کہ کھانا مباح ہے چنانچہ حق سبحانہ فرماتے ہین کلوا واشربوا پس مین کیون نہ کھاؤن۔ یہ شخص مکھی کی طرح کھانے پر آموجود ہوتا ہے۔ نہ اسے سلام کی ضرورت ہے نہ اجازت کی اور کھانے کی یہ کیفیت ہے کہ ساٹھ آدمیون کا کھانا بھی اس کے سامنے کوئی حقیقت نہیں رکھتا اگر کوئی کہے کہ بھائی بس کر تو بہرا بنجاتا ہے اور سنتا ہی نہیں اس مین سال کے قحط کی طرح بھوکا مارنے والے شخص سے ہماری داد رسی فرمائی جاوے خدا حضور کا سایہ ہمارے سر پر ہمیشہ ہمیشہ رکھے اور یہ بھی فرما دیجئے کہ یا تو اس بھینسے کو قیدخانہ سے نکلائیے یا وقف سے اسکا کھانا مقرر کر دیجئے حضور کے عدل وانصاف سے سب مرد وزن خوش ہین۔ ہمارا انصاف فرما دیجئے۔ ہم اس کے ظلم سے نہایت پریشان ہین اور حضور سے فریاد کرتے ہین۔

شرح شبیری

قیدخانہ والونکا اس مفلس کی شکایت وکیل قاضی سے کرنا

با وکیل قاضی الخ یعنی قاضی عقلمند کے وکیل سے اہل زندان نے شکایت کی۔ وکیل قاضی سے مراد اسکا کوئی خادم وغیرہ جو اس کام پر مامور ہو مطلب یہ ہے کہ وکیل قاضی سے کل واقعہ کہا اور یہ کہا کہ۔

کہ سلام ما بقاضی الخ یعنی (وہ لوگ کہنے لگے) کہ قاضی صاحب کے پاس ہمارا سلام لیجا اور پھر اس کمینہ آدمی کے آزاردہی کو بیان کر کہ۔

کاندرین زندان الخ یعنی کہ اس قیدخانہ مین وہ ایک مدت دراز سے رہا ہے اور بیہودہ اور بے انتہا کھانے والا ہے اور (سب کے لیے) مضر ہے اس لیے کہ اس سے زیادہ اور کیا ضرر ہوگا کہ سب کی روٹیاں کھاجاتا تھا۔ آگے کہتے ہین کہ۔

مرد زندانی الخ یعنی (اول تو) قیدی لوگ کھانا پاتے ہی نہیں اور اگر سو حیلون سے کوئی لقمہ

حاصل بھی کیا تو۔

درز مان پیش آید الخ ۔ یعنی فوراً وہ دوزخ جیسے گلو والا سامنے آتا ہے (اور سب کھا جاتا ہے اور اگر اُس کو منع کیا جاوے تو اُسکی دلیل یہ ہے کہ خدا نے کہا ہے کھاؤ ۔ اور چونکہ کوئی قید نہیں لہذا جو سامنے آیا کھا لینا چاہیے ۔

چون مگس حاضر شود الخ ۔ یعنی مکھی کی طرح ہر کھانے پر بے شرمی سے بغیر کسی کی صلاح کے اور بے سلام کے موجود ہو جاتا ہے مطلب یہ کہ جہان کھانا سامنے آیا تو پھر نہ کسی سے پوچھتا ہے نہ کچھ بس فوراً موجود ہوتا ہے ۔ اور اُڑا جاتا ہے ۔

پیش او ہیچست الخ ۔ یعنی اُس کے آگے ساٹھ آدمیوں کا کھانا بھی کچھ نہیں ہے اور اگر اُس سے کہو کہ بس (اور مت کھا) تو بہرا ہو جاتا ہے جیسے ایسے سنتے ہی نہیں ۔

زانچنین قحط سہ سالہ الخ ۔ یعنی ایسے سہ سالہ قحط سے تو انصاف ہے انصاف حضور کا سایہ ہمیشہ ابد تک رہے ۔ مطلب یہ کہ یہ شخص جو کہ قحط سہ سالہ ہو رہا ہے کہ سب چیزیں کھائے جاتا ہے خدا کے لیے اس سے ہمکو بچائیے ۔ اور ہمپر رحم فرمائیے حضور کی عمر دراز ہو اور ہم غریبوں پر حضور کا سایہ ہمیشہ رہے ۔

گو ز زندان الخ ۔ یعنی (وہ قیدی اُس وکیل سے کہنے لگے کہ یہ عرض کرنا کہ) اُس کو حکم دیجئے تاکہ یہ بھینسا قیدخانہ سے چلا جاوے اور اگر یہ حکم نہیں دیتے تو کہیں وقف وغیرہ سے اسکی روٹی مقرر کیجئے ورنہ ہمکو تو یہ کھا جائیگا ۔

اے ز تو خوش الخ ۔ یعنی (وہ قیدی کہتے ہیں کہ) اے قاضی جس سے کہ مرد و عورت سب خوش ہیں ذرا انصاف فرمائیے اور فریاد کو پہونچئے ۔ کہ یہ تو کھائے جاتا ہے ۔

شرح حبیبی

سوے قاضی شد وکیل با نمک	گفت با قاضی شکایت یک بیک
خواند او را قاضی از زندان بہ پیش	پس تفحص کرد از اعیان خویش
گشت ثابت پیش قاضی آن ہمہ	کہ نمودند از شکایت آن رمہ
گفت قاضی خیز از زندان برو	سوے خانہ مردہ ریگ خویش شو
گفت خان و مان من احسان تست	ہمچو کافر جنتم زندان تست
گر ز زندانم برانی تو برد	خود بمیرم من ز درویشی وکد

وہ پسندیدہ و مرغوب وکیل قاضی کے پاس گیا ۔ اور جا کر ایک ایک شکایت مفصل طور پر بیان کر دی قاضی نے اسکو اپنی حضور میں طلب کیا ۔ اور اپنے معتمدین سے اس واقعہ کی تحقیقات کی پس جسقدر شکایتیں اُس قیدیوں کی جماعت نے کی تھیں سب ثابت ہو گئیں اُسپر قاضی نے حکم دیا کہ جیلخانہ سے فوراً نکل جا ۔ اور اپنے گھر چلا جا اُسنے جواب دیا کہ حضور میرا گھر بار تو حضور کا احسان ہی ہے اور جسطرح

کافر کے لیے جیلخانہ دنیا جنت ہے یوں میرے لیے حضور کا جیلخانہ جنت ہے۔ اگر حضور مجھے جیلخانہ سے نکالدینگے تو میں فقر و فاقہ کی مشقت و تکلیف سے مرجاؤنگا۔

شرح شبیری سوے قاضی شد الخ۔ (یہ ساری باتیں سنکر) وہ وکیل ملیح قاضی کے پاس گیا اور یہ ساری شکایت ایک ایک قاضی سے کہی۔

خواند او را قاضی الخ۔ یعنی (جب یہ ساری شکایت قاضی نے سنی تو) اسکو قیدخانہ میں سے اپنے سامنے بُلایا پھر اپنے لوگوں سے تجسس کیا۔ کہ آیا یہ حقیقۃً مفلس ہی ہے یا کہ اس کے پاس مال ہے اور چھپاتا ہے اس لیے کہ مسئلہ تو یہ ہے کہ اگر کوئی قرضدار ہو اور جب اسپر نالش ہو تو وہ یہ عذر کرے کہ میرے پاس کچھ بھی نہیں ہے جو ادا کر دوں تو جب تک حاکم کو اسکی پوری حالت معلوم نہ ہو جاوے جبتک اگر اس کو قید کر دے تو جائز ہے۔ پس اگر اس کے پاس مال ہے اور چھپاتا ہے تو پھر اگر دیدیگا اور اگر نہیں ہے تو اتنی مدت میں معلوم ہو جاویگا اور اس کے بعد اس کو چھوڑ دیا جاویگا پس اسیطرح اسکو قاضی نے قید کر دیا تھا اب پھر لوگوں سے اسکی حالت کو دریافت کرنے لگا کہ آیا حقیقۃً مفلس ہی ہے یا مکار ہے سب نے اس کے افلاس ہی کو ظاہر کیا اور اسے معلوم ہو گیا کہ بیشک مفلس ہی ہے۔

گشت ثابت پیش الخ۔ یعنی وہ باتیں جنکی کہ اس جماعت نے شکایت کی تھی قاضی کے سامنے سب ثابت ہو گئیں اور معلوم ہو گیا کہ یہ حضرت بالکل مفلس ہیں اور سب کو انھوں نے تنگ کر رکھا ہے تو انھوں نے یہ حکم دیا کہ۔

گفت قاضی خیز الخ۔ یعنی قاضی نے (اس مفلس سے) کہا کہ اٹھ اور اس قیدخانہ سے (نکل) جا اور اپنے میراثی گھر کی طرف جا مردہ ریگ کہتے ہیں ستے حقیر کو اور میراثی شئے کو۔ مطلب یہ کہ یہاں سے جاؤ اور جہاں کہیں تمھارا ٹھکانا ہو رہو۔

گفت خان و مان الخ۔ یعنی اس قیدی نے کہا کہ میرے اہل و عیال تو آپ کا احسان ہے اور کافر کی طرح آپ کا قیدخانہ میرے لیے جنت ہے مطلب یہ کہ وہ کہنے لگا کہ میں کہاں جاؤں کہیں گھر نہیں کچھ نہیں حضور کا کرم اور آپکی مہربانی ہی میرا گھر اور اہل و عیال ہے اور مہربانی یہ ہے کہ مجھے یہیں رہنے دیجئے۔ اس لیے کہ جس طرح یہ زندان دنیا کافر کی جنت ہے اور جب تک یہاں ہے آرام اور عیش میں ہے اور یہاں سے نکلتے ہی اس کے لیے مصیبت اور عذاب ہے اسیطرح جب تک میں جناب کے قیدخانہ میں ہوں کہ دو وقت چھین جھپٹ کے روٹی تو ملجاتی ہے اور یہاں سے جاکر تو اسکی بھی امید نہیں آگے کہتا ہے کہ۔

گر ز زندانم الخ۔ یعنی اگر آپ مجھے قیدخانہ سے رد کر کے نکالتے ہیں تو میں تو فقر و مصیبت کی وجہ سے خود ہی مر جاؤنگا اس لیے کہ اور کہیں روٹی نہ ملے گی تو مرینگا نہیں تو اور کیا ہوگا۔ آگے مولانا اسکی ایک مثال دیتے ہیں کہ۔

شرح حبیبی

ہمچو ابلیسے کہ میگفت اے سلام
رب انظرنی الی یوم القیام

کاندرین زندان دنیا من خوشم
تاکہ دشمن زادگان را ہے کشم

ہر کہ او را قوت ایمانے بود
وز برائے زادرہ نانے بود

مے ستانم گہ بمکر و گہ بریو
تا برآرند از پشیمانی غریو

گہ بدرویشی کنم تہدیدشان
گہ بزلف و خال بندم دیدشان

قوت ایمانی درین زندان کمست
وانچہ ہست از قصد این سگ درخمست

از نماز و صوم و صد بیچارگی
قوت ذوق آید برو یکبارگی

استعیذ اللہ من شیطانہ
قد ہلکنا آہ من طغیانہ

یک سگ ست و در ہزاران میرود
ہر کہ در وے رفت او آن می شود

ہر کہ سردت کرد میدان کو درست
دیو پنہان گشتہ اندر زیر پوست

چون نیابد صورت آید در خیال
تا کشاند آن خیالت در وبال

از خیالات تو سے آید بلا
چون خیالت فاسد آمد جابجا

گہ خیال فرجہ و گاہے دکان
گہ خیال علم و گاہے خان ومان

گہ خیال نقش و سوداگری
گہ خیال تاجری و داوری

گہ خیال نقرہ و فرزند و زن
گہ خیال بوالفضول و بوالحزن

گہ خیال کالہ و گاہے قماش
گہ خیال مفرش و گاہے فراش

گہ خیال آسیا و باغ و راغ
گہ خیال میغ و بلغ و تیغ و بلاغ

گہ خیال آشتی و جنگہا
گہ خیال نام و ننگہا

ہین برون کن از سرآیین تخیلہا
ہین بروب از دل چنین تبدیلہا

ہان بگو لاحولہا اندر زمان
از زبان تنہا نہ بل از عین جان

تتمہ قصہ مفلس زندانی با قاضی

گفت قاضی مفلسی را وانما
گفت اینک اہل زندانت گوا

گفت ایشان متہم باشند چون
می گریزند از تو می گریند خون

ورتو میخواہند تا ہم وارہند
زین غرض باطل گواہی می دہند

قیدی کی حیلیتانہ کے لیے درخواست ایسی ہی تھی جیسے ابلیس نے کہا تھا کہ اے حق سبحانہ مجھے قیامت تک مہلت دیدے کیونکہ مین اسی دنیا کے جیلخانہ مین خوش ہون۔ تاکہ اپنے دشمن

آدم علیہ السلام کی اولاد کو روحانی موت سے مار ڈالون۔ اور جس شخص کے پاس غذاے روحانی ہو اور راہ آخرت کے توشے یعنی اعمال صالحہ ہون تو مین اُسے فریب و تدبیر سے لیلون۔ تاکہ وہ پشیمان ہو کر فریاد اور آہ و زاری کرین۔ کبھی مین اُنکو فقر و فاقہ سے ڈراؤنگا۔ کبھی اُنکی نظر کو زلف و خال مین باندھ دونگا۔ اول تو اس جیلخانہ مین غذاے ایمانی ہے ہی کم۔ پھر جو کچھ ہے بھی وہ اِس کتے کے قصد کے بیچ مین ہے۔ کہ یہ ہر وقت اِسکی تاک مین لگا ہوا ہے۔ کہ جسطرح بن پڑے اسے اُڑالون۔ نمازون۔ روزون اور سود قتون سے غذاے ذوق و شوق حاصل ہوتی ہے۔ اور یہ کمبخت کسی معصیت مین مبتلا کر کے ایکدم مین اُڑا لیجاتا اور کھو دیتا ہے شیطان سے خدا کی پناہ۔ ہاے افسوس ہم تو اسکی تعدی سے تباہ و برباد ہوگئے۔ (یا یون کہو ہاے رے اِسکی تعدی سے ہم تو اُس کے ہاتھون تباہ و برباد ہوگئے دوسرا ترجمہ زیادہ اچھا ہے) غضب تو دیکھو ہے تو ایک کتا اور ہزارون مین حلول کرتا ہے۔ اور جسمین حلول کرتا ہے اُسکو اپنا ہی سا بنا لیتا ہے۔ اور وہ شیطان مجسم بنجاتا ہے۔ جو چیز تیری آتش عشق حق سبحانہ کو بجھاوے اور تجھے خدا سے غافل کردے تو سمجھ لے کہ شیطان اِسمین حلول کیے ہوے ہے اور شیطان اُسکی کھال کے اندر چھپا ہوا ہے۔ اگر وہ خود نہین آتا ہے تو کوئی صورت دلکش تیرے خیال مین پیدا کرتا ہے۔ تاکہ وہ خیال ہی تجھکو کسی وبال مین کھینچ لیجائے۔ جبکہ تیرے خیالات فاسد ہوتے ہین تو انھین سے مصائب اور تکالیف روحانی و جسمانی پیدا ہوتی ہین۔ اُن خیالات فاسدہ کو ہم کسیقدر تفصیل سے بیان کرتے ہین تاکہ اُسکی مدد سے دیگر خیالات فاسدہ غیر مذکورہ آسانی سے معلوم ہو جائین۔ مثلاً کبھی فراخی کا خیال ہوتا ہے کہ کسطرح فراخی ہو۔ کبھی دکان کا کہ کسطرح دکان چلے۔ کبھی علم دنیا کا کہ کسطرح علم مین ترقی ہو۔ کبھی گھر بار کا۔ کبھی کمائی اور سوداگری کا کبھی تجارت کا۔ کبھی حکومت کا۔ کبھی روپے پیسے اور بیوی بچون کا۔ کبھی لغویات اور پریشان کن باتونکا۔ کبھی ساز و سامان مال متاع کا۔ کبھی مکانات اور فرش و فروش کا۔ کبھی چکی اور باغ اور جنگل کا۔ کبھی ابر اور کھیت اور دیگر خرافات کا۔ کبھی لڑائی اور صلح کا۔ کبھی نام اور ننگ کا۔ یہ اور اِسی قسم کے خیالات جو مانع من الوصول الی الحق اور خدا سے جُدا کرنیوالے ہون خیالات فاسدہ ہین۔ دیکھ تو انکو اپنے سر سے نکالدینا۔ اور اپنے دل کو ان تغیرات فانیہ سے پاک و صاف کر دینا۔ اور جب ایسے خیالات آئین تو فوراً اسیکے دفع کو لاحول پڑھنا تاکہ یہ آثار شیطانیہ دور ہون۔ مگر زبان سے پڑھنا کافی نہوگا بلکہ صمیم قلب اور خلوص نیت سے پڑھنا۔ خیر یہانتک تو نصائح تھین اب اصل قصہ سُن جب قاضی نے تنگی کے طور پر اُس قیدی سے کہا کہ نکل جا جیلخانہ سے اور اُسنے کہا کہ مین مفلس و قلاش ہون مجھے اگر جیلخانہ سے نکالدیگا تو مین بھوکون مرجاؤنگا اسپر قاضی نے کہا کہ اچھا اپنی مفلسی ثابت کر تو اُسنے کہا کہ قیدی لوگ میرے گواہ ہین اسپر قاضی نے کہا کہ یہ لوگ تجھ سے علٰحدگی چاہتے ہین اور تو نے انکو اس قدر دق اور پریشان کیا ہے کہ خون روتے ہین اور یہ چاہتے ہین کہ تجھ سے چھوٹین۔ اِس لیے اِس غرض باطل سے گواہی دیتے ہین۔ لہذا یہ گواہ متہم ہین۔

شرح شبیری ہمچو ابلیسے الخ۔ یعنی (اِس شخص کی حالت) مانند ابلیس کے ہے۔ کہ وہ کہتا تھا کہ اے سلام (حق تعالیٰ کے اسماء مین سے ہے) اور اے اللہ مجھے قیامت کے دن تک مہلت دے۔

کاندرین زندان الخ یعنی (مجھے مہلت) اسلیے (دے) کہ مین اِس زندان دنیا ہی مین خوش ہون تاکہ (یہان رہکر) دشمن زادونکو (یعنی

یعنی ابن آدم کو گمراہ کروں - پس جسطرح شیطان جانتا تھا کہ جب تک یہ حیات مستعار ہی اوسی وقت تک گھرتے آڑا اسکتے ہیں ورنہ پھر اسکے بعد تو مصیبت ہو - کہ دوزخ ہو اور وہ ہو اسیطرح اس مفلس کی حالت تھی -

ہر کہ او را الخ - یعنی (وہ شیطان کہتا ہو کہ) جسکے پاس کچھ ایمان کی روزی ہو گی (یعنی تھوڑا سا بھی ایمان ہوگا) اور سفر (آخرت) کے توشہ کے لیے ایک روٹی بھی ہو گی (یعنی اعمال تھوڑے سے بھی ہوں تو اونکو بھی نہ چھوڑوں گا لعنہ اللہ تعالیٰ) تھاں سے کبھی تو مکر و فریب دیکر (اوس توشہ کو لیلونگا تاکہ پشیمان اور پریشان ہوکر) شور (و واویلا) کریں اور کبھی اون کو فقر سے دھمکاؤں گا جیسا کہ قرآن شریف میں ہو الشیطان یعدکم الفقر) اور کبھی زلف و خال میں (لگاکر) اون کی آنکھیں (حق کو دیکھنے سے بند کردونگا -) پس خلاصہ اس مردود کے قول کا یہ ہو کہ یا الٰہی مجھے تو قیامت تک زندہ رکھ پھر اگر کسی انسان کے پاس ذرا سا بھی عمل ہوگا تو اوسکو بھی (یہ سمجھکر کہ اسکے پاس تو خود کم ہو اس سے نہ لینا چاہیے) نہ چھوڑونگا بلکہ غارت کردونگا اور حق سے غافل کرکے دوسری طرف متوجہ کردونگا - کہیں زلف و خال میں لگا دونگا کبھی اونکو اسطرح دھمکاؤنگا کہ اگر دین پر چلوگے اور شریعت پر عمل کروگے تو فقیر ہو جاؤ گے - اور فقر سے ڈرانا اسکا آجکل بالکل ظاہر کالشمس فی نصف النہار ہو کہ دیکھیے کہ آجکل جو لوگ روشن خیال اور نئی روشنی کے ہیں وہ سب یہی کہتے ہیں کہ علم دین پڑھنے سے انسان کے خیالات پست ہو جاتے ہیں اور علم دین مانع ترقی ہو - وغیرہ وغیرہ - ان امور کے جوابات تو اپنے مقام پر دیے گئے ہیں یہاں تو صرف یہ دکھلانا ہو کہ آجکل اسکا داؤ بہت زیادہ چل رہا ہو جس سے کہ بچنا لازمی ہو - خدا سے پناہ مانگو اور دعا کرو اور اس قسم کے خیالات قلوب سے نکال ڈالو کہ یہ سراسر شیطان کی گمراہی ہو اور کچھ نہیں ہو آگے مولانا فرماتے ہیں کہ -

قوت ایماں الخ - یعنی ایمان کی روزی (اول تو) اس زمان (دنیا) میں کم ہی ہی اور جو کچھ ہو وہ اس کتے (کمبخت شیطان) کے قصد اور اوسکی گمراہیوں کی) وجہ سے تنگی میں ہو - جیسے کہ اون قیدیوں نے کہا تھا کہ اول تو کھانا ہمکو دیتا ہی کون ہے اور اگر کہیں سے ملجاوے تو یہ کمبخت (وہی مفلس) کھاجاتا ہو - آگے فرماتے ہیں کہ -

از نماز و صوم الخ - یعنی نماز سے اور روزے سے اور سیکڑوں عاجزیوں سے (یعنی سیکڑوں اعمال کرنے سے تھوڑی سی) غذا کی روزی حاصل ہوتی ہو مگر یہ کمبخت (شیطان) اوسکو یکبارگی لیجاتا ہو - بس ذرا سا دھوکا دیا اور سارے اعمال غارت کردیتا ہو - آگے پناہ مانگتے ہیں کہ -

استعیذ اللہ الخ - یعنی میں خدا سے پناہ کا طالب ہوں اس شیطان (کے مکروں) سے اور افسوس ہم تو اسکے بہکانے سے ہلاک ہوگئے ہیں اے اللہ ہمکو اور سبکو اس کمبخت کے دھوکوں سے بچائیو اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم - آگے مولانا تعجب کے طور پر فرماتے ہیں کہ -

یک سگست الخ - یعنی (دیکھو تو کہ) ایک کتا ہی اور ہزاروں میں (گھستا چلا) جاتا ہو اور جسمیں بیٹھ گیا تو وہ یہی (شیطان ہی) ہوگیا - جیسا کہ مشاہد ہو کہ جو حضرات اسکے پھندوں میں پھنستے ہیں انجام کو وہ ایسے ہی ہو جاتے ہیں اور اون کو ایسی سوجھتی ہو کہ اس شیطان کو بھی نہیں سوجھتی - خدا بچاوے - آگے جسمیں یہ اثر کرجاتا ہو اوس کی پہچان بتاتے ہیں کہ -

ہر کہ سردت الخ - یعنی جو کہ تم کو (گرمی عشق الٰہی سے) سرد کردے (یعنی اوس طرف سے غافل کردے) تو جان لو کہ وہ (شیطان) اوسی میں ہو - (اور وہ چیز خواہ کچھ ہی ہو حتی کہ اگر انسان ہو تو یوں سمجھو) کہ پوست (انسانی) کے اندر دیو (شیطان)

پوشیدہ ہی پس اوس سے بھی بچو۔ اور اوس کی تائید حدیث سے بھی ہوتی ہی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ ایک کبوتر کے پیچھے جا رہا ہی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شیطان یتبع شیطانۃ پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اوس کبوتر کو شیطان فرمانا صاف دلیل اسکی ہی۔ کہ جو شئے حق سے غافل کرنیوالی ہو وہ شیطان ہی اور یون سمجھو کہ اوس مین شیطان ہے پس ثابت ہو گیا کہ جو چیز بھی تم کو محبت الٰہی سے اور اس طرف توجہ سے سرد اور غافل کر دے بس یہی پہچان ہی اسکی کہ وہ شیطان ہی اوس سے بچو اور خدا سے پناہ مانگو۔ آگے فرماتے ہین کہ اگر شیطان کسی صورت و شکل مین نہ بھی آوے (جیسا کہ ابھی معلوم ہوا تھا کہ کسی شئے کی صورت مین ہو اوس سے بچو) تو وہ ایسی بلا ہی کہ خیال مین آتا ہی اور خیالات مین پراگندگی ڈالکر گمراہ کرتا ہی۔ اسکو فرماتے ہین کہ۔

چون نیاید الخ۔ یعنی کہ اگر صورت مین نہ آوے تو خیال مین آتا ہی (اور دلمین گمراہی کے خیالات ڈالتا ہی) تاکہ تمھارا خیال تم کو وبال مین کھینچے۔ غرض کہ جسطرح ہو سکتا ہی خوب بہکاتا ہی اور گمراہ کرتا ہی اور مختلف خیالات سے پریشان اور حق سے غافل کر دیتا ہی۔

از خیالات الخ۔ یعنی تیرے خیالات کیوجہ سے بلا نازل ہوتی ہی۔ جیسا کہ تیرے خیالات جابجا مختلف طریقہ سے فاسد ہوتے ہین اور مختلف خیالات ہوتے ہین تو اس طاعات کی پونجی پر بلائین نازل ہوتی ہین۔ یہ ساری خرابی تمھارے خیالات کی ہین آگے اون اختلاف خیالات کو بیان فرماتے ہین کہ۔

گہ خیال الخ۔ یعنی کبھی تو فراخی کا خیال ہی اور کبھی دکان کا۔ اور کبھی علم (غیر دین) کا خیال ہی اور کبھی اہل و عیال کا۔

گہ خیال مکسب الخ۔ یعنی کبھی کمائی کا خیال ہی اور کبھی سوداگریکا۔ اور کبھی تجارت کرنے کا اور کبھی عہدہ کا۔

گہ خیال نقرہ و الخ۔ یعنی کبھی تو چاندی (یعنی روپیہ) کا خیال اور کبھی بچون کا۔ اور کبھی کسی فضول آدمی کا اور کبھی کسی غمگین کا۔

گہ خیال کالہ و الخ۔ یعنی کبھی اسباب کا خیال اور کبھی عمدہ چیزون کا اور کبھی فرش کی جگہ کا (یعنی گھر وغیرہ کا) اور کبھی خود فرش کا۔

گہ خیال آسیا و الخ۔ یعنی کبھی تو چکی کا خیال اور کبھی باغ کا اور کبھی چمن کا اور کبھی ابر کا اور کبھی کول کا اور کبھی کسی بدول کا اور کبھی کسی شوخی کا۔ راغ بمعنی چمن و میغ ابر۔ بلغ وہ چیز جو سردی مین اکثر آفتاب نکلنے سے قبل گرا کرتا ہی جسکو بعض جگہ کول اور بعض جگہ کہرا کہتے ہین۔ لیغ بمعنی بدول اور لاغ شوخی و بازی۔

گہ خیال آشتی الخ۔ یعنی کبھی تو صلح کا خیال کبھی لڑائیون کا اور کبھی نامون کا خیال (کہ اگر یہ ہوگا تو ہمارا نام ہوگا) اور کبھی ننگ کا خیال (کہ اگر فلان بات ہو گئی تو بڑے شرم کی بات ہی) غرض کہ یہ مختلف خیالات ہین جو کہ شیطان کے اغوا سے انسان کو پیش آتے ہین اور گمراہ کرتے ہین اور حق سے غافل کر دیتے ہین۔ اس لئے آگے مولانا فرماتے ہین کہ۔

ہین برون کن الخ۔ یعنی اپنے سر سے ان خیالات (فاسدہ) کو ضرور نکال دے اور دلمین سے اس قسم کی تبدیل کو اور اختلاف کو صاف کر دے یعنی دلمین نہ رہنے دینا ورنہ گمراہ کرینگے۔

ہان بگو الخ۔ یعنی خود بہت سی لاحولین پڑھو (اور ان خیالات کو دور کر کے حق تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو) اور لاحول

صرف زبان ہی سے نہین بلکہ عین جان سے لاحول پڑھو یعنی صرف زبان ہی سے قطع تعلق کافی نہین ہے بلکہ اِن چیزون کا خیال اور ان سے تعلق جب دلمین ہے تو دل ہی سے نکالنا ضروری ہے۔ (اے اللہ ہم کو اور سب کو اپنی محبت اور اپنے رسول صلے اللہ علیہ وسلم کی محبت عنایت فرما۔ اور شریعت پر چلنے کی توفیق دے۔ اور احکام شرعی کو امور طبعی بنادے۔ اور شیطان کے اغوا سے بچا اور خاتمہ ایمان پر فرما آمین)

آگے مولانا پھر ان قیدیون کی حکایت کی طرف رجوع فرماتے ہین کہ۔

مفلس قیدی کے قصہ کا قاضی کے ساتھ تتمہ

گفت قاضی مفلسی الخ۔ یعنی قاضی نے کہا کہ اپنی مفلسی کو ثابت کر تو وہ (مفلس) کہنے لگا کہ یہ اہل زندان گواہ ہین پہلے جو آیا ہے کہ قاضی نے کہدیا کہ جا زندان سے چلا جا۔ وہ صرف ایک اجمال قصہ بیان کرتا تھا اب یہان اُسکی تفصیل ہے۔

گفت ایشان متہم الخ۔ یعنی قاضی نے کہا کہ وہ لوگ تو (یعنی اہل زندان) تو متہم ہین اس لیے کہ وہ تجھ سے بھاگتے ہین اور خون روتے ہین مطلب یہ کہ جب وہ تجھ سے تنگ ہین تو وہ تیرے موافق گواہی کیون دین گے۔ وہ تو تجھ سے علحدگی ہی چاہین گے اس لیے وہ متہم ہوگئے۔ پس اُنکی گواہی ان ہی کے نفع کے لیے معتبر نہین ہوسکتی۔

وز تو می خواہند الخ۔ یعنی اور وہ تو چاہتے ہی ہین کہ تجھ سے چھوٹ جاوین اسی باطل غرض کی وجہ سے گواہی دیتے ہین۔

شرح حبیبی

جملہ اہل محکمہ گفتند ما ‌ ‌ ہم بر ادبار و بر افلاسش گوا
ہر کرا پرسید قاضی حال او ‌ ‌ گفت مولی دست ازین مفلس بشو
گفت قاضی کش بگردانید فاش ‌ ‌ گرد شہر او مفلس است و بس قلاش
کو بکو او را منادیہا کنید ‌ ‌ طبل افلاسش ہمہ جا بر زنید
ہیچکس نسیہ نیفروشد بدو ‌ ‌ قرض ندہد ہیچکس او را تسو
ہر کہ دعوائے آردش اینجا بفن ‌ ‌ بیچ زندانش نخواہم کرد من
پیش من افلاس او ثابت شدست ‌ ‌ نقد و کالا نیستش چیزے بدست

یہ سن کر تمام اہل عدالت نے کہا کہ ہم لوگ اس کی تباہ حالی اور مفلسی پر گواہی دیتے ہین غرض قاضی نے جس سے اسکی حالت دریافت کی اُس نے یہی کہا کہ حضور والا اس مفلس سے ہاتھ دھو بیٹھین اور اسے چھوڑ دین۔ قاضی نے کہا کہ اچھا اس کا اعلان سارے شہر مین کردو۔ کہ وہ مفلس اور قلاش ہے۔ کوچہ کوچہ اسکی منادی کردو اور اس کے افلاس کا ڈھنڈورا ہر جگہ پیٹ دو اور منادی

کردو کہ کوئی شخص اس کے ہاتھ اُدھار کوئی چیز نہ بیچے اور چار جو بھی اِس کو کوئی قرض نہ دے۔ جو شخص چالاکی اور ہوشیاری سے اِس پر دعوے کرکے اِس کو ہمارے اجلاس مین پیش کریگا۔ تو ہم اُس کو کچھ دنون کے لیے بھی قید نہ کرین گے۔ کیونکہ ہمارے روبرو اُسکی مفلسی ثابت ہوچکی ہے اور یہ محقق ہوگیا ہے۔ کہ نہ تو اس کے پاس نقدی ہے اور نہ سامان (تنبیہ) اشعار بالا مین مذکور ہوا ہے۔ کہ قاضی نے اِس قیدی سے کہا۔ کہ خیز از زندان برو۔ اِس کے بعد مذکور ہوا کہ قاضی نے اِس کی مفلسی پر گواہ طلب کیے۔ پس شبہ یہ ہے کہ حکم رہائی کے بعد مفلسی ثابت کرنے کے لیے گواہ طلب کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ کیونکہ اثبات افلاس کی تو رہاہی کرنے کے لیے ضرورت ہوتی ہے۔ اسکا جواب چند طرح ہوسکتا ہے۔ اول یہ کہ وہ رہائی کا حکم نہ تھا بلکہ دہمکی تھی۔ پس جب اِس دہمکی کے جواب مین اِس نے اپنی مفلسی کا اظہار کیا۔ تو اِس دعوے پر گواہ طلب کئے تاکہ مفلسی ثابت ہونیکے بعد اُس کو مشتہر کردیا جاوے۔ اور لوگون کو ضرر سے بچایا جاوے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ وہ دین مین محبوس نہ تھا بلکہ یہ حبس تعزیری تھی اور بقدر تعزیر مدت پوری ہوچکی تھی۔ یا پوری نہین ہوئی تھی لیکن جبکہ اہل زندان نے شکایت کی تو قاضی نے اب انقضاے مدت تعزیر کے سبب یا ضرراشد کو اخف پر ترجیح دیکر اِسکو رہا کردیا۔ اسیر اِس نے اپنی مفلسی کا اظہار کیا۔ قاضی نے دوسرے لوگون کو ضرر سے بچانے کے لیے اِس سے ثبوت طلب کیا۔ تیسرا جواب یہ ہے کہ کلام مین تقدیم و تاخیر ہوئی ہے نتیجہ کو اولا بیان کرکے بعد کو تفصیل واقعہ بیان کی ہے۔

آدمی در حبس دنیا زان بود	تا بود کافلاس او ثابت شود
مفلسی دیو را یزدان ما	هم منادی کرد در قرآن ما
کو دغا و مفلس ست و بدسخن	هیچ با او شرکت و سودا مکن
ور کنی او را بهانه آوری	مفلس ست و صرفه از وی کی بری

اب بطور نصیحت کے کچھ بیان کرتے ہین۔ کہ جس طرح مدیون کو جیل مین اِس لیے رکھا جاتا ہے کہ یا تو قرض ادا کردے اور اِس طرح اِسکا مالدار ہونا ظاہر ہوجاوے۔ یا یہ ثابت ہوجاوے کہ وہ مفلس ہے۔ اور اُس کے پاس کچھ نہین اسیطرح انسان کو دنیا کی جیل مین اِس لیے رکھا ہے تاکہ دلیل سے ثابت ہوجاوے۔ کہ یہ دولت دینی سے مالامال ہے۔ اور حق سبحانہ کا حق ادا کردے یا دلیل سے اُس کا اُس دولت سے خالی ہاتھ ہونا محقق ہوجائے۔ اسکے بعد اِس کے ساتھ اِسکی حالت کے موافق معاملہ کیا جاوے۔ اور اُس کو کوئی عذر نہ رہے اسی لیے حق سبحانہ نے اپنے علم پر اکتفا نہین کیا۔ ورنہ وہ یہ عذر کرسکتے کہ ہمین دنیا مین بھیج کر دیکھ تو لیا ہوتا کہ ہم کیا کرتے اور اُن کے امتحان کے لیے شیطان کو ان کے پیچھے لگایا ہے۔ لیکن چونکہ شیطان کی مفلسی ثابت ہوچکی ہے اس لیے حق سبحانہ نے قرآن پاک مین اعلان بھی کردیا ہے کہ یہ سراپا دغا اور قلاش اور بدکلام ہے کہ جو بات کرتا ہے دھوکے اور فریب کی

لہذا تم اس کے ساتھ بالکل شرکت اور معاملہ نہ کرنا اور اگر کروگے تو تم کو دام نہ ملین گے کیونکہ وہ مفلس ہے۔ تم اوس سے کیونکر پیچ اور زر ڈگری کیونکر لوگے۔

شرح شبیری جملہ اہل الخ۔ یعنی (جبکہ قاضی نے اون کو متہم کردیا اور اون کی گواہی قبول نہ کی تو) سب اہل محکمہ (قضا) کے لوگ کہنے لگے کہ ہم بھی اوس کے ادبار اور افلاس پر گواہ ہین۔

ہر کرا پرسید الخ۔ یعنی قاضی نے جس سے اوس کا حال پوچھا اوسنے یہی کہا کہ جناب اس مفلس سے ہاتھ دہو بیٹھئے۔ مطلب یہ کہ قاضی نے خوب تحقیق کی جیسا کہ فقہ مین مسئلہ ہی تو جس سے پوچھا اوس نے یہی کہا کہ حضرت بس اسکو تو چھوڑئے یہ تو بالکل مفلس قلاش ہی۔

گفت قاضی الخ۔ یعنی (جبکہ قاضی کو اوس کا افلاس ثابت ہوگیا تو) قاضی نے کہا کہ اسکو ظاہر طور پر شہر کے گرد پھراؤ کہ یہ مفلس ہی اور بالکل قلاش ہی۔

کو بکو اورا الخ۔ یعنی گلی گلی اس (مضمون ذیل) کی منادی کردو اور اس کے افلاس کا طبل ہر جگہ بجادو۔

ہیچکس نسیہ الخ۔ یعنی (منادی یہ ہو کہ) کوئی اوسکے ہاتھ (سودا) اودھار نہ بیچے۔ اور نہ اوس کو ایک کوڑی برابر (نقد) قرض دے۔

ہر کہ دعوے الخ۔ یعنی اگر کوئی (قرض وغیرہ دیگا اور پھر) اوسپر دعوے یہان چالاکی سے لاوے گا تو مین اوس کو قید نہ کرون گا۔

پیش من الخ۔ یعنی میرے سامنے اوسکا افلاس ثابت ہوگیا ہی کہ نقد یا اسباب اوسکے پاس کچھ نہین ہی اس لئے اب قید سے کیا فائدہ ہے اب اوس مہلت دیجاویگی۔ آگے مولانا انتقال کرکے فرماتے ہین کہ۔

آدمی در حبس الخ۔ یعنی آدمی دنیا کے قید خانہ مین اسلئے رہتا ہی تاکہ شاید اوس کا افلاس ثابت ہوجاوے مطلب یہ کہ انسانکو جو دنیا مین رکھا گیا ہی وہ اسلیئے تاکہ (جن کے پاس دولت ایمان ہی اون کا مالدار ہونا ثابت ہوجاوے اور) جو کافر بے ایمان ہین اون کا مفلس ہونا معلوم ہوجاوے۔ اور پھر یہ کہنے کو موقعہ نہ ملے کہ ربنا لولا ارسلت الینا رسولاً فنتبع آیاتک الخ بس یعنی دنیا مین سبکی حالت معلوم ہوجاوے۔ اور چونکہ سب سے زیادہ مفلس شیطان تھا جسکا مفلس عن الاعمال ہونا ظاہر ہے اس لئے خداتعالی نے اوسکی مفلسی کی منادی کی ہی۔ اسکو فرماتے ہین کہ۔

مفلسی دیو را الخ۔ یعنی دیو (شیطان) کی مفلسی کی ہمارے اللہ میان نے ہمارے قرآن مین منادی کی ہی۔ اور وہ منادی یہ ہی کہ۔

کو دغا و الخ۔ یعنی وہ (شیطان) دغاباز ہی اور مفلس ہے اور بدسخن ہی تو اوس کے ساتھ کبھی شرکت اور سوداست کرنا اور یہ مضمون قرآن شریف مین بھی ہی جیسے کہ ان الشیطان لکم عدو فاتخذوه عدوا وغیرہ جن سے کہ مولانا کے اس قول کی تائید ہوتی ہی۔ آگے پھر اوسی منادی قرآن شریف کا تتمہ ہی کہ۔

ور کنی او را الخ۔ یعنی اگر (بعوض) اوسکے ساتھ شرکت وسودا کروگے تو تم (اوسکے لئے) بہانہ اور ری د کا سبب) ہوگے تم تو مفلس سے اوس سے صرف کسطرح لے سکتے ہو۔ مطلب یہ کہ اگر تم نے باوجود اسقدر منادی اور شریعت کے بھی معاملہ کیا اور اوسکو دوست بنایا۔ تو پھر تم اوسپر کوئی دعوے نہین کرسکتے۔ اور تمکو اوس سے کچھ بھی حاصل نہوگا اسلئے

کہ جب اُس سے کہا جاویگا کہ انکے جو اعمال صالحہ تونے ضائع کئے ہین اُنکا بدلا دے تو وہ یہ بہانہ کر دیگا کہ مین تو مفلس ہون جیسا کہ معلوم ہے اور مشہور رہے پھر انہون نے جان بوجھ کر مجھ سے معاملہ کیون کیا۔ تو اسکی بہانہ آوری کا سبب یہی شخص ہوگا۔ اور جب وہ یہ کہکر الگ ہو جاویگا تو پھر تم اُس سے کیا لے سکتے لہذا اپنے ہی مال کا نقصان ہے۔ پس منادی قرآنی کو سُن لو اور اس مفلس سے ہرگز ہرگز اختلاط اور میل جول مت رکھو۔ آگے پھر اُسی حکایت کی طرف رجوع فرماتے ہین۔

شرح حبیبی

حاضر آورند چون فتنہ فروخت
کُرد بیچارہ بسے فریاد کرد
اشترش بردند از ہنگام چاشت
بر شتر بنشست آن قحط گران
سو بسو و کو بکو مے تاختند
پیش ہر حمام و ہر بازارگہ
وہ منادی گر بلند آوازیان
جملگان آوازہا برداشتہ
بینوائے بدادائے بیوفا
مفلس است و او ندارد ہیچ چیز
ظاہر و باطن ندارد حبۂ
ہان و ہان با او حریفے کم کنید
ور بحکم آرید این بیچ مردہ را
خوش دم است و او گلویش بس فراخ
گر بپوشد بہر مکر آن جامہ را

اُشتر کردی کہ ہیزم میفروخت
ہم مؤکل را بدانگے شاد کرد
تا شب و افغان او سودے نداشت
صاحب اشتر پئے اُشتر دوان
تا ہمہ شہرش عیانش نشناختند
کردہ مردم جملہ در شکلش نگہ
تُرک و کُرد و رومیان و تازیان
کاین ہمہ تخم جفاہا کاشتہ
نان رُبائے تر گدائے بیحیا
قرض تا ندہد کسے او را پشیز
مفلسے قلبے دغائے دبۂ
چونکہ گاؤ آرد گرہ محکم زنید
من نخواہم کرد زندان مردہ را
با شعار نو دثار شاخ شاخ
عاریہ است او تا فریبد عامہ را

جب اُس کے مشتہر کرنے کا فتنہ روشن ہوا اور قرار پاگیا کہ اسکو مشتہر کیا جاوے تو اس کام کے لیے ایک لکڑہارے کُرد کا اونٹ لایا گیا۔ جب اُس کُرد کا اونٹ لانے لگے تو اُس نے بہت فریاد کی اور جو شخص اس کام پر تعینات تھا اُسکو ایک دانگ بھی دیا لیکن اُس نے نہ مانا۔ اور وہ اور اُس کے معاونین اونٹ کو لے ہی گئے اور دوپہر سے رات تک کام لیا۔ اُس کُرد بیچارہ کی چیخ پکار نے کچھ بھی فائدہ نہ دیا۔ غرض کہ وہ بھاری قحط کی طرح لوگون کو بھوکا مارنے والا اُس اونٹ پر سوار ہو کر پھرنے لگا۔ اونٹ والا اونٹ کے پیچھے پیچھے دوڑ رہا تھا۔ سرکاری آدمی اُسکو ہر طرف اور ہر گلی مین پھراتے رہے۔ یہانتک کہ تمام شہر نے معائنہ اور مشاہدہ کر کے اُس کو خوب پہچان لیا۔ کیونکہ ہر حمام کے سامنے اور ہر بازار مین

لوگون نے اسکی شکل دیکھی - اور دس بلند آواز منادی کرنے والے جن مین ترک بھی تھے کرد بھی رومی بھی عرب بھی سب کے سب یہ آوازین لگا رہے تھے - کہ اس نے بڑی زیادتیونکا بیج بویا ہے - یہ شخص مفلس نادہند - بدعہد ہے - لوگونکی روٹیان بہت اڑاتا ہے - بہکاری ہے بے شرم ہے - پھر سُن لو یہ مفلس ہے اِس کے پاس کچھ نہین دیکھو اسکو کوئی کوڑی قرض نہ دے خوب کان کھول کر سُن لو کہ اسکے پاس ایک حبہ نہین - نہ ظاہر نہ پوشیدہ مفلس ہے - کھوٹا آدمی ہے سراسر دغا ہے - ترچھ کی طرح شریر اور موذی ہے - دیکھنا خبردار اِس کے ساتھ معاملہ نہ کرنا - چونکہ یہ گرہ کٹ ہے اور قینچی لیے ہوے ہے اِس لیے گرہ مضبوط باندھنا - یعنی بڑا چالاک ہے اِس سے ہوشیار رہنا - اور اگر اِس غم سے مرجھکے ہوے کو عدالت مین لاؤگے تو ہم اِسکو جیلخانہ نہ بھیجین گے کیونکہ یہ مردہ کی طرح ناقابل تعزیر ہے دیکھو اسکی باتین بہت چکنی چپڑی ہین اور حلق بہت وسیع ہے - کہ جو ملتا ہے ہڑپ کر جاتا ہے - اِسکی حالت یہ بھی ہے کہ اِس خستہ حالت پر بھٹا ٹھ سے رہتا ہے اور اِسی لیے اِسکی مثال ایسی ہوتی ہے جیسے کوئی ایسا کپڑا پہنے جسکا استر تو پھٹا ہوا اور ٹکڑے ٹکڑے ہوگیا ابرہ نیا ہو - یعنی اِسکا ظاہر اچھا ہے اور باطن خراب پس اگر تم اِسکو ایسے کپڑے پہنے دیکھو تو سمجھنا کہ وہ ملنگے ہوے ہین - تاکہ لوگونکو دھوکا دے

حاضر آوردند الخ - یعنی جبکہ فتنہ خوب بھڑکا (اور یہ شور وغل اُسکی مفلسی کا بہت ہی پھیلا تو ملازمان محکمہ قضا) ایک کُردی کا اونٹ جو لکڑیان فروخت کر رہا تھا لائے - کُرد بضم الکاف قومیت - مطلب یہ کہ ایک کُرد ہیزم فروش کا اونٹ اُسکے مشہور کرنیکو سپاہی پکڑ لائے -

کُرد بیچارہ الخ - یعنی اُس بیچارہ کردی نے بہت ہی فریاد (واویلا) کی اور سپاہی کو ایک دانق سے خوش بھی کیا - مطلب یہ کہ بہت ہی منت و فریاد کی کہ میرے اونٹ کو چھوڑ دو مجھے لکڑیان فروخت کرنی ہین اور جب اُسنے دیکھا کہ یہ نہ چھوڑینگے تو اُسنے سپاہی کو رشوت کے طور پر کچھ دینا بھی چاہا مگر اِسکی کچھ نہ چلی بلکہ -

اشترش بردند الخ - یعنی اُسکا اونٹ چاشت کے وقت سے رات تک کے لیے لے گئے اور اِس (کردی) کی چیخ پکار نے کچھ اثر نہ کیا اور کچھ بھی کارگر نہ ہوئی -

بر شتر بنشست الخ - یعنی (جب سپاہی اونٹ لے آئے تو) وہ قحط گران (یعنی مفلس) اونٹ پر بیٹھا - اور اونٹ والا اونٹ کے پیچھے دوڑ رہا تھا - اسی لیے کہ جب یہ بیگار ختم ہو تو مین اپنا اونٹ لے لون -

سو بسو و کو بکو الخ - یعنی (اونٹ پر سوار کرکے) ہر طرف اور گلی گلی مین پھرا رہے تھے - یہانتک کہ سارے شہر نے اچھی طرح پہچان لیا - کہ یہ حضرت ہین جو بالکل مفلس و قلاش ہین -

پیش ہر حمام الخ - یعنی ہر حمام اور ہر بازار کی جگہ مین تمام آدمیون نے اُسکی شکل مین نگاہ کی یعنی خوب اچھی طرح اُسکو دیکھ لیا -

دہ منادی گر الخ - یعنی دس منادی کرنیوالے بلند آواز والے (مختلف مقامات کے کوئی) ترک (کوئی) رومی (کوئی) تازی اور منادی کرنیوالے مختلف زبان والے اور مقدار مین اِسلیے زیادہ تھے کہ شہر بڑا تھا اور وہان مختلف ممالک کے لوگ ہوتے ہین اِس لیے اِس قدر اہتمام کی ضرورت ہوئی -

جملگان آواز ہا الخ۔ یعنی سب کے سب آوازین بلند کئے ہوئے (یہ کہہ رہے تھے کہ) اسنے تمام تخم جفا بوئے ہین۔ بڑے بڑے ظلم کئے ہین کہ لوگون کے حق مارلئے ہین۔

بینوا ست الخ۔ یعنی یہ بینوا ہے اور بدادا ہے اور بیوفا ہے۔ اور روٹی لے بھاگنے والا ہو اور پورا پورا فقیر ہے (یعنی بالکل ہی قلاش ہی) اور بیحیا ہے۔

مفلس ست الخ۔ یعنی اور مفلس ہے اور کوئی چیز نہین رکھتا۔ (یعنی اس کے پاس کچھ نہین ہے) ہرگز اس کو ایک پیسہ بھی قرض نہ دینا۔

ظاہر و باطن الخ۔ یعنی اندر باہر اس کے یہان ایک دانہ بھی نہین ہے مفلس ہے کھوٹا ہے دغاباز ہے بیحیا ہو۔

ہان وہان الخ۔ یعنی ہان ہان اسکی ساتھ حریفی کم کرو۔ اور جبکہ یہ متراض لادے تو گرہ کو مضبوط کرلو۔ مطلب کہ یہ حضرت گرہ کٹ بھی ہین ذرا بچتے رہنا۔ بچارے کی اچھی گت بنی خوب خوب صفات ظاہر ہو رہی ہین اللھم احفظنا۔

در بحکم آرید الخ۔ یعنی اگر اوس اوسرے کو کوئی عدالت مین لاویگا کہ اسنے قرض لیکر واپس نہین کیا تو مین (یعنی قاضی) اس مردہ کو ہرگز قید خانہ مین قید نہ کرون گا۔ اور یہان جو من نحو! ہم کر دکہا گیا ہو التفات ہے غیبت سے تکلم کی طرف یعنی چونکہ قاضی ہی کی طرف سے ساری منادی تھی اسلئے یہ ایسا ہے جیساکہ کہا جاوے۔ کہ دیکھو سرکاری حکم ہے اگر اس سے کوئی معاملہ کرے اور پھر اوس کو ہمارے پاس لادے تو ہم اوسکو ہرگز سزا نہ کرین گے۔ آگے بھی وہی منادی کے الفاظ ہین کہ۔

خوش دم است الخ۔ یعنی کہ یہ خوش دم (یعنی چرب زبان) ہی اور اوسکا گلو بہت ہی فراخ ہو۔ (یعنی بہت ہی کہانیوالا ہو) اور اوس کا شعار تونیا ہے۔ اور دثار ٹکڑے ٹکڑے ہے۔ شعار کہتے ہین اوس کپڑہ کو جو اوپر ہوتا ہو جسکو ابرا بولتے ہین اور دثار کہتے ہین اوس کپڑہ کو جو نیچے ہوتا ہو۔ جسکو استر بولتے ہین پس مطلب یہ کہ اوس کی یہ حالت ہو کہ بظاہر تو خوب چرب لسان ہو جس سے کہ معلوم ہوتا ہو کہ بہت ہی نیک اور بزرگ ہین اور اندر اسکے خصائل ذمیمہ بھرے ہوئے ہین تو اس کی ایسی مثال ہے جیسے اوپر کا ابرا تو نیا اور عمدہ ہو اور اندر سے استر بالکل پھٹا ہوا ٹکڑے ٹکڑے ہوتا ہو پس اسی طرح ظاہر مین تو بڑا بزرگ معلوم ہوتا ہو۔ مگر اس کے اندر جو خصائل ہین وہ بہت ہی برے ہین۔

گر بپوشد بہر الخ۔ یعنی اگر مکر (دینے کے) واسطے اوس (استر پھٹے ہوئے) کپڑے کو پہنے تو وہ کپڑا جو ظاہر مین نیا معلوم ہوتا ہے محض) عاریت ہے (جیسے کہ مانگے کی چیز بظاہر تو اوس کی ہی معلوم ہوتی ہو جس کے پاس ہے۔ مگر اصل مین دوسرے کی ہوتی ہے۔ اور یہ عاریت اس لئے ہے) تاکہ تمام لوگون کو فریب دے۔ آگے مولانا فرماتے ہین کہ۔

شرح حبیبی

حرف حکمت بر زبان ناحکیم	حلہ ہائے عاریت دان اے سلیم
گرچہ دزدی جامۂ جمشید است	دست تو چون گیرد آن ببریدہ است

اے بھولے بھالے مقالات حکمت غیر حکیم کی زبان پر عاریت سمجھنا کیونکہ وہ اوس کے طبعزاد نہین بلکہ اور حکما کے

ماخوذ ہین - اس لئے وہ بمنزلہ چور کے ہے اور چور کی حالت یہ ہوتی ہی کہ وہ چوری مین کٹے ہوئے ہاتھ کو کپڑے مین چھپا سکتا ہی مگر جب ہاتھ پکڑنیکا موقعہ آئے تو مجبور ہوتا ہی اور بوجہ ہاتھ نہونیکے ہاتھ نہین پکڑ سکتا - یون ہی تم اوس غیر حکیم اور غیر محقق کو سمجھو جو اسرار معارف بیان کرتا ہی - کہ اپنی عدم تحقیق کو مقالات حکمت کے ذریعہ سے چھپا تو لیتا ہے مگر دستگیری کے وقت طالب کو سنبھالنے سے عاجز ہوتا ہی -

شرح شبیری حرف حکمت الخ - یعنی اے سلیم (الطبع) غیر حکیم کی زبان سے حکمت کی باتون کو ایسی سمجھو جیسے کہ مانگے ہوئے جبہ وغیرہ کہ بظاہر تو ملک اس شخص کی معلوم ہوتے ہین مگر حقیقۃً وہ اوسکی ملک نہین ہی - آگے اوسکی ایک مثال دیتے ہین کہ -

گرچہ دزدے الخ - یعنی (جو کہ بظاہر چرب زبان ہو اور دراصل حکیم اور عالم اور محقق نہو اوسکی ایسی مثال ہی کہ) اگرچہ کسی چور نے کپڑے پہن لئے ہین (اور اپنے اوس بریدہ ہاتھ کو چھپالیا ہی مگر جب دستگیری کا وقت آویگا تو) وہ کٹا ہوا ہاتھ تیرا ہاتھ کسطرح پکڑیگا اور تیری دستگیری کس طرح کریگا - اسیطرح اگر کسی شخص کے پاس صرف زبانی ہی جمع خرچ ہی اور دلمین کچھ نہین ہی تو اب تو خوب باتین بنارہا ہی مگر جب کوئی مرحلہ آکر پڑیگا اسوقت اوسکی ساری حقیقت کھل جاویگی آگے پھر اوس حکایت کیطرف رجوع ہی -

شرح حبیبی

چون شبانگہ از شتر آمد بزیر ۔ کرد گفتش منزلم دورست و دیر
بر نشستی اشترم را از پگاہ ۔ جورہا کردم کم از اخراج کاہ
گفت تا اکنون چہ میکردیم پس ۔ ہوش تو کو نیست اندر خانہ کس
چرخ افلاکم شنیدای پر طمع ۔ تو بشنیدی بگوش بے طمع
طبل افلاکم بچرخ سابعہ ۔ رفت و تو نشنیدہٴ این واقعہ
گوش تو پر بودہ است از طمع خام ۔ پس طمع کر میکند گوش اے غلام
تا کلوخ و سنگ بشنید این بیان ۔ مفلس است و مفلس است اے قلتبان
تا بشب گفتند و در صاحب شتر ۔ بر نزد کو از طمع پر بود و پر
ہست بر سمع و بصر مہر خدا ۔ در حجب بس صورت است و بس صدا
انچہ او خواہد رساند این بچشم ۔ از جمال و از کمال و از کرشم
وانچہ او خواہد رساند او بگوش ۔ از سماع و از بصارت وز خروش
گرچہ ہستی تو کنون غافل ازان ۔ وقت حاجت کرد حق او را عیان
گفت پیغمبر کہ یزدان مجید ۔ از پے ہر درد درمان آفرید
گرچہ درمان جوئی و گوئی بجان ۔ کاے خدا درمان کار من رسان
لیک زان درمان نہ بینی رنگ و بو ۔ بہر درد خویش بے فرمان او

کون برچارہ است ہیچت چارہ نے — تاکہ نگشاید خدایت روزنے
چشم را اے چارہ جو در لامکان — ہین بنہ چون چشم کشتہ سوئے جان
این جہان از بے جہت پیدا شدست — کہ ز بے جائے جہان را جا شدست
باز گرد از ہست سوئے نیستی — گر تو از جان طالب مولیستی
جائے دخل است این عدم از وی مرم — جائے خرج است این وجود بیش و کم
کارگاہ صنع حق چون نیستی است — جز معطل در جہان ہست کیست

جب وہ قیدی رات کے وقت اونٹ سے اترا تو کرد نے کہا کہ رات ہوگئی ہی میرا گھر دور ہی اور بیچ میں یہ مین پہونچ نکالئس سے مجھے تکلیف ہوگی۔ پھر صبح سے تو میرے اونٹ پر بھی سوار ہے ان تمام چیزون کے معاوضہ مین مین نے جو چھوڑے گھاس کا تو خرچ دیدے۔ اسنے کہا بھلے مانس اب تک ہم کیا کر رہے تھے تیری عقل کہان ہی۔ کیا تو بالکل ہی بہرا ہو سارے طباع آسمان نے تو میرے افلاس کا شہرہ سنا مگر تو نے اپنی روشنی سماعت کے بہرہ کان سے دشنا۔ میرے افلاس کے نقارہ کی آواز فلک ہفتم تک تو گئی لیکن یہ واقعہ تیرے کان تک نہین پہونچا تو سنتا کیسے تیرے کان مین تو بیہودہ طمع کا روڑہ ٹھنسا ہوا تھا صاحبزادہ جب تو یہ قصہ سن چکا تو سمجھ لے کہ طمع کان کو بہرہ کر دیتی ہے ڈھیلے پتھرون تک نے یہ بیان سن لیا کہ یہ بڑا مفلس ہے مفلس ہے اور رات تک لوگون نے یہ اعلان کیا لیکن اس آواز نے اونٹ والے کے کان سے ٹکر نہ کھائی کیون محض اسلئے کہ وہ طمع سے بالکل بہرا ہوا تھا۔ اسلئے آواز پہونچنے کی اوس مین گنجائش ہی نہ تھی۔ بات یہ ہے کہ کان اور آنکھ پر خدا کی مہر لگی ہوئی ہے۔ اور یہ دونون بالکل اُسکے قبضہ مین ہین۔ ان مین دیکھنے اور سننے کی قوت ذاتی نہین بلکہ عطائی ہی۔ اور غیب کے پردون مین بہت سی صورتین اور بہت سی آوازین مستور رہین۔ ان مین سے جسکو خدا چاہتا ہی خواہ جمال ہو یا کمال یا کرشمہ۔ واندازہ وغیرہ وغیرہ پردہ اُٹھا کر اسکو آنکھ تک پہونچا دیتا ہی اور آنکھ اوسکا احساس کر لیتی ہی۔ اور جسکو چاہتا ہی خواہ سماعت ہو خواہ بصارت خواہ غیر مدرک بالسمع ہو یا مدرک بالسمع اوسکو کان تک پہونچا دیتا ہی۔ جو چیزین تجھے مسموع یا مبصر نہین اگرچہ تو اُنسے اب تک غافل ہی مگر حق سبحانہ جس وقت تیرے لئے ضرورت سمجھین گے اوسکو تیرے لئے معاین و مشاہد کر دینگے۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ خدا تعالے نے ہر مرض کے لیے دوا پیدا کی ہے۔ اگر تجھے اپنے امراض طمع وغیرہ کے علاج کی ضرورت اور طلب ہی۔ تو صدق دل سے دعا کر۔ کہ اے اللہ کسی کام کی تدبیر مجھ تک پہونچا دے۔ اور مجھے معلوم کرا دے۔ لیکن یہ سمجھ لینا کہ تجھے اس تدبیر کا نہ رنگ معلوم ہو سکتا ہو نہ بو۔ غرض کچھ بھی پتہ نہین چل سکتا۔ جب تک خدا کا حکم نہو گو عالم تدابیر اور معالجات سے پُر ہی۔ مگر تیرے لئے کوئی تدبیر اور کوئی چارہ نہین۔ جب تک حق سبحانہ کی مدد شامل حال نہو۔ اور وہ تیرے لئے کوئی ذریعہ نہ پیدا کر دے۔ اور اے علاج کے طالب خدا کی اعانت کا ذریعہ یہ ہی کہ تو لامکان کی طرف ٹکٹکی باندھ اور اپنی روح مجرد کی طرف متوجہ ہو کر اسکی اصلاح کر اور اپنے کو فنا کر اور ٹکٹکی یون باندھ جیسے مردہ اپنی جان کو آنکھین کھولے دیکھتا ہی کہ پلک جھپکتے ہی نہین۔ لامکان کی طرف متوجہ ہونیکی اسلئے ضرورت ہی کہ لامکان کے معنی ہین عدم مکان اور عدم اور نیستی عجب چیز ہی کیونکہ یہ جہان معدوم الجہۃ ہی سے پیدا ہوا ہی۔ اور بے جان ہی سے اسکو جگہ ملی ہے

یعنی عدم سے کیونکہ وہ نیست ہی سے ہست ہوا ہی- پس اگر تجھے طلب حق ہی تو وجود سے عدم کی طرف لوٹ اور اپنے کو فنا کر کیونکہ
خدا سے ملنے کا یہی رستہ ہی- اور وجود پر عدم کو اسلئے بھی شرف ہی کہ عدم آمدنی کی جگہ ہی اور عالم وجود موہوم خرچ کی
اسلئے کہ اشیا اول پیدا ہوتی ہین اور پھر عدم کو چلی جاتی ہین- اسلئے عدم گویا کہ خزانہ موجودات کا ہے لہذا تو عدم
سے بھاگ مت- نیز یہ صنعت خداوندی کا محل ظہور- عالم وجود بھی مثل عدم کے ہے- اس لئے کہ یہان ہر چیز
بمنزلہ معطل کے ہی- اور تعطل منافی وجود ہی- اس توجیہ پر کلمہ چون تشبیہ کے لیئے ہی اور اگر شرطیہ ہو تو یہ تقریر ہوگی کہ
چونکہ صنعت خداوندی کا محل عدم بھی ہی چنانچہ ظاہر ہی کہ ایجاد کا تعلق موجود کے ساتھ تو ہوتا نہین معدوم ہی سے ہوا
ہوتا ہی جسکے بعد وہ موجود ہو جاتا ہی اسلئے عالم وجود مین وہ کون ہی جو معطل نہو- یعنی سب موجودات ممکنہ مثل معطل کے ہین
اونکی ساتھ تعلق تصرف کا نہین ہوتا- یعنی من حیث الوجود- کیونکہ جو تصرف ہوگا وہ شئے حاصل بعد التصرف کے عدم ہی
کی حیثیت سے ہوتا ہی یا یون کہو کہ جب صنعت حق سبحانہ کا محل عدم ہی اور اس سے مستفیض فانی اور معدوم ہی ہین تو جو عالم
ہستی مین ہوگا اور اپنے کو فنا نکریگا وہ لامحالہ معطل اور فیضان حق سبحانہ سے محروم ہوگا-

شرح شبیری

چون شبانگہ الخ- یعنی جب رات کو وہ (مفلس) اونٹ سے نیچے اترا تو کردی نے اوس سے کہا کہ
میرا گھر دور ہی اور دیر (مین راستہ پورا ہو سکتا) ہی- پس-

بر نشستی اشترم الخ- یعنی تو میرے اونٹ پر صبح سے سوار ہوا تو تجھ کو کچھ تو دینا چاہیے اور مین نے دانہ چھوڑ دیا
مین دانہ نہین لیتا مگر کم سے کم گھاس کا تو خرچ ہو- یعنی گھاس کا خرچ تو دیدے- چونکہ اوس کُردی کو سیاہی ہونے تو کوئی
توقع کچھ ملنے کی بھی تھی نہین اسلئے اوس نے اوس سے کہا- کہ شاید اسی سے کچھ مل جاوے- اسپر اس مفلس نے جواب دیا کہ-

گفت تا اکنون الخ- یعنی اوس (مفلس) نے کہا کہ اب تک میرے پیچھے تو کسلئے پھر رہا تھا- تیرے ہوش کہان ہین-
(معلوم ہوتا ہی کہ) گھر مین کوئی نہین ہی- نیست اندر خانہ کس ایک مثل ہی- جسکا مطلب یہ کہ معلوم ہوتا ہی کہ عقل بالکل
نہین ہی اسلئے کہ-

چرخ افلاسم الخ- یعنی میرے افلاس (کی منادی) کو آسمان تک نے تو سن لیا اور لے پر طمع تو اپنے بے لمع کانون سے
نہ سُنا اور کہنے لگا کہ-

طبل افلاسم الخ- یعنی میرے افلاس کا طبل ساتوین آسمان تک تو گیا- اور تو نے اب تک یہ واقعہ نہین سُنا- اسلئے کہ
اگر سن لیتا اور مجھے مفلس سمجھ لیتا- تو پھر مجھ سے کچھ مانگتا ہی کیون- اور کہنے لگا کہ-

گوش پر آلودہ است الخ- یعنی (چونکہ) تیرے کان طمع خام سے پر ہین پس اس لئے اے لڑکے طمع نے تجھے بہرا اور اندھا
کر دیا- اور کہنے لگا کہ-

تا کلوخ الخ- یعنی ڈھیلون اور پتھرون تک نے تو (جو کہ جمادات ہین) اس بیان کو سُن لیا کہ یہ قلتبان مفلس ہے مفلس ہے
قلتبان کے معنی ایسے سمجھو جیسے کہ اردو مین بھڑوا کہہ دیتے ہین- مطلب یہ کہ سب نے اسبات کو سُنلیا کہ مین مفلس ہون اور تو اب
اب بھی مجھ سے معاملہ کرتے ہین جس سے کہ معلوم ہوتا ہی کہ تم نے کچھ سنا ہی نہین یہ ساری خرابی اسکی ہی کہ اوسکو اپنے دام کی
حرص تھی اسلئے اوسکو کچھ بھی نہ سنائی دیا- آگے مولانا فرماتے ہین

تا بشب گفتند الخ- یعنی رات تک لوگون نے کہا (اور چیخ پکار کی کہ یہ مفلس ہے) مگر اونٹ والے مین کچھ بھی اثر نہ کیا-

اس لیے کہ وہ حرص سے خوب اچھی طرح بھرا ہوا تھا۔ آگے اصلی وجہ بتاتے ہیں کہ حرص سے پر ہونے سے اُس نے سُنا کیوں نہیں پس فرماتے ہیں کہ۔

ہست بر سمع الخ۔ یعنی کان اور آنکھ پر خداوند تعالیٰ کی مُہر ہے۔ (جیسا کہ خود فرماتے ہیں کہ ختم اللہ علی قلوبہم الخ) اور بہت سی صورتیں اور بہت سی آوازیں حجابوں میں ہیں۔

انچہ او خواہد رساند الخ۔ یعنی (اُن محجوب صورتوں اور آوازوں میں سے) جو جمال اور کمال اور کرشمے خدا چاہتا ہے آنکھ تک پہونچا دیتا ہے تو وہ حق بین ہو جاتی ہے۔

وانچہ او خواہد الخ۔ یعنی اور جو بشارت اور سُننے کی چیز اور خروش وغیرہ حق تعالیٰ چاہتے ہیں کان تک پہونچا دیتے ہیں۔ غرض کہ معلوم ہوا کہ سمع و بصر نہ خود کچھ سُن سکتے ہیں اور نہ خود دیکھ سکتے ہیں بلکہ جس کان کو چاہے خداوند کریم حق بات سُنا دے اور جسکو چاہے محروم کر دے اور اگر اپنے اختیار میں ہوتا تو پھر کفار بھی انبیاء کو کیوں نہ مان لیتے بلکہ بعض لوگوں نے تو آیت ترٰہم ینظرون الیک وہم لا یبصرون کی یہ تفسیر کی ہے کہ وہ ان آنکھوں سے ہی نہیں دیکھتے اگرچہ بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ دیکھتے ہیں اور انکو خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت مبارک بھی نظر نہ آتی تھی پس اگر اس آیت کی یہ تفسیر لیجاوے تو پھر تو در حجب بس صورت ست و بس صدا کے معنی بالکل صاف ہیں کہ انکو حقیقۃً وہ صورتیں اور آوازیں دکھائی اور سُنائی دیتی ہی نہیں ہیں پس معلوم ہوا کہ جب تک حق تعالےٰ بصیرت اور سمع قبول عطا نہ فرماویں اُس وقت تک کچھ بھی حاصل نہیں ہو سکتا۔ اور انسان کے اختیار میں کچھ نہیں ہے آگے فرماتے ہیں کہ۔

گرچہ مستی الخ۔ یعنی اگرچہ تم اُن (صورتوں اور آوازوں) سے (جو حق کی طرف سے آئی ہیں) اسوقت غافل ہو (اور اُن کو نہ دیکھتے ہو اور نہ سُنتے ہو) لیکن حق تعالےٰ ضرورت کے وقت اُنکو ظاہر فرماوینگے یعنی قیامت میں سب ظاہر ہو جاویگا کہ کون حق تھا اور کون باطل تھا اور یہ مت سمجھنا کہ جب وہ صورتیں ہمکو دکھائی ہی نہیں دیتیں تو پھر ہمیں اُنکے حق و باطل ہونیکی کیا خبر ہے اس لیے کہ۔

گفت پیغمبر الخ۔ یعنی پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ حق تعالےٰ نے ہر درد کے لیے درمان اور علاج پیدا فرمایا ہے۔ پس تم اپنے مرض کے لیے کوئی علاج جسکو حق نے اس لیے پیدا کیا ہو حاصل کر لو اور وہ اتباع انبیاء ہے مگر باوجود اتنی تلاش کے پھر بھی حق تعالیٰ ہی پر بھروسہ رکھو۔ اسی کو فرماتے ہیں کہ

گرچہ درمان الخ۔ یعنی اگرچہ تم (اپنے مرض کے لیے) درمان اور علاج ڈھونڈھوگے اور جان (و دل) سے کھوگے کہ اے خدا میرے کام کا علاج فرمادے لیکن تم اُس درمان کی اپنے درد کے واسطے رنگ و بو بھی نہ دیکھ سکوگے۔ (یعنی تم کو اسکی ہوا بھی نہ لگے گی) اُس کے بے حکم کے۔ مطلب یہ کہ جبتک خداوند تعالےٰ کا حکم نہ ہوگا اس وقت تک تم کو اُس مرض کا علاج حاصل نہیں ہو سکتا۔ اور اُس سے تم فائدہ نہیں اُٹھا سکتے۔ آگے فرماتے ہیں کہ۔

گوں یہ چارہ ہست الخ۔ یعنی تمام دنیا علاجوں سے بھری ہوئی ہے اور تیرا کوئی علاج نہیں ہے

جب تک کہ حق تعالی ہی کوئی دروازہ (رسائی کا) تیرے لیے نہ کھول دین۔ تو جب سوائے حق کی توجہ کے حق بینی اور حق شنوی سے محروم ہے تو اُسی طرف توجہ کرنا چاہیے۔ اور اس دنیا کی طرف سے توجہ کو ہٹا لینا چاہیے۔ اسی کو فرماتے ہین کہ۔

چشم را اے چارہ جو الخ۔ یعنی اے علاج کے متلاشی آنکھ کو لامکان مین رکھ جس طرح کہ مقتول کی آنکھ جان کی طرف ہوتی ہے۔ چونکہ مقتول کی آنکھ کھلی رہ جاتی ہے اِس لیے اُسکو اِس طرح ظاہر کیا کہ جیسے کہ وہ اپنی جان کو دیکھ رہا ہے۔ اور اُسکی نظر ہٹتی ہی نہین۔ بس اسیطرح تم بھی اُس طرف لگ جاؤ کہ پھر اِدھر کی خبر ہی نہ رہے۔ مقصود یہ کہ اپنے کو فنا کردو اور فنا کے اُس درجہ کو پہونچ جاؤ کہ تمھارا وجود بس کالعدم ہو جاوے۔ آگے فرماتے ہین کہ۔

این جہان از بے جہت الخ۔ یعنی کہ یہ جہان (بھی تو) بے جہت (یعنی حق تعالی ہی کی طرف) سے پیدا ہوا ہے۔ اور اِسکو بھی تو ایک بے جگہ والی ذات سے جگہ ہوئی ہے۔

باز گرد از ہست الخ۔ یعنی (جبکہ یہ جہان عدم ہی سے وجود مین آیا ہے تو) تم بھی ہست سے فنا کیطرف لوٹ آؤ۔ اگر جان (و دل سے) مولا کے (یعنی حق تعالے کے) طالب ہو اِس لیے کہ جب تک اِس وجود مین رہوگے اسوقت تک تو یہ وجود حاجب رہیگا توجہ الی الحق سے اور جب اِسکو چھوڑ کر درجہ فنا کا حاصل کر لوگے تو پھر مقصود یعنی حضوری حق تعالی کی درگاہ کی حاصل ہو جاویگی۔ اور اگر از روے عقل دیکھا جاوے تب بھی تو فنا ہی ہونا چاہیے۔ اور اُسی طرف توجہ چاہیے۔ اِس لیے کہ۔

جاے دخل است الخ۔ یعنی عدم تو آمدنی کی جگہ ہے (اِس لیے کہ جو یہان سے گیا وہ وہین جاتا ہے۔ تو آمدنی کی جگہ ہوئی) تو اُس سے بھاگو مت (یعنی علیحدہ مت ہو) اور یہ تھوڑا بہت وجود خرچ کی جگہ ہے (اِس لیے کہ ہر وقت اسین سے تو خرچ ہی ہو رہا ہے) بس وہ جگہ جہان کہ آمدنی ہو زیادہ قابل توجہ ہے۔ اور جہان آمدنی نہ ہو وہ قابل توجہ نہین۔ لہذا معلوم ہوا کہ توجہ اصل مین عدم یعنی عالم ملکوت ہی کیطرف ہونی چاہیے۔ اور اسی مین فنا حاصل کرنا چاہیے آگے فرماتے ہین کہ۔

کارگاہ صنع الخ۔ یعنی کہ حق تعالے کے افعال کے (صادر ہونیکی) جگہ (یعنی یہ عالم دنیا) مثل نیستی کے ہے۔ (اِس لیے اِسکا وجود مثل عدم ہی کے ہے) اور جہان ہست (بظاہر) لیکن سواے معطل کے اور کون ہے۔ مطلب یہ کہ جب یہ عالم جسکو عالم موجودات کہا جاتا ہے اور حق تعالی کے افعال کا ظہور اور صدور نہین ہوتا ہے۔ اور یہ کالعدم ہے تو پھر تو انسان کو جو کہ سب مین ضعیف البنیان ہے فنا اور عدم کو حاصل کرنا چاہیے۔ چونکہ مولانا نے یہان تک فنا کی اور توجہ الی الحق کی ترغیب دی ہے اِس لیے اب آگے حق تعالے سے دعا کرتے ہین کہ اے اللہ ہم کو بھی یہ مرتبہ عطا فرما۔ بس فرماتے ہین کہ حضرت مولانا کی عادت ہے کہ ایسے مواقع پر رجوع الی الحق فرماتے ہین لہذا اب بھی آپ مجیب الدعوات کی بارگاہ مین مناجات فرمانے لگے۔

شرح حبیبی

مناجات

اے خدائے پاک بے انباز و یار — دست گیر و جرم ما را در گذار
یاد دہ ما را سخنہائے رقیق — کہ ترا رحم آورد آن اے رفیق
ہم دعا از تو اجابت ہم ز تو — ایمنی از تو مہابت ہم ز تو
گر خطا گفتیم اصلاحش تو کن — مصلحی تو اے تو سلطان سخن
کیمیا داری کہ تبدیلش کنی — گرچہ جوئے خون بود نیلش کنی
اینچنین میناگریہا کار تست — اینچنین اکسیرہا ز اسرار تست
آب را و خاک را برہم زدی — ز آب و گل نقش تن آدم زدی
نسبتش دادی بجفت و خال و عم — با ہزار اندیشہ شادی و غم
باز بعضے را رہائی دادۂ — زین غم و شادی جدائی دادۂ
بردۂ از خویش و پیوند و سرشت — کردۂ در چشم او ہر خوب و زشت
ہرچہ محسوس است او رد می کند — وانچہ ناپیداست مسند می کند
عشق او پیدا و معشوقش نہان — یار بیرون فتنۂ او در جہان

اے خدائے پاک لاشریک بے مددگار تو ہماری دستگیری کر۔ اور ہمارے قصوروں کو معاف کر۔ اور ہم کو دل نرم کرنے والی باتین یاد دلا جو تجھکو ہمپر مہربان کرین۔ دعا کی توفیق بھی تو ہی دینے والا ہے۔ اور قبول بھی تو ہی کرنیوالا ہی۔ بےخوفی بھی تیری ہی طرف سے ہی۔ اور خوف بھی تیری ہی جانب سے۔ پس اگر ہم نے کوئی خطا کی ہو۔ اور کوئی بات غلط کہی ہو تو اوس کی اصلاح کر اسلیئے کہ اے بادشاہ سخن و متصرف و مالک کلام تو ہی اصلاح کرنیوالا ہے تیرے پاس کیمیا ہے کہ تو اوس کی قلب ماہیت کرسکتا ہی۔ اور فاسد کو صالح بنا سکتا ہی۔ اگر خون کی نہر ہو تو اوسکو رود نیل بنا سکتا ہی۔ اس قسم کی نقاشیان کرنا تیرا ہی کام ہی۔ اور اس قسم کی اکسیرین کہ فاسد کو صالح کردے اور صالح کو فاسد وغیرہ تیرے ہی بھید ہین۔ تو نے پانی اور مٹی کو مخلوط کرکے اوس پانی و مٹی سے ایک تصویر یعنی جسم انسان بنا دیا۔ پھر اسکا تعلق خاوند اور بیوی ماموں اور چچا وغیرہ سے پیدا کیا۔ اور اوسکو خوشی اور رنج کے ہزار خرخشون مین مبتلا کردیا۔ پھر بعضون کو ان خرخشون سے نکالا۔ اور رنج و شادی کے قصون سے علیحدہ کیا۔ اور اوسکا تعلق عزیز و اقارب اور ملکات حسیہ سے قطع کیا۔ اور ہر بظاہر خوشنما چیز کو اوسکی نظر مین برا کردیا۔ چنانچہ اب اوسکی حالت یہ ہی کہ جو کچھ محسوس ہوتا ہی۔ اُسے رد کرتا ہی۔ اور غیر محسوس یعنی حق سبحانہ کو اپنا سہارا بناتا ہی۔ اور اوسکی حالت یہ ہوتی ہے۔ کہ اوسکا عشق تو ظاہر ہوتا ہی مگر معشوق نظرون سے مختفی اسکا محبوب تو بیرون عالم اور لامکانی ہی مگر اوسکی شورش عالم مین پھیلی ہوئی ہی

شرح شبیری

مناجات

اے خدائے الخ۔ یعنی اے خدائے پاک جو بے شریک اور بے (کسی) مددگار کے ہے ہماری دستگیری کیجئے اور ہمارے جرم سے درگذر کیجئے۔

یاد دہ مارا الخ۔ یعنی اے رفیق ہم کو ایسی نرم باتین یاد دلائیے (یعنی سکھلائیے) جو کہ آپ کے رحم کو لا دین۔ مطلب یہ کہ اے اللہ ہم کو ایسی نرم نرم باتین سکھلا دیجئے کہ جنکی وجہ سے آپ کو ہمارے اوپر رحم آوے اس لئے کہ۔

ہم دعا از تو الخ۔ یعنی دعا بھی آپ ہی کی طرف سے ہے اور قبول کرنا بھی آپ ہی کی طرف سے اور بےخوفی بھی آپ ہی کی طرف سے ہے اور خوف بھی آپ ہی کی طرف سے۔ جب یہ بات ہے تو پھر دعا کرنا بھی آپ ہی سکھلا دیجئے۔ اور پھر اوس کو آپ ہی قبول فرما لیجئے۔ جیسے کہ قرآن شریف مین آدم علیہ السلام کے قصہ مین ارشاد ہے۔ فتلقی آدم من ربہ کلمات فتاب علیہ ترجمہ۔ پھر حاصل کر لئے آدم علیہ السلام نے اپنے رب سے چند الفاظ۔ تو اللہ تعالی نے رحمت کے ساتھ توجہ فرمائی جس سے معلوم ہوا کہ معذرت کے الفاظ بھی حق تعالی ہی سے حاصل ہوئے تھے۔ اور ایسے موقعہ پر جبکہ خطاوار اپنی خطا پر سخت نادم و بے چین ہو۔ کلمات معذرت کی تلقین کر دینا مین بھی رائج ہو۔ جیسے کہ کوئی نوکر اپنی خطا پر نادم ہو کر منہ بنا کر ہاتھ جوڑ کر سامنے کھڑا ہو اور ہیبت اور انفعال کی وجہ سے اوس کی سمجھ مین نہین آتا کہ اس خطا کی معذرت کیواسطے کونسے الفاظ لاوے اور وہ ڈرتا ہو کہ اگر اس مرتبہ بولا تو نہ معلوم میرے منہ سے کیا نکلے اور وہ بدتمیزی ہو تو عتاب اور زیادہ ہو جاوے۔ اسوقت آقا کو جوش کرم ہوتا ہو اور مہربان ہو کر کہتا ہو کہ کیا چاہتا ہو کچھ منہ سے کہ وجب بھی خاموش رہتا ہو تو اوس سے کہتے ہین کہ اچھا کہہ کہ پھر ایسی حرکت نکرونگا اور وہ ان ہی الفاظ کو دوہرا دیتا ہو اسوقت کہتے ہین کہ جا معاف کیا پھر ایسا مت کرنا۔ تو دیکھو کلمہ معذرت بھی آقا ہی نے سکھلائے۔ پس اسی لئے یہان بھی مولانا فرماتے ہین کہ دعا کے الفاظ اور معذرت کے آپ ہی سکھلائیے۔ اور پھر آپ ہی اون دعاؤن اور عذرون کو قبول فرمائیے۔ جو دعا کہ آقا و مالک کی سکھلائی ہوئی ہوتی ہے اوس مین قبولیت کی امید زیادہ ہوتی ہے۔ اس لئے کہ جب وہ خود فرما رہے ہین کہ ہم سے اس طرح مانگو تو یہ فرمانا اس لئے تو یقینا نہین ہو کہ جب یہ مانگے گا تو ہم رد کر دین گے بلکہ اسی لئے ہے کہ یہ مانگے گا تو ہم اس کو عنایت کرینگے پس جب وہ مانگے گا تو پھر اوسکو ضرور عنایت ہو جاویگی۔ اور یہ بھی ممکن تھا کہ حق تعالی بے مانگے ہوئے اور بلا کسی دعا وغیرہ کے عنایت فرما دیا کرتے۔ مگر اس دعا مین ایک مصلحت تو یہ ہو کہ عبد کی عبدیت معلوم ہوتی ہے۔ اور حق تعالی کی عظمت کا استحضار ہوتا ہے دوسرے یہ کہ بغیر مانگے عطا فرمانے مین وہ قدر نہ ہوتی جو کہ اب بعد طلب کے ہے۔ تیسرے یہ کہ حق تعالی کو جو اپنے بندہ پر شفقت اور رحمت ہو وہ اسکو مقتضی ہے کہ بندہ خود کچھ مانگے جیسے کہ باپ بچہ کے واسطے آم لا دے تو اوس کو آتے ہی نہین دیدیتا بلکہ یون کہتا ہے کہ آم ایسا شیرین

ہوتا ہی کہ اوسکی جیسی شیرینی اور کسی شے مین ہی ہی نہین۔ وغیرہ وغیرہ۔ اوس کے سامنے خوب اوسکی تعریف کرتا ہو اب وہ بچہ اس سے ضد کرتا ہو اور مانگتا ہو اور مچلتا ہو کہ ہم تو ضرور آم کھائینگے اور ہم کو لاکر دو وغیرہ وغیرہ یہانتک کہ جب اوسکی طلب بڑھتی ہو اور وہ خوب ضد کرتا ہو تو فوراً آم اوسکے حوالہ کرتا ہے تو دیکھو وہ یہ بھی کر سکتا تھا کہ اول آتے ہی اوسکو دیدیتا۔ مگر اسقدر ضد کرانے مین اور اوس کی تعریف کرکے اوس کو شوق دلانے مین جو لذت ہوئی ہو اور جو لطف ہو وہ کوئی صاحب اولاد کے دل سے پوچھے۔ سچ یہ ہو کہ یہ لذت اور کسی شے مین حاصل ہی نہین ہوتی اسکے بیان کے لیے میرے پاس الفاظ نہین ہین جس سے بیان کر دون۔ بس اسکو راقم بھی ایک ذوق سے جانتا ہو اور جسکو ذوق والفت ہو وہ ہی سمجھ سکتا ہے پس اسیطرح حق تعالیٰ اول انسان کو جنت کا اور اوسکے نعما کا اشتیاق دلاتے ہین اور پھر اوسکے مانگنے کے طریقے بتلاتے ہین جیسا کہ جابجا قرآن شریف مین موجود ہے اس کے بعد بندہ کی طلب پر دریائے رحمت جوش مین آتا ہو اور اوسکو عنایت فرمادیتے ہین۔ اور اسی خوشی کو ایک حدیث قدسی مین اس طرح فرمایا ہے کہ بندہ کے سوال کرنے پر حق تعالیٰ کو اس شخص کی خوشی سے بھی زیادہ خوشی ہوتی ہو جسکا کہ اونٹ کھو گیا ہو اور اوسکا کھانا پینا سب اوسی کے اوپر تھا اوسنے اوس اونٹ کو بہت تلاش کیا مگر وہ نہ ملا۔ جتنے کہ مایوس ہوکر بھوکا پیاسا کسی جگہ پڑ رہا۔ اور سو رہا۔ جب اوسکی آنکھ کھلی تو دیکھا کہ اونٹ معہ سامان کے جو اوسپر تھا اوسی طرح اوسکے سرہانے کھڑا ہوا ہے۔ اسوقت فرط خوشی مین اوسکے حواس بجا نہ رہے اور وہ (بجائے اسکے کہ یون کہتا کہ اے اللہ مین تیرا بندہ ہون اور تو میرا خدا ہی) یون کہہ اُٹھا کہ مین تیرا خدا ہون اور تو میرا بندہ ہی۔ (نعوذ باللہ) اور اوس شخص پر کوئی اعتراض بھی نہین۔ اس لئے کہ یہ فرط فرح سے اپنے قبضہ مین نہ رہا تھا۔ اب دیکھو کہ اسکو کسقدر خوشی ہوئی کہ ہوش وحواس بھی ٹھکانے نہ رہے۔ اور حق تعالیٰ فرماتے ہین کہ بندہ کے سوال پر مجھے اس سے بھی زیادہ خوشی ہوئی ہے اب ہر شخص سمجھ سکتا ہو کہ اللہ تعالیٰ کو اس ناپاک بندہ کی دعا سے کتنی خوشی ہوتی ہو فالحمد للہ رب العالمین۔ ہان حق تعالیٰ انفعال سے منزہ ہی جیسا کہ ظاہر ہو اس خوشی کیوجہ سے اوسکے افعال واقوال حکمت اور اعتدال سے خارج نہین ہوجاتے۔ خوب سمجھ لو۔ اور بعض مرتبہ ایسا بھی ہوتا ہو کہ جو دعا انسان کرتا ہو وہ پوری نہین ہوتی۔ تو اسوقت اسکو بہت زیادہ پریشانی ہوتی ہو۔ اور مختلف قسم کے خیالات اوسکو آنے لگتے ہین اسکو خوب سمجھ لو بات یہ ہو کہ دعا کی قبول ہونیکی دو صورتین ہین ایک تو یہ کہ جو مانگا وہی ملجاوے۔ اور دوسری یہ کہ جو مانگا ہو وہ بسبب کسی ایسی مصلحت کے جسکی خبر اس شخص کو نہین ہو مگر حق تعالیٰ کو ہے) نہ ملے۔ اول صورت مین تو کوئی وجہ پریشانی وغیرہ کی ہے ہی نہین۔ ہان دوسری صورت مین کچھ پریشانی ظاہر بین کو ہوسکتی ہے۔ اسکو سمجھ لو کہ چونکہ انسان کو اپنے تمام منافع اور مضار پر اطلاع نہین ہوتی۔ اور بہت سے مضار کو منافع اور بالعکس سمجھ لیتا ہو اور حق تعالیٰ کو سب معلوم ہے پس یہ تو بلا سمجھے بوجھے جو چاہتا ہے مانگ لیتا ہے مگر حق تعالیٰ جانتے ہین کہ اگر اس کو عطا کر دیا گیا تو اسکو ضرر دینی یا دنیوی ہوگا۔ پس اوسکو وہ شے عطا نہین فرماتے۔ لیکن دعا کو رد بھی نہین فرماتے بلکہ اوس کی جگہ یا تو کوئی اور شے عنایت ہوتی ہے یا کوئی گناہ معاف ہوجاتا ہے یا اوسکی برکت سے کوئی بلا جو آتی ہوتی ہے ٹل جاتی ہے پس دعا حق تعالیٰ سے ہر صورت اور ہر حالت مین ضروری ہی۔ لیکن اوسپر مصر ہونا کہ جسطرح ہم چاہتے ہین اوسی طرح ہوجاوے بڑا ہے۔ بلکہ دعا کرتا رہے اور اوسپر جو کچھ بھی مرتب ہو اوسپر راضی رہے۔ اور خوش رہے۔

اور اگر خود کوئی اثر مرتب نہ معلوم ہو تب بھی دعا کرنا ترک نکرے۔ بلکہ دعا کرتا رہے کہ اگر یہ امر حاصل نہ بھی ہوگا تب بھی اور منافع تو حاصل ہونگے خوب سمجھ لو بس اسی لیے مولانا فرماتے ہین کہ اے اللہ ہمین دعا خود سکھلا کر اوس کو قبول فرمالیجئے آگے فرماتے ہین کہ۔

گر خطا گفتیم الخ۔ یعنی اگر ہم نے کوئی (بات) غلط اور خطا کہہ دی ہو تو اوسکی آپ اصلاح فرما دیجئے (اور اوسکو معاف فرما دیجیے اسلئے کہ اے سلطان سخن اصلاح کرنے والے بھی آپ ہی ہین۔ سلطان سخن اسلئے کہدیا کہ جسقدر کلام اور جتنی باتین ہین سب اوسی طرف سے ہین اور وہی اون کے خالق ہین مطلب یہ کہ جو کچھ جناب نے سکھلایا ہے اگر اوہین ہم سے کوئی لغزش اور غلطی ہو جاوے تو اوسکو آپ معاف فرما دیجئے۔ اور اوسکی اصلاح اوسپر تنبیہ سے یا کسی اور طریقہ سے فرما دیجیے اسلئے کہ۔

کیمیا داری کہ الخ۔ یعنی آپ تو کیمیا (قدرت) رکہتے ہین (تو جسطرح کیمیا سے تبدیل ماہیت ہو جاتی ہے اسی طرح آپ ہماری خطاؤن اور گناہون کو) تبدیل فرماتے ہین اور اگرچہ خون کی ندی ہوتی ہو مگر آپ اوس کو نیل (کی طرح صاف اور پاک) فرما دیتے ہین مطلب یہ کہ جناب کو تو وہ قدرت ہے کہ جس سے سیئات کو حسنات فرما دیتے ہین جیسا کہ خود ارشاد ہے۔ یبدل اللہ سیاٰتھم حسنات یعنی اللہ اون کی سیات کو حسنات سے بدل دیتے ہین۔ پس اسی طرح ہماری خطاؤن کو بھی اپنے رحمت اور قدرت سے بدل دیجئے۔ اور اون کو بھی حسنات کر دیجئے اسلئے کہ۔

اینچنین مینا الخ۔ یعنی اس قسم کی نقاشی (جو کہ برے کو اچھا کر دے) آپ ہی کا کام ہے اور اس قسم کی اکسیر (جو کہ قلب ماہیت کر دے) آپ کے اسرار مین سے ہے۔ پس ہماری سیئات کو بھی حسنات سے بدل دیجئے۔ اور آپ کی تو وہ قدرت ہے کہ۔

آب را و خاک را الخ۔ یعنی آپنے پانی اور مٹی کو ملا کر اوسی پانی اور مٹی سے آدمی کے بدن کا نقش بنایا۔ جو کہ اسقدر جامع کمالات ہے اور مظہر اتم ہے حق سبحانہ تعالےٰ کا۔ تو جب آب و خاک کو بدل کر ایسی شے بنا دی اور بالکل ہی ماہیت کو بدل کر ایک اذل شے سے اکرم مخلوقات بنایا تو پھر ہمارے سیئات کو بدلکر حسنات کر دینا تو اس کے سامنے کچھ بھی نہین ہے۔ اور پھر صرف نقش تن انسان بناتے ہی پر کفایت نہین کی بلکہ۔

نسبتش دادی الخ۔ یعنی اوسکی نسبت جوڑے زوج اور ماموں اور چچا وغیرہ کے ساتھ ہزار دن خوشیون اور غمون اور اندیشون کے ساتھ فرمائی۔ مطلب یہ کہ اوس آب و خاک کو جو کہ جماد محض اور اشیاء لا یعقل تہین اس طرح ترکیب دی اور پھر اون مین یہ تعلقات پیدا کئے۔ اور پھر اون تعلقات مین خوشیان اور رنج اور اندیشے ہر قسم کے رکہے۔

باز بعضے را الخ۔ یعنی (باوجود ان سب تعلقات کے بھی) بعض کو (اسے) رہائی دی ہے۔ اور اس غم و شادی کے سے جدا اور الگ اور علیحدہ فرمایا۔

بردہ از خویش الخ۔ یعنی جسکو آپنے ان تعلقات سے علحدگی عطا فرمائی اوسکو آپنے خویش و خویشاوند سے اور باپ بیٹے سے سب سے الگ کر دیا ہے اور اوسکی نظر مین ہر دو دنیا کے) اچھے کو برا کر دیا ہے اس لئے کہ اوسکی

نظر مین تو ایک حق کا تعلق بس گیا ہو اوسکو دوسرون کی طرف ہرگز التفات نہین رہتا۔ ہان جو تعلقات شرع نے مقرر فرما دیے ہین وہ ضرور باقی رہتے ہین مگر وہ اضطرار (جو کہ بغیر تعلق مع اللہ کے ان تعلقات سے ہوتا) نہین ہوتا۔ بلکہ اوسکو ہر وقت تعلق اللہ ہی کے ساتھ رہتا ہو اور دنیا کی عمدہ سے عمدہ شے بھی اوسکی نظر مین حقیر اور بری معلوم ہوتی ہو۔ اور اوسکی یہ شان ہوجاتی ہو کہ۔

ہر چہ محسوس الخ۔ یعنی جو کچھ کہ محسوس ہے (یعنی یہ دنیاوی تعلقات) وہ اوسکو رد کردیتا ہو۔ اور جو کچھ کہ ناپیدا ہے (یعنی حق تعالیٰ اور اوسکے اسرار) اون کو سند اور محکم کرتا ہو مطلب یہ کہ جسکو آپنے ان تعلقات دنیوی سے بچایا اوسکی تو یہ حالت ہوجاتی ہو کہ سوائے آپکے تعلق کے اور سب تعلقات کو ترک کردیتا ہو اور سبکو حجاب خیال کرتا ہو اور اوسکی یہ حالت ہوجاتی ہو کہ۔

عشق او پیدا الخ۔ یعنی اوس (شخص) کا عشق تو ظاہر ہوتا ہو (کہ سب جانتے ہین کہ عاشق خدا ہے) اور اوسکا معشوق (یعنی حق تعالیٰ) پوشیدہ ہین تو یار تو (اس جہان سے) باہر ہو اور اوسکا فتنہ (اور عشق) سارے جہان مین ہو رہا ہو (اور جسکو دیکھو اوسیکا شیدا اور متوالا ہو بعض تو ہر وقت اور بعض گاہے گاہے اوسکی طرف متوجہ ہوتے ہین لیکن ہوتے سب ہین پس وہ تو ان جہات وغیرہ سے باہر ہے اور منزہ ہے مگر اوسکا فتنہ عشق جہان مین موجود ہے چونکہ اوپر عشق حقیقی تعلق بحق اور فنا کا ذکر تھا اور ان چیزون کی ترغیب اور اون کا مطلوب ہونا بیان کیا گیا تھا اسلئے آگے اوسکی ضد یعنی عشق مجازی اور غیر اللہ سے تعلق اور حق سے غفلت کو منع فرماتے ہین اور ان کا غیر مقصود اور غیر مطلوب ہونا بیان فرماتے ہین کہ۔

شرح حبیبی

ہین رہا کن عشقہائے صورتی	عشق بر صورت نہ بر روئے ستی
آنچہ معشوقست صورت نیست آن	خواہ عشق اینجہان خواہ آنجہان
آنچہ بر صورت تو عاشق گشتۂ	چون برون شد جان چرایش ہشتۂ
صورتش برجاست این سیری زچیست	عاشقا وابین کہ معشوق تو کیست
آنچہ محسوس است اگر معشوقہ است	عاشقستے ہر کہ اورا حس ہست
چون وفا آن عشق افزون میکند	کے وفا صورت دگرگون میکند
پرتو خورشید بر دیوار تافت	تابش عاریتی دیوار یافت
بر کلوخے دل چہ بندی اے سلیم	وا طلب اصلی کہ تابد او مقیم

دیکھان عشقون کو چھوڑ جنکا تعلق صورت سے ہو۔ اسلئے کہ جو عشق بظاہر صورت پر ہے وہ فی الحقیقت بیوی وغیرہ کے چہرہ پر نہین۔ اور جو فی الحقیقت معشوق ہو وہ صورت نہین خواہ صورت ناسوتی کا عشق ہو خواہ ملکوتی کا وجہ اسکی یہ ہو کہ اگر تو صورت ہی پر عاشق ہوا ہو تو کیا وجہ ہے کہ جب جان نکلگئی تو نے اوسکو چھوڑ دیا۔ حالانکہ صورت تو اسی طرح موجود ہے پھر یہ استغنا کس سبب سے ہو۔ پس ثابت ہوا کہ صورت

پر نہین - تو اب تجھے غور کرنا چاہیے کہ فی الحقیقت تیرا معشوق کون ہی - غور سے تجھے معلوم ہوگا کہ صورت نہین بلکہ کوئی اور ہی ہے اسلئے کہ جو محسوس ہے وہی اگر معشوق ہوتا تو ہر حس رکھنے والا عاشق ہوتا - پس لازم تھا کہ گائے بیل بھی عاشق ہوتے - نیز یہ مشاہدہ ہے کہ معشوق کی وفا سے عشق مین ترقی ہوتی ہی تو کیا وفا صورت کو بدل دیتی ہی ہرگز نہین - بلکہ صورت وہی رہتی ہی - پھر کیا وجہ ہے کہ عشق مین تغیر ہوتا ہی - اس سے بھی ثابت ہوا کہ معشوق صورت نہین پھر کیا ہے - تو ہم بتلائے دیتے ہین بات یہ ہی کہ آفتاب حقیقی حق سبحانہ کا پرتو دیوار یعنی ممکنات پر پڑا اس سے اس دیوار یعنی ممکنات کے اندر عارضی حسن پیدا ہو گیا - بس وہ حسن تیرے دل کو کھینچتا ہے - پس جبکہ معشوق وہ حسن عارضی ہوا جو حق سبحانہ کے پرتو سے پیدا ہوا ہے تو یہ سراسر حماقت ہی کہ اس عارضی حسن رکھنے والے ڈھیلے اور ممکن سے دل لگایا جاوے بلکہ اصل خورشید (حق سبحانہ) کو ڈھونڈھنا چاہیے جو کہ ہمیشہ چمکتا اور ذاتی اور بے زوال حسن رکھتا ہی -

ایکہ تو ہم عاشقی بر عقل خویش	خویش از صورت پرستان دیدہ بیش
پرتو عقل است آن بر حس تو	عاریت میدان ذہب بر مس تو

اوپر صورت پرستو پر اعتراض اور ان کو تفہیم تھی - ان اشعار مین عقل پرستون کی تردید ہے - چنانچہ فرماتے ہین کہ ارے تو جو اپنی عقل پر عاشق ہی اور صورت پرستو سے اپنے کو اعلیٰ و افضل سمجھتا ہے تجھے معلوم بھی ہی کہ تیرا معشوق کون ہی - وہ تیری عقل ناقص نہین بلکہ اُس عقل ناقص پر جو خسیس ہے نے مین مثل خس کے ہے اُس لطیف و خبیر کا جو عقل کی طرح اشیاء کو علی ما ہی علیہ ادراک کرتا ہے - پرتو پڑا ہے اس لئے اس مین یہ کیفیت پیدا ہو گئی ہے جو تجھے مرغوب و پسندیدہ ہے - اور یہ سونا اور پرتو کمال تیری عقل ناقص پر جو بمنزلہ تانبے کے ہے عارضی ہے اصل نہین - پس معلوم ہوا کہ معشوق خود عقل نہین بلکہ وہ سونے کا ملمع ہی - اس سے ثابت ہوا کہ عقل پر عاشق ہونا بھی سراسر حماقت ہے - عقل انسانی کو ضعف و غلطی ادراک کے سبب حس سے تعبیر کیا اور حق سبحانہ کو اوسکے ادراک اشیاء علی ما ہی علیہ اور مناسبت لفظ حس کے سبب جو اس مصرع مین واقع ہے عقل سے اور یہ لوگ تعبیرات کی پرواہ نہین کرتے - چنانچہ اشعار آئندہ مین حق سبحانہ کو دل سے تعبیر کیا ہی فانتظر فع البعد (تنبیہ) اس مقام کی بعض اور توجیہات بھی ہین - اول یہ کہ شعر اول مین عقل سے مراد معقول ہی - اور مقصود ان لوگون کا رد کرنا ہے جو دعوے کرتے ہین کہ ہم صورت پر عاشق نہین بلکہ ہم تو معنی پر عاشق ہین - یعنی یہ صورت مظہر اور مرآۃ جمال ہی حق سبحانہ کا اسمین ہم ظاہر اور مرئی کا مشاہدہ کرتے ہن اور اسپر عاشق ہن تفصیل یہ ہی کہ تو جو اپنے معقول یعنی حق سبحانہ پر بزعم خود عاشق ہی اور صورت پرستو سے اپنے کو افضل سمجھتا ہی یہ تیری غلطی ہی - اور منشا غلطی یہ ہے کہ تیری حس مین عقل کی آمیزش ہو گئی ہی وہ آمیزش تجھے گمراہ کر رہی ہی - کہ اوس آمیزش سے تو اپنے کو معقول کا عاشق سمجھ گیا - چونکہ اسوقت من وجہ معقول کا بھی ادراک ہی گو وہ ادراک عشق کے درجہ تک نہین پہونچا ورنہ واقع مین مرکب یا محسن یعنی صورت ہی کا تو عاشق ہی - اس توجیہ پر ع عاریت میدان ذہب بر مس تو - مین عاریت کا لفظ اچھی طرح چسپان نہین ہوتا - اللھم الا ان یقال اس آمیزش کو بوجہ ناپائدار ہونے کے عاریت سے تشبیہ دی کیونکہ غالب عشق صورت ہی کا ہی - دوسری توجیہ یہ کہ دوسرا شعر پہلے شعر سے تعلق نہین رکھتا - بلکہ اشعار ماسبق سے

مرتبط ہے اور معنی یہ ہیں کہ تیری محسوسات پر معقول (حق سبحانہ) کا پر تو ہے اسلئے تجھے اپنے تا سبب (محسوس) پر سونے (پر تو حق سبحانہ) کو ملع اور عارضی سمجھنا چاہیے - لہذا اسپر فریفتہ نہ ہونا چاہیے اس توجیہ میں یہ خدشہ ہے کہ شعر اول کلام تام نہیں - بلکہ محتاج جواب ندا ہی - اور اس تقدیر پر جواب ندا نادر دہی - اللہم الا ان یقال بقرینہ مقام مقدر ہے بعض نسخوں میں شعر اول میں بجائے عقل کے لفظ اصل واقع ہی اور اصل سے مراد حق سبحانہ ہیں - اور مطلب یہ ہے کہ تو جو اپنے اصل حق سبحانہ پر بزعم خود عاشق ہے اور اپنے کو صورت پرستوں سے اعلیٰ و افضل بتاتا ہی یہ تیرا نقص ہے اسلئے کہ تیری حس پر مرد عارف کا پرتو پڑا یعنی تو نے ان کی نقل کی اور اصل اور نقل اور حال اور قال میں بہت فرق ہے - اسلئے یہ قول اور یہ خیال تیرا فی الحقیقت سراسر نقص ہی - گو اس مشابہت عرفا سے صورت کمال پیدا ہو گئی - ولا یخفی سخافتہ وحزازتہ علی من لہ ذوق سلیم -

شرح شبیری

ہین رہا کن الخ - یعنی ہان صورت کے عشق کو ترک کر دے (اسلئے کہ) جو عشق صورت پر ہے (وہ واقعہ میں) بیوی کے منہ پر نہیں ہے تھی - بی بی و کدبانو را گویند - مطلب یہ کہ اے عاشق صورت تو جو اپنا معشوق صورت کو سمجھے ہوئے ہے اور اس بنیاد پر چہرہ زوجہ کو محبوب سمجھتا ہے تو سن رکھ کہ یہ عشق بھی جو کہ تجھے بیوی کے ساتھ ہے اوس کے چہرہ پر یا کسی ظاہری عضو پر نہیں آگے بھی اسیکو فرماتے ہیں کہ -

آنچہ معشوقست الخ - یعنی جو کچھ معشوق ہے وہ صورت نہیں ہو اب وہ عشق خواہ اس جہان (یعنی ناسوت) کا ہو اور خواہ اوس جہان (یعنی عالم ملکوت) کا ہو - غرضکہ جو عشق کہ ماسوی اللہ کے ساتھ ہو گا وہ بھی اوس کی صورت پر نہیں ہی - اور صورت پر عشق سمجھنا غلطی ہے بلکہ وہ عشق بھی اوسکے کسی کمال پر ہوتا ہی - مثلاً جمال پر وفا پر ناز و ادا پر وغیرہ وغیرہ مگر اس کالبد خاکی پر جو کہ گوشت پوست سے ملکر بنا ہی ہرگز ہرگز عشق نہیں ہوتا آگے اس دعوی کی دلیل خود بیان فرماتے ہیں اور اس شعر میں عشق اینجہان و آنجہان کہنے میں اشارہ اسطرف ہے کہ وہ عشق ماسوی اللہ کا ہوگا - اس لئے کہ جہان کے معنی ہیں عالم کے خواہ وہ یہ عالم ہو اور خواہ عالم ملکوت ہو - یہاں کا تو عشق ظاہر ہے روز اسکا رونا پٹنا رہتا ہی کسی نے کہا ہی کہ سہ عشق سے کون ہے بشر خالی - کر دیئے جسنے گھر کے گھر خالی - اور عشق عالم ملکوت کا ایسا ہے جیسے کہ کوئی شخص حور پر عاشق ہو اور اوسکی طلب میں لگجاوے اور ہمہ تن اوسکی مطلوب وہی ہو جاوے تو ظاہر ہے کہ اوسکو حق تعالی سے علیحدگی اور غفلت لازم ہے - اور یہ بھی مذموم ہے - آگے اپنے اس دعوے کی کہ عشق جو بظاہر صورت پر معلوم ہوتا ہے (وہ بھی اصل میں کسی کمال ہی پر ہے) اور اسکو صورت پر سمجھنا ہی غلطی ہے ایک دلیل لاتے ہیں - پس فرماتے ہیں کہ -

آنچہ بر صورت الخ - یعنی جو کچھ کہ تم صورت پر عاشق ہو گئے ہو تو جب جان باہر ہو گئی تو اب اوسکو کسلئے چھوڑتے ہو - مطلب یہ کہ اے صورت پرست اور صورت کے عاشق اگر تیرا یہ کہنا صحیح ہی کہ تو اس خط و خال اور لون ظاہری ہی پر عاشق ہے تو اب ہم پوچھتے ہیں کہ جب اس جسم میں سے جان نکل جاتی ہے تو پھر اوس جسم سے عشق کیوں نہیں ہوتا اور اوسکو کیوں الگ کر دیتے ہو کہ اوسکو لیجا کر اپنے ہاتھوں تہ خاک کر آتے ہو - اسوقت اگر عشق باقی ہے تو پھر اوسکی لاش کو اٹھا کر رکھو - اور اوسکا اوسی طرح چومو - اور اوسکو اوسی طرح پیار کرو وغیرہ وغیرہ - مگر نہیں سب سے اول

یہ عاشق صاحب ہی فرماوینگے کہ اسکو جلدی کہین دفن کر دینا چاہیے۔ اور سارا سامان خود کرینگے۔ اور اس جسم کو دفن کرا دینگے پس معلوم ہوا کہ اس کالبد سے اور اس صورت سے عشق نہ تھا ورنہ پھر ایسا کیون ہوتا اور اس لاش سے اسقدر نفرت کیون ہو جاتی۔ اور اگر یہ کہو کہ ہمکو رنج والم تو ہوتا ہی جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہمکو عشق صورت ہی سے تھا اور اوس کے پیش نظر نہ رہنے سے یہ سارا قلق اور رنج ہے۔ اور اوسکو دفن بوجہ ضرورت کے کر دیتے ہین تو اسکا جواب یہ ہے کہ حضرت جب عشق ہوتا ہے تو ساری مصلحتین اور ساری ضرورتین، ہیچ ہوجاتی ہین اور سب سے بڑی ضرورت عشق ہی کی اور اوسکے مقتضیات کی ہوتی ہے۔ آخر دیکھو کیا اپنی آبرو کی حفاظت کی اور بدنامی سے بچنے کی ضرورت نہین ہوتی لیکن پھر بھی اوس عشق اور محبت کے سامنے کسی چیز پر بھی نظر نہین ہوتی۔ بلکہ صرف محبوب پیش نظر رہتا ہی۔ اور اوس کی یاد مین نہ اپنے بدنام ہونیکا خوف اور نہ کسی شئے کا بس وہ ملنا چاہ تو جب یہ بات ہے تو پھر تو اوسکی لاش کو ضرور رکھتے۔ اور ان ساری ضرورتون پر خاک ڈالتے۔ لیکن دیکھا جاتا ہی کہ اگر کہین یہ عاشق صاحب اتکپھر وہ معشوق کے پاس ہون تو بھاگتے نظر آوین۔ جب یہ بات ہی تو معلوم ہو گیا کہ عشق صورت پر ہرگز نہ تھا بلکہ کسی کمال پر تھا اور یہ قلق اور رنج والم بھی اوس کمال ہی کے گم ہوجاتے پر ہے۔ یہان ایک صاحب نے حضرت دام ظلہم سے دریافت کیا کہ مثنوی گلزار ابراہیم مین جو قصہ لکھا ہے کہ حضرت ادہم اوس شہزادی کی نعش کو نکال کر لے گئے تھے اور اوسکو اپنے ویرانہ مین رکھکر اوسکو خطاب کر رہے تھے۔ کہ عہد گر تجھکو وفا کرنا تھا + مجھکو زندہ چھوڑ کر مرنا نہ تھا + جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اونھون نے تو لاش بھی نکال لی اور یہ ضرور عاشق صورت ہی تھے۔ جواب یہ ارشاد ہوا کہ اول تو یہ شاذ ونادر ہے اور النادر کالمعدوم کے حکم مین ہے اور اگر شاذ نہ کہا جاوے تو جواب یہ ہے کہ وہ مردہ بھی نہ تھی بلکہ وہ سکتہ مین مبتلا تھی اسلئے اوسکے اندر ایک قسم کی کشش اسوقت بھی باقی تھی وہی کشش اون کی رہبر ہوئی۔ اور اون کو اس امر پر مجبور کیا۔ اور یہان بحث ہے اوس سے جو مردہ ہو۔ کہ اسوقت اوس صورت مین کشش باقی کیون نہین رہی حالانکہ صورت مین کوئی تغیر نہین آیا اسی کو فرماتے ہین کہ۔

صورتش برجاست الخ۔ یعنی اوسکی صورت تو اپنی جگہ پر بلا کسی تغیر وتبدل کے قائم ہی۔ پھر یہ سیری (اور اکتانا) کس چیز کے سبب سے ہے تو اے عاشق تو دیکھ کہ تیرا معشوق (حقیقت مین) کون ہے۔ اسلئے کہ اگر صورت ہوتی تو وہ تو موجود ہے۔ مگر اوس سے اکتاتے کیون ہو جب اوس سے گھبراتے ہو تو معلوم ہو گیا کہ معشوق اور ہی کچھ ہے۔ پس اوسکو دیکھنا اور اوسکو طلب کرنا چاہیے۔ اور اسکو ترک کر دینا چاہیے۔ آگے ایک اور دلیل اپنے دعوے پر بیان فرماتے ہین کہ۔

آنچہ محسوس ست الخ۔ یعنی جو چیز کہ محسوس ہے اگر (وہی) معشوقہ ہو تو ہر وہ شخص جسکو حس ہوتی عاشق ہو جاتا۔ مطلب یہ کہ اگر محسوس شئے معشوقہ ہوا کرتی اور عشق صورت پر ہی ہوتا تو پھر تو جسکو حس ہوتا وہی اوس پر عاشق ہوتے اور حس حیوانات کو بھی ہی۔ اسلئے کہ اوس شخص کے معشوق کو آنکھ سے وہ بھی دیکھتے ہین تو وہ بھی اوس معشوق پر عاشق ہو جاتے۔ اور اوسکے رقیب گائے بھینس بیل گھوڑے ہوا کرتے۔ (سبحان اللہ کیا نفیس رقابت ہے) حالانکہ یہ چیزین عاشق نہین ہوتین۔ تو معلوم ہوا کہ انسان کے عاشق ہونیکی کوئی اور وجہ ہے۔ اور کوئی اور شے ہے

جوان حواس ظاہری سے مدرک نہین ہی۔ بلکہ عقل سے مدرک ہی اور عقل حیوانات مین ہو نہین۔ پس عشق بھی نہین۔ لہذا
معلوم ہو گیا کہ صورت ہرگز معشوق نہین ہے۔ آگے ایک اور دلیل اسکی فرماتے ہین کہ۔
چون وفا آن الخ۔ یعنی جبکہ وفا اوس عشق مین زیادتی کرتی ہی تو وفا صورت کو دگرگون کب کرتی ہی۔ مطلب یہ کہ دیکھو
جب محبوب کی طرف سے وفا ہوتی ہے اور اس طرف سے بھی محبت ہو تو پھر کسقدر الفت اور محبت باہم بڑھتی ہی۔
جیسے کسی نے کہا ہے کہ ؎ الفت کا جب مزہ ہے کہ وہ بھی ہون بیقرار + دونون طرف ہو آگ برابر لگی ہوئی ٭ تو اس
وفاداری نے صورت کو تو ذرا بھی نہین بدلا۔ پھر محبت کیون بڑھتی ہی۔ معلوم ہو گیا۔ کہ عشق کمالات پر ہے اور کیونکہ
وفا بھی ایک کمال ہے اس لئے وفا ہونیسے محبت زیادہ ہوتی ہے۔ اور اصل کمالات کی حق تعالی ہین
اور جامع کمالات بھی وہی ہین۔ اور کل کمالات اون مین بطریق اتم واحسن موجود ہین۔ لہذا اوس کامل کے ساتھ
عشق اور محبت چاہیے۔ اور ان مجازی محبوبون کو جو کہ اوسی کا پرتو اور سایہ ہین اور اوسکے تابع ہین علحدہ اور الگ
کرو۔ اور غلطی اوسیوقت تک ہی جبتک کہ اصل کو دیکھا نہین۔ ورنہ اگر اصل کو دیکھ لیتے تو پھر ان مجازی اور مستعار اشیاء
کے درپے نہوتے۔ اسکو ایک مثال سے واضح فرماتے ہین کہ۔
پرتو خورشید الخ۔ یعنی خورشید کا سایہ دیوار پر چمکا تو مستعار چمک دیوار نے بھی پالی۔ پس اگر کوئی اس دیوار کو منور
دیکھکر اوسکو محبوب سمجھے اور اوسپر عاشق ہو جاوے۔ اور اوس چمک کو خاصہ اوسکی ذات کا سمجھ کر اوسیکا ہو رہے
تو ظاہر ہے کہ وہ غلطی پر ہے۔ اور ہر شخص اوس سے یہی کہیگا کہ جو چیز اصل ہے اور جسکا یہ عکس ہے یعنی آفتاب اوسکو
دیکھو اور اوس سے لو لگاؤ۔ پس اسیطرح ماسوی اللہ جسقدر عالم ہین اور ان مین جسقدر کمالات ہین وہ سب اوسی
کامل کا عکس اور سایہ ہی اور اصل کمال اوسکے اندر ہی اوسکو چھوڑکر اوسکے عکس کی طرف توجہ کرنا اور اوس شئی کو اصل اور اون خوبیونکو اوسکی
ذاتیات سے سمجھنا صریح غلطی ہے۔ بلکہ اصل تو یہ ہے کہ ؎ حسن خویش از روئے خوبان آشکارا کردۂ + پس بچشم عاشقان
خود را تماشا کردۂ ٭ اصل مین تو جمال حق ہی اور اوس جمال کا عکس محبوبان مجازی پر پڑرہا ہی۔ اسوجہ سے یہ بھی محبوب
ومطلوب بظاہر نظر معلوم ہوتے ہین۔ آگے بھی اسی مضمونکو فرماتے ہین کہ۔
بر کلوخے دل چہ الخ۔ یعنی اے بھلے آدمی کلوخ پر کیا دل باندہتے ہو اور اس سے کیا تعلق پیدا کرتے ہو بلکہ اوس اصل
کو طلب کرو اور اوسکی تلاش کرو جو کہ ہمیشہ اور ہر آن چمکتی ہی۔ مطلب یہ کہ ان محبوبان مجازی سے جو کہ مشابہ دیوار اور
کلوخ کے ہین دل مت لگاؤ۔ حق تعالی سے جو کہ اصل ہونے مین مثل خورشید کے ہین تعلق پیدا کرو۔ یہان تک تو صورت
پرستون کی غلطی بتائی تھی آگے اہل سلوک اور صوفیون کی غلطی بتاتے ہین۔ کہ اگر کسیکو شبہ ہو کہ یہ جو کہا ہی کہ اصل حق
تعالی ہے اور اوس کا پرتو مخلوق پر پڑا ہے جسکی وجہ سے یہ حسین اور باجمال نظر آتی ہے تو ہم بھی اس شخص مین اوس
کامل کی تجلی اور اوسکے جمال کو دیکھ رہے ہین۔ اور ہمارا مقصود اصلی جمال حق کو دیکھنا ہی۔ اور یہ صورت محض آلۂ
رویت ہے پس اون کی غلطی کو بیان کرتے ہین۔ اور اون کا جواب دیتے ہین۔ حاصل جواب کا یہ ہی کہ حقیقت مین تو
بے شک یہی ہی اور اوسی اصل کا پرتو ہر شے پر پڑرہا ہی مگر تمہارا یہ قول کہ ہمارا مطمح نظر بالقصد حق تعالی ہین غلط ہی اسلئے
کہ اگر وہ خوبیان اور کمالات جنپر کہ یہ شخص عاشق ہی اور جنکو کہ حق تعالی کے کمالات کا پرتو اور عکس خیال کرتا ہے
کسی دوسرے شخص مین بھی موجود ہون اوس شخص پر بھی یہ کیون عاشق نہین ہوتا۔ جیسے کہ مثلاً کسیکا محبوب بہت ہی

وفادار ہے اور اوسکی وجہ سے یہ شخص اوسپر عاشق ہے اور کہتا ہے کہ اصل مین تو ایفاء عہد صفت ہے حق تعالیٰ کی لیکن چونکہ اوسکا عکس اسمین بھی اس صورت سے آیا ہے کہ یہ وفادار ہوگیا ہے اس لئے ہم اسپر عاشق ہین پس اگر یہی کمال کسی دوسرے مین بھی ہو او سپر کیون عاشق نہین ہوجاتے۔ اور اگر مان لین کہ تمھاری نظر مین صرف اسی کے اندر یہ صفات پائی جاتی ہین اور دوسرون مین نہین ہین تو پھر اسکی وجہ بتاؤ کہ جب تمھارا معشوق ذرا بڑا ہوا اور دو ایک بال نکلے اور صورت بگڑی بس اوس سے نفرت شروع ہوگئی۔ اوس سے طبیعت سیر ہوگئی۔ حالانکہ اب اوسکے اندر وہ صفت بدرجہ ادنیٰ اور بطریق اتم موجود ہے کیونکہ پہلے تو بہت خریدار تھے۔ اب کون ہے بس اب تو جو بھی ذرا اوس سے محبت کریگا وہ اُسکے ساتھ ہونے کو تیار اور ہر طرح سے اوس کی خوشامد کو موجود ہے جیساکہ مشاہد ہے پھر اوس سے وہ محبت عشق نہین ہے۔ حالانکہ وہ صفت پوری طرح پر موجود ہے۔ معلوم ہوگیا کہ حضرت بھی صورت ہی پر عاشق ہین اور یہ صفات وغیرہ کا بہانہ ہی ہے۔ اور یہ سارا نفس کا کید ہے۔ اب سمجھو کہ مولانا اسکو فرماتے ہین کہ۔

ایکہ تو ہم عاشقی الخ۔ یعنی اے وہ شخص کہ تو بھی اپنی عقل پر عاشق ہے۔ اور اپنے کو صورت پرستون سے زیادہ جانتا ہے۔ عقل کو مشابہت حق تعالیٰ سے اصل ہونے مین ہے اب سمجھو کہ فرماتے ہین کہ اے شخص تو جو یہ سمجھتا ہے کہ صورت پرست تو غافل عن الحق ہین لیکن مین متوجہ بحق ہون اور میری توجہ کا آلہ یہ صورت ہے کہ مجھے اسمین جمال الٰہی کا مشاہدہ ہورہا ہے۔ بس یہ تیری غلطی ہے اور نفس کا کید ہے۔ اور اصل مین تو بھی عاشق صورت ہی ہے جیساکہ معشوق کے بوڑھے یا بدصورت ہوجانے کے بعد اوسکی صورت مین وہ جمال ظاہری نہین رہتا اس لئے وہ عشق بھی نہین رہتا۔ حالانکہ اور ساری خوبیان درجہ کمال پر ہوتی ہین۔ اور بعض مرتبہ وہی بات کسی دوسرے مین ہوتی ہے مگر اسطرف اوس کو التفات بھی نہین ہوتا حکایت۔ ایک مرتبہ بقراط نے راستہ مین ایک صوفی کو دیکھا کہ بیہوش پڑا ہے پوچھا کہ اس کی کیا حالت ہے معلوم ہوا کہ کسی حسین صورت کو دیکھ لیا ہے۔ اسلئے یہ حالت طاری ہے۔ بقراط نے کہا کہ مجھ بڈھے کو دیکھو۔ اس کو کبھی حق تعالیٰ کے کمالات کا استحضار نہوا۔ بھلا خوب صورت ہی کو دیکھکر احساس ہوا۔ پس اپنے اپنے نفس کو ٹٹولکر دیکھ لو کہ کیا کہتا ہے یہ ساری خرابی مستی کی ہے اگر وہ وعیدین جو نگاہ بد کے متعلق وارد ہین مستحضر ہون اور حق تعالیٰ کا خوف دلمین ہو پھر دیکھین کہ یہ مستیان کہان جاتی ہین۔ اور اسکا مشاہدہ دنیا مین ہے کہ جب تک عیش آرام ہے جب ہی تک سارے لطف سوجھتے ہین اور اگر ابھی کوئی مقدمہ وغیرہ قائم ہوجاوے۔ اسوقت اوس معشوق کی یہ بھی خبر نہین ہوئے کہ کہان ہے اور کہان نہین بس نفسی نفسی کی پڑجاتی ہے اسی کو ایک جگہ مولانا فرماتے ہین کہ ؎ عشق نبود آنکہ بر مردم بود + این ہمہ از خوردن گندم بود + ایک اور جگہ فرماتے ہین کہ ؎ عشقبازی کز پے رنگے بود + عشق نبود عاقبت ننگے بود + سچ ہے انجام کار ننگے ہی ہوجاتے ہین۔ پس معلوم ہوا کہ صورت قابل عشق ومحبت کے نہین ہین اور اس کے ساتھ ذرا سا تعلق بھی مانع عن الحق ہے سوا اس کو نہ مرآۃ قرار دے نہ کچھ بس متوجہ الی الحق ہو اور ان سبکو غیر سمجھے اور ان کی طرف توجہ کو شرک فی الطریق خیال کرے۔ آگے پھر مضمون بالا کی طرف یعنی صورت پرستون کی غلطی کی طرف رجوع فرماتے ہین کہ۔

پرتو عقل ست الخ - یعنی (اے صورت پرست تجھکو جو صورت اچھی اور حسین معلوم ہوتی ہے یہ بھی) تیری حس پر عقل ہی کا سایہ ہے - اور اپنے تانبے پر سونے کو عاریت سمجھو - مطلب یہ کہ یہ جو حسن صورت اور خوبی ظاہری ہے یہ بھی اُس کامل ہی کا سایہ ہے - اور اِس سایہ کی وجہ سے ہی تمکو یہ صورت بھی حسین معلوم ہوتی ہے - پس تم اِس خوبصورتی کو جو کہ ایک جھول کی طرح اوپر سے حسین معلوم ہوتی ہے - مانگی ہوئی اور ناپائدار شے سمجھو - آگے اسکی توضیح فرماتے ہیں کہ -

شرح حبیبی

چون زراندود ست خوبی در بشر — ورنہ چون شد شاہد تو پیر خر

چون فرشتہ بود ہمچون دیو شد — کان ملاحت اندرو عاریہ بُد

اندک اندک می ستاند زان جمال — اندک اندک خشک می گردد نہال

رو نُعَمِّرْهُ نُنَكِّسْهُ بخوان — دل طلب کن دل منہ بر استخوان

کان جمال دل جمال باقی ست — دو لبش از آب حیوان ساقی یاست

خود ہم او آب و ہم او ساقی و مست — ہر سہ یک شد چون طلسم تو شکست

آن یکے را تو ندانی از قیاس — بندگی کن ژاژ کم خا ناشناس

معنے تو صورت ست و عاریت — بر مناسب شادی و بر قافیت

معنے آن باشد کہ بستاند ترا — بے نیاز از نقش گرداند ترا

معنے آن نبود کہ کور و کر کند — مر ترا بر نقش عاشق تر کند

آدمی مین جو جمال ہے وہ ایسا ہے جیسے لمع کی ہوئی شے - کہ ظاہر کچھ اور ہے اور حقیقت کچھ اور - اِس لیے کہ اگر وہ فی حد ذاتہ ایسا ہی ہوتا - جیسا دکھلائی دیتا ہے - تو کیا وجہ ہے کہ تیرا معشوق بڈھا ہو کر بڈھا گدھا بنجاتا اور وہ صفت ذاتی کیونکر مسلوب ہو جاتی - دیکھو وہ معشوق پہلے فرشتہ کی طرح محبوب و مطلوب تھا اب شیطان کی طرح مبغوض و مردود ہو گیا کیون؟ محض اِس لیے کہ وہ نمک جو عشاق کے دلون کو لذت بخشتا اور اپنی طرف کھینچتا تھا مستعار و عارضی تھا - اب واپس لے لیا گیا - لیکن وہ جمال عموماً دفعۃً سلب نہین کر لیا جاتا - بلکہ حق سبحانہ اُس کو رفتہ رفتہ سلیتے ہین اور وہ نونہال رفتہ رفتہ سوکھتا ہے - اور ہر حسین کے لیے جب کہ وہ عمر طبعی کو پہونچے ایسا پیش آنا ضروری ہے - باور نہ ہو تو جا کلام اللہ مین وَمَن نُعَمِّرْهُ نُنَكِّسْهُ فِي الْخَلْقِ پڑھ اور دیکھ کہ اِسکی تصدیق ہوتی ہے یا نہین - پس جب کہ یہ حسن ظاہری زائل اور فنا ہونیوالا ہے تو ہڈی کو چھوڑ اِس سے دل نہ لگا بلکہ دل کو طلب کر کہ وہی مستحق مطلوبیت ہے (اِس شعر مین حسینان جہان کو بلکہ ماسوی اللہ کو ہڈی سے تشبیہ دی بوجہ اِس کے نقص اور احتیاج الی القلب کے اور حق سبحانہ کو دل سے مشابہت دی بوجہ اسکے محتاج الیہ اور باہ البقاء اور اشرف و اکمل ہونے کے) کیونکہ ماسوی اللہ کا جمال زائل اور فانی ہے - اور حق سبحانہ کا جمال باقی ہے - اور اُسکے دو لب (یعنی اُسکی عنایت)

اپنے طالبین کو حیات جاودانی روحانی بخشنے والا پانی پلاتے ہین اور عام معشوقون کے لب اپنے عشاق کو حیات جسمانی وہ بھی انکی خیالی اور فرضی عطا کرتے ہین۔ تو کجا وہ لب۔ کجا یہ۔ جب تیرا طلسم خودی ٹوٹ جائیگا اور تو فانی فی مرضیات الحق ہوجائیگا تو پھر تجھے وہ مرتبہ حاصل ہوجائیگا کہ بی یسمع و بی یبصر الخ اور اسوقت ساقی۔ وشراب ومستی تینون ایک ہوجائینگے۔ مگر یہ اتحاد ذاتی نہ ہوگا بلکہ ایک خاص ربط ہوگا جسکو اتحاد سے تعبیر کرسکتے ہین۔ اور ایسے وقت مین اتحاد کا اطلاق متعارف بھی ہے چنانچہ جب دو شخصون مین اس قسم کا تعلق ہو کہ ہر شخص دوسرے کی مرضی کا تابع ہو تو کہتے ہین کہ ان دونون مین اتحاد ہے۔ اور یہ دونون ایک ہین۔ ہمارے اس بیان کی حقیقت بجز عقل سے پورے طور پر منکشف نہین ہوسکتی۔ بلکہ اطاعت کر اور اپنے کو مرضیات حق سبحانہ مین فنا کردے جب ذوقًا معلوم ہوسکتی ہے۔ پس فضول بکواس مت کر کیونکہ لغاظی سے کام نہین چلتا اور تو جو مدعی ہے کہ ہم صورت پر عاشق نہین بلکہ معنی پر عاشق ہین اور مرآۃ مین مرئی کا مشاہدہ کرتے ہین۔ یہ بھی تیری ژاژخائی اور بکواس ہے۔ کیونکہ تیرا معنی صورت اور حسن مستعار ہی ہے اور تناسب اعضا اور انکی موزونیت ہی پر تجھے خوشی ہوتی ہے ورنہ مرآتیت کے لیے تناسب اعضا اور انکی موزونیت کیا ضرور ہے۔ محقق ہمان بیند اندر ابل + کہ در خوبرویان چین و چگل معنی وہ ہین جو کامل طور پر تجھے اپنی طرف کھینچ لین اور صورت سے بالکل مستغنی کردین معنی کا یہ کام نہین کہ حقیقت بینی اور استماع سخن حق سے تجھے روک کر اندھا بہرا کردے۔ اور تجھے صورت پر پہلے سے زیادہ عاشق کردے۔

کور را قسمت خیال غم فزاست	بہرہ چشم این خیالات فناست
حرف قرآن را ضریران معدنند	خر نہ بینند و بہ پالان برزنند
چون تو بینائی پی خر رو کہ جست	چند پالان دوزی ای پالان پرست
خر چو ہست آید یقین پالان ترا	کم نگردد نان چو باشد جان ترا
خر چہ باشد کم نیابد اے عمو	خر گو پشتش رو نہد پالان او
پشت خر دکان و مال و مکسب است	جان تو سرمایہ صد قالب است

بات یہ ہے کہ اس قسم کے خیالات اور بزعم حقیقت بینی صورت پرستی کرنا جو کہ ایک وقت مین اس کے لیے غم و حسرت افزا ہونگے اندھون ہی کا حصہ ہین۔ کیا یہ خیالات فانیہ چشم حقیقت بین کا حصہ ہوسکتی ہین ہرگز نہین یا یون کہو کہ چشم حقیقت بین کا حصہ تو انکی فنا کا خیال ہے۔ (پہلی صورت مین مصرع ثانیہ استفہام انکاری ہوگا۔ اور دوسری صورت مین خبریہ) بات یہ ہے کہ جو لوگ حقیقت پر نظر رکھتے ہین وہ مقصود بالعرض کو مقصود بالذات نہین سمجھتے جو لوگ مقصود بالعرض کو مقصود بالذات سمجھ لین وہ اندھے اور احمق ہین۔ چنانچہ الفاظ قرآنی ہی پر اکتفا کرنا اور انہین کو مقصود بالذات سمجھنا اندھون کا کام ہے اور حقیقت بین الفاظ کو مقصود بالعرض اور انکے مدلول و مقصود کو مقصود بالذات بالنسبۃ الی الالفاظ سمجھتے ہین۔ اور قرب حق کے لحاظ سے معانی کو مقصود بالعرض اور قرب کو مقصود بالذات جانتے ہین اور جو لوگ گدھے کو نہین دیکھتے

اور پالان پر حملہ کر کے اسکو لینا چاہتے ہین وہ احمق ہین کیونکہ پالان گدھے کے لیے مقصود ہے۔ نہ کہ خود۔ پس اگر تو چشم حقیقت مین رکھتا ہے تو گدھے کو پکڑ کہ وہ بھاگا جاتا ہے۔ اور مقصود بالذات کو طلب کر کہ فوت ہوا جا رہا ہے۔ ارے تو پالان کب تک سیتا رہے گا اور مقصود بالعرض مین کب تک پھنسا رہیگا احمق گدھا سلامت ہے تو پالان یقیناً ملجائیگا۔ جان سلامت ہے تو روٹی بہت۔ جب گدھا ہے تو پالانون کی کمی نہین۔ کہین سے نہ کہین سے آکر اسکی پیٹھ پر رکھا ہی جائیگا۔ اب سمجھو کہ گدھا گو پالان کی نسبت مقصود ہے۔ مگر خود مقصود نہین۔ کیونکہ اسکی کمر ذریعہ ہے مال اور کسب کا اس لیے مقصود بالعرض ہے اور اصل مقصود جان ہے کہ وہ سرمایہ ہے سو قابیون کا۔ پس گدھے کی خبر گیری جان کی حفاظت کے لیے ہونی چاہیے۔ اور اس طرح اسمین مشغول نہ ہونا چاہیے کہ جان ہی خطرہ مین پڑ جاوے۔ بنا برین معانی قرآن مین اشتغال قرب حق کے لیے ہونا چاہیے۔ اور اسمین اس طرح مشغول نہ ہونا چاہیے کہ قرب حق ہی فوت ہو جاوے۔

خر برہنہ بر نشین اے بوالفضول
النبی قد رکب معروریا
بلکہ آن شہ بس پیادہ رفتہ است

خر برہنہ نہ کہ راکب شد رسول
والنبی قد قیل سافر ماشیا
بار این وآن بسے بپذرفتہ است

اوپر بیان کیا تھا کہ مقصود بالعرض کے خاطر مقصود بالذات کو نہ چھوڑنا چاہیے۔ کیونکہ جب مقصود بالذات حاصل ہوگا۔ تو مقصود بالعرض خود حاصل ہو جائیگا۔ اور اس مضمون کو گدھے اور پالان کے عنوان سے بیان کیا تھا اب فرماتے ہین کہ اگر مقصود بالعرض مقصود بالذات کے لیے موقوف علیہ نہ ہو۔ اور حاصل بھی نہ ہو تب بھی کچھ حرج نہین۔ مثلاً گدھا مقصود بالذات ہے اس لیے اسکو نہ چھوڑنا چاہیے۔ رہا پالان سو وہ یا تو خود ہی حاصل ہو جائیگا اور اگر نہ بھی حاصل ہوا تو بھی حرج نہین۔ کیونکہ گدھے سے انتفاع نہ عقلاً پالان پر موقوف ہو ظاہر اور نہ شرعاً۔ کیونکہ جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم گدھے کی ننگی پیٹھ پر سوار ہوے ہین آگے ترقی کر کے فرماتے ہین کہ اگر کوئی شے دوسری شے کے لحاظ سے تو مقصود بالذات ہو مگر فی حد ذاتہ مقصود نہ ہو وہ بھی اگر مقصود اصلی کے لیے موقوف علیہ نہ ہو اور فوت ہو جائے۔ تو مضائقہ نہین۔ مثلاً گدھا گو پالان کے لحاظ سے بمنزلہ مقصود بالذات کے ہے۔ مگر فی نفسہ مطلوب نہین۔ بلکہ وصول الی المقصود کے لیے مقصود ہے سو اگر گدھا بھی نہ ہے اور پیدل ہی چلنا پڑے تو بھی حرج نہین۔ عقلاً تو ظاہر ہے۔ شرعاً اس لیے کہ جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم خود پیادہ پا چلے ہین۔ جیسا کہ منقول ہوا ہے۔ اور ایسا کوئی اتفاقی طور پر نہین ہوا بلکہ اکثر ہوا ہے اور خود صرف پیدل ہی نہین چلے بلکہ دوسرونکا بار بھی رحمۃً وشفقۃً اپنے اوپر لاد کر چلے ہین۔

شرح شبیری | چون زر اندود است الخ۔ یعنی انسان مین خوبصورتی سونے کی جھول کی طرح ہے (جو کہ اصل مین تو تانبا ہے اور اوپر سے سونا معلوم ہوتا ہے) اور اگر ایسا نہین ہے۔ (اور تم اس حسن کو صفت ذاتی انسان کی سمجھتے ہو تو یہ بتاؤ) کہ تمھارا معشوق (تھوڑے دن بعد) بوڑھا گدھا کیون ہو جاتا ہے۔ بوڑھا گدھا کہنے مین بیکار ہونے سے تشبیہ ہے۔ یعنی بعد ایک مدت کے

وہ اوسکا سارا حسن وجمال کہان جاتا رہتا ہی۔ اور اسوقت خود یہ عاشق ہی صاحب کیون اس سے نفرت کرنے لگتے ہین۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ ساری حسن وخوبی عاریت اور ناپائدار تھی اسیکو پھر فرماتے ہین کہ۔

چون فرشتہ بود الخ۔ یعنی (پہلے تو وہ معشوق) فرشتہ کی طرح تھا (اور اب) دیو کی طرح ہوگیا۔ (بس معلوم ہوا کہ وہ ملاحت (اور حسن) اوسمین عاریۃً تھا۔ اور اوس کی صفت ذاتی اور اصلی نہ تھی۔ اور یہ ساری ملاحت حسن جاتے رہنے کی وجہ یہ ہے کہ۔

اندک اندک الخ۔ یعنی حق تعالیٰ اوس سے تھوڑا تھوڑا حسن وجمال (سلب فرما) لیتے ہین۔ (جیسے کہ) شاخ تھوڑی تھوڑی سوکھتی ہے مطلب یہ کہ جسطرح شاخ تھوڑی تھوڑی سوکھتی ہے۔ آخر کار بالکل خشک ہو جاتی ہے۔ اسی طرح اوس حسن وجمال عارضی کو اوس معشوق سے لیتے رہتے ہین۔ حتے کہ بالکل سلب فرما لیتے ہین۔ اور پھر اوسی بوڑھے گدھے کی طرح اور دیو کی طرح ہوجاتا ہے۔ اور اس کی دلیل (کہ حق تعالیٰ تھوڑا تھوڑا سلب فرما لیتے ہین) قرآن شریف مین بھی موجود ہے اسیکو مولانا فرماتے ہین کہ۔

رو نعمره ننکسه الخ۔ یعنی جاؤ اور آیت من نعمره ننکسه فی الخلق (جسکو ہم عمر دیتے ہین اوسکو لوٹا دیتے ہین پیدایش کی طرف) کو پڑھو اور دل (یعنی حق تعالیٰ) کی طلب کرو (اور اس سے تعلق پیدا کرو) اور ہڈیون پر دل مت لگاؤ (کہ فضول چیز ہے) مطلب یہ کہ ہم نے جو کہا ہے کہ حق تعالیٰ حسن وجمال مین سے تھوڑا تھوڑا لیتے رہتے ہین اوسکی دلیل یہ ہے کہ قرآن شریف مین موجود ہے کہ ومن نعمره الخ یعنی جسکی عمر ہم دراز کرتے ہین اوس کو پیدایش کی طرف راجع فرما دیتے ہین اور جسطرح بچپن مین مجبور اور محتاج تھا ویسا ہی کر دیتے ہین۔ پس دیکھو جسطرح اوس کے اور قوی مضمحل ہوتے ہین اور ساری قوتین زائل ہوتی ہین اسی طرح یہ حسن وجمال ظاہری بھی معدوم ہوجاتا ہے۔ پس جبکہ یہ حسن ظاہری اسقدر ناپائدار شے ہی تو اس سے قطع تعلق کرو۔ اور اس گوشت پوست سے محبت مت کرو بلکہ حق کی طرف متوجہ ہو۔ اور یہان حق تعالیٰ کو تشبیہ دل کے ساتھ عمدہ اور مطلوب اور مقصود ہونے مین ہے کہ جسطرح اور اعضاء کے سامنے دل محبوب ہوتا ہے اور جب کوئی خوف وغیرہ ہوتا ہی تو اول حفاظت قلب کی فکر پڑتی ہے اور تمام اعضا اوسی کی طرف متوجہ ہوجاتے ہین۔ (اور یہ مشاہدہ ہے کہ جب کوئی خوف وغیرہ ہو تو سارے اعضاء سمٹکر قلب کی طرف ہوجاتے ہین۔) اسیطرح حق تعالیٰ کی طرف توجہ مطلوب اور وہی مقصود بالذات تمام عالمین سے ہین۔ آگے دل طلب کرنے کی وجہ بتاتے ہین اور اوسکی ضرورت کو بیان کرتے ہین کہ۔

کان جمال دل الخ۔ یعنی (حق تعالیٰ کی طلب اسلئے ضروری ہے) کہ اوس دل (حق تعالیٰ) کا جمال جمال باقی ہے۔ اور حق تعالیٰ کے دو لب آب حیوان (یعنی زندگی) کے پلانے والے (یعنی عطا کرنے والے) ہین۔ دو لب کہنا مجاز ہے۔ مطلب یہ کہ چونکہ حق تعالیٰ کا جمال باقی ہی اور جسقدر جمال وکمال ہین سب فانی ہین۔ اور اوسی کے حکم سے (جو کہ عادۃً دنیا مین دو لب سے دیا جاتا ہے) زندگی ملی ہی۔ اور وہی اس زندگی کا عطا کرنیوالا ہے بس اوسیکو طلب کرنا چاہیے۔ اور سبکو ترک کر دینا ضروری ہے بلکہ یہ تعلق ما لغیر جب ہی تک ہے جب تک کہ تمھاری آنکھون پر پردہ پڑا ہوا ہے۔ اور تم حقیقت سے غافل اور جاہل ہو ورنہ یہ سب چیزین بالکل کالعدم ہین اور

اصل وجود اوسی ذات کا ہے۔ آگے مولانا اسکو فرماتے ہین کہ۔
خود ہم او آب الخ۔ یعنی خود وہی (حق تعالیٰ) پانی بھی ہین۔ اور وہی ساقی ہین اور وہی مست ہین۔ اور جبکہ تمھارا طلسم (جسم) ٹوٹ جاویگا تو (معلوم ہوگا کہ) یہ تینون ایک ہی ہین۔ یہان کوئی صاحب یہ نہ سمجھین کہ ایک ہونے سے مراد اتحاد ذات ہے اور مطلب یہ ہو کہ (نعوذ باللہ) ذات آب اور ذات ساقی اور ذات مست سب ذات حق کے عین ہین۔ نعوذ باللہ تعالیٰ اللہ عن ذالک علوا کبیرا۔ یہ مطلب ہرگز ہرگز نہین ہے۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ جسکو حق تعالیٰ کی عظمت شان کا استحضار ہوگا اور اوسکو وجود مثل نظر ہوگا۔ تو دیگر اشیاء کا وجود کالعدم معلوم ہوگا۔ اور ہروقت اس شخص کو حق تعالیٰ ہی کی طرف توجہ ہوگی۔ اور جس شے کو دیکھے گا اوسی کی کاریگری اور صناعی اور قدرت کا مشاہدہ کریگا لیکن اوس ذات وحدہٗ لاشریک کی معرفت ان بیہودہ گوئیون مین اور تعلق ماسوی اللہ سے رکھکر حاصل نہین ہوسکتی بلکہ اوس کی تدبیر عبادت اور اطاعت حق ہے۔ آگے مولانا اسکو فرماتے ہین کہ۔
آن یکے را تو الخ۔ یعنی اوس ایک کو تم قیاس سے (اور دلائل عقلیہ سے پوری طرح) نہین جان سکتے۔ (بلکہ) عبادت کرو اور بیہودہ (اور فضول) کام مت کرو اے ناشناس۔ مطلب یہ کہ اوس ذات کو جسکے وجود کے سامنے تمام اشیاء بالکل ناپید اور معدوم کے مثل ہین ان حواس ظاہری سے پہچاننا اور دیکھ لینا غیر ممکن ہے بلکہ اطاعت اور بندگی کرو اسی سے تمکو اس کی معرفت حاصل ہوجاوی گی۔ آگے پھر رجوع ہے اس مضمون کی طرف جس مین کہ سالکون کی غلطی بتائی تھی کہ تم جو کہتے ہو کہ ہم صورت کے عاشق نہین ہین غلط ہے اسکو فرماتے ہین کہ۔
معنی تو صورت الخ۔ یعنی تیری معنی صورت ہین اور عاریۃ ہین (اس لئے کہ تجھکو) تناسب (اعضاء معشوق) پر قافیہ پر خوشی ہورہی ہے قافیہ سے مراد بھی تناسب ہی ہے۔ مطلب یہ کہ جس کو تم معنی سمجھ رہے ہو وہ بھی اصل مین صورت ہی ہے۔ اور حقیقۃً تم صورت ہی پر عاشق ہو اور اس کی دلیل یہ ہے کہ جب محبوب کے اعضاء مین تناسب ہوتا ہے اور وہ ایک دوسرے کے مناسب ہوتے ہین تو تم کو خوشی ہوتی ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ تم صورت ہی پر عاشق ہو۔ اور جنکو تم معنی سمجھے ہو وہ معنی نہین ہین بلکہ معنی اور شئے ہے اسلئے کہ۔
معنی آن باشد الخ۔ یعنی معنی تو وہ (چیز) ہین کہ تجھکو (تجھ سے) لے لین (اور تجھے اپنی بھی خبر نہ رہے) اور تجھے نقوش (ظاہری) سے بالکل بے نیاز اور بے پرواہ کردے۔ اور وہ معنی ایسی نہین ہوتے کہ تجھے نقوش ہی مین لگائے رکھین اور مقصود کی طرف متوجہ ہی نہ ہونے دین۔ اسی کو فرماتے ہین کہ۔
معنی آن نبود الخ۔ یعنی معنی (حقیقت) وہ نہین ہوتے جو کہ تجھے (حق کے دیکھنے اور سننے سے) اندھا اور بہرا کردین اور تجھے نقش پر اور زیادہ عاشق کردین۔ بلکہ حقیقت اور اصل تو وہ شے ہے کہ سب سے علٰحدہ کر کے اپنی ہی طرف متوجہ کرلیتی ہے۔ آگے مولانا فرماتے ہین کہ

کوررا قسمت خیال الخ- یعنی اندھے کی قسمت (اور حصہ) مین تو غم بڑھانے والے خیالات ہی ہین اور چشم (ظاہری) کا حصہ فانی اشیا (کا دیکھنا اور اوسی مین لگا رہنا) ہے بس تم اندھے کیون بنتے ہو بینا بنو اور حقیقت کو دیکھکر اوسکی طرف متوجہ ہو ورنہ تمھاری ایسی مثال ہو کہ۔

حرف قرآن الخ- یعنی (جیسے کہ) قرآن شریف کے حروف کے اندھے معدن ہوتے ہین (اور ان کو حروف خوب ازبر یاد ہوتے ہین مگر معانی خاک بھی نہین سمجھتے) تو یہ اوس کی برابر کب ہو سکتے ہین جسکو الفاظ بھی یاد ہون اور معانی کو بھی سمجھے- اور جیسے کہ گدھے کو تو نہ دیکھین اور پالان پر حملہ کرین- مطلب یہ کہ اگر تم حقیقت سے کور اور اندھے ہوگئے تو تمھاری ایسی مثال ہو کہ جیسے اندھے کو قرآن کے حرف یاد ہوتے ہین اور معانی کو وہ نہین جانتا- یا جیسے کوئی شخص گدھے کو تو دیکھے نہین اور پالان کو لینے لگا اسیطرح تم اصل مقصود کو تو چھوڑ بیٹھے ہو اور ظاہری چیزون پر جو مقصود نہین ہین جان دیے دیتے ہو- بس تم ان فانی چیزون کو ترک کرو اور مقصود اصلی یعنی حق تعالیٰ کیطرف متوجہ ہو- اسیکو فرماتے ہین کہ۔

چون تو بینائی الخ- یعنی اگر تم بینا ہو (اور حقیقت کو دیکھتے ہو) تو گدھے کے پیچھے جاؤ- (اور اوسکو پکڑو) کہ وہ نکل گیا ہے- اور اے پالان پرست پالان کو کب تک سیتے رہوگے یعنی اگر تم حقیقت بین اور حق شناس ہو تو مقصود اصلی کی طلب مین لگو اسلئے کہ صورت کے بناؤ سنگار مین اور اوسکی محبت و عشق مین کب تک لگے رہوگے- بس اس فانی عالم کو ترک کرو اور اس سے قطع تعلق کرکے حق تعالیٰ کی طرف توجہ کرو- اس لئے کہ جب تم حق تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو جاؤ گے تو پھر یہ صورتین تو سب تمھاری تابع ہو جاوین گی- اور خود ہی تم کو سب حاصل ہو جاوینگی اسیکو فرماتے ہین کہ۔

خرچو ہست آید الخ- یعنی جب گدھا تمھارا ہو گیا تو یقیناً پالان بھی تمھارا ہو جاویگا- اور جب جان ہو گی تو روٹی بھی بہت ملین گی- مطلب یہ کہ جب تمھارے پاس مطلوب اور مقصود بالذات موجود ہوگا تو پھر تو اتبع جو کہ اشیا (فانی ہین سب تمھارے غلام اور لونڈی بنکر رہین گی- آگے بھی اسی کو بیان فرماتے ہین کہ۔

خرچو باشد کم الخ- یعنی اگر گدھا موجود ہوگا تو کم نہ آویگا (یعنی زیادہ زمانہ نہین گذریگا) اے چچا کہ پالان خود اوس کی پشت پر رکھا جاویگا- یعنی اگر معنی اور حقیقت تمھارے ہاتھ لگ گئے تو یہ فانی چیزین سب خود ہی آوینگے جیسے کہ مشاہد اور ظاہر ہے- کہ جو اولیاء اللہ ان چیزون کو ترک کر دیتے ہین اور ان کو منہ نہین لگاتے اون کے سامنے دنیا کسطرح آتی ہے- دنیا اور اہل دنیا سب اون کے سامنے سرنگون اور اون کے تابع ہوتے ہین- آگے فرماتے ہین کہ۔

پشت خر دکان الخ- یعنی گدھے کی پشت تو دوکان اور مال اور کمائی ہے- اور تیری جان سیکڑون قالبون کا سرمایہ ہے پس مقصود اصلی تو جان ہے اور مال وغیرہ نہوگا تو کیا حرج ہے- اوس سے اتنا حرج نہین ہو سکتا جتنا کہ جان کے نہونے سے ہوتا ہے- اور اگر ہم نے مانا کہ گدھا تمھارا بے پالان ہی ہے اور ننگی پیٹھ ہی ہے تو کیا حرج ہے اس لئے کہ حضور مقبول صلی اللہ علیہ وسلم بھی تو گدھے کی برہنہ پیٹھ پر سوار ہوئے ہین

اسی کو فرماتے ہیں کہ۔
خر برہنہ بر نشین الخ۔ یعنی اے بو الفضول ننگے (کمر) گدھے پر بیٹھ جاؤ (اس لیے کہ) کیا برہنہ پشت خر پر رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم سوار نہیں ہوے ہیں۔ مطلب یہ کہ اگر مال و کسب موجود نہیں ہے بلکہ حقیقت اور معنی حاصل ہیں تو پھر انکی پرواہ مت کرو۔ اور سب کو چھوڑ دو اس لیے کہ کیا حضور مقبول صلے اللہ علیہ وسلم نے ان چیزوں کو ترک نہیں فرمایا ضرور ترک فرمایا ہے۔ پس سنت ہے کہ ان چیزوں کو سب کو ترک کر دو۔ آگے بھی یہی فرماتے ہیں کہ۔
النبی قد رکب الخ۔ یعنی نبی صلے اللہ علیہ وسلم برہنہ پشت پر بھی سوار ہوے ہیں اور کہا گیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پیدل بھی چلے ہیں۔ مطلب یہ کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے بھی ان اسباب دنیا اور فانی اشیار کے محتاج ہونے کو ترک فرما رکھا تھا۔ پس اگر تمھارے پاس بھی مال و متاع نہ ہو تو تم بھی ان کے پیچھے مت پڑو بلکہ تم اپنا دھیان اُدھر ہی رکھو۔ کہ یہ صورتیں ہیں اور حقیقت اور کچھ ہے۔ بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تو ان فانی اشیار کی طرف بالکل بھی احتیاج نہیں رکھی تھی۔ اسی کو فرماتے ہیں کہ۔
بلکہ آن شہ الخ۔ یعنی بلکہ وہ بادشاہ (دو جہان) تو اکثر پیادہ ہی چلے ہیں۔ اور اسکا (یعنی پیادہ چلنے کا) اور اسکا (یعنی ننگی پشت پر سوار ہونے کا) بار تو بہت قبول فرمایا ہے۔ مطلب یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تو ظاہر میں بھی ان اشیار کی طرف بالکل توجہ نہیں کی تو قلب میں تو غیر اللہ کیا ہوتا۔ بس تم بھی ان صورتوں کو ترک کرو۔ اور معانی کی طرف توجہ رکھو۔ اور یہ نفس تمھارے ہاتھ سے نکل چکا ہے اسکی خبر لو ورنہ پھر جب یہ زیادہ از دست رفتہ ہو جاویگا تو قابو میں نہ آویگا۔ اسی کو فرماتے ہیں کہ۔

شرح حبیبی

شد خر نفس تو بر میخش بہ بند
بار صبر و شکر او را بر دنیست
ہیچ وا زر و ز غیرے بر ندشت
طمع خام ست آن مخور خام اے پسر
کان فلانے یافت گنجے ناگہان
کار بخت ست آن و آن ہم نادرست
کسب کردن گنج را مانع کے است
تا نگردی تو گرفتار اگر
کز اگر گفتن رسول با وفاق
کان منافق در اگر گفتن بمرد
اے بسا کس مردہ در بوک و مگر

چند بگریزد ز کار و بار چند
خواہ در صد سال خواہی سی و بیست
ہیچ کس ندرود تا چیزے نہ کاشت
خام خوردن علت آرد در بشر
من ہمان خواہم چرا جویم دو کان
کسب باید کرد تا تن قادر است
پا مکش در کار کان خود در پے است
کر اگر این کردمے یا آن دگر
منع کرد و گفت ہست آن از نفاق
وز اگر گفتن بجز حسرت بنزد
از جہالِ عافیت ناخوردہ بر

ورنمی یابی تو نقصان ار گر	این مثل بشنو که در پایی مگر

اوپر گدھے کے بھاگنے اور اوسکو مقید کرنیکا ذکر تھا۔گو دوسرے مقصود کے لئے تھا۔اس مناسبت سے فرماتے ہین کہ پالان کے مقابلہ مین گدھے کے پکڑنے اور اوسکو مقید کرنیکی ضرورت ہی۔لیکن خر نفس کے مقابلہ مین اسکی بھی ضرورت نہین تو کیا گدھے کی فکر مین ہے۔دیکھ یہ دوسرا گدھا نفس شرارت کرکے تیرے قابو سے نکلا جاتا ہے اسکو کھونٹے سے باندھ اور اسے مقید کر۔یہ کب تک شرارتین اور شوخیان کرکے کاربار سے بھاگیگا اسکو تو صبر و شکر کا بوجھ اپنی پیٹھ پر لادکر چلنا ہی پڑیگا خواہ سو سال مین لیجاوے خواہ بیس بیس برسون مین اور جسقدر جلدی کرے گا اوتنا ہی جلدی مشقت سے نجات پاویگا۔اور کیونکہ کوئی بوجھ اٹھانیوالا۔دوسریکا بوجھ نہین اٹھاتا۔اور جب تک خود نہین ہوتا اسوقت تک نہین کاٹتا۔صاحبزادہ ایسا خیال کرنا کہ فلان شخص کو اچانک خزانہ ملگیا یون ہی مجھے بھی ملجاویگا۔دوکان کرلے یا کوئی کسب کا اور ذریعہ اختیار کرنیکی کیا ضرورت ہی۔طمع خام ہے۔تو کچانہ کھا۔کیونکہ کچا کھانا آدمی کے اندر مرض پیدا کرتا ہے۔اسلئے طمع خام سے تجھ کو ضرر محرومی پہونچیگا۔یون اگر تو نفس کو آزاد چھوڑے رکھیگا اور امید رکھیگا کہ سب کچھ خود بخود ہو جائیگا تو نتیجہ اسکا محرومی ہوگا۔اچانک خزانہ کا ملجانا یا دولت اخروی کا بلا محنت و مشقت ملجانا ایک اتفاقی کام ہے کہ سبب و مسبب مین علاقہ نہین اور وہ بھی شاذ و نادر ہوتا ہی۔اسلئے اس بھروسہ پر رہنا اور ہاتھ پاؤن توڑکر بیٹھ رہنا سخت حماقت ہے۔لہذا جب تک جسم مین قوت ہے کمانا چاہیے۔اور ہاتھ پاؤن توڑکر نہ بیٹھنا چاہیے۔اچھا ہم نے مانا تجھے غیب سے کوئی خزانہ ملنے والا ہے تو یہ کسب کے منافی تو نہین تو کسب بھی کر جب خزانہ مقدر مین ہوگا وہ بھی ملجاوے گا جب ملجاوے اسوقت چھوڑ دینا۔بس حاصل یہ ہے کہ کام کر اور اس خیال سے کہ وہ تو خود ہی حاصل ہو جائیگا پاؤن توڑکر نہ بیٹھ۔تاکہ تو اگر کے پھیر مین نہ آجائے۔کہ اگر یون کرتا تو یون ہوتا۔اور اگر وون کرتا تو وون ہوتا۔

کیونکہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اگر مگر سے منع فرمایا ہے۔چنانچہ فرماتے ہین۔ایاکم ولو فان لو تفتح عمل الشیطان یعنی تم اپنے کو اگر مگر سے بچاؤ کہ یہ کار شیطانی کا دروازہ کھولتا ہے اور شیطان کو فضول تمنا مین پھنسانے اور احتمالات مضرہ کو تقویت دینے کا موقع ملتا ہے۔دیکھو کہ منافق (بے عمل) اگر ہی کہنے مین جل بتا ہے۔اور اس اگر کہنے سے بجز حسرت کے اور کچھ نہین لیجاتا۔اور اسی حسرت مین جلد بیتا ہے کہ اگر یہ کرتا تو اچھا ہوتا وہ کرتا تو اچھا ہوتا۔ارے بہت سے لوگ انہین خیالات مین مرگئے کہ کاش یون ہو۔شاید یون ہو اور اپنی صحت کے جمال کا ان کو کچھ بھی پھل کھانا نصیب نہوا۔اچھا اگر اب بھی اگر کا نقصان اور اوسکی لغویت تیری سمجھ مین نہین آئی تو یہ قصہ سن شاید اس سے کچھ پتہ چل جاوے۔

شرح شبیری شد خر نفس تو برا لخ۔یعنی تیرا یہ نفس جو گدھے کی طرح ہے جا چکا ہے (اور ہاتھ سے نکل چکا ہے) تو اوسکو میخ پر باندھ دو (اور اوامر و نواہی حق مین اوس کو مقید کردو) اور یہ کب تک اس کام سے بھاگے گا۔اور کب تک اس بوجھ (کے کھینچنے) سے بھاگے گا اس سے کہ یہ کام تو اسکو کرنا ہوگا۔اب کرے یا بعد مین کرے۔بس اگر اب حالت جوانی مین کرلیا تو بہتر ہی ورنہ پھر بڑھاپے مین کچھ بھی نہ ہوسکے گا۔آگے اسکو فرماتے ہین کہ۔

بار صبر و شکر الخ - یعنی صبر و شکر کا بوجھ تو اسی کو کھینچنا ہے - (اوسے) خواہ سو برس مین (ادا کرے اور) خواہ تیس برس مین اور خواہ بیس برس مین کرو - پس جب اسکو کرنا ہے تو کیا فائدہ ہے ابھی سے کیون نہ کر لے - اور دوسرون کے بھروسہ بھی نہ رہنا چاہیئے - کہ کوئی صاحب یہ سمجھین کہ ہم غوث کی اولاد مین ہین یا قطب کی اسلئے کہ اپنا اپنا کام اور اپنے اعمال کو ہر شخص خود ہی بھگتے گا - اسیکو فرماتے ہین کہ -

ہیچ وازر وزر الخ - یعنی کوئی بوجھ اُٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہ اُٹھاویگا - اور کوئی شخص جب تک کچھ بوویگا نہین اسوقت تک کچھ کاٹ بھی نہین سکتا - پس اگر خود تمھارے اعمال ہونگے اور تم خود حقیقت شناس ہوگے - اور صورتون سے علیحدہ اور قطع تعلق کر کے رہوگے - تو تم کو فلاح حاصل ہوگی اور خدا کے یہان سے ثمرات میسر ہونگے پس طمع دنیا کو ترک کرو اور حق تعالی کی طرف متوجہ ہو - آگے اسیکو فرماتے ہین - مگر طمع کے ترک کرنیکو کس خوبی سے ایک مثال دیکر سمجھایا ہی - سچ یہ ہے کہ ان مضامین کا نظم مین بیان فرمانا مولانا ہی کا کام ہی فرماتے ہین کہ -

طمع خام است الخ - یعنی یہ (سمجھنا کہ ہمارا کام کوئی اور کریگا) طمع خام ہے - جیسا کہ ظاہر ہے اور کچی چیز کے کھانے سے ضرر ہوتا ہے - مثلاً کچی روٹی کھانے سے درد شکم وغیرہ ہوتا ہے اسلیئے (اے صاحبزادہ کچی مت کھاؤ اسلئے کہ کچا (کھانا وغیرہ) کھانا انسان مین بیماری لاتا ہی - یہان مولانا نے طمع خام کو طعام خام سے تشبیہ دی ہی - اور تشبیہ صرف خام ہونے مین ہے پس ارشاد ہے کہ جسطرح طعام خام سے خرابی ہوتی ہی - اور ظاہر جسم مین نقصان ہوتا ہی اسیطرح اگر تم طمع خام کروگے اور دوسرون پر اپنا بوجھ ڈالوگے اور خود کچھ نہ کروگے تو نقصان روحانی تمکو پہونچیگا - اور اگر کسیکو بلا محنت کے اور بے خود کام کئے ہوئے کچھ ملگیا ہو تو اوسپر اپنے کو قیاس مت کرو اسلئے کہ یہ تو اتفاقی باتین ہین اسی کو مولانا خود فرماتے ہین کہ -

کان فلانے الخ - یعنی (طمع مت کرو) کہ اوس فلانے شخص نے تو ناگہان ایک خزانہ پالیا تو مین بھی اوسکو چاہتا ہون پس کسلئے دوکان کو تلاش کرون - مطلب یہ کہ کسی ایک کو بظاہر یہ دیکھکر کہ وہ بغیر اسباب ہی کے واصل ہوگیا ہے تم بھی اسکی طمع مت کرو اور اوسپر اپنے کو قیاس کر کے تم ترک اسباب مت کرو - اور یون مت سمجھو کہ بس اسیطرح مجھے بھی مل جاویگا - اور اسباب کے ارتکاب کی اور اعمال کی کیا ضرورت ہے - یہ تیری غلطی ہی - اسلئے کہ یہ تو نصیب کی بات ہو اور یہ ع این سعادت بزور بازو نیست + تا نہ بخشد خدائے بخشندہ ؎ اور پھر بھی نادر الوجود ہے اور النادر کالمعدوم کے حکم مین ہی - اسیکو فرماتے ہین کہ -

کار بخت است آن الخ - یعنی (کسیکو ایکدم سے کچھ ملجانا اور واصل ہوجانا) وہ قسمت کا کام ہی - اور (پھر) وہ بھی نادر ہی (تو جب نادر ہوا تو اوسپر بھروسہ کرنا اور اوسکے بھروسہ پر کام کو چھوڑ بیٹھنا سخت نادانی ہی پس) جب تک بدن مین قدرت اور طاقت ہو (اسوقت تک کسب کرنا) چاہیے - یعنی اعمال کرنا چاہئین دوسرے کیے کئے کچھ نہین ہوتا - اور جس کسیکو ایکدم بھی ملگیا ہی وہ اسوجہ سے کہ اونھین پہلے سے استعداد بھی خواہ وہ پہلے مجاہدہ وغیرہ کر چکے ہون یا حق تعالی نے اون کو بغیر اون کے اختیار کے کسی ایسے امر مین مبتلا کیا ہو کہ جس سے اون کے اخلاق رذیلہ کا ازالہ ہوگیا پس انکو اب مجاہدہ کی ضرورت نہین رہی مگر بغیر صفائی قلب اور مجاہدہ اور اعمال کے کوئی نہین پہونچا خوب سمجھ لو - اور اگر ہم نے مانا کہ تم کو کہین سے اچانک خزانہ معرفت حق مل بھی گیا اور تم ایکدم سے واصل بھی ہوگئے مگر پھر بھی تو یہ امر کسب کے منافی نہین ہی - اسلئے کہ کسب بھی ہو اور خزانہ بھی ملجاوے

تو یہ دو دو چیزین حاصل ہون۔ پس کچھ آتا ہی ہے جاتا تو ہے نہین لہذا یہ سمجھکر اعمال کو ترک کر دینا شدید غلطی ہے اسی کو بیان فرماتے ہین کہ۔
کسب کردن الخ۔ یعنی کسب کرنا خزانہ کو (ملنے سے) کب مانع ہے۔ اور کام سے پاؤن مت کھینچو کہ وہ (یعنی خزانہ) خود تمھارے پیچھے ہے مطلب یہ کہ اعمال کرنا تو اُس خزانہ کو جو تمھین ملنے والا ہے مانع نہین ہے۔ بلکہ اگر تمھاری قسمت مین اسکا ملنا ہے تو پھر تو دو دو اور چیڑی یعنی اعمال کا الگ ثواب ملیگا اور اُن مجاہدات و ریاضات پر ثمرات الگ ملین گے اور اُس جذب سے جو وصول ہوگا وہ اِس سے الگ ہوگا۔ لہذا مجاہدات کو ہرگز ترک مت کرو اور کام سے رُکے جاؤ کہین کام نہ کرنے سے پھر پشیمان نہ ہو۔ اِسی کو فرماتے ہین کہ۔
تا نگردی الخ۔ یعنی (کام کرو اور اِس چندروزہ زندگی مین جو ہو سکے کر لو) تاکہ (مرنے کے بعد) تم اگر مین گرفتار نہ ہو جاؤ (اور اگر مین گرفتار ہونا یہ ہے کہ یون کہو) کہ اگر یہ (عمل) کرتا (تو اُسپر یہ ثمرہ ملتا) یا اگر وہ دوسرا کرتا تو یہ ثمرہ ملتا) مطلب یہ کہ اگر اعمال نہ ہونگے تو قیامت مین بجز حسرت و افسوس کے اور کچھ بھی نہ حاصل ہوگا۔ اور دیکھو اگر کہنے سے حضور مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی منع فرمایا ہے۔ اِسی کو فرماتے ہین کہ۔
کز اگر گفتن الخ۔ یعنی کہ اگر کہنے سے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کہ باوفاق ہین منع کیا ہے اور فرمایا ہے کہ یہ (یعنی اگر کہنا) نفاق مین سے ہے۔ اِس لیے کہ جو شخص اگر مگر مین لگا ہوا ہے معلوم ہوتا ہے کہ وہ پختہ نہین ہے۔ جب اور کامون مین پختہ نہ ہوگا تو دین کی باتون مین بھی وہ پختہ نہین ہو سکتا۔ لہذا منافق ہوگا۔ اور یہ اشارہ ہے اُس حدیث کی طرف کہ ایاک ولو فان لو من عمل الشیطان او کما قال یعنی لو (اگر کہنے) سے بچو اس کہ لو (اگر) شیطان کے کامون مین [illegible] ہے پس جبکہ تم اعمال دنیا مین نہ کروگے اور دوسرون کے کندھے بندوق چلانا چاہوگے تو کس طرح کام چل سکتا ہے۔ آخرکار پشیمانی ہوگی اور اُسمین اگر مگر کروگے جو کہ عمل شیطان ہے پس صورت کو چھوڑو اور اِس دنیا مین منہمک نہ ہو۔ بلکہ حقیقت مین لگو اور حق تعالٰی کی طرف توجہ کرو اور دیکھو کہ منافق اگر ہی کہتا ہوا مریگا۔ اور بعد مین بجز حسرت کے اور کوئی نتیجہ نہین ہوا۔ اِسکو مولانا فرماتے ہین کہ۔
کان منافق الخ۔ یعنی کہ (دیکھو) وہ منافق (جو کہ ایمان و کفر مین مذبذب رہا) اگر (ہی) مین مر گیا۔ اور اگر کہنے سے سوائے حسرت کے کچھ نہ لے گیا۔ مطلب یہ کہ تذبذب کی حالت تو منافقون کی مشابہ ہے پس اِس سے حذر ضروری ہے۔ تو ایسا کام کرو جو قیامت مین منافقون کے ساتھ مشابہت نہ ہو جاوے
ہمہ افسوس و حسرت ہے اُن لوگون پر جو کہ ایسے لیت و لعل کی حالت مین مر جاتے ہین اور کوئی کام پورا نہین کرتے۔ اور یہ حالت ہوتی ہے کہ ؎ ہر شبے گویم کہ فردا ترک این سودا کنم + باز چون فردا شود امروز را فردا کنم + پس اِسی ٹال مٹول مین ایک دن داعی اجل سر پر آ پکارتا ہے اور اُسوقت خواب غفلت سے جاگ کر افسوس اور حسرت کیا کرتے ہین اور کہتے ہین کہ رب لولا اخرتنی الی اجل قریب فاصدق واکن من الصالحین لیکن اِسکا جواب اُس طرف سے یہی ملتا ہے کہ۔ ولن یؤخر اللہ نفسا اذا جاء اجلہا اسوقت جو حسرت ہوتی ہوگی اُسکا پوچھنا ہی کیا ہے اللہم احفظنا اللہم ارحمنا۔ آگے بھی یہی مضمون ہے کہ۔

اے بسا کس الخ۔ یعنی بہت سے آدمی ایسے ہین جو کہ شاید او رمگر ہی مین مر گئے اور عافیت کے جمال مین سے بالکل پھل نہین کھایا یعنی بالکل بھی عافیت اور آرام نصیب نہ ہوا۔ اور اسی مین ایکے وز خاتمہ ہوگیا۔ بوک مخفف ہے بود کا کہ بمعنی شاید۔ آگے فرماتے ہین کہ

ورنمی یابے الخ۔ یعنی اور اگر تم کو اب بھی اگر کا نقصان نہ معلوم ہو تو یہ بات (ذیل) سُنو کہ شاید تم (اس کے کہنے سے) اُسکو پالو یعنی حکایت ذیل سُنو تو شاید تم کو اس تذبذب اور اگر کہنے کی اور حقیقت کو نہ جاننے کی اور بیکار حسرت کی خرابی اور اُسکا نقصان معلوم ہو جاوے۔ اگر مگر کے متعلق کسی نے ایک شعر کیا ہی۔ اور خوب کہا ہے کہ ؎ اگر را با مگر ہجفت کردند ٭ از ایشان بچہ آمد کاشکے نام ٭ یعنی اگر اور مگر کا نکاح کر دیا تو اِنسے ایک بچہ ہوا کاشکے نام کا۔ خوب ہی کہا ہے۔ آگے وہ حکایت ما ورمثال بیان کرتے ہین کہ

شرح حبیبی

تمثیل بر حقیقت سخن واطلاع بر کشف آن

یک غریبی خانہ می جست از شتاب ۔۔ دوستے بُردش سُوی خانہ خراب

گفت او این را اگر سقفے بُدے ۔۔ پہلوے من مر ترا مسکن شدے

ہم عیال تو بیاسودے اگر ۔۔ در میانہ داشتے حجرہ دگر

در رسیدے میہمان روزے ترا ۔۔ ہم بیاسودے اگر بودیت جا

کاشکے معمور بودے این سرا ۔۔ خانہ تو بودے این معمور ما

گفت آرے پہلوے یاران خوش است ۔۔ لیک ایجان در اگر نتوان نشست

ایک شخص بیچارہ کوئی مکان تلاش کرتا تھا۔ ایک مہربان اسکو ایک ویران مکان کی طرف لے گئے اور کہا کہ اگر اسکی چھت ہوتی تو تم یہین رہتے۔ اِس طرح میرا اور تمھارا مکان ہر دو پاس پاس ہوجاتے اور اسمین ایک اور حجرہ بھی ہوتا۔ تو تمھارے گھر کے آدمی بھی رہ سکتے تھے۔ اور اگر آپ کے یہان مہمان کے لیے جگہ ہوتی تو اگر کوئی مہمان آتا تو اُسکو بھی آرام مل سکتا تھا۔ کاشکے کہ یہ مکان ویران نہ ہوتا۔ بلکہ قابل سکونت ہوتا۔ اِس صورت مین یہ قابل رہایش مکان آپ کا گھر ہوتا اور آپ اِسمین رہتے۔ اسنے جواب دیا کہ ان دوستون کا قرب اچھی چیز ہے۔ پھر کیا کیجئے کہ یہان تو اگر کے سوا کچھ ہے ہی نہین۔ اور اگر قابل سکونت نہین۔ لہذا مجبوری ہے۔

این ہمہ عالم طلبگار خوش اند ۔۔ وز خوش تزویر اندر آتش اند

طالب زر گشتہ جملہ پیر و خام ۔۔ لیک قلب از زر نداند چشم عام

پرتوے بر قلب زر خالص ببین ۔۔ بے محک زر را مکن از ظن گزین

گر محک داری گزین کن ورنہ رو ۔۔ نزد دانا خویشتن را کن گرو

این محک باید میان جان خویش ورنہ داری رہ مرو تنہا بپیش
بانگ غولان ہست بانگ آشنا آشنائے کو کشد سوئے فنا
بانگ می دارد کہ ہان اے کاروان سوئے من آئید نک نام نشان
نام ہریک می برد غول اے فلان تا کشد آن خواجہ را از آفلان
چون رسد آنجا بہ بیند گرگ و شیر عمر ضائع راہ دور و روز دیر
چہ بود آن بانگ غول آخر بگو مال خواہم جاہ خواہم آبرو
از درون خویش این آوازہا منع کن تا کشف گردد رازہا
ذکر حق کن بانگ غولان رابسوز چشم چون نرگس ازین کرگس بدوز
صبح صادق راز کاذب وا شناس رنگ مے را باز دان از رنگ کاس
تا بود کز دیدگان ہفت رنگ دیدہ پیدا کند صبر و درنگ
رنگہا بینی بجز این رنگہا گوہران بینی بجائے سنگہا
گوہرے چہ بلکہ دریائے شوی آفتاب چرخ پیمائے شوی

جب تجھے معلوم ہو چکا کہ ہوسات فضول وخواہشات لاالعنی کا نتیجہ بجز محرومی کے کچھ نہین تو خبردار تو ان خواہشات بیہودہ کے جال مین نہ پھنسنا۔ بلکہ تجھے کام کرنا چاہیے جیساکہ ہم پہلے کہہ چکے ہین۔ دینا کی عام حالت یہ ہے کہ اپنی خیالی اچھی چیز کو طلب کرتے ہین۔ اور اس اچھی چیز کے لیے جسکی خوبی انکی من گھڑت ہے اور اسلئے وہ سراپا تزویر ہے۔ بیقرار ہین اور دل وجان سے متمنی ہین کہ ہم کو حاصل ہوتی یا حاصل ہوجاوے۔ لیکن یہ لوگ خوبی حقیقی اور خیالی وغیر واقعی مین تمیز نہین کرتے۔ مثلاً لوگ سونے کے طالب ہین لیکن کھرے کھوٹے کی تمیز نہین رکہتے۔ اسلئے اصلی سونے (حق سبحانہ) کو چھوڑ کر کھوٹے سونے (زر دنیاوی) کو طلب کرتے ہین۔ اسکے متمنی ہین اسکے لیے مصیبتن اُٹھاتے ہین اسکے لئے بیقرار رہتے ہین۔ دیکھ تو عام لوگون کی طرح دہوکھا نہ کھانا اور کھرے کھوٹے مین تمیز کرنا۔ خوبی واقعی اور غیر واقعی مین امتیاز کرنا۔ وکیہ زر خالص (حق سبحانہ) نے اس متعارف سونے پر اپنا پرتو ڈالا ہے۔ اسلئے یہ خوشنما اور مرغوب ہوگیا ہے۔ لہذا یہ اصلی سونا نہین بلکہ ملمع ہے۔ خبردار بے کسوٹی لگائے اور بدون حقیقت پر غور کئے محض ظن سے سونے کو نہ لینا۔ اگر تیرے پاس کسوٹی ہو تو اس سے جانچ کر کھرے سونے کو لے لے۔ ورنہ جا اور اپنے کو کسی نقاد کی خدمت مین محبوس کردے۔ اور کسی شیخ کامل کا مقلد ہوجا۔ غرض کہ اس کسوٹی اور معرفت نقد وقلب کی ضرورت ہے۔ کہ اپنے اندر ہو۔ اور اگر تیرے پاس نہین تو خبردار راہ طلب مین تنہا قدم نہ بڑہانا۔ بلکہ کسی واقف کار شیخ کو ساتھ لے لینا۔ کیونکہ اس راہ مین بہت سے شیاطین ہین۔ اور وہ راہ سے بہٹکانے کے لیئے راہرون کو پکارتے ہین۔ اور اس انداز سے پکارتے ہین جیسے کوئی مخلص اور خیرخواہ دوست پکارتا ہو لیکن وہ ایسا آشنا ہوتا ہے جو لوگون کو تباہی کی طرف کہینچتا ہے۔ وہ آواز دیتا ہے کہ اے قافلہ والو یہان آؤ تمہاری منزل مقصود کا پتہ ونشان مین بتلاؤنگا۔ اور اسی پر اکتفا نہین کرتا بلکہ ہر ایک کا نام لیکر پکارتا ہے۔ تاکہ اون کو پورا اعتماد ہوجاوے۔ اور کہتا ہے کہ اے فلان اودہر آ اے فلان ادہر آ

اور مقصود یہ ہوتا ہے کہ اس مانوس کرنے والی آواز "اے فلان ادھر آ" سے اوسکو ہلاک کردے۔ (یعنی شیاطین
ہر ممکن تدبیر سے طالب حق کو گمراہ کرنا چاہتے ہین ورنہ یہ مطلب نہین کہ وہان حقیقی آوازین ہوتی ہین) اور جب
یہ شخص اون آوازون پر وہان پہونچتا ہے اور شیاطین کا اتباع کرتا ہے تو وہان دیکھتا ہے کہ شیر اور بھیڑیے ہین
اور مہلکات کا سامنا ہے عمر ضائع ہو چکی راہ راست سے بہت دور نکلگئے دن بھی بہت کم باقی رہگیا ہے۔ غرضکہ
منزل مقصود تک پہونچنے کے لیے بہت سے موانع موجود ہو گئے ہین جن سے رسائی دشوار ہو گئی ہے تو شیاطین
کی آوازون سے متعارف آوازین نہ سمجھنا سکے تجھے شبہ ہو کہ ہم نے تو اب تک ایک آواز بھی نہین سنی بلکہ خواہشات
نفسانیہ کی ترغیب کہ مجھے مال چاہیئے مجھے جاہ چاہیے مجھے آبرو چاہیے۔ یہی اون کی آوازین ہین۔ بس تو اپنے
اندر سے ان آوازون کو بند کر۔ اور ان خواہشون کو فنا کر۔ تب تجھے اسرار حق سبحانہ معلوم ہون گے۔ اور معارف الٰہیہ
کا دروازہ تجھپر کھلے گا۔ بس خدا کی یاد کر اور ان شیاطین کو آگ لگا۔ اور اپنی آنکھ نرگس کی طرح اس کرگس کی طرف سے
سی لے۔ اور ان کی طرف دیکھ بھی مت۔ صبح صادق اور صبح کاذب مین امتیاز کر۔ رنگ مے اور رنگ پیالہ مین تمیز کر
غرض کہ مطلوب حقیقی اور شبیہ مطلوب مین فرق کر۔ اسکا نتیجہ یہ ہوگا کہ یہ مجاہدہ اور صبر و تانی تیرے لئے بجائے
ان سات طبقہ والی آنکھون کے ایک اور آنکھ پیدا کرینگے اور ان سے تو ان رنگون کے سوا جو تجھے محسوس ہوتے ہین
اور عجیب عجیب رنگ دیکھے گا اور کنکریون کی عوض تجھے موتی نظر آئینگے۔ موتی دیکھنا کیا معنی بلکہ دریا کی طرح تو خود
اُن موتیون اور معارف الٰہیہ کا مخزن ہو جائیگا اور ان جواہر کی روشنی سے منور ہو کر تو آفتاب چرخ پیما کی مثل روشن
ہو جائیگا۔ گو آفتاب کی روشنی کو اس روشنی سے کوئی نسبت نہین۔ مگر چونکہ عالم محسوسات مین اس سے بڑھکر کوئی
روشن شے نہین۔ اسلیے اس سے تشبیہ دیگئی۔

کارکن در کارگہ باشد نہان	تو برو در کارگہ بینش عیان
کار چون بر کارکن پردہ تنید	خارج آن کار نتوانیش دید
کارگہ چون جائے باشش عاقل است	آنکہ بیرون جست از وی غافل است
پس در آ در کارگہ یعنی عدم	تا بہ بینی صنع و صانع را بہم
کارگہ چون جائے روشن دیدگیست	پس برون کارگہ پوشیدگیست

ہم نے تجھے اوپر فنا کی ترغیب دی تھی۔ اور کہا تھا کہ تو غول بیابانی اور موانع طلب حق کو آگ لگا اور صرف
حضرت حق کو مطمح نظر بنا۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ حق سبحانہ صانع عالم اپنی محل صنع یعنی عدم مین مستور ہین تو جا
اوس محل صنع مین انکو کھلم کھلا دیکھ لے۔ چونکہ کام نے صانع عالم پر پردہ تن دیا ہے۔ یعنی رویت صانع سے
مانع ہو گیا ہے اسلیے جب تک اسکو نہ اٹھا دے گے اور ہستی کو فنا نہ کروگے اوسکو دیکھ نہ سکو گے۔ اگر چاہو کہ اس پردہ
سے باہر اور ہستی کو باقی رکھکر دیکھ لو تو نا ممکن ہے کیونکہ جب عدم اوس صانع عالم کی جائے باش ہے تو باہر کیونکر
مل سکتا ہے جو باہر دیکھے وہ اوسکی جائے باش سے بیخبر ہے پس اگر تجھے حق بینی کی طلب ہے تو عدم مین آ اور اپنے
کو فنا کر۔ تاکہ تجھے صانع اور اوسکا فعل دونون دکھلائی دین۔ کیونکہ صرف عدم ہی اسکے صاف صاف دیکھنے
کی جگہ ہے۔ اور فنا ہی سے اسکا مشاہدہ ہو سکتا ہے۔ اور اس سے باہر یعنی ہستی مین خفا ہے وہان دکھلائی

نہین دے سکتا۔ (ف) جاننا چاہیے کہ یہ محض عنوان تعبیری ہے جو تفہیم کے لیے اختیار کیا گیا ورنہ فی الحقیقۃ عدم کوئی مکان نہین جسمین حق سبحانہ بیٹھے ہوے ہون۔ بلکہ اسکو تشبیہًا مکان کہا گیا ہے۔ اور چونکہ جو چیز احاطہ مکان کے اندر مستور ہوتی ہے۔ وہ مکان کے اندر داخل ہونے سے دکھلائی دیتی ہے۔ اور حق سبحانہ احاطہ فنا مین داخل ہونے سے بصیرت کے ذریعہ سے دکھلائی دیتے ہین۔ اس لیے انکو یون ظاہر کیا کہ جیسے کہ وہ مکان عدم مین موجود ہون۔ فافہم ولا تزل)

شرح شبیری

بات کی حقیقت کے منکشف ہو جانے پر ایک مثال

ایک غریبے الخ۔ یعنی کہ ایک پردیسی جلدی جلدی گھر تلاش کر رہا تھا تو اُسکا ایک دوست اُسکو ایک ویران گھر کی طرف لے گیا یعنی وہ پردیسی گھر کی تلاش مین تھا تو ایک دوست صاحب گھر دکھانے لے گئے اور اُسکو ایک گھر مین لیجا کر کھڑا کر دیا اور کہنے لگا کہ۔

گفت او این را الخ۔ یعنی وہ دوست کہنے لگا کہ اگر اسکی چھت ہوتی تو میرے پہلو مین آپ کا مکان ہو جاتا۔ پہلو سے مراد پڑوس مطلب یہ کہ اگر اس مکان کی چھت ہوتی تو آپ رہتے اور میرے پڑوس مین آپ ہی ہوتے مگر کیا کیا جاوے۔ اب چھت ہے ہی نہین۔ اور

ہم عیال تو الخ۔ اور تمھارے بال بچے بھی آرام پاتے اگر درمیان مین کوئی دوسرا حجرہ بھی ہوتا۔ مگر اب تو ہے نہین پس مجبوری ہے۔

ور رسد ے میہمان الخ۔ یعنی اور اگر کسی دن تیرے یہان کوئی میہمان آجاتا تو وہ بھی آرام پاتا۔ اگر تجھے جگہ ہوتی۔ یعنی اگر تیرے رہنے کی جگہ ہوتی تو وہ بھی آرام سے رہتا مگر مجبوری یہ ہی کہ ہے ہی نہین۔

کاشکے معمور بودے الخ۔ یعنی کاشکے یہ گھر بنا ہوا ہوتا تو یہ ہمارا معمور تمھارا گھر بنجاتا معمور را اسلیے کہدیا کہ یہ بھی تو پڑوس مین ہی رہتا تھا مطلب یہ کہ اگر اسکی عمارت بنی ہوتی تو تم ہمارے پڑوس مین رہا کرتے مگر اب تو محض لاچاری ہے کہ گھر ہی نہین ہے جب وہ یہ سُن چکا تو اُس پردیسی نے بھی جواب دیا اور خوب جواب دیا۔ کہ

گفت آرے الخ۔ یعنی اُس پردیسی نے کہا کہ ہان دوستون کا قرب اچھی چیز اور عمدہ چیز تو ہے لیکن اے یار (مجبوری یہ ہے کہ) اگر مین بیٹھ نہین سکتے۔ مطلب یہ کہ تمھارے مکان تو کوئی ہے نہین بلکہ صرف اگر کا زبانی جمع خرچ ہے تو اسمین کس طرح رہ سکتا ہون۔ آگے مولانا انتقال فرماتے ہین کہ جس طرح یہ شخص اصل مقصود سے تو بہت دور تھا اور حقیقت کو جانتا تھا صرف اگر ہی اگر کے قرب دوست تو چونکہ محبوب ہے اور عمدہ شے ہے چاہتا تھا اسیطرح خوش اور عمدہ کے تو سب طالب ہین مگر حقیقت سے جاہل ہونیکی وجہ سے خوب حقیقی اور خوب مجازی مین فرق نہین کرتے۔ اسی کو فرماتے ہین کہ۔

این ہمہ عالم الخ یعنی یہ سارا عالم خوش اور عمدہ چیز کا طلبگار ہے۔ (لیکن حقیقت سے لاعلمی کی بدولت) کھرے کھوٹ کے عمدہ کے سے سوزش میں ہیں اس لیے کہ جب وہ طلبگار ہیں عمدہ کے اور پھر اُس عمدہ کو انتخاب کرتے ہیں اپنی عقل سے تو اب خوب حقیقی نہ ہونے کی وجہ سے سوزش اور طلب میں اور حسرت میں رہتے ہیں اور کھوٹے کو اور کھرے کو پہچانتے نہیں اسی کو فرماتے ہیں کہ۔

طالب زر گشتہ الخ۔ یعنی سارے بوڑھے اور جوان زر (خالص) کے طالب تو ہوئے مگر عام لوگوں کی آنکھ کھوٹے کو کھرے سے پہچانتی نہیں۔ اور اس لاعلمی اور جہل کی وجہ سے بعید مصائب میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور صورت ہی میں لگے رہتے ہیں اور اُسی کو حقیقی اور مقصود سمجھ لیتے ہیں اور اُسکے اندرونی نقص کو نہیں دیکھتے کہ سارا کھوٹ ہی کھوٹ بھرا پڑا ہے اور یہ جو کھوٹا تمکو کھرا معلوم ہو رہا ہے یہ بھی اُس کھرے ہی کا عکس ہے لہذا اُس اصل ہی کو حاصل کرنا چاہیے اور فروع کو ترک کر دینا ضروری ہے۔ فرماتے ہیں کہ۔

پرتوے بر قلب الخ۔ یعنی کھوٹے پر زر خالص نے عکس ڈالا ہے (اس وجہ سے یہ کھوٹا بھی تمکو کھرا معلوم ہونے لگا ہے) دیکھو بے کسوٹی کے سونے کو (صرف) گمان ہی سے قبول مت کرنا۔ مطلب یہ کہ ان فانی چیزوں بھی اُسی حقیقت کا عکس ہے اِس وجہ سے تمکو انکی طرف کشش ہوتی ہے اور محبوب معلوم ہوتی ہیں پس تم ان سب کو چشم بصیرت سے اور تحقیق سے جانچو کہ کون شے انمیں سے حقیقی ہے۔ اور مقصود ہے اور کونسی تملے مجازی اور غیر مقصود ہے بغیر بصیرت اور تحقیق کے ہرگز ہرگز کسی چیز کی طرف التفات اور توجہ مت کرنا اگر خود تم اہل بصیرت و تحقیق سے ہو تو خود اسکو جانچ لو اور اگر تم صاحب بصیرت نہیں ہو تو کسی بصیرت والے کو تلاش کرو۔ اور جسکو وہ مقصود اور حقیقی بتا دے اُسکو حقیقی سمجھو۔ اور جسکو غیر مقصود بتا دے اُسکو ویسا سمجھو اسی کو فرماتے ہیں کہ۔

گر محک داری الخ۔ یعنی اگر تم (خود) کسوٹی رکھتے ہو (تب) تو (خود ہی پہچان کر کھرے کو) قبول کر لو ورنہ (یعنی اگر تمھارے پاس کسوٹی نہیں ہے تو) جاؤ (اور کسی) دانا سے (طریقت) کے پاس اپنے کو گروی کر دو مطلب یہ کہ اگر خود تم کو بصیرت حاصل ہے تب تو خود ہی پہچان لو اور حقیقت کو حاصل کرو۔ ورنہ پھر کسی کامل اور بصیرت والے کا اتباع کرو۔ اور اپنے کو اُسکے سپرد کر دو۔ اور بالکل سونپ دو اور اپنی رائے کو بالکل دخل مت دو جو کچھ وہ کہے اُس پر عمل کرو۔ اور اُس سے بزبان حال یا قال یہ کہدو کہ ؎ سپردم بتو مایۂ خویش را، تو دانی حساب کم و بیش را، بس اُس محقق اور مبصر کے پاس کالمیت فی ید الغسال ہو جاؤ۔ اور اُسکے بعد اسکی صحبت میں رہ کر خود بصیرت اور تحقیق حاصل کرو اسی کو فرماتے ہیں کہ۔

این محک باید الخ۔ یعنی یہ کسوٹی (بصیرت و تحقیق) خود تمھاری جان میں ہونی چاہیے۔ اور اگر خود نہیں رکھتے ہو (تو پھر کسی کا اتباع کرو) اور تنہا راستہ میں آگے مت جاؤ مطلب یہ کہ اول تو خود ہی بصیرت حاصل کرنی ضروری ہے اور اگر تمکو حاصل نہ ہو تو یہ یاد رکھو کہ اِس راستہ میں ہرگز ہرگز بے رہبر کے قدم مت رکھنا ورنہ تباہ و برباد ہو گے۔ اور مہلکات تمکو ہلاک و برباد کر دینگے اسی کو ایک اور جگہ فرماتے ہیں کہ ؎ یار باید راہ را تنہا مرو، بے قلاؤز اندرین صحرا مرو نما اور اگر رہبر نہ ہوگا تو تم شیاطین کے پھندے میں پھنس جاؤ گے۔

اور وہ تم کو تلبیس میں پھنسا کر تحقیق سے کوسوں دور پھینک ڈالیں گے اور اسقدر تلبیس و تلمیع کرینگے کہ تم کو اون کی آوازیں دوستوں اور اپنے لوگوں کی آوازیں معلوم ہونے لگیں گی اسیکو فرماتے ہیں کہ۔

بانگ غولان ہست الخ۔ یعنی شیاطین کی آواز آشنا کی آواز (معلوم ہوتی) ہے۔ اور آشنا بھی وہ جو کہ فنا و ہلاک کی طرف کھینچے یہاں شیاطین سے مراد شیاطین الانس لیے جاویں جو کہ معاصی کی طرف بلاتے ہیں اور خدا سے غافل کرتے ہیں تو اب مطلب یہ ہوگا کہ شیاطین الانس جبکہ تجھے معاصی کیطرف بلاتے ہیں اور اسکی ترغیب دیتے ہیں تو اسطرح تلبیس دیتے ہیں کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ ہمارے بہت ہی خیر خواہ ہیں اسلئے کہ دوست ہیں مگر وہ اصل میں دشمن ہوتے ہیں جیسا کہ قیامت میں معلوم ہوگا۔ اور اگر شیاطین سے مراد شیاطین الجن ہی ہوں تو یہ معنی ہیں کہ چونکہ جن صورت وغیرہ بدلنے پر قادر ہیں اسلئے وہ بعض مرتبہ صورتیں بدلکر اور آوازیں بدلکر تمہارے دوستوں کی سی آوازیں اور صورتیں بنالیتے ہیں اور پھر تم کو شہوات اور مہلکات کی طرف بلاتے ہیں تو اس آواز اور صورت کو تم آشنا سمجھتے ہو۔ اور اس کے اسی سکنے کو خیرخواہ کا قول سمجھکر عمل کر لیتے ہو اور پھر غارت ہوتے ہو۔ پس اس پہچاننے کے لئے تم کو خود بصیرت کی ضرورت ہے۔ اور اگر خود بصیرت نہو تو کسی بصیر کا پلہ پکڑنے کی ضرورت ہے۔ خوب سمجھ لو۔ آگے اون آوازوں کو بتاتے ہیں کہ وہ آوازیں اسطرح دیا کرتے ہیں۔

بانگ می دارد کہ الخ۔ یعنی وہی شیطان آواز دیتا ہے کہ اے قافلہ (والو) میری طرف آؤ اسلئے کہ یہ نام ونشان تمہارے مطلب کا ہے۔ اور صرف اس دعوت عام ہی پر اکتفا نہیں کرتا بلکہ ہر ایک ایک کا نام لیکر بھی پکارتا ہے اسیکو آگے فرماتے ہیں اور شیاطین کا پکارنا کچھ عجیب نہیں اکثر قصص وغیرہ سے ایسے واقعات کا صحیح ہونا معلوم ہوتا ہے۔ اور اگر شیاطین الانس مراد ہوں تو پھر یہ معنی ہیں کہ بعض مرتبہ بہت سے آدمیوں کو ایکدم سے بہکاتے ہیں اور بعض مرتبہ الگ الگ ہر ایک کو گمراہ کرتے ہیں جیسا کہ مشاہد ہے۔ پس فرماتے ہیں کہ۔

نام ہر یک می برد الخ۔ یعنی وہ جن ہر ایک کا علیحدہ علیحدہ نام لیتا ہے کہ اے فلان شخص تاکہ اوس خواجہ کو (جسے پکار رہا ہے) ہلاک ہونے والوں میں سے کردے۔ یعنی چونکہ جنوں کو تو ہمارے نام وغیرہ معلوم ہی ہیں۔ اس لئے وہ نام لے لیکر پکارتے ہیں تاکہ غایت لطف و آشنائی معلوم ہو اور اچھی طرح ہلاک کردے یا یہ کہا جاوے کہ انسان ہی دوست بنکر پکارتے ہیں اور شہوات میں مبتلا کر دیتے ہیں پس جبکہ اون کے دواعی پر عمل کیا جاتا ہے تو پھر تباہ ہوتے ہیں اور دین و ایمان سبکو تباہ کر بیٹھتے ہیں اسیکو فرماتے ہیں کہ۔

چون رسد آنجا بہ الخ۔ یعنی کہ جب اوس جگہ پہونچتا ہے (جہاں کہ اون شیاطین نے بلایا تھا) تو وہاں شیر اور بھیڑیے دیکھتا ہے۔ (یعنی مہلکات نظر آتے ہیں تو اوسکی وہ عمر (جو کہ اس مسافت کے قطع کرنے میں صرف ہوئی ہے) ضائع ہے اور راستہ دور ہے اور دن بھی ضائع ہے مطلب یہ کہ جب تک اون شیاطین کے قول پر عمل کریگا۔ اور جب تک دواعی شہوات پر عمل کرتا رہیگا اسوقت تک کی عمر بھی برباد ہوئی۔ اور راستہ سے کوسوں دور ہوگیا۔ اور یہ سارے دن برباد ہوئے پس ہرگز ہرگز اون کے دواعی پر عمل نکرنا چاہیے۔ آگے خود اون مہلکات کی تفصیل بتاتے ہیں کہ۔

چہ بود آن بانگ الخ۔ یعنی شیاطین کی آوازیں آخر کیا ہوتی ہیں۔ (کچھ تو کہو۔ (اب خود بتلاتے ہیں کہ وہ آوازیں

یہی ہوتی ہیں کہ مال چاہتا ہوں اور جاہ چاہتا ہوں اور آبرو۔ یعنی وہ مہلکات جو کہ دین کو تباہ و برباد کر دیتے ہیں یعنی حب مال و حب جاہ وغیرہ ہیں کہ سب معاصی کی جڑ ہیں جیسے کہ حدیث میں بھی ہے کہ حب الدنیا راس کل خطیئۃ بس جبکہ یہ چیزیں برباد کر دینے والی ہیں تو ان کو اپنے اندر سے نکالو اور ان سے تعلق قطع کر دو اور علیحدہ ہو جاؤ۔ پھر دیکھو کیسے کیسے علوم و معارف تم پر منکشف ہوتے ہیں۔ آگے فرماتے ہیں کہ۔

اندرون الخ۔ یعنی اپنے اندر (باطن) میں سے ان آوازوں (کے مقتضیات) کو روک دو اور اونیز عمل مت کرو تاکہ اسرار (آئینہ تمہیں) منکشف ہوں۔ مطلب یہ کہ اپنے اندر سے شہوات کو اور دیگر داعی الی الشر کو نکال ڈالو اور اپنے باطن کو صاف کر لو پھر دیکھو کہ کیسے کیسے اسرار منکشف ہوتے ہیں۔ اور کس کس طرح سے انوار و تجلیات کا ظہور ہوتا ہے اور چونکہ اخلاق رذیلہ غلبہ ذکر سے کم اور زائل ہو جاتے ہیں۔ اسلئے ذکر کی ترغیب دیتے ہیں کہ۔

ذکر حق کن پاک الخ۔ یعنی حق تعالیٰ کا ذکر کرو اور شیاطین کو بالکل جلا ڈالو۔ اور اپنی) آنکھ کو جو مثل نرگس کے ہے۔ اس نرگس (دنیا کی طرف) سے سی لو اور بند کر لو۔ مطلب یہ کہ غلبہ ذکر اپنے اوپر کر لو۔ اور دنیا سے قطع تعلق کر لو اور شیاطین کو بالکل آگ دیدو اور حقیقت کو پہچانو اور گمراہی اور مجاز سے بچو اسکو آگے فرماتے ہیں (پاک غولان زا بسوز میں پاک کے معنی بالکل کے ہیں اور یہ محاورہ ہے معنی یہ ہیں کہ شیاطین کو خوب اچھی طرح بالکل آگ دیدو)۔

صبح صادق را الخ۔ یعنی صبح صادق (حقیقت) کو صبح کاذب (مجاز اور غیر مقصود) سے (علیحدہ کر کے) خوب پہچان لے۔ اور شراب کے رنگ کو پیالہ کے رنگ سے ممتاز کر کے) جان لے۔ مطلب یہ کہ حقیقت اور مجاز اور مقصود اور غیر مقصود میں امتیاز کرو اور دونوں میں جو فرق ہے اسکو سمجھو۔ اور پھر حقیقت اور مقصود کو حاصل کرنے کی کوشش میں لگو اور غیر مقصود کو ترک کر دو پھر دیکھنا کہ ان آنکھوں کے علاوہ تمہیں دیدۂ بصارت جس سے کہ حق شناسی اور حقیقت شناسی میسر ہوگی ملیگا۔ لہذا خوب خوب مجاہدے اور ریاضت کر کے اس مقصود کو حاصل کرو اسکو فرماتے ہیں کہ۔

تا بود کز دیدگان الخ۔ یعنی (مجاہدات و ریاضات کرو اور ان کے ذریعہ سے حقیقت شناسی تک پہونچو) تاکہ ان سات رنگ کی آنکھوں کے بدلہ میں صبر اور دیر ایک اور آنکھ (حقیقت شناس) پیدا فرما دے۔ اور جب مجاہدات سے بصیرت اور تحقیق حاصل ہو جاوے گی۔ تو ان ظاہری الوان کے علاوہ دوسرے الوان اور حالات تم کو میسر ہونگے اسکو فرماتے ہیں کہ۔

رنگہا بینی بجز الخ۔ یعنی ان الوان کے علاوہ اور دوسرے رنگ دیکھو گے اور پتھروں کی جگہ موتیوں کو دیکھو گے مطلب یہ کہ جب حقیقت ہی پر ہر وقت تمہاری نظر رہے گی۔ تو پھر ان دنیاوی اشیاء سے الگ اور علیحدہ ہو کر تم کو اشیاء حقیقی اور مقصود اصلی نظر آویگا۔ اور اسکے سوا دوسری چیزوں کی ہستی کا لعدم ہو جاوے گی اور جب یہ حالت بڑھیگی اور فنا کے مرتبہ میں ترقی ہوگی۔ تو پھر اپنی ہستی کو بھی معدوم سمجھو گے اور اس ایک وجود کے سامنے سارے وجودات ہیچ اور معدوم ہی معلوم ہونگے آگے فرماتے ہیں کہ۔

گوہرے چہ بلکہ الخ۔ یعنی گوہر کیا ہے بلکہ خود دریا ہی ہو جاؤ گے۔ اور ایک آفتاب آسمان کی پیمائش

کرنے والے ہو جاؤ گے مطلب یہ کہ جب مجاہدات و ریاضات سے درجہ فنا کا حاصل کر چکو گے اور اپنی ہستی کو معدوم کر چکو گے اسوقت بس اُسی ایک ذات کا وجود پیش نظر رہے گا۔ اور دیگر وجودات اور ہستیاں کالعدم ہو جاوینگی اور یہ حالت ہوگی کہ ؎ چو سلطان عزت علم برکشد + جہان سر بجیب عدم درکشد + اور اُس کے وجود باجود کے سامنے یہ حالت ہوگی جیسے کہ شیخ سعدی علیہ الرحمۃ فرماتے ہین کہ ؎ یکے قطرہ از ابر نیسان چکید + خجل شد چو پہنائے دریا بدید + کہ جائیکہ دریاست من کیستم + گر او ہست حقا کہ من نیستم + اور جب یہ اپنی ہستی کو اس طرح معدوم سمجھے گا۔ اسوقت حق تعالےٰ کی طرف سے رحمت نازل ہوگی اور اسکو اپنے جوار مین لیلے گی۔ اسی کو شیخ آگے فرماتے ہین کہ ؎ چو خود را بچشم حقارت بدید + صدف در کنارش بجان پرورید + سپہرش بجائے رسانید کار + کہ شد نامور لولوے شاہوار + بلندی بدان یافت کو پست شد + در نیستی کوفت تا ہست شد + پس اپنے اور دیگر موجودات کی ہستی کو کالعدم کر کے صرف اُس ذات وحدہ لاشریک کی طرف توجہ کرو۔ اور چونکہ طلب کے لیے اُس کے ملنے کی جگہ کا معلوم ہونا ضروری ہے پس آگے فرماتے ہین کہ۔

کارکن درکار الخ۔ یعنی کام کرنے والا (حق تعالےٰ) کارخانہ (صنائع و موجودات) ہی مین پوشیدہ ہے (لہذا) تو کارخانہ مین (مصنوعات عالم مین) جا (غور کر اور) اُسکو ظاہر طور پر دیکھ لے مطلب یہ کہ کہنے جو کہنا ہے کہ اگر مجاہدہ کروگے تو تم کو حق تعالےٰ کی معرفت میسّر ہو جاویگی اور وہ تم کو ملجاویگا اسکو کچھ بعید مت سمجھو اس لیے کہ اب بھی وہ تم سے دور نہین ہے۔ بلکہ اُسکی معرفت انہین مصنوعات دنیا مین غور کرنے سے حاصل ہو سکتی ہے۔ بلکہ خود اپنے ہی اندر غور کرنے سے اُس صانع حقیقی کی معرفت اور اُسکا قرب حاصل ہو جاویگا۔ لیکن جب تک چشم بصیرت نہین ہے اُسوقت تک تو یہ ظاہری چیزین اُسکے جمال کے مشاہدہ سے حاجب اور مانع ہین۔ اِنسے قطع نظر کر لو پھر دیکھو کہ اُسکی معرفت کے لیے انکے تئین خارج جانیکی ضرورت نہین ہے۔ اسی کو فرماتے ہین کہ۔

کارچون بر کارکن الخ۔ یعنی کام (مصنوعات عالم) نے کام کرنے والے پر (حق تعالےٰ کے سامنے) پردہ تن رکھا ہے۔ (اُسکی معرفت سے اور مشاہدہ سے حاجب اور مانع ہو رہی ہین لیکن اُسکی معرفت انھین مین ہے پس) اس کام سے خارج تم اُسکو نہین دیکھ سکتے مطلب یہ کہ اور کوئی ذریعہ سوا ان ہی مصنوعات عالم کے اندر غور و فکر کے اور اُس غور فکر کے بعد اُنکی ہستی کو معدوم سمجھنے کے معرفت حق کا نہین ہے۔ اِس لیے جو عاقل ہوتے ہین وہ اسی کو طلب کرتے ہین خود فرماتے ہین کہ۔

کارگہ الخ۔ یعنی کارخانہ (عالم) مثل عاقل کے جائے قیام کے ہے (اس لیے کہ وہ تو معرفت کے لیے اسی مین غور و فکر کریگا) اور جو کہ اِس سے باہر گیا وہ غافل ہے۔ یعنی کہ جو ان مصنوعات عالم مین غور کریگا وہ اُنکی وجود کی حقیقت کو سمجھے گا۔ اور پھر اُس وجود کی حقیقت سمجھکر اُنکے اضمحلال کو بھی اچھی طرح معلوم کریگا۔ اور حق تعالےٰ کے وجود کو اصل اور اسی کو مقصود سمجھے گا۔ تو وہی عاقل ہوگا۔ مقصود یہ ہے کہ فنا اور عدم حاصل کرنا چاہیے۔ کہ اِسی سے معرفت حق ہوتی ہے۔ اور مقصود اصلی حاصل ہوتا ہے

اسی مقصود کو مولانا صاف طور سے فرماتے ہیں کہ۔

پس درآ در کارگہ الخ۔ یعنی (جب کہ حق تعالیٰ ہستی کو فنا کرنے سے ہی ملتے ہیں) پس کارخانہ (عالم) میں یعنی عدم میں آ۔ تاکہ مصنوع اور صانع کو ایک جگہ دیکھو۔ مطلب یہ کہ اپنی ہستی کو اور دیگر اشیاء کی ہستی کو فنا کرکے اور مضمحل سمجھکر پھر اُس کے وجود پر نظر کرو تو بس اُسی کا وجود کامل اور قابل وجود کہنے کے نظر آویگا۔ اور باقی سارے وجودات اِس قدر مضمحل ہونگے کہ اُنکو وجود کہتے ہوئے شرم آویگی۔ تو چونکہ مصنوعات ہی اُسکی معرفت کے لیے ظاہر اور بین آلہ اور ذریعہ ہیں اِس لیے ان ہی کے وجودات میں اول غور کرو اسکو فرماتے ہیں کہ۔

کارگہ چون الخ۔ یعنی کارخانہ (عالم) جبکہ روشن دیکھنے کی جگہ ہے تو اس کارخانہ (عالم) سے باہر پوشیدگی (اور تاریکی) ہے لہذا ان سب کے اور اپنے وجود کو کالعدم سمجھو اور ہستی کو نیستی سے بدل دو۔ تب تمھیں معرفت حاصل ہوسکتی ہے۔ اور اگر اپنی ہستی پر نظر رکھی تو کبھی بھی معرفت حاصل نہیں ہوسکتی مولانا اِس مضمون کو فرعون اور اسکے تکبر کی مثال دیکر بیان فرماتے ہیں کہ۔

شرح حبیبی

رُو بہ ہستی داشت فرعون عنود	لاجرم از کارگاہش کور بود
لاجرم می خواست تبدیل قدر	تا قضا را باز گرداند ز در
خود قضا بر سلبت آن حیلہ مند	زیر لب میکرد ہر دم ریشخند
صد ہزاران طفل کشت او بیگناہ	تا بگردد حکم و تقدیر الہ
تاکہ موسیٰ نبی ناید برون	کرد بر گردن ہزاران ظلم و خون
این ہمہ خون کرد و موسیٰ زادہ شد	وز برائے قہر او آمادہ شد
گر بدیدے کارگاہ لایزال	دست و پایش خشک گشتے ز احتیال
اندرون خانہ اش موسیٰ معاف	وز برون می کشت طفلان از گزاف

اوپر فنا کی ترغیب دی تھی۔ یہاں سے خودی کا نقصان بیان فرماتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ۔ چونکہ فرعون ہستی کی طرف متوجہ اور خودی میں منہمک تھا اس لیے فنا و عدم سے بالکل اندھا تھا۔ اور چونکہ فناء و عدم ہی حق سبحانہ کی معرفت کا ذریعہ ہے لہذا نہ وہ حق سبحانہ سے واقف تھا نہ اسکی تدبیر اور افعال سے۔ پس لامحالہ وہ قضاء الٰہی کو بدلنا چاہتا تھا۔ یہ معنی نہیں کہ قضاء الٰہی کو قضا جان کر بدلنا چاہتا تھا۔ کیونکہ وہ تو قضاء الٰہی کو جانتا ہی نہ تھا۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ جو امر نفس الامر میں مقدر ہوچکا تھا اُسکو وہ چاہتا تھا کہ نہ ہو۔ لیکن قضاء الٰہی اس تدبیر پر ہنس رہی تھی کہ دیکھو یہ کیا بیہودہ منصوبے گانٹھ رہا ہے اُس نے لاکھوں بچے بے گناہ مار ڈالے تاکہ جو امر نفس الامر میں مقدر ہوچکا ہے وہ وجود میں نہ آئے۔ اُس نے ہزاروں ظلم اور خون اس لیے اپنی گردن پر لیے کہ موسیٰ علیہ السلام وجود میں

نہ آئیں۔ گو اُس نے یہ سب خون کئے۔ مگر موسیٰ علیہ السلام پیدا ہو ہی گئے۔ اور اُسکی سرکوبی کے لیے آمادہ ہوگئے۔ پس اگر یہ احمق کارگاہ حق سبحانہ (فنا و عدم) سے واقف ہوتا اور خودی و منی میں منہمک نہ ہوتا تو تدبیر سے اُس کے ہاتھ پاؤں خشک ہوجاتے۔ اور کبھی جرأت نہ ہوتی کہ تقدیر الٰہی کے مقابلہ میں تدبیر کرے۔ تقدیر الٰہی اِس درجہ قوی ہے کہ فرعون گھر سے باہر بیہودگی سے ہزاروں بچے قتل کرتا تھا لیکن موسےٰ جو خود اُس کے گھر کے اندر موجود تھے اُنکو کچھ نہ کہتا تھا۔

شرح شبیری

رو بہستی داشت الخ۔ یعنی (کہ دیکھو) فرعون سرکش ہستی کی طرف توجہ رکھتا تھا (اور اُسکو اپنی ہستی پر نظر تھی اِس لیے) اُس کے کارخانہ سے غافل تھا (جو کہ اُسکی معرفت کا آلہ ہے) اور اُسکو حق تعالےٰ کی معرفت نصیب نہ ہوسکی۔

لاجرم میخواست الخ۔ یعنی بالضرور وہ تبدیل قدر چاہتا تھا۔ تاکہ قضا کو دروازہ سے لوٹا دے۔ یعنی اُسکی ہلاکت اور بربادی جو موسےٰ علیہ السلام کے ہاتھ سے مقدر ہوچکی تھی اُسکو معرفت حق نہ ہونیکی وجہ سے چاہتا تھا کہ رد کردے اور یہ خبر نہ تھی کہ وہاں یہ شان ہے کہ ما یبدل القول لدی وما انا بظلام للعبید اور اِس کے لیے طرح طرح کی تدبیریں کرتا تھا۔ مگر قضا اُس پر ہنس رہی تھی کہ کس قدر بیوقوف ہے کہیں میں ٹل سکتی ہوں۔ فرماتے ہیں کہ۔

خود قضا بر سبلت الخ۔ یعنی خود قضا اُس حیلہ مند کی مونچھ پر زیر لب ہر وقت مسخرہ پن کر رہی تھی۔ اور یہ کہہ رہی تھی کہ تو جو چاہے کرے میں تیرے دشمن کو تیرے ہی ہاتھوں پلواؤنگی اور پھر وہ تجھی کو ہلاک کریگا۔ آگے پھر اُسکی تدبیروں کو قضا کے بدلنے کے لیے بیان فرماتے ہیں کہ۔

صد ہزاران طفل کشت الخ۔ یعنی لاکھوں بیگناہ بچے اُسنے مار ڈالے تاکہ اللہ تعالیٰ کا حکم اور تقدیر پھر جاوے

تاکہ موسیٰ الخ۔ یعنی اور تاکہ موسیٰ علیہ السلام نبی باہر نہ آویں (پیدا نہ ہوں) اُسنے اپنی گردن پر ہزاروں خون کر لیے۔

این ہمہ میکرد و موسے الخ۔ یعنی یہ سب خون کئے (اور طرح طرح کی تدبیریں کیں مگر) موسےٰ علیہ السلام پیدا ہو ہی گئے اور اُسکی ہلاکت کے واسطے آمادہ ہوگئے۔ تو یہ ساری فضول تدبیریں حقیقت سے لاعلمی کی وجہ سے تھیں اگر وہ حقیقت شناس ہوتا تو پھر اِس قسم کے حیلے ہرگز نہ کرتا۔ اسی کو آگے فرماتے ہیں کہ۔

گر بدیدے کارگاہ الخ۔ یعنی اگر حق تعالیٰ کے کارخانہ کو دیکھ لیتا (اور اِسمیں غور کر لیتا تو اُسکے صانع کے وجود کی عظمت اور جلال منکشف ہوجاتی۔ تب) اُسکے ہاتھ پاؤں حیلہ کرنے سے خشک ہوجاتے۔ اور وہ کوئی حیلہ نکر سکتا۔ اور اب بھی اُسکا کوئی حیلہ کام نہ آیا اِس لیے کہ۔

اندرون خانہ اش الخ۔ یعنی کہ گھر کے اندر تو موسےٰ علیہ السلام جو کہ عافیت دیے گئے تھے۔ (پرورش پا رہے) ہیں اور باہر لڑکوں کو بیوقوفی کی وجہ سے مار رہا ہے۔ گھر کی خبر نہیں کہ خود ہی اپنے دشمن کی پرورش کر رہا ہے۔ پس اِسکی اِس حالت کو ایک مثال سے واضح فرماتے ہیں کہ۔

شرح حبیبی

ہمچو صاحب نفس کو تن پرورد	بر دگر کس ظن حقدے میبرد
کاین عدو و آن حسود دشمن است	خود حسود و دشمن آن این تن است
او چو موسیٰ و تنش فرعون او	او بہ بیرون می دود کو عدو
نفس اندر خانہ تن نازنین	بر دگر کس دست می خاید بکین

فرعون کی حضرت موسیٰ علیہ السلام کو گھر مین رکھنے اور باہر بچونکو قتل کرنے مین بالکل وہی حالت تھی جو ایک صاحب نفس کی ہوتی ہے جو ہمہ تن تن پروری اور ہوا و ہوس مین مصروف ہے۔ یہ شخص دوسرون کو دشمن سمجھتا ہے اور خیال کرتا ہے کہ یہ میرا دشمن ہے۔ وہ میرا حاسد ہے حالانکہ اصلی دشمن کی اوسکو خبر بھی نہین۔ کہ وہ اسکا نفس ہے۔ جسکو یہ نہایت رغبت اور شوق کے ساتھ پال رہا ہے۔ وہ یعنی اوسکی روح مثل موسیٰ علیہ السلام کے فطرۃً منقاد حق سبحانہ ہے۔ اور اوسکا نفس مثل فرعون کے ہے۔ جو اوسکا دشمن اور گمراہ کرنیوالا ہے۔ پس اسکو اپنے اصلی دشمن کی تو خبر نہین جو گھر مین موجود ہے۔ باہر ڈھونڈھتا پھرتا ہے۔ کہ دشمن کہان ہے۔ ملجائے تو مین اُسے مار ڈالون۔ پس اوسکا دشمن حقیقی نفس ہے جو خانۂ تن مین محجوب ہوا بیٹھا ہے۔ اور دوسرون پر مارے غصہ کے اپنے پشت دست کاٹتا ہے۔ یہ روش اوسکی بالکل غلط ہے۔ اسکو وہ ہی کرنا چاہیے جو ایک شخص نے اپنی بدکاران کیساتھ کیا تھا جسکی تفصیل حسب ذیل ہے۔

شرح شبیری ہمچو صاحب الخ۔ یعنی (فرعون کے موسیٰ علیہ السلام کو پالنے کی ایسی مثال ہے کہ) جیسے کوئی صاحب نفس بدن کی پرورش مین لگا ہوا ہو اور نفس کی پرورش سے غافل ہو۔) اور دوسرون پر حسد کا گمان کرتا ہے اور اصل دشمن و دوست کو تو دیکھتا نہین کسیکو دشمن اور کسیکو دوست سمجھ لیتا ہے۔ یہی حالت فرعون کی تھی کہ اصلی دشمن اور مہلک موسیٰ علیہ السلام کو تو خود پال رہا تھا اور دوسرے بچون کو قتل کر رہا تھا۔ اور اوس کی یہ حالت ہوتی ہے کہ یون کہتا ہے کہ۔

کاین عدو و آن الخ۔ یعنی کہ یہ عدو ہے اور وہ حاسد اور دشمن ہے۔ (حالانکہ) خود حاسد اور دشمن (اپنا خود ہی) ہے مگر حقیقت نہ جاننے کی وجہ سے دوست کو دشمن اور دشمن کو دوست سمجھتا ہے یہان تو فرعون کو صاحب نفس سے اور موسیٰ علیہ السلام کو تن سے تشبیہ دی تھی کہ تن کو پالنا اپنے دشمن کو پالنا ہے۔ مگر چونکہ عداوت دونون طرف سے تھی اور جسطرح فرعون موسیٰ علیہ السلام کا دشمن تھا اسیطرح وہ اسکے دشمن تھے۔ پس اون کی دشمنی کو آگے اسطرح بیان فرماتے ہین کہ وہ صاحب نفس تو موسیٰ علیہ السلام کی طرح ہے۔ اور اوسکا بدن فرعون کیطرح ہے۔ اسلئے کہ جسطرح روح بدن کی دشمن اور اوسکی مخالف ہوتی ہے اسیطرح وہ بھی فرعون کے مخالف تھے۔ اور جسطرح کہ روح باوجود دشمن ہونیکے جسم ہی مین رہتی ہے اسی طرح موسیٰ علیہ السلام بھی فرعون ہی کے یہان رہتے تھے۔ اسکو فرماتے ہین کہ۔

او چو موسیٰ الخ۔ یعنی وہ صاحب نفس تو مثل موسیٰ علیہ السلام کے ہی۔ اور اسکا بدن مثل اون کے فرعون کے ہی اور وہ باہر تلاش کرتے ہین کہ کون دشمن ہے۔ حالانکہ دشمن پاس ہی موجود ہی۔
نفس اندر خانہ الخ۔ یعنی کہ نفس (جیسا دشمن) اس نازنین بدن کے خانہ مین (موجود) ہی اور یہ شخص دوسرون پر کینہ کیوجہ سے ہاتھ چباتا ہی۔ اور دوسرون کو دشمن خیال کرتا ہی۔ پس چاہیے کہ اول اس دشمن کو قتل کرے کہ ضرر حقیقی اسی سے پہونچتا ہے۔ اور اگر دوسرے لوگ دشمن بھی ہوتے ہین تو وہ ضرر حقیقی نہین پہونچا سکتے۔ مثلاً انتہا سے انتہا کوئی اسکو جان سے مار ڈالے گا تو اوسکا کوئی حقیقی نقصان نہین ہوا اسلئے کہ حق تعالےٰ کے یہان مراتب زیادہ ہوئے اور درجہ شہادت کا حاصل ہوا۔ جو کہ مرغوب و مطلوب ہے۔ اور جو ضرر کہ نفس پہونچاتا ہی اوسکا خمیازہ قیامت مین معلوم ہوگا اور وہ ایسا ضرر ہوگا کہ اوسکا کوئی تدارک ہی نہین۔ اور بلکہ دوسرے لوگ جو دشمن ہوتے ہین وہ بھی ان حضرت نفس کی بدولت ہوتے ہین۔ کسی سے دوستی ہے کسی سے دشمنی ہے۔ سارے حرکات انہین حضرت کے ہین لہٰذا اس جڑ ہی کو قطع کردو۔ کہ اگر یہ مارا گیا تو سارے دشمن مارے جاوینگے۔ اور پھر کوئی بھی دشمن حقیقی نہ رہیگا آگے اسپر (جو کہ بنا ر فساد ہو اور خرابیون کی جڑ ہو اوسیکو قطع کرنا چاہیے۔) ایک حکایت تمثیلاً بیان کرتے ہین کہ۔

شرح حبیبی

ملامت کردن مردمان شخصے راکہ مادر را بہ تہمت کشت

آن یکے از خشم مادر را بکشت	ہم بزخم خنجر و ہم زخم مشت
آن یکے گفتش کہ از بد گوہری	یاد ناوردی تو حق مادری
ہی تو مادر را چرا کشتی بگو	اے چہ کرد آخر بتوائے زشت خو
ہیچکس کشت است مادر اے عنود	می نگوئی او چہ کرد آخر چہ بود
گفت کارے کرد کان عار ویست	کشتمش کان خاک ستار ویست
متہم شد با یکے دان کشتمش	غرق خون در خاک گور آغشتمش
گفت آنکس را بکش اے محتشم	گفت پس ہر روز خلقے را کشم
کشتم او را رستم از خونہائے خلق	نائے او برم بہست از نائے خلق

ایک شخص نے غصہ ہوکر اپنی ماںکو مکون اور خنجر سے مار ڈالا۔ ایک شخص نے کہا کہ ارے تو بڑا بدذات ہے تجھے حق مادری بھی یاد نہ رہا۔ ارے بتا تو سہی تو نے اپنی ماں کو کیون مار ڈالا۔ اوسنے تیرا کیا بگاڑا تھا۔ کمبخت کسی نے اپنی ماں کو بھی مارا ہے۔ ارے بتاتا کیون نہین۔ آخر کچھ بات بھی تھی۔ اوسنے کیا کیا تھا۔ اوسنے جواب دیا کہ اوسنے ایک ایسا کام کیا تھا جو اوسکے لئے شرم کا باعث تھا۔ لہٰذا مین نے اوسے مار ڈالا کہ خاک اوسکی پردہ پوشی کرے۔ وہ ایک شخص سے زنا کے ساتھ متہم ہوگئی تھی۔ اس لئے مین نے اوسے

مارڈالا۔ اسیطرح خون مین ڈوبی ہوئی مٹی مین ملا دیا غسل بھی نہین دیا۔ اُس شخص نے کہا کہ اس شخص کو مارنا چاہیے تھا۔ نہ کہ مان کو۔ لڑکے نے جواب دیا کہ تم یہ چاہتے ہو کہ ہر روز لوگون کو مارتا پھرون یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ لہذا مین نے اوسی کو ماردیا اور تمام مخلوق کے خون سے بچگیا۔ اور مین نے سمجھا کہ لوگون کے گلے کاٹنے سے یہی بہتر ہے کہ اسکا گلا کاٹ دون۔

شرح شبیری

لوگون کا اُس شخص کو ملامت کرنا جسنے اپنی مان کو متہم ہونے کی وجہ سے مارڈالا

آن یکے از خشم الخ۔ یعنی ایک شخص نے اپنی مان کو مارڈالا۔ خنجر کے زخم سے بھی اور گھونسے کے زخم سے بھی۔

آن یکے گفتش الخ۔ یعنی (اسپر) ایک شخص نے اوس سے کہا کہ نالائق کیوجہ سے تجھے مان ہونیکا حق بھی یاد نہ آیا۔ اور اوسکو قتل کر دیا۔

ہی تو مادر را چرا الخ۔ یعنی ارے تونے مان کو کسلئے مار ڈالا۔ (کچھ تو) کہہ آخر اوسنے تیری ساتھ کیا کیا تھا اے بری خصلت والے۔

ہیچکس کشتست الخ۔ یعنی ارے کمبخت کسی نے مان کو بھی مارا ہے۔ اور کہتا کیون نہین کہ آخر اوسنے کیا کیا اور کیا بات تھی جسپر کہ تونے اوسکو قتل کر دیا۔

گفت کارے الخ۔ یعنی اوس لڑکے نے کہا کہ اوس (مان) نے ایک کام کیا تھا کہ وہ (موجب) اوسکی عار کا تھا اسلئے مین نے اوسکو مارڈالا کہ خاک اوسکی پردہ پوش ہو۔ کار عار سے مراد زنا ہے۔ یعنی وہ زانیہ تھی اسلئے مین نے یہ سمجھکر کہ ایسے آدمی کا مرنا ہی بہتر ہے اوسکو مارڈالا۔

متہم شد با یکے الخ۔ یعنی چونکہ وہ ایک شخص سے متہم تھی اسلئے مین نے اوسکو مارڈالا اور خون مین ڈوبی ہوئی کو ہی مین نے قبر کی خاک مین ملا دیا۔ یعنی اوسی طرح خون آلودہ ہی دفن کر دی۔

گفت آنکس را الخ۔ یعنی اوس (ناصح) نے کہا کہ اے عزیز اوس شخص کو (جس سے متہم تھی) مارڈال (امر بمعنی ماضی یعنی مارڈالا ہوتا کہ ان کے قتل سے تو ہاتھ نہ رنگے جاتے) تو اوس لڑکے نے جواب دیا کہ پھر تو ہر روز ایک مخلوق کو قتل کیا کرتا۔ اسلئے کہ اوسکا تو روز یہی کام تھا تو مین کس کس کو مارتا۔ اسلئے مین نے جڑ ہی کاٹ دی کہ نہ وہ ہوگی اور نہ کوئی اوس سے منہ کالا کر سکے گا۔ نعوذ باللہ من الشیطان الرجیم۔

کشتم او را رستم الخ۔ یعنی مین نے اوس ہی کو مارڈالا اور مخلوق کے خون کرنے سے چھوٹ گیا۔ اور مین نے اُس ہی کا گلا کاٹ ڈالا (اسلئے کہ) مخلوق کے گلا کاٹنے سے یہی بہتر ہے۔ آگے مولانا انتقال فرماتے ہین کہ۔

شرح حلبی

نفس تست آن مادر بد خاصیت	که فساد اوست در هر ناحیت

پس بکش او را کہ بہر آن دنی	ہر دمے قصد عزیزے می کنی
از روے این دنیاے خوش بر تست تنگ	از پئے او با حق و با خلق جنگ
نفس کشتی باز رستی ز اعتذار	کس ترا دشمن نماند در دیار

ب تم سمجھو کہ وہ بدخصلت مان تمہارا نفس ہی جسکا فساد ہر گوشہ مین پھیلا ہوا ہی تم کو چاہیئے کہ تم اوسکو مار ڈالو جسکے سبب تم ہر دم ایک شخص کے خون کا ارادہ رکھتے ہو اسی کے سبب یہ دنیا جو بجہت مزرع آخرت یا آلہ معرفت حق سبحانہ ہونیکے بظاہر پسندیدہ اور موجب راحت ہی باوجود اپنی وسعت کے تم پر تنگ ہو گئی ہی۔ اور تمہارا دم ناک مین آرہا ہی۔ اور اسی کے لئے تم نے خدا اور مخلوق سے لڑائی مول لے رکھی ہی۔ پس جب نفس کو مار ڈالو گے تو تم سے کوئی حرکت ایسی صادر نہی نہوگی جسکی وجہ سے تم کو معذرت کرنی پڑے یا تمہارا کوئی دشمن الخ بلد لمعذرت کرنے سے بھی بچ جاؤ گے۔ اور عالم مین کوئی تمہارا دشمن بھی نہ رہیگا

شرح شبیری نفس تست آن الخ۔ یعنی وہ بدخاصیت مان یہ تیرا نفس ہے۔ کہ اسیکا فساد ہر طرف پھیل رہا ہی۔

پس بکش او را الخ۔ یعنی پس اس (نفس) کو مار ڈال کہ اس کمینہ کی وجہ سے تو ہر دم ایک عزیز (ولی اللہ کی ایذا رسانی) کا قصد رکھتا ہی۔ مطلب یہ کہ ایک یہی نفس ہے کہ جسکی بدولت اولیاء اللہ کو تم تکالیف پہونچاتے ہو جسکا ضرر ضرر حقیقی ہی لہذا اسی کمبخت کو نیست اور قتل کرنا چاہیے۔

از روے این دنیائے الخ۔ یعنی اور اس (نفس ہی) کی بدولت یہ عمدہ دنیا تجھپر تنگ ہی اور اوسکی وجہ سے اللہ تعالی سے اور مخلوق سے لڑائی ہے مطلب یہ کہ باوجود اس دنیاوی عیش اور آرام کے بھی تم تنگدل اور پریشان رہتے ہو۔ یہ اس ہی کی حرص کا نتیجہ ہے۔ کہ جسقدر دنیا تمہارے پاس ہے یا اوس سے زیادہ کو چاہتا ہی اسی نے عیش مکدر کر رکھا ہی اور اسیکے دواعی اور خواہشات پر عمل کرنے سے حق تعالی سے اور مخلوق سے سب سے لڑائی ہی۔ لہذا اس ہی کو کھو دو کہ سب کچھ مل جاوے۔

نفس کشتی باز الخ۔ یعنی اگر تم نفس کو مار ڈالو تو عذر کرنے سے چھوٹ جاؤ۔ (اسلئے کہ جب کسی سے لڑائی وغیرہ ہوتی ہے اسوقت عذر کرتے ہو کہ ہم سے غلطی ہو گئی معاف کردو۔ اور اگر نفس نہوگا تو عذر کرنیکی بھی ضرورت نہوگی اسلئے کہ کسی قسم کی لڑائی وغیرہ ہی نہوگی) اور دنیا مین تمہارا کوئی دشمن نہ رہیگا۔ آگے مولانا ایک اشکال کی تقریر کرکے اوسکا جواب دیتے ہین۔ حاصل اعتراض کا یہ ہے کہ جب آپ کہتے ہین کہ نفس کشی کے بعد کوئی دشمن دنیا مین نہ رہیگا تو انبیا علیہم السلام اور اولیاء اللہ کے نفس کا کشتہ ہونا تو معلوم اور ظاہر ہے پھر کفار اون کے دشمن اور حاسد کیون ہوئے پس حاصل جواب کا یہ ہے کہ دشمن ایک تو وہ ہوتا ہے کہ جو ضرر حقیقی اور واقعی پہونچا سکے اور وہ ضرر ضرر عقبی ہے اور جو دشمن انبیاء کے تھے چونکہ وہ اون کو کوئی ضرر آخرت کا نہ پہونچا سکتے تھے اسلئے وہ اون کے دشمن بھی نہ تھے بلکہ وہ تو خود اپنے ہی دشمن تھے۔ کیونکہ اپنا ہی ضرر آخرت کر رہے تھے۔ اور اون کے انوار اور برکات سے محروم تھے اور اگر انبیا علیہم السلام کو کوئی جسمانی تکلیف وغیرہ پہونچا بھی دی تو وہ قابل اعتبار نہین اسلئے کہ وہ باقی رہنے والا اور کوئی معتدبہ ضرر نہین ہے۔ اور یا دشمن وہ ہوتا ہے کہ جو کسی منفعت کے حصول سے مانع ہو اور یہان یہ بھی نہین تھا اسلئے کہ کفار انبیاء علیہم السلام کو کسی نور یا کسی برکت کے حصول سے مانع نہو سکے۔ اب معلوم

ہوگیا کہ چونکہ اونکا نفس کشتہ ہوچکا تھا اسلئے اونکا کوئی دشمن بھی دینا مین موجود نہین تھا اور دشمن حقیقۃً خود نفس اصلی ہی ہے اب اشعار کو سمجھ لو کہ خوب سمجھ مین آویگا۔ فرماتے ہین کہ۔

شرح حبیبی

گر اشکال آرد کسے بر گفت ما / از برائے انبیا و اولیا

کانبیا را نے کہ نفس کشتہ بود / پس چرا شان دشمنان بود و حسود

گوش نہ اے تو طلبگار صواب / بشنو این اشکال و شبہت را جواب

دشمن خود بودہ اند آن منکران / زخم بر خود میزدند ایشان چنان

دشمن آن باشد کہ قصد جان کند / دشمن آن نبود کہ خود جان می کند

نیست خفاشک عدوے آفتاب / او عدوے خویش آمد در حجاب

تابش خورشید او را می کشد / رنج او خورشید ہرگز کے کشد

دشمن آن باشد کزو آید عذاب / مانع آید لعل را از آفتاب

مانع خویش اند جملہ کافران / از شعاع جوہر پیغمبران

کے حجاب چشم آن فرد اند خلق / چشم خود را کور و کژ کردند خلق

چون غلام ہندوے کو کین کشد / از ستیزہ خواجہ خود را می کشد

سرنگون می افتد از بام سرا / تا زیانے کردہ باشد خواجہ را

گر شود بیمار دشمن با طبیب / ور کند کودک عداوت با ادیب

در حقیقت رہزن جان خود اند / راہ عقل و جان خود را خود زدند

گازرے گر خشم گیرد ز آفتاب / ماہیے گر خشم میگیرد ز آب

تو نگر تا کرا دارد زیان / عاقبت کہ بود سیہ اختر ازان

گر ترا حق آفریدہ زشت رو / تو مشو ہم زشت رو و زشت خو

ور برد کفشت مرو در سنگلاخ / ور دو شاخست مشو تو چار شاخ

تو حسودے کز فلان من کمترم / مے فزاید کمتری در اخترم

خود حسد نقصان و عیب دیگرست / بلکہ از جملہ کمیہا بدترست

آن بلیس از ننگ و عار کمتری / خویشتن افگند در صد ابتری

از حسد میخواست تا بالا بود / خود چہ بالا بلکہ خون پالا بود

آن ابوجہل از محمد ننگ داشت / وز حسد خود را ببالا می فراشت

بوالحکم نامش بد و بوجہل شد / اے بسا اہل از حسد نااہل شد

من ندیدم در جہان جستجو / ہیچ اہلیت بہ از خوے نکو

انبیارا واسطہ زان کرد حق | تا پدید آید حسدہا در فلق
در گذر از فضل در جستی و فن | کار خدمت دارد و خلق حسن
زانکہ کس را از خدا عارے نبود | حاسد حق ہیچ دیارے نبود
آن کسے کش مثل خود پنداشتے | زان سبب با او حسد برداشتے
چون مقرر شد بزرگی رسول | پس حسد ناید کسے را از قبول

اگر کوئی شخص ہمارے مذکورہ بالا بیان پر انبیاء و اولیاء کے سبب اشکال وارد کرے ۔ اور کہے کہ کیا انبیا کا نفس کشتہ نہین تھا پھر لوگ اون کے کیون دشمن تھے ۔ تو ہم کہین گے کہ اے طالب حق متوجہ ہو اور اپنے اشکال و شبہ کا جواب سن ۔ یہ لوگ فی الحقیقت انبیاء کے دشمن نہ تھے بلکہ وہ خود اپنے دشمن تھے اور انبیا کی دشمنی کے پردہ مین خود زخم کھا رہے تھے ۔ کیونکہ دشمن وہ ہوتا ہے جو دوسرے کی جان لینا چاہتا ہو ۔ نہ کہ وہ جو خود دم توڑ رہا ہو دیکھو خفاش فی الحقیقت آفتاب کا دشمن نہین بلکہ وہ اس پردہ مین اپنا دشمن ہے ۔ آفتاب کی چمک خود اوسکو مارتی ہے اور آفتاب کو اس سے کچھ صدمہ نہین پہونچتا ۔ دشمن وہ ہے جس سے تکلیف پہونچے ۔ اور لعل کو آفتاب سے مستفیض ہونے سے مانع ہوجائے ۔ اس اصول کو مدنظر رکھنے کے بعد تم کو معلوم ہوجاویگا کہ کفار خود اپنے دشمن ہین کہ وہ اپنی ارواح کو جو بمنزلہ لعل کے ہین جواہر انبیاء کی شعاعون سے مانع ہین ۔ لیکن یہ لوگ اس یکتا (نبی) کے آنکھ کے حجاب نہین کہ اوسکو مشاہدہ حق سے باز رکھین ۔ اور اخذ فیض سے مانع ہون ۔ بلکہ اپنی ہی آنکھونکو اندھی اور بھینگی کر رہے ہین انکی مثال ایسی ہے جیسے کہ وہ ہندوستانی غلام جو اپنے آقا سے عداوت رکھتا تھا ۔ اور اپنے آقا کی مخالفت سے اپنے کو ہلاک کر دیا تھا ۔ وہ کوٹھے سے اوندھے منہ اسلئے گر پڑا تھا تاکہ اسطرح آقا کا مالی نقصان کرے ۔ لیکن سمجھو کیا یہ آقا کی مخالفت تھی ہرگز نہین ۔ بلکہ خود اپنے ساتھ عداوت تھی ۔ یون ہی اگر مریض طبیب کا مخالف ہو یا لڑکا اپنے ادیب کا مخالف ہو تو یہ لوگ خود اپنے دشمن ہین ۔ اور اپنی عقل و جان کی راہ مارتے ہین ۔ علی ہذا اگر دھوبی آفتاب پر غصہ ہو یا مچھلی پانی سے ناراض ہو ۔ تو غور کرو کہ اسمین کسکا نقصان ہے ۔ اور انجام کار اس سے کسکی قسمت پھوٹے گی ۔ خود انہین کی نہ کہ آفتاب اور پانی کی ۔ یہان تک اس اشکال کا جواب ہو گیا آگے عداوت با اہل اللہ کا منشا متعین فرماتے ہین اور اوسکی اصلاح فرماتے ہین اور کہتے ہین کہ اگر تجھکو حق سبحانہ نے زشت یعنی ناقص بنایا ہے تو تو اس نقصان غیر اختیاری کیساتھ ایک اور نقص زشت خوئی کا اضافہ نکر اور خوبرویون یعنی کاملین پر حسد نکر ۔ اور اگر تیرے پاس جوتا ہو تو سنگلاخ مین ننگے پاؤن مت جا ۔ یعنی جبکہ تو اس زحمت سے بچ سکتا ہے تو خواہ مخواہ بلا ضرورت رنج و زحمت مت خرید ۔ اور اگر تو دو شاخ (آلہ عذاب) مین گرفتار ہے اور تکلیف نقص تجھکو لاحق ہے تو چار شاخ (آلہ عذاب) مین گرفتار نہو ۔ یعنی مخالفت اہل کمال سے اوس نقص کو دونا نکر لے ۔ بیوقوف تو اسپر حسد کرتا ہے کہ مین فلان سے کم ہون اور اسکے ہوتے ہوئے میری کمتری اور بے قدری مین اضافہ ہوتا ہے ۔ مگر اتنا نہین سمجھتا کہ اول تو تو کم تھا ہی پھر یہ حسد اور عیب اور نقصان ہے بلکہ تمام برائیون سے بڑی برائی ہے ۔ اسکی تیز نقصان اور بڑھتا ہے ۔ اور تو پہلے سے بھی زیادہ برا ہوتا ہے دیکھ تو سہی اس حسد نے ابلیس کا کیا حشر کیا کہ کمتری کی عار و ننگ سے سوا بتری مین گر گیا ۔ اور پہلے سے لاکھون درجہ کمتر ہو گیا ۔ وہ احمق حسد سے تفوق چاہتا

مگر بہتر نہوا بلکہ خونریز اور خونخوار ہوگیا - اور ابوجہل کو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت سے عار آئی اور اُن سے اپنے کو بڑا سمجھتا رہا - اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ پہلے ابوالحکم کہلاتا تھا اب ابوجہل مشہور ہوگیا - ارے نادان یہ حسد وہ بُری بلا ہے کہ اس سے بہت سے اہل نااہل ہو گئے اور قابل ناقابل بن گئے - خبردار تو اوس کے پاس نہ پھٹکنا تو خوشخوئی کو اختیار کرسکے یہ بہت بڑی دولت ہے مین نے بہت کچھ کنج وکاوی کی مگر مجھے تو خوشخوئی سے بڑھکر کوئی اہلیت نہین معلوم ہوئی - انبیاء کو حق نے واسطہ اسی لئے بنایا ہے اور براہ راست بندون کو احکام اسی لئے نہین سُنائے کہ لوگون کی استعدادات مکنونہ کا ظہور ہو - جو صالح الاستعداد ہین اون کی صلاحیت ظاہر ہو جاوے - اور جو فاسد الاستعداد ہین اونکا فساد ظاہر ہو جاوے - اور جوش مین اگر اون کا حسد کھلجاوے وجہ اسکی یہ ہے کہ انبیاء چونکہ صورۃً دوسرے لوگون کے مماثل ہین اور آدمی جنکو اپنا مماثل سمجھتا ہے اوسی کے تفوق حسد کرتا ہی او سکی اطاعت کو ننگ وعار کی بات سمجھتا ہی پس لازم کہ انبیاء پر فاسد المزاج لوگ اپنی مثل سمجھکر حسد کرین اور چونکہ خدا کو کوئی اپنا مماثل نہین سمجھتا اسلئے اوسکی اطاعت سے کسیکو استنکاف بھی نہین - اور اوسکا کوئی حاسد بھی نہین یہی وجہ ہی کہ جن لوگون پر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بزرگی ثابت ہوگئی اونکو اطاعت مین کوئی عذر نہین اور نہ اون کو اس سے عار ہی - کہ انکی اطاعت ہم کیون کرین - پس جو لوگ فاسد المزاج فاسد الاستعداد تھے اونھون نے حسد کیا اور خسران ابدی مین مبتلا ہو گئے - اور جو لوگ معتدل المزاج صالح الاستعداد تھے اونھون نے اطاعت کی - اور مفلح و کامیاب ہو گئے - اس سے معلوم ہوگیا کہ حسد منبع شرور ہے - اور خلق حسن و اطاعت اہل کمال منبع خیرات پس تو لیاقت وقابلیت سب سے اعلیٰ مرتبہ حاصل کرنے کے خیال کو چھوڑ کر یہی منشا رہے اور خدمت وخلق حسن اختیار کر کہ یہی کارآمد ہے (تنبیہ) ان ابیات مین ترتیب بدلی ہوئی ہی لہذا ہم ہماری شرح سے مقدم ومؤخر کو متعین کرلو) -

شرح شبیری

گر اشکال آرد الخ - یعنی اگر کوئی شخص ہمارے قول پر اشکال کرے - انبیاء علیہم السلام اور اولیاء اللہ کے واسطے -

کا انبیا را نے کہ الخ - یعنی کہ کیا انبیاء علیہم السلام کا (اور اسیطرح اولیاء اللہ کا) نفس مرا ہوا نہین ہوا تھا - (استفہام تقریری یعنی ضرور کشتہ تھا) پھر اون کے دشمن اور حاسد کسلئے تھے - حالانکہ تم کہتے ہو کہ جسکا نفس کشتہ ہو جاوے اوسکا جہان مین کوئی دشمن یا حاسد نہین رہتا - یہان تک تو شبہ کی تقریر تھی - آگے جواب فرماتے ہین کہ -

گوش نہ اے الخ - یعنی کہ اے درست بات کے طالب ذرا کان رکھ اور اس اشکال اور شبہ کا جواب بشنو - کہ -

دشمن خود بودہ الخ - یعنی وہ منکر (کافر) تو اپنے ہی دشمن تھے - اور اپنے ہی اوپر وہ اس طرح زخم مارتے تھے اسلئے -

دشمن آن باشد الخ - یعنی دشمن تو وہ ہوتا ہی کہ جان (رگ لینے) کا قصد کرے اور وہ دشمن نہین ہوتا جو کہ خود ہی جان کنی کرتا ہے - یہان مصرعہ اول مین جان سے مراد علوم ومعارف مین اب مطلب یہ ہوگیا - کہ دشمن تو حقیقۃً وہ

ہوتا ہی۔ جوکہ کوئی ضرر آخرت اور حقیقی ضرر پہونچا سکے اور تقرب حق اور علوم و معارف مین سے کچھ لے لے اور ان چیزونکو برباد کردے اور جو شخص کہ خود ہی جلے اور مرے وہ کیا دشمن ہوگا اسلئے کہ اس محسود کا کیا ضرر کیا اگر کچھ کھویا تو اپنا ہی کھویا۔ آگے کفار کی دشمنی کی ایک مثال فرماتے ہین کہ۔

نیست خفاشک الخ۔ یعنی (دیکھو) چمگادڑ آفتاب کی دشمن نہین ہی۔ (اور اوس کو کوئی ضرر نہین پہونچا سکتی بلکہ خود ہی اپنا نقصان کر رہی ہی) اور اپنی ہی دشمن ہی۔ کہ پردہ مین آگئی ہے۔ (اور انوار شمس سے محروم ہی۔

تابش خورشید الخ۔ یعنی آفتاب کی چمک اوسکو (حسد کی وجہ سے) مارے ڈالتی ہی۔ لیکن اوسکا رنج خورشید کو تو ہرگز ذرا بھی نہین کھینچتا۔ یعنی اوس چمگادڑ کے پوشیدہ ہو نیسے خورشید کو مطلق بھی رنج نہین ہی۔ ہان اوسکا خود ہی نقصان ہی۔ اسی طرح یہ کفار بھی خود انوار و تجلیات و برکات نبوت سے محروم ہین۔ مگر انبیاءؑ کو کیا ضرر پہونچاتے ہین۔ یہان تک تو دشمن کے اول قسم کا بیان تھا۔ جو کہ کوئی ضرر حقیقی پہونچا سکے آگے اوسکو بتاتے ہین کہ جو کسی جلب نفع سے مانع ہو فرماتے ہین کہ۔

دشمن آن باشد الخ۔ یعنی دشمن تو وہ ہوتا ہی کہ اوس سے عذاب (ضرر حقیقی) پہونچے۔ (اور وہ ضرر یہ کہ) لعل (انبیاءؑ و اولیاءؒ) کو آفتاب (حق سبحانہ تعالیٰ) سے (فیض حاصل ہونیسے) مانع ہو اور انبیاءؑ و اولیاءؒ مین یہ بات نہین ہی بلکہ خواہ کفار اور معاندین اور منکرین اور حاسدین کا بغض اور کینہ کتنا ہی بڑھ جاوے مگر اون کے ترقی مراتب مین ذرہ برابر بھی کمی نہین ہوتی لہذا معلوم ہوگیا کہ کفار اور معاندین انبیاءؑ و اولیاءؒ کے دشمن ہی نہین ہین بلکہ اپنے ہی دشمن ہین۔

مانع خورشید جملہ الخ۔ یعنی سارے کا فر اپنے کو انبیاءؑ کی ذات کی شعاع سے (اور اون کے انوار سے) روک رہے ہین تو اپنا ہی نقصان کر رہے ہین۔

کے حجاب چشم الخ۔ یعنی اوس یکتا (یعنی حضور مقبول صلی اللہ علیہ وسلم) کی آنکھ حجاب یہ مخلوق کب ہو سکتی ہی۔ (اور اون کو فیوض کے حاصل ہونے سے کب روک سکتے ہین بلکہ) مخلوق نے اپنی آنکھ کو اندھا اور کج کر رکھا ہی کہ اوس کوری اور کجی کیوجہ سے اونپر حق ظاہر نہین ہوتا۔ آگے مولانا ان حاسدین کے حسد کی ایک اور مثال دیتے ہین کہ۔

چون غلام ہندوی الخ۔ یعنی مثل ہندی غلام کے کہ وہ کینہ کرتا ہی۔ اور آقا کی لڑائی کیوجہ سے اپنے کو مار ڈالتا ہی چونکہ ہندوستان سے محمود غزنوی وغیرہ کے زمانہ مین بہت سے غلام اور باندی قید ہوکر گئے اسلئے مطلق غلام کو فارس مین ہندی کہنے لگے۔ مطلب یہ کہ ان معاندین کی اہل حق سے عداوت کی ایسی مثال ہی کہ جیسے کوئی ہندی غلام اپنے آقا سے لڑے اور اوسکا نقصان کرنیکو خود مر جاوے۔ کہ جب مین مر جاؤنگا تو جو میری قیمت ہی اسقدر اسکا نقصان کرتا ہی۔ تو اس آقا کا تو صرف مال ہی کا نقصان کیا مگر اپنا تو جانکا نقصان کیا اسی طرح یہ کفار ہین کہ انبیا کو بظاہر تھوڑی سی کلفت جسمانی پہونچا کر اپنی آخرت کو خراب کرتے ہین ان پر یہ مثل صادق ہے کہ پرائے شگون کو اپنی ناک کٹائی۔ آگے فرماتے ہین کہ۔

سرنگون می الخ۔ یعنی وہ غلام گھر کے کوٹھے سے اوندھا گر جاتا ہی تاکہ آقا کا کچھ نقصان کرے۔ مگر آقا کا تو کوئی ایسا ضرر کہ جسکا تدارک نہو سکے نہوا مگر اوسکا ایسا ضرر ہوا ہی کہ اوسکا تدارک ہو ہی نہین سکتا۔ کہ جان ہی گئی جو کہ اصل ہے

آگے مولانا انکی عداوت کی ایک مثال دیتے ہین۔ سچ یہ ہے کہ مولانا ہی ان علوم کو خوب سمجھتے ہین اور انکا فہم حق تعالیٰ نے مولانا علیہ الرحمۃ ہی کو عنایت فرمایا ہے۔ کہ بس ایک بات کو سمجھکر اوس کو مختلف عنوانون سے اور مثالون سے سمجھاتے ہین۔ فرماتے ہین کہ۔

گر شود بیمار الخ۔ یعنی اگر بیمار طبیب کا دشمن ہوجاوے اور اگر لڑکا اوستاد اور معلم سے عداوت کرے تو درحقیقت یہ لوگ اپنی جان کے خود ہی رہزن ہین اور اپنی عقل اور جان کی خود ہی رہزنی کررہے ہین اور اوس طبیب یا اوستاد کا کچھ بھی ہرج نہین۔ یہ خود ہی طبیب اور اوستاد کے فیض سے محروم رہین گے۔ یا یون سمجھو کہ۔

گازرے گر خشم الخ۔ یعنی اگر دھوبی آفتاب سے خفا ہوجاوے۔ (اور کہنے لگے کہ ہم آفتاب مین کپڑے نہین سکھلاتے) یا کوئی مچھلی پانی سے خفا ہوجاوے (اور کہے کہ مین پانی مین نہین رہتی اور اوس سے نکل آوے) تو تم خوب اچھی طرح دیکھو کہ نقصان کسکو ہوگا۔ اور آخرکار سیاہ اختر (اور بدنصیب) کون ہوگا۔ ظاہر ہے کہ یہ دھوبی اور یہ مچھلی ہی ہونگے ان کے خفا ہوجانے سے آفتاب اور پانی پر کیا اثر پڑا وہ تو اوسی طرح درخشان اور وہ اوسی طرح صاف پاک رہا۔ یہی خود مرین گے۔ اسی طرح انبیاء علیہم السلام اور اولیاء اللہ کے حاسدین خود ہی حسرت وافسوس کرین گے مگر اون کو کوئی کسی قسم کا ضرر نہین پہونچا سکتے۔ لہذا ثابت ہوگیا کہ چونکہ اولیاء اللہ اور انبیاء علیہم السلام کا نفس کشتہ تھا اسلئے کوئی حقیقی ضرر رسان اون کے لئے نہ تھا آگے مولانا اس مضمون سے انتقال فرماکر اسکو بیان فرماتے ہین کہ جسقدر عیوب اور بری باتین تمھارے اندر اب موجود ہین خیر ان ہی تک رکھو ان اخلاق رذیلہ کو ترقی تو ندو جس حد پر یہ ہین اوسی حد تک رکھوگے تو ایکدن انکا بھی قلع قمع بالکلیہ ہوجاوے گا پس فرماتے ہین کہ۔

گر ترا حق آفریده الخ۔ یعنی اگر حق تعالیٰ نے تم کو بری صورت پیدا کیا ہے (چونکہ دنیا مین خوبصورت کم اور بدصورت زیادہ ہین اسلئے یہان زشت رو کہدیا ہے) تو تم بدصورت اور بدسیرت دونون مت ہوجاؤ۔ مطلب یہ کہ تم اس کی کمی اور ترقی مت دو چاہیے تو یہ تھا کہ جسقدر کمی اور نقص ہے اوسکو بھی زائل کرتے یہ تو نہ کیا بلکہ اور اوس مین ترقی کرنا شروع کردی۔ ایسا ہرگز مت کرو۔ آگے ایک مثال دیگر واضح فرماتے ہین کہ۔

ور بود کفشت مرد الخ۔ یعنی اور اگر تمھارے (پاس سواری پاؤن کی حفاظت کی نہو بلکہ صرف) جوتیان ہون تو تم سخت زمین مین مت چلو کہ اس جوتے سے بھی ہاتھ دھو بیٹھوگے اور جو کچھ حفاظت پیر کی اب یہ کررہا ہے پھر اتنی بھی نہ رہے گی) اور اگر اسوقت تمھارے (عذاب دینے کے) لیئے دو شاخ مقرر ہوئی ہین تو تم چار شاخ مین مت ہو۔ دو شاخ اور چار شاخ سے آلۂ تعذیب مراد ہین دو شاخ سے تکلیف کم ہوتی ہے۔ اور چار شاخ سے زیادہ مطلب یہ کہ اگر تمھارے پاس اخلاق حمیدہ اور بصیرت نہو تو تم ان ذمیمہ ہی کو اپنی حد پر رکھو اور ان کو ترقی مت دو ورنہ پھر بالکل ہی برباد اور غارت ہوجاؤگے۔

تو حسودی کز الخ۔ یعنی کہ تم تو حسد کرتے ہو کہ مین فلان سے کم ہون۔ (اور وہ مجھ سے بڑا کیون ہے اور یہ سمجھتے ہو کہ اوسکے مراتب کا بڑھنا تمھاری کمی کا بڑھنا ہے لیکن یہ نہین سمجھتے کہ) خود حسد ہی ایک علیحدہ کمی ہے۔ بلکہ تمام کمیون سے یہ بدتر ہے اسلئے کہ رذائل مین سے سب سے زیادہ ردی یہی ہے آگے حسد کے نقصان وہ ہونیکو مثال لیکن دیگر بیان فرماتے ہین کہ۔

آن بلیس الخ - یعنی کہ ابلیس نے اس لکتری ہی کی شرم اور عار کیوجہ سے اپنے آپ کو سیکڑون ابتریون مین ڈال لیا - کہ یون کہنے لگا کہ (انا خیر منہ خلقتنی من نار و خلقتہ من طین) اور وہ شیطان حسد کیوجہ سے چاہتا تھا کہ بلند اور بالا (مرتبہ والا) ہو جاوے - مگر بالا تو کیا ہوتا خون آلودہ ہو گیا - یعنی ناپاک اور مردود ہو گیا - اور بالا و بلند خاک بھی نہوا - آگے ایک اور مثال اسکی دیتے ہین کہ -

آن ابوجہل الخ - یعنی کہ ابوجہل محمد صلی اللہ علیہ وسلم (کے اتباع) سے شرم رکھتا تھا - اور حسد کیوجہ سے اپنے کو بلندی کیطرف اُبھارتا تھا لیکن اوسکا یہ نتیجہ ہوا کہ ابوالحکم (بڑا فیصلہ کرنیوالا) اوسکا نام تھا اور (حسد کے بعد) ابوجہل (بڑا اکثر جاہل) نام ہو گیا - اور بہت (سے ایسے) ہین (کہ) جو اہل تھے مگر حسد کیوجہ سے نااہل ہو گئے - اور اچھی طرح غارت اور برباد ہوئے - جیسا کہ شیطان اور ابوجہل حسد ہی کی بدولت مردود اور مطرود ہین آگے فرماتے ہین کہ -

من ندیدم الخ - یعنی مین نے تو جہان طلب مین سوائے اچھی خصلت کے کوئی اہلیت نہین دیکھی اور اس سے بہتر کوئی شئے نہین اور یہ حاصل ہوتی ہے نفس کشتن سے اور اخلاق ذمیمہ کے ازالہ سے پس ان سبکو چھوڑو اور اخلاق حمیدہ کو حاصل کرو - آگے مولانا ایک بالکل نیا مضمون مگر بہت ہی لطیف بیان فرماتے ہین - جسکا خلاصہ یہ ہے کہ ایک اشکال یہ ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ جبکہ بندون کو بلا کسی واسطہ کے فیض پہونچا سکتے تھے تو پھر انبیاء علیہم السلام کو درمیان مین واسطہ لانیکی کیا ضرورت تھی مولانا اسکا جواب فرماتے ہین کہ جسکا یہ خلاصہ ہے کہ حق تعالیٰ کو مقصود حسد کا امتحان لینا تھا کہ کون ایسا ہے جو کہ حسد جیسے ارذال اخلاق مین مبتلا ہے اور کون مبتلا نہین ہے - پس اگر حق تعالیٰ خود ہی بلا واسطہ فیض پہونچاتے تو اون سے کیسکو حسد نہوتا - اسلئے کہ حسد تو اپنے ہمجنس سے ہی ہوتا ہے - کہ یہ اسقدر بڑھ گیا اور ہم رہ گئے - اور دنیا مین جو بھی خدا کے قائل ہین وہ کسی حالت مین اپنے کو اللہ تعالیٰ سے بڑھا نہین سکتے - اور اسکے ہرگز قائل نہین ہو سکتے - کہ ہم خدا کے برابر ہین - نعوذ باللہ منہ - لہٰذا جو مقصود تھا یعنی اظہار حسد وہ حاصل نہوتا - اسلئے انبیاء علیہم السلام کو درمیان مین واسطہ ڈالا مگر چونکہ اون کے بعد پھر کسیکو حسد نہ رہتا اسلئے کہ عادۃً حسد ہمعصر سے ہی ہوتا ہے اور بعد والون کو حسد نہین ہوتا خواہ کسی اور وجہ سے ایمان نہ لاوین مگر حسد ہرگز نہین ہوتا - پس آزمائش ایک زمانہ کے لئے مخصوص ہوتی اور بعد کے لوگون کی آزمائش نہوتی اسلئے حق تعالیٰ نے نبوت کے بعد ولایت کا درجہ رکھا کہ نبیون کے بعد ولی ہون گے اور لوگ دنیا مین اون سے حسد اور عناد کرین گے - اس طور پر ہمیشہ ہمیشہ یہ آزمائش باقی رہے گی - اس لئے کہ ہر زمانہ مین اولیاء اللہ اوس زمانہ کے موجود ہوتے ہین اب اشعار کو سمجھو کہ انشاء اللہ خوب اچھی طرح حل ہو جاوین گے -

انبیاء را واسطہ الخ - یعنی انبیا کو حق تعالیٰ نے اسلئے واسطہ ڈالا تھا تاکہ حسد خوب اچھی طرح ظاہر اور واضح ہو جاوین - اور کوئی یہ نہ سمجھے کہ رسالت کی حکمت صرف یہی ہے کہ حسد کو ظاہر کیا جاوے - بلکہ مقصود یہ ہے کہ منجملہ اور حکمتون کے ایک یہ بھی حکمت ہے خوب سمجھ لو -

درگذر از فضل الخ - یعنی چستی اور فنون مین بڑائی کو چھوڑ دو - اور خدمت کرنا اور اچھے اخلاق ہی کام کی چیز ہین

اس لئے کہ اگر ان چیزوں میں بڑھنا چاہو گے تو پھر وہی حسد پیدا ہوگا۔ پس اس سے کچھ یہ جملہ معترضہ کے طور پر اوسکی برائی پھر بیان فرماکر مضمون واسطہ کو بیان فرماتے ہیں کہ۔

تا انکہ کس را الخ۔ یعنی (انبیاء علیہم السلام کو حق تعالیٰ) اسلئے (واسطہ ڈالا) کہ حق تعالیٰ (کے اتباع) سے توکسیکو عار نہ تھی۔ اور حق تعالیٰ کا حاسد کوئی شخص نہوتا۔ لہذا وہ حسد کا ظہور نہوتا۔

آن کسے کش مثل الخ۔ یعنی جس شخص کو کہ اوسکو تونے اپنے مثل جانا کہ جیسے ہم انسان ہیں ویسے ہی یہ بھی ہے اور خود ہمارے میں سے پیدا ہوا ہے۔ تو پھر اسکو یہ درجہ کیوں ملا) اس سبب سے اسکی ساتھ تونے حسد اُٹھایا لہذا انبیاء سے حسد کیا جیسا کہ ظاہر ہی ہے۔ اور وہ مقصود پورا ہوگیا۔ مگر چونکہ نبوت تو حضور مقبول صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہوگئی تھی۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد میں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بزرگی مسلم ہو چکی ہے۔ اب کیسکو حسد نہ رہتا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس آزمایش کے جاری رکھنے کو اولیاء کو پیدا فرمایا۔ اسی کو آگے مولانا فرماتے ہیں کہ۔

چون مقرر شد الخ۔ یعنی جبکہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی بزرگی مسلم ہو چکی ہے پس اب کیسکو قبول رحکم) سے حسد (مانع) نہوتا خواہ اور کوئی امر اسکے علاوہ مانع ہوجاتا مگر حسد نہوتا اسلئے کہ حسد تو معاصرین ہی کو ہوتا ہے۔

شرح حبیبی

پس بہر دورے ولئے قائم است	تا قیامت آزمایش دائم است
ہر کرا خوئے نکو باشد برست	ہر کسے کو شیشہ دل باشد شکست
پس امام حیّ آن قائم ولی است	خواہ از نسل عمرؓ خواہ از علیؓ است
مہدی و ہادی ویست اے راہ جو	ہم نہان و ہم نشستہ پیش رو
او چو نورست و خرد جبریل او	آن ولے کم از و قندیل او
وانکہ زین قندیل کم مشکوٰۃ ماست	نور را در مرتبت ترتیبہاست
زانکہ ہفصد پردہ دارد نور حق	پردہائے نور دان چندین طبق
از پس ہر پردہ قومی را مقام	صف صف اند این پردہاشان تا امام
اہل صف آخرین از ضعف خویش	چشم شان طاقت ندارد نور بیش
وان صف پیش از ضعیفی بصر	تاب نارد روشنائے بیشتر
روشنی کو حیات اول است	رنج جان و فتنہ این احول است
احولیہا اندک اندک کم شود	چون ز ہفصد بگزرد او یم شود
آتشے کاصلاح آہن یا زرست	کے صلاح آبی و سیب ترست
سیب و آبی خامئے دارد خفیف	نے چو آہن تابشے خواہد لطیف

لیکن آہن را لطیف آن شعلہاست — کو جذوب تابش آن اژدہاست
ہست آن آہن فقیر سخت کش — زیر پتک و آتش است و سرخ وخوش
حاجب آتش بود بے واسطہ — در دل آتش رود بے رابطہ
بے حجاب آب و فرزندان آب — پختگی ز آتش نیابند و خطاب
واسطہ دیگے بود یا تابۂ — ہمچو پا را در روش پاتابۂ
یا مکانے در میان تا آن ہوا — می شود سوزان و مے آرد بما
پس فقیر آنست کو بیواسطہ است — شعلہا را با وجودش رابطہ است
پس فقیر آنست کو عود را دہد — آب حیوانے کہ ماند تا ابد
پس دل عالم ولیست زیرا کہ تن — می رسد از واسطہ این دل بفن
دل نباشد تن چہ داند گفتگو — دل نجوید تن چہ داند جستجو
پس نظرگاہ شعاع آن آہن است — پس نظرگاہ خدا دل نے تن است
باز این دلہاے جزوی چون تن است — با دلے صاحبدلے کو معدن است
بس مثال و شرح خواہد این کلام — لیک ترسم تا نلغزد فہم عام
تا نگردد نیکوے ما بدے — اینکہ گفتم ہم نبد جز بیخودی
پاے کژ را کفش کژ بہتر بود — مر گدا را دستگہ بر در بود

مضمون بالا سے تم کو یہ شبہہ نہونا چاہیے۔ کہ انبیاء کا دور ختم ہوگیا۔ لہذا آزمایش بھی ختم ہوگئی۔ اور اب حسد مضر نہین کیونکہ ہر زمانہ مین ایک ولی ہوتا ہی۔ جو قطب ارشاد کہلاتا ہی اب وہ حقیقی جانشین ہوتا ہی۔ نبی امت کا اور اسکی اطاعت بھی یون ہی موجب خیرات و برکات اور اسپر حسد اور اسکا انکار بھی یون ہی موجب حرمان و خذلان ہوتا ہی جسطرح نبی کی اطاعت اور اسکا انکار۔ لہذا یہ آزمایش قیامت تک جاری رہیگی پس جو شخص خوش صالح الاستعداد ہوگا رہائی پائیگا۔ اور جو ضعیف القلب فاسد المزاج ہوگا نقصان اٹھائیگا۔ اپنے زمانہ کا امام حی و قائم وہی ولی ہوتا ہی۔ خواہ حضرت عمرؓ کی نسل سے ہو یا حضرت علیؓ کی اور اپنے زمانہ کا وہی ہادی ہوتا ہی اور وہ مجوبین سے محجوب ہوتا ہے اور عارفین کے لیئے ظاہر۔ نہ یہ کہ مہدویت شخص واحد مین منحصر ہے اور وہ غار سرمن رائے مین چھپا ہوا ہی۔ اور حسن عسکری کا بیٹا ہی۔ جیسا کہ شیعون کا خیال ہی) اوسکے ماتحت اور بہت سے اولیاء اللہ ہین اور اون کی اطاعت اونکا انکار نہ کرنا بھی ضروری ہی۔ اس قطب ارشاد اور دیگر اہل اللہ کی ایسی مثال ہی جیسے کہ شعلہ چراغ اور قندیل و مشکوۃ وغیرہ سو قطب ارشاد تو بمنزلہ شعلہ چراغ ہی اور اوس سے جو بلا واسطہ مستفید ہین وہ بمنزلہ قندیل کے اور جو ان سے مستفید ہین وہ بمنزلہ طاق کے جسمین وہ قندیل رکھا ہوا ہی۔ غرض اسی طرح نور کے مراتب مختلف ہوتے چلے گئے ہین اور اس اختلاف کی وجہ یہ ہی کہ نور حق سبحانہ کے لیئے سات سو بلکہ کثرت پردہ ہین نور وہ سب حجب نورانی ہین۔ اور ہر پردہ کے پیچھے ایک گروہ کی جگہ ہی پس جو لوگ تمام حجب کو طے کر گئے ہین وہ تو نور علی نور ہین اور جو پردہ اول کے قریب ہین اونپر تیز روشنی پڑتی ہی۔ اور جو ان سے پیچھے ہین اون پر اسے

کم اور جو اون سے پیچھے ہین ادن پر اسے کم علی ہذا القیاس ۔ اور اس تفاوت مقامات کی اصل وجہ تفاوت استعدادات ہے جو سب سے پیچھے ہین چونکہ اونکی استعداد بہت کم ہوا سلئے وہ ہنوز اس سے زائد نور کی تاب نہین لا سکتے ۔ اور جو ان سے آگے ہین وہ اسی قدر نور کی برداشت کر سکتے ہین اور اس سے زیادہ کا تحمل نہین کر سکتے ۔ اور جو روشنی اگلی صف والونکے لئے مایۂ حیات ہو وہ پچھلی صف والے ضعیف البصر لوگون کے لئے وبال جان ۔ اور مضر ہو ۔ پس رفتہ رفتہ یہ استعداد بڑھتی جاتی ہو اور ضعف بصر گھٹتا جاتا ہو ۔ اور نظر قوی ہوتی جاتی ہو ۔ اور جبکہ سب حجب طے ہو جاتے ہین تو حق سبحانہ سے اتصال معنوی حاصل ہو جاتا ہو ۔ اور آدمی عارف کامل و اکمل ہو جاتا ہو ۔ ہمارے اس بیان کو جو روشنی اگلی صف والون کے لیے مایۂ حیات ہے وہی روشنی پچھلی صف والون کے لئے وبال جان ہو کچھ مستبعد نہونا چاہیے ۔ کیونکہ اسکی نظیر محسوسات مین بھی موجود ہے ۔ دیکھو جسقدر آگ سے لوہے یا سونے کی اصلاح ہوتی ہو اسقدر آگ سے بہی اور سیب تر کی اصلاح نہین ہو سکتی بلکہ وہ انکے لئے مفسد اور جلا کر خاک کر دینے والی ہو وجہ کیا ہو وہی تفاوت استعداد چونکہ بہی وسیب مین ہنوز خامی موجود ہے اسلئے نرم آنچ کی ضرورت ہو لیکن لوہے کے لیے شعلہائے عالیشان ہی بمنزلہ نرم آنچ کے ہین کیونکہ وہ اپنی پختگی کے سبب اس خطرناک اثر وہے یعنی آگ کے شعلونکا جاذب اور متحمل ہے ۔ اسی طرح سمجھ لو کہ فقیر کامل جو مجاہدات وریاضات کی مشقتین جھیل چکا اور پختگی حاصل کر چکا ہو سو وہ لوہے کی کیطرح گہن اور آگ کے نیچے سرخ اور خوش ہو ۔ اور آتش جلال حق سبحانہ کا بلا واسطہ تحمل کرتا ہو ۔ اور بدون واسطہ کے آگ مین داخل ہو جاتا ہو ۔ لیکن جو لوگ پانی یا پانی سے پیدا شدہ چیزون کی طرح خام اور ضعیف الاستعداد ہین وہ بدون واسطہ کے پختہ نہین ہو سکتے ۔ اور اس قابل نہین کہ آگ بلا واسطہ ان سے مخاطب ہو اور ان کی طرف توجہ کرے ۔ لہذا ضرورت ہے کہ کوئی پختہ ہانڈی اور توے کی مانند واسطہ ہو ۔ تاکہ وہ آگ سے منتفع ہو سکین یا یون کہو کہ ان کی مثال ایسی ہے جیسے پاؤن اور کامل کی مثال ایسی ہے کہ جیسے پاتابہ وغیرہ یا جن اگر بدون پاتابہ کے سنگلاخ وغیرہ مقامات پر چلے تو اسے نقصان پہونچے گا ۔ اور اگر پاتابہ کی مدد سے چلے تو محفوظ رہیگا ۔ وجہ وہی پاتابہ کی پختگی اور پاؤن کی خامی ہے ۔ یا اون کو بمنزلہ میوہ کے سمجھ ۔ اور کامل کو بمنزلہ مکان پر ہوا کے ۔ میوہ اسی وقت بڑھتا اور پکتا ہو جبکہ ہوا آفتاب سے گرمی حاصل کر کے اس تک پہونچا دے ۔ اور بدون ہوا کے واسطہ کے میوہ آفتاب سے متمتع نہین ہو سکتا ۔ مضمون سابق کے مناسب اب ہم ایک اور بات بتلانا چاہتے ہین غور سے سنو ۔ وہ یہ کہ جنس ولی ہی وہ ہو جسکے اور فیوض حق سبحانہ کے درمیان کوئی واسطہ نہین اور ان فیوض کو اس سے براہ راست تعلق ہو اور وہ جنس ولی ہی ہو ۔ جو بلا واسطہ آب حیات پیتا ہو جس سے وہ دائم البقا ہو جاتا ہو پس وہ بمنزلہ قلب عالم کے ہو اور باقی عالم بمنزلہ جسم کے جسطرح جسم کو کمالات دل سے حاصل ہوتے ہین یون ہی عالم کو کمالات اسکے واسطہ سے حاصل ہوتے ہین گو جنس ولی کو اسکا تفصیلی علم نہو ۔ کہ اوسکے واسطہ سے کسی کو کیا مل رہا ہو اگر وہ نہو تو عالم کو کچھ بھی حاصل نہین ہو سکتا کیونکہ اگر دل نہو تو جسم بولنا کیا جانے ۔ اور طلب سے کیونکر واقف ہو ۔ یہ سب کچھ دل ہی کی برکت ہے ۔ پس جسطرح شعاع آتش کا مطمح نظر لوہا ہوتا ہو ۔ یون ہی حق سبحانہ کا منظور نظر وہ دل ہے نہ کہ جسم

(یعنی باقی عالم) یہ تو دل اور مجوبین وغیرہ کا درمیانی فرق تھا اب اہل اللہ کا آپس کا فرق سمجھو اہل اللہ تابعین کو قطب ارشاد کے ساتھ وہی تعلق ہے جو تن کو دل سے۔ یہ لوگ قطب ارشاد کے مقابلہ مین بمنزلہ تن کے ہین اور قطب ارشاد اصل اور دل۔ اس مضمون کی توضیح کے لیئے بہت سی مثالون اور بہت تفصیل کی ضرورت ہے مگر مجھے اندیشہ ہے کہ ایسا نہو عوام کو غلط فہمی ہو جاوے۔ اور بھلائی کے بدلے برائی حاصل ہو۔ اسقدر بھی کہنا مناسب نہ تھا مگر سکر مین کہہ ڈالا بات یہ ہے کہ ہر چیز اپنا مناسب چاہتی ہے چنانچہ ٹیڑھے پاؤن کے لیے ٹیڑھے ہی جوتے کی ضرورت ہے۔ اور فقیر کی رسائی دروازہ ہی تک ہوتی ہے اور یون ہی ان کج فہم اور دولت باطنی سے بے بہرہ لوگون کے لئے موٹی ہی باتین مناسب ہین جو اُن کی سمجھ مین آسکین۔ دقائق اونکے لئے ہرگز مناسب نہین۔ اس بیان مین حسد کی مذمت اور کج فہمی کی بُرائی بیان کی تھی۔ اس مناسبت سے آگے دو غلامونکا قصہ بیان فرماتے ہین۔

شرح شبیری پس بہر دورے الخ۔ یعنی پس ہر زمانہ مین ایک ولی قائم موجود ہوتا ہے۔ اور قیامت تک آزمائش (حسد) باقی رہے گی۔

ہر کرا خوئے نکو الخ۔ یعنی کہ جو اچھی خصلت والا ہوگا وہ تو (عذاب سے) چھوٹ جاویگا (اور آزمائش مین کامیاب ہوگا) اور جو شخص شیشہ دل (اور تنک مزاج) ہوگا وہ ٹوٹ جاویگا۔ (یعنی اوسکی خوب گت بنے گی) آگے فرماتے ہین کہ۔

پس امام حی قائم الخ۔ یعنی پس زندہ امام قائم وہ ولی ہی ہے خواہ عمر رضی اللہ عنہ کی نسل سے (یعنی فاروقی) ہو اور خواہ علی رضی اللہ عنہ کی نسل سے ہو (یعنی علوی) غرضکہ ہر زمانہ مین ایک شخص ایسا رہیگا کہ جو اوس زمانہ مین امام قائم اور سبکا سردار ہوگا۔ اور سبکو اوسکے ذریعہ سے فیض پہونچے گا۔ جسکو کہ اصطلاح مین قطب کہتے ہین۔ اس شعر مین ایک لطیف اشارہ شیعوں کے رد کی طرف بھی ہے۔ کہ وہ کہتے ہین کہ امام صرف حضرت مہدی علیہ السلام ہین جو کہ پوشیدہ ہین اور علوی ہین اور اون کے ظہور کا ایک وقت معین ہے۔ یہان مولانا فرماتے ہین کہ وہی خاص امام نہین ہین بلکہ ہر زمانہ مین اوس زمانہ کا ولی ہوتا ہے اور وہ ظاہر بھی ہوتا ہے۔ اوسکے لئے جسکو بصیرت ہو اور جسکو بصیرت نہو اوسکے لئے پوشیدہ ہی ہے۔ آگے مہدی کہنا بھی اس اشارہ کی تائید کرتا ہے فرماتے ہین کہ۔

مہدی و ہادی الخ۔ یعنی ہدایت دینے والا اور خود ہدایت پائے والا یہی ہے اے طالب حق اور وہ پوشیدہ بھی ہے اور منہ کے سامنے بھی بیٹھا ہے۔ مطلب یہ کہ جسکو حق تعالیٰ نے حقیقت شناس آنکھ دی ہو وہ تو اوسکے کمالات کو دیکھے گا اور اوسکا اتباع کریگا اور جو اندھا ہے اور اوسکو بصیرت حاصل نہو اوس سے اوسکے کمالات پوشیدہ ہونگے۔ اور وہ نفع سے بھی محروم رہیگا۔ اب آگے اسی کے متعلق ایک اور مضمون بیان فرماتے ہین جسکا حاصل یہ ہے کہ اون اولیاء مین بھی مراتب مختلف ہین ایک تو سب سے بڑا ہوگا اور دوسرے اوس سے کم ہونگے۔ اور پھر اون مین بھی علیٰ فرق مراتب کمی زیادتی ہوگی۔ اسلئے ہر طالب کو یہ نہ چاہیئے کہ وہ اوس بڑے اور قطب ہی سے فیض حاصل کرنا چاہیے بلکہ اوسکو چاہیے کہ جو اسکے قابل ہو اور جس سے اوسکو نفع ہو اوس سے فیض حاصل کرے۔ ورنہ اگر اوس قطب کے پاس گیا تو اپنی

کم فہمی اور کم استعدادی کیوجہ سے اوسکے کمالات کو نہ سمجھیگا۔ اور پھر یا تو اوس سے بد اعتقاد ہو کر اپنا ایمان
کھو دیگا یا ویسے ہی کافر اور زندیق بتاویگا۔ اور بے سمجھے بوجھے اوسکی تقلید اوتاریگا تو پھر ایمان کہاں سلامت
رہ سکتا ہی۔ اسی لئے حضرت حاجی صاحب قدس اللہ سرہ کے آخر زمانہ مین حضرت مولانا رشید احمد صاحب
محدث رحمۃ اللہ علیہ یہ فرمایا کرتے تھے کہ بہت سے لوگ مکہ جاتے ہین اور ایمان وہین چھوڑ آتے ہین۔ اسلئے کہ آخر
عمر مین حضرت حاجی صاحب قدس اللہ سرہم کے کمالات اسدرجہ کو پہونچ گئے تھے کہ ہر ایک کی سمجھ مین نہ آتے
تھے۔ پھر یا تو غیر معتقد ہو جاتا تھا اور یا زندیق ہو جاتا تھا اور چونکہ اوس ولی اعظم کے کمالات اسدرجہ عالی
ہوجاتے ہین کہ کسیکی سمجھ مین نہین آتے۔ مگر اون کے جو اون سے مناسبت رکھتے ہین اس لیے امام غزالی رحمۃ اللہ
علیہ فرماتے ہین کہ کوئی شخص اسوقت تک صدیق نہین ہوسکتا جب تک کہ ستر صدیق اوسکو زندیق نہ کہین
یعنی اوسکے کمالات اسدرجہ کو پہونچ جاوین کہ جب لوگون کی سمجھ مین نہ آوین تو لوگ اوسکو زندیق اور کافر
کہنے لگین اور اس زمانہ مین یہ شان حضرت مولانا حکیم الامۃ شاہ اشرف علی صاحب ہین بالکل کھلم کھلا
دکھلائی دے رہی ہی۔ کہ مولانا دام ظلہم ہی قطب اس زمانہ کے اور ولی اعظم ہین اسی لئے حضرت کو لاکھون
نے کافر وغیرہ بھی کہا ہی خوشا نصیب اون لوگون کے جنکو مولانا دام ظلہم سے تعلق ہے اے اللہ مولانا دام ظلہم
کے برکات اور فیوض سے اس گناہگار کو بھی کچھ حصہ عطا فرما۔ اور اتباع سنت اور محبت اپنی کوٹ کوٹ کر میرے
دلمین بھردے۔ اب اشعار کو سمجھو فرماتے ہین کہ۔

وجہ نور ست الخ یعنی کہ وہ (ولی اعظم) مثل نور کے ہے اور عقل اوسکی جبریل (کی جگہ) ہے (یعنی کہ جسطرح
جبریل علیہ السلام وحی کے پہونچانیکا واسطہ تھے اسیطرح یہان اسکی عقل فیوض کے لیئے واسطہ ہی) اور جو ولی
کہ اس سے کم ہی وہ اسکی قندیل ہے۔

وانکہ زین الخ۔ یعنی اور وہ کہ اس قندیل سے کم ہی وہ ہمارا مشکوۃ (طاق) ہی اور مرتبہ مین نور کے بہت ترتیب
ہین یہ ماخذ ہے۔ آیت اللہ نور السموات والارض مثل نورہ کمشکوۃ فیہا مصباح المصباح فی زجاجۃ یعنی کہ اصلی
نور تو وہ ولی اعظم ہے اوس تک تو رسائی بہت کم ہوتی ہی۔ اور اوسکے بعد اوس سے کم وہ ہین جنپر کہ اوس کے
انوار کا عکس پڑ رہا ہے اور اوسکے بعد وہ ہین کہ جنپر اوس عکس سے عکس پڑ رہا ہے۔ تو اگر ہم کو تیسرا درجہ بلکہ
اوس سے بھی کہین کم درجہ والے کے کمالات معلوم ہوجاوین۔ تو بہت بڑی بات ہی۔ ورنہ کہان ہم اور کہان
ان حضرات کے کمالات پس ہر طالب کو چاہیے کہ اوسکو تلاش کرے اور اوس سے فیض حاصل کرے جس سے کہ
مناسبت ہو اور اگر کسیکو کسی بزرگ سے مناسبت نہین ہوتی تو یہ حضرات تو اللہ کا راستہ بتاتے ہین
جسطرح بھی جسکو ملجاوے انکو گروہ بندی کی تو ضرورت ہوتی نہین لہذا خود فرمادیتے ہین کہ بھائی مجھ سے تم کو نفع
نہوگا۔ کسی اور کو تلاش کرلو بس اگر قرائن سے معلوم ہو کہ آزمایش نہین بلکہ حقیقت مین یہی ہوتا ہی تو فوراً کہنا
مان لو اور اگر دیکھو کہ آزماتے ہین تو یہ بھی یاد رکھو کہ انکے ناز اور نخرے بھی معشوقون سے کیا کم ہوتے ہین بس مر جاؤ
مگر اوس در کو نہ چھوڑو آخر کہان تک رحم نہ آویگا۔ اور یہ ساری باتین اسلئے ہین کہ نور کے مراتب مختلف ہین
جیسے کہ بیان ہوا آگے اس اختلاف مراتب کی وجہ کہ یہ مختلف کیون ہین بیان فرماتے ہین۔

زانکه هصفد پردہ الخ۔ یعنی اسلئے کہ حق تعالیٰ کا نور سات سو پردہ رکھتا ہی (یعنی بے انتہا حجابات نور حق تک ہین) پس تم ان مراتب کو بھی نور کے پردے ہی جانو۔ مطلب یہ کہ اولیاء اللہ کے مراتب مختلف ہونیکو یہی سمجھو کہ ایک تو وہ پردہ ہے کہ جو بالکل اوس نور کے متصل ہی وہ تو پورا پورا روشن ہوگا اور اوس سے پاس والا اوس سے کم علی ہذا اسی لئے ہر ایک قوم کے لیے ایک ایک پردہ کو معین فرمادیا ہی۔ کہ اوس سے وہی فیض حاصل کرسکتے ہین فرماتے ہین کہ از پس ہر پردہ الخ۔ یعنی کہ ہر پردہ کے پیچھے ایک قوم کا مقام کردیا ہی اور اسی طرح صف بصف یہ پردے امام تک ہین۔ مطلب یہ کہ اوس ولی اعظم تک سارے پردہ ختم ہوجاتے ہین اور اسپر بلاواسطہ کسی حجاب کے نور پڑتا ہے۔

اہل صف آخرین الخ۔ یعنی کہ سب سے پچھلی صف والے ضعف کیوجہ سے اونکی آنکھہ زیادہ نور (کے دیکھنے) کی طاقت نہین رکھتی۔ لہذا اوسکو چاہیے کہ بس یہین تک رہے اور اس سے آگے نہ بڑھے۔

وان صف پیش الخ۔ یعنی جو صف کہ اس سے آگے ہی وہ بھی بصیرت کی ضعف کیوجہ سے زیادہ روشنی کی تاب نہین لاسکتی۔ اور جیسی حد پر ہین اوس سے آگے تک نہین دیکھ سکتے۔

روشنائے کو الخ۔ یعنی اور جو روشنی کہ حیات اول (جماعت) کی ہی۔ وہ اس احول (ناقص الاستعداد) کیلئے رنج جان (مصیبت) اور فتنہ ہی۔ جیسا کہ اوپر بیان ہوا کہ اوسکے کمالات کو اپنی کم استعدادی کی وجہ سے نہ سمجھیگا اور پھر ایمان کو بیٹھے گا۔ چونکہ یہان سے معلوم ہوتا تھا کہ بس اگر یہی حالت ہی تو پھر اوس نور تک رسائی ہم ناقصونکی تو ہرگز نہین ہوسکتی۔ اور ہم ان پردون ہی کے پیچھے پڑے رہین گے۔ لہذا اس ناقص کی تسلی فرماتے ہین کہ۔

احولیہا اندک اندک الخ۔ یعنی یہ احولی تھوڑی تھوڑی کم ہوتی ہی۔ اور جب اون سات سو پردون سے گذر جاویگا۔ تو پھر دریا ہوجاویگا یعنی وہی اتحاد اصطلاحی ہوجاویگا۔ آگے اوس امر کو کہ ایک ہی چیز ایک کو نافع اور ایک کو مضر ہی ایک مثال سے واضح فرماتے ہین کہ۔

آتشے کاصلاح الخ۔ یعنی آگ کہ لوہے اور سونے کی تو اصلاح (کرنے والی) ہی کہ اون سے اشیاء مختلف آگ ہی کے ذریعہ سے بنتی ہین) مگر آبی اور سیب تر کی اصلاح (کرنے والی) کہان ہی۔ آبی ایک پہل ہوتا ہے مطلب یہ کہ دیکھو آگ ہی ہے اوس مین اگر لوہے اور سونے کو ڈال دو تب تو اون کی اصلاح ہوجاتی ہی اور وہ کام کے قابل ہوجاتے ہین۔ اور اگر اوسی آگ مین کسی پہل مثلاً آبی یا سیب کو ڈال دین تو پھر دیکھو کہ ان کی کیا گت بنتی ہی۔ کہ جتنے کچھ پہلے کام کے تھے اب اوس سے بھی گئے گذرے ہوئے۔ پس اسیطرح جو کہ اہل بصیرت ہوتے ہین اور قوی الاستعداد ہوتے ہین اونکی تو رسائی وہان تک ہوتی ہے اور جو ابھی ضعیف الاستعداد ہین اون کی رسائی بھی رفتہ رفتہ ہوجاویگی ایک دم سے پہونچنے کی کوشش فضول ہی۔ اسلئے کہ ابھی اسمین خامی باقی ہی اسلئے اوس نور کی تاب نہ لاسکینگے اسیکو فرماتے ہین کہ۔

سیب و آبی خامے الخ۔ یعنی سیب اور آبی چونکہ ابھی ایک خفیف خامی رکھتے ہین اسلئے اونکا ناس ہوجاتا ہی۔) اور یہ ابھی لوہے کی طرح نہین ہی کہ وہ ایک لطیف روشنی اور چمک کو چاہتا ہی ابھی اسمین خامی ہے تو اوس تک

بے حجاب نہین پہونچ سکتے۔ اسلئے ان کو چاہیے کہ جہانتک ان کی رسائی ہو وہین تک رہین ۔ آگے فرماتے ہین کہ۔

لیک آہن را لطیف الخ۔ یعنی (اوس آبی وغیرہ کو تو وہ آگ مضر ہے) لیکن لوہے کے لیے اوسکے شعلے لطیف ہین (اور اس لوہے کو بنا دینے والے ہین) اسلئے کہ وہ لوہا اوس اژدہا (جیسی آگ) کی تابش کو جذب کرنیوالا ہی ۔ اور اوسکے اندر اتنا ضبط اور اتنی ہمت ہے کہ یہ اوسکی گرمی کو برداشت کرلیتا ہی ۔ آگے مولانا اس لوہے کی مراد کی تعیین فرماتے ہین کہ۔

ہست آن آہن الخ۔ یعنی وہ لوہا فقیر سخت (مجاہدات) کھینچنے والا ہے۔ کہ ہتوڑے اور آگ کے نیچے ہو مگر سُرخ (خندان) ہی اور خوش ہی ۔ اور بلا کسی واسطہ کے آگ کا ہمنشین ہوجاتا ہی۔ اور دل آتش مین بغیر رابطہ کے چلا جاتا ہے مطلب یہ کہ اوس لوہے کی مثل وہ فقیر ہے کہ جو مجاہدہ کش ہو۔ اور راہ حق کی سختیان خوش وخرم رہکر جھیلتا ہو اور خواہ کتنا ہی قوی وارد ہو یا کچھ ہو مگر اوسکو پرواہ بھی نہین ہوتی ۔ بلکہ وہ تو اوس ایک وحدہ لاشریک کی یاد مین ہر وقت مستغرق رہتا ہی اور حق تعالی سے بلا کسی واسطہ کے فیض حاصل کرتا ہی۔ جیسا کہ ایک مرتبہ پہلے بیان کیا گیا۔ کہ جب مسترشد واصل ہوجاتا ہی تو پھر شیخ کے درمیان مین واسطہ ہونیکی ضرورت نہین رہتی بلکہ وہی عروس ومشاطہ مثال ہوتی ہی۔ پس وہ انوار اور تجلیات مین اور واردات مین گھستا چلا جاتا ہے اور اوس کو اپنی جان کی یا کسی چیز کی مطلق پرواہ نہین ہوتی ۔ اس لیے کہ اوس کی استعداد کامل ہی اور استعداد قوت موجود ہے کہ اون واردات کو برداشت کرسکے ۔ آگے استعداد اور خام کو فرماتے ہین کہ ۔

بے حجاب بے آب والخ۔ یعنی پانی اور اوسکے فرزندان (یعنی ثمار وغیرہ) آگ سے بغیر حجاب کے پختگی نہین پاتے ہین اور نہ خطاب ۔ (پلاؤ زردہ قورمہ وغیرہ) پاتے ہین ۔ (اور وہ) واسطہ یا تو کوئی دیگ (ہانڈی) پتیلی وغیرہ وغیرہ ہوتی ہی یا توا ہوتا ہی۔ (کہ آگ اور اوس شئے کے درمیان مین حجاب ہوتا ہی ۔ اور خود اول حرارت کو جذب کرکے پھر اوسکو پہونچاتا ہی۔ اور اگر خود اس شئے کو آگ مین ڈال دو تو جل بھنکر خاک سیاہ ہوجاوے یا ایسے سمجھو کہ جیسے پاؤن کے لئے چلنے مین پاتابہ کی ضرورت ہی۔ کہ اوسکی مدد سے سنگلاخ زمین مین بلا تکلف چلا جاتا ہی اور اگر وہ نہو تو پیر کے کنکر ٹکڑے اڑ جاوین) اور یا (اوس آگ کے اور اُس آبی وغیرہ کے) درمیان مین (واسطہ) کوئی مکان ہوتا ہی۔ (جیسے کہ حرارت آفتاب کے اور ثمار کے درمیان ایک بہت بڑا مکان حائل ہی) یہان تک کہ ہوا گرم ہوجاتی ہے اور پھر اس مین نشو ونما پیدا کرتی ہے اور اگر یہ ثمار وغیرہ کہین آفتاب کی حرارت تک پہونچ جاوین اور اوس کی ایک ذرا لپٹ بھی ان کو لگجاوے تو تباہ ہوجاوین یہ جو رنگ و بو و ذائقہ نکالا ہے یہ سارا اس کی بدولت ہے کہ درمیان مین ایک واسطہ موجود ہے اور اس واسطہ کے اندر حرارت ان کی مزاج کے مطابق ہے۔ اسلئے خوب لطیف اور مزہ دار ہورہے ہین آگے پھر اوس ولی کامل کی تعریف فرماتے ہین اور مثال کو ممثل بہ پر منطبق کرتے ہین کہ۔

پس فقیر آنست الخ - یعنی (جبکہ یہ تقریر سمجھ مین آگئی) پس (اب سمجھو کہ) فقیر وہ ہی کہ جو بلا واسطہ کے (واصل اور مستفید) ہو اور (اوس نور کے) شعلون کو اوسکے وجود سے ایک رابطہ ہو۔ جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہی کہ جب مسترشد واصل ہو جاتا ہے تو شیخ کی ضرورت نہین رہتی۔ اسلئے مستفید بلا واسطہ حق سبحانہ تعالیٰ سے ہوتا ہی یہان بعض محشیون نے مقام کا ناس مارا ہی اور لکھا ہی کہ واسطہ مین حضور مقبول صلی اللہ علیہ وسلم بھی داخل ہین اور بلا واسطہ کہنے سے اونکا واسطہ بھی اٹھ گیا آگے اسکے جوابات دیتے ہین جو کہ بجز مہمل ہونیکے اور کچھ وقعت نہین رکھتے ہین مین کہتا ہون کہ یہان اس ہی کی کیا ضرورت ہی کہ اس واسطہ مین حضور مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی داخل مانا جاوے بلکہ واسطہ سے مراد شیخ اور دیگر مجاہدات وریاضات ہین اور مطلب یہ ہی کہ جب اوس مین استعداد کامل ہو جاتی ہی تو اوسکو ان ظاہری وسائط کی ضرورت نہین رہتی - باقی حضور مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے تو کسی وقت غیر محتاجی ممکن ہی نہین ہی۔ اور یہ سارا فیض وغیرہ اون ہی کی تو برکت ہی ورنہ اور کون تھا جسکے ذریعہ سے یہ چیزین حاصل ہو سکتی ہین لہذا یہ کہنا کہ اوس واسطہ مین حضور مقبول داخل ہین پھر جوابات دیکر اسباب کو دہونا بالکل ایسا ہی کہ جیسے کسی کابلی کا ایک ہندوستانی نے علاج کیا تھا۔ جب تندرست ہوکر وطن گیا تو اس معالج سے کہا کہ اگر تم یہان آؤ گے تو ہم تمھارے اس خدمت کا تم کو بدلہ دین گے شامت اعمال سے بعد چندے معالج صاحب اون کے یہان پہونچ گئے۔ اوسنے ان کو مکان پر ٹھہلا دیا اور خود کسی کام کو گیا اوسکی بیوی نے ان سے پوچھا کہ تم کون ہو اور کہان سے آئے ہو اونہون نے اپنے علاج کرنیکا قصہ بتایا اوس بی بی نے کہا کہ اگر بھلی خیر ہے تو ابھی بھاگ جاؤ ورنہ وہ کہتا تھا کہ جب وہ ہندوستانی آوے گا ہم اوسکو اول اسی قدر زخمی کرین گے جتنے کہ ہم تھے۔ اور پھر اوسکا علاج کرین گے پس اسی طرح اول یہ مہمل شبہ کرنا اور پھر مرہم پٹی کرنا ہی۔ یہان تو کسیکو جسے تھوڑی سی بھی عقل ہو یہ شبہ ہو ہی نہین سکتا خوب سمجھ لو - آگے بھی اوس ولی اعظم ہی کی تعریف ہے۔ اور اوسی سے پہلے مضمون پر آگے بھی کئی تفریعین کرتے ہین کہ۔

پس فقیر آنست کو الخ - یعنی پس فقیر وہ ہی کہ خود اپنے کو آب حیات دے جو کہ ہمیشہ تک رہے - مطلب ہی کہ وہ اقسام علوم و تجلیات و انوار خود بلا واسطہ ظاہری کرنے لگے۔

پس دل عالم الخ - یعنی پس (جبکہ وہ ایسا ہی تو) تمام عالم کا وہی دل ہی اسلئے کہ بدن کو جو فن (اور علم وغیرہ) حاصل ہوتا ہے وہ دل ہی کے واسطے سے ہوتا ہی اسیطرح یہ شخص ہے کہ جسکو عالم مین فیض ہوگا - وہ اسکی برکت سے ملے گا ہان اسکو خبر ہو نا کہ میری ذات سے فیض ہو رہا ہے ضروری نہین بلکہ اکثر اس کو خبر نہین ہوتی - اور اس کی ایسی مثال ہے کہ جیسے آفتاب کا نور کہ تمام عالم پر پھیل رہا ہے اوس مین عمدہ اور خراب اور پاک اور ناپاک سب چیزین ہین - مگر آفتاب کو مطلق بھی خبر نہین کہ مجھ سے کس کس کو فیض پہونچ رہا ہے اور کون کون میری ذات سے منور ہو رہے ہین حالانکہ ظاہر ہے کہ سارا عالم اوسی کی وجہ سے منور ہے پس اسیطرح یہ ولی اعظم اپنے زمانہ مین سبب ہوتا ہی تمام عالم کے مستفید ہونیکا اور اوسکو خبر بھی نہین ہوتی - آگے اسکی توضیح فرماتے ہین کہ۔

دل نباشد تن الخ- یعنی (دیکھو) اگر دل نہو تو بدن گفتگو کرنا کیا جانے- اور اگر دل طلب نکرے (اور راہ حق کو تلاش نہ کرے) تو بدن جستجو کرنا کیا جان سکتا ہے- یہ سارے اعمال ان دل صاحب ہی کی برکت سے ہین اسیطرح جسقدر علوم وفنون ومعارف وقرب کسیکو عالم مین میسر ہوتا ہے وہ اس ولی اعظم ہی کی بدولت ہوتا ہی آگے مولانا اوس لوہے کی مثال پر تفریع فرماتے ہین کہ-

پس نظرگاہ الخ- یعنی (جب کہ اوس لوہے مین استعداد اور قوت تھی پس اسیلئے) وہ لوہا شعاع (اور لپٹ) کا نظر گاہ ہوگیا (اور آگ نے اوسپر اپنا اثر ڈالکر اوسکو کامل بنا دیا) پس (اسیطرح) حق تعالی کا نظر گاہ (تجلیات کے ظہور کی جگہ) دل ہی ہے بدن نہین ہے- اور دل وہ ولی اعظم ہی ہے- پس معلوم ہوگیا کہ تجلی گاہ اور مستفید حق تعالے سے وہی ہے- اور جتنے ہین وہ سب اوس کے تابع اور اس شخص سے مستفید ہین یہان کسیکو ظاہر الفاظ سے شبہ ہوتا تھا کہ دل تو ہمارے بھی ہے اور دل ہی تجلی گاہ حق تو ہمارا دل بھی تجلی گاہ ہوا- آگے مولانا اسکا جواب دیتے ہین-

باز این دلہائے الخ- یعنی پھر یہ جزی دل مثل تن ہی کے ہین اوس صاحبدل کے سامنے جو کہ (انوار وتجلیات کا) معدن ہے- مطلب یہ کہ تمھارا جو دل ہے وہ بھی غفلت اور بے استعدادی مین اس ولی اعظم کے سامنے بدن ہی کی طرح محجوب اور غافل ہے خوب سمجھ لو آگے فرماتے ہین کہ-

پس مثال وشرح الخ- یعنی یہ کلام تو بہت شرح کو چاہتا ہے اور بہت سی مثالون کی ضرورت ہے- (اور جب بہت سی مثالین دینگے تو پھر یہی ہوگا کہ اوسی اتحاد اصطلاحی کے قائل ہوجاوینگے جو کہ حاصل ہے وحدۃ الوجود وغیرہ کا- اور اوس مین لاکھون گمراہ وبرباد ہوگئے ہین اسی لئے فرماتے ہین کہ) لیکن ڈرتا ہون کہ کہین فہم عوام لغزش نہ کہا وے- (اور معنی غلط نہ سمجھ جاوین) آگے فرماتے ہین کہ-

تا نگردد الخ- یعنی تاکہ ہماری نیکی بدی نہ بن جاوے- (کہ کہین گے حق بات اور وہ گمراہی کا ذریعہ ہوجاوے- اور وہی مثل صادق آوے کہ نیکی برباد گناہ لازم دوسرے مصرعہ مین فرماتے ہین کہ) یہ بھی جو کچھ ہم نے بیان کردیا ہے سوائے بیخودی کے اور کچھ نہ تھا- (یعنی یہ بھی بیخودی مین کہہ گئے- اگرچہ یہ بھی کہنے کی بات نہ تھی-) پھر فرماتے ہین کہ-

پائے کژرا کفش الخ- یعنی ٹیڑھے پاؤن مین ٹیڑھا ہی جوتہ ٹھیک ہوتا ہے- (تو کم فہمون کے لئے کم ہی درجہ کے علوم اور معارف بیان کرنے چاہئین تاکہ اون کی سمجھ مین ٹھیک سے آجاوین) اور فقیر کی قدرت دروازہ ہی پر ہوتی ہے (کہ وہین کہڑے کہڑے جو کچھ لینا ہے لے اگر اسکے آگے گیا اور کہین گہر مین گھس گیا تو سوائے اسکے کہ پٹیگا اور کیا ہوگا لہذا جو کہ کم فہم ہون اون کی رسائی علوم عالیہ تک تو ناممکن ہے لہذا اون کو اون کے مرتبہ کے موافق ہی باتین بتانی چاہئین آگے مولانا اسپر (کہ جس مرتبہ کا آدمی ہو اوسکو اوسی مرتبہ مین رکھنا چاہیے اور اوس سے بڑھانا نہ چاہئیے) ایک بادشاہ اور دو غلامون کی حکایت بیان فرماتے ہین کہ دیکھو چونکہ ایک بدخو تھا اوسکو اس کے مرتبہ کے موافق رکھا گیا اور جو نیک خصلت تھا اوس کے مرتبہ کو عالی کیا گیا- جیسا کہ مولانا نے سخن باز پرسیدن شاہ حال از غلام دیگر مین ہر ایک کو اوسکے مرتبہ کے موافق رکھنے کو اشعار ذیل

مین بیان کیا ہے جنکا حاصل یہ ہے کہ بادشاہ نے اوس خوبصورت بدسیرت سے کہا کہ مجھے معلوم ہوگیا ہے کہ تو گندہ خصلت ہے
اور وہ صرف گندہ دہنی ہی ہے لہذا تو دور ہوجا اور وہ تجھسے حاکم ہوگا اور تو اوسکا محکوم وہ اشعار یہ ہین ے گفت
دانستم ترا از دو سے بدان ٭ از تو جان گندست وازیارت دہان ٭ پس نشین اے گندہ جان از دور تو ٭ تا امیر او باشد
و مامور تو ٭ جس سے صاف ظاہر ہے کہ ہر ایک کو اوس کی حالت کے مطابق رکھا۔ اور اوس سے ویسا ہی معاملہ
کیا اسیطرح کم فہمون کے سامنے بھی مضامین عالیہ بیان نکرنا چاہئین۔ یہان بھی محشیون نے ربط کی گت بنائی ہے
حالانکہ بالکل سیدھی بات تھی خوب سمجھ لو۔

شرح حبیبی

امتحان کردن بادشاہ آن دو غلام را کہ نو خریدہ بود

پادشاہے دو غلام ارزان خرید ٭ با یکے زان دو سخن گفت و شنید
یافتش زیرک دل شیرین جواب ٭ از لب شکر چہ زاید شکر آب
آدمی مخفی است در زیر زبان ٭ این زبان پردہ است بر درگاہ جان
چونکہ بادے پردہ را درہم کشید ٭ سر صحن خانہ شد برما پدید
کاندران خانہ گہر یا گندم است ٭ گنج زر یا جملہ مار و کژدم است
یا درو گنج است مارے بر کران ٭ زانکہ نبود گنج زر بے پاسبان
بے تامل او سخن گفتے چنان ٭ کز پس پانصد تامل دیگران
گفتہ در باطنش دریا ستے ٭ جملہ دریا گوہر گویا ستے
نور ہر گوہر کزو تابان شدے ٭ حق و باطل را ازان فرقان شدے

ایک بادشاہ نے دو غلام سستے خریدے۔ اور ان دونون مین ایک سے گفتگو شروع کی۔ اپنی کہتا تھا اور
اوسکی سنتا تھا۔ جب اوس کی باتین سنین تو اوسکو سمجھدار اور شیرین جواب پایا۔ کیون نہو آخر شیرین لب تھا
اس سے میٹھی میٹھی باتین ہی ظاہر ہونی چاہئین آدمی زبان کے نیچے چھپا ہوا ہے۔ اور یہ زبان درگاہ روح کا ایک
پردہ ہے۔ جب ہوا پردہ کو اوٹھاتی ہے اور کسی عارضی سے زبان کھلتی ہے تو اس سے گھر اور روح کی حالت ظاہر
ہوتی ہے کہ ان مین موتی اور اعلیٰ درجہ کے خصائل ہین۔ یا گیہون اور ادنے درجہ کے اوصاف یا اس مین سونے
کا خزانہ اور اوسط درجہ کے خصائل ہین۔ یا خصائل حمیدہ بالکل ہی نہین۔ بلکہ سانپ بچھو اور خصائل ذمیمہ ہی
بھرے پڑے ہین یا اوس مین زر کا خزانہ اور خصائل حمیدہ ہین مگر ایک طرف کو سانپ بھی بیٹھا ہوا ہے
یعنی اوسکی ساتھ خصائل ذمیمہ بھی ہین۔ کیونکہ عادۃً خزانہ بدون پہرہ دار سانپ کے اور خصائل حمیدہ بدون صفات ذمیمہ
کے نہین ہوتے۔ لہذا جب اسنے کسیقدر زبان کھولی۔ تب اسکی حالت فی الجملہ معلوم ہوئی کہ بڑا زیرک اور شیرین
گفتار ہے وہ بدون سوچے ایسی باتین کرتا تھا۔ جوکہ اور لوگ بہت غور و خوض کے بعد کر سکتے ہین اور ایسا

معلوم ہوتا تھا کہ اوسکے اندر دریا ہے جو سراپا گوہر ہے سیایون کہو کہ وہ ایک موتی ہی جسکو حق سبحانہ نے گویائی عطا کی ہے۔ اس کے اندر سے جو موتی نکلتا تھا۔ اور جو نفیس بات وہ کہتا تھا اوسکا نور حق و باطل کو بالکل جدا جدا کر دیتا تھا۔

شرح شبیری

ایک بادشاہ کا دو نو خرید غلامونکو آزمانا

پادشاہے الخ۔ یعنی ایک بادشاہ نے دو غلام ارزان خرید لئے۔ ان دونون مین سے ایک سے بات ہی سنی۔ ارزان قید واقعی ہے احترازی نہین۔ یعنی کہین سے ارزان دو غلام لے لئے اور ایک سے بات چیت کی۔

یافتش زیرک الخ۔ یعنی کہ جب اوس سے بات چیت کی تو اوسکو سمجھدار اور شیرین جواب پایا۔ (یعنی اوسنے خوب عمدہ عمدہ باتین کین اور سمجھدار بھی تھا مگر اوسکی سیرت اور اوسکے خصائل بہت ہی ناپاک اور گندہ تھے جیسا آگے معلوم ہوگا۔ ہان سمجھدار اور خوب زبان بہت تھا اور یہ بدسیرتی کو منافی نہین۔ اگلے مصرع مین مولانا اس شیرین زبانی کی ایک مثال دیتے ہین کہ) لب شکر (جیسے) سے (بجز) شکر (اور شیرینی) کے کیا پیدا ہو۔ یعنی چونکہ وہ حسین اور خوبصورت تھا (جیسا کہ آگے معلوم ہوگا) تو پھر اوس کے شیرین لبون سے بجز شیرین باتون کے اور کیا نکلتین۔ پس اوس نے خوب چکنی چپڑی باتین کین آگے مولانا انتقال فرماتے ہین دوسرے مضمون کی طرف۔ جسکا خلاصہ یہ ہی کہ انسان کے عیوب اور ہنر سب کے سب زبان ہی سے معلوم ہوتے ہین جب تک انسان چپ رہتا ہی اوسکی حالت اور اوسکے عیوب اور ہنر سب پوشیدہ رہتے ہین اور جہان وہ بولا پس ساری قلعی کھلگئی۔ سا اسیکو شیخ سعدی علیہ الرحمتہ فرماتے ہین کہ ؎ تا مرد سخن نگفتہ باشد ۔ عیب و ہنرش نہفتہ باشد ۔ اور اسیکے قریب قریب مضمون حدیث مین بھی ہی۔ کہ آیا ہی کہ ہر صبح کو تمام اعضا زبان کیطرف متوجہ ہوتے ہین اور کہتے ہین کہ خدا کے لیے درست رہنا اگر تو درست رہیگی تو ہم بھی درست رہینگے۔ اور اگر تو بگڑ جاویگی تو ہم بھی بگڑ جاوینگے۔ جس سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہی کہ ظہور عیوب و ہنر ون کا دار زبان ہی پر ہے۔ اب اشعار کو سمجھو اوسکے فرماتے ہین کہ۔

آدمی مخفی است الخ۔ یعنی آدمی (کا عیب اور اوس کی خوبی) زبان کے نیچے مخفی ہے۔ اور یہ زبان درگاہ جان پر پردہ ہے۔

چونکہ بادے پردہ را الخ۔ یعنی کہ جب کسی ہوا نے پردہ کو ہٹا دیا تو گھر کے صحن کے بھید ہم پر ظاہر ہوگئے۔

کاندران خانہ الخ۔ یعنی کہ اوس گھر مین موتی ہین یا غلہ ہی اور سونے کا خزانہ ہی یا سانپ اور بچھو بھرے پڑے ہین۔

یا دران گنج است الخ۔ یعنی یا اوسمین خزانہ ہے اور اوس کے کنارہ پر ایک سانپ ہے اسلئے کہ سونے کا خزانہ

بے پاسبان کے نہین ہوتا۔ پس اسیطرح جبکہ زبان سے کوئی بات نکلتی ہی اسوقت وہ پردہ اوٹھ جاتے ہین اور سارا عیوب یا ہنر معلوم ہوجاتے ہین اور معلوم ہوجاتا ہی کہ آیا یہ شخص عالم ہے یا جاہل ہے اور آیا اوسکے یہ خصائل صرف دکھانے کے ہین یا اصل مین بھی کچھ ہے لہذا معلوم ہوگیا کہ ہنر اور عیب کے ظہور کا آلہ زبان ہی ہی۔ آگے پھر اوس قصہ کیطرف انتقال ہی کہ۔

بے تامل اوسخن الخ۔ یعنی کہ وہ غلام بلا سوچے ہوئے ایسی باتین کر رہا تھا کہ دوسرے لوگ پانسو تاملون اور فکرونکے بعد کہہ سکتے تھے۔ گویا کہ اوسکے باطن مین ایک دریا ہے۔ اور (یہ باتین) ساری موتی ہین یا گوہر گویا ہین۔ مطلب یہ کہ وہ جو بادشاہ سے گفتگو کر رہا تھا تو اسقدر برجستہ باتین کر رہا تھا اور اسقدر حاضر جواب تھا کہ اون باتون کو اگر اور لوگ کہین تو اونکو بے انتہا سوچنے کی ضرورت پڑے۔ مگر وہ اسقدر زیرک اور سمجھدار تھا کہ بلا سوچے فی البدیہہ اس قسم کی باتین کر رہا تھا۔ یہان یہ شبہ ہو کہ جب وہ بدخو اور بدسیرت تھا تو پھر مولانا اوسکی تعریف کیون کر رہے ہین تو سمجھو کہ اگرچہ وہ حقیقتہً تو بدسیرت ہی تھا مگر بظاہر صورت تو حسین و جمیل اور خوبصورت اور شیرین زبان تھا اسلئے اوسکی ظاہری اوصاف کی تعریف فرما رہے ہین۔ اور یہان مولانا کا مقصود بھی اوس کی تعریف نہین ہے بلکہ اوسکی مثال دیکر عارفین کے کلام کی اور اون کے حقائق و معارف کو بیان کرنا چاہتے ہین کہ جو حضرات عارف ہوتے ہین چونکہ اونپر حقایق اشیاء منکشف ہوجاتی ہین اسلئے وہ اون باتون کو جو اور لوگ بہت ہی تامل و غور کے بعد بیان کر سکتے ہین بالکل برجستہ اور فی الفور بیان فرماتے ہین اور اون کو تامل و غور کی ضرورت نہین رہتی اسلئے کہ اون کی تو یہ حالت ہوجاتی ہی کہ بی یسمع و بی یبصر و بی ینطق کہ اوسکا سماع بھی اودھر ہی سے اور اوسکی بات بھی اودھر ہی سے۔ اور اوسکا دیکھنا بھی اودھر ہی سے غرضکہ اوسکے تمام افعال حق تعالیٰ کے تابع ہوجاتے ہین اور اوسکو علم وہبی اور لدنی ہوتا ہی جسمین کہ کسب کی ضرورت نہین ہوتی لہذا اون کو غور و فکر کی کیا حاجت ہے اور کیا ضرورت ہے اور اس مقصود کی تائید اگلے شعر سے ہوتی ہی۔ جسکا خلاصہ یہ ہی کہ مولانا کلام عارفین کو بیان فرماتے ہین کہ جس طرح یہ غلام برجستہ جوابات دیرہا تھا اور شیرین کلامی سے گفتگو کر رہا تھا اسیطرح حضرات اولیاء اللہ جو کہ متخلق باخلاق اللہ اور مستفید عن الحق ہوتے ہین۔ بغیر کسی تامل وغیرہ کے علوم و معانی کو بیان فرماتے چلے جاتے ہین اور دوسرے لوگ اون باتون کو بغیر انتہار غور و فکر اور تامل کے بیان نہین کرسکتے (بلکہ بیان تو کیا کرینگے اگر ان کو غور و تامل سے سمجھ ہی لین تو غنیمت ہے) اب شعر کو سمجھو کہ فرماتے ہین کہ۔

نور ہر گوہر کزو الخ۔ یعنی ہر اوس گوہر کا نور جو کہ اوس سے (یعنی حق تعالیٰ سے) تابان (مستفید) ہو وہ حق اور باطل کو اوس سے امتیاز اور علیحدگی ہو اسکی جزا بقرینۂ مقام محذوف ہے یعنی وہ نور ممیّز ہو اگر ہم کو چشم بصیرت حاصل ہو چونکہ یہان بیان کلام عارفین کا تھا آگے خود کلام حق کا بیان فرماتے ہین کہ۔

شرح حبیبی

نور فرقان فرق کردے بہر ما	ذرہ ذرہ حق و باطل را جدا

نور گوہر نور چشم ما شدے — ہم سوال و ہم جواب ما بدے
چشم کژ کردی دو دیدی قرص ماہ — چون سوال است این نظر در اشتباہ
راست گردان چشم را در ماہتاب — تا یکے بینی تو مہ را آنک جواب
فکرتت را راست کن نیکو نگر — ہست ہم نور و شعاع آن گہر
ہر جوابے کو ز گوش آید بدل — چشم گفت از من شنو آن را بہل
گوش دلالست چشم اہل وصال — چشم صاحب حال و گوش اصحاب قال
در شنید گوش تبدیل صفات — در عیان دیدہا تبدیل ذات
ز آتش ار علمت یقین شد بے سخن — پختگی جو در یقین منزل مکن
تا نسوزے نیست آن عین الیقین — این یقین خواہی در آتش در نشین
گوش چون نافذ بود دیدہ شود — ورنہ قل در گوش پیچیدہ شود
این سخن پایان ندارد باز گرد — تا کہ شہ با آن غلامانش چہ کرد

مولانا کے بیان پر ایک شبہ ہوتا تھا وہ یہ کہ آپ نے فرمایا ہے کہ غلام جو بات کہتا تھا وہ ایسی ہوتی تھی کہ حق و باطل مین اس سے امتیاز ہوتا تھا۔ یہ محض شاعری ہی کیونکہ یہ بات قرآن مین تو ہے ہی نہین۔ کیونکہ اگر قرآن مین ہوتی تو پھر یہ نزاع اور اختلاف کیون ہوتا۔ اور جب قرآن مین نہین تو بیچارہ غلام کی بات مین یہ صفت کہان ہو سکتی ہی۔ مولانا جواب دیتے ہین کہ قرآن مین یہ صفت بالکل وجوہ موجود ہے۔ مگر کجی ہم لوگون کے فہم مین ہے اس لئے حق و باطل جدا نہین ہو سکتے۔ ورنہ یہ نہین کہ قرآن مین یہ صفت نہیں۔ اس کی مثال بالکل ایسی ہے جیسے کسی پر صفرا کا غلبہ ہو اسلئے اوسکو میٹھی چیز کڑوی معلوم ہوتی ہو۔ تو یہ نہین کہا جاسکتا ہی کہ شیرینی شے مین شیرینی نہین۔ اس مین شیرینی کامل ہے۔ مگر تمھاری قوت ذائقہ کے اندر نقص ہے اسلئے وہ شیرینی تم کو محسوس نہین ہوتی۔ یہ حاصل جواب ہے۔ اب ہم اشعار کا مطلب خیز ترجمہ کرتے ہین۔ نور فرقان فی نفسہ فارق بین الحق والباطل ہی۔ اور ہمارے لئے بھی فارق ہوتا اور ذرہ ذرہ حق و باطل کو جدا کر دیتا۔ اور اصلا شبہ نہ چھوڑتا اوس کے مضامین عالیہ مثل گوہر کا نور ہماری چشم قلب کا نور ہوجاتا۔ کہ اوس سے ہم کو حق و باطل مین کامل امتیاز ہوجاتا اور خود وہ نور ہی ہمارا سوال اور جواب ہوجاتا۔ یعنی ہم کو اوسکے مشاہدہ کے بعد سوال کی ضرورت ہی نہ رہتی کہ جواب کی حاجت ہوتی۔ لیکن کیا کیجئے کہ تم نے معاصی وغیرہ سے اپنے چشم باطن کو مریض اور غلط بین کرلیا ہے۔ اور چاند کی ٹکیا کو دو دیکھنے لگے یعنی واقع کو خلاف واقع سمجھنے لگے۔ پس جسطرح تمہارا فرقانیت قرآن کے متعلق سوال متلبس باشتباہ حقیقت ہے کیونکہ یہ ناشی ہے اسی اشتباہ سے۔ یون ہی تمہاری نظر غلط بین متلبس باختفاء حقیقت ہے۔ کہ وہ موجب اختفاء حقیقت ہے پس تمھارے سوال بابت فرقانیت قرآن کا جواب یہ ہے کہ تم اپنی نظر کو چاند کے دیکھنے مین سیدھا کرلو اور فہم راست سے قرآن کو سمجھو۔ کیونکہ جب تم اپنی فہم کو درست کرلوگے تو فرقانیت قرآن تم کو مشاہد ہوجائیگی۔ پس سوال بھی قائم نہ رہیگا ہم پھر کہتے ہین کہ تم اپنی فہم درست کرلو۔ اور غلط بینی چھوڑ کر راست بین بنو۔ تم کو خود معلوم ہوجاوے گا کہ قرآن بھی اس غلام کے گوہر سخن کا

نور وہم شعاع یعنی فارق بین الحق والباطل ہونے مین شارک اعلیٰ ہے کیونکہ درجۂ فرقانیت مین ان مین وہی نسبت ہے جو خالق ومخلوق مین ہی۔ پس جب یہ معلوم ہوگیا کہ قرآن فارق بین الحق والباطل ہے تو اب وہ شبہ کہ جب قرآن ہی فارق نہین تو سخن غلام کیونکر فارق ہوسکتا ہی۔ بالکل مندفع ہوگیا۔ ہم نے فرقانیت قرآن کے دلائل نہین بیان کئے بلکہ یہ کہدیا کہ چشم باطن کو راست بین بناکر مشاہدہ کرو۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ جو جواب کان سے دل تک پہونچتا ہے وہ شفاء تام نہین بخشتا۔ بلکہ چشم باطن بزبان حال متقاضی ہوتی ہی کہ یہ ناکافی ہی۔ اسے چھوڑ۔ اور مجھے معائنہ کر مین شفاء کلی بخشون گی اس لئے ہم نے قال کو چھوڑ کر چشم بصیرت پر محول کردیا۔ واقعی بات یہ ہے کہ کان کو چشم بصیرت سے کیا نسبت کان کی مثال تو ایسی ہے جیسے دلالہ۔ اسکا کام یہ ہے کہ مقصود کو دل تک پہونچادے۔ اور بس۔ اور چشم باطن صاحب وصال ہے کہ وہ مطلوب سے بہرہ ور ہوتی ہے۔ نیز کان بمنزلہ صاحب قال کے ہے کہ اوسکا تعلق الفاظ سے ہے۔ اور چشم بصیرت مثل صاحب حال کے کہ اوس کا تعلق حقیقت سے ہے۔ پس جو نسبت دلالہ اور صاحب وصال اور صاحب قال وصاحب حال مین ہے وہی نسبت کان اور چشم باطن مین ہے پس اس جواب مین جو کان سے مدرک ہو اور اس جواب مین جو چشم قلب سے مدرک ہو وہی نسبت ہوگی جو کان اور چشم باطن مین ہے اور فرق سنو جو تغیر جواب سننے کے بعد پیدا ہوتا ہے۔ اور جو تغیر کہ مشاہدہ وجدانی کے بعد پیدا ہوتا ہے ہر دو مین ایسی ہی نسبت ہے جیسی کہ صفات کے بدلنے اور کایا پلٹ ہوجانے مین کہ ایک ادنےٰ ہے اور دوسرا کہین اعلیٰ۔ وہو ظاہر۔ پس ہر دو جوابون مین بھی وہی نسبت ہوگی ان وجوہ سے ہم نے دلائل کو ترک کیا اور کہا کہ وجدان کو صحیح کرو۔ اور اس سے دیکھو اب ہم ترقی کرکے کہتے ہین کہ چشم بصیرت کو راست کرکے اوس سے دیکھنے پر بھی اکتفا نہین کرنا چاہیئے کیونکہ اس سے گو یقین حاصل ہوجائیگا مگر یہ یقین کافی نہین بلکہ حال اور رسوخ فی العلم کی ضرورت ہے۔ اگرچہ درجۂ علم مین تم کو یقین کامل ہی لیکن اسپر اکتفا نہین کرنا چاہیے۔ اور اس علم الیقین مین ڈیرہ نہ ڈال لینا چاہیئے۔ بلکہ پختگی حاصل کرنی چاہیئے۔ گو تم کو حرارت نار کا یقین ہی مگر اصل یقین وحق الیقین (جسکو معنی لغوی کے اعتبار سے عین الیقین کہدیا نہ کہ بمعنے اصطلاحی) اسوقت تک نہین ہوسکتا جب تک اس مین جلو بس نہو۔ پس اگر تم کو اس درجۂ یقین کی ضرورت ہے تو تم کو آگ مین بیٹھنا چاہیئے۔ اسکے بدون یہ یقین حاصل نہین ہوسکتا۔ یون ہی اگر تم کو فرقانیت قرآن کے متعلق عین الیقین کی ضرورت ہے۔ تو حال پیدا کرو۔ جوابات قالیہ ہر چند کہ مفید یقین ہون مگر ناکافی ہین خیر اگر کان بھی یہ کہنے والا ہو یعنی استماع بغرض تحقیق حق ہو۔ اسوقت وہ بھی آنکھ کا کام دیجاتا ہی گو آنکھ نہین ہوتا اور اگر یہ بھی نہو تب تو کان کا سننا بالکل ہی فضول ہے اسلئے کہ الفاظ کان سے دل تک پہونچتے ہی نہین پھر فائدہ کیا ہو۔ (یہ ایک استطرادی مضمون ہے جو مزید افادہ کے لئے بیان کردیا گیا۔ ورنہ اصل مقصد صرف اسقدر ہے کہ چشم بصیرت کو راست بین کرو تم کو فرقانیت قرآن معلوم ہوجاوے گی۔ ہم کو دلائل بیان کرنیکی ضرورت نہین) خیر یہ بات تو کبھی ختم ہی نہوگی اب لوٹنا چاہیئے۔ اور دیکھنا چاہیے کہ بادشاہ نے اپنے ہر دو غلام کے ساتھ کیا کیا۔

شرح شبیری | نور فرقان فرق الخ۔ یعنی قرآن شریف کا نور ہمارے لئے حق وباطل کو ذرہ ذرہ

ممتاز اور جدا کر دیتا ہے اور نور گوہر ہماری آنکھ کا نور ہو جاتا اور سوال و جواب سب ہمارے ہی اندر سے ہوتے -
جز بالقرینہ اگلے اشعار کے محذوف ہے یعنی یہ امور ہوتے اگر چشم بصیرت ہم کو حاصل ہوتی یہاں یوں سمجھو کہ مولانا کا مقصود
یہ بیان کرنا ہے کہ اگر ہمارے اندر کجی نہ ہوتی اور چشم بصیرت ہمیں حاصل ہوتی تو قرآن شریف بھی اور کلام عارفین
بھی سب ہمارے ہادی اور ممیز بین الحق والباطل ہوتے اس لئے کہ منشا اختلاف دو ہی ہوتے ہیں کبھی تو وہ منشا
کلام کے اندر ہوتا ہے کہ اوس میں اختلاف ہوتا ہے اور کبھی وہ منشا سامع کی طرف سے ہوتا ہے کہ اوس میں کوئی
کجی وغیرہ ہوتی ہے۔ پس جبکہ سامع میں کجی ہوتی ہے تو اسوقت یہی کہا جاتا ہے کہ یہ کلام تو فی نفسہ درست اور
صحیح ہے مگر اس عارضی کجی کیوجہ سے اس خاص شخص کو اسکی درستی اور اسکا صدق معلوم نہیں ہوتا۔ جیسے
کہ حق تعالی فرماتے ہیں کہ ذلک الکتاب لاریب فیہ - تو یہاں یہی معنی ہیں کہ اس کتاب میں فی نفسہ تو ریب
نہیں ہے لیکن اسکا صدق اس لئے معلوم نہیں ہوتا کہ کجی طرف سامع میں ہے اسکی ایسی مثال ہے کہ جیسے کہ ایک
سفید کپڑا رکھا ہے اور ایک شخص یرقان والا او سکو زرد دیکھ رہا ہے اس لئے کہتا ہے کہ یہ کپڑا زرد ہے مگر دوسرا
صحیح النظر کہتا ہے کہ لاصفرۃ فیہا کہ اس میں زردی نہیں ہے تو دیکھ لوکہ یہ قول صحیح ہے یا نہیں فی نفسہ بالکل درست
ہے ہاں اوس شخص کے اعتبار سے غلط ہے تو اوسکا اعتبار نہ کیا جاوے - اور اسیکو حضرت مولانا محمد قاسم صاحب
فرماتے تھے کہ حق تعالی نے لاریب فیہ فرمایا لاریب فیھم نہیں فرمایا - اس لئے کہ منشا ریب تو اون سامعین ہی میں
تھا اور اس قرآن شریف میں تو منشا ریب تھا ہی نہیں پس اسیطرح چونکہ منشا شبہ و اختلاف ہمارے اندر ہے
اور ہم کو چشم بصیرت حاصل نہیں ہے اس لئے کلام حق اور عارفین میں ہمکو شبہات ہوتے ہیں اگر ہمیں چشم
بصیرت ہوتی تو پھر ان سب شبہات کا جواب خود ہمارے ہی اندر موجود ہوتا - اگلا شعر دال علی الخبر ارہے
کہ فرماتے ہیں کہ -
چشم کژ کردی الخ - یعنی آنکھ کو تو کج کر رکھا ہے اور چاند کی ٹکیا کو دو دیکھ رہے ہو تو یہ نظر (کج) اشتباہ میں مثل
سوال (اعتراض) کے ہے مطلب یہ کہ چونکہ تم نے اپنی چشم باطن کو کج کر رکھا ہے اس لئے حقیقت سے دور
ہو کر یہ نظر بھی اعتراض کی طرح ہو گئی کہ جسطرح معترض کے سامنے حقیقت شئے پوشیدہ ہو جاتی ہے اسی طرح یہ چشم
باطن تمھاری بند ہو رہی ہے اسی لیے انوار حق وانوار عارفین تمپر نازل اور فائض نہیں ہوتے - اور تم حق تعالے
کے ساتھ دوسرے کو شریک کر رہے ہو سا سنئے کہ جب حق تعالی ہی اس قابل نہیں کہ اونپر بھروسہ کیا جاوے -
اور وہی ایسے ہیں کہ جن سے خوف کیا جاوے اور امید کیجاوے اور کوئی ایسا ہے نہیں جو اس قابل ہو اور یہ شخص
غیر حق پر بھی اعتماد اور بھروسہ کرتا ہے - اس لئے یہ اعتماد وغیرہ توحید حالی کے خلاف ہے توحید اعتقادی کے
خلاف نہیں مگر توحید حالی کے خلاف ہے - تو توحید حالی کے اعتبار سے اس کو اس طرح تعبیر کر دیا کہ تم قرص
ماہ یعنی حق سبحانہ وتعالے کو دو دیکھ رہے ہو اور شبہات میں پڑ رہے ہو - آگے اس سے خلاصی کی تدبیر
بتاتے ہیں کہ -
راست گردان الخ - یعنی اپنی نگاہ کو ماہتاب (کے دیکھنے) میں درست کر لو - تا کہ چاند کو ایک ہی دیکھو - (اور
یہ احولی دور ہو تو پھر تمھارے شبہات کا یہی جواب ہو جاویگا اور اپنی فکر کو کج مت کرو اور اچھی طرح دیکھو کہ

وہ (غیر حق جسپر تم اعتماد اور بھروسہ کرتے ہو) بھی اوسی نور کا عکس ہے اور اوسیکی شعاع ہے مطلب یہ کہ اس احولی کو جسکی وجہ سے تم کو حقیقت نظر نہیں آتی اور اس وجہ سے غیر حق کے ساتھ بھی معاملہ حق تعالیٰ جیسا کرنے لگتے ہو۔ دور کرو اور پھر دیکھو تو معلوم ہو کہ یہ بھی جسپر کہ تمھاری نظر ہے۔ اوسی نور کی شعاع ہے۔ اور اوسی کا عکس ہے۔ پس اگر اصل کو چھوڑکر کوئی عکس کی طلب کرنے لگے۔ تو اوس سے زیادہ بیوقوف اور ناحقیقت شناس اور کون ہوگا۔ لہٰذا یہ جو کچھ گمراہیاں ہو رہی ہیں اور فیض سے محروم ہیں یہ ساری اپنی کجی کی بدولت ہے۔ ورنہ اگر ہمارے۔ اندر کجی نہوتی تو ساری فیوض و برکات ہم حاصل کرتے۔ اور اگر چشم بصیرت ہوتی تو سارے انوار و تجلیات کو دیکھا کرتے۔ اور پھر اون کو حاصل کرتے اور اگر کلام حق کو یا کلام اولیاء اللہ کو کان سے سن بھی لیا تو اوس سے کوئی معتد بہ فائدہ نہیں ہو سکتا۔ جب تک کہ چشم بصیرت اور قلب صافی موجود نہو۔ اسیکو فرماتے ہیں کہ۔

ہر جواب کان الخ۔ یعنی جو جواب کہ کان کے ذریعہ سے دل میں آتا ہے۔ تو چشم (قلب) کہتی ہے کہ مجھ سے سن اسکو چھوڑ۔ یعنی صرف کان ہی تک مت رہ اور سنی سنائی باتوں پر ہی مت رہو بلکہ کچھ خود بھی تدبیر اور ہمت کرو اور بصیرت کو حاصل کرو۔ آگے کان کی اور چشم بصیرت کی ایک مثال دیتے ہیں کہ۔

گوش دلال الخ۔ یعنی کان تو دلالہ ہے اور آنکھ وصل والی ہے (یا یوں کہو کہ) آنکھ تو صاحب حال (کی مثل) ہے اور کان صاحب قال (کی مثل) ہے۔ مطلب یہ کہ دیکھو مشاطہ محبوب اور محب کے درمیان میں پیغام دینے والی اور تدابیر وصل کرنیوالی ہوتی ہے۔ مگر جبکہ باہم وصل ہوتا ہے تو پھر اون مشاطہ صاحب کو بھی کوئی نہیں پوچھتا۔ اور وہاں اوسکا بھی گذر نہیں ہوتا۔ حالانکہ اصل میں سبب وصال وہی ہے پس اسیطرح حقائق و معارف کے حصول کا اول ذریعہ تو کان ہی ہے۔ اور اسی کے ذریعہ سے قلب تک پہونچتے ہیں مگر جبکہ قلب میں انجلاء اور صفائی پیدا ہو جاتی ہے اسوقت پھر ان کان صاحب کی ضرورت نہیں رہتی۔ مگر بلا واسطہ کان کے پھر علوم و معانی و حکم قلب پر فائض ہوتے ہیں اور کان کی مثال تو ایسی ہے کہ جیسے صاحب قال ہوتا ہے۔ کہ جو کچھ بھی اوسکے سامنے ہے اور ظاہر الفاظ سے جو مفہوم ہوتا ہے بس وہ اوسی کو جانتا ہے۔ اور آگے رسائی نہیں اور چشم قلب مثل صاحب حال کے ہے کہ اوسکو سوائے الفاظ وغیرہ کے اور علوم و معانی بھی حاصل ہوتے ہیں۔ پس قابل حصول چشم بصیرت ہی ہوئی۔ آگے پھر چشم گوش میں فرق بیان فرماتے ہیں کہ

در شنود الخ۔ یعنی کان کے سننے میں تو صرف تبدیل صفات ہی ہے۔ (مثلاً کسی نے نصیحت کی کہ تکبر مت کرو یہ سنکر ذرا متواضع بن گئے وغیرہ وغیرہ۔ یہ سب صفات ہی کی تبدیلی ہے۔ لیکن) آنکھوں کے دیکھنے میں تبدیل ذات کی ہے یعنی اگر اوسی قول کو جسکو تم نے سنا ہے خود دیکھ لو اور حقیقت کو معلوم کرلو تو تمھاری یہ ذات ہی نہ رہے بلکہ قریب ہے تم بالکل ہی بدل جاؤ۔ اور تم تم نہ ہو یہ ساری حجابات اوسیوقت تک ہیں جب تک علم الیقین حاصل ہے اور اگر عین الیقین اور حق الیقین حاصل ہو جاوے۔ تو پھر تو علوم و معانی اسقدر منکشف ہوں کہ ٹھکانے نہ لگیں چونکہ صوفیہ کے یہاں تین اصطلاحیں ہیں۔ علم الیقین عین الیقین اور حق الیقین۔ آگے مولانا ان تینوں کو بتاتے ہیں جسکا خلاصہ یہ ہے کہ علم الیقین تو کہتے ہیں کسی مخبر صادق سے کوئی خبر سنکر اوس کو صحیح مان

جیسے کہ کسی نے کہا کہ آگ جلا دیتی ہے پس چونکہ وہ مخبر صادق تھا اس لئے ہم نے یقین کر لیا اسکو تو علم الیقین کہتے ہیں اور اگر اوس میں کیسکو جلتے ہوئے بھی دیکھ لیں تو پھر عین الیقین کا درجہ حاصل ہوتا ہے اور اگر کسی سے سُنا بھی اور دوسروں کو بھی جلتے ہوئے دیکھا مگر پھر خود بھی اوسی میں کود پڑا تو اب اوسکو آگ کا حق الیقین کا مرتبہ حاصل ہوا بس اسی طرح اول تو عشق و محبت حق کو صرف سُن ہی کر مانتے ہیں یہ تو علم الیقین ہے۔ اور اوسیں سُننے کے بعد پھر دوسروں کو دیکھتے ہیں کہ اوس عشق و محبت میں غرق ہو رہے ہیں اُسوقت عین الیقین حاصل ہوتا ہے اور اگر خود بھی اوسمیں جلنے لگے اور عشق خداوندی میں خود بھی غرق ہوگئے تو اب درجہ حق الیقین کا حاصل ہوا لہذا قابل طلب درجہ حق الیقین کا ہے اوسکو حاصل کرنا چاہیے۔ اور کان سے سننے پر یا چشم ظاہر سے دیکھنے پر ہی مت رہو بلکہ دل کی آنکھ سے دیکھو۔ اور حق الیقین حاصل کرو۔ اب مطلب اشعار کو سمجھو کہ فرماتے ہیں۔

زآتش ار الخ۔ یعنی اگر آگ سے تمھارا علم یقین ہو جاوے (یعنی تم کو درجہ علم الیقین کا حاصل ہو جاوے) تو بات سے یقین میں پختگی و تلاش کرو۔ (یعنی عین الیقین حاصل کرو) اور ٹھیر و مت۔ اور جب تک کہ تم خود (اوس آگ میں) جل نہ جاؤ (اسوقت تک) وہ عین یقین (یعنی اصل یقین) اور حق الیقین نہیں ہے اور اگر اس یقین کو (یعنی حق الیقین کو) چاہتے ہو تو آگ میں بیٹھ جاؤ۔ مطلب یہ کہ آگ کی صفت احراق کو سنکر جو تم کو یقین ہوا ہے یہ تو علم الیقین ہے (جسکو مولانا نے زآتش ار علمت یقین الخ سے بتایا ہے) مگر یہاں منزل مت کئے رہو اور ٹھیرے مت جاؤ بلکہ اس امر کو سُن کر خود اسکی تلاش میں لگو اور کسی جلے ہوئے کے پاس جاکر اسکو دیکھ لو اور درجہ عین الیقین کا حاصل کرو۔ (جسکو مولانا نے پختگی جو در یقین سے بیان کیا ہے) لیکن جب تک کہ خود بھی اُس مزہ کو نہ چکھو اور خود ہی آتش (محبت میں نہ جاؤ اس وقت تک اصل یقین اور حق یقین حاصل نہیں ہو سکتا جسکو مولانا نے تا نسوزے نیست آن عین الیقین سے تعبیر فرمایا ہے یہاں عین سے مراد اصل ہے آنکھ نہیں ہے پس معنی یہ ہوئے کہ جب تک کہ اصل یقین یعنی حق الیقین حاصل نہ ہو اسوقت تک طلب سے باز مت رہو بلکہ اس درجہ کو حاصل کرلو۔ یہاں لفظ عین کو دیکھ کر محشیوں نے خوب خوب گت بنائی ہے اور کوئی تو مولانا کی اصطلاح کے جدا ہونے کا قائل ہوگیا اور کوئی کچھ ہونے لگا حالانکہ بالکل ظاہر مطلب یہ ہے کہ عین سے مراد اصل لے لیا جاوے جس کا ترجمہ دوسرے الفاظ میں حق بھی ہو سکتے ہیں خوب سمجھ لو۔ آگے فرماتے ہیں کہ۔

گوش چون الخ۔ یعنی کان بھی اگر اثر رکھنے والا ہو تو وہ بھی ایک دن آنکھ بن جاتا ہے۔ اور اگر وہ نافذ نہیں ہے تو باتیں جو اُس نے سُنی ہیں کان ہی میں لپٹ کر رہ جاتی ہیں۔ اور قلب پر اثر نہیں پہنچا جبکہ قرآن شریف میں بھی ہے کہ اوالقی السمع وہو شہید یعنی حق بات کو سُنے اس حال میں کہ اُس کا کان شہید ہو۔ تو دیکھو کہ حق کے سُننے کے لیے کان کا شہید ہونا شرط فرمایا۔ اگر وہ نافذ نہ ہوگا تو پھر تو یہ باتیں کان ہی کان تک محدود رہیں گی۔ انکا اثر قلب تک کچھ نہ ہوگا۔ پس اس ساری تقریر کا حاصل یہ ہوا کہ کلام حق اور کلام عارفین کے سمجھنے کے لیے بصیرت پیدا کرو اور اول تو اُن باتوں کو سُنکر علم الیقین پیدا کرو پھر عین الیقین ہو جاویگا۔ پھر حق الیقین ہو جاویگا آگے فرماتے ہیں کہ۔

اِین سخن پایان الخ۔ یعنی یہ (علوم و معانی) کی باتین تو انتہا نہین رکھتین۔ اس لیے لو تو اور دیکھو کہ بادشاہ نے اپنے غلامون کے ساتھ کیا کیا آگے اُس قصہ کی طرف رجوع فرماتے ہین۔ جسکا خلاصہ یہ ہے کہ جب بادشاہ اُس غلام خوبرو سے باتین کر چکا اور معلوم ہو گیا کہ یہ تو بڑا عقلمند اور حاضر جواب اور شیرین کلام ہے تب بادشاہ نے اُس دوسرے بدصورت کو بلایا۔ اور اِس خوبصورت کو کہا کہ تم جا کر نہا دھو آؤ جب وہ چلا گیا تو اِسکی غیبت مین اِس سے اُس کے حالات دریافت کئے اِس طور سے کہ کہا کہ بھائی وہ تو تمھاری بہت بُرائیان کرتا تھا مگر تم تو ایسے معلوم نہین ہوتے ہو۔ اور تم تو بہت اچھے آدمی ہو اور ایسے ہو اور ویسے ہو اب اگر تم کو اُس کے کچھ عیوب وغیرہ معلوم ہون تو بیان کر دو۔ تاکہ مجھے بھی معلوم ہو کہ تم میرے خیرخواہ ہو۔ کہ اُسکی بُرائیان ظاہر کر کے مجھے اُس سے بچا لیا اُسنے عرض کیا کہ حضرت وہ جو کچھ کہتا تھا اور میرے عیوب بیان کرتا تھا صحیح اور درست تھے۔ مین بیشک ایسا ہی ہون مگر اُس کے عیوب مین عرض کرتا ہون وہ یہ کہ وفادار ہے اُسمین انسانیت ہے وغیرہ وغیرہ یعنی اُسمین یہ چیزین ہین۔ اگر یہ عیوب ہین تو اُسمین عیوب ہین اور اگر یہ ہنر ہین تو اُسمین ہنر ہین۔ اب اشعار پر اس تقریر کو منطبق کر لو۔

شرح حبیبی

روان کردن بادشاہ یکے ازان دو غلام را و از دیگرے احوال آن پرسیدن و باز گفتن او انچہ در ویست

آن غلامک را چو دید اہل ذکا — آن دگر را کرد اشارت کہ بیا

کاف رحمت گفتمش تصغیر نیست — جد چو گوید طفلکم تحقیر نیست

چون بیامد آن دوم در پیش شاہ — بود او گندہ دہان دندان سیاہ

گرچہ شہ ناخوش شد از گفتار او — جستجوے کرد ہم ز اسرار او

گفت با این شکل و این گندہ دہان — دور بنشین مرکب این سو تر مران

کہ تو زاہل نامہ و رقعہ بدی — نے جلیس و یار و ہم بقعہ بدی

تا علاج آن دہان تو کنیم — تو حبیب و ما طبیب پر فنیم

بہر کیکے نو گلیمے سوختن — نیست لائق از تو دیدہ دوختن

لیک قابل تر بدی زان یار خود — نزد ما آکہ تو بہ زان یار بد

با ہمہ بنشین دو سہ دستان بگو — تا ببینم صورت عقلت بگو

آن ذکی را پس فرستاد او بکار — سوے حمامے کہ رو خود را بخار

وین دگر را گفت کو چہ زیرکے — صد غلامے در حقیقت نے یکے

آن نه که خواجه تاش تو بود — از تو او را سرد می‌کرد آن حسود

گفت کو دزد و کژست و کژنشین — حیز و نامرد و چنانست و چنین

گفت پیوسته بدست او راستگو — راستگوئی من ندیدستم چو او

راستی و نیک خوئی و حیا — حلم و دینداری و احسان و سخا

راستگوئی در نهادش خلقت است — هر چه گوید من نه گویم تهمت است

کژ ندانم آن نکواندیش را — متهم دارم وجود خویش را

باشد او در من ببیند عیبها — من نه بینم در وجود خود شها

هر کسی گر عیب خود دیدی ز پیش — کی بدی فارغ وی از اصلاح خویش

فارغ اند این خلق از خود ای پدر — لاجرم گویند عیب همدگر

من نه بینم روی خود را ای شمن — من ببینم روی تو تو روی من

آن کسی که او ببیند روی خویش — نور او از نور خلقان ست بیش

گر بمیرد نور او باقی بود — زانکه دیدش دید خلاقی بود

نور حسی نبود آن نوری که او — نور خود محسوس بیند پیش رو

گفت تو هم عیب او گو مو بمو — آنچنان که گفت او از عیب تو

تا بدانم که تو غمخوار منی — که فدای مملکت یار منی

گفت ای شه من بگویم عیبهاش — گرچه هست او مر مرا خوش خواجه تاش

عیب او مهر و وفا و مردمی — خوی او صدق و صفا و همدمی

کمترین عیبش جوانمردی و داد — آن جوانمردی که جان را هم بداد

صد هزاران جان خدا کرده پدید — چه جوانمردی بود کان را ندید

ور بدیدی کی بجان بخلش بدی — بهر یک جان کی چنین غمگین شدی

بر لب جو بخل آب آن را بود — کو ز جوی آب نابینا بود

گفت پیغمبر که هر کس از یقین — داند او پاداش خود در یوم دین

که یکی را ده عوض می‌آیدش — هر زمان جودی دگرگون زایدش

جود جمله از عوضها دیدن است — پس عوض دیدن ضد ترسیدن است

بخل نادیدن بود اعواض را — شاد دارد دیده در غواص را

پس بعالم هیچکس نبود بخیل — زانکه کس چیزی نبازد بی بدیل

پس سخا از چشم آمد نی ز دست — دید دارد کار جز بینا نرست

عیب دیگر آنکه خود بین نیست او — هست او در هستی خود عیب جو

عیب گو و عیب جوی خود بدست — با همه نیکو و با خود بد بدست

گفت شہ جلدی مکن در مدح یار	مدح خود در ضمن مدح او میار
زانکہ من در امتحان آرم ورا	شرمساری آیدت در ماجرا

جب بادشاہ نے اس غلام کو زیرک اور ذہین پایا تو اُسکو چھوڑ کر دوسرے کو آنے کا اشارہ کیا۔ مین نے اپنی تقریر مین لفظ غلامک ستعمال کیا ہے اسمین کاف تصغیر کے لیے استعمال نہین کیا گیا۔ بلکہ یہ کاف شفقت ہے اگر دادا اپنے پوتے کو طفلک کہے تو یہ اُسکی شفقت ہے نہ کہ تحقیر۔ یون غلامک کو سمجھو خیر جب وہ دوسرا غلام بادشاہ کی حضور مین حاضر ہوا تو دیکھا کہ دانت کالے ہین مُنھ سے بدبو آتی ہے اگرچہ ابتداءً بادشاہ نے باقتضاء طبع اسکی گفتگو کو ناپسند کیا۔ لیکن پھر خیال کیا کہ صرف گفتگو ہی تک نہ رہنا چاہیے بلکہ اسکی باطنی حالت بھی معلوم کرنی چاہیے۔ اُسنے مصلحۃً کہا کہ تو بڑا بدشکل اور گندہ دہن ہے۔ ہم سے دور بیٹھ۔ اور آگے مت بڑھ۔ تو تو اس قابل ہے کہ تجھ سے نامہ بری کا کام لیا جاوے۔ تو اس لائق نہین کہ تجھکو ندیم و جلیس بنایا جاوے تا آنکہ ہم تیرے مُنھ کا علاج کرین کیونکہ تو دوست ہے اور ہم طبیب ماہر پسوون کے لیے نیا کمبل جلا دینا ہرگز مناسب نہین اس لیے گندگی دہن کے باعث تیری طرف توجہ نہ کرنا بھی مناسب نہین۔ خیر گو تو گندہ دہن اور بدشکل ہے مگر اپنے یار سے اچھا معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ شکل و صورت کے لحاظ سے اچھا ہے مگر تیری سیرت اچھی معلوم ہوتی ہے۔ پس تو مصاحبت کا زیادہ مستحق ہے۔ نہ کہ وہ بدطینت غلام تیرا ساتھی۔ اس لیے تو ہمارے پاس آ جا (اس بیان مین اول سختی سے کام لیا اُس کے بعد کچھ نرم ہوا پھر بالکل ہی نرم ہو گیا۔ کیونکہ اول کہا دور بیٹھ۔ تو مصاحبت کے قابل نہین وغیرہ وغیرہ پھر کہا کہ گو تو گندہ دہن ہے لیکن مناسب نہین کہ تجھکو اپنے سے الگ رکھا جاوے۔ بلکہ ہم تیرا علاج کرین گے۔ اور تجھے صحبت کے قابل بنائین گے۔ اس کے بعد بالکل ہی نرم ہو گیا۔ اور کہا کہ اچھا تو ہمارے پاس آ جا۔ یہ اُتار چڑھاؤ ہین اسکی حالت باطنی معلوم کرنے کے لیے) گو تو مصاحبت کے لائق نہین مگر ہم تجھپر عنایت خسروانہ مبذول کرتے ہین اور باہم اجازت دیتے ہین کہ ہمارے پاس بیٹھ۔ اور کچھ باتین کر تاکہ تیری عقل جسکے بہتر ہونے کا مین ظن رکھتا ہون مجھے معلوم ہو جاوے۔ یہان بطور جملہ معترضہ کے یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ اس گفتگو کے وقت دوسرے غلام کو ایک کام کیلیے بھیج دیا تھا اور کہہ دیا تھا کہ تم حمام مین جاؤ اور خوب مل دل کر نہاؤ۔ جب یہ جملہ معترضہ معلوم ہو گیا۔ تو ہم مطلب شروع کرتے ہین۔ بادشاہ نے مذکورہ بالا گفتگو کے بعد اس دوسرے غلام قبیح سے کہا کہ ارے مین تجھے ایسا نہ سمجھتا تھا تو تو نہایت عقلمند ہے اس لیے تو تو سو غلامون کا ایک غلام ہے۔ اور ویسا نہین ہے جیسا کہ تیرے ساتھی نے ظاہر کیا تھا اُس کمبخت حاسد نے ہمارا دل ہی تیری طرف سے پھیر دیا تھا۔ اُسنے کہا تھا کہ یہ چور بھی ہے۔ کج فہم بھی۔ مصاحبت کے لحاظ سے بھی اچھا نہین۔ ہیزول اور نامرد بھی ہے۔ اور ایسا ویسا ہے۔ غرض اُس نے بہت سی بُرائیان کی تھین مین کہان تک بیان کرون۔ غلام نے جواب دیا کہ حضور والا اُس نے کبھی جھوٹ نہین بولا راست گفتاری اُسکا ہمیشہ شیوہ رہا ہے۔ مین نے اپنی عمر بھر مین ایسا سچا آدمی کبھی نہین دیکھا۔ اس راست فہم کو مین کج فہم نہین سمجھ سکتا۔ مین خود اپنی ذات کو متہم کرون گا اور کہونگا کہ ضرور مجھ مین یہ عیب ہین گو مجھے معلوم نہین ہوتے۔ یہ ممکن ہے۔ کہ اُسنے یہ عیب مجھ مین دیکھے ہون اور مین اپنے

اندر شد دیکھتا ہون۔ کیونکہ اگر ہر شخص اپنے عیب کو دیکھتا تو وہ اپنی اصلاح سے کبھی فارغ نہ ہوتا چونکہ لوگ اپنے
عیوب کو نہین دیکھتے۔ اسی لیے وہ دوسرون کے عیب بیان کرتے ہین اگر وہ اپنے عیب دیکھتے تو اُنکو اسکی
مہلت ہی نہ ملتی۔ مین اپنا مُنھ نہین دیکھ سکتا۔ بلکہ آپ کا مُنھ دیکھتا ہون اور آپ اپنا مُنھ نہین دیکھ سکتے
بلکہ میرا مُنھ دیکھتے ہین یہی حالت بالکل عیبون کی ہے اور جو شخص کہ اپنا مُنھ دیکھ سکے اور اپنے عیب اُس کو
نظر آئین تو سمجھنا چاہیے۔ کہ اُسکی نظر بہت تیز ہے۔ اور اُسکا نور سب لوگون سے بڑھا ہوا ہے۔ یہ نور اُسکا
مرنے سے زائل نہین ہوتا۔ کیونکہ اُسکی بینش نور حق سبحانہ تعالیٰ ہے۔ لانہ ینظر بنور اللہ اور بینش حق سبحانہ غیر فانی
ہے لہذا اُسکی بینش بھی غیر فانی ہوگی۔ اور یہ نور حسی کا کام نہین کہ اِس سے اپنا مُنھ دکھلائی دے۔ بادشاہ
نے کہا تو نے خود کہا ہی کہ کوئی شخص اپنا عیب نہین دیکھتا بلکہ لوگ آپس مین ایک دوسرے کے عیوب کو دیکھتے
ہین۔ پس جس طرح اُسنے تیرے عیوب دیکھے اور بیان کیے یون ہی تو اُس کے عیوب دیکھتا ہوگا۔ تو بھی
بیان کر۔ اسمین کیا کیا عیب ہین۔ تاکہ مجھے معلوم ہوجاوے۔ کہ تو میرا غمخوار میری سلطنت کا مددومعاون
اور میرا دوست ہی۔ کیونکہ جب تک مجھے اُس کے عیوب نہ معلوم ہونگے مین اُس کی شر سے بچ نہین سکتا
پس تیرا اُنکو بیان کرنا میری خیر خواہی ہے اور چھپانا میری بدخواہی۔ غلام نے عرض کیا کہ اچھا حضور جو عیب
اُس کے مجھے معلوم ہین مین بیان کرتا ہون اگرچہ وہ میرا دوست ہی اور مجھے مناسب نہین کہ اُسکے راز بیان
کرون۔ اِس کے عیوب یہ ہین کہ اسمین محبت ہے وفا ہے جوانمردی ہے صدق وصفا ہے ہمدمی ہے بہت
کم درجہ کا عیب اسمین جوانمردی اور سخاوت ہے۔ اور جوانمردی بھی کیسی کہ جان بھی دیدی اور اپنے کو
رضاے حق مین فنا کردیا۔ حق سبحانہ نے بہت سی جانین دینے کا وعدہ فرمایا ہی۔ یعنی بہت سے انعام
اور احسانون کا امیدوار بنایا ہی۔ لیکن وہ کتنا بڑا جوانمرد ہے کہ اُنپر نظر نہین کرتا۔ بلکہ طاعت سے
مقصود اُسکو امتثال اوامر ونواہی ہے۔ اور اصل سخاوت وجوانمردی وداد یہی ہے کیونکہ اگر وہ ان
انعامات واحسانات پر نظر کرے تو پھر بخل کی کوئی وجہ ہی نہین اور اتنی جانون کے ملتے ہوے اُسکو
ایک جان کے جانے کا کوئی غم نہین ہوسکتا۔ مثلاً نہر پر پانی سے وہی بخل کرسکتا ہے جو نہر کے پانی کو
نہ دیکھتا ہو اور جو دیکھتا ہی اُسکو بخل ہو ہی نہین سکتا۔ پس چونکہ جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے
فرمایا ہی کہ ہر شخص کو قیامت مین اُس کے عمل کا بدلا یقیناً معلوم ہوجائیگا۔ کیونکہ اُسکو ایک کی عوض
دس ملین گے۔ اِس لیے آدمی ہر وقت نئی نئی سخاوتین کرتا ہی اور یہ سخاوت اُسکی اُن عوضون کے یقین
کے سبب سے ہے۔ پس عدم بخل لازم ہے۔ کیونکہ معاوضہ پر نظر ہونا مخالف ہے اُس خوف کے جو منشاء بخل ہی
پس وہ خوف کے ساتھ جمع نہین ہوسکتا۔ پس بالضرور بخل کے ساتھ جمع نہ ہوسکے گا وھو المدعی۔ بخل کا منشا
تو معاوضہ کا پیش نظر نہ ہونا چاہیے اور جب معاوضہ پیش نظر ہوگا تو بخل ناممکن ہے۔ یہی وجہ ہی کہ غواص
دریا مین گھستا ہے اور اپنی جان کو خطرہ مین ڈالتا ہی۔ کیونکہ اُس کے پیش نظر موتی ہوتا ہے اگر صرف
توقع نفع وعوض کا نام ہی سخاوت ہو تو دنیا مین کوئی شخص بخیل ہو ہی نہین سکتا کیونکہ کوئی شخص بلا معاوضہ
کے کوئی کام کرتا ہی نہین اور جو کام کرتا ہی بتوقع معاوضہ کرتا ہے۔ اور جب کہ توقع نفع کا نام ہی سخاوت

ٹھیرا تو ہر شخص سخی ہوا۔ پس جبکہ یہ معلوم ہو گیا۔ کہ علی العموم تمام اسخیا کی سخاوت کا منشاء معاوضہ کا پیش نظر ہونا ہے اور یہ معلوم ہے کہ بہتر معاوضہ کے پیش نظر ہوتے ہوئے کوئی شخص اپنی کسی محبوب شے کو صرف کرنے میں دریغ نہیں کر سکتا۔ تو معلوم ہوا کہ یہ اسخیا فی الحقیقت سخی نہیں ہیں ورنہ عالم میں کوئی بخیل ہی نہ رہیگا۔ اس سے یہ نتیجہ برآمد ہوا کہ اصل سخی وہی ہے جس کے پیش نظر معاوضہ نہ ہو۔ اور یہ کہ سخاوت کا تعلق ہاتھ سے نہیں۔ یعنی صرف کرنے کا نام سخاوت نہیں بلکہ اُسکا تعلق آنکھ سے ہے اور سخاوت نام ہے سیر چشمی کا۔ پس اس سے نتیجہ نکلا کہ وہ غلام بھی اصل سخی ہے۔ کہ معاوضہ پر نظر نہیں رکھتا۔ اور اپنی چشم بصیرت سے اُس کو پست ہی دیکھتا ہے واقعی بات یہ ہے کہ چشم بصیرت ہی کی ضرورت ہے۔ اور وہی شخص مفلح اور کامیاب ہو سکتا ہے جو چشم بصیرت رکھتا ہو۔ یہ عیوب تو حضور والا سن چکے اب میں اسکا ایک اور عیب بیان کرتا ہوں وہ یہ کہ وہ خود بین نہیں بلکہ خود اپنے اندر عیب تلاش کرتا رہتا ہے۔ پس اسکا کام یہ ہے کہ اپنے ہی عیوب بیان کرتا ہے۔ اور اپنے ہی عیب تلاش کرتا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ وہ اور سب کے ساتھ اچھا ہے۔ بُرا ہے تو صرف اپنے ساتھ بادشاہ نے کہا کہ اپنے دوست کی تعریف میں جلدی نہ کرو بلکہ یاد کرو اور خیال کرو کہ اسمیں کیا کیا عیب ہیں۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ اسمیں تمام اوصاف ہی اوصاف ہوں۔ اور کوئی بھی بُرائی نہ ہو۔ تمھارا اسکی تعریف کرنا اور کوئی عیب نہ بیان کرنا یہ گویا کہ خود اپنے تقدس کا دعوے ہے۔ اور اپنی تعریف اپنی زبان سے گو اشارۃً اور ضمناً ہی ہو مناسب نہیں میں اس لیے تاکید کرتا ہوں کہ میں اسکا امتحان کرونگا۔ مبادا تم کو شرمندگی ہو۔

قد تم الربع الاول من الدفتر الثانی من المشنوی المعنوی وللہ الحمد۔

شرح شبیری

ایک غلام کو کسی کام کے لیے بھیجدینا اور دوسرے سے اُسکے حالات دریافت کرنا اور اُسکا بیان کرنا جو کچھ کہ اُسمیں تھا

این غلامک را الخ۔ یعنی کہ جب اس غلمٹے کو بادشاہ نے دیکھا کہ ذکاوت والا ہے (یعنی اسکا امتحان لے لیا) تو اُس دوسرے کو اشارہ کیا کہ یہاں آؤ آگے مولانا ایک جملہ معترضہ فرماتے ہیں۔

کاف رحمت الخ۔ یعنی میں نے (غلامک میں جسکا ترجمہ غلمٹا چھوٹا سا غلام ہیں) کاف رحمت بولا ہے (کاف) تصغیر نہیں ہے (اس لیے کہ دیکھو) جب دادا کہتا ہے میرا طفلک تو اسمیں بھی تحقیر نہیں ہے۔ مطلب یہ کہ میں نے جو غلامک کہدیا ہے اس سے کوئی صاحب یہ نہ سمجھیں کہ فضول کسی مسلمان کی تحقیر کی میرا مقصود تحقیر اور تصغیر نہیں ہے۔ بلکہ میں نے شفقت اور رحمت کی وجہ سے

اس طرح کہدیا ہے۔ (یہ مولانا کا ایک لطیفہ ہے) آگے پھر قصہ ہی کو بیان فرماتے ہین کہ۔
چون بیامد الخ۔ یعنی جب کہ وہ دوسرا (غلام) بادشاہ کے سامنے آیا تو (معلوم ہوا کہ) وہ گندہ دہن اور سیاہ دندان تھا۔ لیکن وہ بادشاہ کے بلانے سے حاضر ہوگیا۔
گرچہ شہ ناخوش شد الخ۔ یعنے اگرچہ بادشاہ اُسکی باتون سے ناخوش ہوا (کہ اُسکو اُسکی گندہ دہنی سے تکلیف ہوئی لیکن) اُسنے اُسکے اسرار بھی معلوم کرنے چاہے۔ تاکہ یہ دیکھے کہ اُس کے اخلاق کیسے ہین۔ پس اُسنے سختی کا برتاؤ شروع کردیا اور تندی سے پیش آیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ بادشاہ بھی کوئی عارف ہے اس لیے کہ اُسنے جو امتحان لیے ہین وہ بالکل ایسے ہین جو کہ مشائخ مستفیدین سے لیا کرتے ہین پس بادشاہ نے یہ امتحان لیا۔ کہ۔
گفت با این شکل الخ۔ یعنی بادشاہ نے کہا کہ اس شکل اور گندہ دہنی کے ساتھ تو دور ہی بیٹھ لیکن اس طرف زیادہ مت جانا (اس لیے کہ مجھے کچھ باتین کرنا ہین پس قریب ہی بیٹھ جا)
تا علاج این دہان الخ۔ یعنی تاکہ تیرے اس منھ (کی گندگی) کا علاج کرین تو مریض ہے اور ہم پرفن طبیب ہین۔ مطلب یہ کہ پوچھ پاچھ کر تیری اس گندہ دہنی کا سبب معلوم کرکے اُسکا علاج کردین گے۔
کہ تو زاہل الخ۔ یعنی تو تو (لائق) صاحب نامہ اور رقعہ ہونے کے تھا۔ (کہ تجھکو الگ بٹھاکر تجھ سے تعوذ وغیرہ سے گفتگو کیجا یا کرے) نہ کہ جلیس اور یار اور ہمنشین (ہونے کے قابل) تھا۔ مگر صرف اس عیب کی وجہ سے بالکل چھوڑ دینا بھی نہ چاہیے۔ اس لیے کہ آخر خریدا ہے تو اس ذراسی بات سے اتنا نقصان کیون کیا جاوے۔ اسی کو مولانا ایک مثال دیکر فرماتے ہین کہ۔
بہر کیکے الخ۔ یعنے (اگر ہم اس عیب کی وجہ سے تجکو بالکل علحدہ کردین جس طرح) پسّو کی وجہ سے تیاگلیم جلا دینا بیوقوفی ہے اسیطرح) تجھ سے آنکھ سی لینا (علحدگی اختیار کرنا) لائق نہین ہے۔ اس لیے ہم سے دور مت ہو اور پاس ہی بیٹھ۔
با ہمہ ہمنشین الخ۔ یعنی باوجود ان سب (عیوب وغیرہ) کے بیٹھ جا اور دو ایک باتین کر تاکہ مین تیری عقل کی صورت کو پوری طرح دیکھون۔
آن یکے را الخ۔ یعنی (جب اس سے باتین شروع کین تو) تو اُس سمجھدار کو کام کیواسطے روانہ کردیا ایک حمام کی طرف کہ جاکر خوب مل مل کر نہا آؤ۔
وین دگر را گفت الخ۔ یعنی (جب اُسکو روانہ کردیا) تو اُس دوسرے سے کہا کہ تو تو کیسا زیرک ہے اور تو تو حقیقت مین سو غلامون کے برابر ہے تو ایک نہین ہے۔ یہی طریق مشائخ کا ہوتا ہے۔ کہ اول طالب سے سختی کرتے ہین اور جب وہ اُسمین پورا اُترتا ہے اور اُس سختی کو جھیل جاتا ہے تو اب اُس سے نرمی اور دلجوئی کی باتین کرتے ہین آگے بھی مقولہ بادشاہ ہی کا ہے۔
باز قابل الخ۔ یعنی پھر تو تو اپنے ساتھی سے زیادہ قابل ہے۔ لہذا ہمارے پاس آکہ تو اُس بُرے یار سے اچھا ہے۔

آن نہ کہ خواجہ تاش الخ۔ یعنی کہ تو ایسا نہین ہے جیسا کہ تیرے خواجہ تاش نے کہا ہے۔ کہ وہ حاسد تجھ سے ہمسری کرتا تھا۔ اور تیرے عیوب کو ہمارے سامنے بیان کرتا تھا تاکہ ہماری طبیعت تجھ سے پھر جاوے۔ لیکن تو تو بہت اچھا آدمی ہے۔

گفت او دزد و کژ ست الخ۔ یعنی وہ دوسرا غلام یہ کہتا تھا کہ وہ چور ہے اور کج ہے اور بد صحبت ہے۔ حیز ہے نامرد ہے ایسا ہے ویسا ہے۔ مطلب یہ کہ وہ تیری خوب برائیان کرتا تھا۔

گفت پیوستہ الخ۔ یعنی اُس بدصورت نے کہا کہ ہمیشہ وہ سچ بولنے والا ہی تھا اور اُس سے زیادہ سچا مین نے کوئی دیکھا نہین۔

راستی و نیکخوئی الخ۔ یعنی سیدھا پن اور نیک خصلتی اور حیا اور علم اور دینداری اور احسان اور سخا اور سچائی اُسکے اندر خلقی ہین لہذا وہ جو کچھ کہتا ہے مین یہ نہین کہتا کہ مجھپر تہمت ہے۔

کژ نہ گویم الخ۔ یعنی مین اُس نیک اندیش کو کج نہین کہتا۔ بلکہ اپنے ہی وجود کو متہم کرتا ہون۔

باشد او در من الخ۔ یعنی شاید وہ مجھ مین عیوب کے دیکھتا ہو اور اے بادشاہ (ان عیوب کو) اپنے وجود مین مین نہ دیکھتا ہون۔ یعنی شاید مجھے اپنے عیوب نہ نظر آتے ہون اور اُسکو نظر آتے ہون۔ اِس لیے مین اُسکو جھوٹا نہین کہہ سکتا۔ وہ بیشک ٹھیک کہتا ہے۔ آگے مولانا فرماتے ہین کہ۔

ہر کسے گر عیب خود الخ۔ یعنی اگر ہر شخص اپنے عیوب کو سامنے دیکھ لیا کرتا تو پھر وہ اپنی اصلاح سے کیا فارغ رہتا۔ یہ فراغت اور غفلت تو اپنے عیوب کے ظاہر نہ ہونے ہی کی وجہ سے ہے۔

غافل اند این خلق الخ۔ یعنی چونکہ لوگ غافل اور اپنے (عیوب) سے بیخبر ہین اس لیے ایک دوسرے کے عیوب بیان کرتے ہین اور کہتے ہین کہ۔

من نہ بینم الخ۔ یعنی اے بت پرست مین اپنا مُنھ تو دیکھتا نہین پس مین تیرا مُنھ دیکھون اور تو میرا مُنھ دیکھ یعنی کہ مین تیرے عیوب نکالون اور تو میرے عیوب نکال۔ اِس لیے کہ ہم کو خود تو اپنے عیوب دکھلائی دیتے نہین دشمن یعنی بت پرست کہنا یا تو صرف بضرورت قافیہ ہوا اس لیے کہ ہم جو ہر وقت اپنی تن پروری مین لگے ہوے ہین اور عیوب کی خبر نہین ہے اِس لیے دشمن کہدیا۔ اور آپس مین کہنے سے مراد یہ ہے کہ آپس مین ایک دوسرے کے عیوب نکالتے ہین اِسی کو کہنے سے تعبیر کر دیا۔ پس یہ ساری غفلت اپنے عیوب پر نظر نہ ہونے کی وجہ سے ہی ہے۔ اور جو لوگ اپنے عیوب پر نظر رکھتے ہین اُنکا نور جس سے وہ اپنے عیوب کو دیکھ رہے ہین مخلوق کے اِس ظاہری نور نظر سے علٰحدہ ہوتا ہے۔ اسی کو فرماتے ہین کہ۔

آنکسے کہ او بہ بیند الخ۔ یعنی جو شخص کہ اپنا مُنھ (عیوب) خود دیکھ رہا ہے اُسکا نور بصیرت اور مخلوق کے نور سے زائد ہوتا ہے۔ عیوب کو مُنھ سے تشبیہ اِس لیے دی کہ جس طرح اپنا مُنھ دکھلائی نہین دیتا اسیطرح اپنے عیوب بھی دکھلائی نہین دیتے پس مطلب یہ کہ جسکی نظر کہ اپنے عیوب پر ہوتی ہے۔ تو اُسکی نظر اور مخلوق سے اعلیٰ ہوتی ہے۔ اِس لیے کہ اُسکو بصیرت اور چشم حقیقت شناس میسر ہوتی ہے جو کہ اس چشم ظاہری کے نور سے کہین زیادہ ہے وہو من المعلوم آگے فرماتے ہین کہ۔

نور حسی نبود الخ۔ یعنی وہ نور جس سے کہ اپنے عیب سامنے دیکھ رہا ہے نور حسی نہین ہوتا بلکہ وہ نور حقیقی اور نور بصیرت ہوتا ہے۔ کہ جسکو کسی وقت مین زوال نہین۔

اگر بمیرد نور او الخ۔ یعنی اگر وہ مر بھی جاوے تو نور اُسکا باقی رہتا ہے اس لیے کہ اُسکی آنکھ حق تعالے کی آنکھ ہو جاتی ہے اور اُسکی وہ حالت ہو جاتی ہے جسکو ارشاد ہے کہ بے یسمع و بے یبصر و بی ینطق پس جبکہ اُسکو نظر بصیرت اور حقیقت شناس حاصل ہو جاوے تو وہ تو باقی اور غیر فانی ہی ہوئی اگر اُس شخص پر عادی طاری بھی ہوگی تب بھی وہ نور زائل نہ ہوگا۔ بلکہ اُسمین تو اور ترقی ہوگی۔ آگے پھر رجوع ہے حکایت کی طرف

گفت تو ہم عیب الخ۔ یعنی بادشاہ نے کہا کہ جس طرح اُسنے تیرے عیوب بیان کئے ہین تو بھی اُس کے عیوب ایک ایک کر کے بیان کر۔

تا بدانم الخ۔ یعنی تاکہ مجھے معلوم ہو جاوے کہ تو میرا غمخوار ہے اور میرے ملک اور کام کا منتظم ہے کہ اُس کے عیوب پر مطلع کر کے مجھے اِس سے بچاتا ہے۔

گفت اے شہ الخ۔ یعنی (یہ سنکر) اُسنے کہا کہ اے بادشاہ مین اُسکے عیوب بیان کرتا ہون۔ اگرچہ وہ میرا اچھا خواجہ تاش ہے خواجہ تاش آپسمین اُن دو غلامون کو کہتے ہین جنکا آقا ایک ہو۔ مطلب یہ کہ اگرچہ وہ بہت ہی اچھا آدمی ہے لیکن مین آپ کے ارشاد کے مطابق اُسکے عیوب عرض کرتا ہون۔ وہ عیوب ذیل ہے

عیب او مہر و وفا الخ۔ یعنی اُس کے عیب محبت اور وفا اور انسانیت ہین اور اُسکے عیب سچائی اور صفائی اور ہمدردی ہین اور ایک چھوٹا سا عیب اُسکا جوانمردی اور انصاف ہے اور جوانمردی بھی وہ کہ اپنی جان تک دیدے مطلب یہ کہ اُسمین یہ خصائل ہین پس اگر یہ عیب ہین تو اُسمین اِس قدر عیوب ہین اور اگر یہ باتین ہنر ہین تو اُسمین اِسیقدر ہنر ہین اور اِس طرح بیان کرنا بلیغ ہے اِس کہدینے سے کہ اُسمین کوئی عیب نہین ہے اور اِسکی مثال ایسی ہے کہ جیسے عربی کا شعر ہے کہ ؎ ولا عیب فیھم غیر ان سیوفھم + بھن فلول من قراع الکتائب + (ترجمہ یعنی شاعر کہتا ہے کہ میرے ممدوحین مین اور کوئی عیب نہین ہے بجز اِس کے کہ اُنکی تلوارون مین دشمنون کو مارنے سے دندانے پڑ گئے ہین۔ اور یہ معلوم ہے کہ یہ بات عیب نہین ہے پس معلوم ہوگیا کہ اُنمین کوئی عیب نہین ہے اِسی قبیل سے یہ بھی ہے آگے مولانا فرماتے ہین جسکا خلاصہ یہ ہے کہ اگر حق تعالیٰ کی راہ مین یہ جان فنا بھی ہو جاوے تو کوئی حرج نہین ہے۔ اِس لیے کہ حق تعالےٰ نے اِسکے علاوہ لاکھون جانین پیدا فرمائی ہین جو محبت حق مین اپنی جان کو فنا کر دیتا ہے۔ اُسکو حیات ابدی حاصل ہوتی ہے۔ جیساکہ ظاہر ہے۔ لیکن اُس حیات کے دیکھنے کے لیے چشم بصیرت کی ضرورت ہے۔ جو کہ ہر کسی کو حاصل نہین اِسی لیے لوگ ڈرتے ہین بلکہ لفظ فنا ہی سے گھبراتے ہین اور اگر اُس حیات کو دیکھ لیتے اور اُسکا مشاہدہ ہو جاتا تو پھر کبھی بھی جان دینے مین دریغ نہ کرتے۔ اور ہرگز نہ ڈرتے۔ یہ سارا بخل حقیقت سے ناواقف ہونیکی وجہ سے ہے۔ اب اشعار کا حل سمجھ لو اور منطبق کر لو کہ بہت ہی آسانی سے منطبق ہو جاوینگے فرماتے ہین کہ۔

صد ہزاران جان الخ۔ یعنی حق تعالیٰ نے لاکھون جانین علاوہ اِس جان کے پیدا فرمائی ہین۔

لیکن جس شخص نے اُن کو نہ دیکھا ہو وہ جوانمردی کیسے کر سکتا ہے۔ اور اپنے کو کیسے فنا کر سکتا ہے۔
ور بدیدے کے بجان الخ۔ یعنی اور اگر ان جانوں کو جو اس ایک کے فنا کے بدلہ مین ملین گی۔ فنا سے ڈرنے والا شخص) دیکھ لیتا تو پھر اُس کو جان (دینے) مین کب بخل ہوتا اور ایک جان کی وجہ سے اس قدر غمگین کب ہوتا۔ اس لیے کہ اس کی تو وہ جانین اور حیات ابدی پیش نظر ہے پھر اس عارضی جان کی اُس کو کیا قدر اور کیا پرواہ ہے۔ اُس کی تو یہ شان ہوگی کہ ؎ زندہ کنی عطائے تو در بکشی فدائے تو ✤ دل شدہ مبتلائے تو ہر چہ کنی رضائے تو ✤ اور اُس کی تو یہ حالت ہو کہ ؎ سپردم بتو مایۂ خویش را ✤ تو دانی حساب کم و بیش را ✤ اُس درگاہ مین تو یہ حالت ہے کہ ؎ نیم جان بستاند وصد جان دہد ✤ انچہ در وہمت نیاید آن دہد ✤ پس فنا کو حاصل کرو۔ اور اس کے ذریعہ سے وہ حیات ابدی اور وہ جانین حاصل کرو کہ دیکھو کس قدر سستے مول پر یہ موتی فروخت ہو رہے ہین خوب کہا ہے کہ ؎ کے بیابی این چنین بازار را ✤ کہ بیک گل میخری گلزار را ✤ خوشا نصیب اُس کے جس کو یہ دولت نصیب ہو اے اللہ اس گناہگار کو بھی اپنے اور اپنے رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم کی محبت عطا فرما۔ اور اپنے مرضیات کو اسکی طبعیات فرما دے۔ حضرت مولانا دام ظلہم کی برکت سے ؎ آنانکہ خاک را بنظر کیمیا کنند ✤ آیا بود کہ گوشۂ چشمے بما کنند ✤ مقصود سے دور جا پڑا گیا۔ آگے مولانا فرماتے ہین کہ۔

بر لب جو بخل الخ۔ یعنی ندی کے کنارہ پر پانی (دینے) سے بخل اُس شخص کو ہوتا ہے کہ وہ اُس پانی کی ندی سے اندھا ہوتا ہے تو ایک ایک پیالہ پانی پر مرا جاتا ہے اور کہتا ہے کہ کہان لیے جاتے ہو۔ میرا پانی ہے۔ حالانکہ اُس کو یہ خبر نہین کہ اگر ایک دریا مین سے ایک پیالہ کم ہی ہو گیا تو کیا غضب آگیا۔ اسی طرح اس حیات ابدی کے بدلہ یہ جان فانی فنا ہی ہو گئی تو کیا ہوا اگر چشم بصیرت ہے تو اُس سے حقیقت کو دیکھو۔ اور پھر سمجھو تو کبھی جان دینے سے دریغ نہ ہو اور تم کو فنا مین رغبت ہو۔

گفت پیغمبر الخ۔ یعنی رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص یقینی طور پر اپنے (اعمال کے بدلے (جو) قیامت کے دن (ملین گے) دیکھ لے کہ ایک (عمل) کے دس عوض ملتے ہین تو ہر وقت اُس کی سخاوت بڑھے۔ مطلب یہ کہ فنا سے خوف اس وقت تک ہے جب تک کہ اس حیات کو دیکھا نہین اور جب دیکھ لیگا کہ من جاء بالحسنۃ فلہ عشر امثالہا کہ ایک نیکی کے دس ثواب ملتے ہین تو پھر اُس کو اپنی جان محبت حق اور اُس کی راہ مین فنا کر دینا کچھ مشکل نہ معلوم ہوگی

جود جملہ از عوضہا الخ۔ یعنی یہ سب کی سخاوت عوضوں کے دیکھ لینے کی وجہ سے ہے پس عوض کو دیکھ لینا ڈرنے کی ضد ہے یعنی چونکہ شیطان فقر و فاقہ سے ڈراتا ہے اس لیے انسان سخاوت سے باز رہتا ہے اور اُس کے دل مین یہ خوف ہوتا ہے کہ اگر اس مال کو راہ حق مین دیدیا تو پھر مین مفلس رہ جاؤن گا۔ لیکن جبکہ کسی نے اُن ثمرات پر جو کہ ان اعمال کے عوض مین میسر ہون گے نظر کی تو پھر

وہ ہرگز خوف نہ کرے گا۔ بلکہ وہ تو یہی سمجھے گا کہ ایک خرمہرہ دیکر خزانہ ملتا ہے ۔ پس وہ فوراً اُس خرمہرہ کو دیدینے کے لیے تیار ہو جاوے گا۔ لہذا اُن اعواض کو دیکھ لینا اور فقر و فاقہ سے خوف کرنا یہ دونو آپس مین ضد ہین جب خوف ہوگا تو اعواض کے دیکھنے سے محروم ہے اور اسیطرح بالعکس مین بھی۔

بخل نادیدن الخ۔ یعنی بخل عوضون کے نہ دیکھنے کی وجہ سے ہوتا ہے۔ (اور اگر اُن کو دیکھ لیتے تو پھر بحر محبت الٰہی مین غوطہ زنی سے ہرگز خوف نہ کرتے۔ اور اپنی ہستی کو مٹا کر فنا حاصل کرتے۔ اِس لیے کہ دیکھو) غوطہ زن کو موتی کا دیکھ لینا کس قدر خوش رکھتا ہے اور وہ گوہر کے حاصل ہونے کی امید پر اِس دریاے ذخار مین غوطہ زنی سے نہین گھبراتا۔ اسی لیے کہ اُس نے گوہر کو دیکھ پایا ہے) آگے مولانا ایک لطیفہ فرماتے ہین کہ۔

پس بعالم ہیچکس الخ۔ یعنی کہ پس عالم مین کوئی بخیل نہ ہوگا اِس لیے کہ کوئی بے بدلے کے کچھ لاتا نہین ہے۔ لہذا جب معلوم ہوگیا کہ ہر شخص کسی شئے کی امید پر سخاوت کرتا ہے اور جن کو حصول کی امید نہین ہوتی وہ سخاوت بھی نہین کرتے۔ پس معلوم ہوگیا کہ دنیا مین خائف تو ہین مگر بخیل کوئی نہین یہ ایک لطیفہ ہے۔ آگے فرماتے ہین کہ۔

پس سخا از چشم الخ۔ یعنی (کہ جب یہ تقریر سُن لی) پس اب سمجھو کہ) سخا آنکھ سے ہوتی ہے۔ ہاتھ سے نہیں ہوتی اور آنکھ ہی کچھ کام کی ہو اور سوائے بینا کے کوئی نہین چھوٹتا۔ مطلب یہ کہ جب معلوم ہوگیا کہ منشاء بخل اور سخاوت کا اعواض کا دیکھ لینا اور نہ دیکھنا ہے لہذا معلوم ہوا کہ اصل شئی آنکھ ہوئی کہ سخاوت کا سبب وہی ہے اور ہاتھ تو صرف آلہ ہے آگے مولانا پھر قصہ کی طرف رجوع فرماتے ہین کہ۔

عیب دیگر آنکہ الخ۔ یعنی (اُس بدصورت نے کہا کہ) ایک اور عیب (اُس مین) ہے کہ وہ خود بین نہین ہے۔ اور خود اپنے عیوب کو تلاش کرتا ہے تاکہ اُسکا تدارک کرے۔

عیب گوئی عیب جوئی الخ۔ یعنی کہ اپنے ہی عیوب کو ظاہر کرنے والا اور تلاش کرنے والا اور سب کے ساتھ تو اچھا ہے۔ لیکن اپنے لیے بُرا ہے کہ اپنے عیوب پر نظر رکھتا ہے جب اُسنے اُسکی تعریف مین زیادتی کی تو اُسپر بادشاہ نے فرمایا کہ۔

گفت شہ جلدی مکن الخ۔ یعنی اُس بادشاہ نے کہا کہ اُس کی تعریف کرنے مین جلدی مت کرنا اور اپنی تعریف اُس کے ضمن مین مت لاؤ۔ مطلب یہ کہ تم جو اُس کی اِس قدر تعریف کر رہے ہو یہ صرف اِس لیے ہے کہ تاکہ ظاہر کرو کہ مین بہت ہی متواضع ہون پس یاد رکھو کہ۔

زانکہ من در امتحان الخ۔ یعنی اِس لیے (جلدی مت کرو) کہ مین اُس کو امتحان مین لاؤن گا (یعنی آزماؤن گا کہ تو جو کچھ کہہ رہا ہے آیا وہ صحیح ہے یا غلط ہے تو اِس وقت)

مجھے شرمندگی حاصل ہو داستان مین یعنی اس کہنے کی وجہ سے شرمندگی ہو کہ نہ کہتا اور نہ جھوٹا بنتا جب بادشاہ نے کسیطرح یقین ہی نہ کیا تو اس نے قسمین کھانا شروع کردین۔

تم الربع الاول من الدفتر الثانی من المثنوی المعنوی ویتلوہ الربع الثانی منہ انشاءاللہ تعالیٰ

تاریخ ۲۸ صفر سنہ ۱۳۲۴ھ

عارف باللہ حضرت مولانا جلال الدین رُومی رحمۃ اللہ علیہ کی نادر روزگار،
اور معرکہ آرا کتاب "مثنوی معنوی" کی جامع اور لاجواب شرح

کلیدِ مثنوی

حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہ

4

یہ وہ مقبول خاص و عام کتاب ہے کہ خواندہ ناخواندہ سب ہی اس سے دلچسپی لیتے ہیں مگر مضامین عالیہ ہونے کی وجہ سے مطالب سمجھنے میں بڑی دقت پیش آتی ہے اور بعض اوقات نوبت الحاد و زندقہ تک پہنچ جاتی ہے، حضرت حکیم الامت نے اشعارِ مثنوی کو واضح کر کے اور مسائل تصوف کو عام فہم بنا کر نہایت خوبی سے سمجھا دیا ہے حقیقت یہ ہے کہ اس سے معتبر اور شریعت و طریقت کا پاس و ادب رکھ کر مضامین کو حل کرنے والی کوئی اور شرح نہیں لکھی گئی

ادارہ تالیفاتِ اشرفیہ
بیرون بوہڑ گیٹ
ملتان

کلیدِ مثنوی

عارف باللہ حضرت مولانا جلال الدین رُومی رحمۃ اللہ علیہ کی نادر روزگار

اور معرکہ آراء کتاب "مثنوی معنوی" کی جامع اور لاجواب اُردو شرح

کلیدِ مثنوی

از:

حکیم الامۃ مجدد الملۃ حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی نوراللہ مرقدہ

جلد ۴

یہ وہ مقبول خاص و عام کتاب ہے کہ خواندہ' ناخواندہ سب ہی اس سے دلچسپی لیتے ہیں۔ مگر مضامین عالیہ ہونے کی وجہ سے مطالب سمجھنے میں بڑی دقت پیش آتی ہے اور بعض اوقات نوبت الحاد و زندقہ تک پہنچ جاتی ہے۔ حضرت حکیم الامت نے اشعار مثنوی کو واضح کر کے اور مسائل تصوف کو عام فہم بنا کر نہایت خوبی سے سمجھا دیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس معتبر اور شریعت و طریقت کا پاس ادب رکھ کر مضامین کو حل کرنیوالی اور کوئی شرح نہیں لکھی گئی۔

ادارہ تالیفاتِ اشرفیہ
بیرون بوہڑ گیٹ • مُلتان

ربع دوم دفتر دوم

قال تعالیٰ کما ارسلنا فیکم رسولاً منکم یتلوا علیکم اٰیٰتنا و یزکیکم و یعلمکم الکتٰب و الحکمۃ و یعلمکم ما لم تکونوا تعلمون

چوں در کریمہ صدر قولہ یتلوا و یعلمکم الکتٰب بر فضل علم نظم و معنی و قولہ یزکیکم بر شرف علم کلام و عقائد و علم سلوک و قولہ والحکمۃ بر مزیت علم اسرار و علم اصول دال باوضع بیان رست از ان خبر و بودن تصوف کہ مشتمل بر سلوک و اسرار است از علم دین نیک عیان رست و باتفاق اہل مذاق مثنوی در کتب این فن خاص شان رست لاکن از اغلاقش محتاج تبیان رست + بنا علیہ این شرح اردو کہ معنونش را

کلید مثنوی

عنوان رست این ربع دوم از دفتر دوم از ان رست (بالفاظ و عبارت (مولوی) شبیر علی و مولوی حبیب احمد سلمہا اللہ کہ ہر یکے از ایشان برائے صاحب معانی یعنی حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب دام ظلہم بمنزلہ لسان و ترجمان رست) در وصل متن را چنان حل کردہ کہ نمایت امکان رست و مسائل را بطورے تقریر نمودہ کہ ہم موافق تحقیق اہل اتقان و ہم مطابق حدیث و قرآن رست و اشکالات و اغلاط را بطرزے دور ساختہ کہ مورث اطمینان و امان رست و جابجا ملفوظات سیدنا الحاج محمد امداد اللہ رحمہ کہ مطرب آذان و منشط اذہان رست ہم درو بطریق مطائبہ

حسب فرمایش

محمد شبیر علی مالک اشرف المطابع تھانہ بھون ضلع مظفرنگر با طبع رسید

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الربع الثانی من الدفتر الثانی من المثنوی المعنوی

شرح حبیبی

قسم غلام در صدق وفائے یار خود از طہارت ظن خود

گفت نے واللہ باللہ العظیم ‌ ‌ ‌ مالک الملک رحمٰن و رحیم

آن خدائے کہ فرستاد انبیا ‌ ‌ ‌ نے بحاجت بل بفضل و کبریا

آن خداوندے کہ از خاکِ ذلیل ‌ ‌ ‌ آفرید او شہسوارانِ جلیل

پاکشان کرد از مزاجِ خاکیان ‌ ‌ ‌ بگذرانید از تگِ افلاکیان

برگرفت از نار و نورِ صاف ساخت ‌ ‌ ‌ وانکہ او بر جملہ انوار تاخت

آن سنا برقے کہ بر ارواح تافت ‌ ‌ ‌ تاکہ آدمؑ معرفت زان نور یافت

آن کز آدم رست و دستِ شیثؑ چید ‌ ‌ ‌ پس خلیفہ اش کرد آدمؑ کان بدید

نوحؑ از ان گوہر چو برخوردار شد ‌ ‌ ‌ در ہوائے بحرِ جان دُر بار شد

جانِ ابراہیمؑ ازان انوار زفت ‌ ‌ ‌ بے حذر در شعلہ ہائے نار رفت

چونکه اسمعیل در پیشش فتاد / پیش دشنهٔ آبدارش سر نهاد

جان داود از شعاعش گرم شد / آهن اندر دست بافش نرم شد

چون سلیمان بُد وصالش را رضیع / دیو گشتش بندهٔ فرمان و مطیع

در قضا یعقوب چون بنهاد سر / چشم روشن کرد از بوی پسر

یوسف مه رو چو دید آن آفتاب / شد چنان بیدار در تعبیر خواب

چون عصا از دستِ موسیٰ آب خورد / ملکتِ فرعون را یک لقمه کرد

جان جرجیس از فرش چون کاز یافت / هفت نوبت جان فشاند و باز یافت

چونکه زکریا ز عشقش دم زدے / کرد در جوفِ درختش جان فدے

چونکه یونس جرعه زان جام یافت / در درون ماهی آن آرام یافت

چونکه یحییٰ مست گشت از شوق او / سر بطشت زر نهاد از ذوق او

چون شعیب آگاه شد زین ارتقا / چشم را در باخت از بهرِ لقا

شکر کرد ایوب صابر هفت سال / در بلا چون دید آثار وصال

خضر و الیاس از پیش چون دم زدند / آب حیوان یافتند و کم زدند

نردبانش عیسیٰ مریم چو یافت / بر فراز گنبدِ چارم شتافت

چون محمد یافت آن ملک و نعیم / قرص مه را کرد اندر دم دو نیم

چون ابوبکر آیت توفیق شد / با چنان شه صاحب و صدیق شد

چون عمر شیدای آن معشوق شد / حق و باطل را ز دل فاروق شد

چونکه عثمان آن عیان را عین گشت / نور فائض بود و ذو النورین گشت

چون ز نورش مرتضیٰ شد در فشان / گشت او شیرِ خدا در مرج جان

روشن از نورش چو سبطین آمدند / عرش را دُرّین و قُرطین آمدند

آن یکے از زہر کردہ جان نثار ‌‌ ‌‌ وان سر افگندہ براہش مست وار

چونکہ سبطین از سرش واقف بدند ‌‌ ‌‌ گوشوار عرش ربانی شدند

سبط پاکش ہم حسین و ہم حسن ‌‌ ‌‌ گوشوار عرش حق ذو المنن

چون جنید از جند او دید آن مدد ‌‌ ‌‌ خود مقاماتش فزون شد از عدد

بایزید اندر مزیدش راہ دید ‌‌ ‌‌ نام قطب العارفین از حق شنید

چونکہ کرخی کرخ او را شد حرس ‌‌ ‌‌ شد خلیفہ حق و ربانے نفس

پور ادہم مرکب آنسو راند شاد ‌‌ ‌‌ گشت او سلطان سلطانان داد

وان شقیق از شق آن راہ شگرف ‌‌ ‌‌ گشت او خورشید راے و تیز طرف

شد فضیل از رہزنی رہ پیر راہ ‌‌ ‌‌ چون بلحظہ لطف شد ملحوظ شاہ

بشر حافی را تبشر شد ادب ‌‌ ‌‌ سر نہاد اندر بیابان طلب

چونکہ ذو النون از غمش دیوانہ شد ‌‌ ‌‌ مصر جان را ہمچو شکر خانہ شد

چون ہرے بے سر شد اندر راہ او ‌‌ ‌‌ بر سر ہر سروران شد جاہ او

رحمت و رضوان حق در ہر زمان ‌‌ ‌‌ باد بر جان و روان پاک شان

صد ہزاران پادشاہان جہان ‌‌ ‌‌ سرفراز اند زان سوے جہان

نام شان از رشک حق پنہان بماند ‌‌ ‌‌ ہر گدائے نام شان را بر نخواند

حق آن نور و حق نورانیان ‌‌ ‌‌ کاندران بحر اند ہمچون ماہیان

بحر جان و جان بحر ار گویمش ‌‌ ‌‌ نیست لائق نام نو می جویمش

حق این آنی کہ این و آن از دست ‌‌ ‌‌ مغزہا نسبت بدو باشد پوست

کہ صفات خواجہ تاش و یار من ‌‌ ‌‌ ہست صد چندان کہ این گفتار من

آنچہ میدانم ز وصف آن ندیم ‌‌ ‌‌ باورت ناید چہ گویم اے کریم

غلام نے کہا کہ ہرگز ایسا نہین ہے جیسا حضور والا نے ارشاد فرمایا۔ مین اُس خدائے عظیم کی قسم کھا کر عرض کرتا ہون جو مالک الملک اور رحمٰن و رحیم ہے۔ اور جس خدا نے بنا بر احتیاج نہین بلکہ محض اپنے فضل اور اپنی عظمت و اقتدار غیر مزاحم کی بنا پر انبیاء کو بھیجا ہے۔ اور جسنے کہ ذلیل خاک سے راہ خدا کے بڑے بڑے شہسوار پیدا کیے اور انکو دیگر خاکیون کے مماثل مزاج سے پاک کیا اور اُنکے عروج روحانی کو فرشتون کی دوڑ سے بھی بڑھا دیا ہے اُنکو آتش شہوات و ملکات رذیلہ سے پاک کرکے صاف شفاف نور بنادیا اور پھر وہ نور تمام انوار سے سبقت لے گیا اور اُس نور کی قسم کھاتا ہون جو ارواح پر چمکا تھا۔ تا آنکہ آدم علیہ السلام کو اس سے معرفت حاصل ہوئی۔ اور جو کہ حضرت آدم علیہ السلام سے جلوہ گر ہوا اور جس نے حضرت شیث علیہ السلام کے ہاتھ کو اپنے مکاشفت کے لیے منتخب کیا جسکو دیکھ کر حضرت آدم علیہ السلام نے اُنکو اپنا خلیفہ بنایا۔ اور جس گوہر سے حضرت نوح علیہ السلام نے متمتع ہوکر فضائے بحر جان امت مین گہر باری کی۔ اور اُنکو باطنی موتیون سے مالا مال کیا۔ اور جس عظیم الشان نور کی بدولت حضرت ابراہیم علیہ السلام بے خطر آگ مین گھس گئے۔ اور جس کی نہر مین غرق ہوکر اسمٰعیل علیہ السلام نے خنجر آبدار کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا۔ اور جسکی شعاع سے جان داؤد علیہ السلام گرم ہوئی تو اُنکے زرہ بننے کے ہاتھ مین لوہا نرم ہوگیا۔ اور جس کے وصال سے حضرت سلیمان علیہ السلام متمتع ہوئے تو دیو اُنکے مطیع و تابع فرمان ہوگئے اور جس کے سبب حضرت یعقوب علیہ السلام قضائے الٰہی کے منقاد ہوئے تو بوئے یوسف سے اُنکی آنکھین روشن ہوگئین اور جس آفتاب کو دیکھ کر یوسف علیہ السلام کے اندر تیقظ و بیداری پیدا ہوئی تو وہ خوابون کے معبر کامل بنگئے۔ اور جس کے سبب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ سے مستفیض ہوکر لاٹھی اژدہا بن گئی۔ اور سلطنت فرعون کو نگل گئی۔ اور جس کی شوکت و عظمت کا راز معلوم کرکے جرجیس نے سات بار جان دی اور ہر مرتبہ زندہ ہوگئے۔ اور جس کے عشق کا دم بھر کر زکریا علیہ السلام نے درخت کے اندر اپنی جان فدا کردی۔ اور جسکے جام کا ایک گھونٹ پیکر حضرت یونس علیہ السلام مست ہوگئے تو شکم ماہی مین اُنکو آرام ملگیا۔ اور جسکی لذت سے مست ہوکر حضرت یحییٰ علیہ السلام نے اُس کے شوق مین طشت زر مین اپنا سر رکھدیا یعنی شہید ہوگئے اور جس کے ارتقار و علو مرتبت سے واقف ہوکر اُسے دیکھنے کے اشتیاق مین روتے روتے شعیب علیہ السلام آنکھین کھو بیٹھے۔ اور جس کے آثار وصال کو دیکھکر حضرت ایوب علیہ السلام نے مصیبت مین سات سال شکر و صبر کیا۔ اور جسکی شراب نوشی کا دعویٰ کرکے خضر و الیاس علیہما السلام نے آب حیوان کو باوجود پی لینے کے محقر سمجھا۔ اور چھوڑ دیا اور اُسکی طرف التفات بھی نہ کیا۔ اور جسکی سیڑھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ملی تو وہ اسکے ذریعہ سے آسمان چہارم پر چڑھ گئے۔ اور جس سلطنت و نعمت عظمیٰ کو پاکر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لمحہ مین چاند کے دو ٹکڑے کر دیے۔ اور جس کے سبب ابوبکر صدیق رضؓ خود مہتدی و موفق کامل اور دوسرون کے لیے نشان ہدایت و توفیق ہوے تو جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم جیسے بادشاہ عظیم القدر کے مصاحب خاص اور درجہ صدیقیت پر فائز ہوگئے اور جس معشوق کا شیدا بنکر امیر المومنین عمر بن الخطاب رضؓ تہ دل سے فارق بین الحق والباطل ہوگئے اور جس نور معائن و مشاہد کو دیکھنے کے لیے حضرت عثمان رضؓ ہمہ تن چشم بنگئے۔ تو اُنپر مزید نور فائض ہوا۔ اور ذو النورین بنگئے۔ اور جس کے نور سے دُرفشان ہوکر جناب علی مرتضےٰ کرم اللہ وجہہ چراگاہ ارواح مین شیر خدا بنگئے۔ اور متصرف فی الارواح بالاصلاح ہوگئے اور جس کے نور سے روشن ہوکر سبطین رضؓ حق سبحانہ کے

عرش برین کے گوشوارہ ہوگئے جنمین سے ایک زہر سے شہید ہوے (کما ہو المشہور) اور دوسرون نے راہ خدا مین سر دیا اور کربلا مین شہید ہوگئے اور جس کے راز سے واقف ہو کر سبطین عرش کے گوشوارہ ہوگئے۔ (اعادہ مضمون سابق ہے) سبطین سے مراد جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے پاک نواسے امام حسنؓ و امام حسینؓ ہین جو عرش حق سبحانہ کے گوشوارہ ہین) اور جس کے لشکر سے مدد پاکر حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ نے بے انتہا مقامات رفیعہ پر قبضہ پالیا۔ اور جسکی وفور اور زیادتی سے مہتدی ہو کر حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ نے بذریعہ الہام حق سبحانہٗ سے قطب العارفین کا لقب حاصل کیا (خواہ اپنے الہام سے یا دوسرون کے) اور جس کے سبب حضرت کرخیؒ اپنے مقام کرخ کے محافظ ہو کر یعنی اسمین عبادت مین مصروف رہکر خلیفۂ حق اور گفتۂ او گفتۂ اللہ بود کا مصداق ہوگئے۔ اور جس کے جویان ہو کر حضرت ابراہیم بن ادہم شاہان حکما اور اہل اللہ کے بادشاہ ہوگئے اور جس کے سبب حق سبحانہ کے عجیب و غریب رستہ کو طے کرنے مین مصائب برداشت کرنے سے حضرت شقیق بلخیؒ خورشید راے اور تیز نظر ہوگئے۔ اور جس کے سبب حضرت فضیلؒ پر حق سبحانہ کی نظر عنایت ہوئی تو وہ رہزن سے پیر راہ اور مقتداے راہ حق ہوگئے۔ اور جس کی سبب بشر حافی علیہ الرحمۃ کو ادب میسر ہوا۔ اور وہ بیابان طلب حق مین دوڑنے مین سرگرم ہوئے۔ اور جس کے غم مین حضرت ذوالنون مصریؒ دیوانہ ہوئے۔ اور مصر جان کے شکر خانہ تنگیے کہ ارواح عالم اسنے فیض مرغوبہ حاصل کرنے لگین۔ اور جس کی راہ مین حضرت سری سقطی علیہ الرحمۃ نے سر دیا تو بڑے بڑے شہنشاہون کے تخت سے انکا رتبہ عالی ہوگیا۔ رحمۃ اللہ علی ارواحہم و نفوسہم المقدسہ ابدا و رضی اللہ عنہم اجمعین۔ اور جس کے سبب لاکھون بڑے بڑے بادشاہ (اہل اللہ) اُس عالم سے مستفیض ہو کر اِس عالم مین جلوہ گر ہوے جن کے نامون کو غیرت خداوندی نے مخفی رکھا۔ اور کسی ولی یا ہر ولی کو بھی انکا پتہ نہ چلا۔ لہذا وہ انکا نام زبان پر نہ لاسکے یا پتہ تو چلا مگر اظہار کی اجازت نہوئی اسلیے ظاہر نہ کرسکے نیز مین اس نور کی اور ان نورانی حضرات کی قسم کھاکر عرض کرتا ہون۔ جو اس بحر نور مین مچھلیون کی طرح غرق ہین جسکو اگر مین اس لیے بحر جان کہون کہ روح اسمین غرق ہے اور اس سے حیات حاصل کرتی ہے۔ یا اسلیے جان بحر کہون کہ اُس سے سمندر کو وہی نسبت ہے۔ جو جان سے جسم کو۔ تو مناسب نہین کہ یہ ہر دو اوصاف اُسکے کمترین اوصاف مین سے ہین بلکہ اسکی تعبیر کے لیے مجھے نئے نام کی ضرورت ہے۔ نیز اُس وقت اور اُس ساعت کی قسم کھاکر عرض کرتا ہون جس سے تمام عالم کا ظہور ہوا ہے۔ اور تمام مغز جس کے مقابلہ مین بمنزلہ پوست کے ہین کہ میرے ساقی کے اوصاف اس سے سوگونہ ہین جسقدر کہ مین نے بیان کیے تھے تو اسکے اوصاف یہ ہی معلوم ہین لیکن جو مجھے معلوم ہین انکا آپکو اعتبار نہین آتا۔ پس مین کیا کرسکتا ہون اور کیا کہہ سکتا ہون۔

شرح شبیری

غلام کا اپنی سچائی اور حسن ظن پر قسم کھانا

گفت لے واللہ الخ یعنی کہنے لگا کہ نہین واللہ العظیم باللہ العظیم جو کہ مالک الملک ہے اور رحمن ہے اور رحیم ہے۔ ان سب قسمون کے جواب آگے بعد پیتالیس شعر کے شعر "کہ صفات خواجہ تاش و یار من" مین ہے۔ اور وہان تک یہ ساری قسمین ہین)۔

آن خداے الخ یعنی اور اس خدا کی قسم کہ جسنے انبیا بھیجے (اور ان انبیا کو) کسی حاجت کی وجہ سے نہین (بھیجا

اس لیے کہ حق تعالیٰ تو بے واسطہ کے بھی ہدایت فرما سکتے تھے) بلکہ (انکا بھیجنا صرف) فضل کی وجہ سے (ہے) اس لیے کہ حق تعالیٰ تو احتیاج سے منزہ ہین انکو تو کسی چیز کی احتیاج نہین ہے۔ بلکہ حق تعالیٰ نے صرف بندون پر رحمت و شفقت کی وجہ سے انکی ہدایت کے لیے اُن ہی کی جنس مین سے ارسال فرمایا ورنہ انکو کوئی ضرورت نہ تھی اُسی کو مولانا ایک اور جگہ فرماتے ہین کہ ؎

من نکردم خلق تا سودے کنم — بلکہ تا بر بندگان جودے کنم

آن خداوندے الخ۔ یعنی اُس خدا کی قسم کہ خاک ذلیل سے اُسنے بڑے بڑے شہسوارون کو پیدا فرمایا۔

پاک شان کرد الخ۔ یعنی اور انکو (دیگر) خاکیون کے مزاج سے پاک کیا۔ اور اُنکو آسمان والون کی دوڑ سے بھی آگے گذار دیا۔ مطلب یہ کہ خاک سے پیدا فرما کر اُنھین اسقدر مراتب عطا فرمائے کہ جہان فرشتے بھی نہ جا سکین وہانتک اُنکی رسائی ہو۔ جیسے کہ حضور مقبول صلے اللہ علیہ وسلم جب معراج مین تشریف لے گئے تو سدرۃ المنتہیٰ تک جاکر حضرت جبریل علیہ السلام بھی رہگئے تھے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم آگے تشریف لے گئے تھے۔

بر گرفت الخ۔ یعنی (ان لوگون کو خاک سے پیدا فرما کر) آگ سے الگ کیا (یعنی دوزخ سے بچایا) اور نور صاف بنادیا اور نور بھی وہ جو تمام انوار پر بڑھ گیا۔

آن سنا الخ۔ یعنی وہ چمک اُس برق کی کہ ارواح پر چمکی (جیساکہ حدیث مین آیا ہے۔ ازل مین حق تعالیٰ نے سب ارواح کو جمع کرکے اُنپر رش نور کیا۔ فمن اصاب من ذالک النور اہتدی و من اخطأ ضل پس وہ نور جسکو ملا ہے اُسی نے ہدایت پائی ہے اور جسکو جسقدر مراتب عالیہ حاصل ہوئے ہین وہ سب اُسی نور کی برکت ہے) یہانتک کہ آدمؑ نے معرفت (حق) اُسی نور سے پائی۔

آن کز آدم الخ۔ یعنی وہ نور کہ جب آدم علیہ السلام کے ہاتھ سے چھوٹ گیا اور حضرت شیث علیہ السلام کے ہاتھ نے چن لیا (اُنھون نے اُسکو حاصل کر لیا) پس آدم علیہ السلام نے اُنکو خلیفہ کر دیا کہ (اُس نور کو) دیکھا (اور معلوم ہوگیا کہ انھین بھی قابلیت ہے تو اُنکو اپنا خلیفہ کر دیا۔ تو یہ قابلیت بھی اُس نور ہی کی برکت ہے۔

نوح از ان الخ۔ یعنی نوح علیہ السلام جبکہ اُس موتی سے برخوردار ہوے تو بحر جان کی خواہش مین موتی برسانے والے ہوے۔ اسلیے کہ اُنسے جو فیض پہونچا وہ سب اُس نور ہی کی برکت تھی۔

جان ابراہیم الخ۔ یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی جان اُن ہی عظیم انوار (کی وجہ سے) بیخوف آگ کے شعلون مین چلی گئی یہ بھی اُس نور ہی کی برکت تھی جیساکہ مشہور و معروف و معلوم ہے۔

چونکہ اسمعیل الخ۔ یعنی جبکہ حضرت اسمعیلؑ اُسکی ندی مین گر پڑے (یعنی اوس نور معرفت مین غرق ہوگئے) تو اون کے خنجر آبدار کے سامنے سر رکھدیا۔ یہ بھی اُس نور ہی کی برکت تھی جیساکہ معلوم ہے۔

جان داؤد الخ۔ یعنی داؤد علیہ السلام کی جان جب اُسکی شعاع سے گرم ہوئی (یعنی اُنکو گرمی عشق کی حرارت پہونچی) تو لوہا اُنکے بُننے کے (لیئے) ہاتھ مین نرم ہوگیا۔ جیساکہ قرآن شریف مین ہے والنالہ الحدید ان اعمل سابغات وقدر فی السرد اور مشہور ہے کہ جب وہ زرہ بناتے تھے تو لوہا اُن کے ہاتھ مین موم کی طرح نرم ہو جاتا تھا۔

چون سلیمان الخ۔ یعنی جبکہ سلیمان علیہ السلام اُسکی وصال کے دودھ پینے والے (حاصل کرنے والے) ہوگئے

(یعنی جبکہ انکو وصل حاصل ہو گیا) تو دیو انکے حکم کے غلام اور مطیع ہو گئے۔ یہ بھی اُس نور ہی کی برکت ہے۔
در قضا یعقوب الخ۔ یعنی جبکہ یعقوب علیہ السلام نے قضا مین سر رکھا یعنی اُسپر صبر کیا اور کہا کہ انما اشکو بثی و حزنی الی اللہ تو اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ) صاحبزادہ (کے پیراہن) کی بو سے آنکھین روشن کرین یہ بھی اُسی نور کی برکت ہے۔ بعض محشیون نے حضرت یعقوب علیہ السلام کے نابینا ہونے کو اور حضرت شعیب علیہ السلام کے نابینا ہونے کا انکار کیا ہے اور یہ کہا ہے کہ نابینا تو نہ ہوے تھے بلکہ ضعیف البصر ہو گئے تھے اور وجہ یہ بیان کرتے ہین کہ اگر انکو نابینا مان لیا جاویگا۔ تو نبی کے اندر عیب ہونا لازم آتا ہے حالانکہ انبیا علیہم السلام سب بے عیب پیدا فرمائے گئے ہین۔ تاکہ کوئی اعتراض کی نگاہ سے نہ دیکھے۔ انتہی۔ بھلا کوئی ان بھلے مانسون سے پوچھے کہ نابینا ہونے کو تمنے عیب کہان سے گڑھ لیا۔ ہم کہتے ہین کہ نابینا ہونا عیب ہی نہین ہے۔ اسلیے کہ عیب وہ ہے جسپر کہ لوگ طعن کرین۔ اور اُسکو بُرا جانین۔ بلکہ نابینا ہونے کے بعد تو لوگ اسکا اور زیادہ خیال کرتے ہین اور اُسپر ترس کرتے ہین نہ کہ بُرا جانتے ہین پس معلوم ہوا کہ یہ عیب ہی نہین بلکہ ایک مرض ہے اور انبیاؑ کا مریض ہونا مسلم ہے پس وہ بے شک عیوب سے پاک تھے لیکن امراض بدنی مین تو مبتلا ہوتے بھی تھے۔ اور اگر حضرت یعقوب علیہ السلام کے نابینا ہونے کا انکار کرتے ہین تو قرآن شریف مین جو آیا ہے وابیضت عیناہ یعنی روتے روتے اُنکی آنکھین سفید ہو گئین اور انکی سیاہی جاتی رہی تو جب سواد چشم نہین رہتی اُس وقت تو بینائی ہرگز بھی نہین رہتی دوسری جگہ فرماتے ہین کہ فارتد بصیرا یعنی وہ بصارت کی طرف واپس ہو گئے۔ پس سمجھ لو کہ درمیان مین بصر نہ رہی تھی جب پیراہن ڈالا گیا تو بصارت واپس آگئی۔ انکا کیا جواب دینگے خوب سمجھ لو۔ کہ اُنکے نابینا ماننے مین کوئی خرابی لازم نہین آتی۔ بلا دلیل یہ کہنا کہ اُنکی بینائی گئی نہ تھی بلکہ صرف ضعیف ہو گئی تھی اور آیات قرآنی کے خلاف کہنے کی کوئی ضرورت نہین سیدھی بات یہ ہے کہ کہا جاوے کہ نابینا ہونا عیب ہی نہین ہے۔
یوسف مہرو الخ۔ یعنی یوسف ماہرو علیہ السلام نے جب وہ آفتاب (نور) دیکھا تو تعبیر خواب مین ایسے بیدار (مغز) ہو گئے کہ جو تعبیر دی وہی درست ہوتی تھی اور اُسی کے مطابق ہوتا تھا یہ بھی اُس نور ہی کی برکت تھی۔
چون عصا الخ۔ یعنی جبکہ عصا نے موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ سے پانی پیا (یعنی برکت حاصل کی) تو فرعون کے ملک کو ایک لقمہ کر لیا یعنی اُنکو مغلوب کر دیا۔ اسلیے کہ جب ساحرون سے مقابلہ ہوا ہے تو اُس عصا نے اُنکے بنائے ہوے سانپون وغیرہ کو کھا لیا اُسکے بعد فرعون مغلوب ہو گیا اور اسکا ملک جاتا رہا۔ اور از دست موسے آب خورد مین اُس طرف اشارہ ہے کہ یہان عصا صرف آلہ تھا اور اُسمین نور کا اثر نہ تھا بلکہ اصل اثر تو موسیٰ علیہ السلام کے دست مبارک مین تھا اس عصا مین اُس واسطہ سے آجاتا تھا۔ اور یہ سب اُس نور کی برکت ہے۔
جان جرجیس الخ۔ یعنی جرجیس علیہ السلام نے اُنکے دبدبہ کا راز پا لیا تو سات مرتبہ جان بکھیری اور پھر پائی قصہ اہل سیر نے لکھا ہے کہ یہ ایک پیغمبر ہین اُنکی قوم نے اُنکو ستر مرتبہ ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا اور یہ اُسی قدر مرتبہ زندہ ہو گئے تو یہ بھی اوسی نور ہی کی برکت تھی اور مولانا کا سات مرتبہ کہنے سے مراد عدد نہین ہے بلکہ صرف تکثیر مراد ہے کہ بہت مرتبہ ایسا ہوا۔
چونکہ زکریا الخ۔ یعنی جبکہ زکریا علیہ السلام اُسکے عشق سے دم بھرتے تھے تو اوسکے درخت کے جوف مین جان خدا

کردی - جیساکہ معلوم ہوا ہے - کہ انکی قوم انکے قتل کیواسطے تعاقب مین تھی تو انھون نے ایک درخت سے پناہ یعنی چاہی تو وہ پھٹ گیا اور حضرت اُسمین تشریف لے گئے - تو شیطان نے آکر انکی قوم کو بتایا کہ وہ اس درخت مین ہین تم اسکو چیر دو لہذا انھون نے اُسکو چیرا تو آرہ اُنکے سر پر چلا مگر اُف بھی نہ کی یہ بھی اُس نور کی برکت ہے -

چونکہ یونس الخ - یعنی جبکہ یونس علیہ السلام نے اُس جام مین سے ایک گھونٹ پی لیا تو مچھلی کے اندر انھون نے آرام پایا یہ بھی اُسکی برکت ہے -

چونکہ یحییٰ الخ - یعنی جبکہ یحییٰ علیہ السلام اس (نور) کے شوق سے مست ہوگئے تو طشت زر مین ذوق (اور خوشی) سے سر رکھدیا انکا قصہ اہل سیر نے لکھا ہے کہ ایک بادشاہ اپنے کسی محرم سے زنا کرنا چاہتا تھا اور حضرت یحییٰ علیہ السلام منع فرماتے تھے اور وہ عورت اُنکی دشمن تھی تو اُسنے بادشاہ سے یہ کہا کہ مین تمھارا کہنا جب قبول کرونگی جب انکا سر میرے پاس لاؤ گے - تو اُس بادشاہ نے انکو قتل کر کے اور طشت زر مین انکے سر کو رکھکر اُسکے پاس پیش کیا تو لکھا ہے کہ اسوقت بھی صرف سر یہ کہہ رہا تھا کہ دیکھو خبردار ایسا مت کرنا - اور انکو برابر زنا سے روک رہا تھا - اللہ اکبر

چون شعیب الخ - یعنی جبکہ شعیب علیہ السلام نے اس بلندی (مراتب) کی خبر پائی تو وصل کے واسطے آنکھون کو ہار دیا - اہل سیر نے لکھا ہے کہ حق تعالیٰ کی محبت مین روتے روتے انکی آنکھین جاتی رہی تھین اور محشیونکی غلطی اوپر شعر در قضا یعقوب الخ مین بیان کردی گئی ہے -

شکر کرد الخ - یعنی حضرت ایوب صابر علیہ السلام نے سات برس تک صبر کیا جبکہ بلاہی مین وصال کے آثار دیکھے اونکو جو یہ صبر کی ہمت ہوئی یہ بھی اوسی نور کی وجہ سے ہوئی -

خضر و الیاس الخ - یعنے حضرت خضر و حضرت الیاس علیہما السلام نے جب اُس شراب سے دم مارا (یعنی اُسکو پیا) تو آب حیوان کو پایا اور کم التفات کیا - بعض لوگون نے لکھا ہے کہ یہ حضرات زندہ ہین - اور اکثر لوگون کو ملتے بھی ہین اور ہر سال دونون حج کرتے ہین اور وہان جمع ہوتے ہین اور ایک دوسرے کا سر مونڈتے ہین اور یہ جو مشہور ہے کہ خضر علیہ السلام اور سکندر دونون چشمہ حیوان پر گئے تھے بالکل غلط ہے اس لیے کہ کہان حضرت خضر علیہ السلام اور سکندر رومی اسلیے کہ اول تو زمانہ دونونکا بہت ہی مختلف اور پھر سکندر رومی کافر اور حضرت خضر علیہ السلام نبی پھر اُن دونون کا ساتھ کہان ہوتا - یہ ویسے ہی مشہور ہوگیا ہے بلکہ وہ جو زندہ ہین وہ بغیر آب حیات کے پینے کے زندہ ہین اُسی کو مولانا فرماتے ہین کہ باوجودیکہ انھون نے چشمہ حیوان کو پایا مگر اُسکو کچھ بھی نہ سمجھا -

مرد بالش الخ - یعنی اُس (نور) کا زینہ جب مریم علیہما السلام کے عیسیٰ علیہ السلام نے پالیا تو چوتھے آسمان کی بلندی پر دوڑ گئے جیسا کہ مشہور ہے کہ وہ چوتھے آسمان پر ہین اور معراج مین اُنکا دوسرے آسمان پر ملنا ثابت ہوتا ہے اسلیے یون کہین گے کہ گنبد سے مراد آسمان نہین ہے بلکہ مطلق کرہ مراد ہے تو اب یہ ہوگیا کہ چونکہ خاک سے اوپر کرہ ہوا ہے اسکے بعد کرہ نار ہے پھر آسمان اول اور پھر آسمان دوم تو ان دونون کرہ نار اور ہوا کو بھی ملا کر گنبد چہارم کہدیا ہے - اور وہان پہونچنا بھی اوس نور ہی کی وجہ سے ہے -

چون محمد الخ - یعنی جبکہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم نے وہ (نور کا) ملک و نعمت پایا تو ایکدم مین چاند کے دو ٹکڑے کردیے یہ جو کچھ تھا سب اسی نور کی برکت تھی یہانتک تو انبیاء کا ذکر تھا اب خلفاء راشدین کا ذکر ہے -

چونکہ ابوبکر الخ - یعنی جبکہ ابوبکر رضی اللہ عنہ توفیق (حق) کی نشانی ہوگئے تو ایسے بادشاہ (یعنے حضور مقبول صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھی اور صدیق ہوگئے - یہ بھی اوس نور ہی کی برکت ہے کہ انکو ایسقدر عظیم الشان درجہ حاصل ہے
چونکہ عمر الخ - یعنی جبکہ عمر رضی اللہ عنہ اوس معشوق (حضور مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے شیدا ہو، تو حق اور باطل کے (درمیان مین) دل کی طرح فرق کرنیوالے ہوگئے - یہ بھی اُس نور ہی کی وجہ سے تھا -
چونکہ عثمان الخ - اور جبکہ عثمان رضی اللہ عنہ اوس ظاہر کے لیے چشمہ ہوگئے تو نور فائض ہوا اور ذوالنورین ہوگئے مطلب یہ ہے کہ پہلے نور پر زیادتی ہوئی تو ذوالنورین ہوگئے اگرچہ ذوالنورین کہنے کی تو یہ وجہ ہے کہ حضور مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی دو صاحبزادیون سے اُنکا نکاح ہوا ہے - مگر اس لقب کے لیے یہ بھی ایک لطیفہ ہے کہ اُنکے نور پر زیادتی ہوئی اسلیے وہ ذوالنورین ہوگئے - یہ بھی وہی تھا -
چون ز رویش الخ - یعنے جبکہ اوس (نور) کے منھ سے (حضرت علی) مرتضے کرم اللہ وجہہ موتی بکھارنے والے ہوے تو وسط جان مین شیر خدا ہوگئے یعنے اُنکا یہ لقب بھی اُس نور کی برکت سے تھا - یہانتک خلفاء راشدین کا ذکر تھا - آگے اہلبیت کا ذکر ہے -
روشنی الخ - یعنے جبکہ اوسکے نور سے حضرت امام حسن و امام حسین رضی اللہ عنہما روشن ہوے تو عرش کیلیے دو موتی اور دو بالیان ہوگئے (یعنے زینت دہ عرش ہوگئے اور) ایک نے تو زہر سے جان نثار کردی اور دوسرے نے اوسکی راہ مین سر ڈالدیا کہ کربلا مین شہید ہوئے - یہ بھی سب اوس ہی نور کی برکت سے آگے اولیاء اللہ کا تذکرہ ہے -
چون جنید الخ - یعنے جبکہ حضرت جنید قدس سرہ نے اوسکے (حق تعالے کے) لشکر سے مدد دیکھی (یعنے فضل ہوا) تو انکے مقامات عدد سے کہین زیادہ ہوگئے یہ بھی اوس نور ہی کی برکت ہے -
بایزید الخ - یعنے حضرت بایزید قدس سرہ نے جب اوس (نور) کی زیادتی مین راہ دیکھی تو حقتعالی کیطرف سے قطب العارفین کا لقب پایا کہتے ہین کہ لقب الہامی ہے تو دیکھو اونکا یہ مرتبہ بھی اوس نور ہی کی وجہ سے ہوا کہ انکو یہ خطاب ملا -
چونکہ کرخی الخ - یعنے جبکہ حضرت کرخی قدس سرہ کرخ کے محافظ ہوگئے (یعنے وہین رہ کر عبادت مین مشغول رہے اور کہین نہین گئے - تو خلیفہ ہوگئے اور ربانی نفس ہوگئے جیسا کہ ظاہر ہے کہ کسقدر جلیل القدر بزرگ تھے یہ بھی اوس نور ہی کی بدولت ہوا -
پور ادھم الخ - یعنے ادھم قدس سرہ کے بیٹے نے جب اوس (نور) کی طرف مرکب خوش خوش چلایا تو وہ بادشاہان انصاف کے بادشاہ ہوگئے - یہ بھی اوس ہی کی وجہ سے ہوا -
وان شقیق الخ - یعنی شقیق قدس سرہ اوس راہ شگرف کے شگاف سے وہ خورشید جیسے رائے والے اور تیز نگاہ ہوگئے یعنے انکا فہم و ذکا بڑھ گیا جیسا کہ بارہا بیان ہوا ہے کہ اولیاء اللہ کے علوم وہبی ہوتے ہین یہ بھی اوس نور ہی کے سبب سے ہوا -
قد فضیل الخ - یعنے حضرت فضیل قدس سرہ ڈاکہ ڈالنے سے راہ حق کے بیر (اور رہبر ہوگئے) جبکہ بادشاہ

حقیقی یعنی خدائے تعالے) کی نگاہ لطف کے منظور ہو گئے یہ پہلے رہزنی کیا کرتے تھے اور بہت قوی آدمی تھے پھر خدا نے ہدایت دی تو پھر شیخ وقت ہوئے اور جسطرح ڈکیتی مین مشہور تھے اُس سے زیادہ اس راہ مین مشہور و معروف اور کامل ہوئے۔ یہ بھی اسی ہی کی برکت تھی۔

بشر حافی الخ۔ یعنی کہ بشر حافی قدس سرہ کو ادب بشارت دینے والا ہوا کہ طلب کے جنگل مین سر رکھا۔ انکا قصہ یہ لکھا ہے کہ ایک مرتبہ کسی قاری کو الم نجعل الارض مہادا پڑھتے سُن لیا تھا و زگ کہنے لگے کیا خدا کے فرش پر جوتے لیکر چلین گے اور اوس روز سے ننگے پیر پھرا کرتے تھے اسلیے انکا لقب حافی (یعنی ننگے پاؤن) ہو گیا تو اونکا یہ ادب اُنکے مراتب کی ترقی کا بشارت دینے والا ہوا۔ اور جب اونہون نے یہ ادب کیا تو اوس طرف سے یہ قدر ہوئی کہ تمام جانورون وغیرہ کو حکم ہو گیا کہ کوئی راستہ مین بیٹ یا گوبر وغیرہ نہ کرتے تو چونکہ یہ بزرگ بغداد مین تھے لہذا بغداد کی سڑکین بالکل صاف پڑی رہتی تھین ! ور کوئی غلاظت وغیرہ وہان نہوتی تھی ایک روز ایک بزرگ نے دیکھا کہ ایک جانور نے بیٹ کی فوراً کہا کہ انا للہ وانا الیہ راجعون معلوم ہوتا ہے کہ بشر حافی نے انتقال کیا۔ پس معلوم ہوا کہ عین اوسی وقت انتقال ہوا تھا پس وہ ادب کرنے والے تشریف لیگئے اور وہ قر نطینہ اوٹھ گیا۔ یہ ساری باتین اوسی نور کا فیض تھا۔

چونکہ ذوالنون الخ۔ اور جبکہ حضرت ذوالنون مصری قدس سرہ اوسکے غم مین دیوانہ ہو گئے (یعنے اوس ہی مین مست ہو گئے اور دیوانہ سے مراد پاگل نہین ہے) تو جان کی مصری کیلیے مثل شکر خانہ کے ہو گئے یعنے جان کو شیرینی اور فرحت بخشنے والے ہو گئے۔ یہ بھی اوسی نور کی برکت تھی۔

چونکہ سری الخ۔ یعنی جب حضرت سری سقطی قدس سرہ اوسکی راہ مین بے سر ہوئے تو (اسیکا یہ اثر ہوا کہ) سردارون کے تخت پر اُنکا مرتبہ ہو گیا۔ یعنی بہت ہی بلند مرتبہ ہو گئے۔ یہ بھی اوسیکی بدولت ہوا۔ یہان تک اولیاء اللہ مشاہیر کے اکثر کے نام بتلا کر آگے فرماتے ہین کہ۔

صد ہزاران الخ۔ یعنے لاکھون بڑے بڑے بادشاہان (حق کے راستے کے) سرفراز ہین اوس جہان سے یعنی یہ جو ہمنے گنوا دیے ہین یہ تو بہت کم ہین ورنہ حق تعالے کی مخلوق مین لاکھون اور کرورون ایسے ملینگے کہ جو اوس طرف کے فیوض سے سرفراز ہونگے مگر اُنکو کوئی نہ جانتا ہو گا مثلاً ایک مرتبہ حضرت محبوب الاولیا سلطان نظام الدین دہلوی قدس سرہ العزیز کہین تشریف لیجا رہے تھے راستہ مین مغرب کا وقت ہو گیا اور سامنے ایک مسجد آ گئی۔ مگر ویران تھی تو حضرت نے انتظار کیا کہ کوئی آوے تو جماعت کیجاوے حتے کہ ایک لکڑہارا آیا اور اسنے جلدی سے لکڑیان ڈالکر حضرت کو سلام کیا۔ حضرت نے فرمایا کہ بھائی جلد وضو کر لو اوسنے کہا کہ نظام الدین وہ مسلمان ہی کیا جو ہر وقت با وضو نہ رہے اس کہنے پر جو حضرت نے اُسکے باطن کی طرف غور کیا تو معلوم ہوا کہ بہت ہی بڑے درجہ کا آدمی ہے اور بظاہر لکڑہارا تھا تو اسیطرح مولانا فرماتے ہین کہ لاکھون ایسے ہونگے جنکی کسیکو خبر بھی نہین۔ اور اُنکے مراتب ان سب سے عالی ہون اسلیے کہ اشہر ہونیکے لیے اقرب ہونا لازم نہین ہے ملا۔ بہر حال خدا کا شکر ہے جس سے چاہین کام لین اور جسکو چاہین آرام مین رکھین بعض مرتبہ بوجہ زیادتی رحمت اور تعلق کے حق تعالے بعضون کے لیے یونہی چاہتے ہین کہ بس یہ آرام سے رہین

اور اونسے کوئی کام نہین لیتے۔ بس مزہ سے اللہ اللہ کہے جاؤ۔ اور بعضون سے خوب کام لیتے ہین۔ تو مشہور ہونا مقرب ہونے کے لیے ضروری نہین اور نہ بالعکس۔ خوب سمجھ لو۔ اور اسکی نظیرین لاکھون موجود ہین جو اولیاء اللہ کے قصص مین موجود ہین۔

نام شان الخ یعنے اونکا نام حق تعالی کے رشک کیوجہ سے پوشیدہ رہا۔ اور ہر فقیر نے انکے نام کو برملا نہ پایا یعنے بعض کے ساتھ حق تعالی کو ایسا تعلق ہوتا ہے۔ کہ حق تعالی کو رشک ہوتا ہے کہ ہمارے محبوب اور محب کا نام دوسرا بھی جانے ہرگز نہین بس اسلیے اونکو گم نام فرما دیتے ہین۔ جیساکہ فرماتے ہین کہ اولیائی تحت قبائی لایعلمھم سوائی۔ یعنے میرے دوست میری قبا کے نیچے ہین اونکو میرے سوا کوئی نہین جانتا۔ تو بوجہ رشک حق کے وہ پوشیدہ ہین اور اسلیے مشہور نہین ہین کہ ؎ غیرت از چشم برم روئے تو دیدن ندہم ✻ گوش را نیز حدیث تو شنیدن ندہم۔ اسکی ایسی مثال ہے کہ جیسے اہل سیر نے لکھا ہے کہ ایکمرتبہ حضرت موسی علیہ السلام نے عرض کیاکہ یا الٰہی اپنے کسی ایسے بندے کو دکھلا۔ کہ جو تیرا انتہا درجہ محب ہو۔ حکم ہوا کہ فلان جگہ جاؤ وہان تمکو ایک شخص ایسے ہی ملین گے غرضکہ یہ تشریف لے گئے۔ اور کہاکہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ بس یہ کہنا تھاکہ ایک چیخ مارکر انتقال فرما گئے۔ حضرت موسی علیہ السلام نے درگاہ باری مین عرض کیاکہ اے بار آلہا یہ کیا ماجرا تھا ارشاد ہوا کہ یہ شخص اسوقت تک اس خیال مین مگن تھاکہ بس خداوندکریم میرے محبوب ہین۔ اور میرے سوا اونکے نام کو کوئی نہین جانتا۔ صرف اس خیال نے اُسکو مست کررکھا تھا آج تمھارے منھ سے جو ہمارا نام سن لیا تو اُسکو غیرت آئی کہ میرے محبوب کا نام کوئی دوسرا بھی جانتا ہے اور دنیا مین میرا کوئی رقیب بھی ہے۔ بس اس غیرت اور شرم کے مارے مرگیا۔ اور اسکی تو یہ حالت تھی کہ ؎ باسایہ ترانمی پسندم ✻ عشق است ہزار بدگمانی ✻ پس اسی طرح حقتعالی کو اپنے محبین کا نام ظاہر فرماتے ہوے رشک ہوتا ہے اسلیے لاکھون اولیاء اللہ مخفی اور غیر معلوم ہین۔

رحمت الخ یعنے حق تعالی کی رحمت اور رضامندی ہر زمانہ مین اونکی جان اور روان پاک پر ہو۔

حق آن الخ یعنے قسم اوس نور کی اور اُن نورانیون کی کہ وہ اوس دریا (محبت) مین مثل مچھلیون کے ہین کہ نہ اس سے نکلنا چاہتے ہین اور نہ کسی وقت اوسکے پانی کا کم ہونا گوارا ہے۔ بلکہ ہر وقت اللھم زد فزد کی صدا ہے اور یہ نہ کہا جاوے کہ نورانیون کی قسم کھانا جس سے کہ مراد غیر اللہ ہین کیسے صحیح ہو سکتا ہے۔ بات یہ ہے کہ چونکہ اوس نور سے جو کہ نور حق ہے ان حضرات کو غایت تلبس ہے اسلیے انکی بھی قسم کھالی۔ اور یا یہ کہو کہ چونکہ مولانا پر اسوقت توحید کا غلبہ ہے اور اسکو بیان فرما رہے ہین لہذا ان نورانیون کو بھی عین اصطلاحی سمجھ کر اونکی بھی قسم کھالی۔ فلا اشکال آگے فرماتے ہین۔

بحر جان الخ یعنے مین اوسکو بحر جان اگر کہون یا جان بحر تو کوئی نام بھی اسکے لائق نہین ہے اسلیے کوئی نیا نام تلاش کرتا ہون مطلب یہ کہ کوئی نام جو کہ اوسکی کل صفات کا جامع ہو نہین ملتا۔ حیران ہون کیسا کہون کچھ سمجھ مین نہین آتا۔ آگے فرماتے ہین کہ۔

حق آن الخ یعنے قسم ہے اوسوقت کی کہ یہ اور وہ سب اوسکی طرف سے ہے اور مغز اور اسکی نسبت سے

دیکھو تو پوست ہین۔ مطلب یہ کہ جو چیزین اور ونکی نسبت مغز اور لب معلوم ہوتی ہین وہ اصل موجودات معلوم ہوتے ہین وہ اوسکے سامنے کالعدم اور مثل قشر کے تابع محض معلوم ہوتے ہین اور جو کچھ ہے وہی ہے۔ س گلستان مین جاکر ہر اک گل کو دیکھا ٭ تیری ہی سی رنگت تیری ہی سی بو ہے ٭ اور س بسکہ در جان فگار و چشم بیدارم توئی ٭ ہر کہ پیدا می شود از دور پندارم توئی ٭ ان قسمونکا جواب اس اگلے شعر مین ہے کہ صفات الخ۔ یعنے کہ (ان سب کی قسم) میرے یار اور خواجہ تاش کی صفات اس میرے کہنے سے سو گنی زیادہ ہین۔

انچہ میگویم الخ۔ یعنے اے ندیم اور جو اوسکے اوصاف مجکو معلوم ہین آپکو یقین نہ آئیگا اسلیے کیا عرض کرون ورنہ وہ تو بڑا باوصف شخص ہے کہ جسکے اوصاف بیان مین آہی نہین سکتے۔ اور بادشاہ کو ندیم اسلیے کہدیا کہ وہ پاس تو بیٹھا ہی تھا۔ غرضکہ اس غلام نے اسکی خوب ہی قسمین کھا کھا کر تعریفین کین اور اپنی ساری برائیان تسلیم کرلین جس سے کہ اوسکی حد درجہ کی تواضع ثابت ہوگئی۔ اور اس بادشاہ کی گفتگو گذشتہ و آئندہ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ خود کوئی کامل اور عارف ہے اور اس غلام کی حالت کا امتحان مقصود ہے کہ اسکے اخلاق کس قسم کے ہین یہان تک کی باتون سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس غلام کو اپنے سامنے اور سب کیساتھ حسن ظن تھا اور اپنے عیوب پر نظر تھی اسی لیے باوجود اسکے کہ وہ دوسرا اسقدر شریر وغیرہ تھا مگر اوسکی تعریف ہی کرتا رہا۔ آگے بادشاہ پھر سوال کرتا ہے کہ۔

شرح حبیبی

شاہ گفت اکنون از آن خود بگو	چند گوئی آن این و آن او
تو چہ داری و چہ حاصل کردہٗ	از تگ دریا چہ دُر آوردہٗ
روز مرگ این حسن تو باطل شود	نور جان داری کہ یار دل شود
در لحد کین چشم را خاک آگند	ہست آنچہ گور را روشن کند
آن زمان کین دست و پایت بر درد	پر و بالت ہست تا جان بر پرد
نور جان لاتدل بود لے یار غار	مستعار آنرا مدان اے ہست عار

آن زمان کین جان حیوانی نماند ۔ جان باقی بایدت برجا نشاند

شرط من جا بالحسن نی کردنست ۔ بل حسن را سوئے حضرت بردنست

جوہرے داری ز انسان یا خرے ۔ این عرضہا کہ فنا شد چون برے

این عرضہائے نماز و روزہ را ۔ چونکہ لا یبقے زمان انتقا

نقل نتوان کرد مر اعراض را ۔ لیک از جوہر برند امراض را

تا مبدل گشت جوہر زین عرض ۔ چون ز پرہیزی کہ زائل شد مرض

گشت پرہیز عرض جوہر بجہد ۔ شد دہان تلخ از پرہیز شہد

از زراعت خاکہا شد سنبلہ ۔ داروے مو کرد مو را سلسلہ

آن نکاح زن عرض بد شد فنا ۔ جوہر فرزند حاصل شد ز ما

جفت کردن اسپ و اشتر را عرض ۔ جوہر کرّہ بزائیدن غرض

ہست آن بستان نشاندن ہم عرض ۔ گشت جوہر میوہ‌اش اینک غرض

ہم عرض دان کیمیا بُردن بکار ۔ جوہرے زان کیمیاگر شد بیار

صیقلے کردن عرض باشد شہا ۔ زین عرض جوہر ہمی زاید صفا

پس مگو کہ من عملہا کردہ ام ۔ دخل آن اعراض را بنما مرم

این صفت کردن عرض باشد خمش ۔ سایۂ بز را پے قربان مکش

جب وہ غلام اپنے ندیم کی بہت کچھ تعریف کر چکا تو بادشاہ نے کہا کہ اسکے اور اوسکے حالات کب تک بیان کرتا ہوگا
اب کچھ اپنی حالت بیان کر کہ تیرے پاس کیا ذخیرہ ہے۔ اور تو نے کیا کمال حاصل کیا ہے۔ اور اس بحر نور
کے تہ سے جسکا تو نے اوپر ذکر کیا ہے کیا موتی نکالا۔ اور کونسا کمال حاصل کیا ہے۔ موت کے دن تیری
حسن ظاہری و جسمانی تو جاتی ہی رہیگی اب تو یہ بتا کہ نور روح تیرے پاس ہے جو تیرے دل کا ساتھی ہو
اور قبر جو کہ تیری جسمانی آنکھ خاک سے بھر دیگی جس سے بصورت بینائی ہونے کے بھی دکھلائی نہین دیسکتا
اسکے لیے کیا تیرے پاس کوئی ایسی چیز (نور روح) ہے جو اوس تیرہ و تار مکان کو روشن کرکے تجھے راحت
پہونچا سکے۔ اور جسوقت کہ یہ تیرے ہاتھ پانون پاش پاش ہو جائینگے اور تو مر کر خاک ہو جائیگا تو ایسے
وقت کے لیے تیرے لیے پرہ بازو (کمال) ہین جنکے ذریعہ سے تیری روح بلند پروازی کرکے معراج قرب حق
حاصل کر سکے۔ اور چونکہ نور جان صرف صحت و سلامت قلب ہی سے حاصل ہو سکتا ہے خارج سے
حاصل نہین ہو سکتا۔ تو کیا تیرا دل سلیم ہے یاد رکھ جبکہ یہ روح حیوانی کہ بخارات لطیفہ کا نام ہے فنا
ہو جائیگی اور تجھپر جسمانی موت طاری ہوگی اوس روز تجھے جان باقی ببقاء الحق اور روح کامل کو اوسکی
جگہ ٹھہرانے اور بحیات روحانی زندہ ہونیکی ضرورت ہوگی تاکہ تو قیامت مین اوسکو حق سبحانہ کے پاس
لیجا سکے۔ کیونکہ حق سبحانہ فرماتے ہین من جاء بالحسنۃ فلہ عشر امثالہا اس آیت مین مجئی بالحسن و اتیان
بالحسن کو دس گنی جزا دیے کے لیے شرط قرار دیا ہے نہ کہ عمل کو اور یہ نہین فرمایا کہ من عمل حسنا فلہ عشر امثالہا
پس اس سے ظاہر ہے کہ ماتی بہ جوہر حسن (روح کامل) ہونا چاہیے۔ اب تو یہ بتلا کہ تجھ مین روح انسانی
اور روح کامل بھی ہے جسکو تو حق سبحانہ کے حضور مین لیجا سکے۔ یا بالکل گدھا ہی ہے۔ اور اب تک مقتضیات
روح حیوانی شہوت و غضب وغیرہ ہی مین پھنسا رہا ہے۔ اور روح انسانی جو تجھے عطا کی گئی تھی اسکی
اصلاح کرنے اور اوسکو حضور حق سبحانہ مین لیجانے کے قابل بنانے کی فکر ہی نہین ہوئی۔ رہے یہ اعراض
فانیہ نماز و روزہ سو تو ان کو حق سبحانہ کی حضور مین لیجا بھی نہین سکتا۔ اسلیے کہ یہ اعراض ہین اور اعراض
چونکہ زمان وجود اور زمان بعد الوجود مین باقی نہین رہ سکتین اسلیے موجود ہوتے ہی معدوم ہو جاتی ہین لہذا
وہ لیجانے کے قابل نہین۔ کیونکہ لیجانے کے لیے بقا ضروری ہے وہ مفقود تھا۔ ہان ان اعراض خاصہ کے
ذریعہ سے جوہر (روح) کے امراض کو زائل کیا جا سکتا ہے۔ حتےکہ ان اعراض کی ذریعہ سے وہ جوہر
روحانی فساد سے مبدل بفلاح اور مرض سے منقلب الی الصحۃ ہو جاتا ہے جیسے کہ پرہیز کہ وہ ایک عرض ہے
مگر اسکے ذریعہ سے جسم مرض سے مبدل بہ صحت ہو جاتا ہے اور یہ عرض یعنے پرہیز ایک جوہر یعنے جسم کیلیے
مکمل ہو جاتی ہے کہ منھ جو کہ جوہر ہے صفرا کے سبب پہلے کڑوا ہوتا ہے پھر پرہیز کے باعث شہد کی طرح شیرین
ہو جاتا ہے۔ نیز دیکھو بونا ایک عرض ہے۔ مگر خاک کو مکمل کرکے بالی بنا دیتا ہے اور بالون کے بڑھانیکی دوا
کا استعمال اور اوسکی تاثیر ایک عرض ہے مگر وہ ایک جوہر کا مکمل ہو جاتی ہے اور بالون کو بڑھا کر زنجیر کی
مانند لمبے کر دیتی ہے۔ نیز عورت سے جماع ایک عرض ہے جو فنا ہو جاتی ہے۔ مگر اس سے نطفہ کی تکمیل ہو کر
بچہ بنجاتا ہے جو کہ ایک جوہر ہے۔ علی ہذا گھوڑے کو گھوڑی پر ڈالنا اور اونٹ کو اونٹنی پر ایک عرض ہے

مگر مقصود یہ ہوتا ہے کہ اس سے ایک بچہ پیدا ہو جو کہ جوہر ہے اور یہ مقصود حاصل بھی ہو جاتا ہے۔ یون ہی باغ لگانا ایک عرض ہے مگر اس سے میوہ حاصل ہوتا ہے جو کہ جوہر ہے اور وہی مقصود ہے اسی طرح قلب ماہیت کرنیوالی ادویہ کا استعمال ایک عرض ہے مگر کیمیاگر کے اس فعل سے ایک جوہر یعنے سونا وغیرہ بنکر کسی یار کے پاس چلا جاتا ہے اور یہ فعل اوسکا ایک ناقص دہات کا مکمل ہو جانا ہے یون ہی صیقل کرنا تلوار وغیرہ کا ایک عرض ہے مگر اس سے ایک جوہر (تلوار وغیرہ) مکمل ہو جاتا ہے اور اپنے اندر صفائی پیدا کر لیتا ہے۔ پس جب تجھے معلوم ہو گیا کہ افعال خود لیجانیکے قابل نہین ہان روح کو مکمل اور لیجانیکے قابل بنا سکتے ہین تو یہ نہ کہنا کہ مینے بہت سی اچھے اچھے کام کر لیے ہین ہین وہ لیجاؤنگا۔ بلکہ اعراض کی تاثیر دکھا کہ وہنون نے تیری روح کو کامل بنایا یا نہین اور اوس سے گریز مت کر جبتک تو ایسا نکریگا اور اپنے اندر کمال نہ پیدا کرے گا اسوقت تک تیرا اپنے متعلق یہ کہنا کہ مین نے اعمال صالحہ کیے ہین یا اپنے ندیم کے متعلق یہ کہنا کہ وہ ایسا ہی ایسا ہے بالکل فضول اور عرض فانی ہے پس تو لا یعنے یا تو نہین مصروف نہوا اور بجاے بکرن کے اسکے سایہ کی قربانی نکر کہ بے نتیجہ ہے۔ بلکہ کمال روحانی حاصل کر اور کر چکا ہے تو دکھا۔

شرح شبیری **شاہ گفت الخ**۔ یعنی بادشاہ نے کہا کہ اب کچھ حالات بھی تو بیان کر اور نسکے اور اُسکے حالات کب تک بیان کریگا۔ مطلب یہ کہ دوسرون کے حالات کو کب تک بیان کریگا اپنے حالات اور کمالات بھی تو بیان کر۔

تو چہ داری الخ۔ یعنی تو (کمالات مین سے) کیا رکھتا ہے اور تو نے کیا حاصل کیا ہے اور اور دریای (کمالات) سے کتنے موتی لائے ہو یعنے تمنے خود بھی کچھ حاصل کیا ہے۔

روز مرگ الخ۔ یعنی موت کے دن تیری یہ حس تو باطل ہو جاویگی تو کیا تو نور جان رکھتا ہے جو یار دل ہو جاوے مطلب یہ کہ کچھ کمالات باطنی بھی ہین جو کہ دہان کام آوین اسلیے کہ وہان تو یہ حواس باطل ہو جاوینگے تو وہان اسطرح باتین بنا کر کام نہین چل سکتا۔ بلکہ وہان تو نور باطنی کی ضرورت ہے۔

در لحد الخ۔ یعنے لحد مین اس آنکھ کو خاک بھر دیگی تو کیا کوئی چیز (تیرے) پاس ایسی ہے جو کہ قبر کو روشن کرے مطلب یہ کہ یہ حس ظاہری جس سے کہ تو تمام عالم کو دیکھ رہا ہے اور جسکی وجہ سے تو تمام عالم کو روشن کہتا ہے یہ تو وہان بیکار ہو جاوینگی لہذا ان حواس کے علاوہ کوئی اور چیز ایسی ہونی چاہیے کہ جو وہان روشنی پھیلادے

آن زمان الخ۔ یعنی جسوقت کہ تیرے ہاتھ پاؤن ٹکڑے ٹکڑے ہو جاوینگے تو کیا تیرے پر و بال ہین کہ جن سے روح اڑ کر مراتب بلند کو حاصل کر سکے۔

نور دل الخ۔ یعنے نور دل (نور) جان سے ہوتا ہے اس یار غار کو مستعار مت جان اسے عار (اور تکبر) مین مست۔

آن زمانش الخ۔ یعنی جسوقت کہ جان حیوانی نہ رہیگی (ماضی بمعنے مستقبل) تو (اسوقت) جان باقی کو (اوسکی) جگہ بٹھانا چاہیے۔ مطلب یہ کہ حصول ثمرات کے لیے حیات تو ضروری ہے اور یہ حیات دنیا چند روز مین فنا ہونیوالی ہے لہذا کوئی چیز ایسی ہونی چاہیے جو کہ اوسکے قائم مقام ہو سکے ورنہ اگر یہ روح حیوانی بھی

نکلگئی اور اوسکی جگہ اوسکا کوئی بدل نہ آیا تو پھر تو مصداق لایموت فیہا ولا یحییٰ کا ہو جاویگا لہذا اس حیات کا طلب کرنا ضروری ہوا یہان تک تو بادشاہ نے ضرورت تکمیل روح کی بیان کی آگے آیت من جاء بالحسنۃ سے بطور خطابہ استدلال فرماتے ہین کہ دیکھو قرآن شریف سے بھی تکمیل روح کا ضروری ہونا ثابت ہے۔

شرط من الخ۔ یعنے شرط من جاء بالحسنۃ (جو شخص کہ لاوے حسنۃ کو) ہے نہ کہ کرنا ہے بلکہ (عمل) حسن کو حضرت حق کیطرف لیجانا ہے مطلب یہ ہے کہ حق تعالےٰ نے جو قرآن شریف مین حسنات پر ثمرہ دینے کی شرط فرمائی ہے تو وہ یہ ہے کہ جو حسنات کو لاوے اور یہ شرط نہین ہے کہ جو حسنات کرے اور اعمال حسنہ جسقدر ہین وہ سب کے سب عروض ہین جو کہ منتقل نہین ہو سکتے پس ظاہر آیت سے معلوم ہوا کہ یہ اعمال تو وہان منتقل نہ ہونگے بلکہ وہان لیجانے کیلیے کوئی شے جوہر ہونی چاہیے۔ اور وہ جوہر روح عامل ہے لہذا آیت سے معلوم ہوا کہ اون ثمرات کے ملنے کیلیے تکمیل روح کی ضرورت ہے۔ اور من جاء بالحسنۃ سے بظاہر مراد من جاء بالنفس الحسنۃ ہے۔ گویا کہ ضرورت نفس کاملہ کی ثابت ہو گئی۔ اسلیے کہ معروض اور موزون وغیرہ تو سب جواہر ہی ہین اعراض تو معروض ہو ہی نہین سکتے۔ آگے اسی تقدیر کو مولانا خود فرماتے ہین کہ

جوہرے الخ۔ یعنے کوئی جوہر انسانی یا اخروی رکھتے (بھی) ہو (اسلیے کہ) یہ اعراض (اعمال) جب فنا ہو گئے تو اون کو کسطرح لیجا سکوگے مطلب یہ کہ جب وہان حصول ثمرات کی شرط آوردن سے ہے اور اعراض منقول ہوتے نہین بلکہ فنا ہو جاتے ہین تو پھر تمھارے پاس کوئی جوہر نفس انسانی یعنے کامل یا اخروی یعنی تام بھی ہے تاکہ وہان جاکر وہ موزون و معروض ہو سکے ورنہ یہ اعمال جو کہ اعراض ہین فنا ہو جاوینگے اور وہان کچھ بھی کام نہ آوینگے۔

این عرضہائے الخ۔ یعنی اعراض نماز و روزہ جبکہ دو زمانون باقی نہین رہتے تو منتفی ہو جاتے ہین مطلب یہ کہ اعراض دو زمانون مین باقی نہین رہتے جیسا کہ متکلمین کا مذہب ہے پس یہ اعمال نماز و روزہ وغیرہ جو کہ اعراض ہین سب بیکار ہین اور یہ وہان پیش ہو ہی نہین سکتے۔

نقل نتوان الخ۔ یعنے اعراض کو تو نقل کر نہین سکتے لیکن اعراض کو جوہر سے لیجاتے ہین مطلب یہ کہ اعراض ہمیشہ کسی موضوع مین موجود ہو کر منتقل ہوتے ہین اور اصل انتقال اس موضوع کو ہوتا ہے جو کہ جوہر ہے۔ اور انکو صرف طبعاً انتقال کہا جاتا ہے پس اعراض فی موضوع تو پائے جاتے ہین لیکن فی لاموضوع خارج مین کہین پائے نہین جاتے۔ لہذا معلوم ہو گیا کہ منتقل جوہر ہی ہوگا۔ غرض صرف جوہر کی تکمیل کرتا ہے لہذا یہ اعمال جو کہ اعراض ہین جوہر نفس انسانی کی تکمیل کرتے ہین اور یہ اعمال صرف آلات ہین اوسکی تکمیل کے ورنہ اصل معروض و موزون وغیرہ جوہر ہی ہے لہذا اسکو حاصل کرنا چاہیے۔ آگے اسکے نظائر اپنی عادت کے موافق پیش فرماتے ہین کہ۔

تا مبدل الخ۔ یعنی یہانتک کہ وہ جوہر اس عرض سے مبدل ہو جاتا ہے جیسے کہ پرہیز سے (کہ عرض ہے) مرض (جو کہ جوہر ہے) زائل ہو گیا دیکھو کہ یہان ایک عرض نے جوہر کی تکمیل کر دی اور اسکو تندرست اور صحیح اسیطرح اگر اعمال ہونگے تو روح تندرست اور قابل پیش کرنیکے بنا دینگے لیکن خود یہ اعمال پیش نہ ہونگے۔

گشت پرہیز الخ - یعنے پرہیز جوکہ عرض تھا کوشش کی وجہ سے جوہر بنگیا (جوہر کہدینا مبالغہ ہے مقصود یہ ہے کہ مکمل جوہر بنگیا) اور کڑوا منھ یہ پرہیز کی وجہ سے شہد (کیطرح شیرین) بنگیا۔ مطلب یہ کہ دیکھو پرہیز سے جوکہ عرض ہے منھ شیرین ہوگیا جوکہ جوہر ہے اور انسان تندرست ہوگیا تو معلوم ہوا کہ اعراض جوہر کے لیے مکمل ہین اور خود اعراض فنا ہونیوالے ہین۔

از زراعت الخ - یعنی زراعت کیوجہ سے خاک (بصورت) سنبلہ ہوگئی۔ اور بالون کی دوانے بالون کو دراز کردیا۔ مطلب یہ کہ دیکھو زراعت جوکہ ایک فعل ہے اور عرض ہے اوسنے ایک جوہر یعنے خاک کی تکمیل کرکے اوسکو بصورت سنبلہ کردیا۔ اور بال بڑھانے والے تیل کے اثر نے جوکہ عرض ہے بال کو جوکہ جوہر ہین دراز کردیا تو معلوم ہوا کہ اعراض مکمل جوہر ہوتے ہین لیکن خود وہ کسی مصرف کے نہین ہوتے۔

آن نکاح الخ - یعنی نکاح عورت کا بھی ایک عرض تھا جوکہ فنا ہوگیا اور ایک جوہر یعنے فرزند ہم کو حاصل ہوگیا۔ نکاح یہان بمعنے لغوی یعنے وطی ہے مطلب یہ کہ وطی زوجین ایک فعل تھا جوکہ عرض تھا اور اوس عرض نے ایک جوہر یعنے نطفہ کی تکمیل کی پس اوس سے ایک اور چیز یعنے صاحبزادہ بلند اقبال تشریف لے آئے۔

جفت کردن الخ - یعنی کہ گھوڑے اور خچر کو جفت کرنا ایک عرض ہے اور مقصود بچھیرے کا پیدا ہونا ہے جوکہ جوہر ہے پس معلوم ہوگیا کہ انکا وہ فعل عرض کامل ہوکر جوہر بنگیا ہے۔

ہست آن الخ - یعنے کہ درخت لگانا ایک عرض ہے اور اسکا میوہ جوکہ جوہر ہے مقصود ہے اور اس فعل کے بعد یہ اثر اور مقصود حاصل ہوجاتا ہے۔

ہم عرض الخ - یعنے کیمیا کو کام مین لانا بھی ایک عرض ہے اور اوس کیمیاگر سے یار کو ایک جوہر حاصل ہوگیا۔ جوکہ مقصود ہے۔ لہذا جب اوسکا فعل کہ اشیاء کیمیاوی کو جمع کردینا ہے۔ کامل ہوگیا تو کیمیا حاصل ہوگئی۔

صیقلے کردن الخ - یعنی شاہ صاحب صیقل کرنا ایک عرض ہے اور اس عرض کی وجہ سے جوہر (کی تکمیل ہوکر اوسکو) صفائی حاصل ہوجاتی ہے۔

پس مگو الخ - یعنے پس یون مت کہو کہ ہم نے اعمال کیے ہین (بلکہ) اُن اعراض کے ثمرہ کو دکھلاؤ اور بھاگو مت مطلب یہ کہ جب معلوم ہوگیا کہ اعراض بعد تکمیل جوہر ہوجاتے ہین اور وہی کام کی چیز ہے (اور وہی مقصود ہوا کرتا ہے جیساکہ امثال ونظائر سے معلوم ہوگیا تو پھر یہ کہنا فضول ہے کہ ہم نے اعمال کیے ہین نماز پڑھی ہے روزہ رکھا ہے وغیرہ وغیرہ بلکہ اون ثمرات کو جوکہ جواہر ہین اور ان اعمال سے کامل ہوگئے ہین دکھلاؤ۔

این صفت الخ - یعنے کہ یہ صفت کرنا بھی (کہ ہم نے ایسے اعمال کیے ہین) عرض ہے (اور غیر مقصود ہے) پس چپ رہو اور بکری سایہ قربانی کے واسطے مت مارو مطلب یہ کہ تم جو اعراض کو ظاہر کررہے ہو اور اُن ہی پر نازان ہو تو اوسکی تو ایسی مثال ہے کہ جیسے بکری کے سایہ کے گلے پر چھری پھیر دو تو ہرگز قربانی نہین ہوسکتی

اسلیے کہ جو اصل اور مقصود ہے اوسکو چھوڑ کر عرض اور غیر مقصود کیطرف متوجہ ہو لہذا بادشاہ کی ساری تقریر کا خلاصہ یہ ہوا کہ اعمال چونکہ اعراض ہین لہذا وہ نہ قیامت مین معروض ہو سکتے ہین اور نہ موزون کر موزون و معروض کوئی شے جوہری ہے اور وہ روح ہے لہذا ان اعمال کو آلات بناکر اوس جوہر کی تکمیل کرنی چاہیے جو کہ مقصود اور مفید ہے۔ اور صرف ان اعمال ہی پر اعتماد نہ کرنا چاہیے جبتک صفائی قلب میسر نہو لہذا یہ سنکر اوس غلام نے جواب دیا جسکا خلاصہ یہ ہے کہ اوسکا قائل ہونا کہ اعمال بالکل ہی پیش نہ ہونگے ٹھیک نہین ہے۔ اسلیے کہ عوام ناامید ہوجاوین اور سمجھین گے کہ جب اعمال بیکار ہین تو پھر اونسے کیا فائدہ ہے اور صفائی باطن ہر ایک کو حاصل نہین ہے لہذا اعمال کو بھی ترک کردینگے جسکا مضر ہونا ظاہر ہے۔ جب اسکا قائل ہونا مضر ہوا تو کوئی ایسی شے ہونی چاہیے جو کہ امور شرعیہ کے بھی موافق ہو اور یہ خرابی بھی لازم نہ آوے لہذا یہ کہین گے کہ یہ اعراض نقل تو ضرور ہون گے مگر اعراض رہکر نقل نہ ہونگے بلکہ جواہر ہوجاوین گے جیسا کہ احادیث سے سورۂ بقر و آل عمران کا وہ نکڑ ہونین آنا ثابت ہے وغیر ذلک اب اشعار کو سمجھ لو۔

شرح حبیبی

گفت شاہا بے قنوط عقل نیست	گر تو فرمائی عرض را نقل نیست
بادشاہا جز کہ یاس بندہ نیست	ہر عرض کان رفت باز آیندہ نیست
گر نبودے مر عرض را نقل و حشر	فعل بودے باطل و اقوال قشر
این عرضہا نقل شد لون دگر	حشر ہر فانی بود کون دگر
نقل ہر چیزے بود ہم لائقش	لائق گلہ بود ہم سائقش
وقت محشر ہر عرض را صورتیست	صورت ہر یک عرض را نوبتیست
بنگر اندر خود کہ تو بودے عرض	جنبش جفتے و جفتے باغرض
بنگر اندر خانہ و کاشانہ ہا	در مہندس بود چون افسانہ ہا
کان فلان خانہ کہ ما دیدیم خوش	بود موزون صفہ و سقف و درش
از مہندس آن عرض و اندیشہا	آلت آورد و ستون از بیشہا

چیست اصل و مایۂ ہر پیشۂ / جز خیال و جز عرض و اندیشۂ

جملہ اجزائے جہان را بے غرض / درنگر حاصل نشد جز از عرض

اول فکر آخر آمد در عمل / بنیت عالم چنان دان در ازل

میوہ ہا در فکر دل اول بود / در عمل ظاہر بآخر می شود

چون عمل کردی شجر بنشاندی / اندر آخر حرف اول خواندی

گرچہ شاخ و برگ و بیخش اول است / آن ہمہ از بہر میوہ مرسل است

پس سرے کہ مغز این افلاک بود / اندر آخر خواجۂ لولاک بود

نقل اعراض ست این بحث و مقال / نقل اعراض ست این شیر و شغال

جملہ عالم خود عرض بودند تا / اندرین معنی بیامد ہل اتیٰ

این عرضہا از چہ زائید از صور / وین صور ہم از چہ زائید از فکر

این جہان یک فکرت ست از عقل کل / عقل چون شاہ ست فکرتہا رسل

عالم اول جہان امتحان / عالم ثانی جزائے این و آن

چاکرت شاہا خیانت میکند / آن عرض زنجیر و زندان میشود

بندہ ات چون خدمت شائستہ کرد / آن عرض نے خلعتے شد در نبرد

این عرض با جوہر آن بیضہ ست و طیر / این ازان و آن ازین آید بسیر

غلام نے عرض کیا کہ حضور والا نے دعوے کیا ہے کہ روح ہی حضور حق سبحانہ میں لیجانیکی چیز ہے۔ نہ کہ اعمال اور دلیل یہ بیان کی ہے کہ اعمال اعراض ہیں والعرض لایبقیٰ زمانین فالاعمال لاتبقیٰ زمانین اور جو چیز دونون زمانون تک باقی نہین رہسکتی وہ موجود ہوتے ہی معدوم ہوجاتی ہے۔ اور جب چیز موجود ہوتے ہی معدوم ہوجاتی ہے وہ قابل نقل نہین لہذا اعمال قابل نقل و حشر نہین اور جب اعمال قابل نقل و حشر نہین تو وہ باقی بہ بھی نہین ہوسکتے۔ اور جبکہ اعمال باقی بہ نہین ہوسکتے تو لامحالہ روح ہوگی کیونکہ پیش

اگر نقل کے قابل دو ہی چیزین ہو سکتی ہین یا روح یا اعمال پس جبکہ اعمال نہین تو ضرور روح ہے۔ اس دلیل کا یہ مقدمہ کہ اعمال اعراض ہین اس خاکسار کو مطلقًا تو تسلیم نہین ہان فی النشأۃ الاولیٰ مسلم ہے اور حضور جو یہ فرماتے ہین کہ اعمال قابل نقل نہین تو اسکا سبب محض عقل متوسط کی اوسکے ادراک وعلم سے ناامیدی اور عجز ہے کہ وہ اُسکو نہ سمجھ سکے اور نہ سمجھ مین آنیکی توقع رہی لہذا اسنے حکم لگا دیا کہ اعمال قابل نقل نہین۔ نیز یہ امر کہ جو عرض فنا ہو گئی لوٹ نہین سکتی۔ بندون کے لیے مایوس کن ہے اور اسکا نتیجہ سوائے عوام کی مایوسی کے اور کچھ نہین۔ کیونکہ اونکے اعمال کا مدار صرف یہی خیال ہے کہ اعمال تولے جائین گے انکی پرسش ہوگی وغیرہ وغیرہ اب اگر یہ کہدیا جاوے کہ اعمال نقل نہین ہو سکتے تو عوام انکو محض بیکار سمجھکر چھوڑ بیٹھین گے اس لیے نہ یہ حکم فی نفسہ صحیح ہے اور نہ مصلحت کے لحاظ سے اوسکا اظہار مناسب دباد شاہا جز کہ یاس بندہ نیست شعر سابق کے مضمون کی تاکید بھی ہو سکتا ہے مگر اولویت تاسیس کی بنا پر معنے مذکور پر محمول کیا گیا حضور والا نے تو نقل اعمال کے امتناع کا دعوے کیا تھا۔ مگر مین کہتا ہون کہ اعمال ضرور منقول ومحشور ہونگے۔ کیونکہ اگر اعمال کے لیے نقل وحشر نہ ہوتا تو وہ گو بوجہ مفید تجلیہ روح ہونے کے بالکل بے سود اور لغو نہ ہوتے لیکن معیاریت سزا وجزا کے لحاظ سے ضرور فضول اور لغو ہوتے حالانکہ نصوص متوافرہ ومتکاثرہ ومتواترہ سے انکے اس اعتبار سے بھی لغو اور فضول ہونے کا بطلان ظاہر ہے (اس تقریر پر شعر گر نبودے مرعرض را الخ کا مقصد من جاء بالحسنۃ کا معاوضہ ہوگا اور یہ بھی مطلب ہو سکتا ہے کہ اگر عوام کے اعتقاد مین عرض وفعل کے لیے نقل وحشر نہوتا تو اُنکی نظر مین اقوال وافعال صالحہ سب لغو اور فضول ہو جاتے۔ اور وہ سبکو چھوڑ بیٹھتے پس اگر اب اُنکے ذہن مین یہ جمایا جائیگا تو اب بھی یہی نتیجہ ہوگا۔ اسلیے اسکے اظہار مین مصلحت نہین اس تقریر پر یہ شعر مضمون شعر سابق کا تتمہ ہوگا) آپکے اس خیال کا کہ اعمال منقول ومحشور نہین ہو سکتے مبنی یہ امر ہے کہ یہ اعراض ہین اسلیے فانی اور غیر باقی ہین مگر یہ مبنی ہی غلط ہے۔ کیونکہ اعمال ضرور اعراض ہین اور تھوڑی دیر کے لیے ہم یہ بھی مانے لیتے ہین کہ اعراض غیر باقی ہین لیکن یہ کون کہتا ہے کہ یہ اعراض بوصف عرضیت ہی منقول ہونگے۔ بلکہ ہم تو کہتے ہین کہ یہ اعراض دوسرے رنگ مین یعنی رنگ جوہریت مین محشور ہونگے اور یہ کچھ ضرور نہین کہ عرض کا حشر برنگ عرض ہی ہو گو محال بھی نہین (جیسا کہ نقل اعراض است این بحث وجدال سے ظاہر ہے) کیونکہ ہر فانی چیز کا حشر اسکا ایک دوسرا وجود ہے جو پہلے کیلیے مغائر ہے۔ پس جو حالت اس وجود کے مناسب ہوگی اسی حالت مین محشور ہوگی کیونکہ گلہ کا پالنے والا اسکے مناسب ہوتا ہے یعنے ہر چیز کے متعلقات اوسکے مناسب ہوتے ہین اور ادھین سے ایک نقل بھی ہے۔ لہذا وہ بھی اوسکے مناسب ہی ہوگی۔ پس قیامت مین ہر عرض کے لیے ایک صورت جوہری ہوگی۔ اور یہ کوئی ناممکن امر نہین کیونکہ ہر عرض کی صورت وہیئت کے لیے مختلف وجودونکے لحاظ سے ایک جداگانہ نوبت ہے۔ کبھی وہ صورت عرضیہ مین ظاہر ہوتی ہے اور کبھی صورت جوہر یہ مین۔ دور کیون جائیے خود اپنے ہی کو دیکھ لیجیے کہ آپ ایک وقت مین عرض اور زوجین کی حرکات جماعی کی علت غائی تھے۔ جو کہ قایم بالذہن اور موجود فی الموضوع تھے۔ اب آپ بصورت جوہری موجود ہین۔ نیز مکانات

اور عمارت کو دیکھیے کہ انکا وجود انسانونکی طرح صرف مہندس اور انجنیر کے ذہن ہی مین تھا یعنے کہ فلان گھر جو ہم نے دیکھا تھا بہت عمدہ تھا اسکا صفہ۔ چھت۔ در سب موزون اور مناسب تھے ہم کو بھی ایک ایسی ہی عمارت تیار کرنی چاہیے مہندس کی اس غرض اور اسکے ان خیالات کا اثر یہ ہوا کہ جنگل سے ستون اور دیگر سامان مہیا کیا گیا۔ اور ایک روز مکان تیار ہو گیا۔ اور وہ موجود ذہنی جو بصورت عرض تھا اب بصورت جوہری نمودار ہو گیا۔ اور یہ کچھ فن تعمیر ہی پر منحصر نہین بلکہ اگر غور کیجیے کہ ہر شیٔ کی اصل کیا ہے تو خیال اور عرض اور تصور و فکر کے سوا کچھ نہ نکلے گی۔ آپ بنظر انصاف اور اتباع ہوی کو چھوڑ کر سارے عالم کے ایک ایک جزو کو دیکھ جائیے تو آپکو معلوم ہو جائے گا کہ اوسکے تمام اجزا ایسے ہی اشیا سے حاصل ہوے ہین جسکو شاہدت عرض کے سبب عرض کہا جا سکتا ہے یعنے صور علمیہ حق سبحانہ جسطرح ہمارے یہان ایک شیٔے فکرا و ذہن مین اول ہوتی ہے مگر عمل اور وجود خارجی مین مؤخر۔ یون ہی بناء عالم کو ازل مین سمجھو کہ اسوقت وہ مرتبۂ علم الٰہی مین تھی اور بعد کو اسکا خارج مین وجود ہوا (یہ تو معنے تو اسوقت ہین جبکہ اول فکر کے معنی اول و فکر یا دو فکر کے ہون۔ اور دوسرے مصرعہ مین بنیت عالم بیاے موحدہ تحتانیہ ہو اور اگر بنیہ عالم بمیم ہو تو معنے یہ ہونگے کہ جسطرح فکر اول کا وجود خارجی آخر مین ہوتا ہے مشیت ایجاد عالم کو بھی ازل مین ایسا ہی سمجھو۔ کہ اوسکا وجود خارجی بھی بعد ہی کو ہوا ہے) اب تم ایجاد عالم کو میوہ دار درخت لگانیکے مثل سمجھو اور دیکھو کہ میوے تصویر ذہنی مین اول ہوتے ہین لیکن خارج مین آخر مین ظاہر ہوتے ہین جب تم عمل کرتے ہو اور درخت لگاتے ہو تو آخر مین اسی پہلی بات کو دہراتے اور اسکی علت غائیہ پھلون کو جو پہلے ذہن مین موجود تھے اب اوسکو خارج مین موجود پاتے ہو۔ پس اگرچہ وجود خارجی مین شاخین۔ پتے۔ جڑ مقدم ہوتے ہین مگر وجود ذہنی مین مؤخر اور مقصود بالعرض ہین۔ مقصود بالذات پھل ہے۔ یہ چونکہ اسکے حصول کا ذریعہ ہین اسلیے انکو مقدم کیا گیا ہے۔ یون جملہ عالم بمنزلہ جڑ اور شاخون و پتون کے ہے جو کہ وجود خارجی مین مقصود بالطبع اور موصل الی المطلوب الاصلی ہونے کے سبب مقدم ہے۔ اور مقصود اصلی اور مغز آفرینش افلاک وغیرہ کا جسکا وجود خارجی آخر مین ہوا وہ عالیجناب ہین جنکے لیے لولاک لما خلقت الافلاک وارد ہوا ہے خیر یہ ذکر تو استطراداً آگیا تھا اب پھر اصل مطلب سنو۔ یہ گفتگو اور بحث جو آپ کر رہے ہین۔ کہ اعراض منقول نہین ہو سکتے جو کہ عرض ہے خود یہ بحث بھی نقل اعراض ہی ہے۔ اور شیر و گیدڑ جو کہ جوہر ہین۔ یہ بھی نقل اعراض ہی ہین۔ کیونکہ یہ منجملہ اجزاے عالم ہین اور ہم پہلے بھی بتا چکے ہین اور اب پھر یاد دلاتے ہین کہ تمام اجزاے عالم ابتدا مین کالعرض ہی تھے جسکے کہ قرآن مجید سے بھی یہی ثابت ہے کیونکہ ارشاد ہوتا ہے ہل اتی علی الانسان حین من الدہر لم یکن شیئاً مذکوراً اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عالم اولاً وجود خارجی بالکل نہ رکھتا تھا۔ اب سوچو کہ یہ اعراض (وجواہر عالم) کس چیز سے پیدا ہوے ہین۔ صور مثالیہ جوہر سے اور صور مثالیہ جوہر یہ کس سے پیدا ہوئین صور علمیہ حق سبحانہ سے لہذا اس تمام جہان کی اصل علیم و خبیر کا ایک علم ہی ہے۔ جو اس عالم سے متعلق ہے۔ اور جو کہ شبیہ بالعرض ہے۔ اور حق سبحانہ بمنزلہ بادشاہ کے ہین اور صورت علمیہ بمنزلۂ قاصدون کے جو لہ حصول مدعا کا ذریعہ ہوتی ہین۔ پس ثابت ہو گیا کہ یہ بحث و

جدال و شیر و شغال سب نقل اعراض ہین اور یہ بھی ثابت ہو گیا کہ کبھی نقل اعراض بصورت اعراض ہوتی ہے اور کبھی بشکل جواہر۔ نیز اسی سے یہ بھی ثابت ہوا کہ اعمال بصور جوہر یہ محشور و منقول ہو سکتی ہین اور انکے بصورت اعراض محشور ہونے سے محض انکا عرض ہونا مانع نہین کیونکہ یہ ثابت ہو چکا ہے کہ عرض بصورت عرضی منقول ہو سکتی ہے۔ ہان اگر مانع ہے تو کوئی اور علت۔ بلکہ مین کہتا ہون کہ اعراض کا بصورت عرض محشور ہونا صرف ممکن ہی نہین بلکہ فی الجملہ ثابت بھی ہے۔ مثلاً صحف اعمال مین انکا محشور ہونا یا بعد عرض اعمال کے مکلفین کے انکو جان لینے کے بعد انکا انکے ذہنون مین موجود ہونا وغیرہ وغیرہ خیر جب یہ ثابت ہو گیا کہ جملہ اجزائے عالم خواہ جواہر ہون خواہ اعراض نقل اعراض۔ اور عالم کے دو حصے ہین ایک اول جو کہ مقام امتحان و آزمائش ہے دوسرا آخر جو کہ مقام جزا و سزا ہے۔ پس جبکہ اس عالم کے اشیاء خواہ جواہر ہون یا اعراض۔ نقل اعراض ہین تو اس عالم مین نقل اعراض بصورت اعراض و جواہر کیون محال ہو گئی اور یہ احتمال کہ وہ عالم جزا و سزا ہے اسلیے ایسا نہین ہو سکتا سو یہ ایک بے سود احتمال ہے۔ ہم تمھین عالم جزا و سزا مین بھی اس قسم کی نقل دکھلائے دیتے ہین۔ چنانچہ آپکا ایک خادم خیانت کرتا ہے۔ اور بوقت سزا اس خیانت کا ظہور زنجیر اور جیلخانہ کی صورت مین ہوتا ہے۔ حالانکہ خیانت عرض ہے اور زنجیر و جیلخانہ جوہر۔ یون ہی آپکا ایک غلام عمدہ خدمت کرتا ہے جو کہ عرض ہے تو کیا وقت مجازاۃ اوسکا ظہور خلعت کی صورت مین نہین ہوتا۔ جو کہ جوہر ہے ضرور ہوتا ہے پس معلوم ہوا کہ اسکا عالم جزا و سزا ہونا بھی اس نقل سے مانع نہین ہے۔ ان دو شعرون کی ایک تقریر تو یہ تھی۔ دوسری تقریر یہ ہے کہ آپ کا ایک خادم خیانت کرتا ہے اور اسکے سبب آپ اسکے لیے اول اپنے ذہن مین زنجیر و جیلخانہ تجویز کرتے ہین جو کہ عرض ہے پھر اس سزا کا ظہور ہوتا ہے تو وہ سزا جو اول عرض تھی زنجیر و جیلخانہ ہو جاتی ہے جو کہ جوہر ہین۔ علی ہذا آپکا ایک غلام عمدہ خدمت کرتا ہے اور آپ اوسکی جزا مین اسکے لیے خلعت تجویز کرتے ہین جو کہ ابتک عرض ہوتی ہے تو کیا وقت مجازاۃ وہ عرض خلعت اور جوہر نہین بن جاتی الخ۔ پس خلاصہ کلام یہ کہ جوہر سے عرض پیدا ہوتی رہتی ہے اور عرض سے جوہر۔ اور یہی سلسلہ چلا جاتا ہے اور اسکی مثال ایسی ہے جیسے انڈا اور پرندا کہ پرندہ سے انڈا پیدا ہوتا ہے اور انڈے سے پرندہ۔ تو نقل جواہر بصورت اعراض ناممکن۔ اور نہ اعراض کا بصورت جواہر منقول ہونا۔ پس یہ دعوے کہ نقل اعراض و اعمال ناممکن ہے بالکل غلط ہے ف عرض کے بصورت جوہر نمودار ہونے اور جوہر کے بشکل عرض ظاہر ہونیکے امتناع کا مدار ذاتیت جوہریت و عرضیت للجواہر والاعراض پر ہے۔ لیکن اس اصل پر کوئی دلیل قائم نہین محض دعوے بداہت ہے۔ پس خصم کو گنجائش ہے کہ وہ اس دعوے کو تسلیم نہ کرے۔ بلکہ کہدے کہ یہ بداہت۔ بداہت وہم ہے۔ نہ کہ بداہت عقل۔ صوفیہ تو اس بداہت کو بداہت واہم جانتے ہی ہین۔ بعض اہل ظاہر جیسے محقق دوانی وغیرہ بھی اسکو بداہت وہم ہی مانتے ہین۔ اور اعمال کے قیامت مین بشکل جواہر نمودار ہونیکو تسلیم کرتے ہین۔

گفت شاہنشہ چنین گیر المراد	این عرضہاے تو یک جوہر تراد

بادشاہ نے کہا اچھا یونہی ۔ الخ جواہر سے اعراض پیدا ہوتے ہیں اور اعراض سے جواہر اسلیے اعراض کمال سے بھی جواہر اعمال پیدا ہوئے ہیں مگر ہمارا مقصد تو یہ ہے کہ تمھارے اعمال سے تو کوئی جوہر پیدا نہیں ہوا ہم خدا کے سامنے کیا لیکر جاویں گے۔ اگر پیدا ہوا ہو تو دکھاؤ کہاں ہے۔

شرح شبیری گفت شاہا الخ۔ یعنی کہ غلام نے کہا کہ اے بادشاہ سوے (عام لوگوں کی) عقل کے نا امید ہونیکے (اور کوئی نتیجہ) نہیں ہے۔ اگر آپ یہ فرماتے ہیں کہ اعراض کو نقل نہیں ہے۔ مطلب یہ کہ اگر آپ اسکے قائل ہونگے تو پھر عام لوگ تو بالکل نا امید ہی ہو جاوینگے۔

پادشاہا الخ۔ یعنی کہ اے بادشاہ (اسکا قائل ہونا کہ) جو عرض کہ گیا پھر واپس ہونیوالا نہیں ہے بجز اسکے کہ بندوں کو نا امید کرنیوالا ہے اور کوئی نتیجہ نہیں ملتا ہے۔

گر نبودے الخ۔ یعنی اگر اعراض کے لیے نقل نہوتی تو تمام اقوال باطل اور افعال فضول ہو جاتے۔ اسلیے کہ جب وہ صادر ہونیکے بعد فوراً فنا ہو گئے تو ثمرہ کسپر ملیگا لہذا اسکے تو قائل نہیں ہو سکتے کہ اعراض اعمال منتقل نہوتے اور انکا منتقل ہونا تو ممکن ہو گیا۔ اب رہا یہ کہ انکے معروض و موزون و منقول ہونیکی کیفیت کیا ہوگی لہذا آگے اوسکو بیان فرماتے ہیں کہ۔

این عرضہا الخ۔ یعنی تمام اعراض کی نقل دوسرے طریقہ سے ہوگی۔ اور ہر فانی کا حشر ایک دوسرے کون سے ہوگا۔ کہ جو اوسکے پہلے عرضیت یا جوہریت کے مناسب بھی ہوگا۔

نقل ہر چیزے الخ۔ یعنی نقل ہر چیز کا اوسکے لایق ہی ہوگا جیسے کہ گلہ کے لائق اسکا سائق ہوتا ہے۔ بس اسیطرح انکا حشر بھی انکے مناسب اور لایق ہی ہوگا۔

وقت محشر الخ۔ یعنے حشر کے وقت ہر عرض کی ایک صورت ہوگی اور ہر ایک کے عرض کی صورت کے لیے ایک نوبت ہوا کرتی ہے۔ مطلب یہ کہ ہر اس شئے کے لیے جو اسوقت عرض ہے مراتب اور نوبتیں مختلف ہوتی ہیں۔ جو شئے اسوقت جوہر ہے وہ کسی وقت مین عرض تھی اور جو اسوقت عرض ہے وہ کسی وقت جوہر تھا اسلیے کہ جسقدر جواہر موجود ہیں یہ سب مرتبۂ علم الٰہی مین اعراض تھے۔ اور جسقدر اعراض ہیں یہ سب حق تعالی کے یہان جواہر تھے۔ جیسے کہ حدیث ہے کہ لما خلق اللہ الرحم قامت فقالت ہذا مکان العائذ بک من القطیعة لہذا معلوم ہو گیا کہ صلۂ رحم جو ایک عرض ہے ایک وقت مین جوہر تھا جو کہ بولتا تھا اور کھڑا ہوتا تھا۔ لہذا معلوم ہو گیا کہ یہ سلسلہ اسیطرح جاری ہے۔ کہ جواہر سے اعراض اور اعراض سے جواہر بنا کرتے ہین لہذا اگر اسیطرح اعراض اعمال کو بھی مان لیا جاوے تو کیا خرابی ہے۔

بنگر اندر الخ۔ یعنے اپنے اندر دیکھو کہ اول تم خود عرض تھے ایک جفت کی دوسرے کے ساتھ جنبش کی غرض کیوجہ سے تھی۔ مطلب یہ کہ اول ماں باپ کا ایک خیال تھا اور اوسکی وجہ سے ایک حرکت انھوں نے کی لہذا اوس خیال سے تم پیدا ہوگئے تو تم خود ایک مرتبہ مین عرض تھے جو کہ اب جوہر بنے بیٹھے ہو اور آخر حکماء بھی اسکے تو قائل ہین کہ ہر شے جب کہ موجود فی الذہن ہوتی ہے تو اوسکا وجود اور ہوتا ہے۔ اور جب موجود فی الخارج ہوتی ہے تو اوسکا وجود اور ہوتا ہے پہلے وہ موجود انی رموضوع تھی اور خارج مین اگر وہ موجود

فی الموضوع ہو گئی۔ پس جو نسبت کہ ذہن کو خارج دنیا سے تھی وہی نسبت خارج دنیا کو خارج آخرت سے ہے۔ دراعمال اسوقت موجود لا فی الموضوع ہین اور قیامت مین موجود فی الموضوع ہو جاوینگے تو کیا استحالہ ہے پہلے سے امثال و نظائر بیان فرما رہے ہین اور آگے بھی امثال ہی مین فرماتے ہین کہ۔

بنگر اندر الخ۔ یعنی کہ گھرون مین اور محلون مین دیکھو کہ وہ انجنیر (کے ذہن) مین مانند افسانونکے تھے کہ وہ فلان گھر جو ہم نے اچھی طرح دیکھا ہے وہ موزون دیوار اور چھت اور دروازہ تھا۔ مطلب یہ کہ اول انجنیر کے ذہن مین اسطرح آتا ہے کہ فلان مکان جو دیکھا ہے اوسکے مطابق بنانا چاہیے۔ پس وہ صورت ذہنیہ صورت حاصل کرکے پھر جوہر بنجاتی ہے۔

از ہندس الخ۔ یعنی انجنیر کے نزدیک تو وہ صرف تخیلات اور سوچ ہی تھے پھر اوس سے جنگلون سے آلات کو جمع کیا اور ستونکو اور اوس سے ایک عمارت کھڑی کر دی تو یہ سب مسبوق بالعرض ہین۔

جملہ شت اصل الخ۔ یعنی کہ ہر پیشے اور پیشہ کی اصل کیا تھی سوائے خیال اور عرض اور تفکرات کے مثلاً یہ کہ اسطرح کماوینگے اور اسطرح مال حاصل کرینگے۔ یہ سب اعراض ہی ہین۔

جملہ اجزائے الخ۔ یعنی تمام اجزائے عالم کو بے غرض (نفسانی) کے دیکھو تو معلوم ہوگا کہ سوائے عرض کے اور کچھ بھی حاصل نہین یعنے سب چیزین مسبوق بالعرض ہونگی۔

اول فکر الخ۔ یعنے (جو شے کہ) فکر (مین) اول (تھی وہ) عمل مین آخر مین آئی اسی طرح عالم کی نسبت مین سمجھو کہ وہ بھی اول قصد و ارادہ حق تعالے مین آیا اوسکے بعد وجود ہوا پس وہ ارادہ و قصد حق تعالی کا بھی کالعرض یعنے عرض کے مثل ہے اسلیے کہ عوارضات و جواہر تو صفات ممکن سے ہین باریتعالی مین پائی نہین جاتین۔ اسلیے یہان مثل عرض کے کہین گے۔ آگے اول فکر آخر آمد در عمل کے نظائر پیش کرتے ہین۔ کہ۔

میوہ ہا الخ۔ یعنی کہ دل کی فکر اور سوچ مین اول میوہ ہوتا ہے اور عمل مین سب سے آخر مین ظاہر ہوتا ہے مطلب یہ کہ جب کوئی باغ وغیرہ لگاتے ہین تو سب سے اول یہ خیال ہوتا ہے کہ اسکا پھل کھاوینگے اسکے بعد تمام کام اوسکا لگانا اوسکی پرورش کرنا وغیرہ وغیرہ کرتے ہین۔ پھر جب وہ پرورش پا جاتا ہے تب وہ پھل لاتا ہے پس دیکھو فکر مین سب سے پہلے آیا تھا اور وجود مین سب سے بعد مین حاصل ہوا۔

چون عمل الخ۔ یعنے جبکہ تم نے کام کیا اور درخت کو لگا دیا تو آخر مین اول حرف کو پڑھا۔ مطلب یہ کہ جب تجھے میوہ کا خیال آیا تو اوسکے واسطے درخت لگا گیا اور اوسکی پرورش وغیرہ ہوئی۔ اوسکے بعد اس میوہ کے خیال کو سب سے آخر مین حاصل کیا۔ اور اوسکا ثمرہ بالکل آخر مین ملا۔ حالانکہ خیال شروع مین پیدا ہوا تھا۔

گرچہ شاخ الخ۔ یعنی اگر شاخ اور پتے اور جڑ سب اول مین ہین مگر یہ سب میوہ کے واسطے بھیجے گئے ہین اصل مقصود تو میوہ ہی ہے۔ اور سب توابع ہین۔

پس سرے الخ۔ یعنے وہ سردار کہ ان افلاک کے مغز (اور مقصود) تھے تو آخر مین آئے اور ایسے سردار (کہ جنکی شان مین) لولاک (کہا گیا ہے) ہوے۔ یہ مضمون اگرچہ اس قبیل سے نہین لیکن چونکہ اسکی مثل تھا

اسلیے یہان بھی لے آئے ہین کیونکہ بیان اسکا ہے کہ جو شے کہ مقصود ہوتی ہے وہ بعد مین حاصل ہوا کرتی ہے اور اوسکے توابع پہلے ہوا کرتے ہین پس اسی طرح حضور پُر نور صلے اللہ علیہ وسلم جو کہ باعث تکوین عالم ہین سب کے بعد مین تشریف لائے ہین جس سے کہ معلوم ہوتا ہے کہ اصل مقصود بعد ہی کو حاصل ہوا کرتا ہے اور حضور مقبول صلے اللہ علیہ وسلم چونکہ عالم ارواح ہین سب سے پہلے پیدا ہوے ہین جیسا کہ حدیث مین ہے کہ اول ما خلق اللہ نوری یا یہ کہ آیا ہے کہ حق تعالیٰ نے میرا نور پیدا فرما دیا تھا اور آدم ابھی مٹی اور پانی ہی مین تھے پس معلوم ہوا کہ اولیت من وجہ اور آخریت من وجہ حضور مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ثابت ہے۔

نقل اعراض است الخ۔ یعنی کہ یہ بحث و مقال (جو کہ اسوقت ہو رہی ہے) بھی اعراض کا نقل ہی ہے۔ اور یہ شیر اور گیدڑ بھی سب نقل اعراض ہی ہے اسلیے کہ ہر شے کا وجود خارجی مسبوق بالعدم ہے۔ اور اوس عدم مین قصد حق تعالے تخلیق کا تھا لہذا اول تمام عالم کا لعرض تھا اور اب وہی چیزین جواہر ہین۔

جملۂ عالم الخ۔ یعنے کہ تمام عالم پہلے عرض تھا یہان تک کہ اس معنے مین آیت ہل اتی علی الانسان الخ آئی ہے۔ مطلب یہ کہ جسقدر عالم مین کونیات ہین وہ سب کے سب مسبوق بالعدم ہین اسلیے حق تعالے فرماتے ہین کہ ہل اتے علی الانسان حین من الدہر لم یکن شیئاً مذکورا یعنے کیا انسان پر ایک ایسا وقت نہین آیا کہ وہ کچھ بھی نہ تھا تو دیکھو کہ انسان پر ایک وقت ایسا آتا ہے کہ یہ بھی معدوم ہوتا ہے۔

این عرضہا الخ۔ یعنی یہ اعراض کہان سے پیدا ہوے۔ صور تونسے پیدا ہوے۔ اور وہ صورتین کس شے سے پیدا ہوئین۔ ان ہی تفکرات سے لہذا معلوم ہوا کہ یہ سلسلہ اسیطرح جاری ہے کہ اعراض سے جواہر اور جواہر سے اعراض بنا کرتے ہین تو دیکھو اصل مین جو عرض تھا وہی جوہر ہو جاتا ہے۔

این جہان الخ۔ یعنی سارا جہان عقل کل (یعنے حق تعالے) کی ایک فکر (کا نتیجہ) ہے اور عقل تو مثل بادشاہ کے ہے اور تفکرات مثل رسولون کے ہین مطلب یہ کہ ساری دنیا صرف حق تعالے کے ایک خیال اور قصد کا ظہور ہے۔ جو کہ کالعرض ہے۔ اوسی سے یہ جواہر بنگئے ہین۔

عالم اول الخ۔ یعنی عالم اول تو یہ جہان امتحان (یعنے دنیا) ہے اور عالم ثانی وہ اوسکی اور اوسکی جزا اور بدلہ ہے مطلب یہ کہ یہ جہان تو جہان امتحان ہے اسمین جو اعمال اچھے یا بُرے ہونگے وہ سب کے سب بصورت جواہر باقی رہین گے ورنہ پھر ثواب و عقاب ہی کیسے ہوگا۔

چاکرت شاہا الخ۔ یعنے کہ اے بادشاہ آپکا نوکر خیانت کرتا ہے (پس اسوقت آپکے دل مین یہ آتا ہے کہ اسکو زنجیر مین باندھ کر قید کرنا چاہیے۔ پس) یہ عرض (جو کہ آپ کے دل مین خیال زنجیرہ زندان تھا) خود زنجیر و زندان کی شکل مین ہو جاتا ہے۔ لہذا دیکھو کہ اول عرض تھا اور وہی عرض اب جوہر ہو گیا۔

بندۂ ات الخ یعنے جب تیرا غلام کوئی عمدہ خدمت کرتا ہے (اور اوسوقت تمھارے قلب مین اوسکو حرکت دینے کی آئی) تو کیا وہ عرض (جو دل مین ایک خیال تھا) مقابلہ مین خلعت نہین ہوگیا یعنے دیکھو وہ خیال عرض تھا اور پھر اوسی سے وہ خلعت جو کہ جوہر ہے ظاہر ہوگیا اور بنگیا۔ اور اسکو ن گیا این عرض الخ۔ یعنے کہ یہ عرض جوہر کے ساتھ (ایسا ہے جیسا کہ) بیضہ اور پرندہ کہ یہ اوس سے پیدا ہوتا ہے اور وہ اوس سے پیدا ہوتا ہے جیسا کہ قرآن شریف مین ہے کہ یخرج الحی من المیت و یخرج المیت من الحی۔ اسکی تفسیر بیضہ اور طائر کے ساتھ کی گئی ہے۔ پس حاصل اس تقریر کا یہ ہوا کہ آپ جو کہتے ہین کہ اعمال بالکل پیش ہی نہونگے یہ تو غلط ہے وہان معروض و موزون اعمال ہی ہونگے ہان انکی صورت بدل جاویگی اور یہ اعراض سے جواہر ہو جاوینگے۔

گفت شاہنشہ الخ یعنے کہ بادشاہ نے کہا کہ اچھا اسیطرح فرض کرلو مگر تیرے ان اعراض نے تو ایک بھی جوہر پیدا نہ کیا مطلب یہ کہ خیر اسکو تو ہم مان گئے مگر یہ ماننا صرف تقلیدی اور عقلی ہے ہم چاہتے ہین کہ جسقدر عرض کو مستحیل بجوہر ہوتے ہوئے دیکھین پس اگر تیرے اعراض اعمال جوہر ہوتے ہین تو دکھلا کہ کہین نماز پڑھی ہو اور وہ جوہر ہوگئی ہو۔

شرح حبیبی

گفت مخفی داشت است آنرا خرد
تا بود غیب این جہان نیک و بد

زانکہ گر پیدا شدے اشکال فکر
کافر و مومن نگفتے جز کہ ذکر

پس عیان بودے نہ غیب اے شاہ این
نقش دین و کفر بودے بر جبین

کے درین عالم بت و بتگر بدے
چون کسے را زہرۂ تسخر بدے

پس قیامت بودے این دنیا ما
در قیامت کہ کند جرم و خطا

غلام نے کہا کہ خدائے علیم نے انکو ابھی پردۂ عدم مین چھپا رکھا ہے۔ ابھی پیدا ہی نہین کیا قیامت کو پیدا کریگا یا یہ کہ پیدا کر دیئے گئے مگر نظرون سے پوشیدہ ہین (والثانی ارجح) تاکہ یہ عالم اعمال نیک و بد عالم غیب رہے اور امتحان متصور ہو۔ کیونکہ اگر صور عقائد کا کہ منجملہ اعمال ہین ظہور ہوتا تو جواب مومن یا کافر ہین سب ذکر اللہ ہی کہتے۔ اور مومن ہوتے۔ نیز اسوقت یہ عالم عالم شہادت ہوتا نہ کہ عالم

غیب اور دیندار کا دین اور کافر (اگر بالفرض موجود ہوتا تو اس) کا کفر یون ظاہر و آشکار ہوتا جیسے پیشانی پر لکھا ہوا ہو اور اس عالم مین کب بت ہوتے اور کب بتگر اور کسیکو دین کے ساتھ استہزار کی مجال کیسی ہوتی۔ اس بنا پر یہ ہماری دنیا ہی قیامت ہو جاتی اور کوئی جرم ہی نہ کر سکتا۔ کیونکہ قیامت مین جرم کون کرتا ہے۔

شرح شبیری گفت ملتے مخفی الخ۔ یعنی اوس غلام نے کہا کہ اوسکو عقل دکل یعنی حق تعالیٰ) نے مخفی رکھا ہے تاکہ اس جہان کا نیک و بد پوشیدہ اور مخفی رہے۔ مطلب یہ کہ جیسا ہم نے بتایا ہے یہ چونکہ عالم امتحان ہے اسلیے اسکے اندر سب نیک و بد مخفی رکھا گیا ہے۔

زانکہ گر پیدا الخ۔ یعنی اسلیے کہ اگر تفکرات کے اشکال ظاہر ہو جایا کرتے تو کافر و مومن سب کے سب سوائے ذکر اللہ کے اور کچھ بھی نہ کہتے مطلب یہ کہ اگر ان اعراض اعمال کی شکلین ظاہر ہو جایا کرتین جس سے کہ معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ برا ہے اور یہ اچھا ہے تو پھر مومن و کافر سب کے سب اللہ ہی کی یاد مین رہتے اسلیے کہ سب کے سب دیکھ لیتے کہ اسکا یہ ثمرہ ہے اور اوسکا یہ ثمرہ ہے پس سبکو معلوم ہو جاتا اور خوف کے مارے اللہ کی یاد مین لگے رہتے۔ اور یہ عالم غیب نہ رہتا۔

پس عیان بودے الخ۔ یعنی یہ سب چیزین ظاہر ہو جاتین نہ کہ غیب رہتین سارے شاہ دین۔ اور نقش کفر کا اور ایمان کا ہر شخص کے ماتھے پر ہوتا۔ یعنی ظاہر ہو جاتا تو پھر یہ دنیا عالم غیب نہ رہتا۔ بلکہ عالم مشاہدہ ہو جاتا ظاہر نظر مین یہان شبہہ ہوتا ہے کہ جب سبکی حالت ظاہر ہو جاتی اور ہر شخص کو معلوم ہو جاتا کہ مین دوزخ مین جاؤنگا یا جنت مین تو پھر وہ سارے کے سارے ذکر اللہ مین کیون مشغول ہوتے جیسا کہ مولانا فرماتے ہین بلکہ جو دوزخی ہونگے وہ تو مایوس ہو کر سب ذکر وغیرہ چھوڑ دینگے اور جو مومن ہونگے وہ بیفکر ہو کر سب چھوڑ بیٹھین گے جواب اسکا یہ ہے کہ باوجود اس ظہور کے بھی ذکر اللہ ہی مین اس طرح مشغول رہین گے اور اسطرح اعمال حسن کرینگے جیسے کہ اب قیامت مین باوجودیکہ سبکو اپنی اپنی حالت معلوم ہو جاویگی مگر کفار پھر بھی الفاظ ایمان کہین گے کہ شاید قبول ہو جاوین حالانکہ وہ کہنا بالکل فضول ہوگا پس اسیطرح اگر دنیا مین معلوم ہو جاتا تو اسوقت بھی یہی حالت ہوتی۔ اور جو لوگ کہ مومن ہوتے وہ ترقی درجہ کیلیے ذکر اللہ مین مشغول ہوتے۔ خوب سمجھ لو۔

کے دریں الخ۔ یعنی پھر اس عالم مین بت اور بت گر کب ہوتے۔ اور کسیکو مسخرہ پن کی کب مجال ہوتی

پس قیامت الخ۔ یعنی پس ہماری یہ دنیا قیامت ہو جاتی (اور عالم امتحان نہ رہتا) اور قیامت مین کون جرم خطا کرتا ہے۔ لہذا یہان بھی سب نیکوکار ہی ہوتے۔ مگر چونکہ یہ عالم امتحان تھا اسلیے حق تعالیٰ نے ان چیزون کو پوشیدہ رکھا۔ اور ظاہر نہین فرمایا۔

شرح حبیبی

گفت شہ پوشید حق پاداش بد	لیک از عامہ نہ از خاصان خود

گر بدامی افگنم من یک امیر	از امیران خفیه دارم نز وزیر
حق بمن بنمود پس پاداش کار	در صورہائے عملہا صد ہزار
تو نشانے دہ کہ من دانم تمام	ماہ را ابر من نمی پوشد غمام

بادشاہ نے کہا کہ بے شک حق سبحانہ نے برے (اور اچھے) اعمال کی سزاؤن (اور جزاؤن) کو مخفی کیا ہی لیکن عوام سے۔ نہ کہ خواص سے۔ دیکھو اگر مین کسی امیر کو پچانتا ہون تو دیگر امرا سے مخفی کرتا ہون مگر وزیر سے نہین چھپاتا۔ لہذا حق سبحانہ نے بہت سے کامون کی (جزائین) و سزائین مجھپر لاکھون علمون کی صورتو کے ضمن مین منکشف کی ہین اب تو مجھے اپنے اعمال کی صورتین دکھلا کیونکہ تین تیرے اس عمل مین نہین آسکتا کہ حق تعالی نے چھپا رکھا ہے۔ اور ظاہر نہین کرتا۔ ورنہ یہ ہوجاوے اور وہ ہوجاوے اور ماہتاب حقیقت کو ابر تلبیس مجھ سے نہین چھپا سکتا۔

گفت پس از گفت من مقصود چیست	چون تو میدانی کہ آنچہ بود چیست

غلام نے کہا پہلے تو یہ فرمایئے کہ جب آپ حقیقت حال پر مطلع ہین اور صور اعمال سے واقف ہین تو مجھ ہی سے بیان کرانے اور نقل اعراض کو ثابت کرنے سے کیا مقصود تھا۔ اپنے اعمال کے صورین دکھانے یا نہ دکھانے کا قصہ تو الگ رہا۔

گفت شہ حکمت در اظہار جہان	آنکہ دانستہ برون آید عیان
آنچہ میدانست تا پیدا نکرد	بر جہان ننہاد رنج طلق و درد
یکزمان بیکار نتوانی نشست	تا بدی یا نیکی از تو بر نخست
این تقاضا ہائے کار از بہر آن	شد موکل تا شود سرت عیان
پس کلابہ تن کجا ساکن شود	چون سر رشتہ ضمیرش می کشد
تاسئہ تو شد نشان آن کشش	بر تو بیکاری بود چون جان کنش
این جہان و آن جہان زاید ابد	ہر سبب مادر اثر از وے ولد
چون اثر زائید آن ہم شد سبب	تا بزاید او اثرہائے عجب
این سببہا نسل بر نسل است لیک	دیدۂ باید منور نیک نیک

بادشاہ نے کہا کہ بے شک مجھے حقیقت معلوم تھی مگر تیری زبان سے ادا کرانا مد نظر تھا۔ یہ فعل عبث نہیں بلکہ سنت اللہ ہے کیونکہ وہ بھی اپنے علم پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ اپنی معلومات کا اظہار چاہتے ہیں چنانچہ عالم کے پیدا کرنے میں ایک مصلحت یہ بھی ہے کہ جو کچھ معلوم ہے وہ ظاہر ہو جاوے اسلیے مسببات کو اسباب سے وابستہ کر دیا ہے چنانچہ جو کچھ وہ جانتا تھا۔ اگر اوسکو ظاہر نکرنا چاہتا تو عالم پر درد زہ کی تکلیف قائم نکرتا۔ اسکے قائم کرنے میں یہ مصلحت ہے کہ دو چار آدمی جمع ہوں۔ اور خبر ہو جاوے کہ فلاں کے فلاں بچہ پیدا ہوا ہے نیز تو تھوڑی دیر بھی بیکار نہیں بیٹھ سکتا۔ بلکہ کچھ نہ کچھ خواہ نیکی ہو خواہ بدی کرتا ضرور رہتا ہے یہ کام کا تقاضا تیرے اندر کیوں پیدا کر دیا۔ اسلیے کہ وہ باتیں جو تیرے اندر مضمر ہیں اور جنکو حق سبحانہ خوب جانتا ہے ظاہر ہو جائیں۔ پس جبکہ تیرے دل کی ڈور حق سبحانہ نے اپنے قبضہ میں لے رکھی ہے اور اوسکو وہ کھینچتا رہتا ہے۔ تو پھر تیرے بدن کا چرخہ ساکن کیونکر رہ سکتا ہے وہ تو ہمیشہ چلتا ہی رہیگا اور اس کشش کی علامت یہ مقرر کی ہے کہ جب تو خالی بیٹھتا ہے تو تجھے اوجھن ہوتی ہے۔ اور خواہ مخواہ جی چاہتا ہے کہ کچھ کرے۔ اور بیکاری تیرے لیے جانکنی کیطرح تکلیف دہ ہوتی ہے۔ غرض کہ اپنے معلومات کے اظہار کے لیے حق سبحانہ نے عالم پیدا کیا اور اوسکے اندر ایک شئے کو دوسری شئے کے ساتھ رشتہ سببیت و مسببیت میں منسلک کر دیا۔ اسی لیے عالم میں خواہ یہ عالم ہو خواہ وہ۔ مسببات اپنے اسباب سے پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ اور ہر سبب ماں ہوتا ہے اور مسبب اوسکا بچہ جب اس اثر مسبب کے بچہ پیدا ہوتا ہے تو پھر وہ بھی سبب بنجاتا ہے۔ اور اس سے دیگر عجیب عجیب اسباب پیدا ہوتے ہیں یوں ہی یہ اسباب نسل در نسل چلے آتے ہیں مگر اونکے دیکھنے کے لیے بہت روشن آنکھ کی ضرورت ہے۔

شاہ با او در سخن اینجا رسید	تا پدید از وے نشانے یا پدید
گر پدید آن شاہ جویا دور نیست	لیک ما را ذکر آن دستور نیست

خیر بادشاہ کی گفتگو کا سلسلہ اوس غلام کے ساتھ یہاں تک پہونچا اور امتحان کی وجہ تبلائی شان اعمال دکھایا نہیں دیکھا اس سے بحث نہیں اگر اوس بادشاہ نے صور اعمال کو دیکھ لیا ہو تو کچھ عجیب نہیں لیکن ہمارا قاعدہ نہیں کہ غیر ضروری باتوں کے پیچھے پڑیں اور انکو ذکر کریں۔

شرح شبیری گفت شہ الخ۔ یعنی بادشاہ نے کہا کہ بے شک حق تعالے نے جزائے بدکو پوشیدہ رکھا ہے لیکن عام ہی لوگوں سے پوشیدہ رکھا ہے۔ اپنے خاص لوگوں سے پوشیدہ نہیں رکھا۔ اس کہنے میں بطور تحدث بالنعمة کے بادشاہ نے یہ کہا کہ چونکہ خاص لوگوں سے مخفی نہیں اور میں بحمد اللہ خاص لوگوں میں سے ہوں پس تو مجھے اپنے اعمال کو جواہر بنتے ہوئے دکھا۔

گر بدامے الخ۔ یعنی میں اگر کسی امیر کو قید میں ڈالتا ہوں تو (دوسرے) امیروں سے تو خفیہ رکھتا ہوں نہ کہ وزیر سے پس اسیطرح حقتعالی بھی اپنے خاص لوگوں سے ظاہر فرما دیتے ہیں۔

حق نمودن نمود الخ۔ یعنی کہ مجھے حق تعالے نے اعمال کے بدلے دکھلا دیے ہیں لاکھوں اعمال کی صورتیں دکھلائی ہیں۔ لہذا تو بھی مجھے اپنے اعمال کو جواہر ہوتے دکھلا۔ یہاں سے بھی اس بادشاہ کا عارف کامل ہونا

معلوم ہوتا ہے۔
تو نشانے ده الخ۔ یعنے کہ تو کوئی نشانی بتا کہ جس سے مین پوری طرح (تیری حالت کو) جان لون۔ اور یا دل میرے اوپر چاند کو پوشیدہ نہین کرتا۔ مطلب یہ کہ یہ عوارضات ظاہری مجھے حقیقت بینی سے روکتے نہین ہین۔ لہذا تم کوئی نشانی ایسی بتاؤ کہ جس سے مجھے تمھاری پوری کیفیت معلوم ہو جاوے۔
گفت پس الخ۔ یعنے کہا اوس غلام نے کہا کہ پھر میرے ہی کہنے سے کیا مقصود ہے۔ جبکہ آپ کو معلوم ہے جو کچھ کہ تھا یا ہے۔ مطلب یہ کہ جب آپ کو خبر ہے تو میرے کہنے ہی کی کیا ضرورت ہے۔
گفت شه الخ۔ یعنے بادشاہ نے کہا کہ جہان کے ظاہر کرنے مین یہ حکمت تھی کہ جو چیز کہ جانی ہوئی تھی (علم باری تعالی مین) وہ ظاہر ہو جاوے پس جب کہ سنت اللہ بھی اظہار ہی پر جاری ہے حالانکہ حق تعالے کو سب معلوم تھا کہ وہ دوزخی ہے اور وہ جنتی ہے مگر جبتک کہ ظاہر طور پر دکھلا نہین دیا۔ اسوقت تک اسکو سزا یا جزا نہین دی۔ پس اگرچہ مجھے بھی معلوم ہے مگر تو بیان کر۔
آنچه میدانست الخ۔ یعنے جو کچھ کہ حق تعالے جانتے تھے جب تک کہ اوسکو پیدا نکر لیا اوسوقت تک جہان پر کسی قسم کی تکلیف نہین رکھی طلق دردزہ کو کہتے ہین مطلب یہ کہ باوجودیکہ حق تعالی جانتے تھے مگر پھر بھی سبکو پیدا اور ظاہر فرما کر پھر اوپر کسی قسم کی رنج و تکلیف اور سزا و جزا رکھی۔
یکزمان بیکار الخ۔ یعنی ایک گھڑی بھی تم بیکار نہین بیٹھ سکتے کہ تم سے کوئی بدی یا نیکی ظاہر نہو۔
این تقاضہا ے الخ۔ یعنے یہ کام کا تقاضا اسلیے مسلط ہو گیا ہے تاکہ وہ کام ظاہر ہو جاوے۔ لہذا معلوم ہوا کہ اظہار ہی مین فوائد ہین اسی وجہ سے سنت اللہ بھی اسیطرح جاری ہے پس تو بھی ظاہر کر اور نشانی دکھا۔
پس کلابه الخ۔ یعنے یہ بدن کا چرخہ کب ساکن ہو سکتا ہے جب اوسکے تاگے کو دل کھینچ رہا ہو مطلب یہ کہ جب اندر سے افعال کا تقاضا ہو رہا ہے تو پھر بغیر اون افعال کے صادر کیے ہوے کیسے چین مل سکتا ہے کلابہ چرخہ۔
تاسه تو شد الخ۔ یعنے تمھارا اضطراب اوس کشش کی نشانی ہے کہ تجھپر بیکاری جان کندنی ہو جاتی ہے اور دل چاہتا ہے کہ کوئی کام کرین لہذا یہ دل کا گھبرانا اوس کشش اندرونی کی دلیل ہے کہ جس سے افعال ظاہر ہوتے ہین۔
این جهان الخ۔ یعنی کہ یہ جہان اور وہ جہان ہمیشہ (اسباب کو) پیدا کرتا ہے۔ اور ہر سبب (مثل ان کے) ہے اور اوسکا اثر اسکے ولد کیطرح ہے۔ اوس جہان عالم غیب کا ہمیشہ ہونا تو ظاہر ہے کہ لا انقطاع عند حد ہے لیکن اس جہان کو ہمیشہ کہدینا بوجہ طول زمانہ کے ہے۔ مطلب یہ کہ اسباب سے ہمیشہ اثر ظاہر ہوتے رہتے ہین۔ غرضکہ عالم کا یہی سلسلہ ہے۔
چون اثر الخ۔ یعنی جبکہ اثر پیدا ہوا تو وہ بھی (کسی اور کا) سبب ہو جاتا ہے یہان تک وہ ایک دوسرا عجیب اثر پیدا کرتا ہے۔

آئین سلہما الخ۔ یعنے کہ یہ اسباب سب اسیطرح نسلاً بعد نسلاً ہین کہ ایک دوسرے سے پیدا ہوتے ہین لیکن انکے دیکھنے کے لیے خوب اچھی طرح منور آنکھ کی ضرورت ہے کہ جس سے معلوم ہوسکے۔ کہ اسباب آپس مین طرح تبدیل ہوتے ہین آگے مولانا فرماتے ہین کہ۔

شاہ با او الخ۔ یعنے بادشاہ اوس غلام کے ساتھ باتو نمین یہانتک پہونچا اب دسنے کوئی نشان اس غلام سے دیکھا یا نہین دیکھا اسکی ہمین خبر نہین۔

اگر بدید آن الخ۔ یعنے اگر اوس بادشاہ طالب نے دیکھ لیا ہو تو کچھ بعید بھی نہین ہے۔ لیکن ہمکو اوسکے ذکر کی اجازت نہین ہے۔ یہانتک جو گفتگو بھی ہے یہ تو اوس غلام بدصورت کے ساتھ تھی آگے اوس غلام خوبصورت سے گفتگو کا ذکر ہے۔ جسکو کہ پہلے نہانے کو روانہ کردیا تھا۔ اب وہ حضرت تشریف لائے ہین۔ فرماتے ہین کہ

شرح حبیبی

باز پرسیدن حال آن غلام

چون ز گرمابہ بیامد آن غلام	سوئے خویشش خواند آن شاہ ہمام
گفت صحالک نعیمٌ دائمٌ	بس لطیفے و ظریف و خوبرو
پس سوے کارے فرستاد آن دگر	تا ازین دیگر شود او باخبر
پیش بنشاندش بصد لطف و کرم	بعد ازان گفت ای چو ماہ اندر ظلم
ماہروی جعد موئے مشکبو	نیکخوئی نیکخوئی نیکخو
اے دریغا گر نبودی در تو آن	کہ ہمی گوید برائے تو فلان
شاد گشتے ہر کہ رویت دیدۂ	دیدنت ملک جہان ارزیدۂ

جب بادشاہ ایک غلام کا امتحان کرچکا تو اب دوسرے کا امتحان کرنا چاہتا ہے۔ اسکو مولانا بیان کرتے ہین کہ جب وہ دوسرا غلام حمام سے فارغ ہوکر آیا تو شاہ عالیجاہ نے اسکو اپنے پاس بلایا اور فرمایا کہ خدا تجھے ہمیشہ خوش رکھے تو نہایت ہی پاکیزہ۔ خوش مزاج اور خوبصورت ہے یہ کہکر اوس دوسرے غلام کو کسی کام کے لیے بھیجدیا تا کہ اس دوسرے کی حالت سے واقف ہو اس غرض سے اسکو نہایت مہربانی اور عنایت سے اپنے سامنے بٹھلایا اسکے بعد اوس سے یون خطاب کیا اسے

اندھیری رات کے چاند کے شبیہ تیرا چہرہ بھی چاند سا ہے۔ تیرے بال بھی گھونگر والے ہین تیری خوشبو بھی مشک جیسی ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ تجھ مین ایک عیب ہے اگر تجھ مین وہ عیب نہ ہوتا جو تیری طرف فلان شخص منسوب کرتا ہے۔ تو جو شخص تجھے دیکھتا خوش ہوتا۔ اور تیرے دیدار کی سارا جہان قیمت ہوتا

گفت رمزے زان بگو اے بادشاہ	کہ برائے من بگفت آن دین تباہ

غلام نے عرض کیا کہ حضور والا اس عیب کی طرف کچھ اشارہ فرما دین جو اس بے ایمان نے میری طرف منسوب کیا ہے۔

گفت اول وصف دو روئیت کرد	کاشکارا او دوائی خفیہ درد

بادشاہ نے کہا سب سے پہلے اوسنے بیان کیا کہ تیرا ظاہر و باطن کیسان نہین تو ظاہر مین دوا اور دوست ہے اور باطن مین مرض اور دشمن۔

خبث یارش را چو از شہ گوش کرد	در زمان دریائے خشمش جوش کرد
کف برآورد آن غلام و سرخ گشت	تا کہ موج ہجو او از حد گذشت
کو ز اول دم کہ با من یار بود	ہمچو سگ در قحط سرگین خوار بود
چون دمادم کرد ہجوش چون جرس	دست بر لب زد شہنشاہش کہ بس

جب اوس غلام نے اپنے رفیق کا اختراعی خبث نفس سنا فوراً اوسکے دریائے خشم مین طغیانی آگئی۔ منھ سے جھاگ نکلنے لگے اور مارے غصہ کے لال پیلا ہو گیا۔ حتے کہ اوسکے دریائے ہجو کی موج حد سے تجاوز کر گئی یعنے یہانتک کہہ گذرا کہ جب سے میرا اسکا ساتھ ہوا ہے مین اسی وقت سے دیکھتا ہون کہ یہ اسی حرص و رغبت کے ساتھ لوگونکی غیبتین اور جھوٹی برائیان کیا کرتا ہے جسطرح زمان قحط مین کتا گوہ کھاتا ہے جبکہ وہ غلام لگاتار اس بیچارہ کی ہجو کرتا رہا اور گھنٹے کی طرح اوسکا رونا روتا ہی رہا تو بادشاہ سے نہ رہا گیا اوسنے فوراً اسکے منھ پہ ہاتھ رکھ لیا جسمین اشارہ تھا کہ بس خاموش۔

گفت دانستم ترا از وے بدان	از تو جان گندہ ست و از یارت دہان
پس نشین اے گندہ جان از دور تو	تا امیر او باشد و مامور تو

اور کہا کہ جان لے کہ مجھے تجھ مین اور اوسمین خوب امتیاز ہو گیا ہے کہ تیری جان خبث باطن سے بدبو دار ہے

اور اوسکا منہ مرض ظاہری سے۔ اوگندہ جان جا دور بیٹھ تو اس قابل نہین کہ شرف قرب سے مشرف کیا جاوے آج سے وہ تیرا افسر اور تو اوسکا محکوم ہے (تا امیر او باشد و امور تو کی ایک توجیہ یہ ہے کہ وہ ہمارے نزدیک امراء کے طرح معظم و مکرم ہوگا اور غلامانہ حیثیت نہ رکھے گا اور تو اسی غلامانہ حیثیت سے رہیگا۔ جو تیری ہے۔ توجیہ اول ظاہر ہے۔ اور توجیہ ثانی انسب کیونکہ ایک غلام کی ظاہری کوئی ایسی قابل وقعت چیز نہین ہے جسکو اسکے کمال کی قدر و منزلت سمجھا جاوے۔ اب مولانا نصیحت فرماتے ہین اور کہتے ہین۔ بہر این گفتند اکابر در جہان الخ۔

راحۃ الانسان فی حفظ اللسان	بہر این گفتند اکابر در جہان

دیکھو اس غلام کو جو ذلت ہوئی وہ محض زبان کی بدولت۔ اسی لیے بزرگون نے کہا ہے کہ آدمی کی راحت زبان کو محفوظ رکھنے ہی مین ہے۔

در حدیث آمد کہ تسبیح از ریا	ہمچو سبزہ گو لخن دان اے کیا
پس بدانکہ صورت خوب و نکو	باخصال بد نیرزد یک تسو
ور بود صورت حقیر و ناپذیر	چون بود خلقش نکو در پاش میر
چند بازی عشق با نقش سبو	بگذر از نقش سبو و آب جو
چند باشی عاشق صورت بگو	طالب معنی شو و معنی بجو
صورت ظاہر فنا گردد بدان	عالم معنی بماند جاودان
صورتش دیدی ز معنی غافلے	از صدف در را گزین گر عاقلے
این صدفہائے قوالب در جہان	گرچہ جملہ زندہ اند از بحر جان
لیک اندر ہر صدف نبود گہر	چشم بکشا در دل ہر یک نگر
کان چہ دارد و انچہ دارد میگزین	زانکہ کمیاب ست آن در ثمین
گر بصورت بنگری کوہی بہ شکل	در بزرگی ہست صد چندانکہ لعل
ہم بصورت دست و پا و جسم تو	ہست صد چندانکہ نقش چشم تو

لیک پوشیده نباشد بر تو این | کز ہمہ اعضا دو چشم آمد گزین
از یک اندیشہ کہ آمد در درون | صد جہان گردد بیکدم سرنگون
جسم سلطان گر بصورت یک بود | صد ہزاران لشکرش در تک بود
باز شکل و صورتِ شاہ صفی | ہست محکوم یکے فکر خفی
خلق بے پایان زیک اندیشہ بین | گشتہ چون سیلے روانہ بر زمین
ہست آن اندیشہ پیش خلق خرد | لیک چون سیلے جہان را خورد و برد
خلق عالم چون ہمہ ہست حق شان | می دواند جملہ را روز و شبان

اوپر سے صورت کے بے حقیقت ہونے اور معنے کے قابل وقعت ہونیکا ذکر آرہا ہے۔ اب اسی مضمون کو دوسرے انداز سے بیان فرماتے ہین۔ اور کہتے ہین کہ حدیث شریف مین آیا ہے۔ کہ تسبیح ریائی ایسی ہے جیسے کوڑے کرکٹ پر سبزہ اور محض ناموزون ونامقبول۔ اب سمجھو کہ یہ بات کیون ہے کیا صورت نہین۔ صورت تو ہے پھر کیا بات ہے محض اسلیے کہ معنے خلوص نہین اس سے تم نتیجہ نکال سکتے ہو کہ صورت اگر اچھی ہو اور خصلتین بری ہون تو وہ صورت کوڑی کے کام کی نہین۔ اور اگر صورت محض محقر اور نامرغوب ہو اور خلق اچھا ہو تو وہ اس قابل ہے کہ آدمی اوسکے قدمون مین جان دیدے۔ غور تو کر کہ تو گھڑے پر کب تک عاشق رہیگا۔ گھڑے کو چھوڑ پانی طلب کر کہ وہی جان بچانے والا ہے۔ محض گھڑا کس کام کا۔ اور یہ تو بتا کہ تو صورت پر کبتک عاشق رہیگا۔ اے بھلے مانس اسکو چھوڑ اور معنے کو طلب کر اور اسیکو ڈھونڈھ۔ کیونکہ صورت ظاہری ایکدن فنا ہو جائیگی۔ اور عالم معنے اپنے نتائج کے ذریعہ سے ہمیشہ باقی رہیگا۔ تو نے صورت تو دیکھ لی۔ مگر معنی نہ دیکھے یہ کونسی عقل کی بات ہے۔ اے عقلمند صورت کو سیپ کے مثل سمجھ اور معنے کو موتی کے مانند۔ سیپ کس کام کی اسکو چھوڑ۔ موتی لے۔ اگر تجھ مین عقل ہے۔ اور یہ جان لے کہ یہ اجسام جنکو ہم نے سیپ سے تشبیہ دی ہے سب حق سبحانہ ہی کے فیض سے زندہ ہین اور حق سبحانہ انکے لیے ایسے ہین جیسے سیپ کے لیے دریا۔ اسلیے ہم نے انکو بحر جان کہا ہے۔ یعنی بحر بخشندہ و باقی دارندۂ جان لیکن جسطرح تمام سیپون مین موتی نہین ہوتے یون ہر صورت وجسم مین معنے واخلاق حسنہ نہین ہوتے ایسی حالت مین تیرا فرض یہ ہے کہ صورت ظاہری سے دھوکھا نہ کھائے اور یہ نہ سمجھ لے کہ صورت ہے تو معنے بھی ہونگے۔ بلکہ باطن پر نظر کر لینی چاہیے۔ اور دیکھ لینا چاہیے کہ اسمین کیا ہے۔ اور اوسمین کیا۔ بس جسمین موتی اور خلق حسن ہو اسمین سے موتی لے لینا چاہیے۔ کیونکہ وہ موتی نہایت بیش قیمت اور قابل قدر ہے۔ اب ہم تجھے دوسرے عنوان سے صورت

و معنے کا فرق سمجھاتے ہین۔ غور کرو کہ اگر صورت کو دیکھا جاوے تو پہاڑ صورت مین لعل سے سیکڑون حصہ بڑا ہے مگر کیا لعل کے برابر قدر و منزلت رکھتا ہے۔ ہرگز نہین۔ کیونکہ محض اسلیے کہ اسمین وہ معنے نہین جو لعل مین ہین۔ نیز دیکھو کہ ہاتھ پانون اور باقی جسم صورت مین آنکھ سے سیکڑون حصے بڑے ہین لیکن یہ واضح ہے کہ تمام اعضا مین سے آنکھ ہی منتخب ہے۔ کیونکہ محض اسلیے کہ انمین وہ معنے نہین جو آنکھ مین ہین۔ اوربس خیال و ارادہ معنے ہے اور تمام عالم جسم۔ لیکن ایک خیال اور ارادہ جو دلمین آتا ہے اتنی قوت رکھتا ہے کہ ایسے ایسے سیکڑون عالمون کو ایک دم مین تلپٹ کر دے (اذا اراد اللہ شیئًا ان یقول لہ کن فیکون) اور دیکھو بادشاہ جسم کے لحاظ سے ایک ہی تو ہوتا ہے۔ مگر لاکھون فوجین اوسکے پیچھے دوڑتی ہین کیون کیا اسکا جسم انکے اجسام سے مقدار مین بڑا ہے نہین پھر کیا بات ہے صرف یہ کہ اسمین وہ معنی ہین جو انمین نہین۔ یہان تک تمکو معلوم ہوگیا کہ ایک جسم کا دیگر اجسام کے مقابلہ مین معنے کی بدولت کیا مرتبہ ہوگیا اب یہ سنو کہ اسی جسم کے معنے کے مقابلہ مین کیا حالت ہے سو وہ جسم شاہ جو لاکھون اجسام کو اپنے پیچھے دوڑاتا تھا وہی جسم ایک (معنے) خیال کے ہاتھ مین کٹ پتلی کی طرح ناچتا ہے۔ اور دیکھو۔ ایک اندیشہ اور ارادۂ خداوندی سے نے بے انتہا مخلوق کو روئے کیطرح زمین پر پھیلا رکھا ہے۔ اندیشہ گو لوگون کی نظر مین بہت چھوٹا اور غیر محسوس ہے مگر اسمین یہ طاقت ہے کہ روئے کیطرح دنیا بھر کو چٹ کر جائے۔ نیز دیکھو حق سبحانہ معنے کیطرح غیر محسوس ہین اسلیے صورت کے مقابلہ مین انکو معنے کہا جاسکتا ہے لیکن جملہ مخلوقات کے اندر اپنے حکم تکوینی سے یون تصرف کرتے ہین جسطرح چرواہا بکریونکے گلہ کو جسطرح چاہتا ہے دوڑاتا ہے۔

پس چه می بینی که از اندیشهٔ	قایم است اندر جهان هر پیشهٔ
خانه ها و قصرها و شهرها	کوه ها و دشت ها و نهرها
هم زمین و بحر هم مهر و فلک	زنده از وے همچو از دریا سمک
پس چرا از ابلهے پیش تو کور	تن سلیمان ست و اندیشه چو مور
مینماید پیش چشمت که بزرگ	هست اندیشه چو موش و تن سترگ
عالم اندر چشم تو هول و عظیم	ز ابر و برق و رعد دارے لرز و بیم
وز جهان فکرتے اے کم ز خر	ایمن و غافل چو سنگ بیخبر
زانکه نقشے وز خرد بے بهرهٔ	آدمی خو نیستی خر کرهٔ
جهل مخفے وز خرد بیگانهٔ	بو نداری اے خدا دیوانهٔ

سایہ را تو شخص می بینی ز جہل　　شخص از ان شد نزد تو بازی و سہل

نک ز غلیظت یک نمود از آتش است　　کز لطافت چون ہوا دلکش است

تلبسے در نمی بیند کثیف　　آگہی نبود بصر را زان لطیف

باز افزونست ہنگام اثر　　از ہزاران تیشہ و تیغ و تبر

باش تا روزے کہ آن فکر و خیال　　می کشاید بے حجابے پر و بال

کوہہا بینی شدہ چون پشم نرم　　نیست گشتہ این زمین سرد و گرم

نے سما بینی ز اختر نے وجود　　جز خدائے واحد حی ودود

اوپر ترجیح معنے بر صورت کے ضمن مین خیال و ارادہ کی قوت کا ذکر کیا تھا۔ اب اسکے مناسب نصیحت کیطرف انتقال فرماتے ہین اور کہتے ہین کہ جب تو دیکھتا ہے کہ ارادہ ایک عظیم الشان قوت رکھتا ہے اور اسیکی بدولت ہر شیء کا وجود ہے۔ اور مکانات محلات شہر پہاڑ جنگل نہرین زمین دریا آفتاب آسمان وغیرہ ان سب کے لیے انکے مناسب حیات ارادہ ہی کے ذریعہ سے اسطرح حاصل ہے جسطرح مچھلی کے لیے پانی سے۔ تو اے اندھے کونسی وجہ ہے جسکی بنا پر تیرے نزدیک جسم سلیمان کیطرح قابل وقعت اور ارادۂ الٰہی چیونٹی کیطرح بے وقعت اور نظر انداز کرنے کے قابل ہے۔ اور اندیشہ جو کہ فی الحقیقت بڑا ہے وہ تجھے چوہے کیطرح چھوٹا معلوم ہوتا ہے۔ اور تن جو فی الحقیقت کچھ بھی نہین وہ بڑا نظر آتا ہے (جاننا چاہئے کہ یہ ترجمہ اُسوقت ہوگا جبکہ "بزرگ ہست" کو اندیشہ کی صفت مقدم مانا جاوے اور اگر کہ کوہ کا مخفف کہا جاوے تو معنے یہ ہونگے کہ تیری نظر مین پہاڑ بزرگ معلوم ہوتا ہے اور اندیشہ چوہے کی مثل اور جسم بڑا ہے دونون ترجمون کو دیکھنے سے پہلا ترجمہ بے تکلف معلوم ہوتا ہے) اور عالم جسمانی تیری نظر مین ہولناک اور عظیم الشان ہے۔ اسی لیے تو ابر اور کڑک اور بجلی سے خوف کھاتا اور کانپ جاتا ہے۔ اور اے گدھے سے بھی زیادہ بے عقل شخص عالم فکر سے تو بالکل بیخوف اور غافل اور پتھر کیطرح بیخبر ہے۔ سی بنا پر تو ارادۂ خداوندی سے کہ اس عالم فکر کا ایک جزو ہے بالکل نڈر ہے اور چونکہ تو اس عالم کے لحاظ بالکل بے حس اور مثل تصویر ہے اور عقل سے بے بہرہ ہے اسلیے تو بالکل آدمی نہین بلکہ گدھے کا بچہ سراپا جہل عقل سے بیگانہ خدا سے بے تعلق اور پاگل ہے تیری حالت یہ ہے کہ تو اپنی نادانی سے سایہ کو شخص اور غیر مستقل کو مستقل اور تابع کو متبوع سمجھتا ہے اسلیے شخص واصل (حق سبحانہ) تیری نزدیک ایک کھیل اور معمولی چیز ہو گیا ہے۔ اور تو اسکی پرواہ نہین کرتا اسکی اصل وجہ یہی ہے کہ غیر محسوس کو تو بمنزلہ معدوم کے سمجھتا ہے اس خیال کی غلطی ہم پیشتر بھی ظاہر کر چکے ہین اور اب بھی کرتے ہین دیکھ

عالم غیر محسوس کا ایک ادنےٰ آگ ہے کہ وہ بھی حالت صرافت مین غیر محسوس اور اپنی لطافت کے سبب مثل ہونے کے ہے۔ اور اس درجہ لطیف ہے کہ جب تک کسی جسم کثیف سے اسکا تعلق نہو نظر اسکا احساس نہین کر سکتی مگر باینہمہ لطافت اپنی تاثیر مین ہزارون بسولون کلھاڑون اور تلوارونسے بڑھی ہوئی ہے کہ یہ آلات وہ کام نہین کر سکتے جو آگ کر سکتی ہے۔ اگر اب بھی غیر محسوس کی قوت تیرے ذہن مین نہین آئی اور تیری غفلت اسی طرح قائم ہے تو اچھا اُس دن تک ٹھہر جس روز ارادۂ خداوندی علی الاعلان اپنے پر و بازو کھولکر اس عالم کو جسکو تو مستقل سمجھتا ہے اور جسکی ہوا کو تو معدوم جانتا ہے تباہ و برباد کرنے کے لیے تیار ہوگا۔ اسروز تجھے اسکی حقیقت معلوم ہوگی کہ کیا ہے۔ اسروز یہ سر بفلک پہاڑ نرم اون کے مثل ریزہ ریزہ ہونگے اور تکون الجبال کالعھن المنفوش۔ کا نظارا آنکھونکے سامنے ہوگا۔ اور زمین نیست ہوکر واذالارض مدت کی زبان حال سے تصدیق کر رہی ہوگے۔ نہ اوسدن تجھے آسمان کا وجود نظر آئے گا نہ ستارون کا نہ کسی اور شے کا بلکہ اسروز صرف ایک خدائے حی و دود ہوگا۔ جو لمن الملک الیوم کہے گا جس کا جواب یہ ہوگا للّٰہ الواحد القہار۔

شرح شبیری | پھر بادشاہ کا دوسرے غلام سے حال دریافت کرنا۔

چون ز گرما الخ۔ یعنے جب کہ وہ غلام (خوبصورت) حمام سے واپس آیا تو اوس بادشاہ بزرگ نے اسکو اپنے سامنے بلایا۔

گفت صحا لک الخ۔ یعنی بادشاہ نے (اس غلام سے) کہا کہ تیرے لیے ہمیشہ تندرستی اور نعمت ہو تو تو بڑا ہی لطیف اور ظریف اور خوبصورت ہے چونکہ اسکا بھی امتحان لینا مقصود تھا اسلیے اسکو ذرا پہلے خوب چڑھا دیا۔

پس سوئے الخ۔ یعنے پھر (یہ کہکر) اوس دوسرے کو کسی کام کو روانہ کر دیا تاکہ اس دوسرے (کے حالات) سے وہ باخبر ہو جاوے۔

پیش بنشاندش الخ۔ یعنی اوسکو خوب لطف و کرم کے ساتھ اپنے سامنے بٹھلایا بعد اوسکے کہا کہ اے مانند چاند کے اندھیرے مین۔

ماہروئے الخ۔ یعنی تو ماہرو ہے اور گھونگریلے بالون والا ہے اور مشکبو ہے اور نیکخو ہے اور پھر نیکخی ہی اور نیکخو۔

انکے دریغا الخ۔ یعنے کاش اگر تجھ مین وہ باتین نہوتین کہ فلان شخص (یعنے وہ غلام بد صورت) تیرے لیے کہتا ہے۔

شاد گشتے الخ۔ یعنے پھر تو جو تیرا منھ دیکھتا وہ شاد ہوتا اور تیرا دیکھنا ایک ملک ملنے کے برابر ہوتا۔ اسلیے کہ خوبصورت تو ہی ہے اگر خوب سیرت بھی ہوتا۔ تو کیا ہی کہنا تھا کہ پھر تو اسکا مصداق ہوتا کہ ؎

بہار عالم حسنش دل و جان تازہ میدارد ✤ برنگ اصحاب صورت را بہ بو ارباب معنے را۔

گفت رمزے را الخ۔ یعنی اوس غلام نے کہا کہ اے بادشاہ اوسمین سے کچھ تو بیان فرمایے جو کہ میرے لیے

اوس دین تباہ نے کہا ہے دین تباہ بد دعا ہے۔
گفت اول الخ۔ یعنے بادشاہ نے کہا اول تو اوس (بدصورت) نے تیری دو روئی کو بیان کیا (کہ سامنے تو تو اچھا ہے اور بعد مین بہت ہی بُرا ہے) کہ ظاہر تو تیرا دولہے ہے (کہ خیر خواہ معلوم ہوتا ہے) اور اندر درد ہے یعنے تکلیف دہ ہے اور یہ ساری باتین اوسکا امتحان لینے کے واسطے کہین اور لہین۔
خبث یارش الخ۔ یعنے اپنے ساتھی کی خباثت جبکہ بادشاہ سے سُنی تو فوراً اسکے غصہ کے دریانے جوش کیا۔ اور بھڑک اوٹھا۔
کف برآورد آن الخ۔ یعنے وہ غلام کف بھرلایا اور سُرخ ہوگیا یہان تک کہ اوسکے ہجو کی موج حد سے گذر گئی۔
کو ز اول دم الخ۔ یعنی (کہنے لگا) کہ وہ (یعنی بدصورت غلام) اول ہی سے کہ میرے ساتھ تھا کتے کیطرح قطعاً مین گو بر کھانے والا تھا مطلب یہ کہ وہ ہمیشہ ہی سے بُرا ہے غرضکہ اس بچارے کی خوب بُرائیان کین۔
چون دمادم کرد الخ۔ یعنے جب اوسنے گھنٹے کیطرح دمادم اوسکی ہجو کی تو اوسکے مُنھ پر بادشاہ نے ہاتھ رکھدیا کہ بس چپ رہو۔ مطلب یہ کہ جب وہ گھنٹے کیطرح ٹن ٹن بولنے لگا اور خوب اسکی برائیان کین تو بادشاہ نے منع کردیا اور چپ رہنے کا حکم دیدیا۔
گفت دانستم الخ۔ یعنی بادشاہ نے کہا کہ مینے تجھے اوس سے ممتاز کرلیا ہے۔ اچھی طرح سمجھ لے۔ تیری جان گندی ہے۔ اور اوسکا منھ گندہ ہے جیساکہ پہلے معلوم ہوا ہے۔ کہ وہ گندہ دہن تھا۔
پس نشین الخ۔ یعنی لہذا اے گندے دور بیٹھ تاکہ وہ حاکم ہو اور تو محکوم ہو۔ لہذا دیکھ لو کہ ہر شخص اپنے اپنے مرتبہ کے موافق رکھا گیا۔ اور یہی وجہ تھی اس حکایت کے لانے کی جیساکہ اس حکایت کے شروع مین وجہ ربط مین بیان بھی کیا گیا ہے۔ آگے مولانا فرماتے ہین کہ۔
بہر این گفتند الخ۔ یعنی اسلیے بڑے لوگون نے جہان مین کہا ہے کہ انسان کی راحت زبان کی حفاظت کرنے مین ہے۔ اگر یہ غلام اپنی زبان کو روکتا تو اوسکے عیوب ظاہر نہوتے۔
در حدیث آمد الخ۔ یعنی حدیث مین ہے کہ تسبیح ریاکے واسطے ایسی ہے کہ جیسے پہاڑ پر سبزہ ہوتا ہے اسے زیرک کہ اوپر سے تو سبزہ معلوم ہوتا ہے اور اندر اوسکے آگ بھری ہے۔ اسیطرح یہ غلام اوپر سے تو خوبصورت اور اچھا تھا مگر اندر سے سیرت اور باطن بہت ہی خراب تھا۔ اور بہت ہی بدسیرت تھا۔
پس بدانکہ الخ۔ یعنی پس جان لو کہ خوبصورت اور اچھی صورت بُرے اخلاق کے ساتھ ایک تسو کے برابر بھی نہین ہوتی۔ تسو چار جو کو کہتے ہین۔ مطلب یہ کہ بالکل بے قدر اور فضول شے ہے۔
ور بود الخ۔ یعنی اور اگر صورت حقیر اور نامقبول ہو لیکن جبکہ اوسکے اخلاق اچھے ہون تو اُسکے پانو مین مر جاؤ یعنی اوسپر سے تو فدا ہو جاؤ۔
چند بازی الخ۔ یعنے گھڑے کے نقوش کیا تھ کبتک عشق بازی رہیگی نقش کو چھوڑ دو (جو کہ غیر مقصود ہے) اور پانی کو تلاش کرو (جو کہ مقصود ہے) بس اچھی صورت مت دیکھو بلکہ اچھی سیرت دیکھو۔

چند باشی الخ۔ یعنی کہ صورت کے عاشق کبتک رہوگے کچھ کہو تو سہی (اور چونکہ یہ مقصود نہین ہے اسلیے اسکو چھوڑو اور) معنے کے طلب کرنیوالے ہو جاؤ۔ اور معنے ہی کو تلاش کرو۔ جو کہ مقصود ہے۔ اور وہ معنے کمالات باطنی ہین اونکو حاصل کرو۔ کہ وہی مقصود ہین۔

صورت ظاہر الخ۔ یعنی سمجھ لو کہ ظاہری صورت تو فنا ہو جاویگی اور عالم معنے ہمیشہ رہینگے اسلیے کہ کمالات باطنی تو باقی رہنے والے ہین بلکہ اس جہان سے قطع تعلق کے بعد بڑھنے والے ہوتے ہین۔

صورتش الخ۔ یعنی اوس (معنی) کی صورت تمنے دیکھی ہے اور پھر غافل ہو (بس غفلت کو چھوڑو) اور صدف سے موتی کو لے لو اگر تم عاقل ہو۔ یعنی مقصود کو غیر مقصود سے الگ کرکے مقصود کو حاصل کرو

این صدفہائے الخ۔ یعنی یہ قوالب (جو کہ مثل) صدف کے ہین جہانمین اگرچہ اوسی دریائے جان (حقتعالی) کی وجہ ہی سے زندہ ہین۔ مطلب یہ کہ جسقدر کونیات ہین اون سبکو حق تعالے کے ساتھ مخلوق ہونے کا تعلق تو ہے ہی پس اسلیے سب کا وجود اوسیکی وجہ سے اور اوسیکی طرف سے ہے اور سب کے سب اوسی سے پرورش پاتے ہین مگر۔

لیک اندر الخ۔ لیکن ہر صدف مین گوہر نہین ہوتا۔ لہذا آنکھ کھولو اور ہر ایک (صدف) کے دل مین دیکھو۔ مطلب یہ کہ جسطرح کہ تمام صدف دریا ہی سے فیض لینے والے۔ اور اس ہی سے تعلق رکھنے والے ہوتے ہین لیکن ہر صدف مین موتی نہین ہوتا پس اسی طرح اگرچہ جملہ اکوان عالم حق تعالے ہی کیطرف سے موجود ہین اور اون ہی سے سبکا تعلق ہے لیکن ہر ایک تو کامل نہین ہوتا۔ لہذا چشم حقیقت بین سے دیکھ لو کہ کون جامع کمالات ہے اور کون خالی ہے جسمین کمالات ہون اوس سے کمالات حاصل کر لو اور جو ہمہ تن خالی ہو اوس سے قطع تعلق کرو۔ آگے چشم بکشا در دل ہر یک نگر کی تشریح ہے کہ۔

کان چہ دارد الخ۔ یعنے چشم حقیقت بین سے دیکھو کہ یہ کیا رکھتا ہے اور وہ کیا رکھتا ہے (اسبات کو قبول کر لو۔ اسلیے کہ وہ در بے بہا بہت ہی کمیاب ہے۔ لہذا صورت صدف کی طرف مت جاؤ اور اوسکو مقصود مت سمجھو بلکہ بس جسمین کہ موتی ہے اوس سے وہ موتی لے لو۔ اور جسمین نہین ہے اوسکو پھینکدو کہ صورت صدف کسی مصرف کی نہین ہے اسی طرح دنیا مین جو کامل اور متوجہ بحق ہین اونسے کمالات حاصل کر لو اور جو اس سے خالی ہین اونسے بالکل قطع تعلق کر دو۔

گر بصورت الخ۔ یعنے اگر تم صورت کو دیکھتے ایک پہاڑ شکل مین لعل سے سوچند (بلکہ کہین اس سے زیادہ ہے۔ لہذا اوس پہاڑ کی قیمت زیادہ ہونی چاہیے۔ حالانکہ اوس پہاڑ کو کوئی بھی نہین پوچھتا۔ اور لعل کے خریدار لاکھون ہین پس معلوم ہوا کہ صورت مقصود نہین ہے۔

ہم بصورت الخ۔ (کہ ایک دوسری نظیر یہ) بھی (ہے کہ) تمھارے ہاتھ پاؤن اور جسم صورت مین آنکھ کے نقش سے سیکڑون حصے زیادہ ہین (تو اگر صورت ہی مقبول و مقصود ہوتی تو آنکھ سب سے کم اعتبار دار ہوتی) لیکن تم پر یہ بات پوشیدہ نہین ہے کہ تمام اعضا سے دو آنکھین مقبول (و مقصود) ہین اور سب مین

زیادہ بھی عزیز ہین لہذا معلوم ہوگیا اصل مقصود صورت نہین بلکہ باطن ہے پس اوسکے حصول کی کوشش کرنی چاہیے۔ آگے بھی باطن کی فضیلت ظاہر پر بیان فرماتے ہین۔ کہ

از یک اندیشہ الخ۔ یعنے ایک خیال کہ (کسی بادشاہ کے) دل مین آتا ہے تو سیکڑون جہان ایکدم مین سرنگون ہوجاتے ہین پس دیکھ لو کہ ایک خیال کہ جسکو باطن سے تعلق تھا اوسکے آنیکے ساتھ ہی ظاہری صورتین سیکڑون لاکھون فنا ہوجاتی ہین۔

جسم سلطان الخ۔ یعنے (دیکھو کہ) جسم بادشاہ کا صورت مین گرچہ ایک ہی ہوتا ہے۔ لیکن لاکھون لشکر اوسکے پیچھے ہوتا ہے تو یہ ساری وجہ اسکی ہے کہ اوسکے اندر ایک ایسی شے ہے جو اور ونمین نہین ہے لہذا معلوم ہوگیا کہ باطن کو ظاہر پر اور صورت پر فضیلت ہے۔

باز شکل الخ۔ یعنی پھر اوس برگزیدہ بادشاہ کی صورت بھی ایک فکر خفی کی محکوم ہے کہ جب کوئی خیال اوسکے ذہن مین آتا ہے فوراً اسپر عمل کرتا ہے۔

خلق بے پایان الخ۔ یعنے بے انتہا مخلوق دیکھ لو کہ ایک خیال (حق) سے ایک روکیطرح زمین پر روانہ ہوگئے ہین لہذا دیکھ لو کہ ایک خیال باطن ہی سے اسقدر صورتین ظاہر اور پیدا ہوگئین۔

ہست آن الخ۔ یعنے کہ وہ خیال مخلوق کے سامنے ایک چھوٹی شے ہے لیکن وہی خیال جہان کو روکیطرح بہالیجاوے۔ اور خورد برد کردے جیسا کہ قرآن شریف ہے فمن یملک من اللہ ان اراد ان یہلک المسیح وامہ ومن فی الارض جمیعا پس اگر حقتعالی سب کے ہلاک کا قصد کرین تو وہ ایک قصد ہے لیکن وہی موجب سب کی تباہی کا ہوجاوے۔

خلق عالم الخ۔ یعنے مخلوقات عالم سب کی سب مثل ایک گلہ کے ہین اور حق تعالے مثل چرواہے کے ہین تو جسطرف کو اور جسطرح چاہتے ہین اونکو رات دن دوڑاتے ہین پس معلوم ہوگیا کہ ظاہر اور صورت پر باطن کو ترجیح ہے۔ لہذا اسکو طلب کرنا چاہیے۔ اور صورتونکو ترک کرنا چاہیے۔ چونکہ اوپر سے بیان ہے ترجیح معنے کا صورت پر۔ اسلیے آگے اسپر تفریع فرماتے ہین کہ۔

پس چو الخ۔ یعنے پس جبکہ تو دیکھتا ہے کہ ایک خیال ہی سے ہر پیشہ قائم ہے اور گھر اور محل اور شہر اور پہاڑ اور جنگل اور نہرین اور زمین اور دریا اور خورشید اور آسمان (غرضکہ جملہ کائنات) اوسی (خیال) سے زندہ ہین جیسے کہ مچھلی دریا سے (زندہ رہتی ہے اور اگر دریا نہو تو اوسکا وجود بھی فنا ہوجاتا ہے) پس پس اے اندھے (حقیقت سے) تیرے سامنے بیوقوفی سے کس لیے بدن (ظاہری) مثل سلیمان علیہ السلام کے (مقصود و عزیز و عظیم) ہے اور اندیشہ اور خیال مانند چیونٹی کے (غیر مقصود اور حقیر) ہے مطلب یہ کہ تمام کائنات عالم کو دیکھ لو خواہ وہ صنعت حق سبحانہ سے ہو اور خواہ صنعت مخلوق کو اوسمین دخل ہو غرضکہ سب کی سب خیال اور قصد اور ارادہ ہی سے قائم اور موجود ہین اور وہ ارادہ اور قصد ایک معنوی اور مستتر شے ہے۔ تو وہ متبوع اور یہ کل کائنات عالم توابع ہوے پس جو کہ اصل اور متبوع ہے اسکو حاصل کرنا چاہیے۔ اور ان توابع سے قطع تعلق ضروری ہے۔

می نماید الخ۔ یعنی کہ تیری آنکھ (غلط بین) کے سامنے پہاڑ بڑا (معلوم ہوتا ہے) اور فکر اور خیال مانند چوہے کے اور بدن بزرگ (معلوم ہوتا ہے)

عالم اندر الخ۔ یعنی عالم تیری نگاہ میں ایک ہول دلانیوالی اور بہت بڑی شے ہے اور ابر اور بجلی اور گرک سے تم خوف اور لرزہ رکھتے ہو۔ یعنی ان چیزون سے ڈرتے ہو۔

ور جہان الخ۔ یعنی اے (وہ شخص جو کہ) گدھے سے کم ہے تو جہان فکر مین بخوف اور غافل ہے مانند ایک بے خبر پتھر کے یعنی تو اسکو کچھ سمجھتا ہی نہین۔ یہ ساری باتین اسلیے ہین کہ تو اس حقیقت سے غافل اور بے بہرہ ہے

زانکہ الخ۔ یعنی اسلیے کہ تو صرف نقش ہی ہے اور عقل سے بالکل بے بہرہ ہے اور خود آدمی نہین ہے بلکہ گدھے کا بچہ ہے لطیفہ بعض لوگ کسیکو کہدیتے ہین گدھے کا بچہ سور کا بچہ تو اوس سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ اسنے باپ کو بھی گالی دی کہ اسکو گدھا بنا کر اسکو اوسکا بچہ بنایا۔ لیکن اصل مین یہ بات نہین ہے بلکہ مقصود یہ ہوتا ہے کہ تو مثل گدھے کے بچے کے ہے انتہی۔ مطلب یہ کہ چونکہ تو صرف صورت اور نقش ہی ہے اور عقل سے بالکل ہی خالی ہے اس لیے تجھے حقیقت کی خبر نہین ہے۔

جہل محضی الخ۔ یعنی کہ تو جاہل محض ہے اور عقل سے بیگانہ ہے اور حق تعالی کی (معرفت کی) بو بھی نہین رکھتا لہذا دیوانہ ہے تو۔

سایہ را الخ۔ یعنے کہ تو سایہ کو جہل کیوجہ سے شخص دیکھ رہا ہے (یعنے غیر مقصود کو مقصود سمجھ رہا ہے) اسلیے شخص (مقصود) تیرے نزدیک کھیل اور سہل ہے۔ اور اسی لیے اوسکو چھوڑے بیٹھا ہے اور بوجہ چشم حقیقت بین نہ ہونیکے تجھے اوس مقصود کی خبر نہین لیکن ایک وقت وہ بھی آویگا کہ تجھے کالشمس فی رابعۃ النہار یہ سب چیزین معلوم ہونگی اسکی ایک مثال مولانا بیان فرماتے ہین کہ۔

باش تا غلبیت الخ۔ یعنی کہ عالم غیب کا ایک نمونہ آگ ہے۔ کہ لطافت کی وجہ سے (پوشیدگی مین) ہوا کی مثل کیطرح ہے اور جبتک کسی جسم کثیف کے ساتھ ملتی نہین ہے۔ اسوقت تک اوس لطیف کی نگاہ کو خبر بھی نہین ہوتی پھر اثر کے وقت زیادہ ہے۔ ہزارون تیشون اور تلوارون اور کلہاڑون سے مطلب یہ ہے کہ تم کو جو عالم غیب کیطرف التفات نہین ہے اور چونکہ وہ تم کو دکھلائی نہین دیتا ہے اسلیے اس سے غفلت ہے سو اسکی ایسی مثال ہے کہ جیسے آگ ہوتی ہے۔ کہ جو آگ کہ خالص ہوتی ہے اور اوسمین امتزاج کثیف کا نہین ہوتا تو وہ دکھلائی نہین دیتی۔ اسلیے کہ آگ تو ہوا سے بھی لطیف شے ہے۔ مگر جبکہ وہی آگ لیکن بدن کو لگجاوے تو لطف آجاوے تو دیکھ لو حالانکہ مبصر نہین ہے اور ظاہر نظر سے غائب ہے مگر پھر بھی اثر کرتی ہے اسیطرح تم اسوقت جو مقصود سے بیخبر اور غافل ہو یہ سب قیامت کے روز تمھارے سامنے آجاویگا۔ اور اس دن ساری حقیقت معلوم ہوجاویگی اسکو مولانا فرماتے ہین۔

باش تا روزے الخ۔ یعنی اوسدن تک ٹھہرو کہ یہ فکر و خیال بغیر کسی حجاب کے پر و بال کھولے اور تم کو اسوقت اسکی حقیقت اور اسکا اثر معلوم ہوگا۔ اسلیے کہ اعدام کا اثر بہ نسبت ایجاد کے زیادہ پڑتا ہے مثلاً آگ کو کہ جو اسکے اندر آگیا اور اوسنے اوسکو جلا دیا۔ بہت ہی موثر جانتے ہین۔ اور پانی اگر بہت جسم کا نات

کیا دے تو اوسکو بھی موثر ملتے ہین اور اسکی عظمت دلمین ہوتی ہے۔ اور اگر ان سے کوئی شبے پیدا ہو تو پھر انکی اسقدر عظمت نہین ہوتی پس اسیطرح اگرچہ یہ دنیا بھی اون خیال اور قصد حق تعالیٰ ہی کا ظہور ہے۔ مگر یہ موثر نہین ہے ہان جبکہ وہ قصد اور خیال باری تعالیٰ انکے عدم کیطرف متوجہ ہوگا اسوقت اسکو بہت ہی عظمت کی نظر سے دیکھا جاویگا اسی لیے مولانا نے فرمایا کہ اسدن تک ٹھہرو کہ جسدن مین اون قصد اور خیال وغیرہ کا پورا پورا اثر ہوگا۔ اور وہ اثر یہ ہے کہ۔

کوہہا بینی الخ۔ یعنی پہاڑونکو تم دیکھوگے مثل اون نرم کے۔ اور نیست شدہ (دیکھوگے) اوس زمین سرد و گرم کو یعنے وہ زمین جو کبھی سرد اور کبھی گرم ہوتی ہے یا یہ کہ کہین سرد ہے کہین گرم غرضکہ اون عظام مخلوق کو ہلاک شدہ دیکھوگے۔ اسروز اوس خیال کی وقعت دلمین ہوگی۔

نے سما بینی الخ۔ یعنی نہ تو آسمان دیکھے گا نہ ستارونکا وجود (دیکھے گا) بلکہ کل کائنات عالم فنا ہو جاوینگے سوائے خدائے حی ودود کے کہ اوسکی ذات باقی ہے اور باقی کل اشیاء فنا ہو جاوینگے پس اسروز اس خیال اور قصد کی جو کہ معنوی چیزین ہین عظمت تمھارے قلب مین جاگزین ہوگی اور معلوم ہوگا کہ صورت قابل ترک اور معنے لائق حاصل کرنیکے تھے۔ آگے فرماتے ہین کہ۔

شرح حبیبی

حسد کردن حشم بر غلام خاص

یک فسانہ راست آمد یا دروغ	تا دہد مر راستیہا را فروغ
بادشاہے بندۂ را از کرم	برگزیدہ بود از جملہ حشم
جامگی او وظیفہ چل امیر	دہ یکے قدرش ندیدی چل وزیر
از کمال طالع و اقبال و بخت	او ایازے بود شہ محمود وقت
روح او با روح شہ در اصل خویش	پیش ازین تن بودہ ہم پیوند و خویش

اچھا اب ایک قصہ سنو خواہ سچا ہو یا جھوٹا تاکہ اوس سے ہماری سچی باتون کو رونق و تقویت ہو وہ قصہ یہ ہے کہ ایک بادشاہ نے اپنے خدام مین سے ایک غلام کو اپنی عنایت سے منتخب کرکے مقرب بنا لیا۔ اوسکی تنخواہ چالیس امیرون کی تنخواہ کے برابر مقرر کی تھی اور اوسکا مرتبہ اسقدر بڑھایا تھا کہ چالیس وزیر بھی اسکا دسوان حصہ بھی میسر نہ تھا۔ غرض کہ وہ اپنی بلند طالعی و خوش اقبالی اور خوش نصیبی سے ثانی ایاز

تھا۔ اور بادشاہ اپنے وقت کا محمود تھا۔ وجہ اسکی یہ تھی کہ مرتبہ اعیان ثابتہ مین آ کسکی روح کو اسکی روح کیساتھ اتصال و یگانگت حاصل ہوچکی تھی۔

کار آن دارد کہ پیش از تن بدست — بگذر از اینہا کہ نو حادث شدہ ست

چشم عارف ہست گوئی احول است — چشم او بر کشتہاے اول است

انچہ گندم کاشتند و انچہ جو — چشم او آنجاست روز و شب گرو

انچہ آبستست شب جز آن نزاد — حیلہا و مکرہا باد است باد

کے شود دلخوش بحیلتہاے گش — آنکہ بیند حیلۂ حق بر سرش

او درون دام و دامے می نہد — جان تو نے زان جہد نے زین جہد

گر بروید ور بریزد صد گیاہ — عاقبت بر روید آن کشت الٰہ

کشت نو کارید بر کشت نخست — این دوم فانیست آن اول درست

تخم اول کامل و بگزیدہ است — تخم ثانی فاسد و پوسیدہ است

افگن این تدبیر خود را پیش دوست — گرچہ تدبیرت ہمہ تدبیر اوست

کار آن دارد کہ حق افراشتست — آخر آن روید کہ اول کاشتست

ہرچہ کارے از براے او بکار — چون اسیر دوستی اے دوستدار

گرد نفس دزد و کار او مپیچ — ہرچہ آن نے کار حق ہیچ است ہیچ

پیش ازانکہ روز دین پیدا شود — نزد مالک دزد دین رسوا شود

رخت دزدیدہ بہ تدبیر و فنش — ماندہ روز داوری بر گردنش

صد ہزاران عقل با ہم بر جہند — تا بغیر دام او دامے نہند

دام خود را سخت تر یابند و بس — کے نماید قوتے با باد خس

ور نداری باور از من رو بہ بین — در نبی واللہ خیر الماکرین

اوپر تقدیر الٰہی کا ذکر کیا تھا اب مولانا حسب عادت اسکے مناسب نصیحت کیطرف انتقال فرماتے ہین اور کہتے ہین قابل اعتبار وہی بات ہے جو اس ہستی سے پہلے ازل مین طے ہو چکی ہے۔ یعنے قضائے مبرم اسلیے ان باتون کو نظر انداز کرنا چاہیے۔ جو عالم مین ہوتی ہین کیونکہ وہ سب طے شدہ امر کا نتیجہ اور ظہور ہین چونکہ عارف کی نظر راست گو ہوتی ہے اور واقعی حالت کا اظہار کرتی ہے اور احول وغلط بین نہین ہوتی لہذا اوسکی نظر گشت اول اور تقدیر الٰہی پر ہوتی ہے پس اگر تو عارف بننا چاہتا ہے تو اپنے اندر یہ صفت پیدا کر حق سبحانہ نے ازل مین جو کچھ خیر وشر مقدر کر دیا۔ اسکی نظر اسکی مقید ومحبوس ہوتی ہے دوسری شئے پر اسکی نظر نہین پڑتی دوسری شئے پر نظر پڑ کیونکر سکتی ہے کیونکہ قاعدہ ہے کہ شب کو جماع کرنے سے جو حمل لڑکا یا لڑکی وغیرہ کا رہجاتا ہے جلنتے وقت اسی کا ظہور ہوتا ہے اسکے خلاف تمام تدابیر وحیل فضول ہین۔ یون ہی جو کچھ حق سبحانہ نے ازل مین مقرر کر دیا ہے وہی ہوگا۔ کوئی تدبیر کیجا دے اوسکے خلاف ناممکن ہے پس جو شخص تدبیر حق کو اپنے سر پر مسلط دیکھتا ہے وہ اپنی بظاہر دل خوش کن تدابیر سے کیسے خوش ہو سکتا ہے اور ان پر کیونکر نظر کر سکتا ہے اور عارف تدبیر وتقدیر الٰہی کو دیکھتا ہے تو اس سبب سے یہ ہی نتیجہ نکلتا ہے کہ عارف کی نظر صرف تقدیر الٰہی پر ہوتی ہے حق سبحانہ ایک جال کے اندر دوسرا جال بچھا رہے ہین یعنے اول تو مقدر کر چکے اسکے بعد عالم مین تصرف بھی فرما رہے ہین پس تیری جلن نہ اوس دام تقدیر سے نکل سکتی ہے۔ اور نہ دام تصرف سے اور نہ تو تقدیر الٰہی کو بدل سکتا ہے۔ اور نہ تصرف کو اگر بالفرض کوئی سوکھاس حق سبحانہ کی کھیتی کے خلاف بووے۔ اور وہ نکل بھی آئین یعنے اگر کوئی خلاف تقدیر الٰہی تدبیر سوچین اور انکو عمل مین بھی لائے۔ تب بھی خدا ہی کی کھیتی اُگے گی اور اسی کی تقدیر ظاہر ہوگی اور وہی بار آور ہوگی اور اس سب کو فنا کر دیگی اسکی دو وجہ ہین اول یہ کہ اسنے پہلی بوئی کھیتی پر دوسری کھیتی بوئی ہے۔ پس دوسری کھیتی فنا ہوگی اور اول تیار ہوگی دوم یہ کہ پہلا تخم کامل اور قوی اور پسندیدہ ہے اور دوسرا خراب اور بوسیدہ تو ضرور ہے کہ تخم اول ہی بار آور ہو۔ پس جب معلوم ہو گیا کہ تقدیر الٰہی کے مقابلہ مین تدبیر عبد کوئی حیثیت نہین رکھتی تو اب عبد کا فرض ہے کہ اپنی تدابیر کو حق سبحانہ کے سپرد کر دے۔ گو جو بظاہر اسکی تدبیر ہے فی الحقیقت وہ بھی اسکی نہین۔ بلکہ وہ بھی حق سبحانہ ہی کی ہے۔ پس ان تمام باتون سے ثابت ہو گیا کہ قابل اعتبار وہی ہے جو حق سبحانہ قائم کر چکے ہین اور آخر مین وہی اُگتا ہے جو وہ پہلے بو چکے ہین۔ یہان تک امر تکوینی کا بیان تھا آگے امر تشریعی کا بیان فرماتے ہین کہ چونکہ تو حق سبحانہ کی حب ایمانی کے دام مین گرفتار ہے یعنے مومن ہے اسلیے تیرا فرض ہے کہ تو جو کچھ بووے اور جو عمل وتدبیر کرے اسمین اپنے محبوب حق سبحانہ کی موافقت رضا ضرور ملحوظ رکھے۔ اور تیرا کام اسکے لیے ہو اور نفس خائن اور اسکے موافق کامون سے تعلق نہ رکھنا۔ کیونکہ جو کام مرضی خدا کے موافق نہین وہ کچھ بھی نہین اور یہ اطاعت حق وعصیان نفس اس سے پیشتر ہونا چاہیے کہ روز جزا کا ظہور ہو اور مالک حقیقی کے سامنے دین کا چور (عاصی) رسوا اور ذلیل ہو۔ اور جو مال اوسنے اپنی تدبیر وچالاکی سے چرایا ہے وہ اسکی گردن

سوار ہو کیونکہ امروز ندامت کچھ سود مند نہ ہوگی خیر یہ تو جملہ معترضہ کے طور پر تھا اب پھر اصل مطلب سُن اس جل عظمتہ کی تو یہ شان ہے کہ لاکھوں عقلیں اسبات پر مستعد ہوتی ہیں کہ اسکے دام تقدیر و تدبیر کے خلاف کوئی دام تزویر بچھاویں اور تبدیل تقدیر کے لیے سیکڑوں کوششیں کرتی ہیں مگر وہ اپنے دام تقدیر کو جسمیں وہ گرفتار ہیں پہلے سے زیادہ سخت پاتے ہیں کیونکہ پہلے تو وہ اسکو قابل شکست جانتے تھے اب انکو معلوم ہوتا ہے کہ ناقابل شکست ہے کیوں نہو تقدیر و تدبیر الٰہی بمنزلہ آندھی کے ہے۔ اور انکی تدبیریں بمنزلہ تنکے کے۔ بھلا تنکا کہیں آندھی کی مزاحمت کر سکتا ہے۔ اچھا اگر تجھے ہماری بات کا یقین نہیں آتا تو جا قرآن میں واللہ خیر الماکرین دیکھ لے جسکا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالٰی تمام مدبرین سے اعلیٰ و افضل ہیں انکے مقابلہ میں کسیکی نہیں چلتی **ف** اس مقام پر حضرت مجدد الملۃ والدین نے ایک نہایت نفیس بات فرمائی اوسکو یہاں اسلیے درج کیا جاتا ہے کہ لوگ عبرت حاصل کریں فرمایا کہ دیکھو اس زمانہ میں اور اُس زمانہ میں کسقدر تفاوت ہے۔ اُسوقت اگر کوئی کسیکی عقلی بات کو نہ مانتا تھا تو اوسکو منوانے کے لیے قرآن دکھاتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ محض عقلی ہی نہیں بلکہ نقلی بھی ہے اور اب لوگوں کو قرآن دکھایا جاتا ہے تو کہتے ہیں کہ جناب ہم کو عقلی دلیل سے سمجھایے محض نقلی کو ہم نہیں مانتے واقعی دونوں روشوں کے ملاحظہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اون لوگوں کی طبیعتیں سلیم تھیں۔ اور اسوقت کے لوگونکے مزاجونکو امراض روحانیہ نے بالکل فاسد کر دیا ہے طبع سلیم کا مقتضا یہی ہے کہ نقل عقل پر مقدم ہو۔ اگر عقل بھی نقل کی موافقت کرلے فبہا ورنہ اگر اسکے مزاحم ہو تو سمجھنا چاہیے کہ اسمیں وہم کی آمیزش ہے۔ گو ہم کو مدرک نہیں۔ وجہ اسکی یہ ہے کہ منقولات کے منبع میں غلطی کا احتمال نہیں اور ہمارے عقول میں غلطی مشاہد ہے پس عقل خطا کار کی کیا مجال ہے کہ وہ منزہ عن الخطاء کے حکم کی مزاحمت کرے تجویز رد نقل بعقل خود عقل کی ایک غلطی ہے عقل سلیم کا مقتضا تو یہی ہے کہ جب ثابت ہو جاوے کہ یہ خدا و رسول کا ارشاد ہے فوراً بلا چون و چرا مان لیا جاوے۔ اگر عقل اسمیں کچھ چون و چرا کرے تو سمجھ لیا جاوے کہ اسمیں وہم کی آمیزش ہے۔ اور خود حکم خلاف عقل نہیں۔ یہ امر اسقدر بدیہی ہے کہ اسکا منکر یا مجنون ہے یا معاند۔ اور ہر دو صورت ناقابل خطاب ہے۔ اسی مضمون کو عارف شیراز شیخ سعدی علیہ الرحمۃ نے یوں بیان کیا ہے۔ آنکس کہ بقرآن و خبر زو نرہی + اینست جوابش کہ جوابش ندہی۔

ور تو گوئی فائدہ ہستی چہ بود	در سوالت فائدہ ہست ای عنود
گر ندارد این سوالت فائدہ	چہ شنوم این را عبث بے عائدہ
گر سوالت را بسے فائدہاست	پس جہان بے فائدہ آخر چرا ست
در جہان از یک جہت بیفائدہ است	از جہت ہائے دگر پر عائدہ است

فائدہ تو گر مرا فائدہ نیست　　مر ترا چون فائدہ ست از وے مایست

فائدہ تو گر مرا نبود مفید　　چون ترا شد فائدہ گیر اے مرید

ور منم زان فائدہ محروم چو خر　　مر ترا چون فائدہ ست ازین مبر

حسن یوسف عالمے را فائدہ　　گرچہ بر اخوان عبث بد زائدہ

لحن داؤدی چنان محبوب بود　　لیک بر محروم بانگ چوب بود

آب نیل از آب حیوان بد فزون　　لیک بر قبطی منکر بود خون

ہست بر مومن شہیدے زندگی　　بر منافق مردن ست و ژندگی

چیست در عالم بگو یک نعمتے　　کہ نہ محروم اند از وے امتے

گاؤ خر را فائدہ چہ در شکر　　ہست ہر جان را یکے قوت دگر

یہان سے اس سوال کا اجمالی جواب دیتے ہین۔ جو حاصل مضمون سابق ماشاء اللہ کان ومالم یشالم یکن پر وارد ہوتا ہے اور فرماتے ہین کہ اگر کوئی یہ کہے کہ جب عالم مین جو کچھ ہوتا ہے بتقدیر الٰہی ہوتا ہے تو عالم کو اس درجہ معطل پیدا کرنے کا کیا فائدہ۔ تو ہم اُس سے کہین گے کہ ہٹ دھرم تو یہ تو بتا کہ تیرے اس سوال کا کیا فائدہ ہے۔ اگر کچھ بھی نہین تو مین اسکو بیفائدہ کیون سنون اور جواب کی زحمت کیون گوارا کرون۔ اور اگر تیرے سوال کے لیے بہت سے فائدہ ہین تو یہ غضب کی بات نہین کہ تو عابث اور لغو گفتار وکردار تو اپنے فعل مین کوئی نہ کوئی فائدہ مدنظر رکھے خواہ حقیقت مین وہ فائدہ ہو یا نہو اور صانع علیم وحکیم اپنے فعل مین کوئی فائدہ مدنظر نہ رکھے۔ تیری غلطی کا منشا یہ ہے کہ تجھے اسکا فائدہ معلوم نہین اسلیے اسکو بے سود سمجھتا اور ناقابل خلق جانتا ہے مگر یہ بنا ہی غلط ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ جہان اگر ایک جہت سے بیفائدہ ہے (مثلاً یہی کہ اسکا فائدہ عوام کو معلوم نہین) تو دوسری حیثیتون سے مفید بھی ہے (گو ہم انکی تفصیل وتعیین نکر سکین) اور یہ کچھ ضرور نہین کہ جو چیز ایک جہت سے بیفائدہ ہو تو اوسکو کیا ہی نہ جاوے مثلاً جس کام مین تیرا فائدہ ہے اور میرا فائدہ نہین تو گو وہ ایک حیثیت سے بے فائدہ ہے مگر جب ایک فائدہ بھی ہے یعنے تیرا تو تجھپر لازم نہین کہ اوس کام کو نہ کرے۔ بلکہ حکم عقل یہی ہے کہ تجکو اس سے باز نہین رہنا چاہیے اگر تیرے فائدہ مین میرا فائدہ نہین نہ سہی تیرا ہی فائدہ سہی اور اگر مین اس فائدہ سے بالکل آزاد اور بے تعلق ہون تو بلا سے جب تیرا فائدہ ہے تو تو اوس سے قطع تعلق مت کر اور میری وجہ سے اپنا فائدہ نہ کھو یہان تک تو ہم نے یہ بتلایا ہے کہ جو فعل من وجہ غیر مفید ہو۔ قابل ترک نہین ہوتا۔ اب

ہم تجھے ایسے نظائر دکھاتے ہین جو من وجہ مفید و من وجہ غیر مفید ہین۔ حالانکہ موجود ہین پس انھین ہین کا ایک فرد عالم کو سمجھ لے۔ مثلاً حسن یوسف تمام عالم کے لیے مفید اور لذت بخش تھا۔ لیکن ان کے بھائیون کے نزدیک بالکل عبث اور فضول تھا۔ لحن داؤدی باوجودیکہ اسدرجہ مرغوب اور پسندیدۂ خلق تھی مگر منکرین کے نزدیک لکڑی کی چون چون سے زیادہ وقعت نہین رکھتی تھی۔ آب نیل اپنے عموم نفع کے لحاظ سے آب حیوان پر بھی فوقیت رکھتا تھا مگر قبطی منکر کے لیے خون تھا۔ شہادت مومن کے لیے زندگی ہے اور شہدا اسکے سبب احیاء عند ربہم یرزقون فرحین بما اتہم اللہ کا مصداق ہین مگر منافق کی نظر مین وہ موت اور بربادی ہے۔ اچھا انکو چھوڑ۔ اور تو ہمین تمام دنیا مین کوئی ایک ہی غذا ایسی بتا دے جس سے عالم کی ایک بڑی جماعت محروم نہو۔ اور اسکے لحاظ سے وہ بے فائدہ نہو۔ مثلاً شکر ہی کو لے لو اور بتاؤ کہ گدھون بیلون کا ہمین عادۃً کیا نفع ہے۔ کچھ بھی نہین کیونکہ ہر جان کے لیے ایک جداگانہ غذا ہے شکر انکی غذا نہین اس لیے ہمین عادۃً ان کا فائدہ بھی نہین اور چونکہ انسانون کی غذا ہے اسلیے ہمین انھین کا فائدہ بھی ہے تو کیا یہ اشیاء مخلوق نہین ضرور ہین پھر کیا انکی تخلیق عبث ہے اسکو تو تو بھی تسلیم نہین کرتا پھر تخلیق عالم عبث کیون ہو گئی۔

لیک گر آن قوت بروے عارضی است | پس نصیحت کردن او را انقضی است
چون کسی کو از مرض گل داشت دوست | گرچہ پندارد کہ آن خود قوت اوست
قوت اصلی را فرامش کردہ است | روے در قوت مرض آوردہ است
نوش را بگذاشتہ سم خوردہ است | قوت علت ہمچو چوبش کردہ است
قوت اصلی بشر نور خداست | قوت حیوانی مر او را ناسزاست
لیک از علت درین افتاد دل | کہ خورد او روز و شب زآب و گل
روئے زرد و پاے سست و دل سبک | کو غذاے والسماء ذات الحبک
آن غذائے خاصگان دولت است | خوردن آن بے گلو و آلت است
شد غذاے آفتاب از نور عرش | مر حسود و دیو را از دود فرش
در شہیدان یرزقون فرمود حق | آن غذا را نے دہان و نے طبق
دل ز ہر یارے غذاے میخورد | دل ز ہر علمے صفائے مے برد
صورت ہر آدمی چون کاسہ ایست | چشم از معنے او حساسہ ایست

از لقاے ہر کسے چیزے خوری — وز قران ہر قرین چیزے بری

چون ستارہ با ستارہ شد قرین — لائق ہر دو اثر زائد یقین

از قران مرد و زن زائد بشر — در قران سنگ و آہن ہم شرر

در قران خاک با بارانہا — میوہا و سبزہا ریحانہا

وز قران سبزہا و آدمی — دلخوشی و بیغمی و خرمی

وز قران خرمی با جان ما — مے بزائد خوبے و احسانہا

قابل خوردن شود اجسام ما — چون برآید از تفرج کام ما

سرخروئی از قران خون بود — خون ز خورشید خوشی گلگون بود

بہترین رنگہا سرخی بود — وان ز خورشیدست و از وے میرسد

ہر زمینے کو قرین شد با زحل — شورہ گشت و کشت را نبود محل

قوت اندر فعل آید ز اتفاق — چون قران دیو با اہل نفاق

این معانی راست از چرخ نہم — بے ہمہ طاق و طرم طاق و طرم

خلق را طاق طرم عاریتی است — امر را طاق طرم ماہیتی است

از پے طاق و طرم خوارے کشند — بر امید عز در خواری خوشند

بر امید عز دو روزہ خدوک — گردن خود کردہ اند از غم چو دوک

چون نمی آیند اینجا کہ منم — کاندرین عز آفتاب روشنم

مشرق خورشید برج قیرگون — آفتاب ما ز مشرقہا برون

مشرق او نسبت ذرات او — نے برآمد نے فرو شد ذات او

ما کہ واپس ماندہ ذرات ویم — در دو عالم آفتاب بے فئیم

باز گرد شمس مے گردم عجب
هم ز فر شمس باشد این سبب

شمس باشد بر سببها مطلع
هم از و حبل سببها منقطع

صد هزاران بار ببریدم امید
از کہ از شمس این زمن باور کنید

تو مرا باور مکن کز آفتاب
صبر دارم من و یا ماهی ز آب

ور شوم نومید نومیدے من
عین صنع آفتابست اے حسن

عین صنع از نفس صانع چون برد
عین هست از غیر هستی چون چرد

جملہ هستیها ازین روضہ چرند
گر براق و تازیان یا خود خرند

وپر کہا تھا کہ ہر روح کے لیے ایک جداگانہ غذا ہوتی ہے اب فرماتے ہین کہ کبھی ارواح اپنی اصلی غذا کے علاوہ دیگر اغذیہ سے بھی متغذی ہوتی ہین اور انکو اپنی اصلی غذا خیال کرتی ہین۔ ایسی حالت مین نصیحت اور دیگر تدابیر سے اوسکا چھڑانا ممکن ہے اور وہ نصیحت وغیرہ انکے لیے چابک سواری کا کام دیتی اور اصلاح کرینگی۔ اسکی مثال ایسی سمجھو جیسے کوئی شخص مرض کے سبب مٹی کو خوب مزے سے کھاتا ہو ایسا شخص گو اوسکو اپنی اصلی غذا سمجھتا ہے۔ مگر فی الحقیقت ایسا نہین بلکہ مرض قوت پکڑ گیا ہے اور اسکے سبب وہ اپنی اصلی غذا کو بھول گیا ہے۔ اور اپنی غذاے موافق کو چھوڑ کر زہر اور غذاے مضر کھانے لگا ہے چونکہ وہ غذاے اصلی تو تھی نہین جو تغذیہ و تنمیہ کرکے اوسکو موٹا تازہ کرتی بلکہ مرض کے سبب تھی اسلیے اوس غذاے مرض نے بجاے نفع کے نقصان کیا۔ اور سوکھا کر کانٹا کر دیا۔ اب تک تم کو چند باتین معلوم ہوئین اول یہ کہ ارواح کی غذائین مختلف ہین دوم یہ کہ کبھی ارواح اپنی غذا کو چھوڑ کر غیر غذا سے متغذی ہوتی ہین سوم یہ کہ وہ اغذیہ غیر اصلیہ بجاے نفع کے نقصان دیتی ہین چہارم یہ کہ تدابیر سے اسکا چھوڑانا ممکن ہے پنجم یہ کہ کبھی ارواح غلبۂ مرض سے غذاے عارضی کو اصلی سمجھ جاتی ہین یہ تمام امور اصل مقصود کے مقدمات تھے۔ اب اصلی مقصد سنو روح انسانی کی غذا اور اشیاء کی غذا سے مختلف ہے اسکی اصلی غذا نور معرفت حق سبحانہ ہے اور اغذیہ روح حیوانی یعنے لذات و شہوات حرص و طمع بغض و حسد وغیرہ وغیرہ اوسکے لیے اغذیۂ ناموافقہ و مضرہ و غیر اصلیہ ہین لیکن غلبۂ مرض سے دل انمین پھنس گیا ہے۔ اور اسکی یہی خواہش ہے کہ انھین ناسوتی اغذیہ سے متغذی و منتفع ہوتا رہے ان اغذیۂ ناموافقہ کی بدولت اوسکی روح کا چہرہ زرد اور پانون سست اور دل کمزور ہو گیا ہے یعنے اوسکی روح مین اضمحلال و ضعف آ گیا ہے۔ کیونکہ غذاے اصلی نور معرفت حق سبحانہ تو ملتی ہی نہین جس سے قوت ہو۔ یہ غذائین بے بہرہ اور محجوب کو کہان نصیب یہ تو بندگان خاص دولت خداوندی کے لیے ہے جسکو وہ بدون حلق اور رکابی پیالون وغیرہ کے کھاتے ہین اصل بات یہ ہے کہ غذا و متغذی مین مناسبت ہونی چاہیے۔ جیسا متغذی ہوگا ویسی ہی غذا ہوگی چنانچہ جو لوگ قلوب روشن مثل

آفتاب رکھتے ہین اونکی غذا نور معرفت حق سبحانہ ہے اور تیرہ درون ابلیس اور اوسکے متبعین کی غذا ہین کہ ہوان
اور ظلمات عالم ناسوت ہین دیکھو شہدا جو مثل آفتاب ہین انکے بارہ مین حق سبحانہ یرزقون فرحین بما آتٰہم اللہ
من فضلہ فرماتے ہین جس سے معلوم ہوتا ہے کہ انکو خدا کے یہان سے رزق ملتا ہے جسکو وہ بدون منہ کے اور بلا
رکابی پیالون کے کھاتے ہین وہ غذا اور رزق کیا ہے وہی نور معارف الٰہی (ف جاننا چاہیے کہ الفاظ
آیہ فی نفسہا اس معنے سے آبی نہین محتمل عموم ہین لہذا یہ تفسیر ان تفاسیر کے بھی خلاف نہین جنمین انکی تفسیر
اغذیہ جنت سے کی گئی ہے کیونکہ وہ تعیین یک نوع رزق ہے۔ اور یہ تشریح نوع دیگر ہذا ما عندی فی توجیہ
ہذا المقام واللہ اعلم بالصواب اور دہان سے دہان ناسوتی اور طبق سے طبق ناسوتی مراد لینا اسلیے مناسب
نہین معلوم ہوتا کہ اس صورت مین وہ غذا اصالۃ غذائے روحانی نہ رہیگی۔ بلکہ جسمانی ہوگی) نیز دل کی غذا
بھی اور اشیاؤن کی غذاؤن سے مختلف ہے۔ کیونکہ اسکی غذا انظار و افکار ہین جن سے اسکو تقویت ہوتی ہے
اور علوم مفیدہ ہین۔ جن سے اسکو صفائی اور قوت ادراک حاصل ہوتی ہے۔ علی ہذا آنکھ کی غذا بھی اور اشیاء
سے مختلف ہے۔ اسکا پیالہ صورت چشم ہے اومین جو امور مدرک بالبصر ہین وہ انکا ادراک کرتی اور اونسے
غذا حاصل کرتی ہے (ہذا ہو المراد ولا تلتفت الی ما قال المحشون فانہم وقعوا فی الخلط والخبط) جب تجھے معلوم
ہوگیا کہ آدمی کے لیے بعض اغذیہ مفید ہین اور بعض مضر اور یہ بھی معلوم ہوگیا کہ آنکھ کی غذا کیا ہے اور دل کی
غذا کیا اور روح انسانی کی غذا کیا ہے۔ اور روح حیوانی کی غذا کیا اور یہ بھی معلوم ہوگیا کہ اصل غذا انسانی
غذائے روح ہے۔ تو اب تجھے یہ معلوم ہونا چاہیے کہ جب تو کسی سے ملتا ہے تو کوئی نہ کوئی غذا خواہ روحانی ہو
یا حیوانی قلبی ہو یا عینی مفید ہو خواہ مضر اس سے تجھے ملتی ضرور ہے۔ بلکہ ہم تو یہانتک کہتے ہین کہ جب کسی
شے سے بھی تجھے اقتران ہوتا ہے اس سے تجھے کچھ نہ کچھ حاصل ضرور ہوتا ہے کیونکہ قران مین حق سبحانہ نے تاثیر
ہی رکھی ہے کہ جب دو چیزون کا قران ہوتا ہے تو انکے اقتران سے کوئی نہ کوئی بات ضرور پیدا ہوتی ہے۔
مثلاً جب دو ستارون کا قران ہوتا ہے تو یقیناً انکے مناسب کوئی اثر پیدا ہوتا ہے۔ عورت اور مرد کا قرآن
ہوتا ہے تو بچہ پیدا ہوتا ہے لوہے اور پتھر کا قران ہوتا ہے تو چنگاریان نکلتی ہین مٹی کو مینھ سے قرآن ہوتا ہے
تو سبزہ اور پھل پھول پیدا ہوتے ہین آدمی کو سبزہ زار سے قران ہوتا ہے تو خوشی اور خرمی اور بےغمی پیدا
ہوتی ہے خوشی کو ہماری ارواح سے قران ہوتا ہے تو اوس سے اونمین طرح طرح کی خوبیان پیدا ہوتی ہین۔
طاعات مین جی لگتا ہے۔ اس سے ثمرات محمودہ پیدا ہوتے ہین جب ہم سیر کرتے ہین اور ہم کو حرکات اور مفرح
ہواؤن وغیرہ سے قران ہوتا ہے تو اس سے کھانا ہضم ہوکر اور کھانے کی خواہش پیدا ہوتی ہے۔ اور ہمارے
اجسام اور کھانا کھانے کے قابل ہوجاتے ہین۔ خون جب جلد چہرہ کے مقارن ہوتا ہے تو اس سے چہرہ مین سرخی اور
چمک دمک پیدا ہوتی ہے۔ خون جب آفتاب خوشی کے مقارن ہوتا ہے تو سرخی حاصل کرتا ہے (چونکہ سرخ
رنگ کو نکا تعلق اور اونکا پیدا کرنے والا اہل تنجیم آفتاب کو کہتے ہین۔ اسلیے مولانا نے خوشی کو آفتاب سے تشبیہ
دیکر مشبہ بہ کو مشبہ کیطرف مضاف کردیا) سب سے عمدہ اور دلکش رنگ سرخی ہے وہ آفتاب سے تعلق رکھتی
ہے اور اوسی سے حاصل ہوتی ہے۔ جو زمین زحل سے تعلق رکھتی ہے شور ہوجاتی ہے۔ اور زراعت کے

قابل نہین رہتی۔ جب دو شخص ملکر کسی کام کو کرتے ہین تو اس سے اس کام مین قوت پیدا ہو جاتی ہے۔ مثلاً اہل نفاق اور شیطان آپس مین مل گئے تو اس سے انکے نفاق کو بیحد قوت ہوگی۔ (وہذا ہوا وجہ مما قالہ المحشون) جب یہ مقدمہ بھی معلوم ہوگیا۔ تو تجھے تغذی کے وقت نفع وضرر کا لحاظ رکھنا اور معارف آلہیہ سے تغذی اور دیگر اغذیہ مضرت سے پرہیز چاہیے۔ گو یہ معانی ومعارف آلہیہ بوجہ ظاہری شان وشوکت نہونے کے جس سے تو مانوس ہے تیری نظر مین بیوقعت ہون۔ لیکن سمجھلے کہ گو انمین عارضی شان وشوکت نہین لیکن خداداد شان شوکت ہے اور انکی شان وشوکت تیری امر غرب شان وشوکت سے ہزار گونہ بڑھی ہوئی ہے اسلیے کہ عالم خلق یعنے عالم جسمانی کی شان وشوکت تو محض عارضی ہے جو کہ چند فانی چیزونکے اجتماع سے پیدا ہوگئی ہے اور عالم امر اور مجردات ومتعلقاتہا کی شوکت اصلی اور غیر زائل بمنزلہ حقیقت کے۔ پھر اسکو اوس سے کیا نسبت جب حالت یہ ہے کہ دونون کی شان وشوکت مین اسقدر فرق ہے تو لوگون کو کیا ہوگیا ہے۔ کہ ظاہری شوکت کے لیے ذلت اوٹھاتے ہین اور محض امید عزت پر ذلت مین خوش ہین اور دس دن کی عزت کی امید پر کہ وہ بھی سراسر پریشانی اور زحمت ہے۔ غم مین اپنی گردن کو گھلا کر تکلے کی مانند کر دیتے ہین یہ احمق اتنا نہین سمجھتے کہ طلب عزت وجاہ کا منشا ذلت سے نفرت ہے اور طلب خوشی کا باعث غم کا ناپسندیدہ ہونا ہے اور طلب عزت وخوشی مین ذلت ورنج جس سے نفرت ہے وہ تو تیقن اور عزت وخوشی جو مطلوب ہے وہ موہوم پس یہ کونسی عقل کی بات ہے۔ کہ مطلوب موہوم کیلیے مہروب عنہ تیقن کو قبول کیا جاوے۔ اس مقام پر مرزا غالب[1] کا ایک لطیفہ یاد آگیا۔ چونکہ پر معنے اور مناسب مقام ہے اسلیے نقل کیا جاتا ہے۔ مرزا غالب نے معشت کی تنگی کے سبب سررشتہ تعلیم مین ملازمت کی درخواست کی۔ اسلیے متعلق سررشتہ تعلیم کے کسی افسر کی ملاقات کو جانا ہوا پالکی مین سوار ہوکر گئے وہان پہونچکر اس انتظار مین پالکی سے نہین اترے کہ وہ افسر میرے استقبال کو آئے گا۔ جب وہ نہ آیا تو مرزا صاحب نے وجہ دریافت کی کہ آپ میرے استقبال کو کیون نہین آئے۔ حالانکہ گورنمنٹ مین میری اسقدر عزت ہے کہ دربار مین مجھے کرسی ملتی ہے۔ اسپر افسر نے جواب دیا کہ جب آپ کو کرسی ملتی ہے تو آپ کی دوسری حیثیت ہوتی ہے اور یہان آپ طالب ملازمت ہوکر آئے ہین اسلیے آپ کسی تعظیم کے مستحق نہین۔ مرزا صاحب نے کہا کہ ہم نے تو گورنمنٹ کی ملازمت کی درخواست عزت کے لیے کی تھی۔ جب اوسمین ابھی سے عزت بھی جاتی ہے تو ایسی ملازمت سے باز آئے اور ملازمت نہین کی۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔ مولانا آگے فرماتے ہین کہ اگر انکو عز وجاہ مطلوب ہے تو یہ طالب عزت احمق وہان کیون نہین آتے جہان مین ہون۔ کہ اس عزت وشان وشوکت اصلی مین مجھے مرتبہ حاصل ہے جو عارضی عزت وشوکت وشان مین آفتاب روشن کو نہین۔ مین نے غلطی کی کہ اپنے کو آفتاب کا مماثل کہا۔ اسکو مجھسے کیا نسبت اوسکی مشرق تو ایک برج سیاہی مائل ہے کیونکہ وہ آسمان کا ایک حصہ ہے اور آسمانکی رنگت سیاہی مائل ہے۔ اور ہمارا آفتاب جسنے ہمکو آفتاب بنایا ہے وہ مشارق سے باہر ہے اوسکے لیے یہ ظاہری

---

[1] حیات غالب مین اسکو کسیقدر دوسرے عنوان سے نقل کیا ہے جو اسوقت مستحضر نہین جسکو بالکل ٹھیک معلوم کرنا ہو اوسمین دیکھلے ۱۲ منہ

مشارق نہین بلکہ اوسکی مشرق تو یہ ہے کہ ذرات اور مستفیدین کو اس سے تعلق ہو جائے اور وہ انکے قلوب صافیہ و ارواح طاہرہ پر نور پاشی کرے ورنہ خود اوسکے لیے نہ طلوع ہے نہ غروب کیونکہ طلوع فرع ہے غروب کی اور غروب کے معنے ہین ایک خاص طور پر چھپ جانا وہو الظاہر فی حد ذاتہ ابدا ولا حاجب لہ اصلا فلا طلوع لہ ولا غروب۔ اور جو نہین دیکھتے وہ خود محجوب اور کور ہین اگر کوئی مکان مین بیٹھ جاوے۔ یا اندھا ہو اسلیے آفتاب کو نہ دیکھ سکے تو آفتاب کو نہ کہا جاویگا کہ غروب ہو گیا اور وہ آفتاب حقیقی اسقدر تیز روشنی رکھتا ہے کہ باوجودیکہ ہم ایک دور افتادہ ذرہ ہین اسلیے پاس والون کی نسبت سے کسب ضیاء بہت کم کر سکتے ہین اسپر بھی ہمارے روشنی کی یہ حالت ہے کہ ہم ہر دو عالم مین آفتاب بے زوال ہین اور ہمارا نور رو بزوال نہین جسطرح آفتاب ظاہر کا نور زوال سے گھٹنا شروع ہوتا ہے پس جب ہماری یہ حالت ہے تو آفتاب ظاہری کو ہم سے کیا نسبت اور باوجودیکہ میری موجودہ حالت یہ ہے کہ شان و شوکت عز و جاہ نور و ضیا مین اب بھی اس آفتاب سے بڑھا ہوا ہون مگر پھر بھی اس آفتاب حقیقی ہی کو لپٹا ہوا ہون اسکی وجہ یہ ہے کہ اسکی بے حد و نہایت شان و شوکت اور بے غایت و بے پایان نور و ضیاء مجھے اس سے مستغنی نہین ہونے دیتی۔ بلکہ مزید کسب ضیاء کا شوق دلاتی ہے پھر یہ محروم ایسی دولت بے زوال کیطرف متوجہ کیون نہین ہوتے۔ آگے مولانا پر توحید کا غلبہ ہوتا ہے اور فرماتے ہین کہ یہ کوئی بالکل اختیاری امر نہین کہ جو شخص چاہے حاصل کر لے۔ بلکہ ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء۔ قدرت انسانی کو اگر کچھ دخل ہے تو اختیار اسباب ہی مین تو ہے۔ ثمرات پر تو اسکا کوئی قابو ہی نہین مگر اسباب پر کسکا قبضہ ہے اسیکا۔ وہی اسباب پر مطلع ہے وہی اسباب کو مہیا کرتا ہے وہی اسکے اختیار کی توفیق دیتا ہے وہی سلسلہ اسباب کو منقطع کرتا ہے باوجودیکہ میری یہ حالت ہے جو تمکو معلوم ہو چکی۔ لیکن کیا مین اس مرتبکی تحصیل مین مستقل تھا ہرگز نہین۔ بلکہ مین سیکڑون مرتبہ امید منقطع کر چکا اور جان چکا کہ مجھے کچھ حاصل نہو گا۔ سعی لاحاصل ہے۔ یہ بالکل سچی بات ہے نہ اسمین کسر نفسی ہے نہ جھوٹ نہ مبالغہ لیکن تم سچ جانو کہ اسپر بھی میری یہ حالت تھی کہ طلب مین یون بیتاب تھا جیسے مچھلی پانی کے لیے اگر مین دعوے بھی کرون کہ مجھے استغنا ر ہتا ہے تو یہ دعوے ایسا ہی ہے جیسا کہ یون کہا جاوے کہ مچھلی بے پانی کے رہسکتی ہے۔ تم ہرگز سچ نہ ماننا پس اگر میرا اختیاری امر ہوتا تو ناامیدی کے بعد طلب نہ رہنی چاہئے تھی۔ مگر رشتۂ در گردنم افگندہ دوست ٭ می برد ہر جا کہ خاطر خواہ اوست ٭ اسکی تو یہ شان ہے کہ اسباب ہجر کو اسباب وصل بنا دیتا ہے۔ دیکھو ناامیدی ترک طلب کا سبب ہے جسکا نتیجہ ہجران و فراق ہے مگر مین ناامید ہوتا ہون تو اپنی ناامیدی سے بھی حق سبحانہ کی معرفت ہوتی ہے جو کہ عین وصال ہے۔ کیونکہ مین سمجھتا ہون کہ یہ بھی اسی محبوب کا فعل ہے اسلیے کہ یہ مخلوق ہے اور مخلوق بے خالق کے پائی نہین جاسکتی۔ ولا خالق الا اللہ فہو مخلوق للہ۔ نیز یہ ایک موجود ہے۔ اور موجود مستقل تو بداہتہ نہین تو ضرور اسنے کسب ہستی وجود کسی موجود مستقل ہی سے کیا ہے کیونکہ غیر موجود سے کسب ہستی چہ معنی دارد۔ اور موجود مستقل خدا کے سوا کوئی ہے نہین تو لامحالہ اسکی ہستی حق سبحانہ ہی سے مستفاد ہے ایک ناامیدی ہی پر منحصر نہین بلکہ وجودات غیر استقلالی کیا براق کیا گھوڑے کیا گدھے کیا انکے علاوہ کوئی اور سب اسی گلشن وجود سے مستفاد ہین مین جب اپنی ناامیدی کو اس نظر سے دیکھتا ہون تو خیال ہوتا ہے

(شعر) کو دشمنی سے دیکھتے ہیں دیکھتے تو ہیں پر شاد ہوں کہ ہوں کو کیسی نگاہ میں ۔ اس خیال سے آتش شوق بھڑک اٹھتی ہے ۔ اور پھر طلب میں مصروف ہو جاتا ہوں ۔ اور یہی ناامیدی جو ترک طلب کا سبب ہے مجھے وادی طلب میں گرم جولان کر کے خود جمعیت ہو جاتی ہیں

لیک اسپ کور کورانہ چرد	می نہ بیند روضۂ زاں ست رد
وانکہ گردشہا ازیں دریا ندید	ہر دم آرد رو بحر اب جدید
او ز بحر عذب آب شور خورد	تا کہ آب شور او را کور کرد
بحر میگوید بدست راست خور	ز آب من اے کور تا یابی بصر
ہست دست راست اینجا ظن راست	کو بداند نیک و بد را از کجا ست
نیزہ گردانی ست این نیزہ کہ تو	راست میگردی گہے گاہے دو تو

یہ تو صحیح ہے کہ تمام موجودات اسی گلشن ہستی سے مستفید ہیں ۔ مگر جو لوگ چشم بصیرت رکھتے ہیں وہی اسکو سمجھتے ہیں لہذا مقبول ہوتے ہیں ۔ اور جو لوگ چشم بصیرت نہیں رکھتے ۔ اندھے گھوڑے کی طرح اس باغ میں چرتے اور اس گلشن وجود سے ہر طرح مستفید ہوتے ہیں وہ اسکو نہیں دیکھ سکتے ۔ لہذا مردود و نامقبول ہوتے ہیں چونکہ لوگ تقلبات عالم کو اس بحر حقیقی بے پایاں سے ناشی نہیں سمجھتے اور نہیں جانتے کہ متصرف فی العالم موجود حقیقی ہی ہے بلکہ آلات و اسباب ہی کو متصرف حقیقی سمجھتے ہیں اسی لیے انکا قبلہ مقصود ہر دم ایک جداگانہ ہوتا ہے بخلاف عارفین کے کہ انکا قبلہ مقصود صرف ایک ذات واحد ہے ۔ یہ محجوبین دھروں میں دریائے شیریں سے کھاری پانی پیتے ہیں جو انکو بجائے نفع کے نقصان دیتا ہے اور اندھا کر دیتا ہے ۔ یہ لوگ مستفید تو ایسی ذات سے ہیں جس سے استفادہ سراسر مفید اور نافع ہے اپنی بیقاعدگی سے اسکو مضر بنا لیتے ہیں دریا کہتا ہے کہ اے اندھے مجھسے سیدھے ہاتھ سے پانی پی ۔ اور با قاعدہ مستفیض ہو تب تجھے بینائی ملیگی اور بیقاعدگی سے تو اندھا پن ہی پیدا ہوگا دست راست سے مراد علم صحیح ہے یعنے یہ جاننا کہ خیر و شر کا اصلی و حقیقی منشا و منبع کون ہے پس جب کوئی اس بحر وجود سے اس طرح مستفیض ہوگا کہ اسکو متصرف حقیقی اور مالک خیر و شر سمجھے گا اسکو نور معرفت عطا ہوگا ۔ پس اے محجوب یاد رکھ کہ تو اور تیرے مثل دیگر اپنے افعال و احوال میں استقلالی حیثیت نہیں رکھتے ۔ بلکہ تم کو جو کچھ حاصل ہے سب عطائی ہے اسلیے تمھاری مثال ایسی ہے جیسے ایک نیزہ کہ اسکے حرکات ذاتی نہیں ہوتیں بلکہ اسکی سیدھی اور ٹیڑھی حرکتیں سب نیزہ گھمانے والے کی عطا کی ہوئی ہوتی ہیں پس جسطرح حرکات نیزہ نیزہ گردان کی معرفت کا ذریعہ ہیں یوں ہی تقلبات عالم صانع اور متصرف حقیقی کا پتہ دیتی ہیں پس غور کر کے اسسے معرفت حق حاصل کر اور نیزہ کی حرکات کو اسکی ذاتی حرکات سمجھکر احمق اور اندھا مت بن آگے مولانا فرماتے ہیں ۔

ما ز عشق شمس دین بے ناخنیم	ورنہ ما آن کور را بینا کنیم

یعنے کیا کہیں ہم لوگ تو شمس الدین کے عشق نے مجبور کر دیا ۔ ورنہ ہم ان اندھوں کو بینائی عطا کرنے کی کوشش کرتے اور بشرط مشیت الٰہی انکو بینا کر دیتے ۔ ف جاننا چاہیے کہ عرفا کی دو حالتیں ہوتی ہیں ۔ ایک فنا دوسری بقا ۔ حالت فنا میں یہ لوگ تصرف نہیں کرتے ہیں کیونکہ اس حالت میں یہ لوگ اپنے کو مردہ بدست زندہ سمجھتے ہیں اور اپنی خواہش سے خواہ وہ حق سبحانہ کے منشا کے خلاف نہ ہو کوئی کام نہیں کرتے کیونکہ یہ بھی ایک قسم کا دعوے ہستی ہے

چونکہ فنا تام کے منافی ہے حالت بقا مین انکی دو حالتین ہوتی ہین کبھی کسی مصلحت سے مجبور عن التصرف ہوتے ہین اور کبھی ماذون فیہ حالت حجر مین بھی یہ لوگ تصرف نہین کرتے۔ رہی حالت اذن اسکی دو صورتین ہین کبھی مامور بالتصرف ہوتے ہین لمصلحۃ اور کبھی غیر مامور ہوتے ہین۔ حالت اولی مین تو لامحالہ تصرف کرتے ہین اور حالت ثانیہ والے عرفاء دو شانین رکھتے ہین بعض اشبہ بالانبیاء اور انبیا کیطرح اسباب غیر عادیہ سے کام لینے سے طبعاً نفرت رکھتے ہین جسکی ایک وجہ یہ بھی ہوتی ہے کہ اسباب غیر عادیہ سے کام لینے مین انکی ضرور ضرورت ہوتی ہے کہ تصرف کرتے وقت تمام چیزونکی طرف سے توجہ ہٹا کر صرف اس مقصود کو مطمح نظر بناوین جسکی تحصیل مقصود ہے۔ اسمین اتنی دیر کے لیے حق سبحانہ کیطرف سے بھی توجہ ہٹانی پڑتی ہے اور یہ ان لوگون کو گوارا نہین ہوتا۔ کہ حق سبحانہ سے تھوڑی دیر کے لیے بھی توجہ ہٹا دین نیز انکو غیرت آتی ہے کہ جو حالت انکی حق سبحانہ کے ساتھ ہونی چاہیے وہ دوسرونکے ساتھ ہو۔ اور بعض انبیاء کے ساتھ اس درجہ مشابہت نہین رکھتے۔ یہ لوگ تصرف کرتے ہین والکل کاملون وان کان الاولون اکمل لان زیادۃ الکمال بقدر زیادۃ التشبہ بالانبیاء۔ اور یہ سب حالتین شیخ کے ساتھ محبت اور تعلق سے پیدا ہوتی ہین اسلیے ان سب کا سبب محبت شیخ ہوتا ہے۔ اب چونکہ مولانا فرماتے ہین۔ ما ز عشق شمس دین بے ناخنیم۔ اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ مولانا اسوقت تصرف سے معذور تھے خواہ اسکا سبب حالت فنا ہو یا مجوبیت یا تشبہ بالانبیاء اور سب کا سبب عشق شمس الدین شیخ مولانا تھا پس وجہ تسبب عشق شمس الدین لعدم التصرف معلوم ہو چکی اور یہ بھی ممکن ہے کہ یون کہا جاوے کہ غلبہ عشق مین آدمی بجز ان کامون کے جنکا تعلق عشق سے ہے کوئی کام نہین کر سکتا ع عشق نے غالب نکما کر دیا ۔ ورنہ ہم بھی آدمی تھے کام کے۔ اس توجیہ پر عشق بلا واسطہ عدم تصرف کا سبب بنجاوے گا

با ضیاء الحق حسام الدین تو زود	دارویش کن کوری چشم حسود
توتیائے کبریائے تیز فعل	داروِ ظلمت کش استیز فعل
آنکہ گر بر چشم اعمی بر زند	ظلمت صد سالہ را زو بر کند
جملہ کوران را دوا کن اے قمر	اے نہال میوہ دار افشان ثمر
جملہ کوران را دوا کن جز حسود	کز حسودے بر تو مے آرد جحود
مر حسودت را اگرچہ آن منم	جان مدہ تا ہمچنین جان مے کنم
آنکہ او باشد حسود آفتاب	کور میگردد نبود آفتاب
اینست درد بے دوا کورست آہ	اینست افتادہ ابد در قعر چاہ
نفی خورشید ازل بایست او	کے بر آمد این مراد او بگو
باز آن باشد کہ آید نزد شاہ	باز کورست او کہ او گم کردہ راہ

ضیاء الحق حسام الدین بھائی ہم تو معذور ہین جیسا کہ ہم کہہ چکے اچھا اب تم اسکا علاج کرو اور اسکو ایسی دوا دو جس سے اوسکو بینائی اور معرفت حق حاصل ہو۔ مگر حاسد بالکل نبیٹ ہو جاوے کہ اس سے اسکا حسد بڑھے اور وہ حسد حق بینی سے مانع ہو۔ لہذا وہ پہلے سے بھی زیادہ اندھا ہو جاوے۔ وہ دوا عظمت الٰہی کا سرمہ ہے جو نہایت قوی التاثیر دوا اور تاریکی چشم کو فنا کرنے والی اور مرض کوری کی سخت مزاحمت کرنیوالی ہے۔ جسکو اگر اندھے

لی آنکھ مین لگا یا جاوے۔ تو سو برس کی تاریکی کو بھی جڑ سے اکھیڑ پھینکے۔ اے حق کے چاند سب اندھونکا علاج کردے اور اپنے نور معرفت سے انکی ظلمت چشم کو فنا کرکے اونکو عارف اور حق بین کردے حق نے تجھے میوہ دار درخت کی طرح بنایا ہے۔ پس اے میوہ نونہال تو انپر میوہ افشانی کر۔ اور اپنی برکات و فیوض سے اُنکو غذائے روحانی پہونچا کر موت روحانی سے بچا۔ لیکن مجھے سب کا علاج کرنا مگر حاسد کا نکرنا۔ جو حسد سے تیرا انکار کرتا ہے اور اپنے حاسد کو جان نہ دینا بلکہ مرنے دینا خواہ مین ہی کیون نہون مجھے بھی دم توڑتے رہنے دینا۔ علاج حاسد سے ممانعت کا سبب عناد نہین بلکہ وجہ یہ ہے کہ اسکا معالجہ بجائے نفع کے اسکو نقصان پہونچائیگا۔ نیز اسکا علاج ناممکن اور لاحاصل ہے۔ دیکھو آفتاب ایک قسم کی نابینائی کا علاج کرتا ہے اور جو چیز بوجہ تاریکی شب کے دکھلائی نہین دیتی وہ اوسکے طلوع ہونسے دکھلائی دینے لگتی ہے۔ لیکن حاسد آفتاب کے لیے اسکا اثر الٹا ہے وہ اسکے وجود سے اندھا ہوجاتا ہے۔ کیونکہ وہ مارے جلن کے آنکھ ہی نہین کھولتا کہ آنکھ کھولنے کی صورت مین آفتاب نظر آئیگا اسلیے وہ پہلے سے بھی زیادہ اندھا ہوجاتا ہے اور جن چیزونکو طلوع آفتاب سے پیشتر کسیقدر دیکھ بھی سکتا تھا اب اُنکو بالکل بھی نہین دیکھ سکتا۔ پس اس حاسد آفتاب کا علاج تو یہ ہے اور اسکو شفا تو یون ہوسکتی ہے کہ آفتاب نہ رہے چونکہ آفتاب ایک ممکن چیز ہے اسلیے اُسکا بالکل فنا ہوجانا بھی ممکن ہے۔ لہذا اسکے حاسد کا علاج بھی ممکن ہے مگر چاند تیرے حاسد کا کیا علاج یہ تو عجیب قسم کا اندھا ہے کہ اسکے مرض کا علاج ہی نہین اور عجیب طرح سے ہمیشہ کیلیے کنوئین کی تہ مین بیٹھا ہے کہ نکلنا ممکن ہی نہین۔ کیونکہ اسکو تیری ذات سے تو حسد ہی نہین بلکہ تیرے نور سے عداوت ہے اور تیرا نور مستفاد ہے۔ آفتاب ازل سے تو وہ فی الحقیقت آفتاب ازل کا عدم چاہتا ہے بھلا واجب کیونکر معدوم ہو اور وجود بحت پر عدم کیونکر طاری ہو۔ اور اسکا یہ مقصد کیونکر حاصل ہو اور جبتک یہ نہو اسوقت تک علاج ناممکن۔ پس ثابت ہوا کہ اسکا علاج ناممکن ہے پس سعی لاحاصل اس حاسد کو یہ حسد ہرگز زیبا نہین کیونکہ وہ شہنشاہ حقیقی اور مالک حقیقی کا باز اور مربوب ہے اور باز کا فرض یہ ہے کہ اپنے بادشاہ کو نہ بھولے اور ہر حالت مین اپنے مالک کو یاد رکھے۔ جو باز اپنے مالک کو چھوڑ کر ادہر اُدہر بھٹکتا پھرے اور جبکہ کوئی وفادار باز (یعنی عبد کامل) اسکو بادشاہ (حق سبحانہ) کیطرف لوٹنے کی ترغیب دلائے تو اس سے جلے اور برسر کار رہیگا رہو ایسا باز کافر نعمت اور ناقدر شناس ہے۔ وفادار باز اور عبد مقبول اور واصل کی مخالفت اور اسپر حسد کی ہرگز گنجائش نہین کیونکہ گو وہ مصلحتہً ویرانہ دنیا مین بھیجدیے گئے ہین اور اہل دنیا الو وغیرہ سے اُنکو پالا پڑتا ہے مگر بادشاہ کا انسے ہنوز رشتہ ولا منقطع نہین ہوا اور وہ اعلان کرتا ہے کہ من عادی لی ولیا فقد آذنتہ بالحرب۔ اور جنگ با شہنشاہ کا نتیجہ ہلاکی اور تباہی ہے اچھا اب ایک قصہ سن کہ تجھے معلوم ہو کہ اہل اللہ کی حق سبحانہ کے نزدیک کیا وقعت ہوتی ہے اور انکو ستانے اور جھوٹے الزام لگانے والا کسقدر غضب الٰہی کا مستحق ہوتا ہے۔

شرح شبیری یک فسانہ الخ۔ یعنی ایک افسانہ (ذکر کیا جاتا ہے) سچ ہو یا غلط ہو تاکہ سچائی کو فروغ دے۔ مطلب یہ کہ ہم ایک قصہ بیان کرتے ہین خواہ وہ غلط ہو یا صحیح ہو مگر اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ صورت ظاہری اور صفات باطنی کے سامنے بالکل ہیچ اور محض لاشے ہین۔

حسد کرنا ملازمون کا اُس خاص غلام پر

پادشاہے بندۂ الخ۔ یعنی کہ ایک بادشاہ نے ایک غلام کو تمام غلاموںمین سے برگزیدہ کر لیا تھا۔

جامگی او الخ۔ یعنی وظیفہ اوسکا چالیس امیرون کی تنخواہ کے برابر تھا۔ اور سو وزیر بھی اوسکی قدر کو نہین پہونچ سکتے مطلب یہ کہ اسکی اتنی قدر و منزلت تھی کہ اگر سو وزیرونکی قدر کو جمع کیا جاوے تب بھی اوسکی قدر زیادہ رہیگی یعنی وہ بادشاہ کے نزدیک بہت ہی محبوب تھا اور اوسکی بہت ہی قدر تھی۔

از کمال طالع الخ۔ یعنی نصیب اور اقبال اور بخت کے کامل ہونیکی وجہ سے وہ ایک ایاز تھا اور بادشاہ محمود وقت تھا۔ مطلب یہ کہ ان دونون مین اسقدر الفت تھی جیسے کہ محمود غزنوی کو ایاز کے ساتھ تھی۔ آگے اوس فرط محبت کی وجہ بیان فرماتے ہین کہ۔

روح او الخ۔ یعنی اوس (غلام) کی روح بادشاہ کی روح کے ساتھ اپنے اصل مین (یعنے علم الٰہی مین) اس تن سے پہلے ہم پیوند اور خویش تھی مطلب یہ کہ ان دونون مین جو محبت تھی یہ اوس مناسبت کا اثر تھا جو کہ انکو آپس مین اس بدن مین آنے سے پہلے تھی جیساکہ حدیث مین ہے کہ الارواح جنود مجندۃ ما تعارف منھا ائتلف وما تناکر منھا اختلف یعنے ارواح ایک لشکر کا لشکر تھا پس اونمین سے جنھون نے وہان (عالم ارواح مین) ایک دوسرے کو پہچانا تھا اونکو یہان بھی آپسمین محبت اور الفت ہوتی ہے اور جو وہان (یعنے عالم ارواح مین) آپسمین ایک دوسرے سے علحدہ رہے ہین وہ یہان بھی علحدہ رہتے ہین اور انمین آپسمین مناسبت نہین ہوتی لیکن حدیث مین تو عالم ارواح کے متعلق فرمایا گیا ہے کہ جنمین وہان مناسبت ہوتی ہے الخ۔ مگر اس شعر مین وہ تناکر و تناسب جو کہ علم الٰہی مین تھا کہ فلان فلان مین تناکر ہوگا اور فلان فلان مین تناسب ہوگا۔ بوجہ اشعار آیندہ کے لیا جاوے۔ تو بہتر ہے تو یہ تناکر و تناسب عالم ارواح سے بھی مقدم ہوگا اب مطلب یہ ہوگیا کہ چونکہ حق تعالےٰ کے علم مین انکو آپس ایک دوسرے سے محبت ہونا تھا اسلیے انکو آپسمین محبت ہوئی۔ یہان وجہ محبت بھی بیان کردی اور انتقال بھی ہے اوس حکایت سے اس مضمون کی طرف کہ اصل اعتبار اس دنیا کا نہین ہے اور ان صورتون کا اعتبار نہین ہے بلکہ اعتبار اور کام کی شے عالم غیب ہے آگے اسکو بیان فرماتے ہین کہ۔

کار آن دارد الخ۔ یعنی کام (اور اعتبار) تو وہ شے رکھتی ہے جو کہ اس بدن (کے وجود) سے پہلے تھی (یعنے عالم غیب لہذا) انکو چھوڑ جو کہ تو حادث ہوے ہین۔

چشم عارف الخ۔ یعنی کہ عارف کی نگاہ راست گو ہے۔ احول نہین ہے اور اوسکی نگاہ اول کھیتو نپر ہے مطلب یہ کہ جو عارف ہوتے ہین اونکی نگاہ چونکہ حقیقت بین ہوتی ہے اسلیے انکی نگاہ اول اسپر پڑتی ہے جو کہ مقدر ہوچکا ہے وہ اسکو اول جانتے ہین۔ اور اوسیکا اعتبار کرتے ہین اول تو یہ حالت ہوتی ہے کہ جب کسی حادث پر نظر ہوئی اوسکے بعد فوراً ہی حق تعالیٰ کیطرف توجہ ہوگئی اسکو تو کہتے ہین ما رایت شیئا الا و رایت اللہ بعدہ پھر یہ حالت ہوجاتی ہے کہ جب کسی حادث پر نظر پڑی معاً حق تعالےٰ کیطرف توجہ ہوگئی اسکو کہتے ہین کہ ما رایت شیئا الا و رایت اللہ معہ اوسکے بعد جو کاملین عارفین ہوتے ہین اونکی یہ حالت ہوتی ہے کہ اول نظر حق تعالےٰ

پر پڑتی ہے پھر حادث اور غیر اللہ پر پڑتی ہے۔ اسکو کہتے ہین کہ ما رایت شیئاً الا ورایت اللہ قبلہ اور یہ رویت قبل اسیوقت تک نہین ہوتی۔ جب تک کہ حقیقت شے سے ناآشنائی رہتی ہے۔ اسکی ایسی مثال ہے کہ جیسے سورج اور اوسکی روشنی کہ ہم جسقدر اشیاء کو دیکھ رہے ہین اوسکی وجہ سے اور اسیلیے واسطہ سے دیکھ رہے ہین مگر اپنی نادانی کیوجہ سے اول نظر تو ضیاء پر پڑتی ہے۔ پھر خورشید پر نظر پڑتی ہے۔ پھر جب تحقیق بڑھجاتی ہے اسوقت جسوقت روشنی پر نگاہ پڑی معاً خورشید پر بھی نگاہ پڑی کہ یہ اوسیکا فیض ہے۔ جب تحقیق اس سے بھی زیادہ ہوتی ہے تو اوسوقت اول نگاہ خورشید پر پڑتی ہے۔ اور اُسکے بعد اوسکی ضیاء پر اسلیے کہ وہی اصل روشن ہے تو اول نگاہ اوسپر پڑنی چاہیے لہذا جو عارفین ہوتے ہین وہ ان نو حادث پر نگاہ نہین ڈالتے بلکہ وہ حقتعالیٰ کیطرف متوجہ ہوتے ہین اور انکی نظر اسیکی طرف ہوتی ہے۔ اوسکے بعد وہ اُن حوادثات کو دیکھتا ہے تو پھر جسطرح حقتعالی نے مقدر کر دیا ہے۔ اُنکو اسیطرح جانتا ہے اوسیکو فرماتے ہین کہ۔

آنچہ گندم الخ۔ یعنی جسکو گندم بو دیا ہے اور جسکو جو۔ اوس (عارف) کی نگاہ روز و شب وہین گرو رہتی ہے یعنے وہ ہر وقت اسی طرف متوجہ رہتا ہے۔ اور سب چیزونکو تقدیر الٰہی سے جانتا ہے۔

آنچہ آبستست الخ۔ یعنی جو کچھ رات (یعنی عالم) کا حمل ہے (یعنے مقدر ہے) سوائے اسکے (اور کچھ) پیدا نہین ہوا۔ اور حیلے اور مکر (جو تقدیر کے مقابلہ مین انسان کرتا ہے) ہوا ہین ہوا یعنی بالکل بیکار ہین۔ پس جو مقدر ہو چکا ہے وہی ہوگا جسکو سعید لکھا گیا ہے وہ سعید ہے اور جسکو شقی لکھا گیا ہے وہ شقی ہے اور جو مالدار لکھا گیا ہے وہ ویسا ہے اور جو غریب مقدر ہو گیا ہے اُسکو مال نہین مل سکتا۔ اسلے خلاف جسقدر تدابیر ہونگی وہ محض مہمل اور بیکار ہونگی جیسا کہ ظاہر ہے۔

کے شود دل الخ۔ یعنی وہ شخص بڑے بڑے حیلون سے کب خوش ہو سکتا ہے جو کہ حق تعالےٰ کے حیلہ اور تقدیر) کو اپنے سر پر دیکھ رہا ہے وہ ایک جال مین ہے (یعنے حق تعالےٰ کے) اور ایک جال خود رکھ رہا ہے اور اوسکی جان نہ اس سے چھوٹتی ہے اور نہ اُس سے چھوٹتی ہے۔ مطلب یہ کہ جسکی نظر کہ تقدیر الٰہی پر ہوتی ہے تو پھر وہ ان تدابیر ظاہری کو جو کہ اوس تقدیر کے خلاف ہون کب پسند کر سکتا ہے۔ ہان وہ تدابیر جن سے طبعاً یا شرعاً چارہ نہین ہے کہ انکو کرنا ہی پڑتا ہے۔ لہذا ایک تو تقدیر آلٰہی تھی اور ایک تدبیر ضروری اور تدبیر شرعی اسنے کی تو اب یہ جالون مین پھنس گیا مگر نہ تو اوس سے نکل سکتا ہے اسلیے کہ شریعت یا طبیعت اجازت نہین دیتی اور نہ اوس سے نکل سکتا ہے اسلیے کہ ما یبدل القول لدی وہان تو جو ہو گیا ہے وہ ہو کر رہیگا۔ الا ان یشاء اللہ لہذا ارتکاب تدابیر شرعی اور طبعی کا ارتکاب تو مجبوری ہے مگر اوسسے بھی کچھ ہوتا نہین بلکہ وہی ہوتا ہے جو کہ حق تعالیٰ نے مقدر کر دیا ہے۔ لہذا حاصل یہ ہے کہ تدابیر کا ارتکاب ضروری ہے مگر نظر اسی پر رکھنا چاہیے کہ یہ سب کچھ ہے۔ مگر وہی ہوگا جو کہ مقدر ہو چکا ہے ؎ در بدر ناصیہ فرسائی سے کیا ہوتا ہے ٭ وہی ہوتا ہے جو منظور خدا ہوتا ہے ٭ لہذا تفویض کل تو حقتعالیٰ ہی کیطرف کر دو کہ ؎ زندہ کنی عطائے تو ور بکشی فدائے تو ٭ دل شدہ مبتلائے تو ہر چہ کنی رضائے تو ٭ اور جو تدابیر تکوینی ہون یا تشریعی خدائے تعالیٰ نے بتائی ہین اُنکا ارتکاب کرو یہی معنے ہین اس حدیث کے جسمین ہے اعقل و توکل خوب سمجھ لو اب آگے بھی یہی مضمون ہے۔

گر بروید الخ۔ یعنے اگر اُگ آئے اور اگر بکھر جاوے (کہ نہ آگے) سیکڑون گھاس (یعنے اگر یہ تدابیر ظاہری کارگر ہون یا نہون) آخر کار وہی حق تعالیٰ کا بویا ہوا اُگے گا۔ مطلب یہ کہ خواہ یہ تدابیر کام آوین یا نہ آوین مگر انجام ہر صورت مین یہی ہے کہ جو تقدیر الٰہی ہے وہی غالب آویگی اور یہ ساری تدابیر محض بیکار ہو جاوینگی مگر یہ سمجھکر اُسکو ترک نکر دے جیسا کہ اوسکی پوری بحث اسکے مقام پر مذکور ہے۔

کشت نو کارید الخ۔ یعنی (کسی نے) پہلی کھیتی پر نئی کھیتی بو دی۔ تو یہ دوسری فنا ہونیوالی ہے اور اول درست اور ٹھیک ہے۔ مطلب یہ کہ ان تدابیر کی ایسی مثال ہے کہ جیسے ایک شخص نے خوب زمین کو درست کرکے اور عمدہ بیج لیکر بویا تھا اسکے بعد کسی صاحب نے بالکل گلا سڑا خراب خستہ بیج لاکر او پر سے بکھیر دیا۔ تو بتاؤ کہ کونسا اُگے گا۔ ظاہر ہے کہ وہ جو کہ اول بویا گیا ہے وہی پیدا ہوگا پس اسیطرح وہ تقدیر الٰہی مثل اس عمدہ بیج کے ہے اور یہ تدابیر ظاہری مثل اس خراب و خستہ تخم کے ہے لہذا یہ بالکل بیکار ہونگے اور وہی کارگر ہوگی اسلیے کہ

تخم اول الخ۔ یعنی تخم اول تو کامل اور چھانٹا ہوا ہے۔ اور یہ دوسرا تخم فاسد اور گلا ہوا ہے پس اصل مین تو وہی اُگے گا اور یہ سب بیکار ہو جاویگا۔

افگن این الخ۔ یعنی اپنی تدابیر (ظاہری) کو دوست (حق تعالیٰ) کے سامنے ڈالدو اگرچہ تمھاری تدابیر بھی (اصل مین) اوسکی تدبیر ہے۔ مطلب یہ کہ اگرچہ ان تدابیر ظاہری کا بھی وہی خالق ہے اور یہ بھی اوسکے کرنے سے ہو رہی ہین مگر پھر بھی سب چیزون کو اوسکے سپرد کر دو اور تفویض محض حاصل کر لو۔ کہ وہ جو چاہے کرے تو دم نہ مارے، خواہ تمھارے خیال مین وہ بظاہر تمکو مضر ہو مگر حقیقۃً وہ نافع ہوگا عام اس سے کہ وہ نفع دنیوی ہو یا دینی غرضکہ نافع ضرور ہوگا۔ عسی ان تکرہوا شیئاً وہو خیر لکم۔ تمام چیزون کو اوسکی طرف سے سمجھو مگر یہ نہین سمجھکر معطل نہو جاؤ اور سارے اسباب کو ترک مت کر بیٹھنا۔ کہ مذموم ہے۔ بلکہ اسقدر سمجھو کہ جو کچھ ہوتا ہے وہ اُسکی طرف سے ضرور ہوتا ہے لیکن ہمکو حکم یہ ہے کہ ہم اسطرح تدابیر کا ارتکاب کرین پس انکا حکم سمجھکر مرتکب ہو نہ کہ اونکو مؤثر سمجھکر۔ خوب سمجھ لو۔

کار آن دارد الخ۔ یعنے کام تو وہ چیز رکھتی ہے کہ حق تعالیٰ نے پھیلایا ہے اور آخر کار وہی آگے گا جو کہ اول بویا گیا ہے۔ مطلب یہ کہ انجام کار تو وہی ہوگا جو مقدر ہو چکا ہے۔ لیکن اپنی طرف سے تدابیر جائز کو نہ چھوڑنا چاہیے

ہر چہ کاری الخ۔ یعنی جو کچھ کہ تو بووے اوسکے واسطے بو۔ جب تک تو ایک دوست کا (تابع) اور قیدی ہے۔ اے دوستدار۔ یعنی جب کہ تم ایک ذات کے تابع محض ہو تو پھر جو کام کرو اُسکیے واسطے کرو۔ اور خواہشات نفسانی کو مطلق ترک کردو۔

گرد نفس الخ۔ یعنی نفس (جو کہ مثل) چور کے (ہے) پیچھے اور اسکے کام کے پیچھے مت پھرو۔ اسلیے کہ جو کچھ حق تعالیٰ کا کام نہین ہے وہ بالکل ہیچ ہے اور ہیچ ہے۔

پیش ازانکہ الخ۔ یعنی اس سے پہلے کہ جزا کا دن ظاہر ہووے اور مالک (الملک) کے پاس دین کا چور رسوا اور ذلیل ہو۔ اور اُسکا چرایا ہوا اسباب (جو کہ اوسنے) تدابیر اور فن سے (چرایا ہے) انصاف کے دن اسکی گردن پر ہو۔ یعنی جبکہ نفس و شیطان جو کہ دین کا تباہ کرنیوالا اور چرانے والا ہے رسوا اور ذلیل ہوگا۔ اور اوسکا

وبال اوسکی گردن پر ہوگا۔ بلکہ خود وہ چیزین اوسکی گردن پر ہونگی جیسے کہ حدیث مین ہے کہ قیامت مین جسنے جو چیز چورائی ہے اوسکو گردن پر اوٹھائے ہوئے ہوگا۔ تو اس سے پہلے پہلے تم اوس سے قطع تعلق کر دو۔ اور اُسکی خواہشات کو پورا مت کرو اور تم جتنا ہی چاہوگے کہ اپنی تدابیر سے تقدیر کو بدل دو مگر وہ ہرگز بدلنے والی نہین ہے بلکہ جتنا تم اوس سے نکلنا چاہوگے اوسیقدر اور اچھی طرح پھنسوگے اسیکو فرماتے ہین کہ۔

[۲۱] صد ہزاران الخ۔ یعنی لاکھون عقلین آپسمین کودتی ہین اچھلتی ہین تاکہ حق تعالیٰ کے دام (تقدیر) کے علاوہ دوسرا دام (تدبیر) بچھاوین (مگر آخر نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ) اپنے دام (تدبیر) کو اور زیادہ سخت پاتے ہین اور اچھی طرح اوسمین جکڑ جاتے ہین) اور بس (اور کوئی فائدہ نہین ہوتا۔ اسلیے کہ) ہوا کے سامنے ایک تنکا کیا قوت دکھا سکتا ہے۔ یعنی چونکہ تدابیر انسانی مثل ایک ذرا سے تنکے کے ہین اور حق تعالیٰ کی تقدیر مثل ایک تیز ہوا کے ہے جیسے کہ حدیث مین بھی آیا ہے کہ حق تعالیٰ کی تقدیر کے سامنے عالم کی مثال ایسی ہے کہ جیسے ایک چٹیل میدان مین ایک ذرا سا تنکا پڑا ہوا ہو اور تند ہوائین اوسکو جسطرح چاہین لوٹ پوٹ کرتی ہون بس اسطرح حق تعالیٰ کے سامنے مخلوق ہے کہ اسکو جسطرح وہ چاہتے ہین رکھتے ہین اور اُسکا کوئی بس نہین ہے۔ ایسی حالتین عجز تفویض کے اور کچھ نکرے اور جسطرح وہ رکھے رہے جبکا وہ حکم دیوے اسکا وہ ارتکاب کرے اور جبکو وہ منع کرے اوس سے باز رہے۔ لہذا تدابیر کے ارتکاب کا بھی انھین نے حکم فرمایا ہے بس جسطرح اسکے اور احکام کو تسلیم کرنا مقتضائے تفویض ہے۔ اسی طرح تدابیر کا مرتکب ہونا بھی منجملہ تفویض کے ہے خوب سمجھ لو۔

[۲۲] ور نداری الخ۔ یعنی اور اگر تم کو میرے کہنے کا یقین نہین ہے تو جاؤ اور دیکھو حق تعالیٰ فرماتے ہین کہ واللہ خیر الماکرین جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ بھی مکر فرماتے ہین مگر وہ مکر خیر ہے۔ اور وہ جال جو حق تعالیٰ نے پھیلایا ہے وہ بھی خیر ہے بس اوس سے ہرگز ہرگز علیحدہ نہین ہو سکتے۔ ہرگز نکل نہین سکتے آگے مولانا ایک سوال کرتے ہین اور پھر اوسکا جواب بھی خود ہی عنایت فرماوینگے خلاصہ سوال کا یہ ہے کہ جب یہ تدابیر ظاہری بالکل ہی بیکار ہین اور انسے کچھ فائدہ ہی نہین ہے بلکہ اصل تقدیر ہی ہے تو پھر اُنکے پیدا کرنے ہی سے کیا فائدہ ایسی بیکار شے کو پیدا ہی کیون کیا گیا۔ اور مولانا کے جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ اُنکے پیدا کرنے مین فائدے تو بہت ہین لیکن ہم تو بتاتے نہین اسلیے کہ اسکا بتانا ہمارے ذمہ نہین ہے۔ اب اشعار سے سمجھ لو کہ۔

[۲۳] ور تو گوئی الخ۔ یعنی اگر تم کہو کہ پھر (انکی) ہستی ہی سے کیا فائدہ ہے (تو فرماتے ہین کہ اچھا بتاؤ) کہ تمھارے اس سوال مین بھی کوئی فائدہ ہے (یا نہین ہے) اے معاند۔

[۲۴] گر ندارد الخ۔ یعنی اور اگر اس سوال مین تمھارے کوئی فائدہ نہین ہے تو پھر مین اسکو فضول کیون سنون مطلب یہ کہ پھر تو سوال سننے کے بھی قابل نہین ہے۔

[۲۶] ور سوالت الخ۔ یعنی اور اگر تمھارا سوال یقیناً کوئی فائدہ رکھتا ہے تو بس جان لو کہ جہان بھی بے فائدہ نہین ہے اسلیے کہ تمھارے افعال مین تو فوائد ہون اور حقتعالیٰ کے افعال مین فوائد نہون یہ کیسے ہو سکتا ہے لہذا معلوم ہوگیا کہ اس جہان ہستی مین کوئی نہ کوئی فائدہ ضرور ہے۔

[۲۷] گر سوالت الخ۔ یعنی اگر تیرے اس سوال کے بہت سے فوائد ہین تو پھر آخر جہان بے فائدہ کیون ہے اسمین

بھی ضرور فوائد ہین اگرچہ معلوم نہون اسلیے کہ عدم العلم سے عدم الشئے تو لازم نہین آتا۔ اگر انکے فوائد کا ہمکو علم نہو تو اس سے یہ کہان سے لازم آگیا کہ اوسمین فائدہ بھی نہین ہے ہان معلوم ہونا کوئی ضروری بات نہین ہے یہان بعض محشیون نے لکھا ہے کہ اس تقریر سے مولانا نے جواب بھی دیدیا۔ اسلیے کہ اوس سے دریافت کرتے ہین کہ تیرے سوال مین کوئی فائدہ بھی ہے تو اگر مخاطب ذرا بھی غور کرے تو سمجھ سکتا ہے کہ اس سوال مین یہ فائدہ سے ہے کہ ایک مخفی شئے کا اظہار ہوجاویگا لہذا یہی فائدہ ہے اس ایجاد عالم کا کہ تقاضے کے اسما نے جو کہ پہلے سے مخفی تھے ظہور چاہا۔ اس اقتضاء کی وجہ سے یہ عالم پیدا ہوگیا اور اون مخفی امور کا ظہور ہوگیا انتہے محشی کا قول ایسا ہے کہ یون معلوم ہوتا ہے کہ خود مولانا کی بھی یہ مراد نہو گی مگر ایک لطیفہ کے درجہ مین بہت ہی نفیس استدلال ہے یہان ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اچھا اگر ایجاد عالم مین فوائد ہین تو پھر یہ کیا بات ہے کہ بہت سی چیزونکو ہم اپنے لیے مضر پاتے ہین جس سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض اشیاء مضر بھی ہین اور وہ بھی عالم مین داخل ہین پس معلوم ہوگیا کہ عالم مین فوائد ہی نہین بلکہ ضرر بھی ہین آگے مولانا اسکا جواب دیتے ہین جسکا خلاصہ یہ ہے کہ ہر چیز ہر شخص کو مفید نہین ہوتی بلکہ کسیکو مفید اور کسیکو مضر ہوتی ہے لیکن اگر ایک کو بھی مفید ہو تو اوسکو عبث اور بے فائدہ نہ کہین گے بلکہ اوسکو بھی مفید ہی کہین گے اور عالم مین کوئی شے ایسی نہین ہے جو کہ کسیکو بھی مفید نہو لہذا ثابت ہوگیا کہ ہستی مفید ہی ہے بیفائدہ نہین ہے اب اشعار سے سمجھ لو۔ فرماتے ہین کہ۔

[۲۸] در جہان الخ۔ یعنی کہ اگرچہ جہان ایک طرف سے بیفائدہ ہو مگر دوسری جہتونسے فائدونسے بھرا پڑا ہے تو اس جہت مفید کو دیکھین گے اور مضر کیطرف التفات ہی کیون کرنیلگے۔

[۲۹] فائدہ تو الخ یعنی اگر تم کو فائدہ ہے اور مجھے فائدہ نہین ہے۔ تو جب تجھے فائدہ ہے تو اس سے الگ مت ہو اسلیے کہ مجھے اگر وہ شے مضر ہے تو اوسمین تمھارا کیا حرج ہے تم اوس سے فائدہ حاصل کرو۔ اوسیطرح بالعکس بہت سی چیزین ایسی ہین کہ تمھین مفید ہین اور مجھے مفید نہین ہین تو وہ اشیاء بیفائدہ تو نہوئین ہان بعض ایک کو اور بعض دوسرے کو مفید ہین یہ اور بات ہے۔

[۳۰] فائدہ تو گر الخ۔ یعنے اگر تمھاری مفید شے مجکو مفید نہو تو جب تجھے فائدہ ہے تو اُسکو حاصل کرلے (بھلائی کا) ارادہ کرنیوالے اگرچہ مین اس فائدےسے آزادہ ہن آزاد ہون (کہ نہ مجھے فائدہ ہے اور نہ میری باپ کو تھا لیکن جب تجھے فائدہ ہے تو اس سے قطع مت کر یعنے پھر تم اس سے الگ مت ہو اور جب وہ تمکو مفید ہے تو پھر وہ شے فی نفسہ تو مفید ہی ہے۔ اگرچہ کسیکو بوجہ کسی عارض کے مفید نہو۔ آگے اسکے نظائر بتلاتے ہین کہ

[۳۱] حسن یوسف الخ۔ یعنی یوسف علیہ السلام کا حسن ایک عالم کو مفید ہے۔ اگرچہ بھائیون کے سامنے نول اور بے فائدہ تھا تو دیکھ لو کہ ایک کو مفید ہے اور دوسرون کو غیر مفید مگر پھر بھی اوسے بالکل بیفائدہ کوئی بھی نہین کہتا۔

[۳۲] لحن داؤدی الخ۔ یعنی داؤد علیہ السلام کی خوش آوازی کسقدر محبوب تھی لیکن محروم کے سامنے ایک لکڑی کی آواز تھی یعنے جبکہ سنائی نہ دے۔ اوسکے نزدیک تو ایک جھوجرا بانس اور وہ برابر تھا۔

آبِ نیل از الخ۔ یعنی نیل کا پانی (فائدے کے عام ہونے میں) آب حیوان سے بھی زیادہ تھا۔ (کہ اسکو تو بقول مشہور صرف حضرت خضر علیہ السلام ہی نے پیا اور اس سے بے انتہا لوگ اور جانور وغیرہ وغیرہ سیراب ہوئے) لیکن قبطی منکر کے لیے خون ہوگیا جیسا کہ قرآن شریف میں ہے۔ کہ جب انپر عذاب آیا ہے تو پانی خون ہو جاتا تھا۔ قبطی قوم فرعون پس لاکھوں کو مفید اور سیکڑوں کو مضر۔

ہست بر مومن الخ۔ یعنی مومن کے لیے تو شہید ہونا زندگی (کا باعث) ہے (کہ حیات ابدی میسر ہوتی ہے) اور منافق کے لیے موت ہے اور بہت ہی ہولناک شے ہے۔ یہاں بھی ایک کو مفید ہے اور دوسرے کو مضر۔ مگر فی نفسہ وہ شے مفید ہی ہی۔

چیست در عالم الخ۔ یعنی بتاؤ کہ عالم میں وہ کونسی نعمت ہے کہ جس سے ایک دوسرے لوگ محروم نہیں ہیں بلکہ سب چیزوں میں یہی ہے کہ ایک کو مفید ہیں اور دوسرے کو مضر ہیں مگر وہ فی نفسہ مفید ہی کہی جاتی ہیں۔

گاو خر را الخ۔ یعنی دیکھو کہ گدھے اور بیل کو شکر سے کیا فائدہ ہے (کچھ بھی نہیں ہے حالانکہ ایسی شیریں اور عمدہ شے ہے۔ بلکہ بات یہ ہے کہ) ہر جان کے لیے غذا الگ ہے پس چونکہ گاو خر کی غذا شکر نہیں ہے اسلیے انکو مفید بھی نہیں ہے پس معلوم ہوگیا کہ عالم میں غیر مفید تو کوئی شے نہیں ہے ہاں بعض کو مفید اور بعض کو غیر مفید ضرور ہیں تو اس سے اُس شے کا غیر مفید ہونا لازم نہیں آتا پس جسطرح ہر جان کے لیے ایک غذا مقرر کر دیگئی ہے اسیطرح حق تعالیٰ نے بھی ہر ایک انسان کی ایک حالت مقرر اور مقدر فرما دی ہے کہ اُس سے تخلف نہیں ہوتا اور وہ اوسکی اصلی صفت ہو جاتی ہے جیسے کہ ہر جاندار کے لیے اسکے مقررہ غذا ہوتی ہے اور اگر وہ حالت کسی عارض کیوجہ سے ہوتی ہے تو وہ زائل ہو جاتی ہے۔ اور یہ حالت کا اصلی اور عارضی ہونا مرنے وقت تک معلوم نہیں ہوتا۔ اور جب موت آجاتی ہے اسوقت معلوم ہوتا ہے کہ اگر وہ حالت کفر وغیرہ اس سے زائل ہو جاتی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ بوجہ عدم علم بالحقیقت کے ایسا تھا اور جب علم ہوگیا تو وہ حالت زائل ہوگئی اور اگر جبلی ہوتی ہے تو ہرگز ہرگز زائل اور منفک نہیں ہوتی جیسا کہ حدیث میں ہے۔ کہ اگر تم سنو کہ پہاڑ اپنی جگہ سے ہٹگیا ہے تو اوسکی تصدیق کر لو۔ اور اگر سنو کہ جبلت بدل گئی ہے تو ہرگز تصدیق مت کرنا۔ اسیکو کسی نے کہا ہے کہ جبل گردد جبلی نگردد۔ پس اوپر تو اسکا بیان تھا کہ جو حالت مقدر من اللہ ہو چکی ہے۔ وہ ہرگز مٹ نہیں سکتی۔ آگے حالت عارضی کو بیان فرماتے ہیں کہ۔

لیک گر آن الخ۔ یعنی لیکن اگر وہ غذا اوسپر عارضی ہے تو پھر اوسکو نصیحت کرنا صرف سدھانا ہے۔ رائضی کہتے ہیں گھوڑے کے سدھانے کو مطلب یہ کہ اگر حالت اصلی ہے تب تو وہ بدل نہیں سکتی۔ لیکن اگر عارضی حالت ہے تو پھر تو یہ نصیحت وغیرہ اسکے لیے درست کرنیوالی اور سدھانیوالی ہیں کہ گھوڑا چابک سوار کے سدھانے سے ان شرارتوں کو جو کسی عارض کیوجہ سے اُسمیں ہوتی ہیں چھوڑ دیتا ہے لیکن جو شرارت کہ اُسکی اصلی حالت ہوتی ہے اوسکو ہرگز نہیں چھوڑتا۔ پس اسیطرح اگر نفس میں خباثت اصلی ہوتی ہے تب تو وہ ہرگز نہیں نکلتی اور اگر یہ خباثت کسی عارض سے ہے تو وعظ و نصائح سے دفع ہو جاتی ہیں۔ مگر وہ خواہ اصلی ہوں یا عارضی اُنکے علاج سے بیفکر نہونا چاہیے۔ اسلیے کہ ممکن ہے کہ جسکو اسوقت اصل سمجھے ہوئے ہیں وہ اصل میں عارضی ہو اسلیے کہ اصلیت اور عارضیت تو مرتے وقت ہی معلوم ہوتی ہے اور اسکو اصل سمجھکر اسکو چھوڑ بیٹھیگے اور بعد کو پشیمان ہو تو پھر ایسا

کیا ہو چھپانے سے جب چڑیاں چگ گئیں کھیت۔ آگے اسکی ایک مثال دیتے ہین کہ۔
چون کسے الخ۔ یعنی جیسے کہ کوئی شخص مرض کیوجہ سے مٹی کو دوست رکھتا ہو۔ (تو وہ) اگرچہ خیال کرتا ہے کہ اوسکی غذا وہی ہے مگر یہ اوسکی غلطی ہے اور یہ غلطی اسلیے ہے کہ۔
قوت اصلی الخ۔ یعنی اصلی غذا کو تو بھول گیا ہے اور مرض کی غذا مین (جو کہ مٹی ہے) توجہ لایا ہے کہ اوسیکو اصلی سمجھے ہو رہا ہے پس یہ سمجھنا اسلیے ہے کہ اس غذاے اصلی سے اسکو غفلت اور فراموشی ہو رہی ہے۔
قوتش زہر الخ۔ یعنی غذا کو چھوڑ کر زہر کھا رہا ہے تو مرض کی غذا نے اسکو لکڑی کی طرح کر دیا ہے۔ یعنے اوسکو جو مرض کیوجہ سے مٹی کھانے کی عادت ہو گئی ہے۔ تو اس مٹی کھانے نے اوسکو سکھا کر کانٹے کیطرح کر دیا ہے۔ اسیطرح ان خواہشات نفسانی نے کمالات سے خالی کر رکھا ہے اور باطن مثل مردہ کے ہو گیا ہے۔ آگے ہن اصلی غذا کو بتاتے ہین کہ وہ کیا ہے فرماتے ہین کہ۔
قوت اصلی الخ۔ یعنی انسان کی غذاے اصلی تو حق تعالی کا نور ہے۔ اور یہ حیوانی غذا اسکے لائق نہین ہے۔ جبکہ اصلی غذا نور حق ہوئی اور یہ غذا عارضی حیوانی غذا اور نفسانی خواہشات ہوئین تو اب ان عارضی کی تقلیل اور اس اصلی کی تکثیر ضروری ہے۔ اور اسوقت جو اس غذاے حیوانی ہی کو اصلی سمجھے ہوے ہو یہ تمھاری غلطی ہے اور بوجہ غفلت اور مرض باطنی کے ہے ورنہ یہ اصلی غذا ہے ہی نہین فرماتے ہین کہ۔
لیک از علت الخ۔ یعنی کہ مرض (باطنی) کیوجہ سے دل اوسمین پڑا ہوا ہے کہ رات اور دن اس پانی اور مٹی کو کھاتا ہے یعنے بوجہ غفلت عن الحق کے یہ غذاے حیوانی کے درپے ہے۔ اور اس غذاے اصلی سے بیخبر ہے ورنہ اوسیکی طلب کرتا۔
روے زرد الخ۔ یعنی زرد منہ اور سست پاؤن اور ضعیف دل ہے اور کہان ہے غذا آسمان ذات الحبک کی۔ مطلب یہ کہ اس غذاے حیوانی کیوجہ سے اسکی یہ حالت ہے کہ اسکے تمام اعضاے باطن بالکل مضمحل اور بیکار ہو رہے ہین۔ اور اگر اسکو غذاے عالم علوی کی حاصل ہو جاتی تو پھر تو یہ کامل اور سرخرو ہوتا۔ مگر اب تو ہر طرح ذلیل وخوار ہو رہا ہے آسمان والی غذا سے مراد غذاے عالم بالائی ہے اور وہ غذا ہے کمالات اور معانی اور اسرار بس ظاہر ہے کہ روح کی غذاے اصلی وہی ہے۔ اور باقی سب غذائین عارضی ہین۔
آن غذاے الخ۔ یعنی وہ غذا (عالم بالائی) دولت کے خاص لوگون کی ہے (ہر ایک کو میسر نہین) اور انکا کھانا بھی بے گلے کے اور بغیر کسی آلہ کے ہے یعنے یہ آلات اور اسباب ظاہری اوس سے تغذیہ حاصل کرنے کے لیے نہین ہین۔ بلکہ اوس غذا کا تغذیہ بے ان آلات کے اور بے ان اعضا کے ہوتا ہے اسلیے کہ وہ تو معانی ہوتے ہین جو کہ محسوس ہی نہین ہوتے تو انکو ان آلات جوارح سے کیسے حاصل کر سکتے ہین بلکہ انکے حصول کا تو ایک دوسرا ہی طریقہ ہے۔
شد غذاے الخ۔ یعنی آفتاب (عارف) کی غذا تو نور عرش (عالم بالا) سے ہوتی ہے۔ اور حاسد دیو (کافر یا شیطان جو کہ عارفون کے قرب پر حسد کرتا ہے) کی غذا فرش (عالم ناسوت) کے دھوین (ظلمات) سے ہوتی ہے۔ عارف کو بوجہ اوسکے کمالات سے منور ہونے کے آفتاب کہدیا گیا۔ مطلب یہ کہ اسکی غذاے

باطنی اور روحانی عالم غیب سے ملتی ہے۔ اور جو لوگ اوسطرف سے غافل ہین انکی غذا یہ غذائے ظاہری ہی ہوتی ہو
درشہیدان الخ۔ یعنی شہیدون کے حق مین اللہ تعالیٰ نے یرزقون فرمایا ہے تو اوس غذا کے لیے نہ منھ ہے اور نہ طبق مطلب یہ کہ اس سے تعجب مت کرو کہ بے آلات کے تغذیہ کسطرح ہو سکتا ہے۔ اسلیے کہ دیکھلو کہ قرآن شریف مین شہیدون کے بارے مین یرزقون فرحین بما اٰتٰھم اللہ من فضلہ آیا ہے کہ وہ بے دہان رزق دیے جاتے ہین اور ظاہر ہے کہ وہ غذا مثل اس ظاہری غذا کے نہین ہوتی بلکہ اسمین بہت فرق ہوتا ہے اور اوسکے کھانے کے لیے بھی یہ اعضا نہین ہوتے۔ جیسا کہ شریعت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہان جو جسم عطا ہوگا وہ اگرچہ اسکے مثل ہوگا مگر یہ جسم خاص نہوگا۔ پس دیکھ لو کہ تغذیہ بغیر ان آلات کے حاصل ہوگیا۔
دل زہر رائے الخ۔ یعنی کہ دل ہر رائے سے ایک غذا حاصل کرتا ہے اور دل ہر ایک علم سے ایک صفائی حاصل کرتا ہے۔ مطلب یہ کہ بے آلات ظاہری کے تغذیہ کی ایک اور نظیر سنو کہ دیکھو جب قلب مین کوئی بہت ہی نفیس اور عمدہ رائے ہوتی ہے تو اس سے قلب کو فرحت ہوتی ہے اور اسکو ایک قسم کی غذا حاصل ہوتی ہے اسیطرح علم سے بھی غذا حاصل ہوتی ہے حالانکہ یہ منھ اور آلات کہین بھی نہین ہین۔ لہٰذا معلوم ہوگیا کہ دنیا مین بھی بعض اشیاء ایسی ہین کہ جنکو بے ان آلات وغیرہ کے کھا سکتے ہو پس اسی طرح وہ کمالات اور معانی ہین کہ انکے کھانے کیلیے بھی اس دہان و آلات کی ضرورت نہین ہے۔
صورت ہر آدمی الخ۔ یعنی ہر آدمی کی صورت تو مثل ایک پیالہ کے ہے (کہ جو غیر مقصود ہے اور اصل وہ ہے جو کہ اوس پیالہ مین ہے) اور آنکھ (حقیقت شناس) اوسکے معنے (حقیقت) کی پہچاننے والی ہے (اور وہی مقصود بھی ہین) پس معلوم ہوگیا کہ دنیا مین بھی جو چیز دوسرے سے ملیگی اوس سے کچھ نہ کچھ فائدہ اور غذا ضرور حاصل ہوگا اسکو آگے مع نظائر کے بیان فرماتے ہین کہ۔
از لقائے الخ۔ یعنی ہر شخص کے ملنے سے کچھ نہ کچھ تم ضرور کھاؤگے (یعنے کچھ نہ کچھ ضرور فرحت اور سرور یا غم وغیرہ ہوگا) اور ہر ساتھی کے ایک چیز لیجاوگے تو یہ تو انسان ہی کے ساتھ خاص تھا آگے عام فرماتے ہین کہ انسان ہی کے ساتھ خاص نہین ہے بلکہ کل موجودات مین یہی ہے۔ کہ ایک دوسرے کے قرآن سے کچھ فوائد ہوتے ہین آگے اسی کے نظائر ہین کہ۔
چون ستارہ الخ۔ یعنی جب ایک ستارہ دوسرے ستارہ سے ملتا ہے تو ان دونون کے مناسب یقیناً کوئی اثر پیدا ہوتا ہے۔ یہان یا تو مولانا نے بھی بنا بر علی المشہور اثر سے مراد تاثیر ہی لی ہو جیسا کہ اہل نجوم کہتے ہین اور یا یہ کہ یہ مقصود ہو کہ آخر جب وہ ملین گے تو اونمین کوئی نہ کوئی اثر تو ضرور ہی ہوگا۔ مثلاً یہی کہ ایک دوسرے کی قوت کا کاسر یا قوی کرنے والا ہو۔ وغیر ذلک غرضکہ دو کے ملنے سے ایک اثر پیدا ہوا۔
از قران الخ۔ یعنی کہ مرد وعورت کے ملنے سے لڑکا پیدا ہوتا ہے۔ اور لوہے اور پتھر کے ملنے سے چنگاریان پیدا ہوتی ہین یہان بھی دو کے ملنے سے ایک خاص اثر اور نتیجہ پیدا ہوا ہے۔
وز قران خاک الخ۔ یعنی اور خاک کے بارش کے ساتھ ملنے سے میوہ اور سبزے اور پھول وغیرہ پیدا ہوتے ہین۔

اوز قران الخ۔ یعنی اور سبزون کے آدمی کے ساتھ ملنے سے (یا تو انکے دیکھنے سے یا کھانے سے) دلخوشی اور بے غمی اور خرمی پیدا ہوتی ہے۔ اور جان کے ساتھ خرمی کے ملنے سے خوبی اور کمالات پیدا ہوتے ہین۔ اسلیے کہ اگر دل مکدر ہو اور خوشی اور دلجمعی حاصل نہو تو ہرگز کوئی کمال حاصل نہین ہو سکتا۔ یہ بھی اسی وقت تک ہے جب تک کہ قلب ٹھکانے سے ہے ورنہ کچھ بھی نہین۔

قابل خوردن الخ۔ یعنی ہمارے اجسام (ان اشیاء کو) کھانے کے قابل ہوجاتے ہین جبکہ تفریح سے ہمارا کام مکمل آوے۔ مطلب یہ کہ اون سبزون کے اقتران سے ایک فائدہ یہ ہوتا ہے کہ ہم اونسے فائدہ حاصل کرنے کے قابل ہوجاتے ہین۔

سرخروے الخ۔ یعنی کہ خون کے ملنے سے سرخروئی پیدا ہوتی ہے اور خون خوشی کے خورشید سے گلاب جیسی رنگت کا ہوجاتا ہے اور بہترین رنگ سُرخی ہوتی ہے اور وہ خورشید سے ہوتی ہے اور اسی سے حاصل ہوتی ہے۔ اہل نجوم کہتے ہین کہ جس شخص کو مناسبت سورج سے ہوتی ہے وہ دموی المزاج ہوتا ہے اور اسکے اندر خون زیادہ ہوتا ہے اور جسقدر مناسبت زیادہ ہوتی ہے اوسیقدر خون مین بھی زیادتی ہوتی ہے تو دیکھو دو چیزونکے اقتران سے سُرخروئی حاصل ہوئی۔ اور یہ فرمانا بنا بر علی المشہور ہے ورنہ خدانخواستہ مولانا کا عقیدہ اوسکے موافق ہرگز نہ تھا۔

سرزمینے الخ۔ یعنی جو زمین کہ زحل کے ساتھ مقترن ہو تو وہ شور ہوتی ہے اور کھیتی کے قابل نہین ہوتی تو دیکھو کہ دو کے اقتران سے ایک اثر پیدا ہوا ہے یہ بھی بنا بر علی المشہور ہے کہ اہل نجوم کہتے ہین کہ زحل ایک منحوس ستارہ ہے جسطرف اوسکا رُخ ہوتا ہے اوس طرف نحوست ہی پھیلتی ہے۔ آگے ان سب تمثیلات و نظائر کا حاصل فرماتے ہین کہ۔

قوتے اندر الخ۔ یعنی کہ (دو چیزونکے ملنے سے) استعداد (درجہ) فعلیت مین آتی ہے جیسے کہ شیطان کا ملجانا اہل نفاق کے ساتھ کہ جو خباثت پہلے نہ کرتے اب کرنے لگے اور خباثت زیادہ ہوجاتی ہے۔ اور جو خباثت کہ ابھی تک پوشیدہ تھی اب وہ ساری ظاہر ہوتی ہین۔ لہذا ثابت ہوگیا کہ ہر شے کے دوسرے کے ساتھ اقتران سے ایک اثر ظاہر ہوتا ہے۔ پس اسیطرح اگر صورت کے ساتھ معنے کا اقتران ہوگا تو پھر وہ کمالات پیدا ہونگے کہ دیدہ باید اور کمالات اور معانی کو تو عالم بالا سے اور حق تعالیٰ سے تعلق ہے اور اگرچہ وہ محسوس ظاہری نہین ہین مگر پھر بھی انکے اندر ایک شان ہے اسکو فرماتے ہین کہ۔

این معانی الخ۔ یعنی کہ ان معانی کو دین آسمان (عالم بالا) سے بغیر کسی (ظاہری) شان و شوکت کے شان و شوکت ہے مطلب یہ کہ چونکہ معانی غیر محسوس ہین اسلیے انکی شان و شوکت ظاہری تو معلوم ہوتی نہین مگر پھر بھی انکی بہت بڑی شان ہے اور چونکہ صوفیہ دو عالم کے قائل ہوے ہین ایک تو مادیات کے دوسرے مجردات کے اور مادیات کو عالم خلق اور مجردات کو عالم امر کہتے ہین جیسا کہ حکماء نے بھی مانا ہے مگر وہ اسقدر بڑھ گئے ہین کہ وہ اسکے قدم کے قائل ہوئے اور متکلمین بالکل انکار ہی کر بیٹھے۔ مگر صوفیہ بین بین ہین نہ یہ قدم کے قائل ہین اور نہ انکار کرتے ہین بلکہ مادیات اور مجردات دونون کو مانتے ہین۔ اب بعض جاہل صوفی اس عالم خلق و مجرد

قرآن سے ثابت کرنے لگے اور کہتے ہین کہ قرآن شریف مین جو الا لہ الخلق والامر ہے اوس سے یہی عالم خلق اور امر اصطلاحی مراد ہین۔ تو یہ کہنا بالکل لغو ہے اسلیے کہ قرآن شریف ان اصطلاحون مین نازل نہین ہوا پھر خواہ مخواہ آیتین ان چیزون کو تلاش کرنا اور زور لگا کر نکالنے سے کیا فائدہ ہوتا ہے۔ بلکہ اگر صرف ان صوفیون کے دعوے قرآن کے خلاف نہون تو کافی ہے نہ یہ کہ ہر مسئلہ اُس سے نکلتا ہی ہو اسکی کیا ضرورت ہے پس صوفیہ بھی دو عالمون کے قائل ہوے ہین ایک کے مشاہدہ سے اور دوسرے کے کشف سے۔ اور حکما نے عقل سے پہچانا لیکن صوفیہ خیر الامور اوسطہا کے مصداق رہے۔ آگے اشعار مین انہی دونون عالمون کا ذکر ہے فرماتے ہین کہ۔

خلق را الخ۔ یعنی عالم خلق (عالم مادیات) کی شان وشوکت تو عاریت ہے اور عالم امر (عالم مجردات) کی شان وشوکت ماہیت (داخل ذات یا لازم غیر منفک) ہے یعنے عالم مادیات مین جو شان وشوکت ہوتی ہے وہ عارضی اور عالم مجردات کی شان وشوکت اصلی ہے۔ (لیکن پھر بھی لوگ غلطی کرتے ہین اور عارضی ہی کو طلب کرتے ہین اسکو فرماتے ہین کہ

از پے الخ۔ یعنی شان وشوکت (ظاہری) کے لیے ذلت جھیلتے ہین اور (صرف) عزت کی امید (موہوم) پر خواری مین خوش ہین جیسا کہ آجکل مشاہدہ ہو رہا ہے۔ کوئی اس فکر مین کہ مجھے خطاب ملجاوے کوئی کسی فکر مین لگا ہوا ہے اور ان ساری ذلتون پر خوش ہین تف ہے ایسی عزت پر جو کہ مستلزم ہو اسقدر ذلتونکو۔

بر امید الخ۔ یعنی دو روزہ عزت کی امید (موہوم) پر پراگندہ ہین اور اپنی گردن غم کیوجہ سے مثل تکلے کے کر لی ہے ایسی فکر مین گھل گئے اور اصلی شئے سے غافل رہے اور اوسکو طلب نہ کیا آگے مولانا بطور تحدث بالنعمۃ کے فرماتے ہین کہ۔

چون نمی آیند الخ۔ یعنی جسجگہ (اور مقام) پر مین ہون وہان کیون نہین آتے (کہ عزت اصلیہ حاصل ہو) کہ اس عزت (اصلیہ) مین مین ایک آفتاب روشن ہون۔ یعنے خدا کا شکر ہے کہ مجھے وہ عزت اصلی میسر ہے اور پوری طرح میسر ہے پھر یہ لوگ اور کہان کہان پھر رہے ہین اور جو اصل مطلوب ہے اوسکو چھوڑے بیٹھے ہین سہ اے قوم بحج رفتہ کجائید کجائید + معشوق درین جاست بیائید بیائید + آؤ اور اس نور حقیقی سے منور ہو جاؤ۔ کہ وہ اس آفتاب ظاہری کیطرح نہین ہے بلکہ وہ نور ہی نور ہے۔

مشرق خورشید الخ۔ یعنی (اس) خورشید (ظاہری) کا مشرق ایک برج سیاہ رنگ والا ہے (یعنے کہ مظلم ہے) اور ہمارا آفتاب (جس سے کہ ہم اقتباس نور کر رہے ہین) مشرقون سے باہر ہے۔ مطلب یہ کہ تم جو اس خورشید ظاہری پر دم دیے ہو تو اسکے مشرق کی تو یہ حالت ہے کہ وہ ایک وقت مین مظلم تھا پھر جب سورج وہان گردش کرتا ہوا پہونچا تب وہ منور ہوا اور چونکہ حق تعالی تو جہات اور مکان وغیرہ سے منزہ اور پاک ہین تعالی اللہ عن ذلک علوا کبیرا۔ اسلیے اونکا مشرق انوار ہر وقت منور ہی رہتا ہے لیکن اس مشرق کا نور بعض مرتبہ بوجہ عوارض کے دکھلائی نہین دیتا۔ مگر اسطرف سے ہر وقت نور افگنی اور جلوہ افگنی ہو رہی ہے اسلیے قرآن شریف مین فرمایا کہ نحن اقرب الیہ من حبل الورید یعنے ہم تو اسکے قریب ہین اور وہ ہم سے دور ہے اور چونکہ حق تعالی اور بندہ کے درمیان مین علم کا واسطہ اور تعلق ہے اسلیے یہ ممکن ہے کہ ایک وقت مین حق تعالی تو قریب ہون اور بندہ غافل اور دور ہو۔ اسلیے کہ قرب من الجانبین تو ضروری ممکن مین ہوتا ہے کہ ایک ممکن دوسرے کے قریب ہوگا

تو وہ بھی ضرور اوسکے قریب ہوگا اسلیے کہ ان مین قرب مکانی ہے اور یہان تو قرب علمی ہے تو حق تعالی تو ہر وقت بندہ کی حالت اور کیفیت کے عالم ہین مگر بندہ بہت اوقات مین غفلت کیوجہ سے عارف نہین ہوتا اور اسکی مثال حکما نے یہ دی ہے کہ جیسے ایک شخص ہماری داہنی طرف بیٹھا ہے تو اوسوقت جیسا وہ ہماری داہنی طرف ہے ہم بھی اوسکی بائین طرف ہین اور ہم پر یہی بولا جاتا ہے کہ یہ اوسکے بائین پر ہین اور اگر یہ شخص اُٹھ کر ہمارے بائین طرف آبیٹھے تو اب ہم ہی پر یہ صادق ہے کہ ہم اوسکے داہنی طرف آگئے مگر دیکھو ہم تو اپنی جگہ پر ہین اوسکو ہی حرکت ہوئی اور اوسکی حرکت سے ہماری حیثیت اور حالت بھی بدل گئی اسیطرح حق تعالے تو مکان اور حیز سے پاک ہین وہ تو ہر وقت اور ہر جگہ موجود اور جلوہ افگن ہین مگر چونکہ ہم غافل ہین اسلیے ہماری غفلت کیوجہ سے کہا جاتا ہے کہ حق تعالی اسوقت دور ہین اور جب ہم کو تنبہ ہوتا ہے اور اسطرف توجہ ہوتی ہے تو اسوقت کہا جاتا ہے کہ اب ہم قریب ہین تو یہ دونون حالتین ہماری ہین حق تعالی کی کیفیت مین تغیر نہین ہوا مگر اون پر تبدیل حیثیت صادق ہے جیسا کہ مثال مذکور مین بیان کیا گیا۔ لہذا مولانا فرماتے ہین کہ ہمارا خورشید جو ہے وہ ہر وقت منور اور روشن ہے اور اوسکو مشرق کی ضرورت ہی نہین نہ مظلم کی نہ منور کی بلکہ وہ خود فی حد ذاتہ نور ہی نور ہے۔

اللہ نور السموات والارض مثل نورہ کمشکوٰۃ فیہا مصباح آگے مولانا فرماتے ہین کہ بعض مرتبہ قلب عارف کو مطلع انوار حق کہا گیا ہے حالانکہ یہان کہہ رہے ہو کہ وہ مطلع اور مشرق سے پاک ہی تو اس تعارض کو اٹھاتے ہین کہ مشرق او الخ۔ یعنے مشرق اوسکا نسبت ہوتا ہے اُسکے ذرات کا (ورنہ) نہ طلوع ہوئے اور نہ غروب ہوے اوسکی ذات مطلب یہ کہ بعض مرتبہ جو قلب عارف وغیرہ کو مطلع کہدیا گیا ہے جیسا کہ دیباچہ مین فرمایا ہے کہ ؎ مطلع شمس آ اگر اسکندری الخ۔ تو یہ مشرق اور مطلع اوسکی نسبت ذرات کیطرف ہے کہ انکو اوسکے نور سے کوئی نسبت ہی نہین ہے اسلیے کہ وہ تو ایک غیر متناہی نور ہے۔ اور انسان اور اسکے صفات سب متناہی ہین لہذا انسان خواہ کتنا ہی اوس نور کو حاصل کریگا اور خواہ اوسکو بجاس عمر نوحی میسر ہو جاوین مگر پھر بھی متناہی ہی رہیگا اور متناہی کو غیر متناہی سے کیا نسبت لہذا جسقدر بھی حاصل ہو اوس سے گذر کر آگے کی طلب ضروری ہے اسیکو کہا ہے کہ ؎ اے برادر بے نہایت درگہے است ٭ ہرچہ بروے می رسی بروے مایست ٭ پس قلب عارف وغیرہ کو مشرق کہدینا مجاز ہے ورنہ آپسمین کوئی نسبت ہی نہین ہے۔ اوسکو تو کسی وقت زوال ہی نہین ہے۔ کہ اوسپر دو حالتین طلوع اور غروب کی صادق آوین بلکہ وہ تو ہر وقت طلوع ہے اوسکو کسی وقت بھی غروب نہین ہے۔ لہذا اوس نور علی نور سے اقتباس نور کرو۔ اور اس سے عزت اصلی حاصل کرو۔ اور اس عارضی شان وشوکت اور عزت وجلال کو چھوڑو کہ کسی کام کی نہین ہین۔

ما کہ واپس الخ۔ یعنی کہ ہم (انبیا اور اولیا کے سامنے) بہت ہی پیچھے پڑے ہوے اوسکے ذرات مین سے ہین (مگر پھر بھی) دو عالم مین آفتاب بے سایہ کے ہین۔ مطلب یہ کہ دیکھو ہم جو انکے نور سے کچھ بھی نسبت نہین ہے اور بہ نسبت ان لوگون کے پس ماندگان مین ہین مگر پھر بھی ذرا سا نور حاصل کرنے سے بالکل نور ہی نور ہو گئے ہین۔ اور اسقدر نور کامل حاصل ہوا ہے کہ دو جہان مین بس نور ہی نور ہین تو پھر خود اوس نور علی نور در وراء الورا ثم در اعز الورا کی کیا کیفیت ہوگی۔ کہ اوسکے بیان کے لیے یہ الفاظ حادث اور متناہی ہرگز

ہرگز کافی نہین۔ یہ تو سب کچھ ہے مگر اس گھمنڈ پر کہ ہمکو تو اسقدر کمالات حاصل ہوگئے ہین ہم اوس سے مستغنی نہین ہین بلکہ اب بھی اسیکی تگ و دو مین لگے ہوے ہین اور یہ حالت ہے کہ ؎ دست از طلب نہ دارم تا کام من برآید ٭ یا تن رسید بجانان یا جان ز تن برآید ٭ پس جب ہم بھی مستغنی نہین ہین تو وہ شخص کہ جسکو کچھ بھی کمالات حاصل نہین ہین کسطرح مستغنی ہو سکتا ہے اسیکو فرماتے ہین کہ۔

باز گرد شمس الخ۔ یعنے پھر بھی شمس (حق تعالیٰ) کے چارون طرف پھر رہا ہون اور اوسکی طلب مین لگا ہوا ہون کسقدر تعجب کی بات ہے مگر یہ سبب بھی وہ شمس کے دبدبہ اور شوکت کیوجہ سے ہے کہ جو ہم اوس سے باوجود اسقدر کمالات حاصل ہونیکے بھی مستغنی نہین ہین۔

شمس باشد الخ۔ یعنی کہ ان اسباب پر بھی وہی شمس (حق تعالےٰ) مطلع ہین اور اُن ہی سے (بعض مرتبہ) ان اسباب کی رسی منقطع ہوجاتی ہے۔ اسلیے کہ بعض مرتبہ وہ ناامید کردیتے ہین اگرچہ وہ ناامیدی طبعی ہوتی ہے عقلی نہین ہوتی مگر پھر بھی یہ حالت ہوتی ہے۔ کہ بہت سے لوگون نے خودکشی کرلی ہے اسلیے کہ جب اسکا غلبہ ہوتا ہے تو پھر انسان اندھا ہوجاتا ہے اور عقل وغیرہ سب بالاے طاق رکھی رہجاتی ہے اور یون سمجھتا ہے کہ جب وہ نہین ملتے تو پھر ہم ہی رہکر کیا کرینگے۔ اور اس حالت کے بیان کو الفاظ نہین ہین بلکہ جسپر گذرے وہ جانے

صد ہزاران الخ۔ یعنی لاکھون مرتبہ مین نے امید کو منقطع کردیا کس سے شمس (حق تعالیٰ) سے اسکو مجھ سے یقین کرو۔ مولانا فرماتے ہین کہ خود مجھے لاکھون مرتبہ یہ بات پیش آئی ہے کہ بالکل امید وصل منقطع ہوگئی ہے چونکہ یہان یہ شبہ ہوتا تھا کہ جب ناامیدی ہوجاتی ہے تو پھر طلب سے بھی کیا فائدہ ہے پس چونکہ مولانا جسطرح صاحب حال ہین اسیطرح شیخ وقت اور سالک بھی تو ہین لہٰذا اسلیے یہان آکر اس شخص کو سنبھالتے ہین اور فرماتے ہین کہ۔

تو مرا باور الخ۔ یعنی تم یہ ہرگز مت خیال کرنا کہ آفتاب (حقیقی) سے مین صبر رکھ سکتا ہون اور یا مچھلی پانی سے نہین یعنی اگرچہ اسطرف سے بعض مرتبہ ناامیدی معلوم ہو مگر پھر بھی اوسکی طلب کو ترک نہ کردینا چاہیے۔ بلکہ اوسی تگ و دو مین لگے رہو اسلیے کہ اوسکی تو ایسی مثال ہے کہ جیسے مچھلی اور پانی تو جب مچھلی پانی نے بغیر صبر نہین کرسکتی تو پھر انسان کو حق تعالیٰ سے علحدہ ہوکر کسطرح صبر آسکتا ہے پس اگرچہ طبعی ناامیدی ہوجاوے مگر پھر لگا رہے آخر ایکدن وہ ہوگا کہ ارشاد ہوگا کہ ؎ قبولست گرچہ ہنر نیستت ٭ کہ جز ما پناہے دگر نیستت ٭ اور آخر ایکدن وصل حاصل ہوجاویگا۔ خوب سمجھ لو آگے فرماتے ہین کہ۔

ور شوم الخ۔ یعنی اور اگر مین ناامید بھی ہوجاؤن تو میری یہ ناامیدی بھی تو اُن ہی کا فعل ہے اے حسن۔ مطلب یہ ہے کہ اگر مین ناامید بھی ہوگیا ہون تو ناامید کرنا کسکا فعل ہے یہ بھی تو حق سبحانہ تعالےٰ ہی کا فعل ہے تو ہم اسکو اس حیثیت سے دیکھینگے کہ یہ فعل ہے اوس ذات کا کہ جو ایسی مستغنی ہے کہ اوسکو کسیکی احتیاج اور کسیکی ضرورت نہین ہے تو اس خیال سے اسکی معرفت حاصل ہوگی اور ناامیدی وغیرہ سب زائل ہوجاویگی اور یہ توجیہ اس شعر کی مستنبط ہے حضرت حاجی صاحب رحمہ اللہ کے اس قول سے کہ فرمایا کرتے تھے کہ اگر کسیکو وساوس بہت پریشان کرین تو وہ یہ مراقبہ کرے کہ اللہ اکبر اوسکی کیسی شان ہے کہ ایسی ایسی چیزین پیدا فرمائی ہین اور ایسے ایسے خیالات انسان کو دیے ہین بس اس مراقبہ سے سارے وساوس منقطع

ہوجاوین اور حق تعالیٰ کی طرف توجہ ہوجاوے انتہی للّٰہ در القائل سبحان اللہ کیا تحقیق ہے اور کیسا علاج ہے کہ جس سے مرض کی جڑ ہی کٹ گئی سچ یہ ہے کہ حضرت اپنے وقت کے امام بلکہ مجدد صاحب تھے اُن سے ہرگز کم نہ تھے۔ کیسے کیسے علاج اور کیسے کیسے معارف زبان فیض ترجمان سے ظاہر ہوتے ہین۔ اے اللہ حضرت کے فیوض اور برکات اور علوم مین سے اس راقم گنہگار کو بھی ایک حصہ وافر عطا فرما دے۔ اے اللہ تیری قدرت کے سامنے کچھ بعید نہین ہے۔ اگرچہ میری نسبت کر تو محال کے قریب ہے امید کہ ناظرین بھی اس گنہگار کو اس جگہ پہونچکر دعا سے محروم نہ فرماوینگے کہ ؎ شنیدم کہ در روز امید و بیم ✤ بدان را بہ نیکان ببخشد کریم۔ پس جبکہ حقتعالیٰ ہی کا فعل ہے تو اوس سے علحدہ کرنیوالا کسطرح ہوجاویگا۔ بلکہ وہ تو عین وصل الی الحق ہوگا۔ اسیکو فرماتے ہین کہ عین صنع الخ۔ یعنی عین صنعت صانع سے کسطرح قطع کریگی (بلکہ صنعت سے تو صانع کی اور معرفت ہوگی) اور عین موجود وغیر موجود سے کسطرح چر سکتا ہے مطلب یہ کہ جب اس ناامیدی کو اس حیثیت سے دیکھا کہ یہ فعل حق ہے تو پھر تو اور بھی معرفت حاصل ہوگی نہ کہ علحدگی ہوگی اور جو شئے کہ موجود ہے وہ مابہ الموجودیت سے کسطرح الگ ہوسکتی ہے۔ اسلیے کہ اگر اوس سے علحدہ ہوجاوے تو پھر تو وجود ہی باقی نہین رہسکتا۔ لہذا مقصود یہ ہوا کہ مولانا سالک کو تعلیم فرماتے ہین کہ اگر کبھی طبعی ناامیدی ہو بھی تو اس سے طلب کو مت چھوڑ و بلکہ طلب مین لگے رہو اور اس ناامیدی کو بھی اسی طرف سے سمجھو پھر کبھی پریشانی اور حیرانی نہین ہوسکتی۔ آگے فرماتے ہین کہ۔

جملہ مستیہا الخ۔ یعنی ساری ہستیان اس باغ ہی سے چرتی ہین (اور فیض حاصل کرتی ہین) خواہ وہ براق ہون یا عربی گھوڑے ہون یا گدھے ہون مطلب یہ کہ کیا اچھے اور کیا بُرے سب اوسی سے فیضیاب ہین تو پھر اس سے علیحدگی کیسے کرسکتے ہین اسلیے کہ اوس سے علیحدہ ہوکر تو کسیکا وجود بھی نہین رہ سکتا چہ جائیکہ حصول کمالات ہو اسلیے کہ اگرچہ وہ بھی اسی موجود سے وجود کو حاصل کررہا ہے مگر اسکو اس تحصیل کا علم نہین ہے اور جب علم نہین ہے تو ضرور ہے کہ اسکے حقوق بھی ادا نہ کرسکے گا تو اس وجود ہی سے فائدہ نہین ہے اسیکو مولانا فرماتے ہین کہ۔

لیک اسپ الخ۔ یعنی لیکن اندھا گھوڑا اندھون کیطرح چرتا ہے اور چونکہ باغ کو دیکھتا نہین ہے اسلیے مردود ہے۔ مطلب یہ کہ اگرچہ کل وجود اوسی سے ہین اور یہ مستلزم تھا اسکو کہ سب عارف ہوا کرتے اسلیے جب اوسی کے فیض سے ایک کامل اور عارف ہے تو کیا وجہ ہے کہ دوسرا نہو تو فرماتے ہین کہ بات یہ ہے کہ اگرچہ یہ محجوب بھی اوسی فیض سے اور اسی کمال سے مستفیض ہے جس سے کہ عارفین و کاملین ہوتے ہین مگر دونون مین فرق یہ ہے کہ ایک کو تو اوس حصہ دل کا اور مستفیض ہونیکا علم ہے۔ اور اس علم کیوجہ سے وہ اوسکے حقوق بقدر استطاعت ادا کررہا ہے اور دوسرا جو کہ محجوب اور مردود ہے وہ اسلیے ہے کہ اسکو اسکا علم نہین ہے اسلیے وہ اسکی قدر اور اسکے حقوق کو کچھ بھی ادا نہین کرسکتا۔ اور ان کی ایسی مثال ہے کہ جیسے دو گھوڑے ایک باغ مین چرتے ہین مگر ایک اندھا ہو اور دوسرا بینا ہو تو جو بینا ہے وہ تو اس سے چر بھی رہا ہے اور اس باغ کا مشاہدہ بھی کررہا ہے۔ اور ایک اندھا ہے وہ بھی اوسی سے غذا حاصل کررہا ہے مگر اسکو خبر بھی نہین ہے کہ باغ کیا ہے اور یہ سبزہ اور گھاس کسکو کہتے ہین بس اوسکو کھانے سے مطلب ہے۔ اسیطرح کفار اور منکرین کی حالت ہے کہ وجود تو اوسی موجود سے حاصل کررہے ہین مگر معرفت ذرا بھی نہین اسیوجہ سے مردود اور مطرود ہوگئے ہین

اور کوئی نصرانی ہوجاتاہے اور کوئی بت پرست ہے کوئی آتش پرست توکوئی مادہ پرست۔ غرضکہ ست چون ندیدند حقیقت رہ افسانہ زدند ۔ یہ ساری خرابی معرفت نہونیکی ہے ورنہ اس ذات کو پہچانکر اور اوسکی معرفت کے بعد تو پھر اوس سے علحدگی اور کسی اور کی طرف توجہ ہوہی نہین سکتی آگے مولانا فرماتے ہین کہ

وانکہ گردشہا الخ۔ یعنی جسنے اُس دریاے (وجود) سے (اپنی) گردشونکو نہ دیکھا (بلکہ ان انقلابات کو کسی اور کیطرف سے سمجھا) تو ہر دم وہ ایک نئی محراب (قبلہ توجہ) کیطرف متوجہ ہوگا مطلب یہ ہے کہ جو انقلابات کو حق تعالیٰ کیطرف سے نہ سمجھے گا اور دوسری اشیاء کو فاعل اور موثر جانے گا تو وہ ہر گھڑی ایک الگ معبود اور ایک دوسرا قبلہ توجہ بناویگا اور جسنے کہ یہ سمجھ لیا کہ جو ہوتاہے وہ اوسی طرف سے ہوتاہے اور کسی دوسرے کا مطلق اعتبار نہین ہے تو پھر وہ توصرف اوس ایک ہی ذات کیطرف متوجہ ہوگا۔ اسکو دوسروں سے کیا کام اور اوسکی ایسی مثال ہے کہ جیسے کوئی تنکا دریا مین بہ رہاہے اور دریا اسکو لوٹ پوٹ کررہاہے کبھی ادھر ڈالدیا اور کبھی دوسری طرف تو اگر وہ یہ جانتاہے کہ یہ سارے کرشمے دریا ہی کے ہین تب توبس اوسکے خیال مین پراگندگی اور تشتت نہوگا بلکہ وہ صرف ایک ہی طرف متوجہ ہوگا اور اگر وہ ان امواج کو مؤثر سمجھ رہاہے جو اس دریا سے پیدا ہورہی ہین تو پھر اوسکے قبلہ توجہ ہزاروں ہونگے اور ہر وقت ایک الگ شے کی طرف توجہ ہوگی اور جب انسان کی پراگندگی اور تشتت کی یہ حالت ہوگی تو پھر وہ وجود مصنوع سے وجود صانع پر کسطرح استدلال کرسکتاہے اسلیے کہ اوسکے نزدیک تو مؤثر اور صانع ایک ہی ہے ہی نہین یہ ساری خرابی اس معرفت سے نابینا ہونیکی ہے اور اسکا اُس موجود سے وجود حاصل کرنا ہی سبب اسکی کوری کا ہوگیاہے۔ اور یہی تحصیل وجود دوسرونکے لیے سبب ہدایت اور سبب بینائی ہے۔ اسکو فرماتے ہین کہ۔

آوز بحر الخ۔ یعنی اس نابینائے حقیقت) نے شیرین دریا سے شور پانی پیا۔ یہانتک کہ اوس شور پانی نے اوسکو اندھا کردیا۔ مطلب یہ کہ حق تعالیٰ کے وجود سے جو کہ سراسر نور اور ہدایت ہی تھا اوسنے وجود حاصل کیا۔ اور وہ وجود شیرین اوسکے حق مین مثل آب شور کے ہوگیا کہ اسکو مضر ہی ہوا اسیکو حق تعالیٰ فرماتے ہین کہ یضل بہ کثیرا و یھدی بہ کثیرا کہ قرآن ایک ہی شے ہے اور فی نفسہ ہادی ہے مگر وہی قرآن بعض کے حق مین سبب ضلال ہوگیاہے اور بعض کے حق مین سبب ہدایت ہی ہے۔ تو اسکا سبب ضلال ہونا بھی اس مضل کی ناقابلیت اور بے استعدادی سے ہے ورنہ وہ تو فی نفسہ ہادی ہی ہے پس اسی طرح وہ وجود حق تو شیرین اور بینا ہی کرنیوالا ہے مگر جو شخص کہ خود ہی اندھا ہو اوسکے لیے تو وہ خراب اور گمراہ کرنیوالا ہی ہوگا جیسے کہ شیرینی کہ کسقدر مرغوب و محبوب ہے مگر دیکھو جسکو صفرا کا علیہ ہو اوسکو مضر ہے تو اس شیرینی کو تو مرغوب و محبوب ہی کہینگے مگر یہ نقص قابل مین ہے کہ جسکی وجہ سے وہ مضر معلوم ہوتی ہے۔ اور جبکہ یہ گمراہی زیادہ ہوتی ہے اور انتہاتک پہونچ جاتی ہے تو پھر یہی گمراہی کفر تک نوبت پہونچادیتی ہے والعیاذ باللہ اسلیے کہ بزرگون نے لکھاہے کہ غفلت عن الحق کے سات درجے ہین اور یا یون سات حجاب ہین سب سے آخر کا حجاب کفر اور شرک ہے کہ جب غفلت انتہائی درجہ کو پہونچ جاتی ہے تو پھر نوبت کفر کی آجاتی ہے۔ خدا بچائے آگے فرماتے ہین کہ

بحر میگوید الخ۔ یعنے دریا تو کہہ رہا ہے کہ اے اندھے میرے پانی کو داہنے ہاتھ سے پی۔ تاکہ تو بصیرت پاوے۔ چونکہ اوپر کے اشعار مین حق تعالیٰ کو تشبیہ دی ہے دریا سے جیسا کہ صوفیہ کے یہان اصطلاح ہے اسلیے یہان فرماتے ہین کہ وہ گمراہ ہو رہا ہے اور حق تعالےٰ فرما رہے ہین کہ دیکھ اسوجہ سے گمراہ مت ہو جانا ذرا سنبھل کر اسکا استعمال کرنا تاکہ تجھے اس سے میری معرفت حاصل ہو۔ آگے خود اُس دست راست یعنے داہنے ہاتھ کو بتاتے ہین کہ دست راست سے ہم کو مقصود کیا ہے۔ فرماتے ہین کہ۔

ہست دست الخ۔ یعنی کہ اس جگہ دست راست (سے مراد) ظن راست ہے کہ وہ نیک و بد کو جان لے کہ کہان سے ہین۔ اب مطلب یہ ہو گیا کہ حق تعالیٰ اوس کو حقیقت کو فرما رہے ہین کہ ارے کمبخت دیکھ فہم سلیم اور سیدھا گمان پیدا کر تاکہ تجھے اوسکی معرفت اور پہچان ہو کہ یہ نیک و بد کہان سے اور کدھر سے ہین۔ اگر معرفت اور بصیرت ہوگی تو معلوم ہو جاویگا کہ جو کچھ ہو رہا ہے سب اوسی طرف سے ہے پس پھر تفویض کامل حاصل ہو جاویگی اور معرفت حق حاصل ہوگی۔ جو کہ اصل مقصود ہے اور معلوم ہو جاوے گا کہ یہ نیک و بد کا مالک اور احوال کو بدلنے والا آخر کوئی ہے ضرور۔ کہ جسکی وجہ سے کہین کچھ ہے اور کہین کچھ ہے۔ کہین گمراہی ہے اور کہین ہدایت۔ کوئی مومن ہے اور کوئی کافر۔ آگے فرماتے ہین کہ۔

نیزہ گردانیست الخ۔ یعنی کوئی نیزہ کا پھرانے والا ہے کہ یہ نیزہ کبھی تو سیدھا چل رہا ہے اور کبھی ٹیڑھا چل رہا ہے یہ سب کسی بہت بڑے غالب زبردست کی دست قدرت مین ہے کہ وہ جسطرح چاہتا ہے بدل دیتا ہے اور اوسکے سامنے کسیکی کچھ نہین چلتی۔ تو جب اوسکی معرفت ہوگی وہی مقصود ہے اور اسکے ملجانے سے مقصود اصلی حاصل ہو جاوے گا آگے فرماتے ہین کہ۔

ما ز عشق الخ۔ یعنی کہ ہم حضرت شمس الدین کے عشق سے بے بس ہو رہے ہین ورنہ ہم تو اس اندھے کو بینا کر دیتے حضرت مولانا شمس الدین تبریزی قدس اللہ سرہ حضرت مولانا رومؒ کے شیخ ہین اور مولانا انپر بالکل عاشق ہین اسلیے فرماتے ہین کہ چونکہ حضرت شیخ کی محبت اور عشق مین ہم تو فنا ہو گئے ہین اور فنا کا مقتضی یہ ہے کہ پھر تصرفات نہین ہو سکتے۔ اسلیے ہم مجبور ہین اور بے بس ہو رہے ہین ورنہ ایسے اسباب کا ارتکاب کرتے کہ جس سے وہ ہدایت پر آجاوے اسلیے کہ ہدایت پر لانا کسیکے اختیار مین تو ہے نہین جیسا کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد ہے انک لا تہدی من احببت ولکن اللہ یہدی من یشاء۔ پس مراد اسباب ہدایت کا ارتکاب ہے مگر اس سے یہ مانع ہے کہ ہم انکی محبت مین بالکل مٹ چکے ہین لہذا اب ہم سے کوئی تصرف نہین ہو سکتا اور یا یہ کہ چونکہ ہم کو اون کا عشق ہے اور معشوق کے سامنے اپنی حکومت چلانا اور تصرفات کو نافذ کرنا ایک بے ادبی ہے اسلیے ہم اپنے تصرفات کو روکے ہوے ہین غرضکہ یا تو ادب مانع ہے اور یا انتہاء محبت مانع ہے ظاہر الفاظ کا تو یہ مطلب ہے لیکن یہان مولانا نے ایک مسئلہ کی طرف بھی اشارہ فرما دیا ہے وہ یہ کہ کاملین تصرفات سے طبعًا نفور ہوتے ہین اور وہ ہدایت و فیض تصرفات باطن سے نہین کرتے بلکہ مثل انبیا علیہم السلام کے صرف دعوۃ الی الحق کرتے ہین یضل بہ من یشاء و یہدی بہ من یشاء۔ وہ یہ نہین کرتے کہ کسیکی طرف متوجہ ہو کر اسکو ہدایت فرما دین جیسا کہ بعض متوسطین کا طریق ہوتا ہے اسلیے کہ تصرف کے لیے ضروری ہے کہ قلب کو ماسوی المقصود فی الحال سے بالکل خالی کر لیا جاوے

اوسکے بعد توجہ کیجاوے تو وہ تصرف مفید اور مؤثر ہوتا ہے پس اس توجہ سے بعض مرتبہ تو فنا کا غلبہ مانع ہوتا کہ یہ شخص اپنے کو بالکل فانی سمجھتا ہے اور اپنے وجود ظاہری کو وجود ہی نہین گنتا اسلیے اوس سے تصرفات بھی صادر نہین کرسکتا۔ اور اس سے طبعًا متنفر ہوتا ہی اگرچہ بوجہ کامل ہونیکے اونکو جائز تو سمجھتا ہے اور اسقدر مغلوب نہین ہوتا کہ انکو ناجائز یا حرام کہے مگر اسوجہ سے کہ اوسمین ایک قسم کی ہستی کا اظہار ہے اوس سے طبعًا نفرت ہوتی ہے اور یا یہ ہوتا ہے کہ ادب حق تعالیٰ کا مانع ہوتا ہے کہ اُنکے سامنے کسی قسم کے تصرف کرنیکو اچھا نہین سمجھتا اگرچہ یہ بھی جو کچھ ہوگا وہ اسکے کرنے سے بھی اصل مین حق تعالیٰ ہی کرینگے مگر آخر صورۃ تو اسکا بھی تصرف ہے اسلیے وہ اسکو خلاف ادب جانکر اوس سے علحدہ اور متنفر ہوتا ہے اور کبھی یہ دونون باتین نہین ہوتین بلکہ غلبۂ توحید مانع ہوتا ہے اسلیے کہ تصرف اسوقت مؤثر ہوسکتا ہے جبکہ اسوقت قلب مقصود معہود کے علاوہ سب اشیاء سے خالی ہو تو ظاہر ہے کہ جو تعلق اور نسبت اوسکو حق تعالیٰ کے ساتھ اسطرف توجہ کرنے سے پہلے تھی وہ ہرگز اسوقت موجود نہین ہے۔ بلکہ اوسمین ضرور کمی ہوگی۔ لہذا اس شخص کی غیرت تقاضاء نہین کرتی کہ اوسکے خیال کے ساتھ کوئی اور بھی شریک ہو۔ اسکی تو یہ حالت ہوتی ہے کہ ؎ شرکت غم بھی نہین چاہتی غیرت میری ؛ غیر کی ہوکے رہے یا شب فرقت میری ؛ یہ شخص اس تصرف اور توجہ کو شرک فی الطریق سمجھتا ہے۔ اور اس توجہ کو کہتا ہے کہ حق تعالیٰ کے ساتھ دوسرون کو شریک کرنا ہے اسلیے کہ شرک کہتے ہین اسکو کہ جو کام حق تعالیٰ سبحانہ کے ساتھ مخصوص تھا اوسکو کسی اور کے لیے ثابت کرنا پس ایسی توجہ کہ اون سوائے ایک ذات کے اور کسیطرف بھی توجہ نہو یہ تو شان حق تعالیٰ کیطرف توجہ کی ہے اور ایسی توجہ تو حق تعالیٰ ہی کی طرف ہونی چاہیے۔ نہ کہ غیر اللہ کیطرف اور جب اوسکو غیر اللہ کے لیے لایا جاوے گا تو ظاہر ہے کہ اسمین ایک شائبہ شرک کا ہوگا۔ اگرچہ اوسکو توحید اعتقادی کے خلاف تو نہین کہہ سکتے۔ مگر ہان توحید حالی کے ضرور خلاف ہے۔ تو خلاصہ یہ ہوا کہ کامل محقق تصرف اور توجہ سے طبعًا متنفر ہوتا ہے اور یہ توجہ متعارف جو ہوتی ہی اوسمین بھی یہی ہوتا ہے اور تصور شیخ مین بھی یہی ہوتا ہے اسلیے کاملین کے یہان انکی تعلیم ہی نہین ہوتی بلکہ وہ تو بس حق تعالیٰ کا نام بتلاتے ہین کہ نام لیے جاؤ اور کہین کی ضرورت نہین ہے۔ ساری عمر طلب مین گذارو اسلیے کہ عبدیت اور بندگی کا تو یہی مقتضا ہے ورنہ اگر کچھ اپنے تصرفات بھی چلاتے ہو تو یہ تو سراسر بندگی اور عبدیت کے خلاف ہے اسلیے کہ دیکھو طریق کامل وہی ہوگا جو کہ اوفق بالسنۃ ہو تو تتبع احادیث سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضور مقبول صلے اللہ علیہ وسلم نے کسیکو بھی ایک نظر مین کامل نہین کیا اور کسی کافر کو ایک نگاہ ڈالکر مومن نہین کرلیا۔ بلکہ وہی اسباب کا ارتکاب اور دعوۃ الی الحق کے سوا اور کچھ بھی نہین کیا لہذا معلوم ہوا کہ یہ توجہ اور تصرف سب خلاف سنت ہین مین یہ نہین کہتا کہ خدانخواستہ اوس طریق پر چلنے والے گمراہ ہین یا غلطی پر ہین ہرگز نہین نعوذ باللہ بلکہ مقصود یہ ہے کہ طریق کامل اور اوفق بالسنۃ کونسا طریق ہے تو صاف ظاہر ہے کہ وہی طریقہ اوفق ہے اور چشتیون کے یہان بھی ان سب اشیاء کی نفی ہے بلکہ صرف اوس ذات پاک کی طلب اور یاد ہوتی ہے نہ اونکے یہان لطائف کی تعلیم ہے اور نہ تصور شیخ کی نہ وہ متوجہ ہوکر کسیکے قلب مین تصرف کرین اور نہ ہمت ہو حق کرین اسلیے نقشبندی بزرگ اُنکو کہتے ہین کہ چشتیون کے

یہان بچہ جلنے اور مرنے کے ہے ہی گیا۔ بس مدت العمر اسی مین رہو کہ تلاش کرو نہ کوئی کرامت ہے اور نہ کوئی
تصرف جو کہ کمال ظاہر دلیل ہو۔ مگر چشتی کہتے ہین کہ ہم کو ہمارا جلنا اور مرنا مبارک اور تم کو وہ احوال اور
مواجید مبارک ہون اسلیے کہ دونون طریق ہدایت اور من اللہ ہی ہین ہان کامل اور اکمل کا فرق ہے کہ
جو طریقہ اوفق بالسنۃ ہوگا جیسا کہ چشتیون کا ہے وہ اکمل ہوگا۔ اور دوسرا کامل ہوگا۔ کیونکہ جو تصرفات
کہ شیخ مریدین اوس توجہ خاص سے یا اور کسی طرح کرتا ہے وہ جب ہی تک قائم رہتا ہے جب تک کہ شیخ
کے پاس رہے اور جہان شیخ سے دور ہوا وہ ساری کیفیات اور انوار اور احوال غائب ہوے۔ اسلیے
کہ اسکی تو ایسی مثال ہے کہ جیسے بچہ جو کہ ابھی خود چل نہین سکتا تو جب تک مان کی گود مین ہے اسوقت
تک وہ یہان سے وہان اور وہان سے اور آگے پہونچ رہا ہے۔ لیکن جہان مان نے گود سے رکھدیا بس وہ
تمام مٹی اور کیچڑ مین خراب ہوگیا۔ یہی طرح جب تک کہ یہ مرید شیخ کے پاس رہتا ہے جب تک تو سارے
احوال اور مواجید درست رہتے ہین اور جہان اوس سے بعد ظاہری ہوا بس وہ ساری کیفیت وغیرہ
جاتی رہتی ہے۔ اور کورا کا کورا رہجاتا ہے۔ جیسا کہ نقشبندیون کے یہان ہے کہ ہر وقت عزلت اور خلوت
ہی پسند کرتے ہین اور بالکل چھوئی موئی کا درخت ہوجاتے ہین۔ کہ جہان کسی نے ہاتھ لگادیا اور بس ساری
کیفیات سلب ہوگئین جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ انکی نسبت مین ضعف ہے لیکن بالکل خالی بھی
نہین کہہ سکتے۔ بلکہ ضعیف کہا جاوے گا اور چشتیون کے یہان کوئی تصرف وغیرہ تو ہے نہین بلکہ صرف صحبت
کا اثر ہوتا ہے اور وہ اثر بہت زیادہ قوی ہوتا ہے اور اوسکی یہ حالت ہوتی ہے کہ اگر مرید شیخ سے لاکھ کوس پر ہے تب بھی وہ حالت اوسکی
باقی ہے اور اگر پاس ہے تب بھی وہ حالت باقی ہے اگرچہ کسی اور وجہ سے وہ مرید خراب ہو گر وہ نسبت اور حالت باقی رہتی ہے اور اوسکو فنا
نہین ہوتی اور چونکہ شیخ کو تو تعلق اور اوسکی توجہ تو حق سبحانہ کی طرف ہوتی ہے اور جب مرید کو شیخ سے تعلق
ہوا تو یہ مرید اوس توجہ مین بھی شیخ کے ہمراہ ہی ہوگیا۔ کیونکہ ایک خاص توجہ شیخ کو اسطرف بھی ہوتی ہے۔ جو کہ
توجہ الی الحق کو منافی نہین ہوتی۔ بس اب چونکہ یہ مرید بھی شیخ کا شریک ہوگیا ہے لہذا یہ بھی متوجہ بحق ہے
اور اسکو بھی تعلق مع اللہ اسوقت پیدا ہے گو بواسطہ ہی سہی۔ اور نقشبندیہ کے یہان توجہ الی الخلق ہوتی ہے
تو تم ہی بتاؤ کہ توجہ الی الحق محمود ہے یا توجہ الی الخلق محمود ہے۔ اور ان دونون مین سے سنت پر کونسی منطبق ہے
اور جب معلوم ہوگیا کہ جو حالت کہ کسی تصرف کی وجہ سے ہوتی ہے تو جب تک اوس متصرف سے قرب ہو
جب تک تو وہ باقی رہتی ہے اور اسکے بعد وہ بہت جلد فنا ہوجاتی ہے اور جو نسبت کہ صحبت شیخ سے حاصل
ہوتی ہے وہ باقی اور قوی ہوتی ہے اور یہ امر مشاہدہ سے معلوم ہے تو اب دونون طریق مین کامل اور اکمل
حدیث سے سمجھ لو۔ کہ فرماتے ہین کہ المومن القوی خیر من المومن الضعیف وفی کل خیر۔ یعنی مومن قوی مومن
ضعیف سے بہتر ہے اور ویسے سب اچھے ہی ہین۔ تو اب دیکھ لو۔ کہ فرمایا کہ جو قوی ہے وہ بہتر ہے بس ہم بھی
کہتے ہین کہ وہ طریق بھی گمراہ نہین ہے بلکہ وہ بھی بہتر ہے۔ مگر دیکھنا یہ ہے کہ کامل کون ہے اور اکمل کون ہے
بس ظاہر ہوگیا کہ جو قوی ہوگا اور دیرپا ہوگا وہی کامل ہوگا بعض بزرگ اس زمانہ مین بھی خاندان
نقشبندیہ مین موجود ہین اور انکی یہی حالت ہے کہ وہ بالکل علحدہ رہتے ہین ذرا بھی کوئی انکے پاس زیادہ

پھر اوس سے کہتے ہین کہ جاؤ بس اب زیادہ مت بیٹھو۔ یہ ساری خرابی اسی کی ہے کہ اونکے اندر وہ نسبت پختہ اور کامل نہین ہے اور انکو ذرا سا بھی اختلاط خلق مضر اور اونکی کیفیات کو کھونے والا ہوتا ہے بخلاف چشتیون کے کہ انکے یہان خواہ کتنا ہی اختلاط خلق ہو مگر انکی توجہ مین ذرا بھی کمی نہین آتی یہ ساری بات قوت کی ہے۔ اور اگر عزلت ہی محبوب اور کمال کی بات ہوتی تو ضرور تھا کہ انبیاء علیہم السلام کو بھی حاصل ہوتی حالانکہ وہ حضرات اسقدر مخلوق سے ملتے جلتے تھے کہ جو ظاہر و باہر ہے۔ ہان یہ بھی نہین کہہ سکتے کہ عزلت اور خلوت مفید ہے ہی نہین بلکہ ہر شے کے مراتب ہوتے ہین اور وہ شے اپنے مرتبے ہی پر خوب اور پسندیدہ معلوم ہوتی ہے پس اسی طرح خلوت اور عزلت کا انکار نہین کیا جاتا۔ کہ بالکل کسی درجہ مین مفید ہے ہی نہین۔ بلکہ خود حضرات انبیاء علیہم السلام کے لیے۔ ایک عرصہ تک خلوت ہی تجویز کیگئی اور چشتی بھی خلوت کی تعلیم کرتے ہین مگر الضرورۃ یتقدر بقدر الضرورۃ کے مرتبہ کو ملحوظ رکھتے ہین اور خلوت کی اسی وقت تک ضرورت ہوتی ہے جب تک کہ صفائی قلب اور نسبت مع اللہ پختہ نہو جائے اور جب یہ پختہ ہو جاتی ہے اور اسکی ضرورت نہین رہتی تو اسکو جلوت ہی کی تعلیم کرتے ہین جیسے کہ مثلاً حکیم جب مسہل پلاتا ہے تو کہہ دیتا ہے کہ دیکھو کسی سے بات مت کرنا ور نہ دست بند ہو جاوینگے اوسکو یہ کہکر سب سے الگ ایک جگہ بٹھا دیتا ہے۔ یہان تک کہ اوسکا مادہ فاسد نکل جاتا ہے اور یہ شخص تندرست ہو جاتا ہے تب وہ اُس سے کہہ دیتا ہے کہ اب ملو جلو پھرو جو چاہو کرو۔ اسلیے کہ جسکے لیے تمکو محبوس کیا گیا تھا اور خلوت کو تجویز کیا گیا تھا وہ غرض حاصل ہو گئی لہذا اب تمکو خلوت کی ضرورت نہین ہے اسی طرح شیوخ کاملین بھی خلوت کو اسی وقت تجویز کرتے ہین جبکہ خصائل رذیلہ کے نکالنے کی ضرورت ہو اور جب وہ نکل گئے پھر اسکی ضرورت نہین رہتی۔ اور ساری عمر کا قر نطینہ نہین کر دیتے حضرت حاجی امداد اللہ صاحب قدس اللہ اسرارہم کے یہان بھی یہی تعلیم تھی اور حضرت تو اکثر اوقات جلوت ہی مین رہتے تھے بلکہ تمام شیوخ کاملین چشتیہ جلوت ہی مین رہتے ہین۔ اور خلوت کو بقدر ضرورت اختیار کرتے ہین اسی طرح تصور شیخ کہ ہمارے حضرت قدس اللہ اسرارہم فرمایا کرتے تھے کہ تصور شیخ کی اوس شخص کے لیے ضرورت ہوتی ہے کہ جسکو وساوس اور خیالات فاسدہ نے پریشان کر رکھا ہو۔ اور اسکو توجہ بحق سے مانع ہو تو اسوقت صرف اسقدر توجہ کرے اوسکو جو کبھی دیکھا ہے تو اوسکی کسی ہیئت اور حالت کا تصور کرے کہ ہمارا شیخ فلان جگہ فلان حالت مین بیٹھا تھا (مثلاً) تو چونکہ شیخ محبوب تو ہوتا ہی ہے اسلیے اس مراقبہ سے اور دوسرے وساوس اور خیالات منقطع ہو جاوینگے اور جب وہ سب منقطع ہو جاوین تو اب اوسکی طرف سے بھی توجہ کو ہٹا دے اور پھر حضرت حق ہی کی طرف متوجہ ہو جاوے اسلیے کہ جب تک ضرورت رہی رکھا گیا جب ضرورت ختم ہو گئی تو اب پھر اصل مقصود اور مطلوب کی طرف توجہ ضروری ہے۔ علی ہذا حضرت قدس اللہ اسرارہم کے یہان لطائف کی بھی تعلیم نہ تھی بلکہ چشتیون کے یہان ہوتی ہی نہین اسلیے کہ لطائف مین یہ ہوتا ہے کہ اول ایک لطیفہ کی خوب مشق کی گئی اور اچھی طرح اوسکو جما لیا گیا اوسکے بعد دوسرے کی مشق کی گئی اب یہ پہلے صاحب مضمحل اور کمزور ہو گئے غیر دوسرے کی مشق کی جب شیخ نے احوال سنکر شہادت دیدی تو اسوقت اس پہلے کو ملا کر دونون کیطرف توجہ شروع کی اور یہ قاعدہ لازم عادی ہے کہ النفس لا تتوجہ الی شیئین فی

ان واحد لہذا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ایک کو حاضر کیا دوسرا نکل گیا۔ ادسے گھیر کر لائے پہلا نکل گیا غرضکہ ایک مصیبت اور آفت ہوتی ہے اسیطرح وہ چھکے چھپوسے کیے جاتے ہیں اور اصل مطلوب اور مقصود سے علحدگی ہوتی ہے اسی لیے حضرت ان لطائف کو حجب نورانیہ فرماتے تھے۔ اور فرماتے تھے کہ حجب نورانی اشد ہیں حجب ظلمانی سے اسلیے کہ حجب ظلمانی مین انسان اپنے کو محجوب تو سمجھتا ہے اور ان مین پھنسکر تو وہ واصل اور عارف خیال کرتا ہے حالانکہ مقصود سے کہین دور پڑا ہوا ہے اور بعض لوگونکی عمر اسی طرح ختم ہو گئی۔ اور اصل مقصود سے محروم رہ گئے ہین اسلیے حضرات چشتیون کے یہان یہ غیر مقصود امور نہین ہین لیکن انکا انکار بھی نہین کرتے بلکہ انمین منہمک نہین ہوتے۔ بلکہ بس بقدر ضرورت اسکی بھی تعلیم کرتے ہین جیسا کہ اوپر تصور شیخ مین اور خلوت مین بیان کیا گیا ہے۔ اب توجہ کو بھی سنلو کہ حضرات چشتیہ اسکے بھی قائل ہین مگر وہی کہ اسکے مرتبہ پر رکھکر بقدر ضرورت اسکے بھی قائل ہو گئے ہین مثلاً یہ کہ اگر کوئی شیخ کسیکو کوئی ذکر تعلیم کرے اور اس سے کوئی نفع ظاہری نہو اور کوئی اثر مرتب نہو تو وہ دوسرا ذکر تعلیم کرتا ہے اسیطرح جب دیکھتا ہے کہ اسکو کسی ذکر وغیرہ سے اثر نہین ہوتا تو اسوقت اسکو اگر معلوم ہوتا ہے کہ اس عدم تاثیر کی وجہ ضعف استعداد ہے تو اسوقت شیخ مرید کو پاس بٹھاکر اپنا قلب اس طرف متوجہ کرتا ہے اور اسمین القاء نسبت کرتا ہے تو عادت اللہ یون جاری ہے کہ جب وہ متوجہ ہوتا ہے تو مرید مین استعداد پیدا ہو جاتی ہے بس جب اسمین استعداد پیدا ہو گئی اب پھر توجہ نہین دیتے بلکہ پھر وہی ذکر و شغل مین لگا دیتے ہین اور اس سے تاثر ظاہری بھی ہونے لگتا ہے اگرچہ وہ مقصود نہین ہے مگر خیر اگر شیخ کسیکے لیے مناسب سمجھتا ہے تو ایسا ہی کرتا ہی یہ سب موقوف شیخ کی راے پر ہین وہ جیسے چاہے کرے یہ سب ادویات ہین جسکو جو دوا مناسب ہو پلادے مرید کو چاہیے کہ وہ کسی خاص امر کی خواہش نکرے اسلیے کہ اگر وہ مناسب سمجھے گا اور اسکو معلوم ہوگا کہ فلان شے اسکو نافع ہے تو چونکہ یہ حضرات مخلوق پر شفیق ہوتے ہین اسلیے ضرور ہے کہ خود ہی اس شے کو تجویز فرمادینگے جو اسکے مناسب ہوگی۔ ورنہ اگر کوئی اثر ظاہری مرتب نہ بھی ہوا تو کیا حق تعالیٰ کا نام لینا کوئی چھوٹی بات ہے۔ اور اسکا ثواب کیا کم ہے۔ ایک نقشبندی بزرگ نے ایک چشتی سالک سے دریافت کیا کہ کچھ کرتے ہو انھون نے عرض کیا کہ جی ہان کرتا ہون پوچھا کہ کچھ معلوم بھی ہوتا ہی انہون نے کہا کہ حضرت کچھ بھی نہین فرمانے لگے کہ خیر ثواب لیے جاؤ اور مقصود تو مت وہی افسوس ہے کہ ثواب جسکے لیے انبیا مبعوث ہوے اور قرآن اترا وہ اسقدر ہلکی شے ہو گئی کہ اسکو اسطرح تعبیر کیا گیا یہ اسی وجہ سے کہ ان حضرات کے یہان تو جبتک تصرفات اور کرامات نہون وہ کامل ہی نہین ہوتا۔ حالانکہ یہ چیزین مقصود سے بالکل الگ ہین ہان بعض حضرات ماذون من اللہ ہوتے ہین کہ وہ تصرفات کرنے مین اس طرف ہی سے ماذون ہوتے ہین جیسے کہ حضرت غوث پاک عظم رحمہ اللہ کہ انکے بہت سے تصرفات مشہور ہین اور لکھا ہے کہ وہ ماذون تھے تو جو اس طرف سے ماذون ہوتے ہین وہ بھی خود اپنی طرف سے تصرف نہین کرتے بلکہ وہ بھی اسی طرف سے ہوتا ہے۔ اور یہ بھی غلبۂ فنا ہی سے حاصل ہوتا ہے اسلیے کہ فنا اسی کا نام نہین ہے کہ کچھ کرے ہی نہین بلکہ فنا کہتے ہین اپنے تصرفات اور ہستی کو دوسرے کے سامنے کالعدم سمجھنا اور اپنے کو دوسرے کے سپرد اور تفویض کر دینا تو اب ان حضرات نے اپنے کو حق سبحانہ تعالےٰ کے سپرد کر دیا تو اس طرف سے جو بھی حکم ہوتا ہے اوسپر عمل کرتے ہین ؛ گر

علم ہے کہ تصرف کرو تو اونکے لیے تصرف کرنا ہی تفویض اور فنا ہے اور اگر روک لیا گیا تو الگ رہنا اور رکنا فنا اور تفویض ہے۔ لہذا معلوم ہوا کہ جو کاملین ہوتے ہیں وہ اس قسم کے تصرفات وغیرہ سے الگ اور متنفر ہوتے ہیں اگرچہ اونکو جائز کہتے ہیں ہاں اگر کسی درجہ میں توجہ کرتے ہیں تو تصرف قلب کیطرف بطور اسکے آئینے کے ہوتی ہے اسلیے کہ حدیث میں ہے۔ ان فی جسد ابن آدم مضغۃ ان صلحت صلح الجسد کلہ و ان فسدت فسد الجسد کلہ الا وہی القلب۔ لہذا وہ قلب کیطرف تھوڑی سی توجہ کرکے اسکو متوجہ بحق کردیتے ہیں اوسکے بعد پھر جب وہ متوجہ ہوجاتا ہے تو اب پھر اوسکو لیکر حضرت حق کی طرف توجہ کرتے ہیں اوسکی ایسی مثال ہے کہ جیسے کاتب کہ اولا اوسکو توجہ قلم کی طرف ہوتی ہے مگر جب وہ کتابت میں مشغول ہوجاتا ہے تو پھر اوس طرف سے بھی توجہ ہٹ جاتی ہے۔ اور ہمہ تن وہ شغل کتابت میں لگ جاتا ہے۔ اسی لیے مولانا فرماتے ہیں کہ چونکہ ہم انکے عشق میں فنا ہوچکے ہیں لہذا ہم کوئی تصرف نہیں کرسکتے آگے فرماتے ہیں کہ۔

ہان ضیاء الحق الخ یعنے ہاں اے ضیاء الحق حسام الدین تم جلدی سے اس (نابینائے حقیقت) کی دوا کردو۔ (اگرچہ) حاسد کی آنکھ اندھی ہوجاوے چونکہ اوپر بتایا گیا ہے کہ کاملین تو تصرفات کرتے نہیں ہیں اور اسکے موانع مختلف ہوتے ہیں لیکن جو لوگ متوسط الحال ہوتے ہیں وہ تصرفات کرتے ہیں اور مولانا ضیاء الحق حسام الدین چونکہ مولانا کے خلیفہ ہیں اسلیے مولانا سے کم درجہ کے ہیں لہذا مولانا فرماتے ہیں کہ میں تو تصرفات کرتا نہیں ہوں اسلیے کہ میری حالت کے لائق نہیں ہے ہاں تم تصرف کرو اور ان اندھوں کو بینا کردو اور یا یوں کہا جاوے کہ چونکہ بعض مرتبہ بعض بزرگ کامل ہوتے ہیں مگر تصرفات میں حق کی جانب سے ماذون ہوتے ہیں اسلیے وہ تصرفات کرتے ہیں پس ممکن ہے کہ مولانا ضیاء الحق حسام الدین اصل میں مولانا کے برابر یا انسے بھی زیادہ ہوں مگر یہ تصرفات میں ماذون ہوں اور مولانا روم ماذون نہوں اسلیے فرماتے ہیں کہ ہم تو تصرف نہیں کرسکتے مگر چونکہ تم ماذون ہو۔ لہذا تم تصرف کردو اور ان اندھوں کو آنکھوں والے کردو۔ اگرچہ حاسد جلیں مریں مگر تم انکی دوا کرہی دو۔ اور فرماتے ہیں کہ۔

تو تیائے الخ یعنے سرمۂ عظمت (وجلال حق تعالیٰ) کا (جوکہ) تیز فعل اثر والا ہو اور دوا (جوکہ) ظلمت کو دفع کرنے والی ہو اور زود اثر ہو۔ وہ ان اندھوں کو عنایت کردیجیے تاکہ انکی آنکھیں جلدی ہی کھل جاویں مطلب یہ کہ ایسی توجہ کرو کہ بس ایک دم سے کام بنجاوے۔

آنکہ گر بر چشم الخ یعنے وہ (سرمہ عنایت کیجیے) کہ اگر مادرزاد اندھے کی آنکھ میں بھی لگادیا جاوے تو وہ اس کی نابینائی کو دور کردے اور انسان کو بینا کردے۔ یعنے ایسا تصرف کرو کہ انکی یہ نابینائی جاتی رہے اور حقیقت منکشف ہوجاوے۔

جملہ کوران را الخ۔ یعنے اے چاند سب اندھوں کی دوا کردو۔ اے میوہ والی شاخ پھل جھاڑدو مطلب یہ کہ فیوض و برکات فائض فرمایئے۔

جملہ کوران الخ یعنے تمام اندھوں کی دوا کردو سوا حاسد کے کہ حسد کیوجہ سے وہ تم پر انکار کرتا ہی مطلب یہ کہ چونکہ حاسد کیطرف توجہ کرنا اور فیض پہونچانا فضول ہے کہ اسکے حسد کیوجہ سے اوسکو کوئی فائدہ نہوگا

تو پھر تم خود ہی فیض سے مست ہو بچاؤ اولیاء اللہ سے بغض اور حسد رکھنا بہت بڑی بات ہے اللھم احفظنا۔
مر حسودت الخ یعنی اپنے حاسد کو اگر چہ وہ (بالفرض) میں ہی ہوں فیض مت دے تاکہ اسیطرح جان کندنی گرفتار رہوں چونکہ اوپر بالفرض اپنے کو حاسد کہا ہے اسلیئے اگلا مصرع بھی اسی پر متفرع فرما دیا۔
آنکہ او با خدا الخ یعنی جو کہ آفتاب کا حاسد ہو گا تو وہ تو وجود آفتاب ہی سے اندھا ہو جاویگا کیفض حاصل کرنا تو درکنار وہ اسکے وجود ہی کو نہ دیکھ سکے گا (خدا بچاوے) آفتاب سے اولیاء اللہ کا مراد ہونا ظاہر ہے۔
اینت درد الخ یعنی افسوس عجیب درد بے دوا ہے جو اوس (حاسد) کو ہے۔ تعجب ہے کہ وہ پڑا ہوا ہے ہمیشہ کنوین کے گڑھے مین۔
نفی خورشید الخ یعنی خورشید ازلی (اولیاء اللہ یا انبیاء علیہم السلام) کی نفی اوسکی خواہش ہے تو اوسکی یہ مراد بھلا بتاؤ تو کسطرح پوری ہو سکتی ہے مطلب یہ کہ اوس حاسد کمبخت کی تو یہ خواہش ہے کہ یہ حضرات دنیا مین رہین ہی نہین تو پھر بتاؤ کہ اوسکی یہ خواہش پوری ہو سکتی ہے ہرگز نہین۔ اور حاسد سے مراد یہان منکر محض ہے اسلیئے کہ اگر کسیکو انکار نہو بلکہ صرف بد اعتقادی ہو تو یاد رکھو کہ اوسکی اصلاح بہت ممکن ہے۔ یہ تو کمبخت جو منکر ہوتا ہے اوسکی اصلاح ممکن ہی نہین ہوتی۔ اور اسکو جو فیض پہونچانا چاہتے ہین وہ رک جاتا ہے اور اسکا وہ انکار و حسد سامنے دیوار کیطرح آکر مانع ہو جاتا ہے۔ خدا بچاوے اللہ محفوظ رکھے آگے فرماتے ہین کہ۔
باز آن باشد الخ یعنی باز تو وہ ہوتا ہی جو کہ پھر بادشاہ کے پاس واپس آجاوے اور وہ تو اندھا باز ہے کہ جس نے راہ کو بالکل ہی گم کر دیا۔ مطلب یہ کہ طالب تو وہ ہے کہ اگر کسی وجہ سے اوسکو کوئی بد اعتقادی بھی لاحق ہو گئی تو پھر بھی انکار نہ کرے بلکہ ہر وقت اسی طلب مین رہے کہ اب مجکو راستہ ملے اور مین واپس لوٹ جاؤں اگر وہ اسکی طلب مین رہیگا اور اس سے منکر نہو گا تب تو وہ پھر فیض حاصل کر سکتا ہے اور واپس آسکتا ہے اور اگر نہین خدا نکردہ منکر ہو گیا تو پھر واپس آنا محال ہے۔ آگے ایک حکایت بیان فرماتے ہین کہ کسطرح ایک باز شاہی چغدون مین جا پھنسا تھا مگر وہ ہر وقت اسی خواہش مین رہا کہ پھر بادشاہ کے پاس لوٹ جاؤں تو آخر پھر واپس آہی گیا اور اگر وہ بھی انکار مین رہتا تو پھر بتاؤ کہ کسطرح واپس آسکتا تھا فرماتے ہین کہ۔

شرح حبیبی

گرفتار شدن باز میان چغدان بویرانہ

باز در ویران بر چغدان فتادہ	راہ را گم کرد در ویران فتاد
او ہمہ نور است از نور رضا	لیک کورش کرد سرہنگ قضا
خاک در چشمش زد و از راہ برد	در میان چغد و ویرانش سپرد
بر سرے چغدانش بر سر مے زنند	پر و بال نازنینش مے کنند

ولوله افتاد در جغدان که ها ‌ ‌ ‌ باز آمد تا بگیرد جاے ما

چون سگان کوے پرخشم و مہیب ‌ ‌ ‌ اندر افتادند در دلق غریب

باز گوید من نہ در خوردم بجغد ‌ ‌ ‌ صد چنین ویران رہا کردم بجغد

من نخواہم بود اینجا مے روم ‌ ‌ ‌ سوے شاہنشاہ راجع مے شوم

خویشتن مکشید اے جغدان کہ من ‌ ‌ ‌ نے مقیمم من روم سوے وطن

این خراب آباد در چشم شماست ‌ ‌ ‌ ور نہ مارا باز وے شہ باز جاست

جغد گفتا باز حیلت مے کند ‌ ‌ ‌ تا ز خان و مان شمارا برکند

خانہاے ما بگیرد او بمکر ‌ ‌ ‌ برکند مارا بہ سالوسی ز وکر

مے نماند سیرے این حیلت پرست ‌ ‌ ‌ واللہ از جملہ حریصان بترست

او خورد از حرص طین را ہمچو دبس ‌ ‌ ‌ دنبہ مسپارید اے یاران بخرس

لاف از شہ میزند در دست شاہ ‌ ‌ ‌ تا برد او ما سلیمان را ز راہ

خود چہ جنس شاہ باشد مرغکے ‌ ‌ ‌ مشنوش گر عقل داری اندکے

جنس شاہ است او و یا جنس وزیر ‌ ‌ ‌ ہیچ باشد لایق لوزینہ سیر

آنچہ میگوید ز مکر و فعل و فن ‌ ‌ ‌ ہست سلطان با حشم جویاے من

اینت مالیخولیاے ناپذیر ‌ ‌ ‌ اینت لاف خام و دام گول گیر

ہر کہ او باور کند زابلہ است ‌ ‌ ‌ مرغک لاغر چہ در خورد شہ است

کمترین جغد ار زند بر مغز او ‌ ‌ ‌ مرورا یارے گرے از شاہ کو

گفت باز ار یک پر من بشکنید ‌ ‌ ‌ باز غم برگ سگلے بر من زنید

بیخ جغدستان شہنشہ برکند ‌ ‌ ‌ خانہاتان جملگی بر سر زند

جغد چہ خود بود اگر بازی مرا ‌ ‌ ‌ دل برنجاند کند با من جفا

شہ کند تو دہ بہر شیب و فراز ‌ ‌ ‌ سر ہزاران خرمن از سرہاے باز

پاسبان من عنایات ویست ‌ ‌ ‌ ہر کجا کہ من روم شہ در پے است

در دل سلطان خیال من مقیم ‌ ‌ ‌ بے خیال من دل سلطان سقیم

ایک باز رستہ بھول گیا۔ اور ایک ویرانہ مین پہونچکر الوؤن مین پھنس گیا اسکی وجہ یہ نہ تھی کہ وہ بادشاہ سے ناخوش ہوا و بغیر بے وفاداری سے اسنے ایسا کیا ہو بلکہ وہ نور رضائے آنحضرتا با منورا در ہمہ تن بادشاہ کا مطیع تھا لیکن تقدیر الٰہی نے اسے اندھا کردیا اور اسکی آنکھون مین خاک ڈالکر راستہ سے بھٹکا دیا اور اس طرح اسکو ویرانہ اور الوؤن کے حوالہ کردیا یعنے عارف کامل بہ تقدیر الٰہی بوجہ مصلحت کے دنیا مین آپڑا۔ اول تو یہی مصیبت کیا کم تھی کہ صورۃً اپنے مالک سے چھوٹا گھر سے بے گھر ہوا نااہلون مین پھنسا یعنے عالم غیب سے دنیا مین آن کر دنیادارون مین پھنسا۔ اوسپر طرہ یہ ہوا کہ الو (دنیادار) اسکے سر پر چونچین مارنے لگے یعنے اسے طرح طرح سے ستانے لگے اور اوسکے نفیس پر و بازو اوکھیڑنے لگے اور الوؤن مین غل مچ گیا کہ باز ہمارا گھر چھیننے آیا ہے یعنے اسکو ریاست و سلطنت مال و جاہ مقصود ہے۔ اس خیال کے باعث سب الو غضبناک اور خوفناک لوگون کی طرح اس بیچارہ کو لپٹ گئے۔ یہ دیکھ کر باز نے کہا کہ مجھے الوؤن سے کیا مناسبت کہ ویرانہ پر قبضہ کرونگا یہ تو ایک ویرانہ ہے ایسے سو بھی ہون تو بھی مینے الوون ہی کو دیئے۔ مین یہان رہنے والا نہین ہون۔ تقدیر سے آپھنسا ہون خدا نے چاہا تو مین بہت جلد اپنے بادشاہ کے پاس لوٹ جاؤنگا۔ تم اس فکر مین اپنے کو ہلاک نکرو مین تم کو اطمینان دلاتا ہون۔ کہ مین یہان رہنے نہین آیا۔ بلکہ انشاء اللہ تعالےٰ بہت جلد اپنے (گھر مقعد صدق مین) چلا جاؤنگا یہ ویرانہ (دنیا) کچھ تمھاری ہی نظر مین آباد ہوگا۔ ورنہ مجھے تو اس سے وحشت ہوتی ہے مین تو پھر بادشاہ کی کلائی پر جا کر بیٹھونگا۔ اور فی مقعد صدق عند ملیک مقتدر کا مصداق بنونگا۔ کسی چالاک الو نے کہا کہ الو دا اس نفتگو سے دہوکھا نہ کھانا۔ یہ اسکی چال ہے تاکہ تم کو غافل کرکے تمھارے گھربار سے نکال پھینکے اور ہم کو فریب سے ہمارے گھونسلون سے نکالکر دھوکے سے خود ہمارے مکانات پر قابض ہوجاوے یہ چالباز استغناء تو ظاہر کرتا ہے مگر واللہ تمام حریصون سے بڑھکر ہے اوسکی حرص کی نوبت یہانتک تو پہونچی ہوئی ہے کہ مٹی کو شیرۂ انگور کی طرح کھاتا ہے۔ اسپر کہتا ہے کہ مجھے ویرانہ کی ضرورت نہین بھائیو دیکھو دنیہ کو ریچھ کے سپرد نہ کردینا۔ اور اپنے مکانات سے اسکے اطمینان پر غافل نہونا یہ بادشاہ کے پاس جانے اور اسکے بازو پر بیٹھنے کی شیخی اسلیے مارتا ہے کہ ہم بھولے بھالون کو راہ راست سے بھٹکا دے ہم تو سمجھین کہ جب یہ بادشاہ کا مقرب ہے تو اسکو ویرانہ کی کیا پرواہ اور اسلیے غافل ہوجائین اور یہ قبضہ کرلے۔ سمجھو تو سہی کہ اس معمولی پرندے کو بادشاہ سے کیا نسبت۔ اگر تمھین ذراسی بھی عقل ہے تو اوسکی بات کو بگوش قبول ہرگز نہ سننا بھلا اسکو بادشاہ سے کیا نسبت ہے خیر بادشاہ تو بڑی چیز ہے وزیر سے بھی تو اسکو نسبت نہین اور ہو کیسے سکتی ہے کیونکہ بادشاہ اور وزیر بمنزلہ حلواے بادام کے ہین اور یہ بمنزلہ لہسن کے۔ بھلا حلواے بادام سے لہسن کو کیا نسبت یہ جو فریب اور ہوشیاری و چالاکی سے کہتا ہے۔ کہ بادشاہ میرا طلبگار ہے مالیخولیاے نامقبول بیہودہ شیخی اور احمقون کے پھنسانے کا جال ہے جو اسے باور کرے احمق ہے بھلا ایک حقیر اور دبلے پتلے جانور مین تقرب سلطانی کی کیا قابلیت ہے اگر کوئی معمولی سے معمولی الو اسکے سر پر کوئی چونچ ماردے تو بھلا کسکی عقل مین آتا ہے۔ کہ بادشاہ کی طرف سے کوئی مددگار اوسکی حمایت کو آئے گا۔ توبہ توبہ باز نے کہا کہ تم تو سر مارنے کو کہتے ہو سر تو بڑی چیز ہے اگر تم میرا ایک پر بھی توڑ دو اور پر توڑنا تو درکنار اگر تم غصہ سے پھول کی ایک پنکھڑی

میرے مار دو تو شہنشاہ ساری چغدستان کی جڑ اوکھیڑ دے اور تم سبکے گھر اجاڑ دے الوٗ تو حقیقت کیا ہے اگر کوئی باز بھی مجھے دکھ دے یا مجھپر زیادتی کرے تو شہنشاہ میری خاطر بلندی و پستی مین بازون کے سرون کے لاکھون ڈھیر لگا دے کس کی مجال ہے کہ مجھے آنکھ بھر کے دیکھے کیونکہ اوسکی عنایتین میری محافظ ہین اور جہان مین جاؤن بادشاہ میرے پیچھے ہوتا ہے۔ بادشاہ کے دل مین میرا خیال جاگزین ہے اور بدون میرے خیال کے بادشاہ کا دل ملول رہتا ہے ف یاد رکھو کہ حق سبحانہ ملال و دیگر صفات نقص سے پاک ہین اور مقصود صرف اتنا ہے کہ حق سبحانہ کی مجھپر بہت نوازش ہے اور انکو مجھ سے بہت تعلق ہے اور یہ عنوان لفظ باز اور بادشاہ کی بنا پر اختیار کیا گیا ہے کہ ان سے باز اور بادشاہ متعارف متبادر ہین اور یہ صفات بادشاہ متعارف کے مناسب ہین خوب سمجھ لو

چون بہ پر اندر آمد در روش	یابم اندر اوج جان خویش ورش
ہمچو ماہ و آفتابے بے پرم	پردہاے آسمانہا مے درم
روشنی عقلہا از فکرتم	انفطار آسمان از فطرتم
بازم و حیران شود در من ہما	چغد کہ بود تا بداند سر ما
شہ برائے ما ز زندان یاد کرد	صد ہزاران بستہ را آزاد کرد
یک دمم با چغدہا دمساز کرد	از دم من چغدہا را باز کرد
اے خنک چغدے کہ در پرواز من	فہم کرد از نیکبختی راز من
در من آویزید تا نازان شوید	گرچہ چغدانید شہبازان شوید
آنکہ باشد با چنان شاہے حبیب	ہر کجا افتد کجا باشد غریب
ہر کہ باشد شاہ دردش را دوا	گر چو نے نالد نباشد بے نوا
مالک الملکم نیم من طبل خوار	طبل بازم مے زند شہ در کنار
طبل باز من ندائے ارجعی	حق گواہ من برغم مدعی

ہم اوپر بتا چکے ہین کہ باز سے مراد عارف ہے اور بادشاہ سے حق سبحانہ اور چغدان سے محجوبین لہذا ہم باز کی شرح مین عارف کہین گے اور شاہ کی شرح مین حق سبحانہ اور چغدان کی شرح مین محجوبین اور زندان سے شہود دنیویہ مراد ہین۔ جبکہ حق سبحانہ مجکو عروج روحانی عطا فرماتے ہین تو مجھے روح کی ترقی و عروج مین عمدہ پرورش حاصل ہوتی ہے اور اس سے میری خوب تربیت ہوتی ہے مین اسی طرح عروج روحانی حاصل کرتا ہون جسطرح آفتاب اور ماہتاب کو عروج حسی حاصل ہوتا ہے بلکہ آسمانون سے بالاتر عروج کرتا ہون بلکہ میرے عروج کے سامنے رفعت آسمانی کی کوئی حقیقت نہین ہے مین حق سبحانہ کے نزدیک اسقدر محبوب ہون کہ عقل کیطرح مستور فرشتون کو نورانیت میرے ہی سبب سے حاصل ہوئی ہے اور ظہور آسمان یا اسکا قیامت مین پھٹنا یا اسکے دروازہ کھلنا یا اوس سے بارش وغیرہ ہونا میری ہی خلقت کے سبب ہے کیونکہ تخلیق عالم کا سبب انسان ہے اور انسانون مین سے خاصان الٰہی مقصود ہین اور مین خواص سے ہون اسی لیے مین سبب ہون مین انسان ہون مگر فرشتے جو ہما کی طرح مستور اور کمیاب ہین میری عظمت

مین حیران ہین پھر محبوب کی کیا حقیقت ہے کہ ہمارا بھید جان سکے ہماری ہی خاطر سے حق سبحانہ نے دنیا کی طرف نظر رحمت فرمائی اور بہت سے پابند ہوا و ہوس لوگون کو نجات دیکر مقرب بنالیا کچھ دیر کے لیے محجوبین کے ساتھ بیر اارتباط کیا یعنے حکم دیا کہ انکو ہدایت کرو اور مینے اسلیے انسے تعلق رکھا پس تعلیم و تلقین سے محجوبین کو مقرب بنالیا اے وہ محجوب بڑا خوش قسمت ہے جو اپنی سعادت سے بڑا راز سمجھ گیا۔ پس اے محجوبین تم بھی سمجھو اور مجھ سے تعلق پیدا کرو تم بھی باز ہوجاؤ گے گو اسوقت محجوب ہو۔ مگر عارف کامل ہوجاؤ گے۔ مین اسوقت گو حق سبحانہ سے دور ہون باینمعنے کہ دنیا مین ہون مگر حقیقت مین دور نہین ہون کیونکہ حق سبحانہ مجھ سے تعلق رکھتے ہین پس مین کسی حالت مین بھی اوس سے دور نہین ہون جیسکے درد کی دوا حق سبحانہ ہون وہ اگرچہ نے کیطرح نالہ وزاری کرے مگر وہ بے نوا اور بے ساز و سامان نہین پس اگر مین کسی سبب سے روؤن تو مجھے بے نوانہ سمجھو تم جو مجھے حریص اور طالب دنیا کہتے ہو یہ تمھاری غلطی ہے مین بادشاہ ہون ہر گز حریص نہین بادشاہ میری اسقدر قدر کرتے ہین کہ جب کسی لغزش کے سبب حق سبحانہ سے دور ہوتا ہون تو میری دستگیری فرماتے ہین اور مجھے بلاتے ہین جسطرح ظاہری بادشاہ باز متعارف کو اوس باجے کے ذریعے سے بلایا کرتے ہین جسکو طبل باز کہتے ہین اور وہ بلانا یون ہوتا ہے کہ فرماتے ہین یا ایتہا النفس المطمئنۃ ارجعی الی ربک راضیۃ مرضیۃ۔ گو تم کو ناپسند ہو مگر میری ان باتون کا خدا شاہد ہے مین ہر گز جھوٹ نہین بولتا۔

من نیم جنس شہنشہ دور ازو	لیک دارم در تجلی نور ازو
نیست جنسیت زروے شکل و ذات	آب جنس خاک آمد در نبات
باد جنس آتش آمد در قوام	طبع را جنس آمدست آخر مدام
جنس ما چون نیست جنس شاہ ما	مائے ما شد بہر مائے او فنا
چون فنا شد مائے ما او ماند فرد	پیش پائے اسپ او گردم چو گرد
خاک شد جان و نشانیہائے او	ہست بر خاکش نشان پائے او
خاک پایش شو ز بہر این نشان	تا شوی تاج سر گردن کشان
تا کہ نفریبد شمارا شکل من	نقل و مے نوشید پیش از نقل من

اور یہ جو تم کہتے ہو کہ بادشاہ سے اسکو کیا مجانست سو اسکا جواب یہ ہے کہ فی الواقع مین اسکا ہم جنس نہین سبحانہ عن مجانسۃ المخلوقین مگر اوسنے جو مجھپر تجلی فرمائی اسمین اسکا نور مجھے ملگیا ہے اس سبب سے مناسبت پیدا ہو گئی ہے اور مجانست کچھ شکل و ذات مین ہی منحصر نہین دیکھو نبات کے اندر پانی اور خاک مین مجانست ہے کہ ہر دو اسکا جزا اور اوسکی غذا ہین حالانکہ مجانست ذاتی یا صوری نہین ہوا اور آگ مین تقوم مین مجانست ہے کہ آگ کا تقوم ہوا سے ہے۔ ہوا نہو تو آگ فوراً بجھ جاوے۔ حالانکہ ذات و شکل مین مجانست نہین طبیعت اور شراب مین مجانست ہے کہ اوس سے طبیعت کو قوت و سرور حاصل ہوتے ہین حالانکہ ذاتاً و شکلاً مجانست نہین جب یہ معلوم ہو گیا کہ مجانست شکل و صورت و حقیقت و ماہیت مین منحصر نہین تو پھر مجھ مین اور حق سبحانہ مین مجانست کی نفی کیونکر کیجا سکتی ہے نیز ہمنے اسکی ہستی کے آگے اپنی ہستی کو فنا کر دیا اور جب

ہماری ہستی فنا ہو گئی تو وہ متفرد ہو گیا اور ہم اوسکے سمند ناز کے سامنے گرد ہو گئے۔ ہماری جان بھی خاک ہو گئی۔ اوسکے آثار بھی خاک ہو گئے۔ اور اس خاک پر اوسکا نقش پا بنگیا یعنے ہم متخلق باخلاق اللہ ہو گئے پس ایسا کرنے سے ہمکو اُسکے ساتھ اتحاد اصطلاحی کامل طور پر حاصل ہو گیا اور تغائر ہی نہ رہا مجانست لیسی اب مولانا بطور جملہ معترضہ کے فرماتے ہین کہ اے یہ نقش پا یعنے تخلق باخلاق اللہ بڑی دولت ہے تو اسکے حاصل کرنے کے لیے اپنے کو فنا کر اگر ایسا کریگا تو تجھے شرف عظیم حاصل ہوگا اور تو بڑے بڑے گردن کشون کے سر کا تاج ہوگا یعنے تجھے انپر تفوق ہوگا اور وہ تیرے سامنے گردن جھکائین گے یہ فرما کر مضمون سابق کیطرف عود فرماتے ہین اور فرماتے ہین۔ عارف کہتا ہے کہ اے محجوبین تم میری شکل وصورت کو دیکھکر دھوکے مین نہ آؤ اور یہ نہ سمجھو کہ اسکو حق سبحانہ سے کیا مناسبت ان ہذا الا بشر مثلنا بلکہ قبل اسکے کہ مین تم سے جدا ہون (خواہ بذریعہ موت یا اور کسی طریق سے) مجھ سے نقل وشراب محبت آلہی پی لو نہین تو پچھتاؤ گے۔

اے بسا کس را کہ صورت راہ زد	قصد صورت کرد و بر اللہ زد
آخر این جان با بدن پیوستہ ست	ہیچ این جان با بدن مانستہ ست
تاب نور چشم با پیہ است جفت	نور دل در قطرۂ خونی نہفت
شادی اندر گردہ و غم در جگر	عقل چون شمع درون مغز سر
رائحہ در انف و منطق در لسان	لہو در نفس و شجاعت در جنان
این تعلقہا نہ بی کیف ست و چون	عقلہا در دانش چونی زبون
جان کل با جان جزو آسیب کرد	عقل ازو دُرّے ستد در جیب کرد
ہمچو مریم جان ازان آسیب جیب	حاملہ شد از مسیح دلفریب
آن مسیحے نے کہ بر خشک و تر ست	آن مسیحی کز مساحت برتر ست
پس ز جان جان چو حامل گشت جان	از چنین جانے شود حامل جہان
پس جہان زاید جہان دیگرے	این حشر را وا نماید محشرے
تا قیامت گر بگویم بشمرم	من ز شرح این قیامت قاصرم

یہان سے مولانا کا بیان شروع ہوتا ہے۔ فرماتے ہین کہ اے صورت نے بہت سے لوگون کا راہ مارا ہے اور صورت سے دھوکے مین پڑ کر اہل کمال کے کمال کا انکار کر بیٹھے ہین۔ حضرت یہ نہین سمجھتے کہ آخر جان کو بدن سے جو تعلق ہے، تو ان دونون مین کونسی مجانست ہے۔ نور چشم کو چربی سے تعلق ہے۔ نور دل ایک قطرۂ خون مین پوشیدہ ہے خوشی گردہ مین ہے غم جگر مین ہے عقل شمع کیطرح مغز سر مین روشن ہے۔ بوناک مین ہے۔ گویائی زبان مین ہے لہو ولعب نفس مین ہے شجاعت دل مین ہے ان سب مین کونسی مناسبت ہے۔ کیا یہ تعلقات بے کیف نہین کیا انکی کیفیت کے جاننے سے عقل عاجز نہین۔ جبکہ یہ ہے تو عبد اور معبود کے تعلق کا کیون انکار کیا جاتا ہے اور وہان کیون مجانست کی تلاش ہوتی ہے خیر اجمالاً اتنا سمجھ لو کہ جو سیجان نے جان عبد مین اثر کیا اور عقل نے اس سے دولت عظمیٰ حاصل کر کے اپنے اندر رکھ لی اور مریم کی طرح

روح اوس اثر سے متاثر ہوئی اور مسیح دلفریب سے حاملہ ہوگئی۔ مگر وہ مسیح معروف مراد نہین جو خشک و تر پر ہین بلکہ وہ مسیح مراد ہین جو مساحت سے برتر ہین یعنے معرفت حق سبحانہ نسبت حق جلشانہ و متعلقا تھا پس جب یہ جان جان یعنے نہایت ہی عزیز اور قابل قدر شے جان کے اندر حاصل ہوگئی تو اس جان سے یہ دولت دوسرون کو حاصل ہوگی۔ اور ان سے اورونکو اور اس گروہ سے ایک اور جماعت تیار ہوگی جو ان پہلونکا مظہر ہونیکے باعث قیامت سے مشابہ ہوگی اور یون ہی سلسلہ جاری رہیگا اگر مین قیامت تک بھی ان گروہون کی تفصیل بیان کرتا رہون۔ اور ان لوگون کو گنتا رہون تب بھی مین بیان نہین کر سکتا۔

این سخنہا خود بمعنی یا رب است	حرفہا دام دم شیرین لب است
چون کند تقصیر پس چون تن زند	چونکہ لبیکش ز یا رب مے رسد
ہست لبیکے کہ نتوانی شنید	لیک سر تا پاے بتوانی چشید
یک مثل آور دمت تا پے بری	وز چنین لبیک پنہان برخوری

مین جو خاموش نہین ہوتا تو اسکی وجہ یہ ہے کہ یہ سب حقیقۃً ذکر حق سبحانہ ہے اور یہ باتین حق سبحانہ کی طرف سے جواب لاتی ہین پھر ایسا شخص جسکو حق سبحانہ کی طرف سے لبیک پہنچتی ہو کمی کیونکر کر سکتا ہے اور کیسے خاموش ہو سکتا ہے۔ مگر وہ لبیک کانون سے سنائی نہین دیتی بلکہ روح کو اسکی لذت حاصل ہوتی ہے۔ اگر تیری سمجھ مین یہ بات نہ آئی ہو تو مین تجھے ایک مثال سے سمجھاتا ہون تاکہ تجھے معلوم ہوجائے اور اس لبیک مخفی کے علم سے منتفع ہوسکے۔

شرح شبیری

ایک باز کا کسی ویرانہ مین جغدون مین پھنس جانا

باز در ویران الخ۔ یعنی ایک باز کسی ویرانہ مین جغدون کے پاس جا پڑا راستہ کو بھول کر ویرانہ مین چلا گیا اسی طرح اولیاء اللہ بعض مرتبہ نااہلون اور ناجنسون مین جا پڑتے ہین۔

او ہمہ نورست الخ۔ یعنی وہ ہمہ تن نور تھا نور رضا سے لیکن اوسکو قضا نے اندھا کردیا۔ مطلب یہ کہ اولیاء اللہ جو بعض مرتبہ نااہلون اور ناجنسون کی صحبت مین پہونچ جاتے ہین تو وہ خود تو نور ہی ہوتے ہین مگر اوپر قضا غالب آتی ہے اور بعض مرتبہ اونکو امتحاناً اونمین پھنسا دیتے ہین کہ جسمین بہت سے فائدے ہوجاتے ہین۔

خاک در چشمش الخ۔ یعنی اوس قضا نے اوسکی آنکھ مین خاک ڈالدی اور راہ حق سے الگ لے گئی اور الوون مین اور ویرانہ مین اوسکو ڈالدیا یعنی قضا نے اوسکو راہ حق سے الگ کرکے ان نااہلون مین پھنسا دیا ہے۔ اور یہ اکثر سالکین کو پیش آتا ہے۔

بر سرے جغدانش الخ۔ یعنی (ایک تو وہ الوون مین پھنس گیا تھا یہی اسکے لیے موت تھا) دوسرے طرہ یہ ہوا

کہ الو اوسکے سر پر (چونچین) مارتے تھے اور اوسکے ناز نین پر و بال اکھاڑتے تھے اسیطرح جب اہل اللہ نا اہلون
مین پھنس جاتے ہین تو ایک تو یہی اُنکے لیے مصیبت ہوتی ہے اوسپر پھر طعن و تشنیع کی بھرمار ہوتی ہے۔

قولہ افتاد الخ یعنی الوون مین شور پڑگیا کہ خبردار رہنا باز آیا ہے تاکہ ہماری جگہہ لے لے۔ اہل اللہ کو بھی
عوام یہی کہتے ہین کہ جناب یہ جو بزرگ بنے ہین اور آئے ہین یہ اسلیے آئے ہین کہ ہماری جائداد و دولت و املاک
پر قبضہ کرین اور اولیا ہی کو نہین بلکہ انبیا علیہم السلام کو بھی معاندین نے یہی کہا ہے۔ فرعون موسیٰ علیہ السلام
کی نسبت کہتا ہے کہ یرید ان یخرجکم من ارضکم فماذا تامرون کہ یہ جو نبوت کا دعوے کرتے ہین تو اسلیے تاکہ تمکو نکالکر
خود قبضہ کرین یہ عوام اور اہل اللہ مین ایک عادت مستمرہ ہے کہ یونہی چلی آتی ہے۔

چون سگان الخ یعنی گلی کے کتون کی طرح جو غصہ مین بھرے اور ہیبت ناک ہوتے ہین اوس غریب
کی گدڑی مین پڑگئے یعنے اوسکو ستانا شروع کردیا۔ یہی حالت اہل اللہ کے ساتھ عوام دنیا دارون
کی اور انبیاء کے ساتھ کفار کی ہوتی ہے۔

باز گوید الخ۔ یعنے (یہ سب تو کم رہے تھے) اور باز کہتا ہے کہ مین الو کے کیا لائق ہون اور مین نے ایسے
سیکڑون ویرانے الوون کو بخشدیے ہین۔

من نخواہم الخ۔ یعنے مین یہان رہونگا نہین مین تو جاتا ہون اور بادشاہ کیطرف رجوع کرتا ہون اسیطرح
اہل اللہ اور انبیا کفار اور عوام سے کہتے ہین کہ بھائی ہم رہنے کے لیے تو نہین آئے ہین اور یہ دنیا ہمارا گھر
تو نہین ہے کہ جس سے تم گھبراتے ہو اور ہم کو ستاتے ہو۔ ہمارا گھر تو آخرت ہے اور ہم اوسی طرف اس شاہنشاہ
حقیقی کی طرف واپس ہوجاوینگے۔ تم چین سے یہان رہنا اسلیے کہ سے زندگی ماندگی کا وقفہ ہے
یعنے آگے چلین گے دم لیکر۔ اس ویرانہ مین اتفاق سے آپھنسے ہین اور قضا و قدر نے لاکر یہان ڈالدیا
اسلیے سر تسلیم خم کیے ہوئے پڑے ہین۔ ورنہ جو تنگی کہ یہان ہمکو ہے وہ بیان نہین ہوسکتی۔ کہ خود حضور مقبول
صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہین کہ الدنیا سجن المومن وجنۃ الکافر۔ تو قیدخانہ مین کون خوش رہتا ہے بلکہ اگر
کوئی امیر کسی مصلحت سے قیدخانہ مین پھنس بھی جاتا ہے تو اسکو تو ہر وقت یہی امید رہتی ہے کہ اب یہان سے
چھٹکارا ملے تو اس شاہ حقیقی کے پاس جاؤن اور وہ یہان سے چھوٹنے کی اسطرح خوشیان مناتا ہے جیسے کوئی
بہت ہی بڑی قید گران سے چھوٹکر محل شاہی مین پہونچ گیا ہو ایک بزرگ فرماتے ہین کہ سے خرم آن روز
کزین منزل ویران بروم * راحت جان طلبم وز پے جانان بروم * نذر کردم کہ گر آید بسر این غم روزے
تا در میکدہ شادان و غزلخوان بروم * لہذا وہ ان حقیقت کے اندھون سے کہتے ہین کہ اے کمبختو تمہین
بادشاہ کی خبر نہین ہے۔ اور الو کی طرح اوس آفتاب فیض کی شعاعون سے محروم ہو کر بیٹھے تو اسکو دیکھا ہے
مجھے تو اوسکی بقدر استطاعت معرفت ہے پھر مین کیون نہ اس طرف جانے کی تمنا اور کوشش کرون۔

خویشتن مکشید الخ۔ یعنی (وہ کہتا ہے کہ) اے الوو تم مرے مت جاؤ مین یہان رہتا ہی نہین مین تو وطن (اصلی)
کیطرف جاتا ہون۔ اور اہل اللہ کے لیے وطن اصلی آخرت اور قرب حق ہونا ظاہر ہے۔ وہ یہی فرماتے ہین کہ دنیا
چونکہ ہمارا گھر نہین اسلیے ارے دنیا دار یہ گھر تم ہی کو مبارک رہے ہمکو اس سے کیا غرض ہے۔

این خراب الخ۔ یعنی یہ ویرانہ تمہاری نگاہ مین آباد معلوم ہوتاہے۔ ورنہ ہمارے لیے بادشاہ کا بازو جائے گشت ہے۔ مطلب یہ کہ وہ فرماتے ہین کہ اے دنیادار و اوراے کافرو یہ دنیا تمہاری نگاہ مین آباد اور پرفضا معلوم ہوتی ہے۔ ورنہ ہمکو اس سے کیا غرض ہے۔ ہمکو تو حق تعالیٰ کا قرب مقصود ہے اور انشاء اللہ وہین واپس بھی جائینگے۔

چغد گفتار الخ۔ یعنے (باز کی یہ باتین سنکر) ایک اُلو بولا کہ باز حیلہ کرتاہے تاکہ تم کو گھر باہر سے اُجاڑدے اوراسلیے حیلہ کرتاہے کہ۔

خانہائے ما الخ۔ یعنے ہمارے گھر مکر کرکے لے لے۔ اور دھوکہ بازی سے ہمین آشیانون سے اُجاڑدے۔

می نماید الخ۔ یعنے یہ حیلہ باز غنا ظاہر کرتاہے۔ خدا کی قسم سب حیلہ گرون سے بدتر ہے اسطرح اہل اللہ اور انبیاء کو عوام اور کفار اونکی باتین اور دنیا سے استغناء کو سنکر کہتے ہین کہ اے بھائی یہ ساری مکر اور حیلہ کی باتین ہین اور یہ استغنا اسلیے اختیار کیاہے کہ اس سے خوب آمدنی ہوتی ہے ورنہ یہ بھی کمائی کا ایک طریقہ ہے۔ ہائے افسوس ہے ان اندھون پر کہ جو حقیقت سے کہین دور ہوتے ہین۔ کفار مکہ نے بھی توحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا تھا کہ اگر آپ کو سلطنت کی ضرورت ہے تو ہم سلطنت دیدین تو یہ بھی یہی سمجھتے تھے کہ انکو دنیا کی طلب ہے اور اس ادعاء نبوت سے انکو یہی مقصود ہے والعیاذ باللہ۔ اور وہ الو کہتے تھے کہ۔

او خورد از الخ۔ یعنی یہ اسقدر حریص ہے کہ مٹی کو شیرۂ انگور کی طرح کھاتاہے اسلیے اے یارو ریچھ کو دنبہ مت سپرد کرو کہ ہلاک کردے گا۔ یعنے وہ کہتے ہین کہ یہ تو اسقدر حریص ہین کہ انکو اگر ذراسی بھی کوئی شے ملے بس اوسپر شیرہ کی مکھی کیطرح گرتے ہین۔

لاف از شہ الخ۔ یعنی (وہ الو کہنے لگے کہ) بادشاہ سے شیخی بھگارتاہے اور اوسکے ہاتھ سے (کہ مین مقرب ہون اور دست شاہ میری نشستگاہ ہے) تاکہ ہم بھولون کو راستہ سے علیحدہ کردے یعنے بہکادے۔

خود چہ الخ۔ یعنی (یہ ساری باتین ہمارے بہکانے کو ہین ورنہ) ایک ذراسا جانور کیا بادشاہ کے لائق ہوسکتا ہے تم اوسکی بات مت سنو اگر کچھ عقل رکھتے ہو۔ مطلب یہ کہ اس ذراسے جانور کو بادشاہ سے کیا نسبت کہ یہ اُسکا مقرب ہوتا ؎ چہ نسبت خاک را با عالم پاک ✤ کجا ھدہد کجا دجال ناپاک۔

جنس شاہ است الخ۔ یعنے یہ بادشاہ کی جنس سے ہے یا وزیر کی ہے (استفہام انکاری یعنی کیسکی بھی جنس نہین ہے) اور حلوائے بادام کی لائق لسن کیا ہوسکتاہے۔ مطلب یہ کہ آخر قرب کے لیے کچھ مناسبت بھی تو شرط ہے۔ اسمین اور بادشاہ مین کیا مناسبت جو یہ اسکا مقرب ہوتا۔ اہل اللہ اور انبیاء کو بھی عوام و کفار یہی کہتے تھے کہ یہ جو کہتے ہین کہ ہم مقرب خدا ہین اور یا خدا کے پاس سے آئے ہین یہ ساری انکی جھوٹی باتین ہین ورنہ کہان یہ اور کہان خدا انکو اس سے کیا نسبت۔ لہذا یہ مقرب اور نبی بھی نہین ہوسکتے انکے سارے اقوال غلط ہین نعوذ باللہ۔

آنچہ میگوید الخ۔ یعنی یہ جو مکر اور چالاکی سے کہتاہے کہ بادشاہ لشکر سمیت میری تلاش مین ہے عجیب مالیخولیا نامقبول ہے اور یہ ایک شیخی خام اور بھولون کے پکڑنے کا جال ہے۔ تاکہ ہم بہکانے مین آکر دجاد

اور جو یہ کہین اسکے تابع ہوجاوین یہی حالت عوام و کفار کی اہل اللہ اور انبیاء علیہم السلام کے ساتھ ظاہر ہے کہ کفار کہتے تھے کہ بھلا خدا کو یہی نبی بنانے کو بھی ملے تھے۔ اگر خدا کے طرف سے نبی آتا تو کوئی فرشتہ وغیرہ ہوتا۔ یہ کیا نبی ہین وغیرذلک۔

ہر کہ این باور الخ۔ یعنے جو کوئی اسکی بات کو قبول کرے وہ بیوقوف ہے اسلیئے کہ ذرا سا جانور دُبلا بادشاہ کے کیا لائق ہے۔

کمترین چغد الخ۔ یعنی اگر چھوٹا سا اُلو بھی اسکے مغز پر (ایک چونچ) ماردے تو اوسکی بادشاہ کو خبر کرنیوالا کہان ہے یہی حالت کفار و عوام کی ہوتی ہے۔ جیسا کہ ظاہر و باہر ہے۔

گفت باز الخ۔ یعنی (اونکی یہ ساری گفتگو سنکر) باز نے کہا کہ اگر میرا ایک پر بھی (کوئی الو) اکھاڑدے تو بادشاہ چغدستان کی جڑ کو اوکھاڑ پھینکے اسی طرح اہل اللہ بزبان حال یا بزبان قال فرماتے ہین کہ اسے اندھو تمکو ہماری حقیقت کی خبر نہین ہے یاد رکھنا کہ اگر تم ہمکو ستاتے رہوگے ایک دن غیرت حق جوش مین آویگی اور تمہارا استیصال اور بیخ کنی کردیگی جیسا کہ اکثر بزرگونکے قصص دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ انکو ذرا سا کسی نے ستایا اور فوراً سزا مل گئی اور اگر یہان سزا نہ بھی ملے تو کیا عذاب آخرت کچھ کم ہے۔ خدا بچاوے

چغد چہ بود الخ۔ یعنے (اوس باز نے کہا کہ) بھلا چغد تو کیا چیز ہے (جو وہ ستاوے) اگر کوئی (دوسرا) باز بھی (جو اس طرح مقرب شاہ نہو) میرا دل رنجیدہ کرے اور مجھپر جفا کرے تو بادشاہ ہر شیب و فراز مین بازون کے سرون کے لاکھون ڈھیر اور تودے لگادے۔ مطلب یہ کہ عوام اگر اہل اللہ یا انبیاء کو ستاوین تو انکے خسران اور ہلاک کی تو کچھ انتہا ہی نہین وہ تو اسقدر ظاہر ہے کہ بیان کی بھی ضرورت نہین مگر بیان تو یہ حالت ہے کہ اگر کوئی کم درجہ کا ولی اعلے درجہ کے کامل اور ولی کو خدانخواستہ ستاوے یا کہ کوئی ولی خدانکردہ کسی نبی کو ستانے لگے تو اوسکی بھی یہی گت بنتی ہے۔ اور اوسکو بھی ایسی سزا ملتی ہے کہ جسکی انتہا نہین ہے۔ لہذا ایذاء اہل اللہ سے بہت بچنا چاہیے اور ان سے انکار و حسد ہرگز نہونا چاہیے ہان چاہے معتقد نہو یہ اور بات ہے مگر اون سے حسد اور کینہ نہ رکھے کہ یہ تو دو جہان سے برباد کرنے والا ہے۔ اللہم احفظنا۔ یہان ایک حکایت یاد آگئی کہ جس سے معلوم ہوگا کہ ایک ولی نے دوسرے ولی سے انکار اور حسد کا معاملہ کیا تو اسکا کیا نتیجہ ہوا۔ اہل سیر نے لکھا ہے کہ حضرت غوث پاک رضی اللہ عنہ کے زمانہ مین ایک اور بزرگ تھے وہ بھی غوث ہی کے نام سے مشہور تھے اور اونکی ایک یہ کرامت تھی کہ وہ کبھی تو سب کو دکھلائی دیتے تھے اور کبھی پوشیدہ ہوجاتے تھے۔ اور نظرون سے غائب ہوجاتے تھے۔ ایکمرتبہ بغداد سے تین شخص انکی شہرت سنکر ان کی ملاقات کو چلے ایک تو ابن السقاء نامی اور دوسرے عبداللہ اور تیسرے حضرت عبدالقادر جیلانی قدس سرہ راستہ مین آپس مین گفتگو ہوئی کہ بھائی کون کون کس کس ارادہ سے چلا ہے تو ابن السقاء چونکہ بہت بڑا عالم اور مقرر تھا وہ تو بولا کہ مین تو اسلیئے جاتا ہون کہ اون سے ایک ایسا سوال کرونگا کہ اون سے جواب نہ آسکے گا عبداللہ بولے کہ مین اسلیئے جاتا ہون کہ اون سے ایک سوال کرون اور دیکھون کہ وہ کیا جواب دیتے ہین اور حضرت عبدالقادر جیلانی قدس سرہ العزیز نے فرمایا

کہ استغفر اللہ مین کیا اور میرا سوال کیا بھائی ہم تو صرف اسلیے جاتے ہین کہ اون سے کچھ حاصل کرین اور اونکی زیارت ہو جاوے۔ کہ موجب برکت ہے اور حضرت کا یہ زمانہ شباب اور عدم شہرت کا تھا غرضکہ یہ تینون وہان پہونچے جہان وہ بزرگ رہتے تھے۔ تو اوس زمانہ مین وہ نظرون سے غائب تھے اونکے پہونچتے ہی وہ ظاہر ہوے اور ان تینون کی طرف متوجہ ہوے۔ اور ابن السقاء سے کہا کہ تو اسلیے آیا ہے کہ مجھسے کوئی ایسا سوال کرے جسکا جواب مجھسے نہ آسکے تو سن تیرا تو یہ سوال ہے اور یہ تیرا جواب ہے اور اس عناد اور سرکشی کی یہ سزا ہے کہ مین تیرے چہرہ مین نقش نصرانیت دیکھتا ہون اور عنقریب ہے وہ زمانہ کہ تو نصرانی ہوگا اور اسی پر تیرا خاتمہ ہوگا۔ نعوذ باللہ۔ اور عبد اللہ کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ تم اسلیے آئے ہو کہ میرا امتحان کرو کہ مین تمھارے سوال کا کیا جواب دیتا ہون تو سنلو کہ یہ سوال ہے اور یہ جواب ہے۔ اور چونکہ تم کو عناد نہ تھا بلکہ صرف ایک امتحان مقصود تھا اس لیے تم کو یہ سزا ہے کہ تم کو دیکھتا ہون کہ حق تعالےٰ سے غافل اور دنیا مین سر سے پاؤن تک غرق ہو۔ اور یہ زمانہ بھی عنقریب ہونے والا ہے پھر حضرت عبد القادر جیلانی قدس سرہ کیطرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ تم صرف زیارت اور فیض حاصل کرنے آئے ہو تو اسکی یہ برکت ہے کہ مین دیکھتا ہون کہ عنقریب وہ زمانہ آنیوالا ہے کہ تم بغداد کے ممبر پر بیٹھ کر قدم اوٹھا کر کہوگے کہ قدمی ہذا علی رقاب کل اولیاء اللہ اور اسوقت روے زمین کے اولیاء سر تسلیم خم کرینگے اور کہین گے بیشک قدمکم علی رقابنا یہ سنکر تینون وہان سے واپس ہوگئے اور بغداد مین پہونچ گئے اتفاق سے خلیفہ کو قیصر روم کے پاس روانہ کرنے کے لیے سفیر کی ضرورت ہوئی تو تلاش ہوئی کہ کون جائے۔ حتی کہ یہ ابن السقاء منتخب ہوا اسلیے کہ بہت بڑا مقرر اور عالم تھا غرضکہ اوسکو روانہ کر دیا گیا اور جب یہ روم مین پہونچا اور کار سفارت کے لیے گیا تو اوسمین بھی کامیاب ہوا اسکے بعد علماء نصاریٰ سے مناظرہ کا اتفاق ہوگیا اوسمین بھی سب پر غالب رہا اور بہت ہی سرخرو اور غالب ہوا خدا کی قدرت کہین جا رہا تھا کہ قیصر کی لڑکی پر نظر پڑ گئی وہ بیحد حسین و جمیل تھی فوراً قیصر کو پیغام دیا اوسنے یہ شرط پیش کی کہ اگر نصرانی ہو جاؤ تو نکاح ہو سکتا ہے یہ سنتے ہی یہ ابن السقاء جو کہ اتنا بڑا عالم اور بزرگ تھا معاً نصرانی ہوگیا۔ اور اوسی حالت مین مرگیا۔ والعیاذ باللہ یہ تو اوسکا ظہور ہوا۔ جو اون غوث نے اسکے لیے کہا تھا۔ اونھون نے کیا کہا تھا۔ حق تعالےٰ ہی کیطرف سے کہا تھا۔ اب عبد اللہ کی حالت سنیے کہ ایک امیر بغداد کو ضرورت ہوئی کہ کسی کو اوقاف کا جو اوسنے کیے تھے منتظم بنا دے۔ لیکن کسی شخص متدین کی ضرورت تھی اسلیے یہ عبد اللہ انتخاب کیے گئے اور پھر اوسی مین اون کو اسقدر انہماک ہوا کہ نماز روزہ سب بالاے طاق رکھا گیا۔ اور کہا کرتے تھے کہ مجھے اونکی دعا لگ گئی۔ اور حضرت شیخ عبد القادر جیلانی قدس سرہ کی بابتہ سب کو معلوم ہے کہ انھون نے بغداد کے ممبر پر تشریف رکھ کر فرمایا تھا کہ قدمی ہذا علی رقاب کل اولیاء اللہ تو اوس آواز کو حق تعالےٰ نے تمام دنیا مین پہونچایا جسطرح کہ آواز ابراہیمی تمام عالم مین پہونچی تھی اور اسوقت کل اولیاء اللہ نے سر جھکا دیا اور کہا کہ بیشک آپ کا قدم ہمارے سر پر ہے پس دیکھو کہ اس عناد اور حسد کی کیا سزا ملی اور اس اعتقاد کی کیا جزا ملی۔ کہ ایک کافر اور مردود ہو کر مرا اور دوسرے تمام دنیا کے نزدیک مسلم ولی اور مقرب بارگاہ ہوے لہذا ہمیشہ اور ہر وقت بزرگون کے عناد اور انکے حسد سے

بچنا ضروری ہے ورنہ نہ معلوم کیا عذاب حق تعالیٰ کیطرف سے آجاوے۔ اور اگر بظاہر کوئی وبال بھی نہ آیا تو کیا وبال آخرت اور حرمان عن الفیض کچھ کم ہے ہان اگر کسی بزرگ سے اعتقاد نہو تو اوسکا مضائقہ نہین کہ اس سے کوئی وبال نہین آتا۔ خوب سمجھ لو۔ آگے بھی باز کی زبانی انسان کامل کا قول بیان فرماتے ہین کہ

پاسبان من الخ۔ یعنے کہ میری پاسبان (اور نگہبان) اوسکی (حق تعالیٰ کی عنایتین) ہین اور مین جس جگہ جاتا ہون بادشاہ میرے پیچھے ہے۔ مطلب یہ کہ انسان کامل اور اولیاء اللہ اور انبیاء علیہم السلام فرماتے ہین کہ میرا نگہبان اور حفاظت کرنے والا تو حق تعالیٰ ہے جیسے کہ خود فرماتے ہین کہ واللہ یعصمک من الناس اور مین جہان کہین رہتا ہون خواہ ظاہراً و باطناً ہوا و خواہ صرف باطناً ہوا ظاہراً دور ہون مگر حقتعالیٰ میری حفاظت اور میرے ہمراہ ہین۔ اللہ معکم اینما کنتم۔ آگے فرماتے ہیں کہ۔

در دل الخ۔ یعنے بادشاہ کے دل مین میرا خیال (ہر وقت) رہنے والا ہے اور میرے خیال بغیر بادشاہ کا دل رنجیدہ رہتا ہے۔ مطلب زیادتی تعلق کا بیان کرنا ہے۔ مقصود یہ ہے کہ فرماتے ہین کہ حق تعالیٰ کو ہر وقت بندون کا اور بالخصوص اولیاء و انبیاء کا جو کہ انسان کامل اور عبد کامل ہین ہر وقت خیال رہتا ہے اور انکو ہر حالت کی اطلاع رہتی ہے اور اسقدر تعلق ہے کہ جسطرح عادۃً کسی وقت کسی محبوب کا خیال دل سے نکلتا ہے تو بے چینی ہوتی ہے جس سے کہ معلوم ہوتا ہے کہ غایت درجہ تعلق ہے اس سے بھی کہین زیادہ حق تعالیٰ کو بندون کے ساتھ تعلق ہے آگے فرماتے ہین کہ۔

چونکہ بپراند الخ۔ یعنے جب مجھے بادشاہ اڑاتا ہے تو مین اوج مین اوسکی جان خوش پر و پاتا ہون مطلب یہ کہ جب حق تعالیٰ مجھے ترقی بخشتے ہین اور مجھے عروج نصیب ہوتا ہے اور مجھے سیر الی اللہ حاصل ہوتی ہے تو اسوقت میری روح بیحد ترقی پذیر ہو جاتی ہے۔ اور مجھے اعلیٰ سے اعلیٰ مراتب حاصل ہو جاتے ہین۔ اور میری یہ حالت ہو جاتی ہے کہ۔

ہمچو ماہ الخ۔ یعنی آفتاب اور ماہتاب کے مانند اڑتا ہون اور آسمانون کے پردے پھاڑ دیتا ہون مطلب یہ کہ فرماتے ہین کہ جسطرح آفتاب اور ماہتاب کو عروج حسی ہے اسیطرح ہمکو عروج باطنی ہوتا ہے یہان تک کہ آسمانون کے پردے تک پھاڑ دیتا ہون اور اونسے بھی آگے اور بلند نکل جاتا ہون۔ اسلیے کہ روح تو مجرد اور لامکانی شے ہے اور افلاک مکانی اور متحیز ہین تو لامحالہ لامکانی شے تو مکانیات سے خالی اور بلند ضرور ہوگی آگے فرماتے ہین کہ۔

روشنی عقلہا الخ۔ یعنے عقول کی روشنی میری فکر کیوجہ سے ہے اور آسمانون کا پھٹنا میری فطرت کیوجہ سے ہے۔ مطلب یہ کہ چونکہ پیدائش خلق کا سبب یہی فرمایا ہے کہ کنت کنزاً مخفیاً فاحببت ان اعرف فخلقت الخلق تو معرفت کا محبوب ہونا باعث تخلیق خلق ہوا لہذا مخلوق مین سے جسکو معرفت زیادہ ہوگی وہی زیادہ مقصود من التخلیق ہوگا اور یہ ظاہر ہے کہ انسان ہی زیادہ عارف ہے اور یہ اکرم مخلوقات اس معرفت ہی کی بدولت بنا ہے۔ لہذا اسکا وجود اور اشیاء کی نسبت اصل ہوا اور ان سبکا وجود فرع اور غیر مقصود بالذات ہوا حتی کہ ملائکہ جو اسقدر مقرب اور منزہ اور مبرا ہین اہل حق انسان کو اون سے بھی افضل کہتے ہین اور کہتے ہین کہ خواص

انسان خواص ملائکہ سے افضل ہین اور عوام انسان عوام ملائکہ سے افضل ہین اور یہان عقول سے مراد ملائکہ بھی ہین کہ جسطرح عقل پوشیدہ ہوتی ہے اسیطرح وہ پوشیدہ ہین جب یہ بات معلوم ہو گئی۔ اب سمجھو کہ فرماتے ہین کہ ملائکہ کا تقرب اور ملائکہ کی یہ افضلیت میری ہی وجہ سے ہے اسلیے کہ اگر انسان نہوتا تو پھر ساری مخلوقات بھی نہوتی۔ تو پھر یہ تقرب بھی نہوتا تو یہ جو کچھ بھی ہے سارا ظہور انسان کا ہے پھر اون مین سے بالخصوص انسان کامل کا اور ارواح وغیرہ لیجانے کے لیے یا بارش وغیرہ کے لیے جو آسمان کے دروازہ کھلتے ہین اور زمین شگاف پیدا ہوتے ہین وہ سارے میری وجہ سے ہین اسلیے اگر انسان ہی نہوتا تو اون کا وجود بھی نہوتا تو پھر انفطار بھا نہ الفطام خوب سمجھ لو۔ آگے فرماتے ہین کہ۔

بازم وحیران الخ۔ یعنے مین باز ہون اور میرے اندر ہما بھی حیران ہے۔ تو چغد تو کون ہے کہ میرے اسرار کو جانے۔ مطلب یہ کہ انسان کامل کے عروج و مراتب ہین (جو کہ مثل باز کے ہے کہ صورت مین بھی زیادہ حسین نہین ہے اور ویسے مل بھی اکثر جاتا ہے نایاب بھی نہین ہے) فرشتے (جو کہ ہما کی مثل ہین کہ مجرد عن المادہ ہین اور پھر آسانی سے نظر بھی نہین آتے۔ اور ہر کس و ناکس کو ملتے بھی نہین ہین) بھی حیران اور دنگ ہین اور بعض مقامات خواص بشر کے لیے ایسے ہین کہ جہان جا کر فرشتون کو بھی ٹھہرنا پڑتا ہے اور انکو بھی یہی کہتے بن پڑتی ہے کہ آگے ہم نہین جا سکتے۔ آگے آپ ہی تشریف لے جاوین جیسا کہ معراج مین جبریل علیہ السلام نے حضور مقبول صلے اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا تھا۔ تو جب یہ حالت ہے تو پھر عوام ناس اور مجھ جیسے مردود دین تو انکے کمالات کو کسطرح معلوم کر سکتے ہین۔ وہ تو صرف صورت کو دیکھتے تھے اور کہتے تھے کہ ان انتم الا بشر مثلنا اور یہ نہ دیکھا کہ انکے کمالات کیا ہین اور حقیقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کیا شے ہے بس حقیقت سے اندھے ہو کر انکار اور درپے ایذا رسانی ہو گئے۔ آگے فرماتے ہین کہ۔

شہ برائے الخ۔ یعنے بادشاہ نے میری خاطر سے قیدخانہ کو یاد کیا اور لاکھون قیدیون کو آزاد کیا مطلب یہ کہ حق تعالےٰ نے اس دنیا کو جو کہ قیدخانہ کی مثل ہے صرف انسان ہی کی پیدائش کے لیے یاد فرمایا اور اسکا ظہور کیا جیسا کہ کسیکا قول ہے کہ لولاک لما خلقت الافلاک یہ ساری باتین انسان ہی کی خاطر اور اسکے ظہور کے لیے کین اور انسان کامل ہی کی وجہ سے لاکھون اون کفار کو جو حرص و ہوا مین قید ہو رہے تھے ہدایت فرمائی۔ اور انکو اوس قید گران سے رہائی عنایت فرمائی پس معلوم ہوا کہ حق تعالیٰ کو کسقدر تعلق ہے کہ اسکی خاطر سے کیا کیا کیا۔ آگے فرماتے ہین کہ۔

یکدمم با چغدہا الخ۔ یعنی ایکدم مجھے چغدون کے ساتھ دمساز کر دیا تو میری باتون کی وجہ سے بہت چغد بازکر دیے۔ مطلب یہ کہ حق تعالےٰ نے رسولون کو بھیجا اور انکو کفار کے ساتھ رکھا اور انہی مین پرورش کیا حتے کہ ایک وہ دن ہوا کہ اس نبی اور رسول کی بدولت وہ کفار جو کہ مثل چغد اور الو کے تھے جب کہ انھون نے اتباع کیا اور اقوال کو مانا اور سنا تو مثل باز کے کامل کر دیا۔ جیسا کہ ظاہر ہے آگے مولانا فرماتے ہین کہ۔

اے خنک الخ۔ یعنے خوش ہے وہ چغد کہ جسنے کہ میری پرواز مین نیکبختی سے میرے راز کو سمجھا۔ مطلب کہ ان لوگون مین سے وہ خوش نصیب اور اچھے ہین جنھون نے کہ ان انبیا اور اولیا کے مراتب علیا اپنی اس

نیک بختی کی وجہ سے جوکہ ازلی تھی پہچانا اور پھر اونکا اتباع کیا اور خود بھی انکے فیوض سے مستفید ہوے آگے پھر وہ باز یعنے انسان کامل کہتا ہے ۔

در من آویزید الخ۔ یعنے مجھ مین لٹک جاؤ تاکہ باز ہو جاؤ اور اگرچہ جغد ہو شہباز ہو جاؤ ۔ مطلب یہ کہ انبیا علیہم السلام فرماتے ہین کہ اے کفار ہم سے تعلق پیدا کرو تاکہ تم بھی کامل اور عارف ہو جاؤ اور اب اگرچہ محجوب اور محروم ہو مگر پھر تو مقرب اور کامل ہو جاؤ گے ۔ اور کہتے ہین کہ ۔

آنکہ باشد الخ۔ یعنے جوکہ ایسے (جلیل القدر) بادشاہ کا حبیب ہو تو وہ تو جہان کہین بھی ہو کسطرح غریب ہو گا ۔ مطلب یہ کہ جب حق تعالے سے تعلق ہے تو پھر اگر اس دنیا مین بظاہر دربدر بھی نظر آتے ہین مگر پھر بھی اس تعلق کے قائم ہونے کی وجہ سے مسافر نہین کہہ سکتے اسلیے کہ اونکو تو ہر وقت معیت مع اللہ او تعلق حقیقی کے ساتھ موجود ہے ۔ پھر وہ غریب وہ بے کس کیون ہونگے ۔

ہر کہ باشد الخ۔ یعنے جس شخص کے درد کی دوا بادشاہ ہو تو اگر وہ (بظاہر) نے کی طرح رووے تب بھی وہ بے نوا نہوگا ۔ مطلب یہ کہ جس شخص کا غمخوار و غمگسار حق تعالی ہون تو اگر وہ بظاہر کسی مصیبت مین مبتلا ہو گا تب بھی اوسکو مصیبت زدہ نہین کہین گے اسلیے کہ اوسکو جو شے حاصل ہے اسکے سامنے دو جہان کی راحتین اور نعمتین گرد ہین ۔ ع آنکس کہ ترا شناخت جان را چہ کند ۔ فرزند و عیال و خانمان را چہ کند ۔ چونکہ اوپر اون جغدون نے یعنے محجوبین نے یہ کہا تھا کہ ع می نماید سیری این حیلہ پرست الخ یعنے یہ جو استغناء ظاہر کر رہا ہے یہ بھی اسکا مکر ہے ورنہ یہ بہت ہی حریص ہے ۔ آگے وہ باز یعنے اولیاء اللہ و انبیاء یا یون کہو کہ انسان کامل جواب فرماتے ہین کہ ۔

مالک الملکم الخ۔ یعنے مین تو مالک الملک ہون مین حریص نہین ہون اور میری واپسی کا طبل بادشاہ ایک گوشہ سے بجا رہا ہے ۔ طبل خوار یعنے حریص ۔ طبل باز ایک طبل ہوتا ہے جسکو باز کے دوبارہ چلے جانے کے وقت بجاتے ہین تو باز واپس آجاتا ہے ۔ مطلب یہ کہ انسان کامل فرماتے ہین کہ اے محجوبین یاد رکھو کہ ہم حریص نہین ہین اور ہم کو تمھارے اس ویرانہ دنیا کی حاجت اور ضرورت نہین ہے بلکہ ہم تو خود مالک الملک اور شہنشاہ ہین ہم حریص اور ٹکڑ گدے نہین ہین اور ہم کو حق تعالی سے اسقدر تعلق ہے کہ حق تعالی ہر وقت ہمکو بلا رہے ہین اور ندا دے رہے ہین کہ واپس چلے آؤ ۔ آگے اس طبل باز کی تعیین کرتے ہین کہ حقتعالی کی یہان کیا مراد ہے فرماتے ہین کہ

طبل باز الخ۔ یعنی میری واپسی کا طبل ندا ارجعی (لوٹ آ) کی ہے اور حق تعالے (اسکے) گواہ ہین بناکوئی مدعی کے ۔ مطلب یہ کہ ہم جو کہتے ہین کہ حق تعالے سے اسقدر تعلق ہے کہ وہ ہم کو بلاتے ہین تو یہ بلا دلیل نہین ہے بلکہ دیکھو قرآن شریف مین ہے کہ یا ایتہا النفس المطمئنۃ ارجعی الی ربک راضیۃ مرضیۃ یعنی اے نفس مطمئنہ اپنے رب کی طرف راضی اور مرضی لوٹ آ ۔ پس جب کہ وہان سے یہ ندا ہے تو معلوم ہو گیا کہ حق تعالے کے ساتھ اسقدر خصوصیت ہے کہ حق تعالے انکا دنیا مین رکھنا پسند فرماتے نہین ہین اور جسقدر مدت یہان رکھا گیا ہے وہ صرف کسی مصلحت کی وجہ سے ہے جسکا کلی علم حق تعالے ہی کو ہے اور چونکہ اون جغدون نے کہا تھا کہ ۔ ع جنس شاہ است او و یا جنس وزیر ۔ الخ یعنی یہ بادشاہ کی جنس ہے یا

وزیر کی الخ تو اسکا جواب دیتے ہین کہ۔

من نیم الخ۔ یعنی مین بادشاہ کی جنس نہین ہون (بلکہ) اوس سے (کہین) دور ہون۔ لیکن تجلی مین اس سے نور رکھتا ہون۔ مطلب یہ کہ حق تعالٰے سے مماثلت تو نہین ہے جیسا کہ لیس کمثلہ شیء سے صاف معلوم ہوتا ہے نور اونکی ذات اور انسان کی ذات واحد ہے بلکہ حق تعالٰے سے مناسبت ہے جو کہ منافی بھی نہین ہے اور حق تعالٰی ہی سے اقتباس انوار و تجلیات اور استفادہ فیوض ہوتا ہے جیسا کہ ظاہر ہے بس حق تعالٰی کے ساتھ مماثلت اور اتحاد تو نہین ہے لیکن مناسبت تو ضرور ہے۔ آگے اسکی شرح فرماتے ہین کہ۔

نیست جنسیت الخ۔ یعنی جنسیت (اور اتحاد) از روے شکل و ذات کے نہین ہے (کہ ذات حق اور ذات انسان کامل ایک ہو جاوین بلکہ آپس مین صرف مناسبت ہے) آگے اس مناسبت مین اشیاء کی مثالین دیتے ہین کہ دیکھو جسطرح) نباتات پانی مٹی کی جنس سے ہے جب یہ دونون ملتے ہین تو اسنے نباتات کو نشو و نما ہوتا ہے مگر پھر بھی دونون کو متحد اور مماثل کوئی نہین کہتا۔ بلکہ یہی کہا جاتا ہے کہ ایک دوسرے کے مناسب ہین بس اسیطرح حق تعالٰی سے انسان کی مناسبت تو ہے مگر مماثلت نہین ہے آگے اور مثال ہے کہ۔

باد جنس الخ۔ یعنی ہوا آگ کے قائم رکھنے مین (اوسکی جنس آئی ہے (اور کہا جاتا ہے کہ دونون مجانس ہین) اور طبیعت کے لیے شراب مجانس آئی ہے کہ اوسکو پی کر سرور ہوتا ہے مگر انکو متحد فی الذات اور مماثل کوئی نہین کہتا بلکہ مناسب کہتے ہین اور اگر کسی سے دریافت کیا جاوے کہ اس مناسبت کی جو آگ اور ہوا مین ہے ماہیت تو بیان کرو تو اسکے لیے صرف الفاظ تو ہونگے مگر جو کہ اصل حقیقت ہے سچ یہ ہے کہ اوسکو کوئی بھی بیان نہین کرسکتا۔ پس حق تعالٰی سے بھی بندہ کو مناسبت تو ہے مگر مماثلت اور اتحاد نہین ہے اگرچہ وہ مناسبت کسی کی سمجھ مین نہ آوے۔ اگرچہ وہ محسوس نہو مگر محسوس نہونے سے اوسکا معدوم ہونا تو لازم نہین آتا خوب سمجھ لو۔ آگے فرماتے ہین کہ۔

جنس ما چون الخ۔ یعنی جبکہ ہماری جنس بادشاہ کی جنس نہین ہے اور ہماری ہستی اوسکی ہستی کے سامنے فنا ہو گئی۔ مطلب یہ کہ جب معلوم ہو گیا کہ ہماری اور حق تعالٰی کی جنس اور حقیقت ایک نہین ہے بلکہ صرف مناسبت ہے تو اب یون سمجھو کہ جنسیت سے یہ مراد ہے کہ ہماری ہستی اوسکی ہستی کے سامنے جو کہ اصل ہے مثل فنا کے ہو گئی ہے اور گویا کہ ہماری ہستی موجود ہی نہین ہے بس جو ہے وہی ہے۔ ہم بالکل کالعدم ہین آگے فرماتے ہین کہ۔

چون فنا شد الخ۔ یعنی جب ہماری ہستی (اوسکے وجود کے آگے) فنا ہو گئی تو وہ واحد و یکتا رہ گیا۔ اور مین اوسکے گھوڑے کے پاؤن کے سامنے گرد کیطرح ہو گیا۔ مطلب یہ کہ جب اوسکے سامنے ہمارا وجود کالعدم ہوا اور ہماری ہستی فانی ہوئی تو پھر ہم پر تو کسی قسم کا حکم نہین لگا سکتے تو یہ کہنا کہ ہم اوسکے ساتھ متحد ہو گئے کیسے صحیح ہو سکتا ہے اسلیے کہ جسکو ہم کہتے ہین وہ ہے کہان۔ اور یہ تو ایسا ہے کہ جیسے گھوڑے کے پاؤن کے سامنے گرد ہوتی ہے کہ اوس گرد کیطرف التفات ہی نہین ہوتا اور اصل مقصود پاے اسپ ہوتا ہے لہذا معلوم ہو گیا کہ اتحاد فی الذات ہرگز نہین ہے تعالٰے اللہ عن ذلک علوا کبیرا بلکہ صرف ایک

مناسبت ہے جیسا کہ گرد پا کو بھی پاؤن سے ایک قسم کی مناسبت ہوتی ہے مگر جو اوسکی حقیقت ہے اسکو ہرگز کوئی بیان نہین کرسکتا۔ کہ وہ نسبت کیا ہے بس یہ کہے گا کہ وہ تابع ہے اور وہ متبوع ہے ہم کہتے ہین کہ آخر تابع کسطرح ہے اور متبوع کسطرح اگر مخاطب ذرا بھی غور کرے تو اپنے وجدان مین ایک ایسا امر پاوے کہ جسمین حیرت رہتی ہے اور حق تعالیٰ کی قدرت کا معائنہ ہوتا ہے تو جب ہم ممکنات کی نسبت کو نہ سمجھ سکے تو جو نسبت کہ واجب سے ہوگی اگر اوسکی کیفیت بھی سمجھ مین نہ آوے تو کیا عجب ہے خوب سمجھ لو۔ آگے فرماتے ہین کہ۔

خاک شد الخ۔ یعنے جان تو خاک ہوگئی اور اوسکی نشانیان اوس جان کے خاک پاؤن کا نشان ہوگیا مطلب یہ کہ جس طرح کہ خاک پر قدم پڑنے سے نشان قدم بنجاتا ہے تو اوس نشان کو اوس قدم سے ایک قسم کی مناسبت ہوتی ہے اسی طرح حق تعالیٰ کی تجلیات اور کمالات کا ظہور انسان مین ہوا ہے کہ جس سے یہ بھی کامل اور منور معلوم ہوتا ہے۔ ورنہ اصل اوسی طرف سے ہے۔ اور چونکہ یہ اوسی کا ظل ہے اسلیے اسکو بھی اوسکا مناسب کہا جاویگا۔ آگے فرماتے ہین کہ۔

خاک پایش الخ۔ یعنی اوس نشان کے واسطے اوسکے خاک پا ہوجاؤ تاکہ گردن کشو نکے سر کے تاج بنجاؤ مطلب یہ کہ جب یہ کمالات اور تجلیات اوسکا ظل ہے اور گرد پا مین یہ نشانیان ہناکرتی ہین تو اب تم اوسکے خاک پا ہوجاؤ۔ اور اس سے مناسبت اور تعلق پیدا کرو۔ پھر دیکھو کہ کیا مراتب عالیہ میسر ہوتے ہین اور سب کفار اور معاندین پر تم ہی عالی ہوگے جیسا کہ ظاہر ہے کہ ؏ ہر کہ ترسید از حق و تقوے گزید ؛ ترسد ازوے جن و انسان ہر کہ دید ؛ پس اس صورت ظاہری کو مت دیکھو اور یہ جو اس نور سے متجلی ہو رہا ہے اس نور کو دیکھو۔ اور اوس سے خود بھی فیوض حاصل کرو۔ آگے اسیکو فرماتے ہین کہ۔

تا کہ نفر سید الخ۔ یعنی تم کو میری صورت ہرگز فریب نہ دے۔ میرا بچا ہوا اور میری شراب پی لو۔ میرے منتقل ہونیسے قبل مطلب یہ کہ انسان کامل جو کہ صورت مین تو مثل دیگر انسانون کے ہوتا ہے کہتا ہے کہ اے محرومین میرے چلے جانے اور میرے انتقال سے پہلے پہلے مجھ سے فیوض حاصل کرلو۔ ورنہ پھر پچھتاؤ گے۔

اے بسا الخ۔ یعنے ایسے بہت لوگ ہین کہ شکلی راہ زنی صورت نے کی اور انھون نے صورت کا قصد کیا اور حق تعالے پر حملہ کیا۔ مطلب یہ کہ بہت لوگ ایسے موجود ہین جیسے کہ کفار انبیاء کے لیے اور معاندین اور حاسدین اہل اللہ کی نسبت کہ اونکی راہ زنی ان حضرات کی صورت ظاہری سے نے کی ہے۔ اور کفار کہتے تھے ما ہذا الا بشر مثلکم وغیرہ وغیرہ علی ہذا عوام بھی اہل اللہ کو اسیطرح کہتے ہین جیسا کہ ظاہر و مشہور ہے۔ اور ان لوگون نے چونکہ صورت ہی کو مقصود کو سمجھا اسلیے حق تعالیٰ پر حملہ شروع کردیا مثلاً یہ کہ ہماری صورت اور انکی صورت ایک سی ہے پھر حق تعالٰے نے تقریب کے لیے انکو مخصوص کیون کیا۔ ان نالائقون سے کوئی پوچھے کہ کمبختو تمکو اوس نور معنوی اور تجلی باطن کی خبر ہی نہین ہے۔ پھر کس بوتہ پر تم کہتے ہو کہ ہم ہی جیسے ہین پس تم اس صورت کو چھوڑو اور اصل معنے سے فیض حاصل کرو۔ آگے پھر اوسی مضمون مناسبت کیطرف رجوع ہی فرماتے ہین

آخر این الخ۔ یعنے آخر یہ بدن جان کے ساتھ ملا ہوا ہے تو یہ جان بدن کے ساتھ کچھ بھی مشابہ ہے مطلب یہ کہ دیکھو بدن اور جان مین قرب رشتہ اور تعلق اور نسبت ظاہر ہے مگر پھر بھی دونون مین کچھ بھی نسبت نہین

جو نسبت خاک را با عالم پاک۔ اسیطرح انسان کو حق تعالیٰ کے ساتھ تعلق ہوتا ہے۔ پھر فرماتے ہین کہ۔

تاب نور چشم الخ۔ یعنے آنکھ کی روشنی چربی کے ساتھ ملی ہوئی ہے۔ اور نور دل ایک قطرۂ خون مین پوشیدہ ہے مطلب یہ کہ دیکھو نور چشم کو اس گوشت پوست چشم سے بھی تو تعلق ہے مگر پھر بھی کہان یہ کہان وہ۔ اگر حقیقت کیطرف نظر کرو تو کوئی نسبت ہی نہین ہے۔ اور دیکھو کہ نور قلب اوس قلب صنوبری مین جو کہ غنچۂ لحم ہے موجود ہے لیکن کہان اسکا مرتبۂ عالی اور کہان یہ ادنیٰ شے یہی تعلق مع اللہ کی حالت ہے اور یہ جسقدر مثالین ہین اور جہان کہین ہوتی ہین صرف تقریب فہم کے لیے ہوتی ہین ورنہ ان امثال کو حق تعالےٰ سے کیا نسبت۔ لیس کمثلہ شئی اور واللہ المثل الاعلیٰ خوب سمجھ لو۔ آگے فرماتے ہین کہ۔

شادی اندر الخ۔ یعنے کہ خوشی تو گردہ مین اور غم جگر مین اور عقل شمع کیطرح مغز سر مین روشن ہے مطلب یہ کہ جسطرح اور اشیاء مین تعلق ہوتا ہے اسیطرح خوشی کو گردہ سے اور غم کو جگر کے ساتھ ایک تعلق ہے۔ اوس تعلق کے سمجھنے کے لیے اول دو مقدمے سمجھ لینا چاہئین۔ اول یہ کہ اطباء نے لکھا ہے کہ جگر کا فعل تولید دم لتغذیۃ الاعضاء ہے اور گردہ کا فعل خون کو قلب اور پھیپھڑہ کی طرف بھیجنا ہے تو اس مقدمہ سے یہ مستفاد ہوا کہ جگر کا فعل تو طویل الزمان ہے اور گردہ کا فعل قصیر الزمان ہے۔ یہ مقدمہ تو طبی تھا دوسرا مقدمہ یہ ہے کہ تجربہ اور مشاہدہ سے معلوم ہوتا ہے کہ خوشی کا اثر قلیل الزمان ہوتا ہے کہ وہ ایک فوری فرحت ہوتی ہے جو کہ جلدی ہی زائل ہوجاتی ہے اور غم کا اثر طویل الزمان ہوتا ہے۔ کیونکہ غم ایک حد معین تک وقتاً فوقتاً بڑھتا اور زیادہ ہوتا رہتا ہے۔ یہ دوسرا مقدمہ ہوا۔ اب سمجھو کہ ہرچند خوشی سے دونون عضو کے مزاج مین ضعف اور ضعف مزاج سے دونون کے فعل مین ضعف ہوگا تو دونون کا دونون سے اس معنی کر تعلق ہے مگر دوسرے مقدمہ پر نظر کرنے سے کہا جاویگا کہ غم جو کہ طویل الزمان شے ہے جگر مین تو اثر کریگا اور اسکا فعل جو تولید دم تھا۔ اوسکو ضعیف کریگا اور گردہ مین اثر نہ کریگا بخلاف خوشی کے کہ اسکا اثر چونکہ قلیل الزمان ہوتا ہے اسلیے وہ جگر مین جسکا فعل کہ طویل الزمان ہے اثر نہ کریگی اور گردہ مین جسکا فعل قلیل الزمان ہے اثر کریگی کہ اوسمین اور اوسکے فعل مین قوت پیدا ہوگی۔ پس حاصل یہ ہوا کہ دونون چیزین گو دونون مین اثر کرینگی مگر قوت ضعف اثر کی وجہ سے ایک کو دوسرے کے مناسب کہدیا گیا ہے فافہم۔ اور عقل و دماغ سے تعلق ظاہر ہے۔

رائحہ در انف الخ۔ یعنے کہ بو (یا خوشبو) ناک مین اور گفتگو زبان مین اور لہو (ولعب) نفس مین اور شجاعت قلب مین۔ مطلب یہ کہ دیکھو بو مین جو کہ پوشیدہ ہے اور اس گوشت پوست کی ناک مین ایک علاقہ ہے اور زبان مین اور گفتگو مین ایک علاقہ اور نسبت ہے۔ علی ہذا نفس مین اور شہوات مین اسیطرح شجاعت اور قلب مین بھلا کوئی شخص انکی ماہیات تو بیان کردے سچ یہ ہے کہ کوئی بھی قادر نہین ہے۔ مثلاً زبان اور گفتگو کو کہین گے کہ حرکت لسان علاقہ ہے ہم کہتے ہین کہ اگر زبان کو ویسے پکڑ کر ہلا دین تو الفاظ کیون پیدا نہین ہوتے جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ کوئی اور علاقہ ہے جو کہ مدرک نہین ہے پس اسی پر اوس علاقہ حق کو قیاس کرلو کہ آیا اسکی ماہیت اور کیفیت کسیکو معلوم ہو سکتی ہے یا کہ یہ بھی ایک بے کیف شے ہے اور اسکی کیفیت کے درپے ہونا کسقدر بے عقلی ہے اسیکو خود مولانا ایک جگہ فرماتے ہین کہ ؎ اتصالے بے تکیف بے قیاس ہست

رب الناس وا یا جان ناس پس اوس تعلق کیوجہ سے مخلوق کو خالق کا متحد فی الذات کہنا اور اسکی لھیج کرنا کسقدر بے ادبی اور نالائقی ہے آگے بھی مولانا ایک دوسرے عنوان سے اسی مضمون کو بیان فرماتے ہین کہ۔

اَیْن تعلقہا الخ یعنے یہ تعلقات (مذکورۂ صدر) کیا بے کیف اور بے چون نہین ہین (یعنی ہین) اور عقلین عقل چونی مین دنگ اور حیران ہین تو جب یہ تعلقات اور مناسبتین بے کیف ہین اور انکی کیفیت کسیکو معلوم نہین ہو سکتی تو اگر حق تعالے کے تعلق کی کیفیت نہ معلوم ہو تو کیا غضب ہے۔ آگے اس تعلق مع اللہ کو بیان فرماتے ہین کہ۔

عقل کل الخ یعنے عقل کلی (حق تعالے) نے عقل جزوی (انسان) پر اثر کیا تو عقل (جزوی) نے اوس (عقل کلی) سے ایک موتی لے لیا اور گریبان مین کر لیا مطلب یہ کہ وہ تعلق جو کہ مابین العبد والحق ہے وہ یہ ہے کہ حق تعالے نے جو کہ فاعل مختار ہین انسان پر تجلی اور نور ڈالا اوس سے وہ منور اور مستفید ہوا اور اوس نور اور تجلی کو اپنے قلب مین جو کہ گریبان کے پاس ہے جگہ دی پس اس سے جو ایک نسبت حاصل ہو گئی کہ یہ متجلی با نوار اللہ اور متخلق با خلاق اللہ ہے یہی نسبت ہے۔ اور یہی مجانست ہے۔ اور یہی تعلق ہے۔ آگے اسکی ایک مثال سے اور توضیح کرتے ہین کہ۔

ہمچو مریم الخ یعنے مانند مریم علیہا السلام کے کہ اوس گریبان کے اثر سے (یعنی جو اثر کہ گریبان کے رستہ سے ہوا تھا اضافت بادنی ملابست ہے) حضرت مسیح علیہ السلام کی حاملہ ہو گئین۔ مطلب یہ کہ جیطرح حضرت مریم علیہا السلام کے گریبان مین اوس روح کے پھونکنے سے یہ اثر ہوا کہ انکے پیٹ مین حضرت عیسی علیہ السلام جیسے نبی (جو کہ حیات بخش) تھے رہ گئے اور وہ انکی حاملہ ہو گئین۔ اسیطرح حق تعالی کی تجلی جب قلب پر ہوتی ہے تو اس سے وہ قلب منور ہوتا ہے۔ اور مستفید ہوتا ہے۔ آگے اس عیسی سے مراد کی تعیین فرماتے ہین کہ۔

آن مسیحے الخ یعنی وہ مسیح نہین کہ جو خشکی اور تری پر تھے۔ بلکہ وہ مسیح کہ جو مسافت سے برتر ہین مطلب یہ کہ حضرت مریم علیہا السلام جو حاملہ ہوئی تھین وہ تو پھر بھی ممکن اور انسان تھے لیکن یہ شخص جو اپنے قلب مین انکی مثل ایک شئے لو پاتا ہے وہ وہ ذات ہے کہ وہ جہات سے منزہ ہے نہ مادی ہے۔ بلکہ وہ تو مجرد المجردات ہے اور وہ ذات خداوندی ہے کہ اسکی تجلیات اور انوار سے اسکا قلب منور ہو جاتا ہے آگے فرماتے ہین کہ۔

پس ز جان جان الخ یعنی جب اوس جان جان کی حامل یہ جان ہو گئی تو اس جان سے ایک جہان حامل ہو جاتا ہے مطلب یہ کہ جب انسان کامل جو کہ مثل روح اور جان کے ہے جب حق تعالی سے جو کہ مثل روح الروح اور جان جان کے ہین مستفید ہو جاتا ہے تو پھر اس سے ایک عالم مستفید ہوتا ہے جیسا کہ ظاہر ہے۔

پس جہان الخ یعنے پھر جہان سے ایک دوسرا جہان پیدا ہوتا ہے۔ اور یہ گروہ اوسکو ظاہر کر دیتا ہے مطلب یہ کہ جب اس انسان کامل سے اور لوگ مستفید ہوتے ہین تو ادسے اور لوگ الی قیام الساعۃ اسی طرح ہوتا رہیگا اور یہ سلسلہ یون ہی چلتا رہیگا۔ اور ہر گروہ مستفیدین کا اپنے بزرگون کو ظاہر اور مشہور کرنیوالا ہو گا جیسا کہ ظاہر ہے۔ اور واضح ہے۔ آگے فرماتے ہین کہ۔

تا قیامت الخ یعنی اگر قیامت تک مین کہتا رہون اور گفتار ہون تو مین اس قیامت کی شرح سے قاصر ہونگا

جہان فانی مین قیامت سے مراد ظہور ہے اب مطلب یہ کہ اگر مین قیامت تک بھی اسکو گنواتا رہون اور کہتا رہون کہ اسی طرح ہر گروہ اپنے بزرگون کے ظہور کا سبب ہوگا۔ تو مین قیامت تک بھی اسکو کما حقہ بیان نہین کرسکتا آگے فرماتے ہین کہ۔

این سخنہا الخ یعنے یہ باتین خود معنے کے اعتبار سے یا ربی (کی مثل) ہین اور یہ حروف شیرین لب کی گفتگو کے جال ہین مطلب یہ کہ اگرچہ ہم بظاہر خطاب بہ مخلوق کر رہے ہین لیکن اگر حقیقت کے اعتبار سے دیکھا جاوے تو یہ خطاب ایہا الناس وغیرہ بھی یارب یارب کہنے کے قائم مقام ہے اسلیے کہ جو ثواب یارب کہنے مین ملتا وہی ثواب ہمکو اسمین رہا ہے کیونکہ بزرگونکی دو شانین ہوتی ہین ایک تو وہ جنکے سپرد خدمت خلق نہین ہوتی تو وہ تو ہر وقت ذکر و شغل مین مصروف رہتے ہین۔ اور بعض وہ ہوتے ہین کہ جنکے سپرد خدمت خلق ہوتی ہے تو وہ متوجہ بخلق للحق ہوتے ہین تو اونکا وہ خطاب اور توجہ بھی مثل ان دوسرونکے ذکر و شغل کے بلکہ اوس سے زیادہ ہوتا ہے اور جب بندہ ذکر خدا کرتا ہے تو حق تعالیٰ بھی اسکا ذکر فرماتے ہین جیسا کہ حدیث مین ہے کہ حق تعالیٰ فرماتے ہین کہ جب بندہ مجھے خلوت مین یاد کرتا ہے تو مین بھی اسکو خلوت مین یاد کرتا ہون اور جب وہ مجمع مین یاد کرتا ہے تو مین بھی اُسکو مجمع مین جو اس مجمع سے بہتر ہوتا ہے یاد کرتا ہون۔ اور جب اوس دوسرے شخص کی توجہ الی الخلق اس پہلے ذکر و شغل سے بہتر ہے اور اسکے ذکر پر ثمرہ یہ ملتا ہے کہ حق تعالےٰ بھی اسکا ذکر فرماتے ہین تو لامحالہ اوسکے اس عمل پر بھی حق تعالےٰ اسکی طرف متوجہ ہونگے اور چونکہ اسکی توجہ الی الخلق للحق ہے تو گویا الی الحق ہی ہے پس جب یہ مخلوق کو پکارتا ہے گویا کہ حق تعالیٰ ہی کو پکارتا ہے تو حق تعالےٰ اسکو جواب مرحمت فرماتے ہین اور فرماتے ہین کہ لبیک اسی لیے مولانا فرماتے ہین کہ یہ میرے حروف اور گفتگوے شیرین لبی کے جال ہین کہ جب مین ان حروف کو ادا کرتا ہون تو ادھر سے جواب لبیک عطا ہوتا ہے تو میرے یہ حروف سبب ہین اوس جواب کے پھر فرماتے ہین کہ۔

چون کند الخ یعنے کسطرح تقصیر کرے اور کسطرح بدن کو پلے جب اوسکو یارب کی وجہ سے لبیک پہونچ رہا ہے مطلب یہ کہ جس شخص کی یہ حالت ہو کہ اوسکو ذکر حق مین اور توجہ بحق مین اُدھر سے جواب ملتا ہو تو پھر وہ توجہ مین اور عبادت مین کسطرح کمی کرسکتا ہے۔ اور وہ اپنی تن پروری مین کب مشغول ہوگا۔ بلکہ اسکو تو اوسی طرف کی دھن لگی رہیگی اب یہان ایک شبہہ یہ ہوتا ہے کہ تم جو کہتے ہو کہ آواز لبیک اُدھر سے آتی ہے تو ہم نے کبھی سنی نہین وہ کیسی آواز ہے جو کہ سنائی ہی نہین دیتی۔ اسکا آگے جواب دیتے ہین کہ۔

ہست لبیکے الخ یعنی وہ لبیک ایسا ہے کہ تم اُسکو سن نہین سکتے لیکن سر سے پانون تک چکھ سکتے ہو مطلب یہ کہ اوس لبیک کی آواز کو ان ظاہری کانون سے سن نہین سکتے لیکن اگر تم کو ذوق صحیح حاصل ہوجاوے اور حق تعالیٰ سے تعلق اور محبت پیدا ہوجاوے تو تم اس مزہ کو چکھ سکتے ہو جیسا کہ کسی نے کہا ہے کہ ؎

پرسیدیکے کہ عاشقی چیست ۔ گفتم کہ چو ما شوی بدانی

اور کہتے ہین کہ ؎

تڑپنے کی حقیقت میری جب معلوم ہو تم کو ۔ کہ دیکھو جب کسی معشوق پر تم مبتلا ہو کر

پس سمجھ لو کہ یہ بات کانون سے سننے کی یا آنکھون سے دیکھنے کی نہین ہے بلکہ جب اسکا ذوق ہوجاوے۔ تو بس صرف ایک ذوقی امر ہوگا کہ اگر تم بھی اسکو لقا

سے تعبیر کرنا چاہو گے تو ہرگز قادر نہو گے۔ آگے فرماتے ہیں کہ۔

ایک مثل الخ۔ یعنی میں ایک مثل لاتا ہوں تاکہ تم نتیجہ حاصل کرو۔ اور اس پوشیدہ لبیک سے پھل کھاؤ مطلب یہ کہ ایک مثل بیان کرتے ہیں کہ جس سے تم کو معلوم ہوگا کہ آواز لبیک ایک ذوقی امر ہے اور اس میں جو لطف ہے وہ اسی کو معلوم ہوتا ہے کہ جو اسکا طالب ہو ورنہ اندھے کے آگے روئے اور اپنے نین کھوئے۔ آگے حکایت ہے۔

شرح حبیبی

کلوخ انداختن تشنہ از سر دیوار در جوی آب

بر لب جو بود دیوارے بلند ۔۔۔ بر سر دیوار تشنہ دردمند

تشنہ مستسقی زار و نزار ۔۔۔ عاشقے مستے غریبے بے قرار

مانعش از آب آن دیوار بود ۔۔۔ از پے آب او چو ماہے زار بود

شد حجاب آب آن دیوار او ۔۔۔ بر فلک مے شد فغان زار او

ناگہان انداخت خشتے در آب ۔۔۔ بانگ آب آمد بگوشش چون خطاب

چون خطاب یار شیرین و لذیذ ۔۔۔ مست کرد آن بانگ آبش چون نبیذ

از سماع بانگ آب آن ممتحن ۔۔۔ گشت خشت انداز زانجا خشت کن

آب مے زد بانگ یعنی ہے ترا ۔۔۔ فائدہ چہ زین زدن خشتے مرا

تشنہ گفت آیا مرا دو فائدہ است ۔۔۔ من ازین صنعت ندارم ہیچ دست

فائدہ اول سماع بانگ آب ۔۔۔ کو بود مر تشنگان را چون رباب

بانگ او چون بانگ اسرافیل شد ۔۔۔ مردہ را زین زندگی تحویل شد

یا چو بانگ رعد ایام بہار ۔۔۔ باغ مے یابد ازین چندین نگار

یا چو بر درویش ہنگام زکات ۔۔۔ یا چو بر محبوس پیغام نجات

چون دم رحمن بود کان از یمن ۔۔۔ مے رسد سوے محمد بے دہن

یا چو بوے احمد مرسل بود ۔۔۔ کان بعاصی در شفاعت مے رسد

یا چو بوے یوسف خواب لطیف ۔۔۔ مے زند بر جان یعقوب نحیف

یا نسیم روضۂ دار السلام ۔۔۔ سوے عاصی مے رسد بے انتقام

یا سوے مس سیہ از کیمیا ۔۔۔ مے رسد پیغام کاے ابلہ بیا

یا ز لیلے بشنود مجنون کلام ۔۔۔ یا فرستد ویس رامے را پیام

فائدہ دیگر کہ ہر خشتے کزین ۔۔۔ بر کنم آیم سوے ماء معین

گر رسے کم خشت دیوار بلند	پست تر گردد بہر دفعہ کہ کند
پستی دیوار قربے مے شود	فصل او درمان وصلے میشود

ندی کے کنارے ایک اونچی دیوار تھی جسپر ایک پیاسا مصیبت کا مارا مرض استسقا مین گرفتار شدت پیاس سے نڈھال۔ پانی کا عاشق اسی خیال مین مست بلبل اور بے چین بیٹھا ہوا تھا وہ مچھلی کیطرح پانی کے لیے نڈھال تھا مگر بلندی دیوار کے سبب پانی تک نہ پہونچ سکتا تھا۔ چونکہ دیوار اوسکے پانی تک پہونچنے سے مانع تھی اسلیے اوسکی آہ و زاری کا نعرہ آسمان تک جاتا تھا۔ دفعۃً اوسکو کچھ سمجھ آئی اور اسنے ایک اینٹ اوکھیڑ کر پانی مین پھینکی۔ اس سے اسکے کان مین ایک آواز آئی۔ اور وہ اسکو اسقدر مزہ دار او شیرین معلوم ہوئی جیسے خطاب معشوق اور اس آواز نے اوسکو یون مست کر دیا جیسے اوسنے شراب پی لی ہو اوس آواز کے سننے سے وہ بیچارہ مصیبت زدہ اینٹین اوکھیڑ اوکھیڑ کر پانی مین پھینکنے لگا۔ پانی بزبان حال کہتا تھا کہ ارے تیرا اسمین کیا فائدہ ہے تو میرے اینٹین کیون مارتا ہے۔ پیاسے نے جواب دیا کہ اے پانی میرے لیے اسمین دو فائدے ہین اسلیے مین اس فعل سے باز نہین رہ سکتا۔ اول یہ کہ مین پانی کی آواز سنتا ہون جو کہ پیاسون کے لیے یون ہی لذت دہ ہے جسطرح عاشق کے لیے جواب معشوق یا یون کہو کہ اسکی آواز اسرافیل علیہ السلام کی آواز ہے جس سے مردون کی موت حیات سے بدلجاتی ہے یا موسم بہار مین رعد کی آواز ہے جس سے باغ اسقدر آراستہ پیراستہ ہوجاتا ہے یا ایسی ہے جیسے زکوٰۃ دینے کے وقت فقیر کو آواز دینا یا قیدی کے لیے رہائی کا پیغام یا ایسی جیسے حق سبحانہ کا سانس جو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یمن کی جانب سے بلا منھ کے پہونچتا ہے (یہ مضمون ہے ایک حدیث کا یعنی انی لاجد نفس الرحمن من قبل الیمن اور مراد نفس سے برکات و فیوض ہین) یا یون کہو کہ بوے محمد صلے اللہ علیہ وسلم ہے جو عاصی کو اسوقت آئیگی جبکہ آپ شفاعت کے لیے تشریف لائینگے۔ یا یوسف علیہ السلام کی بو ہے جو یعقوب علیہ السلام تک پہونچتی ہے یا باغ جنت کی نسیم ہے جو گنہگار کیطرف بے سزا کے پہونچتی ہے یا ایسی ہے جیسے کیمیا کیطرف مس سیہ کو پیغام پہونچے کہ اے احمق آ مین تجھے سونا بنا دون یا لیلےٰ کا کلام ہے جسکو مجنون سنتا ہے۔ یا دیس کا پیام ہے جو پردیسی کو پہونچتا ہے ایک فائدہ تو یہ تھا دوسرا فائدہ یہ ہے کہ جو اینٹ اوکھیڑتا ہون مجھے تجھ سے مزید قرب ہوتا ہے۔ کیونکہ جب کوئی اینٹ اکھڑتی ہے تو ہر اینٹ کے اوکھڑنے سے یہ اونچی دیوار بہ نسبت پہلے کے نیچی ہو جاتی ہے۔ اور اسکی پستی تجھ سے مزید قرب کا سبب بنجاتی ہے۔ پس یہ میرا اینٹونکا جدا کرنا ایک وقت ذریعہ وصل بنجائیگا اور اسطرح ایک وقت مین پانی تک پہونچ جاؤنگا۔

شرح شبیری

ایک پیاسے کا دیوار پر سے پانی مین ڈھیلے ڈالنا

بر لب جو الخ۔ یعنی ایک ندی کے کنارے پر ایک بلند دیوار تھی اور دیوار کے اوپر ایک دردمند پیاسا تھا۔

تشنۂ مستسقی الخ۔ یعنے وہ ایک پیاسا تھا مستسقی تھا زار و نزار تھا۔ اور ایک عاشق (پانی) تھا اور مست تھا اور غریب بیقرار تھا۔
مانعش از الخ۔ یعنی وہ دیوار اسکو پانی سے روک رہی تھی اور وہ پانی کے واسطے مچھلی کیطرح بیقرار تھا۔
شد حجاب الخ۔ یعنے اوسکو پانی (تک پہونچنے) سے وہ دیوار حجاب ہو گئی۔ اور اوسکی مصیبت کی آہ و فغان آسمان پر پہونچ رہی تھی۔
ناگہان انداخت الخ۔ یعنی اُسنے ناگہان ایک اینٹ پانی مین ڈالی تو اسکے کان مین پانی کی آواز خطاب کیطرح آئی یعنے ایسا معلوم ہوا کہ پانی اُسکو پکار رہا ہے۔
چون خطاب الخ۔ یعنی مثل یار کے شیرین اور لذیذ خطاب کے اُس پانی کی آواز نے اُسکو مست کر دیا یعنی جس طرح کہ محبوب کی آواز مست کر دیتی ہے۔ اسیطرح اس آواز آب نے بھی اُسکو مست کر دیا۔
از سماع الخ۔ یعنی وہ مصیبت زدہ پانی کی آواز کے سُننے سے اوس جگہ سے اینٹین پھینکنے لگا۔ اور اُکھاڑنے لگا مطلب یہ کہ چونکہ اوسکو وہ آواز محبوب تھی اسلیے وہ وہان سے اینٹین اُکھاڑ اُکھاڑ کر پانی مین ڈالنے لگا کہ جب ڈالونگا تو یہ آواز ہوگی پس اسیطرح جو طالب حق ہوتا ہے وہ بھی ذکر و شغل مین لگا رہتا ہے اور چونکہ اسکو ایک مخبر صادق نے کہہ دیا ہے کہ جب تم ذکر خدا کروگے تو حق تعالیٰ تمھارا ذکر کرینگے تو اب ایسا ہے کہ جیسے وہ اسوقت خود حق تعالیٰ ہی سے ذکر سن رہا ہے اسلیے وہ اس عمل مین مصروف ہے کہ جسکے ذریعہ سے وہ لبیک نکل رہا ہے خوب سمجھ لو۔
آب می زد الخ۔ یعنے کہ پانی (بزبان حال) آواز دیرہا تھا یعنے اے تجھے میرے اندر اینٹین مارنے سے کیا فائدہ ہوگا۔
تشنہ گفت الخ۔ یعنی اس پیاسے نے کہا کہ اے پانی مجھے دو فائدے ہین اسلیے مین اس فعل سے دست بردار نہونگا۔
فائدہ اول الخ۔ یعنی اول فائدہ تو پانی کی آواز سنتا ہے۔ کہ وہ پیاسون کے لیے مثل جواب کے ہوتی ہے اور اس سے ایک قسم کی تسکین ہوتی ہے۔
بانگ او الخ۔ یعنے اوسکی آواز مثل حضرت اسرافیل علیہ السلام کی آواز کے (زندہ کرنیوالی) ہے مردہ کو اس زندگی (مستعار) سے بدلنے والی ہے۔ اور حیات ابدی نصیب کرنیوالی ہے اسلیے کہ اس آواز آب سے جو فرحت او بسر و پیاسے کو ہوتا ہے وہ بھی ایسا ہی ہے کہ جیسے مردہ زندہ ہو گیا۔ اور اسکو وہ حیلے جسکو کبھی پیاس لگی ہو ؏ گفتم کہ چو ماشوی بدانی۔
یا چو بانگ الخ۔ یعنی یا (وہ آواز آب) مثل رعد کی آواز کے ہے موسم بہار مین۔ کہ باغ اس سے اسقدر نقش و نگار پاتا ہے اسلیے کہ رعد ہی تو سبب ہے بارش کا اسلیے رعد کو سنکر باغ باغ ہو جاتا ہے۔
یا چو بر الخ۔ یعنے یا جیسے درویش پر آواز زکات کی (کہ جب اوسکو کہا جاوے کہ زکوۃ لیتے جاؤ تو اُسکو کسقدر خوشی ہوتی ہے) اور یا جیسے محبوس کے نزدیک رہائی کا پیغام کہ کسقدر فرحت بخش ہوتا ہے۔
چون دم الخ۔ یعنے یا جیسے کہ حق تعالیٰ کی آواز یمن کیطرف سے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بے دہن کے پہونچتی ہے۔ اشارہ ہے حدیث الایمان یمان الخ کیطرف تو اس سے حضور مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو جو فرحت پہونچی تھی وہ ظاہر ہے اور بے دہن ہونا بھی اظہر ہے اسلیے کہ وہ آواز حق تعالیٰ کی ہے۔

یا چو بوئے الخ۔ یعنی یا مانند خوشبو احمد مرسل صلی اللہ علیہ وسلم کیطرح ہووے کہ وہ کسی عاصی کی شفاعت کو پہونچیں اور اسکو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشبو سے معلوم ہو جاوے کہ حضور مقبول صلی اللہ علیہ وسلم میری شفاعت کو آرہے ہین تو وہ کسقدر خوش ہوگا۔ ظاہر ہی ہے۔

یا چو بوئے الخ۔ یعنی یا مثل یوسف علیہ السلام کی بو کے جو کہ خوب اور لطیف تھی کہ یعقوب علیہ السلام کی جان پر مارتی تھی جو کہ نحیف تھے۔ مطلب یہ کہ دیکھو حضرت یوسف علیہ السلام کی خوشبو نے انکی جان مین ایک روح تازہ ڈالدی جس سے کہ انکو کسقدر فرحت حاصل ہوئی۔

یا نسیم الخ۔ یعنی یا (مثل) جنت کے باغ کی ٹھنڈی ہوا کے ہے جو کہ عاصی کی طرف بے بدلا لیے ہوئے پہونچے تو دیکھو اوسکو کسقدر سرور ہوگا۔ کہ وہ پہلے سے سمجھ رہا تھا کہ مجھے سزا ہوگی اور اب اسکو ایک دم سے جنت کی ہوا آگئی تو کیسی خوشی کی بات ہے۔

یا شوے الخ۔ یعنی یا سیاہ تانبے کیطرف کیمیا کا پیغام جاوے کہ اے بیوقوف ادھر آکہ مین تجھے سونا بنا دون تو یہ اوسکی کسقدر خوش قسمتی ہے اور اسکو کسقدر خوش ہونا ضروری ہے خوب سمجھ لو۔

یا ز لیلے الخ۔ یعنی یا جیسے لیلے کیطرف سے مجنون کو کوئی پیام سنے یا ویس رامی کو کوئی پیام بھیجے۔ تو انکو کسقدر فرحت اور خوشی ہوگی۔ کہ اللہ اکبر محبوب نے یاد کیا ہے۔ پس اسی طرح جب معلوم ہے کہ کام مین لگے رہنے سے حق تعالے بھی جواب دیتے ہین۔ اور وہ بھی ذکر فرماتے ہین تو اب اس شخص کو کسقدر خوشی ہوگی جبکہ اوس طرف سے جواب اوس طرف سے ذکر اپلسنے گا ع ذکر میرا مجھ سے بہتر ہے جو اوس محفل مین ہے ؎ بس وہ لبیک حق تعالے کا چونکہ ہمکو یقین ہے کہ ہمارے ذکر پر فرمایا جاتا ہے تو اب اوس سے خوش اور متاثر ہوتے ہین اور کام مین لگے رہتے ہین ایک وجہ تو یہ ہوئی آگے دوسری وجہ کو بیان کرتے ہین کہ ویس نام معشوقہ اور رامی نام عاشق لیلے و مجنون مشہور ہین۔

فائدہ دیگر الخ۔ یعنی کہ دوسرا فائدہ یہ ہے کہ جو اینٹ اس (دیوار) سے اکھاڑتا ہون جاری پانی کیطرف آتا ہون اور اوس سے قریب ہوتا چلا جاتا ہون جو میرا محبوب اور مطلوب ہے۔

کز کمی الخ۔ یعنی بلند دیوار کی اینٹ کی کمی سے ہر دفعہ اکھاڑنے سے نیچی ہوتی ہو اور اس سے قریب پانی کا نصیب ہوتا ہے۔

پستی دیوار الخ۔ یعنی دیوار کی پستی (سبب) قرب ہوتی ہے اور اس (اینٹ) کا جدا ہونا وصل کا علاج ہو جاتا ہے کہ جب یہ اینٹین ساری اسیطرح ختم ہو جاوینگی تو پھر قرب حاصل ہو جاویگا آگے مولانا فرماتے ہین کہ۔

شرح حبیبی

سجدہ آمد کندن خشت لزب	موجب قربت کہ واسجد واقترب
تا کہ این دیوار عالی گردنست	مانع این سر فرود آوردنست
سجدہ نتوان کرد بر آب حیات	تا نیابی زین تن خاکی نجات

بر سر دیوار هر کو تشنه تر ‏ زودتر بر میکند خشت و مدر
هر که عاشق‌تر بود بر بانگ آب ‏ او کلوخ زفت‌تر کند از حجاب
او ز بانگ آب پر مے تا عنق ‏ نشنود بیگانه جز بانگ بلق
اے خنک آنرا که او ز ایام پیش ‏ مغتنم دارد گزارد وام خویش
اندرون ایامش کش قدرت بود ‏ صحت و زور دل و قوت بود
وان جوانی همچو باغ سبز تر ‏ میرساند بے دریغے بار و بر
چشمهاے قوت و شهوت روان ‏ سبز میگردد زمین تن بدان
خانه معمور و سقفش بس بلند ‏ معتدل ارکان و بے تخلیط و بند
نور چشم و قوت ابدان بجا ‏ قصر محکم خانه روشن پر صفا
هین غنیمت دان جوانی اے پسر ‏ سر فرو آور بکن خشت و مدر
پیش ازان کایام پیری در رسد ‏ گردنت بندد بحبل من مسد
خاک شوره گردد و ریزان و سست ‏ هرگز از شوره نبات خوش نرست
آب زور و آب شهوت منقطع ‏ او ز خویش و دیگران تا منتفع
ابروان چون پاردم زیر آمده ‏ چشم را نم آمده تارے شده
از تشنج رو چو پشت سوسمار ‏ رفته نطق و طعم دندانها ز کار
پشت دوتا گشته دل سست و طپان ‏ تن ضعیف و دست و پا چون ریسمان
بر سره زاد کم مرکوب سست ‏ غم قوی و دل تنگ تن نادرست
خانه ویران کار بے سامان شده ‏ دل پر فغان همچو نے انبان شده
عمر ضایع سعی باطل راه دور ‏ نفس کاهل دل سیه جان ناصبور
موے سر همچو برف از بیم مرگ ‏ جمله اعضا لرزان همچو برگ
روز بیگه لاشه لنگ و ره دراز ‏ کارگه ویران عمل رفته ز ساز
بیخهاے خوے بد محکم شده ‏ قوت بر کندن آن کم شده

حکایت

همچو آن شخص درشت خوش سخن ‏ در میان ره نشاند او خاربن
ره گذریانش ملامت گر شدند ‏ پس بگفتندش بکن او را نکند
هر دم آن خاربن افزون شدے ‏ پائے خلق از زخم او پرخون شدے
جامه‌هاے خلق بدریدے ز خار ‏ پاے درویشان بخستے زار زار
چونکه حاکم را خبر شد زین حدیث ‏ یافت آگاهی ز فعل آن خبیث
چون بجد حاکم بدو گفت این بکن ‏ گفت آرے بر کنم روزیش من

مدتے فردا و فردا وعدہ داد
شد درخت خار او محکم نہاد

گفت روزے حاکمش اے وعدہ کش
پیش آور کار ما واپس مغژ

گفت الایام یا عم بیننا
گفت عجل لاتماطل دیننا

تو کہ میگوئی کہ فردا این بدان
کہ بہر روزے کہ مے آید زمان

آن درخت بد جوان تر مے شود
وین کنندہ پیر و مضطر مے شود

خاربن در قوت و برخاستن
خارکن در سستی و در کاستن

خاربن ہر روز و ہر دم سبز تر
خارکن ہر روز زار و خشک تر

او جوان تر مے شود تو پیر تر
زود باش و روزگار خود مبر

خاربن دان ہر یکے خوے بدت
بارہا در پاے خار آخر زدت

بارہا از فعل خود نادم شدی
بر سر راہ ندامت آمدی

بارہا از خوے خود خستہ شدی
حس نداری سخت بے حس آمدی

گر ز خستہ گشتن دیگر کسان
کہ ز خلق زشت تو ہست آن نشان

غافلے بارے ز زخم خود نۂ
تو عذاب خویش و ہم بیگانۂ

اب مولانا حسب عادت نصیحت کیطرف انتقال فرماتے ہین اور کہتے ہین کہ جسطرح اس پیاسے کا اینٹین اکھیڑنا وصل آب اور پانی تک پہونچنے کا سبب تھا یون ہی طالب حق کیلیے سجدہ موجب قرب حق سبحانہ ہی چنانچہ حق سبحانہ فرماتے ہین کہ واسجد واقترب کہ سجدہ کر اور مقرب بنجا۔ یاد رکھ کہ تیرا تن خاکی ایک عالیشان دیوار ہے جب تک یہ قائم رہیگی اور تو اوسکی درستی اور تن پروری کو نہ چھوڑیگا اسوقت تک تجھسے سجدہ حقیقی اور انقیاد کامل ناممکن ہے۔ اور جب تک تو اوسکی فکر سے رہائی نہ پاویگا اسوقت تک آب حیات حقیقی اور اصلی جان بخش ذات کا قرب حاصل نہین کرسکتا۔ اسلیے لازم ہے کہ تو اس دیوار کو اوکھیڑے اور اسکی فکر چھوڑے اور چونکہ یہ بات بدون طلب کے نہین ہوسکتی لہذا اول طلب پیدا کر پس طلب جسقدر شدید ہوگی فنای تن اسیقدر جلد ممکن ہے کیونکہ قاعدہ ہے کہ آدمی جسقدر زیادہ پیاسا ہوتا ہے اتنی ہی جلدی اینٹین اور ڈھیلے اوکھیڑتا ہی اور جو شخص پانی کی آواز پر جتنا عاشق ہوتا ہے اُتنی ہی جلدی وہ دیوار مانع سے بڑے بڑے ڈھیلے اوکھیڑتا ہے اوسکی حالت یہ ہوتی ہے کہ پانی کی آواز سے نشہ مین سرشار ہوتا ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے جیسا کہ اوسنے گلے تک شراب بھر رکھی ہے اور سوائے گڑپ گڑپ کی آواز کے اور کوئی آواز ہی نہین سنتا۔ لہذا آدمی کی طلب جسقدر شدید ہوگی اوسیقدر وہ ماسوی اللہ سے بے تعلق ہوگا اور اتنا ہی جلد موانع کو مرتفع کریگا اور اُتنا ہی جلد وہ تن خاکی کو مٹائیگا۔ چونکہ شدت طلب اور رفع موانع اور انکی مزاحمت موقوف ہے اعتدال مزاج اور قوت قوی پر اور یہ بات جوانی مین ہوتی ہے اسلیے جوانی کی قدر کرنی چاہیے۔ اسے مزے ہین اسکے جو پہلے دنونکو اور موسم شباب کو غنیمت جانے اور اپنا فرض اطاعت جو واجب الادا ہے پہلے ہی سے ادا کردے جس زمانہ مین کہ اسکو قدرت اعمال بھی ہے صحت و اعتدال مزاج بھی ہے دل مین بھی زور و قوت ہے اور جوانی جو ایک سرسبز

شاداب باغ کیطرح ہے اور بے تکلف اپنے منافع و ثمرات سے متمتع کر رہی ہے یعنے قوت اور شہوت کے چشمہ رواں ہیں جن سے زمین جسم سرسبز ہے مکان آباد ہے اور چھت نہایت اونچی ہے ارکان و عناصر معتدل حالتمیں ہیں کوئی گڑبڑ نہیں کسی قسم کی بندش نہیں ہرطرح انتفاع ممکن ہے آنکھ کی روشنی اور اعضا کی قوت قائم ہے محل مضبوط مکان روشن اور خس وخاشاک سے پاک وصاف ہے غرض کہ جسم کی حالت ہرطرح قابل اطمینان اور راحت بخش اور مقصود اصلی کی معاون ہے۔ بیٹا دیکھ جوانی کو غنیمت جان سر جھکا اور حق سبحانہ کا مطیع و منقاد بن اور بدن کی اینٹیں اور ڈھیلے اوکھیڑ اور شہوات ولذات نفسانی کو چھوڑ قبل اسکے کہ بڑھاپے کا زمانہ آئے۔ اور تیری گردن مونج کی رسی میں بندھ جاوے۔ اور اب تجھے وہ آزادی حاصل نہ رہے جو جوانی میں تھی۔ زمین تن کی مٹی شور ہوجاوے عمارت تن سے مٹی جھڑنے لگے بنیاد کمزور ہوجاوے اور اس قابل نہ رہے کہ عمدہ گھاس پیدا ہوسکے اور اعمال صالحہ اوس سے صادر ہوسکیں کیونکہ زمین شور میں ہرگز عمدہ گھاس نہیں جمتی۔ اور تن سست سے اعمال صالحہ نہیں ہوسکتے۔ زور وشہوت کا پانی بھی بند ہوچکا ہے۔ اسلیے وہ بھی مدد نہ پہونچا سکے گا۔ اور وہ نہ اس قابل رہیگا کہ دوسروں کو نفع پہونچا سکے اور نہ اپنے سے خود ہی منتفع ہوسکے گا۔ بھویں دمچی کی طرح نیچے کو لٹک جائیں گی۔ آنکھ میں تراوٹ آکر آنسوؤں کا ایک تار بندھ جائے گا جھریاں پڑکر منھ گوہ کی بیٹھ کیطرح ہوجائے گا۔ نہ بولا جائیگا۔ نہ کھایا جائیگا۔ دانت بیکار ہوجائینگے۔ کمر ٹیڑھی ہوجائیگی۔ دل سست ہوجائیگا ضعف سے دھڑکن پیدا ہوجائیگی جسم کمزور ہوجائیگا۔ ہاتھ پاؤں سوکھ کر رسی کیطرح ہوجائینگے اور حالت یہ ہوگی کہ چلنے کیلیے تیار۔ زاد راہ بہت قلیل سواری سست۔ غم اور فکر قوی۔ دل کمزور جسم خراب خانہ جسم ویران۔ کام تتر بتر دل آہ وفغان سے نلے ابناق (باعبہ) کیطرح لبریز کوشش بیکار عمر برباد۔ سفر لمبا نفس کاہل۔ دل سیاہ جان بے صبر بال سر پر برف کیطرح سفید۔ موت کے خوف سے تمام اعضاء تھر تھرپتے کیطرح کانپتے ہوئے۔ وقت بے وقت۔ سواری لنگڑی سفر لمبا جائے عمل جسم ویران کام ناموافق اخلاق ذمیمہ کی جڑیں مضبوط۔ اکھیڑنیکی قوت کمزور۔ اسلیے اسکی مثال اس بڈھے اور چکنی چپڑی باتیں بنانے والے کی سی ہوگی جسنے رستہ میں ایک درخت خاردار بو دیا تھا اور راہ گیر اوس سے ملامت کرتے اور اوکھیڑنے کو کہتے تھے تو اوکھیڑتا نہ تھا وہ درخت خاردار ہر وقت بڑھتا تھا اور مخلوق کے پاؤں اسکے زخم سے سے لہولہان ہوتے تھے۔ فقیروں کے کپڑے کانٹوں میں اوجھکر پھٹتے تھے بیچاروں کے ننگے پاؤں زخمی ہوتے تھے جبکہ حاکم کو اس واقعہ کی خبر ہوئی اور اس خبیث کے اس فعل ناشائستہ پر اطلاع پائی تو اسکو اکھیڑنے کی فرمائش کی پس جب حاکم نے بتاکید حکم دیا کہ اسکو اکھیڑ ڈال تو اوسنے کہا اچھا کسی وقت اکھیڑ ڈالونگا۔ ایک عرصہ تک آجکل آجکل کرتا رہا۔ اور اسکا خاردار درخت خوب مضبوط اور قوی ہوتا گیا۔ ایک روز حاکم نے اوس سے کہا کہ اے وعدہ خلاف ہمارے حکم کی فوراً تعمیل کر اور کچھ حیل وحجت مت کر۔ تو اوسنے جواب دیا کہ حضور ابھی تو زمانہ پڑا ہوا ہے۔ حاکم نے کہا کہ نہیں جلدی کر اور تعمیل حکم میں ٹال مٹول نکر بس بیٹا تو جو کہتا ہے کہ اعمال صالحہ آج نہیں کل کرونگا تو یاد رکھ کہ جوں جوں دن گذرتے ہیں تیری برائی کا درخت جوان ہوتا جاتا ہے اور اکھیڑنیوالا یعنی تو بڈھا اور لاچار ہوتا جاتا ہے۔ درخت خاردار تو قوی ہوتا جاتا ہے اور اٹھان پر ہے اور اسکا اکھیڑنیوالا

یعنے تو کمزور ہوتا جاتا ہے۔ اور ہر وقت گھٹتے ہی میں ہے۔ درخت خاردار ہر دن بلکہ ہر لحظہ سرسبز ہوتا ہے اور اکھیڑنا لا
یعنے تو لاچار اور خشک ہوتا ہے جسقدر وہ جوان ہوتا ہے اتنا ہی تو بڈھا ہوتا ہے۔ پس جلدی کر اور اپنا وقت
ضایع نہ کر یاد رکھ کہ تیری ہر خوے بد ایک خاردار درخت ہے۔ وہ بارہا خود تیرے ہی پاؤن مین چبھلے ہے اور
تجھے بھی تکلیف دی ہے چنانچہ تو بارہا اپنے فعل سے نادم ہوا اور سیکڑون مرتبہ تو نے اپنی خصلت بد سے تکلیف
اٹھائی ہے۔ مگر اسپر بھی تجھے حس نہین نہایت عجیب شخص ہے بھلے مانس اگر دوسرونکے زخمی ہونے سے جسکا
سبب تیری خوے بد ہے تو غافل ہے اور تجھے انکی پرواہ نہین تو اپنے زخم سے تو غافل نہین۔ ارے کمبخت تو اپنے
لیے بھی وبال ہے۔ اور دوسرون کے لیے بھی تجھے چاہیے کہ تین باتون مین سے علی الترتیب ایک بات کو اختیار کرے
وہ باتین یہ ہین سہ یا تبر بردار و مردانہ بزن الخ۔

یا تبر بردار و مردانہ بزن — تو علی وار این در خیبر بکن
ورنہ چون صدیق و فاروق مہین — ہین طریق دیگران را برگزین
یا بگلبن وصل کن این خار را — وصل کن با نار و نور یار را

یا تو یہ کر کہ تبر اٹھا اور بہادری سے اس درخت خاردار کی جڑ مین مار اور اسے اسطرح نیست و نابود کردے
جسطرح حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے در خیبر کو نیست و نابود کر دیا تھا۔ اور اگر تجھ سے یہ نہین ہو سکتا تو صدیق
اکبر اور فاروق اعظم کیطرح دوسری روش پر چل یعنی جسطرح صدیق اکبر اور فاروق اعظم باوجودیکہ شجاعت کاملہ
و تدبیر تام اور ایمان کامل رکھتے تھے اور کوئی ظاہری سبب مانع فتح نہ تھا۔ در خیبر کو اس لیے فتح نہ کر سکے کہ
انکے ہاتھون اسکا فتح ہونا مقدر نہ تھا۔ مگر اونہون نے اسکی فتح کی امکانی کوشش کی اسلیے جہاد مین شریک
اور مستحق اجر ہوے۔ یون ہی تو او سکے اکھاڑنے کی کوشش کر۔ پس اگر باوجود کوشش کے بھی وہ درخت خاردار
جڑ سے نہ اکھڑ سکا تب بھی تو جہاد اکبر مین شامل سمجھا جائیگا۔ اور مستحق اجر اور مقرب عند اللہ ہوگا۔ اس تقریر پر حضرت
علی کرم اللہ وجہہ کی فضیلت شیخین پر لازم نہین آتی اور نہ انکے طریق مجاہدہ کا شیخین کے طریق مجاہدہ پر افضل
ہونا لازم آتا ہے۔ ہان یہ بر تقدیر صحت واقعہ کے حضرت علی کا فضل جزئی شیخین پر لازم آتا ہے اور یہ شیخین کے
فضل کلی کے منافی نہین وہو ظاہر۔ اسمین اشارہ ہے ان روایات کی طرف جنمین مذکور ہے کہ جناب رسول اللہ
صلے اللہ علیہ وسلم نے اولاً ابوبکر صدیق کو جھنڈا دیکر بھیجا تھا اور وہ بدون فتح کے واپس ہو گئے تھے پھر حضرت
عمر کو بھیجا وہ بھی بدون فتح کے واپس ہو گئے۔ اسکے بعد حضرت علی کو بھیجا اونہون نے فتح کیا اور در خیبر کو اوکھاڑ کر
پھینکدیا چنانچہ خصائص نسائی مین ہے۔ اخبرنا احمد بن سلیمان الرہاوی حدثنا عبید اللہ اخبرنا ابن ابی لیلی عن الحکم
عن المنہال عن عبد الرحمن ابن ابی لیلی عن ابیہ قال لعلی وہو یسیر معہ ان الناس قد انکروا منک شیئا تخرج فی البرد
فی الملاءتین وتخرج فی الحر فی الحشو والثوب الغلیظ فقال لم تکن معنا بخیبر قال بلی قال بعث رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم ابا بکر وعقد لہ لواء فرجع وبعث عمر وعقد لہ لواء فرجع فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لاعطین الرایۃ
رجلا یحب اللہ ورسولہ ویحبہ اللہ ورسولہ لیس بفرار فارسل الی وانا ارمد فتفل فی عینی فقال اللہم اکفہ اذی الحر و
البرد قال ما وجدت حرا بعد ذلک ولا بردا (اخبرنا محمد بن علی بن حرب انا اللہ الواقدی قال اخبرنا معاذ بن خالد

قال اخبرنا الحسین بن واقد عن عبد اللہ بن بریدۃ قال سمعت ابی بریدۃ یقول حاصرنا خیبر فاخذ الرایۃ ابوبکر ولم یفتح
لہ فاخذہ من الغد عمر فانصرف ولم یفتح لہ واصاب الناس شدۃ وجہد فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انی دافع
لوائی غدا الی رجل یحب اللہ ورسولہ ویحبہ اللہ ورسولہ لا یرجع حتی یفتح لہ وبتنا طیبۃ انفسنا ان الفتح غدا فلما اصبح
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صلی الغداۃ ثم جاء قائما فدعا باللواء والناس علی مصافہم فما منا انسان لہ منزلۃ عند الرسول
صلی اللہ علیہ وسلم الا وہو یرجو ان یکون صاحب اللواء وفتح اللہ علیہ۔ قالوا اخبرنا من تطاول الیہا قال بریدہ
وانا من تطاول الیہا (اخبرنا محمد بن بشار بندار البصری اخبرنا محمد بن جعفر قال حدثنا عوف عن میمون ابی عبد اللہ
ان عبد اللہ ابن بریدۃ حدثہ عن بریدۃ الاسلمی قال لما کان یوم خیبر نزل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بحصن اہل خیبر
اعطی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللواء عمر فنہض فیہ من نہض من الناس فلقوا اہل خیبر فانکشف عمر واصحابہ فرجعوا
الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لاعطین الرایۃ رجلا یحب اللہ ورسولہ ویحبہ اللہ
ورسولہ فلما کان من الغد تصادر ابوبکر وعمر فدعا علیا وہو ارمد فتفل فی عینیہ ونہض معہ من الناس من نہض فلقی اہل خیبر
فاذا مرحب یرتجز ؎ قد علمت خیبر انی مرحب ٭ شاکی السلاح بطل مجرب ٭ اذا اللیوث اقبلت تلہب ٭ اطعن
احیانا وحینا اضرب ٭ فاختلف ہو وعلی ضربتین فضربہ علی ہامتہ حتی مضی السیف منہا منتہی راسہ وسمع اہل العسکر
صوت ضربتہ فما تتام اخر الناس مع علی حتی فتح لاولہم۔ میزان الاعتدال میں ہے۔ انبانا ابن علان انا الکندی
حدثنا الشیبانی انا الخطیب حدثنا محمد بن عمر ابن بکیر انا علی بن احمد بن محمد بن فروخ الوراق حدثنا محمد بن صابر حدثنی
اسمعیل بن موسی حدثنا المطلب ابن زیاد عن لیث عن ابی جعفر محمد بن علی عن جابر ان علیا حمل باب خیبر یوم
افتتحہا وانہم جربوہ بعد ذلک فلم یحملہ الا اربعون رجلا ہذا منکر رواہ جماعۃ عن اسمعیل انتہی۔ مسند احمد میں ہے
حدثنا عبد اللہ حدثنی ابی ثنا یعقوب ثنا ابی عن محمد بن اسحق قال حدثنی عبد اللہ بن الحسن عن بعض اہلہ عن ابی رافع
مولی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خرجنا مع علی حین بعثہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم برایۃ فلما دنا من الحصن
خرج الیہ اہلہ فقاتلہم فضربہ رجل من یہود فطرح ترسہ من یدہ فتناول علی بابا کان عند الحصن فترس بہ نفسہ فلم
یزل فی یدہ وہو یقاتل حتی فتح اللہ علیہ ثم القاہ من یدہ حین فرغ فلقد رایتنی فی نفر معی سبعۃ انا ثامنہم نجہد
علی ان نقلب ذلک الباب فما نقلبہ گو یہ روایات تنقید کے بعد میرے نزدیک قابل اعتماد نہیں اور ابوبکر صدیق
وعمر فاروق کو جھنڈا دیکر بھیجنا ثابت نہیں چنانچہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ منہاج السنۃ میں لکھتے ہیں ولم تکن الرایۃ
قبل ذلک لابی بکر ولا لعمر ولا قربہا واحد منہما بل ہذا من الاکاذیب ولہذا قال عمر فما احببت الامارۃ الا یومئذ و
بات الناس کلہم یرجون ان یعطاہا۔ اور خود الفاظ حدیث ہی تبلا رہے ہیں کہ حدیثیں کسی کی تراشی ہوئی ہیں۔ گو اسناد
میں کوئی متہم بالوضع نہیں مگر ایسے بھی نہیں کہ انکی روایت قابل اطمینان ہو ولا غرابۃ المقام لاشبعت الکلام۔ مگر
مولانا استطرادی امور میں اسکی پرواہ نہیں کرتے کہ واقعہ کیا ہے۔ یہ توجیہ مجھے اقرب معلوم ہوتی ہے اسمیں تفضیل
علی کرم اللہ وجہہ علی الشیخین سے کوئی تعرض ہی نہیں کہ تاویل کی فکر ہو۔ یا تقدیم امر اول کیلئے کسی توجیہ کی ضرورت
ہو دوسری وجہ یہ ہے کہ یا تیر بردار وہر دانہ بزن الخ میں اشارہ ہے اختیار مسلک ولایت کیطرف اور ورنہ
چون صدیق الخ سے اختیار مسلک نبوت کیطرف یعنی اول تو چاہیے کہ یا تو بطریق ولایت سے جو علی کرم اللہ وجہہ

غالب تھا اوسکی بیخ کنی کرے۔ اور اگر شیخ کامل کی راے مین اس سے مناسبت نہ ہو تو صدیق وفاروق رضی اللہ عنہما کیطرح مسلک نبوت کو اختیار کرے جو دیگر سالکین کا مختار ہے غرض جیسی استعداد ہو مسلک ولایت و طریق نبوت مین یہ فرق ہے کہ مسلک ولایت مین خلق کیطرف عدم توجہی اور توجہ الی الحق غالب ہوتی ہے۔ اور مسلک نبوت مین توجہ الی الخلق للحق غالب ہوتی ہے جو کہ فی الحقیقۃ توجہ الی الحق ہی ہے۔ مسلک اول مین ملذوات وتنعمات اختلاط مع الخلق سے کامل نفرت ہوتی ہے۔ اور مسلک ثانی مین بقدر ضرورت تلذذات وتنعمات سے للحق تمتع ہوتا ہے اور خلق کے ارشاد ہدایت کے لیے انکے ساتھ اختلاط ہوتا ہے۔ لیکن معاصی سے احتراز کلی ہوتا ہے۔ مسلک اول بظاہر سخت ہے اور مسلک ثانی درحقیقت سخت طبائع واستعدادات مختلف ہوتی ہین۔ لہذا بعض کے مناسب مسلک اول ہوتا ہے اور بعض کے نزدیک مسلک ثانی مولانا پر ظاہراً مسلک اول غالب تھا۔ اور ذوقاً انکے مناسب تھا۔ اسلیے اول کو مقدم کیا ورنہ افضل واعلیٰ مسلک ثانی ہی ہے۔ اور یہ جو کہا جاتا ہے کہ الولایۃ افضل من النبوۃ اوسکی چند توجیہین ہین اول یہ کہ ولایت نبی نبوت نبی سے افضل ہے۔ نہ کہ ولایت ولی۔ دوم کہ ولایت مطلقاً نبوت سے افضل ہے مگر ولی نبی سے افضل نہین کیونکہ اسمین ولایت ونبوت دونون ہین اور اسمین صرف ولایت لیکن تحقیق یہی ہے کہ نبوت افضل ہے ولایت سے اسلیے کہ منشا تفضیل ولایت یہ تھا کہ ولایت مین توجہ الی الحق ہوتی ہے۔ اور نبوت مین توجہ الی الخلق اور توجہ الی الحق افضل ہے توجہ الی الخلق سے مگر یہ منشا ہی غلط ہے کیونکہ نبوت مین صرف توجہ الی الخلق نہین ہوتی بلکہ توجہ الی الخلق للحق ہوتی ہے اور یہ عین توجہ الی الحق ہے اور اس توجیہ پر تفضیل مسلک ولایت مفضول علی مسلک النبوت الفاضل کا شبہ نہ کیا جاوے گو وہ ایک تاویل صحیح رکھتی ہے لیکن یہان محض تقدیم ذکری سے تقدیم رتبی لازم نہین آتی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ پر مسلک ولایت کا غلبہ بناءً علی ما ہو المسلم عند اہل الفن ہے گو بعض نے اسمین کلام کیا ہے کہ سیرۃ علی کرم اللہ وجہہ سے ظاہر نہین ہوتا کہ ان پر مسلک ولایت غالب تھا بلکہ تحقیق یہ ہے کہ شیخین پر زہد فی الدنیا بہ نسبت حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے غالب تھا۔ وان کانوا زاہدین رضی اللہ عنہم مگر خود زہد بھی دو قسم ہے ایک مشابہ زہد انبیاء کے کہ مال مین ظاہراً دخیل ہو مگر باطناً اوس سے کچھ تعلق نہو دوسرا یہ کہ ظاہراً بھی اوس سے تعلق کم ہو اور اسلیے اوسکے بہت سے مصالح ومنافع سارے الی الخلق کا افاضہ نہ کرسکے اور یہ زہد اولیاء ہے اور حضرات شیخین قسم اول مین بڑھے ہوے تھے۔ تیسری توجیہ یہ ہے کہ مجاہدہ دو قسم کا ہے ایک جلی۔ دوسرا خفی اول مشابہ ہے طریق علی کے کہ قلعہ باب خیبر امر جلی ہے اور یہ مجاہدہ ہے ترک لذات وتنعمات کے ساتھ اور دوسرا مشابہ ہے طریق شیخین کے کہ اسمین سعی کی کوئی صورت ظاہر نہین ہوتی مگر باطنی مقامات اوس سے طے ہوتے ہین اور یہ مجاہدہ ہے دقایق اعمال کی رعایت کے ساتھ جسکی کوئی ظاہر صورت نہین مگر اول سے زیادہ دشوار ہے پس مولانا فرماتے ہین کہ یا تو مجاہدہ جلی اختیار کرو جسطرح کہ قلعہ باب خیبر امر جلی تھا۔ یا مجاہدہ خفی اختیار کرو جسطرح شیخین کی کامیابی غزوہ خیبر مین خفی تھی کہ بظاہر کوشش بے نتیجہ تھی مگر حقیقت مین اپنے اندر ثمرات رکھتی تھی (تنبیہ) واضح ہو کہ یہ تشبیہ محض مجاہدہ کے جلی اور خفی ہونے مین ہے ورنہ کامیابی قلع خیبر اور ناکامی سے قطع نظر ہے۔ اب یہ شبہہ نہین ہوسکتا کہ ایک طریق کا حاصل کامیابی ہے اور دوسرے کا ناکامی۔ کیونکہ سعی باطنی کامیابی سے غالی نہین ہوتی واللہ اعلم۔ والتوجیہ الذی اختارہ المحشون مطروح

لا یلتفت الیہ۔ یہ دونون باتین اگر تجھ سے نہو سکین اور نہ تو خصائل ذمیمہ کی بیخ کنی کیسکے اور نہ نفس کی مزاحمت پر قادر ہو تو یہی کر کہ اس خار کو درخت گل سے ملادے اور اپنی آگ کیطرح مضر خصلتون کے ساتھ نور باطنی شیخ کامل کو قرین کر یعنی شیخ کامل کی خدمت مین پڑا رہ شاید بہ برکت صحبت شیخ ہی تو ان مضر خصائل سے نجات پاجاے آگے مولانا اسیکو بیان فرماتے ہین۔

تا کہ نور او کشد نار ترا ✽ وصل او گلبن کند خار ترا

تو مثال دوزخی او مومن است ✽ کشتن آتش بمومن ممکن است

مصطفیٰ فرمود از گفت جحیم ✽ کہ بمومن لابہ گر گردد ز بیم

گویدش بگذر ز من اے شاہ زود ✽ ہین کہ نورت سوز نارم را ربود

پس ہلاک نار نور مومن است ✽ زانکہ بے ضد دفع ضد لایمکن است

نار ضد نور باشد روز عدل ✽ کان ز قہر انگیختہ شد وین ز فضل

گر ہمی خواہی تو دفع شر نار ✽ آب رحمت بر دل آتش گمار

چشمۂ آن آب رحمت مومن است ✽ آب حیوان روح پاک محسن است

پس گریزانست نفس تو ازو ✽ زانکہ تو از آتشے او ز آب تو

ز آب آتش زان گریزان میشود ✽ کآتشش از آب ویران میشود

حس و فکر تو از آتش است ✽ حس شیخ و فکر او نور خوش است

آب نور او چو بر آتش جہد ✽ چلچک از آتش بر آید خوش جہد

چون کند چلچک تو گویش مرگ و درد ✽ تا شود این دوزخ نفس تو سرد

تا نسوزد او گلستان ترا ✽ پست نکند عدل و احسان ترا

یک شرارا زوے ہزاران گلستان ✽ از یکے نے نام ماند نے نشان

بعد ازان چیزے کہ کارے بر دہد ✽ لالۂ و نسرین سیسنبر دہد

صحبت شیخ کی اسلیے ضرورت ہے تاکہ اسکا نور تیری آتش شہوت وغضب کو بجھا دے۔ اور تجھے خصائل ذمیمہ سے نجات دے۔ یہ شبہہ نکرنا کہ نور نار کو کیونکر بجھا دیگا اسلیے کہ تیری مثال دوزخ کی سی ہے کیونکہ تو آتش خصائل بد سے دوزخ کی طرح لبریز ہے۔ اور وہ مومن ہے۔ اور نور مومن کا آتش دوزخ کو بجھا دینا ممکن ہے۔ نہ صرف ممکن بلکہ واقع ہے چنانچہ مخبر صادق مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم دوزخ کی گفتگو نقل فرماتے ہین کہ دوزخ خوف سے مومن کی خوشامد کریگی اور کہے گی کہ حضور والا جلدی سے پل صراط سے گذر جائین آپ کا نور میری سوز آتش کو فنا کیے دیتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ آگ کی تباہی و بربادی مومن کے نور ہی سے ہوتی ہے وجہ اسکی یہ ہے کہ نور ضد نار ہے۔ اور ایک ضد کی مدافعت دوسری ضد ہی کر سکتی ہے اسکے بغیر ناممکن ہے رہی یہ بات کہ نور نار کی ضد کیونکر ہے۔ یہ اگرچہ پورے طور پر اسوقت سمجھ مین نہ آوے مگر قیامت مین اسکا مشاہدہ ہو جائیگا اور معلوم ہو جائیگا کہ آگ مظہر ہے آتش قہر الٰہی اور اسکے جلال کا اور نور مظہر ہے اوسکے فضل و جمال کا۔ قہر و

فصل اور جلال و جمال میں تضاد ظاہر ہے۔ یون ہی ان کے مظاہر میں بھی تضاد لابدی ہے جبکہ یہ امر ثابت ہو کہ نور آگ کی ضد ہے اور ایک ضد بدون دوسری ضد کے مدفوع نہیں ہوسکتی تو اگر تو چاہتا ہے کہ میں آگ کی مضرت سے محفوظ رہون تو آب نور جو مظہر رحمت ہے اور جسکو اس بنا پر آب رحمت کہا جا سکتا ہے تو آگ کے اندر ڈال اور اس پانی کا پتا بھی ہم تجکو بتلائے دیتے ہین یہ پانی تجکو مومن کامل سے حاصل ہوتا ہے کہ وہ اسکا سرچشمہ ہے اور اوسکی روح پاک سراسر آب حیوان ہے اس سے منتفع ہو چونکہ تو آب سے پر اور گویا آگ کا پتلا ہے اور مومن سراپا آب جیسے رحمت ہے اسلیے تیرا نفس اس سے بھاگتا ہے۔ یہی دلیل ہے اوسکے سرچشمہ آب رحمت ہونیکی۔ کیونکہ قاعدہ ہے کہ آگ پانی سے بھاگتی ہے۔ اور وجہ اسکی یہ ہے کہ اسکے اتصال مین آگ اپنی تباہی و بربادی محسوس کرتی ہے۔ یاد رکھ کہ تیری حس اور تیرا فکر مصروف شہوات نفسانیہ ہونیکے باعث سراپا آتش ہے۔ اور شیخ کی حس اور اسکا فکر مصروف حقایق الٰہیہ ہونیکے سبب سراپا نور ہے جب اوسکے نور کا پانی تیری آگ پر پڑیگا اور ہمت شیخ اور برکت مرشد جب اوسکے اطفاء کی طرف متوجہ ہوگی تو آگ آواز دیکر دم بھر مین رخصت ہو جائیگی جب اوسمین سے آواز نکلے تو تو خوش ہو اور کہہ کہ تجھے درد مرگ نصیب اور مبارک ہو۔ کیونکہ اسکا مرنا ہی بہتر ہے تاکہ آگ فنا ہوکر تیرا نفس سرد ہوجاوے اور مطمئنہ بنجاوے اور تاکہ وہ باقی رہکر تیرے گلشن اعمال و ملکات فاضلہ کو بھسم نکردے۔ اور تیرے عدل و احسان کو پست نکردے کیونکہ اس کمبخت کی یہ خاصیت ہے کہ اعمال کی برکت کھودیتی ہے اور ایسی بد بلا ہے کہ اسکی ایک چنگاری ہزارون باغون کو تہس نہس کردیتی ہے پس جب یہ آگ فنا ہوجائیگی تو زمین صالح ہوجائیگی اور جو تو بوئے گا پھلے پھولیں گی لالہ و نسرین وسیسنبر پیدا ہونگے۔ اور تیرے اعمال صالحہ ثمرات محمودہ سے بارآور ہونگے۔

شرح شبیری سجدہ آمد الخ۔ یعنی سجدہ آیا ہے اوکھاڑنا سخت اینٹ کا (اور یہ سجدہ) سبب اس قرب کا ہے جو کہ واسجد واقترب (سے معلوم ہوتا ہے) مطلب یہ کہ جسطرح اس شخص کو دیوار کی اینٹین اکھاڑنے سے اور اوسکو پست کرنے سے مقصود قرب تھا اسیطرح عبد کو چاہیے کہ حق تعالیٰ کی درگاہ مین سجدہ کرے اور پستی اختیار کرے کہ اوس سے قرب خداوندی نصیب ہوگا۔ اور جسقدر موانع خصائل ذمیمہ وغیرہ ہون اون سبکو اون اینٹون کی طرح اوکھاڑ کر پھینکدے۔

تا کہ این دیوار الخ۔ یعنی جب تک کہ یہ دیوار عالی گردن (اور بلند) ہے تو اس سرنگونی کو مانع ہے مطلب یہ کہ جب تک موانع تکبر وغیرہ بھرا ہوا ہے اوسوقت تک یہ قرب اور عاجزی کو مانع ہین لہذا ان خصائل کو نکالدو اور پھر قرب حق جو کہ مطلوب و محبوب ہے حاصل کرو۔

سجدہ نتوان کرد الخ۔ یعنے آب حیات پر سجدہ نہین کرسکتے جب تک کہ اس تن خاکی سے نجات نہ پاوے مطلب یہ کہ جبوقت تک اس تن خاکی کی خواہشات کو دفع نہ کرے اسوقت تک اوس فیض حق سے جو کہ زندگی بخش ہے مستفید نہین ہوسکتے۔

بر سر دیوار الخ۔ یعنی دیوار پر جسقدر زیادہ پیاسا ہوگا اوتنی جلدی اینٹ اور ڈھیلے اکھاڑیگا تاکہ پانی سے قریب ہوجاوے) مطلب یہ کہ جتنا زیادہ طالب قرب حق کا ہوگا اوسیقدر جلدی موانع قرب کو دفع کریگا تاکہ

جلدی سے محبوب اور مطلوب سے ملاقات ہو۔
ہر کہ عاشق تر الخ۔ یعنی جو شخص کہ پانی کی آواز پر زیادہ عاشق ہوتا ہے وہ سخت ڈھیلے حجاب پر سے اکھاڑتا ہے۔ تاکہ پانی مین ڈالے اور اوس سے آواز ہو اور اوسے یہ سنے۔ مطلب یہ کہ جو شخص کہ طالب حق ہوگا تو جتنا زیادہ طالب ہوگا اوسی قدر مجاہدہ در یاضت زیادہ کریگا۔ تاکہ قرب جلدی میسر ہو۔
او ز بانگ الخ یعنے وہ (عاشق) تو آواز پانی سے گلے تک شراب سے بھر رہا ہے اور جو بیگانہ ہے وہ سوائے ایک ابق کی آواز کے (جو کہ اوس اینٹ وغیرہ کے گرنے سے پیدا ہوئی ہے) کچھ نہین سنتا اور اسکو کوئی حظ نہین آتا مطلب یہ کہ جو طالب حق ہوتا ہے اوسکو تو مجاہدہ اور ریاضت مین ایک عجیب لطف حاصل ہوتا ہے اور جو طالب نہین ہے وہ تو صرف یہی دیکھتا ہے کہ زبان سے اللہ اللہ کرلیا یا کھانا کم کردیا وغیرہ وغیرہ مگر چونکہ اسکو ذوق نہین ہوتا اسلیے اوسکو کوئی لطف اور مزا نہین آتا۔
اے خنک الخ یعنی وہ شخص اچھا اور ٹھنڈا ہے کہ جو پہلے ایام کو غنیمت جانتا ہے۔ اور اپنا قرض ادا کر رہا ہے مطلب یہ کہ خوش نصیب اس شخص کے کہ جو اس جوانی اور قوت کے زمانہ کو غنیمت جانکر مجاہدات و ریاضات و اعمال مین لگا ہوا ہے۔ اور قرب حاصل کر رہا ہے
اندر آن ایام الخ۔ یعنی اون ایام مین کہ اوسکو قدرت ہو صحت اور زور دل اور قوت ہو۔ اور ان ایام مین وہ مجاہدات اور اعمال مین مشغول ہے۔
وان جوانی الخ۔ یعنی وہ (ایام) جوانی مین (جو کہ) مانند سبز و تر باغ کے ہے کہ بے دریغ پھول پھل لا رہی ہے مطلب یہ کہ جوانی کے زمانہ کو غنیمت سمجھنا چاہیے۔ کہ اوسمین اعمال اور مجاہدات سب اچھی طرح ہو سکتے ہین اور جسطرح دواعی شر قوی ہوتے ہین اسیطرح اُنکے دفع کی قوت بھی قوی ہوتی ہے اور انکا دفع کرنا بوجہ اس قوت کے آسان ہوتا ہے
چشمہاے قوت الخ۔ اور قوت اور شہوت کے چشمے جاری ہوتے ہین اور اُنسے زمین تن سبز و تر رہتی ہے مطلب یہ کہ جوانی کے زمانہ مین قوت اور شہوت چونکہ زیادہ ہوتی ہے اسلیے طبیعت مین شوق و ذوق زیادہ ہوتا ہے اور انسان خوب کام کرسکتا ہے۔ اب اگر اس شوق و ذوق کو حق تعالی کیطرف لگا دیا تو ادھر لگجاتا ہے اور اگر معاصی کیطرف رجوع کیا تو اُدھر رجوع ہوجاتا ہے۔ مگر مادہ ہونے سے امید ہوتی ہے کہ کام چلجاویگا ورنہ پھر بہت مشکل ہوجاتی ہے۔
خانہ معمور الخ یعنی (جوانی کے زمانہ مین) خانہ (تن) بنا ہوا اور اُسکی چھت بلند اور معتدل ارکان اور بغیر خلل کے اور قید کے ہوتے ہین یعنے تمام قوی وغیرہ درست ہوتے ہین۔
نور چشم الخ یعنے آنکھ کا نور اور بدن کی قوت اپنی جگہ پر اور (بدنکا) محل مضبوط اور گھر روشن اور صاف ہے۔
ہین غنیمت الخ۔ یعنی ہان اے لڑکے جوانی کو غنیمت جانو اور عاجزی کرو اور اینٹین ڈھیلے اکھاڑ ڈالو مطلب یہ کہ ان ایام جوانی کو غنیمت سمجھو اور ان خصائل ذمیمہ کو اور موانع قرب کو علحدہ کردو اور مجاہدات و ریاضات اور اعمال کرلو کہ پھر بڑھاپے مین کچھ نہ ہوسکے گا۔
پیش از آن الخ یعنی پہلے اس زمانہ کے کہ بوڑھاپا پہونچ جاوے اور تمھاری گردن کھجور کی رسی سے باندھین یعنی عذاب کیطرف کھنچے جاؤ۔ اور اعمال کی سزا بھگتو۔
خاک شورہ الخ۔ یعنی اس سے قبل کہ خاک شورہ ہوجاوے اور ریزان اور سست ہوجاوے کہ شورہ (زمین)

سے عمدہ سبزہ نہین اُگا کرتا۔
آب زور رواں الخ۔ یعنی زور اور شہوت سب منقطع (ہو جاوینگے) اور وہ نہ اپنے (ذات) سے منتفع ہے اور نہ دوسرون سے۔
ابروان چون الخ۔ یعنی کہ ابرو ین مانند دُمچی کے نیچے کو آئی ہوئین اور آنکھون مین آنسو آئے ہوئے اور وہ ایک تار ہو گیا ہے۔ کہ رُکنے ہی نہین۔
از تشنج الخ۔ یعنی تشنج کی وجہ سے منہ گوہ کی پشت کیطرح ہے اور زبان و مزہ اور دانت بیکار ہوگئے ہین۔
پشت دو تا گشتہ الخ۔ یعنی کمر دوہری ہو گئی اور دل سست اور سوزناک اور بدن ضعیف اور ہاتھ پاؤن تاگے کی مانند
بر تیرہ الخ۔ یعنی راستہ کے سر پر اور زاد راہ کم اور سواری سست اور غم زیادہ اور دل بودا اور بدن نادرست ہے
خانہ ویران الخ۔ یعنی گھر ویران اور کام بے سامان ہو گیا ہے۔ اور دل نے ابنان کیطرح پرافغان ہو رہا ہے نے ابنان
مشک کی بین کو کہتے ہین جو کہ اکثر جوگیون کے پاس ہوتی ہے اوسمین منھ سے ہوا بھر کر بغل سے دبلتے ہین تو اس سے
آواز سُریلی نکلتی ہے۔
عمر ضائع الخ۔ یعنی عمر ضائع اور کوشش بیکار اور راستہ دور اور نفس کاہل اور دل سیہ اور جان بے صبری۔
موئے بر سر الخ۔ یعنی سر کے بال موت کے خوف کی وجہ سے برف کیطرح سفید اور تمام اعضا پتے کیطرح کانپتے ہوئے۔
روز بیگہ الخ۔ یعنی دن بے وقت اور سواری لنگڑی اور راستہ دور اور کارخانہ (تن) ویران اور کام ہاتھ
سے گیا ہوا۔ یعنی کام کے سنبھالنے کی قوت اور قدرت نہین ہے۔
بیخہائے خوئے الخ۔ یعنی بُری خصلتون کی جڑین محکم ہوگئی ہین اور انکے اکھاڑنے کی قوت کم ہوگئی ہے مطلب یہ کہ
یہ ساری حالتین بڑھاپے مین ہو جاتی ہین کہ انسان بالکل بے کار محض ہو جاتا ہے اور اوسمین جسطرح دواعی
شر نہین رہتے اسیطرح دواعی خیر بھی نہین رہتے۔ اور وہ خصائل بدپختہ ہوتے ہوتے خوب جڑ پکڑ جاتے ہین اور
یہ حضرت ضعیف اور کمزور ہوگئے ہین انمین مجاہدات و ریاضات کی قوت نہین ہے بس وہ ساری حالتین خوب
مضبوط ہو جاتی ہین اور اسیطرح ایک روز موت آجاتی ہے اور پھر کچھ بنائے نہین بنتا۔ اسلیے اس دو روزہ
جوانی کو غنیمت جانو اور اوسمین جو کرنا ہے کر لو۔ ورنہ پھر پچھتاؤ گے خوب سمجھ لو۔
حکایت ہمچو آن الخ۔ یعنی مثل اس سخت آدمی کے جو کہ شیرین سخن تھا کہ اوسنے راستہ کے درمیان مین
ایک کانٹے دار درخت کی جڑ لگائی تھی۔ مطلب یہ کہ جو شخص خصائل بد کا ازالہ نہین کرتا اور وہ پختہ ہو جاتی
ہین تو پھر کچھ بنائے نہین بنتا۔ اسکی ایسی مثال ہے کہ جیسے ایک شخص تھا جو چرب زبان تو خوب تھا اور اُسنے ایک کانٹے دار
درخت راستہ مین لگا دیا تھا اور اسکو اکھاڑتا نہ تھا۔ آگے اوسکی پوری حکایت کو بیان فرماتے ہین۔
رہگذر الخ۔ یعنی راستہ چلنے والے اُسکو ملامت کر رہے تھے اور اُسکو کہتے تھے کہ اسکو اکھاڑ دے اور وہ نہ اکھاڑتا تھا۔
ہر دمے الخ۔ یعنی وہ کانٹے کی جڑ ہر دم بڑھتی تھی اور مخلوق کے پاؤن اسکے زخم سے پُرخون ہوتے تھے اسیطرح انسان
مین خصائل بد ترقی پذیر ہوتے رہتے ہین اور انسے مخلوق کو تکالیف ہوتی ہین۔
جامہائے الخ۔ یعنی مخلوق کے کپڑون کو کانٹون سے پھاڑتا تھا۔ اور درویشون کے پاؤن خوب اچھی طرح زخمی ہوتے تھے
چونکہ حاکم الخ۔ یعنی جبکہ حاکم کو اس بات کی خبر ہوئی اور اس خبیث کے کام کی خبر پائی۔

وعدۂ ان بجدا لخ۔ یعنی جب حاکم نے اوسکو تاکید سے کہا کہ اسکو اکھاڑ دے تو کہا کہ ہان ایکدن اسکو اکھاڑ دونگا۔ اسیطرح انسان بھی خصائل بد کے ازالہ مین تاخیر کرتا ہے تو پھر پچھتاتا ہے۔

مدتے فرد ا الخ۔ یعنی ایک زمانہ تک کل پرسون کا وعدہ کرتا رہا اور اسکے درخت کا کانٹا خوب مضبوط جڑ کا ہو گیا

گفت روزے الخ۔ یعنی ایک روز حاکم نے اوس سے کہا کہ اے کج وعدہ ہمارے کام مین جلدی کر او ر اپنا

مت جا۔ یعنی دیر مت کر وجلدی سے اسکو اکھاڑ دو۔

گفت الایام الخ۔ یعنی اس شخص نے کہا کہ اے چچا ہمارے درمیان مین تو بہت دن ہین (جلدی ہی کیا ہے اکھاڑ دونگا) تو حاکم نے کہا کہ جلدی کر اور ہمارے قرض کو ٹال مت بلکہ جلدی سے حکم کی تعمیل کر۔

تو کہ میگوئی الخ۔ یعنی حاکم نے کہا کہ تو جو کہتا ہے کہ کل کو (اوکھاڑ دونگا) تو یہ جان لے کہ جتنے دن تک کہ زمانہ گذرتا ہے وہ درخت بدخوب جوان ہو رہا ہے۔ اور یہ اکھاڑنے والا بڈھا اور مضطر ہو رہا ہے یعنی تو ضعیف ہو رہا ہے اور وہ خوب قوی ہو رہا ہے اسیطرح انسان کی بری خصلتین تو خوب محکم اور مضبوط ہوتی ہین اور وہ بوڑھا اور کمزور ہوتا ہے تو انکا ازالہ نہین کرسکتا۔ لہذا بہ نسبت جوانی کے بڑھاپا زیادہ قابل خیال اور توجہ ہے کہ اسمین انسان قریب قریب بیکار کے ہو جاتا ہے۔

خاربن الخ۔ یعنی کانٹے کا درخت تو قوت مین اور بڑھنے مین ہے اور اسکو اکھاڑنے والا سستی اور گھٹنے مین ہے۔

خاربن ہر روز الخ۔ یعنی کانٹے کا درخت تو ہر دم اور ہر دن زیادہ سرسبز ہوتا ہے اور اکھاڑنے والا ہر روز خشک ہوتا ہے اور ضعیف ہوتا ہے۔

او جوان الخ۔ یعنی وہ زیادہ جوان ہو رہا ہے اور تو زیادہ بڈھا ہو رہا ہے۔ تو جلدی کر اور اپنے زمانہ کو ضایع مت کر۔

خاربن الخ۔ یعنی تم کانٹے کا درخت اپنی ہر بری خصلت کو جانو کہ آخر بہت مرتبہ کانٹا تمھارے پاؤن مین بھی لگا ہے یعنی ان خصائل بد سے تم بھی پشیمان ہوے ہو۔

بارہا از فعل الخ۔ یعنی تو بارہا اپنے فعل بد سے نادم ہوا ہے اور راہ ندامت پر آیا ہے جیسا کہ ظاہر ہے کہ اکثر غصہ وغیرہ کی وجہ سے انسان نادم ہوتا ہے۔

گر ز خستہ الخ۔ یعنی کہ اگر تم دوسرے لوگون کے زخم سے کہ جو تمھارے برے اخلاق کی نشانی ہے غافل ہو تو آخر اپنے زخم سے تو (غافل) نہین ہو اور تو تو اپنا بھی اور دوسرے کا بھی عذاب ہے یعنی تجھے سے خود تجھے بھی کلفت ہوتی ہے اور دوسری لوگون کو بھی برے اخلاق کی وجہ سے ضرر ہوتا ہے۔ لہذا ان اخلاق ذمیمہ کا ازالہ کرو آگے اس ازالہ کے طرق بتلاتے ہین کہ۔

یا تبر بردار الخ۔ یعنی یا تو تبر اٹھا کر مردون کی طرح مارو اور حضرت علی کی طرح درخیبر کو اکھاڑ دو ورنہ حضرت صدیق اور فاروق رضی اللہ عنہما بزرگ کیطرح دوسرون کا طریق اختیار کرو اور یا پھول کے درخت سے اس کانٹے کو ملادو اور اس آگ کو نور سے ملا دو۔ مطلب یہ ہے کہ جب ان اخلاق ذمیمہ کا ازالہ ضروری ہے تو انکی توجیہ بخلاف استعداد طالبین کے کئی طریقے ہین اول تو طریق والا بہت ہے وہ یہ کہ خوب مجاہدات و ریاضات کرو اور مخلوق سے الگ رہو۔ اور بس حق کیطرف متوجہ ہو جاؤ جو کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا مقام تھا اور اگر تمھاری

استعداد اوسکے مناسب نہو بلکہ اس سے عالی ہو تو پھر دوسرا طریقہ اختیار کرو جو کہ طریقۂ نبوت ہے کہ نہ تو زیادہ مجاہدات وریاضات کی ضرورت ہوتی ہے اور نہ مخلوق سے الگ رہنے کی ضرورت ہے بلکہ وہ متوجہ بہ مخلوق الحق رہتے ہیں اور یہ مقام حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کا تھا۔ اور اگر نہ اسکی استعداد ہے اور نہ اوسکی تو پھر بھی اگر وہ کہ اپنے کو کسی سے متعلق کرو۔ اور کسی کی خدمت کرو کہ اس سے ملنے اور تعلق پیدا ہونے سے تم بھی خالی نرہوگے خوب سمجھ لو اب یہاں اسمین اختلاف ہوا ہے کہ آیا طریق ولایت افضل ہے یا طریق نبوت۔ بعض لوگ تو طریق ولایت کو افضل کہتے ہین اور بعض نبوت کو مگر محققین طریق نبوت ہی کو افضل کہتے ہین اسلیے کہ طریق نبوت تو فیض رسان زیادہ ہے اور طریق ولایت صرف اوس شخص کے لیے نجات دلانے والا ہے لہذا وہی افضل ہوگا مگر جو لوگ کہ ولایت کو افضل کہتے ہین وہ یہ نہین کہتے کہ جب ولایت افضل ہے تو ولی بھی نبی سے افضل ہوگا حاشا وکلا بلکہ وہ کہتے ہین کہ نبی مین دونون چیزین موجود ہین اسلیے ولی کسطرح افضل ہوسکتا ہے۔ ہان طریق اور درجہ افضل ہو تو اس سے یہ لازم نہین آتا کہ نبی سے ولی افضل ہو۔ فافہم۔ چونکہ اوپر کہا ہے کہ اگر نہ طریق ولایت کی استعداد ہے اور نہ نبوت کی تو کسی سے تعلق پیدا کرلو۔ لہذا اب آگے اسکے متعلق فرماتے ہین کہ۔

تاکہ نورا و الخ۔ یعنی تاکہ اسکا نور تیری نار کو بجھا دے اور اسکا وصل تیرے خار کو پھول کا درخت کردے مطلب یہ کہ کسی کامل اور عارف سے تعلق پیدا کرے۔ تو اوسکا نور تیری آتش شہوت وغضب کو بجھا دے گا اور اخلاق ذمیمہ کو حمیدہ سے بدل دیگا۔

تو مثال الخ۔ یعنے تو دوزخ کی مثل ہے اور وہ (کامل اور عارف) مومن کیطرح ہے تو آگ کو مومن سے بجھاسکتے ہین یہ اشارہ ہے ایک حدیث کیطرف جسمین ہے کہ جب مومن دوزخ کے اوپر کو گذریگا تو دوزخ کہیگی کہ جزیا مومن فان نورک اطفأ ناری یعنے اے مومن جلدی سے گذر جا کہ تیرے نور نے میری آگ کو مدھم کردیا ہے پس جب کہ مومن کی برکت سے نار جحیم سرد ہوجاتی ہے تو نار شہوت وغضب کیون نہ سرد ہوگی آگے خود صاف طور پر حدیث ہی کو بیان فرماتے ہین کہ۔

مصطفے فرمود الخ۔ یعنے مصطفے صلے اللہ علیہ وسلم نے دوزخ کا قول نقل فرمایا ہے کہ وہ دوزخ مومن سے ڈر کے مارے خوشامد کرتی ہے اور اوس سے کہیگی کہ اے شاہ صاحب ذرا جلدی سے گذر جائیے کہ آپکے نور نے میری آگ کے سوزش کو اڑا دیا ہے۔ پس اسیطرح وہ شیخ کامل اپنے متعلقین کے نار شہوت وغضب کو بجھا دیتا ہے۔ اور اوسکے نور اور فیض کے سامنے سب ہیچ اور کالعدم معدوم ہوتے ہین آگے خود اسکو فرماتے ہین کہ

پس ہلاک الخ۔ یعنی پس ہلاکت نار کی مومن کا نور ہے اسلیے کہ بے ضد کے دوسری ضد کو دفع کرنا غیر ممکن ہے تو چونکہ نار شہوت وغضب کی ضد نور مومن ہے لہذا اوس سے تعلق پیدا کرلو تب یہ سارے اخلاق ذمیمہ اوسکی برکت سے دور ہوجاوینگے پھر یہی فرماتے ہین کہ۔

نار ضد نور الخ۔ یعنے قیامت کے دن آگ نور کی ضد ہوگی (جیساکہ حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نور کی وجہ سے نار بجھیگی) اسلیے کہ وہ قہر سے ناشی ہوئی ہے اور یہ فضل سے اور ان دونون مین منافی ظاہر ہے بس ان دونون کے مناشی مین بھی منافی ہوگی۔

آتش و میخو اہی الخ۔ یعنی اگر تم اس نار کا دفع کرنا چاہتے ہو تو اوس آگ کے اندر آب رحمت کو مقرر کردو مطلب یہ کہ اخلاق ذمیمہ کا ازالہ چاہتے ہو تو اوسکی یہ ترکیب ہے کہ کسی کامل سے تعلق پیدا کرو کہ اوسکی وجہ سے وہ سب زائل ہو جاوینگے کہ اوس سے تعلق پیدا کرنا ایسا ہے جیسا کہ آگ پر پانی ڈالدینا اسلیے کہ اس مومن کے اندر آب رحمت موجود ہے۔ اور وہ اسکے برکات اور فیوض ہین آگے فرماتے ہین۔

چشمۂ آن الخ۔ یعنی اوس آب رحمت کا چشمہ مومن ہے اور آب حیوان اس محسن کی روح پاک ہے لہذا اس سے تعلق پیدا کرو کہ جس سے حیات ابدی حاصل ہو جاویگی۔ اسلیے کہ اوسکی روح پاک مثل آب حیوان کے حیات بخش ہے۔

پس گریزان ست الخ۔ یعنی تیرا نفس اوس سے بہت بھاگتا ہے اسلیے کہ تو آگ سے ہے اور وہ ندی کے پانی سے ہے مطلب یہ کہ چونکہ تیرے نفس کے اندر آتش شہوت و غضب و اخلاق ذمیمہ بھرے ہوے ہین اور وہ شیخ انکو بجھاتا اور فنا کرتا ہے اسلیے تیرا نفس اس سے بھاگتا ہے۔

ز آب آتش الخ۔ یعنی پانی سے آگ اسلیے بھاگتی ہے اسلیے کہ اسکی سوزش پانی سے ویران ہوتی ہے مطلب یہ کہ نفس اوس شیخ سے اسلیے بھاگتا ہے کہ وہ اس لذات و خواہشات کو دفع اور منعدم کردے گا۔ اس لیے بھاگتا ہے اور ڈرتا ہے۔

حس تو الخ یعنی تیری حس اور فکر تو آگ (کی وجہ) سے ہے اور شیخ کا حس اور فکر عمدہ نور ہے مطلب کہ عوام الناس احساسات اور افکار تو اخلاق ذمیمہ سے ناشی ہوتی ہین اور وہ بُرے اثر پیدا کرتے ہین اور شیخ کے افکار اور احساس چونکہ اخلاق حمیدہ سے ناشی ہین اسلیے اس سے نیک اثر اور ثمرات مرتب ہوتے ہین۔

آب نور او الخ۔ یعنی جب اوسکے نور کا پانی اس آگ پر گرتا ہے تو آگ سے چلچک پیدا ہوتی ہے۔ اور جلدی سے الگ ہو جاتی ہے مطلب یہ کہ جب اُس شیخ کے برکات اور فیوض اس شخص کے اخلاق ذمیمہ پر اثر کرتے ہین تو جسطرح پانی پڑنے سے لکڑی مین سے ایک آواز پیدا ہوتی ہے اور پھر فوراً الگ ہو جاتی ہے اسی طرح اوس فیوض و برکات سے سب اخلاق ذمیمہ دفع ہو جاتے ہین چلچک اوس آواز کو کہتے ہین جو کہ جلی ہوئی لکڑی پر پانی ڈالنے سے ہوتی ہے۔

چون کند الخ۔ یعنی جب وہ چلچک کرے تو تم اوس سے کہو کہ دور ہو تاکہ یہ تیرے نفس کا دوزخ سرد ہو جاوے مطلب یہ کہ جب شیخ کے برکات اور فیوض سے اخلاق ذمیمہ دفع ہونے لگین تو تم بھی خیال کرکے اور کوشش کرکے اونکو ترک کردو۔

تا نسوزد الخ۔ یعنی تاکہ وہ تمھارے باغ کو نہ جلادے اور تمھارے عدل و احسان کو پست نکردے مطلب یہ کہ اخلاق ذمیمہ کو دفع کرو اور انکا ازالہ کرو تاکہ کہین وہ تمھارے اعمال کے باغ کو بالکل تباہ برباد نکردین اور تمھارے اندر جو اخلاق حمیدہ ہین کہین انکو زائل نہ کردے اسلیے تمکو ضروری ہی کہ انکا ازالہ کرو اور اُنکو چھوٹی چیز نہ سمجھو۔

یک شرار الخ۔ یعنی ایک چنگاری اوسکی ہزارون باغون کو جلادے اور ایک ہی سے نام و نشان بھی باقی نہ رہے۔ مطلب یہ کہ اگر اخلاق ذمیمہ کی ابتدا ہے اور وہ ابھی پختہ نہین ہوے ہین بلکہ زیادہ بڑھے ہے نہین ہین تب بھی انکو کم مت سمجھو اسلیے کہ ایک خلق مذموم بھی تمام اعمال کو برباد و تباہ کردیگا۔ بس اول تو تم اس اخلاق

ذمیمہ کی آگ کو بجھاؤ اسکے بعد پھر جو عمل کروگے وہ پانی ہوگا اور اسکا ثمرہ تمکو ملیگا۔ اسیکو فرماتے ہین کہ۔
بعد ازان الخ۔ یعنی بعد اسکے تو جو کچھ بووے گا وہ پھل لاویگا اور لالہ و نسرین اور سیسنبر دیگا مطلب یہ کہ جب اخلاق ذمیمہ کا ازالہ ہوگیا تو اب جو عمل بھی کروگے اوسکے ثمرات تمکو حاصل ہونگے سیسنبر ایک گھاس ہے۔ کہ جسکی خوشبو نعناع اور پودینہ کے درمیان ہوتی ہے۔ بالسین والیاء المعروف والسین والنون المختفی والیاء المفتوح ثم الراء المہملۃ۔ اب یہان تک تو اس مضمون کو بیان کیا ہے کہ اخلاق ذمیمہ کا ازالہ اور باطن کی اصلاح ضروری ہے آگے پھر اوس مضمون کیطرف کہ جوانی کو غنیمت سمجھو ورنہ بڑھاپے مین یہ گت بنے گی رجوع کرتے ہین اور فرماتے ہین کہ۔

شرح حبیبی

باز پہنا میرویم از راہِ راست ＊ باز گرد اے خواجہ راہِ ما کجاست
اندر آن تقریر بودیم اے حسود ＊ کہ خرت لنگ است و منزل دور دور
بار تو باشد گران در راہ چاہ ＊ کج مرو روز است اندر شاہراہ
سال شصت آمد کہ در شست تو شد ＊ راہ دریا گیر تا یابی رشد
آنکہ عاقل بود در دریا رسید ＊ شد خلاص از دام و از آتش رہید
چونکہ بیگہ گشت و آن فرصت گذشت ＊ مردہ گردد رو سوے دریا ز دشت
ورنہ در تابہ شوی بریان بسے ＊ اینچنین ہرگز کند بر خود کسے
حال آن سہ ماہی و آن جوئبار ＊ گفتہ شد اینجا براے اعتبار
فانتبہ ثم اعتبر ثم انتصب ＊ واستعن باللہ ثم اجہد تصب
سال بیگہ گشت و وقت کشت نے ＊ جز سیہ روئی و فعل زشت نے
کرم در بیخ درخت تن فتاد ＊ بایدش بر کند و بر آتش نہاد
ہین و ہین اے راہرو بیگاہ شد ＊ آفتاب عمر سوے چاہ شد
این دو روزک را کہ زورت ہست زود ＊ پر افشانی بکن از راہ جود
این قدر تخمیکہ ماندستت بکار ＊ تا در آخر بینی آنرا برگ و بار
تا نمردست این چراغ با گہر ＊ ہین فتیلہ اش ساز و روغن زودتر
ہین مگو فردا کہ فرداہا گذشت ＊ تا بکلی نگذرد ایام کشت

در معنی فی التاخیر آفات

پند من بشنو کہ تن بند قویست ＊ کہنہ بیرون کن گرت میل نویست
لب بہ بند و کف پر زر بر گشا ＊ بخل تن بگذار پیش آور سخا

ترک لذتہا و شہوتہا سخاست	ہر کہ در شہوت فرو شد برنخاست
این سخا شاخیست از سرو بہشت	وائے او کز کف چنین شاخے بہشت
عروۃ الوثقیٰ است این ترک ہوا	برکشد این شاخ جانرا بر سما
تا برد شاخ سخا اے خوب کیش	مر ترا بالا کشان تا اصل خویش

اس سیدھے راستہ کو چھوڑ کر جسپر ہم ہنوز چل رہے تھے۔ پھر ایک طرف کو مڑتے ہین اسے جناب آپ بھی لوٹیے اور دیکھیے کہ ہمارا راستہ جسپر ہمین چلنا ہے کہان ہے ہان تو ہم یہ کہہ رہے تھے کہ تیرا گدھا لنگڑا ہے اور منزل مقصود دور ہے۔ تیرا بوجھ بھاری ہے۔ رستہ مین کنوان اور خطرہ ہے یعنے قوائے جسمانیہ کمزور ہو گئے ہین اور کام بہت باقی ہے پس تو ٹیڑھا مت چل بلکہ صراط مستقیم پر سیدھا چل کیونکہ ایسی حالت مین سیدھی راہ پر چلکر پہونچنا بھی مشکل ہے یعنے خود چلنا اور شریعت پر عمل کرنا ہی دشوار ہے بوجود الموانع۔ پس اگر راہ راست کو بھی چھوڑ دیا تب تو وصول الی الحق بالکل ہی ناممکن ہو جاویگا دیکھ تیری عمر کے ساٹھ سال ہو چکے ہین اور یہ تجھے کانٹے مین پھنسانا چاہتے ہین یعنی مزید ضعف پہونچا کر بالکل بے قابو اور ناقابل عمل بنانا چاہتے ہین اسوقت تیرا فرض ہے کہ اس دانا مچھلی کیطرح جو شست کے اندیشہ سے قعر دریا مین پہونچ گئی تھی اور اس ذریعہ سے شست مین پھنسنے سے محفوظ ہو گئی تھی اور آگ مین جلنے سے بچگئی تھی جسکا مفصل قصہ دفتر چہارم مین آئیگا۔ تو بھی دریائے حقیقی یعنی حق کا رستہ لے اور اعمال صالحہ و مجاہدات کر۔ اس سے تو مہتدی ہوگا۔ اور مہلکہ سے نجات پائیگا۔ اور اگر اتنی بھی قوت نہین رہی ہے کہ اعمال و مجاہدات کر سکے اور وقت بیوقت ہو گیا ہے اور موقع ہاتھ سے نکل چکا ہے اور تو ضعف کے دام مین پھنس چکا ہے تو اس مچھلی کیطرح جو نا عاقبت اندیشی سے جال مین پھنس گئی تھی مگر اسنے اپنے کو مردہ بنا لیا تھا اور شکاری نے اوسکو مردہ سمجھ کر چھوڑ دیا تھا بعد کو وہ خشکی سے دریا مین پہونچ گئی تھی اور اسطرح وہ توے پر کباب ہونے سے بچگئی تھی۔ تو بھی اپنے کو مردہ کر لے اور سیئات سے باز رہ اور خشکی سے دریا مین پہونچ جا یعنے حالت مضرۃ سے حالت نافعہ کو اختیار کر لے اگر تو اپنے کو مردہ نکریگا اور تیری نادان مچھلی کیطرح زندہ ہی رہیگا اور اعمال سیئہ سے بھی باز نہ آئیگا تو یاد رکھ کہ خوب ہی آگ مین جلیگا اس موقعہ پر ہمنے اشارۃً تین مچھلیوں اور دریا کا تذکرہ کر دیا ہے کہ تجکو غیرت ہو پس تو اب تو جاگ جا۔ اور عبرت حاصل کر اور ہماری نصیحت پر عمل کرنیکے لیے کھڑا ہو جا۔ خدا سے مدد چاہ اور کوشش کر انشاء اللہ تعالیٰ منزل مقصود تک پہونچ جائیگا دیکھ تو سہی سال بیوقت ہو چکا ہے اور کھیتی یعنے اعمال صالحہ کا وقت نہین رہا ہے۔ اور روسیاہی اور بدکرداری کے سوا اور کوئی بات نہین ہے درخت جسم کی جڑ مین کیڑا لگ چکا ہے یعنے دن بدن اضمحلال ہوتا جاتا ہے اور بہت جلد فنا ہونے کو ہے پس اسوقت تیرا فرض ہے کہ اس درخت کو اکھیڑ کر آگ مین جلا دے اور اسکی فکر کو چھوڑ دے اور روح کی فکر کر ہان اے مسافر راہ عدم یا راہ حق دیکھ وقت ناوقت ہو گیا ہے عمر کا سورج ڈوبنے کو ہے اور موت آنیکو ہے ان تھوڑے دنون مین جو تیری عمر کے باقی ہین از راہ سخاوت بہت جلد پر تر زے جھاڑ کر تیار ہو جا اور جسقدر بیج باقی ہے اسے بو دے یعنی جسقدر اعمال صالحہ ہو سکین کر لے تاکہ انجام کار تو انکے ثمرات دیکھے اور جب چراغ روح کا گل نہین ہوا ہے اور روح موت کے ذریعہ سے ناقابل تلافی اور اصلاح نہین ہوئی ہے۔ بہت جلد

تیل بتی درست کرکے اوسکو روشن کردے۔ اور اسکی ظلمت عارضیہ کو دور کردے۔ اے دلیہ کل کل مت کر کیونکہ بہت سی کلین گذر چکی ہین ایسا نہو کہ بونے کا زمانہ اور عمل کرنے کا وقت پورا گذر جاوے اور موت آجاوے تو میری نصیحت سن اور سمجھ کہ جسم وصول الی الحق کے لیے ایک نہایت سخت آڑ ہے پس اگر تجھے نئی زندگی یعنے حیات روحانی حاصل کرنیکی خواہش ہے تو اس روک کو اٹھا۔ اور پرانی اور فرسودہ حیات جسمانی پر خاک ڈال اور ہونٹونکو یعنے باتون سے بند رکھ کہ من سکت سلم ومن سلم نجا امر مقرر ہے۔ اور اپنا حیات جسمانی سے غنی ہاتھ کھول اور جسم کے متعلق جو تجھ مین بخل ہے کہ تو اسکا نقصان گوارا نہین کرتا اسکو چھوڑ۔ اور سخاوت اختیار کر۔ اسکو مرضیات حق سبحانہ مین فنا کر عشق الٰہی مین گھلا۔ اور لذات وشہوات کو ترک کر۔ کہ یہ وہ سخاوت ہے جسکا ہم نے حکم کیا ہے۔ اور اس سخاوت کی اسلیے ضرورت ہے کہ جو شہوت ولذت وتن پروری مین مشغول ہوا بس پھر نہین اٹھا اور تباہی ہوگیا یاد رکھ کہ سخاوت عجیب چیز ہے۔ یہ سرو بہشت کی ایک شاخ ہے۔ افسوس ہے اسکے حال پر جسنے ایسی شاخ چھوڑ دی اور اتباع ہوائے نفسانی کو چھوڑ دینا ایک مضبوط دستاویز ہے۔ اور یہ شاخ جان کو عالم ناسوت سے عالم ملکوت کو کھینچ لیجاتی ہے اور اس عالم سے اسکی توجہ ہٹا کر اسطرف متوجہ کر دیتی ہے۔ یا یون کہو کہ جنت مین لیجاتی ہے جو کہ آسمان پر ہے۔ وہذا ہو الظاہر۔ جب تجھے سخاوت کی خوبی معلوم ہوگئی تو تو اسکو مضبوط پکڑ تا کہ تجھے اوپر کو یعنی اپنی اصل (جنت) کی طرف کھینچ لیجاوے۔

شرح شبیری بازپہنا الخ۔ پھر ہم چوڑی سڑک پر چلتے ہین راہ راست کی اے خواجہ بولو کہ ہماری راہ کہان ہے۔ مطلب یہ کہ چونکہ یہ مضمون تو باطن سے متعلق تھا اسلیے دقیق تھا اور اہل باطن ہی کے کام کا تھا اور وہ پہلا مضمون عام فہم اور ہر شخص کام کا تھا اسلیے فرماتے ہین کہ ہم اس مضمون کو چھوڑتے ہین اور اس سیدھے سادھے مضمون کیطرف رجوع کرتے ہین آگے خود فرماتے ہین کہ۔

اندران الخ یعنی ہم اس تقریر مین تھے اے خاسر کہ تیرا گدھا لنگڑا ہے۔ اور منزل بے انتہا دور ہے۔ یہ اشارہ ہے اوس شعر کی طرف ہے جو اوپر فرمایا ہے کہ سہ روز بیگہ لاشہ لنگ و رہ دراز الخ یعنے ہم اس مضمون کو بیان کر رہے تھے۔ آگے بھی اب وہی مضمون بیان کرتے ہین۔

بار تو باشد الخ۔ یعنی تیرا بوجھ بھاری ہے اور راستہ مین کنوان ہے تو تو کج مت چل سڑک پر سیدھا چل مطلب کہ تمھارے گناہون کا بوجھ بھاری ہے اور جنت کے راستہ مین دوزخ ہے اسلیے کہ سب اوسی پر کو گذرینگے لہذا سیدھے سڑک سڑک چلو ورنہ کہین کنوین مین گر پڑوگے۔

سال شصت الخ۔ یعنی ساٹھ کا سن آگیا ہے کہ تم کو قید مین کھینچے تو تم دریا کی راہ لو تا کہ ہدایت پاؤ۔ یہ اشارہ ہے ایک قصہ مشہور کی طرف کہ ایک صیاد نے جال ڈالا اور اس تالاب مین تین مچھلیان تھین ایک عاقل اور دوسری کم سمجھ اور تیسری بیوقوف تو جب جال آیا تو وہ عاقل تو قعر دریا مین چلی گئی کہ جہان جال پہونچ ہی نہ سکی اور وہ کم سمجھ گئی تو کہین نہین بلکہ جال مین پھنس گئی لیکن جب صیاد نے جال نکالا تو وہ مردہ بنگئی اوسنے مردہ جانکر پھینکدیا وہ اچھی خاصی چلی گئی اور تیسری جو بیوقوف تھی وہ پھنسی اور خوب اچھلی کودی تو اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ خوب کباب کرکے کھائی گئی تو یہان مولانا فرماتے ہین کہ اب ساٹھ برس کے ہوگئے ہو اور وہ زمانہ قریب آگیا ہے کہ تمھارا امتحان

کیا جاویگا۔ لہذا یا تو ہمت کرکے اس عاقل مچھلی کیطرح عمل کرو۔ اور مجاہدات و ریاضات کرلو اور اخلاق ذمیمہ کو دور کردو تاکہ تم گمراہ نہو۔ بلکہ ہادی ہو۔ ورنہ بُری طرح پھنسوگے۔

آنکہ عاقل الخ۔ یعنی جو کہ عاقل تھی وہ تو دریا مین پہونچی تو جال سے چھوٹ گئی اور آگ سے بھی چھوٹ گئی۔ پس اسیطرح تم بھی کام کرو۔ اور راہ حق مین چلو اور مجاہدہ کرو۔ تو تم بھی نار دوزخ سے خلاصی پاؤگے حقیقت کی قید گران سے چھوٹ جاؤگے۔ اور اگر اب بوجہ ضعف وغیرہ کے اسقدر ہمت نہین رہی ہے تو پھر دوسرا طریقہ بتاتے ہین کہ

چونکہ بیگہ الخ۔ یعنی جبکہ بیوقت ہوگیا ہے۔ اور وہ فرصت گذر گئی تو مردہ ہوجا اور خشکی سے دریا کیطرف چلا جا اسلیے کہ صیاد نے مردہ جانکر پھر دریا ہی مین پھینک دیا تھا۔ مطلب یہ کہ اگر اعمال و مجاہدات اب نہین ہوسکتے اور وقت بہت ہی کم رہگیا ہے اور ضعف روبترقی ہے تو خیر اب یہ تو کرو کہ درجہ مین فنا حاصل کرلو اور حق تعالی کے سامنے اپنی ہستی کو کالعدم کردو کہ شائد اسی سے نظر رحم ہوجاوے۔ اور تمھاری پہلی سیئات کو بھی حسنات فرمادین فرماتے ہین کہ یبدل اللہ سیئاتہم حسنات۔ پس وہ فنا توبہ ہے خلاصہ یہ کہ اول درجہ تو یہ تھا کہ اعمال صالح کرتے اور مجاہدات کرتے اور اخلاق ذمیمہ اور اعمال سیئہ کو ترک کرتے لیکن اگر اسکی قوت اور ہمت نہین ہے تو خیر دوسرا درجہ یہ ہے کہ سیئات کو ترک کردو۔ نہ پڑھو تہجد نہ ہو بارہ تسبیح وغیرہ۔ مگر سیئات تو چھوٹ جاوین یہی بسا غنیمت ہے۔ اور اگر یہ بھی نہ کیا تو پھر تو اس تیسری مچھلی کیطرح آگ مین خوب مرنڈا بنوگے۔ والعیاذ باللہ۔ آگے خود فرماتے ہین کہ

ورنہ در تابہ شوی الخ۔ یعنی ورنہ توے مین خوب بھنوگے۔ بھلا کوئی اپنے اوپر ایسا بھی کیا کرتا ہے مطلب یہ کہ اگر اس عمر مین آکر بھی سیئات سے باز نہ رہے تو پھر اس تیسری مچھلی کیطرح خوب اچھی طرح دوزخ مین کباب کیے جاؤگے اور خوب جلوگے (اے اللہ بچانا) اور بھلا کوئی اپنے واسطے ایسا کام بھی کیا کرتا ہے کہ جس سے نقصان ہو ہرگز نہین۔ پھر بتاؤ تم کیون ایسے کام کرتے ہو۔ آگے فرماتے ہین کہ۔

حال آن الخ۔ یعنی اون تین مچھلیون کا اور اس ندی کا قصہ اس جگہ عبرت کے لیے کہا گیا ہے تو اس سے عبرت حاصل کرو

فانتبہ الخ۔ یعنی پس ہوش مین آؤ پھر عبرت حاصل کرو تم مضبوط ہوجاؤ اور حق تعالی سے مدد چاہو پھر کوشش کرو کہ پہونچ جاؤگے مطلب یہ کہ اگرچہ وقت بہت ہی ناوقت ہوگیا ہے مگر اب بھی ہمارے ان اقوال کو سنکر ہوش مین آؤ اور مضبوط ہوکر حق تعالی سے مدد چاہو اور کام شروع کردو۔ حق تعالی کا وعدہ ہے کہ وہ مدد فرماوینگے پس تم منزل مقصود تک پہونچ جاؤگے لہذا کوشش کرو۔ کوشش کہ بغیر اسکے کام نہین چلتا جیسے یہ مثل تمکو معلوم ہوگئی اور اوپر بتلایا گیا ہے کہ بڑھاپا آگیا ہے اسلیے وقت عمل کم رہگیا ہے آگے بھی اب اسیکے متعلق بیان فرماتے ہین کہ۔

سال بیگہ الخ۔ یعنی سال بیوقت ہوگیا ہے اور کاشت کا وقت نہین ہے اب سوائے سیاہ روئی اور برے افعال کے کچھ نہین ہے اسلیے کہ جوانی مین جب بجز سیئات کے اعمال صالحہ کیے ہی نہین، تو پھر اب بڑھاپے مین بھی بجز سیئات کے اور کیا ہوسکتا ہے۔ لہذا اب تو خیال کرو اور ان ہی دو دن کو غنیمت جانو اور جو ہوسکے کرلو۔ عمل نہوسکے زبان سے توبہ ہی کرلو۔

کرم در بیخ الخ۔ یعنی درخت بدن کے اندر دیمک لگ گئی ہے تو اسکو نکالکر آگ پر رکھ دینا چاہیے مطلب یہ کہ اعمال سیئہ روح کو کھا گئے ہین اور اب بدن ضعیف ہوگیا ہے مگر خیر جو کچھ بھی بچگیا ہے اور دو روزہ زندگی

باقی ہے اور جس سے جسقدر ہوسکتا ہے اوسیقدر عمل کرلے۔ اوران کمبخت اخلاق ذمیمہ کو آگ دیدے اللہ ہر مسلمان کو اسکی توفیق دے آمین)

ہین وہین الخ۔ یعنی اے ای مساوقت بیوقت ہوگیاہے اور عمر کا آفتاب کنوین کیطرف چلا گیا ہے کنوین سے مراد گور ہے۔ مطلب یہ کہ اب مرنے کے دن قریب آگئے ہین اور جتنی عمر گذرتی ہے قبر سے قریب ہوتا جاتا ہے تو جو کچھ بھی وقت ملجاوے غنیمت سمجھ اور بیکار مت بیٹھ کہ منزل پر پہونچنا ہے۔

این دو روزک الخ۔ یعنی ان دو دنون مین کہ تیرا زور ہے پت جھڑ مت کر سخاوت کے طریقہ سے۔ مطلب یہ کہ سخاوت مین اگر ان ایام دو روزہ کو بھی مت کھو بیٹھنا اب بھی جسقدر قوت اور زور باقی رہگیا ہو اس سے کام لو۔

اینقدر تخمیکہ الخ۔ یعنی جسقدر تخم کہ رہگیا ہے۔ اوسکو بووے۔ تاکہ آخر مین تو پھول پھل دیکھے۔ مطلب یہ کہ جسقدر عمل کہ اس عمر دو روزہ مین کرسکتے ہو وہی کرلو۔ شاید حق تعالی اس ہی کو قبول فرمالین ان ایام کو غنیمت سمجھو فضول برباد مت کرو۔

تا نمردست الخ۔ یعنی جبتک کہ یہ چراغ یا گھر گل نہین ہوا ہے۔ تو اوسکی بتی اور تیل جلدی سے درست کردے مطلب کہ جبتک تھوڑی سی عمر بھی باقی ہے اور یہ چراغ ٹمٹما رہا ہے اوسکو غنیمت جانو اور اعمال صالحہ کرلو کہ شائد ان ہی اعمال سے روح مین روشنی اور تر و تازگی پیدا ہوجاوے۔ اور اب ٹالو مت۔

ہین مگو فردا الخ۔ یعنی ہان (یہ) مت کہو (کہ) کل (کرلونگا) اسلیے بہت سے فردا گذر گئے ہین تو کہین یہ کھیتی کے دن بالکل ہی نہ گذر جاوین۔ مطلب یہ کہ اعمال کو ٹالو مت اسلیے کہ اسیطرح ٹلاتے ہوے ایک مدت گذر گئی ہے اور کبھی بھی عمل نصیب نہوا پس اسیطرح ایک روز موت کا فرشتہ سرپر آکھڑا ہوگا اور اس روز کچھ بنائے نہ بنیگی کسی خوب کہا ہے۔ ع ہرشبے گویم کہ فردا ترک این سودا کنم ⁂ باز چون فردا شود امروز را فردا کنم ⁂ یعنی ہر روز کہ لیتا ہون کہ کل کو اس کام کو ترک کردونگا۔ مگر پھر جب کل ہوتی ہے تو کہتا ہون کہ کل کو ترک کرونگا ارے غافل اسیطرح ساری عمر ختم ہوجاویگی اور کچھ بھی نہ ہوسکیگا شیخ سعدی علیہ الرحمۃ فرماتے ہین کہ ع کاے کن اے فلان وغنیمت شمار عمر ⁂ زان پیشتر کہ بانگ برآید فلان نماند آگے اس ٹلانے کی خرابیان بیان کرتے ہین۔

کام کے ٹالنے مین بہت آفتین ہین

پند من بشنو الخ۔ یعنی میری نصیحت سن کہ تن ایک بہت بڑی قید ہے۔ اگر تم کہنے کی رغبت ہے تو پرانے کو دور کرو۔

لب بہ بندو الخ۔ یعنی لب کو بند کرو اور ہاتھ سونے سے بھرا ہوا کھولو۔ اور بدن کا بخل چھوڑو اور سخا کو آگے لاؤ مطلب یہ کہ بدن کے واسطے بخل مت کرو کہ اسکے خرچ کرنے سے اور کام مین لانے مین بخل مت کرو۔ بلکہ اعمال مین کوشش کرو۔ آگے خود سخا سے مراد بتاتے ہین کہ۔

ترک لذتہا الخ۔ یعنی لذتون اور شہوتون کو چھوڑنا سخاوت ہے اور جو شہوت مین چلا گیا وہ پھر نہین اٹھا مطلب یہ کہ ترک لذات اور شہوات ہی بدن کی سخاوت ہے۔

این سخا الخ یعنی سخاوت کے درخت کی ایک شاخ ہے اوس پر افسوس ہے کہ جسنے ہاتھ سے ایسی شاخ چھوڑ دی۔
اشارہ ہے اوس حدیث کیطرف جسمین ہے کہ السخاء شجرة من اشجار الجنة اغصانها متدلیات فی الدنیا الخ کہ سخا
ایک درخت ہے جنت کے درختون مین سے اور اوسکی ٹہنیان دنیا مین لٹکی ہوئی ہین۔ تو جب سخاء مال کی یہ فضیلت
ہے تو بذل جان اور سخاء نفس کی فضیلت تو اس سے کہین زیادہ ہوئی اور اسکا خرچ کرنا تو بہت افضل اعمال ہوگا
لہٰذا خواہشات وشہوات نفس کو ترک کردو تاکہ یہ فضیلت حاصل ہو آگے فرماتے ہین کہ۔
عروة الوثقی الخ یعنی ترک خواہشات نفسانی ایک بہت مضبوط رسی ہے اور یہ شاخ جان آسمان پر کھینچے گی
مطلب یہ کہ چونکہ سخاوت درخت جنت کی ایک ٹہنی ہے تو اگر اس ٹہنی کو پکڑے رہوگے اور بذل نفس مین کوشش
کروگے تو آخر ایکدن یہی سخا تمکو مراتب عالی نصیب کرے گی۔
تا برد شاخ الخ یعنی اے خوب نہاد تاکہ یہ شاخ سخا تمکو اوپر اپنی اصل کیطرف کھینچکر لیجاوے مطلب یہ کہ اگر اعمال
کروگے تو آخر ایکدن مراتب عالیہ پا سکے جیسا کہ ظاہر ہے۔

شرح حبیبی

یوسف حسنی تو این عالم چو چاه　　وین رسن صبر است بر امر آله
یوسفا آمد رسن در زن تو دست　　از رسن غافل مشو بیگه شده است
حمد لله کاین رسن آویختند　　فضل و رحمت را بهم آمیختند
در رسن زن دست و بیرون رو ز چاه　　تا ببینی بارگاه پادشاه
تا ببینی عالم جان جدید　　عالمی بس آشکارا ناپدید

اچھا اب ہم تمکو دوسرے عنوانون سے سمجھاتے ہین تو یوسف حسن اور مصداق لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم
ہے اور یہ عالم تیرے لیے بمنزلہ کنوین کے ہے اور جسطرح یوسف علیہ السلام کے لیے کنوین مین رسی لٹکائی گئی
تھی تیرے لیے بھی امر حق سبحانہ پر صبر کرنے اور اسپر عمل کرنے کی ناگواری کو برداشت کرنیکی رسی لٹکائی گئی ہے
پس اے یوسف تو اس رسی کو پکڑ لے اور اس سے غافل نہو کہ بیوقت ہو گیا ہے۔ خدا کا بہت بڑا شکر ہے کہ اسنے
یہ رسی لٹکادی اور وصول کا ایک طریق مقرر کر دیا۔ اور اپنی فضل و رحمت دونون کو جمع کر دیا (اسکا رحمت ہونا تو
ظاہر ہے اور فضل اسلیے کہ بلا استحقاق اور بلا معاوضہ ہے) پس تو اس رسی کو پکڑکے اس کنوین سے نکل جا باہر نکلکر
تو بارگاہ حق سبحانہ کا نظارہ کریگا اور تجھے وہ نیا عالم نظر آئیگا جو انوار و تجلیات حق سبحانہ سے جگ مگ کر رہا ہے۔
اور جہان ظلمت کا نام نہین جسکو اس عالم اجسام کے مقابلہ مین عالم جان کہنا چاہیے اور جسکی یہ شان ہے کہ جو اہل
بصیرت کے لیے نہایت واضح اور غیر اہل بصیرت کے لیے نہایت بے نشان ہے۔
شرح شبیری یوسف حسنی الخ یعنی تم ایک یوسف حسن ہو اور یہ عالم (دنیا) مثل کنوین کے ہے اور
رسی احکام الٰہیہ پر صبر کرنا ہے۔
یوسفا آمد الخ یعنی اے یوسف رسی آئی ہے تو ہاتھ مار اور اس رسی سے غافل مت ہو کہ بیوقت ہو گیا ہے مطلب

یہ کہ اے طالب تمھاری مثال تو ایسی ہے کہ جیسے یوسف علیہ السلام تھے اور یہ عالم کنوان ہے اور احکام الٰہیہ یہی ہین تو جب تم احکام پر عمل کروگے تو اس قید چاہ سے باہر ہو جاؤگے۔ لہذا اس سے غافل مت ہو اور جلدی سے رسی پکڑ لو آگے فرماتے ہین کہ۔

حمد للّٰہ الخ۔ یعنی الحمد للہ کہ اس رسی کو لٹکا دیا ہے اور فضل اور رحمت کو آپس مین ملا دیا ہے مطلب یہ کہ خدا کا شکر ہے کہ ہمکو اعمال اور توبہ کی تعلیم کر دیگئی ہے ورنہ اگر یہی حکم ہوتا کہ جب کوئی گناہ ہو جاوے تو پھر اوسکی معافی کی کوئی صورت ہی نہین۔ تو پھر کیسی مشکل پڑ جاتی۔ مگر اب تو یہ حکم ہے کہ ؎ باز آ باز آ ہر آنچہ ہستی باز آ ✤ صد بار اگر توبہ شکستی باز آ ✤ این درگہ ما درگہ نومیدی نیست ✤ گر کافر و گبر و بت پرستی باز آ ✤ لہذا ان احکام پر عمل کرو اور اس عالم کے جھگڑون سے نکل جاؤ۔

در رسن الخ۔ یعنی رسی کو پکڑ لو اور کنوین سے نکل جاؤ۔ تاکہ بادشاہ کی درگاہ کی زیارت نصیب ہو مطلب یہ کہ اعمال کرو کہ اس عالم کی خواہشات و مقتضیات سے باہر ہو کر حق تعالیٰ کا قرب حاصل ہو۔

تا بہ بینی الخ۔ یعنی تاکہ عالم روح کو جو کہ (تمھارے اعتبار سے) جدید ہے دیکھ لو اور اس عالم کو کہ ظاہر ہے اور پوشیدہ ہے مطلب یہ کہ وہ عالم اس اعتبار سے کہ اصل وجود اوسیکا ہے ظاہر ہے اور ہمارے اعتبار سے پوشیدہ ہے یعنے عالم غیب کو دیکھنا نصیب ہو اور اسکے برکات اور فیوض تم پر فائض ہون۔

شرح حبیبی

این جہان نیست چون ہستان شدہ ✤ وان جہان ہست پس پنہان شدہ

خاک بر بادست و بازی میکند ✤ کژنمائی پردہ سازی میکند

خاک ہمچو آلتے در دست باد ✤ باد را دان عالی و عالی نژاد

چشم خاکی را بخاک افتد نظر ✤ باد بین چشمے بود نوع دگر

اینکہ بر کارست بیکارست پوست ✤ وانکہ پنہانست مغز و اصل اوست

اسپ داند اسپ را کوہست یار ✤ ہم سوارے داند احوال سوار

چشم حس اسپ ست و نور حق سوار ✤ بے سوار این اسپ خود ناید بکار

پس ادب کن اسپ را از خوئے بد ✤ ورنہ پیش شاہ باشد اسپ رد

چشم اسپ از چشم شہ رہبر بود ✤ چشم او بے چشم شہ مضطر بود

چشم اسپان جز گیاہ و جز چرا ✤ ہر کجا خوانی بگوید نے چرا

نور حق بر نور حس راکب شود ✤ وانگہے جان سوے حق راغب شود

اسپ بے راکب چہ داند رسم و راہ ✤ شاہ باید تا بداند شاہراہ

سوے حسے رو کہ نورش راکب است ✤ حس را آن نور نیکو صاحب ست

نور حس را نور حق تزئین بود ✤ معنی نور علیٰ نور این بود

نور حسی می کشد سوی ثری	نور حقش می برد سوی علا
زانکه محسوسات دونتر عالمی ست	نور حق دریا و حس چون شبنمی ست
لیک پیدا نیست این راکب برو	جز باثار و به گفتار نکو
نور حسی کو غلیظ است و گران	هست پنهان در سواد دیدگان
چونکہ نور حس نمے بینی ز چشم	چون بہ بینی نور آن دینی ز چشم
نور حس با این غلیظے مختفی است	چون خفی نبود ضیائے کان صفی ست

یہ جہان عالم شہادت جو بمنزلۂ معدوم کے ہے بمنزلہ موجود کے ہو گیا ہے لانہ ظاہر محسوس مشاہد اور وہ جہان یعنی عالم غیب جو فی الحقیقت ہست ہے پوشیدہ ہو گیا ہے اسلیے بمنزلہ معدوم کے سمجھا جاتا ہے اور ایسی صورت پیدا ہو گئی ہے جیسے خاک ہوا سے اڑجائے اور حرکت کرنے لگے اسلیے دیکھنے والون کی نظرون کو مغالطہ مین ڈالے کہ وہ سمجھین کہ وہ صرف خاک ہی ہے اور اسطرح ہوا کے لیے پردہ بنجاوے حالانکہ اصل مین ہوا ہی ہے۔ جو کچھ ہے وہی اسے نچا رہی ہے۔ مگر دیکھنے والے اسکو تو دیکھتے نہین صرف خاک کو دیکھتے ہین اسیطرح عالم شہادت مین عالم غیب ہی متصرف ہے مگر محسوس یہ ہوتا ہے کہ عالم شہادت ہی ہے اور عالم غیب کچھ نہین اور جسطرح ہوا ایک نہایت شریف چیز ہے اور خاک جو ایک خسیس شے ہے اسکے ہاتھ مین بمنزلہ آلہ کے ہے کہ جسطرح چاہتی ہے اوسکو گھماتی ہے۔ مگر باینہمہ محسوس نہین ہوتی اور محسوس وہ جسم خسیس ہی ہے یون ہی عالم غیب نہایت عالی مرتبہ ہے جسکے قبضہ مین عالم شہادت جو ایک خسیس شے ہے بمنزلہ آلہ کے ہے اور وہ اسکو جسطرح چاہتا ہے گھماتا ہے مگر باینہمہ محسوس نہین ہوتا اور محسوس یہ عالم خسیس ہی ہے باینہمہ ہوا اور عالم غیب بالکل غیر محسوس نہین مگر چشم حس خاکی اوسکو نہین دیکھ سکتی چشم خاکی تو خاک اور عالم شہادت ہی کو دیکھتی ہے باد اور عالم غیب دوسری قسم کی آنکھ چشم قلب سے دکھلائی دیتے ہین لہذا اونکے لیے دوسری آنکھ کی ضرورت ہے پس حاصل یہ ہے کہ جو چیزین کام کرتی معلوم ہوتی ہین وہ حقیقت مین خاک کی طرح بیکار اور محض پوست ہین اور جو پوشیدہ ہے یعنی حق سبحانہ وہ ہوا کی طرح مغز اور انکی اصل ہے جسکے ذریعہ سے وہ کام کر رہی ہین یہی یہ بات کہ جسطرح یہ اشیاء کام کرتی ہوئی دکھلائی دیتی ہین وہ کیون نہین دکھلائی دیتا اسکی وجہ یہ ہے کہ ہر شے اپنے مناسب کو جانتی ہے مثلاً گھوڑا گھوڑے کو جانتا ہے کہ وہ اوسکی جنس ہے سوار سوار کو جانتا ہے کہ وہ اسکی جنس ہے پس اسیطرح چشم حس بمنزلہ گھوڑے کے ہے۔ اور نور حق بمنزلہ سوار کے لہذا چشم حس اپنے مجانس محسوسات کو دیکھتی ہے اور نور حق حق سبحانہ کو دیکھتا ہے اب ہم تجھے نصیحت کرتے ہین کہ سوار کے بدون گھوڑا کسی کام کا نہین ہوتا اور جب تک وہ سواری کے قابل نہو بادشاہ کے یہان مقبول اور بادشاہ کی سواری کے قابل نہین ہوتا۔ پس تو اس گھوڑے کو سدہا اور اسکی عادت حرونی و سرکشی چھوڑا اور مجاہدات سے اسکو شایستہ کر تاکہ نور حق کی سواری کے قابل ہو اور وہ اسپر سوار ہو کر مقصود یعنی حق سبحانہ کی طرف راہ نمائی کرے کیونکہ گھوڑے کی آنکھ رہبر نہین۔ بلکہ چشم شہ ہی اسکی رہنمائی کرتی ہے اور چشم شہ ہی کی برکت وہ شاہراہ مقصود پر چلتا ہے اگر بادشاہ کی آنکھ نہو تو گھوڑے کی آنکھ مضطر اور پریشان ہو گی کبھی اسطرف

لیجائے گی اور کبھی اوسطرف اور وہ منزل مقصود سے بھٹک جائیگا۔ کیونکہ گھوڑو نکی آنکھ کو سولے گھاس اور
چارہ کے جسطرف تو بلائیگا کبھی اطاعت نکریگی اور حیل و حجت کریگی پس جب نور حق نور حس پر سوار ہوتا ہے تب ہی
جان حق سبحانہ کیطرف راغب ہوتی ہے ورنہ گھوڑا بدون سوار کے چلنے کی روش اور راہ منزل مقصود کیا جانے
اسکے سیدھی سڑک کو جاننے کے لیے ضرورت ہے شاہ سوار کی پس تو اس حس کیطرف جا جسکا نور حق سوار ہے یعنے
اس حس کو طلب کر کیونکہ نور حق حس کے لیے بہتر ساتھی ہے اور نور حس نور حق سے مزین ہو یہی معنے ہین نور علی نور
کے پس تم نور حق سبحانہ ضرور حاصل کرو اور نور حس پر التفات نکرو کیونکہ نور حس تو آدمی کو پستی کیطرف کھینچتا ہے
اور نور حق اسکو بلندی کیجانب لیجاتا ہے اور حق سبحانہ کے مشاہدہ سے بہرہ اندوز کرتا ہے اور یہ جو ہم نے کہا ہے
کہ نور حس پستی کی طرف لیجاتا ہے اور نور حق بلندی کی جانب اسکی وجہ یہ ہے کہ نور حس محسوسات کی طرف
لیجاتا ہے اور عالم محسوسات پست ترین و حقیر ترین عالم ہے اور نور حق عالم غیب کیطرف عالم غیب اشرف
ترین و اعلی ترین عالم ہے۔ لہذا نور حق ایک دریا ہے اور نور حس اسکے مقابلہ مین شبنم کیطرح ہے حقیقت یہ
کچھ ہے کہ نور حس مرکب ہے اور نور حق راکب۔ مگر یہ سوار اسپر معلوم نہین ہوتا اور دکھلائی نہین دیتا بلکہ صرف
آثار محمودہ اور گفتار حس سے پتہ چلتا ہے کہ نور حس پر نور حق سوار ہے اور باوجود سوار ہونے کے دکھلائی نہ دینا
کچھ تعجب خیز بات نہین خود نور حس ہنکر دیکھ لو باوجودیکہ یہ نور اس نور کے مقابلہ مین کثیف اور بھاری ہے لیکن
آنکھون کی سیاہی مین پوشیدہ ہے اور دکھلائی نہین دیتا پس جبکہ نور حس باینہمہ کثافت و گرانی آنکھ سے دکھلائی
نہین دیتا تو اس پوشیدہ حق سبحانہ کا نور کیونکر دکھلائی دیسکتا ہے۔ اور جبکہ نور چشم باینہمہ غلاظت نظرون سے
پوشیدہ ہے تو وہ برگزیدہ اور کثافت سے منزہ و مصفی ضیاء کیونکر مخفی نہوگی۔

شرح شبیری۔ این جہان الخ۔ یعنی یہ جہان نیست تو مانند باغ کے ہو رہا ہے اور وہ جہان جو کہ (اصل
مین) ہست ہے پوشیدہ ہو رہا ہے۔ مطلب یہ کہ دنیا مین بظاہر نقش و نگار معلوم ہوتے ہین اور یون معلوم
ہوتا ہے کہ ہستی بس ایسی ہے اور جو جہان کہ فی الواقع ہست ہے وہ پوشیدہ ہو رہا ہے اور اسکو کوئی بھی نہین
دیکھتا آگے اسکی مثال دیتے ہین کہ۔

خاک بر باد ست الخ۔ یعنی خاک ہوا پر ہے۔ اور کھیل کرتی ہے۔ اور کج نمائی اور پردہ سازی کرتی ہے مطلب
کہ دیکھو جسطرح خاک جب ہوا پر اڑتی ہے جسکو بگولا کہتے ہین تو خوب کھیل کرتی ہے اور بظاہر یون معلوم
ہوتا کہ یہ حرکت خاک ہی کی ہے مگر اصل مین دیکھو تو وہ حرکت ہوا کی ہے اور خاک محض تابع ہے اور اوس
پوشیدہ کا پردہ ہے پس جو شخص کہ صرف ظاہر بین ہے وہ تو اس خاک کو ہی دیکھ رہا ہے مگر حقیقت بین
آنکھ ہی جانتی ہے کہ یہ حرکت ہوا ہی کی ہے۔

خاک ہمچون الخ۔ یعنے خاک ہوا کے ہاتھ مین مانند ایک آلہ کے ہے اور ہوا کو عالی اور عالی اصل جانو پس
اسی طرح یہ عالم ظاہر عالم غیب کے سامنے مثل ایک آلہ کے ہے جسطرح چاہے وہ اسمین تصرف کرے۔
اسلئے کہ وہ اصل ہے اور یہ فرع ہے۔

چشم خاکی الخ۔ یعنی چشم خاکی کی نظر تو خاک ہی پر پڑتی ہے۔ اور ہوا کو دیکھنے والی آنکھ تو اور ہی قسم کی ہوتی ہے

مطلب یہ کہ اس چشم ظاہری کی نگاہ تو اس عالم ظاہر ہی پر پڑیگی اور اس عالم غیب کی دیکھنے والی تو ایک اور ہی نگاہ ہوتی ہے اور وہ چشم حقیقت بین ہوتی ہے۔

آنچہ برکارست الخ یعنی جو کہ (بظاہر) کام پر ہے وہ تو بیکار ہے اور پوست ہے اور جو کہ پوشیدہ ہے وہ مغز اور اصل ہے مطلب یہ کہ عالم ظاہر جو کہ بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ یہی کام کی شے ہے حقیقت مین بالکل بیکار ہے اور ایک پوست ہے اور جو کہ پوشیدہ ہے اصل مین وہ مغز ہے اور اصل وہی ہے اور وہی عالم غیب ہے۔ لہذا اسکو حاصل کرنا ضروری ہوا۔ آگے ایک مثال دیتے ہین کہ۔

اسپ داند الخ یعنی گھوڑا گھوڑے کو جانتا ہے اسلیے کہ وہ اسکا ہم جنس ہے اور سوار سوار کے احوال کو جانتا ہی مطلب یہ کہ ہر چیز اپنے مجانس کو جانتی اور پہچانتی ہے الجنس یمیل الی الجنس۔

چشم حس الخ یعنی چشم حس تو گھوڑے کیطرح ہے اور حق تعالی کا نور سوار کیطرح۔ تو بے سوار کے یہ گھوڑا بھی کام مین نہ آویگا۔ پس بے نور حق کے یہ آنکھ ظاہری بھی بیکار اور فضول ہے۔

پیش ادب الخ یعنی پس بُری خصلتون سے گھوڑے کو سدھاؤ ورنہ بادشاہ کے سامنے گھوڑا رد ہو جاوے گا مطلب یہ کہ اس جسم ظاہری کی بھی تربیت و تعلیم کی ضرورت ہے ورنہ حق تعالی کے سامنے یہ بھی مقبول نہوگا اسلیے کہ اگر جسم ظاہر کی تربیت نہ کی تو پھر تو باطن بھی کام نہین دیسکتا۔ اسلیے کہ باطن کیلیے ظاہر تو مثل آلہ کے ہے تو اگر آلہ ہی خراب ہوگا تو صناع کیا کام کرسکتا ہے۔ آگے اسکو ایک اور مثال دیتے ہین کہ۔

چشم اسپ الخ۔ یعنی گھوڑے کی آنکھ کی بادشاہ کی آنکھ رہبر ہوتی ہے اور اسکی آنکھ بے بادشاہ کی آنکھ کے بیقرار ہوتی ہے مطلب یہ ہے کہ دیکھو جسطرح گھوڑے کی بھی آنکھین ہوتی ہین اور سوار کی بھی ہوتی ہین مگر گھوڑے کی آنکھ بادشاہ کے آنکھ کے بالکل تابع ہوتی ہے اور اول سوار راستہ کو دیکھ لیتا ہے اسکے بعد گھوڑے کو اُدھر ہی لیجاتا ہے مگر جو گھوڑا کہ اندھا ہو اوسکو اگر چشم شاہ بھی رہبر ہو تب بھی وہ راستہ طے نہین کرسکتا لہذا اوسکی آنکھ کی بھی ضرورت ہے۔ مگر جو اوسکی ہی دیکھی شے پر چھوڑا جاوے گا تو وہ تو راستہ ہرگز نہ چلے گا بلکہ وہ تو چرنا شروع کردے گا اسیکو فرماتے ہین کہ۔

چشم اسپان الخ۔ یعنی گھوڑون کی تو نگاہ سوے گھاس اور چراگاہ کے اسین نہین ہے اور جہان کہین تم بلاؤ گے وہ کہیگا کہ نہین اور کیون۔ مطلب یہ کہ اگر گھوڑے کو چلنے کی عادت نہ ہوگی تو اگر تم اسکو سواری مین لیجانا چاہو تو وہ انکار کریگا۔ پس اسیطرح اگرچہ راستہ کو قطع کرنے والے تو انسان مین حواس باطن ہی ہین مگر چشم ظاہری کی درستی اور اصلاح کی بھی ضرورت ہے اور اسکو بھی مجاہدات و ریاضات کا عادی رکھنا چاہیے۔ ورنہ اگر تم نے اوسکو اوسکی خواہشات کے موافق چھوڑ دیا اور اس سے کام نہ لیا تو پھر یہ ہرگز کام نہ دیگا اور پھر سخت مشکل ہوگی آگے فرماتے ہین

نور حق الخ۔ یعنی نور حق نور حسی پر سوار ہو جاتا ہے تو اسوقت جان حق تعالی کیطرف راغب ہوتی ہے مطلب یہ کہ جب اخلاق حمیدہ اخلاق ذمیمہ پر غالب ہو جاتے ہین اُس سے توجہ تام الی الحق حاصل ہوتی ہے۔

اسپ بے راکب الخ یعنی گھوڑا بے سوار کے راستہ اور نشان کو کیا جان سکتا ہے۔ بادشاہ کی ضرورت ہے تاکہ گھوڑا سڑک کو جانے۔ مطلب یہ کہ جسم ظاہر توجہ بحق اور اعمال صالحہ کو کیا جان سکتا ہے جب تک کہ باطن

اسکے اندر نور ہو پس ان سب باتون سے معلوم ہو گیا کہ نور حسی کی تلاش کی ضرورت ہے اور اسکو حاصل کرنا چاہئے لہذا آگے اوسے حصول کا طریقہ بتلاتے ہین کہ۔

سوئے حسے الخ۔ یعنی نور حس کیطرف جا کہ جسکا نور راکب ہو اور جسکے لیے وہ نور اچھا ساتھی ہو مطلب یہ کہ اس نور باطن کی تحصیل کے لیے اس شخص کے پاس جاؤ کہ جسکی شہوات پہ نور حق غالب ہو چکا ہے اور وہ مرشد کامل ہے پس مولانا مرشد کے پاس جانیکی ترغیب دیرہے ہین۔

نور حس الخ۔ یعنی نور حسی کے لیے نور حق سبب تزئین ہوتا ہے اور نور علی نور کے یہی معنے ہوتے ہین مطلب یہ کہ اس نور ظاہر کے ساتھ جب نور باطن مل جاتا ہے تو پھر مصداق نور علی نور کا ہو جاتا ہے اور یہ نور ظاہر مزین ہو جاتا ہے اور اسمین بھی برکت وانوار کے آثار ظاہر ہوتے ہین۔

نور حسی الخ۔ یعنی نور حسی تو اسفل کیطرف کھینچتا ہے اور نور حق اوس (طالب) کو بلندی کیطرف لیجاتا ہے مطلب یہ کہ حواس ظاہری تو اسفل اور ادنے کیطرف متوجہ کرتے ہین اور اس عالم سفلی مین لگا دیتے ہین اور نور حق عالم بالا اور مراقب بلند کیطرف لیجاتا ہے آگے اسکی وجہ بتلاتے ہین کہ۔

زانکہ محسوسات الخ۔ یعنی اسلیے کہ محسوسات تو کمترین عالم ہین اور نور حق دریا ہے اور حس مثل شبنم کے ہے مطلب یہ کہ چونکہ محسوسات خود عالم سفلی مین ہین اسلیے یہ ادنے اور اسفل کیطرف متوجہ کرتے ہین اور نور حق حواس ظاہر کی ایسی مثال ہے کہ جیسے دریا اور شبنم ہوتا ہے کہ دریا کو شبنم سے کیا نسبت ہے ؎ ببین تفاوت رہ از کجاست تا بہ کجا ۔ اسیطرح عالم غیب کو اور نور باطن کو حواس ظاہری اور عالم مادیات سے کچھ نسبت نہین ہے کہان یہ اور کہان وہ۔ نور باطن عالی اور یہ اسفل تو بس عالی ہی کو حاصل کرنا ضروری ہے اب یہان کسی ظاہر بین کو یہ شبہ ہوتا تھا کہ تم جو کہتے ہو کہ نور حق نور حس پر راکب ہوتا ہے تو ہم نے تو کسی پر نور حق کو کہین راکب نہین دیکھا اسلیے آگے بطور دفع دخل مقدر کے فرماتے ہین کہ۔

لیک پیدا الخ۔ یعنی لیکن وہ راکب ظاہر نہین ہے بجز آثار اور اچھی باتون کے مطلب یہ کہ وہ نور بیشک غالب اور راکب ہے مگر وہ ہم کو حسًا نظر نہین آسکتا ہان آثار سے اور اسکی عمدہ عمدہ باتون اور حقائق و معارف کے بیان کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس شخص پر نور باطن غالب ہو گیا ہے اور اس نور کا نظر نہ آنا کچھ مستبعد نہین ہے بلکہ محسوسات مین بھی اسکی نظیر موجود ہے اوسکو آگے بیان فرماتے ہین کہ۔

نور حسی الخ۔ یعنی نور حسی جو کہ غلیظ اور بھاری ہے۔ آنکھونکی سیاہی مین پوشیدہ ہے یعنی اس چشم ظاہر بین جو نور ہے وہ بھی تو آخر اس مردمک چشم کے اندر پوشیدہ ہے اور وہ بھی تو نظر نہین آتا۔ بلکہ یہ مردمک اور سیاہی ہی نظر آتی ہے چونکہ نور حس الخ۔ یعنی جبکہ نور حسی کو تم آنکھ سے نہین دیکھ سکتے۔ تو اس دین والے کا نور اس آنکھ سے کس طرح دیکھ سکتے ہو۔ مطلب یہ کہ جب تمکو اس چشم ظاہری کا نور جو کہ ممکن اور حادث اور محسوس ہے نظر نہین آتا پھر اوس نور حقیقی لم یزل واجب کو کسطرح دیکھ سکتے ہو۔ بس وہ ایک نور پوشیدہ ہے جو کہ باطن پر متجلی ہوتا ہے اور اسکو بھی اپنا ہی جیسا بنا دیتا ہے۔

نور حس الخ۔ یعنی نور حسی باوجود اسقدر غلاظت کے مخفی ہے اور وہ نور جو کہ برگزیدہ ہے کسطرح مخفی نہوگا مطلب ظاہر ہے

شرح حبیبی

این جہان چون خس بدست باد غیب — عاجزی پیشہ گرفت از داد غیب
گہ بجیرنش میبرد گاہیش بر — گاہ خشکش میکند گاہیش تر
گہ بلندش میکند گاہیش پست — گہ درستش میکند گاہے شکست
گہ یمینش مے برد گاہے یسار — گہ گلستان میکند گاہیش خار
دست پنہان و قلم بین خط گذار — اسپ در جولان و ناپیدا سوار
تیر پران بین و ناپیدا کمان — جانہا پیدا و پنہان جان جان
تیر را مشکن کہ این تیر شہی است — نیست پرتابی ز شست آگہی است
ما رمیت اذ رمیت گفت حق — کار حق بر کارہا دارد سبق
خشم خود بشکن تو مشکن تیر را — چشم خشمت خون نماید شیر را
بوسہ دہ بر تیر و پیش شاہ بر — تیر خون آلودہ از خون تو تر
انچہ پیدا عاجز و پست و زبون — انچہ ناپیدا چنان تند و حرون
ماشکاریم این چنین دامے کراست — گوئے چوگانیم چوگانے کجاست
مے درد مے دوزد این خیاط کو — مے دمد مے سوزد این نفاط کو
ساعتے کافر کند صدیق را — ساعتے زاہد کند زندیق را
زانکہ مخلص در خطر باشد مدام — تا ز خود خالص نگردد او تمام
زانکہ در راہ ست و رہزن بیحد است — او رہد کو در امان ایزد است
آئینہ خالص نگشت او مخلص است — مرغ را نگرفتہ است او مقنص است
چونکہ مخلص گشت مخلص باز رست — در مقام امن رفت و برد دست
ہیچ آئینہ دگر آہن نشد — ہیچ نان گندمی خرمن نشد
ہیچ انگورے دگر غورہ نشد — ہیچ میوہ پختہ باکورہ نشد

اوپر ہم نے اس عالم کو خاک سے اور عالم غیب کو باد سے تشبیہ دی تھی اسکے بعد اسکے مناسب باتین بیان کی تھین اب ہم اصل مقصود کیطرف انتقال کرتے ہین۔ اور کہتے ہین کہ یہ عالم جو بمنزلہ خاک کے عالم غیب کے ہاتھ مین اسطرح ہے جسطرح ہوا کے قبضہ مین تنکا اور چونکہ عالم غیب سے اُسکو عاجزی بخشی ہے اسلیئے اسنے عاجزی پیشہ اختیار کیا ہے کہ تصرفِ تکوینی کے مقابلہ مین چون و چرا نہین کرتا کبھی وہ باد غیب اسکو سمندر مین لیجاتی ہے کبھی خشکی مین کبھی بلند کرتی ہے کبھی پست کبھی بناتی ہے کبھی توڑتی پھوڑتی ہے۔ کبھی داہنے لیجاتی ہے کبھی بائین۔ کبھی اسکو باغ کرتی ہے کبھی خار پس یہ سب تصرفات اسی غیر محسوس کے ہین۔ اور ہاتھ (مؤثر حقیقی) محسوس نہین ہوتا۔ اور قلم لکھ رہا ہے یعنی مؤثرات مصنوعی سے آثار ظاہر ہو رہے ہین گھوڑا دوڑ رہا ہے اور عالم مین انقلابات ہو رہے ہین۔ مگر سوار (مؤثر حقیقی) معلوم نہین ہوتا۔ تیر جا رہا ہے اور کمان محسوس نہین جانین ظاہر ہین اور جسنے جانکو حیات

بخشی ہے وہ پوشیدہ ہے جب تجھے معلوم ہوگیا کہ عالم مین جو کچھ ہوتا ہے وہ تصرف حق سبحانہ ہوتا ہے اور جو تیر حوادث آتا ہے اوسکا پھینکنے والا وہی ہے تو خبردار اس تیر کو نہ توڑنا اور اس سے ناخوش نہونا کہ یہ شاہی تیر ہے اور حق سبحانہ کیطرف سے ہے اور اوسکی نہین ہے بلکہ واقفیت کاملہ سے ہے ضرور کوئی مصلحت ہوگی گو تجھے معلوم نہو۔ حوادث کے بقضاء و قدرت و تصرف خداوندی ہونیکی دلیل یہ ہے کہ حق سبحانہ فرماتے ہین مارمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمی۔ اس آیت مین حق سبحانہ نے رمی کو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ثابت کرکے اُن سے اسکو سلب کیا ہے اور اپنے لیے ثابت کیا ہے اور حاصل اسکا یہ ہے کہ گو یہ فعل آپ سے صادر ہے مگر آپ اوسکے صدور مین مستقل نہین اسمین ہماری مشیت و ارادہ و قدرت و خلق کو بھی بہت کچھ دخل ہے یہ تو رمی کا بیان تھا اور باقی افعال کو اسپر قیاس کرنا چاہیے اور سمجھنا چاہیے کہ جملہ کام جو بظاہر دوسرون سے صادر ہون سب پر حق سبحانہ کا فعل مشیت و ارادہ و خلق وغیرہ مقدم ہے لہذا تو اپنی ناخوشی کو توڑ اور تیر کو مت توڑ بات یہ ہے کہ وہ درحقیقت دودھ اور مرغوب ہے مگر تیری آنکھ مین مارے غصہ کے خون اُتر آیا ہے مگر اسلیے وہ تجھے خون نامرغوب مکروہ دکھلائی دیتا ہے پس تیرا فرض ہے کہ تو اس تیر کو چومے اور یونہین اپنے خون سے آلودہ بادشاہ کے سامنے لیجا کر رکھدے یعنی نہایت فراخ حوصلگی کے ساتھ تقدیر الٰہی پر راضی ہو گو بظاہر تیرے لیے مضر ہی ہو خیر یہ نصیحت تو جملہ معترضہ کے طور پر تھی اب پھر مضمون سابق کیطرف عود کرتے ہین اور کہتے ہین کہ مضمون بالا سے یہ نتیجہ نکلا کہ جو ظاہر ہے نہایت عاجز و حقیر ہے اور جو پنہان ہے نہایت قوی اور تیز ہے اب مولانا جوش محبت مین فرماتے ہین کہ ارے وہ کسکا جال ہے جسکے ہم شکار ہین اور وہ بلا کہان ہے جسکے ہم گیند ہین اور یہ درزی کون ہے جو کبھی پھاڑتا ہے کبھی سیتا ہے اور یہ لفظ پھونکنے والا کون ہے جو پھونکتا اور جلاتا ہے اب مولانا استفہام شوقی سے فارغ ہوکر حق سبحانہ کی قدرت کاملہ کو بیان فرماتے ہین اور کہتے ہین کہ وہ کبھی تو مومن کو کافر کردیتا ہے کبھی کافر کو زاہد کردیتا ہے اسلیے جو لوگ ہنوز مصفا نہین ہوچکے انکو ڈرتے رہنا چاہیے کیونکہ ناقصین کو ہروقت مردودیت کا خطرہ لگا ہوتا ہے اور یہ خطرہ اسی وقت تک ہے جب تک کہ وہ فانی کامل نہین ہوتا کیونکہ ہنوز وہ رستہ مین ہے اور راہزن بہت سے ہین ان سے وہی بچ سکتا ہے جسے خدا محفوظ رکھے اور ابھی اوسکا آئینہ قلب مصفا نہین ہوا ہے بلکہ ہنوز صاف ہو رہا ہے اور ہنوز اُسنے شکار پر قبضہ نہین کیا ہے بلکہ ہنوز درپے صید ہے اسلیے عوائق و موانع کا احتمال موجود ہے ہان جب یہ مخلص خالص و فانی کامل ہوگیا تو اب مخلَص ہوکر اوس خطرہ سے چھوٹ گیا اور مقام امن تک پہونچ گیا اور اس مقام کو اوسنے حاصل کرلیا جہان کسی رہزن کا خطرہ نہین کیونکہ پختگی کے بعد خامی ناممکن ہے اور کمال کے بعد نقص اصلی نہین لوٹ سکتا۔ مثلاً کوئی آئینہ دوبارہ لوہا نہین ہوجاتا اور کوئی روٹی پھر سے گیہون نہین بنتی اور انگور غورہ (خام) نہین ہوتا اسکے سوا اور کوئی میوہ بھی پختہ ہوکر اپنی ابتدائی حالت خامی کیطرف نہین لوٹتا۔

شرح شبیری ایں جہان الخ یعنی یہ جہان جو کہ حس کیطرح ہے غیب کے ہاتھ مین ہے اور اسنے غیب کی عطا سے اوسی کا پیشہ اختیار کرلیا ہے مطلب یہ کہ یہ جہان ظاہری عالم غیب کے بالکل تابع ہے اور وہ اصل ہے۔

گہ بہ بحر ش الخ یعنی کبھی اوسکو دریا مین لیجاتا ہے اور کبھی خشکی مین اور کبھی اسکو خشک کردیتا ہے اور کبھی تر کردیتا ہے مطلب یہ کہ وہ عالم غیب اور قضا و قدر اس عالم ظاہر و فانی کو جسطرح چاہتا ہے بدل دیتا ہے اور اوسکے ہاتھ مین بالکل کالمیت فی ید الغسال ہے۔

دست پنہان الخ یعنی ہاتھ تو پوشیدہ ہے اور قلم کو دیکھو خط کا ادا کرنیوالا ہے اور گھوڑا تو جولانی مین ہے اور سوار مخفی ہے

مطلب یہ کہ آثار و افعال عالم غیب کے تو ظاہر ہین مگر وہ ہاتھ کہ جسکے تصرف مین یہ سب افعال ہین اور وہ جسطرح چاہتا ہے ردوبدل کرتا ہے پوشیدہ ہے یعنی حق تعالی کہ تمام افعال و آثار مخلوق حق ہین مگر حق تعالی کو دنیا مین جہان کہ یہ آثار مرتب ہو رہے ہین کوئی نہین دیکھ سکتا جیسا کہ ظاہر ہے۔

گہ بلندش الخ۔ یعنی کبھی اسکو بلند کر دیتا ہے اور کبھی پست اور کبھی اسکو جوڑ دیتا ہے اور کبھی توڑ دیتا ہے۔ مطلب یہ کہ وہ ذات کہ جسکی قدرت سے یہ افعال و آثار پیدا ہوتے ہین بالکل پوشیدہ ہے اور اوسکے دست قدرت مین کل جہان جسطرح کہ اگر چاہتا ہے اوسمین تصرف کرتا ہے۔

گہ یمینش الخ یعنی کبھی اوسکو داہنی طرف لیجاتا ہے اور کبھی بائین طرف اور کبھی اوسکو گلستان کر دیتا ہے اور کبھی خار۔ مطلب یہ کہ جسطرح چاہتا ہے تصرف کرتا ہے آگے ایک اور مثال دیتے ہین کہ

تیر پران الخ۔ یعنی تیر تو اڑ رہا ہے اور کمان پوشیدہ ہے اور جانین ظاہر ہین اور جان جان مخفی ہے مطلب یہ کہ آثار و افعال تو صادر ہوتے ہوئے معلوم ہوتے ہین مگر وہ ذات حق تعالی کہ جس سے کہ یہ صدور ہو رہا ہے پوشیدہ ہے اور کسیکو دنیا مین ان حواس ظاہری سے اسکا ادراک نہین ہو سکتا ہے مگر جو کچھ بھی آثار و افعال ہین وہ یقیناً اوسیطرف سے ہین لہذا جو حالت بھی ہو خواہ راحت یا تکلیف یا گوارا یا ناگوار سب پر راضی رہنا اور سر تسلیم خم کرنا ضروری ہے اسیکو فرماتے ہین کہ۔

تیر را الخ یعنی تیر کو مت توڑ کہ یہ تیر شاہی ہے اور یہ اناڑی پن سے نہین ہے بلکہ خبرداری کے نشانہ سے ہے مطلب یہ کہ جو حالت بھی ہو اوسپر راضی رہنا چاہیے اور یہ سمجھنا چاہیے کہ جو کچھ بھی ہے اس ذات وحدہ لاشریک کیطرف سے ہے اور وہ عالم الغیب اور رحیم باحوال العباد ہین تو وہ جو کچھ بھی بندہ کے لیے کرینگے وہ مناسب اور مفید ہی ہوگا پس اسپر راضی رہنا ضروری ہے اگرچہ وہ بظاہر کسی اور ہی جانب سے معلوم ہون مگر وہ در اصل اوسی طرف سے ہے اسیکو فرماتے ہین کہ۔

ما رمیت الخ یعنی حق تعالی نے ما رمیت اذ رمیت فرمایا ہے۔ اور حق تعالی کے کام سب کامون پر سبقت رکھتے ہین مطلب یہ کہ دیکھو قرآن شریف مین ہے کہ ما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمی (ترجمہ جب آپنے رمی کی تو وہ در اصل آپنے نہین کی بلکہ اللہ نے رمی کی) تو دیکھو بظاہر تو معلوم ہوتا تھا کہ رمی حضور مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے صادر ہوئی ہے مگر اصل مین اس رمی کو بھی حق تعالی اپنی ہی طرف منسوب فرماتے ہین۔ لہذا خوب سمجھ لو کہ جو کچھ ہے اوسی طرف سے ہے اور جو کچھ اوسطرف سے ہوگا وہ مفید ہی ہوگا اسلیے اوس سے ناراض مت ہو بلکہ اپنی اس ناراضگی اور غصہ ہی کو ختم کر دو کہ اسکی وجہ سے تمکو وہ مفید مضر معلوم ہو رہا ہے اسکو فرماتے ہین کہ۔

خشم الخ۔ یعنی اپنے غصہ ہی کو توڑ اور اس تیر کو مت توڑ تیرے غصہ کی آنکھ دودھ کو خون دکھا رہی ہے مطلب یہ کہ اپنی اس قوت غضب و شہوت کا خاتمہ کر اور اسکو زائل کر اور اس حالت سے جو کہ حق تعالی کیطرف سے پہونچی ہے ناراض مت ہو کیونکہ وہ اصل مین تو مفید اور مثل دودھ کے ہے مگر تمکو مضر اور مثل خون کے ناپاک نظر آتی ہے لہذا اسپر راضی رہو اور اسیطرح حق تعالی کے سامنے چلے جاؤ۔ اور تفویض محض اپنا شعار کر لو اسیکو فرماتے ہین۔ کہ

بوسہ دہ الخ۔ یعنی تیر کو بوسہ دو اور بادشاہ کے پاس لیجاؤ کہ وہ تیر تمہارے خون سے تر اور بھرا ہوا ہو مطلب یہ کہ اس حالت پر جسپر حق تعالی نے رکھا ہے راضی رہو۔ اور اگرچہ وہ تمکو بظاہر مضر ہی ہو مگر اوسکو اسیطرح لیے ہوئے حاضر ہو جاؤ۔ پھر حق تعالی کے فضل و کرم اور اسکے الطاف تمپر نازل ہونگے آگے فرماتے ہین کہ۔

آنچہ پیدا الخ۔ یعنی جو کچھ کہ ظاہر ہے وہ تو عاجز اور پست اور کمزور ہے اور جو کہ پوشیدہ ہے وہ ایسا تند اور زور آور ہے مطلب یہ کہ یہ عالم دنیا جو کہ ظاہر ہے اور ظہور کا مقتضا یہ تھا کہ زور آور ہوتا مگر ضعیف اور کمزور ہے اور جو مخفی ہے اسکے آثار و افعال بھی مخفی ہوتے اور وہ ضعیف و کمزور ہوتا۔ مگر وہی زور آور ہے پس اسکو طلب کرنا اور اوسی سے دل لگانا ضروری ہے پھر فرماتے ہین کہ۔

ما شکاریم الخ۔ یعنی کہ ہم تو شکار ہین ایسا جال کسکا ہے اور ہم ایک بلے کے گیند ہین تو وہ بلے والا کہان ہے مطلب یہ کہ ہم تو کسی ایک قدرت والے کے اختیار مین ہین تو اس با قدرت و اختیار کو ڈھونڈھنا ضروری ہے۔ اور اوسی سے علاقہ رکھنا ضروری ہے۔

می درد الخ۔ یعنی جو کہ پھاڑتا ہے پھر سیتا ہے یہ درزی کون ہے اور جو کہ پھونکتا ہے اور جلاتا ہے وہ نفاط کون ہے نفاط وہ جو کہ مشعل پر تیل ڈالے تاکہ خوب جلے مطلب یہ کہ وہ ذات جو کہ ہماری اندر جسطرح چاہتی ہے تصرف کرتی ہے وہ کہان ہے اسکی تلاش اور طلب ضروری ہے اوسکی تو یہ شان ہے کہ۔

ساعتے الخ۔ یعنی ایک گھڑی مین صدیق کو کافر کر دے اور ایک گھڑی مین زندیق کو زاہد کر دے پس جب کہ ہم اوسکے بالکل قبضۂ قدرت مین ہین تو اس سے ہرگز بے خوف نرہنا چاہیے بلکہ ہر وقت اُس سے پناہ مانگنا اور ڈرنا ضروری ہے اور اسی لیے جو مومن کامل ہوتا ہے وہ ہر وقت خطرہ مین رہتا ہے اور کسی وقت گرفت سے مامون نہین ہوتا۔ اسیکو فرماتے ہین کہ۔

زانکہ الخ۔ یعنی اسی لیے مخلص (بکسر اللام) ہمیشہ خطرہ مین رہتا ہے جبتک کہ اپنے سے پوری طرح خالص نہو جاوے مطلب یہ کہ جو مخلص اور مومن ہوتا ہے چونکہ وہ اپنے کو بالکل قبضہ قدرت مین سمجھتا ہے اسلیے ہمیشہ خوف مین رہتا ہے جبتک کہ اپنی خودی سے بالکل خالص نہو جاوے اور یہ بات بعد موت کے حاصل ہوتی ہے لہذا معلوم ہوا کہ جو مومن کامل ہوتے ہین وہ ہمیشہ خوف و رجا کی حالت مین رہتے ہین یہانتک کہ انکو موت آجاتی ہے۔ اور اُسوقت پوری حالت معلوم ہوکے جب انکو معلوم ہو جاتا ہے کہ ہم ناجی ہین تب انکو اطمینان ہوتا ہے آگے اس خائف ہونیکی وجہ بیان کرتے ہین کہ۔

زانکہ الخ۔ یعنی اسلیے کہ وہ راہ مین ہے اور رہزن بیحد و بے شمار ہین۔ ہان جو کہ حق تعالیٰ کے امن مین ہوتا ہے وہ ان خوفون سے چھوٹا ہوا ہوتا ہے۔ مطلب یہ کہ جسکو قرب حق نصیب ہو گیا ہے اور امان حق مین آگیا ہے وہ فی الواقع تو چھوٹا ہوا ہے اور اسکو اب کوئی گزند نہ پہونچے گا۔ مگر یہی چونکہ راہ مین رہزن ہین اسلیے وہ خود ہر وقت خائف ہی ہے ہان امان شاہی کیوجہ سے وہ فی الواقع ضرور بچا ہوا اور بیخوف ہے آگے اسکی مثال ہے کہ۔

آئینہ الخ۔ یعنی آئینہ خالص نہین ہوتا تو وہ مخلص ہوتا ہے اور جسنے مرغ کو نہین پکڑا ہے وہ شکاری مطلب یہ کہ دیکھو جسوقت تک کہ آئینہ خالص اور صاف نہین ہوتا اسوقت تک اوسکو خالص کیا جاتا ہے اور اسمین صفائی کی کوشش کیجاتی ہے لیکن جب صاف ہو جاتا ہے اسوقت پھر اسکو ضرورت اسکی نہین رہتی۔ بلکہ اب وہ صاف و شفاف ہو جاتا ہے اسیکو فرماتے ہین۔ کہ

چونکہ الخ۔ یعنی جو کہ مخلص کہ مخلَص ہو گیا چھوٹ گیا اور مقام امن مین چلا گیا اور ہاتھ لے گیا مطلب یہ کہ جو شخص دل مجاہدہ اور ریاضت کر رہا تھا اور قلب کو ماسوا سے خالص کر رہا تھا حتی کہ خالص ہو گیا تو وہ تمام تکالیف اور عذاب سے چھوٹ گیا اور وہ مقام مامون مین پہونچ گیا۔ جیسا کہ حق تعالیٰ فرماتے ہین کہ (لاخوف علیہم ولاہم یحزنون

پس ایسے شخص کو خوف فی الواقع تو کچھ نہین ہوتا لیکن وہ خود ہر وقت خائف و ترسان ہی ہتا ہے اسی لیے حق تعالی نے لاخوف علیہم فرمایا لایخافون نہین فرمایا لہذا جو شخص کہ مخلص (بفتح اللام) ہو گیا وہ پھر اب خوف باز گشت نہین رہا اور یہین خلاصہ ہے صوفیہ کے اس قول کیطرف کہ الفانی لایرد کہ جو اپنے کو فنا کر چکا ہے وہ کبھی مردود نہین ہوتا اور جو ایک مرتبہ مقبول ہو چکا ہے وہ کبھی مطرود نہین ہوتا اور اسی لیے شیطان چونکہ مقبول و مجذوب من الحق نہ ہوا تھا بلکہ صرف سالک تھا اسلیے وہ مردود ہو گیا اگر اوس طرف سے بھی جذب ہوتا۔ تو ہرگز رد نہو سکتا تھا۔ اسلیے کہ عادت اللہ یہی جاری ہے کہ الفانی لایرد آگے اسکی مثالین بیان فرماتے ہین کہ۔

ہیچ الخ۔ یعنی کوئی آئینہ پھر لوہا نہین ہوا اور کوئی روٹی پھر گیہون کا ڈھیر نہین ہو گیا۔

ہیچ الخ۔ یعنی کوئی انگور پختہ خام نہین ہوا۔ اور کوئی پختہ میوہ پھر کچا نہین ہوا پس معلوم ہو گیا کہ جو شے کہ پختہ ہوتی ہے وہ پھر خامی کی طرف واپس نہین ہوتی۔ اسیطرح جو کہ فنا حق کامل ہو جاتا ہے وہ پھر مردود نہین ہوتا۔ لہذا فنا کا حاصل کرنا ضروری ہوا اسیکو فرماتے ہین کہ۔

شرح حبیبی

پختہ گرد و از تغیر دور شو	اوچو برہان محقق نور شو
چون ز خود رستی ہمہ برہان شدی	چونکہ گفتی بندہ ام سلطان شدی
ور عیان خواہی صلاح الدین نمود	دیدہا را کرد بینا و گشود
فقر را از چشم و از سیمای او	دیدہ ہر چشمے کہ دارد نور ہو

پس اگر تمھین تغیر و رجعت سے بچنے کی ضرورت ہے اور ہمارے شیخ اول برہان الدین محقق کیطرح سراپا نور بننا چاہتا ہے تو پختہ ہو جا اس سے تمھین یہ سب باتین حاصل ہو جاوینگی وہ پختگی فنائے تام ہے پس جب تو خودیکو فنا کر چکا تو بالکل برہان الدین ہو گیا اور جب تو نے عبودیت کا اختیار کر لی تو بادشاہ ہو گیا اگر ہمارے بیان پر اطمینان نہو اور مشاہدہ کرنا چاہے تو ہمارے پیر بھائی صلاح الدین نے اسکو معاین کر دیا ہے یون بھی کہ خود دلیا بنگیا اور یون بھی کہ سیکڑون آنکھونکو بینا کر دیا اور کھولدیا جو آنکھ نور حق سبحانہ رکھتی ہے وہ فقر و عبدیت کی صورت آنکی آنکھون اور انکی پیشانیون مین دیکھتی ہے۔ کیونکہ فقر و فنا انکی صورت سے ظاہر ہے۔

شیخ فعالست بے آلت چو حق	با مریدان دادہ بے گفتے سبق
دل بدست او چو موم نرم رام	مہر او گہ ننگ سازد گاہ نام
مہر مومش حاکی انگشتری است	باز آن نقش نگین حاکی کیست
حاکی اندیشۂ آن زرگر است	سلسلہ ہر حلقہ اندر دیگر است

تم تعجب نکرنا کہ اسکی نظر عنایت اور انکی صورت دیکھنے سے لوگونکو فقر کی صورت کیونکر دکھلائی دیگئی اور انکی آنکھین کیونکر کھل گئین۔ اور کیونکر بینا ہو گئین کیونکہ شیخ حق سبحانہ کی طرح اپنے تصرفات مین آلہ کا محتاج نہین وہ اپنے مریدونکو بدون تقریر کے سبق پڑھاتا ہے اسکے لیے تو قصد و ارادہ کی بھی ضرورت نہین بلکہ بدون اسکے قصد کے اسکے فیض و برکات

بقدرت الہیہ مخلصین تک بہونچتے ہین اسلئے قبضہ مین دل یون رام ہے جسطرح موم نرم کہ جسطرف اور جسطرح چاہے موڑ دے اور اوسکی مہر یعنی اوسکا قلب اسمین کبھی اثر ننگ اور قبض پیدا کرتاہے اور کبھی اثر نام اور بسط یہ نقش واثر جو موم یعنی قلب طالب مین پیدا ہوتاہے یہ تو نقل ہے شیخ کی انگشتری قلب کی نقش کے اب یہ دیکھنا چاہیے کہ شیخ کے قلب کے نگینہ مین جو نقش ہے وہ کسکی نقل اور کسکا عکس ہے پس وہ عکس ہے نزدگر یعنی حق سبحانہ کی مشیت کا اور یہ عکوس ایک زنجیر مین جسکی ایک کڑی دوسری کڑی مین لگی ہوئی ہے۔

شرح شبیری پختہ گردا الخ یعنی پختہ ہوجاؤ اور پھر تغیر سے دور ہوجاؤ جیسا اور مثل برہان الدین محقق کے نور ہوجاؤ۔ حضرت برہان الدین محقق مولانا کے پہلے شیخ ہین اول مولانا نے ان ہی سے بیعت کی تھی مگر چونکہ مولانا کی استعداد قوی تھی اسلیے یہ تربیت پوری طرح نکر سکے اسلیے پھر مولانا نے حضرت شمس الدین تبریزی سے رجوع کیا تھا۔ اسلیے مولانا ان شیخ اول کی بھی تعریف فرماتے ہین اور فرماتے ہین کہ تم فنا مین کامل اور پختہ ہوجاؤ تو پھر اس تلوین و تغیر سے نکل جاؤگے اور تمکین حاصل ہوجاوئگی پس جسطرح کہ حضرت برہان الدین محقق نور ہی نور مین اسیطرح تم بھی ہوجاؤ یہ ایک مثال سے تمکین کی حالت کو بیان فرمادیا آگے فرماتے ہین

چون الخ یعنی جبکہ اپنی خودی سے تم چھوٹ جاؤگے تو حضرت برہان الدین ہوجاؤگے اور جب تم کہوگے کہ مین بندہ ہون تو سلطان ہوجاؤگے مطلب یہ کہ جب تم درجہ فنا حاصل کرلوگے تو اسوقت تم حضرت برہان الدین کیطرح سے ہوجاؤگے اور جبکہ فنا مین اپنی ہستی کو مٹا کر عبد بنجاؤگے اور ایاک نعبد کا مصداق ہوجاؤگے تو اسوقت سلطان باطن ہوجاؤگے۔

ور عیان الخ یعنی اور اگر ظاہر طور پر دیکھنا چاہتے ہو تو شیخ صلاح الدین نے دکھلا دیاہے اور آنکھونکو بینا کردیا اور کھولدیا ہے شیخ صلاح الدین بھی حضرت برہان الدین کے خلیفہ ہین اور مولانا کے پیر بھائی ہین پس فرماتے ہین کہ اگر تم درجہ فنا کو ظاہر طور پر دیکھنا چاہتے ہو تو شیخ صلاح الدین نے دکھلا دیاہے اور انھون نے آنکھون کو بصیر کردیاہے اور کھولدیاہے۔

فقر را الخ یعنی فقر کو آنکھ سے اور اوسکی نشانی سے ہر اوس آنکھ نے دیکھ لیاہے کہ جو حق کا نور رکھتی ہے مطلب یہ کہ جس آنکھ مین نور حق ہے اور جو کہ متخلق باخلاق اللہ ہے وہ اس نور اور ان باتون کو نشانیون سے اور چشم حقیقت بین سے دیکھ لیتا ہے اور شیخ صلاح الدین نے آنکھون کو بینا کردیاہے لہذا وہ اس نور کو دیکھ لینگے اب یہان کسی ظاہر بین کو یہ شبہہ ہوسکتاہے کہ ہم نے شیخ صلاح الدین کو دیکھا نہین کہ کسیکی آنکھ مین انھون نے سلائی چلائی ہو اور سرمہ لگایا ہو اس سے وہ بینا ہوگیا ہو اسلیے مولانا بطور دفع دخل مقدر کے فرماتے ہین کہ۔

شیخ الخ یعنی شیخ بے آلہ کے فاعل اور اثر کرنے والاہے جسطرح کہ حق تعالی۔ اور مریدونکو بے گفتگو کے سبق دیتاہے مطلب یہ کہ جسطرح کہ حق تعالی کو آلات واسباب کے مہیا کرنیکی ضرورت نہین ہوتی اسیطرح جو کہ متخلق باخلاق اللہ ہوگیاہے اوسکو بھی آلات کی ضرورت نہین رہتی اور وہ بے آلات کے فیض پہونچاتاہے اور مریدونکو بے گفتگو کے ہدایت کرتاہے پس شیخ صلاح الدین بھی اگرچہ بظاہر کسیکی آنکھ مین سلائی نہین لگاتے لیکن وہ بے ظاہری اسباب ہدایت کے ہدایت فرمادیتے ہین اور فیض پہونچاتے ہین۔

دل الخ یعنی اوس شیخ کے ہاتھ مین دل موم نرم کی طرح مطیع ہوتاہے اور اوسکی مہر کبھی تو ننگ کا نقش بناتی ہے اور کبھی نام کا مطلب یہ کہ جسطرح موم نرم پر جسطرح چاہو مہر کرلو اسیطرح دل طالب بھی ہوتاہے کہ اوسپر شیخ جسطرح چاہتاہے نقش کردیتاہے خواہ نقش ننگ کرے اور خواہ نام غرضکہ ہر طرح سے اوسکے قبضہ مین ہوتاہے اسلیے کہ وہ تو متخلق باخلاق اللہ ہوگیاہے

پس اوسکی یہ حالت ہونا بعید نہیں ہے ۔
مہر موش الخ یعنی اوسکے موم کی مہر تو انگشتری کی حاکی ہے ۔ پھر وہ نقش نگین کسکا حاکی ہے مطلب یہ کہ مرید کی حالت دیکھکر تو شیخ پر استدلال ہوتا ہے کہ یہ کسی ایسے کا اثر ہے کہ جو ایسا کامل و مکمل ہے لیکن دیکھنا یہ ہے کہ اسمین جو یہ نقش اور اثر پیدا ہوا ہے کہ جسکی وجہ سے اُسکا اثر دوسرے پر پڑتا ہے وہ کیا شے ہے تو یہ نقش اپنے صانع پر دال ہوگا اور وہ حق سبحانہٗ تعالیٰ ہیں پس اول تو مرید کی حالت دال ہے حالت شیخ پر اور اوسکی حالت دال ہے حق تعالیٰ کی صنعت پر یہ سلسلہ اسطرح پہونچگیا ہے آگے خود فرماتے ہیں کہ
حاکی الخ یعنی وہ اس زرگر کی فکر کی حاکی ہے زنجیر کا ہر حلقہ ایک دوسرے مین ہے مطلب یہ کہ نقش نگین اُس ذات پر دال ہیں جسنے کہ یہ بنائی ہے اور یہ سلسلہ اسیطرح ہے کہ ایک سے دوسرے کی معرفت ہوتی چلی جاتی ہے چونکہ اوپر فرمایا تھا کہ یہ جو کچھ کہ عالم ظاہر ہے ضعیف اور کمزور ہے اور وہ جو کہ اصل ہے وہ پوشیدہ ہے اور کہا تھا کہ ع می دودی ورد این خیاط کو الخ ۔ اب آگے بھی یہی فرماتے ہین کہ ۔

شرح حبیبی

این صدا در کوہ دلہا بانگ کیست
گہ پرست از بانگ این کہ گہ تہی است

ہر کجا ہست آن حکیم و اوستاد
بانگ او زین کوہ دل خالی مباد

ہست کہ کاواز مثنی میکند
ہست کہ کاواز صدتا میکند

می زہاند کوہ زان آواز و قال
صد ہزاران چشمۂ آب زلال

چون ز کہ آن لطف بیرون میشود
آبہای چشمہا خون میشود

زان شہنشاہ ہمایون نعل بود
کہ سراسر طور سینا لعل بود

جان پذیرفت و خرد اجزای کوہ
ما کم از سنگیم آخر ای گروہ

نے ز جان یک چشمہ جوشان میشود
نے بدن از سبز پوشان میشود

نے صدای بانگ مشتاقی درو
نے صفای جرعۂ ساقی درو

کو حمیت تا ز تیشہ وز کلند
اینچنین کہ را بکلی بر کنند

دلون کے پہاڑون مین یہ کسکی آواز کی صدائے بازگشت ہے اور کس مؤثر کا اثر ہے جس نے کبھی تو کوہ دل پُر ہوتے ہین اور کبھی خالی بات یہ ہے کہ جسکے دل مین وہ صدا ہے وہ حکیم و اوستاد کامل ہے خدا کرے کہ وہ دل کبھی بھی اس آواز سے خالی نہو پھر پہاڑون کی حالتین مختلف ہین کسی سے آواز ایک مرتبہ ہی لوٹتی ہے اور اسطرح اصل آواز دوہری ہو جاتی ہے ۔ اور بعض سے بہت ہی مرتبہ لوٹتی ہے یعنے بعض دلون مین قابلیت تاثر کم ہے اسلیے تھوڑا اثر ہوتا ہے اور بعض مین زیادہ لہذا ان مین زیادہ اثر ہوتا ہے پھر اس آواز و گفتار و تاثیر خداوندی سے ان دلون کے پہاڑون سے ہزارون شیرین اور صاف پانیون کے چشمے ابلتے ہین اور طرح طرح کے انوار عرفانیہ اور فیوض باطنیہ سے لبریز ہوتے ہین اور جب ان پہاڑون سے وہ لطف علیحدہ ہو جاتا ہے اور تاثیر و افاضہ بند ہو جاتا ہے تو وہ ہی پانی چشمہ خون سے مبدل ہو جاتے ہین اور معارف آلہیہ خیالات

کفر یہ سے بدل جاتے ہین اعاذنا اللہ منہا۔ غور کرو کہ شہنشاہ حقیقی مبارک فعل یا حضرت موسی علیہ السلام مبارک نعل کے باعث کوہ سینا محل و مہبط انوار و تجلیات الٰہیہ ہو کر سراسر لعل ہو گیا افسوس کہ پتھر اور پہاڑ کے اجزا تو جان اور عقل قبول کرلین اور ہم نکرین کیا ہم پتھر سے بھی گئے گذرے ہین جبکہ ایسا نہین تو کیا بات ہے کہ نہ تو ہماری روح ہی سے کوئی معرفت الٰہی کا چشمہ نکلتا ہے اور نہ ہمارا جسم ہی سرسبز ہوتا ہے کہ ثمرات اعمال اوس سے ظاہر ہون نہ آواز شوق کی صدائے بازگشت ہے نہ ساقی کے پلائے ہوئے شراب محبت کے گھونٹ کی صفائی اور اثر ہے حمیت و غیرت کیا ہوئی کیون نہ تیشہ و کلند مجاہدات سے اس پہاڑ کو اکھاڑ ڈالین اور اسکو ریزہ ریزہ کر دین اور دل و جسم و جان سب کو فنا کر دین۔

بو کہ بر اجزاے او تابد سہے　　بو کہ در وے تاب مہ یابد رہے

چون قیامت کوہہا را بر کند　　پس قیامت این کرم کے میکند

این قیامت زان قیامت کے کم است　　آن قیامت زخم و این چون مرہم است

ہر کہ دید آن مرہم از زخم ایمن است　　ہر بدے کین حسن دید او محسن است

اے خنک زشتے کہ خوبش شد حریف　　واے گلروے کہ جفتش شد خریف

نان مردہ چون حریف جان شود　　زندہ گردد نان و عین آن شود

ہیزم تیرہ حریف نار شد　　تیرگی رفت و ہمہ انوار شد

در نمکسار ار خر مردہ فتاد　　آن خری و مردگی یکسو نہاد

صبغۃ اللہ ہست رنگ خم ہو　　پیسہا یک رنگ گردد اندرو

چون در آن خم افتد و گوئیش قم　　از طرب گوید منم خم لا تلم

آن منم خم خود انا الحق گفتن است　　رنگ آتش دارد الا آہن است

رنگ آہن محو رنگ آتش است　　ز آتشی می لافد و خامش وش است

چون بسرخی گشت ہمچون زر کان　　پس انا النار است لافش بے زبان

شد ز رنگ و طبع آتش محتشم　　گوید او من آتشم من آتشم

آتشم من گر ترا شک است و ظن　　آزمون کن دست را بر من بزن

آتشم من بر تو گر شد مشتبہ　　روے خود بر روے من یکدم بنہ

آدمی چون نور گیرد از خدا　　ہست مسجود ملائک ز اجتبا

نیز مسجودے کسے کو چون ملک　　رستہ باشد جانش از طغیان و شک

جب یہ پہاڑ ٹوٹ پھوٹ کر ریزہ ریزہ ہو جاویگا اور فنا حاصل ہو جائیگی تو امید ہے کہ نور عرفان قلیل و کثیر اسکے اجزا پر فائض ہوگا۔ قیامت ضرور پہاڑون کو اوکھیڑتی ہے۔ مگر اس قیامت کبری یعنے فنا کی طرح کب کرم کرتی ہے کیونکہ اسکے ذریعہ سے نور عرفان تو فائض نہین ہوتا جیسا کہ اس سے ہوتا ہے لہذا یہ قیامت فنا اوس قیامت معہود سے کسی طرح کم نہین بلکہ زائد ہی ہے۔ اسلیے کہ وہ قیامت تو زخم ہے اسلیے بھی کہ زندونکو ہلاک کرتی ہے اور اسلیے بھی کہ وہ ملکات سیئہ کو ظاہر کرتی ہے اور یہ قیامت مرہم ہے اسلیے بھی کہ قریب ہلاک لوگون کو زندہ کرتی ہے اور اسلیے بھی کہ ملکات سیئہ کا ازالہ کرتی ہے

جس نے یہ مرہم لگا لیا اور فنا حاصل کر لی اب وہ زخم اور مضرتوں سے محفوظ ہو گیا اور جسکو یہ حسن نصیب ہو گیا وہ محسن اور نکو کار بنگیا۔ وہ برا تو نہایت ہی مزہ میں ہے جسکا حریف یہ خوبرو یعنی فنا ہو جائے اور اوس گلرو یعنی صاحب اعزاز حسن کی حالت نہایت ہی قابل افسوس ہے جس سے خزان ملجاوے اور فنا سے مشرف نہو۔ اقتران زشت با حسن کی برکت ہم تجھے دکھلاتے ہین۔ روٹی ایک بیجان شے ہے لیکن جب جان کے ساتھ مصاحب ہوتی ہے اور جزو بدن بنتی ہے تو وہ روٹی زندہ ہو جاتی ہے اور سراپا جان ہو جاتی ہے کیونکہ روح کا اوس سے بھی تعلق ہو جاتا ہے۔ لکڑی ایک تیرہ و تاریک چیز ہے لیکن جب آگ کی مصاحب ہوتی ہے تو وہ ظلمت بالکل دور ہو جاتی ہے اور سراسر نور ہو جاتی ہے نمک کی کان مین گدھا گر جاتا ہے تو اسکا گدھا پن اور مردار پن سب بالائے طاق ہو کر کھانے کے قابل ہو جاتا ہے پس جسپر خم ہو کا رنگ چڑھ گیا اور اوسنے حق سبحانہ کے مقابلہ مین اپنے کو بالکل مٹا دیا وہ حق سبحانہ کے رنگ مین رنگ گیا اور متخلق باخلاق ہو کر حق سبحانہ کے ساتھ اوسکو اتحاد اصطلاحی حاصل ہو گیا۔ اور تمام افعال اسکے طاعت ہو کر ایک رنگ ہو گئے جب کوئی اس خم مین گر جاتا ہے اور فنا حاصل کر لیتا ہے تو جسوقت تو اس سے کہتا ہے کہ اٹھ تو وہ جوش مین آ کر کہتا ہے کہ مین تو خم ہون تو کسلئے ملامت کرتا ہے بس ملامت مت کر تم سمجھے کہ منم خم کیا شے ہے وہ انا الحق کہتا ہے یعنی انا الحق کہا اوٹھتا ہے مگر اس سے یہ نہ سمجھنا کہ وہ حقیقۃً و ذاتاً عین حق سبحانہ ہو جاتا ہے توبہ توبہ ما للتراب و رب الارباب بلکہ بات یہ ہے کہ ذاتاً تو وہ لوہے کیطرح کثیف و خسیس ہے مگر اسمین آگ کا رنگ پیدا ہو گیا اور متخلق باخلاق اللہ ہو گیا ہے اس بنا پر وہ انا الحق کہتا ہے جیسے کہ لوہے کا رنگ آگ کے رنگ مین محو ہو جاتا ہے اور گو وہ خاموش ہوتا ہے مگر زبان حال سے آگ ہونیکا دعویٰ کرتا ہے جبکہ وہ سونے کیطرح سرخ ہو جاتا ہے تو بلا زبان کے دعوے انا النار کرتا ہے اور آگ کی طبیعت اور رنگ سے معزز ہوتا ہے۔ تو کہتا ہے کہ مین آگ ہون آگ ہون۔ اور یہ دعوے محض بلا دلیل نہین ہوتا بلکہ وہ کہتا ہے کہ اگر تجھے میرے آگ ہونے مین شک ہے تو امتحان کر لے اور مجھے ہاتھ لگا مین دعوے سے کہتا ہون کہ مین آگ ہون۔ اگر تجھے کچھ بھی شبہ ہے تو میرے منھ پر اپنا منھ رکھ اور دیکھ کہ مین آگ ہون یا نہین پس لوہا ضرور آگ ہونیکا دعوے کرتا ہے اور وہ دعوے سچا بھی ہوتا ہے مگر اسپر بھی وہ ذاتاً آگ نہین ہوتا۔ بلکہ رنگ و طبع کے لحاظ سے آگ ہوتا ہے یون ہی مدعی انا الحق بھی غلط گو نہین کیونکہ وہ متخلق باخلاق اللہ ہے اسلیے اسکے معنی یہ ہین کہ مین متخلق باخلاق اللہ ہون نہ کہ عین خدا (مگر تاہم سوء ادب بھی ہے اور عوام کو گمراہ کرنیوالا بھی اسلیے جو لوگ مغلوب نہین انکو بتاویل بھی ایسے الفاظ استعمال کرنیکی اجازت نہین اور مغلوب معذور ہے) آدمی جبکہ حق سبحانہ سے نور حاصل کرتا ہے اور مصبغ بصبغۃ اللہ ہو جاتا ہے تو اوسوقت یہ نتیجہ مترتب ہوتا ہے کہ وہ برگزیدہ ہو کر مسجود ملائک ہو جاتا ہے یعنی فرشتون کے نزدیک بھی معظم و مکرم ہو جاتا ہے نیز وہ ان لوگون کا بھی مسجود و مطاع ہو جاتا ہے۔ جو طغیان فسق اور شک سے چھوٹکر صاحب نفس مطمئنہ اور محقق ہو گئے ہین بشرطیکہ رتبہ مین اس سے کم ہون۔ یہان چونکہ مولانا ذات و صفات مین گفتگو کرنے لگے تھے اور حق سبحانہ کو آتش سے اور قلوب فانی کو لوہے سے تشبیہ دے چکے تھے۔ لہذا متنبہ ہو کر زبان ملامت گر ملامت کرتے ہین اور فرماتے ہین۔

شرح شبیری این صدا الخ۔ یعنی کوہ قلوب مین یہ آواز لگی ہے کہ کبھی یہ پہاڑ اس آواز سے پر ہے اور کبھی خالی ہے۔ مطلب یہ کہ یہ فیوض و برکات ایسے ہین کہ جس سے کبھی تو قلب معمور ہوتا ہے اور کسی وقت بالکل خالی ہوتا ہے پس اس مغنی ہی کی تلاش ضروری ہے۔ تاکہ ان تغیرات کی قدر ہو۔ اور معلوم ہو کہ یہ تغیرات کسکے ہین آگے جملہ دعائیہ

طور پر فرماتے ہین کہ۔

ہاتفی کجا الخ۔ یعنی وہ حکیم اور استاد جہان کہین بھی ہو اوسکی آواز اس کوہ دل سے خالی نہو مطلب یہ کہ مرشد اور شیخ جہان بھی ہو خدا کے ہمیشہ فیوض و برکات اوس پر فائض ہی ہوتے رہین آگے فرماتے ہین۔

ہست الخ یعنی بعض پہاڑ تو وہ ہین کہ آواز کو دوہری کر دیتے ہین اور بعض وہ ہین کہ آواز کو سو گونی کر دیتے ہین مطلب یہ کہ جن قلوب پر کہ وہ فیوض و برکات فائض ہو رہے ہین انمین سے بعض تو وہ ہین کہ جن سے صرف ایک دو ہی کو فائدہ ہوتا ہے اور انکا سلسلہ آگے کو نہین چلتا اور بعض وہ ہین کہ جو صاحب سلسلہ ہوتے ہین اور لاکھون کروڑون کو انسے فیض ہوتا ہے آگے فرماتے ہین کہ

مے رہاند الخ۔ یعنی اس آواز اور فال سے وہ کوہ لاکھون آب زلال کے چشمے نکالتا ہے مطلب یہ کہ اس فیض حق سے مستفید ہو کر یہ شیخ کامل دوسرون کو فیض پہونچاتا ہے اور اس سے بھی لاکھون فیضیاب ہوتے ہین اور یہ افادہ و استفادہ سب حق تعالیٰ کی عنایت ہے ورنہ اگر یہ نہو تو پھر نہ فیض لے سکتا ہے اور نہ دے سکتا ہے اسیکو فرماتے ہین کہ۔

چون الخ یعنے جبکہ پہاڑ سے وہ لطف باہر ہو جاتا ہے تو چشمون کا پانی خون ہو جاتا ہے مطلب یہ کہ اگر کسی وقت حالت قبض طاری ہوتی ہے تو پھر سارا افادہ و استفادہ رکھا رہجاتا ہے۔

زان الخ۔ یعنی اس شاہ مبارک فعل ہی کی وجہ تھی کہ طور سینا لعل ہو گیا مطلب یہ کہ جسوقت موسیٰ علیہ السلام طور پر حق تعالیٰ سے کلام فرماتے تھے تو طور پر بھی تو برکات اور فیوض طاری ہوتے تھے جیسا کہ معلوم ہوتا ہے کہ اسوقت طور کو ملائکہ گھیر لیتے تھے تو یہ بھی حق تعالیٰ کی نعمت ہی کی برکت تھی کہ وہ بھی متبرک ہو گیا۔

زان الخ یعنی اجزاے پہاڑ نے تو جان قبول کر لی اور عقل۔ تو کیا ہم پتھر سے بھی کم ہین اے گروہ۔ مطلب یہ کہ اس فیض اور تجلی سے پہاڑ تو مستفید اور منور ہو گیا اور ہمین تو اثر ہو گیا جیسا کہ حق تعالیٰ فرماتے ہین کہ وان من الحجارۃ لما یتفجر منہ الانہار وان منہا لما یشقق فیخرج منہ الماء وان منہا لما یہبط من خشیۃ اللہ۔ مگر افسوس ہے کہ ہم مین اثر نہو اور ہم اس فیض سے مستفید نہون۔ تو کیا ہم پتھر سے بھی کم ہین بڑے افسوس اور حسرت کی بات ہے۔

نے الخ۔ یعنی نہ جان سے کوئی چشمہ جوشان ہوتا ہے اور نہ بدن سبز پوشون مین سے ہوتا ہے مطلب یہ کہ نہ تو ہم سے دوسرون کو فیض ہی ہوتا ہے جیسا کہ پہاڑون سے چشمہ جاری ہو کر دوسرون کو سیراب کرتا ہے اور نہ خود ہی ہم درست ہوتے ہین کہ اوس سے مستفید ہو کر اپنی ہی حالت درست کر لین کہ اکثر پہاڑ ایسے ہوتے ہین کہ خود تر و تازہ ہو جاتے ہین تو ہم جمادات سے بھی گئے گذرے ہوے۔

نے الخ۔ یعنی نہ تو اس دل مین کسی مشتاق کی آواز ہے اور نہ جام ساقی کی سی صفائی ہے مطلب یہ کہ نہ تو خود ہی درست ہوے اور نہ دوسرون کو فیضیاب کیا۔

کو حمیت الخ۔ یعنی غیرت کہان ہے کہ ایسے پہاڑ کو کدال اور پھاوڑے سے بالکل اکھاڑ دین۔ مطلب یہ کہ جب یہ حالت ہے تو اب مقتضاے غیرت تو یہ ہے کہ اسکو بالکل فنا کر دیا جاوے۔ کہ اس فنا کر دینے سے شاید اسکو کوئی فیض حاصل ہو جاوے۔ اسیکو فرماتے ہین کہ۔

بو کہ الخ۔ یعنی شاید کہ اسکے اجزاء پر کوئی چاند چمک جاوے اور شاید کہ اوسمین خورشید کی کوئی چمک راہ پاوے مطلب یہ کہ

اس فنا کر دینے سے شاید کوئی ناقص یا کامل تجلی اوسپر فائض ہو جاوے اور اس سے وہ منور و مستفیض ہو جاوے اور جو قیامت مین بھی سب اشیاء فنا ہو جاوین گی۔ اور یہان بھی فنا کی تعلیم فرما رہے ہین اس لیے آگے اس حالت فنا کو قیامت سے تشبیہ دیتے ہین اور فرماتے ہین کہ۔

چون الخ یعنی مانند قیامت کے پہاڑون کو اوکھاڑ دے پس قیامت یہ کرم کب کرتی ہے مطلب یہ کہ قیامت کیطرح یہ حالت فنا بھی ان قلوب کو فنا کر دیگی اور اسی ذات مین محو کر دیگی اور مین اصطلاحی ہو جاویگا مگر قیامت مین یہ کرم کہ اس فنا سے فیض بھی حاصل ہو کب ہونگے بلکہ اوسمین تو محض فنا ہی فنا ہے اور اس فنا کے بعد بقا بھی ہے اور اگرچہ اس فنا کے بعد بھی بقا ہوگا وہ بقار وحانی ہوگا اسلیے یہ فنا اس فنار قیامت سے افضل ہے۔

این الخ یعنی یہ قیامت اوس قیامت سے کب کم ہے وہ قیامت تو زخم ہے اور یہ مثل مرہم کے ہے مطلب یہ کہ اس دنیا مین فنا شہوات وغیرہ اس فنا قیامت سے کچھ کم نہین ہین بلکہ یون سمجھو کہ وہ قیامت تو زخم ہے کہ اوسمین سب کے اعمال کی جزا و سزا ہوگی تو سب کے سب خائف رہینگے اور یہ فنا مرہم کی طرح ہے کہ اگر یہ فنا حاصل کرلی ہے تو اس زخم یعنی خوف وغیرہ سے چھوٹ جاوین گے۔

ہر کہ الخ یعنی جسنے کہ اس مرہم کو دیکھ لیا وہ زخم سے بیخوف ہوگیا۔ اور جس بدنے کہ اس حسن کو دیکھ لیا وہ محسن ہوگیا مطلب یہ کہ جو شخص کہ ذات باری کے سامنے فناء (اصطلاحی) ہوگیا بس وہ تمام احوال سے بیخوف ہوگیا۔ اور لا خوف علیہم ولا ہم یحزنون کا مصداق بنگیا۔ اور جو کہ اول بد ہو اسکے بعد فنا کا درجہ حاصل کرے تو وہ محسن اور نیکوکار ہو جاویگا۔

اے الخ یعنی خوشا نصیب اس برے کے جسکا ساتھی خوب ہو جاوے اور افسوس ہے اس گلرو پر کہ اسکا ساتھی خزان ہو جاوے۔ مطلب یہ کہ جو شخص کہ گنہ گار ہوا اور اسکے ساتھی حق تعالیٰ ہو جاوین وہ بہتر ہے اور راستہ کو پہونچا ہوا سمجھو اور جو شخص کہ نیکوکار ہے مگر اسکے ساتھ آمیزش نفس کی ہے وہ برا ہے اور اسکی حالت قابل افسوس ہے اسلیے کہ جب برے شخص کے ساتھی حضرت حق نہوے تو یہ اب تو مردہ کیطرح ہے پھر چونکہ عنایت مصطلحہ حاصل ہو جاویگی یہ بھی زندہ اور متخلق باخلاق اللہ ہو جاویگا۔ آگے اسکی مثال دیتے ہین کہ۔

نان الخ یعنی مردہ روٹی جب جان کی ساتھی ہو جاتی ہے تو زندہ ہو جاتی ہے اور اس جان کی عین ہو جاتی ہے مطلب یہ کہ جب روٹی کھاتے ہین تو وہ بھی جزو بدن بنتی ہے اور اسکے اندر بھی حیات پیدا ہو جاتی ہے حالانکہ وہ پہلے سے مردہ تھی جیسا کہ ظاہر ہے یہ حیات اسکو صرف مصاحبت حی سے نصیب ہوئی ہے۔

ہیزم الخ یعنی لکڑی اندھیری آگ کی ساتھی ہوگئی تو تیرگی جاتی رہی اور سب کی سب انوار ہوگئی۔ مطلب یہ کہ لکڑی کے نور بھی اور آگ سے ملنے سے اوسمین نور آگیا۔

در نمکسار الخ یعنی نمکسار مین اگر مردہ گدھا گر گیا تو وہ گدھا پن اور مردہ پن اسنے ایک طرف رکھا تو یہ اسکا زندہ ہو جانا اور منور ہو جانا وغیرہ سب اس تعلق کیوجہ سے ہے کہ ان اشیاء نے اپنے وجود کو کالعدم کر دیا۔ اور ہمہ تن اوسی مین فنا ہو گئے لہذا منور اور زندہ ہو گئے پس ہمکو بھی ضروری ہے کہ درجہ فنا حاصل کرین تاکہ مین (اصطلاحی) ذات حق سے ہو جاوین۔ اور متخلق باخلاق اللہ ہو جاوین۔ آگے اسکو فرماتے ہین کہ۔

صبغۃ اللہ الخ یعنی حق تعالیٰ کا رنگ خم ہو کا خم ہے۔ اور سارے پیشے اوسکے اندر یکرنگ ہو جاتے ہین مطلب یہ کہ حق تعالیٰ

کا رنگ تو بس ذات حق مین فنا ہوجاتا ہے۔ کہ بس وہی ہوجاوے۔ اور جب عین (اصطلاحی) ہوجاتا ہے تو تمام پیشے وغیرہ سب ایک ہی رنگ ہوجاتے ہین اور سب اشیاء مین حق تعالیٰ ہی کا جلوہ نظر آتا ہے ۔ جدھر دیکھتا ہون اُدھر تو ہی تو ہے

۔ بسکہ در جان فگار و چشم بیدارم توئی ۔ آنچہ پیدا میشود از دور پندارم توئی ۔

چون الخ۔ یعنی جب کوئی اس خم مین گر پڑے اور تم اس سے کہو کہ کھڑا ہو تو وہ طرب سے کہتا ہے کہ مین تو خم ہوگیا ہون مجھے ملامت مت کرو۔ مطلب یہ کہ جب کسیکو درجۂ فنا حاصل ہوجاتا ہے تو اگر کوئی شخص اس سے کہے کہ اسکو چھوڑو اس مین کہان اکڑ ڈوبے ہو جیسا کہ اہل ظاہر کہتے ہین تو وہ جواب دیتا ہے کہ بھائی مین خود عین ذات (اصطلاحاً) ہوگیا ہون مجھے مت چھیڑو درچونکہ مین از حد سرور ہون اسلیے مجھپر اس عین کہدینے کی وجہسے ملامت بھی نکرو آگے خود اس عینیت کو فرماتے ہین کہ عینیت سے مراد عینیت ذات اور لغوی عینیت نہین ہی۔ بلکہ صرف عینیت اصطلاحی مراد ہے پس فرماتے ہین کہ۔

آن الخ۔ یعنی یہ منم خم خود انا الحق کہنا ہے کہ رنگ تو آگ کا ہے مگر ذاتاً آہن ہے۔ مطلب یہ کہ اگر منصور نے انا الحق کہدیا تو کیا غضب کیا اسلیے کہ اسکا مطلب بھی تو وہی تھا جو کہ منم خم کا ہم نے ابھی بیان کیا کہ وہ متحد بالذات نہین ہوگا بلکہ متحد فی الصفات ہوتا ہے اور اسکی ایسی مثال ہے کہ جیسے کہ لوہا آگ مین رکھنے سے سُرخ ہوجاتا ہے تو بظاہر تو آگ معلوم ہوتا ہے اور آثار بھی اوسکے آگ کے ہین کہ جس چیز کو لگا دوگے اوسیکو جلا دیگا۔ مگر ذاتاً لوہا ہی ہے پس اسیطرح جسکو فنا حاصل ہوگئی اسکے اندر آثار حق تعالیٰ کے فیوض و برکات کے ہوتے ہین اور وہ متخلق باخلاق اللہ ہوتا ہی مگر اوسکی ذات اور ہے اور اوسکی اور ہی۔ تعالیٰ اللہ عن ذلک علواً کبیراً آگے اسی مثال کی اور توضیح فرماتے ہین کہ۔

رنگ الخ۔ یعنی لوہے کا رنگ آگ کے رنگ مین محو اور فنا ہوگیا ہے۔ تو وہ آگ ہونے کی شیخی مار رہا ہے اور خاموش ہی کہ زبان سے تو کچھ نہین کہتا مگر بزبان حال کہہ رہا ہے کہ مین بھی آگ ہون کہ میرے اندر بھی آثار آگ کے موجود ہین آگے پھر فرماتے ہین کہ۔

چون الخ۔ یعنی جبکہ سرخی مین وہ کان کے سونے کی طرح ہوگیا تو اوسکی شیخی بے زبان کے یہ ہوگئی کہ مین نار ہون مطلب یہ کہ جب وہ آگ کی مصاحبت سے سونیکی طرح چمکنے دمکنے لگا اور اوسپر آثار نار کے مرتب ہوگئے تو اب وہ بھی بے زبان قال کے کہنے لگا کہ مین بھی نار ہون حالانکہ حقیقتاً لوہا ہی ہے۔ بوجہ ترتب آثار کے وہ اپنے کو آگ کہتا ہے یہی حالت انا الحق اور منم خم کہنے والون کی ہے۔

شد الخ۔ یعنی کہ وہ لوہا آگ کی رنگ اور طبیعت سے صاحب حشمت ہوگیا تو کہتا ہے کہ مین آگ ہون مین آگ ہون مطلب ظاہر ہے کہ آثار کے ترتب سے وہ اپنے اوپر اسم نار کا اطلاق کرنے لگا مگر اسکی ذات اور ذات آتش ایک نہین ہوگئی اسیطرح جو اولیاء اللہ کہ اس قسم کے اطلاقات کرتے ہین اونکا بھی یہی مطلب ہوتا ہی کہ ہمارے اندر ترتب آثار ہورہا ہی اور متخلق باخلاق اللہ ہو رہے ہین مگر ہماری اور حق تعالیٰ کی ذات ایک نہین ہوگئی۔ خوب سمجھ لو۔

آتشم الخ یعنی (وہ کہتا ہے) کہ مین آگ ہون اگر تجھے شک ہے اور شبہہ تو آزمالے میرے اوپر ہاتھ مار۔ مطلب یہ کہ اہل اللہ بزبان حال فرماتے ہین کہ ہم تو متخلق باخلاق اللہ ہوگئے ہین مگر جو تم کو شک و شبہہ ہے تو ذرا ہم سے مصافحہ کرکے دیکھو کیسے چرکے دیتے ہین کہ وہین بھنکر رہجاؤگے۔

آتشم الخ یعنی مین آگ ہون اگر یہ بات تجھ پر مشتبہ ہوگئی ہے تو ذرا دیر کے لیے اپنا منھ میرے منھ پر رکھدو پھر مزہ چکھنا

مطلب وہی جو اوپر بیان ہوا ہی پس جبکہ معلوم ہوا کہ مصاحبت سے نور حاصل ہو جاتا ہے تو اوسپر تفریع فرماتے ہین کہ۔
[۲۷] آدمی الخ یعنی آدمی جب حق تعالیٰ سے لے لیتا ہے تو یہ برگزیدگی سے ملائکہ کا مسجود ہو گیا ہے۔ مسجود ملائکہ ہونے سے مراد آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنا ہے کہ انکو سجدہ کرنا گویا بالکل بنی آدم کو سجدہ کرنا ہے اور یا یہ مراد ہے کہ ملائکہ اسکے مطیع و فرمانبردار ہو جاتے ہین غرضکہ مطلب یہ ہے کہ جب کسی نے حق تعالیٰ سے اقتباس انوار کیا تو چونکہ اسکے اندر بھی ایک اثر آگیا ہے اور یہ بھی ذات حق کا عین (اصطلاحی) ہو گیا ہے پس یہ بھی مسجود ملائکہ ہو گیا۔ یہ بھی اوسی مناسبت کی وجہ سے ایسا ہوا آگے ترقی کر کے فرماتے ہین کہ
[۲۸] نیز مسجود الخ یعنی اور اس شخص کا بھی مسجود ہو جاتا ہے جسکی جان کہ سرکشی اور شک سے چھوٹی ہوئی ہو مطلب یہ کہ جس شخص کے اندر خصائل ذمیمہ نہون وہ بھی اس شخص کے مطیع و فرمانبردار ہو جاتے ہین جب کلہ کو مصاحبت و مناسبت حق سبحانہ تعالیٰ سے ہو جاتی ہی یہانتک تو مثالون وغیرہ سے سمجھا رہے تھے آگے فرماتے ہین کہ۔

شرح حبیبی

آتشے چہ آہنے چہ لب بہ بند ۔۔۔ ریش تشبیہ و مشبہ را مخند
پائے در دریا منہ کم گو ازان ۔۔۔ بر لب دریا خمش کن لب گزان

(ناصح کہتا ہے) خاموش کیسی آگ کہان کا لوہا جب تو خود حق سبحانہ کو ایک جسم یعنی آتش سے تشبیہ دیتا ہے تو تیرا کیا منہ ہے کہ تشبیہ و مشبہ پر ہنسے۔ ذات و صفات ایک دریائے ناپیدا کنار ہے اسمین مت گھس اور اس سے بحث نکر بلکہ ہونٹونکو دانتونکے نیچے دبا کر اس دریا کے کنارہ پر با ادب کھڑا رہ۔ آگے ناصح کو جواب دیتے ہین۔

گرچہ صد چون من ندارد تاب بحر ۔۔۔ لیک می نشکیبم از غرقاب بحر
جان و عقل من فدائے بحر باد ۔۔۔ خونبہائے عقل و جان این بحر داد
تا کہ پایم می رود رانم درو ۔۔۔ چون نماند پا چو بطانم درو
بے ادب حاضر ز غائب خوشتر است ۔۔۔ حلقہ گرچہ کژ بود نے بر در است

اب مولانا جواب دیتے ہین اور فرماتے ہین کہ آپکا ارشاد بجا ہے مجھے کیا بلکہ مجھ سے سو کو بھی اس دریائے ناپید اکنار کی تاب نہین لیکن مجبوری یہ ہے کہ بدون اس دریا مین غرقاب ہوے صبر نہین آتا۔ اگر میری جان اور میری عقل بھی اس دریا مین فنا ہو جاوے تو بھی کچھ پرواہ نہین کیونکہ اس دریا سے خونبہا وصول ہو چکا ہے یعنی دولت باطنی مل چکی ہے لہذا جب تک مجھمین طاقت ہے اسوقت تک تو طاقت سے اسمین گھسونگا اور جب طاقت نہ رہیگی اسوقت تفویض کر دونگا یہ مسلم ہے کہ ذات و صفات کے سمندر مین گھسنے اور انکے متعلق بحث کرنے مین کبھی کبھی گستاخی بھی ہو جاتی ہے لیکن جو اس دریا مین گھستا ہے وہ حاضر ہے اور جو الگ رہتا ہے وہ غائب سو حاضر اگرچہ بے ادب بھی ہو یعنی اتفاقاً غلبۂ حال مین اس سے کوئی گستاخی بھی ہو جاوے تو بھی وہ غائب سے اچھا ہے کہ حضوری تو ہے دیکھو اگر حلقہ ٹیڑھا بھی ہو تو کیا وہ در پر نہین ہوتا ضرور ہوتا ہی پس لامحالہ وہ ایسے سیدھے لوہے سے اچھا ہے جسکو در تک رسائی نہین۔ اب مولانا دریائے حق سبحانہ سے تعلق کا ذریعہ بتلاتے اور شیخ سے تعلق پیدا کرنیکی ترغیب دیتے ہین اور کہتے ہین۔

اے تن آلودہ بگرد حوض گرد	پاک نے گردد برون حوض مرد
پاک کو از حوض مہجور اوفتاد	او ز طہر خویش ہم دور اوفتاد
پاکی این حوض بے پایان بود	پاکی اجسام کم میزان بود
زانکہ دل حوضیست لیکن در کمین	سوے دریا راہ پنہان دارد این
پاکی محدود تو خواہد مدد	ورنہ اندر خرچ کم گردد عدد

اے نجاسات نفسانیہ مین مبتلا حوض یعنی شیخ کے پاس جا اور اسکی پاکی سے منتفع ہو کر نجاسات نفسانیہ سے پاک ہو کیونکہ جبتک آدمی حوض سے باہر رہتا ہے پاک نہین ہوتا۔ بلکہ اگر پاک بھی حوض سے یون دور ہو جاوے کہ اسکے پاس کبھی پھٹکے ہی نہین تو وہ اپنی پاکی سے دور ہو جاتا ہے۔ کیونکہ پاک ہونیکے بعد اسکا ناپاک ہونا ممکن ہے پس اگر وہ حوض کے پاس نہ آئے تو ضرور ناپاک رہیگا پس معلوم ہوا کہ پاکون کو بھی حوض کی ضرورت ہے رہا یہ شبہہ کہ جسطرح جسم یعنی عوام کی پاکی زائل ہو سکتی ہے۔ حوض یعنی شیخ کی پاکی کیون نہین زائل ہوتی۔ اسکا جواب یہ ہے کہ جسم کی پاکی تو نہایت ہی کمزور اور بے وقعت ہے اسلیے بہت جلد زائل ہو جاتی ہے اور حوض کی پاکی ایک لحاظ سے بے پایان ہے لہذا اسکا زوال آسان نہین یہ ہم نے کیون کہا کہ اسکی پاکی ایک لحاظ سے بے پایان ہے وجہ اسکی یہ ہے کہ فی حد ذاتہ تو حوض ایک حوض ہے جو ناپاک ہو سکتا ہے۔ لیکن ایک خفیہ موری کے ذریعہ سے اسکو دریا یعنی حق سبحانہ سے اتصال ہے اسلیے ہر وقت اسکو مدد ملتی رہتی ہے اور نجاسات اسکو گندہ نہین کر سکتی یہ وجہ ہے اسکی بے پایانی کی پس اس سے نتیجہ یہ نکلا کہ حوض دل کی پاکی محدود ہے اور اسکو مدد کی ضرورت ہے لہذا حق سبحانہ کے ساتھ تعلق قائم رکھنا ضرور ہے تاکہ مدد پہونچتی رہے اور گندہ نہو سکے ورنہ دیکھو عدد ایک محدود شے ہے پس جب اسمین سے خرچ ہوتا ہے تو گھٹتا ہے اور بالآخر فنا ہو جاتا ہے یون حوض دل کی پاکی محدود کو سمجھ لو۔

شرح شبیری آتشے الخ۔ یعنی آگ کیا اور لوہا کیا چپ رہو تشبیہ اور مشبہ کی داڑھی پر مت ہنسو۔ مطلب یہ کہ تم تو مشبہ پر ہنسا کرتے تھے کہ یہ حق تعالیٰ کے ساتھ غیر اللہ کو تشبیہ دیتا ہے اور اب خود تشبیہ دے رہے ہو لہذا چپ رہو اسلیے کہ تم جو آتش آہن سے تشبیہ دے رہے ہو یہ سب ناکافی اور ناتمام تشبیہات ہین پس ان سے تو چپ ہی رہنا بہتر ہے آگے بھی بہت مت پائے الخ۔ یعنی دریا کے اندر پاؤن مت رکھو اور اسکی حالت کم کہو لب دریا پر لب کاٹتے ہوے چپ رہو مطلب یہ کہ مولانا اپنے قلب کو مخاطب کر کے کہتے ہین کہ اس دریاے معانی وحقایق کے اندر مت جاؤ بس باہر ہی باہر رہو اور خاموش ہو بک بک مت کرو بلکہ رہو تو اسکے پاس مگر حالت سے کسیکو اطلاع مت دو بس چپ چاپ کھڑے رہو کہ اسمین سلامتی ہے اب یہ سنکر آگے قلب کیطرف سے جواب ہے جو کہ الفاظ مین تو کہین ہے نہین مگر قرینہ مقام سے معلوم ہوتا ہے کہ آگے جواب دلکا ہی ہے فرماتے ہین کہ۔

گرچہ الخ۔ یعنی اگرچہ مجھ جیسے سو بھی اس دریا کی تاب نہین لا سکتے۔ لیکن مین اوسکے اندر غرق ہونے سے بھی چھوٹ نہین سکتا مطلب یہ کہ مجھ جیسے خواہ کتنے بھی ہون مگر اوسکے انوار وتجلیات کی تاب نہین لا سکتے مگر باوجود اسکے ان فیوض وتجلیات سے صبر کر کے بھی نہین بیٹھ سکتے۔ بلکہ جان دینگے۔ مر جائینگے کھپ جائین گے مگر رہین گے اوسی کے اندر جیسے کسی نے کہا ہے کہ۔ ؎ من شمع جانگدازم تو صبح دلکشائی ٭ سوزم گرت نہ بینم میرم چو رخ نمائی ٭ نزدیک

این چنینم دور آنچنانا گفتم چنے ناب وصل دائم نے طاقت جدائی ؛ تو نہ الگ ہونے سے چین ملتا ہے اور نہ وصل کی تاب ہے۔ غرضکہ ہر طرح مرنا اور کھپنا ہے۔

جان الخ یعنی میری جان اور عقل اُس دریا پر فدا ہو کہ اوسنے میری عقل اور جان کا خونبہا دیدیا ہے۔ مطلب یہ کہ چونکہ تجلیات و انوار مجھ پر فائض ہوتے ہیں اسلیے میرا عوض تو مجھے ملگیا اب اگر یہ جان و عقل سب اوسمین فنا ہو جاوے مجھے پرواہ نہین ہے ذوق کہتا ہے کہ ؎ شہیدان محبت خوب آئین وفا سمجھے ؛ بہا خون کو سے قاتل ہین اسکو خونبہا سمجھے جب جان دنیا ہی ٹھہر گئی تو پھر کسین کی بھی پرواہ نہین ہر چہ بادا باد جب تک طاقت صبر ہوگی صبر کرینگے ورنہ پھر اسی مین فنا ہو جاوینگے۔

تا کہ پایم الخ یعنی جب تک کہ پاؤن چلیگا تو اوسمین چلاؤنگا اور جب چلنے کی طاقت نرہے گی تو اوسمین بطکیطرح ہو جاؤنگا مطلب یہ کہ جب تک تحمل اور صبر ہو سکے گا اوسوقت تک تو تحمل اور صبر سے کام لونگا اور جبکہ حالت از دست رفتہ ہو جاویگی اور قدرت باقی نہ رہیگی تو پھر تفویض محض اختیار کر لونگا اور سارا کا سارا اوسمین فنا ہو جاؤنگا۔ جاوسکے دل مین ؎ اگر بخشے زہے قسمت نہ بخشے تو شکایت کیا ؛ سر تسلیم خم ہے جو مزاج یار مین آئے جب مولانا نے دریا سے تشبیہ دی اور اسکے اندر اپنی ذات کے فنا ہونے کو بیان کیا تو کسی ظاہر بین کو یہ شبہہ ہوتا تھا کہ یہ تو صریح بے ادبی اور گستاخی ہے۔ کہ حق تعالیٰ کی ذات کو جو منزہ ہے اسطرح تعبیر کیا جاوے اسلیے مولانا دفع دخل مقدر کے طور پر فرماتے ہین کہ۔

بے ادب الخ یعنی بے ادب جو کہ حاضر ہو غائب سے اچھا ہے اور حلقہ زنجیر اگر چہ کج ہے مگر دروازہ پر نہین ہے مطلب یہ کہ اگر چہ ہم بے ادب ہین گستاخ ہین مگر ہین تو در محبوب پر اور اسکی خدمت مین حاضر تو ہین تو اے معترض تم سے لاکھ درجہ بہتر ہین کہ تم کو تو بے ادبی کے ساتھ بھی حضوری حاصل نہین ہے اور دیکھو کہ جو زنجیر دروازہ پر لگی ہی ہے اگر چہ وہ کج ہے مگر پھر بھی کار آمد تو ہے اوس زنجیر کو کیا کرین جو کہ ظاہر مین بہت ہی خوبصورت اور سیدھی ہو مگر لوہار کے یہان رکھی ہوئی ہو پس ہماری بے ادبی حضوری کیساتھ مبارک ہی تمہاری غیبت سے آگے اُسکو نصیحت فرماتے ہین کہ

اے الخ یعنی اے تن آلود حوض کے گرد پھر اسلیے کہ حوض سے باہر رہکر انسان کب پاک ہو سکتا ہے مطلب یہ کہ اے غافل اور دور قرب حق اختیار کر اسلیے کہ بے اسکے پاک نہین ہو سکتے اور خصائل و اخلاق ذمیمہ قلب کے اندر سے ہر گز ہر گز نکل نہین سکتے

پاک الخ یعنی پاک کہان ہے وہ جو کہ حوض سے علیحدہ پڑا ہے وہ اپنی پاکی سے بھی دور پڑا ہوا ہے مطلب یہ کہ جو شخص کہ قرب خداوندی سے علیحدہ ہے اسکے اندر سے تو اخلاق ذمیمہ نکل ہی نہین سکتے نہ وہ خود پاک ہو سکتا اور نہ دوسرے کو کر سکتا ہی خوب سمجھ لو

پاکی الخ یعنی اس حوض کی پاکی بے انتہا ہوتی ہے اور اجسام کی پاکی میزان سے کم ہوتی ہے مطلب یہ کہ قرب حق سے جو فیض و برکت حاصل ہوتا ہے وہ تو ایسا ہوتا ہے کہ لا تقف عند حد اوسکی انتہا ہی نہین ہے اسلیے کہ وہ تو روحی فیض ہے جو الٰہی ہے۔ لہذا یہ تو طہارت اجسام سے بھی بہت زیادہ مطلوب و محبوب ہوا۔

زانکہ الخ یعنی اسلیے کہ دل ایک حوض ہے لیکن پوشیدگی مین دریا کیطرف ایک راستہ رکھتا ہے مطلب یہ کہ قلب کو چونکہ حضرت حق سے ایک تعلق ہے اسلیے اگر اسکی پاکی کیطرف توجہ کرد گے تو یہی توجہ موصل الی الحق ہو جاویگی۔

پاکی الخ یعنی تیری محدود و متناہی پاکی کو مدد کی ضرورت ہے ورنہ خرچ کرنے سے تو عدد کم ہو جاویگا مطلب یہ کہ جب

قلب پاک ہوجاوے تو پھر بھی مطمئن نہ ہوجانا چاہیے اسلیے کہ اگر مطمئن ہوگئے تو اوسکی طہارت و نظافت مین بوجہ اسکے کہ اخلاق ذمیمہ کا ہروقت زور رہتا ہے کمی ہوجاویگی اسلیے ہروقت اسکی طہارت کی طرف توجہ ضروری ہے اسی لیے کاملین کو کامل کہا جاتا ہے کہ وہ ہروقت نفس کو ممنوعات سے باز رکھتے ہین انکے لیے ہروقت سوہان جان ہوجاتا ہے اسلئے کہ بوجہ لطافت کے انکے ادراکات قوی ہوجاتے ہین اور وہ مثلاً حسن کا ادراک بہت ہی جلدی کرتے ہین شہوت بھی انکو اوروں سے زائد ہوتی ہے اسلیے انکو بہت مصیبت ہوجاتی ہے لہذا اگر نفس و قلب پر قدرت ہو بھی تب بھی اس سے بیفکر نہونا چاہیے خوب سمجھ لو۔ آگے اس مضمون پر ایک مثال لاتے ہین کہ۔

شرح حبیبی

مثل خواندن آب آلودگانرا بپاکی

آب گفت آلوده را در من شتاب — گفت آلوده که دارم شرم ز آب

گفت آب این شرم بے من کے رود — بے من آلوده زائل کے شود

ز آب ہر آلوده کو پنہان شود — الحیاء یمنع الایمان بود

دل ز پایہ حوض تن گلناک شد — تن ز آب حوض دلہا پاک شد

گرد پایہ حوض دل گرد اے پسر — ہان ز پایہ حوض تن میکن حذر

بحر تن بر بحر دل برہم زنان — درمیان شان برزخ لا یبغیان

ان اشعار کے ماقبل سے ساتھ تعلق کی دو توجیہین ہین اول یہ کہ اسکا تعلق "اے تن آلوده بگرد حوض گرد" سے ہو۔ اسوقت مطلب یہ ہوگا کہ تجکو اپنی آلودگی کے باعث حوض کے اندر گھسنے سے شرم نہ چاہیے اسلیے کہ پانی آلوده سے کہتا ہے الخ دوسری توجیہ یہ کہ اسکا تعلق "پاکی محدود تو خواہد مدد" سے ہو اسوقت مطلب یہ ہوگا کہ دریا سے تعلق پیدا کرنے یا قائم رکھنے مین تجھے شرم نہ آنی چاہیے کیونکہ پانی کہتا ہے الخ والثانی اقرب الی اللفظ والاول الی المعنی فتامل غرض آلوده نجاست کو ازالہ نجاست مین دریا یا حوض سے مدد لینے مین شرم نہ چاہیے کیونکہ پانی نے ایک آلوده نجاست سے کہا کہ میرے اندر دڈ آ آلودۂ نجاست نے کہا کہ مجھے شرم آتی ہے کہ پانی صاف و شفاف ہے اور مین نجس اور گندہ مین کیا منھ لیکر اس سے ملون پانی نے جواب دیا کہ یہ شرم مجھ بدون نہین جاسکتی اور بدون میرے یہ نجاست دور نہین ہوسکتی پس تجھے مجھ سے احتراز نہ چاہیے واقعی بات یہ ہے کہ اگر آلودۂ نجاست پانی سے چھپنے لگے تو یہ شرم بجاے الحیاء شعبۃ من الایمان کے الحیاء یمنع الایمان ہوجائیگی پس ضرور ہے کہ بیجا شرم کو چھوڑا جاوے اور اس سے کام نہ لیا جاوے۔ یہان ایک بات اور بھی قابل تنبیہ ہے وہ یہ کہ تیرے اندر دو حوض ہین۔ ایک حوض تن۔ دوسرا حوض دل حوض تن تو بالکل مکدر ہے کہ اس سے حوض دل بھی مکدر ہوجاتا ہے۔ اور حوض دل اتنا صاف و شفاف ہے کہ حوض تن کو بھی پاک و صاف کر دیتا ہے اور نفسانی گندگیان دور کر دیتا ہے پس حوض دل پر جانا اور اس سے منتفع ہونا اور حوض تن سے بچتے رہنا۔ اس تنبیہ کی اسلیے ضرورت ہے کہ بحر تن اور بحر دل دونوں ساتھ چلتے ہین لیکن ایک دوسرے سے ملتے نہین یعنی اکثر مقتضیات نفسانیہ و قلبیہ بہت ملے جلتے ہین مگر فی الحقیقت جداگانہ ہین اسلیے امتیاز کی ضرورت ہے

ایسا نہو کہ پھر تن کو پھر دل چھکر اس سے منقطع ہونے لگو۔ اور جو مخبس ہے اسکو مطہر سمجھنے لگو خیر یہ مضمون تو استطراداً آگیا تھا اب ہم پھر اصل مقصد کیطرف لوٹتے ہین۔

گر تو باشی راست ور باشی تو کژ / پیشتر می غژ بدو واپس مغژ
پیش شاہان گر خطر باشد بجان / لیک نشکیبند عالی ہمتان
شاہ چون شیرین تر از شکر بود / جان بشیرینی رود خوشتر بود
اے ملامت گو سلامت مر ترا / وے سلامت جو توئی واہی العرا
جان من کورہ ست و با آتش خوش است / کورہ را این بس کہ خانۂ آتش است
ہمچو کورہ عشق را سوزیدنی است / ہر کہ او زین کور باشد کودنی ست
برگ بے برگی ترا چون برگ شد / جان باقی یافتی و مرگ شد
چون ترا غم شادی افزودن گرفت / روضۂ جانت گل و سوسن گرفت
آنچہ خوف دیگران آن امن تست / بط قوی در بحر و مرغ خانہ سست

خیر بات یہ ہے کہ تو چلے ٹیڑھا ہو چلے سیدھا۔ خواہ عالی ظرف ہو کہ کسی حالت مین بھی ادب کو ہاتھ سے نہ دے خواہ مغلوب کہ ادب ملحوظ نہین رکھ سکتا۔ گو باختیار و بقصد ادب کو ترک بھی نہین کرتا حق سبحانہٗ ہی کی طرف بڑھ۔ اس خیال سے کہین ادب ترک نہو جاوے۔ الثانہ تو شہ مسلم ہے کہ بادشاہون کے قرب مین جان کا خطرہ ہے اور قرب سلطان آتش سوزان بود مشہور ہے مگر عالی ہمتون سے بدون بادشاہ کے صبر نہین ہو سکتا۔ اسلیے کہ بادشاہ کا قرب شکر سے زیادہ شیرین اور مرغوب ہے۔ خواہ سلطان حقیقی ہو خواہ مجازی۔ سلطان حقیقی کے قرب کا شیرین ہونا تو ظاہر ہے رہا سلطان مجازی سو اسکا قرب اسلیے شیرین ہے کہ یہ موجب جاہ ہے اور جاہ بالطبع مرغوب ہے پس اگر شیرینی کے لیے جان جاتی رہے تو بھی کچھ پرواہ نہین غرض عالی ہمت بادشاہ کو خطرۂ جان کی بنا پر نہین چھوڑتے اسلیے عالی ہمت حقیقی شہنشاہ کو نہین چھوڑتے۔ اور عالی ہمت مجازی سلطان مجازی کو نہین چھوڑتے۔ پس اے ملامت گر تو جو ہمکو خطرۂ جان سے ڈراتا ہے اور کہتا ہے قرب سلطان آتش سوزان بود۔ پس بادشاہ سے جدا رہکر سلامتی تجھے ہی نصیب رہے ہم تو اگر جان بھی جاتی رہے تب بھی ہم بادشاہ حقیقی کو نہ چھوڑینگے اور اے سلامتی کے تلاش کرنے والے تو ہی کمزور اور بزدل اور ضعیف الاعتماد ہے۔ ہم اتنے بودے نہین ہم کو اوسکی ذات پر پورا بھروسہ ہے کہ وہ ہماری لغزشون کو نظرانداز کریگا۔ بات یہ ہے کہ جو مثل برف سرد ہوتا ہے اور آتش عشق سلطانی اپنے اندر نہین رکھتا وہی آتش قرب سے ڈرتا ہے ہماری جان تو سوز عشق سے بھٹی بنی ہوئی ہے ہمین آگ کا کیا ڈر۔ ہمکو تو وہ آگ ہی اچھی معلوم ہوتی ہے بھٹی کے لیے یہی کافی ہے اور یہی اسکا عین مقصود ہے کہ وہ آگ کا گھر ہے عاشق تو بھٹی کیطرح جلتا ہے جو اس سے ناواقف ہے احمق ہے یاد رکھو جب یہ آگ تن من کو پھونک کر بے سامان کر دیتی ہے تو موت رفو چکر ہو جاتی ہے اور اس فنا کے بعد بقائے دوام حاصل ہوتی ہے اور جب تجھے غم مین مزہ آنے لگتا ہے اور اس سے خوشی بڑھنے لگتی ہے تو جان مین طرح طرح کے آثار موجب پیدا ہونے لگتے ہین اور انواع و اقسام کے علوم و معارف حاصل ہونے لگتے ہین پس جس سے کم حوصلون کی جان پر بنتی ہے وہ تیرے لیے موجب سکینہ ہے اور یہ کچھ بعید نہین دیکھو بطخ مین دریا سے جان آتی ہے اور خانگی مرغ کی روح تحلیل

ہوئی ہے عشق و معشوق کے تذکرہ سے مولانا پر حال طاری ہوگیا۔ لہذا فرماتے ہیں۔

باز دیوانہ شدم من اے طبیب	باز سودائی شدم من اے حبیب
حلقہ ہائے سلسلہ تو ذو فنون	ہر یکے حلقہ دہد دیگر جنون
داد ہر حلقہ فنون دیگر است	پس مرا ہر دم جنون دیگر است
پس جنون باشد فنون شد این مثل	خاصہ در زنجیر این میر اجل
آنچنان دیوانگی بگسست بند	کہ ہمہ دیوانگان پندم دہند

اے بیٹھے بٹھائے مجھے کیا جانے کیا یاد آیا اے طبیب میں تو پھر دیوانہ ہوگیا۔ اور اے حبیب مجھ پر تو پھر سودا نے غلبہ کیا کیوں نہ ہو میں تیری جس زنجیر میں بستہ ہوں عجیب قسم کی ہے اسکا تو ہر حلقہ ایک نئی قسم کا جنون پیدا کرتا ہے یعنی تیرے الطاف و انعامات میں جب غور کرتا ہوں تو ہر ایک نیا اثر کرتا ہے چونکہ ہر حلقہ کا اثر جداگانہ ہے اسلیے میرے جنون کے بھی مختلف رنگ ہیں یوں تو للجنون فنون مثل مشہور ہی ہے پر اس شاہ عظیم کی زنجیر میں تو یہ بات کامل طور سے موجود ہے میرا جنون مجھے اسدرجہ وارستہ کرتا ہے کہ دیگر دیوانے اہل دنیا یا عشاق حق سبحانہ بھی مجھے نصیحت کرتے ہیں کہ اسقدر خود کی مناسب نہیں۔ بعض نسخوں میں بجائے "پندم دہند" کے بندم دہند ہے یعنی اہل دنیا مجھے مقید کرتے ہیں و ہذا ہو المناسب للحکایۃ الآتیۃ۔

شرح شبیری

پانی کا آلودگان نجاست کو پاکی کی طرف بُلانے کی ایک مثال۔

آب گفت الخ یعنی پانی نے ایک آلودہ (نجاست) سے کہا کہ جلدی سے میرے اندر آجا (تاکہ پاک ہوجاوے) تو آلودہ بولا کہ میں پانی سے شرم رکھتا ہوں (کہ میں تو نجس ہوں اور وہ پاک ہے اسلیے مجھے اسکے اندر آتے ہوے شرم آتی ہے) تو پانی نے جواب دیا کہ۔

گفت الخ یعنی پانی نے کہا کہ یہ شرم بے میرے کب جا سکتی ہے اور بے میرے کب آلودگی زائل ہو سکتی ہے۔ مطلب یہ کہ میرے اندر نہ آؤگے تو ہمیشہ ناپاک ہی رہوگے اور یہ شرم اوسی طرح باقی رہیگی اس شرم کے زوال کی تو یہی صورت ہے کہ میرے اندر آؤ اور پاکی حاصل کرلو آگے مولانا فرماتے ہیں کہ۔

ز آب الخ یعنی پانی سے اگر ہر آلودہ پوشیدہ ہو تو حیا مانع ایمان ہوجاوے مطلب یہ کہ اگر فیوض و برکات حق سے ہر آلودہ عصیان الگ اور دور رہے اور اسکو حاصل نکرے تو ایسی حیاء تو ایمان کو مانع ہوجاویگی حالانکہ حدیث میں ہے الحیاء من الایمان۔ تو وہ حیاء تو حیاء محمود ہے اور یہ حیاء مذموم ہے پس اس قسم کی شرم ہرگز نہ چاہیے اور قرب حق و تحصیل فیوض و برکات میں کوشش کرنا ضروری ہے۔

دل ز پائے الخ یعنی دل تو حوض تن کے پایہ سے خاک آلودہ ہوگیا اور بدن حوض دل سے پاک ہوگیا مطلب یہ کہ ظاہر کا اثر باطن پر اور بالعکس پڑتا ہے تو اخلاق حمیدہ سے جو کہ مقتضا ہے قلب کا بدن پر بھی اثر خوب ہوتا ہے اور اس میں بھی صلاحیت آجاتی ہے اور اگر اخلاق ذمیمہ انسان کے اندر ہیں تو انکا اثر قلب پر پڑتا ہے اور اس سے قلب بھی

خراب ہو جاتا ہے۔ لہذا اخلاق حمیدہ کو حاصل کرنا چاہیے تاکہ اسکا بدن پر اثر پڑ کر وہ بھی درست ہو جاوے آگے فرماتے ہیں
گرد پایہ الخ۔ یعنی اے صاحبزادے حوض دل کے گرد پھرو اور حوض تن سے بچو اور حذر کرو۔ مطلب یہ کہ اخلاق حمیدہ حاصل
کرو اور اخلاق ذمیمہ سے بچو۔ پھر فرماتے ہین کہ۔
بحر تن الخ۔ یعنی بحر تن بحر دل پر ملکر چل رہا ہے اور انکے درمیان مین ایک آڑ ہے کہ یہ ملتے نہین مطلب یہ کہ اخلاق حمیدہ
و ذمیمہ کے درمیان مین ایک بہت ہی لطیف تفاوت ہے کہ جسکا ادراک بہت ہی مشکل ہے اور یہ کام بہت ہی مبصر
شخص کا ہے کہ اسوقت جو یہ اقتضا ہے آیا اقتضاء نفس ہے یا اقتضاء قلب ہے مثلاً یہ کہ ایک صورت مین اچھی معلوم ہوئی
تو اب اسمین اسکا سمجھ لینا کہ آیا یہ اسلیے اچھی معلوم ہوئی کہ جمال حق کا مظہر ہے یا کید نفس ہے بہت مشکل ہے اسمین بڑی
بصیرت کی ضرورت ہے۔ سو اگر خود بصیرت نہو تو پھر اپنے کو کسی مبصر کے سپرد کر دو کہ وہ جو کچھ کہے کرو اور خود کوئی بات تجویز مت کرو
آگے اس سب پر تفریع فرماتے ہین اور اس کلام کا نتیجہ بتلاتے ہین کہ۔
گر تو الخ۔ یعنی اگر تم راست ہو اور اگر کج ہو لیکن آگے کو چلتے رہو اور واپس مت پھرو مطلب یہ کہ اگر تم نیک ہو یا بد جو حالت
بھی ہو اسمین طلب حق مین لگے رہو۔ اس سے منحرف مت ہو کہ اگر طلب مین لگے رہوگے تو ایک روز گوہر مقصود حاصل
کر لوگے۔ اور قرب حق میسر ہوگا۔
پیش الخ۔ یعنی بادشاہوں کے سامنے اگرچہ جان کا خوف ہوتا ہے مگر عالی ہمت لوگ صبر بھی نہین کر سکتے۔ مطلب یہ کہ اگرچہ
قرب حق مین بظاہر بہت سی تکالیف بھی ہین کہ اس جسم ظاہر کو مجاہدات و ریاضات کرنا پڑتے ہین مگر پھر ویسا ہی آرام
بھی اور راحت ابدی بھی حاصل ہوتی ہے۔ تو عالی ہمتی کا تو یہ مقتضا ہے کہ طلب کو نہ چھوڑے بلکہ طلب کرتا رہے اور
جو کچھ بھی گذرے اوسکو سہے آگے فرماتے ہین کہ۔
شاہ الخ۔ یعنی جب قرب بادشاہ کا شکر سے بھی شیرین ہوتا ہے تو اگر جان شیرینی مین جاوے تو خوب ہے مطلب یہ کہ جب
قرب حق لذیذ و شیرین ہے تو اگر اسی مین فنا ہو گئے اور جان جاتی رہے تو اس سے اور کیا بہتر ہو سکتا ہے لہذا قرب
حاصل کرنا ضروری ہے پھر فرماتے ہین کہ۔
ای ملامت الخ۔ یعنی اے ملامت گر سلامتی تجھی کو ہو اور اے سلامتی کے ڈھونڈھنے والے تو ایک ضعیف دستاویز والا ہے مطلب
یہ کہ اے ملامت گر تو جو ہمکو ملامت کرتا ہے کہ اپنی جان دیے دیتے ہین اور اسوجہ سے تو اپنے لیے اس فنا سے سلامتی کی تاکید کرتا
ہے تو ہمکو ہماری فنا مبارک اور تجھکو تیری سلامتی۔ مگر یہ یاد رکھنا کہ یہ سلامتی بہت ہی ضعیف البنیان ہے آگے
ایک مثال سے واضح فرماتے ہین کہ۔
جان الخ۔ یعنی ہماری جان مثل بھٹی کے ہے اور آتش کے ساتھ خوش ہے اسلیے کہ بھٹی کے لیے تو یہی کافی ہے کہ وہ
آگ کا گھر ہے۔ مطلب یہ کہ اگرچہ ہمارے اوپر کچھ ہی گذر جاوے اور اس آتش عشق سے جلکر ہم بالکل فنا ہی کیون نہو جاوین
مگر ہم ایسی حالت مین خوش ہین اسلیے کہ قرب تو حاصل ہے اسلیے عیش و آرام کو لیکر کیا کرینگے کہ ہمین قرب حاصل ہو تو خوب سمجھ لو
ہمچو کورہ الخ۔ یعنی بھٹی کی طرح عشق کیلیے جلنا ہے اور جو شخص کہ اس سے اندھا ہو وہ کودن ہے مطلب ظاہر ہے کہ جو شخص
عشق و محبت حق سے خالی ہے اور غافل ہے۔ وہ بالکل کودن اور نااہل ہے۔
برگ الخ۔ یعنی بے حاصلی کا حاصل ہونا ہی حاصل ہو گیا اور تونے جان باقی پالی۔ تو مرگ چلا گیا۔ مطلب یہ کہ اگر فنا حاصل

ہو گیا اور بظاہر تمہارا وجود منعدم ہی ہو گیا۔ تو تمہارے لیے یہی حصول مقاصد ہے اور اس راہ میں فنا وجود ہی حصول وجود ہی اور جب فنا حاصل ہو گیا تو اسکے بعد بقا ہوگا اور پھر مرگ اور موت سب زائل ہو جاویگی اور ہمیشہ کیلیے بقا حاصل ہو جاویگا
چونکہ الخ یعنی غم سے تمہاری خوشی بڑھنا شروع ہو گئی تو تمہاری جان کے باغ نے گل و سوسن لے لیے۔ مطلب یہ کہ جب مجاہدہ و ریاضت سے تمکو قرب حق حاصل ہو گیا تو اب تمہارے اندر فیوض و برکات بے حد و حساب پیدا ہو گئے ہیں۔
آنچہ الخ یعنی جو چیز کہ اوروں کے خوف کا باعث ہے وہ تمہارے لیے امن ہے۔ دیکھو بط تو دریا میں قوی ہوتی ہے اور مرغ خانگی سست اور گرفتار تباہی۔ مطلب یہ کہ مجاہدہ و ریاضت تمہارے لیے تو باعث قرب حق ہے اور جو نااہل ہے اوسکے لیے بجز جان کندن اور جان کاہیدن کے کچھ بھی نہیں ہے اسلیے کہ دیکھو اگر بط کو دریا میں ڈال دو تو وہ خوب تیرتی ہے اور خوش ہوتی ہے اور اگر مرغی کو ڈال دو تو بس وہیں مر کر رہ جاوے بس اسیطرح طالب حق تو ان امور سے خوش ہوتا ہے اور دوسرے لوگ اسکو مصیبت سمجھتے ہیں آگے فرماتے ہیں کہ۔
باز الخ یعنی اے طبیب میں پھر دیوانہ ہو گیا اور اے حبیب میں پھر سودائی ہو گیا ہوں مطلب یہ کہ مجھ پر پھر عشق کا غلبہ ہے اور پھر وہی حالت ہے اور جوش جنون ترقی پر ہے اور محبت الٰہی کی زیادتی ہے کہ حقایق و معارف بیان کرنیکو دل چاہتا ہے
حلقہ الخ یعنی تیری زنجیر کے حلقے ذوفنون ہیں اور ہر ایک حلقہ ایک دوسرا جنون پیدا کرتا ہے مطلب یہ کہ آپ کے عشق کی اقسام بہت مختلف ہیں اور ہر ایک طریقہ سے ایک نیا جوش پیدا ہوتا ہے اسلیے مجھے بھی آجکل زیادتی کا جوش سا ہے۔
داد الخ یعنی ہر حلقہ کی عطا الگ فنون ہیں اسلیے مجھے ہر دم ایک نیا جنون ہے مطلب ظاہر ہے
پس الخ یعنی پس جنون کئی قسم کا ہوتا ہے یہ ایک مثل ہو گئی ہے خاصکر جوکہ اُس امیر بزرگ کی زنجیر کا ہو مطلب یہ کہ مثل مشہور ہے کہ الجنون فنون اسلیے مجھپر بھی حالات مختلف آتے ہیں اور پھر جبکہ وہ جنون اور عشق ایک بہت بڑی جلیل القدر امیر کی زنجیر میں ہو تو وہ تو اور بھی زیادہ ہوگا۔
آنچنان الخ یعنی دیوانگی نے اسقدر بند توڑے ہیں کہ دیوانے مجھے نصیحت کرتے ہیں مطلب یہ کہ اسقدر جوش جنون عشق ہے کہ اور لوگ جوکہ واصل اور اس عشق میں مبتلا ہیں مجھے نصیحت کرتے ہیں اسلیے کہ یہ قاعدہ ہے کہ جب ولی انتہا درجہ ولایت کو پہونچ جاتا ہے تو اسوقت اولیاء اللہ بھی جوکہ اسکے درجہ سے کم ہوتے ہیں اسکو نہیں پہچان سکتے۔ آگے حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ کی حکایت بیان فرماتے ہیں کہ دیکھو وہ بھی عشق میں مبتلا تھے اسلیے کہ انکو بھی لوگوں نے بند کر رکھا تھا پس فرماتے ہیں کہ۔

شرح حبیبی

آمدن دوستان بہ بیمارستان بعیادت ذوالنون مصری رح

اینچنین ذوالنون مصری را فتاد	کاندرو شور و جنون نو بزاد
شور چندان شد کہ تا فوق فلک	میرسید از وے جگرہا را نمک
ہین منہ تو شور خود ای شورہ خاک	پہلوی شور خداوندان پاک
خلق را تاب جنون او نبود	آتش او ریشہا شان می ربود

چونکہ در ریش عوام آتش فتاد ۔ بند کردندش بزندان المراد

نیست امکان واکشیدن این لجام ۔ گرچہ زین رہ تنگ می آیند عام

دیدہ این شاہان زعامہ خوف جان ۔ کاین گرہ کورند شاہان بے نشان

حکم چون بر دست رندان اوفتاد ۔ لاجرم ذوالنون بزندان اوفتاد

یک سوارہ میرود شاہِ عظیم ۔ در کف طفلان چنین در یتیم

دُر چہ دریائے نہان در قطرۂ ۔ آفتابے مخفی اندر ذرۂ

آفتابے خویش را ذرہ نمود ۔ واندک اندک روئے خود را بر گشود

جملۂ ذرات در وے محو شد ۔ عالم از وے مست گشت و صحو شد

چون قلم در دست غدارے بود ۔ لاجرم منصور بر دارے بود

چون سفیہان راست این کار و کیا ۔ لازم آمد یقتلون الانبیا

انبیا را گفتہ قومِ راہ گم ۔ از سفہ انا تطیرنا بکم

جہل ترسا بین امان انگیختہ ۔ زان خداوندے کہ گشت آویختہ

چون بقول اوست مصلوب جہود ۔ پس مرا او را امن کے تاند نمود

ذوالنون مصری کو بھی ایسا ہی واقعہ پیش آیا تھا کہ انکے اندر ایک مرتبہ نیا شور اور نئی طرح کا جنون پیدا ہو گیا تھا اور شورش اتنی بڑھ گئی تھی کہ آسمان سے اوپر تک کی مخلوق کے جگرون کو اُس سے نمک پہونچتا تھا اور وہ اس سے متاثر ہوتے تھے۔ یہان چونکہ مولانا نے اپنے اور اُنکے جنون کو یکسان بتایا تھا اور فرمایا تھا کہ ہمچنین ذوالنون مصری۔ انتہا الخ اسلیے اب اپنے اوپر ملامت کرتے ہین اور فرماتے ہین کہ اے شورہ خاک اور گہلے جنون اصلی سے محروم کجا تو کجا حضرت ذوالنون تو اپنے جنون کو ان پاک حضرات کے جنون کے مشابہ مت بتا۔ یہ ایک قسم کا سوء ادب ہے ملامت کرنیکے بعد اصل قصہ کیطرف رجوع فرماتے ہین اور کہتے ہین کہ مخلوق کو انکے جنون کی تاب نہ تھی کیونکہ انکی آگ انکی ڈاڑھیون کو اڑاے دیتی تھی یعنی وہ اپنے جوش مین سب کی رسمی دینداری کی قلعی کھولتے تھے اس سے انکے جاہ مین خلل پڑتا تھا جو کہ انکو ناگوار تھا۔ پس جبکہ عوام کی داڑھیون مین آگ لگی اور انکی رسمی دینداری کے قلعی کھلنے لگی تو انھون نے انکو قید خانہ مین مقید کر دیا اب مولانا اس شبہ کو دفعہ کرتے ہین جو اس مقام پر واقع ہوتا ہے وہ یہ کہ آخر ذوالنونؒ نے ایسا فعل کیا ہی تھا کیون جس سے فتنہ پیدا ہوا اور کہتے ہین کہ گو عوام اس سے تنگ ہون مگر اس لگام کو کھینچنا اور ضبط کرنا قریب قریب ناممکن ہے لہذا بوجہ مغلوبی کے ان لوگون سے ایسی باتین صادر ہوتی ہین جو عوام کو برافروختہ کرتی ہین پس چونکہ عوام ان حضرات کے جوش سے برافروختہ ہوتے ہین اس سے ان بادشاہون کو اپنی جان کا خوف ہوتا ہے کیونکہ یہ لوگ تو اندھے ہین اور ان حضرات مین کوئی ایسی علامت جو انکی عظمت کو ظاہر کرے اور جسکو اندھے بھی معلوم کر سکین نہین ہوتی نیز چونکہ حکومت و اختیار آوارہ لوگون کے ہاتھ مین تھا اسلیے حضرت ذوالنون کو جیلخانہ مین جانا ضروری تھا۔ ہاے افسوس ایسا عظیم الشان بادشاہ یکہ و تنہا جیلخانہ جا رہا ہے اور واے حسرت کہ ایسا در یتیم اور لونڈون کے ہاتھ مین ہے موتی کیا چیز ہے بلکہ یون کہیے کہ ایک دریائے معرفت ہے جو قطرہ مین پوشیدہ اور صورت ظاہری مین محجوب ہے اور ایک آفتاب معرفت ہے جو کہ ایک

ذرہ مین پوشیدہ ہے اس آفتاب نے اپنے کو بصورت ذرہ ظاہر کیا۔ اور بہت ہی کم اپنا منہ کھولا لیکن اسکا اثر یہ ہوا کہ تمام ذرات یعنی عوام اسمین محو ہوگئے اور اسکی طرف متوجہ ہوگئے اور اسکو لپٹ گئے اور تمام عالم اس سے مست اور بیخود ہو گیا۔ اور ہوشیاری رفوچکر ہوگئی (غالبًا مولانا نے عوام کے لنگے قید کرنیکو مستی اور ہوشیاری کے جاتے رہنے سے تعبیر کیا ہے کیونکہ یہ حرکت انکی نامعقول تھی جوکہ ہوشیاری کے خلاف اور مستی کے مناسب ہے اور چونکہ یہ اثر تھا کہ انکی دیوانگی کا اور وہ فدائے ظہور تھا اس آفتاب کا لہذا اسکو اس ظہور آفتاب کی طرف منسوب کیا واللہ اعلم) یک سوارہ میر ودسے یہانتک جملہ معترضہ تھا اب مضمون سابق کیطرف عود فرماتے ہین اور کہتے ہین کہ نیز جب قلم ایک غدار و نیرے کے ہاتھ مین ہو جو حسین بن منصور کا مخالف تھا تو حسین موصوف کا سولی پانا ضروری تھا اور جب احمق مختار کار ہون تو خواہ مخواہ یقتلون الانبیاء صادق ہوگا۔ ان گمراہ لوگون نے تو انبیا کو اپنی حماقت سے اتنا نظیر نا تم کہا ہے تو اولیا کے ساتھ تو جو کچھ کرین تھوڑا ہے ان احمقون کی حماقت کچھ دشمنی ہی کے پردہ مین ظاہر نہین ہوتی بلکہ جب دوستی کرتے ہین تب بھی حماقت کرتے ہین چنانچہ نصاریٰ نے عیسی علیہ السلام سے دوستی کی لیکن انکی جہالت دیکھو کہ جسکی نسبت اعتقاد رکھتے ہین کہ سولی دیدیا گیا اسی سے امان مانگتے ہین اور الامان کا شور بلند کرتے ہین ان احمقون سے کوئی پوچھے کہ جب تم یہ کہتے ہو کہ یہود نے انکو سولی دیدیا اور وہ اپنے کو بھی نہ بچاسکے تو تمھین کیا خاک بچاوینگے غرض سے ہر طرح دلکا ضرر جانکا نقصان لکھا ہے محبت تری اچھی نہ عداوت اچھی

چون دل آن شاہ زیشان خون بود	عصمت وانت فیہم چون بود

اب مولانا بطور جملہ معترضہ کے فرماتے ہین کہ بھلا جب ذوالنون علیہ السلام کو یون ستایا جاوے اور یون تکلیف دیجاوے تو قہر خدا کیون نہ نازل ہو اور انکا ان مین موجود ہونا انکو کیونکر بچا سکتا ہے وہ ہرگز اسکے مستحق نہین اگر اسپر بھی عذاب نازل نہو تو یہ انکے وجود کی انتہائی برکت ہے (اسمین اشارہ ہے آیہ سورۂ انفال ماکان اللہ لیعذبہم وانت فیہم کیطرف جسمین جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب ہے کہ جب تک آپکا وجود با جود انمین ہے ہم اسکی برکت سے ان لوگون سے درگذر کرینگے اور انکو عذاب معذب نہ بنا ینگے تنبیہات دوسری چیز ہین۔ مولانا نے اس سے اس امر کو ظاہر فرمایا کہ یہ حکم بوجہ اتباع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل اللہ کے لیے بھی ثابت ہے) آگے مولانا پھر وجہ اختفاء اہل اللہ کیطرف انتقال فرماتے ہین۔

زر خالص را و زرگر را خطر	باشد از قلاب خائن بیشتر
یوسفان از رشک زشتان مخفی اند	کز عدو خوبان در آتش می زیند
یوسفان از مکر اخوان در چہ اند	کز حسد یوسف بگرگان میدہند
از حسد بر یوسف مصری چہ رفت	این حسد اندر کمین گرگیست زفت
لاجرم زین گرگ یعقوب حلیم	داشت بر یوسف ہمیشہ خوف و بیم
گرگ ظاہر گرد یوسف خود نگشت	این حسد در فعل از گرگان گذشت
زخم کرد این گرگ وز عذر لبق	آمدہ کانا ذہبنا نستبق
صد ہزاران گرگ را این مکر نیست	عاقبت رسوا شود این گرگ بایست
زانکہ حشر حاسدان روز گزند	بیگمان بر صورت گرگان کنند

حشر پر حرص خس مردار خوار — صورت خوکے بود روز شمار
زانیان را گنده اندام نهان — خمر خواران را بود گنده دہان
گند مخفی کان بدلها می رسید — گشت اندر حشر محسوس و پدید

یہ حضرات عامہ سے اسلیے ڈرتے ہین کہ یہ زر خالص اور لاکر ہین جو کھرے کھوٹے اور نقلی اور اصلی کو پہچانتے ہین اور عوام جعلساز اور مروج اور کاسد ہین اور جعلساز سے سنار اور زر خالص کو خطرا لازم ہے کیونکہ یہ اسکی قلعی کھولتے ہین اور اسکو رسوا کرتے ہین نیز یہ حضرات یوسف معنوی ہین اسلیے بُرون کے حسد سے پوشیدہ ہین کیونکہ ان دون خصلتون کا ان سے ناک مین دم ہے نیز یہ یوسف اپنے ان بھائیون کے مکر سے کنوین مین ہین جو کہ حسد کی بنا پر یوسف سے بھائی کو بھیڑیون کے حوالے کر دیتے ہین غرض کہ یہ لوگ ان مکار حاسدون کے باعث گوشۂ عزلت مین ہین حسد بڑی بلا ہے دیکھو اسکی بدولت یوسف مصری علیہ السلام کو کیا کیا مصائب پیش آئے غرضکہ یہ حسد ایک زبردست بھیڑیا ہے جب حالت یہ ہے تو حضرت یعقوب علیہ السلام کو یوسف علیہ السلام کے متعلق اس بھیڑیے سے خائف ہونا اور فرمانا یا بنی لا تقصص رؤیاک علی اخوتک فیکیدوا لک کیدا ہرگز بیجا نہ تھا اور انکی ہر ایسی بات سے احتیاط جس سے بھائیون کے آتش حسد کو اشتعال ہو لازمی تھی۔ ظاہری بھیڑیا تو حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس بھی نہ کھٹکا۔ مگر حسد اپنے کام مین بھیڑیون سے بھی بڑھ گیا زخمی تو کیا اس بھیڑیے نے اور تراش لیا گیا چکنا چپڑا یہ عذر کہ ہم دوڑنے لگے یوسف کو اپنے سامان کی حفاظت کے لیے چھوڑ گئے۔ چونکہ ہم آگے نکل گئے تھے اسلیے ہم اسکی حفاظت نہ کرسکے اور بھیڑیے نے کھا لیا اس مکر کی بھی کوئی حد ہے۔ لاکھون بھیڑیے بھی جمع ہو کر ایسا مکر نہین کرسکتے گو تم یہان کامیاب ہوگئے لیکن ذرا ٹھہرو تو سہی دیکھنا کہ انجام کار یا آخرت مین یہ مکر کیسی رسوائی کا سبب ہوگا۔ کیونکہ قیامت مین حاسدون کا حشر بھیڑیون کی صورت مین ہوگا جسطرح اورون کا انکی مناسب صورتون مین ہوگا مثلاً حریص نالائق اور حرام کھانے والے کا حشر قیامت مین سور کی صورت مین ہوگا۔ زانیون کا اندام نہانی بدبودار ہوگا۔ شرابخوارون کا منھ گندہ ہوگا۔ اور جو بدبو اور نجاست دلون مین مخفی ہوگی قیامت مین اسکا ظہور ہوگا۔

پیشہ آمد وجود آدمی — بر حذر شو زین وجود ار آدمی
ظاہر و باطن اگر باشد یکے — نیست کس را در نجات او شکے
در وجود ما ہزاران گرگ و خوک — صالح و ناصالح و خوب و خشوک
حکم خود آنرست کو غالب ترست — چونکہ زر بیش از مس آمد آن زرست
سیرتے کان در وجودت غالب است — ہم بران تصویر حشرت واجب است
سلعتے گرگے در آید در بشر — سلعتے یوسف رخے ہمچون قمر
میرود در سینہا از سینہا — از رہ پنہان صلاح و کینہا
بلکہ خود از آدمی در گاو و خر — میرود دانائی و علم و ہنر
اسپ سکسک می شود رہوار و رام — خرس بازی میکند بز ہم سلام
رفت در سگ آدمی حرص و ہوس — تا شبان شد یا شکاری یا حرس

در سگ اصحاب خوئے زان رقود	رفتہ تا جویائے زین گشتہ بود
ہر زمان در سینہ نوعے سر کند	گاہ دیو و گہ ملک گہ دام و دد
زان عجب بیشہ کہ ہر شیر آگہ است	تا بدام سینہا پنہان رہ است
دزدیے کن از درون مرجان جان	اے کہ از سگ از درون عارفان
چونکہ دزدیے بارے آن دُرّ لطیف	چونکہ حامل میشوی بارے شریف

وجود انسانی کو ایک بن سمجھو کہ اسمین ہزارون درندے ہین لہذا اگر تم آدمی ہو تو اس وجود سے ڈرتے رہو ہان اگر کسیکے اندر بعیہ درندے نہون اور وہ مظاہر و باطن اللہ کا یکسان ہو اور جسطرح وہ صورۃً ہے معنیً بھی انسان ہو تو اسکے نجات مین کسیکو شک نہین۔ ہمارے یعنی انسانی وجود مین ہزارون سور اور بھیڑیے ہین اور نیک و بد خصلتین بھلی بری باتین سبھی طرح کی ہین لیکن اکثر کا اعتبار ہے۔ مثلاً جب سونا تانبے سے زیادہ ہوتا ہے تو کل سونا سمجھا جاتا ہے یہ دنیا مین ہو رہی قیامت سو وہان بھی یہ ہی حکم ہے پس جو خصلت تمھارے اندر غالب ہوگی اسیکی صورت مین تمھارا حشر ہوگا آدمی کی یہ حالت ہے کہ کبھی تو اسکے اندر بھیڑیا آتا ہے اور خصائل ذمیمہ پیدا ہوتے ہین اور کبھی اسکے اندر نہایت حسین اور چاند سی صورت یعنی خصائل حمیدہ پیدا ہوتے ہین اور صلاح و کینہ ایک سینہ سے دوسرے سینون مین منتقل بھی ہوتی ہین اور یہ بات کچھ انسان ہی تک محدود نہین بلکہ علم و ہنر دانائی وغیرہ آدمی سے گائے بیل مین بھی پہونچتی ہے دیکھو شہ سوار گھوڑا رہوار اور شایستہ ہو جاتا ہے۔ ریچھ تماشہ کرتا ہے بکرا سلام کرتا ہے کیون۔ آدمی کے سکھانے سے اور دیکھو آدمی سے کتے مین حرص پہنچی ہے اسکے بعد وہ چرواہا ہو جاتا ہے یا شکاری یا چوکیدار اور ان سب کا منشا حرص ہے۔ یہ تو برائی کی مثال تھی اب بھلائی کی سنو سگ اصحاب کہف مین انکی سونے والون کی خصلت پیدا ہوگئی کہ وہ انکے ساتھ ہو لیا اور طالب حق ہوگیا غرضکہ سینہ مین کوئی نہ کوئی نوع ہر وقت ظاہر ہوتی ہے کبھی دیو کی مثل بری خصلت کبھی فرشتہ کی مانند اچھی اور کبھی درندون کیطرح خونخوار کیونکہ اس بن سے جس سے ہر شخص واقف ہے (یعنی عالم غیب یا وجود انسانی) سینہ کے جال تک خفیہ رستہ ہے پس اس رستہ سے آتے ہین اور اس جال مین پھنس جاتے ہین حاصل یہ کہ انسان کے اندر خصائل ذمیمہ یا حمیدہ پیدا ہوتے ہین اور ایک انسان سے دوسرے انسان مین منتقل ہوتے ہین جب یہ حالت ہے تو خصائل ذمیمہ کیون حاصل کیجیے خصائل حمیدہ اور علوم و معارف لیجیے عارفین سے کیون نہ حاصل کیجیے اور جب چرانا ہی پڑا تو نفیس موتی چرا لیئے اور حاملہ ہی ہونا ہے تو حمل شریف سے کیون نہ ہو جیے۔ غرضکہ جب تاثر لابدی ہے تو آثار محمودہ سے ہونا چاہیے۔ آثار مذمومہ سے کیون ہو۔

شرح شبیری

دوستون کا شفاخانہ مین حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ کی عیادت کے لیے جانا

اینچنین الخ یعنی اسیطرح حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ کو اتفاق پڑا کہ انکے اندر ایک جدید جنون و شورش پیدا ہوئی۔
شور چندان الخ یعنی اسقدر شور ہوا کہ آسمان کے اوپر تک (پہونچ گیا) اور انسے جگر دون کو نمک پہونچتا تھا مطلب کہ انکا عشق اسقدر ظاہر ہوا کہ سب جگہ مشہور ہوگیا اور اسکا اثر بھی قلب پر پڑتا تھا۔ اور لوگ انکے اس عشق سے متاثر ہوتے تھے۔ آگے مولانا فرماتے ہین کہ۔

ہین الخ یعنی ملے زمین شور (کی مثل) تو اپنی شورش کو حضرات پاک کے برابر مت رکھ مطلب یہ کہ کہین اس سے کسی ناقص کو یہ شبہ نہ ہو جاوے کہ جسطرح حضرت ذوالنون رحمۃ اللہ کے اندر شور عشق تھی اسیطرح ہمارے اندر بھی ہے لہذا ہم بھی کامل ہین تو یہ غلطی ہے اسلیئے کہ ؎ کار پاکان را قیاس از خود مگیر، اگرچہ ماند در نوشتن شیر و شیر، وہ حالت صادقہ ہوتی ہے اور ناقص کی حالت کاذبہ ہوتی ہے اسکی ایسی مثال ہے کہ جیسے صبح صادق اور صبح کاذب کہ صبح کاذب بھی صادق کے مشابہ ہوتی ہے مگر اسکے بعد آہین ظلمت ہوتی ہے پھر صبح صادق کا ظہور ہوتا ہے اسیطرح کی حالت بھی مشابہ کامل کی حالت کے ہوتی ہے مگر دونون مین زمین و آسمان کا فرق ہے جیسا کہ ظاہر ہے۔ آگے پھر رجوع ہے قصہ کی طرف کہ۔

حلق الخ یعنی حضرت ذوالنونؒ کے جنون کی عامہ مخلوق کو تاب نہ تھی اور انکی آتش (عشق) لوگونکی داڑھی کو لے بھاگتی تھی۔ مطلب یہ کہ انکی اس حالت سے لوگ جلتے تھے اور انکو اسکی تاب نہ تھی اسلیئے کہ حضرت نے اپنے کو مجنون بنا کے حقائق و معارف بیان کیے اور دوسرون کی قلعی کھولی۔ تو وہ لوگ انسے جلنے لگے۔

چونکہ الخ یعنی جبکہ عوام کی داڑھی مین آگ لگی تو القصہ انکو قیدخانہ مین بند کر دیا مطلب یہ کہ جب انکی آتش حسد بڑھی تو آخرکار حضرت کو قید کر دیا۔ آگے مولانا فرماتے ہین کہ۔

نیست الخ یعنی اسبات سے لگام روک لینا ممکن نہین ہے اگرچہ اس راستہ سے عوام تنگ ہوں مطلب ظاہر ہے۔

دید این الخ یعنی ان بادشاہون نے عوام سے خوف جان دیکھا اسلیئے کہ یہ گروہ تو اندھے ہین اور بادشاہ بے نشانی کے ہین۔ مطلب یہ کہ ان حضرات اہل اللہ نے جب دیکھا کہ کوئی علامت اور نشانی تو ایسی ہے نہین کہ جس سے ظاہر ہو کہ یہ بزرگ ہین اور ولی ہین اور مخالفت عوام ظاہر ہے تو انکو اپنی جان کا خوف ہوگیا۔ کہ ممکن ہے کہ یہ لوگ مار ڈالین۔ اسلیئے ان حضرات نے پوشیدگی ہی پسند کی۔

حکم چون الخ یعنی جب حکم رندون کے ہاتھ مین پڑگیا تو بیشک ذوالنونؒ قیدخانہ مین پڑ گئے مطلب یہ کہ جب نااہل حاکم ہوگئے تو اب انکو تو قید مین پڑنا ضروری تھا اسلیئے کہ وہ انکی قدر نہ جانتے تھے اسلیئے انکو قید کر دیا

یک الخ یعنی بادشاہ عظیم یکہ و تنہا جاتا ہے جیسے کہ لڑکون کے ہاتھ مین دُرِّ یتیم مطلب یہ کہ یہ حضرات اگرچہ واقع مین بادشاہ ہوتے ہین مگر بظاہر کوئی علامت وغیرہ نہین ہوتی بلکہ بالکل تنہا نااہلون مین پھرتے ہین جیسے کہ لڑکون کے ہاتھ مین دُرّ یتیم آجاوے تو وہ اوسکی اچھی طرح گت بناتے ہین اسی طرح عامہ خلق ان حضرات کی خوب گت بناتے ہین اور انکو دق کرتے ہین۔

در چہ الخ یعنی اگرچہ ایک دریا قطرہ مین پوشیدہ ہو اور ایک آفتاب ذرہ مین مخفی ہو (مگر عوام کو اسکی کیا خبر ہو سکتی ہے) مطلب یہ کہ یہ حضرات حقیقۃ تو مظہر ہوتے ہین صفات حق کے۔ مگر لوگون کو انکے اس کمال کی کیا خبر ہو سکتی ہے۔

آفتابے الخ یعنی آفتاب نے اپنے کو ذرہ دکھلایا ہے اور تھوڑا تھوڑا اپنے منھ کو کھولا ہے۔ مطلب یہ کہ حق تعالیٰ نے اپنے کمالات کو ان حضرات مین تھوڑے تھوڑے ظاہر کیے ہین۔

جملہ الخ یعنی ذرات اسمین محو ہو گئے اور عالم اس سے مست ہو گیا اور ہوشیاری جاتی رہی۔ مطلب یہ کہ جب آفتاب حقیقی یعنی حق تعالیٰ نے تھوڑا تھوڑا ظہور کیا اور اپنی صفات کا مظہر کسیکو بنا دیا تو اب اور کل ذرات اسکے جمال مین فنا ہو گئے۔ اور ہوشیاری وغیرہ سب غائب ہو گئی بس اب تو اوسی کا نظارہ مد نظر رہ گیا۔

چون الخ یعنی جب کہ قلم کسی غدار کے ہاتھ مین ہو۔ تو پھر منصور کیسے دار پر نہون۔ یہان غدار سے مراد وہ وزیر ہے

جو کہ حضرت حسین بن منصور کے قتل کے درپے تھا اور اصل قصہ یہ ہے کہ ایک وزیر تھا جو کہ بوجہ کسی خواہش نفسانی کے انکے قتل کے درپے تھا اور یقینی امر ہے کہ انکی حالت مغلوبیت کی تھی غرضکہ اسنے علماء سے استفتاء کیا تو علماء کے ساتھ حسن ظن ضرور اسکو بتاتا ہے کہ انھون نے کل تفصیل لکھی ہوگی مگر اسنے یہ کہا کہ انکے قول مین کوئی تاویل نہین ہو سکتی انکے لیے حکم دار دیدیا اسلیے کہتے ہین کہ جب ایسے غداء کے ہاتھ مین قلم ہو تو پھر وہ دار پر کیسے نہ چڑھین اور انکا نام منصور نہین ہے بلکہ ان کے والد کا نام ہے اور انکا نام حسین ہے مگر یہ والد ہی کے نام سے مشہور ہو گئے ہین۔ مطلب یہ کہ جب نااہل حاکم ہونگے تو ایسی ایسی باتین ہوا کرینگی۔ اور اولیاء اللہ کو اسیطرح تکالیف اور گزند پہنچین گے اور فرماتے ہین کہ۔

چون الخ یعنی جبکہ بیوقوفون کے قبضہ مین کام اور حکومت ہو تو انبیاء کا قتل ہونا تو لازم ہے اسلیے کہ وہ انکی حالت اور انکے کمالات سے ناواقف ہونگے اور پھر انکو قتل کرینگے اور ایذا دینگے جیسا کہ پہلے ہو چکا ہے۔

انبیا الخ یعنی قوم گمراہ نے انبیاء کو بیوقوفی کیوجہ سے کہا ہے کہ ہم تم سے فال بد لیتے ہین۔ مطلب یہ کہ آخر بیوقوفون نے پہلے بھی انبیاء کی شان مین گستاخی کی ہے اور ہمیشہ مخالفت ہی کی ہے تو اگر اولیاء اللہ کے ساتھ دشمنی اور مخالفت کرین تو کیا عجب ہے آگے بیوقوفون کی موافقت اور دوستی کو بتلاتے ہین کہ۔

جہل الخ یعنی نصرانی کا جہل دیکھو کہ اسنے امن کو اوس خدا کے ساتھ تعلق کیا ہے کہ جو خود لٹک گئے مطلب یہ کہ نصاریٰ حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ السلام کے دوست بنتے ہین اور کہتے ہین کہ وہ ہمارے گناہون کے کفارہ مین ایکمرتبہ سولی پر چڑھ چکے ہین تو بھلا کسقدر بیوقوفی کی بات ہے کہ جو اپنے کو تو سولی پر چڑھنے سے نہ بچا سکے ان سب کو بچا دین گے اللہ بچاوے اس جہالت سے۔

چون الخ یعنی جبکہ بقول نصرانی انکو یہود نے سولی دیدی تو پھر وہ اسکو کسطرح دے سکتے ہین پس معلوم ہو گیا کہ جاہل کی نہ دوستی اچھی اور نہ عداوت ؎ ہر طرح دل کا ضرر جان کا نقصان دیکھا ٭ نہ عداوت تری اچھی نہ محبت اچھی ان دو شعرون مین بیوقوف کی دوستی کی حالت کو بیان کرکے پھر مضمون بالا کیطرف رجوع فرماتے ہین کہ جب منکرین ان حضرات کو اسطرح ستاوینگے تو پھر آخر کہانتک بچین گے۔ فرماتے ہین کہ۔

چون دل الخ یعنی جبکہ اوس شاہ کا دل اس طرح خون ہوگا تو پھر وانت فیہم کی عصمت کسطرح ہوگی مطلب یہ کہ بزرگان دین اور اولیاء اللہ کی برکت سے ایسا ہوتا ہے کہ بلائین ٹلجاتی ہین جیسا کہ قرآن شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ فرماتے ہین ماکان اللہ لیعذبہم وانت فیہم مگر پھر آخر یہ بچاؤ کب تک رہیگا جب اہل اللہ کو نااہل اسطرح ستاوین گے تو حق تعالی انکو علحدہ کرکے اورون پر عذاب نازل فرماوینگے۔ لہذا ان حضرات کی دل آزاری سے ہمیشہ بچنا چاہیے کہ بہت ہی بڑی سخت بات ہے

زر خالص الخ یعنی خالص سونے کو اور زرگر کو کھوٹ ملانیوالے خائن کا بہت خوف ہوتا ہے مطلب یہ کہ حضرات اہل اللہ ان عوام سے بہت گھبراتے ہین اور ہمیشہ مخالفت کا خوف انکو لگا رہتا ہے اسلیے یہ حضرات اپنے کو ظاہر نہین کرتے بلکہ مخفی رکھتے ہین۔

یوسفان الخ یعنی یوسف (جیسے) لوگ بیرون کے رشک کیوجہ سے مخفی ہین اور دشمنی کی خصلت والونسے آگ مین زندہ ہین مطلب یہ کہ جو حضرات اہل اللہ ہین وہ حاسدین اور منکرین کیوجہ سے اپنے کمالات کو پوشیدہ رکھتے ہین اور انکی وجہ سے ایک کاہش اور تکلیف مین زندگی بسر کرتے ہین۔

یوسفان الخ- یعنی یوسف (جیسے) حضرات بھائیون کے مکر کیوجہ سے کنوین مین ہین کہ حسد کیوجہ سے یوسف کو بھیڑیون کو دیدیتے ہین مطلب یہ کہ یہ حضرات اہل اللہ حاسدین کی وجہ سے اپنے کو مخفی رکھتے ہین اسلیے کہ اگر ظاہر ہون حاسدین اونکو تکلیف اور گزند پہونچاتے ہین۔

از حسد الخ- یعنی حسد کیوجہ سے حضرت یوسف مصری علیہ السلام پر کیا گذری اور یہ حسد ہی خود باطنًا ایک بڑا بھیڑیا ہے مطلب یہ کہ یہ ضرور نہین کہ حاسد ظاہر مین کوئی گزند ہی پہونچاوے بلکہ خود یہ حسد ہی ایک بڑا بھیڑیا ہے کہ خود اُسی سے گزند اور تکلیف ہوتی ہے۔

لاجرم الخ- یعنی بیشک اسی گرگ کیوجہ سے حضرت یعقوب علیہ السلام جو کہ حلیم تھے یوسف علیہ السلام پر خوف رکھتے تھے مطلب یہ کہ حضرت یعقوب علیہ السلام اس حسد ہی سے خائف تھے کہ ایک روز یہ حسد ہی گل کھلادیگا سو وہی ہوا۔

گرگ الخ- یعنی گرگ ظاہر تو یوسف علیہ السلام کے پاس بھی نہوا (مگر) یہ حسد ہی فعل مین گرگون سے بڑھ گیا کہ وہ تو پاس بھی نہ آیا اور اس حسد نے انکو کنوین مین ڈلوادیا تو اس حسد کا اثر اُس بھیڑیے سے بھی زیادہ ہوگیا۔

زخم کرد الخ- یعنی اس گرگ (حسد) نے تو زخم لگایا اور چرب زبانی کے عذر کیوجہ سے آئے کہ ہم تو بہلگنے کے لیے گئے تھے مطلب یہ کہ وہ ایذا رسانی تو فعل اوس حسد اخوان کا تھا مگر وہ چرب زبانی سے اپنے کو بری ہی بتلاتے رہے کہ ہم نے کیا کیا۔ ہم تو ذرا بھاگنے کو چلے گئے تھے۔

صد ہزاران الخ- یعنی لاکھون بھیڑیون مین بھی یہ مکر نہین ہوتا اور آخر کار یہ مکر رسوا ہوتا ہے تم اس سے کھڑے ہو جاؤ یعنی الگ ہو جاؤ۔ ورنہ تم بھی اسکے ساتھ رسوا ہوگے آگے حسد کے گرگ ہونیکی دلیل لاتے ہین کہ۔

زانکہ الخ- یعنی اسی لیے قیامت کے دن حاسدون کا حشر بھیڑیون کی صورت پر کرین گے۔ حدیث مین اتنا تو آیا ہی کہ متکبرین چیونٹی کی صورت مین اوٹھین گے تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حشر کچھ مناسب صورتون مین ہوگا تو اگر مولانا کو کشف یا الہام سے معلوم ہوا کہ حاسدین کا حشر بھیڑیون کی شکل مین ہوگا تو کیا عجب ہے اسی لیے فرماتے ہین کہ چونکہ حسد کے اندر سبعیت اور تکلیف دہی زیادہ ہے اسی لیے یہ گرگ کی طرح ہے اور حاسدین کا حشر بھی اسی مناسبت کیوجہ سے گرگ کی صورت مین ہوگا۔ اور فرماتے ہین کہ۔

حشر الخ- یعنی حرص والے اور مردار خوار کا حشر قیامت کے دن سور کی صورت مین ہوگا اسلیے کہ مردار خواری اور حرص مین اسکو اوس سے مناسبت ہے۔

زانیان الخ- یعنی زانیون کا اندام نہانی گندہ ہوگا اور شرابیون کا منھ گندہ ہوگا اسلیے اونھون نے ان ہی اعضاء سے معصیت کا ارتکاب کیا ہے بس معلوم ہوا کہ سب کا حشر اوسکے مناسب خصلت اور غالب عادت پر ہوگا اسکو فرماتے ہین کہ۔

گند الخ- یعنی وہ مخفی گندگی جو کہ قلوب مین پہونچتی تھی قیامت کے اندر وہ محسوس اور ظاہر ہو گئی۔ اور اوسکی یہ سب صور متناسبہ ظاہر ہوتین۔

بیشہ الخ- یعنی وجود انسان ایک جنگل ہے تو اگر تم آدم ہو تو اس سے بچو۔ مطلب یہ کہ وجود انسان مثل ایک جنگل کے ہے جسمین اخلاق ذمیمہ حرص وہوا اور سبعیت وبہیمیت جو کہ مثل سور اور بھیڑیے وغیرہ کے مشابہ ہین موجود ہین تو اگر تم آدم ہو تو ان چیزون سے بچو اور اخلاق ذمیمہ کو اپنے اندر سے بالکل نکال ڈالو۔

ظاہر الخ یعنی جبکا ظاہر و باطن یکسان ہو اوسکی نجات ہونے مین کسیکو شک نہین ہے مطلب یہ کہ اگر کسیکا ظاہر و باطن دونون اچھے ہون تو پھر وہ تو یقینا ناجی ہو بخلاف اسکے کہ جسکا ظاہر تو اچھا ہو اور باطن مین یہ اخلاق ذمیمہ اور سبعیہ بھرے ہوے ہون

در وجود الخ یعنی ہمارے وجود کے اندر ہزارون سور اور بھیڑیے اچھے اور برے اور عمدہ اور کمینہ ہین مطلب کہ ہمارے اندر اخلاق ذمیمہ و حمیدہ اور سبعیت اور بہیمیت وغیرہ وغیرہ بھرے پڑے ہین برے بھی ہین اور بھلے بھی ہین مگر اعتبار انھین کا ہوگا کہ جو غالب ہونگے۔ اسیکو فرماتے ہین کہ۔

حکم خود الخ یعنی اعتبار اوسیکا ہی جو کہ غالب ہو۔ اسلیے کہ اگر سونا تانبے سے زیادہ ہو تو وہ سونا ہی ہو۔

صورتے الخ یعنی جو صورت کہ تیرے وجود مین غالب ہوگی تمھارا حشر ضرور اوسی صورت پر ہوگا مطلب یہ کہ جب اعتبار غالب کا ہے تو بس اگر اخلاق حمیدہ غالب ہین تو ویسا اثر مرتب ہوگا اور اگر ذمیمہ غالب ہین تو اوسکے آثار مرتب ہونگے۔ اور تم ویسے ہی کہلاؤ گے۔

ساعتے الخ یعنی کبھی تو ایک بھیڑیا بشر کے اندر آجاتا ہے۔ اور کبھی ایک یوسف جیسے رخ والے چاند کیطرح مطلب کہ کسی وقت غلبہ اخلاق حمیدہ کا ہوتا ہے اور کبھی اخلاق ذمیمہ کا اور یہ اخلاق خود اسی شخص تک نہین رہتے بلکہ انکا اثر دوسرون تک بھی متعدی ہوتا ہے اسیکو فرماتے ہین کہ۔

میرود الخ یعنی سینون سے سینون کے اندر پوشیدہ راستہ سے صلاحیت اور کینہ جاتے ہین مطلب یہ کہ ایک قلب سے دوسرے پر اثر پڑتا ہے اگر یہ قلب اچھا ہے تب تو اثر بھی اچھا ہوتا ہے اور اگر یہ برا ہے تو اثر بھی برا ہوگا بلکہ یہ اثر آدمیون مین ہی منحصر نہین ہے بلکہ آدمی سے جانورونکے اندر بھی جاتا ہے اور انمین بھی اثر کرتا ہے اسیکو فرماتے ہین کہ۔

بلکہ الخ یعنی بلکہ آدمی سے بیل اور گدھے مین عقل اور علم اور ہنر جاتا ہے مطلب یہ کہ انسان کے اخلاق اور اوسکے علم و ہنر سکھلانے سے جانورون مین بھی اثر کرتے ہین آگے اسکی نظائر لاتے ہین کہ۔

اسپ الخ یعنی اناڑی گھوڑا راستہ چلنے والا اور مطیع ہوجاتا ہے اور ریچھ کھیل کرتا ہے اور بکرا بھی سلام کرتا ہے تو دیکھو کہ انسان کے اخلاق حمیدہ نے ان چیزون مین اثر کیا اور یہ بھی درست ہوگئے۔

رفت الخ یعنی کتے کے اندر آدمی سے یا تو حرص و ہوس جاتی ہے یا وہ چرواہا ہوجاتا ہے یا شکاری یا نگہبان غرضکہ اسکے اندر انسان کی جیسی خصلت اثر کریگی وہ ویسا ہی ہوجاویگا۔

در سگ الخ یعنی اصحاب کہف کے کتے مین ان سونے والون کی ایک خصلت نے اثر کیا تھا یہانتک کہ وہ کتا حق تعالی کا طالب ہوگیا اسلیے تو اہل اللہ کا پیچھا نہ چھوڑا شیخ سعدی فرماتے ہین کہ ۵ سگ اصحاب کہف روزے چند پے نیکان گرفت مردم شد ۔ پسر نوح با بدان بنشست ۔ خاندان نبوتش گم شد ۔ پس معلوم ہوا کہ ان حضرات انسان کے خصائل دوسرے انسانون مین تو اثر کرتے ہی ہین مگر حیوانات مین بھی اسکا اثر پہونچتا ہے۔ اور وہ اثر کسیکو نیک کر دیتا ہے اور کسیکو بد کر دیتا ہے اسیکو فرماتے ہین کہ۔

ہر زمان الخ یعنی ہر گھڑی سینہ مین ایک قسم (اخلاق کی) اثر کرتی ہے اور کبھی تو دیو اور کبھی فرشتہ اور کبھی چرند اور کبھی درندہ۔ مطلب یہ کہ قلوب مین دوسرے کا اثر پڑتا ہے بس اگر وہ اثر نیک ہو تو اسطرف بھی آثار نیک ہی مرتب ہونگے ورنہ آثار بد مرتب ہونگے آگے فرماتے ہین کہ

زانکہ الخ یعنی اس عجیب جنگل سے جس سے کہ ہر شیر آگاہ ہے بام سینوں تک ایک پوشیدہ راہ ہے مطلب یہ کہ وجود انسان سے قلوب تک اندر ہی اندر ایک پوشیدہ راہ ہے کہ اسکے ذریعہ سے ایک کا اثر دوسرے تک پہونچتا ہے اور دوسرا اوس سے متاثر ہوتا ہے۔

دزدیے الخ یعنی اے کتے سے بھی کم جان کے سونے اور مرجان کی چوری قلوب عارفین سے کر مطلب یہ کہ جب معلوم ہوا کہ قلوب میں اندر ہی اندر راستہ ہے اور اس سے اثر آتا ہے تو یہ ایک قسم کی چوری ہوئی تو پھر چوری بھی کرو تو عمدہ چیز کی تو کرو یعنی حاصل کرو تو اخلاق حمیدہ اور فیوض و برکات عارفین کے قلوب سے حاصل کرو ورنہ پھر تو لگتا ہے لذت بھی یہ اشارہ بھی ہے ایک عربی کی مثل کیطرف کہا کرتے ہیں کہ ان تسرق فاسرق الدرۃ وان تزن فازن الحرۃ یعنی اگر چراؤ تو موتی تو چراؤ کہ کچھ حاصل بھی ہو) اور اگر زنا کرو تو کسی حرہ سے کرو (تاکہ لطف بھی آوے) پس اگر اثر ہی لو تو علوم و معارف ہی لو جو کہ نافع بھی ہوں ورنہ اخلاق ذمیمہ کا کیا لینا۔

چونکہ الخ یعنی جبکہ چوری کرو تو کسی عمدہ موتی کی کرو اور جبکہ بوجھ اٹھاؤ تو کوئی نفیس بوجھ اوٹھاؤ۔ مطلب بالا ہے پس خوب سمجھ لو کہ ایک قلب کا اثر دوسرے پر پڑتا ہے لہذا قلوب عارفین سے علوم و معارف کو حاصل کرو آگے پھر حضرت ذوالنون کی حکایت کیطرف رجوع ہے۔ فرماتے ہیں کہ۔

شرح حبیبی

فہم کردن مریدان کہ ذوالنون قصداً کردہ است و دیوانہ نشدہ است

چونکہ ذوالنون سوئے زندان رفت شاد ۔ بند بر پا دست بر سر زا قتصاد
دوستان از بہر حرف بنہادہ رو ۔ بہر پرسش سوئے زندان نزد او
دوستان در قصۂ ذوالنون شدند ۔ سوئے زندان و دران رائے زدند
کاین مگر قاصد کند یا حکمتے ست ۔ او درین رہ قبلہ ہست و آیتے ست
دور دور از عقل چون دریائے او ۔ تا جنون باشد سفہ فرمائے او
حاش للہ از کمال جاہ او ۔ کابر بیمارے بپوشد ماہ او
او ز شر عامہ اندر خانہ شد ۔ او ز ننگ عاقلان دیوانہ شد
او ز عار عقل کند تن پرست ۔ قاصداً رفتست دیوانہ شدست
کہ ببند اے فتی و رساز گاؤ ۔ بر سر و پشتم بزن و این را مکاؤ
تا ز زخم لخت یابم من حیات ۔ چون قتیل از گاؤ موسیٰ اے ثقات
تا ز زخم لخت گاوے خوش شوم ۔ ہمچو کشتہ گاؤ موسیٰ گش شوم
زندہ شد کشتہ ز زخم دم گاؤ ۔ ہمچو مس از کیمیا شد زر ساؤ
کشتہ برجست و بگفت اسرار را ۔ وا نمود آن زمرۂ خونخوار را
گفت روشن کاین جماعت کشتہ اند ۔ تخم این آشوب ایشان کشتہ اند

چونکہ کشتہ گردد این جسم گران | زندہ گردد ہستی اسرار دان
جان او بیند بہشت و نار را | باز داند جملہ اسرار را
وانماید خونیان دیو را | وانماید دام خدعہ و ریو را
گاؤ کشتن ہست از شرط طریق | تا شود از زخم دمش جان مفیق
گاؤ نفس خویش را زوتر بکش | تا شود روح خفی زندہ و بہش
این سخن را منقطع و پایان مجو | حال ذوالنون با مریدان باز گو

جبکہ ذوالنون رحمۃ اللہ علیہ مقید ہوکر خوش خوش جیلخانہ گئے تو دوستون کو اونکے گم کرنے کا بیحد افسوس اور صدمہ ہوا ایک حسرت وافسوس سے سر پر ہاتھ رکھے ہوئے ہر طرف سے تفتیش حال کے لیے جیلخانہ کیطرف چلے جبکہ ذوالنون کے معاملہ مین قیدخانہ کو روانہ ہوئے تو راہ مین رائے زنی ہونے لگی کہ یا تو قصداً اونہون نے خود اپنے کو دیوانہ بنایا ہے یا حق سبحانہ کی اس مین کوئی حکمت ہے اور یا الہام ربانی ایسا کیا ہے کیونکہ وہ ایک جلیل القدر عارف اور آیۃ من آیات اللہ ہین اسلیے ہمارے خیال مین انکی اس عقل سے جو دریا کی مانند صافی عن الکدورات اور مخزن جواہر معارف ہے نہایت بعید ہے کہ اسپر جنون مسلط ہوکر حماقت کی باتین صادر کرائے اور انکے علو مرتبت کے سبب قریب قریب ناممکن ہے کہ ابر بیماری انکی چاند کیطرح روشن عقل کو محجوب و مستور کرسکے پس معلوم ہوتا ہے کہ وہ عوام کے ضرر کے خوف سے عزلت گزین ہوگئے ہین اور جب انھون نے دیکھا کہ بظاہر ہوش وحواس کے ساتھ نااہلان زمانہ متعرض ہین تو انکو شرم آئی کہ مین بھی انکی مثل ہون اسلیے بناہ اوہ دیوانہ بن گئے (جیسا کہ کسی شریف نے ایک مرتبہ کسی بھنگی کو گھڑی لگائے دیکھا تو گھڑی لگانا چھوڑ دیا اور کہا کہ جب بھنگی بھی گھڑی لگانے لگے تو ہمارے لیے اسکا استعمال زیبا نہین رہا) اور وہ عقل کند اور تن پرست کی شرم سے قصداً دیوانہ ہوگئے ہین اور جیلخانہ چلے گئے ہین ایک اور مصلحت یہ معلوم ہوتی ہے کہ وہ بزبان حال یہ فرماتے ہین کہ اے شخص مجھے بلند اور کوڑے سے (جو فی الاغلب گائے کے چمڑے سے بنایا جاتا ہے) میرے سر اور کمر کو خوب مار اور کچھ چون وچرا نکو تاکہ گائے کے چمڑے کے ٹکڑے سے جو کہ گائے ہی کا ٹکڑا ہے (فاندفع ما قال ولی محمد) مین بحیات روحانی یون زندہ ہوجاؤن جسطرح قتیل موسی یعنی عامیل نام شخص جو زمانہ موسی علیہ السلام مین مارا گیا تھا گائے کے ٹکڑے کے مارنے سے بحیات جسمانی زندہ ہوا تھا اور مین اس گائے کے چمڑے کے ٹکڑے یعنی کوڑے سے یون ہی خوش ہون جسطرح وہ قتیل جو اس گائے کے ٹکڑے کے مارنے سے زندہ ہوا تھا جو بامر موسی علیہ السلام ذبح کی گئی تھی خوش ہوا تھا اور دم گاؤ کے صدمہ سے یون زندہ ہوگیا تھا جسطرح تانبا کیمیا سے زر خالص بنجاتا ہے اور وہ باوجود مقتول ہونے کے اوٹھ کھڑا ہوا تھا اسرار کہہ ڈالے تھے اور خونی جماعت کا بتادیا تھا اور صاف صاف کہدیا تھا کہ مجھے اس جماعت نے مارا ہے اور انھین نے اس فتنہ کا بیج بویا ہے جب تم کو یہ معلوم ہوگیا تو اب سمجھو کہ جب یہ جسم ثقیل مقتول ہوجاتا ہے اور خواہشات نفسانیہ فنا ہوجاتی ہین تو ایک اسرار دان ہستی یعنی روح زندہ ہوتی ہے اور جان زندہ ہوکر بہشت ونار کو دیکھتی ہے اور بہت سے اسرار آلہیہ پر مطلع ہوتی ہے اور قاتلین انسان شیاطین کا پردہ فاش کرتی اور مکر وفریب کے جال کی حقیقت آشکار کردیتی ہے پس معلوم ہوا کہ طریق معرفت الہی کے لیے گاؤ تن کا ذبح کرنا یعنی خواہشات نفسانیہ کا فنا کرنا شرط ہے تاکہ اسکے دم کے صدمہ سے جان ہوش مین آئے پس تم اس گاؤ نفس کو جلد ذبح کرو تاکہ روح مضمحل زندہ اور ہوشیار ہو خیر اسبات کی کوکوئی حد ونہایت ہی نہین اچھا اب ذوالنورین علیہ الرحمۃ

کا قصہ اُنکے مریدون کے ساتھ سن ۔

شرح شبیری

مریدون کا سمجھ جانا کہ ذوالنونؒ دیوانہ نہیں ہین اور قصدًا ایسا کیا ہے

چونکہ الخ ۔ یعنی جبکہ حضرت ذوالنون مصریؒ قید خانہ کیطرف پاؤن مین بیڑی ڈالکر خوش خوش چلے تو افسوس کی وجہ سے دوست سر بر ہاتھ رکھے ہوے ہر طرف سے اونکے پوچھنے کو قید خانہ کیطرف متوجہ ہوے اور اونکے پاس گئے یعنی سب کو سکا افسوس تھا کہ ایسا کامل اجل دیوانہ ہوگیا ۔

دوستان الخ ۔ یعنی دوست ذوالنونؒ کے قصہ مین قید خانہ کیطرف چلے اور آپس مین رائے مارنے لگے مطلب یہ کہ جب سب لوگ چلے تو آپس مین رائے زنی کرنے لگے کہ آخر اس جنون کی کیا وجہ ہے آخر اُنمین سے ایک نے یہ بھی کہا کہ ۔

کاین الخ ۔ یعنی (یون کہنے لگے) کہ یہ شاید قصدًا کرتے ہین یا کوئی حکمت (خداوندی) ہے اسلیے کہ وہ تو اس راہ مین قبلہ ہین اور ایک نشانی ہین مطلب یہ کہ یا تو اونھون نے ایسا خود کیا ہے یا خدا تعالیٰ کی کوئی حکمت ہی کہ انکو اسطرح کر دیا ہو اسلیے کہ وہ تو راہ حق مین آیۃ من آیات اللہ ہین ۔ تو انکو ایسا مرض نہ لاحق ہوتا ضرور اسمین کوئی بھید ہی ۔

دور باد الخ ۔ انکی عقل سے جو کہ مثل دریا کے ہے یہ بات دور ہو کہ انپر جنون حاکم ہو جاوے ۔ مطلب یہ کہ یہ تو سمجھ مین نہین آتا کہ ایسے حضرات اور مجنون ہو جاوین ۔

حاش الخ ۔ یعنی حاش شد اُنکے کمال سے کہ بیماری کا ابر اُنکے چاند کو چھپاوے ۔ مطلب یہ کہ یہ ہرگز نہین ہو سکتا کہ اونکے کمالات کو مرض پوشیدہ کر دے یہ تو ممکن ہی نہین ۔ اور یہ سب امور بوجہ غایت عقیدت کے ہین ورنہ مرض کا آجانا مانع کمال ہرگز نہین ہے

او ز شر الخ ۔ یعنی وہ عوام کی شر کی وجہ سے گھر مین چلے گئے ہین ۔ اور عقلاء (ظاہری) کی شرم سے دیوانہ ہوگئے ہین مطلب یہ کہ چونکہ عوام کا ہجوم اونپر زیادہ ہوتا تھا اسلیے وہ قید خانہ مین چلے گئے ہین اور چونکہ عقلا ظاہر پرست دنیا دار اور منہمک فی الدنیا ہوتے ہین اسلیے انکو ایسی عقل سے شرم آئی اور وہ اس عقل کو چھوڑ کر دیوانہ ہوگئے ہین ۔

او ز عار الخ ۔ یعنی وہ اس کند عقل اور تن پرست کی عار کی وجہ سے قصدًا (قید خانہ مین) گئے ہین اور دیوانہ ہوگئے ہین لو وہ بزبان حال فرماتے ہین ۔

کہ بہ بندیدم الخ ۔ یعنی تم مجھے مضبوط باندھ دو اور کپڑے سے میرے سر اور پشت کو پیٹو اور اسکی کھوج مت کرو کہ مین یہ کس وجہ سے کہہ رہا ہون ۔ مطلب یہ کہ جسطرح ان لوگون نے ذبح بقرہ مین کھوج کریدکی تھی تم ہرگز مت کرو ۔ بلکہ مجاہدہ و ریاضت شروع کرو پھر اوسکے آثار خود مرتب ہو جاوینگے ۔ اسلیے کہ ۔

تا ز زخم الخ ۔ یعنی تاکہ اس زخم سخت سے مجھے حیات نصیب ہو جیسے کہ موسیٰ علیہ السلام کی گاے کے مقتول کو حیات میسر ہوئی تھی اے ثقات ۔ مطلب یہ کہ جسطرح اس مقتول کو گاے کی بوٹی لگا دینے سے حیات حاصل ہوگئی تھی اسی طرح ان مجاہدات و ریاضات سے روح کو حیات حاصل ہو جاویگی ۔

تا ز زخم الخ ۔ یعنی تاکہ گاے کے زخم سخت سے مین خوش ہون اور موسیٰ علیہ السلام کے گاے کے مقتول کیطرح خوش ہون ۔ اضافت بادنیٰ ملابست ہے یعنی وہ گاے جو کہ موسیٰ علیہ السلام کے حکم سے لائی گئی تھی اور یہ مقتول جو کہ اوسکی بوٹی لگانے سے زندہ ہوا تھا

اسیطرح میں بھی زندہ ہوجاؤں اور حیات روحی مجھے بھی حاصل ہو۔
زندہ الخ یعنی وہ مقتول گائے کی دم کے زخم سے زندہ ہوگیا جیسا کہ تانبا کیمیا سے خالص سونا ہوجاتا ہے۔
الکشتہ الخ یعنی مقتول کود اٹھا اور سارے اسرار کہدیے اور اس گروہ خونخوار کو ظاہر کردیا۔ اور بتا دیا کہ ان لوگون نے مجھے قتل کیا ہے۔
الگفت الخ یعنی ظاہر طور پر کہدیا کہ اس جماعت نے ستایا ہے اور اس ظلم کا بیج انھون نے بویا ہے بس اسیطرح جب یہ ہستی فنا ہوجاتی ہی تو پھر سب علوم ظاہر ہوجاتے ہین فرماتے ہین کہ۔
چونکہ الخ یعنی جبکہ یہ جسم گران فنا ہوجاوے گا تو اسرار کی ہستی زندہ ہوجاویگی مطلب یہ کہ اسی طرح جب یہ ہستی ظاہری فنا ہوگی تو اسکے بعد بقاء ابدی حاصل ہوگا اور علوم و حقایق و معارف سب کھل جاوینگے۔
جان الخ یعنی اسکی جان دوزخ اور جنت کو دیکھ لیگی اور پھر تمام اسرار کو جان لیگی مطلب یہ کہ اوسپر حقایق اشیاء بالکل منکشف ہوجاتے ہین اور پھر وہ علوم و معارف کو بالکل بے رکاوٹ بیان کرتا ہے۔ فرماتے ہین کہ ؎ بینی اندر خود علوم انبیا بے کتاب و بے معید و اوستا۔
وانماید الخ یعنی وہ خونی دیو کو ظاہر کرکے دکھلا دیتا ہی اور دھوکہ اور جال اور خدشہ کو بالکل صاف دکھلا دیتا ہے مطلب یہ کہ شیاطین کے اور نفس کے دھوکون کو اور کید و مکر کو خوب جانتا ہی اور انسے بچنے کے طریقون سے خوب اچھی طرح واقف ہوتا ہے۔
گاؤ الخ یعنی راہ (حق) مین گائے کا مار ڈالنا شرط ہی تاکہ اوسکی بوٹی سے جان کو افاقہ حاصل ہو۔ مطلب یہ کہ راہ حق مین ہستی کو فنا کردینا شرط ہی کہ اس سے فیوض و برکات حاصل ہوتے ہین خود فرماتے ہین کہ۔
گاؤ الخ یعنی اپنے نفس کی گائے کو بہت جلدی مارو تاکہ روح خفی ہوش کے ساتھ زندہ ہوجاوے۔ حاصل یہ ہی کہ اس ہستی ظاہر و موہوم کو فنا کردو تب تمھاری روح کے اندر تازگی اور حیات پیدا ہوگی اور قرب حق حاصل ہوگا۔ اب فرماتے ہین کہ۔
این الخ یعنی ابیات کا تو مقطع اور انتہا مت ڈھونڈھو (یہ تو کبھی بھی ختم نہوگی پس اسکو یہین تک رہنے دو) ذوالنون کا حال مریدون کے ساتھ کہو اب آگے پھر رجوع ہے قصہ کیطرف۔

شرح حبیبی

رجوع بحکایت ذوالنون مصری رح

چون رسیدند آن نفر نزدیک او	بانگ بر زد هی کیانید اتقوا
با ادب گفتند ما از دوستان	بہر پرسش آمدیم اینجا بجان
چونی اے دریائے عقل ذوفنون	این چه بهتانست بر عقلت جنون
دود گلخن کے رسد در آفتاب	چون شود عنقا شکسته از غراب
وا مگیر از ما بیان کن این سخن	ما محبانیم با ما این مکن
مر محبان را نشاید دور کرد	یا برو پوشش و غل مجبور کرد
راز را اندر میان نه با محب	اے که بحر علم و عقلی استجب

راز را اندر میان آور شہا	رو مکن در ابر پنہانی مہا
ما محب صادق و دل خستہ ایم	در دو عالم دل بتو بر بستہ ایم
راز را از دوستان پنہان مکن	در میان نہ راز و قصد جان مکن

جب وہ لوگ اونکے قریب پہونچے تو اونھون للکارا کہ اے تم کون ہو علٰحدہ رہو۔ سب نے بادب عرض کیا کہ ہم حضور کے مخلص ہین اور بجان و دل پرسش حال کے لیئے حاضر ہوے ہین۔ اے دریائے عقل اور اے ذوفنون آپ کی کیا حالت ہے اور آپ کی عقل پر جنون کا بہتان کیسا ہے۔ بہتان ہم نے اسلیئے کہا کہ آپ کی عقل آفتاب ہے۔ اور جنون دود گلخن اور آپ کی عقل عنقا ہے جنون ایک کوا۔ بھلا دود گلخن بھی کہین آفتاب تک پہونچتا ہے۔ اور عنقا بھی کہین کوے سے مغلوب ہوا ہے آپ ہم سے اصل بات بیان کر دیجیے چھپائیے نہین ہم مخلص ہین ہمارے ساتھ ایسا کرنا مناسب نہین نہ محبون کو دور کرنا مناسب ہے۔ اور نہ پردہ داری سے انکو مہجور کرنا زیبا ہے۔ راز کو محب سے ظاہر کر دیجیے۔ آپ تو خود بحر علم و عقل ہین آپکو سمجھانیکی کیا بات ہے۔ آپ ہماری بات مان لیجیے۔ حضور والا ہم بالحاح عرض کرتے ہین کہ ہم سے راز کہدیجیے۔ اور اے ماہ روشن ابر مین منھ نہ چھپائیے۔ اور اپنی حالت کو ہم سے مخفی نہ کیجیے ہم محب صادق ہین ہمارا دل آپکی اس تکلیف سے مجروح ہے۔ دونون عالم مین آپکے سوا کسی سے ہم کو تعلق نہین کہ افشاء کا اندیشہ ہو۔ ہم دوستون سے راز نہ چھپائیے۔ اور بتلا دیجیے کہ ورنہ ہماری جان جاتی رہیگی آپ چھپا کر ہماری جان کے درپے نہ ہوجیے۔

چونکہ ذوالنون این سخن زیشان شنید	جز طریق امتحان مخلص ندید
فحش آغازید و دشنام از گزاف	گفت او دیوانگانہ زی وقاف
برجہید و سنگ پران کرد و چوب	جملہ گان بگریختند از بیم کوب
قہقہہ خندید و جنبانید سر	گفت باد ریش این یاران نگر
دوستان بین کو نشان دوستان	دوستان را رنج باشد ہمچو جان
کے گران گردد ز رنج دوست دوست	رنج مغز و دوستی او را چو پوست
نے نشان دوستی شد سرخوشی	در بلا و محنت و آفت کشی
دوست ہمچو زر بلا چون آتش است	زر خالص در دل آتش خوش است

جب ذوالنون علیہ الرحمۃ نے انکی یہ باتین سنین اور سب کو معقول پایا تو بجز امتحان کے اور کوئی صورت رہائی کی نہ پائی لہذا امتحان شروع کیا اور برا بھلا کہنا اور دیوانون کیطرح زق زق بق بق یعنی بے معنے الفاظ بکنے شروع کیے اسی پر اکتفا نہین کیا بلکہ اوٹھے اور پتھر پھینکنے لگے اور ڈنڈا چلانا شروع کیا مارے کے خوف سے سب کے سب بھاگ گئے۔ اسپر ذوالنون نے ایک قہقہہ لگایا اور سر ہلا کر کہا کہ ان یارون کی ڈینگ ملاحظہ کیجیے اور ان دوستون کو دیکھیے۔ ایسے دوستون کا تو نام و نشان بھی نہین نہین (صادق الصدیق وکاف الکیمیاء معا۔ لایوجدان فدع نفسک بالطمع) دوستون کو تو تکلیف جان کی طرح مرغوب ہوتی ہے۔ دوست کی طرف سے جو تکلیف پہونچے بھلا دوست کہین اوسکو گران اور ناگوار سمجھتا ہے ہرگز نہین بلکہ دوستی مین تو رنج ہی اصل شے ہے اور دوستی تو بمنزلہ ایک پوست کے ہے کیا دوستی کی علامت یہ نہین کہ رنج اور تکلیف اور مصیبت و آفت کشی مین خوش رہے۔ یقینًا ایسا ہی ہے۔ دوست کو سونا سمجھو اور مصیبت کو آگ سونا تو آگ ہی مین خوش ہوتا ہے

ور آگ ہی سے اپنے جوہر کو ظاہر کرتا ہے۔

شرح شبیری

ذوالنون رحمۃ اللہ اور مریدون کی حکایت کی طرف رجوع کرنا

چون الخ یعنی جبکہ وہ جماعت (جو کہ عیادت کو چلے تھے) انکے پاس پہونچے تو انھون نے آواز کہا کہ اے تم کون ہو ہٹو۔
با ادب الخ یعنی انھون نے دست بستہ عرض کیا کہ ہم خادمون مین سے ہین اسلئے آپ کو جان و دل سے پوچھنے کو آئے ہین۔
چونی الخ یعنی اے عقل ذوفنون کے دریا آپکی عقل پر یہ جنون کا بہتان کیسا ہے۔
دود الخ یعنی بھاڑ کا دھوان آفتاب تک کب جاتا ہے اور عنقا کوے سے کسطرح مغلوب ہوسکتا ہے بس اسیطرح آپکی عقل مبارک جنون سے کب مغلوب ہوسکتی ہے اور اسکو وہان تک کب رسائی ہوسکتی ہے۔
وا مگیر الخ یعنی ہم سے پوشیدہ مت کرو اسبات کو بیان کرو ہم تو محب ہین ہم سے ایسا مت کرو کہ چھپاتے ہو۔
مرمحبان الخ یعنی دوستون کو تو دور نکرنا چاہیے یا رہ پوشی اور دھوکے سے الگ نہ کرنا چاہیے۔
راز را الخ یعنی دوست سے راز کو بیان کر دیجیے اے وہ کہ آپ علم و عقل کے دریا ہین (ہماری اس عرض کو) قبول فرمالیجیے اور اپنی حالت کو بیان کر دیجیے۔
راز را اندر الخ یعنی راز کو درمیان مین لاؤ اے بادشاہ اور منھ کو ابر مین پوشیدہ مت کرو اے چاند مطلب یہ کہ اپنے راز کو ہم سے پوشیدہ مت کرو۔ بلکہ ظاہر کر دو۔
یا محب الخ یعنی ہم تو (آپکے) محب صادق اور دل خستہ ہین اور دونون عالم مین دل کو آپسے متعلق کر دیا ہے پھر بھی آپ اس راز کو ہم سے پوشیدہ کرتے ہین۔
راز الخ یعنی راز کو دوستون سے پوشیدہ نہ کیجیے اور راز کو بیان کر دیجیے۔ اور ہماری جان (لینے) کا قصد نہ کیجیے اسلیے کہ اگر آپ نہ بتاوینگے تو ہم اپنی جان دیدینگے۔
چونکہ الخ یعنی جبکہ حضرت ذوالنونؒ نے اون سے یہ باتین سنین تو بجز امتحان کے طریقے کے کسی مین چھٹکارا نہ دیکھا یعنی انھون نے سمجھ لیا کہ انکا امتحان لو تو معلوم ہوگا کہ کون اپنے دعوے مین صادق ہے اور کون کاذب ہے اور وہ امتحان یہ لیا کہ۔
فحش الخ یعنی انھون نے فضول طریقے سے برا بھلا کہنا شروع کیا اور دیوانون کی طرح اے تبے کہنے لگے۔ زے وقاف سے مراد ہے فضول و لایعنی باتین۔
برجہید الخ یعنی یہ اٹھے اور پتھر اور لکڑیان پھینکی تو سب پٹنے کے خوف سے بھاگ گئے اور یہ لکڑی وغیرہ جو پھینکی اسطرح پھینکی ہونگی کہ کسیکے لگی نہون مگر لوگون کو نیت کی کیا خبر سب ڈر کے مارے بھاگ گئے۔
قہقہہ الخ یعنی ہنسکر قہقہہ لگایا اور سر ہلایا اور کسی درویش سے کہا کہ ان دوستونکو دیکھنا کہ ذراسی بات مین بھاگے جاتے ہین۔
دوستان الخ یعنی ذرا دوستونکو دیکھنا کہاں ہین دوستونکی نشانی اسلیے کہ دوستونکو کہین جان سے رنج ہوا کرتا ہے۔
کے کند الخ یعنی دوست دوست کی تکلیف سے کنارا کب کرتا ہے اسلیے کہ رنج تو مغز ہے اور دوستی پوست کی طرح ہے بس جیسے یہ سمجھ لیا کہ دوستی کی شرط اور اسکا مقتضا یہ ہے کہ دوست کی تکلیفون پر صبر کرین تو اسکو وہ تکلیف تکلیف ہی معلوم نہوگی آگے فرماتے ہین کہ

تنگنے الخ یعنی گیا دوستی کی نشانی بلا میں اور محنت میں اور آفت کشی میں خوش رہنا نہیں ہے یعنی ضرور خوش رہنا چاہیے۔ دوست الخ یعنی دوست تو سونے کیطرح ہے اور بلا آگ کیطرح ہے تو زر خالص تو آتش ہی کے اندر خوش ہے اسی طرح دوست کو بھی مصائب میں ہنسی اور خوش رہنا ضروری ہے آگے اسی پر حضرت لقمان علیہ السلام کی حکایت بیان فرماتے ہیں کہ دیکھو انکو آقا کے ہاتھ سے کڑوا خربوزہ ملا دیکھو ن سنے اسکو بھی رغبت سے کھایا اسیطرح اگر حقتعالی کیطرف سے بظاہر کوئی کلفت پہونچے تو ہمیں بھی راضی برضا رہنا ضروری ہے۔

شرح حبیبی

امتحان کردن خواجہ زیرکی لقمان را رضی اللہ تعالی عنہ

بنے کہ لقمان را کہ بندہ پاک بود — روز و شب در بندگی چالاک بود
خواجہ اش میداشتی در کار پیش — بہترش دیدے ز فرزندان خویش
زانکہ لقمان گرچہ بندہ زادہ بود — بندہ بود و از ہوا آزادہ بود
گفت شاہی شیخ را اندر سخن — چیزے از بخشش ز من درخواست کن
گفت اے شہ شرم ناید مر ترا — کہ چنین گوئے مرا زین برترا
من دو بندہ دارم و ایشان حقیر — وان دو بر تو حاکمانند و امیر
گفت شہ آن دو چہ اند این زلتست — گفت آن یک خشم و دیگر شہوتست
شاہ آن کو ز شاہی فارغ است — بے مہ و خورشید نورش بازغست
مخزن آن دارد کہ مخزن عار اوست — ہستی آن دارد کہ ہستی را عدوست
خواجۂ لقمان بظاہر خواجہ وش — در حقیقت بندہ و لقمان خواجہ اش
در جہان واژگونہ زین بسے ست — در نظر شان گوہرے کم از خسے ست
مر بیابان را مفازہ نام شد — نام و ننگے عقل شان را دام شد
یک گروہ را خود معرف جامہ است — در قبا گویند کو از عامہ است
یک گروہ را ظاہر سالوس زہد — نور باید تا بود جاسوس زہد
نور باید پاک از تقلید و غول — تا شناسد مرد را بے فعل و قول
در رود در قلب او از راہ عقل — نقد او بیند نباشد بند نقل
بندگان خاص علام الغیوب — در جہان جان جواسیس القلوب
در درون دل در آید چون خیال — پیش شان مکشوف باشد سر حال
در تن گنجشک چہ بود برگ و ساز — کہ شود پوشیدہ آن بر عقل باز
آنکہ واقف گشت بر اسرار ہو — سر مخلوقات چہ بود پیش او
آنکہ بر افلاک رفتارش بود — بر زمین رفتن چہ دشوارش بود

در کف داؤد کآهن گشت موم — موم چه بود در کف او اے ظلوم

بود لقمان بنده شکل و خواجه — بندگی بر ظاهرش دیباجه

چون رود خواجه بجائے ناشناس — بر غلام خویش پوشاند لباس

او بپوشد جامهائے آن غلام — مر غلام خویش را سازد امام

در پیش چون بندگان در ره شود — تا نباید زو کسے آگه شود

گوید اے بنده تو رو در صدر شین — من بگیرم کفش چون بنده مهین

تو درشتی کن مرا دشنام ده — مر مرا تو هیچ توقیرے منه

ترک خدمت خدمت تو داشتم — تا بغربت تخم حیلت کاشتم

خواجگان این بندگیها کرده اند — تا گمان آید که اینها برده اند

چشم پر بودند و سیر از خواجگی — کارها را کرده اند آمادگی

این غلامان هوا بر عکس آن — خویشتن بنموده خواجهٔ عقل و جان

آید از خواجه ره افگندگی — ناید از بنده بغیر از بندگی

پس از ان عالم بدین عالم چنان — تقلیبها هست بر عکس این بدان

خواجهٔ لقمان بر احوال نهان — بود واقف دیده بود از وے نشان

راز میدانست خوش میراند خر — از برائے مصلحت آن راهبر

مر ورا آزاد کردے از نخست — لیک خشنودی لقمان را بجست

زانکه لقمان را مراد این بود تا — کس نداند سر آن شیرفنا

چه عجب گر سر ز بد پنهان کنی — این عجب که سر ز خود پنهان کنی

کار پنهان کن تو از چشمان خود — تا بود کارت سلیم از چشم بد

خویش را تسلیم کن بر دام مزد — وانگه از خود بی ز خود چیزے بدزد

میدهند افیون بمرد زخم مند — تا که پیکان از تنش بیرون کنند

وقت مرگ از رنج او را میدرند — او بدان مشغول شد جان میبرند

چون بهر فکرے که دل خواهی سپرد — از تو چیزے در نهان خواهند برد

پس بدان مشغول شو کان بهترست — تا ز تو چیزے برد کان کهترست

هرچه اندیشی و تحصیلی کنی — مے درآید دزد از ان سو کایمنی

بار بازرگان چو در آب اوفتد — دست اندر کالهٔ بهتر زند

کشتی مالش بغرقاب اوفتد — هرچه نازلتر بدریا افگند

چونکه چیزے فوت خواهد شد در آب — ترک کمتر گیر و بهتر را بیاب

نقد ایمان را بطاعت گوش دار — تا ز روے حق نگردی شرمسار

چونکه نقدت را نگهدارے کنی — حرص و غفلت را ببرد دیو دی

ظاہر شدن فضل و بزرگی لقمان پیش امتحان کنندگان

خواجه لقمان چو لقمان را شناخت — بنده بود او را و با او عشق باخت

هر طعامے کاوریدندے بوے — کس سوے لقمان فرستادے ز پے

تا که لقمان دست سوے آن برد — قاصداً تا خواجه پس خوردش خورد

سور او خوردے و شور انگیختے — هر طعامے کو نخوردے ریختے

ور بخوردے بے دل و بے اشتها — این بود پیوستگئے بے منتها

خربزه آورده بودند ارمغان — لیک غائب بود لقمان آن زمان

گفت خواجه با غلامے کاے فلان — زود رو فرزند لقمان را بخوان

چونکه لقمان آید و پیشش نشست — خواجه پس بگرفت سکینے بدست

چون برید و داد او را یک برین — همچو شکر خوردش و چون انگبین

از خوشے که خورد داد او را دوم — تا رسید آن کرچها تا هفدهم

ماند کرچے گفت این را من خورم — تا چه شیرین خربزه این بنگرم

او چنان خوش میخورد کز ذوق او — طبعها شد مشتهی و لقمه جو

چون بخورد از تلخیش آتش فروخت — هم زبان کرد آبله هم حلق سوخت

ساعتے بیخود شد از تلخی آن — بعد از آن گفتش که اے جان جهان

نوش چون کردی تو چندین زهر را — لطف چون انگاشتی این قهر را

اینچه صبر است این صبوری از چه روست — یا مگر پیش تو این جانت عدوست

چون نیاوردے بهانه و حجتے — که مرا عذریست بس کن ساعتے

گفت من از دست نعمت بخش تو — خورده ام چندانکه از شرمم دوتو

شرم آید که یکے تلخ از کفت — می نه نوشم اے تو صاحب معرفت

چون همه اجزایم از انعام تو — رسته اند و غرق دانه و دام تو

گر ز یک تلخی کنم فریاد و داد — خاک صد ره بر سر اجزام باد

لذت دست شکر بخش تو داشت — اندرین بطیخ تلخی کے گذاشت

از محبت تلخها شیرین شود — از محبت مسها زر مے شود

از محبت دُرها صافی شود — وز محبت دردها شافی شود

از محبت خارها گل مے شود — وز محبت سرکه ها مُل میشود

وز محبت دار تختے مے شود — وز محبت بار بختے مے شود

از محبت سجن گلشن مے شود　　بے محبت روضہ گلخن مے شود
از محبت نار نورے مے شود　　وز محبت دیو حورے مے شود
وز محبت سنگ روغن میشود　　بے محبت موم آہن مے شود
از محبت حزن شادی مے شود　　وز محبت غول ہادی مے شود
از محبت نیش نوشی میشود　　وز محبت شیر موشی می شود
از محبت سقم صحت مے شود　　وز محبت قہر رحمت مے شود
از محبت خار سوسن مے شود　　وز محبت خانہ روشن مے شود
از محبت مردہ زندہ مے شود　　وز محبت شاہ بندہ مے شود

کیا یہ واقعہ غلط ہے کہ حضرت لقمان کو جو محض غلام تھے اور دن رات اطاعت مین کمربستہ رہتے تھے انکا آقا محبوب رکھتا تھا اور اپنی اولاد سے اچھا سمجھتا تھا جسکی وجہ یہ تھی کہ حضرت لقمان اگرچہ غلام زادہ تھے اور اسلیے خود بھی غلام تھے لیکن ہوائے نفسانی سے آزاد تھے۔ اسلیے حقیقت مین آقا تھے گو بظاہر غلام تھے اسکے مناسب ایک حکایت بیان کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے تاکہ اس سے اسکی تصدیق ہو جاوے کسی بادشاہ نے کسی بزرگ سے اثناء گفتگو مین کہا کہ آپ کچھ مجھ سے مانگیے ان بزرگ نے فرمایا کہ بادشاہ تجھے شرم نہین آتی کہ مجھ سے ایسا کہتا ہے میرے دو غلام ہین اور وہ بھی نہایت حقیر اور دونون تجھپر حکومت کرتے ہین بادشاہ نے کہا کہ آپ کی غلطی ہے یا آپ نے میری سخت توہین کی (ترجمۂ اول راجع بسوے نسخہ زلۃ بالزاء ہے اور ترجمۂ دوم راجع بسوے نسخہ ذلت بالذال) وہ کونسے دو غلام ہین جو مجھپر حکومت کرتے ہین ان بزرگ نے فرمایا کہ وہ دو غلام یہ ہین ایک غصہ دوسری شہوت کہ تو انکا محکوم ہے اور یہ میرے محکوم ہین واقعی بات یہ ہے کہ بادشاہ اصل مین وہی ہے جسے بادشاہی کی پرواہ نہین ایسے شخص کا نور آفتاب و مہتاب پر چمکتا ہے یعنے وہ اسقدر عظیم الشان ہے کہ آفتاب و مہتاب اسکے مقابلہ مین کوئی حقیقت نہین رکھتے یا یہ کہ یہ بھی اسکے نور سے منور یعنے اسکے فیض سے مستفیض ہین یا اصل مین خزانہ اسکے پاس ہے جو خزانہ سے عار و ننگ رکھتا ہو اور ہستی وہی رکھتا ہے جو ہستی کا دشمن ہے اور اوسکی نظر صرف ایک ہستی یعنے حق سبحانہ پر ہوتی ہے جب حالت یہ ہے تو معلوم ہوا کہ حضرت لقمان کے آقا گو بظاہر آقا تھے مگر حقیقت مین وہ غلام تھے اور حضرت لقمان انکے آقا۔ اس الٹی نگری مین ایسا بہت ہے کہ آقا غلام ہے اور غلام آقا۔ اور موتی خس سے بھی زیادہ بے حقیقت دیکھا جاتا ہے۔ اور خس موتی سے زیادہ بیش بہا ان اوندھی عقل والون نے چٹیل میدان کا نام مفازۃ (جاے کامیابی) رکھا ہے حالانکہ جاے ناکامی ہے اور نام و ننگ انکی عقلون کا جال ہو گیا ہے حالانکہ عقل انکو رد کرتی ہے۔ اور ان مین گرفتار ہونے سے آتی ہے بعض انقلابات تو یہ تھے اور بعض یہ ہین کہ کچھ لوگ آدمی کو لباس سے پہچانتے ہین اور اگر کسی اچھے شخص کو قبا پہنے دیکھتے ہین تو کہتے ہین معمولی آدمی ہے حالانکہ یہ روش بالکل غلط ہے اور کچھ لوگون کو ظاہری مکر زہد معلوم ہوتا ہے پس وہ جسکو دیکھتے ہین کہ رنگے ہوے کپڑے پہنے ہوے ہے تسبیح کھٹکھٹاتا ہے اوسکو سمجھتے ہین کہ بڑا بزرگ ہے (اسوقت وہ بھی تغیر آگیا اب رند اور پاگل کو بزرگ سمجھا جاتا ہے۔ مولانا کے وقت تک تو حالت غنیمت تھی کہ صورت ظاہری کی عمدگی موجب دھوکا تھی اب زشتی صورت ظاہری موجب دھوکا ہو گئی ہے) سو یہ طریق بھی غلط ہے بلکہ صحیح طریق اسکا نور قلب ہے۔ اس سے زہد کا پتہ چلتا ہے۔ نور بھی ایسا ہونا چاہیے کہ تقلید اور تجاوز عن الحد سے پاک صاف ہو ورنہ

انکی آفرینش بھی دھوکا دیگی جب ایسا نور ہوگا تو پھر نہ افعال دیکھنے کی ضرورت ہوگی گو افعال واقع مین اچھے ہی ہونگے اور نہ کسیکے کہنے سُننے کی ضرورت ہوگی بلکہ خود اصل حالت معلوم ہوجاویگی ایسا شخص اپنے نور فراست کے ذریعہ سے براہ عقل زاہو کے دن مین پہونچ جاتا ہے اور نقدی کو خود دیکھ لیتا ہے اوسکو اسکی ضرورت نہین ہوتی کہ کوئی بتلائے کہ ہان یہ اچھا شخص ہے کیونکہ حق سبحانہ علام الغیوب ہے بندگان خاص جو مین نقلوب ہین اور حق سبحانہ نے اپنی غیب دانی کا کچھ حصہ انکو بھی عطا کیا ہے کہ یہ باعلام حق سبحانہ ایسی چھپی ہوئی چیزونکو معلوم کرلیتے ہین جو دوسرون کو معلوم نہین ہوسکتی اور یہ صفت نسانکی اختیاری ہے نہ دائمی نہ ہرشے کے لحاظ سے بلکہ جس چیز کو حق سبحانہ معلوم کرانا چاہتے ہین اوسکو معلوم کرادیتے ہین اسلیئے یون کہا جاسکتا ہے کہ یہ لوگ خیال کیطرح دل مین گھس جاتے ہین اور انپر چھپی ہوئی حالت مکشوف ہوجاتی ہے کیون نہو یہ شہباز ہین اور دیگر لوگ بمنزلہ کنجشک کے چڑیا کے جسم مین کونسا ساز وسامان ہوتا ہے جو باز سے مخفی رہ سکے بلکہ وہ تو چیر پھاڑ کر سب کچھ دیکھ لیتا ہے یعنی جب حق سبحانہ انکو مطلع کرنا چاہین اسوقت یہ حالت ہوتی ہے نہ کہ ہر وقت۔ کیونکہ جب بادشاہ باز کو چڑیلے کے شکار پر مسلط کرتا ہے تبھی وہ دیکھتا ہے بات یہ ہے کہ جو شخص حق سبحانہ کے اسرار پر باعلام الٰہی مطلع ہوچکا ہے اُسکے سامنے مخلوقات کے اسرار کیا چیز ہین پھر وہ کیون باعلام حق معلوم نہین ہوسکتے اور جو شخص آسمانون پر چلتا یعنی اُسکے اسرار کو معلوم کرتا ہے اسکے لیے زمین پر چلنا یعنی سفلیات کے اسرار معلوم کرنا کونسی بڑی بات ہے جب داؤد علیہ السلام کے ہاتھ مین لوہا موم ہوگیا تو پھر انکے ہاتھ مین موم کی کیا حقیقت ہے جبکہ اس عالم کا اوندھا ہونا معلوم ہوگیا تو سمجھو کہ لقمان گو بصورت غلام تھے۔ مگر فی الحقیقت خواجہ تھے غلامی انکی ظاہر پر محض عنوان تھی تم اسکو مستبعد نہ سمجھنا کہ ایک غلام خواجہ اور آقا کیونکر ہوسکتا ہے اسلیئے کہ ہم اسکو ایک ایسی مثال سے سمجھاتے ہین جس سے یہ بات اچھی طرح ذہن نشین ہوجاویگی۔ دیکھو جب کوئی آقا کسی ادنیٰ جگہ جاتا ہے اور اپنے کو چھپانا مصلحت سمجھتا ہے تو اپنے غلام کو اپنا لباس پہنا دیتا ہے۔ اور خود اُس غلام کے کپڑے پہن لیتا ہے اور اُسکو اپنے آگے کرلیتا ہے اور خود اوسکے پیچھے غلامون کی طرح چلتا ہے تاکہ کوئی پہچان نہ لے اور مصلحت فوت نہو جائے جب کہین بیٹھنے کی نوبت آتی ہے تو اس سے کہتا ہے کہ صدر نشین تو ہو مین ادنیٰ غلام کیطرح تیری جوتیان لونگا جب ضرورت ہو تو مجھپر سختی بھی کرنا برا بھلا بھی کہنا اور میری کچھ بھی عزت نکرنا تیری یہی خدمت ہے کہ تو میری خدمت نکرے بلکہ مجھسے خدمت لے تاکہ اس مسافرت کی حالت مین میری تدبیر کارگر ہو جبکہ یہ شاہد ہے تو سمجھ لو کہ ان حضرات نے بھی یونہی غلامیان کی ہین تاکہ لوگ انکی حالت پر مطلع نہ ہوسکین اور سمجھین کہ یہ تو غلام ہین انکو سرداری کی ضرورت نہین اور اس سے تو یہ بالکل بے طمع اور سیر چشم ہین بلکہ انکو تو کام کی ضرورت ہے اور کام اس سے نکلتا ہے لہذا یہ روش اختیار کی اب انکے غلام ہوکر آقا ہونے مین کچھ بھی استبعاد نرہا انکی حالت تو سن چکے کہ یہ خواجہ ہوکر غلام ہین اب اہل ہوا کی حالت سُنیئے یہ حقیقت مین غلام ہوا ہین اور اپنے کو اہل اللہ کا جو کہ سراپا عقل اور سراسر جان ہین آقا سمجھتے ہین۔ حالانکہ جو فی الحقیقۃ آقا ہیںتے ہین اونکا کام عجز و مسکنت ہوتی ہے۔ کیونکہ وہ حق سبحانہ کے سچے بندے ہوتے ہین اور بندہ کا کام بندگی اور تذلل ہے نہ کہ فرعونیت پس انکی فرعونیت ہی خود دلیل ہے کہ یہ آقا نہین بلکہ غلام ہوا ہین پس اس عالم سے لیکر اُس عالم تک اسی قسم کی معکوس تمیزین ہین لہذا تم کو اُلٹا سمجھنا چاہیئے۔ الغرض لقمان فی الحقیقۃ آقا تھے۔ اور اونکے آقا غلام اور انکے آقا بھی اسکو سمجھتے تھے کیونکہ وہ انکی کوئی نشانی مقبولیت کے دیکھ چکے تھے اسلیئے انکو راز نہانی معلوم ہوگیا تھا چونکہ راز سے واقف تھے اور سمجھتے تھے کہ اسمین لقمان کی مصلحت ہے اسلیئے بخوشی حکومت کررہے تھے ورنہ وہ تو کبھی کے انکو آزاد کرچکے ہوتے مگر چونکہ خوشنودی

لقمان منظر تھی کیونکہ خود اُنہی کا مقصد یہ تھا کہ اس غلام کے پردہ مین میری حالت مخفی رہے اور کسی پر ظاہر نہو اسلیے وہ
ایسا نہین کرتے تھے اور یہ کوئی زیادہ بڑی بات نہین کہ تم غیرون اور نا اہلون سے اپنی حالت چھپاؤ بڑی بات یہ ہے کہ خود
اپنے سے بھی چھپاؤ اور یون کام کرو کہ خود اپنی آنکھون سے پوشیدہ رہے اور خود بینی نہ پیدا ہو تاکہ تمھین اپنی نظر نہو جاوے
اور خود بینی مین مبتلا ہو کر تباہ نہو جاؤ کیسی خود بینی تم اپنے کو حق سبحانہ کے حوالہ کر دو اور اپنے کو بالکل فنا کر دو۔ اور پوری
مزدوری لے لو۔ اور خود اپنے ہی سے خودی کو چھوڑ کر کچھ اٹھالو یعنی دولت ابدی حاصل کر لو فنا کی اسلیے ضرورت ہے کہ اِسمین
خودی سے غافل ہو کر حق سبحانہ کو مطمح نظر بنایا جاتا ہے اور خصائل مذمومہ کے ازالہ کے لیے اسکی شدید ضرورت ہے اس
مضمون کو ہم تمھین نظائر مشاہدہ سے سمجھانا چاہتے ہین تاکہ اچھی طرح سمجھ مین آجاوے۔ اور خوب ذہن نشین ہوجاوے دیکھو
زخمی آدمی کو افیون دیتے ہین تاکہ وہ بیہوش ہوجاوے اور خودی سے نکل جاوے تب پیکان نکالتے ہین۔ موت کے وقت جانکنی
کی مصیبت مین مبتلا کرتے ہین تاکہ وہ اسمین مشغول ہو اور جان نکال لین جب تم کسی خیال مین دل کو لگاتے ہو تو چپکے چپکے
تم سے اور خیالات نکل جاتے ہین جب یہ معلوم ہوگیا تو اب تمھین چاہیے کہ اچھی شے مین مشغول ہو۔ تاکہ تمھاری بری چیزین
نکلین یعنے حق سبحانہ سے لو لگاؤ اس سے تمھارے تمام رذائل دور ہوجائینگے اگر مذکورۂ بالا نظائر کافی نہون تو اور سنو
تم جسطرف دھیان لگاتے ہو اور جس چیز کو حاصل کرتے ہو چور اُدھر سے نہین آتا بلکہ اسطرف سے آتا ہے جسطرف سے تم غافل
ہوتے ہو نیز سوداگر کا مال جب سمندر مین گرتا ہے تو وہ اسی مال کو بچانا چاہتا ہے جو بہتر ہوتا ہے اور جب زیادہ بوجھ کے
سبب کشتی ڈوبنے لگتی ہے تو اسکو ہلکا کرنے کے لیے گھٹیا چیزون کو دریا مین پھینکتا ہے جب یہ معلوم ہوچکا تو اب خیال کرو کہ
سب چیزین تو تمھاری محفوظ نہین رہ سکتین سہ ہم خدا خواہی و ہم دنیاے دون ٭ این خیال است و محال است و جنون
اور ان الدنیا والآخرۃ نقیضان ان رضیت احدہما سخطت الاخری۔ تو انمین سے بعض کو ڈوبنا ضرور ہے پس اسوقت تمھارا
فرض ہے کہ گھٹیا کو چھوڑ دو اور بڑھیا کو لیلو۔ اور نقد ایمان کو بچالو تاکہ تمھین خدا کے سامنے شرمندگی نہ اٹھانی پڑے۔ پس جب
تم ایمان کی حفاظت مین لگ جاؤگے تو شیطان کا قابو اسپر تو چلیگا نہین پس لامحالہ حرص و غفلت کو لیجائیگا اور تم پاک
صاف ہوجاؤگے۔ خیر لقمان کے آقا نے لقمان کو پہچان لیا تو اسکا بندہ اور عاشق ہوگیا۔ جو کھانا اسکے لیے لایا جاتا اسکو بدون
لقمان کے نہ کھاتا بلکہ اگر وہ موجود نہوتے تو کسیکو بھیجکر بلواتا تاکہ لقمان اسمین ہاتھ ڈالین اور یہ انکا جھوٹا کھائے انکا جھوٹا کھانا
اور مست ہوتا۔ اور جس کھانے کو لقمان نہ کھاتے اوسکو پھینکدیتا (پھینکنے مین غالباً یہ مصلحت ہوگی کہ انکے نہ کھانے سے اسکو
مضرت فی الدنیا یا فی الآخرۃ ہونیکا شبہہ ہوجاتا ہوگا۔ یا اسلیے کہ چونکہ مرغوب نہ تھا اسلیے انکو بھی اچھا نہ معلوم ہوتا تھا واللہ
اعلم) اور اگر بقرائن انتفاء مضرت یا بالضرورت کبھی کھاتا بھی تو نہایت بیدلی کے ساتھ اور بدون خواہش کے جبراً قہراً
کھاتا۔ دیکھو دلون کا ملنا اسے کہتے ہین جسمین ہر روز ترقی ہوتی ہے انحطاط کبھی نہین ہوتا ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ تحفہ
مین کہین سے خربوزہ آیا لیکن لقمان اسوقت موجود نہ تھے آقا نے کسی غلام سے اسکا نام لیکر کہا کہ دیکھ بہت جلد بیٹا لقمان
کو بلا۔ جب لقمان آئے اور اسکے سامنے بیٹھے آقا نے چھری ہاتھ مین لی جب خربوزہ کو تراشا تو ایک پھانک اوسمین سے
لقمان کو دی اونھون نے اوسکو شکر و شہد کیطرح مزہ لے لیکر کھانا شروع کیا جب اوسنے دیکھا کہ یہ خربوزہ انکو اچھا معلوم
ہوا اور اونھون نے نہایت مزے سے کھایا تو دوسری اور دی۔ پھر تیسری دی۔ پھر چوتھی دی حتے کہ سترہ قاشین کھلادین
اور وہ یون ہی مزہ لے لیکر کھاتے رہے۔ جب ایک پھانک باقی رہ گئی تو آقا نے کہا یہ مین کھاتا ہون دیکھون تو سہی

کیسا میٹھا ہے۔ جو لقمان کو اسقدر مرغوب ہے اور وہ اسطرح مزہ لے لیکر کھاتا ہے کہ دوسرون کا جی للچاتا ہے۔ جونہی اسنے وہ قاش کھائی آگ ہی تو لگا دی۔ زبان مین بھی آبلہ پڑ گئے حلق بھی جل گیا۔ تھوڑی دیر تو اوسکی تلخی سے حواس ہی ٹھیک نہ رہے جب ذرا حواس درست ہوے تو کہا کہ تم نے ایسے زہر کو اسقدر کیسے کھا لیا ہمارے تو ایک ہی قاش نے حواس بگاڑ دیے اور یہ قہر تمھین لطف کیونکر معلوم ہوا۔ اور یہ صبر کیون تھا اور اس تحمل کا کیا باعث تھا لیکن تم اپنی جان کے دشمن تو نہین بھائی اگر یہ کہتے شرم آتی تھی کہ مجھے اچھا نہین معلوم ہوتا تو کوئی بہانہ ہی کر دیا ہوتا کہ بس کھا چکا مجھے کچھ عذر ہے اسلیے زیادہ نہین کھا سکتا۔ کچھ جھوٹ بھی نہ تھا انھون نے جواب دیا کہ آپ کی نعمت بخش ہاتھ سے مین نے اتنا کھایا ہے کہ شرم سے دوہرا ہوا جاتا ہون مجھے شرم آتی ہے کہ آپ کے ایسے ہاتھ سے ایک مرتبہ تلخ شے نہ کھاؤن اور عذر کر دون جبکہ میرے تمام اجزا آپکے ہی انعام سے پیدا ہوے ہین اور آپکے دانہ و دام عنایت مین غرق ہون اسپر بھی اگر ایک تلخی سے شکایت کرون تو میرے تمام اجزا پر سو رستون کی خاک پڑے یہ تو اسوقت ہے جبکہ تلخی محسوس ہو لیکن مجھے تو تلخی محسوس ہی نہین ہوئی اسلیے کہ آپکے دست شکر بخش نے اسمین تلخی چھوڑی ہی کب تھی جو مجھے محسوس ہوتی۔ لقمان کو کیون نہ میٹھی معلوم ہوتی۔ حالانکہ محبت مین تو خاصیت ہی یہ ہے کہ وہ قلب ماہیت کر دیتی ہے محبت سے کڑوی چیزین میٹھی ہو جاتی ہین محبت سے تانبے سونا بنجاتے ہین محبت سے تلچھٹ صاف شراب بنجاتی ہین محبت سے بیماریان جاتی رہتی ہین محبت سے کانٹے پھول ہو جاتے ہین محبت سے سرکہ شراب بنجاتی ہے محبت سے سولی تخت شاہی ہوجاتی ہے محبت سے مصیبت خوش نصیبی ہو جاتی ہے محبت سے جیلخانہ باغ ہو جاتا ہے محبت کے بغیر باغ بھاڑ ہو جاتا ہے محبت سے آگ نور بنجاتی ہے محبت سے دیو حور ہو جاتا ہے محبت سے پتھر روغن ہو جاتا ہے محبت سے لوہا موم ہو جاتا ہے محبت سے غم خوشی بنجاتا ہے محبت سے رہزن رہبر ہو جاتا ہے محبت سے ڈنک خوشگوار ہو جاتا ہے محبت سے شیر چوہے کیطرح لاغر موذی ہو جاتا ہے محبت سے بیماری صحت بنجاتی ہے محبت سے قہر رحمت ہو جاتا ہے محبت سے غار سوسن ہو جاتا ہے محبت سے گھر روشن ہو جاتا ہے محبت سے مردہ زندہ ہو جاتا ہے محبت سے بادشاہ غلام ہو جاتا ہے۔

این محبت ہم نتیجہ دانش است ۔۔۔ کے گزافہ بر چنین تختے نشست

دانش ناقص کجا این عشق زاد ۔۔۔ عشق زاید ناقص اما بر جماد

بر جمادے رنگ مطلوبے چو دید ۔۔۔ از صفیرے بانگ محبوبے شنید

دانش ناقص نداند فرق را ۔۔۔ لاجرم خورشید داند برق را

چونکہ ملعون خواند ناقص را رسول ۔۔۔ ہست در تاویل نقصان عقول

زانکہ ناقص تن بود مرحوم رحم ۔۔۔ نیست بر مرحوم لائق لعن و زخم

نقص عقلست آنکہ بد رنجوریست ۔۔۔ موجب لعنت سزائے دوریست

زانکہ تکمیل خردہا دور نیست ۔۔۔ لیک تکمیل بدن مقدور نیست

کفر و فرعونے ہر گبر عنید ۔۔۔ جملہ از نقصان عقل آمد پدید

بہر نقصان بدن آمد فرج ۔۔۔ در نبے کہ ما علی الاعمی حرج

برق آفل باشد و بس بے وفا ۔۔۔ آفل از باقی نداند بے صفا

برق خندد برکہ می خندد بگو	بر کسی کہ دل نہد بر نور او
نورہای برق بریدہ پے است	آن چو لا شرقی و لا غربی کیست
برق را خود یخطف الابصار دان	نور باقی را ہمہ ابصار دان
برکف دریا فرس را راندن	نامہ در نور برقی خواندن
از حریصی عاقبت نادیدنست	بر دل و بر عقل خود خندیدنست
عاقبت بین است عقل از خاصیت	نفس باشد کو نہ بیند عاقبت
عقل کو مغلوب نفس او نفس شد	مشتری مات زحل شد نحس شد

یہ تو تجھے معلوم ہو گیا کہ محبت عجیب چیز ہے یہ قلب ماہیت کر دیتی ہے اب ہم یہ تبلاتے ہین کہ محبت پیدا کیونکر ہوتی ہے محبت پیدا ہوتی ہے عقل سے اور بدون عقل کے اس تخت محبت پر نہین بیٹھ سکتے مگر عقل ناقص سے یہ محبت جو ہماری مد نظر اور مقصود بالبحث ہے پیدا نہین ہو سکتی ہان عقل ناقص سے جمادات کا عشق ہو سکتا ہے اور وجہ اسکی یہ ہے کہ ناقص جب کسی جماد پر رنگ مطلوب دیکھتا ہے تو وہ دھوکا کھا جاتا ہے اور اسکو اس جماد ہی کا کمال سمجھ جاتا ہے اور اسکی حالت ایسی ہوتی ہے جیسے کوئی جانور شکاری کی آواز کو اپنے محبوب جانور کی آواز سمجھے اور دھوکہ مین جال مین پھنس جاوے پس عقل ناقص حقیقی صاحب کمال اور ظاہری صاحب کمال مین فرق نہین کر سکتی اسلیے وہ برق کو آفتاب سمجھ جاتی ہے اور ناقص کو کامل خیال کر لیتی ہے یاد رکھو کہ نقصان عقل بہت بری چیز ہے کیونکہ جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ناقص کو ملعون کہا ہے (یہ روایت متداول کتابون مین نظر سے نہین گذری اغلب ہے یہ کہ موضوع ہے) اور نقص سے نقص عقل ہی مقصود ہے کیونکہ ناقص الجسم اندھا لنگڑا وغیرہ بعض مرحوم و مستحق رحم ہین اور جو مرحوم ہو وہ مستحق لعن و زحمت ہو نہین سکتا تو نتیجہ یہ ہی نکلا کہ نقصان عقلی ہی بری بیماری ہے اور وہی موجب لعنت اور وہی بعد عن الرحمۃ کی مستحق ہے اور وجہ اسکی یہ ہے کہ تکمیل عقل مجاہدات اور ریاضات و ملازمت صحبت شیخ مستبعد نہین مگر تکمیل جسم تو اختیاری نہین پس جو چیز اختیاری نہین اسکا آدمی مکلف بھی نہین ہو سکتا اور اسلیے اسکے ترک سے عاصی بھی نہین ہو سکتا بلکہ جو مقدور اور اختیاری ہے اسیکا مکلف ہے اور اسکے ترک سے عاصی ہے اور عاصی ہی مستحق لعنت ہے اس سے معلوم ہو گیا کہ ترک تکمیل عقلی ہی پر وعید لعن ہے نہ کہ ترک تکمیل جسم پر اوسکی ایک دلیل یہ ہے کہ فرعون اور دیگر تمام کفار جو ملعون ہین تو کیون محض اسلیے کہ وہ کافر ہین اور منشاء کفر کیا ہے وہی نقص عقل تو معلوم ہوا کہ نقص عقل ہی موجب کفر ہے اور نقص جسم نہ عقلاً موجب لعن ہو سکتا ہے کما مر اور نہ نقلاً کیونکہ ناقص الجسم لوگون کے لیے تو شارع نے سہولت پیدا کی ہے اور قرآن مین فرمایا ہے کہ اندھون لنگڑون اور مریضون پر کوئی تنگی نہین خیر یہ بحث تو جملہ معترضہ کے طور پر تھی اب ہم پھر اسی مضمون کیطرف عود کرتے ہین جو بیان کر رہے تھے یعنے برق آفل اور فانی اور نہایت ہی بیوفا ہے کہ ذرا سی دیر بھی نہین ٹھہرتی اور اپنے طالب کو تڑپتا چھوڑ جاتی ہے یہ ناقص العقل اوسکو باقی سمجھتا ہے اور باقی اور فانی مین امتیاز نہین کرتا دیکھو برق ہنستی ہے بتلاؤ کسپر ہنستی ہے اوسپر ہنستی ہے جو اوسپر دل لگاتا ہے اور ہنسنے کی بات بھی ہے اسلیے کہ اسکا نور ناقص ہے اوسکو اوس نور سے کیا نسبت جسکی نسبت لا شرقیہ ولا غربیہ واقع ہے اور جو جہات و امکنہ سے مبرا و منزہ ہے دوسرا فرق یہ ہے کہ نور برق نظر کو اوچک لیتا اور اندھا کر دیتا ہے اور نور باقی سراسر بینائی ہے

الس جو نور باقی اور لاشرقی ولا غربی کو چھوڑ کر اس نور بریدہ پے اور ناقص اور خاطف الابصار سے دل لگائے وہ لامحالہ اس قابل ہے کہ اوسپر ہنسا جاوے۔ غرضکہ دریا پر گھوڑا چلانا برق کی روشنی مین خط پڑھنا یعنے ایسا کام کرنا جو بے سود اور مضر ہے اور جسکا نتیجہ محرومی ہے ناعاقبت بینی کا نتیجہ ہے اور اپنے دل و عقل پر ہنستا ہے اور ناعاقبت بینی کا منشاء نفس ہے ورنہ عقل تو بالخاصہ عاقبت بین ہے لہذا عقل سے کام لینا چاہیے اور نفس کو چھوڑنا چاہیے۔ تم کو یہ شبہ نہو کہ جو ناعاقبت بین ہین عقل تو انمین بھی ہے اگر عقل ناعاقبت بین ہوتی تو وہ ناعاقبت بین کیون ہوتے کیونکہ انمین عقل ہی نہین اسلیے کہ انکی عقل مغلوب نفس ہے اور عقل جب مغلوب نفس ہوجاتی ہے تو وہ بھی نفس کی طرح ناعاقبت بین ہوجاتی ہے لعدم لقاء علی خلافہ پس گویا کہ وہ بھی نفس ہی ہے اور تم اسکو مستبعد نہ سمجھو دیکھو مشتری سعد اکبر ہے لیکن جب مغلوب زحل ہوجاتی ہے تو وہ بھی نحس ہوجاتی ہے اور وہی خاصیت رکھتی ہے جو زحل کی ہے۔ لہذا اگر اسکو زحل کہا جاوے تو کچھ بعید نہین۔

ہم درین نحسے بگردان یک نظر — درکسے کہ نحس کردت دہ نگر

این نظر کہ بنگرد این جزر ومد — او ز نحسے سوئے سعدے نقب زد

زان ہمی گرداندت حالے بحال — ضد بضد پیدا کنان در انتقال

تاکہ از عسرے نہ بینی خوفہا — کے ز یسرے بازیابی لطفہا

تاکہ خوفت زائد از ذات الشمال — لذت ذات الیمین یرجی الرجال

تا نہ بینی خوف نحس مشأمہ — کے شناسی قدر لطف میمنہ

تا دو پر باشی کہ مرغ یک پرہ — عاجز آید از پریدن یکسرہ

ہین گذر از میمنہ و ز میسرہ — در سرائے سابقان آن مکیسرہ

جب تیری عقل مغلوب نفس ہوجاوے اور تو مشتری مغلوب زحل کی طرح منحوس ہوجاوے تب بھی تجھے مایوس نہونا چاہیے بلکہ اسی نحوست مین بھی تیرے لیے سعادت کیطرف راہ ہے وہ یہ کہ تو اس نحس سے اسکی طرف نظر کو متوجہ کر جسنے تجھے نحس بنالیا ہے اور اس آئینہ مین بھی تو حق سبحانہ کا جمال باکمال مشاہدہ کر اس سے تیری نحوست مبدل بہ سعادت ہوجاویگی جو نظر اس اتار چڑھاؤ اور ان انقلابات کو دیکھتی ہے وہ نحوست ہی مین سے رنگ لگا کر سعادت تک پہونچ جاتی ہے۔ حق سبحانہ جو کبھی نفس کو مغلوب کردیتے ہین اور کبھی عقل کو کبھی نحس کردیتے ہین کبھی سعد اور ایک ضد سے دوسری ضد کو پیدا کرتے ہین۔ نحوست سے سعادت کو سعادت سے نحوست کو تو اسمین بھی ایک حکمت ہے وہ یہ کہ مثل مشہور ہے کہ قدر نعمت بعد از زوال و قدر عافیت کسے داند کہ بمصیبت گرفتار آید۔ و بضدہا تتبین الاشیاء پس جبتک تو غلبہ نفس کی تنگی مین مبتلا نہوگا اور اس سے تو خائف نہوگا اسوقت تک تجھے غلبہ عقل کی فراخی مین لطف نہین آسکتا ہیں اس مین مصلحت یہ ہے کہ غلبہ نفس سے خوف پیدا ہو۔ اور غلبہ عقل سے رجا۔ کیونکہ جب تک غلبہ نفس کی نحوست سے خوف پیدا نہوگا عقل کی سعادت کا لطف نہین آسکتا پس اسکا نتیجہ یہ نکلا کہ تقلیب الاحوال مین یہ مصلحت ہے کہ تجھ مین خوف و رجا دونون جمع ہوجائین اور تو دو بازوؤن کا جانور ہوجاوے کیونکہ جانور ایک بازو سے اڑ نہین سکتا لیکن تم اس خوف میسرہ و لذت میمنہ ہی مین پھنس کے رہجانا اور انھین کو مقصود بالذات نہ سمجھ لینا بلکہ انکو آلات سمجھنا اور انکے ذریعہ سے پورے طور پر سابقین کے مکان مین پہونچنا۔ اور قرب کامل بقدر استعداد حاصل کرنا۔ اب مولانا سامع کی بے اطمینانی

سے تنگ آکر فرماتے ہین۔

یا رہا کن تا نیایم در کلام	یا بدہ دستور تا گویم تمام
ورنہ این خواہی نہ آن فرمان ترست	کس چہ داند مر ترا مقصد کجاست

اے مخاطب نہ تو کہتا ہے کہ بس کرو اب ہمکو سننے کی ضرورت نہین اور نہ پورے طور پر متوجہ ہی ہوتا ہے یہ کیا بات ہے یا تو صاف کہدے کہ مین نہین سننا چاہتا تاکہ مجھے زحمت تقریر سے نجات ملے یا پورے طور پر تقریر کرنیکی اجازت دے اور متوجہ ہوکر سن اور اگر یہ چاہتا ہے نہ وہ تو تو جان جب تک ایک شق متعین نہو ہمین کیا معلوم تیرا کیا مدعا ہی (ف) دیگر محشین نے اسکو خطاب بحق سبحانہ قرار دیا ہے۔

جان ابراہیم باید تا بنور	بیند اندر نار فردوس قصور
پایہ پایہ بر رود بر ماہ خور	تا نماند ہمچو حلقہ بند در
چون خلیل از آسمان ہفتمین	بگذرد کہ لا احب الآفلین
این جہان تن غلط انداز شد	جز مران را کوز شہوت بار شد

خیر یہ تو جملہ معترضہ تھا بات یہ ہے کہ عاقبت بینی کی ضرورت ہے اور جان ایسی ہونی چاہیے جیسے ابراہیم علیہ السلام کی جنھون نے نور بصیرت سے آگ مین جنت دیکھ لی تھی اور نار ہی مین محبوس نہین ہوگئے تھے۔ تاکہ وہ جان جمادات مین پھنسکر نہ رہجاوے بلکہ اصل کل حق سبحانہ تک پہونچے اور ضرورت ہے کہ زینہ بزینہ ترقی کرتا ہوا آفتاب و ماہتاب سے بھی اوپر پہونچ جاوے تاکہ حلقہ کیطرح دروازہ ہی مین پھنسکر نہ رہجاوے یعنی مخلوقات مین پھنسکر وصول الی الحق سے محروم نہوجاوے۔ بلکہ خلیل اللہ کیطرح آسمان ہفتمین سے یہ کہتا ہوا گذرجاوے کہ لا احب الآفلین۔ یعنی سب فانی ہین انمین کوئی چیز بھی دل لگانے کے قابل نہین۔ دل لگانے کے قابل صرف وہ ذات ہے جو ماوراء عالم اور افول سے منزہ ہے یاد رکھ کہ یہ عالم اجسام غلطی مین ڈالدیتا ہے بجز ان لوگون کے جنھون نے خواہشات نفسانیہ کو فنا کردیا ہے پس تم کو اس سے ڈرتے ہی رہنا چاہیے۔

شرح شبیری

امتحان کرنا آقا کا لقمان علیہ السلام کا عقلمندی مین

نے الخ یعنی کیا یہ بات نہین ہے کہ لقمان علیہ السلام کو جو کہ بندۂ پاک تھے اور رات دن اطاعت مین چست و چالاک تھے انکے آقا بہت زیادہ کام مین رکھتے تھے (یعنی بہت کام لیتے تھے) اور انکو اپنے بیٹون سے بھی اچھا جانتے تھے یعنی اگرچہ ان سے محبت رکھتے تھے مگر حضرت لقمان ہی نے ان سے کہہ رکھا تھا کہ مجھ سے کام لیا کرو اسلیے وہ آقا مجبوراً کام لیتے تھے جیسا کہ آگے مولانا خود فرماوینگے۔

زانکہ الخ یعنی اسلیے کہ اگرچہ لقمان بندہ زادہ تھے (ظاہر مین مگر حقیقت مین) آقا تھے (اسلیے کہ) ہوا و نفس سے آزاد تھے مطلب یہ کہ وہ آقا ان سے اسلیے محبت کرتے تھے کہ اگرچہ بظاہر تو یہ غلام تھے مگر چونکہ بہت بڑے بزرگ تھے اسلیے حقیقۃً آقا ہی تھے چونکہ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ شاید حضرت لقمان علیہ السلام نبی ہوے ہین تو یہان یہ شبہہ ہوتا ہے

کہ حدیث میں آیا ہے کہ الانبیاء تبعث من اشراف قوم او کما قال یعنی انبیا ہمیشہ شرفاء قوم میں سے ہوتے ہیں اور یہ غلام ہیں تو کیسے نبی ہو سکتے ہیں تو اول تو انکے نبی ہونے ہی میں شک ہے لیکن اگر تسلیم کیا جاوے تو ممکن ہے کہ یہ اور انکے آباء و اجداد اصل تو غلام نہوں مگر انہیں سے کسیکو کسی ظالم نے ظلماً کہین فروخت کر دیا ہو جیسا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ انکے بھائیوں نے کیا مگر وہ اس سے کہین غلام تو نہ ہو گئے تھے پس اسیطرح انکے ساتھ بھی ہوا ہو اسلیے یہ بندہ زادہ مشہور ہو گئے اور اگر نبی نہ کہا جاوے تب بھی انکی ولایت میں شک ہی نہیں ہے ایک شبہہ اور یہ بھی ہوتا ہے کہ اگر یہ نبی ہوتے تو پھر یہ اسطرح اپنی حالت کو پوشیدہ کیوں کرتے تھے بلکہ نبی کو تو فرض ہے کہ وہ خود بھی اپنے نبی ہونیکا مقر ہو اور سب سے کہے کہ میں نبی ہوں مجھپر ایمان لاؤ تو جواب یہ ہے کہ انکا یہ قصہ قبل بعثت و نبوت کا ہے اور اسوقت انپر شان ولایت غالب تھی اور ولایت میں مختلف شانیں ہوتی ہیں اسلیے انکی حالت اسوقت اسکو مقتضی تھی کہ یہ پوشیدہ رہیں اسلیے پوشیدہ رہتے تھے خوب سمجھ لو۔ اب کوئی اشکال انشاء اللہ باقی نہ رہیگا آگے اس حکایت سے ایک دوسری حکایت کیطرف انتقال ہے کہ جس طرح حضرت لقمان علیہ السلام ہوا و ہوس سے آزاد تھے اسی طرح اور اولیاء اللہ بھی ہوا و ہوس سے آزاد ہوتے ہیں پس فرماتے ہیں کہ۔

گفت الخ۔ یعنی ایک بادشاہ نے ایک بزرگ سے باتوں میں کہا کہ آپ میری بخشش میں سے کچھ مانگیے یعنی کچھ مجھسے مانگیے

گفت الخ۔ یعنی اُن بزرگ صاحب نے کہا کہ اے بادشاہ تجھے شرم نہیں آتی کہ مجھے ایسی بات کہتا ہے اس بات سے درگذر اور نکل ایسا مت کہہ۔

من الخ۔ یعنی میرے دو غلام ہیں اور وہ بھی حقیر اور وہ دونوں تجھپر امیر ہیں اور حاکم ہیں پھر تجھے شرم نہیں آتی کہ میرا غلامان غلام ہو کر ایسی بات کہتا ہے۔

گفت الخ۔ یعنی بادشاہ نے کہا کہ وہ دونوں کون ہیں یہ تو بڑی ذلت کی بات ہے (کہ میں غلامان غلام ہو گیا) تو ان بزرگ نے فرمایا کہ ایک تو غصہ اور دوسرا شہوت ہے مطلب یہ کہ تم بندۂ شہوت و غضب ہو جیسا کہ ظاہر ہے کہ اکثر بادشاہ اور دنیادار انکے غلام اور تابع ہوتے ہیں اور یہ دونوں میرے تابع ہیں اس حیثیت سے تم میرے غلامان غلام ہو گئے۔ آگے مولانا فرماتے ہیں کہ۔

شاہ آن الخ۔ یعنی بادشاہ تو اسکو جانو کہ جو بادشاہی سے بھی فارغ ہو (اور اوسکو بادشاہی کی بھی پرواہ نہو) اور چاند اور سورج پر اسکا نور چمکتا ہو یعنی انسے بھی اوسکا نور بڑھ گیا ہو اصل بادشاہ تو وہ ہے اور جسکو طمع شاہی ہے اور اوسکی احتیاج ہے وہ تو گدا کا گدا ہی رہا اور فرماتے ہیں کہ۔

مخزن الخ۔ یعنی خزانہ (اصلی) تو وہ رکھتا ہے کہ یہ خزانہ (ظاہری رکھنا) اوسکے لیے عار ہو اور ہستی (اصلی) تو اُسکے پاس ہے جو کہ اس ہستی (ظاہری) کا دشمن ہے یعنی جو کہ سب ماسوے اللہ سے قطع نظر کر چکا ہو اور پس اپنی ہستی کو اور خزانہ کو سب کو اوس ایک ذات کے سامنے فنا کر کے بقاء حاصل کر چکا ہو اصل بادشاہ اور اصل زندہ تو وہ ہے ورنہ یہ سب چیزیں بالکل عارضی ہیں جیسا کہ ظاہر ہے آگے فرماتے ہیں کہ۔

خواجۂ الخ۔ یعنی لقمان علیہ السلام کے آقا ظاہر میں تو آقا معلوم ہوتے تھے مگر حقیقت میں وہ غلام تھے اور حضرت لقمان اونکے آقا تھے پھر فرماتے ہیں کہ۔

در جہان الخ یعنی اس قسم قسم کے جہان میں یہ بات بد ہے (کہ نقلی کو اصلی اور اصلی کو نقلی سمجھتے ہیں) اور ان (اہل جہان) کی نظر میں گوہر ایک تنکے سے کم ہوتا ہے (تو یہ بھی الٹی ہی بات ہے)

در بیابان الخ یعنی جنگل کا نام مفازۃ ہو گیا جسکے معنے ہیں فوز کی اور مراد کی جگہ حالانکہ جنگل میں فوز و مراد کچھ بھی نہیں یہ بھی الٹی بات ہے اور نام و ننگ ہی ان (اہل جہان) کی عقل کا دام ہو گیا ہے یعنی یہ اسی میں پھنسکر غارت ہوئے کہ کسی طرح نام رہے شرم رہے چاہے حق تعالیٰ کی نافرمانی ہو چاہے کچھ ہو۔

یک الخ یعنی ایک گروہ کے نزدیک تو پہچان کپڑا ہے (جبکہ گدڑی پہنے دیکھا سمجھے کہ بزرگ و صوفی ہے اگرچہ مکار ہو) اور اگر قبا پہنے دیکھا تو کہدیا کہ عوام میں سے ہے (اگرچہ وہ سچا ہو اور وہ در اصل بزرگ ہو) تو یہ بھی الٹی ہی بات ہے۔

یک الخ یعنی ایک گروہ کے لیے (معرفت) ظاہری تقوی و زہد ہے (حالانکہ ظاہری تقوی و زہد سے کیا ہوتا ہے دلمیں ہونا چاہیے) اور نور کی ضرورت ہے جو کہ زہد کا جاسوس ہو مطلب یہ کہ ظاہری تقوی و طہارت کمال کی علامت نہیں ہے بلکہ نور باطن ہو کہ جس سے اصل حقیقت معلوم ہو جاوے۔

نور الخ یعنی نور چاہیے جو کہ تقلید اور جو سے پاک ہو تاکہ مرد (راہ حق) کو بے فعل و قول کے پہچانے یعنی ظاہری علامات پر اعتماد نہو بلکہ خود باطن سے حقیقت انسان کو پہچاننا ضروری ہے۔

در دود الخ یعنی قلب میں وہ نور عقل کے راستہ سے جاوے اور اسکے کھرے کو دیکھے۔ اور نقلی امور کا مقید نہو مطلب یہ کہ اسکے پہچان کے لیے اس نور کی ضرورت ہے کہ جو عقول سلیمہ کے ذریعہ سے قلب کی حالت معلوم کرے۔۔ اور اس ظاہری زہد و تقوی پر نہ ہے (تشتے ہیں)

بندگان الخ یعنی جو کہ حق تعالیٰ کے بندگان خاص ہیں وہ جان کے جہان میں قلوب کے جاسوس ہیں کہ وہ جب ضرورت ہوتی ہے حسب ضرورت قلب کی حالت اور کیفیت کو معلوم کر لیتے ہیں لیکن یہ حضرات بے ضرورت قلوب کی حالت کو معلوم کرنا پسند نہیں فرماتے اور اسکو نہی لا تدخلوا بیوتا غیر بیوتکم میں اور نہی لا تجسسوا میں داخل سمجھتے ہیں ہاں اگر استفادہ کے لیے کسیکی حالت معلوم کرنا ہو تو چنداں مضائقہ بھی نہیں مگر امتحانا مستنکر ہے۔

در درون الخ یعنی قلوب میں جب خیال آتا ہے (اور ابھی مرتبہ خیال ہی میں ہوتا ہے مگر) انکے سامنے کل حالات کے اسرار منکشف ہوتے ہیں اور انکو اونکا علم ہو جاتا ہے یعنی اگر وہ توجہ کرتے ہیں اور حق تعالیٰ کو منظور ہوتا ہے تو وہ امر انپر بہت جلد منکشف ہو جاتا ہے۔ ورنہ نعوذ باللہ یہ حضرات عالم الغیب نہیں ہوتے۔ خوب سمجھ لو۔ آگے ہمارے خیالات کی اور انکے علم کی ایک مثال دیتے ہیں کہ۔

در تن الخ یعنی چڑیا کے بدن میں کیا ساز و سامان ہوتا ہے کہ جو انکی عقل پر پوشیدہ رہے تو ہمارے خیالات اور علوم ہی کیا ہیں جو کہ ان حضرات پر مخفی رہیں گے اسلیے کہ جب انھوں نے صفات حق کا ادراک کر لیا تو اب تو ہمارے علوم و صفات کا ادراک کچھ بھی مشکل نہیں اسیکو فرماتے ہیں کہ۔

آنکہ الخ یعنی جو کہ حق تعالیٰ کے اسرار پر واقف ہو گیا اسکے سامنے مخلوق کے اسرار کیا حقیقت رکھتے ہیں۔

آنکہ الخ یعنی جسکی رفتار آسمان پر ہو (اور وہ آسمان پر چل سکتا ہو) تو اسکو زمین پر چلنا کیا دشوار ہو گا۔

در کف الخ یعنی جبکہ داؤد علیہ السلام کے ہاتھ میں لوہا موم ہو گیا تو ارے کمبخت انکے ہاتھ میں موم کی تو کیا حقیقت ہے کہ سخت ہو گا۔ لہذا جب یہ حضرات علوم الٰہیہ و اسرار حق سے واقف ہو گئے تو اب بھلا مخلوق کے اسرار انکے آگے کیا ہیں لہذا جسکو

حق تعالیٰ انکو معلوم کرانا چاہیں وہ اُن حضرات کو معلوم ہو جاتا ہے ورنہ کچھ بھی معلوم نہین ہو سکتا خوب یاد رکھو آگے پھر خود
حضرت لقمان علیہ السلام کی حالت کے بیان کیطرف فرماتے ہین۔

بود الخ یعنی لقمان علیہ السلام ایک غلام شکل خواجہ تھے اور اونکے ظاہر پر غلامی ایک زائد امر تھا مطلب یہ کہ حضرت لقمان
اگرچہ صورۃً غلام تھے مگر حقیقۃً خواجہ تھے اور یہ غلامی کسی مصلحت سے تھی آگے اسکی ایک مثال بیان فرماتے ہین کہ۔

چون الخ یعنی جبکہ آقا کسی اجنبی جگہ جاتا ہے تو غلام کو اپنا لباس پہنا دیتا ہے (تاکہ کوئی پہچان نہ سکے)۔

او الخ یعنی وہ آقا اوس غلام کے کپڑے پہن لیتا ہے۔ اور اپنے ہی غلام کو امام بنا دیتا ہے۔

در الخ یعنی اس غلام کے پیچھے رستہ مین غلامون کی طرح چلتا ہے تاکہ کوئی اس سے آگاہ نہو جاوے۔

گوید الخ یعنی وہ آقا غلام کو حکم کرتا ہے کہ اے غلام تو چل اور صدر پر بیٹھ اور مین کمینہ غلام کیطرح تیری جوتی لیلونگا۔

تو الخ یعنی وہ حکم کرتا ہے کہ تو مجھے برا بھلا کہنا سختی کرنا اور میری بالکل توقیر و وقعت مت کرنا مبادا کوئی پہچان لے۔

ترک الخ یعنی وہ کہتا ہے کہ مین نے خدمت نہ کرنا ہی تیرے سپرد کیا ہے جبتک کہ سفر مین تخم حیلہ کا بویا ہے مطلب یہ کہ جبتک
مین سفر مین ہون تیرا یہی کام ہے کہ کام مت کر اور خدمت سے الگ رہ آگے مولانا فرماتے ہین کہ۔

خواجگان الخ یعنی آقاؤن نے ایسی خدمت کی ہین تاکہ گمان ہو کہ یہی غلام ہین مطلب یہ کہ جب آقا اپنے کو چھپانا
چاہا کرتے ہین تو اکثر ایسا کیا کرتے ہین کہ غلامون کی شکل بنا لیتے ہین۔

چشم الخ یعنی وہ آقا بننے سے سیر اور چشم پر ہوتے ہین اور وہ آمادگی کے لیے بہت سے ایسے کام کیا کرتے ہین مطلب یہ کہ وہ
تو آقا بننے سے بھی گھبراتے ہین اسلیے انکو توقیر کی پرواہ بھی نہین ہوتی اور بضرورت اکثر ایسا کرتے ہین۔

وین الخ یعنی اور یہ ہوا و ہوس کے غلام اسکے برعکس اپنے کو آقا عقل و جان کے دکھلاتے ہین یعنی جو کہ غلام ہوتے ہین انکو
ہی خواجگی کی ہوس ہوتی ہے اسلیے وہ اپنے کو صدر میان ٹھونستے ہین۔

آید الخ یعنی آقا سے تو عاجزی ہی آتی ہے اور بندۂ (حق) سے سوائے بندگی اور کیا آوے لہذا مقصود یہ ہے کہ جو
حضرات اولیاء اللہ ہوتے ہین وہ ہمیشہ اپنے کو پوشیدہ رکھتے ہین اور دوسرون کی خدمت اور ذلت و خواری ہی مین عمر گذار
دیتے ہین اسلیے کہ اونکو اس توقیر ظاہری کی پرواہ بھی نہین ہوتی بخلاف ان دنیادارون کے کہ انکی ہر وقت یہی ہوس
رہتی ہے کہ کسی طرح کوئی ہمین آقا کہے اور کوئی ہماری توقیر اور عزت کرے اسلیے کہ وہ حضرات تو اصل مین سردار ہوتے ہین
اور سرداری سے انکا دل سیر ہوتا ہے انکو سرداری کی ضرورت ہی نہین ہوتی اور چونکہ دنیادار لوگ اصل مین تو بندۂ ہوا و ہوس
ہین اسلیے یہ چاہتے ہین کہ کسیطرح عارضی ہی طور پر آقا بنجاوین اور حضرات اولیاء اللہ ہمیشہ اپنی زندگی عجز و انکسار مین
گذار دیتے ہین اسلیے کہ وہ تو عبد حق ہوتے ہین اور اپنے کو بندۂ حق سمجھتے ہین اسلیے اونسے تو عاجزی اور انکساری کے سوا اور
کچھ سرزد ہو ہی نہین سکتا۔ مگر اس عالم مین بالکل اولٹا ہو رہا ہے کہ جو حضرات کہ بادشاہ اصلی اور سردار واقعی ہین اونکو تو
غلام سمجھا جاتا ہے اور جو کہ اصل مین غلام ہین اور ظاہراً عارضی طور پر آقا بن بیٹھے ہین اونکو سردار اور بادشاہ وغیرہ
سمجھا جاتا ہے سچ ہے کہ ؎ بنے کیونکر کہ ہے سب کار اولٹا۔ ہم اولٹے بات اولٹی یار اولٹا۔ آگے یہی مولانا فرماتے ہین کہ

پس الخ یعنی پس اوس عالم سے اس عالم مین اسیطرح برعکس بھیرین ہین اسکو خوب جان لو مطلب یہ کہ اس جہان کے
فعال کو اُس جہان مین اولٹا ہی سمجھتے ہین اسلیے کہ انکی عقلین ہی اوندھی ہوتی ہین اسی طرح چونکہ حضرت لقمان علیہ السلام

نے اپنی ظاہری آقا کو اسکا حکم کر دیا تھا کہ مجھ سے کام لیا کرو اور اوسکو اپنا لباس پہنا دیا تھا اور اوسکا لباس خود پہن لیا تھا اور مصلحت کیوجہ سے اپنے کو پوشیدہ رکھتے تھے۔ وہ بھی انکو غلام اور اپنے کو آقا کہتا تھا ورنہ دراصل معاملہ بالعکس تھا اسیکو مولانا فرماتے ہین کہ۔

خواجہ الخ یعنی حضرت لقمان کے آقا بھی احوال پوشیدہ سے واقف تھے اور اوڈھون نے لقمان علیہ السلام مین نشان (بزرگی) دیکھ لیا تھا اور وہ جانتا تھا کہ یہ بزرگ اور ولی ہین مگر بمقتضائے الامر فوق الادب اونکے حکم کی تعمیل مین وہ ان سے کام لیتا تھا۔

راز الخ یعنی وہ آقا راز کو جانتا تھا اور خوب خدمت لیتا تھا اس راہبر کی مصلحت کیوجہ سے۔

مرو الخ یعنی وہ آقا انکو اول ہی سے (کامون سے) آزاد کر دیتا لیکن وہ تو حضرت لقمان کی رضا کا طالب تھا اور وہ اسی مین راضی تھے لہذا وہ بھی بیچارا مرتکب ہوتا تھا۔

زانکہ الخ یعنی اسلیے کہ حضرت لقمان کی یہی مراد تھی (کہ اونسے خدمت لیجاوے اور اس حالت مین رکھا جاوے) تاکہ کوئی شخص اس جوان شیر کے بھید سے آگاہ نہو۔ آگے مولانا فرماتے ہین۔

چہ الخ یعنی یہ کیا تعجب کی بات ہے کہ تو بُرے لوگون سے بھید پوشیدہ کرے بلکہ تعجب تو یہ ہے کہ خود اپنے سے ہی بھید کو پوشیدہ بھی رکھو۔ مطلب یہ کہ دوسرون سے پوشیدہ رہنا اور انکے سامنے اپنے مرتبہ کو معدوم کر دینا تو تعجب کی بات نہین ہے مگر تعجب تو یہ ہے کہ یہ حضرات خود بھی اپنے مرتبہ کو اور اپنی ہستی کو معدوم اور ہیچ سمجھتے ہین اور انکو خود بھی اوسطرف التفات نہین ہوتا۔

کار الخ یعنی اپنے کامون کو خود اپنے سے بھی پوشیدہ رکھو تاکہ تمھارے کام نگاہ بد سے محفوظ و مامون ہو جاوین اسلیے کہ جب اسقدر اخفا ہے کہ خود بھی خبر نہین تو دوسرون کو تو کیا خبر ہو سکتی ہے۔ جو کوئی نگاہ بد لگا دیگا۔ مقصود یہ ہے کہ درجۂ فنا حاصل کرو اور تفویض محض مذہب رکھو پھر دیکھو کہ کسقدر ثمرات و برکات تمکو میسر ہوتے ہین اسیکو فرماتے ہین کہ۔

خویش الخ یعنی اپنے کو تسلیم اور سپرد کر دو اور پھر مزدوری لو اور اسوقت اپنی ہستی سے بیخود ہو کر کچھ چراؤ مقصود یہ کہ اپنی ہستی کو فنا کر دو اور تفویض محض اختیار کرکے اسطرف متوجہ ہو جاؤ پھر دیکھو کیسے کیسے برکات اور فیوض فائض ہوتے ہین آگے ایک مثال دیتے ہین کہ۔

ہمیدہند الخ یعنی زخمی آدمی کو افیون کھلاتے ہین تاکہ اسکے بدن سے پیکان نکال لین تو دیکھو وہ چونکہ افیون کی لطف کیطرف متوجہ ہو گیا اسکے اندر سے ایک موذی اور تکلیف دہ شے نکل گئی۔

وقت الخ یعنی موت کے وقت تکلیف سے اوسکو بچاتے ہین وہ تو اوسمین مشغول ہوتا ہے اور جان کو لیجاتے ہین یہان بھی دوسری طرف توجہ سے ایک نفیس شے نکل گئی پہلی مثال اسکی تھی کہ عمدہ کیطرف توجہ سے موذی شے نکلی اور یہ مثال اسکی ہے کہ موذی کیطرف توجہ سے عمدہ شے نکل گئی اب آگے فرماتے ہین کہ۔

چون الخ یعنی جبکہ (معلوم ہو گیا کہ) جس فکر مین کہ تم دلکو لگا دوگے تمھارے دل مین سے دوسری شے نکلجاویگی جیسا کہ حکما بھی کہتے ہین کہ النفس لا تتوجہ الی شیئین فی آن واحد۔

پس الخ یعنی اوسمین مشغول ہو جو کہ بہتر ہے تاکہ تمھارے اندر سے وہ شے نکلجاوے جو کہ ذلیل ہے مطلب یہ کہ جب ایک

طرف کی توجہ سے دوسری شے نکلجاتی ہے تو تمکو چاہیئے کہ حق تعالیٰ کیطرف توجہ کرو کہ اوس سے غیر اللہ سب نکل جاوین آگے اور فرماتے ہین کہ۔

ہرچہ الخ یعنی تو جو کچھ کہ سوچتا ہے اور جو کچھ کہ حاصل کرتا ہے تو جو راستہ سے آتا ہے جدھر سے تو بیخوف ہوتا ہے لہذا تم حق تعالیٰ کیطرف مشغول ہوجاؤ تو شیطان ماسوی اللہ کو تمہارے قلب سے چرا لیجاویگا اور متوجہ ہونیکا طریقہ غلبۂ ذکر اللہ ہی جب ذکر اللہ کا غلبہ ہوتا ہے تو غیر اللہ خود بخود نکل جاتے ہین جیسا کہ مشاہدہ ہے آگے ایک مثال سے واضح فرماتے ہین کہ

بارِ الخ یعنی سوداگر کا مال اگر پانی مین گرجاوے تو وہ عمدہ مال پر ہاتھ مارے گا یعنی اول عمدہ عمدہ مال کو چھانٹیگا اور اوسکو ڈوبنے سے بچاویگا۔

کشتی الخ یعنی اگر اوس سوداگر کے مال کی کشتی ڈوبنے لگے گی تو جو کچھ کہ کمتر اموال ہوگا اوسکو دریا مین ڈال دیگا اور عمدہ کو بچا لیگا۔ آگے فرماتے ہین کہ۔

چونکہ الخ یعنی جبکہ ایک چیز پانی مین فوت ہوگی تو کمتر کو چھوڑدو اور بہتر کو پکڑلو مطلب یہ کہ یہ تو معلوم ہے کہ توجہ دوسری طرف نہین ہوسکتی لامحالہ ایک چیز جانیوالی ہے یا تو ماسوی اللہ نکلین گے یا محبت حق نکلے گی تو اب اس شے کو جو کہ عمدہ اور نفیس ہی حاصل کرنا چاہیے یعنی جب حق اور تعلق مع اللہ کو حاصل کرو۔ اور ماسوا اللہ کو ترک کرو۔ آگے بھی فرماتے ہین۔

نقد الخ یعنی طاعت کے ذریعہ سے نقد ایمان کو بچاؤ تاکہ حق تعالیٰ کے سامنے شرمندگی حاصل نہو۔

چونکہ الخ یعنی جبکہ تم اپنے نقد (ایمان) کی حفاظت کروگے تو حرص اور غفلت (عن الحق) کو شیطان لیجاویگا مطلب یہ کہ توجہ بحق سے حرص وہوس اخلاق ذمیمہ زائل ہوجاوینگے اور شیطان کے لیجانے سے یہ مراد ہی کہ وہ پھر القاء اخلاق ذمیمہ کا نکرسکے گا۔ تو اسکا القاء نکرنا ہی ایسا ہی ہے جیسا کہ وہ نکال لیجاوے آگے پھر حضرت لقمان علیہ السلام کے قصہ کیطرف رجوع ہی

حضرت لقمان علیہ السلام کا امتحان کرنیوالون کے سامنے اُن کا ہنر اور فضل ظاہر ہوجانا

خواجہ الخ یعنی جبکہ حضرت لقمان علیہ السلام کے آقا نے انکو پہچان لیا تو انکا غلام ہوگیا اور اُنکے ساتھ عشق بازی کی مطلب یہ کہ جب انکا مرتبہ معلوم ہوگیا تو وہ انپر فریفتہ تھا۔

ہر الخ یعنی جو کھانا کہ لوگ اس آقا کے لیے لاتے تو کسیکو پیچھے سے لقمان کیطرف بھیجتا۔

تاکہ الخ یعنی تاکہ لقمان اس کھانے کیطرف ہاتھ بڑھاوین اس قصد کیوجہ سے کہ آقا انکا پس خوردہ کھاوے مطلب یہ کہ اونکو اسلیے بلاتا تھا تاکہ وہ کھالین تو پس خوردہ یہ بھی کھالے۔

سور الخ یعنی انکا جھوٹا کھاتا اور شور کو بھڑکاتا۔ اور جو کھانا کہ وہ نہ کھاتے گرادیتا مطلب یہ کہ انکا جھوٹا کھانے سے اوسکے اندر شورش عشق برانگیختہ ہوتی تھی اسلیے وہ انکا پس خوردہ کھایا کرتا تھا اور جس کھانے مین سے وہ نہ کھاتے اسکو خود بھی نہ کھاتا

ور بخوردے الخ یعنی اور اگر وہ کھا بھی لیتا تو بے دلی اور بے رغبتی سے کھاتا اور یہ بے انتہا محبت اور الفت ہوتی ہی کہ اوس بغیر چین ہی نہ آوے۔

خربزہ الخ یعنی (ایکمرتبہ) تحفہ خربوزہ لائے تھے لیکن لقمان علیہ السلام اسوقت غائب تھے۔

گفت الخ یعنی آقا نے ایک غلام سے کہا کہ اے فلان جلدی سے بیٹا لقمان کو تو بلالا۔

چونکہ الخ یعنی جبکہ لقمان علیہ السلام آئے اور اوسکے سامنے بیٹھے تو آقا نے ایک چھری ہاتھ مین لی۔

چون الخ یعنی جبکہ اوسنے تراشا اور ایک قاش اونکو دی تو اونھون نے اوسکو شکر و شہد کیطرح کھایا۔ مطلب یہ کہ اوسکو بہت ہی لطف اور مزہ لیکر کھایا۔

از خوشی الخ یعنی جبکہ خوشی سے کھایا تو اونکو دوسری دی یہانتک کہ وہ قاشین سترہ تک پہونچین یعنی کل سترہ قاشین اونکو دین اور وہ مزے لیکر کھاتے رہے۔

ماند الخ یعنی ایک قاش باقی رہی تو اس آقا نے کہا کہ اسکو مین کھالون تاکہ دیکھون کہ کیسا شیرین خربزہ ہے۔

او چنان الخ یعنی وہ اس اچھی طرح کھا رہے ہین اور ایسے مزہ سے کھا رہے ہین کہ انکے مزہ سے طبائع راغب و اقمہ ہوگئین مطلب یہ کہ انکے اسطرح کھانے سے میرا بھی دل چاہنے لگا۔

چون الخ یعنی جبکہ اوسنے کھایا تو اوسکی تلخی نے آگ لگادی۔ زبانمین آبلہ پڑگیا اور حلق بھی جل گیا۔

ساعتے الخ یعنی تھوڑی دیر تو اوسکی تلخی کیوجہ سے بیخود رہا۔ بعد اسکے اوسنے کہا کہ اے جان جہان۔

نوش الخ یعنی تم نے اس زہر کو کسطرح کھالیا اور اس قہر کو لطف کسطرح گمان کیا کہ مزے لیکر کھاگئے۔

اینچہ صبرست الخ یعنی یہ صبر کیسا اور یہ صبر کسلیے ہے یا شاید تمھارے نزدیک جان تمھاری دشمن ہے یعنی معلوم ہوتا ہے کہ اپنی جان کے دشمن ہو کہ ایسی چیز کھاگئے۔

چون الخ یعنی کوئی بہانہ اور حجت کیون نہ کردی کہ مجھے عذر ہے ایک گھڑی ٹھہر جائیے مطلب یہ کہ کیون نہ دیا کہ یہ کڑوا ہے یا اگر یہ کہتے ہوئے شرم آتی تھی تو کوئی بہانہ لے دیا ہوتا۔

گفت الخ یعنی حضرت لقمان نے فرمایا کہ آپکے نعمت بخشنے والے ہاتھ سے اسقدر نعمتین مین نے کھائی ہین کہ شرم سے دوہرا ہوجاتا ہون

شرم آمد الخ یعنی مجھے شرم آئی کہ ایک تلخ آپکے ہاتھ سے مین نہ کھاؤن آپ تو خود ہی جانتے ہین۔

چون الخ یعنی میرے سارے اجزاء (بدن) آپکے انعام سے پیدا ہوئے ہین اور آپ ہی کے دانہ و دام مین غرق ہین۔

گر زیک الخ یعنی اگر مین ایک تلخی کیوجہ سے فریاد و داد کرنے لگون تو میرے اوپر خاک پڑے مطلب یہ کہ اگر اس ایک تلخی سے مین واویلا کرنے لگون اور شکوہ و شکایت شروع کردون تو بڑے شرم اور غیرت کی بات ہے پس اسی طرح حق تعالی کیطرف سے اگر کوئی ظاہر تکلیف اور ناگواری بھی پہونچے تو اوسپر صبر کرنا اور اسمین راضی رہنا چاہیے اسلیے کہ اوسکے انعامات جب ہر وقت اور ہر گھڑی ہین تو اگر یہ عارضی ناگواری پیش ہی آگئی تو اس سے شکوہ و شکایت کرنا بڑی ناشکری ہے۔ بلکہ جب یہ سمجھ لیا جاوے کہ یہ حق تعالی کیطرف سے ہے تو پھر تو وہ ناگواری ظاہری اور عارضی بھی نہ ہونی چاہیے اسیکو فرماتے ہین کہ۔

لذت الخ یعنی جو لذت کہ آپ کا شکر بخشنے والا ہاتھ رکھتا تھا اوسنے اس خربوزہ مین تلخی کب چھوڑی مطلب یہ کہ آپکے ہاتھ سے ملنے کیوجہ سے اوسمین وہ ناگواری و تلخی بھی باقی نہ رہی بلکہ اب تو وہ گوارا اور شیرین ہوگیا اسلیے کہ آپ محبوب ہین اور محبت کیوجہ بہت سی وہ چیزین جو کہ دوسرونکو ناگوار ہوتی ہین محب کو گوارا ہوجاتی ہین آگے اسیکو فرماتے ہین کہ۔

از محبت الخ یعنی محبت کی وجہ سے تلخیان شیرین ہوجاتی ہین اور محبت کیوجہ سے تانبے سونا ہوجاتے ہین مطلب یہ کہ ناگوار بھی گوارا ہوجاتے ہین۔

از محبت الخ یعنی محبت کیوجہ سے تلچھٹ شراب صاف ہوجاتے ہین اور محبت ہی کیوجہ سے امراض شافی ہوجاتے ہین۔

از محبت الخ یعنی محبت کیوجہ سے کانٹے پھول ہوجاتے ہین اور محبت سے سرکہ شراب عمدہ ہوجاتے ہین۔

از محبت الخ یعنی محبت کیوجہ سے سولی بھی تخت (شاہی) ہوجاتی ہے اور محبت ہی سے بوجہ نصیب (یعنی ناگوار خوشگوار) ہوجاتے ہین۔

از محبت الخ یعنی محبت کیوجہ سے جیلخانہ گلشن ہوجاتا ہے اور بے محبت کے باغ بھی گلخن ہوجاتا ہے۔

از محبت الخ یعنی محبت کیوجہ سے آگ نور ہوجاتی ہے اور محبت ہی سے دیو حور (معلوم) ہوتا ہے۔

از محبت الخ یعنی محبت کیوجہ سے پتھر (جیسے سخت بات) بھی روغن (کیطرح سہل) ہوجاتا ہے اور بے محبت کے موم بھی لوہا ہوجاتا ہے۔

از محبت الخ یعنی محبت کیوجہ سے غم بھی خوشی ہوجاتے ہین اور محبت ہی کیوجہ سے بھوت پریت راہبر ہوجاتے ہین۔

از محبت الخ یعنی محبت کیوجہ سے نیش بھی گوارا ہوجاتا ہے اور محبت ہی کیوجہ سے شیر چوہے (کیطرح) ہوجاتے ہین۔

از محبت الخ یعنی محبت کیوجہ سے امراض صحت ہوجاتے ہین اور محبت ہی کیوجہ سے قہر رحمت ہوجاتے ہین۔

از محبت الخ یعنی محبت کیوجہ سے کانٹے سوسن ہوجاتے ہین اور محبت ہی کیوجہ سے گھر روشن ہوجاتے ہین۔

از محبت الخ یعنی محبت کیوجہ سے مردہ زندہ ہوجاتا ہے اور محبت ہی کیوجہ سے بادشاہ غلام ہوجاتا ہے غرضکہ جو چیزین کہ محبت سے قبل ناگوار اور موذی اور تکلیف دہ ہوتی ہین محبت وہ شے ہے کہ اسکی وجہ سے سب گوارا ہوجاتی ہین اور جن سے پہلے گھبراتا تھا اب اون ہی سے راضی اور خوش ہوتا ہے ؎ عشق را نازم کہ یوسف را بباز آر آورد ﴿ ہمچو صنعا راہد را زیر زنار آورد ﴾ پس اگر حق تعالی سے محبت ہو اور تعلق ہو تو پھر اوسطرف سے جو کچھ بھی ہو اس سے ہمیشہ راضی رہنا چاہیے ناگواری کیسی۔ اور اسی لیے حضرت ذوالنون نے اون مریدون کے پتھر وغیرہ مارنے شروع کردیے کہ اگرچہ یہ باتین ناگوار تھین مگر جسکو محبت ہوتی اوسکے نزدیک یہ چیزین گوارا ہوتین اور وہ ان سے راضی اور خوش رہتے۔ چونکہ یہان محبت کی رغبت دلائی تھی کہ حق تعالی سے محبت اور تعلق پیدا کرو تو اب اس محبت کی تدبیر اور طریقہ فرماتے ہین جسکا خلاصہ یہ ہے کہ محبت کا قاعدہ ہے کہ جسقدر محبوب کی معرفت اور اوسکے کمالات پر نظر ہوتی ہے اوسیقدر محبت بھی زائد ہوتی ہے اور معرفت ہوتی ہے عقل سے لہذا آلہ معرفت عقل سلیم ہوئی اور اس سے محبت مین زیادتی ہوگی لہذا عقل سلیم حاصل کرنا چاہیے اور عقل کامل ہوتی ہے عقلاء کی صحبت سے لہذا صحبت شیخ کامل مین چندے رہنا ضروری ہے اسیکو فرماتے ہین۔

این محبت الخ یعنی یہ محبت بھی عقل کا نتیجہ ہے ورنہ بیہودہ کب ایسے تخت پر بیٹھ سکتا ہے مطلب یہ کہ محبت بھی جبہی ہوتی ہے جبکہ عقل کامل ہو ورنہ اس مرتبہ کو کوئی عقل ناقص کسطرح پہونچ سکتی ہے۔

دانش الخ یعنی عقل ناقص نے کب یہ عشق پیدا کیا اور عقل ناقص عشق کو پیدا بھی کرتی ہے مگر جماد پر مطلب یہ کہ جب عقل ناقص ہوگی تو اصل حقیقت سے ناواقف ہوکر مخلوقات پر عشق و محبت ہوگی اور جبکہ یہ عکس ہے اوسپر نظر نہ کرینگے حالانکہ جو کچھ کمالات ہین وہ حقیقۃ حق جل وعلا شانہ کے ہین مگر اسنے کم عقلی سے خود اس مخلوق ہی کا کمال سمجھ لیا اسیکو فرماتے ہین کہ

بر جمادے الخ یعنی جماد پر جب رنگ محبوبیت کا دیکھا (تو اسکی ایسی مثال ہے کہ جیسے) ایک سیٹی سے محبوبیت کی آواز کو سنا مطلب یہ کہ جسطرح صیاد کی سیٹی کو جانور اپنے ہمجنس کی آواز سمجھ کر اسکی طرف بڑھتا ہے اور پھر اپنی ہمجنس

جاتا ہے ہی طرح اس حسن و جمال مخلوق کو اصل اور حقیقی سمجھ کر یہ شخص بھی اوسکے عشق و محبت مین پھنس جاتا ہے۔

دانش الخ یعنی عقل ناقص چونکہ (اصلی اور نقلی مین) فرق کو نہین جانتی اسلیے وہ بجلی کو (جسکی روشنی آفل اور فانی ہے) خورشید سمجھ لیتی ہے (کہ اوسکی روشنی اور اوسکا نور کامل ہوتا ہے) مطلب یہ کہ جب عقل ناقص ہوتی ہے تو غیر حقیقی کو حقیقی اور ناقص کو کامل سمجھنے لگتا ہے۔

چونکہ الخ یعنی جبکہ ناقص کو رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے ملعون کہا ہے تو اسکے معنی نقصان عقل کے ہین مطلب یہ کہ حدیث مین جو ناقص کو ملعون کہا گیا ہے اس سے مراد ناقص العقل ہی ہے آگے اس تعیین کیوجہ بھی بتا دینگے مگر جیسا کہ بعض محشیون نے لکھا ہے کہ حدیث مین یہ لفظ ہین الناقص ملعون کہین نظر سے نہین گذرا اور نہ ذوقاً یہ حدیث معلوم ہوتی ہے ہان یہ مضمون اسطرح مستنبط ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جہل کی مذمت فرمائی ہے کہ یہ یا عدم من الحق ہے اور جہل بھی ایک نقصان ہے اور جو شے کہ باعدم من الحق ہو اوسکے ملعون ہونے مین کیا شک ہے لہذا اس تاویل سے ناقص بھی ملعون ہوسکتا ہے مگر اس مضمون مین کوئی حدیث صریح اللفظ تو معلوم نہین ہوتی واللہ اعلم آگے اس سے نقصان عقل ہی مراد ہونیکی دلیل فرماتے ہین کہ۔

زانکہ الخ یعنی اسلیے کہ ناقص البدن تو رحم کا مرحوم ہوتا ہے اور مرحوم پر لعنت اور زحمت مناسب نہین ہے مطلب یہ کہ اگر کوئی ناقص العضو ہو تو اوسپر تو اور بھی رحم آتا ہے نہ کہ اوسپر لعنت کیجاوے تو اس لعنت کرنے سے معلوم ہوگیا کہ ناقص العقل ہی مراد ہے۔

نقص الخ یعنی نقصان عقل ہی ایک بری بیماری ہے اور یہی لعنت کا سبب ہے اور لائق دوری کے ہے جس سے صاف معلوم ہوگیا کہ نقص عقل ہی مراد ہے آگے ایک اور دلیل فرماتے ہین کہ۔

زانکہ الخ یعنی اسلیے کہ تکمیل عقل کی تو بعید نہین ہے لیکن تکمیل بدن کی مقدور نہین ہے تو جس چیز کی انسان کو قدرت ہی نہو اوسپر لعنت کرنیکے کیا معنے ہین معلوم ہوا کہ لعنت کسی ایسی شے پر ہے کہ جو قدرت مین ہے اور وہ نقصان عقل ہے کہ اوسکو انسان درست کرسکتا ہے آگے فرماتے ہین کہ۔

کفر فرعونے الخ یعنی ہر فرعون اور ہر گبر معاند کا کفر بسبب نقصان عقل کیوجہ سے ظاہر ہوا ہے لہذا اسکی تکمیل کرنا چاہیے تاکہ اسی سے معرفت اور معرفت سے محبت حاصل ہو اور فرماتے ہین کہ۔

بہر نقصان الخ یعنی نقصان بدن کے واسطے تو وسعت اور کشادگی (منصوص) ہے کہ قرآن شریف مین ہے کہ اندھے پر کوئی تکلیف نہین ہے اسلیے ناقص الجسم تو ملعون ہو ہی نہین سکتا۔ تو اس شخص کا غیر حقیقی کو حقیقی اور اصل سمجھنا بھی نقصان عقل ہی کی وجہ سے ہے اور اسی وجہ سے یہ اصلی اور غیر اصلی مین امتیاز نہین کرسکتا اور چونکہ اوپر فرمایا تھا کہ برق کو خورشید سمجھنے لگتا ہے یعنی عارضی کو کامل خیال کرتا ہے اسلیے آگے فرماتے ہین کہ۔

برق الخ یعنی بجلی تو چھپ جانے والی ہوتی ہے اور بہت بیوفا ہوتی ہے تو جسکا قلب صاف نہین ہے وہ چھپ جانیوالے مین اور باقی رہنے والے (مین امتیاز) کو نہ جانے گا مطلب یہ کہ بے صفائی قلب کامل اور ناقص مین امتیاز غیر ممکن و محال ہے آگے ایک لطیفہ شاعرانہ ہے۔ کہ

برق الخ یعنی بجلی جو ہنستی ہے تو ذرا بتاؤ تو کسپر ہنستی ہے اوس شخص پر کہ جو اوسکے نور پر دل رکھے یعنی جو چمکتی ہے جو کہ

مثل ہنسنے کے ہے۔ تو وہ اسباب پر ہنستی ہے کہ یہ شخص ایسی عارضی اور ناپیدا چیز پر عاشق ہو رہا ہے آگے پھر وہی مضمون لاتے ہیں کہ نور شہائے الخ یعنی برق کا نور تو منقطع ہونیوالا ہے تو وہ لا شرقی اور لا غربی کے مانند کب ہے مطلب یہ کہ مخلوق کا حسن و جمال تو ناپائدار ہے اور عارضی ہے وہ حق تعالیٰ کے کمالات اور حسن و جمال کیطرح کب ہو سکتا ہے۔ وہ تو بے جہات اور بے حد و بے نہایت ہے کہاں اوسکے کمالات اور کہاں اوسکے ع چہ نسبت خاک را با عالم پاک ؟

برق الخ یعنی برق کو آنکھ کی اُچک لینے والی جانو اور نور باقی کو بالکل مددگار ہی سمجھو مطلب یہ کہ عوارض و غیر اصل اشیاء کو نقصان دہ اور باعث عن الحق سمجھو۔ اور اُس نور حقیقی اور اصلی یعنی حق تعالیٰ کو نافع اور ہادی جانو جیسا کہ ظاہر ہے آگے ان اشیاء عارضی کا اعتبار کرنے کی ایک مثال فرماتے ہیں کہ۔

برکف دریا الخ یعنی دریا کے جھاگ پر گھوڑے کو چلانا اور بجلی کی روشنی میں خط کو پڑھنا تو صریحاً حرص کی وجہ سے ناعاقبت بینی ہی ہے اور اپنے دل پر اور عقل پر ہنسنا ہی ہے مطلب یہ کہ ان ناپائدار چیزوں میں دل لگانا تو اس قابل ہے کہ انسان خود اپنی عقل پر ہنسے۔ اسلیے کہ یہ چیزیں تو کسیطرح قابل دل لگانے اور اعتبار کرنے کے ہیں ہی نہیں۔

عاقبت الخ یعنی عقل تو اپنی خاصیت کے اعتبار سے عاقبت بین ہوتی ہے اور جو عقل کہ عاقبت کو نہ دیکھے وہ (اگرچہ ظاہر میں عقل معلوم ہوتی ہے مگر اصل میں) نفس ہے (اسلیے کہ جو فعل نفس کا ہے وہی اس سے سرزد ہوا ہے تو فعل میں یہ بھی نفس ہی ہو گئی) آگے بھی فرماتے ہیں کہ۔

عقل الخ یعنی جو عقل کہ نفس سے مغلوب ہو گئی۔ وہ نفس ہی ہو گئی (اسلیے کہ دیکھو) مشتری جب زحل سے مات ہو جاوے وہ بھی نحس ہی ہو جاتا ہے مطلب یہ کہ جو عقل کہ ہوا و ہوس میں اور شہوت و غضب سے مغلوب ہے اوسکو عقل کہنا ہی زیبا نہیں ہے بلکہ وہ سرتاپا نفس ہی ہو گئی ہے مگر اس حالت مغلوبیت میں بھی حق تعالیٰ سے قطع مت کرو بلکہ مغلوبیت اور نحوست کو یوں سمجھو کہ یہ بھی حق تعالیٰ ہی کیطرف سے ہے اور اسطرح اُدھر لو لگا لو اور اُدھر متوجہ ہو جاؤ۔ اسیکو فرماتے ہیں کہ

ہم درین الخ یعنی اسی نحس میں نظر کو پھراؤ اور اُس ذات کو دیکھو کہ جسنے منحوس کر دیا ہے مطلب یہ کہ اگر کبھی وساوس و خطرات زیادہ ستاویں اور مغلوبیت ہونے لگے تو اوسوقت اُنکے دفع کی فکر مت کرو اسلیے کہ انکی دفع کی فکر کرنا بھی تو ان ہی کیطرف توجہ کرنا ہے تو اوسطرف سے توجہ کو بالکل ہٹا لو۔ اور حق تعالیٰ کیطرف متوجہ ہو جاؤ اور اوسکی تدبیر یہ ہے کہ اسکا مراقبہ کرو کہ اللہ اکبر حق تعالیٰ کی کیسی باقدرت ذات ہے کہ جسنے یہ خیالات اور وساوس میرے قلب میں ڈالے ہیں اور یہ مراقبہ کرکے حق تعالیٰ کیطرف متوجہ ہو جاؤ اس سے وہ وساوس و خطرات خود منقطع ہو جاویں گے (سبحان اللہ کیا خوب تعلیم ہے ہمارے حضرت حاجی صاحب قدس سرہ العزیز کے یہاں یہی تعلیم تھی۔ اور بحمد اللہ کہ حضرت مولانا حکیم الامۃ دام ظلہم کے یہاں بھی یہی تعلیم ہے۔ یہی طریقہ ہے مختصر سلوک کا۔ اے اللہ ان کے فیوض سے ہمکو بھی محروم نہ فرمائیے آمین) اور یہ نظر کرنا ہی اس حالت وساوس و خطرات سے نکالکر متوجہ بحق کر دیگا اسیکو فرماتے ہیں کہ۔

آن الخ یعنی جو نظر کہ اس اتار چڑھاؤ کو دیکھے اوسنے نحوست سے ایک سعد کیطرف نقب لگا لیا مطلب یہ کہ اس نظر کرنے سے اس نحوست وساوس سے توجہ حق کی نیکبختی کیطرف راستہ ہے اور اسی سے یہ سعادت بھی حاصل ہو جاتی ہے آگے اس تبدیل احوال کی مصلحت اور حکمت بیان فرماتے ہیں کہ۔

زان الخ یعنی ایک حالت سے دوسری حالت کیطرف اور اس) انتقال اور تبدیل میں اضداد کو حق تعالیٰ اسلیے پیدا

فرماتے ہین کہ جب تک تنگی سے خوف نہ دیکھو گے اسوقت تک فراخی کا لطف کب حاصل ہو سکتا ہے مطلب یہ کہ حق تعالے جو احوال سالک کو بدلتے رہتے ہین کہ کبھی قبض ہے اور کبھی بسط ہے وغیرہ ذلک یہ اسلیے ہے کہ اگر قبض نہوا کرتا تو بسط کی قدر نہ ہوتی۔ اور اگر تنگدستی نہو تو فراخی کی قدر نہو۔ اسلیے حق تعالی کبھی ہمین رکھتے ہین اور کبھی آدین تاکہ نعماء حق کی قدر دل مین جاگزین ہو۔ حافظ شیرازی نے بھی اس مضمون کو خوب ادا فرمایا ہو کہ ؎ از دست ہجر یار شکایت نمی کنم ؛ گر نیست غیبتے نہ دہد لذتِ حضور ؛ تو اس قبض سے ایک یاس و ناامیدی کی حالت پیدا ہوگی اور بسط کے بعد پھر امید ہوگی تو یاس کے بعد جو امید ہوگی وہ تو یقیناً زیادہ لذت بخش اور مفرح ہوگی اسیکو فرماتے ہین کہ۔

تاکہ خوف الخ یعنی تاکہ تیرا خوف ذات الشمال سے پیدا ہو۔ اور ذات الیمین کی لذت لوگونکو امید دلادے مطلب یہ کہ قبض سے جو ایک حالت یاس کی پیدا ہوگئی ہے اب بسط مین امید پیدا ہو جاوے اور حالت ہیبت مبدل بہ اُنس ہو جاوے جیسا کہ اکثر سالکین کو پیش آتا ہے کہ اول انپر حالت ہیبت کی طاری ہوتی ہے پھر وہ مبدل بہ اُنس ہو جاتی ہے۔

تا نہ بینی الخ یعنی جب تک کہ اصحاب مشائمہ کی نحوست کے خوف سے آگاہ نہوگے اسوقت تک اصحاب میمنہ کے لطف کی قدر نہ کروگے مطلب یہ کہ قرآن شریف مین جو اصحاب المیمنہ ما اصحاب المیمنہ و اصحاب المشئمۃ ما اصحاب المشئمۃ آیا ہے تو جب تک کہ اصحاب مشئمہ کے عذاب وغیرہ کا خوف نہوگا جب تک دوسرونکے لطف کی قدر ہرگز نہین ہو سکتی اسیطرح اگر قبض وارد نہو تو بسط کی قدر اور اُسکا لطف حاصل نہین ہو سکتا۔ لہذا دونون باتین قابل حصول ہین اور اسی لیے حق تعالی بندہ پر دونون حالتین طاری فرماتے ہین۔ ایک دوسری مصلحت فرماتے ہین کہ۔

تا دو پر باشی الخ یعنی تاکہ تو دو بازو ہو جاوے کہ ایک بازو کا جانور اُڑنے سے بالکل عاجز ہوتا ہے۔ مطلب یہ کہ یہ سارے تغیرات اسلیے ہوتے ہین تاکہ تمھارے اندر دونون صفتین رجا و خوف پیدا ہون اسلیے کہ ایمان تو بین الخوف والرجاء ہی ہے سو اگر صرف خوف ہی خوف ہو تب بھی کام نہین چل سکتا اور اگر صرف رجاء ہی رجاء ہو تب بھی کام نہین چل سکتا تو جب دونون کی ضرورت ہے اسلیے حق تعالی دونون حالتون کو طاری فرماتے ہین گلا ہے چنین گا ہے چنان آگے فرماتے ہین کہ اس درجہ سے بھی آگے بڑھ جاؤ اور سابقین اولین کا درجہ اختیار کرو۔ فرماتے ہین کہ۔

ہین ملال الخ یعنی ہان میمنہ اور میسرہ سے بھی گذر جاؤ اور بالکل اون سابقین کے گھر مین آجاؤ مطلب یہ کہ قرآن شریف مین اصحاب میمنہ و مشائمہ کے ذکر کے بعد سابقین اولین کا ذکر ہے کہ فرماتے ہین والسابقون السابقون اولئک المقربون۔ لہذا اُنکے درجہ سے بھی نکلکر ان حضرات کا درجہ اختیار کرو کہ جو زیادہ اقرب الی الحق ہے مقصود یہ کہ تلوین سے نکلکر تمکین حاصل کرو کہ وہ اقرب طرق الی الحق ہے۔ آگے مولانا مخاطب کے بے توجہی دیکھکر خفا ہوتے ہین اور فرماتے ہین کہ۔

یا ہا کن الخ یعنی (اے مخاطب) یا تو اس قصہ ہی کو چھوڑ دو کہ مین کلام ہی نکرون۔ اور یا اجازت دو کہ پوری طرح سے کہون مطلب یہ کہ بھائی اگر تم سننا نہین چاہتے تو کیا فائدہ ہی مجھ سے کہدو کہ مین پھر کچھ کہون ہی نہین۔ اور اگر ایسا نہین ہی تو اچھی طرح سنو تاکہ مین بھی پوری بات کہون۔

ور نہ این الخ یعنی اور اگر نہ یہ چاہتا ہے اور نہ وہ تو پھر تو جان بھلا کسیکو کیا خبر کہ تیرا مقصود کیا ہی مطلب یہ کہ کچھ کہو تو سہی تو معلوم ہو کہ تو سننا چاہتا ہے یا اکتا رہا ہے اور بے کہے کیا خبر ہو سکتی ہے کہ تیرا مقصود کیا ہے۔ اور چونکہ مثنوی شریف کا طرز تصنیف کا نہین ہے بلکہ بالکل پند و نصیحت جیسا ہے کہ جسطرح مشفق اوستاد تقریر کرتے ہوے بیچ مین کہا کرتا ہے

کہ بھائی یا تو بات سنو ورنہ میرا مغز کیوں خالی کیا۔ اسکے بعد پھر تقریر شروع کرتا ہے بعینہ یہاں بھی ہے کہ مولانا اثنائے تقریر مین فرماتے ہین کہ بھائی یا تو سنو ورنہ تقریر سے کیا فائدہ ہے مین تقریر بند کرتا ہوں اب جبکہ مخاطب اسکو سنکر پھر متوجہ ہوتا ہے تو پھر آگے مضمون بیان کرنا شروع کرتے ہین اور بلاتشبیہ یہی طرز قرآن شریف کا بھی ہے اور مکررات قرآنیہ بھی اسلیے ہین کہ حق تعالی عباد پر بے حد و بے انتہا رحیم و کریم ہین اسلیے ایک ایک بات کو کئی کئی مرتبہ فرماتے ہین تاکہ خوب ذہن نشین ہو جاوے قرآن شریف کا طرز بھی تالیت کا نہیں ہے بلکہ بالکل باتون کا طرز ہے۔ اور جس نے اسکو سمجھ لیا اوسکو مکررات قرآن سے ہرگز تعجب نہو گا۔ خوب سمجھ لو۔ اب چونکہ مولانا نے اوپر فرمایا تھا کہ نقصان عقل بہت بڑی بلا ہے۔ اور عقل کامل کو حاصل کرنا چاہیے کہ فرمایا تھا کہ ؎ نقص عقلست آنکہ بد رنجوریست الخ اوسکی طرف پھر رجوع فرماتے ہین

جان الخ یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام جیسی جان چاہیے تاکہ نور (باطن) سے آگ مین باغ اور محل دیکھے مطلب یہ کہ یقین کامل ایسا چاہیے کہ جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو باوجود ظاہر مین آگ کو دیکھنے کے اونکو وہ باغ معلوم ہوا اور اس سے ڈر کر اونھون نے منصب نبوت کو نہیں چھوڑا بلکہ بے دھڑک اوسمین چلے گئے تو جو اوسکی برکت ہوئی وہ ظاہر ہے اسیطرح اگر ہمت کرکے مجاہدہ کو مشکل نہ سمجھوگے اور انکو بجائے مشقت کے راحت اور بجائے نقصان دہ ہونے کے نافع سمجھوگے تو اوسکے ویسے ہی آثار مرتب ہونگے۔

پایہ الخ یعنی (سالک) تھوڑا تھوڑا (بڑھ کر) سورج اور چاند سے بھی بڑھ جاتا ہے یہانتک کہ زنجیر کیطرح دروازہ ہی کا مقید نہیں رہتا بلکہ اسکے درجات بلند ہوتے چلے جاتے ہین اور قرب حق نصیب ہو جاتا ہے۔

چون الخ یعنی حضرت خلیل اللہ کیطرح ساتوین آسمان سے بھی بڑھ جاتا ہے (یہ کہتا ہوا) کہ مین چھپنے والونکو دوست نہین رکھتا۔ مطلب یہ کہ سالک بڑھتا جاتا ہے اور غیر حقیقی اور ناپائدار اشیا سے قطع تعلق کرتا ہے۔ یہان تک کہ حق تعالی سے بالکل قرب ہو جاتا ہے۔

این الخ یعنی یہ جہان تن غلط انداز ہے۔ سوائے اسکے کہ جو شہوت سے چھوٹ گیا مطلب یہ کہ اس جہان فانی مین پھنسکر تو انسان ہمیشہ غلط انداز ہی رہتا ہے ہان جو اس سے چھوٹ گیا وہ مقصود کو پہونچ گیا اس مضمون کو مولانا تمام فرماکر آگے اس غلام کی حکایت کو پورا فرماتے ہین کہ جسکو بادشاہ نے دو مین سے پسند کیا تھا اور وہ بدصورت تھا مگر اوسکی سیرت عمدہ تھی۔

شرح حبیبی

تتمہ حسد آن حشم بر آن غلام خاص سلطان

قصہ شاہ و امیران و حسد	بر غلام خاص سلطان ابد
دور ماند از جر جرار کلام	باز باید گشت و کرد آن را تمام
باغبان ملک با اقبال و بخت	چون درختے را نداند از درخت
آن درختے را کہ تلخ و ردی بود	وان درختے کہ یکش ہفصد بود
کے برابر دار داندر مرتبت	چون بہ بیند شان بچشم عاقبت

کان درختان را نہایت چیست بر ۔۔۔ اگرچہ یکسان اند ایندم در نظر

بادشاہ اور اسکے امرا اور اس بادشاہ کے غلام خاص پر حسد کرنیکا قصہ حق سبحانہ کے کلام کو دراز کردینے سے دور کیا اسے پورا کرنا چاہیے۔ بھلا سوچو تو سہی کہ جو ملک کا باغبان اور خوش اقبال اور خوش نصیب ہو وہ اپنے درختوں میں اچھے بُرے کو کیوں نہ جانے گا۔ اور جو درخت کہ تلخ اور قابل رد ہو اور وہ درخت جو تنہا سات سو کے برابر ہو دونوں کو برابر مرتبہ کیسے دے سکتا ہے اور وہ انکو انجام میں نظر سے کیسے نہ دیکھے گا کہ یہ درخت اگرچہ اسوقت نظر میں یکسان ہیں مگر ان درختوں کا انتہا میں پھل کیسا ہے۔

شیخ کو ینظر بنور اللہ شد ۔۔۔ از نہایت در نخست اگاہ شد
چشم آخر بین بہ بست از بہر حق ۔۔۔ چشم آخر بین کشاد اندر سبق

جسطرح بادشاہ اپنی رعایا کے حال سے واقف ہوتا ہے یوں ہی شیخ کامل بھی جو ناظر بنور اللہ ہے طالبین کی انتہائی حالت سے اجمالاً ابتدا ہی میں واقف ہوجاتا ہے اور وجہ یہ ہے کہ اوسنے چشم حیوانی خدا کے لیے بند کرلی ہے اور چشم عاقبت بین یعنی چشم قلب ابتدا ہی سے کھول رکھی ہے (یہ مضمون بطور جملہ معترضہ کے ہے)

آن حسودان بد درختان بودہ اند ۔۔۔ تلخ گوہر شور بختان بودہ اند
از حسد جوشان و کف میریختند ۔۔۔ در نہانی مکر می انگیختند
تا غلام خاص را گردن زنند ۔۔۔ بیخ او را از زمانہ بر کنند
چون شود فانی چو جانش شاہ بود ۔۔۔ بیخ او در عصمت اللہ بود
شاہ از اسرار شان واقف شدہ ۔۔۔ ہمچو بوبکر ربابی تن زدہ
در تماشاے دل بد گوہران ۔۔۔ میزدے خنبک بران کوزہ گران
مکر می سازند قومے حیلہ مند ۔۔۔ تا کہ شہ را در فقاعے افگنند
بادشاہے بس عظیم و بیکران ۔۔۔ در فقاعے کے بگنجد اے خران
از برائے شاہ دامے دوختند ۔۔۔ آخر این تدبیر ازو آموختند

بات یہ ہے کہ وہ غلام عمدہ درخت تھا اسلیے باغبان کو محبوب تھا اور یہ حاسد بُرے درخت تلخ گوہر اور شور بخت تھے اسلیے محبوب نہ تھے لہذا وہ حسد سے جوشان و خروشان تھے اور مارے غصہ کے منہ سے کف جاری تھا اور خفیہ خفیہ مکر کرتے تھے۔ تاکہ اس غلام خاص کو مروا ڈالیں اور اوسکی جڑ عالم سے اوکھاڑ پھینکیں بھلا بادشاہ جسکی جان ہو اور جسکی جڑ کا خدا حافظ ہو وہ کیسے فانی ہوسکتا ہے۔ بادشاہ بھی انکے رازوں سے واقف تھا مگر ابوبکر ربابی کیطرح خاموش تھا اور ان بدذاتوں کے دلوں کے نظارہ میں مصروف تھا اور ان کوزہ گرون مکاروں کی تدابیر پر تالیاں بجا رہا تھا کہ دیکھو تو سہی یہ مکار لوگ مکر کر رہے ہیں کہ بادشاہ کو شیشہ میں اتار لیں۔ اے گدھو تم اتنا تو سوچو کہ اتنا عظیم الشان اور عالی مرتبت بادشاہ شیشہ میں کیسے اتر آئے گا۔ اور حماقت دیکھو کہ بادشاہ کے لیے جال تیار کر رہے تھے حالانکہ یہ تدبیر بھی اونھوں نے اسی سے سیکھی تھی کیونکہ انکے مکر کا حاصل یہ تھا کہ وہ اس غلام کی نسبت ایسی باتیں بادشاہ کے ذہن میں جمانا چاہتے تھے جسکو بادشاہ ناپسند کرتا تھا اور اس ذریعہ سے اوسکو غضبناک کرکے نقصان پہونچاتا

چاہتے تھے اب دیکھنے کے قابل یہ بات ہے کہ یہ امر انکو کس سے معلوم ہوا کہ فلان فلان باتین بادشاہ کو ناگوار ہین اور ان سے وہ غضبناک ہوتا ہے خود بادشاہ سے لہذا وہی امر مین انکا استاد ہوا۔

نحس شاگردے کہ با اوستاد خویش ‌‌ ‌ همسری آغازد و آید بہ پیش
با کدام اوستاد اوستاد جہان ‌ ‌ پیش او یکسان ہویدا و نہان
چشم او ینظر بنور اللہ شدہ ‌ ‌ پردہائے جہل را خارق شدہ
از دل سوراخ چون کہنہ گلیم ‌ ‌ پردۂ بندد بہ پیش آن حکیم
پردہ مے خندد برو با صد دہان ‌ ‌ ہر دہانے گشتہ اشگافے بران
گوید آن اوستاد مر شاگرد را ‌ ‌ اے کم از سگ نیستت با من وفا
خود مرا استا مگیر آہن گسل ‌ ‌ ہمچو خود شاگرد گیر و کوردل
از منت یاریست در جان و روان ‌ ‌ بے منت آبے نمی گردد روان
پس دل من کارگاہ بخت تست ‌ ‌ چہ شکنی این کارگاہ اے نادرست
گوئیش پنہان زنم آتش زنہ ‌ ‌ نے بقلب از قلب باشد روزنہ
آخر از روزن بہ بیند فکر تو ‌ ‌ دل گواہی میدہد زین ذکر تو
لیک در رویت نمالد از کرم ‌ ‌ ہرچہ گوئی خندد و گوید نعم
او نمی خندد ز ذوق مالشت ‌ ‌ او ہمی خندد برین اشکالشت
پس خداعے را خداعے شد جزا ‌ ‌ کاسہ زن کوزہ بخور اینک سزا
گر بدے با تو ورا خندہ رضا ‌ ‌ صد ہزاران گل شگفتے مر ترا
چون دل او در رضا آرد عمل ‌ ‌ آفتابے دان کہ آید در حمل
زو بخندد ہم بہار و ہم نہار ‌ ‌ در ہم آمیزد شگوفہ و سبزہ زار
چون ندانی تو خزان را از بہار ‌ ‌ چون بدانی رمز خندہ در شمار
صد ہزاران بلبل و قمری نوا ‌ ‌ افگنند اندر جہان بے نوا
چونکہ برگ روح خود زرد و سیاہ ‌ ‌ مے نہ بینی چون بدانی خشم شاہ
آفتاب شاہ در برج عتاب ‌ ‌ میکند رو ہا سیہ ہمچون کتاب
آن عطارد را ورقہا جان ماست ‌ ‌ آن سپید و آن سیہ میزان ماست
باز منشورے نویسد سرخ و سبز ‌ ‌ تا رہند ارواح از سودا و عجز
سرخ و سبز افتاد نسخۂ نوبہار ‌ ‌ چون خط قوس قزاح در اعتبار
اندرین معنی شنو تو قصۂ ‌ ‌ تا بیابی از معانی حصۂ

وہ شاگرد نہایت منحوس ہے جو اپنے اُستاد کی برابری اور اُسکا سامنا کرے بالخصوص اس استاد کا جو جلت استاد ہے یعنی شیخ کامل اور جسکے نزدیک ظاہر و پوشیدہ سب برابر ہے یہ نہین کہ وہ غیب دان اور عالم ماکان و مایکون ہے

بلکہ بوقت ضرورت و اقتضائے مصلحت حق تعالیٰ جن اسرار مخفیہ کو ظاہر کرنا چاہتے ہیں ان پر اسکو مطلع کر دیتے ہیں اور وہ اونکو اسیطرح دیکھتا ہے جسطرح اشیاء ظاہرہ کو اور جسکی آنکھ ناظر بنور اللہ ہے اور جسنے جہل کے پردون کو باعانت حق سبحانہٗ تعالےٰ پھاڑ دیا ہے یہ احمق و مکار مرید جو کہ اپنے کو ویسا ہی مخلص ظاہر کرتا ہے جیسا پہلے تھا اور دلمین سمجھتا ہے کہ اب مین مستغنی ہوگیا اور مجھے انکی کوئی ضرورت نہین رہی۔ اس سے حقیقت حال کو اُس دل مین چھپاتا ہے جسمین سیکڑون سوراخ ہین اور اسکو اس حکم کے سامنے پردہ بناتا ہے کمبخت اتنا نہین سمجھتا کہ اس پردہ کا ہر چاک ایک منھ ہے اور وہ ہر منھ سے اسکی اس بیہودہ حرکت پر ہنس رہا ہے شیخ اصل حقیقت کو جانتا ہے اور دل ہی دل مین کہتا ہے کہ اے کتے سے بھی گئے گذرے ہوئے تجھے میرے ساتھ وفا نہین اور تو نہین سمجھتا کہ مین نے تیرے ساتھ کیا کیا اور تو میرے ساتھ کیا کرتا ہے اچھا مان لے کہ مین اُستاد کامل نہین اور فرض کرلے کہ مین بھی تیری ہی طرح ایک شاگرد اور کور دل ہون لیکن کیا مجھ سے تیری جان کو کچھ بھی مدد نہین پہونچی ضرور پہونچی اور یہ تیرا پانی جسنے تجھے کمال کے دھوکہ مین ڈالا ہے یا یہ تیری ادب دانی جس سے تو اپنے کو معتقد ظاہر کر رہا ہے میری ہی بدولت ہے پس سمجھ لے کہ میرا دل تیری قسمت کا کارخانہ ہے اسی سے یہ درست ہو سکتی ہے۔ اے نادرست اور غلط رو تو اسے کیا توڑتا ہے اسے مت توڑ یہ توڑنے کے قابل نہین دیکھ پچھتائیگا یہانتک شیخ کا بیان تھا اب مولانا نصیحت فرماتے ہین اور فرماتے ہین کہ تو اپنے شیخ سے کہتا ہے کہ مین آپکی محبت کے چقماق سے دلمین آگ سلگاتا ہون حالانکہ واقع مین ایسا نہین تو کیا تو نہین جانتا کہ دل کو دل سے راہ ہے وہ اس سوراخ سے تیرے اصلی خیال کو دیکھتا ہے۔ اور اسکا دل تیرے اس بیان کی غلطی کی گواہی دیتا ہے مگر وہ تجھپر ظاہر نہین کرتا یہ اسکی عنایت ہے جو کچھ تو کہتا ہے وہ ہنستا ہے اور کہتا ہے بجا ہے۔ مگر اس سے تو دھوکا نہ کھانا کہ ہمنے دھوکا دے لیا وہ تیری اس چاپلوسی کی لذت سے نہین ہنستا۔ بلکہ وہ تیرے اس بیہودہ خیال پر ہنستا ہے کہ دیکھو یہ ہمین احمق بناتا ہے۔ پس تو اسے دھوکا دیتا ہے۔ وہ بھی تجھے مغالطہ مین رکھتا ہے جزاء سیئۃ سیئۃ مثلہا پیالہ مار کوٹا کھا یہی تیری سزا ہے سوچ تو سہی کہ اگر یہ ہنسی خوشنودی سے ہوتی تو تیری جان مین اسرار و معارف کے لاکھون پھول کھلتے اور تیری جان ایک چمن ہوتا مگر ایسا نہین تو معلوم ہوا کہ وہ ہنسنا خوشی کا نہین جب اُسکا دل خوش ہو کر کوئی کام کرتا ہے تو سمجھ کہ آفتاب برج حمل مین آگیا۔ اس سے بہار بھی ہنستی ہے اور دن بھی ہنستا ہے۔ سبزے اور شگوفے آپس مین ملتے ہین غرضکہ ایک عجیب پُرلطف سمان ہوتا ہے لیکن جب تجھے خزان اور بہار ہی کی خبر نہین تو تو کیا جانے کہ بہار کے خندہ کا ثمار مین کیا اثر ہے حاصل یہ کہ رضائے شیخ مثل آفتاب کے ہے اور اوسکا دل مثل برج حمل کے اسکا انبساط اور سرور مثل بہار کے اور اسکی ہنسی مثل خندۂ بہار کے اور ہنسی کے ثمرات مثل پھل پھولون کے اب فرماتے ہین کہ جب تو انبساط ہی کو نہین جانتا کہ انبساط کیا چیز ہے تو تو کیا جانے کہ اسکے خندہ سے دل مین کس قسم کے آثار پیدا ہوتے ہین تاکہ تو انکے نہونے سے استدلال کرسکے کہ یہ ہنسی انبساط سے نہین یاد رکھ کہ بہار کے اثر سے سیکڑون بلبلین اور قمریان اس جہان بے سامان مین ایک شور پیدا کر دیتی ہین۔ یون ہی شیخ کا انبساط روح بے سامان کے اندر شورش محبت اور ولولۂ عشق پیدا کر دیتا ہے مگر تجھے تو اپنی روح کے بیتے کی حالت ہی معلوم نہین کہ وہ خزان یعنی انقباض شیخ کے اثر سے زرد ہے یا بہار یعنی انبساط کے سبب سبز مائل لیا ہی تو تجھے اس بادشاہ کی ناراضی کا علم کیونکر ہو سکتا ہے اور یاد رکھ کہ یہ بادشاہ جو مثل آفتاب کے ہے برج عتاب مین آتا اور غضبناک ہوکر

تو کتاب کی طرح روحون کے ورق کو سیاہ کر دیتا ہو اور انکی چمک دمک رنگ و روغن سب کھو دیتا ہے اور سمجھ کہ اس عطارد (شیخ) کے لیے ہماری جانین ورق ہین اور اوس ورق کی سادگی اور ارواح کے اندر اثر نہونا اور انکی سیاہی اور نقوش و آثار ہمارے لیے اسکی الطاف اور نامہربانی کا معیار ہین اگر ہم اپنی جانون مین آثار محمودہ نہ پائین تو سمجھ لینا چاہیے کہ عطارد نامہربان ہے۔ اور اگر پائین تو سمجھ لینا چاہیے کہ مہربان ہے جب وہ خوش ہوتا ہے تو اول نقوش سیاہ اور معمولی آثار پیدا کرتا ہے۔ پھر ایک عجیب دلکش سرخ و سبز فرمان لکھتا ہے یعنی اعلی قسم کے آثار پیدا کرتا ہے جس سے ارواح سودائے لذات نفسانیہ و عجز عن الوصول الی الحق کی قید سے رہائی پاتے ہین کیونکہ اسکی کمال خوشنودی سے جو انبساط اور انشراح کامل پیدا ہوتا ہے وہ مثل نوبہار کے ہے اور نوبہار کی تحریر سرخ و سبز ہوتی ہے قیاس کے لیے قوس قزح کو دیکھ لو کہ یہ سرخ و سبز کیسی تحریر ہے۔ نوبہار کی یون ہی بہار شیخ کی تحریر سمجھو انھین امور کی تائید مین ایک قصہ سن تاکہ معانی کا کوئی حصہ سمجھے مل جاوے۔ دیکھ حضرت سلیمان علیہ السلام کے انشراح و انبساط و توجہ نے بلقیس پر کیا اثر کیا۔

شرح شبیری

بادشاہ کے غلام پر حاسدون کے قصہ کا تتمہ اور اسکی حقیقت

قصۂ الخ یعنی قصۂ بادشاہ کا اور امیرون کا اوحسد کا اوس بادشاہ عظیم کے غلام خاص پر۔

دور الخ یعنی دور رہگیا ہی کلام کے کھینچنے والے (حق تعالی) کے کھینچنے سے تو پھر لوٹنا چاہیے اور اوسکو پورا کرنا چاہیے مطلب یہ کہ مشیت ایزدی سے کلام طول پکڑ گیا اور وہ قصہ رہگیا لہذا اب ہم اوسکو پورا کرتے ہین۔

باغبان الخ یعنی باغبان ملک جو کہ اقبال و بخت کے ساتھ ہو وہ ایک درخت کو دوسرے درخت کے کسطرح نہ جانے گا۔

آن الخ یعنی وہ درخت کہ تلخ اور مردود ہوا اور وہ جو کہ ایک برابر سات سو کے ہو مطلب یہ کہ بہت بارآور ہو کہ جتنا نفع سات سو سے ہو وہ اوس ایک سے ہو۔

کے برابر الخ یعنی وہ مرتبہ کب برابر رکھے گا کہ جبکہ انکی عاقبت کو اور انجام کو دیکھے گا۔

کان الخ یعنی کس درخت کا انجام کونسا پھل ہے۔ اگرچہ اسوقت وہ دیکھنے مین یکسان ہین مطلب یہ کہ وہ تو یہ دیکھے گا کہ کسکا پھل میٹھا ہے اور کسکا تلخ ہے پس جسکا پھل شیرین ہوگا اوسکو محبوب رکھیگا اور جسکا پھل تلخ ہوگا اوسکو مردود کریگا اسیطرح چونکہ وہ بادشاہ صاحب بصیرت و معرفت تھا اوسنے بھی ان دونون کے انجام کو دیکھا اور انجام کو دیکھ کر جو کہ اچھا تھا اوسکو مقرب کیا اور جو کہ برا تھا اوسکو مردود کیا۔ آگے فرماتے ہین کہ یہ بات کوئی اسکیے ساتھ مخصوص نہ تھی بلکہ تمام شیوخ کاملین کی یہی حالت ہوتی ہے فرماتے ہین کہ۔

شیخ الخ یعنی جو شیخ کہ نور حق سے دیکھنے والا ہو گیا (اور اوسکو نور حق نصیب ہو گیا) وہ تو ابتدا اور انجام سے آگاہ ہو گیا لہذا وہ ہمیشہ انجام ہی پر نظر کرے گا۔

چشم الخ یعنی اوسنے آخور کے دیکھنے والی آنکھ تو حق تعالی کیلیئے بند کر لی۔ اور چشم انجام بین کو سبقت مین کھول دیا مطلب یہ کہ اوسنے دنیا کے تعلقات سے تو بالکل آنکھ کو بند کر لیا اور انجام بینی مین سب سے سبقت لیگیا۔

آن الخ یعنی وہ حاسدین بُرے درخت تھے۔ اور تلخ گوہر اور شور بخت تھے۔
از حسد الخ یعنی وہ حسد کی وجہ سے جوش مین تھے اور جھاگ ڈال رہے تھے اور پوشیدگی مکر پھیلا رہے تھے۔
تا غلام الخ یعنی تاکہ اوس غلام خاص کی گردن ماردین اور اوسکی جڑ کو زمانہ سے اکھاڑ دین مطلب یہ کہ ان حاسدین کا حسد تو اسلیے تھا تاکہ کہین اس غلام کو غارت کردین اور بادشاہ اوسکو قتل کردے وہ لوگ اوسکے درپے تھے آگے مولانا فرماتے ہین کہ

چون الخ یعنی وہ کسطرح ہلاک ہوسکتا تھا جبکہ اوسکی جان بادشاہ تھی کہ اوسکی جان تو حق تعالی کی نگہبانی مین تھی پھر جسے حق تعالی بچاوین اوسکو کون ہلاک کرسکتا ہے آگے پھر فرماتے ہین کہ
شاہ الخ یعنی بادشاہ انکے اسرار سے واقف تھا اور حضرت بوبکر ربابی کیطرح چپ تھا حضرت ابوبکر ربابی ایک بزرگ تھے جو کہ سات برس تک خاموش رہے تھے یعنی بادشاہ دیکھتا اور جانتا تھا مگر کچھ کہتا نہ تھا بلکہ چپ تھا۔
در تماشائے الخ یعنی بادشاہ اُن بدگوہرون کے قلوب کے تماشے مین تھا اور اُن کوزہ گرون پر تالی بجاتا تھا مطلب یہ کہ جسطرح کوزہ گر مٹی کی چیز کو روغن وغیرہ لگاکر دوسری طرح دکھاتے ہین اسیطرح وہ لوگ بھی تلبیس کر رہے تھے اور غیر واقع کو واقع دکھلاتے تھے یہان مولانا کو شیخ اور مرید کی حالت کو بیان کرنا مقصود ہے کہ اسیطرح جب کوئی اپنے اندر کیفیت تھوڑی سی بہت پاتا ہے تو اپنے کو شیخ سے مستغنی سمجھتا ہے اور اسوقت شیخ کی ضرورت نہین سمجھتا مگر وضعداری کی وجہ سے تلبیس کرتا ہے اور اپنے کو معتقد ظاہر کرتا ہے حالانکہ شیخ اپنی اس بصیرت کی وجہ سے جوکہ اوسکو ذکر اللہ سے حاصل ہوئی ہے سب کچھ جانتا ہے اور ان کی تلبیس اوسکے سامنے بالکل بھی نہین چلتی اور تعجب تو یہ ہے کہ اس تلبیس کو بھی اوسی سے سیکھا ہے اور پھر اوسی پر اس دام کو چلاتے ہین اسلیے اعتقاد کا ظاہر کرنا تلبیس ہے اور اعتقاد ظاہر ہوتا ہے آداب شیخ کے ملحوظ رکھنے سے تو اوسنے آداب شیخ وغیرہ سب اوسی شیخ ہی سے سیکھے اور اوسیکو دھوکہ مین ڈالتا ہے بڑے افسوس اور حیرت کی بات ہے جسنے اسکو اس لائق کیا آج اوسکی ہمسری کا دعوی کرنا بالکل گمراہی اور احسان فراموشی ہے آگے یہی مضمون ہے اب اشعار سے سمجھ لو۔
مکر میشا زند الخ یعنی حیلہ مند لوگ مکر کرتے ہین تاکہ بادشاہ (شیخ) کو دھوکہ مین ڈالین یعنی تلبیس کرتے ہین اور اعتقاد وغیر واقع کو واقع ظاہر کرتے ہین۔
بادشاہے الخ یعنی بادشاہ تو بہت بڑا ہی تو ایسے گدھوں دھوکہ مین کب پڑ سکتا ہے یعنی وہ لوگ یہ نہین سمجھتے کہ شیخ کو حق تعالی نے نور بصیرت عطا کیا ہے تو وہ کیا اس تلبیس مین پڑ سکتا ہے وہ تو فوراً سمجھ جاویگا کہ یہ تلبیس ہے اور یہ حقیقت ہے۔
از برائے الخ یعنی بادشاہ (شیخ) کے واسطے ایک جال بن رہے تھے اور آخر یہ تدبیر بھی اوسی سے سیکھی ہے مطلب یہ کہ شیخ ہی سے اظہار اعتقاد و آداب شیخ وغیرہ سیکھ کر بڑے افسوس کی بات ہے کہ اوسنے اوسیکو دھوکہ دیا جارہا ہے ؏
کس نیاموخت علم تیر از من ÷ کہ مرا عاقبت نشانہ نکرد ÷
نحس شاگردی الخ یعنی وہ شاگرد بڑا منحوس ہے جو کہ اپنے استاد کی ساتھ برابری (کا دعوی) شروع کرے۔ اور (مقابل ہوکر) سامنے آوے مطلب یہ کہ جو مستفید ہوکر اپنے مربی اور محسن کا مقابلہ کرے وہ تو بڑا ہی منحوس اور نمک حرام ہے۔
با کدام الخ یعنی اوستاد بھی کونسا جو کہ ایک جہان کا اوستاد ہے اور اوسکے سامنے ظاہر اور پوشیدہ سب یکسان ہے

چونکہ شیخ کامل تو ایک عالم کا مربی ہوتا ہے اسلیے استاد جہان کہدیا مطلب یہ کہ ناشکری بھی اور ایسے جلیل القدر کی یعنی گوہی کھایا اور وہ بھی کتے کا۔

چشم الخ یعنی اوسکی آنکھ نور حق سے دیکھنے والی ہے اور اوسنے جہل کے پردہ کو پھاڑ دیا ہے پھر اوسکے سامنے مکر و فریب کسطرح چل سکتا ہے۔ اوسکو بصیرت بنور اللہ نصیب ہے۔

از دل الخ یعنی دل سوراخ دار پرانے کمبل جیسے سے اس حکیم کے سامنے پردہ باندھ دیتا ہے مطلب یہ کہ یہ شخص اس شیخ سے تلبیس کرتا ہے اور اس تلبیس کو چھپاتا ہی اور یون سمجھتا ہی کہ میرے دل کی اسکو کیا خبر ہو سکتی ہے مگر یہ بیوقوف یہ نہین سمجھتا کہ اسکا دل ہی بوجہ معاصی کے پارہ پارہ ہو رہا ہے اور جو کچھ کہ اوسمین ہے شیخ کے قلب پر اسکا اثر پڑتا ہے جیسا کہ حدیث مین ہے کہ اتقوا فراسۃ المومن فانہ ینظر بنور اللہ۔ تو اوسکے سامنے تمھارے رازون کو تمھارا قلب ہرگز پوشیدہ نہین رکھ سکتا ہے خوب سمجھ لو۔

پردہ الخ یعنی وہ پردہ اوسپر سیکڑون منھ سے ہنس رہا ہے اور ہر منھ اوسپر ایک شگاف ہی مطلب یہ کہ قلب جسمین کہ لاکھون سوراخ ہین جیسے کہ پرانا کمبل ہوتا ہے اوسمین یہ اپنے راز کو پوشیدہ رکھنا چاہتا ہے حالانکہ وہ دل بھی خود ہنستا ہی کہ بھلا مین مجھ جیسے سے پردہ داری ممکن ہی۔ ہرگز نہین اور جب بعض مرتبہ شیخ کو شفقت ہوتی ہے تو کہتا ہے کہ

گویدآن الخ یعنی وہ استاد شاگرد سے کہتا ہی کہ اے وہ جو کتے سے بھی کم ہی تجکو میرے ساتھ وفا نہین ہے مطلب یہ کہ ارے کمبخت کیا تو مجھہی سے وفا نہین کرتا جسنے کہ تجھے آج اس لایق کیا ہے کہ تجھے دعوی ہمسری ہوا ہی اور کہتا ہی کہ

خود مرا الخ یعنی اچھا مجھے اوستاد کامل؛ لوہا توڑنے والا مت سمجھ اپنی ہی طرح شاگرد اور کور دل فرض کرلے مطلب یہ کہ اچھا مین کامل نہ سہی مین بھی تجھی جیسا سہی مگر یہ تو سمجھ کہ

نہ از منت الخ یعنی کیا مجھی سے تیری جان اور روح کو یاری نہین ہے اور کیا یہ بات نہین ہے کہ بے میرے تیرے پانی نہین چلتا مطلب یہ کہ کمبخت مین کیسا ہی سہی مگر تجھے تو مجھ سے فائدہ ہوا ہی اسکا تو پاس کر اور یون نمکحرامی تو مت کر اور میرا دل تو مت توڑ۔

پس الخ یعنی میرا دل تو تیرے نصیب کا کارخانہ ہے تو اے ٹیڑھے اسکو کیا توڑ رہا ہے مطلب یہ کہ میرا قلب تو تیرے انوار و فیوض کا منبع ہے اور تجکو جو کچھ حاصل ہوا ہے وہ تو میری ہی وجہ سے ہوا ہے پس جب تو میرا دل توڑیگا تو اوسمین سے تیرے لیے انوار وغیرہ کہان سے نکلین گے یہ تو سمجھ کہ تو میری دل شکنی نہین کرتا بلکہ یون سمجھ کہ خود اپنا کارخانہ اُجاڑ رہا ہے اور اوسکو برباد کر رہا ہے جب شیخ یہ کہتا ہی اور مرید اسپر بھی اصرار ہی کرتا ہے اور یون عرض کرتا ہی کہ

گویمش الخ یعنی تم اس سے کہتے ہو کہ مین چقماق اندر ہی اندر مار رہا ہون۔ تو کیا قلب سے قلب تک روزن نہین ہے مطلب یہ کہ اسپر اگر وہ مرید یہ کہے کہ حضرت مین آپ سے مستغنی کسطرح ہو سکتا ہون مگر اتنا ہی کہ مین بظاہر الگ ہتا ہون ورنہ اندر ہی اندر آتش عشق میرے اندر لگ رہی ہی۔ تو بھلا اسے یہ خبر نہین کہ دل سے دل کو راہ ہوتی ہے۔ ایک دل کا اثر دوسرے پر ضرور پڑتا ہی اسلیے شیخ معلوم کر لیتا ہی کہ یہ جو کچھ ہے دل سے نہین ہے۔

آخر الخ یعنی تمھارے اس رازکو روزن قلب سے دیکھ لیتا ہی اور تمھاری اسبات کی گواہی دل دیدیتا ہے اور معلوم ہو جاتا ہی کہ یہ غلط کہتا ہی مگر جبکہ وہ دیکھتا ہی کہ اسکی اصلاح غیر ممکن ہے اور یہ جب خود اپنی اصلاح نہین چاہتا تو دوسرے

کے چاہنے سے کیا ہوتا ہے تو پھر اوسکی یہ حالت ہوجاتی ہے کہ۔

لیک الخ یعنی لیکن وہ کرم کیوجہ سے (اس ناراضگی کو) تمھارے منہ پر ظاہر نہیں کرتا اور جو کچھ کہ تم کہتے ہو وہ ہنستا ہے اور کہتا ہے کہ ہاں درست ہے مطلب یہ کہ جب اصلاح سے ناامیدی ہوجاتی ہے تو وہ ہاں میں ہاں ملانے لگتا ہے اور پھر وہ اسکو کچھ بھی نہیں کہتا اسلیے کہ کہنا تو اس سے کرتے ہیں کہ جو اپنا ہو اور یہ شیخ اوسکو اپنا ہی نہیں سمجھتا بلکہ غیر جانتا ہے پھر کس سے کہے۔

او نمی خندد الخ یعنی وہ تمھاری چاپلوسی کے لطف کیوجہ سے نہیں ہنستا بلکہ وہ تمھارے اس بیوقوفی پر ہنس رہا ہے مطلب یہ کہ اوسکو ناراض کرکے یہ مت سمجھو کہ وہ ہم سے خوش ہوکر ہنس رہا ہے بلکہ وہ ڈھیل دے رہا ہے اور اہمال کر رہا ہے کہ جب کسی سے تعلق ہی رکھنا منظور نہیں ہے تو اس سے ترش رو ہونے میں کیا فائدہ ہے ورنہ وہ تیرے سارے جھوٹے عقیدتوں کو جانتا ہے اور یہ اسلیے کرتا ہے کہ۔

پس الخ یعنی دھوکہ بازی کا بدلہ لوکہ دینا ہی ہے پیالہ مار و صراحی کھاؤ یہی سزا ہے۔ کاسۂ زن کوزہ بخور ایک مثل ہے ایسے موقع میں بولتے ہیں کہ بدی کا بدلہ بدی ہی ہے اسکے یہی معنی ہیں کہ جیسا کروگے ویسا بھروگے تم نے شیخ سے تلبیس و خداع کیا تو اوسنے اظہار رضا میں تمسے صورتاً مکر کیا آگے اس خندہ کے خندہ رضا نہ ہونیکی دلیل فرماتے ہیں کہ۔

گر بُدے الخ یعنی اگر اوسکی ہنسی رضامندی کی ہنسی ہوتی تو لاکھوں پھول تمھارے لیے کھلاتے۔ مطلب یہ کہ اگر وہ راضی ہوتا تو تمپر فیوض و برکات کا ڈھیر ہوتا۔ اور فیوض و برکات ہر وقت تمپر فائض رہتے اب تم خود دیکھ لو کہ آیا کوئی فیض پاتے ہو یا ظلمت ہی ظلمت ہے۔ آگے اسکی ایک مثال فرماتے ہیں کہ۔

چون الخ یعنی جبکہ اسکا دل رضامندی میں کام لاوے (یعنی وہ تمسے راضی ہو) تو ایسا سمجھو کہ آفتاب برج حمل میں آگیا ہے۔ مطلب یہ کہ جسطرح آفتاب کے برج حمل میں آنے سے موسم بہار آتی ہے اگر وہ تمسے راضی ہوتا تو تمھارے اندر بھی بہار ہوتی۔ اور لاکھوں شگوفے کھلتے۔ آگے یہی فرماتے ہیں کہ۔

زو بخندد الخ یعنی اوس (آفتاب کے حمل میں آنے) سے بہار بھی ہنستی ہے اور دن بھی ہنستا ہے اور شگوفوں اور سبزہ زار کو آپس میں ملا دیتا ہے۔ مطلب یہ کہ ہر شے پر تر و تازگی ہوتی ہے۔

چون الخ یعنی جبکہ تو خزاں کو بہار سے ممتاز نہیں کرسکتا تو پھر اس میں خندہ کے رمز کو کیا سمجھے گا مطلب یہ کہ جب تجھے شیخ کی رضا و نارضاہی کی خبر نہیں ہے پھر تجھے ثمرات کی تو کیا تمیز ہوگی اور تجھے یہ تو کیا ہی خبر ہوگی کہ تو یہ سمجھے کہ اب فلاں نور یا فیض حاصل ہوا ہے

صد ہزاران الخ یعنی لاکھوں بلبل اور قمریاں جہان بے نوا میں آواز کو ڈال رہی ہیں مطلب یہ کہ اس جسم فانی میں لاکھوں فیوض و برکات فائض ہو رہے ہیں۔

چونکہ الخ یعنی جبکہ تم اپنی روح کے پتوں کو زرد و سیاہ ہوتے ہوے ہی نہیں دیکھتے تو تم کو بادشاہ کے غصہ کی تو کیا خبر ہوسکتی ہے مطلب یہ کہ جب تم کو اتنی بھی خبر نہیں کہ شیخ کی ناراضگی سے میرا کیا نقصان ہوگیا تو تم اسکی ناراضگی کو کیا ہی پہچانوگے اور اوسکی تو تمکو کیا ہی تمیز ہوگی۔

آفتاب الخ یعنی آفتاب شاہ برج عتاب میں چہروں کو سیاہ کردیتا ہے مثل کتاب کے اسیطرح جب عتاب شیخ ہوتا ہے تو قلب بالکل مسخ ہوجاتا ہے اور سب انوار وغیرہ سلب ہوجاتے ہیں۔

آن الخ یعنی اس عطارد کے پتے ہماری جان ہے اور وہ سپیدی اور وہ سیاہی ہماری میزان ہے مطلب یہ کہ

اہل اللہ کی رضا اور ناراضگی کا اثر ہماری جان پر پڑتا ہے اور معیار اوس رضا اور ناراضی کا ہمارے اندر فیوض کا ہونا اور نہ ہونا جب برکات ہونگے معلوم ہوگا کہ رضا ہے ورنہ ناراضگی معلوم ہوگی۔

از فشوزے الخ یعنی پھر ایک فرمان لکھتے ہیں سرخ و سبز تاکہ ارواح سودا اور عاجزی سے چھوٹ جاوین مطلب یہ کہ پھر حضرات فیوض و برکات فائض فرماتے ہین جیسا تنک کا اخلاق بدسے ارواح کو رستگاری ہوتی ہے جبکہ وہ راضی ہوتے ہین

مشرح الخ یعنی سرخ و سبز واقع ہوا ہے نوبہار کا نسخہ مثل قوس قزح کے خط کے اعتبار مین مطلب یہ کہ ان حضرات کے فیوض وانوار مختلف اقسام کے ہوتے ہین جیسے کہ قوس قزح ہوتی ہے کہ اوسمین مختلف الوان ہوتے ہین توان الوان کو دیکھنا اور رضا اور نارضا کو پہچان لینا اور اصلی اور غیر اصلی مین امتیاز کر لینا تو عقل کامل ہی کا کام ہے عقل ناقص تو صرف ظاہر کو دیکھکر اوسی پر حکم لگادیگی اوران اختلاف الوان وفیوض کو کسطرح جان سکتی ہے آگے اسی مضمون میں ایک حکایت حضرت بلقیس کی لاتے ہین جسکا حاصل یہ ہے کہ بلقیس نے حضرت سلیمان کے خط کی بہت زیادہ قدر ومنزلت کی اور اسنے حضرت سلیمان علیہ السلام کا مرتبہ پہچانا اور یہ نہین دیکھا کہ یہ ذرا سا ہدہد خط لایا ہے جو کہ بہت ہی حقیر ہے اسنے اوسپر نظر کی کہ یہ ہدیہ مظہر ہے حضرت سلیمان علیہ السلام کا اور اونکی شوکت وہیبت کو اوسمین دیکھکر اوسنے انکی تعظیم کی اسیطرح عقل کامل بھی شیوخ اور اہل اللہ کو مظہر جمال حق سمجھتی ہے اور انکی قدر اور منزلت کرتی ہے اب قصہ سنیے فرماتے ہین کہ۔

اندرین الخ یعنی اسی معنی مین ایک قصہ سنو تاکہ تم معانی سے ایک حصہ پاؤ۔ مطلب یہ کہ اسی مضمون بالا کے مناسب ایک قصہ سنو تاکہ تمکو علوم ومعانی سے ایک حظ وافر حاصل ہو اور مناسبت تقریر بالا مین عرض کیگئی ہے۔

شرح حبیبی

قصہ تعظیم سلیمانؑ در دل بلقیس از صورت حقیر ہدہد

رحمت صد تو بران بلقیس باد ۔۔۔ کہ خدایش عقل صد مردان بداد
ہدہدے نامہ بیاورد و نشان ۔۔۔ از سلیمانؑ چند حرفے با بیان
خواند او آن نکتہائے باشمول ۔۔۔ وز حقارت ننگرید اندر رسول
چشم ہدہد دید و جان عنقاش دید ۔۔۔ حس چو کفے دید و دل دریاش دید

خدا کی سیکڑون رحمتین اس بلقیس پر ہون جسکو خدا نے باوجود عورت ہونے کے سو مردون کی عقل دی تھی جسکا ثبوت یہ ہے کہ ہدہد سلیمان علیہ السلام کیطرف سے خط اور کوئی نشان اور چند واضح کلمات لایا بلقیس نے ان جامع نکتون کو پڑھا اور قاصد کو اصلا بنظر تحقیر نہین دیکھا چشم ظاہری نے تو اوسکو ہدہد یعنی معمولی دیکھا مگر جان نے اسکو عنقا اور قابل قدر سمجھا اور حس نے گو اسے کف دریا کیطرح ناچیز دیکھا مگر دل نے دریا سمجھا۔

عقل با حس زین طلسمات دورنگ ۔۔۔ چون محمد با ابوجہلان بجنگ
کافران دیدند احمد را بشر ۔۔۔ چون ندیدند از وے انشق القمر
خاک زن بر دیدہ حس بین خویش ۔۔۔ دیدہ حس دشمن عقل است وکیش

دیدهٔ حس را خدا اعماش خواند / بت‌پرستش خواند و ضد ماش خواند

زانکه او کف دید و دریا را ندید / زانکه حالی دید و فردا را ندید

خواجهٔ فردا و حالی پیش او / او نمی‌بیند ز گنجی جز فسو

ذره‌ای زان آفتاب ار دپیام / آفتاب آن ذره را گردد غلام

قطره‌ای کز بحر وحدت شد سفیر / هفت بحر آن قطره را باشد اسیر

گر کف خاکی شود چالاک او / پیش خاکش سر نهد افلاک او

خاک آدم چونکه شد چالاک حق / پیش خاکش سر نهد املاک حق

السماء انشقت آخر از چه بود / از یکی چشمی که ناگاه برگشود

خاک از دردی نشیند زیر آب / خاک بین کز عرش بگذشت از شتاب

آن لطافت پس بدان کز آب نیست / جز عطای مبدع وهاب نیست

گر کند سفلی هوا و نار را / ور ز گل او بگذراند خار را

حاکمست او یفعل الله ما یشاء / او ز عین درد انگیزد دوا

گر هوا و نار را سفلی کند / تیرگی و دردی و سفلی کند

ور زمین و آب را علوی کند / راه گردون را بپا مطوی کند

نیست کس را زهره تا گوید که چون / پس جگرها کاندرین ره گشت خون

پس یقین شد که تعز من تشاء / خاکیی را گفت پرها برگشا

آتشی را گفت رو ابلیس شو / زیر هفتم خاک با تلبیس شو

آدم خاکی برو تو بر سها / ای بلیس آتشی رو تا ثری

چار طبع و علت اولی نیم / در تصرف دائما من باقیم

کار من بی علت است و مستقیم / نیست تقدیرم بعلت ای سقیم

عادت خود را بگردانم بوقت / این غبار از پیش بنشانم بوقت

بحر را گویم که هین پر نار شو / گویم آتش را که رو گلزار شو

کوه را گویم سبک شو همچو پشم / چرخ را گویم فرو رو پیش چشم

گویم ای خورشید مقرون شو بماه / هر دو را سازم چو دو ابر سیاه

چشمهٔ خورشید را سازیم خشک / چشمهٔ خون را بفن سازیم مشک

آفتاب و مه چو دو گاو سیاه / یوغ بر گردن ببندد شان اله

س دو درنگ ظلمات کے سبب عقل کی حس کے ساتھ یون لڑائی رہتی ہے جیسے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ابوجہل یا درا اوسکے امثال کے ساتھ اسلیے کہ عقل ایک حکم صادق کرتی ہے اور حس اوسکی تکذیب کرتی ہے اور اوسکے خلاف حکم کرتی ہے کما مر اب حس کی غلطی کی ایک واضح مثال دیتے ہین اور فرماتے ہین کہ کفار نے جناب رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم کو صرف بشر دیکھا یہ انکی حس ظاہر کی غلط بینی تھی ورنہ واقع مین وہ صرف بشر نہ تھے بلکہ بشر بھی اور فرشتہ کے سوا نبی بھی تھے ان احمقون نے لوازم بشریہ تو دیکھے اور بشریت کا حکم لگا دیا۔ یہ کیون نہ دیکھا کہ آپنے چاند کو دو ٹکڑے کر دیا جو خواص نبوت سے ہے یعنی اس انشقاق محسوس سے نبوت غیر محسوسہ پر عقل سے کیون نہ استدلال کیا اسلیے کہ انکی عقل بھی مغلوب نفس ہو کر نفس ہو گئی تھی۔ اور مغلوب حس ہو کر حس بنگئی تھی اب تم سمجھ گئے ہو گے کہ حس کیسی غلط بین ہے بس اسپر خاک ڈالو کیونکہ یہ دشمن عقل و دین ہے جیسا کہ ظاہر ہو چکا اور خدا نے جسم کو اندھا کیا ہے اور فرمایا ہے

ہم اعین لا یبصرون بہا اور بت پرست (غلط بین) اور ہمارے عقول کے مخالف قرار دیا ہے اور ایسا ہونا بھی چاہیے کیونکہ اسنے جھاگ تو دیکھے مگر دریا نہ دیکھا یعنی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ظاہری صورت تو دیکھی اور باطنی حالت نہ دیکھی اور موجودہ حالت تو دیکھی مگر یہ نہ دیکھا کہ مستقبل مین انکی حقیقت کا ظہور کس رنگ مین ہوگا اور عند اللہ انکا کس درجہ تقرب ظاہر ہوگا۔ اس سے زیادہ اور اسکی کوری کیا ہوگی کہ حال و مستقبل دنیا و آخرت کا سوا اسکے سامنے ہی لیکن وہ اسکے خزانہ کمالات مین سے صرف ایک حقیر شے یعنی لوازم بشریہ کو دیکھتی ہے اور جواہر ثمینہ کو نہین دیکھتی وہ ہو ایک ذرہ مستفیض از آفتاب حق تھے مگر انکی رسالت نے انکو وہ شرف بخشا تھا کہ آفتاب ظاہری بھی اسیر دام اور مطیع و منقاد تھا وہ ضرور بحر وحدت کے ایک قطرہ تھے مگر اس بحر کی سفارت نے انکی وہ عزت افزائی کی تھی کہ سات سمندر بھی اسکے پابند حکم تھے یہ اور ہرگز مستبعد نہین اسکو تم ہرگز مستبعد نہ سمجھنا کیونکہ یہ اطاعت حق سبحانہ اور عبدیت کا فیض تھا اور اطاعت و عبدیت مین عجیب خاصیت ہے حتی کہ اگر ایک مشت خاک اوسکی مطیع ہو جاوے تو اس خاک کے سامنے افلاک سر جھکا دین دیکھو آدم علیہ السلام ایک مشت خاک ہی تو تھے مگر چونکہ مطیع حق سبحانہ تھے اسلیے مسجود ملائک ہوئے آخر وہ کیا بات تھی جسکے باعث آنکھ کھولتے ہی چاند کے دو ٹکڑے ہو گئے وہی اطاعت و عبدیت دیکھو خاک کی خاصیت ہے کہ بوجہ اپنی کثافت کے پانی کے اوپر نہین آسکتی اور تہ مین بیٹھ جاتی ہے لیکن وہی خاک ایک لمحہ مین عرش سے بھی تجاوز کر گئی

(اشارہ بہ الی المعراج الجسمانی للنبی صلی اللہ علیہ وسلم) کیون محض عبدیت کے سبب اس سے معلوم ہو گیا کہ پانی کی لطافت جسکی باعث وہ خاک سے اوپر رہنا چاہتا ہے ذاتی نہین ورنہ مٹی کو اوس سے تفوق نہو سکتا۔ بلکہ حق سبحانہ جو کہ خالق اور عطا کنندہ کمالات ہین انکی عطا تھی تب ہی تو وہ اسکے مقتضیات کو بدل دیتے ہین اور مٹی کو پانی سے بلکہ ہوا سے اور نار سے بلکہ افلاک سے بھی اوپر پہونچا دیتے ہین بیشک وہ حاکم قدیر ہین اگر وہ ہوا و نار کو باوجود علوی ہونیکے سفلی کر دین اور گل سے خار کو بڑھا دین تو یہ انکو زیبا ہی کیونکہ وہ حاکم مختار ہین جو چاہتے ہین کرتے ہین انکی قدرت کی تو یہ شان ہے کہ وہ دو کو دوا بنا سکتے ہین پس اگر وہ آگ کو اور ہوا کو سفلی کر دین اور بجائے شفافی اور صفائی اور لطافت کے تیرگی اور دردی و ثقل کر دین اور زمین و آب کو علوی کر دین اور راہ آسمان کو پاؤن سے طے کر دین تو کسیکو یہ تاب نہین کہ کہہ سکے کہ کیون کیا بہت سے جگر اس رستہ مین خون ہو چکے ہین اور اسکا راز دریافت کرنیکی کوشش مین خون جگر کھا چکے ہین مگر کچھ نہو سکا ان تمام امور سے یقین ہو گیا کہ اے اللہ تو ہی جسکو چاہتا ہے عزت دیتا ہے اور عزت کسیکی ذاتی نہین چنانچہ دیکھ لو کہ آدم خاکی سے کہا کہ بازو کھول اور جانب بالا پرواز کر اور جنت عالیہ مین بہ مقرب بن حالانکہ خاک کی طبیعت تسفل کو مقتضی ہے اور آتشی سے کہا کہ جا ابلیس ہو جا اور ساتوین زمین کے نیچے رہ اور گمراہ کیے جا حالانکہ آتش کا مقتضا علو ہے اور فرمایا کہ آدم خاکی تو آسمان پر جا کر جنت مین مقرب ہو کر رہ اور ابلیس سے کہا تو تحت الثریٰ مین مردود ہو کر رہ اور فرماتے ہین کہ ہم

عناصر اربعہ اور علت اولیٰ نہیں کہ موثر بیک اثر بلاشعور ہوں یا فاعل ذی شعور باضطرار ہوں اور ایک معلول کو صادر کر کے وہ بھی باضطرار پھر خدائی سے ابدالآباد کے لیے دست بردار ہو جائیں بلکہ ہمارا تصرف اختیاری ہے جو ہمیشہ باقی ہے ہمارا کام بالکل بے نقص اور ٹھیک ہے اور ہماری تقدیر بعلت موجبہ یا بعلت غائیہ خاصہ نہیں بلکہ ہم اپنی عادت کو فوراً بدل سکتے ہیں اور سامنے سے اس غبار کو فوراً زمین میں بٹھلا سکتے ہیں یعنی عادت جو ہمارے اختیار کا ایک پردہ ہو گئی ہے جس سے لوگوں کو شبہ ہو گیا ہے کہ ہم خلاف عادت کچھ کر ہی نہیں سکتے ہم اسکو بالکل اڑا کر اپنے اختیار کامل کو ظاہر کر سکتے ہیں اور ہم سمندر کو پرنار بنا سکتے ہیں اور آگ کو گلزار کر سکتے ہیں پہاڑ کو اون کیطرح ہلکا کر سکتے ہیں آسمان کو بلندی سے نیچے کو کے سامنے لا سکتے ہیں ہم خورشید و ماہ کو ملا سکتے ہیں اور قیامت میں ملا دینگے اور ہم انکا نور سلب کر کے انکو دو ابر سیاہ کی شکل بنا سکتے ہیں اور بنا دینگے چشمۂ خورشید کو آب سے ہم خشک کر سکتے ہیں چشمۂ خون کو مشک بنا سکتے ہیں اور بناتے ہیں آفتاب ماہتاب دو سیاہ بیلوں کیطرح ہیں اور حق سبحانہ نے گردن پر اطاعت کا جوا رکھ کر جسطرح چاہیں چلا سکتے ہیں اور جو چاہیں کام لے سکتے ہیں۔

شرح شبیری

ہدہد کی حقیر صورت سے بلقیس کے دل میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے پیغام کی تعظیم واقع ہونا

رحمت الخ یعنی ہزاروں رحمتیں اس بلقیس پر ہوں کہ خدا نے اسکو عقل سو مردوں کے برابر دی تھی یعنی بہت عاقل تھی۔

ہدہدے الخ یعنی ایک ہدہد خط اور نشان سلیمان علیہ السلام کے پاس چند حروف کا جو بیان تھے لایا مطلب یہ کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا خط ایک ہدہد لایا جیسا کہ قرآن شریف میں مذکور ہے۔

خواند الخ یعنی ان نکات جامعہ کو پڑھا اور قاصد کو حقارت کی نظر سے نہ دیکھا مطلب یہ کہ اسکو نہیں دیکھا کہ یہ ذرا سا قاصد آیا ہے بلکہ اس نے اس خط والے کی عظمت و جبروت کا مشاہدہ اس جسم حقیر سے کیا اور اس خط کا بہت اعزاز و احترام کیا۔

جسم ہدہد الخ یعنی جسم تو ہدہد ہی کا دیکھا مگر جان اسکی عنقا دیکھی اور ظاہر کو مانند جھاگ کے دیکھا اور اسکے دل کو مثل دریا کے پایا جعقاش اور دریاش میں شین مضاف الیہ جان و دل کا ہے عبارت یہ ہے کہ جانش عنقا دید اور دلش دریا دید مطلب یہ کہ اسکے ظاہری جسم کے صغر پر نظر نہ کی بلکہ اسکے باطن کو دیکھا اور اسکو مظہر حضرت سلیمان علیہ السلام کی سلطنت و جبروت کا سمجھا اسیطرح شیخ کے اور کاملین کے اس جسم ظاہری کو دیکھ کر دھوکہ میں مت پڑو اور یہ مت سمجھو کہ یہ تو ہماری مثل ہیں بلکہ انکے کمالات باطنی کو دیکھو اور ان سے فیوض و برکات حاصل کرو آگے اس ظاہر و باطن کی ایک مثال فرماتے ہیں کہ

عقل الخ یعنی عقل حس کے ساتھ اس طلسمات دو رنگ میں مثل حضور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ابوجہلوں کے ساتھ لڑائی میں ہے مطلب یہ کہ ظاہر اور باطن میں چونکہ اختلاف ہے تو اسکی ایسی مثال ہے کہ جیسے حضور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کفار سے لڑتے تھے تو اگر وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مرتبہ اور کمالات کو جانتے تو کیا پھر وہ لڑ سکتے تھے ہرگز نہیں یہ صرف اسلیے تھا کہ وہ لوگ صرف حضور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے جسد ظاہری کو دیکھ کر کہتے تھے ما ہذا الا بشر مثلنا اور بوجہ حقیقت سے اندھے ہونیکے وہ کمالات باطنیہ کو نہ دیکھتے تھے اسیکو فرماتے ہیں۔

کافران الخ یعنی کافروں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو صرف بشری دیکھا اور ان سے انشقاق قمر کو کیوں نہ دیکھا مطلب یہ کہ کفار نے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو صرف یہ دیکھا حضور بھی ہماری ہی طرح کھاتے ہیں پھرتے ہیں سوتے ہیں

وغیرہ وغیرہ اُن کمبختون نے یہ نہ دیکھا کہ حضور کے اندر کمالات باطنی بھی ہین مثلاً معجزہ شق القمر کہ یہ کام صرف اس جسم خالی کا ہرگز نہین ہے ضرور کوئی اور قوت ہے کہ جس سے کہ سماویات پر حکومت ہو سکتی ہے پس وہ لوگ اس قوت کے دیکھنے سے اندھے تھے۔ لہذا چشم ظاہر بین کو بند کرو اور صرف اس سے ہی کام مت لو بلکہ چشم حقیقت بین کو کھولو اور اس سے کام لو اوسیکو فرماتے ہین کہ۔

خاک زن الخ یعنی اپنی اس چشم ظاہر بین پر خاک ڈالو اسلیے کہ چشم ظاہر بین تو عقل و مذہب کی دشمن ہے جیسا کہ ظاہر ہی کہ کفار کو اسی نے گمراہ کیا کہ ماھذا الا بشر مثلنا اونھون نے صرف صفات بشریت ہی کو دیکھا اور اسی مین حصر کمالات کر دیا۔ اندھونکو یہ نہ سوجھا کہ یہ معجزات و کمالات جو کہ روزانہ ظاہر ہوتے ہین یہ کس قوت کا کام ہے۔

دیدۂ الخ یعنی حق تعالیٰ نے چشم ظاہری کو اندھا کیا ہے اور اسکو بت پرست کہا ہے اور اوسکو ہماری ضد کہا ہی مطلب یہ کہ قرآن شریف مین ہے ولہم اعین لا یبصرون بہا کہ انکی آنکھین ہین مگر دیکھتے نہین تو دیکھو حق تعالیٰ نے آنکھین بھی فرمائین اور پھر فرماتے ہین کہ اندھے ہین معلوم ہوگیا اس چشم باطن کے اعتبار سے اندھے ہین کہ اگرچہ بظاہر دیدے کھلے ہوے معلوم ہوتے ہین مگر حقیقت شناس نہین ہین آگے اس چشم ظاہری کے اندھا ہونیکی وجہ دلیل لاتے ہین کہ۔

زانکہ الخ یعنی اسلیے کہ اوسنے جھاگ تو دیکھے مگر دریا کو نہ دیکھا اور اسلیے کہ اوسنے اسوقت کی حالت کو تو دیکھا مگر آیندہ کی حالت کو نہ دیکھا مطلب یہ کہ چونکہ انجام بین اور عاقبت اندیش نہین ہے اسلیے اندھا ہی کہا جاویگا۔ زانکہ مصرعۂ ثانی مین بحذف عاطف معطوف ہو ماقبل پر۔

خواجۂ الخ یعنی وہ تو آقا ہین آیندہ کے اور اس (اندھے) کے سامنے حالی ہین اور وہ خزانہ سے سوائے ایک تسوے کے کچھ نہین دیکھتا مطلب یہ کہ حضور مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے اندر جو کمالات تھے وہ تو ہمیشہ وقتاً فوقتاً ظاہر ہوتے رہتے تھے اُن کفار کی اون پر تو نظر نہ تھی اور وہ صرف اس جسم ظاہر ہی کو دیکھتے تھے اور وہ اس خزانۂ کمالات مین سے سوائے اس جسد ظاہری کے جو کہ اُن کمالات کے سامنے کچھ بھی نہین ہے اور کچھ نہ دیکھتے تھے انکی نظر صرف جسد ظاہر پر ہی تھی ورنہ وہ کفر ہی کیون کرتے ایمان ہی نہ لے آتے۔ آگے فرماتے ہین کہ

ذرۂ الخ یعنی ایک ذرہ اس آفتاب (حقیقی) سے پیام لاتا ہے تو آفتاب (ظاہری) اوسکا غلام ہو جاتا ہے۔

قطرۂ الخ یعنی ایک قطرہ جو کہ اس بحر وحدت کا قاصد ہو تو ساتون دریا اس ایک قطرہ کے مقید ہو جاوین۔

گر کف الخ یعنی اگر ایک مشت خاک اوسکی (حق تعالیٰ کی) چالاک ہو جاوے تو حق تعالیٰ کے افلاک اوسکے سامنے سر رکھتے ہین یعنی اوسکے مطیع ہو جاتے ہین پس جبکہ ایک ذرہ اور ایک قطرہ مین یہ خاصیت ہے اور اسکے کمالات کے ادنے مظہر کی یہ حالت ہے کہ پھر اسکے سامنے کل کائنات مطیع و فرمانبردار ہوتے ہین تو پھر حضور مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے تو کسطرح مطیع و فرمانبردار نہون گے اسلیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو مظہر اتم و اکمل ہین حق سبحانہ و تعالیٰ کے جیسا کہ ظاہر ہے مگر کیا کیا جاوے جبکہ دیکھنے والا ہی اندھا ہو تو اوسکو یہ کمالات کہانسے نظر آوینگے اور اوسکو کیا خبر ہو سکتی ہے آگے اس فرمانبرداری اور اطاعت کی ایک مثال فرماتے ہین کہ۔

خاک الخ یعنی حضرت آدم علیہ السلام کی خاک جبکہ حق تعالیٰ کی چالاک ہوگئی تو انکی خاک کے سامنے حق تعالیٰ کے فرشتون نے سر رکھا مطلب یہ کہ جب آدم علیہ السلام مظہر کمالات آئینہ کے ہوے تو اونکا یہ مرتبہ ہوا کہ مسجود ملائکہ ہوے

تو معلوم ہو گیا کہ یہ کام صرف خاک کا نہین ہے اور اس جسد ظاہری سے یہ کام نہین ہو سکتے ورنہ دوسرون سے بھی جو کہ اس جسد ظاہری مین شریک ہین یہ افعال صادر ہوتے حالانکہ صادر ہونا تو درکنار کہین خواب مین بھی نہین آتے معلوم ہو گیا کہ یہ کام کسی اور قوت کے ہین جو کہ اس قوت ظاہری کے علاوہ اور اس سے برتر ہے آگے اسیکو فرماتے ہین کہ۔

انشقاق آسمان آخر کسو جہ سے ہوا تھا صرف ایک نگاہ سے کہ ناگہ کھول دی تھی یہان آسمان سے مطلق علویات مراد ہین اور مقصود یہ ہے کہ آسمان پر جو انشقاق قمر ہوا تھا وہ آخر کس قوت سے تھا اور وہ کونسی طاقت ہے کہ جسکا اثر سماویات پر بھی چلتا ہے بس وہ وہی قوت باطنی ہے جو کہ ان ظاہری آنکھون سے دکھائی بھی نہین دیتی آگے اس قوت کے قوت ظاہری نہونیکی دلیل فرماتے ہین کہ۔

خاک الخ یعنی خاک تو کثافت کیوجہ سے پانی کے نیچے بیٹھ جاتی ہے تم اس خاک کو دیکھو جو عرش سے بھی گذر گئی اسلیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج جسمانی ہی ہوئی تھی۔ لوگ خواہ مخواہ صوفیہ کو بدنام کرتے ہین کہ یہ معراج جسمانی کے قائل نہین ہین حالانکہ دیکھو یہان مولانا خود فرما رہے ہین کہ خاک ہین گر عرش بگذشت از شتاب آگے فرماتے ہین کہ۔

آن الخ یعنی بس جان لو کہ یہ لطافت آب و گل کیوجہ سے نہین ہے بجز اس مبدع وہاب کی عطا کے اور کچھ نہین ہے یہان آب سے مراد آب و گل ہے۔ مطلب یہ کہ یہ جو معراج جسمانی ہوئی ہے اوسکو صرف یہی مت سمجھو کہ بس اس جسد ظاہری مین کوئی بات تھی ہرگز نہین ورنہ اورونکو بھی ہوا کرتی معلوم ہو گیا کہ جسم مین بھی جو لطافت آگئی ہے اور وہ باوجود کثیف فی الاصل ہونے کے جسکا مقتضا اسفل کیطرف میلان ہے اعلی کیطرف جانے لگا ہے۔ یہ اسی قوت باطنی اور لطافت باطنی کا اثر ہے پس اس قوت باطنی کو دیکھو اور اوسکو حاصل کرو صرف اس جسد ہی جسد کے مقید مت رہو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اور انکے جانشین مشایخ اور نائب رسول کا اتباع اوس قوت باطنی مین کرو ورنہ جسم تو سب کے یکسان ہین بلکہ ممکن ہے کہ کوئی مرید شیخ سے جسماً خوبصورت اور قوی ہو لیکن وہ قوت اور حسن کہان سے لاوے گا ؎

این سعادت بزور بازو نیست ؛ تا نہ بخشد خدائے بخشندہ ؛ خوب سمجھ لو۔ چونکہ مولانا نے یہان یہ فرمایا ہے کہ باوجود جسم کے مادی و مائل الی الاسفل ہونے کے وہ مثل مجرد کے مائل الی العلو ہو گیا ہے تو آگے فرماتے ہین کہ اوسکی تو ایسی قدرت ہے کہ سفلی کو علوی اور گل کو خار اور درد کو دوا و مثل ذلک تغیرات کر دے تو اسکے سامنے کسکو چون و چرا کی مجال ہے وہ حاکم ہے جو چاہتا ہے کرتا ہی ہے لہذا اس تغیر کو بعید نہ سمجھنا چاہیے اب اشعار سے سمجھ لو۔ فرماتے ہین کہ۔

گر کند الخ یعنی وہ اگر ہوا اور آگ کو (جو کہ علویات مین سے ہین) سفلی کر دے اور کانٹے کو (مرتبہ مین) گل سے بڑھا دیوے۔

حاکم است الخ یعنی وہ تو حاکم ہے اللہ جو چاہے کرے وہ خود درد سے دوا کو پیدا کر دے۔

گر ہوا و الخ یعنی اگر ہوا کو اور آگ کو سفلی کر دے اور کثیف اور بے نور اور تجھین کر دے۔

ور زمین باالخ یعنی زمین اور پانی کو (جو کہ سفلیات مین سے ہین) علوی کر دے اور آسمان کے راستہ کو پاؤن سے طے کر دے جیسا کہ حضور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم معراج مین قدم مبارک سے تمام آسمانونکو طے فرما آئے تھے غرضکہ وہ جو کچھ بھی کر دے۔

نیست الخ یعنی کسیکو کیون کہنے کی طاقت نہین ہے اور بہت سے جگر ہین کہ اس راہ مین خون ہو گئے ہین مطلب یہ کہ وہ جو چاہے کرے وہان کسیکو چون و چرا کی طاقت نہین۔ اسیکو حضرت شیخ فرید الدین عطار فرماتے ہین کہ ؎ ہست سلطانی مسلم مر ورا نیست کس را زہرۂ چون و چرا ؛ آگے فرماتے ہین کہ۔

تیش الخ یعنی پس یقین ہوگیا کہ جسکو چاہے عزت دے اور جسکو چاہے ذلت دے اور وہ تو ایسی ذات ہے کہ ایک خاکی کو تو کہدیا کہ پر کھولدے (اور اڑ جا جیسا کہ حضور رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم سے کہا گیا کہ سیر آسمان کیجیے) پوری اوسکی وہ شان ہے کہ۔

آتشی الخ یعنی آگ کو کہدیا کہ جا ابلیس ہو جا اور ساتوین زمین کے نیچے با ابلیس ہو جا۔

آدم خاکی الخ یعنی اے آدم خاکی تم تو آسمان پر جاؤ اور اے ابلیس آتشی تو زمین کے اندر ثرےٰ تک جا مطلب یہ کہ اوسکی وہ شان ہے کہ خاک کو جو کہ سفلیات مین سے ہے علو کیطرف بھیجتا ہے اور وہ لطیف و مجرد کی طرح علوی کیطرف چلے جاتے ہین۔ اور آگ کو جسکا کہ میلان علو کیطرف ہے اوسکو سفل کیطرف بھیجتا ہے اور وہ کثیف اور مادی کیطرح نیچے اوترتی چلی جاتی ہے۔ جیسا کہ حضرت آدم علیہ السلام کو کہ خاکی تھے کہ مرتبہ علیا مین رکھا اور ابلیس کو جو کہ ناری تھا مرتبۂ اسفل مین رکھا تو اوس کی قدرت اور طاقت کے مثل کوئی ہے ہی نہین ہوا وراء الوراثم وراء الوراء الی غیر النہایۃ چونکہ فلاسفہ حق تعالیٰ کو ایجاد خلق کی علت ادلے مانتے ہین کہ الواحد لا یصدر عنہ الا الواحد اور اس اعتبار سے حق تعالیٰ سے عقل اول کی ایجاد کو تسلیم کرکے پھر حق تعالیٰ کو بیکار مانتے ہین خذلہم اللہ اور بعض لوگ اربعۂ عناصر کو مؤثر بالاضطرار مانتے ہین کہ انکے جو افعال ہین وہ انسے صادر ہوتے ہین اور اگر وہ چاہین کہ نہ صادر ہون تو وہ اوسپر قادر نہین ہین اسلیے مولانا آگے انکی تردید فرماتے ہین مگر چونکہ اسوقت مولانا پر توحید کا غلبہ ہے اسلیے بزبان حق ہی تعبیر کرنے لگے کیسے حق تعالیٰ ہی کا قول نقل کر رہے ہین اب سمجھو کہ فرماتے ہین کہ۔

چار طبع الخ یعنی مین چار طبائع (کیطرح متصرف بالاضطرار) نہین ہون اور علت اولی (شے کیطرح بیکار) نہین ہون مین تصرف مین ہمیشہ باقی ہون یعنی میرا تصرف بالاختیار ہے اور وہ باقی بھی ہے اوسکو کبھی زوال نہین ہے جسطرح چاہتا ہون کرتا ہون اور فرماتے ہین کہ۔

کار من الخ یعنی میرا کام بغیر خرابی کے ہے اور مستقیم ہے اور میری تقدیر علت کے ساتھ نہین ہے۔ اے سقیم مطلب یہ کہ میرے کام بے کسی خرابی کے ہین اور کسی علت کے معلول نہین ہین تاکہ صدور مین کسی دوسری شے کے محتاج ہون بلکہ مین متصرف باختیار خود ہون اور میری افعال میرے اختیار سے صادر ہوتے ہین۔

عادت الخ یعنی اپنی عادت کو عین وقت پر بدل دیتا ہون اور اس غبار کو سامنے سے عین وقت پر ہٹا دیتا ہون مطلب یہ کہ مجھے کسی فعل کے لیے پہلے سے انتظام وغیرہ کی ضرورت نہین ہوتی بلکہ مین وقت پر جیسا بھی چاہتا ہون کرتا ہون۔ اذا اراد شیئا ان یقول لہ کن فیکون مشیت کی دیر ہے مشیت کے ساتھ ہی ترتب اثر ہو جاتا ہے جیسا کہ اہل حق کے نزدیک ظاہر و باہر ہے۔ اور فرماتے ہین۔

بحر را الخ یعنی مین دریا کو کہدون کہ آگ سے بھر جا اور آگ کو کہدون کہ گلزار ہو جا تو ویسا ہی ہو جاتا ہے جیسا کہ ابراہیم علیہ السلام کے لیے فرمایا۔ کہ یانار کونی بردا وسلاما علی ابراہیم کہ اے آگ ابراہیم علیہ السلام کیلیے ٹھنڈی سلامتی کے ساتھ ہو جا یہ حکم ہونا تھا کہ فوراً گلزار ہو گئی غرضکہ جو چاہین کرین فعال لما یرید اور فرماتے ہین کہ۔

کوہ را الخ یعنی پہاڑ کو حکم کر دین کہ اون کیطرح ہلکا ہو جا اور آسمان سے کہون کہ آنکھ کے سامنے نیچے ہو جاؤ جیسا کہ قرآن شریف مین ہے کہ وتکون الجبال کالعہن المنفوش یعنی قیامت کے روز پہاڑ دھنکی ہوئی روئی کیطرح ہونگے اور ایک

جگہ فرماتے ہین کہ او نسقط علیہم کسفا من السماء فظلت اعناقہم لہا خاضعین۔ کہ اگر ہم کوئی ٹکڑا آسمان سے گرا دین تو انکی گردنین اوسکی وجہ سے جھک جاوین تو دیکھو کہ جسطرح حکم ہوا اوسیطرح ہو جاوے اور یہ اسقدر ظاہر ہے کہ جسکے بیان کی بھی ضرورت نہین اسلیے اسوقت الفاظ ہی نہین ملتے کہ جن سے انکی قدرت اور جبروت کو ظاہر کیا جاوے۔ وراء الوراء ثم وراء الوراء ثم وراء الوراء الی غیر النہایۃ۔

گو کنم الخ یعنی مین حکم کر دون کہ اے خورشید چاند کے ساتھ مقرون ہو جاؤ اور دونون کو مثل ابر سیاہ کے کر دون (تو ویسا ہی ہو جاوے) جیسا کہ قرآن شریف مین ہے کہ جمع الشمس والقمر اور دوسری جگہ فرماتے ہین اذا الشمس کورت اور حدیث مین بھی ہے کہ شمس و قمر آوینگے اور وہ بے نور ہونگے پس جو بھی مشیت ہو ویسا ہی ترتب آثار ہو جاتا ہے اور فرماتے ہین کہ۔

چشمۂ الخ یعنی چشمۂ خورشید کو ہم خشک کر دین اور چشمۂ خون کو فن سے ہم مشک بنا دین مطلب یہ کہ خورشید کے نور کو سلب کر دین اسکی بھی ہمکو قدرت ہے اور خون سے مشک بناتے ہین کہ خون آہو سے مشک بنتا ہے یہ سب ظاہر ہے اور فرماتے ہین کہ

آفتاب الخ یعنی آفتاب اور ماہتاب کو دو سیاہ بیلونکی طرح کرکے اونکی گردن پر حق تعالی جوا باندھ دین تو اوسکی بھی قدرت ہے اسلیے کہ سب اشیاء اونکے تابع اور انکی مشیت کے مقید اور پابند ہین پس جسطرح چاہین کر دین تو اگر حق تعالی نے انسان مین سے کسیکو مقرب کر دیا ہوا اور اوسکو مراتب اعلی پر پہونچا کر اوسکی خواہشات نفسانی کو فنا کرکے فرشتون سے بھی افضل کر دیا ہو تو اوسمین استعجاب ہی کی کونسی بات ہے اسلیے کہ حق تعالی تو فاعل مختار ہین جسطرح چاہتے ہین تغیر اور رد و بدل کرتے ہین لہذا انبیاء و اولیا کی ظاہری صورت کو دیکھ کر انکار کمالات مت کرو کہ اس سے بعض مرتبہ دنیا مین بھی عذاب شدید ہوتا ہے اور عذاب آخرت تو ظاہر ہے آگے اسی مضمون پر ایک حکایت فرماتے ہین جسکا خلاصہ یہ ہے کہ کسی معاند کافر نے قاری کو آیت ارایتم ان اصبح ماؤکم غورا فمن یاتیکم بماء معین (یعنی اگر پانی نیچے زمین کی تہ مین اتر جاوے تو کون پانی کو وہان سے لاوے) پڑھتے ہوے سنا تو بولا کہ فاتیہ بالمعول والمعین کہ ہم اوسکو کدال وغیرہ سے نکال لین گے یہ تو جو کچھ ہونا تھا ہو لیا مگر اب رات کو جب سویا تو کسی نے ایک تھپڑ اس زور سے مارا کہ آنکھین اندھی ہو گئین (نعوذ باللہ) اور کہا کہ فہینا بماء عینک فاتہ بالمعول والمعین یعنی ہم تیری آنکھ کا پانی اور روشنی لیگئے اب اسکو کدالون سے نکال لے تو دیکھو چونکہ اس معاند نے صرف ظاہر ہی کو دیکھا اور اوسکی اصل اور حقیقت پر نظر نہ کی تو اوسکی اوسکو یہ سزا ملی۔ اور عذاب آخرت وہ الگ رہا۔ لہذا اولیاء اللہ کے کمالات کا انکار انکے ظاہر کو دیکھکر ہرگز نہ چاہیے اب حکایت سمجھو کہ فرماتے ہین کہ۔

شرح حبیبی

انکار کردن فلسفی بر قرآن کہ ان اصبح ماؤکم غورا فمن یاتیکم بماء معین

مقرے میخواند از روئے کتاب ❊ ماؤکم غورا ز چشمہ بندم آب
آب را در غورہا پنہان کنم ❊ چشمہا را خشک و خشکستان کنم
آب را در چشمہ کہ آرد دگر ❊ جز من بے مثل با فضل و خطر
فلسفے منطقے مستہان ❊ مے گذشت از سوئے مکتب آنزمان
چونکہ بشنید آیہ او ناپسند ❊ گفت آریم آب را ما با کلند

باز خشم سیل وتیزی بتر | آب را آریم از پستی زبر
شب بخفت و دید او یک شیر مرد | زد طپانچہ ہر دو چشمش کور کرد
گفت زین دو چشمہ چشم اے شقی | با تبر نورے برآر ار صادقے
روز برجست و دو چشمش کور دید | نور فائض از دو چشمش ناپدید
گر بنالیدے و مستغفر شدے | نور رفتہ از کرم ظاہر شدے
لیک استغفار ہم در دست نیست | ذوق توبہ نقل ہر مست نیست
زشتی اعمال و شومے جحود | راہ توبہ بر دل او بستہ بود
دل بسختی ہمچو روے سنگ گشت | چون شگافد توبہ آنرا بہر کشت
چون شعیبے کو کہ تا او از دعا | بہر کشتن خاک سازد کوہ را
از نیاز و اعتقاد آن خلیل | گشت ممکن امر صعب مستحیل
یا بدریوزہ مقوقس از رسول | سنگلاخے مزرعے شد با اصول
ہمچنین بر عکس آن انکار مرد | مس کند زر را و صلحے را نبرد
کہربائے مسخ آمد این دعا | خاک قابل را کند سنگ حصی
ہر دلے را سجدہ ہم دستور نیست | مزد رحمت قسم ہر مزدور نیست

ایک قاری قرآن کی یہ آیت پڑھ رہا تھا ان اصبح ماؤکم غورا فمن یاتیکم بماء معین یعنی ہم چشمون کے پانیون کو بند کر سکتے ہیں ہم پانی کو زمین کے اندر چھپا سکتے ہین ہم چشمون کو خشک اور بالکل خشک کر سکتے ہین پس اگر ہم ایسا کرین اور تمھارا پانی زمین مین اتر جاوے تو پانی کو چشمہ مین پھر کون واپس لا سکتا ہے بجز مجھ بے مثل اور صاحب فضل و منزلت کے ایک منطقی فلسفی ذلیل اسوقت مکتب کیطرف سے گذر رہا تھا جب اسنے اسکو اس آیت کو زور سے پڑھتے سنا تو اُسنے کہا کہ ہم کسی سے لا سکتے ہین۔ ہم پھاوڑے اور تبر کی دھار سے پانی کو نیچے سے اوپر لے آئینگے جب دن ختم ہوا اور رات ہوئی تو سو گیا اور خواب مین ایک شیر مرد کو دیکھا کہ اسنے ایک طپانچہ مار کر اسنے اندھا کر دیا اور کہا کہ اے شقی گستاخ اگر تو سچا ہے کہ ہم خدا کا مقابلہ کر سکتے ہین اور اسکے تصرفات مین اسکے مزاحم ہو سکتے ہین تو ان دو چشمون مین ادویہ وغیرہ کے ذریعہ سے نور پیدا کر۔ جب وہ خواب سے بیدار ہوا تو آنکھون کو اندھا پایا اور دیکھا کہ وہ نور جو اسکی آنکھون مین جاری تھا۔ بالکل غائب ہے اس گستاخی پر بھی اگر یہ شخص نادم ہوتا اور حق سبحانہ کی درگاہ مین روتا اور گڑگڑاتا اور توبہ و استغفار کرتا تو حق سبحانہ اپنے فضل بیکران سے اسکی اس گستاخی سے درگذر فرماتے اور نور زائل ظاہر ہو جاتا لیکن کیا کیجیے کہ استغفار بھی تو من کل الوجوہ قبضہ مین نہین کیونکہ اسمین حق سبحانہ کی مساعدت توفیق کی بھی ضرورت ہے اور توبہ کی لذت ہر مست گناہ کے لیے تو نقل نہین کہ ہر ایک کو مل جاوے لہذا وہ توبہ نکر سکا کیونکہ بدکرداری اور انکار کی شامت نے اسے مخذول کر دیا تھا حتی کہ توبہ جو ایک اختیاری امر ہے وہ بھی نکر سکا اور توبہ کا رستہ اُسکے دل پر بند ہو گیا اور سختی مین پتھر کیطرح ہو گیا۔ پھر بھلا توبہ اُسکو پھاڑ کر کھیتی کے قابل کیسے کرتی۔ پتھر کو دعا سے کھیتی کے قابل کر دینا یہ تو شعیب جیسے بزرگوار ونکا کام ہے۔ پھر شعیب جیسے کہان ہین جو ایسا کرین۔ یا خلیل علیہ السلام کے عجز و نیاز اور اعتقاد و خلوص کے باعث امر مشکل

اور محال عادی یعنی آگ کا باغ ہوجانا یا ریتے کا آٹا ہوجانا ممکن ہوگیا تھا یا مقوقش کی درخواست پر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا سے پتھریلی زمین میں پیداوار کا کھیت بنگیا تھا سو اب ایسے کہاں ہین جسطرح انکے خلوص کی بدولت خرق عادت کے طور پر ناقص سے کامل یا مضر سے مفید ہونا واقع ہوا۔ اور اگر اسی قسم کا خلوص اور رونا ہم مین ہو تو ادھر سے بھی ہوسکتا ہے یون ہی اسکے برعکس دعا کرنے والے شخص کے انکار سے سونا تانبا ہوجاتا ہے اور صلح جنگ ہوجاتی ہے یعنی مفید مضر اور کامل ناقص ہوجاتا ہے اور اہل قسم کی دعا جاذب مسخ ہے کہ قابل زراعت زمین کو پتھریلی اور کنکریلی زمین اور ناقابل کاشت کرتی ہے بس بات یہ ہو کہ دل کو سجدہ اور انقیاد کی اجازت نہین ہے اور مزدوری از حمت ہر مزدور کو نہین ملتی بلکہ وہ مشروط بشرائط ہی پس اگر شرائط پائی جاینگی ملیگی ورنہ نہین۔

هین بپشت آن مکن جرم وگناه — که بکنم توبه در آیم در پناه

می بباید تاب و آبی توبه را — شرط شد برق و سحابی توبه را

آتش و آبی بباید میوه را — واجب آمد ابر و برق این شیوه را

تا نباشد برق دل و آب دو چشم — کی نشیند آتش تهدید و خشم

تا نباشد گریهٔ ابر از مطر — تا نباشد خندهٔ برق ای پسر

کی بروید سبزهٔ ذوق وصال — کی بجوشد چشمه‌ها ز آب زلال

کی گلستان راز گوید با چمن — کی بنفشه عهد بندد با سمن

کی چناری کف گشاید در دعا — کی درختی بر فشاند میوه را

کی شکوفه آستین پر نثار — بر فشاندن گیرد ایام بهار

کی فروزد لاله را رخ همچو خون — کی گل از کیسه بر آرد زر برون

کی بیاید بلبل و گل بو کند — کی چو طالب فاخته کوکو کند

کی بگوید لکلک آن لک لک بجان — لک چه باشد ملک لک یا مستعان

کی نماید خاک اسرار ضمیر — کی شود چون آسمان بستان منیر

جب تجھے معلوم ہوگیا کہ توبہ من کل الوجوہ امر اختیاری نہین پس تم اس بھروسہ پر جرم وگناہ نکرنا کہ مین توبہ کرلونگا اور پناہ مین آجاؤنگا کیونکہ توبہ کے لیے صرف الفاظ معذرت کافی نہین بلکہ اسکے لیے ضرورت ہے کہ سوزش دل ہو اور آنکھوں سے آنسو جاری ہون۔ خوف کامل اور انفعال تام حاصل ہو اور توبہ کے لیے برق وسحاب ندکو اس لیے شرط ہی کہ وہ میوہ سے مشابہ ہے پس جسطرح میوہ کے لیے حرارت اور پانی کی ضرورت ہے یون ہی اس کام کیلیے بھی اس ابر و برق خاص کی ضرورت ہی جبتک برق دل اور آب چشم نہو یعنی دلمین سوزش اور آنکھونمین آنسو نہون جو اثر ہے انفعال وخوف کا اسوقت تک آتش تہدید وخشم کیونکر دب سکتی ہی دیکھو تو سہی جبتک ابر بارش سے نہ روئیگا اور برق نہ ہنسیگی اسوقت تک ذوق وصال کی مانند فرحت بخش سبزہ کیسے اوگ سکتا ہی اور چشمے آب شیرین سے کیسے جوش مارسکتے ہین اگر یہ نہو تو کب گل بوستے چمن سے راز ونیاز کی باتین کرین اور کب بنفشہ سمن کے ساتھ عہد باندھے اور چنار کب دعا کے لیے ہاتھ کھولے اور کب درخت میوہ گرائے اور ایام بہار مین کب شگوفہ آستین پر نثار جھاڑنے پر تیار ہو اور لالہ کا رخ

خون کیطرح کب چمکے اور گل تھیلی سے زر کیسے نکالے اور کب بلبل آئے اور گل بو کرے۔ اور کب فاختہ عاشق کیطرح کوکو (یعنی کہان ہو کہان ہو) کی صدائین لگائے۔ اور لکلک کب جان و دل سے لگ لگ کہے جسکا مطلب یہ ہے کہ اے اللہ ملک تیرا ہی ہے اور خاک اپنے دل کے اسرار سبزہ وغیرہ سے کب ظاہر کرے اور آسمان کیطرح باغ کب روشن ہو آگے مولانا ان اشیاء کا آلہ معرفت حق سبحانہ ہونا بیان فرماتے ہین۔

از کجا آورده اند این حلّها / من کریم و من رحیم کلّها

آن لطافت ہا نشان شاہدیست / کہ بہر ساعت دو صد جانش فدیست

آن شود شاد از نشان کو دید شاہ / چون ندید او را نباشد انتباہ

روح آن کس کو بہ ہنگام الست / دید رب خویش و شد بیخویش و مست

او شناسد بوی مے کہ مے بخورد / چون نخورد او مے چہ داند بوی کرد

زانکہ حکمت ہمچو ناقۂ ضالہ است / ہمچو دلالان شہان را دالہ است

تو ببینی خواب در یک خوش لقا / کو دہد وعدہ و نشانی مرترا

کہ مراد تو شود اینک نشان / کہ بہ پیش آید ترا فردا فلان

یک نشانی آنکہ او باشد سوار / یک نشانی کہ ترا گیرد کنار

یک نشانی کہ بخندد پیش تو / یک نشانی کہ دست بندد پیش تو

یک نشانی آنکہ این خواب از ہوس / چون شود فردا نگوئی پیش کس

یہ حلے کہان سے آئے ہین سب کے سب کریم و رحیم کے پاس سے اور یہ سب نزاکتین نشان ہین اس معشوق کا جسپر سو جانین قربان۔ ان نشانات کو دیکھکر وہی خوش ہوتا ہے جسنے اُس بادشاہ کو دیکھاہے اور اُسیکی روح خوش ہوسکتی ہی جسنے روز الست و روز میثاق مین اپنے رب کی معرفت حاصل کی اور فرط لذت سے بیخود و مست ہوگیا۔ اور جس نے نہین دیکھا اوسکو تنبہ نہین ہوسکتا۔ کیونکہ بوے مے سے مے کو وہی خوب پہچان سکتا ہی جسنے شراب پی ہو۔ اور جسنے پی نہین وہ کیا جانے نیز یہ وجہ بھی ہے کہ حکمت گمشدہ اونٹنی کی مانند ہے پس جسطرح گمشدہ اونٹنی کو دیکھکر وہی خوش ہوتا ہی جو اس سے واقف ہے اور جانتاہے کہ میرا مطلوب یہی ہے یون ہی حکمت من حیث الحکمۃ سے بھی وہی خوش ہوتا ہی جسکو اجمالی ادراک اسکے حکمت ہونیکا پیشتر سے ہو اور اس اجمالی ادراک کی بناپر اسکا طالب ہو نیز وہ اسوجہ سے بھی خوش ہوتا ہی کہ یہ حکمت مانحن فیہ اہل اللہ کے لیے مطلوب کیطرف راہبر ہے اس مضمون کو ہم مثال سے واضح کرنا چاہتے ہین مثلاً تم خواب مین دیکھو کہ ایک حسین تمھین حصول مقصود کا وعدہ دیتاہے اور اسکا یہ نشان بتاتاہے کہ کل تمکو فلان شخص ملیگا اور دوسری نشانی یہ ہی کہ وہ سوار ہوگا۔ تیسری نشانی یہ کہ تمسے بغل گیر ہوگا۔ چوتھی نشانی یہ کہ تمھین دیکھکر ہنسے گا۔ پانچوین نشانی یہ کہ تمھارے سامنے ہاتھ باندھکر کھڑا ہوگا چھٹی نشانی یہ کہ تم اس خواب کو کل کسی سے کہہ ندینا

زان نشان با والد یحییٰ بگفت / کہ نیائی تا سہ روز اصلا بگفت

تا سہ شب خامش کن این نیک و بدت / این نشان باشد کہ یحییٰ باید ت

دم مزن سہ روز اندر گفتگو / کہ سکوت است آیت مقصود تو

هین میاور این نشانرا تو بگفت	این سخن را دار اندر دل نهفت

اسی نشان کی بابت حضرت زکریا علیہ السلام سے کہا گیا تھا کہ تین روز تک بجز ذکر اللہ کے کوئی کلام نہ کرنا اور بجز ذکر اللہ کے اور تمام اچھی بری باتونسے خاموش رہنا یہ نشانی ہی اسکی کہ آپ کو یحییٰ علیہ السلام کی ضرورت ہے اور ملنا چاہتے ہین لہذا آپ کو تین روز خاموش رہنا چاہیے کیونکہ یہ آپ کے حصول مدعا کی علامت ہی جسوقت آپ ایسا کرین گے اسوقت آپ کو متوقع رہنا چاہیے کہ اب حضرت یحییٰ علیہ السلام ہمکو ملین گے دیکھو خبردار اس نشانی کو کسی سے کہنا بھی نہین اور اس بات کو دل ہی مین مخفی رکھنا۔ یہانتک حضرت زکریا علیہ السلام کا قصہ بیان کرکے پھر مضمون سابق کیطرف عود فرماتے ہین۔

این نشانها گویدش همچون شکر	آنچه باشد صد نشانهای دگر
این نشان آن بود کان ملک و جاه	که همه جوئی بیابی از آله
آنکه می گریی بشبهای دراز	وانکه می سوزی سحرگه در نیاز
آنکه بی آن روز تو تاریک شد	همچو دوک گردنت باریک شد
وانکه دادی انچه داری در زکات	چون زکوة پاکبازان رختهات
رختها دادی و خواب و رنگ رو	سر فدا کردی و گشتی همچو مو
چند در آتش نشستی همچو عود	چند پیش تیغ رفتی همچو خود
زین چنین بیچارگیها صد هزار	خون عشاق است ناید در شمار

غرض وہ آئینو الا شخص یہ شکر کے مانند مرغوب نشانات تم سے بیان کرے جو کہ تمکو حصول مدعا کا امیدوار بناتے ہین لیکن وصول مدعا کے صرف یہ ہی نشانات نہین ہین بلکہ اور بھی سیکڑون نشانات ہین چنانچہ جس چیز کو تم حق سبحانہ سے طلب کرتے ہو اوسکے ملنے کے یہ بھی نشانیان ہین کہ تم شبہائے دراز مین اوسکے لیے روتے ہو اور صبح کے وقت دل سوزی سے تضرع وزاری کرتے ہو اور حصول مدعا کے لیے حق سبحانہ سے التجائین کرتے ہو اور یہ کہ تم بدون اسکے اسقدر مغموم رہتے ہو کہ دن تمھاری آنکھومین تاریک ہو گیا ہے اور مارے غم کے تکلے کیطرح تمھاری گردن تپلی ہو گئی ہی اور یہ کہ جو کچھ تمھارے پاس ہے تن من دھن مطلوب پر تم نے سبکو قربان کر دیا ہے جسطرح کہ اہل اللہ کیا کرتے ہین اور تونے اپنا سب سامان شادیا ہی تمھاری نیند جاتی رہی ہی مارے غم کے چہرہ کا رنگ اڑ گیا ہے اور سر تک مطلوب پر قربان کر دیا ہی اور گھل گھل کر بال کیطرح پتلے دبلے ہو گئے ہو جسطرح عود آگ مین جلتا ہی یون ہی تم بھی آتش فرقت مین جلتے ہو۔ اور خود کیطرح تلوار کے سامنے سینہ سپر ہو گئے ہو یہ سب علامات ہین وصال محبوب کے کسیکو شبہہ نہونا چاہیے کہ جب وصال مطلوب کے یہ نشانات ہین تو وصال گویا ناممکن ہی کیونکہ نہ یہ ہوگا نہ وصال ہوگا۔ اسلیے کہ یہ تو چند باتین ہین تم انہین سے گھبرا گئے ایسی باتین تو عشاق لاکھون کرتے ہین جنکا احاطہ نہین ہو سکتا اس مضمون کو ختم کرکے آگے فرماتے ہین۔

چونکه اندر خواب دیدی حالها	آنکه بودی آرزویش سالها
چونکه شب آن خواب دیدی روز شد	از امید آن دولت پیروز شد
چشم گردان کرده در چپ و راست	کان نشان و آن علامتها کجاست
برمثال برگ می لرزی که وای	گر رود در روز نشان ناید بجای

می دوی در کوہ و بازار و سرا — چون کسے کو گم کند گوسالہ را
خواجہ خیرست این دوادو چیست — گم شدہ اینجا کہ داری کیست
گوئیش خیرست لیکن خیر من — کس نشاید کہ بداند غیر من
گر بگویم یک نشانم فوت شد — چون نشان شد فوت وقت موت شد
بنگری در روے ہر مرد سوار — گویدت منگر مرا دیوانہ وار
گوئیش من صاحبے گم کردہ ام — رو بجست و جوے او آوردہ ام
دولتت پایندہ بادا اے سوار — رحم کن بر عاشقان معذور دار
چون طلب کردی بجد آید نظر — جد خطا نکند چنین آمد خبر
ناگہان آمد سوارے نیک بخت — پس گرفت اندر کنارت سخت سخت
تو شدی بیہوش و افتادی بطاق — بے خبر گفت اینت سالوس و نفاق
او چہ مے بیند درو این شور چیست — او نداند کان نشان وصل کیست
این نشان در حق او باشد کہ دید — آن دگر را کے نشان آید پدید
ہر زمان کز وے نشانے میرسد — شخص را جانے بجانے میرسد
ماہی بیچارہ را پیش آمد آب — این نشانہا تلک آیات الکتاب

جبکہ خواب مین تم نے یہ حالت دیکھی جسکی تمکو برسون سے آرزو تھی تو یہ خواب دیکھکر جب دن ہوا اور امید حصول مطلوب پر تمھارا دل کامیاب ہوا تو تم نے دائین بائین دیکھنا شروع کیا کہ وہ نشانیان اور علامتین جو مجھے خواب مین معلوم ہوئی تھین کہان ہین تم دیکھتے جاتے ہو اور تمھارا دل دھڑکتا جاتا ہے کہ اگر دن ختم ہو جائے اور وہ نشانیان نہ ملین تو بڑی مصیبت ہے تم پہاڑون اور جنگلون اور سراؤن مین اُن نشانیون کی تلاش مین یون دوڑ رہے ہو جیسے کسیکا بچھڑا کھو گیا ہو اور وہ اسکو ڈھونڈھتا پھرتا ہو۔ لوگ تمکو پریشان اور حواس باختہ دیکھکر پوچھتے ہین کہ کیون جناب خیر تو ہے یہان تمھارا کون شخص گم ہو گیا ہے اور وہ تمھارا رشتہ مین کیا ہوتا ہے تو تم اوسکے جواب مین کہتے ہو کہ جی ہان خیر ہے مگر مین آپ سے اصل واقعہ بیان نہین کر سکتا اوسکو مجھی تک رہنا چاہیے اسلیے کہ اگر مین کہتا ہون تو میری ایک نشانی جاتی رہیگی اور اس نشانی کا ضائع ہو جانا میرے لیے موت ہے تم ہر سوار کی صورت غور سے دیکھتے ہو بدین خیال کہ شاید یہ وہی سوار ہو جسکی مجکو بشارت دیگئی تھی اور وہ سوار تم کو غور سے دیکھتے ہوے دیکھکر ڈانٹتا ہے اور کہتا ہے کہ تو مجھے دیوانون کی طرح کیون گھورتا ہے اسپر تم کہتے ہو کہ میرا ایک آدمی گم ہو گیا ہے مین اسے تلاش کرنے نکلا ہون جناب کو خدا ہمیشہ با دولت رکھے آپ خفا نہون عشاق پر رحم کرین اور انکو معذور رکھین غرض جب تمنے بہت ڈھونڈھا تو وہ سوار نظر آیا اور آنا بھی چاہیے کیونکہ حدیث مین ہے کہ حق سبحانہ کسیکی کوشش کو ضایع نہین کرتے اور وہ سعادتمند سوار دفعۃً تیرے پاس پہونچگیا اور تمکو آغوش مین لیکر خوب دبایا یہ دیکھکر مارے خوشی کے تم بیہوش ہو گئے اور جسم سست ہو جانے کے سبب زمین پر گر پڑے جو شخص اس راز سے واقف نہ تھا اوسنے آوازے کسنے شروع کیے کہ اجی مکار ہے اور دغا باز ہے آخر اسنے کیا دیکھا اور یہ شورش کس بنا پر ہے لیکن اس جاہل کو معلوم نہین کہ یہ کسکے وصل کا نشان ہے اور وہ کون ہے جسکے سبب یہ خود رفتہ ہوا ہے یہ نشانی

اسی شخص کے حق مین نشانی ہو سکتی ہی جسنے اوسکو پہلے دیکھا ہو اور جسنے نہین دیکھا اوسکے لیے یہ نشانی نہین ہو سکتی غرض جون جون نشانیان ظاہر ہوتی جاتی ہین اوس شخص کی جان مین جان آتی ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مچھلی کو پانی ملگیا اور یہ نشانیان اُسکے لیے یون ہی حیات بخش ہوتی ہین جسطرح عارفین کیلیے وہ آیات جنکی طرف تلک آیات الکتاب مین اشارہ کیا گیا ہی جب تم کو یہ مثال معلوم ہو گئی تو اس سے تم سمجھ سکتے ہو کہ نشانہاے عالم سے حق سبحانہ اسیکو یاد آتے ہین جو روز الست مین حق سبحانہ کی معرفت حاصل کر چکا ہے اور وہی ان پر وجد کر سکتا ہے جو اس دولت سے بہرہ مند ہے لیکن جو لوگ اس سے بے بہرہ ہین انکو اس سے کچھ پتہ نہین چلتا اور وہ ایسے لوگون کو احمق بناتے ہین۔

پس نشانیہا کہ اندر انبیاست		خاص آن جانرا بود کو آشناست

اسی مثال سے تم یہ بھی سمجھ سکتے ہو کہ انبیاء مین جو نشانیان ہوتی ہین انکو وہی پہچانتے ہین جنکو ان سے مناسبت ہے اور روز الست مین انکو انکی واقفیت ہو چکی ہی یہانتک پہونچکر مولانا کو تاب نہین رہی اسلیے آگے معذرت فرماتے ہین۔

این سخن ناقص بماند و بیقرار	دل ندارم بیدلم معذور دار
ذرہ‌ہا را کے تواند کس شمرد	خاصہ آن کو عشق از وے عقل برد
مے شمارم برگہاے باغ را	مے شمارم بانگ کبک و زاغ را
در شمار اندر نیاید لیک من	مے شمارم بہر رشد اے ممتحن
نحس کیوان یا کہ سعد مشتری	ناید اندر حصر گر کس بشمری
لیک ہم بعضے ازین ہر دو اثر	شرح باید کرد بہر نفع و ضر
تا شود معلوم آثار قضا	شمۂ مر اہل سعد و نحس را
طالع آنکس کہ باشد مشتری	شاد گردد از نشاط و سروری
وانکہ را طالع زحل از ہر شرور	احتیاطش لازم آمد در امور
گر نگویم آن زحل استارہ را	ز آتشش سوزد مر آن بیچارہ را
بس کن اے بیہودہ تا زان آفتاب	آتشے ناید بیک بارہ بتاب
از کواکب وز سپہر بیکران	در دمے تے تو ز ماندنے نشان
انچہ بر دارد بدان مشغول شو	وز دگر گفتارہا معزول شو
جنبش اختر نیاید جز عقیم	بر ندارد آنکہ جز لطف رحیم
اذکروا اللہ شاہ ما دستور داد	اندر آتش دید ما را نور داد
گفت اگرچہ پاکم از ذکر شما	نیست لائق مر مرا تصویرہا
لیک ہرگز مست تصویر و خیال	در نیابد ذات ما را بے مثال
شاہ را گوید کسے جولاہ نیست	اینچہ مدح ست او مگر آگاہ نیست

یہ گفتگو ناتمام اور بے ٹھکانے رہگئی وجہ یہ ہے کہ مین دل نہین رکھتا یعنی میرا دل میرے بس مین نہین اس لیے مجھے

زیادہ گوئی سے معذور سمجھو دوسری وجہ یہ ہے کہ نشانات وغیرہ ذروں کے مانند بعید و نہایت ہین آدمی جسطرح ذرونکو نہین گن سکتا یون ہی مین بھی انکا احاطہ نہین کرسکتا اور وہ توکسیطرح بھی نہین گن سکتا جسکی عقل پر عشق الٰہی غالب آگیا ہے کہ جب محبوب کا ذکر آتا ہے وہ اپنے حواس مین نہین رہتا۔ بھلا سمجھو تو سہی مین کہین باغ کے پتونکو شمار کرسکتا ہون اور مین کوون اور چکورون وغیرہ کی آوازون کو گن سکتا ہون ہرگز نہین اور وہ شمار مین نہین آسکتے لیکن مین نے فی الجملہ بصیرت کے لیے جسقدر مجھ سے ہوسکے بیان کردیے۔ مثلاً زحل کی نحوستین اور مشتری کی سعادتین احاطۂ شمار مین نہین آسکتین لیکن ان دونون کے بے انتہا آثار وخواص مین سے بعض کا بیان کردینا ضروری ہی تاکہ انکے منافع سے منتفع اور مضرتون سے محفوظ رہ سکین اور تاکہ جو لوگ ان سعید ومنحوس ستارون سے تعلق رکھتے ہین انکو فی الجملہ آثار قضا وقدر پر اطلاع ہوجاوے مثلاً یہ کہ جس شخص کا طالع مشتری ہوتا ہے وہ خوش وخرم اور باعزت وجاہ ہوتا ہے اور جسکا طالع زحل ہو اوسکو اپنے کامون مین برائیون سے احتیاط کرنیکی ضرورت ہی پس اگر یہ فرضاً ان آثار سے واقف بھی ہون اور معتقد بھی ہون تو میرا فرض ہی کہ مین اس شخص کو مطلع کردون جسکا طالع زحل ہے اگر مین اوسکو نہ بتلاؤن تو زحل اوسکو اپنی آگ سے جلادیگا۔ اور اوسکو بعید نقصان پہونچائیگا اس بیان سے چونکہ بظاہر اعتقاد تاثیر کواکب ظاہر ہوتا ہے اسلیے مولانا کو تنبہ ہوتا ہے اور اوسکی تردید فرماتے ہین اور فرماتے ہین اے بیہودہ بس اس فضول گوئی کو ختم کر کیسا زحل کیسی مشتری مبادا آتش قہر الٰہی کو اشتعال ہو اور تجھے پھونک کر رکھدے مؤثر تو حق سبحانہ ہین جنکی یہ شان ہے کہ اگر وہ چاہین تو ایک دم مین ستارونکو بھی فنا کرسکتے ہین اور نہ اونکا نام باقی رہ سکتا ہے اور نہ نشان ملسکتا ہی بلکہ خود آسمانکو بھی فنا کرسکتے ہین جسمین یہ موجود ہین پس اس لغو گفتگو کو چھوڑ اور اسمین مشغول ہو جسکا کوئی نتیجہ ہو باقی تمام بحثونکو چھوڑ دینا چاہیے۔ حرکات کواکب محض بے نتیجہ ہین اور مثمر اور بانتیجہ محض حق سبحانہ کی عنایت ہی اسکو حاصل کرنیکی کوشش کر اور اسکو حاصل کرنیکا طریقہ یہ ہی کہ ذکر الٰہی مین مشغول ہونا چاہیے۔ جسکی اوسنے اذکروا اللہ فرماکر ہمکو اجازت دی ہی اور اس طریقہ سے اسنے آتش شہوت وغضب مین مبتلا ہونیکی حالت مین چشمہائے قلب کو نور بصیرت ومعرفت عطا کیا ہی جو کہ اوسکا بعید انعام ہے اوسنے فرمادیا ہے کہ اگرچہ مین تمہاری تسبیح وذکر سے پاک ہون کیونکہ تمہارا ذکر وتسبیح تشبیہ کی آمیزش سے پاک نہین اور مین صورتون سے منزہ اور مبرا ہون لیکن مین باینہمہ تمکو اجازت دیتا ہون کیونکہ ہمارا قانون جنکی بنا محض رحمت وشفقت ہی یہ ہی کہ ہم کسیکو اسکی استطاعت سے زیادہ تکلیف نہین دیتے اور عام لوگ تصویر وخیال مین گرفتار ہین اسلیے وہ ہمکو بے مثال اور تصویر کے نہین جان سکتے بلکہ وہ ہمارا تصور اپنی اپنی استعداد کے موافق صورتون اور خیالون کے ضمن مین کرتے ہین اسلیے یہ تسبیح و تقدیس بالکل ایسی ہی جیسے کوئی بادشاہ کی تعریف مین کہے کہ وہ جولاہہ نہین بھلا یہ بھی کوئی تعریف ہی ہرگز نہین لیکن وہ اس تعریف کی حقیقت نہین جانتا اسلیے اتراتا ہی کہ مین نے بادشاہ کی تعریف کی اسکے بعد قصہ بیان فرماتے ہین جس سے اس امر کا اظہار مقصود ہے کہ قبول ذکر کیلیے خلوص ضروری ہی۔ اگر الفاظ نامناسب ہون اور انکا استعمال بنا بر جہالت کیا گیا ہو تو کچھ مضر نہین۔

شرح شبیری

آیت اِن اصبح ماءکم غورًا مین فلسفی معاند کا انکار

مقرئے الخ یعنی ایک قاری قرآن شریف مین سے آیت ما ؤکم غورا (جسکے معنی ہین) بند کردن مین پانی کو پڑھ رہا
ور فرماتے ہین کہ اوس آیت کا یہ مطلب ہے کہ۔

آب را الخ یعنی پانی کو غار زمین پوشیدہ کردون اور چشمون کو خشک اور خشکستان کردون۔

آب را الخ یعنی پھر پانیکو چشمہ سے کون دوبارہ باہر نکالے سولے مجھ بے مثل اور با فضل و خطر کے مطلب یہ کہ حق تعالے فرماتے ہین کہ اگر ہم پانی کو خشک کردین تو پھر ہمارے سوا کون ایسا قادر ہے جو اسے جاری کرلے اور زمین سے لے آوے وہ قاری صاحب تو یہ پڑھ رہے تھے اور ایک فلسفی صاحب وہان کو جارہے تھے اسکو فرماتے ہین کہ۔

فلسفی الخ یعنی ایک فلسفی منطقی ذلیل مکتب کیطرف سے اسوقت گذر رہا تھا۔

چونکہ الخ یعنی جبکہ اوس فلسفی نے اس آیت کو اوس قاری سے آواز بلند سے سُنا تو بولا کہ ہم پانی کو کسی کدال سے نکال لادینگے اور بولا کہ۔

ما بزخم الخ یعنی ہم بیلچہ کے زخم سے اور کلہاڑی کی تیزی سے پانی کو پستی سے اوپر لے آوینگے (حمق الناس یہ سمجھا کہ ایک حد معین تک نیچے ہو جاویگا وہانسے نکال لاوینگے) آخر یہ نتیجہ ہوا کہ۔

شب الخ یعنی رات کو سویا تو ایک شیر مرد کو دیکھا اوسنے ایک طمانچہ مارا اور اسکی آنکھین اندھی کردین۔

گفت الخ یعنی اس شیر مرد نے کہا کہ اس آنکھ کے دونون چشمون سے اے شقی کلہاڑی سے نور نکال لے اگر صادق ہے تو یہان یہ شبہہ نہو کہ اوسنے تو اُس پانی ظاہری کو کہا تھا کہ ہم کدال وغیرہ سے نکال لینگے آب چشم کو تھوڑا ہی کہا تھا اسکا جواب یہ ہے کہ یہان کدال وغیرہ سے بھی مراد یہ کدال متعارف نہین ہے بلکہ مراد یہ ہے کہ جو آلات کہ اوسکے لیے متعارف ہین اونکو کام مین لا اور اون سے اس آب کو جاری کرلے اللہ بچاوے خدا پناہ مین رکھے عناد عن الحق اور عناد اہل حق بہت بری اور نقصان دہ شے ہے کہ اس سے نقصان ظاہری و باطنی دونون ہین اے اللہ مجھے گناہونسے بچا اور ہمت دے اور اپنی اور اپنے اولیاء اور انبیاء کی محبت دے آمین یا رب العالمین۔

روز الخ یعنی صبح کو جو اٹھا تو دونون آنکھین اندھی دیکھین اور نور فائض کو دونون آنکھون سے غائب پایا تو دیکھو تو کہ اوس بے ادبی کی کسقدر سخت سزا ملی ہے آگے مولانا فرماتے ہین کہ۔

گر بنالیدے الخ یعنی اگر یہ روتا اور استغفار کرتا تو نور گیا ہوا حق تعالی کے کرم سے ظاہر ہو جاتا مطلب یہ کہ اگر اس گستاخی سے توبہ کرلیتا تو گناہ معاف ہو جاتا اور عذاب زائل ہو جاتا آگے فرماتے ہین کہ۔

لیک الخ یعنی لیکن استغفار بھی قدرت مین نہین ہے اور توبہ کا ذوق ہر سرمست کا جھوٹا نہین ہے مطلب یہ کہ وہ توبہ تو کرلیتا مگر توبہ بھی تو اختیار مین نہین ہے توبہ بھی تو جب ہی نصیب ہوتی ہے جبکہ توفیق ہو اسلیے کہ توبہ کہتے ہین کسی فعل پر قلب کے منفعل اور نادم ہونیکو تو اگر بالفرض والمحال مان لیا جاوے کہ زبان سے کہنا اسکے اختیار مین ہے تو اس انفعال اور ندامت کو کہانسے لاویگا کہ جو توبہ کیلیے جزو اعظم ہے اسلیے کہ گناہ کرنے سے اول قلب پر سیاہی جمتی ہے یہانتک کہ حق تعالی سے غایت بعد ہو جاتا ہے اور پھر بھی اگر اوسپر اصرار ہوتا ہے تو نعوذ باللہ حق تعالی سے عناد اور بغض ہو جاتا ہے والعیاذ باللہ یہ بہت سخت بات ہے حق تعالی ہی اس سے بچاوین تو بچ سکتا ہے لہذا گناہ کرکے یہ سمجھنا کہ توبہ کرلینگے بڑی غلطی ہے اسلیے کہ بعض مرتبہ توبہ نصیب نہین ہوتی اور اوسی حالت پر خاتمہ ہو جاتا ہے

اورکا فر تاہی والعیاذ باللہ گناہ ذرا سا بھی بہت بُری شے ہے جیسا کہ آگ کی چنگاری کہ اگر بہت سی آگ ہے تب تو وہ کپڑے مین رکھتے ہی اسکو جلا بھونکر خاک کردیگی اور اگر چھوٹی سی چنگاری ہے تو وہ اگرچہ تھوڑی دیر مین جلا دیگی مگر جلا دیگی تو ہان اگر اوسکا تدارک کردیا گیا کہ مثلاً اوسپر پانی ڈالدیا گیا تو بیشک وہ آگے نہ بڑھنے پاویگی اسیطرح گناہ کی حالت ہے کہ اول مرتبہ وہ بہت چھوٹا سا قلب پر داغ ہوتا ہے لیکن جب وہ بڑھ جاتا ہے اور اُسکا تدارک توبہ سے نہین کیا جاتا تو وہی مہلک ہوجاتا ہے۔ اسی طرح چونکہ اِس فلسفی کا عناد غایت درجہ کو پہونچ گیا تھا اسیلیے اوسکو بھی توفیق توبہ کی نہ ہوئی۔ نعوذ باللہ منہ آگے اِسی کو فرماتے ہین کہ۔

زشتی اعمال الخ یعنی زشتی اعمال اور انکار حق کی نحوست کی وجہ سے توبہ کا راستہ اوسکے دل پر بند ہوگیا تھا۔

دل بہ سختی الخ یعنی دل تو سختی کی وجہ سے پتھر کی طرح ہوگیا تھا تو توبہ اوسکو کھیتی کے لیے کسطرح پھاڑے۔ مطلب یہ کہ اگر قلب مین کچھ بھی صلاحیت و نرمی ہوتی تو ضرور توبہ سے کام چل جاتا مگر جب عناد اور قساوت قلب انتہا درجہ کو پہونچ گیا تھا تو اوسمین وہ بیچاری توبہ ہی کیا اثر کرتی۔ اور کسطرح انوار کو پیدا کرتی آگے فرماتے ہین کہ۔

چون شعیبی الخ حضرت شعیب علیہ السلام کی طرح کون ہے کہ جو دعا سے پہاڑ کو کھیتی کے لیے ذریم کردے کسی روایت کی طرف اشارہ ہے جو کہ نظر سے نہین گذری کہ حضرت شعیب کی دعا کی برکت سے پہاڑ قابل کھیتی کے ہوگیا تھا تو فرماتے ہین کہ ویسے مبارک اور برگزیدہ نفوس کہان ہین کہ جو اِس قساوت قلب کو دور کرکے نرم کردین اور انوار و معارف کو قلب مین بھردین جب کوئی ایسا نہین ہے تو توبہ کس طرح نصیب ہوتی آگے ایک اور مثال اِسی کے مثل فرماتے ہین کہ۔

از نیاز و اعتقاد الخ یعنی حضرت خلیل اللہ علیہ السلام کے اعتقاد اور نیاز کی وجہ سے ایک امر سخت او محال ممکن ہوگیا۔ مطلب یہ کہ دیکھو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا چونکہ اعتقاد پختہ تھا اسیلیے آگ گلزار ہوگئی جو ایک محال اور غیر ممکن بات تھی تو یہ صرف اسیلیے تھا کہ اونکا قلب مبارک نرم اور حق تعالےٰ کے سامنے خاشع خاضع تھا اور فرماتے ہین کہ

یا بدر یوزہ الخ یعنی یا کہ مقوقس بادشاہ کے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کرنے سے ایک سخت زمین قابل زراعت اور با وصول ہوگئی تھی کہ اوس سے محصول وغیرہ وصول ہونے لگا تھا مطلب یہ کہ مقوقس بادشاہ نے جبکہ سوال کیا اور عاجزی کی تو اوسکی یہ برکت ہوئی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا سے ایک بنجر زمین قابل زراعت ہوگئی یہ روایت بھی کہین نظر سے نہین گذری۔ مقوقس ایک بادشاہ ہے جسنے کہ قاصد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بڑی عزت کی تھی مگر مسلمان نہ ہوا تھا تو یہ ساری برکتین عاجزی اور انکساری اور نرم دلی کی ہین آگے فرماتے ہین کہ۔

ہمچنین بر عکس الخ یعنی اسیطرح برعکس اِسکے اُسکے انکار پر سونا تانبا ہوجاوے اور صلح لڑائی ہوجاوے مطلب یہ اگر قلب قاسی اور جاحد دعا بھی کرے تو اُسکا بھی اثر اُلٹا ہی ہوتا ہے کہ جو دیگر توبہ سے انوار ہوتے اُسکے حق مین وہی دعا مہلک اور نقصان دہ ہوتی ہے

کہربائے مسخ الخ یعنی یہ دعا مسخ کو کھینچنے والی ہوتی ہے اور خاک قابل کو بھی پتھر اور کنکر ہی کردیتی ہے مطلب یہ کہ اِسکا اثر اُلٹا ہی ہوتا ہے کہ بجائے انوار کے ظلمت پیدا ہوتی ہے اور فرماتے ہین کہ۔

ہر دلے را سجدہ الخ یعنی ہر دل کو سجدہ کرنے کی بھی اجازت نہین ہے اور مزدوری رحمت ہر مزدور کا حصہ نہین ہے مطلب یہ کہ اصل یہ ہے کہ جیسا کہ اوپر کہا ہے کہ لیک استغفار ہم در دست نیست الخ عاجزی و نرمی قلب بھی قدرت مین

نہین ہے بلکہ بہت دراکی مثل مشہور ہے کہ جسکو پیا چاہے وہی سہاگن ہے لہذا اس بھروسہ پر کہ توبہ کرلینگے ہرگز گناہ مت کرو اسلیے کہ معلوم نہین کہ حقیقت توبہ نصیب ہویا نہو اور وہ انفعال قلبی جو کہ توبہ مین اصل مقصود ہے حاصل ہو یا نہ ہو آگے اسی کو فرماتے ہین کہ۔

ہین بہ پشت آن الخ یعنی اس بھروسہ پر جرم وگناہ ہرگز مت کرو کہ توبہ کرلونگا اور پناہ (حق) مین آجاؤنگا اسلیے کہ۔

می بباید تاب الخ یعنی توبہ کیلیے ایک سوزش کی ضرورت اور ایک بارش کی اسلیے کہ توبہ کی شرط ہی برق اور سحاب آئی ہے۔ مطلب یہ کہ توبہ کے لیے ضروری ہے کہ احتراق وانفعال قلب مع تحرک لسان کے جو اسباب ظاہری بھی ہون اور اسباب باطنی (کہ تحرق قلب اور ندامت اور انفعال ہے) بھی ہون اور یہ اختیار مین نہین ہے پھر کس بوتہ پر اور کس بھروسہ پر گناہ کرتے ہو۔ آگے اسکی ایک مثال دیتے ہین کہ۔

آتش و آبے الخ یعنی پانی اور گرمی میوہ (کی پختگی) کے لیے ضروری ہین اور اس طریقہ کے لیے ابر و برق ضروری ہے جب تک حرارت اور پانی دونون درخت کو نہ پہنچین اوسوقت تک میوہ پختہ ہی نہین ہوسکتا جیسا کہ ظاہر ہے پس اسی طرح قلب کے کرنے کے لیے اور اخلاق حمیدہ کے پختہ کرنے کو اور قلب کی قساوت کے دور کرنے کے لیے بھی ایک گرمی اور دوسرے پانی کی ضرورت ہے اور وہ گرمی تو تحرق قلب ہے اور وہ پانی اوسکے لیے گریہ اور آب چشم ہے۔ جب گناہ پر انفعال ظاہری اور باطنی دونون ہونگے تو اثر یعنی ترقی ضرور حاصل ہوگی۔ اسی کو فرماتے ہین کہ۔

تا نباشد برق الخ یعنی جب تک کہ دل کی جلن اور دونون آنکھون کا پانی نہ ہو غصہ اور سختی کی آگ کیا بیٹھ سکتی ہے مطلب وہی کہ جب تک انفعال کلی نہو اوسوقت تک حق تعالی کا غصہ اور اوسکی سختی کی آگ کب بجھ سکتی ہے آگے ایک اور مثال دیتے ہین کہ۔

تا نباشد گریۂ ابر الخ یعنی اے صاحبزادے جب تک ابر کا گریہ مطر سے نہو اور جب تک کہ برق کا خندہ نہ ہو یعنی خود برق ہی نہو اوسکے خندہ سے مراد اوسکی چمک ہے مطلب یہ کہ جب تک ابر و برق نہ ہو۔

کے بروید سبزۂ الخ یعنی ذوق وصال کے سبزے کب جم سکتے ہین اور آب زلال کے چشمے کب جوش مار سکتے ہین مطلب یہ کہ بہار کب آسکتی ہے جب تک کہ بارش نہو۔ اسی طرح حق تعالی کا وصل کب حاصل ہوسکتا ہے اور اوسکی رحمت کے چشمے کب جوش مار سکتے ہین جب تک کہ عصیان پر انفعال کلی نہو۔ آگے فرماتے ہین کہ۔

کے گلستان راز الخ یعنی گلستان چمن سے کب راز کہے اور بنفشہ سمن کے ساتھ کب عہد باندھے۔

کے چنار کف کشاید الخ یعنی کب چنار دعا کے لیے ہاتھ کھولے اور کب کوئی درخت میوہ کو جھاڑے۔

کے شگوفہ آستین الخ یعنی کب شگوفہ آستین پر نثار کو ایام بہار پر جھاڑنا شروع کرے۔

کے فروزد لالہ را الخ یعنی لالہ کا منہ خون کی طرح کب چمکے اور پھول تھیلی مین سے سونا کب نکالے مطلب یہ کہ غنچہ سے شگفتہ کب ہوسکتا ہے اگر بہار نہ ہو۔

کے بیاید بلبل و گل الخ یعنی کب بلبل آوے اور پھول کو سونگھے اور کب فاختہ طالب کی طرح کوکو کرے۔ چونکہ کوکو کے معنی ہین کہان کہان اسلیے اوسکو طالب سے تشبیہ دیدی کہ گویا مطلوب کو تلاش کررہی ہے۔

کے بگوید لک لک الخ یعنی لقلق کب لک لک کہے جان سے (آگے لطیفہ فرماتے ہین کہ) لک کیا ہوتا ہے الملک لک اے مستعان۔ مطلب یہ کہ وہ جو لک لک کہتا ہے اور اوسکے معنی ہین کہ الملک لک اے اللہ ملک تیرا ہی ہے۔

تا کے نماید خاک۔ الخ یعنی خاک پوشیدہ اسرار کو کب ظاہر کرے اور باغ آسمان کی طرح چمکدار کب ہو تو یکل پھل پھول اور ثمار جب تک کہ بارش نہ ہوا اور بجلی نہ چمکے اوسوقت تک ہرگز بھی ظاہر نہیں ہو سکتے اِسی طرح جسوقت تو بہ کے اندر تحرق قلب نہ ہوا اور آنکھ سے آنسو جاری نہ ہون اوسوقت تک انوار و فیوض و برکات کب حاصل ہو سکتے ہین تو بہ کی برکت تو اُسی کو نصیب ہوگی جو کہ توبہ کی حقیقت کو بجا لایا ہوا اور عصیان پر بارش کی طرح آنسو بہائے ہون اور بجلی کی طرح قلب تڑپا ہوا اور جلا ہوا اور بے کل ہوا ہوا اور جب تک یہ نہین ہے اوسوقت تک ہرگز اوسکی حقیقت اور اوسکے برکات کو حاصل نہین کر سکتے۔ آگے فرماتے ہین کہ۔

از کجا آوردہ اند الخ یعنی یہ سارے ہیتے کہان سے لائے ہین یہ سارے ایک کریم رحیم کے پاس سے لائے ہین۔ مطلب یہ کہ اوپر جو باغ و بہار کو بیان کیا گیا ہے اور مختلف الوان بیان کئے گئے ہین کوئی کسی رنگ مین ہے اور کوئی کسی مین یہ سب کے سب حق تعالیٰ کی دین ہے۔ بس وہان سے ملے ہین اور یہ سب عطائے حق ہے اور فرماتے ہین کہ۔

آن لطافتہا الخ یعنی یہ لطافتین ایک ایسے محبوب کی نشانیان ہین کہ اوسپر ہر دم سیکڑون جانین فدا ہین کہ ان نشانیون سے اوسکی ذات پر استدلال ہوتا ہے اور مصنوعات کے دیکھنے سے کمال صانع اور وجود صانع پر استدلال ہوتا ہے مگر ان استدلال کرنے والون مین بھی فرق ہے۔ آگے اِسیکو فرماتے ہین کہ۔

آن شود شاد الخ یعنی نشانی سے تو وہ خوش ہوتا ہے کہ جسنے بادشاہ کو دیکھا اور جب اوسکو نہ دیکھا تو اوس سے متنبہ نہ ہوگا مطلب یہ ہے کہ اگرچہ مصنوعات صانع کے وجود اور کمال پر دال ہین لیکن استدلال کرنیوالون مین فرق ہے۔ اوسکی ایسی مثال ہے کہ ایک تو وہ شخص ہے کہ جسنے بادشاہ کو دیکھا ہے اور اُسکے بعد وہ اوسکی تصویر کو دیکھے۔ تو اُس شخص کے سامنے بالکل وہی فوٹو کھنچ جاویگا کہ وہ جود و کرم کر رہا ہے اور اُسنے تجھپر لاکھون احسانات کیے ہین وغیر ذلک غرضکہ اوسپر تو ایک وجد کی حالت ہوگی اور بیحد خوش ہوگا۔ اور دوسرا وہ شخص ہے کہ جسنے بادشاہ کو کبھی نہین دیکھا بلکہ آج اول مرتبہ اوسکی تصویر دیکھی ہے تو وہ صرف یہ دیکھیگا کہ اوسکے اندر کسقدر نقش و نگار ہین اور دیکھو اسکی اچکن کی بیل کسقدر اچھی ہے۔ وغیرہ ذلک مگر اوسکو اسکے دیکھنے سے کوئی لطف خاص حاصل نہین ہوا اور وہ اُس پہلے شخص پر ہنستا ہے کہ بھلا دیکھو کہ اسمین کیا رکھا ہے کہ جسکو دیکھکر اُسکی یہ حالت ہوگئی مگر افسوس کہ اوسکو اُن انعامات اور احسانات کی خبر بھی نہین ہے۔ اور یہ صرف اُسکی ظاہر تصویر ہی کو دیکھ رہا ہے اوسکے اوصاف و کمالات پر مطلق نظر ہی نہین ہے اسیطرح جو شخص کہ حق تعالیٰ کا قرب حاصل کر چکا ہوا اور فنا ہو چکا ہو وہ تو ان مصنوعات کو دیکھکر وجد مین آجاویگا اور کہیگا کہ ع حسن خویش از روئے خوبان آشکارا کردۂ غرضکہ فرماتے ہین کہ جسنے چاشنی وصل چکھی ہو وہ ان چیزون سے لطف حاصل کر سکتا ہے ورنہ دوسرے کو کیا خبر ہو سکتی ہے۔ کہ یہ چیزین کس پر دال ہین تو وہ صرف ان چیزون کی خوبی کو دیکھیگا۔ اور دوسرا اُسکی خوبی سے اُسکے بنانے والے کی خوبی کو دیکھیگا تو ان دونون میں جو فرق ہے وہ ظاہر ہے آگے بھی یہی فرماتے ہین کہ

روح آنکس کو الخ یعنی اُس شخص کی روح خوش ہوگی کہ جسنے الست کے وقت اپنے رب کو دیکھ لیا اور بیخود اور مست ہو گیا مطلب یہ کہ ان مصنوعات کے دیکھنے سے اُسکی روح خوش ہوگی اور وہ شخص شادان و فرحان ہوگا کہ جو تبل ہی فنا ہو چکا ہوا اور حق تعالیٰ کے قرب دید ار سے مشرف ہو چکا ہو آگے ایک مثال دیتے ہین کہ۔

او شناسد بوئے مے کہ الخ یعنی شراب کی بو کو وہ پہچان سکتا ہے کہ جسنے شراب پی ہوا اور جب پی ہی نہ ہو تو وہ کیا تمیز کر سکتا ہے اسیطرح جسنے کبھی حق تعالیٰ کی تجلیات و انوار کو دیکھا ہوا اور جسکو قرب حاصل ہوا ہو وہ تو نشانیون سے پہچان لیگا

کہ یہ اوسکی نشانی ہے اور جسنے کبھی دیکھا ہی نہ ہو بلکہ کبھی پاس بھی نہ پھٹکا ہوا وسکو کیا خبر کہ یہ کسکی نشانی ہے اور کس پر دال ہے ہان خود اوس نشانی ہی مین کچھ تھوڑی بہت خوبی بیان کر سکتا ہے ایک اور مثال فرماتے ہین کہ۔

زانکہ حکمت الخ یعنی اسلیے کہ حکمت مومن کے لیے گم شدہ چیز ہے مثل اوس دلالہ کے کہ بادشاہ کو بتلانے والی ہی حدیث مین ہی کہ کلمۃ الحق ضالۃ المومن توجس طرح مومن کے سامنے جب کوئی کلمۂ حق کہا جاتا ہی تو اُسکا قلب فوراً اوسکو قبول کرلیتا ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہی کہ یہ پہلے سے بھی دل ہی مین تھا لیکن ذہول تھا ورنہ اگر پہلے سے دل مین نہ ہوتا تو پھر اسکا تصدیق کرنا اور اوسکو مان لینا اِسکے کیا معنی ہین تصدیق تو اسی شئے کی ہوتی ہی جو کہ پہلے سے معلوم ہو۔ اسی طرح آیات حق کو دیکھکر ذات حق پر دلالت ہوتی ہی۔ اور وہ پہلے سے بھی قلب مین تھی مگر اوسسے ذہول ہونے کی وجہ سے التفات نہ تھا اور جبکہ کوئی نشانی سامنے آگئی تو اب فوراً اُس ذات کی طرف توجہ ہوگئی اور معلوم ہوگیا کہ یہی ہے کہ جسکو روز الست دیکھا تھا۔ اور یہ بات ہر مسلمان کو حاصل ہی۔ اسلیے کہ جن کو ذہول کم ہوتا ہی اونکو صرف آیت کے دیکھنے سے التفات ہوجاتا ہی۔ اور جن کو ذہول زیادہ ہوتا ہی اونکو زبان سے کہدینے سے تنبہ ہوجاتا ہے۔ اور فوراً اُسطرف التفات ہوجاتا ہی۔ تو اگر پہلے سے ذات کو جانتے نہین تو یہ التفات آخر کسکی طرف ہے غرضکہ اختلاف استعداد سے اختلاف ہوتا ہی ورنہ یہ حالت تمام مسلمانون کو اندر عام ہی خوب سمجھ لو۔ آگے ایک اور مثال دیتے ہین جسکا خلاصہ یہ ہے کہ مثلاً تمکو کسی کام کی ضرورت ہے اور اُسکے لیے تم دعائین کررہے ہو۔ اور اوسکی طلب مین بہت ہی بیچین ہو حتی کہ جب تم رات کو سوؤ تو ایک شخص آکر تمکو بشارت دے کہ تمھارا کام کل ہوجائیگا اور میرے اس قول کے صحیح ہونے کی علامت ہی کہ مین تم سے ایک بات کہتا ہون جو کہ کل ہی صادق ہوگی بس اگر وہ صادق ہو تو میرے اس قول کو بھی سچ ماننا ورنہ غلط سمجھنا اور وہ یہ ہے کہ کل صبح فلان شخص جو کہ ایسی ایسی صورت کا ہوگا تمھارے سامنے آویگا اور وہ سوار بھی ہوگا اور جب تمکو دیکھیگا تو ہنسیگا بھی اور تم سے بغلگیر بھی ہوگا۔ اور سب سے بڑی علامت یہ ہی کہ تم کل کو اس خواب کو اگر کسی کے سامنے ظاہر بھی کرنا چاہوگے تو ظاہر نہ کرسکوگے اور تمام باتین کروگے مگر جب اوسکو زبان پر لاؤگے فوراً زبان بند ہوجاویگی وغیرہ غرضکہ اوسنے خوب نشانیان بتائین اب جو صبح ہوئی تو تم اوس علامت کی تلاش مین چلے یہانتک کہ تلاش کرتے کرتے وہ مل بھی گیا اور ساری نشانیان پوری ہوگئین تو اب تمھاری یہ حالت ہی کہ لوٹتے ہو اور مارے خوشی کے پھولے نہین سماتے تم کو اسپر وجد ہی کہ بس نشانی تو پوری ہوگئی ہی اب مقصود بھی حاصل ہوجاویگا لیکن دوسرا شخص جسنے یہ نشانی نہین دیکھی وہ تمھاری اس حالت پر متعجب ہے کہ یہ تو مثل دوسرون کے ایک سوار ہی پھر اوسکو دیکھکر اسکی یہ حالت کیون ہے۔ تو اگر تمکو اوسکا تعجب معلوم ہو تو تم اوس سے یہ ہی کہوگے کہ من کہ یکچند زدم مهر خموشی بلب توجیہ دانی کہ درین پردہ چہ سودا کردم ای اسی طرح جن کو قرب حق نصیب ہے وہ ان مصنوعات کو دیکھتے ہین اور اونکے لیے یہ چیزین آئینۂ جمال حق ہوتی ہین اور دوسرے کے لیے حسن ظاہری ہی ہوتا ہے۔ اوسکو اُس ذات کی کیا خبر کہ جس پر اِنکی دلالت ہے اب اشعار سے سمجھ لو کہ فرماتے ہین کہ۔

تو ببینی خواب الخ یعنی تم خواب مین ایک خوش لقا کو دیکھو کہ وہ تمکو ایک وعدہ اور ایک نشانی دے۔

کہ مراد تو الخ یعنی کہ مراد تیری حاصل ہوگی اور نشانی یہ ہے کہ کل کو تیرے سامنے فلان آویگا۔

یک نشانی آنکہ الخ یعنی اور ایک نشانی یہ کہ وہ سوار ہوگا اور ایک نشانی یہ کہ تجھکو کنار مین لیگا۔

یک نشانی آنکہ الخ یعنی ایک نشانی یہ کہ وہ تمھارے سامنے ہنسیگا اور ایک نشانی یہ کہ وہ تمھارے سامنے ہاتھ باندھیگا

یک نشانی آنکه الخ یعنی ایک نشانی یہ ہے کہ یہ خواب ہوس کی وجہ سے جب کل ہوگی تو کسی سے تم کہہ نہ سکوگے اس سے مراد یہ کہ جیسے عجیب خواب کے بیان کی ہوس ہوتی ہے اسیطرح اوسکو بیان ہی نہ کر سکوگے اور قرآن شریف مین بھی آیا ہے کہ وآیتک الا تکلم الناس ثلثۃ ایام الا رمزا اسکے معنی محققین یہی کہتے ہین کہ بات کر نہ سکوگے بجز تسبیح وتہلیل کے اور کسی بات پر قادر ہی نہ ہوگے۔ آگے مولانا بھی اسکی طرف اشارہ فرماتے ہین کہ۔

زان نشان با والد الخ یعنی یہی نشان حضرت یحییٰ علیہ السلام کے والد سے بھی کہے تھے کہ تین روز تک تم نہ بول سکوگے مطلب یہ کہ یہ نشانی کوئی نئی نہین ہے بلکہ حق تعالیٰ نے پہلے بھی حضرت ذکریا علیہ السلام کے لیے یہی نشانی فرمائی تھی اور یہ فرمایا تھا کہ۔

تا سہ شب خامش الخ یعنی تین رات تک اس اپنی نیک وبد سے خاموش رہنا یہ نشانی ہے کہ یحییٰ علیہ السلام آپکے پاس آوینگے اور حکم ہوا تھا کہ۔

دم مزن سہ الخ یعنی تین روز تک بالکل گفتگو مت کرنا کہ تمھارے مقصود کے حصول کی نشانی سکوت ہے پس اسیطرح وہ شخص بھی تم سے کہے کہ دیکھو اس بات کو تم کسی کے سامنے کہہ نہ سکوگے آگے اسی کو فرماتے ہین اور پھر قصہ کی طرف فرماتے ہین کہ

ہین میاور این الخ یعنی اس نشانی کو ہرگز بیان مت کرنا اور اس بات کو دل مین پوشیدہ رکھنا۔

این نشانہا الخ یعنی وہ یہ نشانیان تجھ سے شیرینی اور محبت کے ساتھ کہو اور یہ کیا ہین ایسی اور سیکڑون نشانیان بتا دو کہ

این نشان آن الخ یعنی یہ اس بات کی نشانی ہے کہ جو ملک وجاہ تم ڈھونڈھ رہے ہو اوسکو حق تعالیٰ کے یہان سے پاؤگے۔

آنکہ می گریی الخ یعنی وہ مقصود کہ تو اسکے لیے دراز راتون کو روتا ہے اور وہ کہ تو صبح کو عاجزی سے اوسکے لیے جلتا ہے

وانکہ بے آن الخ یعنی وہ کہ بے اسکے تیرا دن تاریک ہوگیا ہے اور تکلے کی طرح تیری گردن باریک ہوگئی ہے۔

وانکہ داوی الخ یعنی وہ مقصود کہ اوسکے لیے تو نے جو کچھ رکھا تھا زکوۃ مین دیدیا مثل پاکبازون کی زکوۃ کے مطلب یہ کہ جسکی طلب مین تو نے اپنی جان اور اپنا مال سب خرچ کر دیا ہے۔

رختہا وادی الخ یعنی اسباب دیدیے اور نیند اور چہرہ کا رنگ اور سر کو فدا کر دیا اور بال کی طرح دبلا ہوگیا۔

چند در آتش الخ یعنی کتنی ہی بار تم اوسکے لیے آگ مین عود کی طرح بیٹھے ہو اور کتنی ہی مرتبہ خود کی طرح تلوار کے سامنے گئے ہو مطلب یہ کہ اوسکی طلب اور تلاش مین طرح طرح کی تکالیف اور نکلیفین برداشت کی ہین آگے مولانا فرماتے ہین کہ۔

زین چنین بیچارگیہا الخ یعنی ایسی ایسی لاکھون مصیبتین عشاق کی خصلت ہوتی ہین جو کہ شمار مین بھی نہین آسکتین مطلب یہ کہ وہ یہ کہے کہ تجھکو تیرا وہ مقصود حاصل ہوگا کہ جسکی وجہ سے تو نے بڑی بڑی مصیبتین اٹھائی ہین بس وہ تو یہ کہہ چکا اور تمھاری آنکھ کھلگئی اب فرماتے ہین کہ

چونکہ آندر الخ یعنی جبکہ تو نے خواب مین ان احوال کو دیکھ لیا جنکی آرزو مین کہ تو برسون سے تھا۔

چونکہ شب الخ یعنی جب رات کو یہ خواب دیکھا اور دن ہوگیا تو اسکی امید سے تیرا دل فیروزہ کی طرح ہوگیا۔

چشم گردان الخ یعنی تم نے داہنے بائین نگاہ پھرانا شروع کی کہ وہ نشان اور وہ علامت کہان ہین مطلب یہ کہ اب اوسکی تلاش شروع کی۔

بر مثال برگ الخ یعنی تم پتے کی طرح کانپ رہے ہو کہ کہین ایسا نہو کہ دن گذر جاوے اور نشانی پوری نہو غرض تو ست ہزار بھائی سے دوی در الخ یعنی تم دوڑ رہے ہو گلی مین اور بازار مین اور سرائے مین اوس شخص کی طرح کہ جسکا بچھڑا کھو گیا ہو۔ مثال اتفاقی

ہے مطلب یہ کہ اوسکی تلاش اور جستجو مین تم بہت ہی سرگردان اور حیران پھرتے ہو اور اُسوقت تم سے کوئی یہ کہے کہ۔
خواجہ خیر ست الخ یعنی میان خیر ہے یہ دوڑ دھوپ کیون ہے اور یہان کیا کھو گیا ہے اور کسکی تلاش ہے۔
گوئیش تیر الخ یعنی تم اوس سے کہو کہ خیر ہے لیکن میری یہ خیر کوئی شخص سوا میرے نہین جان سکتا۔ اسلیے کہ
گر بگویم الخ یعنی اگر کہتا ہون تو ایک نشانی فوت ہو جاویگی اور جب نشانی فوت ہوگئی تو موت کا وقت ہو گیا مطلب
یہ کہ چونکہ ایک نشانی یہ تھی کہ کسی سے کہہ نہ سکوگے تو اگر مینے کہدیا تو معلوم ہو جاویگا کہ یہ نشانی غلط تھی اور جب یہ معلوم
ہوا تو یہ بھی معلوم ہوگا کہ مقصود بھی حاصل نہ ہوگا۔ اسلیے پھر تو میری موت ہی اور پھر تو بڑی سخت مصیبت آجاویگی اور تیری حالت
بنگری در رو الخ یعنی تو ہر مرد سوار کے منہ کو دیکھے تو وہ سمجھے کہ مجھے دیوانے کی طرح کیون دیکھتا ہی مطلب یہ کہ تیری یہ حالت ہوکہ جسکو
سامنے سے آتا ہوا دیکھے یہ سمجھے کہ میرا مطلوب یہی ہی کہ ہر صد بیدامی شو دار دو ربیدارم قوی جب وہ سوار تجھکو منع کرے تو اوس سے بہت یون کہے
گوئیش من الخ یعنی تو اوس سے کہے کہ مینے ایک ساتھی کو گم کیا ہے تو اوسکی جستجو مین متوجہ ہوا ہون اور یون کہے کہ۔
دولتت پاینده الخ یعنی اے سوار تیری دولت ہمیشہ رہے عاشقون پر رحم کر اور اُنکو معذور رکھ مطلب یہ کہ تم اوسکی خوشامد کرنا شروع کرو
چون طلب الخ یعنی جب تم کوشش کروگے تو وہ مقصود نظر آہی جاوے۔ اسلیے کہ کوشش خطا نہین کرتی ہے اسی طرح
حدیث مین آیا ہے۔ یہ اشارہ ہی ایک حدیث کی طرف کہ من طلب شیئا وجد و جد یہ حدیث صحاح مین تو نظر سے
گذری نہین ممکن ہی کہ کوئی حدیث ہو۔ مگر مضمون صحیح ہے۔ اسلیے کہ حدیث مین ہے کہ جو شخص طلب کرتا ہے اور
اوسمین لگا رہے تو حق تعالی اوسکی مدد فرماتے ہین۔ خیر غرضکہ تم اسی حالت مین ہو کہ۔
ناگہان آمد الخ یعنی اچانک ایک سوار نیکبخت آگیا پھر اوس نے تم کو کنار مین خوب سخت پکڑا۔
تو شدی بیہوش الخ یعنی تو بیہوش ہو گیا اور بالکل (چارون خانہ چت) گر پڑا تو بیخبر بولا کہ یہ عجیب مکر اور نفاق ہے
مطلب یہ کہ تم کو تورات کی باتین اور اپنے مقصود کے حصول کی علامت معلوم ہوئی اور اُس سے تمپر تو وجد کی
حالت ہوگئی مگر بے خبر کہتا ہے کہ بھلا یہ تو ایک سوار تھا اوسکو دیکھکر بیہوش ہونے کی کیا بات تھی آگے
مولانا فرماتے ہین کہ۔
او چہ می بیند الخ یعنی وہ کیا دیکھتا ہے کہ اسمین کس چیز کا شور ہے۔ اور وہ نہین جانتا کہ یہ کسکے وصل کی علامت ہی مطلب
یہ کہ اوس بیخبر کو کیا خبر ہوسکتی ہی کہ یہ شور عشق اور وجد کسوجہ سے ہی وہ تو صرف اُس سوار کے جسم ظاہری کو دیکھ رہا
ہے اور یہ شخص اوسکو اس حیثیت سے دیکھتا ہے کہ یہ میرے مقصود کے حصول کی علامت ہے اور فرماتے ہین کہ۔
این نشان ور الخ یعنی یہ نشانی تو اوسکے حق مین ہو کہ جسنے (پہلے سے) دیکھ لیا ہو اور اوس دوسرے کو
کب نشان ظاہر ہو۔ مطلب یہ کہ نشانی تو اوسیکے حق مین ہوگی کہ جسنے پہلے مقصود کو دیکھا ہو ورنہ دوسرے شخص کو
کیا خبر کہ اسمین کیا جوہر ہین آگے فرماتے ہین کہ۔
ہر زمان الخ یعنی ہر گھڑی کہ اوس رسول سے کوئی نشانی ظاہر ہوتی ہی اُس شخص کی جان مین ایک جان آتی ہے
مطلب یہ کہ جسنے کہ پہلے اسکو خواب مین دیکھ لیا ہی وہ تو اُس سے جسقدر نشانیان دیکھتا ہے اوسیقدر خوش ہوتا ہے
کہ یہ سب میرے مقصود کے پورا ہونے کی علامات ہین اور دوسرے کے لیے کچھ بھی نہین آگے ایک مثال فرماتے ہین کہ
ماہی بیچارہ الخ یعنی بیچاری مچھلی کے سامنے پانی آگیا۔ اور یہ نشانیان مثل تلک آیات الکتاب کے ہین مطلب

یہ کہ جسطرح مچھلی کے پانی مین جانے سے جان مین جان آجاتی ہے اسیطرح ان نشانیون کے دیکھنے سے تم کو فرحت ہوئی اور یہ نشانیان ایسی صادق ہین کہ جیسے کہ یہ قرآن شریف کی آیات ہون کہ اون مین کسی قسم کا شبہ ہی نہین ہوتا اسیطرح تمکو ان نشانیون کے ظہور کے بعد حصول مقصود مین شک و شبہ ہی نہ رہا یہان مضمون کو ختم کر کے اوپر جو کہا تھا ؎ آن شود شاد از نشان کو دید شاہ ؛ الخ اوسپر تفریع فرماتے ہین کہ۔

پس نشانیہا الخ یعنی پس جو نشانیان کہ انبیا کے اندر ہین خاص اوس جان کے لیے ہین کہ جو آشنا ہو مطلب یہ کہ جب مثالون وغیرہ سے تم کو معلوم ہوگیا کہ جسنے پہلے سے کوئی نشانی دیکھی ہوگی اوسکو علامت دیکھکر ایک وجد کی حالت ہوگی اور اوسکو بیحد خوشی ہوگی بس اسیطرح جسنے کہ حق تعالےٰ کی معرفت بقدر استعداد کے معدوم کرلی ہے جب وہ انبیا و اولیاء کو دیکھیگا تو اوسکو یہ آیات حق معلوم ہونگی اور وہ اس حیثیت سے دیکھیگا کہ میرے اللہ کے نبی ہین اونکے بھیجے ہوئے ہین اور پھر اون سے جو نشانیان صادر ہونگی اونکو بھی اسی نظر سے دیکھیگا۔ تو اوسکو جو فرحت اور خوشی ہوگی وہ کسی دوسرے کو ہرگز نہین ہوسکتی۔ جیسا کہ ظاہر ہو۔ آگے فرماتے ہین کہ

این سخن الخ یعنی بات تو ناقص رہگئی اور بیقرار ہین دل نہین رکھتا بیدل ہون مجھے معذور رکھو۔ مطلب یہ کہ حضرات انبیاء کے متعلق یہ تو کہدیا کہ انکی نشانیون سے وہی خوش ہوگا جسنے کہ پہلے سے نشانیان دیکھی ہونگی لیکن اونکی نشانیان کچھ بیان ہی نہ کین اسلیے فرماتے ہین کہ بھائی کیا کرین دل ہی نہین رہا ہاتھ سے دل ہی جاتا رہا۔ اسلیے معذور سمجھو کہ اب ہمارے اندر بیان کی تاب ہی نہین رہی ہے۔ ؎ آج پہلو مین ہمارے دل ناشاد نہین ٭ کسکو دے آئے کہان بھول اوسکے یاد نہین۔ پس ایک عذر تو یہ ہوا دوسرا عذر ایک مثال دیکر فرماتے ہین کہ

ذرہ ہا را الخ یعنی ذرون کو کب کوئی گن سکتا ہے۔ اور خاصکر وہ شخص کہ جسکی عقل عشق کی وجہ سے زائل ہوگئی ہو مطلب یہ کہ اونکے کمالات اور اونکی نشانیان تو بیحد ہین اونکو گننے کی تو ایسی مثال ہے کہ جیسے کوئی ذرات زمین کو گننا شروع کردے تو ظاہر ہے کہ اگر قیامت تک بھی گنے جب بھی ختم نہین ہوسکتے۔ اسلیے اگر ان حضرات کے کمالات کو بھی گنا جاوے تو ان کو بھی کوئی نہین گن سکتا اسلیے بھی ہم معذور ہین آگے ایک اور مثال دیتے ہین کہ۔

مے شمارم برگہائے الخ یعنی مین باغ کے پتون کو گنونگا اور کبک و زاغ کی آواز کو گنونگا یہ جزا ہے شرط محذوف کی عبارت اسطرح ہے کہ نشانیہا را شمارم پس چنین باشد کہ من گہای باغ راہی شمارم الخ مطلب یہ کہ اگر مین انکو گننا شروع کردون تو اسکی ایسی مثال ہے کہ جیسے مین باغ کے پتون کو گننا شروع کردون اور جانورونکی آواز کو گننے لگون۔ کہ کتنی مرتبہ کوا بولا اور کتنی مرتبہ کبک نے آواز کی تو ظاہر ہے کہ انکو ہرگز احصار نہین کرسکتا۔ اسلیے اون نشانیون کا بھی احصار نہین کرسکتا آگے فرماتے ہین کہ۔

در شمار اندر الخ یعنی شمار مین تو نہین آسکتے لیکن کچھ بہت کے واسطے شمار کرتا بھی ہون اے ممتحن۔ مطلب یہ کہ اگرچہ احصا تو کوئی نہین کرسکتا مگر خیر جسقدر بھی ہوسکیگا شمار کرتا ہون آگے اسکی مثال ہے کہ۔

نحس کیوان الخ یعنی زحل کی یا مشتری کی سعادت کسیکے حصہ مین نہین آسکتی۔ زحل اور مشتری کی نحوست سے مراد انکے افراد یعنی ان کے جو افراد ہین کہ زحل کی فلان فلان نحوستین ہین اور مشتری کی فلان فلان سعادتین ہین یہ کسیکی شمار مین نہین آسکتین۔

لیک شرح بعضے الخ یعنی لیکن ان دونونکے اثر دن مین سے بھی شرح کرنی چاہیئے لوگون کے نفع و ضرر کے واسطے

تا شود معلوم الخ یعنی تاکہ معلوم ہوجاوین آثار قضا کے تھوڑے سے اہل سعد ونحس کو۔

طالع آنکس الخ یعنی جسکا طالع کہ مشتری ہو وہ تو نشاط و سرداری سے خوش ہو۔

وانکہ را طالع الخ یعنی جسکا طالع زحل ہو اوسکو تمام شرور سے تمام امور مین احتیاط لازم ہو۔

گر بگویم آن الخ یعنی اگر مین اوس زحل ستارہ والے، نہ بتاؤن تو وہ اس بیچارہ کو اپنی آگ سے جلاوے۔ مطلب یہ کہ اگر ان ستارون کے حالات معلوم ہونگے تو جسکا جیسا طالع ہوگا وہ ویسا ہی خوش یا محتاط رہیگا۔ اسیطرح حضرات انبیاؑ کی بھی نشانیون کو اگرچہ کوئی احصار نہین کرسکتا مگر پھر بھی جو کچھ بھی بیان ہوسکین اونکو بیان کرنا ضروری ہے۔ تاکہ اونکے مان لینے کے منافع اور انکار کے ضرر معلوم تو ہوجاوین اوسکے بعد جو کوئی مانے وہ خوش وخرم ہے ورنہ اپنے ہاتھون برباد ہو۔ آگے نفس کو مخاطب کرکے فرماتے ہین کہ۔

بس بپز کن الخ یعنی اے بیہودہ بس کر کہین اوس آفتاب سے کوئی آگ ایکبارگی تاب مین نہ آجاوے۔ مطلب یہ کہ آیات حق کے بیان کرنے مین ذرا زیادہ زبان مت کھولو۔ کہ کہین کوئی تجلی آکر تم کو جلاکر خاک سیاہ کردے اسلئے کہ اوسکی تو یہ قدرت ہے کہ

از کواکب ذرالخ یعنی ستارون مین سپہر بحر مین نہ نور رہیگا اور نہ نشان تو جب اوسکی یہ قدرت ہے پس اگر ہماری ہستی کو بھی فنا کردے تو کیا تعجب ہے۔

آنچہ بر دارد الخ یعنی جو کچھ کہ پھل رکھتا ہے اوسمین مشغول ہو اور دوسری باتون سے معزول ہو جاؤ۔ مطلب یہ کہ جس بات مین کوئی فائدہ ہو اوسمین لگو اور بیفائدہ باتون کو چھوڑو تو چونکہ تشبیہ وتنزیہ کے بیان کرنے مین عوام کا کوئی فائدہ نہین ہے اسلیے اوسکو ترک کردو اور کام کی باتین شروع کرو۔

جنبش اختر الخ یعنی ستارہ کی گردش سے سوا عقیم کے کچھ نہین آتا۔ اور سوائے اوس رحم کے لطف کے اور کوئی شے پھل نہین رکھتی مطلب یہ کہ اسباب ظاہری وغیرہ کے تصرفات کو کوئی معتد بہ فائدہ نہین ہوتا۔ بلکہ ایک فضول شے ہے۔ ہان حق تعالیٰ کا لطف وکرم کام کی چیز ہے اوسکو حاصل کرنا چاہیے آگے اسکے تحصیل کی ترکیب فرماتے ہین کہ۔

اذکروا اللہ الخ یعنی ہمارے بادشاہ نے ذکر اللہ کی اجازت دیدی ہے اور آتش کی اندر آنکھونکو نور دیدیا ہے۔ مطلب یہ کہ حق تعالیٰ نے اپنا نام لینے کی ہمکو اجازت دیدی ہے باوجودیکہ ہم ایسی چیزون مین ملوث تھے کہ وہ ہمکو جہنم کی طرف لیجاتین مگر پھر بھی ہمکو یہ نور لم یزلی عطا فرمایا ہے کہ جس سے سعادت دارین حاصل ہوسکتی ہے اور یہی ایک کام ہے جسکے ذریعہ سے قرب حق اور لطف حق حاصل ہوسکتا ہے۔ پس غلبۂ ذکر اللہ کا کرنا ساری مشکلین آسان ہوجاوینگی اور ماسوی اللہ سے بالکل علحدگی ہوجاویگی۔ چونکہ یہان ذکر اللہ کی ترغیب دی تھی اور اوسکا نور ہونا بتلایا تھا۔ آگے فرماتے ہین کہ اس ذکر کی جو حق تعالیٰ نے اجازت دی ہے اس سے حق تعالے کا کوئی فائدہ نہین ہے اور ہماری تقدیس وتسبیح سے حق تعالے ہرگز پاک نہین ہوتے بلکہ ہم ہی پاک ہوجاتے ہین آگے اسکو بزبان حق فرماتے ہین کہ۔

گفت اگرچہ الخ یعنی حق تعالیٰ نے فرمایا کہ اگرچہ مین تمھارے ذکر سے پاک ہون اور یہ تمثیلات میرے لائق نہین ہین۔

لیک ہرگز الخ یعنی لیکن تصور وخیال کا مقید ہماری ذات کو ہرگز بمثال کے سمجھ نہین سکتا مطلب یہ کہ تشبیہات سے تو ہم بالکل منزہ ہین مگر چونکہ عقول انسانی ناقص ہین اونکو بغیر تمثیل کے معرفت ہو ہی نہ سکتی تھی اسلیے ہم نے اجازت دیدی ہے کہ خیر جس طرح بھی ہوسکے جسقدر بھی معرفت ہوجاوے بہتر ہے ورنہ لیس کمثلہ شئ۔ اور فرماتے ہین کہ۔

ذکر جسمانہ الخ یعنی ذکر جسمانی تو ایک خیال ناقص ہے اور وصف شاہانہ تو اس سے خالص ہے مطلب یہ کہ حق تعالیٰ کے اوصاف تو کہیں برتر و بالا ہیں انکو اس ذکر سے اور ان تمثیلات سے کیا نسبت ہو سکتی ہے لیکن پھر اجازت دیدینا رحمت ہے آگے اس ذکر کی ایک مثال فرماتے ہیں کہ

شاہ را گوید الخ یعنی بادشاہ کو کوئی یہ کہے کہ جولاہا نہیں ہے تو یہ مدح ہرگز نہیں ہے وہ شاید آگاہ نہیں ہے مطلب یہ ہے کہ دیکھو کہ اگر کوئی بادشاہ کی مدح شروع کرے اور اول ہی یہ کہے کہ سب بڑا وصف یہ ہے کہ ہمارے بادشاہ صاحب جولاہہ نہیں ہیں تو اگر حقیقت کو دیکھو تو یہ مدح تو کیا ہوئی بلکہ اور مذمت ہے اسلیے کہ بادشاہ کے اندر جولاہہ ہونیکا تو گمان و گمان بھی نہ تھا تو پھر اسکی نفی کیسی معلوم ہوتا ہے کہ اسکو کچھ شبہہ تھا کہ جسکو یہ دفع کر رہا ہے لیکن اگر بادشاہ اس تعریف کو سنکر خوش ہو اور مثل اور مداحین کے اسکو بھی انعام و اکرام دے تو یہ اسکی غایت رحمت پر دال ہے پس ہماری تقدیس و تنزیہ بالکل ایسی ہی ہے کہ ہم کہتے ہیں کہ حق تعالیٰ کے ہاتھ نہیں ہیں پاؤں نہیں ہیں وغیرہ وغیرہ تو ان چیزوں کے وہاں ہونیکا شبہہ ہی کب تھا جو انکی نفی کیجاوے یہ صریح گستاخی اور بے ادبی ہے مگر حق تعالیٰ کی رحمت ہے کہ اسکو بھی اصل مدح قرار دیکر اسپر انعام و اکرام ثواب عنایت فرماتے ہیں اور ہم کو بوجہ ہماری بے عقلی کے اپنی کنہ کے ادراک نہ کرسکنے میں معذور فرماتے ہیں ورنہ اگر معرفت تام کی تکلیف دیجاتی تو یقیناً اس عقل و فہم کے ساتھ تو کسیطرح ممکن نہ تھا تو کوئی بھی مومن نہوتا اسلیے علی حسب الاستعداد ہر شخص کے مناسب اوسکو تکلیف دیگئی ہے خوب کہا ہے کہ ؎ نتوان وصف تو گفتن کہ تو در وصف نگنجی ؛ نتوان شرح تو گفتن کہ تو در شرح نیائی ؛ اور ؎ شکر نعمتہائے تو چندانکہ نعمتہائے تو ؛ عذر تقصیرات ما چندانکہ تقصیرات ما ؛ بس معلوم ہوگیا کہ حق تعالیٰ کی رحمت ہے کہ علیٰ قدر المراتب و الاستعداد معرفت کی تکلیف دی ہے آگے اسی مضمون کی ایک حکایت لاتے ہیں جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ انسان میں جسقدر بھی فہم ہو اوسیقدر اوسکو معرفت کی تکلیف دیگئی ہے۔

شرح حبیبی

انکار کردن موسیٰ علیہ السلام بر مناجات شبان

دید موسیٰ یک شبانے را براہ ‖ کو ہمی گفت اے خدا و اے الٰہ

تو کجائے تا شوم من چاکرت ‖ چارقت دوزم کنم شانہ سرت

تو کجائے تا کہ خدمتہا کنم ‖ جامہ ات را دوزم بخیہ کنم

جامہ ات شویم شپشہایت کشم ‖ شیر پیشت آورم اے محتشم

ور ترا بیمارئے آید بہ پیش ‖ من ترا غمخوار باشم ہمچو خویش

دستکت بوسم بمالم پائکت ‖ وقت خواب آید بروبم جائکت

گر ببینم خانہ ات را من دوام ‖ روغن و شیرت بیارم صبح و شام

ہم پنیر و نانہائے روغنین ‖ خمرہا جغراتہائے نازنین

سازم و آرم بہ پیشت صبح و شام ‖ از من آوردن ز تو خوردن طعام

اے فداے تو ہمہ بزہاے من
وے بیادت ہیہی وہیہاے من

زین نمط بیہودہ میگفت آن شبان
گفت موسیٰ با کیستت اے فلان

گفت با آنکس کہ ما را آفرید
این زمین وچرخ ازو آمد پدید

گفت موسے ہاے خیرہ سر شدی
خود مسلمان ناشدہ کافر شدی

این چہ ژاژست این چہ کفرست وفشار
پنبۂ اندر دہان خود فشار

گند کفر تو جہان را گندہ کرد
کفر تو دیباے دین را ژندہ کرد

چارق وپاتابہ لائق مر تراست
آفتابے را چنینہا کے رواست

گر نہ بندی زین سخن تو حلق را
آتشے آید بسوزد خلق را

آتشے گر نامدست این دود چیست
جان سیہ گشتہ روان مردود چیست

گر ہمیدانی کہ یزدان داورست
ژاژ وگستاخی ترا چون باورست

دوستی بے خرد خود دشمنی است
حق تعالےٰ زینچنین خدمت غنی است

با کہ میگوئی تو این با عم وخال
جسم وحاجت در صفات ذوالجلال

شیر او نوشد کہ در نشو ونماست
چارق او پوشد کہ او محتاج پاست

در براے بندہ است این گفتگو
آنکہ حق گفت او منست ومن خود او

آنکہ گفت انی مرضت لم تعد
من شدم رنجور او تنہا نشد

آنکہ بی یسمع وبے یبصر شدست
در حق آن بندہ این ہم بیہدہ‌ست

بے ادب گفتن سخن با خاص حق
دل بمیراند سیہ دارد ورق

گر تو مردے را بخوانی فاطمہ
گرچہ یک جنس اند مرد وزن ہمہ

قصد خون تو کند تا ممکن است
گرچہ خوش خو وحلیم وساکن است

فاطمہ مدحست در حق زنان
مرد را گوئی بود زخم سنان

دست وپا در حق ما آسایش است
در حق پاکے حق آلایش است

لم یلد لم یولد او را لایق است
والد ومولود را او خالق است

ہر چہ جسم آمد ولادت وصف اوست
ہر چہ مولودست او زین سوئے جوست

آنکہ از کون وفسادست ومہین
حادث است ومحدثے خواہد یقین

گفت اے موسے دہانم دوختے
وز پشیمانے تو جانم سوختے

جامہ را بدرید وآہے کرد تفت
سر نہاد اندر بیابانے ورفت

عتاب حق سبحانہ با موسیٰ از بہر آن شبان

وحی آمد سوئے موسیٰ از خدا
بندۂ ما را چرا کردی جدا

تو برائے وصل کردن آمدی — نے برائے فصل کردن آمدی
تا توانی پا منہ اندر فراق — ابغض الاشیاء عندی الطلاق
ہر کسے را سیرتے بنہادہ ایم — ہر کسے را اصطلاحے دادہ ایم
در حق او مدح و در حق تو ذم — در حق او شہد و در حق تو سم
در حق او نور و در حق تو نار — در حق او ورد و در حق تو خار
در حق او نیک و در حق تو بد — در حق او خوب و در حق تو رد
ما بری از پاک و ناپاکی ہمہ — از گرانجانی و چالاکی ہمہ
من نکردم خلق تا سودے کنم — بلکہ تا بر بندگان جودے کنم
ہندیان را اصطلاح ہند مدح — سندھیان را اصطلاح سند مدح
من نگردم پاک از تسبیح شان — پاک ایشان ہم شوند و درفشان
ما برون را ننگریم و قال را — ما درون را بنگریم و حال را
ناظر قلبیم اگر خاشع بود — گرچہ گفت لفظ ناخاضع بود
زانکہ دل جوہر بود گفتن عرض — پس طفیل آمد عرض جوہر غرض
چند ازین الفاظ و اضمار و مجاز — سوز خواہم سوز باآن سوز ساز
آتشے از عشق در جان برفروز — سر بسر فکر و عبارت را بسوز
موسیا آداب دانان دیگراند — سوختہ جان و روانان دیگراند
عاشقے را ہر نفس سوزیدنی است — بر دہِ ویران خراج و عشر نیست
گر خطا گوید ورا خاطے مگو — ور شود پر خون شہید آن را مشو
خون شہیدان را ز آب اولیٰ ترست — این خطا از صد صواب اولیٰ ترست
در درون کعبہ رسم قبلہ نیست — چہ غم از غواص را پاچیلہ نیست
تو ز سرمستان قلاوزے مجو — جامہ چاکان را چہ فرمائے رفو
ملت عشق از ہمہ دینہا جداست — عاشقان را ملت و مذہب خداست
لعل را گر مہر نبود باک نیست — عشق در دریائے غم غمناک نیست

وحی آمدن بموسے علیہ السلام در عذر آن شبان

بعد ازان در سر موسی حق نہفت — رازہائے گفت کان ناید بگفت
بر دل موسے سخنہا ریختند — دیدن و گفتن بہم آمیختند
چند بیخود گشت و چند آمد بخود — چند پرید از ازل سوئے ابد
بعد ازان گر شرح گویم ابلہی است — زانکہ شرح این ورائے آگہی است

در بگویم عقلها را بر کند — ور نویسم بس قلمها بشکند
ور بگویم شرح جہانے معتبر — تا قیامت بگذرد این بس مختصر
لاجرم کوتاه کردم من زبان — گر تو خواہی از درون خود بخوان
چونکہ موسیٰ این عتاب از حق شنید — در بیابان از پئے چوپان دوید
بر نشان پائے آن سرگشتہ راند — گرد از پرّہ بیابان بر فشاند
گام پائے مردم شوریدہ خود — ہم ز گام دیگران پیدا بود
یک قدم چون رخ ز بالا تا نشیب — یک قدم چون پیل رفتہ بر اریب
گاہ چون موجے برافرازان علم — گاہ چون ماہی روانہ بر شکم
گاہ بر خاکے نوشتہ حال خود — ہمچو رمالے کہ رملے بر زند
گاہ حیران ایستادہ گہ دوان — گاہ غلطان ہمچو گو از صولجان
عاقبت دریافت اورا و بدید — گفت مژدہ دہ کہ دستورے رسید
ہیچ آدابے و ترتیبے مجو — ہرچہ میخواہد دل تنگت بگو
کفر تو دین ست و دینت نور جان — ایمنی وز تو جہانے در امان
اے معاف یفعل اللہ ما یشاء — بے محابا رو زبان را بر کشا
گفت اے موسیٰ از ان بگذشتہ ام — من کنون در خون دل آغشتہ ام
من ز سدرہ منتہیٰ بگذشتہ ام — صد ہزاران سالہ زان سو گشتہ ام
تازیانہ بر زدے اسپم بگشت — گنبدے کرد و ز گردون برگذشت
محرم ناسوت ما لاہوت باد — آفرین بر دست و بر بازوت باد
حال من اکنون برون از گفتن ست — اینچہ میگویم نہ احوال من ست

موسیٰ علیہ السلام نے ایک چرواہے کو رستہ مین یہ کہتے ہوئے دیکھا کہ اے کریم اور اے اللہ تو کہان ہے کہ مین تیرا خادم ہوجاؤن اور تیرے موزے سیا کرون۔ تیرے سر مین کنگھی کیا کرون۔ تو بتلا دے کہ تو کہان ہے تاکہ مین تیری خوب خدمت کرون تیرے کپڑے سیا کرون اور ان مین بخیہ کیا کرون۔ تیرے کپڑے دھویا کرون تیرے بالون کی اور کپڑون کی جوئین مارا کرون اور تیری خدمت مین دودھ حاضر کیا کرون اور اگر اتفاقاً آپکو کوئی مرض لاحق ہو تو مین عزیزون کی طرح آپکی تیمارداری کرون آپکے ہاتھ چومون اور پاؤن دباؤن جب آپکے سونے کا وقت ہو تو آپ کی خوابگاہ کو کوڑے کرکٹ سے صاف کیا کرون اے خدا میری جان اور میرے بال بچے اور میرا گھر بار کنبہ قبیلہ تجھپر قربان۔ اگر مجھے تیرا گھر معلوم ہوجاوے تو صبح وشام دونون وقت دودھ اور گھی تیرے لیے لایا کرون۔ نیز مین تیرے لیے پنیر اور روغنی روٹیان اور دہی کی مشکیان تیار کرون اور صبح وشام دونون وقت تیری خدمت مین حاضر کیا کرون بس میرا کام لانا ہو اور تیرا کام کھانا۔ اے اللہ میری بکریان تجھپر قربان اور اے وہ ذات جسکی یاد مین میرا یہ حسرت و افسوس اور آہ وزاری ہے اگر تو مجھے ملجاوے تو مین مذکورۂ بالا کام سارے کرون۔ غرض وہ چرواہا اسی قسم کی بیہودہ گفتگو کر رہا تھا۔ یہ گفتگو

سنکر موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ اے چرواہے تو یہ خطاب کسکو کر رہا ہے اوسنے کہا اوسکو جسنے ہم سبکو پیدا کیا اور جس سے آسمان
وزمین کا ظہور ہوا موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ تو احمق ہو گیا ہے کہ ایسی باتین کرتا ہے ایسی باتوں سے تو مسلمان تو کیا
ہوتا الٹا کافر ہو گیا یہ کیا بکواس ہے اور یہ کیسا کفر اور لغویات ہے خبردار ایسی باتین ہرگز منھ سے مت نکال اگر یون چپ
نہین رہا جاتا تو منھ مین روئی ٹھونس لے۔ تیرے کفر کی بدبو نے عالم کو گندہ کر دیا اور تیرے اس کفر نے دین کے دیبا کو گدڑی بنا دیا
یعنی تو اس گفتگو سے پیشتر تلبس بدین تھا جو کہ تیرے لیے بیش بہا ہونے مین مثل دیبا کے تھا اب وہ دین جو مثل دیبا کے تھا جاتا رہا
بلکہ اسکے بجائے کفر آگیا جو مثل گدڑی کے ذلیل و حقیر ہے اور کوڑی کے بھی کام کا نہین موزہ اور پاتابہ تیرے لیے زیبا ہین بھلا
آفتاب حقیقی کے لیے کب جائز ہے کہ موزہ اور پاتابہ پہنے اگر تو ان باتوں سے اپنا منھ بند نہ کریگا تو آسمان سے آگ آئیگی اور مخلوق
کو بھسم کر دیگی اور آتش معنوی یعنی آتش قہر تو الٰہی چکی کیونکہ اگر وہ ہنوز نہین آئی تو یہ دھوان کیسا ہے اور تیری جان و دل کیون
سیاہ ہو گئے ہین اور تیری جان مردود کیون ہے یہ سب آثار اسی آتش قہر کے ہین جن سے اس آتش پر استدلال ہو سکتا ہے
اگر تو جانتا ہے کہ خدا حاکم ہے تو ان بیہودہ اور گستاخی کی باتوں کا تجھے اسکی نسبت کیسے یقین ہو گیا سچ ہے کہ نادان کی دوستی بھی دشمنی
ہے ارے یاد رکھ کہ حق سبحانہ کو اس قسم کی خدمات کی ضرورت نہین ذرا بتا تو سہی کہ تو اس قسم کی باتین اپنے چچا سے کرتا ہے
یا ماموں سے کرتا ہے اور خدا تیرے ماموں اور چچا کی طرح ہے۔ بھلا صفات خداوندی مین جسمیت اور احتیاج کو کیا دخل دودھ
تو وہ پیتا ہے جو ہنوز ناقص ہو اور نشو و نما کا اسے درکار ہو۔ اور موزہ وہ پہنتا ہے جسے پاؤن کی حاجت ہو اور خدا کے لیے یہ امور
محال ہین تو اس سے یہ گفتگو کیسی اور اگر تیری مراد وہ بندہ ہے جسکی نسبت حق سبحانہ نے یہ فرمایا ہے کہ مین وہ ہون اور وہ
مین ہے یعنی مجھ مین اور اسمین اتحاد عرفی یعنی توافق ہے اور جسکی عیادت نہ کرنے پر حق سبحانہ شکایت فرماوینگے کہ انی مرضت فلم
تعدنی یعنی مجھ مین اور اسمین ایسا اتحاد اور توافق تھا جسکی بنا پر عرفاً یون کہا جا سکتا ہے کہ صرف وہی بیمار نہوا تھا بلکہ اسکے
ساتھ مین بھی بیمار ہوا تھا اور جسکی نسبت ارشاد ہوا ہے کہ بی یسمع و بی یبصر تو ایسے بندہ کے حق مین بھی یہ گفتگو بیہودہ ہے۔ اور
خاصان الٰہی سے گستاخانہ خطاب کرنا دل کو مردہ کرتا ہے اور نامۂ اعمال کو سیہ کرتا ہے۔ یہان سے مولانا مضمون سابق کی تائید
فرماتے ہین اور کہتے ہین کہ جو کچھ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا وہ صحیح ہے دیکھو اگر تم کسی مرد کی تعریف میں اسے فاطمہ
کہو تو باوجودیکہ مرد و عورت ایک ہی جنس سے ہین اور کچھ بہت بعد نہین ہے مگر باانیہمہ بہت ممکن ہے کہ وہ تیرے خون
کے درپے ہو جاوے اگرچہ خوشخو اور حلیم اور بردبار ہو کیونکہ فاطمہ کہنا عورتونکے حق مین تو تعریف ہے اگر مرد کو کہو تو اسکو ایسا
ناگوار ہوگا جیسا کسی نے نیزہ یا تیر مار دیا جب یہ معلوم ہو گیا تو اب سمجھو کہ ہاتھ پاؤن ہمارا کمال ہین کیونکہ وہ ہمارے لیے
آسایش کا ذریعہ ہین اور پاکی حق سبحانہ کے مقابلہ مین وہ نجاست ہین اوسکے لیے تو لم یلد و لم یولد زیبا ہے کیونکہ ہر والد و مولود
اسکا پیدا کردہ ہے پس وہ خود والد و مولود کیسے ہو سکتا ہے ولادت اجسام کی صفت ہے نہ کہ اوسکی جو جسمیت سے منزہ ہے
اور جو مولود ہے وہ بھی طالب جسمیت ہے پس والد و مولود اجسام ہوے اور جو جسمیت سے منزہ ہے نہ وہ والد ہوگا نہ مولود
اور نیز اسکا یہ ہے کہ ہر والد و مولود کے لیے کون و فساد کی ضرورت ہے اور اسلیے وہ ذلیل بھی ہے پس وہ حادث ہوگا
اور اوسکو ایک محدث کی ضرورت ہوگی (کون سے مراد ہے نئے کیفیت اور صورت کا پیدا ہونا اور فساد سے مراد ہے کیفیت
وصورت سابقہ کا زائل ہونا والد کو کون و فساد کی اسلیے ضرورت ہے کہ اسکے ان اجزاء مین تغیر ہوتا ہے جن سے وہ بچہ
بنتا ہے پہلے وہ ایک کیفیت و صورت پر ہوتے ہین اور پھر دوسری کیفیت و صورت اختیار کرتے ہین اور مولود کیلئے

کون وفساد کی اسلیے ضرورت ہے کہ پہلے وہ ایک کیفیت وصورت پر ہوتا ہے اسکے بعد دوسری کیفیت وصورت اختیار کرتا ہے مثلاً زید والد اسوقت بنیگا جبکہ اوسکے اجزاء منویہ فاسد ہوکر صورت منویہ اختیار کرلین اور مولود یون ہوا کہ پہلے وہ منی تھا بعد کو صورت منویہ فاسد ہوئی اور صورت زیدیہ پیدا ہوگئی۔ اسی پر دیگر والد و مولود کو قیاس کرلو یہان سے مولانا مضمون سابق کیطرف عود کرتے ہیں اور فرماتے ہین کہ اوسنے عرض کیا کہ یا حضرت آپنے تو میرا منھ ہی بند کردیا۔ اور ندامت سے میری جان جلادی یعنے اب مین پشیمان ہون کہ مین نے اس قسم کے الفاظ گستاخانہ کیون استعمال کیے اور اب مین ایک لفظ بیہودہ زبان سے نہ نکالونگا یہ کہکر کپڑے پھاڑ ڈالے اور ایک گرم آہ کی اور بیابان کارخ کیا اور چلدیا موسیٰ علیہ السلام کے پاس حضرت حق سبحانہ سے وحی آئی کہ آپنے ہمارے بندہ کو ہم سے جدا کیون کردیا آپکا کام تو یہ ہے کہ آپ بندون اور حق سبحانہ کے درمیان تعلق پیدا کرین نہ یہ کہ جو تعلق پیدا ہو چکا ہے اوسکو منقطع کرین اب ہم آپ کو متنبہ کرتے ہین کہ آیندہ کبھی ایسی بات نہ کرنا جس سے ہمارے اور بندونکے درمیان جدائی ہو کیونکہ زن وشوہر کی جدائی کو بھی ہمنے بمصلحت گوارا کیا ہے ورنہ ہمکو پسند نہین پس ہم بندون کی جدائی کو کیونکر گوارا کرینگے جب آپنے اسکو نصیحت فرمائی تھی آپ کو خیال کرنا چاہیے تھا کہ ہم نے ہر ایک کی سیرت جداگانہ قایم کی ہے اور ہر ایک کو ہمنے جداگانہ اصطلاح عطا کی ہے جو ایک کے لیے مفید اور دوسرے کے لیے مضر ہے اس بنا پر اسکی یہ گفتگو اوسکے حق مین تو مدح تھی اور تمھارے حق مین ذم ہوگی اوسکے حق مین شہد تھی تمھارے حق مین سم ہوگی اوسکے حق مین نور تھی آپکے حق مین نار ہوگی اوسکے حق مین گل تھی آپ کے حق مین خار ہوگی اوسکے حق مین نیک تھی آپ کے حق مین بد ہوگی اوسکے حق مین عمدہ تھی آپ کے حق مین مردود ہوگی مقصود سبکا یہ ہے کہ اسکے حق مین نافع اور بہتر تھی اور آپکے حق مین مضر اور بدتر اور یہ بھلائی تمھارے ہی اعتبار سے اور خود تمھاری ہی طرف راجع ہے رہے ہم سو ہماری تو یہ شان ہے کہ ہم تمھاری پاکی سے بھی منزہ ہین اور ناپاکی سے بھی یعنی کاہلی اور اسی قسم کے افعال و اوصاف ذمیمہ سے بھی جو ہماری طرف منسوب کیے جائین اور چستی و چالاکی اور اسی قسم کے افعال و اوصاف حسنہ سے بھی جو ہماری طرف منسوب کیے جائین اور مین نے تسبیح و تقدیس کا حکم کیا ہے وہ اپنے کسی فائدہ کے لئے نہین بلکہ محض اسلیے کہ مخلوق پر انعام کرون اور اوسکے ذریعہ سے وہ صفات حسنہ سے متصف ہون پس ہندی لوگ ہندی زبان مین میری تعریف کرتے ہین اور وہ ہی اونکے حق مین مدح ہوتی ہے اور سندھی لوگ سندھی زبان مین میری تعریف کرتے ہین اور اونکے حق مین وہی تعریف ہوتی ہے مین نہ ہندیونکی تسبیح و تقدیس سے پاک ہوتا ہون اور نہ سندیون کی بلکہ وہی اپنی اس تسبیح و تقدیس سے پاک ہوتے ہین اور انھین کے منھ سے موتی جھڑتے ہین پس تم کو معلوم ہونا چاہیے کہ ہم الفاظ کو نہین دیکھتے بلکہ دل اور نیت کو دیکھتے ہین کہ کس نیت سے یہ الفاظ استعمال کیے گئے ہین ہم صرف باطن اور حال کو دیکھتے ہین نہ کہ ظاہر اور قال کو اگر دل مین خشوع ہو تو ہم اوسیکو دیکھین گے اگرچہ گفتگو سے خشوع نہ ظاہر ہوتا ہو ہم اوسپر ہرگز نظر نہ کرینگے اور راز اسمین یہ ہے کہ دل جوہر ہے اور گویائی عرض اور جوہر مقصود ہوتا ہے اور عرض اسکے تابع ہوتی ہے پس اگر مقصود درست ہو تو اتنا ہی کافی ہے غیر مقصود مین اگر کچھ نقص بھی ہو تو کچھ نقصان نہین بشرطیکہ عمداً وہ نقصان پیدا نہ کیا گیا ہو۔ الفاظ و اضمار و مجاز پر کب تک نظر کروگے ہمکو تو یہ مطلوب ہی نہین ہے ہمکو تو مطلوب

صرف سوزش ہے تمکو سوز سے موافقت کرنا چاہیے۔ اور عشق کی آگ اپنے دل وجان مین مشتعل کرنا چاہیئے۔ اور محض فکر علمی اور عبادت جسمہ کو آگ لگا دینا چاہیے اور اگر عشق کے ساتھ یہ بھی ہون تو نور علی نور ہے۔ اسکے بعد سمجھو کہ ادب دان اور لوگ ہین اور دل جلے اور ہین۔ جو ادب دان اور عارف و عاقل ہین انسے ادب مطلوب ہے اور جو عشاق ہین وہ عموماً یا تو نا واقف ہوتے ہین یا مغلوب الحال۔ اسلیے وہ معذور ہین اور انسے ادب مطلوب نہین۔ پس وہ ترک ادب پر ماخوذ بھی نہونگے عاشق تو ہر وقت جلتے رہتے ہین اور اپنی ہستی اور ہوش وحواس سبکو ہمارے لیے فنا کر چکے ہین انکے پاس وہ شے ہی نہین جسکی بنا پر انسے مطالبہ کرین یعنی ہوش وحواس پس ہم انسے ادب کا کیونکر مطالبہ کر سکتے ہین بھلا سمجھو تو سہی کہ کہین ویران گاؤن پر خراج وعشر واجب ہوتا ہے ہرگز نہین کیون؟ اسلیے کہ وہان وہ شے ہی نہین جسکی بنا پر عشر و خراج لازم ہو علی ہذا یہان بھی یہی حالت ہے پس اگر ایسے لوگ گفتگو مین غلطی کرین تو انکو خطا وار نہ کہنا چاہیے جسطرح کہ شہید خون آلودہ کو نہلانا نہین چاہیے اسلیے کہ جسطرح شہیدونکے لیے خون پانی سے بہتر ہے یون ہی یہ غلطی اس صواب سے بہتر ہے جسکا تعلق صرف زبان ہی سے ہو ہم تم کو اسی مضمون کو دوسری عنوان سے سمجھاتے ہین دیکھو قبلہ کے اندر کسی خاص جہت کی ضرورت نہین اور اگر غوطہ خور کے پاس پاتابہ نہو تو کوئی فکر کی بات نہین وجہ اسکی یہ ہے کہ شرط توجہ الی الجہۃ المخصوصہ اور شرط استعمال پاتابہ مقصود ہے پس یہان بھی بعینہ یہی حالت ہے آپ مستون سے رہبری کی توقع نرکھیے اور عشاق کو کپڑونکے رفو کرنے کی ہدایت نکیجیے کیونکہ یہ وہ دونون ان دونون کامون کے اہل نہین علی ہذا وہ بھی ادب کا اہل نہین کیونکہ اوسکا مدار علم وعقل پر ہے اور وہان دونون مفقود ہین مذہب عشق تمام مذاہب سے جدا گانہ ہے کہ ہر مذہب مین مکلفین کے لیے احکام مخصوصہ ہوتے ہین عشاق الٰہی کا کوئی مذہب نہین کیونکہ وہ شرط تکلیف ہی اپنے اندر نہین رکھتے یعنی عقل بلکہ انکا مذہب تو انکا مطلوب ہے یعنی حق سبحانہ پس وہ اسی کی دھن مین لگے ہوئے ہین اور اوامر ونواہی کی انھین خبر بھی نہین پس وہ بیچارے عمل کیا کر سکتے ہین اور اس ترک ادب وغیرہ سے انکے نقصان پر استدلال نکرنا چاہیے کیونکہ انکی مثال ایسی ہے جیسے لعل اور لعل کو سکہ کی ضرورت نہین یون ہی انکو بھی افعال ظاہری کی ضرورت نہین جسکی وجہ وہی فقدان شرط تکلیف ہے ہان چاندی سونے کے لیے سکہ کی ضرورت ہے کیونکہ انمین شرط موجود ہے نیز یہ افعال گو فی نفسہ مضر ہین مگر انکے لحاظ سے مضر نہین اور انکو ان سے کچھ ضرر نہین ہوتا اگر یہ بات سمجھ مین نہ آوے تو یون سمجھو کہ عاشق ہزارون رنج وغم مین مبتلا ہوتا ہے مگر مغموم نہین ہوتا حالانکہ غم فی نفسہ مغموم کرنیوالا ہے مگر عشاق پر اسکا اثر نہین پس یہی حالت عاشقان حق سبحانہ کی ہے کہ انکو ترک ادب وغیرہ باوجود فی نفسہ مضر ہونے کے مضر نہین۔ اسکے بعد حضرت موسی علیہ السلام کے دل مین پوشیدہ طور پر ان اسرار کا القاء ہوا جو بیان مین نہین آسکتے اور گفتگو و مشاہدہ ہر دو کو جمع کر دیا یعنی جو کچھ کہا گیا تھا اوسکا مشاہدہ بھی کرا دیا اسپر موسی علیہ السلام پر کیسی کیسی بیخودیان طاری ہوئی ہین اور کیسے کیسے ہوش آئے ہین اور کیسے کیسے وہ ابتدا سے انتہا کیطرف اڑے ہین اور ترقی روحانی حاصل کی ہے کہ بیان مین نہین آسکتی اب اگر مین انکی شرح کرون تو میری حماقت ہی اسلیے کہ وہ تو عقول متوسط کے احاطہ سے باہر ہے اگر مین کہتا ہون تو عقول عامہ درہم برہم ہو جائین کیونکہ انکی کنہ تک تو پہونچین گے نہین پس یا تو کچھ سے کچھ سمجھ لین گے یا انکار کر بیٹھین گے۔ اور یہ دونون صورتین بربادی کی ہین نیز اگر لکھتا ہون تو اوسمین طول اتنا ہے کہ بہت سے قلم ٹوٹ جائین گے اور تمام نہ ہوگی۔ وہ اتنی طویل ہے کہ اگر مین اوسکی واقعی تفصیل کرون اور قیامت تک کیے جاؤن تب بھی

نہایت مختصر ہوگی۔ اِن وجوہ سے مجبوراً مین نے خاموشی اختیار کی اب اگر تم کو ضرورت ہو تو اپنے باطن کی اصلاح کرو تم کو خود معلوم ہو جائیگی۔ غرض جبکہ موسے علیہ السلام نے حق سبحانہ کا یہ شفقت آمیز عتاب سنا تو چرواہان کو تلاش کرنیکے لیے اوسکے پیچھے دوڑے اور اوسکے نقش قدم پر چلدیے اور جستجو مین بیابان کی خوب خاک اڑائی یہان کسیکو یہ شبہ نہو کہ اونھون نے اوسکے نقش قدم کو کیونکر پہچانا اسلیے کہ عشاق کے نقش قدم اور دوسرونکے نقش قدم مین فرق ہوتا ہی کوئی قدم تو انکا اوپر سے نیچے کو ہوتا ہے جیسے رخ چلتا ہے اور کوئی قدم ہاتھی کیطرح ٹیڑھا ہوتا ہے کبھی وہ موج کیطرح جھنڈ البلند کرتے ہین یعنی کھڑے چلتے ہین اور کبھی مچھلی کیطرح پیٹ کے بل چلتے ہین کبھی مٹی پر اپنی حالت لکھتے ہین جیسے کوئی فال دیکھنے والا رمل نکال رہا ہو کبھی متحیر ہو کر گر کر کھڑے رہجاتے ہین کبھی دوڑنے لگتے ہین کبھی گیند کیطرح لڑھکتے چلتے ہین غرض انجام کار اونھون نے اوسکو پالیا اور یہ خوشخبری سنائی کہ تم کو اجازت ہوگئی ہی کہ تمکو کسی ادب اور قرینہ کی ضرورت نہین جو کچھ تمھارے جی مین آئے کہو تمھارا ظاہری کفر بھی تمھارے حق مین دین ہے اور یہ تمھارا دین تمھارے لیے نور جان ہی نہ کہ وہ آتش قہر جیسا کہ مین نے کہا تھا اور تم خود بھی بیخطر ہو اور دنیا کو بھی تمھارے ذریعہ سے امان ہے اور آتش آسمانی نہ تمکو جلا سکتی ہے نہ مخلوق کو جیسا کہ مین نے کہا تھا۔ تم کو حق سبحانہ نے جو فاعل مختار ہین معانی کا پروانہ عطا کیا ہے لہذا بے کھٹکے جو جی مین آئے کہو اسنے عرض کیا کہ جناب والا اب میری حالت وہ نہین رہی بلکہ اب مجھے حق سبحانہ کی معرفت حاصل ہوگئی ہے مگر اب میرا دل خون خون ہوگیا ہی اور مین اوسمین لتھڑا ہوا ہون اسلیے کہ مین اوسکی تعریف کیلیے الفاظ نہین پاتا بلکہ اپنی ہر تعریف کو اوسکے رتبہ سے کمتر پاتا ہون اب مین عروج روحانی اسقدر حاصل کر چکا ہون کہ اوسکو مثال محسوس سے ظاہر کرنیکے لیے یون کہتا ہون کہ سدرۃ المنتہے سے گذر گیا ہون میری پہلی حالت اور موجودہ حالت کے درمیان سیکڑون برس کی مسافت حائل ہوگئی ہے خدا حضور کا بھلا کرے کہ حضور نے چابک مار کر میرے توسن روح کا رخ اسطرف سے پھیرا اور اسنے ایک ایسی جست کی کہ آسمان سے اوپر ہو چکیا اب خدا کرے کہ لاہوت ہم ناسوتیونکا محرم رہے اور آپکے دست و بازو کو آفرین ہی کہ آپ کی بدولت یہ مرتبہ حاصل ہوا میری موجودہ حالت بیان سے باہر ہی مین جو کچھ بھی بیان کرونگا وہ میری حالت نہوگی کیونکہ حال قال مین نہین آسکتا اسلیے مین کچھ عرض بھی نہین کرتا صرف اتنا عرض کرتا ہون کہ اب مجھے ترقی ہوگئی ہی۔

یہان چند امور پر تنبیہ کرنا ضروری سمجھا جاتا ہے تاکہ عوام کو لغزش نہو۔ اول یہ کہ حضرت موسی علیہ السلام نے تو اپنا فرض منصبی ادا کیا تھا پھر اونپر عتاب کیون ہوا اسکی وجہ یہ ہے کہ انکا فرض منصبی مکلفین کو تبلیغ کرنا تھا اور شبان مغلوب الحال ہونیکے سبب غیر مکلف تھا۔ اگر حضرت موسی علیہ السلام عجلت کو کام نہ فرماتے اور ذرا غور فرماتے تو اونپر اسکی حالت منکشف ہوجاتی لیکن اونھون نے عجلت فرمائی اسلیے شفقت آمیز تنبیہ فرمائی گئی دوم یہ کہ "ملت عشق از ہمہ دینہا جداست" سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ عشاق حق سبحانہ کو مسلمان ہونیکی ضرورت نہین کیونکہ بدون مسلمان ہوے عشق الٰہی بھی ناممکن ہی بلکہ مطلب یہ ہی کہ عاشق مغلوب الحال کا مطمح نظر صرف ذات حق سبحانہ ہوتی ہی اسکے علاوہ اور تمام چیزون سے مغلوب الحال ہونیکے وقت وہ بیخبر ہوتا ہی مگر وقت خاص تک اسکے حواس اس قابل نہین ہوتے کہ وہ مکلف ہوسکے اسلیے وہ اسوقت تک قوانین شرعیہ سے مستثنے ہوجاتا ہی جب تک کہ اسے ہوش نہ آجاوے سوم یہ کہ "ما بروں را ننگریم وقال را" الخ کا مطلب نہین کہ اصلاح ظاہر کی ضرورت ہی نہین بلکہ مطلب یہ ہی کہ اگر بعارض مغلوبیت حال کسی خاص وقت مین کسیکا ظاہر درست نہ رہے تو کچھ مضائقہ نہین اور جبوقت مغلوب نہو اسوقت اصلاح ظاہر لازم ہی کیونکہ اسکے بغیر اصلاح باطن بھی نہین ہوسکتی۔

نقش می بینی کہ در آئینہ ایست — نقش تست آن نقش آن آئینہ نیست

دم کہ مرد نائی اندر نائے کرد — درخور نالے ست نے درخورد مرد

ہان وہان گر حمد گوئی ور سپاس — ہمچو نافرجام آن چوپان شناس

حمد تو نسبت بتو گر بہتر ست — لیک آن نسبت بحق ہم ابتر ست

کاشکے بہتر بودے مر ترا — دردا و دلسوز بودے مر ترا

چند گوئی چون غطا بر داشتند — کاین نبودست انچہ می پنداشتند

این قبول ذکر تو از رحمت است — چون نماز مستحاضہ رخصت است

با نماز او بیالودست خون — ذکر تو آلودۂ تشبیہ و چون

خون پلیدست و بآبے میرود — لیک باطن را نجاستہا بود

کان بغیر آب لطف کردگار — کم نہ گردد از درون مرد کار

در سجودت کاشکے رو گردانیے — معنی سبحان ربی دانیے

کاے سجودم چون وجودم نا سزا — مر بدی را تو نکوئی دہ جزا

این زمین از حلم حق دارد اثر — تا نجاست برد و گلہا داد بر

تا بپوشد او پلیدی ہائے ما — در عوض روئید ازوے غنچہا

پس چو کافر دید کو در داد وجود — کمتر و بے مایہ تر از خاک بود

از وجود او گل و میوہ نرست — جز فساد جملہ پاکیہا نجست

گفت واپس رفتہ ام من در ذہاب — حسرتا یا لیتنی کنت تراب

کاشکے از خاک سفر نگزیدمے — ہمچو خاکے دانۂ می چیدمے

چون سفر کردم مرا رہ آزمود — زین سفر کردن رہ آورد چہ بود

زان ہمہ میلش سوئے خاکست کو — در سفر سودے نہ بیند پیش رو

روئے واپس کردنش از حرص و آز — در رہ او ہیچ نے صدق و نیاز

ہر گیا را کش بود میل علا — در مزیدست و حیات است و نما

چونکہ گرداند سر سوئے زمین — در کمی و خشکی و نقص و غبین

میل روحت چون سوئے بالا بود — در تزاید مرجعت آنجا بود

ور نگونساری سرت سوئے زمین — آفلی حق لا احب الآفلین

ان اشعار کا تعلق "شاہ را گوید کسے جولاہہ نیست" الخ اور اس سے اوپر کے اشعار کے ساتھ ہے اور قصہ شبان جو بمناسبت مضمون بالا بیان کیا گیا تھا وسکو ختم کر کے مولانا اسی مضمون سابق کیطرف عود فرماتے ہیں ان اشعار کو "حال من اکنون برون از گفتن ہست" الخ سے متعلق کہنا محشین کی واضح غفلت ہے کما یظہر لک بالمراجعۃ الی وجدانک السلیم فتدبر۔ اس تنبیہ کے بعد ہم حل اشعار کیطرف متوجہ ہوتے ہیں۔ بوقت حمد حق سبحانہ کا جس عنوان سے تم تصور کرتے ہو وہ صورت تمھاری

من نظر نہ ہی حق سبحانہ کی صورت نہیں کہ وہ اس سے متعالی ہو اوسکی شان تو یہ ہی اے برتر از خیال و قیاس و گمان و وہم
وز ہر چہ گفتہ ایم و شنیدیم و خواندہ ایم ؛ مثلاً آئینہ میں جو صورت تم کو نظر آتی ہو وہ خود تمھاری ہوتی ہے نہ کہ آئینہ کی اسپر اگر
یہ شبہہ ہو کہ حق سبحانہ خود تو اپنی تعریف کر سکتے ہیں اور ہم جو تعریفیں کرتے ہیں وہ وہی ہیں جو اوسنے اپنے لیے تجویز کی
ہیں اور ہمکو تعلیم فرمائی ہیں پس ہماری تعریفیں خلاف واقعہ کیونکر ہو سکتی ہیں اسکا جواب یہ ہی کہ بیشک وہ تعریفیں حق سبحانہ
کی تعلیم کی ہوئی ہیں اور وہ اپنی تعریف کما حقہ کر سکتے ہیں لیکن اس تعلیم میں تمھاری استعداد کا لحاظ رکھا گیا ہی نہ کہ اپنی
شان کا اسلیے کہ اوسکی شان کے موافق اسکی تعریف احاطہ استعداد ممکنات سے باہر ہے اسکی تعریف کما ہو حقہ اسکے
اوصاف مختصہ میں سے ہے جسکا ممکنات کیلیے حصول ناممکن ہے اسکو ہم ایک مثال سے سمجھاتے ہیں تاکہ تقریب فہم کا کام
دے جو آواز کہ بانسری بجانے والا بانسری کے اندر بھرتا ہے وہ بانسری کی لیاقت کے لحاظ سے ہوتی ہو نہ کہ بانسری
بجانے والے کی لیاقت کے اعتبار سے چنانچہ جو آواز بانسری میں سے نکلتی ہے اور آواز کہ خود بانسری بجانے والے کے
منھ سے نکلتی ہے دونوں میں کیوں بعد ہوتا ہے حالانکہ دونوں آوازیں ایک ہی شخص کی ہیں بس اسی قسم کا فرق حمد حق
اور حمد عبد میں سمجھ لو پس دیکھنا خبردار جو حمد حق سبحانہ تم شکر نعمائے الٰہیہ میں بجالاؤ اسپر مغرور نہ ہونا کہ ہمنے کما ینبغی تعریف کردی
بلکہ اسکو اس چرواہے کے نامناسب الفاظ کے مانند سمجھنا۔ مانا کہ تمھاری ذاتی حمد کے لحاظ سے وہ تعلیمی حمد بہتر ہے مگر حق
کی شان کے اعتبار سے وہ بھی گھٹیا ہے۔ نیز جبکہ وہ بہتر اضافی و تعلیمی تعریف محض زبان ہی سے ہو تمھاری اس ذاتی
تعریف سے بھی گھٹیا اور کمتر ہے جو درد اور سوز سے ناشی ہو۔ اس بناء پر ہم تو یہ کہتے ہیں کہ کاش یہ زبانی بہتر اضافی
تعریف تمھیں حاصل نہوتی بلکہ درد و سوز تمکو حاصل ہوتا اوس سے جو تعریف بھی ناشی ہوتی وہ اچھی تھی۔ ارے تو اس
زبانی تعریف میں کبتک مصروف رہیگا۔ اسکو چھوڑ اور درد و سوز حاصل کر یاد رکھ کہ جب حقیقت حال منکشف ہوجائیگی
اور حجاب اوٹھ جائیگا خواہ دنیا میں یا آخرت میں اسوقت تجھے معلوم ہوگا کہ لوگ جنمیں سے تو بھی ہے حق سبحانہ کے جو اوصاف
بیان کرتے تھے وہ اصل حقیقت سے بہت بعید تھی اور انمیں بہت بڑی رنگ آمیزی ہماری استعدادوں اور قابلیتوں
کی تھی تم کو یہ بھی شبہہ نہ ہونا چاہیے کہ جب انھیں تعریفوں کی قبولیت کا ہم سے وعدہ کیا گیا ہے اور اس قبولیت کا ہم
آثار سے مشاہدہ بھی کرتے ہیں پھر ہم کیسے سمجھیں کہ وہ خلاف واقعہ ہیں کیونکہ تیرے اس ذکر کا مقبول ہونا اسکی لیاقت
قبول کی بناپر نہیں بلکہ اسکا مبنی محض رحمت ہے کہ اوسنے محض اپنی رحمت سے یہ قانون مقرر کردیا ہے کہ لا یکلف اللہ
نفسا الا وسعہا۔ اسکی مثال ایسی سمجھو جیسے کہ مستحاضہ کی نماز کہ قانون عام کی بنا پر تو یہ نماز ہی نہیں کیونکہ نجاست
جو سبیلین سے خارج ہو ناقض وضو ہے اور بدون وضو کے نماز کہاں پس اسکو نماز نہونا چاہیے مگر تعذر کا لحاظ فرماکر
حق سبحانہ نے اپنی رحمت سے اسیکو نماز قرار دیدیا ہے۔ اور اسی پر وہ ثمرات براءت ذمہ وغیرہ مرتب فرمادیتے ہیں
جو طاہرین کی نماز پر مرتب ہوتے ہیں جسطرح اسکی نماز کے ساتھ خون کی آلایش ہے اور اس بنا پر وہ حقیقی نماز
کہلانیکی مستحق نہیں یوں ہی تیرے ذکر میں تشبیہ و کیفیت کی آمیزش ہے۔ لہذا وہ بھی حقیقۃً ذکر کہلانیکا مستحق نہوگا
بلکہ اسکا ذکر نہ کہلانا اوسکے نماز نہ کہلانے سے اولےٰ تر ہے کیونکہ نجاست خون تو اس حیثیت سے ادنیٰ ہے کہ وہ پانی
سے زائل ہوسکتی ہے مگر نجاسات باطنیہ جنکے ساتھ تیرے ذکر کو تلبس ہے اسقدر قوی ہیں کہ وہ آب متعارف سے
زائل نہیں ہوسکتیں انکو صرف آب رحمت حق سبحانہ دھو سکتا ہی اور بدون اسکے وہ کم بھی نہیں ہوسکتیں زوال تو درکنار

اے کاش تو ان حقائق کو سمجھے اور سجدہ کے اندر اپنے عجب سے رو گردان اور اپنے سبحان ربی الاعلیٰ کا مطلب سمجھے اور یون خیال کرے کہ اے اللہ جسطرح مین نالائق ہون میرا سجدہ بھی ناقابل ہے بلکہ برائی ہے یہ بجائے تعظیم کے آپکی تحقیر ہے۔ لیکن مجھسے یہ ہی ہوسکتا ہے آپ اپنے فضل و رحمت سے میری اس برائی کا بدلا بھلائی سے فرماوین میرے عجز کے یہ ہی شایان ہے اور آپ کی قدرت و رحمت کو وہی زیبا ہے ہم نے اوپر کہا ہے کہ حق سبحانہ اپنے فضل سے تمہارے برائی کی مکافات بھلائی سے فرماتے ہین یہ اگر تمھاری سمجھ مین نہ آئے تو ہم تمکو ایک دلیل سے سمجھاتے ہین دیکھو زمین جو مظہر ہے صفت حلم حق سبحانہ کا اس پر یہ اثر ہے کہ تم اسپر نجاستین ڈالتے ہو اور وہ تمکو اسکے معاوضہ مین پھل پھول دیتی ہے ہماری ناپاکیونکی پردہ پوشی کرتی ہے اور اوسکے عوض مین اس سے کلیان پیدا ہوتی ہین پس جب زمین کی یہ حالت ہو تو حق سبحانہ کی نسبت ہماری برائیونکی پردہ پوشی اور اوسکی بھلائیون سے مکافات کرنے مین کیا شک ہوسکتا ہے یہان سے دوسرے مضمون کی طرف انتقال فرماتے ہین اور کہتے ہین جب زمین کی یہ حالت ہے کہ اس سے پھل پھول پیدا ہوتے ہین پس قیامت مین کافر کو متنبہ ہوگا اور زمین کی حالت اوسکو یاد آئیگی اور وہ اپنی حالت کو دیکھے گا کہ وہ سخاوت مین زمین سے بھی کم رہا اور اسکی روح سے معرفت حق سبحانہ کے پھل پھول نہ پیدا ہوے اور بجز سراسر فساد کے پاکیان اسمین پیدا نہ ہوئین تو وہ رجعت قہقری کی آرزو کریگا اور بحسرت و افسوس کہیگا کہ کاش مین مٹی ہی ہوتا اور کاش مین ترابیت سے انسانیت کیطرف ترقی نہ کرتا۔ بلکہ دوسری مٹی کیطرح مین دانہ چنتا اور پھل پھول اگاتا جب مین نے ترابیت سے انسانیت تک ترقی کی تو مین محض مبتلائے امتحان ہوا۔ اور اوسکا نتیجہ مجھے کچھ بھی نہ ملا اس واقعہ سے تم سمجھو کہ وہ پستی کیطرف لوٹنے کی آرزو کیون کر رہا ہے فائدہ کی خاطر کیونکہ اس ترقی کا ثمرہ اوسکو کچھ نہ ملا پس رجعت قہقری کا منشاء حرص اور طمع ہوئی نہ کہ صدق و اخلاص لہذا تم کو اس سے نتیجہ نکالنا چاہیے کہ حرص و طمع پستی کیطرف لیجاتے ہین اسلیے وہ قابل ترک ہین اور عروج روحانی حاصل کرنیکی ضرورت ہے جسکا منشاء صدق و اخلاص ہین اب ہم تم کو پستی کیطرف جھکنے اور بلندی کیطرف مائل ہونے ہر دو کے نتائج سے آگاہ کرتے ہین تاکہ تم سمجھو کہ انمین سے کون امر قابل تحصیل ہے اور کون قابل ترک دیکھو جو نباتات بلندی کیطرف مائل ہوتے ہین وہ دن دونی رات چوگنی ترقی کرتے ہین زندہ رہتے ہین پھولتے پھلتے ہین لیکن جسوقت سے کہ وہ پستی کیطرف جھکتے ہین اوسی وقت سے گھٹنے اور خشک ہونے لگتے ہین۔ اور نقصان و خسارہ مین پڑ جاتے ہین اسپر تم اپنی روح کی حالت کو بھی قیاس کرلو کہ اگر اوسکا میلان بلندی کیطرف ہے اور وہ حق سبحانہ کیطرف متوجہ ہے تو اوسکو ترقی ہوتی رہیگی جسکا انجام حق سبحانہ کا قرب کامل ہوگا اور جبکہ اسکا میلان پستی کیطرف ہوگا اور تمکو عالم ناسوت مین انہماک ہوگا اوسوقت تم آفل (فانی) ہوگے اور لا احب الآفلین یقینی بات ہے پس تم ہرگز محبوب حق نہین ہوسکتے۔ اوپر کافر کی ناگفتہ بہ حالت کا ذکر کیا تھا اسپر سوال یہ پیدا ہوتا تھا کہ ایسے لوگون کو پیدا ہی کیون کیا گیا۔ لہذا مولانا حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ نقل فرماتے ہین جسمین سوال و جواب دونون موجود ہین۔

شرح شبیری

چرواہے کی مناجات موسیٰ علیہ السلام کا انکار

دید موسے الخ یعنی موسیٰ علیہ السلام نے ایک چرواہے کو راستہ مین دیکھا کہ وہ کہہ رہا تھا کہ اے خدا اور اے اللہ۔

تو کجائی الخ یعنی آپ کہان ہین تاکہ مین آپکا نوکر ہو جاؤن اور آپکے موزے سیون اور آپکے سر مین کنگھی کرون۔
تو کجائی الخ یعنی تو کہان ہو تاکہ مین تیری خدمتین کرون تیرے کپڑو نکو سیون اور بخیہ کرون۔
جامہ ات الخ یعنی تیرے کپڑے دھوؤن اور تیری جوئین مارون اور اے محتشم تیرے آگے دودھ لاؤن۔
ور ترا الخ یعنی اور اگر تیرے سامنے کوئی بیماری آوے تو مین تیرا اپنونکی طرح غمخوار ہون۔
دستکت بوسم الخ یعنی تیرے ننھے ننھے ہاتھ چومون اور تیرے ننھے ننھے پاؤن دباؤن اور جب سونے کا وقت آوے تو تیری جگہ کو صاف کر دون۔
گر ترا بینم الخ یعنی اگر مین تیرا گھر دیکھ لون تو ہمیشہ گھی اور دودھ صبح شام لایا کرون۔
ہم پنیرالخ یعنی پنیر اور روغنی روٹیان اور عمدہ دہی کی مٹکیان۔
ساز م و آرم الخ یعنی بناؤن اور صبح و شام لایا کرون اور میری طرف سے تو کھانا لاتا ہو اور تیری طرف سے کھاتا ہو
اے فدائے الخ یعنی اے وہ ذات کہ جسپر میری ساری بکریان قربان اور تیری یاد مین میری ہائے ہائے اور شور و غل ہے۔
زین نمط الخ یعنی اس طریقہ سے وہ چرواہا بیہودہ بک رہا تھا تو موسےٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ کس سے ہے تیرا خطاب اے فلان۔
گفت الخ یعنی وہ چرواہا بولا کہ اوس شخص سے کہ جسنے ہمکو پیدا کیا اور یہ زمین و آسمان اس سے ظاہر ہوے ہین۔
گفت موسی الخ یعنی موسی علیہ السلام بولے کہ ہاے تو تو خیرہ سر ہو گیا ابھی مسلمان بھی نہ ہوا تھا کہ کافر ہو گیا یعنی ابھی معرفت اور علم بھی حاصل نہوا تھا کہ تو اس سے پہلے ہی زبان سے ایسے الفاظ کفریہ نکالنے لگا ہے۔
ہین چہ الخ یعنی ارے یہ کیا بیہودگی ہے اور یہ کیا پراگندہ کفر ہے اپنے منھ مین روئی ٹھونس لے یعنی ایسی باتین مت کر۔
گند کفر تو الخ یعنی تیرے کفر کی گندگی نے جہان کو گندہ کر دیا اور تیرے کفر نے دین کے لباس ریشمی کو پارہ پارہ کر دیا۔
چارق و پاتابہ الخ یعنی موزے اور پاتابہ تو تیرے لائق ہین اور آفتاب (حقیقی) کو ایسی چیزین کب جائز ہین۔
گر نہ بندی الخ یعنی اگر تو اس بات سے حلق کو بند نہ کرے گا تو ایک آگ آویگی اور مخلوق کو جلا دیگی۔ آگے مولانا فرماتے ہین کہ۔
آتشے الخ یعنی اگر کوئی (ظاہری) آگ بھی آئی تو دھوان (اثر آگ) کیا ہے۔ کہ جان سیاہ ہو گئی ہے اور جان مردود کیلیے ہو گئی ہے۔ مطلب یہ کہ اگرچہ بظاہر آگ نہین آتی مگر ان خرافات سے قلوب تو سیاہ ہوتے ہین جیسا کہ ظاہر ہے۔
گر ہمیدانی الخ یعنی اگر تو جانتا ہو کہ حق تعالی حاکم ہین تو یہ بیہودہ گستاخی تجکو کب صحیح ہے۔
دوستی بے خرد الخ یعنی بے عقل کی دوستی بھی دشمنی ہے حق تعالی تو ایسی خدمت سے غنی ہین وہ تو منزہ و پاک ہین
با کہ میگوئی الخ یعنی تو کس سے کہہ رہا ہے کیا کسی ماموں چچا سے اسے جسم اور حاجت اور صفات ذوالجلال ہین۔ نعوذ باللہ۔

شیر او نوشد الخ یعنی وہ دودھ تو وہ پیے جو کہ نشو و نما میں ہو اور موزہ وہ پہنے جو کہ محتاج پاؤن کا ہو اور حق تعالی انسے منزہ ہین۔

ور برائے الخ یعنی اور اگر اوس بندہ کے واسطے یہ گفتگو ہے کہ جسکو حق تعالی نے فرمایا ہے کہ وہ مین ہون اور مین خود وہ ہون مراد وہی عینیت مصطلحہ ہے۔

آنکہ گفت الخ یعنی وہ کہ جسکے حق مین فرمایا ہے کہ مین مریض ہوا تھا اور تو نے عیادت نہین کی اور مین بیمار ہوا تھا تنہا ہی نہوا تھا حدیث مین آیا ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کہ حق تعالی قیامت کے روز فرماوینگے کہ اے ابن آدم مین مریض ہوا تھا اور تو نے میری عیادت نہین کی تو بندہ عرض کریگا کہ اے رب العالمین آپ کب مریض ہوے تھے ارشاد ہوگا کہ ہمارا فلان بندۂ خاص بیمار ہوا تھا تو گویا ہم ہی بیمار ہوے تھے تو نے اوسکی عیادت نہ کی تو گویا ہماری عیادت نہین کی یہان اوسی حدیث کیطرف اشارہ ہے۔

آنکہ بی یسمع الخ یعنی وہ کہ بی یسمع اور بی یبصر ہو گیا ہے اوس بندہ کے حق مین بھی یہ بیہودہ بات ہے مطلب یہ کہ اگر حق تعالی کی شان مین نہ بھی لیا جاوے تو جو بندگان خاص ہین اونکے حق مین بھی تو یہ الفاظ بیہودہ ہی ہین یہان یہ شبہہ نہ کیا جاوے کہ آخر وہ تو بندہ ہین اور اونکو سب چیزون کی احتیاج ہے تو اونکے حق مین کسطرح بیہودہ ہونگے اسلیے کہ اسکا جواب یہ ہے کہ اُن حضرات کے جو کمالات کہ بیان کرنیکے قابل ہین اونکو چھوڑ کر جب اس قسم کی تعریف کریگا مثلاً یہ کہ حضرت خوب عمدہ کپڑے پہنتے ہین اور کھاتے بہت ہین وغیر ذالک تو یہ بھی تو بیہودہ ہی بات ہے جیسا کہ بادشاہ کی تعریف مین جولاہہ ہونیکی نفی کیجاوے کہ فی الواقع صحیح ہے مگر پھر بھی کوئی عاقل اوسکو مدح نہین کہتا بس معلوم ہوا کہ یہ باتین نہ تو حق تعالی کی شان مین زیبا ہین اور نہ بندگان خاص حق کی شان مین تو سوائے بیہودگی کے اور کیا کہا جاوے آگے فرماتے ہین کہ۔

بے ادب الخ یعنی بندگان خاص کی شان مین بے ادبی کی بات کہنا بھی دلکو مردہ کر دیتا ہے اور نامۂ اعمال کو سیہ کر دیتا ہے آگے اسکی ایک مثال فرماتے ہین کہ۔

گر تو مردے الخ یعنی اگر تو کسی مرد کو فاطمہ کہے تو اگرچہ مرد و عورت سب ایک جنس (یعنی آدمی) ہین لیکن۔

قصد خون الخ یعنی تیری جان لینے کا قصد کریگا جہانتک بھی ممکن ہوگا اگرچہ خوشخو اور حلیم اور مومن ہو مطلب یہ کہ دیکھو چونکہ مرد کو فاطمہ کہدینا ایک بیجا امر ہے اسلیے وہ جان لینے کے درپے ہوگا پس اگر حق تعالی کی شان مین کوئی ایسی بات ہو تو وہ تو کیسی سخت گرفت کے قابل ہے۔

فاطمہ الخ یعنی فاطمہ عورتونکے حق مین تو مدح ہے اور اگر تو مرد کو کہے تو بھالے کا زخم ہو جاوے یعنی بہت سخت ناگوار ہو۔ اسیطرح حق تعالی کی شان مین بیجا بات کہنا تو بہت ہی سخت بات ہو۔

دست و پا الخ یعنی ہاتھ پاؤن ہمارے حق مین تو سامان آسائش ہین اور حق تعالی کی پاکی کے سامنے یہ سب آلایش ہین۔

لم یلد لم یولد الخ یعنی اوسکے مناسب تو لم یلد و لم یولد ہی (نہ وہ کسیکو جنے نہ اوس سے کوئی پیدا ہوا) اور والد اور مولود کا تو وہ خالق ہی تو پھر یہ صفات اوسکے اندر کسطرح ممکن ہین۔

ہر چہ جسم آمد الخ یعنی جو کہ جسم ہے ولادت تو اوسکا وصف ہے اور جو کہ مولود ہے وہ اسی دریاے (وحدت) کے

اسطرف ہے۔ مطلب یہ کہ ولادت وغیرہ تو صفات ممکن سے ہیں اور حق تعالیٰ ان سب سے بری اور منزہ ہے۔ تعالیٰ اللہ عن ذالک علوا کبیرا۔

آنکہ ز کون الخ یعنی وہ کہ کون وفساد سے ہے اور ذلیل۔ وہ حادث ہے اور یقیناً حدوث کو چاہتا ہے۔ اور حق تعالیٰ واجب الوجود ہیں پھر اونکے اندر صفات ممکن کی کس طرح موجود ہو سکتی ہیں۔ غرضکہ جب موسیٰ علیہ السلام نے اوسکو یہاں تک کہا تو اوسکو بھی کچھ ہوش آئے اور بولا کہ۔

گفت الخ یعنی وہ چرواہا بولا کہ اے موسیٰ آپنے تو میرا منہ سی دیا۔ اور پشیمانی سے میری جان کو جلا دیا۔ مطلب کہ پہلے سے تو مجھے کچھ بھی خبر نہ تھی محبت حق میں سب کچھ کہہ رہا تھا اب جو آپنے یہ فرمایا تو اب تو کچھ بقدر استعداد معرفت حق ہوئی ہے تو یہ باتیں اب تو بے ادبی اور گستاخی معلوم ہوتی ہیں اسلیے نہ تو اب کچھ کہہ سکتا ہوں اور پہلے کیے ہوے پر سخت پشیمان ہوں غرضکہ عجیب کشمکش میں ہوں ؎ عجب دردیست اندر دل اگر گویم زبان سوزد ؛ دگر دم در کشم ترسم کہ مغز استخوان سوزد

بس جب اسکو اپنا غبار دل زبان سے نکالنے سے تو یہ امر مانع ہوا تو اوسکے عشق نے جوش کیا اور اسکی یہ حالت ہوئی کہ

جامہ را الخ یعنی کپڑوں کو پھاڑ ڈالا اور ایک گرم آہ کی اور سر بیابان میں رکھا اور چلدیا۔ مطلب یہ کہ حضرت موسیٰ کی ان نصائح سے اوسکے دل میں اور بھی آگ لگ گئی اسلیے کہ پہلے سے تو صرف محبت ہی تھی اور اب کچھ معرفت بھی ہوئی اسلیے بس ایک آہ سرد بھر کر جنگل کو نکل گیا۔ اسکی تو یہ حالت ہوئی اور ادھر موسیٰ علیہ السلام پر عتاب حق ہوا کہ تم نے اسکو اس حالت میں کیوں چھیڑا۔ آگے اسیکا بیان ہے۔ مگر یہاں کسیکو یہ شبہہ ہو کہ ایک ادنیٰ درجے کے ولی کے بارے میں نبی پر عتاب ہوا اور پھر وہ چرواہا جو کہہ رہا تھا وہ تھا بھی خلاف ادب اور خلاف شرع تو یہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام پر عتاب کے کیا معنی ہیں اور اس سے تو بظاہر یہ شبہہ ہوتا ہے کہ وہ چرواہا حضرت موسیٰ علیہ السلام سے درجہ میں بڑھا ہوا تھا نعوذ باللہ من ذلک اسکا جواب یہ ہے کہ یوں سمجھو کہ قرب حق کی دو قسمیں ہیں ایک تو وہ جو کہ بلا واسطہ معرفت کے ہو یہ تو مغلوب الحال لوگوں کو حاصل ہوتا ہے کہ اونکو اسوقت معرفت صفات وغیرہ نہیں ہوتی۔ بلکہ انکی توجہ ذات بحت کیطرف ہوتی ہے اور ایک وہ قرب جو کہ بواسطہ معرفت صفات کے ہو یہ قرب کاملین کا ہوتا ہے ہاں اول اکمل ہوتا ہے اور ثانی انفع ہوتا ہے اسلیے کہ جسقدر توجہ زیادہ ہوگی اسیقدر قرب بھی زیادہ ہوگا۔ تو چونکہ یہ چرواہا مغلوب الحال تھا اور ذات بحت حق تعالیٰ کیطرف اوسکی توجہ تھی تو اوسکو قرب اکمل حاصل تھا اگرچہ دوسرا قرب جو کہ انفع تھا اسکو حاصل نہ ہوا ایک تو یہ بات یاد رکھو دوسرے یہ کہ قاعدہ ہے کہ مغلوب الحال مرفوع القلم ہوتا ہے اوسپر اوسوقت احکام شرعیہ کا لحاظ نہیں ہوتا اسلیے کہ وہ اپنے ہوش ہی میں نہیں ہے اب سمجھو کہ جب موسیٰ علیہ السلام نے اسکو یہ باتیں کہتے ہوے سنا تو انکو یہ تو معلوم ہو گیا کہ یہ جاہل ہے مگر انکو اسوقت غلبۂ حال کی اطلاع نہوئی وہ یہ سمجھے کہ صرف جہل ہے اور اوسکی وجہ سے یہ خرافات بک رہا ہے لہذا انھوں نے اوسکو روکا کہ یہ کیا کر رہا ہے جیسا کہ اوپر معلوم ہو چکا ہے۔ اور چونکہ یہ تو ولی ہی تھا اور وہ بھی کامل نہیں بلکہ مغلوب الحال اسلیے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اوسکو منع کیا تو نبی کے سامنے ولی کی حالت کیا ٹھہر سکتی تھی۔ اسکو فوراً اسطرف سے افاقہ ہوا اور اوسنے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بات سنی اوسطرف تو اوسکا وہ حال ضعیف تھا اور ادھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی فضیلت قوی تھی اسلیے اس فضیلت قویہ کے سامنے وہ حال ضعیف نہ ٹھہر سکا اور یہ بھی سمجھو کہ اگر موسیٰ علیہ السلام ذرا بھی غور فرماتے تو وہ معلوم کر سکتے تھے کہ یہ مغلوب الحال

ہے تو ادہر حق تعالیٰ نے شکایت فرمائی کہ اے موسیٰ جبکہ غور کرنے سے اسکی حالت تکو معلوم ہو سکتی تھی تو تمنے اسکی حالت مین غور کیون نہ کیا اور اس حالت سے اسکو افاقہ کیون نہ ہونے دیا۔ اسلیے کہ اسمین تو یہ مرفوع القلم ہی تھا اس تمھاری روک ٹوک سے اسکا وہ قرب جو کہ اکمل تھا اگرچہ انفع نہ تھا جاتا رہا اور اسکے لیے بوجہ اسکے کہ وہ عارف نہ تھا بلکہ جاہل تھا یہی مناسب تھا کہ وہ اس قرب مین رہے اور اگر اس حالت کے افاقہ کے بعد تلقین فرماتے تو یہ قرب جو کہ اسکو اسوقت حاصل تھا حاصل رہتا اور وہ دوسری حالت بھی جو کہ اب آپ کی تعلیم سے پیدا ہوئی ہے حاصل ہو جاتی لہذا اسوجہ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے شکایت کے طور پر فرمایا گیا بحمد اللہ اب کوئی اشکال نہین رہا اسلیے کہ اسکی جو حالت تھی وہ اگرچہ اکمل تھی مگر انفع نہ تھی مگر نقصان حال تھا اور حق تعالیٰ نے جو شکایت فرمائی وہ صرف انکی عدم توجہی پر فرمائی کہ اگر غور فرمالیتے تو ہرگز ایسا نہوتا وللہ در مولانا دام بالفیض کہ ایسے مشکل مقام کو اسطرح آسان فرمادیا للہ درہ ثم للہ درہ ثم للہ درہ اب اشکالات تو باقی نہین رہے لہذا اب سمجھو کہ مولانا فرماتے ہین کہ۔

موسیٰ علیہ السلام کو حق تعالیٰ کی طرف سے عتاب ہونا شبان کی وجہ سے

وحی آمد الخ یعنی موسیٰ علیہ السلام کیطرف حق تعالیٰ سے وحی آئی کہ تمنے ہمارے بندہ کو ہمسے کیون جدا کر دیا جدا کرنے سے مراد یہی کہ اسکو جو قرب اکمل حاصل تھا اس سے جدا کر دیا۔

تو برائے الخ یعنی تم تو وصل کرنے کے لیے آئے ہو نہ کہ جدائی ڈالنے کے لیے آئے ہو۔ یعنی آپ تو حق اللہ تعالیٰ اور بندہ کے درمیان وصل کرانیکے لیے آئے ہین آپ جدائی کیون ڈالتے ہین۔

تا توانی الخ یعنی حتی الامکان فراق مین قدم مت رکھو اسلیے کہ میرے نزدیک طلاق ابغض الاشیاء ہے اس سے زیادہ مبغوض میرے نزدیک کوئی شے نہین ہے۔

ہر کسے را الخ یعنی ہر شخص کی ایک سیرت رکھی ہے ہم نے اور ہر کسی کو ہمنے ایک ایک اصطلاح دی ہے۔

در حق او الخ یعنی اوسکے حق مین تو مدح ہے اور (وہی بات) تمھارے حق مین مذمت ہے اور اوسکے حق مین شہد ہے اور تمھارے حق مین زہر ہے۔

در حق او الخ یعنی اوسکے حق مین نور ہے اور تیرے حق مین آگ ہے اور اوسکے حق مین گلاب کا پھول ہے اور تیرے حق مین کانٹا ہے۔

در حق او الخ یعنی اوسکے حق مین نیک اور تیرے حق مین بد اور اوسکے حق مین خوب اور تیرے لیے مردود ہے۔ تو بس جسکی جو استعداد ہے اوسکو اوسی مرتبہ پر رکھنا ضروری ہے اسلیے کہ جو بہت بڑا عارف کامل ہو وہ بھی ہماری تقدیس تام نہین کر سکتا۔ اور جو ناقص ہے وہ تو کیا ہی کرے گا لہذا جسکی استعداد کے موافق جو حالت ہوا اوسکے لیے اوس سے زیادہ کے حصول کی تمنا کرنا فضول ہے کہ بعض مرتبہ یہ ہوتا ہے کہ اعلیٰ کی تو استعداد نہین ہو اس ناقص کو بھی چھوڑ بیٹھا ہے تو گویا کورا ہی رہجاتا ہے آگے اسیکو فرماتے ہین کہ۔

ما بری الخ یعنی ہم تقدیس وغیر تقدیس سے بری ہین گرانجانی سے اور چالاکی سے سب سے مطلب یہ کہ جو کچھ بھی تقدیس و تنزیہ ہے ہماری ذات وراء الوراء ثم وراء الوراء ہے اسلیے جسطرح بھی جو شخص کر سکے نام مین لگا رہنے دو۔

من نکردم الخ یعنی مین نے مخلوق کو اسلیے پیدا نہین کیا تاکہ اپنا کوئی نفع کرون بلکہ اسلیے تاکہ بندون پر احسان کرون جب میرا کوئی نفع نہین ہے تو اب جسکا جسطرح نفع ہو اوسکو اوسین لگا رہنے دو۔

ہندیانرا الخ یعنی ہندیون کے لیے ہند کی اصطلاح مدح ہے اور سندیون کے لیے سندھ کی اصطلاح مدح ہے ہان جو شخص کہ مکار ہوگا جیسے کہ آجکل ہوتے ہین وہ تو تقدیس کرتے ہی نہین ہین یہان انکا ذکر ہے کہ جو تقدیس کرتے ہین تو جو مغلوب الحال ہین اونکو اونکے غلبۂ حال کی حالت پر چھوڑا جاوے اور جو ایسے نہین ہین اونکو اونکی حالت کے مطابق تعلیم و تلقین کیجاوے اور فرماتے ہین کہ۔

من نگردم الخ یعنی مین تو انکی تسبیح سے پاک ہوتا نہین ہان وہ خود ہی پاک اور درفشان ہوجاتے ہین۔

ما برون را الخ یعنی ہم ظاہر کو اور قال کو نہین دیکھتے بلکہ ہم باطن کو اور حال کو دیکھتے ہین تو اگر کوئی بہت ہی چرب زبان ہو اور ہماری تقدیس مین اچھے اچھے الفاظ لاوے اور دل مین کچھ نہو تو ہم اوس سے خوش نہین ہوتے ہان اگر دل مین کچھ ہے تو پھر چاہے زبان سے اچھی طرح الفاظ بھی نہ نکلتے ہون وہ حق تعالی کے یہان مقبول ہے اسیکو فرماتے ہین کہ۔

ناظر قلبیم الخ یعنی ہم تو قلب کو دیکھتے ہین اگر وہ خاشع ہوتا ہے تو اگرچہ لفظ کہنے کے نامناسب ہون تب بھی قبول ہے آگے اسمین ایک لطیفہ فرماتے ہین کہ۔

زانکہ دل الخ یعنی اسلیے کہ دل تو جوہر ہے اور کہنا عرض ہے تو عرض تو طفیلی ہے اور مقصود تو جوہر ہی ہے لہذا اگر قلب کی حالت درست ہو تو پھر سب مقبول ہے۔

چند ازین الخ یعنی ان الفاظ اور پوشیدہ امور اور مجازسے مین سوز کا طالب ہون سوز کا اوس سوز کے ساتھ موافقت کر یعنی حق تعالی کی محبت کی آگ دل مین ہو تو سب کچھ مقبول ہے ورنہ سب الفاظ وغیرہ مردود و مطرود ہین لہذا وہ حرارت عشق اور آتش محبت دل مین پیدا کرو آگے بھی یہی فرماتے ہین کہ۔

آتشے الخ یعنی جان مین ایک عشق کی آگ روشن کرو اور اپنے فکر اور عبارت (ظاہری) کو جلادو مطلب یہ کہ اس تلفظ کیطرف التفات مت کرو کہ کیا کہ رہا ہے بلکہ دل کو دیکھو اور حضرت موسے علیہ السلام اگر تامل فرماتے تو اوسکی حالت کو معلوم کرسکتے تھے اسلیے حق تعالی نے فرمایا کہ اصل تو اوسکا دل تھا کہ اوسکے دلمین آگ لگی ہوئی تھی وہ دیکھنے کے قابل تھی اسلیے کہ وہ مغلوب الحال تھا اور مغلوب الحال احکام ظاہری سے مرفوع القلم ہوتا ہے اسلیے اوسکے الفاظ ظاہری کیطرف التفات نکرنا چاہتا تھا مگر یہ غلبۂ حال کا حکم ہے لیکن جیسے آجکل کے صوفی ہین مکار چھوٹے خدا انکو غارت کرے گھر گھر مانگتے پھرتے ہین اور صوفی صاحب ہین خاک ہین گدھے کہین کے نالائقون نے تصوف کو بھی غارت کیا ہے اونکی یہ حالت حق تعالی کے یہان کبھی مسموع نہوگی اسلیے کہ فرماتے ہین کہ ؎ ما درون را بنگریم و حال را تو اگر ان صوفی صاحب کو غلبہ حال ہوجاتا تو کیا یہ اسطرح مانگتے ہوے پھرتے استغفر اللہ اسکی صورت ہی اور ہوتی ہے فرماتے ہین کہ ؎ مرد حقانی کی پیشانی کا نور ۔ کب چھپا رہتا ہے پیش ذی شعور ۔ خوب سمجھ لو کہ ان مکارون کے پھندے مین مت پھنس جانا۔ ہان اسکی بھی ضرورت نہین ہے کہ انکو برا بھلا کہنا شروع کردو اسلیے کہ تم کو کسیکو ہدایت کرنا نہین ہے کسی ایسی کی برائی بیان کرنا اس شخص کا منصب ہے کہ جو عالم ہو ورنہ عوام کو چاہیے کہ نہ تو ایسے شخص سے کام رکھین اور نہ اسکو برا بھلا کہین بلکہ بس اپنے کام مین لگے رہین ؎ کار خود کن کار بیگانہ مکن ۔ آگے فرماتے ہین کہ۔

موسیا آداب الخ- یعنی اے موسیٰ آداب کے جاننے والے دوسرے ہیں۔ (یعنی عارفین کامل) اور سوختہ جان وروان دوسرے ہیں (یعنی متوسطین ومغلوب الحال) اگرچہ اکمل وافضل وانفع وہی ہیں جو کہ عارف ہیں مگر وہ بھی اسلیے اکمل ہیں کہ اونمیں باوجود صفت سوختہ جانی کے اور صفات بھی موجود ہیں لیکن جو سوختہ جان ہیں یہ بھی مقبول ہیں تو اونکے اور احوال ہیں اور اونکے اور احوال ہیں اور چونکہ مغلوب الحال احکام ظاہری سے اوس حالت میں مرفوع القلم ہوتا ہے اسلیے اگر اس سے کوئی فعل خلاف ظاہر صادر بھی ہو جاوے تو اوسکو معذور رکھنا چاہیے مگر اسکو سمجھنا بہت بڑے کامل کا کام ہے اور اسکو بھی جب حق تعالیٰ نے بصیرت تام دی ہو۔ تو بعد غور وخوض کے معلوم ہوتا ہے لہذا عوام کو ضروری ہے کہ مجاذیب وغیرہ سے علیحدہ رہیں کیونکہ ایسے حضرات خود تو کامل ہوتے ہیں مگر مکمل نہیں ہوتے دوسرے کے کام کے نہیں ہوتے خوب سمجھ لو آگے مولانا فرماتے ہیں کہ۔

عاشقانرا الخ- یعنی عاشق کو تو ہر وقت ایک جلنا ہے اور ویران گاؤں پر خراج اور عشر نہیں ہوتا مطلب یہ کہ جو مغلوب الحال ہیں اونپر ہر وقت ایک حالت طاری رہتی ہے اور وہ آتش عشق میں ہر گھڑی جلتے رہتے ہیں اور چونکہ اس حالت میں وہ مرفوع القلم ہوتے ہیں اسلیے وہ احکام ظاہری کے مکلف نہیں ہوتے اور اسکی ایسی مثال ہے کہ جیسے کوئی اجڑا ہوا گاؤں ہو تو اوسپر بھی محصول وغیرہ نہیں ہوتا اسیطرح انپر بھی احکام ظاہری جاری نہیں ہوتے۔ اور فرماتے ہیں کہ۔

گر خطا گوید الخ- یعنی اگر یہ (مغلوب الحال) کوئی غلط بات کہے تو اوسکو خطا وار مت کہو آگے اسکی مثال ہے کہ اگر شہید پر خون ہو جاوے تو اوسکو مت دھو۔ اسلیے کہ۔

خون شہید الخ- یعنی خون شہید اونکے لیے پانی سے بھی زیادہ بہتر ہے۔ اور یہ (غلبۂ حال کی) غلطی سیکڑوں (اون) ٹھکانہ کی باتوں سے (جو کہ قلب سے نہ نکلی ہوں) اولیٰ زیادہ ہے مطلب یہ کہ اصل تو قلب ہے اگر قلب میں کچھ ہے تو زبان سے کچھ بھی نکلے وہ درست ہے ورنہ پھر تو زبان سے کہا ہوا بھی حل بیکار ہی ہے ہاں زبان سے کہنا بھی ترک نہ کرے کہ اسی سے پھر دل میں بھی آگ پیدا ہو جاوے گی اور محبت وعشق الٰہی قلب میں بھی جوشزن ہو جاویگا۔ آگے ایک اور مثال فرماتے ہیں کہ۔

در درون الخ- یعنی کعبہ کے اندر قبلہ کی رسم نہیں ہے (بلکہ جسطرف چاہو نماز پڑھو) اور غوطہ خور کے پاس اگر پاتابہ نہیں ہے تو کیا غم ہے اسلیے کہ اوسکو زمین پر چلنا ہی نہیں پڑتا لیکن ظاہر ہے کہ جو نماز کعبہ کے اندر ہوگی وہ مفضول ہوگی اس سے جو کہ اس سے باہر ہوگی اسلیے کہ اوسکے اندر تو نوافل ہی ہونگے اور باہر فرائض ہونگے اور نوافل پر فرائض کا افضل ہونا ظاہر تو اسی طرح جو حالت کہ ایسی ہوگی اسکا بھی یہی حکم ہے تو مغلوب الحال شخص خود تو کامل ہے لیکن دوسرے سے افضل وانفع ہرگز نہیں ہے اور نہ دوسرے کے لیے مکمل ہے خوب سمجھ لو آگے اسیکو فرماتے ہیں کہ۔

تو ز سرمستان الخ- یعنی تم سرمستوں سے رہبری کو مت ڈھونڈھو اور جامہ چاکوں سے رفو کرنے کو مت کہو اسلیے کہ رفو تو وہ کرے کہ جسکا تھوڑا سا کہیں سے پھٹ رہا ہو اور جسکا پیراہن پارہ پارہ ہو گیا ہو وہ رفو کس طرح کر سکتا ہے۔ آگے فرماتے ہیں کہ۔

ملت عشق الخ- یعنی عشق کی ملت تمام دینوں سے جدا ہے اور عاشقوں کا مذہب اور ملت سب خدا ہے مطلب یہ کہ جیسا اوپر بتایا گیا ہے کہ غلبۂ حال میں توجہ ذات بحت کی طرف ہوتی ہے اسلیے فرماتے ہیں کہ بس ان عشاق اور مغلوب الحال لوگونکے لیے تو مذہب بھی اور ملت بھی اور دین بھی اور ایمان بھی سب خدا ہی ہے اسلیے انکی توجہ اور کسی طرف ہوتی ہی

نہیں صرف ذات حق کیطرف ہوتی ہے دآگے اسکی مثال دیتے ہین کہ۔

لعل را الخ یعنی لعل پر اگر مہر نہو تو کچھ ڈر نہین ہے اور صاحب عشق دریائے غم مین بھی غمناک نہین ہے مطلب یہ ہے کہ اگر مغلوب الحال حضرات کے لیے کوئی علامت ظاہری جس سے کہ وہ مقرب حق معلوم ہون نہو اور انکے اقوال و افعال بھی ایسے ہون جو کہ تقرب حق کے خلاف ہون مگر پھر بھی کچھ خوف نہین ہے اسلیے کہ وہ تو لعل کیطرح ہین اونکی قیمت اونکی قدر تو ہر حالت مین ہے۔ ہان او حضرات کو جنکو کہ مرتبہ تمکین کا حاصل ہے اسکی بھی ضرورت ہے کہ انکے اندر کچھ علامات ظاہری مثل اتباع شریعت وغیرہ کے ہون اسلیے کہ یہ حضرات مسند ارشاد پر ہوتے ہین اگر یہ بھی اسی طرح ہونگے تو ان سے عالم مین گمراہی اور ضلالت پھیلنے کا خوف ہے اور انکی ایسی مثال ہے کہ جیسے سکہ ہوتا ہے کہ بادشاہ سے اسکو ہی قرب ہوتا ہے اور حاجات مین وہی کام آتا ہے اگرچہ بظاہر کم قیمت ہو۔ مگر کارآمد اور نافع ہے اور وہ لعل خود تو بہت قیمتی ہے مگر ہر کس و ناکس کو اس سے نفع نہین ہے جیسا کہ ظاہر ہے تو جو عاشق اور مغلوب الحال ہوتے ہین وہ دریائے محبت مین غرق ہوتے ہین اور اونکو اپنی جان کی پرواہ بھی نہین ہوتی۔ غرضکہ ہر ایک کی حالت بالکل علیحدہ ہوتی ہے اوسکے امتیاز کے لیے بہت بڑی بصیرت کی ضرورت ہے۔ و ذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء آگے موسے علیہ السلام کے قصہ کیطرف پھر رجوع ہے۔

موسے علیہ السلام کی طرف اس چرواہے سے عذر خواہی کے لیے وحی آنا

بعد ازان الخ یعنی اوسکے بعد موسے علیہ السلام کے باطن مین حق تعالیٰ نے پوشیدہ راز فرمائے جو بیان مین نہین آسکتے یعنی کچھ راز پوشیدہ ارشاد ہوے کہ جنکی کسیکو خبر نہین۔

بر دل موسیٰ الخ یعنی موسیٰ علیہ السلام کے دل پر (کارکنان قضا و قدر نے) بہت سی باتین القا کین اور دیکھنا اور بولنا آپسمین ملا دیا مطلب یہ کہ کلام بھی ہوا اور دیدار اور تجلی بھی ہوئی۔

چند بیخود الخ یعنی کتنی ہی مرتبہ بیخود ہوے اور کتنی ہی مرتبہ ہوش مین آئے اور کتنی ہی مرتبہ ازل سے ابد تک اڑتے چلے گئے یعنی ازل سے ابد تک کے حالات منکشف ہوتے چلے گئے۔ مقصود یہ کہ اس حالت مین خوب ہی عروج ہوا آگے مولانا فرماتے ہین کہ۔

بعد ازان الخ یعنی اسکے بعد اگر شرح کہون تو بیوقوفی ہے اسلیے کہ اسکی شرح ادراک سے آگے ہے مطلب یہ کہ اون اسرار کی شرح کرنا کہ وہ کیا کیا باتین تھین بالکل بیوقوفی ہے اسلیے کہ ہماری عقول ناقص اور ادراکات ناقص کی اوس تک رسائی ہو ہی نہین سکتی۔ خوب کہا ہے کسی نے اکنون کرا دماغ کہ پرسد ز باغبان ؎ بلبل چہ گفت و گل چہ شنید و صبا چہ کرد ؎

ور بگویم الخ یعنی اگر (بالفرض) کہون بھی تو عقول کو اکھاڑ دے اور اگر لکھون تو قلمون کو توڑ دے۔ عقول کے اکھاڑنے سے تو یہ مراد ہے کہ عقول کو زائل کر دے اور پھر عقل مین اسقدر طاقت نرہے کہ وہ اتنا بھی ادراک کر سکے اور قلم کے ٹوٹنے سے یہ مراد ہے کہ لکھتے لکھتے سب قلم ختم ہو جاوین لیکن پھر بھی یہ تمام نہین ہو سکتا جیسا کہ ارشاد ہے کہ لو کان البحر مداداً لکلمات ربی لنفد البحر قبل ان تنفد کلمات ربی۔

ور بگویم الخ یعنی اور اگر مین اوسکی معتبر شرحین قیامت تک بیان کرون تب بھی مختصر ہی ہو۔ اسلیے اوسکے کلمات غیر متناہی اور زمانہ قیامت تک بھی متناہی تو غیر متناہی متناہی کے اندر کب سما سکتا ہے ظاہر ہے آگے فرماتے ہین کہ

لاجرم کوتاہ الخ یعنی لاجرم میں نے زبان کو کوتاہ کرلیا اور اگر تو چاہتا ہے تو اپنے باطن میں پڑھ لے مطلب یہ کہ جب اسکی شرح ممکن نہ تھی تو آخرکار ہم چپ ہی ہوگئے اور مجھکو سننے اور دیکھنے کا شوق ہی ہے تو چونکہ یہ ایک ذوقی امر ہے اسلیے اپنے اندر بھی وہ کیفیت اور ذوق پیدا کرلے تو اگرچہ تمکو بعینہ وہ باتیں تو معلوم نہونگی۔ مگر اونکی مثل کچھ کیفیات ذوقاً تمکو بھی معلوم ہوجاوینگی تو اوسی سے قیاس کرلینا باقی الفاظ سے اس حالت کو ہرگز بیان نہیں کرسکتے کہ آگے پھر حضرت موسی علیہ السلام کا قصہ فرماتے ہیں کہ۔

چونکہ موسی الخ یعنی جبکہ موسی علیہ السلام نے یہ عتاب حق تعالی کیطرف سے سُنا تو اس چرواہے کے پیچھے جنگل میں (اوسکی تلاش کے لیے) دوڑے۔

بر نشان الخ یعنی اوس سرگشتہ کے نشان پا پر چلے گرد دامن بیابان سے جھاڑی۔ مطلب یہ کہ اوسکی تلاش میں تمام جنگل چھان ڈالا۔ اب بیان چونکہ کسیکو شبہہ ہوسکتا تھا کہ جنگل میں تو مختلف نشان قدم ہوتے ہیں حضرت موسی علیہ السلام کو یہ کیسے پہچان ہوئی کہ اوسکے نشان قدم یہ ہیں۔ اسلیے آگے فرماتے ہیں کہ۔

گام پاے الخ یعنی عاشق مزاج آدمی کا قدم دوسرے لوگونکے قدم سے ظاہر و ممتاز ہوتا ہے۔

یک قدم الخ یعنی ایک قدم تو رخ کیطرح اوپر سے نیچے کو پڑا ہوا اور ایک قدم فیل کیطرح ترچھا مطلب یہ کہ جسطرح رخ مہرہ کی چال اوپر سے نیچے کو اور فیل مہرہ کی چال ترچھی ہوتی ہے اسیطرح عاشق مزاج کا قدم بھی کبھی ادہر کبھی اُدہر کو تا کبھی اوپر گاہے نیچے ہوتا ہے اسلیے دوسرونکے قدم سے ممتاز ہوتا ہے۔

گاہ چون الخ یعنی کبھی تو موج کیطرح جھنڈا بلند کیے ہوے اور کبھی مچھلی کیطرح پیٹ کے بل چل رہا تھا یعنی کبھی تو جست کرکے یہانسے وہان پہونچا بیچ میں بہت سے قدم خالی طفرہ ہوگیا اور کبھی پیٹ کے بل لیٹ کر تڑپنا شروع کر دیا۔

گاہ بر خاکے الخ یعنی کبھی خاک پر اپنا حال لکھا ہوا مثل رمال کے کہ وہ رمل لگاتا ہو۔

گاہ حیران الخ یعنی کبھی حیران کھڑا ہوا اور کبھی دوڑتا ہوا اور کبھی لڑھکتا ہوا مانند گیند کے بلے سے غرضکہ اوسکی چونکہ یہ حالت تھی اسلیے اوسکے قدم اوروں سے ممتاز تھے۔

عاقبت الخ یعنی آخرکار اوسکو پالیا اور اوسکو دیکھا تو فرمایا کہ بھائی خوشخبری ہو کہ اجازت پہونچگئی مطلب یہ کہ جب موسی علیہ السلام کو وہ ملگیا تو اس سے فرمایا کہ اے بھائی خوش ہو کہ تجھے تو اجازت ملگئی ہے۔

ہیچ آدابے الخ یعنی کوئی آداب اور ترتیب مت ڈھونڈھ بلکہ جو کچھ تیرا دل تنگ کہے وہی کہہ مطلب یہ کہ چونکہ مجھے پہلے سے تیری حالت معلوم نہ تھی اب معلوم ہوا کہ تو مغلوب الحال ہے تو اب جو کچھ بھی تیرا دل چاہے کہ تو مرفوع القلم ہے اور یہان مولانا نے دل تنگ کہکر اوسکے مغلوب الحال ہونیکی طرف اشارہ کردیا۔ پس جو مغلوب الحال نہو اوسکے لیے یہ کلمات کہنا کفر اور شرک صریح ہے معاذ اللہ منہ۔

کفر تو الخ یعنی تیرا کفر (ظاہری حقیقت میں) دین ہے اور دین تو عین جان ہے (اسلیے کہ وہ تو کمال ہوگا) اور تو امین ہے اور تیرے سبب سے ایک جہان امن میں ہے اسلیے کہ اولیاء اللہ کے وجود سے تو جہان میں امن و امان ہوتا ہی ہے تو اسکے وجہ سے جہان میں امن ہونا کچھ مستبعد نہیں ہے اور فرمایا کہ۔

اے معاف الخ یعنی اے وہ شخص کہ جو یفعل اللہ مایشاء کی وجہ سے معاف کیا گیا ہے۔ جا اور بے محابا زبان کھول مطلب

یہ کہ چونکہ حق تعالی قادر مطلق ہے وہ جو چاہیں کریں اسلیے اونھون نے اورون سے تجکو مستثنے کرکے مجھے اجازت دیدی ہے
در معاف کردیاہے اب جو تیرے منھ مین آوے کہہ یہانتک تو یہ توجیہ تھی کہ یہ مغلوب الحال تھا مطلق العنان نہ تھا
اور اس شعر سے شبہہ ہو سکتاہے اسلیے اسکی توجیہہ یہ ہے کہ شارع کو اختیار ہے کہ کسی ایک شخص کو کسی حکم مین خاص کرے مائین
اسلیے یہ کل باتین اسکی تخصیص تھی مگر اورکسیکو جائز نہین ہے غرضکہ اسنے یہ سنکر یہ جواب دیا کہ۔

گفت الخ یعنی وہ بولا کہ اے موسی مین اوس (حالت) سے گذر گیا ہون اور اب تو مین خون دل مین ملا ہوا ہون مطلب
یہ کہ اب مین مغلوب الحال نہین رہا۔ اسلیے کہ آپکی اوس روک ٹوک سے بوجہ اسکے کہ اسکی فاعلیت قوی تھی مجکو استعداد کے
موافق کچھ معرفت حاصل ہوگئی ہو اسلیے اب تو میری اور حالت ہو اب مین خود ایسی باتین نہین کہہ سکتا اور بولا۔

من الخ یعنی مین تو سدرۃ المنتہی سے بھی گذر گیا ہون اور مین تو لاکھون برس اوس طرف ہو گیا ہون مطلب یہ کہ مجھے اس
حالت سے اب بے انتہا عروج حاصل ہے۔

تازیانہ الخ یعنی آپنے ایک تازیانہ ایسا مارا کہ میرا گھوڑا (اوس طرف سے) لوٹ گیا اور ایک جست کی اور آسمان سے بھی آگے بڑھگیا
مطلب یہ کہ آپکی اوس توجہ کا یہ اثر ہوا کہ میرا مرتبہ کہین کا کہین پہونچگیا۔ آگے اپنی اس حالت کے ابقاء کی دعا کرتا ہے کہ۔

محرم ناسوت الخ یعنی ہمارے ناسوت کا محرم لاہوت رہے اور آپکے دست و بازو پر آفرین ہو۔ مطلب یہ کہ میری جانب
یہ حالت فنا کی ہوگئی ہے۔ خدا کرے کہ یہ باقی رہے اور چونکہ آپ کی برکت سے ہوئی ہے اسلیے کہ خدا کرے آپکی برکت
اور فیوض ہمیشہ باقی رہین۔

حال من الخ یعنی میرا حال اب کہنے سے باہر ہے اور جو کچھ کہ مین کہہ رہا ہون یہ میرے احوال نہین ہین۔ مطلب یہ کہ اب
تو میری وہ حالت ہے کہ جسکو بیان بھی نہین کر سکتا۔ اور جو الفاظ کہ مین اپنی تعبیر حال مین کہہ رہا ہون یہ میرا حال ہرگز نہین
ہے اسلیے کہ وہ تو ایک ذوق اور کیف ہو اوسکو الفاظ مین تو لا ہی نہین سکتا ہون چونکہ اس حکایت مین بعض مقامات ذرا
مشکل تھے اسلیے حضرت مولانا دام ظلہم نے بعد پڑھانے کے خود بھی ایک تحریر اوسکے متعلق لکھکر دی ہو تقریر سبق تو جو منضبط
ہوسکی وہ پیش کر چکا ہون اب ذیل مین وہ تحریر بعبارتہ نقل کرتا ہون جو انشاء اللہ موجب مزید لطف ہوگا۔

توجیہ بعض اجزاء مشکلہ حکایت راعی و موسی علیہ السلام از حضرت مولانا حکیم الامۃ دام ظلہم بعبارتہم

یہ شخص جاہل تھا مگر صاحب حال غلبہ حالت مین بنا بر اپنے جہل کے کچھ کچھ بک رہا تھا موسی علیہ السلام کو اسکی باتون سے
اسکا جہل تو معلوم ہوا اور مغلوب الحال ہونا معلوم نہین ہوا اور یہین کچھ استبعاد نہین حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ماعز
کی نسبت یہ پوچھا تھا کہ اسکو جنون تو نہین اسلیے اسپر نکیر فرمایا اس نکیر سے وہ حال جاتا رہا اور اپنے جہل کے اقوال پر
ندامت ہوئی اور اس ندامت کے اشتغال سے وہ اشتغال سابق جو بلا واسطہ بحق تھا جاتا رہا جو اپنی ذات مین
اشتغال بالندم کی نسبت اکمل فی القرب الالٰہی ہے کیونکہ قرب بھی اشتغال بحق ہے اور قرب بلا واسطہ اکمل ہوگا بواسطہ
سے گو کسی عارض سے ہو وہ بواسطہ والا انفع ہو چنانچہ اس راعی کو اس سے نفع عظیم پہونچا جو کہ حکایت ہی مین مذکور
ہے مگر چونکہ یہ ممکن تھا کہ موسی علیہ السلام ذرا توقف فرماتے اور غور کے بعد قرائن قویہ اور نور بصیرت سے اسکا صاحب
حال ہونا معلوم کرکے اسوقت سکوت فرماتے کیونکہ اسوقت وہ مکلف نہ تھا اور بعد افاقہ کے اوسکے جہل کو رفع فرما دیتے

تو اس طریق سے اسکا جہل بھی رفع ہو جاتا اور وہ قرب خاص بھی زائل نہوتا۔ اسلیے حق تعالیٰ نے اسپر شکایت فرمائی اور دونوں
مذکورہ اشتغالوں کے تفاوت سے اسکو جُدا کردن سے تعبیر فرمایا پس آئین جو یہ مضامین ہین سے بردہ ویران خراج وعشر نیست الخ
مطلب یہ ہے کہ مین غلبۂ حال مین اوس سے تعرض مناسب نہ تھا نہ یہ کہ مکلف ہونیکے وقت بھی اوسکو مطلق العنان
چھوڑ دیا جاوے اور شاید یہ شعر سے اے معاف یفعل اللہ ما یشاء الخ سے مطلق العنانی کا شبہہ پڑے تو اوسکی توجیہ یہ ہے
کہ شارع کو اختیار ہے اگر کسی شخص کو کسی حکم عام سے کسیقدر مخصوص کردیا جاوے۔ جیسا کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک
صحابی کو بکرے کے بچے کی قربانی کی اجازت دیکر فرمادیا۔ ولن تجزی احدا بعدک اور ایسی تخصیص باعتبار بعض شرائط وقیود کے
مستلزم اطلاق عنان کو نہین اور مبنی اس تخصیص کا یہ ہوسکتا ہے کہ حق تعالیٰ کو اوس راعی کی حالت وقدرت سے معلوم تھا کہ
جس مرتبہ تنزیہ پر اسکو موسیٰ علیہ السلام پہونچانا چاہتے ہین بوجہ ضعف عقل کے وہان نہ پہونچ سکے گا۔ خاصکر غلبۂ عشق عقل
سے اوتنا بھی کام نہ لینے دیگا پس جسطرح فقہا نے ایسے شخص کو جو بعد کوشش کے تصحیح حروف سے ناامید ہوگیا ہو ترک تجوید
کی اجازت دیدی ہے اسی طرح اسکی حالت یاس عن کمال المعرفۃ مقتضی ہوئی اسکے لیے کسیقدر توسیع اور گو ایسے شخص کیلیے
ایسی توسیع یہ بھی کلیہ عامہ شرعیہ ہے مگر اسکی تخصیص صرف اتنی ہوگی کہ دوسرون پر جو کہ مغلوب العشق نہین زیادہ کوشش
کرنا ضروری تھا اور اوسپر وہ زیادہ کوشش ضروری نہ رہی اور گو یہ بھی ایک کلیہ ہے لیکن چونکہ اس کلیہ کے مصادیق شاذ
ونادر ہین النادر کالمعدوم اسلیے حکماً ایسا سمجھا جاویگا کہ گویا یہ حکم اسیکے لیے ہے اور کسیکے لیے نہین اور اگر یہ کہا جاوے کہ جو
غلبۂ عشق بلا جمع اسباب ہے اسمین تو معذوری قاعدہ عامہ ہے لیکن جو غلبہ بجمع اسباب ہو جیسا بعض ذاکرین کے حالت سے
مشاہدہ کیا جاتا ہے کہ جب وہ خلوت یا مراقبہ مین ذکر وفکر مین مشغول ہوتے ہین فوراً یا کسیقدر دیر کے بعد اون پر ایسے
آثار غالب ہوتے ہین سو جس شخص کی ایسی حالت ہو اور اوسکو معرفت صفات حق کی بقدر ضرورت حاصل نہوئی ہو اوسکو
حکم یہ ہے کہ اس معرفت کو تحصیل مین مقدم کرے اور اوسکو ان اسباب کے جمع کرنے سے منع کیا جاویگا اور ممکن ہے کہ اس
شبان کی ایسی ہی حالت ہو مگر باوجود اسکے وہ اس معرفت کی تقدیم کا مامور اور اس جمع اسباب کا منتہی تھا اوسکے
لیے معرفت ناتمام ہی کو جائز رکھکر اوسکی اس حالت عشقیہ کو اوسکے لیے پسند کیا گیا ہو تو اس تقریر پر تخصیص بے تکلف محفوظ
رہیگی فقط انتہی بالفاظہم وشددہم اب بالکل صاف ہوگیا بحمد اللہ کوئی اشکال بھی باقی نہین رہا۔ چونکہ اسنے کہا تھا کہ جو کچھ
مین بیان کر رہا ہون یہ میری حالت نہین ہے آگے اسکی ایک مثال فرماتے ہین کہ۔

نقش می بینی الخ یعنی تم جو آئینہ مین ایک نقش دیکھ رہے ہو وہ تمھارا ہی نقش ہے آئینہ مین (کوئی دوسرا) نقش نہین ہے
مطلب یہ کہ یہ چرواہا جو اپنی حالت کو بیان کر رہا تھا یہ بھی اوسکی حالت نہ تھی اسلیے کہ وہ تو ایک کیف اور ذوق تھا بلکہ
تمھاری حالت ناقص تھی جو کہ بوجہ آئینہ ہونیکے اوسکے اندر نظر آرہی تھی۔ اسلیے کہ اس سے معلوم ہوتا تھا کہ تمھارے
اندر چونکہ استعداد اس سے زیادہ کی نہ تھی اسلیے تمکو صرف ان ہی الفاظ سے سمجھایا گیا ورنہ اگر تمکو بھی وہ ذوق حاصل ہوتا
تو بیان ہی کی حاجت نہوتی آگے اسکی ایک اور مثال فرماتے ہین کہ۔

دم کہ مرد نائے الخ یعنی نے بجانے والے نے جو نے کے اندر پھونک ماری تو یہ پھونک نے کے لائق ہے اس آدمی
کے لائق نہین ہے اسلیے کہ اگر اوسکی پھونک کو دیکھا جاوے تو وہ تو ایک بہت بڑی آواز ہوگی مگر وہ جانتا ہے کہ اگر
زور سے پھونک مارونگا تو یا تو یہ نے پھٹ جاویگی اور پھٹے گی بھی نہین تو اوسکی آواز تو خراب ہی ہوجاویگی اسیطرح

اگر اولیاء اللہ اپنی پوری حالت کو بیان بھی کرنے لگیں تو وہ جانتے ہیں کہ یا تو تمکو آتش عشق بالکل ہی جلا دیگی اور فنا کر دیگی ورنہ کہیں گمراہ ہو جاؤ گے اسلیے وہ ایک شمہ اپنی حالت میں سے بیان فرما دیے ہیں آگے اوسپر تفریع فرماتے ہیں کہ اسی طرح تم جو حمد حق تعالیٰ کی کرتے ہو وہ بھی اس شبان ہی کیطرح سے ہے جسطرح کہ اسکے الفاظ بے ادبی کے معلوم ہوتے تھے واقع میں تمہاری یہ حمد بھی بے ادبی اور گستاخی ہے مگر حق تعالیٰ اسکو اپنے فضل سے قبول فرما لیتے ہیں (اسی مضمون پر یہ حکایت شبان کی لائی گئی تھی) اب فرماتے ہیں کہ۔

ہان شعر **وہان الخ** یعنی ارے بھائی اگر تم شکریہ مین حق تعالیٰ کی حمد کرو تو اوسکو (بھی) اس چرواہے نافرجام کی (حمد کی) طرح جانو۔ کہ وہ بھی ایسی ہی گستاخی اور بے ادبی ہے جیسی کہ تمکو اسکی حمد گستاخی معلوم ہوتی تھی۔

حمد تو الخ شعر یعنی تیری حمد تیری نسبت سے تو بہتر ہے لیکن وہی حق تعالیٰ کی نسبت ابتر ہے جیسا کہ ظاہر ہے کہ ہماری نماز ہمارا روزہ ہماری تقدیس و تسبیح وغیرہ کوئی بھی اس قابل نہین ہے کہ اس درگاہ مین پیش کیجا سکے یہ جو کچھ بھی انعامات ہین سب اسکا فضل و کرم ہے۔ ورنہ خود تم جیسے ہین معلوم ہے آگے فرماتے ہین کہ۔

کاشکے الخ شعر کاش کہ تیرے نزدیک بھی بہتر نہوتا اور اسکا درد تیرا دردسوز ہوتا مطلب یہ کہ کاش کہ تو بھی اس ذکر و تسبیح و تقدیس کو بہتر نہ سمجھتا تو اسمین کوشش کرتا اور حق تعالیٰ کی محبت اور سوز عشق تیری دلسوز ہو جاتی اور فرماتے ہین کہ۔

چند گوئی الخ شعر یعنی جب پردہ اوٹھاوینگے تو تو اوسوقت کسقدر کہے گا۔ کہ یہ نہین تھا جو کچھ کہ سمجھے ہوئے تھے مطلب یہ کہ جب قیامت کے روز کارکنان قضا و قدر پردہ اوٹھاوینگے اور حقیقت اس ذکر اور تسبیح اور تقدیس کی معلوم ہوگی تب آنکھین کھلین گی اور کہوگے کہ سمجھے کیا تھا اور یہان ہے کیا اسکی تو کچھ بھی حقیقت نہ تھی تو جب یہ حالت ذکر کی ہے اور تقدیس اسقدر ناقص ہے تو اسکو پیش کر دینا ہی گستاخی تھا اور اگر یہ قبول بھی ہو جاوے تو یہ تو رحمت ہی رحمت ہے اسیکو فرماتے ہین کہ۔

این قبول الخ شعر یعنی تیرے اس ذکر کا قبول کر لینا تو صرف رحمت کیوجہ سے ہے جیسا کہ مستحاضہ کی نماز کہ رخصت ہے مطلب یہ کہ ہمارے ذکر کی ایسی مثال ہے کہ جیسے مستحاضہ کی نماز کہ باوجود خون کے جاری ہونیکے اوسکو اجازت دیدی گئی ہے کہ خیر اس حالت مین بھی نماز پڑھ لیا کرو۔ تو اگر وہ اس نماز کو کامل سمجھنے لگے تو کسقدر غلطی ہے اسیطرح اگر اس ذکر کو جو کہ لاکھون ناپاکیون سے بھرا ہوا ہے ہم کامل سمجھین تو سراسر جہل اور لاعلمی ہے۔ سبحان اللہ کیا ہی خوب مثال ہے آگے فرماتے ہین کہ۔

با نماز الخ شعر یعنی اوسکی نماز تو خون ہی سے آلودہ ہو رہی ہے اور تیرا ذکر تو تشبیہ اور چون و چرا مین آلودہ ہو رہا ہے۔

خون شعر **الخ** یعنی خون تو پلیدی ہے اور ایک پانی سے جاتا رہتا ہے اور یہ پلیدی جہل کی زیادہ قائم ہوتی ہے۔

کان شعر **بغیر آب الخ** یعنی کہ وہ (جہل) بغیر حق تعالیٰ کے آب لطف کے کام کے آدمی کے باطن سے کم نہین ہوتا ہے مطلب یہ کہ ہمارا ذکر و تکبیر مستحاضہ کی نماز کیطرح ہے کہ جسطرح ہے اوسکو باوجود ناپاک ہونیکے اجازت دیدی گئی ہے اور حکم ہے کہ ایسی حالت مین نماز پڑھو ہم اوسکو دوسری صحت کی نمازون کے ساتھ ثواب مین برابر کر دینگے اسیطرح باوجود ہمارے ذکر وغیرہ کے ناقص ہونیکے حق تعالیٰ نے ہمکو اجازت دیدی ہے کہ خیر اس ذکر کو بھی ہم ذکر کامل کے ساتھ ملا کر ثواب لیا ہی دینگے بلکہ نماز مستحاضہ کی تو اسقدر ناپاکی مین آلودہ بھی نہین ہے اسلیے کہ اوسکی ناپاکی تو اس ظاہری پانی کے دھونے سے جاتی رہتی ہے تو وہ ناپاکی بھی ظاہری ہی ہے لیکن نقص ذکر اور جہل کی ناپاکی تو بے لطف حق تعالیٰ کے زائل ہی نہین ہو سکتی

اور سالک کا دل پاک ہوہی نہین سکتا تو یہ ناپاکی تو باطن مین حسی ہوئی ہے اسلیے یہ اوس سے بھی زیادہ ناپاک اور ناقص ہے پھر اسکو درگاہ حق مین پیش کرنے ہوئے تو بہت ہی شرم آنی چاہیے اور اگر اوسکے پیش کرنے پر عذاب نہو یہی بسا غنیمت ہے چہ جائیکہ انعام کی توقع کیجائے کہ یہ تو بس فضل ہی فضل ہے اور یہ ساری خرابی اسکی ہے کہ تمکو اپنی عبادت کی حقیقت معلوم نہین ہے ورنہ اگر معلوم ہوتی تو کبھی یہ غفلت نہوتی آگے اسیکو فرماتے ہین کہ۔۔

در سجودت الخ یعنی اپنے سجود مین کاش کہ تو (حقیقت کیطرف) توجہ کرتا اور سبحان ربی کے معنی جانتا مطلب یہ کہ کاش اگر تو جو سجدہ مین سبحان ربی الاعلیٰ کہہ رہا ہے اسکے معنی سمجھتا کہ اس سے کیا مقصود ہے (یہان مولانا اس سے ایک لطیف مقصود بیان فرماتے ہین)

کاشکے سجودم الخ یعنی کہ اے وہ ذات کہ میرا سجدہ میرے وجود کیطرح (تیری درگاہ کے) لائق نہین ہے۔ تو ہی بدی کا بدلا نیکی دے۔ مطلب یہ کہ سبحان ربی الاعلیٰ کہنے سے مقصود یہ ہے کہ یا الٰہی آپ پاک ہین اس سے کہ آپ کی درگاہ مین ہمارا یہ سجدہ پیش کیا جاوے اسلیے کہ یہ تو نیکی کیا بلکہ بدی ہے اور اسکا پیش کرنا تو آپ کی درگاہ مین گستاخی ہے اسلیے ہم آپ کی پاکی بیان کرتے ہین اور عرض کرتے ہین کہ اس بدی کے بدلہ مین جو کہ صرف صورۃً نیکی ہے ہمکو حسنات دے جیسا کہ حق تعالےٰ فرماتے ہین کہ یبدل اللہ سیأتہم حسنات۔ تو اسکے ایک معنے یہ بھی ہین کہ ہماری عبادتین جو کہ حقیقت کے اعتبار سے گناہ ہین حق تعالیٰ کے یہان پہنچکر حسنات اور عبادتین ہی ہوجاوینگی۔ تو اگر اس مقصود کو کوئی سمجھلے اوسکو تو ہرگز بھی اپنی عبادت پر ناز نہین ہوسکتا اور جہانتک ہوسکے گا اسکی کوشش کریگا کہ خیر اگر اصل حقیقت نہین ہے تو صورت ہی بن جاوے کہ اسی پر حق تعالیٰ کے یہان سے انعام ملجاویگا اب چونکہ کسیکو یہ شبہہ ہوسکتا تھا کہ بھلا سیأت کسطرح حسنات ہوجاوینگے یہ تو قلب ماہیت ہے اسلیے آگے فرماتے ہین جسکا حاصل یہ ہے کہ ایک مثال دیکر سمجھاتے ہین کہ یہ عادت تو حق تعالیٰ کی مستمرہ ہے کہ ناقص کو کامل فرمادیتے ہین جیسے کہ زمین کہ ادنےٰ مظہر ہے حق تعالیٰ کے کمال کا اوسکے اندر گندگی ڈالتے ہین اور اس سے گل وسوسن پیدا ہوتے ہین۔ اسیطرح یہ سیأت بھی حسنات ہوجاوینگے اب سمجھو کہ فرماتے ہین کہ۔

این زمین الخ یعنی یہ زمین حق تعالیٰ کے حلم سے تھوڑا ہی اثر رکھتی ہے یہانتک کہ نجاست کو لیجاتی ہے اور پھل پھول دیتی ہے۔ حلم حق سے اثر رکھنے کے یہ معنے ہین کہ چونکہ سیأت کو حسنات کردینا بھی تو حلم ہی کیوجہ سے ہے ورنہ اگر صفت غضب کا ظہور ہو تو کہان سے سیأت حسنات ہوجاوینگے تو دیکھو زمین نے ناقص شے کو تو زائل کردیا اور اس سے گل وسوسن جو کہ کامل شے ہے پیدا ہے آگے فرماتے ہین کہ۔

تا بپوشد الخ یعنی یہانتک کہ ہماری پلیدیوں کو چھپالیتی ہے اور عوض مین اوس سے غنچے اُگتے ہین تو اسی طرح حق تعالیٰ بھی ان ناپاکیون کو زائل فرماکر سبکو صاف وپاک فرمادینگے بس اس مضمون کو ختم کر کے آگے دوسرے مضمون کی طرف انتقال ہے اوسکا خلاصہ یہ ہے کہ قرآن شریف مین جو آیا ہے کہ قیامت کے روز کافر کہیگا یالیتنی کنت ترابًا اسکی یہ وجہ ہے کہ وہ دیکھیگا کہ مجھسے تو بہتر زمین ہی تھی کہ وہ ناقص کو کامل تو کردیتی تھی اور مین نے تو اوس استعداد کو بھی جو میرے اندر کامل موجود تھی ناقص کردیا۔ تو اگر مین خاک ہی ہوجاتا۔ تو بہتر تھا مولانا کا مقصود اس سے آیت کی تفسیر نہین ہے بلکہ صرف ایک توجیہ کا بیان ہے کہ یہ بھی ہوسکتا ہے ورنہ تفسیر مشہور تو یہ ہے کہ جب کافر دیکھیگا کہ خاک کو کسی قسم کا عذاب نہین ہے تو وہ یہ تمنا کریگا کہ کاش مین خاک ہوتا تو ان عذابون سے تو رہائی ہوتی۔ لیکن خیر یہ بھی مولانا کی ایک توجیہ ہے جو کہ قواعد شرعیہ

کے خلاف نہونیکی وجہ سے قابل تسلیم ہے اب سمجھو کہ فرماتے ہین کہ۔

پس چو کافر الخ یعنی پس جب کہ کافر دیکھے گا کہ وہ داد وجود مین خاک سے بھی کم اور بے مایہ تھا (دید اور بود وغیرہ ماضی بمعنی مستقبل ہے استحضار واقعہ کیلیے ہے)

از وجود الخ یعنی اوسکے وجود سے کوئی گل اور میوہ نہین جما اور سوائے تمام پاکیون کے فساد کے اور کچھ نہین ڈھونڈھا یعنے ناقص کو تو کیا کامل کرتا اور استعداد کامل کو بھی ناقص کر لیا تو اسوقت کہیگا کہ۔

گفت الخ یعنی کہیگا کہ مین چلنے مین واپس ہوا ہون افسوس کاش کہ مین خاک ہی ہوتا مطلب یہ کہ مین اُلٹا چلا اور راہ مستقیم پر نہ چلا تو اگر خاک ہوتا تو ایسا کیون ہوتا۔ بلکہ پھر تو میرے اندر سے گل وسوسن لاکھون پیدا ہوتے۔

کاش الخ یعنی کاش کہ خاک سے سفر قبول کرتا مین اور (مرغ) خاکی کیطرح دانہ چُن لیا کرتا۔ مطلب یہ کہ چونکہ اول تو انسان خاک ہی ہوتا ہے اسلیے کہتا ہے کہ کاش کہ مین ویسا ہی رہتا تو میرے نقائص کامل تو ہوجاتے اور یہ جو مین نے سفر کیا ہے کہ خاک سے حیوان بنا اور حیوان سے انسان بنا ہون یہ نہ کرتا تو بہتر تھا۔ اسلیے کہ اول انسان نطفۂ بے شعور ہوتا ہے پھر اوسمین روح ڈالی جاتی ہے تو اوسکو شعور حاصل ہوتا ہے لیکن ادراک کلیات نہین ہوتا پھر جب عقل عطا ہوتی ہے اسوقت انسان ہوتا ہے چونکہ سفر مین بھی انتقال من مکان الی المکان ہوتا ہے اور یہ انتقال ہے من حال الی حال اسلیے اسکو سفر سے تعبیر فرمایا۔ اور مرغ خاکی کیطرح دانہ چننے کے یہ معنے ہین کہ جسطرح وہ عجز وانکساری مین ہوتا ہے اسیطرح مین بھی رہتا اور یہ مرتبہ علیا انسانیت کا نہ حاصل کرتا اور کہیگا کہ۔

چون سفر الخ یعنی جب مین نے سفر کیا تو مجکو راہ نے آزمایا اور اس سفر کرنے سے میرا تحفہ کیا تھا۔ بزرگونکا قول ہے انسان کی سیرت سفر مین معلوم ہوجاتی ہے اور اوسکی حالت کا اندازہ سفر مین پورا پورا ہوجاتا ہے اسلیے فرماتے ہین کہ وہ کہیگا کہ اس انتقال من حال الی حال سے تیری حقیقت معلوم ہوگئی اور اسمین کامیاب نہو سکا اسلیے کاش اوسی حالت مین رہتا اور اس سفر مین مجھے کوئی فائدہ بھی نہوا۔ اور تحفہ مین اس سفر مین نہ لایا۔ بلکہ ناکام ہوکر آیا تو اس یالیتنی کنت ترابا کہنے کی یہ وجہ ہوگئی کہ چونکہ خاک مین صفت ناقص کو کامل کردینے کی ہے اسلیے وہ تمنا کریگا کہ کاش مین خاک ہی ہوجاتا اب اس توجیہ کو پورا فرما کر اسکی اس تمنا کرنیکی وجہ بتلاتے ہین کہ وہ اسلیے خاک ہونیکی تمنا کریگا کہ اس تغیر حال مین اسکو کوئی فائدہ نہین ہو لہذا وہ اسکی تمنا کریگا فرماتے ہین کہ۔

زان ہمہ الخ یعنی اوسکا میلان خاک کیطرف اسلیے ہو کہ وہ سفر مین سامنے کوئی فائدہ نہین دیکھتا۔

روے الخ یعنی اوسکا منہ واپس کرنا تو حرص وآز کی وجہ سے ہے اور راستہ مین کرنا اوسکا صدق ونیاز کی وجہ سے ہے یعنی انسان ہونیکی تمنا تو جب کرے جبکہ اعمال صالحہ ہون اور اسکو اوسمین فائدہ ہو مگر جبکہ وہ دیکھتا ہے کہ بجاے فائدہ کے اوسکو ضرر ہے اور خاک ہونے مین ہی فائدہ ہو اسلیے وہ اسکی تمنا کریگا آگے اسکی ایک مثال فرماتے ہین کہ۔

ہر گیا را الخ یعنی جس گھاس کا میلان کہ بلندی کیطرف ہو وہ تو بڑھنے (کی حالت) مین ہی اور حیات مین اور نمو مین ہے مطلب یہ کہ جو گھاس کہ کھڑا ہوا اسکو تو یون سمجھو کہ وہ زندہ ہی اور ہر دم ترقی مین ہی۔

چونکہ الخ یعنی جبکہ وہ (گھاس) سر کو زمین کیطرف کرے تو (سمجھو کہ) کمی مین اور خشکی مین اور نقص مین اور غبن مین ہے مطلب یہ کہ جب وہ نیچے کو جھک جاوے تو سمجھو کہ اوسکے اندر حیات نہین ہے بلکہ خشک ہوگیا ہی اسیطرح چونکہ کفار مین

حیات روحانی نہوگی وہ بھی خاک کیطرف میلان کرینگے اور تمنا کرینگے کہ کاش ہم خاک ہوجاتے یہی فرماتے ہین کہ۔

میل روحت الخ یعنی جب تیری روح کا میلان (عالم) بالا کیطرف ہو تو ترقی مین تیرا مرجع اوسجگہ ہو یعنی تیری توجہ حق تعالی کیطرف ہو اور عالم بالا سے تجکو تعلق و مناسبت ہو۔

ور نگونساری الخ یعنی اور اگر نگونساری ہو یعنی سر تیرا زمین کیطرف ہو تو تو (حقیقتاً) چھپنے والونمین سے ہو اور مین یقیناً (حقیقتاً) پوشیدہ ہونے والون کو دوست نہین رکھتا۔ حق لا احب الآفلین اصل مین حقا لا احب الآفلین تھا جسکے معنی یقین اور اثبات ہین بوجہ ضرورت شعر کے تنوین ساقط ہوگئی اور حق لا احب الآفلین ہوگیا مطلب ظاہر ہے کہ اگر اس کافر کا میلان عالم بالا اور حق تعالی کیطرف ہوتا تو اوسکو اوسکی تمنا نہوتی۔ کہ کاش مین خاک ہوجاؤن بلکہ وہ تو قرب حق کا طالب ہوتا یہ تمنا دلیل اسکی ہے کہ اسکا میلان اور رغبت عالم بالا کیطرف ہرگز نہین ہے یہانتک تو انتقالات ہوتے ہوتے یہ سب مضامین بیان ہوگئے تھے اب آگے مولانا پھر اوس مکالمۂ حضرت حق و موسی علیہ السلام کیطرف رجوع فرماتے ہین چونکہ اوپر کہا تھا کہ ع بہر دل موسے عنہا رختیند۔ الخ کہ موسی علیہ السلام پر بہت سے اسرار کا القاء کیا اور بہت سے راز بیان کیے اسلیے آگے اون اسرار مین سے ایک بیان فرماتے ہین کہ منجملہ اور باتون کے ایک یہ سوال جواب بھی ہوے اس سوال جواب کا اول خلاصہ سمجھ لیا جاوے۔ پھر سمجھنے مین آسانی ہوجاویگی سوال کا تو یہ خلاصہ ہے کہ موسے علیہ السلام نے عرض کیا کہ یا آلہ العالمین آپنے جو دنیا مین ظالمون کو غلبہ دیا ہے اور دوسرونکو مغلوب کیا ہے اسمین کیا بھید ہے۔ اگرچہ یہ تو جانتا ہون کہ کوئی مصلحت ضرور ہے لیکن یہ تو اجمال ہے اسکی تفصیل کا محتاج ہون اور یہ بھی عرض کیا کہ یہ میرا سوال کوئی اعتراض کے طور پر نہین ہے بلکہ صرف استفادہ ہے جیسا کہ ملائکہ نے حضرت آدم علیہ السلام کے خلق کے وقت مصلحت سے سوال کیا تھا کہ وہ بھی استفادہ محض تھا اسیطرح یہ میرا سوال بھی صرف استفادہ کیلیے ہے انتہی۔ اب جواب کا خلاصہ سمجھو کہ حق تعالی نے یہ فرمایا کہ اصل یہ ہے کہ ہر شے مین بعض مصالح ہوتے ہین اور بعض ضرر ہوتے ہین تو ہم جو اس شے کو پیدا کرتے ہین اون مصالح کی بناء پر پیدا کرتے ہین اور ضرر بھی اوسکے تابع ہوتے ہین مگر چونکہ ضرر بھی سبب نفع کا ہوجاتا ہے اسلیے ہم اوس شے کو پیدا کرتے ہین اور اس بات کو مولانا مثالین دیکر واضح کرتے ہین کہ دیکھو مرنے مین چونکہ یہ مصلحت ہے کہ اوس سے قیامت کو ثواب ملیگا۔ اسلیے اس مرنے کی کلفت کو برداشت کیا جاتا ہے وغیر ذلک تو اس سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ چونکہ ظالمون کے غلبہ مین بھی ایک حکمت تھی اور وہ یہ کہ جب یہ غالب ہونگے تو ظلم کرینگے اور جب ظلم کرینگے تو مظلومون کے درجات مین ترقی ہوگی اسلیے ہم نے انکو غالب کردیا اب سمجھو کہ فرماتے ہین کہ۔

شرح حبیبی

پرسیدن موسے علیہ السلام از حق تعالی سر غلبۂ ظالمانرا

گفت موسے اسے کریم کارساز | ایکہ یکدم ذکر تو عمر دراز
نقش کژمژ دیدم اندر آب و گل | چون ملائک اعتراضے کرد دل
کہ چہ مقصود ست نقشے ساختن | واندرو تخم فساد انداختن
آتش ظلم و فساد افروختن | مسجد و سجدہ کنانرا سوختن

مایهٔ خونابه و زرد آبه را جوش دادن از برای لابه را
من یقین دانم که عین حکمت است لیک مقصودم عیان رؤیت است
آن یقین میگویدم خاموش کن حرص رؤیت گویدم نی جوش کن
مر ملائک را نمودی سر خویش کاین چنین نوشی همی ارزد بنیش
عرضه کردی نور آدم را عیان بر ملائک گشت مشکلها بیان
حشر تو گوید که سر مرگ چیست میوه‌ها گویند سر برگ چیست
سر خون و نطفه حسن آدمی ست سابق هر بیشئی آخر کمی است
لوح را اول بشوید بی وقوف آنگهی بروی نویسد او حروف
خون کند دل را و اشک مستهان بر نویسد بروی اسرار نهان
وقت شستن لوح را باید شناخت که مر آن را دفتری خواهند ساخت
چون اساس خانهٔ نو افگنند اولین بنیاد را بر میکنند
گل برآرند اول از قعر زمین تا بآخر بر کشند ماء معین
از حجامت کودکان گریند زار که نمی دانند ایشان سر کار
مرد خود زر میدهد حجام را می نوازد نیش خون آشام را
می دود حمال در بار گران می رباید بار را از دیگران
جنگ حمالان برای بار بین این چنین است اجتهاد مرد بین
چون گرانیها اساس راحت است تلخها هم پیشوای نعمت است
حفت الجنة بمکروهاتنا حفت النیران من شهواتنا
تخم مایهٔ آتشت شاخ تر است سوختهٔ آتش قرین کوثر است
هر که در زندان قرین محنتی است آن جزای لذتی و شهوتی است
هر که در قصری قرین دولتی است آن جزای کارزار و محنتی است
هر که را دیدی بزر و سیم فرد وانکه اندر کسب کردن صبر کرد
بی سبب بیند چو دیده شد گذار تو که در حسی سبب را گوش دار
آنکه بیرون از طبائع جان اوست منصب خرق سببها آن اوست
بی سبب بیند نه از آب و گیا چشمه چشمهٔ معجزات انبیا
این سبب همچون طبیب است و علیل این سبب همچون چراغ است و فتیل
شب چراغت را فتیل نو بتاب پاک دان زینها چراغ آفتاب
رو تو کهگل ساز بهر سقف جان سقف گردون را ز کهگل پاک دان
وه که چون دلدار ما دلسوز شد خلوت شب درگذشت و روز شد

خر بشب جلوه نباشد ماه را
جز بدرد دل مجو دلخواه را

ترک عیسی کرده خر پروردهٔ
لاجرم چون خر برون پردهٔ

طالع عیسیست علم و معرفت
طالع خر نیست ای تو خر صفت

نالهٔ خر بشنوی رحم آیدت
پس ندانی خر خری فرمایدت

رحم بر عیسی کن و بر خر مکن
طبع را بر عقل خود سرور مکن

طبع را هل تا بگرید زار زار
تو ازو بستان و وام جان گذار

سالها خر بنده بودی بس بود
زانکه خر بنده ز خر واپس بود

ز اخرجوهن مرادش نفس تست
کو باخر باید و عقلت نخست

هم مزاج خر شده این عقل پست
فکرش این کو چون علف آرم بدست

آن خر عیسی مزاج دل گرفت
در مقام عاقلان منزل گرفت

زانکه غالب عقل بود و خر ضعیف
از سوار زفت گردد خر نحیف

وز ضعیف عقل تو ای خر بها
این خر پژمرده گشتست اژدها

گر ز عیسی گشته رنجور دل
هم از و صحت رسد او را مهل

ای مسیح خوش نفس چونی ز رنج
که نبود اندر جهان بی مار گنج

چونی ای عیسی ز دیدار یهود
چونی ای یوسف ز اخوان حسود

تو شب و روز از پی این قوم غمر
چون شب و روزی مدد بخشای عمر

آه ازین صفراییان بی هنر
چه هنر زاید ز صفرا درد سر

تو همان کن که کند خورشید شرق
با نفاق و حیله و دزدی و زرق

تو عسل ما سرکه در دنیا و دین
دفع این صفرا بود سرکنگبین

سرکه افزودیم ما قوم زحیر
تو عسل بفزا کرم را وا مگیر

این سزید از ما چنین آمد ز ما
ریگ اندر چشم چه افزاید عمی

آن سزد از تو ایا کحل عزیز
که بیابد از تو هر ناچیز چیز

ز آتش این ظالمانت دل کباب
از تو جمله اهد قومی بد خطاب

کان عودی در تو گر آتش زنند
این جهان از عطر و ریحان پر کنند

تو نه آن عودی کز آتش کم شود
تو نه آن روحی کاسیر غم شود

عود سوزد کان عود از سوز دور
باد کی حمله برد بر اصل نور

ای ز تو مر آسمانها را صفا
ای جفای تو نکوتر از وفا

زانکه از عاقل جفایی گر رود
از وفای جاهلان بهتر بود

عاقل آرد معرفت را در میان
جاهل آرد معرفت را در زبان

گفت پیغمبر عداوت از خرد	بہتر از مہری کہ از جاہل رسد
دوستی با مردم دانا نکوست	دشمن دانا بہ از نادان دوست

حضرت موسی علیہ السلام نے حق سبحانہ سے عرض کیا کہ اے کریم کارساز اور اے وہ ذات کہ جسکے ذکر کا ایک لمحہ عمر دراز کی قیمت رکھتا ہی میری یہ گذارش ہی کہ مین نے اس مٹی اور پانی کے اندر بہت سی ٹیڑھی تصویرین دیکھی ہین یعنی مین دیکھتا ہون کہ بہت سے لوگ کندۂ ناتراش وناحق شناس ہین انکو دیکھکر فرشتون کیطرح میرے دل نے بھی ایک سوال پیدا کر دیا کہ ایسے کندۂ ناتراش لوگونکو پیدا کرنے اور اونکے اندر فساد کا بیج ڈالنے یعنی ملکات ردیہ واخلاق رذیلہ پیدا کرنے اور ظلم وفساد کی آگ بھڑکانے اور مسجد اور ساجدین کو جلانے اور خون اور پیپ کے مادہ کو نفخ دیکر منی بنلنے اور پھر اوسکو (ہماری نظر قاصر مین) ایسا فضول انسان بنانے مین کیا مصلحت ہی یہ مین اجمالی طور پر یقیناً جانتا ہون کہ سراسر حکمت ہی لیکن میرا مقصود اس حکمت کی تفصیلی صورت کا معائنہ اور مشاہدہ ہی مین دو علے مین گرفتار ہون میرا یقین اجمالی تو خاموشی کی ہدایت کرتا ہی اور مشاہدہ صورت تفصیلی کی رغبت کہتی ہی کہ خاموش مت رہ۔ بلکہ خوب پوچھ۔ آپنے ملائک پر اپنا راز ظاہر کیا اور اونکو سمجھا دیا کہ یہ تمھاری نظر مین مفسد اور خطرناک شخص اس غذائے شیرین خلافت آلہیہ کا مستحق ہے اور خلافت اسیکو سزاوار ہے آپنے آدم علیہ السلام کا نور فرشتون کو مشاہدہ کرا دیا جس سے اونکی مشکلین حل ہوگئین۔ یون ہی آپ مجھپر بھی صورت تفصیلی حکمت منکشف فرما دیجیے۔ جواب ملا کہ سنو ہر چیز کی عمدگی اوسکے نتیجہ سے ظاہر ہوتی ہے گو ظاہر مین وہ بے سود بلکہ مضر معلوم ہو دیکھو موت کا راز حشر سے معلوم ہوگا اور پتے بظاہر فضول معلوم ہوتے ہین مگر پھل سے انکا فائدہ معلوم ہوتا ہے خون اور نطفۂ انسانی کی آفرینش کا راز حسن انسانی سے معلوم ہوتا ہے اب سمجھو کہ ہر کمی شئی کا مقدمہ ہوتی ہی دیکھو بے علم اول تختی کو دھوتا ہی اوسکے بعد اوسپر حروف لکھتا ہے۔ آدمی روز و کر اپنے دل کو خون کر ڈالتا ہی اسکے بعد اسپر مخفی اسرار لکھتا ہے یعنی اسکا دل مخزن اسرار آلہیہ بنتا ہے۔ تختی کو دھوتے ہی وقت سمجھ لینا چاہیے۔ کہ اسکو تحریر کا دفتر بنایا جاویگا۔ نیز جبکہ کسی نئے مکان کی بنیاد ڈالتے ہین تو پہلی بنیاد کو اکھیڑا جاتا ہے علی ہذا اول زمین کی تہ سے مٹی نکالتے ہین پھر شیرین پانی اس سے حاصل کرتے ہین ابتدائی نقص اور تکلیف سے پریشانی کا منشاء اسکے نتیجہ سے واقف نہونا ہی چنانچہ پچھنے لگانے سے بچے زار زار روتے ہین اسلیے کہ اونکو اس فعل کا راز معلوم نہین ہوتا۔ لیکن مرد چونکہ اسکا راز جانتا ہے اسلیے وہ حجام کے خون آشام نشتر کی خدمت روپے سے کرتا ہے بنز حمال چونکہ بار کشی کی منفعت سے واقف ہوتا ہی اسلیے وہ بوجھ کو دوڑ کر اور کوشش کرکے لیتا ہے بلکہ دوسرون سے اسکو چھینتا ہے۔ چونکہ حمال لوگ اسکی منفعت سے واقف ہوتے ہین اسلیے دیکھو بوجھ کے لینے مین آپسمین کیسے لڑتے ہین۔ پس یہی حالت دیندار کی جفاکشی کی ہے کہ اوسکو اسکی ان جفاکشیونکا بہت نتیجہ ملنے والا ہے اور اونکے اس ابتدائی نقص کی انتہاء کمال ہی اور یہ کمی مقدمہ ہے اوس شئی کا جسطرح دنیاوی گرانیان اور تکالیف بنیاد راحت ہین یون ہی دین کے لیے تلخیان گوارا کرنا بھی نعمت اخروی کا پیش خیمہ ہے جنت نامرغوب اشیاء سے گھری ہوئی ہے اور دوزخ شہوات سے جو نامرغوبات کو طے کر جاویگا جنت مین پہنچ جاویگا۔ اور جو ان سے گھبرا کر شہوات مین مبتلا ہو جاویگا دوزخ مین جاویگا مبتلائے تنعم کی مثال ایسی ہے جیسے شاخ ترکہ اسکا انجام آگ مین جلنا ہوتا ہے اور مبتلائے آلام کی ایسی مثال ہی جیسے جلی ہوئی لکڑی کہ وہ انجام کار راحت پاتی ہے اور پانی سے ٹھنڈی ہوتی ہے تنعم و تالم کے نتائج کو ہم دوسرے عنوان سے سمجھاتے ہین دیکھو جو شخص جیلخانہ کے مصائب جھیلتا ہو سمجھ لو کہ بلند

اور خواہش نفسانی کی متابعت کا بدلا ہے اور جو محل مین قرین و مصاحب دولت ہو تجھ لو کہ یہ جنگ اور دیگر محنتون کا معاوضہ ہے اور جسکو تملک زر و سیم مین یکتا دیکھو سمجھو لو کہ اُسنے کسب کی مشقتون پر صبر کیا پس حاصل جواب یہ ہے کہ کفار کی تخلیق کا اور اونکی سرکشی کا راز یہ ہے کہ مومنین کو اونکے سبب راحت نصیب ہو وہ سرکشیان کرین اذیتین دین باطل کی طرف دعوتین دین لیکن یہ تمام مشقتین جھیلین اور دین پر قائم رہین اور اسکے ثمرات محمودہ سے متمتع ہون چونکہ یہان آلام کی نعمتونکے لیے سبب ہونیکا بیان تھا آگے اختیار سبب کے متعلق ہدایت فرماتے ہین اور کہتے ہین کہ جب دیدۂ سبب بین جاتا رہتا ہے آدمی اشیاء کو اسباب سے علیحدہ دیکھتا ہے اور ہر چیز کو بلا واسطہ حق سبحانہ کی قدرت و ارادہ سے وابستہ سمجھتا ہے تم ابھی تک چونکہ سبب بین حس کی قید سے آزاد نہین ہوے اسلیئے تمکو سبب بتایا جاتا ہے اسکو سُنو اور جو شخص کہ عناصر سے قطع تعلق کر چکا ہے اسباب کو چھوڑ دینا اسکا کام ہے نہ کہ تمھارا اور وہ بدون اسباب ظاہرہ کے محض بلا سبب بکثرت و بعید اشیاء کا اسیطرح مشاہدہ کرتا ہے جسطرح معجزات انبیاء کا بدون سبب کے مشاہدہ کیا جاتا ہے نہ کہ تم (ف۔ یاد رکھو کہ یہان معجزات انبیاء سے معنی حقیقی مراد نہین بلکہ مطلق اشیاء مراد ہین۔ اور معجزات کو انکے لیے استعارہ کیا گیا ہے اور وجہ شبہ ہر دو کا بلا سبب کے مشاہد ہونا ہے ورنہ تخصیص معجزات کی بالخصوص جبکہ انکا مشاہدہ بلا سبب ظاہری عوام و خواص سب مین مشترک ہے غیر موجہ ہے واللہ اعلم بالصواب) اور راز اسکا یہ ہے کہ سبب بمنزلہ طبیب کے ہے اور پابند دیدۂ سبب بین مثل علیل کے اور دیدہ سبب بین کا تارک مثل تندرست کے اور طبیب کی ضرورت مریض کو ہوتی ہے۔ نہ کہ تندرست کو پس سبب کی ضرورت پابند دیدۂ سبب بین کو ہوگی۔ نہ کہ غیر پابند کو۔ یا یون کہو کہ سبب مثل بتی کے ہے اور پابند دیدہ سبب بین مثل چراغ کے اور غیر پابند مثل آفتاب کے۔ اور بتی کی ضرورت چراغ کو ہوتی ہے نہ کہ آفتاب کو یا یون کہو کہ سبب مثل کہگل کے ہے اور پابند دیدۂ سبب بین مثل سقف خانہ کے اور غیر پابند مثل سقف گردون کے اور کہگل کی ضرورت سقف خانہ کو ہوتی ہے نہ کہ سقف آسمان کو۔ خدا کا شکر ہے کہ ہمکو مرتبۂ خرق اسباب حاصل ہوا اور یون ہوا کہ اولا ہم نے درد محبت حاصل کیا۔ اس سے رنج و غم فراق حاصل ہوا۔ جو مثل شب کے سراپا تاریکی اور ظلمات بعضہا فوق بعض کا مصداق تھا۔ اس سے ہم کو وصال و قرب حق میسر ہوا۔ اور وہ ہمارا رنج و غم فرقت سب جاتا رہا۔ اور وہ غم فراق جو مثل شب تھا دور ہوکر روز وصال یعنی فرحت و سرور حاصل ہوا۔ اوس سے ہم کو حق سبحانہ کی معرفت بڑھی اس معرفت سے یہ مرتبہ حاصل ہوا اگر تم کو بھی اس مرتبے کے حاصل کرنیکی آرزو ہے تو یاد رکھو کہ چاند رات ہی کو نکلتا ہے پس وصال و قرب حق سبحانہ غم فراق ہی کیساتھ ہو سکتا ہے۔ اور غم فراق درد محبت پیدا کرنے سے ہوتا ہے پس تمکو اول درد پیدا کرنا چاہیے اور بدون اوسکے طلب حق سبحانہ کا نام نہ لینا چاہیے۔ کیونکہ سعی لا حاصل ہے جب درد پیدا کر لوگے اسوقت کبھی نہ کبھی یہ مرتبہ تمکو حاصل ہو جائیگا لیکن کیا کیا جاوے کہ تم اوس رستہ ہی کو نہین چلتے بلکہ اوسکے خلاف چل رہے ہو تمنے عیسے یعنی روح کی خدمت اور اصلاح تو چھوڑ دی جس سے تم کو وصول ہو سکتا تھا اور گدھے کو پال رہے ہو یعنی نفس کی خدمت مین مصروف اور منہمک ہو پس ایسی صورت مین تمکو سراپردۂ جلال سے باہر اور قرب و حضور حق سبحانہ سے محروم ہونا ہی چاہیے۔ ارے گدھے کے مانند احمق یاد رکھ کہ علم و معرفت حق سبحانہ عیسی روح کی قسمت مین ہے نہ کہ خر نفس کی پس تمکو روح کی خدمت چاہیے نہ کہ نفس کی لیکن تو الٹا چلتا ہے کہ تجھے گدھے کی فریاد و زاری پر رحم آتا ہے اور اسکی مخالفت سے تجھے گوارا نہین تو یہ نہین جانتا کہ اپنے ساتھ وہ تجھے بھی گدھا بنانا چاہتا ہے تجکو عیسی روح پر رحم کرنا چاہیے نہ کہ

خر نفس پر اور عقل یعنی روح کو طبیعت یعنی نفس پر غالب کرنا چاہیے نہ کہ طبیعت کو عقل پر طبیعت کو زار زار رونے دے اوس پر
رحم مت کر بلکہ رحم کو اوس سے واپس لیکر عقل کا قرض ادا کر کہ یہ حق اسکا ہے تو برسون تک اس گدھے کا غلام رہ چکا ہی
بس یہ کافی ہو آیندہ کے لیے اسکی غلامی چھوڑ کہ یہ بہت بُری شے ہے کیونکہ اول تو گدھا خود ہی کیا چیز ہے پھر اسکا غلام
اس سے بھی گذر گیا ہو گا۔ حدیث مین جو آیا ہے کہ آخروں۔ سو یہ نص اس مدعا پر بالاولویت دلالت کرتی ہے کہ نفس
کو عقل سے پیچھے رکھو۔ کیونکہ منشا تاخیر نسا یا اونکا ناقص العقل ہونا ہے یا موجب فتنہ ہونا۔ اور یہ دونون وصف نفس مین
علی وجہ الکمال پائے جاتے ہین کیونکہ عورتومین تو محض نقصان عقل ہے اور نفس تو اوس سے بالکل ہی بے بہرہ ہو اور وہ
تو من وجہ فتنہ ہین یہ سراسر فتنہ ہے۔ اسلیے اس نص کی اس مدعا پر دلالت بالاولویت ہو گی دیکھو تو سہی تمھاری غلامی
نفس کا کیا بُرا نتیجہ نکلا۔ کہ تمھاری عقل نے بھی نفس کا مزاج اختیار کر لیا۔ کہ اوسکو رات دن یہی دھن ہے کہ خوراک جسمانی
کیونکر ہاتھ لگے حالانکہ یہ اسکی اصلی غذا نہین ہے بلکہ اسکی اصلی غذا تو معرفت حق سبحانہ ہے جسکو وہ بالکل بھول گئی ہے یہ عقل
تو گدھے سے بھی گئی گذری ہوئی۔ کیونکہ عیسےٰ علیہ السلام کا گدھا۔ تو گدھا ہی تھا انکی صحبت سے اسنے دل کا مزاج حاصل
کر لیا۔ اور عاقلون کی صف مین جگہ لے لی مگر تیری عقل گدھے کی صحبت سے گدھا ہو گئی۔ خر عیسےٰ کے عاقل ہو جانیکی وجہ یہ
تھی کہ عقل عیسیٰ قوی تھی اور گدھا ضعیف تھا اور یہ قاعدہ ہے اگر سواقوی ہو تو گدھا کمزور ہو جاتا ہے لہذا عقل غالب آ ئی
اور اوسکو اپنے رنگ مین رنگ لیا اور خود اوس سے متاثر نہ ہوئی اور تیری عقل کمزور تھی اوس سے اس گدھے (نفس)
نے فائدہ اٹھایا۔ کہ بوجہ اسکے کمزور ہونیکے اوسکے حق مین اژدھا ہو گیا اور اوسکو دبا لیا عقل کی مغلوبیت اور نفس کے غلبہ
کی وجہ یہ ہے کہ تو عارف کامل سے ناخوش ہے اسلیے اسکو مرشد ہی نہین بناتا یا بنا کر چھوڑ دیا ہے لیکن ہم کہتے ہین کہ اگر تو اس سے
ناخوش ہے تو اس ناخوشی کو چھوڑ شیخ کو مت چھوڑ کہ صحت تجکو اسکی خدمت سے ہو گی چونکہ ناقدردانی اور ناحق شناسی سے
شیخ کو طبعًا ایک قسم کا ملال ہوتا ہے اسلیے اب مولانا شیخ کی تسکین فرماتے ہین اور اس ملال کو زائل کرتے ہین اور فرماتے
ہین کہ اے خوش نفس مسیح دوران آپ آزردہ کیون ہین آپ تو گنج معارف ہین اور خزانہ کے مناسبات بلکہ لوازم عادیہ
مین سے سانپ بھی ہے پس آپ کے لیے ناقدردانونکا ہونا تو ضروری ہے اور یہ آپکے کمال کی دلیل ہے آپ اسکا ملال
کیتے ہین آپ ہرگز ملول نہون اے عیسےٰ ان یہود کیطرح منکرین کو دیکھکر آپ کی کیا حالت ہو گئی اور اے یوسف ان
حاسد بھائیون کے ہاتھون آپکی کیا حالت ہو گئی فرمائیے تو سہی آپ کیون ملول ہین آپ تو ان احمق لوگون کے لیے انکی حیات
روحانی کو فائدہ پہونچا رہے ہین جسطرح کہ رات اور دن حیات جسمانی کو مدد پہونچاتے ہین لیکن ان مغلوب صفرا اور
سودا اور ادراک نالائق لوگونکی حالت قابل افسوس ہے۔ کہ یہ قدر نہین کرتے۔ انسے اسکے سوا اور توقع ہی کیا ہو سکتی ہے صفرا سے
تو درد سر ہی بڑھتا ہے یون ہی انکے فساد ادراک سے تکلیف ہی ہونی چاہیے جناب والا انکی نالائقی پر نہ جائین آپ وہی
کرین جو نفاق دجالا کی چوری اور فریب کے ساتھ آفتاب مشرق کرتا ہے کہ انکو زائل کرتا ہے اور وجود سے مافع ہوتا ہے پس
جناب والا بھی دعا و ہمت باطنی سے کام لیکر انکی اصلاح فرمائین اور خصائل رذیلہ سے انکو پاک فرمائین آپ شہد ہین اور
ہم سرکہ ہین دونون کے ملنے سے فساد ادراک کا صفرا زائل ہو جاویگا کیونکہ سکنجبین دافع صفرا ہی ہم سرکہ بڑھائین اور
نالائقی کرین آپ شیرینی بڑھائیے اور کرم سے دریغ نہ فرمائیے۔ دونو نکے ملنے سے صفرا فساد ادراک زائل ہو جائیگا ہم نالائقی
اسی قابل ہین اور ہم سے یہی ہوتا ہے اور کیا ہوتا ہے کیونکہ ریت تو آنکھ مین پڑ کر آنکھونکو پھوڑے ہی گا بینائی تو بڑھانے سے

ہی سے رہا۔ یوں ہم نالائقوں سے تو حضور کو ایذا ہی ہوتی ہے راحت کب ہو سکتی ہے آپ سر مہ ہیں آپ کی شان کے بھی مناسب ہی ہے کہ بہر نا چیز او حقیر آپ سے کچھ نہ کچھ فائدہ حاصل کرے ان ظالموں کی آتش حسد سے آپ کا دل جل رہا ہے مگر آپ از غایت شفقت یہی فرماتے ہیں اللھم اھد قومی انھم لایعلمون آپ تو کان عود ہیں اگر آپکے اندر لوگ آگ لگا ئیں تو اس سے آپ کی خوشبو پھیلے گی او پھیل کر عالم کو تر کر دیگی یعنے آپ کو تکلیف دینے اور ستانے سے آپکو انکی محرومی کا زیادہ احساس ہوگا۔ اور آپکی شفقت کو زیادہ جوش ہوگا اور اس مزید توجہ سے فائدہ بھی زائد ہوگا۔ یا یہ کہ اس سے آپ کے کمالات ہی کا اظہار ہوگا۔ اور آپ کا کچھ نقصان نہوگا۔ آپ عود نہیں جو آگ سے جلکر گھٹ جائیں یعنے آپ کے اندر اس سے کوئی نقصان نہیں آسکتا اور آپ وہ روح نہیں ہیں جو پابند غم ہو غم تو آپ کے پیچے ایسا ہے جیسا کہ نہر کا پانی کہ ادھر سے آیا ادھر گیا۔ عود جل سکتا ہے کان عود نہیں جل سکتی۔ پس آپ تو کان عود ہیں آپکو کیا ضرر اور ہوا چراغوں وغیرہ کو بجھا سکتی ہے خود نور کا کچھ نہیں کر سکتی پس آپ تو سراپا نور ہیں آپ کو ان مخالف ہواؤں سے کیا خطر آپ کی ذات سے آسمانوں کو صفا حاصل ہے اور آپ کی زیادتی بھی ان کی محبت سے بہتر ہے کیونکہ عاقل اگر زیادتی بھی کرتا ہے تو وہ جاہلوں کی محبت سے بہتر ہوتی ہے۔ عاقل کو معرفت سے کام لیگا اور جاہل معرفت کو برباد کریگا۔ جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ وہ عداوت جو عقل سے ناشی ہو اس محبت سے بہتر ہے جو جاہل کرتا ہے اس بنا پر دوستی عاقل کے ساتھ اچھی ہے بہ نسبت جاہل کی دوستی کے اور نادان دوست سے دانا دشمن بہتر ہے فقط قد تم الربع الثانی۔

شرح شبیری

ظالموں کے غالب ہونے کے بھید کی بابت حق تعالیٰ سے موسیٰ علیہ السلام کا سوال

گفت موسیٰ الخ یعنی موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا کہ اے کریم داے کارساز اور اسے وہ ذات کہ ایک گھڑی کی یاد عمر دراز (سے کہیں بہتر) ہے۔

نقش کژ مژ الخ یعنی میں نے آب و گل (انسان) میں ٹیڑھے میڑھے نقش دیکھے ہیں۔ تو ملائک کیطرح دل نے ایک اعتراض کیا۔ مطلب یہ کہ بعض ایسے لوگ جو کہ راہ مستقیم سے کجی پر ہیں میں نے دیکھے تو دل میں ایک سوال ایسا پیدا ہوا ہے جیسا کہ ملائک کو ایجاد آدم کے وقت ہوا تھا اور اسکو اعتراض کہدینا مجاز ہے ورنہ حقیقت میں صرف استفادہ ہے صورت اعتراض جیسی ہے۔ اور وہ سوال یہ ہے کہ۔

کہ چہ مقصود ست الخ یعنی کہ کیا مقصود ہے کہ ایک نقش بنانا اور پھر اوسمیں فساد کا بیج ڈالنا یعنی اوسکو مفسد بنانا اسمیں کیا مصلحت ہے۔

آتش ظلم وفساد الخ یعنی ظلم و فساد کی آگ بھڑکانا اور مسجد کو اور سجدہ کرنے والوں کو جلانا اسلیے کہ جب ظالموں کا غلبہ ہوتا ہے تو وہ اہل حق کو ستاتے ہی ہیں۔ اسلیے عرض کیا کہ ظلم کی آگ کو روشن کرنا اور اس سے اہل حق کو نقصان

بھو بخلنے سے کیا فائدہ ہے۔

ما یۂ خون نائبہ الخ یعنی خون اور پیپ کے ذخیرہ کو ایک کھیل کے واسطے جوش دینے سے کیا فائدہ ہے خون اور پیپ کے ذخیرہ سے مراد انسان ہے اسلیے کہ یہ حضرت تو اول نطفہ اور علقہ وغیرہ ہونیکی حالتمین ایسی ہی تھے آگے فرماتے ہین جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اعتراض مقصود نہ تھا بلکہ صرف استفادہ ہی تھا فرماتے ہین کہ

من یقین دانم الخ یعنی یہ تو مین یقیناً جانتا ہون کہ کوئی حکمت ہے لیکن میرا مقصود عیاناً دیکھنا ہے۔ یعنی اجمالاً تو معلوم ہے کہ کوئی حکمت ہے لیکن دل یون چاہتا ہے کہ اوسکا مشاہدہ ہی ہوجاوے جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پوچھا تھا کہ کیف تحی الموتی تو سوال ہوا تھا کہ اولم تومن تو اونھون نے بھی عرض کیا تھا کہ بلی ولکن لیطمئن قلبی اسیطرح موسی علیہ السلام نے فرمایا کہ اجمالاً تو حکمت کا وجود معلوم ہے لیکن یہ چاہتا ہون کہ اسکو تفصیلاً بھی معلوم کرون آگے فرماتے ہین کہ۔

آن یقین الخ یعنی وہ یقین تو مجھے کہتا ہے کہ چپ رہ۔ اور دیکھنے کی حرص کہتی ہے کہ نہین جوش کرو اور سوال کرو تو عجب کشمکش مین مبتلا ہون۔ آگے ایک نظیر لاتے ہین کہ۔

مر ملائک را الخ یعنی آپنے فرشتون کو اپنا بھید دکھلا دیا تھا کہ اس قسم کی راحت تکلیف کے برابر ہوا کرتی ہے مطلب یہ کہ آپ نے فرشتون کے سوال پر بھی اونکو یہ جواب دیا تھا کہ ہر شے مین بعض مصالح ہوتے ہین اور بعض مضار تو یہین بھی اسیطرح ہے لیکن ہم اُن مصالح کی بنا پر خلق آدم کرتے ہین تو چونکہ فرشتون کو پہلے سے صرف ضرر ہی کا علم تھا اونکو یہ خبر ہی نہ تھی کہ اسمین کوئی مصلحت بھی ہے اسلیے اتنا ہی کہدینے سے اونکا اطمینان ہوگیا۔ تو جیسا اونکا سوال تھا ویسا ہی میرا سوال ہے۔ اسلیے جسطرح اونکو جواب مرحمت ہوا تھا اگر میری بھی تسلی فرما دیجاوے تو بعید از لطف وکرم نہو۔ اور فرماتے ہین کہ۔

عرضہ کردی الخ یعنی آپنے آدم علیہ السلام کے نور کو فرشتون پر عیاناً پیش کردیا۔ تو تمام مشکلین انکی حل ہوگئین نور آدم سے مراد علم آدم ہے مطلب یہ کہ آپنے انکو بھی یہ جواب دیکر جیسا کہ قرآن شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ اجمالاً ارشاد ہوا تھا انی اعلم ما لا تعلمون اسکے بعد پھر حضرت آدم کو علم پیش کیا تھا جیسا کہ فرماتے ہین کہ ثم عرضہم علی الملئکۃ الخ تو اسیطرح میری بھی تسلی فرما دیجیے۔ آگے جواب ہے جسمین کہ ظاہر الفاظ مین لفظ گوید یا گفت وغیرہ کچھ نہین ہے مگر قرینہ مقام سے معلوم ہوتا ہے کہ جواب یہی ہے اسکو مولانا مثالون سے بیان فرماتے ہین جن سے کہ جواب بھی مستنبط ہوتا ہے اور ان سبکا خلاصہ یہی ہے کہ چونکہ سب چیزون مین ضرر و نفع دونون ہوتے ہین اور نفع سبب ضرر کا اور ضرر سبب نفع کا ہوجایا کرتا ہے اسلیے ہم نفع کا لحاظ کرکے ضرر کو نظر انداز کرکے اوس شے کو پیدا فرماتے ہین اور چونکہ معاند نہو بلکہ طالب حق ہو اوسکو صرف اسقدر کہدینا بھی کافی ہو اور اسکی تسلی اس سے بھی ہوجاتی ہے جیسا کہ مشاہدہ ہے اب سمجھو کہ فرماتے ہین کہ۔

حشر تو گوید الخ یعنی تمھارا حشر بتاتا ہے کہ موت مین کیا مصلحت ہے اور میوے کہتے ہین کہ تون (کی پیدائش) مین کیا بھید ہے مطلب یہ کہ موت جو کہ ایک تکلیف دہ شے تھی اوسمین یہ مصلحت ہے کہ قیامت کو اعمال کے ثواب ملین گے اور تخم مین جب خوشہ نکلا تو معلوم ہوگیا کہ ان سے یہ مقصود تھا تو دیکھو ایک نقص کا وجود ایک کامل کے وجود کا سبب ہے۔

سر خون الخ یعنی خون اور نطفہ (کی پیدائش) مین بھید حسن انسانی ہے اور ہر آخری زیادتی سے پہلے کمی ہوتی ہے مطلب یہ کہ دیکھو نطفہ ایک ناپاک شے ہے مگر انجام کے اعتبار سے حسن انسانی کا یہی سبب ہے تو معلوم ہوگیا کہ جیس

شئے کا انجام بہتر ہوتا ہے اسکے شروع مین ضرور کوئی نہ کوئی نقص ہوتا ہو اور ہر شئی سبوق کمی کے ساتھ ہوئی ہے۔
لوح را الخ یعنی تختی کو اول (کاتب) بلا توقف صوف ڈالتا ہے اور اسوقت اوسپر حروف لکھتا ہے تو دیکھو اول تو اُسنے اُن حروف کو مٹایا مگر یہی سبب ہو گیا دوسرے حروف کے لکھنے کا۔ اسی لکھی ہوئی تختی پر دوسرے حروف ہرگز نہ لکھے جاسکتے تھے۔ آگے اسپر تفریع فرماتے ہین کہ۔
خون کند الخ یعنی (سالک اول) دلکو خون کر لیتا ہے ذلیل آنسوؤن سے اور اوسپر اسرار پوشیدہ (حق تعالیٰ) کے لکھتا ہے مطلب یہ کہ اسیطرح جب سالک اسرار حق کو لوح دلپر لکھنا چاہتا ہے۔ تو وہ بھی اول آنسوؤن سے اسکو دھوتا ہے جب پہلے نقوش جو شہوات سے پیدا ہو گئے تھے مٹجاتے ہین اب اوسپر اسرار حق کے نقوش بناتا ہے اور معرفت حق حاصل کرتا ہے۔
وقت شستن الخ یعنی دھونیکے وقت تختی کو پہچان لینا چاہیے اسلیے اسکو ایک دفتر بنا دین گے مطلب یہ کہ صفائے قلب کے وقت خوب اچھی طرح صاف کر لینا ضروری ہے اسلیے کہ کارکنان قضا و قدر اس سے ایک دفتر بنا دینگے اور تمام نامہ اعمال کی شرح تو ان حضرات کے قلب صاف ہی ہین اسلیے اول اسکی خوب صفائی کرلے پھر اسرار نہانی حق تعالیٰ کے اسپر نقوش بنا دے تفریع ختم ہو گئی۔ آگے پھر وہی مثالین ہین فرماتے ہین کہ۔
چون الخ یعنی جب نئے گھر کی بنیاد ڈالتے ہین تو پہلی بنیاد کو اکھاڑ پھینکتے ہین تو اُسکا اکھاڑنا ہی تو دوسری عمارت کے بنانے کے لیے سبب ہوا۔
گل برآرند الخ یعنی قعر زمین سے اول مٹی نکالتے ہین تاکہ انجام مین اُس سے شیرین پانی کھینچو۔ تو دیکھو مٹی نکالنا جو کہ زمین کو خراب کرتا ہے سبب ہو لیا ہے پانی کے نکلنے کا۔
از حجامت الخ یعنی پچھنے لگوانے سے بچے بہت روتے ہین اسلیے کہ وہ کام کے بھید سے واقف نہین ہین۔
مرد خود الخ یعنی مرد خود حجام کو روپیہ دیتا ہے اور اس خون پینے والے نشتر کو نوازتا ہے مطلب یہ کہ دیکھو نشتر لگوانے سے بچہ تو زار زار رو رہا ہے اور جو اسکا سرپرست ہے وہ خوش ہوتا ہے اور حجام کو انعام دیتا ہے تو یہ اسلیے کہ بچہ کو تو خبر نہین ہے کہ اس سے انجام کیا ہوگا اوسکی نظر تو صرف اس موجودہ تکلیف پر ہے اور مربی جانتا ہے کہ یہ جو راتون و بےچین رہتا ہے رات رات بھر نیند نہین آتی یہ ساری خرابی اس دنبل کی ہے اور اسمین جو پیپ وغیرہ بھر رہی ہے اسکی خرابی ہے اور ایک نشتر کے لگنے سے وہ ساری تکلیفین جاتی رہین گی اور رات کو آرام سے سو دیگا تو دیکھو کہ ایک تکلیف کے بعد راحت پہونچی اور یہ تکلیف ہی راحت کا سبب ہوئی۔
می دود الخ یعنی حمال بھاری بوجھ مین دوڑتا ہے اور بوجھ کو دوسرون سے چھینتا ہے۔ تو یہ اسلیے کہ اس کا انجام یہ ہے کہ پیسے ملین گے۔ ورنہ ظاہر مین تو ایک مصیبت ہے کہ بوجھ اٹھانا پڑے گا۔ لیکن یہ مشقت ہی اس انعام کا سبب ہے۔
جنگ الخ یعنی حمالون کی لڑائی بوجھ کے واسطے دیکھو۔ تو اسیطرح دین کے کام مین بھی کوشش کرتا ہو اسلیے کہ کار دین مین بھی تو انجام کار فرحت اور نعمت ہو اسیطرح حمال کو بھی انجام کار انعام ملتا ہے تو ثابت ہو گیا کہ بہت سے نقص اور بہت سی تکالیف اور مصیبتین سبب کمال اور عیش اور راحت کا ہوا کرتی ہین آگے فرماتے ہین کہ۔

چون گرانیہا الخ[۲۲] یعنی جبکہ گرانیان راحت کی بنیاد ہین تو بہت سی تلخیان نعمت کی پیشوا ہین مطلب یہ کہ جسطرح تکالیف سبب راحت کا ہوتی ہین اسیطرح راحت بھی سبب تکلیف کا ہوا کرتی ہے آگے اسکی اور مثال دیتے ہین کہ۔

حفت الجنۃ الخ[۲۳] یعنی جنت تو ہماری مکروہات سے گھری ہوئی ہے اور جہنم ہماری شہوات سے گھرا ہوا ہے۔ حدیث مین ہے کہ حفت الجنۃ بالمکارہ وحفت النار بالشہوات تو دیکھو کہ جس نے دنیا مین مکروہات نفس پر صبر کیا اور اس تکلیف کو جھیلا اوسکا انجام تو جنت اور اسکی راحتین ہین اور جسنے یہان شہوات اور لذات مین مزے اڑائے اسکو انجام کار جہنم ملیگا اور اوسکی مشکلین اور کاہشین برداشت کرنا پڑینگی۔

تخم مایہ الخ[۲۳] یعنی تمہاری آگ کا سرمایہ اک شاخ تر ہے۔ اور آگ کا جلا ہوا کوثر کے قرین ہے۔ مطلب یہ کہ جو لکڑیان اسوقت آگ مین جل رہی ہین وہ ایک وقت مین شاخ تر تھین اور خوب مزے اڑائے تھے اسلیے آج آگ مین جلنا پڑا اور جو لکڑی کہ جل چکی ہے اوسکے تحمل کرنیکے لیے اوسپر پانی ڈالتے ہین جس سے کہ اسکی آگ بجھ جاتی ہے تو دیکھو کہ اوسکو بعد راحت کے جلنا پڑا اور دوسرے کو بعد جلنے کے راحت نصیب ہوئی۔

ہر کہ در زندان الخ[۲۴] یعنی جو کہ قید خانہ مین محنت کا قرین ہے تو کسی شہوت کی یا القمون (لذیذ) کی جزا ہی مطلب یہ کہ اگر کوئی قید خانہ مین ہے تو ضرور اس سے قبل کسی لذت اور راحت مین رہا ہے یہ اوسی کا بدلا مل رہا ہے اور وہ عیش ولذت ہی اس مصیبت کا سبب ہو گئی ہے۔

ہر کہ در قصرے الخ[۲۵] یعنی جو شخص کہ محل مین دولت کا قرین ہی یہ کسی محنت اور مشقت کا بدلا ہے کہ اول اس دولت کے کسب مین مشقت کی ہے تو اب راحت سے اڑا رہے ہین۔

ہر کرا دیدی الخ[۲۶] یعنی جسکو دیکھو کہ روپے پیسے مین یکتا ہے تو جان لو کہ اسنے کمانے مین (بڑی بڑی مشقتوں پر) صبر کیا ہے تو انکا بدلا یہ مل رہا ہے لہذا جبکہ بعض منافع سبب ضرر کے اور بعض ضرر سبب نفع کا ہوا کرتے ہین اسلیے بالنظر الی المنافع ہم اوس شے کو پیدا فرما دیتے ہین یہ تو حق تعالی کے اس جواب کا حاصل ہوا اب اس سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ چونکہ ظالمون کے غالب کرنے مین ترقی درجات مظلومون کا نفع ہے اسلیے ہم نے ظالمون کو غالب کر رکھا ہے یہانتک تو یہ مضمون تھا آگے مولانا اس سے انتقال فرماتے ہین چونکہ یہان ایک اعتراض یہ ہوتا تھا کہ یہ جسقدر اسباب ایک دوسرے کے ہمنے بیان کیے ہین یہ تو توحید کے بالکل خلاف ہین جسپر غلبہ توحید کا ہوگا۔ اسکو ان اسباب سے کیا تعلق ہے اوسکی نظر تو بس ذات بحت حق تعالی کیطرف ہوگی آگے اسی لیے بطور دفع دخل مقدر کے فرماتے ہین جسکا حاصل یہ ہے کہ ترک اسباب تمھارا منصب نہین ہے بلکہ یہ اوس شخص کا منصب ہے کہ جو فنا ہو چکا ہو اور مرضی حق کو اپنی مرضی پر مقدم سمجھتا ہو لہذا تمکو ارتکاب اسباب ہی لازم ہے اب سمجھو کہ فرماتے ہین۔

آنکہ بیرون الخ[۲۷] یعنی جو شخص کہ اوسکی جان طبایع سے باہر ہو تو ترک اسباب اوسکا منصب ہے یعنی جو ان خواہشات وطبائع انسانی سے علیحدہ ہو اور ذات حق مین فنا ہو چکا ہو اوسکو تو ترک اسباب جائز ہے مگر تم کو کہ ابھی خام ہو ہرگز جائز نہین ہے فرماتے ہین کہ۔

بے سبب بیند الخ[۲۸] یعنی جبکہ آنکھ گذرنے والی ہوگی اوسوقت بے سبب کے دیکھے گا اور تو کہ حس مین (مقید) ہے سبب کی حفاظت کر مطلب یہ کہ جسکی نظر کہ اس عالم اسباب سے گذر کر حق تعالی تک پہونچگئی ہو اوسکو تو ترک اسباب جائز ہے

لیکن تم جو کہ مقید اسباب ہو ہرگز ترک اسباب مت کرنا ورنہ گمراہ ہوگے۔ آگے فرماتے ہین کہ۔

۲۹ بے سبب بیند الخ یعنی وہ بے سبب کے دیکھتا ہے نہ آب دگھاس سے چشمے کے چشمے انبیا علیہم السلام کے معجزات مطلب یہ کہ جسکی نگاہ اس عالم سے گذر گئی اوسکو پھر اسباب ظاہری کی ضرورت نہین ہوتی بلکہ وہ بے اسباب ظاہری کے بے انتہا معجزات دیکھتا ہے اور انبیا کی تصدیق کرتا ہے اور اسکو ان معجزات ظاہری کے دیکھنے کی تصدیق مین ضرورت نہین ہوتی آگے ایک مثال فرماتے ہین کہ۔

این سبب الخ یعنی یہ اسباب (ظاہری) مثل طبیب کے ہین اور (انکا مرتکب مثل علیل کے) ہے (تو اگر ازکاب کریگا تو آتر ہرنگا اور کیا ہوگا آگے دوسری مثال ہے کہ) اور یہ اسباب مثل چراغ کے ہین اور بتی کے۔

۳۱ شب چراغت الخ یعنی اپنے رات کے چراغ کے لیے نئی بتی بٹ لے اور آفتاب کے چراغ کو اس سے پاک جان مطلب یہ ہے کہ چونکہ یہ اسباب چراغ کیطرح ہین اسلیے انکو جبتک تیل بتی پہونچتا رہتا ہے سب کام درست رہتے ہین ورنہ گل ہوجاتے ہین اور کام نہین چلتا لیکن جو حضرات کاملین ہین اور وہ مثل آفتاب کے ہین انکو اس تیل بتی کی ضرورت نہین ہے امنکے اندر تو خود نور ہے اونکو ان اسباب ظاہری کے ارتکاب کی ہرگز ضرورت نہین ہے ؎ کار پاکان را قیاس از خود مگیر ۔ گرچہ ماند در نوشتن شیر و شیر ۔ ایک اور مثال فرماتے ہین کہ۔

رو تو الخ یعنی جاؤ اور اپنی جان کی چھت کے لیے گارا بناؤ لیکن سقف آسمان کو کہگل سے پاک جانو۔ اوسکو کہگل کی ضرورت نہین ہے اسی طرح تم کو تو اسباب کی ضرورت ہے لیکن جو کاملین ہین انکو اسکی ضرورت نہین ہے آگے بطور تحدث بالنعمۃ کے فرماتے ہین کہ

۳۳ وہ کہ چون الخ یعنی خوب ہوا جبکہ ہمارا دلدار اور غم سوز ہوا تو خلوت شب گذر گئی اور دن ہوگیا۔ مطلب یہ ہے کہ فرماتے ہین کہ حق تعالے کا شکر ہے کہ جب ہمارا مطلوب اور محبوب ہمارا دلسوز ہوا تو وہ صفات بشریہ سب زائل ہوگئین اور اسباب وغیرہ سب سے قطع نظر ہوگئی اور اوسکی تجلی اور نور سے ہمارے اندر بھی نورانیت پیدا ہوگئی اور فرماتے ہین۔

۳۴ جز بشب الخ یعنی چاند کا جلوہ تو رات ہی کو ہوتا ہے تو دلخواہ کو بجز درد کے اور کسیطرح مت تلاش کرو۔ مطلب یہ ہے کہ جب ہمارے اندر پہلے سے رذائل بھرے ہوئے تھے جب ہی تو وہ نور اور تجلی بھی ہمیں آیا ورنہ کیسے حاصل ہوتا اسلیے کہ ؎ ہر کجا پستی است آب آنجا رود ۔ ہر کجا دردے شفا آنجا رود ۔ جب یہ معلوم ہوگیا تو اس تجلی کے حاصل کرنیکا طریق بتاتے ہین کہ وہ مجاہدہ ہے اگر تم مجاہدہ کروگے تو تمکو نور حق تعالی کا میسر ہوجاویگا اسیکو مولانا نے جز بدرد دل مجو دلخواہ را سے تعبیر فرمایا ہے اب چونکہ یہان ترغیب مجاہدہ کی تھی اسلیے آگے شکایتاً فرماتے ہین کہ۔

۳۵ ترک عیسے الخ یعنی عیسیٰ کو چھوڑ کر خر کو پال رکھا ہے تو نے لہذا بے شک گدھے کیطرح تو پردہ کے باہر ہے عیسے سے مراد روح ہے اور اسیکو مولانا نے آگے جان سے بھی تعبیر کیا ہے لیکن عقل سے بھی تعبیر کیا ہے سب سے یہی مراد ہے۔ اور خر سے مراد نفس ہے کہ وہ تابع روح کا ہوتا ہے۔ اب سمجھو کہ فرماتے ہین کہ تم نے جو خواہشات نفسانی پر عمل کر رکھا ہے اور روح کے مقتضیات کو مٹا رکھا ہے تو گویا اوسکو مار رکھا ہے اس لیے تم تجلیات حق سے علیحدہ اور دور ہو ورنہ اگر تم روح کے مقتضیات پر عمل کرتے اور نفس کے خواہشات کو زائل کر دیتے تو تمکو قرب نصیب ہوتا آگے مولانا ہر ایک کی خاصیات فرماتے ہین کہ۔

طالع الخ یعنی عیسے (روح) کے حصہ مین تو علم و معرفت ہی اور یہ گدھے (نفس) کا حصہ نہین ہی اے وہ شخص کہ گدھے
کیطرح ہی تجکو روح کی پرورش چاہیے تاکہ علم و معرفت حاصل ہو۔
ناکہ خر الخ یعنی تو گدھے کا نالہ سنتا ہی تو تجھے رحم آجاتا ہی اور یہ نہین جانتا کہ گدھا تو گدھا پن ہی کا حکم کرتا ہے
مطلب یہ کہ جہان نفس نے ذرا او دیلا کی اور تمکو اوسپر رحم آجاتا ہے اور اوسکے خواہش کو پورا کردیتے ہو مگر تمکو یہ خبر نہین
کہ یہ تو بجز اسکے کہ حق تعالیٰ سے دور کرنیوالے ہین اور کیا فائدہ ہی لہذا اسکی خواہشات و مقتضیات پر ہرگز عمل مت کرو۔
رحم بر عیسیٰ الخ یعنی عیسیٰ پر رحم کرو اور گدھے پر مت کرو اور اپنی طبیعت کو عقل پر سردار مت کرو۔ مطلب یہ کہ
روح پر رحم کرو اور اوسکے مقتضیات کو پورا کرو اور نفس کی خواہشات کو ہرگز پورا مت کرو اسلیے کہ یہ قعر جہنم مین پہنچانے
والی شے ہی اور اپنے نفس کو روح پر سردار مت کرو ورنہ پھر یہ غالب ہو کر اوسکو کسی مصرف کا نہ رکھے گا۔
طبع را الخ یعنی طبیعت کو تو چھوڑ دو تاکہ نالہ زار زار روے اور تم اوس سے (قوت) لے کر جان کا فرض ادا کرو
مطلب یہ کہ نفس کو بالکل چھوڑ دو کہ ذلیل و خوار ہو اوسکی بالکل پرواہ مت کرو۔ بلکہ اوس سے قوت کو حاصل کر کے
حقوق روح کے ادا کرو۔ آگے فرماتے ہین کہ۔
سالہا خر بندہ الخ یعنی سالہا سال تک تو گدھے کا بندہ رہا ہے بس کافی ہے۔ اسلیے کہ گدھے والا تو گدھے سے بھی
پیچھے ہوتا ہے۔ مطلب یہ کہ سالہا سال تک تم نے نفس کے مقتضیات پر عمل کیا ہے اور اوسکے پیچھے پیچھے پھرے ہو
لیکن یہ سمجھ لو کہ وہ گدھے کیطرح ہے اور جو گدھے والا گدھے کے پیچھے چلتا ہے تو منزل پر پہونچنے مین اس سے بھی
پیچھے رہتا ہے اسیطرح اگر تم اوسکے مقتضیات پر عمل کروگے تو یقیناً نفس سے بھی پیچھے رہو گے اور نفس جیسی ذلیل شے
بھی منزل پر پہونچنے مین تم سے آگے ہو گی آگے ایک حدیث کے مضمون سے مثال دیتے ہین کہ۔
اخروہن الخ یعنی اخروہن سے مراد انکی تیرا نفس ہے کہ وہ آخر مین چاہیے اور تیری عقل پیچھے ہے۔ مطلب یہ کہ
حدیث مین جو عورتون کے بارہ مین آخروہن من حیث اخرہن اللہ (موخر کرو اون کو جیسا کہ موخر کیا اونکو حق تعالیٰ
نے) آیا ہے اسکے عموم مین تیرا یہ نفس بھی داخل ہے اسلیے کہ مشاہدہ سے معلوم ہے کہ مقتضیات نفس پر عمل کرنے
کے لیے بھی اول ضرورت عقل کی ہوتی ہے پھر نفس کے مقتضی پر عمل ہوتا ہے لہذا جیسے کہ یہان نفس موخر ہے
اسی طرح اسکو تم بھی موخر ہی رکھو۔
ہم مزاج الخ یعنی یہ تیری عقل پست بھی خر کے ہم مزاج ہو گئی ہے اور اسکی بھی فکر یہی ہے کہ گھاس دانہ کسی طرح
ہاتھ مین لادین۔ مطلب یہ کہ نفس کو غالب کرنیکا یہ نتیجہ ہوا کہ عقل مغلوب ہو گئی اور اوسکے مقتضیات سب باطل
ہو گئے اور وہ بھی مقتضیات نفس ہی پر عمل کرنے لگی اسلیے ہمیشہ غالب کا اثر مغلوب پر ہوا کرتا ہے اور اصل
مین تو عقل کا مقتضا کسب علوم و معارف تھا مگر اب وہ بھی کسب دنیا مین مصروف ہو گئی ہے نفس کو غالب کرنیکا
تو یہ نتیجہ ہوا کہ عقل بھی اوس جیسی ہو گئی آگے عقل کے غالب کرنے کا اثر بیان فرماتے ہین کہ۔
آن خر عیسے الخ یعنی اوس عیسیٰ کے گدھے نے مزاج دل کا لے لیا۔ تو عاقلونکے مقام پر جگہ اختیار کی۔ مطلب یہ کہ
جب روح نفس پر غالب ہوئی اور اوسکے مقتضیات پر عمل ہوا تو وہ بھی منور اور عاقل ہو گئی اور بعض مرتبہ محسوسات
مین بھی ہوتا کہ بزرگونکا اثر جانورون پر پڑتا ہے بھلا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے گدھے مین تو جو برکات اور عقول ہو

وہ اگرچہ معقول نہین مگر عقل سے معلوم ہوتا ہی کہ بے انتہا برکات ہونگے مگر مکہ معظمہ مین ایک بزرگ خلیل پاشا تھے انکی برکت گدھے مین ہونا تو مشاہدہ ہے مولوی محمد سعید صاحب فرماتے تھے کہ انکے گدھے کی یہ حالت ہی کہ جب یہ سوار ہوتے ہین تو کبھی بولتا نہین ورنہ گدھے کا کیا وہ تو گدھا ہی ہی جب چاہے بول پڑے اور اسوقت سوار کو شرمندگی ہوتی ہی اسلیے وہ سواری مین کبھی نہ بولتا تھا اور جہان وہ جاتے تھے اگر انکو کم ٹھہرنا ہوا تب تو اس سے کہدیا کہ کھڑا رہ وہ اسیطرح کھڑا رہتا تھا اور اگر دیکھا کہ زیادہ دیر لگے گی تو اس سے کہدیا کہ چلا جا تو سیدھا گھر آتا تھا تو دیکھیے کہ اسکے اندر بھی انکے تقوی کی برکت تھی کہ اس گدھے مین بھی یہ خصلت آگئی تھی تو اسیطرح جن حضرات مین قوت روحانی زیادہ ہوتی ہی اور نفسانی ضعیف ہوتی ہی تو مقتضیات عقل ہی زیادہ ہوتے ہین جو کہ علوم و فنون و معارف ہین آگے یہی فرماتے ہین کہ۔

زانکہ غالب ہے الخ یعنی اسلیے کہ غالب تو عقل تھی اور نفس ضعیف تھا تو قوی سوار سے گدھا ضعیف ہو ہی جاتا ہی یعنی نفس مین جو اثر عقل کا آگیا ہی وہ اسی لیے کہ عقل کو غلبہ تھا اور دیکھو اگر سوار قوی ہو تو سواری تابع ہو جاتی ہی اور جسطرح سوار چاہتا ہی اوسکو لے چلتا ہی اسیطرح اب غلبہ عقل کی حالت مین نفس بھی بالکل تابع و مطیع ہو گیا ہی۔ آگے فرماتے ہین کہ۔

در ضعیفی الخ یعنی اے گدھے کی برابر تیری عقل تو ضعیفی مین ہی اور یہ گدھا ذلیل اژدہا ہو گیا ہی مطلب یہ کہ اسوقت تیری روح تو ضعیفی مین ہی حالانکہ اسکو قوی رکھنا ضروری تھا اور یہ نفس ذلیل پھول گیا ہی اور اژدہا کیطرح قوی اور خونخوار ہو گیا ہے اسلیے چاہیے کہ مجاہدات و ریاضات سے قوت عقل کو زیادہ کرے اور اس نفس ذلیل کو ضعیف اور عقل کے تابع کرے یہانتک تو مجاہدہ کی ترغیب اور اس سے روح کی تربیت کی تعلیم اور نفس کو غالب کرنے کی ترہیب تھی لیکن چونکہ یہ سب امور بغیر شیخ کے حاصل نہین ہو سکتے اسلیے کہ وہی راہبر ہی اور شیخ بعض مرتبہ ایسا حکم کرتا ہی کہ جو مرید کو طبعاً ناگوار ہوتا ہی اور اسوجہ سے وہ طبعاً رنجیدہ ہوتا ہی اسلیے اسکو تعلیم فرماتے ہین کہ جب اوس سے تمکو فائدہ پہونچ رہا ہی اور آیندہ فائدہ کی امید ہی تو پھر اوسکو کیون چھوڑتے ہو اوس سے ہرگز علیحدگی اختیار مت کرو فرماتے ہین کہ۔

گر زعیسے الخ یعنی اگر تو عیسی (شیخ) سے رنجیدہ دل ہو گیا ہی تو صحت بھی تو اوسی سے پہونچی ہے اسکو چھوڑو مت اسلیے کہ اگر شیخ سے علیحدگی ہو گئی تو جو فوائد اور فیوض اوس سے پہلے حاصل ہوتے اب بالکل بند ہو جاوینگے لہذا علیحدگی مت کرو بلکہ لگے رہو اور اوسکی اس سختی کو اگرچہ وہ ایک دفعہ بیجا ہی ہو اٹھالو اسلیے کہ ؎ برنداز برائے دلے بارہا ؛ خورند از برائے گلے خارہا ؛ جبکہ اوس سے ایک عرصہ تک فیوض پہونچتے رہے ہین تو اگر اس سے ایک تکلیف بھی پہونچگئی تو اس سے رنجیدہ ہو جانا بڑی ناشکری ہی اب آگے خود شیخ سے مرید کی سفارش کرتے ہین کہ حضرت ذرا آپکو بھی اتنی سختی نہ چاہیے اگر آپ ہی اسقدر سخت ہو جاوینگے تو یہ بیچارے کہان جاوینگے اسیکو فرماتے ہین کہ۔

اے مسیح الخ یعنی اے مسیح خوش نفس آپکے مزاج تکلیف کیوجہ سے کیسے ہین اور جہان مین بے رنج کے تو خزانہ ملتا بھی نہین ہے مطلب یہ کہ شیخ کو خطاب فرماکر اول انکی مزاج پرسی کرتے ہین کہ حضرت آپکو ان مریدون سے بہت رنج پہونچتا ہی جناب کے مزاج کیسے ہین پھر فرماتے ہین کہ حضرت بے تکلیف کے تو یہ رفع درجات کا خزانہ مل بھی نہین سکتا ان کلفتون پر جب آپ صبر کرینگے تو آپکو ثواب اور رفع درجات میسر ہوگا لہذا ذرا تحمل سے کام لیجیے اور فرماتے ہین کہ۔

چونی الخ یعنی اے عیسی ان یہود کے ملنے سے آپکے مزاج کیسے ہین اور اے یوسف ان حاسد بھائیون کی بدولت آپکے مزاج کیسے ہین یہود اور اخوان حسود سے مراد مخالفین ہین مطلب یہ کہ انکی ایذا رسانی کیوجہ سے آپکو بہت تکلیف ہوتی ہی

تو اب آپکا مزاج کیسا ہے آگے فرماتے ہین کہ۔

توشب و روز الخ یعنی آپ رات دن اس سرکش قوم کے پیچھے رات دن کیطرح عمر کو مدد بخشنے والے ہین مطلب یہ کہ جسطرح رات اور دن کے گذرنے سے عمر زیادہ ہوتی ہی اسیطرح آپکا وجود باجود بھی حیات روحانی کی ترقی اور زیادتی کا سبب ہے۔

آہ از ین الخ یعنی ان صفراوی بے ہنر لوگو نپر افسوس ہی اور صفراو سے ہنر ہی کیا پیدا ہو (صرف) درد سر۔ مطلب یہ کہ ان بعین نفس کی حالت پر سخت افسوس ہی کہ یہ جناب کو ایذا دیتے ہین اور سچ یہ ہی کہ اس نفس سے بجز تکلیف کے اور پیدا ہی کیا ہوگا اس سے تو تکلیف ہی پہونچے گی لیکن آپ مہربانی فرمائیے اور انکی اصلاح فرمائیے۔ آگے اسیکو فرماتے ہین کہ۔

تو ہمان الخ یعنی آپ وہی کیجیے جو کہ خورشید مشرق نفاق اور حیلہ اور چوری اور مکر (والون) کے ساتھ کرتا ہے کہ یہ سمجھکر کہ یہ برے ہین اسپر نور افگنی نہ کرے بلکہ وہ سب پر عام طور پر نور افگنی کرتا ہی اور کسیکی تخصیص نہین کرتا اسیطرح اگرچہ یہ مرید ضرور برے ہین لیکن آپ انسے علیحدہ نہ ہوجیے۔ بلکہ اپنے فیوض و برکات انکو پہونچاتے رہیے کہ انکی بھی اصلاح ہوجاویگی۔ آگے ایک مثال فرماتے ہین کہ۔

تو عسل الخ یعنی آپ تو شہد ہین اور ہم سرکہ ہین دنیا مین بھی اور دین مین بھی تو اس صفرا کا دفعیہ تو سکنجبین ہوسکتی ہی مطلب یہ کہ آپ تو شہد کیطرح ہین اور ہم سرکہ کیطرح برے ہین اور یہ نفس سرکش بڑھ گیا ہی اسلیے اسکا دفعیہ جب ہی ہوسکتا ہے جبکہ آپ ہمارے ساتھ ملین اور ہماری مدد کرین جیسے کہ سرکہ مین شہد ملکر سکنجبین ہوجاتی ہے اور وہ صفرا کا علاج ہوتا ہے اسیطرح آپ ہمارے ساتھ ملین گے تو اس نفس سرکش کا علاج ہوجاویگا۔

تسرکہ الخ یعنی ہم بحیثیت والون نے تو سرکہ بڑھا دیا ہے اور آپ شہد زیادہ فرمایئے لیکن کرم کو الگ نہ کیجیے مطلب یہ کہ ہم نے تو برائیان اور اخلاق ذمیمہ زیادہ کر رکھے ہین لیکن اگر آپ بھی مدد نہ فرماوینگے تو پھر تو اسکا علاج بالکل ناممکن ہوجاویگا اور ہم بالکل ہی تباہ و برباد ہوجاوینگے اسلیے آپ یہ کیجیے کہ ہمارے ساتھ مل جائیے اور تعلیم و تربیت کو زیادہ کردیجیے کہ جس سے ہماری اصلاح ہوجاوے۔

این سزید الخ یعنی ہم سے تو یہی لایق تھا اور ہم (جیسون) سے تو یہی ہوگا اسلیے کہ آنکھ مین بال کس شے کو زیادہ کرے گا اندھے پن کو اسیطرح ہمارے سیئات تو حقیقت مین اندھے ہی پن کو زیادہ کرینگے۔

آن سزد الخ یعنی اور اے سرمہ عزیز آپکو یہ لائق ہی کہ آپسے ہر ناچیز ایک چیز حاصل کرے تو یہ ناچیز بھی آپسے ایک نظر کے طالب ہین کہ جس سے انکی کوری جاتی رہے اور آنکھین کھلجاوین۔

ز آتش الخ یعنی ان ظالمون کی آتش (فساد) سے تو آپکا دل کباب ہوگیا ہی مگر آپ کی طرف سے جملہ اللھم اہد قومی فانھم لا یعلمون ہی کا خطاب ہونا چاہیے یعنی اگرچہ یہ ظلوم و جہول آپکو ایذا دیتے ہین لیکن آپ انسے جدا نہون بلکہ آپ نائب رسول ہین اسلیے آپ اس حالت مین بھی انکے لیے دعا ہی کیجیے اور انکو راہ راست پر لانیکی کوشش فرمائیے۔

کان الخ یعنی آپ تو کان عود ہین اگر آپ مین آگ لگاوینگے تو اس جہان کو عطر و ریحان سے بھر دینگے اسلیے کہ حالت جوش مین علوم و معارف کا زیادہ زور ہوتا ہی تو اگر آپکو ستاوینگے تو بھی جناب سے فوائد ہی ہین لہذا انسے الگ نہوجیے۔

تو نہ آن الخ یعنی آپ وہ عود نہین کہ آگ سے کم ہوجاوین اور آپ وہ روح نہین ہین کہ غم کے اسیر ہوجاوین اسلیے کہ آپ تو کان عود ہین وہ تو کم ہو ہی نہین سکتا وہین تو ہر وقت اور پیدا ہوتا رہتا ہے اسیطرح آپ بھی معدن کمالات

دینوں میں اُنکے ان تکلیف دہی سے آپکے کمالات میں زوال تھوڑا ہی آسکتا ہے بلکہ اور پیدا ہو جاتے ہیں۔

عود سوز دالخ یعنی عود جل جاتا ہے لیکن کان عود جلنے سے کہیں دور ہے اور ہوا اصل نور پر کب حملہ کر سکتی ہے اگر کوئی چراغ وغیرہ ہو تو اسکو ہوا بھی بجھا دے لیکن جو نور اصلی ہے اسکو تو گل کر ہی نہیں سکتی اسیطرح آپ تو کامل ہیں کہیں ایسی باتوں سے آپکے کمالات زائل تھوڑی ہو سکتے ہیں۔

اے ز تو الخ یعنی اے جناب آپکی وجہ سے تو آسمانوں میں صفائی ہے اور جناب آپکی جفا بھی دوسروں کی وفا سے بہتر ہے چونکہ اولیاء اللہ کی برکت کا اثر تمام عالم پر ہوتا ہے اسلیئے فرماتے ہیں کہ آسمانوں کو بھی آپ ہی کی وجود باجود کیوجہ سے صفائی حاصل ہے اور اگر آپ بظاہر جفا بھی کریں تو وہ دوسروں کی وفا سے بہتر ہے آگے اسکی وجہ فرماتے ہیں کہ۔

زانکہ الخ یعنی اسلیئے کہ عاقل سے اگر جفا بھی پہنچے تو وفائے جاہل سے بہتر ہوتی ہے اور آپکا عاقل ہونا مسلم ہے لہذا آپکی جفا بھی اوروں کی وفا سے بہتر ہے ہماری زبان میں بھی بولتے ہیں کہ دانا دشمن نادان دوست سے بہتر ہے آگے اسکی وجہ فرماتے ہیں کہ عاقل کی دشمنی جاہل کی دوستی سے کیوں بہتر ہے فرماتے ہیں کہ۔

عاقل آرد الخ یعنی عاقل تو معرفت کو درمیان میں لاویگا اور جاہل معرفت کو نقصان میں ڈالیگا اور جب عاقل کو معرفت ہوگی تو وہ کوئی ایسی بیہودگی جو زیادہ مضر ہو نہ کریگا اور جو جاہل ہے اسکو نفع نقصان ہی کی تمیز نہیں ہے لہذا وہ جو کچھ بھی کریگا کم ہے آگے اسکی تائید ایک حدیث سے فرماتے ہیں یہ حدیث نظر سے ڈھونڈی نہیں لیکن اسکا مضمون بالکل صحیح ہے فرماتے ہیں کہ۔

گفت پیغمبر الخ یعنی پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ علاوت عقل سے اس دوستی سے بہتر ہے کہ جو جاہل سے پہنچے جیسا کہ اوپر بھی معلوم ہوا۔ آگے فرماتے ہیں کہ۔

دوستی الخ یعنی دانا آدمی کے ساتھ دوستی کرنا بہتر ہے اور دشمن دانا نادان دوست سے بہتر ہے اب آگے دو حکایتیں بیان فرماتے ہیں ایک تو یہ کہ ایک شخص کے منھ میں سانپ گھس گیا تھا اور ایک نیکدل نے دیکھا تو اسکو مار مار کر خوب بھگایا یہانتک کہ اسکو قے ہوگئی اور وہ سانپ نکل گیا تو دیکھو اگرچہ بظاہر وہ مار رہا تھا اور جفا کر رہا تھا لیکن اوسکی یہ دشمنی لاکھوں دوستیوں سے بہتر تھی کہ اسکے ذریعہ سے اسکی جان بچگئی یہ حکایت تو اسپر ہے کہ دانا کی دشمنی بھی اچھی ہے اور دوسری حکایت یہ لاوینگے کہ ایک شخص ریچھ سے مکھیاں اڑوایا کرتا تھا ایک روز ایک مکھی آکر بیٹھی اسنے اڑایا وہ اڑکر پھر آکر بیٹھ گئی جب کئی مرتبہ اسیطرح ہوا تو آخر کار اوسنے ایک پتھر لاکر اس زور سے اس مکھی کے مارا کہ وہ تو خواہ مری ہو یا نہ مری ہو لیکن انکا قاصاحب کا خاتمہ ہوگیا تو دیکھو اگرچہ بظاہر اسکا مکھی اڑانا دوستی تھی لیکن آخر جاہل ہونیکی وجہ سے ایسی دشمنی کی کہ جس سے جان گئی اور اپنے نزدیک دوستی ہی کی کہ مکھی اڑادی یہ اسپر ہے کہ نادان کی دوستی بھی بُری ہے اب اول اس سوار اور سانپ والے کی حکایت لاتے ہیں۔

تم الربع الثانی من کلید مثنوی شرح الدفتر الثانی آخر ربیع الاول ۱۳۳۴ھ ہجری
فی کورۃ تھانہ بھون بلسان اشرف علی وبنان شبیر علی عفا اللہ عنہما

عارف باللہ حضرت مولانا جلال الدین رُومی رحمۃ اللہ علیہ کی نادر روزگار'
اور معرکہ آراء کتاب "مثنوی معنوی" کی جامع اور لاجواب اردو شرح

کلیدِ مثنوی

از : حکیم الامۃ مجدد الملۃ حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہ

یہ وہ مقبول خاص و عام کتاب ہے کہ خواندہ' ناخواندہ سب ہی اس سے دلچسپی لیتے ہیں. مگر مضامین عالیہ ہونے کی وجہ سے مطالب سمجھنے میں بڑی دقت پیش آتی ہے اور بعض اوقات نوبت الحاد و زندقہ تک پہنچ جاتی ہے.
حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ نے اشعارِ مثنوی کو واضح کر کے اور مسائل تصوّف کو عام فہم بنا کر نہایت خوبی سے سمجھا دیا ہے. حقیقت یہ ہے کہ اس سے معتبر اور شریعت و طریقت کا پاس ادب رکھ کر مضامین کو حل کرنیوالی اور کوئی شرح نہیں لکھی گئی یہ عظیم شرح خوبصورت ۲۴ جلدوں میں طبع ہو چکی ہے تقریباً ساٹھ ہزار صفحات پر مشتمل قیمت کامل سیٹ ۱۸۹۰/- روپے

ناشر :
فون : 40501

اصلاحِ باطن کے لئے خطباتِ حکیم الامت کا ایک عظیم انسائیکلوپیڈیا

تقریباً پندرہ ہزار صفحات پر مشتمل ۲۷ جلدوں میں

	جلد نمبر	قیمت		جلد نمبر	قیمت
دنیا و آخرت	۱	۹۰/	دعوت و تبلیغ	۱۳	۱۲۹/
علم و عمل	۲	۱۲۰/	جزا و سزا	۱۴	۱۲۹/
دین و دنیا	۳	۱۲۰/	تسلیم و رضا	۱۵	۱۳۵/
حقوق و فرائض	۴	۱۳۵/	برکاتِ رمضان	۱۶	۱۵۰/
میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم	۵	۱۶۵/	سنتِ ابراہیم	۱۷	۱۲۰/
نظامِ شریعت	۶	۱۶۵/	مفاسدِ گناہ	۱۸	۱۳۵/
حقیقتِ عبادت	۷	۱۶۵/	آدابِ انسانیت	۱۹	۱۳۵/
حقیقتِ مال و جاہ	۸	۱۳۵/	حقوق الزوجین	۲۰	۱۳۵/
فضائلِ صبر و شکر	۹	۱۶۵/	تدبیر و توکل	۲۱	۱۵۰/
فضائلِ صوم و صلوٰۃ	۱۰	۱۳۶/	ذکر و فکر	۲۲	۱۳۴/
حقیقتِ تصوف و تقویٰ	۱۱	۱۳۵/	راہِ نجات	۲۳	۱۳۵/
			موت و حیات	۲۴	۱۲۰/
محاسن اسلام	۱۲	۱۳۵/			

نوٹ: جلد ۲۶ فضائلِ علم، جلد ۲۷ اصلاحِ اعمال
جلد ۲۵ حدود و قیود - (زیرِ طبع)۔

عارف باللہ حضرت مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ کی نادر روزگار،
اور معرکہ آرا کتاب "مثنوی معنوی" کی جامع اور لاجواب شرح

کلیدِ مثنوی

حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہ

5

یہ وہ مقبول خاص و عام کتاب ہے کہ خواندہ ناخواندہ سب ہی اس سے دلچسپی لیتے ہیں مگر مضامین عالیہ ہونے کی وجہ سے مطالب سمجھنے میں بڑی دقت پیش آتی ہے اور بعض اوقات نوبت الحاد و زندقہ تک پہنچ جاتی ہے، حضرت حکیم الامت نے اشعارِ مثنوی کو واضح کر کے اور مسائل تصوف کو عام فہم بنا کر نہایت خوبی سے سمجھا دیا ہے حقیقت یہ ہے کہ اس سے معتبر اور شریعت و طریقت کا پاس و ادب رکھ کر مضامین کو حل کرنے والی کوئی اور شرح نہیں لکھی گئی

ادارہ تالیفاتِ اشرفیہ
بیرون بوہڑ گیٹ
ملتان

عارف باللہ حضرت مولانا جلال الدین رُومی رحمۃ اللہ علیہ کی نادر روزگار،
اور معرکہ آراء کتاب "مثنوی معنوی" کی جامع اور لاجواب اُردو شرح

کلیدِ مثنوی

از:

حکیم الامّۃ مجدد الملّۃ حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی نوراللہ مرقدہ

جلد ۵

یہ وہ مقبول خاص و عام کتاب ہے کہ خواندہ ناخواندہ سب ہی اس سے دلچسپی لیتے ہیں۔ مگر مضامین عالیہ ہونے کی وجہ سے مطالب سمجھنے میں بڑی دقت پیش آتی ہے اور بعض اوقات نوبت الحاد و زندقہ تک پہنچ جاتی ہے۔
حضرت حکیم الامت نے اشعارِ مثنوی کو واضح کر کے اور مسائل تصوف کو عام فہم بنا کر نہایت خوبی سے سمجھا دیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس سے معتبر اور شریعت و طریقت کا پاس ادب رکھ کر مضامین کو حل کرنیوالی اور کوئی شرح نہیں لکھی گئی

ادارہ تالیفاتِ اشرفیہ
بیرون بوہڑ گیٹ • ملتان

ربع سوم دفتر سوم

قال اللہ تعالیٰ کما ارسلنا فیکم رسولاً منکم یتلوا علیکم اٰیٰتنا ویزکیکم ویعلمکم الکتٰب والحکمۃ ویعلمکم ما لم تکونوا تعلمون

چوں در کریمہ صدر قولہ یتلوا ویعلمکم الکتٰب بر فضل علم نظم و معنی و قولہ یزکیکم بر شرف علم کلام و عقائد و علم سلوک و قولہ والحکمۃ بر مزیت علم اسرار و علم اصول واں با وضح بیان ست و از آں جز و بودن تصوف کہ مشتمل بر سلوک و اسرار ست از علم دین نیک عیاں ست و باتفاق اہل مذاق مثنوی را در کتب این فن خاص شان ست لاکن از اغلاقش محتاج تبیان ست + بناء علیہ این شرح اردو کہ معنونش را

کلید مثنوی

عنوان ست و این ربع ثالث از دفتر ثالث ازان ست (بالفاظ و عبارت مولوی شبیر علی و مولوی حبیب احمد سلمہما اللہ کہ ہر یکے از ایشان برائے صاحب معانی یعنی حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب دام ظلہم بمنزلہ لسان و ترجمان ست) در وے اصل متن را چنان حل کردہ کہ غایت امکان ست و مسائل را بطورے تقریر نمودہ کہ ہم موافق تحقیق اہل اتقان و ہم مطابق حدیث و قرآن ست و اشکالات و اغلاط را بطرزے دور ساختہ کہ مورث اطمینان و امان ست و جا بجا ملفوظات سیدنا الحاج محمد امداد اللہ کہ مطرآن و منشط اذہان ست ہم در ویش سپردہ

حسب فرمائش

محمد شبیر علی مالک اشرف المطابع تھانہ بھون ضلع مظفر نگر طبع شد

حامداً و مصلیاً و مسلماً

الربع الثالث من کلید المثنوی شرح الدفتر الثانی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شرح حبیبی

رنجانیدن امیرے آن خفتہ را کہ مار در دہانش رفتہ بود

عاقلے بر اسپ مے آمد سوار — در دہانِ خفتہ مے رفت مار

آن سوار آنرا بدید و مے شتافت — تا رماند خفتہ را فرصت نیافت

چونکہ از عقلش فراوان بُد مدد — چند دبوسے قوی بر خفتہ زد

خفتہ از خواب گران چون بر جہید — یک سوار ترک با دبوس دید

بے محابا ترک دبوس گران — چونکہ افزون کوفت او را شد دوان

خفتہ زان زخم گران بر جست زود — گشت حیران گفت آیا این چہ سود

برد او را زخم آن دبوس سخت — زو گریزان تا بزیر یک درخت

سیب پوسیدہ بسے بُد ریختہ — گفت این خور اے بدرد آمیختہ

سیب چندان مر ورا در خورد داد — کز دہانش باز بیرون مے فتاد

بانگ مے زد کاے امیر آخر چرا — قصد من کردی تو نادیدہ جفا

گر ترا ز اصلست با جانم ستیز — تیغ زن یکبارگی خونم بریز

شوم ساعت کہ شدم بر تو پدید — اے خنک آنرا کہ روئے تو ندید

بے جنایت بے گنہ بے بیش و کم — ملحدان جائز ندارند این ستم

مے جہد خون از دہانم با سخن — اے خدا آخر مکافاتش تو کن

ہر زمان مے گفت او نفرین تو — اوش میزد کاندرین صحرا بدو

زخم دبوس و سوار همچو باد   سه دوید و باز بر رومی فتاد
ممتلی و خوابناک و سست بُد   بر سر و پایش هزاران زخم شد
تا شبانگه می‌کشید و می‌کشاد   تا ز صفرا قی شدن بر وی فتاد
زو بر آمد خوردها زشت و نکو   مار با آن خورده بیرون جست ازو
چون بدید از خود برون آن مار را   سجده آورد آن نکوکردار را
سهم آن مار سیاه زشت زفت   چون بدید آن دردها از وی برفت
گفت تو خود جبرئیل رحمتی   یا خداوندی که ولی نعمتی
ای مبارک ساعتی که دیدیم   مرده بودم جان تو بخشیدیم
تو مرا جویان مثال مادران   من گریزان از تو مانند خران
خر گریزد از خداوند از خری   صاحبش در پی ز نیکو اختری
از پی سود و زیان میجویدش   لیک تا گرگش ندرد یا ددش
ای خنک آنرا که بیند روی تو   یا در افتد ناگهان در کوی تو
ای روان پاک بستوده ترا   چند گفتم ژاژ و بیهوده ترا
ای خداوند و شهنشاه و امیر   من نگفتم جهل من گفت آن مگیر
شمهٔ زین حال اگر دانستمی   گفتن بیهوده کی تانستمی
بس ثنایت گفتمی ای خوشخصال   گر مرا یک رمز می‌گفتی ز حال
لیک خامش کرده می‌آشوفتی   خامشانه بر سرم می‌کوفتی
شد سرم کالیوه عقل از سر بجست   خاصه این سر را که مغزش کمترست
عفو کن ای خوبروی خوب کار   آنچه گفتم از جنون اندر گذار
گفت اگر من گفتمی رمزی ازان   زهرهٔ تو آب گشتی در زمان
گر ترا من گفتمی اوصاف مار   ترس از جانت بر آوردی دمار
مصطفی فرمود اگر گویم براست   شرح آن دشمن که در جان شماست
زهرهای پُر دلان بر هم درد   نی رود ره نی غم کاری خورد
نی دلش را تاب ماند در نیاز   نی تنش را قوت صوم و نماز
همچو موشی پیش گربه لا شود   همچو بره پیش گرگ از جا رود
اندرو نی حیله ماند نی روش   پس کنم ناگفته‌تان من پرورش
همچو بوبکر ربابی تن زنم   دست چون داود در آهن زنم
تا محال از دست من حالی شود   مرغ پر بر کنده را بالی شود
چون یدالله فوق ایدیهم بود   دست ما را دست خود فرمود احد

پس مرا دست دراز آمد یقین	بر گذشته ز آسمان هفتمین
دست من بنمود بر گردون هنر	مقریا برخوان که انشق القمر
این صفت هم بهر ضعف عقلهاست	با ضعیفان شرح قدرت کے رواست
خود بدانے چون برآری سر ز خواب	ختم شد والله اعلم بالصواب
گر ترا من گفتمے این ماجرا	آندم از تو جان تو گشتے جدا
مر ترا نے قوت خوردن بُدے	نے ره و پرواے قے کردن بُدے
مے شنیدم فحش و خر مے راندم	رب یسر زیر لب میخواندم
از سبب گفتن مرا دستور نے	ترک تو گفتن مرا مقدور نے
هر زمان مے گفتم از درد درون	اهد قومے انهم لا یعلمون
سجدها مے کرد آن رسته ز رنج	کاے سعادت وے مرا اقبال گنج
از خدا یابے جزاهاے شریف	قوت شکرت ندارد این ضعیف
شکر حق گوید تراے پیشوا	آن لب و چانه ندارم وان نوا
دشمنے عاقلان زینسان بود	زهر ایشان ابتهاج جان بود
دوستی ابلهان رنج [illegible]	این حکایت بشنو از بهر مثال

اوپر بیان کیا تھا کہ عاقل کی زیادتی اور اسکا ظلم (ظاہری) نادان کی مہر و وفا (ظاہری) سے بہتر ہے لہذا اولاً عاقل کی زیادتی کا سودمند اور بہتر ہونا مثال سے ظاہر کرتے ہین اُسکے بعد نادان کی مہر و وفا کا مضر ہونا واقعہ سے ثابت کرینگے چنانچہ فرماتے ہین۔ ایک عقلمند گھوڑے پر سوار آرہا تھا اور ایک سوتے ہوئے شخص کے منھ مین سانپ گھُس رہا تھا۔ اُس سوار نے یہ واقعہ دیکھا اور اُس شخص کو بچانے کے لیے دوڑا مگر اتنا وقت نہ ملا اور سانپ اندر گھس گیا۔ چونکہ حق تعالیٰ نے عقل سے اُسکی کافی مدد فرمائی تھی یعنی عقل اُسکو بہت دی تھی اس لیے اُس نے اُس کے بچانے کی یہ تدبیر کی کہ چند سونٹے زور زور سے اُسکے مارے وہ سونیوالا چوٹ کے صدمہ سے اُس گہری نیند سے جاگ اُٹھا دیکھا کہ ایک ترکی سوار ہاتھ مین سونٹا لیے ہوئے مار رہا ہے۔ جب اُس سوار نے وہ زبردست سونٹا زیادہ بجایا تو یہ بھاگا۔ ضرب شدید کے سبب خوب تیز دوڑنا شروع کیا وہ اس واقعہ سے حیران تھا اور دلمین کہتا تھا ارے یہ کیا قصہ ہے یہ مجھے کیون مارتا ہے۔ غرض کہ وہ اس ڈنڈے سے پٹتا ہوا ایک درخت کے نیچے پہونچا جہان گلے سڑے سیب بہت سے پڑے ہوے تھے اسنے کہا کہ انکو کھا۔ اِس غریب نے مجبوراً کھانے شروع کیئے۔ اُس سوار نے اتنے سیب کھلائے کہ گنجایش نہ ہونے کے سبب منھ سے باہر نکلنے لگے۔ لیکن وہ اب بھی یہی کہے جاتا تھا کہ اور کھا۔ آخر اُسنے دق ہوکر یہ کہا کہ اے امیر آخر یہ تو بتا کہ تو بے قصور میری جان کے پیچھے کیون پڑا ہے۔ اگر سرے سے میری جان ہی سے تجھے دشمنی ہے تو ایک دفعہ ہی تلوار مار کر مجھے مار ڈال سِسکا سِسکا کر مارنے سے کیا فائدہ۔ کیسی منحوس گھڑی تھی کہ مین تجھے نظر پڑا۔ ارے بڑا مبارک ہے وہ شخص جسنے تیری منحوس صورت نہ دیکھی۔ مارنے بے قصور بجرم

اور بلا کسی تعدی یا کوتاہی کے تو یہ ظلم کرتا ہے۔ ایسا ستم تو بے دین لوگ بھی نہین کرتے بات کہنے مین میرے منھ سے خون نکلتا ہے۔ اے خدا تو اس سے میرا انتقام لے۔ وہ ہر وقت ایک نئی تشنیع کرتا تھا لیکن وہ کچھ پرواہ نہین کرتا تھا اور مارتا تھا کہ دوڑ عجیب مصیبت تھی سونٹے کی ضربین پڑ رہی تھین سوار ہوا کی طرح دوڑ رہا تھا۔ اور اسکو دوڑا رہا تھا۔ یہ بیچارہ دوڑتا تھا اور دوڑ مین گر گر پڑتا تھا کیونکہ اسکا دل تو پیٹ بہت بھرا ہوا تھا۔ پھر نیند کا خمار موجود تھا۔ پھر کمزور بھی تھا۔ ان سب کے علاوہ سر مین پاؤن مین رہ کے بہت سے زخم ہو گئے تھے۔ وہ سوار شام تک اسکو کھینچتا رہا۔ اور جو مشکل آگے پڑتی تھی اسکو اپنے ناخن تدبیر سے حل کرتا رہا حتے کہ غلبہ صفرا سے اس کو قے ہونی شروع ہوئی اور اس سے بھلا برا غرض سارا کھایا پیا نکل گیا۔ اور اسکے ساتھ سانپ بھی نکل گیا جبکہ اسنے اندر سے سانپ کو نکلا ہوا دیکھا تو اس محسن شخص کی بیحد تعظیم کی۔ اور اس کالے اور موٹے سانپ کا خطرہ جب پیش نظر ہوا تو سب تکلیفین بھول گیا۔ اور کہا کہ آپ تو میرے حق مین فرشتۂ رحمت ہو گئے یا یون کہون کہ آپ تو میرے مالک اور خداوند نعمت ہین۔ ارے کیسی مبارک گھڑی تھی کہ مین آپکی نظر پڑ گیا۔ مین تو مر ہی چکا تھا۔ آپ نے مجھے نئے سرے سے زندگی بخشی آپکی حالت یہ تھی کہ ماں کیطرح مجھے ڈھونڈھتے تھے اور میری یہ حالت کہ مین گدھون کیطرح آپ سے بھاگتا تھا گدھا اپنی حماقت سے اپنے مالک سے بھاگتا ہے اور اپنی خوش اقبالی اور سعادت بخت کے سبب اسکا مالک اسکے درپے ہوتا ہے حالانکہ اس تلاش مین اسکو کوئی اپنا نفع ونقصان پیش نظر نہین ہوتا بلکہ مقصود یہ ہوتا ہے کہ کوئی بھیڑیا یا کوئی اور درندہ اسکو نہ کھا جاوے۔ اے بڑا مبارک ہے وہ شخص کہ آپ کی صورت دیکھے یا آپ کے کوچہ ہی مین پہونچ جاوے۔ اے مقدس اور محمود جان والے شخص مین نے آپکی شان مین بہت بیہودگی اور بکواس کی ہے۔ لیکن اے آقا اے شہنشاہ اے امیر یہ مین نے نہین کیا بلکہ میری نادانی نے کیا ہے آپ کچھ خیال نہ فرمائیے۔ اگر مجھے واقعہ کی ذرا بھی اطلاع ہو جاتی تو مین بیہودہ بکواس نہ کر سکتا۔ بلکہ جناب مین آپکی بہت تعریف کرتا اگر مجھ سے اشارۃً بھی آپ واقعہ بیان فرما دیتے۔ مگر آپ زبان سے تو کچھ فرماتے نہ تھے بلکہ چپکے چپکے پریشان کر رہے تھے اور چپکے ہی چپکے میرے سر پر ڈنڈے بجا رہے تھے۔ جس سے دماغ پریشان ہو گیا اور عقل خارج ہو گئی۔ آپ اپنے سر کو معافی دیجئے کہ اس سے جو کچھ بھی ہو جاوے کم ہے بالخصوص اس سر کو جسمین مغز پیشتر ہی سے کم ہو۔ اور مین نے جو کچھ اپنی حماقت سے کہا ہے اس سے درگذر فرمائیے۔ سوار نے جواب دیا کہ اگر مین اشارۃً بھی واقعہ بیان کر دیتا تو فوراً مارے خوف کے تیرا پتا پانی ہو جاتا۔ اور اگر مین سانپ کے حالات تجھ سے بیان کرتا تو خوف سے تیری جان نکلجاتی یہانتک پہونچ کر مولانا انتقال فرماتے ہین اور فرماتے ہین کہ یون ہی جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اگر مین اس دشمن یعنی نفس کی حالت من وعن بیان کر دون جو تمہارے اندر ہے تو تم مین جو بڑے بہادر ہین انکے بھی پتے پھٹ جائین نہ وہ رستہ چل سکین اور نہ کوئی کام کر سکین غلبۂ خوف کے سبب نہ انکو تضرع و زاری کی تاب رہے اور نہ انکے جسمون مین روزہ نماز کی قوت رہے انکی حالت ایسی ہو جائے جیسے چوہے کی بلی کے آگے اور وہ بالکل لاشے محض ہو جاوین اور یون بیخود ہو جاوین جیسے بھیڑیے کے سامنے بکری کا بچہ۔ نہ انمین تدبیر ہی رہے نہ عمل ہی بلکہ حس وحرکت سب باطل ہو جاوے۔ اس لیے مین مفصل بیان نہین کرتا۔ اور بلا بیان

سکئے ہی تمھاری پرورش کرتا ہون مین بوبکر ربابی کیطرح خاموش ورداؤد کی طرح اس لوہے کونرم کرنے مین مصروف ہون تاکہ جوبات تمھارے لحاظ سے محال ہے مین اسکو فعلیت مین لے آؤن اور تمھارے نفسون کو ماردون اسطرح تمھاری ارواح جو بے پر اور محبوس ہین اور اسلیئے عروج روحانی نہین کرسکتین انکو سامان عروج ملجاوے اور وہ عروج کرسکین۔ چونکہ واقعہ بیعت رضوان مین ید اللہ فوق ایدیھم فرمایا گیا ہے اور میرے ہاتھ کو حق سبحانہ نے مجازًا اپنا ہاتھ فرمایا ہے اس لیے میرا ہاتھ بہت بڑا ہے حتے کہ ساتوین آسمان سے بھی آگے نکل گیا ہے۔ یعنی حق سبحانہ نے میری تائید اپنی قوت سے فرمائی ہے پس جو کام کہ طاقت بشریہ سے باہر ہین انکا ظہور اس قدرت الٰہیہ کے سبب میرے ہاتھ سے ہوسکتا ہے۔ چنانچہ میرے ہاتھ نے آسمان پر اپنا کمال دکھایا۔ اے قاری اسکی تصدیق اقتربت الساعۃ وانشق القمر سے کرلے جسمین چاند کے دو ٹکڑے ہونیکی خبر دیگئی ہے۔ جسکا ظہور میرے ہاتھ سے اور میری انگلی کے اشارہ سے ہوا ہے یہ صفت تو مین نے ضعف عقول کے سبب بیان کی ہے ورنہ اسمین تو بے انتہا قوت ہے جسکی تفصیل مین نہین کرنا چاہتا۔ کیونکہ قدرت الٰہیہ کی تشریح ضعیف العقل لوگونکے سامنے جائز نہین اس لیے کہ انکے فتنہ مین پڑجانیکا اندیشہ ہے۔ جب تم نیند سے بیدار ہوگے اور حقیقت حال سے واقف ہوگے خواہ دنیا مین یا عقبےٰ مین اسوقت تمکو خود معلوم ہوجائیگا۔ یہان تک جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ختم ہوا واللہ اعلم۔ یہ روایت سند صحیح سے ثابت ہے یا نہین مینے بنا بر صحت مضمون نقل کردیا ہے۔ اب مولانا پھر واقعۂ سوار کی طرف عود کرتے ہین اور کہتے ہین کہ سوار نے کہا کہ اگر مین تجھسے واقعہ بیان کردیتا تو فورًا تیری روح پرواز کرجاتی۔ نہ تو کھا سکتا نہ تیرے سینے سے قے کرنیکا کوئی ذریعہ یا خیال ہوتا۔ مین تیرا برا بھلا سنتا جاتا تھا اور اپنے کام مین مشغول تھا۔ اور حق سبحانہ سے چپکے چپکے دعا کرتا تھا کہ اے اللہ اس کام کو آسان کردے۔ نہ تو مجھے عقل کی اجازت تھی کہ تجھسے سبب بیان کرون۔ اور نہ غایت شفقت کے باعث مجھ سے یہی ہوسکتا تھا کہ تجھے تیری حالت پر چھوڑدون مجبورًا گالیان سنتا تھا اور دردِ دل سے کہتا تھا کہ اے اللہ اسے ہدایت کر یہ جانتا نہین۔ غرض اسنے اس مصیبت سے چھوٹ کر اسکی بیحد تعظیم کی۔ پاؤن پر گر پڑا۔ اور یہ کہا کہ اے میرے سعادت کے باعث اور اے میری خوشحالی اور دولت کے سبب مین تیرا شکر کرنیکی قدرت نہین رکھتا پس خدا سے دعا کرتا ہون کہ وہ تجھے اسکی بہتر جزا دے میرے جبڑے میرے ہونٹ میری آواز مین طاقت نہین کہ تیرا شکر کرسکے۔ بس مین تو یہ کہتا ہون کہ خدا تجھے اسکی جزا دے۔ اب تمکو معلوم ہوا کہ عاقلون کی دشمنی ایسی ہوتی ہے جیسے اس سوار کی وہ اگر زہر بھی دین تو وہ بھی انبساط روح کا سبب ہوتا ہے اور نادانون کی دوستی سراپا رنج اور بے راہ روی ہوتی ہے۔ اسکی مثال کے لیے یہ حکایت سُن۔

شرح شبیری

ایک امیر کا اُس سونے والے کو مارنا جس کے مُنھ مین کہ سانپ چلا گیا تھا

عاقلے الخ۔ یعنی ایک عاقل گھوڑے پر سوار آرہا تھا اور ایک سونے والے کے منھ مین سانپ گھس رہا تھا۔
آن سوار الخ۔ یعنی اُس سوار نے اُسکو (دور سے) دیکھا اور دوڑا تاکہ اُس سونے والے کو چھڑاوے مگر مہلت نہ پائی (اور وہ سانپ منھ مین گھس ہی گیا)
چونکہ الخ۔ یعنی چونکہ اُسکو عقل سے زیادہ مدد تھی (یعنی بہت عاقل تھا) تو چند گرز زور سے سونے والے کے مارے دبوس سے مراد کوڑا ہے۔
خفتہ الخ۔ یعنی جب سونے والا خواب گران سے اُٹھا تو ایک سوار ترک مع کوڑے کے دیکھا۔
بیحا با الخ۔ یعنی جب کہ ترک نے بے دھڑک زیادہ بھاری کوڑے مارے تو یہ شخص دوڑنے لگا یعنی بیچارہ بھاگا۔
برد الخ۔ یعنی اُسکو اُس سخت کوڑے کا زخم ایک درخت کے نیچے تک لے گیا اور وہ اُس سے بھاگ رہا تھا مطلب یہ کہ وہ حضرت اُسکو پیٹ رہے تھے اور یہ بیچارا بھاگ رہا تھا یہانتک کہ ایک درخت کے نیچے پہونچے۔
سیب پوسیدہ الخ۔ یعنی وہان بہت سے سڑے ہوئے سیب پڑے تھے تو اُس سوار نے کہا کہ اے دردمند ان مین سے کھا۔
سیب چندان الخ۔ یعنی اُس آدمی کو اسقدر سیب کھلائے کہ اُسکے منھ سے باہر گرنے لگے۔
بانگ میزد الخ۔ یعنی وہ چلّا رہا تھا کہ اے امیر آخر تو نے کیون میرے ستانے کا قصد کیا ہی مین نے تیرا کیا کیا ہی۔
گر ترا ز الخ۔ یعنی اگر تجھکو میرے ساتھ کوئی فطرتی دشمنی ہی ہی تو ایک دفعہ تلوار مار کر میرا خون گرادو۔
شوم ساعت الخ۔ یعنی بڑی منحوس گھڑی تھی جب کہ مین تجھپر ظاہر ہوا تھا۔ اور جس نے تیرا منھ نہین دیکھا وہ بڑا خوش نصیب ہے۔
بے خیانت الخ۔ یعنی بے خیانت کیے اور بے گناہ اور بغیر کسی کمی بیشی کے (تو جب مجھے ستایا ہی تو) ایسا ستم تو ملحد بھی روا نہین رکھتے۔
میجہد خون الخ۔ یعنی بات کے ساتھ میرے منھ سے خون گر رہا ہی اے خدا تو ہی اِس سے بدلا لینا۔
ہر زمان الخ۔ یعنی وہ تو ہر گھڑی نئی نفرین کہہ رہا تھا اور وہ سوار اُسکو مارتا تھا (اور کہتا تھا کہ) اِس جنگل مین دوڑ۔
زخم دبوس۔ الخ یعنی چابک کا زخم اور ایک سوار ہوا کی طرح (پیچھے تھا) تو یہ شخص دوڑتا اور پھر منھ کے بل گرتا تھا
ممتلی۔ الخ۔ یعنی (سیبون سے) بھرا ہوا اور نیند مین اور سست تھا اور اُس کے سر پر اور پاؤن پر ہزارون زخم ہوگئے تھے۔
تا شبانگہ۔ الخ۔ یعنی رات تک یہی کھینچا تانی کرتا رہا یہانتک کہ صفرا کی وجہ سے اُسکو قے ہونا شروع ہوئی۔
زو بر آمد۔ الخ۔ یعنی اُس کے اندر سے بُرا بھلا کھایا ہوا نکلنا شروع ہوا تو اُس کھانے کے ساتھ اُسمین سے سانپ بھی نکلا۔
چون بدید۔ الخ۔ یعنی جب کہ اُس سانپ کو اپنے سے باہر دیکھا تو اُس نکوکار کے تعظیم کے لیے جھک گیا اور بہت ہی ممنون ہوا۔
سہم آن۔ الخ۔ یعنی اُس بڑے اور بُرے سیاہ سانپ کا خوف جب اُسنے دیکھا تو ساری تکالیف

(کوڑون وغیرہ کی) اُس سے جاتی رہین -

گفت تو الخ - یعنی کہنے لگا کہ تو تو جبرئیل رحمت ہے یا آقا اور ولی نعمت ہے -

اے مبارک الخ - یعنی مبارک گھڑی تھی وہ کہ تو نے مجھے دیکھا تھا اور مین تو مردہ تھا تو نے مجھے جان بخشی ہے -

تو مرا - الخ - یعنی تو تب مجھے مان کی طرح ڈھونڈھ رہا تھا اور مین تجھ سے گدھون کی طرح بھاگ رہا تھا -

خر گریزد الخ - یعنی گدھا تو آقا سے گدھے پن سے بھاگتا ہے اور اُسکا آقا نیک خصلتی کی وجہ سے اُس کے پیچھے پھرتا ہے -

نے پئے الخ - یعنی اپنے کسی نفع کے واسطے اُسکو نہین ڈھونڈھتا بلکہ تاکہ اُسکو بھیڑیا یا درندہ پھاڑ نہ ڈالے -

اے خنک - الخ - یعنی خوش نصیب ہے وہ کہ تیرا منھ دیکھ لے یا ناگہان تیرے کوچہ ہی مین آجاوے -

اے روان الخ - یعنی اے جان پاک محمود تجھے کسقدر بیہودہ اور فضول باتین کہی ہین -

اے خداوند - الخ - یعنی اے آقا اور شہنشاہ اور امیر یہ سب مین نے نہین کہا بلکہ میرے جہل نے کہا آپ اُسکی گرفت نہ کیجئے -

شمۂ زین - الخ - یعنی اگر اس حال مین سے مین تھوڑا سا بھی جان لیتا تو مین بیہودہ باتین ہرگز نہ کہہ سکتا -

پس ثنایت - الخ - یعنی اے خوشخصال مین آپ کا بہت ہی مشکور ہوتا اگر اُس راز مین سے آپ ایک بات مجھے بتا دیتے -

لیک خامش - الخ - یعنی لیکن آپ تو چپ ہی چپ خفا ہو رہے تھے اور خاموش ہی مجھے پیٹ رہے تھے اسلیے مجھے کیا خبر کہ اسمین آپ کو یہ مصلحت مدنظر ہے -

شد سرم - الخ - یعنی میرا سر سرگشتہ ہوگیا اور عقل سر سے نکل گئی خاص کر یہ سر جسمین کہ مغز بھی کم ہے -

عفو کن - الخ - یعنی اے خوبرو اور اے اچھے کام والے تو معاف کردے مین نے جو کچھ کہا وہ جنون کی وجہ سے تھا - اُس سے درگذر غرضکہ جب یہ خوب معافی مانگ چکا اور بہت ہی شرمندہ ہوا تو اُس مشفق سوار نے جواب دیا کہ -

گفت اگر من - الخ - یعنی اُس سوار نے کہا کہ اگر مین اُسمین سے ایک راز بھی تجھسے کہدیتا تو تیرا (خوف کی وجہ سے) پتہ پانی ہوجاتا یعنی اگر تجھے معلوم ہوجاتا کہ میرے اندر سانپ ہے تو فوراً ہول کے مارے مرجاتا -

گر ترا - الخ - یعنی مین اگر تجھ سے سانپ کی حالت بیان کردیتا تو خوف تیری جان مین سے دماغ نکال لیتا یعنی خوف کے مارے فوراً مین ہوجاتے - تو چونکہ وہ سوار نیکدل تھا اور محقق تھا اس لیے اُسکو اس شخص پر شفقت آئی اور اُسنے اسکی حالت کو ظاہر نہین کیا کیونکہ اُسکو معلوم تھا کہ اگر اسکو ذرا بھی علم ہوجاوے تو جان کھو دیگا - اور اُسکی جان جاتی رہیگی اس لیئے اُسنے بے اُسکو اطلاع کیے ہوے اُسکی تدبیر شروع کردی جس سے کہ وہ سانپ نکل گیا اور یہ بچ گیا اب آگے مولانا اسکی تائید مین ایک حدیث لاتے ہین جسکا خلاصہ یہ ہے کہ حضور مقبول صلے اللہ علیہ وسلم صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو خطاب فرما کر فرماتے ہین کہ اگر مین اُن حالتونکی جو کہ تمھارے اندر ہین اور وہ خصائل رذیلہ جو باطن مین بھرے ہوے ہین تم لوگون سے کہون تو تم پر اسقدر خوف حق غالب ہو

اور نہ کھا سکو اور نہ پی سکو نہ ہنس سکو نہ بول سکو غرضکہ بالکل دنیا سے بے تعلق ہوجاؤ اور تھوڑے ہی دنوں میں جان کھو بیٹھو اسلیے میں تمکو بتاتا نہیں ہوں۔ بلکہ اُنکا علاج شروع کردیتا ہوں اس لیے کہ مقصود تو اُنکا ازالہ ہے نہ اُنکا علم تو اگر صحابہ کو علم ہوجاتا اور اُسوقت اسقدر خوف مسلط ہوجاتا تو پھر تو وہ اس قابل بھی نہ رہتے کہ اُنکو زائل ہی کرسکیں تو اسیطرح اس سوار نے اُسکو بتلایا نہیں بلکہ علاج شروع کردیا۔ اب سمجھو کہ فرماتے ہیں کہ۔

مصطفےٰ فرمود الخ۔ یعنی مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اگر میں ٹھیک اُس دشمن کی شرح کردوں جو کہ تمھاری جان میں ہے یعنی اگر اُن خصائل و اخلاق ذمیمہ کو جو باطن میں بھر رہے ہیں اُنکو ظاہر کردوں اور جو اُن پر وعیدیں اور عذاب ہیں وہ معلوم ہی ہیں تو۔

زہرہا۔ الخ۔ یعنی بڑے قوی دل والوں کے پتے پھٹ جاویں اور نہ وہ راہ چل سکیں اور نہ کسی کام کا فکر کرسکیں یعنی بالکل ہی مجبور ہوجاویں اور اُنسے کچھ ہو ہی نہ سکے۔

نے دلش۔ الخ۔ یعنی نہ اُسکے دل کو نیاز کی تاب رہے اور نہ اُسکے بدن میں روزہ نماز کرنیکی قوت رہے۔

ہمچو موشے الخ۔ یعنی وہ چوہے کی طرح (ہوجاوے) کہ وہ بلی کے سامنے فنا ہوجاتا ہے یا بکری کے بچہ کی طرح کہ بھیڑیے کے سامنے اپنی جگہ پر (قائم) نہیں رہتا۔

اندرو نے الخ۔ یعنی اُسکے اندر نہ حیلہ رہے اور نہ روش رہے۔ پس میں بے کہے ہوے تمھاری پرورش کررہا ہوں مطلب یہ کہ اگر معلوم ہوجاوے تو اُس قوی دل کی بھی یہ حالت ہوجاوے۔ لہذا میں تمھے کہتا نہیں بلکہ اصلاح کی تدابیر کرتا ہوں کہ جس سے مرض زائل ہوجاوے۔ اور معلوم بھی نہ ہو۔ آگے مولانا بزبان حضور مقبول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ۔

ہمچو بوبکر الخ۔ یعنی مانند بوبکر ربابی کے میں خاموش رہتا ہوں اور داؤد علیہ السلام کی طرح لوہے میں ہاتھ مارتا ہوں مطلب یہ کہ جسطرح بوبکر ربابی جو کہ ایک بزرگ ہیں اور سالہا سال تک خاموش رہے ہیں اسی طرح رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم بھی خاموش ہی رہتے تھے لیکن تدابیر ازالہ رذائل کی فکر ہمیشہ فرماتے تھے۔ آگے پھر حضرت ہی مقولہ فرماتے ہیں کہ۔

تا محال الخ۔ یعنی تاکہ محال بات میرے ہاتھ سے حال (واقع) ہوجاوے۔ اور بال اُکھڑے ہوے جانور کے پر نکل آویں یعنی اس خاموشی اور تدبیریں لگے رہنے کا یہ فائدہ ہے کہ جن اخلاق کا ازالہ محال ہے وہ بھی زائل ہوجاوینگے۔

چون ید اللہ۔ الخ۔ یعنی جبکہ حق تعالیٰ کا ہاتھ اُنکے ہاتھوں کے اوپر ہے اور ہمارے ہاتھ کو حق تعالیٰ نے اپنا ہاتھ فرمایا ہے۔

پس مرا دست۔ الخ۔ یعنی پس میرا ہاتھ یقیناً (تصرف میں) دراز ہوگیا۔ اور ساتوین آسمان سے بھی گذر گیا۔

دست من الخ۔ یعنی میرے ہاتھ نے آسمان پر ہنر دکھلایا اور اے قاری انشق القمر کو پڑھ تو سب تجھے معلوم ہوجاویگا۔ کہ آسمان پر بھی تصرف ہے آگے مولانا فرماتے ہیں کہ۔

این صفت الخ۔ یعنی یہ صفت بھی عقول کے ضعف کی وجہ سے ہے اور ضعیفوں سے قدرت کی شرح کب جائز ہے

مطلب یہ کہ حق تعالیٰ تو اِن ممکنات اور افعال سے پاک ہیں لیکن جب عقول ضعیف ہیں تو ایسی طرح سمجھا جاویگا اور کیا صورت ہوسکتی ہے ورنہ تعالیٰ اللہ عن ذالک علواً کبیرا۔

خود بدانی۔ الخ۔ یعنی جب تم نیند سے جاگوگے تو خود جان لوگے (اور ان مثالوں کی ضرورت ہی نہ ہوگی) اور یہ حدیث ختم ہوگئی واللہ اعلم بالصواب۔ مطلب یہ کہ جب قیامت میں اُٹھوگے تو اُسوقت حقائق و معارف سب کھل جاوینگے۔ اس حدیث کو مولانا نے روایت بالمعنی کیا ہے اور اِسکی شرح اور بیان مطلب کے طور پر کہیں کہیں خود بھی مثال وغیرہ دیدی ہیں آگے پھر اُس سوار کا مقولہ بیان فرماتے ہیں کہ۔

گر ترا۔ الخ۔ یعنی اگر میں تجھ سے یہ قصہ (سانپ کے اندر چلے جانیکا) کہدیتا تو تیری جان تجھ سے جدا ہو جاتی۔

مر ترا۔ الخ۔ یعنی نہ تجھے کھانے کی قوت رہتی اور نہ قے کرنے کی طاقت اور سبیل ہوتی۔ مطلب یہ کہ تو نے جو یہ سیب کھا کر قے کی ہے اگر تجھے معلوم ہو جاتا تو تجھ سے ہرگز نہ ہوسکتا۔

می شنیدم۔ الخ۔ یعنی میں فحش سن رہا تھا اور گدھے کو ہانک رہا تھا اور زیرلب رب یسّر پڑھ رہا تھا۔ مطلب یہ کہ تیری باتوں کو سُن رہا تھا اور دعا کر رہا تھا کہ اے اللہ اسکی مشکل آسان کر۔

از سبب۔ الخ۔ یعنی سبب بیان کرنیکی عادت نہیں ہے اور تیرے چھوڑنے کی بھی قدرت نہیں۔ مطلب یہ کہ چونکہ مجھے تم پر شفقت تھی اس لیے نہ تو تم کو چھوڑ ہی سکتا تھا کہ مرنے دوں اور نہ یہ ہوسکتا تھا کہ تمکو حال سے آگاہ کردوں کہ وہ بھی مضر تھا اس لیے یہ طریقہ اختیار کیا تھا۔

ہر زمان۔ الخ۔ یعنی ہر وقت دردِ دل کی وجہ سے کہہ رہا تھا کہ اے اللہ میری قوم کو ہدایت دے کہ وہ مجھے جانتے نہیں ہیں۔ مطلب یہ کہ میں اس کہنے میں تیری خطا نہ سمجھتا تھا بلکہ تجھے معذور سمجھکر دعا کرتا تھا کہ اے اللہ اسکی آنکھ کھولدے کہ یہ مجھے دیکھ لے اور مجھے پہچان لے اب تک اِسکو میرے مشفق ہونیکی خبر نہیں ہے چونکہ حضرات انبیاء علیہم السلام بیحد شفیق اپنی اُمت پر ہوتے تھے اِسلیے حضور مقبول صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ اللھم اہد قومی فانہم لایعلمون جب اُسنے یہ اُسکی شفقت دیکھی تو اُسکی یہ حالت ہوئی کہ۔

سجدہا۔ الخ۔ یعنی وہ تکلیف سے چھوٹا ہوا سجدہ کر رہا تھا اور کہہ رہا تھا کہ اے سعادت اور میرے اقبال اور خزانہ۔ مطلب یہ کہ سجدہ تعظیم و تکریم اور شکریہ بجا لایا۔

از خدا۔ الخ۔ یعنی تو اِسکی جزا اور شریعت حق سے پاوے اِسلیے کہ یہ ضعیف (یعنی میں) تیرے شکر کی طاقت نہیں رکھتا۔ پس تجھکو حق تعالیٰ ہی جزائے خیر دے۔

شکر حق۔ الخ۔ یعنی (بس میری جانب سے) حق تعالیٰ ہی تیرا شکر کریں (یعنی بدلہ دیں) میں تو وہ لب اور جبڑا نہیں رکھتا اور نہ وہ بخشش (کہ جس سے تیرا شکریہ ادا کروں) آگے مولانا فرماتے ہیں کہ۔

دشمنی۔ الخ۔ یعنی عاقلوں کی دشمنی اِسطرح ہوتی ہے اور اُنکا زہر بھی جان کےلیے باعث تازگی ہوتا ہے۔ مطلب یہ کہ اُنکی ظاہری ایذا دہی اور تکالیف جو کہ اصل میں کسی مصلحت پر مبنی ہوتی ہیں انجام کار عمدہ اور بارآور ہوتی ہیں جیسا کہ اُس سوار کی زدوکوب اور سختی نے انجام کار اُس شخص کی جان بچادی ورنہ وہ ضرور مر جاتا۔ یہی حال اولیاء اللہ کا ہوتا ہے کہ اُنکی بعض باتیں جو کہ بظاہر سخت اور ترش معلوم ہوتی ہیں فی الحقیقت وفی الواقع نافع محض ہوتی ہیں

لہذا اگر شیخ کی طرف سے کوئی ناگواری بھی پیش آوے تو اسکو صبر و تحمل کے ساتھ برداشت کرنا ضروری ہے چونکہ مولانا نے اوپر فرمایا تھا کہ آگے ہم دو حکایتیں لاتے ہیں ایک تو عاقل کی دشمنی کی بہتری پر اور دوسری نادان کی دوستی کے ضرر پر۔ یہاں تک تو عاقل کی دشمنی کا بھی نافع ہونا بتادیا آگے دوسری حکایت لاتے ہیں فرماتے ہیں کہ۔

دوستی الخ۔ بیوقوف کی دوستی بھی رنج وگمراہی ہوتی ہے تو اس حکایت (ذیل) کو مثال کے واسطے سن۔ آگے حکایت فرماتے ہیں جسکو بہت سے انتقالات کے بعد پورا فرمایا ہے اسکا خلاصہ یہ ہے کہ ایک شخص نے ایک ریچھ کو اژدہا کے منھ سے چھڑایا اور اسکو پال لیا اور خدمت یہ سکھلائی کہ سوتے وقت مکھیاں ہٹایا کرے۔ ایک روز ایک مکھی بار بار آکر بیٹھی۔ تو اسنے اسکو اڑایا لیکن وہ پھر بیٹھ جاتی تھی اس ریچھ کو غصہ آگیا آخر کو حیوان تھا ایک پتھر لایا اور جب وہ مکھی پھر آئی تو اس مکھی کے کھینچکر مارا وہ مکھی تو مری ہو یا نہ مری ہو لیکن وہ آقا صاحب ختم ہوگئے تو دیکھو حالانکہ وہ دوستی کرتا تھا اور خدمت کرتا تھا لیکن چونکہ نادان تھا اس لیے انجام کار اس سے مضرت ہوئی۔ اب سمجھو فرماتے ہیں کہ۔

شرح حبیبی

حکایت آن مرد ابلہ کہ مغرور بود در تملق خرس

اژدہائے خرس را در می کشید	شیر مردے رفت و فریادش رسید

ایک اژدہا اپنی نظر سے یا اپنی سانس سے ایک ریچھ کو کھینچ رہا تھا یہ حالت دیکھکر ایک شیر مرد گیا اور اسکی فریاد کو پہونچا۔ یعنی اژدہے سے اسکو چھڑایا۔ اس شعر میں چونکہ ایک شیر مرد کی غمخواری کا ذکر ہے اسی مناسبت سے آگے مولانا اپنے مقصد کی طرف انتقال فرماتے ہیں۔

شرح شبیری

اس بیوقوف آدمی کی حکایت کہ ریچھ کی خوشامد میں مغرور ہو رہا تھا

اژدہائے۔ الخ۔ یعنی ایک اژدہا ایک ریچھ کو (سانس وغیرہ کے ذریعہ سے) کھینچ رہا تھا تو ایک شیر مرد گیا اور اسکی فریاد کو پہونچا یعنی اسکو اس اژدہا سے چھڑایا آگے مولانا انتقال فرماتے ہیں کہ۔

شرح حبیبی

شیر مردانند در عالم مدد	آن زمان کافغان مظلومان رسد
بانگ مظلومان زہر جا بشنوند	آن طرف چون رحمت حق میدوند

آن ستونهای خللهای جهان
آن طبیبان مرضهای نهان

محض مهر و داوری و رحمت اند
همچو حق بعلت و بی رشوت اند

اینچه یاری میکنی یکبارگیش
گوید از بهر غم و بیچارگیش

مهربانی شد شکار شیر مرد
در جهان دارو بجوید غیر درد

هر کجا دردی دوا آنجا رود
هر کجا فقری نوا آنجا رود

هر کجا پستیست آب آنجا رود
هر کجا مشکل جواب آنجا رود

آب کم جو تشنگی آور بدست
تا بجوشد آب از بالا و پست

تا سقاهم ربهم آید خطاب
تشنه باش الله اعلم بالصواب

آب رحمت بایدت رو پست شو
وانگهان خور خمر رحمت مست شو

رحمت اندر رحمت آید تا بسر
هر یکی رحمت فرو ما ای پسر

چرخ را در زیر پا آر ای شجاع
بشنو از فوق فلک بانگ سماع

پنبهٔ وسواس بیرون کن ز گوش
تا بگوشت آید آن بانگ خروش

پاک کن دو چشم را از موی عیب
تا ببینی باغ و سروستان غیب

دفع کن از مغز و از بینی زکام
تا که ریح الله آید در مشام

هیچ مگذار از تپ صفرا اثر
تا بیابی از جهان طعم شکر

داروی مردی کن و عنین مپو
تا برون آیند صدگون خوبرو

کندهٔ تن را ز پای جان بکن
تا کند جولان بپای این چمن

غل بخل از دست و گردن دور کن — بخت نو دریاب از چرخ کهن

ور نمی‌تانی بکعبهٔ لطف پر — عرضه کن بیچارگی بر چاره گر

زاری و گریه قوی سرمایه ایست — رحمت کلی قوی تر دایه ایست

دایه و مادر بهانه جو بود — تا که کے آن طفل گریان می‌شود

طفل حاجات شما را آفرید — تا بنالید و شود شیرش مزید

گفت ادعوا الله بے زاری مباش — تا بجوشد شیرہاے مهرہاش

ہاو ہوئے باد و شیر افشان ابر — در غم مایند یک ساعت تو صبر

فی السماء رزقکم بشنیدهٔ — اندرین پستی چه بر چفسیدهٔ

ترس و نومیدیت دان آواز غول — می کشد گوش تو تا قعر سفول

هر ندائے که ترا بالا کشید — آن ندائے دان که از بالا رسید

هر ندائے که ترا حرص آورد — بانگ گرگے دان که او مردم درد

این بلندی نیست از روئے مکان — این بلندیهاست سوئے عقل و جان

هر سبب بالاتر آمد از اثر — سنگ و آهن فائق آمد بر شرر

آن فلانے فوق آن سرکش نشست — گرچه در صورت به پهلویش نشست

فوقی آنجاست از روئے شرف — جائے دور از صدر باشد مستخف

سنگ و آہن زین جہت کہ سابق است	در عمل فوقِ این دو لائق است
وان شرار از روئے مقصودی خویش	ز آہن و سنگ ست زین رو پیش پیش
سنگ و آہن اوّل و پایان شرر	لیک این ہر دو تن اند و جان شرر
کان شرر کاندر زمان واپس ست	در صفت از سنگ و آہن برترست
در زمان شاخ از ثمر سابق ترست	در ہنر از شاخ او فائق ترست
چونکہ مقصود از شجر آمد ثمر	پس ثمر اوّل بود آخر شجر
سوئے خرس و اژدہا گردیم باز	زانکہ طولے دارد اضمار و مجاز

جس طرح اس بہادر نے ریچھ کی مدد کی تھی یون ہی اُن شیر مردان (اہل اللہ) کا شیوہ ہو کہ جب ان کو مظلومونکی آہ وزاری پر اطلاع ہوتی ہو تو یہ اُسکے مددگار و معاون بن جاتے ہین۔ اور جس طرف سے مظلومون کی چیخ پکار سنتے ہین رحمت حق کی طرح بلا توقع نفع اُسی طرف مدد کے لیے دوڑتے ہین۔ اِنکی مدد کچھ کسی خاص قسم کے ضرر کے ساتھ مخصوص نہین بلکہ یہ لوگ مانع ضرر عالم جسمانی بھی ہین کہ اپنی برکت سے یا اپنی دعا سے یا کسی اور صورت سے عالم یا اجزاء عالم کو حتی الامکان اختلال سے روکتے ہین۔ چنانچہ انکی برکت سے بقاء عالم تو احادیث سے ثابت ہے اور اجزاء عالم کی امداد دعا سے اور تدابیر سے مشاہد ہے اور امراض نہانی روحانی کے لیے بھی طبیب ہین۔ چنانچہ یہ بھی مشاہد ہے یہ لوگ سراپا محبت۔ عدل۔ اور رحمت ہین حق سبحانہ کی طرح انکی امداد بھی نفع ذاتی اور رشوت پر مبنی نہین جب وہ کسیکی اعانت کرتے ہین اور کوئی کہتا ہے کہ آپ خواہ مخواہ اِسکی مدد کیون کرتے ہین تو کہتے ہین کہ محض اُسکی تکلیف اور بیچارگی کے سبب۔ پس ان شیر مردونکا شکار صرف شفقت ہے یعنی اِنکے اندر صفت شفقت ہی ہے نہ کہ غرض۔ اس لیے یہ حضرات مشابہ دوا کے ہین کہ جسطرح دوا کو نفع رسانی کے لیے صرف درد کی ضرورت ہے اور کوئی ذاتی نفع مقصود نہین۔ یون ہی ان حضرات کو صرف ازالۂ تکلیف مقصود ہے اور کچھ نہین پس اگر تمکو انکی شفقت سے متمتع ہونا ہے تو اپنے اندر درد طلب پیدا کرو۔ یہ حضرات خود بخود متوجہ ہونگے کیونکہ دوا اِسی طرف متوجہ ہوتی ہے جہان درد ہو اور سامان وہین آتا ہے جہان احتیاج ہو اور پانی نشیب ہی کی طرف دوڑتا ہی اور جواب اشکال ہی کے لیے ہوتا ہے۔ غرض ہر شے کی توجہ کا منشا اُسکی ضرورت اور قابلیت ہے۔ پس تمکو چاہیے کہ پانی کو کم تلاش کرو۔ یعنی ثمرات محمودہ کو مطمح نظر اور اصل مقصود نہ بناؤ۔ بلکہ اپنے اندر تشنگی اور طلب پیدا کرو جو داعی ہے پانی کا تاکہ تیرے لیے۔ پانی ہر طرف سے جوش مارے اور تو رحمت حق کا مرجع بنکر اُن لوگونمین

داخل ہو جاوے جنکی نسبت فرمایا گیا ہے۔ سقاھم ربھم شرابًا طھورًا۔ خلاصہ یہ کہ تشنگی اور طلب حاصل کر۔ اور اگر تجھے
آب رحمت حق کی ضرورت ہے تو اپنے اندر وہ صفت پیدا کر جس سے تو اس پانی کی توجہ کا محل بن سکے یعنی پستی اور
فروتنی عبودیت۔ رضا و تسلیم اختیار کر اور جب تیرے اندر یہ صفت پیدا ہو جاوے تو مزہ سے شراب رحمت پی۔ اور
مست ہو یہاں ایک بات اور بھی بتا دینے کے قابل ہے وہ یہ کہ اگر تیری طلب کی پیاس نہ بجھے گی اور پستی میں روز افزوں
ترقی ہوتی رہے گی تو بے انتہا رحمتیں تیری طرف متوجہ ہونگی۔ پس تو ایک ہی رحمت پر قانع نہ ہو جانا۔ اور طلب نہ چھوڑ
بیٹھنا بلکہ عروج روحانی اسقدر کرنا کہ آسمان بھی تیرے قدموں کے نیچے رہ جاوے۔ یعنی فوقیت و علو حسی میں جو تجھ پر
آسمان کو حاصل ہے تو تفوق روحانی میں اس پر بھی قناعت نہ کرنا بلکہ اس سے بھی آگے بڑھنا۔ بس یہ بات حاصل
کرنے اور آسمان کے اوپر سے آواز سماع سن لے یعنی اسرار و معارف الٰہیہ پر حق سبحانہ کی طرف سے مطلع ہو جا۔ اور
اُسکا طریقہ یہ ہے کہ وسواس اختیاریہ کا روڑا اپنے کان سے نکال ڈال کہ تو اس شور کی آواز سن سکے اور اپنی ہر دو چشم
سے عیب کا بال نکال ڈال تاکہ تو غیب کا باغ اور سروستان دیکھ سکے۔ اور مغز اور ناک سے زکام کو دفع کر تاکہ حق سبحانہ
کی بو تیرے مشام میں آسکے اور تپ صفراوی کا نام و نشان بھی نہ چھوڑ اور اپنے مزاج روحانی میں اعتدال پیدا کر تاکہ
اس جہان میں تجھے شکر کا مزہ آوے اور نامردی کا علاج کر کے مرد بن۔ اور نامردی کی حالت میں تک و دو مت کر
تاکہ سیکڑوں طرح کے خوبصورت تیرے لیے اپنے گھر سے نکل پڑیں اور اپنے جسم کی بیڑی کو اپنی جان کے پاؤں سے
علیحدہ کر تاکہ وہ چمنستان غیب میں دوڑ سکے اور بخل کا طوق اپنے ہاتھ اور گردن سے الگ کر۔ غرض کہ یہ سب باتیں کر
اور چرخ کہن سے نئی قسمت حاصل کر لے۔ خلاصہ یہ کہ اپنی روح کے نقائص کو دور کر اسکے مزاج کی اصلاح کر۔ اور
فیوض ربانیہ کی توجہ کی قابلیت پیدا کر۔ تن پروری کی فکر چھوڑ اور وافناے تن میں جو تجھکو بخل ہے اُسکو ترک کر
جب تو یہ سب باتیں کریگا تو حق سبحانہ کی طرف سے تجھے ایک قسمت حاصل ہوگی۔ جو موجودہ قسمت سے مختلف ہوگی۔
اور تو مختلف قسم کے فیوض ربانیہ کا مرجع بنے گا۔ یہ حکم تو اُسوقت ہے جبکہ تو مجاہدات و ریاضات پر قادر ہو۔ اور
اگر تجھ سے یہ نہیں ہوسکتا تو اسکا دوسرا طریقہ یہ ہے کہ حق سبحانہ کی طرف متوجہ ہو اور اس چارہ گر حقیقی کے سامنے
اپنی بیچارگی کو پیش کر اور اُسکی درگاہ میں خوب تضرع و زاری کے ساتھ التجا کر اور طالب رحمت ہو کیونکہ گریہ و زاری
بہت بڑی دولت ہے۔ اور رحمت کلی بہت بڑی دایہ اور مربیہ ہے اور دایہ اور ماں کی عادت یہ ہے کہ وہ بہانہ
ڈھونڈھتی ہیں اور منتظر رہتی ہیں کہ یہ لڑکا کب رووے کہ ہم اسکو دودھ دیں یوں حق سبحانہ نے بھی تمھاری طبیعتوں
کو بھی مثل لڑکے کے رین پیدا کیا ہے کہ وہ روئیں اور اُسکی رحمت کا دودھ جوش مارے۔ چنانچہ خود فرماتے ہیں
ادعوا اللہ تضرعا وخفیۃ اور ادعونی استجب لکم۔ پس ضرور گریہ و زاری کر تاکہ اُسکی عنایات کا دودھ جوش مارے
جب تو ایسا کریگا تو حق سبحانہ ضرور تیری دستگیری فرماوینگے خواہ یوں کہ اُنکو مرتفع کر دیں یا یوں کہ بدون مجاہدات
کے ہی ثمرات عطا فرمادیں۔ چونکہ غالب احوال مجاہدات و ریاضات سے مانع طلب معیشت ہوتی ہے اس لیے
آگے توکل کی تعلیم فرماتے ہیں کہ (یہ مانع غالب احوال میں انہماک فی طلب المعیشہ ہوتا ہے) مگر تمکو کسیقدر تحمل سے بھی
کام لینا چاہیئے اور سمجھنا چاہیئے کہ ہوا کے زناٹے اور ابر کی شیر افشانی یہ سب ہمارے ہی معاش کے لیے ہے آخر تو نے
فی السماء رزقکم تو سنا ہی ہوگا تو پھر اس پستی زمین سے کیوں لپٹا ہوا ہے اور کیوں سمجھتا ہے کہ ہمارا جوتنا بونا وغیرہ ہی رزق

کا مدار ہے۔ اگر ہم خدا کی طرف متوجہ ہو جائینگے تو یہ کام رہ جاوینگے۔ اور ہمکو روٹی نہ ملیگی۔ پس اس انہماک کو چھوڑ اور خدا پر بھروسہ کر۔ اور دل کو اُسی کیطرف لگا ہاتھ پاؤن سے یہ کام بھی کر اور یہ سمجھ کہ اسمین بھی مین حق سبحانہ ہی کے حکم کا امتثال کر رہا ہون۔ کہ اُسنے اختیار اسباب کا حکم دیا ہے ایسا کرنے سے خود یہ ہی مجاہدہ بنجاویگا۔ خوب یاد رکھ کہ تجھے جو توجہ الی الحق مین بھوکون مرنے کا اندیشہ ہے اور بصورت عدم انہماک فی طلب المعیشۃ کے رزق کے ملنے سے ناامیدی ہے یہ شیطان کی آواز ہے (چنانچہ حق سبحانہ فرماتے ہین الشیطان یعدکم الفقر) جو کہ تیرے کان کو پستی کی طرف مائل کرتی ہے۔ اور جو آواز تجھے عالم بالا کیطرف کھینچے اور جو داعیۃ تیرے قلب مین توجہ الی الحق کا پیدا ہو اُس آواز کو اوپر سے سمجھ۔ اور حق سبحانہ کی طرف سے جان۔ ہم پھر کہتے ہین کہ جو آواز تیرے اندر حرص پیدا کرے وہ اُس بھیڑیے یعنی شیطان کی آواز ہے۔ جو آدمیون کو پھاڑتا ہے پس تجھکو خوب خبردار رہنا چاہیے۔ یہ جو ہمنے کہا ہے کہ وہ اوپر کی آواز ہے۔ اس اوپر سے فوقیت مکانی نہ سمجھنا جو محسوس بحس ظاہر ہوتی ہے۔ بلکہ یہ بلندی عقلی اور معنوی ہے۔ جسکے ادراک کا مرجع عقل و جان ہے۔ اور فوقیت معنویہ و عقلیہ کچھ حق سبحانہ ہی تک محدود نہین۔ کہ تم کہو کہ فوقیت عقلیہ تو ہمارے سمجھ مین نہین آتی۔ بلکہ اس قسم کی فوقیت خود اشیائے محسوسہ مین بھی پائی جاتی ہے۔ اور تمکو اس فوقیت کا اعتراف بھی ہے۔ چنانچہ ہر سبب اپنے اثر اور مسبب سے فائق ہوتا ہی اور لوہا اور پتھر شرارہ سے فائق ہین اور تم یہ بھی کہتے ہو کہ فلان شخص جو کہ مسند صدارت پر جلوہ گر ہے اُس سرکش سے اوپر بیٹھا ہے اگرچہ صورت اور ظاہر مین اسکے برابر بیٹھا ہوتا ہے یا برابر بھی نہین ہوتا بلکہ نیچے ہوتا ہے پس یہ فوقیت مکانیہ نہین ہوتی بلکہ فوقیت شرف ہوتی ہے۔ کیونکہ جائے صدر جائے عالی ہوتی ہے۔ اور جو جگہ صدر سے دور ہو وہ جسقدر دور ہوتی ہے اُتنی ہی حقیر اور پست ہوتی ہے اگرچہ دیکھنے مین جائے صدر کے برابر یا اُس سے اونچی ہو اور لوہا اور پتھر چونکہ عمل اور تاثیر مین سابق ہین اس لیے یہ دونون تفوق کے مستحق ہین اور اگر دوسری جہت پر نظر کیجاوے تو شرارہ اپنی مقصودیت کے سبب لوہے اور پتھر سے کہین فائق ہے گو سنگ و آہن مقدم ہین اور شرر مؤخر لیکن مقصودیت کے لحاظ سے یہ دونون بمنزلہ تن کے ہین اور شرر بمنزلہ جان کے اور جو تفوق جان کو تن پر ہے وہی شرر کو سنگ و آہن پر ہے کیونکہ شرر جو کہ زمانہ مین مؤخر ہے وصف مقصودیت مین سنگ و آہن سے بڑھکر ہے دیکھو بلحاظ زمانہ شاخ ثمر پر مقدم ہے لیکن وصف مین شاخ سے ثمر فائق ہے۔ اور چونکہ شجر سے ثمر ہی مقصود ہوتا ہے اس لیے ثمر اول ہوتا ہے اور شجر آخر۔ خیر اب ہم اژدہے اور ریچھ کے قصہ کی طرف لوٹتے ہین ان امر معنوی اور مجازی کی بحث مین کب تک مشغول رہین اور کب تک فوقیت معنویہ و مجازیہ کی تشریح کرتے رہین۔ یہ بحث تو بڑی لمبی چوڑی ہے۔ جسقدر بیان کر دیا گیا وہی کافی ہے۔

شرح شبیری ۱ شیر مردانند۔ الخ۔ یعنی بہت سے شیر مرد عالم مین مددگار اسوقت ہوتے ہین جبکہ مظلومون کی فغان پہونچتی ہے۔

بانگ الخ۔ یعنی جس جگہ بھی کہ مظلومون کی آواز سنتے ہین تو اُس طرف حق تعالیٰ کی رحمت کی طرح دوڑتے ہین۔ مطلب یہ کہ بہت سے ایسے شیر مردان حق ہوتے ہین کہ جب وہ مظلومون کی فریاد سنتے ہین اور جہان کہین سے بھی سن لین تو اُسوقت وہ اُسکی مدد کو پہونچتے ہین لیکن نہ وہ ہر وقت سن سکتے ہین اور نہ ہر جگہ سے سن سکتے ہین

بلکہ جب بھی سُن لین تو وہ مدد کرتے ہین۔

آن ستونہائے الخ۔ یعنی وہ دنیا کے خلقون کے ستون ہوتے ہین اور وہ امراض باطنی کے طبیب ہوتے ہین مطلب یہ کہ وہ امور دینویہ مین بھی بعض دفعہ مدد کرتے ہین اور امراض باطنیہ کے طبیب ہونا تو ظاہر ہے۔

محض ۔ الخ۔ یعنی یہ حضرات خالص مہربانی اور داوری اور رحمت ہوتے ہین اور حق تعالی کی طرح بے غرض اور بے رشوت ہوتے ہین یعنی اُنکی کوئی ذاتی غرض نہین ہوتی بلکہ محض نفع رسانی اُس مظلوم کی اور فریادرسی ہوتی ہے۔

اینچہ ۔ الخ۔ یعنی یہ کیا ایکبار اُسکی مدد کرتے ہو تو کہتے ہین کہ اُسکے غم اور بیچارگی کی وجہ سے مطلب یہ کہ اگر کوئی اُنسے سوال کرتا ہے کہ تم کیون اُسکی مدد کرتے ہو اور تمھاری اسمین کیا غرض ہے تو وہ جواب دیتے ہین کہ ہمکو محض اُسکی غمخواری مقصود ہے اور ہماری کوئی غرض نہین ہے آگے فرماتے ہین کہ

مہربانی ۔ الخ۔ یعنی اُس شیر مرد کا شکار مہربانی ہی ہے اور دنیا مین سوائے درد کے اور کوئی دوا کو تلاش نہین کرتا۔ چونکہ شکار مطلوب ہوتا ہے تو مقصود یہ ہے کہ شیر مرد کا مطلوب و مقصود صرف مہربانی خلق اللہ پر ہوتی ہے اور بات بھی یہی ہے کہ جب درد ہوتا ہے جب ہی دوا بھی پہونچتی ہے اگر درد اور سوز ہے تو اُسکی دوا اور علاج کو بھی پہونچ سکتا ہے اور اگر درد ہی نہین ہے تو پھر دوا اور علاج اور تدبیر بھی حاصل نہین ہوسکتی۔ آگے یہی فرماتے ہین کہ۔

ہر کجا دردے ۔ الخ۔ یعنی جہان کہین درد ہوتا ہے دوا اُسی جگہ جاتی ہے اور جہان کہین فقر ہوتا ہے عطا اُسی جگہ جاتی ہے۔ آگے اِسکی ایک مثال فرماتے ہین کہ۔

ہر کجا ۔ الخ۔ یعنی جہان کہین پستی ہوتی ہے۔ پانی اُسی جگہ جاتا ہے اور جہان کہین اشکال ہوتا ہے جواب وہین جاتا ہے۔ اِس لیے کہ جب اشکال ہوا ہے تو اُسکے حل کی طلب ہوگی۔ اور جب طلب ہوگی تو حق تعالے کی مدد ہوگی اور ثمرات بھی حاصل ہوجاوین گے لہذا طلب حاصل کرنا چاہیے۔ اور طلب لگا لینی ضروری ہے پھر انشاء اللہ تعالی ثمرات خود بخود ہاتھ آجاوین گے آگے یہی فرماتے ہین کہ۔

آب کم جو الخ۔ یعنی پانی کم تلاش کرو اور پیاس لگاؤ تاکہ تمھارے اوپر سے اور نیچے سے سب طرف سے پانی اُبلنے لگے مطلب یہ کہ طلب نکالو اور کام مین لگے رہو اور ثمرات کے طالب مت ہو تو جب طلب ہوگی پھر یہ ثمرات انشاء اللہ تعالی خود بخود تمکو حاصل ہوجاوین گے اور اِسکی ایسی مثال ہے کہ جیسے کسی نے ایک شخص کو حساب لکھنے پر دس روپیہ ماہوار پر ملازم رکھا تو اُس ملازم کے کام پر دس روپیہ ملین گے اور اُنسے اشیاء خانگی آوینگی تو اصل ثمرات اِس ملازمت کے وہ اشیاء خانگی ہوئین تو اگر یہ شخص کام کرتے وقت اور حساب لکھتے وقت یہی جاکرے کہ جب دس روپیہ ملین گے تو اتنے کا گھی اور اتنے کی دال وغیرہ وغیرہ لاؤنگا تو یہ بتاؤ کہ اِس سے کام ہوگا۔ ہرگز نہین۔ بلکہ تعجب نہین ہے کہ اُس حساب مین بھی یہ آٹا اور گھی لکھ جاوے اور کاغذ کو خراب کردے۔ تو پھر اسکو وہ دس روپیہ بھی نہ ملین گے جو اُسپر ثمرات مرتب ہون اور اگر یہ کام مین لگا رہا اور اُسنے اُن باتون کو بالکل کام کے وقت الگ رکھدیا اور کام اچھی طرح کرلیا تو مہینے پر دس روپیہ ملین گے اور وہ ساری اشیاء موجود ہونگی لہذا اگر سالک کام کو چھوڑکر اسمین لگ جاوے کہ مزہ کیون نہین آیا اور روشنی کیون نظر نہین آتی

وغیرہ وغیرہ تو بس نتیجہ یہ ہوگا کہ کام خراب ہوگا۔ اور جو ملنے والا تھا وہ سب بند ہو جاویگا خوب سمجھ لو۔ اور فرماتے ہین کہ۔
تا سقاہم۔ الخ۔ یعنی تاکہ سقاہم ربہم الخ۔ جواب آوے۔ تو پیاسے ہو جاؤ۔ واللہ اعلم بالصواب۔ مطلب یہ کہ طلب پیدا کرو تاکہ آیت سقاہم ربہم کے مصداق ہو جاؤ۔ اور حق تعالیٰ کی طرف سے تمکو امداد ہو۔
آب رحمت الخ۔ یعنی اگر تجھے رحمت کی ضرورت ہے تو جا اور عاجزی اختیار کر اور اسوقت شراب رحمت پی اور مست ہو تو معلوم ہوا کہ عاجزی اور تضرع سے رحمت حق نازل ہوتی ہے۔
رحمت اندر۔ یعنی اے صاحبزادے از سر تا پا رحمت پر رحمت نازل ہوگی تو ایک ہی رحمت پر رحمت ٹھہر۔ مطلب یہ ہے کہ اگر تو پستی اور تواضع اختیار کریگا تو یاد رکھ کہ چارون طرف سے نزول رحمت حق ہوگا اور بے نہایت نعمتین حاصل ہونگی لیکن تجھکو لازم ہے کہ ہر وقت اور ہر گھڑی طلب مزید مین رہے اور کسی حد پر پہونچکر طلب کو ترک نکرے اسلیے کہ ؎
اے برادر بے نہایت درگہیست ✤ ہرچہ بروے میرسی بروے مایست ✤ لہٰذا جو درجہ قرب حق کا حاصل ہو اس سے زیادہ کے طالب ہو اور جسقدر اعمال اسکی تکمیل کے لیے تم سے ہوسکین انکو کرو۔ پھر دیکھو کہ کیا کیا نعمتین اور رحمتین بے مانگے نازل ہوتی ہین اس لیے کہ ؎ رحمتِ حق بہانہ میجوید ✤ آگے بھی یہی مضمون فرماتے ہین کہ۔
چرخ را۔ الخ۔ یعنی اے برادر آسمان کو بھی پاؤن کے نیچے لا۔ اور (پھر) آسمان کے اوپر آواز سماع سُن۔ مطلب یہ کہ تم کو لازم ہے کہ مجاہدات وریاضات سے اسقدر عروج روحانی کرو کہ اس آسمان ظاہری سے بھی بلند مرتبہ ہو جاؤ۔ اسلیے کہ روح تو مجردات سے ہے اور یہ چرخ اجسام سے تو جب عروج کرکے مجردات تک پہونچوگے تو پھر یقیناً افلاک اور اجسام سب نیچے اور اسفل ہو جاوینگے اسکے بعد جب اسقدر بلند مرتبہ ہو جاوے تب پھر اسرار حق دیکھو اور اسوقت حقائق کا مشاہدہ کرو کہ کالشمس فی رابعۃ النہار تمھارے سامنے ہونگے۔ اور فرماتے ہین کہ۔
پنبۂ وسواس۔ الخ۔ یعنی وسواس (شیطانی) گوش (دل) سے نکال ڈالو تاکہ تمھارے کان مین آسمان سے خروش آوے۔ مطلب یہ کہ شیطانی خطرات کو اور اسکے مقتضیات کو دل مین سے نکال ڈالو اسوقت حق تعالیٰ کی طرف سے تمپر رحمت ہوگی اور اسرار اور حقائق منکشف ہو جاوینگے اور فرماتے ہین کہ۔
پاک کن الخ۔ یعنی دونون آنکھون کو عیوب کے بالون سے صاف کرو تاکہ غیب کے باغ اور سروستان کا مشاہدہ کرسکو۔ مطلب یہ کہ چشم قلب کو شہوات نفسانیہ سے پاک صاف کرو تاکہ تمکو مشاہدہ انوار وتجلیات حق کا ہو۔ لیکن یہ یاد رکھنا کہ اگر اس قصد سے کروگے کہ ہمکو انوار وتجلیات حاصل ہون تو خاک بھی حاصل نہ ہوگا۔ اور ہمیشہ کور ہی رہوگے جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے۔
دفع کن الخ۔ یعنی مغز سے اور ناک سے زکام کو دور کرو تاکہ حق تعالیٰ کی بو تمھارے مشام مین آوے۔ مطلب یہ کہ اپنے حواس باطنیہ کو پاک صاف کرو تاکہ حق تعالیٰ کے اسرار وحقائق کا مشاہدہ کرسکو۔
ہیچ مگذار الخ۔ یعنی صفراوی بخار مین سے کوئی شے بھی مت چھوڑو تاکہ جہان غیب سے شکر کا مزہ تمکو حاصل ہو۔ مطلب وہی کہ امراض باطنیہ کو دور کرو تاکہ تمکو عبادت اور ذکر حق مین لطف وذوق حاصل ہوسکین یہ یاد رہے کہ اگر اس ذوق و لطف کے لیے کام کیا جاویگا تو یہ بھی حاصل نہ ہونگے اور کچھ بھی حاصل نہ ہوگا خوب یاد رکھو۔
داروے الخ۔ یعنی مردانگی کی دوا کر اور نامرد ہو کر مت دوڑ تاکہ سیکڑون طرح کے خوبرو تیرے سامنے ظاہر ہون

مطلب یہ کہ تحقیق اور کمال حاصل کرو اس طرح غیر محققانہ تگ و دو مت کرو۔ اس لیے کہ فضول ہے اور جب محقق ہو گئے تو پھر تو اسرار الٰہیہ خود بخود تم کو حاصل ہون گے لہذا معلوم ہوا کہ اصل مین تحقیق اور معرفت اور محبت وغیرہ جو مشابہ بر دانگی کے ہین حاصل کرو اسکے بعد اسرار حق جو خوبرو ونکی مثل ہین خود بخود منکشف ہون گے۔

کُند کُہ تن الخ یعنی قید تن کو جان کے پاؤن مین سے نکال ڈال تاکہ وہ اُس چمن کے گرد جولانی کرے۔ مطلب یہ کہ روح کو ان قیود شہوات و لذات کے نکال ڈالو اور اُنکے مقتضیات پر عمل مت کرو۔ تاکہ روح کو قرب حق حاصل ہو اور وہ اسرار الٰہیہ اور حقائق حق سے آگاہ ہو۔

غل بخیل الخ۔ یعنی بخل کے کھوٹ کو گردن اور ہاتھ سے علٰحدہ کر دے اور آسمان کہن سے بخت نو حاصل کر۔ مطلب یہ کہ اخلاق رذیلہ کو مجاہدات و ریاضات کرکے دور کر دے اور اُسکے بعد عالم غیب سے علوم و معارف جدیدہ حاصل کر یہان تک اُن لوگون کو خطاب تھا جن کو کہ فرصت ہے اور وہ ریاضات و مجاہدات پر قادر ہین اور اُن کو اسکی فرصت بھی ہے آگے اُن لوگون کا ذکر ہے کہ جو مجاہدات و ریاضات کے لیے خالی نہین ہین۔ اور اُنکو حقوق شرعیہ کے ادائگی سے یا کسی اور مباح کام مین مشغولی سے فرصت ہی نہین ہوتی اُنکو تدبیر وصول اور قرب بتاتے ہین کہ۔

ور نمی تانی الخ۔ یعنی اور اگر تو نہ کر سکے تو کعبۂ لطف کے پاس اُٹھ اور اپنی عاجزی کو چارہ گر کے سامنے پیش کر دے۔ مطلب یہ کہ اگر تو ریاضت و مجاہدہ کے لیے خالی نہین ہے اور تجھکو اور امور سے فرصت نہین ملتی تو خیر تو اسیقدر کر کہ حق تعالیٰ سے دعا کر اور اپنے اِس عجز سے اُنکے سامنے پیش کر دے اور ہر وقت معافی مانگ اور اعمال ضروریہ مین لگا رہ اور معاصی سے اجتناب کر اور اکثر گریہ و زاری کر تو انشاء اللہ رحمت حق متوجہ ہو گی اور وہ تیری چارہ گری کریگی اور تو بھی محروم نہ رہیگا بلکہ اگر نیت خالص ہے تو کیا عجب ہے کہ اُن پہلون سے بڑھ جاوے آگے فرماتے ہین کہ۔

زاری و گریہ الخ۔ یعنی زاری اور گریہ یہ ایک بہت بڑا سرمایہ ہے اور رحمت کلی بہت قوی دایہ ہے۔ لہذا اگر اِس سرمایہ سے کام لیا جاوے تو وہ دایہ ضرور مہربان ہوگی اور تمھاری تربیت کریگی کہ جس سے تمکو قرب حق حاصل ہوگا۔ حتی کہ بعض بزرگون نے ایسے لوگون کو جو کم فرصت ہین صرف یہ بتایا ہے کہ ہر نماز کے بعد تین مرتبہ لا الٰہ الا اللہ کہہ لیا کرین اور سچ یہ ہے کہ اگر دوام ہو تو کیا یہ کم ہے۔ یہ وہ چیز ہے کہ جس سے کافر صد سالہ ایک پل مین پاک صاف اور معصوم نوزائیدہ بچے کی طرح ہو جاتا ہے یہ وہ باجبروت کلمہ ہے کہ جسمین نام حق ہے اور اُسکی وحدانیت کا اقرار ہے پھر کیا اسکا دوام کچھ کم ہے۔ بہت بڑی برکت کی شے ہے لیکن دوام ضروری ہے لہذا اگر انسان کو فرصت ہو تب تو وہ درجۂ کمال مجاہدات و ریاضات سے حاصل کرے۔ کہ اِس سے بڑھ کر اور کونسی شے ہوگی اور اگر تم کو فرصت ہے تو بس کسی محقق سے اپنی حالت بیان کرکے کچھ مختصر پوچھ لے اور اُسپر دوام کرے حق تعالیٰ برکت فرما دین گے آگے فرماتے ہین کہ۔

دایہ۔ الخ۔ یعنی دایہ اور ماں بہانہ ڈھونڈھتی ہین کہ اُسکا لڑکا کب روتا ہے پس وہ ذرا رویا اور اُس نے دودھ پلایا اسیطرح رحمت حق بہانہ جو ہے۔ جہان ذرا عاجزی اور تضرع و زاری دیکھی پس اُسیطرف توجہ اور مبذول ہو جاتی ہے لہذا اگر اور بھی کچھ نہ ہو سکے تو عجز و نیاز اور تضرع و زاری تو کرتا رہے کہ اِسی سے اُمید رحمت ہے آگے خود فرماتے ہین کہ۔

طفل حاجات الخ یعنی تمھاری حاجات کے طفل کو پیدا کیا تاکہ وہ رووے اور اُسکا دودھ ظاہر ہو مطلب یہ کہ حق تعالے نے تمھارے ساتھ تمھاری حاجات لگا دین تاکہ جب وہ پیش آوینگی تو اُسوقت تم کو حق تعالے یاد آویگا اور جہان وہ یاد آیا اور اُسکے سامنے زاری کی تو واضح ہوئی کہ فوراً رحمت حق جوش کرتی ہی اور ظاہر ہوتی ہی۔

گفت الخ۔ یعنی حق تعالے نے فرمایا کہ بندو کو پکارو اور بے زاری کے مست رہو تاکہ اُسکی مہربانیون کا دودھ جوش کرے مطلب یہ کہ دیکھو حق تعالے قرآن شریف مین خود فرماتے ہین کہ ادعوا اللہ تضرعا وخفیۃ تو معلوم ہوا کہ تضرع اور دعا حق تعالے کو بھی محبوب ہی۔ اور اِسی سے دریائے رحمت جوش مین آتا ہی جیسا کہ ظاہر ہی۔

ہاے ہوئے الخ۔ یعنی ہوا کی ہاے اور ہوئے اور بادل کا برسنا یہ سب ہمارے ہی غم مین ہے اور ایک ساعت تجھکو صبر ہے۔ مطلب یہ کہ کل کائنات وموجودات حق تعالے ہی کی یاد مین لگے ہوے ہین لیکن انسان غافل بیٹھا ہے تو کیسے تعجب اور حیرت کی بات ہے آگے فرماتے ہین کہ۔

فی السماء الخ۔ یعنی کیا آیت وفی السماء رزقکم کو تو نے نہین سُنا ہے تو اِس پستی مین کس لیے چپک رہا ہی مطلب یہ کہ جب رزق ظاہری آسمان اور عالم غیب ہی مین ہے تو رزق باطنی اور حقیقی تو لامحالہ عالم غیب ہی مین ہوگا تو پھر اِس پست دُنیا مین لگے رہنے سے کیا فائدہ ہے بلکہ عالم غیب اور عالم بالا کی طرف متوجہ ہونا چاہیے۔

ترس۔ الخ۔ یعنی خوف اور تیری ناامیدی اور وہ آواز شیطانی تیرے کان کو قعر اسفل کی طرف لیجاتا ہی مطلب یہ کہ تمکو جو احکام کی بجا آوری سے اُنکی سختی کا خوف اور اُنکے پورا نہ ہوسکنے کی ناامیدی اُنسے باز رکھتی ہی تو یہ ساری باتین تمکو اسفل کی طرف لیجاتی ہین اور عالم بالا سے دور کرتی ہین آگے صاف فرماتے ہین کہ۔

ہر نداے الخ۔ یعنی جو ندا کہ تجھے اوپر کیطرف کھینچے تو اُسکو جان لو کہ وہ اوپر ہی سے آرہی ہے۔ اِس لیے کہ مشاہدہ ہے کہ انسان کو جس طرف سے آواز آتی ہے اُسی طرف کو وہ جاتا ہے تو جب میلان اوپر کیطرف کو ہی تو معلوم ہوا کہ وہ آواز بھی اوپر ہی سے آرہی ہے۔ تو مطلب یہ ہے کہ جو وسوسہ نیک آوے اُسکو عالم غیب سے جانو اور سمجھ لو کہ یہ وسوسہ حق تعالے کی طرف سے ہے۔

ہر نداے الخ۔ یعنی جو آواز کہ وہ تیرے اندر حرص کو پیدا کرے تو جان لو کہ یہ ایک بھیڑیے کی آواز ہے کہ جو آدمی کو پھاڑنے والا ہے مطلب یہ کہ جس وسوسہ کا مقتضا شہوت وغضب وحرص وغیرہ ہو اُسکو سمجھ لو کہ یہ وسوسہ شیطانی ہے لہذا اُس سے بچنا ضروری ہے آگے فرماتے ہین کہ۔

این بلندی الخ۔ یعنی یہ بلندی مکان کی روسے نہین ہے بلکہ یہ بلندی عقل وجان کی طرف سے ہے۔ مطلب یہ کہ ہم نے جو کہا ہے کہ وہ آواز اوپر سے آتی ہے تو اِس اوپر اور بلندی سے مراد یہ بلندی اور فوقیت ظاہری اور مکانی نہین ہے بلکہ اِس سے بلندی اور فوقیت عقلی مراد ہے کہ جو محسوس اور مدرک حواس ظاہری سے نہین ہے۔ آگے مثال ہے فرماتے ہین کہ۔

ہر سبب الخ۔ یعنی ہر سبب اثر سے اوپر ہوتا ہے دیکھو آگ سے فائق لوہا اور پتھر ہے مطلب یہ کہ ہر سبب مرتبہ مین پہلے ہوتا ہے اور اُسکا اثر بعد کو مرتب ہوتا ہے لیکن ظاہر مین سبب کو اثر پر کچھ بھی فوقیت نہین ہوتی۔ بلکہ وہ اثر ہی غالب ہو جاتا ہے جیسا کہ لوہے اور پتھر کے ملانے سے آگ پیدا ہوتی ہے تو آگ کے پیدا ہونے کا

سبب اُن دونون کا ملنا ہے تو وہ اس سے پہلے اور اُسپر فوق ہے لیکن ظاہر مین خود آگ ہی اِس سے بلند ہوجاتی ہے اسیطرح ایسی ہی بلندی وہان بھی مراد ہے اور مثال فرماتے ہین کہ۔

آن فلانے الخ یعنی فلان شخص اُس سرکش پر بیٹھ گیا۔ اگرچہ ظاہر مین اُسکے پاس بھی نہ بیٹھا ہو۔ مطلب یہ کہ دیکھو بولتے ہین کہ فلان شخص فلان پر چڑھ گیا۔ یعنی غالب ہوگیا حالانکہ ظاہر مین تو وہ اُسکے پاس بھی نہین پھٹکا مگر اُسکو اُسکے اوپر بولتے ہین۔

فوقے الخ۔ یعنی اُس جگہ کی فوقیت شرف کی وجہ سے ہے اور دور جگہ صدر کم درجہ ہوتی ہے مطلب یہ کہ اُس جگہ فوقیت سے مراد یہ ہے کہ وہ شے اُسپر شرف رکھتی ہے جیسا کہ صدر نشین دور والی جگہ سے شرف اور مرتبہ مین بلند ہوتی ہے اگرچہ ظاہر مین بلند نہ ہو۔

سنگ و آہن الخ۔ یعنی لوہا اور پتھر اس سبب سے کہ یہ سابق ہین تو عمل مین ان دونون کی فوقیت لائق ہے (اور انکو فوق کہنا درست اور بجا ہے)

وان شرر را الخ۔ یعنی اور وہ شرر اپنی مقصودیت کی حیثیت سے آہن و سنگ سے اِس جہت سے کہین زیادہ ہے۔ مطلب یہ کہ اگر اس حیثیت سے دیکھا جاوے کہ آہن و سنگ سبب ہین ظہور شرر کے تب تو وہ اول اور فوق ہین اور اگر اس حیثیت سے دیکھا جاوے کہ اصل مقصود تو شرر ہے اور وہ دونون اِس کے لیے آلہ ہین تو اُس وقت شرر اول اور سابق اور فوق ہوگا۔

سنگ و آہن الخ۔ یعنی لوہا اور پتھر اول ہین اور آخر مین شرر ہے۔ لیکن یہ دونون تن ہین اور جان شرر ہی ہے مطلب یہ کہ اگرچہ بحیثیت سبب ہونے کے تو سنگ و آہن ہی مقدم اور فوق ہین لیکن چونکہ مقصود اور مطلوب شرر ہے اِس لیے اِسکو فوق اور سابق کہا جاویگا۔

کان شرر را الخ۔ یعنی کہ وہ شرر زمانہ مین تو بہت بعد مین ہے لیکن وصف مین سنگ و آہن سے بہت برتر ہے لہذا معلوم ہوگیا کہ فوقیت صرف مکانی ہی نہین ہوتی بلکہ فوقیت عقلیہ بھی ہوا کرتی ہے تو اُس آواز کا بلندی سے آنے مین بھی فوقیت مکانی نہین ہے بلکہ فوقیت عقلیہ ہی ہے۔ آگے ایک اور مثال ہے۔

در زمان الخ۔ یعنی زمانہ مین تو شاخ پھل سے بہت پہلے ہے اور ہنر مین وہ پھل شاخ سے بہت فائق ہے تو ایک حیثیت سے ایک شے فوق ہے اور دوسری حیثیت سے دوسری شے۔

چونکہ۔ الخ۔ یعنی چونکہ درخت سے مقصود پھل ہی ہوتا ہے لہذا پھل اول ہوا اور آخر مین درخت ہوا حالانکہ ظاہر مین برعکس ہے خوب سمجھ لو۔ آگے فرماتے ہین کہ۔

سوے خرس الخ۔ یعنی ہم پھر ریچھ اور اژدہا (کے قصہ) کی طرف واپس ہوتے ہین (اور اُسکو بیان کرتے ہین) اس لیے کہ یہ اضمار اور مجاز تو بہت طول رکھتا ہے اگر لاکھون دفتر لکھے جاوین تب بھی کم ہے لو کان البحر مدادا لکلمات ربی لنفد البحر قبل ان تنفد کلمات ربی اور چونکہ حقائق و معارف بھی کلمات مین داخل ہین اِس لیے اُس حکم مین بھی لا محالہ داخل ہونگے۔ آگے فرماتے ہین کہ۔

شرح حبیبی

خرس چون فریاد کرد از اژدہا	شیر مردے کرد از چنگش رہا
حیلت و مردی بہم داد ند پشت	اژدہا را او بدین قوت بکشت
اژدہا را او بدین حیلت بہ بست	تاکہ آن خرس از ہلاک تن برست

ریچھ نے جب اژدہے کے ستم سے فریاد کی تو ایک شیر مرد نے اُسکو اُسکے پنجہ سے چھڑایا۔ اِس طرح کہ تدبیر اور شجاعت نے ایک دوسرے کی مدد کی۔ اور اِس مجموعہ سے جو اُسکو ایک قوت حاصل ہوئی اِس قوت سے اُسنے اژدہے کا کام تمام کر دیا اور تدبیر کے جال مین اُس نے اژدہے کو پھانس کر ہلاک کر ڈالا۔ جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ ریچھ ہلاکت جسمانیہ سے بچ گیا۔

شرح شبیری خرس چون الخ۔ یعنی جب ریچھ نے اُس اژدہا سے فریاد کی تو ایک شیر مرد نے اُسکو اُسکے چنگل سے چھڑادیا۔

حیلت و مردی الخ یعنی حیلہ اور مردانگی نے ملکر مدد کی تو اُسنے اِس قوت سے اِس اژدہا کو مار ڈالا مطلب یہ کہ اِس شخص نے تدبیر اور قوت دونون سے کام لیا اور اُس کے بعد اُس اژدہا کو مار کر اُس کے منھ سے اُس ریچھ کو چھڑایا۔ اِس لیے کہ نہ تو صرف تدبیر بغیر مردانگی کے کار آمد ہے اور نہ مردانگی بغیر تدبیر کے کار آمد ہے۔ غرضکہ اُسنے دونون سے کام لیکر مار ڈالا۔

اژدہا را۔ الخ۔ یعنی اُسنے اژدہا کو اِس حیلہ سے باندھ لیا یہان تک کہ وہ ریچھ تن کے ہلاک ہونے سے بچ گیا۔ یعنی وہ بچارا چھوٹ گیا ورنہ ہلاک ہو جاتا۔ آگے فرماتے ہین کہ۔

شرح حبیبی

اژدہا را ہست قوت حیلہ نیست	لیک فوق حیلۂ تو حیلہ ایست
ماکران بسیار لیکن با زمین	در نُبی واللّٰہ خیر الماکرین
حیلۂ خود را چو دیدی باز رو	کز کجا آمد سوئے آغاز رو
ہر چہ در پستی است آمد از علا	چشم را سوے بلندی نہ ہلا
روشنی بخشد نظر اندر علا	گرچہ اول خیرگی آرد بلا
چشم را در روشنائی خوے کن	کہ نہ خفاشی نظر آنسوے کن

عاقبت بینی نشان نور تست — شهوت حالی حقیقت گور تست

عاقبت بینی که صد بازی بدید — مثل آن نبود که یک بازی شنید

زان یکے بازی چنان مغرور شد — کز تکبر ز اوستادان دور شد

سامری وار آن ہنر در خود چو دید — او ز موسے از تکبر سر کشید

او ز موسے آن ہنر آموختہ — وز معلم چشم را بر دوختہ

لاجرم موسے دگر بازے نمود — تا کہ آن بازیّ او جانش ربود

اے بسا دانش کہ اندر سر دود — تا شود سرور بدان خود سر ردد

سر نخواہی کہ رود تو پائے باش — در پناہِ قطب صاحب رائے باش

گرچہ شاہی خویش فوقِ او مبین — گرچہ شہدی جز نباتِ او مچین

فکر تو نقش ست و فکرِ اوست جان — نقدِ تو قلب ست و نقدِ اوست کان

او توئی خود را بجو در اوئے او — کو و کو گو فاختہ سان سوئے او

در نہ خواہی خدمتِ ابنائے جنس — در دہانِ اژدہائے ہمچو خرس

ور ترش می آیدت قندِ رضا — ہمچو خرسے در دہانِ اژدہا

بو کہ اوستادے رہاند مر ترا — وز خطر بیرون کشاند مر ترا

زاری می کن چو زورت نیست ہین — چونکہ کوری سر مکش از راہ بین

تو کم از خرسی نمی نالی ز درد — خرس رست از درد چون فریاد کرد

اے خدا آن سنگدل را موم کن — نالہ اش را تو خوش و مرحوم کن

اس شخص کے اژدہے سے ریچھ کو چھڑا لینے اور اژدہے کو مار ڈالنے کی وجہ یہ تھی کہ اسمین دو قوتین جمع تھین اول قوت شجاعت دوسری قوت تدبیر اور اژدہے کے اندر قوت تو ہے مگر تدبیر نہین۔ اس لیے وہ اسپر غالب نہ آسکا لیکن آدمی کو اپنی تدبیر پر نازان نہ ہونا چاہیے۔ کیونکہ اسکی تدبیر سے بڑھکر بھی تدبیر ہے اور گو مدبرین علی تفاوت مراتب تدبیر ہم بہت ہین لیکن قرآن مین دیکھ لے ارشاد ہے کہ واللہ خیر الماکرین کہ حق سبحانہ جملہ مدبرین سے بہتر مدبر ہین پس جب اپنی تدبیر پر تیری نظر پڑے تو اس سے تجھے اسکے مبدأ کی طرف انتقال کرنا چاہیے۔ اور سوچنا چاہیے کہ یہ وصف ہم مین کہان سے آیا ہے کچھ ایک تدبیر ہی پر منحصر نہین بلکہ جو کچھ ہستی اور عالم امکان مین ہے وہ سب اوپر سے یعنی واجب الوجود ہی کی طرف سے آیا ہے اور حقیقی مبدأ فیاض

وہی ہے پس دیکھ تو واجب الوجود ہی کو ہر بات مین مطمح نظر بناتا۔ حق سبحانہ کو مطمح نظر بنانے مین بالآخر نور معرفت پیدا ہوتا ہی اگرچہ مصیبت کا وقوع ہونا اولاً نظر کو خیرہ کرتا ہی کیونکہ ابتدا نظر بسبب ظاہری ہی پڑتی ہے اور اول وہلہ مین وہ اُسی کو اسکا منشا اور مبدا سمجھتا ہی تو اپنی آنکھ کو روشنی کا عادی بنا اور حق سبحانہ ہی کی طرف نظر کر کہ تو خفاش نہین کہ روشنی سے گریزان اور متوحش ہو۔ یہ تو مبدا پر نظر کرینکی ہدایت تھی۔ آگے مآل پر نظر کرینکی ہدایت فرماتے ہین اور کہتے ہین کہ جسطرح مبدا پر نظر کرنا ضروری ہے یون ہی مآل کو دیکھنا بھی ضروری ہے کیونکہ مآل پر نظر کرنا تیری نور بصیرت کی علامت ہے۔ اور موجودہ خواہشات نفسانی مین گرفتار ہونا فی الحقیقت تیری نابینائی ہی۔ پس تجھے عاقبت بین ہونا چاہیے نہ کہ شہوت پرست۔ عاقبت بینی بڑی چیز ہی چنانچہ وہ عاقبت بین اور عارف محقق جسنے حق سبحانہ کے سیکڑون تصرفات دیکھے ہون یا خود سیکڑون پختہ تدابیر رکھتا ہو ہرگز اس ناتجربہ کار اور نادان کے برابر نہین ہو سکتا۔ جسنے صرف ایک بازی سُنی ہو یعنی احیاناً اُس سے کوئی تدبیر صادر ہوگئی ہو اور اس ایک بازی پر وہ اتنا مغرور ہوگیا ہو کہ تکبر سے اپنے کو اپنے ماہر اُستادون سے مستغنی سمجھکر دور ہوگیا ہو۔ اور جب سامری کیطرح اُسنے اپنے اندر ایک ہنر دیکھا ہو تو وہ موسیٰ کیطرح پختہ اور محقق کامل اُستاد سے اپنے کو بڑا سمجھکر کھنچ گیا ہو۔ سامری نے یہی کیا تھا کہ اس ہنر کو موسےٰ ہی سے سیکھا تھا اور خاک سم اسپ جبرئیل کی خاصیت اُسکو انہین سے معلوم ہوئی تھی اور باوجود اسکے اُسنے اپنے معلم سے آنکھ بند کر لی تھی۔ اور اُسنے اپنے کو مستغنی اور اُنسے فائق سمجھ بیٹھا تھا مگر اسکا انجام کیا ہوا یہی کہ موسےٰ علیہ السلام نے دوسری تدبیر کی کہ اُس تدبیر نے اسکا خاتمہ کر دیا۔ پس اگر تو ایسا کریگا تو تیرا بھی وہی حشر ہو گا۔ جو سامری کا ہوا تھا۔ اور بہت سی حکمتین دماغ مین اس غرض سے جگہ کھاتی ہین کہ اُنسے آدمی سردار بنجاوے مگر اُنسے بجائے اسکے کہ سرداری حاصل ہو خود سر بنجاتا ہے اور اتنا بھی نہین رہتا جتنا تھا پس اگر تو چاہتا ہے کہ سر نہ جاے تو پاؤن بن اور عاجزی و فروتنی اختیار کر اور کسی قطب صاحب رائے کی پناہ مین رہ۔ اسکو متبوع بنا اُسکی رائے کا اتباع کر۔ تو کتنا ہی بڑا ہو اور دانش کا بادشاہ ہو مگر اپنے کو اُس سے بڑھ کر نہ سمجھ۔ اور اگر تو شہد بھی ہو تو بھی اُسکی مصری سے منتفع ہو۔ اپنی شیرینی پر نازان ہوکر مستغنی مت ہو یاد رکھ کہ تیری اور اُسکی فکر مین وہی نسبت ہے جو جسم و جان مین ہے کہ تیرا فکر ارذل و اخس ہے۔ اور اسکا فکر اشرف و اعلے۔ اور تیرے نقد اور اُسکے نقد مین وہی نسبت ہی جو کھوٹے سونے اور کان زر مین ہے کہ تیرا نقد کھوٹا ہے اور اُسکا کان زر۔ اور سمجھ کہ تو وہی ہے یعنی اُسمین مندمج اور مندرج اور سمندر کا قطرہ ہے پس تو اپنے کو اُسمین ڈھونڈھ اور اُسی کا تبع بن اور فاختہ کی طرح کوکو کرتا ہوا اُسی کی طرف جا۔ اور اُسی کا طالب اور مشتاق بن اور اگر تو اُسکو بھی اپنا ہی سا سمجھتا ہے اور اس بنا پر تو اپنے ابناے جنس کی خدمت سے احتراز کرتا ہے تو سمجھ لے کہ تو ریچھ کی طرح شیطان کے قبضہ مین ہے جو اژدہے کے مانند تیرے ہلاک کے درپے ہے اور بدون اس شیر مرد کی مدد اور اعانت کے تو ہرگز اُس ظالم کے پھندے سے نہین نکل سکتا۔ اور ہم پھر کہتے ہین کہ اگر تیرا رضا و تسلیم و اطاعت و انقیاد تجھے ترش معلوم ہوتا ہے تو سمجھ لے کہ تو ریچھ کی طرح اژدہے کے منھ مین ہے اور عنقریب موت کے منھ مین جانیوالا ہے۔ پس جبکہ تو خود نہین چھوٹ سکتا اور تجھ مین اتنی قوت نہین تو گریہ و زاری کر اور استعانت و استمداد سے ہرگز استنکاف مت کر ممکن ہے کہ رحم کھا کر کوئی استاد کامل اور عارف محقق تجھے چھڑا لے۔ اور اس خطرہ سے نکال لے۔ اور جبکہ تو خود اندھا ہے تو واقف راہ سے سرتابی

مت کر تیری رہائی کی صرف یہی صورت ہے ارے تو تو ریچھ سے بھی کم ہے کہ تو اپنی مصیبت سے روتا بھی نہیں کہ کسی کو رحم آوے اور تیری اعانت کرے۔ دیکھ تو سہی ریچھ اپنی فریاد کی بدولت چھوٹ گیا تجھے اس سے بھی عبرت نہیں ہوتی۔ (ف) بوکہ الخ اور شعر آیندہ میں ترغیب ہے۔ اتباع مرشد کامل کی اور تدبیر بتاتے ہیں شیطان کے پھندے سے نجات پانے کی اور تحذیر کرتے ہیں استبداد خود رائی سے جو اشعار بالا میں مذکور ہے چونکہ اتباع و انقیاد کامل دل پر نہایت شاق ہے اس لیے مولانا مناجات فرماتے ہیں۔ اور فرماتے ہیں کہ اے خدا اس پتھر کی طرح سخت دل کو موم کر دے۔ اور اسکے نالہ کو خوش آیندہ اور قابل رحم کر دے۔ کہ وہ اس مصیبت سے نجات پائے۔

شرح شبیری

اژدہا را۔ الخ۔ یعنی اژدہا کو قوت تو تھی حیلہ نہ تھا۔ لیکن تیرے حیلہ کے اوپر ایک اور حیلہ ہے۔ مطلب یہ کہ اس شیر مرد نے قوت و تدبیر دونوں سے کام لیا اور اژدہا میں صرف قوت تھی مگر تدبیر کچھ نہ جانتی تھی اس لیے ایک سے کام نہ چلا۔ اور گرفتار ہو گئی اگلے مصرع میں انتقال فرماتے ہیں کہ کہیں اپنی اس تدبیر اور حیلہ پر نازاں مت ہونا اور یہ مت سمجھ لینا کہ ہم بھی کچھ تدبیر اور حیلہ پر قادر ہیں بلکہ یاد رکھو کہ فوق کل ذی علم علیم تمھارے سے زیادہ ایک اور حیلہ گر اور قادر ہے اور اس کے سامنے تم بالکل مجبور ہو۔ اور وہ حق تعالے جل علےٰ شانہ ہیں لہذا ہر وقت اپنے کمالات کے سامنے کمالات حق اور جبروت اور عظمت حق کو پیش نظر رکھو۔ اور متکبر اور مغرور مت ہو۔

ماکران الخ۔ یعنی مکر کرنیوالے تو بہت ہیں لیکن قرآن شریف میں واللہ خیر الماکرین کو بھی دیکھو۔ مطلب یہی کہ اپنی تدابیر کے سامنے تصرف حق کو پیش نظر رکھو۔ تو کبھی تکبر اور غرور پیدا نہ ہو۔

حیلہ خود را الخ یعنی جب اپنے حیلہ کو دیکھو تو واپس ہو (اور یہ دیکھو) کہ وہ کہاں سے آیا ہے اور اس آغاز کی طرح جاؤ۔ مطلب یہ کہ اپنے تصرفات اور تدابیر کے مبدأ و منشا کو دیکھو کہ اصل میں کہاں سے آیا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ تمام افعال عبد مخلوق حق ہیں۔ اس لیے بس اپنے تصرفات پر نظر پڑتے ہی اور اپنے کمالات کو دیکھتے ہی فوراً کمالات اور تصرفات حق کو دیکھو کہ وہی اصل اور اسی سے یہ سب پیدا ہیں۔

ہر چہ۔ الخ۔ یعنی جو چیز کہ پستی میں ہے وہ بلندی سے آئی ہے تو خبردار نگاہ کو بلندی ہی کی طرف رکھ۔ مطلب یہ کہ جسقدر افعال و تصرفات ہیں سب عالم غیب اور جانب حق ہی سے آئے ہیں اس لیے اس اصل اور مبدأ ہی کیطرف نظر رکھو۔ تو اس سے تمکو یہ نفع ہو گا کہ۔

روشنی الخ۔ یعنی نظر کو بلندی میں روشنی حاصل ہو گی اگر اول بلا تاریکی کو لائی ہو۔ مطلب یہ کہ اگرچہ بلیات دنیاوی میں پھنسکر قلب تاریک ہو گیا ہو لیکن پھر بھی اگر توجہ اس عالم غیب کیطرف ہو گی تو امید اصلاح کی ہے اور امید ہے کہ رحمت حق نازل ہو جاویگی۔ ہاں عناد نہ ہو۔ جیسا کہ بارہا بیان کیا گیا ہے۔

چشم را۔ الخ۔ یعنی آنکھ کو روشنی کی عادت ڈال اگر تو خفاش نہیں ہے تو اس طرف نظر کر۔ مطلب یہ کہ تجلیات حق و انوار الٰہی کے مشاہدہ کی عادت ڈال اس لیے کہ آخر استعداد تو ہے ہی تو اسکو ظاہر کر اور پھر دیکھ کہ کس قدر انوار و تجلیات طاری ہوتے ہیں۔

عاقبت بینی الخ ۔ یعنی عاقبت بینی تیرے نور کی نشانی ہے اور یہ شہوت حالی تیرے قلعہ کا حجاب ہے ۔ مطلب یہ کہ اگر تم دیکھو کہ تمھارے اندر اخلاق حمیدہ ہین اور عاقبت اندیشی ہے تو سمجھ لو کہ یہ تجلیات اور انوار حق ہین اور اُن ہی کی یہ برکت ہے اور اگر شہوت و غضب اخلاق ذمیمہ تمھارے اندر ہین تو سمجھو کہ یہ حصار تقویٰ اور قلعہ خوف حق کا حجاب ہے۔

عاقبت بینی الخ ۔ یعنی جس عاقبت بین نے کہ سیکڑون بازیان دیکھی ہون وہ اُسکی مثل نہین کہ جسنے ایک ہی بازی سُنی ہو ۔ مطلب یہ کہ جس عارف اور محقق نے کہ لاکھون تصرفات حق کا مشاہدہ کیا ہو اور ہر وقت اُسکا یہی کام ہو تو وہ بیشک عالم اور محقق ہوگا بخلاف اُسکے کہ جسنے صرف اپنے ہی تصرفات کو دیکھا ہو کہ جو اُن تصرفات کے سامنے بالکل ہیچ اور کالعدم ہین اور ایسی مثال ہے کہ گویا صرف ایک ہی سُنا ہے اِس لیے کہ اِسکا دیکھنا بھی جب کہ بے تحقیق ہے تو سننے ہی کے مثل ہے ۔

زان یکے الخ ۔ یعنی اُس ایک ہی تصرف سے اِسقدر مغرور ہوگیا کہ تکبر کی وجہ سے اُستادون سے دور ہوگیا ۔ مطلب یہ کہ حالانکہ تصرفات انسانی تصرفات حق کے سامنے بالکل ہی ہیچ اور کالعدم ہین لیکن یہ غیر محقق اپنے اُسی ایک تصرف اور تدبیر کو دیکھکر ایسا مغرور ہو جاتا ہے کہ اُستادون سے الگ ہو جاتا ہے ۔ اور اُنکی طرف نسبت کو بھی عار جانتا ہے حالانکہ ظاہر ہے کہ جو کچھ بھی ہے اُس اُستاد ہی کا طفیل ہے لہذا یاد رکھو کہ من لم یشکر الناس لم یشکر اللہ اور لان شکرتم لازیدنکم ولان کفرتم ان عذابی لشدید لہذا چاہئے کہ اُستاد اور شیخ سے ہمیشہ تعلق رکھے اور اُس سے ہرگز ہرگز قطع تعلق نہ کرے کہ اُسکی بڑی نحوست اور ادبار ہوتا ہے آگے اُستاد اور شیخ سے نافرمانی اور گستاخی اور بے تعلقی کے ادبار اور نحوست کی ایک نظیر بیان فرماتے ہین کہ ۔

سامری وار الخ ۔ یعنی سامری کی طرح کہ اُسنے جب وہ ہنر اپنے اندر دیکھا تو موسیٰ علیہ السلام سے تکبر کی وجہ سے سرکشی کی ۔

او ز موسیٰ الخ ۔ یعنی اُسنے موسیٰ علیہ السلام سے ہی اُس ہنر کو سیکھا تھا اور معلم سے آنکھ کو سی لیا تھا ۔

لاجرم ۔ الخ ۔ یعنی آخرکار موسیٰ علیہ السلام نے دوسرا تصرف دکھایا یہان تک کہ وہ تصرف اُسکی جان لے گیا ۔ مطلب یہ کہ دیکھو سامری نے حضرت موسیٰ علیہ السلام ہی سے اُس خاک پایہ اسپ جبریل علیہ السلام کی تاثیر کو معلوم کیا تھا لیکن کمبخت نے ناشکری کی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا معاند اور مخالف ہوگیا ۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اُنھون نے بددعا کی اور اُس سے وہ تصرف اور وہ بات تو کیا ہی باقی رہتی بلکہ جان بھی جاتی رہی اور پھر جو انجام ہوا تو وہ ظاہر ہے کہ دوزخ ملی ۔ تو دیکھو کہ دنیا مین تو اُس سے وہ علم اور تصرف سلب ہوا اور ایک مرض سخت مین مبتلا ہوا اور آخرت مین بھی معذب ہوا نعوذ باللہ منہ ۔ لہذا ہرگز ہرگز شیخ کی ناشکری اور اُسکی شان مین گستاخی اور بے ادبی نہ چاہیئے کہ بہت سخت بات ہے حضرت حاجی صاحب ؒ سے اگر کوئی شخص عرض کرتا کہ حضرت کی برکت سے یہ نفع ہوا وہ نفع ہوا تو فرماتے کہ بھائی مین کیا ہون مین تو صرف واسطہ ہون اور میرے ذریعہ سے تمھاری استعداد ظاہر ہو جاتی ہے ورنہ فی الواقع تو جو کچھ تمھارے اندر ہی استعداد ہوتی ہے وہ ظاہر ہو جاتی ہے لیکن چونکہ حضرت محقق اور شیخ کامل اور مجدد وقت تھے اِس لیے یہ فرماکر پھر فرماتے ہین کہ اصل مین اور فی الواقع تو ایسا ہی ہے جیسا کہ مین نے کہا لیکن تمکو ضروری ہے کہ تم یہی سمجھو جیسا کہ تم کہا تمھارے لیے یہ سمجھنا کہ جو ہوا ہے ہماری استعداد کی وجہ سے

ہوا ہے مضر ہے لہذا خوب یاد رکھو کہ اگر کسی وقت مرید شیخ سے مرتبہ مین عنداللہ بھی بڑھ جاوے۔ لیکن پھر بھی اُسی کو واسطہ اور اسی کو وسیلۂ وصول سمجھے ورنہ بالکل ہی محروم رہ جاویگا نعوذ باللہ منہ۔ آگے فرماتے ہین کہ۔

اے بسا دانش - الخ - یعنی بہت سی عقلین ایسی ہوتی ہین کہ وہ سر کے اندر دوڑتی ہین تاکہ اُنکے ذریعہ سے سردار ہوجاوین تو خود سر ہی جاتا رہتا ہے مطلب یہ کہ بہت مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ عقل کے ذریعہ سے انسان بلند اور سردار بننا چاہتا ہے لیکن پھر بجاے اسکے کہ سرداری حاصل ہو اور بلند مرتبہ ہو خود یہ حضرت ہی فنا ہوجاتے ہین جیسا کہ سامری کے قصہ مین ہے کہ اُسنے چاہا تھا کہ اس ذریعہ سے مین مشہور ہونگا مجھکو لوگ مانین گے نتیجہ یہ ہوا کہ اپنی جان ہی کھو بیٹھا۔ جیسا کہ معلوم ہوا۔ آگے تعلیم فرماتے ہین کہ۔

گر نخواہی - الخ - یعنی اگر تو چاہتا ہے کہ سر نہ جاوے تو پاؤن ہوجا۔ اور کسی قطب صحیح الراے والعقل کی پناہ مین جا۔ مطلب یہ کہ اگر چاہتے ہو کہ طریق حق مین ہلاک اور غارت نہ ہو تو تواضع اور خشوع و خضوع اختیار کرو اور کسی شیخ کامل اور مربی شفیق کے پاس تفویض محض اختیار کرو۔ پھر انشاء اللہ تعالے کبھی بھی گمراہ نہ ہوگے اور ٹھوکر نہ کھاؤگے۔

گرچہ شاہی - الخ - یعنی اگرچہ بادشاہ ہے تو اپنے کو اُس سے زیادہ مت دیکھ اور اگرچہ تو شہد ہے مگر اُسکی شکر کے سوا اور کچھ مت چن۔ مطلب یہ کہ اگرچہ تو مرتبہ مین شیخ سے بڑھ جاوے اور اس سے زیادہ بھی ہوجاوے لیکن یہ یاد رکھ کہ کبھی اپنے کو اُس سے زیادہ مت سمجھنا بلکہ اُسکو اصل اور اپنے کو تابع ہی جاننا ورنہ تباہ اور ہلاک ہوجاؤگے۔ آگے شیخ کی اور مرید کی عقل کی مثال فرماتے ہین کہ۔

فکر تو - الخ - یعنی تیرا فکر تو نقش ہے اور اُسکی فکر جان ہے اور تیرا نقد تو کھوٹا ہے اور اُسکا نقد معدنی ہے۔ مطلب یہ کہ تیری سمجھ اور عقل کہ مثل قشر اور پوست کے تابع ہے اور اُسکی عقل جان اور مغز کی طرح اصل ہے تو اگر قشر مغز سے علیحدہ ہوجاویگا تو انجام کار یہ ہوگا کہ اُسکے ساتھ تو کچھ قیمت اُسکی بھی ملتی تھی لیکن اب بالکل بیکار اور بے قیمت اور فضول ہوجاویگا کوئی بھی نہ پوچھے گا۔ کہ حضرت کون ہین۔ اس لیے جہانتک ہوسکے اُس سے لگا ہی رہے کہ اسی مین سلامتی ہے اور فرماتے ہین۔

او توئی خود را - الخ - یعنی وہ تو تو ہی ہے اپنے کو اُسکے وجود مین تلاش کر اور کوکو کہو اور اُسکی طرف فاختہ ہوجاؤ۔ مطلب یہ کہ اپنے کو اس طرح سپرد کردو اور سونپ دو کہ پھر تمھاری راے اور عقل شیخ کے سامنے لاشے اور کالعدم ہوجاوین اور تم بالکل اپنی راے وغیرہ کو فنا ہی کردو۔ اور ہر وقت اُسکی رضا جوئی مین لگے رہو۔ اور اگر ایسا نہ کروگے اور شیخ کی خدمت سے اور اُسکی اطاعت سے عار کروگے اور اُس سے علیحدہ رہوگے تو یاد رہے کہ کورے کے کورے ہی رہوگے ایک دوسری جگہ خود مولانا فرماتے ہین کہ ؎ چون بہر زخمے تو پر کینہ شوی + پس کجا صیقل چو آئینہ شوی + اسی کو بیان فرماتے ہین کہ۔

در نخواہی - الخ - یعنی اور اگر تو اپنے ہمجنسون کی خدمت نہ چاہے گا تو اژدہا کے منھ مین رکھ کی طرح رہے گا۔ مطلب یہ کہ اگر شیخ سے جو کہ تمھاری ہی طرح انسان ہے اور کھاتا پیتا ہے علیحدہ ہوگے اور اُسکی خدمت کو عار سمجھوگے تو پھر تو نفس و شیطان کے پنجہ سے چھٹکارا بہت ہی مشکل ہے۔ لہذا چاہیئے کہ خدمت کرو کہ ایک وہ دن ہوگا کہ تم خود مخدوم ہوجاؤگے اس لیے کہ ہر کہ خدمت کرد او مخدوم شد۔ لیکن ہان یہ یاد رکھو کہ اگر اس خدمت سے مخدومیت کی نیت ہوگی

تو پھر بھی کچھ حاصل نہ ہوگا۔ پس اس سے تو صرف خدمت شیخ ہی مقصود ہو۔ اور مطلوب اصلی رضائے حق ہو اب اسپر جو مل رہے وہ عنایت ہے اپنی طرف سے فرمایش مت کرو۔ اپنی جانب سے تو بس کام مین لگے رہو۔ کہ جو کچھ ہے وہ اسمین ہے سے فراق و وصل چہ باشد رضائے دوست طلب + کہ حیف باشد از وغیر او تمنائے + جو عاشق ہوتے ہین اُنکی تو یہ حالت ہوتی ہے کہ کہتے ہین کہ سے مشرکت غم بھی نہین چاہتی غیرت میری + غیر کی ہوکے رہے یا شب فرقت میری + لہذا یاد رکھو کہ شیخ اور اُستاد سے علیحدہ ہو کر اور اُنسے قطع تعلق کرکے ہرگز فلاح حاصل نہین ہوسکتی۔ بلکہ جو کچھ موجود بھی ہے وہ بھی شاید سلب ہوجاوے۔ اللہم احفظنا ورزقنا برکات شیخنا واُستاذنا سلمہم اللہ تعالے بزرگون کی تو یہ حالت تھی کہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ جب مرض الموت مین مبتلا تھے تو مولانا ذوالفقار علی صاحب کے مکان پر قیام تھا اور بہت ہی ضعیف ہوگئے تھے لیکن جب مولانا ذوالفقار علی صاحب تشریف لاتے تو آپ اُٹھ بیٹھتے اگرچہ اُسمین بہت ہی تکلف ہوتا تھا اسپر مولانا ذوالفقار علی صاحب نے فرمایا کہ حضرت مین تو نیاز مندانہ اور خادمانہ حاضر ہوتا ہون۔ اور آپ ایسا برتاؤ فرماتے ہین۔ فرمایا کہ کس طرح نہ کرون آپ میرے اُستاد ہین۔ اسپر مولانا ذوالفقار علی صاحب نے فرمایا کہ حضرت بھلا مین کب اُستاد ہوا تھا فرمایا کہ ایک مرتبہ مولانا مملوک علی صاحب کو کوئی کام تھا اس لیے وہ تشریف لے جارہے تھے اور اُس زمانہ مین مین کافیہ اور آپ بڑی کتابین پڑھتے تھے تو مولانا مملوک علی صاحب نے آپ سے فرمایا کہ ذرا ان کو سبق کہلوا دو۔ اُسوقت آپ نے مجھے ایک سبق پڑھایا تھا اس لیے آپ میرے اُستاد ہوے اسپر مولانا ذوالفقار علی صاحب نے فرمایا کہ حضرت مجھے تو یاد بھی نہین تو فرماتے ہین کہ حضرت آپکی تو یہی خوبی ہے کہ آپ احسان کرکے بھول جاوین اور اُسکو یاد نہ رکھین لیکن اگر مین اُسکو بھول جاؤن تو میری نالائقی ہے اس لیے آپ کو تو بیشک یاد نہ ہوگا مگر مجھے یاد ہے اور اس لیے مجھے اُسکا حق بھی حتی المقدور ادا کرنا ضروری ہے اللہ اکبر کیا تواضع اور کیسی حق شناسی اور کیا ادب تھا کہ صرف ایک سبق پڑھ کر بھی مدۃ العمر ادب دلمین رہا اور اخیر عمر تک بالکل اُستادون جیسا ادب اور لحاظ رہا۔ اسی لیے جب ایک شخص نے حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب سے دریافت کیا کہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بھی تو اتنی ہی کتابین پڑھی ہین جتنی کہ ہمنے بلکہ شاید بعض کتابین ہمنے ہی زیادہ پڑھی ہونگی تو منجملہ ایک لمبی تقریر کے یہ بھی فرمایا کہ مولانا نے ہمیشہ اساتذہ کا بیحد ادب کیا ہے اس لیے اسکی یہ برکت ہے کہ مولانا کو علوم وہبی عطا ہوے ہین۔ تو دیکھئے کہ ادب شیخ اور اُستاد کی کیا برکت ہے لہذا اگر بے ادبی اور گستاخی کریگا تو اُسیقدر اُسکا وبال ہوگا۔ خوب سمجھ لو۔ آگے فرماتے ہین کہ۔

در ترش الخ۔ یعنی اور اگر تجھکو رضا کی قند ترش معلوم ہوتی ہے تو تو اژدہا کے مُنھ مین ریچھ کی طرح سے ہے مطلب یہ کہ اگر تمکو یہ طریق رضا ناگوار معلوم ہوتا ہے اور اطاعت نہین ہوسکتی تو سمجھ لو کہ ہمیشہ اسی طرح مقید نفس وشہوت دہوا رہوگے اور کبھی بھی اس سے چھٹکارا نہین مل سکتا۔

بوکہ۔ الخ۔ یعنی شاید کہ کوئی اُستاد تجھکو چھڑادے اور خطرہ سے باہر کھینچدے تو تو زاری کر جب تجھ مین زور نہین ہے اور جب تو اندھا ہے تو راستہ دیکھنے والے سے سرکشی مت کر۔ دونون شعر بالا مین مصرعہ مقدم مؤخر ہین اور اصل عبارت یون ہے کہ سے زاری کن چونکہ قوت نیست ہین + بو کہ اُستادے رہاند مر ترا +

ورنہ خطر بیرون کشاند مرترا ☆ چونکہ کوری سرکش اندراہ مین ☆ مطلب یہ ہے کہ اگر تمھارے اندر زور نہین ہے اور تمھارے اندر خود قدرت دفع بلیّات کی نہین ہے تو خیر تواضع وزاری ہی کرو کہ اسی کے ذریعہ سے شاید رحمت حق جوش مین آوے۔ اور کسی اُستاد کو تیرے لیے مقرر کردے وہ تیری ہدایت کردے۔ اگرچہ کسی درجہ ضلالت وگمراہی کو پہونچ چکا ہو۔ اِس لیے کہ وہ قادرِ مطلق ہین وہ جو چاہین کرین اُنکی قدرت مین یہ بھی ہے کہ وہ ایک کافر گبر صد سالہ کو ایک لمحہ مین ولی اور قطب کردین جیسا کہ حضرت غوث اعظمؒ کے تذکرہ مین اُنکے ایک شاگرد راوی ہین کہ ایک مرتبہ حضرت تہجد کو حسب معمول اُٹھے تو مین بھی اُٹھ کھڑا ہوا کہ اگر کسی کام وغیرہ کی ضرورت ہوگی تو حاضر ہونگا۔ لیکن حضرت کے سامنے نہین آسکے بلکہ ایک طرف کو آڑ مین رہے تو دیکھا کہ حضرت نے مصلے کی طرف رُخ نہین کیا بلکہ دروازہ کی طرف کو چلے اور خانقاہ کا دروازہ کھول کر باہر تشریف لے گئے تو یہ بھی پیچھے ذرا فاصلہ سے چلے حتیٰ کہ حضرت شہر پناہ کے دروازہ پر پہونچے۔ تو حضرت کی کرامت سے جسقدر قفل کہ لگ رہے تھے ٹوٹ کر گر پڑے اور پھاٹک کھُل گیا۔ حضرت باہر تشریف لے گئے اور یہ برابر ساتھ ہین۔ مگر ذرا فاصلے سے حتیٰ کہ شہر پناہ سے ذرا دور آگے دیکھا کہ ایک بہت بڑا شہر ہے حضرت اور یہ اُسمین داخل ہوے اِسکے بعد ایک مکان مین گئے حضرت جب اندر گئے تو یہ بھی چلے گئے اور ایک کونے مین کھڑے ہو گئے دیکھا کہ چند آدمی بہت ہی پاکیزہ صورت بیٹھے ہین اور حضرت کو دیکھتے ہی وہ سب کھڑے ہو گئے تھے اور پھر حضرت کے سامنے مؤدب بیٹھے ہوے تھے۔ اور ایک صاحب بہت ہی ضعیف اور نہایت نورانی شکل ایک حجرہ سے نکلا ور اُس حجرہ مین سے کراہنے کی آواز آرہی تھی تو وہ شخص معمر اُس مریض کی تیمارداری مین مشغول ہوے تھوڑی دیر مین وہ آواز تو منقطع ہوگئی اور پانی گرنے کی آواز آئی اِسکے بعد وہی معمر ایک جنازہ لیکر نکلے تو حضرت نے اُسکی نماز پڑھائی اور وہ اُسکو لیکر چلے گئے اِسکے بعد اُن حاضرین نے عرض کیا کہ حضرت اب کیا حکم ہے تو حضرت نے کچھ دیر سوچا کہ ایکدم سے دروازہ سے ایک نصرانی زنار پہنے داخل ہوا حضرت نے اپنے ہاتھ سے اُسکی زنار توڑی اور کلمہ تلقین کیا اور فرمایا کہ یہ ہے اُسکے بعد وہان سے تشریف لے چلے تو یہ بھی پیچھے ہوئے حتےٰ کہ اسی طرح خانقاہ مین داخل ہو گئے اور حضرت نے نوافل ادا فرمائین۔ جب صبح ہوئی تو ان پر اسقدر حیرت غالب تھی کہ سبق نہ پڑھا گیا حضرت نے فرمایا کہ پڑھو۔ تو عرض کیا کہ حضرت رات کے واقعہ کی حیرت اِس قدر غالب ہے کہ کچھ سمجھ مین ہی نہیں آتا تب حضرت نے فرمایا کہ کیا تم ساتھ تھے اُنھون نے عرض کیا کہ جی ہان ہمراہ تھا تو فرمایا کہ وہ شہر جو کہ تم نے دیکھا تھا وہ موصل تھا (جو کہ بغداد سے سیکڑون کوس پر ہے) اور وہ سب اقطاب تھے اور وہ معمر شخص حضرت خضر تھے اور وہ مریض ایک قطب تھے وہ چونکہ انتقال فرا رہے تھے اِس لیے حق تعالیٰ نے اُنکی تجہیز تکفین کے لیے حضرت خضر علیہ السلام کو مقرر فرمایا اور سب اقطاب کو ایک جگہ جمع کیا تھا کہ وہ انتقال فرما گئے اور حضرت خضر علیہ السلام اُنکو دفن کرنیکے لیے لے گئے۔ اور چونکہ مین قطب الاقطاب ہون اس لیے اُن سب نے پوچھا کہ اُنکی جگہ اب کس کے لیے حکم ہے تو مین نے حق تعالیٰ سے دعا کی ارشاد ہوا کہ قسطنطنیہ مین ایک نصرانی صلیب پرستی مین مشغول ہے اُسکو بنایا جاوے لہذا طے الارض کے ذریعہ سے اُسکو حاضر کیا گیا۔ اور پھر مین نے تمھارے سامنے اُسکا زنار توڑ کر کلمہ تلقین کیا۔ پس کلمہ کا تلقین کرنا تھا کہ وہ ابدال اور قطب ہوگیا۔ تو دیکھو ایک کافر کو ایکدم مین قطبیت عطا ہوگئی۔ لیکن عادت اللہ یون جاری نہین ہے بلکہ عادت اللہ اسی طرح جاری ہے کہ اول کام کرے پھر کچھ ملتا ہے لہذا اس بھروسہ پر کہ

فلان کو اِس طرح دولت ملکی تھی ہمکو بھی ملیگی۔ کام کو نہ چھوڑ بیٹھے کہ مضر ہے اور اسکی تو ایسی مثال ہے کہ جیسے کسی نے
خون کیا تھا اور ڈاکہ ڈالا تھا لیکن جب اُسکو عدالت مین حاضر کیا گیا اور مقدمہ پیش ہوا تو اسپر گورنمنٹ کی طرف سے
مراحم خسروانہ ہوے اور اُنکی وجہ سے رہا کردیا گیا۔ اب کوئی نادان اِسکو دیکھکر یون کہنے لگے کہ بس ڈاکہ ڈالنے سے
تو رہا ہوجاتے ہین اور خوب مال ملتا ہے اور خوب رہزنی اور قتل و غارت شروع کردے اور کوئی کام احکام گورنمنٹ
مین سے نہ مانے تو نتیجہ یہ ہوگا کہ ایکروز پھانسی ہوگی اور ان حضرت کا گلا ہوگا۔ خوب سمجھ لو۔ کہ ہمیشہ کام مین لگے
رہو اور شیخ اور اُستاد کے دامن کو مت چھوڑو اور اُس سے علیحدگی اختیار مت کرو۔ اور اُسکی شان مین گستاخی مت کرو
کہ باعث محرومی اور بہت بڑی نمکحرامی ہے اللھم احفظنا۔ آگے فرماتے ہین کہ۔

تو کم از خرسی۔ الخ۔ یعنی تو تو ریچھ سے بھی کم ہے کہ درد کی وجہ سے آہ و نالہ بھی نہین کرتا۔ اور دیکھو ریچھ نے فریاد کی تو
وہ چھوٹ گیا اِسی طرح اگر تم تضرع و زاری کروگے تو ان قیود نفسانی اور شیطانی سے رستگاری پاؤگے۔ اب چونکہ نافرمانی
اور گستاخی شیخ اور محسن ایک بڑی بلا تھی اور مولانا کی عادت ہے کہ جب کسی ایسی شے کا ذکر فرماتے ہین تو فوراً مناجات
فرمانے لگتے ہین۔ لہذا آگے بھی مناجات فرماتے ہین کہ۔

اے خدا۔ الخ۔ یعنی اے الٰہی اِس پتھر دل کو موم کردے اور اُسکے نالہ کو اچھا اور مرحوم کردے۔ مطلب یہ ہے کہ
اے الٰہی ہمارے قلوب کو جو بہت ہی سخت ہوگئے ہین نرم فرمادے۔ اور ہمارے نالون مین ایسا تضرع و زاری بخش کہ
جس سے تجھے رحم آوے اِس لیے کہ اگر تضرع و زاری نہ ہوگی تو اُسپر آپکو بھی رحم نہ ہوگا۔ تو صرف زبان سے استغفار
کرنے سے کوئی نتیجہ نہ نکلے گا۔ آگے اسپر ایک حکایت لاتے ہین جسکا خلاصہ یہ ہے کہ ایک اندھا یہ صدا لگاتا تھا
کہ اے مسلمانو مین دو کوریون مین مبتلا ہون اِس لیے مجھپر دوہرا رحم کرو۔ جب لوگون نے اُس سے پوچھا کہ اِسکا کیا
مطلب ہے کہ دو کوریون مین مبتلا ہے تو بولا کہ ایک تو مین اندھا ہون اور دوسری میری آواز بہت ہی بری ہے
تو جب کسی سے مانگتا ہون تو وہ میری آواز کو سنکر دھتکار دیتا ہے اِس لیے ایک یہ بھی باعث محرومی ہے تو
دو کوریان میرے اندر ہین تو مولانا فرماتے ہین کہ ایک تو ہمارے قلوب اندھے ہی ہین اور پھر اگر آواز مین بھی تضرع
و زاری نہ ہوگا تب تو بس بالکل گئے گذرے ہونگے اور ایک کی جگہ دو بلکہ تین کوریان ہوجاوینگی تو پھر رحمت حق
ہو ہی نہین سکتی۔ والعیاذ باللہ۔ اب سمجھو فرماتے ہین کہ۔

شرح حبیبی

گفتن نابینائے سائل با مردم کہ من دو کوری دارم مرا رحم کنید

آن یکے کوری ہمی گفت الامان	من دو کوری دارم از اہل زمان
پس دو بارہ رحمتم آرید ہان	چون دو کوری دارم اے اہل زمان
از تعجب مردمان گفتند لیک	این دو کوری را بیان کن نیک نیک
زانکہ یک کوریت مے بینیم ما	آن دگر کوری کدام آن وا نما

گفت زشت آوازم و ناخوش نوا — زشت آوازی و کوری شد دوتا
بانگ زشتم مایۂ غم می شود — مہر خلق از بانگ من کم می شود
زشت آوازم بہر جا کہ رود — مایۂ خشم و غم و کین مے شود
بر دو کوری رحم را دو تا کنید — اینچنین ناگنج را گنجا کنید
کرد نیکو چون بگفت این راز را — لطف آواز دلش آواز را
زشتیٔ آواز کم شد زین گلہ — خلق شد با وے برحمت یکدلہ
وانکہ آواز دلش ہم بد بود — آن سہ کوری زشتئے سرمد بود
لیک وہابان کہ بے علت دہند — بو کہ دستے بر سر زشتے نہند
چونکہ آوازش خوش و مرحوم شد — زو دل سنگین دلان چون موم شد
نالۂ کافر چو زشت ست و شہیق — زان نمی گردد اجابت را رفیق
اخسئوا بر زشت آواز آمدست — کو ز خون خلق چون سگ بود مست
چونکہ نالۂ خرس رحمت کش بود — نالۂ تو نبود این ناخوش بود
وانکہ با یوسف تو گرگی کردۂ — باز خون بے گناہے خوردۂ
توبہ کن وز خوردہ استفراغ کن — ور جراحت کہنہ شد رو داغ کن
باز گرد از گرگی اے روباہ پیر — نصرت از حق می طلب نعم النصیر

یہان سے مولانا فریاد و گریہ وزاری کے ساتھ درد دل کی ضرورت بتانا چاہتے ہین اور فرماتے ہین کہ ایک اندھا کہہ رہا تھا کہ آگے تو یہ اور اندھون مین تو ایک ہی اندھاپن ہوتا ہے مجھ مین دو ہین۔ اس لیے اگر انپر ایک شفقت کی ضرورت ہے تو مجھپر دو شفقتون کی۔ کیونکہ لوگو مجھ مین دو اندھے پن ہین۔ لوگون نے تعجب سے کہا کہ ان اندھے پنون کو مفصل بیان کر ہمکو ایک ہی اندھاپن دکھلائی دیتا ہے تم بیان کرو۔ کہ دو اندھے پن کون سے ہین تو اس نے کہا کہ مین بدآواز ہون ایک میری بدآوازی دوسرے اندھاپن یون دو اندھے پن ہوگئے۔ میری بدآوازی باعث رنج ہو جاتی ہے اور جسقدر میرے اندھے پن سے انکو رحم آتا ہے وہ بھی میری آواز سے جاتا رہتا ہے غرضکہ جہان میری آواز جاتی ہے غم و غصہ اور مخالفت کا سبب ہو جاتی ہے۔ پس تم میرے ان دو اندھے پنون پر رحم کرو اور اس کمین نہ سمانے والے کو سمائی کے قابل کردو۔ جب اسنے یہ کہا تو اسکی اس درد بھرے دل کی آواز کے لطف نے اسکی آواز کو خوش آیندہ کردیا۔ اور اسکی اس شکایت نے اسکی آواز کی برائی کو مٹا دیا۔ اور لوگون نے متفق ہوکر اسپر رحم کیا۔ اب تم غور کرو کہ جس کے دل کی آواز بھی بری ہو اور دلمین درد بھی نہ ہو۔ تب تو تین اندھے پن جمع ہو جائینگے جو کہ اغلب احوال مین اسکے لیے دائم ہونگے اغلب احوال مین ہمنے اس لیے کہا کہ یہ اہل اللہ جو بے علت و توقع نفع سخاوت کرتے ہین ممکن ہے اسکے سر پر دست شفقت رکھین اور اسکی اس نابینائی کو دور کرکے بینا اور عارف کردین۔ اس لیے چاہیے کہ ایسے لوگون کی بھی تحقیر نہ کیجاوے کیونکہ انکا اہتدا ممکن ہے گو بعید ہے۔ غرض جب اسکی آواز درد دل سے خوش آیندہ اور قابل رحم ہوگئی تو اس سے سخت دلونکا دل

موم کی طرح نرم ہوگیا۔ اور انھون نے اُسپر رحم کیا یہان تک تو درد دل کی فضیلت معلوم ہوگئی اب کچھ بے درد کا بیان بھی سُن لینا چاہیئے نالۂ کافر چونکہ بُرا اور مکروہ ہے اِس لیے اجابت سے قرین نہین ہوتا۔ اور اِس زشت آواز کے لیے حکم ہوتا ہے اخسئوا فیہا ولا تکلمون اور اُسکی آواز مین زشتی کیون پیدا ہوئی اِس لیے کہ وہ خونخوار تھا اور خلق خدا کے خون سے کتے کی طرح یا گدھے کے مانند مست تھا۔ کم از کم یہ کہ خود اپنے ہی اوپر ظلم کرتا تھا۔ اور اپنے اوپر بھی اُسکو درد نہ آتا تھا۔ جبکہ ریچھ کا نالہ تو رحمت کو اپنی طرف متوجہ کرنے والا ہو اور تیرا نالہ رحمت کو اپنی طرف مائل نہ کرے تو اسکی وجہ یہ ہے کہ وہ ناپسندیدہ ہے اور وجہ یہ ہے کہ تو نے اپنی جان پر جو کہ یوسف کے مانند عزیز ہے زیادتی کی ہے اور اسکے ساتھ بھیڑیا پن کیا ہے یا ایک بے گناہ کا خون کھایا ہے یعنی کسی دوسرے کو بھی اولاد وغیرہ کو گمراہ کیا ہے۔ پس تو توبہ کر اور جو کھایا ہے اُسکو نکال اور مجاہدہ کر۔ اور اگر زخم پرانا ہوگیا ہے تو اُس کو داغ کر۔ یعنی مجاہدہ مین انتہائی کوشش کر اور اے پرانے حیلہ گر تو آیندہ کے لیے اِس بھیڑیے پن اور اپنے نفس پر اور دوسرون پر ظلم کرنے سے باز آ اور خدا سے مدد چاہ وہ بہتر مدد کرنے والا ہے۔

شرح شبیری

ایک اندھے سائل کا لوگون سے یہ کہنا کہ مین دو کوری رکھتا ہون مجھ پر رحم کرو

آن یکے الخ۔ یعنی ایک اندھا کہتا تھا کہ اللہ بھلا کرے سالے لوگو مین دو کوری رکھتا ہون۔

پس دوبارہ۔ الخ۔ یعنی پس رحم (بھی) دوبار کرو جبکہ مین دو کوری رکھتا ہون اور مین بیچ مین ہون۔ تو رحم بھی دو ہونے چاہیین۔

از تعجب الخ۔ یعنی لوگون سنے تعجب سے کہا لیکن ان دونون کوریون کو تو ذرا اچھی طرح بیان کر دکہ اِس سے کیا مراد ہے)

زانکہ الخ۔ یعنی اِس لیے کہ تیری ایک کوری ہم تو دیکھ رہے ہین وہ دوسری کوری کیا ہے ذرا دکھلا تو سہی۔

گفت زشت الخ۔ یعنی بولا کہ مین بُری آواز والا ہون اور بُری صدا والا تو زشت آوازی در کوری دُہری ہوگئی

بانگ زشتم الخ۔ یعنی میری بُری آواز سبب تکلیف (خلق) ہوتی ہے اور میری آواز کی وجہ سے لوگونکی مہربانی کم ہوجاتی ہے۔

زشت آوازم الخ۔ یعنی میری بُری آواز جہان جاتی ہے غصہ اور غم اور کینہ کا سبب ہوجاتی ہے (اور لوگ مجھ سے نفرت کرنے لگتے ہین)

بردو کوری الخ۔ یعنی دو کوری پر رحم بھی دُہرا کرو اور ایسے نہ سمانے والے کو بھی کہین جگہ دیدو۔

زشتی آواز۔ یعنی اِس گلہ کرنے سے اُسکی زشت آوازی کم ہوگئی اور مخلوق نے اُسپر ایک دل ہو کر رحم کیا یعنی اُسکی اِس نالہ و فریاد اور اپنی کمی کے اعتراف کا یہ اثر ہوا کہ سب لوگ اُسپر مہربان ہوگئے۔

کرد نیکو الخ۔ یعنی اُس کے دل کی آواز کی خوبی نے اُسکی آواز ظاہر کو بھی اچھا کر دیا۔ جبکہ اُسنے راز کو کہا۔ یہان عبارت مین کچھ تقدیم و تاخیر ہے اور کرد کا مفعول اول تو نکتۂ دل ہے اور مفعول ثانی آواز ہے اور عبارت

یون ہی کہ کردِ لطف آواز دش آواز را نیکو ہی گفت اور از را اسی لیے معنی بھی اسی اعتبار سے لیے گئے ہین مطلب یہ ہی کہ اس تضرع وزاری سے لوگونکی وہ نفرت جو اُنکی آواز سے تھی جاتی رہی اور اُسپر سب نے رحم کیا۔ اسیطرح اگر دعا اور دعوا عن الحق مین ہماری آواز مین بھی تضرع ہوگا تو ضرور ہے کہ رحمت حق متوجہ ہوگی ورنہ عادت اللہ یون ہی کہ ایسے موقعہ پر رحمت نازل نہین ہوتی۔ آگے فرماتے ہین کہ۔

وانکہ آواز الخ۔ یعنی اور وہ شخص کہ جسکی آواز قلب بھی بُری ہو اُسکو تو یہ تین کوریان ہمیشہ کے لیے بُرائی ہو جاوین۔ اور اُسکے اندر تو دو ہی کوریان تھین لیکن اُمین پھر تین کوریان ہو جاوین جیسا کہ ظاہر ہے کہ ایک کوری چشم اور دوسری آواز اور تیسری قلب کی۔

لیک وہاب آن الخ۔ یعنی لیکن عطا فرمانے والے جو کہ بے سبب بھی عطا فرماتے ہین شاید کہ اُسکی زشتی پر کوئی ہاتھ رکھدین۔ مطلب یہ کہ عادت اللہ تو یون ہی جاری ہے لیکن ممکن یہ بھی ہے کہ باوجود اُسکے عناد اور مخالفت کے یہ تینون کوریے جمع ہو جاوینگے۔ کوئی بندہ خدا اُسپر مہربان ہو اور اُسکی ساری خرابیان دور ہو جاوین اور ساری گند کٹجاوے اس لیے کہ ان حضرات کی عطا کے لیے کسی علت اور سبب کی ضرورت نہین ہے۔ بلکہ وہ حضرات بے کسی اپنی حاجت کے بھی عطا فرمادیتے ہین۔ لیکن اسپر بھروسہ نہ کرے کہ یہ اتفاقی ہے۔ عادی نہین ہے جیسا کہ اوپر بتایا بھی گیا ہے آگے پھر اس سائل کو فرماتے ہین کہ۔

چونکہ الخ۔ یعنی جبکہ آواز اچھی اور مرحوم ہوگئی تو اُس سے سنگین دلون کا دل بھی موم کی طرح ہوگیا۔ یعنی بڑے بڑے سنگدلون کو بھی اُسکی بے کسی اور بے بسی پر رحم آ ہی گیا تو جو حضرات کہ رحم دل اور نرم دل ہوتے ہین وہ تو کیون رحم نہ فرمادینگے خوب سمجھ لو۔ اور فرماتے ہین کہ۔

نالۂ کافر الخ۔ یعنی کافر کا نالہ جب بُرا ہے اور منکر ہے اسی لیے اجابت کا قرین نہین ہوتا مطلب یہ کہ تضرع کا تو وہ اثر ہوتا ہے کہ سنگدل بھی موم کی طرح نرم ہو جاتے ہین۔ اور سختی اور تکبر کا یہ اثر ہوتا ہے کہ اُسکو سب نفرت سے دیکھتے ہین اور اسی لیے چونکہ دعا کافر اور فریاد منکر کبھی قبول نہین ہوتی بلکہ رد ہوتی ہے۔

اخسئوا۔ الخ۔ یعنی زشت آوازی پر ہی اخسئوا کا جواب آیا ہے اس لیے کہ وہ آواز ہی مخلوق کی وجہ سے کُتے کی مثل ہو رہا تھا۔ مطلب یہ کہ چونکہ کفار کی ذات سے اکثر اہل ایمان کو کلفت ہی ہوتی ہے اور پھر خاص کر حضور مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت ہی ہوتی ہے کیونکہ آپکی خدمت مین ہر ہفتہ مین اعمال پیش ہوتے ہین اس لیے حق تعالے کو کفار کی دعا اور اُنکی پکار بہت ہی منکر معلوم ہوتی ہے۔ اور اُنکی دعا پر اسی لیے قیامت مین اخسئوا فیہا ولا تکلمون ارشاد ہوگا تو دیکھیے تضرع نہ ہونے سے کس قدر بڑی مضرت ہے۔

چونکہ الخ۔ یعنی جبکہ ریچھ کی فریاد رحمت کی جاذب ہے تو اگر تیرا نالہ ایسا نہین ہے تو وہ بُرا ہے۔ مطلب یہ کہ دیکھو جب اُس ریچھ نے فریاد کی تو اُسکی فریاد پر تو ایک نیک انسان کو رحم آگیا لیکن تیری فریاد پر جو حق تعالے کو رحم نہین آتا حالانکہ وہ رحیم وکریم ہین۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ تیرا نالہ دل سے نہین ہے بلکہ وہ ایک آواز منکر ہے کہ جس سے سب کو نفرت ہے اور صرف زبان ہی سے کہہ رہا ہے دل بالکل کورا پڑا ہے ورنہ ع رحمت حق بہانہ میجوید + اگر تیرے اندر ذرا سا بھی تضرع ہوتا تو ضرور حق تعالے کو توجہ ہوئی اور ضرور رحمت نازل ہوتی۔ لہذا توبہ کرو اور تضرع وزاری

اور تواضع اختیار کرو۔ آگے خود فرماتے ہین کہ ۔

وانکہ الخ ۔ یعنی تونے جو یوسف (جیسون) کی ساتھ گرگی کی ہو اور پھر کسی بیگناہ کا خون کھایا ہو۔

توبہ کن الخ ۔ یعنی توبہ کر اور رکھائے ہوئے کی ستے کر۔ اور اگر زخم پرانا ہوگیا ہو تو داغ لگوا۔ (کہ حدیث مین ہو کہ آخر دوا داغ لگوانا ہو) مطلب یہ ہو کہ تمنے جو اس نافرمانی اور عصیان سے اہل اللہ اور بندگان خدا اور انبیار کو تکلیف پہونچائی ہو اور ویسے بھی اون کو ستایا ہو اور بہت سے حقوق العباد کھائے بیٹھے ہو تو اب اس سے نجات ملنے کا یہ طریقہ ہو کہ جسکو ستایا ہو اوس سے معاف کرا ؤ۔ اور حقوق العباد جو کھا چکے ہو اون کو ادا کرو اور آگلو او سکے بعد پھر تضرع وزاری کام دی سکتی ہو ۔ ورنہ اگر حقوق العباد گردن پر باقی رہین اور زبانی توبہ کیجا دے تو اس تضرع وزاری سے کام نہین چلتا ۔ بلکہ بعد ان مجاہدون کے جن کو ستایا ہی اونسے بہ منت معافی مانگی جاوے اور حقوق العباد ادا کئے جاوین تب یہ تضرع وزاری کار آمد ہو سکتی ہو۔ اور اگر قلب بالکل ہی مسخ ہوچکا ہو اور کسی طرح درست ہی نہوتا ہو تو اب اوسکا یہ علاج ہو کہ اوسکو خوب اچھی طرح ذلیل وخوار کرو اور مجاہدات دریاضات کاملہ کرو اور اپنے کو کسی شیخ کامل کے سپرد کردو اوس کے بعد پھر انشاراللہ تم پر رحمت نازل ہو گی ۔

آگے نصیحت فرماتے ہین کہ ۔

باز گرد الخ ۔ یعنی ارے بڈہی لومڑی (کی طرح) گرگی سے باز آجا ۔ اور حق تعالیٰ سے مدد چاہ کہ وہ بہت اچھا مدد کرنے والا ہو ۔ مطلب یہ کہ اے مکار اور اے نفس و شیطان کے جال مین پھنسنے والے ذرا تو اپنے دلمین شرما اور اس مردم آزاری سے باز آ ۔ اور اسمین حق تعالیٰ سے مدد مانگ کہ وہ تیری مدد فرما دینگے اور تو مقصود کو پہونچ جاویگا ۔ اب آگے اوس ریچھ کی اور اس شخص کی حکایت کو پورا فرماتے ہین ۔

شرح حبیبی

تتمہ حکایت خرس وآن ابلہ کہ بر وفاے خرس اعتماد کردہ بود

خرس ہم از اژدہا چون وارہید ۔۔۔ وان کرم زان مرد مردانہ بدید

چون سگ اصحاب کہف آن خرس زار ۔۔۔ شد ملازم از پئے این بردبار

آن مسلمان سر نہاد از خستگی ۔۔۔ خرس حارس گشت از دل بستگی

آن یکے بگذشت وگفتش حال چیست ۔۔۔ اے برادر مر ترا این خرس کیست

قصہ واگفت وحدیث اژدہا ۔۔۔ گفت بر خرسے منہ دل ابلہا

دوستی ز ابلہ بتر از دشمنی است ۔۔۔ او بہر حیلہ کہ دانی راندنی است

گفت واللہ از حسودی گفت این ۔۔۔ ورنہ خرسے چہ نگری این مہر بین

گفت مہر ابلہان عشوہ دہ است ۔۔۔ این حسودی من از مہرش بہ است

ہی بیا با من بران این خرس را ۔۔۔ خرس را مگزین مہل تو جنس را

گفت رو رو کار خود کن اے حسود ۔۔۔ گفت کارم این بد و رزقت بنود

من کم از خرسے نباشم اے شریف ۔۔۔ ترک او کن تا منت باشم حریف

برتو دل می لرزدم زاندیشهٔ　　با چنین خرسی مرو در بیشهٔ

این دلم هرگز نلرزید از گزاف　　نور حقست این نه دعوی و نه لاف

مومنم ینظر بنور الله شده　　هان و هان بگریز ازین آتشکده

اینهمه گفت و بگوشش در نرفت　　بدگمانی مرد را سدیست زفت

دست او بگرفت و دست از وی کشید　　گفت رفتم چون نهٔ یار رشید

گفت رو با من تو غمخواره مباش　　بوالفضولا معرفت کمتر تراش

بازگفتش من عدوی تو نیم　　لطف باشد گر بیائی در پیم

گفت خوابستم مرا بگذار و رو　　گفت آخر یار را منقاد شو

تا بخسپی در پناه مقبلی　　در جوار دوستی صاحبدلی

در خیال افتاد مرد از جد او　　خشمگین شد زود بگردانید رو

کین مگر قصد من آمد خونی است　　یا طمع دارد گدای و تونی است

یا گروبستست با یاران بدین　　که بترساند مرا زین همنشین

یا حسد دارد ز مهر یار من　　کاینچنین جد می کند در کار من

خود نیامد هیچ از خبث سرش　　یک گمان نیک اندر خاطرش

ظن نیکش جملگی بر خرس بود　　او مگر مر خرس را همجنس بود

بدگمان و ابله و نا اهل بود　　وز شقاوت او مطیع جهل بود

بدرگ و خود رای و بدبخت ابد　　گمره و مغرور و کور و خوار و رد

خرس را بگزید بر صاحب کمال　　روسیه حاصل بتہ فاسد خیال

عاقلی را از خری تهمت نهاد　　خرس را دانست اهل مهر و داد

جب ریچھ نے اژدہے کے پنجہ سے رہائی پائی اور اس بہادر شخص کی یہ شفقت مشاہدہ کی تو وہ بیچارہ ریچھ سگ اصحاب کہف کیطرح اس شخص کے پیچھے لگ لیا اور اسکے ساتھ ہولیا۔ وہ مسلمان کہین ماندگی کے سبب لیٹ رہا۔ تو ریچھ اُس تعلق کے سبب جو اسکو اس شخص کیساتھ پیدا ہوگیا تھا پہرہ دینے لگا۔ اتفاقاً ایک شخص کا وہان گذر ہوا تو اُسنے دریافت کیا کہ بھائی یہ کیا بات ہی اور اس ریچھ کو تجھ سے کیا تعلق ہے! اسنے وہ تمام واقعہ اور اژدہے کی کہانی بیان کی اوسنے کہا کہ ارے احمق ریچھ سے دل نہ لگا نادان کی دوستی دشمنی سے بدتر ہی لہذا جس تدبیر سے بھی ممکن ہو اسکو نکال دینا چاہیے۔ اوس شخص نے یہ سنکر کہا کہ اسنے میرے اس امتیاز پر حسد کیا اور حسد سے ایسا کہتا ہی ورنہ اسکے دیکھنے کو کیا دیکھتے ہو اسکی محبت کو دیکھنا چاہیئے۔ گو صورتاً ریچھ ہی مگر اسکی محبت آدمیون سے زیادہ ہی۔ لہذا یہ ہرگز نکالنے کے قابل نہین۔ اوسنے کہا کہ یہ سچ ہی کہ یہ محبت کرتا ہی مگر احمقون کی دوستی دہوکھا دینے والی ہوتی ہی اور میرا یہ حسد (یعنی میری نصیحت جسکو تو حسد سمجھتا ہی) اسکی محبت سے اچھا ہی دیکھ تو میری ساتھ آ۔ اور اس ریچھ کو چھوڑ دے اور ریچھ کو اپنی ہم جنس کے مقابلہ مین مت اختیار کر اور اپنے ہمجنس کو مت چھوڑ۔ اوسنے کہا چل چل اپنا کام کر زیادہ باتین نہ بنا۔ مین سمجھتا ہون

کہ تو حاسد ہے اوسنے کہا خیر میرا جو کام تھا کر چکا تمھاری قسمت مین کیا کرون سارے بھلے مانس مین ریچھ سے تو کم نہین اسے چھوڑ دے کہنا مان اور میرا ساتھی ہوجا - مجھے تیرے متعلق کھٹکا ہے اور اس سے میرا دل کانپ رہا ہے معلوم نہین کہ اس ریچھ کے سبب تجھپر کیا مصیبت نازل ہو تو ایسے ریچھ کے ساتھ جنگل مین نہ جا یہ میرا کلیجہ فضول دہک دہک نہین کرتا - مین سچ کہتا ہون یہ ڈینگ اور شیخی نہین بلکہ نور حق اور اس فراست کے سبب ہے جو حق سبحانہ مومنین کو عطا فرماتے ہین چونکہ مین مومن ہون اور حق سبحانہ کے نور سے دیکھتا ہون اسلئے میرا گمان غلط نہین دیکھ دیکھ کہنا مان اور اس آتشکدہ سے بھاگ اوسنے یہ سب کچھ کہا مگر اوسنے ایک بھی نہ سنی اور بدگمانی اسکے لئے ایک زبردست حاجب ہوگئی کیونکہ بدگمانی آدمی کیلئے ایک مضبوط روک ہے بالآخر اوسنے یہ کیا کہ اوسکا ہاتھ پکڑا اور اپنی طرف کھینچا - مگر اوسنے ہاتھ بھی چھڑا لیا جب اوسنے دیکھا کہ کسیطرح نہین مانتا تو مجبور ہوکر کہا کہ خیر جبکہ تو ٹھیک ساتھی نہین ہے تو مین جاتا ہون اوسنے کہا بسم اللہ آپ تشریف لیجائیے اور میری ہمدردی نہ کیجئے اور یہ بزرگی کی باتین نہ بنائیے - پھر بھی اُس ناصح سے نہ رہا گیا اور کہا کہ دیکھ مین تیرا دشمن نہین ہون تیری بڑی مہربانی ہوگی اگر تو میری بات مان لے اوسنے کہا مجھے نیند آرہی ہے للہ مجھے معاف کیجئے - اور آپ تشریف لیجائیے اوسنے پھر کہا کہ ارے نادان اپنے دوست کی بات مان لے تاکہ تو ایک خوش نصیب دوست صاحبدل کی پناہ مین اور اوسکے پاس سوئے اس اصرار سے وہ شخص بیہودہ خیال مین پھنس گیا - کہ یہ کوئی خونی ہے جو مجھے مارنے آیا ہے یا کوئی لالچی فقیر اور کمینہ ہے کہ مجھپر احسان رکھکر کچھ اینٹھنا چاہتا ہے یا اسنے اپنے دوستونسے اسکی شرط بدی ہے کہ مجھکو میرے اس ہمنشین سے ڈرا دے اور بدظن کرکے چھڑا دے - یا میرے اس یار کی دوستی سے حسد کرتا ہے کہ میرے معاملہ مین اسقدر اصرار کرتا ہے یہ خیال کرکے غصہ ہوکر منہ پھیر لیا اور بجز خیالات فاسدہ کے اسکے خبث باطن سے ایک خیال بھی اچھا اوسکے دلمین نہ آیا - بلکہ اچھا گمان بالکل اوسکو ریچھ پر تھا - معلوم ہوتا ہے کہ بلحاظ ظلمیت کے وہ ریچھ کا ہمجنس تھا - بدگمان تھا - احمق تھا - نااہل تھا اور اپنی بدبختی سے نادانی کا مطیع تھا - بدذات تھا - بدرائے تھا بدبخت ابدی تھا گمراہ تھا دہوکہ مین مبتلا تھا اندھا اور ذلیل و مردود تھا - کہ اس روسیاہ بتاہ حاصل اور فاسد خیال نے ایک صاحب کمال کے مقابلہ مین ریچھ کو ترجیح دی اور اپنے گدھے پن سے ایک عاقل پر حسد وغیرہ کی تہمت رکھی - اور ریچھ کو دوست سمجھا -

شرح شبیری

ریچھ اور اُس بیوقوف کی حکایت کا تتمہ جسنے کہ ریچھ کی وفاداری پر بھروسہ کیا تھا -

خرس الخ - یعنی ریچھ بھی جب اژدہا سے چھوٹ گیا اور اُس مرد مردانہ سے یہ کرم دیکھے -

چون الخ - یعنی اصحاب کہف کے کُتے کی طرح وہ ضعیف ریچھ اوس یار غار کے پیچھے ہولیا -

آن الخ - یعنی وہ مسلمان تو خستگی کی وجہ سے لیٹ گیا - اور وہ ریچھ خوب دل لگاکر اوسکا محافظ بنا - یعنی یہ شخص تو سو گیا اور ریچھ صاحب نے پہرا دینا شروع کیا -

آن یکے الخ - یعنی ایک شخص گذرا تو اوسنے کہا کہ یہ کیا حالت ہے ارے بھائی یہ ریچھ تیرا کون ہے (آیا بھائی یا باوا ہے) جو اسطرح آرام سے آپ اسکی نگہبانی مین سج رہے ہین -

قصہ الخ۔ یعنی اس شخص نے قصہ کہا اور اژدہا کی بات کہی تو وہ سننے کہا کہ اے بیوقوف ایک ریچھ پہ دل مت رکھہ یعنی اس سونے والے نے سب قصہ سنایا کہ اسطرح سے یہ میرے ساتھ ہوا ہے تو اس ناصح نے کہا کہ ارے بیوقوف اسپر بھروسہ مت کر اور اسکو دوست مت سمجھ۔ اسلئے کہ۔

دوستی الخ۔ یعنی بیوقوف کی دوستی دشمنی سے بھی بدتر ہے اور یہ تو جس حیلہ سے کہ تو جانے نکالنے کے قابل ہے مطلب یہ کہ چونکہ دشمن سے تو انسان بچاؤ کرتا ہے اور اوسکے نقصانات سے پرہیز کرتا ہے لیکن اگر کوئی شخص دوستی کے پیرایہ میں دشمنی کرے تو وہ بہت ہی خطرناک ہے تو چونکہ بیوقوف کو عقل تو ہی نہیں اسلئے بجائے نفع کے ضرر ہی پہونچاویگا۔ اور چونکہ اوسکو دوست سمجھے ہوئے ہے اس لئے بچاؤ بھی نکریگا۔ لہذا اسکی دوستی دشمنی سے بھی بدتر ہوئی۔ اور چونکہ یہ ریچھ حیوان اور بیوقوف ہے اسلئے اسکو بھی جسطرح ہوسکے اپنے سے الگ کردے ان ساری نصیحتوں کو سنکر وہ حضرت ریچھ والے فرماتے ہین کہ۔

گفت واللہ الخ۔ یعنی وہ ریچھ والا کہنے لگا کہ خدا کی قسم حسد کی وجہ سے یہ کہا ہے ورنہ ریچھ ہین کیا دیکھتے ہو اس مہربانی کو دیکھو۔ مطلب یہ کہ جب اوس پندگو نے یہ باتین کہین اور کہا کہ بھائی اسکو اپنے پاس سے ہٹادے تو آپ فرماتے ہین کہ چونکہ مجھے اسقدر امتیاز حاصل ہے کہ میرا نگہبان ایک درندہ ہے اسلئے آپکو حسد پیدا ہوا ہے اور چاہتے ہو کہ یہ امتیاز مجھے حاصل نہو ورنہ اسکے اندر تو خرسی کا کہین پتا بھی نہیں۔ بلکہ یہ اسکی ملاطفت اور مہربانی قابل دید ہے۔ کہ یہ ایک انسان کی کسطرح حفاظت کررہا ہے (عجب کوڑ مغز آدمی ہے) یہ سنکر وہ پندگو کہتا ہے کہ۔

گفت الخ۔ یعنی اوس پندگو نے کہا کہ بیوقوفوں کی مہربانی دہوکا دینے والی ہوتی ہے اور میری یہ حسودی اوسکی مہربانی سے بہتر ہے اسلئے کہ اوسمین تو تیرا کوئی فائدہ بجز ایک حصول امتیاز موہوم کے کچھ بھی نہیں ہے اور میری اس نصیحت مین جسکو کہ تو اپنی کجفہمی سے حسد سمجھ رہا ہے تیرا فائدہ ہے اسلئے چاہیے کہ نصیحت کو سُن اور اس کو الگ دے اور کہا کہ ہی بیا با من الخ۔ یعنی ارے میری ساتھ آ اور اس ریچھ کو بھگا دے خرس کو قبول مت کر اور ہمجنس کو چھوڑ مت

گفت الخ۔ یعنی وہ ریچھ والا بولا کہ ارے حاسد جا جا اپنا کام کر۔ تو وہ ناصح بولا کہ میرا کام تو یہی تھا اور تیری قسمت مین نتھا مطلب یہ کہ اب اون ریچھ والے صاحب کو جوش آیا اور بولے کہ اے چل کہاں کی نصیحت لئے پھرتا ہے وہ چونکہ بہت ہی مشفق تھا اسلئے کہنے لگا کہ بھائی میرا تو کام ہی نصیحت کرنا تھا اب تیری قسمت ہی مین نہو تو مین کیا کرسکتا ہون یہ کہکر پھر جوش شفقت سے سمجھانے لگا کہ۔

من کم از الخ۔ یعنی اے بھلے آدمی مین ریچھ سے تو کم نہیں ہون تو اسکو چھوڑ تاکہ مین (اوس سے اچھا) تیرا ساتھی ہوجاؤن۔

بر تو دل الخ یعنی میرا دل تیرے اوپر اندیشہ کیوجہ سے کانپ رہا ہے ارے تو ایک ریچھ کیساتھ جنگل مین مت جا۔ مبادا تجھے کوئی گزند پہونچادے کہ آخر تو حیوان لایعقل ہے۔ جب غصہ آوے تو بھلے برے کی کچھ بھی تمیز نہ رہے گی خدا کے لئے میرے کہنے کو مان لے۔ اور اسکو چھوڑ دے اور کہتا ہے کہ۔

این دلم الخ۔ یعنی یہ میرا دل فضول نہین کانپ رہا ہے۔ بلکہ یہ نور حق ہے کوئی دعوے یا شیخی نہین ہے مطلب یہ کہ مین جو یہ کہہ رہا ہون کہ مجھے اندیشہ ہے کہ مبادا کہین تجھکو یہ گزند پہونچادے تو یہ میرا خیال ہی نہین ہے بلکہ یہ مین الہام

سے کہہ رہا ہون صرف شیخی اور دعوے ہی نہین ہے بلکہ جو کہہ رہا ہون ضرور ہوگا - اسلئے خدا کیلئے میرا کہا مان اور اسکو چھوڑ اور وہ کہنے لگا
ہو منشم الخ یعنی مین مومن ہون وہ کہ ینظر بنور اللہ ہوچکا ہو تو ضرور اس آتشکدہ سے بھاگ - مطلب یہ کہ دیکھ میرا کہنا کوئی ایسا
کہنا نہین ہے کہ صرف ایک گمان اور وہم سے کہا ہو بلکہ میری وہ حالت ہے کہ مین الحمدللہ نور حق سے دیکھتا ہون اور مجھے بصیرت
کاملہ حاصل ہے - اسلئے مجھے صاف طور پر معلوم ہو رہا ہے اور الہام کے ذریعہ سے معلوم ہوا ہے کہ یہ تجھے گزند پہونچا ویگا - اسلئے خدا
کیلئے اس سے الگ رہ اور اس سے دوستی مت کر آگے مولانا فرماتے ہین کہ -

اثیمہ گفت الخ - یعنی یہ سب کچھ کہا اور اوسکے کانین کچھ نہ گیا - اسلئے کہ بدگمانی انسانکے لئے ایک سخت روک ہے - مطلب یہ کہ چونکہ
اس شخص کو اوس مرد خدا پر بدگمانی ہوگئی تھی کہ اسکی کوئی غرض اس سمجھانے مین ہے لہذا یہ بدگمانی قبول حق سے اوسکو بہت
بڑی رکاوٹ اور آڑ ہوگئی - اور اوسنے ہرگز قبول حق نہ کیا اب جبکہ زبانی سمجھانے سے اوسکی سمجھ مین نہ آیا تو اوسنے پھر
ایک کوشش کی اور وہ یہ کہ -

دست الخ - یعنی اوس ناصح نے اوسکا ہاتھ پکڑا اور اوسنے اوس سے ہاتھ کھینچ لیا - تب وہ ناصح بولا کہ جب تو یار رشید نہین
ہے تو مین جاتا ہون - مطلب یہ کہ اوس ناصح نے اوسکا ہاتھ پکڑ کر وہانسے اوٹھایا تو اون حضرت نے اپنا ہاتھ چھڑا لیا اور کھڑے نہین
ہوئے جب اسمین بھی وہ ناکام رہا تو بولا کہ اچھا بھائی مین تو جاتا ہون جب کسی طرح مانتا ہی نہین اوس بیچارہ نے تو یہان تک
خیر خواہی کی اور اسقدر سمجھایا اوسپر حضرت فرماتے ہین کہ -

گفت الخ - یعنی ریچھ والا بولا کہ اچھا جا تو میرا غمخوار مت ہو ارے بو الفضول ذرا معرفت کم تراشو - مطلب یہ کہ آپ فرماتے
ہین کہ ہان ہان بہتر ہے آپ تشریف لیجائیے مجھے آپکی غمخواری کی ضرورت نہین ہے اور ذرا کھڑے ہو کر بہت بزرگی مت
بھگارو کہ مجھے الہام سے معلوم ہوا ہے اور مین جو کہہ رہا ہون صحیح ہے کہہ رہا ہون لیکن چونکہ اوسکی تو کوئی ذاتی غرض نہ
تھی بلکہ اوسکے بھلے ہی کیواسطے کہہ رہا تھا اسلئے پھر جوش شفقت مین سمجھانے لگا کہ -

باز گفتش الخ - یعنی اوس سے کہا کہ ارے مین تیرا دشمن تو نہین ہون اگر تو میرے پیچھے آویگا تو لطف دیکھے گا - مطلب یہ کہ
اوس نے کہا کہ ارے کمبخت مین تیرا دشمن تو نہین ہون - اسلئے میرے کہنے کو مان - اور میری ہمراہ چلا آ پھر دیکھ تو کیسے کیسے
لطف و کرم دیکھے گا - وہ تو نصیحتین کر رہا تھا اور اوسکے دماغ مین اوس امتیاز کی قدر تھی اور یون سمجھ رہا تھا کہ اس ریچھ کی پاسبانی
مین میری بہت بڑی عزت ہے اور یہ شخص اوسمین حارج تھا تو آپ یہ سنکر جواب فرماتے ہین کہ -

گفت الخ - یعنی اوس ریچھ والے نے کہا کہ مین تو سوتا ہون جا اور مجھے چھوڑ - تو اس ناصح نے کہا کہ پہلے یار کا مطیع ہو یعنی
میرا مطیع ہو جا اور کہنا مان لے -

تا بہ خسپی الخ - یعنی تاکہ تو ایک مقبل کی پناہ مین سووے اور ایک دوست صاحبدل کے پڑوس مین - مطلب یہ کہ میرا کہنا مان
اور میری ہمراہ چلا آ - اور اسکو چھوڑ دے اور اسکی حفاظت مین مت سو تاکہ تجھے مجھ جیسے دوست کے اور صاحبدل اور مقبل
کے سایہ اور حفاظت اور پناہ مین سونا ملے - جب اوس ناصح نے سمجھانے مین اسقدر کاوش کی اور کوشش کی تو اوس
شخص کو یہ شبہ ہوگیا کہ اسمین اس ناصح کی کوئی ذاتی غرض ہے کہ جسکی وجہ سے اسکو اس قدر کوشش ہے آگے اسی کو بیان
فرماتے ہین کہ -

در خیال الخ - یعنی اوس ناصح کی کوشش کیوجہ سے یہ آدمی بدگمانی مین پڑ گیا - اور غصہ در ہوگیا اور اوس ناصح

سے منہ پھیر لیا اور وہ یہ بدگمانی ہوئی کہ۔
کین الخ۔ یعنی یہ کہ شاید میرا قصد کرکے آیا ہی اور خونی ہی یا طمع رکھتا ہی کوئی فقیر ہی اور کینہ ہی۔ مطلب یہ کہ اوسکو یہ گمان ہوا کہ شاید یہ مجھے مارنا چاہتا ہی اور جانتا ہی کہ اس ریچھ کی حفاظت مین تو میرا قابو چل نہین سکتا۔ لہذا اسکو بہکا کر ریچھ کو تو الگ کردون پھر میرا قابو چل جاویگا۔ اور یا کوئی فقیر اور طامع ہی کہ جسکو یہ لالچ ہی کہ اس ریچھ کو ہٹا کر خود خدمت کرے اور ذرا اوسکی عوض مین اسکو مین کچھ دیدون۔ اسلئے اسکو اسقدر کوشش ہی (سبحان اللہ اون نصائح کی کیا قدر کی ہی) اور یہ گمان ہوا کہ۔
یا گرو بست الخ۔ یعنی یا دوستو نسے اسبات کی شرط باندہ کر آیا ہے کہ مجھی اس ہم نشین سے ڈراویگا یعنی اوسکو یہ گمان ہوا کہ شاید کہین لوگو نمین یہ چرچا ہوگا کہ اوسکا تو ریچھ بہت گہرا دوست ہوگیا ہی اور وہ اوس سے الگ ہو ہی نہین سکتا۔ تو اس شخص نے اونسے شرط کی ہو کہ مین ضرور اوسکو بہکا کر اوس سے الگ کرا دونگا اسلئے اسقدر کوشش کرتا ہو۔
یا حسد الخ۔ یعنی یا میرے دوست کی مہربانی کیوجہ سے حسد کرتا ہی کہ مجھے کام مین اسقدر کوشش کر رہا ہی مطلب یہ کہ اوسکو یہ گمان ہوا کہ چونکہ یہ ریچھ میرا بہت گہرا دوست ہوگیا ہی اسلئے اسکو حسد ہی اور چاہتا ہی کہ ان دونو نکی دوستی نہ رہے (آہ واہ ری عقل خوب سمجھے قربان جائیے) آگے مولانا فرماتے ہین کہ۔
خود نیامد الخ۔ یعنی اوسکے خبث سر کیوجہ سے کوئی گمان نیک اوسکے دلمین نہ آیا۔ اور فرماتے ہین کہ۔
ظن نیکش الخ۔ یعنی اوسکا نیک گمان تو سارا کا سارا ریچھ پر تھا۔ ہان شاید وہ ریچھ کا ہمجنس ہوگا۔ اسی لئے اوسکو اچھا جانتا تھا۔ اور آدمیونسے نفرت کرتا تھا۔ اب مولانا کو غصہ آگیا اور فرماتے ہین کہ۔
بدگمان الخ۔ یعنی بدگمان اور بیوقوف اور نااہل تھا۔ اور بدبختی کیوجہ سے وہ جہل کا مطیع تھا۔
بدرگ الخ۔ یعنی بدرگ اور خود راے بدبخت ابدی گمراہ مغرور اندھا ذلیل اور مردود تھا۔
خرس الخ۔ یعنی ریچھ کو ایک صاحب کمال پر ترجیح دی سو یہ حاصل تباہ فاسد خیال۔
عاقلے الخ۔ یعنی ایک عقلمند آدمی کو تو کتے پن کی وجہ سے تہمت لگائی۔ اور ریچھ کو مہر و داد والا سمجھا۔ (گدھا کہین کا) آگے مولانا ایک حکایت لاتے ہین جسکا حاصل یہ ہی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک گوسالہ پرست سے پوچھا کہ ارے کمبخت تو یہ تو بتا کہ تونے میرے اندر تو بہت سے معجزات دیکھے اور بہت سی نشانیان میرے صدق پر تونے دیکھین۔ تو میری پیغمبری مین تو تجھے شبہ رہا۔ اور اس گوسالہ کی ذرا سی بھان بھان پر ریچھ گیا۔ اسکی کیا وجہ ہی تو مولانا فرماتے ہین کہ اوسکی عقل سالم نہ تھی اور اوسکو بدگمانی تھی اسلئے اوسکو طریق ہدایت نظر نہ آیا۔ اسیطرح چونکہ اس شخص کو بھی بدگمانی اور فاسد خیالی نے آکر گھیر اتھا لہذا اسنے بھی ہدایت کو نہ مانا۔ اب حکایت سنو۔

شرح حبیبی

گفتن موسیٰ گوسالہ پرست را کہ این خیال اندیشے تو از کجا ست

گفت موسیٰ با یکے اہل خیال صد گمانت بود در پیغمبر یم	کاے بد اندیش از شقاوت وز ضلال با چنین برہان و این خلق کریم

صد هزاران معجزه دیدی ز من
صد خیالت می فزود و شک و ظن

از خیال و وسوسه تنگ آمدی
طعنه بر پیغمبری ام می زدی

گرد از دریا بر آوردم عیان
تا رهیدید از شر فرعونیان

ز آسمان چل سال کاسه و خوان رسید
وز دعایم جوی از سنگی دوید

چوب شد در دست من نر اژدها
آب خون شد بر عدو ای ناسزا

شد عصا مار و کفم شد آفتاب
آفتاب از عکس نورم شد شهاب

این و صد چندین و چندین گرم و سرد
از تو ای سرد آن توهم کم نکرد

بانگ زد گوساله از جادوئی
سجده کردی که خدای من توئی

وان توهمات را سیلاب برد
زیرکی باردت را خواب برد

چون نبودی بدگمان در حق او
چون نهادی سر چنان ای زشت خو

چون خیالت نامد از تزویر او
وز فساد سحر احمق گیر او

سامری خود که باشد ای سگان
که خدائی بر تراشد در جهان

در خدائی گاو چون یکدل شدی
وز همه اشکالها عاطل شدی

گاو می شاید خدائی را بلاف
در رسولی ام تو چون کردی خلاف

پیش گاوی سجده کردی از خری
گشت عقلت صید سحر سامری

چشم دزدیدی ز نور ذو الجلال
اینت جهل وافر و عین ضلال

شه بران عقل و گزینش که تراست
چون تو کان جهل را کشتن سزاست

گاو زرین بانگ زد آخر چه گفت
کاحمقان را این همه رغبت شگفت

زان عجب تر دیده از من بسی
لیک حق را کی پذیرد هر خسی

باطلان را چه رباید باطلی
عاطلان را چه خوش آید عاطلی

زانکه هر جنسی رباید جنس خود
گاو سوی شیر نر کی رو نهد

گرگ بر یوسف کجا عشق آورد
جز مگر از مکر تا او را خورد

چون ز گرگی وا رهد محرم شود
چون سگ کهف از بنی آدم شود

چون محمد را ابو بکرؓ نکو
دید صدقش گفت هذا صادق

چون ابو بکرؓ از محمدؐ برد بو
گفت هذا لیس وجه کاذب

چون نبد بوجهل از اصحاب درد
دید صد شق القمر باور نکرد

دردمندی کش ز بام افتاد طشت
زو نهان کردیم حق پنهان نگشت

وانکه او جاهل بد از دردش بعید
چند بنمودیم و او آن را ندید

آئینه دل صاف باید تا در او
واشناسی صورت زشت از نکو

اور تمکو معلوم ہوچکا ہی کہ وہ احمق واقعہ کو خلاف واقع اور دوست کو دشمن اور دشمن کو دوست سمجھتا تھا آگے فرماتے ہین کہ اسکی ایسی مثال ہی جیسے اس گوسالہ پرست شخص کی جس سے موسیٰ علیہ السلام نے گفتگو کی تھی جسکی تفصیل یہ ہی کہ موسیٰ علیہ السلام نے ایک فاسد الخیال شخص سے کہا کہ اے غلط فہم اور اپنی بدبختی کے باعث مبتلائے گمراہی یہ کیا بات ہی کہ باوجود میرے نبوت کی دلیل واضح و برہان یقینی اور اس خلق کریم کے جوانبیاء کے ساتھ مختص ہی تجھے میری رسالتین سیکڑون شبہات تھے اور تونے مجھ سے بکثرت معجزے دیکھے مگر باانہمہ ان سے سیکڑون خیالات باطلہ اور شکوک اور ظنون باطلہ ہی بڑھے - جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ تونے اپنے خیالات اور وساوس سے تنگ آکر اور مغلوب ہوکر میری پیغمبری پر اعتراض کیا مین نے کملم کملا دریا کو پھاڑ کر خشک مٹی نکالدی جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ تم فرعونیون کے شر سے محفوظ ہوگئے - نیز آسمان سے چالیس برس تک تمکو پیالے اور خوان پہونچے - یعنی وادی تیہ مین چالیس برس تمکو بلا مشقت کھانا ملا - اور میری دعا سے پتھر سے چشمے نکلے - لاٹھی میری ہاتھ مین زبردست اژدہا بنگئی اور نالائق دشمن کیلئے پانی خون بنگیا - لاٹھی سانپ بنگئی - اور میری ہتھیلی آفتاب کیطرح چمکنے لگی اور میرے نور کف سے کے عکس کے مقابلہ مین آفتاب ٹوٹنے والے ستارہ کیطرح بے قدر ہوگیا غرضکہ اے جامد طبع ان معجزات اور اتنے ہی بڑے اور سو معجزات اور اتنے ہی عظیم الشان مختلف احوال نے تیرے توہمات کو کم نکیا - لیکن جادو سے گوسالہ سامری بولنے لگا تو تونے اسکو سجدہ کیا اور کہا کہ میرا خدا تو ہی ہی اور وہ توہمات سب ردی مین بہ گئے اور تیری اس جامد اور بے محل زیرکی کو نیند آگئی کہ بالکل معطل ہوگئی اور کچھ بھی کام نہ دیا - ای بدخصلت تو اوسکے حق مین بدگمان کیون نہوا اور اوسکے سامنے تونے سر کیون جھکا دیا - اور تجھے اوسکی دہوکہ دہی کا خیال کیون نہ آیا اور اسکے احمقون کے پھسلانے والے جادو کے فساد کا احساس کیون نہوا - اور اے ذلیل تونے اتنا نہ سمجھا کہ سامری کیا چیز ہی کہ عالم مین ایک خدا بنا کر کھڑا کردے - اور بچھڑے کی خدائی پر تجھے کیونکر اطمینان ہوگیا اور تو تمام اشکالات سے کیونکر خالی ہوگیا - پس تونے میری پیغمبری مین کیون مخالفت کی سمجھ تو سہی کہین نعوذ بعوذ نسے بچھڑا بھی خدائی کا مستحق ہوسکتا ہی - جب ایسا نہین ہوسکتا اور یہ امر نہایت ہی واضح ہی کہ موٹی عقل کا آدمی بھی سمجھ سکتا ہی تو کیسے غضب کی بات ہی کہ تونے ایک بچھڑے کے سامنے سجدہ کیا اور تیری عقل سامری کے جادو کے جال مین پھنس گئی - اور نور حق سبحانہ سے تونے آنکھ بند کر لی - یہ کیسی عجیب جہالت تامہ اور خالص گمراہی ہی تیری اس عقل اور تیرے اس انتخاب پر پھٹکار تو جہالت کی کان تو مار ڈالنے ہی کے قابل ہی - اچھا یہ تو بتا کہ سونے کا بچھڑا بولا تو آخر اوس نے کیا کہا کہ احمقون کو اس درجہ رغبت ہوگئی - مجھ سے تو تونے اس سے بہت عجیب باتین مشاہدہ کی ہین لیکن تو میرا معتقد نہین ہوا وجہ یہ کہ حق کو ہر ذلیل قبول نہین کرتا کیونکہ ہر شے کا میلان اپنی مناسب کی طرف ہوتا ہی - چنانچہ باطل پرستو نکو کیا چیز اپنی طرف کھینچتی ہے اسکی مناسب یعنی باطل - اور کمالات سے بے بہرہ کو کیا چیز پسند آتی ہی وہی اوسکے مناسب یعنی کمال سے بے بہرہ اور وجہ وہی ہی جو ہم پیشتر کہہ چکے ہین کہ ہر جنس اپنی جنس کو کھینچتی ہی بھلا دیکھو گائے بھی کہین شیر کی طرف جاتی ہی ہرگز نہین کیون ؟ اسلئے کہ وہ اوسکے مناسب نہین اور دیکھو بھیڑیا بھی کہین یوسف پر عاشق ہوتا ہی ہرگز نہین پس اگر توجہ بھی ہوتا ہی تو صرف اسلئے کہ مخالفت کے سبب مکر سے اسے کھا جاوے - یہ حکم اسیوقت تک ہی جب تک کہ اسمین بھیڑیا پن باقی رہے - لیکن جب کہ اوسکے اندر سے بھیڑیے پن کی صفت جاتی رہتی ہی تب وہ مناسب اور موافق ہوجاتا ہی اور سگ اصحاب کہف کیطرح آدمی ہوجاتا ہی پس اگر تم کوئی اس قسم کی نظیر دیکھو تو دھوکہ نہ کھانا - اب مناسبت اور عدم مناسبت کے آثار کے بعض نظائر اور سنلو - جبکہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو آپکا وصف صدیقیت بزبان حال بول اٹھا کہ یہ سچا نبی ہی اور چونکہ اونکو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مناسبت بھی اسلئے آپنے تصدیق کی اور گویا کہ یہ فرمایا کہ جھوٹے کی صورت ایسی نہین ہوتی لیکن چونکہ ابوجہل اصحاب ورد مین سے نہ تھا اور اسلئے اوسکو مناسبت نہ تھی اسلئے شق القمر کی مثل سو عظیم الشان معجزات دیکھے مگر یقین نہین کیا جسطرح ابنیاء کے زمانہ مین دو قسم کے لوگ تھے یون اونکے جانشین حضرات کے دشمن بھی ہین۔ چنانچہ جو در دمند کہ آج شہرۂ آفاق ہین اونسے ہمنے حق کو چھپایا بھی اور اپنی حالت کو انپر ظاہر بھی نہین کیا لیکن تب بھی حق اونپر پوشیدہ نہین ہوا اور وہ سمجھ گئے اور جو جاہل اور درد سے دور تھا اوسکو بہت سی کرامات وغیرہ کے ذریعہ سے حق دکھلاتا چاہا مگر اوسکو دکھلائی نہین دیا اور وہ جیسا تھا ویسا ہی رہا۔ لہذا آئینۂ دل صاف ہونا چاہیے تاکہ اوسکے سبب سے تمکو اچھی اور بری صورت معلوم ہو جاوے اور صالح الاستعداد اور فاسد الاستعداد کا پتہ چلجاوے یا کامل اور ناقص مین اور سچے اور جھوٹے مین امتیاز ہو جاوے۔

شرح شبیری

موسےٰ علیہ السّلام کا ایک گوسالہ پرست سے کہنا کہ گوسالہ سے تجھکو کیون اعتقاد ہے۔

گفت الخ۔ یعنی موسےٰ علیہ السّلام نے ایک مست وہم سے کہا کہ اے بداندیش شقاوت کی وجہ سے گمراہی مین۔

صد گمانت الخ۔ یعنی میری پیغمبری مین تجھے سیکڑون گمان تھے باوجود اتنی دلیلون کے اور اس خلق کریم کے۔

صد ہزاران آلخ۔ یعنی تونے مجھ سے لاکھون معجزے دیکھے اور تیرے خیالات اور شک اور گمان بڑھتے ہی چلے گئے۔

از خیال الخ۔ یعنی خیالون اور وسوسونکی وجہ سے تو تنگ آتا تھا۔ اور میری پیغمبری پر طعنہ مارتا تھا آگے اور معجزات کا بیان فرماتے ہین کہ۔

گرد از الخ۔ یعنی مین نے دریا مین سے گرد نکالی یہان تک کہ تم فرعونیو نکے شر سے چھوٹے۔

ز آسمان الخ۔ یعنی چالیس برس تک (وادی مین) پیالہ اور خوان پہونچا۔ اور میری ہی دعا سے پتھر مین سے ندی نکلی۔ یہان ایک تاریخی اشکال یہ ہوتا ہی کہ بنی اسرائیل کا وادی مین ہونا تو اس عبادت گوسالہ کے بہت بعد ہوا ہی اور موسیٰ علیہ السلام کی وفات وادی ہی مین ہو چکی تھی تو پھر اوس گوسالہ پرست سے یہ کہنا کہ تونے میرا یہ معجزہ دیکھکر بھی مجھے نہین مانا کسطرح صحیح ہو سکتا ہی۔ سو اسکے متعلق یہ کہا جا سکتا ہی کہ شاید وجود گوسالہ سے قبل حضرت موسےٰ علیہ السلام نے اس قید کی اطلاع دی ہو اور چونکہ آپ نبی تھے اسلئے وہ خبر ایسی یقینی ہو گئی گویا کہ وقوع ہو گیا اسلئے موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ وہ قید بھی کالمعاینۃ ہو گئی تھی پھر بھی تونے نہ مانا اگرچہ ایک بعید تاویل ہی لیکن اسکے علاوہ اور کچھ سمجھ مین نہ آیا۔ اگر کسی اور صاحب کے خیال مین اس سے اچھی تاویل آوے تو طبع ثانی یا نظر ثانی مین اصلاح فرمادین۔

چوب شد الخ۔ یعنی میرے ہاتھ مین لکڑی ایک اژدہا ہو گئی اور دشمن نالائق پر پانی خون ہو گیا۔

شد عصا الخ یعنی عصا تو سانپ ہو گیا اور میرا ہاتھ آفتاب (کیطرح چمکدار) ہو گیا کہ میرے نور کے سامنے آفتاب (ظاہری) بھی ایک شہاب (کی مانند) ہو گیا۔

این الخ - یعنی یہ (مذکورہ) اور سیکڑون ایسے ہی اور ایسے گرم و سرد دلائے سرد مجہ سے اوس توہم کو دور نہ کیا - اور باوجود ان ساری نشانیون کے تجہے شک ہی رہا -

بانگ زد الخ - یعنی کہ ایک گوسالہ نے جادو کی وجہ سے آواز کی تو تو نے سجدہ کر لیا کہ تو ہی میرا خدا ہے -

آن توہمات الخ یعنی اُن توہمات کو (جو کہ میرے صدق مین تھے) سیلاب (وہام) لیگیا - اور تیری عقل سرد کو خواب غفلت لگیگئی اور اس گوسالہ مین تجہے کچھ نہ سوجہا کہ شبہات نکالتا -

چون نبودی الخ - یعنی اوسکے حق مین تو بدگمان کیون نہوا اور اے زشت خو اوسکے سامنے تو نے کسطرح سر رکہدیا -

چون الخ - یعنی تجہے اوسکی تزویر کا کیون خیال نہ آیا - اور اوسکے احمق گیر فسادسے کیون گمان نہوا -

سامرئے الخ - یعنی اے کمبخت ایک سامری کیا ہوگا کہ وہ دنیا مین خدا کو تراشے گا نعوذ باللہ - یعنی بہلا سامری کا بنایا ہوا جو ہو وہ خدا بہی ہوسکتا ہے ہرگز نہین -

در خدائی الخ - یعنی ایک بیل کی خدائی مین تو کسطرح یکدل ہوگیا اور تمام اشکالات سے عاطل ہوگیا - کہ کوئی شبہ ہی واقع نہوا

گاو الخ - کیا ایک بیل خدائی کے لائق ہوسکتا ہے اور تو نے میری رسولی مین کسطرح خلاف کیا - (عجب حیرت ہے) -

پیش الخ - یعنی تو نے گدہے پن کیوجہ سے ایک بیل کے سامنے سجدہ کر لیا - تیری عقل سحر سامری کی شکار بنگئی -

چشم الخ یعنی تو نے نور حق تعالی سے تو آنکہہ سی لی یہ عجیب جہل ہے اور عین گمراہی ہے -

شُہ بران الخ - یعنی تیری عقل اور سمجھ پر لعنت ہے اور جبکہ تو کان جہل ہے تو تیرا مار ڈالنا درست ہے -

گاو زرین الخ - یعنی ایک سونے کے بیل نے آواز کی آخر کیا کہا کہ احمقونکو یہ ساری رغبت ہوئی -

زان الخ - یعنی اس سے بہت عجب تو نے مجہ سے اکثر دیکہا ہے لیکن (بات یہ ہے کہ) حق راہ ہر کمینہ کب قبول کرتا ہے - تو دیکہو کہ اس شخص کو حضرت موسی علیہ السلام کی نبوت مین شک رہا اور اوسکی ذراسی بات دیکہہ کر فوراً مان لیا یہ ساری کج فہمی ہی ہے اور کیا ہے آگے مولانا فرماتے ہین کہ -

باطلان را الخ یعنی باطلونکو کیا شے لبہاتی ہے کوئی باطل شے - اور عاطلونکو کیا پسند آتا ہے کوئی عاطل -

زانکہ الخ - یعنی اسلئے کہ ہر جنس اپنی جنس کو لبہاتی ہے اور گائے شیر نر کیطرف (ہرگز) منہ نہین کرتی - اس لئے کہ وہ اسکی جنس سے نہین ہے اور اگر یہ کہا جاوے کہ شیر تو اوسکی طرف آتا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اوسکی جنس سے ہے تو جواب یہ ہے کہ وہ جو آتا ہے تو اوسکی محبت کی وجہ سے نہین آتا بلکہ اوسے معدوم کرنیکے لیئے آتا ہے جس سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ وہ اسکی جنس نہین ہے آگے بہی مولانا اس جنس کی مثالین بیان فرماتے ہین کہ

گرگ الخ - یعنی بہیڑیا یوسف پر کب عاشق ہوگا سوائے اسکے کہ مکر سے اسکو کہالے - مطلب یہ کہ چونکہ گرگ انسان کی جنس نہین ہے اسلئے اس سے ہرگز موانست پیدا نکریگا - اور اگر بظاہر اوسکی طرف آویگا جس سے کہ شبہ موانست کا ہوتا ہے تو وہ بہی اسلئے کہ کہا حیلہ سے اوسکو کہالے - یہان یہ شبہ ہوتا ہے کہ بعض بزرگونکو دیکہا گیا ہے کہ وہ درندونکی ہمراہ رہتے ہین بلکہ درندونسے کہیل کرتے ہین حالانکہ یقیناً وہ دونون آپسمین ہمجنس نہین ہین اسلئے اوسکا جواب دیتے ہین کہ -

چون الخ - یعنی جبکہ وہ گرگی سے چہوٹ جاوے تو محرم ہوجاوے اصحاب کہف کے کتے کیطرح بنی آدم مین سے ہوجاوے مطلب یہ کہ اگر کہین دیکہا گیا ہے کہ درندہ انسان سے ملتا ہے تو وہان اوسکی وہ صفت درندگی کی ہی موجود نہین ہے لہذا درندہ ہی نہین رہا - اسلئے کہ جو اوسکے اندر صفت موانست کی آگئی ہے پہر وہ درندہ کیون ہوگا آگے مناسبت ہی کی ایک اور نظیر

بیان فرماتے ہین کہ۔

چون محمد الخ ۔ یعنی جبکہ حضرت ابوبکر رضؓ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اور اونکے صدق کو دیکھا تو کہدیا کہ یہ صادق ہی تو بے کسی دلیل وغیرہ کے اور بغیر مشاہدہ معجزات کے صادق کہدینا دلیل اسکی ہی کہ انمین پہلے سے کوئی مناسبت تھی کہ جبکا یہ اثر ہوا۔

چون ابوبکر الخ ۔ یعنی جبکہ حضرت ابوبکر رضؓ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بو پائی تو کہدیا کہ یہ چہرہ کاذب نہین ہی۔ یہ قصہ حضرت عبداللہ بن سلام کا ہی کہ اونھون نے چہرۂ انور کو دیکھکر کہا تھا کہ ہذا لیس بوجہ الکذاب تو مولانا کا حضرت ابوبکر صدیق کی بابت اس امر کو کہنا یا تو اس اعتبار سے کہ انکا اعتقاد تو یہی تھا اور یا کسی جگہ انکی بابت بھی ایسا آیا ہو۔ غرضکہ چونکہ ان مین مناسبت تھی اسلئے اونھون نے تصدیق کی۔

چون الخ ۔ یعنی جبکہ ابوجہل اصحاب درد مین سے نہ تھا تو اسنے سیکڑون شق القمر دیکھے مگر یقین نہ کیا مطلب یہ کہ چونکہ ابوجہل مین درد نہ تھا کہ جسکی وجہ سے طلب ہوتی اسلئے اوسنے سیکڑون معجزے دیکھے مگر کسیکا بھی یقین نہ کیا یہ اثر ہی غیر مناسبت اور مجانبت کا آگے مولانا اپنے الفاظ مین حضرت ابوبکر صدیقؓ کی ارشاد حق کو فرماتے ہین گویا کہ حق تعالیٰ فرماتے ہین کہ۔

دردمندے الخ ۔ یعنی وہ دردمند کہ اونکا درد طشت از بام ہو گیا اونسے ہم نے حق کو پوشیدہ کیا مگر نہ رہا۔ مطلب یہ کہ ارشاد حق ہی کہ حضرت ابوبکر صدیق وہ دردمند اور عاشق ہین کہ انکا یہ عشق اور محبت طشت از بام ہو گیا ہی اور ہم نے تو اول اونسے معجزات کو پوشیدہ ہی رکھا مگر وہ بے معجزات کے بھی ایمان لے آئے اور پھر سب اونپر منکشف اور ظاہر ہو گیا اور اونھون نے حق کو قبول ہی کر لیا۔ اور فرماتے ہین کہ۔

وانکہ الخ ۔ یعنی وہ شخص کہ جاہل تھا اور اونکے درد سے بعید تھا ہم نے اوسکو بہت سے عجائب دکھلائے لیکن اوسنے اونکو نہ دیکھا یعنی حضرت صدیقؓ کو چونکہ طلب تھی اور اس طلب سے مناسبت ہو گئی تھی اسلئے وہ تو بے کسی معجزہ وغیرہ کے دیکھے ایمان لے آئے اور جو کہ جاہل تھا اور اوسکو طلب نہ تھی اونکو باوجود معجزات کے دیکھنے کے بھی اثر نہوا ۔ اب آگے فرماتے ہین کہ۔

آئینہ الخ ۔ یعنی آئینۂ دل صاف ہونا چاہئے تاکہ اوسمین برے بھلے کی صورت نظر آجاوے۔ اگر کفار کا قلب صاف ہوتا تو ضرور وہ قبول حق کرتے۔ مگر یہ ساری خرابی ایسی تھی کہ اونکے قلوب مین کھوٹ بھرا ہوا تھا لہذا معلوم ہو گیا کہ جبتک آپسمین مناسبت نہین ہوتی اسوقت تک ایک کو دوسری کی طرف میلان نہین ہوتا۔ لہذا معلوم ہوتا ہی کہ اون دونون خرس و صاحب خرس مین بھی کوئی مناسبت خاص تھی جسکی وجہ سے اوس آدمی نے اس ناصح کی بھلائی کو قبول نہ کیا بلکہ اوسی کیساتھ رہنے پر راضی رہا۔ آگے پھر اوسی کے قصہ کو بیان فرماتے ہین کہ۔

شرح حبیبی

ترک کردن آن مرد ناصح بعد آن مغرور خرس را ۔

آن مسلمان ترک آن ابلہ گرفت	زیر لب لاحول گویان رہ گرفت
گفت چون از جد و پندم وا جدال	در دل او بیش می زاید خیال

پس ره پند و نصیحت بسته شد
امر اعرض عنهم پیوسته شد

چون دوایت می فزاید درد پس
قصه بر طالب بگو بر خوان عبس

چونکه اعمی طالب حق آمدست
بهر فقر او نشاید سینه خست

تو حریصی بر رشاد مهتران
تا بیاموزند عام از سروران

احمدا دیدی که قومی از ملوک
مستمع گشتند گشتی خوش که بوک

این رئیسان یار دین گردند خوش
بر عرب اینها سرند و بر حبش

بگذرد این صیت از بصره و تبوک
زانکه الناس علی دین ملوک

زین سبب تو از ضریر مهتدی
رو بگردانیدی و تنگ آمدی

کاندرین فرصت کم افتد این مناخ
تو ز یارانی و وقت تو فراخ

مزدحم میگردیم در وقت تنگ
این نصیحت میکنم نه از خشم و جنگ

احمدا نزد خدا این یک ضریر
بهتر از صد قیصرست و صد وزیر

یاد الناس معادن هین بیار
معدنی باشد فزون از صد هزار

معدن لعل و عقیق مکتنس
بهترست از صد هزاران کان مس

احمدا اینجا ندارد مال سود
سینه باید پر ز عشق و درد و دود

اعمی روشن دل آمد در مبند
پند او را ده که حق اوست پند

گر دو سه ابله ترا منکر شوند
تلخ کی گردی چو هستی کان قند

گر دو سه احمق ترا تهمت نهند
حق برای تو گواهی می دهد

گفت از اقرار عالم فارغم
آنکه حق باشد گواه او را چه غم

گر خفاشی را ز خورشیدی خوریست
آن دلیل آمد که او خورشید نیست

نفرت خفاشگان باشد دلیل
که منم خورشید تابان جلیل

گر گلابی را جعل راغب شود
آن دلیل ناگلابی می بود

گر شود قلبی خریدار محک
در محکی اش درآید نقص و شک

دزد شب خواهد نه روز این را بدان
شب نیم روزم که تابم در جهان

فارقم فاروقم و غربیل وار
تا که کاه از من نمی یابد گذار

آرد را پیدا کنم من از سبوس
تا نمایم این نقوش است آن نفوس

من چو میزان خدایم در جهان
وانمایم هر سبک را از گران

گاو را داند خدا گوساله
خر خریداری و در خور کاله

من نه گاوم تا که گوسالم خرد
من نه خارم کاشتری از من چرد

او گمان دارد که با من جور کرد
بلکه از آیینهٔ من روفت گرد

خیر جب اُس احمق نے کسی طرح اس مسلمان کی نصیحت نہ مانی تو اوسنے اس احمق کو چھوڑ دیا اور چپکے چپکے لا حول پڑھتے ہوئے اپنا رستہ لیا۔ اور کہا کہ جب میرے اصرار اور نصیحت اور جھگڑے سے اسکے دلمین خیالات فاسدہ ہی بڑھتے ہین تو اب پند و نصیحت کی راہ بالکل بند ہوگئی۔ اور اعرض عنہم کا حکم ہیونچ گیا۔ کہ جب یہ کسیطرح نہین مانتے اور ماننے کی امید منقطع ہو گئی تو اب آپ بھی انکی طرف التفات نہ کیجئے۔ اور انہین انکی حالت پر چھوڑ دیجئے پس اس بیان سے یہ نتیجہ نکلا کہ جب تمھاری دعوت سے وردمین اضافہ ہو تو انکو چھوڑ کر طالب کی طرف متوجہ ہونا چاہئے اور اسکو پند و نصیحت کرنا چاہیے۔ اسمین اگر تم کو کچھ تردد ہو تو سورۂ عبس کی تلاوت کرو تم کو تصدیق ہو جائیگی۔ تفصیل اس مضمون کی یہ ہے کہ حق سبحانہ فرماتے ہین کہ جبکہ ایک نابینا عبداللہ بن ام مکتوم تمھارے پاس طالب حق ہوکر آیا ہے تو آپکو زیبا نہین کہ اس سبب سے کہ وہ ایک غریب آدمی ہے اسلئے اوسکو ہدایت کرنیکا نفع صرف اسکی ذات تک محدود ہے اور متعدی نہین اور سرداران قریش کی ہدایت کا نفع متعدی ہے نیز یہ مقصد دوسرے وقت مین بھی حاصل ہو سکتا ہے بخلاف ہدایت قریش کے ایک فعل کرین جو فی نفسہ اسکی دل شکنی کا باعث ہے گو آپکا قصد یہ نہین اور نہ اوسکو ہی بوجہ کمال عقیدت کے ناگوار ہوگا آپ سرداران قریش کی ہدایت پر اسلیے گرویدہ ہین کہ عوام ان سردارون سے دین سیکھین اور آپ کو یہ خیال ہوا کہ سردارون کی ایک جماعت نصیحت سننے پر آمادہ ہوئی ہے ممکن ہے کہ یہ رؤسا دین کے بہتر مددگار بنجاوین اور چونکہ انکا عرب پر بھی تفوق ہے اور حبش پر بھی اسلئے آوازۂ دین بصرہ اور تبوک سے گذر جاوے کیونکہ عوام سردارون اور بادشاہونکی روش پر چلتے ہین اس سبب سے آپنے ایک نابینا طالب کی ہدایت سے اعراض فرمایا۔ اور اسکے آنے سے بمصلحت خیالی نہ کہ از روئے تحقیر منقبض ہوئے۔ اور فرمایا کہ ایسی حالت مین کہ یہ لوگ دین کی طرف متوجہ ہی نہین ہوتے اسقدر فرصت کم نصیب ہوتی ہے کہ یہ کچھ سننے کیلیئے راغب ہون تم تو اپنے ہی آدمی ہو۔ تمھارے لئے تو کافی وقت ہے ایسی حالت مین اور اس قدر تنگ وقت مین تم بھی آگئے۔ اور مجھے پریشان کیا۔ تمکو ایسا نہ چاہیے تھا مین نے یہ تم سے بطور نصیحت کے کہا ہے غصہ اور مخالفت سے نہین کہا۔ سوا اے ہمارے رسول آپکو معلوم ہونا چاہیے کہ یہ ایک اندھا ہمارے نزدیک سو قیصر اور وزیر و نسے بہتر ہے آپ کو واضح ہونا چاہیے کہ الناس معادن کہ لوگ مختلف استعداد دین اور متفاوت قابلیتین رکھتے ہین۔ بعض اعلے استعداد اور عمدہ قابلیت رکھتے ہین وہ بمنزلہ سونے کی کان کے ہین اونہین مین سے یہ نابینا بھی ہے اور بعض استعداد ناقص رکھتے ہین وہ بمنزلہ تانبے کی کان کے ہین اور ایسے لوگ نہین یہ سرداران قریش ہین اور ایک کان سونے کی لاکھون تانبے کی کانون سے بہتر ہو سکتی ہے یا یون کہو کہ بعض لعل و عقیق کی کانین ہین اونہین تو یہ اندھا ہے اور بعض تانبے کی اور انہین سرداران قریش ہین اور ایک لعل و عقیق کی کان تانبے کی لاکھون کانونسے بہتر ہے پس اس معمولی شخص کی ان سردارون پر فوقیت کی وجہ ظاہر ہوگئی اور اگر کسیکو شبہ اور خلجان واقع ہوتا تو وہ مندفع ہو گیا۔ خلاصہ یہ ہے کہ اے ہمارے رسول ہمارے یہان مال کچھ مفید نہین ہمکو تو اُس سینہ کی قدر ہے کہ جو عشق اور درد و آہ سے پُر ہو۔ پس چونکہ یہ نابینا درد عشق سے مالامال ہے اسلئے تم اسکو نصیحت کرو کہ نصیحت اسکا حق ہے اور اسکی کچھ پرواہ مت کرو کہ چند احمق ہم کو نہ مانین گے اگر یہ نہ مانین اور آپکو کڑوا اور ناقابل رغبت سمجھین تو اُنکے ایسے سمجھنے سے جبکہ آپ فی الواقع کان قند اور مرغوب و محبوب ہین کڑوے اور مکروہ نہین ہو سکتے اور اگر چند احمق آپ پر کذب و جنون کی تہمت لگائین۔ تو آپ کو کچھ ضرر نہین۔ جبکہ حق سبحانہ آپکے سچ اور کمال عقل کے شاہد ہین گو آپکا مقصد یہ نہین بلکہ ترویج دین ہی آپکا مقصود ہے مگر ہم آپکی مزید اطمینان کے لئے امر واقع کا اظہار

کرتے ہین۔ حق سبحانہ کی یہ نصیحت سنکر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم متنبہ ہوئے۔ اور فرمایا کہ واقعی بات ہی مجھے اقرار عالم کی کوئی ضرورت نہین جبکہ حق سبحانہ میری صدق عقل اور ادائے فرض منصبی کی گواہی دین تو اب مجھے کیا فکر ہو رہی شفقت از خلق خدا کے ضرر سے متاثر ہونا یہ دوسری بات ہی جو کہ ایک طبعی امر ہی بلکہ ان ناقصین کا میری مخالفت کرنا ہی میرے کمال کی دلیل ہی۔ چنانچہ اگر خفاش آفتاب سے منتفع ہو تو یہ دلیل ہی اسکی کہ وہ صورۃً آفتاب ہی حقیقۃً نہین۔ کیونکہ آفتاب کی مخالفت خفاش کیلئے بمنزلہ لوازم ذات کے ہی۔ پس ان ناحق بین خفاشونکا ہم سے متنفر ہونا دلیل ہی اسکی کہ مین حق سبحانہ کا روشن آفتاب ہون۔ یون ہی اگر گوہ کا کیڑا گلاب کی طرف راغب ہی تو یہ دلیل ہی اسکی کہ وہ خالص گلاب نہین۔ نیز اگر کوئی کھوٹا سونا چاندی چلانے والا کسوٹی خریدے تو سمجھنا چاہیے کہ وہ اصل کسوٹی نہین۔ بلکہ نقلی ہی اور وہ لوگونکو دھوکا دینا چاہتا ہی۔ نیز ہر عیبدار اپنے عیب کو چھپانا چاہتا ہی اسلئے وہ ہرگز نہین چاہتا کہ وہ ذریعہ اختیار کرے جسمین اوسکی رسوائی ہو۔ اسی لئے چور رات چاہتا ہی۔ پس تمکو سمجھنا چاہیے کہ مین رات تو ہون نہین کہ یہ دین کے چور مجھے پسند کرین مین عالم معنی روز تابان ہون اور انچور ونکی قلعی کھولتا ہون تو یہ مجھے کیون پسند کرنے لگے۔ مین فارق بین الحق والباطل ہون بلکہ اعلےٰ درجہ کا فارق ہون۔ اور میری مثال ایسی ہی جیسے چھلنی کہ جسطرح چھلنی بھوسی کو الگ کر دیتی ہی اور آٹے کیساتھ جانے سے روکدیتی ہی یون ہی مین حق کو باطل کی آمیزش سے روکتا ہون۔ اور بھوسی اور آٹے اور حق اور باطل کو بالکل جدا جدا کرتا ہون تاکہ دکھلا دون کہ یہ جسم اور صورت ہی اور یہ روح اور حقیقت اور میری مثال ہی جیسے ترازو کہ مین محقر اور سبک عند اللہ کو گران قدر اور موقر عند اللہ سے ممتاز کرتا ہون پس چونکہ ہر چیز کو اپنی موافق کی طرف میل ہوتا ہی اور مخالف سے نفرت چنانچہ بچھڑے کو وہی خدا سمجھتا ہی جو خود بھی بچھڑے کیطرح حیوان اور بے عقل ہو اور گدھے کو اوسکا خریدار ہی خوب سمجھتا ہی یون ہی ہر سامان کو وہی خوب پہچانتا ہی جو اُس سے مناسبت رکھتا ہو اور جسکے وہ لائق ہو اسلئے انکا مجھ سے متنفر ہونا لازم ہے۔ کیونکہ مین تو گائے نہین کہ بچھڑا میرا طالب ہو اور مین خار نہین کہ مجھے اونٹ چرے یعنی مین معاندین کفار کا مناسب نہین کہ وہ میری طرف راغب ہون وہ نااہل سمجھتا ہی کہ مین نے اس سے کشیدہ ہو کر اسے نقصان پہونچایا مگر یہ غلط ہی اس سے میرا کچھ نقصان نہین ہوا بلکہ ایک قسم کا فائدہ یہ ہوا کہ اُسنے میرے آئینۂ کمال کو جو کسیقدر مکدر اور مخفی تھا اور جلا دیدی اور اسکو اور روشن کر دیا۔ چنانچہ پیشتر بھی اسکی وجہ گذر چکی ہی اور حکایت آئندہ سے بھی معلوم ہو گی۔

شرح شبیری

ناصح کا نصیحت سے باز رہنا۔

آن الخ۔ یعنی اوس مسلمان شخص نے اُس بیوقوف کو چھوڑ دیا اور زیر لب لاحول کہتے ہوئے اپنا رستہ لیا۔
گفت چون الخ۔ یعنی ناصح بولا کہ جب کوشش سے اور نصیحت سے اور لڑائی سے اوسکے دلمین بدگمانی زیادہ ہوتی ہی
پس الخ۔ یعنی پس راستہ پند و نصیحت کا بند ہو گیا اور اعرض عنہم کا حکم پیوستہ ہو گیا۔ مطلب یہ کہ جب اوسنے دیکھا کہ میری اسقدر کوشش سے اسکو یہ گمان ہوتا ہی کہ اسکی کوئی خاص غرض اسمین ہی تو اب چاہیئے کہ نصیحت و پند کو بند کرین اور اعراض کرین کہ بالکل بے سود ہی بلکہ مضر ہی۔

چون الخ۔ یعنی جبکہ دوا سے تیرا مرض بڑہتا ہی بس قصہ کو طالب سے کہو اور سورہ عبس پڑھ لو۔ مطلب یہ کہ جب معلوم ہو جاوے کہ پند و نصیحت سے اور ضرر ہوتا ہی تو چاہیے کہ ایسے شخص کو نصیحت ہی نکرے بلکہ ایسے کو نصیحت کرنا چاہیے جو کہ اوسکے لائق اور اسکا اہل ہو اور جسکو نفع ہو اور دیکھو سورۂ عبس پڑہو تو معلوم ہو کہ قرآن شریف مین بھی یہی حکم ہی کہ طالب کی طرف متوجہ ہونا ضروری ہی اب آگے سورۂ عبس کے معنی بیان فرماتے ہین کہ۔

چونکہ الخ۔ یعنی جبکہ اعمی حق کا طالب (ہوکر) آیا ہی تو اوسکے فقر کیوجہ سے اوسکو سینہ زخمی نہ کرنا چاہیے۔

تو حریصی الخ۔ یعنی آپ بڑے لوگونکی ہدایت کے حریص ہین تاکہ لوگ سرداروں سے علم سیکہین۔

احمدا دیدی الخ۔ یعنی اے احمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آپنے یہ دیکھا کہ بڑے لوگونمین سے ایک قوم (حق کو) سننے والی ہوگئی تو آپ خوش ہوگئے کہ شاید کہ۔

این الخ۔ یعنی یہ رئیس خوب دین کے یار ہوجاوین کہ یہ لوگ عرب کے اور حبشہ کے سردار ہین تو۔

بگذرد الخ۔ یعنی یہ آوازہ دین کا بصرہ اور تبوک سے بھی بڑھ جاویگا اسلئے کہ لوگ بڑے آدمیونکے دین پر ہوتے ہین۔ مطلب یہ کہ ارشاد حق ہی کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپنے جو دیکھا کہ کچھ رئیس لوگ دین کی طرف متوجہ ہوئے ہین تو آپکو یہ خیال ہوا کہ شاید یہ لوگ مہتدی ہوجاوین تو انسے دین کو ترقی ہوگی اسلئے کہ الناس علیٰ دین الملوک مسلم ہی لہذا اگر یہ لوگ مسلمان ہوگئے تو پھر اور لوگ بھی مسلمان ہوجاوینگے۔ شاید کہ آپکو یہ خیال ہوا ہی۔

زین الخ۔ یعنی اسی سبب سے آپنے ایک اندھے ہدایت پانیوالے سے روگردانی کی اور آپ تنگ آئے۔

کاندرین الخ یعنی اس موقعہ کا تو اس فرصت مین کم اتفاق پڑتا ہی اور تو تو یاروں مین سے تھا اور تیرا وقت تو فراخ ہی۔

مزدحم الخ۔ یعنی تنگ وقت مین مجھ پر تونے ازدحام کیا اور مین یہ نصیحت کی وجہ سے کہہ رہا ہون غصہ اور لڑائی کی وجہ سے نہین کہتا۔ مطلب یہ کہ آپکو چونکہ وہ خیال ہوا ہی اسلئے آپنے اس اندھے سے روگردانی کی اور آپنے فرمایا کہ یہ موقعہ کہ یہ لوگ حق کو سنین بہت ہی کم ملتا ہی اور وہ تو ہر وقت کے پاس کے رہنے والے تھے اور وقت بھی فراخ ملتا تھا اسلئے اور کسی وقت مین پوچھ لیتے۔ قصہ یہ ہوا تھا کہ ایک مرتبہ رؤسا مکہ نے حضور مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ ہم حق بات کے سننے کو حاضر ہین مگر ان غربا و مساکین مین ہم نہین بیٹھ سکتے کیونکہ یہ لوگ سر پر چڑھ جاوین گے اگر آپ کوئی وقت تنہائی کا نکال کر ہمکو نصائح فرماوین تو ہم راضی ہین چونکہ حضور مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو تو اس بات کا بہت ہی شوق تھا کہ لوگونکو ہدایت ہو جسطرح بھی ہو اسلئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اونکی اس بات کو قبول فرمالیا حتے کہ ایک روز کچھ شرفا اور رؤسا۔ اوسی طرح تنہائی مین بیٹھے تھے اور اوسوقت حضور مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس صحابہ مین سے کوئی نہ تہا۔ ایک صحابی حضرت ابن ام مکتوم نابینا تھے اونکو اسکی خبر نہ تھی کہ اسوقت کس قسم کی مجلس ہی اسلئے وہ کچھ دریافت کرتے ہوئے حاضر ہوگئے تو حضور کو ناگوار ہوا اور اسپر سورۂ عبس نازل ہوئی تھی جسکا کہ یہی مضمون تھا کہ آپکو کیا خبر ہی ممکن ہی کہ اللہ کے نزدیک یہ اندھے ہی بہتر ہون اور انہی کی قسمت مین ہدایت لکھی ہو۔ اسکو مولانا اپنے الفاظ مین بیان فرمارہے ہین۔

احمدا نزد الخ۔ یعنی اے احمد صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے نزدیک یہ ایک اندھا سیکڑون بادشاہون اور وزیرون سے بہتر ہے۔

یاد الخ۔ یعنی الناس معادن کمعادن الذہب والفضۃ خیرہن خیر وشرہن شر کو یاد کرو کہ ایک معدن لاکھون سے زیادہ

ہوتی ہو اسلئے کہ اگر یہ روپیہ ویسے کتنا ہی ہو مگر پھر بھی ایک روز ختم ہوجاویگا - اور معدن تو ختم ہی نہوگا - اسلئے کہ جو کم ہوا وہی پھر پیدا ہوگیا - تو یہ حضرت ابن ام مکتوم تو معدن ہدایت ہین اسلئے اون کو الگ نہ کرنا چاہیے -

معدن الخ - یعنی ایک معدن لعل وعقیق کا پوشیدہ تابنے کی لاکھون کانون سے بہتر ہی اسی طرح یہ ایک بھی ان سب سے بہتر ہین

احمدا اینجا الخ - یعنی اے احمد صلی اللہ علیہ وسلم اسجگہ مال کچھ فائدہ مند نہین ہو سینہ عشق اور درد اور دہو مین سے پر ہونا چاہیے جسکو یہ حاصل ہو اوسکو سب کچھ حاصل ہو اور جس کو یہ حاصل نہین اوسکی اس درگاہ مین پوچھ بھی نہین ہو

اعمے الخ - یعنی روشندل اندہا درد مند آیا ہی تو اوسکو نصیحت کرو کہ جسکا حق نصیحت ہی -

گر دو سہ الخ - یعنی اگر دو تین بیوقوف آپکے صدق کے منکر بھی ہوگئے تو آپ کب تلخ ہو سکتے ہین - جبکہ آپ قند کی کان ہین - مطلب یہ کہ ان بیوقوفون کے انکار سے اور تکذیب سے خدا نکردہ آپ کو کیا ضرر ہو سکتا ہی - اگر نہین ملتے تو مارے جہاڑ دو جو حق کو قبول کرے آپ اوسکو ہدایت فرمائیے -

گر دو سہ احمق الخ - یعنی اگر دو تین احمقون نے تجپر تہمت رکہہ بھی دی تو تمہارے لئے تو حق تعالیٰ گواہی دیتے ہین - کہ آپ سچے ہین پھر آپ کو کیا غم ہی جب حق تعالیٰ کی طرف سے یہ ارشاد ہوا تو اب حضور مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا قول روایت بالمعنی کے طور پر نقل فرماتے ہین کہ -

گفت الخ - یعنی حضور مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مین تمام عالم کے اقرار سے فارغ ہون - اور جبکہ حق گواہ ہو تو اسکو کیا غم ہی لہذا اگر اب میری تصدیق تمام دنیا مین کوئی بھی نکرے تب بھی مجھے غم نہین اسلئے کہ میلان تو مناسبت سے ہوتا ہی اور یہ قاعدہ ہی کہ الجنس یمیل الی الجنس تو اگر میلان ناقصین کا ہوگا تو اس سے تو شبہ ہوتا ہی کہ شاید کوئی نقص ہی تب تو ناقصین کا میلان ہی ورنہ کامل کو ان لوگون سے کیا واسطہ اور اسی لئے ہمارے حضرت حاجی صاحب فرمایا کرتے تھے کہ اگر کسی بزرگ کے یہان امرا کا جمگھٹ زیادہ ہو تو سمجھ لو کہ پیر صاحب کے اندر بھی دنیا بھری ہوئی ہو ورنہ پھر امرا کا میلان کیون ہی - اور جسکی طرف غربا زیادہ مائل ہون اوسکو سمجھ لو کہ کامل ہی اور نائب رسول ہی آگے اسکی مثالین فرماتے ہین کہ -

گر خفاشے الخ - یعنی اگر کوئی خفاش خورشید سے غذا (یعنے نور) حاصل کرے تو یہ اوسکی دلیل ہی کہ وہ خورشید نہین ہی اسلئے کہ

نفرت الخ - یعنی خفاشونکی نفرت اسکی دلیل ہوتی ہی کہ مین خورشید تابان حضرت حق کا ہون - مطلب یہ کہ کاملون کی طرف ناقصین کا میلان دلیل ہی اس امر کی کہ اس کامل مین بھی نقص ہی اوس کے کمال کی دلیل یہی ہی کہ جو ناقص ہین وہ اوس سے متنفر ہون -

گر گلابے الخ - یعنی اگر گلاب کی طرف گوہ کا کیڑا رغبت کرے تو یہ اوسکے گلاب نہونے کی دلیل ہی -

ور شود الخ - یعنی اگر کوئی کہوٹ والا خریدار کسوٹی کا ہو تو اوسکے کسوٹی ہونے مین نقصان اور شک آگیا - مطلب یہ کہ جو شخص کہ کہوٹی چیز کو فروخت کرتا ہی اگر وہ کسی کسوٹی کو خریدنے لگے تو سمجھ لو کہ یہ کسوٹی ہی خالص نہین ہی ورنہ اگر خالص ہوتی تو یہ شخص تو اوس سے کوسون دور بھاگتا - کہ اوسکا عیب ظاہر کردیتی - اسی طرح کسی بزرگ پر دنیا دارون کا جمگھٹ ہو تو یہ اوسکے کمال مین کمی کی دلیل ہی -

دزد شب الخ - یعنی جان لو کہ چور رات کو چاہتا ہی دن کو تو مین رات نہین ہون بلکہ دن ہون کہ جہان مین چمکتا ہون مطلب یہ کہ جو ناقص ہین وہ ظلمت ہی کے طالب ہوتے ہین - نہ کہ نور کے اسلئے کہ نور مین تو ان کے عیوب معلوم ہوجاوین گے - اگلے

مصرعہ مین حضور مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا مقولہ نقل فرماتے ہین کہ مین تو نور ہون یہان ظلمت کا کیا کام میرے پاس تو ناقصین اگر بھی نہین پھٹکتے۔ آگے بھی حضور مقبول صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا قول ہو کہ۔

فارقم الخ۔ یعنی مین حق و باطل کو جدا کر دینے والا ہون اور فاروق ہون چلنی کی طرح تاکہ کوڑا مجھ سے گذر نہین سکتا۔

آرد را الخ۔ یعنی مین آٹے کو بھوسی سے الگ کر دیتا ہون یہان تک کہ دکھلا دیتا ہون کہ یہ نقوش ہین اور یہ جانین ہین مطلب یہ کہ حق کو حق اور باطل کو باطل کر دکھاتا ہون اور کسی قسم کا التباس باقی نہین رہتا۔

من الخ۔ یعنی مین جہان مین حق تعالیٰ کی ترازو کی طرح ہون کہ ہر ہلکے کو گران سے متمیز کر دیتا ہون۔

گاؤ الخ۔ یعنی بیل کو کوئی بچھڑا ہی خدا جانے گا کہ ایک گدھا خریدار ہو اور اوسکے مناسب ہی سودا ہو۔

من نہ گاؤم الخ۔ یعنی مین بیل تو ہون نہین جو کوئی گوسالہ مجھے خریدے اور مین کانٹا تو نہین ہون کہ کوئی اونٹ مجھے چرے مطلب یہ کہ مین ناقص تو نہین ہون کہ جو ان ناقصین کا میلان مجھ ہی طرف ہو۔

او گمان الخ۔ یعنی وہ (ناقص) تو گمان رکھتا ہو کہ مجھپر اوسنے ظلم کیا بلکہ میرے آئینہ سے گرد کو صاف کر دیا۔ مطلب یہ کہ تکذیب سے لوگون کو یہ گمان ہوتا ہو کہ ہم نے ان کو خوب دق کیا اور ان کی خوب تکذیب کی اور اوسکو یہ خبر نہین کہ اس سے اور بھی صفائی قلب ہوئی اور درجات مین اور بھی ترقی ہو گئی۔ تو معلوم ہو گیا۔ کہ ہر چیز کا میلان دوسری طرف اوسی وقت ہوتا ہو جبکہ اوس دوسری مین بھی کوئی ایسی بات ہو کہ جو اوس پہلی کے مناسب ہو اگر وہ پہلی سے ناقص ہو تو اس دوسری مین بھی نقص کا گمان ہے لہذا اگر وہ کامل ہو تو اسمین بھی گمان کمال ہو آگے اسکے متعلق ایک حکایت لاتے ہین کہ ایک مرتبہ جالینوس جا رہا تھا تو ایک دیوانہ نے آکر ان سے خوب ہی چاپلوسی کی باتین کین۔ اور بہت ہی محبت سے پیش آیا تو جالینوس راستہ ہی سے واپس ہوا اور ایک شاگرد سے بولا کہ فلان معجون لے آؤ کہ مین کھاؤنگا اوسنے عرض کیا کہ حضرت وہ تو جنون کے لیے ہو تو فرمایا کہ مجھسے فلان مجنون نے محبت کا برتاؤ کیا جس سے شبہ مجھے بھی یہ ہوا کہ شاید میرے اندر بھی کوئی شائبہ جنون کا ہو ورنہ اسکو مجھ سے کیا تعلق۔ اور یہ کیون میرے پاس آتا۔ اب حکایت سنو۔

شرح حبیبی

تملق کردن دیوانہ با جالینوس و ترسیدن جالینوس از وے

گفت جالینوس با اصحاب خود
پس بدو گفت آن یکے کاے ذوفنون
دور از عقل تو این دیگر مگو
ساعتے در روئے من خوش بنگرید
گر نہ جنسیت بُدے در من از و
گر ندیدے جنس خود کے آمدے
چون دو کس برہم زند بے ہیچ شک

مر مرا تا آن فلان دارو دہد
این دوا خواہند از بہر جنون
گفت در من کرد یک دیوانہ رو
چشمکم زد آستینے بر درید
کے رخ آوردے بمن آن زشت رُو
کے بغیر جنس خود را بر زدے
درمیان شان ہست قدر مشترک

کے پرد مرغے بجز با جنس خود | صحبت ناجنس گورست و لحد

سبب پریدن وچریدن مرغے با مرغے دیگر کہ جنس او نبود

آن حکیمے گفت دیدم در تگے | در بیابان زاغ را با لکلکے
در عجب ماندم بجستم حال شان | تا چہ قدر مشترک یا بم نشان
چون شدم نزدیک تر حیران دنگ | خود بدیدم ہر دو آن بودند لنگ

اب تم ایک حکایت سنو جس سے تائید ہو اس امر کی کہ ہر شئے کا میلان اپنے مناسب ہی کی طرف ہوتا ہے۔ جالینوس نے اپنے کسی آدمی سے کہا کہ مجھے فلان دوا دیدو۔ اسنے عرض کیا کہ آپ تو ہر فن مین کامل ہین یہ دوا تو جنون کے لیے ہے خدا آپ کی عقل کو اس مرض سے محفوظ رکھے آپ ایسی بات پھر نہ فرمائیے۔ اسمین علاوہ بدفالی کے لوگون کے لئے غلط فہمی بھی ہے اوسنے کہا اصل بات یہ ہے کہ ایک دیوانہ میری طرف متوجہ ہوا۔ اور تھوڑی دیر تک مجھے خوب دیکھا۔ اور میری طرف آنکھین مٹکاتا رہا۔ اور لپٹ کر میری آستین پھاڑ ڈالی۔ اسلئے مین سمجھتا ہون کہ مجھمین بھی کچھ شائبۂ جنون ضرور ہے۔ اگر مجھمین اُس سے مجانست نہوتی تو وہ منحوس میری طرف کیون متوجہ ہوتا۔ اور اگر مجھے اپنا ساند یکھتا تو میری طرف کب آتا۔ اور اپنے غیر جنس سے کیسے بھڑتا اسلئے کہ یہ قاعدہ ہے کہ جب دو شخص ایک دوسرے سے میل کرین تو ضرور اونمین کوئی قدر مشترک مخصوص ہوگی جو ان مین اور اورون مین نہین ہے جبسے وہ میل نہین کرتے کیونکہ ہر جانور اپنی ہی جنس کیساتھ اُڑتا ہے غیر جنس کیساتھ نہین اُڑتا۔ اور وجہ یہ ہے کہ ناجنس کی صحبت سخت ناگوار ہوتی ہے اور اوسکے ساتھ رہنا مثل قبر مین رہنے کے سمجھا جاتا ہے اسی اصول کی بنا پر ایک حکیم نے کہا ہے کہ مین نے جنگل مین کوّے کو لقلق کیساتھ چلتے دیکھا یہ دیکھکر مجھے نہایت حیرت ہوئی اور مین نے اون کی حالت دریافت کرنی چاہی کہ ان دونون مین کیا چیز قدر مشترک ہے جسکے باعث ان دونون مین میل ہے۔ جب مین اس تحیر کی حالت مین اور پاس گیا تو مین نے دیکھا کہ دونون لنگڑے ہین۔

شرح شبیری

ایک پاگل کا جالینوس سے تملق کرنا اور جالینوس کا اُس سے ڈرنا۔

گفت الخ۔ یعنی جالینوس نے اپنے شاگردونسے کہا کہ مجھے وہ فلان دوا دو۔

پس الخ۔ یعنی پس اون مین سے ایک نے اوس سے کہا کہ اے ذوفنون اس دوا کو تو جنون کے واسطے لیا کرتے ہین۔

دور از الخ۔ یعنی آپ کی عقل سے دور آپ ایسی بات مت کہیے تو جالینوس نے کہا کہ مجھے ایک دیوانہ نے دیکھا۔

ساعتے الخ۔ یعنی ایک گھڑی مجھے خوب دیکھا اور میری طرف چشمک ناری اور میری آستین کھینچکر پھاڑ دی۔ غرضکہ بہت ہی دوستانہ تعلقات معلوم ہوتے تھے۔

گر نہ الخ۔ یعنی اگر میرے اندر اوسکی جنسیت نہ ہوتی تو وہ زشت رو میری طرف رُخ کیون کرتا۔ معلوم ہوتا ہے کہ میرے اندر بھی کوئی شائبہ جنون کا آگیا ہے۔

اگر نہ الخ۔ یعنی اگر وہ اپنی جنس کو نہ دیکھتا تو کب آتا اور بغیر جنس کے لئے کو کب مارتا یعنی اگر مین اوسکا ہمجنس نہ ہوتا تو وہ میری طرف کیون توجہ کرتا۔ لہذا معلوم ہوگیا کہ میرے اندر بھی ایک شائبہ جنون ہے اسلئے جنون کی دوا کھاتا ہون آگے مولانا فرماتے ہین کہ۔

چون الخ۔ یعنی جب دو شخص آپس مین ملین تو بے کسی قسم کے شک کے جان لو کہ اون کے درمیان کوئی قدر مشترک ہے۔ کہ جسکی وجہ سے ایک کو دوسرے کیطرف میلان ہے۔

کے پرد الخ۔ یعنی کوئی جانور بجز اپنے ہم جنس کے لب اڑیگا اسلئے کہ صحبت ناجنس کی تو گور اور لحد ہے۔ لہذا اگر کسی جگہ ایسا دیکھا جاوے کہ دو غیر جنس آپس مین مل رہے ہین تو سمجھ لو کہ اون دونون مین کوئی نہ کوئی قدر مشترک ضرور ہے جیسا کہ حکایت ذیل سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک شخص نے ایک کوے کو ایک لقلق کیساتھ دیکھا تو تعجب ہوا کہ یہ دونون غیر جنس ہوکر کسطرح ساتھ ہین غور کرنے سے معلوم ہوا کہ دونون لنگڑے ہین اون دونون مین یہ ایک ایسی بات تھی کہ جسکی وجہ سے وہ دونون قریب الجنس ہوکر آپس مین مل رہے تھے اب حکایت سنو۔

ایک جانور کا اپنے غیر جنس کیساتھ اڑنے اور چگنے کا سبب۔

آن الخ۔ یعنی ایک حکیم نے کہا کہ مین نے بیابان مین ایک کوے کو ایک لقلق کیساتھ پھرتے دیکھا۔

در عجب الخ۔ یعنی مین تعجب مین رہگیا اور اون کے حال کی جستجو کی تاکہ بین کسی قدر مشترک کو نشانی پاؤن۔

چون الخ۔ یعنی جب مین حیران اور دنگ اون کے قریب پہونچا تو مین نے خود دیکھا کہ وہ دونون لنگڑے تھے۔ لہذا معلوم ہوگیا کہ اون دونون مین یہ قدر مشترک ہے اور اسوجہ سے آپس مین مجاذبت ہے اب آگے رجوع ہے مضمون بالا کیطرف اوپر فرمایا تھا کہ ہر شئے اپنے ہمجنس کیطرف منجذب ہوتی ہے اور اگر کسی جگہ کسی ناقص کو کامل کیطرف میلان دیکھو تو معلوم ہوتا ہے کہ اُس کامل مین بھی نقص ہے اور اسکی بہت سی مثالین دی تھین اب اُس سے ترقی کرکے فرماتے ہین کہ۔

شرح حبیبی

خاصہ شہبازے کہ او عرشی بود	با یکے جغدے کہ او فرشی بود
آن یکے خورشید علیین بود	وین دگر خفاش کز سجین بود
آن یکے نورے ز ہر عیبے بری	وان دگر کورے گدا سئے ہر دری
وآن یکے ماہے کہ بر پرویں زند	وان یکے کرمے کہ بر سرگین تند
آن یکے یوسف رُخے عیسےٰ نفس	وین دگر کرمے و یا خر یا خرس
آن یکے پران شدہ در لامکان	وین یکے در کاہدان ہمچون سگان
آن یکے سلطان عالی مرتبت	وین یکے در گلخنے در تعزیت
آن یکے خلقے ز اکرامش خجل	وین دگر از بے نوائی منفعل
آن یکے سرور شدہ از اہل زمان	وین دگر در خاک و خواری بس نہان

بلبلان را جائے می زیبد چمن　　مر جعل را در چمن خوشتر وطن
با زبان معنوی گل با جعل　　این همین گوید کہ اے گندہ بغل
گر گریزانی ز گلشن بیگمان　　هست آن نفرت کمالِ گلستان
غیرتِ من بر سر تو دور باش　　میزند کاے خس ازین در دور باش
در بیامیزی تو با من اے دنی　　این گمان آید کہ از کان منی
گر در آمیزی ز نقصانِ من است　　زانکہ پندارند کوزانِ من است
گر در آمیزد دمن آن زهرناک　　موش در دریا باشد و ماهی و خاک
حق مرا چون از پلیدی پاک داشت　　چون سزد بر من پلیدی را گماشت
یک رگم زیشان بُد و آنرا برید　　در من آن بد رگ کجا خواهد رسید
یک نشان آدم آن بُد در ازل　　کہ ملائک سر نهندش از محل
یک نشان دیگر آن کہ آن بلیس　　ننهدش سر کہ منم شاہ و رئیس
پس اگر ابلیس هم ساجد شُدے　　او نبودے آدم او غیرے بُدے
هم سجود هر ملک میزان اوست　　هم جحودِ آن عدو برہان اوست
هم گواہِ اوست اقرار ملک　　هم گواہِ اوست کفران سگگ
این سخن پایان ندارد باز گرد　　تا چہ کرد آن خرس با آن شیرمرد

پس جب ایک کوا تعلق کیساتھ بدون امر مشترک کے نہین چل سکتا تو ایک شہباز جو کہ عرش کیساتھ تعلق رکھتا ہے اور ذوالعرش المجید کے مخصوصین مین سے ہے (یعنی نبی) ایک الو (محجوب) کیساتھ کیونکر تعلق رکھیگا جو سراسر عالم ناسوت مین منہمک ہے۔ کیونکہ ان دونون مین بُعد المشرقین ہے۔ ایک جنت کے درجات عالیہ کا آفتاب ہے دوسرا دوزخ کے طبقہ سفلی کا خفاش ہے اور ایک تو سراپا نور ہے جو کہ ہر عیب سے منزہ ہے اور دوسرا بالکل اندھا اور ہر گھر کا گدا ہے۔ ایک ماہتاب ہے جو کہ پردین پر غالب ہے۔ اور دوسرا کیڑا ہے جو کہ گوبر سے تعلق رکھتا ہے۔ ایک تو جمال معنوی سے یوسف رُخ ہے اور امراض روحانیہ کیلئے جیسے نفس ہے۔ دوسرا ایک کیڑا یا گدھا یا گونگا ہے ایک تو عروج روحانی کے لحاظ سے بقدر بلند پرواز ہے کہ لامکان تک اُڑتا ہے اور حق سبحانہ سے ایک خاص تعلق پیدا کرتا ہے۔ دوسرا کتون کی طرح دنیا کی نجاسات مین پھنسا ہوا ہے۔ ایک عالی مرتبہ بادشاہ ہے اور شادان و فرحان ہے دوسرا گلخن دنیا مین پڑا ہوا اپنی جان کو رو رہا ہے اور اس قابل ہے کہ اوسکی تعزیت کیجائے۔ ایک کی تو یہ حالت ہے کہ اوسکے انعام و اکرام سے مخلوق شرمندہ ہے۔ اور دوسرے کی یہ کہ اپنی بے سر و سامانی سے خود شرمندہ ہے ایک تو ایسا ہے کہ سردار دو عالم ہے اور ایک ایسا کہ خاک ذلت مین سراسر دبا ہوا ہے پس یہ دونون ایک ساتھ کیونکر ہو سکتے ہین۔ کیونکہ ایک تو بلبل ہے اور بلبلونکے لئے چمن شایان ہے اور دوسرا گوہ کا کیڑا اسکے لئے بہتر مکان گھورا ہے ایک امین گل ہے اور دوسرا گوہ کا کیڑا گل گوہ کے کیڑے سے بزبان حال کہتا ہے کہ بدبودار کیڑے اگر تو گلشن سے بھاگتا ہے تو کچھ حرج نہین بلکہ یہ تیرا بھاگنا ہی گلستان کے کمال کی دلیل ہے میری غیرت تیرے سر پر نعرۂ دور باش لگاتی ہے اور کہتی ہے کہ ارے ذلیل دور ہو اگر تو مجھسے ملیگا تو اس سے خود مجھپر دھبہ لگے گا۔ اور

لوگ مجھے بھی تیری ہی جنس سے سمجھین گے غرض کہ تیرے ملنے مین میرا کوئی فائدہ نہین بلکہ گونہ نقصان ہو کہ لوگون کو میرے کمال مین شبہ ہوگا۔ کیونکہ وہ سمجھین گے کہ تو میرا ہمجنس ہے۔ پس اس گوہ کے کیڑے کا مجھسے ملنا ایسا ہی بے جوڑ ہے جیسے جوہا اور دریا۔ یا مچھلی اور خشکی۔ پس جسطرح چوہا دریا کی طرف مائل نہین ہو سکتا۔ اور مچھلی خشکی کیطرف راغب نہین ہو سکتی یون ہی وہ گوہ کا کیڑا محجوب بھی مجھ نبی کیطرف متوجہ نہین ہو سکتا۔ اور ہونا بھی یون ہی چاہئیے۔ کیونکہ جب حق سبحانہ نے مجھے نجاسات دنیویہ سے پاک رکھا ہے تو کیسے مناسب ہو۔ کہ وہ ایک ناپاک گوہ کے کیڑے اور سگ دنیا کو مجھپر مسلط کر دے کیونکہ اوسکا میلان تو نجاسات کیطرف ہے اور یہان نجاست کا نام نہین تو وہ مجھپر مسلط کیونکر ہو سکتا ہے مجھمین اگر اون کی مناسبت کا کچھ حصہ تھا بھی تو حق سبحانہ نے میرے سینہ کو شق کر کے اوسکو بھی نکال پھینکا اور میرے سینہ کو نجاست دنیویہ سے بالکل پاک صاف کر دیا۔ پس اب وہ دنیا کا کتا گوہ کا کیڑا مجھ تک کیسے پہونچ سکتا ہے اور میری طرف کیسے راغب ہو سکتا ہے۔ اچھے لوگون اور کاملین کے کمال کے دو علامتین ہین۔ ایک اچھے لوگون کا میلان اور دوسرے بدون کا تنفر۔ چنانچہ آدم علیہ السلام کے کمال کی ایک تو یہ علامت تھی کہ فرشتے اون کے علو مرتبت کے سبب اون کے آگے سر جھکاتے تھے اور دوسری علامت یہ تھی کہ ابلیس نے انا خیر منہ کہکر سجدہ سے انکار کیا۔ پس اگر ابلیس بھی سجدہ کر لیتا تو آدم آدم نہوتے بلکہ کچھ اور ہوتے۔ کیونکہ ایک نشانی کمال کی مفقود ہو جاتی۔ پس جسطرح فرشتونکا سجدہ کرنا اون کے کمال کا معیار ہے یون ہی اوس دشمن انسان ابلیس کا انکار بھی ان کی کمال کی ایک دلیل قطعی ہے اور جسطرح فرشتون کا اقرار اون کے کمال کا شاہد ہے یون ہی اس کتے کا انکار بھی ایک گواہ ہے پس خوب ثابت ہو گیا کہ اس نااہل کی مجھ سے نفرت میرے آئینۂ کمال سے زنگ کو دور کرتی ہے۔ یہان تک بیان تھا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جو آپ بزبان حال فرما رہے تھے آگے مولانا فرماتے ہین کہ اسبات کی تو کوئی انتہا ہی نہین اچھا اسکو ختم کر کے اب لوٹنا چاہئیے کہ ریچھ نے اوس شیر مرد کے ساتھ کیا کیا۔

شرح شبیری

خاصہ الخ۔ یعنی خاص کر وہ شہباز جو کہ عرشی ہو اوس چغد کیساتھ کہ جو فرشی ہو۔ مطلب یہ کہ اگر کوئی کامل جس کا تعلق کہ عالم غیب اور عالم بالا سے ہو ناقصین سے ملے کہ جن کا تعلق دنیا سے ہے تو یہ اور بھی تعجب کی بات ہے۔ آگے ناقصین و کاملین کی مثالین فرماتے ہین کہ

آن یکے الخ۔ یعنی ایک تو عالم بالا کا خورشید ہو اور یہ دوسرا اخفاش سجین سے ہو۔

آن یکے الخ۔ یعنی ایک تو نور ہے اور ہر عیب سے بری ہے اور وہ دوسرا اندھا اور ہر دروازہ کا فقیر ہے۔

آن یکے الخ۔ یعنی وہ ایک چاند ہے جو کہ پروین پر غالب ہوتا ہے اور وہ ایک کیڑا ہے جو کہ گوبر مین تنتا ہے۔

آن یکے الخ۔ یعنی وہ ایک تو یوسف رخ اور عیسے نفس ہے اور یہ دوسرا گرگ ہے یا گدھا ہے یا گونگا ہے۔

آن یکے الخ۔ یعنی وہ ایک تو لامکان مین اڑ رہا ہے اور وہ ایک کوڑی این کتون کیطرح (ذلیل) ہے۔

آن یکے الخ۔ یعنی وہ ایک تو بادشاہ عالی مرتبہ ہے اور وہ ایک بھاڑ مین غم مین مبتلا ہے۔

آن یکے الخ۔ یعنی وہ ایک تو کہ اوسکی بخشش کی ایک خلق شرمندہ ہے اور وہ دوسرا بینوائی کی وجہ سے منفعل ہو رہا

آن یکے الخ۔ یعنی وہ ایک تو اہل زمان مین سے سردار ہے اور یہ دوسرا خاک وخواری مین نہان ہے۔
بلبلان را الخ۔ یعنی بلبلون کی جگہ تو چمن زیب دیتی ہے اور گوہ کے کیڑے کا گوہ ہی مین عمدہ وطن ہے۔
باز بان الخ۔ یعنی پھول گوہ کے کیڑے سے زبان حال سے کہتا ہے کہ اے گندہ بغل۔
گر گریزانی الخ۔ یعنی اگر تو گلشن سے گریزان ہے تو بے شک یہ نفرت گلستان کا کمال ہے۔
غیرت من الخ۔ یعنی میری غیرت تیرے سر پر دور باش (کا ڈنکا) بجا رہی ہے کہ اے کمینہ اس دروازہ سے دور ہو۔
ور بیامیزے الخ۔ یعنی اے کمینے اگر تو میری ساتھ ملے تو یہ گمان ہو کہ تو میری جنس سے ہے۔ (حالانکہ ایسا نہین ہے)
گر در الخ۔ یعنی اگر وہ ملے تو یہ میرا نقصان ہے اسلئے کہ لوگ جانینگے کہ یہ میری جنس سے ہے۔
گر در آمیز د الخ۔ یعنی اگر وہ زہرناگ مجھمین ملے تو جوہا اور دریا اور مچھلی اور خشکی (کی طرح بے جوڑ) ہو۔
حق مرا الخ۔ یعنی حق تعالی نے جب مجھے پلیدی سے پاک رکھا تو کسطرح لائق ہے مجھے کسی پلید یکو مقرر کرنا۔ مطلب ان اشعار کا یہ ہے کہ ناقص اور کامل مین تو کوئی مناسبت ہی نہین ہے۔ بلکہ اگر کسی جگہ پر کوئی ناقص کامل کیطرف جاوے تو اس سے تو شبہ یہ ہوتا ہے کہ وہ کامل ہی نہین جب تو اوسکی طرف ناقص کا میلان ہو رہا ہے۔ اور اسکی یہ سب مثالین دی ہین کہ کامل کی تو ایسی مثال ہے کہ جیسے ایک شہباز ہو یا خورشید یا نور یا چاند یا یوسف رخ وغیرہ اور ناقص کی ایسی مثال ہے کہ جیسے چغد یا خفاش یا اندہا یا کرم سرگین یا گدہا وغیرہ اور جیسے کہ کامل کی شناخت اوسکے کمالات ہین اسی طرح کامل کے کمال کی ایک یہ بھی شناخت ہے کہ اوس سے معاندین اور ناقصین کو نفرت ہو اور اوسکی صورت سے بیزار ہون۔ تو دیکھو کہ ان اشیاء مین مناسبت نہونیکی وجہ سے باہم تجاذب نہین ہوتا اسی طرح کاملین وناقصین مین بھی بسبب عدم تناسب کے تجاذب مابین نہین ہوتا۔ آگے مقولہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بیان فرماتے ہین کہ۔
یک رگم الخ۔ یعنی میرے اندر اون کی ایک رگ بھی حق تعالی نے اوسکو بھی کاٹ دیا تو اب میرے اندر وہ بد رگ کہان ہو سکتا ہے۔ مطلب یہ کہ حضور مقبول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہین کہ اون ناقصین کا ایک اثر مجھمین تھا لیکن حق تعالے نے اوسکو بھی میرے اندر سے نکال دیا ہے تو اب مجھپر کسی بدرگ کا قابو نہین چل سکتا۔ اسمین یا تو اشارہ ہے اوس حدیث کی طرف جسمین کہ ارشاد ہے کہ حق تعالی نے میری مدد فرمائی اور میرا شیطان مسلمان ہو گیا ہے تب تو یہ مطلب ہو گا کہ ان کفار وغیرہ مین اور مجھمین ایک قدر مشترک یہ بھی تھی اون کا بھی ایک شیطان تھا اور ایک میرا بھی لیکن حق تعالی کی مدد سے وہ بھی مسلمان ہو گیا۔ لہذا وہ بات بھی نہ رہی اور اب تو کسی قسم کی بھی مناسبت مابین باقی نہین رہی اور یا اوس حدیث کی طرف اشارہ ہو جس مین کہ ارشاد ہے کہ جب شق صدر ہوا ہے تو فرشتون نے ایک پھٹکی خون کی نکالی اور کہا کہ آپکے اندر اتنا حصہ شیطان کا تھا یعنی اتنا اثر آپ مین بشریت کا تھا تو اب مطلب یہ ہو گا کہ اون امور بشریہ مین جو اس خون کی پھٹکی کے متعلق تھے اون لوگون سے مناسبت تھی اور اسمین یہ قدر مشترک تھی۔ لہذا اب اوسکو بھی حق تعالی نے نکال دیا لہذا اب کوئی کسی قسم کی مناسبت باقی ہی نہین ہے اسلئے کفار کا انکار کرنا بھی دلیل کمال ہے حضور مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی آگے اسکی ایک نظیر بیان فرماتے ہین کہ۔
یک نشان الخ۔ یعنی آدم علیہ السلام کے (کمال) کی ازل سے ایک نشانی تو یہ تھی کہ اون کے مرتبہ کیوجہ سے ملائک سجدہ کرینگے۔

ایک نشان الخ - یعنی ایک نشانی دوسری وہ کہ وہ ابلیس لعین اون کے آگے سر نہ رکھیگا کہ مین تو شاہ اور رئیس ہون مطلب یہ کہ ایک نشانی اون کے کمال کی مسجود ملکہ ہونا تو ہی ہی ایک دوسری نشانی یہ ہی کہ ابلیس اونکا انکار کریگا اور وہ اُن کے سجدہ سے باز رہے گا تو یہ بھی اون کے کامل ہونیکی دلیل ہی آگے اسکی وجہ فرماتے ہین کہ۔

پس اگر الخ - یعنی پس اگر ابلیس ساجد ہو جاتا تو وہ آدم نہوتے کوئی اور ہوتے اسلئے کہ اگر وہ بھی سجدہ کر لیتا تو معلوم ہوتا کہ آپسمین کوئی مناسبت ہی کہ جسکی وجہ سے یہ ان کی طرف جھکا اور اب معلوم ہو گیا کہ چونکہ انتہا رکمال کو پہونچے ہوے تھے اسلئے اوس مردود ازلی نے اون کو سجدہ کرنے سے کنارہ کشی کی کہ آپسمین کوئی مناسبت ہی نہ تھی۔

ہم سجود الخ - یعنی ہر فرشتہ کا سجدہ کرنا بھی اون (کے کمال) کا معیار ہی اور اس دشمن کا انکار کرنا بھی (اون کے کمال کی) دلیل ہی۔

ہم گواہ الخ - یعنی فرشتونکا اقرار کرنا بھی اونکا گواہ ہی اور اوس سگ کا کفران بھی اون کا گواہ ہی غرضیکہ معلوم ہو گیا کہ کوئی شئے غیر جنس سے نہین ملتی بلکہ جب دو چیزون مین تجاذب ہوگا تو ضرور ہی کہ اون مین کوئی قدر مشترک ہو گی لہذا اوس شخص نے جو ریچھ کو نہ چھوڑا معلوم ہوتا ہی کہ اون دونون مین آپسمین کوئی ضرور مناسبت تھی کہ اوس شخص مین بھی بہیمیت اور سبعیت آگئی تھی ورنہ اس انجذاب کے کیا معنی آگے فرماتے ہین کہ۔

این سخن الخ - یعنی یہ بات تو انتہا نہین رکھتی لہذا لوٹو کہ اوس ریچھ نے اوس شیر مرد کی ساتھ کیا کیا۔ اب یہانسے پھر اوس ریچھ کے قصہ کی طرف رجوع ہی۔

شرح حبیبی

تتمہ قصہ آن مرد مغرور بر وفاے خرس

شخص خفت و خرس می راندش مگس
وز ستیز آمد مگس زو باز پس

چند بارش راند از روے جوان
آن مگس پس باز می آمد دوان

خشمگین شد با مگس خرس و برفت
برگرفت از کوہ سنگی سخت زفت

سنگ آورد و مگس را دید باز
بر رخ خفتہ گرفتہ جاے ساز

برگرفت آن آسیا سنگ و بزد
بر مگس تا آن مگس واپس خزد

سنگ روے خفتہ را خشخاش کرد
وین مثل بر جملہ عالم فاش کرد

مہر ابلہ مہر خرس آمد یقین
کین او مہرست مہر اوست کین

عہد او سست است و ویران و ضعیف
گفت او زفت و وفاے او نحیف

گر خورد سوگند ہم باور مکن
بشکند سوگند مرد کژ سخن

چونکہ بے سوگند گفتش بد دروغ
تو میفت از مکر و سوگندش بدوغ

نفس او میر است و عقل او اسیر
صد ہزاران مصحفش خود خوردہ گیر

چونکہ بے سوگند پیمان بشکند / گر خورد سوگند او بد تر کند
زانکہ نفس آشفتہ تر گردد از ان / گر کنی بندش بزنجیر گران
چون اسیرے بند بر حاکم نہد / حاکم آنرا بر درد بیرون جہد
بر سرش کوبد زخشم آن بند را / میزند بر روئے او سوگند را
تو ز او فو بالعقود شش دست شو / احفظوا ایمانکم با او مگو
ہر کہ او گوید بہ نزد ما دروغ / در نگیر وگفت سوگندش فروغ
وانکہ داند عہد با کہ می کند / تن کند چون تار گرد او متند
وانکہ حق را ساخت در پیمان سند / تن کند چون بند و گرد او تند

الغرض وہ شخص سوگیا اور ریچھ اوسکی مکھیان اڑانے لگا۔ جون جون وہ اڑاتا تھا اسی طرح مکھیان ضد سے لوٹ لوٹ آتی تھین کئی دفعہ اوسنے اُس جوان کے منہ پر سے مکھیان اڑائین لیکن ہر بار وہ مکھیون لوٹ لوٹ آئین ریچھ کو مکھیان پر غصہ آیا۔ لہذا گیا اور پہاڑ مین سے ایک بڑا پتھر لیا جب پتھر لایا پھر مکھیون کو دیکھا کہ سونے والے کے منہ پر بیٹھی ہوئی ہین تو اوسنے اوس چکی کے پاٹ جیسے پتھر کو لیا اور مکھیون کے مارا کہ یہ واپس لوٹ جائین اور پھر نہ آئین اوس پتھر نے سونے والے کے سر کو چکنا چور کردیا۔ اور یہ مثل عالم مین مشہور ہوگئی کہ نادان کی دوستی ریچھ کی دوستی ہی اس سے تمکو سمجھنا چاہیے کہ نادان کی دوستی جو نادانی سے ہو فی الحقیقت دشمنی ہی۔ اور دشمنی جو نادانی سے ہو دوستی ہی اور یاد رکھو کہ وہ جو عہد کرتا ہی وہ کمزور اور تباہ وضعیف ہی۔ باتین اوسکی بہت بڑی بڑی ہین مگر وفا کمزور ہی۔ پس اگر وہ قسم بھی کھاے تو اعتبار نکرنا اسلیے کہ جو آدمی اینڈی بینڈی باتین کرتا ہی اوسکو قسم کا توڑ دینا کچھ دشوار نہین جبکہ بلا قسم کے جھوٹ بولتا ہی تو تم اوسکے مکر اور قسم سے فریب مین نہ آنا بات یہ ہی کہ وہ تابع نفس کہ ہی اور نفس اسکا حاکم اور اوسکی عقل اوسکی مقید ہی وہ سیکڑون قرآن کھاکر بھی ڈکار نہین لیتا۔ پس جو شخص بلا قسم کے عہد کو توڑ ڈالتا ہی وہ بہت بڑا مکر کرتا ہی جو قسم کھاتا ہی۔ وجہ یہ ہی کہ یہ نفس کو جکڑنا چاہتا ہی۔ اور نفس کو اس سے اور ہیجان ہوگا۔ کہ وہ اوسکو بھاری زنجیرون مین باندہتا ہی کیونکہ وہ اسکا حاکم ہی اور یہ اوسکا مقید اور جب کوئی قیدی حاکم کو باندہنا اور اوسکو پابند کرنا چاہتا ہی تو حاکم اس بند کو توڑ پھوڑ کر رکھ دیتا ہی اور خود باہر نکل آتا ہی اور غصہ سے اس بند کو اوسکے منہ پر مارتا ہی پس وہ نفس بھی اس قسم کو اوسکے منہ پر ماریگا یہ اوسکو بوجہ اپنی مغلوبی کے روک نہ سکیگا۔ لہذا جب نفس غالب ہو تو ایسے اسباب پیدا نہ کرنے چاہئین جس سے اوسکو ہیجان ہو بلکہ تدبیر اور ملاطفت سے اسکو قابو مین لانا چاہیئے۔ جب یہ معلوم ہوگیا کہ ایسے شخص کی قسم سے نفس کی ضد بڑہتی ہی اور وہ قسم کو ضرور توڑ ڈالتا ہی لہذا تمکو چاہیے کہ اسکی پیمان مؤکد بقسم کو سادے پیمان سے بھی زیادہ کمزور سمجھو۔ الغرض تمکو اوسکے وفائے عہد سادہ و مؤکد بقسم ہر دو سے ہاتھ دہو لینا چاہیے اور اس سے بتوقع وفا احفظوا ایمانکم نہ کہنا چاہیے کیونکہ اس سے وفائے عہد کی امید نہین۔ خلاصہ یہ کہ جو شخص ہمارے سامنے جھوٹ بولنے کا عادی ہی اسکی قسم سے اوسکی بات کو کوئی تفوق حاصل نہین ہوتا اور جو شخص جانتا ہی کہ وہ فی الحقیقت کسی کی ساتھ عہد کرتا ہی وہ حفاظت مین اپنے جسم کو تار کردیتا ہی اور ہر طرح کی مشقتین اور روحانی کوفتین جھیلتا ہی مگر اپنے عہد کو ملحوظ رکھتا ہی اور جو شخص اپنے عہد مین حق سبحانہ کو وثیقہ و دستاویز بناتا ہی اور اسکے نام سے اپنے پیمانکو منضبط کرتا ہی وہ اپنے جسم کو اُس پیمان کے چارون طرف روک

بنا دیتا ہی اور ہمہ تن اوسکی حفاظت کرتا ہی کہ مبادا جاتا نہ رہے اور کوئی بات خلاف عہد نہو جاوے شاید تم کو استبعاد ہو کہ عہد تو اوسنے انسان کے ساتھ کیا تھا یہ خدا کیساتھ عہد کیونکر ہو گیا سنا سکا ایک جواب تو یہ ہوا کہ جب اسنے خدا کے نام کو وثیقہ بنایا تو گویا کہ خدا کو اوسنے وفائے عہد کا ضامن بنایا اور خدا کیساتھ معاہدہ کیا کہ ہم خلاف ورزی نکرینگے۔ دوسرے حق سجانہ فرماتے ہین کہ اوفوا بالعقود اور احفظوا ایمانکم اور یہ ان احکام کو مانتا ہی تو یہ عہد ہی حق سبحانہ سے ایفا کا پس جسطرح وہ بندے سے عہد کرتا ہی یون ہی خدا سے بھی عہد کرتا ہی کہ مین حسب الحکم اسکی پابندی کرونگا۔ ان دونون صورتون مین تو بندہ کے عہد کیساتھ خدا کیساتھ ایک جُدا گانہ عہد ہوگا۔ اور یہ عہد اوسکو متضمن ہوگا۔ یا مستلزم۔ مگر یہ بھی ممکن ہی کہ بعض جگہ خود وہی عہد جو بندہ کیساتھ کیا گیا ہی اس بندہ کے حق سبحانہ کیساتھ عرفی اتحاد کی بنا پر حق سبحانہ کیساتھ ہو جیسے کہ عبادت بندۂ خاص کو حق سبحانہ خود اپنی عبادت فرماتے ہین جسکی تفصیل مع فوائد زائدہ حوالہ قلم کیجاتی ہی سنو۔

شرح شبیری

اُس آدمی کی حکایت کا تتمہ جو کہ ریچھ کی وفاداری پر مغرور تھا

شخص خفت الخ یعنی وہ شخص تو سو گیا اور ریچھ اوسکی مکھیان جھل رہا تھا اور ضد کیوجہ سے مکھی جلدی ہی پھر واپس آجاتی تھی۔ (جیسا کہ مکھی کا قاعدہ ہی کہ جتنا ہٹاؤ اوتنا ہی آتی ہی)۔

چند بارش الخ۔ یعنی اوس ریچھ نے کئی مرتبہ جوان کے منہ سے اوسکو ہٹا دیا مگر وہ مکھی پھر دوڑتی ہوئی واپس آتی تھی

خشمگین شد الخ۔ یعنی ریچھ مکھی سے غصہ مین ہوا اور گیا اور پہاڑ سے ایک بڑا بھاری پتھر لایا۔

سنگ الخ۔ یعنی پتھر لایا اور مکھی کو پھر سونے والے کے منہ پر بیٹھے ہوئے دیکھا۔

برگرفت الخ۔ یعنی وہ چکی کا پتھر لیکر مکھی کے مارا تاکہ وہ مکھی واپس لوٹے۔ تو نتیجہ یہ ہوا کہ۔

سنگ روئے الخ۔ یعنی پتھر نے سونیوالے کے منہ کو چور چور کر دیا اور یہ مثل (ذیل کی) تمام عالم پر ظاہر کر دی۔

مہر ابلہ الخ۔ یعنی بیوقوف کی دوستی یقیناً ریچھ کی دوستی ہی۔ اوسکا کینہ مہربانی ہی اور اوسکی مہربانی کینہ ہی۔ مطلب یہ کہ اب یہ مثل ہو گئی کہ بیوقوف کی دوستی کو خرس کی دوستی کہتے ہین۔ پس اگر بیوقوف دشمن ہو تو سمجھو کہ حقیقت مین یہ اوسکی مہربانی ہی اسلئے کہ وہ اب کوئی گزند نہ پہونچاویگا اور اگر کہین اوسنے دوستی کر لی تو یہ حقیقت مین دشمنی ہی کہ خوب اچھی طرح ضرر ہونگے آگے اسکی وجہ فرماتے ہین کہ۔

عہد او سست الخ۔ یعنی اوس بیوقوف کا عہد شکستہ ہی اور ویران اور ضعیف ہی اور قول اوسکا فضول ہی اور وفا اسکی کمزور

گر خورد الخ۔ یعنی اگر وہ قسم کھاوے تب بھی یقین مت کر کیونکہ اوندھی بات والا آدمی قسم کو بھی توڑ دیگا۔

چونکہ الخ۔ یعنی جبکہ بے قسم کے اوسکا قول کاذب ہی تو تو اوسکے مکر اور قسم کیوجہ سے فریب مین مت پڑ۔ دوغ بمعنی چھاچھ دہوکہ کو اسلئے کہتے ہین کہ چھاچھ بھی صورتاً دودہ ہوتی ہی لیکن واقع مین نہین ہوتی۔ اسیطرح دہوکہ بھی واقع مین نافع اور اصل مین مضر ہوتا ہو۔

نفس او الخ یعنی اوسکا نفس تو حاکم ہی اور عقل اُوسکی قیدی ہی لاکھون قرآن اوسکو کھائے ہوئے فرض کر۔ مطلب یہ کہ قرآن

کی قسم کھانا تو درکنار اوسکو اگر خود قرآن ملجاوین تو وہ اون کو بھی کھا جاوے - لہذا ایسے آدمی کا کیا اعتبار ہو سکتا ہی -
چونکہ الخ یعنی جب کہ بے قسم کے عہد شکنی کرتا ہی تو اگر قسم کھاوے اوسکو بھی توڑ دیگا (اوسے مشکل ہی کیا ہی) -
ز انکہ الخ یعنی اسلئے کہ نفس اس سے زیادہ برانگیختہ ہوتا ہی کہ کوئی اوسکو خوب بھاری قسم سے بند کر دے - مطلب یہ کہ یہ قاعدہ مسلم ہی النفس حریص علی ما منع اور یہ بھی معلوم ہی کہ جسقدر سخت ممانعت ہوگی اوسیقدر زیادہ حرص بھی ہوگی - تو اگر کوئی نفس کو عہد شکنی سے صرف عہد کرکے روکتا ہی تو یہ تو اتنا سخت نہین ہی لیکن اگر اوسکو عہد شکنی سے قسم کھاکر روکتا ہی تو اسمین ممانعت عہد شکنی زیادہ ہی اسلئے نفس کو زیادہ حرص ہوگی کہ وہ عہد شکنی کرے لہذا وہ قسم سے اور بھی آشفتہ ہوگا اور خوب عہد شکنی کریگا - ہان اگر طبیعت سلیمہ ہی تو وہ ممانعت سے باز رہیگی - وہی شاذ - اکثر طبائع سلیم نہین ہوتین اور فقہا نے بھی لکھا ہی کہ حاکم گواہ کو قسم نہ دے - ہان اگر ضرورت سمجھے کہ زاجر ہوگی اور مانع عن الکذب ہوگی تو مضایقہ نہین ہی - لہذا اگر ابلہ قسم بھی کھاوے تو اوس کا بھی اعتبار نہین ہی سبحان اللہ عجیب مضمون ہی للہ در ہ ثم للہ درہ آگے ایک مثال فرماتے ہین کہ -

چون اسیرے الخ یعنی جب کوئی قیدی بیڑی حاکم پر رکھے تو حاکم اوسکو توڑ دیگا اور باہر نکل جاویگا مطلب یہ کہ اگر کوئی قیدی کسی حاکم کو قید کرنا چاہے تو وہ حاکم ہرگز قید نہوگا بلکہ اوس قید سے نکلکر خود اوس قیدی ہی کو ٹھیک کریگا - تو اسیطرح جب کہ بیوقوف کا نفس حاکم ہی اور عقل قیدی ہی اسلئے اگر عقل نفس کو قسم وغیرہ سے مقید کرنا چاہیگی اور وہ یہ چاہے گی کہ اوسکو عہد شکنی نہ کرنے دے تو یاد رہی کہ وہ نفس حاکم اس عقل پر غالب آویگا اور خود اوسکو ہی قید کرلیگا - لہذا ایسے آدمی کا ہرگز اعتبار نہین ہی آگے بھی فرماتے ہین کہ -

بر سرش الخ - (یعنی (وہ حاکم) اوس (قیدی) کے سر پر غصہ سے اوس قید کو ماریگا تو اسیطرح نفس) اوس (عقل) کے منہ پر اوس قسم کو ماریگا - اور ہرگز اوسپر عامل نہوگا -

تو ز او فوا الخ یعنی تم اوسکے وفائے عہد سے ہاتھ دہو لو اور اس سے احفظوا ایمانکم (اپنی قسمون کی حفاظت کرو) مت کہو کیونکہ بالکل بے سود ہے -

ہر کہ او الخ - یعنی جو کہ وہ ہمارے سامنے جھوٹ بولے تو اوسکا قول اوسکی قسم سے رونق نہ پاویگا - مطلب یہ کہ جسنے ویسے جھوٹ بولدیا تو اگر اوسنے قسم بھی کھالی وہ بھی بے سود ہی اسلئے کہ اس سے اوسکے قول مین کسی قسم کی پختگی نہین ہو سکتی -

دانکہ الخ - یعنی جو شخص کہ جانے کہ کس سے عہد کرتا ہی تو بدن کو تار کیطرح کرلیتا ہی اور اوسکے گرد رہتا ہی مطلب یہ کہ جو شخص کہ عہد کر رہا ہی اگر وہ سمجھے کہ یہ عہد حقیقتہً کس سے کر رہا ہی تو وہ اوسکو وفا کرنے مین حتی الامکان کوشش کرے اگرچہ وہ سوکھ کر اوسکے فکر مین کانٹا بھی ہو جاوے مگر پھر بھی وہ اوسکو پورا کرے اسلئے جو عہد کسی سے کرتا ہی وہ اصل اور حقیقت مین حق تعالی سے عہد کر رہا ہی اب سمجھ لو کہ حق تعالی سے عہد شکنی کسقدر سخت امر ہی -

وانکہ الخ - یعنی اور وہ کہ حق کو پوشیدگی مین سند بناوے اور وہ بدن کو قید کیطرح کرلیتا ہی اور اوسکے گرد رہتا ہی - مطلب یہ کہ جسنے حق تعالی کو سند بنا رکہا ہی اور وہ جانتا ہی کہ یہ سب عہد وغیرہ حق تعالی سے ہین تو وہ بدن کو قید کیطرح ایک جگہ رکھتا ہی اور اوسی پر قائم رہتا ہی آگے ایک حکایت فرماتے ہین اور وہ شعر ۵ وانکہ داند عہد با کہ می کند الخ کے ساتھ مربوط ہے تقریر ربط اسطرح ہی کہ وہان کہا ہی کہ جب عہد کرو تو سمجھو کہ حقیقت مین اور واقع مین کس سے عہد کر رہے ہو تو

چونکہ اصل مین وہ عہد حق تعالی سے ہے اسلئے عہد شکنی بہت بری بات ہے اب آگے عیادت کی فضیلت بیان فرماتے ہین کہ عیادت اسلئے افضل ہے کہ تم جسکی عیادت کر رہے ہو شاید وہ کوئی قطب ہو اور اوسکی عیادت سے رضاء حق میسر ہو تو گویا کہ حق تعالی کی عیادت کی اور یہ مضمون حدیث مین بھی ہے کہ حق تعالی قیامت مین ایک شخص سے ارشاد فرماوینگے کہ مین مریض ہوا تھا تمنے میری عیادت نہین کی تو وہ عرض کریگا کہ یا الٰہی آپ تو عیوب سے بری ہین آپ کب بیمار ہو سکتے ہین تو ارشاد ہوگا کہ میرا فلان مقبول بندہ بیمار ہوا تو گویا کہ مین مریض ہوا اور تو نے اوسکی عیادت نہ کی تو گویا میری عیادت نہ کی تو جسطرح وہان عیادت عبد گویا کہ عیادت حق ہے اسیطرح عہد با عبد گویا کہ عہد با حق ہے لہذا اسکو ہرگز نہ توڑنا چاہیے اس سے زیادہ صاف ربط شاید اور کوئی نہو اور کانپوری مثنوی شریف کے حاشیہ مین حضرت حاجی صاحب نے بھی اسی ربط کی طرف اشارہ فرمایا ہے اور آگے مولانا کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کی حکایت بیان فرمانا بھی اسکا مؤید ہے اب حکایت سنو

شرح حبیبی

رفتن رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم بعیادت صحابی رنجور و فائدۂ عیادت

از صحابہ خواجۂ بیمار شد
واندران بیماری او چون تار شد

مصطفےٰ آمد عیادت سوئے او
چون ہمہ لطف و کرم بد خوئے او

در عیادت رفتن تو فائدہ است
فائدہ آن بازبا تو عائد است

فائدہ اول کہ آن شخص علیل
بو کہ قطبے باشد و شاہ جلیل

چون تو چشم دل نداری اے عنود
کہ نمیدانی تو ہیزم را ز عود

چونکہ گنجے ہست در عالم مرنج
ہیچ ویران را مدان خالی ز گنج

قصد ہر درویش می کن از گزاف
چون نشان یابی بجد میکن طواف

چون ترا آن چشم باطن بین نبود
گنج می پندار اندر ہر وجود

ور نباشد قطب یار رہ بود
شہ نباشد فارس اسپہ بود

پس صلہ یاران رہ لازم شمار
ہر کہ باشد گر پیادہ ور سوار

ور عدو باشد ہم این احسان نکوست
کہ باحسان بس عدو گشتست دوست

ور نگردد دوست کینش کم شود
زانکہ احسان کینہ را مرہم شود

بس فوائد ہست غیر این ولیک
از درازے خائفم اے یار نیک

حاصل این آمد کہ یار جمع باش
ہمچو بتگر از حجر یارے تراش

زانکہ انبوہے و جمع کاروان
رہزنان را بشکند پشت و سنان

وحی آمدن از حق تعالی بموسی کہ چرا بعیادت من نیامدی

آمد از حق سوئے موسے این عتیب — کاے طلوع ماہ دیدہ تو ز جیب
مشرقت کردم ز نور ایزدی — من حقم رنجور گشتم نامدی
گفت سبحانا تو پاکی از زیان — اینچہ رمز است این بکن یارب بیان
باز فرمودش کہ در رنجوریم — چون نپرسیدی تو از روئے کرم
گفت یارب نیست نقصانے ترا — عقل گم شد این گرہ را برکشا
گفت آرے بندۂ خاص گزین — گشت رنجور او منم نیکش بہ بین
ہست معذوریش معذوری من — ہست رنجوریش رنجوری من
ہر کہ خواہد ہمنشینی با خدا — او نشیند در حضور اولیا
از حضور اولیا گر بسکلی — تو ہلاکی زانکہ جزوی بے کلی
ہر کرا دیو از کریمان وابرد — بے کسش یابد سرش را وا خورد
یک بدست از جمع رفتن یکزمان — مکر شیطان باشد این نیکو بدان

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے ایک صاحب بیمار ہوئے اور اتنے بیمار ہوئے کہ سوکھ کر کانٹا ہو گئے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت چونکہ سراپا لطف وکرم تھی لہذا عیادت کے لئے تشریف لائے اس سے تمکو نصیحت حاصل کرنی چاہیے اور مریضون کی عیادت کرنی چاہیئے اسمین بڑا فائدہ خود تمہارا ہی اور اسکا بہت بڑا نفع خود تمہاری طرف عائد ہوتا ہی چنانچہ پہلا فائدہ تو یہ ہی کہ ممکن ہی کہ وہ بیمار کوئی قطب اور عند اللہ نہایت عالی مرتبہ شخص ہوا ور تمکو معلوم نہونا اور اسکو دیگر عوام سے ممتاز نہ سمجھنا کوئی چیز نہیں کیونکہ تمھاری چشم باطن روشن نہیں جس سے تم امتیاز کرسکو جب تمھاری حالت یہ ہی اور تم یہ بھی اجمالاً جانتے ہو کہ عالم اہل اللہ سے خالی نہیں اور واقع مین بھی ایسا ہی ہی تو تمکو طلب سے ملول نہ ہونا چاہیئے اور کسی ایسے شخص کو جسکا ظاہر خراب ہو قطعی طور پر دولت معرفت سے خالی نہ جاننا چاہیئے گو یہ بھی نہونا چاہیے کہ ظاہر کو بالکل نظر انداز کر دیا جاوے بلکہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر لازمی ہی اگر کسی وجہ سے اوسکی معذوری ظاہر نہو جاوے۔ اور ہر ایسے درویش کیطرف اٹکل پچو بھی متوجہ ہونا چاہیے۔ جسمین احتمال معرفت قریب ہو اور جبکہ تمکو کوئی کامل ملجاوے تو اوسکا دامن پکڑ لینا چاہیے۔ چونکہ تیرے لئے چشم باطن نہیں ہی اسلئے تم کو ہر شخص مین گنج معرفت کا احتمال ہونا چاہیے۔ اور بنا پر احتمال تحقیق حال کے درپے ہونا چاہیئے۔ لیکن یہ نہونا چاہیے کہ اوسکے افعال واقوال سیئہ کو حسن سمجھ لیا جاوے بلکہ ان کو تو برا ہی سمجھنا چاہیے پھر یہ دیکھنا چاہیے کہ یہ شخص ان افعال واقوال مین معذور ہے اور حقیقت مین عارف ہی یا معذور نہین اور حقیقت بھی اسکی ویسی ہی ہی جیسا اسکا ظاہر۔ یہان تک تو ہمنے بیان کیا تھا ن ہی کہ وہ مریض کوئی خاصان الٰہی مین سے ہو۔ اب ہم کہتے ہین کہ اگر وہ قطب اور خاصان الٰہی مین سے بھی نہ ہوگا تو آخر راہ خداوندی کا رفیق تو ہے یعنی مسلمان تو ہی اور اگر بادشاہ اور اعلی رتبہ کا نہیں تو سپاہی تو ہی۔ جب یہ صورت ہے تو یاردن اور رفیقون کے ساتھ اچھا برتاؤ لازم ہی خواہ پیادہ اور عاصی ہو یا سوار اور نیک اور فرض کرو کہ دشمن ہی ہی تب بھی یہ تمھارا احسان ہوگا۔ اور احسان فی نفسہ اچھی چیز ہی۔ ممکن ہی کہ وہ تمھارے احسان ہی سے تمھارا دوست ہو جاوے اور یہ کچھ بعید نہین کیونکہ احسان سے بہت سے دشمن دوست ہو گئے ہین۔ اچھا یہ بھی مانا کہ وہ دوست بھی نہوگا۔ لیکن

اس سے بھی فائدہ ہوگا کہ اوسکی دشمنی کم ہوجاویگی کیونکہ احسان کا قاعدہ ہی کہ وہ زخم کینہ کیلئے مرہم ہوجاتا ہی اسکے علاوہ اور بہت سے فائدے ہین۔ لیکن سب کے بیان کرنے مین طوالت کا اندیشہ ہی اسلئے صرف اسی قدر پر اکتفا کیا جاتا ہی خلاصہ یہ کہ تم کو دوسرونکا یار ہونا چاہیے اور اون کو اپنا یار بنانا چاہیے اور پتھر کیطرح پتھر کا بھی یار بنانا چاہیے۔ مبالغہ ہے یار بنانے مین اور مقصود یہ ہی کہ مرافقت اچھی چیز ہی خواہ یار کتنا ہی ادنے درجہ کا ہو۔ بشرطیکہ اوسکے یار بنانے کی شرعًا ممانعت نہو اور مرافقت کی اسلئے ضرورت ہی کہ ایک گروہ اور قافلہ کی جماعت رہزنون کی کمر اور اون کے ہتھیارون کو توڑ پھوڑ کر رکھدیتی ہی یعنی اتحاد و اتفاق سے شیطانون کا پورے طور پر مقابلہ ہوسکتا ہی اور تنہا پر شیطان کا داؤن بہت جلد چل جاتا ہی اور مرافقت کیلئے سب سے مقدم اولیاء اللہ ہین۔ اسکی وجہ یہ ہی کہ ان کو حق سبحانہ کی ساتھ اتحاد و توافق ہی اور دلیل اسکی یہ ہی کہ ایکمرتبہ موسٰی علیہ السلام کو عتاب ہوا کہ اے وہ موسٰی جسپر ہم نے یہ اکرام کیا کہ اوسکے ہاتھ کو ماہتاب کی طرح کردیا اور جب اوسنے اپنے ہاتھ کو گریبان مین ڈالکر نکالا تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گریبان مین سے چاند نکلا۔ ہم نے تمکو اپنے نور سے منور کیا۔ لیکن تم نے ہمارے ساتھ یہ کیا کہ ہم بیمار ہوئے تم ہماری عیادت کو نہ آئے۔ حضرت موسٰی نے عرض کیا کہ اے قدوس سبحان تو تو نقصان مرض وغیرہ سے منزہ ہی اسکا مطلب کیا ہی اسکو واضح کر دیجئے۔ پھر یہی حکم ہوا کہ ہماری بیماری مین تمنے ہماری عیادت نہین کی۔ پھر حضرت موسٰی نے عرض کیا کہ الٰہ العٰلمین تو تو نقصان سے مبرا ہی میری عقل گم ہوگئی۔ کچھ سمجھ مین نہین آیا۔ اس عقدہ کو حل کر دے حکم ہوا اچھا سُن۔ میرا فلان خاص اور مقبول بندہ بیمار ہوا غایت توافق کی بنا پر گویا کہ وہ مین ہی ہون اور اوسکی معذوری گویا کہ میری ہی معذوری ہی اور اسکی بیماری گویا کہ میری ہی بیماری ہی اس بیان سے تم کو معلوم ہوگیا کہ بندگان خاص حق سبحانہ کیلئے عینیت حق سبحانہ کا مجازًا حکم ہی اور ان کے ساتھ جو برتاؤ کیا جاتا ہی وہ گویا کہ حق سبحانہ کی ساتھ کیا جاتا ہی۔ پس جسکو مرافقت حق سبحانہ درکار ہو وہ اون کی مرافقت اختیار کرے کہ انکی صحبت گویا کہ حق سبحانہ کی صحبت ہی۔ پس تم کو انکی مرافقت لازم ہی اگر تم انسے مرافقت چھوڑدوگے اور انسے تعلق قطع کردوگے تو تمھارے لئے ہلاکت ضروری ہی کیونکہ نہ تو تم خود کل یعنی عارف ہو اور نہ جز یعنی انکے ساتھ مرتبط۔ پس ہلاکت لازم۔ کیونکہ جس شخص کو شیطان ان کریمون اہل اللہ سے علٰحدہ کردیتا ہے جسکی وجہ یہ ہوتی ہی کہ انکی طرف سے کشش نہین ہوتی۔ کیونکہ انکی طرف سے کشش ہوتی صورت مین یہ امر ناممکن ہی تو اسکا مقصد اسکا سر اڑانا اور ہلاک کرنا ہوتا ہی پس تمکو یاد رکھنا چاہیے کہ جماعت سے بالخصوص جماعت اہل اللہ سے ایک بالشت دور ہونا مکر شیطان ہی کہ اسطرح وہ اسکو ہلاک کرنا چاہتا ہی۔ اچھا اب تم ایک قصہ سنو جس سے تم کو تنہائی اور مرافقت کو چھوڑنے کا ضرر معلوم ہو۔

شرح شبیری

رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک مریض صحابی کی عیادت کو جانا اور عیادت کے فوائد۔

از صحابہ الخ۔ یعنی صحابہؓ مین سے ایک صاحب بیمار ہوئے اور وہ اس بیماری مین مثل تار کے (دُبلے) ہوگئے۔

مصطفے آمد الخ یعنی حضرت مصطفے صلی اللہ علیہ وسلم عیادت کے لئے اون کے پاس آئے اسلئے کہ اون کی خصلت تو لطف وکرم تام تھی۔ یعنی چونکہ آپ نہایت رحیم وکریم تھے اسلئے آپ اونکے پاس عیادت کے تشریف لیگئے آگے مولانا فرماتے ہین کہ۔
در عیادت الخ۔ یعنی اے طالب تیری عیادت کے لیے جانے مین فائدے ہین اور اوسکا فائدہ پھر تیری طرف لوٹتا ہے۔ آگے فوائد کو بیان فرماتے ہین کہ۔
فائدہ الخ۔ یعنی اول فائدہ تو یہ ہے کہ وہ مریض آدمی شاید کہ کوئی قطب ہو اور جلیل القدر بادشاہ ہو۔
چون الخ۔ یعنی اے معاند جب تو دلکی آنکھین نہین رکھتا تو تو لکڑی اور عود کو متمیز نہین کر سکتا۔ مطلب یہ کہ جب تجھے بصیرت حاصل نہین ہے تو پھر تو کامل اور ناقص مین کسطرح تمیز کر سکتا ہے۔
چونکہ الخ۔ یعنی جبکہ عالم مین ایک خزانہ ہے تو تو (جستجو مین) رنجیدہ مت ہو اور کسی ویرانہ کو خزانہ سے خالی مت جان۔ مطلب یہ کہ یہ تو یقینی ہے کہ عالم مین اقطاب وابدال ضرور موجود ہین تو تم اونکی جستجو کرو اور اس جستجو سے اُکتاؤ مت بلکہ کسی جگہ کو خالی از قطب مت سمجھو جیسا کہ بعض بزرگون نے لکھا ہے کہ کوئی قریہ ایسا نہین ہے کہ جہان قطب نہو۔ لہذا کسی جگہ کو خالی مت سمجھو بلکہ اوس جگہ تحقیق سے کام لو۔
قصد ہر درویش الخ۔ یعنی ہر درویش کا خوب کوشش سے قصد کرو اور جبکہ نشانی پالو تو کوشش سے اوسکا طواف کرو۔ مطلب یہ کہ جس درویش مین احتمال خلاف نہو اگرچہ بظاہر اوسمین علامت قبولیت کی بھی نہو لیکن خلاف نہونا چاہیے تو چاہئے کہ اوسکی تحقیق کرے اور اوسکی بعد پھر اوسکی طلب مین کوشش کرے۔ اور طواف سے مراد طواف متعارف نہین ہے تاکہ عوام اس سے طواف بزرگونکا اور قبرونکا نکالین بلکہ مراد یہ ہے کہ جب اونکا کمال محقق اور معلوم ہو جاوے تو پھر اونکا پیچھا پکڑ لو اور اون کو چھوڑو مت ہان جب تک کہ تحقیق نہو سوقت تک رہنا ضروری ہے اور جہان غالب گمان یا یقین جانب مخالف یعنی عدم کمال کا ہو وہان تو پھر کسی طرح اوسکا اتباع جائز ہی نہین ہے جیسے کہ کسیکو بت کے آگے سجدہ کرتے دیکھین تو وہ یقیناً کافر اور مردود ہے اوسکو ہرگز کامل نہ کہین گے ہان بعض بزرگونکے قصونسے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کامل تھے اور لوگون نے اون کو شراب پیتے دیکھا حالانکہ وہ اصل مین شراب نہ تھی بلکہ خود اوس دیکھنے والے کے اخلاق رذیلہ اس شکل مین متشکل ہوکر دکھائی دئے تو وہان تو معلوم ہونا بہت ہی مشکل ہے مگر چونکہ بہت شاذونادر ہے اسلئے اسکا اعتبار نہین اور اگر ایسی جگہ کسی سے بے ادبی بھی ہو جاوے تب بھی اوسپر ملامت نہین ہے اور نہ ایسے حضرات کی تحقیق کرنے کے ہم مکلف ہین خوب سمجھلو سو اگر ایسے حضرات کی شان مین کوئی گستاخی بھی ہو جاوے تب بھی ملامت نہین ہے لہذا جسکو خلاف شرع دیکھو اوسکو تو یقیناً مردود سمجھو اور جو خلاف شرع نہو اوسکی اگر ضرورت ہو تو تحقیق کر لو۔ لیکن اگر کسی ایک کو تحقیق کر کے اوسکا دامن ایک مرتبہ پکڑ لیا ہے تو اب ہرگز دوسرے کی تلاش نہ چاہیئے۔ کہ بعض اوقات مضر ہوتا ہے بلکہ چاہیے کہ تعلیم کا تو اوسی سے تعلق رکھے ہان دوسرون کی شان مین بھی گستاخی نکرے کہ فضول اور بعض مرتبہ مضر ہے بس اپنے کام مین لگا رہے اور ایک کا دامن پکڑے رہے آگے فرماتے ہین کہ۔
چون الخ۔ یعنی جبکہ تجھے وہ چشم باطن بین (حاصل) نہین ہے تو تو ہر وجود مین ایک خزانہ جان (اور ہر مسلمان کی عیادت کر کہ اور کچھ نہین تو مسلمان بھائی تو ہے) اسیکو فرماتے ہین کہ۔
ور نباشد الخ۔ یعنی اور اگر قطب نہو تو کوئی یار راہ ہو بادشاہ نہو کوئی فوج کا سپاہی ہی ہو۔

پس صلہ الخ- یعنی پس یاران رہ کی ساتھ صلہ کرنیکو لازم جان خواہ کوئی ہو پیادہ ہو یا سوار- یعنی خواہ چھوٹا ہو یا بڑا اسکے ساتھ ہمدردی اور صلہ رحمی ضروری ہی آگے اور ترقی کرکے فرماتے ہین کہ-

ور عدو الخ- یعنی اور اگر دشمن ہو تب بھی احسان اچھا ہی اسلئے کہ احسان سے دوست ہو جاتا ہی اگرچہ دشمن ہو-

ور نہ گردد الخ- یعنی اور اگر دوست بھی نہوگا تو اوسکا کینہ ہی کم ہو جاویگا اسلئے کہ احسان کینہ کا مرہم ہوتا ہی- غرضکہ جو کوئی بھی ہو اوسکی ساتھ احسان کرنا چاہیے کہ احسان ہر حال مین بہتر ہی آگے فرماتے ہین کہ-

بس فوائد ہست الخ- یعنی انکے سوا (عیادت کے) بہت سے فائدے ہین لیکن ارے بھائی کتاب کی درازی سے ڈرتا ہون (ورنہ اور بیان کرتا-)

حاصل الخ- یعنی حاصل یہ ہوا کہ جماعت کیساتھ رہ اور بت گر کیطرح پتھر ہی سے کوئی یار تراش لے- مطلب یہ کہ ہمیشہ جماعت کے ہمراہ رہو کہ مفید ہی اور چونکہ عیادت سے محبت بڑھتی ہی اور محبت سے اتفاق بڑھتا ہی اسلئے عیادت کرو اور ضرور کسی نہ کسی کو دوست بنالو اور پتھر کا دوست بنانے سے مراد یہ نہین ہی کہ بت ہی بنالو بلکہ مراد یہ ہی کہ دوست ضروری ہی اگرچہ وہ بالکل بیکار اور نکما ہی ہو جیسے کہ ہماری طرف بولتے ہین کہ آدمی چون کا بھی ہو تو اوسکی بھی قدر کرنا چاہیئے- آگے اسکی مصلحت بیان فرماتے ہین کہ-

زانکہ الخ- یعنی اسلئے کہ گروہ اور جماعت قافلہ کی ڈاکوون کی نیت اور بھال کو توڑ دیتی ہی- لہذا عیادت کرو اوس سے محبت زیادہ ہوگی اور اتفاق بڑھے گا اور اگر اون مریضون مین کوئی کامل ہوا تو اوسکو تجھ سے محبت ہو جاویگی اور وہ تمہاری ساتھ نفس و شیطان کو جو کہ تیرے جانی دشمن ہین دفع کر دیگا- اب چونکہ اوپر کہا تھا کہ عیادت کرو کہ شاید اون مین کوئی قطب بھی ہو آگے اوسپر ایک حکایت لاتے ہین کہ-

موسیٰ علیہ السّلام کو حق تعالیٰ کی جانب سے وحی آنا کہ تم میری عیادت کو کیون نہین آئے-

آمد از حق الخ- یعنی حق تعالے کی طرف سے موسیٰ علیہ السلام کو یہ عتاب آیا کہ اے وہ کہ تم نے طلوع ماہ گریبان سے دیکھا- مطلب یہ کہ تم پر ہماری اتنی بڑی رحمت ہوئی کہ اسقدر بڑا معجزہ تمکو ملا-

مشرقت الخ- یعنی مین نے تم کو نور ایزدی کا مشرق کیا مین حق ہون اور مین بیمار ہوا تو تم آئے نہین- مطلب یہ کہ تم پر اسقدر تو انعامات تھے اور پھر مین حق تھا اور مین مریض ہوا لیکن تم میری عیادت کو نہ آئے-

گفت الخ- یعنی موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا کہ یا الٰہی آپکے لئے تو نقصان نہین ہی اسمین عقل گم ہی اس گرہ کو کھولئے مطلب یہ کہ یہ تو کچھ سمجھ مین نہین آتا کہ آپ مریض ہوئے ہون اسلئے کہ آپ تو تمام نقائص سے بری ہین پھر آپ پر اور مرض کچھ سمجھ مین نہین آیا-

گفت آرے الخ- یعنی ارشاد ہوا کہ ہان میرا ایک بندۂ خاص اور مقبول بیمار ہوا تو وہ مین ہی تھا اسکو خوب سمجھ لے مطلب میرا ایک نیک اور مقبول بندہ بیمار ہوا تھا اور اسمین اور مجھ مین وحدت مصطلحہ تھی اور تم اسکی عیادت کو نہ آئے

تو گویا خود میری ہی عیادت نہ کی۔
ہست الخ۔ یعنی اوسکی بیماری میری ہی بیماری ہے اور اوسکی معذوری گویا میری معذوری ہے۔ آگے مولانا فرماتے ہین کہ
ہر کہ خواہد الخ۔ یعنی جو شخص کہ خدا کے ساتھ ہمنشینی کا طالب ہو تو اوس سے کہدو کہ وہ اولیاء اللہ کی صحبت مین بیٹھے کہ وہین
وہ حق تعالی کو بھی پاویگا۔
از حضور الخ۔ یعنی اگر اولیاء اللہ کی صحبت سے تو قطع تعلق کرے تو تو ہلاک ہونے والا ہے اسلئے کہ تو ناقص ہے کامل نہین ہے کہ
ہر کرا الخ۔ یعنی جس کسیکو دیو کریمون سے قطع اور علیحدہ کردے اوسکو بیکس پاکر اوسکا سر کھادے۔
یک بدست الخ۔ یعنی جماعت سے ایک گھڑی کو ایک بالشت علیحدہ ہونا مکر شیطان کا ہے خوب جان لو۔ لہذا چاہیے کہ آپسمین
اتفاق اور محبت رکھین کہ اس سے شیطان کا قابو نہین چلتا اور اگر تنہا ہوگے تو شیطان کا قابو چلجاویگا۔ آگے اسپر حکایت
لاتے ہین جسکا حاصل یہ ہے کہ ایک باغ مین تین شخص زبردستی سے میوہ کھانے گئے ایک صوفی صاحب دوسرے سید صاحب
تیسرے مولوی صاحب جب اوس باغبان نے دیکھا کہ یہ تو تین ہین اور مین تنہا تو اوسنے ہر ایک کو بہانہ سے الگ الگ
کرکے ہر ایک کی خوب مرمت کی تو مولانا کا مقصود یہ ہے کہ دیکھو اگر ان مین سے ہر شخص جماعت کی ساتھ رہتا تو کیون پیٹتے
یہ ساری خرابی اسکی ہے کہ ایک دوسرے سے الگ ہوگئے تھے۔ اب حکایت سنو کہ فرماتے ہین۔

شرح حبیبی

جدا کردن باغبان صوفی و فقیہ و علوی را از ضم

باغبانی چون نظر در باغ کرد — دید چون دزدان بباغ خود سہ مرد
یک فقیہ و یک شریف و صوفیئے — ہر یکے شوخے فضولے یوسفیے
گفت با اینہا مرا صد حجت است — یک جمع اند و جماعت رحمت است
بر نیایم یک تنہ با سہ نفر — پس ببرم شان نخست از یکدگر
ہر یکے را من بسوئے افگنم — چونکہ شد تنہا سبالش برکنم
حیلہ کرد و کرد صوفی را براہ — تا کند یارانش را با او تباہ
گفت صوفی را برو سوئے وثاق — یک گلیم آور برائے این رفاق
رفت صوفی گفت خلوت با دو یار — تو فقیہی وین شریفی نامدار
ما بفتوائے تو نانے میخوریم — ما بپر دانش تو مے پریم
وین دگر شہزادہ و سلطان ماست — سید است از خاندان مصطفیٰ است
کیست آن صوفی شکمخوار خسیس — تا بود با چون شما شاہان جلیس
چون بیاید مر ورا پنبہ کنید — ہفتہ بر باغ و راغ من تنید
باغ چہ بود جان من آنِ شماست — اے شما بودہ مرا چون چشم راست

وسوسه کردم مر ایشان را فریفت ‌‌ ‌‌ آه کز یاران نمی باید شگفت

چون بره کردند صوفی را و رفت ‌‌ ‌‌ خصم شد اندر پیش با چوب زفت

گفت ای سگ صوفیی کو از ستیز ‌‌ ‌‌ اندر آید باغ مردم تیز تیز

این جنیدت ره نمود و بایزید ‌‌ ‌‌ از کدامین شیخ و پیرت این رسید

کوفت صوفی را چو تنها یافتش ‌‌ ‌‌ نیم کشتش کرد و سر بشکافتش

گفت صوفی آن من بگذشت لیک ‌‌ ‌‌ ای رفیقان پاس خود دارید نیک

مر مرا اغیار دانستید هان ‌‌ ‌‌ نیستم اغیار تر زین قلتبان

آنچه من خوردم شما را خوردنی ست ‌‌ ‌‌ وانچنین ضربت جزای هر دنی ست

رفت بر من بر شما هم رفتنی است ‌‌ ‌‌ اینچنین غصه شما را خوردنی است

این جهان کوهست گفت و گوی تو ‌‌ ‌‌ از صدا هم باز آید سوی تو

چون ز صوفی گشت فارغ باغبان ‌‌ ‌‌ یک بهانه کرد ز آن پس جنس آن

کای شریف من برو سوی وثاق ‌‌ ‌‌ که ز بهر چاشت پختم رقاق

بر در خانه بگو قیماز را ‌‌ ‌‌ تا بیارد آن رقاق و قاز را

چون بره کردش بگفت ای مرد دین ‌‌ ‌‌ تو فقیهی ظاهرست این و یقین

او شریفی میکند دعوی سرد ‌‌ ‌‌ مادر او را که داند تا چه کرد

بر زن و بر فعل زن دل می نهید ‌‌ ‌‌ عقل ناقص وانگهانی اعتمید

خویشتن را بر علی و بر نبی ‌‌ ‌‌ بسته است اندر زمانه هر غبی

هر که باشد از زنا و زانیان ‌‌ ‌‌ این برد ظن در حق ربانیان

هر که برگردد سرش از چرخها ‌‌ ‌‌ همچو خود گردنده بیند خانه را

آنچه گفت آن باغبان بو الفضول ‌‌ ‌‌ حال او بد دور از اولاد رسول

گر نبودی او نتیجهٔ مرتدان ‌‌ ‌‌ کی چنین گفتی برای خاندان

خواند افسونها شنید آن را فقیه ‌‌ ‌‌ در پیش رفت آن ستمگار سفیه

گفت ای خر اندرین باغت که خواند ‌‌ ‌‌ دزدیی از پیغمبرت میراث ماند

شیر را بچه همی ماند بدو ‌‌ ‌‌ تو به پیغمبر چه می مانی بگو

با شریف آن کرد مرد ملتجی ‌‌ ‌‌ که کند با آل یاسین خارجی

تا چه کین دارند دائم دیو و غول ‌‌ ‌‌ چون یزید و شمر با آل رسول

شد شریف از زخم آن ظالم خراب ‌‌ ‌‌ با فقیه او گفت ما جستیم از آب

پای دار اکنون که ماندی فرد و کم ‌‌ ‌‌ چون دهل شو زخم میخور بر شکم

گر شریف و لایق و همدم نیم ‌‌ ‌‌ از چنین ظالم ترا من کم نیم

مر مرا دادی بدین صاحب غرض — احمقی کردی ترا بئس العوض
شد ازو فارغ بیامد کای فقیہ — چہ فقیہی ای تو ننگ ہر سفیہ
فتویت اینست ای ببریدہ دست — کاندر آئی و نگوئی امر ہست
بوحنیفہ داد این فتوی ترا — شافعی گفتست این ای ناسزا
اینچنین رخصت بخواندی در وسیط — یا بدست این مسئلہ اندر محیط
این بگفت و دست بر وی برکشاد — دست او کین دلش را داد داد
گفت حقستت بزن دستت رسید — این سزای آنکہ از یاران برید
من سزاوارم باین وصد چنین — تا چرا ببریدم از یاران بکین
گوش کردم آن ہمہ افسوس تو — برزنم برسر کہ شد ناموس تو
زد ورا القصہ بسیار و بجست — کرد بیرونش ز باغ و در ببست
ہر کہ تنہا ماند از یاران خود — اینچنین آید مرا و را جملہ بد

ایک باغبان نے جب اپنے باغ مین نظر ڈالی۔ تو باغ کے اندر دیکھا کہ تین آدمی چور ون کی طرح بھر رہے ہین۔ انمین ایک فقیہ تھا۔ ایک سید۔ ایک صوفی۔ انمین سے ہر ایک شوخ اور ناخواندہ مہمان اور یاوہ گو تھا۔ باغبان نے کہا کہ گو میرے پاس سو دلیلین ان کو تاٹل کرنیکی ہین مگر یہ مجتمع ہین اور جماعت رحمت ہی اس وجہ سے ان کو تو کچھ نقصان نہین ہوسکتا ہان خود مجھے ضرر پہونچنے کا اندیشہ ہی کیونکہ مین تنہا ان تینون پر غالب نہین آسکتا۔ لہذا پہلا فرض میرا یہ ہی کہ ان تینون کو ایک دوسرے سے جدا کردون اور ایک ایک کو ایک جانب چلتا کر دون اور جب ہر ایک تنہا ہو جاوے تو اسوقت انکی موچھین اکھیڑ دون یہ سوچکر اوسنے تدبیر سے اول صوفی کو چلتا کیا تاکہ اوسکے دوستونکے خیالات اوسکی طرف سے فاسد کر دے اور کہا کہ صوفی صاحب ذرا آپ مکان چلے جائیے اور ان دوستون کے لئے کمبل لے آئیے۔ پس صوفی صاحب تو کمبل لینے روانہ ہوگئے ادھر اوسنے خلوت مین دونون دوستون سے کہا کہ آپ تو فقیہ ہین اور یہ معزز سید ہین ہم تو آپ ہی کے فتوے کی بنا پر روٹی کھاتے ہین اور آپ ہی کے علم کے سہارے کام کرتے ہین اور یہ شہزادے اور ہمارے بادشاہ ہین یہ سید ہین اور خاندان نبوت سے ہین لیکن یہ پیٹو اور کمینہ صوفی کون ہوتا ہی کہ ایسے بزرگون کا ندیم ہو۔ جب وہ واپس آئے تو اوسکو خوب دھتکارنا چاہیئے اور آپ دونون صاحب چاہے ہفتہ بھر میرے باغ اور جنگل پر قبضہ رکھیے۔ ایک باغ کیا چیز ہی میری تو جان بھی آپ ہی کی ہی ارے آپ صاحبان تو میری جائین آنکھہ ہین یہ وسوسہ ڈالا اور ان کو دہوکھا دے لیا ہائے افسوس ان دونون نے کیا غضب کیا کہ یار کو چھوڑ دیا یار کو ہرگز نہین چھوڑنا چاہیے اور اسکے بغیر صبر کرنا نہین چاہیے) جب انھون نے صوفی کو چلتا کر دیا اور چھوڑ دیا تو وہ باغبان اسکے پیچھے ایک موٹا ڈنڈا لیکر چلا اور کہا کہ کتے تو ہی صوفی ہی جو مخالفانہ لوگونکے باغ مین گھس جاتا ہی اور ذرا نہین جھجکتا بتا تو سہی یہ روش تجھے جنید نے سکھائی ہی یا بایزید نے ارے بتا تو یہ تجھے کس شیخ اور کس سے پہونچا ہی غرض صوفی کو تنہا پاکر خوب کوٹا اور مارتے مارتے ادھ موا کر دیا اور سر بھی پھاڑ ڈالا اسوقت صوفی نے کہا کہ خیر میرے اوپر وقت تو گذر ہی گیا اور جتنا پٹنا تھا پٹ لیا لیکن دوستو تم اپنا خیال رکھنا مبادا تم پر بھی یہی گذرے تمنے مجھے غیر جانا لیکن مین اس بھڑوے سے زیادہ غیر نہ تھا کہ تمنے اسکو مجھپر ترجیح دی۔ جو کچھ مین نے

مقولہ مولانا ہی بطور جملہ معترضہ ۱۲

کھایا ہی تمکو بھی کھاتا ہوگا - اور اسی قسم کی مار پھر لینہ کی سزا ہی خیر ہمپر تو گذر گئی تمپر بھی یہی وقت آتا ہی اور یون ہی تو کے گوشت تمکو بھی بینے ہونگے - یہ جہان گویا کہ تمہاری گفتگو ہی کہ جیسی کہو ویسی سنو - یعنی جیسا تمنے میری ساتھ کیا تمکو بھی وہی پیش آئیگا خیر جب باغبان صوفی سے فارغ ہوگیا تو اسی قسم کی اوسنے ایک اور چال کی اور کہا کہ میر صاحب ذرا آپ مکان تشریف لیجائیے کہ مین نے دوپہر کے لیئے کھانا پکوایا ہی دروازہ پر سے قیماز نام غلام آواز دیے لینا تاکہ وہ روٹیان اور قاز کا گوشت لے آئے جب ان کو بھی چلتا کر دیا تو فقیہ سے کہا کہ آپ تو فقیہ ہین اور یہ ظاہر اور یقینی امر ہی جسمین شبہ کی کوئی بات ہی نہین مگر یہ جو اپنے سید ہونیکا دعوے کرتا ہی اسکے پاس اسکی کوئی دلیل نہین کون جانتا ہی کہ اسکی مان نے کیا کیا ہی عورت اور اسکے فعل پر کبھی اعتماد نہ کرو یہ ناقص العقل ہوتی ہین انکا کچھ بھروسہ نہین انکا اپنے کو سید کہنا کچھ نئی بات نہین ہمیشہ سے لوگ اپنے کو علی رضی اللہ عنہ اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف غلط منسوب کرتے چلے آئے ہین پس ممکن ہے کہ انکے باپ دادا کا دعوے سیادت بھی ایسا ہی ہو - اب مولانا کو غصہ آگیا کہ یہ نبی زادہ کی شان مین کس قسم کی گستاخی کر رہا ہی اور فرماتے ہین کہ جو خود ولد الزنا اور زانیونکی اولاد ہوتا ہی وہ اللہ والون کی نسبت ایسا ہی گمان کرتا ہی - قاعدہ ہی کہ جس کسی کو دوران سر کا مرض ہوتا ہی وہ اپنی طرح مکان کو بھی گھومتا ہوا دیکھتا ہی پس جو کچھ اس بیہودہ باغبان نے نبی زادہ کی شان مین بکا ہی وہ خود اُسکی حالت تھی خدا نہ کرے کہ نبی زادے ایسے ہون اگر وہ مرتد ونکا بچہ نہوتا تو خاندان عالیشان نبوت کی نسبت ایسا نہ کہتا غرض کہ اسی قسم کے منتر پڑھکر اُس فقیہ کو تو رام کر لیا اور خود وہ ظالم اور احمق اوسکے پیچھے چلدیا - اور کہا کہ گدھے اس باغ مین تجھے کسنے بلایا تھا کیا پیغمبر سے میراث مین تجھے چوری ملی ہی - شیر کا بچہ تو شیر کے مشابہ ہوتا ہی بتا تجھ مین اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم مین کیا مشابہت ہی یہ کہکر سید کیساتھ اس کج طبع نے وہ کیا جو آل یسین یعنی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان کے ساتھ خارجی کرتا ہی معلوم نہین ان شیطانون کو شمر اور یزید کیطرح خاندان نبوت کیساتھ کیا عداوت ہی القصہ جب میر صاحب اُس ظالم کی مار سے ہلکان ہوگئے تو اس فقیہ سے رو کر کہا کہ آپ اب تمہارے نمبر مین ذرا ٹھیرئے دیکھیے آپکے ڈھول سی پیٹ پر کیسے ڈنکے پڑتے ہین مانا کہ مین سید نہین مین نالایق دوست بھی نہین لیکن آپکے لئے اس ظالم سے تو کم نہین کہ سب مجھے تمنے اس صاحب غرض کے حوالہ کر دیا اور حماقت کی اسکا تمکو برا بدلا ملیگا - باغبان اوس سے نپٹ کر آیا اور کہا کہ مولویصاحب آپ کیسے مولوی ہین آپ تو ہر احمق کے لیے موجب ننگ ہین یعنی اتنے احمق ہین کہ ہر احمق کو آپسے عار آئے سارے چور کیا تیرا یہ فتوی ہی کہ تو بے محابا اندر چلا آئے - اور بدلیل یہ نہ کہے کہ اسکی اجازت ہی - کیا ابو حنیفہ نے تجھے یہ فتوے دیا ہی یا نالائق تجھ سے شافعی نے یہ کہا ہی - کیا اسکی اجازت تو نے وسیط مین پڑھی ہی یا یہ مسئلہ محیط مین مذکور ہی یہ کہکر اوسپر اسطرح ہاتھ کھولا کہ اسکے ہاتھ نے اوسکی عداوت کی داد دی - فقیہ نے کہا کہ مار لے تیرا حق اور تیرا قابو ہی لو گویہی سزا ہی اوسکی جو اپنے دوستونسے قطع تعلق کر لے واقعی مین اسی قسم کی بلکہ اسی قسم کی سوگونہ سزا کا مستحق ہون - کہ مین نے کیون مخالفت کر کے اپنے یارون سے قطع تعلق کیا اور مین نے تیرا حیلہ بسماع قبول سُنا اب مین اپنا سر پیٹتا ہون اور کہتا ہون کہ اسے سر تیری عزت تو رخصت ہوئی غرض اوسنے اوس فقیہ کو خوب ہی مارا اور خوب زخمی کیا اور مار کوٹ کر باغ سے نکالدیا - اور دروازہ بند کر لیا - بات یہ ہی کہ جو شخص اپنے یارون سے الگ رہتا ہی اسی قسم کی تمام برائیان اوسپر واقع ہوتی ہین - اور عبادت اسی مواصلت کے لیئے ہی جسکی ضرورت ہی اور اسی مواصلت مین سیکڑون محبتین پیدا ہوتی ہین -

شرح شبیری

باغبان کا مولوی صاحب اور سید صاحب اور صوفی صاحب کو ایک دوسرے سے جدا کر دینے کی حکایت

باغبانے چون الخ۔ یعنی ایک باغبان نے جب اپنے باغ مین دیکھا تو تین آدمیونکو چورون کی طرح باغ مین پایا۔
یک فقیہ الخ۔ یعنی ایک تو مولوی اور ایک سید اور ایک صوفی اور ہر ایک شوخ فضول گو اور مکار۔
گفت با اینها الخ۔ یعنی اوسنے (دلمین) کہا کہ ان کی ساتھ مجھے سیکڑون حجتین ہین لیکن جماعت ہین اور جماعت رحمت ہی۔ یعنی ویسے تو مین انسے سو طرح کہہ سکتا ہون کہ تم کیون آئے مگر یہ تین اور مین ایک اسلئے جیتنا مشکل ہی۔
بر نیایم الخ۔ یعنی مین اکیلا تین آدمیو پر غالب نہین آسکتا لہذا پہلے ایک کو دوسرے سے الگ کرتا ہون۔
ہر یکے را من الخ۔ یعنی ہر ایک کو ایک طرف ڈالدون اور جبکہ ان کو تنہا کر دون تو سر توڑدون۔
حیلہ کرد الخ۔ یعنی حیلہ کیا اور صوفی کو ایک راستہ سے لگا دیا تاکہ اوسکے یارون کو بے اوسکے تباہ کرے۔
گفت صوفی الخ۔ یعنی صوفی سے کہا کہ ذرا گھر جاکر ان رفیقون کے لئے ایک کمبل لے آؤ۔
رفت صوفی الخ۔ یعنی صوفی تو چلا گیا اوسنے خلوت مین دونون دوستوں سے کہا کہ آپ تو مولیصاحب ہین اور آپ سید نامدار ہین
ما بفتوائے الخ۔ یعنی ہم آپکے فتوے ہی کی بدولت روٹی کھاتے ہین اور ہم آپکی عقل کے پرو ہی اڑتے ہین مطلب یہ کہ جسکو آپنے جائز کیا وہ جائز ہی اور جسکو ناجائز کیا وہ ناجائز لہذا آپ ہی کے فتوے سے روٹی ملتی ہی۔
وین دگر الخ۔ اور یہ دوسرے شہزادے اور بادشاہ ہمارے ہین سید ہین اور مصطفے صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان سے ہین سلہذا یہ بھی ہمارے سردار اور سرتاج ہین۔
کیست الخ۔ یعنی یہ صوفی کمینہ کھاؤ کون ہی تاکہ آپ جیسے بادشاہون کی ساتھ ہم جلیس ہو۔
چون بیاید الخ۔ یعنی وہ جب آوے اوسکی خوب مرمت کرو اور تم ایک ہفتہ میرے باغ وغیرہ مین اقامت کرو یعنی آپ دونون صاحبا کی تو ایک ہفتہ تک دعوت ہی مگر یہ نالائق کون ہی اسکو الگ کرو۔
باغ چہ الخ۔ یعنی باغ کیا ہی میری جان آپ کی ملک ہی آپ تو مثل میری سیدہی آنکھ کے ہین۔
وسوسہ کرد الخ۔ یعنی اسنے وسوسہ ڈالکر ان کو اوس سے دھوکا دیدیا (آگے مولانا فرماتے ہین) کہ افسوس دوست سے انکو صبر کرنا چاہیئے تھا مگر یہ ایک ہفتہ کی دعوت کے لالچ مین آگئے۔
چون برہ الخ۔ یعنی جب کہ صوفی کو راستہ سے لگا دیا اور وہ چلا گیا تو یہ دشمن اوسکے پیچھے ایک مضبوط لکڑی لیکر چلا۔
گفت اے الخ۔ یعنی اوسنے کہا کہ ارے کتے صوفیت کیا ہی کہ لڑائی کی وجہ سے تو لوگون کے باغ مین جلدی جلدی آتا ہی۔
این الخ۔ یعنی راستہ تجھے جنیدؒ نے دکھلایا ہی یا بایزیدؒ نے تجھے یہ کس شیخ اور پیر سے پہونچا ہی (بتا تو)
کوفت الخ۔ یعنی جب اس صوفی کو تنہا پایا تو خوب پیٹا اور اوسکو ادھ مرا کر دیا اور اوسکا سر پھاڑ دیا۔
گفت الخ۔ یعنی صوفی نے کہا کہ میرا وقت تو گذر گیا لیکن اسے رفیقو ذرا اچھی طرح اپنی خبر رکھنا۔

مرمرا الخ - یعنی ہان تمنے مجھے غیر سمجھا لیکن مین اس نالائق سے زیادہ تو غیر نہ تھا آخر کچھ تو ساتھ رہا ہی تھا۔

لقمہ من الخ - یعنی مین نے جو کچھ کھایا ہو تمکو بھی کھاتا ہو اور ایسی مار ہر کمینہ کا بدلا ہو یعنی مجھے تو پٹوایا ہی ہو مگر یہ یاد رکھو کہ تم بھی بچنے والے نہین ہو بے پٹے نہ رہوگے۔

رفت برمن الخ - یعنی مجھپر تو گذر گیا مگر تمپر بھی گذرنے والا ہو اور ایسا شربت تمکو بھی پینا ہو۔

اینجہان الخ - یعنی یہ جہان کیا ہو اور کسکی گفتگو ہو صدا کی طرح تمھاری ہی طرف واپس آتا ہو۔ مطلب یہ کہ اس جہان مین تو جیسی کرنی ویسی بھرنی ہو تمنے مجھے پٹوایا ہو تو تم بھی نہ بچوگے۔

چون الخ - یعنی جبکہ صوفی سے وہ باغبان فارغ ہوا تو ویسا ہی ایک بہانہ اور کیا۔

کای شریف الخ - یعنی کہ اے سید صاحب آپ ذرا گھر ہو آئیے کہ مین نے چاشت کے لیے کچھ چپاتیان پکائی تھین۔

بردر خانہ الخ - یعنی گھر کے دروازہ پر خادم سے کہو کہ اون چپاتیون کو اور کباب قاز کو لاوے۔

چون برہ الخ - یعنی جب اوسکو چلتا کر دیا تو بولا کہ اے مولانا آپ تو عالم ہین یہ تو ظاہر ہے اور یقینی ہو۔

او شریفی الخ - یعنی وہ سید پنے کا دعوے سر کرتا ہو اور اوسکی مان کو کون جانے کہ اوسنے کیا کیا۔ مطلب یہ کہ کیا خبر کسکا نطفہ ہو فضول سید بنتا ہو۔

بر زن الخ - یعنی عورت پھر اور عورت کے فعل پر دل رکھتے ہو عقل ناقص اور پھر بھروسہ (استغفر اللہ)

خویشتن الخ - یعنی اپنے کو علیؓ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر زمانہ مین ہر جبی باندھتا ہو مطلب یہ کہ زمانہ مین سیکڑون آدمی علوی اور سید ہونے کا دعوے کرتے ہین تو سب سچے تھوڑا ہی ہوتے ہین لہذا انھین معلوم یہ بھی کون ہو آگے مولانا کو یہ سنکر غصہ آگیا اور آل رسول کی بابت یہ کلمات سنکر رہا نہ گیا اسلئے فرماتے ہین کہ۔

ہر کہ الخ - یعنی جو شخص کہ زنا سے ہوا اور زانیون مین سے ہو وہ اللہ والون کے حق مین ایسے گمان لیجاتے ہین۔ مطلب یہ کہ چونکہ یہ باغبان خود ہی حرامی تھا اسلئے آل رسول پر بھی اسکو ایسے ہی گمان تھے اسلئے کہ المرء یقیس علے نفسہ آگے ایک مثال فرماتے ہین کہ۔

ہر کہ بر الخ - یعنی جس کا سر چکر کیوجہ سے پھر رہا ہو تو وہ اپنی طرح سارے گھر کو پھرتا ہوا دیکھے گا۔ تو اسیطرح اس شخص کو جو وہ سید ولد الزنا معلوم ہوا تو وہ اصل مین خود ہی ولد الزنا تھا اسلئے دوسرون کو بھی ایسا ہی جانتا تھا آگے خود فرماتے ہین کہ۔

ہرچہ گفت الخ - یعنی اُس باغبان بوالفضول نے جو کچھ کہا وہ ہی کا حال تھا اولاد رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسی بات دور ہی ہے آگے اوسکے باپ دادا کو فرماتے ہین۔

گر نبودے الخ - یعنی اگر یہ مردودون کی اولاد سے نہوتا تو خاندان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بابت کب ایسا کہتا۔ بس یہان تک تو غصہ مین اسکو خوب بُرا بھلا کہہ لیا آگے پھر اون تینونکے قصہ کی طرف رجوع ہو۔

خواند افسونہا الخ - یعنی اوسنے خوب افسون پڑھے اور اون کو اون مولویصاحب نے سُنا تو اُس سید کے سر پیچھے وہ نالائق گیا۔

گفت الخ - یعنی اُس باغبان نے (سید صاحب سے) کہا کہ ارے گدھے تجھکو اس باغین کسنے بلایا کیا پیمبر صلی اللہ علیہ وسلم

سے تجھے میراث مین چوری کرنا پہونچی ہی۔

شیر را بچه الخ - یعنی شیر کا بچہ تو اوس سے مشابہ ہوتا ہی تو بتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کس امر مین مشابہ ہی۔

با شریف الخ - یعنی اُس سید کے ساتھ اوس کمینہ نے کجی کیوجہ سے وہ کیا جو کہ آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خارجی کرتے

تا چه کین الخ - یعنی نہ معلوم یہ دیو اور غول یزید اور شمر کی طرح آل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیون کینہ رکھتے ہین -

شد شریف الخ - یعنی وہ سید اُس ظالم کے زخم کیوجہ سے خراب ہوگئے تو اُنھون نے مولوی صاحب سے باچشم پرنم یہ کہا کہ -

پای دار الخ - یعنی ٹھیر کر اب تو تنہا اور اکیلا رہ گیا ہی ڈھول کی طرح ہو اور بیٹ پر زخم کہا۔ مطلب یہ کہ ذرا ٹھیر نے اب تو نہ بجائی جاتی ہی خوب لاتین لگین گی -

گر شریف الخ - یعنی اگرچہ مین شریف اور لائق اور ہمدم نہین ہون - مگر تیرے لئے ایسے ظالم سے بھی کم نہین ہون -

شد از و الخ - یعنی اُس سید سے فارغ ہوا تو آیا کہ اجی مولانا آپ مولویصاحب ہین ارے تو تو بیوقوفونکا بھی سبب ننگ ہی اور تجھ سے جاہلون کو بھی شرم آتی ہی -

فتوی یست الخ - یعنی اے چوٹے یہ تیرا فتوے ہی کہ باغ کے اندر آتا ہی اور تو یہ بھی نہین کہتا کہ یہ حکم ہی یعنی جائز ناجائز کی بھی خبر ہی کہ بس گھسے ہی چلے آتے -

بو حنیفه داد الخ - یعنی ارے نالائق یہ فتویٰ ابو حنیفہؒ نے دیا ہی یا شافعیؒ نے کہا ہی بتا تو -

اینچنین الخ - یعنی ایسی رخصت تو نے وسیط مین پڑھی ہی یا یہ مسئلہ محیط مین ہی کہ جسکی چیز مین چاہو تصرف بے اجازت کرو -

این الخ - یعنی یہ کہا اور مولوی صاحب پر دست درازی کی اور اوسکے ہاتھ نے اوسکے دل کی خوب داد دی - مطلب یہ کہ اوسنے خوب دل کھولکر مارا -

گفت الخ - یعنی مولوی صاحب بولے کہ تجھے حق ہی مارے تیرا قابو چلگیا ہی اور یہ اس شخص کی سزا ہی جو دوستون سے قطع کرے مطلب یہ کہ چونکہ مین نے دوستون سے قطع کیا ہی لہذا میری یہی سزا ہی جو تیرا جی چاہے کر مارلے تیرا قابو چلگیا ہی - آخر تو مولوی صاحب ہین باتین بنانا شروع کردین -

من سزا الخ - یعنی مین اس سزا کے لائق ہون اور ایسی ہی اور سیکڑون کے کہ مین نے دوستون سے کینہ کیوجہ سے کیون قطع کیا لہذا اب تو مجھے خوب سزا دے لے ہان بھائی مارلے -

گوش الخ - یعنی مین نے تیری وہ ساری باتین کان لگا کر سنلین تو اب اپنے کو مار رہا ہون کہ (اے نفس) تیری عزت جاتی رہی اور ساری مواویت کرکری ہوگئی -

رد الخ - یعنی آخرکار اوسکو بہت مارا اور زخمی کردیا اور اوسکو باغ سے باہر کردیا اور دروازہ بند کرلیا - آگے مولانا فرماتے ہین کہ -

هر که تنها الخ - یعنی جو شخص کہ اپنے دوستون سے تنہا رہتا ہی تو اوسکو ایسی ہی برائیان حاصل ہوتی ہین - جیسے کہ ان لوگون کو ملین آگے فرماتے ہین کہ -

این الخ - یعنی یہ عیادت اس صلہ رحمی ہی کے واسطے ہی اور یہ صلہ رحمی سیکڑون محبت کی حاملہ ہی مطلب یہ کہ جب عیادت کروگے تو اسطرح صلہ رحمی ہوگی اور اس صلہ رحمی مین آپسمین محبت بڑھتی ہی اور محبت سے اتفاق ہوتا ہی اور اتفاق سے

مضرتون سے انسان بچتا ہی لہذا چاہیئے کہ انسان اپنے یارون سے ہرگز قطع تعلق نہ کرے کہ بہت ہی حرمان اور مضرت کا باعث ہو آگے پھر اوس عیادت مریض کیطرف رجوع ہی۔

شرح حبیبی

رجعت بقصہ مریض و عیادت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم

در عیادت شد رسول بے ندید — آن صحابی را بحال نزع دید
چون شوی دور از حضور اولیا — در حقیقت گشتۂ دور از خدا
چون نتیجہ ہجر ہمراہان غم است — کے فراق روے شاہان زان کم است
سایۂ شاہان طلب ہر دم شتاب — تا شوی زان سایہ بہتر ز آفتاب
رو بجیب اندر پناہ مقبلے — بو کہ آزادت کند صاحبدلے
گر سفر داری بدین نیت برو — ور حضر باشد ازین غافل مشو
فاختہ سان روز و شب کو کو بکو — گنج پنہانے ز درویشے مجو
در بدر میگرد و مے رو کو بکو — جستجو کن جستجو کن جستجو
تا توانی زاولیا رو برمتاب — جہد کن واللہ اعلم بالصواب

وہ بے مثل رسول عیادت کے لیئے تشریف لے گئے اور ان صحابی کو حالت نزع مین دیکھا۔ مولانا قصہ عیادت کو بمناسبت شعر ماقبل بیان کرنا چاہتے تھے۔ لیکن ترغیب صحبت اولیا رکے غلبہ نے اوسکو تمام نہ کرنے دیا اور مولانا نے پھر ترغیب صحبت اولیا کی طرف عود فرمایا۔ چنانچہ فرماتے ہین۔ جبکہ تو حضور اولیا ء اللہ سے دور ہوا تو سمجھنا چاہیئے کہ حقیقت مین خدا سے دور ہوا اول تو اُن کی مفارقت خود خدا سے جدائی ہی لیکن اگر یہ بھی نہو تو بھی کیا کم مصیبت ہی سمجھو تو سہی کہ جب رفقا کی مفارقت موجب غم ہی جیسا کہ قصہ مذکورہ بالا سے تم کو معلوم ہوگیا۔ تو ان بادشاہون کی مفارقت رفقا کی مفارقت سے تو لامحالہ کم نہین ہوسکتی۔ پھر یہ کیون موجب غم نہوگی پس تو بہت جلد ان بادشاہون کا سایہ طلب کر کہ جو تجھپر ہر دم رہے۔ یا ہر دم سایۂ شاہان طلب کر تاکہ تو اس سایہ کی برکت سے مستنیر القلب والروح ہوکر آفتاب سے بہتر ہوجاوے۔ ان ریچھون (دنیا داران) کو چھوڑ اور کسی با اقبال بادشاہ کی پناہ مین آرام کر اگر تیرا یہ قصد ہوگا اور تو ایسا کریگا تو ممکن ہی کہ کوئی صاحبدل تجھے شیطان کے پنجہ سے رہائی دے اگر تو سفر کرے تو سفر بھی اسی نیت سے کر کہ کوئی اہل اللہ ملجا وے۔ اور اگر حضر مین رہے تو وہان بھی یہی خیال رکھ اور فاختہ کی طرح رات دن کو کو کرتا رہ یعنی طالب اہل اللہ رہ اور خزانۂ مخفیہ معرفت الٰہی کسی ایک ہی فقیر سے مت ڈھونڈھ یعنی تعلیم تو ایک ہی سے حاصل کر کہ تعلیم مین ہرجائی پن مضر ہی لیکن برکات سے ہر درویش کی مستفید ہو اور در بدر اور گلی گلی پھر اور بجد و جہد اہل اللہ کو تلاش کر اور جہانتک تجھسے ہوسکے اہل اللہ کی صحبت سے منہ نہ موڑ بلکہ اون کی تحصیل صحبت مین امکانی کوشش کر اسکے مناسب ہم تجھکو ایک حکایت سناتے ہین جس سے تجھکو معلوم ہو کہ اہل اللہ کا کیا طریقہ تھا اور تجھکو عبرت ہو۔

شرح شبیری

مریض کے قصہ کی طرف رجعت اور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا عیادت کرنا

در عیادت الخ۔ یعنی عیادت کے لئیے رسول بے نظیر صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے گئے تو اس صحابی کو حالت نزع مین دیکھا۔ آگے پھر مضمون ماقبل کی طرف انتقال ہوا اوپر فرمایا تھا کہ ؎ ہر کہ تنہا نادر این رہ را برید اور ان خود الخ آگے پھر اوسیکو فرماتے ہین

چون الخ۔ یعنی جب کہ تو صحبت اولیاء اللہ سے دور ہو گیا ہی تو حقیقت مین تو خدا سے دور ہو گیا ہی جیسا کہ ظاہر ہے کہ اولیاء اللہ کی صحبت مین خدا یاد آتا ہی جب اون سے بعد ہو گا تو ذکر سے بھی بعد ہو گا اور یہی بعد عن الحق ہی۔

چون نتیجہ الخ۔ یعنی جب کہ ساتھیون کا چھوڑ دینا موجب غم ہی اور بادشاہون کے سامنے سے جدا ہونا کب کم ہی مطلب یہ کہ دیکھو اوپر کی حکایت مین ہمراہی آپس مین جدا ہو گئے تھے تو کسطرح مصیبت پڑی پھر جو شخص کہ اولیاء اللہ سے دور ہو گا اوسکو تو کیون مصیبت نہ پیش آئیگی۔

سایہ الخ۔ یعنی شاہان (معنوی) کا سایہ ڈھونڈھو اور ہر دم دوڑو تاکہ اونکے سایہ کی بدولت آفتاب (ظاہری) سے بھی بہتر ہو جاؤ۔ اسلئے کہ اون کے سایہ مین تو انوار معنوی کا حصول ہو گا اور اس آفتاب مین صرف نور ظاہری ہی۔ لہذا ظاہر ہی کہ اون حضرات کے سایہ مین رہکر اوس سے فوقیت حاصل ہوگی۔

رو بجنب الخ۔ یعنی جا اور کسی مقبول بندہ کی پناہ مین سو شاید کہ کوئی صاحبدل تجھکو آزاد کر دے مطلب یا تو یہ کہ کسی مقبول بندہ کے سایہ مین آرام سے رہو کہ وہان اطمینان قلب حاصل ہو گا۔ اور پھر تمکو وہان رہنے سے شاید کہ کوئی صاحبدل نظر کر دے اور واصل ہو جاؤ اور بیہوتے سے مراد بیکار رہنا ہی تب یہ مطلب ہو گا۔ کہ اگر بیکار ہی رہنا ہی اور کچھہ کام کرنا ہی نہین تب بھی کسی مقبول بندہ کے پاس ہی رہو کہ اوسکی صحبت کے برکات اور فیوض تمکو حاصل ہونگے اور اون سے تم ایک روز کامیاب ہو جاؤگے۔ آگے فرماتے ہین کہ۔

گر سفر داری الخ۔ یعنی اگر سفر کرو تو اسی نیت سے کرو اور اگر حضر ہو تو اس سے غافل مت ہو۔ مطلب یہ کہ حضر ہو یا سفر کی حالت مین تلاش مقبولان حق سے غافل مت رہو۔ یہان ایک بات یہ بھی سمجھ لو۔ جسکو کل کے سبق مین بھی بیان کر چکا ہون کہ یہ جو تلاش مقبولان حق کی تعلیم فرما رہے ہین تو اسکے یہ معنی ہین کہ اگر کسی شخص کو تعلیم حاصل کرنیکے لئے ضرورت ہو تب تو وہ شیخ کی تلاش تعلیم کے لیئے کرے اور اسمین خوب سرگرمی سے کام لے اور جبکہ تعلیم کے لئے کوئی شیخ ملگیا ہی تو اب تعلیم کے لیئے کسی دوسرے کے پاس جانا موجب حرمان ہی اور یہ شخص ہمیشہ یون ہی رہیگا۔ اسکو کچھ بھی حاصل نہین ہو سکتا لا ائے ہو لا ر ولا ائے ہو ر لا ر۔ بلکہ اب جب کہ ایک شیخ کا دامن تعلیم کے لیئے تھام لیا ہی دوسرے اونسکے ہم مشرب بزرگون کے پاس حصول برکت صحبت کے لیئے جانا مضائقہ نہین ہی۔ بلکہ مفید ہی۔ لہذا جب تک کہ تعلیم کے لیئے شیخ نہ ملے اوس وقت تک تو تعلیم کے لیئے تلاش کرو اور جب اسکے لئے ایک پر دل ٹھن جاوے اب دوسرون کے پاس صرف حصول برکت کے لیے جانا مفید ہی ہان بھنگڑون کے پاس ہرگز نہ جانا چاہئے کہ انکی صحبت مضر ہوتی ہی اسلئے کہ اول تو یہ لوگ بالکل مکار اور فریبی ہوتے ہین اور اگر کوئی شخص ان مین سے خدا رسیدہ ہوا بھی جیسے کہ بعض مجذوب ایسے ہی ہوتے ہین کہ اونکے افعال ظاہری خلاف شریعت ہوتے ہین تب بھی اس شخص کے کام کے تو نہین ہین خود تو وہ مقرب ہین مگر دوسرے کو

پھونچا نہین سکتے - اونکی مثال گود کے بچہ جیسی ہوتی ہی - کہ وہ خود تو مانکی گود مین بیٹھا ہی مگر اوسکو یہ طاقت نہین ہی کہ کسی اور اپنے بھائی کو بھی لاکر کنار مادر مین بٹھاوے اسی طرح مجاذیب خود تو مقرب حق ہوتے ہین مگر دوسریکے کام کے نہین ہوتے یہ تو کچھ ان ہی لوگون مین ہی کہ جو خالی معلوم ہوتے ہین یعنی شیوخ سالکین کا مین کہ جو ظاہر نظر مین تو شل عوام کے معلوم ہوتے ہین مگر سہ کب فلک کو یہ سلیقہ ہی ستمگاری مین + کوئی معشوق ہی اس پردۂ زنگاری مین -

بیع چہیڑ نامت کہ بھرے بیٹھے ہین + بلکہ قرب اصلی اور واقعی بھی ان ہی حضرات کو ہوتا ہی اسلئے کہ ان کی مثال مثل بڑے بیٹے کے ہی کہ جو ظاہر مین تو مان باپ سے الگ ہے لیکن جب مشورہ طلب ہوتا ہے اوس کا ہی کام پڑتا ہی اور اوسی کی پکار ہوتی ہی اور وہی بلایا جاتا ہی اوس کو یہ قدرت بھی ہی کہ دوسرے کی سفارش کر کے یا چھوٹے بہائیکو گود اوٹھا کر مان باپ تک پھونچا دے مگر یہان سے جہلا ریہ نہ سمجھین کہ نعوذ باللہ اس سے معلوم ہوا کہ اولیاء اللہ اللہ میان کے رشتہ دار یا مشیر کار ہوتے ہین نعوذ باللہ بلکہ اون کو طریقے وصول کے معلوم ہوتے ہین وہ ہر ایک کو بتا دیتے ہین آگے جو ہوتا ہی اپنے کرنے سے ہوتا ہی جیسا کہ بارہا لکھا گیا ہی لہذا خواہ سفر مین رہو یا حضر مین تعلیم کے لیئے تو ایک کو جو متبع شریعت ہو اور تمھارا دل گواہی دے کہ مجھے اس سے نفع ہوگا تلاش کر لو - پھر فیض صحبت کے لیے دوسرے کے پاس حاضر ہونا بھی مضر نہین ہی بلکہ اگر شیخ سے اجازت لیکر اونکے پاس بھی جاؤ تو یہ اور بھی اسلم طریق ہی خوب سمجھ لو - آگے فرماتے ہین کہ -

فاختہ سان الخ - یعنی فاختہ کی طرح رات دن کو کو کہو اور پوشیدہ خزانہ کو ایک ہی درویش سے مت تلاش کرو مطلب یہ کہ ہر وقت تلاش مین لگے رہو اس خزانہ معانی کو ایک ہی کے پاس مت تلاش کرو بلکہ جو ملے اوس سے حاصل کرو لیکن یہان بھی وہی تقریر بالا یاد رکھنے کے قابل ہی کہ تعلیم کے لیے تو ایک ہی کا دامن پکڑو ہان فیض صحبت کیلیئے اگر کسی دوسرے بزرگ کی خدمت مین بھی حاضر ہو تو مضائقہ نہین ہی -

دربدر را الخ - یعنی (تلاش مین) دربدر پھرو اور کوچہ در کوچہ مین جاؤ جستجو کرو جستجو -

تا توانی الخ - یعنی جب تک ہو سکے اولیاء اللہ سے روگردانی مت کرو اور (تلاش مین) کوشش کرو - واللہ اعلم بالصواب - غرضکہ اولیاء اللہ کی تلاش کی ہر وقت ضرورت ہی خواہ کسیکا شیخ معین ہو یا نہو اسلئے کہ اگر شیخ معین نہین ہی تب تو خود اسکی ضرورت ہی اور اگر وہ موجود ہی تو فیض صحبت کے حصول کی ضرورت ہی اسلئے تلاش ضروری ہی - آگے حضرت بایزید بسطامی رح کی حکایت فرماتے ہین کہ وہ سفر مین چلے تو اولیاء اللہ کی تلاش مین لگے رہے یہان تک کہ ایک بہت بڑے بزرگ ملگئے اب حکایت سنو فرماتے ہین کہ -

شرح حبیبی

رفتن بایزید بسطامی بہ کعبہ و در راہ بخدمت بزرگے رسیدن و گفتن آن بزرگ کہ کعبہ منم مرا طواف کن

سوئے کعبہ شیخ امت بایزید	از برائے حج و عمرہ می دوید

او بهر شهری که رفتی از نخست — مر عزیزان را بکردی باز جست

گرد می گشتی که اندر شهر کیست — کو بر ارکان بصیرت متکی است

گفت حق اندر سفر هر جا روی — باید اول طالب مردی شوی

قصد گنجی کن که این سود و زیان — در تبع آید که این را فرع دان

هر که کارد قصد گندم باشدش — کاه خود اندر تبع می آیدش

گر بکاری جو نیاید گندمی — مردمی جو مردمی جو مردمی

قصد کعبه کن چو وقت حج بود — چونکه رفتی مکه هم دیده شود

قصد در معراج دید دوست بود — در تبع عرش و ملائک هم نمود

سید الاعمال بالنیات گفت — نیت خیرت بسی گلها شگفت

نیت مومن بود به از عمل — همچنین فرمود سلطان دول

حکایت خانه ساختن مریدے و امتحان پیر مرید را

خانهٔ نو ساخت روزے نو مرید — پیر آمد خانهٔ او را بدید

گفت شیخ آن نو مرید خویش را — امتحان کرد آن نکو اندیش را

روزن از بهر چه کردی ای رفیق — گفت تا نور اندر آید از طریق

گفت آن فرعست این باید نیاز — تا ازین ره بشنوی بانگ نماز

نور خود اندر تبع می آیدت — نیت آنرا کن که آن می بایدت

شیخ امت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ بقصد حج و عمرہ کعبہ تشریف لیجارہے تھے مگر وہ جس شہر میں جاتے سب سے پہلے اہل اللہ کو تلاش کرتے اور چاروں طرف چکر لگاتے کہ دیکھیں اس شہر میں کون ہی جو بصیرت کو اپنا تکیہ گاہ بنائے ہوئے ہی یعنی صاحب بصیرت و معرفت کون ہی اور وجہ اسکی یہ تھی کہ حق سبحانہ نے بذریعہ الہام انسے فرمایا تھا کہ تم سفر میں جہاں کہیں جاؤ تمکو چاہیے کہ سب سے پہلے اہل اللہ کو تلاش کرو اور واقع میں ہونا بھی یہی چاہیے کہ مقصود خیر نہ ہو رہا نفع و نقصان جو سفر سے ایک درجہ میں مقصود ہی وہ فرع ہی مقصود اصلی کی جو کہ تبعا حاصل ہو سکتا ہی کیونکہ جو شخص کھیتی کرتا ہی اوسکو گیہوں مقصود ہوتے ہیں اور بھس تبعا حاصل ہو جاتا ہی۔ لیکن اگر تم جو بوؤگے یعنی غرض دنیاوی کو نظر اور مقصد اولی بناؤگے تو اس سے گیہوں یعنی ثمرات محمودہ اخرویہ حاصل نہیں ہو سکتے۔ لہذا مقصد اعلے و اہم تلاش اہل اللہ ہونا چاہیے اسکو ایسا سمجھنا چاہیے جیسے سفر کعبہ کہ جب حج کا وقت ہو تو سفر کعبہ سے زیارت کعبہ و افعال حج مقصود ہونے چاہئیں۔ رہی سیر مکہ سو وہ خود بخود تبعا حاصل ہو جاویگی۔ اُسکو مطمح نظر نہ بنانا چاہیئے۔ ورنہ یا تو حج ہی نہو سکیگا یا ثواب سے محروم رہوگے اسی بنا پر جناب رسول اللہ صلعم کا معراج سے مقصود لقاء حق سبحانہ کا دیکھنا تھا۔ رہی سیر عرش و ملائک سو وہ بھی بالتبع حاصل ہو گئی۔ اور راز اسکا یہ ہی کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہی انما الاعمال بالنیات پس اگر نیت اچھی ہی تو وہ عمل طاعت ہی اور اگر نیت بری ہی تو عمل برا۔ لہذا اگر

تم کو سفر سے مقصود طلب اہل اللہ ہوگی تو یہ سارا سفر تمھارا طاعت اور ثمر برکات ہوگا اور تیری نیت خیر سے بہت سے عمدہ نتائج پیدا ہونگے ورنہ علی حسب النیت معاملہ کیا جائیگا - یاد رکھو کہ نیت خیر بہت اعلی درجہ کی چیز ہے چنانچہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مومن کی صرف نیت خیر اوسکے محض عمل سے بہتر ہے - کیونکہ اول طاعت ہے اور ثانی طاعت نہین اب ہم اوسکے مناسب ایک حکایت بیان کرتے ہین ایک شخص نیا مرید ہوا تھا اوسنے ایک گھر بنایا اوسکے پیر صاحب تشریف لائے اور مکانکو دیکھا دیکھکر شیخ نے اپنے اوس نئے مرید سے امتحانًا پوچھا کہ بھائی . یہ روزن دیوار یا چھت مین کیون رکھا گیا ہے اوسنے عرض کیا اسلئے رکھا گیا ہے تاکہ روشنی مکان مین آسکے شیخ نے فرمایا کہ تم کو اس سے طاعت کی نیت چاہیے تھی کہ اذان کی آواز آسکے روشنی تو فرع تھی وہ بھی آسکتی تھی اصل مقصد ہونا چاہیے جو اصل مقصود ہے رہی روشنی وہ خود بخود آجائیگی -

شرح شبیری

حضرت بایزید بسطامیؒ کا حج کے لئے جانا راستہ مین ایک بزرگ کی خدمت مین پھونچنا اور ان بزرگ کا اون سے یہ کہنا کہ مین کعبہ ہون میرا طواف کر

سوئے کعبہ الخ - یعنی شیخ امت حضرت بایزید رح کعبہ کی طرف حج اور عمرہ کے لیے جا رہے تھے تو اونکی یہ حالت تھی کہ

او بہر شہر الخ - یعنی جس شہر مین وہ تشریف لیجاتے اول اولیاء اللہ کو تلاش فرماتے -

گرد میگشتے الخ - یعنی گرد شہر کے پھرتے کہ شہر مین ایسا کون ہے جو کہ ارکان بصیرت پر تکیہ ہو - مطلب یہ کہ اہل بصیرت کی تلاش فرماتے کہ کون ہین -

گفت الخ - یعنی حق تعالی نے ارشاد فرمایا ہے کہ سفر مین جہان جاؤ چاہیے کہ اول کسی مرد حق کے طالب ہو - قرآن شریف مین اسکے متعلق کوئی آیت صریح تو ہے نہین لیکن آیت ہو الذی جعل لکم الارض ذلولاً فامشوا فی مناکبها وکلوا من رزقه سے یہ مضمون مستنبط ہوتا ہے اسلیے کہ بعض مفسرین نے یشفقون امواہم کی تفسیر مین یہ کہا ہے اے لیفیضون المعانی تو اس سے معلوم ہوا کہ جیسا مولانا کا اور صوفیہ کا قاعدہ ہے کہ بعض امور بطن قرآن شریف سے نکالتے ہین اسیطرح بیان معنی ظاہری تو یہ ہین کہ سفر کرو اور رزق ظاہری کو حاصل کرو اور بطن آیت کے یہ معنی ہونگے کہ جب سفر کرو تو رزق معنوی یعنی انوار اور فیوض اولیاء حاصل کرو - اس سے ایک تاویل بعید سے معلوم ہوتا ہے کہ تلاش اولیاء بھی اسمین داخل ہے لہذا ممکن ہے کہ مولانا کا اشارہ اسیطرف ہو واللہ اعلم بالصواب - آگے فرماتے ہین کہ -

قصد گنجے الخ - یعنی ایک خزانہ کا قصد کر کہ دنیا کا نفع نقصان تو تبعًا خود آجاویگا تم اوسکو فرع سمجھو مطلب یہ کہ ہر کام مین رضاء حق مطلوب ہونا چاہیے اور اس سے جو نفع یا نقصان ظاہری وابستہ ہے وہ تو ہو کر ہی رہیگا - جیسے کہ مثلاً روٹی کھانے بیٹھے تو اوس سے اگر مقصود یہ ہے کہ اس سے پیٹ بھریگا تب تو صرف پیٹ بھرنا ہی نفع حاصل ہوا اور اگر مقصود یہ ہے کہ اس سے قوت عبادت ہوگی تو پیٹ تو اب بھی بھریگا مگر ثواب بھی ملگیا - لہذا اصل مقصود تو رضاء حق اور طاعت سمجھو اور اوس کے تابع ہو کر امور دنیا وہ بھی حاصل ہو جاوین گے آگے اپنی عادت کے موافق مثالین دیتے ہین کہ -

ہر کہ کار الخ۔ یعنی جو کوئی بوتا ہے اوسکا مقصود تو گیہون ہوتا اور بہوسہ تبعاً آہی جاتا ہے۔
گر بکاری الخ۔ یعنی اگر تم جو بوؤ تو گیہون حاصل نہونگے کسی آدمی کو تلاش کرو آدمی کو۔ مطلب یہ کہ اگر تمنے نیت اچھی نہ کی تو یقیناً اوس سے عمدہ پہل حاصل نہونگے لہذا جب سفر کرو تو اوس سے مقصود اگر تلاش اولیا رہو تو جانکا قصد ہے وہان تو پہونچ ہی جاؤ گے مگر اسکا ثواب بھی مل رہے گا۔
قصد کعبہ کن الخ۔ یعنی جب وقت حج کا ہو تو قصد کعبہ کا کرو جب تم پہونچ جاؤ گے تو شہر مکہ بھی دیکھا جاویگا۔ مطلب یہ کہ جب حج کو جاؤ تو نیت زیارت بیت اللہ کی کرو جس سے ثواب ہوگا پھر جب وہان پہونچو گے تو تم کو مکہ شہر کی بھی سیر ہوجاویگی۔ لیکن اگر گھر ہی سے مکہ یا بمبئی کی سیر کا قصد کیا تو سیر تو ہوگئی مگر دوسرا مقصود یعنی ثواب حاصل نہین ہوا۔
قصد الخ۔ یعنی معراج مین مقصود تو حق تعالیٰ کی تجلی کا دیدار تھا اور تبعاً عرش و ملائک کو بھی دیکھ لیا۔
سید الاعمال الخ۔ یعنی سردار صلی اللہ علیہ وسلم نے الاعمال بالنیات فرمایا ہے اور تیری نیت خیر نے بہت سے غنچے کھلائے ہین۔ حدیث مین ہے کہ الاعمال بالنیات لکل امرء مانوی رواہ البخاری تو مطلب یہ ہوگا کہ اگر اعمال مین نیت درست ہو تو پھر دیکھو کسقدر غنچہ معنی کھلتے ہین اور اس عمل مین کسقدر فیوض و برکات حاصل ہوتے ہین اور اگر نیت درست نہین ہے تو وہ عمل ہی بیکار ہے جیسا کہ ظاہر ہے۔
نیت مومن الخ۔ یعنی مومن کی نیت عمل سے بہتر ہے اسی طرح سلطان دول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے حدیث مین ہے کہ نیت المومن خیر من عملہ رواہ المواہب وضعفہ ورواہ الطبرانی وسکت عنہ اس سے معلوم ہوگیا کہ یہ حدیث موضوع تو نہین ہے اگرچہ ضعیف ہے اور مولانا ضعیف سے بھی استدلال فرمالیتے ہین لہذا اسی طرح یہان بھی مولانا استدلال فرمارہے ہین کہ مومن کی نیت عمل سے بہتر ہوتی ہے لہذا نیت کو درست رکھنا چاہیے۔ آگے ایک حکایت لاتے ہین جسکا خلاصہ یہ ہے کہ ایک شخص نے مکان بنایا تو اپنے شیخ کو اول اوسکے اندر لایا اوسمین ایک جگہ روزن بھی رکھا تھا شیخ نے پوچھا کہ یہ روشندان کس لئے رکھا ہے اوسنے عرض کیا کہ تاکہ روشنی آوے فرمایا کہ اگر یہ نیت ہوتی کہ اسمین سے اذان کی آواز آویگی تو تجھے روشنی تو حاصل ہو ہی جاتی مگر ثواب بھی ملتا۔ لہذا نیت کی درستی تمام اعمال مین ضروری ہے اب حکایت سنو۔

ایک مرید کے گھر بنانے اور شیخ کے مرید کا امتحان کرنیکی حکایت

خانۂ الخ۔ یعنی ایک مرید نے ایک نیا گھر بنایا تو پیر صاحب آئے اور اوسکے گھر کو ملاحظہ کیا۔
گفت الخ۔ یعنی شیخ نے اپنے اوس نئے مرید سے کہا اور اوس نکو اندیش کا امتحان کیا یہ کہا کہ۔
روزن الخ۔ یعنی اے رفیق تو نے یہ روشندان کس لیے رکھا ہے تو بولا کہ تاکہ اس راستہ سے نور آوے۔
گفت آن الخ۔ یعنی اوس شیخ نے کہا کہ یہ تو فرع ہے یہ نیت چاہیے تھی کہ اس راستہ سے اذان کی آواز آویگی۔
نور خود الخ۔ یعنی نور تو تبعاً تیرے پاس آہی جاتا تجھے وہ نیت کرنی چاہیے تھی جسکی تجھے ضرورت تھی۔ بس اب اوس حکایت کو تو ختم کردیا آگے پھر حضرت بایزیدؒ کی حکایت فرماتے ہین کہ۔

شرح حبیبی

بایزید اندر سفر جستے بسے — تا بیابد خضر وقت خود کسے
دید پیرے با قدے ہمچون ہلال — بود در وے فر و گفتار رجال
دیدہ نابینا و دل چون آفتاب — ہمچو پیلے دیدہ ہندستان بخواب
چشم بستہ خفتہ بیند صد طرب — چون گشاید آن نہ بیند این عجب
بس عجب در خواب روشن میشود — دل درون خواب روزن میشود
وآنکہ بیدارست و بیند خواب خوش — عارفست و خاک او در دیدہ کش
بایزید او را چو از اقطاب یافت — مسکنت بنمود و در خدمت شتافت
پیش او بنشست و می پرسید حال — یافتش درویش و ہم صاحب عیال
گفت عزم تو کجا اے بایزید — رخت غربت را کجا خواہی کشید
گفت قصد کعبہ دارم از پگہ — گفت ہین باخود چہ داری زاد رہ
گفت دارم از درم نقرہ دویست — نک ببستہ سخت بر گوشہ ردیست
گفت طوفے کن بگردم ہفت بار — وین نکوتر از طواف حج شمار
وان درمہا پیش من نہ اے جواد — وانکہ حج کردی و شد حاصل مراد
عمرہ کردی عمر باقی یافتے — صاف گشتی بر صفا بشتافتے
حق آن حقے کہ جانت دیدہ است — کہ مرا بر بیت خود بگزیدہ است
کعبہ ہر چندے کہ خانہ بر اوست — خلقت من نیز خانہ سر اوست
تا بکرد آن خانہ را در وے نرفت — واندرین خانہ بجز آن حے نرفت
چون مرا دیدی خدا را دیدۂ — گرد کعبہ صدق بر گردیدۂ
خدمت من طاعت و حمد خداست — تا نہ پنداری کہ حق از من جداست
چشم نیکو باز کن در من نگر — تا بہ بینی نور حق اندر بشر
کعبہ را یکبار بیتی گفت یار — گفت یا عبدی مرا ہفتاد بار
بایزیدا کعبہ را دریافتے — صد بہاے عز و صدفر یافتے
بایزید این نکتہا را ہوش داشت — ہمچو زرین حلقہ اش در گوش داشت
آمد از وے بایزید اندر مزید — منتہی در منتہے آخر رسید

بایزید اپنے سفر مین بہت تلاش کرتے تھے کہ کوئی صاحب اپنے وقت کے خضر ملجاوین بالآخر اونھون نے دیکھا کہ ایک بڑے میان ہین جنکی کمر ہلال کیطرح خمیدہ ہے ان مین ایک شان و شوکت شاہانہ ہے اور انکی گفتگو مردانہ ہے گو آنکھین بے نور ہین مگر دل آفتاب کیطرح روشن ہے اور یاد وطن اصلی مین یون مست ہین جیسے ہاتھی اپنے وطن اصلی ہندوستان کو خواب مین دیکھکر مست ہوتا ہو دکما ہو المشہور تعجب کی بات ہے کہ سونے والا آنکھین بند ہونیکی حالت مین تو مزہ کی باتین سیکڑون دیکھتا ہے کیونکہ اسکو اس حالت مین عالم غیب سے ایک گونہ تعلق ہوجاتا ہے اور جب آنکھین کھولتا ہے تو وہ باتین

نہیین دیکھہ سکتا منشا تعجب یہ ہی کہ آنکھہ بند ہونیکی حالت مین دیکھتا ہی اور آنکھہ کھلنے پر نہیین دیکھہ سکتا حالانکہ مناسب عکس تھا یہ شخص خواب مین بہت سے عجائبات کا مشاہدہ کرتا ہی اور دل کو خواب مین عالم غیب سے ایک تعلق پیدا ہو جاتا ہی گویا کہ عجائبات کے لیے دل مین ایک راستہ پیدا ہو جاتا ہی اور جو شخص جاگتا ہوا اور جو جاگنے مین اچھے اچھے خواب دیکھے یعنی عجائبات عالم کا مشاہدہ کرے وہ عارف ہی اوسکی خاک بجائے سرمہ کے آنکھون مین لگانا چاہیئے۔ القصہ بایزید نے جب اون کو قطب وقت پایا تو اونکے سامنے عجز و انکسار اختیار کیا اور خدمت مین دوڑے اون کے سامنے باادب بیٹھے حالت دریافت کی تو معلوم ہوا کہ بیچارے نادار ہین اور اسکے ساتھ عیالدار بھی ہین۔ شیخ نے پوچھا بایزید کہا انکا قصد ہی اور آپکا سامان سفر کہان چلیگا اونھون نے کہا کہ صبح سے خانۂ کعبہ کا ارادہ ہوا ہی آپنے فرمایا دیکھو تو تمھارے پاس زاد راہ کیا ہی اونھون نے فرمایا کہ دو سو درم ہین جو میری چادر کے پلہ مین بندھے ہوئے ہین آپنے فرمایا کہ سات بار میرے گرد گھوم لو اور اسکو طواف حج سے بہتر سمجھو اور درم میری حوالہ کرو اور سمجھو کہ گویا کہ تمنے حج ہی کر لیا اور تمھارا مقصد حاصل ہو گیا اور تمکو عمر باقی ملگئی تو گویا عمرہ کر لیا اور صاف ہوتے تو گویا صفا ہی پر دوڑ سلئے اُس ذات حقہ کی قسم جسکا نور معرفت تمکو حاصل ہی مجھے اوسنے بیت اللہ پر فضیلت دی ہی کیونکہ مین بحمد اللہ مومن کامل ہون اور مومن کامل کا خانۂ کعبہ سے افضل ہونا بنص نبوی ثابت ہی یہ ضرور ہی کہ انکی طاعت کا گھر ہی۔ لیکن میری خلقت اوسکے اسرار کا گھر ہی ایک فرق مجھہ مین اور خانۂ کعبہ مین یہ ہی کہ جب سے حق سبحانہ نے خانۂ کعبہ کو پیدا کیا ایک مرتبہ بھی اوس مین ان تجلیات کا درود نہیین ہوا جنکا مجھہ مین ہوا ہی اور مجھہ مین انکا ورود سیکڑون مرتبہ ہوا ہی بلکہ یون سکیئے کہ میرا دل صرف انہیین تجلیات سے معمور ہی۔ جب تمنے مجھے دیکھہ لیا تو گویا خدا کو دیکھ لیا کیونکہ جو معاملہ بندگان خاص حق سبحانہ کے ساتھ کیا جاتا ہی وہ گویا کہ حق سبحانہ ہی کے ساتھ کیا جاتا ہی اور جب تم میرے گرد گھوم لئے تو گویا تم ایک کعبۂ صدق کے گرد گھوم لئے۔ میری خدمت حق سبحانہ کی طاعت اور اوسکی حمد ہی تمکو یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ حق سبحانہ مجھسے جدا ہین لہذا انکے ساتھ جو معاملہ کیا جاویگا وہ خود حق سبحانہ کے ساتھ نہوگا بلکہ واقعی بات وہی ہی جو مین کہتا ہون۔ چشم باطن سے بنظر غور مجھے دیکھنا چاہیئے تاکہ تم کو نور حق سبحانہ آدمی کے اندر دکھلائی دے مجھہ مین اور خانۂ کعبہ مین ایک فرق یہ ہی کہ حق سبحانہ نے خانۂ کعبہ کو ایک مرتبہ اپنا مکان کہا یعنی بیتی کہا اور مجھے یا عبدی ستر بار یعنی بکثرت کہا کیونکہ حدیث مین آیا ہی کہ جب بندہ حق سبحانہ کو پکارتا ہی اور ایک مرتبہ یا اللہ کہتا ہی تو وہان سے ستر مرتبہ یا عبدی جواب ملتا ہی (یا یون کہو کہ عالم معاملہ مین یہ خطاب ہوا ہی۔) اسلئے اسے بایزید جب تمنے مجھے پا لیا تو گویا خانۂ کعبہ ہی کو پا لیا اور سیکڑون رونق۔ عزتین اور سیکڑون شوکت عند اللہ تمکو حاصل ہو گئین بایزید نے ان تمام نکتون کو بہت غور سے سنا اور سونے کی بالی کی طرح اون کو آویزۂ گوش بنایا اور اس سے بایزید رحمۃ اللہ علیہ کے بہت سے مراتب طے ہو گئے اور گو اضافی منتہی تھے مگر اب اس سے اعلیٰ انتہا پر پہونچ گئے۔

(ف) اس حکایت مین بعض امور تشریح طلب ہین تاکہ ناواقف مغالطہ مین نہ پڑ جاوین اول یہ کہ اون بزرگ نے ان کو حج سے کیون روکا۔ اسکا جواب یہ ہی کہ یا تو بایزید علیہ الرحمۃ پر حج فرض ہی نہوا ہوگا۔ کیونکہ دو سو درم حج کے لیئے کافی نہونگے۔ یا فرض ہو چکا ہوگا اور اسکو وہ ادا بھی کر چکے ہونگے۔ بہر حال یہ حج نفل ہوگا۔ جناب شیخ نے دیکھا کہ میری خدمت مین بہ نسبت حج نفل کے انکا زیادہ فائدہ ہے اِس سبب سے روک دیا۔ گو اسوقت اون کو وہ برکات نہ حاصل ہو سکین جو مخصوص ہین خانۂ کعبہ کے ساتھ مگر انسے بڑھ کر برکات حاصل ہوئین جو انکی حالت کے لحاظ سے شیخ کے اجتہاد مین زیادہ مناسب تھین دوم یہ کہ ان بزرگ نے اپنے گرد طواف کیسے کرایا اور اسکو قائم مقام طواف کعبہ کیونکر قرار دیا۔ اسکا جواب یہ ہی کہ طواف

تعظیمی و تعبدی نہ تھا بلکہ جوش شوق و محبت سے گرد گھومنا تھا۔ اور شیخ نے اسکو حقیقۃً مغنی عن طواف کعبہ نہیں قرار دیا بلکہ مقصد یہ تھا کہ جو برکات تمکو طواف سے حاصل ہوتیں گو وہ برکات حاصل نہوں مگر اُن سے بڑھکر برکات حاصل ہونگی جو تمھارے حالت کے زیادہ مناسب ہیں اور منشا ان برکات کا صورت طواف نہ تھی بلکہ صحبت و محبت تھی جو گرد گھومنے میں حاصل تھی رہا اس صورت کا اختیار کرنا سو وہ بنا بر مشاکلت اور تطییب قلب کے لیے تھا۔

اس مقام پر تتمیماً لفائدۃ وہ مضمون بھی نقل کیا جاتا ہے جو حضرت مجدد الملۃ والدین دامت معالیہ نے خود قلمبند فرمایا ہے وہو ہذا۔

توجیہ حکایت بایزید با شیخے کہ بطواف خود امر فرمود

توجیہش چنانچہ بخاطر فاتر می رسد آنست کہ مقصود شیخ بایزید از این سفر تحصیل برکات و انوار یکہ خاصۂ بیت معظم ست نبود۔ خواہ فریضہ ادا کردہ باشد یا فریضہ نشدہ بود زیرا کہ آن خاصہ در محل دیگر اگرچہ فرضاً بوجہ کلی یا جزئی افضل از ان باشد مفقود ست و گرنہ خاصہ خاصہ نمی ماند و ہذا خلف۔ بلکہ مقصودش بطریق منع الخلو یکے از امور سگانہ بود علے اختلاف نیۃ الطالب وا حوالہ یا مطلق ثواب عظیم کما یقصدہ اہل الشریعۃ و درینجا بسبب معیل بودن آن کامل انفاق و تصدق موجب زیادت اجر و ثواب بود کما حقق فی محلہ و یا اصلاح نفس بمجاہدہ این سفر کما یرید اہل الطریقۃ۔ و در بعضے احیان صحبت کمل سبب زیادۃ اصلاح می باشد۔ و یا مطلق مشاہدۂ تجلیات محبوب کما یریدہ اہل الحقیقۃ پس آن شیخ کامل بتصرف قوی تجلیات را بر قلب او وارد نمودہ و رنہ یقینی و متفق علیہ بین اہل الظاہر و الباطن است کہ طواف انسان کامل اگرچہ تجلیات کعبہ را ہم جامع باشد نتغنے از طواف الکعبہ نتوان شد و کیف کہ در کعبہ آنچہ مفصل ست در انسان مجمل ست و التفصیل مالیس بالاجمال اما توجیہ طواف پس عذرش غلبۂ حال ست و اسرار وحدۃ و معیۃ فمحلہ لیس ہنالک۔

شرح شبیری بایزید الخ یعنی بایزید رحمۃ اللہ سفر میں بہت تلاش کرتے تھے تاکہ کسی اپنے وقت کے خضر کو پالیں۔ دید پیرے الخ۔ یعنی اُنھوں نے ایک بوڑھے کو جنکا قد کہ ہلال کی طرح خمیدہ تھا دیکھا اور اُن بڑے میاں میں مردونکی سی باتیں تھیں۔ مطلب یہ کہ اونکی باتوں سے مرد راہ حق معلوم ہوتے تھے اور محقق اور مبصر معلوم ہوتے تھے۔ دیدہ الخ۔ یعنی آنکھیں تو نابینا تھیں اور دل آفتاب کی طرح روشن مثل ہاتھی کے کہ اُسکو ہندوستان کو خواب میں دیکھا ہو۔ چونکہ ہاتھی ہندوستان کا جانور ہے اسلئے اگر کبھی باہر چلا جاتا ہے اور پھر خواب میں ہندوستان کو دیکھتا ہے تو لوگ کہتے ہیں کہ نہایت مسرور ہوتا ہے اسلئے فرماتے ہیں کہ ہاتھی کی طرح آنکھیں تو بند تھیں مگر خوش و خرم تھے آگے فرماتے ہیں کہ۔ چشم بستہ الخ۔ یعنی یہ تعجب کی بات ہے کہ سونے والا آنکھیں بند کرکے تو سیکڑوں عمدہ باتیں دیکھتا ہے اور جب آنکھ کھولدے تو کچھ بھی نظر نہیں آتا۔ حالانکہ عکس موافق قیاس کے ہے۔

بس عجب در خواب الخ۔ یعنی بہت سی عجائبات خواب میں روشن ہوجاتی ہیں اور دل خواب میں ایک روشندان ہوجاتا ہے۔ کہ اُس میں مختلف قسم کے انوار نظر آتے ہیں یہ حالت تو عوام کی بھی ہے اور اس کو اطبا نے بھی لکھا ہے کہ جب انسان سو رہتا ہے تو اسکا نفس ملاء اعلی کی طرف متوجہ ہوجاتا ہے۔ آگے اولیاء اللہ کی حالت کو بیان فرماتے وانکہ الخ۔ یعنی اور وہ کہ بیدار ہے اور عمدہ خواب دیکھ رہا ہے وہ عارف ہے اسکے خاک قدم کو آنکھ میں لگا۔ مطلب یہ کہ

جسکی یہ حالت ہو کہ بیداری مین بھی اوسکو انوار حق اور عجائبات کا مشاہدہ ہوتا ہو اُس کے تو غلام ہو جاؤ۔ اور اوسکی اطاعت مین مرمٹو۔ آگے پھر قصہ حضرت بایزید کا فرماتے ہین کہ۔

بایزید الخ۔ یعنی حضرت بایزید رحمۃ اللہ نے جب اون کو اقطاب مین سے پایا تو اون کے سامنے عاجزی کی اور ان کی خدمت مین جلدی کی۔

پیش الخ۔ یعنی حضرت اون کے سامنے بیٹھے اور حال بھی پوچھا تو اونکو غریب اور عیالدار پایا۔

گفت عزم الخ۔ یعنی اون بزرگ نے کہا کہ اے بایزید کہان کا سفر ہے اور اس سامان کو کہان کھینچے گے۔

گفت قصد الخ۔ یعنی حضرت نے عرض کیا کہ مین شوق کیوجہ سے قصد کعبہ کا رکھتا ہون تو اونھون نے فرمایا کہ اچھا تو اپنے ساتھ زادراہ کیا رکھتا ہے۔ مطلب یہ کہ تیرے پاس کیا زادراہ ہے۔

گفت دارم الخ۔ یعنی حضرت نے عرض کیا کہ مین دوسو درم رکھتا ہون اور وہ یہ چادر کے کونہ مین مضبوط بندھی ہوئی ہین

گفت طوف الخ۔ یعنی اون بزرگ نے کہا کہ تو تم میرے گرد سات مرتبہ طواف کرو اور اسکو طواف حج سے اچھا جانو۔

وان الخ۔ یعنی اور اے سخی اون درمونکو میرے آگے رکھدو اور جان لو کہ تم نے حج کرلیا اور مراد حاصل ہوگئی۔ یہان بزرگ کے کلام سے اول تو یہ شبہ ہوتا ہے کہ اونھون نے اپنا طواف کرایا اور اسکو طواف حج سے بہتر بتایا۔ دوسری یہ کہ درم مانگے جو کہ حرص کی بین دلیل ہے۔ اور حضرت بایزیدؒ کے اوپر دباؤ ڈالنا ہے۔ توجیہ انکی یہ ہے کہ اصل مین حضرت بایزید رحمہ اللہ پر حج فرض نہ تھا یا تو اسلئے کہ پہلے کر چکے ہون اور یا اسلئے کہ اون کے پاس زادراہ کافی نہو بلکہ صرف شوق مین نکل کھڑے ہوئے ہون تو یہ حج تو نفل ہوتا۔ اور یہ معلوم ہے کہ یہ شخص غریب اور عیالدار تھے۔ انکی خدمت کرنا بھی عبادت تھی پھر حج کا ثواب تو لازم صرف حضرت بایزید ہی تک تھا اور انکی خدمت کا ثواب متعدی تھا اور نوافل مین نفع لازم سے نفع متعدی افضل ہے اسلئے اونھون نے یہ کہا کہ تم حج مت کرو کہ تم کو ثواب مقصود ہے وہ میری خدمت کرنے سے حاصل ہو جاویگا بلکہ اس سے افضل ثواب ملیگا۔ جیسا کہ معلوم ہوا کہ یہ نفع متعدی ہے اسلئے اسکو حج سے افضل فرمایا۔ رہا طواف کا حکم دینا تو یہ غلبہ حال مین ہوگیا ہے اصل مین تو اون کا مقصود یہ ہے کہ میری اطاعت کرو غلبۂ حال مین اوسکی یہ صورت نکالی جسمین کہ کوئی ملامت نہین ہے اور درمون کا مانگنا حرص تو اس لئے نہین ہے کہ اون کو معلوم تھا کہ حضرت بایزیدؒ سمجھدار اور صاحب بصیرت ہین وہ جانتے ہین کہ مین حرص کیوجہ سے نہین مانگتا بلکہ یہ جو کچھ کہہ رہا ہون واقع ہے اور اسی لئے اون پر بوجھ بھی نہین پڑ سکتا اس لئے کہ وہ جانتے تھے کہ جب میرا مقصود حاصل ہے اور وہ انکو دینے ہی سے ہو سکتا ہے لہذا دیدینا چاہیئے اب بالکل صاف ہوگیا کوئی اشکال باقی نہین رہا۔ اسکے متعلق خود حضرت مولانا دام ظلہم نے ایک تقریر ۱۳۱۷ھ مین لکھی تھی اوسکو انشاء اللہ آخر حکایت مین نقل کردیا جاویگا۔ آگے بھی اون بزرگ ہی کا قول ہے کہ۔

عمرہ کردی الخ۔ یعنی جان لے کہ تو نے عمرہ کرلیا اور عمر باقی کو پالیا اور تو صاف ہوگیا اور صفا پر دوڑ گیا۔ اسلئے کہ جب یہ روپیہ دیدیا تو اوس سے قلب دکھا اور اس سے صفائی قلب حاصل ہوئی اور حیات ابدی کا حاصل ہونا ظاہر ہے۔

حق آن الخ۔ یعنی قسم ہے اوس حق کی کہ جسکو تیری جان نے دیکھا ہے کہ اوسنے مجھے اپنے گھر پر برگزیدہ کیا ہے۔ حدیث مین ہے کہ حضرت عمرؓ نے کعبہ کو خطاب کرکے کہا تھا کہ بے شک تجھے حق تعالیٰ نے شرف دیا ہے مگر مومن تجھ سے زیادہ اشرف ہے حق تعالیٰ

کے نزدیک۔ لہذا یہ کہنا کہ حق تعالیٰ نے بیت اللہ پر مجھے شرف دیا ہی کسی قسم کی بے ادبی وغیرہ نہین ہی۔

کعبہ ہر چندے الخ۔ یعنی ہر چند کہ کعبہ اوسکی عبادت کا گھر ہی مگر میری خلقت بھی اوسکے اسرار کا گھر ہی۔ لہذا مین کہ مومن ہون اوس سے کم نہین بلکہ افضل ہون۔

تا بکرد الخ۔ یعنی جب سے اس گھر کو بنایا ہی اوس مین کبھی تشریف نہ لے گئے اور اس گھر مین (یعنی قلب مومن مین) سوائے اوسی حی کے اور کوئی نہین گیا ہی۔ یہان بظاہر ایک اشکال ہوتا ہی کہ اگر کعبہ مین جانے سے مراد تحیز و تمکن ہی اور مقصود یہ ہی کہ حق تعالیٰ چونکہ اس سے پاک ہین لہذا وہان تشریف لیجانا صادق نہین ہو سکتا اور کعبہ مکان محیط حق نہین ہو سکتا تو یہ بات تو قلب مین بھی ہی کہ یہان بھی تمکن اور تحیز کے طور پر حق تعالیٰ کبھی بھی تشریف نہین لائے اور اگر یہ کہا جاوے کہ مراد تعلق ہی تو کعبہ اور دل دونون سے تعلق ہی پھر قلب مین آنیکی ہی کیا تخصیص ہی جواب اسکا یہ ہی کہ مراد تعلق ہی ہی لیکن چونکہ حق تعالیٰ کو قلب مومن سے جو تعلق ہوتا ہی وہ اس درجہ کا ہوتا ہی کہ اوسکے سامنے تعلق مع بیت اللہ کالعدم سمجھا گیا ہی اسلئے فرما دیا کہ اس میرے قلب سے تو حق تعالیٰ کو وہ تعلق ہی کہ جسکے سامنے اوسکا تعلق بالکل کالعدم ہی فلا اشکال۔

چون مرا دیدی الخ۔ یعنی جبکہ تو نے مجھے دیکھ لیا تو (گویا کہ) خدا کو دیکھ لیا اور کعبۂ صدق کے گرد پھر لیا۔ مطلب یہ کہ چونکہ مجھین اور خدا مین عینیت مصطلحہ ہی (جو اکثر بیان کیگئی ہے) اسلئے میرا دیکھ لینا گویا کہ خدا کا دیکھ لینا ہی۔

خدمت من الخ۔ یعنی میری خدمت کرنا حق تعالیٰ کی طاعت و حمد کرنا ہی تو ہرگز یہ مت سمجھنا کہ حق مجھ سے جدا ہی۔ مطلب یہ کہ چونکہ میرا یہ مرتبہ ہو گیا کہ مجھے عینیت مصطلحہ ذات باری کے ساتھ ہو گئی ہی اور بی یسمع اور بی یبصر اور بی ینطق کا مصداق بن گیا ہون تو میری خدمت کرنا گویا کہ خدمت حق ہی۔

چشم نیکو الخ۔ یعنی آنکھ کو اچھی طرح کھول اور میرے اندر دیکھ تا کہ تو حق تعالیٰ کا نور بشر مین دیکھے مطلب وہی ہی کہ چونکہ عینیت مصطلحہ مجھے حاصل ہی اسلئے میرے اندر بھی نور حق متجلی ہی۔

بایزید الخ۔ یعنی اے بایزیدؒ آپ نے کعبہ کو پا لیا اور آپ نے سیکڑون رونقین اور سیکڑون عزتین اور سیکڑون دبدبہ پائے مطلب یہ کہ تمھارے لئے چونکہ حج نفل ہی اسلئے میری خدمت کرنا اور میری صحبت مین رہنا حج سے بھی افضل ہی لہذا اب گویا کہ تم نے حج ہی کر لیا اور اوسکی تمام برکات کو حاصل کر لیا۔

کعبہ را یکبار الخ۔ یعنی کعبہ کو تو حق تعالیٰ نے ایک ہی مرتبہ بیتی کہا ہی اور مجھے تو یا عبدی ستر بار کہا ہی مطلب یہ کہ چونکہ کعبہ تو مکلف احکام نہین ہی اسلئے اوسکو تو ایک مرتبہ اپنی طرف منسوب کرنیکے لئے بیتی کہدیا اور چونکہ بندہ سے احکام متعلق ہین اسلئے اوسکو ہر حکم کے ساتھ خطاب یا عبدی موجود ہی لہذا معلوم ہوا کہ بندہ سے بہ نسبت کعبہ کے زیادہ تعلق ہی اور مین بندہ ہون لہذا مجھ سے بھی کعبہ سے زیادہ تعلق ہوا۔ آگے مولانا فرماتے ہین کہ۔

بایزید الخ۔ یعنی حضرت بایزیدؒ نے اون نکتون کو یاد رکھا اور سونے کے بالے کی طرح کان مین رکھا مطلب یہ کہ اون بزرگ کی باتین خوب غور سے سنکر اون کو یاد رکھا کہ کام کی باتین تھین۔

آمد الخ۔ یعنی اون سے حضرت بایزیدؒ زیادتی مین آئے اور منتہی منتہے کے آخر (مرتبہ) کو پہونچگیا مطلب یہ کہ اون کی صحبت سے حضرت بایزیدؒ کو بہت ہی نفع ہوا اور اون کے مراتب مین بے انتہا ترقی ہوئی اور وہ پہلے سے منتہی اور کامل تو تھے ہی مگر اب اکمل ہو گئے اب اس حکایت کی توجیہ کے متعلق حضرت والا دام ظلہم کی تقریر سنو۔

توجیہ حکایت بالا از حضرت والا دام ظلہم العالی بالفاظہم

دو توجیہش چنانچہ بخاطر فاتر می رسد آنست کہ مقصود شیخ بایزیدؒ ازین سفر تحصیل برکات و انوار یکہ خاصۂ بیت معظم است نبود خواہ فریضہ ادا کردہ باشد یا فرضیہ نشدہ باشد زیرا کہ آن خاصہ در محل دیگر اگرچہ فرضا بوجہ کلی یا جزئی افضل ازان باشد مفقود ست وگرنہ خاصہ خاصہ نمی ماند و ہذا خلف بلکہ مقصودش بطریق منع الخلو یکے از امور سہ گانہ بود علی اختلاف نیۃ الطالب واحوالہ یا مطلق ثواب عظیم کما ہو مقصدہ اہل الشریعۃ و در نیجا بسبب معیل بودن آن کامل انفاق و تصدق موجب زیادت اجر و ثواب بود کما حقق فی محلہ و یا اصلاح نفس بمجاہدہ این سفر مبارک کما یرومہ اہل الطریقہ و در بعضے احیان صحبت کمل بسبب زیادت اصلاح می باشد و یا مشاہدہ مطلق تجلیات محبوب کما یریدہ اہل الحقیقۃ پس آن شیخ کامل بہ تصرف قوی تجلیات را بر قلب او وارد نمود در نہ تقیسی و متفق علیہ بین اہل الظاہر والباطن است کہ طواف انسان کامل اگرچہ تجلیات را ہم جامع باشد مغنی از طواف کعبہ نتوان شد و کیف کہ در کعبہ آنچہ مفصل ست در انسان مجمل ست و للتفصیل مالیس بالاجمال اما توجیہ طواف پس عذرش غلبۂ حال ست اما اسرار وحدت ومعیتہ فمحلہ لیس ہہنا الکٰ ۲ رمضان ۱۳۱۷ ہجری۔

الحمد للہ کہ اب کوئی اشکال اس حکایت کے متعلق نہیں رہا و للہ درہ ثم للہ درہ۔

آگے پھر عیادت کے قصہ کیطرف رجوع فرماتے ہیں کہ۔

شرح حبیبی

دانستن پیغمبر کہ سبب رنجوری آن شخص گستاخی بودہ است در دعا

چون پیمبر دید آن بیمار را	خوش نوازش کرد یار غار را
زندہ شد چون او پیمبر را بدید	گوئی آندم حق مر او را آفرید
گفت بیماری مرا این بخت داد	کامد این سلطان بر من بامداد
تا مرا صحت رسید و عافیت	از قدوم این شہ بی حاشیت
اے خجستہ رنج و بیماری و تب	اے مبارک درد و بیداری شب
نک مرا در پیری از لطف و کرم	حق چنین رنجوریے داد و سقم
درد پشتم داد تا من ہم ز خواب	بر جہم ہر نیم شب لابد شتاب
تا نخسپم جملہ شب چون گاومیش	دردہا بخشید حق از لطف خویش
زین شکستن رحم شاہان جوش کرد	دوزخ از تہدیدشان خاموش کرد

جب جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بیمار کو دیکھا تو اپنے مخلص دوست پر بیحد کرم فرمایا جب اون صحابی نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو یہ حالت ہوئی کہ گویا خدا نے اسکو ابھی پیدا کیا ہے یعنی سب تکالیف و رنج بھول گیا اور کہا کہ بیماری ہی کی برکت سے مجھے یہ بات نصیب ہوئی ہے کہ سلطان دو عالم آج صبح میرے پاس تشریف لائے جس کا

نتیجہ یہ ہوا کہ میں اس بادشاہ پر خاصیت کی برکت سے بالکل صحیح وسالم ہوگیا سارے یہ تکلیف وبیماری اور بخار اور درد اور رات کا جاگنا بڑے مبارک ہیں - ایک وجہ تو یہ کہ خدا نے یہ بیماری اور درد وغیرہ اپنی مہربانی سے مجھے ایسے وقت میں عطا کئے جس میں بوجہ کاہلی وسستی کے اعمال صالحہ نہیں کر سکتا تھا یعنی بڑھاپے میں تاکہ ان تکالیف کے سبب آدھی رات کے وقت ضرور اٹھ جایا کروں اور چونکہ حق سبحانہ کو منظور یہ تھا کہ میں رات بھر بھینس کی طرح نہ سوتا رہوں - اسلئے مجھے حق سبحانہ نے یہ تکلیفیں اپنی مہربانی سے عطا کیں - دوسری وجہ یہ ہے کہ میری اس شکستگی سے مرحمت خسروانہ کو جوش ہوا کہ میرے گھر تشریف لائے اور دوزخ کو مجھے دھمکی دینے سے خاموش کر دیا - یعنی جناب والا کی تشریف آوری میری نجات کا ذریعہ ہوگئی -

شرح شبیری

پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا جاننا کہ یہ شخص دعا میں گستاخی کرنیکی وجہ سے بیمار ہے

چون الخ - یعنی جب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بیمار کو دیکھا تو اس یار غار پر خوب نوازش کی -

زندہ شد الخ یعنی وہ شخص پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھکر زندہ ہوگئے گویا کہ حق تعالی نے اسی وقت اونکو پیدا کیا ہے -

گفت الخ - یعنی وہ شخص کہنے لگے کہ بیماری نے مجھے یہ حصہ دیا کہ ایسے بادشاہ میرے پاس صبح ہی تشریف لائے ؎

یہ کہاں تھی مری قسمت کہ رکھیں دلپہ وہ ہاتھ ٭ آ کلیجے سے لگا لوں تجھے بیماری دل ٭

تا م اصحت الخ یعنی یہانتک کہ مجھے صحت حاصل ہوگئی اور عافیت اس بادشاہ پر خاصیت کی تشریف آوری سے -

اے خجستہ الخ - یعنی یہ تکلیف اور بیماری اور بخار مبارک ہے اور یہ درد اور راتوں کا جاگنا مبارک ہے کہ جسکی بدولت قدوم میمنت لزوم سے میں اور میرا گھر مشرف ہوا ؎ وہ آئیں گھر میں ہمارے خدا کی قدرت ہے ٭ کبھی ہم اون کو کبھی اپنے گھر کو دیکھتے ہیں ٭

تک مرا در الخ - یعنی اس بڑھاپے میں لطف وکرم سے حق تعالی نے مجھے ایک ایسی تکلیف اور بیماری دی -

درد پشتم الخ - یعنی مجھے درد پشت دیا یہاں تک کہ میں نیند سے ہر آدھی رات کو جلدی سے ضرور اٹھ بیٹھتا ہوں اور جب آنکھ کھلجاتی ہے تو لامحالہ مسلمان آدمی تو ذکر ہی میں مشغول ہوگا تو دیکھئے اس ذکر وغیرہ کا سبب وہ درد ہی ہے لہذا وہ بھی نعمت ہوا -

تا نخسپم الخ - یعنی تاکہ میں بھینسے کی طرح رات بھر نہ سو سکوں مجھے حق تعالی نے اپنے لطف وکرم سے درد بخشے تو دیکھوں درد سے یہ فائدہ ہوا کہ رات بھر نیند نہ آویگی تو ذکر اللہ میں مشغول رہینگے - اور ایک فائدہ یہ ہوا کہ -

زین شکست الخ - یعنی اس شکستگی کیوجہ سے اس بادشاہ (یعنی رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم) کے رحم نے جوش کیا اور دوزخ کو میرے عذاب دینے سے خاموش کیا - مطلب یہ کہ میری اس بیماری کی خبر سنکر تو حضور مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی مجھپر رحم آیا اور آپ تشریف لائے تو آپکی تشریف آوری کی برکت سے دوسرے آپنے دعائے مغفرت فرمائی اوس سے میرے گناہ معاف ہوئے اور دوزخ سے بالکل ہی بچاؤ ہوگیا - آگے مولانا فرماتے ہیں کہ -

شرح حبیبی

مغز تازہ شد کہ بخراشید پوست	رنج گنج آمد کہ رحمتہا در وست

اے برادر موضع تاریک و سرد	صبر کردن بر غم و سستی و درد
چشمۂ حیوان و جام مستی است	کان بلندیہا ہمہ در پستی است
آن بہاران مضمرست اندر خزان	در بہارست آن خزان مگریز از آن
ہمرۂ غم باش با وحشت بساز	می طلب در مرگ خود عمر دراز

یہان سے مولانا بمناسبت قصۂ مذکورہ مضمون ارشادی شروع کرتے ہین اور فرماتے ہین کہ یاد رکھو کہ تکلیف کے اندر بہت سی رحمتین ہین اسلئے یہ رحمت الٰہی کا خزانہ ہی اس سے اخلاق ذمیمہ دور ہوتے ہین گناہ معاف ہوتے ہین اور آدمی ایسا پاک ہو جاتا ہی جیسا کہ مان کے پیٹ سے پیدا ہوا۔ اسکی نظیر حسیات مین بھی موجود ہی دیکھو جب کسی پھل کو چھیلا جاتا ہی جس سے کہ اوسکو تکلیف پہونچتی ہی تو اوسکا نتیجہ یہ ہوتا ہی کہ اندر سے صاف وستھرا اور تازہ تازہ مغز نکل آتا ہی پس خوب سمجھ لو کہ اس بیوفا اور تیرہ و تار مقام دنیا مین غم اور سستی اور تکلیف پر صبر کرنا حیات تازہ بخشنے والا اور مثل آب حیوان ہی اور گویا کہ شراب محبت الٰہی کا ایک جام ہی جس سے مستی پیدا ہوتی ہی اور راز اسکا یہ ہی کہ صبر مقتضائے عبودیت ہی اور عبودیت تمام مراتب عالیہ کا منشا ہی اور یہ بہارین اسی خزان مین مضمر ہین لہذا یہ خزان بہارون سے پر ہی یعنی ان مشقتون مین بڑی راحتین ہین تم کو ان سے بھاگنا نہ چاہیے بلکہ بشوق و رغبت برداشت کرنا چاہیے۔ غم کا رفیق ہونا چاہیے وحشت سے میل کرنا چاہیے اور اپنی موت مین عمر دراز کو ڈھونڈھنا چاہیے یعنی انھین ریاضات و مجاہدات مین مرجانا چاہیے اس سے تمکو حیات روحانی عطا ہوگی جو ابدی ہی اور جسکے لئے کبھی فنا نہین۔

شرح شبیری رنج گنج الخ۔ یعنی رنج تو ایک خزانہ ہی کہ اوسکے اندر بہت ہی رحمتین ہین۔ مغز تازہ ہوتا ہی جبکہ پوست کو چھیل ڈالا جاوے مطلب یہ کہ چونکہ مرض اور تکلیف کیحالت مین رحمت حق نازل ہوتی ہی اور حق تعالیٰ اس مریض کی حالت شکستگی پر رحم فرماتے ہین تو یہ مرض وغیرہ ہی سبب اُس رحمت کا ہوا۔ لہذا تکلیف اور مرض مین بھی رحمت حق پوشیدہ ہی اور اوسکی ایسی مثال ہی کہ جیسے زخم کے اوپر جو خراب کھال آجاتی ہی اگر اوسکو اوسی طرح رہنے دیا جاوے تو زخم گل جاتا ہی سڑ جاتا ہی اور اگر جراح نشتر سے اوسکو کاٹ کر الگ کر دے تو پھر اندر سے اور عمدہ کھال نکلتی ہی تو دیکھو اگرچہ جراح کے کاٹنے مین کلفت ہوئی مگر اسمین ایک راحت اور آرام مستتر ہی کہ وہ زخم اچھا ہو جاویگا۔ اور عمدہ اور نئی کھال نکل آویگی۔ اسیطرح مرض کے بعد راحت ہوتی ہی۔

اے برادر الخ۔ یعنی اے بھائی تاریک و سرد جگہ مین غم اور سستی اور درد پر صبر کرنا۔ یہ شعر مبتدا ہی اور شعر آئندہ اسکی خبر ہی۔

الخ۔ یعنی چشمۂ حیوان اور جام مستی ہی کہ وہ بلندیان ساری پستی مین ہین۔ مطلب یہ کہ تکالیف پر صبر کرنا ہی موجب حیات ابدی کا ہی اور یہی شئے ہی کہ جو موصل الی المطلوب ہوتی ہی۔ اور یہ عاجزی اور تواضع ہی ایسی شئے ہی کہ جو سبب علو مراتب کا ہوتی ہی۔

آن بہاران الخ۔ یعنی ان خزان مین بہار پوشیدہ ہی اور یہ خزان پُر بہار ہی اس سے بھاگو مت اسلئے کہ جب خزان کے بعد بہار آویگی تو گویا کہ خزان توطیہ و تمہید ہی بہار کی اسلئے خزان مین بہار پوشیدہ ہی لہذا ایسی خزان سے بھی گریز نہ کرنا چاہیے کہ اوسکے بعد تجلی محبوب ہی ہی۔

ہمرۂ غم الخ۔ یعنی غم کی ہمراہ رہو اور وحشت کے ساتھ موافقت کرو۔ اور اپنی موت مین عمر دراز کے طالب رہو۔ مطلب یہ کہ غموم

اور تکالیف سے گھبراؤ مت بلکہ ان مین صبر کرو اسلئے کہ اگر انتہا ہی کو پہونچین تو یہ ہوگا کہ مرجاؤگے تو اس موت مین بھی تمکو عمر باقی اور حیات ابدی حاصل ہوگی تو اس حیات مستعار سے تو وہ حیات ابدی لامحالہ بہتر ہی ہی ہان ان تکالیف اور مصیبتون پر تیرا نفس بیشک صبر نکریگا بلکہ وہ تمکو اسکے خلاف تعلیم دیگا اسلئے کہ اوسکو تو اسمین کلفت ہی کلفت ہی لہذا تو اوسکا کہا مت مانیو اور وہ جو کہے اوسکے خلاف ہی کیجیو آگے اسیکو فرماتے ہین کہ۔

شرح حبیبی

آنچہ گوید نفس تو کاینجا بدست — مشنوش چون کار او ضد آمدست

توخلافش کن کہ از پیغمبران — اینچنین آمد وصیت در جہان

مشورت در کارہا واجب شود — تا پشیمانی در آخر کم بود

حیلہا کردند بسیار انبیا — تاکہ گردان شد برین سنگ آسیا

نفس میخواہد کہ تا ویران کند — خلق را گمراہ و سرگردان کند

گفت امت مشورت باکہ کنیم — انبیا گفتند با عقل امیم

گفت اگر کودک درآید یا زنے — کو ندارد عقل و راے روشنے

گفت با او مشورت کن وانچہ گفت — تو خلاف آن کن و در راہ افت

نفس خود را زن شناس از زن بتر — زانکہ زن جزوست نفست کل شر

مشورت با نفس خود گرمی کنی — ہرچہ گوید کن خلاف آن دنی

گر نماز و روزہ می فرمایدت — نفس مکارست و مکرے زایدت

مشورت با نفس خویش اندر فعال — ہرچہ گوید عکس آن باشد کمال

بر نیائی با وے و استیز او — رو بر یارے بگیر آمیز او

عقل قوت گیر و از عقل دگر — نیشکر کامل شود از نیشکر

من ز مکر نفس دیدم چیزہا — کو برد از مکر خود تمیزہا

وعدہا بدہد ترا تازہ بدست — کو ہزاران بار آنہارا شکست

عمر اگر صد سال خود مہلت دہد — اوت ہر روزے بہانہ نو نہد

گرم گوید وعدہاے سرد را — جادوئے مردے بہ بندد مرد را

یہ ضرور ہے کہ ایسا کرنا تمہارے نفس کو ناگوار ہوگا۔ اور وہ کبھی تمھین ایسا کرنے کی رائے نہ دیگا۔ لیکن تم اس کی بات نہ سننا کیونکہ اس کا کام تو مخالفت کرنا ہی ہی۔ پس تمکو اوسکی مخالفت کرنا چاہیئے کہ عالم مین پیغمبرون کی یہی وصیت ہی چونکہ اول تو عقلاً بھی مشورہ ضروری ہی تاکہ آخر مین پشیمانی نہو دوسرے پیغمبرون نے اصلاح عالم مین بڑی بڑی کوششین کی ہین جنکا نتیجہ یہ ہوا کہ دین کی چکی اس روش پر چل رہی ہی جسکو تم دیکھ رہے ہو اور وجہ یہ تھی کہ نفس کا مقصود یہ ہے کہ وہ عالم کو ویران کردے اور مخلوق کو گمراہ کرے اور اسی گمراہی مین اون کو چکر دیتا رہی لہذا اسکی

مزاحمت ضروری تھی پس اونھون نے اوسکی مزاحمت کے لیے بڑی بڑی کوششین کین اور انہین مساعی جمیلہ مین مشورہ کا حکم بھی دیا اس لئے نقلاً بھی مشورہ ضروری ہوا پس جبکہ مشورہ عقلاً بھی ضروری ہوا اور نقلاً بھی تو لوگون نے انبیاء علیہم السلام سے دریافت کیا کہ وہ کون لوگ ہین جن سے مشورہ کیا جاوے اونھون نے فرمایا کہ مقتدایان دین کی عقول سے مشورہ ہونا چاہیے۔ اونھون نے پھر عرض کیا کہ اگر اُسوقت کامل العقل لوگ نہون بلکہ ناقص العقل یعنی لڑکے اور عورتین ہی ہون تو پھر کس سے مشورہ کیا جاوے اونھون نے فرمایا کہ ان مین سے جو موجود ہو اُسی سے مشورہ کرو۔ اور وہ جو کچھ رائے دے اسکے خلاف کرو۔ اور خلاف راستہ پر پڑلو۔ اب مولانا فرماتے ہین کہ دلالت نص سے یہ امر بھی ثابت ہوا کہ نفس کے مشورہ کے خلاف پر عمل ہونا چاہیے۔ کیونکہ نفس تو عورت سے بھی بدتر ہے اسلئے کہ وہ تو تابع نفس ہے اسلئے بمنزلہ جزو کے ہے۔ اصل اور ہر فساد کی جڑ اور بمنزلہ کل کے تو یہ نفس ہی ہے پھر اسکی موافقت کیسے جائز ہوگی۔ پس حاصل یہ نکلا کہ اگر نفس سے مشورہ کرو تو جو کچھ وہ کہے اوسکے خلاف کرو اور یاد رکھو کہ اگر وہ نماز و روزہ کا بھی تمکو حکم دیگا تو اُس مین بھی اسکی کوئی چال ہے تمکو متنبہ رہنا چاہیئے یہ مطلب نہین کہ نماز روزہ چھوڑ دینا چاہیئے کیونکہ وہ تو فی الحقیقت نفس کے خلاف ہی ہے اور وہ جو ان کا حکم کرتا ہے تو اوسکا مقصد یہ ہے کہ تم کو اپنے مطمئنہ ہونیکا اطمینان دلادے اور اسطرح دوسرے موقعہ پر تمکو دھوکا دیکر معاصی مین مبتلا کردے۔ پس تم کامون مین نفس سے مشورہ کرو اور جو کچھ وہ کہے اسکے خلاف کرو کمال اور خوبی یہ ہے۔ لیکن اگر تم مین خود اوسپر غالب اور اوسکی مخالفت کو دبانے کی قابلیت نہو تو کسی اہل اللہ کو تلاش کرو اور اس سے میل کرو اور اوسکی عقل سے مدد لو کہ ایک عقل کو دوسری عقل سے قوت حاصل ہوتی ہے جس طرح ایک گنے کو دوسرے گنون سے مدد ملتی ہے کہ جو گنا گنون کے بیچ مین ہوتا ہے وہ ادھر ادھر دونو سے زیادہ شیرین ہوتا ہے کیونکہ وہ شہ سے شیرینی حاصل کرتا ہے (کما ہو المشہور) مین جو تمسے یہ کہتا ہون تو محض عقلاً نہین کہتا بلکہ میرا تجربہ ہے۔ مین نے نفس کے عجیب عجیب مکر دیکھے ہین جو کہ اپنے جادو سے عقل و تمیز کو سلب کر لینے والے ہین۔ مثلاً دیکھو تم کو اسکی مکاری اس سے واضح ہو جاویگی کہ تم سے بار بار وہی وعدہ کرتا ہے جسکو وہ بارہا توڑ چکا ہے پس تم کو اسکے وعدون اور اسکی باتو نپر ہرگز مطمئن نہونا چاہیے۔ خوب سمجھ لو۔ کہ اگر سو برس کی بھی عمر ہو تب بھی یہ تم سے ہر روز ایک نیا بہانہ کریگا یہ اپنے جھوٹے وعدون کو سچا بناتا ہے اور اون سے آدمی کو پست ہمت کر دیتا ہے اسلئے یہ منتر اسکا ایسا ہے جیسا کہ قوت مردمی کو باندھ دینے والا جادو کہ وہ مرد کو نامرد کرنا مرد بنا دیتا ہے۔

شرح شبیری انچہ گوید الخ یعنی جو کچھ کہ تیرا نفس کہے کہ یہ برا ہے تو اُسکو مت سن جبکہ اوسکا کام اولٹا آتا ہے مطلب یہ کہ جب وہ ہمیشہ اوندھی ہی سمجھاتا ہے تو تم اوس کے پھندے مین ہرگز مت آنا اور جو کہے اوس کے خلاف ہی کرنا۔

تو خلافش الخ - یعنی تو اوسکے خلاف کر کہ پیغمبرون سے یہی وصیت منقول ہے جہان مین مطلب یہ کہ چونکہ انبیاء علیہم السلام اصول مین تو سب متفق ہین اسلئے فرماتے ہین کہ سب انبیاء علیہم السلام نے مخالفتِ نفس ہی کی تعلیم دی ہے لہذا ہمیشہ اسکے خلاف ہی کرنا اب آگے بھی مولانا کو مخالفت نفس کی تعلیم اور اوسکے مکائد سے احتراز کے ضروری ہونیکو بتانا مقصود ہے لیکن اس کے لئے ایک تمہید اول لاتے ہین اوسکے بعد اس مضمون کو بیان فرمادینگے اس تمہید اور مضمون کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ تو معلوم ہے کہ مشورہ کرنا اچھی بات ہے اور حدیث مین بھی اور خود قرآن مین بھی مشورہ

کی فضیلت آئی ہے مگر جب حضور نے مشورہ کرنے کی تعلیم فرمائی تو ایک صحابی نے پوچھا کہ ہم کو مشورہ کس سے کرنا چاہیے۔ آپ نے فرمایا کہ کسی مقتدا اور بڑے آدمی سے اونہوں نے عرض کیا کہ اگر ایسا کوئی موجود نہو بلکہ کوئی بچہ یا عورت ہو تو اُسوقت کیا حکم ہے ارشاد ہوا کہ اُس وقت اس بچہ یا عورت ہی سے مشورہ کر لو اور وہ جو مشورہ دین اسکے خلاف کرو۔ چونکہ یہ لوگ ناقص العقل ہوتے ہین لہٰذا انکی مخالفت اور ان کے خلاف کرنے مین ہی بہتری ہے اس تمہید کے بعد مولانا فرماتے ہین کہ اسی طرح چونکہ نفس بھی عورت اور بچہ ہی کی طرح ہے لہٰذا اسکی بھی مخالفت ہی کرو اور یہ جو کچھ کہے اوسکے خلاف کرو کہ اسی مین فلاح ہے اب اسکا ربط ماقبل سے بالکل صاف ہے کہ چونکہ اوپر بھی نفس کی مخالفت کا ذکر تھا لہٰذا یہان بھی بعد ایک تمہید کے مخالفت نفس ہی کا ذکر ہے اب اشعار سے سمجھ لو۔

مشورت الخ۔ یعنی (دیکھو) مشورہ کامون مین واجب ہوتا ہے تا کہ آخر مین پشیمانی کم ہو (یہ تو سبکو معلوم ہے ہی)۔

سعیہا الخ۔ یعنی انبیاء علیہم السلام نے بہت سی کوششین کی ہین یہانتک کہ اس پتھر پر یہ چکی پھرنے لگی۔ مطلب یہ کہ دیکھو انبیاء علیہم السلام نے بھی کسقدر کوششین کی ہین اور ظاہر ہے کہ انمین مشورے بھی کئے ہین تب کہین یہ دین اس دنیا مین ہر چہار طرف پھیلا ہے۔

نفس میخواہد الخ۔ یعنی نفس چاہتا ہے کہ ویران کر دے اور مخلوق کو گمراہ اور سرگردان کر دے۔ مطلب یہ کہ نفس اس دین کو ویران کرنا چاہتا ہے اور چاہتا ہے کہ خلق گمراہ ہو جاوے لہٰذا اسکا کہنا نہ ماننا چاہیے۔

گفت امت الخ۔ یعنی امتیون نے کہا کہ ہم مشورہ کس سے کرین تو انبیاء علیہم السلام نے کہا کہ عقل امام کے ساتھ۔ مطلب یہ کہ جب یہ معلوم ہو گیا کہ مشورہ ضروری ہے اور انبیاء علیہم السلام نے خود بھی کیا ہے جس مین تعلیم فعلی ہے اور قرآن مین ہونا مستغنی عن البیان ہے تو اب لوگون نے عرض کیا کہ حضرت مشورہ کس سے کیا کرین تو ارشاد فرمایا کہ کسی امام اور مقتدائے عقل سے مشورہ کیا کرو کہ وہ نافع اور مفید ہوگا۔

گفت اگر الخ۔ یعنی اُس امتی نے عرض کیا کہ اگر کوئی بچہ یا عورت ہو کہ وہ عقل اور رائے روشن نہین رکھتا (تو کیا کرنا چاہیے)

گفت باو مشورت الخ۔ یعنی ارشاد فرمایا کہ اُس ہی سے مشورہ کر لو اور وہ جو کچھ کہے تم اوسکے خلاف کرو اور کام شروع کر دو (رہ سالہ افتادن کنایہ ہے کام شروع کرنے سے) لہٰذا معلوم ہوا کہ چونکہ بچہ اور عورت ناقص العقل ہوتے ہین لہٰذا مشورہ تو ان سے بھی کرنا چاہیئے مگر اون کے مشورہ پر عمل نہو۔ بلکہ جو یہ کہین اوسکے اولٹے پر عمل کرو کہ اسی مین خیر ہے۔ اب آگے مولانا فرماتے ہین کہ

نفس خود را زن الخ۔ یعنی تم اپنے نفس کو عورت جانو بلکہ عورت سے بھی بدتر اسلئے کہ عورت تو (شر۔ کماندرما) جزو ہے اور تیرا نفس تو شر مجسم ہے لہٰذا یہ عورت اور بچہ سے بھی زیادہ ناقص العقل اور کم سمجھ ہے۔

مشورت الخ۔ یعنی اگر تم اپنے نفس سے مشورہ کرتے ہی ہو تو وہ جو کچھ کہے اوس کمینہ کے خلاف ہی کرو۔ اب چونکہ یہ ایک قاعدہ کلی بتایا تھا کہ جب نفس سے مشورہ کرو تو اوسکے خلاف ہی کرنا تو بعض مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ نفس نماز روزہ اور طاعات کی تعلیم کرتا ہے اگرچہ اسمین بھی اسکا کید ہی ہوتا ہے مگر پھر بھی آخر تعلیم تو خیر کی ہے اور اس قاعدہ کا مقتضا یہ ہے کہ اوسکے خلاف کیا جاوے لہٰذا آگے فرماتے ہین کہ۔

گر نماز الخ۔ یعنی اگر نماز روزہ کی تجھے تعلیم کرے تو (سمجھ لے) کہ نفس مکار ہے تیرے لئے کوئی مکر پیدا کیا ہے مطلب یہ کہ جب وہ نفس نماز روزہ کا حکم کرتا ہے تو دیکھو کہ اوسکا اصل مقصود کیا ہے تو اصل مقصود اوسکا نماز روزہ کی تعلیم نہین ہے بلکہ اصل مین وہ تمکو ایک مکر سے

طریق سے جدا کرتا ہی لہذا اوسکا جو مکر ہی اوسکے خلاف کرو اور اسمین مکر یہ ہی کہ کچھ روز کے لئے وہ تعلیم صوم وصلوۃ کرتا ہی تو شبہ یہ ہوتا ہی کہ اب تو نفس مطمئنہ ہوگیا ہی یہ سمجھکر سالک مجاہدات و ریاضات کو ترک کر دیتا ہی اور اس سے غافل ہو جاتا ہی بس جب اوسنے اس شخص کو غافل دیکھا فوراً اوسکی گردن دبائی اور پھر اچھی طرح تباہ اور برباد کرتا ہی۔ تو اوسکے کہنے پر عمل نہ کرنا یہ ہی کہ اس خبیث سے ہرگز غافل نہ ہونا چاہیئے خواہ کتنا ہی انسان اپنے کیطاعات کی طرف راغب دیکھے مگر اوسکے مکائد سے بے فکر ہو تو یہی غضب ہی۔ بلکہ جبکہ انسان خود اپنے نفس کو مطمئنہ بتاتا ہی تو وہ مطمئنہ کہان اسلئے کہ اگر مطمئنہ ہوتا تو اوسکو تو اپنے لئے یہ خیال بھی نہوتا خوب سمجھ لو جو نفس کہ مطمئنہ ہوتا ہی وہ خود کو ایسا نہین سمجھتا ہان فی الواقع ایسا ہوتا ہی مگر وہ خود یہی سمجھتا ہی کہ مین ابتک امارہ ہی ہون جیسا کہ ظاہر ہی اور فرماتے ہین کہ۔

مشورت الخ۔ یعنی کامون مین نفس سے مشورہ کرو جو کچھ کہ وہ کہے اوسکا عکس کمال ہوگا۔ مطلب یہ کہ نفس سے مشورہ کرو مگر یاد رکھو کہ اوسکے قول کے عکس میں کمال ہی اور خیر ہی لہذا ہمیشہ اوسکے خلاف ہی کرو آگے فرماتے ہین کہ۔

بر نیائی الخ۔ یعنی تو اوس سے اوسکی لڑائی مین غالب نہین آسکتا تو جا کسی یار کے پاس اور اوسکا اتباع اختیار کرلے۔ مطلب یہ کہ اگر تمکو خود قدرت اوسکے خلاف کرنیکی نہو تو یہ کرو کہ کسی محقق کامل کو تلاش کرکے اوسکا اتباع شروع کرو کہ وہ اوسکے مکرون کو خوب جانتا ہی وہ اوسکے کیدون کو ظاہر کرکے تمکو اوس سے بچالیگا آگے فرماتے ہین کہ۔

عقل قوت الخ۔ یعنی ایک عقل دوسری عقل سے ملکر قوت حاصل کرتی ہی گنا گنے سے کامل ہوتا ہی۔ مطلب یہ کہ جب کسی محقق کامل عارف کا اتباع شروع کروگے تو اوسکی ساتھ ملکر تمھاری عقل بھی کامل اور درست ہو جاویگی۔ دوسرے مصرعہ مین مثال فرماتے ہین کہ جسطرح ہیچ کا گنا دوسرونکی نسبت شیرین ہوتا ہی اسیطرح اوس محقق کے ساتھ ملکر تم بھی کامل ہو جاؤگے یہ مشہور ہی کہ جس گنے کو کہ چارون طرف سے اور گنے گھیرے ہوئے ہون وہ میٹھا بہت ہوتا ہی اسلئے کہ چارون طرف گنون کی شیرینی کا اثر بھی اوسکے اندر رہتا ہی۔ اور جو گنا کہ کنارہ کا ہوتا ہی وہ پھیکا ہوتا ہی اسی بنا پر فرمایا ہی کہ اگر دوسری عقل شیخ کی تمھارے ساتھ ملجاویگی تو پھر دونون ملکر کامل ہو جاوینگے اور تمھارے اندر بھی کمال آجاویگا۔ لہذا اگر خود ہمت نہو تو کسی شیخ کا دامن پکڑلو اور اس کے تعلیمات پر عمل کرو کہ وہ نفس و شیطان کے مکائد سے خوب واقف ہوتا ہی وہ تمکو اس سے بچالیگا۔ آگے فرماتے ہین کہ۔

من ز مکر الخ۔ یعنی مین نے نفس کے مکرون مین سے بہت سی چیزین دیکھی ہین کہ وہ جادو کی وجہ سے خود تمیز کو لیجاتا ہی۔ مطلب یہ کہ یہ نفس وہ بلا ہی اور اسکے کید اسقدر سخت ہین کہ یہ حق و باطل مین تمیز کو کھو دیتا ہی اور انسان کے اندر سے مادہ تمیز مین الحق والباطل جاتی رہتی ہی اور یہ کیسکی کہی ہوئی اور سنی سنائی نہین کہتے بلکہ فرماتے ہین کہ ہم نے تو خود دیکھا ہی۔ اس سے بہت بچنا ضروری ہی۔ آگے اسکا ایک مکر بتاتے ہین جو کہ اورون سے سخت ہی کہ پیرایہ مین دین کے ہی اور پھر ہلاک کرتا ہے فرماتے ہین کہ۔

وعدہا الخ۔ یعنی وہ تازے وعدے تیرے ہاتھ مین دیتا ہی کہ اوسنے اون کو ہزارون بار توڑ دیا ہی۔ مطلب یہ کہ اوسکی یہ خاصیت ہی کہ وعدہ تو دیتا ہی کہ بس ایک مرتبہ اس گناہ کو دل بھر کے کرلون پھر عمر بھر نام بھی نہ لونگا۔ یا اور اسی قسم کے وعدے کرتا ہی جس سے انسان دہوکے مین آکر اوس فعل کا ارتکاب کرلیتا ہی نتیجہ ہلاکت اور بربادی ہوتی ہی کہ نہ اسنے کبھی وعدہ کو پورا کیا ہی اور نہ آئندہ کریگا۔ لہذا بجز اسکے کہ پھر توڑ دے اور کیا ہو سکتا ہی۔ لہذا اسکے وعدونپر ہرگز اعتماد نہ چاہیئے اسلیئے کہ۔

عمر گر صد سال الخ یعنی اگر عمر سو برس کی بھی ہو تو وہ تجھے ہر روز نیا بہانہ دیگا۔
اگرم الخ۔ یعنی پرانے دعدون کو تازہ بتازہ کرکے کہتا ہی اور مردانگی کا جادو آدمی کو باندھ دیتا ہی۔ مطلب یہ ہی کہ یہ وہ خبیث ہی کہ اگر سیکڑون برس کی بھی عمر ہو جب بھی یہ بہکانے سے اور اپنے مکر دن سے ہرگز باز نہ آوے اور جو وعدے بار ہا کر چکا ہی اور اون کو توڑ چکا ہی آج پھر اون وعدون کو تلبیس کرکے ملمع سازی سے سامنے پیش کرتا ہی جس سے معلوم ہوتا ہی کہ یہ وعدہ نیا ہی اور اسکو ضرور پورا کریگا سگر وہ تو اپنی اُسی عادت مستمرہ پر رہتا ہی لہذا خدا کے لیئے کبھی اسکا اعتبار مت کرنا۔ اب چونکہ مولانا نے یہان مکائد نفس کو بیان کیا ہی اور اس سے اجتناب کو ضروری فرمایا ہی لہذا آگے کہیر اگر مولانا حسام الدینؒ کو پکارنے لگے۔ کہ دستگیری فرمائیے توجہ فرما کر اس نفس کے ہاتھو نسے بچائیے اسلئے کہ یہ تو پہلے ہی معلوم ہو چکا ہی کہ مولانا حسام الدین مولانا رومیؒ کے پیر بھائی ہین مگر مولانا اونکا بہت ہی ادب کرتے ہین اور اون کو اسطرح رکھتے ہین کہ ظاہر نظر مین وہ شیخ معلوم ہوتے ہین مگر اصل مین پیر بھائی ہین اور سچ یہ ہی کہ بھائی تو ہی وہ شئے کو خواہ چھوٹا ہی ہو لیکن ایک نعمت غیر مترقبہ ہوتی ہی اور مصیبت مین وہی کام آتا ہی اسی لئے مولانا بھی اونکو متوجہ کرنے کے لیئے فرماتے ہین کہ۔

شرح حبیبی

اے ضیاء الحق حسام الدین بیا
کہ نروید بے تو از شوره گیا

از فلک آویختہ شد پردۂ
از پئے نفرین دل آزردۂ

این قضا را ہم قضا داند علاج
عقل خلقان در قضا گیج است و کاج

اژدہا گشت ست آن مار سیاہ
آنکہ کرمے بود افتادہ براہ

اژدہا و مار اندر دست تو
شد عصا اے جان موسیٰ مست تو

حکم خذہا لاتخف دادت خدا
تا بدست اژدہا گردد عصا

ہین ید بیضا نما اے بادشاہ
صبح نو بکشا ز شبہائے سیاہ

دوزخے افروخت بر وے دم فسون
اے دم تو از دم دریا فزون

بحر مکار ست و بنمودہ کفے
دوزخ ست از مکر بنمودہ تفے

زان نماید مختصر در چشم تو
تا زبون بینیش جنبد خشم تو

ہمچنانکہ لشکر انبوہ بود
مر پیمبر را بچشم اندک نمود

تا بر ایشان زد پیمبر بیخطر
ور فزون دیدے ازان کردی حذر

آن عنایت بود و فضل ایزدی
احمدا ورنہ تو بیدل می شدی

کم نمود او را و اصحاب ورا
آن جہاد ظاہر و باطن خدا

تا میسر کرد یسرے را برو
تا ز عسرے او نگرداند رو

اب مولانا نفس کی شرارتون سے دق ہو کر فرماتے ہین کہ بھائی ضیاء الحق حسام الدین ہماری کوششین تو اسکی مزاحمت مین بالکل بیکار ثابت ہوئین تم آؤ اور مدد کرو کہ بغیر تمہارے ہماری سعی لاحاصل بار آور نہین ہو سکتی کیونکہ

تقدیر الٰہی نے نفس کو حقیقت بینی سے مانع بنا کر مجھ دل آزردہ کی ملامت کے لیے مثل ایک پردہ کے بنا دیا ہے جو میری کوشش پر ملامت کرتا ہے اور کہتا ہے کہ تو اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکتا۔ کیون سعی لاحاصل کرتا ہے اور اس قضا کا علاج قضاء الٰہی ہی سے ہو سکتا ہے۔ ہم لوگون کی عقول تو اس معاملہ میں پریشان اور احول و غلط بین ہیں اور وہ قضاء الٰہی تمھارا تصرف ہے پس تم تصرف کرو اور اس پردہ کو دور کرو۔ میرا نفس جو اول کمزور کیڑا تھا اب یہ کالا ناگ اژدہا ہو گیا ہے اور حق سے نے تمھارے ہاتھ میں یہ خاصیت رکھی ہے کہ اژدہا لاٹھی ہو جاتا ہے اور یہ صفت تمھاری ایسی ہی ہے کہ جسپر موسے بھی غش ہیں اور نہایت پسند کرتے ہیں۔ حق نے تمکو حکم دیا ہے کہ خذہا ولاتخف سنعیدہا سیرتہا الاولے یعنی آپ نفس پر اپنا تصرف فرمائیے اور اسکی قوت سے گھبرائیے نہیں ہم اسکو مطمئنہ بنا دینگے اور اس بنا پر آپ کے تصرف سے نفس امارہ مطمئنہ بنجاتا ہے۔ پس تم اپنے اس تصرف سے میرے اس اژدہے کو لاٹھی بنا دو۔ یعنی اس نفس امارہ کو مطمئنہ اور بے ضرر بنا دو نیز آپ کو حق نے ید بیضا عطا کیا ہے یعنی آپ کو روشن ضمیر بنایا ہے پس آپ اپنا ید بیضا دکھلائیے اور روشن ضمیری سے کام لیجیے اور ہماری بداعمالیون کی تاریک راتون کو دور کر کے صبح امید ظاہر کیجیے اور ہمارے دلون کو مثل صبح منور فرمائیے۔ اژدہا نفس کی شعلہ افشانیون سے جان کو دوزخ بنا رکھا ہے آپ کی پھونک میں حق سبحانہ نے اطفاء شعلہائے اژدہائے نفس کے بارہ میں دریا سے زیادہ خاصیت رکھی ہے پس آپ اسپر پھونک مارئیے اور اسکو بجھائیے۔ فی الحقیقت نفس شرارتو نکا ایک سمندر ہے۔ لیکن یہ اسکی مکاری ہے کہ جھاگ دکھائی دیتا ہے اور درحقیقت یہ ایک دوزخ ہے جو معمولی حرارت معلوم ہوتا ہے اسکی مختصر نمائی میں ایک مصلحت بھی ہے وہ یہ کہ آپ اسکو حقیر سمجھیں اور آپ کے غصہ کو ہیجان ہو کہ یہ ہے کیا چیز جو اتنا پریشان کر رہا ہے۔ اسکو میں ایکدم فنا کر دونگا۔ اور یہ بعینہ ایسا ہی ہے جیسا کہ کفار مکہ کا لشکر بہت بڑا تھا۔ لیکن جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کم دکھلایا گیا۔ جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ بے کھٹکے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اونپر حملہ کر دیا اور اگر زیادہ دکھلایا جاتا تو آپکو اون پر حملہ کرنے میں جھجک ہوتی۔ پس انکا کم دکھلانا حق سبحانہ کی عنایت اور اون کا فضل تھا ورنہ حضور والا بیدل ہو جاتے اسلئے خود آپکے لئے اور اون کے اصحاب کے لیے جہاد ظاہر و باطن کو مختصر کر کے دکھلایا گیا۔ جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ جو فی الحقیقت معمولی تھا وہ بھی اون کے لئے معمولی ہو گیا اور جو حقیقت میں دشوار تھا اوسکی کم نمائی کے سبب اوس سے بھی منہ نہ پھیرا۔ اور اسکو بھی انجام دیا۔ پس جسطرح اُن کو کم دکھلانے میں یہ مصلحتیں تھیں یون ہی آپکو کم دکھلانے میں بھی یہی مصلحتیں ہیں لہذا آپ اسکو ایک حقیر اور ناقابل التفات خیال فرمائیں اور اسکی سرکوبی کیطرف متوجہ ہون۔

شرح شبیری

اے ضیاء الخ۔ یعنی اے ضیاء الحق حسام الدین آپ دیکھئے کہ آپکے بغیر شورہ زمین سے گھاس نہیں اُگتی۔ مطلب یہ کہ حضرت ذرا توجہ فرمائیے اسلئے کہ ہمارا قلب چونکہ پژمردگی میں شور زمین کیطرح ہو گیا ہے اور علوم و معارف کا اُسمین کہیں گذر ہی نہیں ہوتا آپکی توجہ ہی سے بار آور ہو سکتا ہے اور اُسمین علوم و معارف اُسی وقت پیدا ہو سکتے ہیں جبکہ آپکی توجہ بھی منعطف ہو اسلئے کہ۔

از فلک الخ۔ یعنی آسمان سے ایک پردہ اس آزردہ دل کی نفرین کے لیے لٹکا دیا گیا ہے۔ مطلب یہ کہ عالم غیب سے یہ نفس ہمارے اوپر مسلط کر دیا گیا ہے تو اسکا علاج بھی اودھر ہی سے ہو تو ہو۔

این قضا الخ یعنی اس قضا کے لیے قضا ہی علاج آئی ہے اور قضا میں مخلوق کی عقل تو فضول اور بیکار ہے۔ مطلب یہ کہ جب

یہ نفس اُس عالم غیب ہی سے مسلط کیا گیا ہی تو اسکا رفع بھی اودھر ہی سے ہوگا اور آپکو اوس عالم سے تعلق ہی لہذا توجہ فرمائیے کہ یہ نفس بیڈھب ترقی پکڑ گیا ہی اور اسنے بہت ہی ہاتھ پیر نکالے ہین۔

اژدہا گشت الخ۔ یعنی وہ سیاہ سانپ اور وہ ذرا سا کیڑا جو کہ راستہ مین پڑا ہوا تھا (آج) بہت بڑا اژدھا ہو گیا ہی۔

اژدہا و مار الخ۔ یعنی اژدہا اور سانپ آپ کے ہاتھ مین عصا ہو جاتے ہین اے وہ کہ موسے علیہ السلام کی جان آپکی مست ہی مطلب یہ کہ یہ نفس جو کہ پہلے بہت ہی ضعیف اور کمزور شئے معلوم ہوتی تھی آج قوت پکڑتے پکڑتے اسقدر قوی ہو گیا ہی کہ اب قابو سے نکل گیا ہی۔ مگر آپکی تو ایسی مثال ہی کہ جیسے حضرت موسے علیہ السلام کہ جب تک کہ اون کا عصا زمین پر رہتا تھا اسوقت تک تو وہ اژدہا رہتا تھا اور جب اونھون نے اوسپر ہاتھ ڈالا تو وہ عصا ہوا اسی طرح جب تک کہ یہ نفس آپسے دور رہی یہ بہت ہی قوی اور زور آور معلوم ہوتا ہی۔ لیکن اگر آپکی ذرا سی توجہ بھی اسطرف ہوئی تو اسکا سارا زور نکل جاوے اور بالکل ہی بے ضرر ہو جاویگا اور پھر کوئی ضرر نہ پہونچا سکے گا بلکہ بالکل تابع ہو جاویگا۔ اور جان موسے کے مست ہونے سے یہ مراد ہی کہ جب آپکے اندر بھی حضرت موسے علیہ السلام جیسی خصلت اور قوت ہی تو اون کو بھی آپسے تعلق اور محبت ہی اس محبت اور تعلق ہی کو مولانا جان موسے کے مست ہونے سے تعبیر فرما رہے ہین۔ اب چونکہ نفس کو عصا موسے سے تشبیہ دی ہی لہذا آگے اوسی قسم کے احکام بھی اوسکے لئے ثابت کر رہے ہین کہ۔

حکم خذہا الخ۔ یعنی حق تعالیٰ نے آپکو خذہا ولا تخف کا حکم کیا ہی تاکہ آپکے ہاتھ مین اژدہا عصا ہو جاوے مطلب یہ کہ جسطرح حق تعالیٰ نے حضرت موسے علیہ السلام کو حکم فرمایا تھا کہ خذہا ولا تخف سنعیدہا سیرتہا الاولیٰ کہ آپ اس اژدہا کو پکڑ لیجئے ڈرئیے مت کہ ہم اسکو اسکی پہلی سیرت (صورت عصا) کی طرف لوٹا دین گے تو جسطرح وہان وہ اژدہا عصا ہو جاتا تھا اسی طرح حق تعالیٰ نے تمھین اصلاح خلق کے لیئے مامور فرمایا ہی اور تمکو مسند ارشاد پر متمکن کیا ہی لہذا تم اس نفس سرکش کی طرف توجہ کرو تاکہ یہ اپنی پہلی حالت یعنی فطرت کی طرف لوٹ آوے اور اسکے اندر صلاحیت اور استعداد قبول حق کے پیدا ہو جاوے اور فرماتے ہین کہ۔

ہین ید بیضا الخ۔ یعنی ہان اے بادشاہ (معنوی) ید بیضا تو دکھائیے اور ان سیاہ راتون مین سے صبح نئی کو نکالو۔ مطلب یہ ہی کہ حضرت ذرا اپنی تجلی اور اپنے انوار کو ہمپر فائض فرمائیے۔ اور ہمارے اندر جو ظلمات بھرے پڑے ہین اون کو الگ فرما دیجئے اور ہماری ان ظلمات کو دفع فرما کر ہمارے قلوب کو بھی منور اور روشن فرما دیجئے۔

دوزخے الخ۔ یعنی اسنے ایک دوزخ بھڑکا رکھی ہی آپ کچھ دم فرما دیجئے کہ آپکا دم تو دریا کے دم سے بھی زیادہ ہی۔ مطلب یہ ہے کہ اس نفس نے آتش شہوت و غضب کو برانگیختہ کر رکھا ہی خدا کے لیے توجہ فرمائیے اور اس آگ کو بجھائیے ورنہ یہ آگ وہ ہم کو تو جلا کر خاک سیاہ کر دیگی اور کسی مصرف کا نہ چھوڑے گی۔

بحر مکار است الخ یعنی یہ ایک دریائے مکار ہی اور جھاگ دکھا رکھے ہین اور ایک دوزخ ہی اور مکر کیوجہ سے ایک لپٹ ظاہر کر رکھی ہی مطلب یہ ہی کہ نفس کمبخت اصل مین بڑا موذی ہی مگر ظاہر مین بہت ہی ذرا سا معلوم ہوتا ہی اور اوسکی یہی تلبیس دھوکے مین ڈالنے والی ہی کہ ظاہر کو دیکھکر انسان اس سے بچنے کی کوشش نہین کرتا مگر پھر یہ خوب گل کھلاتا ہی۔

زان الخ۔ یعنی تمھاری نظر مین اسلیے چھوٹا دکھلائی دیتا ہی تا تم اوسکو حقیر جانو اور تمھارا غصہ حرکت کرے مطلب یہ ہی کہ اصل مین تو یہ نفس بڑا مکار ہی اور بہت موذی ہی مگر آپکی نگاہ مین یہ مختصر اور عاجز اور حقیر ہی ہی اور حق تعالیٰ نے

آپ کو اسلئے حقیر دکھلایا ہی تا کہ آپ اسکو حقیر سمجھکر اسکے عاجز کرنیکے درپے ہو جاوین ورنہ اگر شیخ کی نظر مین بھی اسکی عظمت ہو جاوے اور شیخ بھی اسکو قوی سمجھنے لگین تو پھر تو علاج مشکل ہے اور شیخ بھی اس سے گھبرا جاوین لہذا حق تعالی کی مصلحت اسی مین ہی کہ شیوخ کی نظر مین تو یہ حقیر اور عاجز ہوتا ہی لہذا وہ اسکا خوب علاج فرمادیتے ہین آگے اسکی ایک مثال ہی کہ سمجھنا نکہ الخ۔ یعنی اسیطرح کہ لشکر ایک جماعت تھا اور پیمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ مین تھوڑا دکھائی دیا۔ مطلب یہ کہ غزوہ بدر مین جبکہ مسلمانونکی تعداد صرف تین سو تیرہ یا اسی کے قریب قریب تھی اور کفار قریب ایکہزار کے تھے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ جماعت کفار کم معلوم ہوتی تھی اور جو اون کی اصلی تعداد تھی اسکے مطابق دکھلائی نہ دیتی تھی جیسا کہ قرآن شریف مین ہی اذ یریکہم اللہ قلیلا الخ۔

کہ وہ تھے تو زیادہ لیکن ہم تمہین کم دکھا رہے تھے کہ کہین تم بزدلی نکرو ورنہ اگر مسلمان اونکی پوری تعداد اور قوت کے موافق اون کو دیکھتے اور اپنی طرف ضعف دیکھتے تو شاید بزدل ہو کر بھاگ جاتے اور حملہ ہی نہ کرتے۔ لہذا اس مین یہ مصلحت تھی کہ اون کو کم سمجھ کر مسلمان حملہ آور ہوئے اور پھر فتح مقدر نصیب ہوئی آگے اسکو فرماتے ہین کہ۔

تا بر ایشان الخ۔ یعنی یہان تک کہ پیمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے اونپر بے دھڑک حملہ کیا اور اگر زیادہ دیکھتے تو اون سے بچتے۔

آن عنایت الخ۔ یعنی وہ فضل حق تعالی کی عنایت تھی اے احمد ورنہ تم بد دل ہو جاتے۔

کم نمود الخ۔ یعنی آپ کو اور آپکے اصحاب رضوان اللہ علیہم اجمعین کو کم دکھایا اُس جہاد ظاہر اور باطن کو حق تعالی نے مطلب یہ ہی کہ حق تعالی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر اس جہاد ظاہری مین بھی کفار کو کم دکھایا اور جہاد باطن مین بھی نفس کے ساتھ جہاد کو بھی حقیر اور بیقدر دکھایا بس اسکا یہ نتیجہ ہوا کہ وہ حضرات کمر ہمت باندھکر اوٹھے اور سب کام ہو گیا ورنہ اگر وہ کہین ہمت ہار دیتے تو کسطرح کام چل سکتا تھا۔

تا میسر کرد الخ۔ یعنی یہانتک کہ مشکل کو اون کے لئے آسان کر دیا اور یہان تک کہ اونھون نے مشکل سے منہ نہین پھیرا۔ مطلب یہ کہ اون کو اسقدر ہمت اور جرأت دی کہ ساری مشکلین آسان ہو گئین اور کیسا ہی کٹھن سے کٹھن کام آپڑا وہ ہٹے نہین جمے رہے یہ ساری اسکی برکت تھی کہ اونکی جرأت حق تعالی نے بڑھا رکھی تھی۔

شرح حبیبی

کم نمودن مر ورا پیروز بود ۔۔۔ زان نمودن روز او نوروز بود
کم نمودن بس خجستہ روز بود ۔۔۔ کہ حقش یار و طریق آموز بود
آنکہ حق پشتش نباشد از ظفر ۔۔۔ وای گر گربہ نماید شیر نر
وای گر صد را یکی بیند ز دور ۔۔۔ تا بچالش اندر آید از غرور
زان نماید ذوالفقاری حربہ ۔۔۔ زان نماید شیر نر چون گربہ
تا دلیر اندر فتد احمق بجنگ ۔۔۔ اندر آرد شان بدین حیلت بچنگ
تا بپای خویش باشد آمدہ ۔۔۔ آن فلیوان جانب آتشکدہ
کاہ برگی می نماید تا تو زود ۔۔۔ پف کنی اورا برانی از وجود

مین کہ آنکہ کو بہا بر کندہ است / زو جہان گریان واو در خندہ است

مے نماید تا بہ کعب این آب جو / صد چو عوج ابن عنق شد غرق او

می نماید موج خونش تل مشک / مینماید قعر دریا خاک خشک

خشک دید آن بحر را فرعون کور / تا درو در راند از سر مستی و زور

چون در آید در تگِ دریا بود / دیدۂ فرعون کے بینا بود

دیدہ بینا از لقاے حق شود / حق کجا ہمراہ ہر احمق شود

قند بیند خود شود زہر قتول / راہ بیند خود بود آن بانگ غول

غرض کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کفار کی جمعیت کا کم دکھلانا یہ اون کی کامیابی کے لیے تھا اور یہ کم نمائی اُنکے لیے باعث خوشی تھی اور یہ کم نمائی اُنکے لیے نہایت مبارک تھی یہ سب کچھ اسلئے تھا کہ حق سبحانہ اون کے ممد ومعاون اور معلم وراہبر تھے لیکن جنکی فتح کے لیے حق سبحانہ ممد ومعاون نہون جیسے کہ کفار مکہ اگران کو کم دکھلائین اور وہ شیرنر کو بلی سمجھین اور سو کو ایک دیکھین جسکا نتیجہ یہ ہو کہ وہ دہوکہ سے لڑائی مین پھنس جائین تو ایسے لوگون کی حالت نہایت قابل افسوس ہی انکو ذوالفقار سی شمشیر ہران (کما ہو المشہور) معمولی ہتھیار اور شیرنر بلی اسلئے دکھلایا گیا ہی کہ یہ احمق دیرانہ جنگ مین کود پڑین اور اس تدبیر سے شیر کے پنجہ مین پھنس جائین۔ اور تاکہ یہ بوالفضول اپنے پاؤن سے آتشکدہ مین آپڑین اسے بدقسمت غیر مؤید من اللہ تجھے تیرا حریف نفس وشیطان تنکا اور پتا اسلئے معلوم ہوتا ہی کہ تو جلدی سے پھونک مارے اور اوسکو معدوم کر دینے کی کوشش کرے لیکن سمجھ رکھ کہ جسکو تو نے تنکا سمجھا ہی وہ حقیقت مین اتنا قوی ہی کہ اوسنے پہاڑون کو جڑ سے اوکھیڑ کر پھینکدیا ہی اور بڑے بڑے مقدس لوگون کو نہتا کر دیا ہی دنیا بھر اُس سے روتی ہی اسلئے کہ اُسپر غالب آنیکی کوشش کرتی ہی لیکن ناکام رہتی ہی اور وہ اپنی کوششون مین علی العموم الا ماشاء اللہ کامیاب ہو کر ہنستا اور خوش ہوتا ہی اور یہ نہر تجھے ٹخنون تک معلوم ہوتی ہی لیکن سو عوج بن عنق سے قد آور اس مین غرق ہو چکے مین اور تجھے یہ موج خون مشک کا ٹیلہ معلوم ہوتی ہی اور قعر دریا خشکی دکھلائی دیتا ہی یہ تیری بدبختی ہی چنانچہ اس سے پیشتر ایسا ہو چکا ہی دیکھو اندھے فرعون نے دریا کو خشکی سمجھا اور گھوڑا اڑا دیا لیکن جب آگیا تو دریا کی تہہ مین پہونچ گیا۔ یعنی دریا دونون طرف سے ملگیا اور وہ ڈوب گیا۔ وجہ یہ تھی کہ ازل کا اندھا تھا اوسنے یہ نہ سمجھا کہ یہ خشکی خرق عادت کے طور پر ہی معمولی خشکی نہین لہذا اس مین نہ جانا چاہیے اور جب حق بینی سے آدمی اندھا ہو تو حق سبحانہ اسکی کب اعانت کرتے ہین اور جب حق سبحانہ اعانت نہین کرتے تو یہ نتائج اوسکے لئے لازمی ہین کہ زہر ہلاہل کو قند جانے اور آواز غول کو راہ نما سمجھے (ف) اس بیان سے مولانا نے اوس شبہ کا ازالہ کر دیا جو ماسبق سے پیدا ہوتا تھا۔ کہ کم نمائی ہر جگہ مفید ہی اور بتلا دیا کہ ہر جگہ مفید نہین بلکہ وہین مفید ہی جہان مدد حق شامل حال ہو اور کبھی کم نمائی کا منشا خذلان ہوتا ہی اور خذلان کا منشا ترک معرفت حق۔ لہذا معرفت حق حاصل کرنا چاہیے تاکہ خذلان سے بچے اور کم نمائی وغلط بینی سے خسران مین نہ مبتلا ہو۔ آگے مولانا عام حالت کو تباہ دیکھکر بنا بر عرف عام وعادت اہل محاورہ فلک کو خطاب کرتے ہین اسکو موثر سمجھ کر اور اصل مقصود مناجات حق سبحانہ ہی رہا تیسر الفاظ کا استعمال سو وہ مخاطب ظاہری کی رعایت سے اور عادت اہل عرف کی بنا پر ہی فرماتے ہین۔

شرح شبیری کم نمودن الخ - یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کم دکھانا مبارک تھا اور اُس دکھانے سے اونکا دن نوروز تھا۔ مطلب یہ ہی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ مین جو وہ کم دکھلائی دیتے تھے یہ مبارک تھا اس لئے کہ اسکی برکت ہی سے جرأت ہوئی اور آپنے حملہ کیا اور فتح حاصل ہوئی۔

کم نمودن الخ - یعنی کم دکھائی دینا بہت ہی مبارک تھا اسلئے کہ حق تعالیٰ اوسکے مددگار اور طریق کے سکہانے والے تھے مطلب یہ ہی کہ حضور مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا کفار کو کم دیکھنا تو مبارک تھا کہ اون کو دیکھکر ہمت بڑہی اور پھر اسلام کو فتح حاصل ہوئی اسلئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مددگار اور راستہ دکہانے والا تو حق تعالیٰ تھا لہذا بہتر اور مبارک ہوا یہان تک تو مولانا نے کاملین کا نفس کی شرارتون کو کم دیکھنے کی وجہ اور مصلحت بیان فرمائی آگے معاندین اور محجوبین کے زیادہ دیکھنے کی وجہ اور خرابی کو بیان فرماتے ہین جسکا خلاصہ یہ ہی کہ محجوبین کی نظر مین جو نفس قوی معلوم ہوتا ہی اوسکی وجہ تو یہ ہوتی ہی کہ مدد حق تعالیٰ کی اونکی ساتھ نہین ہوتی ہی اس لئے وہ اوسکو بہت قوی جانتے ہین اور نتیجہ یہ ہوتا ہی کہ اُس سے خائف ہو جاتے ہین اور پھر وہ اونکی خوب خبر لیتا ہی اب سمجھو کہ فرماتے ہین کہ۔

آنکہ حق الخ - یعنی جسکا کہ حق تعالیٰ فتح کی رو سے مددگار ہو جان لو کہ خرگوش اوسکو شیر نر دکھائی دیگا - آگے محجوبین کے کم دیکھنے کو بیان فرماتے ہین کہ اگر کہین اوسکو کمزور جانتے ہین تو اسمین یہ خرابی ہوتی ہی کہ اوسپر حملہ آور ہوتے ہین اور پھر مارے جاتے ہین - لہذا اولیاء اللہ کی نظر مین اگر مکائد نفس کم معلوم ہوتے ہین تو وہ اونکے ازالہ مین قوی ہو جاتے ہین اور اگر عوام نے کہین اونکو کم سمجھا تو بس تباہ ہی ہو گیا اسلئے کہ وہ اس سے بیفکر ہو جاویگا - اور وہ اس کا کام تمام کردیگا اسی کو فرماتے ہین کہ -

واے گر صد را الخ - یعنی بڑے افسوس کی بات ہی کہ اگر سو کو ایک دیکھے دور سے یہانتک کہ غرور کیوجہ سے اونکی لڑائی کے لیے مستعد ہو جاوے اور پھر ہلاک ہو۔

زان نماید الخ - یعنی ذو الفقار کو ایک ذرا سا چھرا اسلئے دکھاتا ہی اور اسلئے شیر نر کو بلی کیطرح دکھاتا ہی۔

تا دلیر اندر الخ - یعنی تاکہ دلیرانہ احمق لڑائی مین بڑے اور انکو اس حیلہ سے لڑائی مین لاوے۔

تا بپائے الخ - یعنی تاکہ وہ احمق اپنے پانوٴن سے آتشکدہ کی طرف آیا ہوا ہو - مطلب یہ کہ حق تعالیٰ اوس محجوب کو اس سے حقیر دکھا رہا ہی تاکہ ذرا دلیر ہوکر خود ہی آوے اور اُس سے مقابلہ کرے اور پھر ہلاک ہو اور انکو حجت بھی باقی نہ رہے اسلئے کہ وہ تو خود اپنے ارادہ سے ہی تو آیا ہی۔

کوہ بر گے الخ - یعنی پہاڑ ایک پتا دکھائی دیتا ہی تاکہ تو جلدی سے پہونک مارے اور اسکو وجود سے علیحدہ کردے مگر وہ تو ایسا ہی کہ تجھے بھی لیکر ٹلیگا۔

ہان کہ الخ - یعنی ہان وہ شخص کہ جسنے پہاڑون کو اُکھاڑ دیا ہی اوس سے ایک جہان رو رہا ہی اور وہ ہنس رہا ہی مطلب یہ کہ تم تو اتنی قوت نہین رکھتے کہ اس نفس کو پست کرسکو ہان جو کہ کامل اور قوی ہی اور جسنے کہ لاکھون کو زیر کیا ہی وہ ایسا کرسکتا ہی اور اوسکی تو یہ شان ہوتی ہی کہ لوگ اوس سے پریشان ہوتے ہین اور وہ خوش ہوتا ہی جیسا کہ کفار کہ انبیاء علیہم السلام سے حسد کرتے تھے اور جلتے تھے مگر اون حضرات کو ذرا بھی اسکی پرواہ نہ تھی بلکہ وہ اسی طرح خوش خرم رہتے تھے کاملین تو ایسا کرسکتے ہین مگر ناقصین اس نفس کا مقابلہ نہین کرسکتے - آگے پھر اس پہلے مضمون کیطرف رجوع ہی کہ۔

می نماید تا به الخ - یعنی اس ندیکا پانی ٹخنون تک دکھائی دیتا ہی مگر سیکڑون عوج بن عنق جیسے اسمین ڈوب چکے ہین عوج بن عنق ایک شخص بے انتہا طویل القامت کہ سورج مین مچھلی کو بھون کر کہاتا تھا مشہور ہی مگر یہ روایت صحیح نہین ہی مولانا نے صرف بنائً علی المشہور ایسا لکھدیا ہی ورنہ مولانا کا مقصود اس روایت کی صحت یا عدم صحت سے نہین ہی مطلب یہ ہی کہ یہ نفس بظاہر بہت ہی حقیر معلوم ہوتا ہی مگر حضرت اصل مین بہت ہی قوی اور مکار ہی اس سے اگر خدا ہی بچاوے تو بچ سکتا ہی-
می نماید الخ - یعنی اوسکے خون کی موج ایک مشک کا ٹیلہ دکھائی دیتی ہی اور قعر دریا خشک دریا دکھائی دیتا ہی مطلب یہ کہ اس نفس کی ظاہری صورت سے دہوکا ہوتا ہی اور جب انسان اسمین پھنس جاتا ہی تو پھر نکلنا محال ہوجاتا ہی اور اسمین ختم ہوجاتا ہی آگے دریا کو خشک دیکھنے کی ایک مثال فرماتے ہین کہ-
خشک دید الخ - یعنی فرعون اندھے نے دریا کو خشک دیکھا تاکہ اسمین سرمستی اور زور سے (سواری کو) چلادے-
چون الخ - یعنی جب آوے تو وسط دریا مین ہووے اور فرعون کی آنکھ کب بینا ہوگی مطلب یہ کہ چونکہ حقیقت سے تو اندھا تھا اسلئے وہ حقیقت کو نہ دیکھ سکا اور صرف اوسکی صورت ظاہر یکو دیکھکر خشک ہی سمجھا کہ میرے لئے بھی خشک ہی ہی آخر کار جو انجام ہوا وہ ظاہر ہی - مولانا فرماتے ہین کہ بھلا فرعون کی آنکھ کب بینا ہوسکتی ہی - وہ تو اندھا تھا اور اندھا رہا آگے فرماتے ہین کہ
دیدہ بینا الخ - یعنی دیدۂ بینا تو لقائے حق سے ہوتا ہی اور حق تعالی ہر احمق کی ہمراہ کب ہوتے ہین اور جسکے ساتھ کہ حضرت حق تعالی نہون وہ یقیناً تباہ و برباد ہوگا-
قند بیند الخ - یعنی وہ شکر دیکھتا ہی اور وہ خود زہر قاتل ہوتا ہی اور راہ کو دیکھتا ہی اور وہ آواز غول ہوتی ہی مطلب یہ کہ جسکی ساتھ مدد حق تعالی کی نہین ہوتی اوسکی آنکھ حقیقت شئے کو نہین دیکھتی اور ہمیشہ ظاہر پر نظر ہونے سے وہ تباہ و برباد ہوتا ہی - چونکہ عوام مین مشہور ہی اور شاعرون کا دستور ہی کہ فلک کی گردش کو سبب تغیر عالم کا کہتے ہین اگرچہ عقیدہ یہ نہین ہوتا اسلئے اوسی مشہور کی بنا پر مولانا بھی ان تغیرات کو دیکھکر کہ بعض اشیا کی حقیقت اور ہی اور ظاہر اور ہے اور ہم اوسمین تباہ ہوتے ہین - فلک کو پکارنے لگے اور فرماتے ہین کہ-

شرح جیبی

اے فلک در فتنۂ آخر زمان	تیز میگردی بدہ آخر امان
خنجر تیز تو اندر قصد ماست	نیش زہر آلودۂ در فصد ماست
اے فلک از رحم حق آموز رحم	بر دل موران مزن چون مار زخم
حق آنکہ چرخۂ چرخ ترا	کرد گردان بر فراز این سرا
کہ دگرگون گردی و رحمت کنی	پیش از آنکہ بیخ ما را بر کنی
حق آنکہ دایگی کردی نخست	تا نہال ما ز آب و خاک رست
حق آن شہ کہ ترا صافی آفرید	کرد چندین مشعلہ در تو پدید
آنچنان معمور و باقی داشتت	تا کہ دہری از ازل پنداشتت
شکر دانستیم آغاز ترا	انبیا گفتند آن راز ترا

اے فلک تو اس فتنہ آخر زمان مین بہت تیز گھومتا ہی اور بہت ستاتا ہی۔ تیرا تیز خنجر ہماری جان کے درپے ہی اور تیرا زہر آلود ڈنک ہمارا خون بہا رہا ہی اے فلک حق سبحانہ کے رحم سے رحم سیکھ اور ہم چیونٹیون کی طرح کمزورون کے دلون پر سانپ کی طرح زخم نہ لگا۔ اے فلک تجھے اُس ذات پاک کی قسم ہے جسنے تیرے چرخہ کو اس عالم سفلی پر گھمایا ہی اور اس تربیت کی قسم جو بیشتر تو ہماری کرچکا ہی۔ جس سے ہمارا نہال آب وخاک سے پیدا ہوا۔ اور اُس شہنشاہ کی قسم جسنے تجھے صاف پیدا کیا اور ستارون کی اسقدر مشعلین تجھ مین روشن کین اور تجھے اسقدر آباد اور اتنا باقی رکھا کہ دہریون نے تجھ پر ازلیت کا گمان کیا (شکر ہی کہ ہم سے انبیاء نے تیرا راز کھولدیا اور ہم نے جان لیا کہ تو بھی حادث ہی ورنہ ہم بھی اسی مغالطہ مین گرفتار ہو جاتے) تو دوسری چال چل اور اس ظالمانہ روش کو چھوڑ اور قبل اسکے کہ ہم فنا اور نیست و نابود ہو جاوین تو ہم پر رحم کر۔ آگے فرماتے ہین کہ آدمی کی عقل نہایت ناقص اور ناقابل اعتماد ہی اسلیے اسکو ضرورت ہی اون لوگون کے اتباع کی جو مؤید من اللہ ہین چنانچہ فرماتے ہین۔

شرح شبلیری اسے فلک الخ۔ یعنی اے فلک آخر زمانہ کے فتنون مین تو تیز گھوم رہا ہی آخر مجھ تو امن دے۔ چونکہ ہر شخص اپنے زمانہ کو آخر زمان ہی جانتا ہی اس لئے مولانا بھی فرماتے ہین کہ یہ انقلابات آخر زمان اور فتن آخر زمان ہین اے فلک تو بہت تیزی سے گھوم رہا ہی اور بہت تغیرات پیدا ہو رہے ہین خدا کے لیے ذرا صبر کر اور امن دے اور اس قدر تغیرات مت پیدا کر کہ خوف ہی کہ ایمان نہ کھو بیٹھین آگے اوسکو قسمین دیتے ہین کہ۔

خنجر الخ یعنی تیرا تیز خنجر ہمارے قصد میں ہی اور ایک زہر کا بھرا ہوا ڈنک ہماری قصد کی قصد میں ہی مطلب یہ کہ تو ہمکو تباہ اور برباد کر دیگا اور ان تغیرات سے ہمارا ایمان کھونے کو موجود ہی۔

اے فلک الخ۔ یعنی اے فلک حق تعالیٰ کے رحم سے تو مہربانی کو سیکھ اور ہم چیونٹیو نکے دل پر سانپ کیطرح زخم مت مار مطلب یہ کہ ہم ضعیفون اور کمزورونکو ستا مت آگے اسکو قسمیں دیتے ہیں کہ۔

حق آنکہ۔ یعنی تجھے اُس ذات کی قسم ہی کہ جسنے تیرے کرہ کے چرخہ کو اس دنیا کے اوپر چکر دیا ہی

که دیگر گون الخ۔ یعنی کہ دوسری طرح پھرے تو اور رحم کرے تو اس سے پہلے کہ ہماری جڑ کو اوکھاڑے۔ مطلب یہ کہ اس سے قبل کہ ان تغیرات کو دیکھکر ہم تباہ و برباد ہوں تو رحم کر اور اس چال کو بدل دے۔

حق آنکہ الخ۔ یعنی قسم ہی اس بات کی کہ اول تو نے پرورش کیا ہی یہاں تک کہ ہمارا نہال آب وخاک سے اُگا۔

حق آن شہ الخ۔ یعنی اور قسم ہی اس بادشاہ کی جسنے تجھے صاف پیدا کیا اور اسقدر مشعلیں تیرے اندر ظاہر کیں۔

آنچنان الخ۔ یعنی تجھے اسقدر معمور اور باقی رکھا کہ دہریون نے تجھے ازلی گمان کیا مطلب یہ کہ جس ذات نے کہ تجھے اسقدر پرانا کیا کہ دہریوں نے یوں سمجھ لیا کہ تو ازلی ہی اور قدیم ہی اور پھر بھی تجھے اسقدر صاف رکھا اُس ذات کی تجھے قسم ہی کہ ہم کو تباہ و برباد مت کر آگے اس سے انتقال فرما کر فرماتے ہین کہ۔

شکر دانستیم الخ۔ یعنی شکر ہی کہ ہمنے تیری ابتدا کو جان لیا اور تیرے اس راز کو انبیاء علیہم السلام نے فرما دیا۔ ورنہ ہم کو بھی خبر نہ ہوتی اور شاید دہری کی طرح ہم بھی تیری ازلیت ہی کے قائل ہو جاتے۔ مگر اونکے فرمادینے سے ہمین خبر ہو گئی اور معلوم ہو گیا کہ تو حادث ہی آگے اسکی کہ انبیاء کو معلوم تھا اور ہمکو بے اون کے بتائے علم نہ ہو سکتا تھا ایک مثال فرماتے ہین کہ

شرح حبیبی

آدمی داند که خانه حادث ست | عنکبوتے نے که در وے عابث است
پشہ کے داند که این باغ از کیست | کو بہاران زاد و مرگش در دیست
کرم کاندر چوب زاید سست حال | کے بداند چوب را وقت نہال
ور بداند کرم از ماہیتش | عقل باشد کرم باشد صورتش
عقل خود را می نماید رنگہا | چون پری دور ست زان فرسنگہا
از ملک بالاست چه جائے پری | تو مگس پری به پستی می پری
گرچه عقلت سوئے بالا می پرد | مرغ تقلیدت به پستی می چرد
علم تقلیدی وبال جان ماست | عاریه است و ما نشسته کان ماست
زین خرد جاہل ہمی باید شدن | دست در دیوانگی باید زدن
ہر چه بینی سود خود زان میگریز | زہر نوش و آب حیوان را بریز
ہر که بستاید ترا دشنام ده | سود و سرمایه بمفلس وام ده
ایمنے بگذار و جائے خوف باش | بگذر از ناموس و رسوا باش و فاش
آزمودم عقل دور اندیش را | بعد ازان دیوانه سازم خویش را

عذر گفتن دلقک با سید که چرا فاحشه به نکاح آورده

گفت با دلقک شبے سید اجل | قحبه را خواستی تو از عجل
با من این را باز می بایست گفت | تا یکے مستوره کردیمت جفت
گفت نُه مستوره صالح خواستم | قحبه گشتند و ز غم تن کاستم
خواستم این قحبه را بے معرفت | تا ببینم چون شود این عاقبت
عقل را ہم آزمودم من بسے | بعد ازین جویم جنون را مغرسے

دہریون کا آسمان کو ازلی سمجھ لینا کچھ مستبعد نہین کیونکہ آدمی چونکہ صاحب عقل ہے اسلئے وہ جانتا ہی کہ گھر حادث ہے لیکن مکڑی جو کہ لہو ولعب مین منہمک ہے اور عقل سے بے بہرہ ہے وہ اسکے حدوث کو نہین جان سکتی نیز مچھر کہان جان سکتا ہی کہ یہ باغ کب سے ہے کیونکہ اول تو اوسکو عقل نہین پھر عمر بھی زیادہ نہین بلکہ صرف اتنی ہے کہ بہار مین پیدا ہوا اور خزان مین مرگیا۔ پھر اوسکے پاس کونسا ذریعہ ہے جس سے وہ اس کی ابتدا کو جانے پس لا محالہ وہ اوس کو قدیم سمجھے گا۔ اور سنو ایک نحیف کیڑا جو لکڑی ہی کے اندر پیدا ہوتا ہے اور عقل رکھتا نہین وہ اس لکڑی کے زمانۂ نونہالی اور ابتدائے عہد سے کیا واقف ہو سکتا ہے۔ لیکن اگر بالفرض وہ جان لے تو گو وہ صورۃً کیڑا اور غیر ذوی العقول مین سے ہو

اگر ماہیت اسکی عقل ہو گی اور حقیقۃً وہ ذوی العقول مین سے ہوگا تم کو استبعاد نہ ہونا چاہیے کہ کیڑے کی ماہیت عقل کیونکر ہو سکتی ہے اور وہ ذوی العقول مین سے کیسے ہو سکتا ہے اس لیئے کہ عقل کی ذاتی تو کوئی صورت بھی نہین بلکہ اپنی حد ذات مین وہ پری کیطرح بے رنگ اور بے صورت ہے بلکہ پری کی اوس کے سامنے کچھ بھی حقیقت نہین وہ تو اپنے تجرد کے سبب فرشتون پر بھی تفوق رکھتی ہے مگر باانیہمہ وہ الوان مختلفہ وصور متخالفہ سے متعلق ہو کر ان سے رونما ہو سکتی ہے اس مین کسی خاص رنگ اور مخصوص صورت کی تخصیص نہین پھر استبعاد کی کون وجہ ہے اسپر دہری کہہ سکتا تھا کہ مین بھی تو ذوی العقول مین سے ہون - اور عقل رکھتا ہون - پھر مین حدوث عالم سے کیون نہین واقف ہو سکتا - اسکا جواب یون دیتے ہین کہ بیشک تو ذوی العقول مین سے ہے لیکن تو مگس پرپست ہمت اور منہمک فی الشہوات واللذات ہے اور تیری دوڑ لذات وشہوات ہی تک ہے اسلیئے حقائق ومعارف تک تیری رسائی نہین ہو سکتی - تیری عقل ضرور بلندی کیطرف مائل اور اقتناص حقائق ومعارف کی طالب ہے مگر تیرا مرغ تقلید پستی ہی سے غذا حاصل کرتا ہے یعنی اتباع نفس تجھے لذات وشہوات مین مبتلا رکھتا ہے اس لئے عقل کو بلند پروازی حاصل نہین ہو سکتی اور اقتناص حقائق سے محروم رہتی ہے - کسقدر غلطی ہے کہ علم تقلیدی باوجودیکہ حقیقت مین وبال جان اور عارضی ہے مگر لوگ سمجھتے ہین کہ یہی علم اصلی اور حقیقی ہے اور اس کو مثل اپنی ملک کے سمجھ کر اوسی پر مطمئن بیٹھے ہین ایسی عقل ناقص سے تو جاہل ہونا ہی بہتر ہے اور ایسی عقلمندی سے تو دیوانہ بننا ہی بہتر ہے پس جس چیز کو تو اپنی اس عقل کے ذریعہ سے مفید سمجھے اس سے بھاگ اور جو تجھے زہر معلوم ہو اُسے پی لے اور جو آبحیات معلوم ہو اُسے پھینکدے اور جو تیری تعریف کرے تو بجائے خوش ہونے کے تو اُسے برا بھلا کہہ - غرض یہ منافع تو انہین کو دیدے جو اس کے طالب ہون تو تو بیخوفی کو چھوڑ کر خوف کی جگہ رہ عزت وآبرو چھوڑ کر ذلت اختیار کر غرض جو فتوے تجھے عقل ناقص دے اوسکے خلاف کر مین نے تو اس نام کی دوراندیش عقل کو بہت کچھ آزمایا لیکن ہمیشہ نقصان ہی اُٹھایا - ابتو مین دیوانہ بنتا ہون اور اس عقل کو چھوڑتا ہون - اور وہی کہتا ہون جو دلقک نے کہا تھا جسکی تفصیل یہ ہے کہ ایک رات دلقک سے اوس کے آقا نے کہا کہ ارے تو نے نکاح کرنے مین بہت عجلت کی کہ رنڈی سے کر لیا - مجھسے کہنا چاہیئے تھا تاکہ مین کسی پردہ نشین سے تیری شادی کرا دیتا - اُسنے کہا جناب والا نو پردہ نشین اور پاکدامن عورتون سے شادی کر چکا ہون لیکن سب رنڈیان ہو گئین اور مین رنج مین گُھلگیا اب مین نے جان بوجھکر چاہا کہ رنڈی سے شادی کرون دیکھون اس کا کیا حشر ہوتا ہے - پس یونہی مین بھی کہتا ہون کہ مین عقل کو تو بہت کچھ آزما چکا اب تو جنون کا کھیت تلاش کرتا ہون اور بہلول کیطرح اپنے کو دیوانہ بناتا ہون - آگے بہلول کا قصہ بیان فرماتے ہین جس کی دیوانگی کا فائدہ ظاہر ہوگا -

شرح شبیری آدمی الخ - یعنی آدمی تو جانتا ہے کہ گھر حادث ہے نہ کہ مکڑی جو کہ اوس مین کمیل رہی ہے مطلب یہ ہے کہ انبیاء کی مثال تو آدمی جیسی ہے اور ہم مکڑی کیطرح ہین تو جسطرح مکڑی جالا لگاتی ہے تو وہ مکان اوسکی پیدائش سے پہلے ہی کا ہوتا ہے اور اوسی مین اوس کا خاتمہ

ہوجاتا ہے تو وہ تو اوس مکان کو ازلی ابدی ہی خیال کرتی ہے۔ برخلاف آدمی کے کہ وہ اگرچہ کسی مکان مین پیدا ہوا ہو اور وہ اوس سے پہلے کا بنا ہوا ہو اور اوس کے مرنے کے بعد تک باقی رہا ہو مگر وہ اوسکی حقیقت کو جانتا ہے اور کہتا ہے کہ مکان کی کبھی ابتدا رہوئی ہے اور یہ حادث ہے اسی طرح عوام خلق تو اسی آسمان کو دیکھکر متحیر ہوتے ہین اور جب اس کی ابتدا اور انتہا کو اپنے سے پہلے اور بعد تک دیکھتے ہین تو اوسکی ازلیت کے قائل ہوجاتے ہین لہٰذا انبیاء علیہم السلام چونکہ حقیقت سے واقف تھے اس لئے اون کو اس سے دہوکا نہین ہوا بلکہ اونھون نے اس کی حقیقت کو ظاہر کردیا سبحان اللہ کیا خوب مثال ہے آگے ایک اور مثال ہے کہ۔

پشہ کے داند الخ۔ مچھر کیا جانے کہ یہ باغ سے کب ہے کہ وہ بہار مین تو پیدا ہوا ہے اور ماہ خزان مین اوسکی موت ہے لہٰذا اوسکو باغ کی ابتدا انتہا کی کیا خبر۔ ہان جسنے لگایا ہے یا جو کہ اوسکی حقیقت سے واقف ہے وہ جانتا ہے کہ ہذا حادث آگے ایک اور مثال ہے کہ۔

کرم کاندر الخ۔ یعنی جو کیڑا کہ لکڑی مین بالکل ضعیف اور سُست حال پیدا ہوا ہے اوسکو لکڑی کے تازگی کے وقت کی کیا خبر ہوسکتی ہے وہ تو اوسکو ہمیشہ سے اور آیندہ ہمیشہ رہنے والی سمجھیگا یہان یہ شبہ ہوتا تھا کہ عوام اور اولیاء اللہ بھی تو آخر حقایق و معارف سے آگاہ ہوہی گئے ہین اور اوپر معلوم ہوا ہے کہ عوام کو یہ علوم میسر ہوہی نہین سکتے اسکا جواب فرماتے ہین کہ۔

در بدا اندکرم الخ۔ یعنی اور اگر کیڑا اوس لکڑی کی ماہیت کو جان لے تو وہ تو عقل مجسّم ہوگا اور کیڑا صرف صورت ہوگی اسی طرح جو لوگ کہ ان علوم و معارف سے واقف ہوگئے ہین وہ اب عوام ہی نہ رہے بلکہ اب تو وہ خواص ہوگئے وہ ہمارے اس کہنے سے ہی خارج ہین اور فرماتے ہین۔

عقل خود را الخ۔ یعنی عقل اپنے کو قسم قسم کے رنگون مین دکہاتی ہی اور جن کی طرح اوس سے فرسنگون دور ہے مطلب یہ کہ الوان عقل مختلف ہوتے ہین اوس پشہ مین بھی اگر عقل ہے اور وہ عقیل ہوگیا ہی تو اوس سے شبہ نہ کروا سلئے کہ عقل تو عالم مجردات سے ہے اور وہ تو ایسی شے ہے کہ جنات جیسے لطیف الجسم بھی اوسکا ادراک بالکلیہ نہین کرسکتے تو بھلا انسان تو کیا شے ہے آگے اس سے ترقی کرکے فرماتے ہین۔ کہ

از ملک بالاست الخ۔ یعنی وہ تو فرشتہ سے بھی بالا ہے چہ جائے کہ جن اور تو کہ مکھی کے پر کیطرح ہے تو تو پستی مین اڑ رہا ہی مطلب یہ کہ اوس عقل کا ادراک تو فرشتون سے جو کہ جنات سے بھی لطیف ہین نہ ہوسکا اسلئے کہ آخر وہ بھی تو مادی ہین اور عقل مجرد ہے ہی اور یقیناً مجردات مادیات سے اعلےٰ ہوتے ہین لہٰذا معلوم ہوا کہ عقل کی حقیقت کو دریافت کرنا عوام کی طاقت مین نہین ہی آگے فرماتے ہین کہ۔

گرچہ عقلت الخ۔ یعنی اگرچہ تیری عقل عالم بالا کیطرف اُڑ رہی ہی مگر مرغ تقلید تیرا پستی مین چر رہا ہی مطلب یہ کہ اگرچہ تیری عقل کا مقتضا تو یہ ہے کہ تو عالم بالا کیطرف جاوے اور عالم غیب سے تعلق پیدا کرے مگر تیرے اندر جو مقتضیات انسانی ہین وہ تجھے کب چھوڑتے ہین وہ تو ہمیشہ تجھے پستی ہی کیطرف مائل رکھتے ہین۔ اور اس نفس شیطانی کی تقلید وہ تقلید ہے کہ تجھے برباد کردیگی۔

علم تقلیدی الخ - یعنی علم تقلیدی ہماری جانکا وبال ہے اور وہ عاریت ہے اور ہم بیٹھے ہوئے ہین کہ وہ ہمارا ہے حالانکہ یہ ہماری کسقدر سخت غلطی ہے جو کچھ ہے وہ خدا کا ہے۔

زین خرد الخ - یعنی ایسی عقل سے تو جاہل رہنا چاہیے اور دیوانگی کو اختیار کرنا چاہیئے۔ مطلب یہ کہ اس عقل سے تو بہتر ہے کہ یہ عقل نہو بلکہ اسکی ضد جو ہے وہ حاصل ہو جاوے اگرچہ بادی النظر مین وہ دیوانگی ہی ہو

ہرچہ بینی الخ - یعنی جس چیز مین کہ اپنا نفع سمجھو اوس سے بھاگو اور زہر پی لو اور آب حیوان کو گرادو۔ مطلب یہ ہے کہ جو چیز کہ ظاہر مین تمکو نافع معلوم ہو رہی ہے مثل روپیہ پیسہ وغیرہ کے اوسکو تو چھوڑ دو اور اوس سے الگ رہو اور ظاہری تکالیف کو برداشت کرلو اور یہان کی راحت و آرام کو الگ کرو کہ یہ بہت ہی موذی ہین اور خدا سے دور کرنے والی اشیا رہین۔

ہر کہ بستاید الخ - یعنی جو کوئی کہ تیری تعریف کرے تو اوس کو گالی دے اور پونجی اور نفع مفلس کو قرض دیدے مطلب یہ کہ ان دُنیا دار ونکی تعریف سے مغرور مت ہو اور اوس کا اعتبار مت کرو اور اس ظاہری روپیہ پیسے کے نفع اور اصل سرمایہ کو سبکو ان علوم و معارف کے مفلس کو دیدو کہ جن کو یہ تو میسر ہے نہین خیر یہی سہی مگر تمکو اسکی کیا ضرورت ہے تمکو تو طلب حق ہونی چاہیے (خطاب بہ سالک ہی)۔

ایمنی بگذار الخ - یعنی (ظاہری) بیخوفی کو چھوڑ دو اور خوف کیجگہ رہو اور ننگ و ناموس سے الگ ہو جاؤ۔ اور بالکل رسوا ہو جاؤ مطلب یہ کہ اس دنیا کی عزت و حرمت سے قطع تعلق کرو اور یہان کے خوف اور بیخوفی سب سے گذر جاؤ اور بس اوس طرف لگجاؤ اگرچہ وہ اسطرف سے کچھ خلاف ہی ہو اور اوس مین تکالیف ہی ہون مگر اوسکی پرواہ مت کرو۔ آگے فرماتے ہین کہ۔

آزمودم الخ - یعنی مین نے اس عقل دور اندیش کو آزمالیا ہے اور اسکے بعد اپنے کو دیوانہ بنایا ہے مطلب یہ کہ اس عقل انسانی کی آزمایش کر چکا ہون مگر اسکو بالکل فضول اور بے سود اور باعد عن الحق پایا تو اب اسکو ترک کرکے اس عقل کی طرف سے دیوانہ ہو گیا ہون اگرچہ اصل مین وہی عقل ہے آگے اس آزمایش پر ایک مثال لاتے ہین کہ ایک ڈوم نے ایک کسبی سے نکاح کر لیا تو ایک سردار نے اوس سے کہا کہ تو نے ہم سے نہ کہا کہ ہم تیرا نکاح کسی پارسا عورت سے کردیتے تو اوسنے کہا کہ حضور تو نکاح ایسی عورتون سے کئے مگر آخر کار سب بدکار ہو گئین اور تجربہ سے سب فاحشہ ثابت ہوئین تو اب مین نے فاحشہ سے نکاح کیا ہے کہ دیکھئے یہ کیسی نکلتی ہے اسپر مولانا فرماتے ہین کہ ہم اس عقل کو آزما چکے ہین یہ تو بیکار ثابت ہوئی۔ اب دیوانگی کو اختیار کیا ہے دیکھئے اس کا کیا نتیجہ نکلتا ہے اب اشعار سمجھو کہ فرماتے ہین کہ۔

ایک ڈوم کا اپنے آقا سے ایک فاحشہ سے نکاح کر لینے کی نسبت عذر کرنا

گفت بادلقک الخ - یعنی ڈوم سے ایک رات کو آقا رنا مدار نے کہا کہ تو نے کسبی سے جلدی ہی نکاح کر لیا

با من این الخ - یعنی مجھ سے تجھے کہنا چاہیئے تھا تاکہ مین کسی پردہ نشین کو تیری بیوی بنا دیتا۔

گفت نہ مستورہ الخ ۔ یعنی اوس نے کہا کہ تو پردہ نشین نیک سے نکاح کیا مین نے وہ ساری فاحشہ ہو گئین اور مین غم سے گھلا کرتا تھا ۔

خواستم این الخ ۔ یعنی اب مین نے اس فاحشہ سے باوجود جاننے کے نکاح کیا ہے تاکہ دیکھون کہ اسکا انجام کیا ہوتا ہے آگے مولانا فرماتے ہین کہ ۔

عقل را ہم الخ ۔ یعنی مین نے عقل کو بھی بہت آزمایا ہے اوسکے بعد مین نے جنون کو جائے پناہ ڈھونڈھا ہے آگے مولانا حضرت بہلول کی حکایت لاتے ہین کہ جس طرح اصل مین تو وہ عاقل تھے مگر اونھون نے اپنے کو دیوانہ بنا رکھا تھا اسی طرح ہم بھی کہتے ہین کہ اس دیوانگی کو حاصل کرنا چاہیے نہ کہ یہ مطلب ہے کہ مجنون ہی بنجاؤ اور کوئی دوا ایسی کھالو کہ اس سے جنون ہو جاوے نہین بلکہ جنون اصطلاحی ہونا چاہیے کہ ظاہر مین مجنون ہی ہون اور نفس الواقع تو ایسے عاقل ہونگے کہ ہفت اقلیم کے بادشاہ کو بھی وہ عقل اور فہم نہو گا جو ایسے دیوانون کو ہوتا ہے جیسا کہ خود حضرت بہلول کی حکایت سے معلوم ہوتا ہی ۔

شرح حبیبی

بہ حیلت در سخن آوردن سائل شیخ بہلول را کہ خود را دیوانہ ساختہ بود

آن یکی می گفت خواہم عاقلے ۔ مشورت آرم بدو در مشکلے

آن یکے گفتش کہ اندر شہر ما ۔ نیست عاقل جز کہ آن مجنون نما

بر نئے گشتہ سوارہ نک فلان ۔ می دواند در میان کودکان

گوئے می بازد بروزان وشبان ۔ در جہان گنج نہان جان جہان

صاحب رائیست وآتش پارہ ۔ آسمان قدرست واختر پارہ

فر او کروبیان را جان شدہ است ۔ او درین دیوانگی پنہان شدہ است

لیک ہر دیوانہ را جان نشمری ۔ سر مشو گوسالہ را چون سامری

چون ولیئے آشکارا با تو گفت ۔ صد ہزاران غیب واسرار نہفت

مر ترا آن فہم وآن دانش نبود ۔ وانداشتی تو سرگین راز عود

از جنون خود را ولے چون پردہ ساخت ۔ مر ورا اے کور کے خواہی شناخت

گر ترا باز ست آن دیدہ یقین ۔ زیر ہر سنگے یکے سرہنگ بین

پیش آن چشمے کہ باز و رہبر است ۔ ہر گلیمے را کلیمے در بر ست

مر ولی را ہم ولی شہرہ کند ۔ ہر کرا او خواست با بہرہ کند

کس نداند از خرد او را شناخت ۔ خاصہ او مر خویش را دیوانہ ساخت

چون بدزدد دزد بینا رخت کور ۔ ہیچ یابد دزد را! اعمی بزور

گرچہ خود بر وے زند دزد عنود	کور نشناسد کہ دزد او کہ بود
کے شناسد آن سگ درندہ را	چون گزد سگ کور صاحب ژندہ را

ایک شخص کہہ رہا تھا کہ مجھے ایک عاقل کی ضرورت ہے جس سے مین ایک اہم کام مین مشورہ کرون کسی نے کہا کہ بہت سے شہرون مین اس مجنون تا عاقل سے زیادہ کوئی عاقل نہین ہی جو کہ بانس پر سوار ہو کر لڑکون مین دوڑتا پھرتا ہے۔ اور رات دن گیند کھیلتا ہے بہلول اوسکا نام ہے عالم مین چھپا ہوا خزانہ ہے اور عالم کی جان ہے یہ شخص صاحب رائے اور آتش کا پرکالا ہے آسمانکی مانند رفیع المنزلت اور گویا کہ ستارہ پر سوار ہے۔ وہ اپنی شوکت سے فرشتون کا محبوب ہے لیکن وہ اس دیوانگی مین پوشیدہ ہو گیا ہے۔ مگر یہان تمکو اتنا سمجھ لینا چاہیے کہ بہلول کی حالت کو دیکھکر ہر دیوانہ کو ولی نہ سمجھ بیٹھنا اور سامری کیطرح ہر گوسالہ کے سامنے سر نہ جھکا دینا۔ یعنی عوام کے معتقد نہ ہونا خیر یہ تو جملہ معترضہ تھا اب ہم اصل مضمون کی طرف عود کرتے ہین اہل اللہ کے اپنے کو دیوانہ بنانے کی وجہ یہ ہے کہ جب کوئی ولی صاف طور پر تم سے عالم کی ہزارون باتین اور مخفی اسرار بیان کر دیتا ہے تو تم سمجھتے نہین ہو اور گوبر اور عود یعنی حق و باطل مین امتیاز نہین کرتے اور اس بیچارہ کو بدنام کرتے ہو پس وہ ولی بیچارہ اپنے لئے جنون کو مثل پردہ کے بنالیتا ہے اور اے کور باطن محجوب تو اوسکو پہچان نہین سکتا۔ اگر تیری چشم بصیرت کھلی ہوئی ہو تو یقین جان تجھے ہر پتھر کے نیچے بکثرت یہ سردار یعنی ولی اللہ ملین گے اور جو چشم باطن کہ کھلی ہوئی اور راہ نما ہو اوسکو معلوم ہو گا کہ ہر کمبل اپنے اندر ایک کلیم یعنی مقرب حق سبحانہ کو لئے ہوئے ہے یعنی اُسے بکثرت اولیاء اللہ ملین گے۔ ولی اپنے کو خود ہی ظاہر کر سکتا ہے اور جسکو چاہے اپنے فیض سے بہرہ ور کر سکتا ہے لیکن کوئی شخص اپنی عقل سے گو کتنا ہی عاقل ہو اوسکو نہین پہچان سکتا۔ بالخصوص اسوقت جبکہ اُسنے اپنے کو دیوانہ بھی بنالیا ہو۔ مثلاً اگر کوئی آنکھون والا چور ایک اندھے کا مال چرا لے تو اندھا اپنی قوت سے چور کو ہرگز نہین پکڑ سکتا اگر وہ اوسکی بغل مین بھی بیٹھ جاوے تب وہ نہین معلوم کر سکتا۔ کہ اوسکا چور کون ہے نیز اگر کوئی کتا کسی اندھے گدڑی والے کے کاٹ لے تو وہ اندھا اوس کاٹنے والے کتے کو نہین پہچان سکتا کتے کے اندھے کے کاٹنے کے ذکر پر مولانا کو ایک واقعہ یاد آگیا اوسکو ذکر کرتے ہین اور اس سے عمدہ نتائج استخراج کرین گے۔

شرح شبلیسری

ایک سائل کا حضرت بہلول کو جو کہ مجنون بنے ہوئے تھے ایک بہانہ سے باتون مین لگانا

آن یکے الخ۔ یعنی ایک شخص کہہ رہا تھا کہ مجھے ایک عاقل کی ضرورت ہی کہ مین اوس سے ایک مشکل (باطنی) مین مشورہ لون۔ مطلب یہ کہ کسی سالک کو کوئی مشکل باطنی پیش آگئی تھی تو وہ پوچھتا پھرتا تھا کہ یہان کوئی ایسے

شخص بھی ہین جو تعلیم تلقین کرتے ہون۔
آن یکے الخ۔ یعنی اوس سے ایک شخص نے کہا کہ ہمارے شہر مین بجز اوس مجنون نما کے اور کوئی عاقل نہین ہے۔
برنشستہ گشتہ الخ یعنی وہ فلان شخص ایک بانس پر سوار ہوکر لڑکون کے درمیان دوڑ رہا ہے۔
گوسے می بازد الخ۔ یعنی رات دن گیند کھیلتے ہین اور جہان مین ایک پوشیدہ خزانہ ہین اور جان جہان ہین
صاحب رائے الخ۔ یعنی صاحب رائے ہین اور آتش کا پرکالہ ہین اور آسمان جیسے قدر والے ہین اور ستارہ دم
سوار ہین۔ مطلب یہ کہ بہت بلند قدر اور بلند مرتبہ بزرگ ہین۔
فر او کروبیان الخ یعنی انکا دبدبہ کروبیون کے لئے جان ہوگیا ہے اور وہ اس دیوانگی مین پوشیدہ ہو رہے
ہین۔ مطلب یہ کہ ویسے تو وہ اتنے بڑے بزرگ ہین کہ کروبی جو کہ فرشتے ہین مقرب حق تعالی کے انکی ہی جان ہین
مگر مجنون بنکر اپنے کو چھپا رکھا ہے آگے مولانا فرماتے ہین۔
لیک ہر دیوانہ الخ۔ یعنی لیکن ہر دیوانہ کو جان مت شمار کرنا اور سامری کی طرح بچھڑے کے آگے سر مت رکھنا مطلب
یہ ہے کہ یہ سنکر کہ حضرت بہلول مجنون تھے ہر مجنون کو بزرگ مت سمجھنا اسلئے کہ بعض مرتبہ بزرگ تو مجنون بنجاتے ہین مگر
مجنون بزرگ نہین ہوا کرتے یاد رکھو۔
چون ولیئے الخ۔ یعنی جب کسی ولی نے ظاہر طور پر تجسے لاکھون غیب اور اسرار پوشیدہ تم سے کہدئے۔
مر ترا آن الخ۔ یعنی تجھے اوسکے لائق فہم اور عقل نہتی تو تو نے عود کو اور گوبر کو متمیز نہ کیا (لہذا وہ بزرگ پوشید ہو گئے)
مطلب یہ ہے کہ جب بزرگان دین نے دیکھا کہ ہماری باتو نکے سمجھنے کی کسی مین صلاحیت نہین ہے اور لوگ بالکل کم
عقل اور کم سمجھ ہوگئے ہین تو اون حضرات نے پوشیدہ رہنے ہی کو مناسب سمجھا اسلئے کہ اگر اب بھی وہ اسرار کو ظاہر
کرتے تو ظاہر تھا کہ خلق گمراہ ہوتی اور کفر اور ارتداد پھیلتا لہذا وہ پوشیدہ ہو گئے۔
از جنون الخ۔ یعنی جنون سے اپنے کو ولی نے پردہ کی طرح بنالیا ہے تو اے اندھے تو اوسکو کب پہچانے گا۔ مطلب
یہ کہ تمہارے پاس تو چشم حقیقت بین نہین ہے اور اون حضرات نے اپنے کو پوشیدہ کر رکھا ہے پھر اب جو تم اون کو پہچانو
تو کس طرح ظاہر ہے کہ ہرگز بھی نہین پہچان سکتے۔
گر ترا الخ۔ یعنی اور اگر تمہاری چشم یقین کھلی ہوئی ہے تو ہر پتھر کے نیچے ایک پیادہ کو دیکھو۔ مطلب یہ کہ اگر تمکو
چشم حقیقت بین میسر ہے تو پھر تو ہر شخص مین تمکو قدرت حق کا مشاہدہ ہوگا خواہ وہ ظاہر مین کیسے ہی ہون۔
پیش آن الخ۔ یعنی جو آنکھ کہ کھلی ہوئی اور رہبر ہے اوسکے سامنے ہر کمبل کے اندر ایک کلیم پوشیدہ ہین مطلب یہ ہے
کہ جسکی آنکھ کھلی ہوئی ہو وہ تو ہر شئے مین تجلی جمال حق کا مشاہدہ کریگا۔
مر ولی را ہم الخ۔ یعنی ولی کو وہ ولی ہی خود مشہور کرتا ہے اور وہ جسکو چاہتا ہے بابہرہ کرتا ہے۔ مصرعہ اوسلے
مین ولی ثانی واضع مظہر موضع مضمر ہے مطلب یہ ہے۔ اگر بزرگ خود اپنے کو ظاہر کردین تب تو عوام کو معلوم ہوجاتا ہے
کہ یہ بزرگ ہین ورنہ عوام کو جو اندھے ہین کیا پتہ چل سکتا ہے۔
کس نداند الخ۔ یعنی اوس ولی کو عقل سے کوئی نہین پہچان سکتا۔ جبکہ اوس نے اپنے کو دیوانہ بنا یا ہو۔ مطلب یہ کہ
جب وہ خود پوشیدہ رہنا چاہتا ہے تو عوام اوسکو نہین پہچان سکتے آگے پھر نفس کے مکائد سے احتراز کی تعلیم کیطرف

انتقال فرماتے ہین کہ۔

چون الخ۔ یعنی جبکہ آنکھ والا چور کسی اندہے کا اسباب چرا لے تو کیا وہ اندھا زور لگا کر اوس چور کو پا سکتا ہے۔ استفہام انکاری ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اوسکو ہرگز نہین پا سکتا۔

کور نشناسد کہ الخ۔ یعنی اندھا نہین پہچان سکتا کہ اوس کا چور کون ہے اگرچہ خود وہ بدمعاش چور اوسیرا اپنے کو مارے۔ مطلب یہ کہ اگرچہ وہ چور اگر اوس اندھے ہی پر گر پڑے مگر کیا خبر کہ یہی چور ہے اسلئے کہ اوسنے تو دیکھا نہین اسی طرح عوام نے جب حقیقت کو دیکھا ہی نہین اور وہ اس سے اندھے ہین تو وہ نفس و شیطان کے مکر سے کب بچ سکتے ہین۔ آگے ایک اور مثال ہے کہ۔

چون گزد سگ الخ۔ یعنی جبکہ کوئی کتا کسی اندھے گدڑی والے کو کاٹ لے تو وہ اوس کاٹنے والے کتے کو کب پہچان سکتا ہے جیسا کہ ظاہر ہے آگے حکایت لاتے ہین کہ دیکھو ایسا واقعہ ہوا بھی ہے کہ ایک کتا ایک فقیر کے پیچھے لگ گیا تھا اور اوسے کچھ بھی خبر نہ تھی کہ یہ کیسا ہے آیا سفید ہے یا سیاہ ہے یا کیسا ہے۔

شرح حبیبی

حملہ کردن سگ بر کور گدا

یک سگے در کوئے بر کور ے گدا	حملہ می آورد چون شیر وغا
سگ کند آہنگ درویشان بخشم	درکشد مہ خاک درویشان بچشم
کور عاجز شد ز بانگ و بیم سگ	اندر آمد کور در تعظیم سگ
کاے امیر صید واے شیر شکار	دست دست تست دست از من بدار
کز ضرورت دمّ خر را آن حکیم	کرد تعظیم و لقب دادش ادیم
گفت او ہم از ضرورت آاسد	از چو من لاغر شکارت چہ رسد
گور می گیرند یارانت بدشت	کور می گیری تو در کوچہ بگشت
گور می گیرند یارانت بصید	کور میجوئی تو در کوچہ بکید

ایک گلی کے اندر ایک کتا ایک اندھے فقیر پر شیر کی طرح حملہ کر رہا تھا۔ واقعی اہل اللہ پر کتے یعنی نااہل ہی حملہ کرتے ہین اور جو چاند کی طرح روشن قلب ہین وہ تو اون کی خاک آنکھون مین بجائے سرمہ کے لگاتے ہین۔ (مجھے یہ اچھا معلوم ہوتا کہ اس کو مولانا کا تحسر قرار دیا جاوے اسوقت ترجمہ یون ہوگا۔ افسوس کتا غصے کے ساتھ درویشون پر دوڑے حالانکہ ماہتاب سا عالی مرتبت ان کی خاک پا کو بجائے سرمہ کے آنکھو مین لگاتا ہے) خیر یہ تو جملہ معترضہ تھا اب اصل مقصد سنو وہ نابینا کتے کے بھونکنے اور اوس کے خوف سے مجبور ہو گیا اور اس بیچارہ نے کتے کی تعظیم شروع کی اور یون کہا کہ اے شکاری اور شکار کے شیر تو مختار ہے اور مین تیرے قبضہ مین ہون تو مجھے چھوڑ دے کیونکہ ضرورت بڑی بلا ہے ایک حکیم نے ضرورت سے مجبور ہو کر گدھے کی دم کی تعظیم کی تھی اور اوسکو نری کہا تھا۔

یون ہی اس بیچارہ نے بھی کہا کہ اے شیر مجھ بیچارے دُبلے پتلے شکار سے تیرے کیا ہاتھ آئیگا تیرے بھائی بند تو جنگل مین گور خر پکڑتے ہین اور تو گلی مین گھومتے ہوئے اندھے کو پکڑتا ہے۔ تیرے بھائی بند تو شکار کے لیے گور خر ڈھونڈھتے ہین اور تو حیلہ سے گلی مین ایک اندھے کو ڈھونڈھتا ہے۔ یہ امر تیری ہمت عالی سے نہایت بعید ہے۔

شرح شبیری

ایک اندھے فقیر پر ایک کتے کا حملہ کرنا

یک سگے الخ۔ یعنی ایک کتا ایک گلی مین ایک اندھے فقیر پر شیر دشت کی طرح حملہ کر رہا تھا آگے مولانا فرماتے ہین سگ کند الخ۔ یعنی کتا تو فقیرون کا قصد غصہ سے کرتا ہے اور چاند فقیرون کی خاک آنکھ مین لگاتا ہے سگ سے سگ خصلت اور مہ سے مانند مہ مراد ہے۔ مطلب یہہ ہے کہ جو لوگ کہ سگ خصلت ہوتے ہین وہی اولیاء اللہ کو ستاتے ہین۔ ورنہ اچھے لوگ تو اون کی خاک پا کو آنکھون مین لگاتے ہین اتنا فرماکر آگے پھر اس اندھے فقیر کی حکایت بیان فرماتے ہین کہ۔

کور عاجز الخ یعنی اندھا اوس کتے کی آواز سے اور خوف سے عاجز ہوگیا تھ کتے کی تعظیم کرنے مین آیا۔ یعنی اوسکی تعظیم اور اسکی تعریف شروع کی اور کہنے لگا کہ۔

کاے امیر صید الخ۔ یعنی کہ اے شکار کے امیر اور اے شکار کے شیر (یعنی شکاری) غلبہ تجھی کو ہے مجھ سے ہاتھ اُٹھالے یعنی اجی شکاری صاحب آپ ہی غالب ہین میری کیا مجال ہے مگر خدا کے لیئے مجھے چھوڑ دیجیے۔

کز ضرورت الخ۔ یعنی کہ ضرورت کی وجہ سے گدھے کی دم کی اوس حکیم نے تعظیم کی اور اسکو ادیم لقب دیا۔ ادیم کہتے ہین خوشبودار چمڑہ کو حاصل یہ کہ ضرورت کیوجہ سے گدھے کو باپ بنانا پڑا۔

گفت او ہم الخ۔ یعنی اوسی نے ضرورت کی وجہ سے کہا کہ اے شیر مجھ جیسے دُبلے سے کیا شکار ہاتھ آویگا۔

گور میگیرند الخ۔ یعنی تیرے ساتھی تو جنگل مین گور خر کو پکڑتے ہین اور تو گلی مین گشت لگاتے ہوئے اندھے کو پکڑتا ہی ریکیسے بری اور شرم کی بات ہی۔

گور میجویند الخ۔ یعنی تیرے ساتھی تو شکار مین گور خر کو تلاش کرتے ہین اور تو مکر سے اندھے کو تلاش کرتا ہی ذرا تو شرما کہ کیسی بری بات ہے گور اور کور مین تجنیس خطی کی خوبی ظاہر ہی۔

شرح حبیبی

آن سگ عالم شکار گور کرد	وین سگے مایہ قصد کور کرد
علم چون آموخت سگ رست از ضلال	میکند در بیشہا صید حلال
سگ چو عالم گشت شد چالاک زحف	سگ چو عارف گشت شد صاحب کہف
سگ شناسا شد کہ میر صید کیست	اے خدا آن نور شناسندہ چیست

قصۂ بالا سے مولانا نتیجہ نکالتے ہین اور کہتے ہین کہ دیکھو جس کتے کو علم حاصل ہو گیا وہ سمجھتا ہے کہ شکار کے قابل گور خر ہے نہ
کہ اندھا اور یہ علم سے بے بہرہ کتا اندھے کو ملنا چاہتا ہے جو شکار نہین ہے یہ فرق ہے علم اور جہل مین اور علم ایسی چیز
ہے کہ جب کتے کو حاصل ہو گیا تو وہ غلطی سے رہائی پا گیا اور سمجھنے لگا کہ کیا چیز شکار کے قابل ہے اور کیا نہین لہذا
وہ جنگل مین حلال شکار کرنے لگا - اور آدمیونکو نہین پھاڑتا - پس جب کتا واقف ہو گیا تو تیز اور چالاک ہو گیا اور
جب اوسکو معرفت حاصل ہوئی تو اصحاب کہف مین شے ہو گیا - اور علم کے ذریعہ سے وہ پہچاننے لگا کہ شکاری
کون ہے اب مولانا فرماتے ہین کہ اے اللہ وہ نور کیا شے ہے جس سے کتون کو یہ تمیز حاصل ہو جاتی ہے کہ وہ مناسب
اور نامناسب مین امتیاز کرنے لگتے ہین اور اپنے آقا کو پہچاننے لگتے ہین یہ دولت تو ہمکو بھی عطا کر - مولانا نے اس
واقعہ کو بیان کر کے اس سے فضیلت علم و معرفت ثابت کی اور اخیر مین ترغیب دی کہ یہ دولت حاصل کرنے
کے قابل ہے - بڑے افسوس کی بات ہے کہ کتے تو بیجا اور بجا مین امتیاز کرین اور اپنے مالک کو پہچانین - بلکہ معرفت
الٰہی حاصل کر کے اصحاب کہف مین داخل ہو جائین اور آدمی کے اندر یہ باتین نہون - بڑے شرم کی بات ہے -
آگے اون لوگون کی غلطی کا منشا بیان فرماتے ہین جو قابل فعل اور قابل ترک اشیا مین تمیز نہین کرتے اور حق سبحانہ
کو نہین پہچانتے اور کہتے ہین -

شرح شبیری

آن سگ الخ - یعنی اوس عالم کتے نے تو گور خر کا شکار کیا اور اس بے مایہ کتے نے قصد اندھے
کا کیا - مطلب یہ کہ جو کتا سکھایا ہوا تھا وہ تو گور خر کا شکار کر رہا ہے اور چونکہ یہ کتا بے علم ہے
اسلئے اندھون کو ستاتا ہے آگے مولانا علم کی تعریف فرماتے ہین کہ دیکھو کتے نے علم سیکھا تو اوسکو بھی پہچان ہوئی
اور اپنے آقا کے کہنے پر چلنے لگا - تو انسان کو بھی چاہیے کہ علم سیکھے اور اس سے اپنے مالک حقیقی کو پہچانے
فرماتے ہین کہ -

علم چون الخ - یعنی جب علم سیکھ لیا تو کتا گمراہی سے چھوٹ گیا اور جنگلون مین حلال شکار کرنے لگا -

سگ چو عالم الخ - یعنی کتا جب عالم ہو گیا تو چست و چالاک ہو گیا اور کتا جب عارف ہو گیا تو اصحاب کہف سے
ہو گیا اسلئے کہ جب کتا اوسکو بھلے اور برے کی پہچان تھی جب ہی تو اوسنے اچھون کا اتباع کیا اس سے اوسکا مرتبہ
بلند ہو گیا - اور وہ بھی اون ہی مین سے شمار کیا گیا -

سگ شناسا شد الخ - یعنی کتا پہچاننے لگا کہ امیر شکار کون ہے (تو اسی کا اتباع کرتا ہے آگے مولانا دعا
فرماتے ہین) کہ اے خدا وہ نور پہچاننے والا کہان ہے (ہمکو بھی عطا فرما کہ ہم بھی اپنے آقا اور مالک حقیقی کو پہچانین)

شرح حبیبی

کور نشناسد نہ از بے چشمی است	بلکہ این زانست کز جہلست مست
نیست خود بے چشم تر کور از زمین	این زمین از فضل حق شد خصم بین
نور موسیٰ دید و موسیٰ را نواخت	خسف قارون کرد قارون را شناخت
رجف کرد اندر ہلاک ہر دعی	فہم کرد از حق کہ یا ارض ابلعی

خاک و باد و آب و نار با شرر — بیخبر از ما و از حق باخبر
ما بعکس آن ز غیر حق خبیر — بیخبر از حق ما چندین نذیر
لاجرم اشفقن منہا جملہ شان — کند شد ز آمیز حیوان جملہ شان
گفت بیزاریم جملہ زین حیات — کو بود با خلق حی با حق موات
چون بماند از خلق گردد او یتیم — انس حق را قلب می باید سلیم

اندہے کے نہ پہچاننے کی یہ وجہ نہین کہ وہ آنکھون سے اندھا ہے بلکہ یہ ہے کہ وہ اعمی القلب ہے کیونکہ اگر وہ آنکھو نکا اندھا ہے تو زمین سے زیادہ تو اندھا نہین لیکن زمین بفضلہ تعالے اپنے دوست و دشمن سے واقف ہے - دیکھو موسے علیہ السلام کا نور اسنے دیکھا ان کی وقعت کی اون کے حکم کو مانا - پس اگر وہ جانتی نہوتی تو اون کا حکم کیونکر مانتی اور قارون کو دھنسا لیا لہذا اوسکو پہچاننا بھی ثابت ہوا ہر شریر کو زلزلہ سے ہلاک کیا اور حق سبحانہ کے حکم یا ارض ابلعی ماءک کو سمجھا - پس اوسنے دوست اور دشمن مین بھی تمیز کی اور اپنے مالک کو بھی جانا - اوسکی اطاعت بھی کی باوجودیکہ اسکی متعارف آنکھین نہین تو معلوم ہوا کہ اندہے کے پہچاننے کی وجہ ظاہری آنکھون کا نہونا نہین - بلکہ بصیرت کا نہونا ہے - افسوس مٹی ہوا پانی آگ سب کے سب مخلوق سے غافل اور خدا سے خبر ہین - لیکن برخلاف ان کے ہماری یہ حالت ہے کہ غیر حق سے تو باخبر ہین اور باوجودیکہ اتنے انبیا علیہم السلام متنبہ کر چکے ہین مگر حق سے ہم پھر بھی بیخبر ہین چونکہ یہ حیوانیت کا اثر ہے اسی لئے جسوقت امانت سپرد کرنیکے لئے ان کی مرضی دریافت کی گئی تو وہ اوسکے قبول کرنے سے ڈر گئین اور حیوانیت جسکی قبول کی امانت کے بعد ضرورت ہوتی اسکے اختلاط کے خیال سے اون کی ہمت ٹوٹ گئی - اور صاف کہدیا کہ ہمکو اس حیات کی ضرورت نہین جس سے مخلوق کے ساتھ تو ہم زندہ ہون اور خالق کے ساتھ مردہ - یعنی مخلوق سے باخبر اور خالق سے بیخبر - اور جسکے سبب ہمکو مخلوق مین اتنا انہماک ہو کہ جب مخلوق سے علیحدہ ہو جاوین تو ایسے ہو جاتین گہ گویا ہم ایک بیکس یتیم ہین - حیوانیت کے ساتھ رہکر ہمارے لئے حق کے ساتھ تعلق رکھنا نہایت دشوار ہے کیونکہ اسکے لئے قلب سلیم کی ضرورت ہے اور نیت کے ساتھ سلامت قلب دشوار ہے لہذا ہمکو معذور رکھا جاوے -

شرح شبیری کور نشناسد الخ - یعنی اندھا جو پہچانتا نہین تو یہ آنکھ نہونیکی وجہ سے نہین ہے بلکہ یہ اس وجہ سے ہے کہ وہ جہل کیوجہ سے مست ہو رہا ہے اسلئے حقایق اوس سے پوشیدہ ہین -

نیست خود بے الخ - یعنی زمین سے زیادہ بے آنکھون والا اندھا کوئی نہین ہے مگر یہ زمین بھی فضل حق سے دشمن کو دیکھنے والی ہے یعنی اسکو بھی دشمن اور دوست کی شناخت ہے آگے اس شناخت کی ایک فرد کو بیان فرماتے ہین کہ

نور موسیٰ الخ - یعنی اس زمین نے موسے علیہ السلام کا نور دیکھا اور اون کی عزت کی اور قارون کو خسف کیا اور اوسکو پہچانا مطلب یہ کہ دیکھو جب زمین کو حضرت موسے علیہ السلام نے قارون کی بابت حکم خذیہ دیا ہے تو اوس نے پہچانا کہ یہ حکم ایک نبی کا ہے اسلئے اوسکو مان لیا اور بجا لائی اور چونکہ قارون کو جانتی تھی کہ یہ نافرمان ہے اسلئے اوسکو اپنے اندر دھنسا لیا تو دیکھو زمین کہ جو بالکل ہی اندھی بے چشم ہے اوسکو بھی ادراک و شعور ہے معلوم ہوا کہ حقایق اور علوم کا مدرک ہونا ان چشم ظاہری ہی پر موقوف نہین ہے بلکہ بے انکے بھی اون کا ادراک ہوسکتا ہے - ہان اگر علم نہین اور

شعور نہیں ہے تب بیشک نہیں ہو سکتا اور بعض لوگ قائل ہوئے ہین کہ یہ خسف قارون زمین سے بسبب حلم موسے علیہ السلام کے اضطرارًا سرزد ہوگیا اوسکے شعور کو اس مین دخل نہ تھا مگر محققین کا یہی مسلک ہے کہ اوسنے اپنے شعور سے اوسکو اپنے اندر لے لیا اور اسمین کوئی استحالہ نہیں ہے۔

رجعت کرد الخ۔ یعنی ہر حرامزادہ کے ہلاک کرنے مین متزلزل ہوئی اور حق تعالیٰ سے یا ارض ابلعی کو سمجھا۔ مطلب یہ کہ جسوقت بعد طوفان کے حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ یا ارض ابلعی ماءک تو اوسکو سنکر اوسنے تعمیل ارشاد کی آخر یہ بھی علم اور شعور ہی کی بدولت تھا اور فرماتے ہین کہ۔

خاک و باد الخ۔ یعنی خاک اور ہوا اور پانی اور آگ شعلوں والی ہمسے تو بیخبر ہے اور حق تعالیٰ سے باخبر ہے مطلب یہ کہ خاک و باد و آتش وغیرہ ہماری نسبت تو بے شک بے شعور اور بے حس ہین مگر حق تعالیٰ کے احکام کے سامنے سب باخبر ہین اور سبکو شعور بھی ہی اور علم بھی ہی۔

بالعکس الخ۔ یعنی ہم بالعکس ان کے غیر حق سے تو خبردار ہین اور حق تعالےٰ سے باوجود اتنی نذیرون کے بے خبر ہین مطلب یہ ہے کہ سخت افسوس اور حسرت کی بات ہے کہ زمین و آسمان جو کہ جمادات محضہ ہین وہ تو حق تعالیٰ کی عظمت وجلال سے باخبر ہون اور ہم جو کہ عاقل کہلاتے ہین اُس سے مطلقًا بے خبر ہون افسوس صد افسوس۔

لاجرم الخ یعنی آخر کار وہ ساری اوس سے ڈر گئین اور حیوان کی آمیزش سے اونکا حملہ کند ہوگیا۔ قرآن شریف مین ہے انا عرضنا الامانة علی السموات والارض والجبال فابین ان یحملنها واشفقن منها وحملها الانسان انه کان ظلوما جهولا تو مطلب یہ ہے کہ چونکہ زمین و آسمان کو ادراک عظمت باریتعالے کا تھا اسلئے اس امانت کے اوٹھانے سے سب ڈر گئے اور اگرچہ حضرت انسان بھی اسی زمین ہی سے بنے ہین مگر اونکے اندر یہ جہل اور عدم شعور آمیزش حیوانیت کیوجہ سے آگیا ورنہ اصل یہی تھا کہ اسمین بھی شعور اور ادراک تھا۔

گفت بیزاریم الخ۔ یعنی سب نے کہا کہ ہم ایسی حیات سے بیزار ہین کہ مخلوق کے ساتھ تو زندہ ہون اور حق تعالیٰ سے مردہ یعنی مخلوق کی عظمت و جلال تو پیش نظر ہے اور حق تعالیٰ سے غافل ہو جاوین ایسی حیات کو سلام ہی اور اگر اونکے اندر یہ حیات حیوانی ہوتی تو اونکی بھی یہی حالت ہوتی اسلئے یہ حیات تو ابتلا اور آزمایش کے لیئے ہے لہذا اون سب نے اس سے پناہ مانگی اور اپنی اوسی حالتمین رہنے کو پسند کیا یہ علم ہی کی برکت ہی۔

چون الخ۔ یعنی جبکہ وہ خلق سے مشابہ ہوگیا تو وہ یتیم رہگیا حق تعالیٰ کے انس کے لیئے قلب سلیم کی ضرورت ہی اور اگر قلب سلیم نہین ہی تو حق تعالیٰ سے مناسبت اور تعلق کب پیدا ہو سکتا ہی آگے پھر اوپر کے مضمون کی طرف رجوع ہے اوپر فرمایا تھا کہ ۵ چون بدزد و دزد بلنیار خت کور۔ الخ یعنی جب کوئی ہوشیار چور کسی اندھے کا مال لیجاوے تو اوسکو خبر نہین ہو سکتی۔ اسی طرح جبکہ نفس جہلا رکا مال ومتاع باطنی چھین لے تو اون کو بھی بوجہ ناواقفی کے حقیقت سے خبر نہین ہو سکتی۔ آگے اوسکی طرف انتقال ہے فرماتے ہین کہ۔

شرح حبیبی

چون زکورے دزد دزد د کالۂ	می کند آن کور عمیا نالۂ

تا نگوید دزد اورا کان منم	کز تو دزدیدم کہ دزد پر فنم
کے شناسد کور دزد خویش را	چون ندارد نور چشم و آن ضیا
چون بگوید ہم بگیر اورا تو سخت	تا بگوید او علامتہائے رخت
پس جہاد اکبر آمد عصر دزد	تا بگوید کہ چہ برد آن زن بمزد
اولا دزدید کحل دیدہ ات	چون ستانی باز یابی تبصرت
کالہ حکمت کہ گم کردہ دل است	پیش اہل دل یقین آن حاصل است
کور دل با جان و با سمع و بصر	می نداند دزد شیطان را اثر
ز اہل دل جو از جماد آن را مجو	کہ جماد آید خلایق پیش او

جب کسی اندھے کا کوئی چور مال چورالیتا ہے۔ تو وہ اندھا اندھادھند نالہ و فریاد کرتا ہے۔ کہ مین لٹ گیا مجھے لوٹ لیا اور جب تک چور نہ کہدے کہ مین ہون جسنے تمھارا مال چورایا ہے کیونکہ مین بڑا چالاک چور ہون اسوقت تک اندھا اپنے چور کو نہین پہچان سکتا۔ کیونکہ وہ بینائی اور روشنی تو رکھتا ہی نہین جس سے پہچانے لہذا ایسے اندھا کو چاہیے کہ جب وہ اقرار کرلے کہ مین نے چرایا ہے تو اوسکو خوب دبائے تاکہ وہ سامانکا پورا پتہ دیدے اب تم یہ سمجھو کہ چور (شیطان و نفس) کا دبانا ہے۔ جہاد اکبر ہے تاکہ اوسکے ذریعہ سے وہ بھڑ داکہدے کہ مین فلان شے لے گیا ہون۔ خیر وہ تو جب بتائیگا تب ہی بتائیگا۔ ہمین تم کو بتائے دیتے ہین۔ اولاً اوسنے تمھاری بصیرت کا سرمہ یعنی حکمت چرائی ہے جب یہ تم اوس سے واپس لیلوگے اور حکمت حاصل کرلوگے تمکو بصیرت حاصل ہوجاویگی اب ہم یہ بھی بتلائے دیتے ہین کہ وہ کیونکر ملیگی سنو تمھارا اسباب حکمت جو چوری گیا ہے وہ تمکو اہل دل کے یہان یقیناً ملجاویگا۔ رہے وہ لوگ جو محجوب اور کور باطن ہین ان کو تو اوس چور یعنی شیطانکا پتہ بھی نہین تم اہل دل کے یہان جاکر یہ وہ سب وصول کرادین گے اور جمادات سے مت اسکے طالب ہو۔ کیونکہ وہ تو چوری کو نہین جانتے پس وہ کیا دلاسکتے ہین اور جماد سے ہماری مراد عامۂ خلائق ہین کہ یہ اہل دل کے مقابلہ مین جماد محض ہین۔

شرح شبلیری چون الخ۔ یعنی جبکہ کسی اندھے سے کوئی چور کسی اسباب کو چرالے تو وہ اندھا چوپٹ نالہ اہی کرتا ہے مطلب یہ ہے کہ اگر نفس تمھارے علوم و معارف کو تم سے علٰیحدہ کردے اور چور لیجاوے تو بسبب تمھاری حقیقت سے اندھے ہونے کے تم بجز اسکے کہ واویلا کرو اور کچھ بھی علاج نہین کرسکتے۔

تا نگوید دزد الخ۔ یعنی جب تک کہ چور خود نہ کہے کہ مین ہون کہ جسنے تجھ سے چرایا ہے اس لئے کہ مین ایک پرفن چور ہون۔

کے شناسد الخ۔ یعنی اندھا اپنے چور کو کب پہچان سکتا ہے جبکہ وہ نور چشم اور روشنی ہی نہین رکھتا لہذا اب اوسکے ملنے کی دو ہی صورتین ہین یا تو خود وہ چور کہدے یا کسی نے اوسکو چراتے ہوئے دیکھا ہو وہ بتادے غرض اگر کسی طرح سے وہ ملجاوے اور اسکا پتہ چلجاوے تو اب اوسکی تدبیر بتاتے ہین کہ۔

چون بگوید الخ۔ یعنی کہ جب وہ اپنے کو بتادے تو اوسکو خوب مضبوط پکڑلو یہان تک کہ وہ اسباب کی علامتین بتادے مطلب یہ کہ جب کبھی یہ نفس قابو مین آجاوے تو پھر اسکو چھوڑ مت اور اوسکو مجاہدہ و ریاضت سے خوب کمزور

گردو آگے خود فرماتے ہین کہ۔

پس جہاد اکبر الخ۔ یعنی پس جہاد اکبر اُس چور کا پکڑ نا ہی تاکہ وہ قرم ساق چورائے ہوئے کو بتا دے۔ مطلب یہ کہ جب کبھی وہ قابو مین آجاوے تو پس اسکو مجاہدہ و ریاضت مین لگا دو تاکہ جو کچھ علوم و معارف اسنے برباد کردیئے ہین اون کو واپس کردے تن بسزا دا سکو کہتے ہین جو کہ اپنی چوری کو مزدوری پر چلاتا ہو یعنی قرم ساق۔ اب مولانا آگے فرماتے ہین کہ وہ بعد مجاہدات و ریاضات کے ہی بتا دیگا کہ تم پہلے ہی بجلائے دیتے ہین کہ اوس نے تمھاری اشیاء ذیل چورا ہی ہین وہ یہ کہ۔

اول آ دزدید الخ۔ یعنی اول تو اوسنے تیری آنکھ کا سرمہ چورایا ہی جب تو اوس سے لے لیگا تو تجھے پھر بصیرت حاصل ہوجاویگی مطلب یہ کہ اول تو اوسنے تیرے اندر جو مادہ حقیقت شناسی کا تھا اوسکو غارت کیا ہے جب تم اوس سے اوسکو واپس لیلوگے تو پھر نور بصیرت حاصل ہوجاویگا۔

کالۂ حکمت الخ۔ یعنی حکمت کی پونجی جو کہ دل کی گم کی ہوئی ہی وہ اہل دل کے سامنے یقیناً حاصل ہی مطلب یہ کہ حدیث مین ہی کہ کلمۃ الحکمۃ ضالۃ المومن تو فرماتے ہین کہ وہ کلمہ حکمت جو کہ ضالۂ مومن ہے وہ اہل دل کے آگے ظاہر اور موجود ہوتا ہے۔

کور دل با جان الخ۔ یعنی کور دل باوجود جان کے اور کان کے اور آنکھ کے دزد شیطان کے اثر کو نہین جانتا۔ قرآن شریف مین ہی لہم اٰذان لا یسمعون بہا و لہم قلوب لا یفقہون بہا و لہم اعین لا یبصرون بہا یعنی اونکے کان ہین مگر وہ سنتے نہین اور قلوب ہین مگر سمجھتے نہین اور آنکھین ہین مگر دیکھتے نہین یہ ساری باتین اسلئے ہین کہ اونکے قلوب اندھے ہین اور یہ لوگ کور دل ہین تو اونکے علوم و معارف کو مت تلاش کرو اور مکائد شیطان کا علاج اسنے مت چاہو اسلئے کہ اونکو کچھ خبر ہی نہین ہے۔ او خویشتن گم است کرا رہبری کند یہ عوام دوسرے کو کیا سنبھالین گے پہلے خود تو سنبھل لین۔

ز اہل دل الخ۔ یعنی اوسکو اہل دل سے ڈھونڈھو اور جماد سے مت ڈھونڈھو اسلیئے کہ از خلائق تو ان حضرات کے آگے جماد ہی ہین لہذا چاہیے کہ نفس و شیطان کے مکر و نکا علاج حضرات اہل اللہ سے پوچھین اور اسپر عمل کرین کہ یہ حضرات خوب واقف ہوتے ہین اس مضمون کو یہان ختم کرکے آگے پھر اس سائل کی حکایت کی طرف رجوع ہے کہ۔

شرح حبیبی

باز میگردیم سوے راز جو	تا شود ہم مشورت با رازئے گو
مشورت جوئیدہ آمد نزد او	کاے ابا کودک شدہ راز بگو
گفت رو زین حلقہ کین در باز نیست	باز گرد امروز روز راز نیست
گر مکانرا رہ بدے در لامکان	ہمچو شیخان بودمے من بر دکان

خواندن محتسب مست را بزندان و جواب او۔

محتسب در نیم شب جائے رسید ۔ در بن دیوار مستے خفتہ دید
گفت ہے مستے چہ خوردستی بگو ۔ گفت زین خوردم کہ ہست اندر سبو
گفت آخر در سبو واگو کہ چیست ۔ گفت زانچہ خوردہ ام گفت این خفی است
گفت انچہ خوردۂ خود چیست آن ۔ گفت آنکہ در سبو مخفی ست آن
دور می شد این سوال و این جواب ۔ ماند چون خر محتسب اندر خلاب
گفت او را محتسب ہین آہ کن ۔ مست ہو ہو کرد ہنگام سخن
گفت گفتم آہ کن ہو می کنی ۔ گفت من شادم تو از غم منحنی
آہ از درد و غم بیدادی است ۔ ہوئے ہوئے میخوران از شادی ست
محتسب گفت این ندانم خیز خیز ۔ معرفت بگذار بگذر زین ستیز
گفت رو تو از کجا من از کجا ۔ گفت مستے خیز تا زندان بیا
گفت مست اے محتسب بگذار و رو ۔ از برہنہ کے توان بردن گرو
گر مرا خود قوت رفتن بدے ۔ خانۂ خود رفتمے دین کے شدے
من اگر با عقل و با امکانمے ۔ ہمچو شیخان بر سر دکانمے
گر مرا رائے و تدبیرے بدے ۔ ہمچو شیخان جاہ و توقیرے بدے
ہم مرا زنبیل و دریوزہ بدے ۔ نذر وادرار ہمہ روزہ بدے
بگذر از من زانکہ گم کردی تو راہ ۔ باز جو ریش بزرگ و خانقاہ

اچھا اب ہم پھر اُسی راز تلاش کرنے والے کی طرف لوٹتے ہین تاکہ وہ اپنے راز گو سے مستفیر ہو لے غرض مشورہ کا طالب اون کے پاس آیا اور کہا کہ اے بچہ بنجانے والے باپ آپ مجھ سے ایک راز کہدیجئے اونھون نے جواب دیا کہ بس زنجیر اور کنڈے کے ہی پاس سے لوٹ جا یہ دروازہ کھلا ہوا نہین - یعنی یہان راز و از کچھ نہین اُلٹا ہی لوٹ جا - یہ دن راز کہنے کا نہین اگر مجھ متمکن کو لا امکانی یعنی حق سبحانہ سے تعلق خاص ہوتا تو مین اور بزرگونکی طرح ایک دوکان پر بیٹھا ہوتا اور تعلیم و ہدایت مین مصروف ہوتا - میری تو وہی مثل ہے جو ایک مست کی تھی تفصیل اسکی یہ ہے کہ آدھی رات کے وقت محتسب ایک مقام پر پہونچا دیکھتا کیا ہو کہ دیوار کی جڑ مین ایک مست پڑا ہوا ہے محتسب نے کہا کہ ارے تو مست ہے بتا تو نے کیا پیا ہے اوسنے جواب دیا کہ مین نے وہی پیا ہے جو سبو مین ہے اُسنے کہا اچھا بتا سبو مین کیا ہے اُسے کہا وہی جو مین نے پیا ہے اور جو کہ تجھے معلوم نہین - اُسنے کہا کہ اچھا تو نے پیا کیا ہے اُسنے کہا جو سبو مین مخفی ہے دیر تک یہی سوال و جواب ہوتے رہے اور محتسب بیچارہ ایسا چکر مین آیا کہ جیسا گدھا دلدل مین پھنسکر رہ جاتا ہے مجبور ہو کر محتسب نے کہا کہ اب تو آہ کر اور اپنی قسمت کو رو کیونکہ اب تیری کمبختی آنے والی ہے مست نے ہو کرنا شروع کیا محتسب نے کہا مین کہتا ہون آہ کر تو ہو ہو کرتا ہے اوسنے کہا مین تو خوش ہون اس لئے ہو ہو کرتا ہون غم سے تیری ہی کمر ٹیڑھی ہے تو آہ کر اسلئے کہ آہ تو وہی کرتا ہے جسکو تکلیف ہو - رنج ہو - یا مظلوم ہو - رہے شرابخوار وہ تو خوشی سے ہو ہو کرتے ہین محتسب نے کہا کہ مین کچھ نہین جانتا چل اوٹھ معرفت کی باتین نہ بنا - اور مباحثہ چھوڑ - اوسنے کہا چل لمبا پڑ تو

کہان مین کہان مین تیری ساتھ کیون جاؤن اوسنے کہا تو مست ہے چل حوالات مین تجھے حد لگائی جاویگی۔ اوسنے کہا محتسب صاحب معاف کیجئے اور تشریف لیجائیے ننگے سے کپڑے کوئی گرو نہین رکہتا کیونکہ اوسکے پاس ہین ہی نہین (مطلب یہ ہے کہ جو کام جس سے نہو سکے اوسکی اوسکو تکلیف نہین دیجاسکتی) آپ خیال تو فرمادین کہ اگر مین چل سکتا تو اپنے گھر نہ جاتا اسحالت مین کیون ہوتا۔ پس مین بھی یون کہتا ہون کہ اگر مین عاقل اور صاحب قدرت رازگوئی ہوتا تو اس حالت مین کیون ہوتا۔ دوکان پر ہوتا۔ میرے لئے بھی یا جھولی اور گداگری ہوتی۔ جیسے بعض فقرا کے لئے حق سبحانہ کی طرف سے شریعت کا لحاظ رکہتے ہوئے یہ مجاہدہ تجویز ہوتا ہی۔ یا مجھے نذرانہ اور تحفہ تحائف ملتے۔ جیساکہ اور فقرا کو ملتے ہین۔ بہائی تمکو دہوکا ہوا تم مجھے چھوڑ دو اور کسی خانقاہ مین جاؤ اور کسی بڑی ڈاڑہی والے کو ڈھونڈھو۔

شرح شبیری

باز میگردیم الخ۔ یعنی کہ ہم پھر اُس راز جو کی طرف لوٹتے ہین تاکہ وہ رازگو کے ساتھ ہم مشورت ہو۔

مشورت الخ۔ یعنی مشورہ کا تلاش کرنے والا اون کے پاس آیا کہ ارے باوا جوکہ لڑکا بن گیا ہے ایک بات تو بتا۔

گفت رو الخ۔ یعنی اونہون نے کہا کہ چل یہان سے کہ یہ دروازہ کھلا ہوا نہین ہی اور لوٹ جا کہ آج راز بتانے کا دن نہین ہے۔

گر مکان را الخ۔ یعنی اگر مکان کو لامکان مین رستہ ہوتا تو مین بھی دوسرے شیخونکی طرح ایک دوکان پر ہوتا۔ مطلب یہ کہ اگر اس عالم ناسوت سے تعلق رکہتا ہوتا اور میرے سپرد خدمت خلق ہوتی تو مین بھی شیخ المشائخ بنا ہوا ایک دوکانکی طرح لگائے ہوئے بیٹھا ہوا ہوتا مگر میری حالت اوسکے مناسب نہین ہی لہذا تم یہان سے جاؤ آگے اسکے مناسب ایک حکایت لاتے ہین جسکا خلاصہ یہ ہی کہ ایک محتسب نے ایک مست کو دیکھا کہ وہ نشہ مین پڑا ہوا ہی تو اوسکو اوسنے جھڑک کر کہا کہ کمبخت تو نے شراب پی ہی تو جیلخانہ چل تو اوسنے کہا کہ اگر میرے اندر اتنی طاقت ہوتی کہ جیلخانہ تک جاؤن تو مین اپنے گھر ہی نہ چلا جاتا اتنی نوبت ہی کیون آتی کہ تم مجھے دیکھتے تو اسیطرح حضرت بہلول نے بھی کہدیا کہ اگر میری حالت اسکے قابل ہوتی تو مین بھی ایک دوکان لگائے ہوئے ہوتا۔ اب حکایت سنو۔

محتسب کا ایک مست کو جیلخانہ مین بلانا اور اُسکا جواب

محتسب الخ۔ یعنی آدہی رات کو محتسب ایک جگہ پہونچا تو ایک دیوار کی جڑ مین ایک مست کو سوتا ہوا دیکھا۔

گفت ہے الخ۔ یعنی محتسب نے کہا کہ ارے تو مست ہے تو نے کیا کہایا ہی بتا اوسنے کہا کہ مین نے وہ کہایا ہی جو کہ گھڑے مین ہے۔

گفت آخر الخ۔ یعنی اوس محتسب نے کہا کہ آخر گھڑے مین کیا ہی بتا تو وہ بولا کہ وہ ہی جو مین نے پیا ہی تو اوسنے کہا کہ یہ بھی گول مول بات ہے (صاف کہہ اور بتا)۔

گفت آنچہ الخ۔ یعنی اوس محتسب نے کہا کہ تو نے جو پیا ہی آخر وہ ہی کیا تو بولا کہ جو کچھ کہ گھڑے مین ہے پوشیدہ ہی۔

دور می الخ۔ یعنی اس سوال اور جواب مین دور ہو رہا تھا تو وہ محتسب گدہے کیطرح کیچڑ مین رہگیا۔ یعنی متحیر ہوا کہ آخر اس سے کسطرح دریافت کرون۔

گفت او را الخ۔ یعنی محتسب نے اوس سے کہا کہ اب افسوس کرو (کہ جیلخانہ چلنا ہوگا) تو مست لے باتون مین ہوہو

لڑنا شروع کیں۔
گفت گفتم الخ۔ یعنی محتسب نے کہا کہ میں نے کہا تھا کہ آہ کر اور تو ہو ہو کرتا ہے تو بولا کہ میں تو خوش ہون اور تو غم کی وجہ سے دُبلا اور کمزور ہو رہا ہے۔
آہ از درد الخ۔ یعنی افسوس تو درد و غم اور ظلم کیوجہ سے ہوتا ہے اور میکشون کی ہو ہو خوشی کی وجہ سے ہوتی ہے۔
محتسب گفت الخ۔ یعنی محتسب نے کہا کہ میں یہ نہیں جانتا اپ اوٹھئے بہت بزرگی مت بگھاریے اور اس لڑائی کو چھوڑیے
گفت الخ۔ یعنی وہ مست بولا کہ جا تو کہان اور مین کہان تو اوس محتسب نے کہا کہ تو مست ہے اوٹھ جیلخانہ تک آ۔
گفت مست الخ۔ یعنی مست نے کہا کہ اے محتسب چھوڑ اور جا ننگے سے تو رہن کو کب لے سکتا ہے۔ مطلب یہ کہ مجھسے تجھکیا ملے گا بھائی تو اپنا کام کر جا چلا جا۔
گر مرا خود الخ۔ یعنی اگر مجھے چلنے کی طاقت ہوتی تو مین اپنے گھر ہی نہ جاتا یہ بات ہی کا ہے کو ہوتی۔ کہ آپ تشریف لاکر مجھے دق کیتے آگے حضرت بہلول کا قول نقل فرماتے ہین کہ۔
من اگر الخ۔ یعنی اگر مین عقل اور امکان کی ساتھ ہوتا تو شیخون کیطرح کسی دکان پر ہوتا۔ مطلب یہ کہ اگر مین بھی اس کام کا ہوتا تو دوسرون کی طرح مشہور ہوتا مگر مین تو علحدہ رہتا ہون مین رائے وغیرہ دینے کے قابل نہین ہون نہ مجھے کچھ آوے۔
گر مرا رائے الخ۔ یعنی اگر میرے اندر رائے اور تدبیر ہوتی تو پیر جیون کی طرح میری بھی عزت اور توقیر ہوتی
ہم مرا الخ۔ یعنی میرے پاس بھی ایک زنبیل اور بھیک ہوتی اور نذر اور ارتمام دتونکا ہوتا۔ اہل قصص نے لکھا ہے کہ بعض بزرگون کی یہ شان ہوئی ہے کہ اونھون نے توکل کیا تو اون کو حکم دیا گیا کہ خود جا کر جھولی لیکر مانگو اور بعض نے توکل کیا تو عوام کے قلوب کو اونکی طرف مائل کر دیا کہ لوگ اونکی خدمت کرتے تھے غرضکہ فرماتے ہین کہ اگر میرے سپرد خدمت خلق ہوتی تو مین بھی یا اس طریق کو اختیار کرتا یا اوسکو جب مجھے کوئی طریقہ بھی حاصل نہین ہے لہذا معلوم ہو گیا کہ مین رائے وغیرہ دینے کے کام کا نہین ہون۔
بگذر از من الخ۔ یعنی مجھے چھوڑ اسلئے کہ تو رستہ بھول گیا ہے کسی لمبی ڈاڑھی والے کو اور خانقاہ کو تلاش کر۔ کہ وہان تجھے ایسے لوگ ملین گے جو تیری مشکل کو حل کر دین گے ورنہ مین کچھ نہین جانتا یاد رکھ۔ جب اوسنے دیکھا کہ یہ تو کسیطرح قابو مین آتے ہی نہین تو اوسنے دوبارہ دوسرے پہلو سے بات شروع کی تب سے کہ وہ کھلجاوین اوسکی بعد مطلب کی بات کہیگا آگے مولانا اسیکو فرماتے ہین کہ۔

شرح حبیبی

باردوم بہ سخن آوردن سائل آن بزرگ را تا حال باقی معلوم تر گردد

گفت آن سائل کہ آخر یک نفس	ای سوارہ بر نئے این سو بران فرس
راند سوئے او کہ ہین زو تر بگو	کاسپ من بس توسن است و تند خو

تا لگد بر تو نه کوبد زود باش ازچه میپرسی بیانش کن تو فاش

او مجال راز دل گفتن ندید زد برون شو کرد در لاغش کشید

گفت میخواهم درین کوچه زنے کیست لائق از برائے چون منے

گفت سه گونه زن اند اندر جهان آن دو رنج و این یکے گنج روان

آن یکے را چون بخواهی کل تراست وین دگر نیمے ترا نیمے جداست

وان سوم هیچ او ترا نبود بدان این شنیدی دور شو رفتم روان

تا ترا اسپم نه پراند لگد کر بیفتی بر نخیزی تا ابد

شیخ راند اندر میان کودکان بانگ زد بار دگر او را جوان

که بیا آخر بگو تفسیر این این زنان سه نوع گفتی برگزین

راند سوئے او و گفتش بکر خاص کل ترا باشد ز غم یابے خلاص

وانکه نیمے آن تو بیوه بود وانکه هیچست آن عیال با ولد

چون ز شوے اولش کودک بود مهر کل خاطرش آن سو رود

دور شو تا اسپ نندازد لگد سم اسپ توسنم بر تو رسد

ها و هوئے کرد شیخ و باز راند کودکان را باز سوئے خویش خواند

باز بانگش کرد آن سائل بیا یک سوالم ماند اے شاه کیا

باز راند این سو بگو زوتر چه بود که ز میدان آن بچه گویم ربود

گفت اے شه با چنین عقل و ادب این چه شیدست اینچه فعلست ای عجب

تو ورائے عقل کلی در بیان آفتابے در جنون چونے نهان

گفت این اوباش رائے میزنند تا درین شهر خودم قاضی کنند

دفع میگفتم مرا گفتند نے نیست چون تو عالمے صاحب فنے

با وجود تو حرام است و خبیث که کم از تو در قضا گوید حدیث

در شریعت نیست دستوری که ما کمتر از تو شه کنیم و پیشوا

زین ضرورت گیج و دیوانه شدم زین گروه از عجز بیگانه شدم

ظاهرا شوریده و شیدا شدم لیک در باطن همانم که بدم

عقل من گنج است و من ویرانه ام گنج اگر پیدا کنم دیوانه ام

اوست دیوانه که دیوانه نشد این عسس را دید و در خانه نشد

دانش من جوهر آمد نے عرض این بهائے نیست بهر هر غرض

کان قندم نیستان شکرم هم ز من می روید و من می خورم

سائل نے کہا کہ اے سوار تھوڑی دیر کے لیئے ذرا اپنا گھوڑا ادہر بڑھا لائیے یہ سنکر اودھون ادہر گھوڑا

بڑھایا اور کہا اچھا جلد کہو جو کہنا ہے کیونکہ میرا گھوڑا بہت سرکش اور کڑوا ہے ایسا نہو تمہارے لات مار دے جلدی کہو اور جو کہنا ہے صاف کہو۔ یہ سنکر اوسنے اصلی راز بیان کرنے کا تو موقع نہ سمجھا لہذا اوسکو چھوڑ کر ایک فضول بات مین اون کو اولجھا لیا اور کہا کہ مجھے آپکی جناب مین ایک عورت کے متعلق دریافت کرنا ہے آپ فرما دیجئے کہ مجھ سے شخص کے لایق کون عورت ہے۔ آپ نے فرمایا کہ مین تعیین تو کرتا نہین مگر تفصیل بتائے دیتا ہون اون مین جو عورت تمکو پسند ہو اوس سے شادی کر لو۔ دنیا مین تین قسم کی عورتین ہین بعض تو ان مین نہایت مرغوب اور دولت کی طرح آرام جان ہے اور بعض وبال جان۔ ان مین ایک تو وہ ہے کہ اگر تم اس سے شادی کرو تو وہ کل تمہاری ہوگی اور دوسری وہ ہے جو آدھی تمہاری اور آدھی دوسرے کی تیسری وہ ہے جو بالکل بھی تمہاری نہین۔ بس تم سن چکے اب جلد دو مین اڑنچھو ہوتا ہون دیکھ گھوڑا لات نہ مار دے کہ تو ایسا گرے کہ پھر اوٹھنا بھی نصیب نہو۔ یعنی مر جاوے۔ یہ کہکر شیخ گھوڑے کو اڑاتے ہوئے لڑکون مین پہونچ گئے۔ اس شخص نے ان کو پھر بلایا۔ اور کہا کہ ذرا ادھر تو تشریف لائیے یہ تو آپ معما کہہ گئے ذرا اسکی شرح تو کر دیجئے جو تین قسم کی عورتین آپنے بیان کی ہین اونکو مفصل تو بیان کیجئے شیخ نے اسکی طرف پھر گھوڑا بڑھایا اور کہا کہ خاص باکرہ تو ایسی ہے جو کل تیری ہے اور تجھے اوسکے ذریعہ سے غم سے نجات مل سکتی ہے اور وہ جو آدھی تیری ہے وہ بیوہ لاولد ہے اور وہ جو بالکل تیری نہین وہ صاحب اولاد بیوہ ہے۔ کیونکہ جب پہلے خاوند سے اوسکی اولاد ہے تو اسکی دلی محبت کل پہلے خاوند سے ہوگی۔ اچھا اب بھاگ جا تاکہ گھوڑا لات نہ مار دے اور میرے سرکش گھوڑے کا پاؤن تجھ تک نہ پہونچ جاوے یہ کہکر شیخ نے پھر دیوانہ وار ہاد ہو کی اور گھوڑے کو بڑہایا اور بچون کو اپنی طرف بلایا کہ آؤ رے لڑکو کھیلین اس سائل نے پھر آواز دی کہ جناب میرا ایک سوال اور رہگیا اسکا بھی جواب دیدیجئے مین چلا جاؤنگا شیخ نے پھر گھوڑا بڑہایا اور کہا کہ جلد کہو کیا سوال ہے کہ لڑکا میدان مین سے میری گیند لیگیا مین جاکر اس سے چھینونگا اوسنے کہا کہ آپ تو اسقدر عاقل اور دانا ہین پھر یہ کیا مغالطہ دہی ہے اور یہ آپ کی کیا حرکت ہے مجھے سخت حیرت ہے آپ تو بیان مین عقل کل سے بھی بڑھے ہوئے ہین پھر آفتاب ہوکر ابر جنون مین کیون پوشیدہ ہین۔ آپ نے فرمایا اے عزیز اصل بات یہ ہے کہ عوام مین مشورے ہو رہے تھے کہ مجھے قاضی شہر بنا دین بالآخر مجھ سے کہا گیا مین آن کو ٹالتا رہا۔ لیکن اونھون نے منظور نہ کیا اور کہا کہ آپکی مثل کوئی شخص عالم اور صاحب فن نہین ہے لہذا آپ کے ہوتے ہوئے حرام اور ناجائز ہے کہ کوئی کم درجہ کا شخص قضا مین گفتگو کرے کیونکہ شریعت کی اجازت نہین کہ فاضل کے ہوتے ہوئے مفضول قاضی ہو۔ پس ہم حکم شریعت سے مجبور ہین اور آپ سے کم کو اپنا حاکم اور مقتدا نہ بناوینگے اس ضرورت سے مین پاگل اور دیوانہ بن گیا اور مجبور ہوکر اس گروہ سے علحدگی اختیار کی کیونکہ مین اپنے اندر اس بار گرانکے تحمل کی قوت نہ پاتا تھا۔ اور عوام میری کمزوری کو سمجھتے نہ تھے۔ اور مجبور کرتے تھے گو مین بظاہر دیوانہ اور مجنون ہوگیا لیکن باطن مین وہی ہون جیسا کہ تھا۔ میری عقل مثل خزانہ کے ہے اور اپنی ظاہری خستگی کے سبب مثل ویرانہ کے ہون۔ اور وہ خزانہ اس ویرانہ مین پوشیدہ ہے۔ بس مین دیوانہ نہین کہ اس خزانہ کو ظاہر کر کے نقصان اٹھاؤن وہ دیوانہ ہے جو ایسی حالت مین دیوانہ نہو جاوے اور کوتوال (عوام) کو دیکھکر گھر مین (یعنی پردۂ جنون مین) نہ چھپ جاوے۔ میری عقل جوہر ہے عرض نہین — (یعنی پختہ اور مضبوط ہے کمزور نہین) اور یہ اس قابل نہین کہ اسکو ہر سامان (حطام دنیا) کے بدلہ مین دیدیا

جاوے یعنی جان و مال پر اسکو قربان کر دیا جاوے۔ مین تو کان قند اور نیشکر کا کھیت ہون پس شکر مجھی سے پیدا ہوتی ہے اور مین بھی اون سے متمتع ہوتا ہون۔ یعنی اپنی علوم و معارف سے خود ہی لذت اُٹھاتا ہون سب مجھے اسکی ضرورت نہین کہ کوئی قدردان ہو۔

شرح شبیری

اوس سائل کا اُن بزرگ کو دوبارہ باتون مین لگانا تاکہ حال باقی معلوم ہوجاوے۔

گفت آن الخ۔ یعنی اوس سائل نے کہا آخر تھوڑی دیر کو اے بانس سوار ذرا ادھر گھوڑا چلا دو۔

راند سوے الخ۔ یعنی اوسکی طرف چلایا کہ ہان جلدی سے کہہ اسلئے کہ میرا گھوڑا بہت قوی اور تیز ہے۔ (لیکر بھاگ جائے گا مطلب جو کہنا ہے جلدی کہہ لے۔ ایسی باتین شروع کردین تاکہ مجنون معلوم ہون)۔

تا لگد بر الخ۔ یعنی تیرے کہین لات نہ مارد ے جلدی کہہ تو کیا پوچھتا ہے جلدی ظاہر کر۔ سبحان اللہ بانس کا گھوڑا اور لات مار دے یہ ساری باتین اسلئے کہین کہ یہ شخص مجنون ہی سمجھے۔

او مجال الخ۔ یعنی اوس شخص نے بات کہنے کی مجال نہ دیکھی تو اوس سے الگ ہو کر اوسکو مذاق مین کھینچا۔ مطلب یہ کہ جب اوس شخص نے دیکھا کہ یہ بات نہ سنین گے اور اسی طرح ٹالتے رہینگے تو اوسنے مذاق شروع کیا تاکہ ہنسی مذاق کرنے سے ذرا یہ کھلجا دین گے تو اپنے اصل مقصود کو بھی ظاہر کر دونگا تو اوسنے یہ سوچکر یہ کہنا شروع کیا کہ۔

گفت میخواہم الخ۔ یعنی اوسنے کہا کہ مین یہان ایک عورت کرنا چاہتا ہون تو مجھ جیسے کے لائق کون ہے۔ اصل میں مقصود تو اس شخص کا کسی مشکل باطنی کا حل تھا۔ مگر اوسکو چھوڑکر یہ باتین شروع کین یہ سنکر حضرت بہلول نے جواب دیا کہ

گفت سہ گونہ الخ۔ یعنی حضرت بہلول نے فرمایا کہ دنیا مین عورتین تین قسم کی ہوتی ہین دو تو خراب اور ایک خزانہ جانی

آن یکے را جملہ الخ۔ یعنی اوس ایک کو اگر تو کرے تو وہ تو ساری تیری ہی ہے اور دوسری آدھی تیری اور آدھی الگ

وآن سوم الخ۔ یعنی اور وہ تیسری تیری نہین ہے جان لے یہ سنلیا تو اب بھاگ مین جاتا ہون۔

تا ترا الخ۔ یعنی تاکہ کہین میرا گھوڑا تیرے لات نہ مارے۔ کہ تو گر جاویگا اور پھر کبھی اوٹھ نہ سکیگا اوپر۔ چونکہ باتین عقل کی کہی تھین اوسکے بعد ایک یہ بات کہ دیکھو میرا گھوڑا لات نہ مارد ے ایسی کہدی کہ جس سے جنون معلوم ہو غرضکہ یہ کہکر حضرت چلدیے۔

شیخ راند الخ۔ یعنی شیخ نے لڑکون کے اندر گھوڑا چلایا۔ تو اوس شخص نے پھر اُنکو آواز دی۔

کہ بیا آخر بگو الخ۔ یعنی ذرا یہان تشریف لا کر اسکی تفسیر تو کر دیجئے اور ان تینون قسمون مین سے چھانٹ تو دیجئے۔

راند سوے الخ۔ یعنی اوسکی طرف پھر تشریف لائے اور اوس سے کہا کہ خاص کنواری تو ساری تیری ہے اور تو غم سے چھوٹ جاویگا یعنی اوس سے نکاح کرکے تو کسی قسم کا غم ہی نہین مزے کرو۔

وان کہ نیمی الخ یعنی اور جو کہ آدھی تیری ہے وہ تو بیوہ بے اولاد ہے اور جو کہ بالکل تیری نہین ہے وہ بیوی با اولاد۔

چون زشوے الخ - یعنی جبکہ پہلے خاوند سے اوسکے بچے ہونگے تو اوسکے دلکا میلان کلی اوسی طرف ہوگا - اور تیری طرف مطلق متوجہ نہوگی یہ مضمون حدیث کا ہے - اسی طرح حدیث مین بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ شریف النساء ثلثۃ واحدۃ لک وواحدۃ علیک وواحدۃ لک وعلیک اما التی لک فھی الجدۃ البکر تحبھا وتحبالک واما التی علیک فالمتزوجۃ ذات ولد تاکل مالک وتبکی علی الزوج الاول واما التی لک وعلیک فالمتزوجۃ التی لاولد لھا فان کنت لھا خیرا من الاول فھی لک والا فھی علیک

ان اشعار مین بھی بعینہ یہی مضمون ہے غرض کہ حضرت بہلول نے اوسکو حدیث کیموافق بتادیا آگے فرماتے ہین کہ -

دور شوتا الخ - یعنی دور ہو جا تاکہ میرا گھوڑا لات نہ مار دے اور میرے قوی گھوڑے کا سم تجھے بیخ بنادے - ساری باتین کہکر ایک بات ایسی فرما دیتے ہین عجیب حالت ہے -

ہائے ہوئے الخ - یعنی شیخ نے ہاے ہوے کی اور پھر گھوڑا چلا دیا اور لونڈون کو اپنی طرف بلایا - غرضکہ حضرت کی حالت بالکل لونڈون جیسی ہو رہی تھی کہ ایک بانس پر سوار ہین اور لڑکو نہین کیلئے پھرتے ہین -

باز بانگش کرد الخ - یعنی اوس سائل نے پھر آواز دی کہ حضرت تشریف تو لائیے اجی عقلمند شاہصاحب میرا ایک سوال اور رہگیا ہے -

باز راند الخ - یعنی پھر اسکی طرف تشریف لائے کہ ہان جلدی سے کہہ کیا ہے اسلئے کہ میدان مین وہ لونڈا میری گیند لے بھاگتا ہے (سبحان اللہ کیا شان ہے) زو دتر مخفف ہے زود تر کا یعنی بہت جلدی -

گفت اے شہ الخ - یعنی اوس سائل نے کہا کہ اجی حضرت باوجود اس عقل و ادب کے یہ کیا مکر ہے اور کیا حرکت ہے تعجب کی بات ہے -

تو ورائے الخ - یعنی آپ تو بیان مین عقل کل سے بھی آگے ہین اور آپ تو آفتاب ہین آپ اس جنون مین کسطرح پوشیدہ ہین مطلب یہ کہ آپ نے اسطرح اپنے کو کیون کر رکھا ہے ماشاء اللہ عاقل سمجھدار ہین - اسپر جواب ارشاد ہوا کہ

گفت این الخ - یعنی یہ اوباش لوگ رائے نکالتے تھے کہ مجھے اپنے اس شہر مین قاضی کرین -

دفع میگفتم الخ - یعنی مین دفع کرتا تھا - تو مجھسے کہتے تھے کہ نہین آپ جیسا تو کوئی صاحب فن عالم اور ہے ہی نہین

با وجود تو الخ - یعنی آپکے ہوتے ہوئے تو حرام اور خبیث ہے یہ بات کہ آپسے کم ہو کر قاضی ہو کر بات کرے مطلب یہ کہ آپکے ہوتے ہوئے اور کوئی قاضی بن ہی نہین سکتا -

در شریعت نیست الخ - یعنی شریعت مین یہ کوئی قاعدہ نہین ہے کہ تمسے کم کو بادشاہ اور پیشوا بنادین (جب آپ موجود ہین تو آپ ہی پیشوا ہین -)

زین ضرورت الخ - یعنی اس ضرورت سے باولا اور دیوانہ ہو گیا ہون اور اس گروہ سے عاجز ہو کر بیگانہ ہو گیا - مطلب یہ کہ اون لوگونکا یسے خیالات کو دیکھکر باولا بنکر انسے علیحدہ ہو گیا ورنہ قاضی بننا پڑتا - تو کون علت مول لیتا - اب چونکہ حضرت بہلول نے اوسکو طالب صادق دیکھا اسلئے فرماتے ہین کہ -

ظاہرا الخ - یعنی ظاہر مین باولا اور دیوانہ ہو گیا ہون - لیکن باطن مین وہی ہون جو کہ تھا -

عقل من الخ - یعنی میری عقل ایک خزانہ ہے اور مین مثل ایک جنگل کے ہون تو اگر مین خزانہ کو ظاہر کر دون

تو پاگل ہوں مطلب یہ کہ میرے علوم و معارف اور عقل ایک خزانہ کی طرح ہیں اور میں ایک جنگل کی طرح تو خزانہ کو تو جنگل ہیں اسلئے دفن کرتے ہیں کہ کسیکو مخبر نہو پھر اگر سب پر ظاہر کرتا پھرون اور بتاتا پھرون کہ میرے اندر یہ خزانہ مدفون ہی تو گیا ہیں بالکل پاگل تھوڑی ہوں۔

او ست دیوانہ الخ۔ یعنی وہ دیوانہ ہے جو کہ (ایسا) دیوانہ نہو اور اس کو توال کو دیکھکر گھر میں نہ گیا۔ مطلب یہ کہ جو اس دیوانگی کو چھوڑ کر غافل رہا اور عقل ظاہری پر ہی مغرور رہا تو فی الحقیقت تو وہ دیوانہ ہی اور جتنے کہ ایسے لوگوں کو چلاو اسکو پکڑتے پھرتے ہیں اور کام میں لگاتے ہیں دیکھا اور چھپ نہ گیا وہ دیوانہ ہے پس چاہیئے کہ ان سب سے علیحدہ ہو کر اپنے کو چھپائے ہاں اگر کسیکے سپرد خدمت خلق ہے تو دوسری اور بات ہی یہ اون لوگوں کا ذکر ہی کہ جنکے سپرد حق تعالی کی طرف سے یہ خدمت نہیں کیگئی۔ بلکہ صرف نماز روزہ کرلو اور مزہ سے یاد خدا میں لگے رہو۔

دانش من الخ۔ یعنی میری عقل جوہر ہے عرض نہیں ہے تو یہ ہر عرض کی قیمت نہیں ہی۔ مطلب یہ کہ میری حالت اسکے مناسب نہیں ہے جو کہ لوگ کہتے ہیں لہذا میں الگ ہو گیا۔

کان قندم الخ۔ یعنی میں قند کی کان ہوں اور شکر کی نیستان ہوں اور مجھ ہی سے پیدا ہوتی ہی اور میں ہی کما لیتا ہوں مطلب یہ کہ علوم و معارف کا میں خزانہ ہوں میرے ہی اندر سے پیدا ہوتے ہیں اور ان سے میں ہی لطف حاصل کرتا ہوں مجھے اسکی ضرورت نہیں ہی کہ کوئی قدر بھی کرے۔ بلکہ اون سے میں خود ہی حظ حاصل کرتا ہوں۔

شرح حبیبی

علم تقلیدی و تعلیمی است آن
چون کہ بے دانہ نہ بہر روشنی است
طالب علم است بہر عام و خاص
ہمچو موشے ہر طرف سوراخ کرد
ہمچو موشے ہر طرف سوراخا
چونکہ سوئے دشت و نورش رہ نبود
گر خدا لیش پر دہد پرّ خرد
ورنہ جوید پس بماند زیر خاک
علم گفتاری کہ او بیجان بود
گرچہ باشد وقت بحث علم زفت
مشتری من خدا ایست و مرا
خونبہائے من جمال ذو الجلال
این خریداران مفلس را بہل
گل مخور گل را مخر گل را مجو

کز نفور مستمع دارد فغان
ہمچو طالب علم دنیائے دنی است
نے کہ تا یابد ازین عالم خلاص
نیست مرغے از ہمہ سوراخ فرد
می کند غافل ز انوار لقا
ہمدران ظلمات جہدے مینمود
بر ہد از موشے و چون مرغان پرد
تا امید از رفتن زاہ سماک
عاشق روئے خریداران بود
چون خریدارش نباشد مرد و رفت
می کشد بالا کہ اللہ اشتری
خونبہائے خود خورم کسب حلال
چون خریداری کند انگشت گل
زانکہ گل خوارست دائم زرد رو

دل بجو تا دائما باشی جوان	از تجلی چہرہ ات چون ارغوان
طالب دل شو کہ تا باشی چو گل	تا شوی شادان و خندان ہمچو مل
دل نباشد آنکہ مطلوبش گل است	این سخن را روئے با صاحبدل است

وہ علم تقلیدی و تعلیمی ہی جو سامعین کی ناقدر دانی سے شکوہ و شکایت کرنے لگے۔ اور وہ علم طلب رزق کی شے ہے نہ کہ نور معرفت حاصل کرنیکے لئے اور ایسے علم کا طالب ایسا ہی ہی جیسا طالب علم دنیاوی۔ وہ لوگو نکے لئے علم طلب کرتا ہی اوسکا مقصود خود اپنی رہائی نہین ہی کہ وہ خود اخلاق ذمیمہ اور ملکات ردیہ سے نجات پاجاوے وہ اس چوہے کی مانند ہی جو ہر طرف طلب رزق کے لیئے سوراخ بناتا ہی اور رزق کے ذرائع کو محدود سمجھتا ہے اور اس پرندکی مثل نہین جو تمام سوراخون سے مبرا اور رزق کی ایک نامحدود فضا اپنی ساتھ دیکھ رہا ہی بہ احمق چوہے کی طرح ہر طرف سوراخ کرتا ہی اور طلب رزق مین ہمہ تن ساعی اور منہمک ہی لیکن انوار خورش لقاء حق سبحانہ) سے غافل ہی اور منشا اسکا یہ ہی ہی کہ رزق کے ذرائع نامحدود اور نور معرفت تک تو اسکی رسائی ہی نہین اسلئے مجبوراً تاریکی جہل مین پھنسا ہوا سرگرم جد وجہد ہے لیکن اگر خدا اوسکو پر ہاتے عقل بخشے اور اوسکی عقل کو نور معرفت عطا کرے جو عروج روحانی کا ذریعہ ہی تو ہرگز وہ چوہا ہین نکرے بلکہ پرندون کی طرح بلند پروازی کرے۔ اور علو ہمت و عالی حوصلگی اختیار کرے۔ اور سمجھے کہ ذرائع رزق نامحدود ہین اسکا حصول کچھ ہماری سعی ناجائز پر موقوف نہین پس اوسکو یہ پر (نور معرفت) حاصل کرنے چاہئین اگر وہ ایسا نکریگا تو ہمیشہ مبتلائے ظلمات جہل رہیگا اور ترقی سے مایوس اور محروم ہوجاویگا علم قال جسمین روح معرفت و حال نہو اور قدر دانونکا طالب ہو۔ ایسا علم اگرچہ بحث و مباحثہ کے وقت بڑا معلوم ہوتا ہے مگر فی نفسہ بہت حقیر اور ناچیز ہے کیونکہ اسکی بقا ر طالبین کی رغبت پر موقوف ہی اگر طالبین بے رغبتی کرین تو بہت جلد فنا اور رخصت ہوجاتا ہے اور میرا علم عام قدر دانونکا محتاج نہین میرا قدردان اور خریدار خود حق سبحانہ ہی وہی اپنی قدردانی سے مجھے عروج دیتا ہے اور دلیل اسکی یہ ہے کہ خود فرماتا ہی ان اللہ اشتری من المومنین انفسہم جسطرح مجھے عام لوگون کی قدر دانی کی ضرورت نہین یون ہی اسکی بھی ضرورت نہین کہ اسکو تحصیل رزق کا ذریعہ بناؤن بلکہ مین اپنے کو اوسکی راہ مین فنا کرچکا ہون اور اسکا خونبہا دیدار جمال حق سبحانہ پاچکا ہون۔ پس مین اپنے اسی خونبہا کو کھاتا ہون جو کہ میرا کسب حلال ہے یعنی مشاہدہ جمال حق سے غذائے روحانی حاصل کرتا ہون پس میری طلب تو یہ ہے باقی رہی غذائے جسمانی سو مین اسکا طالب و جویان نہین ہون وہ مجھکو حق سبحانہ کیطرف سے خود ملتی ہے اے عالم علم قال کہتا مان ان عام خریدارون کو چھوڑ انسے تو اپنی دولت کی کیا قیمت حاصل کرتا ہی یہ تو ننگے ہین وہ خود بھی ایک مشت خاک ہین اور اون کی قیمت بھی خاک ہے ایک مشت خاک کیا خریداری کرسکتی ہے۔ نہ مٹی کھا۔ نہ مٹی خرید نہ مٹی تلاش کر تجھے معلوم نہین مٹی کھانے والونکی کیا حالت ہوتی ہی مٹی کھانے والا (طالب دنیا) ہمیشہ زرد رو در حق سبحانہ کے سامنے شرمندہ ہوتا ہی ارے دل خرید اور دولت باطنی حاصل کرتا کہ تو ہمیشہ جوان اور قوی القلب ہے اور نور حق سبحانہ سے تیرا چہرہ سرخ اور روشن ہو۔ بس ہم پھر کہتے ہین کہ دل طلب کر۔ اور حقیقت علم حاصل کرتا کہ تو گل اور محبوب و مرغوب ہو۔ اور شراب کی طرح شادان و فرحان ہو۔ شراب کو شادان و فرحان کہنے کی غالباً وجہ یہ معلوم ہوتی ہی کہ وہ دوسرون مین نشاط و سرور پیدا کرتی ہی پھر خود کیون شادان و فرحان نہوگی

یا یہ کہ وہ سرخ ہوتی ہے اور سرخی خوشی کا رنگ ہے واللہ اعلم خوب سمجھ لینا چاہیے جو دل اشیاء
دینیہ اور حطام دنیاوی یعنی مال وجاہ طلب کرے وہ دل کہلانے کا مستحق نہین کیونکہ اسمین دل کی صفات
نہین ان باتون کو وہی سمجھ سکتا ہی جو صاحبدل ہو عوام کی سمجھ مین نہین آئین گی لہذا ہمارے مخاطب ارباب دل ہی ہین

شرح شبیری

علم تقلیدی الخ۔ یعنی وہ علم تقلیدی اور تعلیمی ہی جو سننے والون کی نفرت سے فغان کرے مطلب
یہ کہ ایسے علم کے لیئے ضرورت اسکی ہی کہ اوسکی قدردان ہین تو وہ باقی اور اوسکو رونق اور ترقی
ہے ورنہ زائل ہی تو وہ علم تقلیدی ہے اور جو علم تحقیقی ہوتا ہے اوسکو اسکی ضرورت نہین ہے کہ کوئی قدردان بھی ہو
بلکہ وہ تو خود بخود بڑھتا ہے اور صاحب علم اوس سے محظوظ ہوتا ہی تو فرماتے ہین کہ ہمارا علم تحقیقی ہے تقلیدی نہین ہے
اسلیئے اگر ہم مجنون ہوگئے اور اسحالت مین ہمارا کوئی قدردان نہ بھی رہا تب بھی ہم خوش اور مگن ہین۔
چون پے الخ۔ یعنی جبکہ دانہ کے لیئے ہے روشنی کے لیئے نہین ہے تو مثل دنیائے کمینی کا علم طلب کرنے والی کی طرح ہی۔
مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی علم دین کو دنیا کے لیئے سیکھے وہ طالب علم دین نہین ہے بلکہ ایسا ہی کہ جیسے دنیا ہی کا علم سیکھ لیا
اسلیئے کہ جب مقصود اس سے دنیا ہی تو وہ دنیا ہی کا ہوگیا۔ اگرچہ بظاہر دین کے لیئے ہے۔
طالب علم است الخ۔ یعنی وہ ایک طالب علم ہی خاص و عام کے لیئے نہ اس لیئے کہ وہ اس عالم سے چھوٹ جاوے۔ مطلب
یہ کہ جو شخص کہ دنیا کے لیئے علم حاصل کر رہا ہی تو اوسکا نفع دوسرون کو تو پہونچیگا مگر اوسکو خاک بھی نفع نہوگا۔ آگے
ایسے طالب علم کی مثال ہی کہ۔
ہمچو موشے الخ۔ یعنی چوہے کی طرح ہر طرف سوراخ کیئے ہین اور وہ پرند نہین ہی کہ تمام سوراخون سے مستغنی ہو مطلب
یہ کہ جسطرح چوہا ہر طرف سوراخ کرتا ہی کہ زمین ہی مین سے کبھی اسطرف سے غذا لایا اور کبھی اودھر سے اسی طرح یہ طالب علم
ہی کہ ہر جگہ کھانے ہی کی فکر ہے اور جو پرند ہوتا ہی اوسکو سوراخون کی ضرورت نہین ہی بلکہ وہ تو ہر جگہ جاکر غذا کو حاصل
کر سکتا ہی اسی طرح جو بزرگان دین ہین اور طالب دین ہین اون کو ان اسباب ظاہری کی ضرورت نہین ہوتی اور اونکو
بے ان اسباب ظاہری کے ملتا ہی اور انکی مثال کیمیاگر کی خوب ہی کہ کیمیاگر اسی مین خوش ہوتا ہی کہ اوسکو کوئی نہ جانے
کہ یہ کیمیاگر ہے اور جب اوسکو کوئی جان لیتا ہی تو وہان سے چل دیتا ہی بعینہ یہی حالت ہی ان حضرات کی اور اون کے
علوم کی کہ یہ اسی مین خوش ہین کہ ان کو کوئی نہ جانے اور جہان کسیکو انکے کمال کی اطلاع ہوئی اور یہ وہان سے بھاگے۔
ہمچو موشے الخ۔ یعنی چوہے کی طرح چارون طرف بہت سے سوراخ وہ کرتا ہے جو انوار لقاء حق سے غافل ہوتا ہی۔
چو نبجہ سوئے الخ۔ یعنی جب اسکو جنگل اور نور کی طرف راہ نہ تھی تو اسی ظلمات میں کوشش کرتا رہا۔
گر خدا اش الخ۔ یعنی کہ خدا اسکو پر دے عقل کے پر کہ وہ اس چوہے پن سے چھوٹ کر پرندوں کی طرح چرے مطلب
یہ کہ وہ اس کوشش میں ہے کہ حق تعالیٰ اسکو نور بصیرت عطا فرماوے تو وہ اسحالت سے نکلکر محقق بنجاوے جب
وہ کوشش کرتا ہی تو ایکدن ہو بھی جاتا ہی۔
ورنہ جوید پر الخ۔ یعنی اگر پر نہ ڈھونڈھے تو خاک کے نیچے ہی رہتا ہے سماک کے راستہ کے چلنے سے ناامید رہتا ہی
مطلب یہ کہ اگر طلب ہی نہو تو پھر تو کبھی بھی تحقیق میسر نہیں ہو سکتی ہمیشہ اسی طرح ٹھوکریں کھاتے اور بھٹکتے
گذر جاوی گی۔

علم گفتاری الخ- یعنی علم قولی کہ وہ بیجان ہوتا ہی وہ عاشق خریدارون کے منہ کا ہوتا ہی - اگر قدر دان ہین تو وہ بھی ہی ورنہ کچھ بھی نہین -
گرچہ باشد الخ- یعنی اگرچہ علم بحث کے وقت تو بہت قوی ہوتا ہی مگر جب اوسکا خریدار نہو تو مرجاتا ہی اور چلدیتا ہی اوس علم تقلیدی کی تو یہ حالت ہے کہ اگر او سکے خریدار ہین تو اوس مین ترقی بھی ہی اور اوسکو قیام بھی ہی اور اگر قدر دان نہین ہین تو ترقی تو درکنار باقی بھی نہین رہتا جیساکہ ظاہر ہے کہ علوم کسبی کو اگر پڑہنے والے ہون تب تو وہ باقی رہتا ہے ورنہ بالکل ذہول ہوجاتا ہی مگر جو علم کہ وہبی ہوتا ہی اوسکو بے کسی خریدار اور قدر دان کے ہر وقت بقا اور ترقی ہی اسلئے کہ اوسکا تعلق تو عطاء حق پر ہوتا ہی اور عطا ہر وقت ہے لہذا اوسکو بھی ہر وقت ترقی ہی اوسکو کسی قدر دان ظاہر کی ضرورت نہین بلکہ اوسکا خریدار تو حق تعالی ہے اسیکو فرماتے ہین کہ۔
مشتری من الخ- یعنی میرا خریدار تو خدا ہے اور وہ مجھے بالا کی طرف کہینچ رہا ہی کہ اللہ نے خرید لیا ہی قرآن شریف مین ہی ان اللہ اشتری من المومنین انفسہم واموالہم بان لہم الجنۃ تو یہ حق تعالی کی خریداری ہمکو عالم غیب کی طرف کہینچتی ہی اور حق تعالی نے ہمین خرید لیا ہی۔
خونبہائے من الخ- یعنی میرا خونبہا حق تعالی کا جمال ہی اور مین اپنا خونبہا کھاتا ہون اور کسب حلال ہی مطلب یہ کہ ہمین جو حق تعالی نے خریدا ہے تو اوسکی قیمت مین ہمکو اپنا جمال مبارک دکہایا ہی بس ہمنے اوسکے بدلے مین اپنی جان بھی فدا کردی۔ اور تعجب تو یہ ہی کہ جمال سے جو کہ ہمارے خونبہا مین ملا تھا اور جسکے عوض مین ہمنے اپنے کو فنا کردیا تھا اوسی سے خود ہی لطف حاصل کررہے ہین اور بالکل کسب حلال ہی کیسے تعجب اور حیرت کی بات ہی اور فرماتے ہین کہ۔
این خریداران الخ- یعنی ان مفلس خریدارون کو چھوڑ دے اسلئے کہ ایک مٹھی خاک کیا خریداری کرسکتی ہی مطلب یہ کہ تیرے علوم کے جو آدمی قدر دان ہین اون کو اور اونکی قدردانی کو چھوڑ اسلئے کہ یہ یکمشت خاک خدا کے سامنے کیا خریداری کرسکتے ہین اور کیا قیمت دیسکتے ہین لہذا اپنا خریدار خدا کو بناؤ اور ان سے سب سے قطع تعلق کرو۔
گل مخور گل را الخ- یعنی نہ مٹی کو کہاؤ اور نہ اوسکو خریدو اور نہ تلاش کرو اسلئے کہ مٹی کہانے والا ہمیشہ زرد رو رہتا ہی
دل بجز تا الخ- یعنی دل کو خرید تو تاکہ تم ہمیشہ جوان رہو اور تجلی کیوجہ سے تمہارا چہرہ ارغوان کی طرح رہے۔
طالب دل شو کہ الخ- یعنی دل کے طالب ہو تاکہ تم گل کی طرح رہو اور تاکہ تم شراب کی طرح خوش خرم رہو۔
دل بناشد الخ- یعنی وہ دل ہی نہین ہوتا جسکا مطلوب کہ مٹی ہو اور راسیات کا رو صاحب دل کی طرف ہی مطلب یہ ہے اس عالم مادی اور سفلیات مین مت رہو بلکہ اہل دل اور قلب سلیم کی تلاش کرو کہ وہی کام کی چیز ہی اور فرماتے ہین کہ اسکا ردے سخن بھی جو صاحبدل ہو اوسکی طرف ہی ورنہ دوسرا اسکو سمجھ بھی نہین سکتا - چونکہ مولانا کا قاعدہ ہے کہ جہان بہت پریشان ہوا کرتے ہین وہان دعا کرنے لگتے ہین تو یہان کہا تھا کہ عالم سفلی سے قطع تعلق کرکے عالم غیب سے تعلق پیدا کرو اور یہ اپنے قبضہ مین نہ تھا اسلئے آگے دعا فرماتے ہین کہ۔

شرح حبیبی

یارب این بخشش نہ حد کار ماست	لطف تو لطف خفی را خود سزا است

دستگیر از دست ما ما را بخر / پرده را بردار پرده ما مدر
باز خر ما را ازین نفس پلید / کاردش تا استخوان ما رسید
از چو ما بیچارگان این بند سخت / که گشاید اے شه بے تاج و تخت
اینچنین قفل گران را اے ودود / که تواند جز که فضل تو گشود
ما ز خود سوے تو گردانیم سر / چون توی از ما بما نزدیک تر
با چنین نزدیکئے دوریم دور / در چنین تاریکئے بفرست نور
این دعا هم بخشش و تعلیم تست / ورنه در گلخن گلستان از چه رست
در میان خون و روده فهم و عقل / جز ز اکرام تو نتوان کرد نقل
از دو پاره پیه این نور روان / موج نورش می زند تا آسمان
گوشت پاره که زبان آمد ازو / میرود سیلاب حکمت جو بجو
سوے سوراخے که نامش گوشهاست / تا بباغ جان که نامش هوشهاست
شاهراه باغ جانها شرع اوست / باغ و بستانهاے عالم فرع اوست
اصل سرچشمهٔ خوشی آنست آن / زود تجری تحتها الانهار خوان
قصهٔ رنجور گو با مصطفیٰ / زانکه لطف حق ندارد منتهی
شکر نعمت چون کنی چون شکر تو / نعمت تازه بود ز احسان او
عجز تو در شکر شکر خود تمام / فهم کن دریاب قد تم الکلام

چونکہ طلب دنیا اقتضائے نفس سے ناشی ہی اور نفس کے پنجہ سے رہائی دشوار ہی اسلئے حق سبحانہ کی طرف متوجہ ہوتے ہین اور التجا کرتے ہین چنانچہ فرماتے ہین اے اللہ یہ موہبت کبریٰ (دنیا سے بے رغبتی) ہماری طاقت سے باہر ہے (گو ہم پر لازم ہے کہ ہم اپنی سی کوشش کرین اور کوتاہی نہ کرین) اسلئے تیرا لطف وا عطائے دولت اسکا مستحق ہی کہ وہ محض میرے فضل خفی سے ناشی ہو اور ہماری جد و جہد پر مبنی نہو۔ اے اللہ تو ہماری دستگیری کر اور ہم جو اپنے ہاتھہ بکے ہوئے اور اپنے نفسون کے غلام ہین تو ہمکو ہمارے ہاتھ سے خرید لے۔ اور تیرے اور ہمارے درمیان مین جو پردہ حائل ہی اوسکو اٹھا دے اور ہمکو رسوا نکر ہمکو ہمارے نفس سے خرید لے اوسکی چھری ہماری ہڈی تک پہونچ گئی اور اوسکی تعدی انتہا کو پہونچ گئی۔ اے اللہ تاج و تخت سے مستغنی بادشاہ تیرے سوا اس بند سخت کو ہم بیچارون سے کون الگ کرسکتا ہی اور اے اللہ اس بھاری قفل کو تیرے فضل کے سوا کون کھول سکتا ہی اب ہم اپنے سے رخ پھیر کر اور اپنی کوششونکو ناکافی سمجھکر تیری طرف رخ کرتے ہین تو ہم سے ہماری جانون سے زیادہ نزدیک ہی مگر افسوس کہ ہم اس نزدیکی و قرب پر بھی تجھ سے بہت دور ہین پس تو ہماری تاریکی مین نور پیدا کر اور ظلمات نفس سے چھڑا کر اپنا نور معرفت عطا فرما۔ ہم اعتراف کرتے ہین کہ یہ دعا بھی تیری ہی عطا اور تیری ہی تعلیم کردہ ہے ورنہ ہمارے بھاڑ مین باغ کب اُگتا ہے اور ہمارے گندہ نفس مین یہ خیالات نفیسہ کہان پیدا ہو سکتے ہین تو ہی اپنے فضل سے خون اور آنتون وغیرہ (جسم) مین فہم و عقل پیدا کرتا ہے اور دو چربی کے ٹکڑون مین نور بصر جسکی موجین آسمان سے ٹکر کھاتی

ہین تیرے ہی ذریعہ سے جاری ہی اور ایک گوشت کا ٹکڑا جسکو زبان کہتے ہین اس سے سیلاب حکمت کی ندیان اُن سوراخون کی طرف جن کو کان کہتے ہین باغ جان تک جسکے میوہ ادراکات وانعام ہین تو ہی جاری کرتا ہے اور اس سیلاب کا رستہ شاہراہ باغ جان ہی اور وہی اوسکے بہنے کی جگہ ہی اور عالم کے باغ سب اسی سیلاب کی فرع اور اسی سے ناشی ہین اور خوشی کی اصل اور اسکا سرچشمہ یہ ہی سیلاب حکمت ہے باور نہو تو فو را جنت تجری من تحتہا الانہا پڑھے۔ یعنی یہ نص گو ظاہر سے تو جنات وانہار جسیہ ہی پر دلالت کرتی ہی مگر بطن سے جنات وانہار معنویہ ومعارف الٰہیہ پر دلالت کرتی ہی چونکہ حق سبحانہ کی الطاف غیر متناہی ہین لہذا وہ شمار مین نہین آسکتین ان تعدوا نعمۃ اللہ لا تحصوہا لہذا اپنے عجز کا اقرار کرکے اُس مریض کی طرف متوجہ ہونا چاہیے کہ ان کا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کیا قصہ ہوا۔ تم اوسکی نعمتون کا کیونکر شکر کر سکتے ہو جبکہ یہ شکر خود بھی اسکی ایک نعمت ہی اگر اسکا شکر کروگے وہ شکر بھی ایک نعمت ہی اسکا بھی شکر واجب ہی وہلم جرا غرض تم کسی طرح اوسکے شکر سے عہدہ برآ نہین ہو سکتے۔ پس ایسی حالت مین یہ ہی شکر ہے کہ کہا جاوے لا احصی ثناء علیک انت کما اثنیت علی نفسک اور اپنے عجز کا اقرار کیا جاوے فتدبر تفہم۔ قصہ ختم ہوا۔

شرح شبیری یا رب این الخ۔ یعنی اے اللہ یہ عنایت ہماری طاقت کی حد سے تو باہر ہے آپ ہی کا لطف لطف خفی کو سزاوار ہی۔

دستگیر از الخ۔ یعنی دستگری کیجیے اور ہمکو ہمارے ہاتھ سے خرید لیجیے اور پردہ کو اٹھا دیجیے اور ہماری پردہ دری نہ کیجیے۔ یعنی آپکے دیدار کے جو حجاب مانع ہین اونکو اٹھا دیجیے اور ہماری پردہ دری نہ کیجیے۔

باز خر مار الخ۔ یعنی پھر ہمکو اس نفس پلید سے خرید لیجیے کہ اسکی چھری ہماری ہڈی تک پہونچ گئی ہی۔

از چو ما الخ۔ یعنی اے شہ بے تاج و تخت ہم سے اس قید سخت کو کون کھول سکتا ہے۔

اینچنین الخ۔ یعنی اے ودود اس جیسے قفل گرانکو سوائے آپکے فضل کے اور کون کھول سکتا ہی۔

ما ز خود سوئے الخ۔ یعنی ہم اپنے سے آپکی طرف متوجہ ہوتے ہین جبکہ آپ ہماری نسبت ہم سے زیادہ نزدیک ہین جیسا کہ ارشاد ہی ونحن اقرب الیہ من حبل الورید۔

باچنین نزدیکئے الخ۔ یعنی باوجود اس نزدیکی کے ہم دور ہی ہین دور آپ ایسی تاریکی مین نور بھیجیے (جس سے ہماری آنکھین کھلین)۔

این دعا ہم بخشش الخ۔ یعنی یہ دعا بھی آپ ہی کی بخشش اور تعلیم ہی ورنہ کھوڑی پر باغ کہان اوگتا ہی مطلب یہ کہ ہمارے اندر یہ باتین کہان تھین یہ بھی آپ ہی کا فضل ہی۔

در میان الخ۔ یعنی بیٹے خون کے درمیان مین سمجھ اور عقل بجز آپکے اکرام اور کون نقل کرسکتا ہی مطلب یہ کہ دماغ مین جو کہ خون دردیدہ ہی اس سمجھ اور عقل کا رکھدینا یہ بھی آپ ہی کا فضل ہے۔

از دو پارہ الخ۔ یعنی چربی کے دو ٹکڑون سے یہ نور جاری ہی کہ اوسکے نور کی موج آسمان تک جاری ہی۔ مراد آنکھ ہے کہ دیکھو دماغ مین سے یہ نور آتا ہے جس مین کہ حیرت ہوتی ہی اور قدرت حق معلوم ہوتی ہی کہ اللہ اکبر کیا شئے ہے کہ جسمین یہ نور ہے سبحان اللہ۔

گوشت پارہ الخ - یعنی ایک گوشت کا ٹکڑا کہ جسکا نام زبان ہی کہ اس سے علوم کے رو ندی کی طرح بہتے ہین -
سوئے سوراخیکہ الخ - یعنی اس سوراخ کی طرف کہ اسکا نام کان ہی باغ جان تک کہ اوسکا میوہ ہوش ہی -
شاہراہ الخ - یعنی ایک شاہراہ ہے کہ اوسکی جان کا باغ اوسکی شرع ہی اور اس عالم ظاہری کے باغ و بستان اوسکی فرع ہین -
اصل و سرچشمہ الخ - یعنی اصل اور سرچشمہ تو وہی ہے تم جلدی سے تجری تحتہا الانہار پڑھو مطلب یہ ہی کہ دیکھو حق تعالیٰ کی قدرت مین عقل دنگ ہی کہ دماغ مین جو کہ گوشت پوست اور خون کا بنا ہوا ہے عقل جیسی لطیف شے رکھی آنکھون کا نور بھی اس چربی وغیرہ مین رکھا کانو نمین سننے کی طاقت دی وغیرہ وغیرہ تو اصل مین تو ان چیزونکو اوسی کی راہ مین خرچ کرنا چاہیے اسلئے کہ اور اشیاء دنیوی سب اونکی فرع ہین اور راہ حق وہی اصل اور سرچشمہ ہی آگے فرماتے ہین کہ :-
قصۂ رنجور الخ - یعنی اوس بیمار کا قصہ حضرت مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بیان کرو اسلئے کہ لطف حق کی تو کوئی انتہا ہی نہین -
شکر نعمت چون الخ - یعنی تم اوسکی نعمتون کا شکر کسطرح کر سکتے ہو جبکہ تمہارا یہ شکر بھی اوسکے فضل سے ایک نئی نعمت ہے - مطلب یہ کہ ہمارا شکر کرنا بھی تو ایک نعمت خدا داد ہے کہ اوسی نے توفیق دی ورنہ کسکو توفیق ہو سکتی تھی لہذا اگر بالفرض پہلی نعمتون کا شکر ادا بھی ہو گیا تب بھی یہ جو شکر کیا اسکا شکر کہان ادا ہوا اگر اسکا ادا کیا تو اسکا جواب کیا کہان ادا ہوا - ہکذا الے غیر النہایۃ پس معلوم ہو گیا کہ حق تعالیٰ کی نعمتونکا شکر کوئی ادا نہین کر سکتا - بس سہ شکر نعمتہائے تو چندانکہ نعمتہائے تو + عذر تقصیرات ما چندانکہ تقصیرات ما ٭ اب چونکہ طالب کو سخت پریشانی ہوتی ہی کہ آخر کس طرح شکر ادا کرنا چاہیے اور تم کہتے ہو کہ ادا ہوتا ہی نہین تو اب کیا کرین اوسکی تدبیر فرماتے ہین کہ
عجز تو از شکر الخ - یعنی تمہارا شکر سے عاجز ہونا ہی پورا شکر ہی سمجھ لو اور یا لو بات پوری ہو چکی - مطلب یہ کہ یہ کہدینا کہ اے اللہ ہم تیری نعمتون کے شکر کرنے سے عاجز ہین یہی خود شکر ہے اور اسی سے شکر ادا ہوتا ہی کہ اوس درگاہ مین عجز کو ظاہر کر دو اللھم لا نحصی ثناء علیک انت کما اثنیت علی نفسک - آگے اون صحابی کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ قصہ بیان فرماتے ہین -

شرح حبیبی

تتمۂ نصیحت کردن رسول صلی اللہ علیہ وسلم آن بیمار را و دعا آموزیدن اورا

گفت پیغمبر مر آن بیمار را ۔۔۔ چون عیادت کرد یار زار را
کہ مگر نوعی دعائے کردۂ ۔۔۔ از جہالت زہر بائے خوردۂ
یاد آور چہ دعائے گفتۂ ۔۔۔ چون ز مکر نفس مے آشفتۂ
گفت یادم نیست الا ہمتے ۔۔۔ دار با من یادم آید ساعتے

از حضور نور بخش مصطفیٰ	پیش خاطر آمد او را آن دعا
همت پیغمبر روشنگده	پیش خاطر آمدش آن گم شده
تافت زان روزن که از دل تا دلست	روشنی کو فرق حق و باطلست
گفت اینک یادم آمد اے رسول	آن دعا که گفته ام من بوالفضول
چون گرفتار گنه مے آمدم	غرق گشته دست و پائے میزدم
برگُنه باب کشایش می زند	غرقه دست اندر حشائش میزند
از تو تهدید و وعیدے می رسید	مجرمان را از عذاب بس شدید
مضطرب می گشتم و چاره نبود	بند محکم بود و قفل ناگشود
نے مقام صبر و نے راه گریز	نے امید توبه نے جائے ستیز
نے بغیر حق تعالیٰ یار من	اینچنین دشوار آمد کار من
من چو هاروت و چو ماروت از حزن	آه میکردم که اے خلاق من

ذکر دشواری عذاب آخرت و سختی آن

از خطر هاروت و ماروت آشکار	چاه بابل را بکردند اختیار
تا عذاب آخرت اینجا کشند	گربزند و عاقل و ساحروشند
نیک کردند و بجائے خویش بود	سهل تر باشد ز آتش رنج دود
حد ندارد وصف رنج آنجهان	سهل باشد رنج دنیا پیش آن
اے خنک آنکو جهادے میکند	بر بدن زجرے و دادے میکند
تا ز رنج آنجهانے وارهد	بر خود این رنج عبادت می نهد

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن بیمار صحابی سے اونکی عیادت کے وقت فرمایا کہ شاید تو نے کوئی دعا کی ہی جسکا یہ نتیجہ ہی اور اپنی نادانی سے زہر آلود شوربا کھایا ہی۔ اور اپنے پاؤن پر خود کلہاڑی ماری ہی اچھا یاد کرو کہ جب تم مکر نفس سے پریشان ہوے تو تمنے کیا دعا کی تھی۔ اونھون نے عرض کیا کہ مجھے تو یاد نہین آتا حضور کچھ میرے قلب کی طرف توجہ فرمائین تاکہ یاد آجاوے۔ غرض کہ حضور کی دلون کو منور کرنے والی موجودگی کے سبب ان کو وہ دعا یاد آگئی اور معدن نور پیغمبر کی توجہ سے وہ بھولی ہوئی دعا ذہن مین آگئی۔ کیونکہ وہ روشنی جو حق وباطل مین امتیاز کرنے والی ہے اُس راہ سے جو ایک دل سے دوسرے دل تک ہوتا ہی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان صحابی تک پہونچی۔ اور یہ روشنی اونکے یاد آنیکا سبب ہوگئی۔ اُسوقت اُن صحابی نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ دعا جو مجھ لغو آدمی نے کی تھی یاد آگئی قصہ یہ ہے کہ جب مین کسی گنہ مین مبتلا ہوتا تھا تو مین مثل غریق کے ہاتھ پاؤن مارتا تھا اور نجات کی تدبیر کرتا تھا چنانچہ قاعدہ ہی کہ گنہگار نجات کا دروازہ کھٹکھٹاتا ہی یعنی صورت رہائی سوچتا ہی ہی جیسا کہ ڈوبنے والا تنکے کا سہارا ڈھونڈھتا ہی اسطرف تو مجھے نجات کی فکر ہوتی تھی اودھر حضور والا کی جانب سے گنہگارون کے لئے سخت عذاب کی دھمکیان

اور وعید ین سنتا تھا اس سے مین پریشان ہوگیا سا اور کوئی تدبیر رہائی کی میری سمجھ مین نہ آئی۔ بیڑی مضبوط تھی اور قفل کھلنے والا نہین تھا کیونکہ نہ تو مین اپنے اندر عذاب آخرت کے تحمل کی قوت دیکھتا تھا۔ اور نہ اس سے بھاگنے اور جان بچانیکی کوئی صورت میرے ذہن مین تھی۔ نہ توبہ کی امید تھی۔ اور نہ حق سبحانہ سے مقابلہ ہی کرسکتا تھا اور نہ خدا کے سوا کوئی یار و مددگار تھا۔ غرض مین اس سخت مصیبت مین گرفتار تھا۔ ان وجوہ سے مین حق سبحانہ سے ہاروت و ماروت کی طرح محزون ہوکر اور آہ و زاری کرکے دعا کرتا تھا۔ ہاروت و ماروت نے عذاب آخرت کے خوف سے چاہ بابل کو اختیار کرلیا۔ تاکہ آخرت کے عذاب کے عوض دنیا ہی مین عذاب بھگت لین۔ واقعی بڑے ہوشیار عقلمند اور ساحر وش ہین۔ یہ کارروائی اونھون نے بہت خوب کی اور بہت ٹھیک تھی۔ کیونکہ آگ کی تکلیف سے دہوئین کی تکلیف کا برداشت کرنا سہل ہے۔ اور اس جہانکی تکلیف ناقابل بیان ہے۔ اور دنیا کی تکلیف اوسکے سامنے آسان ہے۔ آگے مولانا فرماتے ہین کہ اس سے تم سمجھ سکتے ہو کہ وہ شخص بڑے مزے مین ہے جو مجاہدہ کرتا ہے اور اپنے جسم پر تنبیہ اور اوسکے ساتھ عدل کرتا ہے یعنی اوسکو معاصی سے روکتا اور اوسکو صدور معاصی پر سزائے مناسب دیتا ہے اور آخرت کی تکلیف سے نجات پانے کے لیے اوسکو عبادت کی تکلیف مین گرفتار کرتا ہے۔ آگے مولانا اصل قصہ کی طرف رجوع فرماتے ہین۔ اور کہتے ہین۔

شرح شبیری

رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا اوس مریض کو نصیحت فرمانا اور دعا سکھانا

گفت پیغمبر الخ۔ یعنی پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم نے جب اوس مریض یار غار کی عیادت کی تو اوس سے یہ ارشاد فرمایا کہ مگر نوعے الخ۔ یعنی کہ شاید تم نے کسی قسم کی دعا کی ہے۔ اور جہالت کی وجہ سے زہر آلود کوئی شے کھالی ہے۔ مطلب یہ کوئی ایسی دعا جو کہ نقصان دہ تھی تم نے اپنے لئے کی ہے۔

یاد آور چہ الخ۔ یعنی یاد کرو کہ تم نے کیا دعا کی ہے جبکہ مکر نفس کی وجہ سے پریشان ہوئے ہو۔

گفت یادم الخ۔ یعنی اونھون نے عرض کیا کہ مجھے یاد نہین ہے مگر آپ توجہ رکھئے مجھے ایک گھڑی مین یاد آ جاویگی۔ آگے مولانا فرماتے ہین کہ۔

از حضور الخ۔ یعنی مصطفے صلی اللہ علیہ وسلم کے نور بخش حضور کیوجہ سے وہ دعا اونکے دل کے سامنے آگئی۔

ہمت پیغمبر الخ۔ یعنی پیغمبر روشنگر صلی اللہ علیہ وسلم کی توجہ سے اون کے دلکے سامنے وہ گم شدہ شے آگئی۔

تافت زان الخ۔ یعنی اس روزن سے جو کہ دل سے دل تک ہے وہ روشنی جو کہ حق اور باطل مین فرق کرنیوالی ہے چمکی

گفت اینک الخ۔ یعنی عرض کیا کہ اے رسول صلی اللہ علیہ وسلم مجھے دعا یاد آگئی جو کہ مین نے نادانی سے کی تھی۔

چون گرفتار الخ۔ یعنی جبکہ مین گرفتار گنہ ہو رہا تھا اور (بحر عصیان مین) ڈوبے ہوئے ہاتھ پاؤن مار رہا تھا۔

پر گنہ باب الخ۔ یعنی گناہ سے بھرا ہوا آشنائیش کے دروازہ کو کھولتا ہے اور ڈوبتا ہوا ہاتھ تنکون مین مارتا ہے۔ یعنی کہ مشہور ہے کہ الغریق یتشبث بکل حشیش اسی طرح مین بھی ذرا ذرا سی بات سے سہارا لیتا تھا اور گناہون سے بچنے کی جو تدبیر بھی سمجھ مین آتی تھی کرتا تھا۔

از تو تهدید الخ ۔ یعنی آپسے تہدید اور وعیدین معلوم ہوتی تھین مجرمونکے لئے عذابات شدید کی ۔
مضطرب گشتیم الخ یعنی مین مضطرب ہوتا تھا اور کوئی علاج نہ تھا ایک مضبوط قید تھی اور ایک نہ کھلنے والا قفل تھا ۔
نے مقام صبر نے الخ ۔ یعنی نہ تو صبر کا مقام نہ بھاگنے کی جگہ نہ امید (قبولیت) تو بہ کی نہ جھگڑنے کی جگہ ۔
نے بغیر الخ ۔ یعنی حق تعالیٰ کے سوا اور کوئی میرا یار نہ تھا میرا کام کچھ ایسا دشوار ہوگیا تھا ۔ مطلب یہ ہے کہ گناہون مین تو مبتلا تھا اور وعیدین اون پر آپ سے سنتا تھا تو اب پریشان ہوا کہ کیا کرون کچھ سمجھ مین نہ آیا تو یہ دعا کرلی جس کا آگے خود ذکر کرینگے ۔
ہمچو ہاروت الخ ۔ یعنی ہاروت اور ماروت کی طرح غم کی وجہ سے مین آہ کر رہا تھا کہ اے میرے خالق ۔ وہ دعا تو آگے بیان کرینگے چونکہ یہان ہاروت و ماروت کی حالت سے تشبیہ دی ہے اسلئے آگے کچھ اون کا ذکر فرماتے ہین ۔ محققین کے نزدیک تو یہ قصہ ہاروت ماروت کا جو مشہور ہے غلط ہے مگر مولانا بنائً علی المشہور اسکو بیان فرماتے ہین ۔

عذاب آخرت کی دشواری اور اوسکی سختی کا بیان

از خطر الخ ۔ یعنی خوف کی وجہ سے ہاروت اور ماروت نے ظاہر طور پر بابل کے کنوین کو اختیار کیا ۔ قصہ انکا مشہور ہے مطلب یہ ہے کہ جب اون سے سوال ہوا کہ عذاب آخرت چاہتے ہو یا قید بابل تو اونھون نے چاہ بابل ہی کو اختیار کیا تھا ۔
تا عذاب الخ ۔ یعنی تاکہ عذاب آخرت کا یہین بھگت لین وہ ہوشیار تھے اور عاقل اور ساحر تھے ۔
نیک کردند الخ ۔ یعنی اونھون نے اچھا کیا اور ٹھیک کیا اسلئے کہ دہوین کی تکلیف آگ سے کم ہوتی ہے ۔ یعنی اونھون نے جو عذاب دنیا کو اختیار کرلیا یہ بہتر کیا اسلئے کہ وہان کی تکلیف کے مقابلہ مین یہانکی کلفت اور عذاب اور رنج تو کوئی شئے ہی نہین آگے خود یہی فرماتے ہین ۔
حد ندارد الخ ۔ یعنی اوس جہان کے تکالیف کے بیان کی تو کوئی حد نہین ہے (بس یہ سمجھ لو کہ) کہ دنیا کی تکلیف اوسکے سامنے بہت سہل ہے ۔
اے خنک الخ ۔ یعنی وہ اچھا ہے جو کہ جہاد کرتا ہے اور بدن ہی پر سختی اور ظلم کرتا ہے ۔ مطلب یہ کہ جو دنیا ہی مین تکالیف برداشت کرلیتا ہے اور مجاہدہ کرتا ہے وہی اچھا ہے اسلئے کہ وہان کی کلفت سے چھوٹ جاتا ہے ۔
تا ز رنج الخ ۔ یعنی تاکہ اوس جہان کی تکلیف سے چھوٹ جاوے اپنے اوپر عبادت کی تکلیف کو رکھ لیتا ہے ۔ یہان تک فرماکر پھر اون صحابی کی دعا کا ذکر فرماتے ہین کہ ۔

شرح حبیبی

من ہمی گفتم کہ یارب آن عذاب	ہم درین عالم بران بر من شتاب
تا دران عالم فراغت باشدم	در چنین در خواست حلقہ میزدم
اینچنین رنجوری پیدام شد	جان من از رنج بے آرام شد

ماندہ ام از ذکر و از اوراد خود	بیخبر گشتم زخویش و نیک و بد
گر نمی بینم کنون من روی تو	ای خجستہ وی مبارک خوی تو
می شدم از دست من یکبارگی	کردیم شاہانہ این غمخوارگی
گفت ہی ہی این دعا دیگر مکن	بر مکن تو خویش را از بیخ و بن
تو چہ طاقت داری ای مور نژند	کہ نہد بر تو چنان کوہ بلند
گفت توبہ کردم ای سلطان کہ من	از سر جلدی بنافم ہیچ فن
این جہان تیہ ست و تو موسی و ما	از گنہ در تیہ ماندہ مبتلا
سالہا رہ میرویم و در اخیر	ہمچنان در منزل اول اسیر

ہاروت و ماروت کیطرح مین بھی کہتا تھا کہ اے اللہ وہ عذاب جو آخرت مین ملنے والا ہی اسی عالم مین جلدی مجھے دیدے تاکہ اسی عالم مین فارغ ہوجاؤن اور اسی قسم کی درخواست سے حق سبحانہ کے باب اجابت کی زنجیر کھٹکھٹاتا تھا اوسکا نتیجہ یہ ہوا کہ اسی قسم کی بیماری مجھے لاحق ہوگئی جسکی تکلیف سے میری جان بیکل ہوگئی۔ مین اسکے سبب اذکار و وظائف سے بھی رہگیا۔ اب نہ مجھے اپنی خبر ہے اور نہ بھلے برے کی۔ اے مبارک چہرہ اور اے مبارک خو اگر مین آپکی صورت نہ دیکھتا تو مین ہاتھ سے جاتا رہا تھا یعنی مرچکا ہوتا۔ لیکن دفعۃً حضور والا نے میری شاہانہ غمخواری کی کہ عیادت کو تشریف لائے اس سے مین بچگیا۔ جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دیکھ خبردار ایسی دعا پھر نکرنا اور اپنے کو بیخ و بن سے نہ اوکھاڑنا یعنی تباہ نہو جانا یہ تباہی کی بات ہے اے حقیر چیونٹی تیری کیا طاقت ہو کہ حق سبحانہ تجھ پر اتنا بڑا مصیبت کا پہاڑ ڈالین اونھون نے عرض کیا کہ حضور مین توبہ کرتا ہون کہ اسقدر جلد کوئی کام نہ کرونگا بلکہ سوچ سمجھکر اور مشورہ و فتوی لیکر کرونگا۔ ہماری حالت تو یہ ہو کہ یہ جہان ہمارے لئے مثل وادی تیہ کے ہے اور حضور ہمارے موسے ہین اور ہم اپنی شامت اعمال کی بدولت اس تیہ مین پھنسے ہوئے ہین۔ ہم برسون خدا کا رستہ قطع کرتے ہین اور ریاضات و مجاہدات کرتے ہین لیکن پھر کوئی نہ کوئی گناہ ہوجاتا ہی اور پھر وہین کے وہین آجاتے ہین جہان سے چلے تھے۔

شرح شبیری من ہمی گفتم الخ - یعنی مین کہا کرتا تھا کہ اے اللہ وہ عذاب مجھپر اسی عالم مین جلدی فرما دیجیے

تا دران الخ - یعنی تاکہ اوس عالم مین مجھے فراغت حاصل ہوجاوے تو مین اس درخواست مین کوشش کر رہا تھا۔

اینچنین رنجور ہے الخ - یعنی مجھے ایسی بیماری پیدا ہوگئی اور میری جان تکلیف کیوجہ سے بے آرام ہوگئی۔

ماندہ ام الخ - یعنی اب مین اپنے ذکر سے اور وظیفون سے عاجز ہوگیا ہون اور اپنے سے اور برے بھلے سب سے بیخبر ہوگیا ہون۔

گر نمی دیدم الخ - یعنی اگر مین اب آپکے چہرۂ انور کی زیارت نہ کرلیتا - اے وہ ذات کہ آپکے خصائل بہت ہی مبارک ہین۔

می شدم الخ - یعنی مین تو اپنے ہاتھ سے ایک دفعہ ہی ہوچکا تھا آپنے میرے لئے یہ شاہانہ غمخوارگی فرمائی مطلب

یہ کہ مین تو یہ دعا کرکے اپنے ہاتھون برباد ہو چکا تھا مگراب حضرت کی تشریف آوری سے کچھ تسلی ہوئی اور امید ہی کہ ہدایت ہو جاوے اور مغفرت کی امید ہو گئی ہی۔

گفت ہی ہی الخ۔ یعنی ارشاد فرمایا کہا رے ہارے یہ دعا ہرمت کرنا تو اپنے آپ کو جڑ ہی سے مت اوکھاڑ۔ مطلب یہ کہ اس طرح ایسی دعا کرکے اپنے ہاتھون تباہ مت ہو خبردار ایسی دعا ہرگز کبھی مت کرنا۔

تو چہ طاقت الخ۔ یعنی اے کمزور چیونٹی تجھے کیا طاقت ہی کہ تجھپر ایسا بڑا پہاڑ رکھدیا جاوے۔ مطلب یہ کہ تمنے جو دعا کی کہ مجھے دنیا ہی مین عذاب دے لو تو خواہ دنیا مین ہو یا آخرت مین عذاب تو ہے پھر تمھارے اندر عذاب حق کی کہان طاقت۔

گفت تو بہ الخ۔ یعنی اونھون نے عرض کیا کہ اے میرے بادشاہ مین توبہ کرتا ہون اب کبھی جلدی سے ایسے بات نہ کہونگا۔

این جہان الخ۔ یعنی یہ جہان وادی تیہ (کی طرح) اور آپ موسے (کی طرح) ہین اور ہم گناہ کیوجہ سے تیہ مین مبتلائے ہو ہین

سالہا رہ الخ۔ یعنی برسون تک راستہ چلتے ہین اور اخیر ہین اوسی طرح اول منزل مین قید ہین۔ مطلب یہ ہی کہ ہماری تو گناہون مین ایسی حالت ہی کہ بارہا توبہ کرتے ہین اور اس سے کچھ ترقی حاصل ہوتی ہی اور قلب کی درستی ہوتی ہی مگر پھر اوس توبہ کو توڑ دیتے ہین اور جہان کے تہان رہجاتے ہین جسطرح کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم تھی کہ دن بھر وہ رستہ کی تلاش مین پھرتے تھے اور شام کو وہین موجود ہوتے تھے جہان سے کہ چلے تھے۔ آگے مولانا قوم موسےٰ علیہ السلام کا قصہ بیان فرماتے ہین کہ۔

شرح حبیبی

ذکر قوم موسےٰ علیہ السلام و پشیمانی ایشان

قوم موسیٰ راه می پیموده اند　　آخر اندر گام اول بوده اند

گر دل موسیٰ ز ما راضی بدے　　تیه را راه و کران پیدا شدے

در بکل بیزار بودے او ز ما　　کے رسیدے من و سلویٰ از سما

کے ز سنگے چشمها جوشان شدے　　در بیابان تا امان جان شدے

بل بجائے خوان خود آتش آمدے　　اندرین منزل لهب بر ما زدے

چون دو دل شد موسیٰ اندر کار ما　　گاه خصم ماست گاهے یار ما

خشمش آتش میزند در رخت ما　　حلم او رد میکند تیر بلا

کے بود که حلم گردد خشم نیز　　نیست این نادر ز لطفت ای عزیز

مدح حاضر وحشت ست زین برای　　نام موسیٰ می برم قاصد چنین

ورنه موسیٰ کے روا دارد که من　　پیش تو یاد آورم از هیچ تن

(یہ مقولہ صحابی بیمار ہے اور اشعار بالا کا تتمہ ہے ان کے ساتھ ملا کر پڑھنا چاہیے) ان صحابی نے یہ بھی فرمایا کہ موسےٰ علیہ السلام کی قوم روزانہ چلتی تھی۔ لیکن جہان سے چلتی تھی پھر وہین آجاتی تھی وہ کہتی تھی کہ حالت موجودہ مبتلا ز ہی

کہ موسے ہمپر کچھ ناخوش ہین اور کچھ مہربان کیونکہ اگر بالکل راضی ہوتے تو اس تیہ کے اندر ہمکو رستہ ملجاتا اور یہ طے ہو جاتا اور اگر
بالکل ناخوش ہوتے تو حق سبحانہ کی جانب سے بے مشقت غذائے من وسلوے ہمکو نہ ملتی اور نہ تپھر سے چشمے نکلتے جنہون نے
ہماری جان بچائی ہی بلکہ خوان نعمت کے بجائے آتش قہر نازل ہوتی اور اسی جگہ ہمکو پھونک دیتی پس چونکہ موسے
علیہ السلام ہمارے معاملہ مین یکسو نہین ہین بلکہ کبھی ہمارے مخالف اور ہم سے ناخوش ہین اور کبھی موافق اور خوش
اسلئے اونکی آتش خشم تو ہمارے سامان کو جلاتی ہی یعنی اسکے باعث ہمکو مصیبت پہونچتی ہی اور انکا حلم تیر بلا کو ردکتا ہی اور
ہمپر بجائے مصیبت کے انعام ہوتا ہی وہ دن کب ہوگا کہ اُن کا غصہ بھی حلم بنجاوے - اور یہ کچھ انکے الطاف بیکران سے بعید نہین
یہ جو کچھ مین نے قوم موسے اور موسی علیہ السلام کے متعلق بیان کیا ہی اس سے مقصود مجھکو اپنی حالت زبونکا اظہار ہی اور جناب والا کی
تعریف اور حضور سے رحم کی التجا ہی اور یہ عنوان محض ایک پردہ ہی اس پردہ کی ضرورت اسلئے ہوئی کہ خود حضور کے سامنے
حضور کی تعریف کرنا حضور کی ناخوشی کا باعث ہوگا - ورنہ خود موسے علیہ السّلام بھی اسکو گوارا نہ کرینگے کہ حضور کے سامنے
انکی تعریف کیجاوے یہانتک جناب رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب کرکے آگے حق سبحانہ سے مناجات کرتے ہین -

شرح شبیری

موسیٰ علیہ السّلام کی قوم اور اونکی پشیمانی کا ذکر

قوم موسے الخ - یعنی قوم موسے علیہ السّلام راستہ کو ناپتی تھی اور آخر کار پھر قدم اول ہی رہتے تھے (یعنی جہانسے چلتے
تھے وہین پر شام کو موجود ہوتے تھے)

راز میگفتند الخ - یعنی سارے مرد اور عورتین اور بڈھے اور جوان ظاہر طور پر اور پوشیدہ طور پر سرگوشیان
کرتے تھے کہ -

گر دل موسے الخ - یعنی اگر موسے علیہ السلام کا قلب ہمسے راضی ہوتا تو تیہ کا راستہ اور کنارہ ظاہر ہو جاتا -

در بکل الخ - یعنی اور اگر بالکل ہم سے بیزار ہوتے تو من وسلوے آسمان سے کب آتا - آسمان سے آنیسے مراد خوان لگ
کر آنا نہین ہی اسلئے کہ ایسا نہوتا تھا بلکہ مراد یہ ہے کہ بے تعب کے یہ دونون چیزین ملجاتی تھین ترنجبین درختو نپر سے
اور بیٹر جنگل سے ہاتھ آجاتی تھین تو گویا کہ آسمان ہی سے آتا تھا - اسلئے کہ اونکو تو کچھ کرنا ہی نہ پڑتا تھا -

کے زسنگے الخ - یعنی ایک پتھر سے چشمے کب اوبلتے کہ بیابان مین وہ جان کے لئے امن ہوتے - مطلب یہ کہ اگر وہ
راضی ہوتے تب تو اس قید مین ہم کیون پھنستے اور اگر ناراض ہوتے تو ہمکو روزانہ یہ نعمتین کیسے میسر آتین غرض کہ
کچھ پتہ نہ چلتا تھا اور کہتے تھے کہ -

بل بجائے الخ - یعنی بلکہ بجائے خوان نعمت کے خود آگ آتی اور اس شعلہ مین ہمپر پڑتی - مطلب ہی کہ وہ اس
شش وپنج مین تھے کہ اگر موسے علیہ السّلام راضی ہین تو اس تیہ مین بھٹکنا کیا اور اگر ناراض ہین تو یہ نعمتین کیسی بلکہ
اور غضب نازل ہونا چاہیے اور کہتے تھے کہ -

چون دو دل الخ یعنی ہمارے معاملہ مین موسے علیہ السلام دو دل کیون ہو رہے ہین کہ کبھی ہمارے دشمن ہین (کہ راستہ

نہین ملتا) اور کبھی دوست ہین (جسکا اثر ہی کہ نعمتین مل رہی ہین)۔
خشمش آتش الخ۔ یعنی اونکا غصہ تو ہمارے اسباب مین آگ لگا دیتا ہی اور اونکا حلم تیر بلا کو رد کر دیتا ہی۔ جب اس مصیبت مین مبتلا ہین تو اب حق سے دعا کرتے ہین کہ۔
کے بود کہ الخ۔ یعنی اے اللہ یہ کب ہوگا کہ غصہ بھی حلم ہوجائے اور آپکے لطف سے یہ کچھ عجب نہین ہی۔ مطلب یہ ہی کہ چونکہ موسے علیہ السلام کی خفگی تو اسی لئے تھی کہ حق تعالی ناراض تھے اسلئے دعا کرتے ہین کہ اے اللہ ہمیں یہ نعمتین کہ من وسلوے بلا تعب حاصل ہوجاتا ہی آپنے ... فرمادی ہین مگر اسکی ساتھ مین جو یہ اثر غضب کا ہی کہ راستہ نہین ملتا خدا کے لیے اسکو بھی مبدل بہ رحمت فرما دیجئے اور راستہ عنایت فرما دیجئے غرضکہ اون صحابی نے یہ عرض کیا کہ جسطرح کہ یہ لوگ اس تیہ مین مبتلا تھے اور جہان کے تہان شام کو واپس آجاتے تھے۔ اور نکلنا نصیب نہوتا تھا یہی حالت ہماری ہی کہ توبہ کرتے ہین اور حق تعالی کی رضامندی کو حاصل کرتے ہین کہ جس سے راہ حق طے ہونی ہی مگر پھر توبہ توڑ دیتے ہین اور جیسے تھے ویسے ہی ہوجاتے ہین اور پھر ناراضگی حق تعالی کی عود کر آتی ہی جس سے کہ موسے علیہ السلام کی طرح آپ بھی ناراض ہوجاتے ہین اور اوسکا اثر یہ ہوتا ہی کہ توفیق اعمال صالحہ کی نہین رہتی۔ اسلئے خدا کے لیے ایسی نظر رحمت فرمائیے کہ پھر گمراہی نہو اور پھر کبھی توبہ شکنی کی نوبت نہ آوے اور اعمال صالحہ کی توفیق مدت العمر باقی رہے آمین یارب العالمین۔ اب چونکہ ان صحابی نے حضور سے رحم کی درخواست اسطرح کی کہ اپنے گناہ مین مبتلا ہونے کو قوم موسے کے وادی تیہ مین سرگشتہ ہونے سے اور حضور کو موسے علیہ السلام سے تشبیہ دی اور پھر اُن کے قول کو اپنے لئے بھی چاہا حالانکہ ممکن تھا کہ یہ ساری باتین خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کرکے عرض کر لیتے تو ایسا نکرنیکی وجہ آگے وہ خود فرماتے ہین جسکا حاصل یہ ہی کہ وہ صحابی عرض کرتے ہین کہ چونکہ کسی شخص کی مدح اگر اوسکے سامنے کیجاوے تو اوسکو ایک قسم کی پریشانی ہوتی ہے اور وہ اوس سے اُکتاتا ہی اور پھر ایک قسم کی خوشامد اور ریا بھی ہوتی ہی۔ اسلئے مین نے حضرت موسے علیہ السلام کا قصہ بیان کرکے اوس سے آپکو تشبیہ دی اور پھر اپنی حالت کو بھی عرض کر دیا۔ انتہی اب سنو کہ فرماتے ہین کہ۔
مدح حاضر الخ۔ یعنی مدح حاضر کی چونکہ وحشت پیدا کرنیوالی ہوتی ہی اس لئے مین نے قصداً اس طرح موسے علیہ السلام کا نام لیا۔
ورنہ موسے کے الخ۔ یعنی ورنہ موسے علیہ السلام خود کب جائز رکھتے تھے کہ مین آپکے ہوتے ہوئے کسی اور کو یاد کرون مطلب یہ کہ میرا موسے علیہ السلام کے قصہ کو لانا صرف اسلئے ہی کہ اپنی تعریف سنکر کہین آپ اُکتا نہ جاوین اسلئے اونکی صفات بیان کرکے اونکی نسبت اسطرح عرض کر دیا۔ کہ بس یہی حالت ہماری اور آپکی ہی ورنہ بھلا مین تو کیا موسی علیہ السلام بھی اسکو روا نہ رکھتے کہ آپکے ہوتے ہوئے اور اونکی تعریف کیجاوے نعوذ باللہ بلکہ صرف مقصود یہ تھا کہ آپکو ہماری حالت معلوم ہوجاوے بس اسکو فرما کر آگے پھر انتقال ہی اور پر جو دعا فرمائی تھی کہ ؎ یارب این بخشش نہ حد کار ماست الخ اب آگے بھی مولانا درگاہ باری مین دعا فرماتے ہین کہ۔

شرح حبیبی

عہد ما بشکست صد بار و ہزار — عہد تو چون کوہ ثابت بر قرار
عہد ما کاہ و بہر بادے زبون — عہد تو کوہ و ز صد کہ ہم فزون
حق آن رحمت کہ بر تلوین ما — رحمتے کن اے امیر لونہا
خویش را دیدیم و رسوائے خویش — امتحان ما مکن اے شاہ بیش
تا فضیحتہائے دیگر را نہان — کردہ باشی اے کریم مستعان
بیحدی تو در جمال و در کمال — در کژی ما بیحدیم و در ضلال
بیحدی خویش بگمار اے کریم — بر کژی بیحد مشتے لئیم
ہین کہ از تقطیع ما یک تار ماند — مصر بودیم و یکے دیوار ماند
البقیہ البقیہ اے خدیو — تا نگردد شاد کلی جان دیو
بہر مانی بہر آن لطف نخست — کہ تو کردی گمرہان را باز جست
چون نمودی قدرتت بنمائے رحم — اے نہادہ رحمہا در شحم و لحم
زین دعا گر خشم افزاید ترا — تو دعا تعلیم فرما مہترا
آنچنان کادم بیفتاد از بہشت — رجعتش دادی کہ رست از دیو زشت

اے اللہ ہمارا عہد اطاعت کامل سیکڑون بلکہ ہزارون بار ٹوٹ چکا ہے اور تیرا عہد انعام واکرام ہنوز پہاڑ کی طرح ثابت و برقرار ہے ہمارا عہد تو ایک تنکے کی مثل اور ہر باد ہوائے نفس سے متزلزل اور کمزور ہو جاتا ہے۔ تیرا عہد پہاڑ ہے بلکہ سو پہاڑون سے بھی بڑھکر ہے۔ تجھے اس قدرت کی قسم جو تجھکو ہماری تلوین و تغیر پر حاصل ہے ہم پر رحم کر۔ ہمنے اپنے کو بھی دیکھ لیا اور اپنی رسوائی کو بھی دیکھ لیا اے شہنشاہ اس سے زیادہ ہمارا امتحان نکر دیکھ ہماری دیگر رسوائیونکو چھپا لینا رہم مین اب برداشت کی قوت نہین ہے اقول ہذا وجہ سما قال ملا علی القاری بل ہو الصواب وما قالہ یا باہ السباق والسیاق فتدبر۔ تو جمال و کمال مین بیحد ہے اور ہم بھی گمراہی مین بیحد ہین۔ پس اپنی بیحدی کو اس ناچیز کی کجی بیحد پر مسلط کر دے اور اسکو زائل کر دے دیکھ ہمارے کپڑے کا ایک تار باقی رہگیا ہے اور ہم ایک شہر تھے اب صرف ایک دیوار باقی رہگئی ہے یعنی ہم بہت تباہ و برباد ہو چکے اب ہماری کامل تباہی مین تھوڑی ہی کسر باقی ہے پس اے اللہ تو اس بقیہ کی حفاظت کر۔ اور اسکو فنا ہونے سے بچا ایسا نہو کہ ہم بالکل تباہ ہوجاوین اور شیطان کو پوری خوشی حاصل ہو جاوے تو یہ ہمارے لئے نکر کیونکہ ہم تو اس قابل نہین کہ ہم پر کچھ رحم کیا جاوے۔ بلکہ تو اپنی اس لطف قدیم پر نظر کرکے ایسا کر جس سے گمراہون کی دوبارہ دستگیری فرمائی ہے اور ان کی ہدایت کے لیے پیغمبر کو بھیجا ہے۔ اے اللہ تو گوشت پوست مین رحم پیدا کرنیوالا ہے تو اپنی قدرت دکھلا چکا اور ہم دیکھ چکے اب رحم کر کہ ہم مین اس سے زیادہ تاب نہین۔ اگر میری دعائے سابق کی طرح یہ دعا بھی تجھے ناپسند ہو تو اے سردار تو کوئی اور دعا تعلیم فرما۔ جس طرح تونے حضرت آدمؑ کو توبہ کی تعلیم فرما کر شیطان کے پنجہ سے چھڑایا تھا۔ جبکہ آدم علیہ السلام بہشت سے نیچے اتارے گئے تھے۔ (تنبیہ یہ مناجات جسطرح صحابی کی ہوسکتی ہے یون ہی مولانا کی بھی ہوسکتی ہے گو دلی محسند نگار کرتا ہے اور اسکا مخاطب جناب رسول اللہ کو بناتا ہے لیکن اسکا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب ٹھیرانا

تو باطل ہی۔ اور مناجات مولانا ہونے سے انکار غیر موجہ بلکہ اسکا مناجات مولانا ہونا ہی اظہر ہی۔ واللہ اعلم۔

شرح شبیری عہد ما بشکست الخ۔ یعنی ہمارا عہد تو سیکڑون اور ہزارون مرتبہ ٹوٹا ہی اور اے اللہ آپکا عہد اوسی طرح ثابت اور برقرار ہی۔

عہد ما کاہ الخ۔ یعنی ہمارا عہد تو ایک تنکا ہی کہ ہر ہوا سے مغلوب ہے اور آپکا عہد ایک پہاڑ ہی بلکہ سیکڑون پہاڑون سے بھی زیادہ (مضبوط ہی)۔

حق آن الخ۔ یعنی اے مالک اموال اُس قوت (عہد) کے طفیل مین ہماری اس تلوین (عہد) پر رحم فرمائیے (اور ہماری حالت کو مبدل باستقامت و دوام فرما دیجئے)۔

خویش را دیدیم الخ۔ یعنی ہم نے اپنے آپکو اور اپنی رسوائی کو دیکھ لیا ہی اب اے شہنشاہ ہمارا زیادہ امتحان نہ کیجئے اس لئے کہ۔

تا فضیحتہا ئے الخ۔ یعنی تاکہ اے کریم مستعان وہ رسوائیان جنکو کہ آپنے ہم سے پوشیدہ کیا ہی ظاہر نہو جاوین اس لئے جو ہولیا ہو لیا آیندہ معاف فرمائیے اور ہماری حالت تلوین کو استقامت اور دوام علی الطاعت سے مبدل فرما دیجئے۔

بیحدی تو الخ۔ یعنی آپ تو جمال اور کمال مین بیحد ہین اور ہم گمراہی اور کجی مین بیحد ہین۔

بیحدی خویش الخ۔ یعنی اے کریم اپنی بیحدی کو ایک مٹی خاک لئیم کی بیحد کجی پر مقرر فرما دیجئے۔ مطلب یہ کہ اپنے لطف و کرم بیحد کو ہماری اس گمراہی اور بیحد کجی پر مقرر فرما دیجئے تاکہ ہماری اصلاح ہو جاوے۔

ہین کہ از تقطیع الخ۔ یعنی اب تو ہماری لباس (تقوی) مین سے ایک وبا گار رہگیا ہی اور ہم ایک شہر تھے اور ایک دیوار باقی رہگئی ہی

البقیہ البقیہ الخ۔ یعنی اے شہنشاہ باقی ہی کی حفاظت فرمائیے تاکہ کہین اس شیطان کی جان پوری طرح خوش نہو۔ البقیہ البقیہ کی تقدیر ہی احفظ البقیہ احفظ البقیہ۔ مطلب یہ ہی کہ ہماری حالت بہت ردی ہوگئی اور تقوی کو اور اوس استعداد فطری کو بہت تلف کر چکے ہین لیکن اگر اب بھی آپ دستگیری فرماوین گے اور آپکا لطف شامل ہوگا تو امید ہے کہ پھر کچھ سنبھل جاوین ورنہ خوف ہی کہ کہین اس استعداد کو بالکلیہ ہی نہ کھو بیٹھین اور خدانخواستہ نوبت کفر تک آجاوے نعوذ باللہ۔ اور پھر شیطان کو پوری طرح خوش ہونیکا موقعہ ملجاوے۔ لہذا رحم فرمائیے اور دستگیری کیجئے۔

بہر ما نے بہر آن الخ۔ یعنی ہماری وجہ سے نہین بلکہ اوس لطف ازلی کے طفیل سے جس سے کہ آپنے گمراہون کو ہدایت فرمائی ہے۔

چون نمودی الخ۔ یعنی جب آپنے اپنی قدرت دکھائی ہی تو رحم کو بھی دکھائیے۔ اے وہ ذات کہ آپ نے رحم کو گوشت پوست مین رکھا ہی مطلب یہ ہی کہ جب آپنے تغیر احوال مین اپنی قدرت کا ظہور فرمایا ہی کہ ہمکو جسطرح چاہا بدل دیا تو اب رحم فرمائیے اور اسکا بھی ظہور فرمائیے آپکی تو وہ ذات ہی کہ آپنے انسان مین جو کہ گوشت پوست سے بنا ہوا ہی۔ رحم کی صفت ودیعت رکھدی ہی تو پھر آپ تو بدرجہ اولے رحم فرماوین گے۔ اب چونکہ انسان تو حق تعالیٰ کے آگے کوئی نسبت ہی نہین رکھتا نہ اوسکو آداب کی خبر ہے نہ کہین کی بلکہ جو کچھ ہی اوس خالق حق کا سکھلایا ہوا ہی اور پھر اوس مین بھی کوتاہیان ہو جاتی ہین اسلئے کہتے ہین کہ۔

این دعا گر خشم افزاید الخ - یعنی اگر یہ دعا آپکے غصہ مین ترقی کرے تو اے اللہ آپ ہی کوئی دعا بھی تعلیم فرمائیے -
آنچنان کادم الخ - یعنی جسطرح کہ آدم علیہ السلام بہشت سے گر پڑے تھے تو آپنے اونکو رجوع فرما دیا تھا کہ وہ اس شیطان ملعون سے چھوٹ گئے تھے اسیطرح ہمکو بھی رجوع فرمالیجئے اور ہمکو بھی آپ ہی دعا سکھا دیجئے آگے فرماتے ہین کہ

شرح حبیبی

دیو کہ بود کو ز آدم بگذرد ... بر چنین نطعے از و بازی برد
در حقیقت نفع آدم شد ہمہ ... لعنت حاسد شد آن بد مدمہ
بازیٔ دید و دو صد بازی ندید ... پس ستون خیمۂ خود را برید
آتشے زد شب بکشت دیگران ... باد سوئے کشت او گردش روان
چشم بندے بود لعنت دیو را ... تا زیان خصم دید آن ریو را
ہم زیان جان او شد ریو او ... خود تو گوئی بود آدم دیو او
لعنت این باشد کہ کژ بینش کند ... حاسد و خود بین و پر کینش کند
تا بداند کہ ہر آن کو بد کند ... عاقبت باز آید و بر وے زند
جملہ فرزین بندہا بیند بعکس ... مات بر وے گردد و نقصان و نکس
زانکہ گر او ہیچ بیند خویش را ... مہلک و ناسور بیند ریش را
درد خیزد زین چنین دیدن درون ... درد او را از حجاب آرد برون
تا نگیرد مادران را درد زہ ... طفل در زادن نیابد ہیچ رہ
این امانت در دل و جان حاملہ است ... این نصیحتہا مثال قابلہ است
قابلہ گوید کہ زن را درد نیست ... درد باید درد کودک را رہیست
آنکہ او بے درد باشد رہزنست ... زانکہ بے دردے انا الحق گفتنست
آن انا بے وقت گفتن لعنت است ... وین انا در وقت گفتن رحمت است
آن انا منصور را رحمت بدہ ... وین انا فرعون را لعنت بدہ
لاجرم ہر مرغ بے ہنگام را ... سر بریدن واجب است اعلام را
سر بریدن چیست کشتن نفس را ... در جہاد و ترک گفتن لمس را
آنچنان کہ نیش کژدم بر کنی ... تا کہ یابد او ز کشتن ایمنی
بر کنی دندان پر زہرے ز مار ... تا رہد مار از بلائے سنگسار

اب مولانا فرماتے ہین کہ شیطان کی کیا مجال ہے کہ آدم علیہ السلام پر غالب ہوجاوے اور اس بساط پر ان سے بازی لیجاوے گو وہ سمجھتا تھا کہ مین آدم کو نقصان پہونچا رہا ہون - لیکن فی الحقیقت آدم علیہ السلام کو اس سے کچھ ضرر نہین پہونچا بلکہ اونکو سراسر نفع ہوا ہان وہ فریب خود اس حاسد کیلیے موجب مزید بعد عن الحق ہو گیا - اونسنے

صرف ایک چال دیکھی۔ لیکن حق سبحانہ کی سیکڑون تدبیرونکو اوسنے بالکل نظرانداز کردیا اسلئے اوسنے اپنے خیمہ کا ستون خود اوکھیڑ ڈالا اور اپنا نقصان خود کرلیا۔ اوسنے رات کو دوسرونکی کھیتی مین آگ لگائی لیکن ہوا اسکو خود اسکی کھیتی کی طرف لیگئی۔ لہذا اس تدبیر سے خود اسی کا نقصان ہوا لعنت مقدرۂ حق سبحانہ نے اوسکی آنکھون کو بند کردیا تھا کہ اوسنے اپنے مکر مین دوسرے کا نقصان دیکھا اور اپنا ضرر نہ سمجھا پس وہ مکر خود اوسکی جان کا وبال ہوگیا۔ لہذا یون کہنا چاہیئے کہ شیطان نے آدم کو نقصان نہین پہونچایا بلکہ آدم نے شیطان کو نقصان پہونچایا وہ لعنت مقدرہ ہی ہے جسنے اوسکو غلط بین جاہل خودبین اور دشمن بنایا تاکہ اوسے معلوم ہوجاوے کہ جو شخص برائی کرتا ہے انجام کار وہ برائی اوسکی طرف لوٹتی اور اسی کو لاحق ہوتی ہے۔ وہ اپنے تمام داؤن پیچ انکو منقلب پاتا ہے اور اوسکو مات ہوتی ہے۔ اوسکو ضرر ہوتا ہے وہی سرنگون ہوتا ہے۔ لعنت ظاہرہ سبب از خودبینی و ماتیفرع منہ اور لعنت مقدرہ سبب خودبینی و ماتیفرع منہ اسلئے ہے کہ اگر وہ اپنے کو ہیچ سمجھے اور اپنے معمولی زخم کو بھی ناسور اور مہلک سمجھے اور تھوڑی برائی کو بھی بہت خیال کرے تو اوسکے اندر سوز وگداز پیدا ہو اور وہ اوسکو حجاب سے نکالکر مقرب بنادے پھر وہ ملعون کاہے کو ہو۔ پس معلوم ہوا کہ خودبینی و ماتیفرع منہ کا لازمی نتیجہ لعنت ہے۔ آگے مولانا درد کی ضرورت اور خودبینی کا منشا بیان فرماتے ہین اور فرماتے ہین کہ درد کی ضرورت ہے کیونکہ جب تک ماؤن کے لیے دردزہ عارض نہین ہوتا بچہ ہرگز پیدا نہین ہوتا پس یون ہی سمجھو کہ نتائج محمودہ دل و جان کے اندر مضمر ہین اور وہ ان سے حاملہ ہین اور نصیحتین بمنزلہ دائی کے ہین پس نصیحتونکے موثر ہونے اور نتائج محمودہ کے پیدا ہونیکے لئے درد کی ضرورت ہے اگر درد دل نہو تو نصائح کارآمد نہین ہوسکتین کیونکہ وہ کہین گے کہ ہم تو دائی ہین عورت کو دردزہ ہی نہین ہم بچہ کسطرح پیدا کرین۔ لہذا ثابت ہوا کہ درد دل کی ضرورت ہے اور درد دل ہی نتائج محمودہ کے پیدا ہونیکا ذریعہ ہے اور جس مین وہ درد نہین وہ رہزن ہے کیونکہ بے دردی سبب ہے انا الحق کہنے اور خودبینی کا اور خودبینی سبب ہے رہزنی کا پس معلوم ہوا کہ بیدرد رہزن ہے اسپر یہ شبہ نہ کیا جاوے کہ انا الحق تو منصور نے بھی کہا تھا پھر وہ بیدردی سے ناشی کیون نہ تھا۔ کیونکہ مقصود یہ ہے کہ انا الحق بیوقت کہنا بیدردی سے ناشی اور موجب لعنت ہے۔ رہا وقت پر انا الحق کہنا سو وہ درد سے ناشی ہے اور موجب رحمت ہے چنانچہ منصور نے اپنے کو فنا کرکے انا الحق کہا لہذا وہ اونکے لئے رحمت ہوگیا اور فرعون نے خودبینی سے انا الحق کہا وہ اوسکے لئے لعنت ہوگیا اس بیان سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بے وقت اذان دینے والے مرغ کی طرح بیوقت انا الحق کہنے والے خودبین کا سر اڑا دینا واجب ہے۔ مقصد یہ ہے کہ منشا انا الحق کہنے اور خودبینی کا نفس ہے لہذا اسکو مجاہدات سے مار ڈالنا چاہیئے اور شہوت رانی وغیرہ مقتضیات نفس کو خیرباد کہنا چاہیئے تاکہ یہ ہلاک ابدی سے بچ جاوے جسطرح کہ بچھو کا ڈنک اسلئے توڑ دیا جاتا ہے کہ وہ مارے جانے سے بچ جاوے اور زہریلے سانپ کے دانت اسلئے توڑ دئے جاتے ہین کہ وہ سنگساری سے محفوظ رہے اسکے بعد مولانا نفس کشی کی تدبیر ارشاد فرماتے ہین۔

ہیچ نکشد نفس را جز ظل پیر	دامن آن نفس کش را سخت گیر
چون بگیری سخت آن توفیق ہوست	در تو ہر قوت کہ آید جذب اوست
مارمیت اذ رمیت راست دان	ہرچہ دارد جان بود از جان جان
دست گیرندہ ویست و بردبار	دمبدم آن دم ازو امیددار

نیست غم گر دیر بے او ماندۂ	دیر گیر و سخت گیرش خواندۂ
دیر گیرد سخت گیرد رحمتش	یک دمت غائب ندارد حضرتش
ور تو خواہی شرح این فضل و ولا	از سر اندیشہ میخوان والضحیٰ

جب ہم تم کو نفس کشی کی ضرورت بتلا چکے اور یہ بھی بتلا چکے کہ یہ مجاہدہ و ریاضت سے حاصل ہوتی ہے تو اب سمجھ کہ مجاہدہ و ریاضت بدون پیر کے مکمل نہین ہو سکتا۔ کیونکہ بدون شیخ کامل کے مجاہدہ مین ضرر کا اندیشہ ہے اس سے ثابت ہوا کہ نفس کشی بدون شیخ کامل کی تربیت کے نہین ہو سکتی۔ پس تمکو چاہیے کہ اس نفس کشی کا دامن مضبوط پکڑ لو اور جب تم دامن مضبوط پکڑ لو تو تمکو عجب مین مبتلا نہ ہونا چاہیے بلکہ سمجھنا چاہیے کہ یہ توفیق ہے حق سبحانہ کی اور تم مین جو قوت محمودہ پیدا ہو اوسکو ادھر ہی کا جذب سمجھنا چاہیے چنانچہ حق سبحانہ فرماتے ہین مارمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمے۔ یعنی اسے رسول یہ کنکریان مارنا خود تمھاری ذاتی قدرت سے نہین تھا بلکہ یہ بھی ہماری ہی توفیق تھی اور اسپر جو نتیجہ مرتب ہوا وہ بھی تمھارا فعل نہین بلکہ ہمارا فعل ہے لہذا یون کہنا چاہیے کہ گویا تمنے نہین پھینکین بلکہ ہمنے پھینکین ہین لہذا یہ بالکل سچ ہے کہ تمکو اسکی تصدیق کرنا چاہیے اور دیگر امور کو بھی اسی پر قیاس کرنا چاہیے اور سمجھنا چاہیے کہ جان کے اندر جو بات پیدا ہو وہ حق سبحانہ ہی کی طرف سے ہے وہی مددگار ہے۔ اور بڑا مہربان ہے تم کو ہر وقت اوس سے جذب کا امیدوار رہنا چاہیے۔ اگر جذب مین تاخیر ہو گئی ہے اور تم اوس سے عرصہ تک جدا رہے ہو اور اسلئے تمنے اوسکو پریشان ہوکر اور گھبرا کر دیر تک گرفت کرنے والا اور سخت گرفت کرنے والا سمجھا ہے تو کوئی فکر کی بات نہین تمکو مایوس نہ ہونا چاہیے یہ صحیح ہے کہ کبھی کبھی بمقتضائے حکمت و مصلحت دیر تک پکڑتے ہین اور سخت گرفت کرتے ہین لیکن یہ عتاب ظاہری ہوتا ہے ورنہ اوسکی رحمت تمکو ایک لحظہ کے لئے بھی اوسکے حضور سے جدا نہین ہونے دیتی۔ اگر تمکو اس عنایت و محبت کی شرح کی ضرورت ہے تو غور سے والضحیٰ پڑھو اس مین قسم کھا کر فرمایا گیا ہے ماودعک ربک وما قلیٰ وللاخرۃ خیر لک من الاولےٰ جسکا حاصل یہ ہے کہ مفارقت ظاہری اسلئے نہین تھی کہ ہمنے تمکو چھوڑ دیا ہو اور تم سے بغض رکھا ہو بلکہ اس مین تمھاری مصلحت تھی۔

شرح شبیری دیو کہ بود الخ۔ یعنی دیو کیا ہے کہ وہ آدم علیہ السلام سے بڑھ جاوے اور ایسے بساط شطرنج پر اونسے بازی لیجاوے۔ مطلب یہ کہ جب آپکی عنایت حضرت آدم علیہ السلام کے شامل حال تھی تو پھر اوس شیطان لعین کی کیا ہمت تھی کہ اونسے بڑھ جاتا اور جیت جاتا بلکہ۔

درحقیقت الخ۔ یعنی وہ سارا مکر و فریب حقیقت مین آدم علیہ السلام کا تو نفع ہو گیا اور حاسد کی لعنت کا سبب ہو گیا۔

بازیٔ دید الخ۔ یعنی اوسنے ایک بازی تو دیکھ لی اور دو سو اور بازیان نہ دیکھین لہذا اپنے خیمہ کے ستونکو کاٹ ڈالا یہ مثال ہے مطلب یہ ہے کہ اوس شیطان لعین نے یہ تو دیکھا کہ میرے اس حنطہ کے کھلا دینے سے یہ جنت سے نکل جاوینگے مگر اوسکو اسکی خبر نہ تھی کہ اوسکے اندر بہت حکم و مصالح پوشیدہ ہین کہ اوسکے ذریعہ سے آدم علیہ السلام کو ظہور اسماء جلالیہ کا ہو گیا مثلاً وعلیٰ ہذا لہذا اسکی ایسی مثال ہو گئی کہ کسی شخص نے خیمہ کا بانس کاٹ ڈالا تاکہ فلان دوسرا شخص جو اوسکے اندر ہے مر جاوے بس اسبات پر تو نظر ہوئی مگر اسمین جو اور منفعتین تھین اوسکی ان حضرت کو خبر ہی نہ ہوئی اور نہ اسکی خبر ہوئی کہ میرا بھی نقصان ہے کہ خیمہ بیکار ہو جاویگا۔

آتشے الخ۔ یعنی دوسرے کے کھیت مین رات کو آگ لگائی تھی ہوانے خود اوسکے کھیت کی طرف آگ کو روانہ کر دیا یہ بھی

مثال ہی مطلب یہ ہی کہ اوسکی ایسی مثال ہوگئی کہ کسی نے دوسرے کے کھیت مین آگ لگائی اور اوسکی نقصان دہی کے لیے دوسرے ہوا نے اوس آگ کو اڑاکر اوسکے کھیت مین لاڈالا تو اس شیطان نے چاہا تھا حضرت آدم علیہ السلام کا نقصان اور ہوگیا خود اوسکا نقصان خسر الدنیا والآخرة نعوذ باللہ منہ۔

چشم بندی الخ۔ یعنی اوس دیو کی لعنت کا سبب اوسکی چشم بندی تھی یہانتک کہ اوسنے اوس مکر کو اپنے مقابل کا نقصان جانا مطلب یہ کہ چونکہ یہ حقیقت سے اندھا تھا اسلیے یہ ملعون ہوا اور نہ سمجھ جاتا کہ اونکا کوئی نقصان نہین بلکہ نفع ہی اور سراسر میرا ہی نقصان ہی تو یہ حقیقت سے آنکھ بند ہونیکی وجہ سے ہوا۔

ہم زیان الخ۔ یعنی اوسکا مکر اوس ہی کی جان کے نقصان کا باعث ہوگیا جیسے کہ تم کہو کہ آدم ہی اوسکے گمراہ کنندہ ہوگئے اسلیے کہ آخر سبب ظاہری تو آدم علیہ السلام ہی ہوئے۔

لعنت آن باشد الخ۔ یعنی لعنت وہ ہوتی ہی کہ اوسکو (ملعون کو) کج بین کردیتی ہی اور حاسد اور خودبین اور پرکینہ اوسکو کردیتی ہی۔

تا بداند الخ۔ یعنی تاکہ جان لے کہ جو کوئی برائی کرتا ہی یقیناً وہ واپس ہوکر اوسی پر پڑتی ہی (جیسے کہ مثل مشہور ہی کہ چاہ کن راچاہ درپیش) اسی کا مصداق ہوجاتا ہی۔

جملہ فرزین الخ۔ یعنی ساری فرزین کی قیدین بالعکس ہوجاتی ہین اور مات ایسے شخص پر پڑتی ہی اور نقصان اور سرنگونی فرزین شطرنج کے وزیر کو کہتے ہین چونکہ اوسکے قید کرلینے سے دوسرے کو مات ہوجاتی ہی اسلئے کہتے ہین کہ فرزین کی ساری قیدین اولٹی ہونگی اور فرزین کی قید سے مراد تدبیر ہے۔ اب مطلب یہ ہی کہ جب حق تعالیٰ کی طرف سے کسی پر لعنت ہوتی ہے تو اوسکا یہ اثر ہوتا ہی کہ وہ شخص کج بین ہوجاتا ہی اور اوسکو حقیقت کی خبر ہی نہین رہتی اور جو تدابیر کہ دوسرے کے نقصان کی سوچتا ہی وہ خود اوسی پر پڑتی ہین۔ آگے لعنت کیوجہ سے تدابیر کے اولٹے ہونیکی وجہ فرماتے ہین کہ۔

زانکہ گر او ہیچ الخ۔ یعنی اسلئے کہ اگر وہ اپنے کو ہیچ دیکھتا اور اپنے زخم کو مہلک اور ناسور جانتا۔

درد خیزد الخ۔ یعنی اس دیکھنے سے دلمین درد اٹھتا اور درد اوسکو حجاب سے باہر لاتا مطلب یہ ہی کہ اگر لعنت حق نہوتی تو اوس سے حق تعالیٰ خوش ہوتے اور اوس خوشی کا اثر یہ ہوتا کہ حقائق اشیا اوسپر منکشف ہوتین اور جب حقائق اشیا پر منکشف ہوتین تو اون کی طلب ہوتی اور طلب مین درد پیدا ہوتا۔ تو یہ درد اور طلب اس حجاب باطن سے اوسکو چھڑا دیتے اور کل تدابیر راس آتین مگر اب جبکہ لعنت ہی تو نہ رحمت ہی اور نہ اوسکا اثر ہی لہذا ساری تدابیر اولٹی ہوتی ہین آگے درد کی فضیلت بیان فرماتے ہین کہ مطلق درد ظاہری کی بہت سی برکات ہین اور اوسنے بہت سے فائدے ہین تو جو درد کہ حق تعالیٰ کےلیے ہوگا اوس مین کیون فائدے نہونگے فرماتے ہین کہ۔

تا نگیرد الخ۔ یعنی جب تک کہ ماںکو درد زہ نہو تو بچہ کو پیدا ہونیکا کوئی راستہ ہی نہین مل سکتا۔ تو اسی طرح جب تک کہ قلب مین درد نہو اسوقت تک اوس سے علوم و معارف و حقائق پیدا نہین ہوتے۔

این امانت الخ۔ یعنی یہ امانت دل اور جان مین حاملہ ہی اور یہ نصیحتین دائی کیطرح ہین۔

قابلہ گوید کہ زن الخ۔ یعنی دائی کہتی ہی کہ عورت کے درد ہی نہین ہی اور درد چاہیے اسلئے کہ درد ہی بچہ کےلیے راستہ ہے مطلب یہ کہ یہ علوم و معارف تو دل اور جان مین ایسے ہین جیسے کہ حاملہ کے اندر بچہ ہوتا ہی اور یہ پند و نصائح دایہ

کی طرح ہین اور دایہ صرف معین ومددگار رہوتی ہی کہ جب بچہ پیدا ہوا اور نکلنا چاہے تو وہ سنبھال لے اور بچہ جب درد ہو تو اوسوقت خود ہی پیدا ہوتا ہی اسیطرح یہ علوم ومعارف بھی اوسوقت پیدا ہوتے ہین جب دلمین درد ہو اور اگر درد نہو تو یہ نصایح وپند بھی سب بے سود ہین۔ اسلئے کہ یہ تو صرف معین ومددگار رہین اگر کوئی شئے پیدا ہونا چاہے تو اوسکی مدد کر سکتے ہین اور اوسکو سنبھال سکتے ہین۔

آنکہ او بے درد الخ۔ یعنی جو شخص کہ بے درد ہوگا وہ رہزن ہی اسلئے کہ بیدردی انا الحق کہنا ہی۔ مطلب یہ کہ جسکے دلمین درد نہین وہ خود تو گمراہ ہے ہی اورونکا بھی رہزن ہے اسلئے کہ اس بیدردیکا یہ اثر ہوگا کہ اس سے طلب تو ہوگی نہین لہذا خودبینی وغیرہ آثار پیدا ہونگے۔ اور اوسوقت بوجہ حقیقت ناشناسی کے وجود مستقل اپنا سمجھے گا کہ جس سے خود گمراہ ہوگا اور اورون کو گمراہ کریگا۔ اور جب حال نہو تو انا الحق کے بھی یہی معنی ہین۔ جیسا کہ فرعون نے اپنے وجود کے استقلال کی وجہ سے انا ربکم الاعلٰی کہا تھا۔ اب یہان ظاہر الفاظ سے یہ شبہ ہوسکتا تھا کہ جب انا الحق کہنا گمراہی ہی تو پھر منصور نے بھی تو کہا تھا وہ بھی خدانخواستہ گمراہ ہوئے تو چونکہ مولانا محقق اور شیخ کامل ہین لہذا اسکا بھی جواب فرماتے ہین کہ

آن انا بیوقت الخ۔ یعنی وہ انا بیوقت کہنا تو موجب لعنت کا ہی اور یہ انا وقت کے اندر کہنا موجب رحمت ہی اور وہ وقت وہ ہے کہ جب اپنے وجود کا اضمحلال اور اوسکا کالعدم ہونا پیش نظر ہو اسوقت انا الحق کہنا رحمت ہی کہ اوسکے اندر وجود حق کا استقلال اور اپنے وجود کا اضمحلال ہی اور اگر یہ حالت نہین ہی بلکہ اپنے وجود کے استقلال کے اظہار کے لیے کہہ رہا ہی تو موجب لعنت ہونا ظاہر ہی آگے دونو نکی نظیرین بیان فرماتے ہین۔ کہ

آن انا منصور الخ۔ یعنی وہی انا منصور کے لیے تو موجب رحمت تھا اور وہی انا فرعون کے لیے موجب لعنت تھا۔ اسلئے کہ ایکنے تو اپنے وجود کے عدم کے لیے کہا تھا وہ تو رحمت ہوگیا اور دوسرے نے اپنے وجود کے استقلال کے لیے کہا تھا وہ موجب لعنت ہوا۔

لاجرم ہر مرغ الخ۔ یعنی پس ہر مرغ بے ہنگام کا سر کاٹنا اعلان کے لیے ضروری ہوا۔ کسی زمانہ مین رسم تھی کہ جو مرغ کہ بیوقت اذان دیتا تھا اوسکو ذبح کر دیتے تھے اسلئے اوس سے مثال دیکر مولانا فرماتے ہین کہ جس طرح اوس کے بیوقت اذان دینے کی وجہ سے گردن ماری جاتی تھی۔ اس کے بیوقت انا الحق کہنے کی وجہ سے چاہیے کہ سر کاٹ ڈالین آگے فرماتے ہین کہ۔

سر بریدن الخ۔ یعنی سر کاٹنا کیا ہی نفس کا مار ڈالنا ہی مجاہدہ مین اور لذات کے ترک مین۔ لہذا جب تم نفس کشی کرلوگے تو اوس سے پھر خودبینی پیدا نہوگی۔

آنچنان کہ الخ۔ یعنی جسطرح کہ بچھو کا ڈنک اوکھاڑ دو تو وہ مارے جانے سے بیخوف ہوجاتا ہی۔

بر کنی دندان الخ۔ یعنی سانپ کے زہر سے بھرے ہوئے دانت اوکھاڑ دو تاکہ وہ سنگساری کی بلا سے چھوٹ جاوے تو اسی طرح جب تم نفس کشی کرلوگے تو اور تو اسکے شر سے بچین ہی گے مگر اسکو بھی یہ فائدہ ہوگا کہ سرزنش سے بچ جاویگا جیسا کہ اوپر کی دونون مثالون سے واضح ہے۔ آگے فرماتے ہین۔

ہیچ نکشد الخ۔ یعنی نفس کو سوائے پیر کے سایہ کے اور کوئی مار نہین سکتا۔ تو تم اوس نفس کے مارنے والے کے دامن کو مضبوط پکڑ لو۔

چون تو گیری الخ - یعنی جب تو مضبوط پکڑلے گا تو وہ توفیق حق ہوگی اور جان لے کہ تجھ مین جو قوت بھی آوے وہ جذب حق ہے اور اوسکی توفیق ہی - بلکہ شیخ کو تو ایسا سمجھ کہ -

ما رمیت اذ رمیت الخ - یعنی ما رمیت اذ رمیت کو درست جا تو وہ جو کچھ کہ رکھتا ہی وہ جان جان ہی سے ہی - مطلب کہ اسکے جو تصرفات ہین وہ تصرفات حق ہی ہین اسلئے کہ وہ تو بی یسمع اور بی یبصر اور بی ینطق کا مصداق ہوگیا ہی -

دستگیرنده الخ - یعنی ہاتھ پکڑنے والا تو وہی ہی اور بردبار تو دمبدم اوس دم کی اوس سے امید رکھ - اور چونکہ بعض مرتبہ سالک کو وصول مین دیر ہوتی ہی تو وہ اکتا جاتا ہی اسلئے فرماتے ہین کہ -

نیست غم گر دیر بے الخ - یعنی اگر دیر تک تم بے اوسکے رہے ہو تو کوئی غم نہین ہی اسلئے وہ دیر مین پکڑتا ہی مگر اوسکو سخت گیرہ پڑھا ہی مطلب یہ کہ اگرچہ دیر مین حاصل ہو مگر جب ملجاتا ہی تو پھر ایسا مضبوط پکڑتا ہی کہ پھر نہین چھوڑتا جیسا کہ مسئلہ تصوف کا ہی کہ الفانی لا یرد تو جب تمکو معلوم ہی کہ دیر گیرد ولے سخت گیرد تو پھر گھبرانیکی کون بات ہی -

دیر گیرد الخ - یعنی اوسکی رحمت دیر مین پکڑتی ہی مگر سخت پکڑتی ہی پھر ایکدم کے لیئے اپنی بارگاہ سے تجھے غائب نکریگی -

در تو خواہی الخ - یعنی اور اگر تو اس فضل اور بخشش کی شرح چاہتا ہی تو ذرا سوچ سمجھکر والضحیٰ کو پڑھ لو - مطلب یہ کہ والضحیٰ مین ہے ما ودعک ربک وما قلیٰ تو دیکھو جب وحی مین دیر ہوئی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم پریشان ہوئے تو یہی ارشاد ہوا جب پکڑ لیتے ہین تو چھوڑتے نہین ہین لہذا گھبرانیکی بات نہین ہی تو اسی طرح اگر دیر بھی ہو تو پریشان مت ہو -

شرح حبیبی

ور تو گوئی ہم بدیہا از ویست　　لیک آن نقصان فضل او کی است

آن بدی دادن کمال اوست ہم　　من مثالے گویمت اے محتشم

مثال در بیان معنی ان تو من بالقدر خیره و شره

کرد نقاشے دو گونہ نقشہا　　نقشہائے صاف و نقش بے صفا

نقش یوسف کرد و حور خوش سرشت　　نقش عفریتان و ابلیسان زشت

ہر دو گونہ نقش اوستادی اوست　　زشتئ او نیست آن رادی اوست

خوب را در غایت خوبی کشد　　حسن عالم چاشنے از وی چشد

زشت را در غایت زشتی کند　　جملہ زشتیہا بگرد او تنند

تا کمال دانشش پیدا شود　　منکر اوستادیش رسوا شود

ور نتاند زشت کردن ناقص است　　زین سبب خلاق گبر و مخلص است

پس ازین رہ کفر و ایمان شاہدند　　بر خداوندیش ہر دو ساجدند

لیک مومن دانکہ طوعاً ساجد است　　زانکہ جویائے رضا و قاصد است

ہست کرہاً گبر ہم یزدان پرست　　لیک قصد او مراد دیگر ست

قلعہ سلطان عمارت مے کند / لیک دعوی امارت مے کند
گشت باغی تا کہ ملک او را بود / عاقبت خود قلعہ سلطان را شود
مومن آن قلعہ برائے پادشاہ / میکند معمور نے از بہر جاہ
زشت گوید اے شہ زشت آفرین / قادری بر خوب و بر زشت مہین
خوب گوید اے شہ حسن و بہا / پاک گردانیدیم از عیبہا
حمد لک والشکر لک یا ذوالمنن / حاضری و ناظری بر حال من
حاصل آنکہ کو ہر آنچہ خواست کرد / خوب را و زشت را چون خار و ورد
اوست بہر پادشا نے بہر پادشا / کارساز یفعل اللہ ما یشا

اگر تم یہ سوال کرو کہ جان کے اندر جو بات بھی پیدا ہو سبکو اوسکی طرف سے سمجھو تو اس سے لازم ہی کہ برائیان بھی اوسکی طرف سے ہون اور یہ اوسکا نقص ہی تو اسکا جواب یہ ہی کہ ہم تسلیم کرتے ہین کہ برائیان بھی اوسکی طرف سے ہین مگر ہم کہتے ہین کہ یہ اوسکا نقص نہین بلکہ عین کمال ہی ہم اس مضمونکو ایک مثال سے سمجھاتے ہین تم حق سبحانہ کو ایک مصور فرض کرو اوسنے اچھی اور بری ہر قسم کی صورتین بنائی ہین یوسف اور حور عین کی تصویرین بھی اوسی نے بنائی ہین اور دیو اور شیطانونکی صورتین بھی اوسی نے بنائی ہین اب کیا کوئی کہہ سکتا ہی کہ یہ اسکا نقص ہی ہرگز نہین بلکہ یہ اوسکی عین اوستادی اور کمال ہی یہ اوسکی برائی نہین بلکہ عین حکیمی اور صناعی ہی وہ اچھے کو نہایت اچھا بناتا ہی کہ عالم کے حواس اس سے حیرت لیتے ہین اور بری کو نہایت برا بناتا ہی گویا کہ تمام برائی اوسمین جمع کر دیتا ہی یہ اسلئے کہ اسکا کمال علم و صنعت ظاہر ہو اور اسکی اوستادی کا منکر ذلیل ہو ہم تو کہتے ہین کہ اگر برے کو نہ پیدا کر سکے تو یہ اوسکا نقص ہے اسی لئے اوسنے مومن و کافر دونون کو پیدا کیا۔ تاکہ نقص کا الزام اسپر عائد نہو سکے اسی لئے کافر و مومن ہر ایک اُسکی خدائی کے شاہد اور اوسکے سامنے سرفگندہ ہین۔ مگر انمین فرق کیا ہی وہ فرق یہ ہی کہ مومن تو طوعاً منقاد ہی کیونکہ وہ طالب و قاصد رضائے حق ہی اور کافر قہراً خدا پرست ہی۔ مگر مقصود اوسکا دوسرا ہی یعنی انکار و مخالفت۔ اسلئے اسکی مثال ایسی ہی جیسے ایک باغی کہ وہ بغاوت کے لیے قلعہ بناتا ہی اور امارت کا دعوے کرتا ہی۔ اور بغاوت اسلئے کرتا ہی کہ ملک پر قبضہ کر لے لیکن نتیجہ یہ ہوتا ہی کہ وہ مغلوب ہوتا ہی اور قلعہ بادشاہ کے قبضہ مین چلا جاتا ہی تو اسنے حقیقۃً بادشاہ ہی کے لیے قلعہ بنایا تھا مگر چونکہ مقصود اوسکا اطاعت نہ تھا بلکہ مخالفت تھا اسلئے مردود ہوا۔ اور مومن اپنی وجاہت کے لیے قلعہ نہین بناتا بلکہ وہ بادشاہ کی بادشاہی کو تسلیم کرتا ہی۔ اور اسی کے لیے وہ قلعہ بناتا ہی لہذا مقرب ہی غرض کہ اچھے ہون یا برے خواہ بزبان حال ہون یا بزبان قال سب اُسکے مداح ہین اور اوسکی اوستادی و کمال کی داد دیتے ہین برا کہتا ہی کہ اے برے کے پیدا کرنے والے تو اچھے پر بھی قادر ہی اور برے پر بھی۔ اچھا کہتا ہی کہ ای شہ حسن و بہا تونے مجھے عیبون سے پاک کیا اے محسن تیرا لاکھ لاکھ شکر و احسان ہی تو حاضر و ناظر ہی میری حالت واقعی طور پر تیرے کمال کی داد دے رہی ہی۔ خلاصہ کلام یہ ہی کہ اچھون کو اچھا بھی اسی نے بنایا اور بردن کو برا بھی اوسی نے بنایا جسطرح کہ کانٹا بھی اسی نے بنایا اور پھول بھی اوسی نے اور باقتضائے حکمت جیسا چاہا ویسا بنایا کسیکو اوسپر اعتراض کا حق حاصل نہین کیونکہ یہ منصب اوسکا ہے جو خدا پر حاکم ہو۔ اور خدا پر کوئی حاکم نہین بلکہ وہ خود احکم الحاکمین ہی اوسکی شان یہ ہے لا یسئل عما

یفعل وہم یسئلون لہذا وہ فاعل مختار و حکیم ہی باقتضائے حکمت جو چاہتا ہی کرتا ہی۔

شرح شبیری

ور تو گوئی الخ۔ یعنی اور اگر تم کہو کہ یہ برائیان بھی اوسی سے ہین لیکن وہ اوسکے فضل کی کمی کب ہے مطلب یہ ہی کہ اگر شبہ ہو کہ یہ جو گناہ وغیرہ برے کام پیدا کئے اگر اونکو پیدا نفرماتے تو بہتر تھا۔ اسلئے کہ اس سے معلوم ہوتا ہی کہ خود حق تعالیٰ مین نعوذ باللہ کوئی نقص ہی جو ایسی بری چیزین اون سے صادر ہوئین تو یہ شبہ بالکل فضول ہے اسلئے کہ اونکے پیدا کرنے سے ہمین نقصان کب ثابت ہوا بلکہ۔

آن بدی الخ۔ یعنی وہ بدی دینا بھی اوسکا کمال ہی اور مین ایک مثال تم سے بیان کرتا ہون اے محتشم۔ کہ اوس سے تمکو معلوم ہو جاوے کہ خلق معاصی وغیرہ دلیل نقص نہین ہی بلکہ دلیل کمال ہی ہے

ایمان بالقدر خیرہ وشرہ کے بیان کرنے مین ایک مثال

کرد نقاشی الخ۔ یعنی کسی نقاش نے دو طرح کے نقش بنائے کچھ صاف نقش اور کچھ نقوش بے صفا (یعنی خراب)

نقش یوسف الخ۔ یعنی یوسف جیسا نقش بنایا اور ایک خوبصورت حور کا اور کچھ دیو وسکے اور شیطانان مردود کے۔

ہر دو گونہا الخ۔ یعنی دونون نقش اوسکی اوستادی ہین اور وہ اوسکی برائی نہین ہین وہ اوسکی دانائی (کی دلیل) ہین۔ مطلب یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے برے اور بھلے دونون طرح کی مخلوق پیدا فرمائی ہی مگر برونکو پیدا کرنا اور ناقصین کا ایجاد مستلزم اوسکے نقص اور برائی کو نہین ہی بلکہ دونونکا ایجاد دلیل ہی اوسکے کامل ہونیکی کہ کیا قدرت ہی کہ جیسا چاہے بنادے ورنہ اگر سب مخلوق یکسان ہی پیدا ہوا کرتی تو پھر تو وہ امر اضطراری ہو جاتا جیساکہ مشین ہوتی ہی کہ جب اوسکو چلا دیا گیا تو وہ ایک ہی سی چیز بناتی چلی جاویگی بخلاف کاریگر اور صناع کامل کے کہ وہ ہر شے کو جب دوبارہ بناویگا تو یقیناً پہلے سے اوسمین فرق ہوگا۔ اسکی ایک مثال حضرت حاجی صاحبؒ فرمایا کرتے تھے۔ سبحان اللہ عجیب مثال ہی فرماتے تھے کہ اس زشت وخوب کی تخلیق کی ایسی مثال ہی جیسے کہ کاتب کی کتابت اسلئے کہ دیکھو اگر میر پنجہ کش جیسا کاتب جو اپنے فن مین کامل ہین ایک بہت نفیس وصلی لکھکر دکھاوین تو کوئی تعجب نہین ہی اسلئے کہ یہ تو اونکا کام ہی ہی اسطرح تو وہ بالکل بے تکلف لکھ سکتے ہین کمال تو جب ہی کہ لکھین تو قلم برداشتہ مگر لکھین ایسا جیسا کہ گویا کسی سیکھتر بچے کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہی اس سے معلوم ہوگا کہ اسقدر بڑا کامل ہی کہ جو چاہے اور جس طرح چاہے لکھدے کسی ایک طرز اور ایک روش کا پابند نہین ہی اسی طرح چونکہ حق تعالیٰ جمیل ہین (جیساکہ حدیث سے معلوم ہوتا ہی کہ ان اللہ جمیل یحب الجمال) وہ اگر جمیل اور حسن کو پیدا فرمادین تو اسقدر تعجب نہین ہی جیساکہ زشت کا بنانا تعجب کی بات ہی کہ اللہ اکبر وہ ذات جسکی کہ یہ شان ہی اور وہ یہ صورتین پیدا کرے بس سوائے اسکے کہ منکر سے منکر بھی اور ملحد سے ملحد بھی پکار اوٹھے کہ وحدہٗ لاشریک ہی بے شک قادر مطلق ہی اور کوئی بات نظر نہین آتی تو دیکھو وہ شے کہ جو بظاہر ذات باری تعالیٰ مین نقص معلوم ہوتا تھا بحمد اللہ وہی موجب کمال ہو گیا اور ہو کیا گیا پہلے سے تھا اب ظاہر ہو گیا۔ وللہ الحمد۔ اسکو مولانا فرماتے ہین۔ کہ ؎ زشتی او نیست آن رادی اوست ؎ سبحان اللہ اور اوسکی وہ قدرت ہی کہ۔

خوب را الخ۔ یعنی اچھے کو انتہا درجہ کا اچھا بناتا ہی کہ ایک جہانکی حس اوس سے جا فسنی چکھتی ہی۔ مطلب

یہ کیا اچھا بناتا ہی تو وہ ایسا کہ ایک عالم محظوظ ہوتا ہی۔
زشت را۔ الخ۔ یعنی برے کو انتہا درجہ کا برا کرتا ہی کہ ساری برائیونکو اوسکے گرد تن دیتا ہی۔ مطلب یہ کہ اگر برا بناوے
تو ایسا کہ اوسکے مقابلہ کی اور کوئی شئے دنیا مین بری نہین ہو سکتی۔
تا کمال الخ۔ یعنی تا کہ اوسکی دانش کا کمال ظاہر ہو جاوے اور اوسکی اوستادی کا منکر رسوا ہو (اسلیئے وہ اسطرح مختلف صور
سے اپنی قدرت کا اظہار کرتے ہین)۔
گر نتاند الخ۔ یعنی اگر برا نہ بنا سکے تو ناقص ہی اسی سبب سے حق تعالیٰ مومن اور کافر سبکے خالق ہین (اسلئے کہ وہ تو کامل
ہین لہذا دونون طرح بنا سکتے ہین)۔
پس ازین الخ۔ یعنی پس اسی وجہ سے (کہ سب مخلوقات حق ہی ہین) کفر اور ایمان (دونون) اوسکی خداوندی کے شاہد ہین
اور سب اوسکو سجدہ کرتے ہین مگر اسقدر فرق ہی کہ۔
لیک مومن الخ۔ یعنی لیکن مومن تو خوشی سے عبادت کر رہا ہی اسلئے کہ وہ تو رضائے حق کی تلاش مین ہی اور اوسی
کا قاصد ہے۔
ہست کرہا الخ۔ یعنی کافر بھی ہی تو حق پرست ہی مگر قصد مین اوس کی مراد اور ہے۔ مطلب یہ ہی کہ مومن تو خوشی
سے اور قصداً عبادت حق ہی کرتا ہی اور اوس کی رضا کا جویا ہوتا ہی بخلاف کافر کے کہ وہ اپنے قصد سے تو عبادت حق
نہین کرتا بلکہ دوسرے کو سجدہ کر رہا ہی۔ مگر باعتبار آئندہ کے یہ عبادت زبردستی عبادت حق ہی کر لیجاویگی۔ آگے
اوس کی مثال فرماتے ہین کہ۔
قلعۂ سلطان الخ۔ یعنی کوئی ایک قلعہ شاہی بنا رہا ہی۔ لیکن خود امیر ہونیکا دعوے کرتا ہی۔
گشتہ یاغی الخ۔ یعنی وہ باغی ہوگیا ہے تا کہ ملک اوس کا ہو جاوے آخر کار خود قلعہ سلطان ہی کا ہو جاتا ہی۔ مطلب
یہ ہی کہ ایک شخص شاہی زمین مین قلعہ بنا رہا ہی اور کہتا ہی کہ یہ میرا ہی اور مین بادشاہ ہون یا یہ کہ کسی دوسرے بادشاہ
کی اطاعت کرتا ہی اور اوسکا دم بھرتا ہی تو نتیجہ یہ ہی کہ باغی کہلاویگا۔ اور ایک روز بادشاہ اوسکو قلعہ سے نکال باہر کریگا
اور جو قلعہ دوسرے کے لیے یا اپنے لئے بنایا تھا آج پھر وہ بادشاہ ہی کا ہو گیا۔ تو اسی طرح یا تو کافر عبادت دوسرے کی کرتا
ہی جیسا کہ عوام کفار کی حالت ہے یا خود اپنی ہی عبادت کرتے ہین یا حکم عبادت کرتے ہین جیسے کہ فرعون وغیرہ تو بس
ایک دن وہ ہوگا کہ اس ملک شاہی سے انکو نکال باہر کیا جاویگا۔ اور اون کی ساری محنت برباد ہو جاویگی۔ اور چونکہ
کہ اون کی کمائی بھی وہ حق تعالیٰ کی ہو جاویگی جیسا کہ ظاہر ہی یہ تو مثال کافر کی ہی کہ جسکی عبادت کرہاً عبادت حق ہوگی
آگے مثال مومن کی بیان فرماتے ہین جو کہ طوعاً عبادت حق مین مشغول ہی فرماتے ہین کہ۔
مومن آن الخ۔ یعنی مومن اوس قلعہ کو خاص بادشاہ کے لیے عمارت کر رہا ہی نہ کہ اپنی جاہ کے لیے۔ مطلب یہ کہ اوسکی
ایسی مثال ہی کہ جیسے بادشاہ کسی معمار کو حکم دے کہ ایک قلعہ بناؤ تو یہ بھی قلعہ بنا رہا ہی مگر اوسکی نشا خاص اللہ کے واسطے
ہے تو قلعے تو انجام کار دونون بادشاہ ہی کے ہون گے مگر اسقدر فرق ہے کہ اوس باغی سے قلعہ لیا گیا اور اوسکو سزا بھی
دی گئی کہ دائم الحبس کیا گیا اور اس معمار سے قلعہ لے لیا گیا مگر اوسکی مزدوری اور مزید انعام واکرام بھی عطا ہوا
پس یہی حالت مومن وکافر کی ہی آگے فرماتے ہین کہ۔

زشت گوید الخ۔ یعنی بڑا آدمی تو کہتا ہی کہ بادشاہ بُری کو پیدا کرنے والے تو اچھے پر بھی قادر ہے اور اس دلیل زشت پر بھی
خوب گوید اے الخ۔ یعنی اچھا کہہ رہا ہی کہ اے شاہ حسن وجمال تونے مجھے عیبوں سے پاک فرمایا ہی۔
حمد لک الخ۔ یعنی اے اللہ تیرا شکر ہی اور تیرے ہی لئے حمد ثابت ہے تو میرے حال کا حاضر وناظر ہی کہ تونے مجھے
کیسا اچھا بنایا ہی مطلب یہ ہے کہ جو برا ہے اور کافر ہے وہ اگر تعریف بھی کرتا ہے اور حق تعالیٰ کی قدرت کو بھی یاد کرتا ہی
تو چونکہ بُرا ہے برائی ہی کو یاد کرتا ہی اور کہتا ہی کہ یا الٰہی تیری وہ قدرت ہے کہ تو ایسی بُری بُری چیزیں پیدا فرماتا ہی۔ اور
جو اچھا ہے اور مومن ہے وہ تعریف کرتا ہے تو اسطرح سے کہ یا الٰہی تیرا شکر ہے کہ تونے مجھے عیب سے پاک بنایا۔ اچھی چیز کو
پیدا کیا اے اللہ تیرا لاکھ لاکھ شکر ہے تو دیکھو جو جیسا تھا اوسنے ویسے ہی حق تعالیٰ کی حمد اور تعریف بھی کی۔ آگے اس تقریر
کا حاصل بیان فرماتے ہین کہ۔
حاصل آن الخ۔ یعنی حاصل یہ ہے کہ اوسنے جو چاہا کیا اچھا اور بُرا پھول اور کانٹے کیطرح۔
اوست بر سر الخ۔ یعنی وہ ہر بادشاہ کے اوپر بادشاہ ہے جو چاہے وہ وہی کرے۔ مطلب یہ کہ وہ قادر مطلق ہی کوئی
اوس کی روک ٹوک کر نیوالا نہین اسلئے کہ اوس سے بڑا بھی کوئی نہین ہی۔ غرض کہ اوسکی وہ شان ہی ؎
ہست سلطانی مسلم مر ورا ۔ نیست کس را زہرۂ چون وچرا۔ آگے پھر قصہ صحابی مریض اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی
طرف رجوع ہے۔

شرح حبیبی

دعا و توبہ آموختن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آن بیمار را

گفت پیغمبر مر آن بیمار را	این بگو کہ سہل کن دشوار را
آتنا فی دار دنیا نا حسن	آتنا فی دار عقبا نا حسن
راہ را بر ما چو بستان کن لطیف	منزل ما خود تو باشی ای شریف

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اون صحابی کو یہ دعا سکھلائی کہ یون کہو کہ ہماری مشکل آسان کر۔ ہمکو دنیا مین
بھی اچھائی عطا کر۔ اور آخرت مین بھی اور اپنے راستہ کو ہمارے لئے باغ کی طرح دلچسپ کر دے۔ اور ہماری منزل
مقصود اور ہمارا مطلوب تو ہو جا۔ آگے مولانا "راہ را بر ما چو بستان کن لطیف" سے پلصراط پر عبور کی حالت بیان فرماتے
ہین اور کہتے ہین کہ۔

مومنان در حشر گویند اے ملک	نے کہ دوزخ بود راہ مشترک
مومن وکافر برو یابد گذار	ما ندیدیم اندرین رہ دود و نار
نک بہشت و بارگاہ ایمنے	پس کجا بود آن گذرگاہ دنی
پس ملک گوید کہ آن روضہ خضر	کان فلان جا دیدہ اید اندر گذر
دوزخ آن بود و سیاستگاہ سخت	بر شما شد باغ و بستان و درخت

چون شما این نفس دوزخ خوی را / آتشی وگبر و فتنہ جوے را

جہد ہا کردید تا شد پُر صفا / نار را کشتید از بہر خدا

آتش شہوت کہ شعلہ میزدی / سبزۂ تقوے شد و نور ہدی

آتش خشم از شما ہم حلم شد / ظلمت جہل از شما ہم علم شد

آتش حرص از شما ایثار شد / وان حسد چون خار بُد گلزار شد

چون شما این جملہ آتشہائے خویش / بہر حق کشتید جملہ پیش پیش

نفس ناری را چو باغے ساختید / اندرو تخم وفا انداختید

بلبلان ذکر و تسبیح اندرو / خوش سرایان در چمن برطرف جو

داعی حق را اجابت کردہ اید / در جحیم نفس آب آوردہ اید

دوزخ ما نیز در حق شما / سبزہ گشت و گلشن و برگ و نوا

چیست احسان را مکافات ای پسر / لطف و احسان و ثواب معتبر

نے شما گفتید ما قربانیم / پیش اوصاف بقا ما فانیم

ما اگر قلاش وگر دیوانہ ایم / مست آن ساقی و آن پیمانہ ایم

بر خط فرمان او سر مے نہیم / جان شیرین را گرو کان میدہیم

تا خیال دوست در اسرار ماست / چاکری و جان سپاری کار ماست

اس دعا کا اثر قیامت مین یون ظاہر ہوگا کہ پلصراط پر عبور آسان ہوگا۔ دوزخ گلزار بنجا ویگی اور جنت جو انوار وتجلیات ربانیہ کا محل ہی وہ مسکن ہوگا۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہی کہ مومن لوگ قیامت مین کہین گے کہ اے فرشتو یہ تو بتلاؤ دوزخ تو ہمارا اور کافرون کا مشترک راستہ تھا کیونکہ حق سبحانہ نے فرمایا ہی ان منکم الا واردہا مگر ہمکو رستہ مین نہ دہوان ملا اور نہ آگ یہ کیا بات ہی۔ بہشت اور مقام امن تو آگیا۔ دوزخ کہان رہگئی۔ فرشتے اس کے جواب مین کہین گے کہ وہ فلان سرسبز باغ جو تم نے راستہ مین فلان مقام پر دیکھا تھا وہ تھا دوزخ اور سخت سیاستگاہ تمھارے لیے وہ باغ وبستان اور درخت بن گیا تھا چونکہ تم نے اس دوزخ خصلت اور آتش شہوت سے لبریز کافر فتنہ جو نفس کو مجاہدات سے صاف ستہرا کردیا تھا۔ اور خدا کے لیے تمنے اُسکی آتش شہوات کو بجھا دیا تھا جس سے کہ آتش شہوت جو شعلہ زن تھی۔ سبزہ تقوے و نور ہدایت سے مبدل ہوگئی تھی۔ اور تمہاری آتش خشم حلم بنگئی تھی اور ظلمت جہل مبدل بہ نور علم ہوگئی تھی۔ اور آتش حرص ایثار سے بدلی گئی تھی۔ اور خار حسد گلزار ہوگیا تھا۔ چونکہ تم ان سب آتشون کو خدا کے لیے پہلے ہی بجھا چکے تھے اور تمنے نفس ناری کو ایک باغ بنا دیا تھا جسمین تمنے اطاعت حق سبحانہ کا بیج بو دیا تھا۔ اور جس مین ذکر الہی اور تسبیح حق سبحانہ کی بلبلین انہار فیوض الٰہیہ کی ملابس ہوکر نغمہ سرائیان کررہی تہین۔ اور چونکہ تمنے داعی حق پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم کی اجابت کی اور دوزخ نفس سے پانی نکالا۔ اور اسکو امارہ سے مطمئنہ بنایا ان وجوہ سے ہمارا دوزخ بھی تمھارے حق مین سبزہ اور گلشن وغیرہ بنگیا۔ کیونکہ احسان کا بدلا لطف واحسان وثواب ہے

کیا تمنے یہ نہین کہا تھا کہ ہم فدائی ہین اور حق سبحانہ کے اوصاف کے مقابلہ مین ہم فانی ہین ہم گو اہل دنیا کی نظر مین بے نام و ننگ اور دیوانہ ہین لیکن ہم تو حق سبحانہ کی شراب محبت سے مست ہین ہمکو اس دنیاوی نام و ننگ و عقل کی کیا پرواہ ہی ہم تو اوسکے فرمان و حکم کے مطیع ہین اور اپنی جان شیرین کو اسی کیلیے مجوس کرتے ہین جب تک دوست کا خیال ہمارے اندر ہے بندگی اور جانکو اوس کے حوالہ کردینا ہمارا کام ہی جب تم نے ایسا کیا تھا تو حق سبحانہ اوسکا معاوضہ تم کو کیون نہ دیتے لہذا اوسنے تمکو اسکا بہتر معاوضہ دیا جسمین سے ایک یہ بھی ہی کہ اوسنے تمہارے لئے نار کو گلزار کردیا۔

شرح شبیری

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اوس بیمار کو دعا اور توبہ سکھلانا

گفت پیغمبر الخ یعنی پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے اوس مریض سے فرمایا کہ یون کہو کہ دشوار کو سہل فرما دیجئے۔ مطلب یہ ہے حق تعالیٰ سے تو یہ دعا کرو کہ وہ مشکل کو آسان کردے نہ یہ کہ آسان کو مشکل کردے اور یہ کہو کہ۔

آتنا فی دار دنیانا الخ یعنی اے اللہ ہمکو ہماری دنیا مین بھی بہتری دے اور اے اللہ ہمکو ہماری آخرت مین بھی بہتری عنایت فرما۔ یہ ترجمہ ہی بعینہ اوس دعا کا جو قرآن شریف مین ہی کہ ربنا آتنا فی الدنیا حسنۃ وفی الآخرۃ حسنۃ وقنا عذاب النار غرضکہ ارشاد ہوا کہ عافیت دوجہان کی طلب کرو۔ یہ کیا کہ اے اللہ جو عذاب دینا ہو یہین دیدیجئے یون کہو کہ یہان بھی عافیت دے اور وہان بھی عذاب مت فرما اور یون عرض کرو کہ۔

راہ را بر ما الخ۔ یعنی اے اللہ ہماری راہ کو باغ کی طرح لطیف اور آسان فرما دیجئے اور ہماری منزل (مقصود) خود آپ ہی ہوجایئے غرض کہ عافیت اور وصل اور لقاء حق کے طالب ہو۔ اب چونکہ بیان کیا تھا کہ یون دعا کرو کہ اے اللہ ہماری راہ کو بستان کردے تو آگے گویا کہ اسکا مفہوم اور مطلب بیان فرماتے ہین ایک قصہ سے جسکا خلاصہ یہ ہی کہ جب قیامت کے روز مسلمان بہشت مین پہونچ جاوینگے تو وہ فرشتون سے دریافت کرینگے کہ ہم نے دنیا مین سُنا تھا کہ مومن اور کافر سب پلصراط پر سے گذرین گے اور وہ جہنم پر ہے مگر ہمکو راستہ مین جہنم ملا نہین اور اب جنت مین ہین کہ یہان سے اور کہین جانیکی امید نہین ہے اسلئے یہ تو بتاؤ کہ آخر یہ بات کیا ہی تو وہ فرشتے فرمادین گے کہ تمکو راستہ مین جو ایک سبز ہرا بھرا باغ ملا تھا جہنم وہی تھا۔ چونکہ تمنے دنیا مین اپنے اخلاق ذمیمہ کو مجاہدہ و ریاضت کرکے زائل کردیا تھا اور شہوت و غضب کی آگ کو بجھادیا تھا آج اوسکی برکت ہوئی کہ تمہارے لئے دوزخ کی آگ بھی بجھ گئی اور تمہارے لئے وہ سرسبز باغ ہو گیا تو مولانا کا مقصود یہ ہی کہ حق تعالیٰ سے دعا کرو اوس راہ پلصراط کو باغ بنادیجئے۔ اب سنو فرماتے ہین کہ۔

مومنان در حشر الخ یعنی قیامت مین مومن کہین گے کہ اے فرشتو کیا دوزخ ایک راہ مشترک (بین الکافر والمومن) نہ تھی استفہام انکاری ہی مومن اور کافر کے لئے تو دوزخ ہی راہ مشترک تھی اور سب کو اوسی پر سے گذرنا تھا۔

مومن و کافر برو الخ۔ یعنی مومن اور کافر سب اوسپر سے گذرین گے (مگر) ہم نے تو اس راہ (جنت) مین نہ آگ دیکھی نہ دھوان۔

تک بہشت و الخ۔ یعنی یہ بہشت ہے یہ خوف کی جگہ (اب یہاں سے کہین جانا ہوگا نہین) پس وہ گذرگاہ لینی کہان ہے۔
پس ملک گوید کہ آن الخ۔ یعنی پس فرشتہ کہیگا کہ وہ سرسبز باغ جو کہ فلان جگہ تمنے راستہ مین دیکھا تھا۔
دوزخ آن بود الخ۔ یعنی دوزخ وہی تھی اور سخت سیاست کی جگہ تھی مگر تم پر وہ باغ اور بستان اور درخت ہوگیا۔
چون شما الخ۔ یعنی جبکہ تمنے اس دوزخ خوئے نفس کو آتشی کو اور گبر کو اور فتنہ جو کو۔
جہد ہا کردید الخ۔ یعنی تمنے مجاہدے کئے یہان تک کہ وہ پر صفا ہوگیا اور تمنے نار (شہوت و غضب) کو خدا کے واسطے مارا
آتش شہوت الخ۔ یعنی آتش شہوت کہ شعلہ مار رہی تھی وہ سبزۂ تقوی اور نور ہدایت ہوگئی۔
آتش خشم از الخ۔ یعنی تمھاری اندر دنی آتش خشم حلم ہوگئی اور جہل کی ظلمت تمھاری علم ہوگئی۔
آتش حرص الخ۔ یعنی تمھاری آتش حرص (میدل) بہ ایثار ہوگئی اور وہ حسد جو خار کی طرح تھا گلزار ہوگیا۔
چون شما این الخ۔ یعنی جبکہ تمنے اپنی ان ساری خواہشات کو حق تعالی کے واسطے پہلے ہی سے مار دیا تھا۔
نفس ناری الخ۔ یعنی تمنے نفس ناری کو ایک باغ بنالیا تھا اور اوسکے اندر تخم وفا ڈالا تھا۔
بلبلان ذکر الخ۔ یعنی اوس باغ مین ذکر و تسبیح کی بلبلین نہر کے کنارہ پر خوب گا رہی تھین۔
داعی حق الخ۔ یعنی داعی حق کی تم نے اجابت کی تھی اور دوزخ نفس سے تم نے پانی نکالا تھا یعنی اوسکی صفات جو کہ مشابہ نار کے تھین اون کو دوسری صفات حسنہ سے بدل دیا تھا جو کہ مثل پانی کے تھین تو گویا کہ آگ مین سے پانی نکالا تھا جب تمنے دنیا مین یہ کیا تھا تو۔
دوزخ الخ۔ یعنی ہماری دوزخ بھی تمھارے حق مین سبزہ ہوگئی اور گلشن اور بیتے اور بخشش ہوگئی۔
چیست احسان الخ۔ یعنی اے صاحبزادہ احسان کا بدلا کیا ہے لطف اور احسان اور ثواب ہی ہے (لہذا چونکہ تمنے دنیا مین احسان کیا تھا اور معاصی سے بچے تھے اسلئے حق تعالی نے تمپر احسان کیا) چونکہ یہ سوال بھی سب مومن کرینگے تو جواب بھی سب کے لئے ہوگا۔ اسلئے یہان تک جواب عباد و زہاد کے لئے تھے کہ دیکھو تمنے یہ اعمال کئے اونکی یہ برکت ہوئی۔ آگے اون کی طرف سے الگ ہو کر خطاب ہے عشاق کو جنہون نے کہ یاد مین حق تعالی کی اپنے کو فنا کر دیا تھا اور بالکل مر مٹے تھے اون کو مخاطب بناکر بطور استفہام انکاری کے کہتے ہین کہ۔
نے شما گفتید الخ۔ یعنی کیا تمنے نہ کہا تھا کہ ہم قربانی ہین اکا اوصاف بقا کے سامنے ہم تو فانی ہین۔ اور یہ کہا تھا کہ
ما اگر قلاش و گر الخ۔ یعنی ہم خواہ مفلس ہین اور خواہ دیوانہ ہین مگر ہین تو اوسی ساقی اور پیمانہ کے مست غرضکہ جیسے بھی ہین اونکے ہین۔
بر خط و فرمان الخ۔ یعنی اوسکے ارشاد اور فرمان پر سر رکھتے ہین اور اپنی جان شیرین کو دوسرون کے قبضہ مین یون دیتے ہین کہ اون کے پاس بطور مرہون کے ہو جاتی ہے اور یہی شان ہے عشاق اہل فنا کی اور تم اس طرح کہا کرتے تھے کہ۔
تا خیال دوست در الخ۔ یعنی ہمارے قلب مین جب تک کہ خیال دوست ہے تو چاکری اور جانسپاری ہمارا کام ہے۔

شرح حبیبی

هر کجا شمع بلا افروختند / صد هزاران جان عاشق سوختند
عاشقانی کز درون خانه اند / شمع روی یار را پروانه اند
ای دل آنجا رو که با تو روشن اند / وز بلاها مر ترا چون جوشن اند
در میان جان ترا جا میکنند / تا ترا پر باده چون جامی کنند
در میان جان ایشان خانه گیر / در فلک کن خانه ای بدر منیر
چون عطارد دفتر دل واکنند / تا که بر تو سرها پیدا کنند
پیش خویشان باش چون آواره / بر مه کامل زن ار مه پاره
جزو را از کل خود پرهیز نیست / با مخالف اینهمه آمیز چیست
جنس را بین نوع گشته در روش / غیبها بین گشته عین از پرتوش
تا چو زن عشوه خری ای بی خرد / از دروغ و عشوه کی یابی مدد
چاپلوس و لفظ شیرین و فریب / می ستانی می نهی چون زن بجیب
مر ترا دشنام و سیلی شهان / بهتر آید از ثنای گمرهان
صفع شاهان خور مخور شهد خسان / تا کسی گردی ز اقبال کسان
زانکه زایشان خلعت و دولت رسد / در پناه روح جان گردد جسد
هر کجا بینی برهنه و بینوا / دانکه او بگریخته از اوستا
تا چنان گردد که میخواهد دلش / آن دل او کور بد بی حاصلش
گر چنان گشتی که اوستا خواستی / خویش را و خویش را آراستی
هر که از اوستا گریزد در جهان / او ز دولت میگریزد این بدان
پیشهٔ آموختی در کسب تن / چنگ اندر پیشهٔ دینی بزن
در جهان پوشیده گشتی و غنی / چون برون آیی ازینجا چون کنی
پیشهٔ آموز کاندر آخرت / اندر آید دخل کسب مغفرت
آنجهان شهریست پر بازار و کسب / تا نپنداری که کسب اینجاست حسب
حق تعالی گفت این کسب جهان / پیش آن کسب است لعب کودکان
همچو آن طفلی که بر طفلی تند / شکل صحبت کن مساسی میکند
آن مساس طفل چه بود بازیی / با جماع رستمی و غازیی
کودکان سازند در بازی دکان / سود نبود جز که تعطیل زمان
شب شود در خانه آید گرسنه / کودکان رفته بمانده یک تنه

اینجہان بازی گہ ست ومرگ شب	باز گردی کیسہ خالی پر تعب
سوئے خانہ گور تنہا ماندہ	با فغان واحسرتا بر خواندہ
کسب دین عشق است وجذب اندرون	قابلیت نور حق دان اے حرون
کسب فانی خواہدت این نفس خس	چند کسب خس کنی بگذار بس
نفس خس گر جویدت کسب شریف	حیلہ و مکرے بود آنرا ردیف

عشاق خداوندی نے جس جگہ شمع عشق روشن کی ہی ہزارون جانون کو جلا دیا یعنی اون کو بھی اپنا ہی سا عاشق بنا لیا ہی جو عاشق کہ درگاہ خداوندمین باریاب ہین وہ شمع روئے خداوندی کے پروانہ ہین اور مشاہدۂ جمال خداوندی مین مصروف ہین غرض کہ اون کی ذاتی حالت بھی اچھی ہی اور دوسرون کے ساتھ بھی انکا معاملہ اچھا ہی۔ آگے انسے تعلق پیدا کرنیکی ترغیب ہی چنانچہ فرماتے ہین۔ اے دل تو وہین جا جہان تیری ساتھ کشادہ روئی کے ساتھ برتاؤ کیا جاتا ہی اور جو تیری بلاہاے دینوی واخروی کے تبعًا یا قصدًا دفع کرنے والے ہین اور جو تجھے اپنی جان اندر جگہ دیتے ہین تاکہ تجھے شراب محبت الٰہی سے جام کی طرح لبریز کردین تو ان کی ہی جان کے اندر گھر کر تو تو اصالۃً بدر منیر ہی تیرا گھر تو فلک ہونا چاہیے۔ یعنی اہل اللہ کی جان رفیع مین تجھکو گھر کرنا چاہیے۔ یہ حضرات دبیر فلک عطارد کی طرح تیری کتاب دلکو کھولینگے تاکہ تجھپر رازہاے نہانی حق سبحانہٗ ظاہر کرین ارے تو آوارہ کیون ہوتا ہے اپنون مین رہ اگر تو مہ پارہ ہے (جیسا کہ واقعی امر ہے) تو چاند سے مل کیونکہ جزو کو اپنے کل سے ملنے سے کچھ پرہیز نہین ہوتا۔ تو بیگانون اور نااہلون سے ملتا ہی یہ نہایت نامناسب بات ہی۔ اینو نسے مل پھر دیکھنا کہ اب تو تو انکا ہمجلس ہے۔ پھر ہم نوع ہو جاویگا۔ اور اب تو تجھکو ان سے بہت بعد ہے پھر کمال قرب ہو جاوے گا اور دیکھنا کہ جو اسرار الٰہی اسوقت تجھپر ظاہر نہین بلکہ مخفی ہین اون کے پرتو سے وہ تجھپر کھلجاوینگے سارے جھوٹ اور فریب سے تیرا کب کام چل سکتا ہی بس تو کب تک۔ عورتون کی طرح انکا طالب رہیگا۔ تو چاپلوسی۔ میٹھی میٹھی باتین اور فریب کر لیتا ہی۔ اور عورتون کی طرح جیب مین رکھتا ہی یعنی تو ان خرافات کو پسند کرتا ہی جسطرح عورتین انکو پسند کرتی ہین حالانکہ تجھکو شاہان راہ اللہ کے چپت اور برا بھلا کہنا زیادہ مفید ہین بہ نسبت گمراہون کی تعریف کے۔ بس تو ان بادشاہون کے چپت کھا اور ان ذلیل نااہلونکا شہد نہ کھا۔ تاکہ ان السانون کے اقبال اور اون کی برکت توجہ سے تو بھی ایک آن آدمی بنجاوے۔ کیونکہ یہ بادشاہ ہین یہ اگر ایک وقت مین مارینگے تو دوسرے وقت مین خلعت اور دولت معنویہ بھی دینگے۔ تو دیکھتا نہین کہ کاملین کی صحبت کا کیا اثر ہوتا ہی۔ دیکھو جسم ایک بیجان چیز ہی لیکن جب روح کی پناہ مین آجاتا ہی تو زندہ ہو جاتا ہی اور دولت وخلعت حیات سے مشرف ہو جاتا ہی۔ یاد رکھ کہ جہان کہین تجھے کوئی خلعت باطنی سے ننگا اور دولت باطنی سے بے بہرہ ہی تو سمجھ لینا کہ استاد کامل کی صحبت سے گریزان ہوا ہی یہ اسکا سبب اسکے بھاگنے کی وجہ یہ ہے کہ اوس کا وہ دل جو اندھا بد اوسے حاصل ہی۔ جس چیز کو چاہتا ہی وہ حاصل ہو جو اسکی صحبت مین حاصل نہین ہوتی۔ لیکن یہ اوسکی بدقسمتی ہے اگر وہ ویسا بنتا جیسا کہ استاد چاہتا ہے تو وہ اپنے کو آراستہ وپیراستہ کر لیتا۔ سمجھ لو کہ جو استاد سے بھاگتا ہی وہ فی الحقیقت بڑی دولت سے بھاگتا ہی تو سنے وہ پیشہ تو سیکھ لیا جس سے پرورش جسم کر سکے لیکن اب تجھ کو پیشہ دینی بھی سیکھنا چاہیے جس سے دین درست ہو

دنیا مین تو صاحب کروفر اور غنی ہو گیا لیکن جب اس دنیا سے باہر جاویگا اسوقت کیا کریگا۔ وہ پیشہ بھی تو سیکھ جس سے آخرت مین اپنے کسب کی آمدنی اور مغفرت حاصل کر سکے تو یہ نہ سمجھنا کہ کسب کی صرف یہین ضرورت ہی نہین بلکہ وہ جہان بھی بازار و کسب کا ایک بہت بڑا شہر ہی۔ جو مال آدمی وہان لیجاتا ہی اوسکی نہایت انصاف کے ساتھ جانچ ہوتی ہی۔ اگر اچھا ہوتا ہی تو عمدہ قیمت ملتی ہی اور نکما ہوتا ہی تو اوسکا ویسا ہی معاوضہ ملتا ہی۔ حق سبحانہ فرماتے ہین کہ انما الحیوۃ الدنیا لعب و لہو یعنی یہ کسب دنیوی کسب اخروی کے مقابلہ مین بچون کا کھیل ہی اور کوئی حقیقت نہین رکھتا۔ اس کی ایسی مثال ہی جیسے ایک بچہ دوسرے بچہ کے ساتھ بشکل جماع مساس کرے تم سمجھ سکتے ہو کہ اوس بچہ کا مساس ایک مرد کے جماع کے مقابلہ مین بجز کھیل کے اور کیا ہو سکتا ہے۔ دیکھیے آپس مین کھیل کے طور پر دوکان بناتے ہین اور خرید و فروخت کرتے ہین لیکن اوسکا نتیجہ بجز وقت ضائع کرنے کے کچھ نہین ہوتا۔ وہ بچہ جو دن کو سوداگری کرتا تھا رات کو گھر بھوکا آتا ہے لڑکے سب رخصت ہو جاتے ہین اور یہ تنہا رہجاتا ہی اور یہ سوداگری اُسے کوئی نفع نہین پہنچاتی اب تم سمجھو کہ یہ دنیا کھیل کا مقام ہی اور مکاسب دنیویہ بچون کی سوداگری اور موت رات ہے۔ پس آدمی عمر بھر مکاسب دنیویہ مین مصروف رہتا ہی لیکن جب مرتا ہی تو وہ مکاسب اسکے کچھ کام نہین آتے تھیلی اس کی خالی ہوتی ہی اور خود تھکا ماندہ ہوتا ہی۔ خانۂ گور مین تنہا ہوتا ہی اور آہ و زاری کرتا ہوتا ہے کیونکہ توشہ کچھ نہین ہوتا جو اوس کے کام آوے یہ تمکو معلوم ہو گیا کہ کسب دین کی ضرورت ہے اب سمجھو کہ کسب دین کیا ہی وہ عشق حق سبحانہ اور جذب باطنی ہی اس کے علاوہ دیگر مکاسب اسی سے متفرع ہین اور اصل سب کی یہی ہے لہذا اس کو حاصل کرنا چاہئے جب یہ حاصل ہو جاویگا تو اور سب حاصل ہو جاوینگے اور تجھ مین جو عشق حق سبحانہ کی استعداد اور قابلیت ہے یہ حق سبحانہ کا نور ہے تو اپنی سرکشی سے اسے مت کھو۔ اور اس کی قدر کر۔ تیرا ذلیل نفس اوس کسب کو مقتضی ہے جو فنا ہو جانے والا ہی لہذا اوس کو چھوڑ۔ آخر یہ ذلیل کسب کبتک اختیار کریگا اسے چھوڑ اور کسب شریف اختیار کر اس مقام پر ایک ضروری بات بتلا دینا بھی مناسب معلوم ہوتا ہی۔ وہ یہ کہ اگر نفس اپنی ناشائستگی کی حالت مین کسی کسب شریف کو مقتضی ہو تو سمجھو کہ ضرور اوس کے ساتھ کوئی حیلہ و مکر ہی لہذا خوب تحقیق کر کے اوس کام کو کرنا چاہیے۔ اس کو ہم ایک واقعہ سے واضح کرتے ہین سنو۔

شرح شبیری ہر کجا شمع بلا الخ۔ یعنی جہان کہین شمع بلا کو (کارکنان قضا و قدر نے) روشن کیا وہین لاکھون عاشقون نے جانین جلادین مطلب یہ کہ تمھاری وہ حالت تھی کہ ذرا بھی تجلی اور قرب حق کی امید ہوئی بس اسکی امید مین لاکھون عاشق خدا فنا ہو گئے۔

عاشقان کز درون الخ۔ یعنی وہ عاشق کہ گھر کے اندر تھے وہ شمع روئے یار کے پروانہ تھے جب یہ حالت تھی تو تمکو مراتب بھی ویسے ہی حاصل ہوے اب آگے ایسے حضرات کی صحبت اختیار کرنیکی ترغیب دیتے ہین کہ اسے دل آنجا رو کہ الخ۔ یعنی اسے دل اوس جگہ جا کہ جو تیری ساتھ صاف ہین اور بلاؤن سے تیرے لئے جوشن کی طرح ہین۔ مطلب یہ کہ اون کی خدمت کرنی چاہیے کہ جن کو کسی قسم کے فیوض کے دینے سے دریغ ہی نہین ہی اور نفس و شیطان سے ہمیشہ امن مین رکھنے والے ہین اور اونکی یہ حالت ہی کہ۔

درمیان جان الخ- یعنی جان کے اندر تیری جگہ کر لیتے ہین یہان تک کہ تجھے ایک جام کی طرح پر بادہ کر دیتے ہین مطلب یہ ہی کہ اون کی تو یہ شان ہوتی ہے کہ طالب کو اپنے دل مین جگہ دیتے ہین اور پھر اوسے بھرپور کر دیتے ہین

درمیان جان الخ- یعنی اون کی جان کے اندر گھر کر کے فلک مین گھر بنوا لو اے بدر منیر مطلب یہ کہ اون سے تعلق پیدا کر کے پھر عالم غیب سے تعلق پیدا کر لو۔

چون عطارد دفتر الخ- یعنی عطارد کی طرح کے دفتر کو کھولتے ہین یہان تک کہ تجھپر اسرار کو ظاہر فرما دیتے ہین

پیش خویشان الخ- یعنی اپنون کے پاس رہ اگر تو آوارہ ہے- اور چاند کے پاس جا اگر تو چاند کا ٹکڑا ہو- مطلب یہ کہ جب تیرے اندر بھی استعداد قبول حق کی موجود ہی اور وہ حضرات مقبولین ہین ہی تو آخر تجھے بھی تو اون سے کچھ مناسبت ہو ہی لہذا اون کے پاس جا اسلئے کہ۔

جزو را الخ- یعنی جزو کو اپنے کل سے پرہیز ہی کیا ہو اور مخالف کے ساتھ یہ میل جول کیون ہی مطلب یہ کہ جبکہ وہ کامل ہین اور تم ناقص ہو تو دونون خمیدا اور کل کی طرح ہوئے پھر ایک دوسرے سے گھبراتے کیون ہو اور دشمن سے میل کیون پیدا کرتے ہو اپنون ہی مین رہو۔

جنس را بین الخ- یعنی اوس کے پاس تو جنس کو دیکھو کہ نوع ہو گئی ہے اور مغیبات کو دیکھو کہ وہ ظاہر ہو گئے ہین۔ مطلب یہ ہو کہ دیکھو جنس کہتے ہین ایک کل کو جسکا اطلاق کثیرین مختلف بالحقائق پر آوے اور نوع کہتے ہین جس کا اطلاق متفقین بالحقائق پر آوے تو اب مولانا کا مقصود یہ ہی کہ وہ عشاق فانی جن کا اوپر ذکر ہوا ہی اون کی یہ کیفیت ہوتی ہو کہ ساری مختلف اشیاء ایک ہو جاتی ہین اسلئے کہ اونکی نظر مین تو صرف ایک ہی ہے باقی کو تو وہ فنا ہی کر چکے ہین سبحان اللہ کیا تعبیر ہو بس قربان جائیے سبحان اللہ ثم سبحان اللہ۔

تا چو زن عشوہ الخ- یعنی اے بیوقوف عورت کی طرح کب تک عشوہ کو اور فریب کو خریدیگا اور مکر اور فریب سے کب تک مزہ پاویگا- مطلب یہ کہ نفس و شیطان تجھے فریب دے رہے ہین تو اون کے دہوکہ مین کب تک رہیگا۔

چاپلوسی لفظ الخ- یعنی پھسلانے کو اور لفظ شیرین اور فریب کو تو لے رہا ہے اور عورت کی طرح جیب مین رکھ رہا ہے یعنی اوس سے مغرور ہو رہا ہو یہ سراسر تیری غلطی ہو کہ اون کی اس خوشامد اور چاپلوسی کو اچھا جانتا ہی اور بزرگون سے گھبراتا ہے کہ وہ دشمنی کرتے ہین اسلئے کہ۔

مر ترا دشنام الخ- یعنی تیرے بادشاہ کا برا بھلا کہنا اور اوس کا چپت مارنا گمراہون کی تعریف کرنے سے بہتر ہے۔

صفع شاہان الخ- یعنی بادشاہون کے چپت کھالے مگر کمینون کا شہد بھی مت کھا تاکہ تو آدمیون کے اقبال سے آدمی ہو جاوے۔

زانکہ زایشان الخ- یعنی اسلئے کہ اون سے خلعت اور دولت بھی تو پہونچتا ہے- اور روح کی پناہ مین جان جسم ہو جاتی ہے- مطلب یہ کہ ان حضرات کی سختی اور اونکی نرمی سے اسلئے بہتر ہو کہ اگر یہ ایک وقت سختی کرتے ہین تو دوسرے وقت دولت باطنی سے بھی تو مالا مال کر دیتے ہین جو کہ تلافی مافات ہو جاتی ہو آگے اوستاد و شیخ کی سختی کے منافع اور اوس سے بھاگنے کے مضار بیان فرماتے ہین کہ۔

ہر کجا بینی الخ - یعنی جہان کہین تم کسی غریب ننگے کو دیکھو تو جان لو کہ وہ اوستاد سے بھاگا ہے (جو اس حالت کو پہونچا ہے) -

تا چنان گردد کہ الخ - یعنی (وہ اوستاد سے بھاگا تھا) تاکہ وہ ہو جو اوسکا وہ اندھا اور بے حاصل (رہتا ہی - اور اوس کا دل لہو ولعب کو چاہتا تھا - لہذا اوسکا نتیجہ ظاہر ہی کہ یہی ہوتا -

گر چنان گشتے کہ الخ - یعنی اگر اوس طرح ہو جاتا کہ جس طرح اوستاد نے چاہا تھا تو (آج) اپنے کو اور ایک مخلوق کو سنوارتا

ہر کہ از اوستا گریزد الخ - یعنی جو کہ دنیا مین اوستاد سے بھاگتا ہی تو جان لو کہ وہ دولت (عقبیٰ) سے بھاگتا ہے - آگے فرماتے ہین کہ -

پیشہ آموختی الخ - یعنی تو نے بدن کے لیے کمانے کا پیشہ سیکھ لیا ہی مگر دین کے پیشہ مین بھی چنگل مار مطلب یہ کہ اگر تو نے اطاعت اوستاد کی کر کے دنیا کمانا سیکھ بھی لیا ہی تو خیر وہ بھی اچھا ہی مگر اب اوستادون کے اطاعت کر کے اوس سے بھی کچھ حاصل کرو -

در جہان الخ - یعنی دنیا مین تو تم بڑے صاحب کر و فر اور از حد گذشتہ ہو گئے ہو (مگر) جب یہان سے باہر ہو گے اسوقت کیا کرو گے مطلب یہ کہ اگر کسب دنیا کر کے تمنے بہت ترقی کر بھی لی مگر یہ تو سوچو کہ جب اس دنیا سے جاؤ گے اسوقت کیا ہو گا اسوقت کے لیے بھی تو کچھ حاصل کرو کہ وہان کر و فر حاصل ہو -

پیشہ آموز کاندر الخ - یعنی وہ پیشہ سیکھو جو کہ آخرت مین کام آوے اور وہ آمدنی مغفرت کی ہی (اس کو حاصل کرو)

آنجہان شہریست الخ - یعنی وہ جہان بھی ایک شہر ہے پُر بازار اور پُر کسب تاکہ تم یہ نہ جانو کہ کسب بس یہین ہے جیسا کہ ارشاد ہے - قل ما عند اللہ خیر من اللھو ومن التجارۃ لہذا اوس جہان کی کمائی کے لیے بھی تیار ہو جاؤ -

حق تعالیٰ گفت الخ - یعنی حق تعالیٰ نے فرمایا ہی کہ اس جہان کا کسب اوس جہان کے کسب کے سامنے بچون کا کھیل ہے قرآن شریف مین ہے وما الحیوۃ الدنیا الا لہو ولعب آگے اس کسب دنیا کی مثال فرماتے ہین کہ -

ہمچو آن الخ - یعنی جیسے کہ ایک بچہ دوسرے بچہ پر چڑھے تو اوسکو صحبت کی شکل فرض کر لو کہ ایک مساس کر رہا ہو (باقی فائدہ کچھ بھی نہین) اسی طرح دنیا کا کسب ہے کہ شکل تو آمدنی اور کسب کی ہی مگر حقیقت کسب کی نہین ہی اور دوسری مثال ہی کہ -

کودکان الخ - یعنی بچے کھیل مین دکان بناتے ہین مگر اوس سے کوئی نفع نہین ہوتا سوائے وقت کے برباد کرنے کے -

شب شود در الخ - یعنی رات ہو جاوے اور وہ گھر مین بھوکا ہی آوے - بچے گئے اور یہ تنہا رہگیا - تو دیکھو کہ اوس بچہ نے دن بھر تجارت کی اور رات کو بھوکا گھر آیا کچھ بھی ہاتھ پلے نہ پڑا - بس یہی حالت انسان کی کسب دنیا مین ہی آگے خود اسی کو فرماتے ہین کہ -

اینجہان بازی گہ الخ - یعنی یہ جہان تو کھیل کی جگہ اور موت رات ہے - کھیل سے لوٹے تو خالی تھیلی اور پُر تعب

سوئے خانہ الخ - یعنی قبر کے گھر کی طرف تو تنہا رہگیا ہے اور بلند آواز سے واحسرتا پڑھ رہا ہی - مطلب یہ کہ جس طرح بچون نے کھیل بنایا تھا اسی طرح اس دنیا مین تو نے بھی ایک تماشا اور کھیل بنا رکھا ہوا ور جس طرح

کہ رات کو بیچ چلے گئے تھے اور یہ کان وار بچہ تنہا رہ گیا تھا اور پاس پلہ کچھ نہ تھا اسی طرح تو بھی موت کے بعد تنہا رہ جاویگا اور ہاتھ پلہ کچھ نہوگا اور اسوقت افسوس کریگا جو کہ بالکل بے سود ہوگا۔ لہذا جو دن ملین اون کو غنیمت سمجھ۔

کسب دین عشق الخ۔ یعنی کسب دین تو عشق (کا حاصل ہونا) ہے اور جذب قلبی ہو اور قابلیت کو نور حق جان اے سرکش۔

کسب فانی خواہدت الخ۔ یعنی یہ تیرا نفس تو کسب دنیا چاہتا ہو مگر تو کب تک کسب دنیا کریگا اب تو بس کر اور چھوڑ دے۔

نفس خس گر جویدت الخ۔ یعنی تیرا نفس خس اگر کسب شریف کو تلاش کرے تو یہ حیلہ اور مکر اوس کی ساتھ ہوگا۔ مطلب یہ کہ نفس کا کام اصل تو کسب دنیا ہی ہے اب اگر کبھی طاعات کی طرف رغبت دلاوے تو سمجھ لو کہ اس مین ضرور اوس کا کوئی دہوکا ہے اور یہ ضرور کوئی بڑا ضرر اس صورت سے پہونچانا چاہتا ہو لہذا اس کے دہوکہ مین مت آنا۔ آگے حضرت معاویہؓ کی اور شیطان کی حکایت بیان فرماتے ہین کہ شیطان نے آکر اون کو جگایا کہ اٹھکر نماز پڑھ لیجیے بیوقت ہوا جاتا ہے اونھون نے اس سے کہا کہ تو تو ہرگز طاعات کی ترغیب نہین دے سکتا سچ بتا کہ تونے ایسا کیون کیا اول تو بہت مکروفریب کئے مگر آخر تو وہ کامل تھے وہ اوس کے پھندے مین نہ آئے تو اوسنے اپنے اوس مکر کا اقرار کیا آگے خود معلوم ہو جاویگا اب حکایت سنو۔

شرح حبیبی

بیدار کردن ابلیس معاویہؓ را کہ برخیز کہ وقت نماز بے گاہ شد

در خبر آمد کہ خال مومنان	بود اندر قصر خود خفتہ شبان
قصر را از اندرون دربستہ بود	کز زیارتہائے مردم خستہ بود
ناگہان مردے ورا بیدار کرد	چشم چون بکشاد پنہان گشت مرد
گفت اندر قصر کس را رہ نبود	کیست کاین گستاخی و جرأت نمود
گرد برگشت و طلب کرد آن زمان	تا بیابد زان نہان گشتہ نشان
از پس در مدبرے را دید کو	در پس پردہ نہان میکرد رو
گفت ہے تو کیستی نام تو چیست	گفت نامم فاش ابلیس شقی است

روایت ہے کہ خال المومنین امیر معاویہ رضی اللہ عنہ رات کو اپنے مکان مین سو رہے تھے اور مکان کا دروازہ بند تھا وجہ یہ تھی کہ لوگون کے ملنے جلنے سے تھک گئے تھے۔ لہذا ضرورت تھی کہ کچھ دیر اطمینان کے ساتھ آرام فرمالین۔ دفعۃً ایک شخص نے اون کو جگایا جب اونھون نے آنکھ کھولی تو وہ شخص چھپ گیا۔ امیر المومنین نے دل مین کہا مکان مین آنے کا تو راستہ نہ تھا کیونکہ بند تھا پھر یہ کون ہی کہ اسنے یہ جرأت کی ہو آپنے اس کی تلاش مین

مکان کا چکر لگایا اور ڈھونڈھنا شروع کیا تاکہ اس چھپنے والے کا پتا لگائین تو آپنے دیکھا کہ ایک بدبخت دروازہ کے پیچھے آڑ مین چھپا ہوا ہے آپنے فرمایا ارے تو کون ہو اور تیرا نام کیا ہو اوس نے جواب دیا کہ میرا مشہور نام ابلیس شقی ہے
ف امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو خال المومنین اس لئے کہا ہو کہ ام المومنین ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے بھائی تھے۔

جواب گفتن ابلیس معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ را

گفت بیدارم چرا کردی بجد
راست گو بامن مگو برعکس وضد

گفت ہنگام نماز آخر رسید
سوئے مسجد زود میباید دوید

عجلوا الطاعات قبل الفوت گفت
مصطفےٰ چون در معنے راسفت

گفت نے نے این غرض نبود ترا
کہ بخیرے رہنما باشی مرا

دزد آید از نہان در مسکنم
گویدم کہ پاسبانی می کنم

من کجا باور کنم آن دزد را
دزد کے داند ثواب و مزد را

خاصہ دزدے چو تو قطاع الطریق
از چہ رو گشتی چنین برمن شفیق

امیر المومنین نے سوال کیا کہ تو سچ سچ بتا دیکھ غلط اور خلاف نہ کہنا کہ تو نے مجھے اس کوشش سے کیون جگایا اوسنے جواب دیا کہ میری غرض یہ تھی کہ نماز کا وقت ختم ہونیکو ہے۔ نماز کے لیے جلدی مسجد جانا چاہیئے۔ کیونکہ جب جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے معانی عالیہ بیان فرمائے ہین تو اون مین یہ بھی فرمایا کہ عبادات کو اون کے فوت ہونیسے پیشتر ادا کرلینا چاہیئے۔ اور تمھاری نماز فوت ہونیکو تھی لہذا مین نے اوٹھا دیا۔ امیر المومنین نے فرمایا نہ تیرا مقصد یہ ہرگز نہیں ہو سکتا کہ تو مجھے اچھی بات کی طرف رہنمائی کرے بہلا اگر ایک چور چھپکر میرے مکان مین گھس آئے اور یہ کہے کہ مین پہرہ دینے آیا ہون تو مین کیسے مان لون گا۔ کیونکہ وہ پاسبانی کے معاوضہ اور اُجرت کو کیا جانے اور وہ اس کی کیا قدر کر سکتا ہو کہ اس کے لالچ مین وہ پاسبانی کرے بالخصوص تجھ سا ڈاکو کہ تو سب چورون سے بڑھا ہوا اور سب سے زیادہ معاوضہ اور اُجرت کا ناقدردان ہو تو کیا پاسبانی کریگا۔ اس مین ضرور کوئی تیری غرض فاسد تھی سچ بتا کیا بات تھی کہ تو نے مجھپر یہ ظاہری شفقت کی۔

بار دوم جواب گفتن ابلیس معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ را

گفت اول ما فرشتہ بودہ ایم
راہ طاعت را بجان پیمودہ ایم

سالکان راہ را محرم بدیم
ساکنان عرش را ہمدم بدیم

پیشۂ اول کجا از دل رود
مہر اول کے ز دل بیرون شود

در سفر گر روم بینی یا ختن
از دل تو کے رود حب الوطن

ما ہم از مستان این می بودہ ایم
عاشقان درگہ وے بودہ ایم

ناف ما در مہر او ببریدہ اند
عشق او در جان ما کاریدہ اند

روز نیکو دیده ایم از روزگار   آب رحمت خورده ایم اندر بهار
نے کہ ما را دست فضلش کاشت ست   از عدم ما را نہ او برداشت ست
اے بسا گز وے نوازش دیده ایم   در گلستان رضا گردیده ایم
بر سر ما دست رحمت مے نهاد   چشمهائے لطف بر ما می گشاد
درگہ طفلی کہ بد دم شیر جو   گاهوارم را کہ جنبانید او
آنکہ جز دم شیر غیر از شیر او   کی مرا ابر درد جز تدبیر او
خون کان در شیر رفت اندر وجود   کے توان او را ز مردم واگشود
گر عتابے کرد دریائے کرم   بستہ کے گردند درہائے کرم
اصل نقدش لطف و داد و بخشش است   قہر بروے چون غبارے از غش است
از برائے لطف عالم را بساخت   ذرہ ہا را آفتاب او نواخت
فرقت از قہرش اگر آبستن است   مہر قدر وصل او دانستن است
تا دہد جان را فراقش گوشمال   جان بداند قدر ایام وصال
گفت پیغمبر کہ حق فرمودہ است   قصد من از خلق احسان بودہ است
آفریدم تا ز من سودے کنند   تا ز شہدم دست آلودے کنند
نے برائے آنکہ تا سودے کنم   وز برہنہ من قبائے بر کنم
چند روزے کہ ز پیشم راندہ است   چشم من در روئے خوبش ماندہ است
کز چنان روئے چنین قہر اے عجب   ہر کسے مشغول گشتہ در سبب
من سبب را ننگرم کان حادث است   زانکہ حادث حادثے را باعث است
لطف سابق را نظارہ می کنم   ہرچہ آن حادث دو پارہ میکنم
ترک سجدہ از حسد گیرم کہ بود   آن حسد از عشق خیزد نہ از جحود
ہر حسد از دوستی خیزد یقین   کہ شود با دوست غیرے ہمنشین
ہست شرط دوستی غیرت پزی   ہمچو بعد عطسہ گفتن دیر زی
چونکہ بر نطعش جز این بازی نبود   گفت بازی کن چہ دانم در فزود
آن یکے بازی کہ بد من باختم   خویشتن را در بلا انداختم
در بلا ہم میچشم لذات او   مات اویم مات اویم مات او
چون رہاند خویشتن را اے سرہ   ہیچکس در شش جہت زین ششدرہ
جزو شش از کل شش چون وارہد   خاصہ کہ بیچون مراد او نہد
ہرکہ از شش در درون آتش است   اوش برہاند کہ خلاق شش است
خود اگر کفرست اگر ایمان او   دست باف حضرت است و آن او

ابلیس نے جواب دیا کہ ہم اعمال واطاعت کے لحاظ سے مثل فرشتون کے تھے اور بجان ودل اطاعت حق سبحانہ بجالاتے تھے ہم سالکان راہ حق سبحانہ کے محرم راز تھے کیونکہ خود بھی سالک تھے اور سالکان عرش کے ہمدم تھے جب ہماری ابتدائی حالت یہ تھی تو تم سمجھ سکتے ہو کہ پہلا کام دل سے نہین نکل سکتا ہی اور ابتدا از جسکی محبت ہوجاتی ہو وہ دل سے کہین جاتی ہی کیونکہ وہ پہلی محبت اور بیشتر کی حالت بمنزلہ وطن اصلی کے ہی اور دیگر عوارض طاریہ وعارضہ مثل سفر روم وختن کے - پس اگر کوئی شخص روم وختن کا سفر کرے یعنی عوارض طاریہ مین مبتلا ہو تو اوس کے دل سے وطن اصلی یعنی حالت اولے کی محبت نہین جاسکتی پس ہم بھی اسی شراب محبت حق سے مست تھے اور اوس کی درگاہ کے عاشق تھے ہمارے دل سے وہ محبت کیونکر مٹ سکتی ہی - ہم کو بھی زمانہ مین اچھے دن نصیب ہوے ہین اور ہمکو بھی زمانہ بہار و زمانۂ طاعت مین آب رحمت پینا نصیب ہوا ہے کیا ہم اوس کے فضل سے نہین پیدا ہوئے اور کیا حق سبحانہ نے ہمکو معدوم سے موجود نہین کیا ہی کیون نہین بیشک اوسنے ہمکو پیدا کیا ہی اور وہی ہمکو عدم سے وجود مین لایا سارے ہمپر اوس کی بڑی بڑی عنایتین ہین اور اوس کے گلشن رضا مین ہم بہت سیر کر چکے ہین وہ ہمارے سرپر دست رحمت رکہتا تھا اور بچشم لطف ہمکو دیکھتا تھا اور زمانہ طفولیت مین جبکہ ہم شیر خوار تھے وہی ہماری گہوارہ جنبانی کرتا تھا - وہی ہمکو دودہ پلاتا تھا - غرض مین نے اسکی تدبیر و تربیت مین پرورش پائی ہے اور یہ قاعدہ ہی کہ جو خصلت ابتدائے طفولیت مین کسیکے اندر پیدا ہوجاتی ہی وہ اوس سے جدا نہین ہو سکتی پس وہ محبت حق سبحانہ جو میرے دلمین ابتدا ہی سے پیدا ہوچکی ہی اور گویا دودہ کے ساتھ پیوست ہوگئی ہی وہ کیونکر جاسکتی ہی یہ ضرور ہی کہ مین حق سبحانہ کا معتوب ہون لیکن اگر اوس دریائے کرم نے مجہپر عتاب کیا ہی تو اس سے اوس کے کرم کے دروازے بند نہین ہوسکتے - یہ عتاب محض عارضی ہی جو ایک دن زائل ہوجاویگا اوس کے لطف وقہر کی ایسی مثال سمجھنی چاہیے جیسے سونا - اور رذیل دہاتکا جھول - پس اوس کا لطف وسخاوت وبخشش مثل سونے کے ہین - اور قہر مثل رذیل دہات کی جھول کے - پس جس طرح جھول عارضی ہوتا ہی یون قہر عارضی ہی - کیونکہ خلقت عالم کا منشا ہی اظہار لطف ہی اور اس لیے ناچیز اور معدوم ممکنات پر اوسنے اپنے آفتاب وجود کا پرتو ڈالکر اون کو خلعت وجود سے سرفراز فرمایا ہی - اسپر یہ شبہ نہ کیا جاوے کہ جب مقصود لطف وصل تھا تو قہر فراق کیسا کیونکہ گو فراق قہر کو متضمن ہے مگر اسمین بھی لطف پنہان ہی وہ یہ کہ وصل کی قدر معلوم ہو اور اوس کی وقعت ہو کیونکہ بضدہا تتبین الاشیا پس جان کو مبتلائے فراق اس لئے کیا جاتا ہی کہ اوس کو زمانہ وصال کی قدر معلوم ہو میرے اس کلام کی دلیل یہ ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہی کہ مخلوق کو پیدا کرنے سے میرا مقصود انپر احسان کرنا ہی - اور مین نے ان کو اس لئے پیدا کیا ہی کہ ان کو نفع پہونچاؤن اور وہ میرے شہد کرم سے ہاتھ سانین یعنی اس سے منتفع ہون میرا یہ مقصد نہین کہ خود انسے کچھ فائدہ حاصل کرون کیونکہ ان سے فائدہ حاصل کرنا ایسا ہی جیسا ننگے کی اچکن اُتارنا یعنی لغو اور بے معنی ہی جب یہ معلوم ہوگیا تو اب سمجھو کہ جب سے اوس نے مجھے اپنے سے دور کیا ہی مین برابر اوس کا منہ دیکھ رہا ہون - کہ اللہ یہ منہ اور اتنا غصہ - اور مین سراسر مسبب پر نظر رکھتا ہون لیکن دوسرے لوگ سبب ہی مین پہنسے ہوئے ہین اور اُن کی نظر قہر الٰہی ہی تک محدود ہی جو سبب بعد ہی - مین سبب کو ہرگز نہین دیکھتا کیونکہ وہ حادث اور فانی ہی اور دلیل حدوث یہ ہی کہ وہ میرے فعل سے پیدا ہوا ہی اور میرا فعل حادث ہے

لہذا قہر بھی حادث ہی کیونکہ حادث حادث ہی کا سبب ہو سکتا ہی مین تو اوس کے لطف قدیم پر نظر رکھتا ہون۔ کہ کسی حادث پر مبنی نہین۔ اور جو حادث ہی اوس کو چاک کرتا ہون مین نے مانا کہ میرا سجدہ نکرنا حسد کی بنا پر تھا لیکن یہ بھی تو دیکھو کہ اس حسد کا منشا کیا تھا صرف عشق حق سبحانہ نہ کہ مخالفت حق جل شانہ۔ کیونکہ حسد کا منشا عشق ہی ہوتا ہی کیونکہ عاشق گوارا نہین کرتا ہو دوست کا ہمنشین غیر ہو۔ اس لئے وہ حسد کرتا ہی۔ مین تو کہتا ہون کہ رشک دوستی کے لیئے شرط ہی اگر غیرت نہین تو دوستی بھی نہین اور غیرت دوستی کے لیے یون ہی لازم ہی جس طرح چھینک اور الحمد للہ کے بعد یرحمک اللہ کہنا رکذا فی الحواشی اور ظاہر یہ ہی کہ اوس زمانہ مین رواج ہوگا کہ چھینک کے بعد دیر تری کہتے ہون گے۔ گو شرعًا اس کی کوئی اصل نہین مگر بہت سے رواج ایسے بھی ہوتے ہین جن کی شریعت مین کوئی اصل نہین ہوتی۔ پس خواہ مخواہ اوس کو شریعت پر منطبق کرنا تکلف ہی پس اول تو یہ حسد کچھ مذموم نہین تھا کیونکہ دلیل محبت اور لازم محبت تھا پھر اگر بالفرض مذموم بھی ہو تو بھی میرا قصور نہین چونکہ بساط تقدیر پر میرے لئے بجز اس چال کے اور کوئی رستہ ہی نہین تھا۔ یعنی میرے لئے یہی مقدر تھا۔ لہذا جب حکم ہوا کہ چال چل تو مین وہی چال چلا جو چل سکتا تھا مین ترقی کیا جانون یعنی میرے امکان مین کب تھا کہ مین تقدیر الٰہی کو بدلتا۔ اور دوسری چال چلتا۔ اور اگر ایسا کرتا بھی تو یہ بھی مخالفت تھی حق سبحانہ کی پس جو چال مقرر تھی وہی چلا اور اپنے کو مصیبت مین پھنسا لیا مگر اس بلا مین بھی مزہ لیتا ہون۔ کہ میرے محبوب نے مجھے مات دی اور اس کا جی خوش ہوا۔ ہم تم خیال تو کرو کہ جو ہر طرف سے گھرا ہوا ہو اور مقید ہو وہ اپنے کو اس قید سخت سے کیونکر نکال سکتا ہو اور ششدرہ مین پھنسا ہوا شغدرہ سے کیونکر نکل سکتا ہی بالخصوص وہ مہرہ جسکو حق سبحانہ ہی نے بیکار کیا ہوا اور پیدا ہی اوس کو کج طبع کیا ہو وہ کیونکر بچ سکتا ہو اور جو شخص چھیون طرف سے آگین گھرا ہوا ہو اوس کو بجز اوس کے جس نے آگ کو پیدا کیا ہو آگ سے کون نکال سکتا ہی۔ غرض کہ بندہ کا خواہ ایمان ہو یا کفر جو کچھ ہو اسی کا مخلوق ہی جس کے اندر جو صفت چاہتا ہی پیدا کرتا ہی اوس کی کوئی مزاحمت نہین کر سکتا حاصل یہ ہی کہ مین حق سبحانہ سے اب بھی تعلق رکھتا ہون اور اوس کے لطف کا امیدوار ہون میرا معتوب ہونا محض عارضی ہی جو ایک دن زائل ہو جائیگا۔ اور وہ عتاب بھی میرے قصور پر نہین ہی کیونکہ مین مجبور تھا۔ ایسی حالت مین اگر مین تمکو نماز کے لیئے جگاؤن تو کچھ مستبعد نہین

شرح بشیری

شیطان کا حضرت معاویہؓ کو بیدار کرنا کہ اوٹھیے نماز کا وقت بیوقت ہو گیا ہی

در خبر آمد کہ الخ۔ یعنی حدیث مین آیا ہی کہ مسلمانون کے ماموں ایک رات کو اپنے محل مین سو رہے تھے۔ مسلمانون کے ماموں اسطرح کہا کہ حضرت معاویہؓ حضرت ام حبیبہ امؓ المومنین کے بھائی ہین تو جب وہ ام المومنین ہین تو آپ خال المومنین ہین۔ سبحان اللہ۔

قصر را از اندرون الخ۔ یعنی محل کا دروازہ اندر سے بند تھا اسلیے کہ لوگون کے ملنے سے ماندہ ہو گئے تھے۔

ناگہان الخ۔ یعنی اچانک ایک شخص نے اون کو جگایا آنکھ جو کھولی تو وہ آدمی غائب ہو گیا۔

گفت اندر قصر الخ۔ یعنی فرمانے لگے کہ محل مین تو کسیکی آنیکی راہ نہ تھی یہ کون تھا کہ جس نے یہ گستاخی اور جرأت کی
گرد برگشت وطلب الخ۔ یعنی چارون طرف پھرے اور اسیوقت تلاش کیا تاکہ اوس چھپے ہوئے کا کوئی نشان پاوین
از پس در مدبرے الخ۔ یعنی دروازہ کی آڑ مین ایک بدبخت کو دیکھا کہ وہ ایک پردہ کے پیچھے منہ چھپا رہا ہے۔
شیطان کو یہ بھی قدرت ہے کہ وہ بالکل غائب رہے اور نظر بھی نہ آوے جیسا کہ ظاہر ہی کہ وہ ملعون کسیکو بھی
نظر نہین آتا۔ مگر یہ حضرت معاویہؓ کی کرامت تھی کہ وہ اوسپر قادر نہوا اور غائب نہو سکا۔ غرض کہ جب اوسکو
دیکھا تو بولے کہ۔
گفت ہی تو کیستی الخ۔ یعنی فرمایا کہ اے تو کون ہی اور تیرا نام کیا ہی تو بولا کہ میرا نام ظاہر ہی کہ ابلیس بدبخت
ہی۔ لعنۃ اللہ۔

ابلیس کا معاویہؓ کو جواب دینا

گفت بیدارم الخ۔ یعنی فرمایا کہ تو نے مجھے جگایا کیون سچ بتا الٹا اور خلاف واقعہ تو بتانا مت۔
گفت ہنگام الخ۔ یعنی بولا کہ نماز کا وقت آخر ہوگیا ہے مسجد کی طرف جلدی ہی جانا چاہیے۔
عجلوا الطاعات الخ۔ یعنی مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے عجلوا الطاعات قبل الفوت فرمایا ہی جبکہ وحدت کے
طاعات کو فوت ہونیسے پہلے ادا کرلو ۱۲
موتی پروئے ہین۔
گفت نے نے الخ۔ یعنی اوسنون نے فرمایا کہ نہین نہین تیری یہ غرض نہین تھی کہ تو مجھے کسی اچھی بات
کی طرف رہنما ہوتا۔
دزد آید از نہان الخ۔ یعنی (تیری رہنمائی کرنیکی تو ایسی مثال ہو کہ) رات کو پوشیدہ ہوکر کوئی چور گھر مین آجاوے
اور مجھسے کہے کہ مین پاسبانی کر رہا ہون تو اوسکی بات کو کسطرح باور کیا جاویگا۔
من کجا باور الخ۔ یعنی مین اوس چور کا کب یقین کرونگا اسلیئے کہ چور کیا جانے ثواب کے کام کو اور مزدوری کو (وہ
تو بس چوری ہی جانتا ہو تو وہی کریگا بھی)۔
خاصہ دزدے الخ۔ یعنی خاصکر تجھ جیسا چور ڈاکو کہے کہ مین حفاظت کرونگا تو کسطرح یقین کیا جاوے لہذا آپ
ذرا بتائیے تو سہی کہ) کس سبب سے میرے اوپر اسقدر شفیق ہوئے ہو۔

شیطان کا حضرت معاویہؓ کو دوسری بار جواب دینا

گفت ما اول الخ۔ یعنی بولا کہ ہم اول فرشتہ تھے اور راہ طاعت کو دل و جان سے ہم نے ناپا ہی (یعنی خوب
کاربند رہے ہین)۔
سالکان راہ الخ۔ یعنی سالکان راہ حق کے ہم محرم راز تھے اور ساکنان عرش کے ہم ہمدم تھے۔
پیشۂ اول الخ۔ یعنی اول پیشہ دل سے کب نکلتا ہی اور پہلی محبت کب دل سے زائل ہوتی ہی (کبھی کبھی یاد آتا ہے تو
غیر خود تو نہین کرتے دوسرون کو نماز کے لیئے جگا ہی دین) آگے اس کے نظائر لاتا ہی۔

درسفر گر روم الخ - یعنی دیکھو سفر مین خواہ روم کو دیکھو یا ختن کو مگر دل سے حب وطن کب زائل ہوتی ہی اسی طرح چونکہ اول ہمکو وہ مزہ حاصل ہوچکا ہی اسلئے اوسکو کب بھول سکتے ہین -

ما ہم از مستان الخ - یعنی ہم بھی اوس شراب وحدت کے مست تھے اور اوس درگاہ کے عاشق ہم بھی تھے -

ناف ما بر مہر او الخ - یعنی ہماری آون نال کو اوس کو محبت ہی پر قطع کیا ہی اور اوس کے عشق کو ہماری جان کے اندر بویا ہی مطلب یہ کہ شروع پیدائش سے حب حق ہمارے اندر ہی اور وہی ہماری اصلی صفت ہی تو وہ زائل کب ہو سکتی ہی اگرچہ اسوقت اوسپر عمل نہین ہی - خدا اس کے مکرون سے بچاوے - کیسا صوفی پرہیزگار اور عاشق حق بنتا ہے خبیث اور کہتا ہے کہ -

روز نیکو دیدہ ایم الخ - یعنی ہمنے بھی زمانہ کے ایام خوب دیکھے ہین اور اس ندی مین سے آب رحمت کو پیا ہی -

نے کہ ما را دست الخ - یعنی کیا اوس کے دست فضل نے ہمکو نہین بویا ہی اور کیا اوس نے عدم سے ہمکو ظاہر نہین کیا ہی استفہام انکاری ہی یعنی ایسا ہوا ہی تو ہمکو تو اوس سے بہت بڑی مناسبت ہی -

اے بسا گردے الخ - یعنی ہم نے بہت مرتبہ اوس سے نوازش اور کرم دیکھا ہی اور رضا کے باغ مین بہت بھرے ہین -

بر سر ما دست الخ - یعنی ہمارے سر پر دست رحمت رکھتے تھے اور لطف کے چشمے ہمپر کھولتے تھے -

وقت طفلی ام کہ الخ - یعنی بچپن مین جبکہ مین شیر خوار تھا میرا گہوارہ کون ہلاتا تھا وہی یعنی اوسی نے مجھے پالا پرورش کیا -

از کہ خوردم شیر الخ - یعنی مین کس کا دودہ پیتا تھا سوائے اوس کے دودہ کے اور مجھے کون پالتا تھا سوائے اوس کی تدبیر کے -

خوئے کان با شیر الخ - یعنی جو خصلت کہ دودہ کے ساتھ جسم مین گئی ہو اوس کو آدمی سے کب الگ کر سکتے ہین اور میرے اندر دودہ کے ساتھ حب حق گئی ہی لہذا وہ مجھسے کب زائل ہو سکتی ہی -

گر عتابے کرد الخ - یعنی اگر دریائے کرم نے عتاب بھی کیا مگر وہ دریائے کرم کب بند ہو سکتے ہین -

اصل نقدش لطف الخ - یعنی اصل نقد تو اوس کا لطف اور کرم اور بخشش ہی ہے اور قہر اوس کے اوپر ایک غبار ہی کھوٹ کی طرح -

از برائے لطف الخ - یعنی لطف ہی کرنیکو عالم کو پیدا کیا اور اوس کے آفتاب نے ذرون کو نوازا اور انکو بڑھایا -

فرقت از قہرش الخ - یعنی فرقت اگر اوس کے قہر کی حالت ہی مگر اوس کے وصل کی قدر جاننے کے لیے ہی -

تا دہد جان را فراقش الخ - یعنی تاکہ اوس کا فراق جان کو تنبیہ کرے اور جان کو ایام وصل کی قدر معلوم ہو جاوے -

گفت پیغمبر کہ حق الخ - یعنی پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ حق تعالے کا ارشاد ہے کہ میرا قصد پیدا کرنے سے احسان کرنا ہی -

آفریدم تا زمن الخ - یعنی مین نے پیدا کیا تاکہ مجھسے نفع حاصل کرین اور تاکہ میرے شہد سے ہاتھ آلودہ کرین یعنی اوس کو حاصل کرین -

نے برائے الخ - یعنی اس لئے نہیں کہ مین اپنا کچھ نفع کرون اور ننگون سے قبا اُتارون یعنی بندون سے کیالون -
چند روز یکہ الخ - یعنی تھوڑے روز ہوئے اوسنے اپنے سامنے سے مجھے نکال دیا ہی مگر میری آنکھ اوس کے چہرہ ہی پر لگی ہوئی ہی مطلب یہ کہ لوگ تو سبب کو دیکھ رہے ہین اور مین مسبب کو دیکھ رہا ہون - کہ
کز چنان روئے الخ - یعنی کہ ایسے چہرہ سے اور یہ غصہ تعجب کی بات ہی ہر شخص سبب کو دیکھ رہا ہی (کہ اس غصہ کا کیا سبب ہوا ہے) -
من سبب را الخ - یعنی مین سبب کو نہین دیکھتا اس لئے کہ وہ حادث ہی اور حادث تو دوسرے حادث ہی کو پیدا کریگا - اور حق تعالی قدیم ہین اور ان کی صفات بھی قدیم تو انکی صفت غضب کا سبب حادث شے کیسے ہوسکتی ہے -
لطف سابق الخ - یعنی مین لطف ازلی کا نظارہ کر رہا ہون اور جو حادث ہی اوسکو قطع کر رہا ہون - غرضکہ نالایق بڑا ہی صوفی بنتا ہی اب یہان اعتراض پڑا کہ جب تو اسطرح فنا ہوگیا ہی تو کمبخت سجدہ کرنے مین امتثال کیون نہ کیا وہان انکار کیون کیا تو اوسکا جواب بطور دفع دخل مقدر کے کہتا ہی کہ -
ترک سجدہ الخ - یعنی ترک سجدہ حسد کی وجہ سے ہی فرض کرتا ہون کہ تھا مگر وہ حسد عشق کیوجہ سے پیدا ہوا تھا نہ کہ انکار کی وجہ سے مطلب یہ کہ وہ حسد نہ تھا بلکہ رقابت تھی -
این حسد از دوستی الخ - یعنی یہ حسد تو دوستی ہی کی وجہ سے پیدا ہوتا ہی کہ دوست کی ساتھ کوئی دوسرا ہمنشین ہو
ہست شرط الخ - یعنی دوستی کی شرط غیرتمندی ہی جیسے کہ چھینک کے بعد عمر درازی کی دعا دینا لازمی ہی - دوسرے مصرع مین ایک مثال کے طور پر کہدیا کہ جیسے وہان اکثر کہتے ہی ہین اسیطرح دوستی کے لئے غیرتمندی بھی ضروری ہی ضرور رشک ہوتا ہی -
چونکہ بر نطع الخ - یعنی جبکہ بساط شطرنج پر سوائے اسکے اور کوئی بازی نہ تھی تو مجھ سے کہا کہ کھیل مین حکم عدولی کرنا کیا جانون اسقدر بدمعاش ہی کہ دیکھو کیسی باتین بنا رہا ہی ارے کمبخت تو نے جب سجدہ نہ کیا تھا اسوقت تجھے خبر تھوڑی ہی تھی کہ میری قسمت مین یہ ہی اسوقت تو بدمعاشی ہی تھی اب معلوم ہوا کہ قسمت مین تھا پھر عذر کیسے مسموع ہوسکتا ہی ملعون خبیث جھوٹا مکار -
آن یکے بازی الخ - یعنی وہ ایک بازی جو تھی مین نے کھیل لی اور اپنے کو بلا مین ڈال لیا - یعنی اونکی مرضی کو مقدم سمجھا اور خود مردود بنگیا ایسے ہی تو سیدھے ہین بدمعاش کہین کا -
در بلا ہم الخ - یعنی اس بلا مین بھی اوس کی لذتون کو چکھ رہا ہون - آخر اوسی کا مغلوب ہون اوسی کا ہون اوسی کا ہون -
چون رہاند الخ - یعنی اے سردار اپنے کو کوئی شخص چارخانہ مین چارون طرف سے پھنسکر کب بچا سکتا ہی لہذا چونکہ اوسکی مرضی یون ہی تھی مین کب بچ سکتا تھا -
جزو شش الخ - یعنی چارخانہ کا جز وکل سے کیونکر چھوٹ سکتا ہی خاصکر کہ ہیچون سے کج رکھا ہو - یعنی جو مہرہ کہ چارخانہ کا جز و ہو وہ اوس سے کب نکل سکتا ہی اسلئے کہ وہ محیط ہی اور یہ محاط ہی اسیطرح حکم حق تو مجھے محیط تھا کس طرح اوس سے نکل جاتا اور علحدہ ہوجاتا جبکہ حق تعالی ہی نے میری قسمت مین مردود ہونا لکھا تھا -

ہر کہ در شش اِلخ۔ یعنی جو کہ شش جہت سے آگ مین ہی اوسکو تو وہی چھڑا سکتا ہی جو کہ شش جہت کا پیدا کرنے والا ہی اور اوس نے چھڑانا چاہا نہین لہٰذا نہ چھوٹ سکا اور پھنس گیا۔

خود اگر کفر ست اِلخ۔ یعنی خواہ کفر ہی اور خواہ اوس کا ایمان ہی اوسکے پیدا کئے ہوئے ہین اور اوسکی ملک مین لہٰذا اگر ہم سے ایسا فعل صادر ہو بھی گیا تو کیا تعجب ہی۔ اس مکار فریبی کی ان سب باتو نکا باطل ہونا اور کذب ہونا اظہر من الشمس ہی یہ سنکر حضرت معاویہؓ نے جواب ذیل دیا۔

شرح حبیبی

باز تقریر کردن معاویہؓ مکر ابلیس با او

گفت امیر او را کہ اینہا راست ست
لیک بخش تو از اینہا کاست است

صد ہزاران را چو من تو رہ زدی
حفرہ کردی در خزینہ آمدی

آتشی از تو نسوزم چارہ نیست
کیست کز دست تو جامہ اش پارہ نیست

لعنت این باشد کہ سوزانت کند
اوستاد جملہ دزدانت کند

با خدا گفتی شنیدی رو برو
من چہ باشم پیش مکرت اے عدو

معرفتہائے تو چون بانگ صفیر
بانگ مرغانست لیکن مرغ گیر

صد ہزاران مرغ را آن رہ زدست
مرغ غرہ کاشنائے آمدہ است

در ہوا چون بشنود بانگ صفیر
از ہوا آید شود اینجا اسیر

قوم نوح از مکر تو در نوحہ اند
دل کباب و سینہ شرحہ شرحہ اند

عاد را با باد دادی در جہان
در فگندی در عذاب و اندہان

از تو بود آن سنگسار قوم لوط
در سیہ آبہ ز تو خوردند غوط

مغز نمرود از تو آمد ریختہ
اے ہزاران فتنہ ہا انگیختہ

عقل فرعون ذکی فیلسوف
کور گشت از تو نیابید او وقوف

بولہب ہم از تو نا اہلی شدہ
بوالحکم ہم از تو بوجہلی شدہ

اے برین شطرنج بہر یاد را
مات کردہ صد ہزار استاد را

اے ز فرزین بندہائے مشکلت
سوختہ دلہا سیہ گشتہ دلت

بحر مکری تو خلائق قطرہ
تو چو کوہی وین سلیمان ذرہ

کے رہد از مکر تو اے مختصم
غرق طوفانیم الا من عصم

بس ستارہ سعد از تو محترق
بس سپاہ جمع از تو مفترق

بس سلیمان کز تو دین درباختہ
سر نگون تا قعر دوزخ تاختہ

بس چو برصیصا ز تو کافر شدہ	بس چو بلعم از تو نومید آمدہ

یہ تقریر سنکر حضرت امیر معاویہؓ نے فرمایا یہ باتین تو ٹھیک ہین۔ لیکن تجھکو ان سے بہرہ نہین اور تیرا حال نہین بلکہ محض قال ہی اور مقصود دہوکا دینا ہی تو میری طرح سیکڑون کی راہ مار چکا ہی اور سرنگ لگاکر خزانہ مین گھس گیا یعنی خفیہ خفیہ دولت ایمان اُڑا لے گیا ہی تو تو آگ ہی پھر کیونکر ہو سکتا ہی کہ مین تجھ سے نہ جلون اور متضرر نہ ہون لہذا میرا تجھسے متضرر ہونا لازمی ہی اور کچھ مجھ ہی پر موقوف نہین تمام مخلوق تیرے ہاتھ سے پریشان ہی اے آگ تیرا تو مقتضی طبع ہی جلانا اور نقصان پہونچانا ہی یہ کیونکر ہو سکتا ہی کہ تو کچھ نہ جلائے اور تیری اس خاصیت کی اصل وجہ یہ ہی کہ تو ملعون کامل ہی لہذا جلانا اور نقصان پہونچانا تیرا مقتضی طبیعت ہوگیا ہی اور تو تمام چورون کا اوستاد ہوگیا ہی تو تو وہ قسریہ ہی کہ حق سبحانہ کے روبرو تو نے بیباکانہ گفتگو کی تھی۔ پھر مین تیرے مکر کے سامنے کیا چیز ہون اور یہ جو تو تصوف بھگار رہا ہی مجھے اسکی بھی حقیقت معلوم ہی یہ ایسا ہی جیسا کہ شکاری جانور کی آواز بولتا ہے وہ ضرور جانورون کی آوازون کے مشابہ ہوتی ہی لیکن حقیقت مین جانورون کی آواز نہین بلکہ اون کو پھانسنے کا آلہ ہے اُسنے لاکھون جانورون کو دہوکہا دیا ہی وہ سمجھتے ہین کہ ہمارا آشنا اور ہمارا ہم جنس آیا ہی اس لئے جب وہ ہوا مین جانور کی بولی سُنتے ہین تو وہ برغبت آتے ہین اور جال مین پھنس جاتے ہین۔ یون ہی تو نے بھی باتین بنا بنا کر اور اپنے کو لوگون کا دوست ظاہر کرکے مخلوق خدا کو دام تزویر مین پھنسایا ہی چنانچہ قوم نوحؑ تیرے مکر سے رو رہی ہی ان کا دل جلکر کباب ہوگیا ہی سینہ پارہ پارہ ہے۔ عاد کو تو نے تباہ ہی کردیا۔ اور اوس کو عذاب الٰہی اور سیکڑون طرح کے رنج وغم مین پھنسا ہی دیا۔ قوم لوط کو سنگسار تیرے ہی سبب کیا گیا اور اوہون نے کیچڑ مین تیرے ہی سبب غوطہ کہایا۔ نمرود کا بھیجا تیرے ہی سبب نکلا۔ اے تو نے ہزارون فتنے اوٹھائے ہین۔ مین کہان تک بیان کرون۔ فرعون سا عاقل اور حکیم تیری بدولت اندھا ہوا اور حق سبحانہ کو نہ سمجھ سکا۔ ابولہب تیری ہی سبب نالائق ہوا ابوالحکم تیری ہی بدولت ابوجہل بنا۔ غرض بساط شطرنج امتحان پر تو نے ہزارون ماہرون کو شکست دی ہی اور تیرے سخت داؤن پیچون سے مخلوق کے دل کباب ہوگئے ہین اور تیرا دل بھی یہ ظلم کرتے کرتے سیاہ ہوگیا ہی۔ تو مکر کا ایک سمندر ہی اور تمام مخلوق ایک قطرہ تو مکر کا ایک پہاڑ ہی اور یہ سیدھے سادے لوگ ایک ذرہ۔ پھر یہ بیچارے تیرے مکر سے کیونکر چھوٹ سکتے ہین۔ لہذا ہم تیرے مکر کے سمندر مین ڈوبے ہوئے ہین بجز اون لوگون کے جن کی حق سبحانہ نے دستگیری فرمائی اور کہدیا۔ ان عبادی لیس لک علیہم سلطان بہت سے نیک ستارے یعنی اچھے آدمی تجھسے منحوس ہوگئے اور فسقی بن گئے اور بہت سے مجمع لشکر تیرے ہاتھون تتر بتر ہوگئے۔ بہت سے سیدھے سادھے لوگون نے تیری بدولت اپنا دین برباد کردیا سااور سر کے بل قعر دوزخ مین چلے گئے۔ بہت سے آدمی بلعم کی طرح تیرے ہاتھون رحمت حق سے ناامید ہوگئے اور برصیصا کی طرح بہت سے لوگ تیرے ہاتھون کافر ہوگئے۔

(ف) بلعم باعور قوم بنی اسرائیل کا ایک مشہور آدمی ہی اور برصیصا بنی اسرائیل کا ایک نیک آدمی تھا اتفاقاً اُس سے زنا ہوگیا اور زنا سے حمل رہگیا اوس نے خوف رسوائی سے عورت کو قتل کردیا۔ تحقیقات کے بعد مجرم کا سراغ لگ گیا اور پھانسی کا حکم ہوگیا۔ اُسوقت شیطان نے کہا کہ اگر تو اسوقت مجھے سجدہ کرے تو مین تجھے بچاؤن اوسنے شیطان کو سجدہ کیا اور فوراً پھانسی ہوگئی اور کافر ہوکر مرا۔ واللہ اعلم۔

شرح شبیری

پھر حضرت معاویہؓ کا ابلیس کے مکر کی تقریر کرنا

گفت امیر او را الخ - یعنی حضرت امیرؓ نے اوس سے فرمایا کہ یہ سب سچ ہی لیکن تیرا حصہ اس سے کم ہی - مطلب یہ کہ یہ بالکل درست ہی کہ جو کوئی کہ مردود ہو جاوے تو حق تعالیٰ سے اوسکو ہمیشہ امید رکھنی چاہیئے وغیرہ وغیرہ مگر تو تو مردود و ملعون مطلق ہی تیرے لائق یہ باتین نہین ہین -

صد ہزاران الخ - یعنی مجھ جیسے لاکھون کی تو نے رہزنی کی ہی اور نقب لگا کر تو خزانہ مین آگیا ہی - (اور وہان سے علوم و معارف کو چرا کر لیگیا ہے) -

آتشے از تو الخ - یعنی تو ایک آگ ہی مین تجھسے جلجاؤن تو اس کا کوئی علاج نہین ہی اور وہ کون ہی کہ جس کا جامۂ تقویٰ تیرے ہاتھ سے دریدہ نہین ہی -

طبعت اے الخ - یعنی تیری طبیعت اے آتش جب جلانیوالی ہی تو جب تک کسی شے کو جلا نہ لیگی (اُسوقت تک) کوئی علاج ہی نہین ہی یعنی تو تو اضطرارًا نقصان پہونچاویگا اس لئے کہ یہ تو تیری سرشت مین ہی -

لعنت این باشد الخ - یعنی لعنت وہ شے ہی کہ تجھے سوزان کر دیا اور تمام چورون کا اوستاد تجھے کر دیا - مطلب یہ کہ جب لعنت ہوئی اوسیوقت تو نے اضرار و اضلال شروع کیا تو لعنت سبب ہے اس اضرار کا اسلئے فرماتے ہین کہ دیکھیے تجھے سوزان کر دیا اور سب چورون کا گرو گھنٹال کر دیا ہی کہ وہ تو جان و مال ہی لیتے ہین مگر آپ کا دھاوا ایمان پر ہوتا ہی -

با خدا گفتی شنیدی الخ - یعنی تو نے خدا کے سامنے تو گفت و شنید کی ہی تو مین تیرے مکر کے آگے کیا چیز ہون اے عدو - مطلب یہ کہ جب اللہ تعالیٰ کے سامنے بھی تو چپ نہوا بلکہ اوسی طرح زبان چلتی رہی تو پھر ہم تو کیا ہی چیز ہین جو تو ہم سے چپ ہو گا -

معرفتہائے تو چون الخ - یعنی تیری یہ معرفت کی باتین سیٹی کی آواز کی طرح ہین کہ ہی تو (مثل) آواز مرغ کے مگر (حقیقت مین) جانور کو پھنسانے والی ہی - بانگ صفیر کہتے ہین اوس سیٹی کی آواز کو جس کو صیاد بجاتا ہی اور اوس سے جانورون کی آوازین پیدا ہوتی ہین تو اوس کے ہمجنس جانور اوس کو سنکر آتے ہین اور جال مین پھنس جاتے ہین اسی طرح یہ شیطان کی باتین بظاہر تو بہت ہی چکنی چپڑی معلوم ہوتی ہین مگر حقیقت مین بلا مین ڈالنے والی ہین - جیسا کہ ظاہر ہے -

قوم نوح از الخ - یعنی تیرے مکر کی وجہ سے قوم نوح مصیبت مین ہین دل کباب و رسینہ پارہ پارہ ہین -

عاد را بربا د الخ - یعنی قوم عاد کو تو نے ہی جہان مین برباد کیا ہے اور اون کو عذاب اور تکالیف مین ڈالا ہے -

از تو بود این الخ - یعنی تیری ہی وجہ سے یہ قوم لوط کی سنگساری ہوئی تھی - کہ وہ عذاب مین تیری وجہ سے غوطہ لگا رہے ہین -

مغز نمرود الخ۔ یعنی نمرود کا دماغ تیری ہی وجہ سے پارہ پارہ ہوا ہی ارے تونے ہزاروں فتنے اُٹھائے ہیں۔
عقل فرعون فکی الخ۔ یعنی فرعون فکی اور فیلسوف کی عقل تیری وجہ سے اندھی ہوگئی اور اُسنے واقفیت نہ پائی۔
بولہب ہم از تو الخ - یعنی بولہب تیری ہی وجہ سے ایک نااہل ہوگیا اور بوالحکم بھی تیری ہی وجہ سے بوجہل بنگیا ابو جہل کی اصل کنیت ابوالحکم ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو جہل کنیت رکھی ہو مگر اب تو یہی مشہور ہی۔ ابوالحکم کو کوئی جانتا بھی نہیں کہ کس کیست کی تھوی ہیں اور ان لوگوں کا شیطان کی وجہ سے معذب ہونا اور تباہ ہوا نا ظاہر ہے کہ انہیں حضرت نے بہکایا تب ہی تو وہ غارت ہوئے اس لئے حضرت معاویہؓ فرما رہے ہیں کہ تو نے تو ایسے ایسے عقلمندوں کو اور بڑے بڑے مدعیان عقل کو بہکایا ہے تو بھلا میں تو کیا شئے ہوں کہ جو تو مجھے بہکاتا ضرور اسمیں کوئی بات ہی کہ تو مجھے جگاتا ہی اور فرماتے ہیں کہ۔
سلے برین الخ۔ یعنی ارے تونے یادگاری کے واسطے اس شطرنج (دنیا) پر ہزاروں اوستادوں کو مات کیا ہے۔
اسے زفر زین الخ۔ یعنی ارے تیری ان مشکل تدابیر سے جانیں جلگئی ہیں اور تیرا دل سیاہ ہوگیا ہی۔
بحر مکری تو الخ - یعنی تو تو مکر کا ایک دریا ہی اور دیگر مخلوق (مثل) ایک قطرہ کے ہی اور تو ایک پہاڑ کی طرح ہی اور یہ سیدھے سادے لوگ ایک ذرہ کی مثل ہیں۔ مطلب یہ کہ تیری تدابیر اور مکر کے سامنے کسیکی نہیں چلتی تو وہ کمبخت ہوشیار رہے۔
کے رہد از مکر الخ - یعنی ارے جگر جلاو تیرے مکر سے وہ مخلوق کب چھوٹ سکتی ہی (جبکہ تیری یہ حالت ہی) ہم تو طوفان (بلا) میں ڈوب گئے ہیں مگر جو کہ بچا یا گیا۔ مطلب یہ ہی کہ اب تو تیرے قابو میں پڑگئے ہیں خدا ہی بچائے تو اس سے چھوٹ سکتے ہیں۔
بس ستارہ الخ۔ یعنی بہت سے سعد ستارے تیری وجہ سے نحس ہوگئے ہیں اور بہت سے سپاہیوں کی جماعت تیری وجہ سے الگ ہوگئی ہی مطلب یہ کہ تیری وہ ذات ہی کہ تیری وجہ سے لاکھوں اچھے آدمی برے بنگئے ہیں اور دلوں میں حسد اور کینہ وغیرہ بیٹھ گیا ہی۔
بس مسلما ن الخ۔ یعنی بہت سے مسلمانوں نے تیری وجہ سے دین کو ہار دیا ہی اور اوندھے ہوکر قعر دوزخ تک پہونچ گئے ہیں۔
پس چو بلعم الخ۔ یعنی بہت سے لوگ بلعم کی طرح تیری وجہ سے ناامید ہوگئے ہیں اور بہت سے برصیصا کی طرح تیری وجہ سے کافر ہوگئے ہیں۔ برصیصا ایک عابد بنی اسرائیل ہو اس نے ایک عورت سے زنا کیا اوس سے حمل رہا تو خوف رسوائی سے اوس کو یا اوس کے بچہ کو مار ڈالا اور پھر اس کے بعد مرتد ہوگیا۔ تو دیکھو یا وجودیکہ ایک بہت بڑا عابد تھا مگر اس شیطان کی بدولت یوں گمراہ ہوا تو بھلا پھر ہم تو کیا اوس کا مقابلہ کرسکتے ہیں اور کہاں اوس سے بازی لیجا سکتے ہیں آگے پھر ابلیس جواب دیتا ہی۔ کہ

باز جواب ابلیس مر معاویہ را در اخفاے مکر

گفت ابلیسش گشا این عقدہا	من محکم قلب را و نقد را
امتحان شیر و کلبم کرد حق	امتحان نقد و قلبم کرد حق
قلب را من کے سیہ رو کردہ ام	صیرفیم قیمت او کردہ ام
نیکوان را رہنمائی می کنم	مربدان را پیشوائی می کنم
صالحان را مقتدا و ما منم	طالحان را نیز یاری می کنم
باغبانم شاخ تر می پرورم	شاخہائے خشک را ہم می برم
این علفہا می نہم از بہر چیست	تا پدید آید کہ حیوان جنس کیست
سگ چو از آہو بزاید بچگی	در سگی و آہوئی دارد شکی
تو گیاہ و استخوان پیشش بریز	تا کدامین سو کند او گام تیز
گر بسوئے استخوان آید سگ است	ور گیا خواہد یقین آہو رگ است
قہر و لطفے جفت شد با ہم دگر	زاد ازین ہر دو جہانے خیر و شر
تو گیاہ و استخوان را عرضہ کن	قوت نفس و قوت جان را عرضہ کن
گر غذائے نفس خواہد ابتر است	ور غذائے روح خواہد سرور است
گر کند او خدمت تن ہست خر	ور رود در بحر جان یابد گہر
گرچہ این دو مختلف خیر و شر اند	لیک این ہر دو بیک کار اندر اند
انبیا طاعات عرضہ می کنند	دشمنان شہوات عرضہ می کنند
نیک را چون بد کنم یزدان نیم	داعیم من خالق ایشان نیم
خوب را چون زشت سازم رب نیم	زشت را و خوب را آئینہ ام
سوخت ہندو آئینہ از درد را	کاین سیہ رو می نماید مرد را
گفت آئینہ گناہ از من نبود	جرم او را نہ کہ روے من زدود
او مرا غماز کرد و راست گو	تا بگویم زشت کو و خوب کو
من گواہم مر گواز ندان کجاست	اہل زندان نیستم یزدان گواست
ہر کجا بینم نہال میوہ دار	تربیتہا میکنم من دایہ وار
ہر کجا بینم درخت تلخ و خشک	می برم من می شناسم پشک و مشک
خشک گوید باغبانا اے فتا	مر مرا چہ می بری سر بی خطا
باغبان گوید خمش اے زشت خو	بس نباشد خشکی تو جرم تو
خشک گوید راستم من کژ نیم	تو چرا بیجرم می بری پیم

باغبان گوید اگر مسعود بدے	کاشکے کژ بودے و تر بودیے
جاذب آب حیات گشتئی	اندر آب زندگی آغشتئی
تخم تو بد بوده است واصل تو	با درخت خوش نبوده وصل تو
شاخ تلخ ار با خوشے وصلت کند	آن خوشے اندر نهادش بر زند
گر ترا بیدار کردم بهر دین	خوئے اصل من همین است و همین

ابلیس نے امیر المومنین سے کہا کہ آپ ناحق مجھپر اضلال کی تہمت لگاتے اور بیوجہ مجھسے کینہ رکھتے ہین آپ اپنے دل سے ان گرہون کو کھولئے کیونکہ مین مضل نہین بلکہ کھرے کھوٹے کی کسوٹی ہون حق سبحانہ نے مجھے شیر حق اور سگ دنیا کے امتحان کا آلہ بنایا ہو اور کھرے کھوٹے کی جانچ کا ذریعہ قرار دیا ہو۔ پس جو کھوٹا ثابت ہوتا ہو اوس کو مین کھوٹا نہین بناتا۔ کیونکہ کھوٹ تو اوس کی ذات مین ہو۔ مین تو صراف ہون اوس کی قدر و قیمت ظاہر کرتا ہون مین نیکون کی بھی رہنمائی کرتا ہون کہ ان کو اچھا راستہ بتاتا ہون (ولا تلتفت الی ما قال ولی محمد فانہ اعتراف بالاضلال والشیطان بتبرأ منہ) اور برون کی بھی پیشوائی کرتا ہون کہ اون کو غلط راستہ بتاتا ہون اور وہ اوس پر چلنے لگتے ہین لہذا مین نیکون کا بھی مقتدا اور رامن ہون اور برون کا بھی معین و مددگار غرض جو جس قابل ہوتا ہو مین اوس کی ساتھ ویسا ہی برتاؤ کرتا ہون لہذا میری مثال ایسی ہو جیسے باغبان کہ شاخ تر کی پرورش کرتا ہو اور خشک کو کاٹتا ہو یون ہی مین بھی اہلون کی تربیت کرتا ہون اور نا اہلون کی جڑ کاٹتا ہون مین اُن کے سامنے اچھے برے چارے رکھتا ہون کیون فقط اس لئے کہ معلوم ہو جائے کہ یہ کس قسم کا جانور ہے۔ اسلئے کہ یہ قاعدہ ہو کہ جب ہرن اور کتے کے میل سے بچہ پیدا ہوتا ہو تو اوس کے ہرن یا کتے ہونے مین شک ہوتا ہو پس اگر تمکو ضرورت ہو کہ ایک جانب متعین کرو تو گھاس اور ہڈی دونون قسم کا چارہ اوس کے سامنے ڈالو اور دیکھو کہ کسکی طرف دوڑتا ہو اگر ہڈی کی طرف دوڑے تو سمجھو کہ کتا ہو اور اگر گھاس کا طلبگار ہو تو سمجھو کہ ہرن ہے۔ اب مولانا انتقال فرماتے ہین اور کہتے ہین کہ یون ہی قہر و لطف حق سبحانہ کے اختلاط سے یہ عالم خیر و شر پیدا ہوا ہے اب اگر تمکو ضرورت ہو کہ کیسکی خیریت و شریت معلوم کرو تو ہڈی اور گھاس سامنے ڈالکر دیکھو یعنی غذائے نفس و غذائے روح دونون اس کے سامنے رکھو اگر طالب غذائے نفس (شہوات و لذات) ہو تو سمجھ لو کہ شر ہے اور اگر طالب غذائے روحانی ہو تو سمجھ لو کہ بہتر ہو اگر وہ تن پرور ہے تو سمجھ لو کہ خر ہے اور اگر بحر جان مین غوطہ لگاتا ہو اور طالب حق ہو تو سمجھ لو کہ گوہر معرفت حاصل کریگا جب یہ معلوم ہو گیا تو سمجھو کہ انبیائے تو طاعات پیش کرتے ہین اور ابالسہ شیاطین شہوات پیش کرتے ہین اگرچہ یہ دونون آپس مین یون اختلاف رکھنے والے کہ ایک فریق طاعات پیش کرتا ہو اور دوسرا شہوات خیر و شر ہین۔ باین معنی کہ جو فریق طاعات پیش کرتا ہو خیر ہو اور جو شہوات پیش کرتا ہو شر ہے۔ مگر نتیجہ کے لحاظ سے دونون ایک ہی کام کرتے ہین یعنی تمیز بین السعید و الشقی اور ان مین جو فرق خیریت و شریت ہو اس کی بنا نیت و قصد ہے۔ کہ ایک کا مقصد یہ ہو کہ یہ لوگ طاعات کو قبول کرکے اچھے ہو جائین اور دوسری کا مقصد یہ ہو کہ شہوات کو قبول کرکے برے ہو جائین لہذا اول خیر ہے اور دوسرا شر الف پس سمجھو کہ "گرچہ این دو" الخ مضمون کے لحاظ سے مؤخر ہے اور "انبیا طاعات" الخ مقدم مگر ذکر مین

ترتیب بدلی ہوئی ہو اس لئے ناظرین کو دہوکھا ہوتا ہو فتدبر) - مولانا اس مضمون کو یہان ختم کرکے پھر گفتگوئے ابلیس کی طرف عود فرماتے ہین اور فرماتے ہین کہ شیطان کہتا ہو کہ درحقیقت مین اچھے اور برے لوگون مین تمیز کرتا ہون مین نیک کو بد نہین کرتا کیونکہ یہ کام خدا کا ہو سو مین خدا نہین مین تو محض داعی ہون مین پھر کہتا ہون کہ مین اچھے کو برا نہین کرتا کہ یہ کام رب العلمین کا ہو اور مین رب العالمین نہین بلکہ اچھے اور برون کے لئے آئینہ ہون - میرے ذریعہ سے اچھون کی اچھائی اور برون کی برائی ظاہر ہوجاتی ہو ایک ہندوستانی نے آئینہ سے اس لئے کبیدہ خاطر ہوکر کہ وہ اوس کو کالا منہ دکھلاتا ہو جلا دیا تھا - تو اوسپر آئینہ نے کہا تھا کہ میرا قصور نہین - اگر قصور ہو تو اوس کا ہو جسنے آئینہ بنایا - اوسی نے مجھے چغلخور اور سچا بنایا ہو تاکہ مین صاف کہدون کہ کون برا ہو اور کون اچھا ہو بس یون ہی مین کہتا ہون کہ مین آئینہ ہون اچھے کی اچھائی اور برے کی برائی ظاہر کرتا ہون - میرا کچھہ قصور نہین - کیونکہ حق سبحانہ ہی نے مجھے ایسا بنایا ہو اگر قصور ہو سکتا ہو تو خدا کا - جب خدا کا بھی قصور نہین کیونکہ وہ مالک ومختار ہو جسکو جیسا چاہے بنائے تو میرا کیا قصور مین تو گواہ ہون لوگونکی اچھائی اور برائی کا - گواہ کو بھی کہین جیلخانہ ہوا ہی مین تمسے قسم کہا کر کہتا ہون کہین جیلخانہ کا مستحق نہین - لہذا تم میری برائی کا خیال چھوڑ دو - اور مجھے برا نہ سمجھو مین تو جہان کہین میوہ دار درخت دیکھتا ہون اور جسکو صلاح پاتا ہون اوس کی دایہ کی طرح تربیت کرتا ہون -

ہان جہان درخت تلخ اور خشک یعنی ناقابل اصلاح آدمی پاتا ہون اوس کی جڑ کاٹتا ہون - غرض مین مینگنی اور مشک مین تمیز کرتا ہون - اچھے برے کو پہچانتا ہون جیسا کوئی ہوتا ہو ویسا ہی اوس کے ساتھ برتاؤ کرتا ہون اگر برا مجھپر اعتراض کرے تو اوس کا اعتراض بیہودہ ہو اور ایسا ہی ہو جیسا کہ خشک لکڑی باغبان سے کہتی ہے کہ مرد آدمی تو میرا سر بیقصور کیون کاٹتا ہو - اوس کا جواب باغبان یہ دیتا ہو کہ جب رہ گیا خشک ہونا تیرا کافی گناہ نہین ہو کیا اس کے علاوہ کسی اور گناہ کی بھی ضرورت ہو اوسپر خشک لکڑی کہتی ہو کہ مین تو سیدھی ہون ٹیڑھی بھی نہین پھر بیقصور تو میری جڑ کیون کاٹتا ہو - تو باغبان اس کا یہ جواب دیتا ہو کہ کاش تو مسعود ہوتی تر ہوتی کہ آب حیات کو جذب کرسکتی اور آب زندگی سے آلودہ ہوسکتی گو کج ہوتی - لیکن تیرا تو تخم ہی برا ہو اور جڑ ہی اچھی نہین نہ تیرا کسی اچھے درخت سے پیوند ہی ہو - اگر یہ بھی ہوتا تو بھی مین تجھے نہ کاٹتا - کیونکہ اگر شاخ تلخ کسی خوش درخت مین لگادی جاوے تو اوس کی خوش مزگی اس مین اثر کرجاتی ہو جب یہ بھی نہین تو مین تجھے کس امید پر رکھ سکتا ہون - یون ہی سمجھنا چاہیے کہ جب کوئی اپنی ذات سے برا اور ناقابل اصلاح ہوتا ہو اور کسی نیک کی صحبت مین بھی نہین ہوتا تو مین اوس کو ہی نقصان پہونچاتا ہون نہ کہ اچھون کو یا اون کی صحبت والون کو - جب میری یہ حالت ہو تو اگر مین نے تم کو ایک دین کے کام کے لئے جگایا تو تم کو تعجب نہ کرنا چاہیے اور بدگمان نہ ہونا چاہیے کیونکہ اصل خصلت میری یہی ہو -

شرح شبیری

شیطان کا حضرت معاویہؓ کو مکر کے چھپانے کے لئے پھر جواب دینا

گفت ابلیسش الخ - یعنی شیطان نے حضرت معاویہؓ سے کہا کہ اس گرہ کو جو تمہارے قلب مین میری جانب سے پڑ گئی ہو کھول دو اس لئے کہ مین تو بھلے برے کی کسوٹی ہون مطلب یہ ہو کہ چونکہ میری وجہ سے بھی بھلے برے کا امتیاز ہوتا ہی جس طرح کہ انبیاء علیہم السلام کی ذات سے ہوتا ہی تو میرا وجود بھی رحمت ہی لہذا مجھ سے ناراض نہو جئے - اور اس سے بھلے برے کا متمیز ہونا ظاہر ہی -

امتحان شیر یعنی حق تعالی نے مجھے شیر اور کتے کا امتحان بنایا ہی اور مجھے کھوٹے کھرے کا امتحان بنایا ہی - کہ میری ہی وجہ سے معلوم ہوجاتا ہی یہ برا ہی اور یہ اچھا ہی -

قلب را من الخ - یعنی کھوٹے کو مین نے سیہ رو کب کیا ہی مین تو صراف ہون مین نے اوس کی قیمت لگادی ہو مطلب یہ ہے کہ جب میری مثال کسوٹی اور صراف جیسی ہو تو کسوٹی یا صراف سونے کو کھوٹا کھرا تھوڑا ہی کر دیتے ہین - بلکہ صرف بتا دیتے ہین کہ یہ کھوٹا ہی یہ کھرا - اور وہ صفت اوس مین پہلے سے ہوتی ہو اسیطرح صفات ذمیمہ اور حمیدہ جو بھی ہون انسانین خود پہلے سے ہوتی ہین میری وجہ سے صرف اون کا ظہور ہوجاتا ہی اس لئے میری کیا خطا ہاں اگر مین کسیکو برا بھلا بناتا تو بیشک مجھپر الزام تھا -

نیکوا نرا الخ - یعنی نیکون کی تو رہنمائی کرتا ہون اور بدون کی بھی پیشوائی کرتا ہون غرضکہ جو جیسا ہو اوس کو اوسمین لگا دیتا ہون باقی خود کچھ نہین کرتا -

صالحا نرا الخ - یعنی صالحون کا مین مقتدا ہون اور جائے پناہ ہون اور بدبختون کی بھی مین مدد کرتا ہون -

باغبانم شاخ الخ - یعنی مین تو باغبان ہون شاخ تر کی تو پرورش کرتا ہون اور خشک شاخون کو بھی کاٹتا ہون - غرضکہ جو جیسا ہو اوس کی ساتھ ویسا ہی معاملہ کرتا ہون - آگے کہتا ہو کہ میری تو ایسی مثال ہو کہ جیسے ایک کتے اور ہرن کی جفتی سے ایک بچہ پیدا ہوا اور لوگون مین اختلاف ہوا کہ یہ ہرن ہو یا کتا - تو اس کا امتیاز کسی نے اس طرح کیا کہ اول اوسکے سامنے گھاس رکھا اگر گھاس کھالیا معلوم ہوگیا کہ ہرن ہو اگر نہ کھایا تو ہڈی رکھی اگر وہ کھالی تو معلوم ہوگیا کہ کتا ہی اسی طرح اس دنیا مین برائی بھلائی ملکر ایک چیز پیدا ہوئی ہو اور وہ انسان ہو اب اختلاف ہوا کہ یہ برا ہے یا بھلا تو مین نے اوس کے سامنے دونون راستے رکھدئے اگر برا ہی تو برائی کی طرف گیا اور اگر اچھا ہے تو بھلائی کی طرف جاویگا - تو جب مین تمیز دینے والا ہون تو اس مین خود میری کیا خطا بتاؤ - اب سمجھو کہ بکتا ہو کہ -

این علفها می نہم الخ - یعنی مین غذائین رکھ رہا ہون بھلا کس لئے (اس لئے کہ) تاکہ ظاہر ہو جاوے کہ جانور کسکی جنس سے ہے -

سگ چو زاید آہو الخ - یعنی کتے کے ایک ہرن سے بچہ پیدا ہوا تو اوس کے کتے ہونے مین اور ہرن ہونے مین کوئی شک رہے -

تو گیاہ و استخوان الخ - یعنی تو گھاس اور ہڈی اوس کے سامنے ڈال تاکہ معلوم ہو کہ کسکی طرف وہ رغبت کرتا ہے -

گر بسوئے الخ - یعنی اگر ہڈی کی طرف آوے تب تو وہ کتا ہو اور اگر گھاس کو تلاش کرے تو آہو نسل ہو - اسی طرح دنیا مین بھی ہو رہا ہو کہ -

قہر و لطفے الخ - یعنی قہر اور لطف دونون ایک دوسرے کے ساتھ جفت ہوئے تو ان دونون سے دنیا بھلی بُری پیدا ہوئی - تو اس بھلے برُے کی تمیز کی یہ صورت ہی کہ -

تو گیاہ و استخوان الخ - یعنی تو گھاس اور ہڈی دونون کو پیش کردے (آگے اس ہڈی اور گھاس کا بیان ہی یعنی) نفس اور روح دونون کی روزی کو پیش کردے الخ -

گر غذائے الخ - یعنی اگر غذا نفس کی تلاش کرے تب تو وہ بڑا ہی اور اگر غذا روح کی چاہے تو سردار ہی تو مین یہی تو کرتا ہون کہ دونون راہین سامنے کردین جس راہ سے مناسبت ہوئی اوسی کو اختیار کرلیتا ہی -

گر کند او خدمت الخ - اگر وہ تن کی پرورش مین لگی وے تب تو گدہا ہی اور اگر دریائے جان مین جاوے تو موتی پاوے - مطلب یہ کہ اگر کوئی شخص شہوت و غضب وغیرہ اخلاق ذمیمہ کو اختیار کرے تب تو وہ بیوقوف ہی اور سمجھ لو کہ اس مین صلاحیت خیر کی نہین ہی اور اگر پرورش روح کی کرے تو اوس کو علوم و معارف حاصل ہون گے آگے کہتا ہی کہ -

گرچہ این الخ - یعنی اگرچہ یہ دونون مختلف خیر و شر ہین لیکن یہ دونون ہین ایک ہی کام مین اور وہ کام یہ ہی کہ دونون ممیز ہین اگر شیطان ہی تو وہ بھی ممیز ہی اور اگر انبیاء علیہم السلام ہین وہ بھی ممیز ہین ہان اسقدر فرق ہے کہ -

انبیا طاعات الخ - یعنی انبیاء علیہم السلام تو طاعات کو پیش کرتے ہین (اور اُس سے نیک و بد مین تمیز ہوتی ہی) اور دشمن (دین) شہوات کو پیش کرتے ہین (اوس سے فرق ہوتا ہی مگر کام دونون کا انبیا و شیاطین کا ایک ہی ہوا یعنی نیک و بد مین فرق کرنا) اور کہتا ہی کہ -

نیک را من بد کنم الخ - یعنی مین جو نیک کو بد کردون تو خدا تو نہین ہون - مین تو داعی ہون اون کا خالق تو نہین ہون -

خوب را من زشت الخ - یعنی مین بھلے کو برا بنادون مین کوئی خدا تو نہین ہون برُے بھلے کا آئینہ ہون - مطلب یہ ہی کہ میری قدرت مین یہ تو نہین ہی کہ برُے کو بھلا اور بھلے کو برُا کردون اس لیے کہ یہ تو خدا کا کام ہی ہان صرف اسقدر ہے کہ میرے ذریعہ سے نیک و بد معلوم ہو جاتا ہی تو اس مین میری کیا خطا ہی اس لئے کہ اگر آئینہ مین برُی صورت برُی معلوم دے تو آئینہ کی کیا خطا وہ صورت ہی برُی ہو ہان جو سمجھے گا نہین وہ آئینہ کی خطا بتاویگا جیسے کہ ایک شخص بدصورت نے آئینہ دیکھا جب کالی کلوٹی صورت نظر آئی تو اوس کو آگ مین ڈالدیا کہ اس کمبخت نے میری صورت بری کردی آگے بطور تمثیل کے اوسی کا قصہ بیان کرتا ہی کہ -

سوخت ہندو الخ - یعنی ایک ہندی آدمی نے آئینہ کو تکلیف کیوجہ سے جلا دیا - کہ یہ آدمی کو سیاہ رو دکھاتا ہی - مطلب یہ کہ ایک ہندی نے اپنی صورت آئینہ مین دیکھی تو وہ جیسی تھی ویسی معلوم ہوتی تو آپ نے غصہ مین آکر اوسکو آگ مین ڈال دیا کہ یہ تو کمبخت انسانکی صورت بگاڑ کر دکھاتا ہی - لہذا اسکو نابید کردینا چاہیے -

گفت آئینہ گنہ الخ - یعنی آئینہ بولا کہ میری خطا نہین ہی اوسکی خطا بتا کہ جسنے آئینہ بنایا ہی -

او مرا غماز الخ - یعنی اوس نے غماز سچ بولنے والا بنایا ہی تاکہ مین بتادون کہ اچھا کون ہی اور برُا کون ہی مطلب یہ ہی کہ آئینہ نے کہا کہ بھائی میری کیا خطا ہی جسنے مجھے اسقدر صاف اور مصقل بنایا ہی اوس کی خطا ہے باقی

مجھے تو چونکہ صیقل کردیا ہے اس لئے مجھے چغلخور بنایا یا غمازی کرتا ہون مگر راست گو بنایا ہے جو بات واقعی ہوتی ہے اوس کو ظاہر کر دیتا ہون اگر کوئی اچھا ہے تو اوس کی اچھائی کو اور اگر کوئی برا ہے تو اوس کی برائی کو ظاہر کر دیتا ہون ۔ تو شیطان کہتا ہے کہ مین تو زشت و خوب کے لیے آئینہ کی طرح ہون۔ جیسا ہوتا ہے میرے اندر نظر آجاتا ہے تو یہ میری خطا تو نہین ہے بلکہ جسنے مجھے ایسا بنایا ہے یعنی حق تعالیٰ نے اوس کی خطا ہو سکتی ہے اور اون کی خطا ہونا محال اور میری خطاؤن گی انکی بھی خطا نہین ہے خود انسان ہی کی خطا ہے کہ وہ برا ہوتا ہے ۔ اور کہتا ہے کہ۔

من گواہم الخ۔ یعنی مین تو گواہ ہون اور گواہ کہ قید خانہ نہین ہوتا۔ مین قیدیون مین سے نہین ہون خدا گواہ ہے

ہر کجا بینم الخ ۔ یعنی جہان کہین کہ مین کوئی میوہ دار درخت دیکھتا ہون تو اوس کو دایہ کی طرح پالتا ہون۔

ہر کجا بینم درخت الخ۔ یعنی جہان کہین کہ کوئی درخت تلخ اور خشک دیکھتا ہون اوس کو کاٹ ڈالتا ہون اس لئے کہ مین مشک اور مینگنی کو پہچانتا ہون مطلب یہ ہے کہ مین بھلے برے کو خوب جانتا ہون جو اچھا ہوتا ہے اوس کی پرورش کرتا ہون اور جو برے ہوتے ہین اون کو خوب اچھی طرح تباہ و برباد کر دیتا ہون ۔ آگے کہتا ہے کہ۔

خشک گوید باغبان را الخ۔ یعنی وہ خشک باغبان سے کہتا ہے کہ اے نوجوان میرا سر بیخطا کیون کاٹ رہا ہے۔

باغبان الخ۔ یعنی باغبان کہتا ہے کہ اے زشتخو چپ رہ کیا تیرا خشک ہونا جرم کافی نہین ہے ۔ مطلب یہ کہ تیرے کاٹنے کے لیے اور کسی جرم کے ثبوت کی ضرورت نہین ہے صرف یہ جرم کافی ہے کہ تو خشک ہے ۔ اسی طرح جب مین (شیطان) کسیکو جہنم واصل کرتا ہون اور وہ کہے کہ کیون مجھے برباد کر رہا ہے میری کیا خطا ہے تو کہتا ہون کہ یہ تیری بدی اور برا ہونا کیا کچھ کم گناہ ہے تیرا تو یہی بہت بڑا گناہ ہے کہ تو برا ہے

خشک گوید الخ ۔ یعنی وہ خشک کہتا ہے کہ ارے مین تو سیدھا ہون ٹیڑھا بھی نہین ہون تو کیون بیخطا میری جڑ کاٹ رہا ہے۔

باغبان گوید الخ ۔ یعنی باغبان کہتا ہے کہ اگر تو نیکبخت ہوتا تو کاش کہ کج ہو مگر تر ہوتا۔

جاذب آب الخ ۔ یعنی تو آب زندگانی کا جاذب ہوتا اور آب زندگی مین ملا ہوا ہوتا ۔ تو اسی طرح جب کوئی برخو کہتا ہے کہ مجھے کیون برباد کیا ہے مین نے کیا خطا کی مین تو ظاہر مین کیسا اچھا ہون تو وہ کہتا ہے کہ ہان ظاہر مین تو اچھا ہے مگر یہ تیری بھلائی کسی کام کی نہین ہے کاش کہ تو بظاہر خوبصورت نہوتا مگر تیری سیرت بھلی ہوتی اور تیرے اندر قابلیت علوم و معارف کے حاصل کرنیکی ہوتی ۔ اور کہتا ہے کہ۔

تخم تو بد بودہ الخ یعنی تیرا تخم برا ہے اور تیری اصل بھی اور تیرا میل کسی اچھے درخت کے ساتھ نہ ہو سکتا ۔ اس لئے تجھے قطع کیا جاتا ہے اس لئے کہ اگر تر ہوتا تب تو کسی شاخ شیرین مین پیوند کر دیا جاتا اور اوس سے تیرے اندر بھی شیرینی آجاتی مگر اب جب کہ خشک ہے اب تو تو کسی کام ہی کا نہین ہے۔

شاخ تلخ ار الخ۔ یعنی اگر شاخ تلخ (تر) کسی اچھے کے ساتھ پیوند ہو جاتی ہے تو وہ اچھا ثمین اخر کرتا ہے مگر تو کہ خشک ہے تیرے اچھے ہونیکی کوئی تدبیر ہی نہین لہذا اب تیرا نہونا ہی بہتر ہے تو شیطان کہتا ہے کہ جس طرح باغبان اوس خشک کو قطع کر دیتا ہے مین بھی ہی کرتا ہون اور اوسکو جہنم رسید کر دیتا ہون ۔ یہ ساری تحقیقات بیان کر کے آگے خبیث پھر حضرت معاویہؓ کی طرف مخاطب ہو کر کہتا ہے کہ۔

اگر ترا بیدار الخ۔ یعنی اگر آپ کو مین نے دین کے لیئے جگا بھی دیا تو میری اصل خو تو یہی ہے یہی زہر تعجب کیون ہے جب حضرت معاویہؓ نے دیکھا کہ یہ یون نہ بتاویگا تو سختی شروع کردی اور فرمایا کہ۔

شرح حبیبی

عنف کردن معاویہ رضی اللہ عنہ با بلیس علیہ اللعنۃ

گفت امیر اے راہ زن حجت مگو ۔۔۔ مر ترا رہ نیست در من رہ مجو

رہزنی تو من غریب تاجرم ۔۔۔ ہر لباساتے کہ آری کے خرم

گرد رخت من مگرد از کافری ۔۔۔ تو نہ رخت کسے را مشتری

مشتری نبود کسے را راہزن ۔۔۔ ور نماید مشتری مکرست و فن

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ارے ڈکیت زیادہ دلیل نکر میرے اندر تیرا رستہ نہین تو میرے اندر رستہ نہ تلاش کر۔ یعنی مین تیری باتون مین نہ آؤنگا مجھ سے نہ الجھ تو ڈکیت ہے اور مین مسافر تاجر ہون صاحب بصیرت ہون لہذا مین تیرے ہر مکر وزور کے لباس کو نہین خرید سکتا۔ بلکہ مین پہچان لونگا کہ اس مین نقص ہے خریدنے کے قابل نہین یعنی مین تیری بناوٹ کو سمجھتا ہون لہذا مین نہین مان سکتا تو میرے متاع ایمان کے گرد بے ایمانی سے نہ پھر مین جانتا ہون کہ تو چرانا مال اڑانا چاہتا ہے۔ نہ کہ خریدار و قدردان۔ ڈکیت مشتری نہین ہو سکتا۔ اگر وہ اپنے کو مشتری ظاہر کرے تو یہ اوس کا مکر و فریب ہے۔

نالیدن معاویہ رضی اللہ عنہ بحق تعالیٰ از مکر ابلیس و نصرت خواستن

تا چہ دارد این حسود اندر کدو ۔۔۔ اے خدا فریاد رس ما زین عدو

گر یکے فصل دگر در من دمد ۔۔۔ در رباید از من این رہزن نمد

این حدیثش ہمچو دود است اے الہ ۔۔۔ دست گیر ار نہ گلیمم شد سیاہ

من بحجت بر نیایم با بلیس ۔۔۔ کوست فتنہ ہر شریف و ہر خسیس

آدمے کو علم الاسما بگست ۔۔۔ در تگ چون برق این سگ بے تگست

از بہشت انداختش بر روئے خاک ۔۔۔ چون سمک در شست او شد از سماک

نوحۂ انا ظلمنا مے زدے ۔۔۔ نیست دستان و فسونش را حدے

اندرون ہر حدیث او شرست ۔۔۔ صد ہزاران سحر در وے مضمرست

مردی مردان ببندد در نفس ۔۔۔ در زن و در مرد افروزد ہوس

اے بلیس خلق سوز فتنہ جو ۔۔۔ بر چیم بیدار کردی راست گو

تا نکہ حیلت در نگنجد با منے ۔۔۔ ہین غرض را درمیان نہ بے فنے

آخر کار ابلیس کی چالاکی سے پریشان ہوکر حضرت امیر معاویہ حق سبحانہ کی درگاہ مین مناجات کرتے ہین اور فرماتے ہین اے خدا تو میری فریاد سن اور اس دشمن کے مکر سے چھڑا نہین معلوم اسکے اس فعل مین کیا چال مضمر ہی - اگر ایک مرتبہ اور یہ مجھ سے گفتگو کریگا تو یہ رہزن میرا امند ایمان اڑا لیگا - اے اللہ یہ اس کی گفتگو دہوین کی مثل ہی تو میری دست گیری کر ورنہ میرا کمبل سیاہ کر دیگا - یعنی میرے دلپر بڑا اثر ہوگا - مین ابلیس پر حجت سے غالب نہین آ سکتا کیونکہ یہ تو پہلے بڑے سب لوگون کو فتنہ مین ڈالنے والا ہی - آدم علیہ السلام جن کو علم الاسمار کا تمغہ عطا ہوا تھا اس کتے کی برق رفتاری کے مقابلہ مین عاجز رہگئے - اور یہ اُن سے بازی لے گیا اون کو بہشت سے زمین پر پہوچادیا اور وہ سماک (مرتبہ عالیہ) سے جدا ہوکر اس کی شست مین مچھلی کی طرح پھنس گئے - بالآخر ربنا ظلمنا انفسنا کہہ کہہ کر روتے تھے اے اللہ اس کے منتر اور فریب کی تو کوئی حد ہی نہین - اس کی ہر بات مین کوئی نہ کوئی شر ہی بلکہ ہزارون لاکھون جادو اس مین مستتر ہین - یہ کمبخت بڑے بڑے ہمت والون کی ہمت ایک پھونک مین پست کر دیتا ہی اور ہر عورت و مرد مین آتش ہوس افروختہ کرتا ہی یہان تک حق سبحانہ سے دعا کرکے پھر ابلیس کی طرف مخاطب ہوتے ہین اور فرماتے ہین - اے خلقت کو جلانے والے اور فتنہ کے ڈہونڈہنے والے ابلیس سچ بتلا تو نے مجھے کیون جگایا - کیونکہ تیری چالاکی میرے سامنے نہین چل سکتی دیکھ بناوٹ نکر - اور اصلی غرض بیان کردے -

باز تقریر ابلیس تلبیس خود را با معاویہ رضی اللہ عنہ

گفت ہر مردے کہ باشد بد گمان — نشنود او راست را با صد نشان

ہر درونے کہ خیال اندیش شد — چون دلیل آری خیالش بیش شد

چون سخن در وے رود علت شود — تیغ غازی دزد را آلت شود

پس جواب او سکوت است و سکون — ہست با ابلہ سخن گفتن جنون

تو ز حق ترس و ز حق جو قطع نفس — کہ تو از شرش بماندستی بحبس

تو ز من با حق چہ نالی اے سلیم — تو بنال از شر این نفس لئیم

تو خوری حلوا ترا دمل شود — تپ بگیرد طبع تو مختل شود

بے گنہ لعنت کنی ابلیس را — چون نہ بینی از خود آن تلبیس را

نیست از ابلیس از تست اے غوی — کہ چو روبہ سوئے دنبہ میروی

وان ندانی کت ز دانش دور کرد — میل دنبہ چشم عقلت کور کرد

حبک الاشیاء یعمیک و یصم — نفسک السوداء جنت لا تختصم

تو گنہ بر من منہ کژ مژ مبین — من ز بد بیزارم و از حرص و کین

من بدی کردم پشیمانم ہنوز — انتظارم تا دیم گردد تموز

حرص و کین است از طباع مختلف — مر مرا ہم چار صد شد مکتنف

ہم امید سے می پزم با درد و سوز — تا کہ کے گردد شب دیجور روز

متہم گشتم میان خلق من	فعل خود بر من نہد ہر مرد و زن
گرگ بیچارہ اگرچہ گرسنہ است	متہم باشد کہ او در طنطنہ است
چونکہ نتواند ز ضعف او راہ رفت	خلق گوید تخمہ است از لوت زفت

شیطان نے جواب دیا کہ اصل بات یہ ہی کہ جو شخص بدگمان ہوتا ہو وہ سچی بات سو دلیلون کی ساتھ بھی نہین مانتا۔ اور جس دل پر توہمات کا غلبہ ہوتا ہی جب تم اوس کے سامنے کوئی دلیل بیان کروگے تو اوس کے توہمات مین ترقی ہو گی۔ جب کوئی معقول بات اوس مین پہونچتی ہی مادہ فاسدہ بنجاتی ہی اور اوس کی ایسی مثال ہوجاتی ہی جیسے غازی کی تلوار جو فی الحقیقت آلۂ اصلاح ہی ڈاکو کے ہاتھ مین جاکر آلۂ فساد بنجاتی ہی ایسے شخص کا جواب سکوت اور خاموشی کے سوا کچھ نہین سکیونکہ بیوقوف کے ساتھ گفتگو کرنا جنون ہی تم کو چاہئے کہ خدا سے ڈرو اور اوس سے اس کی درخواست کرو کہ وہ تم کو نفس سے جدا کرے کہ تم اوس کے شر سے خرابیون مین گرفتار ہو۔ خدا کے سامنے میری کیا فریاد کرتے ہو۔ تم کو اس خبیث نفس کی شرارت سے فریاد چاہیے۔ دیکھو تم مٹھائیان کہاتے ہو اس سے تمھارے دُل نکل آتا ہی اور بخار چڑھتا ہی اس لئے تمھاری طبیعت بگڑجاتی ہی یہ ہوستے۔ تو محض نفس کے سبب سے ہین مگر بیقصور اور بلا وجہ ابلیس پر لعنت کرتے ہو۔ اس فریب کو اپنے نفس کی طرف سے کیون نہین سمجھتے۔ ابلیس کی جانب سے یہ فعل نہین ہو سکتا۔ کیونکہ اس مین اس کا کوئی فائدہ نہین بلکہ خود تمھارے نفس کی طرف سے ہی کہ وہ لومڑی کی طرح خوش خوش دنبہ کی طرف جاتا ہی اور اوس کو اپنے لئے نافع سمجھتا ہی مگر جبکہ وہ دنبہ کو سبزہ مین دیکھکر اوس کی طرف جاتا ہی تو یہ نہین سمجھتا کہ وہ جال ہی جو مضرت پہونچائیگا۔ تم اس نقصان کو اس لئے نہین جان سکتے کہ مرغوب شئے کی رغبت نے تمکو سمجھ سے بالکل الگ کردیا ہی اور تمھاری چشم عقل کو اندھا کردیا ہی۔ اس لئے کہ عام قاعدہ ہی کہ ایک شئے کی محبت اندھا اور بہرا کردیتی ہی کہ نہ وہ مضرت کو دیکھ سکتا ہی اور نہ کسیکی نصیحت سُنتا ہی۔ جب یہ تم کو معلوم ہوگیا تو سمجھو کہ تمھارا نفس بڑہی مجرم ہی تم دوسرون سے نہ لڑو تم غلط بین نہ بنو اور خوامخواہ مجھے الزام نہ دو۔ مجھے تو برائی سے۔ حرص سے عداوت سے سخت نفرت ہی پھر ایسی باتون کی ترغیب کیون دینے لگا۔ حرص اور مخالفت تو مختلف طبیعتون کے اجتماع سے پیدا ہوتی ہین مجھکو کون سی چار ضدین گھیرے ہوئے ہین کہ میرے اندر حرص وعداوت ہو۔ یہ مطلب اچھا معلوم ہوتا ہی گو اس کا یہ قول ؎ مرمرا کہ چار ضد شد مکتنف ۔۔ جھوٹ اور فریب ہوگا کیونکہ تحقیق یہی ہی کہ وہ بھی عناصر اربع سے مرکب ہی۔ لیکن ناریت غالب ہے) مین نے عمر بھر مین ایک برائی کی ہی لیکن مجھے ابتک اس کی ندامت ہی اور مجھے انتظار ہی کہ دیکھئے کہ میری خزان بعد کب بہار قرب حق سے مبدل ہوتی ہی اور سوز و گداز کے یا بے چینی وقلق کے ساتھ امید لگائے ہون کہ کب وہ دن ہوگا کہ میری بدقسمتی کی شب تاریک خوش نصیبی کی روز روشن سے مبدل ہوگی۔ میری تو یہ حالت ہی لیکن اسپر بھی دنیا مین مین بدنام ہوگیا اور حالت یہ ہوگئی کہ مرد اور عورت اپنے فعل کو میرے ہی سر منڈھتا ہی۔ سچ ہی بدا اچھا بدنام برا بھیڑیا چونکہ بدنام ہی اسلئے اگر وہ بھوکا بھی ہو تب بھی لوگ یہی کہین گے کہ خوب مگن ہو رہا ہی اور جبکہ وہ ضعف کے سبب چل بھی نہ سکے تو کہتے ہین کہ کوئی قوی غذا کھائی ہی جس سے اتنا اپھر گیا کہ چلا بھی نہین جاتا۔

شرح شبیری

حضرت معاویہؓ کا ابلیس سے سختی کرنا

گفت امیر اے الخ۔ یعنی حضرت امیرؓ نے فرمایا کہ اے ڈاکو دلیل مت بھگار مجھے کوئی رستہ نہیں ہی میرے اندر راستہ مت تلاش کر۔ مطلب یہ کہ تو مجھے نہیں بہکا سکتا اس لئے ذرا مجھپر رحم فرمائیے اور جو سیدھی بات ہے کہدیجئے ورنہ خبر لیجا ویگی آگے اپنی اور ابلیس کی ایک مثال فرماتے ہین کہ۔

رہزنی الخ۔ یعنی ارے تو تو ڈاکو ہے اور مین غریب تاجر ہون تو تو جو لباس لاویگا مین کب خریدونگا۔ مطلب یہ ہی کہ تو تو ڈاکو ہی اور مین تاجر ہون اگرچہ کم درجکا اور غریب ہی ہون مگر آخر پھر بھی کچھ تو مجھے بھی پہچان ہی اسلئے مین تیرے دہوکون مین آنیوالا نہین ہون۔

گرد رخت من الخ۔ یعنی میرے اسباب کے پاس کافری کی وجہ سے ذرا مت پھر دا س لیئے کہ تو کسیکے اسباب کو خریدنے والا نہین ہی بلکہ صرف دہوکہ دہی کے لیے سوداگر بنا پھرتا ہی تاکہ لوگون کو خوب اچھی طرح سے ٹھگے۔

مشتری نبود الخ۔ یعنی ڈاکو کسی کا خریدار نہین ہوتا اور اگر اپنے کو خریدار ظاہر کرے تو وہ مکر ہے اور چالاکی ہی۔ لہذا تو جو کہتا ہی کہ مین نے تمھین دین کے لیے جگایا ہی بالکل غلط اور زور ہی۔ غرضکہ جب گفتگو اس حدتک پہونچی تو حضرت معاویہؓ نے حق تعالیٰ سے دعا کی اور مدد چاہی کہ یا الٰہی اسکے مکر کو ظاہر فرما دے اور مجھے بچا۔

حضرت معاویہؓ کا حق تعالےٰ کی درگاہ مین نالہ وزاری کرنا اور مدد چاہنا

تا چہ دارد الخ۔ یعنی یہ حاسد اپنے باطن مین کیا رکھتا ہی اے خدا ہمارے فریاد کو اس عدو کے مقابلہ مین پہونچیئے

گر یکے الخ۔ یعنی اگر یہ ایک بھی اور پھونک میرے اندر مار دے تو یہ رہزن میرا منہ بھی اُڑالیگا۔ مطلب یہ کہ اگر اسی طرح یہ حجت کرتا رہا تو مجھے خوف اپنے ایمان کا ہی۔

این حدیثش الخ۔ یعنی یا الٰہی یہ اس کی باتین دہوئین کی طرح ہین رحم فرمائیے ورنہ میرا کمبل تو سیاہ ہو جاویگا۔ مطلب یہ کہ مجھپر کہین اس کی یہ فسون اور باتین اثر نہ کر جاوین خدا کے لیے رحم کیجیے۔

من بحجت بر نیایم الخ۔ یعنی مین شیطان کی ساتھ مناظرہ مین تو غالب نہین آ سکتا اس لئے کہ وہ تو ہر بھلے اور برے کے لیے فتنہ ہے۔

آدمے چون الخ۔ یعنی وہ آدم جو کہ علم الاسماء والے ہین اسکی بجلی جیسی چال کے آگے بے تگ ہین۔ مطلب یہ کہ وہ آدم علیہ السلام کہ جنکی شان مین علم الاسماء آیا ہی اور اسقدر بڑے اور عالم اور حقیقت شناس تھے اِس نالائق کی چالاکیونکے سامنے وہ بھی نہ چل سکے اور آخر یہ نتیجہ ہوا کہ۔

از بہشت اندر اخلتش الخ۔ یعنی اون کو بہشت سے روئے زمین پر لا ڈالا۔ اور وہ اوس کی جال مین سماک سے مچھلی کی طرح پھنس گئے۔

نوحہ ا نا ظلمنا الخ۔ یعنی انا ظلمنا الخ کا نوحہ کرتے رہے تھے اس شیطان کے مکر وفریب کی تو کوئی حد ہی نہین۔ مطلب یہ کہ جب وہ اس بلا مین مبتلا ہو گئے تو اب بجز اس کے کہ حق تعالیٰ سے دعا کرتے رہتے اور کچھ بھی نہوا۔

اس خبیث سے بازی نہ لیجا سکے۔

مردیٔ مردان الخ۔ یعنی اوس کی ہر بات مین شر ہے اور اوس کے اندر لاکھون جادو پوشیدہ ہین۔

مردیٔ مردان الخ۔ یعنی مردون کی مردانگی کو ایکدم مین باندھ دیتا ہی اور مرد و عورت مین ہوس کو بڑھاتا ہی۔ ایک جادو ہوتا ہے جس سے مرد عنین ہوجاتا ہی تو فرماتے ہین کہ یہ شیطان وہ ہی کہ اسکے جادو سے بڑے بڑے مردان خدا نامرد اور کم ہمت ہو گئے بس اس کمبخت کے ہاتھ سے خدایا مجھے بچا بس یہ دعا کرکے اب پھر اوس خبیث کی طرف متوجہ ہو کر فرماتے ہین کہ۔

اے بلیس الخ۔ یعنی اے شیطان خلق کو جلانے والے فتنہ کے ڈھونڈھنے والے تو نے کس وجہ سے مجھے جگایا سچ بتا۔

زانکہ حیلت الخ۔ یعنی اس لئے کہ میری ساتھ حیلہ نہین سماتا ہان بات کو بیان کردے بے کسی دھوکے کے۔

یہ سنکر خبیث کہتا ہی کہ۔

پھر ابلیس کا اپنی تلبیس کی حضرت رضؓ کے سامنے تقریر کرنا

گفت ہر مردیکہ الخ۔ یعنی کہنے لگا کہ جو آدمی کہ بدگمان ہوتا ہی وہ سچ بات کو باوجود سو نشانیون کے بھی نہین سنتا۔ مطلب یہ کہ چونکہ آپ کو مجھ سے بدگمانی ہو گئی ہی اس لئے آپ میری سچ بات کو بھی غلط ہی جانتے ہین۔

ہر درونے الخ۔ یعنی جو دل کہ خیال کا سوچنے والا ہوگیا جب تم دلیل لاؤگے اوسکا خیال زیادہ ہی ہوگا۔ مطلب یہ کہ جب کسی کو بدگمانی ہو جاوے تو اوس سے جتنی باتین کرو وہ بدگمان زیادہ ہی ہوتا ہی۔

چون سخن الخ۔ یعنی جب اوس بدگمان مین کوئی بات جاوے وہ بھی علت ہوجاوے جیسا کہ غازی کی تلوار چور کے لیے آلہ (چوریکا) ہوجاتی ہی مطلب یہ ہی اوس خبیث نے کہا کہ چونکہ تمکو بدگمانی میری طرف سے ہی اسلئے ساری باتون کو غلط ہی سمجھتے ہو ورنہ مین بالکل صحیح کہہ رہا ہون۔

پس جواب الخ۔ یعنی پس جواب اوس بدگمان کا سکوت ہی اور سکوت اسلئے کہ بیوقوف کے ساتھ بات کرنا جنون ہے خبیث رافضی معلوم ہوتا ہی جو حضرت معاویہؓ کو برا بھلا کہہ رہا ہی۔

تو زحق ترس الخ۔ یعنی تو حق تعالیٰ سے ڈر اور حق تعالےٰ سے اس نفس کا قطع ہونا چاہ کہ تو اوس کے ہی شر سے جس مین ہے

تو زمن الخ۔ یعنی ارے بھلے آدمی تو حق کے سامنے میری وجہ سے کیا روتا ہی اس مرد و نفس کے شر سے رو۔ مطلب یہ ہے کہ مین تو اسقدر شریر ہون بھی نہین جتنا کہ تیرا نفس ہی اس لئے میری وجہ سے کیا حق تعالیٰ سے پناہ مانگ رہا ہے اس نفس سے جسکو کہ بغلمین لئے بیٹھا ہی پناہ مانگ بعض بزرگون نے لکھا بھی ہی کہ نفس زیادہ پریشان کرتا ہی شیطان اسقدر نہین کرتا۔ اور اس بات کو جس کا دل چاہے آزما کر دیکھ لے پہچان اس کی یہ لکھی ہی کہ دیکھو کہ جو وسوسہ آرہا ہی آیا ایک وسوسہ ہی بار بار آتا ہی یا کہ نئے نئے وساوس آتے ہین۔ اگر بار بار آتا ہی وہ تو نفس کا ہی اور یہی اکثر ہے کہ ایک وسوسہ آیا اوسکو دفع کیا تو پھر وہی موجود ہی اور اگر نئے نئے وسوسے آدین تو سمجھ لو کہ وساوس شیطانی ہین اور نئے وسباوس بہت کم آتے ہین اور یہ اسلئے ہی کہ شیطان تو صرف اضرار اور اضلال چاہتا ہی

تو جب وہ ایک وسوسہ کو دیکھتا ہو کہ اس سے کام نہین چلا تو دوسرا وسوسہ لاتا ہی۔ اور نفس کا مقصود ہوتا ہو حصول حظ مزا لینا تو جب وہ اس قصد سے وسوسہ ڈالتا ہی اور اوسکو کوئی نذکل کردے تو اوس کو لذت تو آتی ہی نہین اسلئے وہ اوسی کو پھر لاتا ہو اور یہ قاعدہ بھی کلی نہین بلکہ اکثری اور اس کے ضمن مین مولانا کو یہ بھی بتلانا ہے کہ اس شیطان سے تو بچتے ہو مگر اس سے بڑھکر دشمن تو تمھاری بغل مین دبہرا ہوا ہو غرضکہ شیطان نے کہا کہ مجھسے کیا پناہ مانگتے ہو اپنے نفس سے پناہ مانگو۔

تو دخوری حلوا الخ- یعنی تو خود تو حلوا کھائے اور تیرے دل ہو جاوے اور بخار آدے اور طبیعت خراب ہو جاوے +

بے گنہ لعنت الخ- یعنی بیچارے شیطان کو لعنت کرتے ہو تم اس تلبیس کو اپنے ہی اندر سے کیون نہین دیکھتے۔ مطلب یہ کہ خود تو برا کام کیا اور لعنت شیطان پر بھلا اس کے کیا معنی ہین ارے بھائی یہ تو خود تمھارے اندر سے ساری باتین پیدا ہوئی ہین سا اسی مضمونکو اوستاد ذوق نے لکھا ہو کہ ؎ مجھکو آتی ہی ہنسی ان حضرت انسان پر + فعل بد تو خود کرین لعنت کرین شیطان پر +

نیست از ابلیس الخ- یعنی ارے گمراہ یہ ابلیس کی طرف سے نہین بلکہ تیری ہی طرف سے ہو کہ تو لومڑی کی طرح دبنہ کی طرف جا رہا ہے۔

چونکہ دو سبزہ الخ- یعنی اے لومڑی جبکہ تو سبزہ مین دبنہ کو دیکھتی ہو وہ جال ہوتا ہو تجھے اس کی خبر نہین ہو۔ شاید لومڑی کے پکڑنیکے لئے دبنہ وغیرہ کو سبزہ مین باندہتے ہون گے۔ اس پر وہ آتی ہوگی تو جال مین پھنس جاتی ہوگی۔ اس لئے فرماتے مین کہ اے کمبخت نفس جو لومڑی کی طرح مکار ہی تو جو ان علوم و معارف کے شکار کرنیکے لئے جا رہا ہی تجھے یہ بھی خبر ہو کہ وہان جال ہو اور جہنم مین جا کر گریگا۔

زان ندانی الخ- یعنی تو اس لئے نہین جانتا کہ تجھے عقل سے دور کر دیا ہے اور دبنہ کی خواہش نے تیری عقل کو اندھا کر دیا ہے۔

حبک الاشیاء الخ- یعنی محبت اشیاء کی تجھے اندھا اور بہرا کر دیتی ہے تیرے نفس برے نے جنایت کی ہے تو اس سے جھگڑا مت کر

تو گنہ بر من الخ- یعنی تو مجھ پر گناہ مت رکھ اور ٹیڑھا میڑھا مت دیکھ مین برے آدمی سے بیزار ہون اور حرص سے اور کینہ سے۔

من بدی کردم الخ- یعنی مین نے ایک گناہ کیا ہو تو اب تک پشیمان ہون اور انتظار مین ہون کہ میری رات دن سے بدلجاوے۔

حرص و کینہ الخ- یعنی حرص اور کینہ مختلف طبائع سے آتا ہو اور مجھے بھی چار ضدون نے ترکیب دی ہو۔

ہم امیدے الخ- یعنی مین بھی امید کر رہا ہون درد و سوز کے ساتھ کہ میری شب دیجور (دیکھئے) کب روز ہوتی ہے۔

متہم گشتم میان الخ- یعنی مین ساری مخلوق مین متہم اور بدنام ہو گیا اور ہر مرد و عورت میرے اوپر اپنے فعل

اور کہہ دیتے ہین۔

گرگ بیچارہ الخ ۔ یعنی بھیڑیا بیچارہ اگرچہ بھوکا ہو مگر بدنام ہوگا کہ اکڑ مین ہے۔

چونکہ نتواند الخ ۔ یعنی جبکہ وہ ضعف کی وجہ سے چل نہ سکے تو لوگ کہتے ہین کہ مجرب غذا کی وجہ سے تخمہ ہوگیا ہے اسی طرح مین اگرچہ کیسا ہی مسکین ہون مگر سب مجھ ہی کو بدنام کرتے ہین ۔ خیر اپنے منہ سے گرگ تو بنا خبیث مردود۔

شرح حبیبی

باز الحاح کردن معاویہ مر ابلیس را و جواب او

گفت غیر راستی نرہاندت ۔ داد سوے راستی میخواندت
راست گو تا وا رہی از چنگ من ۔ مکر ننشاند غبار جنگ من
گفت چون دانی دروغ و راست را ۔ ای خیال اندیش و پُر اندیشہا
گفت پیغمبر نشانی دادہ است ۔ قلب نیکو را محک بنہادہ است
گفتہ است الکذب ریب فی القلوب ۔ باز الصدق طمانین و طروب
دل نیارامد ز گفتارِ دروغ ۔ آب و روغن ہیچ نفروزد فروغ
در حدیث راست آرام دلست ۔ راستیہا دانۂ دام دلست
دل مگر رنجور باشد بد دہان ۔ کو نداند چاشنئ این و آن
چون شود از رنج و علت دل سلیم ۔ طعم صدق و کذب را باشد علیم
حرص آدم چون سوے گندم فزود ۔ از دل آدم سلیمی را ربود
پس دروغ و عشوہ ات را گوش کرد ۔ غرہ گشت و زہر قاتل نوش کرد
گندم از کژدم ندانست آن نفس ۔ مے برد تمییز از مست ہوس
خلق مست آرزو اند و ہوا ۔ زان پذیرا اند دستان ترا
ہر کہ خود را از ہوا خو باز کرد ۔ گوش خود را آشناے راز کرد
ہیچنانکہ در حکایت گفتہ اند ۔ بشنو آنرا تا کشاید بستہ بند

شکایت قاضی از آفت قضا و جواب نائب او

قاضئی بنشاندند و مے گریست ۔ گفت نائب قاضیا گریہ ز چیست
این نہ وقت گریہ و فریاد تست ۔ وقت شادی و مبارکباد تست
گفت آہ چون حکم راند بیدلے ۔ درمیان آن دو عالم جاہلے
آن دو خصم از واقعۂ خود واقف اند ۔ قاضی مسکین چہ داند زان دو بند

جاہلست و غافلست از حال شان　　چون رود در خون شان و مال شان

گفت خصمان عالم اند و علتے　　جاہلے تو لیک شمعے ملتے

زانکہ تو علت نداری در میان　　آن فراغت ہست نور دیدگان

وان دو عالم را غرض شان کور کرد　　علم شان را علت اندر گور کرد

جہل را بے علتے عالم کند　　علم را علت زدلہا بر کند

تا تو رشوت نستدی بینندۂ　　چون طمع کردی ضریر و بندۂ

از ہوا من خوئے را واکردہ ام　　لقمہائے شہوتے کم خوردہ ام

چاشنی گیر دلم شد با فروغ　　راست را داند حقیقت از دروغ

اس کے جواب مین امیر معاویہؓ نے پھر فرمایا کہ سچ کے سوا کوئی چیز تجھے نہین چھڑا سکتی انصاف تجھے راستی کی طرف بلاتا ہی یعنی انصاف اسی کا مقتضی ہی کہ تو سچ بولے پس تو سچ کہدے تاکہ میرے پنجہ سے نجات پائے ورنہ مکر و فریب میری منازعت کو نہین دبا سکتا۔ شیطان نے کہا کہ تم تو وہمی ہو آخر یہ تو بتاؤ کہ تمہارے پاس کیا معیار ہی جس سے تم جھوٹ اور سچ مین تمیز کر سکتے ہو اور جس کے بنا پر میرے بیان کو جھوٹ کہتے ہو۔ اونھون نے جواب دیا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ اور جھوٹ کی ایک شناخت تبلائی ہی اور اوس کو کھرے کھوٹے کی پہچان کے لیئے معیار قرار دیا ہی۔ وہ یہ ہی کہ آپنے فرمایا الصدق طمانینۃ والکذب ریبۃ یعنی جھوٹی بات سے دلکو تسکین نہین ہوتی۔ (جس طرح کہ تیل مین پانی کی آمیزش سے روشنی نہین بڑھتی) اور سچی بات سے دل کو سکون ہوجاتا ہی اور سچی باتین دل کے لیئے دانہ دام ہین۔ بجز اس دل کے جو بیمار ہو۔ اور جس کے منہ کا ذائقہ خراب ہوگیا ہو۔ کیونکہ وہ بیشک دونون مین امتیاز نہین کر سکتا۔ لیکن جب دل امراض سے صحیح و سالم ہوتا ہی تو وہ صدق و کذب کے مزہ کو ضرور جان لیتا ہی۔ اسپر یہ شبہ نہ کیا جاوے کہ پھر آدم علیہ السلام نے میرے جھوٹ کو کیون نہ پہچان لیا کیونکہ اس کی وجہ یہ ہی کہ جب اون کے دلمین دانہ گندم کھانیکی حرص بڑھی تو اسی حرص نے ان کی دل کے مزاج کو اعتدال سے کسیقدر منحرف کر دیا۔ لہذا اونھون تیرا مکر و فریب سن لیا اور دھوکھا کھا گئے اور سم قاتل کو کھالیا اور اون کو امتیاز نہوا کہ یہ دانۂ گندم ہی یا حقیقت مین کژدم ہی کیونکہ قاعدہ ہی کہ ہوس مست ہوس کی تمیز کو کھو دیتی ہی۔ نیز چونکہ مخلوق ہوا و ہوس مین مبتلا ہی اسلیئے وہ تیرے فریب کو قبول کر لیتے ہین لیکن جو شخص اپنی خصلت ہوا و ہوس سے جدا کر چکا ہی۔ وہ حقیقت پر مطلع ہوتا ہی اور ہر گز دھوکھا نہین کھاتا جیسا کہ ایک حکایت مشہور ہی تو اسکو سن تاکہ یہ عقدہ حل ہوجاوے اور تجھے میرے قول کی صداقت معلوم ہوجاوے لوگون نے ایک شخص کو قاضی بناکر بٹھلایا تو وہ رونے لگا اوس کے نائب نے کہا قاضی صاحب آپ کیون روتے ہین یہ آپ کے رونے پیٹنے کا وقت نہین ہے۔ بلکہ آپ کے لیئے خوشی اور مبارک باد کا وقت ہی۔ قاضی نے فرمایا کہ بھائی مین اس لیئے روتا ہون کہ ایک متردد اور ناواقف شخص دو واقفونکا فیصلہ کیونکر کر سکتا ہی مدعی و مدعا علیہ تو حقیقت حال سے واقف ہین قاضی بیچارہ جو دو قیدون مین پھنسا ہوا ہی ایک جہل دوسری غفلت وہ ان دو قیدون کے باعث حقیقت حال کو کیونکر جان سکتا ہی اور جبکہ یہ اون کی حالت سے بالکل ناواقف اور بے خبر ہی پھر یہ اون کے خون و مال مین مداخلت کیونکر کر سکتا ہے نائب نے کہا کہ بیشک وہ دونون مدعی و مدعا علیہ واقف ہین۔ مگر مریض

ہوا و ہوس میں اس لئے جاہل ہیں۔ اور آپ گو ناواقف ہیں۔ مگر با اینہمہ شمع ملت ہیں۔ چونکہ آپ کی کوئی غرض نہیں ہے لہذا یہ آپکا غرض سے خالی ہونا آپکی دل کی آنکھوں کو منور کرنے والا ہے۔ اور اس کی بدولت آپ حقیقت حال سے واقف ہو سکتے ہیں اور مدعی و مدعا علیہ کی اغراض نے ان کو اندھا کر دیا ہے اور آپ کے علم کو خاک میں ملا دیا۔ پس بغیرضی سے جہل مبدل بعلم ہوجاتا ہے۔ اور غرض علم کو دل سے نکال دیتی ہے۔ پس جب تک آپ رشوت نہ لینگے آپ بینا رہینگے۔ اور جب رشوت لینگے تو نابینا۔ اور بندۂ غرض ہوجاوینگے۔ آپ کو حق ناحق کچھ نہ دکھلائی دیگا۔ محض وہ غرض پیش نظر ہوگی جبکہ تو یہ قصہ سن چکا اور تجھے معلوم ہو گیا کہ ہوا و ہوس ہی وہ شئے ہے جو چشم دل کو اندھا کر دیتی ہے تو اب سمجھ کہ میں نے اپنے آپ کو ہوائے نفسانی سے بالکل الگ کر لیا ہے اور غذائے ہوا و ہوس نہیں کھائی ہے اسلئے میرا اسرار و معارف کا مزہ چکھنے والا دل منور ہے اور میں سچ اور جھوٹ میں امتیاز کر سکتا ہوں۔

شرح شبیری

پھر حضرت معاویہؓ کا ابلیس سے بالحاح سوال کرنا اوس کا جواب

گفت غیر راستی الخ۔ یعنی حضرت نے فرمایا کہ سوائے سچ کے تجھے کوئی چھڑا نہیں سکتا انصاف تجھے راستی کی طرف بلا رہا ہے۔

راست گوتا الخ۔ یعنی سچ کہدے تاکہ تو میرے چنگل سے چھوٹ جاوے اسلئے کہ مکر میری لڑائی کے غبار کو فرو نکریگا۔ مطلب یہ کہ مکر سے میں تجھے چھوڑونگا نہیں سچ سچ کہدے تو خیر چھوڑ بھی دونگا۔

گفت چون دانی الخ۔ یعنی شیطان نے کہا کہ تم جھوٹ سچ کو کسطرح جانوگے اے بدگمان اور پراندیشہ۔ مطلب یہ کہ اگر میں نے سچ کہا بھی تب بھی تمھیں کیسے خبر ہوگی کہ میں سچ ہی بول رہا ہوں۔

گفت پیغمبر نشانے الخ۔ یعنی امیر نے فرمایا کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک نشانی دی ہے نیک قلب کو کسوٹی بنایا ہے لہذا اگر تو سچ بولیگا تو میرا قلب اوسکو فوراً قبول کریگا۔

گفتہ است الکذب الخ۔ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جھوٹ سے قلب میں ایک شبہ رہتا ہے اور پھر صدق قلوب کے اندر اطمینان اور خوشی ہوتی ہے۔ حدیث میں ہے الصدق طمانینۃ والکذب ریبۃ اسی طرف اشارہ ہے۔

دل نیارامد الخ۔ یعنی جھوٹ سے قلب کو آرام نہیں ملتا۔ پانی اور تیل کب روشنی بڑھا سکتے ہیں۔ اسیطرح جھوٹ کب قلب میں سکون پیدا کر سکتا ہے تو اگر مجھے اطمینان ہو گیا تو سمجھونگا کہ سچ ہے۔

در حدیث الخ۔ یعنی حدیث میں ہے کہ سچ آرام دلکا ہے اور راستیاں دام دلکا دانہ ہیں۔ یعنی جب سچ بولا اور قلب کو اطمینان ہوا اور قلب مسخر ہوا۔

دل مگر رنجور الخ۔ یعنی دل جو کہ بیمار اور بدہان ہوتا ہے وہ تلخی اور اسکی چاشنی کو نہیں جانتا۔ مطلب یہ کہ جو قلب کہ سلیم نہ ہو اوسکو تو بیشک صدق و کذب میں تمیز نہیں ہوتی۔ ورنہ ضرور ہوتی ہے

چون شود از انخ - یعنی جبکہ رنج وعلت سے دل سلیم ہوجاوے وہ صدق وکذب کے مزے سے واقف ہوجاتا ہی
حرص آدم انخ - یعنی آدم علیہا السلام کو حرص نے جب گندم کی طرف بڑھایا تو آدم علیہ السلام کے دل سے سلیمی جاتی رہی
پس دروغ وعشوہ انخ - یعنی پس اونھون نے تیرے مکراور جھوٹ کو سن لیا اور دہوکہ مین آگئے اور زہر قاتل کو پی لیا -
کژدم از گندم انخ - یعنی اُسوقت بچھو مین اور گیہون مین فرق نہین جانتا اور وہی حرص مست ہوس سے تمیز کولیجاتی ہے -
خلق مست انخ - یعنی چونکہ مخلوق حرص دہوا مین مست ہین اسلئے تیرے مکر کو قبول کرلیتے ہین -
ہر کہ خود را انخ - یعنی جسنے کہ ہوا وہوس سے اپنے کو چھڑالیا اوسنے اپنے کان کو آشنا راز کا کیا - مطلب یہ کہ اوسکو اسرار وحقایق حق پر اطلاع ہوگئی -
ہمچنانکہ انخ - یعنی جیسےکہ حکایت مین بیان کیا ہی لوگون نے ذرا تم اوس کو سنو تاکہ یہ بند ہا ہوا بند کہلجاوے -
آگے ایک قاضی کی حکایت لادینگے جس کا حاصل یہ ہی کہ ایک شخص کو لوگون نے قاضی بنادیا تو وہ مسند پر بیٹھکر رونے لگا نائب نے دریافت کیا کہ حضرت روتے کیون ہین تو اونھون نے کہا کہ بات یہ ہی کہ اصل واقعہ سے تو فریقین ہی مطلع ہوتے ہین اور مین ناواقف محض تو کیا خبر ہی کہ کیا فیصلہ کردون اس لئے رو رہا ہون کہ دیکھئے انجام کیا ہوتا ہی تو اوس نائب نے کہا کہ اگر آپ کی نیت بخیر ہے اور آپ کو کسی قسم کی حرص نہین ہی تب تو خواہ کچھ بھی فیصلہ کردو وہ بھی درست ہی اور مواخذہ نہین ہی اور اگر حرص ہی تو پھر درست بھی کرو تب بھی مواخذہ ہی تو اس حکایت کو اسپر لاتے ہین کہ ؎ ہر کہ خود را از ہوا خو باز کرد انخ کہ دیکھو اوس نے بھی کہا کہ اگر آپ کو حرص نہین ہے تو کچھ غم نہین ہے اب حکایت سنو -

ایک قاضی کا آفت قضا کی شکایت کرنا اور اُسکے نائب کا جواب

قاضی بہ نشاندند انخ - یعنی ایک قاضی کو لوگون نے مسند پر بٹھایا اور وہ رو رہے تھے تو نائب نے کہا کہ اجی قاضی صاحب روتے کسلئے ہو -
این نہ وقت گریہ انخ - یعنی یہ وقت تو آپ کی گریہ وفریاد کا نہین ہی بلکہ خوشی اور مبارکبادی کا وقت ہے
گفت آہ چون انخ - یعنی قاضی نے کہا کہ افسوس ایک بیدل کس طرح حکم چلادے دو عالم (اصلی معاملہ) کے اندر ایک جاہل - یعنی فریقین تو عالم ہین اصل معاملہ سے اور مین جاہل تو دو عالمون مین ایک جاہل کیا فیصلہ کریگا -
آن دو خصم از انخ - یعنی وہ دونون فریق خود تو واقعہ سے واقف ہین اور بیچارہ قاضی اون دونون باتون کو کیا جانے -
جاہلست وغافل انخ - یعنی اون کی حالت سے بالکل غافل اور جاہل ہے تو اون کے خون اور مال مین کس طرح دخل دے -

گفت خصمان الخ - یعنی نائب نے عرض کیا کہ دونون فریق بے شک عالم ہین مگر غرض مند ہین - اور تم باوجودیکہ جاہل ہو مگر شمع ملت ہو۔
زانکہ تو علت الخ - یعنی اسلئے کہ تم کوئی علت ہی درمیان نہین رکھتے ہو اور نور دیدہ کے لیے یہ کافی ہی۔
وان دو عالم الخ - یعنی وہ دونون عالم ہین مگر غرض نے اون کو اندھا کر دیا ہی اور اون کی اس علت نے اون کے علم کو گور مین گرا دیا ہی۔
جہل را بے علتی الخ - یعنی بے غرضی تو جہل کو بھی عالم بنا دیتی ہی اور غرض علم کو بھی دلون سے نکال دیتی ہی - آگے حضرت امیر معاویہؓ فرماتے ہین کہ۔
تا تو رشوت الخ - یعنی جب تک کہ تو رشوت نہ لے تو بینا ہی اور جب تو نے طمع کی تو تو اندھا ہی اور قیدی ہی - پس جب معلوم ہو گیا کہ حرص و ہوا وہ شئے ہی کہ انسان کو حقیقت بینی سے اندھا کر دیتی ہے اور اگر یہ نہو تو حقیقت اشیاء کو انسان جانتا ہی لہذا بہ برکت فیض حضرت صلی اللہ علیہ وسلم حرص و ہوا تو میرے اندر ہی نہین لہذا اگر تو سچ بولیگا تو مجھے فوراً معلوم ہو جاوے گا۔
از ہوا من الخ - یعنی حرص و ہوا کو مین نے اپنی خصلت سے باہر کر دیا ہی اور شہوتی لقمے مین نے بہت کم کھائے ہین لہذا مجھے حقیقت کی پہچان ہی۔
چاشنی گیر الخ - یعنی میرا چاشنی گیر دل بافروغ ہو گیا ہی وہ سچ کی حقیقت کو کذب سے جان لیتا ہی - مطلب یہ کہ چونکہ لطف حق کی چاشنی کو یہ میرا قلب بھی چکھ چکا ہی اسلیے یہ حقایق اشیاء کو پہچان لیتا ہی لہذا اگر تو سچ بولیگا۔ تو میرا دل فوراً قبول کر لیگا - یہ فرما کر حضرت امیرؓ کو جلال آ گیا اور اس سے سختی فرما کر اقرار کرا ہی لیا آگے مولانا اسیکو بیان فرماتے ہین کہ۔

شرح حبیبی

باقرار آوردن معاویہؓ ابلیس لعین را

اے سگ ملعون جواب من بگو	راست بلش آور دروغے را مجو
تو چرا بیدار کردی مر مرا	دشمن بیداریِ تو اے دغا
ہمچو خشخاشے ہمہ خواب آورے	ہمچو خمرے عقل و دانش می بری
چار میخت کردہ ام من راست گو	راست را دانم تو حیلتہا مجو
من ز ہر کس آن طمع دارم کہ او	صاحب آن باشد اندر طبع و خو
من ز سرکہ می بجویم شکرے	در مخنث می بجویم لشکرے
ہمچو گبران می بجویم از بتے	کہ بود حق یا ز حق او آیتے
من ز سرگین می بجویم بوئے مشک	من در آب جو بجویم خشت خشک

من بجویم پاسبانی راز دزد	کارنا کردہ بجویم ہیچ مزد
من ز شیطان می نجویم گوست غیر	کو مرا بیدار گرداند بخیر

امیر نے فرمایا کہ او سگ ملعون میری بات کا جواب دے اور سچ بتلا جھوٹ کو مت ڈھونڈھ کہ بے سود ہے بتا تو نے مجھے کیوں جگایا۔ اے سراپا دغا تو بیداری کا دشمن ہے پھر کیا وجہ تھی کہ تو اوس کا طالب ہوا تو تو پوستے کی طرح نیند لاتا ہی اور شراب کی طرح عقل وفہم کو زائل کر دیتا ہی پھر کیا سبب ہے کہ تو نے اپنی اس خاصیت کو چھوڑ کر اس کی ضد اختیار کی ہے دیکھ تو حیلے تلاش نکر کیونکہ میں سچ کو پہچانتا ہون میرے سامنے حیلہ نہ چلیگا تو سچ سچ بیان کردے تو میرے شکنجہ میں ہی میں تجھکو بدون سچ کہے نہ چھوڑونگا میں ہر شخص سے اوسی بات کی توقع رکھتا ہون جو اوس کی طبیعت و سرشت مین ہی لہذا میں سرکہ سے شکر ہونیکی توقع نہیں رکھتا اور مخنث سے سپاہگری کا امیدوار نہیں ہوتا۔ میں کافرون کی طرح بت میں خدائی یا نشانی خدا نہیں ڈھونڈھتا میں گوبر میں بوے مشک نہیں تلاش کرتا اور ریتی کے پانی میں خشک انیٹ نہیں ڈھونڈھتا میں چور سے پاسبانی کی توقع نہیں رکھتا اور بدون کام کئے مزدوری کا امیدوار نہیں ہوتا علی ہذا میں شیطان سے بھی اس کا متوقع نہیں کہ وہ مجھے کسی بہتری کے لئے جگائے کیونکہ وہ نااہل ہی۔

شرح شبیری

حضرت معاویہ کا ابلیس لعین سے اقرار کرالینا

سگ الخ۔ یعنی ارے ملعون کتے میرا جواب دے سچ کہدے کسی جھوٹ میں راستہ مت ڈھونڈھ۔

تو چرا الخ۔ یعنی تو نے مجھے کیوں جگایا ارے دغاباز تو تو بیداری کا دشمن ہی۔

ہمچو خشخاشے الخ۔ یعنی افیون کی طرح تو تو بالکل نیند اور غفلت ہی لاتا ہی اور شراب کی طرح تو تو عقل ودانش کو بھی لیجاتا ہی جب تیرے یہ کام ہین تو اب بجائے غفلت لانے کے تیرا بیدار کرنا خالی از علت نہیں ہے جلد بتا کہ کیا بات ہے۔

چار میخت کردہ الخ۔ یعنی میں نے تجھے محبوس کرلیا ہے اب سچ بتادے میں تو سچ کو جانتا ہون تو بہت حیلے مت ڈھونڈھ۔

من زہر کس الخ۔ یعنی میں ہر شخص سے وہی امید رکھتا ہون جو کہ اوسکی طبیعت اور خصلت کے اندر ہو یعنی اگر کوئی صحیح بولے تو مجھے معلوم ہوجاتا ہی اور جھوٹ کے قب معلوم ہوجاتا ہی لہذا ٹھیک بتادو۔ آگے مثالیں ہین کہ۔

من ز سرکہ الخ۔ یعنی میں سرکہ سے شکر ہونیکو نہیں ڈھونڈھتا اور ہر مخنث کو میں لشکری نہیں بناتا۔

ہمچو گبران الخ۔ یعنی کافرون کی طرح میں بت سے اس امر کا امیدوار نہیں ہون کہ وہ خود حق ہوگا یا حق تعالے کی جانب سے کوئی نشانی ہوگی مطلب یہ کہ میں اصل واقعی امر کو جانتا ہون مجھے کوئی دھوکا نہیں دے سکتا۔

من ز سرگین الخ - یعنی مین گوبر مین سے مشک کی بو نہین تلاش کرتا اور پانی مین خشک اینٹ نہین ڈہونڈہتا من تجویم الخ - یعنی مین چور سے پاسبانی کا متلاشی نہین ہون اور نہ بے کام کئے ہوئے مین مزدوری کا متلاشی نہین ہون - غرضکہ مطلب یہ کہ مین بے جوڑ کام نہین کرتا کہ تو کہے تو غلط اور مین اوسکو صحیح سمجھون - بلکہ غلط کہیگا تو غلط اور درست کہیگا تو درست سمجھونگا -

من ز شیطان الخ - یعنی مین شیطان سے اس کا متلاشی نہین ہون کہ وہ مجھے بھلائی کے لیے بیدار کریگا اسلئے کہ وہ تو غیر ہے غرضیکہ اوس سے یہی کہا کہ بس خیر اسی مین ہے کہ سچ بول دو تب اوس نے جو دل کی بات تھی وہ کہدی -

شرح حبیبی

راست گفتن ابلیس ضمیر خود را با معاویہ

گفت بسیار آن بلیس از مکر و عذر ۔۔ میر از و نشنید و کرد استیز و نکر

از بن دندان بگفتش بہر آن ۔۔ کردمت بیدار میدانی ای فلان

تا رسی اندر جماعت در نماز ۔۔ از پئے پیغمبر دولت فراز

گر نماز از وقت رفتی مر ترا ۔۔ این جہان تاریک گشتی بیضیا

از غبین و درد رفتی اشکہا ۔۔ از دو چشم تو مثال مشکہا

ذوق دارد ہر کسے در طاعتے ۔۔ لاجرم نشکیبد از وے ساعتے

آن غبین و درد بودے صد نماز ۔۔ کو نماز و کو فروغ آن نیاز

شیطان نے بہت کچھ عذر کئے اور بہت دہوکے دیئے لیکن امیر نے ایک بھی نہ سنی اور لڑتے رہے اور یون ہی جھگڑتے اور تردید کرتے رہے - آخر ش مجبور ہوکر اوسنے کہا کہ مین نے تمکو اس لئے جگایا تھا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز و جماعت مین پہونچ جاؤ - کیونکہ اگر تمھاری نماز با جماعت فوت ہوجاتی تو یہ جہان تمھاری نظر مین فرط غم سے تیرہ و تار ہوجاتا - اور اس خسارہ اور تکلیف کے باعث تمھاری آنکھون سے مشکون کی طرح آنسو جاری ہوتے - کیونکہ ہر شخص کو ایک طاعت کے ساتھ خاص دلچسپی ہوتی ہے اور وہ اسکے بغیر دم بھر صبر نہین کرسکتا ہے چنانچہ مین نے دیکھا کہ تمکو نماز سے زیادہ دلچسپی ہے اگر تمھاری نماز فوت ہوگئی تو یہ تمھاری نظر مین بہت بڑا خسارہ ہوگا اور بہت بڑی تکلیف وہ بات ہوگی اور یہ خسارہ و تکلیف تمھارے لئے اجر کے لحاظ سے سو نمازون کے برابر ہوجاویگی - پھر کہا ایک نماز اور کجا وہ فروغ نیاز - جو سو نمازون کی برابر ہو چنانچہ ایک مرتبہ ایسا ہو بھی چکا ہے - جسکی تفصیل یہ ہے :-

شرح شبیری

ابلیس لعین کا حضرت معاویہؓ سے اپنا راز دل کہدینا

گفت بسیار آن الخ- یعنی شیطان نے بہت سے مکر اور عذر کئے مگر حضرت امیرؓ نے کوئی نہ سنا اور سختی اور زجر فرمایا
از بن دندان الخ- یعنی صدق دل سے اون سے عرض کیا کہ جناب مین نے اسلیے جگایا تھا کہ۔
تا رسی الخ- یعنی تاکہ تم نماز کے لیے جماعت مین حضرت پیغمبر دولت بلند کے پیچھے پہونچ جاؤ۔
گر نماز الخ- یعنی اگر آپ کی نماز بے وقت ہو جاتی تو یہ جہان آپ کی نظر مین تاریک ہو جاتا۔
از غبین و درد الخ- یعنی رنج اور کلفت کیوجہ سے بہت آنسو نکلتے آپ کی آنکھون سے مشک کی طرح مطلب یہ کہ اگر آپکی نماز فوت ہوجاتی تو آپ کو رنج ہوتا اور آپ روتے اور اس سے ترقی درجات کی ہوتی- اس لئے مین نے جگادیا کہ خیر جتنے مین اوسی قدر مراتب رہین بڑہین تو نہ۔ اللہم احفظنا من مکائدہ - بہلا کوئی بتادے کہ حضرت معاویہؓ ہی کا ظرف تھا کہ جو اونھون نے اس کے کہنے کو نہ مانا اور برابر پوچھتے ہی رہے ورنہ کسکا ذہن ہے جو اسقدر دور پہونچے اللہم احفظنا۔
ذوق دارد الخ- یعنی ہر شخص ایک طاعت مین ایک ذوق رکہتا ہے اور ضرور اوس سے ایک گھڑی کو صبر نہین پاسکتا۔
آن غبین الخ- یعنی وہ رنج اور درد سو نماز کی برابر ہوجاتا کہان تو وہ نماز اور کہان فروغ اس نیاز کا۔ یعنی اس کا مرتبہ بدرجہا بڑھا ہوا ہے۔ آگے ایک حکایت اس عاجزی اور نیاز کی فضیلت کی ظاہر لاکر کہتے ہین

شرح حبیبی

فضیلت حسرت خوردن آن شخص بر فوت نماز جماعت

آن یکے میرفت در مسجد درون	مردم از مسجد ہمی آمد برون
گشت پرسان کہ جماعت را چہ بود	کہ ز مسجد می برون آیند زود
آن یکے گفتش کہ پیغمبر نماز	با جماعت کرد و فارغ شد ز راز
تو کجا در میروی اے مرد خام	چون پیمبر باز داد آخر سلام
گفت آہ و درد ازان آمد برون	آہ می داد از دل او بوے خون
آن یکے گفتا بدہ این آہ را	وین نماز من ترا بادا عطا
گفت دادم آہ و پذرفتم نماز	اوستد آن آہ را با صد نیاز
با نیاز و با تضرع باز گشت	باز بود و در سیلے شہباز گشت
شب بخواب اندر بگفتش ہاتفے	کہ خریدی آب حیوان و شفے
حرمت این اختیار و این دخول	شد نماز جملہ خلقان قبول

ایک شخص صحابی مسجد میں جارہا تھا اور لوگ باہر نکل رہے تھے۔ اوسنے دریافت کیا کہ جماعت کیا ہوئی۔ کہ لوگ اسقدر جلد مسجد سے نکلکر جارہے ہیں کیا آج جماعت نہوگی کسی نے کہا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جماعت اور راز و نیاز باحق سبحانہ سے فارغ ہوچکے ہیں۔ جبکہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم بھی سلام پھیر چکے ہیں تو تم اسوقت جماعت کی توقع میں مسجد میں کیسے جارہے ہو۔ یہ سنکر اوس نے ایک آہ کی جسکی ساتھ اوس کے جلتے ہوئے دل سے دھوان نکلا اوس کی آہ سے بوے خون آتی تھی جس سے معلوم ہوتا تھا کہ دل پرخون سے نکلی ہے کسی نے کہا اچھا اگر تجھکو فوت نماز باجماعت کا اسقدر ملال ہے تو اس آہ کا ثواب مجھے دیدے۔ اور میں نے اپنی نماز باجماعت کا ثواب تجھے دیا۔ اوسنے کہا اچھا میں نے آہ کا ثواب دیا اور جماعت کا ثواب لیا۔ اوسنے اوس آہ کا ثواب لیلیا۔ جو نہایت خشوع کے ساتھ کیگئی تھی اور اس نیاز و خشوع کا ثواب لیکر واپس لوٹا۔ اس سے اوس کو اتنی ترقی ہوئی کہ پہلے باز تھا اب شہباز سے لگا کھانے لگا۔ رات کو ہاتف نے خواب میں کہا کہ تو نے تو آبحیات اور سراسر شفا خریدلی۔ تیرے اس اختیار اور اس دخول فی العقد کے سبب تمام مخلوق کی نماز مقبول ہوگئی اس سے تو سمجھ سکتا ہے کہ تیرا یہ فعل کتنا اکرم عند اللہ ہے۔

شرح شبیری

ایک شخص کا جماعت کی نماز فوت ہوجانے پر حسرت کھانا

آن یکے الخ۔ یعنی ایک شخص مسجد کے اندر جارہے تھے اور لوگ مسجد سے نکل رہے تھے۔

گشت پرسان الخ۔ یعنی وہ پوچھنے لگے کہ جماعت کو کیا ہوا کہ مسجد سے جلدی ہی باہر آرہے ہیں۔

آن یکے گفتش کہ الخ۔ یعنی ایک نے کہا کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے باجماعت نماز پڑھ لی اور مناجات سے فارغ ہوگئے ہیں۔

تو کجا در می آئی الخ۔ یعنی اے مرد خام تو کہاں جارہا ہے جبکہ پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم نے سلام پھیر دیا ہے مطلب یہ ہے کہ جماعت کی طلب میں فضول جارہے ہو ورنہ مسجد کے جاتے نہیں روکتے۔

گفت آہ الخ۔ یعنی اوس نے ایک آہ کی اور اُس سے دھوان نکلا اور اوس کی آہ دل سے خون کی بو رہی تھی۔

آن یکے گفتا بدہ الخ۔ یعنی ایک شخص نے اس سے کہا کہ اس آہ کا ثواب تو مجھے دیدے اور میری باجماعت نماز کا ثواب حق تعالیٰ تجھے دیدے۔

گفت دادم الخ۔ یعنی اوسنے کہا کہ میں نے آہ دی اور نماز قبول کی تو اس دوسرے اوس آہ کو سو نیاز کے ساتھ لیلیا۔ مطلب یہ کہ اوسکے ثواب کو اوسنے بہت شوق سے لیلیا۔

با نیاز و با الخ۔ یعنی وہ با نیاز اور با تضرع واپس چلے گئے وہ باز تھے اور شہباز کے پیچھے گئے مطلب یہ کہ اول تو اون کا درجہ اتنا نہیں تھا مگر جب اس تضرع و زاری کا اون کو ثواب ملگیا تو ایک بہت بڑی شے ہاتھ آگئی اور اوسکو لیکر وہ چلے گئے۔

شب بخواب الخ۔ یعنی رات کو ایک ہاتف نے اوس آہ لینے والے سے کہا کہ تونے تو آب حیوان اور شفا کو خرید لیا۔
حرمت این الخ۔ یعنی اس اختیار اور اس فعل کی برکت سے تمام لوگون کی نماز بھی قبول ہوگئی۔ مطلب یہ کہ اس آہ کی وہ برکت تھی کہ اوس کی برکت سے اور لوگون کی نماز بھی سبکی قبول ہوگئی سو چونکہ نماز کے فوت ہونے مین یہ درجات عالیہ حاصل ہوتے تھے اس لئے اس شیطان لعین نے حضرت امیر کو بیدار کیا تھا آگے اوسی کا تتمہ ہے فرماتے ہین کہ

شرح حبیبی

تتمہ اقرار ابلیس با معاویہؓ مکر و فریب خود را

پس عزازیلش بگفت اے میر راد
مکر خود اندر میان باید نہاد

گر نمازت فوت میشد آن زمان
میزدی از درد دل آہ و فغان

من ترا بیدار کردم از نہیب
تا نسوزاند چنان آہے حجیب

تا چنان آہے نباشد مر ترا
تا بدان راہے نباشد مر ترا

من حسودم از حسد کردم چنین
من عدوم کار من مکرست و کین

عزازیل نے کہا اے حلیم امیر اب مین مجھکو اپنے مکر کا حقیقی راز بھی بتائے دیتا ہون وہ یہ کہ جب مین ایک واقعہ ایسا دیکھ چکا تھا تو مین نے خیال کیا کہ اگر تمھاری نماز فوت ہوجاتی تو اسوقت تم درد دل سے آہ و فغان کرتے اور وہ تاسف وہ آہ وہ خشوع دو سو رکعت سے بڑھ جاتا لہذا مین نے تمکو اس خوف سے جگا دیا کہ مبادا ایسے آہ اس حجاب کو نہ جلادے جو ہنوز تمھارے اور حق کے درمیان باقی ہے اور قرب کامل تمکو نہ حاصل ہوجاوے اور تاکہ تم کو یہ نصیب نہو۔ اور اس آہ تک تمھاری رسائی نہوسکے۔ مین فی الحقیقت حاسد ہون اور یہ جو کچھ مین نے کیا ہے حسد سے کیا ہے مین فی الحقیقت دشمن ہون اور میرا کام مکر و عداوت ہی ہے۔

شرح شبیری

حضرت معاویہؓ کے سامنے ابلیس لعین کا اپنے مکر و فریب کے اقرار کر لینے کا تتمہ

پس عزازیلش الخ۔ یعنی پس عزازیل نے اون سے عرض کیا کہ اے جوانمرد اب اپنے مکر کو درمیان رکھنا چاہیے۔ مطلب یہ کہ اب خلاصی اسی مین ہے کہ جو بات ہو اصل وہ ظاہر کر دینی چاہیے۔
گر نمازت الخ۔ یعنی اگر اسوقت آپ کی نماز فوت ہوجاتی تو آپ درد دل کی وجہ سے آہ و فغان کرتے۔
آن تاسف الخ۔ یعنی اوس افسوس اور فغان اور نیاز کا ثواب دو سو رکعت نماز سے بھی بڑھ جاتا اس لئے کہ

اصل تو تضرع و زاری ہی اور جبکہ نماز کا تدارک اوس کی قضا سے ہوجاتا اور تضرع و زاری اسدرجہ ہوئی تو ظاہر ہے کہ ثواب بہت زیادہ ہوجاتا۔
من ترا بیدار الخ۔ یعنی مین نے تمکو اس خوف سے جگا دیا کہ کہین ایسی آہ حجاب کو نہ جلا دے۔ مطلب یہ کہ مجھے خوف ہوا کہ اس افسوس وغیرہ مین تمکو عروج ہوگا اور وصل ہوگا اور جسقدر کہ پردے درمیان مین ہون وہ سب مرتفع ہوجاوینگے لہذا مین نے چاہا کہ جو مرتبہ حاصل ہی تیرو ہی ہیں اور تو نہ بڑھے۔
تا چنان الخ۔ یعنی تا کہ تمکو وہ آہ نہ مل سکے اور تا کہ اوس درجہ تک تمکو راہ نہ مل سکے مطلب یہ کہ کہین وہ آہ تمکو مفید ہوجاتی اور وہ درجہ حاصل ہوجاتا اسلیے مین نے جگا دیا۔
من حسودم الخ۔ یعنی مین تو حاسد ہون مین نے ایسا حسد کیو جبسے کیا ہی اور مین تو دشمن ہون میرا کام ہی مکر اور کینہ ہی۔ آگے تالائق نصیحت کرتا ہی کہ۔
مکر من دیدی الخ۔ یعنی تمنے میرا مکر دیکھ لیا اب مجھ سے بیخوف مت رہنا تا کہ زمانہ مین تم صدر جہان رہو۔ اور اگر کہین میرا اتباع کیا یا مجھ سے بیخوف ہوگئے تو بہت خرابی ہی۔ جب اوس نے یہ کہا تب حضرت امیر نے بھی تصدیق فرمائی

شرح حبیبی

تصدیق کردن معاویہؓ ابلیس او ران قول

گفت اکنون راست گفتی صادقی	از تو این آید تو این را لائقی
عنکبوتی تو مگس داری شکار	من نیم اے سگ مگس زحمت میار
باز اسپیدم شکارم شہ کند	عنکبوتے کے بگرد من تند
کار تو اینست اے دزد لعین	سوئے دوغ آری مگس را زانگبین
رو مگس می گیر تا تانی ہلا	سوئے دوغے زن مگسہا را صلا
در بخوانی تو بسوئے انگبین	ہم دروغ و دوغ باشد آن یقین
تو مرا بیدار کردی خواب بود	تو نمودی کشتیم گرداب بود
تو درین خیرم ازان میخواندی	تا ز خیر بہترم می راندی

یہ سنکر امیر نے فرمایا کہ ہان اب تو نے سچ کہا ہی اور اب تو سچا ہی یہ بات تیرے مناسب ہے اور یہ تجھسے ہی ہوتا تھا۔ لیکن یہ مین تجھکو سمجھائے دیتا ہون کہ تو ایک مکڑی ہی اور مکھیون کا شکار کرنا تیرا کام ہے اور ضعیف الایمان لوگون کو بہکا سکتا ہی مین مکھی اور ضعیف الایمان نہین ہون میرے پھانسنے کی تکلیف نہ اٹھا ورنہ محروم ہوگا۔ مین حق سبحانہ کا باز ہون اور وہی میرا شکار کرتا ہی۔ مکڑی کی مجال نہین کہ میرے اوپر جالا تن دے اے ملعون چور تیرا کام یہ ہی کہ تو مکھیون اور ضعیف الایمان لوگون کو شہد اور نافع و مرغوب چیز سے ہٹا کر چھاچھ اور نامرغوب شئے کی طرف لائے۔ پس جا جہان تک تجھ سے ہوسکے مکھیون ہی کو پکڑتا رہ۔ دیکھ چھاچھ یعنی

مضر ونامرغوب اشیاء کی طرف مکھیون اور ضعیف الایمان لوگون ہی کو بلانا مجھ باز کی طرف رُخ بھی نکرنا کیونکہ مین جانتا ہون
کہ اگر تو شہد کی طرف بھی بلائیگا اور اچھی بات کی بھی ترغیب دیگا تو وہ بھی جھوٹ اور نامرغوب ہوگا۔ گو بادی النظر مین
شہد اور اچھی بات معلوم ہو تو نے مجھے بیدار کیا لیکن یہ بیدار کرنا گو فی نفسہ بیدار کرنا تھا مگر بلحاظ سُلانے کے سلانا تھا
اور تو نے مجھے کشتی دکھلائی گو وہ واقع مین کشتی نہ تھی لیکن وہ بلحاظ اس کشتی کے جو دوسری صورت مین مجھے ملتی گرداب
تھی اسلئے کہ تو نے مجھے ایک بہتری کی طرف بُلایا۔ تاکہ تو مجھے اس بہتر سے دور کردے۔

شرح شبیری

حضرت امیرؓ کا ابلیس کے اس قول مین تصدیق فرمانا

گفت اکنون الخ۔ یعنی فرمایا کہ اب تو نے سچ کہا اور اب تو سچا ہے اس لئے کہ تجھ سے تو ایسی ہی بات آتی ہے اور
تو تو اسی کے لائق ہے۔

عنکبوتی تو مگس الخ۔ یعنی تو ایک مکڑی (کی طرح جال تانے ہوئے) ہے اور مکھیون کا شکار کر رہا ہے تو ارے کتے
مین مکھی نہین ہون محنت مت کر۔ مطلب یہ ہے کہ تو اور تیرے مکر سب ضعیف ہین اور تو ضعفاء اور ناقصین ہی کو جال
مین پھنسا سکتا ہے اور الحمد للہ مین قوی اور کامل ہون لہذا فضول محنت مت کر مین تیرے جال مین پھنسنے والا نہین ہون
باز اسپیدم الخ۔ یعنی مین تو سفید باز ہون میرا شکار تو بادشاہ کرتا ہے اور کوئی مکڑی میرے گرد کیا جال
تن سکتی ہے۔ مطلب یہ کہ جو کہ خود ہی ضعیف ہو وہ کسی قوی کو کیا مغلوب کر سکتا ہے۔

کار تو اینست الخ۔ یعنی ارے ملعون چور تیرا تو کام ہی یہ ہے کہ مکھی کو شہد سے چھاچھ کی طرف لاتا ہے۔ مطلب
یہ کہ تو تو لوگون کو بہکا کر عمدہ سے ارذل کی طرف لاتا ہی ہے تیرا تو کام ہی یہ ہے پس اگر تو نے میری ساتھ ایسا
کیا تو کیا عجب ہے۔

رو مگس را گیر تا الخ۔ یعنی جا مکھیون کو پکڑ جب تک کہ تجھ سے ہو سکے اور چھاچھ کی طرف مکھیون کو آواز دے
مطلب یہ کہ ضعفاء اور ناقصین کو ہی بہکا اور ان کی ساتھ کذب کا معاملہ کر مین تیرے قابو کا نہین ہون۔

ور بخوانی ہم الخ۔ یعنی اور اگر تو شہد کی طرف بھی بلا دے تو وہ بھی یقیناً کذب اور دروغ ہی ہوگا۔ مطلب یہ کہ
اگر تو کبھی داعی الی الخیر بھی ہو جاوے تب بھی یقیناً اوسمین کوئی نہ کوئی دھوکا اور مکر ہوگا جیسا کہ خود اس قصہ مین ہے کہ
اٹھایا نماز کے لئے اور کسقدر عظیم مکر نکلا۔

تو مرا بیدار الخ۔ یعنی تو نے مجھے (بظاہر) جگایا اور وہ (فی الواقع) خواب تھا اور تو نے (بظاہر) کشتی دکھائی اور
(فی الواقع) وہ گرداب تھا۔ مطلب یہ کہ اسمین بھی غفلت عن الحق تھی اسلئے کہ اگر تو نہ جگاتا تو اوس تضرع و زاری
سے اور مرتبہ بلند ہوتا تجھ کمبخت کا بیدار کرنا بھی منحوس ہی ہے جیسا کہ خود ہے۔

تو درین الخ۔ یعنی تو اس بھلائی مین مجھے اسلئے بلا رہا تھا کہ ایک اچھی خیر سے مجھے ہٹا دے۔ چنانچہ کامیاب ہوا
آگے ایک حکایت لاتے ہین کہ ایک شخص نے ایک چور کے پکڑنے کو اوس کا تعاقب کیا اور قریب تھا کہ ایک جست کر کے اسکو

پکڑ رہے تھے جب اوس چور کے ساتھی نے دیکھا کہ میرا ساتھی پکڑا جاتا ہی تو اس متعاقب کو آواز دی کہ ارے کمبخت یہاں آ دیکھ کیا آفت برپا ہی یہ سمجھا کہ شاید اور چور میرے گھر مین گھس گئے ہین وہ اوس چور کا تعاقب چھوڑ کر لوٹا کہ بتا کیا ہی تو وہ بولا کہ دیکھ چور کے نشان قدم یہ ہین ان پر چلا جا اور اوسکو پکڑ لینا اوسنے کہا خدا تجھے غارت کرے تو نشان قدم بتاتا ہے اور مین نے اوس ذات ہی کو پکڑ لیا تھا تو دیکھو اوس نے بظاہر ایک خیر کی طرف بلایا تھا مگر فی الواقع وہ شر تھا اور اس سے ایک بہت بڑی چیز کھو دی اسی طرح یہ شیطان بظاہر ایک خیر کیطرف بلاتا ہی مگر اوسکے اندر بہت بڑا اضرر مضمر ہوتا ہی۔ اب حکایت سنو۔

شرح حبیبی

گریختن دزد از دست صاحبخانہ باآواز شخص دیگر

این بدان ماند کہ شخصے دزد دید — در وثاق اندر پے او می دوید
تا دو سہ میدان دوید اندر پیش — تا در افگند از تعب اندر خویش
اندر آن حملہ کہ نزدیک آمدش — تا بدو اندر رہد دریابدش
دزد دیگر بانگ کردش کہ بیا — تا ببینی این علامات بلا
زود باش و باز گرد اے مرد کار — تا ببینی حال اینجا زار زار
چون شنید این مرد گشت اندیشناک — گفت با خود گشتہ گیر این جامہ چاک
گفت باشد کان طرف دزدی بود — گر نگردم زود او بر من دود
بر زن و فرزند من دستے زند — گشتن این دزد سودم کے کند
این مسلمان از کرم میخواندم — گر نگردم زود پیش آید ندم
بر امید شفقت او میخواہ — دزد را بگذاشت باز آمد براہ
گفت اے یار نکو احوال چیست — این فغان و بانگ تو از دست کیست
گفت اینک بین نشان پائے دزد — این طرف رفتست دزد زن بمرد
انک نشان پائے دزد قلتبان — در پے او رو بدین نقش و نشان
گفت اے ابلہ چہ میگوئے مرا — من گرفتہ بودم آخر دزد را
دزد را از بانگ تو بگذاشتم — من تو خر را آدمی پنداشتم
اینچہ ژاژ ست و چہ ہرزہ اے فلان — من حقیقت یافتم چہ بود نشان
گفت من از حق نشانت میدہم — این نشانست گر حقیقت آگہم
گفت طراری تو یا خود ابلہی — بلکہ تو دزدے ازین حال آگہی
خصم خود را می کشیدم مو کشان — تو رہا نیدی مرا کاینک نشان

تو جہت گو من برونم از جہات — در وصال آیات گو یا بینات
صنع بیند مرد محجوب از صفات — در صفات آنست کو گم کرده ذات
واصلان چون غرق ذات اند اے پسر — کے کنند اندر صفات او نظر
چونکہ اندر قعر جو باشد سرت — کے برنگ آب افتد منظرت
ور برنگ آب باز آئی ز قعر — پس پلاسے بستدے دادی شعر
طاعت عامہ گناہ خاصگان — وصلت عامہ حجاب خاص دان

تمثیل

گر وزیرے را کند شہ محتسب — شہ عدوے وے بود نبود محب
ہم گناہے کردہ باشد آن وزیر — بے سبب نبود تغیر ناگزیر
وانکہ ز اول محتسب بد خود ورا — بخت و روزے آن بدست از ابتدا
لیک آن کاول وزیر شہ بدست — محتسب کردن سبب فعل بدست
چون ترا شہ ز آستانہ پیش خواند — باز سوئے آستانہ باز راند
تو یقین میدان کہ جرمے کردۂ — جبر را از جہل پیش آوردۂ
کہ ترا روزی و قسمت آن بدست — پس چرا دے بودت این دولت بدست
قسمت خود خود بریدی تو ز جہل — قسمت خود را فزاید مرد اہل

تیرے اس فعل کی مثال ایسی ہی جیسے ایک شخص نے مکان کے اندر چور کو دیکھا اور اوس کے پیچھے دوڑا غرض دو تین میدان اوسکے پیچھے دوڑا حتے کہ پسینہ پسینہ ہوگیا جس دوڑ مین کہ وہ اوس کے پاس پہنچ گیا اور کود کر اوسکو پکڑ لینے کو ہوا ۔ دفعۃً ایک چور نے آواز دی کہ ادہر آ تا کہ مصیبت کے نشان دیکھے ۔ اے مصروف کار شخص فوراً لوٹ آ ۔ اور یہان کی حالت زار دیکھ جب اوس شخص نے یہ بات سنی تو اوس کو سوچ ہوئی اور اپنے دل مین کہا کہ اس چور کو تو مرنے دو اور ادہر چلو ممکن ہی کہ اوس طرف کوئی اور چور رہا ہو اور مجھ پر دوڑ پڑے یا میری بیوی بچون پر ہاتھ صاف کرے اگر اس چور کو مار بھی دیا تو ایسی حالت مین کیا مفید ہو سکتا ہے یہ مسلمان اپنی بھلائی سے مجھے بلاتا ہے اگر مین فوراً واپس نہین ہوتا ہون تو ممکن ہے کہ مین پشیمان ہون اس بظاہر نیکخواہ آدمی کی شفقت کے بھروسا اوسنے چور کو تو چھوڑ دیا اور خود پلٹ پڑا اور جاکر پوچھا کہ میان یہ شور و فریاد تمھاری کسکے دست تعدی سے تھی اوسنے کہا مجھے یہ کہنا مقصود تھا کہ یہ چور کا نقش قدم ہی اور وہ دیوث چور اسطرف کو گیا ہی یہ اوس دیوث چور کے نشانات قدم ہین پس تم ان نشان پر اس چور کا تعاقب کرو ۔ اوسنے کہا ارے احمق تو کیا کہہ رہا ہی مین نے تو چور کو پکڑ ہی لیا تھا تیری آواز سنکر اور گھبرا کر چھوڑ دیا ۔ مین تو سمجھا تھا کہ تو کوئی آدمی ہوگا مگر تو تو گدہا نکلا ۔ اے یہ کیا ہرزہ درائی اور بیہودہ سرائی ہی نشان کسکو کہتے ہین مین نے تو حقیقت کو پا لیا تھا ۔ اوسنے کہا مین آپ کو بہت صحیح نشان دے رہا ہون مین خوب واقف ہون یہ آپکے لئے نشان ہی اس نشان سے

آپ اُس کو پکڑ سکتے ہین اُس نے کہا تو یا تو کوئی کم کشتہ ہو یا احمق۔ بلکہ معلوم ہوتا ہو کہ تو بھی چور ہی کہ مین اُس چور کو موے پیشانی پکڑ کر لاتے ہی کو تھا تو نے دہوکہ دیکر اوسے چھڑا دیا اور اب کہتا ہو کہ یہ نشان ہی۔ اب مولانا ایک محجوب کو مخاطب بناکر فرماتے ہین کہ تو وجوہات بیان کرتا ہو اور مین وجوہ و دلائل سے بالاتر ہون مجھے وصال و مشاہدہ ذات حاصل ہو لیکن وصال مین بھی آیات و بینات کارآمد ہوتے ہین قاعدہ ہو کہ جو صفات سے محجوب ہوتا ہو وہ افعال کو دیکھتا ہو اور صفات مین وہ مصروف ہوتا ہو جسکی ذات تک رسائی نہین۔ جو واصل ہین وہ تو مشاہدہ ذات مین مستغرق ہین وہ صفات کی طرف التفات نہین کرتے۔ گو معتقد صفات ہین اور ان کا بھی اعتراف کرتے ہین اُس کو یون سمجھو کہ جب ندی کی تہ مین تمہارا سر ہو تو رنگ آب پر تمکو نظر نہوگی گو تم رنگ کے نافی بھی نہ ہوگے۔ لیکن اس حالت مین اگر تم تہ مین سے رنگ کی طرف متوجہ ہو تو تم بہت خسارہ مین ہو کہ پشمینہ دیکر ٹاٹ خریدا۔ اور اصل چھوڑ کر تابع پر نظر کی یون ہی ذات کو چھوڑ کر صفات پر نظر کرنے والے کی حالت سمجھو۔ اس سے تمکو اسکا راز معلوم ہوا ہوگا۔ کہ عام لوگونکی طاعتین خواص کے معاصی ہین اور عوام کا وصال خواص کا حجاب ہے۔ اسکو ہم ایک اور مثال سے واضح کرتے ہین دیکھو اگر کسی وزیر کو بادشاہ محتسب بنا دے تو اس سے معلوم ہوگا کہ بادشاہ اس سے ناخوش ہو اور خوش نہین اور اوس نے کوئی قصور کیا ہو جسکی یہ سزا دیگئی ہو کیونکہ یہ تغیر بلا وجہ نہین ہوسکتا اور جو پہلے ہی سے محتسب ہے اوسکے لیے یہ ابتدا ہی سے خوش قسمتی ہو۔ لیکن جو شخص پہلے وزیر تھا اوسکو محتسب بنا دینا یہ اُس کے جرم کا نتیجہ ہے پس اگر تمکو بادشاہ حقیقی نے آستانہ سے اپنی حضور مین بلالیا ہو اور بعد سے قرب عطا فرمایا ہو اور پھر قریب سے بعید کر دیا اور آستانہ پر پہونچا دیا ہو تو تمکو یقین کرنا چاہیئے کہ تمنے کوئی قصور کیا ہو لیکن اسوقت تم اپنی جہالت سے جبر کا عذر پیش کرتے ہو مگر یہ تمہاری غلطی ہو اگر تمہارے مقدر ہی مین یہ تھا تو کل وہ دولت تمکو کیسے ملگئی تھی بس بات یہ ہے کہ تم نے اپنے حصہ کو اپنی نادانی سے خود قطع کر دیا۔ اسلیے تم اہل نہین ہو دیکھو جو اہل ہوتے ہین وہ اپنے حصہ کو بڑھاتے ہین قطع نہین کرتے ہین۔

شرح شبیری

ایک صاحبخانہ کے ہاتھ سے ایک چور کا بھاگ جانا ایک دوسرے شخص کے آواز دینے کی وجہ سے

این بدان الخ۔ یعنی یہ تو اوسکے مشابہ ہی کہ ایک شخص نے گھر مین چور دیکھا۔ تو وہ اوسکے پیچھے دوڑا۔
تا دو سہ میدان الخ۔ یعنی وہ دو تین میدان تک تو اوسکے پیچھے بھاگا یہانتک کہ اوس جو رنے تعب کیوجہ سے اوسکو پسینہ مین ڈالدیا۔
اندران الخ۔ یعنی اوس حملہ مین کہ اوسکے نزدیک آگیا کہ ایک دو مرتبہ کودے تو اوسکو پالے۔
دزد دیگر الخ۔ یعنی ایک اور چور نے اس متعاقب کو آواز دی کہ اے یہان آ تاکہ تو علامات مصیبت کو دیکھے۔
زود باش الخ۔ یعنی جلدی کر اور لوٹ اے مرد کار تاکہ تو یہان کا حال بتر اور خراب دیکھے۔

چون شنید الخ یعنی جب اُسنے یہ سنا تو اندیشہ ناک ہوگیا اور اپنی بیوی سے کہا کہ ہمیں جامہ چاک کو ملا ہے غرض کہ مطلب کہ اُسنے کہا کہ ہمیں چور کو چھوڑ دور سمجھو جیسے یہ تھا ہی نہیں۔

گفت باشد الخ یعنی اپنے دل میں کہنے لگا کہ شاید اُسطرف کوئی چور ہو تو اگر میں جلدی نہ لوٹوں تو وہ مجھ پر حملہ کر بیٹھے۔

در زن الخ یعنی میری بیوی پر جو نیز وہ حملہ کرے تو پس چور کا مار ڈالنا مجھے کیا فائدہ دیگا۔

این مسلمان الخ یعنی یہ مسلمان کوئی کرم کیوجہ سے مجھے بلا رہا ہے تو اگر میں جلدی سے واپس ہونگا تو مجھے سخت ندامت ہوگی۔

بر امید شفقت الخ یعنی اُس نیکخواہ کی شفقت کی امید پر چور کو چھوڑ دیا اور راستہ پر لوٹ آیا۔

گفت ای یار الخ یعنی لوٹ کر کہا کہ اے یار کیا حال ہے یہ فغان اور آواز کس کے ہاتھ سے ہے۔

گفت اینک الخ یعنی وہ آواز دینے والا بولا کہ یہ چور کے نشان قدم ہیں کہ اسطرف کو وہ بھڑوا چور گیا ہے۔

اینک نشان پائے الخ یعنی اوس چور قلتبان کے پاؤں کے یہ نشان ہیں تو اوس کے پیچھے جا اس نقش و نشان پر۔

گفت ای ابلہ الخ یعنی اوس صاحبخانہ نے کہا کہ ارے بیوقوف تو مجھے کیا کہہ رہا ہے آخر میں تو اوس چور کو پکڑ ہی لیا تھا۔

دزد را الخ یعنی تیری آواز کیوجہ سے اوس چور کو میں نے چھوڑ دیا اور میں نے تجھ گدھے کو آدمی سمجھا۔

اینچہ ژاژ الخ یعنی ارے یہ کیا بیہودگی اور بدتمیزی ہے میں نے تو خود حقیقت کو پالیا تھا نشان کیا چیز ہوتی ہے۔

گفت من الخ یعنی اُس داعی نے کہا کہ میں تجھے بالکل ٹھیک نشان بتا رہا ہوں اور یہ اُس امر کی نشانی ہے کہ میں حقیقت سے آگاہ ہوں۔

گفت طراری الخ یعنی اُس صاحبخانہ نے کہا کہ ارے تو گرہ کٹ ہے یا کوئی بیوقوف ہے بلکہ تو تو خود چور ہے اور حقیقت حال سے آگاہ ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ اُسی کا ساتھی ہے۔

خصم خود را الخ یعنی میں تو اپنے دشمن کو بال کھینچتا ہوا لاتا تو نے اُسکو چھڑا دیا کہ یہ اُسکا نشان قدم ہے تو اب بتا کہ اُسکے نشان قدم کو لیکر کیا جاؤں۔

تو جہت گو من الخ یعنی تو تو جہات بتا رہا ہے اور میں جہات سے باہر ہوں نشان ذات ہوں یا بینات رب سے ہوں میں مطلب کہ میں وہاں تک پہونچ چکا تھا اب جو تو مجھے یہ نشان بتا رہا ہے یہ تو میرے لئے بالکل بیسود ہے یہاں مولانا کو یہ بھی بتانا مقصود ہے کہ جو اولیاء اللہ فنا ہو جاتے ہیں اور جنکو فنا کامل حاصل ہو جاتی ہے پھر اونکی نظر اسماء پر یا بہت پر یا صفت پر نہیں رہتی بلکہ اونکی نظر محض ذات کی طرف ہوتی ہے جسکو مشاہدہ ذاتی اور معائنہ کے لفظ سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے اسکو آگے بھی بیان فرماتے ہیں کہ۔

صنع بیند الخ یعنی فعال تو وہ ہے کہ جو صفات سے محجوب ہے اور صفات میں وہ رہتا جو ذات سے گم ہو مطلب یہ ہے کہ تجلی فعالی تو اوسے ہوتی ہے جسے تجلی صفاتی نہیں ہوتی اور تجلی صفاتی اوسے جسے تجلی ذاتی نہیں ہوتی اور جسے تجلی ذاتی اور معائنہ ہوگیا وہ تو واصل ہو اور فنا فی الذات ہوگیا اوسے ان اشیاء کی طرف نظر کرنے کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔

واصلان الخ یعنی یہی صاحب ارادہ وصل جو کہ ذات ہی میں فنا ہیں وہ صفات میں کب نظر کرتے ہیں آگے اسکی مثال ہے کہ۔

چونکہ اندر الخ یعنی جبکہ قعر ندی میں تیرا سر ہو تو پھر پانی کے رنگ کب تیری نظر پڑیگی یعنی اگر پانی کے اندر کوئی ڈوبا ہوا ہو تو ظاہر ہے کہ اوسکو پانی کے اوپر کا سطح بالکل نظر نہ آویگا اسیطرح جو حضرات کہ ذات میں فنا ہیں اونکی نظر بھی ظاہر پر اور صفات پر نہیں رہتی۔

ور برنگ الخ۔ یعنی اور اگر رنگ آب پر تو حرمت واپس آ جاے تو ایسا ہی جیسے شیشہ دیگر پاٹ لیلیا مطلب کہ اگر اس حالت میں کہیں رجوع ہوا در تجلی ذاتی یا افعالی ہونے لگی تو پھر سمجھو کہ بہت بڑی شے کھودی اور کم قیمت شے لیلی تو اسیطرح یہ صاحب جنہیں ذلت تک نوبت پہنچ چکا تھا مگر اوسنے بلالیا۔ تو اوسکو ترک کردیا تو کسقدر سخت نقصان ہوا اسیطرح اس راہ مین نفس شیطان اسی طرح راہزن ہوتے ہیں اور نزدل کرادیتے مین لہذا انکے دہوکہ سے بچے رہنا۔

طاعت عامہ الخ۔ یعنی عوام کی طاعت خاص لوگونکے لئے گناہ ہے اور عوام کا وصل خواص کا حجاب ہے تو اسکے معنی یہ ہین کہ حسنات الابرار سیئات المقربین جو عوام ہین اور کم درجہ مین انکے لئے تو تجلی افعالی اور صفاتی بھی بہت بڑی شے ہے اور انکی معراج ہے مگر جنکو تجلی ذاتی ہو چکی ہے انکے لئے تجلی افعالی یا صفاتی ہونا موت ہے اور انکا نزول ہے آگے اسکی ایک مثال فرماتے ہین سبحان اللہ کیا مثال ہے فرماتے ہین کہ۔

گر وزیرے الخ۔ یعنی اگر کسی وزیر کو بادشاہ محتسب بنا دے تو بادشاہ اوسکا دشمن ہے دوست نہین ہے۔

ہم گناہے الخ۔ یعنی اس وزیر نے ضرور کوئی گناہ کیا ہوگا بلا کسی سبب کے ایسا نامعقول تغیر تو نہوگا۔

وانکہ زاول الخ۔ یعنی جو شخص کہ اول سے محتسب ہے خود اوسکی یہ بخت اور روزی ہے ابتدا ہی سے۔

لیک کان الخ۔ یعنی لیکن جو کہ اول سے وزیر تھا اوسکو محتسب کردینا کسی فعل کیوجہ سے ہے اسلئے کہ احتساب کا مرتبہ تو وزارت سے کم ہی ہے تو ایک ہی درجہ ایک کے لیے تو اچھا اور دوسرے کے لئے برا ہوتا ہے آگے ایک اور مثال ہے۔

ہوتا ہے نیز ایک بزرگ کے لیے اچھا اور دوسرے کے لیے برا ہوتا ہے آگے ایک اور مثال ہے۔

چون ترات الخ۔ یعنی جبکہ تجھے بادشاہ نے آستانہ سے سامنے بلالیا اور پھر آستانہ ہی کی طرف لوٹا دیا۔

تو یقین میدان الخ۔ یعنی تو یقیناً جان لے کہ کوئی جرم تونے کیا ہے اور جہل کیوجہ سے جبر کو سامنے لایا ہے تو یعنی کیا تو خود ہے اور الٹا جہل کیوجہ سے کہتا ہے کہ کیا کرین تقدیر مین ہی اسطرح تھا اور کہتا ہے کہ۔

کہ مرا روزی الخ۔ یعنی کہ میری روزی اور قسمت تو یہی تھی مولانا فرماتے ہین کہ پس کل کیسے یہ دولت تیرے ہاتھ مین تھی۔

قسمت خود الخ۔ یعنی اپنی قسمت کو خود تونے ہی جہل کیوجہ سے قطع کردیا ہے اور جو کاہل ہوتے ہین وہ اپنی قسمت کو برباد کرتے ہین اور ایسا کم بخت ہے کہ اور کہتا ہے تو معلوم ہوگیا کہ بعض مقامات ایسے ہین کہ جو ایک کے لئے وجہ زیادتی درجہ ہین اور دوسرے کیلئے موجب کمی درجہ کے ہین آگے فرماتے ہین کہ۔

یک مثال دیگر الخ۔ یعنی ایک اور مثال کہہ دی سمجھ جانا چاہیئے نقل قرآن سے سنئے تو یہ ہے کہ اول کیطرف رجوع ہے اور فعل شیطانی بھی ہے جو کہ درصاحبانکی مثال لائے تھے اب یہ دوسری مثال اوسی مضمون پر فرماتے ہین۔

قدتم الربع الثالث

من الدفتر الثانی

والله اعلم

عارف باللہ حضرت مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ کی نادر روزگار، اور معرکہ آرا کتاب "مثنوی معنوی" کی جامع اور لاجواب شرح

کلیدِ مثنوی

حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہٗ

6

یہ وہ مقبول خاص و عام کتاب ہے کہ خواندہ ناخواندہ سب ہی اس سے دلچسپی لیتے ہیں مگر مضامین عالیہ ہونے کی وجہ سے مطالب سمجھنے میں بڑی دقت پیش آتی ہے اور بعض اوقات نوبت الحاد و زندقہ تک پہنچ جاتی ہے، حضرت حکیم الامت نے اشعارِ مثنوی کو واضح کر کے اور مسائل تصوف کو عام فہم بنا کر نہایت خوبی سے سمجھا دیا ہے حقیقت یہ ہے کہ اس سے معتبر اور شریعت و طریقت کا پاس و ادب رکھ کر مضامین کو حل کرنے والی کوئی اور شرح نہیں لکھی گئی

ادارہ تالیفاتِ اشرفیہ
بیرون بوہڑ گیٹ
ملتان

کلیدِ مثنوی

عارف باللہ حضرت مولانا جلال الدین رُومی رحمۃ اللہ علیہ کی نادر روزگار
اور معرکہ آراء کتاب "مثنوی معنوی" کی جامع اور لاجواب اُردو شرح

کلیدِ مثنوی

از :

حکیم الامۃ مجدد الملۃ حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہ

جلد ٦

یہ وہ مقبول خاص و عام کتاب ہے کہ خواندہ' ناخواندہ سب ہی اس سے دلچسپی لیتے ہیں۔ مگر مضامین عالیہ ہونے کی وجہ سے مطالب سمجھنے میں بڑی دقت پیش آتی ہے اور بعض اوقات نوبت الحاد و زندقہ تک پہنچ جاتی ہے۔ حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ نے اشعارِ مثنوی کو واضح کر کے اور مسائل تصوف کو عام فہم بنا کر نہایت خوبی سے سمجھا دیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس معتبر اور شریعت و طریقت کا پاس ادب رکھ کر مضامین کو حل کرنیوالی اور کوئی شرح نہیں لکھی گئی

ادارہ تالیفاتِ اشرفیہ
بیرون بوہڑ گیٹ • مُلتان

ربع رابع دفتر دوم

قال تعالى كما ارسلنا فيكم رسولا منكم يتلوا عليكم آياتنا ويزكيكم ويعلمكم الكتاب والحكمة ويعلمكم ما لم تكونوا تعلمون

چوں در کریمہ صدر قولہ یتلوا ویعلمکم الکتاب بر فضل علم نظم و معنی و قولہ یزکیکم بر شرف علم کلام و عقائد و علم سلوک و قولہ والحکمۃ بر مزیت علم اسرار و علم اصول دال باوضع بیان رسیدہ از آں جزو بودن تصوف کہ مشتمل بر سلوک و اسرار ست از علم دین نیک عیاں ست و باتفاق اہل مذاق مثنوی را در کتب ایں فن خاص شان ست لاکن از اغلاقش محتاج تبیان ست بنا علیہ ایں شرح اردو کہ معنونش را

کلید مثنوی

عنوان ست ایں ربع رابع از دفتر دوم ازاں ست (بالفاظ و عبارت (مولوی) شبیر علی و مولوی حبیب احمد سلمہا اللہ کہ ہر یکے از ایشان برائے صاحب معانی یعنی حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب دام ظلہم بمنزلہ لسان و ترجمان ست) در وصل متن را چناں حل کردہ کہ نہایت لمکان ست و مسائل را بطورے تقریر نمودہ کہ ہم موافق تحقیق اہل اتقان و ہم مطابق حدیث و قرآن ست و اشکالات و اغلاط را بطرزے دور ساختہ کہ مورث اطمینان و ایمان ست و جابجا ملفوظات سیدنا الحاج محمد امداد اللہ رحمہ کہ مطرب آذان و منشط اذہان ست ہم درو بیش [illegible] دہ

حسب فرمایش

محمد شبیر علی مالک اشرف المطابع تھانہ بھون ضلع مظفرنگر بطبع رسید

الربع الرابع من کلید المثنوی شرح الدفتر الثانی

شرح حبیبی

یک مثال دیگر اندر کژروی ... شاید ار از نقل قرآن بشنوی

ایچنین کژبازیی در جفت وطاق ... با نبی می باختند اہل نفاق

کز برای عز دین احمدی ... مسجدے سازیم و بود آن مرتدی

اینچنین کژبازیی مے باختند ... مسجدے جز مسجدے او ساختند

فرش و سقف و قبه اش آراستند ... لیک تفریق جماعت خواستند

نزد پیغمبر بلابه آمدند ... ہمچو اشتر پیش او زانو زدند

کاے رسول حق براے محسنی ... سوے آن مسجد قدم رنجه کنی

تا مبارک گردد از اقدام تو ... تا قیامت تازه بادا نام تو

مسجد روز گل است و روز ابر ... مسجد روز ضرورت وقت صبر

تا غریبے یابد آنجا خیر و جاه ... تا فراوان گردد این خدمت سرا

تا شعار دین شود بسیار و پر ... زانکه با یاران شود خوش کار مر

مسجد و اصحاب مسجد را نواز ... تو مہی ما شب دمے با ما بساز

ساعتے آنجا بگه تشریف ده ... تزکیه ما کن ز ما تعریف ده

تا شود شب از جمالت ہمچو روز ... اے جمالت آفتاب جان فروز

اے دریغا کان سخن از دل بدی | تا مراد آن نفر حاصل شدی

لفظ کاید بے دل وجان بر زبان | ہمچو سبزہ تون بود اے دوستان

ہم ز دورش بنگر و اندر گزر | خوردن و بو را نشاید اے پسر

سوئے لطف بے وفایان ہین مرو | کان پل ویران بود نیکو شنو

گر قدم را جاہلے برو سے زند | بشکند پل وان قدم را بشکند

ہر کجا لشکر شکستہ مے شود | از دو سہ سست ومخنث می بود

در صف آید با سلاح و مرد وار | دل برو بنہند کاینک یار غار

رو بگرداند چو بیند زخم را | رفتن او بشکند پشت ترا

این دراز ست و فراوان میشود | آنچہ مقصود ست پنہان می شود

جس طرح ہمنے امیر معاویہؓ کا قصہ بیان کیا ہے یون ہی مسجد ضرار کے متعلق ایک اور قصہ ہے اگر تو نقل قرآنی سے سننا چاہتا ہے تو سن وہ قصہ شیطان الجن کا تھا یہ شیاطین الانس کا ہے بات یہ ہے کہ جسطرح شیطان امیر معاویہ کے ساتھ ٹیڑھی چال چل رہا تھا یون ہی منافقین داؤن پیچ سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ٹیڑھی چال چل رہے تھے یعنی انھون نے ظاہر کیا کہ ہم دین احمدی کی عزت کے لیے ایک مسجد بنانا چاہتے ہین حالانکہ منشا ان کا کفر تھا دوسری ٹیڑھی چال یہ چلے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد کے علاوہ ایک مسجد بنا ڈالی اور اسکی چھت فرش اور گنبد وغیرہ کو خوب سجایا۔ اس سے انکو ظاہر تو اعزاز دین کرنا تھا مگر اصل مقصد تفریق جماعت تھی۔ اس مقصد کی تکمیل کیلیے وہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مین ازراہ چاپلوسی حاضر ہوئے۔ اور اونٹ کی طرح گھٹنے ٹیک کر بیٹھ گئے اور کہا کہ اے رسول خدا براہ کرم اس مسجد کی طرف قدم رنجہ فرمائیے تاکہ آپکے قدمون سے وہ متبرک ہو جاوے خدا کرے آپکا نام تا قیامت تازہ رہے یہ مسجد اسلئے بنائی گئی ہے کہ گارے کیچڑ مین نماز پڑھنے مین آسانی ہو جس دن ابر ہو تو یہان نماز پڑھ لیجاوے غرض کہ جب کوئی شدید ضرورت ومجبوری پیش آئے تو اس مسجد سے کام نکالا جاوے اسمین ایک یہ بھی فائدہ ہے کہ مسافر آرام کر سکتا ہے اور اوسکو کھانا وغیرہ مل سکتا ہے اور یہ بھی غرض ہے کہ مسجدین زیادہ ہون اور شعار دین زیادہ ہون اسلئے کہ جو کام ناگوار ہوتا ہے دوستون کے ساتھ وہ کام بھی گوارا ہو جاتا ہے پس جب دوسرے لوگ دیکھین گے کہ ایک مسجد اور بنی ہے تو اور لوگ بھی مسجدین بنائینگے۔

لہذا جناب والا خود مسجد کی بھی عزت افزائی فرمائین اور مسجد والون کی بھی۔ آپ چاند ہین اور ہم رات آپ تھوڑی دیر ہمارے ساتھ بھی گذارین تو مناسب ہے تاکہ ہم بھی آپ کے فیض سے مستفیض ہون آپ وہان تشریف لے چلیے اور ہم کو پاک کیجیے اور وعظ ونصیحت فرمائیے تاکہ ہماری ظلمت دور ہو کر روشنی پیدا ہو جاوے کیونکہ آپکا جمال وہ آفتاب ہے جو جانون کو روشن کرتا ہے۔ اب مولانا فرماتے ہین کہ تقریر نہایت پاکیزہ اور مضمون نہایت پسندیدہ ہے لیکن اے کاش یہ تقریر دل سے ہوتی۔ تاکہ انکا مقصد حاصل ہوتا۔ لیکن یہ الفاظ دل وجان سے نہ تھے اور جو الفاظ دل سے نہ نکلین انکی مثال ایسی ہے جیسے کوڑی پر سبزہ کہ بس دور سے دیکھ لو اور چلے جاؤ نہ کھانیکے

کام کا ہے نہ سوتکھنے کے بلکہ محض دل خوش کن ہے فائدہ کچھ نہین پس مناسب مقام ہم تم کو ایک نصیحت کرتے ہین خوب کان کھول کر سُن لو وہ یہ کہ بیوفاؤن کی ظاہری مہربانی پر ہرگز نہ جانا اسلئے کہ وہ ایسی ہے جیسے بوسیدہ پل کہ جب کوئی ناواقفیت سے اوسپر از راہ اعتماد قدم رکھے تو فوراً ٹوٹ جاوے اور پاؤنکو بھی توڑدے پس جب کوئی انکے لطف ظاہری پر اعتماد کریگا۔ نقصان اوٹھائیگا دوسری مثال اور سنو جب کبھی لشکر کو شکست کھاتا ہے تو اوسکی وجہ یہ ہوتی ہے کہ اسمین دو تین مخنث ہوتے ہین اور وہ ہتھیار سجا کر مردانہ صورت جنگ مین شریک ہوجاتے ہین لوگ اونپر اعتماد کرتے ہین اور اونکو اپنا معین و مددگار سمجھتے ہین لیکن جب اونکے کوئی زخم لگتا ہے یا دوسرون کے زخمون کو دیکھتے ہین تو بھاگ نکلتے ہین اور اونکا بھاگنا تمام فوج کی کمر توڑدیتا ہے۔ یہ نتیجہ کیون ہوا اسلئے کہ اونھون نے اُن بیوفاؤن کی ظاہری مہربانی پر اعتماد کیا خیر یہ گفتگو بہت طویل ہے اور اسکو طول ہوتا جاتا ہے اور جو اصل مقصود ہے وہ مخفی ہوا جاتا ہے لہذا اسکو چھوڑ کر اصل مقصود کی طرف متوجہ ہونا چاہیئے۔

منافقون کا اور اُن کی مسجد ضرار بنانے کا قصّہ

شرح شبیری۔ اینچنین الخ۔ یعنی اسیطرح کی کجبازی جفت اور طاق مین اہل نفاق نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کھیلتے تھے۔ مطلب یہ کہ حضرت کے ساتھ منافقین شرارتین اور دہوکہ کرتے تھے۔ اور وہ یہ تھا کہ کہتے تھے کہ۔

کز برائے الخ۔ یعنی احمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی عزت کے لئے ہم ایک مسجد بناتے ہین اور وہ (فی الواقع) استدراد تھا۔ اسلئے کہ مسلمانون کے مقابلہ مین ایسا کرتے تھے۔

اینچنین الخ۔ یعنی اس قسم کی ٹیڑھی چال اون کے ساتھ چلتے تھے اور ایک مسجد اونکی مسجد کے علاوہ بناتے تھے۔

فرش الخ۔ یعنی اوسکا فرش اور چھت اور گنبد سنوارتے تھے لیکن وہ جماعت کی تفریق چاہتے تھے۔

نزد الخ۔ یعنی پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس شرارت سے آئے اور اونٹ کیطرح اون کے سامنے دوزانو بیٹھ گئے اور عرض کیا کہ

کاے الخ۔ یعنی کہ اے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کرم کیوجہ سے اوس مسجد کیطرف قدم رنجہ فرمائیے۔

تا مبارک الخ۔ یعنی تاکہ وہ آپ کے قدمون کی بدولت مبارک ہوجاوے آپکا نام مبارک قیامت تک تازہ رہے۔

مسجد الخ۔ یعنی وہ مسجد کیچڑ کے دن کی ہے اور ابر والے دن کی اور ضرورت کے دن اور صبر کے وقت کی مطلب یہ کہ مسجد قبا دور ہے اسلئے بارش وغیرہ مین جانے مین دقت ہوتی ہے لہذا یہان قریب نماز ہوجایا کریگی جبکہ ضرورت ہوگی اور یہ مصلحت ہے کہ۔

تا غریب الخ۔ یعنی تاکہ کوئی مسافر اس جگہ آرام اور جگہ پاوے اور تاکہ یہ خدمت کا گھر زیادہ ہوجاوے کہ دو ہوجاوینگے ایک مسجد قبا اور ایک اور یہ مصلحت ہے کہ۔

تا شعائر الخ۔ یعنی تاکہ دین کا شعار زیادہ ہوجاوے اور مشکل کام دوستون پر آسان ہوجاوے کہ بارش وغیرہ مین وہان جانا مشکل ہے یہان جانا آسان ہوگا۔

ساعتے الخ۔ یعنی ایک گھڑی اوس جگہ تشریف لیجلیئے اور ہمارا تزکیہ فرمائیے اور کچھ دیر وعظ فرما دیجئے۔

مسجد الخ۔ یعنی مسجد کو اور اصحاب مسجد کو نواز دیجئے آپ چاند ہین اور ہم رات ہین ہمارے ساتھ موافقت فرمائیے تو ہم بھی منور ہوجاوین۔

تاشود الخ - یعنی تاکہ رات آپ کے جمال کی وجہ سے دن ہوجاوے اسواسطہ کہ آپکا جمال جان کا روشن کردینے والا ہے مطلب یہ کہ ہمارے قلوب سیاہ جو شب کی طرح ہین وہ منور ہوجاوین آگے مولانا فرماتے ہین کہ -

اے الخ - یعنی کاش کہ وہ بات دل سے ہوتی تاکہ اس جماعت کی مراد حاصل ہوجاتی -

لفظ الخ - یعنی جو لفظ کہ بیدلی سے زبان پر آوے تو اسے دوست اوسکو کوڑی کے سبزہ کی طرح سمجھو کہ اوپر تو اچھا ہے اور اندر سے غلاظت بھری پڑی ہے -

ہم الخ - یعنی اوسکو دور ہی سے دیکھ لو اور چلے جاؤ وہ کھانے اور سونگھنے کے لائق نہین ہے اے صاحبزادہ -

سوئے الخ - یعنی بیوفاؤن کی مہربانی کیطرف ہرگز مت جاؤ وہ ٹوٹا ہوا پل ہے اچھی طرح سن لو -

گر قدم الخ - اگر کوئی جاہل قدم کو اوسپر مارے تو وہ پل بھی ٹوٹ جاوے اور اُسکے قدم کو بھی توڑ دے - تو اسیطرح جو شخص کہ ایسے مکارون کے ساتھ رہتا ہے تو یہ خود بھی غارت ہوتے ہین اور اوسکو بھی غارت کردیتے ہین آگے ایک مثال ہے کہ

ہر کجا الخ - یعنی جہان کہین کہ لشکر کو شکست ہوتی ہے وہ دو تین سست اور مخنثون کی بدولت ہوتی ہے -

در صف الخ - یعنی صف مین ہتھیارون کے سمیت مردون کی طرح آتا ہے - تو اوسپر دل رکھتے ہین کہ یہ ہے یار غار - یعنی لڑائی مین وہ نامرد آتا تو اس طرح ہے کہ لوگ جانتے ہین کہ بس جو ہے یہی ہے اور کام یہی کریگا اور کون کرے گا اور جب مقابلہ ہوتا ہے تو یہ حالت ہوتی ہے کہ -

رو الخ - یعنی جب زخم کو دیکھا تو منہ پھیر لیتا ہے اور اوسکا بھاگنا تمہاری کمر بھی توڑ دیتا ہے - اور سارا لشکر ہمت ہار دیتا ہے اور بھاگ پڑ جاتی ہے -

این الخ - یعنی یہ مضمون تو بہت دراز ہے اور طویل ہوتا جاتا ہے اور جو مقصود ہے وہ پوشیدہ ہوتا جاتا ہے مطلب یہ کہ اسکو تو جہان تک بیان کیا جاویگا طویل ہی ہوتا رہیگا مگر ہمین جو مقصود قصہ منافقون کا بیان کرنا تھا وہ رہا ہی جاتا ہے آگے پھر وہی قصہ بیان فرماتے ہین - کہ

شرح حبیبی

چاپلوسی و فسونها خواندند	نزل دستان سوی حضرت راندند
آن رسول مهربان رحم کیش	جز تبسم جز بلی ناورد پیش
شکرهاے آن جماعت یاد کرد	در اجابت قاصد انرا شاد کرد
می نمودی بکر ایشان پیش او	یک بیک زان شان که اندر شیر مو
موی را نادیده میکرد آن لطیف	شیر را شاباش میگفت آن ظریف
صد هزاران مکر موئے و دمدمه	چشم خوابانید آندم از همه
راست میفرمود آن بحر کرم	من شمارا از شما مشفق ترم
من نشسته بر کنار آتشی	با فروغ و شعلهٔ بس ناخوشی

همچو پروانه شما آنسو دوان — هر دو دست من شده پروانه ران

چون بران شد تا روان گردد رسول — غیرت حق بانگ زد مشنو ز غول

کاین خبیثان مکر و حیلت رانده اند — جمله مقلوبست انچه آورده اند

قصد ایشان جز سیه روئی نبود — خیر دین کے جست ترسا و یهود

مسجدے بر جسر دوزخ ساختند — با خدا نرد دغل مے باختند

قصدِ شان تفریقِ اصحابِ رسول — فضل حق را کے شناسد هر فضول

تا جهودے را ز شام اینجا کشند — که بوعظ او جهودان سرخوش شوند

گفت پیغمبر که آرے لیک ما — بر سرِ راهیم و بر عزم غزا

زین سفر چون باز گردم آنگهان — سوئے آن مسجد روان گردم روان

دفع شان گفت و بسوی غزو تاخت — با دغایان از دغا نردے بباخت

یہان سے مولانا قصۂ مسجد ضرار کیطرف عود فرماتے ہین لیکن جس تفصیل کے ساتھ مولانا نے اسکو بیان فرمایا ہے وہ کسی روایت صحیحہ سے ثابت نہین۔ مولانا کو کسی نامعتبر طریق سے معلوم ہوا ہوگا۔ مولانا نے اوسکو معتبر سمجھکر نقل فرمادیا۔ لہذا جو باتین اسمین ایسی ہین جن سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک پر الزام عائد ہوتا ہو اُنکا جواب جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے دینے کی تو ضرورت نہین۔ کیونکہ اس جواب کی تو اسوقت ضرورت ہے جبکہ ثابت ہوجاوے کہ یہ واقعہ سچا ہے۔ اور ثابت ہے نہین تو جواب کی بھی ضرورت نہین انکا جواب صرف اسیقدر ہے کہ یہ ثابت نہین۔ ہان مولانا کی طرف سے جواب کی ضرورت ہے کہ انھون نے اسکی تصدیق کیسے کرلی۔ سو اسکا جواب اپنے محل پر ذکر کیا جاویگا اس تفصیل کے بعد حل مثنوی سنو۔

ان منافقون نے خوشامدین کین اور مکر و فریب کے منتر بہت کچھ پڑھے۔ اور حیلہ و خداع سے آپکی مہمانی کی۔ جناب رسول اللہ جو نہایت ہی مہربان تھے اور رحم جنکا شیوہ تھا اس مکر کو سمجھ تو گئے (اقول ہولیس بثابت) مگر باینہمہ بنا بر شفقت آپ مسکراتے رہے۔ اور درست اور بجا ہی فرماتے رہے (یہ اس بنا پر تھا کہ آپکو منافقین کے افشاے راز کا ہنوز حکم نہوا تھا بلکہ یہی حکم تھا کہ ان سے مسلمانون کا سا برتاؤ کیا جاوے اور آپکا یہ فرمانا جھوٹ بھی نہین تھا کیونکہ درست و بجا دو طرح کہا جاتا ہے کبھی تصدیق کے لئے اور کبھی تکذیب کے لیے۔ درحقیقت یہ درست و بجا تکذیب کے لیے تھا۔ مگر چونکہ انکے افشائے راز کا ابھی حکم نہ تھا اسلئے وہ لہجہ نہ تھا جس سے تکذیب ظاہر ہو۔ اور وہ سمجھ جائین لہذا یہ درست و بجا توریہ کے طور پر تھا) اور اس جماعت کا شکریہ ادا کیا اور انکی درخواست کو قبول فرماکر اون کے دل کو خوش کیا اونکا آپکے ساتھ مکر آپکو ان چکنی چپڑی باتون مین یون معلوم ہوتا تھا جسطرح دودھ مین بال۔ مگر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُس بال کو یون ظاہر فرماتے تھے جیسے آپ دیکھتے ہی نہین اور اپنی ظاہری تصدیق سے آپ اُس دودھ اور چکنی چپڑی باتون کی تعریف فرماتے تھے اوس مین سیکڑون مکر و فریب اور بال تھے۔ لیکن اسوقت آپ سب سے چشم پوشی

فرما رہے تھے۔ اور اون پر اپنے سمجھ جانے کو ظاہر نہونے دیتے تھے کہ یہ دل شکستہ ہو جاوینگے۔ واقعی اس بحر کرم نے نہایت ہی صحیح فرمایا ہے کہ مین پر تم سے زیادہ مشفق ہون۔ کہ آتش روشن اور ناگوار طور پر شعلہ زن آگ کے کنارہ پر بیٹھا ہوا ہون۔ تم پروانون کی طرح اوس طرف دوڑتے ہو اور مین اپنے دونون ہاتھون سے تمکو ہٹا رہا ہون۔ جب آپ بمقتضاے شفقت وغیرہ اس طرف چلنے پر آمادہ ہو گئے اور چلنے کو بالکل تیار ہو گئے تو حق سبحانہ کو غیرت آئی۔ اور حکم ہوا کہ ان راہزنون کی باتین نہ سنو۔ ان شریرون نے چال اور فریب کیا ہی اور جو باتین انھون نے بیان کی ہین سب اولٹی ہین اونکا مقصود صرف اپنا مُنھ کالا کرنا ہے وجہ یہ ہی کہ یہ جماعت یہود کی ہے اور ابو عامر راہب کی پیر و ہے بھلا یہودی و نصرانی دین الٰہی کے کیا خیر خواہ ہو سکتے ہین ان لوگون نے اپنی مسجد کو دوزخ کے پل پر تعمیر کیا ہے اور اسکی بدولت یہ دوزخ مین جائینگے کیونکہ خدا کیساتھ یہ لوگ فریب کی چالین چلتے ہین انکا مقصد جماعت صحابہ کی تفریق ہے لیکن یہ یہود سے فضل حق سبحانہ کو نہین جانتے جو صحابہ پر مبذول ہے کہ وہ انکو ہر ضرر سے بچانیوالا ہے اور کبھی گوارا نہین کرتا کہ انکو ضرر پہونچے اور غرض اونکی یہ ہے کہ اوس یہود کی طرح سخت دشمن کا فر نصرانی ابو عامر راہب کو جسکے وعظ سے یہ پھولے ہوئے ہین ہرقل سمیت مدینہ پر چڑھا لائین۔ حق سبحانہ کا یہ حکم سنکر آپنے اپنی رو اکو ٹھہی فرمادیا۔ لیکن چونکہ آپ بغایت شفقت اونکو رسوا کرنا نہین چاہتے تھے اور رسوائی کا حکم بھی نہوا تھا لہٰذا آپنے فرمادیا کہ اسوقت تو ہم کو سفر درپیش ہے اور غزوہ تبوک کو جا رہے ہین جب اس سفر سے لوٹین گے انشاء اللہ اسوقت چلین گے یہ فرما کر آپنے اونکو ٹالدیا اور غزوہ تبوک کو تشریف لیگئے اور ان دغابازون کے ساتھ آپنے بھی دغا کی چال چلی یعنی آپکو دغا مقصود نہ تھی بلکہ یہ آپکی تدبیر مشابہ دغا تھی بنا بر مشاکلت اسکو دغا کہدیا گیا ہے۔ اس تقریر سے نہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹا وعدہ فرمانیکا الزام ہے اور نہ مولانا پر اسکی تصدیق کا کیونکہ اول تو واقعہ اس صورت سے ثابت ہی نہین دوسرے وعدہ معلق بمشیت الٰہی تھا۔ لہٰذا جھوٹا نہ تھا اور جب جھوٹا نہ تھا تو مولانا پر بھی الزام نہین کہ انھون نے جھوٹے وعدہ کی نسبت کو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف کیونکر سچ سمجھ لیا۔ اور اگر وعدہ کو بصورت حتمی سمجھا جاوے کہ ہم ضرور آئینگے تو اسوقت جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر تو کوئی الزام نہین کیونکہ واقعہ ثابت ہی نہین۔ ہان مولانا پر اعتراض ہو سکتا ہے کہ اونھون نے اس واقعہ کو کیونکر سچا سمجھ لیا۔ سو اسکا جواب یہ ہو سکتا ہی کہ مولانا دھوکے کے مقابلہ مین دھوکے کو جائز رکھتے ہونگے۔ بالخصوص اسوقت جبکہ اس دھوکے سے دوسرے کو ضرر پہونچانا مقصود نہو بلکہ اپنا تحفظ مدنظر ہو اور یہان ایسا ہی تھا کہ ان کے شر سے بچنا مقصود تھا نہ کہ انکو نقصان پہونچانا اور ماخذ اس خیال کا ممکن ہے الحرب خدعۃ یا جزاء سیئۃ سیئۃ مثلہا ہو ویؤیدہ ما قال مولانا فی الابیات السابقۃ۔ ع
ہر دروغے را دروغے شد جزا + کاسہ زن کوزہ بخور اینک سزا۔ اسوقت مولانا سے بھی اعتراض دفع ہو گیا۔

منافقون کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پھسلانا تا کہ مسجد ضرار مین تشریف لیجاوین

شرح شبیری۔ بر رسول الخ۔ یعنی حق تعالےٰ کے رسول پر بہت سے افسون پڑھ رہے تھے اور مکر اور حیلہ کا گھوڑا چلا رہے تھے۔

چاپلوسی الخ۔ یعنی چاپلوسی اور افسون پڑھ رہے تھے اور خدمت کی مہمانی کو بارگاہ کی طرف چلا رہے تھے مطلب

یہ کہ مکر و چاپلوسی اور خوشامد کر رہے تھے۔ اور اپنی ان باتون کو بطور تحفہ کے اور نزل خدمت کے بارگاہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مین پیش کر رہے تھے۔

آن الخ۔ یعنی وہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم مہربان اور رحم کیش سوائے تبسم کے اور بہت بہتر کے کچھ سامنے نہ لاتے تھے مطلب یہ کہ وہ تو مکر سے حضور کو پھسلا رہے تھے اور آپ باوجودیکہ آپکو معلوم تھا کہ یہ جھوٹے ہین (جیسا کہ لتعرفنہم فی لحن القول سے معلوم ہوتا ہے) غایت لطف و کرم کی وجہ سے یہی فرماتے تھے کہ بہتر ہے بہت اچھا آ جاؤنگا۔

شکرہائے الخ۔ یعنی اوس جماعت کے شکریہ کو یاد کیا اور قبول فرمالینے مین قاصدون کو شاد کیا مطلب یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اونکا شکریہ ادا فرمایا کہ تم نے مجھے بلایا اور اسکے بعد بلانے والون سے آنے کا وعدہ کرلیا تاکہ وہ بھی خوش ہوجاوین۔

می نمود الخ۔ یعنی اونکا مکر آپ کے سامنے ایک ایک اس طرح دکھائی دیتا تھا کہ جیسے دودھ مین بال۔

موے الخ۔ یعنی بال کو بے دیکھا ہوا کر رہے تھے وہ لطف و کرم والے اور دودھ کی تعریف کر رہے تھے وہ داناء۔ مطلب یہ ہے کہ باوجودیکہ اون کے مکر اونکے اقوال مین اسطرح سے ظاہر تھے کہ جیسے کہ دودھ مین بال مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اون مکرون سے اس طرح چشم پوشی فرما رہے تھے کہ گویا اونکو خبر ہی نہین اور اونکے اس بنا ءِ مسجد کی تعریف اور خود اونکا شکریہ ادا کر رہے تھے اور یہ اسلئے تھا کہ اول تو حق تعالےٰ کی طرف سے یہی حکم تھا کہ یہ اگرچہ دل سے کافر ہین مگر چونکہ زبان سے اسلام کا دعوی ہے لہذا اون سے برتاؤ مسلمانون ہی جیسا کیا جاوے اس وجہ سے حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے زبان سے تو اقرار فرما لیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصود بھی یہی تھا کہ تشریف لیجا وینگے مگر اندر سے دل نہ چاہتا تھا اور وہان جانے سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بشاشت نہ تھی اب یہان شبہ نہین ہوسکتا کہ حضور نے خدا نکردہ جھوٹ بولا نہین وعدہ کیا اور اوسکے ایفا کا بھی قصد تھا مگر دل تنگی سے اور یہ ضروری نہین ہے کہ جو وعدہ کیا جاوے اور اوسکو پورا کیا جاوے وہ بشاشت ہی سے ہوا کرے لہذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اونکے ساتھ یہ برتاؤ فرمایا ہے

صد ہزاران الخ۔ یعنی لاکھون مکر اور افسونون کے بال تھے مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اون سے چشم پوشی کی آگے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کرم کی تعریف اور حالت کو بیان فرماتے ہین کہ۔

راست الخ۔ یعنی اس بحر کرم نے درست فرمایا ہے کہ مین تمپر تم سے زیادہ شفیق ہون یہ مضمون قرآن شریف کا ہے کہ آیا ہے کہ النبی اولی بالمؤمنین من انفسہم اور خود حدیث مین بھی یہی مضمون آیا ہے لہذا فرماتے ہین کہ دیکھو حدیث مین ہے کہ فرماتے ہین کہ مین تمپر تم سے زیادہ شفیق ہون۔ آگے یہی حدیث ہی کا مضمون ہے فرماتے ہین کہ۔

من الخ۔ یعنی مین ایک آگ کے کنارہ پر بیٹھا ہوا ہون جو کہ با فروغ ہے اور بہت بڑے شعلون والی ہے مطلب یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہین کہ میری تمہاری ایسی مثال ہے کہ جیسے ایک آگ ہے اور اوسکے کنارہ مین بیٹھا ہوا ہون

ہاچو الخ۔ یعنی تم پروانہ کیطرح اوس آگ کی طرف دوڑ رہے ہو اور میرے دونون ہاتھ پروانہ کو ہٹانے والے ہین اس حدیث کے الفاظ یہ ہین مثلی کمثل رجل استوقد نارا فلما اضاءت ما حولہا جعل الفراش وہذہ الدواب التی تقع فی النار یقعن فیہا و جعل یحجزہن ویغلبنہ فیقتحمن فیہا فانا آخذ بحجزکم عن النار وانتم تقتحمون تو دیکھو کہ اس مثال سے غایت لطف و کرم ثابت ہو رہا ہے سبحان اللہ ۔ یارب تو کریمی و رسول تو کریم ، صد شکر کہ ہستیم میان دو کریم۔

چون الخ - یعنی جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسپر مستعد ہوئے کہ روانہ ہون تو غیرت حق نے آواز دی کہ ان مخلوق سنت سکو مصرعہ اولی کی عبارت مین تھوڑی سی تقدیم تاخیر ہے عبارت صاف یہ ہے کہ چون رسول بران شد تا رو ان گوید غیرت حق الخ غرضکہ آپکا قصد تو جانیکا تھا ہی لہذا وحی آ گئی کہ۔

کاین الخ یعنی کہ ان خبیثون نے مکر اور حیلہ کیا ہے اور یہ جو کچھ کہ لائے ہین سب اولٹا ہے۔ (اور بیہودہ ہے)

قصدا الخ - یعنی انکا مقصد اس سے سوا سے سیہ روئی کے کچھ نہین ہے اسلئے کہ نصرانی یا یہودی دین کی خیر کب ڈھونڈتے ہین۔

مسجدے الخ یعنی دوزخ کے پل پر ایک مسجد بناتے تھے اور حق تعالے کے ساتھ دہوکہ کی نرد کھیلتے تھے یہ اشارہ اوس آیت - علی شفا جرف ہار فانہار بہ الخ مطلب یہ کہ چونکہ اونکی غرض فاسد تھی جسکا انجام کہ دخول نار تھا اسلیے گویا کہ اونھون نے اوس مسجد کو کنارہ دوزخ ہی پر بنایا تھا۔

قصد شان الخ - یعنی اونکا مقصود رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب مین تفریق تھی مگر فضل حق کو ہر فضول کب بچا سکتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اون کو کیا خبر تھی کہ اسمین رحمت حق مضمر ہے اور جسمین کہ یہ تفریق کرانا چاہتے تھے اون حضرات پر رحمت حق تھی اسلیے حق تعالے نے اون کو بتا دیا۔

تا جہودے الخ - یعنی تاکہ ایک یہودی کو شام سے اس جگہ لا وین کیونکہ اوسکے وعظ سے یہودی خوش ہین قصہ اسکا یہ ہے کہ ایک شخص ابن عامر نامی نصرانی شام مین تھا اور مدینہ منورہ مین اکثر یہودی منافق تھے تو اس ابن عامر نے ان لوگون کو لکھا کہ تم ایک بیٹھک مسجد کے طور پر بناؤ تاکہ اوسکے اندر سب سلاح و مشورے ہوا کرین اسکے بعد پھر قل سے لشکر لیکر ان لوگون کو نکال دیا جاوے گا لہذا ان منافقون نے یہ مسجد اسلئے بنائی تھی لہذا فرماتے ہین کہ اونکا مقصد یہ تھا کہ اوس یہودی کو یہان بلا لین۔

گفت الخ - یعنی پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہان لیکن اب ہم سر راہ پر ہین اور لڑائی کے قصد مین ہین مطلب یہ ہے کہ حضور نے تشریف لانے کا وعدہ فرمایا اور یہ فرمایا کہ ابھی تو ہم سفر مین ہین اور لڑائی کو جا رہے ہین اوس کے بعد آوین گے اسلئے کہ اسوقت غزوہ تبوک کی تیاری تھی یہان یہ شبہ نہ کیا جاوے کہ اول تو مولانا نے وحی کی ممانعت کا ذکر کیا اوس کے بعد اسکو بیان کیا کہ حضور نے وعدہ فرمایا تو کیا بعد وحی وعدہ فرمایا تھا بات یہ ہے کہ اول تو مولانا نے قصہ کو مجمل طور پر بیان فرما دیا تھا اور اب اوسکو مفصل طور پر بیان فرما رہے ہین آگے فرماتے ہین کہ۔

زین الخ - یعنی (آپنے فرمایا کہ) اس سفر سے جبکہ مین واپس ہونگا اسوقت اوس مسجد کی طرف آؤنگا اب دیکھو کہ اس فرمانے سے معلوم ہوتا ہے کہ دل سے حضور کو بشاشت نہ تھی ورنہ کیا مشکل تھا کہ چند قدم تشریف لیجاتے مگر اوس وقت بھی چاہا کہ ٹلا دین۔

دفع الخ - یعنی آپ نے اون کو ٹال دیا اور غزوہ کی طرف تشریف لے گئے دغا بازون کے ساتھ دغا کی ایک بازی کھیلی - اس دغا سے مراد یہ مکر و فریب نہین ہے بلکہ یہ مکروا و مکر اللہ کے قبیل سے ہے جیسا کہ وہان مکر حق تعالے کیطرف منسوب ہے اسیطرح یہان دغا بھی حضور کی طرف نسبت کر دی گئی ہے مقصود یہ ہے کہ اون کے کرتوت کا بدلا آپ نے بھی دیا۔

شرح حبیبی

چون بیامد از غزا باز آمدند
گفت حقش کای پیمبر فاش گو
گفت ای قوم دغل خامش کنید
گفتتان پس بد درون و دشمنید
چون نشان چند از اسرارشان
قاصدان زو باز گشتند آن زمان
هر منافق مصحفی زیر بغل
بهر سوگندان که ایمان جُنّه است
چون ندارد مرد کژ در دین وفا
راستان را حاجت سوگند نیست
نقض میثاق و عهود از احمقی است
گفت پیغمبر که سوگند شما
باز سوگند مکرر خورد قوم
که بحق این کلام پاک راست
اندرینجا هیچ مکر و حیله نیست
گفت پیغمبر که آواز خدا
مهر بر گوش شما بنهاد حق
تک صریح آواز حق می آیدم
همچنانکه موسی از سوی درخت
از درخت انی انا الله می شنید
چون ز نور وحی وا می ماندند
چون خدا سوگند را خوانده سپر
باز پیغمبر بتکذیب صریح
تا یکی یاری ز یاران رسول
کاینچنین پیران با شیب و وقار

طالب آن وعدهٔ ماضی شدند
عذر آور جنگ باشد باش گو
تا نگویم رازهاتان تن زنید
من نخواهم آمد از من بگذرید
در میان آورده بد شد کارشان
حاش لله حاش لله دم زنان
سوی پیغمبر بیاوردند از دغل
زانکه سوگندان کژان را سنت است
هر زمانی بشکنند سوگند را
زانکه ایشان را دو چشم روشنی است
حفظ ایمان و وفا کار تقی است
راست گیرم یا که سوگند خدا
مصحف اندر دست و بر لب مهر صوم
که بنای مسجد از بهر خدا است
قصد ما زان صدق و ذکر یارب است
می رسد در گوش من همچون صدا
تا بآواز خدا نارد سبق
همچو صاف از دُرد می پالایدم
بانگ حق بشنید کای مسعود بخت
با کلام انوار می آمد پدید
باز نو سوگندها میخواندند
کی نهد اسپر ز کف پیکارگر
قد کذبتم گفت با ایشان فصیح
در دلش انکار آمد زان نکول
می کنندشان این پیمبر شرمسار

کو کرم کو ستر پوشی کو حیا / صد ہزاران عیب پوشند انبیا
باز در دل زود استغفار کرد / تا نگردد زاعتراض او روی زرد
لیک آن نقش نجس از دل نرفت / مہر بد از طبع بیجا صل نرفت
شومی یاری اصحاب نفاق / کرد مومن را چو ایشان زشت و عاق
باز می زارید کای علام سر / مر مرا مگذار بر کفران مصر
دل بدستم نیست ہمچون دید چشم / ورنہ دل را سوزمی این دم ز خشم
اندرین اندیشہ خوابش در ربود / مسجد ایشانش بر سرگین نمود
سنگہاش اندر حدث جای تباہ / می دمید از سنگہا دود سیاہ
دود در حلقش شد و حلقش بخست / از نہیب دود تلخ از خواب جست
در زمان در رو فتاد و میگریست / کای خدا اینہان نشان منکریست
خلم بہتر از چنین حلم ای خدا / کہ کند از نور ایمانم جدا

جب آپ غزوہ تبوک سے واپس تشریف لائے تو منافق طلب وفاء وعدۂ گذشتہ کی غرض سے حاضر خدمت ہوئے۔ اسوقت حق سبحانہ نے فرما دیا کہ آپ حیلہ جوالہ سے کام نہ لیجیے بلکہ صاف انکار کر دیجیے۔ لڑائی ہوگی بلا سے ہو کچھ پرواہ نہ کیجیے اُس پر آپ نے فرمایا کہ مکارو چپ رہو کیون اپنے راز کھلواتے ہو۔ تم بڑے بدباطن اور دشمن ہو مجھے معاف رکھو مین نہ آؤنگا لو تمکو چھپاتے پتے کی باتین بتائے دیتا ہون اور یہ کہکر آپ نے کچھ پتے دینے شروع کیے یہ سنکر اونکے حواس باختہ ہوگئے اور چلدئے۔ پھر یہ خیال آیا کہ یہ تو الزام ہمنے اپنے سر لیلیا اور گویا کہ اونکے بیانات کو تسلیم کرلیا بہت بُرا ہوا یہ خیال کرکے حاش للّٰہ حاش للّٰہ کہتے ہوئے پھر لوٹے اور بڑی بخنگی کے ساتھ آئے گویا کہ ہر منافق بغل مین ایک قرآن دبائے ہوئے ہے۔ غرض اپنی صفائی پیش کرنے کے لیے قسمین کھانے کی غرض سے خوب تیار ہوکر آئے۔ کیونکہ قسمین جھوٹون کی سپر ہین اور اونکا یہی شیوہ ہے جونکہ ٹیڑھے لوگ دین مین وفا تو رکھتے نہین اسلئے ہر وقت قسم کو توڑتے ہین اور جھوٹی قسمین کھاتے ہین سچے لوگون کے لیے فضول قسمون کی ضرورت نہین کیونکہ خدا نے اونکو دو باطنی روشن آنکھین عطا کی ہین جن سے وہ ان قسمون کی لغویت کو محسوس کرتے ہین۔ عہد وپیمان کو توڑنا حماقت کا کام ہے اور قسمون کو لغویت سے محفوظ رکھنا اور بات کا پکا ہونا یہ متقی کا کام ہے۔ یہ مضمون بمناسبت مقام تبعاً بیان ہوگیا ہے۔ اب ہم پھر اصل مقصد کیطرف عود کرتے ہین۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اونکی قسمون کو سنکر فرمایا کہ تمھین بتاؤ کہ مین تمھاری قسمون کا اعتبار کرون یا حق سبحانہ کی قسم کا۔ اونھون نے پھر نہایت بخنگی کے ساتھ قسم کھائی جیسے کہ کوئی شخص قرآن ہاتھ مین لیکر اور مُنھ مین روزہ رکھ کر کہتا ہو کہ اس کلام پاک کی قسم جو آپ پر نازل ہوا ہے کہ ہم نے مسجد خدا ہی کے لیئے بنائی ہے اسمین کوئی مکر اور کوئی حیلہ نہین اور ہمنو سوائے خلوص اور ذکر اللہ کے اور کچھ مقصود نہین۔ اور آپ جو فرماتے ہین کہ حق سبحانہ اسکی تکذیب کرتے ہین شاید جناب کے سننے یا سمجھنے مین کچھ خلل واقع ہوا ہو۔ آپ نے فرمایا کہ حق سبحانہ کی آواز میرے کانون مین

آرہی ہے۔ تمھارے کانون پر حق سبحانہ کی مہر ہے اسلیے تم نہین سن سکتے۔ اور تمھارے کان اس آواز تک نہین پہونچ سکتے۔ اگر ایسا نہوتا تو تم خود بھی سُن سکتے تھے۔ مجھے بالکل مغالطہ نہین ہوا بلکہ حق سبحانہ کی صاف اور صریح آواز ہے جو میرے پیے حق و باطل کو بالکل جُدا کر رہی ہے۔ چونکہ وہ لوگ نور وحی سے بالکل الگ تھے اسلئے اسپر بھی قسمین کھائے جاتے تھے۔ اور کہتے تھے کہ صاحب ہم اپنے قصد و ارادہ سے خود واقف ہین پھر ہم کیسے کہین کہ واقعی ہمارا ارادہ مکر اور فریب کا تھا بات یہ ہے کہ حق سبحانہ قسم کو سپر فرما چکے ہین۔ پھر یہ جنگجو ڈہال کو ہاتھ سے کیسے رکھ سکتے تھے اسلئے برابر قسمون کو آڑ بنایا کئے۔ آخر تنگ ہو کر آنحضرت نے صاف فرما دیا کہ تم یقیناً جھوٹے ہو اور تمھاری بات مین سچ کا احتمال بھی نہین اور اس شد و مد سے انکار کیا کہ اس انکار سے ایک صحابی کے دلمین بھی انقباض پیدا ہوا کہ ایسے بڈھے اور معزز لوگون کو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یون شرمندہ فرماتے ہین۔ اسوقت آپکی کرم طبعی اور پردہ پوشی وحیائے جبلی کو کیا ہوا۔ انبیا تو ہزارون عیب چھپاتے ہین۔ پھر فوراً ہی دلمین توبہ استغفار کی کہ پیغمبر ؑ کی نسبت میرے دل مین کیسا گندہ خیال آیا۔ ایسا نہو اس اعتراض سے مین حق سبحانہ کی جناب مین نادم ہون لیکن اب بھی وہ بیہودہ وسوسہ اون کے دل سے بالکل نہ نکلا اور اونکی طبیعت سے منافقین کی بڑی محبت بالکل زائل نہوئی۔ دیکھو منافقین کی دوستی کی شامت نے ایک مومن کو بُرا اور نافرمان بنا دیا ولائے کفار یہ بدبلا ہے اس سے بچنا چاہیے خیر پھر وہ حق سبحانہ کی حضور مین گڑگڑائے کہ اے واقف راز تو مجھے اس کفران پر مصر مت چھوڑ اور میرے دل سے اس وسوسہ کو دور کر دے جسطرح آنکھ سے دیکھنا میرے قبضہ مین ہے یون دل کا خیال میرے قبضہ مین نہین ورنہ مین اس دل سے اتنا بیزار ہون کہ اسکو آگ لگا دیتا اسی خیال مین انکو نیند آگئی۔ اور انھون نے خواب مین دیکھا کہ وہ مسجد گوبر پر بنائی گئی ہے جسمین اشارہ تھا اسکی طرف کہ یہ اغراض خبیثہ پر بنائی گئی ہے اور اوسکے پتھر گوہ مین سنے ہوے ہین اور ان سے کالا کالا دھوان نکل رہا ہے اس سے اشارہ تھا کہ یہ عمارت اُن اغراض سے متلبس ہے جو دوزخ مین لیجانے والی ہین وہ دھوان انکے حلق مین بھی پہونچا جس سے انکے گلے مین سوزش پیدا ہو گئی اسمین اشارہ اسطرف تھا کہ دیکھو تم بھی ان لوگون کی خیرخواہی مین آکر سزا کے مستحق ہو گئے۔ اب وہ اس تلخ دھوین کے خوف سے بیدار ہو گئے اور فوراً سجدہ مین گئے۔ اور رو کر کہا کہ اے اللہ یہ میرے انکار کی بیہودگی کی نشانی ہے اب مین سمجھ گیا کہ میرا انکار نہایت بیہودہ تھا اے اللہ واقعی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سختی جسکو بُرا سمجھتا تھا آپکے حلم سے بہتر ہے جسکو مین اچھا سمجھتا تھا وہ حلم جسکو مین اچھا سمجھتا تھا ہرگز اچھا نہین کیونکہ وہ تو مجھکو نور ایمان سے علیحدہ کرنے والا ہے اسلئے کہ جب مین اس حلم کو اچھا سمجھونگا اور وہ پایا نہ جائیگا بلکہ اوسکی ضد پائی جائیگی تو لامحالہ اوس ضد کو بُرا سمجھونگا اور یہ میرے سلب ایمان کا باعث ہوگا۔ تو لامحالہ وہ حلم بُرا ہوگا۔

شرح شبیری - چون الخ۔ یعنی جبکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ سے واپس تشریف لائے تو وہ لوگ پھر حاضر ہوئے اور اُس گذرے ہوئے وعدہ کے ایفا کے طالب ہوئے۔

گفت الخ۔ یعنی حق تعالےٰ نے آپ سے فرما دیا کہ ظاہر طور پر آپ فرما دیجیے اور عذر کر دیجیے لڑائی ہوگی تو ہو نے دیجیے مطلب یہ کہ اب ان سے اس کی ضرورت نہین ہے کہ اُن کے ساتھ برتاؤ چاپلوسی کا کیا جاوے بلکہ آپ تو صاف فرما دیجیے کہ ہم نہ آوین گے اب اگر یہ مخالف بھی ہو جاوین تو ہو جانے دیجیے۔ کچھ

بزداوہ نہین ہے
گفت الخ۔ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے قوم مکار بس خاموش رہو کہین مین تمہارے سازنہ کہدون الخ سے
بس چپ ہی رہو اگرچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت والذین اتخذوا مسجداً ضراراً الخ تو پڑھ ہی دی تھی مگر خود
اونکے منھ پر کھلم کھلا کہتے ہوئے بچتے تھے۔ اسلیے فرمایا کہ بس چپ ہی رہو ورنہ پھر سب کہنا پڑے گا۔
گفت الخ۔ یعنی تم بس بر باطن اور دشمن ہو مین ہرگز نہ آؤنگا مجھ سے دور گذر کرو۔
چون الخ۔ یعنی جبکہ اونکے اسرار مین سے چند نشانیان بیان مین لائے تو اونکا سارا کام خراب ہوگیا۔ اسلیے کہ جو سوچا
تھا اوسکے بالکل خلاف ہوا۔
قاصدان الخ۔ یعنی وہ قاصد اوسی وقت وہان سے حاش للہ حاش للہ کہتے ہوئے واپس ہوئے مطلب یہ کہ اپنے اس خیال
تفریق وغیرہ سے تبریہ کرتے تھے کہ توبہ توبہ بھلا ایسا خیال ہو بھی سکتا ہے استغفر اللہ۔
ہر الخ۔ یعنی ہر منافق ایک قرآن شریف بغلمین دابے ہوئے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کیطرف دکھوکے کیواسطے لایا۔
تا بخورد۔ یعنی تاکہ وہ قسم کھاوے کہ قسمین تو ڈھال ہین اسلئے کہ قسمین کج لوگون کا طریقہ ہین یعنی جو لوگ کجرو ہوتے ہین وہ تو
ذرا ذرا سی بات مین قسم کھایا کرتے ہین اور انکا تو طریقہ یہی ہے لہذا وہ بھی قسمین کھانے کو ایک ایک مصحف بغل مین دابے
ہوئے چلے آئے۔
چون الخ۔ یعنی جبکہ کجرو آدمی دین مین وفا نہین رکھتا تو وہ ہر گھڑی ایک قسم کو توڑتا ہے۔
راستان را الخ۔ یعنی سچون کو حاجت قسم کھانے کی نہین ہے اسلئے کہ اون کی دونون آنکھین روشن ہین مطلب یہ کہ جو کجرو ہین
اون کو تو اس کی ضرورت ہوتی ہے کہ وہ ہر ہر بات پر قسم کھاوین مگر جو سچے ہوتے ہین اونکو حاجت قسم کی نہین ہوتی۔
اس لیے کہ اون کی تو دونون آنکھین روشن ہین اور وہ ہر بات کو کالمعاینہ دیکھ رہے ہین اور اون کے قلب
کا اثر دوسرون پر بھی پڑتا ہے لہذا اون کو قسم کھانے کی حاجت نہین ہوتی یہ تو کذابون ہی کا طریقہ ہوتا ہے
آگے فرماتے ہین کہ۔
نقض الخ۔ یعنی میثاق اور عہد کا توڑنا احمق پن کی بات ہو اور قسمون کی حفاظت اور انکو پورا کرنا متقی آدمی کا کام ہو۔
گفت الخ۔ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مین تمہاری قسم کو سچ سمجھون یا کہ حق تعالے کی قسم کو کہ فرماتے
ہین واللہ یشہد ان المنافقین لکاذبون۔
باز الخ۔ یعنی پھر لوگون نے دوسری قسم کھائی کہ قرآن تو ہاتھ مین اور منھ پر مہر روزہ کی یعنی قسم کھاتے تھے کہ ہم اس قرآن
کی قسم کھاتے ہین اور ہمارے منھ مین روزہ ہے کہ ہم سچے ہین خود فرماتے ہین کہ۔
کہ بحق الخ۔ یعنی کہ قسم ہے اس کلام پاک اور سچے کی کہ اس مسجد کی بنا خدا ہی کے واسطے ہے اور کہتے تھے کہ۔
اندر ینجا الخ۔ یعنی اس جگہ کوئی مکر اور حیلہ نہین ہے بلکہ ہمارا مقصد اس بنانے سے صدق اور ذکر اور یارب کہنا ہے
مطلب یہ کہ صرف ذکر اللہ کی غرض سے بنائی ہے اور کوئی غرض فاسد نہین ہے۔
گفت پیغمبر الخ۔ یعنی پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حق تعالی کی آواز میرے کان مین صدا کیطرح آرہی ہے مطلب یہ
کہ مین اوس مخالفت کو اسوقت بھی سن رہا ہون گویا کہ ابھی تک یہی آواز آرہی ہے کہ لا تقم فیہ ابدا اب اونکو یہ شبہ ہوا

کہ ہمکو تو کہین بھی سنائی نہین دیتی اوسکا جواب فرماتے ہین کہ۔
مہر الخ۔ یعنی حق تعالے نے کانون پر مہر لگادی ہے تاکہ آواز خدا تم تک سبقت نہ لاوے۔ مطلب یہ کہ تم پر خدا کی پھٹکار ہے اسلئے تم سن نہین سکتے ورنہ آواز برابر آرہی ہے۔
نک الخ۔ یعنی یہ صریح حق تعالے کی آواز مجھے آرہی ہے اور صاف کی مثل ذرد سے مجھے صاف کررہی ہے۔ آگے فرماتے ہین کہ یہ آواز آنا کچھ جائے تعجب نہین ہے اسلیے کہ پہلے انبیا کو بھی بلاواسطہ آواز آئی ہے جیسے کہ حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام تھے اسی کو فرماتے ہین کہ
چون الخ۔ یعنی حضرت کلیم اللہ علیہ السلام کیطرح کہ وہ درخت کیطرف سے حق تعالے کی آواز کو سن رہے تھے کہ اے مسعود نصیب والے۔ قرآن شریف مین جو ہے کہ حق تعالے کی آواز آئی یا موسے انی انا اللہ تو اس ندا یا موسے کو اسطرح تعبیر کردیا۔
از درخت الخ۔ یعنی درخت سے آواز انی انا اللہ کو سنتے تھے اور کلام کے ساتھ انوار ظاہر ہو رہے تھے۔ غرضکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب یہ حالت ہے تو مین تمھارے کہنے کو کس طرح مان لون آگے فرماتے ہین کہ۔
چون الخ۔ یعنی جبکہ نور وحی سے وہ عاجز رہتے تھے تو پھر نئی قسمین کھاتے تھے۔ یہان یہ شبہ ہوتا ہے کہ جب اسقدر اون کی تکذیب کردی گئی تھی تو اب اونکو کیا امید تھی کہ اونکی تصدیق کیجاویگی۔ تو پھر وہ اسقدر قسمین کیون کھاتے تھے۔ مولانا اسکی وجہ فرماتے ہین کہ۔
چون الخ۔ یعنی جبکہ قرآن شریف مین حق تعالے نے قسم کو ڈھال فرمایا ہے تو بھلا لڑنے والا سپر کو ہاتھ سے کب رکھتا ہے قرآن شریف مین ہے اتخذوا ایمانہم جنۃ تو دیکھو جب کوئی لڑتا ہے تو اگرچہ یقین ہی کہ مین ہارجاؤنگا مگر تب بھی طبعاً بے اختیار سپر سامنے آہی جاتی ہے تو اسی طرح اون کو اگرچہ یقین تھا کہ ہماری باتین سب غلط ثابت ہون گی مگر وہ قسمین کھا ہی رہے تھے کہ شاید یقین آجاوے۔
باز الخ۔ یعنی پھر پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے تکذیب صریح سے قد کذبتم اون سے صاف طور پر فرمادیا۔ آگے مولانا ایک اور قصہ اس کے متعلق فرماتے ہین کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صاف طور پر اونکو کاذب فرمادیا۔ تو ایک صحابی کو یہ وسوسہ ہوا کہ اگرچہ وہ کاذب ہی تھے مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اسطرح صاف طور پر نہ فرمانا چاہیے تھا۔ کہ اسمین اون کی دل شکنی ہے اسپر حق تعالے نے اونپر نیند کو غالب کیا اور اوس مین اونکو اوس مسجد کو پُرگندگی دکھادیا تب انھون نے اس وجہ سے توبہ کی اور اسی مین مولانا یہ بھی فرماتے ہین کہ ایسے ایسے وسوسے سب صحابہ کو آئے مگر ہم بیان نہین کرتے اسلئے کہ شاید کسی کو اون حضرات کی طرف سے بدگمانی ہوجاوے مگر یہان یہ شبہ ہوتا ہے کہ یہ سارا قصہ مسجد ضرار کا جسطرح کہ مولانا نے بیان کیا ہے کہین مذکور نہین ہے اور پھر یہ قصہ صحابی کا تو کہین ہے ہی نہین۔ تو انھون نے یہ قصہ کہان سے نقل کیا ہے اسکی توجیہ یہ کیجا سکتی ہے کہ یہ حدیث منامی کو بیان کررہے ہین ممکن ہے کہ ان پر یہ سب حالات اسطرح سے منکشف ہوئے ہون کہ یون ہوا ہے اور خواب محتاج تعبیر ہوتا ہے مگر انھون نے تعبیر نہین دی بلکہ اوسکو واقعہ ہی سمجھکر یہان ذکر کردیا۔ اورچونکہ یہ قصہ ایسا ہے کہ جسپر مدار دین

قسم ہے نہین نہ کوئی حکم اس سے نکلتا ہے اس لیے اگر اسکو روایت اپنے لفظون مین بھی کر دیا جاوے تب بھی مضائقہ نہین ہے اگرچہ یہ ایک توجیہ بھی ہی مگر خیر چونکہ بزرگون سے حسن ظن ہے اس لیے بنایا جاوے گا ورنہ کہین یہ قصہ نظر سے تو گذرا نہین اور ممکن ہے کہ مولانا نے کسی سیر کی کتاب مین دیکھا ہو اور اوس سے نقل کیا ہو اب سنو کہ فرماتے ہین۔

ایک صحابی کا سوچنا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم لحاظ کیون نہین کرتے

تا یکے الخ۔ یعنی حضور نے اسقدر صریح طور پر انکار فرمایا) کہ یاران رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک یار کے دل مین اس انکار سے شبہ پیدا ہوا۔

کاین آن الخ۔ یعنی کہ ایسے با وقار بوڑھون کو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم شرمندہ فرما رہے ہین۔

کو کرم الخ۔ یعنی کہان ہے کرم اور کہان ہے عیب پوشی اور حیا اسلیے کہ انبیا تو لاکھون عیوب کو چھپاتے ہین۔

باز الخ۔ یعنی پھر جلدی سے دل مین استغفار کی تاکہ اس اعتراض سے پھر شرمندہ نہو۔

لیک الخ۔ یعنی لیکن وہ نقش کج اوس کے دل سے نہ گیا اور وہ مہر بد اوسکے بے حاصل طبیعت سے زائل نہوئی۔

شومی الخ۔ یعنی اصحاب نفاق کی صحبت کی نحوست نے مومن کو بھی اپنی طرح برا اور عاق بنا لیا۔

بازمی الخ۔ یعنی وہ پھر روتے تھے کہ اے دانائے رازہائے پوشیدہ مجھے اس ناشکری پر مصر نفرمائیے۔

دل الخ۔ یعنی دل میرے قبضہ مین نہین ہے مثل آنکھ کے دیکھنے کے ورنہ اسوقت تو غصہ کی وجہ سے دل کو جلا ڈالتا مطلب یہ ہے کہ جسطرح کہ آنکھ کا کھول دینا تو کچھ قبضہ مین ہی مگر پھر کہ وہ دیکھے بھی یہ قبضہ مین نہین ہے۔ اسیطرح دل بھی قبضہ مین نہین ورنہ اسکو غارت کر دیتا کہ اسمین اسقدر عظیم الشان وسوسہ آتا ہے۔

اندرین الخ۔ یعنی اس سوچ مین اونکو نیند آگئی تو اونکی مسجد کو گوبر سے بھرا ہوا دیکھا۔

سنگہاش الخ۔ یعنی اوسکے پتھر ناپاکی مین اور جگہ خراب اور اوسکے پتھرون مین سے سیاہ دھوان نکل رہا تھا۔

دود الخ۔ یعنی اونکے حلق مین دھوان گیا تو اونکا حلق گھٹا تو اوس دھوین کی سختی سے نیند سے اوٹھ بیٹھے۔

درزمان الخ۔ یعنی اوسیوقت سجدہ مین گر پڑے اور روتے تھے کہ اے الٰہی یہ تو منکری کی نشانی ہے۔

خلم الخ۔ یعنی ایسے حلم سے تو نفرت ہی بہتر ہے ایسا حلم جو کہ مجھے نور ایمان سے جدا کردے یعنی بے شک وہ اسکے سزاوار تھے اور اس حلم سے یہ خلم اور نفرت ہی بہتر ہے آگے مولانا فرماتے ہین کہ

شرح حبیبی

اگر بکاوے کوشش اہل مجاز　　تو بتو گندہ بود ہمچون پیاز

ہر یکے از دیگرے بے مغز تر　　صادقانرا یک ز دیگر نغز تر

صد کمر بستہ بمکر آن قوم ست　　از نفاق و زرق و دین نادرست

صد کمر آن قوم بستہ بر قبا　　بہر ہدم مسجد اہل قبا

ہمچو آن اصحاب فیل اندر حبش	کعبۂ کردند حق آتش زدش
قصد کعبہ ساختند از انتقام	حالشان چون شد فرو خوان از کلام
مر سیہ رویان دین را خود جہیز	نیست الا حیلت و مکر و ستیز

واقعی بات یہ ہے کہ جو لوگ دین کا جھوٹا دعوے کرتے ہین اون کی کوششین سراسر گندہ ہوتی ہین۔ اور ساو نکی کوششون مین یون گندگیون کی تہین لگی ہوتی ہین جسطرح پیاز کے چھلکے۔ اونمین سے ہر ایک دوسری سے گندی ہوتی ہے برخلاف اون لوگون کے جو سچے ہین اونکی ہر کوشش دوسری سے عمدہ ہوتی ہے جب یہ استطرادی مضمون ختم ہو چکے تو اب اصل مضمون کی طرف انتقال کرتے ہین۔ ان لوگون نے اپنے نفاق اور دغا اور بد دینی کے سبب سیکڑون مکر کے پٹکے اپنی کمر پر باندھ رکھے تھے۔ اور مسجد قبا کے ویران کرنے کے لیے ہزارون جد و جہد کین لیکن سب غارت ہوگئین جسطرح اصحاب فیل نے حبشہ مین خانۂ کعبہ بنایا اور خدا نے اوسکو اپنے ایک نیک بندے کے ہاتھون آگ لگا دی تھی۔ اور پھر اونھون نے اس کے انتقام کے لیے خانۂ کعبہ کو مسمار کرنے کی کوشش کی لیکن تم کلام اللہ مین اسکا حال بھی پڑھ لو۔ کہ کیا ہوا۔ غرض بد دین لوگون کا سرمایہ سوائے مکر و حیلہ و مخالفت کے اور کچھ نہین ہوتا۔ اسی سے وہ اطفاء نور حق کی کوشش کرتے ہین۔ ویابی اللہ الا ان یتم نورہ۔

شرح شبیری گر بکاوے الخ۔ یعنی اگر تم اہل مجاز کی کوشش مین کاوش کرو تو اسی طرح تہ بر تہ گندگی پیاز کیطرح دیکھو۔

ہر یکے الخ۔ یعنی اہل مجاز تو ایک دوسرے سے بے مغز ہی زیادہ ہوتے ہین اور صادق ایک دوسرے سے اچھے ہوتے ہین آگے پھر اون منافقون کا قصہ ہے کہ۔

صد کمر الخ۔ یعنی قوم سست نفاق اور مکر اور دین نادرست مین خوب مستعد تھی۔

صد کمر الخ۔ یعنی اوس قوم نے قبا پر سو کمرین باندھ رکھی تھین اہل قبا کی مسجد کے ہدم کے واسطے۔ مطلب یہ کہ خوب مستعد تھے آگے اون کی اس مسجد کی ایک مثال فرماتے ہین۔

ہمچو الخ۔ یعنی مانند اصحاب فیل کے کہ اونھون نے حبش مین ایک کعبہ بنایا تھا اور حق تعالے نے اوسمین آگ لگا دی تھی قصہ اوسکا مشہور و معروف ہے۔

قصد الخ۔ یعنی اون اصحاب فیل نے قصد کعبہ کا انتقام کیوجہ سے کیا تو جو اونکا حال ہوا اوسکو قرآن شریف سے پڑھ لو کہ آیا ہے سالم ترکیف فعل ربک باصحاب الفیل الخ آگے مولانا فرماتے ہین۔

مر سیہ الخ۔ یعنی سیہ رویان دین کے لیے خود کوئی اور سامان ہی نہین ہے مگر حیلہ اور مکر اور لڑائی کہ اون کے پاس یہی سامان ہے۔

شرح حبیبی

ہر صحابی دید زان مسجد عیان	واقعہ تا شد یقین شان سر آن
واقعات ار باز گویم یک بیک	پس یقین گردد صفا بر اہل شک

لیک می ترسم ز کشف راز شان	نازنینانند و زیبد ناز شان
شرع بے تقلید مے بپذرفتہ اند	بے محک آن نقد را بگرفتہ اند
حکمت قرآن چو ضالہ مومن است	ہر کسے در ضالہ خود موقن است

ہر صحابی نے اس مسجد سے ایسے واقعات دیکھے جنسے کہ اس مسجد کی حقیقت منکشف اور متیقن ہو گئی اگر مین ایک ایک واقعہ کو بیان کرون تو اہل قلب کو انکی صفائی قلب متیقن ہو جاوے۔ لیکن اونکے رازونکو کھولتے ہوئے ڈرتا ہون مبادا کوئی اپنی کجی طبع سے شبہ مین نہ پڑ جائے۔ اور صحابہ کی نسبت یہ خیال نکرے کہ وہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اعتراض کرتے تھے اور آپکی تصدیق نہ کرتے تھے۔ حالانکہ یہ سب باطل ہے اور بالکل غلط ہے اون کا اگر کوئی اعتراض بھی ہو تو وہ حقیقت مین اعتراض نہین بلکہ ناز ہے اور یہ لوگ نازنین ہین محبوب خدا اور رسول ہین انکا ناز بجا ہے انکی حالت یہ ہے کہ بدون تقلید کے اونھون نے شرع کو قبول کیا ہے اور بلا استدلالات کی کسوٹی پر جانچے ہوئے اس سونے کو لیا ہو اس پر کوئی شبہ نکرے کہ جب انھون نے دین الٰہی کی حقانیت دلیل سے معلوم نہین کی تو ضرور تقلیدہی تھی پھر کیسے کہا جاتا ہے کہ تقلید بھی نہ تھی کیونکہ تصدیق تقلیدی و استدلالی مین منحصر نہین۔ بلکہ اس کا ایک طریق مشاہدہ بھی ہے پس چونکہ حکمت قرآن یعنے حق مومن کی گم شدہ اونٹنی ہے جسکو وہ روز الست سے جانتا ہے لیکن عوارض کے سبب کبھی وہ مخفی ہو جاتا ہے۔ اسلئے جب اسکا سامنا ہوتا ہے اور عوارض زائل ہو جاتے ہین تو وہ فوراً اوس کو پہچان لیتا ہے کیونکہ قاعدہ ہے کہ ہر کوئی اپنی کھوئی ہوئی چیز کو دیکھکر پہچان لیتا ہے۔

شرح شبیری - ہر صحابی الخ یعنی ہر صحابی نے اوس مسجد کا ظاہر طور پر ایک واقعہ دیکھ لیا یہانتک کہ اون پر اوس کا سب بھید ظاہر ہو گیا۔

واقعات الخ - یعنی اگر ایک ایک کے واقعات کو بیان کرون تو اہل شک کو صاف طور پر یقین ہو جاوے۔

لیک الخ - یعنی لیکن مین اونکے راز کے اظہار سے ڈرتا ہون اسلئے کہ وہ نازنین ہین اور انکا ناز اونپر پھبتا ہے اور اگرچہ اب بھی یہ تو معلوم ہو گیا کہ اونکو شبہ ہوا مگر جب ہر ایک کا شبہ الگ الگ بیان کیا جاویگا تو وہ بُری بات ہے اسلئے فرماتے ہین کہ مین اور زیادہ اظہار نہین کرتا۔

شرع الخ - یعنی شریعت کو بے تقلید و استدلال کے قبول کر لیا ہے اور بے کسوٹی کے اوس نقد ایمان کو حاصل کیا ہے مطلب یہ کہ اونکو استدلال کی ضرورت نہین ہوئی بلکہ اونکو تو عین الیقین ہو گیا۔ اور بالکل ظاہر طور پر اونھون نے ایمان کی باتون کو دیکھ لیا۔ اور اونکو قبول کر لیا۔ آگے فرماتے ہین کہ۔

حکمت الخ - یعنی حکمت قرآنی مومن کی گم شدہ شے کی طرح ہے اور ہر شخص اپنی گم شدہ شے مین یقین کرنے والا ہے مطلب یہ ہے کہ اون حضرات نے جو بے استدلال کے ایمان کو قبول کر لیا اور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کی یہ کچھ تعجب کی بات نہین ہے اسلئے کہ یہ تو ظاہر ہے کہ کل مولود یولد علی الفطرۃ تو ہر شخص کے اندر استعداد قبول حق کی ہوتی ہے اور جب وہ شے جسکی قبولیت کی استعداد ہے سامنے آتی ہے تو

وہ استعداد ظاہر ہوتی ہے اور یہ شخص پہچان لیتا ہے کہ ہان یہ وہی شے ہے کہ جو اب تک میرے قلب مین پوشیدہ تھی اور جسکا ظہور نہوا تھا اور اسوقت ظاہر ہوا ہے ورنہ دیکھو غور کرنے کی بات ہے کہ اگر اوس کو اوس شے کے متعلق کچھ بھی اطلاع نہوتی اور پہلے سے کچھ خبر نہوتی تو یہ جو سنتے ہی بشاش ہو جاتا ہے اور اوسکو قبول کرلیتا ہے یہ کیون۔ معلوم ہوتا ہے اس کے اندر پہلے سے بھی وہ شے اجمالی درجہ مین تھی اوس کو سنتے ہی خوش ہوتا ہے کہ الحمد للہ کہ تفصیل کا علم ہو گیا اور یہ بات ہر شخص کو پیش آتی ہے اور اسکی مثال محسوسات مین ایسی ہے کہ جیسے کسی شخص کی کوئی شے گم ہو گئی وہ خواہ اوس کی تلاش مین تھا۔ یا تلاش مین بھی نہ تھا بلکہ اچانک سامنے پڑی ہوئی وہ شے مل گئی تو اب اس شخص کو اس کی ضرورت نہین کہ اوس شے کو پہچاننے کے لیے وہ استدلال کرے۔ کہ چونکہ میری چیز ایسی تھی اور اوسمین یہ علامت تھی وغیرہ وغیرہ اسلیے یہ میری ہے۔ بلکہ وہ دیکھتے ہی پہچان لیگا کہ یہ میری ہے اسیطرح چونکہ انسان مین استعداد فطری ہوتی ہے اسلیے اوسکے سامنے اسکی استعداد کے موافق جو شے آوے گی وہ اوسکو بے استدلال کے پہچان لیگا۔ ہان بوجہ تفاوت بین الاستعداد کے یہ ضرور ہوگا کہ جسکی استعداد کامل ہو گی وہ اپنے اشیاء کو شناخت کرے گا اور جسکی ناقص ہو گی وہ ویسی کو مگر ہان پہچان ضرور ہو گی۔ تو اسی طرح چونکہ حضرات صحابہ کی استعداد کامل تھی اسلئے بلا کسی استدلال کے وہ حضرات علوم و معارف و حقایق کا بالکل معائنہ کرتے تھے اور انکے لئے وہ مثل عین الیقین کے ہو جاتا تھا پھر اونمین بھی جو اکمل تھے اونکو کسی فکر اور سوچ کی بھی ضرورت نہ ہوتی تھی۔ جیسے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عبد اللہ بن سلام کہ فرماتے ہین لما رایت وجہہ علمت انہ لیس بوجہ کذاب تو دیکھو اس پہچان لینے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اون کے دل مین پہلے سے بھی کوئی بات تھی اور کوئی علامت مضمر تھی کہ جو دیکھتے ہی اون کو نظر آ گئی آگے اس مثال کو خود واضح فرماتے ہین کہ اشترے الخ۔ یعنی تم نے اگر ایک اونٹ گم کیا ہے اور اسکو کوشش سے تلاش کر رہے ہو تو جب وہ ملجاوے گا تو تم کسطرح معلوم نہ کرو گے کہ وہ تمہارا ہے یقیناً جب اوس پر نظر پڑے گی اسوقت کہدو گے کہ یہ میرا ہے اسلئے کہ وہ تمہارے پاس رہا ہے تمنے اوسکو بارہا دیکھا ہے اگرچہ آج بعد ایک مدت کے ملا ہے مگر تمکو دیکھتے ہی اوس کی وہ ساری علامتین معلوم ہو گئین اور اوس کو فوراً ہی پہچان لیا اسی طرح چونکہ علوم و معارف کو تم روز ازل مین دیکھ چکے ہو اور معلوم کر چکے ہو اسلئے یہان سنتے ہی فوراً معلوم ہو گیا کہ آہا یہ تو وہ ہے جو ہم سن چکے ہین ہان اسکا ادراک نہین ہوتا۔ اسلئے کہ اگر اوسکا ادراک ہو تو وہ بھی ایک استدلال ہو گیا کہ چونکہ ہمنے اوسکو پہلے دیکھا ہے اور فلان جگہ یہ ہمارے پاس رہی ہے لہذا یہ ہماری ہے۔ نہین بلکہ اول وہلہ مین جو اوس پر نظر پڑی بس معلوم ہو گیا کہ میری ہے بے کسی فکر اور غور کی ضرورت نہین ہے آگے اسکو ایک قصہ سے واضح فرماتے ہین کہ

شرح حبیبی

اشترے گم کردی و جستیش چست — چون بیابی چون ندانی کان تست

ضالہ چہ بود ناقۂ گم کردۂ — از کفت بگریختہ در پردۂ

کاروان در بار کردن آمدہ — اشتر تو زمیانہ گم شدہ

می دوی این سو وآن سو خشک لب — کاروان شد دور و نزدیک ست شب
رخت مانده در زمین در راهِ خوف — تو پئے اشتر روان گشته بطوف
کاے مسلمانان کہ دیدست اشترے — جستہ بیرون بامداد از آخرے
ہر کہ برگوید نشان از اشترم — مژدگانے میدہم چندین درم
باز میجوئی نشان از ہر کسے — ریشخندت میکنند زین ہر خسے
کاشترے دیدیم میرفت این طرف — اشترے سرخے بسوئے این علف
آن یکے گوید بُریدہ گوش بود — وان دگر گوید جُلش منقوش بود
آن یکے گوید شتر یک چشم بود — وان دگر گوید زگرے پشم بود
از براے مژدگانے صد نشان — از گزافہ ہر خسے کردہ بیان
ایدل اسرار را در گوش کن — قسم تو گر ہست زین خوش نوش کن
ہمچنان کہ ہر کسے در معرفت — میکنند موصوف غیبے را صفت

اچھا فرض کرو کہ تمہارا ایک اونٹ گم ہوگیا اور تمنے اوسکو ڈھونڈھنا شروع کیا تو بتلاؤ کہ اگر وہ تمہین ملجاوے تو تم اوسے کیسے نہ پہچان لوگے کہ یہی میرا ملوک ہے پس تم ضالہ مومن کو بھی اسی اونٹنی کی مثل سمجھو جو گم ہوگئی ہے اور تمہارے ہاتھ سے بھاگ کر تمہاری نظر سے اوجھل ہوگئی ہے۔ یہانسے دوسرے مضمون کی طرف انتقال فرماتے ہین اور فرماتے ہین۔ قافلہ لدنے لگا ہے اور تمہارا اونٹ غائب ہوگیا ہے تم ادھر ودھر دوڑ رہے ہو۔ ہونٹون پر خشکی آئی ہوئی ہے قافلہ دور نکل گیا ہے رات ہونے کو ہے اسباب زمین پر پڑا ہوا ہے راستہ خطرناک ہے تم یہ حالت دیکھکر اونٹ کے پیچھے نہایت ستعدی کے ساتھ گھوم رہے ہو اور لوگون سے پوچھتے ہو کہ مسلمانون میرا اونٹ آخور سے کہین نکل گیا ہے کسی نے دیکھا ہو تو بتادو جو میرے اونٹ کا پتا بتائیگا اوسکو اسقدر درم مزدوری دونگا جب ایک جگہ پتا نہین لگتا تو پھر تم دوسری جگہ تلاش کرتے ہو اور وہان لوگون سے پوچھتے ہو وہ لوگ تمپر ہنستے ہین ایک کہتا ہے کہ ہان مین نے دیکھا ہے ایک سرخ رنگ اونٹ اس طرف کو اس چراگاہ کو جارہا تھا ایک کہتا ہے اوسکا کان کٹا ہوا تھا۔ کوئی کہتا ہے اوس کی جھول منقش تھی کوئی کہتا ہے اونٹ کانا تھا۔ کوئی کہتا ہے کہ خارش کے سبب اوسکی اون اڑ گئی تھی غرض دل لگی کے ساتھ مزدوری کے لالچ مین ہر ذلیل سیکڑون نشان بیان کر رہا ہے یہ تو واقعہ ہے لیکن اے دل تو اسے قصہ نہ سمجھ بلکہ اگر تیری قسمت مین ہے تو اس سے عمدہ غذا حاصل کر۔ یہ اون لوگون کی مثال ہے جو معرفت مین اٹکل پچو موصوف غیبی کی صفت بیان کرتے ہین اور حقیقت سے بالکل واقف نہین۔

قصہ اس شخص کا کہ گم شدہ اونٹ کا پتا پوچھ رہا تھا

شرح شبیری ضالہ الخ یعنی ضالہ کیا ہوتا ہے ایک گم شدہ ناقہ ہے کہ وہ تمہارے ہاتھ سے کہین بھاگ گئی ہو۔

کاروان الخ۔ یعنی قافلہ تو اسباب لاد رہا ہے اور تمھارا اونٹ درمیان ہین سے گم ہوگیا ہو۔
می دوی الخ۔ یعنی تم ادھر اودھر دوڑتے پھرتے ہو۔ اور لب خشک ہین کہ قافلہ تو دور چلا گیا ہے اور رات نزدیک ہے
رخت الخ۔ یعنی اسباب تو زمین پر پڑا ہوا ہے اور راستہ پرخوف ہے اور تم اونٹ کے پیچھے چارون طرف دوڑتے پھرتے ہو کہ شاید کہین ملجاوے۔ اور پوچھتے ہو کہ
کاے الخ۔ یعنی کہ اے مسلمانون کسی نے ایک اونٹ دیکھا ہے کہ وہ صبح ہی ایک آخور مین سے چھوٹ گیا ہے
ہر کہ الخ۔ یعنی جو کوئی کہ میرے اونٹ کا پتہ دے گا مین اوسکو اتنے درم مزدوری دونگا۔
باز الخ۔ یعنی پھر تم ہر شخص سے نشانی پوچھ رہے ہو تو اسپر ہر شخص تمھارے اوپر ہنستا ہے۔ اور کہتا ہے کہ۔
کاشتری الخ۔ یعنی کہ ایک اونٹ سرخ ہمنے دیکھا ہے کہ اس طرف کو چراگاہ کیطرف جارہا تھا۔
آن الخ۔ یعنی ایک کہتا ہے کہ کان کٹا تھا اور دوسرا کہتا ہے کہ ہان اوسکی جھول منقش تھی۔
آن الخ۔ یعنی ایک کہتا ہے کہ اونٹ یک چشم تھا اور دوسرا کہہ رہا ہے کہ خارش کی وجہ سے بے اون کے تھا۔ غرض کہ ہر شخص غلط سلط اٹکل پچو علامتین بتا رہا ہے۔
از برائے۔ یعنی مزدوری کے لینے کو سیکڑون نشانیان بیہودگی کی وجہ سے ہر کمینہ بیان کر رہا ہے۔ تو دیکھو کہ بیماری اوس اونٹ کی نشانیان بیان کررہے ہین مگر وہ اونٹ کا مالک سب کو جانتا ہے کہ یہ بالکل غلط ہین اور یہ سارے جھوٹے ہین۔ اسیطرح جو کہ طالب حق ہوتا ہے اوسکو حق کی تلاش ہوتی ہے اور لوگ اوسکو بہکاتے ہین کوئی اوسکو دیر کیطرف بلاتا ہے تو کوئی مسجد کی طرف کوئی یہودی ہے تو کوئی نصرانی غرضکہ سب اوسکو بتارہے ہین کہ حق یہ ہے مگر اوسکا قلب کسیکو قبول نہین کرتا اور وہ جانتا ہے کہ یہ سب جھوٹے ہین اور کوئی بھی حق نہین کہتا۔ اور اگر کسی نے اوس اونٹ والے کے سامنے اوسکے اونٹ کی نشانی درست بتادی تو بس وہ فوراً خوش ہوگیا۔ اور وہ اوسکے پیچھے پیچھے ہو لیا۔ کہ ہان بیشک میرا اونٹ وہی ہے تو یہ اسلئے ہے کہ اوسنے اوسے بارہا دیکھا ہے تو اسیطرح جب حق بات اس جوئندہ کو ملی فوراً دلکو لگ گئی اور اسنے پہچان لیا کہ بس حق یہی ہے اور اوسکو قبول کرکے اوس کہنے والے کا اتباع کرتا ہے اسلئے کہ اوس استعداد فطرنی کے درجہ مین اوسنے اوس شے حق کو بارہا دیکھا ہے اور سنا ہے جب وہ کان مین پڑی بس پھڑک اوٹھا کہ ہان وہی ہے اسیطرح حضرات صحابہ کے سامنے حق بالکل ظاہر تھا اور جہان کسیکے منھ سے حق نکلا اور انھون نے اوسکو قبول کیا اور اسی لیئے حضرت معاویہؓ نے شیطان کی باتون کو باور نہ کیا تھا اسلیے کہ کذب تھا اون کے دل کو نہ لگتا تھا۔ اور یہی وجہ تھی کہ حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے منافقون کے اس خلوص کا جو بنا مسجد کے بارہ مین وہ ظاہر کرتے تھے اعتبار نہ کیا آگے فرماتے ہین کہ
اے الخ۔ یعنی اے دل ان اسرار کو کان مین رکھ اگر تیرا حصہ ہے تو اس عمدہ کو پی لے مطلب یہ ہو کہ جب معلوم ہوگیا کہ قبول استعداد فطری پر موقوف ہے تو اب فرماتے ہین کہ اے دل اب ذرا سُن اور اگر تیرے اندر بھی مادہ قبول حق ہے تو قبول کر آگے فرماتے ہین کہ۔
ہمچنانکہ الخ۔ یعنی جیسطرح کہ ہر شخص معرفت مین موصوف غیبی کی صفت کو بیان کر رہا ہے۔ مطلب یہ کہ جسطرح کہ سب محق اور مبطل اپنی اپنی طرح حق تعالے کی صفت کرتے ہین اور اوسکی یادین ہین تو بھی تنگ اور حق کی تلاش کرا اور

تحقیق کو ڈھونڈھ اور حق کو باطل سے تمیز کر اور اپنی استعداد فطری کے موافق قبول حق ہیں کوشش کر۔ اب آگے اسی کو فرماتے ہیں کہ۔

شرح حبیبی

فلسفی از نوع دیگر کرده شرح ❊ باحثی مر گفت او را کرده جرح

وین دگر در هر دو طعنه می زند ❊ وان از زرق جانے می کند

هر یکے زین ره نشانها زان دهند ❊ تا گمان آید که ایشان زان رهند

این حقیقت دان نه حق اند اینهمه ❊ نے بباطل گمرهان اند این رمه

زانکه بے حق باطلے ناید پدید ❊ قلب را ابله ببوئے زر خرید

گر نبودے در جهان نقد روان ❊ قلبها را خرج کردن کے توان

تا نباشد راست کے باشد دروغ ❊ آن دروغ از راست میگیرد فروغ

بر امید راست کژ را مے خرند ❊ زهر در قندے رود آنگه خورند

گر نباشد گندمی محبوب نوش ❊ چه برد گندم نمائے جو فروش

پس مگو کاین جمله دینها باطل اند ❊ باطلان بر بوے حق دام دل اند

پس مگو جمله خیال است و ضلال ❊ بے حقیقت نیست در عالم خیال

حق شب قدرست در شبها نهان ❊ تا کند جان هر شبے را امتحان

نے همه شبها بود قدر اے جوان ❊ نے همه شبها بود خالی از آن

در میان دلق پوشان یک فقیر ❊ امتحان کن وانکه حق است آن بگیر

مومن کیس ممیز کو که تا ❊ باز داند پادشا را از گدا

گر نه معیوبات باشد در جهان ❊ تاجران باشند جمله ابلهان

پس بود کالاشناسی سخت سهل ❊ چونکه عیبے نیست چه نااهل و اهل

ور همه عیب است دانش سود نیست ❊ چون همه چوب است اینجا عود نیست

آنکه گوید جمله حق است احمقی است ❊ وانکه گوید جمله باطل او شقی است

تاجران انبیا کردند سود ❊ تاجران رنگ و بو کور و کبود

می نماید مار اندر چشم مال ❊ هر دو چشم خویش را نیکو بمال

منگر اندر غبطهٔ این بیع و سود ❊ بنگر اندر خسر فرعون و ثمود

یہان سے شہر کے درمعرفت سپکند موصوف یعنی راصفت، کی قدرے تفصیل فرماتے ہین اور فرماتے ہین کہ فلسفی حق سبحانہ کے اوصاف ایک انداز سے بیان کرتا ہے اور صفات خاصہ کی نفی کرتا ہے قدرت کو تسلیم نہین کرتا۔ وغیرہ وغیرہ۔ متکلم اوس کے بیان پر رد و قدح کرتا ہے۔ اور صفات کو مؤول کہتا ہے وغیرہ وغیرہ ایک اور ہے جو دونون پہ اعتراض کرتا ہے اور خود اپنا ہی راگ الاپ رہا ہے۔ ایک اور ہے کہ وہ ان سب کے علاوہ دھوکھا کررہا ہے اور اس ترویج باطل مین مراجاتا ہے غرض ہر شخص اس رستہ کا پتا بتلارہا ہے تاکہ لوگ یہ سمجھین کہ اس راہ کا جاننے والا ہے۔ مگر یہ حقیقت دانی کے مدعی نہ بالکل حق پر ہین اور نہ بالکل باطل پر۔ کیونکہ بدون وجود حق یا آمیزش حق کے باطل کا ظہور نہین ہوسکتا۔ کیونکہ دیکھو بیوقوف جو کھوٹا سونا خریدتا ہے وہ خالص سونے کے دھوکے مین خریدتا ہے۔ اگر خالص سونیکا وجود ہی نہوتا یا اسمین اسکا کچھ بھی شائبہ نہوتا تو یہ اوسکو کبھی نہ خریدتا۔ یونہی سمجھو کہ اگر حق کا وجود ہی نہوتا یا اس باطل مین اوسکی اصلا آمیزش نہوتی تو خود یہ اہل باطل ہی اوسکو اختیار نکرتے پس ان اہل باطل کا اس باطل کو اختیار کرنا ہی دلیل ہے وجود حق فی نفسہ کی۔ یا اس باطل مین اسکی قدرے آمیزش کی۔ کیونکہ اگر سکہ رائج عالم مین نہو تو کھوٹے سکے نہین چل سکتے۔ کھوٹے تو کھرون مین ملکر یا کھرون کے دھوکے مین چلتے ہین جب کھرے کا وجود ہی نہین تو دھوکا کیسا۔ یونہی اگر دنیا مین سچ نہو تو جھوٹ کا وجود بھی نہین ہوسکتا۔ کیونکہ جھوٹ کو راستی ہی سے فروغ ہوسکتا ہے کیونکہ یا تو وہ سچ کے ساتھ مخلوط ہوتا ہے اور سچ اور جھوٹ مین امتیاز ہوتا نہین اسلئے چل جاتا ہے یا سچ کو اوس سے مشابہت ہوتی ہے۔ اسلیے سچ کے دھوکے مین چل جاتا ہے۔ پس اگر سچ کا وجود ہی نہوتا تو جھوٹ کیونکر چلتا۔ علی ہذا میٹھے کو تو راستی ہی کی امید پر خریدتے ہین اور زہر جب قند مین ملتا ہے تب ہی کھاتے ہین۔ سیطرح یونہی اگر گیہون نہو جو ایک محبوب غذا ہے تو گندم نما جو فروش کا دھوکا ہرگز نہین چل سکتا۔ پس جب تمکو معلوم ہوگیا کہ برے کو اچھے ہی کے دھوکے مین اختیار کیا جاتا ہے اور برے کا وجود اچھے کے بدون نہین ہوسکتا تو تمکو یہ نہ کہنا چاہیے کہ دنیا بھر کے تمام دین باطل ہین نہین بلکہ انمین بعض ادیان حق بھی ہین جیسے ادیان مین دین اسلام۔ اور فرق اسلامیہ مین فرقہ حقہ اہل سنت و جماعت اور ادیان باطلہ و فرق باطلہ جو لوگون کو اپنی طرف کھینچتے ہین وہ اسی دین و فرقہ حق کے سبب کھینچتے ہین کیونکہ اتنا لوگون کو علم ہے کہ ان ادیان یا ان فرقون مین ایک دین اور ایک فرقہ حق ہے لیکن انکو یہ معلوم نہین کہ وہ کونسا ہے اسلئے کوئی نصرانی ہوجاتا ہے اور کوئی یہودی۔ کوئی مجوسی کوئی رافضی کوئی خارجی وغیرہ وغیرہ۔ لیکن اگر حق کا وجود ہی نہوتا تو کوئی کسی مذہب کو اختیار ہی نکرتا کیونکہ جانتے کہ باطل ہی۔ لہذا تم یہ ہرگز نہ کہنا کہ تمام مذاہب خیالات باطلہ و گمراہی ہین یعنی سب باطل نہین بلکہ بعض حق بھی ہین جیسے اسلام دیگر ادیان مین اور فرقہ حقہ اہل سنت و جماعت دیگر فرق اسلامیہ مین اسلیے کہ کوئی خیال عالم مین بدون کسی واقعیت کے موجود ہی نہین ہوسکتا جیسے کہ ہم اوپر مختلف مثالون سے ثابت کرچکے ہین پس سمجھو کہ دنیا کے تمام مذاہب مین ایک سچا مذہب بھی ہے یعنی اسلام اور اس مذہب کے فرقون مین ایک فرقہ حقہ بھی ہے یعنی اہل سنت و جماعت۔ دیکھو شب قدر حق ہے لیکن وہ تمام راتون مین مخفی ہے اور خفا کا مقصود یہ ہے کہ جان راتون کا امتحان کرے اور پہچانے کہ کون سی رات شب قدر ہے اسی طرح حق سبحانہ نے حق کو باطل کے ساتھ مخلوط کردیا۔ کہ آدمی انمین سے حق کو پہچانکر اختیار کرے پس جسطرح نہ تو یہ ہے کہ تمام راتین شب قدر ہون اور نہ یہ ہے

کوئی رات بھی شب قدر نہو۔ یون ہی یہ بھی نہین کہ تمام عالم باطل پرست ہوا ور یہ بھی نہین کہ کوئی بھی حق پرست نہو نہین
بلکہ کچھ لوگ باطل پرست ہین اور کچھ حق پرست۔ پس یہ جسقدر دلق پوش اور مدعی حق پرستی ہین انمین ایک جماعت
واقعی حق پرست بھی ہے۔ لہذا تم جانچ لو اور جانچ کر جو سچا ہوا وسکو قبول کر لو۔ کہان ہے ہوشیار اور حق و باطل
مین تمیز کرنیوالا۔ جو بادشاہ اور گدا مین امتیاز کرے۔ اور اہل اللہ کو مدعیون سے ممتاز کرکے اہل اللہ کا دامن
پکڑ لے۔ کاش کوئی ایسا ہو کہ تمیز کرے کیونکہ اس تمیز کی ضرورت ہر دو اسلئے کہ یہ لوگ مدعیون مین مخلوط ہین۔
اور خلط کی ضرورت اسلئے ہے کہ قوت ممیزہ کی ضرورت اور اسکا شرف ظاہر ہو۔ کیونکہ اگر دنیا مین تمام معیوبات ہی
ہون تب تو تمام احمق تاجر بنجائین اسلئے کہ اسوقت مال کو سمجھنا اور اسکا عیب پہچاننا بالکل ہی آسان ہو اور جبکہ عیب ہی
نہو تو اہل و نا اہل سب برابر ہو جاین نہ کوئی اہل ہو نہ دوسرا نا اہل نیز اگر سب عیب ہی ہو اور ہنر کا وجود ہی نہ ہو تو
عقل بے سود ہے کیونکہ جب سب لکڑیان ہی ہین تو عود موجود ہی نہین کہ اوس کو دانش و عقل کے ذریعہ سے لکڑیون
مین سے ممتاز کیا جائے۔ اور عقل کا فائدہ ظاہر ہو۔ جب یہ ثابت ہو گیا کہ حق و باطل مخلوط ہین اسلئے اگر کوئی کہے
کہ سب حق ہی ہین وہ احمق ہے اور جو کہے کہ سب باطل ہی ہین وہ شقی و محروم ہے اور حق یہی ہے کہ اچھا اور برا مال
اور حق و باطل عالم مین دونون موجود ہین۔ اور اوسکی خرید و فروخت کرنے والے بھی دو قسم کے ہین ایک انبیا ہین جنھون نے
اپنی تجارت سے اچھے مال اور حق کو پہچانا۔ اور نفع اٹھایا دوسرے وہ ہین جنکو کھرے مال کے پہچاننے مین دھوکا ہوا
اور ظاہری حالت کو دیکھکر دھوکا کھا گئے۔ یہ لوگ نرے ہین اور خسارہ اٹھائینگے۔ اے ظاہر پرست دیکھ تجھے سانپ
مال دکھائی دیتا ہے۔ آنکھون کو مل اور غور سے دیکھ یہ مال نہین بلکہ مار ہے۔ تو اس ظاہری بیع و منفعت کے رشک
کو چھوڑ بلکہ فرعون و ثمود کے خسران کو دیکھ کہ انکے لیے اس بیع و منفعت کا کیا نتیجہ ہوا۔

مذاہب مختلفہ مین متردد ہونا اور اون سے باہر ہونا اور خلاصی پانا

شرح شبیری۔ فلسفی الخ یعنی فلسفی تو دوسری طرح شرح کرتا ہی اور ایک بحث کرنے والا اوسکے کہنے مین جرح کرتا ہے۔ باحث
سے مراد متکلم ہے۔ مطلب یہ ہے کہ دیکھو فلاسفہ جو حق تعالے کی صفت کرتے ہین تو وہ حق تعالے کی صفات کا
بالکل ہی انکار کرتا ہے اور ذات بحت کا قائل ہے کہ اوسمین کوئی شریک نہین حتے کہ صفات بھی نہین
متکلمین یہ کہتے ہین کہ نہین تم غلط کہتے ہو بلکہ صفات ثابت ہین مگر وہ بعض صفات کو ثابت کرتے ہین اور بعض مین
تاویل کرتے ہین مثلاً ید وجہ وغیرہ مین وہ تاویل کرتے ہین تو جسمین کہ وہ تاویل کرتے ہین ادنکا گویا انکار کر رہے
ہین تو دیکھو متکلمین فلاسفہ کے خلاف ہو گئے۔

وان الخ۔ یعنی وہ دوسرا دونون مین طعنہ کر رہا ہے۔ اور وہ دوسرا کرکے حیلہ سے جانکنی کر رہا ہے۔ مصرعہ اول کے
وان دگر سے مراد صوفیہ ہین۔ بلکہ بعض نسخون مین صوفیان در ہر دو طعنہ الخ ہے۔ اور مصرعہ ثانی کے وان دگر سے مراد
عوام ہین۔ مطلب یہ ہے کہ صوفیہ کرام کا مسلک اون سب سے الگ ہے۔ نہ متکلمین کے موافق نہ فلاسفہ کے
اسلئے کہ یہ حضرات کل صفات کو ثابت کرتے ہین۔ ہان یہ کہتے ہین کہ ہمین اونکی کیفیت معلوم نہین ہے۔ اور
عوام ان سب سے الگ ہین وہ اس لاعلمی مین اور جہل ہی مین مبتلا ہو کر مصیبت اٹھا رہے ہین تو دیکھو

سب کے سب الگ نشانیان بتا رہے ہین مگر انہین سے حق ایک ہی ہے اور وہ وہ مسلک ہے جو سلف صالحین کا تھا اور اوس مسلک پر اون چار ون مین سے صوفیہ ہین۔ لهذا اول تو مولانا کا خود صوفیہ مین داخل ہونا ہی اس کی کافی دلیل ہے کہ مولانا کے نزدیک مسلک صوفیہ حق ہے مگر مولانا نے الفاظ سے بھی ظاہر فرمایا کہ فلسفی کا مذہب بیان فرما کر متکلم کو اوس مین جارح ٹھیرایا۔ اور ان دونون مین صوفیہ کو طاعن کہا اور عوام کو جان کنی مین مگر صوفیہ پر کوئی طعن نہین کیا جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہی مذہب صوب اور حق ہے مولانا کے نزدیک۔
ہر یکے الخ۔ یعنی ہر ایک اوس راہ کے اس لئے پتے دے رہے ہین تا کہ گمان ہو کہ یہ سب اوس جگہ کے ہین
این الخ۔ یعنی یہ حقیقت جان لو کہ نہ تو (علی الاطلاق) یہ سارے حق ہین اور نہ (علی الاطلاق) سارے گمراہ ہین۔ بلکہ اس باطل مین بھی کچھ حق ہے اسلیے کہ غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جسقدر ضلالتین ہین اول سب کی مناشی اول بالکل درست ہوتے ہین اوس کے بعد خرابیان واقع ہو جاتی ہین۔ ان فرق مین ہی جو اوپر گذرے ہین دیکھ لو کہ ایک تو فلاسفہ ہین اور ایک متکلمین اور دونون صفات کے منکر ہین ایک کل کے اور دوسرے بعض کے۔ مگر اصل منشا اسکا توحید ہے کہ غلبۂ توحید مین ان لوگون نے یہ سمجھکر کہ صفات بھی غیر ہین انکا بھی انکار کر دیا تو اب یہ گمراہی ہو گئی مگر اصل مین یہ حق اور ہدایت ہی تھی اگر اپنے درجہ پر رہتی۔ تو معلوم ہوا کہ ہر ایک باطل کے ساتھ حق ضرور ہوتا ہے۔ ورنہ وہ باطل حق کی صورت مین رواج پا نہین سکتا۔ باطل بصورت حق تو جب ہی رواج پاوے گا۔ جبکہ اوس کے اندر بھی کچھ شائبہ حق کا ہو۔ اوسکی مثال آگے مولانا بہت سی فرماوینگے ان مین سے ایک یہان سمجھ لو۔ کہ دیکھو چاندی کھوٹی جو ہوتی ہے اوسکو جب بازار مین چلاتے ہین تو کیا کہکر یہ کہکر کہ یہ چاندی ہے اب جو بیوقوف ہے وہ اوس ساری کو چاندی سمجھ لیتا ہے اور جو سمجھدار ہوتا ہے وہ چاندی کو الگ اور کھوٹ کو الگ کر دیتا ہے مگر جو چاندی اسکے اندر بالکل نہوتی تو اوس شخص کی ہمت یہ نہ پڑتی کہ وہ یہ کہہ سکتا کہ یہ چاندی ہے اوسکی ہمت تو جب ہی ہوئی کہ جب اوسنے دیکھ لیا کہ اسمین چاندی بھی ہے۔ شاید میرا یہ کہنا چل جاوے اسی طرح اگر باطل کا منشا ربھی حق نہوتا اور وہ از سرتا پا باطل ہی باطل ہوتا تو پھر مبطلین کو یہ کہنے کی ہمت ہی نہوتی۔ کہ یہ حق ہے اونکا اوس کو بصورت حق رواج دینا اسکی دلیل ہے کہ اوسکے اندر بھی حق ہے ہان یہ ضرور ہے کہ حق و باطل کو متمیز کیا جاوے مگر یہ کل نہ بالکلیہ حق ہین نہ بالکلیہ گمراہ ہین اور یہ ظاہر بات ہے جو مذہب کہ حق ہو وہ تو بالکلیہ حق ہو جیسا کہ سلف صالحین کا۔ مگر بحث اس مین ہے کہ جو باطل ہین اونمین بھی حق ہو یا نہین تو ثابت ہو گیا کہ اون مین بھی حق ہو آگے اسی مضمون کو مع امثلہ و نظائر کے خود مولانا فرماتے ہین کہ۔
زانکہ الخ۔ یعنی اس لیے کہ بے حق کے کوئی باطل ظاہر نہین ہوتا۔ کھوٹے کو بیوقوف سونے کی بو سے خرید لیتا ہے۔ یہ دلیل انی ہے لمی نہین ہے ایک علامت کی طرح سے فرماتے ہین کہ دیکھو جہان کہین باطل ہے کچھ نہ کچھ حق ضرور ہے اور اسکی ایسی مثال ہے کہ جو بیوقوف ہے وہ چاندی کے ساتھ تو کھوٹ کو اسی قیمت سے خرید لیگا۔ اور اگر بالکل کھوٹ ہو تو اوس کو تو چاندی کے بھاؤ مین کوئی اندھا ہی خرید لے ورنہ ہرگز خرید نہین سکتا۔ آگے فرماتے ہین کہ۔
گر نبودی الخ۔ یعنی اگر جہان مین کھرا چلتا ہوا نہوتا تو کھوٹے کو کب کوئی چلا سکتا۔

تا نباشد الخ یعنی جہان مین جب تک سچ نہو تو جھوٹ کب ہوسکتا ہے وہ جھوٹ تو سچ ہی سے فروغ پاتا ہے۔ کہ کچھ جھوٹ اور کچھ سچ ملا کر بیان کیا دوسرے کو دہوکا ہوگیا کہ شاید کل صدق ہے۔

بر امید الخ یعنی صدق کی امید پر سچ کو خرید لیتے ہین اور زہر جب قند مین ملجاتا ہے اسوقت کھا لیتے ہین۔ ورنہ اگر زہر ہی زہر ہو تو ہرگز کوئی بھی نہ کھاوے۔

گر نباشد الخ۔ یعنی اگر یہ خوش ذائقہ گیہون نہون تو گندم نما جو فروش آدمی کیا لیجاوے۔ اوسکو تو کچھ حاصل ہو ہی نہین سکتا۔ اسلئے کہ جب گندم ہے ہی نہین تو دکھاوے گا کیا۔ آگے تفریع فرماتے ہین۔

پس الخ۔ یعنی پس یہ مت کہو کہ سارے دین (بالکلیہ) باطل ہین کہ باطل لوگ بوے حق کیوجہ سے دل کو کھینچ رہے ہین۔ مطلب یہ ہے کہ چونکہ اصل فطرت سے تو سب طالب حق ہی ہین اسلئے چونکہ باطل مین شائبہ حق کا بھی ہوتا ہے۔ اسلئے اوسکی طرف دل کو کشش ہوتی ہے۔ ورنہ دل باطل کیطرف کیون کھنچتا۔ اور فرماتے ہین کہ۔

پس الخ۔ یعنی پس یہ مت کہو کہ سب خیال اور گمراہی ہی ہے اس لیے کہ عالم مین خیال بھی بے حقیقت نہین ہے مطلب یہ کہ دنیا مین کوئی خیال بھی ایسا نہین ہے کہ جس کی کوئی حقیقت نہو۔ اور جس کا کوئی صحیح منشاء نہو ہر خیال کا ضرور کوئی صحیح منشاء ہوتا ہے اوس کے بعد اوس مین گمراہی آجاتی ہے مگر اصل مین وہ درست ہی تھا آگے اور مثالین ہین

حق الخ۔ یعنی یقیناً شب قدر ان راتون ہی مین پوشیدہ ہے تاکہ انسان ہر رات کا امتحان کرے۔ مطلب یہ دیکھو حق تعالے نے شب قدر کو متعین نہین فرمایا بلکہ دائر سائر رکھا ہے اور اسمین یہ مصلحت ہے کہ جو شائقین ہین وہ اکثر راتون مین تلاش کرین گے اور بمقتضاے الاعمال بالنیات اون کو شب قدر ہی کا ثواب ملیگا۔ اس سے اون کے درجات بلند ہون گے تو جس طرح ان ساری راتون مین شب قدر ایک ہی ہے اسی طرح ان سارے مذاہب مین مذہب حق ایک ہی ہے مگر ہے ان ہی سب مین۔

نے ہمہ الخ۔ یعنی اے جوان نہ تو ساری راتین شب قدر ہوتی ہین اور نہ ساری راتین خالی ہوتی ہین۔ اسیطرح نہ تو سارے مذاہب مین حق ہوتا ہے اور نہ سارے مذاہب حق ہوتے ہین۔

در میان الخ یعنی ان گدڑی پوشون ہی مین ایک فقیر کامل بھی ہوتا ہے۔ تو تم امتحان کرلو اور جو کہ حق ہو اوس کو لے لو۔ اوپر تو مولانا نے اسکو بیان کیا تھا کہ کل طرق دین باطل ہین نہ کل حق ہین۔ لہذا ان سب مین سے حق کو متمیز کرو لیکن اس طریقہ پر عمل کرنے کے لیے کسی راہبر کی ضرورت ہوتی ہے لہذا یہان سے فرماتے ہین کہ دیکھو کامل بھی ان گدڑی پوشون ہی مین ہوتا ہے لہذا خذ ما صفا دع ما کدر جو کامل ہے اوس کا اتباع کرو اور جو ناقص ہین اون کو الگ کرو اور ان سے قطع تعلق کردو۔

مومن الخ یعنی مومن دانا کہان ہے جو کہ بادشاہ کو فقیر سے ممیز کرکے جان لے اور فرماتے ہین کہ۔

گر نہ الخ۔ یعنی اگر معیوبات دنیا مین نہون تب تو سارے بیوقوف تاجر ہوجاوین۔

پس بود الخ۔ یعنی پھر تو اسباب شناسی بہت سہل ہوجاوے۔ کیونکہ جب کوئی عیب ہی نہین ہے تو پھر کیا نااہل اور کیا اہل

مطلب یہ کہ اگر دنیا مین عیب دار اشیا نہون تو پھر کیا ہر جو چاہے تاجر ہو اور جسکا دل چاہے مشتری ہو اسلیے کہ اب بوجہ
اشیا کے برے بھلے ہونیکے ہی تو دو فرقے ہو رہے ہین کہ بعض اسکے تاجر ہین اور بعض اوسکے ورنہ پھر تو سب اچھی
ہی چیزین ہون اور خریداری بہت آسان ہو جاوے۔ معلوم ہوا کہ اچھے کے ساتھ برا اور حق کے ساتھ باطل ملا ہوا
ہے یہ تو اسوقت ہی کہ جب عیب ہو ہی نہین۔

در ہمہ الخ۔ یعنی اگر کل عیب ہی عیب ہو تو پھر دانش کا کچھ فائدہ نہین اسلیے کہ سب لکڑی ہی لکڑی ہے عود
ہے ہی نہین۔

آنکہ الخ۔ یعنی جو کوئی سب کو حق کہے وہ احمق ہے اور جو کہ سب کو باطل کہے وہ بدبخت ہے غرضکہ نہ تو بالکلیہ حق ہی
اور نہ بالکلیہ باطل ہے۔ جیسا کہ اوپر بیان ہوا۔

تاجران الخ۔ یعنی انبیا علیہم السلام کے تاجرون نے تو نفع حاصل کیا اور رنگ و بو ظاہری کے تاجر کور و کبود ہین۔

می نماید الخ۔ یعنی سانپ تیری نگاہ مین مال معلوم ہو رہا ہے تو ذرا اپنی ان دونون آنکھون کو اچھی طرح مل تو۔ تاکہ صاف
دکھائی دینے لگے مطلب یہ کہ چشم قلب کو کھولو اور اوس سے حقیقت بینی حاصل کرو۔

منگر الخ۔ یعنی اس بیع و شرا کے رشک کو مت دیکھو بلکہ فرعون و ثمود کے خسران کو دیکھو مطلب یہ کہ اس مال و متاع
کو دیکھکر اور دنیا کی آب و تاب کو دیکھکر اسیر فریفتہ مت ہوا اور دنیا دارون کو دیکھکر رشک مت کرو اسلیے کہ یہ تو دیکھ
کہ جو مال والے ہین اون کا کیا انجام ہوا۔ دیکھو فرعون کسقدر صاحب مال و صاحب قوت ظاہری
تھا مگر جو اوس کا انجام ہوا وہ ظاہر ہے۔ اسی طرح اور اقوام کو دیکھ لو کہ اون کا انجام خسران اور ہلاکت
ہی ہوا آگے بھی یہی مضمون ہے کہ ہر شئے کی حقیقت پر نظر کرنا چاہیئے۔ صرف اوس کے ظاہر کو نہ دیکھنا
چاہیئے۔ فرماتے ہین کہ۔

شرح حبیبی

اندرین گردون مکرر کن نظر ‎ ‎ زانکہ حق فرمود ثم ارجع بصر
یک نظر قانع مشو زین سقف نور ‎ ‎ بارہا بنگر ببین ہل من فطور
چونکہ گفتت کاندرین سقف نکو ‎ ‎ بارہا بنگر چو مرد عیب جو
پس زمین تیرہ را دانی کہ چند ‎ ‎ دیدن و تمییز باشد در پسند
تا بپالاییم صافان از کدر ‎ ‎ چند باید عقل ما را رنج برد
امتحانہاے زمستان و خزان ‎ ‎ تاب تابستان بہار ہمچو جان
بادہا و ابرہا و برقہا ‎ ‎ تا پدید آرد عوضہا فرقہا
تا پدید آرد زمین خاک رنگ ‎ ‎ ہرچہ اندر جیب دارد لعل و سنگ

هرچه دزدیدست این خاک دژم / از خزانهٔ حق و دریای کرم
شحنهٔ تقدیر گوید راست گو / آنچه بردی شرح واده مو بمو
دزد یعنی خاک گوید هیچ هیچ / شحنه او را در کشد در پیچ پیچ
شحنه گاهش لطف گوید چون شکر / که برآویزد کند هرچه بتر
تا میان قهر و لطف آن خفیها / ظاهر آید ز آتش خوف و رجا
آن بهاران لطف و شحنهٔ کبریاست / وان خزان تهدید و تخویف خداست
وان زمستان چار میخ معنوی / تا تو ای دزد خفی ظاهر شوی

یہان سے مولانا تمیز بین الحق والباطل کی ضرورت کو بیان کرتے ہین اور فرماتے ہین کہ حق سبحانہ نے فرمایا ہو فارجع البصر هل تری من فطور۔ ثم ارجع البصر کرتین یعنی آسمان کو دیکھو اور دیکھو کہ کیا اسمین کوئی رخنہ نظر آتا ہے۔ اور صرف ایک ہی نظر پر قناعت نکرو۔ بلکہ بار بار دیکھو۔ اور یون دیکھو جیسے کوئی عیب کو تلاش کرتا ہے۔ تاکہ تمکو ہماری صنعت کا استحکام نظر آئے۔ اب تم اس سے نتیجہ نکال سکتے ہو کہ جب حق سبحانہ اپنی حکمت وقدرت کے اعتراف کے لیے حکم دیتے ہین آسمان کو بنظر عیب جوئی دیکھنے کا۔ حالانکہ وہان کوئی عیب ہی نہین تو اوسکی مرضیات ونامرضیات کے معلوم کرنے کے لیئے زمین کو بنظر عیب جوئی دیکھنا جہان عیوب وسئیات واقع مین موجود ہین کیا کچھ پسند نہوگا۔ اور جبکہ یہان حق وباطل مخلوط ہین تو حق کو باطل سے جدا کرنے کے لیے ہماری عقل کو کسقدر زحمت اٹھانیکی ضرورت ہے۔ یہان تک مولانا نے عالم مین نیک وبد کے مخلوط ہونے اور انکی تمیز کی ضرورت کو بیان کیا تھا۔ یہان سے اشخاص مین صفات نیک وبد کے اختلاط اور اوسکی تمیز کی ضرورت بیان کرتے ہین اور فرماتے ہین کہ تکوینیات مین قانون خداوندی یون واقع ہے کہ وہ امتحانات جو موسم سرما۔ موسم خزان موسم گرما کی تپش موسم بہار۔ ہوا ؤن۔ ابر وبرق سے کیئے جاتے ہین وہ اسلیے ہین کہ انکے آثار سے اشیار مین امتیاز ہو اور زمین مین جو کچھ لعل اور پتھر مستور ہین اور جو کچھ اسنے حق سبحانہ کے خزانہ سے چرایا ہے وہ نکل آئے۔ شحنہ تقدیر الٰہی کہتا ہے کہ سچ سچ کہدے اور جو کچھ تو نے حق سبحانہ کے خزانہ سے چرایا ہے صاف صاف بتا دے۔ یہ چور زمین کہتی ہے کہ مین نے کچھ بھی نہین لیا۔ اب کوتوال اوس کو شکنجہ مین پھانستا ہے کبھی میٹھی میٹھی باتین کرتا ہے اور کبھی اولٹا لٹکاتا ہے۔ اور بری سے بری گت بناتا ہے تاکہ لطف وقہر نرمی وسختی ملکر آتش خوف وآب رجا کے سبب پوشیدہ چیزین ظاہر ہو جائین۔ اب سمجھو کہ شحنہ سے مراد حق سبحانہ ہین۔ اور لطف سے مراد بہار۔ اور ڈرانے دھمکانے سے خزان شکنجہ سے جاڑا اور مقصود یہ ہے کہ چور کا چور ہونا ظاہر ہو جاوے اور اوس کے پاس سے مال برآمد ہو جائے۔

پس مجاهد را زمانی بسط دل / یکزمانی قبض و درد و غش و غل
زانکه این آب و گلی کابدان ماست / منکر و دزد ضیای جانهاست
حق تعالی گرم و سرد و رنج و درد / بر تن ما مینهد ای شیرمرد

خوف و جوع و نقص اموال و بدن	جملہ بہر نقد جان ظاہر شدن
این وعید و وعدہا انگیختہ است	بہر این کہ نیک و بد آمیختہ است

جب مضمون بالا سن چکے تو اب سمجھو کہ مجاہد کو جو دو حالتین پیش آتی ہین یعنی کبھی بسط ہوتا ہے اور کبھی قبض اور تکلیف اور کھوٹ اور نقصان اس کی وجہ یہ ہے کہ ہمارا جسم عنصری ہماری جانون کی روشنی چرائے ہوئے اور استعداد فطری کو دبائے ہوئے ہے اور چوری سے انکار کرتا ہے لہذا حق سبحانہ اجسام کو تکالیف مین مبتلا کرتے ہین اور طرح طرح کی زحمتون مین گرفتار کرتے ہین۔ کبھی خوف طاری کرتے ہین کبھی بھوکا رکھتے ہین کبھی امراض جسمانیہ مین مبتلا کرتے ہین اور کبھی اموال مین نقصان کرتے ہین۔ یہ سب اسلئے ہے کہ جو مال اسنے جان کا چورایا ہے وہ برآمد ہو جاوے اور یہ جو وعدہ و وعید اس نے کئے ہین یہ سب اسلئے ہین کہ نیک و بد مخلوط ہین۔ انمین امتیاز ہو جاوے۔ یہ تو حق تعالیٰ نے اپنے بندون پر فضل و احسان کے لیے اپنی طرف سے سامان کیا ہے اس مال کے برآمد ہونیکا۔ ایک تدبیر اور ہے جو بندون کی اختیاری ہے اوس کو ہم آگے بیان کرتے ہین۔

چونکہ حق و باطلے آمیختند	نقد و قلب اندر چرمدان ریختند
پس محک می بایدش بگزیدۂ	در حقائق امتحانہا دیدۂ
تا شود فاروق این تزویرہا	تا بود دستور این تدبیرہا

جبکہ تمکو معلوم ہے کہ حق و باطل مخلوط ہین اور کھوٹے کھرے سکے سب ایک ہی تھیلی مین بھرے ہوئے ہین۔ تو کھوٹے کھرے کی پہچان کے لیے ضرورت ہے ایک کسوٹی کی جو اعلیٰ درجہ کی۔ اور جو بہت سے امتحانات مین پاس ہو چکی ہو یعنی شیخ کامل کی تاکہ وہ ان تلبیسات کو بالکل الگ کردے۔ اور تاکہ وہ تمہاری تدابیر کا وزیر اعظم بنجاوے کہ جو کچھ تم تدبیر کرو اوس کے حکم سے اور اسکی ماتحتی مین کرو غرض تمیز حق و باطل کیلیے یہ امر یعنی شیخ کامل کو تلاش کرنا اور اسکی رایے پر عمل کرنا اختیاری ہین۔

شیر دہ اے مادر موسیٰ ورا	واندر آب افگن میندیش از بلا
ہر کہ در روز الست آن شیر خورد	ہمچو موسیٰ شیر را تمییز کرد
گر تو بر تمییز طفلت مولعی	این زمان یا ام موسیٰ ارضعی
تا بہ بیند طعم شیر مادرش	تا فرو ناید بدایہ بد سرش
خود بر تو این حکایت روشن است	کہ غرض زین این حکایت گفتن است

یہ مضمون کبھی تتمہ ہے مضمون ماسبق کا فرماتے ہین کہ اے سالک جسطرح موسیٰ علیہ السلام کی مان نے انکو دودھ پلا کر صندوق مین بند کر کے دریا مین ڈالدیا تھا۔ اور اس دودھ کے سبب فرعون کے یہان انھون نے اپنی مان کے سوا کسیکا دودھ نہین پیا تھا۔ یون ہی تو بھی ابتدا ہی سے قبل اس کے کہ تو بری دایہ کا دودھ پیے یعنے نفس کی تعلیمات سے متاثر ہو اپنے دل کو معرفت حق سبحانہ کے دودھ کا ذائقہ چکھا کر دریا کے امتحان مین ڈالدے۔ اور یہ کچھ مشکل نہین کیونکہ تیرے روز الست مین ایک مرتبہ اوسکا ذائقہ چکھ لیا ہے تو اس شیر کو بہت جلد پہچان لے گا لمناسبۃ الاستعداد اور واسطۃ الذائقہ وقرب العہد پس اسوقت چکھانا فی الحقیقت یاد دلانا ہی اس امر کا جس سے ذہول

ہو گیا ہے لہذا اگر تجھے خواہش ہے کہ تیرے بچے کو برے بھلے دودھ مین تمیز حاصل ہو جاوے تو تو بہتر یہی اسکو شیر معرفت حق چکھاوے یعنی اوس چکھے ہوے کو یاد دلاوے تاکہ اوس دودھ کا مزہ چکھکر یعنی معرفت حق سے آشنا ہو کر کسی بری دایہ نفس و شیطان کی طرف منھ نہ بچاوے لیکن اگر تونے ابتداہی مین ایسا نہ کیا اور وہ اس بری دایہ کے دودھ سے آشنا ہو گیا۔ تو پھر زحمت ہوگی اور شیر روز الست کو یاد دلانا مشکل ہو گا۔ لبعد العہد و فساد الذائقہ و الاستعداد تجھے خود معلوم ہی کہ ہم کو موسے علیہ السلام کا قصہ بیان کرنا مقصود نہین بلکہ یہ عنوان ہے اوس مقصود کے ادا کا جسکو تو اوپر سن چکا ہے اسکو سن کر تجھکو نصیحت حاصل کرنی چاہیے واللہ اعلم۔

ہر چیز کا امتحان کرنا تاکہ وہ چیز جو اوسمین پوشیدہ ہی ظاہر ہو جاوے

شرح شبیری سا اندرین الخ۔ یعنی آسمان مین بار بار نظر کرو اسلئے کہ حق تعالے نے فرمایا ہے ثم ارجع البصر کرتین۔ یک نظر الخ۔ یعنی اس سقف نوین ایک ہی نظر پر قانع مت ہو بلکہ بار بار دیکھو اور دیکھو کہ اوسمین کوئی سوراخ ہے جیسا قرآن شریف مین حکم ہی ثم ارجع البصر ہل ترے من فطور۔

چونکہ الخ یعنی جبکہ حق تعالے نے فرمایا ہی کہ اس سقف نکو مین بار بار عیب جوینده کیطرح دیکھو۔

پس الخ۔ یعنی پس اس زمین تاریک کو تم کو معلوم ہے کہ کسقدر مرتبہ دیکھنا اور تمیز کرنا پسند حق ہوگا۔

تا بپالایم الخ۔ یعنی تاکہ ہم صاف کو دُردین سے صاف کر لین تو اس کے لیے ہماری عقل کو کسقدر محنت کی ضرورت ہے مطلب یہ کہ تاکہ ہم بھلے برے کو تمیز کرین تو اسلیے ہین ضرورت ہے کہ غور و فکر اور مجاہدات و ریاضات کرین تاکہ حقائق و معارف و علوم جو کہ استعداد فطری سے ہمارے اندر ہین ظاہر ہون۔ آگے ایک مثال ہی کہ دیکھو زمین جو کہ بہت سے خزانون کو اپنے اندر لیے ہوئے ہی جو علوم و معارف کی طرح ہین جب اوسپر سختیان ہوتی ہین یہ سکو اوگل دیتی ہے اور وہ سختیان یہ ہین کہ کبھی جاڑا ہے تو اوس کے اجزا اسکڑ گئے ہین اور کبھی گرمی ہے تو ساری زمین جل رہی ہے اور کبھی ہوا ہے تو کبھی ابر ہے غرضکہ مختلف طرح سے شحنہ تقدیر الٰہی اوسکو سزا دیتا ہے تو یہ ساری چیزون کو نکالکر پیش کر دیتی ہے جیسے کہ چور کہ کو توال کی سختی پر ساری چیزین بتا دیتا ہے تو اسی طرح اگر تم مجاہدہ و ریاضت کروگے تو تمھارے اندر جو علوم و معارف بھرے ہوے ہین وہ سب ظاہر ہو جاوین گے اور یہ نفس تمھارا اوس استعداد کو ظاہر ہونے سے ہرگز مانع نہوگا۔ یہ حاصل ہے۔ اس ساری شرح کا۔ اب سمجھو کہ فرماتے ہین کہ۔

امتحانہاے الخ۔ یعنی جاڑے کے امتحانات اور خزان کے اور گرمی کی تابش اور بہار جو کہ جان کیطرح ہی۔ بادہا و الخ۔ یعنی ہوائین اور ابر اور بجلیان (یہ ساری مختلف عقوبتین اس لئے ہین) تاکہ اپنے حوادثات کو ظاہر کر دے اور اس لیے ہین کہ۔

تا برون الخ۔ یعنی تاکہ یہ زمین خاکی جو کچھ کہ باطن مین لعل و سنگ سے رکھتی ہے باہر نکال دے۔ لعل و سنگ سے مراد یہ سبزہ وغیرہ ہے مطلب یہی کہ ساری باتین اس لیے ہین کہ تاکہ اپنے مضمرات انون کو

نکال ڈالے چونکہ اس زمین کو چور سے تشبیہ دیکر اسکے لیے ان تغیرات کو سزا مین ثابت کیا ہے لہذا آگے تقدیر الٰہی کو کوتوال سے تشبیہ دین گے اور اس کے عدم اظہار سبزہ وغیرہ کو چوری سے تشبیہ دیتے ہین فرماتے ہین کہ۔

ہر چہ الخ۔ یعنی اس خاک افسردہ نے جو کچھ کہ خزانۂ حق اور دریائے کرم سے چرایا ہے (اُس کے لیئے)

شحنۂ الخ۔ یعنی شحنۂ تقدیر کہتا ہے کہ سچ بتا جو کچھ کہ تو لیگئی ہے اوس کی تفصیل بتا اے حیلہ جو۔

دزد۔ الخ۔ یعنی چور یعنی خاک کہتی ہے کہ کچھ نہین کچھ نہین تو شحنۂ تقدیر اوسکو شکنجون مین کھینچتا ہے۔

شحنہ الخ یعنی کوتوال کبھی تو اوس سے شکر کی طرح مہربانی کرتا ہے (مثلاً کہتا ہے کہ بتا دے چھوڑ دین گے) اور کبھی اوسکو لٹکا دیتا ہے اور بدتر سے بدتر حال کرتا ہے۔

تا میان الخ۔ یعنی تاکہ قہر و لطف کے درمیان وہ پوشیدہ چیزین آتش خوف و رجا سے ظاہر ہو جاوین سو جبکہ وہ خوب تدبیرین کرتا ہے آگے اس شحنہ کی عقوبات وغیرہ کو منطبق کرینگے۔ فرماتے ہین کہ۔

آن الخ۔ یعنی وہ بہار کوتوال حق کی مہربانی ہے اور خزان تہدید اور تخویف ہے حق تعالے کی جیسے وہان شحنہ کبھی لطف اور کبھی قہر کرتا ہے اسی طرح یہان زمین پر کبھی لطف بہار ہے اور کبھی قہر خزان ہے۔

وان الخ۔ یعنی وہ جاڑا چار میخ معنوی ہے تاکہ تو اے پوشیدہ چور ظاہر ہو جاوے۔ چونکہ جاڑے مین ہر شے سکڑتی ہے زمین کے اجزا بھی سکڑتے ہین اس سکڑنے کو چار میخ سے تشبیہ دی اور معنوی اس لئے کہا کہ یہ حسی تو ہے نہین تو کہتے ہین کہ جاڑا شکنجہ ہے کہ اس زمین کو اس شکنجہ مین کھینچا جاتا ہے۔ آگے اس ساری تشبیہات کو حالت سالک پر منطبق فرماتے ہین کہ۔

پس الخ یعنی پھر مجاہد کو کبھی تو بسط دل ہوتا ہے (جو کہ مشابہ بہار کے ہے) اور کبھی قبض اور گھٹن اور درد اور گھوٹ ہے جو کہ مشابہ خزان کے ہے۔ آگے سالک پر ان احوال مختلفہ کے طیران کی وجہ فرماتے ہین کہ۔

زانکہ الخ۔ یعنی یہ اسلیے کہ یہ آب و گل جو ہمارے بدن مین ہماری جان کی ضیا اور نور کے منکر ہین۔ لہذا۔

حق تعالے الخ۔ یعنی حق تعالے اس گرم و سرد اور رنج و تکلیف کو ہمارے بدن پر رکھتے ہین اے شیر مرد اور

خوف الخ یعنے خوف اور بھوک اور نقص اموال اور بدن سب کے سب نقد جان کے ظاہر ہونیکے لئے ہے۔

این الخ۔ یعنے یہ وعید اور وعدے جو کہ حق تعالے نے اظہار کئے ہین اس نیک و بدی کے (ظہور کے) لئے ہین جسکو کہ ملا دیا ہے۔

چونکہ الخ۔ یعنی چونکہ لوگون نے حق و باطل کو ملا دیا ہے کھوٹے کھرے کو ایک ہی برتن مین ڈال رکھا ہے۔

پس محک الخ یعنی پس اوسکے لئے ایک کسوٹی چاہئے عمدہ جو کہ حقایق مین امتحانات کو دیکھے ہوئے ہو۔ اور یہان تک تو تعلیم تھی کہ خود مجاہدہ کرو اور اس سے علوم و فنون کو حاصل کرو اس شعر سے تعلیم ہے اتباع شیخ کامل کی کہ اول مجاہدہ و ریاضت کرو اون کے پرکھنے کو کہ آیا درست ہین یا گمراہ کنندہ ہین ایک کسوٹی یعنی شیخ کامل کی ضرورت ہے کہ جو بتا دے سکہ اب یہ اچھی ہے اور یہ حالت بری ہے۔ لہذا اول تو اوس نفس کی سرزنش کرے اور اس کے درست اور غیر درست ہونے کے لئے شیخ کامل کی تلاش کرے۔ جب اُس کو تلاش کر لیا تو اوس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ

تمکو سیدہا رستہ بتادیگا اور دوسرے رستہ سے ہٹا دیگا دونون کو تمیز کردے گا اسی کو فرماتے ہین کہ۔
تا شود الخ۔ یعنی تاکہ ان جالون کا تمیز کرنے والا ہو اور تاکہ ان تدابیر کے پیے درپے بجا دے یعنی شیخ کامل ان شیطان کے جالون سے راہ حق کو تمیز کردے اور ان ساری تدابیر وصول مین سے ایک تدبیر کو سوچ کر اوسکو عمل مین لاوے آگے مولانا اس امر کو بیان فرماتے ہین کہ شیخ کامل کے لیے ضرورت ہے پہچان کی تو وہ فطرت سلیمہ ہوتی ہے وہ توجہ کہ حق تعالے کے ہان اوس مزہ کو چکہ چکا ہے جس کے پاس اوسکو دیکھے گا فوراً اوسکو قبول کرے گا۔ مگر مولانا اوس کو ایک مثال مین بیان فرماتے ہین حاصل اوس کا یہ ہے کہ دیکھو موسے علیہ السلام کی والدہ کو الہام ہوا تھا کہ تم انکو دودہ پلادو اور اوس کے بعد جب خوف ہو تو دریا مین ڈالدینا چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اوس کا یہ انجام ہوا کہ حضرت موسے علیہ السلام نے کسی دایہ کا دودہ منہ مین نہ لیا۔ اس لیے کہ وہ اپنی والدہ کے دودہ کا مزہ چکہ چکے تھے اور جب اون کی والدہ نے دودہ دیا تو اوس کو فوراً پینے لگے اور پہچان گئے کہ یہ وہی دودہ ہے۔
اسی طرح جسنے کہ روز ازل مین اسکا مزہ چکہہ لیا ہے وہ تو فوراً ہی پہچان لے گا۔ لہذا اپنی اس استعداد سلیمہ کو معاصی سے برباد مت کرو کہ اسی کے ذریعہ سے شناخت مرد کامل کی ہوگی۔ اور اسکو صیغہ امر سے تعبیر فرماتے ہین کہ۔
شیر دہ الخ۔ یعنی اے مادر موسے علیہ السلام تم اون کو دودہ پلادو اونکو پانی مین ڈالدو اور بلا سے مت ڈرو۔ جیسا کہ قرآن شریف مین ہے واذ اوحینا الی ام موسے ان ارضعیہ فاذا خفت علیہ فالقیہ فی الیم ولا تخافی ولا تحزنی انا رادوہ
ایک الخ۔ تو جسطرح کہ اونکو حکم ہوا تھا اسی لیے کہ تاکہ اون کو اوسکے مزہ کی پہچان ہوجاوے۔ اسی طرح جسکو وہان شناخت ہوچکی ہے وہ فوراً پہچان لیتا ہے۔
ہر کہ الخ۔ یعنی جس کسی نے کہ روز الست مین وہ دودہ کہا لیا۔ اوس نے موسے علیہ السلام کی طرح دودہ کو شناخت کرلیا۔ مطلب یہ کہ جسنے کہ یہ چاشنی وہان چکہ لی وہ جسکے پاس وہ شے دیکھے گا فوراً معلوم کرلے گا۔ کہ وہی ہے۔
خود الخ۔ یعنی تجہیر خود یہ بات ظاہر ہے کہ ہماری غرض اس سے حکایت کا بیان کرنا مقصود نہین ہے۔ چونکہ اوپر موسے علیہ السلام کا تذکرہ تہا تو شاید سامع کو شوق ہو کہ اب حکایت موسے علیہ السلام کی بیان فرماوینگے اسلیئے فرماتے ہین کہ تمہین معلوم ہے کہ ہم کو مقصود یہ نہین کہ ہم حکایات کو بیان کرین بلکہ مقصود اس سے اخذ نتیجہ ہے تاہم لہذا اس کے منتظر مت ہو کہ ہم حکایت موسے علیہ السلام کی بیان کرین گے بلکہ چونکہ ہمارا مطلب صرف اتنی بات سے بہی نکل آیا لہذا آگے بیان کرنے کی ہمکو ضرورت ہی نہین ہے۔ آگے فرماتے ہین کہ۔
گر تو الخ۔ یعنی اگر تو اپنے بچہ کے پہچان کی حریص ہو تو اے ام موسے اسوقت دودہ پلادو۔ مطلب یہ ہے کہ اے ام موسے اگر تمہارا دل یہ چاہتا ہے کہ تمہارا بچہ یعنی موسے علیہ السلام تمہارے دودہ کو پہچان لین تو اسوقت دودہ پلادو پھر جب وقت آوے گا فوراً پہچان لینگے۔ اور مقصود مولانا کا یہ ہے کہ اے سالک اگر تم چاہتے ہو کہ تمہارا نفس حق کو پہچانے نفس وشیطان سے بچا رہے تو اس دنیا مین اوسکو مجاہدہ وریاضت کرکے اس کا مزہ چکہادو جب وہ حق کو پاویگا اوس کو قبول کرے گا۔ اور دوسرون سے اعراض کریگا اوپر تو اسکا بیان تہا کہ جسکی استعداد درست ہوگی وہی حق کو قبول کرے گا۔ اور یہان سے اس کا بیان ہے کہ تم مجاہدات وریاضات مین اپنے قلب کی شناسند

حق بنالو۔ تو وہ فوراً حق کو قبول کرے گا۔

تا بہ الخ۔ یعنی تاکہ وہ اپنی ماں کے دودھ کا مزہ چکھ لے۔ اور تاکہ کسی بری دایہ کے سامنے اوس کا سر نہ جھک جاوے۔ مطلب یہ کہ اوسکو طعم حق چکھا دو تاکہ اوس کو تو قبول کرے اور نفس و شیطان کے پھندے میں نہ پھنسے جسطرح موسےٰ علیہ السلام اور دلیوں کے دودھ نہ پیتے تھے آگے پھر اوس قصۂ شتر گم کردہ کو پورا ابھی کرتے ہیں اور اس کے فائدے بھی بیان کرتے ہیں۔

شرح حبیبی

اشترے گم کردۂ اے معتمد
ہر کس از اشتر نشانت می دہد

تو ہمیدانی کہ آن اشتر کجاست
لیک دانی کاین نشانہا خطاست

وانکہ اشتر گم نکرد او از مرے
ہمچو آن گم کردہ جوید اشترے

کہ بلے من ہم شتر گم کردہ ام
ہر کہ یابد اجرتش آوردہ ام

تا بدر اشتر با تو انبازی کند
بہر طمع اشتر این بازی کند

او نشان کژ نہ بشناسد ز راست
لیک گفتت آن مقلد را عصاست

ہرچہ را گوئی خطا بود آن نشان
او بتقلید تو مے گوید ہمان

چون نشان راست گویند و شبیہ
پس یقین گردد ترا لاریب فیہ

آن نشان جان رنجور رست شود
مظہر حس چو رنجورست شود

رنگ روے و قوت بازو شود
خلق و خلق تمیتو است صد تو شود

چشم تو روشن شود پایت دوان
جسم تو جان گردد جانت روان

پس بگوئی راست گفتی اے امین
این نشانہا بلاغ آمد مبین

فیہ آیات ثقات بینات
این براتے باشد و قدر و نجات

این نشان چون داد گوئی پیش رو
وقت آہنگ ست پیش آہنگ شو

پیروی تو کنم اے راست گو
بوئے بردی ز اشترم بنما کہ کو

پیش آنکس کہ نہ صاحب اشتریست
کو درین جست شتر ہمرہیست

این نشان راست نفزودش یقین
جز ز عکس ناقہ جوئے راستین

بوئی برد از جد و گرمیہاے او
کہ گزافہ نیست این ہیہاے او

اندرین اشتر نبودش حق ولے
اشترے گم کردہ است او ہم بلے

طمع ناقہ غیر رو پوشش شدہ
اشتر او گم شد فراموشش شدہ

ہرکجا او می دود این می دود
از طمع ہمدرد صاحب مے شود

کاذبے با صادقے چون شد روان
آن دروغش راستی شد ناگہان

اندران صحرا که آن اشتر شتافت ۔ اشتر خود نیز آن دیگر بیافت

چون بدیدش یاد آورد آن خویش ۔ بی طمع شد ز اشتران یار و خویش

آن مقلد شد محقق چون بدید ۔ اشتر خود را که آنجا می چرید

او طلبگار شتر آنگه گشت ۔ می نجستش تا ندید او را بدشت

بعد ازان تنها روی آغاز کرد ۔ چشم سوئے ناقهٔ خود باز کرد

گفت آن صادق مرا بگذاشتی ۔ تا بکنون پاس من میداشتی

گفت تا اکنون فسوسے بوده ام ۔ وز طمع در چاپلوسی بوده ام

این زمان همدرد تو گشتم که من ۔ در طلب از تو جدا گشتم بتن

از تو مے دزدیدمے وصف شتر ۔ جان من دید آن خود شد چشم پر

تا نیابیدم نبودم طالبش ۔ مس کنون مغلوب شد زر غالبش

سیئاتم شد همه طاعات شکر ۔ هزل شد فانی و جد اثبات شکر

سیئاتم چون وسیلت شد بحق ۔ پس مزن بر سیئاتم هیچ دق

مر ترا صدق تو طالب کرده بود ۔ مر مرا جد و طلب صدقے گشود

صدق تو آورد در جستن ترا ۔ جستنم آورد در صدقے مرا

تخم دولت در زمین میکاشتم ۔ سخرهٔ و بیگارے پنداشتم

آن نه بیگارے بد کسبے بد درست ۔ هر یکے دانه که کشتم صد برست

دزد سوئے خانهٔ شد زیردست ۔ چون در آمد دید کان خانهٔ خودست

گرم باش اے سرد تا گرمی رسد ۔ با درشتی ساز تا نرمی رسد

مولانا یہانسے پھر قصۂ اشتر کی طرف انتقال فرماتے ہین اور فرماتے ہین کہ تیرا اونٹ گم ہو گیا ہو اور ہر شخص تجھے اوس اونٹ کا پتا بتلا رہا ہے۔ گو تجھے یہ معلوم نہین کہ اونٹ کہان ہے۔ مگر اتنا جانتا ہے کہ یہ اسنے پتے سب غلط ہین ایک ایسا شخص بھی ہے جسکا اوسکے خیال مین کوئی اونٹ گم نہین ہوا۔ مگر اوسکی دیکھا دیکھی وہ اونٹ کو تلاش کرنے لگتا ہے اور کہتا ہے کہ ہان میرا بھی اونٹ کھو یا گیا ہے جو شخص پا تجگا مین اسکے لیے انعام لایا ہون۔ مین اُسے انعام دون گا۔ اُس کا مقصد اس مکاری سے یہ ہو کہ وہ بھی تمھارے اونٹ مین شریک ہو جاوے۔ اور دعوے کرے کہ یہ اونٹ میرا ہے یہ چال وہ محض طمع کی بنا پر کرتا ہے۔ فی الحقیقت نہ وہ جھوٹی نشانی کو جھوٹی جانتا ہے نہ سچی کو سچی محض تیرا بیان اوسکا سہارا ہے جو تو کہتا ہے وہ بھی وہی کہتا ہے جس نشان کو تو غلط کہتا ہو وہ بھی کہتا ہے کہ ہان میرے اونٹ کی یہ نشانی نہین۔ اور جب لوگ سچا پتا اور صحیح حلیہ بیان کرتے ہین تو اس سے تجھکو تو یقین ہو جاتا ہے اور اصلاً شک نہین رہتا اور اس سے تیری مبتلائے رنج جان کو شفا حاصل ہوتی ہے۔ اور تیرے حواس کو جو کہ محسوسات کے لیے بمنزلہ خزانچی کے ہین قوت و غلبہ حاصل ہوتا ہے اور تیرے منھ پر رونق آتی ہو

اور بازو مین قوت ہوتی ہے۔ جسم اور خصلت مین سو گونہ ترقی ہوتی ہے۔ آنکھو مین روشنی پیدا ہوتی ہے پاؤن مین
چستی آتی ہے جسم گویا کہ روح حیوانی بنجاتا ہے اور روح حیوانی روح انسانی ہوجاتی ہے۔ اور تو کہتا ہے کہ
تو نے بہت سچ کہا اور یہ نشانیان سراسر کامیابی ہے۔ تیرے اس بیان مین معتبر اور کھلی نشانیان ہین یہ
پروانہ ہے حصول مدعا کا اور قابل قدر اور باعث ہے رنج و تشویش سے رہائی کا۔ جب تو نے یہ پتا بتلایا ہے
تو چل آگے ہو یہ چلنے کا وقت ہے لہذا تو آگے آگے چل مین تیرے پیچھے پیچھے چلتا ہون۔ اس سینے کہ تو نے
میرے اونٹ کا نشان معلوم کرلیا ہے۔ اب مجھے چلکر دکھلا دے کہ کہان ہو۔ برخلاف اسکے جسکا اونٹ اوس
کے زعم مین گم نہین ہوا ہے اور جو محض دیکھا دیکھی اور بطمع اونٹ کو تلاش کرنے لگا ہو۔ اوس کو اس
نشان سے کچھ بھی یقین نہین بڑھتا۔ بجز اس کہ وہ سچے ناقہ جو کی نقل کرے اور جو آثار اوس کے اندر واقعی طور پر
پیدا ہوئے ہین اون کو یہ مصنوعی طور پر اور بہ تکلف اپنے اندر پیدا کرے۔ اور یہ سمجھکر کہ صادق کی خوشی
بیجا نہین ہو یہ بھی ویسی ہی کوشش اور جد و جہد شروع کرے۔ نیز گو اس اونٹنی مین انکا حق نہین تھا مگر حقیقت
مین اوس کا اونٹ بھی کھویا گیا تھا لہ گو ناقہ غیر کی طمع نے اوس کے منہ پر پردہ ڈال دیا تھا اور جو کچھ اوس کا
کھویا گیا تھا اوس کا اوسے خیال بھی نہین تھا مگر جہان وہ جاتا ہو یہ بھی جاتا ہے اور طمع سے اپنے ساتھی کا
شریک درد بنتا ہے یعنی اپنے کو بھی اسی مصیبت مین مبتلا کرتا ہے جسمین کہ وہ مبتلا ہے غرض جبکہ ایک جھوٹا
ایک سچے کے ساتھ چلتا ہے تو اچانک اوس کا جھوٹ سچ بنجاتا ہے۔ یعنی جس جنگل مین کہ اُس کا اونٹ تھا
اپنے اونٹ کو بھی وہین پاتا ہے جب اوسکو اونٹ ملتا ہو اسوقت اپنی ملک یاد آتی ہے اور اپنے ساتھی
کے اونٹ سے بے طمع ہو کر اپنے اونٹ کیطرف جاتا ہے اور وہ جو پہلے مقلد اور نقال تھا اب محقق ہوجاتا ہو
جبکہ اپنا اونٹ کو وہان چرتے دیکھتا ہے اور جبکہ اوسکو دیکھ لیتا ہے اوس وقت اوسی کا طلبگار بنتا ہے۔ اور
جب تک دیکھا نہین تھا اسوقت تک اسکا طلبگار نہین تھا۔ اس کے بعد وہ الگ چلنا شروع کرتا ہو۔ اور
اپنی اونٹنی کو مطمح نظر بناتا ہے۔ اسوقت یہ طالب صادق کہتا ہے کہ اب تک تو میرا لحاظ رکھتا تھا۔ اب تو نے
مجھے چھوڑ دیا۔ اُسوقت وہ جواب دیتا ہے کہ اسوقت تک مین بوالہوس تھا اور طمع سے تمھاری خوشامد
کرتا تھا اسوقت مین فی الواقع تمھارا شریک درد ہوا ہون۔ جبکہ تم سے طلب مین جُدا ہون اس سے
پہلے تو مین اونٹ کے اوصاف تم سے چُراتا تھا لہذا تمھاری تقلید کی ضرورت تھی۔ لیکن اب جبکہ مجھے اپنی ملک
ملگئی ہے تو اب مین سیر چشم ہوگیا ہون اور مجھے تم سے استغنا ہوگیا ہے۔ جب تک مین نے پایا نہ تھا اسوقت
تک مین اوسکا طالب نہ تھا اب تانبا مغلوب ہوگیا ہے اور سونا غالب۔ یعنے صدق غالب ہوگیا ہے۔ اور
کذب مغلوب۔ شکر ہے کہ میری تمام بُرائیان طمع وغیرہ طاعات بنگئین اور ہزل فنا ہو کر جد بنگئی سو میری بُرائیان
جبکہ موصل الی الحق ہوگئی ہین اب تم کو ان بُرائیون پر اعتراض اور طعن نہ چاہئے تمھارا تو صدق ذریعہ طلب بنا تھا
اور میری طلب آنصدق ہوئی ہے تم نے تو صدق کی بنا پر طلب شروع کی تھی اور میری طلب نے مجھے صدق تک
پہونچایا ہے۔ مین زمین مین دولت کا بیج بو رہا تھا مگر اسکو لغو اور بے سود سمجھتا تھا مگر وہ بیکار نہ تھا بلکہ واقع
مین کمائی تھی۔ جو دانہ مین نے بویا اس سے سو خوشے پائے۔ میری مثال ایسی ہوگئی جیسے کہ کوئی چور چھپکر کسی گھر مین

جاوے۔ اور بعد کو وہ اوسی کا گھر ثابت ہو۔ خلاصہ یہ کہ حق کے طالب اور واصل بحق دو قسم کے ہین بعض تو ایسے ہین جو کہ حق سبحانہ کو پہچانتے ہین۔ مگر اس تک پہونچنے کا طریق نہین جانتے اسلیے اون کو ایک ہادی کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور اس ہادی کے ذریعہ سے حق سبحانہ تک پہونچتے ہین اور بعض ایسے ہوتے ہین کہ وہ حق کو جانتے نہین مگر کسی غرض فاسد سے وہ طالب صادق کی شکل بناتے ہین اور راہ بر کے ساتھ چلتے ہین۔ جب وہ مطلوب تک پہونچ جاتے ہین اسوقت وہ طالب صادق بنتے ہین اور بجائے مقلد کے محقق بنجاتے ہین اسلیے کہ طلب کاذب بھی ہو مگر با قاعدہ ہو تب بھی آدمی محروم نہین رہتا۔ پس آدمی کو چاہیے کہ اگر طلب صادق بھی نہو تو کاذب ہی سہی طلب ہونی چاہیے۔ اور مجاہدات وریاضات کرنے چاہئین۔ تاکہ ایک روز آرام وآسائش حاصل ہو۔

آن دو اشتر نیست آن یک اشتر است	تنگ آمد لفظ معنی بس پرست
لفظ در معنی ہمیشہ نارسان	زان پیمبر گفت قد کل اللسان
نطق اصطرلاب باشد در حساب	چہ قدر داند ز چرخ و آفتاب
خاصہ چرخی کاین فلک زو پرہ ایست	آفتاب از آفتابش ذرہ ایست

اب ایک شبہ کا جواب دیتے ہین جو ظاہر تمثیل سے پیدا ہوتا ہے تقریر شبہ یہ ہے کہ آپ کی تمثیل سے معلوم ہوتا ہے کہ مطلوب دو ہین۔ کیونکہ تمثیل مین مشبہ بہ آپنے دو اونٹ بنائے ہین ایک وہ جو طالب صادق کا مطلوب ہے۔ دوسرا وہ جو طالب کاذب کا مطلوب ہے۔ حالانکہ مطلوب ایک ہے۔ تقریر جواب شبہ مذکور یہ ہے کہ مطلوب دو نہین ہین بلکہ مطلوب ایک ہی ہے معنی چونکہ کثیر ہین الفاظ مین سما نہین سکتے۔ اس لیے تعدد کا شبہ ہوتا ہے مگر ہم معذور ہین کیونکہ الفاظ ہمیشہ ناکافی ہوتے ہین ان سے پورا مدعا ظاہر ہوہی نہین سکتا۔ اسی لیے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے کل اللسان فرمایا ہے۔ یعنی عارف کی زبان کند ہو جاتی ہے وہ اپنے مافی الضمیر کو کما حقہ ادا نہین کرسکتا۔ پھر ہم کیا کرسکتے ہین جہانتک الفاظ مساعدت کرتے ہین ہم بیان کرتے ہین۔ نطق کو حقائق سے وہی نسبت سمجھنی چاہیے۔ جو اصطرلاب کو چرخ وآفتاب سے ہے پس جسطرح اصطرلاب چرخ وآفتاب کے اوصاف کما حقہ بیان نہین کرسکتے۔ یون ہی نطق بھی معارف کو کافی طور پر بیان نہین کرسکتا۔ بالخصوص اس سماء رفعت کی حالت جس کے سامنے یہ چرخ معروف ایک تنکا ہو اور وہ آفتاب حقیقی جسکے سامنے یہ آفتاب مشہور ایک ذرہ ہے اسکی حالت تو کما حقہ کیا ہی بیان کرسکتا ہے آگے پھر مسجد ضرار کے قصہ کی طرف انتقال فرماتے ہین اور فرماتے ہین۔

اونٹ تلاش کرنے والے کی حکایت کے فائدہ کی شرح

شرح شبیری۔ اشترے الخ یعنی اے معتمد تو نے ایک شتر گم کیا ہے اور لوگ تجھے اوسکی نشانیان بتارہے ہین۔

تو نمی دانی الخ یعنی تجھے اس کی تو خبر نہین کہ وہ شتر کہان ہے لیکن تو یہ جانتا ہے کہ ساری نشانیان غلط ہین اسلیے کہ وہ اونٹ تیرا دیکھا ہوا ہے۔ لہذا ان نشانہائے غلط کو تو سمجھ رہا ہے کہ ہان یہ غلط ہین اور تو اوس کی تلاش مین

لگا ہوا ہے اسی طرح حبکہ حق کی تلاش ہوتی ہے اور مختلف فرق کے لوگ مختلف باتین کہتے ہین۔ تو چونکہ استعداد فطری۔ اسکو مقتضی ہے کہ حق کو قبول کیا جاوے۔ لہذا ہرگز اس کے دل کو وہ اقوال باطل نہین لگتے۔ اگرچہ یہ بھی خبر نہ ہو کہ حق کہان ہو مگر یہ جانتا ہے کہ یہ سب غلط کہتے ہین یہ تو اس کی مثال ہے جو تلاش مین حق کے ہو آگے اوس شخص کی مثال فرماتے ہین جو کہ دیکھا دیکھی لوگون کی طلب حق کرتے ہین مگر اصل مقصود اونکا کچھ اور ہوتا ہے مثلاً یہ کہ بزرگون کی خدمتمین طلب کیلئے جاتے ہین ورشل طالب صادق کے خود بھی اعتقاد ظاہر کرتے ہین۔ مگر مطلب یہ ہوتا ہے کہ انکے ساتھ رہینگے دعوتین کھانے کو ملین گی یا خوب عزت وجاہ ہوگی کہ فلان حضرت کے خادم ہین تو جس کی کہ یہ فاسد نیت ہو ظاہر ہے کہ اوسکو طلب حق نہین ہے۔ لہذا اوس سے جو کوئی بھی کہے گا کہ حق یہ ہے اوسکو اصل کی تو خبر نہین ہے اسلئے کہ جب وہ طلب نہین کرتا۔ تو اوس کی استعداد بھی مخفی ہے پس وہ کہدیتا ہے کہ ہان یہی ہے غرض ایسے شخص کا اعتبار ہی کیا ہے جس کا دل چاہے اوس کو بہکالے۔ اب اس کی مثال سنو کہ فرماتے ہین کہ

وانکہ الخ۔ یعنی جسنے کہ شتر گم نہین کیا ہے تو وہ مقابلہ کے لیے اوس گم کردہ اشتر کی طرح ایک شتر کی تلاش مین ہے اور کہتا ہے کہ۔

کہ بلے۔ الخ۔ یعنی کہ ہان مین نے بھی ایک اونٹ کو گم کیا ہے اور جو کوئی اوسکو پاوے مین اوسکی اجرت لایا ہون غرضیکہ جو یہ گم کردہ اشتر کہتا ہے اوسی کو وہ دوہرا دیتا ہے اور یہ اسلیے کرتا ہے کہ۔

تا در الخ۔ یعنی تاکہ اونٹ مین تیرے ساتھ شرکت کرے۔ تو اونٹ کی طمع مین یہ بازی کر رہا ہے۔ جیسا کہ مین نے اوپر بیان کیا ہے کہ وہ اس لیے کہتا پھرتا ہے کہ مین بھی تلاش حق مین ہون تا کہ دعوتین وغیرہ خوب کھانے کو ملین۔ غرضکہ اس حرص وطمع کی وجہ سے وہ بھی اس طالب کے ساتھ ہے اور اوس کی حالت یہ ہے کہ۔

او نشان الخ۔ یعنی وہ غلط نشانی کو درست نشان سے متمیز نہین کر سکتا۔ لیکن تیرا کہنا اوس مقلد کیلئے سہارا ہے۔ مطلب یہ کہ اوسکا چونکہ شتر گم ہی نہین ہوا ہے تو اسکو کسی نشانی کی بھی خبر نہین۔ بلکہ جو یہ گم کردہ اشتر کہہ رہا ہے وہ بھی ہان مین ہان ملا رہا ہے اصل اور حقیقت کی اصلا خبر نہین۔

ہر چہ الخ۔ یعنی جسکو کہ تم کہتے ہو کہ یہ نشانی غلط تھی تو وہ بھی تمھاری تقلید سے وہی کہدیتا ہے۔

چون الخ۔ یعنی جبکہ کوئی درست نشانی اور مشابہ بیج نشانی کہین گے تو تم کو یقین ہو جاوے گا اور اوس مین کسی کسی قسم کا شک نہ رہیگا اور یہ حالت ہوگی کہ۔

آن الخ۔ یعنی وہ تیری جان رنجور کے لیے شفا ہو جاویگی اور تیری حس کی جو خزانہ کیطرح ہے مظہر ہو جاویگی

رنگ الخ۔ یعنی وہ تیرے چہرہ کا رنگ ہو جاوے اور قوت بازو ہو جاوے اور تیرے اعضاء اور تیرے اخلاق ایک حصہ سے سو حصہ ہو جاوین۔ مطلب کہ یہ حالت ہو کہ جامہ مین پھولا نہ سماوے۔

چشم الخ۔ یعنی تیری آنکھ روشن ہو جاوے۔ اور تیرے پاؤن دوڑنے لگین اور تیرا جسم جان ہو جاوے اور تیری جان روان ہو جاوے غرض کہ بوجہ فرط خوشی کی ہر حالتمین ترقی ہو جاوے۔

پس الخ۔ یعنی پھر تو اوس بتانے والے سے کہے کہ اے امین تو نے ٹھیک کہا وہ نشانیان بالکل درست ہین

فیہ الخ۔ یعنی اوس مین مضبوط نشانیان ہین ظاہر اور یہ ایک دستاویز ہو جاوے اور موجب قدر اور نجات ہو جاوے

این الخ ۔ یعنی جب اوس نے یہ نشانیان بتایئن تو توسے اوس سے کہا کہ آگے چلو کہ یہ وقت قصد کا ہے تم قصد سے آگے ہوجاؤ ۔

پیروی ۔ الخ ۔ یعنی اے راست گو مین تیری پیروی کرتا ہون ۔ تو نے میرے شتر کی نشانی معلوم کرلی ہے اب بتا کہ کہان ہے یہ تو اوسکی حالت ہوگی کہ جسکا شتر فی الواقع کھو گیا ہے اوس کو تو نشانی کے سُنتے ہی فوراً یقین ہوجاویگا کہ بے شک اس نے میرے اونٹ کو دیکھا ہے آگے اوسکی حالت بیان فرماتے ہین جو کہ صرف دیکھا دیکھی ہی تلاش کررہا تھا ۔ اور اوس کے ساتھ تھا کہ اس نشان راست سے اوس کی یہ حالت ہوگی کہ ۔

آن الخ ۔ یعنی اوس کو جو کہ صاحب اشتر نہین ہے اور اس تلاش شتر مین صرف مقابلہ کی وجہ سے ہے ۔

زین الخ ۔ یعنی اس نشان راست سے اوس کو کوئی یقین نہ بڑھے گا سوائے تا جو واقعی کے عکس کہ اوسکو تو یقین کی زیادتی ہوئی ۔ اور اسکو زیادہ شک بڑھ جاویگا کہ نہ معلوم یہ ہے یا اور کوئی ہے ۔

بو نکے الخ ۔ یعنی اوس کی کوشش اور جوش سے کچھ بوئے گیا کہ یہ ہائے ہوئے فضول نہین ہے مطلب یہ کہ جو صرف دیکھا دیکھی تلاش کررہا تھا اوس کو اس نشان راست کے معلوم ہونے سے یقین مین تو کچھ ترقی ہوئی نہین ۔ اسلئے کہ اوس نے دیکھا ہی نہین کہ شتر کیسا ہوتا ہے مگر ہان جب دیکھا کہ وہ صاحب شتر اس نشان کو سنکر پھولا نہین سماتا اور بے انتہا مسرور ہے ۔ تو یہ بھی سمجھا کہ کوئی بات ضرور ہے اور یہ سمجھکر اسنے بھی غل مچایا کہ ہان ہان صاحب میرا اونٹ بھی ہے جس کی یہ نشانی ہے اسی طرح ایک تو وہ ہے جو کہ طالب حق ہے اور دوسرا وہ جو کہ صرف اس کی دیکھا دیکھی طالب حق بنا ہے ۔ اور اوس کی نیت فاسد ہے تو اس طالب حق واقعی کو تو جب کہین حق ملیگا بے انتہا مسرور ہوگا ۔ اور جو کوئی اس کو موصل الی الحق ہوگا یعنی شیخ کامل فوراً اس کا اتباع کریگا کہ بس مجھے تو حاصل ہوگیا ۔ اب خدا کے لیے تشریف لیچلکر مجھے راستہ پر لگا دیجیے اور بتا دیجیے کہ میرا مطلوب کہان ہے اور اس دوسرے شخص کو کچھ بھی خبر نہ ہوگی بلکہ اوس دوسرے کو دیکھکر یہ بھی کہیگا کہ بے شک حضرت بڑے مرتبے اور ولیائے کے بزرگ ہین بس حضور ہی میری دستگیری فرماوین ہے وغیرہ وغیرہ دیکھو اس پہلے نے جو شناخت کرلیا صرف اسی لیے کہ پہلے روز اول مین وہ دیکھے ہوئے تھا کہ حق اس کو کہتے ہین ۔ آگے مولانا فرماتے ہین کہ ۔

اندرین الخ ۔ یعنی اس مقابل کو اس شتر مین تو کوئی حق نہین ہے مگر اوسنے بھی ایک شتر گم کیا ہے ۔

طمع الخ ۔ یعنی ناقہ غیر کی طمع اوسکی روپوش ہوگئی ہے ۔ اور اوسکا جو گم ہوگیا ہے وہ اوسکو فراموش ہوگیا ہے ۔

ہر کجا الخ ۔ یعنی جہان کہین کہ وہ صادق دوڑ رہا ہے (تلاش مین) وہان یہ بھی دوڑ رہا ہے اور طمع کی وجہ سے اپنے ساتھی کا ہمدرد بنتا ہے ۔ مطلب مولانا کا یہ ہے کہ فی الواقع تو اس سے بھی حق زائل ہوگیا ہے اور کھو گیا ہے مگر یہ اوس کو بھول گیا اور اس نے اپنی استعداد کو کمزور کرلیا ۔ کہ اسے یہ بھی یاد نہ رہا کہ میری بھی کوئی شے کھو گئی تھی بلکہ دوسرون کی شے تلاش کرنے مین لگ گیا ۔ مگر بعض مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ اس صادق کی صحبت کی برکت سے اوسکے اندر بھی خلوص آجاتا ہے اور صدق پیدا ہوجاتا ہے اور یہ بھی طالب حق ہوجاتا ہے ۔ اور اسکی استعداد مین قوت ہوتی ہے اور یہ بھی تلاش مین لگ جاتا ہے اور اسکو بھی مطلوب ملجاتا ہے اسی کو آگے فرمارہے ہین کہ ۔

کاذبے الخ ۔ یعنی ایک کاذب جب ایک صادق کے ساتھ چلا تو وہ اوس کا کذب بھی ناگہان صدق ہوگیا ۔

اندرآن الخ۔ یعنی اوس جنگل مین کہ وہ اونٹ دوڑرہا تھا اس دوسرے نے بھی اپنا اونٹ وہین پا لیا۔
چون الخ۔ یعنی جب اوس کو دیکھا تو اوس کو اپنی چیز یاد آئی اب وہ دوسرے کے اونٹ سے بے طمع ہوگیا۔
آن الخ۔ یعنی وہ مقلد اب محقق ہوگیا جبکہ اوس نے اپنے اونٹ کو دیکھ لیا جو کہ وہان چررہا تھا۔
او طلبگار الخ۔ یعنی وہ شتر کا متلاشی اس وقت ہوا ہے اور جب تک اوسکو جنگل مین دیکھ نہ لیا تھا اوس کو تلاش بھی نہ کرتا تھا۔ مطلب یہ کہ یہ طالب کاذب اوس صادق کے ساتھ تلاش مین تھا اور اوس کی دیکھا دیکھی کہہ رہا تھا کہ مین بھی طالب ہون مگر ابتک بالکل بےخبر تھا سو کہ اوس صادق کی صحبت کی برکت سے یہ ہوا کہ اچانک اوس کی آنکھین کھل گئین۔ اور اوسکو حق نظر آگیا اب تو اسکو وہ استعداد فطری یاد آئی اور اوسنے پہچان لیا کہ بیشک یہ وہی ہے جسکو کہ مین اتنے روز سے بھولا ہوا تھا۔ اب یہ خود محقق ہوگیا اور تلاش حق شروع کردی تو اوس پہلے نے تو تلاش پہلے کیا تھا اور ملا بعد مین تھا اور اوسکو ملا پہلے ہی اور تلاش اوس نے بعد مین کیا ہے اس لیے کہ جب مل گیا طلب تو اوسی وقت ہوئی ہے پہلے سے طالب ہی کب تھا۔
بعدازان الخ۔ یعنی بعد اس کے تنہا چلنا شروع کیا اور اپنے ناقہ کی طرف آنکھ کھولدی مطلب یہ کہ جب اوس کو خود حق واضح ہوگیا تو پہلے تو صرف لوگون کی دیکھا دیکھی تلاش مین تھا اور اب خود اوس کی طرف چلا اور طلب حق مین منفرد ہوگیا۔ اور قاعدہ بھی یہی ہے کہ اول طلب دوسرون کی حرص سے ہوتی ہے اوسکے بعد خود طلب لگجاتی ہے تو ایک مرتبہ تو اسوقت تنہاروی ہوتی ہے۔ یہان تو تنہاروی صرف ساتھیون اور دیگر طالبین سے ہوتی ہے اوسکے بعد جب یہ شخص خود محقق ہوجاتا ہے تو اب یہ شیخ سے بھی منفرد ہوجاتا ہے۔ اور اپنی تحقیقات پر عامل ہوتا ہے۔ ہان جو کچھ ہے وہ ہے طفیل شیخ ہی کا۔ مگر یہ شخص اس حالت تحقیق مین شیخ سے منفرد ہوجاتا ہے جیسا کہ کئی مرتبہ پہلے بھی لکھا جا چکا ہے۔ غرض کہ اسوقت تو یہ طالب کاذب دیگر طالبین سے ہوکر طلب مین محقق ہوگیا ہے۔
گفت الخ۔ یعنی وہ صادق کہتا ہے کہ تم نے مجھے چھوڑدیا۔ حالانکہ اجتک تو میرا ساتھ دیا ہے۔
گفت الخ۔ یعنی اس طالب جدید نے کہا کہ اب تک تو مین مسخرہ پن مین تھا اور طمع کی وجہ سے چاپلوسی مین تھا
این الخ۔ یعنی مین اب تیرا (اصلی) ہمدرد ساتھی ہوا ہون کہ اب طلب مین تجھ سے جدا ہوگیا ہون۔ تو جسطرح کہ تو اے طالب صادق بے کسی حرص اور تقلید کے تلاش کررہا تھا اسی طرح اب مین تلاش کررہا ہون ورنہ اول تو مین تیرا ساتھی ہی نہ تھا اس لئے کہ میری حالت اور تھی اور تمہاری حالت دوسری تھی۔ اور کہتا ہے کہ۔
از تو الخ۔ یعنی مین تجھ سے شتر کے اوصاف کو چرا رہا تھا۔ اب مین نے خود اپنی ملک کو دیکھ لیا تو اب مین چشم پر ہوگیا مطلب یہ کہ پہلے سے تو تمہاری سنی سنائی اور دیکھا دیکھی طلب کرتا تھا مگر اب میری طلب صادق ہوگئی ہے۔
تا نیابیدم الخ۔ یعنی جب تک کہ مین نے پا نہ لیا تھا مین اوس کا طالب ہی نہ تھا اب تانبا مغلوب ہوگیا اور سونا اوسپر غالب ہوگیا۔ مطلب یہ کہ اول تو کذب اور ریا غالب تھی اور صدق اور خلوص مغلوب تھا سو بحمداللہ اب حق غالب ہے اور کذب اور ریا مغلوب ہے۔
سیئاتم الخ۔ یعنی میرے سیئات شکر ہے کہ طاعات بنگئین اور ہزل فانی ہوگیا۔ جد ثابت ہوگئی شکر ہے مطلب یہ کہ پہلے لیے تو چونکہ نیت خراب تھی یہ ساری طلب وغیرہ سیئات ہی تھی مگر خدا کا شکر ہے کہ اب موجب طاعت

ہوگئین بلکہ وہ بھی طاعات ہی ہوگئین اور پہلے تو صرف ایک معجزہ ہی ہی تھا مگر الحمد للہ کہ وہ سب جذب ہوگیا اور اس سے مقصود اور مطلوب حاصل ہوگیا فالحمد للہ۔

سیئاتم الخ۔ یعنی میری سیئات جب وسیلہ حق کا ہوگئین تو اب سیئات پر کوئی اعتراض مت کرو۔

مر ترا الخ۔ یعنی تمھاری تو صدق نے تمکو طالب بنا دیا تھا اور میری کوشش اور طلب نے صدق پیدا کر دیا مطلب یہ کہ تم نے تو اول طلب کیا پھر اوس کو پا لیا اور مجھے اول ملگیا اوسکے بعد میرے اندر طلب اور خلوص پیدا ہوا ہے لہذا مین تمھارے اعتبار سے بالعکس ہون۔

صدق الخ۔ یعنی تیرا صدق تجھے طلب مین لایا اور میری طلب نے صدق کو پیدا کر دیا۔ اور وہ کہتا ہے کہ میری یہ حالت تھی کہ۔

تخم الخ۔ یعنی دولت کا بیج مین زمین مین بو رہا تھا اور اوس کو فضول اور بیکار سمجھ رہا تھا۔

آن الخ۔ یعنی وہ بیکار نہین تھا بلکہ ایک اچھی کمائی تھی۔ اور جو دانہ مین نے بویا تھا وہ ایک کے سو اُگے ہین۔ مطلب یہ کہ وہ طلب اگرچہ کاذب تھی مگر اخیر مین اوس کا انجام بہتر ہوا۔ اور مجھے حق تعالے نے بے انتہا ثواب عطا فرمایا اور اوس طلب ہی کی بدولت رہنمائی فرمائی۔ آگے اس حالت کی ایک مثال فرماتے ہین۔

دزد الخ۔ یعنی ایک چور ایک گھر مین چھپ کر گیا اور جب اندر آیا تو دیکھا کہ وہ خود اوسی کا گھر ہے۔ تو اسی طرح یہ طالب کاذب تقلید کی وجہ سے اوسکی پیروی اور طلب حق کی کر رہا تھا۔ مگر جب وہ اس میدان مین پہنچے جہان کہ اوس طالب صادق کا مطلوب تھا تو اب انکی آنکھین بھی کھل گئین اور انکو بھی اپنا مطلوب نظر آگیا۔ اور معلوم ہوا کہ اہا اب تک تو دوسرون کی تقلید مین تھے مگر آج معلوم ہوا کہ خود اپنا مطلوب بھی یہین ہے آگے مولانا فرماتے ہین کہ۔

گرم باش الخ۔ یعنی اے سرد ذرا گرم رہ تاکہ گرمی پہونچے۔ اور درستی کے ساتھ موافقت کر تاکہ نرمی حاصل ہو۔ مطلب یہ کہ ریاضات و مجاہدات مین مشغول ہو کہ اس سے پھر رحمت حق نازل ہوگی۔ اوپر جو کہا تھا کہ ایک تو اپنے شتر کو فی الواقع تلاش کر رہا تھا۔ اور دوسرا اوس کی تقلید کر رہا تھا مگر جب اس کا شتر ملا تو اسکا بھی ملگیا۔ اور حق کو تشبیہ شتر سے دی تھی تو اس سے بظاہر یہ شبہ ہوتا تھا کہ جسطرح وہ شتر دو تھے ایک تو اوس صادق کو ملا اور دوسرا کاذب کو اسی طرح شاید حق بھی دو ہی ہون اور ہر شخص کے لیے حق جدا گانہ ہو۔ لہذا آگے اسکا جواب فرماتے ہین کہ۔

آن دو اشتر الخ۔ یعنی وہ دو اشتر نہین ہین وہ ایک ہی شتر ہے مگر الفاظ تنگ ہین اور معنی بہت بڑے ہین مطلب یہ کہ اس سے کہین حق کو دو مت سمجھنا بلکہ بات یہ ہو کہ نوع مین تو ایک ہین صرف تشخصات باعتبار اختلاف طالب کے الگ الگ ہین اور یہ ظاہر ہے کہ اگرچہ حق ایک عرض ہو مگر قائم بہ کے اختلاف سے اوس مین بھی اختلاف ہوگا۔ آگے مولانا فرماتے ہین کہ کیا کرین اپنے نزدیک تو خوب واضح بیان کیا مگر نظم کا میدان تنگ ہی ہوتا ہے۔ ان الفاظ مین یہ علوم عالیہ اس طرح کہ کوئی شبہ خلاف ظاہر نہ رہے آ نہین سکتے۔ اور سچ یہ ہے کہ مولانا ہی کی کرامت اور قدرت علی الکلام ہے جو ان علوم کو اس میدان نظم مین لاتے ہین ورنہ دوسرے کو ہرگز اتنی

قدرت نہین جز اسم اللہ خیرا فہم۔
لفظ الخ۔ یعنی معانی کے لیے ظاہر ہمیشہ کم ہوتے ہین اسی لیے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے قد کل اللسان یہ قول بعض عارفین سے تو منقول ہے مگر حدیث مین کہین نظر سے نہین گذرا شاید مولانا کو اسکی کوئی سند وغیرہ معلوم ہو خیر معنی اسکے صحیح ہین کہ حق تعالیٰ کی معرفت مین زبان گنگ ہے اس کے دو معنی ہوسکتے ہین ایک تو یہ کہ جب صاحب حال پر غلبہ حال کا ہوتا ہے تو اوسکی زبان بوجہ حیرت کے گنگ ہوجاتی ہے۔ اور وہ کچھ بیان نہین کرسکتا۔ اور دوسرے یہ کہ جب انسان محقق ہوجاتا ہے تو بوجہ عارف ہونیکے زبان بند ہوجاتی ہے اور کچھ منہ سے نکال ہی نہین سکتا۔ تو مولانا فرماتے ہین کہ دیکھو الفاظ مین معرفت حق جو کہ معانی ہین بیان نہین ہوسکتے آگے اسکی ایک اور مثال ہے کہ۔
نطق الخ۔ یعنی نطق اصطرلاب کی طرح ہے حساب مین تو وہ چرخ و آفتاب کی کیا قدر جانے۔ مطلب یہ کہ دیکھو اصطرلاب ایک وہ شئے ہے کہ جس سے مسافت آسمان وزمین وغیرہ کی معلوم ہوتی ہے۔ مگر کیا اصطرلاب آسمان اور دیگر علویات کو محیط ہوتا ہے۔ ہرگز نہین تو اسی طرح نطق بھی علوم و معارف کو محیط نہین ہوسکتا۔ آگے ترقی کرکے فرماتے ہین کہ۔
خاصہ الخ۔ یعنی خاصکر وہ آسمان جو اس آسمان سے اوس جانب مین ہے کہ یہ آفتاب اوس کے آفتاب کے سامنے ایک ذرہ ہے مطلب یہ کہ جب نطق و اصطرلاب اس آسمان ظاہری کے متعلق بھی کل امور کا احاطہ نہین کرسکتا تو بھلا عالم غیب کے حالات کا تو کیا احاطہ کریگا پس اسی سے بیان کافی نہوسکا۔ اگرچہ حتی الامکان بہت واضح طور پر بیان کیا گیا ہے آگے اوسی مسجد ضرار کے متعلق فرماتے ہین۔

شرح حبیبی

چون پدید آمد کہ آن مسجد نبود	خانۂ حیلت بُد و دام جہود
پس نبی فرمود کان را بر کنید	مطرحہ خاشاک و خاکستر کنید
صاحب مسجد چو مسجد قلب بود	دانہا بر دام ریزی نیست جود
گوشت کاندر شست تو ماہی رباست	آنچنان لقمہ نہ بخشش نے سخاست
مسجد اہل قبا کان بد جماد	آنچہ کفو آن نہ بُد راہش نداد
در جمادات اینچنین حیفے نرفت	زد دران ناکفو میر راد نفت
پس حقائق را کہ اصل اصلہاست	دانکہ آنجا فرقہا و فصلہاست
نے حیاتش چون حیات او بود	نے مماتش چون ممات او بود
گور او ہرگز چو گور او مدان	خود چہ گویم حال فرق آنجہان
بر محک زن کار خود اے مرد کار	تا نسازی مسجد اہل ضرار
بس بر آن مسجد کنان تسخر زدی	چون نظر کردی تو خود زایشان بدی

جبکہ یہ ثابت ہو گیا کہ وہ مسجد حقیقت مسجد نہیں بلکہ مکر خانہ اور یہودیون کا جال ہے تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ اسکو منہدم کرا دیا جاوے اور کوڑا کرکٹ اس مقام پر ڈلا جاوے۔ جسطرح کہ وہ مسجد مسجد نہ تھی بلکہ اوس کا عکس تھی یونہی بانی مسجد بھی درحقیقت بانی مسجد نہ تھے۔ بلکہ برعکس اسکے ہادم مسجد تھے اسپر تم شبہ نکرنا کہ مسجد بنانا ہدم مسجد کیونکر ہو سکتا ہے۔ کیونکہ دیکھو جال پر دانہ ڈالنا بظاہر سخاوت ہے مگر حقیقت مین طمع ہے یونہی گوشت شست مین مچھلی کے پھانسنے کے لیے لگایا جاتا ہے سو وہ بظاہر تو بخشش و سخاوت ہے مگر فی الحقیقت طمع ہے یونہی ان کے فعل کو سمجھو کہ بظاہر مسجد بنانا تھا لیکن چونکہ اس سے مسجد قبا کو ویران کرنا بلکہ اسلام ہی کو مٹانا تھا اس لیے وہ فعل ہدم مسجد تھا۔ دیکھو مسجد قبا باوجودیکہ جماد تھی مگر چونکہ مسجد ضرار اسکی کفو اور برابر کی نہ تھی اسلیے اُسے اپنے سے لگا نہ کھانے دیا اور اپنا ماثل نہ ہونے دیا۔ اور جمادات مین بھی یہ ظلم نہو سکا کہ ایک غیر کفو دوسرے کے برابر ہو جاوے بلکہ سراپا عدل حق سبحانہ یا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا مسجد قبا نے اوسمین نفت چھڑک کر آگ لگا دی۔ پس حقائق انسانیہ جو ان جمادات کی اصل کی اصل ہیں کیونکہ اونکی اصل افعال ہین اور افعال کی اصل افراد انسانیہ۔ وہان تو فرق مراتب اور بعد منازل ہونا ہی چاہیے۔ اسی لیے ایک کی حیات حقیقۃً دوسرے کی حیات کے مثل نہین ہو سکتی۔ گو صورۃً مثل ہو اور اوسکی ممات حقیقۃً اسکی ممات کی مثل نہین ہو سکتی اسکی گور اس کی قبر کی مانند نہین ہو سکتی جب دنیاوی امور مین یہ فصل ہے تو آخرت کے فصل کا تو کیا ہی بیان کرون جبکہ حقائق۔ افعال اور آثار افعال ہین باوجود تشابہ صوری کے معنوی فرق و فصل ہے تو تمہارا فرض ہے کہ اپنے کامون کو کسوٹی پر کس لیا کرو تاکہ جو مسجد تم بناؤ وہ مسجد ضرار نہو کیونکہ بسا اوقات تمیز نہ کرنے سے تم غلطی مین مبتلا ہو جاتے ہو اور بانیان مسجد ضرار کا مضحکہ اڑاتے ہو مگر نظر غور کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ تم خود بھی انہی مین سے ہو۔ چنانچہ ہم ایک قصہ سناتے ہین جس سے تم کو اس کی تصدیق ہوگی۔

بیان اس کا کہ ہر نفس مین مسجد ضرار کا فتنہ ہے

شرح شبیری۔ چون پدید الخ یعنی جبکہ ظاہر ہو گیا کہ وہ مسجد نہ تھی بلکہ حیلہ بازی کا گھر اور دام کفر تھا۔

پس الخ یعنی پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ اس کو اوکھاڑ ڈالو اور خاشاک و خاکستر کی کوڑی بنا دو۔

صاحب الخ یعنی مسجد کی طرح مسجد والے بھی کھوٹے تھے اور تم دانون کو دام پر ڈالو تو یہ سخاوت تھوڑی ہے۔ مصرعہ ثانی مثال ہے کہ دیکھو اگر تم جال پر دانہ پھیلاؤ تو یہ کہا جا سکتا ہے کہ بڑے سخی ہین کہ جانورون کو دانہ کھلاتے ہین ہرگز نہین تو اسی طرح اونھون نے مسجد بنائی۔ مگر چونکہ اوسکے اندر مکر و حیلہ مضمر تھا اس لئے یہ نہین کہہ سکتے کہ اونھون نے مسجد بنائی تھی آگے اور مثال ہے کہ۔

گوشت الخ یعنی جو گوشت کہ تمہاری شست مین مچھلی کو اوسے چکنے والا ہے تو ایسا لقمہ نہ تو بخشش ہے اور نہ سخاوت ہے تو اسی طرح وہ مسجد کوئی عمل نیک نہ تھا۔

مسجد الخ یعنی مسجد اہل قبا کی جو کہ جمادات سے تھی تو چونکہ اوسکی کفو نہ تھی اوسکو اوسنے راہ ندی۔

در جمادات الخ یعنی جمادات مین جبکہ ایسا حسد چلا ہے اور اسی وجہ سے اوس ناکفو مین اوس نے نفت لگا دیا

نفت ایک روغن ہوتا ہے جسمین کہ آگ جلدی لگتی ہے مطلب یہ کہ دیکھو جمادات مین بھی یہ حسد پیدا ہوتا ہے کہ مسجد قبا جو کہ جمادات مین سے تھی جبکہ اوس کے مقابلہ کے لیے دوسری مسجد بنی اور وہ اسکے مقابلہ کی نہ تھی تو اوس نے اوس کو بھی جلنے نہ دیا۔

پس الخ۔ پس وہ حقائق جو کہ اصل الاصول ہین اور جنمین فرق اور فصل ہین۔

نے الخ۔ یعنی نہ تو اون کی حیات تمکی طرح ہو اور نہ اونکی موت اوس کی موت کیطرح ہو۔

گور او الخ۔ یعنی اوس کی گور کو بھی اوس کی گور کی طرح مت جانو تو اوس جہان کے فرق کا حال تو کیا بیان کر دن۔

بر محک الخ یعنی اے مرد کار اپنے کام کو اول کسوٹی پر لگا لو تا کہ تم بھی کہین اہل ضرار کی سی مسجد نہ بناؤ۔ مطلب یہ ہے کہ جبکو جمادات مین بھی رشک ہے کہ غیر جنس کو دیکھ نہین سکتے۔ اور اونمین آپسمین کسقدر عظیم الشان فرق ہوتا ہے تو جو کہ حقیقت مین الگ ہین اُن مین تو زمین و آسمان کا فرق ہوگا اور جب دنیا مین اون مین اسقدر فرق ہے تو فرق آخرت کو تو کیا بیان کرین کہ وہ تو بیان سے خارج ہے۔ لہٰذا اب تم جو کام کرو اوس کو دیکھ بھال لیا کرو اور شیخ سے پوچھا کرو۔ تا کہ وہ تمکو بھلے بُرے مین فرق بتا دے ورنہ کہین تم بھی ظاہر مین تو نیک کام کرو اور وہ اصل مین برائی ہو جاوے۔

پس الخ۔ یعنی پھر اون بانیان مسجد پر تو تم تمسخر کرتے ہو اور جب نظر فکر سے دیکھا تو تم خود بھی اون مین سے تھے لہذا جو کام کرو نورانیت وغیرہ کو دیکھ لو کہین خراب تو نہین ہو ورنہ پھر خرابی واقع ہوگی۔ آگے ایک حکایت لاتے ہین کہ چار آدمی تھے اور ہر ایک دوسرے کے عیوب پر ہنس رہا تھا مگر خود اوسی مین مبتلا تھا فرماتے ہین کہ۔

شرح حبیبی

چار ہندو در یکے مسجد شدند	بہر طاعت راکع و ساجد شدند
ہر یکے بر نیتے تکبیر کرد	در نماز آمد بمسکینی و درد
موذن آمد زان یکے لفظے بجست	کاے موذن بانگ کردی وقت ہست
گفت آن ہندوئے دیگر از نیاز	ہے سخن گفتی و باطل شد نماز
آن سوم گفت آن دوم را اے عمو	چہ زنی طعنہ باو خود را بگو
آن چہارم گفت حمد اللہ کہ من	در نیفتادم بچہ چون این سہ تن
پس نماز ہر چہاران شد تباہ	عیب جویان بیشتر گم کردہ راہ
اے خنک جانے کہ عیب خویش دید	ہر کہ عیبے گفت آن بر خود خرید
زانکہ نیمے او ز عیبستان بدست	وان دگر نیمے ز غیبستان بدست
چونکہ بر سر مر ترا صد ریش ہست	مرہمش بر خویش باید کار بست
عیب کردن ریش را داروے اوست	چون شکستہ گشت جاے ارحم است
گر ہمان عیبت نبود ایمن مباش	بو کہ آن عیب از تو گردد نیز فاش

لاتخافوا از خدا نشنیدهٔ ملا | پس چه خود را ایمن وخوش دیدهٔ
سالها ابلیس نیکو نام زیست | گشت رسوا بین که او را نام چیست
در جہان معروف بُد علیائے او | گشت معروفے بعکس اے وائے او
تا نهٔ ایمن تو معروفے مجو | پاک شو از خوف پس از امن گو
تا نروید ریش تو اے خوش ذقن | بر دگر سادہ زنخ طعنہ مزن
این نگر که مبتلا شد جان او | در چہے افتاد تا شد پند تو
تو نیفتادی که باشی پند او | زہر او نوشید تو خور قند او

چار ہندوستانی ایک مسجد مین نماز پڑھنے کیلیے گئے۔ اور اطاعت حق سبحانہ کے لیے رکوع سجدے کرنے شروع کیے ہر ایک اپنی اپنی نماز پڑھ رہا تھا۔ اور خشوع وخضوع کے ساتھ نماز مین مصروف تھا۔ اتفاقاً موذن آگیا اس وقت ایک کے منھ سے نکل گیا کہ ارے موذن وقت ہوگیا ہے۔ تونے اذان کہی یا نہین۔ دوسرے نے کہا کہ ارے تو نماز مین بول پڑا۔ تیری نماز ٹوٹ گئی تیسرے نے دوسرے سے کہا کہ چچا آپ دوسرون کو کیا کہتے ہین خود آپ کی بھی نماز ٹوٹ گئی۔ اپنے کو تو کچھ کہئے چوتھے نے کہا کہ خدا کا شکر ہی کہ مین ان تینون کی طرح کنوین مین نہین گرا لہذا چارون کی نمازین برباد ہوگئین بات یہ ہے کہ دوسرون کے عیب ڈھونڈھنے والا پہلے تباہ ہوتا ہے۔ بڑے مزہ مین ہی وہ شخص جو اپنا عیب دیکھے اور جو کوئی عیب ظاہر کرے اپنے اندر مان لے کیونکہ اوس کا عیب دار ہونا کچھ مستبعد نہین۔ اس لیے کہ وہ روح کے لحاظ سے عالم امر سے ہے اور جسم کے اعتبار سے عالم خلق سے پس نصف حصہ اس کا غیبستان سے ہی اور نصف عیبستان سے جبکہ آدمی خود عیب سے پاک نہو تو نہایت حماقت ہی کہ دوسرون کی عیب جوئی کرے۔ بلکہ جبکہ اوس کے سر مین خود سیکڑون زخم ہین تو اوس کو اوس کا علاج کرنا چاہئے نہ کہ دوسرون کی فکر مین پڑنا۔ اور اپنے زخم کو برا کہنا یہی اس کا مداوا ہے کیونکہ جب وہ انکسار اختیار کرے گا تو مستحق رحم ہوگا۔ اور اگر فرض کیا جاوے کہ تجھمین وہ عیب نہین تب بھی دوسرونکی عیب جوئی کی اجازت نہین ہوسکتی۔ کیونکہ ممکن ہی کہ وہی عیب تجھ سے بھی ظاہر ہو جاوے کیونکہ خدا نے کسیکو خوف سے مطمئن نہین کردیا اور یہ نہین کہدیا کہ اب ہم سے ڈرنے کی حاجت نہین پھر کون سی وجہ ہے کہ آدمی مطمئن ہو جاوے۔ اور اسے یہ خیال نہو کہ مبادا مین بھی اس عیب مین مبتلا ہو جاؤن دیکھو ابلیس نے برسون نہایت نیکنامی کے ساتھ زندگی بسر کی لیکن آخر مین رسوا ہوگیا۔ اب دیکھو مخلوق اسے کیا کہتی ہے۔ عالم مین اسکا نام علو مرتبت مین مشہور تھا۔ اب وہ ذلت مین مشہور ہوگیا پس جب تک تمکو اطمینان نہ حاصل ہو جاوے جو اخیر دم تک حاصل نہین ہوسکتا اس وقت تک نیکنامی کے طالب نہو پہلے خوف سے پاک ہو لو جو مرنے سے پہلے ناممکن ہے پھر اطمینان کی باتین کرو جبتک تمھاری ڈاڑھی نہ نکل آئے اسوقت تک تمکو ان لوگون پر ہنسنے کا حق حاصل نہین جن کے ڈاڑھی نہین نکلی کیا عجب ہے کہ تمھاری بھی نہ نکلے پس کسی عیب دار کو دیکھکر اوسکی تحقیر اور عیب جوئی نکرنی چاہئے بلکہ تم کو شکر کرنا چاہئے کہ دوسرے شخص کی جان بلا مین پھنسی اور وہ کوئین مین گرا اور تمھارے لیے ذریعہ عبرت ہوگیا۔ اور تم نگرے کہ اوس کے لئے ذریعہ عبرت ہوتے بلکہ زہر اسنے کھایا تم اس سے یہ نتیجہ حاصل کرو۔ اب ہم

تمہاری عبرت کے لیے ایک قصہ نقل کرتے ہین سُنو۔

اون چار ہندیون کی حکایت کہ آپسمین لڑرہے تھے اور اپنے عیوب سے بے خبر تھے

شرح شبیری - چار الخ - یعنے چار ہندوستانی ایک مسجد مین گئے اور اطاعت کے لیے نماز پڑھنے لگے۔

ہر یکے الخ - یعنی ہر ایک نے الگ نیت پہ تکبیر کہی اور نماز مین سکینی اور درد کے ساتھ مشغول ہوئے

موذن الخ - یعنی موذن آگیا تو ان مین سے ایک نے ایک لفظ کہا کہ موذن اذان بھی دیدی وقت تو ہو گیا ہے۔

گفت الخ - یعنی تو دوسرے ہندی صاحب بولے ذرا عاجزی سے کہ ارے تو نے بات کرلی تیری نماز باطل ہو گئی۔

آن الخ - وہ تیسرے صاحب دوسرے سے بولے کہ چچا اوس کو کیا طعنہ مار رہے ہو اپنے کو تو کہو۔

آن الخ - یعنی وہ چوتھے صاحب بولے کہ الحمد للہ کہ مین ان تینون کی طرح کنوین مین نہین گرا مطلب یہ کہ الحمد للہ کہ مین نہ بولا - آگے مولانا فرماتے ہین کہ۔

پس الخ یعنی پس نماز چارون کی تباہ ہو گئی اور عیب گو لوگون نے بہت راہ گم کی ہے - مطلب یہ کہ جو لوگ کہ اور ون کے عیوب تلاش کرتے ہین اور اپنے عیب پر نظر نہین کرتے وہ اکثر گمراہ ہوتے ہین۔

اے خنک الخ - یعنی کیا ہی اچھا ہے وہ شخص جس نے اپنا عیب دیکھا اور جس نے کہ کوئی عیب بیان کیا اوسکو اپنے اوپر لیا اسکا حاصل یہ ہے کہ السعید من وعظ بغیرہ - آگے اسکی وجہ فرماتے ہین کہ ایسا اس لئے ہوتا ہے کہ۔

زانکہ الخ - یعنی اس لیے کہ اس شخص مین نصف تو عیبستان سے ہوتا ہے اور وہ دوسرا نصف اوس کا غیبستان سے ہوتا ہے مطلب یہ کہ چونکہ اس شخص مین دو درجے ہین ایک تو یہ کہ اس عالم دنیا مین رہتا ہے اور اس عالم سے تعلق ہے اور دوسرا تعلق عالم غیب سے ہے تو اس عالم کے تعلق کیوجہ سے تو اسمین عیوب موجود ہوئے اور اس عالم کے تعلق کیوجہ سے اپنے عیوب پر نظر ہوئی - آگے ایک مثال ہے کہ۔

چونکہ الخ - یعنی جبکہ تمھارے سر پر سیکڑون زخم ہین تو اسکا مرہم اپنے اوپر لگانا چاہئے اور دوسرے کے زخمون کی مرہم پٹی کی فکر کو چھوڑنا چاہئے - آگے بتاتے ہین کہ ان عیوب کا مرہم کیا ہے۔

عیب الخ - یعنی زخم کا عیب کرنا اوس کی دوا ہے اور جو شکستہ ہو گیا تو اب رحم کی جگہ ہے - مطلب یہ کہ اصل تو یہ ہے کہ جب زخم کو زخم سمجھے یہ اوس کی دوا ہے اور جب اقرار عیب کرلیا تو اب اسپر حق تعالیٰ کی رحمت نازل ہوتی ہے آگے فرماتے ہین کہ

گرہمان الخ - یعنی اگر وہ عیب تمھارے اندر نہو تو اس سے بیخوف ست ہو اسلیے کہ شاید وہی عیب تم سے ظاہر نہ ہو جاوے اس لیے کہ حدیث مین ہے من ضحک ضحک لہذا ہر وقت ڈرنا ضروری ہے۔

لاتخافوا الخ - یعنی حق تعالےٰ سے لاتخافوا تو نہین سن لیا ہے پھر کس لیے اپنے کو بیخوف اور خوش بنا رکھا ہو۔ آگے بیخوفی کی ایک نظیر فرماتے ہین۔

سالہا الخ یعنی سالہا سال تک ابلیس نیک نام رہا - مگر اب ایسا رسوا ہے کہ دیکھو اوسکا نام کیا ہے یعنی ابلیس ہے

درجہان الخ۔ یعنی جہان مین اوس کی بلند مرتبگی مشہور تھی مگر افسوس کہ اب اسکے عکس مشہور ہو گیا۔

تا نہ رست الخ یعنی جب تک کہ تم امن نہین ہو معرفی کو مت تلاش کرو اور اول خوف سے پاک ہو جاؤ پھر امن کی بات کرنا مطلب یہ کہ جب تک کہ حقیقتاً بیخوف نہ ہو جاؤ اس وقت تک عافیت کے طالب مت ہو اول خوف کی باتون سے پاک ہو جاؤ پھر بیخوف رہو۔

تا نہ رویید الخ یعنی اے خوش ذقن جب تک کہ تمہاری ڈاڑھی نہ نکل آوے دوسرے ساد ہ رویون پر طعنہ مت کرو کہ آہا دیکھیے اب کے ڈاڑھی نہین ہے اسلیے کہ ممکن ہے کہ تمہارے بھی نہ نکلے پھر کیا کرو گے۔

این الخ۔ یعنی اسکو دیکھو کہ اوسکی جان مبتلا ہو رہی ہو اور ایک کنوین مین گر پڑا ہے یہانتک کہ وہ تمہارے لیے نصیحت (اور عبرت) ہو گیا ہے۔

تو نیفتادی الخ۔ یعنی تو نہین گر پڑا ہے کہ اوسکے لیے تو عبرت ہوتا۔ اوس نے تو زہر پیا ہے تو اوس کی قند پی ہے مطلب یہ کہ خدا کا شکر کر حق تعالے نے دوسرون کو مبتلا مصائب کر دیا کہ تو اوس سے نصیحت حاصل کرے اور اگر خدانخواستہ کہین ایسا ہوتا کہ تم مبتلا ہو جاتے۔ اور اُس کے لیے نصیحت ہوتی۔ تو کیسی بات ہوتی لہذا اونپر ہنسو مت بلکہ اون سے عبرت حاصل کرو۔ آگے اسکے متعلق دو قصے بیان فرماتے ہین۔

شرح حبیبی

آن غزان ترک خونریز آمدند ۔ بہر یغما بردہی ناگہ زدند

دو کس از اعیان آن دہ یافتند ۔ در ہلاک آن یکے بشتافتند

دست بستندش کہ قربانش کنند ۔ گفت اے شاہان و ارکان بلند

در چہ مرگم چرا می افگنید ۔ از چہ آخر تشنۂ خون منید

چیست حکمت چہ غرض در کشتنم ۔ چون چنین درویشم و عریان تنم

گفت تا ہیبت برین یارت زند ۔ تا بترسد او و زر پیدا کند

گفت آخر او ز من مسکین ترست ۔ گفت قاصد کردہ است او را زرست

گفت چون وہم ست ما ہر دو یکیم ۔ در مقام احتمال و در شکیم

خود ورا بکشید اول اے شہان ۔ تا بترسم من دہم زر را نشان

پس کرمہاے الٰہی بین کہ ما ۔ آمدیم آخر زمان در انتہا

آخرین قرنہا پیش از قرون ۔ در حدیث است آخرون السابقون

تا ہلاک قوم نوح و قوم ہود ۔ عارض رحمت بجان ما نمود

کشت ایشانرا کہ تا ترسیم ازو ۔ ور خود این بر عکس کردی واے تو

کچھ ترکون نے خونریزی اور لوٹ کے لیے اچانک ایک گاؤن پر حملہ کر دیا۔ اوس گاؤن کے چودھریون مین سے دو کو گرفتار کیا اور ایک کو مار ڈالنے کے لیے دوڑے۔ اور اسکو ذبح کرنے کے لیے اوس کے ہاتھ باندھ دیے

اوس نے کہا کہ اے پادشاہو اور عالی مرتبہ لوگو آخر تم مجھے موت کے کنوئین مین کیون ڈھکیلتے ہو۔ اور کس وجہ سے میرے خون کے پیاسے ہو میرے مار ڈالنے مین کیا حکمت اور کیا غرض ہے مین تو فقیر اور ننگا آدمی ہون۔ اونھون نے کہا وجہ یہ ہے کہ تیرے مارنے سے تیرا ساتھی ڈر جائیگا اور مال بتادیگا۔ اوس نے کہ کہ وہ تو مجھ سے زیادہ محتاج ہے اونھون نے کہا کہ نہین بلکہ اس نے اپنی یہ حالت قصداً بنائی ہے۔ ورنہ اوس کے پاس روپیہ ہے۔ اوس نے کہا کہ یہ تو آپ لوگون کا محض خیال ہی خیال ہے اس بین ہم دونون برابر ہین دونون مین احتمال اور شبہ برابر ہے پس پہلے تم اوسے مار ڈالو تاکہ مین ڈر کر مال بتادون مجھے کیون مارتے ہو۔ اس سے تم یہ نتیجہ نکالو کہ باوجودیکہ ہم سب برابر تھے اور ہم کو پہلے لوگون پر کوئی ترجیح نہ تھی مگر اوس نے محض اپنے فضل سے ہم کو آخر مین پیدا کیا اور رتبہ مین پہلون سے مقدم کیا۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہین نحن الآخرون السابقون جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ قوم نوح و قوم ہود کی ہلاکت نے ہم کو رحمت حق سبحانہ کا چہرہ دکھلایا۔ یا یون کہو کہ ابر رحمت نے ہمکو ہلاکت قوم نوح و ہود کا مشاہدہ کرایا۔ وہذا ہو الاظہر۔ اور عارض رحمت کا لفظ اس عارض قہر کے لحاظ سے استعمال کیا گیا ہے جو قوم ہود کے قصہ مین قرآن کریم مین استعمال کیا گیا ہے۔ اور اونکو مارا کہ ہم ڈرین لیکن اگر اونکا معاملہ کرتا تو پھر ہمارا کہان ٹھکانا تھا

قوم غزان کا ایک شخص کو قتل کرنیکا قصد کرنا تاکہ دوسرا ڈرے

شرح شبیری۔ آن الخ۔ یعنی اہل غزان ترک نے جو کہ خونریز ہوتے ہین لوٹ کے واسطے ایک گاؤن پر حملہ کیا۔ غزان ترک مین سے ایک قوم کو کہتے ہین۔

دو کس الخ۔ یعنی اوس گاؤن کے چودھریون مین سے دو آدمیون کو اونھون نے پا لیا۔ تو اون مین سے ایک کے ہلاک کرنے مین جلدی کی۔

دست الخ۔ یعنی اون لوگون نے اوس کے ہاتھ باندھے تاکہ اوس کو ذبح کرین تو وہ بولا کہ اے پادشاہو اور اے ارکان بلند۔

در چہ الخ۔ یعنی تم مجھے موت کے کنوئین مین کیون ڈالتے ہو اور آخر میرے خون کے تم کیون پیاسے ہو۔

چیست الخ۔ یعنی میرے مارنے مین کیا غرض ہے اور کیا حکمت ہے جبکہ مین ایک فقیر ننگا آدمی ہون مطلب یہ کہ اگر مین کچھ مالدار ہوتا تب بھی خیر یہ سمجھتا کہ میرے مارنے سے تمھین مال ملتا۔ مگر اب کیا فائدہ ہے۔

گفت الخ۔ یعنی اوس قاتل نے کہا کہ تاکہ تیرے ساتھی پر ہیبت بیٹھ جاوے اور تاکہ وہ ڈر جاوے اور روپیہ ظاہر کردے

گفت الخ۔ یعنی اوس دست و پابستہ نے کہا کہ وہ تو مجھ سے بھی زیادہ غریب ہے۔ تو وہ قاتل بولا کہ اوس نے یہ حالت قصداً بنا رکھی ہے اور اوس کے پاس روپیہ بہت ہے۔

گفت الخ۔ یعنی اوس نے کہا کہ جب وہم ہے تو پھر ہم دونون برابر ہین اور مقام احتمال اور شک مین ہین مطلب یہ کہ ہم دونون کے پاس شبہ ہے کہ شاید مین مالدار ہون اور شاید یہ ہو جب دونون برابر ہین تو مجھے مت مارو بلکہ

خود الخ۔ یعنی خود اسی کو مار ڈالو اے سرکار تاکہ مین ڈر کر روپیہ کا پتا بتادون یعنی پھر مجھے مت مارو۔ بلکہ اوسکو مار ڈالو

تاکہ اوس کے قتل سے مجھے عبرت ہو اور اسکی کیا ضرورت ہو کہ میرے قتل سے اوسکو عبرت ہو اس لیے کہ حالت تو ہماری دونون ہی کی مشکوک ہے۔ آگے مولانا فرماتے ہین کہ۔

پس الخ۔ یعنی پس حق تعالے کے الطاف دیکھو کہ ہم سب کے بعد آخر زمانہ مین تو آئے ہین۔ اور حالت یہ ہے کہ۔

آخرینا الخ۔ یعنی سارے اقران کے آخر مین ہین اور سب سے بڑھے ہوئے ہین حدیث مین ہے نحن آخرون السابقون مطلب یہ کہ دیکھو یہ امت ہے تو سب کے بعد مگر درجہ مین سب سے افضل ہے فالحمد للہ علی ذلک اور دلیل اسکی یہ ہے کہ حدیث مین ہے نحن آخرون السابقون۔ اور اس اخیر زمانہ مین پیدا کرنے مین یہ لطف اور نعمت ہے کہ پہلے لوگون کو ہمارے لیے عبرت بنایا اور اونکے قصے ہمکو سُنائے۔ تاکہ عبرت حاصل ہو مگر ہمین اون کے لیے عبرت نہین بنایا تو دیکھو کس قدر بڑی رحمت اور فضل ہے اسی کو فرماتے ہین کہ

تا ہلاک الخ۔ یعنی تاکہ قوم نوح اور قوم ہود کی ہلاکت کو عارض رحمت نے ہمین دکھلایا۔ عارض کہتے ہین اوسکو جو لشکر کو ملاحظہ کے لیے پیش کرے۔ مطلب یہ کہ رحمت حق نے اون کے حالات اور اونکی ہلاکت کے اسباب کو ہمارے سامنے پیش کیا جس سے کہ ہمین عبرت ہوئی۔

کشت الخ۔ یعنی حق تعالے نے انکو ہلاک کیا تاکہ اوس سے ہم ڈرین اور اگر کہین اسکا عکس ہوتا تو بڑی خرابی ہوتی۔ آگے پہلے لوگون کی ناشکری و کفر وغیرہ کے حالات کا بیان ہے جو اس امت کو عبرت کے لئے سنائے گئے ہین۔

شرح حبیبی

هر چه زایشان گفت از عیب و گناه　　وز دل چون سنگ وز جان سیاه

وز سبکساری فرمانهای او　　وز فراغت از غم فردای او

وز هوس در عشق این دنیای دون　　چون زنان مر نفس را بودن زبون

وان فرار از نکتهای ناصحان　　وان رمیدن از لقای صالحان

با دل و با اهل دل بیگانگی　　با شهان تزویر و روبه شانگی

سیرچشمان را گدا پنداشتن　　وز حسدشان خفیه دشمن داشتن

گر پذیرد چیز تو گوئی گداست　　ورنه گوئی مکر و تزویر و دغاست

گر درآمیزد تو گوئی طامع است　　ورنه گوئی در تکبر مولع است

گر تحمل کرد گوئی عاجز است　　ور غور آمد تو گوئی گربزست

یا منافق وار عذر آری که من　　مانده ام در نفقهٔ فرزند و زن

نے مرا پروائے سر خاریدن است　　نے مرا پروائے دین ورزیدن است

اے فلان مارا بهمت یاد دار　　تا شویم از اولیا پایان کار

این سخن هم نے ز سوز و درد گفت　　خوابناکے هرزه گفت و باز خفت

ہیچ چارہ نیست از قوت عیال ازین دندان کنم کسب حلال
چہ حلال اے گشتہ از اہل ضلال غیر خون تو نمی بینم حلال
از خدا چارہ استش و از قوت نے چارہ است از دین و از طاغوت نے
ایکہ صبرت نیست از دنیائے دون صبر چون داری ز نعم الماہدون
ایکہ صبرت نیست از ناز و نعیم صبر چون داری ز اللہ کریم
ایکہ صبرت نیست از پاک و پلید صبر چون داری ازان کت آفرید
ایکہ صبرت نیست از آب سیاہ صبر چون داری تو از چشمہ آلہ
ایکہ صبرت نیست از فرزند و زن صبر چون داری زبیچے ذو المنن
ایکہ می گوئی خدا بخشد ترا آن فریب غول میدان بر ترا
گو خلیلے تو برون آمد زغار گفت ہذا رب ہان کو کردگار
من نخواہم در دو عالم بنگریست تا ندانم کاین دو مجلس آن کیست
بے تماشائے صفتہائے خدا گر خورم نان در گلو گیرد مرا
چون گوارد لقمہ بے دیدار او بے تماشائے گل و گلزار او
جز بامید خدا زین آب خور کہ خورد یک لقمہ الا گاؤ و خر
آنکہ کالانعام بد بل ہم اضل گرچہ پر مکرست آن گندہ بغل
مکر او سر زیر او سر زیر شد روزگاری برد و روزش دیر شد
فکر گاہش کند شد عقلش خرف عمر شد چیزے ندارد چون الف
آنچہ مے گوید درین اندیشہ ام این ہم از دستان این نفس ست ہم
آنچہ مے گوید غفورست و رحیم نیست آن جز حیلہ نفس لئیم
اے زغم مردہ کہ دست از نان تہی ست چون غفورست و رحیم این ترس چیست

حق تعالے نے پہلی امتون کے جو کچھ عیوب۔ معاصی۔ سنگدلی۔ سیاہ جانی احکام کا استخفاف۔ آخرت سے بفکری ہوا وہوس عشق دنیائے دنی۔ عورتون کی طرح مغلوب نفس ہونا ناصحون کے نصیحتون سے گریز۔ نیکون کی صحبت سے بھاگنا۔ قلب روشن اور اہل دل سے لگاؤ نہ ہونا۔ اہل اللہ کے ساتھ حیلہ بازی اور مکاری۔ سیر چشمون کو حریص سمجھنا حسد سے انکا چھپا دشمن ہونا وغیرہ وغیرہ یہ سب باتین تمھاری عبرت کے لیے ہین مگر افسوس تم کو تنبہ نہین ہوتا اور اہل اللہ کے ساتھ تمھارا وہی برتاؤ ہے جو انکا تھا۔ چنانچہ اگر اہل اللہ کوئی تمھارا ہدیہ قبول کر لیتے ہین تو اون پر گداگری کا الزام لگایا جاتا ہے اور اگر قبول نہین کرتے تو انکو مکار فریبی دغاباز کہا جاتا ہے اگر وہ ملتے ہین تو ان کو حریص کہا جاتا ہے اور جو عزلت اختیار کرتے ہین تو ان پر غایت تکبر کا الزام لگایا جاتا ہے اگر وہ تحمل کرتے ہین تو وہ مجبور سمجھے جاتے ہین اور اگر غیرت کو کام مین لاتے ہین تو تند خو بد مزاج کہلاتے ہین کبھی انکے ساتھ منافقانہ عذر کیا جاتا ہے کہ کیا کہون بیوی بچون کے خرچ سے پریشان ہون مجھے تو سر کھجانے کی

بھی فرصت نہین اور دین کے کامون مین مصروفی کی ذرا بھی مہلت نہین حضور ہمکو دعا مین یا درکھین کہ حق سبحانہ ہمکو بھی دولت باطنی عطا فرمادین۔ لیکن یہ بات بھی کچھ سوز و گداز سے نہین ہوتی۔ بلکہ نیند اور غفلت مین ایکبات تم زبان سے نکل جاتی ہے اور پھر وہی غفلت طاری ہوجاتی ہے۔ تم یہ بھی کہتے ہو کہ مجھے بال بچون کے کھانے پینے کی فکر ہے اور مین نہایت جانکاہی کے ساتھ کسب حلال مین مصروف ہون۔ ارے گمراہ کیسا حلال میرے نزدیک تو تیرا خون حلال ہے اور تو واجب القتل ہے غضب کی بات ہے کہ خدا کے بغیر تو تو رہ سکتا ہے اور کھانے پینے کے بغیر نہین ۔ دین کے بغیر تو تو رہ سکتا ہے۔ شیطان کے بغیر نہین۔ ارے تجھکو دنیائے دنی کے بغیر صبر نہین خالق دنیا کے بغیر تجھے کیونکر صبر ہوتا ہے۔ ارے تو ناز و نعم کے بغیر صبر نہین کرسکتا۔ حق سبحانہ کے بغیر تجھے کیونکر صبر ہوتا ہے۔ ارے تجھکو پاک و ناپاک حلال و حرام امتعۂ دنیویہ کے بغیر صبر نہین تجھے اپنے پیدا کرنے والے کے بغیر کیونکر صبر آتا ہے۔ ارے تجھکو جوڑے اور کپڑے کے بغیر صبر نہین تو حق سبحانہ کے صاف شفاف چشمۂ فیض کے بغیر کیونکر صبر کرتا ہے ارے تجھکو بیوی بچون کے بغیر صبر نہین حی ذوالمنن کے بغیر تجھے کیونکر صبر ہوتا ہے ارے تو کہتا ہے کہ خدا مجھے یون ہی بخشدے گا اوسکو فریب شیطان سمجھ۔ کاش کوئی خلیل اللہ علیہ السلام کی طرح ہو جنھون نے غار سے نکلتے ہی طلب حق شروع کردی تھی اور خدا کو ڈھونڈھنا شروع کردیا تھا اور کہدیا تھا کہ مین عالم علوی و عالم سفلی کیطرف اسوقت تک التفات نکرونگا جب تک یہ نہ معلوم کرلون کہ دونون مجلسین کسکی ملک ہین۔ جب تک حق سبحانہ کی صفات کا مشاہدہ نکرونگا روٹی بھی کھاؤنگا تو میرے گلے مین اٹکے گی سمجھ مین نہین آتا کہ بدون اوس کے دیدار کے اور بدون اوس کے گل و گلزار صفات و افعال کے نظارہ کے کیونکر روٹی ہاضم ہوتی ہے۔ ہم تو کہتے ہین کہ بغیر وصل حق سبحانہ کی امید کے بجز گاؤ و خر کے یعنی اون لوگون کے جو چوپایون کے مثل ہون۔ بلکہ ان سے بھی گمراہ ہون اگرچہ چالاک ہون کوئی بھی لقمہ نہین کھاسکتا۔ ایسے لوگون کا مکر بھی زبون ہے اور وہ خود بھی سرنگون ہین اون کا زمانۂ کار ختم ہوچکا ہے اور دن ناوقت ہوگیا ہے۔ اون کا دماغ بھس گیا ہے عقل بھگ گئی ہے اون کی عمر برباد ہوچکی ہے اور وہ الف خالی ہین اور توشۂ آخرت کچھ بھی اون کے ہمراہ نہین اور وہ جو کہتا ہے کہ مین زاد آخرت کی فکر مین ہون یہ بھی اوس کے نفس کا مکر ہے اور یہ جو کہتا ہے کہ خدا غفور الرحیم ہے یہ بھی اسکی نفس کی چال ہے۔ اوس سے کوئی پوچھے تو کہ تو جو اس غم سے جان گھلائے دیتا ہے کہ مین خالی ہاتھ ہون میرے پاس کھانے کو نہین یہ کیون جب خدا کو غفور رحیم سمجھتا ہے تو یہ ڈر کیسا۔ پس سمجھ لے کہ یہ سب حیل نفسانیہ ہین اور بالکل ایسا ہی ہے جیسا کہ ایک طبیب کا ایک بڈھے کی شکایت کو ناشی از ضعف بتانا۔ تفصیل اوسکی یہ ہے کہ۔

خود پرستون اور ناشکرون کی حالت کا بیان کہ جنھون نے انبیا علیہم السلام اور اولیاء کرام رضی اللہ عنہم کے وجود پر شکر نہ کیا۔ اور ان کے حقوق ادا نہ کئے

شرح شبیری۔ ہر چہ الخ۔ یعنی حق تعالیٰ نے جو اون کی حالت بیان کی عیب اور گناہ اور اون کی سنگدلی سے اور جان سیاہ سے۔

وز الخ ۔ یعنی حق تعالیٰ کے احکام کو ہلکا سمجھنا اور غم فردا سے فراغت ہونا ۔
وز الخ ۔ یعنی اور ہوس سے دنیائے کمینی کے عشق سے اور عورتون کی طرح اس نفس کے تابع ہونے سے ۔
وان الخ ۔ یعنی اور وہ نفرت ناصحون کی باتون سے اور وہ بھاگنا نیکون کی صحبت سے ۔
با دل الخ ۔ یعنی دل اور اہل دل کے ساتھ بے گانگی اور (حقیقی) بادشاہون کے ساتھ مکر اور فریب ۔
سیر چشمانرا الخ ۔ یعنی سیر چشم حضرات کو فقیر سمجھنا اور حسد کی وجہ سے اس کو خفیہ دشمن سمجھنا ۔ یہ سب قصے جو سنائے گئے ہین یہ اسلئے ہین کہ ہم عبرت حاصل کرین ۔
گر پذیرد الخ ۔ یعنی اگر یہ حضرات کوئی شے قبول کر لین تو کہتے ہین کہ فقیر ہے اور اگر نہ قبول فرماوین تو کہو کہ مکر ہے اور دھوکا ہے اور دغا ہے ۔
گر در آمیزد الخ ۔ یعنی اگر اختلاط کرین تب تو کہو کہ لالچی ہے اور اگر اختلاط نہ کرین تو کہتے ہین کہ تکبر مین حریص ہین ۔
گر تحمل الخ ۔ یعنی اگر دتمھاری ایذا دہی پر) تحمل کرین تو کہتے ہو کہ عاجز ہین اور اگر غیرت مند ہون اور تمسے بدلا لین تو کہتے ہین کہ مکار ہے ۔ غرض کہ کسیطرح اون کو چین نہین لینے دیتے اور ہر حال مین اون کے مخالف اور دشمن ہین یہ تو اون کی حالت ہے جو مخالف ہین آگے موافقین کی حالت کا بیان ہے کہ ۔
یا منافق الخ ۔ یعنی یا منافقون کی طرح عذر کرتے ہو کہ حضرت یہ خادم فرزند و زن کے نفقہ مین لگا رہتا ہے ۔
نے مرا الخ ۔ یعنی مجھے سر کھجلانے تک کی فرصت نہین ہے اور نہ دین سیکھنے کی فرصت ہے ۔
اے فلان الخ ۔ یعنی اجی حضرت مجھے دعا مین یاد فرمایا کیجئے تاکہ مین بھی اولیاء کاملین مین سے ہو جاؤن مولانا فرماتے ہین کہ ۔
این الخ ۔ یعنی یہ بات بھی درد دل سے نہین کہی بلکہ ایک سوتے ہوئے کی طرح بڑبڑایا اور پھر سو گیا ۔ یعنی خواب غفلت سے ذرا بیدار ہوا ہی تھا کہ پھر سو گیا ۔ اور غافل ہو گیا کاش اگر دعا کی فرمایش ہی دل سے کرتا ۔ تب کچھ بھی شاید کام چل جاتا اب نہ تو خود کچھ کرے اور دوسرون سے کہے تو وہ صرف نام کرنے کو وہ بھی دل سے نہین تو بتاؤ کام چلے تو کس طرح چلے ۔ اور عرض کرتے ہو کہ ۔
ہیچ الخ ۔ یعنی بال بچون کے نفقہ سے مجبور ہون ۔ اور بتہ دل سے کسب حلال کرتا ہون ۔ چونکہ حلال روزی تو دنیا مین کم ہے اس لئے تمام وقت اسی فکر مین کٹ جاتا ہے اب مولانا کو غصہ آگیا کہ نالائق مکر و فریب کی باتون سے باز نہین آتا ۔ اس لیے فرماتے ہین کہ
چہ حلال الخ ۔ یعنی حلال کیا ہے ارے تو اہل ضلال مین سے ہو گیا ہے ۔ اور مین تو سوائے تیرے خون کے اور کچھ حلال سمجھتا نہین ہون ۔
از خدا ہست الخ ۔ یعنی تجھے خدا سے تو چارہ ہے اور روزی سے نہین ہے اور دین سے تو چارہ ہے اور طاغوت سے نہین ہے مطلب یہ کہ خدا کو تو چھوڑ سکتا ہے مگر کسب کو نہین چھوڑ سکتا ۔ شرم کر شرم ۔
ایکہ صبرت الخ ۔ یعنی ارے تجھے اس دنیائے کمینی سے تو صبر آتا نہین پھر حق تعالیٰ سے کس طرح صبر آتا ہے ۔
ایکہ صبرت الخ ۔ یعنی ارے تجھے اس ناز و نعم دنیاوی سے تو صبر آتا ہی نہین پھر اللہ کریم سے کس طرح صبر آ گیا ۔

ایکہ صبرت الخ۔ یعنی ارے تجھے اس مجموعہ پاک و پلید سے تو صبر ہوتا ہی نہین پھر اوس سے کسطرح صبر کر لیتا ہے کہ جس نے تجھے پیدا کیا۔

ایکہ صبرت الخ۔ یعنی ارے تجھے آب سیاہ (ذلیل شے) سے تو صبر ہو ہی نہین سکتا پھر حق تعالےٰ کی چشم رحمت سے کس طرح صبر کرتا ہے۔

ایکہ صبرت الخ۔ یعنی ارے تجھے فرزند و زن بغیر تو صبر ہوتا ہی نہین تو پھر ذوالمنن سے کس طرح صبر کرتا ہے۔

ایکہ میگوئی الخ۔ یعنی اے تو جو کہہ رہا ہے کہ خدا تجھے بخشدے گا تو اس کو شیطان کا دھوکہ سمجھ اور اس سے آگے بڑھ یعنی تو جو معاصی مین مبتلا ہے اور کہتا ہے کہ اللہ تعالےٰ الغفور الرحیم ہے وہ بخشدے گا۔ تو اس کو وسوسہ شیطان سمجھ اور اس سے درگذر کر آگے ترقی کرو۔

کو خلیلے الخ۔ یعنی کہان ہین خلیل جو کہ غار سے باہر آئے اور کہا کہ ہذا ربی (پھر کہا کہ) ہان کردگار کہان ہے۔ یہ قصہ مشہور ہے کہ حضرت خلیل اللہ علیہ السلام بچپن سے ایک تہ خانہ مین پلے تھے اور جب نکلے تو ستارون اور آفتاب وغیرہ کو دیکھکر کہا اٹھے کہ ہذا ربی مگر چونکہ فطرت اور استعداد سلیم تھی اس لیئے فوراً اس کے افول کے بعد طلب حق مین لگ گئے تو اس مشہور کی بناء پر مولانا فرماتے ہین کہ بھلا حضرت خلیل اللہ کی طرح اب کون سلیم الطبع اور سلیم الفطرت ہو کہ جو خود ہی قدرت حق کی شناخت کرے بلکہ تو یہی ہو کہ جسکو حق تعالےٰ ہدایت دین اور خود طلب کرے اوسی کو میسر ہو سکتی ہے آگے بھی اون ہی کے اقوال کی روایت بالمعنی فرماتے ہین۔

من نخواہم الخ۔ یعنی مین دونون عالم مین سے کسی کا طالب نہین ہون (اس لیئے کہ بے تحقیق طالب ہونا) تنگری ہے جبتک کہ یہ نہ جان لون کہ یہ دو عالم کس کی ملک ہے۔ مطلب یہ کہ اونھون نے ارشاد فرمایا کہ جب تک کہ یہ تحقیق نہو جاوے کہ یہ دو عالم کس کی ملک ہے اسوقت تک مین کسیکا بھی طالب نہین ہوتا اور یہ فرمایا کہ۔

بے تماشائے الخ۔ یعنی صفات حق کو دیکھے بغیر اگر مین روٹی کھاؤن تو میرے گلے ہی مین اٹک جاوے آگے مولانا فرماتے ہین کہ۔

چون الخ۔ یعنی اوس کے دیدار بغیر اور اوسکے گل و گلزار کے تماشا بغیر کس طرح لقمہ پچتا ہے۔

جز الخ۔ یعنی خدا کی امید بغیر اس دنیا سے سوائے گاؤخر کے اور کون لقمہ کھا سکتا ہے۔

آنکہ الخ۔ یعنی جو کہ حیوانات کیطرح تھا بلکہ اون سے بھی زیادہ گمراہ تو وہ گندہ فعل اگرچہ پر مکر ہے۔ مگر۔

مکر او الخ۔ یعنی اوسکا مکر بھی ذلیل ہوا اور وہ بھی ذلیل ہوا اور زمانہ اوسکو لے گیا۔ اور اوسکا دن دیر ہو گیا یعنی حق تعالےٰ سے الگ ہو کر اور اونکو خفا کر کے بھلا کون ہے جو پھر چین سے رہ سکے ہان جو کہ حیوانات کی طرح ہو بلکہ اون سے بھی گیا گذرا ہوا وہ ایسا کرتا ہے اور اگرچہ یہ کتنا ہی مکار ہو اور چلتا ہوا ہو مگر حق تعالےٰ کے سامنے کچھ نہین چل سکتا آخر تباہ و برباد ہو گا۔ اور اوس کی یہ حالت ہو گی۔

فکر الخ۔ یعنی اوسکی فکر کاہ کندہ ہو گئی اور اوسکی عقل خراب ہو گئی اور اوسکی عمر برباد ہو گئی اور الف کیطرح کچھ بھی نہین رکھتا۔

آنچہ الخ۔ یعنی یہ جو کہہ رہا ہے کہ مین اس فکر مین ہون یہ بھی اس نفس کا مکر ہے یعنی جو کہتا ہے کہ مثلاً بیٹے کا نکاح

کرلون تب اللہ اللہ کردن یہ اس نفس کا مکر ہے اور اس طرح حق تعالٰی کی طرف مشغولی سے باز رکھتا ہے۔
و انچہ النخ۔ یعنی یہ جو کہہ رہا ہے کہ حق تعالٰے غفور رحیم ہے تو یہ بجز اوس نفس لئیم کے حیلہ کے اور کچھ نہین ہے۔ یعنی تو جو معاصی مین مبتلا ہے اور کہتا ہے کہ اللہ غفور الرحیم ہے بخش دینگے یہ ساری مکاری اس نفس کی مکاری ہے کہ اس طرح معاصی مین مبتلا رکھتا ہے آگے اس غفور الرحیم سمجھنے کا ایک الزامی جواب دیتے ہین
اے النخ۔ یعنی ارے تو جو غم سے مردہ ہو رہا ہے کہ روٹی سے ہاتھ خالی ہے تو جب غفور الرحیم ہے تو پھر خوف کیسا ہے یعنی تو جو مرا جا رہا ہے کہ کھانے کو نہین ملتا تو کمبخت جب تو حق تعالے کو غفور الرحیم سمجھتا ہے تو پھر یہ خوف کس بات کا ہے سمجھ لے کہ غفور الرحیم ہے وہ بھوکا تھوڑا ہی رکھے گا دے ہی گا۔ لہذا یہ جسقدر ذکر اللہ مین دیر ہو رہی ہے یہ ساری اس نفس سرکش کی شرارت ہے لہذا اس کا علاج کر۔ آگے ایک حکیم اور بڈھے کی حکایت لاتے ہین کہ اوس بڈھے نے حکیم سے جو شکایت کی حکیم نے سبکو بڑھاپے کی وجہ سے کہدیا تو وہ بڈھا خفا ہو گیا۔ اسی طرح یہ ساری خرابیان ہمارے نفس کی بدولت واقع ہو رہی ہین اور اگر کوئی ہم سے کہتا ہے تو ہمین غصہ آتا ہے تو جسطرح اوس بڈھے کا غصہ بے محل تھا اسی طرح ہمارا غصہ بھی ظاہر ہے کہ بے محل ہے اور اسکا علاج ضروری ہے ورنہ اگر کہین اس کی سرکشی بڑھ گئی تو پھر لا علاج ہو جاویگا۔ اب حکایت سنو۔

شرح حبیبی

گفت پیرے مر طبیبے را کہ من ۔۔۔ در زحیرم از دماغ خویشتن
گفت از پیریست آن ضعف دماغ ۔۔۔ گفت در چشمم ز ظلمت ہست داغ
گفت از پیریست اے شیخ قدیم ۔۔۔ گفت پشتم درد مے آرد عظیم
گفت از پیریست اے شیخ نزار ۔۔۔ گفت ہر چہ میخورم نبود گوار
گفت ضعف معدہ ہم از پیریست ۔۔۔ گفت وقت دم مرا دم گیریست
گفت آرے انقطاع دم بود ۔۔۔ چون رسد پیری دو صد علت شود
گفت کم شد شہوتم یکبارگی ۔۔۔ گفت از پیریست این بیچارگی
گفت پایم سست شد از رہ بماند ۔۔۔ گفت کز پیریست در کنجت نشاند
گفت پشتم چون کمانے شد دوتا ۔۔۔ گفت کز پیریست این رنج و عنا
گفت تاریک ست چشمم اے حکیم ۔۔۔ گفت کز پیریست اے پیر حلیم
گفت اے احمق برین بر دوختی ۔۔۔ از طبیبے تو ہمین آموختی
اے مدمغ عقلت این دانش نداد ۔۔۔ کہ خدا ہر درد را درمان نہاد
تو خر احمق ز اندک مایگی ۔۔۔ بر زمین ماندی ز کوتہ پایگی
پس طبیبش گفت اے عمر تو شصت ۔۔۔ این غضب وین خشم ہم از پیریست
چون ہمہ اجزا و اعضا شد نحیف ۔۔۔ خویشتن داری و صبرت شد ضعیف
بر نتابد دو سخن زو ہے کنند ۔۔۔ تاب یک جرعہ ندارد قے کنند

ایک بڑے میاں نے کسی طبیب سے کہا کہ مین دماغ سے بہت رنج ہو گیا اوس نے کہا بڑے میان یہ ضعف دماغ بڑھاپے کے سبب سے ہے اوس نے کہا کہ میری آنکھ مین کچھ دھندلا پن ہے اوس نے کہا بڑے میان یہ بھی بڑھاپے سے ہے اوس نے کہا میری کمر مین بھی بہت درد رہتا ہے اوس نے کہا یہ بھی بڑھاپے سے ہے۔ اوس نے کہا کہ کھانا بھی ہضم نہین ہوتا اوس نے کہا ضعف معدہ کا سبب بھی بڑھاپا ہے۔ اوس نے کہا سانس لیتے وقت کبھی کبھی مجھے سانس بھی نہین آتا۔ اوس نے کہا کہ جب بڑھاپے مین انقطاع دم بھی عارض ہوجاتا ہے پیری وصد عیب تو معلوم ہی ہے۔ اوس نے کہا شہوت بھی نہین ہوتی کہا یہ مجبوری بھی بڑھاپے سے ہے۔ اوس نے کہا مجھے چلا بھی نہین جاتا۔ اوس نے کہا بڑھاپے ہی نے آپکو گوشہ نشین بھی کیا ہے۔ اوس نے کہا کہ میری کمر بھی جھک گئی ہے۔ کہا یہ بھی بڑھاپے سے ہے اوس نے کہا مجھے دکھلائی بھی کم دیتا ہے۔ اوس نے کہا یہ بھی بڑھاپے کے سبب ہے اوس نے کہا کمبخت تو تو ایک ہی بات پر جم گیا۔ کیا طب مین تو نے ایک ہی بات سیکھی ہے۔ ارے بدماغ تجھے عقل سے اتنا نہین معلوم کہ خدا نے ہر بیماری کی دوا پیدا کی ہے۔ تو احمق گدھا اپنی بے بضاعتی سے اسی پستی مین رہ گیا اور ایک بات کے سوا کچھ سیکھا ہی نہین۔ اوس نے کہا کہ آپ پچپن سال سے گذر کر ساٹھ سال ہو گئے ہین یہ قہر و غضب بھی آپکا بڑھاپے کے سبب ہے۔ چونکہ تمام اعضا مین ضعف آگیا اسلیے خودداری اور تحمل کمزور ہو گیا ایسا شخص دو بات نہین برداشت کر سکتا۔ اور چلا اٹھتا ہے اور ایک جرعہ بھی نہین پی سکتا۔ فوراً قے کر دیتا ہے۔ پس جس طرح پیری وصد عیب معلوم ہے یون ہی نفس و صد حیلہ بھی سمجھنا چاہئے اور ہمارے اس کہنے پر کہ یہ بھی حیلہ نفس ہے یہ بھی حیلہ نفس ہے کچھ استبعاد نہ ہوا چاہئے۔

ایک بڈھے کا ایک حکیم کے سامنے اپنے امراض کو بیان کرنا اور اس حکیم کا جواب

شرح شبیری۔ گفت الخ۔ یعنے ایک بڈھے نے ایک طبیب سے کہا کہ مین اپنے دماغ کی وجہ سے بڑی مشکل مین ہون

گفت الخ۔ یعنے اوس طبیب نے کہا کہ یہ ضعف دماغ بڑھاپے کی وجہ سے ہے تو اوس بڈھے نے کہا کہ میری آنکھ مین ظلمت کا داغ ہے۔

گفت الخ۔ یعنی طبیب نے کہا کہ اے پرانے بڈھے یہ بھی بڑھاپے کی وجہ سے ہے تو بولا کہ میری کمر مین بھی بہت درد رہتا ہے

گفت الخ۔ یعنی طبیب نے کہا کہ اے ضعیف بڈھے یہ بھی بڑھاپے کی وجہ سے ہے تو بولا کہ مین جو کھاتا ہون وہ ہضم بھی نہین ہوتا۔

گفت الخ۔ یعنی طبیب نے کہا کہ ضعف معدہ بھی بڑھاپے ہی کی وجہ سے ہے تو وہ بولا کہ سانس لینے مین میرا سانس گھٹتا ہے

گفت الخ۔ یعنی حکیم نے کہا کہ ہان سانس کا انقطاع بھی ہوتا ہے اس لیے کہ جب بڑھاپا آتا ہے تو سیکڑون بیماریان ہو جاتی ہین۔

گفت الخ۔ یعنی اوس بڈھے نے کہا کہ میری شہوت یکبارگی گم ہو گئی ہے تو طبیب نے کہا کہ یہ بیچارگی بھی بڑھاپے ہی کی وجہ سے ہے۔

گفت الخ۔ یعنی بڑھے نے کہا کہ میرا پاؤں سست ہو گیا اور چلنے سے عاجز ہو گیا۔ طبیب نے کہا کہ یہ بھی بڑھاپے سے ہے۔ کہ تجھے ایک کونہ میں بٹھا دیا ہے۔

گفت الخ۔ یعنی بڈھے نے کہا کہ میری کمر کمان کی طرح دوہری ہو گئی ہے طبیب نے کہا کہ یہ تکلیف اور مجبوری بڑھاپے کی وجہ سے ہے۔

گفت۔ الخ۔ یعنی بڈھے نے کہا کہ حکیم جی میری آنکھ بھی تاریک ہے طبیب نے کہا کہ اے پیر حلیم یہ بھی بڑھاپے کی وجہ سے ہے یہ سنکر بڑے میاں کو غصہ آ گیا اور بولے کہ۔

گفت الخ۔ یعنی بڈھا بولا کہ ارے احمق تو ایک ہی بات پر سل گیا ہے کیا تو نے طبیبی سے یہی سیکھا ہے اور بولا کہ اے الخ۔ اسے ستکبر عقل نے تجھے اتنی سمجھ نہیں دی کہ خدا تعالیٰ نے ہر درد کا علاج رکھا ہے اور تو وہی مرغے کی ایک ٹانگ کہے جا رہا ہے کہ سب بڑھاپے کی ہی وجہ سے ہے۔

تو خر الخ۔ یعنی تو گدھا احمق کم علمی کی وجہ سے اور اپنی کوتاہی کی وجہ سے زمین ہی پر پڑا ہوا ہے۔ مطلب یہ کہ وہ بولا کہ گدھے تجھے نہ عقل ہے اور نہ علم ہے ایک بات سیکھ لی وہی ہر بات میں کہدیتا ہے کچھ اور بھی سیکھا تھا۔ یہ سنکر طبیب نے جواب دیا کہ۔

پس الخ۔ یعنی پس طبیب نے کہا کہ ارے ساٹھ برس کے بڈھے یہ غصہ اور غضب بھی بڑھاپے ہی کی وجہ سے ہے۔

چون ہمہ الخ۔ یعنی جبکہ سارے اجزا اور اعضا کمزور ہو گئے تو خود داری اور صبر تمہارے اندر کم ہو گیا۔ لہذا غصہ زیادہ ہو گیا ہے اس لیے میں اسکا بھی برا نہیں مانتا۔

بر نتابد الخ۔ یعنی بات میں صبر تو کر نہیں سکتا جلدی ہی غل مچانے لگتا ہے اور ایک گھونٹ کی تاب نہیں رکھتا بلکہ فوراً قے کر دیتا ہے۔ مطلب یہ کہ اب ضعیف ہو گئے ہو اس وجہ سے غصہ وغیرہ سب بڑھ گیا ہے تو دیکھو اسی طرح جو معاصی وغیرہ سرزد ہوں ان سب کو نفس ہی کی شرارت اور اسی کی طرف سے سمجھو کہ یہ ساری اسی کی حرکتیں ہیں۔ جیسے کہ وہاں ساری باتیں بڑھاپے کی وجہ سے تھیں آگے مولانا فرماتے ہیں کہ۔

شرح حبیبی

جز مگر پیرے کہ از حق است مست	در درون او حیات طیب است
از برون پیر ست و در باطن صبی	خود کیانند آن ولی و آن نبی
گر نہ پیدا اند پیش نیک و بد	چیست با ایشان خسان را این حسد
ور نمی دانندشان علم الیقین	چیست این بغض و حیل سازی و کین
ور بدانند جزائے رستخیز	چون زنند خویش بر شمشیر تیز
بر تو می خندد مبین او را چنان	صد قیامت در درونستش نہان
دوزخ و جنت ہمہ اجزائے اوست	ہرچہ اندیشی تو آن بالائے اوست
ہرچہ اندیشی پذیرائے فنا است	آنکہ در اندیشہ نا ید آن خدا ست

بر در این خانه گستاخی ز چیست | گر همی دانند کاندر خانه کیست
ابلهان تعظیم مسجد مے کنند | در جفاے اہل دل جد میکنند
آن مجازست این حقیقت ای خران | نیست مسجد جز درون سروران
مسجدے کان اندرون اولیاست | سجده گاه جمله است آنجا خداست
تا دل مرد خدا نامد بدرد | ہیچ قومے را خدا رسوا نکرد
قصد جنگ انبیاے داشتند | جسم دیدند آدمی پنداشتند
در تو ہست اخلاق آن پیشینیان | چون نمی ترسی که باشی تو ہمان
عادت آن ناسپاسان در تو رست | نا بدت ہر بار دلو از چه درست
آن نشانیها ہمه چون در تو ہست | چون تو زیشانی کجا خواہی برست

سب بڈھون کی یہی حالت ہوتی ہے مگر بجز اُس بڈھے کے جو حق سبحانہ کی محبت سے مست ہوا ور جسکے اندر نہایت عمدہ زندگی بھری ہوئی ہے۔ یہ شخص دیکھنے مین بڈھا معلوم ہوتا ہے مگر باطن مین بچہ ہے کہ اوسکے قوے ترقی پر ہین۔ جانتے ہو یہ کون لوگ ہین یہ انبیا و اولیا ہین۔ ہم دعوے کرتے ہین کہ یہ لوگ اپنے کمال کے لحاظ سے ہر نیک و بد کے سامنے ظاہر ہین وجہ اوسکی یہ ہے کہ اگر ایسا نہوتا تو کمینون کو ان کی کس بات پر حسد ہوتا اور اگر وہ ان کے کمال کو بعلم الیقین نہ جانتے ہوتے تو یہ عداوت۔ چالبازی کینہ کیون ہوتی کیونکہ یہ سب تو کمال ہی سے ہوتے ہین۔ پس ثابت ہو گیا کہ انکا کمال واضح ہے اور مخالفین بھی اسکو جانتے ہین مگر افسوس اون کو اس کے نتیجہ بد کی خبر نہین کیونکہ اگر وہ جانتے ہوتے کہ اس کا نتیجہ قیامت مین کیا ہوگا تو اپنے کو تلوار سے کیون ٹکراتے۔ اور خود اپنے ہاتھون کیون ہلاک ہوتے اچھا ہم اب پھر مضمون سابق کیطرف انتقال کرتے ہین اور کہتے ہین کہ اگر وہ باانہمہ نفاق مذکورہ بالا تجھ سے ہنسے تو اوس کو ہنستا ہوا نہ جان بلکہ سمجھ کہ اس کے اندر سو قیامتین پوشیدہ ہین۔ قیامت کے دوزخ و جنت تو دور ہین خود اوسکے تمام اجزا ر دوزخ و جنت ہین اور مظہر ہین قہر و لطف حق سبحانہ کا لہذا وہ سراپا قہر و لطف الٓہی ہے۔ خلاصہ یہ کہ اون کے مقابلہ مین تو جو یہ گستاخیان اور چالبازیان اور نفاق کی باتین کر رہا ہے اسپر اگر وہ ہنسین تو اوس کو انکی رضا نہ سمجھنا بلکہ اس ہنسی مین سو قیامتین پنہان ہین۔ اور جسطرح انکا لطف بیڑا پار کرنے والا ہے یون ہی انکا قہر باطن کو مسخ کر دینے والا ہے۔ یہ لوگ تمہارے اندیشہ سے بالاتر ہین۔ وجہ یہ ہے کہ جو کچھ تم سوچتے ہو وہ فانی ہے اور جو اندیشہ سے باہر ہے وہ خدا تعالے ہے اور یہ لوگ متخلق باخلاق اللہ اور باقی ببقاء الحق ہین لہذا یہ بھی تمہارے اندیشہ سے باہر ہین لیکن تمھین ان کی حالت معلوم نہین۔ کیونکہ اگر تم جانتے ہو کہ یہ کسکا گھر ہے اور کون اپنی تجلی رکھتا ہے۔ تو اس گھر کے دروازہ پر یہ گستاخی کیسی پس معلوم ہوا کہ لوگ ان کے مرتبہ کو نہین جانتے۔ یہ احمق مسجد کی تو تعظیم کرتے ہین اور کرنی بھی چاہئے۔ لیکن زیادتی یہ کرتے ہین کہ اہل دل کو ستاتے ہین حالانکہ مسجد انکے مقابلہ مین مجازا بیت اللہ ہے اور یہ لوگ اوسکے لحاظ سے حقیقۃً بیت اللہ ہین اس لیے کہ مسجد بھی انھین کے باعث بیت اللہ ہے کیونکہ اسکی مسجدیت جو منشا ہے اس کے بیت اللہ ہونے کا ان ہی سے مستفاد ہے لہذا اصل مسجد انھین حضرات کے دل ہین۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ حق سبحانہ قلوب اولیاء اللہ مین ہین۔ یعنی حق سبحانہ کی تجلی

ان سب سے زیادہ اور سب سے خاص اور سب سے متمیز ہے۔ لہذا سب ساجدین کے سجدہ گاہ قلوب اولیاء اللہ ہی ہوں گے۔ پس اصل مسجد وہی ہوں گے جب یہ معلوم ہوا کہ اصل مسجد یہی ہیں۔ اب سمجھو کہ حق سبحانہ کے نزدیک کرم ہیں کہ حق سبحانہ کسی گناہ کے باعث کسی قوم کو تباہ نہیں کرتے بجز ایذاء اہل اللہ کے۔ اب تک خدا نے کسی قوم کو اُسوقت تک رسوا نہیں کیا جب تک کہ اوس نے کسی باخدا کو ایذا نہیں دی۔ انکی ایذا کا سبب صرف یہ تھا کہ ادنھوں نے ادنکو جسم سمجھا اور اپنی طرح آدمی خیال کیا اب تم سوچو کہ وہی باتیں تمھارے اندر بھی ہیں۔ پھر تمکو اندیشہ کیوں نہیں کہ ایسا نہو کہ تمھارا بھی وہی حشر ہو جو انکا ہوا۔ تمھارے اندر انھیں لوگوں کی سی خرابیاں پیدا ہو گئی ہیں یاد رکھو کہ حق سبحانہ ہمیشہ درگذر نہ کرینگے۔ کبھی پکڑ بھی لینگے۔ کیونکہ جب تم اپنے اندر وہی نشانیاں رکھتے ہو جو امم سابقہ میں تھیں تو تم بھی اسی نتیجہ کے مستحق ہو جو انکو ملا تھا۔

شرح شبیری۔ جز مگر الخ۔ یعنی مگر سوائے اوس بڈھے کے کہ جو حق تعالے کا مست ہو کہ اوس کے اندر حیات طیبہ موجود ہے۔ مطلب یہ کہ یہ حالت مذکورہ بے شک بڈھوں کی ہوتی ہے مگر اون ہی کی جنکو حق تعالے کے ساتھ تعلق اور لگاؤ نہو ورنہ جسکو حق تعالے سے تعلق ہو اوس کے اندر تو قوت قدسیہ ایسی ہے کہ اُسکو اس حالت تک کہ اوس کے حواس تک گم ہو جاویں نہ پہونچنے دے گی گو ظاہری اعضا کمزور ہو جاویں مگر پھر بھی اطاعت حق میں یہ اعضاء ظاہری بھی دوسرے تندرستوں اور جوانوں سے بہتر ہوتے ہیں جیسے کہ مشاہد ہے اوسکی تو یہ حالت ہے۔

از برون الخ۔ یعنی ظاہر میں تو بڈھا ہے اور باطن میں بچہ ہے اور وہ کیا ہے وہ ولی اور نبی ہے۔ مطلب یہ کہ اون حضرات کی یہ حالت ہوتی ہے کہ اگرچہ بظاہر ضعیف معلوم ہوں مگر باطن میں وہ جوان ہوتے ہیں اور اونکو باطن میں ہر وقت بچہ کی طرح نشو و نما ہوتا ہے۔ آگے فرماتے ہیں کہ۔

گر نہ الخ۔ یعنی اگر ہر نیک و بد کے سامنے ظاہر نہیں ہیں تو پھر ان کمینوں کو اون کے ساتھ حسد کیوں ہے۔ مطلب یہ کہ ان حضرات کی یہ حالت ایسی ہے کہ ہر کس و ناکس جانتا ہے اور فرماتے ہیں کہ اگر ہر شخص کو علم نہوتا تو پھر ان حضرات سے حسد کیوں کرتے معلوم ہوتا ہے کہ اون کے پاس کچھ سمجھتے ہیں جب تو اونکو حسد ہوتا ہے۔

ور نہ الخ۔ یعنی اور اگر وہ علم الیقین کے درجہ میں نہیں جانتے تو پھر یہ بغض اور حیلہ سازی اور کینہ کیسا ہے۔ پس تو یہ یقینی ہے کہ یہ سب جانتے ہیں کہ یہ حضرات کامل ہیں اور اونکے پاس کچھ ہے کہ جو ہمارے پاس نہیں ہے اس کو سب جانتے ہیں مگر ہاں چیز کو نہیں جانتے اور وہ یہ کہ۔

ور بدانستے الخ۔ یعنی اگر وہ قیامت کے دن کی جزا کو جانتے تو پھر اپنے کو شمشیر تیز پر کیوں مارتے۔ مطلب یہ کہ اگر وہ جانتے کہ ان بغض و حسد کا نتیجہ قیامت میں یہ ہوگا تو پھر ہرگز ان حضرات سے بغض نہ رکھتے کہ یہ بہت بڑی بلا ہے۔

بر تو الخ۔ یعنی وہ تمھاری (باتوں) پر ہنسے تو تم اونکو ویسا ہی مت جانو کہ اونکے اندر سیکڑوں قیامتیں پوشیدہ ہیں۔ مطلب یہ کہ اگر دیکھو کہ کوئی بزرگ کسی بات پر ناراض ہوتے ہی نہیں بلکہ خوش رہتے ہیں تو اس سے دہوکہ میں مت پڑو کہ بعض مرتبہ وہ حلم سے کام لیتے ہیں مگر حق تعالے اونکا بدلا لے لیتے ہیں۔ لہذا یاد رکھو کہ اونکی دل شکنی اور دل آزاری سے ہمیشہ پرہیز کرو۔

روزخ۔ یعنی دوزخ اور جنت سب اُن کے اجزا ہین اور تم جو کچھ سوچو وہ اوس سے بالاتر ہے دوزخ اور جنت کا اوس کے اجزا ہونے کے یہ معنی ہین کہ جس طرح جسم کی ایذا دہی سے اعضا بدلا لینے کیلئے تیار ہوتے ہین۔ اسیطرح ان حضرات کی ایذا دہی سے دوزخ اور جنت اوس موذی سے بدلا لے لیتے ہین لہذا گویا کہ یہ دوزخ اور جنت ان حضرات کے اعضا وا جزا ہوئے دوسرے مصرعہ مین جو کہا ہے کہ تم کچھ سوچو اوس سے یہ حضرات بالاتر ہین اس پر بظاہر یہ شبہ ہوتا تھا کہ پھر نعوذ باللہ حق تعالے سے بھی زیادہ ہین اس لیے اس کا جواب بطور دفع دخل مقدر کے فرماتے ہین کہ۔

ہر چہ الخ۔ یعنی تم جو کچھ سوچتے ہو وہ سب فانی ہین اور جو کہ اندیشہ مین نہین آتا وہ حق تعالے ہے مطلب یہ کہ ہم نے کہا ہے کہ جو چیزین کہ تم سوچو اون سب سے یہ حضرات برتر ہین اور حق تعالے اندیشہ اور ذہن مین آ نہین سکتے لہذا وہ اس عموم مین داخل ہی نہین ہین جو اعتراض پڑ سکے۔

بر درِ الخ۔ یعنی اس گھر کے دروازہ پر گستاخی کیون ہے جبکہ جانتے ہین کہ گھر مین کون ہے مطلب یہ کہ جب لوگ یہ جانتے ہین کہ یہ بزرگ ہین اور مقبولان حق ہین پھر یہ گستاخی کیون کرتے ہین یہ بیوقوف اتنا نہین سمجھتے کہ اون کے دلون مین حق تعالے بسے ہوئے ہین اور قلوب خانۂ خدا ہین۔

ابلہان الخ۔ یعنی بیوقوف لوگ صرف مسجد کی تو تعظیم کرتے ہین اور اہل دل کے ستانے مین کوشش کرتے ہین۔ حالانکہ آن الخ۔ یعنی ارے گدھو وہ مسجد (ظاہری) تو مجاز ہے اور یہ (قلوب) مسجد حقیقی ہین اور مسجد تو بجز قلوب سرداران کے اور کوئی شے نہین ہے۔ اس لیے کہ اصل تو خانۂ خدا اور بیت اللہ قلب مومن ہی ہے کسی نے اسی کو کہا ہے کہ ؎ کعبہ بنگاہ خلیل آذر ست + دل گذرگاہ جلیل اکبر ست۔

مسجدے الخ۔ یعنی وہ مسجد جو کہ اولیاء اللہ کے قلوب ہین وہ سب کے سجدہ گاہ ہین اس لیے کہ اوس جگہ خداوند تعالے ہین اندرون اولیاء اللہ مسجود ہونے کے یہ معنی ہین کہ اولیاء اللہ کے قلوب کے کل اشیاء تابع ہوتے ہین اور مطیع و فرمانبردار ہوتے ہین اہی بعض مرتبہ یہ شکل سجدہ نظر آتا ہے جیسا کہ بعض بزرگون نے لکھا ہے کہ ان کو منکشف ہوا کہ ایک تخت پر ایک بے کیف نور ہے اور کل خلائق اوس کے سامنے سربسجود ہین تو اوسکو بعض سالکین نور حق سمجھ گئے حالانکہ وہ نور روح کا تھا چونکہ وہ بھی تو عالم مجردات سے ہے اس لیے اوسکا نور بے کیف نظر آیا۔ اور وہ سجدہ اوس روح کی اطاعت و فرمانبرداری کا اظہار تھا اور اوسکو نور حق سمجھ کر بعض نے اوسکی پرستش کی ہے اللھم احفظنا۔ سچ یہ ہے کہ بزرگون نے جو کہا ہے کہ کشف آفت ہے بالکل درست کہا ہے۔ اور اسی لیے ہمارے حاجی صاحب رحمۃ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ حجب نورانیہ اشد ہین حجب ظلمانیہ سے اس لیے کہ ظلمانیہ مین انسان یہ تو سمجھتا ہے کہ مین حجاب مین ہون اور اگر حجب نورانیہ ہین پھر تو اپنے کو واصل سمجھنے لگتا ہے بڑی خرابی کی بات ہے خدا بچاوے تو فرماتے ہین کہ ان حضرات کے قلوب تو وہ ہین کہ جنکے تا بعدار حق تعالے نے تمام عالم کو بنایا ہے تو بڑے افسوس کی بات ہی کہ ظاہری بیت اللہ کی تو اسقدر عظمت اور اس بیت اللہ کے ساتھ یہ برتاؤ افسوس صد افسوس۔ اور فرماتے ہین کہ۔

تا دل الخ۔ یعنی جب تک کہ کسی مرد خدا کا دل در د مین نہ آوے اسوقت تک حق تعالے کسی قوم کو رسوا نہین

فرماتے۔ لہذا چاہیے کہ ان حضرات کی دل آزاری سے بچین آگے پھر امم سابقہ کی حالت کو بیان فرماتے ہین۔
قصد الخ۔ یعنی وہ لوگ انبیا علیہم السلام کے جنگ کا قصد کرتے تھے اور اُنھون نے صرف جسم کو دیکھا اور صرف آدمی ہی سمجھا اور اون کے کمالات کو نہ دیکھا آگے فرماتے ہین کہ۔
در تو الخ۔ یعنی تیرے اندر اون پہلون کے اخلاق ہین تو تو ڈرتا کیون نہین کہین تو بھی اون ہی مین سے نہو جاوے
عادت الخ۔ یعنی اون ناشکرون کی عادت تیرے اندر بھی پیدا ہوگئی تھر دفعہ ڈول کنوین سے درست نہین نکلتا اور وہ عادت وہی دل آزاری اہل اللہ کی ہو تو سمجھ لو کہ اگر ایک بار وبال نہین تو یہ نہین کہ ہر بار نہ آوے ممکن ہے کہ کسی دفعہ ایسا وبال آوے کہ پھر سارا کیا کرایا غارت ہو العیاذ باللہ۔
آن الخ۔ یعنی وہ نشانیان جب تیرے اندر ہین اور تو اونہین ہی سے ہے تو اب تو کہان چھوٹ سکتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ وہ لوگ تو انبیا علیہم السلام کو ایذا دیتے تھے اور اُنکی تکذیب کرتے تھے اور تم اون کے جانشینون کی تکذیب اور دل آزاری کرتے ہو تو جب اس امر مین تم اور وہ دونون شریک ہوئے تو اب بتاؤ کہ اوس عذاب وغیرہ سے جو اون کو ملے گا تم بھی تو نہین چھوٹ سکتے مناسب جلدی استغفار کرو اور ان باتون کو چھوڑو کہ انکا وبال سخت ہے اور دوسرے اُنکی باتین اور اون پر وعیدین سنکر خود سبق حاصل کرو اور سمجھو کہ یہ ساری نشانیان خود ہمارے اندر ہین تو کہین خدانخواستہ یہ وعیدین بھی ہمارے ہی لیے ہون جیسے کہ ایک شخص مرگیا تھا تو اوس کا لڑکا نوحہ کرتا جارہا تھا اور کہہ رہا تھا کہ ابا افسوس تجھے ایک ایسے مکان مین لیے جاتے ہین کہ جہان نہ چراغ ہے نہ فرش ہے وغیرہ وغیرہ یعنی قبر مین تو ایک دوسرا لڑکا اپنے باپ سے بولا کہ ابا یہ تو ساری نشانیان ہمارے گھر کی ہین معلوم ہوتا ہے کہ اس کو ہمارے یہان لیے جاتے ہین تو دیکھو دوسرے کی بات سنکر جسطرح اس بچہ نے یہ سمجھا کہ یہ علامات ہمارے گھر کی ہین تم بھی تو سمجھو اور اون علامات سے توبہ کرو اور اونکو چھوڑو تاکہ کام بنے اس حکایت کو آگے مولانا فرماتے ہین کہ۔

شرح حبیبی

کودکے در پیش تابوت پدر	زار مے نالید و بر مے کوفت سر
کاے پدر آخر کجایت مے برند	تا ترا در زیر خاکے آورند
مے برندت خانۂ تنگ و زحیر	نے درو قالی و نے درو حصیر
نے چراغے در شب و نے روز نان	نے درو بوئے طعام و نے نشان
نے درش معمور و نے سقف و نہ بام	نے درو بہر ضیائے ہیچ جام
نے درو از بہر مہمان آب چاہ	نے یکے ہمسایہ کو باشد پناہ
چشم تو کہ بوسہ گاہ خلق بود	چون شود در خانۂ کور و کبود
خانۂ بے زینہار و جائے تنگ	کہ درو نے روئے میماند نہ رنگ
زین نسق اوصاف خانہ مے شمرد	وز دو دیدہ اشک خونی می فشرد

گفت جوجی با پدر کای ارجمند
گفت جوجی را پدر ابله مشو
این نشانیها که گفت او یک بیک
نی حصیر و نی چراغ و نی طعام
زین نمط دارند بر خود صد نشان
خانهٔ آن دل که ماند بی ضیا
تنگ و تاریکست چون جان جهود
نی دران دل تاب نور آفتاب
گور خوشتر از چنین دل مر ترا
زندهٔ و زنده زاد ای شوخ و شنگ
یوسفی وقتی و خورشید سما
یونس در بطن ماهی پخته شد
گر نبودی او مسبح بطن نون
او به تسبیح از تن ماهی بجست
گر فراموشت شد آن تسبیح جان
هر که دید الله را اللهی ست
این جهان دریاست تن ماهی و روح
گر مسبح باشد از ماهی رهید
ماهیان جان درین دریا پرند
بر تو خود را می زنند آن ماهیان
ماهیان را گر نمی بینی پدید
ماهیان جمله روح بی حسد
صبر کردن جان تسبیحات تست
هیچ تسبیحی ندارد آن درج
صبر چون جسر صراط آنسو بهشت
تا ز لالا می گریزی وصل نیست
تو چه دانی ذوق صبر ای شیشه دل
مرد را ذوق از غزا و کر و فر
جز ذکر نی دین او و ذکر او

روا نند این را خانهٔ ما می برند
گفت ای بابا نشانیها شنو
خانهٔ ما راست بی تزویر و شک
نه درش معمور و نی سقف و نه بام
لیک کی بینند آنرا طاغیان
از شعاع آفتاب کبریا
بینوا از ذوق سلطان ودود
نی گشاد عرصه و نی فتح باب
آخر از گور دل خود بر تر آ
دم نمی گیرد ترا زین گور تنگ
زین چه و زندان بر آ در و نما
مخلصش را نیست از تسبیح بد
حبس و زندانش بدی تا یبعثون
چیست تسبیح آیت روز الست
بشنو این تسبیحهای ماهیان
هر که دید آن بحر را او ماهی است
یونس محجوب از نور صبوح
ورنه در وی هضم گشت و ناپدید
تو نمی بینی که کوری و نشر ندهٔ
چشم بگشا تا ببینی شان عیان
گوش تو تسبیح شان آخر شنید
نی در ایشان کبر و کین و نی حسد
صبر کن کانست تسبیح درست
صبر کن کالصبر مفتاح الفرج
هست با هر خوب یک لالای زشت
زانکه لالا را ز شاهد فصل نیست
خاصه صبر از بهر آن نقش چگل
مر مخنث را بود ذوق از ذکر
سوی اسفل برد او را فکر او

گر بر آید تا فلک از وے مترس — کو بعشق سفل آموزید درس
او بسوے سفل مے راند فرس — گرچہ سوئے علو جنبا ند جرس
از علمہائے گدایان ترس چیست — کان علمہا لقمۂ نان را رایتست
این سخنہا را نکو دریاب تو — ورنہ میدانی شنو از باب تو

ایک بچہ اپنے باپ کے تابوت کے سامنے روتا ہوا جارہا تھا وہ زار زار روتا جاتا تھا اور سر پیٹتا جاتا تھا اور یہ کہتا جاتا تھا کہ اے باپ یہ لوگ تجھے کہان لیجا رہے ہین - یہ تجھے مٹی کے نیچے دبا دینگے یہ تجھے ایک تنگ اور تکلیف دہ مکان مین لیجا رہے ہین جسمین نہ قالین ہے نہ بوریا نہ رات کو چراغ ہے نہ دن کو روٹی - اوسمین کھانے کا تو نام و نشان بھی نہین نہ اوس مین دروازہ بنا ہوا ہے نہ چھت ہے نہ کوٹھا ہے نہ اوس مین روشندان ہے - نہ اوس مین حمان کے لیے کنوین کا پانی ہے نہ کوئی پڑوسی ہے جو برے وقت کا ساتھی ہو۔ اے تیرا جسم جو مخلوق خدا کا بوسہ گاہ تھا اس تیرہ و تار گھر مین کیسے رہیگا - یہ تو ایسا بے پناہ - اور تنگ گھر ہے کہ اسمین نہ منہ باقی رہتا ہے اور نہ رنگ - غرض اسی طرح وہ اس گھر کے اوصاف بیان کررہا تھا اور آنکھون سے اشک خون بہا رہا تھا - یہ سنکر جوجی نے اپنے باپ سے کہا کہ ابا اسکو تو ہمارے گھر لیے جاتے ہین اوس کے باپ نے اس سے کہا کہ بیوقوف نہ بنو تمہارے گھر کیون لیجاتے اوسنے کہا آپ نشانیان سن لیجیے اور دیکھیئے کہ بالکل ہمارے ہی گھر کی ہین یا نہین جو کچھ اسنے نشانیان بیان کی ہین ایک ایک ہمارے گھر مین موجود ہین اور اسمین کوئی دھوکا یا شبہ نہین نہ ہمارے گھر مین بوریا ہے نہ چراغ ہے نہ کھانا ہے نہ اوس کا دروازہ بنا ہوا ہے نہ اسمین چھت ہے نہ کوٹھا ہے - غرض جسطرح قبر کے نشانات جوجی کے گھر مین موجود تھے یون ہی امم سابقہ کی نشانیان سیکڑون انہین موجود ہین - لیکن یہ گمراہ انکو دیکھتے نہین جو دل کہ شعاع آفتاب کبریا سے منور اور حق سبحانہ کی معرفت رکھنے والا نہو وہ بلا شبہ ارواح یہود کیطرح تاریک اور ذوق معرفت حق سبحانہ سے بے بہرہ ہے نہ اسمین نور معرفت حق سبحانہ کی چمک ہو نہ اوس مین انشراح ہے اور نہ معارف الہیہ فیوض ربانیہ کے لیے اوس کا دروازہ کھلا ہوا ہے ارے بدنصیب ایسے دل سے تو تیرے لیے قبر بہتر ہے ارے اس قبر قلب سے نکل یعنی اس دل کو چھوڑ جو قبر کی مثل تنگ اور بے نور اور بے در ہو اور اوس کو منور - وسیع اور مفتوح الباب بنا آخر تو حیات رکھتا ہے جماد نہین - نیز تو زندہ کی اولاد ہے پھر اس قبر کی مثل تنگ دل سے تیرا جی کیون نہین گھبراتا تو ما شاء اللہ یوسف کی طرح حسین اور خورشید چہرہ ہو ارے اس جیلخانہ مین کیون پڑا ہوا ہو اور دل تنگ مین کیون محبوس ہے - ذرا باہر نکل اور اپنی نور فطری کو ظاہر کرکے ناظرین و عارفین کے دل کو خوش کردیکھ تیرے یونس کو مچھلی نے کھا لیا ہے - اور وہ اس کے اندر گھٹ گئے ہین - لہذا انکے چھڑانیکے لیے تسبیح کی ضرورت ہے اگر یونس علیہ السلام شکم ماہی مین تسبیح نہ کرتے اور لا الہ الا انت سبحانک انی کنت من الظالمین - نہ پڑھتے تو قیامت تک اوس کے پیٹ مین رہتے اور نکل نہ سکتے لپس سمجھ لے کہ صرف تسبیح ہی اوس سے چھڑانے والی ہے اور تسبیح ہی کی بدولت وہ اس جیلخانہ سے رہا ہوئے - پس تو تسبیح کر وہ تسبیح کیا ہے آیت روز الست یعنی معرفت حق سبحانہ اور اسکی الوہیت اور اپنی عبودیت کا صدق دل سے اقرار اور اسپر قایم رہنا - اگر وہ تسبیح

تجھے یاد نہین تو اور مچھلیون سے سیکھ لے۔ اب ہم تجھکو بتلاتے ہین کہ وہ مچھلیان کون ہین سمجھ لے کہ جن لوگون نے اللہ کو دیکھا اور اسکی معرفت حاصل کی وہ اللہ والا ہے۔ اور جس نے اس دریا کی سیر کی وہ مچھلی ہے۔ خلاصہ یہ کہ وہ مچھلیان اہل اللہ ہین اب ہم یہ بھی بتلاتے ہین کہ یونس سے کیا مراد ہے۔ اور اون کو کھانے والی مچھلی کون ہے اور دریا کیا ہے سو سن۔ دریا سے مراد عالم ہے اور یونس سے روح اور مچھلی سے تن پس تیری روح کو تیری تن پروری نے حق سبحانہ سے محجوب کردیا ہے۔ اب اگر یہ تسبیح کرے تو اس مچھلی سے چھوٹ کر عارف ہو سکتی ہے۔ ورنہ اوسکے پیچ مین ہلاک ہو جائیگی۔ اور خسران ابدی مین مبتلا ہو جائیگی۔ اوپر ہم نے عارفین سے تسبیح سیکھنے کی ترغیب دی تھی اب ہم بتلاتے ہین کہ یہ عارفین کہان ہین سو جان لے کہ یہ لوگ دنیا ہی مین ہین مگر تو اونکو اپنی کور باطنی کے باعث دیکھ نہین سکتا۔ یہ لوگ تجھ سے دور بھی نہین بلکہ قریب ہی ہین چشم بصیرت حاصل کرتا کہ تو انکو دیکھ سکے ان کی شناخت یہ ہو کہ وہ سراسر روح ہین اور انمین تن پروری کا نام نہین نہ انمین تکبر ہے۔ نہ کینہ نہ حسد اور نہ کوئی خصلت ذمیمہ اچھا اگر وہ تجھے دکھلائی بھی نہین دیتے۔ تو ان کے پند و نصائح تو تیرے کانون مین پڑتے ہین انھین پر عمل کر اور یون ہی تسبیح خوان ہو۔ اچھا اس تسبیح کا ایک اصول ہم تجھے بتلاتے ہین جب اس اصول پر کاربند ہوگا۔ تو پوری تسبیح تجھے آجاویگی وہ گر یہ ہے۔ کہ مخالفت نفس کر اور اسمین جو کچھ تکلیف ہو۔ اوس پر صبر کر۔ اصل تسبیح یہی ہے اس کے برابر کوئی تسبیح نہین۔ جب تو صبر کرے گا تو یہ صبر حملہ کشادگیون کا تیرے لیے آلہ بنجاوے گا لان الصبر مفتاح الفرج صبر کو ایسا سمجھو جیسے پل صراط جس کے پار بہشت ہے جب تو اس مرحلہ کو طے کرلیگا۔ تو پھر تیرے لیے راحت ہی راحت ہے۔ الم کا نام نہین۔ راحت مطلوبہ کو حاصل کرنے کے لیے صبر کی تلخی سے پریشان مت ہو دیکھ تو سہی ہر محبوب کے لیے عموماً ایک زشت رو و زشت خو غلام ہوتا ہے اب اگر تو اس بدرو بدخو غلام سے بھاگے گا تو وصل ناممکن ہے۔ کیونکہ وہ غلام تو معشوق سے جدا نہین پس اس سے بھاگنا عین معشوق سے بھاگنا ہے۔ اے ضعیف القلب تجھے صبر کی لذت معلوم نہین بالخصوص وہ صبر جو حق سبحانہ سے محبوب کے لیے ہو اور اوسکو تو جان بھی نہین سکتا کیونکہ ہر کار سے ہر مرد سے۔ مرد کو جنگ اور کر و فر سے دلچسپی ہوتی ہے اور ہیجڑے کو خایہ سے وہ ہر وقت اسی کا ذکر کرتا ہے اور وہی اسکا دین و ایمان ہو اور اسی فکر اسکو اس پستی و ذلت کیطرف مائل رکھتی ہے ع فکر ہر کس بقدر ہمت اوست۔ اگر ایسا شخص آسمان پر بھی پہنچ جاوے اور کیسا ہی عالی رتبہ ہو جاوے مگر تمکو اس سے ڈرنا نہ چاہیئے کیونکہ اوس نے تو نیچے ہی رہنے کے شوق کا سبق پڑھا ہے وہ گو کتنی ہی اولعزمی کی ڈینگین مارے۔ لیکن اسکا اسپ ہمت نیچے ہی کیطرف جائے گا۔ اسکی ڈینگون سے ڈرنے کی کوئی وجہ نہین۔ کیونکہ وہ سب ظاہری ہین جیسے فقیرون کے جھنڈے کہ وہ دیکھنے مین تو شاہی جھنڈون کے مشابہ ہین مگر واقع مین بالکل بے حقیقت ہین اور نے فتوحات مقصود نہین بلکہ وہ تو روٹی کمانے کا آلہ ہین۔ ہماری ان باتون کو اچھی طرح سمجھ لے اور اگر اب بھی سمجھ مین نہ آیا ہو تو اسی کے متعلق ایک قصہ سن۔

ایک لڑکے کا قصہ کہ وہ اپنے باپ کے تابوت کے آگے روتا جاتا تھا اور ایک جحی کا قول

شرح شبیری۔ کودکے الخ۔ یعنی ایک لڑکا اپنے باپ کے تابوت کے آگے زار و نزار رو رہا تھا۔

اور سر کوٹ رہا تھا۔
کاے الخ۔ یعنی کہ اے ابا آخر یہ لوگ تمھین کہان لئے جاتے ہین کیا اسلئے کہ تمکو خاک کے نیچے سونپ دین۔
می برندت الخ۔ یعنی یہ لوگ تمھین ایک تنگ وتاریک گھر مین لئے جاتے ہین کہ نہ اوس مین قالین ہے اور نہ بوریے ہی کا فرش ہے۔
نے چراغ الخ۔ یعنی نہ رات کو چراغ ہے اور نہ دن کو روٹی ہے اور نہ اوس مین کہین کھانے کی بو ہے اور نہ نشان ہو۔
نے درش الخ۔ یعنی نہ اوسکا دروازہ درست اور نہ چھت اور نہ کوٹھا اور نہ اس مین روشنی کیلیے کوئی روشندان ہو۔
نے در ان الخ۔ یعنی نہ اوس مین جہان کے لیے کنوین کا پانی ہے اور نہ کوئی ہمسایہ ہے جو کہ پناہ ہو سکے۔
جسم تو الخ۔ یعنی تیرا جسم جو کہ خلق کا بوسہ گاہ تھا اوس تنگ وتاریک گھر مین کیسے ہوگا۔
خانۂ الخ۔ یعنی ایک بے پناہ گھر ہے اور جائے تنگ ہو کہ اوس مین نہ رونق رہی اور نہ رنگ۔
زین نسق الخ۔ یعنی اس طرح پر اوس گھر کے اوصاف گن رہا تھا اور دونون آنکھون سے اشک خونین جھاڑ رہا تھا۔
گفت الخ۔ یعنی جوجی صاحب اپنے والد سے بولے کہ اے قبلہ خدا کی قسم اوس کو تو ہمارے گھر لیجا رہے ہین۔
جوجی ایک فرضی نام ہے جیسے کہ شیخ چلی۔
گفت الخ۔ یعنی جوجی سے اوس کے باپ نے کہا کہ اے بیوقوف مت بن تو بولا کہ ابا جان ذرا نشانیان تو سنیے۔
این الخ۔ یعنی یہ نشانیان جو اوس نے ایک ایک کرکے بیان کی ہین یہ تو ساری بے شبہ وشک ہمارے ہی گھر کی ہین۔
نے حصیر الخ۔ یعنی بوریا ہو اور نہ چراغ ہے اور نہ کھانا ہے اور نہ دروازہ اوس کا درست ہو اور نہ چھت ہے اور نہ کوٹھا ہو آگے مولانا فرماتے ہین کہ۔
زین نمط الخ۔ یعنی اسیطرح لوگ اپنے اوپر سیکڑون نشانیان رکھتے ہین لیکن سرکش لوگ اونکو کب دیکھتے ہین۔
خانۂ الخ۔ یعنی وہ خانہ دل جو کہ آفتاب کبریا کی شعاع سے بے روشنی رہ جاتا ہے۔
تنگ سا الخ۔ یعنی وہ تنگ وتاریک جان یہود کی طرح ہے اور وہ سلطان ودود (حق تعالی) کے ذوق (لطف) سے بے نور رہتی ہے۔
نے در ان الخ۔ یعنی نہ اوس دل مین نور آفتاب (حق) کی روشنی ہے اور نہ میدان جیسی وسعت ہے اور نہ فتح باب ہے بلکہ ہر وقت تنگی ہی مین گذرتی ہے جیسا کہ ظاہر ہے۔ جب یہ حالت ہے تو اسی پر مولانا فرماتے ہین کہ۔
گور خوشتر الخ۔ یعنی تجھ ایسے دل سے تو گور بہتر ہے تو آخر کار اپنے اس گور دل سے آگے بڑھ۔ مطلب یہ کہ تو نے جو اپنے قلب کو مردہ بنا رکھا ہے اس حالت سے درگذر اور اس حیات ابدی کا مزہ چکھ اور فرماتے ہین کہ۔
زندہ الخ۔ یعنی اے شوخ وشنگ تو تو خود بھی زندہ ہے اور زندہ زادہ ہے پھر اس گور تنگ (دل تنگ) سے تیرا دم نہین گھٹتا۔
یوسف الخ۔ یعنی تو تو (با عتبار استعداد فطری کے) یوسف وقت ہے اور خورشید سما ہے لہذا اس چاہ و زندان سے نکل اور ظاہر ہو۔
یونست الخ۔ یعنی تیرا یونس بطن ماہی مین پختہ ہو گیا ہے اور تو اوس کے مخلص کے لیے سوائے تسبیح کے چارہ

نہین ہے۔ یونس سے مراد استعداد و بطن ماہی سے مراد یہ دنیا اور اس کے علائق۔ مطلب یہ کہ اس دنیا مین رہکر تیری استعداد اصلی جاتی رہی ہو تو اب اوسکی خلاصی تو طاعات سے ہی ہو سکتی ہے۔ جیسے کہ یونس علیہ السلام جب بطن ماہی مین قید ہوئے ہین تو اون کی خلاصی بھی تسبیح و تہلیل ہی سے ہوئی تھی۔

گر نبودی الخ۔ یعنی اگر یونس علیہ السلام مسبح نہوتے تو مچھلی کا پیٹ اون کے لیے قیامت تک جیلخانہ بنجاتا۔ اسی طرح اگر تم بھی طاعت کروگے تو نفس اور شیطان کی قید سے چھوٹ جاؤ گے۔

آن الخ۔ یعنی یونس علیہ السلام تن ماہی سے تسبیح کی وجہ سے نکل آئے اور وہ تسبیح کیا ہو وہ روز الست کی نشانی ہے یعنی استعداد فطری ہے کہ اوسی کو درست رکھنے سے سب کام بنتے ہین۔

گر فراموشت الخ۔ یعنے اگر تجھے وہ تسبیح اصل فراموش ہو گئی ہے تو ان مچھلیون کی تسبیح کو سُنو۔ مطلب یہ کہ اگر تمھاری استعداد خراب ہی ہو گئی ہے اور تمکو یاد حق کسی وقت آتی ہی نہین تو یہی دیکھو کہ مچھلیان جو کہ حیوانات ہین وہ کسطرح تسبیح کرتی ہین جیسا کہ قرآن شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ ان من شئ الا یسبح بحمدہ تو بڑے شرم کی بات ہے کہ وہ تو مسبح ہون اور انسان نہو۔ آگے فرماتے ہین۔

ہر کہ دید الخ۔ یعنی جس نے کہ اللہ کو دیکھ لیا وہ اللہ والا ہے اور جس نے کہ اوس دریا کو دیکھ لیا وہ مچھلی ہی ہو گیا۔

این الخ۔ یعنی یہ جہان دریا ہے اور تن ماہی کی طرح ہے اور روح یونس ہین جو کہ نور صبوح سے محجوب ہین۔

گر مسبح الخ۔ یعنی اگر مسبح رہا تب تو مچھلی سے چھوٹ گیا۔ ورنہ اوس مین ہضم اور ناپدید ہو گیا۔ تو اسیطرح اگر تم اس جہان مین رہکر طاعت نکروگے تو یاد رہے کہ اس ماہی کی صورت مین جو کہ دنیا ہے۔ اور نفس و شیطان ہے ہمیشہ پھنسے رہوگے اور اگر طاعت کروگے تو ماہیان حقیقی یعنی اہل اللہ تمھاری مدد کرین گے۔ اور تم کو اس صورت ہی سے نکالین گے۔

ماہیان الخ۔ یعنی ماہیان حقیقی اس دریا مین بہت ہین مگر تجھے دکھائی نہین دیتین۔ اس لیے کہ تو اندھا ہے ار کمبخت

بر تو خود را الخ یعنی وہ مچھلیان تجپر گر رہی ہین تم آنکھون کو کھولو تو صاف طور پر دیکھ لوگے۔ مطلب یہ کہ حضرات اہل اللہ تمھارے پاس موجود ہین اور تم ہی مین سے ہین مگر ذرا چشم قلب کو کھولو اندھے کیون بنے ہوئے ہو اگر آنکھین کھولوگے تو تم کو وہ حضرات بالکل ظاہر طور پر نظر آوین گے۔

ماہیان الخ یعنی ایسی مچھلیان جو کہ بالکل روح ہی روح ہین اور بے جسد کے ہین نہ اونمین تکبر ہے اور نہ کینہ ہے اور نہ حسد ہے۔

ماہیان را الخ یعنی اگر تم مچھلیون کو ظاہر طور پر نہین دیکھتے تو تمھارے کان نے آخر اون کی تسبیح تو سنی ہے مطلب یہ کہ اگر دیکھو نہین سکتے مگر اون حضرات کے اقوال تو سُن سکتے ہین اون کو سُن کر اونپر ہی عمل کرو کہ اسی سے چشم مبصر بھی حاصل ہو جاویگی۔

صبر کردن الخ۔ یعنی صبر کرنا از مجاہدات وغیرہ پر یہ تمام تسبیحون کی جان ہے لہذا تو صبر کر کہ یہی تسبیح درست ہے مطلب یہ کہ مجاہدہ کرو کہ سب اور باتون سے جبکہ اون کے ساتھ یہ نہ ہو معہ اون کے یہ بہت نافع ہے۔

ہیچ تسبیحے الخ۔ یعنی کوئی تسبیح یہ درجہ نہین رکھتی (جیسا کہ صبر کا درجہ ہے) تو صبر کر کہ صبر ہی کشادگی کی کنجی ہے

صبر الخ۔ یعنی صبر راستہ کے پل کیطرح ہے کہ ہو سکے اوس طرف بہشت ہو اور ہر اچھے کے ساتھ ایک لالا زشت لگا ہوا ہے مطلب یہ کہ ان مجاہدات وریاضات کو ایسا سمجھو جیسے کہ پلصراط کا پل کہ نیچے۔ دوزخ ہو اور اوسپر گذرنا بھی مشکل ہے مگر ساتھ ہی اسطرف بہشت بھی ہے اسیطرح مجاہدات گو کہ نفس پر شاق ہیں مگر انکے بعد عیش دائمی میسر ہے اور بجائی ہر اچھے کے ساتھ ایک برا تو لگا ہی ہوتا ہو جیسے کہ۔ گل کے ساتھ کانٹا۔ لالا کہتے ہین محافظ اور خادم کو تو دیکھو ہر معشوق خوب کے ساتھ ایک محافظ اور خادم سخت اور کالا سیاہ بھی لگا ہوا ہے تو اسی طرح اس نعمت ابدی کے ساتھ یہ مجاہدہ وریاضت لگی ہوئی ہے۔

تا زلالاے الخ۔ یعنی جب تک لالاجی سے بھاگو گے وصل نہین ہو سکتا۔ اسلیے کہ لالا تو معشوق سے الگ ہوتا ہی نہین۔ مطلب یہ کہ دیکھو اگر معشوق سے وصل چاہو تو اوسکی یہ صورت ہے کہ اول اوس لالہ صاحب سے دوستی کرو۔ اور اوسکو اپنا بنا لو پھر وہ تم کو معشوق تک پہونچا دے گا۔ ورنہ یاد رہے کہ اسیطرح ترسوگے اور وصل حاصل نہوگا۔ اسی طرح اگر مجاہدہ وریاضت سے جی چراؤ گے تو ہمیشہ حق تعالے سے الگ رہو گے اور اگر اوسکی سختی اور گرانی کو جھیل گئے تو عیش ابدی میسر ہے۔

تو چہ الخ یعنی اے نازک دل تجھے صبر کی کیا خبر خاص اوس صبر کی جو اوس نقش کامل کیلیے کرنا پڑے۔ مطلب یہ کہ تمھین ان مجاہدات وریاضات کی کیا قدر ہے جو راہ حق اور طلب حق مین ہوتے ہین اس لیے کہ ابھی تم نازک دل ہو اس طرح راہ حق طے ہوئی ہے۔ نازپروردہ تنعم نبرد راہ بدوست۔ عاشقی شیوۂ رندان بلاکش باشد۔ اور۔ اے ترا خارے بپا نشکستہ کے دانی کہ چیست + حال شیرانی کہ شمشیر بلا بر سر خورند + آگے مثال ہے کہ۔

مرد را الخ۔ یعنی مرد کو عزت اور شوکت اور دبدبہ مین لطف آتا ہے اور مخنث کو ذکر سے لطف آتا ہے۔ مخنث سے مراد مفعول ہے۔

جز الخ۔ یعنی سوائے ذکر کے نہ اوس کا دین ہے اور نہ کسی کا ذکر ہے اوس کا فکر اوس کو اسفل کیطرف لیگیا ہے

گر برآید الخ یعنی اگر وہ فلک تک پہونچ جاوے۔ تب بھی اوس سے ڈرو مت اس لیے کہ اوس نے تو نیچے پڑنے کا ہی سبق سیکھا ہے

او بسوئے الخ۔ یعنی وہ سفل کیطرف کو گھوڑا چلا رہا ہے اگرچہ اوپر کیطرف گھنٹہ ہلا رہا ہے۔ (گھنٹہ ہلنے سے مراد مخفی نہین ہے) مطلب یہ کہ دیکھو جو مرد ہوتا ہے اوس کو تو اس مین لطف آتا ہو کہ اوسکی عزت ہو دبدبہ ہو شوکت ہو مراتب اعلی حاصل ہون اسی طرح جو اہل اللہ ہین اون کو بھی یہی تمنا ہوتی ہے اونکو مراتب عالیہ حاصل ہون۔ حق تعالے کے یہان اون کی عزت ہو اور جو شخص مخنث ہوتا ہے اور اوسکو عادت مفعولیت کی ہوتی ہے نیچے پڑنے اور ذکر سے ہی مزا آتا ہو تو اسی طرح جو لوگ کہ طاعت حق نہین کرتے وہ بھی اسفل ہی مین پڑے رہتے ہین مولانا نے تو دونون کی مثال دیدی۔ اب جسکا دل چاہے وہ مخنث بنے اور جس کا دل چاہے مرد بنے۔ غرضکہ مقصود یہ ہو کہ اس ظاہری تن و توش اور ظاہری عزت و دبدبہ کا اعتبار مت کرو کہ بالکل بیکار ہے جبکہ اندر کچھ نہو آگے اسی کی دوسری مثال ہے۔

اِنّہ علمہائے الخ - یعنی فقیرون کے جھنڈے سے خوف ہی کیا اس لیئے کہ وہ علم تو ایک روٹی کے لقمہ کے تابع
ہین - مطلب یہ کہ ظاہرین دیکھو فقیرونکا جھنڈا ایسا ہی ہوتا ہے جیسے کہ لڑائی کا جھنڈا اگر دیکھو تو کہ ایک روٹی
دیدو سب تابع ہین اس لیئے کہ صرف صورت تو اوس علم کی سی ہے مگر حقیقت اوس جیسی نہین ہے -
این الخ - یعنی ان باتون کو اچھی طرح حاصل کرو اگر تم جانتے نہین ہو تو باپ سے سن لو - آگے ایک حکایت لاتے ہین
کہ ایک شخص بظاہر تو بہت موٹا تازہ تھا مگر تھا مخنث تو اوس سے ایک بچہ ڈر گیا تو اوس سے مخنث نے کہا کہ تو درست
اس لیئے کہ میرا یہ جسم صرف دیکھنے ہی کا ہے لعد اصل مین مین ایسا ہون کہ ابھی مین نیچے پڑ دن گا اور تو اوپر ہوگا
نعوذ باللہ تو مولانا کا مقصود اس سے یہ ہو کہ ظاہری جثہ اور دبدبہ اور عظمت و شوکت قابل لحاظ نہین ہے
بلکہ اگر حقیقت مین کچھ ہے وہی معتبر ہے اور حقیقت اولیاء اللہ کرام ہی کو حاصل ہوتی ہے لہذا اہل مرد وہی ہین
اور یہ عوام سب مثل مخنث کے ہین والعیاذ باللہ۔

شرح حبیبی

کنگ زفتے کودکے را یافت فرد　　زرد شد کودک زبیم قصد مرد
گفت ایمن باش اے زیبائے من　　کہ تو خواہی بود بر بالائے من
من اگر ہولم مخنث دان مرا　　ہمچو اشتر برنشین میران مرا
صورت مردان و معنی اینچنین　　از برون آدم درون دیو لعین
آن دہل را مانی اے زفت چو عاد　　کہ برو آن شاخ را می کوفت باد
روبہے اشکار خود را باد داد　　بہر طبلے ہمچو خیکے پر زباد
چون ندیدہ اندر دہل او فربہی　　گفت خوکے بہ ازین خیکے تہی
روبہان ترسند ز آواز دہل　　عاقلش چندان زند کہ لا تقل

ایک سنڈ مسنڈ آدمی جارہا تھا اسکو رستہ مین ایک لڑکا اکیلا ملگیا وہ اوس لڑکے کی طرف
بدنیتی سے بڑھا جب لڑکے نے دیکھا کہ اسکی نیت بد ہی تو اسکا منہ فق ہوگیا اور سمجھا کہ خدا خیر کرے
آج بڑے زبردست سے پالا پڑا ہی جب اوس شخص نے اس لڑکے کی بدحواسی دیکھی تو کہا کہ پریزاد تو ڈر مت مین تیرے
اوپر نہ ہون گا بلکہ تو ہی میرے اوپر ہوگا - مین گو دیکھنے مین سنڈ مسنڈ ہون مگر مین ہیجڑا ہون تو مجھپر سوار رہو اور مجھے
اونٹ کی طرح ہانک - اس واقعہ سے جسطرح ہمارے بیان بالا کی تصدیق ہوتی ہے یون ہی اس سے یہ بھی نتیجہ
نکلتا ہے کہ مصنوعی اہل اللہ کی بھی بالکل یہی حالت ہے کہ دیکھنے مین تو حضرت آدم کی طرح مقدس معلوم ہوتے
ہین - اور باطن مین شیطان کی طرح خبیث - اے مدعی اور ہولی طرح پھولے ہوئے تیری مثال بالکل ایسی ہے
جیسے ڈھول جسکو ایک شخص بجارہا تھا کہ ایک لومڑی نے ہوا سے پھولی ہوئی مشک کے مانند ڈھول کو دیکھکر
اپنے شکار کو کھودیا تھا جب اوس نے دیکھا کہ ڈھول تو بالکل خالی ہے اور اوس کے اندر فربہی نہین جو اوس
نے سمجھی تھی - تو اوسنے کہا کہ اس خالی مشک سے تو سور ہی اچھا ہے پس جس طرح ڈھول نے اپنی ظاہری

صورت سے ایک لومڑی کو دھوکا دیا تھا یون ہی یہ مصنوعی اہل اللہ اہل دنیا کو دھوکا دے سکتے ہین اور وہ بھی ان سے مرعوب ہو سکتے ہین ۔ رہے حقیقت شناس سو وہ تو انکو اوس ڈھول بجانے والے کی طرح اتنا بیٹھے ہین گریبان سے باہر ہے ۔ اچھا اب ایک اور حکایت سنو تاکہ مضمون بالا اچھی طرح تمھارے ذہن نشین ہو جاوے ۔

ایک لڑکے کا ایک موٹے تازہ آدمی سے ڈرنا اور اس ڈبل آدمی کا اوسکی تسکین کرنا

شرح شبیری کنگ زفت الخ یعنی ایک بڑے ڈبل کنگ نے ایک لڑکے کو تنہا پایا تو وہ بچارا لڑکا اوس کے ارادہ کی وجہ سے زرد ہو گیا سمجھا کہ بس اب کمبختی آئی ۔

گفت الخ ۔ یعنی وہ کنگر لو لاکارے میرے پیارے تو بیخوف رہ اس لیے کہ تو تو میرے اوپر ہوگا نعوذ باللہ ۔

من اگر الخ یعنی اگرمین ہولناک ہون تو اوس چیز کو مخنث جان اور اونٹ والے کیطرح مجھپر بیٹھیو اور مجھے چلا مولانا فرماتے ہین کہ ۔

صورت الخ یعنی صورت تو مردون کی اور حقیقت ایسی اور باہر سے تو آدمی اور کمبخت باطن مین ملعون شیطان تھا ۔ آگے اوس مخنث کی ایک مثال فرماتے ہین کہ

آن دُہل الخ ۔ یعنی اسے قوم عاد کی طرح موٹے تازے تو اوس ڈھول کے مشابہ ہو کہ اوس پر ایک شاخ کو ہوا مار رہی تھی ۔

روبہے الخ ۔ یعنی ایک لومڑی نے اپنے شکار کو ضائع کر دیا واسطے ایک طبل کے مشک کی طرح جو کہ ہو اسے پُر تھا ۔ یعنی لومڑی نے سمجھا کہ اس مین آواز بہت ہے تو یہ بہت بڑا شکار ہے اس لیئے جسکو وہ شکار کر رہی تھی اوسکو چھوڑ چھاڑ اس ڈھول کیطرف روانہ ہوئی ۔

چون الخ ۔ یعنی اوسنے اوس ڈھول مین فربہی نہ دیکھی تو بولی کہ اس خالی مشک سے تو سور بہتر ہے ۔ یعنی جب دیکھا کہ صرف آواز ہی آواز ہے اور اندر سے خالی ہے تو بہت پچھتائی اسی طرح عوام بھی بظاہر تو بہت ہی معزز اور مکرم معلوم ہوتے ہین مگر اندر سے بالکل خالی اور کورے ہوتے ہین

روبہان الخ ۔ یعنی لومڑیان تو ڈھول کی آواز سے ڈرتی ہین اور عاقل آدمی اوسکو مارتا ہے کہ چپ رہ ۔ مطلب یہ کہ ان ظاہری کر و فر والون سے عوام کی تو پھونک نکلی جاتی ہے مگر جو عاقل ہین اون کو پروا بھی نہین ہوتی بلکہ وہ ان کی عزت و آبرو کو ذلت سمجھتے ہین اس لیے کہ صرف ظاہر ہی مین ہے حقیقت اور باطن مین کچھ نہین ہے آگے ایک اور حکایت اسی مضمون کی ہے ۔

شرح حبیبی

می شد اندر بیشہ بر اسپ نجیب	یک سوارے با سلاح و بس مہیب

تیر اندازی بحکم او را بدید	پس ز خوف او کمان را برکشید
تا زند تیرے سوارش بانگ زد	من ضعیفم گرچه زفتستم جسد
هان و هان منگر تو در زفتے من	کم ترم در وقت جنگ از پیرزن
گفت رو که نیک گفتی ورنه نیش	بر تو مے انداختم از ترس خویش
بے رجولیت چنان تیغے بمشت	بس کسا نرا آلت پیکار کشت
گر بپوشی تو سلاح رستمان	رفت جانت چون نباشی مرد آن
جان سپر کن تیغ بگذار اے پسر	هر که بے سر بود زین شه برد سر
آن سلاحت حیله و مکر تو است	هم ز تو زایید و هم جان تو خست
چون نکردی هیچ سودے زین حیل	ترک حیلت کن که پیش آید دول
چون یکے لحظه نخوردی بر ز فن	ترک فن گو مے طلب رب المنن
چون مبارک نیست بر تو این علوم	خویشتن گولے کن و بگذر ز شوم
چون ملایک گوی لا علم لنا	یا الٰهی غیر ما علمتنا
حیله و مکر اندرین ره سود نیست	هر که شد مغرور عقل او کودنیست
یک حکایت بشنو اے صاحب قبول	در میان جهل و عقل بوالفضول

ایک مسلح اور بارعب سوار ایک اعلے درجہ کے گھوڑے پر سوار ہو کر ایک جنگل مین جا رہا تھا - ایک تیر انداز نے اوسے دیکھا - اور یہ سمجھکر کہ ایسا نہو کہ یہ شخص مجھے مار ڈالے کمان کھینچ لی اور تیر مارنے ہی کو تھا کہ سوار چلایا کہ ارے مجھے نہ مارنا مین گو سنڈ مسنڈ ہون مگر واقع مین مین کمزور ہون - دیکھ خبردار تو میرے موٹاپے پر نظر نہ کرنا - کیونکہ مین تو لڑائی مین ایک بڑھیا سے بھی کمزور ہون - اوسنے کہا کہ خیر چلا جا - ورنہ مین تو ڈر ہی گیا تھا اور ڈر کر تیر مارنے ہی کو تھا - واقعی بات یہی ہے کہ اس ہتھیار باندھنے کی بدولت بہت سے آدمی مارے گئے کیونکہ گو وہ واقع مین ضرر پہونچانیکے قابل نہ تھے مگر اونکے مسلح ہونے سے لوگون کو اپنے ضرر کا خوف ہوا اور اوس سے بچنے کے لیے اونھون نے اون پر وار کیا اور وہ مر گئے اگر یہ ہتھیار نہ باندھتے تو نہ کسیکو ضرر کا شبہ ہوتا اور نہ یہ مارے جاتے - یہ خیال تو کر جب آدمی مین مردانگی نہو تو یون ہاتھ مین تلوار لینی چاہئے ہرگز نہین کیونکہ اگر تم بہادرون کی طرح مسلح ہوگے اور واقع مین مرد نہوگے تو تمہاری جان ہی جائیگی - اس واقعہ سے جسطرح مذکورہ بالا بیان کی تائید ہوتی ہے یون ہی اس سے یہ بھی نتیجہ نکلتا ہے کہ تو اپنی جان کو سپر بنا - اور رضا و تسلیم اختیار کر تلوار کو چھوڑ دے کیونکہ جو شخص مردہ بن گیا اور فنا اختیار کر لی وہی اس میدان کارزار عالم امتحان سے صحیح و سالم بچکر چلدیا جس تلوار کے چھوڑنے کی ہمنے ہدایت کی ہے وہ حیلہ و مکر اور چون و چرا اور متعارف روشن خیالی ہے کہ یہ تجھ ہی سے پیدا ہوتے ہین اور تجھی کو زخمی کرتے اور ضرر دینی ہو جاتے ہین جب تجھے معلوم ہوگیا کہ ان حیلہ و مکر و چون و چرا و روشن خیالی سے تجھے کچھ فائدہ نہین تو انکو چھوڑ - تا کہ تجھے بڑی دولتین رضائے حق و قرب حق وغیرہ نصیب ہون - اور جبکہ اس دانائی سے تجھے ایک وقت بھی پیٹ بھر کر روٹی نہین ملی اور کچھ بھی غذائے روحانی سے تو

بہرہ یاب نہین ہوا پس یہ ہوشیاری چھوڑ اور حق سبحانہ کو طلب کر اور جبکہ تجھے یہ علوم دنیاوی راس نہین تو اپنے کو احمق بنا اور اس نحوست بعید عن الحق سے نکل جا۔ اور یون کہہ جیسے فرشتون نے کہا تھا کہ سبحانک لا علم لنا الا ما علمتنا انک انت العلیم الحکیم اسکے احکام پر اپنی عقل سے رائے زنی مت کر کہ یہ مطابق عقل ہو اور یہ مخالف عقل اور یون ہونا چاہئے تھا۔ یون نہونا چاہئے تھا۔ اچھا اب ایک حکایت سن جس سے عقل و جہل کی حالت معلوم ہو اور ظاہر ہو کہ بعض جہل عقل سے اچھے ہین۔

ایک تیر انداز کا قصہ اور اسکا ایک سوار سے ڈرنا جو جنگل مین تھا

شرح شبیری۔ یک سوارے الخ۔ یعنی ایک سوار معہ ہتھیارون کے اور بہت ہی ہیبتناک جنگل مین ایک عمدہ گھوڑے پر سوار جا رہا تھا۔

تیر اندازی الخ یعنی ایک حکمی تیر انداز نے اوسکو دیکھا تو اوس کے خوف سے کمان کو کھینچ لیا۔

تا زند الخ۔ یعنی تا کہ ایک تیر رسید کرے۔ تو اوس کو سوار نے آواز دی کہ مین کمزور ہون اگرچہ میرا جسم بہت ڈیل ڈول والا ہے۔

ہان الخ۔ یعنی ارے ارے میرے موٹاپے مین مت دیکھ کیونکہ لڑائی کے وقت بڑھیا سے بھی کم ہون۔

گفت الخ۔ یعنی تیر انداز نے کہا کہ جا تو نے اچھا ہوا کہ کہدیا۔ ورنہ مین تیرے اوپر اپنے ڈر کی وجہ سے تیر پھینکتا یعنی چونکہ مجھے اپنی جان کا خوف تھا کہ اتنا ڈیل آدمی آگیا ہے مار ڈالے گا اس لئے مین تجھی کو مار ڈالتا۔ لہذا اچھا ہوا کہ تو نے کہدیا۔ آگے مولانا فرماتے ہین کہ۔

بے رجولیت الخ۔ یعنی بے مردانگی کے ایسی تلوار ہاتھ مین لینا سخت بیوقوفی ہے اس لئے کہ بہت سے آدمیونکو لڑائی کے آلات نے قتل کر دیا۔ یعنی اونھون نے آلات حرب سجا لیے اون کی وجہ سے اور لوگ لڑے اور مارے گئے اور اچھے خالصے رہے جیسے کہ اکثر نامرد بادشاہ ہوتے ہین۔

گر بپوشی الخ۔ یعنی اگر تو رستمون کے ہتھیار پہنتا ہے تو تیری جان جاویگی جبکہ تو ان کا مرد نہین ہے یعنی جب تم اوسکے اہل نہین ہو تو نتیجہ یہ ہوگا کہ تمھاری جان جاوے گی۔

جان سپر الخ یعنی صاحبزادے جان کو سپر بنا دو اور تلوار ظاہری کو چھوڑو اس لئے کہ جو بے سر ہو گیا وہ اس بادشاہ سے غلبہ لے گیا۔

آن الخ۔ یعنی وہ ہتھیار تیرا حیلہ اور مکر ہے کہ تجھی سے پیدا ہوئے اور تیرے ہی جان کو زخمی کیا ہے۔

چون الخ۔ یعنی جبکہ تجھے ان حیلون سے کچھ فائدہ نہوا تو ان حیلون کو چھوڑ تا کہ دوسین سامنے آوین۔

چون یکے الخ۔ یعنی جبکہ تو نے ایک گھڑی بھی عقل اور مکر سے پھل نہ کھایا۔ تو پھر اسکو چھوڑ اور حق تعالے کو طلب کر۔

چون مبارک الخ یعنی جبکہ تجھ پر یہ علوم مبارک نہین ہے تو اپنے کو بیوقوف بنا لے اور اس منحوس سے گذر جا۔

چون الخ۔ یعنی ملائک کی طرح کہدو کہ یا الٰہی ہم اور کچھ نہین جانتے بجز اوس کے کہ جو آپ نے بتا دیا ہے مطلب انکا یہ ہے کہ بس تفویض اختیار کرو اور بجز و تواضع اختیار کرو کہ اسی سے سب کچھ حاصل ہو جاویگا۔

حیلہ و مکر الخ - یعنی اس راہ (حق) مین حیا اور مکر سے کچھ فائدہ نہین ہے اور جو شخص کہ عقل کا مغز رہو وہ کو دن ہے
یک الخ - یعنی اسے صاحب قبول جہل کے اور عقل بو الفضول کے بیان مین ایک حکایت سنو - جس سے
کہ معلوم ہوگا کہ اس عقل بیہودہ سے تو جہل ہی بہتر ہے آگے ایک حکایت لاتے ہین جسکا خلاصہ یہ ہے کہ ایک اعرابی
مالدار اونٹ پر ایک طرف ریگ اور دوسری طرف اناج بھرے ہوے لئے جاتا تھا اور ایک عاقل مفلس پیدل
جا رہا تھا اوس نے اس اعرابی سے دریافت کیا کہ اسمین کیا ہے اس نے بتایا کہ ایک طرف ریت ہے اور دوسری طرف
اناج ہے اس نے کہا کہ بھلا ریت کیون بھرا ہے وہ اعرابی بولا کہ چونکہ اونٹ پر دونون طرف بوجھ برابر ہونا چاہئے
اس لیے ایک طرف اناج بھر کر اوس کے ہموزن ریت بھر لیا ہے اوس عاقل نے کہا کہ اگر اناج ہی کو دونون طرف نصف
نصف بھر لیتا تو اونٹ بھی ہلکا رہتا اور بوجھ دونون طرف برابر ہو جاتا - اوس کو یہ بات بہت پسند آئی غرضکہ اسطرح
کر کے شکریہ مین اوس عاقل کو شتر پر سوار کر لیا - اثناء گفتگو مین دریافت کیا کہ تمھارے پاس کسقدر اونٹ ہین
یا بکریان یا گائین ہین وہ تو مفلس تھا اوس نے سب سے انکار کیا یہ سنکر اوس اعرابی نے اوسکو اونٹ
سے اُتار دیا کہ تمھاری عقل جب اسقدر منحوس ہے کہ تمکو مفلس کر رکھا ہے تو اس سے میرا جہل ہی بہتر ہے کہ
مین مالدار تو ہون - یہ کہکر پھر اوسیطرح ریت بھر لیا کہ مین تیری بات پر عمل بھی نہین کرتا تو دیکھو ایسی عقل سے
جہل ہی بہتر ہے آگے حکایت سنو -

شرح حبیبی

یک عرابی بار کردہ اشترے ... یک جوال زفت از گندم پُرے
وان جوال دیگرش از ریگ پُر ... ہر دو را او بار کردہ بر شتر
او نشستہ بر سر ہر دو جوال ... یک حدیث انداز کرد او را سوال
از وطن پرسید و آورد ش بگفت ... و اندران پرسش بسے دُرہا بسفت
بعد ازان گفتش کہ آن ہر دو جوال ... چیست آگندہ بگو مصدوق حال
گفت اندر یک جوالم گندم است ... در دگر ریگے نہ قوت مردم است
گفت تو چون بار کردی این رمال ... گفت تا تنہا نماند آن جوال
گفت نیم گندم آن تنگ را ... در دگر ریز از پے فرہنگ را
تا سبک گردد جوال و ہم شتر ... گفت شاباش اے حکیم اہل حُر
اینچنین فکر دقیق و راے خوب ... تو چنین عریان پیادہ در لغوب
رحمتش آمد بہ حکیم و عزم کرد ... کہ بر اشتر بر نشاند نیک مرد
باز گفتش اے حکیم خوش سخن ... شمۂ از حال خود ہم شرح کن
اینچنین عقل و کفایت کہ تراست ... تو وزیرے یا شہی برگو ی راست
گفت این ہر دو نیم از عامہ ام ... بنگر اندر حال و اندر جامہ ام

گفت اشتر چند داری چند گاو | گفت نے این ونہ آن مارا مکاو
گفت رختت چیست بارے در دکان | گفت مارا کو دکان و کو مکان
نے ز قوت و نے ز خوت و نے قماش | نے متاع و نیست مطبخ نیست آش
گفت پس از نقد پرسم نقد چند | کہ توئی تنہا رو و محبوب پند
کیمیاے مس عالم با تو ست | عقل و دانش را گہر تو بر تو ست
گنجہا بنہادہ باشی در مکان | نیست عاقل تر ز تو کس در جہان
گفت واللہ نیست یا وجہ العرب | در ہمہ ملکم وجوہ قوت شب
پا برہنہ تن برہنہ می دوم | ہر کہ نانے میدہد آنجا روم
مر مرا زین حکمت و فضل و ہنر | نیست حاصل جز خیال و درد سر
پس عرب گفتش کہ رو دور از برم | تا نبارد شومی تو بر سرم
دور بر آن حکمت شومت ز من | نطق تو شوم است بر اہل زمن
یا تو آن سو رو و من این سو می روم | ور ترا رہ پیش من واپس شوم
یک جوالم گندم و دیگر ز ریگ | بہ بود زین حیلہاے مردہ ریگ
احمقے ام پس مبارک احمقی است | کہ دلم با برگ و جانم متقی است

ایک بدوی نے ایک اونٹ پر دو بڑی گونین لاد رکھی تھین - ایک تو گیہون سے بھری ہوئی تھی اور دوسری ریتے سے اور خود دونون گونون کے اوپر بیٹھا ہوا تھا کسی شخص نے ان گونون کی بابت سوال کیا - مگر اول دطن پوچھا - اور اس طرح اس کو گویا کیا - اور اس بوجھ بجھ مین بہت اعلے درجہ کی باتین کہین اوس کے بعد پوچھا کہ ان بورون مین کیا بھرا ہے اوس نے جواب دیا کہ ایک مین تو گیہون ہین اور دوسری مین غذاے انسانی نہین بلکہ ریت ہے اس نے سوال کیا کہ ریت کیون بھرا ہے - اس نے جواب دیا تا کہ ایک گون خالی نہ رہجائے اور لادی نہ جاسکے اوس نے کہا کہ یہ صورت بہت اچھی ہے کہ نصف گیہون ایک گون مین رہنے دو اور نصف دوسری مین بھردو تا کہ گون بھی ہلکی ہوجاوے اور اونٹ پر بھی زیادہ بوجھ نہو - اوس نے کہا واہ واہ کیا بات فرمائی ہے بیشک یون ہی ہونا چاہئے - اچھا آپ یہ تو فرمائیے کہ آپ کی سمجھ اتنی تو باریک ہے اور آپ کی عقل اسقدر اعلے درجہ کی ہے پھر کیا وجہ ہے کہ آپ پیادہ ہین اور تھک رہے ہین اوسکو حکیم کی اس بری حالت پر رحم آیا - اور چاہا کہ اوسکو اونٹ پر سوار کرے مگر قبل سوار کرنیکے اوسنے کچھ اور سوالات شروع کئے اور کہا کہ اے خوش گفتار حکیم آپ ذرا کچھ اپنی حالت بھی تو بیان فرمائین اسقدر عقل اور اسقدر استغنا جو آپکو حاصل ہے اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ آپ کوئی بادشاہ ہین یا ~~وزیر - آپ سچ~~ فرمائین کہ آپ کیا ہین اوسنے کہا نہ مین بادشاہ ہون نہ وزیر - بلکہ عامی آدمی ہون تم میری حالت اور میرے کپڑے دیکھ لو - اوس نے کہا اچھا بتاؤ کہ تمھارے پاس کتنے اونٹ ہین اور کتنی گائین ہین - اوس نے کہا نہ یہ ہین نہ وہ تم میرے متعلق زیادہ تفتیش نکرو اسنے کہا اچھا آپ یہ فرما دیجیے کہ آپ کی دوکان مین کیا مال ہے - اوسنے کہا بھائی

میرے پاس دوکان ہا اور مکان کہان یہان تو نہ کھانا ہے نہ سامان۔ نہ اور کوئی اسباب نہ مال و متاع نہ بادہ چھا نہ
نہ آسن جو وغیرہ خوراک اس نے کہا اچھا اگر آپ کے پاس سامان نہین تو نقدی ہوگی اب بتلاؤ کسقدر نقدی
ہے کیونکہ آپ تو یگانہ روزگار ہین آپکی نصیحت بہت پیاری ہے جو آپ کی عقل و دانش پر دلالت کرتی ہے
تمھارے پاس تو ایک ایسی شے ہے جس سے تم دنیا بھر کا سونا سمیٹ سکتے ہو بلکہ وہ ایک ایسی کیمیا ہو جس سے
تمام دنیا کو سونا بنا سکتے ہو کیونکہ عقل و دانش کے موتیون کے تمھارے اندر انبار لگے ہوئے ہین پس تم نے اپنے
گھر مین بہت سے خزانے بھر رکھے ہون گے کیونکہ تم سے زیادہ کوئی عقلمند نہین اور تم سے کم عقل والون کے یہان
سونے کے انبار رہین تو تمھارے یہان بدرجہ اولے ہون گے اس نے کہا اے سردار عرب واللہ میرے ملک مین
تو رات کا کھانا بھی نہین میری حالت تو یہ ہے کہ طلب رزق کے لیے ننگے پاؤن ننگے سر دوڑتا پھرتا ہون۔ اور
جہان روٹی ملنے کی توقع ہوتی ہے وہان جاتا ہون مجھے تو اس حکمت اور اس فضل و ہنر سے کچھ بھی فائدہ نہین محض
خیالی پلاؤ پکانا اور فضول دردسری ہے یہ سنکر عرب نے کہا کہ جلدی میرے پاس سے دفع ہو ایسا نہو کہ تیری
نحوست مجھپر سوار ہو جاوے۔ اس اپنی منحوس حکمت کو میرے پاس سے دور لیجا۔ اور مجھسے بات بھی نکر کہ تیری
گفتار بھی لوگون کے لیے موجب نحوست ہے سیا تو تو اوس طرف جامین اس طرف جاتا ہون۔ اور اگر تجھے
آگے ہی جانا ضروری ہے تو مین واپس ہوتا ہون۔ میری ایک گیہون اور دوسری ریتی کی گون تیری اس ذلیل
حکمت سے بہتر ہے اور میری حماقت ہی نہایت مبارک ہے۔ کہ میرے دل کو آرام و راحت اور میری
جان کو بلاؤن سے نجات حاصل ہے۔

ایک اعرابی کے گون مین ریت بھرنے کی اور ایک دانشمند کے اسکو ملامت کرنے کی حکایت

شرح شبیری۔ یک عرابی الخ۔ یعنی ایک اعرابی ایک اونٹ پر ایک بہت بڑی گون گیہون کی بھری ہوئی لادے ہوے تھا۔

یک جوال الخ۔ یعنی ایک دوسری گون اوس کی ریت سے بھری ہوئی اور وہ ان دونون کو اونٹ پر لادے ہوئے تھا۔

او نشستہ الخ۔ یعنی وہ خود ان دونون گونون پر بیٹھا ہوا تھا تو ایک بات کرنے والے نے اوس سے سوال کیا۔

از وطن الخ۔ یعنی اوسکا وطن پوچھا اور اوسکو باتون مین لگایا اور اوس پوچھنے مین بہت سے موتی پروئے یعنی چونکہ عقلمند تھا اس لیے اس مین بھی بہت سی کام کی باتین کین۔

بعد ازان الخ۔ یعنی اس کے بعد اوس سے کہا کہ یہ دونون گونین کس چیز سے بھری ہوئی ہین ٹھیک بتا۔

گفت الخ۔ یعنی اعرابی نے کہا کہ اس ایک گون مین تو گیہون ہین اور دوسری مین ریت ہے کوئی کھانے کی چیز نہین ہے۔

گفت الخ۔ یعنی وہ عاقل بولا کہ تو نے اس ریت کو کیون لادا ہے تو اعرابی نے کہا کہ تاکہ یہ گون دوسری ، تنہا نہ رہ جاوے اور اگر اکیلی رہجاویگی تو ایک ہی طرف بوجہ ہونے کی وجہ سے گرجاویگی لہذا اس طرف وزن برابر کرنے کو ریت بھر لیا ہے۔

گفت الخ۔ یعنی عاقل نے کہا کہ اس گون کے نصف گیہون اوس دوسری مین وزن برابر کرنے کے لیے ڈال دے

تا سبک گردد الخ۔ یعنی تاکہ اونٹ بھی ہلکا ہوجاوے اور گون بھی تو اعرابی بولا کہ اے حکیم اور اہل ورائے حرشاباش (خوب بات کہی)

اینچنین الخ۔ یعنی باوجود ایسی فکر دقیق اور رائے خوب کے تو اس طرح ننگے پاؤن تھک رہا ہے مطلب یہ کہ ایسا عاقل ہو کر اور اس حالت مین ہے بڑے افسوس کی بات ہے

رحمش آمد الخ۔ یعنی اوس اعرابی کو حکیم پر رحم آیا اور قصد کیا کہ اس کو یہ نیک مرد اونٹ پر بٹھادے دیہ قصد کیا اور بیٹھا لیا۔

باز گفتش الخ۔ یعنی پھر اوس سے کہا کہ اے حکیم خوش سخن کچھ اپنا حال بھی تو بیان کرو۔

اینچنین الخ۔ یعنی ایسی عقل اور کفایت کہ تجھے ہے سچ بتا کہ تو وزیر ہے یا بادشاہ ہے یہ بچارا سمجھا کہ اتنا عاقل ہے تو ضرور ہے کہ دنیاوی عہدون وغیرہ مین سے ضرور کسی عہدہ ممتاز پر ہے اس لئے پوچھا اوس عاقل نے جواب دیا کہ

گفت الخ۔ یعنی عاقل نے کہا کہ مین تو دونون مین نہین ہون عوام مین سے ہون۔ تو میری حالت کو اور کپڑونکو تو دیکھ جب یہ جواب سنا تو سمجھا کہ خیر وزیر وغیرہ نہین ہے تو رئیس تو ضرور ہے اس لئے پوچھا کہ

گفت اشتر الخ۔ یعنی اعرابی نے کہا کہ اچھا اونٹ اور گائین کتنی ہین عاقل نے کہا کہ (میرے پاس) نہ یہ ہے اور نہ وہ ہے ہم سے کاوش مت کرو جب دیاست سے بھی انکار ہوا تو سمجھا کہ کوئی بڑا تاجر ہوگا اس لیے دریافت کیا۔

گفت الخ۔ یعنی اعرابی نے کہا کہ اچھا کہ دوکان مین اسباب کسقدر ہے عاقل نے کہا کہ میان ہماری کہان دوکان اور کہان مکان یہان تو کچھ بھی نہین ہے۔

نیست الخ۔ یعنی نہ روزی ہے اور نہ اسباب ہے اور نہ عمدہ کپڑے ہین اور نہ مال ہے اور نہ بادرچیخانہ ہے اور نہ سالن ہی غرض کہ بالکل مفلس کورے ہین یہ سنکر اوس کو خیال ہوا کہ شاید نقد روپیہ ضرور ہوگا اس لیے سوال کیا کہ

گفت الخ۔ یعنی اعرابی نے کہا کہ اچھا مین نقد سے سوال کرتا ہون کہ نقد کسقدر ہے اس لیے کہ تو تنہا جارہا ہے اور محبوب بندہ ہے لہذا ایسے کے پاس کچھ نہ کچھ تو ضروری ہوگا۔

کیمیائے الخ۔ یعنی تیرے پاس اس عالم کے مس کی کیمیا ضرور ہے جبکہ عقل و دانش کے موافق اسقدر تو بڑا ہے تو ظاہری موتی اور سونا چاندی تو کسقدر ہوگا۔

گنجہا الخ۔ یعنی تو نے ہر مکان مین خزانے رکھے ہون گے اس لیے کہ تجھ سے زیادہ تو کوئی جہان مین عاقل ہی نہین

گفت الخ۔ یعنی عاقل نے کہا کہ اے عرب کے سردار خدا کی قسم میری ساری ملک مین رات کی روزی بھی نہین ہے۔

پابرہنہ الخ۔ یعنی مین ننگے پاؤن اور ننگے بدن پھرتا ہون اور جو کوئی روٹی دے وہین چلا جاتا ہون۔

مرمرا الخ۔ یعنی مجھے اس حکمت اور فضل اور ہنر سے بجز خیال اور دردسر کے اور کچھ حاصل نہین ہے۔

پیس الخ ۔ یعنی عرب نے کہا کہ میرے پاس سے دور ہو تا کہ تیری نحوست کہیں میرے اوپر نہ ہو سے ۔
دور بر آن الخ ۔ یعنی اس اپنی حکمت منحوس کو مجھ سے دور لیجاؤ کہ تیرا علم اہل زمانہ کیلیے منحوس ہے ۔ اگر عاقل نہ جانتا کہ یہ گت بے نگی تو شاید کہدیتا کہ مین بڑا مالدار ہون مگر بیچارہ کو کیا خبر تھی اور یہ اعرابی یا تو اسقدر معتقد تھا جیسا کہ اوپر معلوم ہوا اور یا اسقدر نفرت ہوئی کہ کہتا ہے کہ ۔
یا تو آن سو الخ ۔ یعنی یا تو تو اس طرف جا تو مین اس طرف جاتا ہون ۔ اور اگر تیرا راستہ آگے ہو تو مین واپس جاتا ہون ۔ غرضکہ اب تو ساتھ چلنا بھی گوارا نہین ہے ۔
یک الخ ۔ یعنی میری ایک گون گیہون کی اور دوسری ریت کی تیری ان ذلیل باتون سے بہتر ہے ۔ مردہ ریگ اصل مین مال میراث کو کہتے ہین مگر چونکہ مفت ملجانے کی وجہ سے اوسکی قدر کسی کے نزدیک نہین ہوتی اور وہ ذلیل ہوتا ہے اس لیے اب ذلیل بات کو مردہ ریگ کہنے لگے ہین ۔
کمین جوال الخ ۔ یعنی کہ یہ ایک گون گیہون کی اور ایک ریت کی یقیناً تیرے اس علم سے بہتر ہین اسے ذلیل و خوار اس لیے کہ اس کے ذریعہ مجھے روٹی تو ملتی ہے ۔
احمقی ام الخ ۔ یعنی میری حماقت مبارک حماقت ہے کہ میرا دل خوش ہے میری جان (بلاؤن سے) بچی ہوئی ہے ۔ تو دیکھو جسطرح کہ اس اعرابی کے نزدیک اس شخص کا علم و ہنر سب بے کار تھا اسی طرح اولیا کرام کے نزدیک علم معاش و علم ظاہری بیکار اور فضول ہوتا ہے آگے مولانا فرماتے ہین کہ ۔

شرح حبیبی

گر تو خواہی کت شقاوت کم شود ... جہد کن تا از تو حکمت کم شود
حکمتے کز طبع آید و ز خیال ... حکمت بے فیض نور ذوالجلال
حکمت دنیا فزاید ظن و شک ... حکمت دینی برد فوق فلک
روبہان زیرک آخر زمان ... برفزودہ خویش بر پیشینیان
حیلہ آموزان جگرہا سوختہ ... حیلہ ہا و مکرہا آموختہ
صبر و ایثار و سخائے نفس و جود ... باد دادہ کان بود اکسیر سود
فکر آن باشد کہ بکشاید رہے ... راہ آن باشد کہ پیش آید شہے
شاہ آن باشد کہ از خود شہ بود ... نے بمخزنہا و لشکرہا شہ بود
تا بماند شاہے او سرمدی ... ہمچو عز و ملک دین احمدی
تا قیامت نیست شرعش را زوال ... گشتہ دور از ملک او عین الکمال

جب تجھے حکمت دنیوی کی حقیقت معلوم ہو گئی کہ یہ جب دنیوی سے بھی من کل الوجوہ افضل نہین تو اسے حکمت دینی سے تو کیا ہی نسبت ہو سکتی ہے ۔ پس اگر تو چاہتا ہے کہ تیری شقاوت دینی کم ہو تو اسکی کوشش کر کہ یہ حکمت اور روشن خیالی کم ہو ۔ یعنی وہ حکمت جو طبع و خیال سے پیدا ہوتی ہے اور جو نور حق سے مستفاد نہین اس لیے

کہ حکمت دنیوی سے تو ظنون فاسدہ اور شکوک و شبہات ہی بڑھتے ہین اور دینی کوئی فائدہ نہین ہوتا۔ ہان حکمت دینی آدمی کو عروج روحانی کے لحاظ سے آسمان کے اوپر پہونچا دیتی ہے۔ اور دولت باطنی سے مالا مال کر دیتی ہے۔
اس آخر زمانہ کی عقلمند لومڑیون کی یہ کیفیت ہے کہ اپنے کو سلف سے اعلےٰ سمجھتے ہین یہ مکر سکھنے والے نہایت دل سوزی کر کے حیلے اور مکر سیکھتے ہین اور صبر ایثار اماتت نفس سخاوت جو منافع کے لیے اکسیر ہین ان سب کو کھو بیٹھے ہین حالانکہ فکر معاش کوئی حقیقی فکر نہین فکر وہ ہے کہ جس سے رستہ کھلے اور رستہ بھی وہ جس سے کوئی بادشاہ ملے اور بادشاہ وہ ہو جو اپنی ذات سے بادشاہ ہو اور متعارف خزانون اور موتیون سے بادشاہ نہوا ہو۔ تاکہ اوسکی سلطنت ازلی و ابدی ہو۔ جسطرح کہ عزت احمدیؐ اور ملک و دین احمدی دائمی ہین کہ اونکی شریعت کو تا قیامت زوال نہین۔ اور انکی سلطنت سے چشم بد بالکل دور ہے۔ اچھا اہل اللہ کی بادشاہت کا ایک قصہ سن جس سے تجھے بیان بالا کی تصدیق ہو۔

شرح شبیری گر تو الخ۔ یعنی اگر تم چاہتے ہو کہ تم سے یہ شقاوت کم ہو جاوے تو مجاہدہ کرو تا کہ یہ علم ظاہری تم سے کم ہو۔

حکمتے الخ۔ یعنی جو علم کہ طبیعت سے پیدا ہوا اور خیال سے اور جو حکمت کہ بے فیض نور ذو الجلال سے ہو اسکو مجاہدہ اور ریاضت کر کے نکالا ڈالو۔ تاکہ علوم و معارف تمہارے اندر پیدا ہون سا اور فرماتے ہین کہ۔

حکمت الخ۔ یعنی علم دنیا تو ظن و شک کو بڑھاتا ہے اور حکمت دینی فلک کے اوپر لیجاتی ہے۔

روبہان الخ۔ یعنی یہ آخر زمانہ کی عقلمند لومڑیان اپنے کو سلف پر بڑھاتی ہین مطلب یہ کہ مولانا اپنے زمانہ کے لوگون کو جو علوم دنیا سیکھتے تھے فرماتے ہین کہ یہ مکار لوگ اپنے ہین کہ اپنے کو پہلون سے ترجیح دیتے ہین مولانا تو اپنے زمانہ کے لوگو نکو فرما رہے ہین مگر سچ یہ ہے کہ آجکل لوگون کی جو تعلیم یافتہ ہین یہی حالت ہے جیسا کہ ظاہر ہو رہا ہے۔

حیلہ الخ۔ یعنی حیلے سکھانے والے اور جگر سوختہ اور خود حیلے اور مکر سیکھے ہوئے ہین۔ جگر سوختہ ہونے سے مراد مشقت کسب دنیا کی کہ ترقی ترقی پکار رہے ہین اور اسکے لیے لاکھون حیلے کرتے ہین اور دوسرون کو سکھاتے ہین آجکل یہ بات بالکل صادق ہے۔

صبر و الخ۔ یعنی صبر ایثار و سخائے نفس اور بخشش کو برباد کر دیا ہے کہ یہی نفع کی اکسیر تھی مطلب یہ کہ ان لوگون نے اخلاق حمیدہ کو برباد کیا ہے حالانکہ یہی ایسی چیزین ہین جو کہ نافع دین و دنیا ہین اور فرماتے ہین کہ۔

فکر آن الخ۔ یعنی فکر وہ ہوتا ہے جس سے کہ ایک رستہ کھلجاوے اور راستہ وہ ہے کہ اوس کے آگے بادشاہ ملے۔ مطلب یہ کہ اصل فکر تو وہ ہے کہ جس سے راہ حق روشن ہو جاوے اور راستہ ملجاوے کہ جسپر چلنے سے حق تعالےٰ ملجاوین۔ اور وہ وہ راستہ ہے جسکو قرآن شریف مین صراط مستقیم سے تعبیر کیا گیا ہے کہ ارشاد ہے ان ربی علےٰ صراط مستقیم کہ صراط مستقیم پر چلنے سے حق تعالےٰ ملتے ہین۔ اس آیت کی یہی تفسیر سہل اور قریب ہے۔ تو اصل تو وہی فکر اور وہی کسب اور وہی طلب ہے کہ جس سے وصول الی اللہ حاصل ہو اور جب یہ نہین تو وہ کچھ بھی نہین جیسے کہ کسب دنیا وغیرہ کہ بالکل فضول ہے اس لیے کہ اوس سے دین کا کوئی فائدہ ہی نہین اور معتبر وہی ہے کہ جسمین فائدہ دین کا ہو آگے فرماتے ہین کہ

شاہ آن الخ۔ یعنی بادشاہ تو وہ ہوتا ہے جو کہ خود بادشاہ ہو نہ کہ خزانون اور موتیون کی وجہ سے بادشاہ ہو بغیر بالا

ہین بادشاہ سے مراد حضرت حق ہے اور اسمین مراد شاہ صاحب یعنی حضرات اولیاء اللہ ہین مطلب یہ کہ جو کسی کے بنائے بادشاہ ہین کہ جب تک وہ ہین اسوقت تک یہ بادشاہ بھی ہین اور جب وہ نہین تو یہ بھی نہین تو یہ بادشاہی کیا ہوئے۔ جیسے کہ بادشاہ دنیا کہ اگر اون کے پاس فوج پلٹن وغیرہ ہے تو وہ بادشاہ ہین ورنہ کچھ بھی نہین تو یہ اصل مین بادشاہ ہی نہین ہین بلکہ بادشاہ وہ ہین جنکو ان چیزون کی پروا نہو بلکہ وہ مستقل بادشاہ ہون جیسے کہ حضرات اولیاء اللہ کہ اون کے تمام عالم تابع ہوتا ہے۔ اور یہ کوئی دعوی ہی نہین ہے بلکہ کھلی آنکھون سے دیکھ لو کہ جس طرح مخلوق ان حضرات کے تابع ہے ان شاہان دنیا کے اس طرح کہین بھی تابع نہین ہے۔

تا بیاید الخ۔ یعنی یہانتک کہ اونکی بادشاہی ہمیشہ رہتی ہے مثل عزت اور ملک اور دین احمد صلی اللہ علیہ وسلم کے تا قیامت الخ۔ یعنی قیامت تک حضور مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی شرع کو زوال نہین ہوا اور آپ کے ملک سے نظر بد دور کی گئی ہے چونکہ نظر بد کمال کی وجہ سے لگا کرتی ہے کہ جہان کمال ہوتا ہے وہین نظر بد بھی لگتی ہے اس لیے نظر بد کو بھی عین الکمال کہنے لگے ہین۔ مطلب یہ کہ ان حضرات کی بادشاہی وہ ہوتی ہے کہ اوس کو کبھی زوال ہی نہین ہوتا۔ جیسے کہ دین احمدی صلی اللہ علیہ وسلم کو قیامت تک زوال نہین ہے۔ اور یہ بات اظہر من الشمس ہے جسکا دل چاہے دیکھ لے کہ حضرات اولیاء اللہ کی بادشاہی بے شک لازوال ہوتی ہے آگے حضرت ابراہیم ابن ادہم کی حکایت بیان فرماتے ہین کہ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ بے شک اصلی بادشاہی حضرات اہل اللہ ہی کی ہے۔

شرح حبیبی

ہم بنا بر ابرہیم ادہم آمدست	کو زراہے بر لب بحرے نشست
دلق خودمی دوخت آن سلطان جان	یک امیرے آمد آنجا ناگہان
آن امیر از بندگان شیخ بود	شیخ را بشناخت و سجدہ کرد زود
خیرہ شد در شیخ و اندر دلق او	گشتہ دیگرگون زخلوت خلق او
کو رہا کرد آنچنان ملک شگرف	برگزیدہ از فقر بس باریک حرف
ترک کردہ ملک ہفت اقلیم را	میزند بر دلق سوزن چون گدا
ملک ہفت اقلیم ضائع میکند	چون گدا بر دلق سوزن میزند
شیخ واقف گشت از اندیشہ اش	شیخ چون شیرست دلہا بیشہ اش
چون رجا و خوف در دلہا روان	نیست مخفی بروے اسرار نہان
دل نگہدارید اے بیحاصلان	در حضور حضرت صاحبدلان
پیش اہل تن ادب بر ظاہرست	کہ خدا زایشان نہان را ساترست
پیش اہل دل ادب بر باطن است	زانکہ دلشان بر سرائر فاطن است

تو نگفتی پیش کوران بهر جاه / با حضور آن حسینی پایگاه ٥
پیش بینایان کنی ترک ادب / نار شهوت را از آن گشتی حطب
چون نداری فطنت و نور هدی / بهر کوران روی را میزن جلا
پیش بینایان حدث در روی مال / ناز کم کن با چنین گندیده حال
شیخ سوزن زود در دریا فگند / خواست سوزن را بآواز بلند
صد هزاران ماهیی اللهیی / سوزن زر بر لب هر ماهیی
سوزن زرین در آن دندان او / کہ بگیر ای شیخ سوزنهای هو
سر برآوردند از دریای حق / کہ بگیر ای شیخ سوزنهای حق
گفت الهی سوزن خود خواستم / داده از فضلت نشان را استم
ماهیی دیگر برآمد در زمان ٧٤ / سوزن او را گرفته در دهان ٧٤
رو بدو کرد و بگفتش ای امیر / ملک دل به یا چنان ملک حقیر
این نشان ظاهرست این هیچ نیست / باطنی جوی و بظاهر بر مایست
سوی شهر از باغ شاخی آورند / باغ و بستان را کجا آنجا برند
خاصه باغی کاین فلک یک برگ اوست / بلکه آن مغزست و این عالم چو پوست
بر نمی داری سوی آن باغ گام / بوی افزون جو و کن دفع زکام
تا که آن بو جاذب جانت شود / تا که آن بو نور چشمانت شود
تا که آن بو سوی بستانت کشد / وانماید مر ترا راه رشد
چشم نابینات را بینا کند / سینه ایت را سینهٔ سینا کند
گفت یوسف ابن یعقوب نبی / بهر بو القوا علی وجه ابی ٧٥
مهر این بو گفت احمد در عظات / دائما قرة عینی فی الصلوات
پنج حس در همدگر پیوسته اند / رسته این هر پنج از اصل بلند
قوت هر یک قوت باقی شود / ما بقی را هر یکی ساقی شود ٧٥
دیدن دیده فزاید عشق را ٧٦ / عشق در دیده فزاید صدق را
صدق بیداری هر حس می شود / حسها را ذوق مونس می شود
چون یکی حس در روش بگشاد بند / ما بقی حسها همه مبدل شوند
چون یکی حس غیر محسوسات دید / گشت غیبی بر همه حسها پدید
چون ز جو جست از گله یک گوسفند / پس پیاپی جمله زان سو بر جهند
گوسفندان حواست را بران / در چرا از اخرج المرعی چران
تا در آنجا سنبل و ریحان چرند / تا بگلزار حقائق ره برند

ہر حسّے پیغمبر حسّہا شود	تا یکایک سوئے آن جنت رود

ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ کا قصہ ہے کہ وہ ایک راستہ مین لب دریا پر بیٹھے ہوئے تھے اور اپنی گدڑی سی رہے تھے۔ اتفاقاً وہان ایک امیر آ پہونچا اور وہ امیر شیخ علیہ الرحمۃ کے غلامون مین سے تھا لہذا اوس نے حضرت شیخ کو پہچانا اور آداب شاہی بجالایا چونکہ حضرت شیخ کی نہ وہ شکل وصورت رہی تھی اور نہ وہ مزاج لہذا وہ شیخ اور ان کی گدڑی کو دیکھکر متحیر ہو گیا کہ اللہ یہ وہی بادشاہ ہین جنھون نے ایسا عجیب ملک چھوڑا اور فقر اور گوشۂ تاریک کو اختیار کیا اور سلطنت ہفت اقلیم کھو کر فقیرون کی طرح گدڑی سی رہے ہین۔ حضرت شیخ اوسکے اس خطرہ پر مطلع ہوئے کیونکہ وہ ایک شیر ہین اور قلوب انکا جنگل ہین جسطرح شیر اپنے بیشہ سے واقف ہوتا ہے یون ہی شیخ بھی جیسا کہ با علام حق سبحانہ اسرار قلوب سے واقف ہو جاتے ہین اور خوف و امید کی طرح دلون کی سیر کرتے ہین لہذا اہل ایسی حالت مین اسرار خفیہ مخفی نہین رہتے لیکن یہ حالت دائمی نہین ہوتی پس اے لوگو تم اہل دل کے حضور مین اپنے دلون کا خیال رکھا کرو کہ انہین خیالات فاسدہ نہ آنے پائین۔ کیونکہ تن پرور لوگون کے سامنے تو اصلاح ظاہر کی ضرورت ہے کیونکہ حق سبحانہ نے اسرار کو ان پر مخفی رکھا ہے اور اہل باطن کے سامنے اصلاح باطن ضروری ہے کیونکہ اون کے قلوب اسرار پر مطلع ہو جاتے ہین ہونا تو یہ چاہئے مگر اس کے برعکس تم اندھون کے سامنے تو بحضور دل آتے ہو اور پائینتون بیٹھتے ہو اور بیناؤن کے سامنے ادب ترک کرتے ہو۔ اسی لئے آتش ہوی کا ایندھن بنگئے ہو اور تمہاری ہوا و خواہشات نفسانیہ ترقی پر ہین جب تمہارے اندر زیرکی اور نور ہدایت نہین ہے بلکہ تم کو دن اور ظلمات نفسانیہ مین مبتلا ہو تو تمہارا فرض یہ ہو کہ اندھون کے لیے تو ظاہر کو آراستہ کرو اور بیناؤن کے سامنے اپنے عیوب ظاہر کرو۔ اس گندہ حالت پر تم کو ناز زیبا نہین ہے۔ خیر شیخ نے سوئی دریا مین پھینکدی اور بلند آواز سے سوئی مانگی لاکھون خدا کی مچھلیان سونے کی سوئیان ہونٹون اور دانتون مین لئے ہوئے دریائے جود حق سبحانہ سے یا دریائے مخلوق حق سبحانہ سے یہ کہتی ہوئی نکلین کہ اے شیخ حق سبحانہ کی عطا کردہ سوئیان لیجیے۔ اونھون نے عرض کیا کہ حق سبحانہ مین نے تو اپنی سوئی مانگی تھی اپنے فضل سے مجھے اسکا صحیح پتہ دیدیجیے اس پر فوراً ہی اور ایک مچھلی سوئی منہ مین لئے ہوئے نکلی۔ شیخ اوس امیر کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ اے امیر بتلاؤ ملک دل بہتر ہے یا وہ معمولی ملک۔ اب مولانا فرماتے ہین کہ یہ تو ملک دل کی ایک ظاہری نشانی ہے جو عوام کے سمجھانے کے لیے ہے ورنہ فی نفسہ یہ کوئی قابل وقعت شئے نہین ہے تم اس پر قناعت کرنا بلکہ کمالات باطنی معرفت حق سبحانہ رضا تسلیم وغیرہ وغیرہ تلاش کرنا۔ نشان ظاہری تو ایک نمونہ ہے اس سلطنت کا جو دکھلانے کیلیے ہے ورنہ وہ سلطنت تو دوسری ہی چیز ہو اب تم اوس سلطنت کو ایک باغ فرض کرو اور سمجھو کہ جسطرح باغ کو لوگون کے دکھلانے کے لیے شہر مین نہین لا سکتے۔ بلکہ اسکی شاخ وغیرہ لاتے ہین یون ہی عوام کو وہ سلطنت نہین دکھلا سکتے۔ بلکہ اوس کی شاخ یعنی کشف وکرامات دکھلائی جا سکتی ہین کیونکہ جب یہ باغ اس قابل نہین کہ شہر مین لاکر لوگون کو دکھلایا جا سکے تو وہ باغ جسکے سامنے آسمان پتے کی طرح بے حقیقت بلکہ اس مغز کے مقابلہ مین پوست ہے کیونکر دکھلایا جا سکتا ہو ارے تو اس باغ کی طرف قدم کیون نہین بڑھاتا۔ اپنے دماغ سے زکام دور کر اور ترک معاصی سے قوت شامہ باطنیہ

کی اصلاح کر اور سونگھنے کی قوت بڑھا اور اپنے اندر ذوق و شوق پیدا کر تاکہ یہ بو تیری جان کو اس طرف کھینچے اور
وہ بو تیری آنکھوں کو منور کر دے اور تاکہ وہ بو تجھے اوس باغ کی جانب کھینچے اور تجھے راہ ہدایت دکھلائے
تیری نابینا آنکھوں کو روشن کرے۔ اور نور بصیرت بخشے اور نور حق سبحانہ سے تیرے سینہ کو کوہ طور کی سینہ کیطرح
منور کر دے۔ تمکو متعجب نہونا چاہیے کہ بو کو آنکھوں کے روشن کرنے سے کیا علاقہ۔ کیونکہ یہ مشاہدہ کا ذکر
ہے۔ دیکھو حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ میرا کرتہ میرے اباجان کے منہ پر ڈالدینا
کہ وہ اس سے میری بو سونگھیں اوس کا نتیجہ یہ ہوا تھا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام بینا ہو گئے تھے۔ نیز چونکہ
جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز مین اسی بو کو سونگھتے تھے اسی لیے فرماتے تھے کہ نماز مین میری آنکھیں
ٹھنڈی ہوتی ہین اس سے بھی معلوم ہوا کہ بو کا اثر آنکھوں تک پہونچتا ہے راز اسکا یہ ہے کہ لطائف پنجگانہ قلب
روح نجاجی۔ سر خفی۔ اخفی سب کو آپسمین ایک دوسرے سے تعلق ہے اور ایک ہی اصل معنی روح سراجی
اور روح اعظم سے نکلے ہین۔ اگرچہ آثار مین اختلاف ہے کہ قلب کی غذا ذکر ہے۔ اور روح کی غذا حضوری
سر کی غذا مکاشفہ اور خفی کی غذا شہود و فنا اور اخفی کی غذا فناء الفنا ہے لیکن ہر ایک کی غذا دوسرے کی
تقویت کا ذریعہ بنتی ہے۔ اور ہر ایک باقی کو سیراب کرتی ہے۔ اس کو یون سمجھو کہ آنکھ کا کام دیکھنا ہے
لیکن اس سے دل پر اثر پڑتا ہے اور محبت بڑھتی ہے یہ تو آنکھ کا اثر دل پر تھا اب دل کا اثر آنکھ پر سنو وہ
یہ کہ عشق آنکھ کے اندر صدق نظر پڑجاتا ہے۔ اور وہ صدق تمام حواس کی بیداری کا سبب بنجاتا ہے اور سب
کے اندر ذوق پیدا ہو جاتا ہے۔ غرض جب ایک حس سے قید تعطل اوٹھ جاتی ہے تو تمام حواس کی کایا پلٹ
جاتی ہے۔ یون ہی جب ایک لطیفہ غیر محسوسات کا مشاہدہ کرنے لگتا ہے تو تمام لطائف پر امور غیبیہ منکشف
ہونے لگتے ہین اس کی ایسی مثال سمجھو جیسے ایک بھیڑ کول پر کود جائے تو تمام بھیڑین ایک ایک کرکے اوس
طرف کود جائینگی۔ جبکہ یہ لطائف پنجگانہ بھیڑین ہین تو انکو ہانک لیچل اور اخرج المرعیٰ یعنی غذا روحانی
کی چراگاہ مین چرا تاکہ یہ وہان غذا روحانی کا سنبل و ریحان چرین۔ اور حقائق و معارف کے
باغیچہ مین پہونچ جائین اور تمھاری ہر حس مثل پیغمبر کے ان حواس کو اس جنت حقائق و
معارف مین پہونچا دے۔

حضرت ابراہیمؒ ابن ادہم کی کرامات لب دریا پر

شرح شبیری۔ ہم ز ابراہیم الخ۔ یعنی حضرت ابراہیم ابن ادہمؒ سے مروی ہے کہ وہ راستہ
مین لب دریا پر بیٹھ گئے تھے۔

دلق خود الخ۔ یعنی وہ بادشاہ معنوی اپنی گدڑی سی رہے تھے کہ اتنے مین ناگاہ ایک امیر آگیا۔

آن الخ۔ یعنی وہ امیر شیخ کے غلامون مین سے تھا تو اوسنے شیخ کو پہچانا اور جلدی سے تعظیم بجالایا۔ چونکہ
شیخ پہلے بادشاہ تھے اس لیے اوس زمانہ کا کوئی غلام تھا وہ اس وقت اس حالت مین
شیخ سے ملا۔

شکل دیگر الخ - یعنی حضرت کے اخلاق اور صوت سب دوسری طرح کی ہوگئی تھین تو وہ امیر شیخ مین اور اونکی گدڑی مین حیران رہگیا - اور سوچا کہ -

کورہا الخ - یعنی کہ آ نھون نے ایسا ملک عظیم چھوڑدیا اور اس فقر کو ان باریک حروف کو قبول کرلیا - اوس حالت شاہی کو حروف جلی سے تشبیہ دیکر اس فقر کی حالت کو حروف باریک سے تشبیہ دی مقصود یہ ہو کہ اوس امارت کو چھوڑکر انھون نے یہ حالت اختیار کرلی ہے بس امیر کو افسوس ہوا -

ترک کرد الخ - یعنی اونھون نے ہفت اقلیم کی سلطنت کو ترک کردیا اور اب فقیرون کی طرح گدڑی سی رہے ہین -

ملک الخ - یعنی ملک ہفت اقلیم کو ضائع کردیا - اور اب فقیرون کی طرح گدڑی سی رہے ہین - دیڑے افسوس کی بات ہے -

شیخ واقف الخ - یعنی شیخ اوس کے اس وسوسہ پر مطلع ہوئے (مولانا فرماتے ہین کہ) شیخ شیر کی طرح ہے اور قلوب جنگل کی طرح ہین - توجسطرح شیر کو اپنے جنگل کی خبر ہوتی ہو کہ یہان پانی ہے یہان شکار ہے اور یہان درخت ہے وغیرہ وغیرہ اسی طرح احیاناً اولیاء اللہ کو بھی اسرار و وساوس قلوب پر حق تعالے کے مطلع کرنے سے اطلاع ہوجاتی ہے -

چون الخ - یعنی رجا وخوف کی طرح وہ قلوب مین دوان ہوتے ہین اوران سے (احیاناً) اسرار پوشیدہ مخفی نہین رہتے مطلب یہ ہے کہ جس طرح کہ انسان کے دل مین خوف ورجا وغیرہ سرایت کرجاتے ہین اسیطرح بعض مرتبہ حق تعالے ان حضرات کو بھی اسرار قلوب کی اطلاع فرمادیتے ہین تو جب یہ بات ہے تو آگے نصیحت فرماتے ہین کہ -

دل نگہدار ید الخ - یعنی اے بیحاصلو صاحبدلون کی درگاہ مین دل کی حفاظت کیا کرو - مطلب یہ کہ جب احیاناً امور مخفیہ پر اطلاع ہوجاتی ہے اور اسرار قلوب معلوم ہوجاتے ہین تو چاہئے کہ ان حضرات کی خدمت مین جاکر قلوب کو خیالات فاسدہ مثل معاصی وغیرہ کے خیالات سے پاک رکھو - اوران حضرات کی خدمت مین بیٹھکر خود ایسے خیالات کو سوچو مت ہان اگر وسوسہ کے درجہ مین آوین تو وہ مضر بھی نہین - اس لیے کہ جس درجہ کا خیال ہوتا ہے ان حضرات کو ویسا ہی مکشوف بھی ہوتا ہے اگر وسوسہ کے درجہ مین نہین ہے تو ایسا ہی مکشوف ہوگا اور اگر خود سوچتا ہے تو ویسا معلوم ہوگا خوب یاد رکھو لہذا ان حضرات کی خدمت مین قلب کی حفاظت کیا کرو آگے فرماتے ہین کہ -

پیش اہل الخ - یعنی اہل ظاہر کے سامنے تو ادب صرف ظاہری ہی ہے اس لئے کہ حق تعالے اون سے (مخفیات کو) چھپانے والا اور پوشیدہ رکھنے والا ہے - مصرعہ ثانی مین یہ کہنا کہ حق تعالے اون سے پوشیدہ رکھتا ہے اسپر دال ہے کہ اہل دل کو بھی جو معلوم ہوتے ہین وہ بھی حق تعالے کے بتلانے سے ہی معلوم ہوتے ہین اون کو خود اس قدر قدرت نہین ہے کہ معلوم کرسکین بلکہ جب حق تعالے چاہین مطلع فرماوین -

پیش الخ - یعنی اہل دل کے سامنے ادب باطن پر ہے اس لئے کہ اون کا دل مخفی امور کو تاڑنے والا ہے مطلب یہ کہ چونکہ ان حضرات کو بعض مرتبہ امور مخفیہ پر اطلاع بھی ہو جاتی ہے اس لیے چاہئے کہ ان حضرات کی خدمت مین آداب باطنی کا لحاظ رکھین -

تو بعکسی الخ - یعنی تو اس کے برعکس ہے کہ اندھون کے سامنے جاہ کی وجہ سے باحضور (قلب) آتا ہو اور پست جگہ بیٹھ جاتا ہے -

پیش بینایان الخ یعنی آنکھون والون کے سامنے ترک ادب کرتے ہو تو اسی لیے تو تم نار شہوت کے ایندھن بن رہے ہو -

چون نداری الخ - یعنی جبکہ تم زیرکی اور نور ہدا نہین رکھتے تو اندھون کے لیے تو اپنے چہرہ کو جلا دو -

پیش الخ - یعنی آنکھون والون کے سامنے ناپاکی منھ کو مل لو اور اس گندہ حالی کے ہوتے ہوئے ناز کم کرو - مطلب یہ ہے کہ جب تمھارے اندر نور ہدا اور فطانت نہین ہے تو تم یہ کرو کہ اہل ظاہر کے سامنے تو خوب اچھی طرح رہو اور اپنے عیوب کو بھی پوشیدہ رکھو وہان تکبر مت کرو - اور اہل اللہ کے سامنے آکر اپنے عیوب کو ظاہر کرو - اور عجز و انکسار اختیار کرو - کہ یہ تمھارا علاج کردین گے اور اندر تو گندگی بھری ہے اب کیا منھ لیکر تم ناز کرتے ہو اور شیخی بگھارتے ہو وہان جو اندھے ہین اون کے سامنے بے شک تمھاری یہ شیخی چل جاوے گی مگر جو اندھے نہین وہ تو دیکھ لین گے اس سے بہتر ہے کہ خود ظاہر کرکے اون سے اس کا علاج ہی دریافت کرو - آگے شیخ کے قصہ کو بیان فرماتے ہین کہ جب اونکو امیر کے اس وسوسہ پر اطلاع ہوئی تو انھون نے یہ کیا کہ -

شیخ الخ - یعنی شیخ نے اپنی سوئی دریا مین پھینکدی اور پھر (حق تعالے سے) باواز بلند اپنی سوئی مانگی یعنی دعا کی کہ یا الٰہی میری سوئی دید یجیے -

صد ہزاران الخ - یعنی لاکھون اللہ کی مچھلیون نے کہ ہر مچھلی ایک سونے کی سوئی منہ مین لئے تھی -

سر برآوردند الخ - یعنی انھون نے حق تعالے کے دریا سے سر نکالا - (اور کہا) کہ اے شیخ یہ حق تعالے کی سوئیان لیجیے -

گفت الخ - یعنی عرض کیا کہ اے اللہ مین نے اپنی وہی سوئی مانگی تھی اور آپ نے اپنے فضل سے نشان راست مجھے دیدیا ہو مطلب یہ کہ آپکے فضل کی یہ علامت ہو کہ ایک کے بدلہ مین اسقدر ملتی ہین مگر مجھے تو میری وہی سوئی عنایت فرما دیجیے -

ماہیے دیگر الخ - یعنی ایک اور مچھلی اوسی وقت نکلی اور اونکی وہی سوئی منہ مین لئے ہوئے تھی -

رو بدو کرد الخ - یعنی اوس امیر کی طرف منھ کرکے فرمایا کہ اے امیر ملک دل بہتر ہے یا یہ ملک حقیر (بہتر ہے) اب چونکہ مولانا تو محقق اور کامل ہین اس لئے ایک شبہ کا آگے ازالہ فرماتے ہین وہ یہ کہ عوام کو یہ شبہ ہو سکتا تھا کہ یہی بزرگی کی بھی علامت ہے اور بے اس کے بزرگ ہی نہین ہوتا - اسلیے آگے اس کا جواب فرماتے ہین کہ -

این نشان الخ۔ یعنی یہ تو ایک ظاہری نشانی ہے کچھ نہیں ہے باطن کو تلاش کرو اور ظاہر پرست کھڑے ہو مطلب یہ کہ یہ کرامت وغیرہ تو ان حضرات کے کمال کی ایک ظاہری نشانی ہے ورنہ کہیں باطنی کمالات کو یہ تھوڑا ہی پہونچ سکتا ہے تو ان ظاہری باتوں پر مت جاؤ بلکہ دولت باطنی کو حاصل کرو۔ آگے اس کی ایک مثال ہے اور خوب ہے فرماتے ہین کہ۔

سوئے شہر از الخ۔ یعنی شہر مین باغ سے ایک شاخ لاتے ہین کیونکہ باغ و بستان کو وہان کہان لیجاوین مطلب یہ کہ دیکھو باغ مین سے شہر مین ایک پھول یا ایک پھل وغیرہ لاتے ہین کہ جس سے کہ دوسرے کو اندازہ ہوجاتا ہے کہ جس باغ کا یہ پھل پھول ہے وہ ایسا ہوگا۔ اسی طرح عالم غیب کے جو کمالات ہین یہ کرامات وغیرہ اون مین سے ایک پھل پھول ہے اس سے دیکھ لو کہ وہ اصل کیا کچھ ہوگا ورنہ کوئی سارے باغ کو لاکر تھوڑا ہی سامنے رکھتا ہے تو جب اس باغ دنیا کو ساری کو کوئی لاکر نہین دکھا سکتا تو بھلا اوس باغ عالم غیب کو تو سارے کو کون دکھا سکتا ہے اسی کو فرماتے ہین کہ۔

خاصہ باغے الخ۔ یعنی خاص کر وہ باغ کہ یہ آسمان اوسکا ایک چھلکا ہے بلکہ وہ مغز ہے اور یہ جہان مثل پوست کے ہے پھر اسکو پورے کو کون دکھا سکتا ہے۔

بر نمی داری الخ۔ یعنی تم اوس باغ کی طرف قدم نہین رکھ سکتے ہو تو اوس کی بوئے افزون ہی کو تلاش کرو اور زکام کو دفع کرو۔ مطلب یہ کہ کچھ تھوڑی سی اوس سے حاصل کرلو اور ان موانع نفس و شیطان کو دفع کرو اگر کچھ بو بھی اوس سے مل گئی تو یہ ہوگا کہ۔

تا کہ الخ۔ یعنی تاکہ وہ بو تمھاری جان کو اس طرف جاذب ہوجاوے اور تاکہ وہ بو تمھاری آنکھون کا نور ہوجاوے اسمین اشارہ ہے اس طرف کہ دیکھو جس طرح حضرت یعقوب علیہ السلام کی آنکھین یوسف علیہ السلام کے پیراہن کی خوشبو سے کھل گئی تھین اسیطرح تمکو بھی بصیرت حاصل ہوجاوے گی۔

تا کہ الخ۔ یعنی تاکہ وہ بو تم کو اس بستان کیطرف کھینچے اور تم کو ہدایت کی راہ دکھادے۔

چشم نابینات الخ۔ یعنی تیری چشم نابینا کو بینا کردے اور تیرے سینہ کو سینہ کوہ سینا کیطرح تجلی گاہ حق کردے

گفت یوسف الخ۔ یعنی حضرت یوسف بن یعقوب نبی علیہما السلام نے بو ہی کے لیے فرمایا تھا کہ القوا علی وجہ ابی۔ تو دیکھو وہ بوئے پیراہن ہی بصیرت کے حصول کا سبب ہوگئی۔ اسی طرح اگر تم اوس بستان حقیقی سے کچھ بو بھی حاصل کروگے تو تم کو بصیرت حاصل ہوجاویگی۔

بہر این الخ۔ یعنی حضرت احمد صلی اللہ علیہ وسلم نے نصائح مین اسی بو کے لیے فرمایا ہے کہ میری آنکھون کی ٹھنڈک ہمیشہ نماز مین ہے۔ چونکہ اوپر عالم غیب کو بستان سے تشبیہ دی ہے کہ اوس باغ سے بو ہی حاصل کرلو اب فرماتے ہین کہ دیکھو حضور کا ارشاد ہے کہ میری آنکھ کی ٹھنڈک نماز مین ہے تو یہ بھی اوسی بو کا اثر ہے جو کہ عالم غیب سے حاصل ہوئی تھی تو دیکھو اس بو کا اثر آنکھ مین پہونچا ہے چونکہ یہان معلوم ہوا کہ شامہ سے اثر آنکھون تک بھی پہونچا ہے اس لیے آگے قاعدہ کلیہ فرماتے ہین کہ۔

پنج حس الخ۔ یعنی پانچون حسین ایک دوسرے سے ملی ہوئی ہین اور یہ پانچون اس اصل بلند سے

آگئی ہین پنج حس سے مراد لطائف لیے جاوین تو بہتر ہے اور اگرچہ لطائف ستہ ہین مگر نفس کو بعض نے تابع روح کے کہا ہے اس لیئے اصل پانچ ہی ہین تو مولانا فرماتے ہین کہ دیکھو اوپر یہ تو معلوم ہو گیا کہ ایک حس سے دوسری مین اثر پہونچتا ہو جیسا کہ شامہ سے باصرہ مین پہونچا مگر لطائف کا اثر ایک دوسرے پر پڑتا ہے کہ اگر ایک لطیفہ کو صاف کر لیا جاوے تو اوس کا اثر دوسرون پر بھی پڑتا ہے اور وہ بھی صاف ہو جاتے ہین یہ ایک مرتبہ پہلے ہی بیان کیا ہے کہ انسان مین لطیفے ہین جنکا نام قلب۔ روح۔ نفس۔ سر۔ خفی۔ اخفی ہے اسمین سے نفس کو روح کے تابع کیا ہے اس لیے پانچ رہگئے اور ان کے اثر بھی مختلف ہین مثلاً غذا قلب کی ذکر ہے اور غذا روح کی حضوری ہے اور غذا سر کی مکاشفہ اور غذا خفی کی شہود و فنا اور غذا اخفی کی فنا الفنا ہو تو حضرات نقشبندیہ مین تو یہ قاعدہ ہے کہ وہ حضرات ان لطیفون کو صاف کراتے ہین کہ اول ایک کی مشق کراتے ہین پھر دوسرے کی پھر تیسرے کی جس کا نتیجہ بعض کے لیے پریشانی اور حیرت ہو جاتا ہے کہ وہ احاطہ تو کر نہین سکتا بس پریشان ہو جاتا ہے خدانخواستہ اس سے مقصود طریق پر طعن نہین ہے بلکہ بعض کی حالت کا بیان ہے اور ہمارے حضرت کی یہ تحقیق ہے کہ صرف ایک کو صاف کر لیا جاوے اوس سے اور دوسرے بھی صاف ہو جاوینگے۔ اور حضرت فرمایا کرتے تھے کہ سالک کو چاہئے کہ توجہ قلب کی طرف رکھے کہ اوس کی درستی سے اور دیگر لطائف بھی درست ہوجاوینگے اور اس کی تائید ایک حدیث سے ہوتی ہو کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ فی جسد ابن آدم مضغۃ ان صلحت صلح الجسد کلہ وان فسدت فسد الجسد کلہ الا وہی القلب تو دیکھو قلب کی درستی سے اور اعضا کی درستی ہوتی ہے تو اسی طرح اس لطیفہ کے صاف ہونے سے دوسرے لطائف خود بخود صاف ہوجاتے ہین بس اس کی صفائی مین کمال اور رسوخ پیدا کرنا چاہئے۔ اسی کو مولانا بھی فرماتے ہین کہ اگر ایک کو درست کروگے تو چونکہ سب اعضا کا تعلق ایک دوسرے سے ہے تو ایک کی درستی سے اور بھی درست ہو جاوینگے آگے بھی اسی کو فرماتے ہین کہ۔

قوت الخ۔ یعنی ایک کی قوت دوسرے کے لیے قوت ہو جاتی ہے اور باقیون کے لیے یہ ایک ساقی بنجاتا ہے یعنی اسی سے دوسرون مین بھی صفائی اور جلا پہونچتی ہے۔

دیدن دیدہ الخ۔ یعنی آنکھ کا دیکھنا تو عشق کو بڑھاتا ہے اور آنکھ مین عشق ہونا صدق کو بڑھاتا ہے۔

صدق الخ۔ یعنی صدق حس کی بیداری ہو جاتی ہے اور ذوق حواس کے لیے مونس ہو جاتا ہے۔ اور یہ صدق ہی نسبت راسخہ ہے تو معلوم ہوا کہ نسبت راسخہ کے پیدا کرنے کے لئے اول عشق کی ضرورت ہے کہ حق تعالے سے عشق ہو جاوے تب نسبت راسخہ پیدا ہوگی اور عشق ہوتا ہے کثرت ذکر سے دیکھو جس چیز کو اکثر یاد کروگے اوس سے محبت بڑھ جاوےگی تو اصل مین اول کثرت ذکر ہوا کہ اسی سے بتدریج نسبت راسخہ اور ملکۂ راسخہ پیدا ہو جاتا ہے آگے ان حواس باطنیہ مین سے ایک کے منور ہونے سے دوسرون کے منور ہو جانے کو بیان فرماتے ہین کہ

نور غیب مین سے عارف کے حواس کے منور ہو جانیکے بیان کا شروع

چون الخ - یعنی جبکہ ایک حس نے چلنے مین بند کو کھو لدیا تو باقی تو اس بھی سب بدل جاتے ہین -
چون یکے - یعنی جب ایک حس نے غیر محسوسات کو دیکھا تو تمام حواس پر غیبی اشیاء ظاہر ہو گئین - مطلب وہی کہ اگر ایک حس باطنی بھی درست ہو گئی تو وس سے اور سب بھی درست ہو جا دین گی آگے ایک بہت ہی نفیس مثال ہے کہ -
چون الخ - یعنی جبکہ گلہ مین سے ایک بھیڑ کول پر سے کو جاوے تو پیچھے پیچھے ساری اوسی طرف کو کود جاتی ہین - اسی طرح اگر ایک حس درست ہو گئی تو دیگر حواس بھی اسی طرح منور ہو جاتے ہین گویا کہ حواس باطنی کی جڑ اجال ہے کہ جدہر ایک ادہر سب اور یہ حدیث سے ثابت ہے کہ اگر قلب درست ہو تو اور سب بھی درست ہین تو ہمارے حضرت حاجی صاحب (دامظلہم) کی تحقیق کہ سالک کو توجہ قلب کی طرف کرنی چاہیئے - اور ذکر بھی قلب ہی سے کرنا چاہیئے پوری طرح ثابت ہو گئی آگے فرماتے ہین کہ -
گوسفندان - الخ - یعنی اپنے حواس کی بھیڑون کو ہانک چراگاہ مین اخرج المرعی سے نکا لدے - اخرج المرعی سے مراد یہ دنیا ہے اس لیے کہ قرآن شریف مین ہے والذی اخرج المرعی اور اس سے یہ مرعی دنیا ہی کا مراد ہے تو یہان بھی یہی مراد ہے کہ اس دنیا سے ان حواس کو علیحدہ کرے اور اسکی محبت کو ان سے نکالدے کہ اسی سے انمین کمال پیدا ہو جاوے گا -
تا در آنجا الخ - یعنی تا کہ وہان سنبل اور ریحان چرین - اور تاکہ گلزار حقائق مین راستہ لیجاوین -
ہر حسے - الخ - یعنی تیری ہر حس دوسرے حواس کیلیے پیغمبر ہو جاویگی یہانتک کہ یکایک اون جنت کیطرف دوڑ جاویگی - مطلب یہ ہے کہ اگر اس دنیا کے تعلقات اور محبت سے حواس باطنی کو الگ کروگے تو عالم غیب سے حقائق و معارف حاصل ہون گے اور جس طرح کہ پیغمبرون کا کام ہدایت کا ہوتا ہے اور یہ حضرات ہدایت کر کے سب کو پکڑ پکڑ کر جنت مین بھر دیتے ہین اسی طرح ایک حس کے درست ہونے سے وہ حس دوسرے حواس کو بھی ہدایت کر کے درست کردے گی اور جنت مین پہونچ جاوینگے -

شرح حبیبی

حسہا با حس تو گویند راز	بے زبان و بے حقیقت بے مجاز
کین حقیقت قابل تاویلہاست	وین توہم مایۂ تخییلہاست
آن حقیقت کان بود عین عیان	ہیچ تاویلے نہ گنجد در میان
چونکہ ہر حس بندۂ حس تو شد	مر فلکہا را انبا شد از تو بد
چونکہ دعوے میرود در ملک پوست	مغز آن کے بود قشر آن اوست
چون تنازع او فتد در تنگ گاہ	دانۂ آن کیست آنرا کن نگاہ

پس فلک قشرست نور روح مغز	این پدیدست آن خفی زین دو مغز
جسم ظاہر روح مخفی آمدہ است	جسم ہمچون آستین جان ہمچو دست
باز عقل از روح مخفی تر بود	حس بسوے روح زوتر رہ برد
جنبشے بینی بدانی زندہ است	این ندانی کو ز عقل آگندہ است
تا کہ جنبشہائے موزون سر کند	جنبش مس را بدانش زر کند
زان مناسب آمدن افعال دست	فہم آید مر ترا کہ عقل ہست
روح وحی از عقل پنہان تر بود	زانکہ او غیب ست و او زان سر بود
عقل احمدؐ از کسے پنہان نشد	روح وحیش مدرک ہر جان نشد
روح وحی را مناسبہاست نیز	در نیابد عقل کان آمد عزیز
گہ جنون بیند گہے حیران شود	زانکہ موقوفست تا او آن شود
چون مناسبہائے افعال خضرؑ	عقل موسیٰؑ بود در دیدش کدر
نا مناسب مے نمود افعال او	پیش موسیٰؑ چون نبودش حال او
عقل موسیٰؑ چون بود در غیب بند	عقل موشے خود کیست ای ارجمند

جب تصفیہ لطائف ہو جائے گا تو دیگر حواس تیری حس سے اپنے راز بدون زبان کے اور بلا الفاظ اور بدون حقیقت و مجاز کے ظاہر کردینگے یعنی مسترشدین وغیرہ کے لطائف کی حالت پورے طور پر منکشف ہو جائیگی۔ اور ارشاد کے لیے اسی قسم کے علم کی ضرورت ہے کیونکہ اول تو حقیقت بھی تاویل ہے چہ جائیکہ مجاز لہذا الفاظ و عبارت مسترشد سے اصلی حالت کا معلوم ہونا دشوار دوسرے تو ہم مسترشد طرح طرح کے خیالات پیدا کر سکتا ہے اور وہ خیالات اس کو مغالطہ دیکر اصلی حالت ظاہر نہ کرنے دینگے اس سے بھی اصلی حالت مخفی ہو جائیگی پس وہ حقیقت کشف ہی ہے جو بدون عارض کے فی نفسہا اصلی حالت کو معاین و مشاہدہ کرتی ہے اور جس مین کسی تاویل کی گنجائش نہین الا بعارض جو کہ نادر ہے اور جبکہ اندرون کے حواس تیری حس کے مسخر ہو گئے تو فلاک وغیرہ لامحالہ مسخر ہو نگے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ جب مغز مین کسی کی ملک تسلیم ہو گی اور پوست کی ملک ابتدائے مین نزاع ہو گا۔ تو فیصلہ یہی ہو گا کہ پوست اُسی کی ملک ہے جسکی ملک مغز ہے۔ لہذا جب انکا تسلط مجردات پر مان لیا گیا تو مادیات پر تسلط خود ماننا پڑے گا۔ یا یون کہو کہ جب دانہ مین کسی کی ملک تسلیم ہو گی اور بھوسہ کی ملک ابتدائی مین نزاع ہو گا تو یہ دیکھا جاویگا کہ دانہ کسکی ملک ہو جسکی ملک دانہ ہو گا اُسی کی بھوسہ ہو گا۔ پس افلاک پوست اور بھوسہ ہین اور نور روح مغز اور دانہ ہے تو جسکی روح مسخر ہو گی اسی کے افلاک مسخر ہون گے (افلاک کے پوست اور کاہ اور روح کے مغز و دانہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ روح مجرد و اشرف ہے اور افلاک مادی و اخس لہذا وہ مثل مغز ہے اور یہ مثل پوست) یا یون کہو کہ جسم مثل آستین کے ہے اور جان مثل ہاتھ کے جسطرح آستین تابع ہے ہاتھ کے یون ہی جسم بھی تابع ہے روح کے۔ اس لیے بھی لازم ہے کہ جب روح پر کسیکا تسلط ہو تو اجسام پر بھی ہو یہان چونکہ خفا روح کا ذکر آگیا ہے اس لیے مناسب ہے کہ اس کے مناسب

دیگر امور پر بھی تنبیہ ہو جاوے وہ یہ کہ عقل روح سے بھی مخفی ہے کیونکہ روح بہ نسبت عقل کے جلد محسوس
ہوتی ہے دیکھو جب کسی جسم کے اندر حرکت محسوس ہوتی ہے تو اس سے اوسکی روح کا تو ادراک
ہو جاتا ہے مگر عقل کا ادراک نہین ہو سکتا۔ تا وقتیکہ اوس سے حرکات متناسب صادر نہون۔ اور وہ
اپنی حرکات مثل مس کو عقل کے ذریعہ سے زرینہ بنالے لیں جب ہاتھ وغیرہ کے حرکات متناسب ہونگے
اسوقت معلوم ہو سکتا ہے کہ عقل ہے ایک اور شے عقل سے بھی مخفی ہے وہ وحی ہے کیونکہ اوس کا تعلق
سراسر غیب سے اور وہ صفت ہے حق سبحانہ کی جسکی تلقی کے لیے ضرورت پڑتی ہے کہ خود صاحب وحی کو عالم غیب
سے تعلق ہو۔ بخلاف روح و عقل کے کہ اونکو خود عالم شہادت سے تعلق ہوتا ہے اور اوس کے اخفی ہونے
کی علامت یہ ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عقل تو کسی سے مخفی نہین تھی مگر روح وحی کا ادراک
ہر جان کو نہ ہوا۔ یہ مسلم ہے کہ جسطرح عقل و روح کے لیے مناسبات ہین جن سے انکا پتا چلتا ہے یون ہی
روح وحی کے بھی مناسبات ہین مگر اون کی گران قدری کے سبب ہر شخص کی عقل کی ان تک رسائی نہین ہو سکتی
اس لئے کبھی وہ اس کو جنون سمجھتا ہے کبھی اوس کے افعال کی موزونیت کو دیکھکر متحیر رہ جاتا ہے۔ کیونکہ
اوس کا ادراک موقوف ہے اسپر کہ اس کو اس سے مناسبت تامہ حاصل ہو جاوے۔ اور یہ ہے نہین
لہذا ادراک نہین ہو سکتا۔ دیکھو افعال خضر علیہ السلام کے مناسبات کے ادراک سے موسی علیہ السلام
کی عقل مکدر ہو گئی تھی لہذا اون کے افعال اونکو نامناسب معلوم ہوتے تھے۔ کیونکہ اسوقت موسی علیہ السلام
کی وہ حالت نہ تھی جو حضرت خضر کی تھی اس سے تم سمجھ سکتے ہو کہ جب بعض اوقات مین موسی علیہ السلام کی
عقل امر غیبی ادراک سے عاجز ہو جاتی ہے۔ تو پھر جو ہے کی عقل کیا چیز ہے کہ اوسے ادراک کر سکے
شرح شبیری۔ جستہا الخ۔ یعنی حواس تیری حس سے راز کہدینگے بے زبان کے اور بے حقیقت کے
اور بے مجاز کے مطلب یہ ہے کہ جب تم اپنے حواس کو درست کر لوگے اور خود کام کے ہو جاؤگے اور مسند
ارشاد پر بیٹھوگے تو حق تعالے تم کو وہ ملکہ عطا فرماوینگے کہ تمکو طالبین کی حالت اور اونکی استعداد کا حال
معلوم ہو جائیگا اور اسطرح معلوم ہوگا کہ گویا خود اونھون نے ہی تمکو اپنا کچا چٹھا بتا دیا اور یہ جو تمکو معلوم ہوگا یہ بذریعہ
کشف کے معلوم ہوگا۔ اور یہ کشف استعدادات ہر شیخ کو ہوتا ہے ہان وہ کشف مصطلح تو ہر کسیکو نہین ہوتا
مگر کشف استعداد سب کو ہوتا ہے اس لیے کہ اگر یہ نہو تو کام کسطرح چل سکتا ہے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ
جب بذریعہ کشف کے معلوم ہوگا تو یہ بے زبان اور بے الفاظ کے ہی ہوگا۔ کہ ظاہری زبان اور الفاظ سے
کسی نے کچھ نہین کہا مگر اون کو ساری حالت معلوم ہو گئی چونکہ الفاظ کی دو ہی قسم ہین ایک حقیقت اور دوسری
مجاز اس لیے بے حقیقت اور بے مجاز سے حاصل ہے بے الفاظ ہے۔ یعنی وہ کشف استعداد بلا کسی کے بتلائے
ہوئے اور بے تعبیر الفاظ ظاہری کے ہوتا ہے اور اگر شیخ کو استعداد ملکہ اور یہ کشف نہو تو صرف سالک اور
طالب کا خود اپنی حالت کو بیان کر دینا ہرگز کافی نہین ہو سکتا اور اوسکو وہ لوگ خوب جانتے ہین کہ جو کام
مین لگے ہوئے ہین۔ اس لیے کہ اول تو کوئی بھی اپنی پوری حالت کو بیان نہین کر سکتا۔ پھر بعض چیزیں کہ حیرت
وغیرہ غالب ہوتی ہے وہ تو اور بھی بیان سے قاصر ہوتے ہین اور دوسرے سب سے بڑی بات یہ ہے

سالک اپنی جو حالت بیان کر رہا ہے وہ اس کو کچھ سمجھے ہوئے ہے اور اصل مین وہ اور ہے اور یہ اکثر ہوتا ہے کہ ایک ہی حالت ایک شخص کے لیے تو موجب ترقی درجات اور دوسرے کیلئے موجب کفر تو یہ فرق تو تفاوت استعدادات ہی سے ہے اور اسی سے معلوم ہوتا ہے۔ پس ضرور ہوا کہ شیخ کو کشف استعداد سالک ہو اسی کو فرماتے ہین کہ جب خود تمہارے حواس درست اور کامل ہو جاوینگے تو حق تعالے تمکو وہ بصیرت عطا فرماوینگے کہ جس سے تمکو اورون کی حالت بھی بالکل صاف طور پر معلوم ہو جایا کریگی۔ آگے خود بیان سالک کے ناکافی ہونے کو صراحۃً بیان فرماتے ہین کہ

کاین الخ۔ یعنی کہ یہ حقیقت تو قابل تاویلات ہے اور یہ توہم از تخیلات ہے۔ مطلب یہ ہے کہ مجاز تو پہلے سے ماول اور منصرف عن الظاہر و الحقیقہ ہے ہی مگر جو حقیقت کو بھی لیا جاوے اور کہا جاوے کہ اس کے بیان مین کوئی شبہ شک نہین ہوتا تو یہ بھی غلط ہے اس لیے کہ وہ بھی محل تاویل ہے اس لیے کہ انسان احاطہ کئے ہوئے تو ہے ہی نہین ممکن ہے کہ جسکو کہ حقیقت سمجھ رہا ہے وہ حقیقت نہو۔ بلکہ وہ معنی اس کے منصرف عن الظاہر ہوں تو پھر یہ بھی حقیقت نہ رہی اور یہ جو سالک کو وہم ہوتا ہے کہ اب یہ حالت ہے اور اب یہ ہے اسکا بھی اعتبار نہین ممکن ہے کہ جسکو یہ محمود سمجھ رہا ہے وہ مذموم ہو اور جسکو مذموم سمجھ رہا ہے وہ محمود ہو لہذا معلوم ہوا کہ ان الفاظ ظاہری اور بیان سالک مین ضرور غلطی ہو سکتی ہے بلکہ غالب غلطی ہونا ہے بخلاف اوس کشف کے کہ جمہور یہی فرماتے ہین کہ جس وقت کہ حواس باطنیہ مین کوئی خرابی نہو اس وقت کشف صحیح ہی ہوتا ہے اور اوس کی ایسی مثال ہے کہ جیسے حواس ظاہرہ کہ اگر وہ صحیح ہوتے ہین اور کوئی خرابی نہین ہوتی اون کے احساسات درست ہوتے ہین اور اگر کوئی خلل ہوتا ہے تو اونکے احساسات بھی درست نہین ہوتے اسی طرح کشف حواس باطنیہ کا احساس ہے پس اگر حواس درست ہین تو یہ بھی درست ہے ورنہ نہین۔ اور یہ بہت ہی کم غلط ہوتا ہے گویا کہ نہین ہوتا جیسا کہ حواس ظاہرہ کہ وہ اپنے فعل سے بہت ہی کم متخلف ہوتے ہین تو اگر الفاظ اور زبان سے بیان کیا جاوے تو اسمین تو شبہ رہ سکتا ہے مگر کشف مین بہت ہی شاذ و نادر غلطی ہوتی ہے لہذا معدوم ہی قرار دیجاوے گی۔ تو اس لیے کشف استعدادات ضروری ہے آگے مولانا اسی کو فرماتے ہین کہ ان ظاہر الفاظ وغیرہ مین شبہ اکثر ہے اور اس مین کم ہے فرماتے ہین کہ۔

این حقیقت الخ۔ یعنی یہ حقیقت جو کہ معائنہ سے ہوتی ہے اوس کے اندر کوئی تاویل نہین سماتی۔ مطلب یہ کہ چونکہ کشف مین تو معائنہ بچشم باطن ہوتا ہے اس لیے فرماتے ہین کہ اون حقیقت الفاظ ظاہر مین تو شبہ رہتا ہے مگر اس مین چونکہ دیکھ لیتے ہین پھر شبہ ہی نہین ہوتا اور اگر کبھی غلطی ہوتی ہو تو ویسی ہوتی ہو کہ جیسے حواس ظاہرہ مین بھی بعض مرتبہ ہوتی ہے جیسے کہ ریل مین بیٹھے ہوئے برابر دوسری ریل چلے تو خود اپنی گاڑی چلتی ہوئی معلوم ہوتی ہے حالانکہ وہ کھڑی ہوتی ہے تو دیکھو کسقدر سخت غلطی ہے مگر اس سے حواس کے مدرکات کو کوئی ظنی نہین کہتا اسی طرح ان حواس کے مدرکات کو بھی کسی اتفاقی غلطی سے ظنی یا غلط نہ کہا جاوے گا بلکہ قریب قریب یقین ہی کے کہا جاوے گا بلکہ بعض نے تو کشف کو یقینیات مین سے کہا ہے مگر جمہور کا یہی مذہب ہے

کہ یقینی نہین ہو ہان قریب بہ یقین ہو کہ غلطی شاذ ہے آگے فرماتے ہین کہ۔

چونکہ الخ۔ یعنی جبکہ تمام حواس تمہارے حس کے تابع ہوئے تو افلاک کو بھی تم سے چارہ نہوگا۔ مطلب یہ ہے حدیث مین ہے کہ جب زمین پر اللہ کہنے والا کوئی نہ رہیگا اوس وقت قیامت قایم ہو جاوے گی اور افلاک وغیرہ سب برباد ہو جاوینگے اور ذکر کرنے والے اور اللہ کی یاد مین رہنے والے خود اولیاء اللہ ہوتے ہین یا ان ہی کی وجہ سے دوسرے ہوتے ہین تو جب کہ یہ شخص مسند ارشاد پر ہے تو اوسکی وجہ سے بھی حق تعالے کا نام دنیا مین لیا جارہا ہے۔ لہذا افلاک بھی اپنے وجود مین انکے محتاج ہوئے اگر یہ حضرات نہون تو اونکا وجود بھی نہین رہ سکتا۔ تو جسطرح کہ حواس باطنی کو ان سے فائدہ ہوتا ہے اسی طرح اکو ان کو بھی ان سے فائدہ ہے اور وہ بھی ان کے محتاج ہین آگے اس کو ایک فرضی قصہ سے مثال دیکر واضح فرماتے ہین کہ۔

چونکہ الخ۔ یعنی جب دعوے پوست کے مالک ہونے مین ہو تو مغز جسکی ملک ہے چھلکا بھی اوسی کی ملک ہے مطلب یہ کہ اگر دو شخص لڑتے ہوئے آوین ایک مدعی ہو اور ایک مدعا علیہ اور جھگڑا کسی چیز کے چھلکے مین ہو اس طرح کہ ایک مدعی ہے کہ یہ چھلکا بغیر اس کے ہبہ کئے ہوئے اور بے کسی اور وجہ ملک کے اول پیدائش سے میرا ہے اور دوسرا کہتا ہے کہ میرا ہے اور مغز مین دونون متفق ہین کہ مدعا علیہ ہی کا ہے تو فیصلہ یہ ہوگا کہ جسکا مغز ہے اوسی کا پوست بھی ہے تو چونکہ قلوب مثل مغز کے ہین اور یہ اکوان اونکے آگے مثل پوست کے ہین تو جب قلوب ان حضرات کے تابع ہین اور انکے وجود کے محتاج ہین تو یہ اکوان جو کہ پوست کی طرح ہین بدرجہ اولی محتاج اور تابع ہونگے آگے ایک دوسرے فرضی قصہ سے تائید فرماتے ہین کہ۔

گر تنازع الخ۔ یعنے اگر ایک بھوسہ کے گٹھے مین جھگڑا پڑے تو دیکھو کہ دانہ کس کا ہے (وہ بھوسہ بھی اوسی کا ہے) مطلب یہ کہ دو شخص آئے اور ایک کہتا ہے کہ یہ بھوسہ جبکہ دانہ کے اوپر تھا جب سے ہی میرا ہے بعد مین ہبہ وغیرہ اس نے نہین کیا بلکہ اصل سے میرا ہی ہے تو بس یہی دیکھا جاویگا کہ دانہ کس کا ہے یہ بھوسہ بھی اوسی کا ہوگا۔ اور یہ ظاہر ہے جب یہ ثابت ہوگیا تو اسپر تفریع کرتے ہین کہ۔

پس فلک الخ۔ یعنی پس فلک تو قشر ہے اور نور روح مغز ہے اور یہ (فلک) تو ظاہر ہے اور وہ مخفی ہو اس سے لغزش مت کرو۔ مطلب یہ کہ چونکہ فلک اور دیگر اکوان سب ظاہری ہین اور روح مغز ہو اور مغز کے تابع قشر ہوا کرتا ہو تو جب اصل تابع ہے تو فرع تو بطریق اولی تابع ہوگی اور آپس مین ایک یہ بھی وجہ تشبیہ ہے کہ جسطرح مغز پوشیدہ ہوتا ہے اسی طرح روح افلاک کی نسبت مخفی ہے۔ اور جسطرح قشر ظاہر ہوتا ہے افلاک بھی ظاہر ہین آگے روح اور جسم اور پھر عقل و روح وغیرہ کا آپس مین ایک دوسرے سے مخفی ہونا بیان فرماتے ہین کہ۔

جسم ظاہر الخ۔ یعنی جسم تو ظاہر ہے اور روح مخفی آئی ہے اور جسم آستین کیطرح ہے اور جان ہاتھ کی طرح ہے مصرعہ اولی مین تو ایک کا دوسرے سے مخفی ہونا بیان کیا ہے اور ثانی مین ایک کا دوسرے کے تابع ہونا بتلایا ہے۔

باز عقل الخ۔ یعنی پھر عقل روح سے بھی زیادہ مخفی ہوتی ہے۔ اسی لئے حس روح کیطرف جلدی راہ لیجاتی ہے

یعنی چونکہ روح عقل کی نسبت کم ظاہر ہوتی ہے اس لیے حس روح کا ادراک تو جلدی کر لیتی ہے اور عقل کا ادراک دیر میں ہوتا ہے آگے اسکو واضح فرماتے ہیں کہ۔

جنبشے بینی الخ۔ یعنی تم جنبش دیکھتے ہو اور جان لیتے ہو کہ زندہ ہے اور یہ نہیں جانتے کہ وہ عقل سے بھی پر ہے مطلب یہ کہ دیکھو اگر کسی کو پڑا ہوا دیکھو تو وہ اگر ذرا بھی جنبش کرے معلوم ہو جاوے کہ اسمیں روح موجود ہے مگر یہ پتا نہیں چل سکتا کہ آیا مجنون ہے یا عاقل ہے یا کم عقل ہے تو دیکھو روح کا ادراک تو ہو گیا مگر عقل کا نہوا تو روح سے عقل زیادہ مخفی ہوئی عقل کا ادراک اسوقت ہوگا جبکہ اس شخص سے حرکات موزون موافق عقل سرزد ہوں اسی کو فرماتے ہیں کہ۔

تا کہ جنبشہائے الخ۔ یعنی یہاں تک کہ موزون حرکات صادر کرے اور حرکت مس کو عقل سے سونا کر دے مطلب یہ کہ جب اس سے حرکات موزون موافق عقل کے سرزد ہوں اور کسی حرکت ناشائستہ کو عقل کے ذریعہ سے وہ خوب اور کامل بنادے اسوقت کہا جاوے گا کہاں عاقل ہے تو دیکھو کہ روح کا تو پتہ ایک جنبش سے لگ گیا اور اسکا پتہ اسقدر جنبشوں میں بھی مشکل سے لگتا ہے۔

زاں مناسب الخ۔ یعنی اوس سے ہاتھ کے افعال کے موزون صادر ہونے سے تم کو معلوم ہوگا کہ اسکو عقل ہے پس ثابت ہو گیا کہ روح سے عقل زیادہ مخفی ہے۔

روح وحی الخ۔ یعنی روح وحی عقل سے بھی زیادہ پوشیدہ ہوتی ہے اس لیے کہ وہ تو غیب ہے اور اوس طرف سے ہوتی ہے۔ روح وحی سے مراد وہ استعداد قبولیت وحی۔ مطلب یہ کہ استعداد قبولیت وحی عقل سے بھی زیادہ مخفی ہے کہ کوئی شخص یہ نہیں پہچان سکتا کہ اس شخص میں استعداد ہے کہ یہ وحی کو قبول کر سکے اور رسول ہو سکے اسکو کوئی بھی معلوم نہیں کر سکتا۔ نہ کسی جنبش سے اور نہ کسی حرکت سے اس لیے کہ اس کا کوئی خاص اثر ظاہر پر ہے ہی نہیں بخلاف عقل کے کہ اوس کے آثار ظاہر پر یہ ہوتے ہیں کہ مثلاً افعال موزون کا صدور وغیرہ تو یہ اوس سے بھی زیادہ مخفی ہوا آگے ایک مثال سے اور واضح فرماتے ہیں کہ۔

عقل احمد الخ۔ یعنی احمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عقل تو کسی سے پوشیدہ نہ ہوئی مگر اون کی روح وحی کو ہر جان نے ادراک نہ کیا۔ مطلب یہ کہ حضور مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر شخص جانتا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم عاقل ہیں مگر آپ کے رسول ہونے کا بہت کم لوگوں کو ادراک ہوا اسکی یہی وجہ تھی کہ یہ استعداد قبول وحی عقل سے بھی زیادہ مخفی اور باریک ہے یہاں کسی کو شبہ ہو تا کہ عقل کو تو اوس کے آثار اور مناسبات سے معلوم کر لیتے ہیں مگر وحی کے چونکہ آثار نہیں ہیں اس کو اس سے نہیں معلوم کر سکتے باقی اوس سے خفی نہیں ہیں اوس کا جواب فرماتے ہیں کہ۔

روح الخ۔ یعنی روح وحی کے بھی مناسبات ہیں مگر عقل میں نہیں آتے اس لئے کہ وہ عزیز ہیں مطلب یہ کہ اوس استعداد قبول وحی کے بھی مناسبات ہیں جیسے کہ مثلاً ظہور معجزات اون کے ہاتھ سے کہ اگر کوئی ساحر وغیرہ دعوے نبوت کر کے چاہے کہ معجزات وخوارق اوس سے صادر ہوں تو یہ ممکن نہیں ہے لہذا معلوم ہوا کہ مناسبات اس کے بھی ہیں مگر ہر عقل اون کا ادراک نہیں کر سکتی۔ اسی لیے کہ وہ عقل سے مخفی

ہے اور عقل کی وہس کے ادراک مین یہ حالت ہوتی ہے کہ۔

گہ جنون بیند الخ۔ یعنی کبھی جنون دیکھتی ہے اور کبھی حیران ہوتی ہے اس لیے کہ وہ تو موقوف ہے جبتک کہ وہ وہی نہو جاوے مطلب یہ کہ عقل کے ادراک مین یہ حالت ہوتی ہے کہ کبھی تو ایک حکم لگاتی ہے اور کبھی ہے کہ یہ دعوی محض جنون ہے پھر دیکھتی ہے کہ اس کے علاوہ اور ساری باتین تو سمجھ کی ہین تو اب حیران ہوتی ہے کہ آخر خاص اس بات مین کیا ہے کہ اس مین تو جنون ہے اور دوسری باتون مین اچھا خاصہ ہے پس یہان اگر حیران رہجاتی ہے اور اسکی وجہ یہ ہے کہ عقل کا اوس کو پہچاننا موقوف اس پر ہے کہ عقل کو اوس سے مناسبت ہوا ور وہ اسقدر بڑہے کہ درجہ عینیت مصطلحہ تک پہونچ جاوے اس وقت عقل اوس کو ادراک کر سکتی ہے اور قبول کر سکتی ہے اور جب تک کہ نہین ہے اس وقت تک اوس کا ادراک بہت مشکل ہے آگے اوس کی ایک مثال فرماتے ہین کہ۔

چون مناسبهائے الخ۔ یعنی جیسے کہ حضرت خضر علیہ السلام کے افعال کی مناسبات کہ موسے علیہ السلام کی عقل اون کے دیکھنے مین مکدر تھی۔

نامناسب الخ۔ یعنی اون کے افعال نامناسب معلوم ہوتے تھے اس لیے کہ موسے علیہ السلام پر اونکا حال ظاہر نہ تھا مطلب یہ ہے کہ دیکھو جسطرح کہ موسے علیہ السلام اور خضر علیہ السلام کے قصہ مین ہے کہ خضر علیہ السلام کے افعال مین سب مین حکمتین ہین اور اس کے مناسبات بھی تھے جیسے کہ بعد کو معلوم ہوئے مگر موسی علیہ السلام کو اونکی خبر نہ ہوئی اور وہ اعتراض ہی کرتے رہے اسی طرح عقل کے سامنے (باوجودیکہ مناسبات وہی موجود ہین) ظاہر نہین ہوتے اور اوس گوہر عقل محض جب تک کہ اوس سے تعلق اور لگاؤ نہ پیدا ہو گیا ہو اوسکو شناخت نہین کر سکتی۔ آگے فرماتے ہین کہ۔

عقل الخ۔ یعنی جبکہ موسے علیہ السلام کی عقل غیب مین بند ہے تو ایک چوہے کی عقل کیا ہو گی۔ اے ارجمند مطلب یہ کہ دیکھو جب موسے علیہ السلام اوس غیب کے اسرار کو معلوم نہ کر سکے اور اون کو خبر نہ ہوئی کہ اس مین کیا مصالح ہین تو بھلا عوام الناس اور دنیادار لوگ جن کی عقل چوہے سے بھی کم ہے وہ تو کیا ہی سمجھ سکتے ہین اور فرماتے ہین کہ۔

شرح حبیبی

علم تقلیدی بود بہر فروخت	چون بیابد مشتری خوش بر فروخت
مشتری علم تحقیقی حق است	دائما بازار او با رونق است
لب ببستہ مست در بیع و شری	مشتری بیحد کہ اللہ اشترے
درس آدم را فرشتہ مشتری	محرم درسش نہ دیوست و پری
آدم انبئہم باسماء درس گو	شرح کن اسرار حق را مو بمو
آنچنان کس را کہ کوتہ بین بود	در تلون غرق و بے تمکین بود

موش گفتم زانکہ در خاکست جاش   خاک باشد موش را جائے معاش
راہہا داند ولے در زیر خاک   ہر طرف او خاک را کردست چاک
نفس موشے نیست الا لقمہ رند   قدر حاجت موش را عقلے دہند
زانکہ بے حاجت خداوند عزیز   مے نہ بخشد ہیچ کس را ہیچ چیز
گر نبودے حاجت عالم زمین   نافریدے ہیچ رب العالمین
این زمین مضطرب محتاج کوہ   گر نبودی نافریدے پر شکوہ
ور نبودے حاجت افلاک ہم   ہفت گردون نافریدے از عدم
آفتاب و ماہ و این استارگان   جز بحاجت کے پدید آمد عیان
پس کمند ہستہا حاجت بود   قدر حاجت مرد را آلت بود
پس چو حاجت شد کمند ہستہا   قدر حاجت میرسد از حق عطا
پس بیفزا حاجت ای محتاج زود   تا بجوشد از کرم دریائے جود
این گدایان بر رہ و ہر مبتلا   حاجت خود مے نماید خلق را
کوری و شلی و بیماری و درد   تا ازین حاجت بجنبد رحم مرد
ہیچ گوید نان دہید اے مردمان   کہ مرا مال است و انبارست و خوان
چشم ننہادست حق در کور موش   زانکہ بے چشمی ربودن ہست جوش
میتواند زیست بے چشم و بصر   فارغ است از چشم او در خاک تر

علم تقلیدی و استدلالی بیچنے کے لیے ہوتا ہے اور جب کوئی خریدار رہتا ہے تو بیچ دیتا ہے۔ برخلاف علم تحقیقی وکشفی و ذوقی کے کہ اوس کا خریدار حق سبحانہ ہے اور اوس کا بازار ہمیشہ گرم رہتا ہے گو لب خاموش ہوتے ہین مگر بیع و شری جاری ہے اس لیے کہ خدا اوس کا مشتری ہے وہ بے حد و نہایت ہے یعنی حق سبحانہ اور دلیل اس کی ان اللہ اشتری من المؤمنین انفسہم و اموالہم ہے جب مشتری بیحد ہے تو سلسلہ بیع و شری کیونکر ختم ہو اس علم کو اہل دنیا نہین خرید سکتے کیونکہ ہر علم کے قدر دان وہ ہوتے ہین جو اس سے مناسبت رکھتے ہون چنانچہ درس آدم کا قدردان فرشتہ ہو سکتا ہے نہ کہ جن و پری۔ اسی لیے حق سبحانہ نے فرمایا تھا۔ یا آدم انبئہم باسمائہم یعنی اپنے علوم ان کے سامنے بیان کیجیے اور ان کے سامنے اسرار حق سبحانہ ظاہر فرمائیے۔ کہ یہ قدردان ہین خیر یہ تو ایک ضمنی گفتگو تھی اب ہم پھر مضمون سابق کی طرف عود کرتے ہین اور کہتے ہین کہ مین نے جو کہا تھا کہ عقل موشے نیست الخ تو مین نے ایسے شخص کو جو کوتہ بین ہے اور پارہ صفت اور بیقرار ہے کیونکہ اوس کے اغراض و مقاصد بدلتے رہتے ہین اس لیے اوسکی حالت بھی بدلتی رہتی ہے موش اس لیے کہا کہ وہ خاک اور عالم ناسوت سے تعلق رکھنے والا ہے۔ اور خاک مین جو ہا بھی رہتا ہے وہین سے اوس کو غذا ملتی ہے گو وہ رستے جانتا ہے اور ہوشیار ہے مگر اوسکی ہوشیاری خاک کے اندر ہے اور زمین ہی کے اندر اسنے راہین پیدا کی ہین چونکہ موش کا نفس بس لقمہ خوری ہی ہے اور غایت بھی اسکی غذا حاصل کرنا ہی ہے لہذا

اوس کو اتنی ہی عقل دیگئی ہے کیونکہ حق سبحانہ بلا ضرورت کسی کو کوئی چیز نہین دیتے۔ چنانچہ اگر عالم کو زمین کی ضرورت نہوتی تو حق سبحانہ اوس کو بھی پیدا نکرتے اور اگر یہ زمین متزلزل نہوتی اور اسکو پہاڑون کی ضرورت نہوتی تو حق سبحانہ عالی شان پہاڑ ہر گز نہ پیدا کرتے۔ نیز اگر آسمانون کی ضرورت نہوتی تو حق سبحانہ سات آسمانون کو کتم عدم سے منصۂ وجود پر جلوہ گر نہ فرماتے آفتاب ماہتاب ستارے بدون ضرورت کے ہر گز ظاہر نہوئے۔ پس ثابت ہوا کہ موجودات کو عدم سے وجود مین کھینچ لانے والی شئے ضرورت ہے۔ چنانچہ آدمی بھی اپنے پاس بقدر ضرورت ہی سامان رکھتا ہے خواہ تعیین و تقدیر ضرورت مین غلطی کرے سو یہ امر دیگر ہے پس جب ضرورت ہی وہ شے ہے جو اشیار کو عدم سے وجود مین لاتی ہے تو حق سبحانہ کی مواہب لا محالہ بقدر ضرورت ہون گے پس تمکو چاہیے کہ ضرورت پیدا کرو تاکہ دریائے کرم جوش مین آوے اور تم زیادہ مستحق انعام ہو۔ دیکھو تو سہی رستہ مین جو فقیر ہوتے ہین اور فقیر ونکی تخصیص نہین بلکہ تمام حاجتمند اپنی حاجت مخلوق پر ثابت کرتے ہین اور اپنا اندھا ہونا لنجا ہونا بیمار ہونا مصیبت زدہ ہونا ظاہر کرتے ہین تاکہ اس سے اوس شخص کے رحم کو جوش ہو بھلا کوئی بھی کہتا ہے کہ لوگو میرے پاس روٹی کے خوان ہین میرے پاس مال ہے۔ غلہ کے انبار لگے ہوئے ہین مجھے روٹی دو ہر گز نہین۔ تو ثابت ہوا کہ جیسا کہ جب رحم کے لیے حاجتمندی کی ضرورت ہے اور اسکا ظاہر کرنا بھی لازمی ہے دیکھو چھچھوندر چونکہ بدون آنکھ کے بھی غذا بہت سرگرمی کے ساتھ حاصل کرسکتی ہے۔ اس لیے حق سبحانہ نے اوس کو آنکھین نہین دین اور چونکہ بدون چشم و بینائی کے بھی زندہ رہ سکتی ہے اسلیے اس کے آنکھین نہین۔ اور بدون آنکھون کے نمناک مٹی مین رہتی ہے اس سے بھی معلوم ہوا کہ اشیار کو عدم سے کھینچنے والی ضرورت ہے۔

شرح شبیری علم تقلیدی الخ۔ یعنی علم تقلیدی تو بیچنے کے واسطے ہوتا ہے جبکہ کوئی گاہک آگیا تو خوب روشن ہو گئے۔ مطلب یہ کہ عقل ناقص اور علم ناقص یہ سب کھانے کمانے کے ہوتے ہین کہ اگر کوئی قدردان ہو اور کوئی دوسرا طالب ہو تب تو وہ پڑھتے بھی ہین اور اون کو فروغ بھی ہوتا ہے اور اگر کوئی قدردان نہو تو کچھ بھی نہین بلکہ بعض مرتبہ ضائع ہو جاتے ہین بخلاف علم تحقیقی کے کہ اوس کو قدردان کی ضرورت نہین ہے بلکہ علم و عقل تحقیقی والا اوس سے خود ہی مزہ حاصل کرتا ہے اور اوس کو خود ہی حظ ہوتا ہے جیسے کہ کسی کے پاس مال ہو تو وہ خوش ہے خواہ کسی کو بھی اوس کے پاس مال ہونے کی خبر نہو۔ اور اصل تو علم تحقیقی ہی ہے اور علم ناقص اور تقلیدی تو علم ہی نہین ہے خداوند کریم ہر مسلمان کو نصیب فرماوین۔ آمین آگے علم تحقیقی کے ہمیشہ بارونق ہونے کی وجہ فرماتے ہین کہ۔

مشتری الخ یعنی علم تحقیقی کا مشتری چونکہ حق تعالے ہے اس لیے اوس کا بازار ہمیشہ بارونق ہے۔

لب بستہ الخ۔ یعنی لب بند کئے ہوئے بیع و شری مین ہین مشتری بیحد ہے اس لئے کہ اللہ نے خرید ا ہے۔ مطلب یہ کہ دیکھو دونون طرف سے لب بند ہین اس لیے کہ ایک طرف تو لب ہی نہین اور دوسری طرف لب ہین تو وہ ایجاب و قبول وغیرہ نہین کرتے بس لب بستہ ہی خرید و فروخت ہورہی ہے۔ اور خریدار تو وہ ذات ہے جو بے نہایت ہے اور اسکی دلیل یہ ہے کہ قرآن شریف مین ہے کہ ان اللہ اشترےٰ من المؤمنین انفسہم واموالہم

بان لہم الجنۃ تو دیکھ لو کہ مشتری کیسا زبردست ہے۔ تو دیکھو حق تعالے نے جو فرمایا ہے کہ حق تعالے نے خرید لیا تو مومنین ہی سے فرمایا کفار وغیرہ سے نہین فرمایا معلوم ہوا کہ آپسمین کچھ مناسبت ضروری ہے کہ جس سے کہ خرید و فروخت یا کوئی اور تعلق ہوسکے تو چونکہ یہان مناسبت تھی اس لیے حق تعالے خریدار ہوئے آگے اسکی ایک اور نظیر فرماتے ہین کہ۔

درس آدم را الخ۔ یعنی آدم علیہ السلام کے سبق کا فرشتہ تو مشتری ہے اور دیو اور پری اون کے درس کے محرم نہین ہین۔ مطلب یہ کہ دیکھو چونکہ فرشتون مین اور حضرت آدم علیہ السلام مین مناسبت تھی اس لیے وہ تو اون کے کمال کے جو اون کو حق تعالے نے دیا تھا قدردان ہوئے۔ اور شیطان جسکو کہ اون سے مناسبت نہ تھی منکر ہی رہا۔ درس سے مراد وہ ہے جس کو حق تعالے نے فرمایا ہے وعلم آدم الاسماء کلھا تو دیکھو انکو جو سکھایا گیا تھا گویا کہ سبق دیا گیا تھا۔ اوس کے قدردان فرشتے ہی ہوئے آگے خود اوسکی توضیح فرماتے ہین۔

آدم الخ۔ یعنی آدم انکو نام بتادو یعنی سبق کہدو اور اسرار حق کی مو بمو شرح کردو۔ مطلب یہ ہے کہ حق تعالے کا جو حکم ہوا تھا کہ یاآدم انبئہم باسمائہم اس کے معنی یہی تھے کہ سبق سنادو اور حق تعالے کے اسرار ان کو بتادو اسلیے یہ قدردان ہین اور یون معلوم ہوتا ہے کہ حق تعالے نے اول حضرت آدم علیہ السلام کے کمال علمی وغیرہ کو فرشتون پر پہلے ہی ثابت کردیا تھا۔ کہ جس سے اون کے قلوب مین اون کی عظمت ہوگئی تھی اور ایک مناسبت اون سے پیدا ہوگئی تھی اور وہ خود سجدہ کرنے پر آمادہ تھے کہ حضرت حق کا ارشاد اور حکم ہوگیا اور وہ اوس کو بلاچون وچرا خوشی سے بجالائے کہ وہ اون کے کمال کے اول ہی سے قائل تھے چونکہ اوپر اہل دنیا کو چوہا لکھا ہے تو شاید کسی کو برا معلوم ہوا ور کوئی اعتراض کرے اس لیے آگے وجہ تشبیہ بتاتے ہین کہ۔

آنچنان الخ۔ یعنی اوس شخص کو جو کوتاہ بین ہو اور تلون مین غرق ہو اور بے تمکین ہو۔

موش گفتم الخ۔ یعنی مین نے چوہا کہدیا اسلیے کہ اوسکی جگہ خاک مین ہے اور خاک چوہے کی جائے معاش ہوتی ہے مطلب یہ ہے کہ جو لوگ کہ دنیا مین متلون ہین کبھی سوچتا ہے کہ تجارت کرو اور کبھی کسی کمپنی کی شرکت کو موجب نفع سمجھتا ہے کبھی کچھ کبھی کچھ اون کو چوہا کہا گیا ہے اس لیے کہ جسطرح کہ چوہا زمین مین رہتا اور وہین وہ معاش کی فکر مین رہتا ہے اسیطرح یہ شخص بھی اس عالم سفلی مین پھنسا ہوا ہے اور ہر وقت اسی فکر مین ہو کہ اب یہ کرو اور اب وہ

راہہا داند الخ۔ یعنی وہ چوہا راستے جانتا ہے لیکن خاک کے اندر اوس نے ہر طرف زمین کو چاک کر رکھا ہے۔ اسی طرح دنیادار بھی تدابیر کسب کی تو جانتے ہین مگر اس عالم سفلی ہی مین جانتے ہین اوس عالم کے کسب کی خاک بھی تدبیر نہین جانتے۔

نفس موشے الخ۔ یعنی نفس ایک لقمہ ربا چوہا ہے اور بقدر حاجت تو چوہے کو بھی عقل دیدیتے ہین مطلب یہ کہ یہ نفس انسانی ایک چوہے کی طرح ہے کہ جو لقمہ ربا ہوا ورنہ اگر کسی کو شبہ ہو کہ وہ تو جانور ہے اوس کو عقل کہان اور ہم کو تو عقل ہے تو ہم کسطرح چوہے ہوسکتے ہین اس کا جواب دیتے ہین کہ بقدر ضرورت تو چوہے کو بھی عقل ہوتی ہے کہ وہ بھی اپنی روزی مہیا کرلیتا ہے پس اگر تمکو بھی کہانے کی عقل ہے تو کیا کمال ہے یہی نہ کہ ایک چوہے کی طرح تم بھی روزی جمع کروگے آگے فرماتے ہین کہ۔

زانکہ الخ۔ یعنی اس لیے کہ خداوند تعالے بے حاجت کے کسی کو کچھ نہین دیتے۔ تو چوہے کو اوس کے موافق عقل دیدی

اور چونکہ اہل دنیا عالم سفلی مین لگے ہوئے ہین اونکو اوس کے موافق عقل دیدی۔
گر نبودی الخ- یعنی اگر عالم کو حاجت زمین کی نہوتی تو حق تعالے اوسکو کل بھی پیدا نفرماتے۔
وین الخ- یعنی اور اگر یہ زمین مضطرب پہاڑ کی محتاج نہوتی تو حق تعالے اوسکو پرشکوہ پیدا فرماتے چونکہ اول پیدائش زمین کیوقت وہ ہلتی تھی اوس کے لیے پہاڑ ونکو میخین بناکر گاڑ رکھاہے اسلیے اوسکو مضطرب کہدیا تو دیکھو چونکہ ان چیزونکی حاجت تھی اسلیے پیدا فرمائین۔
ورنہ الخ- یعنی اور اگر افلاک کی بھی ضرورت نہوتی تو سات آسمانون کو بھی عدم سے پیدا نہ فرماتے۔
آفتاب و الخ- یعنی آفتاب اور ماہتاب اور یہ ستارے بغیر حاجت کے کب ظاہر ہوے ہین جب معلوم ہوا کہ بے حاجت کے کوئی چیز پیدا نہین ہوتی تو اسپر تفریع فرماتے ہین کہ۔
پس کمند الخ- یعنی پس ہستیون کی کمند حاجت ہے۔ اور بقدر ضرورت آدمی کے پاس اسباب بھی ہوتا ہے۔ اب جبکہ یہ بھی معلوم ہو گیا کہ حق تعالے سے اوس قدر ملتاہے جسقدر کہ حاجت ہوتی ہے تو اس پر تفریع فرماتے ہین کہ
پس جو الخ- یعنی پس جب کہ حاجت ہستیون کی کمند ہے تو بقدر حاجت کے حق تعالے سے عطا بھی ہوتی ہے۔
پس بیفزا الخ- یعنی پس اے محتاج حاجت کو بڑھا تا کہ کرم کی وجہ سے دریاے جود جوش مارے مطلب یہ کہ جب معلوم ہو گیا کہ جسقدر حاجت ہو اوسی قدر حق تعالے دیتے ہین تو تم اپنی احتیاج کو حق تعالے کے روبرو خوب ظاہر کرو تاکہ خوب اچھی طرح عطا اور کرم تم پر نازل ہو آگے احتیاج ظاہر کرنے سے کرم کے جوش کرنیکی ایک مثال فرماتے ہین۔
این گدایان الخ- یعنی راستہ پر یہ فقیر اور ہر مبتلا مخلوق کو اپنی حاجت دکھلاتے ہین۔
کوری و الخ- یعنی اندھاپن اور لنجاپن اور بیماری اور درد (کو دکھاتے ہین) تاکہ اس احتیاج کو دیکھ کر آدمی کے رحم کو جنبش ہو تو اسیطرح اگر تم حق تعالے کے سامنے اپنی حاجت مندی کو ظاہر کرو گے تو حق تعالے کا دریاے کرم بھی جوش مین آوے گا اور تم پر لطف و کرم فرماوین گے آگے فرماتے ہین کہ۔
ہیچ گوید الخ- یعنی کوئی یون بھی کہتا ہے کہ اے لوگو مجھے روٹی دو اس لیے کہ میرے پاس مال ہے اور ڈھیر ہے اور خوان ہے مطلب یہ کہ دیکھو جب مانگتے ہین اور جب کوئی دیتاہے احتیاج ظاہر کر کے مانگتے ہین اور احتیاج کو دیکھ کر ہی دیتے ہین اور اسطرح کوئی نہین مانگتا کہ بھائی میرے پاس مال بہت ہے لہذا مجھے اللہ واسطے روٹی دو تو اسی طرح اگر تم حق تعالے کے سامنے اپنی احتیاج کو ظاہر کرو گے تو جسقدر ظاہر کرو گے اوسی قدر کرم ہوگا آگے پھر اوپر کیطرف رجوع ہے اوپر کہا تھا کہ کسی کو کوئی شئے بے ضرورت نہین ملتی آگے بھی یہی فرماتے ہین کہ۔
چشم ننہاد ست الخ- یعنی حق تعالے نے کورموش کی آنکھ نہین رکھی اس لیے کہ بے آنکھ ہی اوس کا اوچکنا اچھا ہے مطلب یہ کہ چونکہ بے آنکھ کے بھی اپنی غذا حاصل کر لیتی ہے لہذا اوسکو آنکھ کی ضرورت بھی نہ تھی اسی لیے حق تعالے نے اوس کے آنکھ نہین رکھی کہ بے ضرورت تھی۔
می تواند زیست الخ- یعنی وہی کورموش بے آنکھ اور بصارت کے بھی زندہ رہ سکتی ہے لہذا وہ خاک ترمین آنکھ سے فارغ ہے مشہور ہے کہ چھچھوندر ترخاک مین رہتی ہے اس لیے فرماتے ہین کہ وہ تو اپنی اوس خاک ترمین آنکھ سے فارغ ہے لہذا اوس کے آنکھ رکھی بھی نہین گئی اس لیے کہ فضول تھی آگے فرماتے ہین کہ۔

شرح حبیبی

جز بدزدی او برون ناید ز خاک ... تا کند خالق از آن دزدیش پاک

بعد از آن پر یابد و مرغے شود ... چون ملائک جانب گردون رود

ہر زمان در گلشن شکر خدا ... او بر آرد ہمچو بلبل صد نوا

کاے رہانندہ مرا از وصف زشت ... اے کنندہ دوزخے را تو بہشت

می نہی در پیہ نور و روشنی ... استخوان را میدہی سمع اے غنی

چہ تعلق آن معانی را بہ جسم ... چہ تعلق فہم اشیا را باسم

لفظ چون وکرست و معنی طائر است ... جسم جوئے و روح آب سائر است

در روانی روئے آب جوئے فکر ... نیست بے خاشاک خوب و زشت ذکر

او روان ست و تو گوئی واقف است ... او دوان ست و تو گوئی عاکف است

گر نہ بینی سیر آب از جا بجا ... چیست بر روئے نو بنو خاشاکہا

ہست خاشاک تصورہاے فکر ... نو بنو در میرسد اشکال بکر

روے آب جوئے فکر اندر روش ... نیست بے خاشاک محبوب و وحش

یہ چھچھوندر خاک سے اگر کبھی نکلتی ہے تو غذا کی چوری کے لیے یعنی ارباب علوم تقلیدی اگر کبھی حق سبحانہ کی طرف متوجہ ہوتے ہین تو اغراض دنیاوی کے لیے اور یہ حالت ان کی اسوقت تک رہتی ہے جب تک کہ ان کو حق سبحانہ بفضل و رحمت جس کی ہر وقت امید ہے اور مولیٰ چاہیے اس چوری سے پاک کردین اور اغراض نفسانیہ کو زائل کردین اور جب وہ چوری سے پاک صاف ہوجاتے ہین۔ اور اغراض نفسانیہ سے علیحدہ ہوجاتے ہین اس وقت ان کو پر عطا ہوتے ہین اور فرشتون کی طرح آسمان کی جانب اڑتے ہین۔ قرب الٰہی و ترقی روحانی حاصل کرتے ہین اور ہر وقت گلشن شکر خدا مین خواہ بزبان قال یا بزبان حال سیکڑون انداز سے نغمہ سرائی کرتے ہین اور کہتے ہین کہ اے مجھے صفات ذمیمہ سے رہائی دینے والے اور میرے دوزخ کو بہشت بنانے والے اور نفس امارہ کو مطمئنہ کرنے والے تو بڑا قادر ہے تو اپنی قدرت کاملہ سے چربی کے ٹکڑون مین نور رکھتا ہے اور ہڈیون کو قوت سامعہ بخشتا ہے اجسام کو اوصاف سے کیا تعلق ہے مگر تو انکو یہ صفات عطا کرتا ہے۔ الفاظ سے فہم اشیاء کو کیا مناسبت مگر تو ان کو یہ صفت عطا کرتا ہے لفظ بمنزلہ آشیانہ کے ہے اور معنی بمنزلہ پرندہ کے ہے لان الالفاظ قوالب المعانی جسم بمنزلہ ندی کے ہے اور روح بمنزلہ بہتے پانی کے للظرفیۃ العرفیۃ والافاضۃ والاستفاضۃ یہ کیون محض تیرے انکو ایسا بنانے سے ورنہ لفظ کو معنی سے اور روح کو جسم سے کچھ بھی مناسبت نہین۔ چونکہ مولانا نے روح کو بہتے پانی سے تشبیہ دی ہے یہان سے دوسرے مضمون کی طرف انتقال فرماتے ہین اور فرماتے ہین کہ روح کی قوت فکریہ جو بمنزلہ آب جو کے ہے اس کی سطح اشیاء کے تذکر محمود و مذموم کے خس و خاشاک سے صاف نہین رہتی یعنی قوت فکریہ پر ہمیشہ خیالات کا ورود رہتا ہے

تم اس کو ٹھیرا ہوا سمجھتے ہو لیکن وہ ہر وقت چلتی رہتی ہے اور اپنے کام مین مصروف ہے اگر اس پانی کی ایک جگہ سے دوسری جگہ حرکت تمکو محسوس نہین ہوتی اور اس لیے تم اسکی حرکت کا انکار کرتے ہو تو پھر بتلاؤ کہ اسکی سطح پر نئے نئے خاشاک کیون آتے ہین۔ کیا ٹھیرے ہوے پانی کی بھی یہ حالت ہوتی ہے اب سمجھو کہ وہ خاشاک کیا ہین وہ صور فکریہ اور نئے نئے خیالات ہین جو ہر وقت آتے جاتے رہتے ہین اور اس لیے قوت فکریہ جو پانی کی مثل ہے اس کی سطح پہلے بُرے خس و خاشاک سے کبھی خالی نہین ہوتی ہے۔

شرح شبیری - جز بدزدی الخ۔ یعنی وہی کور موش بغیر چوری کے اور کسی کام کے لیے خاک سے نکلتی نہین ہے جب تک کہ خالق تعالی اوس کو چوری سے پاک نہ فرما دین۔ مطلب یہ کہ اوپر دنیا دارون اور مجوبین کو موش اور کور موش وغیرہ سے تشبیہ دی تھی اوسی سے متعلق فرماتے ہین کہ جسطرح وہ کور موش بجز اس کے کہ وہ کسب معاش کرے اور کسی وجہ سے وہ اپنے بل سے باہر نکلتی ہی نہین اسی طرح دنیا دار لوگ بجز کسب دنیا کے اور کسی کام امر کی تدبیرین نکتے ہی نہین۔ اور دوسری چیز یعنی دین کی طرف متوجہ ہوتے ہی نہین اب چونکہ ان بیچارون کو بہت ہی بُرا بھلا کہا ہے اس سے شبہ ہوتا ہے کہ شاید کوئی مایوس ہی ہو جاوے کہ جب یہ حالت ہے تو اب اصلاح کی کیا امید ہو سکتی ہے اور مولانا شیخ کامل ہین اس لیے دوسرے مصرعہ مین اسکی اصلاح فرماتے ہین کہ یہ سب کچھ اس وقت تک ہے کہ جب تک حق تعالے اس شخص کو ان جھگڑون سے نجات نہ دین اور جب حق تعالی نجات دیدیتے ہین اور دوسری طرف لگا دیتے ہین تب اس کی یہ حالت نہین رہتی بلکہ پھر تو یہ حالت ہوتی ہے کہ عالم بالا اور عالم غیب کی طرف اوس کا میلان ہوتا ہے اور اس عالم سفلی سے نفرت ہو جاتی ہے آگے خود مولانا اسی کو فرماتے ہین کہ۔

بعد از ان الخ۔ یعنی بعد اس (توفیق حق) کے وہ پر پالیتا ہے اور پرندہ ہو جاتا ہے اور فرشتون کی طرح گردون کی طرف جاتا ہے۔ مطلب یہ کہ جب حق تعالےٰ اسکو ان امور سے پاک فرما دیتا ہے اور اوس کے ملکات سئیہ کو ملکات حسنہ بنا دیتا ہے جیسا کہ قرآن شریف مین موجود ہے اولٰئک یبدل اللہ سیاٰتھم حسنات تو اسوقت فرشتون کی طرح اون کا طبعی میلان اور رغبت عالم بالا اور عالم غیب ہی کی طرف ہوتا ہے اور عروج حاصل ہوتا ہے اور مراتب علیا حاصل ہوتے ہین اس مین ایک تو خود ان لوگون کی تسلی ہے دوسرے جو لوگ کہ ایسون کو ذلیل سمجھتے ہین اون کو سُنانا مقصود ہے کہ دیکھو ان کو حقیر مت سمجھو کیا خبر ہے کہ ایک وہ وقت آوے کہ یہ ان کے سارے ملکات سئیہ حسنات ہو جاوین اس وقت کیا مُنھ لیکر اون کے سامنے آؤ گے لہذا کسی کو حقیر نہ سمجھے ہان اون افعال کو بُرا سمجھے مگر اس شخص کو حقیر نہ سمجھے کہ اپنی تسبیح و تہلیل پر نظر کر کے اوس بیچارہ کو یہ سمجھنا اور کہنا کہ یہ دنیا کے کتے ان کی مغفرت کہان ہو سکتی ہے وغیرہ وغیرہ ارے جب خدا نکردہ تم سے کوئی مغفرت چاہیگا مت بخشنا مگر حق تعالے کے فضل و رحمت مین آپکو کس نے رائے زنی کرنے کو کہا ہے۔ وہی مثل ہے کہ الحائک اذا صلی یومین انتظر الوحی۔ پانچ وقت کی نماز کیا پابندی سے پڑھ لیتے ہین کہ ساری دنیا ان کے نزدیک مرتد اور مردود ہو گئی ہے نعوذ باللہ ہذا یاد رکھو کہ کبھی کسی کو حقیر ذلیل مت سمجھو غرضکہ جب اوس شخص کے ملکات بدل جاوین گے اور اوس کو عروج حقیقی حاصل ہوگا تو اوس کو جو فرحت

ہوگی وہ اوس کے دل سے کوئی پوچھے۔ اوس خوشی مین اوس کی یہ حالت ہوگی کہ۔
ہر زمان الخ۔ یعنی وہ ہر گھڑی حق تعالے کے گلشن شکر مین بلبل کی طرح سیکڑون آوازین نکالے۔ مطلب یہ کہ جسقدر اوس سے ہوسکے گا حق تعالے کا شکر بجا لاوے گا کہ الٰہی تیرا شکر ہے کہ یہ نعمت عظمیٰ اس ناکارہ خلائق کو عطا ہوئی اور یون کہیگا
کلے الخ۔ یعنی کہ اے مجھے اوصاف زشت سے چھڑانیوالے اور اے دوزخ کو بہشت بنانے والے تیرا لاکھ لاکھ شکر ہے دوزخ سے مراد ملکات سئیہ اور بہشت سے مراد ملکات حسنہ مطلب یہ ہوا کہ جب اوس کے ملکات بدل جاوینگے تو وہ کہیگا کہ اے وہ ذات کہ جس نے میرے ملکات سئیہ کو حسنہ کردیا تیرا لاکھ لاکھ شکر ہے اب چونکہ ظاہر بینوں کو یہ شبہ ہوسکتا تھا کہ بھلا ہر شئے کے تبدل ماہیت کے لیے اوس دوسری شئے مین کوئی مناسبت بھی تو ہو مگر یہان دوزخ و جنت مین کیا مناسبت ہے اور کیا واسطہ ہے کہ جو دوزخ کو جنت کردیا جاویگا لہذا مولانا آگے اسکا جواب اوس شاکر ہی کی زبان سے فرماتے ہین جسکا حاصل یہ ہے کہ بیشک مناسبت مابین کی ضرورت ہے مگر یہ تو صرف مخلوق ہی کو ضرورت ہے حق تعالے کو اسکی ضرورت نہین ہے اس لیے کہ وہ تو بہت ہی غیر مناسب اشیا مین ایسا تعلق پیدا فرمادیتے ہین کہ آج تک اوس تعلق کی کنہ نہ کسی کو ملی اور نہ کوئی معلوم کرسکے جیسے کہ مثلاً رطوبت چشم مین روشنی کا پیدا فرمادینا بھلا رطوبت اور روشنی مین کیا مناسبت ہے کوئی بتا تو دے بلکہ اگر ہے تو کوئی دوسرا ایسی قسم کی رطوبات کو جمع کرکے روشنی رکھ تو دے۔ معلوم ہوا کہ حق تعالے کی وہ قدرت ہے کہ جسمین اسکی ضرورت ہی نہین ہے کہ اون مین مناسبت ہو وہ ویسے بھی تعلق پیدا کرنے پر قادر ہین آگے اسی کو بہت سی مثالوں سے بیان اور واضح فرماتے ہین کہ گویا وہ شاکر کہتا ہے کہ یا الٰہی تیری وہ قدرت ہے کہ۔
می نہی الخ۔ یعنی چربی مین آپ نور اور روشنی رکھ دیتے ہین۔ اور ہڈیون کو قوت سماعت آپنے عطا فرمائی ہے اسے غنی پیہ سے مراد وہ رطوبات چشم ہین اور استخوان سے مراد یہ کان کے پیٹھے وغیرہ تو دیکھو بھلا ان مین آپسمین کیا جوڑ ہے مگر حق تعالے نے ایک جوڑ پیدا فرمادیا ہے کہ جسکی کنہ کسیکو بھی آج تک معلوم نہ ہوسکی یون چاہے کچھ تعلق گڑھ لین مگر وہ سب نکات بعد الوقوع ہون گے اگر اصل کنہ کا پتہ چل جاتا تو ضرور تھا کہ خود بھی اسکے بنانے پر قادر ہوتے۔
چہ تعلق الخ۔ یعنی ان معانی کا جسم سے کیا تعلق اور فہم اشیاء کا نام سے کیا تعلق۔ مطلب یہ کہ سمع اور بصر وغیرہ تو اوصاف ہین اور وہ رطوبت اور استخوان وغیرہ جسم ہین تو بھلا ان مین اور ان مین کیا تعلق وہ لطیف اور یہ کثیف یہ مادی اور وہ غیر مادی اس لیے کہ وہ تو اوصاف ہین مگر پھر بھی تعلق ہے۔ اور سب سے زیادہ حیرت مین ڈالنے والی یہ بات ہے کہ ہم جب چیزون کا نام لیتے ہین تو اوس سے اون کا فوراً تصور ہمارے ذہن مین آجاتا ہے اور ان کی وہ ہیئت کذائی سامنے کھڑی ہوجاتی ہے مثلاً لوٹا کہا تو فوراً ذہن منتقل ہوگیا کہ وہ جو گول ہوتا ہے اور اوس مین ایک ٹونٹی اس شکل کی لگی ہوتی ہے وغیرہ وغیرہ تو بھلا کوئی بتا دے کہ اس نام مین اور اوس جسم خاص اور شکل خاص مین کیا تعلق ہے اور کیا مناسبت ہے کہ جس سے وہ فوراً سمجھ مین آگیا۔ بس کچھ سمجھ مین نہین آتا صرف اسقدر کہہ سکتے ہین کہ حق تعالے نے قلوب مین یہ بات ڈالدی ہے کہ اون نامون سے اون صور کیطرف التفات ہوجاتا ہے ورنہ بظاہر اور کوئی وجہ سمجھ مین نہین آتی بس خدا کی قدرت ہے کہ اسطرح تعلق رکھدیا ہے۔
لفظ چون الخ۔ یعنی لفظ مثل آشیانہ کے ہے اور معنی مثل طائر کے ہین اور جسم تو نہر ہے اور روح چلتا ہوا پانی ہے

یہان نہر سے مراد صرف وہ ہے جو کہ ابھی کھودی گئی ہو اور اس مین پانی نہو۔ تو مطلب یہ ہے کہ اوپر کہا گیا ہے کہ ان
اوصاف سمع وبصر وغیرہ مین اور جسم انسانی مین کوئی تعلق نہین ہے اب فرماتے ہین کہ اگر بہت غور وخوض کے
بعد سوچا جاوے تو اتنا کہہ سکتے ہین کہ یہ اوصاف تو پرند کی طرح ہین اور جسم آشیانہ کیطرح یعنی آپس مین ظرف و
مظروفیت کا تعلق ہے مگر کوئی بھی بتادے کہ بھلا ظرف ومظروف ہی مین کیا تعلق ہے یون تو بظاہر یہ تعلق ہو کہ
یہ آشیانہ اوسکا ہے مگر اسکی کنہ کیا ہے کہ آخر یہ تعلق کس وجہ سے ہو کوئی بھی نہین بتا سکتا۔ تو دیکھو ایک تعلق نکلا بھی
تو وہ بھی کالعدم جسکا کہ اعتبار کر ہی نہین سکتے اس لیے کہ اس تعلق کو جس کے مشابہ کہا جاتا ہے خود اوسی مین تعلق کی خبر
نہین تو شبہ مین تو کیا کوئی بتا سکتا ہے یا یہ کہا جاوے کہ جسم ایک نہر محفور ہے اور روح اوس مین پانی کی طرح
ہے اس کا حاصل بھی وہی ظرف ومظروفیت ہے۔ مگر کوئی بتادے کہ بھلا روح اور جسم مین کیا علاقہ ہے خدا کی
قسم قیامت تک اسکی کنہ سمجھ مین نہین آسکتی۔ اس لیے کہ یہ فعل حق ہے اسکی کنہ عبد کس طرح معلوم کر سکتا ہو
چونکہ یہان روح کو آب جاری سے تشبیہ دی ہے اس لیے آگے اسی پر متفرع فرماتے ہین کہ۔

در روانی الخ۔ یعنی فکر کی ندی کے پانی کا سطح روانی مین بے اچھی بری اشیار کے ذکر کے خس وخاشاک کے نہین
ہے۔ مطلب یہ ہے فکر اور روح جو اس جسم مین چل رہے ہین اور عروج کر رہے ہین اون کے اندر وساوس اور
افکار وغیرہ بھرے ہوئے ہین تو جسطرح کہ پانی پر خس وخاشاک آجانے سے اوس پانی کی صفائی محسوس ومعلوم نہین ہوتی
اسی طرح ان وساوس وافکار دنیویہ کے آجانے سے روح کی وہ صفائی اور لطافت محسوس نہین ہو۔ ورنہ اگر یہ نہو تو
روح کا جو اوس عالم سے تعلق ہے وہ ضرور نظر آوے یہ جو تعلقات بالجسم ہین جس سے کہ افکار دنیویہ پیدا ہوتے
ہین یہ اوس کے اوس تعلق کو ظاہر ہونے ہی نہین دیتے اور اوس کے آثار کو مرتب نہین ہونے دیتے۔

اور واقف الخ۔ یعنی وہ پانی تو چل رہا ہے مگر تم کہتے ہو کہ ٹھیرا ہوا ہے اور وہ دوڑ رہا ہے اور تم کہتے ہو کہ معطف
ہے۔ مطلب یہ کہ روح ہر وقت عالم بالا کی طرف توجہ کر رہی ہے اور اسی طرف اوس کا میلان ہو مگر چونکہ اوس پر
موانع تعلق بالجسم کی وجہ سے طاری ہین جو مشابہ خس وخاشاک کے ہین وہ اوس کی روانی کو محسوس نہین ہونے دیتے
ورنہ اگر یہ اوٹھ جاوین اور موانع جسم جاتے رہین تو ظاہر ہے کہ پھر تو ضرور اوس عالم غیب سے تعلق روح کا ظاہر
طور پر معلوم ومحسوس ہو مگر اب ان تعلقات کی وجہ سے محسوس نہین ہوتا اور ان دنیاوی جھگڑون مین اون دنیاوی
چیزون کی یاد مین انسان لگا رہتا ہے۔ اور حق تعالے کیطرف کی خبر بھی نہین ہوتی۔ چونکہ یہ کہنا کہ روح کا میلان اوسی
طرف ہے مگر موانع کی وجہ سے محسوس نہین ہے صرف دعوے ہے اس لیے آگے بطور دلیل انی کے فرماتے ہین۔

گر نبودے الخ۔ یعنی اگر پانی ایک جگہ سے دوسری جگہ نہ چلتا تو اسپر یہ نئے نئے خس وخاشاک کیسے ہین مطلب
یہ ہے کہ اگر روح مین روانی اور اس کو عروج اور عالم بالا کی طرف میلان نہوتا تو پھر یہ نئے نئے افکار اور نئی نئی
باتین کہان سے آتین یہ جو ہر وقت ایک نیا فکر پیدا اور نئی ایجاد ہے اس سے معلوم ہوتا ہو کہ اندر کوئی شئے چل رہی ہے کہ اوس سے
کبھی کوئی شئے سامنے آتی ہے اور پھر دوسری شئے نظر آتی ہے جسطرح کہ دیکھو اوپر خس وخاشاک ہوتے ہین
اور اندر پانی چلتا ہے تو اوس کے چلنے سے وہ خاشاک بھی چلتے ہین اور جو اب ہمارے مقابل تھا وہ آگے بڑھکر
دوسرا سامنے آگیا معلوم ہوا کہ کوئی چیز ہے جو انکو چلا رہی ہو اسیطرح روح کے اثرات کے بدلنے سے معلوم ہوتا ہو کہ

کہ بیان بھی کوئی شے ہے کہ جو روانی مین ہے اور ہر گھڑی ایک نئی چیز کو سامنے لا کر کھڑا کرتی ہو آگے خود تشریح فرماتے ہین کہ۔
ہست خاشاک الخ۔ یعنی تیری خاشاک وہ صور فکریہ ہین کہ جو باکرہ لڑکی کی طرح ہر دم نو بنو آرہی ہین۔
روے آب الخ۔ یعنی فکر کی ندی کے پانی کا سطح پہ خاشاک خوب وزشت کے روشن ہین نہین ہو مطلب یہ ہے کہ شخص کے لیے یہ ضرور ہے کہ اوس کی قوت فکریہ مین جو کہ ایک ندی کی طرح ہو مختلف اچھے اور برے خیالات آتے ہین مگر ان انکار کے آنے سے چاہیئے کہ انسان استدلال کرے اوس استدلال کو خود فرماتے ہین کہ۔

شرح حبیبی

قشرہا بر روئے این آب روان	از ثمار باغ غیبی شد دوان
قشرہا را مغز اندر باغ جو	زانکہ آب از باغ می آید بجو
گر نہ بینی رفتن آب حیات	بنگر اندر سیر این جوئے نبات
آب چون انبہ تر آید در گذر	زو کند قشر صور زوتر گذر
چون بغایت تیز شد این جو روان	غم نپاید در ضمیر عارفان
چون بغایت ممتلی بود و شتاب	پس نگنجد اندر و الا کہ آب

بیان مذکورۂ بالا بطور تمہید اور مقدمہ کے تھا اب سمجھو کہ یہ خیالات دنیویہ جو بمنزلہ چھلکون کے ہین اور اس پانی کی سطح پر بہہ رہے ہین گلشن غیبستان کے پھلون کے چھلکے ہین پس تو اس باغ مین جا اور ان چھلکون کا مغز تلاش کر یعنی حقائق و معارف الٰہیہ ڈھونڈھ کیونکہ یہ پانی اس ندی مین باغ ہی سے آرہا ہے جسکی دلیل یہ چھلکے ہین اگر تجھے وہ آبحیات کا سرچشمۂ غیبی نظر نہین آتا جسمین سے اس ندی مین پانی آرہا ہے اور جسم و روح جس سے مستفیض ہو رہے ہین تو تو اس ندی کی اس خاص انداز سے چلنے کو اور اس مین ان نباتات (خیالات) کی آمیزش کو دیکھ تجھے معلوم ہو جاوے گا کہ اس ندی کا منبع باغ ہی ہے۔ جب یہ مقدمہ معلوم ہو گیا تو اب سنو جب اس چشمۂ آبحیات سے اس ندی مین پانی بکثرت آتا ہو اور قلوب پر واردات کا ہجوم ہوتا ہے تو یہ خیالات تیز روان ہونے لگتے ہین اور جب یہ ندی زیادہ تیزی سے روان ہوتی ہے تو اس وقت عارفون کے قلوب مین غم نہین ٹھہر سکتا۔ اور جب پورے طور پر لبریز ہو جاتی ہے اور پوری قوت سے بہنے لگتی ہے تو وہان بجز پانی کے اور کسی چیز کی گنجائش ہی نہین ہوتی۔ پس اس وقت واردات غیبی اور علوم عرفانی ہی ہوتے ہین غم و فکر کا نام نشان بھی نہین ہوتا اچھا اب ایک حکایت سن جس سے ہمارے بیان کی تصدیق و تائید ہو۔

شرح شبیری۔ قشرہا الخ۔ یعنی اس آب جاری کے سطح پر یہ چھلکے باغ غیبی کے پھلون مین سے آئے ہین۔
قشرہا را الخ۔ یعنی ان چھلکون کے مغز کو باغ مین سے تلاش کرو اس لیے کہ پانی باغ ہی مین سے ندی مین آرہا ہے مطلب یہ ہے کہ جسطرح کہ پانی اوس نہر محفور کے لیے مفیض ہوتا ہے کہ اوس سے اوس کو تری ہوتی ہے اور وہ ندی مستفیض ہوتی ہے اسیطرح روح مفیض اور جسم مستفیض ہوتا ہے۔ اور جسطرح کہ نہر مین چھلکے پھلون کے نظر آنا اسکی دلیل ہو کہ ضرور یہ نہر کسی باغ کے نیچے سے ہو کر آرہی ہو کہ جسمین سے پھلون کے قشر اسمین سے گرتے ہین تو اسی طرح

دماغ مین اور قوت فکریہ مین افکار کا آنا بتارہا ہے کہ یہ روح کہ جس سے اس جسم کا تعلق ہے کسی معدن علوم و فیوض سے تعلق رکھتی ہے پس جس طرح کہ اُس چھلکے بہنے سے استدلال باغ پر کرکے اوس باغ کی طلب ضروری ہو اسیطرح ان افکار کے ہجوم سے ضروری ہے کہ یہان بھی اوس معدن علوم و فیوض کی طلب کی جاوے اسی کو مولانا فرماتے ہین کہ ان افکار و اوہام کے ہجوم سے تم سمجھو کہ جہان سے یہ فیض اسیر ہو رہا ہے اوس اصل کو تلاش کرنا چاہئے اور وہ اصل وہ روح اعظم اور عالم غیب ہے۔ لہذا اس سے استدلال کرکے اُس طرف توجہ چاہیئے اور جب عالم بالا اور عالم غیب کی طرف توجہ ہوگی تو پھر حق سبحانہ و تعالےٰ کی طرف بھی توجہ ہوگی لہذا ان سے استدلال کرکے حق سبحانہ تعالےٰ کی طرف توجہ اور اوسکی طلب ضروری ہے خوب سمجھ لو۔ آگے فرماتے ہین کہ۔

گر نہ بینی الخ۔ یعنی اگر تم کو آب حیات کی روانی نظر نہین آتی تو اُس نہر کی اور نباتات کے چلنے کو دیکھو۔ مطلب یہ ہے کہ اگر روح کا عروج اور اوس کی سیر تم کو نظر نہین آتی اور اس سے تم استدلال نہین کرسکتے۔ تو ان افکار وغیرہ کے ہر گھڑی نو بنو آنے سے ہی استدلال کرو اور دیکھو کہ ایک جا رہا ہے اور دوسرا آرہا ہے قوت فکریہ کبھی خالی نہین رہتی۔ کسی نے خوب کہا ہے کہ ؎ کبھی وہ اور کبھی اوس کا رہا غم + غرض خالی دل شیدا نہ پایا + تو اس سے ہی سمجھ کہ ہان روح مین روانی ہے اور ایک گھڑی رنج ہے تو دوسرے وقت خوشی ایک وقت تکلیف ہے تو اوس کے بعد راحت ہے یہ ساری باتین روح کی سیر اور روانی پر دال ہین یہان تک تو عوام کا ذکر تھا کہ اون کی حالت مین بھی تبدل ہوتا ہے مگر بہت آہستہ اور کم ہوتا ہے بلکہ مثلاً اگر کبھی غم سوار ہوا تو وہ بھی دیر پا ہے اور اگر کلفت ہے تو اسکا اثر بھی باقی ہے غرضکہ تبدل ہوتا ہے مگر دیر مین اسلیے ان افکار کو دفع کرنیوالی تو وہ قوت روحانی ہے جو کہ علوم و حقائق و معارف سے پیدا ہوتی ہے اور یہ عوام مین کم ہے تو افکار دنیویہ کا اثر بھی اونپر زیادہ ہے آگے حضرات اولیاء اللہ کی حالت کو بیان فرماتے ہین

آب چو انبہ الخ۔ یعنی نہر کا پانی چلنے مین جب بہت زیادہ ہو جاتا ہے تو اوس سے قشر صور بہت جلدی گذر جاتے ہین مطلب یہ کہ دیکھو اگر نہر مین پانی کم ہو تب تو خس و خاشاک آہستہ چلتے ہین اور ایک جگہ زیادہ ٹھہرتے ہین یہ حالت تو عوام کی ہے کہ بسبب علوم کی کمی کے اون مین افکار و غموم دیرپا ہوتے ہین اور جو لوگ کہ کام شروع کردیتے ہین یعنی سالکین متوسطین چونکہ اون کے علوم و حقائق ایکدم سے انبوہ کرکے آتے ہین تو اونین وہ علوم و حقائق ان افکار دنیویہ کو زیادہ ٹھہرنے نہین دیتے۔ بلکہ جلدی ہی سے یہ افکار زائل ہو جاتے ہین اور وہ علوم اوسکو اپنی طرف متوجہ کرلیتے ہین یہ حالت متوسطین کی ہوئی۔

چون بغایت الخ۔ یعنی جب یہ ندی خوب تیز ہو جاتی ہے تو پھر عارفین کے قلوب مین غم ٹھہرتا ہی نہین مطلب یہ کہ جب ندی مین پانی زور سے آوے یعنی جسے ریلہ کہتے ہین وہ آجاوے تو پھر خس و خاشاک آتے ہین۔ مگر اسقدر سرعت سے گذرتے ہین کہ اون کو ایک جگہ قرار ہی نہین ہوتا جیسے کہ کسی نے کبھی اونچی جگہ سے نشیب مین پانی گرتے دیکھا ہو جسکو جھال بولتے ہین تو دیکھیے کہ کس قدر سرعت سے تمام خس و خاشاک گذرتے ہین کہ معلوم بھی نہین ہوتے یہ حالت عارفین کی ہے کہ ان حضرات کے قلب مین غموم و ہموم دنیا آتے تو ہین مگر وہ علوم و حقائق جو ان کے اندر بھر رہے ہین اون کو ایک سکنڈ کے لیے ٹھہرنے نہین دیتے یہ عارفین ہوئے۔

چون بغایت الخ۔ یعنی جب بے انتہا بھر جاوے اور بہت ہی تیز ہو جاوے تو اب اس مین بجز پانی کے اور کچھ

سماتا ہی نہین مطلب یہ کہ جب تک وہ ابلارہا جب تک تو خیر خس وخاشاک آنے مگر جلدی ہی گذر گئے لیکن اگر پانی اسقدر بھر جاوے کہ نہر کے کنارون سے بھی باہر نکل جاوے اب وہ حالت ہے کہ اوس مین بجز پانی کے اور کچھ سماتا ہی نہین سارے خس وخاشاک اوبل کر باہر نکل گئے اور پانی صاف شفاف رہگیا ۔ یہ حالت اون لوگون کی ہے کہ جنپر فنا غالب ہوتی ہے کہ اون حضرات کے قلوب پر ہموم وغموم طاری ہی نہین ہوتے بس اون کی نظر ہر وقت حق سبحانہ تعالے کی طرف ہی لگی ہوئی ہے یہان آسے ہی کہنین ان سب مین فرق ایک مثال سے سمجھو کہ جیسے کئی آدمیون کے بیٹے مر گئے ایک تو عامی ہے اوسکی یہ حالت ہوگی کہ گریہ و بکا شروع کیے گا ۔ اور شکوہ وشکایت کے دفتر کھولدے گا ۔ اور اوس کا سوگ مناکر بیٹھ جاویگا نہ نماز رہی نہ روزہ رہا بس ہر گھڑی اوسی کا خیال ہے یہ تو عامی ہوگیا دوسرے کی یہ حالت ہوئی کہ اوس نے سنا اوس کو غم بھی ہوا رویا بھی ایکدن غم رہا مگر پھر زائل ہوگیا اور اپنے کامون مین لگ گیا ۔ مگر اب بھی جب خیال آتا ہو تو پھر وہی حالت ہو جاتی ہے اور تھوڑا تھوڑا خیال ہر وقت بھی رہتا ہے مگر ان سب باتون مین حدود شرعیہ سے تجاوز نہ کیا نہ خدا تعالے کی شکایت کرنے بیٹھا یہ متوسط ہے کہ غم مستولی ہے مگر خیر کچھ سنبھلا ہوا ہے تیسرے کو جب خبر ہوئی تو اوس نے سنکر انا للہ پڑھی اس وقت رنج بھی ہوا آنسو بھی نکلے مگر بہت سنبھلا رہا ۔ بدحواس نہین ہوا بلکہ اپنے کام مین لگا رہا ۔ اور یہی سمجھا کہ خدا کی چیز تھی اوسی نے لے لی اس کی نظر فوراً حق تعالے پر ہوئی اور سارا رنج وغم زائل ہوگیا اگرچہ رنج طبعی باقی رہا مگر یہ نہین کہ نماز مین بھی وہی اور قرآن مین بھی وہی بلکہ دل سے تو متوجہ بحق ہے مگر کبھی رنج ہے یہ عارف ہے اور یہی کامل ہے اس لیے کہ اوس کی حالت اشبہ برسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے کہ حضرت ابراہیم کی وفات کے وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ انا بفراقک یا ابراہیم لمحزونون اور آپ کے آنسو جاری تھے مگر قلب مبارک مین وہی جب حق بسی ہوئی تھی ۔ جب چوتھے صاحب کو اطلاع ہوئی تو بولے کہ الحمد للہ اور ملنے اور خوش ہوئے جیسا کہ بعض مجاذیب بزرگون کے قصے لکھے ہین یہ حالت غلبۂ فنا کی مگر کمال نہین ہر ہان بعض مرتبہ کاملین کو بھی یہ حالت طاری ہوتی ہو اور اونپر بھی غلبہ فنا کا ہوتا ہے مگر اون کی یہ حالت دائمی نہین ہے تو اس حالت مین غم اور فکر اور رنج آتا ہی نہین ہمیشہ ہشاش بشاش رہتے ہین تو دیکھو یہ سارے تفاوت بوجہ قوت روح اور ضعف روح کے ہین کہ ایک قوی الروح تھا اوس پر ویسا اثر مرتب ہوا اور اس قوت نے مدافعت کی اور دوسرا ضعیف تھا اوس پر دوسرا اثر ہوا ۔ آگے ایک حکایت لاتے ہین جسکا خلاصہ یہ ہو کہ ایک شخص کے سامنے ایک شخص نے اوس کے پیر کو برا بھلا کہا اور کہا کہ وہ تو شرابی ہین مرید نے کہا کہ تم غلط کہتے ہو اوس معترض نے اس مرید کو میخانہ مین لیجا کھڑا کیا دیکھا کہ شیخ جام ہاتھ مین لیے بیٹھے ہین تب اس معترض نے اعتراض کیا کہ حضرت مجھپر تو یہ نصیحت ہوتی ہے کہ شراب مت پیو اس لیے کہ جب جام شراب بھرا جاتا ہے تو اوس مین شیطان موت دیتا ہے تو اب آپ کیون پی رہے ہین اونھون نے جواب دیا کہ وہ اور جام ہوتے ہین ہمارا جام اسقدر بھرا ہوا ہے کہ اوس مین اتنی جگہ ہی نہین ہے کہ شیطان موت سکے پھر اس جواب کی مولانا وجہ بتادین گے غرض کہ طویل قصہ آگے خود آتا ہے مگر یہان بتانا یہ مقصود ہے کہ دیکھو جسطرح اونھون سنے

لیکن ہمارا جام اسقدر بھرا ہوا ہے کہ اوس کی جگہ ہی نہیں ہے ایسے جن حضرات پر غلبہ فنا کا ہوتا ہے اون کے اندر کبھی گنجائش اسکی نہین رہتی کہ غموم و ہموم دنیا اون کے اندر آسکین پس اس مقام سے اس حکایت کو یہ مناسبت ہے اسی لیے لاتے ہین اب حکایت سنیے۔

شرح حبیبی

ابلہی یک شیخ را تہمت نہاد — کو بدست و نیست بر راہ رشاد
شارب خمرست و سالوس و خبیث — مر مریدان را کجا باشد مغیث
آن یکے گفتش ادب را ہوش دار — خورد نبود اینچنین ظن بر کبار
دور ازو و دور از اوصاف او — گر ز سیلے تیرہ گردد صاف او
اینچنین بہتان منہ بر اہل حق — کین خیال تست برگردان ورق
این نباشد ور بود ای مرغ خاک — بحر قلزم را ز مردارے چہ باک
نیست دون القلتین و حوض خرد — کش تواند قطرۂ از کار برد
آتش ابراہیم را نبود زیان — ہر کہ نمرودی ست گو می ترس ازان
نفس نمرودست و عقل و جان خلیل — روح در عین ست و نفس اندر دلیل
این دلیل راہ رہرو را بود — کو بہر دم در بیابان گم شود
واصلان را نیست جز چشم و چراغ — از دلیل راہ شان باشد فراغ
گر دلیلے گفت آن مرد وصال — گفت بہر فہم اصحاب جدال
بہر طفلے نو پدر تی تی کند — گرچہ عقلش ہندسہ گیتی کند
کم نگردد فضل استاد از علو — گر الف چیزے ندارد گوید او
از پئے تعلیم آن بستہ دہن — گوید او حطی و ہوز کلمن
در زبان او بباید آمدن — از زبان خود برون باید شدن
تا بیاموزد ز تو او علم و فن — جملگی از خود بباید گم شدن
پس ہمہ خلقان چو طفلان وے اند — لازم است این پیر را در وقت پند

ایک احمق نے کسی شیخ پر تہمت لگائی کہ وہ بُرا اور گمراہ شخص ہے شراب خواری و مکاری کرتا ہے خبیث ہے اور ہرگز شیخت کے قابل نہین۔ او خویشتن گم است کرا رہبری کند۔ جب خود اوس کی حالت ایسی گندہ ہے تو وہ مریدون کی کیا دستگیری کر سکتا ہے کسی نے کہا کہ جناب ادب ملحوظ رکھیئے بڑے لوگون کی نسبت ایسا گمان مناسب نہین خدا نکرے کہ اونسے کوئی معصیت صادر ہو کر اون کے قلب صافی کو مکدر کرے۔ اہل اللہ پر ایسی تہمت نہ لگایئے یہ آپ کا خیال ہے اسے بدلیے اول تو یہ ہے نہین اور اگر ہو بھی تو ایک مردار بحر قلزم کو مکدر نہین کر سکتا۔ وہ قلتین سے کم اور حوض صغیر نہین ہے جسکو

ایک ناپاک قطرہ پانی بیکار کردے اور اس معصیت ظاہری سے اونکو ضرر ہو کیونکہ اہل اللہ کے لیے اون کی
خاصیت اضرار باقی نہین رہتی خواہ اس لیے کہ اہل اللہ اس حالت مین مغلوب العقل ہونے کے سبب مرفوع القلم
ہوتے ہین یا اس لیے کہ اس شئے کی حقیقت بدل جاتی ہے اور اس لیے وہ محرم ہی نہین رہتی۔ آگ ابراہیم
کو نہین جلا سکتی ہان نمرود کو پھونک دیتی ہے اوس کو اس سے ڈرنا چاہیے پس روح مثل خلیل ہے اور
نفس نمرود۔ جن لوگون کا نفس بھی بغلبہ روح سے روح ہو گیا ہے اونکو معصیت مضر نہین خواہ اس لیے کہ تبدل
حقیقت سے وہ فی نفسہ معصیت ہی نہین رہتی۔ اور خواہ اس سبب سے کہ اون کی مغلوبیت کے باعث ان کے حق
مین معصیت نہین رہتی۔ اور جن لوگون کی روح بھی مغلوب نفس بھی مغلوب نفس ہو کر نفس ہو گئی ہے انکو بیشک
ضرر ہوتا ہے کیونکہ وہان ان دونون باتون مین سے کوئی بھی بات نہین ہوتی ایک فرق تو روح و نفس کے
درمیان تم کو اس بیان سے معلوم ہو گیا گو بیان فرق مقصود نہ تھا اب تبعاً ایک دوسرا فرق بھی سن لو۔ روح
مشاہدہ حق سبحانہ مین مصروف ہوتی ہے اور نفس طالب دلیل ہوتا ہے وجہ یہ ہے کہ رہنما کی ضرورت اس کو
ہوتی ہے جو قطع منزل کے درپے ہو اس لیے کہ اوس کو بھٹک جانے کا خطرہ ہوتا ہے اور جو واصل الی المطلوب
ہین اون کو دلیل کی ضرورت نہین بلکہ اون کو تو دیدہ بینا اور روشنی کی ضرورت ہوتی ہے اور یہ امور
اون کے اندر موجود ہین کہ حق سبحانہ نے اون کو روح اور چشم بینا عطا فرمائی ہے اور نور معرفت بخشا ہے
اس پر تم کو یہ شبہ نہ ہونا چاہیے کہ پھر یہ لوگ دلیلین کیون بیان کرتے ہین کیونکہ وہ دلائل محجوبین کے
سمجھانے کے لیے ہین۔ جو ذوق اور مشاہدہ نہین رکھتے دیکھو چھوٹے بچے سے جب اس کا باپ باتین کرتا
ہے تو اسی کے طرح تتلا کر باتین کرتا ہے اگرچہ اوسکی عقل دنیا کی پیمائش کرنے کو تیار ہوتی ہے نیز اگر استاد
بچہ کو پڑھانے کے لیے الف خالی سکھے تو اس سے اوس کے علم مین کوئی کمی نہین آتی وہ اسی تاگو یا کے پڑھانے
کو ابجد ہوز حطی کلمن کہتا ہے مگر اس سے اوس کے علم مین کچھ نقصان نہین آتا۔ اور ابجد خوان نہین کہلا سکتا۔
کیونکہ تعلیم کے لیے ضرورت ہے کہ اپنی زبان کو چھوڑ کر متعلم کی زبان اختیار کی جاوے۔ اور اس کی
قوت و استعداد کا لحاظ رکھا جاوے۔ اور اپنے کو بالکل بھلا دیا جاوے۔ تاکہ وہ تم سے علم و فن سیکھے
اسی طرح سمجھ لو کہ تمام مخلوق عارف کے بچے ہین اس لیے لازم ہے کہ نصیحت کے وقت انکی استعدادات
کا لحاظ رکھے کلموا الناس علے قدر عقولہم۔

آن مرید شیخ بدگوینده را — آن بکفر و گمرہی آگنده را
گفت تو خود را مزن بر تیغ تیز — مین مکن با شاہ و با سلطان ستیز
حوض با دریا اگر پہلو زند — خویش را از بیخ ہستی بر کند
نیست بحرے کو کران دارد کہ تا — تیرہ گردد او ز مردار شما
کفر را حد است و اندازہ بدان — شیخ و نور شیخ را نبود کران
پیش بیحد ہرچہ محدود ست لاست — کل شیء غیر وجہ اللہ فناست
کفر و ایمان نیست آنجائیکہ اوست — زانکہ او مغزست این دو رنگ و پوست

غرضکہ شیخ کے مریدوں نے اس کو اور کفر و گمراہی میں لتھڑے ہوئے سے کہا کہ دیکھئے میں آپ سے خیر خواہانہ
عرض کرتا ہوں کہ آپ اپنے کو ہوا و ہوس سے نہ بڑھائیے اور شیخ کی مذمت کر کے ہلاکت روحانی میں مبتلا نہ ہوجئے
دیکھو بادشاہ کی مخالفت تباہی لاتی ہے آپ بادشاہ دین سے نہ لڑیے۔ قاعدہ ہے کہ اگر حوض دریا سے
ٹکراتی ہے تو اپنی ہستی کو مٹادیتی ہے آپ ایک حوض ہیں اور وہ بحر بیکران۔ آپ کی مذمت اور آپ کی مخالفت
سے اون کو ضرر نہیں پہونچ سکتا بلکہ خود آپ کو ضرر پہونچیگا شرابخواری تو ایک کبیرہ گناہ ہے میں تو کہتا ہوں کہ
کفر بھی ان کو نقصان نہیں پہونچا سکتا۔ کیونکہ حق سبحانہ فرماتے ہیں کہ کل شئ ہالک الا وجہہ یعنی ذات حق سبحانہ
کے سوا تمام اشیا رفانی ہیں۔ لہذا کفر و ایمان متعارف بھی فانی ہیں اور اہل اللہ متخلق باخلاق اللہ اور متصف
بصفات حق سبحانہ ہیں۔ لہذا وہ بھی باقی ببقا الحق ہوں گے۔ نیز حق سبحانہ غیر محدود ہیں لہذا اہل اللہ
بھی غیر محدود و بلا تناہی حق سبحانہ ہوں گے اور کفر و ایمان متعارف محدود ہیں۔ جب یہ معلوم ہوگیا تو اب سمجھو
کہ محدود غیر محدود کے سامنے فانی اور لاشئ محض ہے اس کو اس تک رسائی ہی نہیں ہو سکتی۔ اور وہ اس کی صفت
ہی نہیں بن سکتا۔ پس کفر و ایمان متعارف کی وہاں رسائی ہی نہیں ہو سکتی۔ اور وہ انکی صفت ہی نہیں
بن سکتی کیونکہ انکو تو ایمان حقیقی حاصل ہے جو کہ مغز ہے اور کفر و ایمان متعارف رنگ اور صورتیں ہیں پس
انکو اس سے کیا تعلق جن کو مغز حاصل ہے جسکے سریان سے وہ سرپا اور سرتاپا مغز ہوگئے ہیں پس معلوم ہوا کہ انکو
کفر نقصان نہیں پہونچا سکتا۔ اور وجہ اسکی یہ ہے کہ کفر کی وہاں تک رسائی نہیں اور وہ اس کے ساتھ موصوف
ہی نہیں ہو سکتے۔ نہ یہ کہ کفر اونکے لیے جائز ہے نعوذ باللہ منہ فتدبر ولا تزل ۔

ایک اجنبی شخص کا ایک بزرگ پر طعنہ زنی کرنا اور اُنکے ایک مرید کا اُنکی طرف سے جواب دینا پھر شیخ کا خود جواب دینا

شرح شبیری۔ ابلہے الخ۔ یعنی ایک ابلہ نے ایک شیخ پر تہمت لگائی کہ وہ تو بہت بُرا ہے اور راہ ہدایت پر نہیں ہے
شارب الخ۔ یعنی شرابی ہے اور مکار ہے اور خبیث ہے بھلا وہ مریدوں کی تو کیا خبر لے گا۔
آن یکے الخ۔ یعنی ایک نے اوس سے کہا کہ ذرا ادب کا لحاظ رکھو کہ بڑے لوگوں پر ایسا گمان مناسب نہیں
ہے۔ یہ مجیب اُن بزرگ کا مرید تھا جیسا کہ آگے معلوم ہوگا۔
دور از الخ۔ یعنی اوس سے اور اس کے اوصاف سے یہ بات بعید ہے کہ ایک سیل سے اوسکا صاف خراب ہوجائے
انچنین الخ۔ یعنی اہل حق پر ایسا بہتان مت رکھو کہ یہ تمہارا خیال ہی ہے اس سے ورق کو لوٹ دو سیل
سے مراد صدور منکر ہے مطلب یہ ہے کہ اگرچہ اولیاء اللہ معصوم تو نہیں ہوتے مگر حق تعالےٰ کی طرف سے
محفوظ ہوتے ہیں اور حق تعالےٰ اونکو بچاتا ہے اسلیے اون سے صدور منکر بعید ہے اگرچہ ممکن ہے مگر اون کے
اندر حق تعالےٰ ایسے موانع رکھدیتے ہیں کہ جس سے اون سے صدور منکر نہیں ہوتا۔ تو اس مرید نے کہا کہ
اون سے یہ بات بہت بعید ہے۔ کہ اون سے منکر صادر ہو سکے لہذا تم کو چاہیے کہ ہرگز ایسا خیال نہ کرو

ہونا اس خیال سے باز آجاؤ اس لیے کہ ان حضرات سے بوجہ محفوظ ہونے کے صدور ہی منکر کا نہیں ہوتا۔
این نباشد الخ - یعنی یہ نہیں ہوتا اور اگر ہو بھی تو اے مرغ خاک بحر قلزم کو مردار سے کیا ڈر ہے - اس شعر سے
بہت جہلا صوفیہ فرقہ آبا حیہ اس امر کا ثبوت دیتے ہیں کہ سالک پر ایک حالت وہ بھی آتی ہے کہ جسمین اوس کو
گناہ کرنے سے گناہ نہیں ہوتا حالانکہ یہ بالکل غلط ہے بات یہ ہے کہ لوگ مثنوی شریف سے استدلال کرتے ہیں اور اس سے
علوم اخذ کرنا چاہتے ہیں حالانکہ مثنوی ایسی کتاب ہے کہ جس شخص کو پہلے سے علوم معلوم ہوں وہ اس کے مضامین کو
اون پر منطبق کرلے ورنہ خود اس سے علوم اخذ کرنے میں بڑی سخت گمراہی کا خوف ہے اسکی مثال بالکل قرآن شریف
جیسی ہے کہ جسطرح کہ قرآن شریف سے رافضی سُنی مرجیہ اور قدریہ اور جبریہ وغیرہ وغیرہ سب فرق نے اپنے اپنے
مطلب کے موافق باتیں نکال لی ہیں اسی طرح اس سے بھی ہر شخص اپنے مطلب کی بات نکال سکتا ہے - پس
جسطرح کہ قرآن شریف کے سمجھنے کے لیے حدیث کے ملانے کی ضرورت ہو اسی طرح اسکے سمجھنے کے لیے اسکی
ضرورت ہے کہ اول علوم حاصل کرلے پھر اون پر اس کے مضامین کو منطبق کرے اور اسی معنی میں مولانا
جامی نے فرمایا کہ ؎ مثنوی مولوی معنوی + ہست قرآن در زبان پہلوی - اس سے لوگ سمجھے ہیں کہ اسمین
قرآن شریف کے مضامین ہیں گویا کہ ترجمہ ہے حالانکہ بالکل غلط ہے اس میں بہت کم مضامین قرآنی ہیں بلکہ
اس کا مطلب جو ہمارے حضرت حاجی صاحب فرماتے تھے یہ ہے کہ مولانا جامی نے خود اس مثنوی ہی کو
قرآن کہا ہے اس لیے کہ قرآن سے مراد کلام حق ہے اور کلام حق الفاظ کا مقید تو ہے نہیں بلکہ الفاظ مخلوق
ہیں اور صفت کلام قدیم ہے تو جسطرح کہ اپنے اوس کلام قدیم کو کلمات عربیہ کے ساتھ منضم کردیا اور اسکو
بذریعہ وحی کے نازل فرمایا اسیطرح اس کلام نفس قدیم کو زبان پہلوی کے ساتھ ملادیا - اور اسکو بذریعہ الہام کے
مولانا رومی کے قلب مبارک پر وارد فرمادیا - تو بات یہ ہے کہ اس کو علوم تصوف پر منطبق کرنا چاہیے نہ کہ
اس سے علوم اخذ کرنا تو اس سے بحر قلزم را الخ کے معنی یہ ہوں گے کہ شیخ کامل کو مولانا نے بحر قلزم سے تشبیہ
دی ہے اور کہا ہے کہ جسطرح کہ بحر قلزم ایک مردار سے ناپاک نہیں ہوتا اس لیے کہ اس میں ایک مانع
عن التنجس موجود ہے اور وہ اوس میں ماء کثیر ہوتا ہے کہ وہ اوس کو ناپاک نہیں ہونے دیتا اسیطرح اگر کسی
بزرگ سے کوئی معصیت صادر بھی ہوجاتی ہے تو اون کے اندر ایک مانع ایسا ہوتا ہے کہ وہ مانع عن التنجس
بالمعصیت ہوجاتا ہے - اور وہ اونکو عاصی نہیں ہونے دیتا لیکن یہ بات کہ وہ مانع کیا ہے جو اونکو تدنس
بالمعصیت سے مانع ہوتا ہے اوس کو شریعت سے دریافت کرنا چاہیے اس لیے کہ جسطرح ہمکو بحر قلزم میں
بھی شریعت کے بتانے سے معلوم ہوا ہے کہ بوجہ ماء کثیر ہونے کے مردار سے ناپاک نہوگا اسیطرح ہم کو
یہاں بھی شریعت کی طرف رجوع کرنا چاہیے پس جب شریعت سے موانع پوچھے گئے تو معلوم ہوا کہ منجملہ دیگر
موانع کے ایک مانع غلبۂ فنا بھی ہے کہ جس وقت سالک پر غلبہ فنا کا ہوتا ہے تو اوسکو کچھ خبر ہی نہیں رہتی
اور وہ مرفوع القلم ہوجاتا ہے - لہذا جب اوس پر غلبۂ فنا کا ہوگا اس وقت اوس کے اندر یہ غلبہ فنا
مانع عن التدنس بالمعصیۃ موجود ہے - لہذا وہ عاصی نہ ہوگا اور چونکہ غلبۂ فنا بعض مرتبہ کامل کو بھی ہوتا ہے
لہذا شیخ کامل سے بھی اگر کوئی معصیت صریحہ صادر ہوگی تو اوس کو کہا جاوے گا کہ یہ غلبۂ فنا میں ہوا ہے

گر ہو نباشد در بود دوے مرغ خاک + بحر قلزم را ز مردار ے چہ باک +

فرما دیا ہے کہ اس سے جاہل بیکار بغیر استدلال نہ کرسکین اس لیے کہ اول جو شرائط شیخ کے ہین اونکو بھی دیکھا جاوے گا اگر وہ موجود ہون گے اور اوس وقت صدور معصیت ہوگا تب یہ کہا جاوے گا ورنہ اگر وہ شرائط موجود نہین ہین تو رد کیا جاوے گا۔ اور اس کو عاصی کہا جاوے گا خوب سمجھ لو۔ تو اب معلوم ہوگیا کہ اگر کوئی مانع موجود نہ ہو تب تو اون کو عاصی کہا جاوے گا اور اگر موجود ہو تو اس مانع کیوجہ سے وہ عاصی نہون گے۔ اب اسکے یہ معنی کہنا کہ حضرت تو دریا ہین بھلا ان باتون کا وہان کیا پتہ لگتا ہے بالکل غلط ہوا بلکہ یہ معنی جو بیان کیے گئے ہین محقق ہین۔ اب جہلاء فقراء کا اس شعر سے کوئی کسی قسم کا استدلال نہین ہوسکتا۔ تو اس مرید نے کہا کہ اول تو اون سے بوجہ محفوظ ہونے کے کوئی منکر صادر ہی نہین ہوتا اور اگر کبھی صادر ہوگا تو چونکہ انہین علامات کامل ہونے کی پائی جاتی ہین اور معلوم ہے کہ پہلے سے کامل ہین لہذا کہا جاوے گا کہ اس وقت مرفوع القلم ہین اور انکی حالت اس کو مقتضی ہے کہ یہ گنہگار نہ ہون گے خوب سمجھ لو کہ اب کوئی اشکال بحمد اللہ نہین رہا۔ حق تعالے حضرت کا سایہ ہمارے سرون پر تا دیر قایم رکھے کہ جو یہ مشکل اور مشکل مقامات اونکی برکت سے حل ہو جاتے ہین کہ جیسے کچھ اشکال ہی نتھا للہ دره ثم للہ دره آگے کہتے ہین کہ۔

نیست الخ۔ یعنی وہ قلتین سے کم یا حوض خورد نہین ہے کہ جسکو ایک قطرہ از کار رفتہ کردے۔ مطلب یہ کہ وہ شیخ ایسا نہین ہو کہ جسمین مانع عن التنجس موجود نہو بلکہ موجود ہے اور وہ مانع وہی ہے جو شریعت نے بتایا ہے کہ غلبہ فنا مین وہ مرفوع القلم ہے بس معلوم ہوا کہ جو معصیت کہ تم کو عاصی کردینے والی اور مضر ہے اونکے لیے وہی موجب ترقی درجات ہے تو ایک شے ایک کے لیے مفید اور دوسرے کے لیے مضر اور غیر مفید ثابت ہوئی آگے اس کی اور نظائر لاتے ہین کہ دیکھو اس مین تعجب مت کرو کہ یہ کسطرح ہوسکتا ہو کہ ایک کو مضر اور دوسرے کو مفید اس لیے کہ پہلے بھی ایسا ہوا ہے فرماتے ہین کہ۔

آتش ابراہیم الخ۔ یعنی ابراہیمؑ کو آگ سے ضرر نہین ہوتا مگر جو نمرود ہو اوس سے کہدو کہ اس آگ سے ڈرے تو دیکھو ایک کو تو آگ جلانے والی اور وہی آگ دوسرے کے لیے موجب سرور اور باعث رحمت ہو۔

نفس الخ۔ یعنی نفس نمرود ہے اور عقل اور جان مثل خلیلؑ کے ہین تو روح تو مشاہدہ مین ہو اور نفس معتقد لائل ہو۔

این دلیل الخ۔ یعنی راستہ کی نشانیان راہرو کیلیے مفید ہین اسلیے کہ ہر دم ایک جنگل مین گم ہوتا ہے۔

واصلان را الخ۔ یعنی واصلون کو سوائے چشم و چراغ کے اور کہین کی ضرورت نہین ہو اون کو دلیل راہ سے فراغت ہے۔ مطلب یہ ہے کہ چونکہ روح تو عین مشاہدہ مین ہو اور نفس ابھی استدلال مین ہی لگ رہا ہے اسلیے نفس یعنی محجوبین کو تو ان استدلالات وغیرہ کی ضرورت پڑتی ہے اور اوس کو سمجھنے کے لیے اس کی ضرورت ہے کہ استدلال کرے۔ مگر جو واصل ہو چکا ہے اور جو کہ مشاہدہ کرچکا ہے اوس کو کیا ضرورت ہے کہ وہ استدلال کرے بلکہ اوس کو تو صرف اسکی ضرورت ہے کہ وہ نور حق حاصل ہو اور بصیرت ہو بس کافی ہو جیسے کہ جو راستہ چل رہا ہے اس کو تو ضرورت ہے کہ وہ راستہ کی شناخت کے لیے دلائل اور نشانیان تلاش کرے مگر جو منزل پر پہونچ چکا ہے اوس کو کیا ضرورت ہے وہ تو اپنے گھر مین بیٹھے گا اب یہان شبہ پڑتا تھا کہ اچھا حضرات انبیاء و اولیاء تو یقیناً واصل ہوئے ہین مگر حق تعالے کی معرفت کے لیے اونھون نے

استدلالات کئے ہین تو اسکا جواب دیتے ہین کہ۔
گر دلیلے الخ۔ یعنی اگر اوس واصل نے کوئی دلیل بیان بھی کی تو وہ بھی لڑنے والون کے سمجھانے کو بیان کی ہین یعنی انبیا نے جو استدلالات کئے وہ اس لیے کہ کفار اونکی تکذیب کرتے تھے تو اونکو سمجھانے کے لیے استدلالات کئے باقی خود اونکو ضرورت نہ تھی آگے اسکی مثال فرماتے ہین کہ
بہر طفلے الخ۔ یعنی چھوٹے بچہ کے لیے باپ تتلا کر بولتا ہے اگرچہ اوسکی عقل زمین کی پیمائش کر سکتی ہو۔ مطلب یہ کہ اگرچہ کتنا ہی بڑا عاقل ہو مگر جب بچہ کے سامنے بولے گا تو اوسی طرح تتلا کر بولے گا۔ اس لیے کہ اسوقت اوسکو ضرورت ہے کہ اس بچہ کو سمجھاوے اسیطرح وہ حضرات بھی اون کفار کی تفہیم کے لیے دلائل لاتے تھے نہ کہ اپنے واسطے دوسری مثال ہے کہ۔
کم نگردد الخ۔ یعنی اوستاد کے فضل مین سے کچھ بھی کم نہین ہوتا اگر وہ یہ کہدے کہ الف خالی ہے یعنی اگر وہ تقطیع پڑھاتے وقت یون کہے کہ الف خالی ب کے نیچے ایک نقطہ تو اس سے اوس کے فضل و ہنر مین کیا کمی آئی کچھ بھی نہین بلکہ۔
از پئے الخ۔ یعنی وہ استاد اس بستہ دہن بچہ کی تعلیم کے واسطے حلی ہو کر کلمن کہتا ہے۔
در زبان الخ۔ یعنی اوس بچہ کی زبان مین آنا چاہیئے اور اپنی زبان سے باہر ہونا چاہیئے جب وہ سمجھ سکتا ہے۔
تا بیاموزد الخ۔ یعنی تاکہ وہ تم سے علم و فن سیکھے اس لیے اپنے سے تو بالکل گم ہو جانا چاہیئے اور اوسکی استعداد کا لحاظ کرنا اور اوسکی حالت کو مدنظر رکھکر تعلیم کرنا چاہیئے ورنہ نفع نہین ہو سکتا۔
پس ہمہ الخ۔ یعنی پس ساری مخلوق اون انبیا علیہم السلام کی اولاد ہے تو اونکی نصیحت کے وقت اسکا لحاظ کرنا اور ان کی استعداد کو مدنظر رکھنا ضروری ہے پس اسی لیے اون حضرات نے دلائل وغیرہ بیان کئے ورنہ اونکو ان کی بالکل حاجت نہتی آگے پھر اون شیخ کا قصہ بیان فرماتے ہین کہ۔
آن مرید الخ۔ یعنی اوس شیخ کے مرید نے اوس بدگو کو جو کہ کفر اور گمراہی مین ملا ہوا تھا
گفت الخ۔ یعنی کہا کہ ارے تو اپنے کو تلوار تیز پر مت مار اور بادشاہ اور سلطان کے ساتھ لڑائی مت کر اس لیے کہ حدیث مین آیا ہے کہ حق تعالے فرماتے ہین کہ من عادی لی ولیا فقد آذنتہ بالحرب تو اولیا اللہ کی شان مین گستاخی کرنا خدا سے لڑنا ہے والعیاذ باللہ آگے مولانا فرماتے ہین کہ۔
حوض الخ۔ یعنی حوض اگر سمندر کے ساتھ برابری کرے تو اپنے کو بیخ ہستی سے اکھاڑ رہا ہے۔ مطلب یہ کہ ان حضرات کے ساتھ اگر کوئی دوسرا برابری کرنے لگے اور خود بھی اسیطرح کرنے لگے تو چونکہ وہان تو مانع ہے اور یہان نہین ہے لہذا یہ برابری کرنے والا یقیناً برباد ہوگا۔
نیست الخ۔ یعنی وہ ایسا دریا نہین کہ جسکا کنارہ بھی ہو تاکہ وہ تمہارے مردار سے تیرہ ہو جاوے۔ بلکہ۔
بحر را الخ۔ یعنی سمندر کی تو حد بھی ہے اور کنارہ بھی ہے مگر شیخ اور نور شیخ کا کنارہ ہی نہین ہے اس لیے کہ اوسکو حق تعالے کے ساتھ عینیت مصطلحہ حاصل ہے تو متخلق باخلاق اللہ ہے اور اوسکی حالت یہ ہے کہ بی یسمع وبی ینطق وبی یبصر تو جب صفات حق لامتناہی ہین تو چونکہ یہ بھی عین اصطلاحی ہو گیا ہے اوسکی صفات بھی غیر متناہی ہونگے

بیش الخ - یعنی غیر محدود کے سامنے جو محدود ہی وہ فانی ہو اور سواحق تعالے کے اور چیزین فانی ہین - مگر یہ شخص چونکہ فنی اصطلاحی ہو چکا ہے لہذا یہ تو باقی ہے اور کل معاصی وغیرہ فانی ہین تو یہ ایسے درجہ مین ہے کہ اس پر احکام ظاہر جاری ہی نہین ہین -

کفر وا لخ - یعنی جس مقام پر کہ وہ ہے وہان کفر وایمان بھی نہین ہے اسلیے کہ یہ تو مغز ہے اور یہ دونون (کفر وایمان) پوست ہین مطلب یہ ہے کہ چونکہ کفر وایمان تو احکام ظاہری مین سے ہین اور افعال عبد ہین اور یہ شخص بوجہ عینیت مصطلحہ حاصل ہونے کے ان افعال عباد سے خارج ہو گیا ہے بلکہ اوس کے جو افعال ہین وہ خود افعال حق بمعنی اصطلاحی ہین لہذا اس شخص کو اس مرتبہ عینیت مین نہ کافر کہہ سکتے ہین اور نہ مومن کہہ سکتے ہین اس لیے کہ یہ دونون تو احکام ظاہر مین سے ہین اور اوس پر احکام ظاہر جاری ہی نہین ہین لہذا وہ اسوقت نہ کافر ہے اور نہ مومن ہے خوب اچھی طرح سمجھ لینا کہین غلطی مت کرنا -

شرح حبیبی

این فناها پردهٔ آن وجه گشت — چون چراغ خفیه اندر زیر طشت
پس سر این تن حجاب آن سر است — پیش آن سر این سر تن کافر است
کیست کافر غافل از ایمان شیخ — کیست مرده بیخبر از جان شیخ
جان نباشد جز خبر در آزمون — هر کرا افزون خبر جانش فزون
جان ما از جان حیوان بیشتر — از چه زان رو که فزون دارد خبر
پس فزون از جان ما جان ملک — کو منزه شد ز حس مشترک
وز ملک جان خداوندان دل — باشد افزون تو تحیر را بهل
زان سبب آدم بود مسجودشان — جان او افزون ترست از بودشان
ورنه بهتر را سجود دون تری — امر کردن هیچ نبود در خوری
کی پسند عدل و لطف کردگار — که گلی سجده کند در پیش خار
جان چو افزون شد گذشت از انتها — شد مطیعش جان جمله چیزها
مرغ و ماهی و پری و آدمی — زانکه او بیش است ایشان در کمی
ماهیان سوزن گر دلقش شوند — سوزنان را رشتها تابع بوند

جب اہل اللہ کی حالت یہ ہے تو انپر اعتراضات اور تکفیر کے فتوے کیون ہوتے ہین اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ شیخ کے اوصاف فانیہ اسکی ذات وحقیقت کا پردہ بنجاتے ہین جسطرح طشت کے نیچے چراغ پوشیدہ ہو جاتا ہے اور محجوب لوگ چونکہ انکی حقیقت کو نہین دیکھ سکتے بلکہ صورت کو دیکھتے ہین اور اس لیے ان ہذا الا بشر مثلنا کہتے ہین اور اسکے ساتھ اپنا سا معاملہ کرتے ہین اونکا سر ظاہری اون کے سر حقیقی کا حجاب ہو گیا ہے لوگ اوس سر کو نہین دیکھتے صرف سر ظاہری کو دیکھتے ہین اوسی پر حکم لگاتے ہین حالانکہ اون کے اس سر مین اور اوس سر مین

بعد المشرقین ہے اور گویا کہ یہ سر اوس سر کے مقابلہ مین کافر ہے اتنا فرق ہے اب مولانا متنبہ ہوتے ہین اور فرماتے ہین کہ ارے مین کسے کافر سے تشبیہ دے رہا ہون اور کسے کافر کہہ رہا ہون یہ خبر نہین کہ حقیقت مین کافر سے مشابہ کون ہے کافر سے مشابہ وہ ہے جسکو شیخ کے ایمان حقیقی کی خبر نہین۔ اور مین کسکو مثل مردہ کہہ رہا ہون یہ خبر ہی نہین کہ مثل مردہ حقیقت مین کون ہے مثل مردہ وہ ہے جسکو شیخ کی حیات روحانی کی خبر نہین دلیل اسکی یہ ہے کہ جان کا علم اوس کے آثار سے ہو سکتا ہے اور بڑا اثر اوسکا علم ہے پس جسکو علم زیادہ ہے اوسمین حیات بھی زیادہ ہے دیکھو ہماری حیات دیگر حیوانات کی حیات سے اعلے ہے وجہ کیا ہے یہی کہ ہمارا علم ان سے بڑھا ہوا ہے اس بنا پر فرشتون کی حیات ہم سے اعلیٰ ہوگی کیونکہ ہم مین حس حیوانی ہے اور حس ملکی نہین اور ان مین حس حیوانی نہین بلکہ حس ملکی ہے۔ اور حس ملکی ادراک مغیبات کے سبب حس حیوانی سے بڑھکر ہے اور اہل دل کی حیات فرشتون کی حیات سے اعلے ہے کیونکہ ان مین دونون حسین ہین حیوانی بھی اور ملکی بھی اب تم کو اس معاملہ مین حیرت نہ ہونی چاہیے ہمارا دعوے دلیل سے ثابت ہو چکا اسی سبب سے آدم علیہ السلام مسجود ملایک ہوئے کہ انکی حیات اعلے تھی حیات ملائکہ سے ورنہ حکمت خداوندی کو ہرگز شایان نہ تھا کہ مفضول کو مسجود فاضل بناتی بھلا عدل و لطف حق سبحانہ کب اسکو گوارا کر سکتا ہے کہ خار مسجود گل ہو۔ یون ہی جب کسی کی حیات کو ترقی ہوتی ہے اور ترقی ہو کر ولا متناہی بلا متناہی حق سبحانہ ہو جاتی ہے تو اسوقت وہ مطاع خلق ہو جاتا ہے پرندے مچھلیان۔ جنات آدمی وغیرہ سب اسکے ماتحت ہو جاتے ہین کیونکہ یہ افضل ہے اور وہ مفضول اور یہ حالت ہو جاتی ہے کہ گدڑی کے سینے مین مچھلیان اوسکی مددمعاون بنجاتی ہین اور اون کی سوئیون سے لیے تاگون کی طرح تابع ہو جاتی ہین۔ جیسا کہ تو حضرت ابراہیم ابن ادہم کے قصہ مین سن چکا ہے جسکا تتمہ ہم اب بیان کرتے ہین سن۔

شرح شبیری۔ این فنا ہا الخ یعنی یہ فانی چیزین اوس وجہ کی پردہ ہو گئی ہین جس طرح کہ ایک چراغ کسی طشت کے نیچے خفیہ ہو مطلب یہ کہ یہ اشیا دنیویہ اور مقتضیات نفس حجاب ہورہے ہین اور عالم غیب کی طرف اسوجہ سے توجہ نہین ہو ورنہ جس طرح کہ یہ شخص مغز ہو گیا ہے اور اس کو عالم غیب کی اطلاع ہے اسی طرح تمکو بھی ہو دوسرا مصرعہ اس کی مثال ہے کہ یہ اس طرح حجاب ہین جیسے کہ کوئی طشت کسی چراغ کے نور کا حجاب ہو۔

پس سر این الخ۔ یعنی پس یہ تن پوشیدہ کا حجاب ہے۔ اور اس پوشیدہ کے سامنے یہ تن محجوب ہے مطلب یہ کہ اس جسم ظاہری کے مقتضیات کی وجہ سے اس طرف التفات نہین ہوتا اور اسوجہ سے یہ محجوب ہو رہا ہے۔ ورنہ بالکل ظاہر طور پر اوس عالم غیب کا مشاہدہ ہوتا۔

کیست کافر الخ۔ یعنی کافر کون ہے جو کہ ایمان شیخ سے غافل ہو اور مردہ کون ہے جو کہ شیخ کی جان سے بیخبر ہو۔ مطلب یہ ہے جو شخص کہ کاملین واصلین کے اوس ایمان شہودی سے جسمین کہ اونکو معاینہ اور مشاہدہ ہو رہا ہے غافل ہے وہ محجوب ہے اور جو کہ ان کاملین کی اوس حیات ابدی اور حیات طیبہ سے بیخبر ہے گویا کہ وہ خود مردہ ہے۔ آگے اس بیخبر کو مردہ کہنے کی اور اس کے مردہ ہونے کی وجہ اور دلیل فرماتے ہین کہ۔

جان نباشد الخ۔ یعنی جان نہین ہوتی بجز خبر کے آزمایش مین اور جس کو خبر زیادہ ہے اوس کی جان بھی زیادہ ہے مطلب یہ کہ امتحان اور آزمایش کے وقت اوس چیز کی خبر ہونا بھی تو جان کی دلیل ہے اور اسی سے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ شخص

حس ہے اور پیدا رہے تو جس کو اطلاع اشیا زیادہ ہوگی اوس کی جان بھی زیادہ ہوگی اور جس کو خبر نہوگی اوس کی جان
اور روح مین بھی قوت نہ ہوگی گویا کہ نہوگی المنادہ مثل مردہ ہی کے ہے اس اعتبار سے اوس کو مردہ کہا گیا ہے۔ آگے زیادہ خبر سے
زیادہ جان ہونے کے نظائر پیش فرماتے ہین کہ۔

جان ما از الخ۔ یعنی ہماری جان جان حیوان سے زیادہ ہے کس وجہ سے اس لیے کہ اوس کو خبر زیادہ ہے کہ اسکو علم
جزئیات ہی ہے اور انسان کو علم کلیات کا بھی ہے تو دیکھو زیادتی علم سے زیادتی جان اور قوت روح معلوم ہوئی۔

پس الخ۔ یعنی ہماری جان سے جان فرشتہ زیادہ ہے کیونکہ وہ حس مشترک بین الانسان والحیوان سے پاک ہو مطلب
یہ کہ جو حس اور ادراک کہ انسان اور حیوان مین مشترک ہے اوس سے علم فرشتہ چونکہ عالی ہے اور زیادہ ہی اسلیے وہ اس
اعتبار سے افضل ہوا اگرچہ دوسرے اعتبارات سے انسان ہی افضل ہو مگر باعتبار احاطہ معلومات کے فرشتہ انسان سے افضل ہوا

وز ملک الخ۔ یعنی اور فرشتہ سے اہل دل کی جان زیادہ ہوتی ہے تم تحیر کو چھوڑ دو۔ مطلب یہ کہ فرشتہ سے اہل اللہ کی
جان زیادہ اور روح قوی ہوتی ہے اور تم اس مین حیرت اور تعجب مت کرو کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ فرشتون سے
بڑھ جاوے۔ اس لیے کہ اس کی نظیر موجود ہے وہ یہ کہ۔

زان سبب الخ۔ یعنی اسی سبب سے آدم اون کے مسجود ہوئے کہ آدم علیہ السلام کی جان اون کی جان سے
بہت زیادہ تھی مطلب یہ کہ دیکھو چونکہ آدم علیہ السلام ظاہر ہے اہل اللہ اور اہل دل مین سے تھے اسی لیے فرشتون نے
اون کو سجدہ کیا تو معلوم ہوا کہ اہل دل اور اہل اللہ فرشتون سے بھی افضل ہوئے چونکہ یہان یہ شبہ ہو سکتا ہو کہ اس سے یہ کب
لازم آتا ہو کہ آدم علیہ السلام افضل ہی تھے ممکن ہے کہ مفضول ہون مگر حکم سجدہ کا اونکو کر دیا گیا ہو آگے اسکا جواب فرماتے ہین کہ۔

ورنہ بہتر را الخ۔ یعنی ورنہ افضل کو مفضول کے سجدہ کرنے کا حکم کرنا کچھ لائق نتھا۔

کے پسندد الخ۔ یعنی حق تعالے کا عدل اور لطف کب پسند کرتا ہو کہ ایک پھول خار کے سامنے سجدہ کرے مطلب
یہ کہ حق تعالے کو اگرچہ قدرت تھی مگر عدل و انصاف اس کو مقتضی تھا کہ مفضول کو حکم دیا جاوے کہ افضل کو سجدہ
کرے نہ کہ بالعکس تو جب آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے کا حکم فرشتون کو دیا گیا معلوم ہوا کہ وہ مفضول تھے اور حضرت
آدم علیہ السلام افضل تھے اور کس طرح نہ ہون آخر اونکا علم تو دیکھو کہ حق تعالے نے اونکو کل کائنات کے اسماء کا مع
اون کے خواص و ماہیات و کیفیات وغیرہ کے علم دیا تھا تو جو شخص کہ اتنا بڑا عالم ہے کہ کہین ٹھکانا نہین۔ وہ کس طرح
اون سے افضل نہوگا پس جب معلوم ہو گیا کہ مفضول افضل کے تابع ہوا کرتے ہین تو اب قاعدہ کلیہ فرماتے ہین کہ۔

جان چو افزون الخ۔ یعنی جان نے جب ترقی کی تو وہ تہلے سے گذر گئی اور تمام دیگر اشیا کی جانین اوس کے تابع
ہو گئین۔ مطلب یہ کہ جب روح ترقی کرتی ہے اور عالم غیب سے تعلق پیدا کرکے وہ ترقی بے انتہا ہو جاتی ہے تو
اب اور تمام اشیا اوس کے تابع ہو جاتے ہین۔ اور یہ سب پر حاکم ہو جاتا ہے جیسا کہ اوپر حضرت ابراہیم بن ادہم کے
قصہ سے معلوم ہوا کہ مچھلیان بھی ان کے تابع تھین۔ اور یہ حالت ہوتی ہے کہ۔

مرغ و ماہی الخ۔ یعنی پرند اور مچھلی اور پری اور آدمی (سب تابع ہوتے ہین) اس لیے کہ یہ شخص تو زیادتی مین ہے اور
وہ سب کمی مین ہین لہذا سب اوس کے مطیع اور تابع ہوتے ہین اور یہ حالت ہوتی ہے کہ۔

ماہیان الخ۔ یعنی مچھلیان اونکی گدڑی کی سوئی بنانے والی ہوتی ہین اور سوئیون کے تاگے تابع ہوتے ہین۔ یعنی

دیکھو وہ حالت ہوتی ہی جو کہ حضرت ابراہیم ابن ادہم برگزیدہ کہ مچھلیون نے اون کی گدڑی کے لیے سوئیان بنائین اور اونکو لیکر خود حاضر ہوئین تو دیکھو کسقدر بڑی افضیلت اور مقبولیت کی دلیل ہے آگے حضرت ابراہیم ابن ادہم کا قصہ پورا فرماتے ہین

شرح حبیبی

چون نفاذ امر شیخ آن مرد دید / زآمد ماهی شدش وجدے پدید

گفت او ماهی ز پیران آگه است / شه تنے را کو لعین درگه است

ماهیان از پیر آگه ما بعید / ما شقی زین دولت و ایشان سعید

سجده کرد و رفت گریان و خراب / گشت دیوانه ز عشق فتح باب

پس تو اے ناشسته رو در چیستی / در نزاع و در حسد با کیستی

با دم شیرے تو بازی میکنی / بر ملائک ترکتازی میکنی

بد چه می گوئی تو خیر محض را / هین ترفعی کم شمر آن خفض را

بد چه باشد مس محتاج و مهان / شیخ که بود کیمیاے بیکران

مس اگر از کیمیا قابل نه بد / کیمیا از مس هرگز مس نه شد

بد چه باشد سرکش آتش عمل / شیخ که بود عین دریاے ازل

بد که باشد ظالم ظلمت فزا / شیخ که بود عکس انوار خدا

بد چه باشد آتشے پر درد و سوز / شیخ آب کوثرست اندر تموز

دائم آتش را بترساند ز آب / آب کے ترسید هرگز ز التهاب

در رخ مه عیب بینی میکنی / در بهشتے خار چینی میکنی

گر بهشت اندر روی تو خار جو / هیچ خار آنجا نیابی غیر تو

مے بپوشی آفتاب در گلے / رخنه میجوئی ز بدر کاملے

آفتابے کو بتابد در جهان / بهر خفاشی کجا گردد نهان

عیبها از رد پیران عیب شد / غیبها از رشک پیران غیب شد

بارے ار دوری ز خدمت یار باش / در ندامت جان کن و در کار باش

تا ازان راهت نسیمے میرسد / آب رحمت را چه بندی از حسد

گر تو دوری دور می جنبان تو دم / حیثما کنتم فولوا وجهکم

چون خرے در گل فتد از گام تیز / دمبدم جنبد براے عزم خیز

جاے را هموار نکند بهر باش / داند او که نیست آن جاے معاش

حس تو از حس خر کمتر بدست / که دل تو زان وحلها بر نجست

در وحل تاویل رخصت میکنی / چون نمیخواهی کزان دل بر کنی

این روا باشد مرا من مضطرم — حق نگیرد عاجزے را از کرم
خود گرفت است تو چون کفتار کور — این گرفتن را نہ بینی از غرور
مے بگویند اندرین کفتار نیست — از برون جوئید کاندر غار نیست
نیست در سوراخ کفتار اے اسیر — رفت تا زان او بسوے آبخور
این ہمی گویند و بندش می نہند — او ہمی گوید ز من بے آگہند
گر ز من آگاہ بودے این عدو — کے ندا کردی کہ آن کفتار کو
تا کہ بربندند و بیرونش کنند — غافل آن کفتار ازاین ریشخند

جبکہ اس امیر نے شیخ کے حلم کا نفاذ مشاہدہ کیا اور دیکھا کہ مچھلی سوئی لے آئی۔ تو اس سے اسپر وجد طاری ہوگیا اور کہا کہ اللہ مچھلی تو شیخ کو پہچانتی ہے اور آدمی نہ پہچانے پھٹکار اُسپر جو اس درگاہ سے مردود ہوا اور اس سے آشنا نہوا ہاے افسوس مچھلیان شیخ سے واقف ہون اور ہم دور ہون ہم اس دولت سے محروم ہون۔ اور وہ بہرہ یاب آخرش وہ آداب شاہی بجالایا اور روتا پیٹتا چلا گیا۔ اور باب قلب کے مفتوح ہونے کے عشق سے دیوانہ ہوگیا۔ جب مشائخ کی عظمت تجھے معلوم ہو چکی تو اے محروم و طاعن بر مشائخ کا ئنامن کان تو کس مصیبت مین پھنسا ہوا ہے۔ تجھے معلوم نہین کہ تو کسکے ساتھ مخالفت اور کس پر حسد کرتا ہے کمبخت تو شیر کی دم سے کھیل رہا ہے۔ اور فرشتون پر حملہ کر رہا ہے پھر بھلا تو ہلاک نہو گا۔ ارے تو ان لوگون کو جو خیر محض ہین اور جنمین شر کا شائبہ نہین تو کیا برا کہتا ہے یہ پستی ہی تو اسکو رفعت نہ سمجھ یہ انتہائی ذلت کا سبب ہے تو اسکو عزت نہ خیال کر۔ تو بد اور شیخ مین تمیز نہین کرتا انمین کامل تضاد ہے کیونکہ بد وہ ہے جو تانبا ناقص ہو۔ اپنے کمال مین کیمیا کا محتاج ہو۔ خسیس ہو اور شیخ وہ کیمیا ہوتا ہے جس کے اثر کی کوئی انتہا ہی نہین۔ اور جو ناقص کو کامل بنا دیتا ہے بھلا پھر وصف مشیخت اور بدی ایک ذات مین کیونکر جمع ہو سکتے ہین اور اگر کوئی مس کسی سبب سے کیمیائے کامل نہ ہو سکے تو مس سے وہ کیمیا تو مس نہین ہو جاتی وہ تو کیمیا ہی رہتی ہے پس اگر تو کامل نہین بن سکا تو تیرے برا کہنے سے شیخ برا نہین ہو سکتا۔ اور نیز بد وہ ہوتا ہے جو سرکش ہو اور جس کے اعمال رخت حیات روحانی کو پھونک دینے کے لیے آگ کی خاصیت رکھتے ہون اور برعکس اوس کے شیخ آتش شہوات نفسانیہ کو بجھا دینے اور حیات طیبہ روحانی عطا کرنے مین دریائے ازل یعنی حق سبحانہ کی صفت سے متصف ہے۔ اور نیز بد وہ ہوتا ہے جو ظالم بر نفس خود اور ظلمات نفسانیہ کا بڑھانے والا ہو برخلاف اس کے شیخ عکس انوار خداوندی اور منور با نور حق سبحانہ ہے جو تاریکی کا دشمن اور اوس کا قلع قمع کرنے والا ہے اور نیز بد وہ ہوتا ہے جو آگ ہو اور سوزش اور دھوین سے پر ہو۔ برخلاف اس کے شیخ ایسا ہوتا ہے جیسے گرمی مین آب کوثر۔ کہ التہاب نار عطش کو بجھا کر حیات روحانی بخشتا اور سکون و طمانیت پیدا کرتا ہے پھر وہ بد کیونکر ہو سکتا ہے تو آگ ہے وہ پانی ہے پس تجھکو اوس سے ڈرنا چاہئے کیونکہ آگ پانی سے ڈرتی ہے وہ تجھسے نہین ڈر سکتا کیونکہ پانی آگ سے نہین ڈرتا۔ تو بھی تو غضب کرتا ہے کہ چہرۂ بدر کامل مین نقص ڈھونڈھتا ہے بھلا وہان نقص کو کیا دخل اور بہشت مین کانٹے تلاش کرتا ہے اگر بہشت مین کانٹے ڈھونڈھنے جاوے گا تو وہان بجز تیرے اور کوئی کانٹا

تجھے نہیں مل سکتا۔ تو آفتاب کو مٹی میں چھپانا چاہتا ہے اور بدر کامل میں نقص تلاش کرتا ہے بھلا تیری عقل یا ہی
نہیں ماری گئی غرض اہل اللہ کے اندر عیب تلاش کرنا تیری بدبختی اور محرومی ہے اور سعی لاحاصل اصل مقصود
تیرا انکے کمال پر حسد ہی اور تو اسکا خفا چاہتا ہے مگر یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ ایک آفتاب جو ایک عالم کو اپنے
نور سے فیضیاب کررہا ہو وہ ایک خفاش کی خاطر چھپ جاوے۔ ایسی حالت میں بجز موتوا بغیظکم کے اور کیا کہا جا سکتا ہی
ارے اہل اللہ پر کیونکر ہو سکتے ہیں۔ وہ تو صراف ہیں عیب و کمال کے جسکو وہ عیب سمجھکر رد کردیں وہ حقیقت
میں عیب ہوتا ہی اور جسکو وہ کمال سمجھکر اوسکی طرف راغب ہوں وہ واقع میں کمال ہوتا ہے خیر اگر تو ابتک
خدمت سے دور رہا ہے تو اب بھی کچھ نہیں گیا۔ اب بھی بیدار ہوجا۔ اپنی حرکت سے نادم ہو اور کام میں لگ جا تاکہ
راہ خدا کی نسیم خوشگوار کا کوئی جھونکا تجھ تک بہونچ جاوے۔ دیکھ کیوں احمق بنتا ہے اور حسد کا کڑا لگا کر آب
رحمت کو کیوں روکتا ہے اگر تو اونکی خدمت میں بھی حاضر نہیں ہو سکتا تو نہ سہی تو دور ہی سے لجاجت کرتا رہ غرض
جہاں کہیں بھی ہو تجھکو اس قبلہ حاجات کیطرف متوجہ رہنا چاہئے۔ غور تو کر اگر تیری روی میں کوئی گدھا کیچڑ میں گر جاوے
تو وہ اوس سے نکلنے کے لیے بار بار حرکت کرتا ہی اور وہیں رہنے کے لیے جگہ ٹھیک نہیں کرتا۔ کیونکہ وہ سمجھتا ہے کہ یہ زندگی
بسر کرنے کا مقام نہیں لیکن تیری حس تو گدھے کی حس سے بھی کم ہی کہ تو اس دلدل میں پھنسا ہوا ہے اور تیرے دل میں
اس سے نکلنے کی امنگ پیدا نہیں ہوتی۔ تو اس دلدل ہی میں رہنے کے بہانے ڈھونڈھتا ہے کیونکہ تو اس سے
قطع تعلق کرنا نہیں چاہتا تو کہتا ہے کہ میں مضطر ہوں میرے لیے اس میں پھنسا رہنا جائز ہے حق سبحانہ اپنے فضل
سے عاجز و مضطر پر گرفت نہیں فرماتے۔ لیکن اے احمق حق سبحانہ نے تجھے پکڑ رکھا ہی مگر تو بجو کی طرح اندھا ہے
اس لیے اپنی غفلت سے اوسکو دیکھ نہیں سکتا۔ بجو کو جب پکڑنا چاہتے ہیں تو اوسے غافل کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں
کہ بجو بھٹ میں نہیں ہے باہر ڈھونڈھنا چاہئے۔ چونکہ بھٹ میں نہیں ہی لہذا معلوم ہوتا ہی کہ دوڑ کر گھاٹ پر پانی
پینے گیا ہو۔ یہ کہتے جاتے ہیں اور پھندے لگاتے جاتے ہیں اور بجو احمق یہ سمجھتا ہی کہ یہ مجھسے واقف نہیں بھلا اگر وہ
دشمن مجھے جانتا تو یہ کیوں کہتا کہ بجو کہاں چلا گیا حتے کہ یہ لوگ اسکو باندھکر باہر نکال لیتے ہیں اور وہ اس دل لگی سے غافل ہوتا ہی

لب دریا پر حضرت ابراہیم ابن ادہم اور اُس امیر کے قصہ کا تتمہ

شرح شبیری چون الخ یعنی جب اُس امیر نے حکم شیخ کا نافذ ہوتا دیکھا تو مچھلیوں کی آمد سے اوسکو ایک وجد ظاہر ہوا۔
گفت الخ۔ یعنی اوس امیر نے کہا کہ افسوس مچھلی تو پیر دن سے آگاہ ہی تو اوس شخص پر نفرین ہی جو مطعون و مردود درگاہ ہو۔
ماہیان الخ یعنی مچھلیاں تو شیخ سے آگاہ ہیں اور ہم بعید ہیں اور ہم اس دولت سے بدبخت ہیں اور یہ سعید ہیں (بڑے افسوس کی بات ہے)
سجدہ کرد الخ۔ یعنی اوس نے سجدہ کیا اور روتا ہوا خراب و خستہ چلدیا۔ اور فتح باب کے عشق کی وجہ سے دیوانہ
ہوگیا فتح باب سے مراد انشراح قلب مطلب یہ کہ جب اس پر یہ اسرار اور عظمت شیخ کی منکشف ہوئی تو بس اوسپر
وجد کی حالت طاری ہوئی اور اس انشراح قلبی کی وجہ سے اوسپر دیوانگی کی کیفیت ہوگئی اس کے بعد وہ چلدیا
اس قصہ کو تمام فرماکر رجوع ہے اوپر کے مضمون کی طرف اوپر کے قصہ طعن میں خطاب خاص اوس طاعن کو تھا کہ ولی
بزرگ کی شان میں گستاخی مت کر کہ بہت بری چیز ہے اور اوس سے وبال کے نزول کا خوف ہے آگے اسی

مضمون کو خطاب عام سے بیان فرماتے ہین کہ۔
پس الخ۔ یعنی پس اے ناپاک تو کس فتنے مین مشغول ہو اور نزاع و حسد کس کے ساتھ کر رہا ہے کچھ خبر بھی ہو تیری وہ مثال ہو کہ
یا دم الخ۔ یعنی شیر کی دم کے ساتھ کھیل کر رہے ہو اور فرشتون پر حملہ کر رہے ہو تو ان دونو کا نتیجہ یہ ہوگا کہ شیر تمکو پھاڑ دیگا
اور ملائک ہلاک کر ڈالین گے۔ تو اسیطرح بزرگون کی شان مین گستاخی کرنے سے بھی وبال نازل ہوگا۔ اور اس سے ہلاک ہو جاؤ گے۔
بد چرا الخ۔ یعنی تو خیر محض کو کیا بُرا کہہ رہا ہے ارے اس ذلت کو ترفع مت گن۔ مطلب یہ کہ اگرچہ اولیا اللہ معصوم
تو نہین ہوتے مگر محفوظ ضرور ہوتے ہین اس لیے اون سے بُرائی صادر نہین ہوتی۔ اور کوئی نہ کوئی ایسا مانع قوی ہو جاتا ہو
کہ جس سے اون سے صدور منکر نہین ہونے پاتا جیسا اوپر بیان کیا گیا ہے تو فرماتے ہین کہ اے معترض تو جو اس اعتراض
کرنے کو بڑا کمال سمجھتا ہے جیسا کہ آجکل یہ خبط ہے کہ کہتے ہین کہ ہم نے فلان بزرگ سے گفتگو کی تو جواب نہ دے سکے
تو یہ خبط ہے اور ذلت ہو اس کو کمال اور بڑائی مت سمجھو کہ خدا نکردہ کہین وبال پڑ گیا تو سارا کمال اور بزرگی
رکھی رہ جاوے گی آگے شیخ کامل کی اور بدکارون کی مثالین دیتے ہین۔
بد چہ باشد الخ۔ یعنی بدکون ہوتا ہے وہ مس جو کہ محتاج اور ذلیل کردہ ہو اور شیخ وہ ہے جو کہ کیمیائے کامل ہو۔
مس الخ۔ یعنی اگر کیمیا سے مس کسی قابل نہ ہوا تو کیمیا بھی تو مس کی وجہ سے مس نہ ہو جاویگی مطلب یہ کہ شیخ کی مثال
تو کیمیا جیسی ہو اور عوام کی مثال مس جیسی ہو۔ تو اگر کیمیا سے مس سونا نہو سکے تو یہ بھی تو نہین ہو کہ خود کیمیا ہی مس بنجاوے
اسیطرح اگر عوام شیخ کی وجہ سے درست نہ ہو سکین تو اسطرح تو الٹیا نہ ڈوبے گی کہ شیخ بھی عوام مین سے ہو جاوے غایت
ما فی الباب یہ ہوگا کہ دونون اپنی حالت پر رہینگے۔ اور کوئی کسی مین اثر نکریگا تو شیخ کو بُرا کہنا سخت غلطی ہو آگے اور مثال ہو۔
بد چہ باشد الخ۔ یعنی بُرا کیا ہے ایک آگ ہے اپنے عمل مین اور شیخ کون ہے دریائے ازل کا چشمہ ہے تو پانی آگ کو
بجھاتا ہے یا آگ پانی کو غائب کر دیتی ہے ظاہر ہے کہ پانی آگ کو دفع کر دیتا ہو تو عوام جو کہ آگ کیطرح ہین اور انکے
اخلاق وعادات خراب ہو رہے ہین اونکو شیخ درست کر دیتا ہے نہ یہ کہ خود بھی عوام مین سے ہو جاوے۔ آگے اور مثال ہو کہ
بد کہ باشد الخ۔ یعنی بُرا کون ہے تمام ظلمت کا بڑھانے والا اور شیخ کون ہے وہ عکس ہو انوار الٰہیہ کا۔
بد چہ باشد الخ۔ یعنی بُرا کیا ہے ایک آگ پُر دود و سوز ہے اور شیخ آب کوثر ہے گرمی کے موسم مین۔
دائم الخ۔ یعنی ہمیشہ آگ کو پانی سے ڈراتے ہین مگر پانی شعلون سے کب ڈرتا ہو۔ مطلب یہ کہ دیکھو قاعدہ ہے آگ پانی
سے ڈرتی ہے کہ وہ اوسکو زائل اور فنا کر دینے والا ہو مگر پانی کبھی آگ سے فنا نہین ہوتا اور اسکا وصف ہرگز زائل
نہین ہوتا۔ اسیطرح شیخ کی برکت سے عوام کے اخلاق تو مبدل ہو جاتے ہین مگر شیخ کامل پر اونکا اثر نہین پڑتا۔
در رخ مہ الخ۔ یعنی چاند کے چہرہ مین عیب بینی کر رہے ہو اور بہشت مین کانٹے تلاش کرتے ہو مطلب یہ کہ شیخ
جو کہ چاند کی طرح ہو اور بہشت کی طرح ہے تم اوس مین عیوب نکالتے ہو اوسمین عیوب کہان ہین وہ تو بالکل صاف
ہو اور اوسمین تو گل ہی گل ہین اور خیر ہی خیر ہو شر و خار کا نام ہی نہین ہو۔
در بہشت الخ۔ یعنی اگر تم بہشت مین کانٹے کو تلاش کرتے ہوئے جاؤ تو وہان کوئی کانٹا بجز اپنے نہ پاؤ گے مطلب
یہ کہ بزرگون مین جو تم عیوب نکال رہے ہو تو یاد رکھو کہ اونمین کوئی عیب نہین ہو ہان ایک عیب یہ بیشک ہو کہ تم جیسے نالائق
اونکے پاس رہتے اور اون سے منسوب ہو بس اسکے سوا اور کوئی عیب بھی اونکے اندر نہین ہو سبحان اللہ خوب ہی فرمایا ہے۔

می بجوشی الخ - یعنی تم ایک آفتاب پر خاک ڈالنا چاہتے ہوا ور بدر کامل مین عیب تلاش کرتے ہو تو بھلا یہ کیسے ممکن ہو اسیطرح بزرگان دین مین جو تم عیب تلاش کرتے ہو اونمین عیوب کہان ہین اون مین عیوب مل ہی نہین سکتے -
آفتابے الخ - یعنی وہ آفتاب جو کہ عالمتاب ہو وہ ایک خفاش کی وجہ سے کہان چھپ جاوے - مطلب یہ کہ تم جو اون سے حسد کرتے ہو اور تم سے اوسکے کمالات کو دیکھا نہین جاتا اور مرے جاتے ہو تو تمھاری وجہ سے وہ اپنے کمالات کو بھلا کہان چھپائین - اون کے کمالات جسطرح درخشان اور تابان ہین وہ اوسی طرح رہینگے تم اگر اندھے ہوا ور اوسکی برداشت تم سے نہین ہوسکتی تو مر رہو باقی وہ تو اسیطرح رہینگے - اونکی تو یہ شان ہو کر
عیبہا از الخ - یعنی عیوب بزرگون کی رد کردینے کی وجہ عیب ہوگئے ہین اور غیوب بوجہ بزرگونکی پسندیدگی کے غیوب ہوگئے ہین - رشک سے مراد پسندیدگی اور محبت اس لیے کہ جب پسندیدگی اور محبت ہوتی ہے جب ہی تو رشک بھی ہوتا ہے اس لیے اطلاق خود محبت پر کردیا - اور غیوب سے مراد کمالات اب مجھو کہ فرماتے ہین کہ عیوب جو عیوب ہوگئے ہین تو اسی لیے کہ اونکو بزرگان دین نے مردود و مطرود کردیا ہے اور کمالات کمالات اسلیے بنے ہین کہ اونکو بزرگون نے پسند کیا - تو وہ کمالات ہوگئے تو جنکی یہ شان ہے کہ جسکو پسند کیا وہ کمال ہوگیا اور جسکو رد فرمایا وہ عیب ہوگیا - پھر خود اون مین کس طرح عیوب ہوسکتے ہین خوب سمجھ لو چونکہ اس شعر مین نسخے بہت مختلف ہین اور ہر نسخہ کے اعتبار سے مطلب دوسرا ہوتا ہے لہذا ذیل مین اول اون اختلافات کا نقشہ دیا جاتا ہے اوس کے بعد انشاء اللہ ہر نسخہ کی بابت توجیہ بیان کیجائے گی - نقشہ یہ ہے -

نمبرشمار	مصرعہ اولے		مصرعہ ثانیہ	
	لفظ اول	لفظ ثانی	لفظ اول	لفظ ثانی
۱	بالمہملہ	بالمہملہ	بالمعجمہ	بالمعجمہ
۲	بالمعجمہ	بالمعجمہ	بالمہملہ	بالمہملہ
۳	بالمہملہ	بالمعجمہ	بالمعجمہ	بالمہملہ
۴	بالمعجمہ	بالمہملہ	بالمہملہ	بالمعجمہ

صورت اول تو وہ ہی جو متن مین ہے اوسکی توجیہ تو اوپر بیان کردی گئی ہے اور صورت ثانیہ مین اس طرح ہوگا ــــہ غیبہا از ردپیران غیب شد + عیب ہا از رشک پیران عیب شد + اس کی توجیہ کچھ سمجھ مین نہین آئی - لہذا اس کو اسیطرح چھوڑا جاتا ہے اگر کسی صاحب کے سمجھ مین آوے تو طبع ثانی مین زیادہ کرادین - اور تیسری شق کے مطابق یہ ہوگا کہ ــــہ عیب ہا از رد پیران غیب شد + غیبہا از رشک پیران عیب شد - یہان رد سے مراد ازالہ ہے اور رشک اپنے معنی مین ہے - تو مطلب یہ ہوا کہ عیوب کو جب بزرگان دین سے زائل کردیا

تو وہ عیوب اور کمالات بن گئے۔ اور ان عیوب کو جو کہ بظاہر کمالات معلوم ہوتے تھے جبکہ ناپسند کیا اور اون سے رشک اور حسد رکھا تو وہ بھی حقیقت مین عیوب ہی تھے۔ چوتھے نسخہ کی رو سے یہ ہوگا سے عیب ہا از رد پیران عیب شد + عیبہا اندر شک پیران غیب شد + اب مطلب یہ ہوگیا کہ جو بظاہر کمالات تھے جبکہ بزرگون نے اونکو رد کردیا تو معلوم ہوا کہ اصل مین وہ عیوب ہی تھے اور جن عیوب کو پسند کرلیا وہ اصل مین کمالات ہی تھے خوب سمجھ لو اب چارون نسخون کے مطابق تقریر کردی گئی ہی جسکو جو پسند ہو اوسکو قبول کرلے۔ غرضکہ حاصل اور مقصود یہ ہے کہ ان حضرات کی تو وہ شان ہے کہ جو اخلاق کہ انکو پسند ہون وہ تو کمالات ہین اور جو ناپسند ہون وہ نقص اور عیوب ہین پھر ان حضرات مین عیوب کہان ہو سکتے ہین۔

بارے الخ۔ یعنی اگر تو خدمت سے دور ہے تو یار رہ اور ندامت مین چالاک اور پرکار رہ۔

تا ازان الخ۔ یعنی تاکہ اوس راہ سے تمہین کوئی ہوا پہونچ جاوے تو آپ رحمت کو حسد سے کیون بند کرتا ہے۔ مطلب یہ ہو کہ اگر توفیق خدمت کی نہین ہے تو خیر دل سے ہی محبت اور عقیدت رکھو اور اپنی گذشتہ گستاخیون پر نادم رہو کہ اسکی برکت سے شاید کچھ فضل حق تیر ہو جاوے۔ اور کام بنجاوے اس حسد سے کیون باب رحمت کو بند کر رہے رہو۔ خدا کے لیے ایسا مت کرو کہ بزرگون سے حسد رکھو خدمت کی توفیق نہین تو خیر دل سے تو اچھا سمجھو۔

اگر تو دوری الخ۔ یعنی اگر تم دور ہو تو دوری سے دم لاتے رہو۔ در جہان کہین ہو اسی طرف توجہ کرو۔ مطلب یہ ہی کہ اگر تم کو بعد جسمانی ہے تو ان حضرات سے تعلق محبت کا اور عقیدت کا رکھو کہ یہی بیحد مفید ہے اور چونکہ یہ حضرات بھی بوجہ متوجہ الیہم ہونے کے مثل کعبہ ہی کے ہین اور قرآن شریف مین کعبہ کے واسطے ارشاد ہے حیثما کنتم فولوا وجوہکم شطرہ تو اسیطرح جہان کہین بھی رہو ان حضرات سے عقیدہ اور تعلق رکھو آگے ایک مثال فرماتے ہین کہ۔

چون الخ۔ یعنی جب کوئی گدھا تیز چلنے کی وجہ سے گارے مین گر پڑے تو دمبدم وہ اوٹھنے کے لیے حرکت کرتا ہی۔

جائے را الخ۔ یعنی وہ رہنے کے لیے جگہ ہموار نہین کرتا اس لیے کہ جانتا ہی کہ یہ رہنے کی جگہ نہین ہو مطلب یہ کہ جب گدھا گارے مین گر پڑتا ہے تو اس کوشش مین ہوتا ہے کہ کسی طرح وہان سے نکل آوے اور نہین کرتا کہ بس وہین رہنے کے لیے جگہ کو درست کرنے لگے کہ اب تو یہین رہین گے۔

حس الخ۔ یعنی تیری سمجھ گدھے کی سمجھ سے بھی کم ہے کہ دل تیرا ان کیچڑون سے باہر نہین نکلتا مطلب یہ کہ وہ گدھا تو اوس کیچڑ سے نکلنے کی کوشش کرتا ہے مگر تم جو اس دنیا کے کیچڑ مین دھنسے ہوئے ہو تمکو اس سے نکلنے کا کبھی احساس ہی نہین ہوتا اور ایسا سمجھے ہوئے ہو کہ گویا ہمیشہ یہین رہنا ہے نہ بزرگون کی خدمت مین جانا ہے اور نہ دین کی خبر ہے بس ہر دم اور ہر وقت تم ہو اور دنیا ہے۔ تو تم گدھے سے بھی کم ہوئے۔

در وحل الخ۔ یعنی اوس کیچڑ مین تاویل رخصت کی کرتے ہو جبکہ اوس سے دل اکھاڑنا نہین چاہتے مطلب یہ کہ جب دنیا سے دل اکھاڑنا اور اوس سے قطع تعلق کرنا پسند نہین کرتے تو اوس کے لیے تاویلین کرتے ہو اور یون کہتے ہو کہ۔

کاین الخ۔ یعنی کہ مجھکو یہ جائز ہے اس لیے کہ مین مضطر ہون اور حق تعالی کسی عاجز کو کرم کی وجہ سے نہ پکڑینگے مطلب یہ کہ کہتے ہین کہ حضرت کیا کرین بال بچے ہین بے رشوت وغیرہ کے پورا نہین ہوتا اس لیے مجبوراً حرام کمائی کرتے ہین لہذا ہم مضطر ہین تو حق تعالی ہمین اس اضطرار کی وجہ سے اپنے کرم سے گرفتار نہ فرماوینگے بلکہ معاف فرماوینگے۔ مولانا فرماتے ہین کہ۔

اے جو کھاری الخ - یعنی اے رب تو بچو کیطرح گناہوں میں گرفتار ہو رہا ہی تو دھوکہ کی وجہ سے اس گرفت کو نہیں دیکھتا مطلب یہ کہ جب بچو کو پکڑتے ہیں تو قاعدہ ہیکا اوسکو ایک سامنے بیٹھکر کہتے ہیں کہ نہ معلوم بچو کہاں چلا گیا دوسرا کہتا ہی کہ یہاں تو ہے نہیں شاید کہیں پانی وغیرہ پینے گیا ہوگا - جب بچو یہ سنتا ہی تو سمجھتا ہے کہ میری انکو خبر نہیں ہے لہذا بیفکر ہو کر بیٹھ رہتا ہے یہ لوگ جال سے گرفتار کر لیتے ہیں تو مولانا فرماتے ہیں کہ دیکھو جسطرح وہ بے فکر ہو گیا تھا اور پھر پھنس گیا اسی طرح اگر تم بے فکر ہوگے تو پھنس جاؤگے بلکہ پھنسو ہی گے اسوقت بھی تم پھنس رہے ہو کہ گناہوں میں مبتلا ہو آگے اس بچو کے گرفتار کرنے کی ترکیب خود بیان فرماتے ہیں کہ

می بگویند الخ - یعنی لوگ کہتے ہیں کہ اندر بچو نہیں ہے باہر تلاش کرو اس لیے کہ غار میں تو ہے نہیں -

نیست الخ - یعنی ابا جان سوراخ میں تو بچو ہے نہیں وہ تو دوڑتا ہوا گھاٹ کیطرف کو گیا ہے -

این ہمی الخ - یعنی یہ لوگ تو یہ کہتے ہیں اور اوس پر جال رکھتے ہیں اور وہ کہتا ہے کہ یہ مجھسے آگاہ نہیں ہیں اور کہتا ہی کہ

گر زمن الخ - یعنی اگر یہ دشمن مجھسے آگاہ ہوتا تو اس طرح کیون کہتا کہ بچو کہاں ہو وہ حضرت اسی خیال میں رہتے ہیں اور

تا کہ الخ - یعنی یہانتک کہ اوسکو باندھ لیتے ہیں اور باہر نکال لیتے ہیں اور وہ بچو اس مسخرہ پن سے غافل ہوتا ہے - اسیطرح تم بے فکر ہو کہ حق تعالےٰ ہمیں نہ پکڑیں گے حالانکہ وہ ضرور گرفت کرینگے بلکہ اب اسوقت بھی گرفتار کر رکھا ہی - آگے اسپر ایک حکایت لاتے ہیں خلاصہ اوسکا یہ ہے کہ حضرت شعیب کے زمانہ میں ایک شخص کہا کرتا تھا کہ حق تعالےٰ نے میرے اسقدر گناہ دیکھے مگر مجھے کبھی نہ پکڑا تو آئندہ بھی نہ پکڑینگے - حق تعالےٰ نے شعیب علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ اس سے کہدو کہ جب پکڑینگے وہ تو جب ہی ہوگا تجھے تو اب بھی گرفتار کر رکھا ہی کہ قلب سیاہ ہو گیا اور معاصی میں مبتلا ہے نہ اچھے کی حس رہی نہ برے کی یہ کس قدر بڑی گرفت ہے والعیاذ باللہ تو اسی طرح تم خیال کرتے ہو کہ حق تعالےٰ ہمیں نہ پکڑیں گے مگر حق تعالےٰ نے خود اسی وقت گرفتار کر رکھا ہی کہ قلب کو مسخ کر دیا کہ یہ بھی خبر نہ رہی کہ حلال کیا ہی اور حرام کیا ہی یہ گرفت نہیں تو اور کیا ہے نعوذ باللہ منہ ربنا لاتزغ قلوبنا بعد اذ ہدیتنا وہب لنا من لدنک رحمۃ انک انت الوہاب اب حکایت سنو -

شرح حبیبی

آن یکے میگفت در عہد شعیب — کہ خدا از من بسے دیدست عیب

چند دید از من گناہ و جرمہا — در کرم یزدان نمی گیرد مرا

حق تعالےٰ گفت در گوش شعیب — در جواب او فصیح از راہ غیب

کہ بگفتی چند کردم من گناہ — در کرم نگرفت بر جرمم الٰہ

عکس میگوئی و مقلوب اے سفیہ — اے رہا کردہ رہ و بگرفتہ تیہ

چند چندت گیرم و تو بے خبر — در سلاسل ماندۂ تا پا بسر

زنگ تو بر توت اے دیگ سیاہ — کرد سیمائے درونت را تباہ

بر دلت زنگار بر زنگار ہا — جمع شد تا کور شد اسرار ہا

گر زند آن دود بر دیگ نوی — آن اثر بنماید ار باشد جوی
زانکه هر چیزی بضد پیدا شود — بر سفیدی آن سیه رسوا شود
چون سیه شد دیگ پس تأثیر دود — بعد از آن بر وی که بیند زود زود
مرد آهنگر که او زنگی بود — دود را با رویش همرنگی بود
مرد رومی کو کند آهنگری — رویش ابلق گردد از دود آوری
پس بداند زود تأثیر گناه — پس بنالد زار و گوید ای اله
چون کند اصرار و بد پیشه کند — خاک اندر چشم اندیشه کند
توبه نندیشد دگر شیرین شود — بر دلش آن جرم تا بیدین شود
آن پشیمانی و یا رب رفت ازو — شست بر آیینه زنگ شست تو
آهنش را زنگها خوردن گرفت — گوهرش را زنگ کم کردن گرفت
چون نویسی کاغذ اسپید بر — آن نوشته خوانده آید در نظر
چون نویسی بر سر بنوشته خط — فهم ناید خواندنش گردد غلط
کان سیاهی بر سیاهی اوفتاد — هر دو خط شد کور و معنی رو نداد
ور سوم باره نویسی بر سرش — پس سیه کردی چو جان کافرش
پس چه چاره جز پناه چاره گر — ناامیدی مس و اکسیرش نظر
ناامیدیها به پیش او نهید — تا ز دردی بیدوا بیرون جهید
چون شعیب آن نکتها با او بگفت — زان دم جان در دل او گل شکفت
جان او بشنید وحی آسمان — گفت اگر بگرفت ما را کو نشان
گفت یا رب دفع من میگوید او — آن گرفتن را نشان میجوید او
گفت ستارم نگویم رازهاش — جز یکی رمزی برای ابتلاش
یک نشانی آنکه میگیرم ورا — آنکه طاعت دارد از صوم و دعا
از نماز و از زکوة و غیر آن — لیک یک ذره ندارد ذوق جان
میکند طاعات و افعال سنی — لیک یک ذره ندارد چاشنی
طاعتش نغزست و معنی نغز نی — جوزها بسیار و در وی مغز نی
ذوق باید تا دهد طاعات بر — مغز باید تا دهد دانه شجر
دانهٔ بی مغز کی گردد نهال — صورت بیجان نباشد جز خیال
چون شعیب این نکتها بروی بخواند — از نفاق محو خرد در گل بماند

ایک شخص حضرت شعیب علیہ السلام کے زمانہ مین کہہ رہا تھا کہ حق سبحانہ نے میرے بہت سے عیب دیکھے ہین اور گواوس نے بہت سے قصور اور معاصی دیکھے مگر اپنے کرم سے مجھپر گرفت نہین کرتا اس پر حق سبحانہ نے اوس کے

جواب مین بذریعہ وحی کے حضرت شعیب علیہ السلام کے کان مین صاف طور پر فرمایا کہ آپ اوس سے فرما دیجیے کہ تو کہتا ہے کہ حق سبحانہ نے میرے گناہ دیکھے لیکن اپنے فضل سے مجھپر گرفت نہین فرمائی یہ تیرا خیال غلط ہے اور یہ بیان بالکل اولٹا ہے اس مین تو راہ راست پر نہین بلکہ میدان گمراہی مین سرگردان ہو تجھے خبر نہین مین نے تجھپر بہت گرفت کی ہے اور سر سے پاؤن تک تو ہماری غیر محسوس زنجیرون مین جکڑا ہوا ہے مگر تجھے اس لیے معلوم نہین ہوتا کہ تو بمنزلہ کالی ہانڈی کے ہے اور کثرت سیاہی نے تیرے دل کی اصلی رنگت کو چھپا رکھا ہے تیرے دل پر زنگ کی تہین جمگئی ہین۔ حتیٰ کہ وہ اسرار بینی سے اندھا ہو گیا ہے کیونکہ قاعدہ ہے کہ جو دھوان نئی ہانڈی پر جمتا ہے وہ اگر تھوڑا بھی ہوتا ہے تو اوسکا اثر محسوس ہوتا ہے اور راز اس کا یہ ہے کہ اس وقت ہانڈی کی رنگت دہوین کے رنگ کے مخالف ہوتی ہے اور یہ قاعدہ ہے کہ ایک ضد دوسری ضد سے معلوم ہوتی ہے چنانچہ سفیدی پر سیاہی بہت صاف نظر آتی ہے اس لیے اوس دھوین کا تھوڑا اثر بھی محسوس ہوتا ہے اور جب ہانڈی دہوین سے بالکل کالی ہوجاتی ہے اس وقت بھلا دھوان کیا معلوم ہوسکتا ہے پس تجھے اپنے گناہون کا اثر اس لیے محسوس نہین ہوتا کہ تیرا دل بالکل سیاہ ہو گیا ہے۔ ہان اگر قلب صاف ہوتا تو معلوم ہوسکتا تھا علیٰ ہذا اگر کوئی لوہار زنگی ہو تو چونکہ دھوین کی رنگت اوس کے رنگ کے موافق ہے اس لیے اوس پر دھوین کا اثر ظاہر نہین ہوسکتا۔ اور اگر لوہار رومی ہو تو اوسکے مونھہ پر دھوین کے دھبے محسوس ہون گے۔ اور وہ ابلق معلوم ہوگا پس جب تک دل صاف ہوتا ہے اس وقت تک اوسکو گناہ کا اثر محسوس ہوتا ہے اور وہ حق سبحانہ کے سامنے گریہ وزاری کرتا ہے اور جب وہ گناہ پر اصرار کرتا ہے اور بدکاری کو اپنا پیشہ بنا لیتا ہے۔ اس وقت اسکی چشم قلب مین خاک پڑجاتی ہے۔ اور وہ اندھی ہوجاتی ہے اوس کو گناہ کا اثر نظر نہین آتا۔ اور توبہ کا اوسکو خیال بھی نہین آتا اور گناہ مین اوس کے دل کو لذت آنے لگتی ہے۔ اور نتیجہ یہ ہوتا ہے۔ کہ دین ہی کو چھوڑ بیٹھتا ہے (اعاذنا اللہ منہ) کثرت معاصی کا خاصہ یہ ہے کہ پشیمانی اور دعا اوس سے بالکل رخصت ہوجاتی ہے اور زنگ کی بہت سی تہین اوس کے دل پر جم جاتی ہین۔ جون جون وہ گناہ کرتا ہے اوس کے دل پر زنگ جمتا جاتا ہے اور وہ زنگ اوس کے لوہے (دل) کو کھانے لگتا ہے۔ اور اوس کے قلب صافی مثل گوہر کے رنگ مین کمی آنے لگتی ہے بالآخر وہ بالکل زنگ آلود ہوجاتا ہے اور گناہ کا اثر محسوس نہین ہوسکتا۔ اسکو ہم ایک اور مثال سے واضح کرتے ہین دیکھو جب تم اول مرتبہ سفید کاغذ پر لکھتے ہو تو وہ نوشتہ صاف پڑھا جاتا ہے اور جب اوس لکھے ہوئے پر اور مضمون لکھو تو وہ لکھا ہوا اچھی طرح سمجھ مین نہین آتا اوس کے پڑھنے مین غلطی ہونے لگتی ہے۔ کیونکہ ایک سیاہی نے دوسری سیاہی پر پڑکر اوسکو بالکل خبط کر دیا۔ لہذا معنی کا پتہ نہین چلتا۔ اور تیسری مرتبہ اوسی پر لکھو تب تو جان کافر کی طرح بالکل سیاہ ہوجاوے گا۔ اور کچھ بھی نہ پڑھا جاوے گا۔ اسی پر اس سیاہی کو خیال کرو جو گناہ سے قلب کے اندر پیدا ہوتی ہے کہ وہ جون جون بڑھتی جاتی ہے گناہ کا احساس گھٹتا جاتا ہے اور جب بالکل سیاہ ہوجاتا ہے جب تو گناہ کا بالکل ہی احساس نہین ہوتا۔ اس وقت اور کوئی علاج نہین بجز حق سبحانہ کی پناہ کے گو اسوقت اصلاح سے مایوسی ہوجاتی ہے لیکن اس کو بمنزلہ مس کے سمجھنا چاہیے اور حق سبحانہ کی نظر رحمت کو اکسیر وہ اوس کے ناامیدی کو ایکدم مین مبدل با مید کرسکتی ہے۔ پس جب ایسی حالت ہو تو اپنی ناامیدی کو

اس دریائے رحمت کے سامنے پیش کردینا چاہیئے۔ کہ اس وقت تو ہماری بضاعت مزجاۃ یہ ہے آپ اسکو اپنی
رحمت سے کھرا مال بنا دیجیئے۔ ایسا کروگے تو اس دردلادوا سے انشاء اللہ تعالیٰ رہائی ہوجاوے گی۔ جب
شعیب علیہ السلام نے یہ واقعات اس سے بیان کئے تو اس موثر تقریر سے اس کے دل میں ایک عمدہ اثر پیدا ہوا
یعنی وہ خواب غفلت سے چونکا اور فی الجملہ متنبہ ہوا یعنی جب اوس نے یہ وحی آسمانی سنی تو کہا کہ اگر حق سبحانہ نے
مجھپر گرفت کی ہے تو اوسکی علامت بیان فرمائیے حضرت شعیب علیہ السلام نے جناب خداوندی میں التجا کی کہ
الٰہی یہ تو میری بات نہیں مانتا بلکہ نشانی طلب کرتا ہے حق سبحانہ نے جواب دیا کہ ہم پردہ پوش ہیں ہم تمہارے اوسکے
راز نہ بیان کرینگے صرف اس کے امتحان کے لیے ایک اشارہ کیے دیتے ہیں ہمارے گرفت کی ایک علامت
یہ ہے کہ وہ روزہ۔ دعا اور دیگر طاعتیں مثلاً نماز۔ زکوٰۃ وغیرہ ادا کرتا ہے لیکن ذرا بھی اوس کو دلچسپی نہیں ہوتی
گو وہ عبادتیں اور عمدہ افعال کرتا ہے مگر اون کی حلاوت سے بالکل محروم ہے صورت عبادت تو بہت
اچھی ہے مگر حقیقت اچھی نہیں ہے۔ اس لیے انکی مثال ایسی ہے جیسے اخروٹ تو بہت ہوں اور مگر کسی میں مغز
پس طاعات کے ثمرا جرو دیگر ثمرات ہونے کیلئے دلچسپی و حلاوت کی ضرورت ہے جیسطرح کہ دانہ کے درخت ہونے کے
لیے مغز کی ضرورت ہوتی ہے پس جسطرح دانۂ بے مغز پودا نہیں بن سکتا یون ہی صورت طاعات بھی حقیقت
وروح کے بغیر خیال سے زیادہ وقعت نہیں رکھتی۔ جب شعیب علیہ السلام نے اوس سے یہ نکتے بیان کئے
تو یون دنگ رہگیا جیسا کہ گدھا دلدل میں پھنس جاتا ہے۔ اچھا اب پھر ہم قصۂ شیخ کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

ایک شخص کا دعوے کرنا کہ حق تعالےٰ مجھے گناہ کی وجہ سے پکڑتا نہیں اور حضرت شعیب علیہ السلام کا اوسکو جواب دینا

شرح شبیری۔ آن یکے الخ۔ یعنی ایک شخص حضرت شعیب علیہ السلام کے زمانہ میں کہا کرتا تھا کہ خدا نے مجھسے بہت گناہ دیکھے ہیں
چند دیدا الخ۔ یعنی مجھسے کتنے ہی گناہ اور جرم دیکھے اور کرم کیوجہ سے حق تعالےٰ مجھے پکڑتا نہیں ہے۔
حق تعالےٰ الخ۔ یعنی حق تعالےٰ نے شعیب علیہ السلام کے کان میں اوس کے جواب میں راہ غیب سے کلام فصیح فرمایا کہ
کہ بگفتی الخ۔ یعنی کہ تو کہتا ہے کہ مین نے کتنے ہی گناہ کیے ہیں۔ اور کرم کی وجہ سے حق تعالےٰ نے مجھے پکڑا نہیں۔
عکس الخ۔ یعنی ارے بیوقوف تو بالعکس اور الٹی بات کہہ رہا ہے ارے تو نے راستہ تو چھوڑ رکھا ہے اور جنگل کو
اختیار کر رکھا ہے مطلب یہ کہ سرگردانی میں ہے۔ اور راہ مستقیم کو ترک کئے ہوئے ہے۔
چند الخ۔ یعنی میں نے تجھے کتنا کتنا پکڑ رکھا ہے۔ اور تو بیخبر ہے۔ تو زنجیروں میں جکڑا ہوا ہے۔ سر سے پاؤں تک
اور تجھے خبر نہیں اور اس خبر نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ۔
زنگ الخ۔ یعنی تیرے تو بر تو زنگ نے اے کالی ہانڈی تیرے دل کی شناخت کو برباد کردیا۔
بر دلت الخ۔ یعنی تیرے دل پر زنگار پر زنگار جمع ہوگئے ہیں تو وہ اسرار حق سے اندھا ہوگیا ہے۔ بات یہ ہے کہ جب
انسان گناہ کرتا ہے تو اوس کے قلب پر ایک سیاہ دھبہ لگتا ہے۔ پھر اگر وہ اوس پر مصر رہتا ہے تو وہ دھبہ بڑھتا
ہے یہانتک کہ سارے قلب کو گھیر لیتا ہے اور قلب بالکل سیاہ ہوجاتا ہے اور اول تو گناہ سے دل برا ہوتا تھا مگر

اب بوجہ سیاہ ہو جانے کے برا نہین ہوتا - بلکہ مساوات ہو جاتی ہے - اوس کے بعد جب پھر اوسی کو کرتا ہے تو اب خوش ہوتا ہے حتی کہ بزرگون نے لکھا ہے کہ اوسی طرح نوبت کفر تک پہنچ جاتی ہے فوائد الفواد مین لکھا ہے کہ جب سالک عبادت مین کوتاہی کرتا ہے تو اگر جلدی سے توبہ و استغفار کر کے بدستور پھر سرگرم ہو گیا تو پھر سالک بن جاوے گا اور خدانخواستہ اگر وہی غفلت رہی تو اندیشہ ہے کہ کہین راجع یعنی واپس نہ ہو جاوے - اس راہ کی لغزش کے سات درجہ ہین - اعراض - حجاب - تفاصل - سلب مزید - سلب قدیم - تسلی - عداوت - اول اعراض ہوتا ہے اگر معذرت و توبہ نہ کی تو حجاب ہو گیا - اگر پھر بھی اصرار رہا تفاصل ہو گیا - اگر اب بھی استغفار نہ کیا تو عبادت مین جو ایک زائد کیفیت ذوق و شوق کی تھی وہ سلب ہو گئی یہ سلب مزید ہے - اگر اب بھی اپنی بیہودگی نہ چھوڑی تو جو راحت و حلاوت کہ زیادتی کے قبل اصل عبادت مین تھی وہ بھی سلب ہو گئی - اس کو سلب قدیم کہتے ہین - اگر اس پر بھی توبہ مین تقصیر کی تو جدائی کو دل گوارا کرنے لگا یہ تسلی ہے - اگر اب بھی وہی غفلت رہی تو محبت مبدل بعداوت ہو گئی - نعوذ باللہ منہا تو ارشاد ہوا کہ چونکہ تیرا قلب معاصی سے سیاہ ہو گیا ہے اس لئے تجھے اس کا بھی احساس نہین ہے کہ مین کس شئے مین گرفتار ہون اور تجھے گناہ کر کے کچھ کلفت نہین ہوتی آگے مثال ہے -

گر زند الخ - یعنی اگر وہ دھوان کسی نئی ہانڈی پر لگ جاوے تو اس کا بھی اثر دکھائی دے گا اگرچہ ایک جو کے برابر ہو -

زانکہ الخ - یعنی اس لیے کہ ہر شے اپنی ضد کی وجہ سے ظاہر ہوتی ہے تو سفیدی پر تو وہ سیاہی رسوا ہو جاوے گی -

چون سیہ شد الخ - یعنی اور جبکہ ہانڈی دھوین کی تاثیر سے بالکل سیاہ ہو گئی ہے تو اسکے بعد اوس پر کون سیاہی کو دیکھے گا اسی طرح جب قلب صاف ہوتا ہے تو تھوڑی سی معصیت کا اثر بھی فوراً معلوم ہو جاتا ہے اور اندر سے طبیعت خراب رہتی ہے اور اگر قلب مسخ ہو چکا ہو اور سیاہ ہو گیا ہو اور اس کے بعد تو اوس پر اور تو بر تو چڑھتے چلے جاوینگے ، خاک بھی تمیز نہ ہو گی اور بالکل مساوات ہو جاویگی - اسی کی آگے ایک اور مثال ہے -

مرد آہنگر الخ - یعنی لوہار چونکہ حبشی ہو تو اوسکے منہ کے ساتھ تو دھوان ہمرنگ ہو جاوے کہ خاک بھی تمیز نہ ہوگا -

مرد رومی الخ - یعنی اگر رومی آدمی آہنگری کا کام کرے تو اسکا منہ ابلق ہو جاوے گا اس دھوین کی وجہ سے تو اسی طرح جب قلب نور فطرتی سے منور ہوتا ہے تو اوس پر تو ذرا سا دھبہ بھی گناہ کا محسوس ہو جاتا ہے اور بدنما کر کے بے چین کر دیتا ہے مگر جب اصرار کی وجہ سے مسخ ہو گیا تو اب کچھ پتہ نہین چلتا -

پس بداند الخ - یعنی پس جان لیتا ہے جلدی ہی گناہ کی تاثیر یہان تک کہ زاری کرتا ہے اور حق تعالیٰ سے دعا کرتا ہے مطلب یہ کہ جب قلب درست ہوتا ہے تو فوراً گناہ کی تاثیر معلوم ہو جاتی ہے - اور حق تعالیٰ سے تضرع وزاری کرتا ہے تو معاف ہو کر پھر وہی حالت ہو جاتی ہے -

چون کند الخ - یعنی جبکہ اصرار کرتا ہے اور برائی کا پیشہ کر لیتا ہے اور فکر کی آنکھ مین خاک ڈالتا ہے یعنی کچھ سوچتا ہی نہین تو پس بے فکر ہو جاتا ہے تو اب حجاب شروع ہوتا ہے -

توبہ نندیشد سالخ - یعنی توبہ نہین کرتا یہانتک کہ وہ گناہ اوس کے قلب پر شیرین ہو جاتا ہے - یہانتک کہ بیدین ہو جاتا ہے وہی جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے کہ جب حجاب بڑھتا ہے تو بڑھتے بڑھتے عداوت تک نوبت پہنچتی ہے جو کہ درجہ کفر کا ہے نعوذ باللہ -

آن پشیمانی الخ - یعنی وہ پشیمانی اور دعا اوس سے جاتی رہتی ہے اور اوس کے آئینہ پر ساٹھ تہ زنگ کی بیٹھ جاتی ہین شست مخفف ہے نشست کا مطلب یہ کہ اصرار کی زیادتی سے وہ ساری دعائین اور ندامت جاتی رہتی ہو اور اب وہ گناہ شیرین ہو جاتا ہے - نعوذ باللہ پھر یہ حالت ہوتی ہے کہ -

آہنش را الخ یعنی اوس کے لوہے کو زنگ نے کھانا شروع کیا اور اوس کے گوہر کا رنگ کم کرنا شروع کر دیا - یہانتک کہ بالکل بے رونق کر دیتا ہے اور اوسکی ساری آب اور نور جاتا رہتا ہے آگے اس کی مثال فرماتے ہین کہ -

چون الخ - یعنی جب تم سفید کاغذ پر لکھو تو وہ لکھا ہوا تو پڑھنے مین نظر آوے گا -

چون الخ - یعنی اگر اوس لکھے ہوئے پر اور لکھدو - تو اب سمجھ مین نہ آویگا - اور پڑھنے مین غلط ہو جاوے گا -

کان الخ - یعنی اسلیے کہ وہ سیاہی سیاہی پر گر پڑی ہے تو دونون خط اندھے ہو گئے اور معنی سمجھ مین نہ آئے -

ور سوم الخ - یعنی اور اگر تیسری دفعہ اوس پر اور لکھدیا تو اب تو بالکل جان کافر کی طرح سیاہ ہی کر دیا - تو اسیطرح جب اول بار گناہ ہوا تو قلب پہلے سے صاف تھا فوراً نظر آگیا اور معلوم ہو گیا کہ یہ لغزش ہوئی ہے - فوراً توبہ و استغفار کر لی اگر پھر اصرار رہا تو اور زیادہ گوبڑ پڑی اور اگر اب بھی باز نہ آیا تو اب تو قلب بالکل سیاہ ہو گیا - اور مسخ ہو گیا نعوذ باللہ یہ سب کچھ کہکر آپ چونکہ شیخ کامل ہین نا امید نہین فرماتے - بلکہ یہ ساری حالتین بیان فرما کر کہتے ہین -

پس الخ - یعنی پس اب سوائے چارہ گر کی پناہ کے اور کیا علاج ہے اس لیے کہ نا امیدی تو مس ہے اور اوس چارہ گر کی نظر کیمیا ہے - چارہ گر سے مراد حق تعالےٰ ہین مطلب یہ ہے کہ اب کوئی امید تو رہی نہین کہ اصلاح اور نجات ہو سکے لہذا علاج یہ ہو کہ ان نا امیدیون کو حق تعالےٰ کے سامنے پیش کر دو کہ یا الٰہی اور تو کچھ ہے نہین بس نا امیدی ہے اگر آپ کا فضل ہو تو سب کچھ ہے تو چونکہ اس مین اعتراف خطا اور عاجزی کا اظہار ہے لہذا ضرور فضل متوجہ ہوگا - اور یبدل اللہ سیاٰتہم حسنات کے بموجب انکے سیٔات حسنات ہو جاوین گے تو دیکھو باوجود ابتر خوار حالت ہو جانے کے بھی نا امید نہ ہونا چاہیے بلکہ -

نا امیدیہا الخ - یعنی ان نا امیدیون کو اوس کے سامنے رکھدو تاکہ اس مرض لاعلاج سے باہر نکل جاؤ - اور پھر مقبول ہو جاؤ سبحان اللہ کیا رحمت ہے اور کیسی آسانی ہے - اگر اب بھی کوئی محروم رہے تو رہے بس اسکو ختم کر کے پھر اوس آدمی کا اور شعیب علیہ السلام کا قصہ بیان فرماتے ہین کہ یہ تو سب وحی کی روایت بالمعنی تھی اور کچھ اپنی طرف سے بیان تھا آگے فرماتے ہین -

چون الخ - یعنی جب شعیب علیہ السلام نے وہ نکات اوس سے کہے تو اوسی وقت اوس کے دل مین ایک پھول کھلا مطلب یہ کہ اوس کے دل مین اسکا اثر ہوا اگرچہ اوس نے اس اثر سے کوئی نفع حاصل نہ کیا مگر ایک اثر اوس کو محسوس ہوا اور ایک نور قلب مین معلوم ہوا -

جان الخ - یعنی اوسکی جان نے وحی آسمان کو تو سن لیا مگر بولا کہ اگر ہمکو پکڑا ہے تو کیا علامت ہے مطلب یہ کہ اول تو اوس کو ایک انشراح پیدا ہوا مگر پھر اوسکو شبہ ہوا اور اوس نے کہا کہ یہ جو فرماتے ہین کہ ہم نے اب بھی پکڑ رکھا ہے یہ اون کے کہنے سے تو ہم نان لین مگر ہمارے لیے بھی تو کوئی نشانی ایسی ہونی چاہیے جس سے ہم بھی پہچان لین کہ ہان یہ گرفتار کر رکھا ہے - جب اوس نے یہ اعتراض کیا تو شعیب علیہ السلام نے پھر حضرت حق مین عرض کیا کہ -

گفت الخ - یعنی عرض کیا کہ یا الٰہی وہ تو مجھ پر اعتراض کرتا ہے اور اس پکڑنے کی نشانی کو تلاش کرتا ہے دیکھیے

انبیا علیہم السلام کی کیا شان ہے کہ حضرت شعیب علیہ السلام اوس شخص کو خود بھی جواب دے سکتے تھے اسلیے کہ آخر نبی تھے اور ایک عامی شخص تھا مگر خود جواب نہین دیا۔ بلکہ حضرت حق ہی مین عرض کیا جیسے کہ بچہ ماں سے پوچھا کرتا ہو کہ اب مین کیا کہون وہ کستی ہو کہ بیٹا یون کہدو اسطرح آپنے عرض کیا کہ یا اللہ وہ تیرے اوپر اعتراض کرتا ہو اب کیا کہون سبحان اللہ اسپر ادھر سے ارشاد ہوتا ہو کہ گفت الخ۔ یعنی ارشاد ہوا کہ مین ستار ہون مین اوس کا راز نہ کھونگا بجز ایک اشارہ کے کہ وہ بھی اوس کے ابتلا کے لیے مطلب یہ کہ ارشاد ہوا کہ میری شان ستاری کی ہے مین اوس کا راز فاش نہ کرونگا ہے تاکہ تم سے بھی نہین کہتا ہان اوس کے جتلانے کو ایک بات بتاتا ہون کہ جس سے اوس کو معلوم ہو جاوے گا۔ کہ بے شک گرفت اس وقت بھی ہو رہی ہے سبحان اللہ والحمد للّٰہ یہ رحمت ہو اور یہ عنایت ہو یہ اسقدر ستاری ہو اور ہم وہ نالائق کہ باز نہ آوین اے اللہ تو ہی گناہون سے بچنے کی توفیق عطا فرما اور ہماری عیوب کو پوشیدہ رکھ اور ہماری مغفرت فرما آگے اور ارشاد ہے کہ۔

یک نشانی الخ۔ یعنی ایک نشانی اس کی کہ اوسکو مین نے پکڑ رکھا ہو یہ ہے کہ وہ جو کچھ عبادت روزہ اور دعا کرتا ہو وز نماز الخ۔ یعنی اور نماز اور زکوۃ وغیرہ لیکن ایک ذرا ذوق اوسکو حاصل نہین ہے۔ مطلب یہ کہ اس بات کو یہ خود دیکھ لے کہ اس کو عبادت مین جو لطف پہلے آتا تھا اور جو ذوق حاصل تھا اب اوس کا شمہ بھی کہین باقی نہین ہو بس دل پتھر ہو گیا ہے کہ اوس مین کسی چیز کا اثر ہی نہین ہوتا۔ یہی گرفت ہے جسکو کہ اصطلاح مین سلب قدیم کہتے ہین جو کہ حجاب کا پانچوان درجہ ہے والعیاذ باللہ اور فرماتے ہین کہ۔

میکند الخ۔ یعنی بہت سے نیک کام اور دعائے حسنیہ کرتا ہے لیکن ذرا بھی چاشنی نہین رکھتا۔

طاعتش الخ۔ یعنی اوس کی طاعت (بظاہر تو) اچھی ہے مگر اوس کے معنی اچھے نہین ہین جوز تو بہت ہین اونمین مغز نہین ہے۔ مطلب یہ ہے کہ یہ عبادتین کرتا ہے مثلاً روزہ رکھتا ہے نماز پڑھتا ہے مگر چونکہ اون مین خلوص نہین ہوتا لہذا وہ صرف صورت مین تو اچھی ہوتی ہین مگر اصل اور معنی کے اعتبار سے بالکل فضول اور موجب نقص ہوتے ہین آگے مولانا فرماتے ہین کہ۔

ذوق باید الخ۔ یعنی ذوق چاہئے تاکہ طاعات پھل دین اور مغز چاہئے تاکہ دانہ درخت دے مطلب یہ کہ دیکھو اگر دانہ کو گھن کھا جاوے اور اوسمین سے مغز کو خالی کر دے تو ہرگز درخت پیدا نہین ہو سکتا۔ اسی طرح جب طاعت مین خلوص اور ذوق نہو تو اوس سے بھی ثواب حاصل نہین ہو سکتا خوب سمجھ لو۔

دانۂ بے مغز الخ۔ یعنی دانۂ بے مغز کب نہال ہو سکتا ہے اور صورت بیجان بجز خیال کے اور کیا ہو گی۔ مطلب یہ کہ دیکھو تصویر جو بیجان ہے وہ محض خیالی صورت ہے ورنہ اصل مین اوسکو صورت کہان کہہ سکتے ہین اسیطرح جب طاعت مین خلوص اور ذوق نہوا تو وہ طاعت ہی کیا ہے صرف صورت طاعت ہو اور کچھ بھی نہین ہو۔

چون الخ۔ یعنی جب شعیب علیہ السلام نے ان نکتون کو اوسپر پڑھا تو فکر کیوجہ سے گدھے کی طرح گارے مین دھنسا ہوا رہ گیا مطلب یہ کہ ان باتون کو سن کر اوسے فکر بہت ہوا اسلیے کہ آخر تو مسلمان ہی تھا آگے معلوم نہین کہ کیا ہوا اوسکو یہان ختم فرما کر آگے اوس معترض اور شیخ فرید کے قصہ کو پورا فرماتے ہین کہ۔

شرح حبیبی

آن خبیث از شیخ می لائید ژاژ		کژ نگر باشد ہمیشہ عقل کاژ	

که منم بر حال زشت او گواه / خمر خوارست و بدو کارش تباه

دیدمش اندر میانِ مجلسے / او ز تقوے عاریست و مفلسے

ور که باورنیستت خیز امشبان / تا ببینی فسق شیخت را عیان

شب ببردش بر سر یک روزنے / گفت بنگر فسق و عشرت کردنے

بنگر آن سالوس روز و فسق شب / روز همچون مصطفیٰ شب بولهب

روز عبدالله او را گشته نام / شب نعوذ بالله و در دست جام

دید شیشه در کف آن شیخ پر / گفت شیخا مر ترا هم هست غره

تو نمی گفتی که در جام شراب / دیو می میزد شتاب اندر شتاب

گفت جامم را چنان پر کرده اند / کاندرونش می نگنجد یک سپند

بنگر اینجا هیچ گنجد ذره / این سخن را گر شنیده غره

جام ظاهر خمر ظاهر نیست این / دور دار این را ز شیخ دوربین

جامِ مے هستی شیخ ست ای فلیو / کاندرو اندر نگنجد بول دیو

پر و مالامال از نور حق است / جام تن بشکست نور مطلق است

نور خورشید ار بیفتد بر حدث / او همه نورست نپذیرد خبث

شیخ گفت این خود نه جام است و نه مے / هین بزیر آ منکرا بنگر بوے

آمد و دید انگبین خاص بود / کور شد آن دشمن کور و کبود

گفت پیر آندم مرید خویش را / رو برائے من بجو مے اے کیا

که مرا رنجیست مضطر گشته ام / من ز رنج از مخمصه بگذشته ام

در ضرورت هست هر مردار پاک / بر سر منکر ز لعنت باد خاک

گرد خمخانه برآمد آن مرید / بهر شیخ از هر خمے او مے چشید

در همه خمخانه‌ها او مے ندید / گشته بد پر از عسل خم نبیذ

گفت اے رندان چه حالست این چه کار / هیچ خمے در نمی یابم عقار

جمله رندان نزد آن شیخ آمدند / چشم گریان دست بر سر میزدند

در خرابات آمدی شیخ اجل / جمله مے‌ها از قدومت شد عسل

کرده مے را تو مبدل از حدث / جان ما را هم بدل کن از خبث

گر شود عالم پر از خون مال مال / کے خورد بنده خدا الا حلال

چونکہ وہ معترض خبیث کج فہم تھا اور کج فہم غلط سمجھتا ہی ہے اس لیے وہ اپنی غلط فہمی کی بنا پر بیہودہ بکواس کر رہا تھا اور کہہ رہا تھا کہ مین نے بچشم خود اسکی ناگفتہ بہ حالت دیکھی ہے وہ شراب خوار بدکار تباہ کار ہے - چونکہ مین نے اوس کو بچشم خود رندون کی مجلس مین دیکھا ہے اس لیے مین وثوق کے ساتھ کہتا ہون کہ وہ

تقوے سے بالکل خالی اور نیکی سے بالکل تنگدست ہے اگر تجھے میرا یقین نہین تو آج ہی رات کو چل اور اپنے
شیخ کا فسق اپنی آنکھ سے دیکھ لے غرض رات ہوئی اور اس نے اس مرید کو لیجا کر ایک سوراخ میں کھڑا کر دیا۔ اور
کہا کہ دیکھ حضرت کیسی بدکاری کر رہے ہین اور کیسے مزے اڑا رہے ہین اب تم اندازہ کر لو کہ دن کو کیسا بہروپ
بھرتے ہین اور رات کو کس فسق مین مبتلا ہوتے ہین دن کو تو ایسے معلوم ہوتے ہین جیسے محمد رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم ہون۔ اور رات کو دیکھیے تو کئے ابولہب ہین دن کو تو بندہ خاص حق سبحانہ کہلاتے ہین اور رات کو
اس قابل ہین کہ ان سے پناہ مانگی جائے اور جام شراب ہاتھ مین ہے۔ جب اوس نے شیخ کے ہاتھ مین
بھرا ہوا جام دیکھا تو کہا کیون جناب آپ بھی بہک گئے کیا آپ یہ نہ فرماتے تھے کہ جام شراب مین شیطان پیشاب
کردیتا ہے یہ خودرا فضیحت دیگران را نصیحت کیسی۔ شیخ نے جواب دیا کہ میرا جام سقدر لبریز ہے کہ اسمین اصلا
گنجائش نہین تو دیکھ لے کہ اسمین ایک ذرہ سمانے کی بھی گنجائش ہے۔ لیکن اس بہکے ہوئے نے اس کلام کو غلط محل پر
حمل کیا اور سمجھا کہ شیخ تاویل کرتا ہے اور کہتا ہے کہ جب جام شراب معروف اوچھا ہو اس وقت شیطان موتتا
ہے اور اگر بالکل لبالب ہو تو نہین موتتا لیکن شیخ کی مراد جام شراب سے جام متعارف اور شراب سے شراب
متعارف نہ تھی۔ خدا نکرے کہ اس دور مین اور عارف شیخ کی یہ مراد ہو۔ بلکہ جام سے جام ہستی شیخ مراد ہے اور مقصد
یہ ہے کہ ہستی شیخ مین وسوسہ شیطانی کی گنجائش ہی نہین کہ نفس تو معصیت پر آمادہ کر سکے۔ وہ نور حق سبحانہ سے پر اور
لبریز ہے وہ خواہشات نفسانیہ کو فنا کر چکا ہے۔ اور نور ہی نور ہو گیا ہے اس پر تمکو شبہ نہ ہونا چاہیے کہ ممکن گندہ
سے نور پاک کو کیا نسبت اگر وہ نور اس پر پڑے تو وہ بھی گندہ نہ ہو جاوے۔ پھر شیخ پر وہ نور کیونکر پڑ سکتا ہے۔ ایسے
کہ دیکھو نور آفتاب نجاست پر پڑتا ہے مگر وہ اس سے ناپاک نہین ہوتا۔ بلکہ ایک معتدبہ پاکی اس نجاست ہی کے
اندر پیدا کر دیتا ہے۔ اس کے بعد شیخ نے کہا کہ میان بات یہ ہے کہ نہ یہ شراب ہے اور نہ جام شراب اے منکر
تو نیچے اوتر اور ادھر کر دیکھ لے۔ پس وہ آیا اور آکر دیکھا تو شہد خالص تھا دیکھتے ہی وہ دشمن اندھا ہو گیا
یعنی اوسکا اندھا پن ثابت ہو گیا۔ اسکے بعد شیخ نے اس مرید سے کہا کہ جاؤ میرے لیے شراب تلاش کرو۔
کیونکہ مجھے تکلیف ہے جس سے مین مضطر ہون اور اس تکلیف سے میری حالت حالت مخمصہ سے بھی بڑھ گئی ہے
اور ضرورت ملجیہ سے ناپاک شئے حلال ہو ہی جاتی ہے۔ جو شخص اس حلت کا منکر ہو اوسکے سر پر لعنت کی خاک
پڑے۔ کہ وہ نص قرآنی کا انکار کرتا ہے اس مین شیخ نے بضرورت توریہ سے کام لیا ہی کیونکہ ظاہر مطلب تو اس کا یہ ہے
کہ مین تکلیف سے جان بلب ہون اور میری جان شراب پینے سے بچ سکتی ہے لہذا تم شراب لاؤ۔ کیونکہ ایسے وقت
مین شریعت نے شراب پینے کی اجازت دی ہے۔ مگر اصل مقصد یہ ہے کہ مین تجھے شراب لانے کا حکم دیتا ہون۔ کیونکہ
اس مین ایک ضرورت ہے یعنی تجھے سوء ظن سے بچانا۔ یہ حکم سن کر وہ مرید سارے شراب خانہ مین
گھوما۔ اور شیخ کی خاطر ہر خم مین سے تھوڑا تھوڑا سا چکھتا تھا۔ مگر کسی شراب خانہ مین بھی اسے
شراب نہ ملی۔ جہان گیا یہی دیکھا کہ شراب کے سارے مٹکے شہد سے بھرے ہوئے ہین۔
اس نے گھبرا کر کہا کہ ارے رندو یہ کیا بات ہے کہ مجھے کسی مٹکے مین شراب نہین ملتی
جب انہون نے دیکھا تو انہون نے بھی شہد ہی پایا۔ آخر سب کے سب شیخ کی خدمت مین

روتے پیٹتے حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ حضور شرابخانہ میں تشریف لائے تو حضور کی تشریف آوری کی برکت سے ساری شراب شہد بنگئی جب آپ نے شراب کو نجاست و حرمت سے مبدل بطہارت و حلت فرمادیا۔ تو ہماری جانوں کو بھی نجاست سے مبدل بطہارت فرمادیجیے غرض اہل اللہ پر حرام خواری کا گمان بالکل غلط ہے اونکی حالت تو یہ ہے کہ اگر تمام عالم اشیائے محرمہ سے پُر ہو جاوے۔ یہ لوگ تب بھی حلال ہی کھائینگے اور حق سبحانہ اون کے لیے رزق حلال کا غیب سے سامان کر دینگے۔ پھر کیسے ممکن ہے کہ حلال کے ہوتے ہوئے حرام کھائیں۔ اب ہم اس کی تائید مین ایک حدیث سناتے ہین سُن۔

شیخ پر طعنہ کرنے اور مرید کے جواب دینے کے قصہ کا تتمہ

شرح شبیری۔ آن الخ۔ یعنی وہ خبیث طاعن شیخ کو بیہودہ کہہ رہا تھا اس لیے کہ بھنگا تو ہمیشہ کج ہی دیکھتا ہے۔ مطلب یہ کہ چونکہ اوس کی چشم بصیرت درست نہ تھی اس لیے اوسکو شیخ کے اندر عیوب ہی نظر آتے تھے۔ اور کمالات پوشیدہ ہو رہے تھے اور وہ یہ کہہ رہا تھا۔

کہ منم الخ۔ یعنی کہ مین اوسکی بدحالی پر گواہ ہون وہ تو شرابی ہے اور بُرا ہے اوسکی حالت بالکل تباہ و برباد ہے۔

دیدمش الخ۔ یعنی مین نے اوس کو ایک مجلس (رندان) مین دیکھا ہے۔ وہ تو تقوے سے بالکل عاری اور مفلس ہے۔

ور کہ الخ۔ یعنی اور اگر تجھے یقین نہین ہے تو چل آج کی رات تاکہ تو اپنے شیخ کا فسق کھلم کھلا دیکھ لے۔

شب بہ بردش الخ۔ یعنی وہ معترض اوسکو رات کو ایک سوراخ پر لے گیا اور کہا کہ فسق و عشرت کرنا دیکھ۔

بنگر الخ۔ یعنی دیکھ یہ دن کا مکر اور رات کا فسق۔ دن کو تو مصطفے صلی اللہ علیہ وسلم کیطرح (ہدایت مین) اور رات کو بولہب کیطرح (گمراہی مین)

روز الخ۔ یعنی دن کو تو عبداللہ نامی ہین اور رات کو نعوذ باللہ ہے اور ہاتھ مین جام ہے مطلب یہ کہ دن کو تو متواضع اور منکسر المزاج ایسے کہ جسکا حد و حساب نہین اور رات کو ایسی حالت مین ہے نعوذ باللہ۔

دید شیشہ الخ۔ یعنی اون شیخ کے ہاتھ مین بھرا ہوا گلاس دیکھا تو وہ معترض بولا کہ شیخ جی آپ کو دھوکا ہو رہا ہے مطلب یہ کہ جناب اسوقت تو آپ بھی گمراہی اور دھوکہ مین ہین۔

تو نمی گفتی الخ یعنی کیا آپ کہا نہین کرتے کہ شراب کے جام مین شیطان کوشش کرکے بہت جلد موت دیتا ہے۔ تو اب وہ سارے نصائح و پند کہان گئین آپ تو خود پی رہے ہو۔ بات یہ ہے کہ اوس مرید کی تو کیا مجال تھی اور کیا ہمت تھی کہ کچھ بولتا اور عرض کر سکتا لہذا اوس معترض نے اس لیے تاکہ اوس مرید کو شاید اب بھی نظر کی غلطی کا شبہ ہو اون سے سوال کرکے آواز بھی سنادی کہ اب تو یقین آوے گا کہ بے شک پیر صاحب ہی ہین جب اونھون نے اس کی آواز سنی تو چونکہ یہ تو معترض تھا اس لیے اوس کو تو ایک لطیف جواب دیکر ٹال دیا کہ۔

گفت الخ۔ یعنی فرمایا کہ ہمارے جام کو اسقدر بھرا ہے کہ اوس مین ایک رائی کا دانہ بھی نہین سما سکتا۔

بنگر الخ یعنی دیکھ اس جگہ کہین ذرہ سماتا ہے تو اس معترض نے اس بات کو کج اور دھوکا سنا۔ مطلب یہ کہ شیخ نے کہا کہ ارے بیوقوف ہمارے جام کو اسطرح بھر دیا ہے کہ اوس مین کہین ایک ذرہ برابر اور نہین بھر سکتے تو پھر بیچارا شیطان کیا موت سکتا ہے۔ اس مین اوس کے موتنے کی جگہ ہی نہین ہے۔ یہ تو ظاہر الفاظ تھے آگے

مولانا اوس کی توجیہ اور معانی اصلی بیان فرماتے ہین کہ۔
جام الخ۔ یعنی یہ جام ظاہرا اور شراب ظاہر (مراد) نہین ہے اس بات کو شیخ غیب مین سے دور رکھو مطلب یہ کہ جو حضرات کاملین ہین اور اولیاء اللہ ہین اونکی شان مین ایسی بدگمانی نہ کرنی چاہیئے۔ وہ ہرگز ایسے نہین ہین کہ اون کی مراد یہ خمر ظاہری اور جام ظاہری ہو بلکہ۔
جام مے الخ۔ یعنی ارے بیہودہ جام سے (اسے مراد) شیخ کی ہستی ہے کہ اوس مین شیطان کے پیشاب کی گنجائش نہین ہے پرُ وما لا الخ یعنی بھرا ہوا اور مالا مال نور حق سے ہے جام تن تو ٹوٹ گیا ہے اور اب وہ نور مطلق ہی ہے۔ مطلب یہ کہ شیخ نے جو کہا کہ میرا جام اسقدر پُر ہے کہ اوس مین بول شیطان کی گنجائش نہین اس سے مراد یہ ہے کہ ہماری ہستی کا جام انوار حق سے اسقدر پُر اور بھرا ہوا ہے کہ اوس مین اب مکائد شیطانی کی اور اوس کے اغوا کی گنجائش ہی نہین رہی ہے اور ہم بالکل نور ہی نور ہوگئے ہین۔ تو اوس نور کا اثر ہمارے جسم و روح مین آگیا ہے مگر ہماری مقتضیات کا اثر اوس نور مین نہین ہوا۔ تاکہ صدور منکر کا احتمال ہوتا۔ یہان تو اوس نور کی وجہ سے محفوظ و مامون ہوگئے ہین آگے مولانا ایک مثال لاتے ہین کہ۔
نور خورشید الخ۔ یعنی نور خورشید کا اگر ناپاکی پر پڑے تو وہ وہی نور ہے وہ ناپاکی کو قبول نہ کریگا۔ تو اسیطرح جبکہ نور حق ہستی انسانی پر پڑے گا تو وہ تو نور ہی رہے گا۔ اوس مین اس ہستی کے مقتضیات ہرگز مخل نہون گے بلکہ خود بھی نور ہو جاویگی تو جب ہستی شیخ پر نور حق پڑ رہا ہے تو پھر اوس سے صدور منکر کا کس طرح احتمال ہو معلوم ہوا کہ یقیناً اوس دیکھنے والے کو دھوکا ہوا ہے اور اصل مین وہ شراب تھی ہی نہین بلکہ وہ شہد تھا جیسا کہ آگے معلوم ہوتا ہے کہ۔
شیخ الخ۔ یعنی شیخ نے کہا کہ وہ نہ خود جام ہے اور نہ شراب ہے۔ ارے منکر نیچے آ اور اسکو دیکھ تو سہی۔
آمد و دید الخ۔ یعنی وہ معترض آیا تو دیکھا کہ شہد خالص تھا تو وہ نالائق اندھا دشمن بالکل حیران رہ گیا۔ اس لیے کہ وہ تو اور کچھ سمجھے ہوئے تھا۔ اور نکلا کچھ اور۔ خیر اس کو تو وہ جواب دیکر اور یہ دوسرا جواب دکھا کر روانہ کیا مگر چونکہ حقوق مریدین سے شیخ پر یہ بھی ضروری ہے کہ وہ مرید کو اپنی طرف سے بدگمان ہونے نہ دے اس لیے اگر وہ بدگمان ہوگیا تو پھر نفع بند ہو جاوے گا۔ لہذا آگے اوس مرید کو سنبھالا اس طرح کہ۔
گفت پیر الخ۔ یعنی اوسوقت پیر نے اپنے مرید سے یہ فرمایا کہ میان میرے لیے ذرا تھوڑی سی شراب تلاش کر لو۔
کہ مرا الخ۔ یعنی کہ مجھے ایک مرض ہے کہ مین مضطر ہو گیا ہون اور مین مرض کی وجہ سے مخمصہ سے بھی گذر گیا ہون۔
در ضرورت الخ۔ یعنی ضرورت مین تو ہر مردار پاک ہے اور منکر پر لعنت کی خاک پڑے۔ مطلب یہ کہ شیخ نے اوس مرید سے یہ بات ظاہر کی کہ بھائی مین مریض ہون اور حالت اضطرار کو پہونچ گیا ہون۔ بلکہ حالت مخمصہ سے جسمین کہ شراب بھی جائز ہے میری حالت زیادہ اضطرار کی ہے۔ اور اطبا نے کہا ہے کہ تمہاری یہی دوا ہے اس لیے مجبوراً پیتا ہون وہ تو منکر اور معترض تھا تم تو اپنے دوست ہو تم سے کیا پردہ کیا جاوے۔ اس لیے ذرا تم ان شرابون مین سے شراب تلاش کرو کہ جو ذرا اچھی ہو اور تیز سی ہو وہ ایک جام لے آؤ وہ تو مرید تھا اوس کو تو بے علت دریافت کئے ہوئے بھی عمل کرنا تھا اور جبکہ علت اور اضطرار بھی معلوم ہو گیا اب تو تعمیل ارشاد مین کوئی حجت ہی نہ تھی اس لیے وہ فوراً تلاش شراب کرنے لگا۔

گرد خمخانہ الخ۔ یعنی وہ مرید خمخانہ کے گرد پھرا اور شیخ کے لیے ہر مٹکے میں سے چکھ رہا تھا۔
در ہمہ الخ۔ یعنی سارے مٹکون مین اوس نے شراب نہ دیکھی اور وہ شراب کے مٹکے شہد سے بھرے ہوئے تھے
مطلب یہ ہے کہ جب وہ تلاش مین چلا تو اوسکو ہر مٹکے مین شہد نظر آتا تھا اوسکو تعجب ہوا اور اوس نے رفع شبہ کے لیے چکھ بھی لیا تو واقعی شہد تھا یہ نہین کہ شراب کو چکھتا پھرتا تھا نہین بلکہ اوسکو وہ شہد نظر آتا تھا تب رفع شبہ کے لیے اوسکو چکھتا تھا تو یقین ہو جاتا تھا کہ بے شک شہد ہے غرضکہ سارے خم دیکھے مگر سب مین شہد ہی پایا کسی ایک مین بھی شراب نہ دیکھی۔ اب یہ شبہ تو نہ رہا کہ وہ شیخ شراب پی رہے تھے بلکہ حق تعالے نے اون کے لیے تبدیل ماہیت کرکے شراب کو شہد بنا دیا تھا۔ مگر یہ شبہ رہا کہ اچھا یہ حضرت وہان تشریف کیون لے گئے اسی کی کیا ضرورت تھی تو بات یہ ہے کہ بزرگون کی بہت مختلف شانین ہوتی ہین اون مین سے بعض پر مقتدائیت غالب ہوتی ہے اور بعض مین نہین۔ تو جن پر مقتدائیت اور شان ارشاد غالب ہو اون کو تو ایسا کرنا ہرگز مناسب نہین ہے اور نہ وہ کرتے ہین اس لیے اس سے اون کے معتقدین کی گمراہی کا خوف ہوتا ہے لیکن جن حضرات پر شان ارشاد غالب نہین ہوتی وہ بعض مرتبہ ایسا کرتے ہین کہ مجالس نامشروعہ مین بھی چلے جاتے ہین اس لیے کہ اونکی ذات سے کسی کو نقصان تو پہونچ ہی نہین سکتا لہذا وہ جاتے ہین اور مقصود اونکا یہ ہوتا ہے کہ وہان جاکر اپنی نسبت باطنی سے اون لوگون کو ہدایت فرما دین ایسے حضرات کو ملامتی کہا جاتا ہے تو یقیناً ان حضرات کی شان ملامتی ہے۔ اور اس طرح ایسے حضرات بہت لوگون کو معاصی سے بچاتے ہین ایسے ہی ایک بزرگ دہلی مین حضرت فخر نظامی تھے اون کی یہ حالت تھی کہ وہ حضرت رنڈیون مین تشریف لیجاتے اور اون سے اونکی خرچی پوچھتے تو وہ بتا دیتیں مثلاً پانچ روپیہ یا دو روپیہ وغیرہ بس فوراً اوسی قدر جیب سے نکالا اور اوسکو دیدیا اور کہدیا کہ رات کو ہم آوین گے چونکہ اوسکو خرچی مل چکی تھی وہ اور کسیکو آنے نہ دیتی تھی صبح کو گئے اور عذر کر دیا کہ رات تو نہ آ سکے لو آج رات کو آوین گے پھر اوسکی خرچی دے آئے۔ اسی طرح اونھون نے بہت سی رنڈیون کو ایک مدت تک گناہ سے بچایا کہ خود تو جاتے نہتھے اور دوسرون کے آنے کو اس طرح روکدیتے تھے پھر دعا کرتے تھے اونکی اس عادت کی وجہ سے بہت سی کسبیان تائب ہوئین تو اب اونکی تو یہ نیت تھی اور لوگ اونکو رنڈی باز کہتے تھے۔ مگر عوام الناس اون کے بیحد معتقد تھے ایک مرتبہ وہ کسی غرض سے مجمع عام مین تشریف رکھتے تھے۔ لوگون نے چاہا کہ اونکو شرمندہ کرین اور ذلیل کرین ایک کسبی کو بہکا کر اوسکو انعام وغیرہ کا لالچ دیکر لے گئے اور ایک کھوٹا روپیہ دیا کہ مجمع عام مین جاکر کہو کہ حضرت رات آپ یہ کھوٹا روپیہ دے گئے۔ اوس نے جاکر ویسا ہی کیا۔ حضرت نے ہنس کر روپیہ بدل دیا اور کھوٹا روپیہ رکھ لیا۔ اب سب کو معلوم ہوگیا کہ حضرت رات کو رنڈی کے یہان گئے تھے۔ مگر اون کی مقتدائیت تو حق تعالے کی طرف سے تھی لوگ پھر بھی معتقد رہے۔ ان لوگون نے سوچا کہ یہ تو کچھ بھی نہ ہوئی۔ دوسرے کسی عرس مین پھر اوس کسبی کو بہکایا اور کہا کہ دروازہ ہی سے غل مچاتی جانا غرضکہ وہ پھر غل مچاتی ہوئی گئی۔ کہ دیکھو ایک تو یہ مولوی ملا نے رنڈیون مین جاتے ہین پھر دغابازی یہ کہ کھوٹے روپئے دے آتے ہین حضرت ہنسے اور پھر روپیہ بدل دیا مگر لوگون کے اعتقاد مین پھر بھی کمی نہ ہوئی اون شریرون نے یہ کیا کہ بہت ہی دور سے غل مچانے کو کہا تیسری مرتبہ وہ پھر پہونچی اور

بہت ہی غل مچایا - آخر کب تک صبر کیا جاوے کہ ؎ حلم حق با تو مواساہا کند * چونکہ از حد بگذری رسوا کند *
اس مرتبہ حضرت کو جلال آ گیا مگر جلال کی طرح ظاہر نہین فرمایا بلکہ اوس کے ہاتھ سے روپیہ لیکر دیکھا اور نرمی سے فرمایا
کہ نہین بی کون کہتا ہے کہ خراب ہے یہ تو اچھا ہے جا کسی اور کو دکھا لے یہ کہکر وہ روپیہ اوس کے ہاتھ پر رکھدیا روپیہ
رکھنا تھا کہ وہ روپیہ تو وہین چپک گیا - اور اوس عورت کو جنون ہو گیا - اور کپڑے پھاڑ کر برہنہ پھرنے لگی اور جو
سامنے آتا تھا اوس سے کہتی تھی کہ میان دیکھنا یہ روپیہ کیسا ہے - غرضکہ بہت بری حالت تھی جب اوس کے
گھروالون نے دیکھا کہ اسکا جنون بڑھتا جاتا ہے اور ساری کمائی ہی گئی تو دوسرے فقیرون کے پاس جا کر عرض کیا
کہ حضرت سے سفارش کرین - سب نے کہا کہ اگر اب کوئی مجمع ہو اور اوسی طرح سب جمع ہون تو تم اوس کو لاؤ اور
عرض کرو تو ہم بھی کچھ سفارش کرین - غرضکہ ایک مرتبہ کوئی عرس وغیرہ تھا اوس مین سب جمع تھے تو اوس کے گھروالے
اوسکو پکڑ کر لائے وہ خود تو کہان آتی - اور عرض کیا کہ حضرت اس کی خطا معاف فرمائی جاوے - اور
دوسرے لوگون نے بھی سفارش کی - تو حضرت نے اوس کے ہاتھ سے روپیہ اٹھایا - تو اٹھ آیا اور فرمایا کہ بی
یہ تو اچھا ہے - اب دکھانے کی ضرورت نہین ہے - یہ فرما کر پھر اوس کے ہاتھ پر رکھدیا فوراً اچھی ہو گئی اور کپڑا
پہن لیا - تو دیکھیے ان حضرات کی یہ شان ہوتی ہے ایک اور حکایت ان ہی کی ہے کہ ایک مرتبہ گرمی مین
جمعہ کی نماز پڑھکر جامع مسجد سے نکل رہے تھے - تو ایک بڑھیا کھڑی تھی اوس نے کہا کہ بیٹا فخر یہ فالودہ مین نے
تیرے لیے بنایا ہے اس کو پی لے - اور حضرت صائم تھے بعض کہتے ہین کہ فرض روزہ تھا اور بعض کہتے ہین کہ نفل
تھا غرضکہ آپ نے اوسکو پی لیا جب لوگون نے دریافت کیا کہ حضرت آپ نے روزہ توڑ دیا تو فرمایا کہ دل توڑنے
سے روزہ کا توڑنا بہتر تھا یہ تو اونکا قول ہو گیا - اب ہمارے حاجی صاحب کی تحقیق سنو حضرت کو یہ حکایت پہونچی
تو فرض روزہ کی پہونچی حضرت نے فرمایا کہ اس وقت حضرت فخر پر حقیقت قلب منکشف تھی اور حقیقت صوم مستور
تھی تو اگرچہ حقیقت صوم افضل ہے حقیقت قلب سے مگر چونکہ حضرت پر اوس وقت حقیقت صوم مستور تھی اسلیے
پی گئے - ورنہ ہرگز نہ پیتے - اور یہ اون کی حالت تھی سبحان اللہ بس توجیہ ہو تو یہ ہو بھلا کوئی ایسی توجیہ بیان تو کردے
اصول شریعت پر منطبق اصول طریقت کے موافق سبحان اللہ سبحان اللہ ؎ ہیہات لم یات الزمان بمثلہ * ان الزمان
لمثلہ لبخیل * غرضکہ یہ شیخ بھی اسی لیے تاکہ وہان اون شرابیون کو تصرف باطنی سے ہدایت دین تشریف لے گیے
تھے جیساکہ آگے معلوم ہوتا ہے تو جب اوس مرید نے دیکھا کہ سارے خم پر از عسل ہین تو اوسکو اپنے شیخ کی
اتنی بڑی کرامت دیکھکر وجد ہونے لگا اور ایک عجیب کیفیت ہوئی اوس حالت مین [illegible] کہ -
گفت الخ - یعنی چلایا کہ ارے رندو یہ کیا حال اور کیا بات ہے کہ مین کسی خم مین شراب نہین دیکھتا - جب اوسکو
شیخ کی کرامت معلوم ہوئی تو اوس کو شوق ہوا کہ اورون کو بھی دکھادے اوسکی توضیح یہ ہے کہ عجیب حالت ہو گئی
غرض کہ سب رند اسکے پکارنے سے آئے اور دیکھا تو واقع مین وہ شہد ہی تھا - شراب کا نام نہ تھا بس یہ کرامت
اور کمال دیکھکر سارے وجد و طرب مین تھے اور یہ حالت تھی کہ -
جملہ رندان الخ - یعنی وہ سارے رند شیخ کے پاس روتے ہوئے اور سر پیٹتے ہوئے آئے (اور عرض کیا کہ)
در خرابات الخ - یعنی اے شیخ آپ جو خرابات مین تشریف لائے تو آپکے قدم کی برکت سے ساری شراب مین

شہد شکین اور سب کی قلب ماہیت ہوگئی۔

کردۂ الخ۔ یعنی آپ نے شرابون کو تو مبدل فرما کر حدث سے پاک بنا دیا اب ہم کو بھی خباثت سے الگ کر کے پاک کر دیجیے مطلب یہ کہ جس طرح شراب کی خباثت کو مبدل بہ شیرینی عسل کر دیا اسی طرح ہمارے ملکات سئیہ کو مبدل بہ حسنات فرما دیجیے۔ سبحان اللہ دیکھو ان بزرگ کی برکت سے ان لوگون کا کیسا فہم سلیم ہو گیا تھا کہ کیا نفیس سوال کیا ہے کہ قابل یاد رکھنے کے ہے۔ آگے مولانا فرماتے ہین کہ۔

گر شود الخ۔ یعنی اگر سارا کا سارا عالم خون سے بھر جاوے تو بندگان خاص خدا سوائے حلال کے اور کچھ کب کھاوین مطلب یہ کہ اگر تمام دنیا مین حرام ہی حرام چیزین ہون تو جو حق تعالیٰ کے خاص بندے ہین اللہ تعالیٰ اون کے لیے غیب سے ایسا سامان کر دے کہ وہ اوس حرام کو کھا ہی نہ سکین جیسا کہ اس حکایت سے معلوم ہوا کہ وہ شراب تھی مگر حق تعالیٰ نے اوس کو بدل کر شہد بنا دیا تھا اور بعد تبدیل ماہیت کے تمام ائمہ کے یہان جائز ہے۔ اور یہ جو کہا ہے کہ اگر سارا جہان حرام سے بھر جاوے تو خدا کے خاص بندے جب بھی حلال ہی کھاوین گے اس پر ایک حکایت لاتے ہین جسکا حاصل یہ ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عائشہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ آپ ہر جگہ بے مصلے کے نماز پڑھ لیتے ہین حالانکہ ممکن ہے کہ وہ زمین پہلے سے ناپاک ہو۔ اور خشک ہو کر اثر نجاست کا دکھائی نہ دیتا ہو۔ مگر ہے تو نجس۔ ارشاد فرمایا کہ جعلت لی الارض کلہا طہورا کہ میرے لیے ساری زمین پاک بنا دی گئی ہے اس طرح کہ جب نجاست خشک ہو جاوے اور اثر دکھائی نہ دے تو وہ پاک ہے۔ تو دیکھو باوجودیکہ وہ ناپاک تھی مگر حق تعالیٰ نے اپنے خواص کے لیے اوسکو پاک کر دیا۔ اسی طرح حق تعالیٰ اپنے خواص کو بعض معاصی سے محفوظ اور بعض کو معصوم رکھتے ہین خوب سمجھ لو۔ اب حکایت سنو۔

شرح حبیبی

عائشہ روزے بہ پیغمبر بگفت	یا رسول اللہ تو پیدا و نہفت
ہر کجا باشی نمازے می کنی	میروی در خانہ ناپاک و دنی
گرچہ میدانی کہ ہر طفل پلید	کرد مستعمل بہر جا کہ رسید
بے مصلے میگذاری تو نماز	ہر کجا روئے زمین بکشائے راز
گفت پیغمبر کہ از بہر جہان	حق نجس را پاک گرداند بدان
رو کہ سجدہ گاہ ما از لطف حق	پاک گردانید تا ہفتم طبق

ایک روز حضرت عائشہؓ نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ اے ظاہر و باطن مین خدا کے رسول آپ جہان کہین ہوتے ہین نماز پڑھ لیتے ہین ہر گھر مین ناپاکی ضرور ہوتی ہے کیونکہ آپ جانتے ہین کہ بچہ جہان کہین بیٹھتا ہے اکثر بہت ہے کہ اس جگہ کو ناپاک کر دیتا ہو لیکن آپ تحقیق نہین فرماتے اور نہ مصلے بچھاتے ہین جہان کہین موقع ملتا ہے زمین ہی پر آپ نماز پڑھ لیتے ہین۔ اسپر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بڑے لوگون اور مقربین کے لیے حق سبحانہ خرق عادت کے طور پر یا کسی اور طریقہ سے ناپاک کو

پاک کردیتے ہین پس ہماری سجدہ گاہ کو بھی حق سبحانہ نے اپنے فضل سے زمین ہفتم تک پاک کردیا ہے لہذا ہمکو مصلے کی ضرورت نہین اس سے تم سمجھ سکتے ہو کہ جب حق سبحانہ کو اپنے مقربین کی اتنی خاطر منظور ہو تو وہ انکو حرام کیونکر کھانے دینگے

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کرنا کہ آپ بے مصلے کے ہر جگہ کس طرح نماز پڑھ لیتے ہین

شرح شبیری - عائشہ روزے الخ - یعنے عائشہ نے ایک روز پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یارسول اللہ آپ مجمع مین اور تنہائی مین -

ہر کجا باشد الخ - یعنی جہان کہین چاہا نماز پڑھ لی - اور آپ ہر ناپاک اور خراب جگہ مین جاتے ہین - مطلب یہ کہ آخر آپ سفر مین مختلف مقامات پر جاتے ہین بعض پاک ہین اور بعض ناپاک آپ وہان نماز پڑھ لیتے ہین پھر اگر آپ کی خصوصیت کہی جاوے تو یہ بھی نہین اسلیے کہ آپ جماعت بھی اوسی طرح جہان چاہا پڑھ لیتے ہین تو آخر یہ کیا بات ہے - نماز کس طرح ہوجاتی ہے اور اگر آپکی ہوجاتی ہے تو اون دوسرونکی کسطرح ہوتی ہے اور یہ بھی نہین کہ کچھ بچھا ہی لین بلکہ -

بے مصلے الخ - یعنی بے مصلے ہی کے آپ نماز ادا فرما لیتے ہین جہان کہین کہ روئے زمین ہو ذرا اس عقدہ کو حل فرمادیجیے کہ اس کا کیا سبب ہے -

گرچہ میدانی الخ - یعنی اگرچہ آپ جانتے ہین کہ بچے ناپاک جہان جاتے ہین مستعمل کردیتے ہین - اور ناپاک کردیتے ہین پھر نماز کس طرح ہوجاتی ہے جواب ارشاد ہوا کہ -

گفت پیغمبر الخ - یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بڑے لوگون کے لیے حق تعالے انجس کو پاک فرمادیتے ہین اسکو جان لو مطلب یہ کہ یا تو وحی سے اوس کی پاکی بتادیتے ہین جیسے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تھا - اور یا اوسکی تبدیل ماہیت کردیتے ہین جیسا کہ اور بعض بزرگون کے لیے ہوا -

سجدہ گاہم الخ - یعنی اسی سبب مذکور سے لطف حق نے میری سجدہ گاہ کو ساتوین طبق تک پاک فرمادیا ہے لہذا میرے لیے مع قیودات شرعیہ سب جگہ پاک ہین اور اسی طرح امت مرحومہ کے لیے بھی پاک ہین لہذا کوئی شبہ نہین آگے مولانا فرماتے ہین کہ

شرح حبیبی

ہان وہان ترک حسد کن با شہان ☆ ورنہ ابلیسے شوی اندر جہان

کو اگر زہرے خورد شہدے شود ☆ تو اگر شہدے خوری زہرے بود

کو بدل گشت و بدل شد کار او ☆ لطف گشت و نور شد مر نار او

قوت حق بود مر بابیل را ☆ ورنہ مرغے چون کشد مر پیل را

لشکرے را مرغکے چندین شکست ☆ تا بدانی کان ضلابت از حق است

گر ترا وسواس آید زین قبیل ☆ رو بخوان تو سورۂ اصحاب فیل

ور کنی با او مری و ہمسری ☆ کافرم گر تو ز ایشان بو بری

جب تجھے اہل اللہ کی منزلت معلوم ہوگئی تو دیکھ خبردار بڑے لوگوں پر حسد نکرنا ورنہ تو شیطان اور مردود ہوجاویگا تو اونکو اپنے اوپر قیاس نکرنا کیونکہ ان میں اور تجھ میں بعد المشرقین ہے۔ کیونکہ وہ تو اگر بظاہر زہر بھی کھائیں اور کوئی معصیت بھی کریں تو گو وہ صورۃً معصیت ہوتی ہے مگر حقیقۃً معصیت نہیں ہوتی۔ جیسا کہ قصہ مذکورہ بالا سے معلوم ہوگیا۔ بلکہ وہ حقیقت میں شہد اور طاعت ہوتی ہے۔ اور تو اگر بظاہر شہد بھی کھاتا ہے اور طاعت بھی کرتا ہے تو وہ ریا و عدم اخلاص وغیرہ کے سبب معصیت ہوتا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ انکی حقیقت بدل گئی ہے لہذا اون کے افعال بھی بدل گئے ہیں اور بی یسمع وبی یبصر الخ کی شان پیدا ہوگئی ہے اور اونکی آتش شہوات مبدل بہ نور حق سبحانہ ہوگئی ہے بس وہاں معصیت کا کیونکر گذر ہوسکتا ہے۔ برخلاف تیرے کہ تو سراسر شہوات وظلمات نفسانیہ میں منہمک ہے بس تجھ سے طاعت کا صادر ہونا اسی قدر بعید ہے جسقدر ان سے معصیت کا یہ امر کہ اونکی حقیقت بدل گئی تیری سمجھ میں نہ آئے گا۔ اس لیے ہم اوسکو ایک مثال سے سمجھاتے ہیں دیکھو ابابیل نے ہاتھی کو مار دیا۔ نیز ایک بڑے لشکر کو شکست دی تھی تو کیا وہ اس وقت وہ ابابیل تھی ہرگز نہیں کیونکہ ابابیل اپنی حالت پر رہکر ہاتھی کو ہرگز نہیں مار سکتی تھی اور اتنے بڑے لشکر کو ہرگز شکست نہیں دے سکتی۔ بلکہ اونکو قوت حق عطا ہوگئی تھی۔ اسلیے وہ اپنے ہم نوع افراد سے اسقدر بعید ہوگئی تھی کہ گویا کہ وہ اس نوع کے افراد ہی نہ تھی۔ بلکہ نوع دیگر تھی۔ اور اون کے اندر یہ سختی نور حق سے تھی۔ اسی طرح اہل اللہ بھی قوت حق سے متقوی اور نور حق سے منور ہوکر گویا کہ ایک جداگانہ نوع کے افراد بنجاتے ہیں اور نفس وشیطان کو کامل شکست دیتے ہیں اور ان سے مغلوب نہیں ہوسکتے اس بیان میں اور مقدمات تو سب ظاہر ہیں صرف ایک مقدمہ ایسا ہے جسمیں شبہ کی گنجائش ہوسکتی ہے وہ یہ کہ ایسا ہو نہیں سکتا کہ ابابیل ہاتھی کو مار ڈالیں اور فوج جرار کو شکست دیدیں پس اگر تم کو اس قسم کا وسوسہ ہو تو قرآن کھول کر سورۂ فیل دیکھ لو وسوسہ دور ہوجائے گا۔ اب یہاں ہم تجھکو ایک نہایت کام کی بات بتلاتے ہیں وہ یہ کہ تو اہل اللہ سے مقابلہ اور مماثلت کا دعوے نکرنا اس لیے کہ ایسا کرنے سے تجھے اُن سے کچھ بھی فائدہ نہیں ہوسکتا۔ اگر اس صورت میں تجھے کچھ بھی فائدہ ہو تو میں کافر اس سے زیادہ اور کیونکر یقین دلاؤں۔

شرح شبیری — ہان وہان الخ۔ یعنی ضرور بالضرور بڑے لوگوں کے ساتھ حسد کرنا ترک کردو۔ ورنہ تم جہان میں ابلیس کی طرح ہوجاؤ گے۔

کو اگر الخ۔ یعنی اس لیے کہ اگر وہ زہر کھا رہا تھا تو وہ بھی شہد ہے اور اگر تو شہد کھاوے وہ بھی زہر ہے اس لیے کہ وہ اس کی حقیقت کو جانتا ہے اس لیے موافق مقدار کے کھاویگا، تو اوس کو تو شہد کی طرح مفید ہوگا اور تم کو شہد کی حقیقت بھی معلوم نہیں اس لیے اوس میں بھی بے اعتدالی کروگے اور وہ زہر کی طرح مضر ہوگا۔ تو اون پر اعتراض اور حسد فضول ہے اون کی تم کو کیا خبر۔

کو بدل الخ۔ یعنی اس لیے کہ وہ بدل گیا ہے اور اوسکا کام بھی بدل گیا ہے وہ لطف ہوگیا ہے اور اوس کی نار نور ہوگئی ہے۔ مطلب یہ کہ اوس کے ملکات سیئہ تو مبدل بحسنہ ہوگئے ہیں اور اوس میں نور حق ہے اور وہ سراسر نور ہی ہوگیا ہے لہذا اوس کے کام بھی مصالح ہیں آگے ایک مثال دیتے ہیں کہ۔

قوت حق الخ۔ یعنی ابابیل میں حق تعالی کی قوت تھی ورنہ ایک ذرا سا جانور اور وہ ہاتھی کو مار ڈالے یہ کیسے ہوسکتا ہے

لشکرے الخ - یعنی ایک لشکر کو ذرا سے جانور نے اس طرح شکست دی تاکہ تم جان لو کہ یہ قوت حق تعالیٰ ہی کی طرف سے۔
گر ترا الخ - یعنی اگر تجھے اس قبیل سے وسوسہ آوے تو سورۂ اصحاب فیل پڑھ لو۔ مطلب یہ کہ اگر تم کو وسوسہ ہو کہ یہ قصہ بابیل کا غلط معلوم ہوتا ہے یہ کیسے ہو سکتا ہے تو فرماتے ہین کہ بھائی قرآن مین دیکھ لیو تو وہان موجود ہم اپنی طرف سے تو نہین کہتے۔ تو دیکھو جبر ۔۔۔ نہ اوس جانور نے قوت حق تعالیٰ کیوجہ سے ایک لشکر کو شکست دی۔ اسی طرح ان حضرات مین نور حق ہونے کی وجہ سے انکے صفات بھی صفات حق ہو جاتے ہین اور انکی شان بی یسمع و بی یبصر ہو جاتی ہے آگے فرماتے ہین کہ۔

ور کنی الخ - یعنی اور اگر تم اون کے ساتھ مقابلہ و ہمسری کرو تو اگر تم غالب آسکو تو مجھے کافر جانو۔ مطلب یہ کہ ان سے مقابلہ کر کے عہدہ برآ ہو ہی نہین سکتے۔ اطمینان رکھو۔ جب مقابلہ کرو گے ہمیشہ ذلیل و خوار ہو گے لہذا ہمیشہ اطاعت اور تواضع کرنا ضروری ہے خوب سمجھ لو۔ چونکہ اوپر اکابر کے مقابلہ سے اور انکی برائی کرنے سے منع کیا ہے اس لیے کہ اس کا انجام خراب ہوتا ہے اس لیے آگے ایک چوہے اور ایک اونٹ کی حکایت لاتے ہین کہ ایک اونٹ جارہا تھا اور اوس کی مہار لٹک رہی تھی ایک چوہے نے دیکھا تو آپ اوس کی مہار پکڑ کر چلے اونٹ جا ہی رہا تھا وہ چلتا رہا۔ یہ چوہا سمجھا کہ مین کسقدر قوی ہون کہ اسقدر بڑے جثہ والے کو کھینچے لیے جاتا ہون اسی طرح ایک دریا کے کنارہ پہونچے اونٹ تو دریا کے اندر چلا گیا چوہا باہر رہ گیا تو اونٹ نے کہا کہ بھائی اندر آؤ اس لیے کہ پانی تو زانو تک ہے چوہا بولا کہ جناب کے زانو تک ہو گا میرے تو سر سے کہین اونچا ہے آخر وہان جا کر عاجز ہو گیا اسی طرح ان حضرات کی برابری کرنے مین انسان ہمیشہ خطا پاتا ہے اب حکایت بالتفصیل سنو۔

شرح حبیبی

موشکی در کف مہار اشترے   در ربود و شد روان او از مرے
اشتر از چستی کہ با او شد روان   موش غرہ شد کہ ہستم پہلوان
بر شتر زد پرتو اندیشہ اش   گفت بنمایم ترا تو باش خوش
تا بیامد بر لب جوئے بزرگ   کاندر و گشتی زبون پیل سترگ
موش آنجا ایستاد و خشک گشت   گفت اشتر اے رفیق کوہ و دشت
این توقف چیست و حیرانی چرا   پا بنہ مردانہ اندر جو در آ
تو قلاوزی و پیش آہنگ من   در میان رہ مباش و تن مزن
گفت این جوئے شگرف ست و عمیق   من ہمی ترسم زغرقاب ای رفیق
گفت اشتر تا ببینم حد آب   پا دردن بنہاد آن اشتر شتاب
گفت تا زانو ست آب اے کور موش   از چہ حیران گشتی و رفتی زہوش
گفت مور تست مارا اژدہاست   کہ ز زانو تا بزانو فرقہاست
گر ترا تا زانو است اے پر ہنر   مر مرا صد گز گذشت از فرق سر

گفت گستاخی مکن بار دگر	تا نسوزد جسم وجانت زین شرر
تو مری با مثل خود موشان بکن	با شتر مر موش را نبود سخن
گفت توبہ کردم از بہر خدا	بگذران زین آب مہلک مر مرا
رحم آمد مر شتر را گفت ہین	برجہ و بر گرد بان من نشین
این گذشتن شد مسلم مر مرا	بگذرانم صد ہزاران چون ترا

اوپر کہا تھا کہ اہل اللہ کی برابری اور مماثلت کا دعوے کرنے سے کچھ فائدہ نہین ہو سکتا - آگے اس کی مثال دیتے ہین اور فرماتے ہین کہ اس کی ایسی مثال ہے جیسے ایک چوہا کہ اوسنے ایک اونٹ کی مہار پکڑ لی - اور بدعوے برابری آگے آگے چلدیا چونکہ اونٹ اوس کے ساتھ ساتھ تیزی سے چلتا رہا اور اس کی کوئی مزاحمت نہین کی اس لیے وہ سمجھ گیا کہ مین بھی پہلوان ہون کہ اونٹ کو کھینچے لیے جارہا ہون اونٹ نے قرائن سے اوسکے خیال کو جان لیا اور اپنے دل مین کہا کہ اچھا ٹھہر جا تجھے تیری حقیقت دکھلاؤنگا حتے کہ وہ ایک بڑی ندی پر پہونچ گیا جسمین بڑا ہاتھی عاجز ہو سکتا تھا - وہان پہونچکر چوہا ٹھہر گیا اور مارے خوف کے اوس کا خون خشک ہوگیا یہ دیکھکر اونٹ نے کہا کہ اے صحرا وکوہسار کے ساتھی تو ٹھہر کیون گیا - مردانہ ندی مین قدم رکھ اور اسمین داخل ہو - تو تو میرا راہنما اور راہبر ہے پس تجھکو راستہ ہی مین رہجانا اور پہلوتہی کرنا مناسب نہین - اس نے کہا کہ یہ پانی بہت حیرت انگیز اور گہرا ہے مجھے اس مین ڈوبنے کا اندیشہ ہے اوس نے کہا مین بھی تو دیکھون پانی کتنا ہے یہ کہکر پانی مین پاؤن رکھا اوسنے کہا کہ ارے اندھے چوہے یہ پانی تو گھٹنون ہی تک ہے تو کیون حیران ہوگیا - اور تیرے حواس کیون جاتے رہے اوس نے کہا جناب یہ آپ کے لیے چیونٹی کی مانند بے حقیقت ہو میرے لیے تو اژدہے کی مانند خطرناک ہو کیونکہ گھٹنون گھٹنون مین بھی فرق ہے تمہارے گھٹنے اور ہین میرے گھٹنے اور تمہارے گھٹنون تک ہے اور میرے سر سے سو گز اونچا اوس نے کہا کہ جب تجھے اپنی حقیقت معلوم ہو گئی تو خبردار پھر گستاخی نہ کرنا اور کبھی اپنے کو بڑون کے برابر نہ سمجھنا کہ اس آگ سے تیرا جسم اور تیری جان نہ جلجاوے یعنی یہ خیال تیری تباہی وہلاکی کا باعث نہ ہوجاوے - تو اپنے مثل چوہون سے برابری کرنا - چوہے کی یہ تاب نہین کہ اونٹ کے مقابلہ مین اپنی حد سے بڑھکر بات کرے - اوس نے کہا میری توبہ ہے خدا کے لیے اس مہلک پانی سے مجھے پار اتار دے اس کی منکسرانہ گفتگو سے اونٹ کو رحم آگیا اور کہا اچھا اوچھلکر میرے کوہان پر بیٹھ جا - اس پانی سے گذرنا میرا حق ہے نہ کہ تیرا اور مین تجھسے ہزارون کو پار کرسکتا ہون - اس بیان سے جسطرح مضمون سابق کی تائید ہوتی ہے یون ہی اس سے حسب ذیل نتیجہ بھی برآمد ہوتا ہے

ایک چوہے کا اونٹ کی مہار کھینچنا اور مغرور ہونا

شرح شبیری - موشکے درکف الخ - یعنی ایک چوہا کہ اوس کے ہاتھ مین ایک اونٹ کی مہار تھی اونٹ کا مقابل بن کر روانہ ہوا -

اشتراز الخ - یعنی اونٹ تو بوجہ چستی کے اوس کے ساتھ روانہ ہوا اور چوہا مغرور ہوگیا کہ مین پہلوان ہون کہ

اسقدر بڑے جثہ والے کو کھینچ رہا ہون۔
بر شتر زد الخ۔ یعنی اونٹ پر اوس کے وسوسہ نے اثر کیا تو بولا کہ اچھا ذرا خوش ہولے تجھے دکھاتا ہون مطلب یہ
کہ اوسکی حالت سے اونٹ سمجھا کہ اس کو یہ وسوسہ اور خیال ہے تو اوس نے دل مین کہا کہ اچھا بچہ جی ابھی بتاتا ہون
کیسے پہلوان ہو۔ غرضکہ اسی طرح دونون چلتے رہے۔
تا بیامد الخ۔ یعنی یہان تک کہ ایک بہت بڑی ندی کے کنارہ پر آئے کہ اوسمین بڑا ڈیل ہاتھی بھی عاجز ہو جاوے۔
موش الخ۔ یعنی چوہا وہان کھڑا ہو گیا اور سوکھ گیا تو اونٹ نے کہا کہ اے کوہ و دشت کے رفیق۔
این توقف الخ۔ یعنی یہ توقف کیا ہے اور حیرانی کیون ہے۔ تو مردانہ وار پاؤن رکھ اور ندی مین آ۔
تو قلاؤزی الخ۔ یعنی تو تو میرا رہبر ہے اور میرا پیش آہنگ ہے۔ راستہ ہی مین مت رہا جا اور خاموش مت ہو
پیش آہنگ اس کو کہتے ہین جو کہ مقاصد مین آگے رہتا ہو۔ مطلب یہ کہ تم تو میرے رہنما اور پیشرو رہے ہو
اب آگے ہی چلو ٹھہرتے کیون ہو۔
گفت این الخ۔ یعنی چوہے نے کہا کہ یہ ندی بڑی خوفناک اور گہری ہے اس لیے اے رفیق مین غرق ہو جانے سے ڈرتا ہون
گفت اشتر الخ۔ یعنی اونٹ نے کہا کہ اچھا ٹھہرو یہانتک کہ مین پانی کی انتہا دیکھوں (یہ کہکر) اوس ندی مین اونٹ
نے جلدی سے پاؤن رکھا۔
گفت تا الخ۔ یعنی اونٹ نے کہا کہ ارے اندھے چوہے پانی زانو تک ہی تو ہے تو تو حیران کیون ہوا اور تیرے ہوش کیون جاتے ہین
گفت مور است الخ۔ یعنی چوہا بولا کہ تیری چیونٹی ہمارے لیے اژدہا ہے اس لیے کہ زانو زانو مین تو بہت فرق ہے۔ یعنی جو چیز
کہ تیرے نزدیک چھوٹی ہے ہمارے نزدیک بہت بڑی ہے۔ لہذا اگرچہ پانی تیرے زانو تک ہے مگر ہمارے
تو سر سے بھی سیکڑون گز اونچا ہے۔
گر ترا تا زانو الخ۔ یعنی اے پرہنر اگر تیرے زانو تک ہے تو میرے تو سر سے سیکڑون گز اونچا ہے اب جبکہ اوس
چوہے نے اپنے عجز کا اقرار کر لیا تو اونٹ نے کہا کہ۔
گفت گستاخی الخ۔ یعنی اونٹ نے کہا کہ پھر گستاخی مت کرنا کہ کہین تیرے جسم و جان اس گستاخی کے شرر سے جل نہ جاوین۔
تو مری الخ۔ یعنی تو اپنے جیسے چوہون کے ساتھ مقابلہ کر اور اونٹ کے ساتھ تو چوہے کو بات بھی نہ ہونی چاہئے
مطلب یہ کہ بھلا چوہے کو اونٹ سے کیا تعلق کہان یہ اور کہان وہ آپس مین اس قابل بھی نہین ہین کہ بات بھی
کرین جب اونٹ نے یہ کہا تو چوہے صاحب بولے کہ۔
گفت توبہ الخ۔ یعنی چوہے نے کہا کہ مین نے توبہ کی خدا کے واسطے مجھے اس مہلک پانی سے گذارو یعنی اب عاجزی
شروع کی کہ بھائی بے شک میری غلطی تھی اب توبہ کرتا ہون خدا کے لیے اس پانی سے مجھے بھی گذار دے
شاید اوسکو بھی ادھر ہی جانا ہوگا جب اوسنے عاجزی کی تو اونٹ کو رحم آگیا۔ اور اس پانی سے پار کر دیا۔
رحم آمد الخ۔ یعنی اونٹ کو رحم آگیا اور بولا کہ ہان کود اور میرے کوہان پر بیٹھ جا اور اونٹ نے یہ کہا کہ۔
این گذشتن الخ۔ یعنی یہ گذرنا میرے ہی لائق ہے اور مین تجھ جیسے ہزارون کو بھی گذار دون۔ تو دیکھو جسطرح
کہ اس چوہے نے برابری اپنے سے بڑے کی کی اور پھر نادم ہوا اسیطرح اگر عوام اکابر کی برابری کرنے لگین

تو یقیناً تباہ و برباد ہوں گے۔ لیکن پھر بھی اگر اکابر کے سامنے عجز کا اعتراف کر تو پھر ان کو بھی رحم آجاتا ہے جس طرح کہ اس چوہے کی عاجزی سے اس اونٹ کو رحم آگیا۔ آگے مولانا فرماتے ہیں کہ۔

شرح حبیبی

چون پیمبر نیستی پس رو براہ
تا رسی از چاہ روزے سوئے جاہ

تو رعیت باش چون سلطان نۂ
تک مران چون مرد کشتیبان نۂ

چون نۂ کامل دکان تنہا مگیر
دست خوش می باش تا گردی خمیر

چونکہ آزادیت ناید بندہ باش
این مپوش اطلس برو در ژندہ باش

انصتوا را گوش کن خاموش باش
چون زبان حق نگشتی گوش باش

ور بگوئی شکل استفسار گو
با شہنشاہان تو مسکین وار گو

ابتدائے کبر و کین از شہوت است
راسخی شہوتت از عادت است

چون ز عادت گشتہ محکم خوئے بد
خشم آید بر کسے کت وا کشد

چونکہ تو گلخوار گشتی ہر کہ او
وا کشد از گل ترا باشد عدو

بت پرستان چونکہ خو با بت کنند
مانعان راہ خود را دشمن اند

چونکہ کرد ابلیس خو با سروری
دید آدم را بتحقیر از خری

کہ بہ از من سروری دیگر بود
تا کہ او مسجود چون من کس شود

سروری زہرست جز آن روح را
کہ بود تریاق لانے ز ابتدا

کہ اگر پر مار شد باکے مدار
کو بود اندر درون تریاق زار

سروری چون شد دماغت را ندیم
ہر کہ بشکست شود خصم عظیم

چون خلاف خوئے تو گوید کسے
کینہا خیزد ترا با او بسے

کہ مرا از خوئے من بر میکند
خویش بر من میر و سرور میکند

چون نباشد خوئے بد سر کش درو
کے فروزد از خلاف آتش درو

چون نباشد خوئے بد محکم شدہ
کے شود اندر خلاف آتشکدہ

با مخالف او مدارا مے کند
در دل او خویش را جا می کند

زانکہ خوئے بد بگشت است استوار
مور شہوت شد ز عادت ہمچو مار

مار شہوت را بکش در ابتدا
ورنہ اینک مار گشتہ اژدہا

لیک ہر کس مور بیند مار خویش
تو ز صاحبدل کن استفسار خویش

ز ابتدا این مار شہوت را بکش
ورنہ اژدرہا شود اے تیز ہش

تا نشد زر مس نداند من مسم
تا نشد شہ دل نداند مفلسم

خدمت اکسیر کن مس وار تو　　جور میکش ای دل از دلدار تو
کیست دلدار اہل دل نیکو بدان　　کہ چو روز و شب جہانند از جہان
عیب کم گو بندۂ اللہ را　　متہم کم کن بدزدی شاہ را
ور نباشی ہیچ ہیچ از ہیچیان　　پس رو ہر دیو باشی مستہان

جب تو پیر اور مستقل ہادی نہین ہے بلکہ تجھے ضرورت ہے اہتدا بہادی آخر کی تو تجھکو رہرو ہونا چاہیے نہ کہ رہنما۔ تاکہ تو چاہ ضلالت سے نکلکر مسند ہدایت پر جلوہ افروز ہو۔ اور جبکہ تو بادشاہ نہین ہو تو رعیت اور کسی بادشاہ کا محکوم ہونا چاہیے اور جبکہ تو کشتیبان اور ماہر بحر دین نہین ہے تو تجھکو خود اس سمندر مین کشتی نہ چلانا چاہئے جب تو کامل نہین ہے تو الگ دوکان نکر بلکہ کسی ماہر کا محکوم و منقاد ہو تاکہ تو خمیر کرنا سیکھ جاوے یعنی بدون کمال کے شیخ نہ بن بلکہ اول خود تربیت حاصل کر پھر شیخ بن اور تربیت کر اور جبکہ تو آزاد نہین تو غلام بن اور اطلس نہ پہن بلکہ گدڑی پہن اس کا حاصل بھی وہی ہے کہ جب تو شیخ نہین تو بطور طریق مشایخ نہ اختیار کر بلکہ غلامون کی طرح رہ اور جبکہ تو حق سبحانہ کی زبان نہین اور گفتہ او گفتہ اللہ بود مرتبہ تجھے حاصل نہین تو تجھکو کان ہونا چاہئے اور تیرا کام سننا ہونا چاہئے اور خود حق سبحانہ کا حکم انصتوا سن لے اور بہ تعمیل امر الٰہی خاموش ہو جا اور اگر بولنا ہی ہو تو بشکل استفسار کلام کر اور ان بادشاہون کے سامنے عاجزانہ گفتگو کر تیرے اندر جو تکبر اور مخالفت اہل اللہ ہے اسکا منشا شہوت و خواہش نفسانی ہے اور یہ شہوت اور خواہش نفسانی تیرے اندر مستحکم اس لیے ہوئی ہے کہ تو اطاعت نفس کا خوگر اور عادی ہو گیا ہے جب تشخیص مرض ہوئی تو بقاعدہ العلاج بالضد اوسکا علاج کرنا چاہئے اور مخالفت نفس پر کمر بستہ ہونا چاہئے۔ قاعدہ ہے کہ جب کوئی خصلت بد عادت سے مستحکم ہو جاتی ہے تو اوس کی مخالفت ناگوار ہوتی ہے اس لیے جو شخص تمہاری اس عادت کو چھڑانا چاہتا ہے چونکہ عادی ہونے سے تمہارے اندر راسخ ہو گئی۔ تو تمکو اوس پر غصہ آتا ہے اور چونکہ تمکو مٹی کھانے کی یعنی افعال مضرہ کے ارتکاب کی عادت ہو گئی ہے اس لیے جو شخص تمکو مٹی یعنی افعال مضرہ سے الگ کرے وہ تمہاری نظر مین تمہارا دشمن معلوم ہوتا ہے یہ بات کچھ تمہارے ہی ساتھ خاص نہین بلکہ عام حالت یہی ہے چنانچہ دیکھو بت پرست چونکہ بت پرستی کے عادی ہو گئے ہین اس لیے جو لوگ اونکو بت پرستی سے مانع ہوتے ہین وہ اونکو دشمن معلوم ہوتے ہین نیز ابلیس چونکہ سرداری کا عادی ہو گیا تھا کما ہو المشہور انہ معلم الملکوت اس لیے اوس نے گدھے پن سے آدم علیہ السلام کو بنظر حقارت دیکھا اور کہا انا خیر منہ اور کہا کہ یہ میری مسجودیت کے لائق نہین بلکہ کوئی مجھ سے بہتر ہونا چاہئے تاکہ مجھ سے شخص کا مسجود بن سکے واقعی بات یہ ہے کہ سرداری زہر ہے لیکن اوس روح کے لیے زہر نہین ہے جو ابتدا ہی سے معدن تریاق ہو اور صلاحیت فطری اوس کی اتنی قوی ہو کہ وہ اوس کے اثر سے اوس کو محفوظ رکھ سکے اگر پہاڑ سانپون سے پر ہو تو تم کو کچھ خطرہ نہونا چاہئے کیونکہ اوس کے اندر تریاق کی کان بھی ہے جو سانپون کے زہر سے محفوظ رکھنے والا ہے پس جبکہ کسی کے دماغ مین سرداری کا سودا سما جاتا ہے تو جو شخص اس خصلت کو توڑنا چاہے وہ اوسکا یقینی دشمن سمجھا جاتا ہے۔ اور جبکہ کسی کی خصلت مستحکم کے مخالف کوئی بات کہتا ہے تو اس سے اوس کہنے والے کے ساتھ طرح طرح کی مخالفون کے خیالات اوس کے دل مین

پیدا ہو جاتے ہین اور وہ یہ سمجھتا ہے کہ یہ جو میری اس خصلت کو چھڑانا چاہتا ہے تو اس سے اوس کو مجھ پر حکومت کرنا مقصود ہے یہ دلیل ہے اس خصلت بد کے استحکام کی۔ کیونکہ اگر وہ مستحکم نہوتی تو اس مخالفت سے اسکے آگ کیون لگتی۔ پس ثابت ہوا کہ وہ مستحکم ہو گئی ہے۔ کیونکہ قاعدہ ہے کہ جب تک کوئی خصلت بد مستحکم نہین ہوتی اوس وقت تک اس کی مخالفت سے آگ نہین لگتی اور اوس کی مخالفت آدمی کو ناگوار نہین ہوتی۔ پس ظاہر ہو گیا کہ وہ خوئے بد مستحکم ہو گئی ہے یہی وجہ ہے کہ وہ مخالف کے ساتھ میل کرتا ہے اور اوس کے دل مین اپنی جگہ کرتا ہے تاکہ وہ مزاحم نہو۔ کیونکہ خوئے بد مستحکم ہو گئی ہے اور خواہش نفسانی جو چیونٹی کی طرح حقیر تھی اب عادت سے سانپ کی طرح خطرناک ہو گئی ہے۔ پس تمکو اس سانپ کو پہلے ہی مار ڈالنا چاہئے۔ ورنہ پھر سانپ کے مرتبہ سے گذر کر اژدہا بنجاوے گی۔ لیکن یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ آدمی کو اسکے مرتبہ کی تعیین مین غلطی ہوتی ہے اور وہ سانپ کو چیونٹی سمجھتا ہے۔ اس لیے تمکو چاہئے کہ اس کا مرتبہ کسی صاحبدل سے معلوم کرو۔ وجہ اس مغالطہ کی یہ ہوتی ہے کہ وہ ناقص ہوتا ہے اور اوس کو کمال حاصل نہین ہوتا جس سے نقصان کا ادراک ہو۔ لان الاشیاء تعرف باضدادہا اس لیے وہ نقصان کے ادراک سے قاصر ہوتا ہے۔ چنانچہ جب تک تانبا سونا نہین بنتا اس وقت تک وہ اپنے کو ناقص نہین سمجھتا اور جب تک دل کو دولت باطنی حاصل نہین ہوتی اسوقت تک وہ اپنی ناداری کو کماینبغی نہین سمجھتا پس اگر تم کو اپنے نقصان سے آگاہ ہونا مقصود ہے تو شیخ کامل کی خدمت کرو جس طرح تانبا اکسیر کی کرتا ہے اور اگر تمھین وصال مطلوب ہے تو محبوب کے ستم اوٹھاؤ لیکن تم جانتے بھی ہو کہ دلدار سے ہماری کیا مراد ہے خوب سمجھ لو کہ ہماری مراد اہل دل ہین جو کرات اور دن کی طرح اس جہان سے کنارہ کش ہوتے ہین ان اللہ کے بندون کی برائیان ہرگز زیبا نہین اور بادشاہون پر چوری کی تہمت بالکل بیجا ہے اور اگر تم فروتنی اختیار نکروگے اور اسی کبر و نخوت مین مبتلا رہو گے تو اسکا نتیجہ یہ ہوگا کہ تم ہر ابلیس ذلیل کے پیرو ہو گے بادشاہ پر چوری کی تہمت لگانے کے تذکرہ سے ایک مناسب حکایت یاد آگئی غور سے سنو۔

شرح شبیری۔ چون بمیری نیستی الخ۔ یعنی جبکہ تو پیر نہین ہے تو راستہ مین تابع رہ تاکہ ایکدن جاہ سے جاہ پر پہونچ جاوے مطلب یہ کہ اگر اس قابل نہین ہو کہ مقتدا بن سکو تو تابع رہو کہ اوس سے ایکدن یہ ہوگا کہ اس پستی سے نکل کر مراتب علیا پر پہونچ جاؤ گے۔

تو رعیت الخ۔ یعنی تم اگر سلطان نہین ہو تو رعیت رہو اور جب کشتیبان نہین ہو تو قعر دریا مین مت چلو۔

چون نۂ الخ۔ یعنی جب تم کامل نہین ہو تو تنہا دوکان مت اختیار کرو۔ تابع رہو تاکہ تم خمیر ہو جاؤ۔ مطلب یہ کہ اگر ابھی کامل نہین ہوئے تو اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد الگ بنا کر مت بیٹھو۔ بلکہ ہمیشہ شیخ کا اتباع کرو کہ اس اتباع سے تمھارے اندر استعداد پیدا ہو جاوگی جیسے کہ خمیر ہوتا ہے کہ اوسکو جب گوندھا جاتا ہے تو اوسمین روٹی پکنے کی قابلیت ہو جاتی ہے اسی طرح اگر تم اتباع کروگے تو تمھارے اندر بھی قابلیت پختہ ہونے کی پیدا ہو جاوے گی۔

چونکہ الخ۔ یعنی جبکہ تجھ سے آزادی نہ آوے تو غلام رہو اور اطلس مت پہنو گدڑی مین رہو۔ مطلب یہ کہ اگر تمھارے اندر قابلیت مقتدا بننے کی ابھی نہین ہے تو اتباع کرو کہ ہر کہ خدمت کرد او مخدوم شد۔

انصتوا را۔ الخ۔ یعنی انصتوا کو سنو اور خاموش رہو جبکہ تم زبان حق نہین ہو تو کان رہو۔ مطلب یہ ہے کہ اصل

ہونا تو اوس شخص کا کام ہے کہ جسکی شان ہی نیشق ہو چکی ہو۔ اور وہ عین مصطلح ہو گیا ہو۔ اور جب تک تم کو یہ مرتبہ حاصل نہو اسوقت تک ایسے لوگوں کی باتین ہمہ تن گوش ہو کر سنو اور خود مت بولو اب یہان کسی ظاہر بین کو شبہ ہوتا کہ بس پھر ان حضرات کے سامنے اپنی حالت کو بھی بیان نہ کرے اور چپ رہے آگے مولانا اس شبہ کو زائل فرماتے ہین کہ۔

ور بگوئی ۔الخ۔ یعنی اور اگر کہو تو سوال کے طور پر کہو اور بادشاہون کے ساتھ مسکین کی طرح بات کرو۔ اب معلوم ہو گیا کہ اپنی حالت کے متعلق سوال کرو اور اُن سے علاج دریافت کرو۔ یہان تک مولانا کے کلام کا حاصل یہ ہے کہ تم تو چاہیے کہ تکبر کو چھوڑ دو اور عاجزی اختیار کرو اور دوسرونکا اتباع کرو آگے اس تکبر کا منشاء بتاتے ہین کہ یہ تکبر اس طرح پیدا ہوتا ہے تاکہ اوس سے احتراز مین آسانی ہو فرماتے ہین کہ

ابتدائے کبر ۔الخ۔ یعنی کبر و کینہ کی ابتداء تو شہوت سے ہے اور رسوخ شہوت کا عادت کیوجہ سے ہے مطلب یہ ہے اول تو کبر شہوت کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے اس لیے کہ انسان جب اپنی شہوات کا اجرا چاہتا ہے اور کوئی اوس مین مانع ہوتا ہے تو اوسکو برا معلوم ہوتا ہے اور چاہتا ہے کہ کوئی اوسکو منع نکرے۔ اور کسیکا اتباع اس مین پسند نہین کرتا اور یہی تکبر ہے اور اسی سے کینہ پیدا ہوتا ہے کہ اوسی شخص سے کینہ اور حسد کرنے لگتا ہے اور شہوت راسخ اس طرح ہوتی ہے کہ اول ایک مرتبہ تقاضا ہوا اوسکو پورا کر دیا پھر ہوا پھر پورا کیا پس اس تقاضے کے پورا کرنے کی وجہ سے عادت ہو جاتی ہے اور وہ شہوت راسخ ہو جاتی ہے اور اوس سے کبر و کینہ پیدا ہوتا ہے لہذا اول انسان کو اپنی عادات کی اصلاح ضروری ہے کہ اسی سے یہ سارے امراض ناشی ہین۔ آگے مولانا اسی تقریر کو خود فرماتے ہین کہ۔

چون ۔الخ۔ یعنی جبکہ عادت کیوجہ سے خوئے بد محکم ہو گئی تو جو کوئی اس سے ہٹاتا ہے اوس پر غصہ آتا ہے آگے ایک مثال اس تفریع کی دیتے ہین کہ

چونکہ ۔الخ۔ یعنی جبکہ تم مٹی کھانے لگو تو جو کوئی اوس سے منع کرے وہ دشمن ہو گا اسیطرح جب عادت سے خوئے بد محکم ہو جاتی ہے تو جو اوس سے مانع ہوتا ہے اوس سے حقد و کینہ پیدا ہوتا ہے۔ آگے ایک اور نظیر ہے۔

بت پرستان ۔الخ۔ یعنی بت پرست لوگ جیسا کہ بت پرستی کی عادت کر لیتے ہین تو راہ بت کے مانعین کے دشمن ہو جاتے ہین

چونکہ ۔الخ۔ جبکہ ابلیس نے عادت سرداری کی کرلی تو اوسنے آدم کو گدھے پن کیوجہ سے تحقیر سے دیکھا اور کہا کہ۔

کہ بہ از من ۔الخ۔ یعنی کہ مجھ سے بہتر کوئی سردار ہو جو کہ مجھ جیسے شخص کا مسجود ہو اس بات کو اوس نے محال اوس سرداری ہی کیوجہ سے سمجھا کہ جبکہ وہ عادی ہو رہا تھا۔ ورنہ ہرگز نہ سمجھتا۔ آگے فرماتے ہین کہ

سروری ۔الخ۔ یعنی سرداری زہر ہے بجز اوس روح کے کہ جو ابتدا ہی سے تریاق لائی ہو۔ لان ایک پہاڑ ہے جہان کہ تریاق پیدا ہوتا ہے تو مطلب یہ کہ جو کہ روح ہو اور جو کہ مکمل ہو اور دوسرونکو شفا بخشنے والا ہو یعنی شیخ اور کامل اوسکو تو سرداری سزاوار ہے ورنہ زہر ہے کہ پھر اس کے بعد انسان کام کا نہین رہتا لیکن اوس کامل کو مضر نہین ہوتی اس مضر نہ ہونے کی وجہ آگے ایک مثال سے فرماتے ہین

کوہ ۔الخ۔ یعنی پہاڑ اگر سانپ سے پر ہو جاوے تو کوئی خوف نہین ہے اسلئے کہ اوسکے اندر تریاق زار ہے پس اگر کسی سانپ نے گزند پہونچایا تو اوس کی تلافی تریاق سے جو وہان بھرا پڑا ہے کر لی جائیگی اسی طرح ان حضرات کے پاس جو معیت مع اللہ کا تریاق ہوتا ہے اسکی وجہ سے انکو یہ سرداری اور مقتدائیت مضر نہین ہوتی

بلکہ خود اوسکو تو کبھی اپنے بڑے ہونے کا گمان بھی نہین ہوتا۔ اس لیے کہ اوس کے سامنے اس سے زیادہ ایک اور مرتبہ ہے تو وہ اپنی اس بڑائی کو کیا سمجھے گا سب اوسیکا ظل اور پرتو ہوگا۔ ہان بے شک ہم لوگونکو مضر ہے کہ ہمکی یہ حالت نہین ہوتی ہے اگر کہین ہمین ذرا نام کو اور صورتاً سرداری ملجاوے تو پھر تو زمین پر رہنا مشکل ہوجاوے اور جو کوئی اوس مین دراندازہو وہ ہمارا دشمن ہوجاوے تو سرداری کیا ہئی اخلاق ذمیمہ کبر و کینہ حسد دشمنی وغیرہ کی ایک پوٹ ہئی اللہم احفظنا۔

سروری الخ۔ یعنی سرداری جبکہ تمھارے دماغ کے قرین ہوجاوے تو جو کوئی اسکو توڑے وہ دشمن قدیم ہوجاوے۔

چون خلاف الخ۔ یعنی جب تمھاری خو کے خلاف کوئی کچھ کہے تو تجھے اوس شخص کیساتھ بہت سے کینے پیدا ہونگے اور کہوگے کہ مرا ازخو الخ۔ یعنی کہ مجھے میری عادت علحدہ کرتا ہے اور اپنے کو مجھپر سردار کرتا ہے۔ تو کسیکی نسبت یہ سمجھنا یقیناً تکبر اور غرور اور کینہ اور حسد ہے یہ اخلاق ذمیمہ مین سے ہے۔

چون نباشد الخ۔ یعنی جبکہ خوئے بد اوس کے اندر سرکش نہوگی تو کسیکے خلاف کرنے سے اوس مین آگ کب بھڑکے گی

چون تیا شد الخ۔ یعنی جبکہ خوئے بد محکم نہ ہوگی تو خلاف کیوجہ سے اوسکا آتشکدہ کب بھڑکے گا بلکہ اوسکی تو یہ حالت ہوگی

با مخالف الخ۔ یعنی مخالف کے ساتھ وہ مدارات کرتا ہے اور اوس کے دل مین اپنی جگہ کرتا ہے مطلب یہ کہ اوس کے ساتھ ایسا برتاؤ کرتا ہے کہ اوس کے دل مین اسکی جگہ ہو جاتی ہے ورنہ اس نیت سے کوئی کام نہین کرتا کہ کسی کے دل مین اسکی جگہ ہو یاد رکھو یہانتک بزرگ کامل کی حالت بیان کرکے رجوع ہے ماقبل کی طرف اوپر کہا تھا کہ سه بت پرستان الخ آگے اسکی وجہ فرماتے ہین کہ۔

زانکہ الخ۔ یعنی اس لیے کہ اوسکی خوئے بد مضبوط ہوگئی ہے اور شہوت کی چیونٹی عادت کی وجہ سے سانپ ہوگیا ہے مطلب یہ کہ بت پرست وغیرہ لوگون کو جو خلاف سے غصہ وغیرہ آتا ہے اسکی وجہ یہ ہے کہ اونکی خوئے بد مضبوط ہوگئی ہے اور اول جو کہ ضعیف تھی اب قوی ہوگئی ہے اسلیے اس شخص کو برا معلوم ہوتا ہے۔

مار شہوت الخ۔ یعنی شہوت کے سانپ کو ابتدا ہی سے مار ڈال ورنہ یہ تیرا سانپ اژدہا ہوجاویگا یعنی پہلی خلق ذمیمہ راسخ اور قوی ہوجاویگی پھر انکو ترک کرنا مصیبت ہوجاویگی یہان کوئی کہتا ہے کہ ہمنے تو دیکھا کہ ہمارا نفس اور اخلاق ذمیمہ ضعیف ہی ہین قوی تو نہین ہین اسکا جواب فرماتے ہین کہ

لیک الخ۔ یعنی لیکن ہر شخص اپنے سانپ کو تو ضعیف ہی دیکھتا ہے تو تو اپنی حالت کے متعلق کسی صاحبدل سے سوال کر وہ تیری حالت کو ظاہر کردینگے اور بتادینگے کہ ضعیف ہے یا قوی ہے خود اپنا دیکھ لینا کافی نہین ہے اور فرماتے ہین کہ

تا نشد الخ۔ یعنی جبتک کہ مس سونا نہوجاوے نہ جانے کہ مین مس ہون اور جب تک کہ دل بادشاہ نہوجاوے نہ جانے کہ مین مفلس ہون مطلب یہ کہ الاشیاء تعرف باضدادہا۔ جب مس سونا ہوجاوے گی اوس وقت اوسکو معلوم ہوگا کہ مین پہلے مس تھی اسیطرح جبتک کہ صاحبدل نہوگے اسوقت تک عیوب اپنے پیش نظر نہونگے۔ لہذا اب تم کو چاہیے کہ

خدمت الخ۔ یعنی اے دل مس کی طرح اکسیر کی خدمت کرو اور دلدار کا ظلم سہو تب کام بنیگا یہان کوئی دلدار سے شاید دلدار معشوق مجازی سمجھ لیتا اس لیے آگے اس کا دفع فرماتے ہین۔

کیست الخ۔ یعنی دلدار کون ہے اہل دل ہین خوب جان لو کہ جو دن رات کی طرح اس جہان سے باہر کو درہے ہین مطلب یہ کہ جو کہ اس جہان سے بے تعلق ہین وہ حضرات دلدار ہین انکی خدمت کرو۔ پھر دیکھو رنج اٹھاؤ گے۔

عیب کم الخ یعنی اللہ والوں کی عیب جوئی کم کرو اور بادشاہ کو چوری کی تہمت مت لگاؤ۔
ورنہ باشی الخ۔ یعنی ورنہ تو کمینوں میں سے ہیچ ہیچ ہوجاوے گا اور ہر شیطان کا تابع اور ذلیل ہوجاویگا
لہذا ان حضرات کی خدمت کرو اور ان سے حسد اور کینہ کو الگ کرو۔ چونکہ اوپر کہا تھا کہ ؎ متہم کم کن بدزدی شاہ را
آگے ایک حکایت لاتے ہیں جس سے معلوم ہوگا کہ ان حضرات کے ذمہ تہمت لگانے سے کیا ہوتا ہے اور
انکو حق تعالیٰ کس طرح بری فرمادیتے ہیں اب حکایت سنو۔

شرح حبیبی

بود درویشے درون کشتئے ۔ ساختہ از رخت مردے پشتئے
یاوہ شد ہمیان زر او خفتہ بود ۔ جملہ را جستند او را ہم نمود
کین فقیر خفتہ را جوئیم ہم ۔ کرد بیدارش زغم صاحب درم
کاندرین کشتی حرمدان گم شدہ است ۔ جملہ را جستیم نتوانی تو رست
دلق بیرون کن برہنہ شو ز دلق ۔ تا ز تو فارغ شود اوہام خلق
گفت یارب مر غلامت را خسان ۔ متہم کردند فرمان در رسان
یا غیاثی عند کل کربۃ ۔ یا معاذی عند کل شدۃ
یا مجیبی عند کل دعوۃ ۔ یا ملاذی عند کل محنۃ
چون بدرد آمد دل درویش زان ۔ سر برون کردند ہر سو در زمان
ماہیان بحید از دریائے ژرف ۔ در دہان ہر یکے دُرِ شگرف
صد ہزاران ماہی از دریائے پُر ۔ در دہان ہر یکے درے چہ دُر
ہر یکے درے خراج ملکتے ۔ کز الٰہ ست این ندارد شرکتے
دُر چند انداخت در کشتی و جست ۔ مر ہوا را ساخت کرسی و نشست
خوش مربع چون شہان بر تخت خویش ۔ او فراز اوج و کشتی اش بہ پیش
گفت رو کشتی شما را حق مرا ۔ تا نباشد با شما دزد گدا
تا کرا باشد خسارت زین فراق ۔ من خوشم جفت حق و از خلق طاق
نے مرا او تہمت دزدی نہد ۔ نے مہارم را بغمازی دہد
بانگ کردند اہل کشتی کاے ہمام ۔ از چہ دادندت چنین عالی مقام
گفت از تہمت نہادن بر فقیر ۔ وز حق آزاری پے چیزے حقیر
حاش للہ بل ز تعظیم شہان ۔ کہ نبودم بر فقیران بدگمان
آن فقیران لطیف و خوش نفس ۔ از پے تعظیم شان آمد عبس
وان فقیری بہر پیچاپیچ نیست ۔ بل پے آنکہ بجز حق ہیچ نیست

متہم چون دارم آنہا را کہ حق — کرد امین مخزن ہفتم طبق

متہم نفس ست نے عقل شریف — متہم حس ست نے نور لطیف

نفس سوفسطائی آمد میزنش — کش زدن سازد نہ حجت گفتنش

معجزہ بیند فروزد آن زمان — بعد ازان گوید خیالے بود آن

در حقیقت بود آن دید عجب — پس مقیم چشم بودی روز و شب

این مقیم چشم پاکان می بود — نے قرین چشم حیوان می شود

کان عجب زین حس دارد عار و ننگ — کے بود طاؤس اندر چاہ تنگ

تا نگوئی مر مرا بسیار گو — من ز صد یک گویم و آن ہم چو مو

ایک فقیر ایک کشتی مین بیٹھا ہوا تھا جو کہ کسی شخص کے سامان سے سہارا لگائے ہوئے تھا - یا مردانگی سے سامان سے تکیہ لگائے ہوئے تھا - اتفاقاً کسی کی ہمیانی اشرفیون کی گم ہوگئی - اور فقیر بیچارہ سو رہا تھا سب کی تلاشی لی گئی مگر کہین پتہ نہ چلا - پھر یہ خیال ہوا کہ اس فقیر کی بھی تلاشی لینا چاہیئے - جو سو رہا ہے یہ خیال کر کے مالک نے اس فقیر کو جگایا - اور کہا کہ اس کشتی مین ایک ہمیانی اشرفیون کی گم ہو گئی ہے ہم نے سب کی تلاشی لے لی ہے لہذا آپ کو بھی تلاشی دینی ہوگی یہ گدڑی اتار دیجیئے اور ننگے ہو جائیے - تاکہ آپ پر کسی کو شبہ نہ رہے - فقیر نے حق سبحانہ سے التجا کی اور کہا کہ ای اللہ اے ہر مصیبت کے وقت میرے فریادرس اور اے ہر خواہش نفسانی کے وقت میری جائے پناہ اور اے ہر دعا کے قبول کرنے والے اور اے ہر آزمائش کے وقت جائے پناہ - یہ دیکھئے تیرے بندہ پر تہمت لگاتے ہین آپ کوئی مناسب حکم صادر فرمائیے - غرض جب اس حرکت سے فقیر کا دل دکھا اور اوس نے دعا کی تو فوراً ہی ہر طرف لاکھون مچھلیون نے اس گہرے دریا سے سر نکالا انہین سے ہر ایک کے منہ مین ایک عجیب موتی تھا - ہر موتی کی قیمت ایک بڑی سلطنت کی آمدنی تھی کیونکہ وہ وحدہ لاشریک معبود کی طرف سے تھا - پس ایسا ہونا کچھ مستبعد نہین اس فقیر نے چند موتی لیکر کشتی مین ڈالدیئے کہ تمنے مجھپر شبہ کیا تھا - میرے پاس وہ اشرفیان تو تھی نہین - اون کے بدلہ مین یہ موتی دیتا ہون - دوسری وجہ یہ ہے تاکہ معلوم ہو جاوے - کہ جسکے قبضہ مین ایسے موتی ہون وہ اشرفیون کو لیکر کیا کرے گا اور موتیون کو ڈالکر آپ اوچھلے اور اوچھلکر ہوا پر متمکن ہو گئے اور جسطرح بادشاہ اپنے تخت پر چوکڑی مارکر بیٹھتے ہین یونہی چوکڑی مارکر بیٹھ گئے غرض وہ اونچے ہو گئے - اور کشتی اونکے سامنے نیچے رہی - اور یہ فرمایا کہ مینے کشتی تمکو سونپ کر خدا کو اختیار کر لیا تاکہ تم چوٹے فقیر سے رہائی پا جاؤ - اب تم سمجھ لو کہ اس مفارقت سے کس کو نقصان ہوا مین تو خوش ہون کہ مخلوق سے متفرد ہو کر خدا سے مل گیا جو کہ نہ مجھپر چوری کی تہمت لگاتا ہے نہ مجھے رسوا کرتا ہے یہ دیکھکر سب اہل کشتی چلا اوٹھے کہ حضور کو یہ مرتبہ کیسے حاصل ہوا ؟ اونھون نے اولاً طنزاً فرمایا کہ فقیر پر تہمت لگانے سے - اور ایک معمولی چیز کے لیے حق سبحانہ کو ناراض کرنے سے اس کے بعد فرمایا - توبہ توبہ بلکہ ان بادشاہون کی تعظیم و تکریم سے اور اس سبب سے کہ مین فقیرون سے بدظن نہ تھا وہ فقیر کیسے تھے وہ تھے جو نہایت پاکیزہ اور خوش گفتار تھے جن کی تعظیم مین سورہ عبس نازل ہوئی ہے - وہ فقیر نہین جنکی فقیری مکر و فریب کے لیے

ہو۔ بلکہ وہ فقیر جنکی نقیری محض اس لیے ہے کہ حق سبحانہ کے سوا کوئی چیز نہین جو دل بستگی کے قابل ہو۔ بھلا مین ایسے شخصون کو متہم کیونکر کرسکتا ہون۔ خدانے تو انکو ساتون طبق کے خزانہ کا امین بنایا ہے وہ سراپا عقل ہین اور نفس سے منزہ ہیں نفس متہم ہوسکتا ہے عقل متہم نہین ہوتی۔ بس وہ کیونکر متہم ہوسکتے ہین نیز وہ سراسر نور ہین نہ کہ سراپا حس اور متہم حس ہو سکتی ہو۔ نہ کہ نور آگے مولانا مضمون سابق کی طرف عود فرماتے ہین۔ اور نفس کے متعلق مضمون ارشادی بیان فرماتے ہین۔ نفس سو فسطائی اور منکر بدیہیات ہے اسکو مار کر سمجھانا چاہیے۔ یہ دلیل کو نہ مانے گا۔ یہ معجزہ دیکھتا ہے اسوقت تو مان لیتا ہو مگر پھر شرارت کرتا ہے اور کہتا ہو کہ وہ تو ایک خیال تھا کوئی نفس الامری شئے نہ تھا۔ اگر امر مشاہد عجیب کوئی امر واقعی ہوتا تو رات دن اسکو نظر مین رہنا چاہیئے تھا یہ کیا کہ ذرا سی دیر مین غائب ہو گیا لیکن اوسکو یاد رکھنا چاہیے کہ وہ فی الحقیقت امر واقعی ہے اور ہر وقت دکھائی دیتا ہے لیکن پاک لوگون کو وہ چشم باطن سے محسوس ہوتا ہے نہ کہ حس حیوانی سے وجہ یہ ہے کہ وہ امر عجیب اس سے عار رکھتا ہے کہ وہ حس ظاہری سے محسوس ہو۔ بھلا کہین طاؤس بھی کنوین مین مقید ہوتا ہے۔ اور کبھی کبھی جو چشم ظاہر سے محسوس ہوتا ہے وہ اتمام حجت کے لیے ہے تو مجھے فضول گو نہ کہنا۔ اس لیے کہ مین سو باتون مین سے ایک بات کہتا ہون اور وہ بھی اشارۃً اب ہم اس کے متعلق ایک قصہ بیان کرتے ہین تاکہ تمکو اس بیان کی تصدیق ہو

اون بزرگ کی کرامات کا بیان جنکو کہ کشتی مین متہم بدزدی کیا تھا

شرح شبیری۔ بود درویشے الخ۔ یعنی ایک درویش کشتی کے اندر تمام مردانگی کے اسباب سے ایک پناہ بنائے ہوئے تھا۔ مطلب یہ کہ مردان حق مین سے تھا۔

یاوہ شد الخ۔ یعنی ایک اشرفیون کی ہمیانی کھو گئی اور وہ سو رہا تو سب کی تلاشی لی۔ اور (صاحب ہمیانی نے اسکی بھی (لوگون کو) دکھایا کہ اسکی بھی تلاشی لو اور یہ کہا کہ۔

کین فقیر الخ۔ یعنی کہ اس سونے والے فقیر کی بھی ہم تلاشی لین گے تو اوسکو صاحب درم نے غم کی وجہ سے جگایا۔

کاندرین الخ۔ یعنی اوس کشتی مین ایک تھیلی گم ہو گئی ہے ہم نے سب کی تلاشی لی ہے تو تم بھی چھوٹ نہین سکتے۔

دلق الخ۔ یعنی گدڑی اتارو اور ننگے ہو جاؤ تاکہ لوگون کے اوہام تجھ سے فارغ ہو جاوین۔ یعنی سب کے خیالات جاتے رہین اور معلوم ہو جاوے کہ تو نے لیا ہی یا نہین۔ جب اون سے یہ کہا گیا تو اونکو جوش آیا اور حضرت حق مین عرض کیا کہ۔

گفت یارب الخ۔ یعنی کہا اے اللہ آپ کے غلام کو کمینہ لوگون نے متہم کردیا ہے آپ حکم بھیج دیجیے۔

یا غیاثی الخ۔ یعنی اے میرے فریادرس ہر کلفت کے وقت اور اے میرے پناہ دینے والے ہر شدۃ کے وقت

یا مجیبی الخ۔ یعنی اے میرے قبول کرنے والے وقت ہر دعا کے اور اے میرے جائے پناہ وقت ہر محنت کے اس وقت میری مدد کر کہ یہ لوگ بڑی سخت تہمت لگا رہے ہین۔

چون بدرد الخ صد ہزاران الخ۔ یعنی جبکہ اوس سبب سے درویش کا دل دکھا تو اوسی وقت ہر طرف سے لاکھون مچھلیون نے اوس دریائے عمیق سے سر نکالا اور ہر ایک کے منھ مین ایک موتی بیش قیمت تھا۔

ہر یکے الخ۔ یعنی ہر موتی ایک ملک کی خراج کی قیمت کی برابر تھا۔ کیونکہ وہ تو خدا کی طرف سے تھا اوسین کوئی

شرکت نہ تھی اگر شرکت ہوتی تو شاید اسقدر قیمتی نہ ہوتے۔ کہ دوسرا شریک نہ دیتا۔ مگر حق تعالے نے بھیجے تھے وہ تو جسقدر بھی قیمتی ہوں تھوڑے ہین۔ غرضکہ وہ موتی بہت قیمتی تھے۔ اور اون مچھلیون نے لاکران بزرگ کی خدمت مین پیش کیے۔

دُر چند الخ۔ یعنی چند موتی کشتی مین ڈالکر ایک جست کی اور ہوا کو کرسی بناکر بیٹھ گئے۔ مطلب یہ کہ اون سے موتی لیکر اون لوگون کو دیکر اور ہوا مین معلق جا بیٹھے یہ اون کی کرامت ظاہر ہوئی۔

خوش مربع الخ۔ یعنی خوب چارزانو بیٹھے تھے جیسے کہ بادشاہ اپنے تخت پر اور وہ تو اوج کی اونچائی پر تھا اور کشتی آگے تھی۔ یعنی وہ کشتی کے اوپر چل رہے تھے اور کشتی نیچے جارہی تھی۔

گفت الخ۔ یعنی فرمایا کہ یہ کشتی تمکو مبارک ہوا اور حق تعالے مجھے تاکہ تمھارے ساتھ چور فقیر نہو۔ مطلب یہ کہ فرمایا کہ بھائی مین تم سے الگ ہوگیا ہون تاکہ تمھارے ساتھ چور نہ رہے تمھین کشتی مبارک رہے مین ہمارا اللہ ہونچا دیگا اور دیکھئے تاکرا باشد الخ یعنی تاکہ کسکو خسارہ ہوا اس فرق سے مین حق تعالے کے ساتھ تھا اور خلق سے علحدہ ہوکر خوش ہون اور دیکھین کو ن نقصان مین ہے

نے مرا الخ۔ یعنی نہ وہ مجھے تہمت چوری کی رکھے اور نہ وہ مجھے رسوا کرے جب اوس کی یہ حالت دیکھی اور اوسکی باتین سنین تو اہل کشتی بہت گھبرائے اور بولے کہ۔

با تنگ کردالخ۔ یعنی اہل کشتی نے آواز کی کہ اے بزرگ تجھے یہ عالی مقام کس وجہ سے ملا ہو۔ تو اس بزرگ نے بطریق استہزا یہ کہا کہ

گفت الخ۔ یعنی اوسنے کہا کہ فقیر پر تہمت لگانے کی وجہ سے اور چیز حقیر کی وجہ سے حق آزاری کرنے سے مطلب یہ کہ جسطرح کہ تم ستاتے ہو چونکہ مین نے بھی اسیطرح فقیر ونکو ستایا ہے۔ لہذا مجھے یہ مرتبہ نصیب ہوا یہ تو لطور استہزا کے کہا تھا چونکہ اس سے شبہ ہوتا تھا کہ شاید کوئی کم فہم اسی کو سبب اصلی سمجھ جاوے تو اس کا ازالہ فرماتے ہین کہ

حاش للہ۔ الخ۔ یعنی حاش للہ بلکہ حضرات کی تعظیم کی وجہ سے کہ نہین تھا مین فقیرونپر بدگمان۔ مطلب یہ کہ مین نے جو کہا ہے کہ تہمت وغیرہ کی وجہ سے یہ مرتبہ ملا ہے تو حاش للہ کہین اس سے تھوڑا ہی ملا ہو بلکہ ان حضرات کی خدمت کرنے سے یہ مرتبہ حاصل ہوا ہے۔

آن فقیران الخ۔ یعنی وہ فقیر کہ جو لطیف اور خوش نفس ہین اور جنکی تعظیم کے لیے سورۂ عبس آئی ہے یعنی اون حضرات کی خدمت کی ہے کہ جنکی وہ شان تھی کہ اونکی ذراسی دل آزاری سے حضور مقبول صلے اللہ علیہ وسلم جیسے محبوب سے بازپرس ہوگئی۔ اور سورہ عبس نازل ہوئی۔

آن فقیری۔ یعنی وہ فقیر اس بیچا پیچ دنیاوی کے لیے نہین ہے بلکہ اس لیے کہ بجز حق کے اور کوئی نہین ہو مطلب یہ کہ وہ حضرات اس لیے نہین ہین کہ دنیا کے لیے فقیر بنین بلکہ وہ تو اس لیے ہین کہ درجہ فنا حاصل کرین۔

متہم چون الخ یعنی اون حضرات کو مین متہم کس طرح کرون۔ کہ حق تعالے نے تو اونکو ساتون زمین کے خزانون کا امین بنایا ہے پھر اونکو کس طرح متہم کرسکتے ہین۔ فرماتے ہین کہ۔

متہم الخ۔ یعنی متہم تو نفس ہے نہ کہ عقل شریف اور متہم حس ہے نہ نور لطیف۔ مطلب یہ کہ تہمت تو ان حواس ظاہری پر ہی ہوا کرتی ہو کہ ان سے افعال سرزد ہوتے ہین تو تہمت لگتی ہے مگر عقل پر تو تہمت نہین لگ سکتی

توجب یہ حضرات ان حواس کے مقتضیات سے خارج ہوگئے ہین تو پھر ان پر تہمت کسطرح لگ سکتی ہی۔
نفس سوفسطائی الخ۔ یعنی نفس سوفسطائی ہے تو اوسکو خوب پیٹو کیونکہ اوسکو مارنا سزا وار ہے نہ دلیل کہنا۔ مطلب یہ کہ فسطائی جو فرقہ ہے وہ کہتا ہے کہ جسقدر اشیا ہین یہ سب خیال و وہم ہے اور حقیقۃً اشیا کچھ نہین ہیں تو کتب کلامیہ مین لکھا ہے کہ ان سے دلائل وغیرہ سے بحث نہ کرے بلکہ انکو پکڑ کر پیٹے اور جب چلاوے تو کہے کہ مار تو ایک وہمی اور خیالی شے ہے پھر اس سے اسقدر کرب کیون ہے تم خیال کرو کہ چوٹ نہین لگتی توجب یہ فرقہ مانتا ہے اسی طرح نفس کی بھی حالت ہے کہ اوس کے آگے اگر دلائل قائم کرو تو کبھی نہ مانے گا بس اسکا علاج سرزنش ہی کہ اسکو خوب پیٹا جاوے تب یہ درست ہو سکتا ہے آگے اس سوفسطائی کے انکار حقیقت کے کچھ نظائر فرماتے ہین کہ
معجزہ بیند الخ۔ یعنی معجزہ دیکھتا ہے تو اُس وقت تو منور ہو جاتا ہے بعد اوس کے کہتا ہے کہ وہ ایک خیال تھا یعنی جبکہ معجزہ کو ایک نئی بات دیکھتا ہے تو اول تو کچھ نور اور سرور وغیرہ پیدا ہوتا ہے مگر پھر جب وہ حالت فرو ہوتی ہے تو کہتا ہے کہ ایک خیال تھا اور کچھ بھی نہین اور کہتا ہی کہ۔
در حقیقت الخ۔ یعنی اور اگر حقیقت ہوتا وہ عجیب شے کا دیکھنا تو رات دن آنکھ مین مقیم رہتا۔ مطلب یہ کہ کہتا ہی کہ یہ معجزہ ایک خیال تھا ورنہ اگر کوئی شے حقیقت مین ہوتی تو اوسکو بقا ہوتا اور اب بھی اوسیطرح ہماری نگاہ مین قائم ہوتی اور یہ اس لیے کہ معجزات اکثر تو وقتی ہی ہوتے ہین کہ جب طلب کئے گئے ظاہر ہوئے پھر ختم۔ جیسے کہ مثلاً شق القمر کہ جب طلب کیا گیا اس وقت دو ٹکڑے ہوگئے۔ مگر پھر مل گئے۔ تو سوفسطائی کہتے ہین کہ اگر حقیقت مین دو ٹکڑے ہوئے تھے تو وہ اسی طرح قائم رہتے۔ پھر ملجانے سے اور اصلی حالت پر ہوجانے سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک وہم و خیال تھا کہ اس وقت ایسے معلوم ہوگیا پھر اصلی حالت پر عود کر آیا اس کا جواب مولانا فرماتے ہین کہ
آن مقیم الخ۔ یعنی وہ پاک لوگون کی آنکھ مین مقیم ہوتی ہے نہ کہ چشم حیوانی کے قرین ہوتی ہے۔ مطلب یہ کہ تمھارا کہنا کہ وہ اگر حقیقت ہوتی تو آنکھ مین اسی طرح مقیم رہتی بالکل صحیح بلکہ اصح ہے مگر جناب کیا آپ اپنی آنکھ مراد لیتے ہوئے ہین اندھے چوندھے اگر کہو کہ ہان تب تو بے شک آپ ہی کا قول سچ ہی کہ خیال ہی مگر جناب یہ تو آنکھ اندھی ہے اسکا اعتبار ہی کیا ہی جو حضرات کہ پاک ہین اور جو کہ حواس باطنی سے ادراک کرتے ہین اونکے سامنے چونکہ حقائق اشیا منکشف ہوتی ہین اس لیے وہان اوسی طرح وہ معجزہ وغیرہ سب بحالہا قائم رہتا ہے آگے اسکی وجہ فرماتے ہین کہ
کان عجب الخ۔ یعنی اس لیے کہ وہ عجب شے اس حس سے عار اور ننگ رکھتی ہی۔ تو بھلا مور کنوین تنگ مین کب رہ سکتا ہی مطلب یہ کہ وہ تمھاری آنکھ مین جو قیام پذیر نہین ہوتین اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ تمھارے پاس آنے سے شرم رکھتی ہین اور اونکو عار آتی ہی کہ وہ تمھاری نگاہ مین مقیم رہین اور اس کی ایسی مثال ہے کہ کسی کنوین تنگ و تاریک مین کوئی مور کو جو میدان کا رقص کرنے والا ہے بند کرنے لگے تو ظاہر ہے کہ اوسکا دل گھبراوے گا تو اسی طرح اس معجزہ وغیرہ کو تمھارے اس تنگ و تاریک قلب مین پریشانی ہوتی ہی۔ خوب سمجھ لو آگے فرماتے ہین کہ
تا نگوئی الخ۔ یعنی تم کہین مجھے بسیار گو نہ کہنے لگو تو مین سو مین سے ایک کہتا ہون اور وہ بھی بال کے برابر مطلب یہ کہ مین نے جو یہ اسرار و حقائق بیان کیے ہین ان سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ مین بسیار گو ہون اس لیے کہ مین نے تو بہت ہی کم بیان کیا ہے۔ گویا کہ سو مین سے ایک حصہ تو پھر مین بسیار گو کہان ہون۔ آگے ایک حکایت لاتے ہین کہ

ایک شیخ کے مریدون نے ایک مرید کی شکایت کی کہ یہ کھاتا اور سوتا اور بولتا بہت ہے۔ تو اُس شیخ نے کہا کہ بھائی ہر چیز اوسط سے کرنی چاہیے۔ اس لیے کہ خیر الامور اوسطہا۔ تو مرید نے کہا کہ حضرت اوسط سب کا مختلف ہوتا ہے جو بہت بولتا ہو وہ کم کردے تو وہ اوسکا اوسط ہے اور جو کم بولتا ہو وہ اگر خاموش رہے تو وہ اوسکا اوسط ہے علیٰ ہذا تو اسیطرح مولانا فرماتے ہین کہ وہ اسرار تو بہت ہین انمین اتنا بیان کردینا یہ اوسط ہی ہی اور یہ بسیار گوئی نہین ہے آگے اوس شیخ اور مرید کی حکایت کو بیان فرماتے ہین کہ۔

شرح حبیبی

صوفیان بر صوفیے شنعت زدند ‖ پیش شیخ خانقاہے آمدند
شیخ را گفتند داد جان ما ‖ تو ازین صوفی بجوا سے پیشوا
گفت آخر چہ گلہ است اے صوفیان ‖ گفت این صوفی سہ خو دارد گران
در سخن بسیار گو ہمچو جرس ‖ در خورش افزون خورد از بست کس
ور بخسپد ہست چون اصحاب کہف ‖ صوفیان کردند پیش شیخ زحف
شیخ رو آورد سوئے آن فقیر ‖ کہ ز ہر حالیکہ ہست اوساط گیر
در خبر خیر الامور اوساطہا ‖ نافع آمد ز اعتدال اخلاطہا
گر یکے خلطے فزون شد از عرض ‖ در تن مردم پدید آید مرض
بر قرین خویش مفزا در صفت ‖ کان فراق آرد یقین در عاقبت
نطق موسےٰ بود با اندازہ نیک ‖ ہم فزون آمد ز گفت یار نیک
آن فزونی با خضر آمد شقاق ‖ گفت رو تو مکثری ہذا فراق
موسیا بسیار گوئی در گذر ‖ چند گوئی رو و ہمال آمد بسر
موسیا بسیار گوئی خیز ور و ‖ ورنہ با من گنگ باش و کور شو
ورنہ رفتی در ستیزہ ششتہٴ ‖ تو بمعنی رفتہٴ و بگسستہٴ
چون حدث کردی تو ناگہ در نماز ‖ گویدت سوئے طہارت رو بتاز
ورنہ رفتی خشک جنبان می شوی ‖ خود نمازت رفت بنشین ای غوی
رو برآنہا کہ ہم جفت تو اند ‖ عاشقان و تشنہٴ گفت تو اند
پاسبان بر خود ز نبا کان بر فزود ‖ ماہیان را پاسبان حاجت نبود
جامہ پوشان را نظر بر گازر است ‖ جامہ عریان را تجلی زیور است
یا ز عریانان بیک سو باز رو ‖ یا چو ایشان فارغ از تن جامہ شو
ورنہ میتانی کہ کل عریان شوی ‖ جامہ کم کن تا رہ اوسط روی

چند صوفی ایک شیخ خانقاہ کی خدمت مین حاضر ہوئے اور ایک صوفی کی برائی کی اور کہا کہ حضور آپ

ہماری جان غضب مین ڈال رکھی ہو آپ اس سے ہمارا انصاف کیجیے۔ اُسنے کہا کہ آخر شکایت کیا ہو۔ اونھون نے کہا کہ اس کے اندر تین خصلتین بہت ناگوار ہین اول یہ کہ باتین بہت کرتا ہے جیسے ٹال کہ ہر وقت بجتی رہتی ہو دوسری یہ کہ ہمیں آدمیون سے زیادہ کھاتا ہو۔ تیسرے یہ کہ جب سوتا ہے تو معلوم ہوتا ہو کہ اصحاب کہف مین سے ہو غرض کہ صوفیون نے شیخ کے سامنے اوسکی خوب مخالفت کی شیخ اوس فقیر کیطرف متوجہ ہوا۔ اور کہا کہ بھائی ہر حالت مین اعتدال اور توسط کا لحاظ رکھنا چاہئے۔ حدیث مین خیر الامور اوسطہا وارد ہے۔ اور اخلاط بھی اوسی وقت نافع ہوتی ہین جبکہ اون مین اعتدال ہو۔ اگر کسی عارض سے کسی خلط کا غلبہ ہو جاتا ہو تو آدمی کے جسم مین مرض پیدا ہو جاتا ہو۔ پس تم کو اپنے مقارن اور مصاحب لوگون سے صفت مین بڑھنا نہ چاہئے۔ جس طرح کہ ایک خلط دوسری خلط مقارن پر نہین بڑھتی۔ اس لئے کہ ایسا کرنے کا نتیجہ مفارقت ہوتا ہے دیکھو موسے علیہ السلام کی گویائی فی نفسہا اندازہ کے مطابق تھی مگر حضرت خضر کی گفتگو سے زیادہ تھی۔ اس لیے وہ زیادتی حضرت خضر کے ساتھ مخالفت کا سبب بن گئی۔ اونھون نے کہدیا کہ آپ بولتے بہت ہین میری اور آپ کی بن نہین سکتی آپ تشریف لیجائیے۔ اے موسے آپ بسیار گو ہین مجھے چھوڑیئے بس اب کب تک گفتگو کیجیے گا۔ جائیے مدت وصال ختم ہو چکی۔ اے موسے آپ بہت بولتے ہین مجھسے علیحدہ ہو جائیے اگر مجھسے میل رکھنا ہے تو آپ اپنے کو ایسا بنائیے جیسا کہ آپ نہ بول سکتے ہین۔ اور نہ دیکھ سکتے ہین کیونکہ آپ کی گفتگو کا منشا نظر ہے پس جب ایک واقعہ کو دیکھکر آپ اپنے کو ایسا بنائین گے جیسا کہ دیکھا ہی نہین تو اعتراض بھی نہ کرین گے۔ اور جب اعتراض نہ کرینگے تو مثل گونگے کے ہون گے۔ خلاصہ یہ کہ خاموش رہئے اور اگر آپ بولتے جائینگے اور تشریف نہ لیجائین گے تو آپ کا یہان رہنا حقیقۃً بے سود ہوگا۔ اور ایسا ہوگا جیسا کہ آپ کو مجھے کوئی تعلق ہی نہین لہذا آپ وہین تشریف لیجائیے جہان آپ کے میل کے لوگ ہین اور جو آپ کی گفتگو کے شایق اور قدردان ہین۔ آگے مولانا حضرت خضر کے اس ارشاد کی وجہ بتلاتے ہین۔ در برفتی وز ستیزہ شستۂ الخ حاصل وجہ یہ ہے کہ قاعدہ ہے کہ اذا فات الشرط فات المشروط اور افادہ و استفادہ کے لیے صحبت کافی نہین بلکہ اس کے لیے مناسبت شرط ہے اور جب مناسبت نہ ہوگی بلکہ مخالفت ہوگی تو افادہ و استفادہ نہین ہو سکتا اس لیے کہ شرط مفقود ہے پس صحبت بے سود ہے۔ نماز کے لیے وضو شرط ہے لیکن جب نماز کے اندر حدث ہو جائے تو کہا جاوے گا کہ جاؤ وضو کرو اگر وضو نہ کروگے اور نماز جاری رکھوگے تو نماز نہوگی بلکہ حرکات لایعنی ہون گے لہذا جب نماز نہوئی تو بیٹھ جانا چاہیے حرکات لایعنی سے کیا نتیجہ پس یونہی جب مقصود صحبت افادہ و استفادہ بوجہ فقدان شرط کے ممکن نہو۔ تو الگ ہو جانا چاہئے صحبت مین رہنے سے۔ پہرا دینا تو مقصود نہین کیونکہ پاسبانکا اضافہ سونے والون پر ہوتا ہے۔ مچھلیون کو پہرہ والے کی ضرورت نہین خلاصہ یہ کہ میل کے لیے مناسبت کی ضرورت ہے۔ مثلاً جو کپڑے پہنتے ہین وہی دھوبی پر نظر رکھتے ہین۔ اور جو ننگ مین لباس دنیا سے انکار زیور تجلی حق سبحانہ ہے پس دو صورتین ہین انہین سے جو صورت منظور ہو اوسکو اختیار کر لیا جاوے۔ یا تو ننگون سے الگ ہو جانا چاہئے یا خود بھی انکے ساتھ ننگا ہو جانا چاہیے۔ اور بالکل ننگا نہ ہو سکے تو کپڑے کم ہی کر دینے چاہیئن۔ تاکہ توسط کی حالت پیدا ہو جاوے۔ الحاصل اگر مناسبت پیدا نہین کر سکتے

الگ ہو جاؤ۔ اور اگر مناسبت پیدا کر سکتے ہو۔ پوری یا کسیقدر تو مناسبت پیدا کرو۔

شیخ کے سامنے صوفیون کا طعن اوس صوفی پر جو کہ بسیار گو تھا

شرح شبیری ۔ صوفیان الخ ۔ صوفیون نے ایک صوفی پر طعن کیا اور خانقاہ کے شیخ کے آگے آئے۔

شیخ را گفتند الخ ۔ یعنی سب نے شیخ سے کہا کہ اے ہمارے پیشوا آپ اس سے ہمارا انصاف کر دیجیے۔

گفت الخ ۔ یعنی شیخ نے کہا کہ اے صوفیو آخر کیا شکایت ہے تو اس طاعن نے کہا کہ یہ صوفی تین خصلتین بڑی گران رکھتا ہے

در سخن الخ ۔ یعنی بات کرنے مین تو گھنٹہ کی طرح بسیار گو ہے اور کھانے مین بیس آدمیون سے زیادہ کھا جاوے۔

ور بخسپد الخ ۔ یعنی اور اگر سوتا ہے تو اصحاب کہف کی طرح سوتا ہے صوفیون نے شیخ کے سامنے اوس کو سبک کیا ۔ مطلب یہ کہ سب نے کہا یہ سوتا اور کھاتا اور بولتا بہت ہے اس لیے سب کو پریشانی ہوتی ہے لہذا اسکو منع کیا جاوے

شیخ رو الخ ۔ یعنی شیخ نے اوس فقیر کیطرف توجہ کی کہ میان جو چیز بھی ہو اوسمین سے اوسط کو لے لو۔ افراط تفریط ٹھیک نہین ہے

در خبر الخ ۔ یعنی حدیث مین خیر الامور اوسطہا ہے اور (افراط تفریط) اعتدال اخلاط کو مانع ہے۔ لہذا چاہیئے کہ اوسط ہی پر رہے۔

گر یکے الخ ۔ یعنی اگر ایک خلط کسی عارض سے زیادہ ہو جاوے تو آدمی کے بدن مین مرض پیدا ہو جاتا ہے مطلب یہ کہ جسطرح کہ اخلاط ظاہری افراط و تفریط سے امراض پیدا ہوتے ہین اسی طرح حواس باطنی مین بھی افراط و تفریط سے امراض پیدا ہوتے ہین لہذا یاد رکھو کہ افراط و تفریط سے ہمیشہ پرہیز کرو۔

بر قرین الخ ۔ یعنی اپنے ساتھی پر صفت مین زیادتی مت کرو۔ اس لیے کہ یہ انجام کار فراق لاتا ہے صفت سے مراد یہ صفت کلام وغیرہ یعنی ان صفات مین اوس سے مت بڑھو۔ جتنا وہ ہو اسی قدر تم بھی رکھو ورنہ اسکا انجام جدائی ہے آگے اس افراط سے فراق کی ایک نظیر پیش فرماتے ہین کہ۔

نطق موسے الخ ۔ یعنی موسے علیہ السلام کی گفتگو اندازہ سے ہی تھی مگر اون یار نیک کے کہنے سے زیادہ ہی تھی۔ سبحان اللہ مولانا نے مصرعۂ اول مین ادب موسے علیہ السلام کا کسقدر لحاظ رکھا ہے۔ اگر ویسے ہی فرما دیتے تو گویا موسے علیہ السلام بسیار گو ہوتے اب فرماتے ہین کہ وہ اگرچہ اندازۂ مناسب سے بول رہے تھے مگر پھر بھی خضر علیہ السلام کی حالت سے وہ بھی زیادہ تھا۔

آن فزونی الخ ۔ یعنی وہ زیادتی خضر علیہ السلام کو شاق ہوئی تو اونھون نے کہدیا کہ اے موسے تم بہت بولنے والے ہو لہذا اب فراق ہے اور یہ کہا جسکی روایت بالمعنی یہ ہے کہ۔

موسیا الخ ۔ یعنی اے موسے تم بسیار گو ہو لہذا جاؤ اور کب بولوگے وصل تو ختم ہو گیا۔

موسیا الخ ۔ یعنی اے موسے تم بسیار گو ہو تو الگ ہو جاؤ ورنہ میرے ساتھ گونگے ہو کر رہو۔ اگر کوئی منکر دیکھو اور سنو تو بولو ہی مت گویا کہ تمنے نہ دیکھا نہ سنا۔

ورنہ الخ ۔ یعنی اور اگر تم نہ گئے اور ضد کی وجہ سے بیٹھے ہی رہے تو معنےً تو چلے گئے ہو اور قطع تعلق کر چکے ہو مطلب یہ کہ اگر ظاہر مین تم نہ گئے اور یہین دہرے رہے تو کیا ہے دل سے فراق ہو چکا ہے تم نہ جاؤگے

تاہم چل دینگے اور پھر فیض تو نہیں ہوسکتا اسی طرح اگر شیخ ناراض ہو تو اگرچہ قرب ظاہری ہو مگر پھر بھی دل سے تو دوری ہو لہذا گویا کہ دور ہی ہو کہ فیض حاصل نہیں ہو سکتا۔ خوب سمجھ لو اور فرماتے ہیں کہ۔

رو بر آنہا الخ۔ یعنی اون کے پاس جاؤ جو کہ تمھارے سائق ہین اور تمھاری گفتگو کے عاشق اور ربا سے ہین مطلب یہ کہ شیخ کے سامنے یا اپنے برابر والون کے سامنے بولنا بے ادبی ہے ہان جو کہ تمھاری گفتگو کے طالب ہین اون کے پاس جاؤ مگر یہان مت بولو آگے اس بنظا ہر پاس رہنے اور دل سے دور ہونے کی مثال ہو کہ۔

چون الخ۔ یعنی اگر تمکو نماز مین اتفاقاً حدث ہو گیا تو وہ نماز بزبان حال تم سے کہہ رہی ہو کہ پاکی کی طرف دوڑ۔ یعنی وضو کرے گویا کہ وہ نماز یہ کہہ رہی ہے۔

ور نہ رفتی الخ۔ یعنی اور اگر تو نہ گیا تو سوکھا ہتا رہیگا اس لیے کہ خود تیری نماز چلی گئی اسے سرکش مطلب یہ کہ اگر تم نہ بھی گئے اور وضو نہ کیا تو کیا ہوا نماز چلی جاوے گی اسیطرح جبکہ شیخ ناراض ہے تو اگر تم نہ گئے تو وہ تو جا چکا اور تم سے قطع تعلق کر چکا ہے آگے اور مثال ہے کہ۔

پاسبان الخ۔ یعنی پاسبان نے سو نہ دا لون پر (احسان) زیادہ کیا۔ مگر مچھلیون کو پاسبان کی کیا حاجت ہے اسیطرح جن لوگون کو اس تلقین وتربیت کی حاجت ہو اون کے سامنے تو اس قسم کی باتین کرنا مناسب ہین مگر جہان ضرورت نہو وہان کہان مناسب ہے کہ ایسی باتین کیجادین۔

جامہ پوشان الخ۔ یعنی کپڑے پہنے والون کی نظر دھوبی پر ہے اور جو جامہ عریان ہے اوسکا زیور تجلی ہو مطلب یہ کہ جو کہ اس دنیا کے تعلقات مین پھنسے ہوئے ہین وہ تو محتاج ہین کہ کوئی اونکے قلب کی صفائی کرے اور جو ان سے خارج ہین اون کے لیے تو انوار خداہی زیور ہین اور وہ اوسمین مگن ہین۔

یا ز عریانان الخ۔ یعنی یا تو برہنہ لوگون سے ایک طرف ہوکر چلو اور یا اون کی طرح تم بھی جامۂ تن سے فارغ ہوجاؤ۔ اور سب تعلقات دنیویہ کو ترک کردو اور یا اونکے پاس مت بھٹکو۔ یا کمن با پیلبانان دوستی + یا بنا کن خانہ بر انداز پیل۔

ور نمی تانی کہ الخ۔ یعنی اگر تم بالکل عریان نہین ہو سکتے تو کپڑے کم کردو۔ تاکہ راہ اوسط پر چلنے لگو مطلب یہ کہ اگر تعلقات دنیویہ کو بالکل نہین ترک کر سکتے تو خیر کم ہی کردو۔ اسمین افراط وتفریط سے بچکر رہ وسط پر آجاؤ کہ خیر الامور اوسطہا ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ آگے اس مرید نے جو جواب شیخ کو دیا اوسکو بیان فرماتے ہین

شرح حبیبی

پس فقیر آن شیخ را احوال گفت	عذر را با آن غرامت کرد جفت
ہر سوال شیخ را داد او جواب	جو جوابات خضر خوب وصواب
آن جوابات وسوالات کلیم	کش خضر بنمود از رب علیم
گشت مشکلہاش حل وافزون زیاد	از پئے ہر مشکلش مفتاح داد
از خضر درویش ہم میراث داشت	در جواب شیخ ہمت بر گماشت
گفت راہ اوسط ارچہ حکمت است	لیک اوسط نیز ہم بانسبت است

آب جو نسبت باشتر هست کم ۔ لیک باشد موش را آن همچو یم

هر کرا باشد وظیفه چار نان ۔ دو خورد یا سه خورد هست اوسط آن

ور خورد هر چار دور از اوسط است ۔ او اسیر حرص مانند بط است

هر که او را اشتها ده نان بود ۔ شش خورد میدان که اوسط آن بود

چون مرا پنجاه نان هست اشتهی ۔ مر ترا شش گرده هم دستیم نی

تو بده رکعت نماز آیی ملول ۔ من بپانصد در نیایم در نحول

آن یکی تا کعبه حافی میرود ۔ وین یکی تا مسجد از خود میشود

آن یکی در پاکبازی جان بداد ۔ وان دگر جان کند تا یک نان بداد

این وسط در بانهایت میرود ۔ که مر او را اول و آخر بود

اول و آخر بباید تا در آن ۔ در تصور گنجد اوسط یا میان

بی نهایت چون ندارد دو طرف ۔ کی بود او را میانه منصرف

اول و آخر نشانش کس نداد ۔ گفت لو کان له البحر المداد

هفت دریا گر شود کلی مدید ۔ نیست مر پایان شدن را هیچ امید

باغ و بیشه گر بود یکسر قلم ۔ زین سخن هرگز نگردد هیچ کم

آن همه حبر و قلم فانی شود ۔ وین حدیث بی عدد باقی بود

حالت من خواب را ماند گهی ۔ خواب پندارد مر او را گمرهی

چشم من خفته دلم بیدار دان ۔ شکل بیکار مرا بر کار دان

گفت پیغمبر که عینای تنام ۔ لا ینام قلبی عن رب الانام

گفت پیغمبر که خسپد چشم من ۔ لیک کی خسپد دلم اندر وسن

چشم تو بیدار و دل رفته بخواب ۔ چشم من خفته دلم در فتح باب

مر دلم را پنج حس دیگر است ۔ حس دل را هر دو عالم منظر است

جب شیخ نصیحت فرما چکے تو اس فقیر نے حالت بیان کی اور اس الزام کے ساتھ عذر کو ملایا۔ اور شیخ کے ہر سوال کا جواب ایسا نفیس اور عمدہ دیا جیسا جواب خضر تھا جواب خضر سے وہ جوابات مراد ہیں جو انہوں نے حق سبحانہ کی طرف سے موسی علیہ السلام کے سوالات پر دیے تھے اور جن سے خوب اچھی طرح ان کی مشکلیں حل ہو گئی تھیں اور جنکو ظاہر کرکے حضرت خضر نے حضرت موسے علیہ السلام کو ہر مشکل کی کنجی عطا کر دی تھی اس فقیر کو بھی حضرت خضر علیہ السلام کی یہ میراث عطا ہوئی تھی۔ اس لیے وہ شیخ کے جواب پر کمر بستہ ہوا۔ اور کہا کہ یہ مسلم ہے کہ میانہ روی ایک معقول بات ہے لیکن اوسط کوئی معین مخصوص شے نہیں بلکہ وہ ایک امر نسبی واضافی ہو جسکی تعیین طرفین سے ہو سکتی ہے اور چونکہ اطراف مختلف ہیں لہذا اوساط بھی مختلف ہوں گے مثلاً ندی کا پانی اونٹ کے لیے اوسط ہے لیکن چوہے کے لیے سمندر۔ علی ہذا جسکی خوراک چار روٹیوں کی ہو تو اوس کے لیے دو تین اوسط ہیں یہ شخص اگر چار نان

کھلائے گا تو کھا جاوے گا کہ وہ بط کی طرح حریص ہے لیکن جسکی بھوک دس روٹیون کی ہو اگر وہ چھ بھی کھائے تب بھی اوس کے لیے اوسط ہی جب یہ مقدمہ ممہد ہوگیا تو اب مین کہتا ہون کہ فرض کرو کہ میری خوراک تو پچاس روٹیان ہین اور آپکی چھ ہین تو کیا ہم دونون برابر ہین ہرگز نہین نیز فرض کرو کہ آپ تو دس رکعتون سے گھبرا جاتے ہین اور مین پانسو سے بھی نہین تھکتا پھر ہم دونون یکسان کیونکر ہوسکتے ہین۔ علی ہذا ایک شخص پیدل خانہ کعبہ جاتا ہی دوسرا مسجد تک جاکر حواس باختہ ہوجاتا ہی ایک شخص پاکبازی مین جان تک دیدیتا ہے۔ ایک شخص مر کھپ کر ایک روٹی دیتا ہے بھلا یہ دونون برابر کیسے ہوسکتے ہین اور انکا اوسط برابر کیونکر نکل سکتا ہے۔ یہ جواب تو کھانے کے متعلق تھا اب مین کلام کے متعلق کہتا ہون کہ مین اس مین اوسط کا لحاظ رکھ ہی نہین سکتا۔ کیونکہ یہان اوسط ہی نہین نکل سکتا۔ اوسط اشیاء متناہیہ مین نکلتا ہی جس کے لئے ابتدا و انتہا ہو کیونکہ اوسط کے متحقق ہونے کے لیے ضرورت ہی کہ اول و آخر متحقق ہون اور جو غیر متناہی ہے اس لئے دو طرفین ہی نہین رکھتا۔ اوسکے لیے اوسط کیونکر نکل سکتا ہی۔ جو مرجع بن سکے اور حق سبحانہ کے اوصاف کے اول و آخر کا پتا نہین تبلا سکتا کیونکہ

حق سبحانہ خود فرماتے ہین قل لو کان البحر مدادا لکلمات ربی لنفد البحر قبل ان تنفد کلمات ربی ولو جئنا بمثلہ مددا۔ یعنی اگر ساتون سمندر رب کے سب سیاہی بنجائین تب بھی اوس کے اوصاف کے ختم ہونے کی کوئی امید نہین نیز فرماتے ہین کہ جنگل کے تمام باغ بالکل قلم بنجائین تو اس گفتگو مین کمی نہین آسکتی۔ یہ سیاہی اور یہ قلم سب فنا ہوجائینگے لیکن یہ بے نہایت گفتگو ہنوز باقی ہوگی جب کثرت کلام کا جواب بھی ہوگیا تو اب مین سونے کا جواب دیتا ہون۔ بات یہ ہی کہ کبھی مجھپر ایک حالت طاری ہوتی ہے اور وہ سونے کے مشابہ ہوتی ہے لیکن واقع مین نیند نہین ہوتی۔ اوسکو ناواقف نیند سمجھ لیتا ہے پس آنکہ کو جو بظاہر سوئی معلوم ہوتی ہے حقیقت مین بیدار سمجھنا چاہیے اور بیکاری کی شکل کو مشغولی کار سمجھنا چاہئے اس کی تائید حدیث سے بھی ہوتی ہی چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہین کہ میری آنکھین سوتی ہین لیکن دل حق سبحانہ سے غافل نہین ہوتا مگر میری حالت مین اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حالت مین فرق یہ ہی کہ وہان نوم حقیقی مین یہ حالت ہوتی ہے اور یہان نوم صوری مین پس اے معترض تو مجھپر کثرت نوم سے کیا اعتراض کرتا ہی تو خود اس بلا مین مبتلا ہے کیونکہ تو تیری آنکھ جاگتی ہے مگر دل سوتا ہے اور میری آنکھ ظاہر سوتی ہے مگر میرے دل کا دروازہ کھلا ہوا ہے جس سے مین مشاہدہ حق سبحانہ او تلقی فیوض مین مصروف ہون۔ کیونکہ علاوہ حس ظاہر کے ہمارے لیے پانچ حواس اور بھی ہین جنکا تعلق قلب سے ہی جب میرے حواس ظاہری تجھے معطل نظر آتے ہین تو مین اون حواس سے کام لیتا ہون۔ غرض کہ میرے حواس ہر دو عالم کا نظارہ کرتے ہین حواس ظاہر عالم ناسوت اور حواس باطنہ عالم غیب کا اور تیرے لیے صرف وہی حواس ہین جنسے تو عالم ناسوت کا نظارہ کرتا ہے۔

اس فقیر کا شیخ خانقاہ سے اپنا عذر بیان کرنا

شرح شبیری پس الخ۔ یعنی پس فقیر نے شیخ سے احوال کہا اور عذر کو اوس بازپرس سے ملادیا۔ غرامت کے معنی لغوی تاوان کے ہین مگر بازپرس کو غرامت اسلیے کہا کہ تاوان مین بھی ایک بازپرس اور مؤنت ہوتی ہی مطلب یہ کہ اونکی بازپرس پر عذر بیان

کردیا جس کا تفصیلاً ذکر آگے آتا ہے۔
ہر سوال الخ یعنی شیخ کے ہر سوال کا جواب خضر علیہ السلام کی طرح اچھا اور ٹھیک دیا۔ چونکہ اوپر بھی خضرؑ اور موسےؑ سے تشبیہ دے چکے ہین اوسی بنا پر یہان بھی کہدیا۔
آن جوابات الخ۔ یعنی وہ سوالات کلیم علیہ السلام کے جواب جنھین کہ موسے علیہ السلام کو خضر علیہ السلام نے رب علیم سے دکھلائے مطلب یہ کہ یہ جوابات مرید جو مشابہ جواب خضر کے تھے تو اون اجوبہ کے جنکو حق تعالے کے الہام سے حضرت خضرؑ نے موسےؑ علیہ السلام کو بتلائے تھے۔ اور اونکا اثر یہ ہوا کہ۔
گشت مشکلہاش الخ یعنی اونکی مشکلین بالکل حل ہوگئین اور اونکو ہر مشکل کے لیے ایک کنجی دی کہ جس سے وہ ساری مشکلین حل ہوتی گئین اور وہ کنجیان جوابات شافی ہین آگے مولانا فرماتے ہین کہ۔
از خضر الخ۔ یعنی خضر علیہ السلام سے اس درویش نے بھی میراث پائی تھی تو شیخ کے جواب دینے مین ہمت کو مقرر کیا۔ یعنی ہمت سے کام لیا اور خوب درست اور شافی جوابات دیے لگے اوس فقیر کے عذر کی تفصیل فرماتے ہین کہ۔
گفت الخ۔ یعنی فقیر نے کہا کہ راہ اوسط اگرچہ حکمت ہے لیکن اوسط بھی نسبت سے ہے مطلب یہ کہ یہ تو درست ہے کہ اوسط اچھی چیز ہے مگر اوسط تو مختلف ہوتا ہے یہ تو ایک امر نسبی ہے پھر جب ہر شخص کا اوسط الگ ہے تو کیا خبر کہ میرے سارے کام اوسط سے ہوتے ہون اور تم کو زیادہ معلوم ہوتے ہون۔ آگے فرق بین الاشیاء بتلاتے ہین کہ ایک ہی شئے ایک کے لیے تو کم اور دوسرے کو زیادہ۔
آب جو نسبت الخ۔ یعنی ندی کا پانی اونٹ کی نسبت تو کم ہے لیکن چوہے کے لیے سمندر کے برابر ہے۔
ہر کرا باشد الخ۔ یعنی جسکی خوراک کہ چار روٹی ہو وہ دو یا تین کھائے تو یہ اوس کا اوسط ہے۔
در خورد الخ۔ یعنی اور اگر وہ چارون کھائے تو اوسط سے دور ہے اور یہ شخص بط کیطرح اسیر حرص ہی چونکہ بط دن بھر کچھ نہ کچھ کھاتی ہی رہتی ہے لہذا اوس سے تشبیہ دے دی۔
ہر کرا اوراک الخ۔ یعنی اور جسکی خوراک دس روٹی کی ہو وہ چھ کھا دے تو جان لو کہ اوسکا اوسط ہے۔
چون مرا الخ۔ یعنی اور جبکہ میری بھوک پچاس روٹی کی ہے اور تیری چھ روٹی کی تو کیا دونون برابر ہین ہرگز نہین بات یہ ہے کہ یہ گفتگو ہو تو رہی ہے شیخ کے سامنے مگر مخاطب اس صوفی کا وہ معترض ہی ہے۔ تو مر ترا شش گرد اور دوسرے خطابات مین اوسی کو مخاطب کہا جاوے تو مناسب ہے مطلب یہ ہو گیا کہ تو جو اپنے اوسط پر مجھے قیاس کر رہا ہے تو مین پچاس کھاؤن اور تو پانچ تو بھلا میرا تیرا اوسط برابر کسطرح ہو گا۔ میرا اور ہو گا اور تیرا اور ہو گا۔
تو بدہ رکعت الخ۔ یعنی تو تو دس ہی رکعت نماز مین ملول ہو جاتا ہے اور مین پانسو مین بھی ضعیف نہین ہوتا مطلب یہ کہ جسطرح میرا تیرا کھانا برابر نہین ہے اسی طرح کام بھی برابر نہین ہے جیسا مین کھاتا ہون ویسا ہی کام بھی تو کرتا ہون پھر برابر کیسے ہوئے آگے مثالین ہین کہ۔
آن یکے الخ۔ یعنی ایک تو کعبہ تک برہنہ پا جاتا ہے۔ اور یہ ایک مسجد تک ہی آپے سے جاتا رہتا ہے۔ تو دونون کب برابر ہونگے
آن یکے الخ۔ یعنی اوس ایک نے تو پاکبازی مین جان دیدی۔ اور دوسرے نے جان کنی کرکے ایک روٹی دی تو بھلا جب یہ برابر نہین ہین تو میرا تیرا کام اور میرا تیرا اوسط خوراک کس طرح برابر ہو سکتا ہے۔ جتنا کھاتے ہین اسیقدر

کام بھی تو کر لیتے ہین یہ جواب قوت بسیار خوری کے متعلق تھا آگے بسیار گوئی کے متعلق جواب ہے کہ۔

این وسط الخ۔ یعنی یہ وسط تو نہایت والے مین چلتا ہو کہ جس کے اول و آخر ہو۔ مطلب یہ کہ جو اشیا ء کہ متناہی ہین اون مین تو چونکہ ابتدا ر اور انتہا معلوم ہے لہذا وسط نکل سکتا ہے مگر جو شے کہ لا تقف عند حد ہو اوس کی ابتدا تو بے شک ہے مگر انتہا ہے ہی نہین لہذا اوسکا وسط کیسے نکل سکتا ہے۔

اول و آخر الخ۔ یعنی اول و آخر چاہیے تاکہ اوسکی بابت تصور مین وسط یا درمیان سما سکے یعنی جہان کہین کہ اول و آخر ہے وہان وسط بھی تصور کر سکتے ہین لیکن۔

بے نہایت الخ۔ یعنی بے نہایت جبکہ دو طرف رکھتا ہی نہین تو اوس کے وسط منعرف (عن الافراط والتفریط) کب ہو سکتا ہے مطلب یہ کہ جو شے کہ ایسی ہو کہ لا تقف عند حد تو اوسکی ایک طرف تو ہے۔ مگر دو طرف نہین ہر کہ جنکے ذریعہ سے وسط متصور ہو سکے لہذا اوسمین وسط اور درمیان نکل ہی نہین سکتا۔ تو چونکہ میری گفتگو اوس ذات کے اسرار مین ہے کہ جو بے نہایت ہے اور اوس کے اسرار و حقایق بھی لا تقف عند حد ہین تو پھر میری گفتگو کا وسط کسطرح نکل سکتا ہو مین تو جسقدر بھی بیان کرونگا آگے اوس سے بہت زیادہ ہوگا اور اوس کے سامنے یہ کم ہوگا پھر وسط کہان نکلا

اول و آخر الخ۔ یعنی اون اسرار کے اول و آخر کا نشان کسی نے نہین دیا۔ اور (اسی کے بارہ مین) ارشاد ہو کہ لو کان البحر مدادا لکلمات ربی الخ یعنی قرآن شریف مین ہو۔ کہ اگر سمندر روشنائی بنجاوے۔ تب بھی کلمات حق تعالے ختم نہ ہون تو دیکھو جب وہ اسقدر ہین تو پھر مین جسقدر بھی بیان کرونگا وہ تو کم ہی ہونگے اونکی تو یہ حالت ہے کہ

ہفت دریا الخ۔ یعنی سات دریا اگر سارے روشنائی بنجاوین تو بھی ختم ہونے کی کوئی امید نہین ہو۔

باغ و بیشہ الخ۔ یعنی باغ اور جنگل اگر سارے قلم ہوجاوین تب بھی ان کلمات مین سے ہرگز کچھ بھی کم نہون جیسا کہ ارشاد ہو ولو ان ما فی الارض من شجرۃ اقلام والبحر یمدہ سبعۃ ابحر الخ کہ اگر سارے درخت قلم اور ساتون دریا روشنائی بنجاوین تب بھی کلمات حق ختم نہ ہون۔ تو جب یہ حالت ہے پھر مین اوسمین جسقدر بھی گفتگو کرون وہ تو کم ہی ہوگی

این ہمہ الخ۔ یعنی یہ ساری روشنائی اور قلم فانی ہوجاوین اور وہ حدیث بے عدد باقی ہو پھر میرا کلام اس کے بارہ مین کس طرح زیادہ ہو سکتا ہو۔ اور اوسکا وسط کسطرح نکل سکتا ہو یہ جواب بسیار گوئی کا ہوگیا آگے بسیار خوابی کا جواب دیتے ہین

حالت الخ۔ یعنی میری حالت کبھی خواب کے مشابہ ہوتی ہو تو اوسکو بیخبر آدمی خواب سمجھتا ہو اگر میری یہ حالت ہوتی ہو کہ

چشم من الخ۔ یعنی میری آنکھ کو سوتے ہوئے اور میرے دل کو بیدار جانو اور بیکاری کی شکل مین مجھے کام پر سمجھو۔ مطلب یہ کہ اگرچہ میری آنکھ بظاہر سوتی ہے مگر میرا دل بیدار رہتا ہے اور وہ حالت استغراق ہو کہ اوسمین انصات بالکل بیکار معلوم ہوتا ہو مگر وہ عالم ارواح کی سیر مین ہوتا ہو آگے اس چشم خوابی اور دل بیداری کی نظیر لاتے ہین۔

گفت پیغمبر الخ۔ یعنی پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہو کہ میری آنکھین سو جاتی ہین مگر میرا قلب حق تعالے سے نہین سوتا یعنی اس طرف سے توجہ ہٹتی نہین ہو اور اسی لیے حضور کی نوم مشابہ اونگھ کے تھی کہ اوس سے آپ کی وضو نہ ٹوٹتی تھی جیسے اونگھ مین انسان ہوشیار رہتا ہو مگر باتین وغیرہ سن نہین سکتا اسیطرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حالت بھی تھی۔

گفت الخ۔ یعنی پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری آنکھ تو سو جاتی ہے لیکن میرا دل اونگھ میں کب سوتا ہے تو جسطرح کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حالت تھی کہ اس عالم سے تو بیخبر مگر اودھر کی ساری خبر اسیطرح اوسکا

اثر ہم مین بھی آگیا ہے اور ہماری بھی یہی حالت ہوگئی ہے۔

چشم تو الخ۔ یعنی (اے مخاطب) تیری تو چشم ظاہری بیدار رہتی ہے مگر دل سوتا ہے اور میری چشم ظاہری سوجاتی ہے مگر میرا دل فتح باب (غیب) مین مشغول ہوتا ہے۔ اس لیے کہ حالت استغراق مین اس طرف کی تو خبر رہتی نہین لہذا ادہر سے تو مثل نائم کے اور عالم غیب کی طرف سے بیدار مسئلہ اگر حالت وجد مین کھڑے یا بیٹھے سے بیہوش ہوکر گر پڑے تو اوسکی وضو جاتی رہتی ہے اس لیے کہ اوسکا حکم بالکل مثل نوم کے ہے جو حالت نوم کہ ناقض وضو ہے وہی حالت اس کی بھی ناقض ہے آگے کہتے ہین کہ۔

ہر دلم۔ الخ۔ یعنی میرے دل کے یہ پانچ حواس اور ہین اور حس اور دل کے دونون عالم منظر ہین۔ حس کا تو منظر عالم ناسوت ہے اور دل کا منظر عالم ملکوت ہے تو وہ کہتے ہین کہ ان حواس کے علاوہ میرے پانچ ہی حواس اور ہین جنکا کئی مرتبہ ذکر ہوچکا ہے) اون کے ذریعہ سے میرے ان حواس کے سونے کے باوجود بھی مجھے بیداری رہتی ہے

شرح حبیبی

تو ز ضعف خود مکن در من نگاہ — بر تو شب بر من ہمان شب چاشتگاہ

بر تو زندان بر من آن زندان چو باغ — عین مشغولی مرا گشتہ فراغ

پاے تو در گل مرا گل گشتہ گل — مر ترا ماتم مرا سور و دہل

در زمینم با تو ساکن در محل — می دوم بر چرخ ہفتم چون زحل

ہم نشینت من نیم سایہ منست — برتر از اندیشہا پایہ منست

زانکہ من ز اندیشہا بگذشتہ ام — خارج اندیشہ پویان گشتہ ام

حاکم اندیشہ ام محکوم نے — زانکہ بنا حاکم آمد بر بنے

جملہ خلقان سخرۂ اندیشہ اند — زان سبب خستہ دل و غم پیشہ اند

قاصدا خود را باندیشہ دہم — چون بخواہم از میان شان برجہم

من چو مرغ اوجم اندیشہ مگس — کے بود بر من مگس را دسترس

قاصدا زیر آیم از اوج بلند — تا شکستہ پایگان بر من تنند

چون ملالم گیرد از سفلی صفات — بر پرم ہمچون طیور الصافات

پر من رستہ است ہم از ذات خویش — بر نچفسانم دو پر من با سریش

جعفر طیار را پر جاریہ است — جعفر طرار را پر عاریہ است

نزد آنکہ لم یذق دعوی ست این — نزد سکان افق معنی ست این

لاف و دعوے باشد این پیش غراب — دیگ تی و پر یکے پیش ذباب

چونکہ در تو می شود لقمہ گہر — تن مزن چندانکہ بتوانی مخور

شیخ روزے بہر دفع سوء ظن — در لگن قے کرد پر در شد لگن

گوہر معقول را محسوس کرد	پیر بینا بہر کم عقلی مرد
چونکہ در معدہ شود پاکت پلید	قفل نہ بر حلق و پنہان کن کلید
ہر کہ در وے لقمہ شد نور جلال	ہر چہ خواہد گو بخور او را حلال

پس اپنے ضعف اور کمزوری کی عینک سے مجھے مت دیکھ اور اپنے اوپر مجھے قیاس مت کر کیونکہ جس حالت مین تجھے کچھ نظر نہین آتا اور اس لیے وہ حالت تیرے لیے بمنزلہ رات کے ہوتی ہے یعنی آنکھ بند کرنے کی حالت۔ اُس حالت مین مین سب کچھ دیکھتا ہون اور میرے لیے وہ حالت بمنزلہ دوپہر کے ہوتی ہے اور جو حالت تیرے لیے بمنزلہ جیلخانہ کے ہوتی ہے وہ میرے لیے بمنزلہ باغ کے ہوتی ہے یعنی جب تو کسی حالت ناگوار مین مبتلا ہوتا ہے تو تو اس سے پریشان ہوتا ہے اور جب مین مبتلا ہوتا ہون تو مین اسمین بھی خوش ہوتا ہون کہ میری نظر مبدا پر ہوتی ہے۔ نیز مین اگر کسی بظاہر دنیاوی کام مین بھی مصروف ہوتا ہون تو اسوقت بھی مین اس سے فارغ ہوتا ہون کیونکہ دل اس مین نہین ہوتا بر خلاف تیرے کہ تیرے لیے وہ مشغولیت ہی مشغولیت ہوتی ہے پس جب تو کسی مصیبت وغیرہ کی دلدل مین پھنس جاوے تو وہ تیرے لیے دلدل ہوگی لیکن اگر مین اسمین پھنسون تو میرے لیے پھول ہوگی اور مین اس سے بھی لذت حاصل کرونگا اور جو تیرے لیے سوگ کا سبب ہو وہ میرے لیے خوشی کا سامان ہے کیونکہ وہ بھی محبوب ہی کیطرف سے ہوتا ہے اور ہرچہ از دوست میرسد نیکوست گو مین زمین پر ایک مقام مین تیرے ساتھ رہتا ہون لیکن میری روحانی رفتار فلک ہفتم پر ہے جیسے کہ زحل کی رفتار ظاہری لہذا مین تیرا ہمنشین نہین ہون بلکہ تیرا ہمنشین میرا جسم اور میری صورت ہے مین تیرا ہمنشین کیونکر ہو سکتا ہون۔ تو خاکی ہے اور میرا مرتبہ خاکیون کے خیال سے بھی بالاتر ہے وجہ یہ ہے کہ مین خیالات کے حدود سے نکل چکا ہون اور خیال کے حدود سے باہر دوڑتا ہون اور اب مین خیالات پر حکومت کرتا ہون۔ اور محکوم نہین ہون کیونکہ خیالات بمنزلہ ایک عمارت کے ہین جسکو آدمی تیار کرتا ہے اور معمار عمارت پر حاکم ہوتا ہے نہ کہ محکوم لہذا مین حاکم ہون نہ کہ محکوم اور باقی مخلوق خیالات کی محکوم ہین اسی سبب سے مغموم اور منقبض رہتے ہین۔ مین بھی کبھی کبھی قصداً بمصلحت اپنے کو خیال کے تابع کر دیتا ہون لیکن مین اسکا پابند نہین ہون جب چاہتا ہون نکل جاتا ہون۔ خیال کی یہ مجال نہین کہ مجھپر تسلط حاصل کر سکے کیونکہ مین بلند پرواز جانور کی مانند ہون۔ اور خیال بمنزلہ ایک مکھی کے۔ بھلا پھر مکھی کی مجھ تک کب پہونچ ہو سکتی ہے مین کبھی اس بلند پروازی اور عروج روحانی کو خود ہی چھوڑ دیتا ہون اور نزول اختیار کرتا ہون۔ جسمین مصلحت یہ ہوتی ہے کہ پاشکستہ اور وہ لوگ جو محجوب ہین اور جنکو عروج روحانی میسر نہین مجھ سے وابستگی حاصل کرین اور مین انکو لیکر اڑون یعنی میرا نزول تعلیم و تربیت ناقصین کے لیے ہوتا ہے۔ اور جب مین ان سفلی صفات۔ اور مدتدنس یا دناس نفسانیہ کی صحبت سے اکتا جاتا ہون۔ تو پھر فرشتون کی طرح یا پر کھولکر اڑنے والے جانورون کی طرح اڑ جاتا ہون میرا عروج اختیاری اس لیے ہے کہ پر خود میری ذات مین پیدا ہو گئے ہین اور وہ پرسریش سے چپکائے ہوئے نہین یعنی مجھے حق سبحانہ نے قابلیت ذاتی عطا فرمائی ہے مین کسیکے سہارے پر نہین چلتا بعض لوگ تو ایسے ہوتے ہین کہ خود اپنے پرون سے اڑتے ہین جیسے جعفر طیار انمین سے تو مین ہون اور بعض ایسے ہوتے ہین جو مستعار پرون کے سبب اڑتے ہین جیسے جعفر طرار جو مصنوعی پر لگا کر کسیقدر ہوا مین اڑ جاتا تھا۔ ان مین سے وہ لوگ

ہین جو میرے یا مجھ سے کسی دوسرے کے متوسل ہین جو اس مزہ سے ناواقف ہے وہ اس کو لن ترانی سمجھے گا اور دعوے محض خیال کرے گا۔ مگر جو اس نواح کے رہنے والے ہین جہان کا مین ہون سا اونکے نزدیک یہ حقیقت ہے کو بے اور ملابس نجاست نفسانیہ کے نزدیک یہ دعوے اور لن ترانی ہو سکتا ہے کیونکہ وہ بمنزلہ ایک مکھی کے ہے اور مکھی کے نزدیک بھری ہوئی ہانڈی اور خالی دونون برابر ہین۔ کثرت نوم کا جواب بھی ہو چکا۔ اب ہین کثرت اکل کے متعلق کچھ اور کہنا چاہتا ہون وہ یہ کہ کثرت اکل ہر وقت مضر نہین بلکہ جب یہ حالت ہو جاوے کہ کھانا بجائے پاخانہ بننے کے موتی بننے لگے اسوقت پہلوتہی نہین کرنی چاہیئے۔ بلکہ جسقدر کھایا جاوے کھانا چاہیئے یعنی جب کھانا بجائے شہوات وغیرہ بڑھانے کے کیفیات محمودہ بڑھانے لگے اس وقت کم کھانے کی ضرورت نہین بلکہ جسقدر کھاؤگے اتنا ہی فائدہ ہوگا۔ اور کیفیات محمودہ بڑھینگے۔ شیخ مذکور نے محض بیان ہی پر اکتفا نہین کیا بلکہ اس سوظن کے دفع کرنے کو تے کی جس سے سارا آنگن موتیون سے بھر گیا۔ چونکہ مخاطب کم عقل تھا اور زبانی گفتگو سے اوس کا سمجھ لینا دشوار تھا اس لیے شیخ موصوف نے ان کیفیات کو محسوس کر کے بھی دکھلا دیا اور فرمایا کہ جب معدہ مین پاک کھانا بھی جاکر پلید ہو جاوے اور شہوات وغیرہ بڑھائے اسوقت حلق مین قفل لگا کر کنجی گم کر دینا چاہیئے اور جب کھانا نور بنجاتا ہو اس وقت آدمی جسقدر بھی کھائے جائز ہے یہ اصول ہے ترک اکل و کثرت اکل کا پس ہر زیادہ کھانے والے پر طعن نامناسب اور نازیبا ہے۔

شرح شبیری ۔ تو ز ضعف الخ۔ یعنی تو ضعف کی وجہ سے میرے اندر مت دیکھ اس لیے کہ جو تجھ پر رات ہے وہ میرے لئے چاشتگاہ ہے مطلب یہ کہ جو شے تمھارے لیے ظلمت ہے وہی میرے لیے نور ہے اور جو تمھارے لیے باعد عن الحق ہے وہی میرے لیے موصل ہے

بر تو زندان الخ۔ یعنی تجھپر تو قیدخانہ ہے اور وہ قیدخانہ میرے لیے باغ ہے اور عین مشغولی میرے لیے فراغ ہے جبکہ تم مجھے دنیا مین مشغول دیکھ رہے ہو تو اس وقت مین بھی بوجہ متوجہ الی الملکوت ہونیکے عالم ناسوت سے بالکل علیحدہ ہون

پائے تو الخ۔ یعنی تیرا پاؤن تو مٹی مین اور وہ مٹی میرے لیے پھول ہو گئی ہے اور ایک شے تیرے لیے ماتم ہے اور میرے لیے خوشی اور طرب ہے۔ مطلب یہ کہ تعلقات دنیویہ تیرے لیے تو باعد عن الحق ہین اور چونکہ میری نظر اون کے ذریعہ سے خالق پر ہوتی ہے لہذا میرے لیے وہی تعلقات دنیویہ موصل الی الحق ہو گئے ہین اور مجھے اونمین قرب اور معیت حاصل ہے۔

در زمینم۔ الخ۔ یعنی مین زمین مین تمھارے ساتھ ساکن ایک محل مین ہون۔ اور ویسے چرخ ہفتم پر زحل کیطرح دوڑ رہا ہون مطلب یہ کہ جب عروج کرتا ہون تو بظاہر تو تمھارے پاس ہوتا ہون مگر اصل مین اوس عالم کی سیر کرتا ہوا ہوتا ہون

ہم نشینت الخ۔ یعنی مین تیرا ہمنشین نہین ہون میرا سایہ ہے اور افکار سے میرا مرتبہ بلند ہے۔ مطلب یہ کہ چونکہ میری روح عالم ملکوت کیطرف متوجہ ہے اس لیے یہ صرف میرا جسم ظاہر ہی تمھارا ہم نشین ہے ورنہ روح میری بسبب توجہ کے اوس عالم مین ہے بخلاف اور لوگون کے کہ بوجہ توجہ الی الناسوت کے گویا کہ اونکی روح بھی مثل جسم کے ناسوتی ہی ہو گئی ہے اور چونکہ عینیت مصطلحہ میسر ہے لہذا فکر انسانی سے مرتبہ کا بلند ہونا ظاہر ہے کہ وہانتک فکر کی رسائی ہرگز نہین ہو سکتی۔

زانکہ الخ۔ یعنی اس لیے کہ مین اندیشہ سے آگے بڑھ گیا ہون اور اندیشہ سے خارج ہو کر دوڑ رہا ہون۔ لہذا

مجھ تک اندیشہ کی رسائی کہان ہو سکتی ہے۔

حاکم الخ۔ یعنی حاکم اندیشہ ہون محکوم اندیشہ نہین ہون اس لیے کہ بنانے والا بنا پر حاکم ہوتا ہے تو چونکہ میرے اندر ملکہ راسخہ پیدا ہو گیا ہے لہذا مین جس کیفیت اور حالت کو چاہتا ہون اپنے اوپر طاری کر لیتا ہون۔ اور جس تجلی کو چاہتا ہون اپنے اوپر متجلی کر لیتا ہون کاملین کی یہی حالت ہوتی ہے۔

جملہ الخ۔ یعنی تمام مخلوقات مسخر اندیشہ کی ہین اسی سبب سے خستہ دل اور رنج پیشہ ہین مطلب یہ کہ چونکہ انکا رکے سب لوگ تابع ہوتے ہین لہذا ہمیشہ رنج و فکر ہی مین رہتے ہین اور جو اس سے الگ ہین وہ خوش رہتے ہین غرضکہ ہمیشہ مستغرق اور متوجہ الی الحق رہتا ہون۔

قاصدا الخ۔ یعنی مین اپنے کو قصدا اندیشہ کے سپرد کر دیتا ہون اور جب چاہتا ہون اونکے درمیان سے نکل آتا ہون شان کی ضمیر یا تو عالم غیب کی طرف ہے کہ جب مین چاہتا ہون تو اس عالم سے اس طرف رجوع کرتا ہون تو اب تو دونون مصرعون کا ایک مضمون ہو جاوے گا اور مطلب یہ ہوگا کہ جب مین استغراق اور ایک حالت پر رہنے سے اُکتا جاتا ہون۔ تو اُس وقت تھوڑی دیر کو توجہ الی الحق کر لیتا ہون۔ تاکہ نشاط ہو جاوے اور ملال پیدا نہو پھر جب نشاط پیدا ہوا پھر اوسی طرف متوجہ ہو گیا۔ اور اگر نشان کی ضمیر اندیشہ کی طرف ہو تو دونون مصرعون کا مضمون مقابل ہوگا کہ مین جب چاہتا ہون اوس عالم سے نشاط کے لیے اس طرف توجہ کرتا ہون اور جب چاہتا ہون پھر اوسی طرف متوجہ ہو جاتا ہون اور اس طرف سے توجہ کو ہٹا دیتا ہون اور یہ حالت کاملین کی ہوتی ہے کہ وہ ایسا کرتے ہین اور اگر بعض مرتبہ بسبب غلبۂ حال کے وہ خود ایسا نہین کر سکتے تو حق تعالے اونکے لیے ایسے سامان فرما دیتے ہین کہ جس سے اونکو مجبوراً عالم ناسوت کیطرف توجہ کرنی پڑتی ہے۔ مثلاً قبض وارد ہو گیا۔ کہ ذکر وغیرہ مین دل ہی نہین لگتا تو لامحالہ اوسطرف توجہ ہوتی ہے غرضکہ اونھون نے کہا کہ مین جس حالت کو چاہتا ہون اپنے اوپر طاری کر سکتا ہون۔

من چو مرغ الخ۔ یعنی مین مرغ اوج کی طرح ہون۔ اور اندیشہ (دنیوی) مثل مگس کے ہین تو مگس کو پرندہ کب قدرت ہوتی ہے کہ اوس تک پہونچ سکے اور اوسکو تابع بنا سکے اس لیے مجھپر بھی اندیشہ غالب نہین ہو سکتا۔

قاصدا الخ۔ یعنی مین قصدا اوج بلند سے نیچے آتا ہون تاکہ شکستہ پا لوگ مجھپر جمع ہو سکین مطلب یہ ہو کہ چونکہ میرا مرتبہ تو بلند ہے مگر جب مین تعلیم کرتا ہون تو اوس سے نزول کرتا ہون اور اس سالک کے درجہ پر نزول کرکے اوسکو تعلیم کرتا ہون۔ ورنہ اگر اوسکو وہان پہونچانے کی ابھی سے فکر کیجاوے تو ایسا ہے کہ جیسے شیرخوار بچہ کو گوشت کھلا دیا جاوے کہ یقیناً مرے گا۔ تو کامل وہی ہے جو کہ مسترشد کے درجہ پر نزول کرکے اوسکی تعلیم کرے تو مطلب یہ ہوا کہ مین بہت بڑا کامل ہون کہ انکے درجہ پر نزول کرتا ہون تو وہ بھی مجھ سے مستفیض ہوتے ہین۔

چون الخ۔ یعنی جب مجھے ان سفلی صفات سے ملال ہوتا ہے تو مین طیور الصفات کی طرح اُڑ جاتا ہون۔ مطلب یہ کہ جب اوسکی تعلیم کر چکے بس پھر اپنے درجہ پر پہونچ جاتے ہین۔

پر من الخ۔ یعنی میرے پر خود میری ذات سے جمے ہین اور پر سریش سے چپکا نہین ہون۔ مطلب یہ ہے کہ یہ عروج میری ذات کا اقتضا ہو گیا ہے اور میری ذاتیات مین داخل ہے مین اس حالت کو کسی سے عاریت نہین لیتا ہون اور اسکی

ایسی مثال ہے کہ۔

جعفر طیار رضؓ الخ۔ یعنی حضرت جعفر طیار رضؓ کے پر تو جاری ہین اور جعفر طرار کے مانگے ہوئے ہین۔ حضرت جعفر طیار رضؓ کے ہاتھ کفار نے غزوۂ موتہ مین کاٹ ڈالے تھے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حق تعالیٰ نے اون کے ہاتھ کے بدلے مین اونکو دو بازو دئے ہین کہ اونسے وہ اڑتے پھرتے ہین تو دیکھو اون کے بازو تو داخل ذات ہوگئے اور ایک جعفر طرار تھا اوس نے پر لگائے تھے تو وہ چل نسکے تو اسیطرح یہ عروج بھی عارضی نہین ہے بلکہ ذاتی ہے کہ جب چاہون عروج کرلون چونکہ ان صوفی صاحب نے جو یہ اپنی حالت بیان کی تو اس مین ایک قسم کا دعوے معلوم ہوتا تھا اس لیے اسکا جواب دیتے ہین کہ۔

نزد آنکہ الخ یعنی اوس شخص کے نزدیک جس نے کہ چکھا نہین یہ دعوے ہے اور سکان عالم بالا کے نزدیک یہ معانی ہین۔ اس لیے کہ تحدث بالنعمۃ ہے۔

لاف الخ۔ یعنی عزاب کے نزدیک تو یہ شیخی اور دعوے ہی ہوگا جیسے کہ مکھی کے آگے غذا اور ... سے مراد بیوقوف ہے تو جو کہ اس طرف سے بیوقوف ہے اوس کے آگے تو یہ دعوے ہین مگر جو کہ حقیقت شناس ہے وہ اوس کو جانتا ہے آگے مولانا فرماتے ہین کہ۔

چونکہ الخ یعنی جبکہ تمھارے اندر کھانا موتی بنجاتا ہے تو چھوڑ مت جسقدر ہوسکے کھائے گہر سے مراد اخلاق حمیدہ ہین مطلب یہ کہ جب کھانے سے تمھارے اندر اخلاق حمیدہ پیدا ہوتے ہین تو پھر کیا ہے جسقدر کھایا جاسکے کھاؤ تاکہ اوسیقدر زیادہ اخلاق حمیدہ پیدا ہون۔ تو چونکہ ان صوفی صاحب کو کھانے سے قوت ہوتی تھی اور اس سے عبادت مین مدد ملتی تھی لہذا وہ خوب کھاتے تھے۔ مگر وہ معترض تو صرف ظاہر بین تھا۔ اوسکو اس مصلحت کی کیا خبر ہوتی اس لئے ان صوفی صاحب نے اپنی ایک حسی کرامت اوس کے سامنے ظاہر کی وہ یہ کہ۔

شیخ روزے الخ یعنی اون شیخ صاحب نے سوء ظن کے دفع کرنے کو ایک دن رکابی مین قے کردی۔ تو وہ رکابی موتیون سے بھر گئی تو اسکو دکھایا کہ دیکھ ہمارے اندر جاکر یہ کھانا موتی بنجاتا ہے لہذا ہم جسقدر کھاوین وہ بہتر ہی ہے آگے مولانا اس موتی بنجانے کی توجیہ فرماتے ہین۔

گوہر الخ یعنی گوہر معنوی کو اوس پیر بینا نے اس شخص کی کم عقلی کیوجہ سے محسوس کردیا کہ یہ اسکو تو سمجھ نہ سکتا تھا کہ کسطرح گوہر معنوی بنتے ہین لہذا ان بزرگ نے انکو اپنی کرامت سے محسوس کرکے دکھا دیا۔ آگے مولانا فرماتے ہین کہ۔

چونکہ الخ۔ یعنی جبکہ تمھارے معدہ مین پاک بھی پلید ہوجاتا ہے تو تم حلق پر قفل لگاکر کنجی کو چھپا دو۔ تاکہ پھر کھل ہی نہ سکے مطلب یہ کہ جب تمھارے کھانے سے اخلاق سئیہ پیدا ہوتے ہین تو تم بہت کم کھاؤ تاکہ اخلاق سئیہ پیدا نہ ہوسکین۔

ہر کہ در وے الخ۔ یعنی جسکے اندر کھانا نور حق بنجاوے تو وہ جو چاہے کھاوے اوس سے کہدو کہ اوس کو حلال ہے۔ اس لیے کہ جسقدر بھی کھاوے گا اوسیقدر زیادہ نور پیدا ہوگا۔ پھر وہ تو خوب کھاوے اور جو کہا تھا کہ یہ ہمارا غیر محقق کے سامنے دعوے ہوگا۔ اور جو محقق ہے وہ جانتا ہے کہ اوسکی حقیقت کیا ہے آگے اسی کو مثالون سے واضح فرماتے ہین کہ۔

شرح حبیبی

گر تو هستی آشنای جان من — نیست دعوی گفت معنی لان من
گر بگویم نیم شب پیش توام — هین مترس از شب که من خویش توام
این دو دعوی پیش تو معنی بود — چون شناسی بانگ خویشاوند خود
پیشی و خویشی دو دعوی بود لیک — هر دو معنی بود پیش فهم نیک
قرب آوازش گواهی می دهد — کاین دم از نزدیک یاری می جهد
لذت آواز خویشاوند نیز — شد گوا بر صدق آن خویش عزیز
باز بی الهام احمق کو ز جهل — می نداند بانگ بیگانه ز اهل
پیش او دعوی بود گفتار او — جهل او شد مایهٔ انکار او
پیش زیرک کاندرونش نورهاست — عین این آواز معنی بود راست
یا بتازی گفت یک تازی زبان — که همی دانم زبان تازیان
عین تازی گفتنش معنی بود — گرچه تازی گفتنش دعوی بود
یا نویسد کاتبی بر کاغذی — کاتب و خط خوانم و من ابجدی
این نوشته گرچه خود دعوی بود — هم نوشته شاهد معنی بود
یا بگوید صوفیی دیدی تو دوش — در میان خواب سجاده بدوش
من بدم آن وانچه گفتم خواب در — با تو اندر خواب در شرح نظر
گوش کن چون حلقه اندر گوش کن — این سخن را پیشوای هوش کن
چون ترا یاد آید آن خواب این سخن — معجزه نو باشد و زر کهن
گرچه دعوی می نماید این ولی — جان صاحب واقعه گوید بلی
پس چو حکمت ضالهٔ مؤمن بود — آن ز هر که بشنود موقن شود
چونکه خود را پیش او یابد فقط — کی بود شک چون کند خود را غلط
تشنه را چون بگویی تو شتاب — در قدح آبست بستان زود آب
هیچ گوید تشنه کاین دعوی است رو — از برم ای مدعی مهجور شو
یا گواه و حجتی بنما که این — جنس آبست و از آن ماء معین
یا بطفل شیر مادر بانگ زد — که بیا من مادرم هان ای ولد
طفل گوید مادرا حجت بیار — تا که با شیرت بگیرم من قرار
در دل هر امتی کز حق مزه است — روی و آواز پیمبر معجزه است
چون پیمبر از برون بانگی زند — جان امت در درون سجده کند

زانکه جنس بانگ او اندر جهان	از کسے نشنیده باشد گوش جان
آن غریب از ذوق آواز غریب	در سجود آید بحق گردد قریب
چون کند سجده ز جان و دل غریب	از زبان حق شنید انی قریب

باوجودیکہ مین اپنے بیان کی تائید صورت مثالیہ سے کرچکا ہون اور تمکو اس صورت کا مشاہدہ کراچکا ہون ۔ لیکن اگر تمکو مجھسے فطری مناسبت ہو اور تمھاری طبیعت مین حق سے لگاؤ ہو تو کسی دلیل کی ضرورت نہین بلکہ تم میری پرمعنی تقریر کو سنکر خود سمجھ لوگے کہ یہ محض دعوے نہین ہے بلکہ یہ ایسا دعوے ہے جو اپنی دلیل خود آپ ہی ہو مثلاً فرض کرو کہ تم میرے عزیز ہو اور تمھین رات کو ڈر معلوم ہو ۔ ایسی حالت مین اگر مین تجھسے اوس وقت یہ کہون کہ ڈر مت مین تیرے پاس ہون ۔ اور تیرا عزیز ہون ۔ تو یہ دونون دعوے تمھارے نزدیک معنی اور حقیقت ہون گے کیونکہ تم اپنے عزیز کی آواز کو پہچانتے ہو حالانکہ قریب ہونا اور عزیز ہونا ہر دو دعوے ہین لیکن عمدہ سمجھ کے نزدیک دونون حقیقت ہین اوسکی آواز کا قریب ہونا شہادت ہے اس بات کی کہ یہ شخص قریب سے نکلی ہو اور اس آواز کی لذت شاہد ہے اوس کے عزیز ہونے پر پس یہ دونون دعوے متضمن دلیل اور کدعوی الشئ ببینتہ وبرہان ہین جب یہ معلوم ہوگیا تو اب سمجھو کہ بشرط مناسبت فطری میرا یہ بیان تمھارے لیے ایسا ہے جیسا کہ میرا عزیز و قریب ہونے کا دعوے اس کے بعد مین کہتا ہون جو لوگ احمق اور غیر ملہم من اللہ ہوتے ہین اور مناسبت فطری حق سے نہین رکھتے ۔ وہ لوگ اپنون اور بیگانون اہل اللہ و غیر اہل اللہ کی آواز و کمین تمیز نہین کر سکتے اونکے نزدیک اسکا بیان محض ایک دعوے ہوتا ہے اور اون کی جہالت اونکے انکار کا ذریعہ بنجاتی ہو برخلاف اوس کے جنکا باطن نور سے لبریز ہے اوس کے نزدیک خود یہی دعوے حقیقت ہوتی ہو یا یون سمجھو کہ ایک شخص عربی زبان مین کہتا ہے کہ مین عربی زبان جانتا ہون تو اوسکا عربی زبان مین یہ دعوے کرنا حقیقت ہو اگرچہ الفاظ اسکے دعوے ہین ۔ یا یون سمجھو کہ ایک منشی ایک کاغذ پر یہ لکھے کہ مین کاتب ہون اور تحریر اور ابجد پڑھ سکتا ہون یہ تحریر گو ایک دعوے ہے مگر یہ نوشتہ ہی اوس حقیقت کی دلیل ہے یا یون سمجھو کہ ایک صوفی تم سے بیان کرے کہ کل خواب مین تو نے ایک شخص کو دیکھا تھا جسکے کندھے پر جانماز پڑی ہوئی تھی وہ مین تھا اور تجھ مین نے خواب مین تجھسے فلان امر کی شرح مین کہا تھا وہ یہ تھا اسکو سن لے اور حلقہ گوش بنالے اور تو میری اس بات کو اپنی عقل کا رہبر بنا اور غور کر کہ یہ بات میری سچی ہے یا نہین پس جب تجھکو وہ خواب یاد آئیگا تو یہ گفتگو تیری نظر مین ایک کرامت ہوگی ۔ اور تجھے معلوم ہوگا کہ وہی پرانا راز ہے جو مین نے خواب مین دیکھا تھا اگرچہ یہ کلام بظاہر ایک دعوے ہے لیکن اسکو سنکے صاحب واقعہ کا دل اُس کی تصدیق کریگا ۔ بالکل یہی حالت مومن کی ہوتی ہو چونکہ حکمت اور معرفت حق سبحانہ اوسکی جانی پہچانی شئے ہے جو اوسکی نظر سے بسبب عارض کے محجوب ہوگئی ہو لہذا جب وہ کسی کی زبان سے سنتا ہے تو اوسے وہ یاد آجاتی ہو اور اسکو اوسکا یقین حاصل ہوجاتا ہے کیونکہ جب وہ اپنے کو بالکل اوس کے سامنے دیکھتا ہے اور اوسکو اپنے سامنے اور مشاہد و معاین پاتا ہے تو پھر اوسکو شک کیونکر ہوسکتا ہے اور اپنے مشاہدہ کو کیونکر جھٹلا سکتا ہے اسکی ایسی مثال ہے جیسے کوئی پیاسا ہو اور تو اس سے کہے کہ دوڑ آپیالے مین پانی موجود ہے اگر لے لے تو کیا وہ پیاسا یہ کہے گا کہ جا یہ تو تیرا دعوے

ہے بلکہ اے مدعی مجھ سے دور ہو یا گواہ لا اور دلیل سے ثابت کر کہ یہ پانی کی جنس سے اور آب شیرین ہے ہرگز نہین بلکہ اسکو دیکھتے ہی یقین ہو جائیگا کہ یہ پانی ہے یا یون سمجھو کہ ایک دودھ پیتے بچے سے ماں کہے اے بچے مین تیری ماں ہون تو کیا بچہ ماں سے کہیگا کہ اماں دلیل بیان کرو کہ تم میری ماں ہو تاکہ تمہارا دودھ پیوں ہرگز نہین بلکہ وہ ذوقاً و فطرۃً اس دعوے کی تصدیق کریگا پس یون ہی ہر امتی کے اندر حق کا ذوق موجود ہے اور نبی کا چہرہ اور اوسکی آواز ہی اوسکے لیے معجزہ ہے وہ صورت دیکھتے ہی اور دعوے سنتے ہی تصدیق کر لیتا ہے اوسکو کسی معجزہ کی ضرورت نہین ہوتی۔ جب پیمبر باہر سے آواز دیتا ہے تو امت کی جان اندر ہی اندر اوسکے سامنے جھک جاتی ہے اور مطیع و منقاد ہو جاتی ہے اس لیے کہ وہ آواز ہی اس قسم کی ہوتی ہے کہ جان کے کانون مین کسی اور شخص کی طرف سے نہ پڑی تھی پس وہ بیچارہ اس عجیب آواز کے ذوق سے سجدہ کرتا ہے یعنی منقاد ہوتا ہے اور حق سے قریب ہو جاتا ہے اور جب وہ غریب جان دل سے سجدہ کرتا ہے تو حق سبحانہٗ کی جانب سے معنوی ندائے انی قریب اس کے کانون مین آتی ہے امتی کی جان کا آواز پیغمبر کے سامنے سجدہ ایسا ہی ہوتا ہے جیسا حضرت یحیٰی حضرت عیسٰے کو اور حضرت عیسٰے کا یحیٰی علیہ السلام کو اسکا قصہ یہ ہے۔

بیان اس دعوے کا کہ خود وہ اپنے صدق پر گواہ ہے

شرح شبیری گر تو ہستی الخ۔ یعنی اگر تو میری جان کا آشنا ہے تو میرا یہ معنی لان کنا دعوے نہین ہے مطلب یہ کہ اگر تم کو میری حالت سے کچھ بھی مناسبت ہے تو میرا یہ سارا کلام تمہارے نزدیک دعوے نہ ہوگا بلکہ اسکے معنی ہون گے آگے اسکی ایک مثال بیان فرماتے ہین کہ۔

گر بگویم الخ۔ یعنی اگر مین آدہی رات کو کہون کہ مین تیرے سامنے ہون تو رات سے ڈر مت کہ مین تیرا عزیز ہون

این الخ۔ یعنی یہ دونون دعوے تیرے نزدیک معنی ہون گے جبکہ تو اپنے عزیز کی آواز پہچانتا ہے۔

پیشی و الخ۔ یعنی آگے ہونا اور خویش ہونا یہ دونون دعوے تھے لیکن دونون کے دونون فہم سلیم کے آگے حقیقت ہین

قرب الخ۔ یعنی آواز کا قریب ہونا تو گواہی دے رہا ہے کہ یہ آواز کسی یار کے نزدیک سے آرہی ہے۔

لذت الخ۔ یعنی اپنے عزیز کی آواز کی لذت اوس عزیز کے صدق پر گواہ ہے کہ یہ عزیز ہونے کا دعوے سچ کر رہا ہے۔

باز بے الہام الخ۔ یعنی پھر بے علم احمق کہ وہ جہل کی وجہ سے بیگانہ کی آواز کو اہل سے نہین جانتا ہے یعنی ایک تو وہ جاننے والا تھا کہ اوسنے سب کو حقیقت اور صدق پر محمول کیا اور ایک وہ ہے جو جانتا نہین ہے اوسکو کیا خبر کہ کون آواز عزیز کی ہے اور کون سی بیگانہ کی ہے۔

پیش او الخ۔ یعنی اوس جاہل کے سامنے اس شخص کی باتین دعوے ہی ہون گے اوسکا جہل انکار کا سبب ہوگیا

پیش زیرک الخ۔ یعنی عقلمند کے سامنے کہ اوسمین انوار حق ہین عین پاس آواز کو ٹھیک اور درست معنی ہونگے حاصل اس مثال کا یہ ہے کہ دیکھو اگر تم اندھیری رات کو خوف زدہ ہو تو ایک تمہارا عزیز تم سے کہے کہ ڈرو مت اس لیے کہ مین کہ جو تمہارا بھائی ہون مثلاً تمہارے پاس ہون تو اسمین دو دعوے ہین ایک تو پاس ہونا اور دوسرے بھائی ہونا۔ مگر تاریکی مین کچھ خبر نہین کون کہان ہے لیکن جو کہ اس بھائی کو پہچانتا ہے وہ تو فوراً آواز پہچانکر

یقین کرلے گا کہ بے شک میرا بھائی میرے پاس ہی۔ اور اوسکو تسلی اور تسکین ہو جاویگی اور اگر کوئی جاہل ہے
اوسکو کیا خبر کہ اس کے بھائی کی آواز کیسی ہی وہ اس کلام سے تسلی نہ حاصل کرے گا بلکہ حیرت زدہ ہوگا کہ بے دیکھے بھالے اور بلا دلیل اپنے
اسکی ہماری باتون کو تسلیم کرلیا چاہیے یہ شخص چور ہی ہو تو دیکھو جاننے والے نے تو پہچان لیا اور جاہل نہ جان سکا
اسیطرح جو لوگ کہ محقق ہین وہ تو اسکو دعوے نہ سمجھین گے بلکہ حقیقت پر محمول کرینگے اور جو جاہل ہین وہ اسکو
دعوے سمجھینگے آگے اور مثال ہے کہ۔

یا بتازی الخ۔ یعنی یا ایک عربی زبان والے نے عربی مین کہا کہ مین عرب کی زبان جانتا ہون۔ (مثلاً کہا کہ انا اعرف العربیۃ)
عین تازی الخ۔ یعنی خود یہ عربی بولنا اوسکا حقیقت ہوگا۔ اگرچہ عربی کو جاننا اوسکا دعوے تھا مطلب یہ کہ اوسکا
یہ کہنا کہ مین عربی جانتا ہون ایک دعوے محض تھا مگر اس بات کو عربی مین کہنا اوس کے دعوے کی دلیل ہی لہذا
معلوم ہوگیا کہ یہ صرف دعوے نہین ہے بلکہ دعوے مع الحقیقۃ والدلیل ہی آگے اور مثال ہے کہ۔

یا نویسد الخ۔ یعنی یا کوئی کاتب کاغذ پر یہ لکھے کہ مین کاتب ہون اور خط خوان ہون اور ابجد خوان ہون۔
این نوشتہ الخ۔ یعنی یہ لکھا ہوا اگرچہ ایک دعوے ہی مگر یہی لکھا ہوا حقیقت کا بھی شاہد ہے اور یہ بتا رہا ہے
کہ یہ شخص بے شک کاتب اور پڑھا ہوا ہے اور مثال لیجیے۔

یا بگوید الخ۔ یعنی یا کوئی صوفی یہ کہے کہ تم نے کل شب کو خواب مین ایک سجادہ بدوش کو دیکھا تھا۔
من بدم الخ۔ یعنی وہ مین ہی تھا اور جو کچھ کہ مین نے خواب مین تجھسے اوس بات کی شرح مین کہا تھا۔
گوش کن۔ الخ۔ یعنی سن اور حلقہ کی طرح کان مین ڈال لے۔ اور اُس بات کو اپنے ہوش کا پیشوا بنا لے مطلب
یہ کہ جو بات کہ مین نے کہی تھی (اوس بات کو بھی مثلاً بیان کردیا) اوسکو خوب غور سے سن لے اور اسی کا پابند رہ
اور اطاعت کیا ور اوسی پر چلنا۔

چون ترا الخ۔ یعنی تجھے وہ خواب یاد آوے تو یہ بات ایک نیا معجزہ ہوا اور پرانی بات ہو۔ معجزہ سے مراد کرامت
ہے مجازاً اطلاق کردیا۔ مطلب یہ کہ جب وہ خواب یاد آیا تو بات تو پرانی تھی مگر اب نئی اس شخص کی کرامت
معلوم ہوئی کہ اللہ اکبر اسکو ساری خبر ہے۔

گرچہ دعوے الخ یعنی گرچہ یہ دعوے دکھائی دیتا ہے لیکن صاحب واقعہ کا دل کہہ رہا ہے کہ ہان بالکل ٹھیک ہی
مطلب یہ اوس کا یہ کہنا کہ تو نے خواب دیکھا ہے اور اس خواب مین جو شخص آیا تھا وہ مین ہی تھا دعاوی بلا دلیل
ہین مگر چونکہ یہ شخص خواب دیکھ چکا ہے اور اوسنے اسی صورت کا دلق پوش دیکھا تھا فوراً ذہن منتقل ہوگیا اور معلوم
ہوگیا کہ بالکل صحیح کہہ رہا ہے تو گویا کہ اوسکا دعوے مع الدلیل تھا اسیطرح جو حقیقت شناس ہین اور جو اس عالم
کی باتین دیکھے ہوئے ہین وہ تو اون صوفی صاحب کی باتون کو دعوے نہ سمجھین گے ورنہ بظاہر تو دعاوی محض ہین
اب جبکہ معلوم ہوگیا کہ اگر پہلے سے کسی شئے کی حقیقت معلوم ہو چاہے وہ مستور ہی ہو مگر جب کوئی اوس کو بیان
کرے خواہ بطور دعوے ہی کے ہو مگر اس حقیقت شناس کو فوراً معلوم ہو جاوے گا کہ بالکل واقعہ کے مطابق
کہہ رہا ہے۔ اسپر مولانا تفریع فرماتے ہین کہ۔

پس چو حکمت الخ۔ یعنی پس جبکہ حکمت مومن کا ضالہ ہوتی ہو تو وہ جس سے سنے گا یقین کرلے گا۔ مطلب یہ کہ

چونکہ حدیث میں ہے کلمۃ الحکمۃ ضالۃ المومن اس لیے جب مومن کے سامنے کلمۂ حکمت بیان کیا جاتا ہے وہ فوراً تسلیم کر لیتا ہے۔ اس کی تشریح پہلے گذر چکی ہے۔

چونکہ الخ۔ یعنی جبکہ فقط اپنے کو اوسکے سامنے پاتا ہے تو کب اوسمین شک ہوگا اور اپنے اندر کس طرح غلطی کرے گا۔ مطلب یہ کہ جب مومن اپنے کو اوس کلمۂ حکمت کے سامنے پاتا ہے تو پھر اوسمین کسطرح شک کریگا اس مین شک کرنا تو ایسا ہے جیسے کہ خود کوئی اپنے اندر شک کرے کہ مین موجود ہون یا نہین تو جسطرح اسمین شک کرنیوالا بیوقوف کہا جاویگا اسیطرح اسمین شک کرنیوالا بھی احمق بنیگا تو جس شخص کو طلب ہوگی اوسکے سامنے جب حق آویگا اوسکو فوراً معلوم ہو جاویگا کہ یہ حق ہے اور اسکے دلکو لگجاویگا آگے اوسکی مثالین بیان کیں۔

تشنۂ الخ۔ یعنی تم کسی پیاسے سے جلدی سے کہو کہ پیالے مین پانی ہے اوسکو جلدی سے لے لے۔ (اور پی لے)

ہیچ گوید الخ۔ یعنی کیا کوئی پیاسا کہیگا کہ یہ دعوے ہے چل میرے پاس سے اے مدعی الگ ہو۔

یا گواہ الخ۔ یعنی یا یہ کہیگا کہ گواہ اور دلیل لاؤ کہ یہ پانی ہے اور اس چشمہ جاریہ مین سے ہے۔ مطلب یہ کہ جب تم نے اوسکو پانی بتایا تو کیا وہ تم سے کہیگا کہ تم غلط کہتے ہو یا تم سے دلیل مانگے گا کہ جناب اسکی کیا دلیل ہے کہ یہ پانی ہے اور پھر جس چشمہ کا تم کہہ رہے ہو اوسی کا ہے۔ ممکن ہے کہ موت ہو تو جناب اگر یہ حجتین نکالے گا تو معلوم ہوا کہ اوسکو پیاس ہی نہین ہے پیاسا تو ایکمرتبہ موت کو بھی منہ سے لگالے گا۔ پھر جب اوس کا مزہ برا معلوم ہوگا تو چھوڑ دے گا مگر اول وہلہ مین تو پینے ہی لگے گا۔

یا بطفل الخ۔ یعنی یا شیر خوار بچہ کو مان آواز دے کہ ارے میرا بیٹا آ مین تیری مان ہون۔

طفل الخ۔ یعنی کیا لڑکا کہیگا کہ امان دلیل بیان کرو کہ تم مان ہو تاکہ مین تمہارے دودھ سے قرار حاصل کرسکون یعنی دودھ پی سکون مگر اول دلیل بیان کرو کہ تم مان بھی ہو۔ مگر جو بچہ شیر خوار ہے مان کی آواز سنتے ہی آغوش پھیلا دے گا۔ اور اوسکی گود مین چلا جاویگا کیون اس لیے کہ وہ اسکی آواز سے پہلے سے مانوس ہے تو جب یہ بات ہے لہذا آگے اس پر تفریع فرماتے ہین کہ۔

در دل الخ۔ یعنی ہر امت کے لیے جسکے دل مین کہ حق تعالے سے ایک ذوق ہے چہرہ اور آواز پیمبر کی معجزہ ہے مطلب یہ کہ جسکو اوس طرف کا ذوق ہے اور اوس کی استعداد سالم ہے اوسکو تو صرف چہرہ اور آواز پیمبر ہی معجزہ ہے اوسکو دیگر معجزات کے طلب کرنے کی ضرورت نہین ہے جسطرح کہ حضرت عبد اللہ ابن سلام فرماتے ہین کہ اذا رایت وجہہ عرفت انہ لیس بوجہ کذاب یعنی جب چہرۂ انور پر نظر پڑی فوراً معلوم ہو گیا کہ یہ چہرہ جھوٹے کا نہین ہے تو دیکھو چونکہ اونکی استعداد صحیح تھی اونہون نے صرف چہرۂ مبارک ہی سے پہچان لیا اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالے عنہ نے جب آواز سنی کہ آپ دعوۃ الی الاسلام کر رہے ہیں فوراً تصدیق کرلی یہ سب اس لیے کہ اون کی استعدادین پہلے سے درست تھین اب جو یہ چیزین سامنے آ کھڑی ہوئین معلوم ہوا کہ بس حق اور صحیح یہی ہے۔

چون پیمبر الخ۔ یعنی پیمبر باہر سے آواز دیتے ہین تو امت کی جان دل سے سجدہ کرتی ہے۔ سجدہ کرنے سے مراد اطاعت کرنا ہے مطلب یہ کہ جب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم۔ اس لسان ظاہر سے دعوۃ الی اللہ فرماتے ہین تو جو کہ سلیم الطبع ہین وہ سب منقاد و مطیع ہو جاتے ہین۔

زانکہ الخ۔ یعنی اس لیے کہ اوس جیسی آواز جہان مین گوش جان نے کسی اور کی سنی نہ تھی مطلب یہ کہ وہ جو پہچان لیتے

ہین تو او سکی وجہ یہ ہے کہ دنیا مین اور کسی کی ایسی دلربا اور دلکش آواز سنی ہی نہ تھی - لہذا اوسکو سنتے ہی فوراً وہ استعداد فطری ظہور مین آئی اور معلوم ہو گیا کہ یہی آواز حق ہے -

آن غریب الخ - یعنی وہ غریب اوس آواز عجیب کے ذوق سے سجدہ کرتا ہو اور حق تعالےٰ سے قریب ہو جاتا ہے مطلب یہ کہ چونکہ اس کو مرتبہ استعداد مین اس آواز سے ایک ذوق تو تھا ہی اس لیے آواز سنتے ہی پس فوراً مطیع ہو گیا اور قرب حق حاصل ہو گیا -

چون کند الخ - یعنی جبکہ یہ غریب دل وجان سے سجدہ کرتا ہے تو زبان حق سے سُنتا ہے انی قریب - مطلب یہ کہ جب طالب طاعت کرتا ہے اور دل وجان سے احکام کو قبول کرتا ہے تو پھر حق تعالےٰ خود اس کے قریب ہو جاتے ہین - یہ بچارا کیا قریب ہوتا وہی خود قریب آجاتے ہین چونکہ یہان سجدہ کرنے کو بیان کیا ہے اور اوس سے سجدہ ظاہری اور حقیقی کا شبہ ہوتا تھا اس لیے آگے حضرت یحییٰ علیہ السلام اور عیسےٰ علیہ السلام کا آپس مین ایام حمل مین ایک دوسرے کو سجدہ کرنے کا قصہ بیان فرماتے ہین کہ جسطرح اون دونون نے ایک دوسرے کے سامنے سجدہ معنوی یعنی انقیاد و اطاعت کے کیا تھا اسیطرح یہان بھی سجدہ سے مراد انقیاد و اطاعت ہی ہو اب حکایت شروع فرماتے ہین -

شرح حبیبی

مادر یحییٰ چو حامل بود از و	بود با مریم نشستہ دو بدو
مادر یحییٰ بہ مریم در نہفت	پیشتر از وضع حمل خویش گفت
کہ یقین دیدم درون تو شہے است	کو اولوالعزم و رسول آگہے است
چون برابر اوفتادم با تو من	کرد سجدہ حمل من اے ذوالفطن
این جنین مر آن جنین را سجدہ کرد	کز سجودش در تنم افتاد درد
گفت مریم من درون خویش ہم	سجدۂ دیدم ازین طفل شکم

جب یحییٰ علیہ السلام کی مان حضرت یحییٰ سے حاملہ تھین تو حضرت مریم علیہا السلام کے سامنے بیٹھی ہوئی تھین یحییٰ علیہ السلام کی مان نے حضرت مریم سے چپکے سے اپنی وضع حمل سے پیشتر کہا - کہ مجھ یقیناً تمہارے پیٹ مین کوئی بڑا شخص معلوم ہوتا ہی کہ اولوالعزم اور رسول عارف ہوگا کیونکہ جب مین تمہارے برابر واقع ہوئی تو میرے حمل نے سجدہ کیا اور اس بچے نے اس بچے کو یون سجدہ کیا کہ اوس کے سجدہ سے میرے جسم مین درد ہو گیا - اس پر مریم علیہا السلام نے کہا کہ مین نے اپنے اندر بھی دیکھا کہ میرے بچے نے بھی تمہارے بچے کو پیٹ ہی مین سجدہ کیا -

حضرت یحییٰ اور مسیح علیہما السلام کا شکم مادر مین ایک دوسرے کو سجدہ کرنا

شرح شبیری - مادر یحییٰ الخ یعنی حضرت یحییٰ علیہ السلام کی والدہ جب کہ اون سے حاملہ تھین تو ایک دن حضرت مریم کے سامنے بیٹھی تھین

مادر یحییٰ الخ - یعنی والدہ یحییٰ علیہ السلام نے مریم علیہا السلام سے چپکے سے اپنے وضع حمل سے پہلے کہا کہ -

کہ یقین الخ - یعنی کہ یقیناً مین نے دیکھ لیا ہے کہ تیرے اندر ایک بادشاہ ہے جو کہ اولوالعزم ہے اور رسول

آگاہ ہے ۔ مطلب یہ کہ انھون نے فرمایا کہ مجھے معلوم ہو گیا کہ تمھارے حمل مین کوئی اُلوا لعزم نبی ہین اس لیے کہ۔
چون برابر۔الخ۔ یعنی جبکہ مین تمھارے برابر مین آئی تو مین میرے حمل نے سجدہ کیا۔
این جنین الخ۔ یعنی اس جنین نے اوس جنین کو سجدہ کیا کہ اوسکے سجود کی وجہ سے میرے تن مین درد ہونے لگا
اس لیے کہ آخر کچھ تو مرے تڑپے ہون سے کہ اون کے پیٹ مین درد ہونے لگا۔
گفت الخ۔ یعنی مریم علیہا السلام نے فرمایا کہ مین نے اپنے اندر بھی اس پیٹ کے بچہ سے سجدہ دیکھا ہو۔ مطلب یہ کہ میرے حمل نے بھی تمھارے حمل کو سجدہ کیا ہے اس قصہ پر اشکال یہ ہوتا ہے کہ حضرت مریم علیہا السلام اور مادر یحیی علیہ السلام کو ایک مرتبہ کب حمل رہا ہے بلکہ اونکے حمل کا زمانہ اور ہے اور انکا زمانہ اور ہے اسکا جواب یہ ہے کہ ہم اس قصہ کے صحت پر اڑتے نہین مان لیا کہ یہ غلط ہی سہی مگر جو اس سے مقصود ہے اور اس سے جو نتیجہ نکلتا ہے اس مین تو اسکے غلط ہونے سے کوئی خلل واقع نہین ہوتا مطلب تو یہ ہو کہ جسطرح انھون نے ایک دوسرے کی طاعت کی تمکو بدرجہ اولے اطاعت ضروری ہے اب اگر یہ قصہ غلط بھی ہو تو کیا ہے یہ مدعا ثابت ہے یہ اعتراض تو اصل مین واقع ہوتا ہے مگر بعض بے وقوفون نے ایک اور اعتراض کیا ہے چونکہ اعتراض مہمل تھا اس لیے مولانا کو غصہ آگیا لہذا بہت ہی خفا ہو کر اونکا اعتراض نقل فرماتے ہین اور پھر اوسکا جواب بھی دیتے ہین۔

شرح حبیبی

ابلهان گفتند این افسانه را — خط بکش زیرا دروغ است و خطا
زانکه مریم وقت وضع حمل خویش — بود از بیگانه دور و هم ز خویش
مریم اندر حمل جفت کس نشد — از برون شهر او وا پس نشد
از برون شهر آن شیرین فسون — تا نشد فارغ نیامد خود درون
چون بزادش آنگهانش در کنار — بر گرفته برد تا پیش تبار
مادر یحیی کجا دیدش که تا — گوید او را این سخن در ماجرا
این بداند کانکه اهل خاطر است — غائب آفاق او را حاضر است
پیش مریم حاضر آید در نظر — مادر یحیی که دور است از بصر
دیدها بسته ببیند دوست را — چون مشبک کرده باشد پوست را
ور ندیدش نز برون و نز درون — از حکایت گیر معنی اے زبون
نے چنان کافسانها بشنیده — همچو شین بر نقش او چفسیده
تا همی گفت آن کلیله بے زبان — چون سخن نوشد ز دمنه بے بیان
ور بدانستند لحن همدگر — فهم آن چون کرد بے نطق آن بشر
درمیان شیر و گاو آن دمنه چون — شد رسول و خواند بر هر دو فسون
چون وزیر شیر شد گاو نبیل — چون ز عکس ماه ترسان گشت پیل

این کلیله دمنه جمله افتریست — ورنه کے با زاغ لکلک را مریست

ای برادر قصه چون پیمانه ایست — اندرو معنی مثال دانه ایست

دانهٔ معنی بگیرد مرد عقل — ننگرد پیمانه را گر گشت نقل

ماجرای بلبل و گل گوش دار — گرچه گفتی نیست آنجا آشکار

ماجرای شمع با پروانه تو — بشنو و معنی گزین ز افسانه تو

گرچه گفتی نیست سر گفت هست — هین ببالا پر مپر چون جغد پست

گفت در شطرنج کاین خانهٔ رخست — گفت خانه اش از کجا آمد بدست

خانه را بخرید یا میراث یافت — فرخ آنکس کو سوئے معنی شتافت

گفت نحوی زید عمرا قد ضرب — گفت چونش کرد بیجرمے ادب

عمرو را جرمش چه بد کان زید خام — بے گنه او را بزد همچون غلام

گفت این پیمانهٔ معنی بود — گیر معنی را که پیمانه است رد

زید و عمرو از بهر اعراب است و ساز — گر دروغست آن تو با اعراب ساز

گفت نے من آن ندانم عمرو را — زید چون زد بیگناه و بے خطا

گشت او لاچار و لاغی بر گشود — عمرو یک واو فزون دزدیده بود

زید واقف گشت و دزدش را بزد — چونکه از حد برد او را حد سزد

گفت اینک راست پذرفتم بجان — کژ نماید راست در پیش کژان

گر بگوئی احولی را مه یکیست — گویدت کین دوست و در وحدت شکیست

ور برو خندد کسے گوید دو است — راست دارد این سزای بدخو است

بر دروغان جمع می آید دروغ — الخبیثات الخبیثون زد فروغ

دل فراخان را بود دست فراخ — چشم کوران را عثار سنگلاخ

هر که او جنس دروغست ای پسر — راست پیش او نباشد معتبر

هر کرا دندان صدقی رسته شد — از دروغ و از خباثت رسته شد

بیوقوف کہتے ہین کہ اس قصہ کو کاٹ دیجیے یہ غلط ہے اس لیےکہ مریم علیہا السلام وضع حمل کے وقت اپنون اور بیگانون سب سے دور تھین مریم علیہا السلام کو حمل کے زمانہ مین کسی سے اتصال ہی نہین ہوا اور بیرون شہر سے تا وضع حمل وہ واپس ہی نہین ہوئین اور جب تک وہ شیرین افسون یعنی حضرت عیسےٰ علیہ السلام شغل بطن مادر سے فارغ نہ ہوگئے اور پیدا نہ ہوئے اس وقت تک وہ باہر سے شہر مین نہین آئین ہان جب وہ پیدا ہوگئے اس وقت انکو گود مین لیکر اپنے عزیزون مین آئین پس ایسی حالت مین یحیےٰ علیہ السلام کی مان نے انکو کہان دیکھا کہ ان سے یہ واقعہ کہا ہو سبات یہ ہے کہ اس واقعہ کی حقیقت وہی سمجھ سکتا ہے جو اہل دل ہو اور مغیبات عالم کا مشاہدہ کرتا ہو کیونکہ وہ جانتا ہے کہ مادر یحیےٰ گو بصر سے دور تھین مگر چشم قلب کے سامنے ہو سکتی ہین۔ کیونکہ قاعدہ ہے کہ

جب کوئی مجاہدات و ریاضت سے اپنے جسم کو سوراخ دار بنا لیتا ہو یعنی حاجبیت کی صفت دل سے دور کرتا ہے تو وہ اپنے دوست کو ظاہری آنکھیں بند کرکے بھی دیکھ سکتا ہے۔ اچھا ہم نے مانا کہ نہ اونھون نے آپکو چشم ظاہری سے دیکھا تھا نہ چشم باطنی سے لیکن تمکو حکایت سے مقصود حاصل کرنا چاہیئے۔ واقعہ کی تصدیق و تکذیب سے کیا غرض۔ آخر تو ایسے اور فرضی قصے بھی تو سنتا ہی ہے اور انکو یون لیتا ہوا ہے جس طرح نشین لفظ نقش کو مثلاً یہ کہ دمنہ سے کلیلہ نے یون کہا وغیرہ وغیرہ اچھا تبلا کہ کلیلہ دمنہ کی بات بدون گفتگو کے کیونکر سمجھ سکتا ہے اور اگر وہ آپسمین ایک دوسرے کی گفتگو کو سمجھ سکتے تھے تو آدمی نے بدون گویائی انسانی کے کیسے سمجھا کہ کتاب بنا دی۔ اور بیل اور شیر کے درمیان دمنہ قاصد کیسے بنا۔ اور کیسے دونون کو شیشے مین اتارا اور شیر کا وزیر بیل کیونکر ہوگیا۔ اور ہاتھی چاند کے عکس سے کیونکر ڈر گیا۔ یہ کلیلہ سب اول سے آخر تک افترا ہے ورنہ کجا گیدڑ کہان بیل کجا شیر۔ انکا آپسمین کیا جوڑ اور لکلک اور کوّے کا کیا مقابلہ اور بات اصل وہی ہے جو ہمنے کہی ہے یعنی یہ کہ قصہ پیمانہ کی مثل غیر مقصود ہے اور حقیقت اوس کے اندر مثل دانہ کے مقصود ہے پس عاقل دانہ معنی کھالے لیتا ہے اور اگرچہ پیمانہ الفاظ بھی اسکے ساتھ منقول ہوتا ہے مگر اسپر نظر نہین کرتا۔ اور اوس کی تحقیق و تفتیش کے درپے نہین ہوتا۔ خیر یہ قصہ تو ایک درجہ مین احتمال صدق رکھتا بھی ہے۔ لیکن جو قصے ایسے ہین جنمین صدق کا احتمال ہی نہین تمکو ایسے قصے بھی سننا چاہئین اور ان سے حقیقت اخذ کرنی چاہیئے پس تو بلبل و گل کا قصہ سُن اگرچہ وہان گفتار نہین اور شمع و پروانہ کا ماجرا سن۔ اور اس سے حقیقت اخذ کرنے گو یہان گفتار نہین۔ مگر حقیقت گفتار تو ہے پس تجھے بلند پروازی اختیار کرنی چاہیئے اور طالب معنی ہونا چاہیئے اور الو کیطرح پستی مین نہ اڑنا چاہیئے۔ اور صورت مین نہ الجھنا چاہیئے جیسے کسی نے شطرنج مین کہا تھا کہ یہ رخ کا گھر ہے تو دوسرے نے کہا کہ رخ کے پاس گھر کہان سے آیا۔ کیا اوسنے خریدا تھا۔ یا اوسکو میراث مین ملا تھا۔ لا حول ولا قوۃ ارے بہت مبارک ہے وہ شخص جو حقیقت کی طرف متوجہ ہو اور صورت کو نظر انداز کردے۔ ایک حکایت اور یاد آگئی ایک نحوی نے کہا زید ضرب عمرا۔ سامع نے کہا کہ زید نے عمرو کو بلا وجہ کیون مارا اور عمرو کا زید نے کیا قصور دیکھا تھا کہ بلا قصور اوسکو غلام کیطرح مارا۔ اوسنے کہا کہ یہ مثال ہے۔ اور معنی سے اسکو وہی نسبت ہو جو پیمانہ کو دانہ سے پس تم پیمانہ کو چھوڑ دو اور دانہ کو لے لو یعنی معنی اور مقصود مثال سمجھ لو۔ اور غیر مقصود کو چھوڑ دو یہ عمرو و زید محض اعراب سمجھانے کے لیے ہین۔ اگر یہ جھوٹے بھی ہون تو تمہارا کیا نقصان ہے۔ تم اعراب سے کام رکھو کہا مین یہ نہین جانتا۔ مجھے تو یہ تبلاؤ کہ زید نے عمرو کو کیون بے قصور اور بلا خطا مارا۔ اسنے مجبور ہو کر ایک بیہودہ بات گڑھی اور کہا کہ عمرو نے ایک واؤ زاید چرا لیا تھا۔ زید کو اطلاع ہوگئی اور اپنے چور کو مارا چونکہ اوسنے تعدی کی تھی اس لیے اوسکی تادیب مناسب ہے۔ تب اوسنے کہا کہ اب تم نے ٹھیک کہا ہے اس کو مین دل سے قبول کرتا ہون۔ بات یہ ہو کہ کج طبع اور کج فہم لوگو نکو ٹیڑہی ہی بات ٹھیک معلوم ہوتی ہے۔ اگر تم کسی احول سے کہو کہ چاند ایک ہے تو کہیگا کہ یار ایک تو نہین معلوم ہوتا۔ اور اگر کوئی دل لگی مین اس سے کہ دے کہ چاند دو ہین تو اوسکو صحیح سمجھیگا واقعی بدخصلت آدمی کی یہی سزا ہے کہ غلطی ہی مین پڑا رہے جھوٹون ہی کے ساتھ جھوٹ جمع ہوتا ہو چنانچہ الخبیثات للخبیثین والخبیثون للخبیثات قرآن مین روشن ہے۔ پس جو جھوٹ سے مناسبت

رکھتا ہے سچی بات کو صحیح نہ سمجھے گا - کیونکہ ہر چیز اپنا مناسب ڈھونڈھتی ہے - چنانچہ فراخ دل لوگون کا ہاتھ بھی فراخ ہوتا ہی اور اندھون کے لیے سنگلاخ کی ٹھوکر ہوتی ہے اور جسکے اندر سچائی کے دانت نکلے ہین یعنی جسکے اندر سچائی ظاہر ہوئی ہے وہ جھوٹ اور خباثت سے بچ گیا -

نادانون کا اس قصہ پر اشکال کرنا اور انکا جواب

شرح شبیری - ابلہان الخ - یعنی بیوقوف لوگ اس فسانہ کے متعلق کہتے ہین کہ اسکو کاٹ دو اس لیے کہ جھوٹ ہے اور غلط ہے -

زانکہ الخ یعنی اس سبب سے کہ مریم علیہا السلام اپنے وضع حمل کے وقت تو اپنے پرائے سب سے الگ اور دور تھین -

مریم الخ - یعنی مریم علیہا السلام حمل کے زمانہ مین کسی سے ملی ہی نہین اور وہ تو شہر کے باہر سے واپس ہی نہین ہوئین مطلب یہ ہے کہ مورخین لکھتے ہین کہ حضرت مریم علیہا السلام کو فوراً حمل رہا - اور وہ فوراً ہی جنگل گئین اور فوراً اونکو وضع حمل ہو گیا - تو وہ تو حمل مین کسیکے پاس بیٹھی ہی نہین بلکہ وہ سیدھی جنگل کو گئین اور وہان سے بچہ لیے ہوئے آئین تو حضرت یحیی علیہ السلام کی والدہ ماجدہ اونکے پاس ایام حمل مین کہان تھین کب جو آپسمین حملین نے سجدہ کیا - اور اس اعتراض کا لچر ہونا ظاہر ہے ہان اعتراض وہی بہلا ہے کہ جب مریم علیہا السلام حاملہ ہوئی ہین تو یحیی علیہ السلام پیدا ہو چکے تھے - چونکہ یہ لچر اعتراض ہے اس لیے مولانا معترضین کو ابلہ بنا رہے ہین - ورنہ اگر یہ اعتراض سنتے تو شاید ہرگز خفا نہ ہوتے اور معترض کہتا ہے کہ -

از برون الخ - یعنی بیرون شہر سے وہ شیرین دم جب تک کہ فارغ نہ ہو چکین شہر کے اندر آئین ہی نہین -

چون بزادش الخ - یعنی جب اونکو جن لیا تو اسوقت گود مین اونکو لیکر کنبہ کے پاس تشریف لائین -

مادر یحیی الخ - یعنی یحیی علیہ السلام کی والدہ نے اون کو دیکھا ہی کب تاکہ وہ ماجرے کے طور پر اس بات کو بیان کرتین - یہانتک اعتراض ختم ہوا آگے جواب فرماتے ہین کہ -

این بداند الخ - یعنی اسکو تو وہ جانے کہ جو اہل دل ہو اور آفاق کا غائب اسکے لیے حاضر ہو مطلب یہ کہ جن حضرات کے سامنے حقائق اشیا منکشف ہین وہ اسکو سمجھ سکتے ہین اونکو ہرگز شبہ نہین ہو سکتا - اس لیے یہ بھی تو ممکن ہو کہ -

پیش مریم الخ - یعنی حضرت یحیی علیہ السلام کی والدہ حضرت مریم علیہا السلام کی نظر کے سامنے آگئی ہون اور بصر ظاہری سے دور ہون مطلب یہ کہ یہ ممکن ہو کہ اونھون نے آپس مین بذریعہ اشراق کے گفتگو کر لی ہو - اور سامنے آگئی ہون اور کشف ہو گیا ہو - یہ کیا ضرور ہو کہ حساً ہی سامنے ہوتین - جب ہی سامنے کہا جاتا اور یہ کچھ بعید نہین ہے اس لیے کہ -

دیدہ بستہ الخ - یعنی آنکھون کو بند کیے ہوئے ہی دوست کو دیکھ لیتا ہے جبکہ کوئی کھال کو چھلنی بنا لے مطلب یہ ہے کہ دیکھو اگر کسی کی آنکھون کے آگے چھلنی لگی ہو تو اوسکو ساری چیزین نظر آتی ہین باوجودیکہ ایک حائل ظاہرا موجود ہے اسی طرح جو حضرات کہ اہل اللہ ہوتے ہین اون کی چشم قلب چونکہ روشن ہوتی ہے تو یہ حجب ظاہری مکانی اونکو ادراک سے مانع اور حائل نہین ہوتے - بلکہ اگر وہ ان چشمان ظاہر کو بند بھی کر لین تب بھی اونکو

اور اگر نعوذ تاہم تو اسیطرح حضرت مریم علیہا السلام نے اون سے اور اونھون نے ان سے باتین کی ہون تو کیا عجب ہے ۔ یہ جواب تو اس معترض کے اعتراض کا ہو گیا اور سچ یہ ہے کہ اس اعتراض کا جواب بالکل کافی یہی ہے ۔ آگے اس قصہ کو غلط تسلیم کر کے جواب دیتے ہین اور وہی ایک ایسا جواب ہے کہ جو سارے اعتراضونکو بند کر دیتا ہو فرماتے ہین کہ ور ندیدش ۔ الخ ۔ یعنی اور اگر اونھون نے اونکو نہ باہر سے دیکھا اور نہ اندر سے تو تو حکایت سے نتیجہ لے لے ۔ مطلب یہ ہی کہ ہم نے مانا کہ یہ قصہ غلط ہی اور کسی نے کسی کو نہ دیکھا اور نہ کسی سے بات کی مگر تم کو اس سے کیا ۔ تم کو چاہیئے کہ اس سے جو نتیجہ نکلتا ہے اوسکو نکالو ۔ اور اس سے معنی اخذ کر کے اوسپر عمل کرو ۔ یعنی اہل اللہ کا اتباع و توجہ کمال کرو تو اگر ہمارا یہ قصہ غلط ہی ہوا تو کیا ہوا اصل مقصود تو یہ نتیجہ ہے اور یہ دوسرے دلائل سے ثابت ہی تو اس کے غلط ہو جانے سے ہمارا مدعا تو ثابت رہا ۔ اوسمین کیا خرابی آ گئی ۔ ایک قصہ نہین سہے تو نہ سہی اور فرماتے ہین کہ ۔

نے چنان الخ ۔ یعنی کیا یہ بات نہین ہے کہ تم نے بہت سے افسانے سنے ہین اور شین کی طرح اون کے نقش پر چپک گئے ہو مطلب یہ کہ جسطرح لفظ نقش کے ساتھ شین لگا ہوا ہے کہ جبتک یہ لفظ باقی ہے اوسکے ساتھ شین لگا ہوا ہے ۔ اسی طرح تمنے بہت سے افسانے سنے ہین اور اونپر جم گئے ہو اور اونکو بالکل یقین کر لیا ہے تو اگر اسکو بھی مان لوگے تو کیا حرج ہو ۔ اور قصے تو ایسے ایسے مشہور ہین کہ جن پر بہت ہی اعتراض سخت وارد ہوتا ہے جیسے کہ کلیلا اور دمنہ کا قصہ کہ بالکل خلاف عقل ہے کہ دو جانور اس طرح باتین کرین اور اگر کرین بھی تو اونکو ہر انسان سمجھ کر ضبط کرے ۔ تو من ایسے قصون سے مقصود اصل وہ نتیجہ ہوتا ہے جس کو کہ افسانہ گو بعد مین نکالتا ہے ۔ لہذا ہمارے اس قصہ سے بھی نتیجہ نکال لو اور اس پر عامل رہو ۔ آگے یہی بیان فرماتے ہین کہ کلیلہ و دمنہ کا قصہ قابل اعتراض ہے مگر اصل مقصود اوس سے نتیجہ ہے ۔

تا ہمیگفت الخ ۔ یعنی یہانتک لوگ کہتے ہین کہ اوس کلیلہ نے بے زبان دمنہ کی بات بے بیان کئے ہوئے کس طرح سن لی ور بدانستند الخ یعنی اور اگر اونھون نے ایکدوسرے کی آواز سمجھ بھی لی مگر اس افسانہ گو نے بے نطق کے اونکی بات کو کسطرح سمجھ لیا در میان الخ ۔ یعنی پھر شیر اور گائے کے درمیان وہ دمنہ رسول کس طرح بنا اور دونون پر کس طرح افسون پڑھ دیا اسلیئے کہ انکی تو سب کی زبانین اور آوازین مختلف تھین اگر آپس مین دمنہ اور کلیلہ نے تو باتین کی ہین مگر ان سب مین آپس مین گفتگو کس طرح ہوئی ۔

چون وزیر الخ ۔ یعنی شیر کا وزیر بیل کس طرح ہو گیا اور چاند کے عکس سے ہاتھی کس طرح ڈر گیا ۔

این کلیلہ ۔ الخ ۔ یعنی یہ کلیلا اور دمنہ سب غلط ہے ورنہ کوے کے ساتھ لکلک کا کیا مقابلہ ہے مطلب یہ کہ کوئی معترض اس قصہ کلیلہ و دمنہ کو غلط کہے اور یہ کہے کہ بھلا آپس مین کوئی مناسبت بھی تو ہو کہان گیدڑ اور کہان شیر اور کہان بیل اور ہاتھی تو یہی کہا جاتا ہے کہ میان اس سے مقصود وہ نتیجہ ہے تو اسیطرح ہمارا قصہ اگر غلط ہی ہو تو کیا ہے مقصود اس سے نتیجہ ہے اوسکو نکالو اور اوسپر عامل ہو فرماتے ہین کہ ۔

اے برادر الخ ۔ یعنی ارے بھائی قصہ تو پیمانہ کی طرح ہے اور اوسکے اندر معنی دانہ کی طرح ہین ۔

دانہ معنی الخ یعنی عاقل تو دانہ اور معنی کو لیتا ہے اور اگر پیمانہ منتقل بھی ہو جاوے تو وہ اوسکو نہین دیکھتا ۔ مطلب یہ کہ اگر کسی پیمانہ مین دانہ بھرے رکھے ہین اور وہ پیمانہ کہین ایک طرف ہٹ گیا مگر دانے اوسی طرح رکھے

رہے تو جو عاقل ہو وہ اس پیمانہ کو ہرگز نہ پکڑے گا اور اوس کے درپے نہو گا بلکہ جب اوسکو دانہ حاصل ہے تو اوسکو کسی سفے کی ضرورت نہیں تو اسی طرح قصہ میں جو بات قابل قبول ہے مرد عاقل تو اوسکو لے گا تو اگر وہ قصہ غلط بھی ہو جاوے مگر وہ امر ثابت رہے تو وہ قصہ کے درپے نہ ہو گا بلکہ وہ اوس نتیجہ پر قائم رہے گا اسلیے کہ وہی اصل ہے۔

گل اور بلبل اور پروانہ وغیرہ کی حالت کے بیان میں

ماجرائے الخ۔ یعنی بلبل اور گل کے ماجرے کو سنو اگرچہ کوئی بات اس جگہ ظاہر نہیں ہے مطلب یہ کہ دیکھو بلبل کو گل کا عاشق بناتے ہیں اور کہتے ہیں کہ بلبل گل کی بیوفائیون کی شکایت کرتی ہے اور اپنی حالت کو رو رو کر سناتی ہے مگر کوئی کہدے کہ کس نے سنا ہو کہ وہ رو رہی ہو اور بیان کر رہی ہو بس معلوم ہوا کہ ایسی باتون کے غلط ہونے سے اصل مقصود غلط نہیں ہوا کرتا۔ یعنی اوس کے روتے نہ دیکھنے سے یہ کب لازم آیا کہ اوسکو محبت گل بھی نہین ہے آگے اور اسی کی مثال دیتے ہین۔

ماجرائے الخ۔ یعنی شمع کا پروانہ کے ساتھ ماجرا سنو اور افسانہ سے معنی کو حاصل کرو۔

گرچہ گفتی الخ۔ یعنی اگرچہ کوئی آواز نہین ہے مگر بات کے اسرار ہین ارے عزیز کرچند کیطرح لیتی مین نزول مت کر مطلب یہ کہ دیکھو شمع و پروانہ کو آپس مین عاشق کہتے ہین مگر بظاہر کوئی عشق کی علامت نہین ہے تو اس سے تم نتیجہ حاصل کرو اور علوم و معارف حاصل کر دیتی ہین مت ٹھہر اسی کی اور مثال ہے کہ

گفت الخ۔ یعنی کسی شطرنجی نے شطرنج مین کہا کہ یہ رخ کا خانہ ہے تو دوسرے نے کہا کہ بھلا اوسکو یہ گھر کہان سے حاصل ہوا خانہ را الخ۔ یعنی اوس نے گھر کو خریدا ہے یا میراث مین پایا ہے تو خوش نصیب وہ ہے جو کہ معنی کیطرف دوڑا مطلب یہ ہوا کہ اگر کوئی رخ کے خانہ کو کہنے لگے کہ بھلا جناب اوسکو کہان سے حاصل ہوا اوسنے یہ گھر کیا میراث مین پایا تھا۔ یا کیا تو اس معترض کو بیوقوف ہی کہا جاوے گا اور اس کے اس اعتراض سے اوس رخ کے خانہ ہونے مین کوئی خرابی بھی واقع نہ ہو گی۔ اسی طرح اگر یہ قصہ غلط ہی ہو گیا تو کیا ہوا اصل مقصود مین کیا کھنڈت واقع ہو گی۔ پھر اسکو اور کھول کرتے ہین کہ۔

گفت الخ۔ یعنی کسی نحوی نے کہا کہ قد ضرب زید عمراً تو دوسرا بولا کہ بھلا بخطا اوسکو کیون مارا۔

عمرو را الخ۔ یعنی عمرو کی کیا خطا تھی جو اوس زید خام خیال نے اوسکو غلام کی طرح بیگناہ مارا۔

گفت الخ۔ یعنی اوس نحوی نے کہا کہ الفاظ تو معنی کے پیمانے ہوتے ہین تم اوس کے گندم کو لے لو کہ پیمانہ تو ردی ہے عمرو و زید الخ۔ یعنی عمرو اور زید تو اعراب کے اور بنا کے واسطے ہین تو اگر یہ غلط بھی ہے تم اوس سے اعراب کے ساتھ موافقت کرو۔ یعنی اوس نحوی نے کہا کہ میان یہ تو اسلیے ہے کہ اس سے فاعل و مفعول کا اعراب معلوم ہو جاوے۔ تو اگر یہ غلط بھی ہو تو کیا ہے تم تو اس سے اعراب کو پہچان لو کہ وہی مقصود اصلی ہے۔

گفت الخ۔ یعنی وہ شخص بولا کہ مین یہ نہ سمجھون گا نہین کہ عمرو کو زید نے بیگناہ اور بخطا کس طرح مارا۔ یعنی جب نحوی نے وہ جواب دیا کہ مقصود کو حاصل کر لو تو یہ صاحب بولے کہ نہ صاحب میری تو سمجھ مین نہین آتا کہ بھلا

عمرو کو زید نے سیخا کیون مارا۔ اگر یہ سمجھ مین نہ آیا تو مین پڑھا بھی نہین جب وہ استاد نے دیکھا تو اوسنے ایک بات نکالی۔
گفت الخ۔ یعنی نحوی نے آخر ایک مسخرگی کھولی اور کہا کہ عمرو نے ایک واؤ زیادہ چرا لی تھی۔
زید واقف الخ۔ یعنی زید واقف ہوگیا اور اوس کے چور کو اوسنے مارا اس لیے کہ جب حد سے کوئی گذر گیا تو اوسکو حد لگانا ہی لائق ہو مطلب یہ کہ اصل مین عمرو کے ایک واؤ جو اوسکے ساتھ لکھی جاتی ہے زیادہ چرا لی تھی۔ زید کو خبر ہوئی تو اوس نے اوس سے مانگی مگر اوس نے کہین چھپا دی لہذا زید نے اوسکو پیٹا یہ جواب جیسا نور بھرا ہے سب کو معلوم۔ کیا ضرب زید عمر اسے یہی مقصود ہو۔ مگر چونکہ کج فہم تھا اس لیے اسکو قبول کیا اور بہت خوش ہوا کہ ہان آخر یہ بات نکلی نہ۔ تو مولانا گنگر اتے ہین کہ جو کج ہوتے ہین وہ کج ہی بات کو قبول کرتے ہین۔ فرماتے ہین کہ۔

باطلون کا باطل ہی بات کو قبول کرنا

گفت الخ۔ یعنی اوس معترض نے کہا کہ ہان اب ٹھیک ہو مین نے دل و جان سے قبول کیا۔ (مولانا فرماتے ہین کہ ٹیڑھے کو سیدھی بات ٹیڑھی نظر آیا کرتی ہو (اور ٹیڑھی درست) آگے اسکی ایک مثال ہو کہ۔
گر بگوئی الخ۔ اگر کسی بھینگے سے کہو کہ چاند ایک ہے تو وہ تم سے کہیگا کہ بھائی ایک ہونے مین تو شبہ ہے۔
ور بد و خندد الخ۔ یعنی اور اگر کوئی اوس سے مذاق کرے اور کہدے کہ ہان دو ہی ہین تو اب ٹھیک سمجھے گا۔ اور بد خو کی یہی سزا ہے کہ اوسکو دھوکہ مین رکھا جاوے جیسا کہ حضرت حافظ رح فرماتے ہین ؎ با مدعی مگوئید اسرار عشق و مستی + بگذار تا بمیرد در رنج خود پرستی + آگے مولانا رح فرماتے ہین کہ۔
بر دروغان الخ یعنی جھوٹون پر تو جھوٹ ہی جمع ہوتا ہے (اور اس مضمون کو) الخبیثات للخبیثون نے فروغ دیدیا ہو۔
ہر کرا الخ۔ یعنی ارے صاحبزادے جو شخص کہ جھوٹ کی جنس سے ہوتا ہے اوس کے سامنے سچ معتبر نہین ہوا کرتا۔ اس لیے کہ وہ اوس کے مناسب ہوتا ہی نہین اور جو شئے کہ آپس مین مناسب ہوتی ہین وہی ملا کرتی ہین اور ایک دوسرے کے پاس آتی ہین ورنہ ایک دوسرے سے الگ رہتی ہین آگے متناسبین کے جمع ہونے کی نظائر بیان فرماتے ہین کہ۔
دل فراخان الخ۔ یعنی دل فراخ لوگون کا ہاتھ تو فراخ ہوتا ہے اور اندھونکو سنگلاخ زمین کی ٹھوکرین۔ اسیطرح جھوٹون کو جھوٹ سے اور سچے کو سچون سے مناسبت ہوتی ہے آگے فرماتے ہین کہ۔
ہر کرا الخ۔ جسکے دانت کہ سچائی سے جمے ہین۔ وہ جھوٹ سے اور خباثت سے چھوٹ گیا۔ اور جو کہ ایسا نہین ہے اوسکو کذب ہی سے رغبت ہوتی ہے۔ تو اسیطرح جو لوگ کہ ظاہرین ہوتے ہین اونکو صرف الفاظ ہی سے رغبت ہوتی ہے وہ معانی کیطرف التفات ہی نہین کرتے جیسا کہ اوپر گذرا کہ حکایت عیسیٰ و یحییٰ علیہما السلام سے جو مقصود تھا اوسکو تو سمجھا نہین صرف الفاظ کو دیکھکر بول اوٹھے کہ ارے یہ تو غلط ہے پس جو الفاظ مین رہتا ہو وہ ہمیشہ سرگردان رہتا ہے اور مقصود کبھی حاصل نہین ہوتا۔ جیسا کہ ایک اور حکایت سے معلوم ہوتا ہو آگے اوس حکایت کو بیان فرماتے ہین کہ۔

شرح حبیبی

گفت دانائے برائے داستان	کہ درختے ہست در ہندوستان

هر کسی کز میوهٔ او خورد و برد
نی شود او پیر نی هرگز بمرد

پادشاهی این شنید از صادقی
بر درخت و میوه‌اش شد عاشقی

قاصدی دانا ز دیوان ادب
سوی ہندوستان روان کرد از طلب

سالها میگشت آن قاصد ازو
گرد ہندوستان برای جستجو

شهر شهر از بهر این مطلوب گشت
نی جزیره ماند نی کوه و نه دشت

هر کرا پرسید کردش ریشخند
کاین نجوید جز مگر مجنون بند

بس کسان صفعش زدند اندر مزاح
بس کسان گفتند کای صاحب فلاح

جستجوی چون تو زیرک سینه صاف
کی تهی ماند کجا باشد گزاف

وین مراعاتش یکی صفع دگر
وین ز صفع آشکارا سخت‌تر

می ستودندش بتسخر کای بزرگ
در فلان اقلیم بس هول و سترگ

در فلان بیشه درختی هست سبز
بس بلند و پهن و هر شاخیش گبز

قاصد شه بسته در جستن کمر
می شنید از هر کسی نوع دگر

بس سیاحت کرد آنجا سالها
می فرستادش شهنشه مالها

چون بسی دید اندران غربت تعب
عاجز آمد آخر الامر از طلب

هیچ از مقصود اثر پیدا نشد
زان غرض غیر خبر پیدا نشد

رشتهٔ امید او بگسسته شد
جستهٔ او عاقبت ناجسته شد

کرد عزم بازگشتن سوی شاه
اشک می بارید و می برید راه

بود شیخی عالمی قطبی کریم
اندران منزل که آیس شد ندیم

گفت من نومید پیش او روم
ز آستان او به ره اندر شوم

تا دعای او بود همراه من
چونکه نومیدم من از دلخواه من

رفت پیش شیخ با چشم پر آب
اشک می بارید مانند سحاب

گفت شیخا وقت رحم و رأفت است
ناامیدم وقت لطف این ساعت است

گفت واگو کز چه نومیدیستت
چیست مطلوب تو رو با چیستت

گفت شاهنشاه کردم اختیار
از برای جستن یک شاخسار

که درختی هست نادر در جهات
میوهٔ او مایهٔ آب حیات

سالها جستم ندیدم زو نشان
جز که طنز و تسخر این سرخوشان

شیخ خندید و بگفتش ای سلیم
این درخت علم باشد در علیم

بس بلند و بس شگرف و بس بسیط
آب حیوانی ز دریای محیط

تو بصورت رفته‌ای ای بیخبر
زان ز شاخ معنیی بی بار و بر

که درختش نام شد گه آفتاب گاه بحرش نام گشت و گه سحاب

آن یکے کش صد ہزار آثار خاست کمترین آثار او عمر و بقاست

گرچہ فرد ست او اثر دارد ہزار آن یکے را نام شاید بے شمار

آن یکے شخصے ترا باشد پدر در حق شخص دگر باشد پسر

در حق دیگر بود قہر و عدو در حق دیگر بود لطف و نکو

در حق دیگر بود او عم و خال در حق دیگر بود ہیچ و خیال

صد ہزاران نام و او یک آدمی صاحب ہر وصفش از وصفے عمی

ہر کہ جوید نام گر صاحب ثقہ است ہمچو تو نومید و اندر تفرقہ است

تو چہ برچسپی برین نام درخت تا بمانی تلخکام و شور بخت

صورت ظاہر چہ جوئی ای جوان رو معانی را طلب اے پہلوان

صورت ظاہر بود چون قشر و پوست معنی اندر وے چو مغز ای یار دوست

درگذر از نام بنگر در صفات تا صفاتت رہ نماید سوئے ذات

گم شوی در ذات و آسائی ز خود چشم تو یکرنگ بیند نیک و بد

اختلاف خلق از نام اوفتاد چون بمعنے رفت آرام اوفتاد

اندرین معنی مثالے خوش شنو تا نمانی تو اسامی را گرو

کسی دانا نے قصہ کے طور پر کہا کہ ہندوستان مین ایک درخت ہی جو شخص اوسکا میوہ کھا لیتا ہے نہ تو وہ مرتا ہے اور نہ بڈھا ہوتا ہے ایک بادشاہ نے ایک سچے شخص کی زبانی یہ بات سنی تو اوس درخت اور پھل پر عاشق ہوگیا۔ اپنے دیوان ادب سے ایک قاصد اوسکی تلاش کے لیے روانہ کیا وہ قاصد اوس کی جستجو مین برسون گھومتا رہا۔ ہر ہر شہر مین اسکی تلاش مین گیا نہ کوئی جزیرہ بچا نہ کوئی پہاڑ نہ کوئی جنگل جس سے پوچھتا تھا وہی اوس پہ ہنستا تھا۔ کیونکہ وہ سمجھتا تھا کہ اس درخت کو وہی تلاش کر سکتا ہے جو مجنون اور لائق قید ہو بہت سے لوگ مذاق مین اوس کے چپت لگاتے تھے بہت سے لوگ استہزاءً کہتے تھے کہ اے کامیاب یہ لوگ تو بیہودہ ہین جو تجھ پر ہنستے ہین بھلا تجھ سے دانا اور روشن ضمیر کی جستجو کہین خالی جا سکتی ہے۔ اور لغو ہو سکتی ہے ہرگز نہین بس تجھ سے شخص کی طلب ہی دلیل ہے اوس کے وجود کی اور علامت ہے اوسکے ملنے کی۔ یہ خاطرداری اسکے لیے ایک اور چپت ہوتی تھی۔ جو اس محسوس چپت سے سخت ہوتی تھی لان جراحات السنان لہا التیام ولا یلتام ما جرح اللسان۔ کبھی لوگ مسخرہ پن سے بیان کرتے تھے کہ جناب وہ عظیم الشان درخت فلان جگہ ہے اور فلان جنگل مین ایک سرسبز درخت ہے جو بہت اونچا اور بڑا ہیبتناک ہے اور جسکے ڈالے بہت موٹے موٹے ہین۔ (وہ تمھارا مطلوب ہے) یہ سن کر قاصد اوسکو تلاش کرنے پر آمادہ ہوتا تھا اور جب وہان اوسکو نہ پاتا تھا اور ون سے دریافت کرتا تھا تو وہ اور کچھ پتے بتاتا تھا۔ غرض ہر ایک اوسکی علیحدہ علیحدہ نشانیان بیان کرتا تھا۔ القصہ اسنے وہان بہت برسون تک سیاحی کی اور بادشاہ بہت کچھ مال اوسکے پاس بھیجتا رہا۔ اگر

چنانچہ سفر مین انسنے بہت کچھ تکلیفین اٹھائین تو بالآخر طلب سے عاجز ہوگیا کیونکہ مقصود کا کچھ بھی پتہ نہ لگا۔ اور سوائے خبر کے اور کچھ بھی معلوم نہوا اسکی امید کا رشتہ ٹوٹ گیا اور اسکا کیا دھرا سب برباد ہوگیا۔ تب اوسنے بادشاہ کی حضور مین واپسی کا ارادہ کیا۔ وہ اپنی ناکامی پر روتا جاتا تھا اور رستہ قطع کرتا جاتا تھا۔ جس منزل کا وہ نا امید شخص ندیم ہوا تھا یعنی جس منزل کو وہ طے کر رہا تھا اتفاقاً وہان ایک شیخ اور عالم اور قطب کریم رہتے تھے اسنے کہا کہ مین نا امید ہوکر اب ان بزرگ کے پاس جاتا ہون اور انکے آستانہ سے ہوکر پھر کہین جاؤنگا تاکہ انکی دعا بھی میرے شامل حال ہو۔ کیونکہ مطلوب سے تو مین نا امید ہی ہو چکا ہون یہ سوچکر وہ روتا ہوا شیخ کے پاس گیا اسکے رونے کی یہ حالت تھی جیسے مینہ برس رہا ہو اور وہان جا کر عرض کیا کہ حضور یہ رحم اور مہربانی کا وقت ہے چونکہ مین نا امید ہون اس لیے مہربانی کا یہی وقت ہے ارشاد ہوا کہ بیان کرو تمھین کس بات سے نا امیدی ہے تمھارا مطلوب کیا ہے اور کسکی طرف تمھاری توجہ ہے اوسنے کہا حضور بادشاہ نے مجھے ایک درخت کے تلاش کرنے کیلیے منتخب کیا ہے اور یہ کہا ہے کہ اطراف ہند مین ایک عجیب درخت ہے جس کا پھل مادۂ آب حیات ہے۔ مین نے برسون ڈھونڈھا مگر مجھے اوسکا پتہ نہین چلا۔ اور کچھ بھی مجھے نہ ملا بجز ان اوباشون کے طنز اور تمسخر کے شیخ ہنسے اور فرمایا کہ ارے بھولے آدمی وہ درخت کوئی حقیقی درخت نہین ہے بلکہ وہ درخت علم ہے۔ یہ درخت نہایت بلند اور بہت پھیلا ہوا اور بہت عجیب ہے یہ دریاے محیط حق سبحانہ سے نکلا ہوا آب حیات ہے چونکہ تم صورت کیطرف چلدیے اور اس سے تمنے درخت صوری سمجھا اس لیے تم شاخ معنی سے بے بار و بر رہے اور معنی سے تم منتفع نہ ہوسکے تم چونکہ صورت کی طرف چلدیے راہ راست سے بھٹک گئے اس لیے تم کو مطلوب نہ ملا۔ کیونکہ معنی کو تو چھوڑ ہی دیا۔ جس سے مطلوب کا سراغ لگتا پھر مطلوب کیونکر ملے بات یہ ہے کہ علم ایک شے ہے اوسکے مختلف جہات سے مختلف نام ہین کبھی اوسکو درخت کہتے ہین کیونکہ لوگ اوسکے ثمرات سے منتفع ہوتے ہین کبھی اوسکو آفتاب کہتے ہین اس لیے کہ نور معنوی عطا کرتا ہے اور کبھی سمندر کیونکہ اوسکی کوئی حد و نہایت نہین۔ کبھی سحاب کہ اس سے آدمی کو حیات حاصل ہوتی ہے غرض وہ ایک شئے ہے جس سے لاکھون آثار پیدا ہوتے ہین اور سب کم درجہ کا اثر اوسکا یہ ہے کہ اس سے عمر ابد حاصل ہوتی ہے ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق الخ وہ گو ایک شئے ہے مگر آثار اوسکے ہزارون ہین۔ اس لیے اس ایک شئے کے نام بھی ہزارون ہین اور اس کثرت اسماء اور کم علمی کے سبب اختلاف واقع ہوتا ہے اور طالب کے لیے ناکامی اور محرومی رونما ہوتی ہے۔ اختلاف تو اس لیے ہوتا ہے کہ کوئی ایک اسم کو ایک شئے کے لیے ثابت کرتا ہے دوسرا اوس سے اوسکی نفی کرتا ہے اور محرومی اس لیے کہ جب وہ اس اختلاف کو دیکھے گا تو مبہوت ہو جاے گا نیز اگر تم مسئولین اس اسم سے ناواقف ہین تو کوئی بھی پتہ نہ بتا سکے گا مثلاً فرض کرو کہ ایک شخص ہے کہ وہ تمھارا باپ ہے اور دوسرے کا بیٹا۔ ایک کے لیے غضب اور دشمن ہے دوسرے کے لیے لطف۔ ایک شخص کا چچا ہے دوسرے کا ماموں اور ایک شخص کے لیے کچھ بھی نہین بلکہ اوس کے لیے محض وہم و خیال ہے غرض وہ ایک شخص ہے اوسکے ہزارون نام ہین۔ اب فرض کرو کہ اوسکے تمام نامون کو کوئی نہین جانتا بلکہ ہر شخص صرف اوس وصف کو جانتا ہے جسکا اوس سے تعلق ہے باپ صرف یہ جانتا ہے کہ یہ میرا بیٹا ہے۔ بیٹا صرف یہ جانتا ہے کہ میرا

باپ ہے علی ہذا القیاس۔ پس اگر کوئی شخص اوسکو ایک نام سے تلاش کرے تو وہ لامحالہ تفرقہ مین پڑے گا۔ اور محروم ہوگا کیونکہ اگر وہ یہ دریافت کرے کہ فلان کا بیٹا کہان ہے تو دو صورتین ہون گی۔ یا تو مسئولین مین سے کوئی اوسکو اس پتہ سے جانتا ہے۔ یا نہین۔ بصورت ثانیہ محرومی ظاہر ہے اور بصورت اولے اختلاف ہوگا۔ ایک کہے گا میرا بیٹا فلان ہے دوسرا کہے گا وہ میرا بیٹا نہین میرا باپ ہے۔ تیسرا کہے گا اسکا باپ نہین میرا چچا ہے علی ہذا القیاس اس صورت مین سائل بہوت ہو جاوے گا اور محروم رہے گا پس تو اسم درخت مین کیا او لجھتا ہے اسکا انجام تیری تلخ کامی اور شور بختی ہوگا۔ تو صورت ظاہر کو کیا تلاش کرتا ہے جا حقائق طلب کر صورت اور ہیئت نہایت حقیر شے ہے اور چھلکے کی طرح غیر مقصود مغز اور مقصود تو معنی ہین لہذا معنی کو طلب کرنا چاہیئے۔ اب مولانا فرماتے ہین کہ تجھے معلوم ہو گیا کہ اسمار معنی کے مقابلہ مین کوئی وقعت نہین رکھتے ہین اور وہ مطلوب نہین ہین پس تو اسمار ہی مین مت اوبھار بلکہ اسمار سے صفات کی طرف ترقی کر کہ وہ اسمار کے مقابلہ مین معانی ہین تاکہ صفات تجھے ذات کی طرف رہنمائی کرین جو صفات کے مقابلہ مین معنی ہے۔ جب تو مشاہدۂ ذات مین محو ہو جائیگا اس وقت خودی سے چھوٹ جاوے گا۔ اور تیری نظر مین نیک و بد سب ایک رنگ دکھائی دینگے یعنی بعض حیثیات سے اور وہ حیثیت مظہریت الٰہیہ ہے دیکھو یہ جو مخلوق مین اختلاف واقع ہے یہ سب نام ہی کے باعث ہے اور جب کوئی شخص حقیقت تک پہونچ جاتا ہے بس سکون ہو جاتا ہے اس کے متعلق ہم ایک نہایت عمدہ مثال بیان کرتے ہین تاکہ تو اوس سے عبرت حاصل کر کے محض نامون ہی کا پابند نہو۔

ایک شخص کا اوس درخت کو تلاش کرنا کہ جو کوئی اُسکو کھالے وہ کبھی مرے نہین

شرح شبیری۔ گفت دانائے الخ۔ یعنی ایک شخص نے حکایت کے طور پر یہ کہا کہ ایک درخت ہندوستان مین ایسا ہے
ہر کسے الخ۔ یعنی جس کسی نے اوس مین سے کھالیا وہ نہ تو بڈھا ہوا اور نہ کبھی مرا۔
پادشاہے الخ۔ یعنی ایک بادشاہ نے ایک سچے آدمی سے اسکو سن لیا تو اوس درخت اور اس میوہ پر عاشق ہو گیا
قاصد دانا الخ۔ یعنی مجلس ادب مین سے ایک قاصد دانا کو ہندوستان کی طرف تلاش کرنے کو روانہ کیا۔
سالہا میگشت الخ یعنی اوس بادشاہ کا قاصد برسون تک جستجو کے لیے ہندوستان کے گرد پھرتا رہا۔
شہر شہر الخ یعنی اس مطلوب کے لیے شہر شہر مین پھرا نہ کوئی جزیرہ باقی رہا نہ پہاڑ نہ جنگل (سب جگہ تلاش کیا)
ہر کرا پرسید الخ۔ یعنی جس سے یہ پوچھتا وہ اس کا مذاق اڑاتا کہ اسکو تو سوائے مجنون لائق بندھے کے اور کوئی تلاش نہ کرے گا مطلب یہ کہ لوگ کہتے تھے کہ بھلا اسکا تلاش کرنا تو بالکل بیوقوفی ہے۔
بس کسان الخ۔ یعنی بہت سے لوگ تو مذاق مین اوس کے چپت مارتے اور بہت سے لوگ (مذاق سے) کہتے کہ اجی حضرت
جستجوے چون توا الخ۔ یعنی آپ جیسے دانا اور سینہ صفا کی تلاش کب خالی جاسکتی ہے اور کب بیہودہ ہوسکتی ہے ہرگز جناب کو ضرور گوہر مقصود ہاتھ آدے گا۔ مولانا فرماتے ہین کہ۔
وین مراعات الخ۔ یعنی اور یہ اونکی مراعات کرنا ایک دوسرا چپت تھا اور یہ اوس ظاہری چپت سے بھی

زیادہ سخت تھا۔ اس لیے کہ ے جراحات السنان لہا التیام + ولا یلتام ما جرح اللسان۔
می ستودند الخ۔ یعنی مسخرہ پن سے اوسکی تعریف کرتے تھے کہ حضرت فلان جگہ ایک بہت بڑا درخت تھا۔
در فلان الخ۔ یعنی فلان جنگل مین ایک درخت سرسبز ہے بہت ہی بلند ہے اور خوفناک ہے اور اوسکی ہر شاخ بڑی موٹی ہے۔ لہذا ضرور ہو کہ جناب جسکو تلاش کر رہے ہین وہی ہو گا غرضیکہ اوسکو خوب مسخرہ بنا رکھا تھا اور اوسکی یہ حالت تھی کہ۔
قاصد شہ الخ۔ یعنی قاصد شاہ تلاش کرنے مین کمربستہ تھا اور ہر شخص سے ایک نئی بات سن رہا تھا۔
بس سیاحت الخ۔ یعنی اوس جگہ اوس نے سالہا سال تک سیاحت کی اور بادشاہ سفر خرچ کیلیے) مال روانہ کرتا تھا۔
چون بسے دید الخ۔ یعنی جب اوس سفر مین بہت تعب دیکھا تو آخر کار تلاش سے عاجز رہگیا۔
ہیچ الخ۔ یعنی مقصود کا کوئی اثر ظاہر نہوا اور اس مقصود سے سوائے خبر کے اور کچھ حاصل نہ ہوا بس اتنی خبر تو تھی کہ ہو تو مگر یہ کہ کہان ہے اس ہی کا پتہ نہ چلا۔
رشتہ امید الخ۔ یعنی اوسکی امید کا تاگا ٹوٹ گیا اور اسکا تلاش کیا ہوا آخر کار بے تلاش کیا ہوا ہو گیا مطلب یہ کہ جب بہت تلاش کیا اور نہ ملا تو نا امید ہو گیا اور باوجود اسقدر تلاش کے ایسا ہو گیا کہ گویا کہ تلاش ہی نہین کیا۔
کرد عزم الخ۔ یعنی اوس نے بادشاہ کی حضور مین واپسی کا قصد کرلیا اور روتا جاتا تھا اور چلتا جاتا تھا یعنی اپنی ناکامی پر افسوس کر رہا تھا۔ اور بادشاہ کے پاس واپس جا رہا تھا۔

ایک بزرگ کا اس شخص کو اس درخت کا پتہ بتلانا

بود شیخے الخ۔ یعنی ایک بزرگ عالم قطب کریم بھی اوس منزل مین تھے جہان کہ وہ ندیم شاہ نا امید ہو کر جا رہا تھا۔
گفت الخ۔ یعنی اوس نے سوچا کہ مین نا امید ہو کر اونکی خدمت مین حاضر ہون اور اونکے آستانہ سے راستہ پہ ہونگا مطلب یہ کہ وہ نا امید ہو کر جا رہا تھا راستہ مین سنا کہ کوئی بزرگ ہین تو دل مین سوچا کہ لاؤ اونکے پاس ہوتے چلین شاید اگر کچھ پتہ چل گیا تو اونکے بتانے کے موافق راہ پر لگ لونگا۔
تا دعائے الخ۔ یعنی تاکہ اوسکی دعا میرے ہمراہ ہو جاوے جبکہ مین اپنے مطلوب سے نا امید ہون مطلب یہ کہ نا امید دیکھکر شاید رحم کرکے دعا کردین اور مقصود حاصل ہو جاوے۔
رفت پیش شیخ الخ۔ یعنی روتے ہوئے شیخ کی خدمت مین حاضر ہوئے اور آنسو بارش کی طرح برس رہے تھے۔
گفت الخ۔ یعنی عرض کیا کہ حضرت یہ وقت رحم اور مہربانی کا ہے مین نا امید ہون یہی لطف کی گھڑی ہے
گفت الخ۔ یعنی شیخ نے فرمایا کہ بیان تو کرو کہ نا امیدی کس وجہ سے ہے اور تمہارا مطلوب کیا ہے اور کسکی تلاش ہے۔
گفت الخ۔ یعنی اوس نے عرض کیا کہ بادشاہ نے مجھے ایک درخت کی تلاش کے واسطے منتخب کیا ہے اور فرمایا ہے کہ درختے الخ۔ یعنی ایک درخت اطراف ہندوستان مین عجیب ہے کہ اوسکا میوہ آب حیات ہے۔
سالہا جستم الخ۔ یعنی مینے سالہا سال تک تلاش کیا مگر اوسکا کوئی نشان نہ ملا بجز ان شریر لوگون کے تمسخر کرنیکے یعنی لوگ مجھ سے تمسخر کرتے ہین مگر اوسکا کچھ پتہ نہین چلتا۔
شیخ خندید الخ۔ یعنی شیخ ہنسے اور اوس سے کہا کہ ارے سیدھے میان یہ علم کا درخت ہے اے علیم مطلب

الخ اون شیخ نے کہا کہ ارے میان وہ درخت جسکی تمہین تلاش ہے آور جسکی بابت سنا ہے کہ حیات ابدی حاصل ہوتی ہے وہ درخت علم ہے اور جسنے بتایا ہے اوسکی یہی مراد ہے اوس درخت کی یہ حالت ہے کہ

بس بلند و الخ۔ یعنی بہت بلند ہے اور بہت قوی ہے اور بہت پھیلا ہوا ہے وہ ایک آب حیوان ہے ایک دریائے محیط ہے۔ دریائے محیط سے مراد عالم غیب ہے مراد یہ کہ وہ علم بہت بلند اور قوی درخت ہے اور وہ ایک آب حیوان ہے جو کہ عالم غیب سے آتا ہے اور فرمایا۔

تو بصورت الخ۔ یعنی ارے بیخبر تو صرف صورت کو لیے ہوئے ہے اسی لیے شاخ معنی سے بے بار و بر ہے یعنی تو جو صرف الفاظ کو دیکھ رہا ہے اور درخت حسی کی تلاش میں ہے اسی لیے اوس درخت معنی سے بے بہرہ ہے

تو بصورت الخ۔ یعنی تو صورت پر گیا ہوا ہے اور گم ہو رہا ہے اسی لیے تجھے ملتا نہین کہ تو نے معنی کو چھوڑ رکھا ہے۔ اگر تو اصل اور معنی کو تلاش کرتا تو ابتک حاصل کر لیتا اور نام کا کیا ہے نام کی تو یہ حالت ہے کہ۔

گہ درختش الخ۔ یعنی کبھی اوس کا درخت نام ہوا ہے اور کبھی آفتاب کبھی اوسکا نام بحر ہے اور کبھی سحاب ہے۔

آن یکے الخ۔ یعنی وہ ایک ہی ہے کہ اوس کے لاکھون آثار پیدا ہوئے اور سب سے کم اثر اوسکا عمر باقی ہے کہ علم سے حاصل ہوتی ہے

گرچہ فرد است الخ۔ یعنی اگرچہ وہ اکیلا ہے مگر اوس کے آثار ہزارون ہین اور ایک ہی شے کے بیشمار نام ہوتے ہین آگے اس بیشمار اثر اور نام ہونے کی ایک نظیر لاتے ہین کہ۔

آن یکے الخ۔ یعنی ایک ہی شخص تمہارا تو باپ ہے اور دوسرے کے حق مین بیٹا ہے۔

در حق دیگر الخ۔ یعنی وہی شخص اور دوسرے کے حق مین قہر اور دشمن ہے اور پھر دوسرے کے حق مین سراسر لطف ہو اور نیک ہو۔

در حق دیگر الخ۔ یعنی اوس دوسرے کے حق مین وہی چچا اور ماموں ہے اور اوروں کے حق مین وہم و خیال ہے یعنی وہ کچھ سمجھتے ہی نہین بالکل ایک لاشے محض خیال کرتے ہین۔

صد ہزاران الخ۔ یعنی لاکھون نام ہین اور وہ ایک آدمی ہے اور ہر وصف والا دوسرے وصف سے اندھا ہے مطلب یہ کہ جس کے لیے وہ دشمن ہے اوسکے حق مین اوسکی نیکی کی صفت بالکل معدوم ہے تو ہر وصف والے کو دوسرے کی خبر نہین اسی طرح علم ایک شے ہے مگر اوس کی تعبیرات مختلف ہین۔ مگر جو ایک مین لگ گیا وہ دوسری سے بیخبر ہے اسی طرح یہ شخص جو نام مین لگ گیا تھا تو اوسکے معنی سے اندھا تھا آگے فرماتے ہین کہ۔

ہر کہ الخ۔ یعنی جو شخص کہ نام کو تلاش کرے اگرچہ کیسا ہی بزرگ ہو وہ تیری طرح ناامید اور پراگندگی مین ہے۔

تو چہ الخ۔ یعنی تو اس درخت کے نام پر کیا چپکا ہوا ہے یہان تک کہ ناکام اور شور بخت ہے (تجھے چاہیے کہ حقیقت اور معنی کی تلاش کرے)

صورت ظاہر الخ۔ یعنی اے جوان تو صورت کو کیا تلاش کر رہا ہے جا معانی کو ڈھونڈھ اے پہلوان۔

صورت الخ۔ یعنی صورت ظاہری تو مثل قشر کے اور پوست کے ہوتی ہے اور اوسکے اندر معنی مغز کیطرح ہوتے ہین ای یا ماطلا ہے دوست۔

در گذر الخ۔ یعنی نام سے درگذر اور صفات کو دیکھ تا کہ صفات تیری رہنمائی ذات تک کرین۔ یعنی صفات پر

نظر کرنے سے ذات ملجا دیگی ورنہ نام ہی مین نگے رہو گے اور جب ذات تک رسائی ہوجاویگی تو یہ حالت ہوگی کہ۔
گم شوی الخ۔ یعنی تم ذات مین گم ہوجاؤگے اور اپنے سے آرام سے ہوجاؤگے اور تمہاری آنکھ سب نیک و بد کو ایک رنگ دیکھیگی۔ مطلب یہ کہ معانی اور حقیقت کیطرف التفات کرو کہ اوس سے ذات حق تک رسائی ہوگی اور درجہ فنا حاصل ہوگا۔ پھر اپنی بھی خبر نہ رہیگی اور تمام افعال وغیرہ سب اوسی طرف سے نظر آوینگے۔ مقصود یہ ہے کہ تم کو چاہئے کہ تجلی افعالی سے تجلی صفاتی اور تجلی صفاتی سے تجلی ذاتی کو حاصل کرو کہ پھر اپنی بھی خبر نہ رہے۔

اختلاف الخ۔ یعنی مخلوق کا اختلاف نام ہی کی وجہ سے پڑا ہے اور جب معنی کیطرف گئے تو آرام ہو گیا۔ اس لیے کہ اصل اور حقیقت ایک ہی ہے اوسکی تعبیرات مختلف ہین۔

اندرین الخ۔ یعنی اس معنی مین ایک عمدہ مثال سنو تاکہ تم نامون ہی مین گرو نہ رہو مطلب یہ کہ ہم نے جو کہا ہی کہ اختلاف اسماہی کی وجہ سے ہے ورنہ حقیقت ایک ہے اور جسنے حقیقت پر نظر کی اوسنے سب کچھ پالیا اس معنی مین ایک مثال سنو جس سے یہ واضح ہوجاویگا۔ آگے اوس مثال کو بیان فرماتے ہین کہ۔

شرح حبیبی

چار کس را داد مردے یک درم / هر یکے از شهر افتاده بهم
فارسی و ترک و رومی و عرب / جمله باهم در نزاع و در غضب
فارسی گفته که این را چون کنم / هین بیا تا این بانگورے دهم
آن یکے دیگر عرب بد گفت لا / من عنب خواهم نه انگورے دغا
آن یکے ترکی بد او گفت ای گزم / من نمیخواهم عنب خواهم اوزم
آن یکے رومی بگفت این قیل را / ترک کن خواهیم من استافیل را
در تنازع آن نفر جنگی شدند / که ز سر نامها غافل بدند
مشت بر هم می زدند از ابلهی / پر بدند از جهل و از دانش تهی
صاحب سرے عزیزے صد زبان / گر بدے آنجا بدادے صلحشان
پس بگفتے او که من زین یکدرم / آرزوے جمله‌تان را می خرم
چونکه بسپارید دل را بے دغل / این درم‌تان می کند چندین عمل
یکدرم‌تان می شود چار المراد / چار دشمن می شود یک ز اتحاد
گفت هر یک‌تان دهد جنگ و فراق / گفت من آرد شما را اتفاق
پس شما خاموش باشید انصتوا / تا زبان‌تان من شوم در گفتگو
گر سخن‌تان می نماید یک نمط / در اثر مایه نزاع است و سخط
گر سخن‌تان در توافق موثق است / در اثر مایه نزاع و تفرقه است
گرمی عاریتی ندهد اثر / گرمی خاصیتی دارد هنر

سرکه را گر گرم کردی ز آتش آن | چون خوری سردی فزاید بیگمان
زانکه آن گرمیِ آن دهلیزی است | طبع اصلش سردی است و تیزی است
ور بود دوشاب یخ بسته ای پسر | چون خوری گرمی فزاید در جگر
پس ریای شیخ به ز اخلاصِ ما | کز بصیرت باشد آن وین از عمی
از حدیث شیخ جمعیت رسد | تفرقه آرد دم اهل حسد
چون سلیمان کز پی حضرت بتاخت | کو زبانِ جمله مرغان را شناخت
در زمان عدلش آهو با پلنگ | انس بگرفت و برون آمد ز جنگ
شد کبوتر ایمن از چنگال باز | گوسفند از گرگ ناورد احتراز
او میانجی شد میانِ دشمنان | اتحادی شد میان پرزنان
تو چو موری بهر دانه میدوی | هین سلیمان جو چه می‌باشی غوی
دانه جو را دانه‌اش دامی شود | وان سلیمان جوی را هر دو بود
مرغ جانها را درین آخر زمان | نیست‌شان از همدگر یکدم امان
هم سلیمان هست اندر دور ما | کو دهد صلح و نماند جور ما
قول ان من امة را یاد گیر | تا به الا و خلا فیها نذیر
گفت خود خالی نبودست امتی | از خلیفهٔ حق و صاحب همتی
مرغ جانها را چنان یکدل کند | کز صفاشان بی‌غش و بی‌غل کند
مشفقان گردند همچون والده | مسلمون را گفت نفس واحده
نفس واحد از رسول حق شدند | ورنه هر یک دشمن مطلق بدند
اتحاد خالی از شرک و دوئی | باشد از توحیدی با او توئی
دو قبیله کاوس و خزرج نام داشت | یک ز دیگر جان خون آشام داشت
کینهای کهنه‌شان از مصطفی | محو شد در نور اسلام و صفا
اولاً اخوان شدند آن دشمنان | همچو اعداد عنب در بوستان
وز دم المؤمنون اخوة به پند | در شکستند و تن واحد شدند
صورت انگورها اخوان بود | چون فشردی شیرهٔ واحد شود
غورهٔ و انگور ضدانند لیک | چونکه غوره پخته شد شد یار نیک
غوره‌ای کو سنگ بست و خام ماند | در ازل حق کافر اصلیش خواند
نی اخی نی نفس واحد باشد او | در شقاوت نحس ملحد باشد او
گر بگویم آنچه او دارد نهان | فتنهٔ افهام خیزد در جهان
سر گبر کور نامذکور به | دود دوزخ از ارم مهجور به

غورہاے نیک کایشان قابل اند — از دم اہل دلی آخر یکدل اند
سوے انگوری ہمی رانند تیز — تا دوئی برخیزد و کین و ستیز
پس در انگوری ہمی درند پوست — تا یکے گردند وحدت وصف اوست
دوست دشمن گردد ایرا ہم دو است — ہیچ یک با خویش جنگے در نبست
آفرین بر عشق کل اوستاد — صد ہزاران ذرہ را داد اتحاد
ہمچو خاک مفترق در رہ گذر — یک سبوشان کرد دست کوزہ گر
کاتحاد جسمہاے ماء و طین — ہست ناقص جان نمی ماند بدین
گر نظائر گویم اینجا در مثال — فہم را ترسم کہ آرد اختلال

چار آدمیون کو کسی شخص نے ایک درم دیا۔ یہ چار شخص مختلف ملکون کے رہنے والے تھے جو اتفاقاً ایک جگہ جمع ہوگئے تھے ایک فارسی تھا دوسرا ترکی تیسرا رومی چوتھا عرب۔ یہ چارون آپسمین لڑنے جھگڑنے لگے۔ ایک کہتا تھا مین لونگا دوسرا کہتا تھا مین لون۔ کیونکہ آدمی چار تھے اور درم ایک اور کسی وجہ سے توڑنا ممکن نہوگا لہذا نزاع کی نوبت آئی تو فارسی نے یہ نزاع دیکھکر کہا کہ اس نزاع سے رہائی یون تو ہوگی نہین آؤ اسکے انگور لیلین اونکو آپسمین تقسیم کرینگے جھگڑا ختم ہوجائیگا۔ عرب نے کہا تو یہ تو یہ نہین ہوسکتا تو دغاباز ہے اپنی ہی مطلب کی کہتا ہے مین تو عنب لونگا۔ ترکی نے کہا مجھے عنب درکار نہین ہین تو اوزم لونگا۔ رومی نے کہا کہ بس جناب ایسی بات نہ فرمایئے مین تو استافیل لونگا غرض یون ہی جھگڑا ہوتا رہا۔ اور آپسمین گھونسے چلنے لگے وجہ یہ تھی کہ ان ناموں کی حقیقت سے غافل تھے چونکہ عقل سے تو خالی تھے اور جہل کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ لہذا حماقت سے گھونسے بازی کر رہے تھے۔ اگر کوئی واقف راز بزرگ اور بہت سی زبانین جاننے والے وہان موجود ہوتے تو ان سب مین صلح کرا سکتے تھے۔ وہ یہ کہتے کہ تم لڑو مت مین ایکہی درہم مین سب کے مطلوبات خریدونگا۔ اور جب اپنے دلون کی صفائی کے ساتھ میری بات کے تابع کردوگے تو یہ تمہارا ایک ہی درہم اتنے کام کردیگا۔ خلاصہ یہ کہ ایک ہی درہم چار درہم بن جاوے گا۔ اور تم چارون دشمن متحد ہو کر ایک ہوجاوگے تمہاری گفتگو کا نتیجہ تو مخالفت اور افتراق ہے اور میری گفتگو کا نتیجہ میل اور اتفاق بس تم خاموش رہو اور چپ رہو گفتگو مین تمہاری زبان مین بنجاؤنگا۔ اگرچہ تمہاری گفتگو مقصد کے لحاظ سے ایک معلوم ہوتی ہے کیونکہ ہرایک کو دفع نزاع سابق مقصود ہے لیکن نتیجہ کے لحاظ سے یہ مادہ ہے غصہ اور جھگڑے کا اس سے نزاع سابق مرتفع تو کیا ہوتا ایک اور نزاع پیدا ہوگیا۔ اگرچہ تمہاری بات مقصد کے لحاظ سے توافق مین یکجہتی ہے۔ کیونکہ سب کا مقصد رفع نزاع سابق ہے۔ لیکن اثر مین نزاع اور تفرقہ کا مادہ ہے کیونکہ توافق عارضی ہے نہ کہ اصلی۔ اور جو چیز عارضی ہوتی ہے وہ معتدبہ اثر نہین رکھتی۔ معتدبہ اثر اصلی ہی شے کا ہوتا ہے دیکھو عارضی گرمی معتدبہ اثر پیدا نہین کرتی ہان طبعی گرمی مین یہ اعلےٰ درجہ کا کمال ہے کہ اوسکا اثر معتدبہ ہوتا ہے دیکھو سرکہ کو اگر گرم کرلیا جاوے اور پھر کھایا جاوے تو وہ سردی ہی بڑھاوے گا کیونکہ گرمی تو عارضی ہے جو منہ کو تو جلا سکتی ہے مگر مزاج مین کوئی تغیر پیدا نہین کرسکتی۔ لیکن طبیعت تو اوسکی سرد ہی ہے لہذا سردی ہی بڑھیگی اس کے برخلاف اگر شیرہ انگور کو برف مین لگا کر کھایا جاوے تو اس سے گرمی پیدا ہوگی گو کھاتے وقت

تھنڈ مین ٹھنڈک معلوم ہو یہی راز ہے اس قول کا ریاء الشیخ خیر من اخلاص المرید یعنی شیخ کی ریا مرید کے اخلاص سے بہتر ہے کیونکہ شیخ کی ریا بصیرت و واقفیت سے ناشی ہوتی ہے اور قواعد شرعیہ کے تحت مین داخل ہوتی ہے جیسے ترغیب دیگران۔ یا تعلیم و ارشاد وغیرہ پس وہان صورت ریا ہوتی ہے مگر حقیقت ریا یعنی ارضاء الخلق و جلب منفعت جاہ یا مال نہین ہوتی۔ اور مرید کے اخلاص مین صورت اخلاص ہوتی ہے نہ کہ حقیقت اخلاص کیونکہ وہان ضرور کچھ نہ کچھ نفس کی شرارت شامل ہوتی ہے جو اوسکو عدم بصیرت کے سبب محسوس نہین ہوتی پس ریاء شیخ مین خلوص طبعی ہے اور ریا خارجی سا اور اخلاص مرید مین عدم اخلاص اصلی ہے اور خلوص عارضی۔ اور خارجی شئے قابل اعتبار نہین بلکہ اصلی قابل اعتبار ہے پس ثابت ہوا کہ ریاء الشیخ خیر من اخلاص المرید شیخ کی بات ہے توافق و اتحاد پیدا ہوتا ہے اور اہل حس کی بات سے تفرقہ اور پھوٹ رو نما ہوتی ہے جسطرح سلیمان علیہ السلام جنھون نے حضرت حق جل مجدہ کی طرف رجوع کیا تھا۔ تمام جانورونکی زبانون سے واقف ہو گئے تھے۔ یون ہی حضرت شیخ بھی اپنے جانورون اور مریدون کی زبانون سے واقف ہین۔ یعنی اپنے وابستگان دولت کے جذبات اور خیالات سے واقف ہوتے ہین۔ اور جسطرح انکے زمانہ مین ایسا اتحاد ہو گیا تھا کہ ہرن کو تیندوے سے انس ہو گیا تھا اور مخالفت باقی نہ رہی تھی۔ اور کبوتر کو باز کے پنجہ کا کھٹکا نہ رہا تھا۔ اور بھیڑ بکری بھیڑیے سے گریز نہ کرتی تھین۔ اور وہ ایلچی ہو گئے تھے دشمنون کے درمیان مین اور پرندون مین انکے سبب اتفاق ہو گیا تھا۔ یون ہی شیخ کامل کے زمانہ مین بھی ہوتا ہے اور اوسکے جانورون اور تربیت یافتہ لوگونکی بھی یہی حالت ہوتی ہے۔ پس تو چیونٹی کی طرح طلب معاش مین سرگردان ہے ارے گمراہ کس بات کا انتظار ہے سلیمان وقت کو ڈھونڈھ اور اوس سے مستفیض ہو طالب معیشت تو طلب معیشت مین ہی گرفتار رہتا ہے۔ اور سلیمان کے طالب کو دونون دولتین ملتی ہین چنانچہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہین جو حق سبحانہ کے کام مین لگا ہوتا ہے حق سبحانہ اوس کے کامون کے کفیل ہوتے ہین۔ ہمارے زمانہ مین مرغان ارواح کو ایک دوسرے سے امان نہین وہ اوسکو کھائے جاتا ہے یہ اسکو کھائے جاتا ہے غرض تحاسد و تباغض کا بازار گرم ہے مگر اسکی وجہ یہی نہین کہ اس زمانہ مین سلیمان وقت اور شیخ کامل نہین۔ ہے اور ضرور ہے۔ جو ان مین صلح کرا سکتا ہے اور ظلم کو دفع کر سکتا ہے ہمارے اس قول کی دلیل ان من امۃ الا خلا فیہا نذیر ہے جس سے بعبارت النص معلوم ہوتا ہے کہ پیشتر کوئی جماعت ایسی نہین گذری اور بدلالۃ النص معلوم ہوتا ہے کہ آیندہ بھی کوئی قوم ایسی نہوگی جسمین کوئی نبی اصالۃً یا نیابۃً اور کوئی ایسا خلیفہ حق و صاحب ہمت نہ گذرا ہو یا آیندہ نہ موجود ہو۔ جو مرغان ارواح کو اسطرح یکدل کر سکے کہ کمال صفا کے سبب انمین گڑبڑ اور خرخشہ کی آمیزش باقی نہ رہے اور سب لوگ مان کی طرح ایک دوسرے پر مہربان ہو جائین۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور ہوگا بالخصوص مسلمانونکو یہ بات بالکمل وجوہ حاصل ہوئی حتی کہ انکو نفس واحدہ فرمایا گیا جیسا کہ المومنون کنفس واحدۃ یشد بعضہ بعضا۔ اوکما قال صلی اللہ علیہ وسلم وارد ہے اور لوگ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض سے ایک ذات ہو گئے۔ حالانکہ اس سے پیشتر وہ آپسمین ایک دوسرے کے سخت دشمن تھے اور منشاء اس اتحاد کا غلبۂ توحید اور فنافی اللہ ہے جو انکو بہ برکت صحبت نبوی حاصل ہوا کیونکہ وہ اتحاد جو اشتراک اور تعدد سے خالی ہو غلبۂ توحید اور فنافی اللہ ہی سے حاصل ہو سکتا ہے۔ ننگ مین اور تو کے ہوتے ہوئے ریا در کھو کہ مین اور تو کنا یہ ہے۔ بقاء اغراض متضادہ سے یعنی جب تک اغراض متخالفہ

باقی ہین اور وہ اغراض متضادہ فنا نہین ہوئین اسوقت تک اتحاد کامل نہین ہو سکتا۔ اتحاد کامل اسیوقت ہو سکتا ہے جبکہ سب کا مقصود ایک ہو جاوے یعنی رضای حق سبحانہ پس جب فنافی اللہ انکو حاصل ہوگئی اور توحید کا غلبہ ہو گیا۔ اور سب کا مقصود ایک رضای حق ہو گیا تو انمین اتحاد کامل ہو گیا۔ چنانچہ اوس قبیلے اوس و خزرج ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے مگر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے انکو نور اسلام اور صفائی قلب حاصل ہوتی جس سے انپر توحید کا غلبہ ہوا۔ اور فنافی اللہ انکو حاصل ہوئی اور اغراض سب کے متحد ہوگئین اس سے انکے ساری برائے کینے جاتے رہے مگر یہ بات انکو بتدریج حاصل ہوئی اولاً وہ بھائی بھائی ہوئے جیسے کہ بلغ مین انگور ہوتے ہین اور حکم المومنون اخوۃ کے سبب قید اخوت مین مقید رہے پھر اس قید کو توڑا اور نفس واحد بنگئے اسکی مثال ایسی ہے جیسے تمام انگور بھائی بھائی ہوتے ہین لیکن جب انکو نچوڑ لیا جاتا ہے تو شیرۂ واحد ہو جاتے ہین اور تعدد و تمایز اٹھ جاتا ہے یہ تو مسلمانون کی حالت تھی اب کافرون کی جو مثل انگور خام کے ہین۔ اور مسلمانون کی جو مثل انگور کے ہین پختہ مین نسبت سنو۔ گو انگور خام و انگور پختہ یعنی کافر و مسلمان آپسمین ایک دوسرے کی ضد ہین۔ مگر بعض انگور خام اور کافر تو ایسے ہین۔ جو پختہ ہوکر اور اسلام لاکر بھائی بنجاتے ہین۔ اور بعض وہ ہین جو ٹھٹھر گئے اور کچے رہگئے اور اس لئے سواء علیہم ءانذرتہم ام لم تنذرہم لا یومنون کا مصداق ہین۔ انکو حق سبحانہ نے ازل مین کافر اصلی فرمایا ہے۔ نہ یہ بھائی ہوتے ہین نہ نفس واحد بلکہ شقی منحوس اور ملحد رہتے ہین اگر مین انکے حالات بیان کرون جو اسمین مخفی ہین تو لوگون کی افہام فتنہ مین پڑجاوین اس لیے اندھے کافر کی حقیقت کا بیان غیر مذکور ہی اچھا ہے اور اوس دوزخ کا دھوان ہمارے بہشت کی مانند دل سے دور ہی اچھا ہے۔ اور جو انگور خام پختگی کی صلاحیت رکھتے ہین یعنی جو کافر قابل ایمان ہین وہ اہل دل کے فیض سے آخر کو یک دل ہو جاتے ہین اولاً انگوریت کی طرف ترقی کرتے ہین۔ اور اسلام سے قریب ہوتے ہین پھر انگور ہو جاتے ہین اور اسلام لے آتے ہین اسوقت تغائر اسلام و کفر اٹھ جاتا ہے اور یہ مخالفت و معاندت مخصوصہ فنا ہو جاتی ہے بعد ازان انگوریت سے خارج ہوتے ہین حتی کہ بالکل متحد ہو جاتے ہین اور کمال توافق اسی وقت ہو جاتا ہے کیونکہ جب تک تغائر باقی ہے اور صرف دوستی ہی کے ذریعہ سے توافق ہے اوسوقت تک تخالف کا کھٹکا باقی ہے اور اتحاد کے بعد یہ اندیشہ نہین رہتا کیونکہ دوست تو دشمن ہو جاتا ہے مگر کوئی شخص خود اپنا مخالف نہین ہوتا۔ اب سنو کہ وہ کونسی چیز ہے کہ اتحاد پیدا کرتی ہے وہ عشق ہے جو اس کام مین استاد کامل ہے یہ سیکڑون ذرونکو ایک کردیتا ہے جسطرح کہ کوزہ گر کا ہاتھ۔ رستہ کی پراگندہ خاک کو ایک گھڑا بنا دیتا ہے یہ تشبیہ تقریبی ہے ورنہ جانون کے اتحاد سے اس اتحاد کو کچھ بھی مناسبت نہین کیونکہ پانی و مٹی کا اتحاد تو اتحاد ناقص ہے اوسکو اس اتحاد کامل سے کیا نسبت۔ پس مین نے تقریب فہم کے لیے ایک مثال دیدی ہے لیکن اگر مین اس کے حقیقی نظائر بیان کرون تو مجھے اندیشہ ہے کہ لوگون کو غلط فہمی نہ ہو جائے۔ اس لیے بیان نہین کرتا۔ یہ گفتگو بہت طویل ہوگئی اور اصل مقصود بہت دور رہ گیا اب ہم اصل مقصود کیطرف رجوع کرتے ہین۔

چار آدمیون کا آپسمین انگور کے واسطے اس لیے جھگڑنا کہ ایک دوسرے کی آپسمین زبان نہ جانتے تھے

شرح شبیری۔ چار کس را الخ۔ یعنی ایک شخص نے چار آدمیون کو ایکدرم دیا اور وہ ہر ایک الگ الگ

شہروں سے جمع ہوئے تھے۔

فارسی ترک الخ یعنی وہ فارسی اور ترک اور رومی اور عرب تھے۔ اور سارے کے سارے آپس میں جھگڑے میں اور غصہ میں۔

فارسی گفتا الخ یعنی فارسی تو بولا کاس سے جو چھوٹتیں تو آؤ اس درم کو کسی انگور والے کو دیں یعنی انگور لیں۔

آن عرب گفتا الخ یعنی عرب نے کہا کہ معاذ اللہ ہرگز نہیں میں تو عنب لونگا نہ انگور اے دغاباز عنب بھی انگور کو کہتے ہیں

آن یکے الخ یعنی وہ جو ترکی تھا بولا کہ اے بیوقوف میں تو عنب نہیں لیتا میں تو اُزم لونگا۔ اُزم بھی انگور ہی کو کہتے ہیں۔

آنکہ رومی بود الخ یعنی وہ جو رومی تھا اوسنے کہا کہ اس قیل و قال کو چھوڑو میں تو استافیل لونگا۔ استافیل بھی انگور کو

کہتے ہیں غرضکہ سب نے اپنی اپنی زبان میں الفاظ الگ کہے مگر معنی سب کے ایک تھے۔

در تنازع الخ یعنی وہ جماعت جھگڑے میں لڑنے لگی اسلیے کہ اون ناموں کی حقیقت سے غافل تھے۔

مشت بر ہم الخ یعنی ایک دوسرے کے گھونسے بیوقوفی کی وجہ سے مار رہے تھے وہ جہل سے پُر تھے اور عقل

سے خالی تھے۔ اس لیے بس الفاظ ہی میں رہے مولانا فرماتے ہیں کہ۔

صاحب سرے الخ یعنی اگر کوئی صاحب سر عزیز سو زبان جاننے والا اور سمجھ ہوتا تو اونمیں صلح کرا دیتا اسطرح کہ

پس بگفتی او الخ یعنی وہ کہدیتا کہ میں اس ایک ہی درم سے تمھاری سب کی مطلوبہ شے کو خریدے دیتا ہوں۔ پس ثابت ہو گیا

کہ الفاظ کا جھگڑا بہت برا ہے اس سے ہمیشہ بچنا چاہیئے۔ اور حقیقت اور معنی کو لینا چاہیئے دیکھو ان لوگوں میں کسقدر

اختلاف تھا اگر کوئی حقیقت شناس ہوتا تو انکا یہ نزاع لفظی کیوں ہوتا۔ آگے فرماتے ہیں کہ۔

چونکہ بسپارید الخ یعنی جبکہ تم اپنا دل کسی دغل کے سپرد کرو تو تمھارا یہ درم اتنے کام کرے۔ درم سے یہاں مراد

قلب ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ اگر کسی صاحبدل کا اتباع کرو اور پیروی اختیار کرو تو تمھارے اس ایک دل سے تمھاری

ساری مرادیں پوری ہو جاویں اس لیے کہ غلبۂ فنا ہوا اور اوسمیں مرضی حق تمھاری مرضی ہوجائے تو پھر تمھارے کام تمھاری مرضی کے

موافق ہی ہوں۔

یکدرم الخ یعنی تمھارا ایک درم آخرکار چار ہو جاوے اور چار دشمن اتحاد کی وجہ سے ایک ہو جاویں مطلب

یہ ہے اوس ایک کے اتباع کی اور حقیقت شناسی کی یہ برکت ہوگی کہ مطلوب ایک ہونے کی وجہ سے سب میں آپس میں

اتحاد پیدا ہو جاویگا اور وہ حقیقت شناس ہے کہ۔

گفت ہر یک الخ یعنی تمھاری ہر ایک کی گفتگو تو لڑائی اور فراق پیدا کرتی ہے اور میری بات تمھارے میں اتفاق پیدا کردیگی

پس شما الخ یعنی پس تم خاموش رہو اور چپ رہو تاکہ بات کرنے میں میں تمھاری زبان ہو جاؤں۔

گر سخن الخ یعنی اگر تمھاری بات متحد دکھائی بھی دیتی ہے تو اثر کے اعتبار سے مایۂ نزاع و سخط ہی ہے۔ مطلب یہ کہ

اہل دنیا ظاہر میں اگرچہ متحد معلوم ہوں اور اونکے اندر اتفاق معلوم ہو مگر اصل میں اور انجام کے اعتبار سے ہمیشہ

اونکے اندر اختلاف ہی ہوگا۔ اس لیے کہ سب کے مطلوب الگ مقاصد علیحدہ پھر اتفاق کیسے رہ سکتا ہے۔

ور سخن تان الخ یعنی اور اگرچہ تمھاری بات موافق ہونے میں پختہ ہے مگر اثر کے اعتبار سے مایۂ نزاع و تفرق ہے۔

اس لیے کہ یہ تو مشاہدہ ہے کہ اہل دنیا میں صرف ظاہری اتفاق ہوتا ہے باقی حقیقی اتفاق کا کہیں نام و نشان

بھی نہیں۔ یہ اگر ہے تو دینداروں ہی میں ہے کہ سب کا مطلوب ایک ہی ہے لہذا سب میں آپس میں اتفاق ہے

اور اسکی وجہ یہ ہے کہ حضرات اہل اللہ مین یا دینداروں مین جو اتفاق ہوتا ہے وہ تو دل سے ہوتا ہے اور مثل مشہور ہے کہ گھٹی مین پڑا ہوا ہوتا ہے اور اتفاق دنیاوی صرف ظاہری ہوتا ہے بس اور کچھ نہین ہوتا۔ لہذا اول پائدار اور دوسرا ناپائدار ہوتا ہے آگے اسکی ایک مثال فرماتے ہین کہ۔

گرمی الخ۔ یعنی عارضی گرمی کچھ اثر نہین دیتی۔ اور گرمی خاصیتی اثر رکھتی ہے۔ آگے اس مثال کی توضیح ہے کہ۔

سرکہ را الخ۔ یعنی سرکہ کو اگر تم نے آگ پر گرم کر لیا تو اوسکو جب تم کھاؤگے وہ بے شک سردی ہی بڑھاوے گا۔

زانکہ الخ۔ یعنی اس لیے کہ اوسکی گرمی تو خارجی ہے۔ اور اوسکی طبیعت اصلیہ سردی اور تیزی ہی ہے لہذا وہ چیز کہ اصل ہے اوسکا اثر ہوگا اور جو شئے کہ خارجی ہے اوسکا خاک بھی اثر نہ ہوگا۔

ور بود الخ۔ یعنی اے صاحبزادے شراب اگرچہ برف مین جمی ہوئی ہو جب تم کھاؤ تو وہ جگر مین گرمی ہی بڑھاوے گی پس معلوم ہوا کہ اعتبار اصل کا ہے آگے اسی پر تفریع فرماتے ہین کہ۔

پس ریائے الخ۔ یعنی پس شیخ کی ریا ہمارے اخلاص سے بہتر ہے کیونکہ وہ تو بصیرت سے ہے اور یہ اندھے پن سے ہے۔ مطلب یہ کہ جب اعتبار اصل کا ہے تو اگر شیخ بظاہر کوئی کام ریا کا کرے مثلاً لوگون کے سامنے بہت سی نفلین پڑھے یا اور کوئی کام کرے جس سے بظاہر ریا معلوم ہوتی ہو تو وہ ریا ہمارے ظاہری اخلاص سے بہتر ہے اسلیے کہ ریا کہتے ہین اطاعت خلق کے سامنے لارضاء الخلق کرنا تو یہ لارضاء الخلق نہین ہوتی بلکہ یہ ہوتی تو ہے لارضاء الخالق ہی مگر بعض مرتبہ شیخ کی یہ نیت ہوتی ہے کہ لوگون کو اس سے رغبت ہوگی اور دوسرے لوگ بھی عبادت مین مشغول ہون گے تو دیکھو صورت ریا کی ہے مگر چونکہ اصل مین یہ نیت ہے لہذا مضر نہین ہے اور یہ مسئلہ ہے کہ ریاء الشیخ خیر من اخلاص المرید اسلیے کہ وہ صرف ظاہری ریا ہے اور یہ ظاہری اخلاص ہے ورنہ اصل مین وہ ریا نہین ہے اور یہ اخلاص نہین ہے خوب سمجھ لو اور فرماتے ہین کہ۔

از حدیث شیخ الخ۔ یعنی شیخ کی بات سے جمعیت حاصل ہوتی ہے اور اہل حسد کی آواز تفرقہ پیدا کرتی ہے۔ شیخ کی آواز سے جمعیت اور اتحاد پیدا ہونے کی مثال فرماتے ہین کہ۔

چون سلیمان الخ۔ یعنی حضرت سلیمان علیہ السلام کی طرح کہ وہ حضرت حق کی طرف دوڑے تو اونھون نے تمام جانورون کی آوازین پہچانی ہین تو انکے شناخت کے درجہ مین سب ایک ہوگئین کہ وہ سبکو پہچان لیا کرتے تھے اور اس معیت کی برکت سے۔

در زمان الخ۔ یعنی اون کے زمانہ عدل مین بکری نے چیتے کے ساتھ موافقت اختیار کی اور لڑائی سے باہر ہو گئے۔ یعنی سب ایک ہوگئے جیسے کہ کہتے ہین کہ بھیڑ اور شیر ایک گھاٹ پانی پیتے تھے۔

شد کبوتر الخ۔ یعنی کبوتر باز کے چنگال سے بےخوف ہوگیا اور بکری بھیڑیے سے احتراز نکرتی تھی۔

او میانجی الخ۔ یعنی وہ حضرت سلیمان علیہ السلام دشمنون کے درمیان قاصد ہوگئے اور لڑنے والون مین اتحاد کرنے والے ہوگئے یعنی اونکی برکت سے یہ سب اتحاد پیدا ہوگیا۔

تو چو موری الخ۔ یعنی تو چیونٹی کی طرح ہے کہ دانہ کے واسطے دوڑ رہا ہے ارے سلیمان کو تلاش کر گمراہ کیون ہوا جاتا ہے دانہ جو را الخ۔ یعنی دانہ جو کے لیے تو اوس کا وہ دانہ ہی جال ہو جاتا ہے اور اس سلیمان جو کو دونون ملتے ہین۔ دانہ بھی ملتا ہے اور دانائے عقلمندی بھی ملتی ہے اس لیے کہ اہل اللہ کو بقدر ضرورت دنیا بھی ملتی ہے اور دین تو اونکا ہو ہی

لهذا مرشد کامل کی تلاش کرو جو مقصود اصل تک پہونچانے والا ہے۔
مرغ جانہا را الخ۔ یعنی اس آخری زمانہ مین جو مرغ ارواح ہین اونکو ایک دوسرے ایکدم امن نہین ہے۔ چونکہ ہر شخص کے اعتبار سے وہ جس زمانہ مین ہے اوسکا وہ آخری زمانہ ہے اس لیے کہ وہ زمانہ تو اوسپر دوبارہ نہ گذریگا لهذا مولانا نے بھی اپنے زمانہ کو آخر زمان فرمادیا۔ مطلب یہ ہے کہ ہمارے زمانہ مین لوگون کی یہ حالت ہے کہ ایک کو دوسرے سے امن نہین ہے اور کٹے مرے جاتے ہین لهذا چاہیے کہ بزرگان دین کی جستجو کرین تاکہ اتحاد پیدا ہو اور چونکہ ہر زمانہ والون کو یہ خبط رہا ہے کہ اپنے زمانہ کے بزرگون کی تو قدر نہین کرتے اور پہلے بزرگون کو یاد کرتے ہین اس لیے یہان یہ اشکال ہوتا تھا کہ بھلا اس زمانہ مین (یعنی مولانا کے زمانہ مین) بھلا بزرگ کہان ہین (یہ خبط آجکل بھی ہے اور اسی لیے لوگ فیوض سے محروم ہین نعوذ باللہ) لهذا مولانا اسکو دفع فرماتے ہین کہ
ہم سلیمان ہست الخ۔ یعنی ہمارے زمانہ مین بھی سلیمان ہین جو کہ صلح کرا سکتے ہین کہ ہمارا جور باقی نہ رہے مطلب یہ کہ کاملین اب بھی ایسے موجود ہین جنکی صحبت کی برکت سے یہ باہمی نفاق اور حسد وغیرہ سب دفع ہوجاوینگے مگر اونکی خدمتمین حاضری بھی تو شرط ہے چونکہ یہان یہ بھی شبہ ہوتا تھا کہ یہ تو آپ کا دعوی ہی ہے کہ آجکل بھی بزرگ ہین اسکی دلیل کیا ہے لهذا آگے قرآن شریف سے استدلال فرماتے ہین کہ۔
قول الخ۔ یعنی قول ان من امۃ کو الا خلا فیہا نذیر تک یاد کرو۔ مطلب یہ ہے کہ دیکھو قرآن شریف مین ہے کہ وان من امۃ الا خلا فیہا نذیر یعنی کوئی امت نہین ہے مگر اسمین ایک نذیر گذرا ہے نذیر عام ہے خواہ نبی ہو یا ولی ہو تو دیکھو قرآن شریف سے ہر زمانہ مین بزرگون کا ہونا ثابت ہوگیا۔
گفت الخ۔ یعنی خود ارشاد ہے کہ کوئی امت خلیفہ حق اور کسی صاحب ہمت سے خالی نہین ہے یعنی ضرور ہر جماعت مین ایک اہل اللہ مین سے ہوتا ہے جیسا کہ بزرگون نے لکھا ہے کہ ہر بستی مین خواہ وہ کتنی ہی چھوٹی ہو ایک قطب ہوتا ہے تو معلوم ہوا کہ ہر زمانہ مین تو کیا ہر بستی اور جماعت مین ایک بزرگ اور برگزیدہ حق ہوتے ہین اونکی یہ شان ہوتی ہے کہ۔
مرغ جانہا را الخ۔ یعنی اونکی مرغ ارواح ایسا ایک دل کردیتا ہے کہ صفا کی وجہ سے اونکو بے غش و غل کردیتا ہے بالکل سراپا صفا بنادیتے ہین اور تمام اخلاق ذمیمہ کو نکال ڈالتے ہین۔
مشفقان الخ۔ یعنی یہ حضرات والدہ کی طرح مشفق ہوتے ہین اور حضور مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانون کو نفس واحدہ فرمایا ہے اشارہ ہے اوس حدیث کیطرف جسمین کہ ہے المومنون کبنیان واحد تو جو معنی بنیان واحد کے ہین وہی نفس واحد کے ہین روایت بالمعنے کہا جاوے گا۔
نفس واحد الخ۔ یعنی رسول حق صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے نفس واحد ہوگئے۔ ورنہ ہر ایک دشمن مطلق تھے۔
اتحاد الخ۔ یعنی وہ اتحاد جو کہ شرک و دوئی سے خالی ہو وہ توحید ہی سے ہوتا ہے نہ کہ مادی سے۔ مطلب یہ کہ اتحاد اور اتفاق حقیقی تو دین ہی سے پیدا ہوتا ہو اور جہان دین نہین بلکہ مادی ہے وہان تو ہمیشہ اختلاف ہی رہتا ہے جیسا کہ مشاہد ہے اور دین آیا ہے حضور مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی بدولت لهذا اصل مین اتفاق اور اتحاد حضور ہی کی وجہ سے پیدا ہوا ہے فللہ الحمد۔ آگے قبیلہ اوس و خزرج کے درمیان سے مخالفت کا حضور

صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے اٹھ جانے کو بیان فرماتے ہیں۔

انصار میں سے حضور مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے مخالفت کا اٹھ جانا

دو قبیلہ الخ۔ یعنی دو قبیلے جو کہ اوس اور خزرج نام رکھتے تھے ایک دوسرے کے خون کا پیاسا تھا۔
کینہ ہائے الخ۔ یعنی اونکے کینے مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی بدولت محو ہو گئے اور نور اسلام اور اوس کی صفائی کی وجہ سے وہ سابق کینے جاتے رہے۔
اولاً الخ۔ یعنی اول تو وہ دشمن بھائی ہو گئے جیسے کہ انگور کے اعداد باغ میں مطلب یہ کہ اول تو نوع میں شریک ہو گئے اور سب کا مطلوب ایک ہو گیا اور ایک ہی باغ کے سب میوے ہو گئے اور جب اس حالت سے ترقی ہوئی تو یہ ہوا کہ۔
در دم الخ۔ یعنی آواز المومنون اخوۃ کی وجہ سے نصیحت سے سب ٹوٹ کر تن واحد ہو گئے مطلب یہ کہ اول تو اتفاق پیدا ہوا اوسکے بعد جب اس اتفاق میں ترقی ہوئی تو اتفاق سے اتحاد پیدا ہو کر سب یک جان دو قالب ہو گئے آگے اس اول اتفاق پیدا ہونے اور پھر اتحاد پیدا ہونے کی مثال دیتے ہیں کہ۔
صورت الخ۔ یعنی انگوروں کی طرح اول تو بھائی تھے اور جب تم نے نچوڑ دیا تو سب شیرۂ واحد ہو جاتے ہیں مطلب یہ کہ دیکھو انگور جو ہوتا ہے وہ اول تو سب الگ ہوتے ہیں مگر ہوتے یکسان ہیں اور جب انکو نچوڑ لو تو پھر کوئی امتیاز باہم باقی نہیں رہتا اور یہ خبر نہیں رہتی کہ یہ فلان کا شیرہ ہے اور یہ فلان کا بلکہ سب جسم واحد ہوتے جاتے ہیں۔ اسیطرح اول تو ان حضرات میں اتفاق محض پیدا ہوا اور سب یکسان ہو گئے اور سب کا مقصود اور مطلوب ایک ہو گیا اسکے بعد بڑھتے بڑھتے ایسے گھلے ملے کہ سب ایک ہو گئے اور اب وہ امتیاز بھی باقی نہ رہا۔
غورہ الخ۔ یعنی انگور خام اور انگور پختہ آپس میں ضد ہیں مگر جبکہ خام پختہ ہو گیا تو اب یار نیک ہو گیا۔ غورہ سے مراد وہ عوام ہیں جنکی استعداد ابھی خراب نہوئی ہو مطلب یہ کہ جو ابھی محجوب ہیں مگر استعداد خراب نہیں ہے وہ اسوقت تو الگ اور دشمن اور ضد معلوم ہوتے ہیں مگر انجام کار وہ بھی پختہ ہو کر مثل اوس دوسرے شخص کے ہو جاوینگے۔
غورہ الخ۔ یعنی وہ غورہ جو ٹھٹھر گیا اور خام رہگیا ساز ازل میں حق تعالے نے اوسکو کافر اصلی کیا ہے۔ یہان غورہ سے مراد وہ ہیں جنکی استعداد کہ خراب ہو چکی ہے تو مطلب یہ ہو گیا کہ جنکی استعداد خراب ہو چکی ہے اور جنکی اصلاح کی امید نہیں رہی ہے وہ وہ ہے جسکو کہ حق تعالے نے روز ازل میں کافر لکھدیا ہے کہ وہ ان پختہ لوگوں سے کوئی مناسبت نہیں رکھتا
نے اخی الخ۔ یعنی وہ نہ بھائی ہے اور نہ نفس واحد ہے وہ تو بدبختی میں منحوس اور ملحد ہو گیا مطلب یہ کہ اوس کو مسلمانوں سے نہ اتفاق پیدا ہو سکتا ہو اور نہ اتحاد ہو سکتا ہے۔ بلکہ ہمیشہ مباینت ہی رہیگی آگے فرماتے ہیں کہ۔
گر بگویم الخ۔ یعنی جو کچھ کہ وہ پوشیدگی میں رکھتا ہے اگر اوسکو میں کہدون تو جہان میں فتنۂ افہام اٹھ کھڑا ہو۔ یعنی لوگ کچھ سے کچھ سمجھ جاوین یا یہ کہا جاوے کہ جب اون کے عیوب کھولے جاوینگے تو وہ دشمن ہو جاوینگے اور یا یہ کہا جاوے کہ بالکل ناامید ہو جاوین گے غرضکہ جو بھی ہو۔ چونکہ اس سے خوف غلط فہمی کا ہے لہذا اتنا ہی بیان کر کے ترک کر دیا گیا۔ آگے فرماتے ہیں کہ۔
چشم کو الخ۔ یعنی جس آنکھ نے کہ وہ چہرہ نہ دیکھا وہ اندھی ہو تو بہتر ہے۔ اور دوزخ کا دھوان جنت سے الگ ہی

بہتر ہے مطلب یہ کہ مجوس و کفار تو اگر الگ ہی رہین تو اچھا ہے ان سے موافقت و موانست ٹھیک ہی نہین اسلیے
کہ انسے موانست پیدا ہوتی ہی نہین ۔
غورہ ہائے الخ ۔ یعنی غورہاے نیک جو کہ قابل ہین اہل دل کی آواز کیوجہ سے ایکدل ہین مطلب یہ کہ جنکی استعداد
قابل ہے وہ جب اہل دل کی آواز سنتے ہین تو ایکدل ہوجاتے ہین اور متحد ہو جاتے ہین ۔
سوئے الخ ۔ یعنی انگور اسکیطرف تیز چلاتے ہین یہانتک کہ دوئی اور کینہ اور لڑائی اوٹھ جاتی ہے انگوری
سے مراد حق تعالے ہین ۔ مطلب یہ کہ پس اونکا مقصود اور مطلوب ایک ہی ہوتا ہے اور وہ سب اوسی طرف
متوجہ ہوجاتے ہین اور سب کینے اور لڑائیان رفع ہوجاتی ہین ۔
پس در الخ ۔ پھر انگوری مین کھال کو پھاڑ ڈالتے ہین یہانتک کہ ایک ہو جاتے ہین اور وحدت تو اوسی کی
صفت ہے ۔ مطلب یہ کہ درجہ فنار الفنا کا حاصل ہو جاتا ہے اور سب ایک ہی ہو جاتے ہین اس لیے کہ وہ تو
ایک ہی ذات ہے وہان جو گیا پھر اوسمین دوئی کا نام نہین اور وہی عینیت مصطلحہ ہو جاتی ہے پھر جو کچھ ہو جاتا ہے اوسکو
حضرت حق کی طرف سے سمجھتا ہے ۔
دوست الخ ۔ یعنی دوست دشمن ہوجاتے ہین اس لیے کہ دو تو دو ہی ہین اور کسی ایک نے اپنے ساتھ لڑائی
نہین کی تو چونکہ یہ حضرات نفس واحدہ کی طرح ہوجاتے ہین لہذا انمین کبھی کبھی لڑائی وغیرہ نہین ہوتی ۔ جیسا کہ کوئی
شخص اپنے نفس سے نہین لڑتا ۔ سبحان اللہ خوب ہی مثال دی ہے ۔
آفرین الخ ۔ یعنی عشق پر جو کہ پورا اوستاد ہے ہزارہا آفرین ہون ۔ اس نے لاکھون ذرونکو اتحاد دیدیا ۔ اس لیے
کہ یہ جو اتحاد پیدا ہوتا ہے یہ اسی وجہ سے ہوتا ہے کہ حضرت حق کی محبت دل مین جگہ کرلیتی ہے ۔ اور سب کا
مطلوب ایک ہی ہوجاتا ہے لہذا سب متحد ہوجاتے ہین تو چونکہ اصل سبب یہ عشق ہے لہذا فرمایا کہ آفرین بر عشق الخ
آگے اس متحد کردینے کی ایک مثال بیان فرماتے ہین کہ ۔
ہمچو خاک الخ ۔ یعنی پراگندہ خاک کی طرح جو راستہ مین ہو کہ اوسکو کوزہ گرنے ایک گھڑا بنادیا ۔ مطلب یہ کہ دیکھو مختلف
ذرات اور مختلف مٹی کو کوزہ گرنے ایک گھڑا بنادیا کہ اب وسپر نام کا بھی ایک ہی کا اطلاق ہے اور اگر ایک
جز یہان ہے تو سارے یہین ہین اور اگر کہین جاوین تو سارے جاوین تو اسی طرح سب مسلمانون کو آپسمین
ایک کردیا ۔ کہ اگر ایک کو تکلیف ہے تو دوسرے کو بھی ہے اور اگر ایک آرام سے ہے تو دوسرا بھی آرام
سے ہے ۔ یہ ساری باتین اوسی ایک ذات کی وجہ سے ہین آگے فرماتے ہین کہ ۔
اتحاد جسمہائے الخ ۔ یعنی پانی اور مٹی کا اتحاد ناقص ہے اتحاد جان اوسکے مشابہ نہین ہے ۔ مطلب یہ کہ ہم نے جو مثال
کوزہ گر کی دی ہے تو یہ اتحاد ماؤ طین ہے مگر کہین یہ اتحاد اس اتحاد جان سے ملتا ہے ۔ یہ بین تفاوت رہ از کجاست تا بکجا
گر نظائر گویم الخ ۔ یعنی اگر اس جگہ مثال مین نظائر کو بیان کرین تو خوف یہ ہے کہ فہم مین خلل نہ پڑجاوے ۔ مطلب
یہ کہ ان مثالون سے کہین کوئی غلط فہمی سے اتحاد ذاتی نہ سمجھ جاوے کہ کفر ہے اس لیے بس کرتے ہین غرضکہ یہ اتحاد
حق تعالے کی محبت سے ہوتا ہے اور اوسکا طریقہ حضور مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے معلوم ہوا اور اون کے جانب
نائب ہین یعنی اہل اللہ سو اون سے بھی معلوم ہوتا ہے اور اس اتحاد کی ہر زمانہ مین ضرورت ہے لہذا اہل اللہ

کا بھی ہر زمانہ میں ہونا ضروری ہے لہذا مولانا آگے اس پہلے مضمون (یعنی وجود اولیاء اللہ ہر زمانہ میں ہے) کی طرف رجوع فرماتے ہیں کہ۔

شرح حبیبی

هم سلیمان هست اکنون لیک ما　　از نشاط دوربینی در عمی

دوربینی کور دارد مرد را　　همچو خفته در سرا کور از سرا

می کند از مشرق و مغرب گذر　　وز رفیق و همنشین بیخبر

مولعیم اندر سخنهای دقیق　　در گرهها باز کردن ما عشیق

تا گره بندیم و بگشائیم ما　　در شکال و در جواب آئین فزا

همچو مرغی کو گشاید بند دام　　گاه بندد تا شود در فن تمام

او بود محروم از صحرا و مرج　　عمر او اندر گره کاویست خرج

خود زبون او نگردد هیچ دام　　لیک پرش در شکست افتد مدام

با گره کم کوش تا بال و پرت　　نگسلد یک یک ازین کر و فرت

صد هزاران مرغ پرهاشان شکست　　وان کمینگاه عوارض را نبست

حال ایشان از نبی خوان ای حریص　　نقبوا فیها ببین هل من محیص

از نزاع ترک و رومی و عرب　　حل نشد اشکال انگور و عنب

تا سلیمان لسین معنوی　　در نیاید بر نخیزد این دوی

جمله مرغان منازع بازوار　　بشنوید این طبل باز شهریار

ز اختلاف خویش سوی اتحاد　　هین ز هر جانب روان گردید شاد

حیث ما کنتم فولوا وجهکم　　نحوه هذا الذی لم ینهکم

کور مرغانیم و بس ناساختیم　　کان سلیمان را دمی نشناختیم

همچو جغدان دشمن بازان شدیم　　لاجرم واماندهٔ ویران شدیم

می کنیم از غایت جهل و عمی　　قصد آزار عزیزان خدا

جمله مرغان کز سلیمان روشن اند　　پر و بال بی گنه کی برکنند

بلکه سوی عاجزان چینه کشند　　بی خلاف و کینه آن مرغان خوشند

هدهد ایشان پی تقدیس را　　می گشاید راه صد بلقیس را

زاغ ایشان گر بصورت زاغ بود　　باز همت آمد و مازاغ بود

لکلک ایشان که لک لک می زند　　آتش توحید در شک می زند

وان کبوترشان ز بازان نشکهد　　باز سر پیش کبوترشان نهد

بلبل ایشان که حالت آرد او — در درون خویش گلشن دارد او
طوطی ایشان ز قند آزاد بود — کز درون قند ابد رویش نمود
پای طاؤسان ایشان در نظر — بهتر از طاؤس پران دگر
کبک ایشان خنده بر شاهین زند — در تعلی راه علیین زند
منطق الطیران خاقانی صداست — منطق الطیر سلیمانی کجاست
تو چه دانی بانگ مرغان را همی — چون ندیدستی سلیمان را دمی
پر آن مرغی که بانگش مطربست — از برون مشرق ست و مغربست
هر یکی آهنگش ز کرسی تا ثری است — وز ثری تا عرش در کر و فری است
مرغ کو بے این سلیمان می رود — عاشق ظلمت چو خفاشے بود
با سلیمان خو کن اے خفاش رد — تا که در ظلمت نمانی تا ابد
یک گزے ره که بدان سو می روی — همچو گز قطب مساحت می شوی
وانکه لنگ و لوک آنسو می جهی — از همه لنگی و لوکی می رهی

ہم نے بیان کیا تھا کہ آجکل ارواح مین تحاسد وتباغض بہت ہے مگر اسکی وجہ یہ نہین کہ سلیمان وقت نہین بلکہ سلیمان وقت اب بھی موجود ہین جیسا کہ ان من امۃ الا خلا فیہا نذیر سے معلوم ہوتا ہے اور وجہ دلالت یہ ہے کہ جو وجہ نذیر کے آنے کی اس وقت تھی ۔ اور وجود اعی اسوقت تھا یعنی اتمام حجت واصلاح امت وہ اب بھی موجود ہے پھر کوئی وجہ نہین کہ اب نذیرونکا سلسلہ منقطع ہوجاوے پس ضرور ہوا کہ اسوقت بھی موجود ہون اور ہین بھی مگر ہم دنیا دی مآل اندیشی کے نشہ مین اندھے ہو رہے ہین لہذا وہ ہمکو دکھلائی نہین دیتے اس لیے ہم اُنسے مستفیض ہی نہین ہوسکتے اور وہ تحاسد و تباغض بھی دور نہین ہوسکتا ۔ واقعی بات یہ ہے کہ دوربینی دنیا دی آدمی کو اندھا رکھتی ہے اور امور دینیہ کو دیکھنے سے مانع ہوتی ہے اوسکی مثال ایسی ہوتی ہے جیسے گھر مین کوئی سو رہا ہو اور سوتے کے سبب گھر کو نہ دیکھ سکتا ہو ۔ وہ سوتے ہوئے مشرق و مغرب مین گھوم آتا ہے مگر اوسکو اپنے رفیق کی خبر نہین ہوتی ۔ یون ہی اہل رشد اسکے پاس ہین مگر یہ دیکھ نہین سکتا ۔ ہم لوگ بایک باتون پہ بیٹھے ہوئے ہین اور مشکل عقدونکو حل کرنے پر فریفتہ ہین کہ ایک گرہ لگاتے ہین اور ایک کھولتے ہین اور شبہات و جوابات کی زینت بڑھاتے ہین اس لیے ہماری مثال ایسی ہے جیسے ایک پرندہ کہ وہ کبھی جال کی گرہ کھولتا ہے اور کبھی لگاتا ہے تاکہ وہ اس فن مین کامل ہوجاوے اور بوقت ضرورت جال سے نکل سکے اسکا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ جنگل اور چراگاہ سے محروم رہجاتا ہے ۔ اور گرہون ہی کے باندھنے کھولنے مین اوسکی عمر صرف ہوجاتی ہے اور اس سے جال کو کمزور نہین ہوجاتا جو اسکا مقصد ہے ہان اس کاوش مین خود اوسکے پر شکستہ ہوجاتے ہین یہ ہی ہماری حالت ہے کہ ہم مکروہات دنیا سے نجات پانے کے لیے ادھیڑبن مین مصروف ہین مگر اس سے ہم کو ان مکروہات پر غلبہ نہین ہوتا ۔ بلکہ ہماری وہ استعداد کمزور ہوتی جاتی ہے جس سے ہم عروج روحانی کر سکتے ہین پس مشکلات دنیا دی کو حل کرنے کی کوشش مین مصروف نہ رہنا چاہیئے تاکہ اس جد وجہد مین وہ استعداد فطری باطل نہ ہوجاوے جو ہمارے

عروج روحانی کا آلہ ہے ہم سے پہلے لوگون نے کیا کچھ نہین کیا ان عقدون کے حل کرنے مین لاکھون آدمیون نے اپنی امکانی جد و جہد کی لیکن کبھی کاہ حوادث کو پتہ نہ کرسکے انکی حالت تم کو قرآن کریم سے معلوم ہوگی۔ ارشاد ہوتا ہے فنقبوا فی البلاد کہ انھون نے جد وجہد مین ملکون کو چھان مارا۔ مگر آگے ارشاد ہوتا ہے ہل من محیص یعنی کیا ایسا کرنے سے وہ حوادث سے بچ گئے ہرگز نہین پس ثابت ہوا کہ دنیا مین اسقدر انہماک بالکل لایعنی ہے ہان بقدر اجازت شرعیہ کچھ مضائقہ نہین اور دیکھو ترکی عربی رومی فارسی کے نزاع سے انگور وعنب اوزم استافیل کا اشکال حل نہ ہوا ہرچند کوشش کی اور سر ٹپک کر بیٹھ رہے۔ اور جب تک کوئی سلیمان زباندان اور معنی شناس نہ آجاوے اسوقت تک یہ نزاع ختم بھی نہین ہوسکتا۔ ان واقعات پر نظر کرکے مین اعلان کرتا ہون کہ اے گرفتار منازعت جانورو بازکیطرح تم اس شاہ سلیمان وقت کے طبل بازباجہ کی آواز سنو۔ وہ تمکو اپنی طرف بلا رہا ہے اختلاف کو چھوڑو اتحاد کی طرف دوڑو اور ہرجانب سے اسکی طرف چلو تم جہان کہین بھی ہو اسی کی طرف رخ کرو ایسا کرنا کچھ گناہ تو نہین کہ تم یون اعراض کرتے ہو۔ جب تم اوسکی طرف رخ کردوگے تو تم کو وہی فوائد حاصل ہون گے جو اوپر مذکور ہوئے۔ اخوۃ و اتحاد وغلبۂ توحید وغیرہ۔ لیکن ہم عجیب اندھے جانور اور عجیب کندہ ناتراش ہین کہ سلیمان کو ہم نے ابتک نہ پہچانا بلکہ الوؤنکی طرح ان شہبازون اہل اللہ کے دشمن رہے۔ اسیکا نتیجہ ہے کہ ہم تباہ اور برباد ہین۔ ہم اپنی انتہائی جہالت اور اندھے پن سے مقبولان الٰہی کی ایذا رسانی کے درپے ہین ہماری تو یہ حالت ہے اور جو لوگ اہل اللہ سے مستفید ہین وہ بیگناہ کو ہرگز ایذا نہین پہونچاتے۔ بلکہ وہ تو کمزورونکی اعانت کرتے ہین نہ تو انہین مخالفت کا نام ہے اور نہ کینہ کا اور وہ اس حالت مین خوش اور مگن ہین ان مین کے وہ لوگ جو ہدہد سلیمان سے مشابہت رکھتے ہین وہ تسبیح و تقدیس کے لیے بلقیس کے مانند سیکڑون گمراہون کے لیے راستہ کھولتے ہین اور جو انہین کوے کیطرح کالے کلوٹے ہین وہ گو صورت مین کوے ہون لیکن ہمت کے لحاظ سے باز ہین۔ اور حق سبحانہٗ کی طرف سے اونکی نظر نہین بہکتی۔ اور انہین جو لکلک کے مشابہ ہین وہ الملک لک لاشریک لک مین مصروف ہین اور توحید کی آگ سے شبہات و وساوس کو جلا رہے ہین اور جو ان مین کبوتر کے مشابہ اور کمزور ہین وہ دنیاوی بازون اور بڑے لوگون سے مرعوب نہین ہوتے بلکہ بڑے بڑے سرکش انکے سامنے سر جھکاتے ہین اور انہین جو بلبل سے مشابہ ہین اور وجد کرتے ہین وہ اپنے اندر معارف کا ایک چمن رکھتے ہین اور انہین جو طوطی کی طرح خوش گفتار ہین اونکو ظاہری قند کی ضرورت نہین کیونکہ وہ تو ہمیشہ معدن قند حقیقی سے جلوہ گر ہوتے ہین اور انہین جو بہت ہی بدشکل ہین جنکو پائے طاوس کہنا چاہیئے وہ اور حسینون سے بڑھکر ہین جنکو بظاہر پر طاؤس کہنا مناسب ہے اور ان مین جو چکور سے مشابہ ہین وہ شاہین اور اولوالعزم دنیادارون پر ہنستے ہین اور بلند پرواز ہین راہ علیین پر چلتے ہین شاہین جانور یعنی علمائے ظاہر و طلبا کی گفتگو یا خاقانی کا قصیدہ مسمّی بہ منطق الطیر تو صورت محض ہے اوس کو منطق الطیر سلیمانی سے کیا نسبت مگر تو انکی گفتگو کی قدر نہین جان سکتا اس لیے کہ تو نے کبھی سلیمان ہی کو نہین دیکھا۔ پس تو ان جانورون کی آوازون سے کیا واقف ہوسکتا ہے۔ وہ جانور جسکی آواز وجد مین لاتی ہے یعنی عارف اسکی پرواز مشرق و مغرب سے باہر ہے اوسکی ہر پرواز کبھی عرش سے فرش تک ہے اور کبھی فرش سے عرش تک یعنی کبھی عروج ہے اور کبھی نزول۔ یہ تو مرغان سلیمانی اور وابستگان شیخ کامل کی حالت تھی اب

دوسرے جانوروں کی حالت سنو۔ جو شیخ سے تعلق نہیں رکھتے جو شیخ سے رہنمائی حاصل نہیں کرتا اور خود چلتا ہے خواہ راہ خدا میں خواہ طلب دنیا میں وہ عاشق ظلمت ہے جسطرح خفاش عاشق ظلمت ہوتا ہے وہ محبت جہل اور تاریکی عالم ناسوت میں پھنسا ہوا ہے مبتلائے جہل و شہوات و لذات ہے پس اے مردود خفاش تو اس سلیمان سے تعلق پیدا کر۔ اور اے محجوب تو اس شیخ کامل کا دامن پکڑ۔ تاکہ تو ہمیشہ ظلمت میں گرفتار نہ رہے بلکہ ایکدن تجھکو نور معرفت حق سبحانہ حاصل ہو۔ اگر تو ایک گز اس راستہ پر چلے گا تو گز کیطرح قطب مساحت ہو جائے گا یعنی جسطرح مساحت کا مدار گز پر ہوتا ہے اس لیے وہ مساحت کے لیے ایک گرانمایہ شے ہوتا ہے یونہی تو بھی ایک گرانمایہ شے ہوگا۔ یا یوں کہو کہ اگر تو اس غیر متناہی رستہ پر اسکے لحاظ سے ایک گز بھی چل لے گا تو تو کامل ہو جائے گا۔ اور گز کی طرح جادہ پیمائی راہ سلوک کا قطب ہو جائے گا یعنی دوسرے لوگ تیرے سہارے پر راہ پیمائی کرینگے۔ اور جبکہ تو لنگڑوں لولوں کی طرح بھی اس راستہ پر چلے گا تو یہ سارا تیرا لنگڑا لولا پن جاتا رہیگا۔ بیان تک اس کو اس راستہ پر چلنے کی ترغیب دلائی آگے اسکی ہمت بندھاتے ہیں اور اسکی جھجھک کو کھوتے ہیں اور فرماتے ہیں۔

تشریح شبیری ۔ ہم سلیمان الخ۔ یعنی سلیمان اب بھی ہیں لیکن ہم دوربینی کی نشاط کی وجہ سے اندھے ہو رہے ہیں یعنی دنیا کی جو دوربینیاں کرتے ہیں اسوجہ سے اس دوسری طرف سے بالکل کورے ہو رہے ہیں۔ ورنہ اہل اللہ ہر زمانہ میں ہیں اور پہلے اس زمانہ میں بھی ہیں۔ اور خود ہمارے زمانہ میں بھی بحمد اللہ بہت بزرگ ہیں اور ہمارے لیے تو قطب الاقطاب حضرت استادی قبلہ و کعبہ مولانا اشرف علی صاحب ہیں حق تعالے انکو ہمارے سر پر صلامت رکھے اور انکے سامنے یا ایمان ہمکو حق تعالے اپنے پاس بلالے۔ آمین یا رب العالمین۔

دوربینی الخ۔ یعنی دوربینی انسان کو اندھا کر دیتی ہے جیسے کہ کوئی گھر میں سو رہا ہو اور گھر سے اندھا ہو اسیطرح ہم لوگ بزرگان دین کے پاس رہتے ہیں اور ان کے کمالات سے بیخبر ہیں اور اندھے ہیں اوس اندھے کی یہ حالت ہوتی ہے کہ۔

میکند الخ۔ یعنی مشرق سے مغرب تک گذر جاتا ہے اور اپنے رفیق اور ہمنشین سے بیخبر ہوتا ہے اسیطرح ہم ساری دنیا میں مارے مارے پھرتے ہیں۔ مگر اہل اللہ کی خاک بھی خبر نہیں سو اے اللہ ہم اندھے پن کو دور فرما اور اہل اللہ کی غنا جمعہ نصیب فرما اور ان سے مستفیض فرما۔ ہماری تو یہ حالت ہے کہ۔

مولعیم الخ۔ یعنی ہم باریک باتوں کے بہت حریص ہیں اور گرہوں کے کھولنے کے عاشق ہیں مطلب یہ کہ بس اس کا شوق ہے کہ نکتے پیدا ہوں۔ اشکالات کو حل کریں اسمیں لگ کر اصل مقصود سے کوسوں دور ہو گئے ہیں اور اس فکر میں رہتے ہیں کہ۔

ما گرہ الخ۔ یعنی تاکہ ایک گرہ لگا دیں اور اوسکو کھولیں اشکال اور جواب میں قواعد بڑھانے والے مطلب یہ کہ بس اس میں رہتے ہیں کہ ایک اشکال کیا اوسکو حل کیا دوسرا اشکال کیا اوسکو حل کیا اسیطرح کرتے رہتے ہیں مقصود اور مطلوب سے بیخبر ہیں آگے ہماری مثال فرماتے ہیں کہ۔

ہمچو مرغے الخ۔ یعنی اوس جانور کی طرح جو کہ گرہ اور جال کھولے کیسی باندھے۔ تاکہ فن کا کامل ہو جاوے مطلب

یہ کہ ہم اوس جانور کی طرح ہین جیسے کہ کسی نے جانور کو گرہ لگانا سکھایا اور اوسکو کھولنا بھی سکھایا۔ تو اب وہ جانور اسی مین لگا ہوا ہے کہ کبھی گرہ لگاتا ہے اور کبھی کھولتا ہے اور سکھانے سے مقصد یہ ہے کہ اگر کبھی جال مین پھنس جاوے تو اوسکو کھول سکے مگر نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ۔

اوشود الخ۔ یعنی وہ چراگاہ اور جنگل سے محروم رہتا ہے اوسکی عمر گرہ لگانے مین ہی خرچ ہوجاتی ہے۔

خود زبون الخ۔ یعنی کوئی جال اوس سے عاجز تو ہوتا نہین لیکن اوسکے پر ضعیف ہوجاتے ہین اور جال مین پھنس جاتا ہے۔ مطلب یہ کہ جب وہ ایک مدت تک اس کام مین لگا رہتا ہے اور اڑتا نہین ہے تو اوسکے پر کمزور ہوجاتے ہین اور پھر اگر کہین جال مین پھنستا ہے تو نکلنا موت ہوجاتا ہے تو اسیطرح وہ جو اس گرہ کے کھولنے مین لگا رہا تو گیا وہ تو اس لیے تھا کہ جال کو کھول سکے مگر آخرکار اس قابل بھی نہ رہا کہ جال سے نکل ہی سکے۔

باگرہ الخ۔ یعنی گرہ لگانے مین کوشش کم کرو تاکہ کہین تمھارے بال و پر ایک ایک کرکے ٹوٹ نہ جاوین اس کروفر سے مطلب یہ کہ اس دنیا کے اشکالات اور اونکے حل مین مت لگے رہو ورنہ وہ بازو اور پر کہ عالم غیب تک پہونچانے والے تھے بیکار ہوجاوینگے اور تم عروج نہ کرسکوگے پستی ہی مین پڑے پڑے اس جال مین تڑپا کروگے۔

صد ہزاران الخ۔ یعنی لاکھون جانور ایسے جنکے پر ٹوٹ گئے۔ اور وہ کمینگاہ عوارض کو بند نہ کرسکے مطلب یہ کہ بہت سے ایسے لوگ ہین کہ جو دنیا کے جال مین پھنس گئے اور پھر مدت العمر اس سے نہ نکل سکے۔

حال ایشان الخ۔ یعنی اے حریص اون لوگون کا حال قرآن شریف سے پڑھو کہ اونھون نے زمین مین کھوج لگائے تو کیا کوئی چھٹکارا ہے مطلب یہ کہ دیکھو قرآن شریف مین ہے کہ وکم اہلکنا من قبلہم من قرن ہم اشد منہم بطشا فنقبوا فی البلاد ہل من محیص یعنی ہم نے ان سے پہلے بہت سی قوی قومون کو ہلاک کردیا ہے اور انھون نے سفر کرے مگر اونکو کیا کوئی چھٹکارا نصیب ہے تو دیکھو وہ لوگ بہت دنیا مین منہمک رہے مگر سب بے سود ہوا تو اسیطرح اگر ہم بھی دنیا مین لگے رہے اور اسی مین انہماک رہا تو ہماری یہ عقل وغیرہ کچھ کام نہ آویگی۔ بلکہ پھر نکلنا مشکل ہوجاویگا آگے مولانا اون چار آدمیون کے قصہ کو فرماتے ہین۔

از نزاع الخ۔ یعنی ترک اور رومی اور عرب وغیرہ کے جھگڑے سے انگور و عنب وغیرہ کا اشکال حل نہ ہوا۔ بلکہ نزاع قائم رہا اور فیصلہ نہ ہوسکا۔

تا سلیمان الخ۔ یعنی جب تک کہ کوئی سلیمان زباندان معنوی نہ آوے گا۔ یہ دوئی نہ اوٹھےگی مطلب یہ کہ جب تک کوئی کامل معنوی سب کو ایک نہ کردیگا اُس وقت تک یہ دوئی اور نزاعات رفع نہین ہوسکتے۔ ہان اگر کوئی سب زبانون کا عالم ہو تو وہ ان سب کے نزاعات کو رفع کرسکتا ہے۔

جملہ مرغان الخ۔ یعنی اے سارے جھگڑنے والے جانور دیانکی طرح اوس شہریار کے طبل بازگشت کو سن لو۔

ز اختلاف الخ۔ یعنی اپنے اختلافات سے اتحاد کیطرف ارے ہر جانب سے خوش خوش روان ہوجاؤ۔

حیث الخ۔ یعنی جہان کہین ہو اوسکی طرف منہ پھیر لو اور اس بات سے کون منع کرتا ہے مطلب یہ کہ بس اوس ایک مقصود و مطلوب اصل کو لے لو کہ اسی سے کام چلےگا اور سارے اختلافات رفع ہوجاوینگے بس اُسی کے ہو رہو۔

کور مرغانیم الخ۔ یعنی ہم اندھے ہو رہے ہین اور بہت ہی ناموافق ہو رہے ہین کہ اوس سلیمان کو ایکدم کے لیے

نہین پہچانتے مطلب یہ کہ اون کاملین اور مقبولان حق کو جو ہم پہچانتے نہین یہ ساری ہماری کوری کی وجہ سے ہے کہ ہم اس طرف سے اندھے ہوکر دنیا مین کھپ گئے ہین۔
ہمچو چندان الخ۔ یعنی چندون کی طرح بازون کے ہم دشمن ہوگئے تو انجام کار پس ماندہ اور ویران ہوئے یعنی جب بزرگون کو تکلیف پہونچائی تو آخر کار تباہ و برباد ہولے۔
میکنیم الخ۔ یعنی ہم غایت جہل و عمی کیوجہ سے مقبولان خدا کی آزار دہی کا قصد کرتے ہین
جمع مرغان الخ۔ یعنی جو جماعت جانورونکی کہ سلیمان سے روشن ہین وہ بیگناہون کے پر و بال کب اکھاڑتے ہین مطلب یہ کہ جو حضرات کہ اہل اللہ کی صحبت سے مستفیض ہوچکے ہین وہ بیگناہ لوگون کو کب ستاتے ہین اور اہل اللہ بھی بیگناہ ہی ہین لہذا وہ لوگ ان حضرات کو بھی نہین ستاتے۔
بلکہ سوی الخ یعنی بلکہ عاجزون کی طرف چینہ لیجاتے ہین اور وہ جانور بیخلاف وکینہ ہی کے خوش ہین مطلب یہ کہ وہ ستانے کو کیا بلکہ اونکی خدمت کرتے ہین اور کبھی سے لڑائی ہے اور نہ جھگڑا بلکہ خوش وخرم ہین۔
ہدہد ایشان الخ۔ یعنی اونکا ہدہد تقدیس کے واسطے سیکڑون بلقیس کے لیے راہ کھولتا ہو۔ مطلب یہ کہ اونمین جو ضعیف بھی ہین وہ بھی بہتونکو ہدایت کرتے ہین۔
زاغ ایشان الخ یعنی اونمین کا کوا اگرچہ صورت مین کوا ہے مگر ہمت کے اعتبار سے باز ہے اور مازاغ کی شان ہے جو کہ قرآن شریف مین ہے۔ مازاغ البصر وماطغی اسکا بھی یہی مطلب ہو کہ اونکا چھوٹا بھی کامل ہی ہو۔
لکلک ایشان الخ یعنی اونمین کا لکلک جو لک لک کر رہا ہو توحید کی آگ شک مین لگا رہا ہے۔
وان کبوتر الخ۔ یعنی اونمین کا کبوتر دوسرے بازون سے ہارتا نہین اور باز اونکے کبوتر کے آگے سر رکھتا ہے مطلب یہ کہ اون مین سے جو چھوٹے ہین وہ دنیادارون سے خواہ وہ کیسے قدر بڑے ہون نہین گھبراتے اور آپسمین بڑے بڑے لوگ چھوٹون کے سامنے تواضع سے پیش آتے ہین۔
بلبل ایشان الخ۔ یعنی اونمین کا بلبل جو کہ حالت لاتا ہے اپنے اندر ایک گلشن رکھتا ہو۔
طوطی ایشان الخ۔ یعنی اون کی طوطی قند سے آزاد ہو اس لیے کہ اونکے قند ہین سے اوسنے منہ نکالا ہے۔
پای طاؤسان الخ۔ یعنی اونکے مورون کے پاؤن دیکھنے مین دوسرے مورونکے پرون سے بہتر ہین۔
کبک ایشان الخ۔ یعنی اونمین کا کبک شاہین (دنیا) پر ہنستا ہے اور تعلق حق مین راہ عالم بالا کی اختیار کرتا ہو۔
منطق الطیران الخ۔ یعنی خاقانی کی منطق الطیر تو ایک آواز ہی ہے منطق الطیر سلیمان علیہ السلام والی کہان ہے خاقانی شاعر نے ایک کتاب لکھی ہے اوسکا نام منطق الطیر تھا اور اس مین کچھ جانورونکی بولیان جمع کی تھین تو فرماتے ہین کہ وہ تو صرف الفاظ ہی ہین مگر جو منطق الطیر کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو حاصل تھی وہ حقیقی تھی وہ کہان ہے ان سب اشعار بالا کا حاصل یہ ہو کہ اہل اللہ کو جانورون سے تشبیہ دی کہ جس طرح جانور عروج کرتے ہین اور اڑتے ہین اسی طرح یہ حضرات بھی عروج کرتے ہین مگر انکی حالت دنیادارون سے کب ملتی ہے انکا ایک ادنے اون کے بڑے بڑون سے کب دبتا ہے بلکہ یہی حضرات بادشاہ ہین ان کے آگے کس کی حقیقت ہے سبکی گردنین نیچی ہوتی ہین۔

تو چہ دانی الخ یعنی تم جانور وں کی آواز کو کیا جانو جبکہ تم نے ایکدم کو بھی سلیمان کو نہیں دیکھا۔ مطلب یہ کہ جب اہل اللہ کی صحبت ایک گھڑی بھی نہیں پھر تم کو ان حضرات کی حالت کی کیا خبر ہو۔

پر آن الخ یعنی اوس مرغ کا پر جسکی آواز کہ طرب آور ہے مشرق و مغرب سے باہر ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ان حضرات اہل اللہ کا عروج اور اونکی طیر سیر اس مشرق و مغرب سے خارج ہے۔ بلکہ اونکا تعلق عالم غیب سے ہے اور اس دنیا سے اونکو تعلق ہی نہیں یعنی اونکا دل اسمین پھنسا ہوا نہیں ہے۔

ہر یک آہنگش الخ یعنی اون کی ہر آواز سے کرسی سے ثری تک اور ثری سے کرسی تک کر و فر ہے۔ مطلب یہ کہ زمین سے آسمان تک اونہی کی سلطنت ہے۔

مرغ الخ یعنی جو مرغ کہ بے اس سلیمان کے جاتا ہے وہ عاشق ظلمت مثل خفاش کے ہوتا ہے۔ مطلب یہ کہ جو ان کاملین سے الگ ہین وہ اندہیرے مین بے نور ہین۔

با سلیمان الخ یعنی سلیمان کے ساتھ موافقت پیدا کراے خفاش مردود تاکہ تو ہمیشہ ظلمت ہی مین نہ رہے۔ خفاش سے مراد عوام ہین یعنی اسے عوام مجوبین کاملین کی خدمت کر و تاکہ نور حاصل ہو اور اس ظلمت سے نجات حاصل ہو۔

یک گزے الخ یعنی ایک گز راستہ جو کہ اسطرف چلو گز کی طرح تم قطب مساحت بنجاؤ گے یعنی تم اگر تھوڑی سی توجہ بھی کر و اوس سے بھی حاصل ہو سکتا ہے۔

وانکہ الخ یعنی جو کہ تو لنگڑا لنجا اس طرف چل رہا ہے تو سارے لنگڑے لولے پن سے چھوٹ جاوگے۔ مطلب یہ کہ اگر بے دست و پا ہو کر بھی او دھر کوشش کر و تب بھی مقصود انشاء اللہ حاصل ہو جاوے گا۔ اس لیے کہ تمھارے اندر استعداد قبول تو موجود ہے ہی ذرا سی توجہ کروگے وہ ظاہر ہوگی اور کام بنجاوے گا۔ آگے اس پر ایک قصہ لاتے ہین کہ۔

شرح حبیبی

تخم بطے گرچہ مرغ خانہ ات	کرد زیر پر چو دایہ تربیت
مادر تو بط آن دریا بدست	دایہ ات خاکی بد و خشکی پرست
میل دریا کہ دل تو اندر رست	آن طبیعت جانت را از مادر ست
میل خشکی مر ترا زین دایہ است	دایہ را بگذار کو بد رایہ است
دایہ را بگذار در خشک و بران	اندر آ در بحر معنی چون بطان
گر ترا دایہ بترساند ز آب	تو مترس و سوئے دریا ران شتاب
تو بطی بر خشک و بر تر زندہ	نے چو مرغ خانہ خانہ کندہ
تو ز کرمنا بنی آدم شہے	ہم بخشکی ہم بدریا پا نہے
کہ حملنا ہم علے البحر بجان	از حملنا ہم علی البر پیش ران
مر ملائک را سوے بر راہ نیست	جنس حیوان ہم ز بحر آگاہ نیست

تو بہ تن حیوان بجانی از ملک — تا روی ہم بر زمین ہم بر فلک
تا بظاہر مثلکم باشد بشر — با دل یوحی الی دیدہ ور
قالب خاکی فتادہ بر زمین — روح او گردان بران چرخ برین
ما ہمہ مرغابیانیم اے غلام — بحر میداند زبان ما تمام
پس سلیمان بحر آمد ما چو طیر — در سلیمان تا ابد داریم سیر
با سلیمان پائے در دریا بنہ — تا چو داؤد آب سازد صد زرہ
آن سلیمان پیش جملہ حاضر است — لیک غفلت چشم بند و ساحر است
تا ز جہل و خوابناکی و فضول — او بہ پیش ما و ما از وے ملول
تشنہ را درد سر آرد بانگ رعد — چون نداند کو کشاید ابر سعد
چشم او ماندست در جوئے روان — بیخبر از ذوق آب آسمان
مرکب ہمت سوئے اسباب راند — از مسبب لاجرم محروم ماند
آنکہ بیند او مسبب را عیان — کے نہد دل بر سببہائے جہان
از مسبب یابد اندر یک صباح — از نجات و از فلاح و از نجاح
انچہ در صد سال مشت حیلہ بند — دہ یکے زان گنج حاصل نا ورند

تو بط کا انڈا ہے مرغی نے اپنے پرون کے نیچے دایہ کی طرح تیری تربیت کی ہے تیری مان اس دریائی بط تھی اور دایہ تیری خاکی اور خشکی پرست ہے (بط سے مراد روح ہے جو عالم امر سے اور دریاے معرفت کی شناور ہے اور دایہ سے مراد جسم ہے جو عالم خلق سے اور محجوب ہے۔) تیرے اندر جو اس دریا کی رغبت ہے یہ خصلت تیری جان کو مان سے حاصل ہوئی ہے اور عالم ناسوت کی طرف جو تجھکو رغبت ہے یہ بات تجھے دایہ سے حاصل ہوئی ہے جب تجھے یہ معلوم ہو گیا اور تجھپر اپنی حقیقت منکشف ہو گئی تو اب تجھکو دایہ کی اطاعت چھوڑ دینا چاہیے کیونکہ یہ بدرا ہے تو اس دایہ کو خشکی ہی پر چھوڑ دے۔ اور بطون کی طرح سمندر مین گھس جا ہرگز مت جھجک اگر تجھے دایہ ڈرا دے کہ ارے پانی مین جا ہلاک ہو جائیگا تو ڈر مت اور دریا مین گھس جا۔ تو تو بط ہی تو خشکی پر بھی زندہ رہتا ہے اور تری مین بھی اور مرغی کیطرح صرف گھر ہی کو نہین کر دیتا تو تو تمغہ کرمنا بنی آدم سے مشرف ہے خشکی پر بھی چل سکتا ہے اور دریا مین بھی چہ نکو اونکی نسبت حملنا ہم علی البر والبحر مذکور ہے پس اب تک تو حملنا ہم علے البر کا مصداق تھا اب اس سے بڑھکر دریا مین گھس کر تو جان کے لحاظ سے حملنا ہم علی البحر کا مصداق ہے۔ تیری کرامت علی المخلوقات کی وجہ ہی یہ ہے کہ تو بری بھی ہے اور بحری بھی۔ فرشتے ہین سو انکو تو بریعنی عالم ناسوت سے تعلق نہین باین معنی کہ وہ اس سے مستفید نہین ہوسا رہی جنس حیوان انکو بحر معارف سے معتد بہ تعلق نہین تو ذو جہتین ہے اور ملکیت اور حیوانیت دونون کا جامع کیونکہ جسم کے لحاظ سے تو حیوان ہے اور روح کے لحاظ سے فرشتہ لہذا تو زمین پر بھی چلتا ہے اور آسمان پر بھی آدمی گو صورۃً دیگر اجسام کے مماثل ہے۔ مگر دل مصداق یوحی الی اور معدن حقائق و معارف کے لحاظ سے عارف اور صاحب بصیرت ہے اوسکا جسم خاکی تو زمین پر

رہتا ہے لیکن اسکی روح بلحاظ معرفت آسمان کی سیر کرسکتی ہے جب یہ حالت ہے تو تیرے لیے بحر حقیقی سے ڈرنے کی کوئی وجہ نہین پس تجکو ضرور اس بحر مین گھسنا چاہیئے اور اس سے منتفع ہونا چاہیئے اب ہم تجکو اسمین گھسنے کا طریقہ بتاتے ہین یاد رکھو کہ بحر دو ہین ایک بحر حقیقی جسکا اوپر ذکر ہوا اور جو جملہ بنی آدم کے لحاظ سے بحر ہے۔ اور ایک بحر اضافی جو بنی آدم ہی مین سے ہے پس ہم سب ناقصین اس بحر اضافی کے لحاظ سے مرغابی ہین اور وہ ہمارے لحاظ سے بحر۔ وہ ہماری زبان جانتا ہے یعنی ہمارے جذبات خیالات استعدادات سے واقف ہے اور ہمکو پورا فائدہ پہونچا سکتا ہے اور حیات روحانی بخش سکتا ہے اب سمجھو کہ وہ بحر کون ہے وہ بحر وہی ہے جسکو ہم سلیمان کہتے آئے ہین یعنی شیخ کامل اور ہم ناقصین اسکی مرغابیان ہین ہمکو ہمیشہ اوس سے منتفع ہونے اوسکے اسرار پر مطلع ہونے اوس سے حیات روحانی حاصل کرنے کی ضرورت ہے پس تم کو اس بحر اضافی یعنی سلیمان اور شیخ کامل کے ساتھ اس دریاے حقیقی مین قدم رکھنا چاہیئے تاکہ وہ داؤد علیہ السلام کی طرح پانی کو تمہارے لیے زرہ بنا دے اور تم کو اوسکے خطرات سے محفوظ رکھے۔ وہ سلیمان معدوم نہین بلکہ سب کے سامنے موجود ہے۔ لیکن غفلت نے نظر بندی اور جادو کر رکھا ہے جو وہ دکھلائی نہین دیتا۔ اور نوبت باینجا رسید کہ وہ ہمارے سامنے ہے مگر ہم اپنی جہالت اور خفتگی اور بیہودگی سے اوس سے گھبراتے ہین اسکی اصل وجہ یہ ہے کہ ہم اپنی حماقت سے اوسکو نافع نہین سمجھتے۔ جیسے بعض پیاسا چونکہ یہ نہین جانتا کہ رعد ابر کو کھولیگا اور وہ برسے گا تو رعد کی آواز سے اس کے سر مین درد ہوتا ہے کیونکہ وہ اپنی حماقت سے اوس کو موصل الی المطلوب نہین سمجھتا اس لیے کہ اس کی نظر تو آب جو تک محدود ہے وہ سمجھتا ہے کہ پانی صرف نہر سے ملتا ہے اور آب آسمان کے ذائقہ سے واقف ہی نہین لہذا وہ رعد سے پانی کا متوقع نہین ہے۔ چونکہ اوسکی ساری دوڑ اسباب تک ہے اس لیے وہ مسبب سے محروم ہے اور مسبب پر نظر نہین رکھتا۔ مگر جو مسبب کا مشاہدہ کرتا ہے وہ اسباب ظاہرہ سے ہرگز دل نہین لگاتا لیکن چونکہ وہ اختیار اسباب ظاہرہ کا مامور ہے اس لیے اُنکو چھوڑتا بھی نہین لہذا مسبب کی جانب سے اسکو ایک ہی دن مین وہ نجات اور رستگاری [illegible] بی حاصل ہوتی ہے جسکا دسوان حصہ مقید بہ اسباب کو سو سال مین بھی نہین ملتا اس کے متعلق ایک حکایت سنو جس سے اس کی تصدیق ہو کہ اصل مسبب ہے اور وہی مطمح نظر بنانے کے قابل ہے نہ کہ اسباب۔

قصہ بط کے بچون کا کہ خانگی مرغی اونکو پالتی تھی

شرح شبیری ۔ تخم بطے الخ۔ یعنی تم تو تخم بط ہو اگرچہ تمکو مرغ خانگی نے پر کے نیچے دایہ کیطرح پالا ہے۔

مادر تو الخ۔ یعنی تمھاری ماں اُس دریا کی بط تھی اور تمھاری دایہ خاکی ہے اور خشکی پرست ہے۔

میل دریا الخ۔ یعنی دریا کا میلان جو تمہارے دل مین ہے وہ تمھاری طبیعت جان کو ماں کی طرف سے ہے میلان سے مراد رغبت و استعداد اور دریا عالم غیب مادر سے مراد عقل انسانی اور دایہ سے مراد عقل حیوانی مطلب یہ کہ تمھارے اندر جو عالم غیب کی رغبت ہے یا اوس روح انسانی کا اثر ہے جسکی استعداد صحیح ہے اگرچہ

تم اس دنیا مین آگئے ہو مگر ابھی وہ تقاضا باقی ہے اگر توجہ کرو تو ابھی شناوری کرنے لگو گے۔

تمیل خشکی الخ۔ یعنی تمکو خشکی کی رغبت اس روح حیوانی کی وجہ سے ہے تم اسکو ترک کرو کہ یہ تو بدعقل ہے تم اُس روح انسانی کے مقتضا پر عمل کرو۔

دایہ الخ۔ یعنی دایہ کو چھوڑ دو خشکی پر۔ اور دریا مین بطونکی طرح چل دو۔ مطلب یہ کہ اس نفس کو ساحل پر اس دنیا ہی مین چھوڑ دو تم روحانی عروج اور عالم مین پیدا کرو۔

گر ترا الخ۔ یعنی اگر تجھے دایہ پانی سے ڈراوے تو تو ڈر مت دریا مین جلدی سے گھس جا۔ یعنی اگر نفس و شیطان اس راہ مین آنے سے ڈراوین کہ وہان ہلاک ہو جاؤ گے تو گھبراؤ مت بلکہ قدم بہت جلد رکھو کہ پھر شناوری کرنے لگو گے۔ ہان اگر ساحل پر رہو گے تو ڈوب جاؤ گے۔

تو بطے الخ۔ یعنی تم تو بط ہو خشکی اور تری سب پر زندہ بھی رہو گے۔ مرغ خانگی کی طرح گھر نہین کھودا ہے مطلب یہ کہ تم ان اسباب ظاہری کے مقید نہین ہو بلکہ جہان رہو گے خوش رہو گے۔

تو ز کرمنا الخ۔ یعنی تم کرمنا بنی آدم کی وجہ سے بادشاہ ہو خشکی مین بھی اور دریا مین بھی پاؤن رکھتے ہو مطلب یہ کہ تم تو اس قابل ہو کہ ہر جگہ تمہارا ہی تسلط ہو۔ اسلیئے کہ ارشاد ہے۔

کہ حملناہم الخ۔ یعنی کہ تم تو حملناہم علی البحر کی جان سے (مصداق ہو) اور حملناہم علے البر کی وجہ سے آگے کو ہو۔ مطلب یہ کہ دونون جگہ رہو اور ہر حال مین خوش رہو۔

مر ملائک الخ۔ یعنی ملائک کو بحر کیطرف راستہ نہین ہے۔ اور جنس حیوانی کو بحر سے آگاہی نہین ہے مطلب یہ کہ تم وسط مین ہو عالم بالا والے جو کہ نور ہین وہ اس عالم سے تعلق نہین رکھتے اور عقل روح حیوانی اس عالم بالا سے تعلق نہین رکھتی مگر بحمد اللہ انسان مین دونون خصلتین موجود ہین۔

تو بہ تن الخ۔ یعنی تو تن کے اعتبار سے تو حیوان ہے اور روح کے اعتبار سے ملک تاکہ زمین پر بھی اور آسمان پر بھی دونون طرف جا سکو۔

تا بظاہر الخ۔ یعنی تاکہ ظاہر مین تو انسان (کامل) تمہاری ہی طرح ہو اور دل یوحی الی سے مبصر ہو مطلب یہ کہ قرآن شریف مین ہے کہان انا الا بشر مثلکم یوحی الی تو قضیہ اول کے اعتبار سے تو مثلکم کے مصداق ہین اور دوسرے قضیہ یوحی الی کے اعتبار سے وہ مبصر اور کامل ہین۔

قالب الخ۔ یعنی قالب خاکی تو زمین پر پڑا ہوا ہے اور اسکی روح چرخ برین پر پھر رہی ہے۔

ما ہمہ الخ۔ یعنی ارے چھوکرے ہم سب مرغابیان ہین وہ بحر ہماری سبکی زبان کو جانتا ہے۔

پس سلیمان الخ۔ یعنی کہ پس سلیمان تو بحر کی طرح ہین اور ہم پرندہ ہین او سلیمان ہی مین ہمیشہ سیر کرتے ہین۔ یعنی ان ہی حضرات کی حالت کو دیکھتے ہین۔

با سلیمان الخ۔ یعنی سلیمان کے ساتھ دریا مین پاؤن رکھدو تاکہ داؤد علیہ السلام کی طرح پانی سو زرہ بنادے مطلب یہ کہ شیخ کامل کے ساتھ متوجہ الی اللہ ہو جاؤ۔ تاکہ اس طرف کی توجہ تمکو ہزارون آفتون سے بچالے

آن سلیمان الخ۔ یعنی وہ مرد کامل سب کے سامنے حاضر ہے لیکن غفلت آنکھ کو بند کرنے والی اور ساحر ہے۔

تا ز جہل الخ- یعنی یہانتک کہ جہل اور خوابناکی اور فضولیت کی وجہ سے وہ ہمارے سامنے اور ہم اون سے غافل ہین اس لیے کہ اہل اللہ تو آخر انسان ہمارے اندر ہی ہوتے ہین مگر اندہے ہین اس لیے دیکھتے نہین ہین گ تشنہ را الخ- یعنی پیاسے کو رعد کی آواز سے درد سر پیدا ہوگا جبکہ وہ یہ نہ جانے کہ وہ ابر سعد کو کھوئے گا تو اسی طرح ہم کو اولیاء اللہ کی ترشی ذرا سی سخت معلوم ہوتی ہے اس لیے کہ اونکے کمالات کی خبر نہین ہے ورنہ اونکی سختی کو سر آنکھون سے قبول کرین-

چشم او الخ- یعنی اوسکی آنکھ اس ندی روان مین لگی ہوئی ہے اور آب آسمان کے ذوق سے بیخبر ہے- اسیطرح اس دنیا مین لگے ہوے ہین جب تک کہ اونکے کمالات سے بیخبر ہین-

مرکب ہمت الخ- یعنی مرکب ہمت کو اسباب مین چلایا تو آخرکار مسبب سے محجوب رہے اور اوسکی تجلی اور نور سے فائض نہو سکا-

آنکہ بیند الخ- یعنی جو شخص کہ مسبب کو ظاہر طور پر دیکھے وہ اسباب جہان پر کب دل رکھے گا-

از مسبب یابد الخ و در صد سال الخ- یعنی جسکی نظر مسبب پر ہے وہ مسبب سے ایک ذراسی دیر مین نجات اور فلاح اور نجاح مین سے وہ پالیتا ہے جو کہ اسباب پرست کی کوشش سو برس مین اوس خزانہ کا دسوان حصہ بھی حاصل نہین کر سکتی- اور یہ بات بالکل ظاہر ہے جسنے خود مسبب کو پا لیا اوسکے سامنے اسباب کی حقیقت ہی کیا ہے آگے درویش کی حکایت لاتے ہین کہ اونکی نظر حق تعالے مسبب الاسباب پر تھی تو اونکو صحرائے خشک مین پانی ملتا تھا اور بہت سی کرامتین ظاہر ہوتی تھین یہ ساری برکت مسبب پر نظر ہونے کی اور توکل کی تھی- اب حکایت سُنو-

شرح حبیبی

زاہدے بُد در میان بادیہ	در عبادت غرق چون عبادیہ
حاجیان آنجا رسیدند از بلاد	دیدہ شان بر زاہد خشک اوفتاد
جائے زاہد خشک بود او ترمزاج	از سموم بادیہ بودش علاج
حاجیان حیران شدند از وحدتش	وان سلامت در میان آتشش
در نماز استادہ بُد بر روئے ریگ	ریگ کز تفش بجوشد آب دیگ
گفتئی سرمست در سبزہ و گل است	یا سوارہ بر براق و دلدل است
یا کہ پایش بر حریر و حلہ ہاست	یا سموم او را بہ از باد صباست
ایستادہ تازہ رو اندر نماز	با خضوع و با خشوع و بے نیاز
با حبیب خویشتن میگفت راز	ماہ بود استادہ در فکر دراز
پس بماندند آن جماعت با نیاز	تا شود درویش فارغ از نماز
چون ز استغراق باز آمد فقیر	زان جماعت زندۂ روشن ضمیر

دید کان تس می چکید از دستشون | جامہ اش تر بود از آثار وضو
پس بپرسیدش کہ آبت از کجاست | دست را برداشت کز سوئے سماست
گفت ہر گاہے کہ خواہی می رسد | بے ز چاہ و بے ز حبل من مسد
مشکل ما حل کن اے سلطان دین | تا ببخشد حال تو ما را یقین
وانما سرے ز اسرارت بما | تا ببریم از میان زنارہا
چشم را بگشود سوئے آسمان | کہ اجابت کن دعاے حاجیان
رزق جوئی را ز بالا خو گرم | چون ز بالا بر گشودستے درم
اے نمودہ تو مکان را لامکان | فی السماء رزقکم کردہ عیان
درمیان این مناجات ابر خوش | زود پیدا شد چو پیل آبکش
ہمچو آب از مشک باریدن گرفت | در گو و در غارہا مسکن گرفت
ابر می بارید چون مشک اشکہا | حاجیان جملہ کشادہ مشکہا
یک عجائب در بیابان وانمود | ابر چون مشکے دہن را بر کشود
یک جماعت زان عجائب کارہا | می بریدند از میان زنارہا
قوم دیگر را یقین در ازدیاد | زین عجب و اللہ اعلم بالرشاد
قوم دیگر ناپذیرا ترش و خام | ناقصان سرمدی تم الکلام

ایک زاہد ایک جنگل مین رہتا تھا اور عبادت مین یون غرق تھا جیسے قریۂ عباداں کے رہنے والے عباداں مین اتفاقاً مختلف ملکون سے کچھ حاجی وہان پہنچے اور انکی نظر اس زاہد پر پڑی جو کثرت مجاہدات سے سوکھ گیا تھا وہ خشکی مین رہتا تھا مگر مزاج مین اوسکے رطوبت تھی اسلیے اس جنگل کی لوئین اوسکے لیے دوا کا کام دیتی تھین معنی حقیقی مقصود نہین معلوم ہوتے بلکہ مدعا یہ معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح تر مزاج شخص کو گرم اشیا مفید ہوتے ہین یون ہی وہ لوئین بوجہ مجاہدہ مین معین ہونے کے اس کے لیے بجائے مضر ہونے کے نافع تھین حاجی لوگ اسکی تنہائی اور ان آفتون مین صحیح و سالم رہنے کو دیکھکر حیران رہگئے انکی حالت یہ تھی کہ ریت کے اوپر نماز پڑھ رہے تھے اور ریت بھی ایسا کہ اگر اوسپر ہانڈی کو رکھ دیا جاوے تو اوسکی گرمی سے جوش مارنے لگے اور اس اطمینان سے نماز پڑھ رہے تھے کہ گویا کہ وہ سبزہ و گل پر کھڑے مست ہین یا براق و دلدل پر سوار ہین یا کہ وہ حریر اور اعلےٰ کپڑون پر کھڑے ہوئے ہین یا وہ لو انکے لئے باد صبا ہے غرض وہ اس اطمینان سے اور ہشاش بشاش خشوع و خضوع و عجز و نیاز کے ساتھ نماز مین کھڑے ہوئے اپنے محبوب سے باتین کر رہے تھے اور استغراق کیحالت مین کھڑے کے کھڑے رہگئے تھے پس یہ لوگ اوسوقت تک باادب خاموش رہے جب تک کہ وہ نماز سے فارغ ہون اور جب وہ نماز سے فارغ ہوئے تو اس جماعت کے ایک سمجھدار آدمی نے دیکھا کہ اونکے ہاتھون اور مُنہ سے پانی کے قطرے ٹپک رہے ہین اور اثر وضو سے انکا کپڑا بھی تر تھا اوسوقت اونسے دریافت کیا کہ آپکو پانی کہان سے ملا یہان تو کوسون پانی نہین اونھون نے آسمان کی طرف

ہاتھ اٹھاکر بتلایا کہ آسمان سے اس پر اونسے سوال کیا کہ جب آپ پانی مانگتے ہین توکیا ہمیشہ آپکو ملجاتا ہے یا
کبھی ملتا ہے کبھی نہین - آپ ہماری اس مشکل کو حل فرمایئے تاکہ اس سے ہمکو درجۂ یقین حاصل ہو اور اپنے اسرار
مین سے کوئی راز دکھلایئے تاکہ ہم اپنی کمرون سے زنار کھول ڈالین یعنی اب تک تو ہمکو ایمان کا ایک ضعیف مرتبہ
حاصل ہے جسکے سبب ہم کفر سے قریب ہین اور گویا کہ کافر اور زنار بستہ ہین آپکی کرامت سے ہمارا ایمان بڑھے
گا اور گویا کہ ہم اب مسلمان ہونگے اونھون نے آسمان کی طرف دیکھا اور کہا کہ اے اللہ ان حاجیون کی دعا
قبول فرمایئے اور کوئی کرامت انکو دکھلایئے مین تو ہمیشہ سے اوپر ہی سے رزق جوئی کا عادی ہون کیونکہ آپ نے میرے
رزق کا دروازہ اوپر ہی سے کھولا ہے آپ نے سفلیات کو علویات سے ظاہر فرمایا ہے اور فی السماء رزقکم کو شاہد
کرادیا - وہ یہ دعا کر ہی رہے تھے کہ ہاتھی کی طرح بڑے بڑے پانی سے لدے ہوئے بادل نمودار ہوئے اور یون
موسلادھار برسنا شروع کیا جیسے مشک کا دہانہ کھول دیا ہو اور گڑھون اور غارون مین پانی ٹھیر گیا ابر تو
مشکون کی طرح پانی گرا رہا تھا اور حاجی لوگ اپنی مشکین کھولے ہوئے پانی بھر رہے تھے - غرض کہ اس
بیابان مین یہ عجیب بات ظاہر ہوئی کہ ابر نے مشک کی طرح دہانہ کھولدیا اس سے حاجیون کی جماعت مین
مختلف اثر ظاہر ہوئے کچھ لوگون کو تو یقین حاصل ہوا اور گویا کہ وہ اب مسلمان ہوئے اور کچھ لوگون کو پیشتر
سے یقین تھا اس مشاہدہ سے انکے یقین مین ترقی ہوئی - اور کچھ لوگ ایسے تھے جنھون نے اسکو قبول نہ کیا
اور کچے کے کچے رہے یہ لوگ ناقصین ازلی تھے فقط -

حاجیون کا اس شیخ زاہد کی کرامت مین حیران ہونا جو کہ جنگل مین گرم ریت پر بیٹھا ہوا تھا

شرح شبیری - زاہدے الخ - یعنی ایک زاہد جنگل مین تھا اور عبادت مین عبادیہ کی طرح غرق تھا -
حاجیان الخ - یعنی حاجی لوگ اس جگہ مختلف شہرون سے پہونچے تو اونکی نظر اس سوکھے ہوئے زاہد پر پڑی
جو بہت ہی دبلے پتلے تھے اونکو سب نے دیکھا -
جائے زاہد الخ - یعنی زاہد کے قیام کی جگہ تو خشک تھی اور وہ تر مزاج خوش تھا اور جنگل کی لو اوسکو نافع تھی -
حاجیان الخ - حاجی لوگ اوسکی تنہائی سے اور اوسکی سلامتی سے اس آفت مین حیران ہوگئے -
در نماز استادہ الخ - یعنی وہ ریت کے اوپر نماز مین کھڑا ہوا تھا اور ریت بھی ایسا کہ اوسکی تپش سے ہانڈی کا پانی کھولنے لگے
گفتئے سرمست الخ - یعنی گویا کہ سرمست سبزہ و گل مین سے ہے یا براق اور دلدل پر سوار ہے مطلب یہ کہ اسطرح
خوش تھا جیسے بہت ہی آرام سے ہو حالانکہ گرمی وغیرہ کی یہ حالت کہ الامان والحفیظ اور یا یہ تم کہو کہ
یا کہ پایش الخ - یعنی یا کہ اوسکا پاؤن ریشم کے حلون پر ہے یا لو اوسکے لیے بادصبا ہے غرضکہ اوسکی یہ حالت تھی
ایستادہ الخ - یعنی وہ تازہ رو نماز مین خشوع اور خضوع اور نیازمندی کے ساتھ کھڑے ہوئے تھے
با حبیب الخ - یعنی اپنے محبوب سے راز کی باتین کر رہے تھے اور فکر دراز مین کھڑے کے کھڑے رہگئے تھے -
پس بماندند الخ - یعنی وہ جماعت نیاز و عاجزی کے ساتھ کھڑی رہی تاکہ وہ درویش نماز سے فارغ ہو جاوین

چون الخ دیدہ کالیش الخ۔ یعنی جب وہ فقیر استغراق سے واپس ہوئے تو اس جماعت مین سے ایک زندہ دل روشن ضمیر نے دیکھا کہ اوسکے ہاتھ اور منہ سے پانی ٹپک رہا ہے اور اوسکے کپڑے آثار وضو سے تر تھے۔
پس بپرسیدش الخ۔ یعنی پس اوس روشن ضمیر نے دریافت کیا کہ تمھارے پاس پانی کہان سے آیا اُنھون نے ہاتھ اوٹھایا کہ آسمان سے آیا ہے۔
گفت الخ۔ یعنی اونھون نے کہا کہ کیا جب تم چاہو ہو پہنچتا ہے یا کبھی دعا کبھی قبول ہوتی ہے اور کبھی رد ہو جاتی ہے۔
مشکل ما الخ۔ یعنی اے بادشاہ دین ہماری مشکل حل فرمائیے تاکہ آپکا حال ہمکو یقین بخشے اور معلوم ہو جاوے کہ جناب کا مرتبہ کیا ہے معلوم ہوتا ہو کہ یہ سائل صاحب بھی کوئی بزرگ ہین جب تو اسطرح سوال کر رہے ہین۔
وانما سرّے الخ۔ یعنی اپنے اسرار مین سے ایک بھید ہم کو بھی دکھا دیجئے تاکہ ہم زنار ونکو توڑ دین یعنی اہل یقین سے ہو جاوین شک جاتا رہے اب ان بزرگ کا ادب دیکھئے کہ خود کوئی دعوے نہین کیا بلکہ۔
چشم را الخ۔ یعنی اون بزرگ نے آنکھ آسمان کی طرف کھولی کہ اے حاجیون کے دعا کے قبول کرنیوالے۔
رزق جوئی الخ۔ یعنی مین رزق جوئی کا عالم بالاہی سے خوگر ہون آپنے میلر دروازہ عالم بالاہی سے کھولا ہے۔
اے نمودہ الخ۔ یعنی اے وہ ذات کہ تونے مکانی کو لامکان دکھا دیا اور فی السمآء رزقکم کو ظاہر کر دیا کہ انسان مکانی ہے اوسکو اوس عالم لامکان کی سیر کرا دی پھر اوس کو رزق بھی عالم بالا سے دیا جس سے کہ آیت کی پوری تصدیق ہو گئی۔
درمیان الخ۔ یعنی اس مناجات کے اندر ہی ایک بادل گہرا جلدی سے پیدا ہوا جیسے کہ ہاتھی آبکش ہو کہ اوس پر پانی بہت سا لدے گا اسیطرح اوس بادل مین پانی بہت تھا۔
ہمچو آب الخ۔ یعنی پانی اسطرح برسنا شروع ہوا جیسے کہ مشک سے بہتا ہو۔ اور گڈھون اور غارونمین مسکن پکڑا یعنی سب تالاب وغیرہ بھر گئے۔
ابر می بارید الخ۔ یعنی ابر مشک کی طرح آنسو برسا رہا تھا اور حاجیون نے اپنی مشکین کھولدین پس خوب پانی بھر لیا
یک عجائب الخ۔ یعنی بیابان مین ایک عجیب بات ظاہر ہوئی اور ابر نے مشک کی طرح منہ کھولدیا تھا
یک جماعت الخ۔ یعنی ایک جماعت تو اوس عجیب بات سے اپنی زنار توڑ رہی تھی یعنی اونکو درجہ یقین کا حاصل ہو رہا تھا اور وہ تو مستفیض ہو رہے تھے۔
قوم دیگر را الخ۔ یعنی ایک قوم کے یقین مین زیادتی ہو رہی تھی اس عجب بات سے واللہ اعلم بالرشاد یعنی وہ بھی خیر متاثر ہو رہے تھے۔
قوم دیگر الخ۔ یعنی ایک دوسری قوم ناقصون اور ترش اور خام وہ ناقصان سرمدی تھے کلام تمام ہوا۔ یعنی ایک وہ تھے کہ جنکو اثر ہی نہ تھا جیسے کہ تپے بت کی طرح دیکھ رہے تھے پس وہ ناقصان ازلی تھے کہ اونکی اصلاح کی امید ہی نہین تھی۔ تو دیکھو ان بزرگ کو چونکہ مسبب پر نظر تھی لہذا اسباب کی انکو ضرورت نہ تھی۔ بلا اسباب ان کو سب چیز حق تعالےٰ عنایت فرماتے تھے الحمد للہ کہ ربع رابع مثنوی شریف کے دفتر ثانی کی شرح کا تمام ہوا۔ حق تعالےٰ سے دعا ہے کہ حق تعالےٰ حضرت والا دام ظلہم کے فیوض کو

کو عام فرما دے۔ اور اوس سے ہم غریبوں کو بھی حصہ دے اور اس مثنوی سے حق تعالے لوگوں کو فائدہ دے کہ اس سے اس ناکارہ کو امید نجات کی ہے۔ کہ شاید کسی مقبول حق کی دعا لگ جاوے لہذا اس شعر پر ختم کرتا ہوں۔ ؎ ہر کہ خواند دعا طمع دارم ؞ زانکہ من بندۂ گنہگارم۔ والسلام علی من اتبع الہدیٰ اب انشا اللہ تعالے آگے مثنوی شریف دفتر ثالث کی شرح شروع ہو گی فقط

احقر شبیر علی عفی عنہ
۱۹ جمادی الاول ۱۳۳۴ھ
یوم الخمیس بلدہ تھانہ بھون

آداب الاخلاق — یعنی —
اخلاقِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم

از: حجۃ الاسلام امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ

قیمت: ۱۵/۰ روپے

ب

برکاتِ رمضان

از: حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

خطباتِ حکیم الامت جلد ۱۶

اعلیٰ کاغذ، مجلد اعلیٰ — قیمت: ۱۴۴/۰ روپے

بستان العارفین (اردو ترجمہ)

از: فقیہہ ابو اللیث سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ

قیمت: ۴۵/۰ روپے

ت

تسہیل المواعظ

از: حضرت حکیم الامت تھانویؒ

[حضرت تھانویؒ کے تسہیل شدہ ۵۲ خطبات، دو خوبصورت جلدوں میں]

قیمت: ۲۰۰/۰ روپے

تقاریر شیخ الہندؒ

از: حضرت شیخ الہند محمود حسن دیوبندیؒ

(ترمذی و ابوداؤد شریف کے مشکل مقامات پر تقاریر)

مجلد، قیمت: ۷۵/۰ روپے

تسلیم و رضا

از: حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

خطباتِ حکیم الامت جلد ۱۵، قیمت: ۱۳۵/۰ روپے

تحفۂ زوجین

از افادات:

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

ترتیب:

مولانا مفتی محمد زید صاحب مدظلہ

گھریلو زندگی کے لئے شرعی احکام سے ناواقفیت، یا معاشرہ کے فساد کے بناء پر شادی ہوتے ہی خانہ بربادی، میاں بیوی کا جھگڑا، کبھی ساس بہو کا تنازعہ، کبھی جہیز کا غلط استعمال، کبھی مہر میں حق تلفی، شوہر کو نہ بیوی کے حقوق کا لحاظ، نہ زوجین کو اپنے خصوصی تعلقات کی خبر، نتیجہ یہ کہ پورے خاندان کی زندگی تلخ بن جاتی ہے۔ اس جیسے مسائل پر اپنی نوعیت کی اہم کتاب۔ خوبصورت مجلد قیمت ۴۸/۰ روپے

تربیت النساء

خواتین کی حضرت تھانویؒ سے اصلاحی و تربیتی مخاطبت

اپنے موضوع کی منفرد کتاب۔

تفسیر

انوار البیان فی کشف اسرار القرآن

از: حضرت مولانا عاشق الٰہی بلند شہری مدظلہ
سلیس اور عام فہم اُردو زبان میں سب سے پہلی مفصل
اور جامع تفسیر۔ خوبصورت ڈائی دار جلد
قیمت فی جلد [illegible]۔ تین جلدیں چھپ چکی ہیں (باقی زیر طبع)

اشرف السوانح (کامل)

از: حضرت خواجہ عزیز الحسن مجذوبؒ
(خلیفۂ ارشد حضرت تھانویؒ)
حضرت حکیم الامت تھانویؒ کی مکمل سوانح حیات
(مکمل چار جلدوں میں) خوبصورت جلد۔ قیمت ۵۲۵/- روپے

الافاضات الیومیہ من الافادات القومیہ

یعنی ملفوظات حکیم الامتؒ کا اہم مجموعہ، قرآن و حدیث
کی روشنی میں سینکڑوں مسائل کا حکیمانہ حل۔
جدید ترتیب کے ساتھ ہر جلد کے شروع میں عنوانات فہرست
قیمت کامل دس جلد ۸۷۰/- روپے، فی جلد ۸۷/- روپے۔

اصلاحی نصاب

از: حضرت حکیم الامت تھانویؒ
حکیم الامتؒ کے دس اہم اصلاحی رسائل کا مجموعہ۔
ڈائی دار جلد، اعلیٰ کاغذ۔ قیمت ۱۲۹/- روپے

التکشف عن مہمات التصوف

از: حضرت حکیم الامت تھانویؒ
اس کتاب میں تصوف کی حقیقت کو کتاب و سنت
سے خوب واضح کیا گیا ہے۔ قیمت،

اہتمام و شوریٰ

قیمت ۱۵/- روپے
از: حضرت مولانا مسیح اللہ صاحب دامت برکاتہم العالیہ

امثال عبرت مع مزاحیہ حکایات

از: حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ
نصیحت آموز سینکڑوں حکایات و امثال کا دلچسپ مجموعہ
— آخر میں رسالہ "مزاحیہ حکایات"
از مولانا محمد اقبال قریشی، شامل ہے۔
خوبصورت کتابت وطباعت۔ قیمت ۱۱۴/- روپے

اسوۃ الصالحین ترجمہ آداب الصالحین

از: حضرت مولانا شاہ عبدالحق محدث دہلویؒ
کی نایاب کتاب کا بہترین اُردو ترجمہ
مجلد اعلیٰ، قیمت ۱۲۰/- روپے

اصلاح خواتین

از: افادات حکیم الامت مجدد الملت حضرت تھانویؒ
حضرت تھانویؒ کی سینکڑوں تصانیف کا نچوڑ!
ترتیب: مولانا مفتی محمد زید صاحب (انڈیا)
عورتوں کی اصلاح اور انکی تربیت کے طریقے۔ مردوں کی
ذمہ داریاں اور انکے حقوق۔ اولاد کی نشو و نما اور تعلیم و تربیت
کے بہترین اصول۔ پردہ اور اسکے احکام عقل و نقل کی
روشنی میں عورتوں کی تعلیم کا اسلامی طریقہ۔ ہر گھر کیلئے ضروری کتاب
خوبصورت جلد — قیمت ۱۵۰/- روپے

اشرف الجواب (کامل تین حصے)

از: حکیم الامت حضرت تھانویؒ
کفار و مشرکین، شیعہ، بدعتی، غیر مقلدین،
مغرب زدہ مسلمان اور جاہل طبقے کے اسلام پر
اعتراضات و شبہات پر عقلی و نقلی دلچسپ جوابات!
لیمنیشن کی ڈسٹ کور کی رنگین جلد — قیمت ۱۴۴/- روپے

عارف باللہ حضرت مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ کی نادر روزگار،
اور معرکہ آرا کتاب "مثنوی معنوی" کی جامع اور لاجواب شرح

کلیدِ مثنوی

حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہ

7

یہ وہ مقبول خاص و عام کتاب ہے کہ خواندہ ناخواندہ سب ہی اس سے دلچسپی لیتے ہیں مگر مضامین عالیہ ہونے کی وجہ سے مطالب سمجھنے میں بڑی دقت پیش آتی ہے اور بعض اوقات نوبت الحاد و زندقہ تک پہنچ جاتی ہے، حضرت حکیم الامت نے اشعارِ مثنوی کو واضح کر کے اور مسائل تصوف کو عام فہم بنا کر نہایت خوبی سے سمجھا دیا ہے حقیقت یہ ہے کہ اِس سے معتبر اور شریعت و طریقت کا پاس و ادب رکھ کر مضامین کو حل کرنے والی کوئی اور شرح نہیں لکھی گئی

ادارہ تالیفاتِ اشرفیہ
بیرون بوہڑ گیٹ
ملتان

کلیدِ مثنوی

عارف باللہ حضرت مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ کی نادر روزگار
اور معرکہ آراء کتاب مثنوی معنوی کی جامع اور لاجواب اُردو شرح

کلیدِ مثنوی

از:

حکیم الامت مجدد الملۃ حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہ

جلد ۷

یہ وہ مقبول خاص و عام کتاب ہے کہ خواندہ، ناخواندہ سب ہی اس سے دلچسپی لیتے ہیں۔ مگر مضامین عالیہ ہونے کی وجہ سے مطالب سمجھنے میں بڑی دقت پیش آتی ہے اور بعض اوقات نوبت الحاد و زندقہ تک پہنچ جاتی ہے۔ حضرت حکیم الامت نے اشعارِ مثنوی کو واضح کر کے اور مسائل تصوف کو عام فہم بنا کر نہایت خوبی سے سمجھا دیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس سے معتبر اور شریعت و طریقت کا پاس ادب رکھ کر مضامین کو حل کرنیوالی اور کوئی شرح نہیں لکھی گئی

ادارہ تالیفاتِ اشرفیہ
بیرون بوہڑ گیٹ • ملتان

قَالَ تَعَالیٰ کَمَا اَرْسَلْنَا فِیْکُمْ رَسُوْلًا مِّنْکُمْ یَتْلُوْا عَلَیْکُمْ اٰیٰتِنَا وَیُزَکِّیْکُمْ وَیُعَلِّمُکُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَةَ وَیُعَلِّمُکُمْ مَّا لَمْ تَکُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ

چوں در کریمہ صدر قولہ تیلو و یعلیمکم الکتٰب بر فضل علم نظم و معنی و قولہ یزکیکم بر شرف علم کلام و عقائد و علم سلوک و قولہ الحکمۃ بر مزیت علم اسرار و علم اصول دال با وضح بیان ست و از ان جملہ تصوف کہ مشتمل بر سلوک و اسرار ست از علم دین نیک عیان ست و باتفاق اہل مذاق مثنوی را در کتب این فن خاص شان ست لیکن از علائقش محتاج تبیان ست بنا بر علیہ این شرح اردو کہ معنونش را

کلید مثنوی

عنوان ست و این ربع اول دفتر سوم از ان ست از الفاظ و عبارت مولوی شبیر علی و مولوی حبیب احمد سلمہا اللہ کہ ہر یکے از ایشان بجائے صاحب معانی یعنی مولانا اشرف علی صاحب دام ظلہم بمنزلہ لسان و ترجمان ست در وصل متن را چناں حل کردہ کہ غایت امکان ست و مسائل را بطورے تقریر نمودہ کہ ہم موافق تحقیق اہل اتقان و ہم مطابق حدیث و قرآن ست و اشکالات و اغلاط را بطرزے دور ساختہ کہ موجب اطمینان اذہان ست و جا بجا ملفوظات سیدنا الحاج محمد امداد اللہ کہ مطرب فن

و منشط اذہان ست ہم در مطاویش سپردہ حسب فرمائش

محمد عثمان تاجر کتب مالک کتب خانہ اشرفیہ

رب یسر ولا تعسر وتمم بالخیر

حامداً ومصلیاً ومسلماً

بسم الله الرحمن الرحیم

تمہید دفتر ثالث کلید مثنوی

از حضرت قبلہ وکعبہ مولانا المولوی الحاج القاری الشاہ محمد اشرف علی صاحب دامت برکاتہم

بعد حمد الله فتساما الهدی ثم تسلیم علی خیر الوری

تم من فیض الجلال المعنوی شرح ثانی الشاطر من ذا المثنوی

مرحبا شبیر بخ بخ یا حبیب حزتما من شرحه اوفی النصیب

فاشرحا الثالث بجد واجتهاد طالبین العون من رب العباد

هکذا اما بعده باقی الشطور نور نور فوق نور فوق نور ع

ع۔ فی اتیان لفظ النور اربع مرة اشارة الی ان عدد هذه الدفاتر التی شرحت بهذا الطرز اسلح من الثانی الی الخامس وفی نسخة اشارة الی کون کل الدفاتر ستة ۱۲ منه مدظلهم۔

ربع اول از دفتر سوم مثنوی معنوی موسوم بہ کلید مثنوی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

شرح حبیبی

اے ضیاء الحق حسام الدین بیار ۔ این سوم دفتر کہ سنت شد سہ بار

برکشا گنجینۂ اسرار را ۔ در سوم دفتر بہل اعذار را

قوت از قوت حق مے زہد ۔ نز عروقے کز حرارت می جہد

این چراغ شمس کو روشن بود ۔ نز فتیلہ و پنبہ و روغن بود

سقف گردوں کو چنیں دائم بود ۔ نز طناب و استنے قائم بود

قوت جبریل از مطبخ نبود ۔ بود از دیدار خلاق وجود

ہم چنیں این قوت ابدال حق ۔ ہم ز حق دان نز طعام و نز طبق

جسم شان را ہم ز نور اسرشتہ اند ۔ تا ز روح و از ملک بگذشتہ اند

چونکہ موصوفی باوصاف جلیل ۔ بر تو آتش شد گلستان چوں خلیل

گردد آتش بر تو ہم بردا سلام ۔ ای عناصر مر مزاجت را غلام

ہر مزاجے را عناصر مایہ است ۔ این مزاجت برتر از ہر پایہ است

این مزاجت در جہان منبسط ۔ وصف وحدت را کنوں شد ملتقط

ای دریغا عرصۂ افہام خلق ۔ سخت تنگ آمد ندارد خلق حلق

ای ضیاء الحق بحذق رائے تو ۔ حلق بخشد تنگ را حلوائے تو

کوه طور اندر تجلی حلق یافت — تا که مے نوشید و می را بر نتافت

صَارَ دَکّاً مِنهُ وَانشَقَّ الجَبَل — هَل رَاَیتُم مِن جَبَل رَقصَ الجَمَل

لقمه بخشی آید از هر کس بکس — حلق بخشی کار یزدانست و بس

حلق بخشد جسم را و روح را — حلق بخشد بهر هر عضوے جدا

این گهے بخشد که اجلالی شوی — از دغا و از دغل خالی شوی

تا نگوئی سر سلطان را بکس — تا نریزی قند را پیش مگس

گوش آنکس نوشد اسرار جلال — کو چو سوسن صد زبان افتاد لال

حلق بخشد خاک را لطف خدا — تا خورد آب و بروید صد گیا

باز حیوان را ببخشد حلق و لب — تا گیاهش را خورد اندر طلب

چون گیاهش خورد حیوان گشت زفت — گشت حیوان لقمهٔ انسان و رفت

باز خاک آمد شد اکال بشر — چون جدا شد از بشر روح و بصر

ذره‌ها دیدم دهانشان جمله باز — گر بگویم خوردشان گردد دراز

برگها را برگ از انعام او — دایگان را دایه لطف عام او

رزقها را رزقها او می‌دهد — زانکه گندم بے غذائے کے زهد

نیست شرح این سخن را منتهے — پاره گفتم بدان زان پاره‌ها

جملهٔ عالم آکل و ماکول دان / باقیان را مقبل و مقبول دان

این جهان و ساکنانش منتشر / وان جهان و ساکنانش مستمر

این جهان و عاشقانش منقطع / اہل آن عالم مخلد مجتمع

پس کریم آنست کو خود را دهد / آب حیوانی که ماند تا ابد

باقیات الصالحات آمد کریم / رسته از صد آفت و اخطار و بیم

گر هزاران اند یک تن بیش نیست / چون خیالات عدد اندیش نیست

آکل و ماکول را حلق است و نای / غالب و مغلوب را عقل است و رای

حلق بخشید او عصای عدل را / خورد او چندان عصا و حبل را

واندرو افزون نشد زان جمله اکل / زانکه حیوانی نبودش اکل و شکل

مر یقین را چون عصا حق حلق داد / تا بخورد او هر خیالاتی که زاد

پس معانی را چو اعیان حلقهاست / رازق حلق معانی هم خداست

پس ز ماهی تا به مه از خلق نیست / که بجذب مایه او را حلق نیست

حلق نفس از وسوسه خالی شود / میهمانی وحی اجلالی شود

حلق جان از فکر تن خالی شود / آنگهی روزیش اجلالی شود

حلق عقل و دل چو خالی شد ز فکر / یافت او بی هضم معده رزق بکر

شرط تبدیل مزاج آمد بدان / کز مزاج بد بود مرگ بدان

چون مزاج آدمی گل‌خوار شد / زرد و بدرنگ و سقیم و خوار شد

چون مزاج زشت آن تبدیل یافت / رفت زشتی و رخش چون شمع تافت

دایهٔ کو شیرخوارهٔ طفل را / تا ز نعمت‌ها کند او را غذا

دایهٔ کو طفل شیرآموز را / تا به نعمت خوش کند بدپوز را

گر ببندد راه یک پستان برو / برگشاید راه صد بستان برو

زانکه پستان شد حجاب آن ضعیف / از هزاران نعمت و خوان و رغیف

پس حیات ماست موقوف فطام / اندک اندک جهد کن تم الکلام

چون جنین بد آدمی خون بد غذا / از نجس مومن برد پاکی کذا

چون جنین بد آدمی خون‌خوار بود / بود او را بو ز خون تار و پود

از فطام خون غذایش شیر شد / وز فطام شیر لقمه‌گیر شد

وز فطام لقمه لقمانی شود / طالب مطلوب پنهانی شود

گر جنین را کس بگفتی در رحم / هست بیرون عالمی بس منتظم

یک زمینی خرمی با عرض و طول / اندرو بس نعمت و بیحد اکول

کوه‌ها و بحرها و دشت‌ها / بوستان‌ها باغ‌ها و کشت‌ها

آسمانے بس بلند و پر ضیا — آفتاب و ماهتاب و صد سها

از شمال و از جنوب و از دبور — باغها دارد عروسیها و سور

در صفت ناید عجایبهای آن — تو درین ظلمت چه در امتحان

خون خوری در چار میخ تنگنا — درمیان حبس انجاس و عنا

او بحکم حال خود منکر بدی — زین رسالت معرض و کافر شدی

کاین محالست و فریبست و غرور — زانکه وهم کور ازین معنی ست دور

جنس چیزے چوں ندید ادراک او — نشنود ادراک منکرناک او

همچنانکه خلق عام اندر جهان — زاں جهاں ابدال می گویندشان

کیں جهاں چاهیست بس تاریک و تنگ — هست بیروں عالمے بے بو و رنگ

هیچ در گوش کسے زایشاں نرفت — کایں طمع آمد حجاب ژرف و زفت

گوش را بندد طمع از استماع — چشم را بندد غرض از اطلاع

همچنانکه آں جنین را طمع خوں — کاں غذای اوست در اوطان دوں

از حدیث این جهاں محجوب کرد — خون تن را بر دلش محبوب کرد

زین همه انواع نعمت ماند فرد — غیر خوں او می نداند چاشت خورد

مر ترا هم طمع خوشی ایں جهاں — شد حجاب آں خوشی جاوداں

طمع ذوق ایں حیات پر غرور | از حیات راستینت کرد دور
پس طمع کورت کند نیکو بداں | بر تو پوشاند یقیں را بے گماں
حق ترا باطل نماید از طمع | در تو صد کوری فزاید از طمع
از طمع بیزار شو چوں راستاں | تا نہی پا بر سر آں آستاں
کاندراں در چوں درآئی وارہی | از غم و شادی قدم بیروں نہی
چشم جانت روشن و حق بیں شود | بے ظلام کفر نور دیں شود
پند پیراں را پذیرا شو بجاں | تا رہی از خوف و مانی در اماں
بشنو اکنوں قصۂ تمثیل آں | تا بیابی در حقیقت نور آں

اے ضیاء الحق حسام الدین تیسرا دفتر بھی معرض اظہار میں لائیے اسلیئے کہ تثلیث سنت ہے کیونکہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ تھا کہ ایک مضمون کو تین بار بیان فرماتے تھے کبھی ایک ہی عنوان سے جبکہ اختلال فی السماع کا اندیشہ ہو۔ اور کبھی عنوان بدلکر جبکہ اختلال فی الفہم محتمل ہو اور ہر دو صورت میں تمکین فی اذہان السامعین بھی مقصود ہوتی تھی پس آپ نے مضمون توحید و اصلاح روح و ضرورت شیخ کو دو بار دو مختلف عنوانوں سے ہر دو دفتر سابق میں بیان فرمادیا ہے تیسری بار تیسرے عنوان سے اور بیان فرمادیجئے تاکہ سنت پر بھی عمل ہو جانے اور یہ مضامین عالیہ اچھی طرح سمجھ میں آ کر اذہان میں راسخ ہو جائیں آپکو جو کچھ عذر ہوں سبکو چھوڑ دیجئے اور تیسرے دفتر میں اسرار کا خزانہ کھول دیجئے اعذار آپکو مغلوب نہیں کرسکتے بلکہ آپ اعذار کو مغلوب کرسکتے ہیں کیونکہ آپ کی قوت قوت الٰہیہ ہے جو آپ کو حق سبحانہ کیطرف سے عطا ہوئی ہے اور وہ قوت نہیں جو ان رگوں کی مضبوطی سے پیدا ہوتی ہے جو حرارت سے متحرک ہوتی ہیں کہ آپ اعذار سے مغلوب ہوسکیں کسی پابند اسباب ظاہر کو شبہ نہ ہونا چاہیئے کہ منشار قوت تو عروق

ہی ہیں پھر کوئی ایسی قوت کیونکر ہو سکتی ہے جسکا منشا عروق نہ ہوں کیونکہ مسببات کے لیئے دو قسم کے
اسباب ہوتے ہیں اولاً اسباب ظاہرہ عادیہ دوم اسباب مخفیہ غیر عادیہ چنانچہ نظائر اور مثالیں اسپر شاہد
ہیں جن سے چشم پوشی نہیں ہو سکتی مثلاً چراغ کی روشنی مسبب ہے تیل بتی وغیرہ سے مگر آفتاب کی روشنی
کے لیئے نہ تیل کی ضرورت ہے نہ بتی کی علیٰ ہذا سقف خیمہ وغیرہ ستونوں اور رسیوں سے قائم ہوتی ہے
لیکن سقف فلک کے لیئے نہ ستون کی ضرورت ہے نہ رسی کی حاجت خود قوت ہی کو لو جبریل کو حق سبحانہ نے
شدید القویٰ ذو مرہ فرمایا ہے حالانکہ اُن کی قوت کھانے پینے اور رگ و ریشہ سے مستفاد نہیں بلکہ وہ ایسی
دیدار حق سبحانہ سے مستفاد ہیں جو ان کی استعداد کے مناسب ہے بس یوں ہی ابدال و دیگر اہل اثر کی قوت
بھی حق سبحانہ سے مستفاد ہے نہ کہ کھانے پینے وغیرہ سے لگر منشا اس اشتباہ کا یہ ہو کہ تم اُن کے اجسام کو
اپنے اجسام کے مماثل دیکھ رہے ہو لہذا ان کی قوت کو بھی اپنی قوت پر قیاس کرتے ہو تو یہ بھی غلط ہے اسلیئے
کہ اُن کے اجسام تمہارے اجسام سے گو دیکھنے میں مشابہ معلوم ہوں مگر حقیقت میں مماثل نہیں کیونکہ ان کے
رگ و ریشہ میں نور پیوست ہو گیا ہے اسلیئے یوں کہا جا سکتا ہے کہ ان کے جسم کا خمیر نور سے ہوا ہے حتیٰ کہ
ان کے اجسام لطافت معنویہ میں دیگر اشخاص کی ارواح سے اور فرشتوں کی اجسام سے بھی بڑھ گئے ہیں
پھر تمکو ان سے کیا نسبت اور تمہارا انکو اپنے اوپر قیاس کرنا کہاں تک صحیح ہے (اب دفع دخل مقدر سے
فارغ ہو کر پھر حسام الدین کو خطاب فرماتے ہیں) آپ تو حق سبحانہ کے اوصاف سے موصوف اور متخلق
باخلاق اللہ ہیں آپ معمولی اعذار سے کیا متاثر ہوتے ہیں کیونکہ آپ تو بڑے بڑے عوارض سے بھی متاثر
نہیں ہوتے دیکھیئے آتش شہوات و غضب کس قدر تیز ہے مگر خلیل اللہ کی طرح آپ کے لیئے گلستان اور
ٹھنڈی اور غیر مضر بنگئی کیوں نہ ہو کہ یہ آتش ناشی ہے عناصر سے پس جسپر عناصر غالب ہوں گے اس
کے لیئے یہ آتش بھی مضر ہوگی اور جس کے عناصر مغلوب ہوں گے اُس کے لئے یہ آتش بھی غیر مضر ہوگی چنانچہ
عناصر آپ کے مزاج کے غلام ہیں پھر یہ آتش آپکو کیا مضر ہو سکتی ہے آپ کا مزاج تو ایک نرالا مزاج ہے
کیونکہ تمام مزاجوں کا مادہ عناصر اربعہ ہیں لیکن آپ کا مزاج سب سے فائق ہے کہ اُسکا مادہ عناصر نہیں بلکہ
اس عالم فراخ میں آپ کے مزاج نے بوجہ تخلق باخلاق اللہ کے صفت اتحاد بحق سبحانہ حاصل کر لی ہے
جس سے آپ کو مزاج خاص حاصل ہوا ہے جسمیں عناصر کو دخل نہیں جس کی بنا پر جسطرح عناصر حق سبحانہ
کے لیئے مغلوب و مقہور ہیں یونہی وہ عناصر آپ کے مزاج کے بھی مغلوب و مقہور ہوں گے پس اب وہ

شبہ مندفع ہو گیا جو ہمارے اس قول پر وارد ہو سکتا تھا کہ عناصر آپ کے مزاج کے غلام ہیں لیکن افسوس کہ مخلوق کی افہام کا میدان نہایت تنگ ہے کہ آپ کی حقیقت نہیں سمجھ سکتے اور خواہ مخواہ کے شبہات پیدا کرتے ہیں بات یہ ہے کہ ارواح مخلوق کے لیے اس غذا کے مناسب حلق طبعی نہیں کہ یہ غذائے ادراک حقیقت ان کے اندر پہونچ سکے لیکن اے ضیاء الحق والدین آپ کے مہارت تامہ و کمال کے سبب یہ حلوائے شیریں یعنی معرفت حقیقت حال پتھر میں بھی حلق پیدا کر سکتا ہے اور پتھر کے اندر بھی یہ غذا ہو چکر اسکو آپ کی حقیقت حال سے واقف کر سکتی ہے یہ تو پھر بھی انسان ہیں اور گو نہ استعداد رکھتے ہیں پس اگر آپ چاہیں تو ان کا آگاہ ہو جانا کوئی بڑی بات نہیں یہ میرا دعویٰ ہی دعویٰ نہیں بلکہ میرا اس دعویٰ پر دلیل رکھتا ہوں۔ دیکھو کوہ طور پتھر ہی تو تھا مگر تجلی کے لیے اسمیں حلق پیدا ہو گیا تھی کہ اس نے وہ شراب تجلی پی لی اور اتنی پی کر برداشت نہ کر سکا بلکہ پھٹ گیا اور ریزہ ریزہ ہو گیا بھلا بتلاؤ کہیں تم نے پتھر کو بھی اونٹ کیطرح دیکھا ہے ہرگز نہیں پھر کوہ طور کی یہ حالت کیسے ہو گئی کیا وہ شراب پئے بغیر ہو گئی ہرگز نہیں پتھر کیا شراب کے مناسب حلق پیدا ہو گیا تھا اور خدا نے پیدا کر دیا تھا اس کے سامنے ایک مقدمہ اور شامل کر دو جو ماسبق سے معلوم ہو چکا ہے وہ یہ کہ ممدوح الصدر متصف باوصاف حق سبحانہ اور متخلق بخلق جل عظمتہ ہیں اور تصرف میں جارحہ حق سبحانہ ہیں اس کے ملانے سے صاف نتیجہ نکل آیا کہ ممدوح الصدر پتھر میں حلق پیدا کر سکتے ہیں اس کے بعد مولانا دوسرے مضمون کیطرف منتقل فرماتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ ہر شخص دوسرے شخص کو کھانا دے سکتا ہے مگر حلق نہیں دے سکتا۔ حلق صرف حق سبحانہ عطا کر سکتے ہیں کبھی بواسطہ جارحہ جیسا کہ اوپر مذکور ہوا اور کبھی بلا واسطہ جیسا کہ آگے مذکور ہو گا

ف یہاں ایک شبہ واقع ہوتا ہے وہ یہ کہ اسکو تسلیم کیا گیا ہے کہ آدمی کھانا دیتا ہے نیز یہ بھی مانا گیا ہے کہ مولانا حسام الدین حلق دے سکتے ہیں اور کھانا دینا اور حلق دینا حقیقۃً دونوں فعل حق سبحانہ کے ہیں پس اگر بالنظر الی الحقیقت عباد سے اس کی نفی کی جائے تو دونوں منفی ہوں گے اور اگر بالنظر الی الظاہر عباد کے لیے انکو ثابت کیا جائے تو دونوں ثابت ہوں گے پھر کیا وجہ ہے کہ ایک کو بندوں کے لیے ثابت کیا گیا اور دوسرے کو عباد سے نفی کر کے ذات حق سبحانہ میں منحصر کیا گیا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اعطاء طعام میں قدرت واختیار عبد کو دخل ہے گو وہ قدرت واختیار بھی موہوب من اللہ ہے اسلیئے اسکو بندوں کے لیئے ثابت کیا گیا۔ اور اعطائے حلق میں قدرت واختیار عبد کو دخل نہیں

بلکہ ہاں محض قدرت الٰہیہ کام کرتی ہے اگرچہ ظہور اس فعل کا عبد کے ہاتھوں ہوتا ہے اس لیے اسکو
عبد سے اتنا تعلق نہیں جتنا کہ اعطائے طعام کو لہٰذا اسکو اس سے نفی کیا گیا اور صرف حق سبحانہ کے لیے
ثابت کیا گیا میں محض تقریب فہم کے لیے اس مضمون کو ایک مثال سے سمجھاتا ہوں گو یہ حقیقی مثال نہیں
کیونکہ حق سبحانہ مثال سے منزہ ہیں وللہ المثل الاعلے۔ مثلاً ایک آدمی ایک وقت پیدل چلتا ہی
اور دوسرے وقت ریل میں سفر کرتا ہے پہلی صورت میں وہ اپنی قوت سے جارہا ہے اور دوسری
صورت میں انجن کی قوت سے اس صورت میں یہ بھی کہنا صحیح ہے کہ آدمی ایک گھنٹہ میں چالیس میل
سفر کر سکتا ہے۔ یہ تو ایسا ہے جیسا کہ اوپر مولانا حسام الدین کو کہا گیا ہے کہ آپ بچھر کو حلق دے سکتے
ہیں اور یہ کہنا بھی صحیح ہی کہ آدمی مثلاً چار میل تو ایک گھنٹہ میں چل سکتا ہے مگر چالیس میل چلنا صرف
انجن کا کام ہے یہ ایسا ہے جیسا کہ بیان کیا گیا ہے کہ آدمی کھانا تو دے سکتا ہی مگر حلق دینا حق سبحانہ
ہی کا کام ہے۔ اسوقت حصر بھی صحیح ہوگا اور تناقض بھی نہ ہوگا اور اعطائے طعام اور اعطائے حلق
میں فرق بھی ظاہر ہو جائیگا واللہ اعلم۔ اوپر معلوم ہوا کہ اعطائے حلق حق سبحانہ کا کام ہے اب سمجھو
کہ وہ ہر چیز کو اس کے مناسب حلق عطا فرماتے ہیں وہ جسم کو جسم کے مناسب حلق عطا فرماتے ہیں اور
روح کو روح کے مناسب اور ہر ہر عضو کو جدا جدا ان کے مناسب مگر روح کو اپنی اصلی غذا کھانے
کے لیے۔ اور اسرار و معارف الٰہیہ سے بہرہ ور ہونے کے لیے اسی وقت حلق عطا فرماتے ہیں جبکہ وہ
متخلق باخلاق اللہ ہو جاوے اور دغا و دغل و دیگر ملکات سیئہ سے پاک صاف ہو جاوے اسمیں
علاوہ دیگر مصالح کے ایک مصلحت یہ بھی ہے کہ آدمی اسرار الٰہیہ کو فاش نہ کر سکے تاکہ وہ ان قند کے
مثل لذیذ علوم مکاشفہ کو نااہلوں کے سامنے جو کہ مکھی کے مانند ہیں بیان نہ کرنے لگیں کیونکہ جو چیز آسانی
سے ملتی ہے اسکی قدر نہیں ہوتی اس سے معلوم ہوا کہ اسرار حق سبحانہ کو وہ ہی معلوم کر سکتا ہے جو سوسن
کیطرح سو زبانیں رکھتا ہو لیکن گونگا ہو یعنی زبان رکھتا ہو مگر ظاہر نہ کر سکے اور یہ ایسے وقت ممکن ہی
جبکہ اسکو اسکی قدر ہو اور یہ بات حاصل ہوتی ہے ریاضات و مجاہدات میں مشقت اٹھانے اور ملکات
رذیلہ کو دور کرنے سے اس سے اس شرط کی ضرورت ہوئی جو حق سبحانہ اپنی عنایت سے خاک کو بھی حلق
عطا فرماتے ہیں مگر اس کے مناسب حتیٰ کہ وہ پانی سے غذا حاصل کرتی ہے اور انواع و اقسام کے
نباتات پیدا ہوتے ہیں پھر حیوان کو حلق عطا فرماتے ہیں حتیٰ کہ وہ نباتات کو کھا جاتا ہے اور نباتات

کو کھا کر حیوان موٹا تازہ ہوتا ہے تو انسان اسکو حلق کے ذریعہ سے کھاتا ہے جو اسکو عطا ہوا ہے اور حیوان کا صفایا ہو جاتا ہے اب پھر مٹی کی باری آتی ہے اور وہ اپنے اس حلق سے جو اس کے مناسب اسکو عطا ہوا ہے انسان کو کھا جاتی ہے جبکہ اس کی روح و حواس وغیرہ اس سے جدا ہو جاتے ہیں اس کے علاوہ میں نے بہت سے ذرے اپنی نظر کشفی سے دیکھے ہیں جنکو ان کے مناسب حلق عطا کیا گیا ہے اور وہ اپنی مناسب غذا کے لیے منہ کھولے ہوئے ہیں جنکی خوراک کی اگر میں تفصیل بیان کروں تو بہت طویل ہو جاوے حق سبحانہ نے اپنے انعام سے پتوں کو بھی سامان تغذی عطا فرمایا ہے اور اسکا لطف تمام مربیوں کی بھی تربیت فرماتا ہے وہ زرقوں کو بھی رزق عطا کرتا ہے کیونکہ گندم وغیرہ بلا غذا کے کیسے نشو و نما پا سکتے ہیں اس گفتگو کی کوئی انتہا نہیں یہ جو کچھ میں نے بیان کیا ہے خوب سمجھ لو کہ اسکی بے تعداد حصوں میں سے ایک مختصر سا حصہ ہے خلاصہ یہ کہ تمام عالم آپس میں ایک دوسرے کو کھاتا اور اسکو فنا کرتا ہے اور جو آکلیت و ماکولیت مخصوصہ کے قبضہ سے باہر ہیں وہی صاحب اقبال و مقبول حق بجانب ہیں یہ عالم ناسوت اور اسکے رہنے والے یعنے وہ لوگ جو اسمیں منہمک ہیں سب منتشر اور فانی ہیں اور وہ عالم مخفی اور اسکے رہنے والے مستمر اور ابدی ہیں دنیا اور اس کے عشاق ختم ہو جانیوالے ہیں اور وہ عالم علوی اور اس کے متعلقین ہمیشہ رہنے والے اور متحد و متفق ہیں کہ ان میں بوجہ عدم تخالف اغراض کے اختلاف نہیں (ف یاد رکھو کہ اہل اللہ کو جو باقی کہا ہے سو اس بقا سے بقاء حیات روحانی مراد ہے اور فنا غیر اہل اللہ سے مراد عدم حیات روحانی ہے خواہ موت روحانی کے ضمن میں متحقق ہو خواہ عدم کے ضمن میں تمام کے آکل و ماکول ہونے اور اہل اللہ کے اس قضیہ سے خارج ہونے کے مراد یہ ہے کہ جملہ عالم آکلیت و ماکولیت مخصوصہ میں منہمک ہے اور اہل اللہ منہمک نہیں گو فی الجملہ آکلیت و ماکولیت مخصوصہ ان سے بھی متعلق ہو اب نہ یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ فانی تو اہل اللہ بھی ہیں کہ وہ مرتے ہیں اور روح تو کفار وغیرہ کی بھی باقی رہنے والی ہے اور آکل و ماکول سے تو اہل اللہ بھی خارج نہیں وجہ اندفاع ظاہر ہے) جب یہ معلوم ہوا کہ اہل اللہ کے سوا سب فانی ہیں تو کریم اور بھلا مانس اور اچھا شخص وہی ہے جو اپنی روح کو آب حیات یعنی معرفت حق سبحانہ سے سیراب کرے جس سے کہ اسکو حیات روحانی ابدی حاصل ہو باقیات الصالحات کا اصل مصداق یہی شخص ہے کہ اسکے لیے حکم ہے لا خوف علیھم ولا ھم یحزنون نہ ان کو کوئی خوف ہے نہ ہلاک روحانی وغیرہ کا خطرہ و اندیشہ۔ ان لوگوں کی ایک عجب

صفت یہ ہے کہ جسکی طرف اوپر اشارہ کیا جاچکا ہے کہ اگر یہ ہزاروں بھی ہوں تب بھی ایک نفس سے زیادہ نہیں کیونکہ سب کا مقصود واحد ہوتا ہے اسلیئے ان میں اتحاد و یگانگت ہوتی ہے اور ایسے جدا اور متباین نہیں ہوتے جیسے اُس شخص کے خیالات جو اعداد کا خیال کرتا ہو کہ اس کا ہر خیال دوسرے خیال کے مباین ہوتا ہے کیونکہ ایک کا خیال دو کے خیال کے خلاف ہے اور دو کا تین کے اور تین کا چار کے علی ہذالقیاس جنکا مطمح نظر اکلیت وماکولیت ہے اور جو انہیں میں منہمک ہیں ان کے لیئے تو حلق وہ نالی ہی جس سے وہ کھاتے یا کھائے جاتے ہیں یعنی انپر تو حیوانیت کا غلبہ ہے اور جو اپنے نفس پر غالب اور مغلوب حق ہیں انپر روحانیت غالب ہے اور انکو عقل ورائے عطا ہوئی ہے یہانتک مضمون ارشادی کو ختم کر کے پھر مضمون سابق کیطرف رجوع فرماتے ہیں۔ اور فرماتے ہیں کہ حق سبحانہ نے عدل قائم کرنیوالی اور ظلم کو دفع کرنیوالی لاٹھی کو بھی حلق عطا فرمایا تھا کہ وہ بہت سی لاٹھیوں اور رسیوں کو کھا گئی تھی مگر چونکہ اس کا اکل اور اسکی شکل عام حیوانوں کیطرح نہ تھی گو وہ بھی حقیقۃً حیوان تھی کیونکہ اسکا اکل سے دیگر حیوانات کی طرح تغذی مقصود نہ تھی نیز اس کی حیوانیت اصلی نہ تھی بلکہ عارضی تھی کہ بوقت ضرورت اسکو حاصل ہو جاتی تھی اور پھر فنا ہو جاتی تھی اسلیئے اس میں اس اکل سے کوئی زیادتی نہ ہوتی تھی نیز اس عصائے موسیٰ علیہ السلام کیطرح حق سبحانہ نے یقین کو بھی حلق عطا فرمایا ہے کہ وہ ان خیالات فاسدہ کو کھا جاتا ہے جو آدمی کے اندر پیدا ہوتے ہیں اس سے ثابت ہوا کہ حق سبحانہ نے صرف اجسام ہی کو حلق عطا نہیں فرمایا بلکہ معانی کو بھی عطا فرمایا ہے جو ان کے مناسب ہے، اور حلق معانی کو بھی حق سبحانہ غذا دیتے ہیں پس خلاصہ یہ ہے کہ نیچے سے اوپر تک کوئی مخلوق ایسی نہیں جو اپنے مناسب حلق نہ رکھتی ہو اور غذا حاصل نہ کرتی ہو پس روح کے لیئے بھی حلق ہے اور وہ بھی غذا حاصل کرتی ہے کبھی غذا اصلی اور کبھی عارضی وساوس وغیرہ اسکی غذائے عارضی ہیں اور حقائق و معارف غذائے اصلی جب تک کہ وہ غذائے عارضی سے منتفع ہوتی ہے اور وساوس و شکوک سے غذا حاصل کرتی ہے اسوقت تک غذائے اصلی سے محروم رہتی ہے اور جبکہ اس غذا کو چھوڑ دیتی ہے اسوقت اسکی الہام حق سے مہمانی کی جاتی ہے اور جب روح کو فکر جسم سے نجات حاصل ہوتی ہے اسوقت اسکو حق سبحانہ سے تعلق رکھنے والا رزق یعنی جو رزق من اللہ عطا ہوتا ہے اور جب عقل و دل فکر اصلاح جسم سے فارغ ہوتے ہیں اسوقت انکو نیا رزق ملتا ہے

جسکو ہضم معدہ کی ضرورت نہیں ہوتی ہے اور تبدیل مزاج اسلئے مشروط ہے کہ سوء مزاج سوء مزاج والونکے
لیئے مہلک ہے وہ ضرور ہلاک کرکے چھوڑتا ہے اور جب تک اسکی اصلاح نہ ہو اسوقت تک کوئی غذا
عادۃً مفید نہیں ہوتی مثلاً جب آدمی مٹی کھانے کا عادی ہوتا ہے تو اسکی رنگت زرد ہوتی جاتی ہے
اور بیمار اور کمزور ہوتا چلا جاتا ہے خواہ کیسی ہی قوی غذا کھائے بالآخر فنا ہوجاتا ہے اور جب کہ
سوء مزاج جاتا رہا تو اسکی خرابی بھی دفع ہوجاتی ہے اور جو غذا کھاتا ہے اس سے اسکا چہرہ شمع کی
مانند چمکنے لگتا ہے اسلئے اس روحانی غذا کے لیئے تبدیل مزاج روح ضروری ہے ایک تو مماثلت اس
سیئ الاخلاق والملکات شخص کو گلخوار سے ہے جیسے کہ اوپر معلوم ہوا دوسری مشابہت اسکو طفل
شیرخوار سے ہے کہ جسطرح وہ دودھ کے سبب اغذیۂ نفیسہ سے محروم ہے یونہی یہ شخص اس غذائے عارضی
یعنی ملکات سیئہ و اخلاق رذیلہ کے سبب بہترین واصلی غذا یعنی معرفت حق سبحانہ سے محروم ہے
پس کاش کوئی شخص ایسا ہو کہ جسطرح دایہ طفل شیرخوار کا دودھ چھڑا کر دیگر نعمتوں کو اسکی غذا بناتی
اور اس کے برے منہ کو جو دودھ پینے کا عادی ہو گیا تھا دوسری نعمتوں سے اچھا کرتی اور اس کی چاٹ
لگاتی ہے یونہی وہ شخص اسکو بھی ان اغذیہ فاسدہ یعنی ملکات رذیلہ سے چھوڑ کر اچھی غذاؤں پر لگادی
یعنی اسکو معرفت الٰہی کی چاٹ لگادے دایہ جسوقت بچہ سے پستان چھوڑاتی ہے تو وہ اس کا نقصان
نہیں کرتی بلکہ سو باغوں کی راہ اسپر کھولکر اسکو بہت بڑی محرومی سے بچاتی ہے کہ وہ اس کے سبب
انواع واقسام کے میوے کھانے کے قابل ہوتا ہے۔ کیونکہ پستان اس کمزور بچے کے لیئے
ہزاروں نعمتوں اور طرح طرح کے کھانوں اور روٹیوں سے مانع تھا اس نے اس مانع کو دور کردیا
جس سے وہ محرومی سے بچ گیا پس اسی طرح سمجھ لو کہ ہماری حیات روحانی بھی اخلاق رذیلہ کے چھوڑ
نے پر منحصر ہے اگر شیخ انکو چھوڑانا چاہے تو چیں بجبیں نہ ہونا چاہیئے بلکہ اگر دفعۃً ممکن نہ ہو تو آہستہ
آہستہ ان کے چھوڑنے کی کوشش کرنی چاہیئے انشاء اللہ ایک دن تمکو وہ دولت عظمیٰ حاصل ہوجائیگی
اور اس شیرخوار کیطرح تم بھی محرومی سے بچ جاؤ گے اس تدریجی ترقی کی نظیر ہم تمکو محسوسات میں
دکھلاتے ہیں۔ دیکھو جب آدمی شکم مادہ میں تھا تو خون حیض اسکی غذا تھی اور اپنے جنین ہونے کی حالت
میں خون کھاتا تھا اور اسکی ہستی کا مدار اسی خون پر تھا لیکن جب خون چھوٹا تو دودھ غذا ہوا گو
اب بھی خون ہی کھا رہا ہے کیونکہ دودھ کا مادہ بھی خون ہی ہے لیکن حالت اولیٰ سے یہ حالت

بہتر ہے کہ وہ ناپاک تھا یہ پاک ہے جب دودھ چھوٹتا ہے تو کھانا کھانا شروع کرتا ہے جو کہ پہلی دونوں غذاؤں سے بہتر غذا ہے اور جب یہ ظاہری غذا چھوٹتی ہے تو اسوقت وہ ایک عارف ہوتا ہے اور حق سبحانہ کا طالب ہو کر غذائے روحانی سے منتفع ہوتا ہے یوں ہی مومن نجاسات روحانیہ سے رفتہ رفتہ پاک ہوتا ہے اور یوماً فیوماً اُس کی حالت بدلتی رہتی ہے ادنیٰ حالت سے اعلیٰ کیطرف ترقی کرتا رہتا ہے تمکو اس کا یقین نہ آئے گا اور وجہ اسکی یہ ہے کہ تمہاری حالت ایسی ہی جیسے بچہ شکم اگر اس بچہ کو کوئی کہے کہ شکم سے باہر منتسق النظام اور نہایت خوبی سے سجا ہوا ایک عالم ہے اور ایک سرسبز شاداب بہت لمبی چوڑی زمین ہے اسمیں بہت سی نعمتیں اور بے انتہا کھانے کی چیزیں ہیں اسمیں بہاریں ہیں دریا ہیں جنگل ہیں باغیچے اور چمن ہیں کھیتیاں ہیں ایک عالیشان اور منور آسمان اسمیں ایک سورج ہے ایک چاند ہے اور سیکڑوں ستارے ہیں باد شمالی باد جنوب پچھوا اور پروا ہوائیں چلتی رہتی ہیں بہت سے باغ ہیں بیاہ شادیاں ہوتی ہیں غرضکہ وہ عالم ایسا ہے کہ اس کے عجائبات بیان سے باہر ہیں تو اس زحمت میں پڑا ہوا کیا کر رہا ہے تو تنگ شکنجہ میں پڑا ہوا خون کھا رہا ہے قید خانہ میں محبوس ہے گندگی میں لتھڑا ہوا سخت مصیبت میں گرفتار ہے تو وہ اپنی حالت کے لحاظ سے ان سب امور واقعیہ کا انکار کرے گا اور اس پیام رسانی سے اعراض کرے گا اور خلاف ورزی کرے گا کبھی نہ مانیگا اور یہ کہیگا کہ یہ محال ہے فطرت کے خلاف ہے فریب ہے دھوکا ہے کیونکہ اسپر اندھے وہم کا غلبہ ہے اور وہم ان امور سے دور ہے جس شئے کی جنس کو اُس کے ادراک نے دیکھا ہی نہیں اسکو اسکا سراپا انکار ادراک کبھی تسلیم نہیں کرسکتا بس اسی طرح عام مخلوق کی حالت ہے جسمیں تو بھی داخل ہے کہ ابدال اور اہل اللہ ان کے سامنے عالم مخفی کی حالت بیان کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ عالم ایک کنواں ہے جو تاریک و تنگ ہے اس سے باہر ایک اور عالم ہے جس میں نہ اس عالم کی بو ہے نہ رنگ بلکہ بالکل نرالا ہے مگر کسی کے کان پر جوں نہیں رینگتی اصل وجہ اس کی یہ ہے کہ طمع اس کے لیئے ایک زبردست حجاب ہوگئی ہے اور طمع وہ بری بلا ہے کہ کان کو خلاف مطلوب کے سننے سے روکدیتی ہے اور آنکھ کو دیکھنے سے باز رکھتی ہے جسطرح کہ جنین کو اس ذوق کی طمع نے جو کہ اس کے ذلیل وطن میں اسکی غذا ہے اس جہان کے متعلق گفتگو کے سننے سے روکدیا اور جسم کے خون ہی کو اس کے دل کا محبوب و مرغوب بنا دیا لہذا وہ ان طرح طرح کی نعمتوں سے محروم ہوگیا اور بجز خون کے اسکو کوئی غذا کھانا نصیب ہی نہ ہوا یونہی تیرے لیئے بھی اس عالم کی خوشی

حجاب ہو گئی اور تجھکو اس ابدی خوشی سے محروم کر دیا اور حیات کی لذت کی طمع نے جو فی الحقیقت
ایک دھوکے کی ٹٹی ہے تجھکو حقیقی اور سچی حیات سے دور کر دیا پس خوب سمجھ لو کہ طمع وہ بری بلا ہے
کہ آدمی کو اندھا کر دیتی ہے اور حق کو پوشیدہ کر دیتی ہے طمع ہی کے باعث تمکو حق باطل نظر آتا ہے
اور طمع ہی سیکڑوں پردے آنکھوں پر ڈالتی ہے پس تم کو سچے اور مخلص لوگوں کی طرح طمع سے
دست بردار ہونا چاہیئے تاکہ اس آستانہ پر قدم رکھ سکو جسمیں داخل ہونے کے بعد تمام رنج و محن سے
چھوٹ جاؤ گے اور تمہاری روح منور اور حق بیں ہو جائے، اور سراپا نور دین بنجاوے جسمیں ظلمت کفر
کا نام ونشان بھی نہ ہو مشائخ کی بات تم کو دل وجان سے قبول کرنی چاہیئے تاکہ خوف مکروہات دنیا
وعقبیٰ سے چھوٹ کر مامون اور مصداق لاخوف علیھم ہو جاؤ اب تمکو اسکی مثال میں ایک قصہ سننا
چاہیئے تاکہ تم کو اس سے نور بصیرت حاصل ہو۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شرح شبیری

اے ضیاء الحق حسام الدین بیار　　ایں سوم دفتر کہ سنت شد سہ بار

یعنی اے ضیاء الحق حسام الدین اس تیسرے دفتر کو بھی لے آؤ اسلیئے کہ سنت تین بار کرنا ہے دفتر دوم
کے دیباچہ کے شعر اول کے ذیل میں مولانا حسام الدین کا اور مولانا کا علاقہ تو بیان کر دیا گیا ہے کہ دونوں
پیر بھائی ہیں مگر مولانا حسام الدین کی تکمیل مولانا رومیؒ ہی سے ہوئی اور فیض ان ہی سے ملا ہے مگر
چونکہ پیر بھائی ہیں اسلیئے مولانا ان کا ادب بہت کرتے ہیں اور ان کو اس طرح خطاب کرتے ہیں گویا
کہ مولانا ان سے مستفیض ہیں اور کچھ عجب بھی نہیں ہے اسلئے کہ بعض مرتبہ بڑوں کو چھوٹوں سے فیض ہو
جاتا ہے اگرچہ وہ تھوڑا ہی سہی مگر یہاں قطع نظر اس سے مولانا کو صرف پیر بھائی ہونے ہی کا بہت
ادب ہے اور کیوں نہ ہو آخر اپنے شیخ کی یادگار ہوتی ہے بڑا بھائی چھوٹے بھائی سے کسقدر محبت
کرتا ہے مگر ہاں چھوٹے کو بھی چاہیئے کہ وہ اپنے کو خورد ہی سمجھے لہذا اس لحاظ سے مولانا فرماتے ہیں
کہ بھائی ضیاء الحق حسام الدین اس تیسرے دفتر کو بھی لکھ ڈالو اس لیئے کہ ایک کام کو تین بار کرنا سنت ہے

لہذا اس تیسرے دفتر کو لکھ ڈالو اب یہاں بعض نادان معترضین نے کچھ اعتراضات کئے ہیں بعض کہتے ہیں کہ جب مولانا اس دفتر کے لکھنے کی وجہ یہ بیان فرماتے ہیں کہ سنت تین دفعہ کرنا ہے تو پھر اسی پر کفایت کرتے آگے چوتھا دفتر کیوں لکھا بعض کہتے ہیں کہ حدیث میں جو آیا ہے وہ تو ایک کام کے تین بار کرنے کو آیا ہے تو اگر مولانا دفتر اول ہی کو تین بار مکرر لکھتے تب تو یہ صحیح تھا اور جب وہ الگ لکھے اور یہ الگ تو پھر کیسے صحیح ہوگا اس لئے کہ حدیث میں کہاں ہے کہ تین کام کیا کرو بلکہ وہاں تو یہ ہے کہ ایک کام کو تین بار کیا کرو اول کا تو جواب یہ ہے کہ مولانا نے جو یہ مصلحت لکھی ہے کہ سنت تین بار کرنا ہے تو اس میں مصلحت کا انحصار نہیں ہے بلکہ منجملہ اور مصالح کے ایک مصلحت یہ بھی ہے جیسا کہ ظاہر ہے اور جواب دوسرے کا یہ ہے کہ مولانا کی تمام مثنوی میں دو مضمون ہیں ایک توحید دوسری ضرورت شیخ کامل یہی مضمون مختلف عنوانات سے آیا ہے لہذا جب مولانا نے اول دو دفتر لکھ لئے ان میں یہی مضمون تھا تو اب فرماتے ہیں کہ اس ہی مضمون کو پھر تیسری مرتبہ بھی بیان کرتے ہیں اسیلئے بعض احادیث میں جو ایسا آیا ہے کہ راوی کہتا ہے کہ حضور نے یوں فرمایا ہے تو محدثین نے لکھا ہے کہ حضور بعض مرتبہ تو ایک بات کو تین مرتبہ ایک لفظ سے فرماتے تھے مگر بعض مرتبہ ایسا ہوتا تھا کہ ایک ہی مضمون کو مختلف الفاظ سے تعبیر فرماتے تھے جیسے کہ استاد کہ ایک ہی تقریر کو بہ تبدیل الفاظ بیان کیا کرتا ہے پس جو کہ ایک راوی کو یاد رہا اس نے وہ الفاظ کہے اور دوسرے نے دوسرے کہے اسی طرح مولانا کی مثنوی میں بھی مضمون تو ایک ہی ہے مگر اسکی تعبیر مختلف ہے اور اسکا ماخذ خود حدیث سے نکل آیا فللہ الحمد اور اس قسم کے اور بھی بے ہودہ اور واہی شبہات کئے ہیں اور ان کے جوابات دیئے ہیں جن کا بیان طول ہے اور بے فائدہ لہذا۔ قیاس کن زگلستان من بہار مرا آگے فرماتے ہیں کہ۔

برکشا گنجینۂ اسرار را　　　در سوم دفتر بہل اعذار را

یعنی اسرار کے خزانہ کو کھول دیجئے اور تیسرے دفتر میں عذروں کو ترک کر دیجئے مطلب یہ کہ اگرچہ وہ اعذار جو کہ آپکو دوسرے دفتر کے شروع کے وقت تھے اب بھی ہیں یعنی غلبۂ توجہ الی الحق اور استغراق عالم غیب کا مگر اب اس تیسرے دفتر میں ان عذروں کو چھوڑ دیجئے اور ان کی پرواہ نہ کیجئے اس لئے کہ۔

قوت از قوت حق می زہد　　　نز عروقی کز حرارت می جہد

یعنی آپ کی قوت تو قوت حق سے جوش مار رہی ہے نہ کہ عروق سے کہ حرارت کی وجہ سے کود رہی

ہوں یہاں سے مولانا حسام الدین کا صاحب افاضہ ہونا بیان فرماتے ہیں کہ آپ ان اعذار کی پرواہ نہ کیجئے اس لئے کہ یہ اعذار آپ کی اس قوت اور کمال کے سامنے کیا چیز ہیں آپ کی قوت قوت حق ہے اُسکو ان ظاہری اسباب سے کیا تعلق جو قوت کہ ان اسباب ظاہری سے پیدا ہوتی ہے وہ تو ناقص ہوتی ہے اور عوارضات اسکو مغلوب کر سکتے ہیں مگر آپ کی قوت تو وہ قوت ہے کہ اسکو کوئی مغلوب ہی نہیں کر سکتا آپ کی شان بی ینطق وبی یبصر وبی یسمع کی ہے آگے ایک مثال فرماتے ہیں۔

این چراغ شمس کو روشن بود نز فتیلہ و پنبہ و روغن بود

یعنی یہ سورج کا چراغ جو روشن ہے نہ بتی اور روئی اور تیل سے ہوتا ہے مطلب یہ ہے کہ دیکھو جسطرح چراغ شمس بے اسباب ظاہر کے روشن ہے اسیطرح آپ کی قوت کو بھی ان اسباب ظاہری کی ضرورت نہیں ہے کہ ان کے انعدام سے اُس قوت کا انعدام لازم ہو آگے دوسری اسی کی مثال فرماتے ہیں کہ۔

سقف گردوں کو چنیں دائم بود نز طناب واستنے قائم بود

یعنی سقف گردوں کہ جو ایسی دائم ہے وہ طناب اور ستون سے قائم نہیں ہے بلکہ صرف قدرت حق اُسکو سنبھالے ہوئے ہے اسباب ظاہر کچھ بھی نہیں اور تیسری اسی کی مثال ہے کہ۔

قوت جبریل از مطبخ نبود بود از دیدار خلاق وجود

یعنی قوت جبریل علیہ السلام کی کسی باورچیخانہ کی وجہ سے نہ تھی بلکہ اُس خلاق وجودات کے دیدار سے تھی مطلب یہ ہے کہ دیکھو جبریل علیہ السلام میں جو قوت ہے وہ کہیں اغذیہ مقوی کھانیکی وجہ سے تو نہیں ہے بلکہ وہ اُس دیدار حق کی وجہ سے ہے جو کہ اُن کی استعداد کے قابل ہے اُس سے ان کے اندر ایک بہت بڑی قوت تو یہ آگئی ہے جیسا کہ ظاہر ہے۔

ہمچنیں این قوت ابدال حق ہم زحق داں نز طعام و نز طبق

یعنی اسیطرح ابدال حق کی قوت کو بھی حق تعالیٰ کی طرف سے سمجھو نہ کہ طعام و طبق سے مطلب یہ ہے کہ بزرگان دین میں جو قوت اور ہمت ہوتی ہے وہ حق تعالیٰ ہی کیطرف سے ہوتی ہے کہ رات رات بھر جاگتے ہیں اسقدر مجاہدات کرتے ہیں اور پھر ویسے ہی کے ویسے رہتے ہیں بلکہ غذا میں تو بعض کم کر دیتے ہیں بس معلوم ہوا کہ یہ قوت اور نشاط کسی ایسی وجہ سے ہے جو کہ ظاہری نہیں ہے بلکہ حقیقی ہے اور وہ وہی ہے جو کہ حق کی وجہ سے ہو یہاں سے اولیاء اللہ اور بزرگان دین کی تعریف اور انکی

صفات کو بیان فرماتے ہیں اور آگے بھی یہی مضمون ہے فرماتے ہیں کہ

جسم شاں راہم زنور اسرشتہ اند　　تاز روح واز ملک بگذشتہ اند

یعنی ان حضرات کے جسم کو بھی نور ہی سے گوندھا ہے یہاں تک کہ وہ (دوسری) ارواح سے اور فرشتوں سے بھی بڑھ گیا مطلب یہ ہے کہ ان حضرات کے جسم میں ایسی لطافت اور نور ہوتا ہے کہ اتنی لطافت اور نور دوسروں کی روح میں اور فرشتوں میں بھی نہیں ہوتا حالانکہ وہ ارواح اور ملائک سراپا نور ہیں مگر انکی لطافت جسمی ان سے بدرجہا زیادہ ہوتی ہے تو پھر لطافت روحانی کا تو کچھ ٹھکانا ہی نہیں ہے اور یہ بات مشاہدہ سے معلوم ہوتی ہے اکابرین کے چہروں کو جسکا جی چاہے دیکھ لے خدا کی قسم بڑے بڑے حسین و جمیل اُن کے آگے جوتی کا تلا معلوم ہوتے ہیں خوب کہا ہے کہ

ے فدا مہ جبیں جن پہ سارے ہوئے ہیں　　اُنھیں کے تو ہم ہائے مارے ہوئے ہیں

ہمارے سامنے تو ایک چہرہ ہے کہ ساری عمر میں اسکو دیکھا ہے آنکھ کھولی اور ہوش سنبھالا تو خدا کا شکر ہے کہ وہی چہرۂ زیبا دیکھا ہے خدا کی قسم وہ حسن جو اُسمیں ہے کہیں ہم نے تو دیکھا نہیں اگر کسی اور نے دیکھا ہو تو وہ جانے سے

ہے شان محبوبیت بھی کامل محبیت کی صفت بھی حاصل　　کہاں ہو دکھلائے کوئی یکجا جمال ایسا کمال ایسا

وہ چہرہ اور روئے مبارک میرے بڑے ابا حضرت قبلہ وکعبہ مولانا المولوی الحاج الشاہ اشرف علی صاحب کا ہے جس کا دل چاہے دیکھ لے اور جس نے دیکھا جانتا ہے۔

جس نے بہ چشم نکتہ بیں دیکھ لیا وہ مہ جبیں　　اُس کی نظر میں پھر کہیں کوئی حسین جچا نہیں

اور تعجب ہے کہ

آں دل کہ رم نمودے با خوبرو جواناں　　دیرینہ سال پیرے بردے بیک نگاہے

صفت تحریر سے باہر ہے جو چاہے آکر دیکھ لے اور ان بڈھوں کو چاہے اور ان سے محبت کرے کہ چیڑی اور دودو کا مزہ آوے میں مقصود سے بہت دور ہوگیا مگر اسمیں بھی مجھے امید ثواب ہے غرضکہ مولانا کا مقصود یہ ہے کہ ان حضرات کا جسم بھی دیگر ارواح سے لطیف اور نورانی ہوتا ہے چونکہ یہاں ایک قسم کا تعجب ہوتا تھا کہ جسم روح سے بڑھ جاوے آگے اسکا جواب فرماتے ہیں کہ۔

چونکہ موصوفی باوصاف جلیل　　ز آتش نمرود بگذر چوں خلیل

یعنی جبکہ تم اوصاف جلیل سے موصوف ہو تو آتش نمرود سے حضرت خلیل اللہ کیطرح گذر جاؤ مطلب یہ ہے کہ جب تم اوصاف حق سے موصوف ہو چکے ہو اور بی ینطق و بی یبصر و بی یسمع کے مصداق بن گئے ہو پھر اگر روح و ملائک پر فوقیت حاصل ہوگئی تو کیا تعجب ہی تمہارے اوصاف وہ تمہارے نہیں وہ اوصاف حق ہیں جو تمہارے اندر جلوہ گر ہیں اور مراد اس سے وہی علیت مصطلحہ ہے کہ جب وہ حاصل ہوگئی تو پھر اور کسکی ضرورت ہے ؎

من توشدم تو من شدی من تن شدم توجاں شدی تاکس نہ گوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری

آتش نمرود سے مراد وہ مقتضیات ہیں جو کہ انسان میں بحیثیت انسان ہونے کے موجود ہوتے ہیں تو وہ بزرگوں میں بھی ہوتے ہیں مگر فرق اسقدر ہے کہ وہ حضرات ان سے مغلوب نہیں ہوتے بلکہ غالب رہتے ہیں اسی کو فرماتے ہیں کہ تم ان مقتضیات نفسانی سے حضرت خلیل اللہ علیہ السلام کیطرح گذر جاؤ کہ جس طرح انکو آتش نمرود مضر نہیں ہوئی اسی طرح تمکو ان کا وجود مضر نہ ہوگا اور تم غالب ہی رہوگے۔

گرد آتش بر تو ہم بردو سلام اے عناصر مر مزاجت را غلام

یعنی آگ تمہارے پر بھی ٹھنڈی اور سلامتی ہو جاوے گی اے وہ شخص کہ جس کی مزاج کے غلام عناصر ہو گئے ہیں۔ آتش سے مراد وہی مقتضیات نفسانی ہیں مطلب یہ ہے کہ جسطرح وہ آتش نمرود ان کے لئے بردو سلام ہو گئی تھی اور مضر نہ ہوئی اسیطرح یہ مقتضیات تم سے مغلوب رہیں گے اور تم انپر عمل سے سلامت رہوگے اور اگر کہیں یہ مقتضیات ہی فنا ہو جاویں تو پھر علو مراتب ہی کیوں ہو علو مراتب کا تو یہی سبب ہے کہ وہ موجود رہیں اور پھر نفس پر جبر کر کے ان سے رکتے ہیں اور چونکہ یہ سارے تقاضے ان عناصر اربعہ کے امتزاج سے ہی پیدا ہوتے ہیں اور وہ مقتضیات مغلوب ہو گئے ہیں تو گویا عناصر ہی مغلوب اور غلام ہو گئے ہیں اسلئے مولانا نے فرما دیا کہ اے عناصر مر مزاجت را غلام۔ سبحان اللہ سبحان اللہ۔

ہر مزاجے را عناصر مایہ است ویں مزاجت برتر از ہر پایہ است

یعنی ہر مزاج کے لئے عناصر ہی مایہ ہیں اور یہ تمہارا مزاج ہر مرتبہ سے بلند ہے مطلب ظاہر ہے کہ آپ کا مزاج ان اسباب ظاہری کا محتاج نہیں ہے۔

ایں مزاجت در جہان منبسط وصف وحدت را کنوں شد ملتقط

یعنی تمہارا یہ مزاج جہان کشادہ میں ہر اب وصف وحدت کا خوشہ چیں ہو گیا ہے مطلب یہ ہے کہ

تمہاری طبیعت جو کہ اس عالم بالا کی طرف متوجہ ہے اور اس وحدہٗ لاشریک میں غرق ہے اس لئے وہ اس وصف وحدت سے اقتباس کر رہا ہی۔

اے دریغا عرصۂ افہام خلق سخت تنگ آمد ندارد خلق حلق

یعنی افسوس مخلوق کے افہام کا میدان سخت تنگ ہو گیا ہے اور مخلوق حلق نہیں رکھتی مطلب یہ ہی کہ دیکھو اولیاء اللہ میں صفات ہیں مگر لوگ نہیں سمجھتے اور علوم و معارف کو حاصل نہیں کرتے حلق سے مراد قبولیت ہے یعنی مخلوق کے وہ حلق جو کہ ان علوم و معارف کے کھانے کے لئے ہیں بہت تنگ ہو گئے ہیں اور استعدادیں بہت ہی ضعیف ہو گئی ہیں چونکہ لوگوں کی استعداد کے ضعیف ہونے پر افسوس کیا ہے لہذا آگے مولانا حسام الدینؒ کو اس طرف متوجہ کرتے ہیں اور فرماتے ہیں۔ کہ

اے ضیاء الحق بحذق رائے تو حلق بخشد سنگ را حلوائے تو

یعنی اے ضیاء الحق۔ آپکی حذاقت رائے کی وجہ سے آپ کا حلوا پتھر کو حلق بخشتا ہے حلوے سے مراد علوم و معارف ہیں مطلب یہ ہے کہ آپ کی علوم و معارف کی وہ برکت ہے کہ آپ تو پتھر میں بھی قابلیت پیدا کر دیں اور وہ بھی اقتباس علوم معارف کرنے لگے تو پھر اگر آپ توجہ کریں تو قلوب انسانی کو تو کیوں متاثر نہیں کر سکتے انکو تو ذرا سی توجہ سے قابل بنا سکتے ہیں اور اُن کی استعداد کو قوی فرما سکتے ہیں بس ذرا سی توجہ کی ضرورت ہے چونکہ یہ شبہ ہوتا تھا کہ بھلا پتھر کے بھی کہیں منہ ہوا ہی تو آگے اس استبعاد کو دور فرماتے ہیں کہ۔

کوہ طور اندر تجلی حلق یافت تا کہ می نوشید و می را برنتافت

یعنی کوہ طور نے تجلی کے وقت حلق پایا یہاں تک کہ شراب پی اور اسکو برداشت نہ کر سکا تو نتیجہ یہ ہوا کہ

صار دکا منہ وانشق الجبل ھل رأیتم من جبل رقص الجمل

یعنی وہ پہاڑ اس سے ٹکڑے ہو گیا اور پہاڑ پھٹ گیا تو کیا تم نے پہاڑ سے جمل جیسا رقص دیکھا ہی حلق سے مراد استعداد و قابلیت ہے تو مطلب یہ ہے کہ دیکھو تجلی حق جب پہاڑ پر ہوئی تو آخر اسکے اندر استعداد قبولیت تھی جب تو متاثر ہوا اگرچہ برداشت نہ کر سکا مگر آخر قبول تو کیا تو دیکھو پتھر میں قبول حق کی استعداد ہو گئی تو چونکہ آپکی شان بی ینطق و بی یبصر و بی یسمع کی ہو گئی ہے تو آپ کا توجہ فرمانا گویا کہ توجہ حق ہے لہذا اس وجہ سے ضرور قلب انسانی میں قابلیت پیدا ہو جاویگی اور قبول

حق کریں گے آگے فرماتے ہیں کہ۔

لقمہ بخشی آید از ہر کس بکس　　حلق بخشی کار یزدانست و بس

یعنی لقمہ بخشی تو ہر شخص سے دوسرے شخص کو آتی ہے مگر حلق بخشی حق تعالیٰ ہی کا کام ہے اور یہ مطلب یہ ہے کہ انسان دوسرے کو لقمہ تو سے بھی دیتا ہے اگرچہ سبب ہی کے درجہ میں سہی مگر ہو تو سکتا ہے مگر حلق تو کوئی بھی کسی کو نہیں بخش سکتا یہ قدرت تو حق تعالیٰ ہی کو ہے کہ اس لقمہ کے کھانے کے لئے حلق بھی عطا ہوا ہے اور چونکہ اولیاء اللہ کے تمام افعال و صفات فنا فی الحق ہوتے ہیں اس لیئے ان کا توجہ کرنا بھی توجہ حق ہے اور چونکہ حلق بخشی حق تعالیٰ کے سوا کسی اور کا کام نہیں ہے اس لیئے گویا کہ ان حضرات کا کام بھی حلق بخشی ہے اور ان کی وجہ سے بھی استعداد و قابلیت پیدا ہو سکتی ہے اور یہی حلق ہے آگے فرماتے ہیں کہ

حلق بخشد جسم را و روح را　　حلق بخشد بہر ہر عضوت جدا

یعنی جسم کے لیئے بھی اور روح کے لیئے بھی حلق عنایت فرماوے گا اور تیرے ہر عضو کے لیئے جدا گانہ حلق بخشیگا مطلب یہ ہے کہ وہ توجہ جسکو کہ حلوے سے تعبیر کیا ہے وہ تمہارے جسم کے اندر بھی قابلیت اسکی استعداد کے موافق رکھ دیگی اور روح کے اندر بھی بلکہ ہر ہر عضو میں قابلیت پیدا ہو جاویگی اور ہر ہر عضو اپنے اپنے مناسب غذا لیگا مگر اس کے لیئے ایک شرط ہے آگے اس شرط کو بیان فرماتے ہیں۔

این گہے بخشد کہ اجلالی شوی　　از دغا و از دغل خالی شوی

یعنی یہ اسوقت عنایت ہوں گے جب کہ تم اجلالی ہو جاؤ گے اور دغا و دغل سے خالی ہو جاؤ گے مطلب یہ ہے کہ یہ قابلیت قبول اسوقت حاصل ہوگی جبکہ تم مجاہدات و ریاضات کرتے کرتے اللہ والے ہو جاؤ گے اور اسی میں فنا ہو جاؤ گے اور تمام اخلاق ذمیمہ سے خالی ہو جاؤ گے اسوقت وہ قابلیت پیدا ہو جاویگی اور اس استعداد مخفی کا ظہور ہو جاوے گا آگے اس کی مصلحت بتاتے ہیں۔

تا نگوئی سر سلطاں را بکس　　تا نریزی قند را پیش مگس

یعنی تاکہ تم اسرار سلطانی کو کسی سے ظاہر نہ کرو اور تاکہ قند کو مکھی کے سامنے نہ ڈالو مطلب یہ ہے کہ مجاہدات میں یہ فائدہ ہے اور یہ مصلحت ہے کہ اس سے رفتہ رفتہ تمکو علوم و معارف کے حاصل

کرنے کی عادت ہو جاویگی اور اسکی ضبط پر بھی قدرت ہوگی تو پھر جو ملیگا اسکو گاتے نہ پھروگے ورنہ
اگر اس سے پہلے ہی ملجاوے گا تو ظرف تو اس قابل ہے نہیں سارے میں گاتے پھروگے اور اس سے
غیرت حق جوش میں آتی ہو کہ یہ ہمارے اسرار کو ظاہر کرتا پھرتا ہے نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ فیض بند ہو
جاوے گا اور کیوں غیرت نہ ہو جبکہ ان محبوبان مجازی کو غیرت آتی ہے تو اُن کو تو کیوں غیرت نہ آویگی
اور بیان اسرار سے مراد علوم مکاشفہ ہیں کہ اُن کے اظہار سے غیرت حق جوش میں آتی ہے جیسے
کہ مثلاً مسئلہ وحدت الوجود ہے یا اور اسی قسم کے مسئلے ہیں کہ ان کے اظہار سے بعض مرتبہ بہت نقصان
ہو جاتا ہے اور لوگ کم فہمی کی بدولت ایمان کھو بیٹھتے ہیں اور علوم معاملہ کو تو برسر ممبر بآواز دہل بیان
کرنا فرض ہی اور علوم مکاشفہ کو بھی اگر کوئی کماحقہ بیان کر سکتا تو اُن کی بھی یقیناً اجازت ہوتی مگر
بات یہ ہے کہ مسائل کشفیہ کو کوئی پوری طرح بیان ہی نہیں کر سکتا اور اس سے غلط فہمی ہو جاتی ہی
بس یہ تو جو دیکھے وہی جانے اگر معلوم کرنے کا شوق ہے تو کام میں لگو پھر دیکھو کہ ؎

بینی اندر خود علوم انبیاءؑ بے کتاب و بے معید و اوستا

ہاں اگر کسی کو کشف اجمالی ہوا ہو اور وہ پوچھے تو اس کے سامنے پوری تفصیل بیان کر دینا ضروری
ہے اور جسکو خود کشف نہیں ہوا بلکہ محجوب ہے اُس کے سامنے بیان کرنا تو سچ یہ ہی کہ مکھی کے آگے
قند ڈالدینا ہی ہے کہ فضول محض ہی کوئی فائدہ ہی نہیں ۔

گوش آنکس نوشد اسرار جلال کو چو سوسن صد زبان افتاد لال

یعنی اس شخص کا کان اسرار حق کو سن سکتا ہی جو کہ سوسن کی طرح سو زبان والا ہے مگر خاموش
پڑا ہوا ہے چونکہ سوسن میں کٹاؤ ہوتے ہیں انکو زبان سے تشبیہہ دیدی تو مطلب یہ ہے کہ وہ شخص اور
باتوں میں خوب بولنے والا ہو مگر بوجہ ضبط کے اسرار حق کو بیان نہ کرے وہ سن سکتا ہی ورنہ غیرت حق
اس شخص کو ہرگز نہ سناویگی بلکہ ممکن ہی کہ پہلا بھی سلب ہو جاوے لال ودتر کی بمعنی گنگ ۔ آگے
مولانا فرماتے ہیں جس کا حاصل یہ ہی کہ کچھ انسان ہی کے ساتھ حلق کا ہونا اور استعداد قبول خاص نہیں ہی
بلکہ تمام اکوان عالم اپنی مناسب اشیاء کو قبول کر رہی ہیں اور ایک دوسرے کو کھا رہی ہیں اور ایک
دوسرے سے مستفیض ہو رہی ہیں فرماتے ہیں کہ ۔

حلق بخشد خاک را لطف خدا تا خورد آب و روید صد گیا

یعنی لطف حق خاک کو خلق بخشتے ہیں یہاں تک کہ وہ خاک پانی کو پیتی ہے اور سیکڑوں سبزی اس سے اگتی ہیں

باز حیواں را بہ بخشد حلق ولب　　تا گیاہش را خورد اندر طلب

یعنی پھر حیوان کو حلق اور لب بخشتے ہیں یہاں تک کہ وہ اس گھاس کو طالب ہو کر کھا لیتا ہے

چوں گیاہش خورد و حیواں گشت زفت　　گشت حیواں لقمۂ انسان ورفت

یعنی جب اس نے اس کی گھاس کو کھایا اور وہ جانور موٹا ہوگیا تو وہ حیوان انسان کا لقمہ ہوگیا اور (پیٹ میں) چلا گیا یعنی اسکو انسان کھا گیا۔

باز خاک آمد شد از کان بشر　　چوں جدا شد از بشر روح وبصر

یعنی پھر خاک آئی اور بشر کو کھا گئی جبکہ بشر سے روح اور بصر جدا ہوئی غرضکہ سب ایکدوسرے کو کھا رہے ہیں اور اپنے مناسب غذا حاصل کر رہے ہیں آگے فرماتے ہیں کہ

ذرہ ہا دیدم دہاں شاں جملہ باز　　گر بگویم خوردشاں گردد دراز

یعنی میں نے ذروں کو دیکھا ہے کہ ان سب کے منہ کھلے ہوئے تھے اور اگر میں ان سب کی خوراک کو بیاں کروں تو بہت دراز ہو جائے۔ بات یہ ہے کہ یہ تو ظاہر ہے کہ ہر شئے اپنے لائق غذا حاصل کرتی ہے تب تو وہ قائم ہے ورنہ ہلاک ہو جاوے اسلئے مولانا فرماتے ہیں کہ میں نے ہر ذرہ کو دیکھا ہے کہ وہ منہ کھولے ہوئے تھا اور اپنی اپنی غذا حاصل کر رہا تھا مگر بوجہ خوف طویل کتاب کے اُن سب کی خوراک وغیرہ کے بیان کو ترک کرتا ہوں اللہ اکبر معلوم ہوتا ہے کہ مولانا کی نظر میں بہت ہی بیان اس کے مناسب تھا مگر خوف طویل نے چھوڑا دیا سچ یہ ہے کہ اسقدر قادر علی الکلام ہیں کہ کچھ انتہا ہی نہیں ایک مرتبہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نے چلنی کا وعظ فرمایا تھا یعنی جسطرح کہ مولانا روم نے سب کے لیے حلق ثابت کئی ہیں اسی طرح مولانا نے سب چیزوں کے لیۓ چلنی ثابت کی تھی یعنی ہر شئے کے لیۓ ایک ایسی چیز ہوتی ہے کہ جس سے اُس کے فضلے نکل جاتے ہیں اور جوہر رہ جاتا ہے۔ اُسی میں یہ بھی فرمایا تھا کہ اس زمین کی بھی ایک چلنی ہوگی کہ اُسمیں اسکو چھانا جاوے گا اس لیۓ کہ حدیث میں ہے کہ قیامت کے روز اس زمین کی ایک روٹی پکائی جاویگی اور وہ اہل جنت کو نزل ملیگی اس کے بعد جنت کی غذائیں ملیں گی تو اسپر یہ شبہ ہوتا تھا کہ اسمیں تو یہ اینٹ پتھر بھرے پڑے ہیں کیا حق تعالیٰ جنت والوں کو یہ کھلادینگے مولانا نے اس شبہ کو زائل فرمایا اُسی وعظ میں فرمایا کہ دیکھو تمہارے یہاں کوئی مہمان آتا ہے تو کیا

اُسکو آٹا بے چھانے ہوئے روٹی کھلا دیتے ہو ہرگز نہیں بلکہ خوب صاف کرکے عمدہ روٹی پکاکر کھلاتے ہو تو اسی طرح کیا حق تعالیٰ اپنے مہمان بندوں کو بے چھانے کھلاویں گے۔ ہرگز نہیں بلکہ قدرت حق سے اس کے چھاننے کی ایک چلنی پیدا ہوگی اس سے چھانکر کنکر پتھر الگ کردیئے جاویں گے اور عمدہ اصل چیزیں جو اسمیں مخفی ہیں وہ کھلائی جاویں گی اسلیئے کہ جسقدر میوے ہیں اور جسقدر دانے ہیں یہ آخر خاک ہی تو ہیں وہ ہی مستحیل ہوکر اس صورت میں ہو جاتے ہیں تو حق تعالیٰ اس چلنی میں اسکو چھانکر ان میووں وغیرہ کو جو لطیف چیزیں ہیں باقی رکھیں گے اور ان فضلات کو نکالکر باہر کریں گے اسمیں ایک مصلحت یہ بھی ہے کہ دنیا میں بعض اللہ کے بندوں نے لذائذ کو خدا واسطے چھوڑ دیا ہے تو ان کو چونکہ جنت کی چیزوں کا دنیا کی لذائذ سے موازنہ ہی نہ ہو سکتا تھا لہذا حق تعالیٰ نے انکو اول دنیا کی ساری چیزوں کے مزے چکھادیگے کہ دیکھ لو یہ وہ دنیا کی لطیف اشیاء ہیں سے لب لباب ہیں اس کے بعد جنت کی نعمتوں کی قدر ہوگی تو دیکھو اول خاک نے انسان کو کھایا پھر خود انسان نے اس خاک کو کھالیا غرضکہ یوں ہی سلسلہ جاری ہے اور لیجئے فرماتے ہیں۔

برگہا را برگ از انعام او دایگاں را دایہ لطف عام او

یعنی پتوں کو غذا اُن کے انعام سے حاصل ہوتی ہے اور دایوں کے لیئے اُسکا لطف عام دایہ ہے دایہ سے مراد مربی مطلب یہ ہے کہ مربیوں کے لیئے بس وہی مربی ہیں غرض ہر شئے کو اُس کے لیئے حلق دیا ہے کہ اُس سے وہ غذا حاصل کر رہی ہے۔

رزقہا را رزقہا او می دہد زانکہ گندم بے غذائے چوں زہد

یعنی رزق کو رزق وہی دیتے ہیں اسلیئے کہ گندم بے غذا کے کب جوش مارتا ہے مطلب یہ ہے کہ دیکھو سب اغذیہ کو دیکھ لو اول اُن کی تربیت کے لیئے غذا کی ضرورت ہوتی ہے تب وہ غذا بن سکتی ہیں تو غذا کو غذا دینا یہ اُس ذات حق ہی کا کام ہے۔

نیست شرح ایں سخن را منتہی پارۂ گفتم بداں زاں پارہا

یعنی اس بات کی شرح کی تو کہیں انتہا ہی نہیں میں نے ایک پارہ بیان کردیا اس سے اور پارے جان لو یعنی ہم نے تھوڑے سے حالات اور ان کی اغذیہ بیان کردی ہیں مگر اور کہاں تک بیان کریں بس خود قیاس کر لو

جملہ عالم آکل و ماکول داں باقیاں را مقبل و مقبول داں

یعنی تمام عالم کو آکل و ماکول جانوں اور باقیوں کو مقبل و مقبول جانو مطلب یہ کہ تمام ایک دوسرے کو کھا رہا ہے جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے مگر جو کہ مقبولان حق ہیں وہ کسی کی غذا نہیں بنتا اسلیئے کہ وہ تو نور اور روح ہوتے ہیں انکو کون کھا سکتا ہے۔

ایں جہان و ساکنانش منتشر — واں جہان و ساکنانش مستمر

یعنی یہ جہاں اور اس کے ساکنین تو پراگندہ اور وہ جہاں اور اسکے ساکنین مستمر ہیں مستمر سے مراد لا تنفد عند حد ہے اس لیئے کہ وہ عالم تو ابدی ہے اگرچہ ازلی نہیں بلکہ انسان بھی ابدی ہے بعض لوگ تو اسکے قائل ہیں کہ نفخ صور کے وقت بھی انسان فنا نہ ہوگا بلکہ بیہوش ہو جاوے گا اور بعض کہتے ہیں کہ فنا ہوگا مگر بہت قلیل عرصہ کے لیئے جسکا کہ اعتبار نہیں ہی تو معلوم ہوگیا کہ وہ جہان ابدی ہے لہذا اُس کے ساکنین بھی مستمر لا تقفون عند حد ہوں گے۔

ایں جہان و عاشقانش منقطع — اہل آں عالم مخلد مجتمع

یعنی یہ جہان اور اُس کے دلدادہ سب منقطع ہیں اور اُس عالم والے ہمیشہ رہنے والے مجتمع ہیں جب اُس عالم کی یہ حالت ہے اور اسکی یہ تو اسپر تفریح فرماتے ہیں کہ۔

پس کریم آنست کو خود را دہد — آب حیوانے کہ ماند تا ابد

یعنی پس کریم وہ ہے جو کہ اپنے کو وہ آب حیوان دے جو کہ ابد الاباد تک رہے آگے اس آب حیوانی کی تفسیر فرماتے ہیں کہ

باقیات الصالحات آمد کریم — رستہ از صد آفت و اخطار و بیم

یعنی باقیات الصالحات کریم ہیں سیکڑوں آفتوں اور خطروں اور خوف سے چھوٹے ہوئے ہیں یعنی جو لوگ کہ کریم ہیں وہی باقیات الصالحات ہیں جن کی شان میں ارشاد ہے والباقیات الصالحات خیر عند ربك ثوابا و خیر املا اور یہ لوگ سارے مصائب دنیاوی سے چھوٹے ہوئے ہیں اور حالت یہ ہے کہ

گر ہزار اند یک تن بیش نیست — چوں خیالات عدد اندیش نیست

یعنی اگر وہ ہزار بھی ہیں تو ایک تن سے زیادہ نہیں ہیں وہ مثل خیالات عدد اندیش کے نہیں ہیں مطلب یہ ہے کہ جس طرح کہ عدد اندیش کے خیالات پراگندہ ہوتے ہیں اسطرح یہ حضرات پراگندہ نہیں ہیں بلکہ انکو جمعیت قلب حاصل ہے اور ان کو پریشانی آتی ہی نہیں۔

آکل و ماکول را حلق است و نائی — غالب و مغلوب را عقل است و رائی

یعنی آکل و ماکول کے لیئے تو حلق اور بنائے ہیں اور غالب و مغلوب کے لیئے عقل ورائے ہیں یعنی جو لوگ کہ دنیادار ہیں وہ تو آکل و ماکول ہیں اور اُن کے لیئے تو حلق ہے اور جو غالب و مغلوب ہیں وہ عاقلین اور رائے والے ہیں

حلق بخشید او عصائے عدل را خورد او چندان عصا و حبل را

یعنی حق تعالیٰ نے عصائے عدل کو حلق بخشا تو اسنے اتنے عصا و حبل کو کھالیا مطلب یہ کہ اُس کے اندر اسقدر قوت عطا فرمادی کہ اُسنے سب کو باطل کردیا۔

واندروں افزوں نشد زاں جملہ اکل زانکہ حیوانی نبودش اکل و شکل

یعنی اُس عصا کے اندر اُس سارے کھانے سے کچھ زیادتی نہیں ہوئی اسلیئے کہ اُسکا کھانا اور اُسکی شکل حیوانی نہ تھی مطلب یہ کہ دیکھو اُسنے اسقدر چیزیں کھائیں مگر اُس کے اندر زیادتی نہ ہوئی مثلاً اُسکا پیٹ ہی پھول جاتا لیکن چونکہ اُس کی اکل و شکل انسانی نہ تھی اس کے یہ معنی نہیں کہ وہ اژدہا ہی نہ بنا تھا اور وہ صرف خیال تھا جیسا کہ بعض عقلاء زماں کا بیان ہے بلکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ سانپ ہی تھا اور اُسنے کھایا بھی مگر وہ کھانا اُسکا اکل حیوانی کے مشابہ نہ تھا کہ اس سے اسکے اندر کچھ زیادتی بھی ہوتی بلکہ وہ رہا تو ویسا کا ویسا ہی بان کھا گیا سب کچھ۔

مر یقین را چوں عصا حق حلق داد تا بخورد او ہر خیالے را کہ زاد

یعنی یقین کو بھی حق تعالیٰ نے ایک حلق دیا ہے یہاں تک کہ وہ ہر اس خیال کو کھا گیا جو کہ پیدا ہوا تھا مطلب یہ ہے کہ یقین کو حق تعالیٰ نے ایک قوت عطا فرمائی ہے کہ اس کے آتے ہی سارے شکوک زائل آگے تفریع فرماتے ہیں۔

پس معانی را چو اعیاں حلقہاست رازق حلق معانی ہم خداست

یعنی پس معانی کیلئے بھی اعیان کیطرح حلق ہیں اور حلق معانی کا رازق بھی خدا ہی ہے ان کو بھی قوت حق تعالیٰ ہی عنایت فرماتے ہیں آگے دوسری تفریع فرماتے ہیں کہ

پس ز ماہی تا بمہ از خلق نیست کہ بجذب مایہ او را حلق نیست

یعنی پس ماہی سے ماہ تک کوئی خلق نہیں ہے جسکے پاس جذب مایہ کے لیئے حلق نہیں ہے مطلب یہ کہ ماہی سے لیکر ماہ تک سب چیزوں کے اندر استعداد موجود ہے کہ وہ اقتباس علوم کرسکیں آگے پھر اوپر کے مضمون کی طرف رجوع ہے اوپر کہا تھا کہ اِبن سے نجشند کہ احلالی شوی آگے اس طرف رجوع فرماتے ہیں

حلق نفس از وسوسہ خالی شود میہمان وحی اجلالی شود

یعنی نفس کا حلق وسوسہ سے خالی ہوجاوے گا اور وحی اجلالی کا میہمان ہوجاوے گا مطلب یہ کہ ان علوم

ومعارف کے لیئے شرط مجاہدہ ہے اور اس سے یہ نتیجہ ہوگا کہ نفس تمام وساوس سے خالی ہو جاوے گا اور اُسکو لطف وحی حاصل ہو جاوے گا اور اُسکو مناسبت عالم بالا کی ساتھ ہو جاویگی اور یہ نتیجہ ہوگا۔

حلق جاں از فکر تن خالی شود　　انگہے روزیش اجلالی شود

یعنی حلق جان تن کی فکر سے خالی ہو جاوے گا اور اسوقت اسکی روزی اجلالی ہو جاویگی جان سے مراد نفس ہے مراد یہ ہے کہ جب مجاہدہ وریاضت کروگے تو پھر اس فکر تن سے خالی ہو کر تمہاری روزی اجلالی ہو جاوے گی۔

حلق عقل و دل چو خالی شد ز فکر　　یافت او بے ہضم معدہ رزق بکر

یعنی عقل اور دل کا حلق جب فکر (تن) سے خالی ہوگیا تو اُس نے بے ہضم معدہ کے رزق نو بنو پائے مطلب یہ ہے کہ جب مجاہدات وریاضات سے حق تعالیٰ نے ان اسباب کی فکر سے تمکو چھڑا دیا تو پھر تمکو نئے نئے تازہ بتازہ علوم ومعارف حاصل ہونگے اور یہ ضرور نہیں ہے کہ پہلے علوم تحلیل ہوں تب دوسری حاصل ہوں جیساکہ غذای ظاہری میں ہوتا ہی اسمیں یہ ہو کہ بے تحلیل غذائے ماقبل کے اور نئی اور تازہ غذا حاصل ہوتی ہے اور علوم ومعارف حاصل ہوتے ہیں اور یہ معلوم ہی ہے کہ مجاہدہ کی ضرورت ہے لہذا اس شرط کو پھر تنبیہ کرنے کے لئے فرماتے ہیں کہ۔

شرط تبدیل مزاج آمد بداں　　کز مزاج بد بود مرگ بداں

یعنی اس کی شرط تبدیل مزاج ہے اسکو جان لو کیونکہ مزاج بد کی وجہ سے برے لوگوں کی موت ہوتی ہے مطلب یہ کہ مجاہدات وریاضات کرنا ضروری ہیں کہ اُن کے ذریعہ سے مزاج بدلجاوے اور سئیات حسنات ہو جاویں اسلیئے کہ برا مزاج یعنی سئیات تو بہت بری شئے ہے آگے اس مزاج کے خراب ہو جانیکی خرابی کی ایک مثال دیتے ہیں کہ۔

چوں مزاج آدمی گل خوار شد　　زرد و بد رنگ و سقیم و خوار شد

یعنی آدمی کا مزاج جب گلخوار ہوگیا تو وہ زرد اور بد رنگ اور بیمار اور ذلیل ہوگیا۔

چوں مزاج زشت او تبدیل یافت　　رفت زشتی وال رخش چوں شمع تافت

یعنی جب کہ اُسکے مزاج زشت نے تبدیلی پائی تو اسکی زشتی جاتی رہی اور شمع کی طرح چمک گیا مطلب یہ کہ دیکھو جب انسان مٹی کھانے لگتا ہے تو اُس کی رنگت اور رونق روح سب خراب ہو جاتی ہے اور جب یہ

عادت بد چھوٹ جاتی ہے تو پھر چہرہ پر وہی رونق وہی تازگی آجاتی ہے اسی طرح جب قلب انسانی خراب ہوجاتا ہے تو اسکی استعداد مکدر اور خراب ہوجاتی ہے اور جب مجاہدہ سے اسمیں تبدیل ہوجاتا ہے اور دل درست ہوجاتا ہے تو وہ استعداد چمک اٹھتی ہے اور اسمیں رونق اور تازگی ہوجاتی ہے آگے اور مثال ہے کہ۔

دایۂ کو طفل شیر آموز را تا بہ نعمت خوش کند بدفوز را

یعنی طفل شیر خوار کی وہ دایہ کہاں ہے کہ نعمت سے اس بد دہن کو خوش کر دے

دایۂ کو شیر خوارہ طفل را تا ز نعمتہا کند اورا غذا

یعنی طفل شیر خوار کی وہ دایہ کہاں ہے جو کہ اس کی غذا نعمتوں سے کر دے یعنی اسکو نعمتیں علاوہ دودہ کے پلاوے مطلب یہ ہے کہ ایسا مربی کہاں ہے کہ جو ہمکو اس عالم کی ظاہری نعمتوں سے چھڑا کر اس عالم کی حقیقی نعمتیں دیدے

گر بہ بندد راہِ یک پستاں بر و برگشاید راہ صد بستاں برو

یعنی اگر وہ ایک پستان کی راہ کو بند کر دے تو سیکڑوں باغوں کا راستہ کھولدے مطلب یہ کہ دیکھو ماں اگرچہ دودھ چھڑاتی ہے اور بچہ روتا ہے مگر وہ نہیں دیتی اسکی وجہ یہ ہے کہ وہ یہ چاہتی ہے کہ اب اسکا دودھ چھوٹے تو یہ ساری نعمتیں کھانے لگے روٹی بھی کھاوے میوے بھی کھاوے تو اگرچہ ایک پستان سے اسکو روک رہی ہے مگر انجام کار یہ روکنا باعث ہوجاویگا لاکھوں نعمتوں کے کھانیکا ورنہ ساری عمر ایک ہی چیز کو لیئے بیٹھے رہتے تو اسیطرح شیخ اور مربی اگرچہ بظاہر دنیا کو چھڑا رہا ہے مگر یہ تو دیکھو کہ وہ اسکی عوض میں کیا دے رہا ہے وہ اُس کی عوض میں اس عالم کی باغ و بہار اور جنت دے رہا ہے۔

زانکہ پستاں شد حجابِ آں ضعیف از ہزاراں نعمت و خوانِ رغیف

یعنی اسلیئے کہ پستان اس ضعیف کے لیئے حجاب ہو رہا ہے ہزاروں نعمتوں سے اور خوانوں سے اور روٹیوں سے بس اگر یہ دودھ چھوٹ جاوے یقیناً وہ نعمتیں حاصل ہوں تو اسی طرح جب اس دنیا سے ترک تعلق ہو تب اُس عالم کی نعمتیں نصیب ہوں اسپر تفریع فرماتے ہیں۔

پس حیاتِ ماست موقوفِ فطام اندک اندک جہد کن تم الکلام

یعنی بس ہماری حیات اصلی فطام پر موقوف ہے تو تھوڑی تھوڑی کوشش کرو بات پوری ہوچکی مطلب یہ ہے کہ اب معلوم ہوگیا کہ ہماری اُس عالم کی حیات ابدی اور اصلی کا حصول اسپر موقوف ہے کہ اس دنیاوی تعلقات کو چھوڑا جاوے جب یہ بات ہے تو خیر ایکدم سے تو کیا ترک کروگے تھوڑا تھوڑا

چھوڑدو کہ تم کو اس میں آسانی ہوگی ورنہ ایکدم بوجھ پڑ جاوے گا۔ سبحان اللہ کیا آسانی ہے بزرگان دین معاصی کو تو ایک دم سے ہی فرماتے ہیں کہ قطع کردو مگر جو اور تعلقات مباحہ ہیں ان کو خیر تھوڑا تھوڑا ہی کر کے چھوڑ دو اول کم کرو پھر چھوڑ دو اسلئے کہ اس عالم کی نعمتیں اور اس عالم کی لذات اُس عالم کے سامنے بالکل ہیچ ہیں لہذا انکو ترک کر کے اُن کو اختیار کرو آگے مثال فرماتے ہیں کہ۔

چوں جنیں بُد آدمی خوں بُد غذا   از نجس پاکی برد مومن کذا

یعنی آدمی جنین کیطرح تھا اور خون غذا تھی تو مومن نجس سے اسی طرح پاکی لیلیا کرتا ہے مطلب یہ کہ جس طرح کہ جنین خون کھاتے کھاتے غذا خور ہوگیا اسیطرح مومن بھی اپنے نفس کی مخالفت کر کے اور مجاہدہ وریاضت کر کے ملکات سیئہ کو حسنہ بنالیا کرتا ہے۔

چوں جنیں بُد آدمی خونخوار بود   بود او را بود از خون تار و پود

یعنی جب آدمی جنین تھا تو خونخوار تھا اور اس کی ہستی کے لیئے خون ہی سے تار و پود تھا یعنی اسی سے پرورش پاتا تھا۔

از فطام خوں غذایش شیر شد   وز فطام شیر لقمہ گیر شد

یعنی خون کے چھوٹنے سے اُس کی غذا دودھ ہوئی اور دودھ کے چھوٹنے سے وہ لقمہ گیر ہوگیا یعنی دوسری غذا کھانے لگا۔

از فطام لقمہ لقمانے شود   طالب و مطلوب پنہانے شود

یعنی لقمہ کے چھوٹنے سے ایک لقمان ہوگیا اور ایک مطلوب پوشیدہ کا طالب ہوگیا لقمہ سے مراد تعلقات دنیاوی ہیں اب مطلب یہ ہوا اول انسان حالت جنین ہونے میں نجس خوار تھا اُس کے بعد شیر خوار پھر غذا خوار ہوگیا اور اُس کے کسب میں بہت سے تعلقات دنیاوی پیدا ہوئے جب اُن سب تعلقات کو ترک کردیا اب یہ کامل ہوگیا اور طالب حق ہوگیا آگے انسان کے اس دنیا سے خوش ہونے اور اسمیں دل لگانیکی اور اُس عالم سے گھبرانے اور اکتانے کی ایک بہت عجیب اور نفیس مثال فرماتے ہیں۔

گر جنیں را کس بگفتے در رحم   ہست بیروں عالمی بس منتظم

یعنی اگر جنین سے کوئی رحم میں کہتا کہ (رحم کے) باہر ایک بہت نفیس عالم ہے۔

یک زمین خرمے با عرض و طول   اندر و بس نعمت و بیدا کول

یعنی ایک زمین خوش ہی ساتھ عرض و طول کے کہ اسمیں بہت نعمتیں ہیں اور بیحد غذائیں ہیں۔

کوہ ہا و بحر ہا و دشتہا بوستاں ہا باغہا و کشتہا

یعنی (اسمیں) پہاڑ ہیں اور دریا ہیں اور جنگل ہیں اور بہت سے باغ ہیں اور کھیتیاں ہیں

آسمانے بس بلند و پر ضیا آفتاب و ماہتاب و صد سہا

یعنی ایک آسمان ہے بہت بلند اور پر ضیا اور آفتاب ہے اور ماہتاب ہے اور سیکڑوں ستارے ہیں

از شمال و از جنوب و از دبور باغہا دارد عروسیہا و سور

یعنی باد شمال اور جنوب اور دبور سے باغ بہار رکھتے ہیں اور خوشیاں یعنی ان کی وجہ سے سب ہرے بھرے ہیں۔

در صفت ناید عجائبہای آں تو دریں ظلمت چہ در امتحاں

یعنی اُس کے عجائبات بیان میں نہیں آتے تو اس ظلمت کے اندر کیا مصیبت میں پڑا ہوا ہے۔

خوں خوری در چار میخ تنگنا درمیان حبس و انجاس و عنا

یعنی تو اس چار میخ تنگنا میں خون کھاتا ہے اور اس حبس میں اور نجاستوں میں اور مشکلوں میں پھنسا ہوا ہے جب کوئی اُسکو یہ کہے اور اُسکو اس جہان کا شوق دلادے تو اسکا نتیجہ یہ ہوتا کہ

او بحکم حال خود منکر بُدے زیں رسالت معرض و کافر شدے

یعنی اپنی حالت کی اقتضا کی وجہ سے منکر ہوتا اور اس پیغام سے معرض اور منکر ہوتا مطلب یہ کہ وہ یقیناً اسکا انکار کرتا اور کہتا کہ۔

کایں محالست و فریبست و غرور زانکہ وہم کور زیں معنی است دور

یعنی کہ یہ محال ہے اور فریب ہے اور دھوکہ ہے (اور اسکا یہ انکار) اسلیئے ہے کہ اس اندھی فکر ان معانی سے دور ہے وہ ان باتوں کا ادراک کیا تصور بھی نہیں کرسکتا۔

جنس چیزے چوں ندید ادراک او نشنود ادراک منکر ناک او

یعنی اُس کے ادراک نے جب کسی شئے کی جنس کو دیکھا ہی نہیں تو اسکا ادراک انکار مند اسکو سنو ہی گا نہیں مطلب یہ کہ وہ اُسکو قبول ہی نہیں کرسکتا اور وہ یہی خیال کرے گا کہ سب خیالی امور ہیں واقعی کچھ بھی نہیں ہیں۔

ہمچنانکہ خلق عام اندر جہاں   زاں جہاں ابدال میگویند شاں

یعنی اسی طرح عوام خلق جہان میں ہے کہ اُس جہان سے ابدال اُن سے کہہ رہے ہیں کہ

کایں جہاں چاہست بس تاریک و تنگ   ہست بیروں عالمی بے بود رنگ

یعنی کہ یہ جہان (دنیا) ایک چاہ تاریک و تنگ ہے اور اس سے باہر ایک عالم ہے بے بو اور رنگ کا کہ اس میں لون ہے اور نہ بو ہے تو اس عالم کی طرف حضرت اولیاء اللہ بلاتے ہیں مگر نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ۔

ہیچ در گوش کسے زاں ایشاں نرفت   کایں طمع آمد حجاب ژرف و زفت

یعنی کچھ بھی کسی نے ان سے نہ سنا اس لیئے کہ یہ طمع ایک حجاب قوی اور بڑا ہے مطلب یہ کہ جو اس عالم کی خوبیوں کو سنکر اس طرف متوجہ نہیں ہوتے وجہ اُس کی یہ ہے کہ طمع عاجل نے اندھا کر دیا ہے وہ حجاب ہو رہا ہے مولانا فرماتے ہیں۔

گوش را بندد طمع از استماع   چشم را بندد غرض از اطلاع

یعنی طمع کان کو سننے سے بند کر دیتی ہے اور غرض آنکھ کو دیکھنے سے روک دیتی ہے بس جب طمع اور غرض دونوں ہوں تب تو بالکل کور و کر ہو جائے گا۔ نعوذ باللہ۔

ہمچنانکہ آں جنیں را طمع خوں   کاں غذائے اوست در اوطان دوں

یعنی جسطرح کہ اس جنین کو خون کی طمع نے جو کہ اسکی غذا اُس وطن ذلیل میں تھی

از حدیث ایں جہاں محجوب کرد   خون تن را در دلش محبوب کرد

یعنی اس جہان کی باتوں سے محجوب کر دیا اور خون تن کو اسکے دل میں محبوب کر دیا اور نتیجہ یہ ہوا کہ

زین ہمہ انواع نعمت ماند فرد   جز خوں او می نداند چاست خورد

یعنی ان تمام قسم قسم کی نعمتوں سے محروم رہا اور وہ سوائے خون کے کوئی غذا کھانا جانتا ہی نہیں اسی طرح

بر تو ہم طمع خوشی ایں جہاں   شد حجاب آں خوشی جاوداں

یعنی تجھ پر بھی اس جہان کی خوشی اس خوشی جاودانی سے حجاب ہوگئی ہے۔

طمع و ذوق ایں حیاتِ پر غرور　　از حیاتِ راستینت کرد دور

یعنی اس حیات پر غرور کی طمع اور ذوق نے تمکو حیات جاودانی سے دور کردیا ہے جب معلوم ہوا کہ اُس جہاں کی طمع ہی نے تم کو اندھا بنا رکھا ہے تو آگے اسپر تفریع فرماتے ہیں کہ۔

پس طمع کورت کند نیکو بداں　　بر تو پوشاند یقیں را بیگماں

یعنی پس طمع تم کو اندھا کردیتی ہے خوب جان لو وہ تمپر یقین کو بے شک پوشیدہ کردیتی ہے۔

حق ترا باطل نماید از طمع　　در تو صد کوری فزاید از طمع

یعنی تمکو طمع کی وجہ سے حق باطل دکھائی دینے لگتا ہے اور طمع سے تمہارے اندر سیکڑوں نابینائیاں زیادہ ہو جاتی ہیں۔

از طمع بیزار شو چوں راستاں　　تا نہی پا بر سرِ آں آستاں

یعنی طمع سے سچے لوگوں کی طرح بیزار ہو جاؤ تاکہ اُس آستان (حق) پر سر رکھ سکو۔ مطلب یہ کہ تاکہ وہاں تک رسائی ہو سکے لہذا اول طمع کو اپنے اندر سے زائل کرو

کاندراں در چوں درائی کوارہی　　از غم و شادی قدم بیروں نہی

یعنی اُس درِ حق میں جب تم آجاؤ گے تو غم اور خوشی سے قدم باہر رکھو گے مطلب یہ کہ جب اُس در تک رسائی ہو گئی تو پھر سب غم و شادی سے چھوٹ جاؤ گے اور راحت اور آرام نصیب ہو جاویگا اور طمع کے ترک سے یہ نتیجہ ہوگا کہ

چشم جانت روشن و حق بیں شود　　بے ظلامِ کفر نورِ دیں شود

یعنی تمہاری چشم باطن روشن اور حق بیں ہو جاویگی اور بے ظلمت کفر کے (خالص) نور دین، ہو جاویگی مطلب یہ کہ اگر ان اخلاق رذیلہ کا دفعیہ مجاہدہ سے کردیا تو پھر حق تعالیٰ تمکو نور ایمان نصیب کرے گا اور سراپا نور ہی نور ہو جاؤ گے۔

پندِ مرداں را پذیرا شو بجاں　　تا رہی از خوف ہوائی دلاں

یعنی مردان حق کے نصائح کو دل و جان سے قبول کرو تاکہ خوف سے چھوٹ جاؤ اور امن میں ہو جاؤ خوف سے مراد پریشانی دنیاوی ہے مطلب یہ کہ اولیاء اللہ اور علماء کرام کی نصائح کو گوش دل سے سنو اور اُن کو قبول کرو تاکہ تم کو یہ پریشانی دنیا کی نہوں اور آرام اور راحت سے ہو جاؤ ورنہ اگر

نہ سنو گے تو یاد رہے ہمیشہ خسران و ناکامی میں رہو گے۔ آگے فرماتے ہیں کہ۔

بشنو اکنوں قصۂ تمثیل آں تا بیابی در حقیقت نور جاں

یعنی اب تم ایک قصہ اس کی مثال میں سن لو تاکہ حقیقت میں نور جاں تم پالو یعنی تاکہ تمہارے قلب میں نور پیدا ہو لہذا ایک قصہ تمثیلاً سن لو آگے ایک قصہ بیان کرتے ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ ایک بزرگ نے جنگل میں چند آدمیوں کو کہ وہ بھوکے تھے منع کیا تھا کہ دیکھو اس جنگل میں ہاتھی کے بچے ہیں مگر تم ان کو مت کھانا ورنہ ہاتھی تمکو چھاڑ ڈالیں گے اس نصیحت پر بعض نے عمل کیا اور بعض نے نہ کیا بلکہ خوب کھائے رات کو جب سو گئے ان بچوں کے ماں باپ آئے بچوں کو نہ پاکر تلاش کیا اسمیں ان لوگوں کے پاس بھی گذر ہوا تو انھوں نے ان لوگوں کے منہ کو سونگھا جس نے کھایا تھا اس کے منہ میں سے تو گوشت کی بو آئی اُسکو انھوں نے چیر پھاڑ دیا اور جس نے نہ کھایا تھا اُس کے منہ سے چونکہ بو نہ آئی لہذا چھوڑ گئے تو دیکھو جس نے ناصح کی نصیحت کو سنا وہ تو بچگیا کہ اُسکو ہاتھی نے مارا نہیں اور جس نے عمل نہ کیا اُس نے اپنی جان دی لہذا چاہیئے کہ ناصحین راہ حق کی نصیحت کو ضرور قبول کرو ورنہ ہلاک ہوگے اب حکایت سنو۔

شرحِ حبیبی

آں شنیدستی کہ در ہندوستاں — دید دانائے گروہِ دوستاں

گرسنہ ماندہ شدہ بے برگ و عور — می رسیدند از سفر وز راہِ دور

مہرِ دانائیش جوشید و بگفت — خوش سلامے شان و چوں گل برشگفت

گفت دانم کز تجوع وز خلا — جمع آمد رنجتاں زیں کربلا

لیک اللہ اللہ اے قوم جلیل — تا نباشد خوردتاں فرزند پیل

پیل ہست ایں سو کہ اکنوں می روید — پند من از جان و از دل بشنوید

پیل بچگانند اندر راہ تاں — صید ایشاں ہست بس دلخواہ تاں

بس ظریف اند و لطیف اند و سمیں — لیک مادرشاں بود اندر کمیں

از پی غمز نبد صد فرسنگ را
می بگردد در حنین و آه آه

دود آتش آید از خرطوم او
الحذر از کودک مرحوم او

اولیا اطفال حق اند اے پسر
غائبی و حاضری بس باخبر

غائبی مندیش از نقصان شاں
گوکشند کیں از براے جان شاں

گفت اطفال من اند ایں اولیا
در غریبی فرد از کار و کیا

از براے امتحاں خوار و یتیم
لیک اندر سر منم با او ندیم

پشت دار جملہ عصمتہاے من
گوئیا هستند خود اجزاے من

هان وہاں ایں دلق پوشان من اند
صد ہزار اندر ہزار و یک تن اند

ورنہ کے کردے بیک چوب ہنر
موسی فرعون را زیر و زبر

ورنہ کے کردے بیک نفرین بد
نوح شرق و غرب را غرقاب خود

برنکندے یک دعاے لوط راد
جملہ شهرستان شاں را بے مراد

گشت شهرستان چوں فردوس شاں
دجلہ آب سیہ رویین نشاں

سوئے شام است ایں نشان و ایں خبر
در ره قدسش ببیں بر رهگذر

صد ہزاراں اولیاے حق پرست
خود بهر قرنے سیاستہا بدست

گر بگویم ایں بیاں افزوں شود
خود جگر چہ بود کہ کوہ ہا خوں شود

خوں شود کہ ہا و بازان بفسرد
تو نہ بینی خوں شدن کوری و رد

طرفہ کورے دور بین و تیز چشم
لیک از اشتر نہ بیند غیر پشم

مو بمو بیند ز صرفہ حرص انس
رقص بے مقصود دانند ہمچو خرس

مو بمو بیند ز حرص خود بشر
رقص او خالی ز خیر و پر ز شر

رقص آنجا کن کہ خود را بشکنی / پنبہ را از ریش شہوت بر کنی
رقص و جولاں بر سر میداں کنند / رقص اندر خون خود مرداں کنند
چوں رہند از دست خود دستے زنند / چوں جہند از نقص خود رقصے کنند

مطرباں شاں از دروں دف می زنند / بحرہا در شور شاں کف می زنند
تو نہ بینی برگہا با شاخہا / کف زناں رقصاں ز تحریک صبا
تو نہ بینی لیک بہر گوش شاں / برگہا با شاخہا ہم کف زناں
تو نہ بینی برگہا را کف زدن / گوش دل باید نہ ایں گوش بدن
گوش سر بر بند از ہزل و دروغ / تا بہ بینی شہر جاں را با فروغ
ہین وہاں بر بند از لا اسے عمو / جز حدیث روئے او چیزے مگو
سر کشد گوش محمدؐ در سخن / کش بگوید در نبے حق ہو اذن
سر بسر گوش است و چشم است آں نبی / رحمت حق مرضع است و ناصبی
ایں سخن پایاں ندارد باز راں / سوئے اہل پیل و بر آغاز راں
ہر دہاں را پیل بوئے میکند / گرد معدہ ہر بشر بر می تند
تا کجا یابد کباب پور خویش / تا نماید انتقام و زور خویش
وا نماید در جزایش قہر و نیش / ہر کجا بوئے برد از پور خویش
تا کجا بوئے کباب بچہ را / یابد و زخمش زند اندر جزا
گوشتہائے بندگان حق خوری / غیبت ایشاں کنی کیفر بری
ہیں کہ بویائے دہاں تاں خالق است / کے برد جاں غیر آں کو حاذق است
وائے آں افسوسے کش بوئے گیر / باشد اندر گور منکر یا نکیر
نے دہاں وز دیدن امکاں زاں مہاں / نے تواں خوش کردن از دارو دہاں

آب و روغن نیست مر روپوش را — راہ حیلت نیست عقل و ہوش را

چند کوبد زخمہائے گرز شاں — بر سر ہر ژاژ خا و برزشاں

گرز عزرائیل را بنگر اثر — گر نہ بینی چوب و آہن در صور

ہم بصورت می نماید گہہ گہے — زاں ہمہ رنجور باشد آگہے

گوید آں رنجور کاے یار حرم — چیست ایں شمشیر بر فرق سرم

چوں نمی بینند کس از یاران او — در جواب آیند یاراں کاے عمو

ما نمی بینیم باشد ایں خیال — چہ خیالست ایں کہ ہست ایں ارتحال

چہ خیالست ایں کہ ایں چرخ نگوں — از نہیب آں خیالے شد کنوں

گرزہا و تیغہا محسوس شد — پیش بیمار و سرش منکوس شد

او ہمی بیند کہ آں از بہر اوست — چشم دشمن بستہ زاں چشم دوست

حرص دنیا رفت و چشمش تیز شد — چشم او روشن گہہ خونریز شد

مرغ بے ہنگام شد آں چشم او — از نتیجہ کبر او وز خشم او

سر بریدن واجب آید مرغ را — کو بغیر وقت جنباند درا

ہر زماں نزعیست جزو جانت را — بنگر اندر نزع جاں ایمانت را

عمر تو مانند ہمیان زر است — روز و شب مانند دینارشمر است

می شمارد می دہد زر بے وقوف — تا کہ خالی گردد و آید خسوف

گر ز کہ بستانی و ننہی بجاے — اندر آید کوہ زاں دادن ز پاے

پس بنہ بر جاے ہر دم را عوض — تا ز واسجد واقترب یابی غرض

در تمامے کارہا چندیں مکوش — جز بکارے کہ بود در دیں مکوش

عاقبت تو رفت خواہی ناتمام ❊ کارہایت ابتر و نانِ تو خام

وین عمارت کردنِ گور و لحد ❊ نے بہ سنگ است و نہ چوب و نے لبد

بلکہ خود را در صفا گورے کنی ❊ در منی آں کنی دفن ایں منی

خاک او گردی و مدفون غمش ❊ تا دمت یابد مددہا از دمش

گور خانہ قبہ ہا و کنگرہ ❊ نبود از اصحاب معنے آں سرہ

بنگر اکنوں زندہ اطلس پوش را ❊ ہیچ اطلس دست گیرد ہوش را

در عذاب منکرست آں جان او ❊ کژدم غم در دل غمدان او

از بروں بر ظاہرش نقش و نگار ❊ وز دروں اندیشہائے زار و زار

واں یکے بینی دراں دلق کہن ❊ چوں نبات اندیشہ و شکر سخن

تو نے سنا ہوگا کہ ہندوستان میں ایک حکیم نے چند رفقا کی ایک جماعت دیکھی کہ وہ بھوکے اور بے سر و سامان ہیں اور دور دراز سے سفر کرتے چلے آرہے ہیں بمقتضائے حکمت اس کی شفقت نے جوش مارا اور بہت تپاک سے سلام کیا اور ان سے مل کر گل کیطرح شگفتہ ہوگیا اور یہ کہا کہ یہ تو میں جانتا ہوں کہ اس پرمحن صحرا کے باعث اور بھوک اور خلوئے معدہ کے سبب تمکو بہت تکلیف ہے۔ لیکن خدا کے لیئے آپ بزرگان ہاتھی کا بچہ نہ کھالیویں میں یہ اسلیئے کہتا ہوں کہ ادھر جسطرف تم اب جارہے ہو ایک ہاتھی رہتا ہے تم میری نصیحت کو غور و توجہ سے اور بقصد عمل سنو بے التفاتی مت کرو (یہ ایک جملہ معترضہ ہے جو ان کی بے التفاتی دیکھکر اثنائے کلام میں فرمایا گیا ہے پھر نصیحت شروع کرتے ہیں) اس راستہ میں کچھ ہاتھی کے بچے ہیں جنکو دیکھکر اُن کے شکار کے لیئے تمہارا جی بہت للچائے گا کیونکہ وہ بہت نفیس اور عمدہ اور موٹے تازے ہیں لیکن یہ یاد رکھو کہ وہ غیر محفوظ نہیں بلکہ اُن کی ماں اُن کی محافظ ہے گو تمہاری نظر سے غائب ہے وہ اپنے بچوں پر اتنی شفیق ہے کہ اُن کے لیے سو فرسخ کا چکر لگاتی ہے اور چنگھاڑتی اور فریاد

کرتی جاتی ہے اُس کی سونڈ سے آگ کے شعلے نکلتے ہیں پس تم کو اُس کے بچوں سے نہایت احتراز چاہیئے یہاں تک پہونچکر مولانا مضمون ارشادی کی طرف انتقال فرماتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ تم اولیا اللہ کو بھی ایسا ہی سمجھو جیسے ہاتھی کے بچے اہل اللہ حق سبحانہ کے بچے ہیں اور وہ اُن کی غیبت و توجہ الی الخلق کی حالت میں بھی اور حضور و توجہ الی الحق کی صورت میں بھی اُن کا محافظ اور نگراں ہے اُن کے نقصان اور مشغولیت بالخلق کے سبب تم یہ خیال نہ کرنا کہ حق سبحانہٗ کی نگرانی اور حفاظت اُن سے منقطع ہو گئی ہے ہرگز نہیں بلکہ وہ ہنوز قائم ہے اور وہ اس حالت میں بھی ان کو ایذا پہونچانے والوں سے انتقام لینے پر آمادہ ہے کیونکہ حق سبحانہ نے فرمایا ہے کہ میرے غریب تنہا اور بے شوکت و شان اولیا میرے بچے ہیں (چنانچہ تفسیر مظہری میں کسی مقام پر ایک حدیث بدیں مضمون منقول ہے کہ حق سبحانہٗ اہل اللہ کو ستانے والوں پر اُن کی خاطر یوں غضبناک ہوتے ہیں جسطرح شیر اپنے بچوں کے لیئے اُن کے ایذا دینے والوں پر۔ اس روایت سے اولیاء کا مثل اطفال حق سبحانہ ہونا مستفاد ہوتا ہے) میں نے ان لوگوں کے امتحان کے لیئے بظاہر ذلیل اور لاوارث بنایا ہے۔ لیکن در پردہ میں اُن کا مصاحب ہوں میری حفاظتیں جو مختلف عنوانوں سے ظاہر ہوتی ہیں ان سب کی معین و مددگار ہیں اور یہ بمنزلہ میرے اجزا کے ہیں کیونکہ وہ بمنزلہ میری اولاد کے ہیں اور اولاد جزو ہوتی ہے دیکھنا خبردار یہ میری گدڑی والے ہیں انکو کوئی اذیت نہ پہونچے گو دیکھنے میں یہ تنہا معلوم ہوں لیکن ہماری اعانت و حمایت سے ان میں کا ایک ایک لاکھوں اور کروڑوں کے برابر ہے ورنہ تم خیال تو کرو کہ اکیلے موسیٰ علیہ السلام فرعون کو ایک لاٹھی سے تلپٹ کیسے کر سکتے تھے اور ایک بددعا سے حضرت نوح علیہ السلام مشرق و مغرب کو کیونکر غرقاب کر سکتے تھے نیز اگر ہماری اعانت و حمایت ان کے شامل نہ ہوتی تو حضرت لوط علیہ السلام کی ایک دعا کفار کے نامراد ملک کی بیخ کنی ہرگز نہ کر سکتی تھی حالانکہ ان کا بہشت کے مانند گلزار اور بارونق ملک دجلۂ آب سیاہ کی طرح غیر آباد پڑا ہوا ہے اب بھی تم اُسکا نشان دیکھ سکتے ہو ہم تمکو پتہ بھی بتلائے دیتے ہیں شام کی طرف بیت المقدس کو جاتے ہوئے راستہ پر تمکو وہ نشان ملیگا اور اُس سے تمکو اس واقعہ کی تصدیق ہو گی کچھ انھیں چند پیغمبروں پر منحصر نہیں بلکہ ہزاروں اہل اللہ اپنے اپنے زمانہ میں مخالفین کی تنبیہ اور سرکوبی کا ذریعہ بنے ہیں۔ اگر میں سب کی تفصیل بیان کروں تو بہت طول ہوا جاتا ہے نیز

اُن کے تصورات سے کلیجے پھٹتے اور خون ہوتے ہیں کلیجے تو کیا پہاڑ خون ہوتے ہیں اور خون
ہوکر پھر منجمد ہوجاتے ہیں تم چونکہ مردود اور اندھے ہو اسلیئے تمکو ان کا خون ہونا محسوس نہیں ہوتا
یہاں تک بیان کرکے آگے دوسرے مضمون ارشادی کیطرف انتقال فرماتے ہیں۔ اور فرماتے ہیں کہ
اندھے تو ہو مگر عجیب قسم کے اندھے ہو کہ اُس کے ساتھ دوربین اور تیز نظر بھی ہو یعنی گو عالم غیب سے
اندھے ہو لیکن عالم اجسام میں تمہاری نظر بہت تیز ہے لیکن وہ تیزی بھی عجیب قسم کی ہے کہ اونٹ کی
اون تو دکھلائی دیتی ہے مگر اونٹ نہیں دکھلائی دیتا یعنی عالم اجسام میں تمکو غیر مقصود اور غیر نافع
اشیاء دکھلائی دیتی ہیں اور مقصود اصلی اور نافع حقیقی تمہاری نظر سے محجوب ہیں چنانچہ آدمی کی حالت
یہ ہے کہ حرص کو ذرہ ذرہ دیکھتا ہے اور اُس کے سبب ریچھ کی طرح بلا غایت محمودہ کے ناچتا ہے
اور رات دن جد وجہد میں مصروف ہے اور حرص بال برابر بھی اُس کی نظر سے مخفی نہیں ہوتی لیکن
جو جد وجہد وہ اس حرص کے سبب کر رہا ہے اُسمیں برائی ہی برائی ہے بھلائی اصلا نہیں۔ مگر
نہ وہ اشیاء نافع کو دیکھتا ہے اور نہ سعی لاحاصل کو چھوڑتا ہے ارے ظالم کس خرافات میں
مصروف ہے تجھکو جد وجہد اس کام میں کرنی چاہیئے جس سے شکستگی و عجز و انکسار پیدا ہو اور
یہ جو شہوات کا زخم تجھ میں موجود ہے اسکا پھاہا اتار اور انکو اچھا کر۔ میدان میں ناچنا اور
خواہشات نفسانیہ کے لیئے جد وجہد کرنا رنڈیوں اور زنخوں اور پست ہمت لوگوں کا کام ہے
مرد خون میں رقص کرتے ہیں اور مجاہدہ نفسانی میں جد وجہد کرتے ہیں ان لوگوں کو ابتدا
میں تو تکلیف ہوتی ہے مگر جب اپنے کو فنا کردیتے ہیں اور مرضیات حق سبحانہ کے تابع
ہوجاتے ہیں اُسوقت یہ خوشی سے تالیاں بجاتے ہیں اور جب اپنے نقصان سے نکلکر
کامل ہوجاتے ہیں تو فرط مسرت سے ناچنے لگتے ہیں (تالیاں بجانے اور ناچنے سے ظاہری
کود پھاند مراد نہیں ہے بلکہ فرط انبساط اور جوش مسرت مقصود ہے مضامین مابعد کو بھی ظاہری
معنی پر محمول نہ کرنا چاہیئے) ان کے باطن محفل رقص و سرود منعقد ہے اور ارباب نشاط شادیانے
بجا رہے ہیں اور ان کے اندر شورش و جوش عشق حق سبحانہ کے سمندر جوش مار رہے ہیں
اشجار و نباتات حقائق و معارف کی شاخیں اور پتے نسیم لطف الٰہی سے لہرا رہے ہیں اور وجد و
طرب میں رقص کر رہے ہیں اور تالیاں بجا رہے ہیں تم اُنکو نہیں دیکھ سکتے مگر اُن کے کانوں میں

اُن شاخوں اور پتوں کے تالیوں کی آوازیں آرہی ہیں ہم پھر کہتے ہیں کہ تم ایسی تالیاں بجانے کو نہیں معلوم کر سکتے اس لیے کہ اس کے لیے گوش دل کی ضرورت ہے نہ کہ جسمانی کان کی بلکہ یہ تو اسکے ادراک سے مانع ہے پس اگر تم کو اُس بارونق شہر جان کے سیر کی ضرورت ہے جسمیں یہ پر لطف جلسے اور پُربہار باغ ہیں تو لغویات اور بے حقیقت باتوں کے سننے سے کانوں کو روکو اس سے تم کو وہ بارونق اور پُرلطف شہر جان نظر آئے گا نیز تمکو صرف کان ہی کے بند کرنے پر اکتفا نہ کرنا چاہئے بلکہ منہ کو بھی بند کرنا چاہیئے کہ محرمات کھاؤ پیو اور نہ ناجائز باتیں زبان سے نکالو بلکہ اگر مباحات سے احتراز کرنے میں کچھ ضرر نہ ہو تو ان سے بھی احتراز کرنا مناسب ہے اور بجز ذکر اللہ حقیقی یا حکمی کے کوئی بات زبان سے نہ نکالنا چاہیئے (ف ۱ ذکر اللہ حکمی سے مراد وہ باتیں ہیں جو بامر شارع علیہ السلام ہیں خواہ وجوباً یا استحباباً۔ لذاتہ یا لغیرہ (ف ۲ آنکھ کو بھی انھیں دو پر قیاس کرنا چاہیئے) ان نصائح کو کماحقہ اور اصالۃً تو حق سبحانہ سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی سنتے ہیں جنکو حق سبحانہ نے سراپا گوش فرمایا ہے (یا تو اس سے وتعیہا اذن واعیۃ کی طرف اشارہ فرمایا ہے یا اذن خیر لکم کی طرف) اور وہ سراپا گوش اور سراپا چشم ہیں کہ اُسی کو سنتے ہیں جو سننے کے قابل ہے اور اُسی کو دیکھتے ہیں جو دیکھنے کے لائق ہے۔ ہم تو اُن کے فیض سے علی حسب الاستعداد مستفیض ہیں وہ رحمۃ للعالمین ہمارے لیے بمنزلہ دایہ کے ہیں اور ہم اُن کے لیے بمنزلہ شیر خوار بچے کے خیر یہ گفتگو تو کبھی ختم ہی نہیں ہو سکتی اب ہم کو مضمون سابق کی طرف لوٹنا چاہیئے اور اُن لوگوں کی طرف متوجہ ہونا چاہیئے جنکو ہتنی سے پالا پڑنے والا ہے اُس حکیم نے کہا کہ وہ ہتنی آدمیوں کو سونگھتی ہے اور اُن کے معدوں کو دیکھتی ہے تاکہ کہیں اپنے بچے کے کبابوں کی بو پالے اور تاکہ اپنا غیظ و غضب اور اپنا زور اُس کھانے والے کو دکھلائے بس جب کسی جگہ اُسکو اُس کے بچے کی بو ملجاتی ہے تو پھر وہ اپنا قہر و غضب اور اپنی حقیقت اُسکو دکھلاتی ہے غرضکہ وہ پوری کوشش کرتی ہے تاکہ وہ اپنے بچہ کی بو کہیں پائے اور اُسکے عوض میں اُسکو سزا دے۔ یہاں تک بیان کر کے مولانا پھر مضمون ارشادی کی طرف انتقال فرماتے ہیں۔ اور فرماتے ہیں کہ اس واقعہ سے تمکو عبرت حاصل کرنا چاہیئے کہ تم حق سبحانہ کے بندوں کا گوشت کھاتے ہو اور اُن کی غیبتیں کرتے ہو بالآخر تم اس کا خمیازہ بھگتو گے یاد رکھو کہ حق سبحانہ تمہارے اس گوشت کھانے کو جانتے ہیں لہذا تم اُس کے انتقام سے بچ نہیں سکتے۔ بلکہ عرف وہی تجسس

بچ سکتا ہے جو پختہ۔ ہاں اس فعل شنیع کا مرتکب نہیں ہوا ارے اس قابل افسوس شخص کی حالت پر کمال افسوس ہے جس کا منہ منکر و نکیر نوچیں گے اور وہ ان سے منہ نہ چھپا سکیگا اور وہ کسی وسیلے سے بھی اپنی منہ کی بو نہ کھو سکیگا نہ تو حلیہ تبدیل کرنے کے لیئے کوئی پوڈر وغیرہ ہوگا اور نہ عقل وفہم کوئی تدبیر رہائی کی نکال سکیگی لہذا اُن کے گرز اس بیہودہ شخص کے سر اور چوتڑوں پر بہت سی ضربیں لگائینگے تم کو اگر ان کے گرزوں میں کچھ شبہ ہو اور لکڑی اور لوہا ظاہر میں نہ دکھلائی دیتا ہو تو تم حضرت عزرائیل کے گرز کو تو اس کے اثر سے پہچانتے ہو اسی پر قیاس کرلو گرز عزرائیل علیہ السلام اثر کے ذریعہ سے تو یقیناً معلوم ہے لیکن کبھی کبھی وہ اس عالم میں محسوس بھی ہوتا ہے اور مرنے والا شخص نزع کی حالت میں اُس کی واقفیت حاصل کرتا ہے چنانچہ وہ کہتا ہے کہ ارے یارو یہ میرے سر پر تلوار کیسی ہے اور چونکہ اُس کے یار دوست وغیرہ نہیں دیکھ سکتے اس لیئے وہ کہتے ہیں کہ ہمکو تو کچھ نظر نہیں آتا تیری متخیلہ کا اختراع ہے اب مولانا فرماتے ہیں ارے کیسا اختراع اور کیسا خیال یہ تو جان لے گا اور کیسا خیال یہ تو وہ واقعی شئے ہے جسکی دہشت سے آسمان جیسے واقعی اور عظیم الشان شے اس کی نظر میں خیال ہوگئی ہے اور حِس نے کہ اس عالم واقعی کو اس نظر میں بے حقیقت بنادیا ہے غرضکہ بیمار کو وہ گرز اور تلواریں دکھلائی دیتی ہیں جن سے اُسکی حالت بالکل بدل جاتی ہے کہ جنکو وہ حقائق سمجھتا تھا وہ خیالات ہوجاتے ہیں اور جنکو خیالات جانتا تھا وہ واقعات ہوجاتے ہیں وہ جانتا ہے کہ یہ سب اسی کے لیئے ہیں لیکن اور دوستوں اور دشمنوں کی آنکھیں بند ہوتی ہیں کہ وہ اُن کو نہیں دیکھ سکتے اب دنیا کی حرص بالکل فنا ہوجاتی ہے اور بفحوائے فکشفنا عنک غطاءک فبصرک الیوم حدید اُسکی نظر تیز ہوجاتی ہے اور جو چیزیں کہ اُسکو پیشتر نہیں دکھلائی دیتی تھیں اب وہ دکھلائی دینے لگجاتی ہیں لیکن افسوس کہ کب آنکھ کھلتی ہے جبکہ موت کا وقت آجاتا ہے اور وہ آنکھ کھلنا کچھ مفید نہیں ہوتا اسکے تکبر اور غصہ و دیگر خصائل ذمیمہ کے سبب اُس کی آنکھ نے اُس مرغ کی صفت حاصل کرلی ہے جو بے وقت اذان دیتا ہو کیونکہ یہ اسوقت حقیقت سے مطلع کرتی ہے جب کہ تلافی و تدارک کا وقت نہیں رہتا اُس مرغ بے ہنگام کا سر اڑا دینا واجب ہے جو بے وقت گھنٹے بجاتا اور اذان دیتا ہے لہذا اُس آنکھ کو پھوڑ ڈالنا چاہیئے اور دوسری آنکھ یعنی چشم قلب پر اعتماد کرنا چاہیئے تم یہ نہ خیال کرو کہ ابھی کا ہے کے لیئے لذات سے محروم رہیں مرنے سے کچھ پیشتر سب

کچھ کرلیں گے۔ کیونکہ تم اب بھی نزع میں ہو پس اس حالت نزع میں تمکو اپنے ایمان کی خبر لینی چاہئے ہماری عمر کی مثال ایسی ہے جیسے کہ اشرفیوں کی تھیلی اور رات دن اشرفیاں گننے والے کی مانند ہیں چنانچہ وہ گن رہے اور صرف کر رہے ہیں مگر وہ نہیں جانتے کہ یہ عمر کی اشرفیاں گھٹتی جاتی ہیں حتیٰ کہ نوبت یہاں تک پہونچتی ہے کہ وہ تھیلی ایک وقت میں بالکل خالی ہو جاتی ہے اور اشرفیوں کا چاند گہن میں آجاتا ہے یعنی عمر ختم ہو جاتی ہے یہ تو تھیلی ہے اگر پہاڑ میں سے بھی صرف کیا جائے اور کوئی شئے اس نکالے ہوئے حصہ کی جگہ نہ رکھی جائے تو پہاڑ بھی ایک دن ختم ہو جائے گا مطلب یہ کہ ہم لوگوں کی عمریں تو بہت کم ہیں لیکن بہت زیادہ ہوں تو بھی گردش روزگار انھیں فنا کر دے گی کیونکہ جو زمانہ گذرتا ہے اسکا بدل نہیں ہوتا جو اس کمی کو پورا کر سکے پس اگر تم کو اپنی عمر بچانا منظور ہے تو اس کی ایک صورت ہے کہ عمر کا جسقدر حصہ فنا ہوتا جاوے اس کی جگہ طاعت کا کوئی حصہ رکھتے جاؤ اس سے تم موت حقیقی و موت روحانی سے محفوظ رہو گے اور بفحوائے واسجد واقترب تم قرب حق سے کامیاب ہو گے اور مقرب ہو کر باقی ببقاء حق ہو جاؤ گے اور فنا سے بچ جاؤ گے دنیا کے کاموں کے پورا کرنے میں کوشش نہ کرنی چاہیئے اور دین کے کاموں کے علاوہ کسی کام میں کوشش نہ کرنی چاہیئے **ف** یاد رکھو کہ جو کام یا مر یا باذن شرع ہوں گو وہ بظاہر دنیوی ہوں مگر حقیقۃً دینی ہیں کوئی غلط فہمی میں مبتلا نہ ہو جاوے تم خیال تو کرو کہ تمہاری اس کوشش کا کیا نتیجہ ہے آخر تمکو مرنا ہے اور کار دنیا کے تمام نکردہ مسلم ہے پس اس اتمام کا انجام بھی تو ناتمامی ہے پھر اس بیہودہ کام میں کیوں مصروف ہوتے ہو اگر تم دنیوی امور ہی کے اتمام کی سعی میں چلدیئے تو علاوہ اس خرابی کے کہ وہ کام ہنوز ناتمام رہے اور تمہاری سعی بیکار ہوئی۔ ایک خرابی یہ ہے کہ تمہاری روٹی بھی کچی رہے گی جو کھانے کے قابل نہ ہوگی یعنی زاد آخرت بھی تمہارے پاس ایسا نہ ہوگا جو تم کو کام دے سکے اور یہ جو تم آخرت کا سامان کر رہے ہو کہ اپنے لیئے قبر پختہ بنوا رہے ہو یہ سب لغو ہے قبر کی اصلی تعمیر پتھر اور لکڑی اور روودوں سے نہیں ہوتی بلکہ اصلی تعمیر قبر یہ ہے کہ صفائی باطن اور اخلاص میں اپنی قبر بناؤ اُس کی ہستی میں اپنی ہستی کو دفن کر دو تم اس کی خاک ہو جاؤ اور اُس کے غم میں مدفون ہو جاؤ تاکہ اُس کے انفاس سے تمہارے انفاس کو مدد ملے اور وہ تمہاری بقا کا ذریعہ ہوا در ر تعند وق قبر اور قبے اور کنگرے کو اہل دل کوئی اعلیٰ شئے نہیں سمجھتے بلکہ وہ تو قبر صفائی باطن کو

پسند کرتے ہیں اچھا اب ہم تم کو اہل ظاہر اور اہل باطن کی حالت کا فرق دکھاتے ہیں جس سے تم کو اُن کے خیالات متعلق بہ قبر میں بھی فرق ظاہر ہو جاوے گا دیکھو رند اطلس پوش کا اطلس کیا اُس کے ہوش میں کوئی امداد دیتا ہے اور وہ اطلس پوشی سے صاحب ہوش ہو جاتا ہے ہرگز نہیں بلکہ اس کی جان تو سخت عذاب میں مبتلا ہے کہ اُسکو اپنا پوزیشن قائم رکھنے کی فکر ہے وغیرہ وغیرہ اور اُس کے مخزن غم دل میں غم کا بچھو گھسا ہوا ہے جو اُسکو ہر وقت پریشان رکھتا ہے گو اُسکا ظاہر آراستہ پیراستہ ہے مگر اس کے خیالات اُس کے اندر رو رہے ہیں یعنی اُسکا دل ان تکلیف دہ خیالات کے سبب رو رہا ہے اور اس پورانی گدڑی والے فقیر کو دیکھ لو جہاں غم کا نام نہیں اُس کے خیالات میں بھی حلاوت ہے اور اُس کی باتوں میں بھی بس یہ فرق معلوم ہو گیا تو اس سے تم سمجھ سکتے ہو کہ ظاہری ٹیپ ٹاپ کوئی چیز نہیں بلکہ ایک صفائی باطن ہی وہ ہے جو تحصیل کے قابل ہے۔

شرح شبیری

ایک دانا شخص کا قصہ جو کہ جنگل میں کچھ لوگوں سے ملا اور اُن لوگوں کو نصیحت کی کہ ہاتھی کے بچے مت کھانا۔

آں شنیدی تو کہ در ہندوستاں ۔۔۔ دید دانائے گروہ دوستاں

یعنی تم نے وہ سنا ہے کہ ہندوستان میں ایک دانا شخص نے ایک گروہ دوستاں دیکھا یعنی وہ لوگ آپسمیں دوست تھے جنگل میں سب یکجا جمع تھے۔ یہ دانا صاحب بھی جا پہونچے۔

گرسنہ ماندہ شدہ بے برگ و عور ۔۔۔ می رسیدند از سفر و ز راہ دور

یعنی بھوکے اور بے سامان اور برہنہ رہے ہوئے تھے اور سفر اور راہ دور دراز سے پہونچے تھے

مہر دانائیش جوشید و بگفت ۔۔۔ خوش سلامے شاں و چوں گل برشگفت

یعنی اُس دانا کی دانائی کی الفت نے جوش کیا تو اُس نے ایک اچھا سلام کیا اور گل کیطرح کھل گیا یعنی اسنے سب کو سلام کیا اور اُن کو دیکھکر مسرت ظاہر کی۔

گفت دانم از مجوع و ز خلا ۔۔۔ جمع آمد رنجتاں زیں کربلا

یعنی اُس نے کہا کہ میں جانتا ہوں کہ بھوک اور خلو معدہ کی وجہ سے اس میدان میں تکلیف تمکو

جمع ہوئی ہے مطلب یہ کہ مجھے معلوم ہے کہ تم بھوک وغیرہ کی وجہ سے بہت تکلیف میں ہو۔

لیک اللہ اللہ اے قوم جلیل　　　تا نباشد خوردتان فرزند پیل

یعنی لیکن اے قوم بزرگ خدا سے ڈرو اور ہرگز تمہاری خوراک ہاتھی کے بچے نہ ہوں اللہ اللہ کا معمول محذوف ہے یعنی اتقو اللہ اتقو اللہ مطلب یہ کہ ارے کہیں ہاتھی کے بچے مت کھا جانا اگرچہ بھوکے ہو مگر اس کا بہت برا نتیجہ ہوگا خدا سے ڈرنا اور اس کام سے بچنا۔

پیل ہست ایں سو کہ اکنو میروید　　　پند من از جان و از دل بشنوید

یعنی جسطرف کہ اب تم جا رہے ہو اُدھر ہاتھی ہیں لہذا میری نصیحت کو دل و جان سے سنو۔

پیل بچگانند اندر راہ تاں　　　صید ایشاں ہست بس دلخواہ تاں

یعنی تمہارے راستہ میں ہاتھی کے بچے ہیں اور ان کا شکار کرنا تمہارے بہت دلخواہ ہے اس لیے۔

بس ظریف اند و لطیف اند و ہمیں　　　لیک مادر شان بود اندر کمیں

یعنی وہ خوب موٹے اور تازے اور لطیف ہیں لیکن ان کی ماں گھات میں لگی ہوئی ہے۔

از پئے فرزند صد فرسنگ راہ　　　می بگردد در حنین و آہ آہ

یعنی اپنے بچہ کے مارے سیکڑوں کوسوں میں روتی ہوئی اور افسوس کرتی پھرتی ہے مطلب یہ ہے کہ اگر اُس کے بچے کو کوئی مار ڈالتا ہے تو اپنے بچہ کی وجہ سے سیکڑوں کوس تک اُس کے قاتل کو تلاش کرتی پھرتی ہے اور جب پاتی ہے تو اسکو مار ڈالتی ہے۔

آتش و دود آید از خرطوم او　　　الحذر زاں بچۂ مرحوم او

یعنی اُسکی سونڈ میں سے (غصہ کی) آگ اور دھواں نکلتا ہے اُس کے اُس بچہ مرحوم سے بس بچنا ہی بہتر ہے اُنکو بھلا کھانا تو درکنار اُنکو ہاتھ بھی نہ لگاوے مولانا فرماتے ہیں۔

اولیا اطفال حق اند ای پسر　　　غائبی و حاضری بس باخبر

یعنی اولیاء اللہ اطفال حق ہیں اور حالت غیبت اور حضور میں وہ اُن سے باخبر ہیں مطلب یہ کہ اولیاء اللہ اگر اسوقت تمہارے سامنے ہوں اور تم اُنکو ستاؤ اور اُنکو بُرا بھلا کہو تو ممکن ہے کہ وہ خود بدلہ لے لیں اور جب کہ وہ غائب ہوں تب تم اُن کی بُرائی کرو تو وہ تو بدلہ نہیں لے سکتے

مگر حق تعالیٰ ہر حال میں اُن سے خبردار ہیں اور جب کوئی اُن کو ستاوے گا فوراً اُس سے بدلا لیں گے

غائبی منَدیش از نقصان شاں ۔۔۔ کو کشد کیں از برائے جان شاں

یعنی غائبی کو اُن کا نقصان مت سمجھو اس لیئے کہ وہ اُن کی جان کے لیئے کینہ کھینچتے ہیں۔ مطلب یہ اگر وہ اس وقت موجود نہیں ہیں اور کوئی برائی کرنے لگے تو یہ مت سمجھو کہ اُس سے اُن کا کوئی نقصان نہ ہوگا اُن کا کوئی حرج بھی نہیں ہے اس لیئے کہ حق تعالےٰ اُن کی خبر رکھتے ہیں بس جو اُن کو ستاوے گا اُس سے وہ خود بدلا لے لیں گے۔

گفت اطفال من اند ایں اولیاؑ ۔۔۔ در غریبی فرد از کار و کیا

یعنی حق تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ یہ اولیا میرے اطفال ہیں اور غربت میں شان و شوکت سے تنہا ہیں مطلب یہ کہ اگرچہ ظاہر حالت میں شان و شوکت اُن میں نہیں مگر یہ میری اولاد ہیں لہذا حقیقت میں اُن کا مرتبہ بہت بلند ہے اطفال ہونے کی توجیہ بعض نے یہ کی ہے کہ حدیث میں ہے الخلق عیال اللہ مگر اسمیں اولیا اللہ کی تخصیص نہیں فرمائی بلکہ خلق ایک کلی ہے جو کہ کل کفار و مسلمین سب کو شامل ہے بلکہ اگر یہ کہا جاوے کہ حدیث میں ہے من عادیٰ لی ولیا فقد اٰذنتہ بالحرب یعنی جو میرے کسی ولی کو ستاوے گا میں اُسکو اعلان جنگ دیتا ہوں یہ تو مشہور ہی مولانا قاضی ثناء اللہ صاحب نے تفسیر مظہری میں اس حدیث کے ساتھ ایک حصہ اور بڑھایا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جو کوئی میرے کسی ولی کو ستاتا ہے تو مجھے ایسا غصہ آتا ہے جیسے کہ شیرنی کو اُس کے بچہ کو چھیڑنے سے آتا ہے تو اس تشبیہ سے نکل سکتا ہے کہ اولیاء اللہ بھی بمنزلہ عیال و اطفال کے ہوئے اور چونکہ قاضی صاحب کی نظر حدیث پر بہت تھی اس لیئے اُن کی اس زیادتی کو تسلیم کیا جائے گا کہ زیادتی ایک ثقہ محدث کی ہے اور یہ توجیہ بہت ہی نفیس ہے کہ اسمیں اولیا اللہ کی نسبت صراحۃً ارشاد ہے تو یہ حضرات اگرچہ بظاہر بہت ہی شکستہ حالی میں ہوں مگر باطن میں بادشاہ ہوتے ہیں اسی کو فرماتے ہیں کہ ؎ مبیں حقیر گدایان عشق را کایں قوم + کہ شہان بے کمر و خسروان بے کلاہ اند۔ اس شعر میں جو حدیث کیطرف اشارہ کیا ہے آگے بھی اسی کی روایت بالمعنی فرماتے ہیں کہ۔

از برائے امتحاں خوار و یتیم ۔۔۔ لیک اندر سر منم یار و ندیم

یعنی (دوسروں) کی آزمائش کے لیئے (ظاہر میں تو) خوار و بیکس ہیں۔ لیکن باطن میں میں اُن کا ندیم ہوں مطلب یہ کہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ لوگوں کی آزمائش کے لیئے کہ دیکھیں کون تو اس امر کو سنکر کہ یہ ولی خدا ہیں اس ظاہری حالت کا لحاظ نہیں کرتا اور ان کی قدر کرتا ہے اور کون صرف اس ظاہری حالت پہ نظر کرتا ہے۔ لہذا ظاہر میں تو اسطرح بیکس رہتے ہیں اور باطن میں حق تعالیٰ کی معیت حاصل ہوتی ہے۔

پشتدار جملہ عصمتہاے من گوئیا ہستند خود اجزاے من

یعنی میری عصمتوں کے پشت دار ہیں گویا خود میرے ہی اجزا ہیں۔ مطلب یہ کہ میری عصمتیں اور حفاظتیں اُن کے لیئے پشت پناہ ہو رہی ہیں گویا کہ وہ میرے اجزا ہو گئے ہیں اور اتحاد اصطلاحی حاصل ہو گیا ہے۔ آگے ارشاد ہے کہ

ہان وہاں این دلق پوشان من اند صد ہزار اندر ہزار و یک تن اند

یعنی کہ ہاں ہاں یہ دلق پوش میرے ہی ہیں لاکھ مضروب ہزار ہیں اور ایک تن ہیں مطلب یہ کہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ دلق پوش میرے ہیں اور چونکہ انکو میری نسبت حاصل ہے ان میں کا ایک بھی اسقدر قدرت رکھتا ہے اور اسقدر قوی ہے کہ دوسرے دس کروڑ کا مقابلہ کر سکتا ہے اور وہ اُس کے سامنے ہیچ ہیں دس کروڑ اسلیئے کہا کہ مولانا نے صد ہزار مضروب ہزار کہا تو اُن کی ضرب سے دس کروڑ ہی حاصل ہوتے ہیں مطلب یہ ہے کہ اُن میں کا ایک بہتوں کا مقابلہ کر سکتا ہے آگے اس کی نظائر بتاتے ہیں کہ۔

ورنہ کے کردے بیک چوب ہنر موسیٰ فرعون را زیر و زبر

یعنی ورنہ ایک ہنر کی لکڑی سے ایک موسیٰ فرعون کو کسطرح زیر و زبر کر دیتے مطلب یہ کہ دیکھو موسیٰ علیہ السلام ایک آدمی نے فرعون جیسے بادشاہ کو زیر و زبر کر دیا اور وہ بھی ایک ذرا سی لاٹھی سے حالانکہ اس کے سامنے ایک آدمی کیا چیز ہے پھر اُس کے آلات حرب کے آگے یہ لاٹھی مگر چونکہ نسبت حق تعالیٰ حاصل تھی لہذا سب پر غالب ہوئے۔

ورنہ کے کردے بیک نفرین بد نوح شرق و غرب را غرقاب خود

یعنی ورنہ ایک بددعا سے حضرت نوح علیہ السلام تمام شرق و غرب کو اتنا غرقاب کس طرح کرتے

غرقاب خود میں اضافت بادنیٰ ملابست ہے یعنی وہ غرقاب جو کہ اُن کی وجہ سے ہوا تھا مطلب یہ کہ اگر حضرت نوح علیہ السلام کو معیت حاصل نہ ہوتی تو وہ ایک بددعا سے تمام عالم کو کسطرح غرقاب کر سکتے تھے یہ اُسی معیت کی برکت تھی۔

برنہ کندے یک دعائے لوط راد جملہ شہرستان شان رابیمراد

یعنی لوط بزرگ کی صرف ایک دعا اُن کی تمام شہروں بے مراد کو ہرگز نہ اکھاڑ سکتی۔ یہ ایک دعا سے تمام جہان کا تہ و بالا ہو جانا یہ قوت حق سے ہی ہوا۔ لوط علیہ السلام کی بددعا صراحۃً تو کہیں منقول ہی نہیں ہاں قرآن شریف میں اتنا آیا ہے کہ اُنھوں نے دعا کی رب نجنی واھلی مما یعملون اور نجات کی ایک صورت یہ بھی ہو سکتی تھی کہ اُن کو ہلاک کیا جاوے اور اُن کو نجات دی جاوے لهذا اس سے بددعا بھی مستنبط ہوتی ہے معیت حق کے حاصل ہونے کی وجہ سے اُن کی ایک دعا کا یہ نتیجہ ہوا کہ۔

گشت شہرستان چوں فردوس شاں دجلۂ آب سیہ رو بیں نشاں

یعنی اُن کا شہر جو مثل فردوس کے تھا ایک سیاہ پانی بہنے کی ندی ہوگئی نشان دیکھ لو مطلب یہ کہ وہ تمام شہر وغیرہ سب برباد ہو کر مٹ گئے جسکا ابتک نشان باقی ہے آگے اُن نشانات کی جگہ بتاتے ہیں کہ۔

سوئے شام است ایں نشان و ایں خبر در رہ قدسش بہ بیں بر رہگذر

یعنی یہ خبر اور نشان شام کیطرف ہے بیت المقدس کے راستہ میں گذرگاہ پر دیکھو گے سو قرآن شریف میں بھی ثمود کے نشانات کی بابت ذکر ہے اور وہ بھی شام ہی کی راہ میں ہیں تو یہ بھی اُسی راستہ میں ہے سب ایک ہی جگہ قریب قریب بستیاں ہیں تو دیکھو یہ ساری برکت معیت مع اللہ کی ہے آگے فرماتے ہیں کہ۔

صد ہزاراں اولیا حق پرست خود بہر قرنے سیاستہا بدست

یعنی لاکھوں اولیائے حق پرست خود ہر زمانہ میں (موجب) سیاست ہوئے ہیں کہ اُن کو ستانے اور ایذا دہی کی بدولت حق تعالیٰ کا غضب نازل ہوا ہے۔

گر بگویم ایں بیاں افزوں شود خود جگر چہ بود کہ خارا خوں شود

یعنی اگر میں اسکو بیان کروں تو طویل ہو جاوے گا اور جگر تو کیا پتھر بھی خون ہو جاوے گا مطلب یہ کہ اولیاء اللہ کے مناقب تو بہت طول طویل ہیں ان کے بیان میں خوف طویل کتاب کا ہے لہذا مختصر بیان کر کے ترک کیا جاتا ہے اگر ان کے پورے مناقب بیان کئے جائیں تو پتھر بھی خون ہو جاوے۔ جبکہ ان حضرات کی عظمت پیش نظر ہو تو وہ بھی سنبھل نہیں سکتا۔

خوں شود کہ ہا و باز آں بفسرد تو نہ بینی خوں شدن کوری و ورد

یعنی پہاڑ خون ہو جاویں اور پھر منجمد ہو جاویں تم ان کا خون ہونا دیکھتے نہیں ہو اسلئے کہ اندھے اور مردود ہو اگر تمہارے آنکھیں ہوتیں تو تم کو ان کا خون ہونا نظر آتا۔

طرفہ کوری دوربین و تیز چشم لیک از اشتر نہ بیند غیر پشم

یعنی تو عجب اندھا ہے کہ دوربین اور تیز چشم ہے لیکن اونٹ کے سوائے اون کے کچھ نہیں دیکھتا یعنی صرف ظاہر پر نظر کرتے ہو حالانکہ دیدے کھلے ہوئے ہیں مگر حقیقت کو نہیں دیکھتے اور ایسی مثال ہے کہ جیسے اونٹ کو کوئی دیکھے اور کہے کہ ایک اون کا ڈھیر ہے اور اسکی حقیقت کو دریافت نہ کر سکے اسی طرح اس دنیا میں رہکر تم اس کے ظاہر کو دیکھ رہے ہو اور جو اس سے مقصود اصلی ہے یعنی یہاں رہکر عبادت اور یاد حق کرنا اسپر نظر نہیں ہوتی اسی کو حق تعالیٰ فرماتے ہیں یعلمون ظاهرا من الحیٰوۃ الدنیا یعنی دنیا کی زندگی کے ظاہر ہی کو دیکھتے ہیں اسکی غایت اور حقیقت پر نظر نہیں کرتے اور اس ظاہر میں اسقدر منہمک ہیں کہ۔

مو بمو بیند ز صرفہ حرص انس رقص بے مقصود دارد ہمچو خرس

یعنی حرص انسانی حرفۂ دنیا میں بال بال کو دیکھتا ہے اور ریچھ کیطرح رقص بے مقصود جانتا ہے مطلب یہ ہے کہ اسقدر طلب اور انہماک ہے کہ دنیا کے کاموں سے ذرا ذرا سی بات بھی نہیں چھوٹتی حصول دنیا کے لیئے بہت بہت دور نظر پہونچتی ہے کہ کوئی دقیقہ باقی نہیں رہتا۔ ہاں آخرت سے اندھے ہیں کہ خبر ہی نہیں اور دنیا کے لیئے رات دن چکر میں رہتے ہیں اور کمانے کے لیئے پھرتے ہیں اور انجام کار بے حاصل اور فضول ہوگا جیسے کہ ریچھ ناچتا ہے تو اسکو کوئی فائدہ ہی نہیں ہوتا بلکہ جو پیسے وغیرہ ملتے ہیں ریچھ والے کو ملتے ہیں اسکو خاک بھی فائدہ نہیں ہوتا اسی طرح اس ساری دوڑ دھوپ سے ان کو بھی کوئی فائدہ حقیقی نہیں ہوتا۔

مو بمو بیند ز حرص خود بشر ‏ رقص او خالی ز خیر و پر ز شر

یعنی اپنی حرص کی وجہ سے انسان بال بال کو دیکھتا ہے اور اسکا رقص دنیا خیر سے تو خالی ہوتا ہے اور شر سے پُر ہوتا ہے یعنی خیر حقیقی اُسمیں نہیں ہوتی آگے فرماتے ہیں کہ۔

رقص آنجا کن کہ خود را بشکنی ‏ پنبہ را از ریش شہوت بر کنی

یعنی رقص تو اس جگہ کرو کہ اپنے کو شکستہ کرلو اور روئی کو شہوت کے زخم سے اکھاڑ دو یعنی اس رقص دنیاوی کو ترک کردو کہ اس سے کوئی فائدہ نہیں ہے بلکہ دین کے لیئے کوشش کرو کہ جس سے فائدہ بھی حاصل ہو۔

رقص و جولاں بر سر میداں کنند ‏ رقص اندر خون خود مرداں کنند

یعنی رقص و جولانی میدان میں کرتے ہیں اور مردان راہ حق اپنے خون میں رقص کرتے ہیں یعنی جو کہ مردان حق ہیں وہ تو فنا ہوتے ہیں اور رقص کرتے ہیں اُن کو اس سے اور خوشی ہوتی ہے اُن کی یہ حالت ہوتی ہے۔

چوں رہند از دست خود دستے زنند ‏ چوں جہد از نقص بر رقصے تنند

یعنی جب وہ لوگ اپنی ہستی کے ہاتھ سے چھوٹتے ہیں تو تالیاں بجاتے ہیں اور جب اس نقص سے نکلتے ہیں تو رقص شروع کر دیتے ہیں۔

مطرباں شاں از دروں دف می زنند ‏ بحرہا در شور شاں کف می زنند

یعنی اُن کے مطرب اُن کے اندر سے دف بجاتے ہیں اور بہت سے دریا اُن کے شور میں کف مارتے ہیں یعنی انکو ان ظاہری دف وچنگ کی ضرورت نہیں ہے بلکہ خود اُن کے اندر دف وچنگ محبت حق کے موجود ہے جس سے کہ مست ہو رہے ہیں اور علوم و معارف کے دریا اُن کے اندر سے جوشش مارہے ہیں جس سے کہ وہ خوش و خرم ہیں۔

تو نہ بینی برگہا بر شاخہا ‏ کف زناں رقصاں ز تحریک صبا

یعنی کیا تم پتوں کو شاخ پر صبا کی حرکت دینے سے تالیاں بجاتے ہوئے نہیں دیکھتے مطلب یہ کہ دنیا میں بھی پتے اور شاخیں صبا کی حرکت دینے سے تالیاں بجاتے ہیں اور رقص کرتے ہیں اسی طرح جب ان حضرات پر واردات عشقیہ ہوتے ہیں تو ان کی یہی حالت ہوتی ہے جو ان

پتوں کی ہوتی ہے کہ خوش و خرم ہیں اور رقص کرتے ہیں۔

تو نہ بینی لیک بہر گوش جاں بر گہا باشاخہا ہم کف زناں

یعنی تو تو نہیں دیکھتا لیکن اُن کے کان کے واسطے پتے شاخوں پر تالیاں بجا رہے ہیں مطلب یہ کہ تم کو تو نظر نہیں آتا مگر وہ ہر وقت تالیاں بجا رہے ہیں اور خوش ہو رہے ہیں۔

تو نہ بینی برگ ہا را کف زدن گوش دل باید نہ ایں گوش بدن

یعنی تم ان پتوں کے تالیاں بجانے کو دیکھتے نہیں ہو اُس کے لیے گوش دل کی ضرورت ہے نہ کہ گوش بدن کی اور تمہارے پاس گوش دل ہے نہیں لہذا تم سن بھی نہیں سکتے۔

گوش سر بر بند از ہزل و دروغ تا بہ بینی شہر جاں را با فروغ

یعنی ان گوش سر کو ہزل اور دروغ سے بند کر لو تاکہ شہر جان کو با فروغ دیکھ سکو یعنی ان کانوں کو واہیات اور فضولیات سے بند کرو تاکہ تم اُس عالم غیب کو جو کہ با فروغ ہے دیکھ سکو اور اُس کی زیارت کر سکو۔

بس دہاں بر بند از ہزل ای عمو جز حدیث روئے او چیزے مگو

یعنی بس منہ کو ہزل سے بند کر لو اے چچا اور سوائے اُس ذات کے روئے ذکر کے اور کچھ مت کہو مطلب یہ کہ بس سوائے ذکر حبیب کے اور سب سے منہ کو بند کر لو کہ سب ہزل ہے ؎ در مصحف روئے او نظر کن ؎ خسرو غزل و کتاب تا کے تو گوش و دہان دل حاصل کرو اور ان ظاہری گوش و دہان کو بند کر لو پھر دیکھو کیسے انوار نازل ہوتے ہیں۔

سر کشد گوش محمد در سخن کش بگوید در نبی حق ہو اذن

یعنی گوش محمد صلی اللہ علیہ وسلم بات میں سر جھکاتا ہے کہ ان کو حق تعالیٰ نے قرآن میں فرمایا ہے ھو اذن مطلب یہ کہ دیکھو وحی کے وقت حضور مقبول صلی اللہ علیہ وسلم بھی کسقدر کان لگاتے تھے کہ جسکی بدولت حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ ھو اذن پوری آیت یہ ہے ومنھم الذین یؤذون النبی ویقولون ھو اذن قل اذن خیر لکم یعنی اُن منافقین میں سے وہ ہیں جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا دیتے ہیں (اور جب کوئی ان سے کہتا ہے کہ کمبختو اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سن پائیں گے تو کیا کہیں گے) تو کہتے ہیں کہ وہ تو کان کے کچے ہیں (اُن کو جسطرح ہم بہکا دیں

گے مان لیں گے حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ) آپ فرما دیجئے کہ وہ کان کے کچے نہیں ہیں وہ بہتر ہیں تمہارے لیئے تو اول جو ھواذن ہے وہ تو یہاں مراد نہیں ہو سکتا اس لیئے کہ یہ تو قول منافقین کا ہے لہذا یہ کہا جاوے گا کہ قل کے بعد جو اذن ہے وہ چونکہ خبر ہے مبتدا محذوف کی اسلیئے اسکی تقدیر ہواذن ہے تو مولانا کا مراد وہ اذن ہے اور اُس مبتدا کو ظاہر کر دیا ہے کہ ھواذن اس سے بہتر اور کوئی توجیہ اسکی ہرگز نہیں ہو سکتی وللہ الحمد وللہ درمولانا۔

بس سر گوش است و چشم است آں نبی　　رحمت حق مرضع است و ما صبی

یعنی وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سراسر چشم و گوش ہیں اور رحمت حق ہیں جو کہ مرضع ہے اور ہم صبی ہیں یعنی جسطرح کہ حضور کو فیض ہوا تھا اور اُن کو چشم و گوش باطن عطا ہوئے تھے اسیطرح اب بھی ہمکو عطا ہو سکتے ہیں اس لیئے کہ آپ تو رحمۃ للعالمین ہیں اور ہم بچے ہیں لہذا ہمپر بھی رحمت ہوگی۔ ؎

ہنوز آں ابر رحمت در فشانست　　خنم و خمخانہ با مہر و نشانست

اب فرماتے ہیں کہ۔

ایں سخن پایاں ندارد باز راں　　سوئے اہل پیل و بر آغاز راں

یعنی یہ بات تو انتہا نہیں رکھتی لہذا لوٹو طرف اہل پیل کے اور شروع کی طرف رجوع کرو یعنی شفقت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تو انتہا ہی نہیں جتنا بیان کریں کم ہی ہے لہذا اسکو یہاں چھوڑ کر اس پیل بچگان کے قصہ کو بیان کر دو۔

ہاتھی کے بچوں پر اعتراض کرنیوالوں کے قصّہ کا بقیہ

ہر دہاں را پیل بوئے میکند　　گرد معدہ ہر بشر بر می تند

یعنی ہاتھی ہر شخص کے منہ کو سونگھتا ہے اور ہر آدمی کے معدہ کے گرد پھرتا ہے مطلب یہ کہ اُس ناصح نے کہا کہ یہ مت سمجھنا کہ جب ہم کھالیں گے تو اُسکو کیا خبر ہوگی خوب منہ صاف کر لینگے وہ ہاتھی منہ سونگھتا ہے اور معدہ کے اندر سے بو کو معلوم کر لیتا ہے۔

تا کجا یا بد کباب پور خویش　　تا نماند رجزا صد زخم بیش

یعنی تاکہ جہاں کہیں وہ اپنے بچہ کے کباب پاوے تو اسکو سزا میں سوز خم نیش کے مارے

تا کجا بوئے کباب بچہ را یا بدوز خمش زند اندر جزا

یعنی یہاں تک کہ جہاں کہیں اپنے بچہ کے کباب کی بو پاتا ہے تو بدلے میں اُس کے زخم ما تا ہی

اور اس شخص کو جس نے کھایا ہے سزا دیتا ہے آگے مولانا فرماتے ہیں کہ

لحمہائے بندگان حق خوری غیبت ایشاں کنی کیفر بری

یعنی تم بندگان حق کے گوشت کھاتے ہو (اس طرح کہ) ان کی غیبت کرتے ہو تو بدلا پاتے ہو

ہیں کہ بویائے دہانتان خالق است کے برد جاں غیر او کو صادق است

یعنی ارے تمہارے منہ کو سونگھنے والا تو خالق ہے تو سوائے اسکے جو کہ صادق ہے کسکو جاں بری ہو سکتی ہے تو جب تمنے غیبت کر کے بمقتضائے آیہ ایحب احدکم ان یاکل لحم اخیہ میتاً کے تمنے اُن حضرات کا گوشت کھایا اور انکو ایذا دی تو اُن کے طرف سے تو بدلہ لینے والا حق ہے پھر بتاؤ کہ وہ تو عالم الغیب ہے اس سے کہاں بچ سکتے ہو۔

وائے آں افسوسیے کش بوی گیر باشد اندر گور منکر با نکیر

یعنی اس افسوس والے کی حالت پر افسوس ہے کہ جسکا منہ قبر میں سونگھنے والے منکر نکیر ہوں اور افسوس اسلیئے ہے کہ

نے دہاں دزدیدن امکاں زاں مہاں نے تواں خوش کردن از دارو دہاں

یعنی نہ تو منہ کو ان سرداروں سے چھپا سکتے ہیں اور نہ دوا سے منہ کو خوشبودار کر سکتے ہیں بس جو حالت ہو گی وہ سامنے ہو گی۔

آب و روغن نیست مر روپوش را راہ حیلت نیست عقل و ہوش را

یعنی وہاں روپوشی کے لیئے آب و روغن نہیں ہے اور عقل و ہوش کے لیئے حیلہ کرنے کا کوئی راستہ نہیں ہے بس جو ہوگا وہ سامنے ہوگا کوئی دھوکہ ہی وغیرہ وہاں کچھ نہیں چلسکتی۔

چند کوبد زخم ہائے گرزشاں بر سر ہر ژاژ خاؤ مرزشاں

یعنی وہ کتنے ہی گرز کے زخم لگاویں گے ہر بیہودہ گو کے سر پر اور چیرتوں یہ مرز بفتح میم بمعنی یعنی جب چھپا تو سکیں گے نہیں لہذا اُنپر ظاہر ہو جاوے گا اور وہ خوب گرز لگاویں گے اور پیٹیں گے

اب کوئی کہتا ہے کہ جناب ہم تو کہیں گرز دکھیں نہ کچھ اس کا جواب دیتے ہیں۔

گرز عزرائیل را بیں گر اثر ۔۔۔ گر نہ بینی چوب و آہن در صور

یعنی گرز عزرائیل کا اثر دیکھ لو اگر تم لوہا اور لکڑی صورت میں نہیں دیکھتے مطلب یہ کہ اگر تم کو یہ نظر نہیں آتا تو اچھا نزع کے وقت عزرائیل علیہ السلام کے گرز کا اثر تو معلوم ہوتا ہے اگرچہ خود موثر نہ معلوم ہو مگر اثر سے بھی موثر پہ دلالت ہوتی ہے لہٰذا اُس نزع والے کے کرب و بے چینی سے معلوم ہوتا ہے کہ اسوقت کوئی چیز ہے کہ جو اسپر سخت تر ہے تو اسی سے اُس گرز منکر نکیر کو بھی سمجھ لو اور اس سے قیاس کر لو اور بلکہ بعض مرتبہ صورت میں بھی نظر آجاتا ہے جسکو آگے بیان فرماتے ہیں کہ۔

ہم بصورت می نماید گہہ گہے ۔۔۔ زاں ہمہ رنجور باشد آگہے

یعنی کبھی کبھی صورت میں بھی نظر آجاتے ہیں اور ان سب سے وہ بیمار ہی آگاہ ہوتا ہے اسکو سب خبر ہوتی ہے وہ دیکھتا ہے اور بیان کرتا ہے اس سے تمکو بھی معلوم ہو جاتا ہے۔

گوید آں رنجور کاے یار حرم ۔۔۔ چیست ایں شمشیر بر فرق سرم

یعنی وہ مریض کہتا ہے کہ اے گھر والو یہ تلوار میرے سر پہ کیسی ہے۔

چوں نمی بینند کس از یاران او ۔۔۔ در جواب آیند ہر یک کاے عمو

یعنی جبکہ اس کے دوستوں میں سے کوئی اسکو دیکھتا نہیں تو سب جواب دیتے ہیں کہ اے چچا۔

ما نمی بینیم باشد ایں خیال ۔۔۔ چہ خیال است ایں کہ ہست از انتقال

یعنی ہم تو دیکھتے نہیں ہیں خیال ہوگا (مولانا فرماتے ہیں کہ) یہ کیسا خیال ہے بلکہ یہ تو کوچ ہے یعنی وہ لوگ کہتے ہیں کہ بڑا دبے ہیں سرسام ہوگیا ہے خیالات منتشر ہیں مولانا فرماتے ہیں کہ اسکا تو کوچ ہونے والا ہے تم اسکو خیال ہی کہہ رہے ہو۔

چہ خیال است ایں کہ ایں چرخ نگوں ۔۔۔ از نہیب آں خیالے شد کنوں

یعنی یہ کیسا خیال ہے کہ یہ چرخ نگوں اس کے خوف سے ایک خیال ہوگیا ہے اسوقت یعنی اس کے سامنے یہ بھی ضعیف ہوگیا ہے وہ وقت ارتحال بہت بڑی چیز ہے حق تعالیٰ آسان فرماویں اور ساتھ ایمان کے خاتمہ فرماویں۔

گرزہا و تیغہا محسوس شد پیش بیمار و سرش منکوس شد

یعنی تلواریں اور گرز اس بیمار کے آگے سب محسوس ہو گئے اور اس کا سر اوندھا ہو گیا۔

او ہمی بیند کہ آں از بہر اوست چشم دشمن بستہ زان و چشم دوست

یعنی وہ مریض تو دیکھ رہا ہے کہ وہ اس کے لیے ہے اور اس سے چشم دشمن و دوست سب بند ہیں کسی کو کچھ خبر نہیں اور وہ انکو دیکھ دیکھ کر ہول کھا رہا ہے اور اسکو جو یہ ساری چیزیں دکھائی دے رہی ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ۔

حرص دنیا رفت و چشمش تیز شد چشم او روشن گہہ خونریز شد

یعنی حرص دنیا کی جاتی رہی اور اس کی آنکھ تیز ہو گئی اور اس کی آنکھ بڑی خونریزی کے وقت بند ہوئی یعنی ان اشیاء کو دیکھنے سے مانع تو یہ حرص دنیا ہی تھی اب وہ نہیں رہی لہذا سب منکشف ہو گیا مولانا فرماتے ہیں کہ بہت ہی نا وقت اسکی آنکھ کھلی اگر کچھ پہلے سے آنکھ کھلتی تو کچھ علاج بھی کرلیتا۔

مرغ بے ہنگام شد آں چشم او از نتیجہ کبر او و زخشم او

یعنی اُس کی یہ آنکھ مرغ بے ہنگام ہو گئی ہے اُس کے کبر و خشم کے نتیجہ سے یعنی پہلے سے کبر و خشم اُس کی آنکھ کو بند کئے ہوئے تھے اب جب کہ وہ جاتے رہے تو اُس کی آنکھ کھلی تو یہ مرغ بے ہنگام ہے کہ جسطرح وہ اذان بے وقت دیتا ہے اُسی طرح یہ کھلی بے وقت ہے

سر بریدن واجب آید مرغ را کو بغیر از وقت جنباند درا

یعنی اس مرغ بے ہنگام کا سر کاٹنا ضروری ہے (عرفاً) کیونکہ وہ بغیر وقت کے آواز کو ہلاتا ہے تو اسی طرح اُس آنکھ کو بھی ہلاک کر دینا ضروری ہے اب کوئی کہتا ہے کہ اچھا اسوقت تو ہمکو نزاع نہیں ہے جب ہو گا دیکھا جائے گا۔ مولانا اسکا جواب فرماتے ہیں کہ۔

ہر زماں نزعی است جزو جانت را بنگر اندر نزع جاں ایمانت را

یعنی تمہارے اجزاء جان کو ہر وقت نزع ہے تو تم نزع جان کے اندر ایمان کو دیکھو مطلب یہ کہ تم کہتے ہو کہ نزع کے وقت ایمان کو درست کر لیں گے تو تمہاری جان کا نزع تو جب ہو گا جب ہو گا اسوقت تمہارے اجزا کا نزع ہو رہا ہے کہ جیوں جوں گھڑیاں گذرتی جاتی ہیں اُن میں کمی

اور انحطاط ہوتا ہے پھر جب ایک قسم کا نزع اب بھی ہورہا ہے تو اب بھی تم دیکھو کہ ایمان درست ہے یا نہیں خوب کہا ہے ؎ تسرالمرء ماذھب اللیالی + وکان ذھابھن لہ ذھابا + اور کہا ہے کہ۔ ہردم تجھے گھڑیال یہ دیتا ہے منادی + لے ایک گھڑی عمر تری اور گھٹادی + آگے اس عمر کے ہر وقت گھٹنے کی ایک بہت ہی نفیس مثال فرماتے ہیں۔ کہ

عمر تو مانند ہمیان زر است ۔۔۔ روز و شب مانند دینار اشمر است

یعنی عمر تیری اشرفیوں کی ہمیانی کی طرح ہے کہ رات دن اشرفی گننے والے کی طرح ہے۔

می شمارد می دہد زر بیوقوف ۔۔۔ تا کہ خالی گردد و آید خسوف

یعنی وہ گننے والا گن رہا ہے اور بے سوچ سمجھے دے رہا ہے یہاں تک کہ وہ خالی ہوجاویگا خسوف میں آجاوے گا یعنی جب وہ خرچ تو کرے گا اور اس کی جگہ اور رکھیگا نہیں تو ظاہر ہے کہ ایک دن وہ خرچ ہو جاوے گی خواہ خزانہ قارون ہی ہو۔

گر ز کہ بستانی و نہی بجائے ۔۔۔ اندر آید کوہ زاں دادن زپائے

یعنی اگر پہاڑ میں سے لینا شروع کرد اور اس کی جگہ کچھ رکھو نہیں تو اس دینے سے پہاڑ بھی جگہ سے گر پڑے اور ختم ہو جاوے تو جب تمہاری عمر ختم تو ہورہی ہے اور اس کی جگہ کچھ رکھا جاتا نہیں ہے تو آخر نتیجہ یہ ہوگا کہ ایک دن ختم ہو جاویگی لہذا ضروری ہے کہ ہر دم اور ہر گھڑی ایمان کی خبر رکھو۔ تو اگر صرف خرچ ہو اور اسکی عوض میں کوئی چیز نہ رکھی جاوے تو پہاڑ بھی ختم ہو جاوے اور اگر عوض رکھدیا جاوے تو پھر نقصان نہیں ہوتا اسلئے فرماتے ہیں کہ

پس بنہ بر جائے ہر دم را عوض ۔۔۔ تا زواسجد واقترب یابی غرض

یعنی پس ہر دم کا عوض اس کی جگہ رکھ تاکہ واسجد واقترب سے تم غرض کو حاصل کرو یعنی تم اپنے ہر سانس کے عوض میں جس سے کہ عمر ختم ہورہی ہے ذکر اور طاعت کو عوض میں رکھو پھر اگر بظاہر عمر ختم بھی ہو جائیگی مگر حقیقت میں تمکو عمر جاودانی اور حیات ابدی حاصل ہوگی۔

در تمامی کارہا چندیں مکوش ۔۔۔ جز بکارے کہ بود در دیں مکوش

یعنی تمام کاموں میں اتنی کوشش مت کرو سوائے اس کام کے جو دین میں ہو اور کسی میں کوشش مت کرو مطلب یہ کہ امور دنیاوی میں اسقدر کوشش مت کرو کہ بس اسی میں کھپ جاؤ

اس قسم کی کوشش تو امور دینی میں ہونی چاہیئے نہ کہ امور دنیاوی میں اس لیئے کہ

عاقبت تو رفت خواہی ناتمام　　کارہایت ابتر و نانِ تو خام

یعنی آخر کار تو ناتمام ہی چلا جاوے گا کہ تیرے کام ابتر ہوں گے اور تیری روٹی کچی ہوگی مطلب یہ کہ دنیا کے تو تمام کام آخر کار ناتمام ہی رہ جاویں گے اس لیئے اس سے ابھی سے اُن کو ترک کردو کہ کچھ مفید نہیں ہے اب یہاں کوئی کہتا ہے کہ جناب آپ موت کو یاد رکھنے کہتے ہیں تو ہمنے تو دلمیں اسقدر یاد کر رکھا ہے کہ اتنا بڑا مقبرہ بنایا ہے اور اسقدر لاگت سے سنگ مرمر کی قبر بنائی ہے تو اس کا جواب دیتے ہیں کہ۔

وین عمارت کردن گور و لحد　　نے بہ سنگ است و نہ چوب و نہ لبد

یعنی اور یہ گور و لحد کی عمارت کرنا نہ پتھر سے ہے اور نہ لکڑی سے اور نہ نمدوں سے۔

بلکہ خود را در صفا گورے کنی　　در منیِّ او کنی دفن این منی

یعنی بلکہ اپنی کو صفا میں ایک گور بنالو کہ اس کے وجود میں تم اپنے اس وجود کو دفن کردو مطلب یہ کہ صفائی قلب حاصل کرو اور اُسمیں مرتبہ فنا کا حاصل کرو کہ مردہ کی طرح اُسمیں دفن ہوجاؤ

خاکِ او گردی و مدفونِ غمش　　تا دمت یابد مددہا از دمش

یعنی اُسکی خاک بن جاؤ اور اُس کے غم میں مدفون ہوجاؤ تاکہ تمہارا دم دم حق سے مدد پاوے یعنی فنا حاصل کرو تاکہ حق تعالیٰ تمہاری مدد فرماویں۔

گورخانہ قبہا و کنگرہ　　نبود از اصحابِ معنی آں سرہ

یعنی گورخانہ اور قبے اور کنگرے اصحاب معنی کو یہ پسندیدہ نہیں ہیں اس لیئے کہ

بنگر اکنوں زندۂ اطلس پوش را　　ہیچ اطلس دست گیرد ہوش را

یعنی اب تم کسی زندۂ اطلس پوش کو دیکھ لو کہ اطلس نے کچھ ہوش ہیں مدد کی یعنی قبر میں کچھ اُس کے ہوش و حواس میں اطلس نے مدد کی اور اُن کو قوت پہونچائی ہے یا نہیں تم خود ہی دیکھ لو بلکہ جو زندہ ہی ہیں ان کی تو یہ حالت ہوتی ہے کہ۔

در عذاب منکرست آں جانِ او　　کژدمِ غم در دلِ غمدانِ او

یعنی اُس کی جان عذاب منکر میں ہے اور غم کے بچھو اُسکے دل غمدان میں ہیں۔

از بروں بر ظاہرش نقش و نگار ۔ وز درون اندیشہ ہایش زار و زار

یعنی باہر تو اس کے ظاہر میں نقش و نگار ہیں اور اندر سے اس کے افکار زار زار مطلب یہ کہ اسکی قبر وغیرہ بظاہر تو بہت منقش ہے مگر اندر سے جو حالت ہے اس کی خبر ہی نہیں کہ بیچارہ خراب وخستہ ہو رہا ہے اس رند اطلس پوش کی تو یہ حالت ہو گئی۔

واں یکے بینی دراں دلق کہن ۔ چوں نبات اندیشہ و شکر سخن

یعنی اس ایک کو دیکھو کہ پرانی گدڑی میں نبات کی طرح تو اس کے افکار ہیں اور باتیں شکر کی طرح ہیں یعنی ایک وہ شخص ہے کہ پھٹی پرانی گدڑی میں ہے اور اسکا ظاہر بہت ہی خراب ہے مگر قلب دیکھو تو اندر سے شگفتہ ہے اور قبر بھی اندر سے پر نور اور رحمت سے بھری ہوئی ہے تو ظاہر کا کوئی اعتبار نہیں ہے اصل میں اعتبار اندرون اور قلب کا ہے لہذا اسکو درست کرو ظاہر خراب بھی ہو تو کوئی حرج بھی نہیں ہے آگے پھر ان مسافروں کی حکایت بیان فرماتے ہیں کہ ۔

شرح حبیبی

گفت ناصح بشنوید ایں پند من ۔ تا دل و جاں تاں نگردد ممتحن

با گیاہ و برگ ہا قانع شوید ۔ در شکار پیل بچگاں کم روید

من بروں کردم زگردن دام نصح ۔ جز سعادت کے بود انجام نصح

من بہ تبلیغ رسالت آمدم ۔ تا رہانم مر شمارا از ندم

ہیں مبادا کہ طمع تاں رہ زند ۔ طمع برگ ایں جہاں تاں برکند

ایں بگفت و خیر بادے کرد و رفت ۔ گشت قحط و جوع شاں در راہ زفت

ناگہاں دیدند سوئے جادہ ۔ پور فیلے فربہے نوزادہ

اندر افتادند چوں گرگان مست ۔ پاک خوردند و فرو شستند دست

آن یکی همرہ نخورد و پند داد　　که حدیث آن فقیرش بود یاد

از کبابش مانع آمد آن سخن　　بخت نو بخشد ترا عقل کہن

پس بیفتادند و خفتند آن ہمہ　　آن گرسنہ پاسبان آن رمہ

دید پیلے سہمناکے میرسید　　اولا آمد سوئے حارس دوید

بوئے میکرد آن دہانش را سہ بار　　ہیچ بوئے زو نیامد ناگوار

چند بارے گرد او برگشت و رفت　　مر ورا نازرد آن شہ پیل زفت

مر لب ہر خفتہ را بوئے کرد　　بوئے می آمد ورا زاں خفتہ مرد

کز کباب پیل زادہ خوردہ بود　　بر درانید و بکشتش پیل زود

در زماں او یک بیک را زاں گروہ　　بر درانید و نبودش زاں شکوہ

بر ہوا انداخت ہر یک را گزاف　　تا ہمی زد بر زمین می شد شگاف

اے خورندہ خون خلق ازرہ بگرد　　تا نیارد خون ایشانت نبرد

مال ایشاں خون ایشاں داں یقین　　زانکہ مال از زور آید در یمین

مادر آن پیل بچہ کین کشد　　پیل بچہ خوردہ را کیفر کشد

پیل بچہ می خوری اے پارہ خوار　　ہم برآرد خصم پیل از تو دمار

بوئے رسوا کرد مکر اندیش را　　پیل داند بوئے بچہ خویش را

آنکہ یابد بوئے حق را از یمن　　چوں نیابد بوئے باطل را ز من

مصطفیٰ چوں بوئے برد از راہ دور　　چوں نیابد از دہان ما بخور

ہم بیابد لیک پوشاند ز ما　　بوئے نیک و بد بر آید بر سما

تو ہمی خسپی و بوئے آن حرام　　می زند بر آسمان سبز فام

همرهٔ انفاس زشتت می شود — تا به بوگیران گردوں می رود
بوئے کبر و بوئے حرص و بوئے آز — در سخن گفتن بیاید چوں پیاز
گر خوری سوگند من کے خوردہ ام — از پیاز و سیر تقوی کردہ ام
آں دمت سوگند غمازی کند — بر دماغ ہمنشیناں برزند
پس دعاہا رد شود از بوئے آں — آں دل کژ می نماید از زباں
اخسئوا آید جواب آں دعا — چوب رد باشد جزائے ہر دغا
گر حدیثت کژ بود معنیش راست — آں کژی لفظ مقبول خداست
ور بود معنے کژ و لفظت نکو — آنچناں لفظے نیرزد یک تسو
آں بلال صدق در بانگ نماز — حی را ہی خواند از روئے نیاز
تا بگفتند اے پیمبر نیست راست — ایں خطا اکنوں کہ آغاز بناست
اے نبی و اے رسول کردگار — یک مؤذن کو بود افصح بیار
عیب باشد اول دین و صلاح — لحن خواندن لفظ حیّ علے الفلاح
خشم پیغمبر بجوشید و بگفت — یک دو رمزے از عنایات نہفت
کاے خساں نزد خدا ہیّ بلال — بہتر از صد حی و حی قیل و قال
وامشورانید تا من رازتاں — وانگویم زآخر و آغازتاں
گر نداری تو دم خوش در دعا — رو دعا میخواہ زاخوان صفا
بہر ایں فرمود با موسی خدا — وقت حاجت خواستن اندر دعا
کاے کلیم اللہ ز من میجو پناہ — با دہانے کہ نکردی تو گناہ
گفت موسی من ندارم آں دہاں — گفت ما را از دہان غیر خواں

آنچناں کن کہ دہانہا مر ترا	در شب و در روزہا آرد دعا
از دہان غیر کے کردی گنا	از دہان غیر بر خواں کاے خدا
یا دہان خویشتن را پاک کن	روح خود را چابک و چالاک کن
ذکر حق پاکست چوں پاکی رسید	رخت بر بندد برون آید پلید
می گریزد ضدہا از ضدہا	شب گریزد چوں برافروزد ضیا
چوں برآید نام پاک اندر دہاں	نے پلیدی ماند و نے آں دہاں
آں یکے اللہ می گفتے شبے	تا کہ شیریں گردد از ذکرش لبے
گفت شیطانش خمش اے سخت رو	چند گوئی آخر اے بسیار گو
ایں ہمہ اللہ گفتی از عتو	خود یکے اللہ را لبیک کو +
می نیاید یک جواب از پیش تخت	چند اللہ می زنی با روئے سخت
او شکستہ دل شد و بنہاد سر	دید در خواب او خضر اندر خضر
گفت ہیں از ذکر چوں وا ماندہٗ	چوں پشیمانی ازاں کش خواندہٗ
گفت لبیکم نمی آید جواب	زاں ہمی ترسم کہ باشم رد باب
گفت خضرش کہ خدا گفت ایں بمن	کہ برو با او بگو اے ممتحن
گفت آں اللہ تو لبیک ماست	ایں نیاز و سوز و دردت پیک ماست
نے ترا در کار من آوردہ ام +	نے کہ من مشغول ذکرت کردہ ام
حیلہ ہا و چارہ جوئیہائے تو	جذب ما بود و گشاد آں پائے تو
ترس و عشق تو کمند لطف ماست	زیر ہر یا رب تو لبیک ہاست
جان جاہل زیں دعا جز دور نیست	زانکہ یا رب گفتنش دستور نیست

همه دهان و لبش قفل است وبند — تا ننالد با خدا وقت گزند

داد مر فرعون را صد ملک و مال — تا بکرد او دعوی عز و جلال

در همه عمرش ندید او درد سر — تا ننالد سوی حق آن بدگهر

داد او را جمله ملک این جهان — حق ندادش درد و رنج و اندهان

زانکه درد و رنج و بار اندهان — شد نصیب دوستانش در جهان

درد آمد بهتر از ملک جهان — تا بخوانی تو خدا را در نهان

خواندن بی درد از افسردگی است — خواندن با درد از دل بردگیست

آن کشیدن زیر لب آواز را — یاد کردن مبدء و آغاز را

آن شده آواز صافی و حزین — کای خدا ای مستغاث ای معین

نالهٔ سگ در رهش بی جذبه نیست — زانکه هر راغب اسیر رهزنیست

چون سگ کهفی که از مردار رست — بر سر خوان شهنشاهان نشست

تا قیامت میخورد او پیش غار — عارفانه آب رحمت بی تغار

ای بسا سگ پوست کو را نام نیست — لیک اندر پرده می آن جام نیست

جان بده از بهر آن جام ای پسر — بی جهاد و صبر کی باشد ظفر

صبر کردن بهر این نبود حرج — صبر کن بصر مفتاح الفرج

زین کمین بی صبر و حزمی کس نجست — حزم را خود صبر باشد پا و دست

حزم کن از خورد کاین زهرین گیاست — حزم کردن زور و نور اولیاست

کاه باشد کو بهر بادی جهد — کوه کی مر باد را وزنی نهد

هر طرف غولی همی خواند ترا — کای برادر راه خواهی هین بیا

رهنمایم همرهست یا خشم رفیق　　من قلاوزم درین راه دقیق

نے قلاوزست نے ره داند او　　یوسفا کم رو سوے این گرگ خو

حزم آن باشد که نفریبد ترا　　چرب و نوشین و دانهای این سرا

که نه چربے دارد و نے نوش او　　سحر خواند می دمد در گوش او

که بیا مهمان ما اے روشنی　　خانه آن تست و تو آن منی +

حزم آن باشد که گوئی تخمه ام　　یا سقیم و خسته این دخمه ام

یا سرم دردست و درد سر ببر　　یا مرا خواندست آن خالو پسر

زانکه یک نوشت دهد با نیشها　　که بکارد در تو نوشش ریشها

زر اگر پنجاه یا شصتت دهد　　ماهیا او گوشت در شستت نهد

گر دهد خود کے دهد آن پر حیل　　جوز پوسیدست گفتار دغل

ژغژغ آن عقل و مغزت را برد　　صد هزاران عقل را یک نشمرد

یار تو خرجین تست و کیسه ات　　گر تو رامینی مجو جز ویسه ات

ویسه و معشوق تو هم ذات تست　　وین برونیها همه آفات تست

حزم آن باشد که چون دعوت کنند　　تو نگوئی مست و خواهان منند

دعوت ایشان صفیر مرغ دان　　که کند صیاد در مکمن نهان

مرغ مرده پیش بنهاده که این　　می کند آواز فریاد و انین +

مرغ پندارد که جنس اوست او　　جمع آید بر درد شان پوست او

جز مگر مرغے که حزمش داد حق　　تا نگردد گیج از آن دانه ملق

هست بے حزمی پشیمانی یقین　　حزم را تا گاز ارد محکم کن تو دین

زانکہ بے حسے ز شقاوت بر دہد	دیں رو داز دست و درد سر دہد
بشنو ایں افسانہ را و شرح ایں	تا شوی حازم برائے حفظ دیں

ناصح نے کہا کہ میری نصیحت خوب اچھی طرح سن لو تاکہ تمہارے دل وجان رنج ومحن کی مصیبت میں نہ گرفتار ہو جائیں دیکھو میں تمسے تاکیداً کہتا ہوں کہ نباتات اور بتو پر قناعت کرنا اور ہاتھی کے بچوں کے شکار کے در پے نہ ہونا میں نصیحت کا قرض اپنے سر سے اتار چکا ہوں تمکو اختیار ہے مانو یا نہ مانو لیکن اگر مانو گے تو یاد رکھو میری نصیحت کا انجام بہتر ہی ہوگا میں اس لیے آیا تھا کہ یہ پیغام جسکا پہونچانا بمقتضائے حکمت مجھپر واجب تھا تمکو پہونچا دوں اور تاکہ تم کو اس ندامت سے نجات دوں جو کہ جہل واقعہ کے سبب تمکو پیش آتی دیکھو ایسا نہ ہو کہ طمع تمکو صراط مستقیم سے بھٹکا دے اور اس جہان کے بظاہر خوش ولذیذ متاع کی طمع تمہاری بیخ کنی نہ کر دے یہ نصیحت کی اور خدا حافظ کہکر رخصت ہو گیا جب وہ چلا گیا تو ان لوگوں نے سفر شروع کیا اور رستہ میں غذا کی کمی اور بھوک بیحد ہو گئی دفعتہً انھوں نے رستہ کی ایک جانب ہاتھی کا ایک بہت چھوٹا بچہ دیکھا جو خوب موٹا تازہ تھا اسکو دیکھکر یہ لوگ اُسکو سب بھیڑیوں کی طرح لپٹ گئے اور اُسکو چٹ کر کے فارغ ہو گئے لیکن ایک ہمراہی نے نہ کھایا بلکہ اوروں کو بھی منع کیا کیونکہ اسکو حکیم کی نصیحت یاد تھی اور وہی بات اُسکو اُسکے کباب کھانے سے مانع آئی ساے رفیق شاباش کہ تو نے اس نصیحت پر عمل کیا تو دیکھنا کہ وہ پرانی اور تجربہ کار عقل تجھکو ایک نیا نصیحت عطا کریگی جیسا کہ اس کا قاعدہ ہے۔ خیر یہ لوگ کھا پی کر لیٹ رہے اور سب کے سب سو رہے اور یہ بھوکا شخص ان سب کا پاسبان ہوا اتنے میں اس نے دیکھا کہ ایک خوفناک ہاتھی آیا اور اول وہ اس محافظ کی طرف لپکا اس نے تین مرتبہ اس کا منہ سونگھا۔ لیکن اُسکو اُس کے منہ سے اپنے بچے کے کبابوں کی بو نہیں آئی وہ کئی بار اس کے چاروں طرف گھوما اور چلا گیا اس زبردست ہاتھی نے اس بیچارہ کو کچھ نہیں کہا۔ اس کے بعد ان سونے والوں میں سے ہر شخص کا منہ سونگھا پس اُن سونے والوں میں سے ہر ایک کے منہ سے جس نے اُس کے بچے کے کباب

کھائے تھے کباب کی بو آئی اُس نے اُسکو فوراً چیر پھاڑ ڈالا اور مار ڈالا اس نے اس جماعت میں سے
ایک ایک کو پھاڑ ڈالا اور اُسکو کچھ بھی خوف نہ ہوا یہ اُنکو اٹھا اٹھا کر اوپر پھینکتا تھا اور وہ گر کر
پارہ پارہ ہو جاتے تھے یہاں تک ہاتھی کا واقعہ بیان فرما کر آگے مضمون ارشادی کی طرف انتقال
فرماتے ہیں۔اور فرماتے ہیں کہ اے مخلوق کے خون کھانے والے اس روش کو چھوڑ تاکہ
ان کا یہ خون تجھے جنگ باخدا میں مبتلا نہ کر دے۔کیونکہ ارشاد ہے کہ من عادی لی ولیا
فقد آذنته بالحرب۔یا یوں کہو کہ ان کا خون تیرے مخالف نہ ہو جاوے اور تیری گردن پر
سوار ہو کر تجھے کسی بلا میں نہ پھنساوے ایک اور بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے وہ یہ کہ
ان کا مال بھی خون ہی کا حکم رکھتا ہے کیونکہ مال علی العموم کسب سے ہاتھ آتا ہے اور کسب
قوت سے حاصل ہوتا ہے اور قوت خون سے پس مال کھانا بھی حکم میں خون کھانے کے ہوا
حق سبحانہ اپنے بندوں کے یوں ہی مربی ہیں جسطرح ہاتھی اپنے بچوں کا بلکہ اس کی تربیت ہاتھی
کی تربیت سے کہیں اعلیٰ ہے خون کھانیوالے کے دشمن ہو جاتے ہیں اور اُس سے انتقام لیتے
ہیں اور گوشت کھانے والے تو ہاتھی کے بچے کھاتا ہے یعنی بندگان حق سبحانہ کو ستاتا ہی
تجھکو آگاہ ہونا چاہیئے کہ ہاتھی (حق سبحانہ) مخالف ہو کر تجھے تباہ کر دے گا یہ نہ سمجھنا کہ خبر کیسے
ہوگی خود اس کی بو ایسے مکار کو رسوا کر دیتی ہے ہاتھی اپنے بچے کی بو جانتا ہے یعنی گناہ میں
ایک خاص اثر ہوتا ہے جس سے کہ وہ ظاہر ہو جاتا ہے مگر حق سبحانہ اپنے علم میں اس اثر کے
محتاج نہیں بلکہ وہ قطع نظر اس اثر سے بھی جانتے ہیں الا یعلم من خلق وھو اللطیف الخبیر
یہاں ہاتھی کے قصہ کی مناسبت سے یہ عنوان تعبیر اختیار کیا گیا ہے خیر وہ تو علیم وخبیر ہے جناب
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی (جسوقت حق سبحانہ چاہتے تھے) اپنے زمانہ میں گناہ کو اس کے اثر خاص
سے معلوم کر لیتے تھے اس کا تمکو منکر نہ ہونا چاہیئے۔کیونکہ یہ ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا ہے انی
لاجد نفس الرحمن من قبل الیمن پس جب کہ وہ انفاس رحمانیہ کو یمن سے بقدرت
حق سبحانہ ومشیت الہیہ معلوم کر سکتے ہیں تو وہ باطل کو اسکی بو اور اثر سے کیوں نہیں معلوم کر سکتے
نیز جبکہ وہ اتنی دور سے ایک بو کو معلوم کر سکتے ہیں تو پاس سے کیوں نہیں دریافت کر سکتے
(ف) یاد رکھنا چاہیئے کہ ادراک مغیبات آپکی عام حالت نہ تھی جیسا کہ نصوص اسپر شاہد ہیں بلکہ

احوال خاصہ میں ایسا ہوتا تھا اور راز اسمیں یہ ہے کہ اس ادراک میں قوت بشریہ کو دخل نہیں بلکہ اسکا تعلق قدرت الہیہ سے ہے اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا دیگر اہل اللہ قوت بشریہ سے جو کام کرتے ہیں وہ تو ان کا اختیاری ہے اور جو بقوت الہیہ کرتے ہیں اسمیں وہ مختار نہیں اس لئے ان میں مشیت الہیہ خاصہ کو دخل ہے جب حضرت حق چاہتے ہیں اُسوقت اُن سے افعال خرق عادت صادر ہوتے ہیں اور ایسا نہیں ہوتا کہ جسوقت وہ چاہیں دیگر افعال اختیاریہ کی طرح یہ افعال بھی صادر ہو جائیں اس بنا پر ہم نے جسوقت حق سبحانہ چاہتے تھے وغیرہ الفاظ بڑھائے اور چونکہ فرمایا ہے کہ جب وہ اتنی دور سے معلوم کر لیتے تھے تو پاس سے کیوں نہ دریافت کر لیتے ہوں گے یہ قرینہ ہے اسکا کہ یہ بیان حالت حیات کا ہے نہ کہ بعد الممات کا کما ہو الظاہر اسلیے "ہم نے اپنے زمانہ میں" یہ الفاظ بڑھائے اور صیغ حال جو شعر آئندہ میں مستعمل ہوئے ہیں اُن سے کسی کو شبہ نہ ہونا چاہیئے کیونکہ مولانا استعمال صیغ میں اکثر تسامح فرماتے ہیں علاوہ ازیں یہ کلام حکایت حال پر محمول ہو سکتا ہے خنتد بردہ ضرور دریافت کر لیتے تھے مگر غایت کرم سے ہمپر اپنا علم ظاہر نہ فرماتے تھے کیونکہ افعال حسنہ وسیئہ کا اثر تو اسقدر قوی ہے کہ آسمان والوں کو بھی اس کا علم ہو جاتا ہے اور بقدرت الہیہ پھر ارباب بصیرت کاملہ جو زمین پر رہتے ہیں کیوں نہیں جان سکتے تم سوتے ہوتے ہو مگر اس حرام کی بو جو تمنے کھلایا ہے آسمان سے ٹکر کھاتی ہے وہ تمہارے بُرے سانسوں کے ساتھ ساتھ جاتی ہے حتی کہ آسمان کے صاحب ادراک رہنے والوں تک پہونچتی ہے یہ عنوان بیان بطور استعارہ کے ہے نہ کہ بطور حقیقت کے اور مقصود صرف اتنا ہے کہ تمہارے گناہوں کی آسمان والوں کو بھی اطلاع ہوتی ہے فقط) آدمی جب بات کرتا ہے تو جسطرح اسوقت پیاز کی بو آتی ہے یوں ہی تکبر اور حرص اور آز کی بو بھی آتی ہے اور باتوں ہی سے تکبر اور حرص کا پتہ چل جاتا ہے اگر تم انکار کرو کہ میرے اندر تکبر اور حرص نہیں اور قسم بھی کھاؤ تب بھی یقین نہیں ہو سکتا جسطرح کوئی شخص لہسن پیاز کھائے اور قسم کھائے کہ میں نے نہیں کھائے تو ہرگز یقین نہیں ہو سکتا بلکہ تمہارا یہ کلام یعنی یہی خود چغلی کھاوے گا اور کہیگا کہ اس نے ضرور کھایا ہے اور یہ جھوٹا ہے۔ جو انکار کرتا ہی اس لیئے کہ اسوقت اس کے منہ سے ایک بھپکارا نکلے گا جو کہ پاس بیٹھنے والوں کے دماغ سے ٹکرائیگا جب کہ تم کو معلوم ہو گیا کہ گناہوں کے لیئے ایک خاص قسم کی بو ہے جو اس کے مناسب ہے پس وہ

تو قبول دعا سے مانع ہوتی ہے کیونکہ وہ دعا اس بو کے ساتھ متلبس ہوتی ہے اور اسی کی بو ناپسندی کے سبب سے دعا بھی رد ہو جاتی ہے نیز جس طرح بوئے پیاز سے باطنی حالت معلوم ہو جاتی ہے یونہی اس دعا سے بھی دل کی کجی معلوم جاتی ہے پس ایسی دعا کا جواب یہ ہوتا ہے کہ دور ہو جاؤ مجھ سے کلام مت کرو کیونکہ یہ ایک قسم کا فریب ہوتا ہے اور فریب کا جواب رد کے ڈنڈے سے دیا جاتا ہے یاد رکھو کہ حق سبحانہ کی جناب میں الفاظ کام نہیں دیتے بلکہ وہاں نیک کی ضرورت ہے پس اگر الفاظ درست نہوں اور نیت ٹھیک ہو تو وہ نادرست الفاظ حق سبحانہ کے یہاں مقبول ہیں اور اگر معنی درست نہوں اور الفاظ درست ہوں تو انکی جناب میں غلطی کچھ بھی وقعت نہیں دیکھو حضرت بلال رضی اللہ عنہ اذان میں حیّ کی جگہ ہیّ کہتے تھے مگر خلوص کے ساتھ اسپر کچھ لوگوں نے کہا کہ حضور والا اسوقت دین کی ابتدائی حالت ہے ایسی حالت میں ایسی غلطی ٹھیک نہیں پس یا رسول اللہ و یا نبی اللہ آپ کوئی ایسا موذن مقرر فرمایئے جس کی زبان صحیح اور صاف ہو کیونکہ ابتدائے دین و آغاز ہدایت میں حی علی الفلاح کو ہی علی الفلاح پڑھنا سخت عیب کی بات ہے لوگوں کو اس سے نفرت ہو گی یہ سنکر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا غضب جوش میں آیا اور حق سبحانہ کی ان مخفی عنایتوں میں سے ایک دو کو اشارۃً ظاہر فرمایا جو کہ مخلصین پر ہوتی ہیں اور یہ فرمایا کہ ارے بیا خبرو بلال کے ہیّ حق سبحانہ کی جناب میں تمہاری محض زبانی حی وحی سے بہتر ہے دیکھو تم مجھے بہت نہ پریشان کرو ورنہ میں تمہارے راز اول سے آخر تک سب کہہ ڈالوں گا اس سے ثابت ہوا کہ وہاں الفاظ کی پوچھ نہیں بلکہ معنی کی قدر ہے اب اگر خود تمہارے اندر یہ صفت نہیں ہے تو جاؤ۔ دیگر اہل اللہ اور ارباب صفائے باطن سے دعا کراؤ چونکہ آدمی کچھ نہ کچھ گناہ ضرور کرتا ہے خواہ وہ اس کے مرتبہ ہی کے نسبت سے گناہ ہو اور فی نفسہ گناہ نہ ہو اسلیئے اس کے حق میں خود انکی دعا کی نسبت دوسروں کی دعا زیادہ مقبول ہوتی ہے اس بنا پر حق سبحانہ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے جبکہ وہ دعا میں اپنی حاجات طلب کر رہے تھے یہ فرمایا کہ اے کلیم تجھے مجھکو ایسے منہ سے مانگنا چاہیئے جس سے تم نے گناہ نہ کیا ہو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا کہ یا اللہ میرا منہ تو ایسا نہیں حق سبحانہ نے جواب دیا کہ مطلب یہ ہے کہ دوسرے شخص سے اپنے لیئے دعا منگواؤ یعنی تمکو ان کے ساتھ ایسا برتاؤ کرنا چاہیئے کہ وہ رات دن تمہارے لیئے دعا کریں پس یہ وہ منہ ہے جس سے تم نے گناہ نہیں کیا کیونکہ دوسرے کے منہ سے آدمی گناہ نہیں کرتا لہذا اس سے دعا

منگوانا چاہیئے اور دوسری صورت یہ ہے خود اپنے ہی منہ کو پاک کرنا چاہیئے۔ جسکا طریقہ یہ ہی
کہ اپنی روح کو راہ طاعت میں چست وچالاک کرنا چاہیئے اور ذکر حق میں مشغول ہونا چاہیئے اس سے
پاکی حاصل ہو جاویگی کیونکہ حق سبحانہ کا ذکر تو پاک ہے جب پاکی آجائیگی تو ناپاکی خود ڈیرہ ڈنڈا اٹھا
چلتا ہوگی۔ کیونکہ پاکی اور ناپاکی ایک دوسرے کی ضد ہیں اور ایک ضد دوسری ضد سے بھاگتی ہے
دیکھو جب روشنی آتی ہے تو تاریکی چھپت ہو جاتی ہے پس جب ذکر اللہ منہ میں آئیگا تو نہ ناپاکی رہیگی
اور نہ ناپاک منہ رہے گا۔ اب ہم ایک قصہ بیان کرتے ہیں جس سے بدلالت مطابقی تو قبولیت ذکر
ثابت ہوگی اور بدلالت الزامی ذکر اللہ کا مطہر دہن ہونا ظاہر ہوگا ایک شخص رات کو اللہ اللہ
کیا کرتا تھا تاکہ ذکر اللہ سے اس کے ہونٹوں کو شیرینی اور لذت حاصل ہو۔ ایک مرتبہ شیطان نے
اس سے کہا کہ اے بے حیا چپ بھی رہ آخر تو کب تک اللہ اللہ کرے گا تو نے حد سے بڑھکر اور
اسقدر کثرت سے اللہ اللہ کی بھلا ایک ندا کا بھی جواب ملا تخت شاہی سے تو ایک بھی جواب نہ ملا
تو بے حیائی سے کب تک اللہ اللہ کے نعرے لگاتا رہے گا اس وسوسہ سے وہ شکستہ دل ہو کر
لیٹ رہا تب لیٹے ایک سبزہ زار کے اندر حضرت خضر علیہ السلام کو خواب میں دیکھا انھوں نے فرمایا
ارے تو نے ذکر کیوں چھوڑ دیا اور خدا کو پکارنے سے تو پشیمان کیوں ہوا اس نے کہا
چونکہ میری ندا کا جواب نہیں ملتا اس لیئے میں خیال کرتا ہوں کہ حق سبحانہ کو میرا پکارنا پسند
نہیں اور جب میرا پکارنا ان کو ناپسند ہے تو ایک ایسے فعل کی کثرت سے جوان کو ناپسند ہے
مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں وہ زیادہ ناخوش نہوں۔ اور میں بالکل ہی مردود ہو جاؤں حضرت
خضر علیہ السلام نے فرمایا کہ حضرت حق جل علا نے مجھے حکم دیا ہے کہ تم جاؤ اور جاکر اس سے یہ کہو
کہ اے کمبختی مارے یہ تیرا اللہ اللہ کہنا ہی ہماری لبیک ہے جو تجھکو خشوع وخضوع اور درد و
سوز کے ذریعہ سے پہونچتی ہے جو کہ ہمارے قاصد ہیں یعنی میں نے ہی تو تجھے دین کے کام میں لگایا
ہے اور میں نے ہی تجھے ذکر میں مشغول کیا ہے یہ تیری تدبیریں اور علاج ہمارے جذب کا نتیجہ
ہیں جنھوں نے تیرا پاؤں کھولا اور ہمارے رستہ پر چلا آیا اور یہ جو تیرے اندر خوف اور محبت
ہے یہ ہماری ہی لطف کی کمند ہے اس سے ثابت ہوا کہ تیرے ایک اللہ کے تحت میں ہمارے
بہت سے جواب موجود ہیں یاد رکھو کہ خدا کو نہ پہچاننے والیکو دعا ہی میسر نہیں ہوتی کیونکہ اسکو

دعا کی اجازت ہی نہیں اس کے منہ پر اس کے ہونٹوں پر قفل لگا ہوا ہے تاکہ تکلیف کے وقت وہ حق سبحانہ کے سامنے نہ رو سکے چنانچہ فرعون کو بہت کچھ مال اور ملک دیا حتی کہ اُسنے عزت و عظمت حقیقی کا دعویٰ کیا اور عمر بھر میں اس کے سر میں کبھی درد نہیں ہوا یہ سب اسلیئے کیا گیا کہ یہ امور اسکے ہونٹوں کے لیئے قفل کا کام دیں اور توجہ الی اللہ سے اسکو مانع ہو جائیں اور وہ حق سبحانہ کے حضور میں رو نہ سکے حق سبحانہ نے اسکو ملک دنیا عطا کیا اور رنج و غم کچھ نہ دیا اسکی وجہ یہ تھی کہ رنج و غم دنیاوی اس کے دوستوں کا حصہ ہیں کیونکہ یہ باعث ہیں مزید توجہ الی الحق کے پس دشمنوں کو کیسے مل سکتے ہیں (ف یاد رکھنا چاہیئے کہ مطلق رنج و غم دنیاوی دوستوں کا حصہ نہیں ہیں کیونکہ یہ خلاف مشاہدہ ہے بلکہ وہ رنج و غم اُن کا حصہ ہیں جو موجب توجہ الی اللہ ہوں) پس درد تمام ملک دنیا سے بہتر ہے اسلیئے کہ اسکا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ تم متوجہ الی الحق ہوتے ہو برخلاف ملک دنیا کے کہ وہ مشاغل عن الحق ہے اور اگر بدون درد کے کوئی پکارتا ہے تو محض اوپری دل سے ہوتا ہے جو نہ پکارنے کے برابر ہے اور درد کے ساتھ پکارنا یہ شگفتگی کے ساتھ اور تہ دل سے ہے چپکے ہی چپکے حق سبحانہ کو پکارنا اپنی ابتدائی حالت کو یاد کرنا آواز کا صاف اور غمگین ہونا اور یہ کہنا کہ اے خدا اے فریاد رس اے مددگار یہ تمام باتیں درد ہی سے ہوتی ہیں جو عطار حق سبحانہ ہوتا ہے آدمی تو آدمی کتے کا نالہ بھی اُس کی راہ میں بدون جذب حق سبحانہ نہیں ہے کیونکہ جو حق سبحانہ کی طرف راغب ہونے والا ہے وہ پابند ہے ایک رہزن کا جو اسکو مانع ہوتا ہے اس رغبت سے پس اس معاوقت کو اٹھانا اور دواعی کو مسلط کرنا یہ کام حق سبحانہ ہی کا ہے اس لیئے ہر توجہ الی اللہ ناخوشی از جذب حق ہے مگر جذب حق کے درجات متفاوت ہیں بعض جذبات کے بعد خذلان نہیں ہوتا اور بعض کے بعد ہو جاتا ہے) میں نے اوپر کہا تھا کہ کتا بھی اس کی راہ میں بدون جذب کے نالاں نہیں ہوتا۔ اس سے معلوم ہوا تھا کہ کتا بھی مجذوب حق ہوتا ہے اپر کسی کو استعباد نہ ہونا چاہیئے کیونکہ اس کی مثال موجود ہے۔ دیکھو سگ اصحاب کہف مردار سے چھوٹا بادشاہوں کے ساتھ خوان رحمت پر بیٹھ گیا اور قیامت تک وہ غار کے سامنے بیٹھا ہوا آب رحمت سے بدون تغاری کے سیراب ہوتا رہے گا یہ تو حقیقی کتا تھا اور بہت سے اہل اللہ ایسے ہیں کہ کتے کی طرح لوگوں کی نظروں میں ذلیل و خوار ہیں اور ان کا نام بھی کوئی نہیں جانتا

لیکن باطن میں وہ جام محبت سے خالی نہیں ہیں پس انکی طرح تمکو بھی یہ جام حاصل کرنا چاہیے اور اس کے حاصل کرنے کے لئے جان بھی دیدینی چاہیئے اس لیئے کہ بدون مجاہدہ اور صبر کے کامیابی دشوار ہے اور اس جام کے حاصل کرنے کے لیے صبر کرنا حقیقت میں کچھ تنگی نہیں ہے پس صبر کرنا چاہیئے کیونکہ صبر ہی فراخی کا آلہ ہے یادرکھو کہ عام طور پر یہ ہی حالت ہے کہ بدون صبر علی الطاعات و عن المعاصی اور بغیر حزم و احتیاط کے اس گھاٹی سے کوئی نہیں نکلا الا ماشاء اللہ حزم کا ضروری ہونا تو ظاہر ہے رہا صبر وہ حزم کے لیے ممد و معاون بلکہ لازم ہے کہ اس کے بغیر حزم بھی نہیں ہو سکتا پس صبر کا ضروری ہونا بھی ظاہر ہو گیا تمکو کھانے میں احتیاط کو کام میں لانا چاہیئے اس لیئے کہ زہریلی گھاس ہے حزم و احتیاط بڑی اچھی چیز ہے کہ اولیاء اللہ کے لیے یہ قوت بازو اور موجب نور ہے یہ لوگ حزم کو ہرگز نہیں چھوڑتے اس لیئے کہ ان کی مثال پہاڑ کی سی ہے اور اوروں کی مثال کاہ کی سی پس ہوا کاہ کو تو جنبش دے سکتی ہے مگر پہاڑ کے نزدیک اس کی کوئی وقعت نہیں یہ ہی لذائذ دنیاوی عوام کو ڈگمگا سکتے ہیں مگر اہل اللہ کو نہیں ڈگمگا سکتے یادرکھ کہ ہر طرف سے تجھے ایک شیطان بلا رہا ہے کہ اے بھائی اگر تجھے راہ راست مطلوب ہے تو ادھر آ میں رہنما ہوں میں تیری ساتھ چلوں گا میں اس کٹھن منزل کا رہنما ہوں تجھکو میرا اتباع لازمی ہے یعنی شیاطین تمکو معاصی کی طرف بلاتے ہیں اور ظاہر کرتے ہیں کہ یہی سیدھا راستہ ہے لیکن تمکو آگاہ ہونا چاہیئے کہ نہ وہ رہبر ہیں اور نہ راستہ جانتے ہیں بلکہ وہ گرگ خصلت شیاطین ہیں پس اسے یوسف دیکھ اس گرگ خصلت کی طرف نہ جانا ورنہ کھا ہی جائے گا کیسی اچھی بات ہو کہ تو چرب و شیریں غذا سے دنیا کے دھوکہ میں نہ آئے اسلیئے کہ نہ اسمیں درحقیقت چکنائی ہے اور نہ شیرینی بلکہ اس کی یہ ظاہری چربی و شیرینی بمنزلہ ایک منتر کے ہے جو تجھپر پھونکا جا رہا ہے اور اس کے ذریعہ سے تجھکو پھنسایا جا رہا ہے اور کہا جا رہا ہے کہ آپ دعوت قبول فرمایئے مکان آپ ہی کا ہے اور آپ بھی ہمارے ہی ہیں کوئی تکلف کی بات نہیں پس اسوقت احتیاط یہ ہے کہ تم کہدو کہ جناب مجھے بدہضمی ہو رہی ہے یا میں بیمار اور قریب المرگ ہوں یا میرے سر میں درد ہے آپ اگر میرے سر کا درد کھو سکیں تو میں دعوت قبول کر سکتا ہوں یا میرے خالو کے بیٹے نے میری دعوت کر دی ہے لہذا میں

معذور ہوں غرضکہ کسی نہ کسی طرح پیچھا چھوڑانا چاہیئے کیونکہ وہ ایک ایسی مٹھائی ہے جسمیں سیکڑوں ڈنک ہیں اور لذت نفسانی کے ساتھ روحانی تکالیف بیحد ہیں اور اگر وہ پچاس ساٹھ اشرفیاں بھی تجھے دے تب بھی تجھے واپس کردینی چاہیئے کیونکہ یہ گوشت ہے جو شست میں لگایا جارہا ہے اور اس کے ذریعہ سے تجھے ہلاک کیا جا رہا ہے اگر وہ بظاہر دیتا ہے تو فی الحقیقت نہیں دیتا بلکہ اس کی ایسی مثال ہے جیسے بوسیدہ اخروٹ کے دیکھنے والے کو معلوم ہو کہ اخروٹ دیا اور واقعہ میں کچھ بھی نہیں دیا اور یہ گفتگو محض فریب ہے کہ میں تجھے یہ دیتا ہوں وہ دیتا ہوں حالانکہ دیتا کچھ بھی نہیں بلکہ جان لیتا ہے تجکو بت پرست بنا رہنا چاہیئے۔ نہایت تحمل کیفیت ہے اس لئے کہ اگر دنیا کو تباہی کرے گا تو اس کی بو اس تیری عقل کو کھو دیگی اور تو بالکل اس کی مٹھی میں آجائے گا وہ بڑی بلا کی گفتگو ہے کہ سیکڑوں عقلوں کو ایک کے برابر بھی نہیں سمجھتی تو ہرگز لالچ میں نہ آنا اور سمجھنا تیرا یار تو تیرا کیسہ اور تیری خرجین ہے اسمیں جو کچھ ہے وہ تیرے لیئے مفید ہے اور اگر تو راہ میں ہے تو وہی تیری معشوقہ ولیہ ہے بس اسکو چھوڑ کر کسی اور کو طلب نہ کرنا چاہیئے اب ہم بتائے دیتے ہیں کہ وہ ولیہ کون ہے وہ ولیہ اور تیری معشوقہ خود تیری ذات ہے تجھکو اس کی قدر کرنی چاہیئے اس کی حفاظت چاہیئے اور یہ چیزیں جو شیطان تیرے سامنے پیش کررہا ہے یہ تو دین کھو دینے والی اور آفتیں ہیں پس احتیاط کی بات یہ ہے کہ جب شیاطین تیری دعوت کریں اور تجھے معاصی کی طرف بلائیں تو تو ان کو اپنا مشتاق اور طالب نہ سمجھ بیٹھے بلکہ ان کی دعوت کو ایسا سمجھنا چاہیئے جیسے وہ آواز جو شکاری گھات میں چھپکر جانوروں کی آواز کے مشابہ بولتا ہے اور اپنے سامنے ایک مردہ جانور اس لیئے رکھ لیتا ہے تاکہ معلوم ہو کہ یہ فریاد آہ وزاری کرتا ہے جانور سمجھتے ہیں کہ یہ ہماری جنس سے ہے یہ سمجھکر اکٹھے ہو جاتے ہیں اور وہ شکاری پکڑ کر سب کی کھال ادھیڑ ڈالتا ہے اس تدبیر سے سب جانور دھوکے میں آجاتے ہیں مگر وہی جانور بچتا ہے جسکو حق سبحانہ نے حزم عطا کیا ہے وہ اس خوشامد کے دانہ کے لیئے احمق نہیں بنتا یوں ہی شیاطین کی حالت سمجھ لو کہ وہ ہر ایسی تدبیر کرتے ہیں جس سے آدمی پھنسے چنانچہ عوام پھنس جاتے ہیں مگر اہل اللہ جو کہ حزم کو کام میں لاتے ہیں نہیں پھنستے سمجھ لو کہ بدوں حزم کے پشیمانی یقینی ہے دیکھنا حزم کو نہ چھوڑنا اور اپنے

دین کو مضبوط پکڑنا کیونکہ بے احتیاطی کا نتیجہ محرومی ہے دین بھی ہاتھ سے جاتا رہتا ہے اور خواہ مخواہ کی چپقلش میں آدمی پھنس جاتا ہے اب یہ قصہ اور اس کی تفصیل سنو تاکہ تم اپنے دین کی حفاظت کے لئے محتاط بنو فقط۔

شرح شبیری

مسافروں اور ہاتھی کے بچوں کی حکایت کی طرف رجوع

گفت ناصح بشنوید این پند من　　تا دل و جاں تاں نگردد ممتحن

یعنی اس ناصح نے کہا کہ میری بات سن لو تاکہ تمہارا دل وجان مصیبت میں نہ پڑے

با گیاہ و برگ ہا قانع شوید　　در شکار پیل بچگاں کم روید

یعنی گھاس اور پتوں ہی پر قانع رہنا اور ہاتھی کے بچوں کے شکار میں مت جانا۔

من بروں کردم ز گردن وام نصح　　جز سعادت کے بود انجام نصح

یعنی میں نے اپنی گردن سے نصیحت کے جال کو نکال دیا اور سوائے سعادت کے اور کچھ انجام نصیحت کب ہوگا۔ مطلب یہ کہ میرے ذمہ جو نصیحت کرنا تھی میں کرچکا اب تسلیم کرنا نہ کرنا تمہارا کام ہے میں سبکدوش ہوگیا۔

من بہ تبلیغ رسالت آمدم　　تا رہانم مر شمارا از ندم

یعنی میں تو پیام رسانی کے لئے آیا ہوں تاکہ تمکو ندامت سے چھڑادوں

ہیں مبادا کہ طمع تاں رہ زند　　طمع برگ از بیخ تاں بر کند

یعنی ایسا نہ ہو کہ طمع تمہاری راہ مارے اور توشہ کی طمع کہیں جڑ سے اکھاڑ دے

ایں بگفت و خیر بادی کرد و رفت　　گشت قحط و جوع شاں در راہ زفت

یعنی اس نے یہ کہا اور ایک خیر بادکی اور چلدیا اور اُن لوگوں کی بھوک اور محط راستہ میں اور سخت ہوگیا۔

ناگہاں دیدند سوئے جادۂ پور فیلے فربہ نوزادہ

یعنی انھوں نے ناگاہ ایک بٹیا کی طرف ایک ہاتھی کا بچہ موٹا نیا پیدا شدہ دیکھا۔

اندر افتادند چوں گرگان مست پاک خوردند و فروشستند دست

یعنی اس میں مست بھیڑیوں کی طرح پڑ گئے اور بالکل صاف کر کے کھا گئے اور ہاتھ دھو لیے
یعنی خوب کھا پی کر فارغ ہو گئے۔

آں یکے ہمرہ نہ خورد و پند داد کہ حدیث آں فقیرش بود یاد

یعنی اُس ایک ہمراہی نے نہ کھایا اور سب کو نصیحت کی کیونکہ اُسکو اُس فقیر کی نصیحت یاد تھی

از کبابش مانع آمد آں سخن بخت نو بخشد ترا عقل کہن

یعنی کبابوں سے اُسکو وہ بات مانع ہوئی (مولانا فرماتے ہیں کہ) پرانے لوگوں کی عقل تم کو بخت نو بخشتی ہے اور اُس سے بخت تو حاصل ہوتا ہے خیر اس نے نہ کھایا اور اُن سب نے کھایا اور نیند کھانے کے نیند آتی ہے تو وہ تو سو رہے اور یہ چونکہ بھوکا تھا لہذا اُسکو نیند کہاں یہ چوکیدار کی طرح بیٹھ گیا۔

پس بیفتادند و خفتند آں ہمہ واں گرسنہ پاسباں آں رمہ

یعنی سب پڑ گئے اور سو گئے اور وہ بھوکا اس جماعت کا پاسبان تھا۔

دید پیلے سہمناکے در رسید اولاً آمد سوئے حارس دوید

یعنی ایک خوفناک ہاتھی کو دیکھا کہ وہ آیا اول تو اس چوکیدار کی طرف لپکا

بوئے می کرد آں دہانش را سہ بار ہیچ بوئے زو نیامد ناگوار

یعنی اُس کے منہ کو تین دفعہ سونگھا تو کوئی ناگوار بو اس کے منہ میں سے نہ آئی

چند بارے گرد او برگشت و رفت مر ورا نازد آں شہ پیل زفت

یعنی چند بار اس کے گرد پھرا اور چلدیا اور اس زبردست ہاتھی نے اُس شخص کو کچھ بھی نہ ستایا

پس لب ہر خفتہ را بوئے کرد بوئے می آمد ورا زاں خفتہ مرد

یعنی پھر ہر سونے والے کے منہ کو سونگھا تو ہر سونے والے میں سے اُسکو بو آئی

کز کباب پیل زادہ خوردہ بود بر درانید و بکشتش پیل زود

یعنی کیونکہ کباب پیل زادہ میں سے کھائے تھے تو اُس ہاتھی نے اسکو جلدی سے پھاڑ دیا اور مار دیا

درزماں او یک بیک را زاں گروہ   می درانید و نبود ش زاں شکوہ

یعنی اُس نے اُسی وقت اس گروہ میں سے ایک ایک کو چیر پھاڑ دیا اور کوئی خوف نہیں کیا

بر ہوا انداخت ہر یک از گزاف   تا ہمی زد بر زمیں می شد شگاف

یعنی ہر ایک کو پراگندگی سے ہوا پر پھینک دیتا تھا اور زمین پر مارتا تھا تو وہ پھٹ جاتا تھا۔ غرضکہ اُس نے خوب ہی گت بنائی۔ مولانا فرماتے ہیں کہ۔

ای خورندہ خون خلق از رہ بگرد   تا نیارد خون ایشانت نبرد

یعنی اے خلق کا خون کھانے والے اس راستہ سے پھر جاتا کہ ان کا خون تجھے مقاومت پر نہ لاوے مطلب یہ کہ دیکھ ان کے خون کا کہیں تجھ سے بدلا نہ لیا جاوے تو اس حرکت کو ترک کردے۔ یہاں یہ شبہ ہوتا تھا کہ جناب ہم تو کسی کا خون نہیں کھاتے اسکا جواب دیتے ہیں کہ۔

مال ایشاں خونِ ایشاں داں یقیں   زانکہ مال از زور آید در یمیں

یعنی ان کے مال کو ان کا خون جانو یقیناً اس لیے کہ مال زور ہی سے تو ہاتھ میں آتا ہے یعنی چونکہ مال محنت و مشقت و بذل نفس سے حاصل ہوتا ہے اور تم لوگوں کا مال خوب اُڑاتے ہو تو گویا اُن کا خون اور اُن کی جان کھا رہے ہو۔

مادر آں پیل بچہ کیں کش شد   پیل بچہ خوارہ را کیفر کش شد

یعنی اس ہاتھی کے بچہ کی ماں کینہ کھینچتی ہے اور ہاتھی کے بچہ کھانے والے کو سزا میں کھینچتی ہے مطلب یہ کہ جسطرح وہ اپنے بچہ کا انتقام لیتی ہے اسی طرح حق تعالیٰ جو کہ خلق کے مربی ہیں انتقام لیتے رہیں۔

پیل بچہ میخوری اے پارہ خوار   ہم برآرد خصم پیل از تو دمار

یعنی اے پارہ خوار تو ہاتھی کے بچے کو کھا رہا ہے تو ہاتھی جو کہ دشمن ہے تیرے اندر سے دماغ کو نکالے گا یعنی تجھے سزا دے گا۔

بوے رسوا کرد مکر اندیش را   پیل داند بوے بچہ خویش را

یعنی اُس مکار کو بو نے رسوا کر دیا اور ہاتھی اپنے بچہ کی بو کو جانتا ہے اسیطرح حق تعالیٰ بھی جانتے ہیں کہ اُسنے میری مخلوق کو ستایا ہے اور اُس نے نہیں بلکہ اُس ہاتھی کو اسباب ظاہر مثل سونگھنے وغیرہ

کی بھی ضرورت ہوئی تھی اور حق تعالیٰ کو توان اسباب کی بھی ضرورت نہیں ہے وہ تو عالم الغیب ہے وہ ہر شخص کی حالت کو جانتے ہیں کہ یہ مرزی ہے اور یہ نہیں اور بھلا حق تعالیٰ کو معلوم ہو جانا تو کچھ بھی بعید نہیں ہے جبکہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو بوئے حق و باطل بہت دور سے آجاتی تھی اُسی کو فرماتے ہیں کہ

آنکہ یابد بوئے حق را از یمن چوں نیابد بوئے باطل را ز من

یعنی جو شخص کہ حق کی بو کو یمن سے پالتے ہیں تو بو باطل کی میرے اندر سے کس طرح محسوس نکریں گے حدیث میں ارشاد ہے انی لاجد رائح الرحمان من قبل الیمن شراح حدیث نے لکھا ہے کہ اسکے مصداق حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ ہیں تو جب یمن سے آپکو بو حق کی آگئی تو بھلا باطل کی بو ہمارے اندر سے نہ آویگی ۔

مصطفےٰ چوں بوے برد از راہ دور چوں نیابد از دہان ما بخور

یعنی مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے جبکہ راہ دور سے بو محسوس فرمالی تو ہمارے منہ سے تو کسطرح بو کو محسوس نہ فرماویں گے مطلب یہ کہ حضور تو حق و باطل سب کی بو محسوس فرماتے ہیں جیساکہ اتنی دور سے بوئے حق حضور کو آئی پھر ہمارے اندر سے حضور کو کس طرح بوئے باطل نہ آویگی یقیناً معلوم ہو جاویگا کہ یہ لوگ گنہگار اور نافرمان ہیں تو حق تعالیٰ کا معلوم ہو جانا تو بطریق اولیٰ ثابت ہو گیا۔ یہاں شبہ ہوا کہ اگر حضور کو بو آتی تو کبھی تو ظاہر فرماتے حیات میں خود فرماتے اور آپ حق تعالیٰ سے عرض کرکے ظاہر فرما دیتے کہ وہ شخص رسوا ہونا اُس کا جواب فرماتے ہیں کہ

ہم بیابد لیک پوشاند ز ما بوئے نیک و بد بر آید بر سما

یعنی محسوس تو فرماتے ہیں لیکن ہم سے نیک و بد کی بو کو پوشیدہ رکھتے ہیں اور وہ آسمان پر ظاہر ہو جاتی ہے مطلب یہ کہ حضور تو کسی کو رسوا نہیں فرماتے وہ تو پوشیدہ ہی رکھتے ہیں مگر وہ بو خود آسمان پر ظاہر ہو جاتی ہے بعض لوگوں نے لکھا ہے کہ ہر آسمان پر چند فرشتے ہیں کہ جو خاص خاص گناہوں کو محسوس کرتے ہیں اور اُنکو چڑھنے سے اوپر روکتے ہیں مثلاً کبر کے لیئے اول آسمان کے فرشتے روکتے ہیں اور اسی طرح سے بعض نے اسکو حدیث بھی کہا ہے لیکن خیر اگر حدیث نہ بھی ہو تب بھی یہ مضمون ثابت ہے اس لیئے کہ فرشتوں کو تو محسوس ہوتا ہی ہے تو حضور تو پوشیدہ ہی رکھتے ہیں مگر اس طریقہ سے فرشتوں کو معلوم ہو جاتا ہے تو یہ اظہار خود ہمارے ہاتھوں ہوتا ہے نہ ایسا کام کرتے نہ یہ اظہار ہوتا

تو ہمی خسپی و بوئے آں حرام　　　　می زند بر آسمان سبز فام

یعنی تم تو سورہے ہو اور اُس حرام کی بو آسمان سبز فام پر پھیل رہی ہے جسطرح کہ اوپر بیان کیا گیا۔

ہمرہ انفاس زشتت می شود　　　　تا بہ بوگیران گردوں می رود

یعنی وہ بو تیرے انفاس زشت کے ساتھ ہوتی ہے یہاں تک آسمان کے بوگیروں تک جاتی ہے وہی مضمون مولانا خود بیان فرما رہے ہیں کہ جب گناہ کی بو اوپر کو صعود کرتی ہے تو وہ فرشتے جو کہ آسمان پر بوگیر ہیں اسکو محسوس کرتے ہیں اور تم کو اسکی خبر بھی نہیں ہوتی۔

بوئے کبر و بوئے حرص و بوئے آز　　　　در سخن گفتن بیاید چوں پیاز

یعنی کبر اور حرص کی بو بات کہنے میں پیاز کی طرح آتی ہے یعنی جس طرح کہ پیاز کھانے سے منہ میں سے بات کرنے میں بو آتی ہے اسی طرح گناہ کرنے کے بعد اس کی بو بھی اسی طرح آتی ہے اور اسکو فرشتے اور حضور محسوس فرماتے ہیں اور جب تم مخلوق خدا کو ستاؤ گے تو یقینی امر ہے کہ حق تعالی کو معلوم ہو جاوے گا اور وہ تمکو اسکا بدلا دیں گے۔

گر خوری سوگند من کے خوردہ ام　　　　از پیاز و سیر تقوے کردہ ام

یعنی اگر تم قسم کھاؤ کہ میں نے کب کھایا ہے پیاز اور لسن سے تو میں نے پرہیز کیا ہے۔

آں دمت سوگند غمازی کند　　　　بر دماغ ہم نشیناں بر زند

یعنی اسوقت وہ قسم تمہاری غمازی کرے گی اور ہمنشینوں کے دماغ پر حملہ کرے گی مطلب یہ کہ اگر تم قسم کھاؤ کہ میں نے تو پیاز نہیں کھایا ہے تو اس کہنے سے جو ایک ہوا تمہارے منہ سے نکلے گی اس ہوا میں بوئے پیاز ہوگی اور وہ بتا دے گی کہ اس شخص نے پیاز کھایا ہے اسی طرح تم انکار بھی کروگے کہ میں نے گناہ نہیں کیا ہے مگر تمہارے اس کہنے سے ہی معلوم ہو جاوے گا کہ تم نے کیا ہے اور جب معلوم ہو جاتا ہے تو اسکا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ

پس دعاہا رد شود از بوئے آں　　　　آں دل کژ مینماید در زباں

یعنی پس اسکی بو کیوجہ سے دعائیں رد ہو جاتی ہیں اور وہ کجی قلب زبان ہی سے معلوم ہو جاتی ہے یعنی اسکا اثر زبان پر آجاتا ہے اور محسوس ہو جاتا ہے کہ اسکا قلب کج ہے۔

اخسؤا آید جواب آں دعا　　　　چوب رد باشد جواب ہر دغا

یعنی اس دعا کا (جو قلب کج سے ہو) جواب اخسؤا آیا ہے اور رد کر دینے کی لکڑی ہر دغاباز کی سزا ہے قرآن شریف میں ہے کہ جب کفار کہیں گے کہ ربنا اخرجنا منہا فان عدنا فانا ظالمون تو ارشاد ہوگا کہ اخسئوا فیہا ولا تکلمون تو یہ جو ارشاد اخسئوا ہے اُسکی وجہ یہی ہے کہ اُن کے قلوب گندہ گندہ تھے اور اُس گندگی کی بو اُن سے محسوس ہوتی ہے تو اُن کی دعا مردود ہوگئی اللہم احفظنا نعوذ باللہ من الشیطان الرجیم آگے فرماتے ہیں کہ۔

گر حدیثت کژ بود معنیش راست　　　آں کژی لفظ مقبول خداست

یعنی اگر تمہارے الفاظ کج ہوں اور معنی درست ہوں تو یہ کجی الفاظ خدا کے یہاں مقبول ہے مثلاً کسی کا شین قاف درست نہیں ہے مگر دل پُر از محبت حق ہے تو اس کے وہ الفاظ بھی مقبول حق ہیں۔

ور بود معنے کژ و لفظت نکو　　　آں چناں معنی نیرزد یک تسو

یعنی اور اگر معنی تو کج ہوں اور لفظ اچھے ہوں تو ایسے معنی ایک تسو کی بھی برابر نہیں مطلب یہ کہ ظاہری الفاظ تو بڑے فرق البھڑک ہوں بڑے بھاری مقرر ہیں مگر قلب اندر سے گندہ ہے تو ان الفاظ کا کچھ اعتبار نہیں ہے یہ شخص مردود اور غیر مقبول ہی ہوگا آگے حضرت بلالؓ کی حکایت بیان فرماتے ہیں

بیان میں اس کی کہ محبوں کی خطا بیگانوں کے صواب سے بھی اولیٰ ہے

آں بلال صدق در بانگ نماز　　　حی را ہی خواند از روئے نیاز

یعنی وہ سچے بلال نماز کی اذان میں حی کو ہی کہا کرتے تھے نیاز کے طریقہ پر مطلب یہ کہ حا حطی کی جگہ ہائے ہوز اُن سے نکلتی تھی مگر یہ کسی شرارت کی وجہ سے نہ تھا بلکہ تھا نیاز و عاجزی ہی سے مگر اُن کے منہ سے نکلتا ہی اسطرح تھا۔

تا بگفتند اے پیمبر نیست راست　　　ایں خطا اکنوں کہ آغاز بناست

یعنی یہاں تک کہ لوگوں نے عرض کیا کہ پیمبر صلی اللہ علیہ وسلم یہ غلطی اسوقت ٹھیک نہیں ہے اس لیے کہ شروع بنا اسلام ہے تو لوگوں کو اعتراض کا موقعہ ملیگا کہ موذن بھی ایسا رکھا گیا جو صحیح بھی نہیں بول سکتا اور قرینہ سے معلوم ہوتا ہے کہ گفتند کے فاعل مومنین نہیں ہیں منافقین ہیں جنکو کہ اس قول

سے ہمدردی اصلاحی مقصود نہ تھی بلکہ مطلب یہ تھا کہ حضرت بلال پر جو یہ عنایت ہے کہ انکو اتنا بڑا کام ملا ہے یہ عنایت ان سے جاتی رہے اور وہ قرینہ یہ ہے کہ آگے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو کمینے فرمایا اور فرمایا کہ دیکھو چپ رہو ورنہ تمہارے اسرار بتر سے کھولدوں گا تو حضور کی عادت مومنین کے لئے ایسے ارشاد کی نہ تھی لہذا صاف معلوم ہوتا ہے کہ قول مومنین نہیں ہے پھر اگر یہ قول دل سوزی اور ہمدردی سے ہوتا تو حضور اسمیں غور فرماتے اور گمان غالب تھا کہ اسکو قبول فرما لیتے مگر اسطرح رد فرمانے سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ قول ہرگز مسلمانوں کا نہیں ہے اور کہتے ہیں کہ

اے نبی و لے رسول کردگار یک موذن کو بود افصح بیار

یعنی اے نبی اور اے رسول خدا ایک اور موذن جو کہ فصیح ہو بلایئے اسلیئے کہ

عیب باشد اول دین و صلاح لحن خواندن لفظ حی علی الفلاح

یعنی اول دین اور صلاح میں لفظ حی علی الفلاح کو غلط پڑھنا عیب ہے (لہذا دوسرا موذن تجویز فرما دیجئے)

چشم پیغمبر بجوشید و بگفت یک دو رمزے از عنایات نہفت

یعنی حضور مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا غصہ جوش میں آگیا اور عنایات پوشیدہ میں سے دو ایک رمز ارشاد فرمائے مطلب یہ کہ اسکو سنکر پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو غصہ آگیا اور حضرت بلال پر جو خاص عنایات تھیں انکو ارشاد فرمایا مثلاً یہ کہ مقرب الی الحق ہونا اور ان کے اوپر رحمت کا نازل ہونا حضور نے فرمایا اور فرمایا کہ۔

کاے خسان نزد خدا ہی بلال بہتر از صد حی و حی قیل و قال

یعنی اے کمینوں بلال کا ہی (بہ ہا ہوز) سیکڑوں حی (بہ حا حطی) سے اور قیل وقال سے بہتر ہے مطلب یہ کہ ان ظاہری الفاظ کی بناوٹ سے ان کا وہ غلط پڑھنا ہی بہتر ہے۔

وامشورانید تا من راز تاں وانگویم زآخر و آغاز تاں

یعنی بہت شور مت کرو کہ میں تمہارے راز اول سے آخر تک ظاہر نہ کردوں یعنی آپ نے ارشاد فرمایا کہ بہت ساری گڑ بڑ مت کرو ورنہ یاد رہے کہ تمہارے سارے مکر اور فساد کھولدوں گا اور لوگوں کو بتا دوں گا کہ یہ اسقدر مکار اور دغاباز ہیں اب بھلا مومنین سے حضور نے کبھی اس طرح ارشاد

فرمایا ہے ہرگز نہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اسطرح ارشاد فرمانا دلیل اس کی ہے کہ یہ سب کمبخت منافقین تھے تو دیکھو چونکہ حضرت بلال کا قلب درست تھا اُن کے الفاظ غیر صحیح ہونے پر نظر نہیں کی گئی بلکہ اُن کے اس غیر صحیح ہی کو قبول کیا گیا قصص میں لکھا ہو کہ حسن بصریؒ جو کہ ہر فن میں ماہر تھے تجوید بھی خوب جانتے تھے ایک مرتبہ پچھلی شب کو جا رہے تھے تو ایک بزرگ حبیب عجمی قرآن پڑھ رہے تھے تجوید سے کما حقہ واقف نہ تھے اور پھر تھے عجمی لہٰذا جیسا اس حالت میں قرآن پڑھنا چاہیئے پڑھ رہے تھے حضرت حسن نے چاہا کہ اُن کی اقتدا کر لیں مگر خیال ہوا کہ ان کو تجوید آتی نہیں ہے اور مجھے آتی ہے اس خیال سے آپ نے اُن کے پیچھے نماز نہیں پڑھی اور تشریف لیجا کر کہیں اور نماز پڑھ لی بعد تہجد ذرا سو گئے خواب میں حق تعالیٰ جل شانہ کی زیارت ہوئی اُنھوں نے عرض کیا کہ یاربِّ دلنی علی عمل یقربنی الیک یعنی اے اللہ کوئی ایسا عمل بتائیے کہ جس سے آپ کا قرب حاصل ہو ارشاد ہوا الصلوٰۃ خلف الحبیب العجمی یعنی حبیب عجمی کے پیچھے نماز پڑھنا یہ بہت بڑی عبادت ہے جس سے کہ میرا قرب نصیب ہو سکتا ہے اسکی وجہ صرف یہی تھی کہ اسوقت حضرت حسن بصریؒ نے اُن کے الفاظ ہی کیطرف نظر کی اس کی طرف نظر نہ کی کہ یہ جو نکل رہا ان کے دل سے نکل رہا ہی غرضکہ مقصود یہ ہے کہ اصل میں اعتبار قلب کا ہے اگر وہ پاک ہے تو الفاظ کا اعتبار نہیں ہے پس قلب کو صاف کرو یہ اصل جڑ ہے اُس کے بعد دعا قبول ہو گی اس قصہ کو درمیان میں بیان کر کے آگے پھر اُسی مضمون بالا کی طرف رجوع ہے فرماتے ہیں کہ۔

گر نداری تو دمِ خوش در دعا ۔۔۔ رو دعا مے خواہ اخوانِ صفا

یعنی اگر تم دعا میں دم خوب نہیں رکھتے تو جاؤ اخوان صفا سے دعا چاہو مطلب یہ کہ اگر تمہارا منہ بوجہ گناہوں کے قابل دعا کے نہیں ہے تو خیر خود تو کر و ہی اور اس کی تلافی کے لیئے اور حضرات اہل اللہ سے بھی دعا کراؤ کہ اس گندگی دہن کی تلافی اُن کی دعا کرنے سے ہو جاوے گی آگے موسیٰ علیہ السلام کا قصہ بیان فرماتے ہیں جس سے کہ دوسروں سے دعا کرانے کی خوبی معلوم ہوتی ہے فرماتے ہیں کہ۔

موسیٰ علیہ السلام کو حق تعالیٰ کا ارشاد کہ ہم کو اُس مُنہ سی پکارو جس سے کہ تمنے گناہ نہ کیا ہو

پھر ایں فرمود با موسے خدا　　　وقت حاجت خواستن اندر دعا

یعنی اسی واسطے موسیٰ علیہ السلام سے خدائے تعالیٰ نے دعا میں حاجت چاہنے کے وقت یہ ارشاد فرمایا کہ۔

کاے کلیم اللہ ز من میجو پناہ　　　با دہانے کہ نہ کردی تو گناہ

یعنی اے کلیم اللہ مجھ سے اُس منہ سے پناہ مانگو کہ جس سے تمنے گناہ نہ کیا ہو

گفت موسیٰ من ندارم آں دہاں　　　گفت مارا از دہانِ غیر خواں

یعنی موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا کہ میں تو وہ منہ نہیں رکھتا تو ارشاد ہوا کہ مجھے دہانِ غیر سے پکارو گناہ سے مراد اُن کے مرتبہ کے موافق لغزش ہے ورنہ انبیا تو معصوم ہوتے ہی ہیں لہٰذا ارشاد ہوا کہ تم دوسروں سے دعا منگواؤ تو اُس کے مُنہ سے تمنے تو گناہ کیا نہ ہوگا۔ اگرچہ اُس شخص نے کیا ہو لہٰذا یہ ارشاد کہ اس منہ سے دعا کرو کہ جس سے تمنے گناہ نہ کیا ہو صادق ہوگیا۔ خود فرماتے ہیں کہ۔

از دہانِ غیر کے کردی گناہ　　　از دہانِ غیر برخواں کاے الٰہ

یعنی دوسرے کے منہ سے تم نے کب گناہ کیا ہے تو دوسرے کے منہ سے دعا کراؤ کہ اے الٰہی

از دہان کہ نکردستی گناہ　　　از دہانِ غیر باشد عذر خواہ

یعنی اس منہ سے کہ تم نے گناہ نہ کیا ہو (دعا مانگنا یہ ہے) کہ دہانِ غیر سے عذر خواہ ہو اب یہاں یہ شبہ ہوا کہ دوسرے سے دعا کرانا تو اپنے قبضہ میں نہیں ہے ممکن ہے کہ اس سے نہیں اور وہ دعا نہ کرے تو اسکا کیا علاج ہے آگے اسکا علاج فرماتے ہیں کہ

آں چناں کن کہ دہانہا مر ترا　　　در شب و در روز ہا آرد دعا

یعنی کام ایسے کرو کہ تمام منہ تمہارے لیئے راتدن دعائیں کریں مطلب یہ کہ سب کے ساتھ بھلائی کرو کہ اُس سے سب لوگ خود تمہارے لیئے دعا کریں گے کسی سے کہنے سنے کی ضرورت ہی نہ ہوگی

خیر یہ نہ ہو سکے تو آگے اسکی ترکیب فرماتے ہیں کہ

یا دہانِ خویشتن را پاک کن روح خود را چابک و چالاک کن

یعنی یا اپنے منہ کو پاک کر لے اور روح اپنی کو چابک وچالاک کر دے یعنی اپنے ہی مُنہ کو استغفار وغیرہ سے پاک کر لو اور اس کے بعد دعا کرو کہ وہ مقبول ہوگی انشاء اللہ اسلیئے کہ۔

ذکر حق پاکست چوں پاکی رسید رخت بر بندد برون آید پلید

یعنی ذکر حق پاک ہے تو جب پاکی پہونچی تو پلید نے اسباب باندھا اور چلتا ہوا مطلب یہ کہ اگر تم دعا سے قبل استغفار اور ذکر حق میں مشغول ہو جاؤ گے تو چونکہ ذکر حق پاک ہے لہذا تمہاری وہ ساری گندگیاں اور ناپاکیاں زائل ہو جاویں گی اور آب آمد تیمم برخاست کا مضمون ہو جاویگا اور تمہارا منہ پھر اس قابل ہوگا کہ اس سے دعا کر سکو۔

می گریزد ضدہا از ضدہا شب گریزد چوں برافروزد ضیا

یعنی ایک ضد اپنی دوسری ضد سے بھاگتی ہے دیکھو رات چلی جاتی ہے جب روشنی چمکتی ہے۔

چوں درآید نام پاک اندر دہاں نے پلیدی ماند و نے آں دہاں

یعنی جب کہ منہ کے اندر نام پاک حق تعالیٰ کا آیا تو نہ پلیدی رہی اور نہ وہ مُنہ رہا بلکہ اب دہان پاک ہوگیا لہذا چاہیئے کہ ہمیشہ دعا سے پہلے حق تعالےٰ سے استغفار کرلے آگے ذکر کے فضائل اور اس کی قبولیت کی علامات بیان فرماتے ہیں کہ۔

بیان میں اس کے کہ بندہ کا اللہ کہنا عین حق تعالیٰ کا لبیک فرمانا ہی

آں یکے اللہ میگفتے شبے تا کہ شیریں گردد از ذکرش لبے

یعنی ایک شخص رات کو اللہ اللہ کیا کرتا تھا تا کہ ذکر حق سے لب شیریں ہوں یعنی لطف حاصل ہو اس لیئے وہ ذکر حق کیا کرتا تھا۔

گفت شیطانش خمش اے سخت رو چند گوئی آخر اے بسیار گو

یعنی اس عابد سے شیطان نے کہا کہ ارے بیحیا آخر کہاں تک پکارے گا اے بسیار گو

ایں ہمہ اللہ گوئی از عتو خود یکے اللہ را لبیک کو

یعنی اے سرکش تو یہ اللہ اللہ کہہ رہا ہے مگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک لبیک کہاں ہے مطلب یہ ہے کہ اُس خبیث نے بہکایا کہ اے تو تو یوں پکار رہا ہے اور اللہ میاں تجھے پوچھتے بھی نہیں یہ بھی نہیں کہ کبھی لبیک ہی فرمادیں اور جواب ہی دیدیں

می نیاید یک جواب از پیش تخت　　　چند اللہ می زنی باروئے سخت

یعنی عرش کے آگے سے ایک جواب بھی نہیں آتا تو اس بے حیائی کے ساتھ کب تک اللہ اللہ کریگا

او شکستہ دل شد و بنہاد سر　　　دید در خواب او خضر را در خضر

یعنی وہ شکستہ دل ہو کر سو رہا تو خواب میں خضر علیہ السلام کو ایک باغ میں دیکھا۔

گفت ہیں از ذکر چوں وا ماندۂ　　　چوں پشیمانی ازاں کش خواندۂ

یعنی حضرت خضر علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ ارے ذکر سے کیوں رہ گیا اور جسکو کہ پکارا کرتا تھا اُس سے کیوں پشیمان ہوتا ہے۔

گفت لبیکم نمی آید جواب　　　زاں ہمی ترسم کہ باشم رد باب

یعنی اُس نے عرض کیا کہ میرے جواب میں لبیک تو آتا نہیں تو مجھے خوف ہے کہ کہیں مردود بارگاہ نہ ہو جاؤں مطلب یہ کہ جب وہاں مقبول نہیں ہے تو مجھے خوف ہے کہ کہیں اس سے بھی نہ جاؤں اور بالکل ہی مردود نہ ہو جاؤں

گفت خضرش کہ خدا گفت ایں بمن　　　کہ برو با او بگو اے ممتحن

یعنی خضر علیہ السلام نے اُس سے کہا کہ حق تعالیٰ نے مجھسے فرمایا کہ اُس سے کہہ دو کہ اے ممتحن

گفت آں اللہ تو لبیک ماست　　　ایں نیاز و سوز و دردت پیک ماست

یعنی ارشاد ہوا ہے کہ وہ اللہ کہنا تیرا ہمارا لبیک ہے اور یہ نیاز و سوز اور درد تیرا ہمارا قاصد ہے

نے ترا در کار من آوردہ ام　　　نے کہ من مشغول ذکرت کردہ ام

یعنی کیا میں نے ہی تجھے کام میں نہیں لگایا ہے اور کیا میں نے ہی تجھے ذکر میں مشغول نہیں کیا

حیلہ ہا و چارہ جوئی ہائے تو　　　جذب ما بود و کشاد ایں پائے تو

یعنی تیرے حیلے اور تیری چارہ جوئیاں یہ ہمارا جذب تھا کہ جس نے تیرا پاؤں کھولدیا۔

ترس و عشق تو کمند لطف ماست　　　زیر ہر یارب تو لبیک ہاست

یعنی تیرا خوف اور تیری محبت یہ ہمارے لطف کی کمند ہے اور تیرے ہر یارب کے نیچے بہت سی لبیک ہیں مطلب یہ کہ تم جو پکار رہے ہو اور اللہ اللہ کر رہے ہو یہ ہماری توفیق ہی سے تو ہے اور تمہارا یہ اللہ اللہ کرنا ہی ہمارا لبیک کہنا ہے اس لیئے کہ اگر ہم جواب نہ دیتے تو پھر دوبارہ تم کو توفیق ہی کیوں دیتے ایک مرتبہ کے بعد دوبارہ توفیق ہوتی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہمنے اول کو قبول کرلیا اور اسکا جواب دیدیا اور دلیل اس کی یہ ہے کہ

جان جاہل از دعا جز دور نیست زانکہ یارب گفتنش دستور نیست

یعنی جاہل کی جان دعا سے سوائے دور کے نہیں ہے اسی لیے یارب کہنا اسکا دستور نہیں ہے یعنی دیکھو مطلب یہ کہ جو کہ محجوب ہے اسکو اللہ کہنے کی توفیق ہی نہیں ہوتی اس سے معلوم ہوتا ہی کہ جسکو توفیق ہوتی ہے وہ مقبول ہوجاتا ہے جب تو توفیق ہوتی ہے ۔

بر دہان و بر دلش قفل است و بند تا نہ نالد با خدا وقت گزند

یعنی اُس محجوب کے منہ اور دل پر تو قفل اور قید ہے تاکہ خدا کے آگے مصیبت کے وقت نہ رو سکے اور جو کہ عرض اور دعا کر سکے معلوم ہوا کہ وہ مقبول ہوگیا۔ آگے اس محجوبیت کی وجہ سے دعا نہ کرسکنے کی ایک نظیر بیان فرماتے ہیں۔

داد مر فرعون را صد ملک و مال تا بکرد او دعوئے عز و جلال

یعنی حق تعالی نے فرعون کو سیکڑوں ملک اور مال دیئے یہانتک کہ اُس نے خدائی کا دعوی کیا

در ہمہ عمرش نہ دید او درد سر تا ننالد سوئے حق آں بد گہر

یعنی تمام عمر میں اُسکو درد سر بھی نہ ہوا تاکہ وہ بد ذات حق تعالی کی درگاہ میں دعا ہی نہ کرسکے

داد او را جملہ ملک ایں جہاں حق نہ دادش درد و رنج و اندہاں

یعنی اسکو اس جہان کے تو تمام ملک و مال دیئے مگر حق تعالی نے اُسکو درد اور رنج اور اندوہ نہ دیا اسی لیئے وہ مبغوض تھا حق تعالی کو منظور نہ ہوا کہ وہ دعا کرے آگے مولانا فرماتے ہیں کہ ۔

درد آمد بہتر از ملک جہاں تا بخوانی تو خدا را در نہاں

یعنی درد اس ملک جہان سے بھی بہتر ہے تاکہ تو خدا کو پوشیدگی میں پکار سکے مطلب یہ کہ وہ ملک و مال جو کہ غافل عن الحق کرنیوالا ہو اُس سے وہ درد جو کہ یاد دلانے والا ہو بہتر ہے کہ اُس

میں یاد حق تو ہے۔

زانکہ در دو رنج و باراندہاں شد نصیب دوستانش در جہاں

یعنی اس لیئے کہ درد و رنج اور بارانِدہ دوستان حق کو نصیب ہوتا ہے اور جو محجوب اور دشمن ہیں ان کا تو کبھی کان بھی گرم نہیں ہوتا۔

خواندن بیدرد از افسردگیست خواندن با درد از دل بردگیست

یعنی بے درد کی دعا تو دل افسردگی سے ہوگی اور با درد کی دعا دل بردگی سے ہوگی اس میں ضرور ایک سوز و گداز ہوگا جو کہ دراجابت تک پہونچا دے گا۔

آں کشیدن زیرلب آواز را یاد کردن مبدء و آغاز را

یعنی وہ زیر لب آواز کو کھینچنا اور مبدء کو اور آغاز کو یاد کرنا۔

آں شدہ آواز صافی و حزیں کاے فدا اے مستغاث و اے معیں

یعنی وہ صاف اور حزیں آوازیں ہوں کہ اے مستغاث اور اے مددگار مطلب یہ کہ جب درد ہوتا ہے تو آواز میں بھی لوچ پیدا ہو جاتا ہے اور اسکی وجہ سے وہ مقبول ہو جاتی ہے اور یہ اثر اُس جذبۂ حق کا ہوتا ہے جس کی وجہ سے یہ مرض آیا ہے اور دل میں یہ بات پیدا ہوئی ہے آگے ترقی کر کے فرماتے ہیں کہ

نالۂ سگ در رہش بے جذبہ نیست زانکہ ہر راغب اسیر رہزنیست

یعنی کتے کا نالہ بھی اس کی راہ میں بے جذبہ نہیں ہے اس لیئے کہ ہر راغب ایک رہزن کا اسیر ہے مطلب یہ کہ ہر شخص کسی نہ کسی دنیاوی طمع وغیرہ میں پھنسا ہوا ہے کہ وہ اُسکو مانع عن الحق ہوتی ہے مثلاً کتا ہے وہ ہڈی بوٹی کی طمع میں ہے مگر اُن سب سے الگ کر کے جو اُن کو متوجہ بحق کر دیتا ہے وہ جذبۂ حق ہی ہے لہذا معلوم ہوا کہ دنیا میں جسکو بھی توجہ الی الحق ہوتی ہے وہ بغیر جذبہ کے نہیں ہوتی۔ آگے ایک نظیر فرماتے ہیں۔

چوں سگ کہفے کہ از مردار رست بر سر خوان شہنشاہاں نشست

یعنی اصحاب کہف کے کتے کی طرح کہ وہ مردار سے چھوٹ گیا اور بادشاہوں کے خوان پر بیٹھا مطلب یہ کہ دیکھو جذب حق وہ شئے ہے کہ وہ کتا تھا مگر وہ آرام سے سو رہا ہے مردار خوری

سے چھوٹ گیا اور پھر دیکھو آخر اسمیں کوئی تو بات تھی جو اس کا ذکر قرآن شریف میں آیا یہ ساری برکت جذبۂ حق کی تھی۔

تا قیامت او خورد در پیش غار — آب رحمت عارفانہ بے تغار

یعنی وہ قیامت تک غار کے آگے آب رحمت کو بے کسی برتن کے کھاتا رہے گا اس لیئے کہ جب رحمت اُن اصحاب کہف پر نازل ہوتی ہے تو اسمیں سے ضرور ہے کہ اُسکو بھی حصہ ملتا ہوگا اور یہ ظاہر ہے کہ آب رحمت کے کھانے کے لیئے برتن وغیرہ کی کہیں کی بھی ضرورت نہیں ہے آگے فرماتے ہیں کہ۔

اے بسا سگ پوست کورا نام نیست — لیک اندر پردہ بے آں جام نیست

یعنی بہت سے سگ پوست ایسا کہ جن کا نام بھی نہیں ہے لیکن پردہ میں اس جام بغیر نہیں ہیں مطلب یہ کہ بہت ایسے ہیں کہ جو ظاہر میں بے نام و نشان ہیں مگر باطن میں شراب محبت حق سے پر ہیں بلکہ زیادہ تو وہی ہیں جو بے نام و نشان ہیں اور مشہور و معلوم کم ہیں بہت سے تو اسی پردہ میں پوشیدہ ہیں۔

جان بدہ از بہر آں جام اے پسر — بے جہاد و صبر کے باشد ظفر

یعنی اے صاحبزادے اس جام محبت کے حصول کے لیئے جان دیدو اسلیئے کہ بے مجاہدہ اور صبر کیے فتح کب حاصل ہو سکتی ہے فتح تو جب ہی ہوگی جب کہ صبر سے کام لوگے اور مجاہدہ کروگے۔

صبر کردن بہر ایں نبود حرج — صبر کن کالصبر مفتاح الفرج

یعنی اس کے لیئے صبر کرنے کا کوئی حرج نہیں ہے صبر کرو اس لیئے کہ صبر کشادگی کی کنجی ہے۔

زیں کمیں بے صبر و حزمے کس نجست — حزم را خود صبر آمد پا و دست

یعنی اس گھاٹی سے بے سوچے بچارے اور صبر کئے کوئی نہ نکل سکا اور حزم کے لیئے خود صبر پاؤں ہاتھ ہیں مطلب یہ کہ بے صبر کے اور مجاہدہ کے حزم سے کام نہیں چلتا لہذا دونوں کی ضرورت ہے۔

حزم کن از خورد کایں زہریں گیاست — حزم کردن زور و نور انبیاست

یعنی اس کے کھانے سے پرہیز کرو اس لیئے کہ یہ گھاس زہریلا ہے اور حزم کرنا زور اور نور انبیا

علیہم السلام کا ہے مطلب یہ کہ دنیا میں رہو تو سوچ سے کام لو اس لیئے کہ یہ دنیا زہریلا گھاس ہے کہ ظاہر میں سرسبز ہے مگر حقیقت میں قاتل ہے اور اسکو سوچ سمجھکر استعمال کرو اور خود حضرات انبیاء علیہم السلام نے حزم سے کام لیا ہے تو تم کو اُن کی اتباع کی وجہ سے بھی حزم ضروری ہے آگے فرماتے ہیں کہ۔

کاہ باشد کو بہر بادے جہد　　　　کوہ کے ہر بادرا وزنے نہد

یعنی جو کہ ہر ہوا سے اوچھلنے کودنے لگے وہ تو گھاس ہوتا ہے اور پہاڑ کب ہر ہوا کا وزن رکھتا ہے مطلب یہ کہ جو خام ہیں وہی ان تغیرات سے متاثر ہوتے ہیں اور اس دنیا کو خیال میں لاتے ہیں ورنہ جو پختہ ہو چکے ہیں انکو تو ان حوادث کی پروا ہی نہیں ہوتی لہذا خامی کو ترک کر کے پختگی حاصل کرو

ہر طرف غولے ہمی خواند ترا　　　　کاے برادر راہ خواہی ہیں بیا

یعنی شیاطین تجھے ہر طرف بلا رہے ہیں کہ اے بھائی اگر راہ چاہتا ہے تو یہاں آ اور کہتا ہے کہ

رہنمایم ہمرہت باشم رفیق　　　　من قلاوزم دریں راہ دقیق

یعنی میں رہنما ہوں اور تیرے ہمراہ ہوں اور رفیق ہوں اور اس راہ دقیق میں میں رہبر ہوں غرضکہ خوب بہکاتا ہے اور چاہتا ہے کہ کسی طرح یہ پھنس جاوے مولانا بچاتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ

نے قلاوزست نے رہ داند او　　　　یوسفا کم رو سوئے ایں گرگ خو

یعنی نہ وہ رہبر ہے اور نہ خود راہ جانتا ہے تو اے یوسف (جیسے) تم اس بھیڑیا خصلت کی طرف مت جاؤ اگر اس کے کہنے کو صحیح مان لیا تو بس پھر غارت ہوگئے اور اس سے بچنا ہی تو حزم ہے اسی کو فرماتے ہیں کہ۔

حزم آں باشد کہ نہ فریبد ترا　　　　چرب و نوشیں دامہائے ایں سرا

یعنی حزم یہی ہے کہ تم کو اس سرا دنیا کے جال کی چکنی چپڑی باتیں لبھا نہیں اس لیئے کہ

کہ نہ چربی دارد و نے نوش او　　　　سحر خواند می دمد در گوش تو

یعنی کہ نہ یہ چربی رکھتا ہے اور نہ لذت وہ جادو پڑھ رہا ہے اور کان میں پھونک رہا ہے

لہذا اس سے بچنا اور پرہیز کرنا بہت ضروری ہے اور وہ شیاطین کہتے ہیں کہ۔

کہ بیا مہمان ما اے روشنی خانہ آں تست تو آں منی

یعنی کہ اے روشن دل، ہمارا مہمان آ۔ گھر تیری مِلک ہے اور تو میری مِلک ہے مطلب یہ کہ تو یہاں آ گھر تیری ملک ہے مگر پھر میرا قابو ہے تو جب وہ یہ کہے تو تمکو چاہیئے کہ اُس سے انکار کردو اور کہدو کہ بھائی ہم تیرے گھر باہر سے باز آئے اور یہی حزم ہے اور اسی کو سوچ اور اسی کو پرہیز کہتے ہیں۔ اسی کو فرماتے ہیں کہ۔

حزم آں باشد کہ گوئی تخمہ ام یا سقیم و خستہ ایں دخمہ ام

یعنی حزم تو یہ ہے کہ کہدو مجھے تخمہ ہو رہا ہے یا میں مریض اور خستہ اس دخمہ کا ہوں مطلب یہ کہ جب وہ بلاوے اور کہے کہ یہ میری چیزیں کھالو تو حزم کی بات تو یہ ہے کہ اُنکو ہاتھ بھی نہ لگاؤ بلکہ اُس سے انکار کردو یا یوں کہدو۔

یا سرم درد ست و درد سر ببر یا مرا خواند است آں خالو پسر

یعنی یا میرے سر میں درد ہے تو میرے سر کے درد کو کاٹ دے یا یہ کہ مجھے اُس خالو کے بیٹے نے بلایا ہے یعنی اس سے یہ عذر کردو کہ اچھا اگر فلاں کام میرا کردو تو میں چلنے کو تیار ہوں اور کام ایسا بتاؤ کہ اُس سے نہ ہو سکے غرض کہ کسی نہ کسی طرح اُس سے جان بچاؤ اس کی وجہ فرماتے ہیں کہ۔

زانکہ یک نوشت دہد با نیشہا کہ بکارد در تو نیشش ریشہا

یعنی اس لیئے کہ وہ تجھے ایک نوش بہت سے نیشوں کے ساتھ دیتا ہے کہ وہ اُس کے نیش تیرے اندر بہت سے زخم پیدا کردیں گے۔

زر اگر پنجاہ یا شصت دہد ماہیا او گوشت در شست دہد

یعنی وہ اگر تمہیں پچاس یا ساٹھ روپے دیتا ہے تو اے مچھلی وہ شست میں تجھے گوشت دے رہا ہے۔

گر دہد خود کے دہد آں پرحیل جوز بوسیدہ ست و گفتار تش دغل

یعنی اگر وہ (ظاہر میں) دیتا بھی ہے (مگر حقیقت میں) وہ پرحیل کب دیتا ہے وہ جوز بوسیدہ ہے

اور اس کی بات دھوکہ ہے مطلب یہ ہے کہ اگرچہ یہ شیاطین ظاہر میں کوئی بات نفع کی بھی بتادیں مگر حقیقت میں اور اصل میں وہ مضر اور نقصان دہ ہی ہوتی ہے۔

ترغ ترغ زر مغز و عقلت را برد　　صد ہزاران عقل را یک نشمرد

یعنی روپیہ کا بجنا تیرے مغز اور عقل کو لیجاتا ہے اور لاکھوں عقلوں کو ایک بھی نہیں گنتا مطلب یہ کہ دنیا کی محبت وہ ہے کہ تمام عقول اُس کے آگے پست ہوجاتی ہیں اور سب پر یہ غالب آتی ہے اور عقل کو بالکل سلب کردیتی ہے پس چاہیئے کہ حرص اور محبت دنیا کو دل میں جگہ نہ دے اس لیئے کہ۔

یار تو خرجین تست و کیسہ ات　　گر تو رامینی مجو جز ویسہ ات

یعنی تیرا یار تیری خرجین اور تیرا کیسہ ہے اگر تو رامین ہے تو سوائے اپنی ویسہ کے اور کسی کو مت تلاش کر رامین ایک عاشق کا نام ہے اور ویسہ اس کی معشوقہ کا مطلب یہ کہ تمہارا معشوق اور مطلوب اصل جو ہے اس کی تلاش کرو اور اِدھر اُدھر بھٹکتے ہوئے مت پھرو آگے خود اس کی تعیین فرماتے ہیں کہ۔

ویسہ و معشوق تو ہم ذات تست　　وین برونیہا ہمہ آفات تست

یعنی تمہاری ویسہ اور تمہارا معشوق خود تمہاری ذات ہے اور یہ باہر کی اشیا رسب تمہاری آفات ہیں مطلب یہ کہ من عرف نفسہ فقد عرف ربہ اگر تم کو خود اپنی ذات کی معرفت ہوجاوے تو ظاہر ہے کہ حق سبحانہ تعالیٰ کی معرفت ضرور ہوگی تو بس تمہارا مطلوب تمہاری ذات ہے تم باہر کیوں تلاش کرتے ہو آگے فرماتے ہیں کہ۔

حزم آن باشد کہ چون دعوت کنند　　تو نگویی مست و خواہان منند

یعنی حزم تو یہ ہے کہ شیاطین سب بلاویں تو تم یہ نہ کہو کہ یہ سب مست اور خواہاں ہیں بلکہ انکو غیر حق سمجھو اس لیئے کہ

دعوت ایشان صفیر مرغ دان　　کہ کند صیاد در مکمن نہان

یعنی ان کی دعوت وہ آواز مرغ سمجھ جسکو صیاد گھات میں پوشیدہ کردیتا ہے۔

مرغ مردہ پیش بنہادہ کہ این　　می کند این بانگ و آواز حنین

یعنی اس صیاد نے مرغ مردہ ایک آگے رکھ لیا ہے کہ یہ آواز اور بکا کر رہا ہے ۔

مرغ پندارد کہ جنس اوست او — جمع آید بردرد شاں پوست او

یعنی جانور تو سمجھتا ہے کہ یہ اُس کی جنس ہی ہے تو وہ گرد آجاتا ہے اور وہ صیاد اس کی کھال پھاڑ ڈالتا ہے ۔ مطلب یہ کہ جسطرح صیاد جال کے آگے ایک مردہ جانور بٹھا کر سیٹی بجاتا ہے تو دوسرے جانور جو سنتے ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ ہمارا ہمجنس سامنے بیٹھا ہے اور وہ آواز کر رہا ہے لہذا سب اُس کے پاس آکر جمع ہوتے ہیں اور جال میں پھنستے ہیں اسی طرح شیاطین تلبیس کرتے ہیں اور تمکو پکارتے ہیں ہم اپنے ہمجنس جانکر اُن کے پاس چلے جاتے ہیں حتیٰ کہ وہ ہمکو بھی درست بناتے ہیں لہذا ہم کو چاہیئے کہ خدا سوچ سمجھکر دیکھ بھال کر سمجھیں کہ آیا ہمارا ہمجنس ہی ہے یا کوئی اور ہے آگے فرماتے ہیں کہ

جز مگر مرغے کہ حزمش داد حق — تانگردد گیج ازاں دانہ ملق

یعنی سوائے اُس جانور کے کہ جسکو حق تعالیٰ نے حزم عطا فرمایا ہے تاکہ وہ اس دانہ چاپلوسی سے پریشانی میں نہ پڑے ۔ مطلب یہ کہ اور سب جال میں پھنس جاتے ہیں مگر جسکو کہ حق تعالیٰ نے عقل اور حزم عطا فرمایا ہو بھلا وہ اس بناوٹی دانہ اور چاپلوسی میں کب پھنس سکتا ہے اسکو تو اُس سے ہرگز پریشانی نہ ہوگی ۔

ہست بے حزمے پشیمانی یقیں — حزم را مگذار و محکم کن تو دیں

یعنی بے حزم کے پشیمانی یقینا ہے تو حزم کو ترک مت کرو اور دین کو مضبوط کرو مطلب یہ کہ بے سوچ اور فکر کے تو ضرور پریشانی اور پشیمانی ہوتی ہے لہذا چاہیئے کہ دین کو مضبوط رکھو اور حزم کو اختیار کرو تاکہ ان ساری بلاؤں سے نجات ہو ۔

زانکہ بے حزمے شقاوت بر دہد — دیں رود از دست و درد سر دہد

یعنی اس لیئے کہ بے حزم کے شقاوت پھل دیتی ہے اور ہاتھ سے دین جاتا رہتا ہے اور درد سر دیتا ہے مطلب یہ کہ بے فکر کے ہمیشہ پریشانی ہی ہوتی ہے لہذا چاہیئے کہ کام ہمیشہ حزم اور فکر سے کرے تاکہ پشیمانی اور پچھتانا نہ پڑے ۔

بشنو ایں افسانہ را در شرح ایں — تاشوی حازم برائے حفظ دیں

یعنی اس امر کی شرح میں اس قصہ کو سنو تاکہ تم حفاظت دین کے لیے حزم والے ہو جاؤ مطلب یہ کہ ہم ایک حکایت بیان کرتے ہیں جس سے کہ معلوم ہوگا کہ ہر کام میں حزم اور احتیاط کی ضرورت ہے اُس سے استدلال کرکے تمکو چاہیئے کہ امور دین میں احتیاط سے کام لو اس لیئے کہ امور دین تو بہت اہم اور احتیاط کے قابل ہیں آگے حکایت کو بیان فرماتے ہیں جسکا خلاصہ یہ ہے کہ ایک دیہاتی اور ایک شہری کی آپس میں دوستی تھی وہ دیہاتی ہمیشہ اس شہری کا مہمان رہا کرتا تھا اور اصرار کیا کرتا تھا کہ تم بھی کبھی ہمارے یہاں آؤ اور وہ ہمیشہ ٹہلانے کیا کرتا تھا آخرکار ایک مرتبہ کمبختی کا مارا چلا گیا اس دیہاتی نالائق نے خوب ہی پریشان کیا تو دیکھو چونکہ اس شہری نے احتیاط اور حزم سے کام نہ لیا تھا اس لیئے پریشان ہوا اور نہ کیوں پریشان ہوتا اب حکایت سنو فرماتے ہیں کہ۔

شرح حبیبی

اے برادر بود اندر ما مضے ۔ شہرئے با روستائے آشنا
روستائی چوں سوئے شہر آمدے ۔ خرگہ اندر کوئے آں شہری زدے
دو مہ و سہ ماہ مہمانش بدے ۔ بر دکان او و بر خوانش بدے
ہر حوائج را کہ بودش آں زماں ۔ راست کردے مرد شہری رائگان
رو بشہری کرد و گفت اے خواجہ تو ۔ ہیچ می نائے سوئے دہ فرجہ جو
اللہ اللہ جملہ فرزنداں بیار ۔ کایں زمانِ گلشن است و نوبہار
یا بتابستاں بیا وقت ثمر ۔ تا بہ بندم خدمتت را من کمر
خیل و فرزندان قومت را بیار ۔ در دہِ ما باش خوش ماہے سہ چار
در بہاراں خطۂ دہ خوش بود ۔ کشت زار و لالہ ہا دلکش بود

وعدہ دادے خواجہ او را دفع حال
تا در آمد بعد وعدہ ہشت سال

او بہر سالے ہمی گفتے کہ کے
عزم خواہی کرد آمد ماہ دے

او بہانہ ساختے کامسال ماں
از فلاں خطہ بیاید میہماں

سال دیگر گر توانم وارہید
از مہمات آں طرف خواہم دوید

گفت ہستند آں عیالم منتظر
بہر فرزندان تو اے اہل بر

باز ہر سالے چو لکلک آمدے
تا مقیم قبہ شہری شدے

خواجہ ہر سالے ز زاد و مال خویش
خرج او کردے کشودے بال خویش

آخریں کرت سہ ماہ آں پہلواں
خوان نہادش بامدادان و شباں

از خجالت باز گفت او خواجہ را
چند وعدہ چند بفریبی مرا

گفت خواجہ جسم و جانم وصل جوست
لیک ہر تحویل اندر حکم اوست

آدمی چوں کشتی است و بادباں
تا کے آرد باد را آں بادراں

باز سوگنداں بدادش کاے کریم
گیر فرزنداں بیا بنگر نعیم

دست او بگرفت سہ کرت بعہد
کاللہ اللہ زو بیا بنمائے جہد

بعد دہ سالے بہر سالے چنیں
لابہ ہا و وعدہ ہائے شکریں

کودکان خواجہ گفتند اے پدر
ماہ و ابر و سایہ ہم دارد سفر

حقہا بر وے تو ثابت کردہ
رنجہا در کار او بس بردہ

او ہمی خواہد کہ بعض حق آں
واگزارد چوں شوی تو میہماں

بس وصیت کرد مارا در نہاں
کہ کشیدش سوئے دہ لابہ کناں

گفت حق است ایں ولے اے سیبویہ
اتق من شر من احسنت الیہ

دوستی تخم دم آخر بود / ترسم از وحشت که او فاسد شود

صحبتی باشد چو شمشیر قطوع / همچو دی در بوستان و در زروع

صحبتی باشد چو فصل نوبهار / زو عمارتها و دخل بی شمار

حزم آن باشد که ظن بد بری / تا گریزی و شوی از بد بری

حزم سوء الظن گفتست آن رسول / هر قدم را دام می دان ای فضول

روی صحرا هست هموار و فراخ / هر قدم دامیست کم رو گستاخ

آن بز کوهی دود که دام کو / چون بتازد دامش افتد در گلو

آنکه می گفتی که تو اینک ببین / دشت می دیدی نمی دیدی کمین

بی کمین و دام صیاد ای عیار / دنبه کی باشد میان کشتزار

آنکه گستاخ آمدند اندر زمین / استخوان و کله هاشان را ببین

چو بگورستان روی ای مرتضی / استخوانشان را بپرس از ما مضی

تا بظاهر بینی آن مستان کور / چون فرو رفتند در چاه غرور

چشم چون داری تو کورانه میا / ور نداری چشم دست آور عصا

آن عصای حزم و استدلال را / چون نداری دیده می کن پیشوا

ور عصای حزم و استدلال نیست / بی عصاکش در سر هر ره مایست

گام زانسان نه که نابینا نهد / تا که پا از سنگ و از چه وا رهد

کور لرزان و بترس و احتیاط / می نهد پا تا نیفتد در خباط

ای ز دودی جسته در ناری شده / لقمه جسته لقمهٔ ماری شده

تو نخواندی قصهٔ اهل سبا / یا بخواندی و ندیدی جز صدا

از صدا آن کوه خود آگاه نیست
سوی معنی هوش که را راه نیست

او همی بانگی کند بی هوش گوش
چون خمش کردی تو او هم شد خموش

داد حق اهل سخا را این فراغ
صد هزاران قصر و ایوانها و باغ

شکر آن نگذاشتند آن بدرگان
در وفا کمتر فتادند از سگان

مر سگی را لقمهٔ نانی ز در
چون رسد بر در همی بندد کمر

پاسبان و حارس در می شود
گرچه بر وی جور و سختی می رود

هم بر آن در باشدش باش و قرار
کفر داند کرد غیری اختیار

ور سگی آید غریبی روز و شب
آن سگانش می کنند آندم ادب

که برو آنجا که اول منزل است
حق آن نعمت گروگان دل است

می گزندش که برو بر جای خویش
حق آن نعمت فرو مگذار بیش

اندرونِ اهل دل آب حیات
چند نوشیدی و وا شد چشمهات

بس غذای وجد و سکر و بیخودی
از دل اهل دلان بر جان زدی

باز این در را رها کردی ز حرص
گرد بر دکان همی گردی ز حرص

بر در آن منعمان چرب دیگ
می دوی بهر ثرید مرده ریگ

چربش آنجا دان که جان فربه شود
کار نا امید آنجا به شود

صومعه عیسی است خوان اهل دل
هان و هان ای مبتلا این در مهل

جمع گشتندی ز هر اطراف خلق
از ضریر و لنگ و شل و اهل دلق

بر در آن صومعهٔ عیسی صباح
تا بدم ایشان رهاند از جناح

او چو فارغ گشتی از اوراد خویش
چاشتگه بیرون شدی آن خوب کیش

جوق جوق آں مبتلا دیدے نزار | نشستہ بر در با امید و انتظار
گفتے اے اصحاب آفت از خدا | حاجت و مقصود جملہ شد روا
ہیں رواں گردید بے رنج و عنا | سوئے غفاری و اکرام خدا
جملگان چوں اشتران بستہ پائے | کہ کشائی زانوئے ایشاں برائے
جملہ صحت یافتہ گشتہ رواں | از دم جاں بخشش عیسیٰ در زماں
شد رواں آں حاجت جملہ علیل | ز امر حق وا ز دم نیک جلیل
خوش دواں و شادماں زسوئے خاں | از دعائے وے شدندے پا دواں
جملہ بے درد و الم بے رنج و غم | تندرست و شادمان و محترم
سوئے خانہ خویش گشتندے رواں | از دم میمون آں صاحب قراں

اے بھائی زمانہ گذشتہ میں ایک دیہاتی کی ایک شہری سے دوستی تھی وہ دیہاتی جب شہر میں آتا تو اُسی کے یہاں ڈیرہ ڈالتا اور اُسی کے مکان پر ٹھیرتا دو دو مہینے تین تین مہینے اس کے یہاں مہمان رہتا کھانے میں بھی شریک ہوتا اور دکان پر بھی رہتا غرض بہت آرام و آسائش اور نہایت بے تکلفی کے ساتھ رہتا اور اگر اُسکو کسی چیز کی ضرورت ہوتی تو شہری بلا قیمت کے اُس کے لیۓ مہیا کر دیتا ایک روز اُسنے شہری کی طرف متوجہ ہو کر کہا کہ جناب آپ تو کبھی سیر کے لیۓ بھی ہمارے گانوں میں تشریف نہیں لاتے آپکو خدا کی قسم آپ معہ اپنے بال بچوں کے تشریف لیچلیۓ کیونکہ یہ زمانہ بہار کا ہے اس زمانہ میں باغوں میں رونق ہوتی ہے ضرور لطف رہے گا اور اگر اسوقت آپ نہیں چل سکتے تو گرمیوں میں جو میووں کا زمانہ ہوگا ضرور تشریف لائیے تاکہ میں بھی آپ کی خدمت کروں آپ اپنے ساتھ خدم و حشم اور عیال و اطفال دوست آشناؤں کو

بھی ضرور لائیے اور مزے سے تین چار مہینے ہمارے گانوں میں قیام فرمائیے اگر آپ موسم بہار میں تشریف لیچلیں تو بہت ہی اچھا ہے کیونکہ بہار میں گانوں کا رقبہ نہایت پر لطف ہوتا ہے ہر طرف کھیتیاں لہلہاتی ہیں اور لالوں کا عجیب دلکش کا عالم ہوتا ہے وہ امیر دفع الوقتی کے طور پر اُس سے وعدہ کر لیتا حتی کہ وعدۂ اول کے بعد آٹھ سال گذر گئے اور وہ نہیں گیا وہ ہر سال کہتا تھا کہ جناب کب تشریف لے چلیں گے لیجئے موسم خزاں بھی آگیا اور آپ تشریف نہیں لائے وہ بہانہ کر دیتا تھا کہ امسال ہمارے یہاں فلاں مقام سے کچھ مہمان آگئے تھے اُن کے سبب آنا نہ ہوا آئندہ سال اگر ضروریات سے فرصت ہوئی تو ضرور آؤں گا اسپر وہ کہتا کہ ہاں آپ ضرور ضرور تشریف لائیے میرے گھر کے لوگوں کو آپ کے بچوں کا سخت انتظار ہے اور گن گن کر دن کاٹتے ہیں غرض ہر سال وہ لکلاک کیطرح آوارد ہوتا اور اس شہری کے مکان پر ٹھیرتا اور وہ امیر خوب دل کھولکر اسپر اپنا زر و مال صرف کرتا آخری مرتبہ اس جوانمرد نے تین مہینے تک اُس کو دونوں وقت خوب کھانے کھلائے اُس نے اس امیر کے بے امید و توقع تقع احسانات سے شرمندہ ہو کر اسکو بہت مجبور کیا اور کہا کہ آخر آپ مجھ سے کتنے وعدے کریں گے اور کب تک ٹلائیں گے ایکی تو آپ کو ضرور ہی چلنا ہوگا امیر نے کہا میرا جی بھی ملنے کو بہت چاہتا ہے لیکن مجبور ہوں کہ میرا انتقال حق سبحانہ کے قبضہ میں ہے آدمی کی مثال ایسی ہے جیسے کشتی اور اسکا بادبان اور قضائے الٰہی ایسی ہے جیسے ہوا حق سبحانہ اس ہوا کو چلانے والے اور قضا کو نافذ کرنے والے ہیں پس جب تک اُن کا حکم نہو آدمی کیا کر سکتا ہے۔ اُس نے پھر قسمیں دیں کہ مہربانی فرما کر ان حیلے حوالوں کو جانے دیجئے اور اپنے بچوں کو لیکر آپ ضرور تشریف لائیے دیکھئے تو سہی گانوں میں کیسی کیسی نعمتیں ہیں وہاں کیسی پر لطف زندگی بسر ہوتی ہے آخر اُس نے پھر وعدہ کیا اُس نے تین مرتبہ ہاتھ پر ہاتھ مار کر عہد لیا اور کہا آپکو خدا کی قسم آپ جلد تشریف لانے کی کوشش کریں آخر شدہ دس سال کے عرصہ کے بعد وہ جسمیں وہ ہر سال دلجوئی اور دلکوشش وعدے کرتا رہا اس امیر کے لڑکوں نے کہا کہ ابا جان آپ ملاحظہ فرمائیں کہ چاند ابر سایہ سب اپنے اپنے مقام سے حرکت کرتے ہیں لیکن حضور والا ہیں کہ ایک ہی جگہ مقیم ہیں آپ کے بہت سے حقوق اس غریب کے ذمہ ہو گئے ہیں اور آپ نے اس کے معاملات میں بہت کچھ تکلیف اٹھائی ہے اس لیئے وہ چاہتا ہے کہ آپکو مہمان بلا کر آپ کے

احسانات کا کچھ حق ادا کرے اس بنا پر اُس نے ہم سے وعدہ لیا ہے کہ تم بہت خوشامد کر کے اپنے والد صاحب کو ضرور ہمارے یہاں لاؤ۔ جب وہ بیچارہ اسقدر اصرار کر رہا ہے تو جناب والا کو اُس کی درخواست کے قبول فرمانے میں کیوں تامل ہے امیر نے کہا بیٹا یہ سچ ہے لیکن بزرگوں کا مقولہ ہے کہ جس کے ساتھ تم احسان کرو تمکو اُس کے شر سے بہت بچنا چاہیئے میں اس لئے پس و پیش کرتا ہوں۔ نیز یہ وجہ بھی ہے کہ میں دوستی کو منافع بعد الموت کا تخم خیال کرتا ہوں اور سمجھتا ہوں کہ جب میں مر جاؤنگا تو میرے دوست دعا وغیرہ سے مجھے فائدہ پہونچائیں گے اسلئے میں ڈرتا ہوں کہ مبادا اس دیہاتی میں ہم میں منافرت پیدا ہو جائے اور یہ تخم فاسد ہو کر ناقابل انتفاع ہو جاوے میرے اس اندیشہ کی وجہ یہ ہے کہ بعض صحبتیں تو ایسی ہوتی ہیں کہ شمشیر براں کی طرح پہلے تعلقات کو قطع کر دیتی ہیں اور جس طرح خزاں باغوں اور کھیتوں کا ستیاناس کر دیتی ہے یونہی وہ بھی اس گلشن معنوی یعنی خوشگوار تعلقات کا استیصال کر دیتی ہیں اور بعض صحبتیں فصل بہار کی طرح مثمر ثمرات و برکات اور خوشگوار تعلقات کو بڑھانیوالی اور ان کو ایک سے چار کرنے والی ہوتی ہیں ایسی حالت میں مقتضائے احتیاط یہ ہے کہ ہم نقصان کو پیش نظر رکھیں تاکہ اس سے بچیں اور شر سے محفوظ رہیں۔ اب مولانا فرماتے ہیں کہ امیر نے بہت صحیح کہا واقعی بات یہ ہے کہ احتیاط ضروری ہے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ الحزم سوء الظن (کما ھو المشہور واللہ اعلم بحقیقۃ الحال) لیکن اس صرف ضرر دنیوی ہی تک محدود نہ رکھنا چاہیئے بلکہ ضرر دینی سے بچنے کے لیے بھی اس کو پیش نظر رکھنا چاہیئے بل ھو الاھم اور ہر قول و فعل میں نہایت احتیاط کرنی چاہیئے اور سمجھنا چاہیئے کہ ہر قدم پر جال لگا ہوا ہے ذرا چوکے اور پھنسے گو تم کو میدان ہموار اور فراخ معلوم ہوتا ہے اور تم اپنے افعال و اقوال میں ضرر محسوس نہیں کرتے ہو لیکن ہم تم کو بتاتے ہیں کہ ہر قدم پر جال لگا ہوا ہے تم کو بیباکانہ اور البیلے پن سے نہیں چلنا چاہیئے۔ تم اپنی ایسی مثال سمجھو جیسے پہاڑی بکرا کہ وہ میدان کو بظاہر صاف دیکھکر سمجھتا ہے کہ چلو بھی جال کہاں لیکن جب وہ لاابالی پن سے دوڑتا ہے تو اُس کے گلے میں جال پڑ جاتا ہے اب اُس سے کوئی کہے کہ تو تو کہتا تھا کہ جال کہاں ہے دیکھ یہ ہے کمبخت تو نے سرسری نظر سے میدان صاف دیکھ لیا لیکن اس گھات کو نہ دیکھا۔ سمجھو تو سہی بدون گھات کے اور بلا شکاری کے جال کے بھی کہیں کھیت میں دنبہ

بندھا ہوتا ہے ہرگز نہیں پس اسی طرح سمجھ لو کہ یہ تلذذات وتنعمات دنیوی خطرۂ اخروی سے خالی نہیں ان سے نہایت احتیاط کے ساتھ متمتع ہونا چاہیئے زندہ لوگوں میں عوام تو تمہاری ہی طرح بے خبر ہیں ان سے تو کچھ پتہ ہی نہیں چلسکتا رہے باخبر لوگ سو اُن کے قول کو تم اغراض نفسانیہ دون ہمتی پست خیالی وغیرہ پر محمول کرو گے اس لیئے ہم تم سے کہتے ہیں کہ جو لوگ زمین پر بے باکانہ چلتے ہیں اُن کی ہڈیوں اور کھوپڑیوں کو قبرستان میں جاکر دیکھو اور اُن سے واقعات دریافت کرو کہ وہ اندھے اور مست شہوات ولذات اپنی بے احتیاطی کی بدولت کیونکر دھوکے کے گڑھے میں گر سے وہ زبان حال سے اپنی غلطی کو بتلائیں گے پس جب حزم کی ضرورت ثابت ہوئی تو اب تیرے لیئے تین صورتیں ہیں اگر تو صاحب بصیرت ہے تو بیناؤں کی طرح چل اور اندھوں کی طرح مت چل یعنی اپنی بصیرت سے ہر شئے کے حسن وقبح کو دیکھکر اس کے مطابق عمل کر اور اگر تو چشم بصیرت نہیں رکھتا تو ہاتھ میں لاٹھی لیکر چل یعنی جب تجھے بصیرت نہیں تو حزم واستدلال کی لاٹھی کے سہارے چل اور جس چیز کا ضرر تجھے دلیل سے معلوم ہو جائے یا اسمیں مضرت کا احتمال ہو اُس سے بچ اور اگر حزم واستدلال کی لاٹھی بھی تیرے پاس نہیں تو کوئی شیخ کامل ہونا چاہیئے جو تیرا ہاتھ پکڑ کر تجھے رستہ پر لیچلے اور بدون اس کے ہر رستہ پر چلنے کے لیئے مت کھڑا ہو غرضکہ جب تجھے نہ بصیرت ہو نہ صاحب بصیرت راہ پر تجھے لیئے جاتا ہو اسوقت تجھے پھونک پھونک کر قدم رکھنا چاہیئے اور ہر قدم یوں رکھنا چاہیئے جسطرح اندھا رکھتا ہے تاکہ تیرا پاؤں پتھر کی ٹھوکر اور کنوئیں میں پڑنے سے محفوظ رہے یاد رکھ کہ تو اندھا ہے اور اندھا آدمی کانپتے ہوئے اور ڈرتے ڈرتے اور بہت احتیاط سے قدم رکھتا ہے تاکہ وہ گڑھے میں نہ پڑ جاوے۔ اے دھوئیں سے بھاگ کر آگ میں گرنے والے اور کھانے کی خاطر سانپ کا لقمہ بنجانے والے یعنی ضرر دنیوی سے بچکر ضرر دینی میں مبتلا ہونے والے اور تنعمات دنیویہ کی خواہش میں نفس وشیطان کا شکار ہونے والے شاید تو نے اہل سبا کا قصہ نہیں پڑھا ہے لیکن اُسکو صدائے کوہ سے زیادہ وقعت نہیں دی پہاڑ کا قاعدہ ہے کہ وہ اپنی آواز کو سمجھتا نہیں اور پہاڑ کی فہم اُسکے معنی تک نہیں پہونچتی وہ سنتا ہے نہ سمجھتا ہے بلکہ یوں ہی آواز نکالتا ہے اور اس کی آواز صرف انسان کی آواز کی نقل ہوتی ہے جب وہ چپ ہو جاتا ہے تو وہ پہاڑ بھی خاموش ہو جاتا ہے یہ ہی تو بھی کیا ہے کہ محض زبان سے الفاظ نکالے نہ اُن کو خیال سے سنا اور نہ ان کے معانی کو اچھی طرح

سمجھا بلکہ محض کہنے والے کی نقل کی اب ہم اس قصہ کو تیرے لیئے بیان کرتے ہیں اگر تو نے نہیں پڑھا تو اب پڑھ اگر پڑھا ہے لیکن سمجھا نہیں تو اب سمجھ حق سبحانہ نے اہل سبا کو بہت کچھ اطمینان اور فراغ خاطر عطا کیا تھا ہزاروں قصر و ایوان اور باغ وغیرہ اُن کو عطا کئے گئے تھے۔ لیکن ان بدذاتوں نے اس انعام حق کا شکر ادا نہیں کیا اور وفا میں کتوں سے بھی کم حصہ لیا۔ کتے کی عادت ہوتی ہے کہ جب کسی دروازہ سے اسکو ایک ٹکڑا ملجاتا ہے تو اسی در کا ہو رہتا ہے وہ اسکی پاسبانی اور پہرہ داری کرتا ہے خواہ اسپر کتنی ہی زیادتی اور سختی ہو لیکن اسکا استقرار اور ٹھکانا وہی در رہتا ہے اس کے سوا دوسرے کے اختیار کرنے کو وہ کفر سمجھتا ہے اگر کبھی غلطی سے کوئی کتا راہ وفا سے ڈگمگاتا ہے اور رات کو یا دن کو کسی دوسرے دروازہ پر جانے کا قصد کرتا ہے تو دوسرے کتے اسکو سزا دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اپنے پہلے ہی ٹھکانے پر جا حق نعمت کا پاس دلمیں مقید رہنا چاہیئے اور اُسکو اس سے علیحدہ نہ ہونا چاہیئے۔ وہ اسکو کاٹتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اپنی اصلی جگہ پر جا اور حق نعمت کا پاس نہ چھوڑ اے طالب اس واقعہ سے تجھکو بھی سبق لینا چاہیئے تو نے اہل اللہ کے باطن سے بہت کچھ آب حیات پیا ہے اور اس سے تیری آنکھیں کھل گئی ہیں اور وجد و سکر و بیخودی کی کافی غذا اہل دل سے حاصل کر کے تو نے اپنی جان کو دی ہے مگر اسپر بھی تو نے اُس دروازہ کو چھوڑ دیا ہے اور حرص سے تو دنیا داروں کی دکانوں کا طواف کر رہا ہے اور بے حقیقت ثرید (ایک غذا کا نام ہے جو شوربے میں ٹکڑے چور کر تیار کی جاتی ہے) مرغن ہانڈی والے امیروں کے دروازوں پر دوڑ دوڑ کر جاتا ہے تجھے اس ناشکری اور بیوفائی سے شرم آنی چاہیئے ارے احمق تجھے سمجھنا چاہیئے کہ حقیقی روغن وہاں ہے جہاں جان موٹی تازی ہوتی ہے اور روح کو قوت اور تازگی حاصل ہوتی ہے اور جہاں ناامیدوں کا بھی کام بنجاتا ہے یعنی اہل اللہ کے یہاں نہ کہ وہاں جہاں تو تلاش کرتا ہے اس لیئے کہ اُن کے روغن سے تو نفس کو قوت ہوتی ہے اور وہی موٹا تازہ ہو سکتا ہے نیز وہاں یہ بھی ضرور نہیں کہ ہر امیدوار کو مل ہی جاوے بلکہ بہت سوں کو دھکے بھی ملتے ہیں۔ یاد رکھ کہ اہل اللہ کا لنگر خانہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے صومعہ کی مانند ہے کہ وہاں سے کوئی محروم ہی نہیں جاتا بس اے مریض قلب دیکھ خبردار تو اس در کو نہ چھوڑنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے صومعہ کی یہ حالت تھی کہ دور دور سے لوگ آکر وہاں جمع ہوتے تھے بعض اندھے ہوتے تھے بعض لنگڑے بعض لنجے بعض محتاج تاکہ حضرت عیسیٰ اپنی پر تاثیر پھونک سے انکو بلا سے نجات دیں

جسمیں وہ مبتلا ہیں حضرت عیسیٰ جب اپنے معمولات سے فارغ ہوتے تھے تو دوپہر کے وقت صومعہ سے باہر تشریف لاتے تھے اور آکر دیکھتے تھے کہ بہت سے مریض خستہ حال امید و انتظار تشریف آوری میں بیٹھے ہوتے تھے یہ دیکھکر آپ فرماتے کہ اے مبتلائے آفات خداوندی بحکم خدا تم سب کی حاجت اور مدعا پورا ہوا۔ اب تم بے رنج و مشقت حق سبحانہ کی غفاری اور اُس کے اکرام کی طرف چلو اور اُنکو حاصل کرو وہ سب یوں جیسے اونٹ کا پاؤں اول بندھا ہوا ہو اور پھر اُسکو کھولدیا جاوے حضرت عیسیٰ کی پھونک سے شفا پاکر چلدیتے اور حق سبحانہ کے حکم اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پھونک کی برکت سے اُن تمام بیماروں کی حاجت روا ہو جاتی اور اُن کی دعا کی برکت سے اپنے پاؤں دوڑتے ہوئے خوش و خرم اپنے گھر چلے جاتے اور اس عظیم الشان صاحب اقبال کی پھونک سے سب کی تکلیف اور رنج و غم دور ہو جاتا اور سب کے سب تندرست اور خوش و خرم اور عزت کے ساتھ اپنے اپنے گھروں کو روانہ ہو جاتے

شرح شبیری

ایک دیہاتی کا ایک شہری کو فریب دینا اور خوشامد اور الحاح سے اس کی دعوت کرنا

اے برادر بود اندر ما مضے　　شہریئے یا روستائے آشنا

یعنی اے بھائی زمانۂ ماضی میں ایک شہری کا ایک دیہاتی دوست تھا۔

روستائی چوں سوئے شہر آمدے　　خرگہ اندر کوئے آں شہرے زدے

یعنی وہ دیہاتی جب شہر کی طرف آتا تو اُس شہری کے یہاں قیام کرتا۔

دو مہ و سہ ماہ مہمانش بُدے　　بر دوکان او و بر خوانش بُدے

یعنی وہ دو دو تین تین مہینے اُسکا مہمان رہتا اور اس کی دوکان اور اُس کے خوان پر رہتا مطلب یہ کہ اُسی کے یہاں خوب رہتا سہتا۔

ہر حوائج را کہ بودش آں زماں راست کردی مرد شہری رائگاں

یعنی اُس دیہاتی کو جو ضرورتیں ہوتیں یہ شہری آدمی اُن کو مفت ہی درست کردیتا۔

رو بہ شہری کرد و گفت ای خواجہ تو ہیچ می نائی سوئے دہ فرجہ جو

یعنی (ایک دفعہ) دیہاتی نے شہری کی طرف متوجہ ہوکر کہا کہ جناب والا آپ کبھی گانوں کی طرف سیر کرتے ہوئے تشریف نہیں لاتے

اللہ اللہ جملہ فرزنداں بیار کایں زمان گلشن ست و نو بہار

یعنی اللہ کے واسطے اپنے تمام صاحبزادوں کو لاؤ اس لیئے کہ یہ زمانہ گلشن اور نوبہار کا ہے۔

یا بہ تابستاں بیا وقت ثمر تا بہ بندم خدمتت را من کمر

یعنی یا گرمیوں میں پھلوں کے وقت تشریف لائیے تاکہ میں آپ کی خدمت کے لیئے کمر بستہ ہوں

خیل و فرزندان و قومت را بیار در دہ ما باش خوش ماہے سہ چار

یعنی اپنے نوکروں اور بچوں اور کنبہ سبکو لاؤ اور ہمارے گانوں میں خوب اچھی طرح تین چار ماہ رہو۔

در بہاراں خطۂ دہ خوش بود کشت زار و لالہ دلکش بود

یعنی بہار کے زمانہ میں گانوں کا خطہ خوب ہوتا ہے کھیتی اور لالہ خوب دلکش ہوتا ہے غرضکہ وہ ہمیشہ بلایا کرتا اور اس شہری کی یہ حالت تھی کہ۔

وعدہ دادے خواجہ او را دفع حال تا در آمد بعد وعدہ ہشت سال

یعنی وہ خواجہ اُس سے دفع الوقتی کے لیئے وعدہ کر لیا کرتا یہاں تک کہ وعدہ کئے ہوئے بھی آٹھ برس گذر گئے۔

او بہر سالے ہمی گفتے کہ کے عزم خواہی کرد کامد ماہ دے

یعنی وہ دیہاتی ہر سال کہتا کہ (میاں) کب ارادہ کروگے (لو) ماہ خزاں بھی آگیا۔

او بہانہ ساختے کامسال ماں از فلاں خطہ بیامد میہماں

یعنی وہ شہری بہانہ کردیتا کہ ہمارے اس سال تو فلاں جگہ سے مہمان آگئے ہیں۔

سال دیگر گر توانم وارہید از مہمات آں طرف خواہم دوید

یعنی اگلے سال اگر بس کاموں سے چھوٹ گیا تو اسطرف آؤں گا۔

گفت ہستند آں عیالم منتظر بہر فرزندان تو اے اہل بر

یعنی دیہاتی بولا کہ اجی حضرت میرے اہل و عیال آپ کے بچوں کے منتظر ہیں۔

باز ہر سالے چو لکلک آمدے تا مقیم قبۂ شہرے شدے

یعنی پھر ہر سال لکلک کی طرح آتا اور اُس شہری کے گھر ٹھیرتا۔

خواجہ ہر سالے ز زر و مال خویش خرج او کردے کشودے بال خویش

یعنی وہ خواجہ شہری ہر سال اپنا روپیہ پیسہ اسپر خرچ کرتا اور اپنا ہاتھ خوب فراخ کرتا مطلب یہ کہ خوب فراخدلی سے خرچ کرتا۔

آخراین کرت سہ ماہ آں پہلواں خواں نہادش بامدادان و شباں

یعنی آخری مرتبہ میں اس پٹھے نے تین ماہ تک رات اور دن قیام کیا۔

از خجالت باز گفت او خواجہ را چند وعدہ چند نفریبی مرا

یعنی اسنے خجالت کی وجہ سے اُس خواجہ سے کہا کہ کب تک وعدہ کروگے اور کب تک مجھے فریب دوگے یہ ایک طبعی امر ہے کہ جب اپنے اوپر کوئی احسان کرے اور اپنی طرف سے اُس کی مکافات نہ ہو تو شرم آتی ہے تو یہ کتنا ہی بے حیا اور بے مروت تھا مگر آخر طبعیات تو نہ بدگئی تھیں اسوجہ سے اسکو بھی مدت تک اُس کے یہاں قیام کر کے شرم آئی اور اُس سے کہا کہ جناب آخر کب تک وعدے کروگے اب تو ضرور چلو۔

گفت خواجہ جسم و جانم وصل جو است لیک ہر تحویل اندر حکم اوست

یعنی شہری نے کہا خود میرا جسم و جان وصل کا تلاشی ہے لیکن ہر تبدیلی اُس کے حکم میں ہے مطلب یہ کہ اُس نے کہا کہ خود میرا دل آنے کو بہت چاہتا ہے مگر خدا کے قبضہ میں سب چیزیں ہیں جب وہ چاہیں گے اُسوقت ہی آنا ہوسکتا ہے۔

آدمی چوں کشتی است و بادباں تا کہ آرد باد را آں بادراں

یعنی آدمی مثل کشتی اور بادبان کے ہے کہ کب وہ بادران (حق تعالیٰ) ہوا کو لاوے مطلب یہ کہ جس طرح کشتی اور بادبان محتاج اِس کے ہیں کہ جب حق تعالیٰ ہوا چلادیں تو وہ بھی چلیں

اسی طرح انسان بھی محتاج مشیت ایزدی کا ہے جب وہ چاہیں جب ہی کچھ کر سکتا ہے۔

باز آں سوگند دادش کاے کریم گیر فرزنداں بیا بنگر نعیم

یعنی پھر اُس دیہاتی نے اُسکو قسم دی کہ اے کریم صاحبزادوں کو ہمراہ لیکر تشریف لائیے اور عیش و آرام دیکھئے۔

دست او بگرفت سہ کرت بعہد کاللہ اللہ زو بیا بنمائے جہد

یعنی تین مرتبہ عہد کے لئے اسکا ہاتھ پکڑا کہ تجھے خدا کی قسم کوشش کر کے جلدی ہی آنا۔

بعد دہ سالے بہر سال چنیں لابہ و وعدہا ئے شکریں

یعنی بعد دس برس کے اور ہر برس میں اسی طرح وہ وعدے اور خوشامد میٹھی کیا کرتا تھا۔

کودکان خواجہ گفتند اے پدر ماہ و ابر و سایہ ہم دارد سفر

یعنی اس خواجہ کے لڑکوں نے کہا کہ اباجان چاند اور ابر اور سایہ بھی سفر کرتے ہیں۔ مطلب یہ کہ یہ سب چیزیں سفر کرتی ہیں مگر آپ ایسے اٹل ہیں کہ ایک جگہ سے ہل کر ہی نہیں دیتے۔

حقہا بروے تو ثابت کردہ رنج ہا در کار او بس بردہ

یعنی آپ نے اسپر بہت سے حقوق قائم کر دیئے اور اس کے کاموں میں بہت سی تکالیف برداشت کی ہیں۔

او ہمی خواہد کہ بعضے حق آں واگذارد چوں شوی تو میہماں

یعنی وہ چاہتا ہے کہ اُن میں سے بعض حق جب آپ میہماں ہوں ادا کرے۔

بس وصیت کرد مارا او نہاں کہ کشیدش سوئے دہ لابہ کناں

یعنی اس دیہاتی نے ہمکو پوشیدگی میں بہت کہا تھا کہ اُس (اپنے باپ) کو گانوں کی طرف کھیلتے کودتے کبھی لے آؤ جب بچوں نے یہ کہا تو اس شہری نے جواب دیا۔

گفت حق است ایں ولے اے سیبویہ اتق من شر من احسنت الیہ

یعنی اس شہری نے کہا کہ یہ سب ٹھیک ہے لیکن اے سیبویہ جس سے کہ تم نے احسان کیا ہے اُس کے شر سے بچو اس شخص کا سیبویہ کہنا اس لیئے ہے کہ وہ سمجھدار تھا ورنہ اس لڑکے کا نام سیبویہ نہیں ہے اس نے کہا کہ جس پر تم نے احسان کیا ہو اس کے شر سے ہمیشہ بچتے رہنا اگر وہ شر کرے گا

تو یقیناً بے طرح کرے گا یہ ایک تجربہ ہے ایک تو یہ خرابی ہے دوسری یہ کہ

دوستی تخم دم آخر بود ترسم از وحشت کہ او فاسد شود

یعنی دوستی دم آخر کا تخم ہوتی ہے اور میں وحشت سے ڈرتا ہوں کہ کہیں وہ فاسد نہ ہو جاوے مطلب یہ کہ بھائی میں نے اس دوستی کو ذخیرۂ آخرت بنایا ہے کہ یہ اللہ واسطے کی دوستی ہے اور جو احسان کیا ہے صرف اللہ واسطے کیا ہے اب مجھے ڈر ہے کہ کہیں وہاں جاکر کوئی شکر رنجی پیش آوے اور اللہ واسطے کی دوستی میں خلل پڑے لہذا اسکو تو بس ذخیرہ آخرت ہی رہنے دو اس لیے کہ۔

صحبتے باشد چو شمشیر قطوع ہمچو دے در بوستان و در زروع

یعنی ایک صحبت تو مثل کاٹنے والی تلوار کے ہوتی ہے جیسا کہ ایام خزاں کھیتی اور باغوں میں مطلب یہ کہ جسطرح کہ خزاں کا موسم برباد کرنے والا ہوتا ہے اسی طرح بعض صحبت سے علیحدگی اور بربادی ہو جاتی ہے۔

صحبتے باشد چو فصل نوبہار زو عمارتہا و دخل بے شمار

یعنی ایک صحبت مثل فصل نوبہار کے ہوتی ہے کہ اُس سے آبادی اور بے شمار آمدنی ہوتی ہے مطلب یہ کہ بعض صحبت ایسی ہے کہ جس سے منافع ہوتے ہیں اور اُس سے بجائے بربادی کے آبادی ہوتی ہے تو معلوم ہوا کہ صحبت میں دونوں پہلو ہیں خرابی بھی ہے اور نفع بھی ہے لہذا احتیاط یہ ہے کہ عملاً ظن بد رکھو اور ہر صحبت سے بچو اعتقاداً تو کسی کو بُرا نہ سمجھو مگر عمل ایسا رکھو کہ جیسے بدگمان لوگ رکھا کرتے ہیں اسی کو فرماتے ہیں کہ

حزم آں باشد کہ ظن بد بری تا گریزی و شوی از بد بری

یعنی احتیاط یہ ہے کہ اُس سے ظن بد لیجاوے تو تاکہ تم علیحدہ رہو اور برائی سے بری ہو جاؤ۔

حزم سوء الظن گفت است آں رسول ہر قدم را دام میداں اے فضول

یعنی الحزم سوء الظن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے تو اے فضول ہر قدم کو تم جال سمجھو۔ حدیث میں ہے الحزم سوء الظن یعنی احتیاط یہ ہے کہ (عملاً) سوء ظنی کا برتاؤ کرے اور اس حدیث کو جامع صغیر نے نقل کیا ہے اور حسن کہا ہے۔

روئے صحرا ہست ہموار و فراخ ہر قدم دامیست کم رو گوستاخ

یعنی روئے صحرا تو ہموار اور فراخ ہے اور ہر قدم پر ایک جال ہے تو ذرا گستاخانہ مت چلو روئے صحرا سے مراد دنیا ہے مطلب یہ کہ ظاہر میں تو خوب کشادہ اور فراخ معلوم ہوتی ہیں مگر اس کے اندر قدم قدم پر جال ہیں لہذا ذرا بیباک ہو کر مت چلو ممکن ہے کہ پھنس جاؤ آگے اس کی مثال ہے کہ۔

آں بز کوہی دود کہ دام کو چوں بتازد دامش افتد در گلو

یعنی بز کوہی کہتا ہے کہ دام کہاں ہے تو جب دوڑتا ہے تو اس کے گلے میں جال پڑ جاتا ہے مطلب یہ کہ بز کوہی پہاڑ میں رہتا ہے لیکن بعض مرتبہ اسکو زمین فراخ دیکھکر شوق ہوتا ہے کہ دوڑے اور سیر کرے اور سمجھتا ہے کہ بھلا جال کہیں دیکھائی دیتا نہیں ہے کہاں ہوگا یہ سمجھکر دوڑتا ہے اور پھنس جاتا ہے اسی طرح انسان اس دنیا کی سرسبزی اور ظاہری بہار پر نظر کرکے اسمیں منہمک ہوتا ہے کہ نفس و شیطان کے جال میں پھنس جاتا ہے اور پھر افسوس کرتا ہے تو مولانا فرماتے ہیں کہ

آنکہ می گفتی کہ کو اینک ببیں دشت می دیدی نمی دیدی کمیں

یعنی اے بز کوہی تو جو کہہ رہا تھا کہ (جال) کہاں ہے دیکھ لے یہ ہے تو نے جنگل کو تو دیکھا اور اس گھات کو نہ دیکھا اور یہ نہ سمجھا کہ

بے کمین و دام و صیاد اے عیار دنبہ کے باشد میان کشت زار

یعنی اے چالاک بے کمین کے اور دام و صیاد کے کشت زار میں دنبہ کب ہوتا ہے تو تم جو اس ظاہری دنیا کی بہار کو دیکھتے ہو بھلا بغیر دھوکہ اور جال کے کہیں یہ تھوڑا ہی ہے ضرور اس کے اندر کوئی بات ہے جس کی وجہ سے کہ یہ بہار رکھی گئی ہے تاکہ اس کو دیکھکر یوں پھنسیں آگے فرماتے ہیں کہ

آنکہ گستاخ آمدند اندر زمیں استخواں و کلہ ہاشاں را ببیں

یعنی جو لوگ کہ زمین میں گستاخانہ آئے تھے ان کی ہڈیوں اور جبڑوں کو تو ذرا دیکھو۔

چوں بگورستاں روی اے مرتضی استخوانشاں را بپرس از ما مضیٰ

یعنی اے برگزیدہ جب تو گورستان میں جاوے تو ان کی ہڈیوں سے زمانہ ماضی کی حالت

دریافت کرنا کہ پہلے تمہاری کیا حالت تھی۔

تا بظاہر بینی آن مستان کور　　چون فرو رفتند در چاہ غرور

تاکہ تم ظاہر طور پر دیکھ لو کہ وہ اندھے مست کسطرح چاہ غرور میں چلے گئے ہیں مطلب یہ کہ اگر تم اُن ہڈیوں کو بہ نظر عبرت دیکھو گے تو وہ بزبان حال جواب دینگی اُس وقت تجکو معلوم ہوگا کہ اس غرور و تکبر کا کیا نتیجہ ہوا کسی نے خوب کہا ہے ؎ کل پاؤں ایک کاسۂ سر پر جو آگیا ٭ وہ سر جو استخوان شکستہ سے چور تھا ٭ بولا کہ چل سنبھل کے ذرا راہ بیخبر ٭ میں بھی کبھو کسی کا سرِ پرغرور تھا۔ آگے فرماتے ہیں کہ

چشم اگر داری تو کورانہ مبا　　ورنہ داری چشم دست آور عصا

یعنی اگر بصیرت رکھتے ہو تو اندھے بنکر مت آؤ اور اگر بصیرت نہیں ہے تو ہاتھ میں لاٹھی لو لاٹھی سے مراد علم استدلالی ہے مطلب یہ کہ اگر ذوق سلیم نہیں ہے تو علم استدلالی سے ہی کام چلاؤ وہ بھی کارآمد ہے۔

آن عصائے حزم و استدلال را　　چون نداری دیدہ می کن پیشوا

یعنی اس عصائے حزم و استدلال کو جب تو نہیں رکھتا تو کسی دیکھے ہوئے کو پیشوا بنا لے مطلب یہ کہ اگر علم استدلالی بھی نہیں ہے تو پھر کسی کو اپنا پیشوا بنالو۔

ور عصائے حزم و استدلال نیست　　بے عصاکش بر سرِ ہر رہ مایست

یعنی اور اگر حزم و استدلال کا عصا نہیں ہے تو بے عصاکش کے ہر راہ کے سرے پر کھڑا ہی مت ہو مطلب یہ کہ پھر کسی کو راہبر اور پیشوا بناؤ جو تمکو راہ مقصود تک پہونچا دے اور اسوقت یہ حالت کرو کہ

گام زانسان نہ کہ نابینا نہد　　تا کہ پا از سنگ و از چہ وارہد

یعنی قدم اسطرح رکھو کہ جسطرح نابینا رکھتا ہے تاکہ پاؤں پتھر اور گڑھے سے بچا رہے مطلب یہ کہ جسطرح اندھا خوب دیکھ بھال کر قدم رکھتا ہے تو جب تم کو نہ علم استدلالی ہے اور نہ ذوقی ہے تو پھر بہت ہی سنبھل کر قدم رکھو ذرا ادھر اُدھر ہوا اور تم گرے۔

کورلرزان و بترس و احتیاط　　می نہد پا تا نیفتد در خباط

یعنی اندھا کانپتا ہوا اور خوف اور احتیاط سے پاؤں رکھتا ہے تاکہ خرابی میں نہ پڑجاوے اسی طرح تم بھی۔

اے ز دود جستہ در ناری شدہ لقمہ جستہ لقمۂ مارے شدہ

یعنی اے شخص جو کہ دھوئیں سے نکلکر آگ میں پڑ گیا ہے اور لقمہ کی تلاش میں خود لقمۂ مار ہو گیا ہے
مطلب یہ کہ نفع کی جگہ جو تجھے نقصان ہو رہا ہے کہ تو اس سے دنیاوی نفع کو نفع خیال کر رہا ہے
حالانکہ یہ اُس نقصان کے مقابلہ میں جو تجھے آخرت کا نقصان ہو رہا ہے کچھ بھی نہیں ہے ذرا
سنبھل اور سوچ اور نفع اصلی کو اختیار کر آگے اہل سبا کی نافرمانی کی وجہ سے ان کے تمام عیش
و آرام کے چھن جانے کا قصہ بیان فرماتے ہیں کہ دیکھو وہ اس دنیا ہی میں منہمک رہے اور آخرت کو بھول گئے
اسی طرح کہیں تمہاری بھی گت نہ بنے فرماتے ہیں کہ۔

اہل سبا اور اُن کی نافرمانی کا قصہ اور اُن کی نعمت کا ناشکری کی وجہ سے زائل ہو جانا اور شکر و وفا کی فضیلت

تو نہ خواندے قصۂ اہل سبا یا بخواندی و نہ دیدی جز صدا

یعنی کیا تم نے اہل سبا کا قصہ نہیں پڑھا ہے یا پڑھا ہے تو بجز صدا کے اور کچھ دیکھا نہیں ہے
مطلب یہ کہ جس طرح کہ کسی گنبد یا پہاڑ میں اگر کوئی آواز کرے تو اُس میں سے بھی آواز پیدا
ہوتی ہے۔ مگر اُسکو کوئی نفع اُس آواز سے نہیں ہوتا اسی طرح تم نے بھی قصہ اہل سبا پڑھا ہے
مگر اُس سے کوئی نفع حاصل نہیں کیا۔

از صدا آں کوہ خود آگاہ نیست سوئے معنی ہوش کہ را راہ نیست

یعنی آواز سے وہ خود پہاڑ آگاہ نہیں ہے اور معنی کی طرف کوہ کے ہوش کو راہ نہیں ہے
مطلب یہ کہ اُس آواز سے وہ خاک بھی نہیں سمجھتا۔ بلکہ

او ہمی بانگے کند بے گوش و ہوش چوں خمش کردی تو او ہم شد خموش

یعنی وہ بھی ایک آواز بے سمجھ بوجھ کے کرتا ہے اور جب تو خاموش ہو وے تو وہ بھی خاموش
ہو جاوے اُسی طرح تم نے بھی اُس قصہ سے معنی کو نہیں لیا ہے بلکہ صرف صدا اور الفاظ ہی سنے ہیں

اسی لیے اُس سے عبرت حاصل نہیں ہوئی آگے خود اہل سبا کے اُس قصہ کو بیان فرماتے ہیں کہ

داد حق اہل سبا را بس فراغ ۔۔۔ صد ہزاراں قصر و ایوانہا و باغ

یعنی حق تعالیٰ نے اہل سبا کو بہت فراغت عطا فرمائی تھی لاکھوں محل اور مکان اور باغات تھے

شکر آں نگذاردند آں بدرگان ۔۔۔ در وفا بودند کمتر از سگان

یعنی اُن نالائقوں نے اُن چیزوں کا شکر ادا نہ کیا وہ تو وفا میں کتے سے بھی کم تھے اسلیے کہ

مر سگے را لقمۂ نانے ز در ۔۔۔ چوں رسد بر در ہمی بندد کمر

یعنی کتے کو روٹی کا ٹکڑہ جس دروازہ سے ملجاوے تو وہ اُسی در پر قیام کرتا ہے۔

پاسبان و حارس در می شود ۔۔۔ گرچہ بر وے جور و سختی می رود

یعنی اُس در کا پاسبان اور حارس ہو جاتا ہے اگرچہ اسپر جور و سختی کتنی ہی ہو۔

ہم براں در باشدش باش و قرار ۔۔۔ کفر داند کرد غیرے اختیار

یعنی اُسی در پر اُس کی بود و باش ہوتی ہے اور کسی غیر کو اختیار کرنا وہ کفر جانتا ہے یعنی اور کہیں جانا وہ بہت ہی بُرا سمجھتا ہے تو دیکھو اُس کے اندر کسقدر وفا کی خصلت بڑھی ہوئی ہے آگے ایک نہایت لطیف مضمون فرماتے ہیں کہ۔

ور سگے آید غریبے روز و شب ۔۔۔ آں سگانش می کنند آندم ادب

یعنی اور اگر کوئی اجنبی کتا رات کو یا دن کو آجاتا ہے تو کتے اُسکو اسی وقت ادب کرتے ہیں اور اُس سے کہتے ہیں کہ۔

کہ برو آنجا کہ اول منزل است ۔۔۔ حق آں نعمت گروگان دل است

یعنی اُسی جگہ جا جو کہ اوّل ٹھکانا ہے اس لیے کہ اُس نعمت کا حق مرہون دل کا ہے۔

می گزندش کہ برو بر جائے خویش ۔۔۔ حق آں نعمت فرو مگذار بیش

یعنی اُسکو کاٹتے ہیں کہ اپنی جگہ جا اور اُس نعمت کے حق کو مت چھوڑ تو دیکھو خود تو وفادار ہوتے ہی ہیں مگر کسی اپنے ہمجنس کو بھی بے وفائی نہیں کرنے دیتے آگے اسپر ایک دوسرا مضمون متفرع فرماتے ہیں کہ۔

از درون اہل دل آب حیات ۔۔۔ چند نوشیدی و وا شد چشمہات

یعنی اہل دل کے اندر سے تمنے آبحیات کسقدر پیا ہے کہ تمہاری آنکھیں کھل گئی ہیں

پس غذائے سکر و وجد و بیخودی — از در اہل دلاں بر جان زدی

یعنی بہت سی سکر اور وجد اور بے خودی کی غذا کو اہل قلوب سے تمنے اپنی جان پر لگایا ہے یعنی اُن کو اُن سے حاصل کیا ہے۔

باز ایں در را رہا کردی زحرص — گرد ہر دکاں ہمی گردی زحرص

یعنی پھر اُس در کو تمنے حرص کیوجہ سے چھوڑ دیا اور ہر دوکان کا گرد حرص کیوجہ سے پھرنے لگے اس سے وہ لوگ مراد ہیں کہ جو ایک جگہ سے دوسری جگہ کسی نفسانی غرض کی وجہ سے جاتے ہیں مثلاً کوئی بات ناگوار ہوئی اور چلدیئے یا اور کوئی غرض ہے تو فرماتے ہیں کہ تم جو اُس در کو جس سے کہ تم کو فیض ہوا ہے چھوڑ رہے ہو تو یہ سخت ناشکری کی بات ہے اور اگر ایک جگہ سے دوسری جگہ طلب حق ہی میں جاوے تو مضائقہ نہیں ہے لیکن غرض نفسانی کے لیئے جانا مضر ہوتا ہے۔

بر در آں منعمان چرب دیگ — می دوی بہر ثرید اے مردہ ریگ

یعنی اے کمینے تو اُن امیروں چرب دیگ کے در پر کھانے کے لیئے دوڑ رہا ہے اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو کہ تحصیل دنیا کے لیئے ایک جگہ سے دوسری جگہ جاتے ہیں کہ اُس در کو جس سے نفع ہوا ہے ترک کر کے دوسری جگہ تحصیل دنیا کے لیئے جا رہے ہو بڑے شرم کی بات ہے۔

چربش آں جا داں کہ جاں فربہ شود — کار نا امید آنجا بہ شود

یعنی چرب تو اس جگہ جانو جہاں کہ جان فربہ ہووے اور نا امید کا کام اُس جگہ درست ہو جاوے مطلب یہ کہ تم جو اس جسم کے فربہ کرنے کے پیچھے پڑے ہوئے ہو اس کو ترک کرو بلکہ جان اور سب کی فربہی کو تلاش کرو کہ اُس سے دین و دنیا دونوں حاصل ہوں گی۔

صومعۂ عیسیٰ است خوان اہل دل — ہاں و ہاں اے مبتلا ایں در مہل

یعنی خوان اہل دل کو صومعہ عیسیٰ کیطرح جانوں اور اے مبتلا اس در کو ہرگز مت چھوڑ مطلب یہ کہ جسطرح کہ صومعہ عیسےٰ علیہ السلام سے سب کو شفا حاصل ہوتی تھی اسی طرح تم کو اُن اہل دل سے جو نفع ہوگا اُس سے دین و دنیا دونوں درست ہوں گے لہذا خدا کے لیئے اس کو ترک کر کے اور کہیں مت جاؤ آگے اُس صومعہ عیسیٰ علیہ السلام سے سب کو نفع ہونے کو ذکر فرماتے ہیں کہ۔

مصیبت زدہ لوگوں کا ہر صبح کو عیسیٰ علیہ السلام کے صومعہ کے دروازہ پر دعا کے لئے جمع اور حاضر ہونا

جمع گشتندے زہر اطراف خلق　　　از ضریر و لنگ و شل و اہل دلق

یعنی ہر طرف سے لوگ جمع ہوا کرتے تھے اندھے لنگڑے لُنجے اور محتاج۔

بر در آں صومعہ عیسیٰ صباح　　　تا بدم شاں وارہاند از جناح

یعنی صبح کو حضرت عیسےٰ علیہ السلام کے صومعہ پر تاکہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام پھونک سے ان کو مصیبت سے چھڑا دیں۔

او چو فارغ گشتے از اوراد خویش　　　چاشتگہ بیروں شدے آں خوب کیش

یعنی حضرت عیسےٰ علیہ السلام جب اپنے اوراد سے فارغ ہوتے تو چاشت کے وقت وہ خوب کیش باہر نکلتے۔

جوق جوق آں مبتلا دیدے نزار　　　شستہ بر در در امید و انتظار

یعنی وہ بیماروں ضعیفوں کو جوق جوق دیکھتے کہ دروازہ پر امید و انتظار میں بیٹھے ہوئے ہیں۔

پس دعا کردے و گفتے اے خدا　　　حاجت و مقصود جملہ کن روا

یعنی آپ دعا فرماتے اور فرماتے کہ اے اللہ سب کی حاجت اور مقصود پورا فرما دے۔

گفتے اے اصحاب آفت از خدا　　　حاجت ایں جملگاں تاں شد روا

یعنی پھر فرماتے کہ اے مصیبت والو خدا سے تمہاری سب کی حاجت پوری ہو گئی۔

ہیں رواں گردید بے رنج و عنا　　　سوئے غفاری و اکرام خدا

یعنی ہاں اب بے رنج و عنا کے حق تعالیٰ کی غفاری اور اُن کے اکرام کی طرف روانہ ہو جاؤ۔

جملگاں چوں اشتران بستہ پای　　　کہ کشائی زانوئے ایشاں برائے

یعنی سارے اُن اونٹوں کی طرح جو کہ پاؤں بندھے ہوئے ہوں اور تم ان کے پاؤں

موجود کھول دو اور وہ اونٹ روانہ ہو جاتے ہیں اسی طرح یہ لوگ بے کسی تکلیف کے چنگے ہو کر روانہ ہو جاتے تھے۔

جملہ صحت یافتہ گشتہ رواں ‏‏‏‏‏‏ از دم جاں بخش عیسیٰ در زماں

یعنی سارے کے سارے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جاں بخش پھونک سے اسی وقت روانہ ہو جاتے تھے اللہ اکبر کیا ہی برکت تھی۔

شد رواں آں حاجت جملہ علیل ‏‏‏‏‏‏ ز امر حق و از دم نیک جلیل

یعنی ان سارے مریضوں کی حاجت امر حق سے اور اُن نیک اور بزرگ کی دعا سے روا ہو جاتی ہے۔

بے توقف جملہ شاداں در اماں ‏‏‏‏‏‏ از دعائے وے شدندی پادواں

یعنی بے توقف وہ سارے خوش اور امن میں اُن کی دعا سے اپنے پاؤں سے دوڑنے لگتے تھے

جملہ بے درد و الم بے رنج و غم ‏‏‏‏‏‏ تندرست و شادمان و محترم

یعنی وہ سارے بے رنج و الم اور بے درد و غم کے تندرست اور شادمان اور محترم۔

سوئے خانۂ خویش گشتندی رواں ‏‏‏‏‏‏ از دم میموں آں صاحبقراں

یعنی اپنے گھر کی طرف اُن صاحبقراں کی پھونک سے روانہ ہو جاتے تھے تو دیکھو اُن کی پھونک میں یہ برکت تھی اور لوگ اُس سے تندرستی اور صحت حاصل کرتے تھے مولانا آگے انتقال کر کے فرماتے ہیں کہ۔

شرح حبیبی

آزمودی تو بسے آفات خویش ‏‏‏‏‏‏ یافتی صحت ازاں یاران کیش

چند آں لنگی تو رہوار شد ‏‏‏‏‏‏ چند جانت بے غم و آزار شد

اے مغفل رشتہ بر پائے بند — تا ز خود ہم گم نہ گردی اے لوند

تا سپاسی و فراموشی تو — یاد ناورد آں عسل نوشئ تو

لاجرم آں راہ بر تو بستہ شد — چوں دل اہل دل از تو خستہ شد

زود شاں دریاب و استغفار کن — ہمچو ابرے گریہ ہائے زار کن

تا گلستاں شاں سوئے تو بشگفد — میوہ ہائے پختہ بر تو وا کفد

ہم برآں در گرد از سگ کم مباش — با سگ کہف ار شدستی خواجہ تاش

چوں سگاں ہم مر سگاں را ناصح اند — کہ دل اندر خانۂ اول بہ بند

آں در اول کہ خوردی استخواں — سخت گیر و حق گزاری را میاں

می گزندش کز ادب آنجا رود — در مقام اولین مفلح شود

می گزندش کائے سگِ طاغی برو — با ولی نعمت یاغی مشو

بر ہماں در ہمچو حلقہ بستہ باش — پاسبان و چابک و برجستہ باش

صورت نقض وفائے ما مباش — بیوفائی را مکن بیہودہ فاش

مر سگاں را چوں وفا آمد شعار — زو سگاں را ننگ و بدنامی میار

بیوفائی چوں سگاں را عار بود — بیوفائی چوں روا داری نمود

حق تعالیٰ فخر آورد از وفا — گفت من اوفی بعہد غیرنا

بیوفائی داں وفا با ردّ حق — بر حقوق حق ندارد کس سبق

نور را ہم نور شد با نار نار — جائے گل گل باش جائے خار خار

حق مادر بعد ازاں شد کاں کریم — کرد او را از جنین تو غریم

صورتے کردت درونِ جسم او — داد در حملش ترا آرام و خو

همچو جزو متصل دید او ترا
متصل را کرد تدبیرش جدا

حق هزاران صنعت و فن ساخت است
تا که مادر بر تو مهر انداخت است

پس حق حق سابق از مادر بود
هر که آن حق را نداند خر بود

آنکه مادر آفرید و ضرع و شیر
با پدر کردش قرین آن خود مگیر

ای خداوندا ای قدیم احسان تو
آنکه دانم وانکه نی هم آن تو

تو بفرمودی که حق را یاد کن +
زانکه حق من نمی گردد کهن

یاد کن لطفی که کردم آن صبوح
با شما از حفظ در کشتی نوح

اصل واجداد شما را آن زمان
دادم از طوفان و از موجش امان

آب آتش خو زمین بگرفته بود
موج او مر اوج کُه را می ربود

حفظ کردم من نکردم رد تان
در وجود جد جد جد تان

چون شدی سر پشت پایت چون زنم
کارگاه خویش چون ضائع کنم

چون فدائے بیوفایان می شوی
از گمان بد بد آن سو می روی +

من ز سهو و بیوفائیها بری
سوئے من آئی گمان بد بری

این گمان بد برآنجا بر که تو
می شوی در پیش همچو خود دو تو

بس گرفتی یار و همراهان زفت
گر ترا گویم که گوئی که رفت

یار نیکت رفت بر چرخ برین
یار فسقت ماند در قعر زمین

تو بماندی در میانه همچنان
بے مدد چوں آتشے در کاروان

دامن او گیر ای یار دلیر
کو منزه باشد از بالا و زیر

نے چو عیسے سوئے گردوں بر شود
نے چو قاروں در زمیں اندر رود

با تو باشد در مکان و لامکان   چون بماند از سرا و از دوکان

او برآرد از کدورتها صفا   مر جفاہائے ترا گیرد وفا

چون وفا آری فرستد گوشمال   تا ز نقصان وا ردی سوئے کمال

چون تو وردے ترک کردی در روش   بر تو قبضے آید از رنج و تپش

آن ادب کردن بود یعنے مکن   ہیچ تحویلے ازان عہد کہن

پیش ازان کین قبض زنجیرے شود   این کہ دلگیرست پاگیرے شود

رنج معقولت شود محسوس و فاش   تا نگیری این اشارت را بلاش

در معاصی قبضہا دلگیر شد   قبضہا بعد از اجل زنجیر شد

نعط من اعرض ہنا عن ذکرنا   عیشة ضنکا و نحشر بالعمیٰ

دزد چون مال کسان را می برد   قبض و دلتنگی دلش را می خلد

او ہمی گوید عجب این قبض چیست   قبض آن مظلوم کز شرت گریست

چون بدین قبض التفاتے کم کند   باد اصرار آتشش را دم کند

قبض دل قبض عوان شد لاجرم   گشت محسوس آن معانی زد علم

قبضہا زندان شدست و چارمیخ   قبض بیخیست و برآرد شاخ بیخ

بیخ پنہان بود ہم شد آشکار   قبض و بسط اندرون بیخے شمار

چونکہ بیخش بد بود زودش بکن   تا نروید زشت خارے در چمن

قبض دیدی چارۂ آن قبض کن   زانکہ سرہا جملہ میروید ز بن

بسط دیدی بسط خود را آب دہ   چون برآید میوہ با اصحاب دہ

باز گرد قصۂ اہل سبا   باز گو تا باز گویم مرحبا

آن سبا ز اهل صبا بودند خام
کارشان کفران نعمت با کرام

باشد آن کفران نعمت در مثال
که کنی با محسن خود تو جدال

که نمی باید مرا این نیکویی
من برنجم زین چه رنجه میشوی

لطف کن این نیکویی را دور کن
من نخواهم چشم زودش کور کن

پس سبا گفتند باعد بیننا
شیننا خیر لنا خذ زیننا

ما نمی خواهیم این ایوان و باغ
نی زنان خوب نی امن و فراغ

شهرها نزدیک همدیگر بدست
آن بیابانست خوش کانجا ددست

یطلب الانسان فی الصیف الشتا
فاذا جاء الشتا انکر ذا

فهو لا یرضی بحال ابدا
لا بضیق لا بعیش رغدا

قتل الانسان ما اکفره
کلما نال الهدی انکره

نفس زین سانست زان شد کشتنی
اقتلوا انفسکم گفت آن سنی

خار سه پهلوست هر سو کش نهی
در خلد وز زخم او تو کی رهی

آتش ترک هوا در خار زن
دست اندر یار نیکوکار زن

چون ز حد بردند اصحاب سبا
که به پیش ما وبا به از صبا

ناصحان شان در نصیحت آمدند
از فسوق و کفر مانع می شدند

قصد خون ناصحان می داشتند
تخم فسق و کافری می کاشتند

چون قضا آید شود تنگ این جهان
از قضا حلوا شود رنج دهان

گفت اذا جاء القضا ضاق الفضا
تحجب الابصار اذا جاء القضا

چشم بسته میشود وقت قضا
تا نبیند چشم کحل چشم را

جب تو صومعہ عیسٰی کا قصہ سن چکا اور یہ جان چکا کہ اہل اللہ کا لنگر خانہ اس صومعہ کے مشابہ ہے تو اب ہم کہتے ہیں کہ یہ ہمارا ہی دعوی نہیں بلکہ تو بھی جانتا ہے اس لیے کہ تو نے اپنی بہت سی روحانی تکلیفوں کو آزمایا ہے کہ ان اہل اللہ کے ہاتھوں تجھے ان سے صحت حاصل ہوئی ہے اور تو جانتا ہے کہ تیرا لنگڑا پن کسقدر ٹھیک ہو گیا ہے اور تیری جان کسقدر رنج اور تکلیف سے چھوٹ گئی ہے پھر بھی تو ان کو بھولتا ہے ارے اگر یہی بھول ہے تو خدا خیر کرے کہیں تو خود اپنے کو بھی نہ بھولجاوے اور اپنے کو بھی نہ کھو بیٹھے اس لیے تو اپنے پاؤں میں تاگا باندھ لے کہ اگر کھویا جاوے تو اس کے ذریعہ سے تو اپنے کو پا سکے۔ (ف اس شعر میں ایک احمق کے قصہ کی طرف اشارہ ہے جس نے اپنے پاؤں میں تاگا اس لیے باندھا تھا کہ اگر میں گم ہو جاؤں تو اپنے کو پا سکوں) تیری ناشکری اور بھول اسقدر بڑھ گئی ہے کہ تجھے یاد بھی نہیں آتا کہ اہل اللہ نے ہمیں کبھی شہد پلایا اور لذائذ روحانیہ سے بہرہ یاب کیا ہے پس تو نے اہل اللہ کو رنج دیا تو اس کا نتیجہ یہ ہونا ہی تھا کہ راہ حق تجھپر مسدود ہو گیا اور خذلان کی نوبت آ گئی ارے کمبخت اب بھی کچھ نہیں گیا جلد تلافی کر اور توجہ کر ابر کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رو تاکہ اُن کے فیوض کا باغ تیرے لیے کھلے اور اُس کے پختہ میوے تجھ پر پھٹ پڑیں (ف اس مقام پر ایک نسخہ بر خود واکفد ہے اس کے معنی یہ ہیں کہ شگوفے پھٹ کر میوے نکل آئیں اور وہ پختہ ہو جائیں اس تقدیر پر واکفد کی اسناد میوہائے پختہ کی طرف مجازی ہے نیز شگوفوں کے پھٹنے کے بعد پختہ میوے نکلنے سے متبادر یہ ہوتا ہے کہ نکلنے کے وقت وہ پختہ ہوں لیکن ایسا نہیں بلکہ مآل کے اعتبار سے ان کو پختہ کہا گیا ہے اور یہ معنی بھی ممکن ہیں کہ میوہ ہائے پختہ خود پھٹ جائیں جیسے انار کھل جاتا ہے یا بیر پھٹ جاتا ہے واللہ اعلم) اگر تو سگ اصحاب کہف کا جوڑی دار بنا ہے اور جس طرح اسنے اہل اللہ کی خدمت کی تھی تو نے بھی اُن کی خدمت اختیار کی ہے تو تجھکو وفا کرنا چاہیئے اور اُسی در کا ہو رہنا چاہیئے اور کتے سے بھی کم نہ ہونا چاہیئے غور تو کر کہ جب کتے بھی اپنے بے وفا بھائیوں کو نصیحت کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ پہلے ہی گھر سے وابستگی چاہیئے اور جس اول گھر سے تجھکو ہڈی ملی ہے اُسی کو مضبوط پکڑنا چاہیئے اور حق گذاری کو ہاتھ سے نہ دینا چاہیئے اور بے وفائی کرنے والے

کو کاٹتے ہیں تاکہ وہ اس سزا کے سبب وہاں چلا جاوے اور پہلے ٹھکانہ پر جا کر کامیاب ہو وہ
اسکو یہ نہ سمجھاتے کو کاٹتے ہیں کہ اسے حد سے تجاوز کرنے والے کتے تو وہیں جا اور اپنے ولی
نعمت سے باغی مت ہو اور اس کی اطاعت سے دست بردار مت ہو تو حلقہ کی طرح اس در پر
جما رہ اسی کی پاسبانی میں خوب چست اور چوکنا رہ تو ہمارے لیئے عہد شکنی کی زندہ تصویر
نہ بن اور حماقت سے کتوں کی بیوفائی کی شہرت مت دے اور جب کہ کتوں کا عام دستور
وفا ہے تو تو بیوفائی کر کے ان کی بدنامی اور ننگ کا سبب مت بن تو جب کہ کتے بھی بیوفائی
سے عار کرتے ہیں تو تو بیوفائی کر کیونکر جائز رکھتا ہے وفا تو وہ وصف اعلیٰ ہے کہ حق سبحانہ
اسپر فخر کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ ہم سے زیادہ عہد کا پورا کرنے والا کون ہے پھر تو اسکو کیوں
چھوڑتا ہے اور وفا کیوں نہیں کرتا تجھکو وفادار ہونا چاہیئے لیکن یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ وفا
ہر جگہ حسن نہیں ہے بلکہ حق سبحانہ کے ساتھ یا جہاں وفا کا وہ حکم دے وہیں حسن ہے اور اگر مردود
حق سبحانہ کے ساتھ اور برخلاف حکم خداوندی وفا کی جاوے تو وہ وفا معیوب اور بیوفائی کا
حکم رکھتی ہے اسی لیئے حق سبحانہ کے حق سے کسی کا حق مقدم نہیں ہے اور جن
بعض مقامات پر بظاہر مقدم ہے وہاں بھی بامر حق مقدم ہے اس لیئے وہاں بھی حق سبحانہ ہی کا
حق مقدم ہے خلاصہ یہ کہ نور کے لیئے تجھے نور ہونا چاہیئے اور نار کے لیئے نار جہاں پھول بننے
کی ضرورت ہو وہاں پھول بن جہاں خار بننے کی ضرورت ہو وہاں خار بن یعنی جہاں وفا مناسب
ہو وہاں وفا کر اور جہاں بیوفائی زیبا ہو وہاں بیوفائی کر اب ہم تجھے اس کی لم سمجھاتے ہیں
کہ حق سبحانہ کا حق سب پر مقدم کیوں ہے حقوق العباد دو قسم کے ہیں ایک دین کے لحاظ سے
دوسرے دنیا کے لحاظ سے جو حقوق دین کے لحاظ سے ہیں جیسے رسول کا حق امت پر شیخ
کا حق مریدین پر استاد کا حق شاگردوں پر ان کا تو حق اللہ کے تابع ہونا ظاہر ہے لہذا ان
پر حق اللہ کا مقدم ہونا بھی واضح ہے اور جو حقوق دنیا کے لحاظ سے ہیں ان میں سب سے زیادہ
حق ماں کا ہے لیکن غور کرنا چاہیئے کہ اول حق سبحانہ نے تجھے اس کے پیٹ میں رکھکر
اسکو مثل اپنے مقروض کے بنایا (پھر اس کے جسم کے اندر تیری صورت بنائی اور اس کے حمل
کے اندر تجھے آسائش اور آفتضارات طبعی عطا کیئے اور جب کہ اس نے تجھے اسکا جزو متصل دیکھا

تو اپنی حکمت سے اُس کو جدا کیا اور بہت سی تدبیریں اور حکمتیں کیں جن سے ماں کو تجھ پر مہربان کیا اس کے بعد ماں کا حق ثابت ہوا اس سے ظاہر ہوا کہ حق سبحانہ کا حق ماں کے حق سے مقدم ہے اور جب ماں کے حق سے مقدم ہے تو اوروں کے حق سے تو بالاولی مقدم ہوگا پس جو شخص اس حق کا لحاظ نہ کرے جو سب سے مقدم ہے وہ گدہا اور احمق ہے وہ خدا ہی ہے جس نے ماں کو اُس کے پستانوں کو اُس کے دودھ کو پیدا کیا اور باپ کے ساتھ اُس کو ہم صحبت کیا یہ امور خود بخود نہیں ہو گئے پھر اُسکا حق مقدم کیوں نہو گا جب کلام تقدم حق اللہ تک منجر ہوا تو اب مولانا بصورت مناجات حق سبحانہ کے حقوق ظاہر فرماتے ہیں جن سے مدعائے سابق کی تائید ہوتی ہے اور فرماتے ہیں کہ اے اللہ تیرا حق مقدم کیوں نہ ہوگا تو مالک ہے تیرے احسانات قدیم ہیں اور جو اشیا میرے علم کے احاطہ میں ہیں اور جو اس سے باہر ہیں سب تیری ہی ملک ہیں تو نے فرمایا ہے کہ ہمارے حق کو یاد کرو اس لیئے کہ ہمارا حق پرانا نہیں ہوسکتا۔ اور پرانا ہو کر قابل نظر انداز کرنے کے نہیں ہوسکتا نیز تو نے فرمایا ہے کہ ہماری اُس عنایت کو یاد کرو جو ہم نے فلاں صبح کو تمہارے ساتھ کی تھی یعنی تمکو کشتی نوح میں محفوظ کیا تھا کیونکہ تمہارے اجداد کا محفوظ کرنا خود تمہارا محفوظ کرنا تھا اور میں نے تمہارے اصول اور تمہارے اجداد کو جس کی تم اولاد ہو اُسوقت طوفان اور اُس کی موج سے نجات دی تھی جب کہ آتش خصلت اور آگ کی طرح تباہ کن پانی کی موجیں زمین کو گھیرے ہوئے تھیں اور اس کی ایک ایک موج پہاڑ کی رفعت کی ہستی نہ سمجھتی تھی میں نے ایسی حالت میں تمکو تمہارے داداؤں کے داداؤں کے اصلاب میں محفوظ رکھا اور تم کو رد نہ کیا جب کہ تم مجھے اسقدر عزیز ہو تو میں تمپر لات کیونکر مار سکتا ہوں اور تم کو تباہ کرکے اپنے کارخانہ کو کیونکہ درہم برہم کرسکتا ہوں جب میری یہ حالت ہے اور مجھے تم اس درجہ عزیز ہو اور میری شفقت تمپر اس درجہ مبذول ہے تو مجھے چھوڑ کر تم بے وفاؤں پر کیوں فدا ہوتے ہو اور فانیات میں کیوں منہمک ہوتے ہو اور مجھ سے بدگمان ہو کر اُس طرف کیوں جاتے ہو۔ ارے بھلے مانسو مجھپر بدگمانی کرتے ہو میں تو سہو سے بھی منزہ ہوں اور بیوفائیوں سے بھی پس تم میری طرف آؤ اور بدگمانی کو چھوڑ دو بیوفائی کا محل وہ لوگ ہیں جن کے سامنے تم

جھکتے ہو باوجودیکہ وہ بھی تمہارے ہی مثل ہیں پس تم کو اُن سے بدگمان ہونا چاہیئے نہ کہ مجھسے تمنے بڑے بڑے زبردست یار آشنا بنائے لیکن اگر میں تم سے پوچھوں کہ تمہارے یار کہاں ہیں تو تمہارے پاس بجز اس کے کچھ جواب نہ ہوگا کہ چل بسے تمہارے جو نیک یار تھے وہ آسمان یعنی بہشت میں چلے گئے اور جو بُرے تھے وہ زمین کے نیچے دوزخ میں چلے گئے اور تم ادھر میں یوں ہی بے یار و مددگار رہ گئے جس طرح قافلہ کی آگ رہ جاتی ہے کیا یہ بیوفائی نہیں ہے ضرور ہے اب مولانا فرماتے ہیں کہ اے بہادر دوست تو اُس کا دامن پکڑ جو بلندی و پستی سے منزہ ہے اور نہ تجھے چھوڑ کر عیسیٰ علیہ السلام کی طرح اوپر جاتا ہے اور نہ قارون کی طرح زمین کے نیچے جاتا ہے بلکہ مکان اور لامکان ہر دو میں تیرے ساتھ رہتا ہے یعنی تیرے جسم کے بھی ساتھ ہے جو مکانی ہے اور تیری روح کے ساتھ بھی ہے جو مکان سے منزہ ہے اور جب تم بالکل بے ٹھکانے ہو نہ تمہارے پاس مکان ہو نہ دکان اور بالکل کس مپرسی کی حالت میں ہو اسوقت بھی تمہارے ساتھ ہے برخلاف دنیاوی یاروں کے کہ وہ ایسی حالت میں بات بھی نہیں پوچھتے چنانچہ ایک شاعر کہتا ہے ؎ بیکسی میں انساں کا کوئی کب ساتھ دیتا ہے ؛ کہ تاریکی میں سایہ بھی جدا رہتا ہے انساں سے ؛ نیز اسمیں اور دنیاوی یار دوستوں میں یہ بھی فرق ہے کہ دنیاوی یار دوست کدورتوں کو نظر انداز نہیں کرتے بلکہ صفا اور کدورت کی آمیزش ہو تب بھی وہ کدورت ہی کو پیش نظر رکھتے ہیں برخلاف حق سبحانہ کے کہ وہ کدورتوں سے صفا نکالتے ہیں یعنی کدورتوں کو صفا بناتے ہیں کما قال تبارک وتعالیٰ اولٰئک یبدل اللّٰہ سیئاتھم حسنات نیز عام دوست جفاؤں کو نظر انداز نہیں کرتے اور حق سبحانہ تمہاری جفاؤں کو وفا سمجھتے ہیں اسلیئے کہ ہم قصہ شبان کے متصل بتا چکے ہیں کہ تمہاری طاعات بھی گستاخیاں ہیں لیکن وہ باینہمہ اپنی رحمت سے انکو قبول فرماتے ہیں اور طاعات میں محسوب فرماتے ہیں نیز جب تم کوئی تعدی کرتے ہو تو وہ اور دوستوں کی طرح تم کو چھوڑ نہیں دیتے بلکہ متنبہ فرماتے ہیں اور مشفقانہ سزا دیتے ہیں تاکہ تم نقصان سے کمال کی طرف ترقی کرو۔ مثلاً جب تم سے کوئی معمول ترک ہوتا ہے تو تم پر قبض طاری ہوتا ہے یعنی ایک قسم کا ملال اور اضطراب تمہاری طبیعت میں پیدا ہوتا ہے پس یہ تنبیہ ہوتی ہے کہ خبردار پھر ایسی حرکت نہ کرنا اور اپنے پرانے عہد سے بال برابر نہ ہٹنا اور اسوقت سے پیشتر

ہی اُس کی تلافی کر لینا جبکہ یہ قبض زنجیر ہو جاوے اور بجائے دلگیر ہونے کے پاگیر ہو جاوے
یہ جواب رنج معقول ہے وہ پھر محسوس ہو جائے گا اور آخرت میں یا دنیا میں بھی بشکل طوق و
سلاسل ظاہر ہوگا۔ دیکھنا اس اشارہ کو معمولی نہ سمجھنا اس لیئے کہ معاصی کے سبب جو قبض دل پر طاری
ہوتے ہیں وہ ہی قبض موت کے بعد بشکل زنجیر ظاہر ہوتے ہیں چنانچہ حق سبحانہ فرماتے ہیں
کہ جو لوگ دنیا میں ہمارے ذکر سے اعراض کرتے ہیں اُن کی زندگی کو ہم تنگ اور وبالِ جان کردیتے
ہیں (یعنی قبض باطنی کے ذریعہ سے) اور آخرت میں اُن کو اندھا اُٹھاویں گے (اور ٹھکانہ اُن کا دوزخ
ہوگا جہاں وہ زنجیروں میں جکڑے جائیں گے) یہ مضمون اگر تمہاری سمجھ میں بخوبی نہ آیا ہو تو ہم ایک
محسوس مثال سے سمجھاتے ہیں تاکہ تم اچھی طرح سمجھ جاؤ کہ قبض کے آخرت میں زنجیر ہونے کا کیا
مطلب ہے۔ مثلاً جب آدمی لوگوں کا مال ابتداً چراتا ہے تو اُس کے دل میں قبض اور تنگی کی خلش
ہوتی ہے وہ اپنے دل میں کہتا ہے کہ کیا بات ہے مجھے پریشانی کیوں ہے اس سے کوئی کہنے کہ یہ
پریشانی اُس مظلوم کی پریشانی کا عکس ہے جسکو تو نے رولایا ہے لیکن جب وہ اس قبض کو نظر انداز
کر دیتا ہے اور اُس کے اصرار کی ہوا اسکی آگ کو بھڑکاتی ہے یعنی وہ اس فعل شنیع سے باز نہیں
آتا تو لامحالہ وہ قبض قبضۂ پولیس ہو جاتا ہے اور پکڑا جاتا ہے اسوقت وہ قبض غیر محسوس محسوس
ہو جاتا ہے اور شہرۂ عالم بن جاتا ہے وہی قبض جیلخانہ اور شکنجوں کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے بات
یہ ہے کہ قبض دل بمنزلہ جڑ کے ہے اور جیلخانہ وغیرہ بمنزلہ اسکی شاخوں کے اور جڑ سے شاخیں
نکلتی ہیں پس جسطرح پہلے جڑ پوشیدہ ہوتی ہے پھر شاخ نکلکر ظاہر ہو جاتی ہے یوں ہی قبض و
بسط باطنی کو بھی سمجھو پس جس طرح باغ میں کوئی خراب جڑ موجود ہو تو اُس کا اُکھاڑنا ضروری ہوتا
ہے تاکہ چمن میں خار نہ پیدا ہو جائیں یوں ہی جب تم قبض باطنی دیکھو تو اُس کے اُکھاڑنے کی
کوشش کرو اس لیئے کہ یہ جڑ ہے دیگر مفاسد کی حتیٰ کہ بعض اوقات کفر تک نوبت پہونچادیتا ہے
اور وہ شاخیں ہیں اُس جڑ کی اور شاخیں جڑ ہی سے پھوٹتی ہیں پس اگر تم جڑ ہی کو اُکھاڑ دوگے
تو اُن شاخوں کے شر سے بھی محفوظ رہوگے ورنہ مصیبت میں گرفتار ہوگے اور جب بسط دیکھو تو
اُس کو سینچو اور ترقی دو اور جب اُس میں میوے نکلیں یعنی اسپر ثمرات باطنی مرتب ہوں تو ان میں
سے اپنے یار دوستوں کو بھی دو اچھا اب لوٹنا چاہیئے اور قصہ اہل سبا بیان کرنا چاہیئے تاکہ میں بھی

دادودوں اہل سبا حکماً لونڈے اور ناتجربہ کار تھے اُن کا کام منعموں کی نعمتوں کی ناشکری کرنا تھا
اب میں ناشکری کی حقیقت تم کو ایک مثال سے سمجھاتا ہوں مثلاً یہ کہ کوئی شخص تجھپر کوئی انعام کرے
تو تو اس محسن کی مزاحمت کرے اور کہے کہ مجھے اُس نعمت کی ضرورت نہیں آپ تکلیف نہ کیجئے مجھے اس سے
تکلیف ہوتی ہے براہ مہربانی اس نوازش کو دور ہی رکھیئے مجھے آنکھ کی ضرورت نہیں آپ مجھے اندھا کر
دیجئے جب یہ معلوم ہوگیا تو اب سمجھو کہ اہل سبا کی بالکل یہی حالت تھی کہ حق سبحانہ نے اُنپر انعامات کو
بارش کی طرح برسایا تھا اور خوب دولت دی تھی ملک کو آرائش سے بہشت بنادیا تھا لیکن ان ناشکروں
نے یہ کیا کہ دعا کی کہ اے اللہ جماعتوں اور بستیوں کو دور دور کردے ہماری اس زینت سے ہمارے
لیئے وہ برائی ہی اچھی ہے وہم کو قصر و ایوان درکار ہیں نہ اچھا زمانہ نہ امن چین نہ فراغت واطمینان
ہمارے شہر بہت قریب قریب ہیں یہ ہم کو اچھے نہیں معلوم ہوتے ہم کو تو وہ جنگل اچھے معلوم ہوتے
ہیں جہاں درندے رہتے ہوں اب مولانا فرماتے ہیں کہ انسان کی بھی عجیب حالت ہے کہ
گرمی میں جاڑے کی درخواست کرتا ہے اور جب جاڑا آتا ہے تو اسکو ناپسند کرتا ہے اور گرمی
چاہتا ہے لہٰذا وہ کسی حال میں بھی خوش نہیں رہتا نہ تنگی ہی سے خوش ہوتا ہے نہ بیحد خوش
عیشی سے پس غارت ہو یہ انسان بڑا ہی ناشکرا ہے جب اسکو ہدایت پہونچتی ہے تو اسکو بھی ناپسند
کرتا ہے اب دیکھنا یہ ہے کہ انسان کی اس ناشکری کا منشا کون ہے معلوم ہوا کہ یہ حرکات نفس کے
ہیں لہٰذا وہ قابل گردن زدنی ہے اسی بنا پر حق سبحانہ نے ایک جگہ قتل الانسان ما اکفرہ فرما کر
دوسری جگہ اُس کے اقتلوا انفسکم سے تفسیر فرمائی ہے نفس کی حالت بالکل ایسی ہے جیسے خارِ سہ پہلو
(گوکھرو) کہ اسے جس پہلو سے رکھو اُسی پہلو سے چبھے گا اور تم اس کے زخم سے بچ نہیں سکتے اب تمہارا
فرض ہے کہ اس خار کو آگ لگاؤ یعنی اُس کے مقتضیات کو چھوڑو اور بہتر مصاحب (روح یا حق
سبحانہ یا مرشد کامل) کو پکڑو غرض جب اہل سبا نے اپنی اس درخواست کو حد سے بڑھایا اور کہا
کہ ہم کو وبا صبا سے اچھی معلوم ہوتی ہے تو نصیحت کروں (انبیاءؑ) نے ان کو نصیحتیں کیں اور اُن
کو اس کفر و فسوق سے روکا اس پر وہ ان کے خون کے پیاسے ہو گئے اور کفر و فسق حقیقی کا بیج بونے
لگے بات یہ ہے کہ تقدیر الہٰی کے سامنے کسی کی پیش نہیں چلتی آدمی کی نظر میں اشیا بر عکس
دکھلائی دیتی ہیں دنیا نہایت فراخ ہے مگر اسے تنگ نظر آتی ہے اور حلوا کھاتے منہ دکھتا ہے

کسی نے کیا خوب کہا ہے کہ جب قضا آتی ہے تو میدان آدمی پر تنگ ہو جاتا ہے اور آنکھو نپر پردے پڑ جاتے ہیں اور آنکھو نپر پٹی بندھ جاتی ہے حتیٰ کہ آنکھ کو سرمہ سی مفید چیز دکھلائی نہیں دیتی بلکہ خاک دکھلائی دیتی ہے۔

شرح شبیری

آزمودی تو بسے آفات خویش یافتی صحت ازیں شاہاں کیش

یعنی تم نے بہت سے اپنے امراض کو آزمالیا ہے اور ان شاہان دین سے صحت پائی ہے مطلب یہ کہ اپنے امراض باطنی کو بہت مرتبہ دیکھ چکے ہو اور معلوم کر چکے ہو کہ ان حضرات کی برکت ہی سے تم کو صحت حاصل ہوئی ہے۔

چند آں لنگی تو رہوار شد چند جانت بے غم و آزار شد

یعنی تیری کتنی ہی لنگیاں درست ہو چکی ہیں اور کتنی مرتبہ تیری جان بے غم و آزار ہو چکی ہے مطلب یہ کہ کتنی مرتبہ تجھے ان حضرات کی برکت سے آزار سے چھٹکارا مل چکا ہے تو ان کو ترک کرتا ہے اور دوسری جگہ جاتا ہے بڑے شرم کی بات ہے آگے ایک ترکیب بتاتے ہیں کہ۔

اے مغفل رشتہ بر پائے بند تا ز خود ہم گم نگردی ای لوند

یعنی اے غافل پاؤں میں ایک تاگا باندھ لے تاکہ اپنے سے بھی گم نہ ہو تو اسے کہنا ایک شخص بیوقوف تھا وہ اپنے بدن پر بہت سے تاگے باندھے رہتا تھا کہ کہیں کھو نہ جاوے ایک روز اس کے تاگے اس کے بھائی نے باندھ لیئے تو کہتا کیا ہے کہ بھائی تم تو میں ہو گئے اور میں کہاں گیا تو مولانا اسی سے تشبیہ دیکر بطور طعن فرماتے ہیں کہ یہاں تم جو بھٹکتے پھرتے ہو اور ان حضرات کے در کو ترک کرتے ہو تو تم اس شخص کی طرح تاگا باندھ لو تاکہ پھر گم نہ ہو سکو اور اس در کو نہ چھوڑو۔

ناسپاسی و فراموشی تو + + یاد نادرد آں عسل نوشی تو +

یعنی تیری ناشکری اور تیری (احسان) فراموشی اس عسل نوشی کو یاد نہیں لائی مطلب یہ کہ تمکو جو حضرات اہل اللہ سے فیض ہوا تھا اسکو تم نے ناشکری کی وجہ سے فراموش کر دیا۔ اور

بھلا دیا تو اُس کا نتیجہ یہ ہوا کہ

لاجرم آں راہ بر تو بستہ شد چوں دل اہل دل از تو خستہ شد

یعنی آخرکار وہ راہ (حق) تمپر بند ہو گئی جب کہ اہل دل کا قلب تم سے رنجیدہ ہوا۔ یعنی جبکہ تمنے اُنکو بلا کسی ضرورت شرعی کے ترک کر دیا تو اُن کے قلب میں کدورت آگئی اور پھر سارے فیوض بند ہو گئے اور یہ مشاہدہ ہے برابر ایسا ہی ہوتا ہے چونکہ اکثر ایسا ہو جاتا ہے تو اس کو سنکر کسی کو رنج ہوتا کہ بس اب تو کہیں ٹھکانہ ہی نہ رہا اس لیئے آگے اسکا علاج فرماتے ہیں کہ اگر کبھی ایسا غلطی سے ہو جاوے تو یہ کرو کہ۔

زود شاں دریاب و استغفار کن ہمچو ابرے گریہ ہائے زار کن

یعنی جلدی سے اُن کو پالو اور استغفار کرو اور مثل ابر کے خوب رو مطلب یہ کہ اُن سے معاف کراؤ اور حق تعالیٰ کی درگاہ میں استغفار کرو اور رو اور زاری کرو پھر اُسکا یہ نتیجہ ہوگا کہ۔

تا گلستاں شاں سوئے تو بشگفد میوہ ہائے پختہ بر تو واکفد

یعنی تاکہ اُن کا گلستاں تیری طرف کھل جاوے اور پختہ میوے تیرے اوپر پھٹ پڑیں یعنے کثرت سے فیوض و برکات تم پر فائض ہوں۔

ہم برآں در گرد و کم از سگ مباش با سگ کہف ار شدستی خواجہ تاش

یعنی اُس در پر پھر اور کتے سے کم مت ہو سگ اصحاب کہف کے ساتھ اگر تو خواجہ تاش ہوا ہے یعنی اگر تو نیکوں کی صحبت میں رہا ہے تو وفا میں کتوں سے کم مت ہو یہاں سے عود ہے مضمون وفا کی طرف جسکو کہ اوپر بیان کیا تھا کہ کتے کے اندر وفا کی خصلت بہت زیادہ ہوتی ہے حتی کہ اگر کوئی اجنبی کتا آجاتا ہے تو دوسرے کتے اُس کو کاٹتے ہیں کہ اول ہی جگہ جا اُسی مضمون کو آگے بیان فرماتے ہیں کہ۔

چوں سگاں ہم مر سگاں را ناصح اند کہ دل اندر خانۂ اول بہ بند

یعنی کہ جب کتے کتوں کے لیئے ناصح ہیں کہ دلکو اول گھر کے ساتھ بند کرلے اور کہتے ہیں کہ

از در اول کہ خوردی استخواں سخت گیر و حق گذاری را ممان

یعنی در اول کو جس سے کہ تو نے ہڈی کھائی ہے مضبوط پکڑ لے اور حق گذاری کو ترک مت کر۔

می گزندش کز ادب آنجا رود در مقام اولین مفلح شود

یعنی اُس اجنبی کو کاٹتے ہیں تاکہ ادب کی وجہ سے اُس جگہ سے چلا جاوے اور پہلے ہی جگہ سے منعلق ہو مطلب یہ کہ کتے اُس اجنبی کو اس لیئے کاٹتے ہیں تاکہ اپنی پہلی ہی جگہ چلا جاوے۔

می گزندش کاے سگ طاغی برو باولی نعمتت باغی مشو

یعنی وہ کتے اُس کو کاٹتے ہیں کہ ارے باغی جا اور اپنے ولی نعمت کے ساتھ باغی مت ہو

بر ہماں در ہمچو حلقہ بستہ باش پاسبان و چابک و برجستہ باش

یعنی اُسی دروازہ پر حلقہ کی طرح بندھا رہ پاسبان اور چالاک اور برجستہ رہ۔

صورت نقض وفای ما مباش بیوفائی را مکن بیہودہ فاش

یعنی ہمارے نقض وفا کا نمونہ مت بن اور بیہودہ ہو کر بے وفائی کو ظاہر مت کر

مر سگاں را چوں وفا آمد شعار رو سگاں را ننگ و بدنامی میار

یعنی کتوں کے لیئے جب وفا شعار ہے تو جا اور کتوں کے لیئے شرم اور بدنامی کو مت لا مطلب یہ کہ اس کو کاٹتے ہیں اور کہتے ہیں کہ کمبخت کتوں کا تو اصل شعار وفاداری ہے تو اول ہوگا جو کہ بیوفائی کرے گا گویا کہ نمونہ بیوفائی بننا چاہتا ہے اور سب کو بے وفا مشہور کرنا چاہتا ہی ارے بھائی ایسا مت کر اس لیئے کہ کتوں کے لیئے یہ تو بڑی شرم کی بات ہے۔ مولانا فرماتے ہیں کہ۔

بیوفائی چوں سگاں را عار بود بیوفائی چوں روا داری نمود

یعنی جب کہ بیوفائی کتوں کے لیئے عار ہے تو تو بے وفائی کرنے کو کس طرح جائز رکھتا ہی

حق تعالی فخر آورد از وفا گفت من اوفی بعہد غیرنا

یعنی حق تعالی نے وفا کی وجہ سے فخر فرمایا ہے اور فرمایا ہے کہ عہد کو وفا کرنے والا ہمسے زیادہ کون ہے یعنی کوئی نہیں ہے قرآن شریف میں ہے ومن اوفی بعہدہ من اللہ یعنی کہ اللہ سے زیادہ کون عہد کا پورا کرنے والا ہے تو دیکھو حق تعالی نے وفاء عہد پر فخر فرمایا ہے تو اگر وفا کوئی ایسی شئے نہیں ہے تو فخر کس پر ہے معلوم ہوا کہ وفاء عہد بہت بڑی نعمت ہے اللہ تعالی ہم کو نصیب فرمادے اور توفیق دے اب یہاں شبہ ہوتا تھا کہ جب محسن سے

بیوفائی بری ہے تو اگر ماں باپ مثلاً حکم شرک کریں تو اُن کا کہا بھی مان لے اسکا جواب فرماتے ہیں کہ

بیوفائی داں وفا با رد حق	بر حقوق حق ندارد کس سبق

یعنی مردود حق کے ساتھ وفا کرنا بیوفائی سمجھو اس لیے کہ حقوق حق پر تو کوئی سبقت نہیں رکھتا بلکہ حق تعالیٰ کا حق سب سے مقدم ہے لہٰذا سب کے حقوق پر اُسکو مقدم رکھو۔

نور را ہم نور شو با نار نار	جائے گل گل باش و جائے خار خار

یعنی نور کے لیے تو نور اور نار کے ساتھ نار گل کی جگہ گل رہو اور خار کی جگہ خار رہو مطلب یہ کہ موافقین حق کے ساتھ دوست رہو اور مخالفین کے مخالف۔

حق مادر بعد از اں شد کاں کریم	کرد او را از جنین تو غریم

یعنی حق ماں کا اُس کے بعد ہوا ہے کہ اُس کریم نے اُس کو تیرے جنین سے بوجھل کیا۔

صورتے کردت درون جسم او	داد در حملش ترا آرام و خو

یعنی جسم کے اندر تجھے ایک صورت عطا کی اور اُس کے حمل میں تجھے آرام اور عادات عطا کیے۔

ہمچو جزو متصل دید او ترا	متصل را کرد تدبیرش جدا

یعنی اُس نے تجھے ایک جزو متصل (ماں کا) دیکھا تو اُن کی تدبیر نے متصل کو جدا کر دیا۔

حق ہزاراں صنعت و فن ساختست	تا کہ مادر بر تو مہر انداختست

یعنی حق تعالیٰ نے ہزاروں فن کئے ہیں یہاں تک کہ ماں نے تجھ پر محبت ڈالی ہے۔

پس حق حق سابق از مادر بود	ہر کہ آں حق را نداند خر بود

یعنی پس حق تعالیٰ کا حق ماں سے سابق ہے اور جو کوئی اُس حق کو نہ پہچانے خر ہے۔

آنکہ مادر آفرید و ضرع و شیر	با پدر کردش قریں آں خود بگیر

یعنی جس نے کہ ماں کو پیدا کیا اور پستان کو اور دودھ کو اور باپ کے ساتھ ماں کو قرین کیا اُس کو از خود مت فرض کر دو بلکہ یہ سب قدرت حق نے کیا ہے اور حق تعالیٰ ہی کے کرنے سے سب کچھ ہوا ہے چونکہ یہاں ضرورت حقوق کا ذکر کیا ہے اس لیے آگے مناجات فرماتے ہیں کہ۔

اے خداوندای قدیم احسان تو آنکه دانم وانکه نے ہم آن تو

یعنی اے خدا اور اے وہ ذات کہ تیرا احسان قدیم ہے اور جو میں جانتا ہوں اور جو نہیں جانتا سب آپکی ملک ہے۔

تو بفرمودی کہ حق را یاد کن زانکہ حق من نمیگردد کہن

یعنی آپ نے فرمایا ہے کہ میرے حق کو یاد کرو اس لئے کہ میرا حق کبھی پرانا نہیں ہوتا کیونکہ اگر نعمتیں ختم ہو جاویں تو حق بھی پرانا ہو جاوے جب نعمتیں ہر وقت ہو رہی ہیں تو پھر حق کس طرح پرانا ہو سکتا ہے اور آپ کا ارشاد ہے کہ

یاد کن لطفے کہ کردم آں صبوح باشما از حفظ در کشتی نوح

یعنی اُس مہربانی کو یاد کرو جو کہ میں نے اُس صبح کو تمہارے ساتھ کشتی نوح میں حفاظت سے کی تھی۔

اصل و اجداد شما را آں زماں دادم از طوفان و از موجش اماں

یعنی تمہارے باپ دادوں کو اُسوقت میں نے طوفان اور اُسکی موج سے امن دیا تھا

آب آتش خو زمیں بگرفتہ بود موج او مر اوج کہ را می ربود

یعنی اُس پانی مہلک نے زمین کو احاطہ کر رکھا تھا اور اُس کی موج پہاڑ کی بلندی سے گذر گئی تھی۔

حفظ کردم من نکردم رد تاں در وجود جد جد جد تاں

یعنی تمہاری میں نے حفاظت کی اور تم کو تمہارے جد جد الجد کے وجود میں رد نہیں کیا مطلب یہ کہ دیکھو اُسوقت اگر سب کو ہلاک کیا جاتا تو تم کہاں سے پیدا ہوتے اُسوقت سے تمہاری بنیاد ڈالی گئی ہے جب تم اسوقت موجود ہوگئے ہو۔

چوں شدی بر پشت پایت چوں زنم کارگاہ خویش چوں ضائع کنم

یعنی جب کہ تو موجود ہوگیا تو میں اب تیری پشت پا کس طرح ماروں گا اور اپنی کارگاہ کو کس طرح ضایع کردوں گا مطلب یہ کہ جب تیرے لئے اسقدر تمہید کی اور تجھے وجود میں لایا تو بھلا اب ضایع کردوں گا ہرگز نہیں۔

چوں فدائے بیوفایاں می شوی　　از گمان بد بداں جامی روی

یعنی کس طرح بے وفائیوں پر فدا ہو رہا ہے اور گمان بد کی وجہ سے اس جگہ جاتا ہے مطلب یہ کہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جب میں نے تجھے بنایا ہے اور تجھے غارت نہ کروں گا تو پھر مجھے اور میرے در کو چھوڑ کر اور طرف کیوں متوجہ ہوتا ہے اور پھر گمان بد لیجاتا ہے کہ میں تجھے بھول جاؤں گا اور چھوڑ دوں گا ہرگز نہیں ایسا نہیں ہو سکتا۔

من ز سہو و بیوفائی ہا بری　　سوئے من آئی گمان بد بری

یعنی میں تو سہو اور بیوفائی سے بری ہوں تو میری طرف آ اور ے کیا گمان بد کرتا ہے۔

ایں گمان بد برآنجا بر کہ تو　　می شوی در پیش ہمچو خود دو تو

یعنی یہ گمان بد اس جگہ لیجا کہ تو اپنے جیسے کے سامنے دوہرا ہوتا ہے۔ مطلب یہ کہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جس کو کہ تو نے مقصود اور مطلوب بنا رکھا ہے ان پر بدگمانی کر کہ وہ شاید تجھے چھوڑ دیں مگر میں تو تجھے چھوڑنے والا نہیں ہوں پھر میرے ساتھ بدگمانی کر کے اور کی طرف کیوں جاتا ہے

بس گرفتی یار و ہمراہاں زفت　　گر ترا پرسم کہ کو گوئی کہ رفت

یعنی تو نے بہت سے یار اور ہمراہ مضبوط بنائے اگر میں تجھ سے دریافت کروں کہ کہاں ہیں تو تو کہیگا کہ چلے گئے یعنی کہ مر گئے اور چونکہ یار دو ہی طرح کے ہوتے ہیں بڑے اور بھلے۔ لہٰذا

یار نیکت رفت بر چرخ بریں　　یار فسقت ماند در قعر زمین

یعنی تیرا یار نیک تو چرخ بریں پر چلا گیا اور تیرا برا دوست قعر زمین میں چلا گیا۔

تو بماندی در میانہ آنچناں　　بیمدد چوں آتشے در کارواں

یعنی تو درمیان میں اسی طرح بے مدد رہ گیا جیسے کہ آگ قافلہ میں (بعد اُس کے چلے جانے کے بے مدد اور بے یار مددگار رہ جاتی ہے) آگے مولانا فرماتے ہیں کہ۔

دامن او گیر اے یار دلیر　　کو منزہ باشد از بالا و زیر

یعنی اے یار دلیر اُس کا دامن پکڑو کہ بالا و زیر سے منزہ ہو۔

نے چو عیسیٰ سوئے گردوں بر شود　　نے چو قاروں در زمیں اندر رود

یعنی وہ نہ تو عیسیٰ کی طرح آسمان پر جاوے اور نہ قارون کی طرح زمین کے اندر جاویں بلکہ۔

با تو باشد در مکان و لامکان چوں بمانی از سرا و از دوکان

یعنی وہ تیرے ساتھ مکان اور لامکان سب میں رہے جب کہ تو گھر اور دوکان سے رہ جاوے یعنی جب کہ ان سب سے علیحدگی ہو تب اور جب ان میں رہو تب ہر وقت وہ ساتھ ہے وہ تمہیں چھوڑ کر کہیں نہ جاوے ایسا دوست بناؤ۔

او بر آرد از کدورتہا صفا مر جفاہائے ترا گیرد وفا

یعنی وہ کدورتوں میں سے صفا پیدا کرے اور تیری جفاؤں کو وفا بناوے بفحوائے یبدل اللہ سیاتہم حسنات ملکات سیئہ کو ملکات حسنہ سے بدل دے گا۔ یہاں یہ شبہ ہوتا تھا کہ سئیات کو حسنات تو نہیں کرتے بلکہ وہ تو سزا دیتے ہیں لہذا اس شبہ کو زائل فرماتے ہیں کہ۔

چوں جفا آری فرستد گوشمال تا ز نقصان وا روی سوی کمال

یعنی جب کہ تو جفا کرے تو وہ گوشمال بھیجے تاکہ نقصان سے چھوٹ کر تو کمال کی طرف جاوی مطلب یہ کہ کوئی سزا ایسی مقرر فرما دیتے ہیں مثلاً قبض وغیرہ کہ اس سے تنبیہ ہو کر پھر متوجہ بحق ہو جاتے ہو آگے خود اسی کو فرماتے ہیں کہ۔

چوں تو وردے ترک کردی در روش بر تو قبضے آید از رنج و تپش

یعنی جب کہ تو نے کوئی ورد سلوک میں ترک کر دیا تو تجھ پر ایک قبض رنج و تپش سے آیا ہے مطلب یہ۔ کہ اگر کبھی کوئی ناغہ ہو جاتا ہے تو اس سے ایک قسم کا رنج ایسا مسلط ہوتا ہے کہ پھر یاد رہتا ہے اور کبھی ایسا نہیں ہوتا اور یہ بات روز کی مشاہدہ سے معلوم ہے اور قبض کی وجوہ مختلف ہیں کبھی تو سوء مزاج سے ہوتا ہے اور کبھی ضعف سے اور کبھی کسی وارد قوی سے اور کبھی عصیان سے تو جو عصیان سے ہو وہ تو ترقی کو مانع ہے اور باقی اور جو ہیں وہ مانع نہیں ہیں اور حاجی صاحب فرمایا کرتے تھے کہ بعض لوگ معاصی کے بعد جو اپنے قلب کو مکدر نہیں پاتے تو کہتے ہیں کہ ہمارا ظرف اس قدر وسیع ہے کہ اسمیں یہ معصیت اثر نہیں کرتی۔ تو یاد رکھو کہ یہ سخت غلطی ہے اگر بعد معصیت کے قلب میں تکدر نہیں ہے تو سمجھو کہ نسبت عن الحق حاصل نہیں ہے بلکہ جو نسبت ہے وہ شیطانی ہے ایسے شخص کو سر پکڑ کر رونا چاہیئے

کہ بڑی بدبختی ہے اور یہ قبض اس لئے ہوتا ہے کہ

آں ادب کردن بود یعنی مکن ہیچ تحویلے ازاں عہد کہن

یعنی یہ ادب کرنا ہے یعنی (پھر) مت کرنا کوئی تبدیلی اس عہد کہنہ سے بات یہ ہے کہ ایک تو عہد قولی ہوتا ہے اور ایک عہد عملی ہوتا ہے تو اس شخص نے جو اتنے روز تک ایک کام کیا تو اس سے ایک عہد عملاً حق تعالیٰ کیساتھ کر لیا ہے لہٰذا اس قبض سے یہ ادب دینا مقصود ہوتا ہے کہ دیکھو پھر کبھی ایسا مت کرنا کہ اس کو ترک کرو۔

پیش ازاں کیں قبض زنجیرے شود ایں کہ دلگیرست پاگیرے شود

یعنی اس سے پہلے کہ یہ قبض زنجیر ہو جاوے اور یہ کہ دلگیر ہے پاگیر ہو جاوے۔

رنج معقولت شود محسوس فاش تا نہ گیری ایں اشارت را بلاش

یعنی تیرا رنج معقول محسوس اور فاش ہو جاوے ہرگز اس اشارہ کو لاشے مت سمجھنا بلاش مخفف لاشے کا ہے مطلب یہ کہ اگر اس قبض کے وارد ہونے کے بعد تو بہ وغیرہ کر کے متوجہ نہ ہوگے تو ابھی تو اس سے دل تنگی ہوتی ہے پھر یہی دل تنگی قبض مرتبہ محسوس بنجاتی ہے اور عذاب دنیاوی کا سبب ہو جاتی ہے لہٰذا اس سے پہلے کہ یہ سبب کسی عذاب کا بنے اس کو لاشے مت خیال کرو بلکہ اس سے عبرت حاصل کرو

در معاصی قبضہا دلگیر شد قبضہا بعد از اجل زنجیر شد

یعنی معاصی میں قبض دلگیر ہوا اور وہی قبض بعد اجل کے زنجیر ہو گیا یعنی معاصی کی وجہ سے جو قبض پڑا ہے وہ اسوقت تو دلگیر ہے مگر موت کے بعد وہی سبب عقوبت اخروی کا ہو جاتا ہے اس لیئے کہ معاصی پر عقوبت آخرت تو یقینی ہے مگر بعض مرتبہ عقوبت دنیا بھی مرتب ہو جاتی ہے لہٰذا اس سے غافل نہ ہونا چاہیئے اس لیئے کہ ارشاد ہے۔

نعط من اعرض ھنا عن ذکرنا عیشۃ ضنکا ونجسر بالعلے

یعنی جس نے کہ یہاں (دنیا میں) ہمارے ذکر سے اعراض کیا ہم اُسکو عیش تنگ دیتے ہیں اور اُسکا حشر اندھا کر کے کرتے ہیں اس کے آگے ایک مثال ہے کہ۔

دزد چوں مال کساں را می برد قبض و دلتنگی دلش را میخلد

یعنی چور جب لوگوں کا مال لے جاتا ہے تو قبض اور دلتنگی اُس کے دل میں چبھتی ہے اس لیئے

کہ طبعی امر ہے کہ جب کوئی نیا کام کرتا ہے تو اُسمیں ایک عجیب حالت ہوتی ہے اور ضرور ایک دل تنگی محسوس ہوتی ہے۔

او ہمی گوید عجب این قبض چیست — قبض آں مظلوم کز شرت گریست

یعنی وہ کہتا ہے کہ تعجب ہے کہ یہ قبض کیسا ہے (مولانا فرماتے ہیں کہ) اُس مظلوم کا قبض ہے جو کہ تیرے شر کی وجہ سے رویا ہے۔

چوں بدیں قبض التفاتے کم کند — باد اصرار آتشش را دم کند

یعنی جب کہ اس قبض کی طرف التفات کم کرتا ہے تو اصرار کی ہوا اُس کی آگ کو اور بھڑکاتی ہے یعنی اول تو دل میں کچھ اوپرا معلوم ہوا تھا اب وہ بات بھی نہیں رہی بلکہ عادت ہو گئی اب یہ نتیجہ ہوا کہ عقوبت دنیا اسپر مسلط ہو گئی اور یہ ہوا کہ۔

قبض دل قبض عواں شد لاجرم — گشت محسوس آں معانی زد علم

یعنی وہ قبض دل قبض پولیس ہو گیا آخرکار اور وہ معانی محسوس ہو گئے اور خوب مشہور ہو گئے لہذا اسی طرح معصیت سے اول بار تو دل تنگی ہوتی ہے مگر جب اُسطرف التفات نہیں ہوتا تو پھر مساوات ہو جاتی ہے اور عقوبت مسلط ہو جاتی ہے لہذا اول ہی سے خیال کر کے توبہ و استغفار سے اسکا دفعیہ ضروری ہے۔

قبضہا زنداں شد است و چار میخ — قبض بیخست و بر آرد شاخ بیخ

یعنی قبض قید ہیں اور عقوبت ہیں اور قبض جڑ ہے اور جڑ شاخ نکالا ہی کرتی ہے لہذا اس سے بھی ثمرات مرتب ہونگے۔

بیخ پنہاں بود ہم شد آشکار — قبض و بسط اندروں بیخے شمار

یعنی جڑ پوشیدہ تھی اب ظاہر ہو گئی اور قلب کے قبض و بسط کو ایک جڑ سمجھو کہ اُس سے اور ثمرات پیدا ہوتے ہیں۔

چونکہ بیخش بد بود زودش بکن — تا نروید زشت خارے در چمن

یعنی جب بیخ قلب بری ہو تو اس کو جلدی اُکھاڑ دو تاکہ چمن قلب میں ایک زشت خار نہ اُگ آوے مطلب یہ کہ اگر قبض معصیت کی وجہ سے ہوا ہے تو اُس سے بہت جلد توبہ کر لو کہ یہ بہت

برا ہے اور علامت اُس کی یہ ہے کہ اگر قبض میں میلان الی المعصیت ہے تو سمجھو کہ یہ معصیت کی وجہ سے ہے ورنہ اگر میلان طاعت کی طرف ہے تو وہ محمود ہے اور موجب ترقی درجات کا ہے

قبض دیدی چارۂ آں قبض کن　　زانکہ سرہا جملہ می روید زبن

یعنی تونے قبض دیکھا تو اُس کا علاج کر اس لیے کہ شاخیں سب جڑ ہی سے پیدا ہوتی ہیں تو یہ میلان الی المعصیۃ جو قبض کی وجہ ہے ایک دن مفضی الی المعصیۃ ہو جاوے گا لہذا اس قبض کا بہت جلد علاج کرنا ضروری ہے۔

بسط دیدی بسط خود را آب دہ　　چوں برآید میوہ با اصحاب دہ

یعنی جب کہ بسط دیکھو تو اُس کو پانی دو اور جب میوہ نکلے تو اور اصحاب کو بھی دو یعنی اور لوگوں کو بھی فائدہ پہونچاؤ بلکہ بیضاوی نے تو ممارزقناھم ینفقون کی تفسیر میں کہا ہے ومن انوار اللہ یفیضون تو یہ بھی انفاق فی سبیل اللہ میں داخل ہے جیسا کہ معلوم ہوا آگے اُسی قصۂ اہل سبا کی طرف رجوع فرماتے ہیں کہ

باز گرد و قصۂ اہل سبا　　باز گو تا باز گویم مرحبا

یعنی پھر واپس ہو اور اہل سبا کا قصہ کہو تاکہ میں تم کو مرحبا کہوں۔ یعنی میں تم کو شاباش کہوں کہ کیا خوب بیان کیا ہے لہذا اول اُسکو بیان کردو آگے اُس قصہ کو بیان فرماتے ہیں۔

اہل سبا کا باقی قصہ

آں سبا ز اہل صبا بودند خام　　کارشاں کفران نعمت با کرام

یعنی وہ سبا جو کہ بچپن والوں میں سے خام تھے ان کا کام کرام کے ساتھ کفران نعمت تھا مطلب یہ کہ اہل سبا نادان تھے اور دین میں پختہ نہ تھے اور ان کا کام یہ تھا کہ حضرات انبیا علیہم السلام کی کفران نعمت کیا کرتے تھے آگے اُس کفران کو بتاتے ہیں کہ

باشد آں کفران نعمت در مثال　　کہ کنی با محسن خود تو جدال

یعنی مثال میں یہ بھی کفران نعمت ہی ہے کہ اپنے محسن کے ساتھ لڑائی کرنے لگو اسطرح کہ

من برنجم زین چه رنجه می شوی — که نمی باید مرا این نیکوئی

یعنی (یوں کہو کہ) مجھے آپ کے احسان کی ضرورت نہیں ہے اور مجھے اس (احسان) سے تکلیف ہوتی ہے لہذا تم کیوں رنج اٹھا رہے ہو۔ مطلب یہ کہ اگر تم اپنے محسن سے کہنے لگو کہ جناب مجھے آپ کے احسان کی ضرورت نہیں ہے آپ کے احسان سے مجھے تکلیف ہوتی ہے تو دیکھو یہ کفران نعمت ہے یا نہیں ہے یا یوں کہو کہ

من نخواہم چشم زودم کور کن — لطف کن این نیکوئی را دور کن

یعنی مہربانی کر کے اس احسان کو دور کر دیجئے اور میں آنکھ نہیں چاہتا مجھے جلدی اندھا کر دو مطلب یہ کہ اُس محسن سے کہنا شروع کرو کہ جناب آپ کی مہربانی ہوگی اگر آپ مجھ پر احسان نہ کریں مولانا فرماتے ہیں کہ یہ تو ایسی مثال ہوگئی کہ جیسے کوئی کہے کہ مجھے آنکھ کی ضرورت نہیں ہے مجھے تو اندھا ہی کر دو اسی طرح اس کی تمنا کرنا ہے کہ مجھ پر احسان مت کرو آگے اُس پر قول اہل سبا کو متفرع فرماتے ہیں کہ

پس سبا گفتند باعد بیننا — شیننا خیر لنا خذ زیننا

پس اہل سبا نے کہا کہ اے اللہ ہمارے آپس کے درمیان میں دوری فرما دیجئے اس لئے کہ ہماری نحوست بہتر ہے یہ اپنی زینت لے لیجئے نعوذ باللہ مطلب یہ کہ چونکہ اہل سبا جو کہ ملک یمن میں ہے اسقدر مالدار تھے کہ جس کی کوئی انتہا ہی نہیں اپر حق تعالی کا بے حد انعام تھا یہ حالت تھی کہ اُن کی بستیاں اسقدر قریب قریب تھیں کہ اگر صبح کو چلو تو دوپہر کو آرام لے لو اور اگر دوپہر کو ایک جگہ سے چلو تو عصر کے وقت بستی موجود ہے علی ہذا غرضکہ ان کو کلفت نہ ہوتی تھی پھر راستوں میں سڑکوں کے دونوں طرف درخت میوہ دار خودرو بے انتہا تھے کہ کہیں دھوپ کا نام نہ تھا کوسوں چلے جاؤ اور جیسے گھر میں ہیں پھر جا بجا نہریں جاری سبحان اللہ کیا ملک تھا ان نالائقوں کو مستی سوجھی دعا کی کہ اے اللہ ان سفروں میں تو مزا نہیں آتا اس لیے کہ سفر معلوم ہی نہیں ہوتا مزا تو یہ ہے کہ کچھ امیر ہیں کچھ غریب ہیں سفر میں جا رہے ہیں مشکیزوں میں پانی ہے خرجیاں توشہ سے بھری ہیں کوسوں تک نہ پانی ملتا ہے نہ کچھ امراء غربا کو بانٹ رہے ہیں چہل پہل ہے اسطرح تو لطف سفر بھی ہے ورنہ اب کیا ہے یہاں سے وہاں اور وہاں سے اور آگئے گویا گھر سے نکلے ہی نہیں لہذا دعا دوری سفر کی کی غیرت حق جوش میں آئی ان نالائقوں کو ہلاک

کر دیا کہ جاؤ کمبختو جیسا تم نے ہماری نعمتوں کی ناشکری کی اور اُن کا زوال چاہا تو زوال بھی ایسا ہو کہ پھر مل ہی نہ سکیں نعوذ باللہ اور یاد رکھو کہ آجکل کے لکھے پڑھے لوگ اور عوام بھی اسمیں مبتلا ہیں یعنی کفران نعمت حق کا اہل سبا کی طرح کرتے ہیں مثلاً جاڑے کے روزے ہیں کہتے ہیں کہ میاں اسمیں کیا مزہ ہے معلوم بھی نہیں ہوتا گرمیوں میں مزہ ہے عصر سے شربت بن رہا ہے منہ سوکھ رہے ہیں اذان کے منتظر ہیں یاد رکھو کہ یہ اُس نعمت کی ناشکری ہے اور اسی طرح غور کرنے سے بہت سی باتیں نکل سکتی ہیں خدا سے ڈرو اور توبہ کرو اور ایسے کلمات سے زبان کو روکو کہ مبادا غیرت حق جوش میں آکر انتقام نہ لے اللھم احفظنا غرضکہ انھوں نے یہ دعا کی اور یہ کہا کہ۔

ما نمی خواہیم ایں ایوان وباغ — نے زمانے خوب نے امن وفراغ

یعنی ہم یہ محل اور باغ نہیں چاہتے اور نہ یہ زمانہ امن وفراغ

شہرہا نزدیک ہمدیگر بدست — آں بیاباں ست خوش کانجا دداست

یعنی دوسرے شہر نزدیک ہیں یہ بھی برا ہے وہ جنگل ٹھیک ہیں جہاں درندے ہوں غرضکہ ایسی ایسی دعائیں کیں جس کی وجہ سے غارت ہوئے آگے مولانا فرماتے ہیں کہ۔

یطلب الانسان فی الصیف الشتا — فاذا جاء الشتا انکرذا

یعنی انسان گرمی میں تو جاڑے کو مانگتا ہے اور جب جاڑا آیا تو اس کو برا سمجھتا ہے۔

فھو لا یرضی بحال ابدا — لا بضیق لا بعیش رغدا

یعنی بس کبھی کسی حال پر راضی نہیں ہوتا نہ تو تنگی میں اور نہ عیش خوشگوار میں۔

قتل الانسان ما اکفرہ — کلما نال الھدی انکرہ

یعنی انسان مارا جاوے کیسا ناشکرا ہے کہ جب ہدایت پہونچتی ہے اس کو برا سمجھتا ہے مطلب یہ کہ کسی حال میں حضرت انسان راضی نہیں ہے اگر آرام سے ہیں تو مصیبت کے طالب اور اگر مصیبت میں ہیں تو آرام کے خواہاں۔

نفس زینسا نست زاں شد کشتنی — اقتلوا انفسکم گفت آں سنی

یعنی نفس ایسا ہی ہے اس لیئے وہ لائق کشتن ہے اور اس بزرگ نے اقتلوا انفسکم

فرمایا ہے۔ اقتلوا انفسکم اگرچہ بنی اسرائیل کو ارشاد ہے مگر چونکہ علت یعنی طغیان و سرکشی ہم میں اور اُن میں دونوں میں یکساں ہے لہٰذا اس حکم کے عموم میں ہم بھی داخل ہو گئے لہٰذا چاہیے کہ اس نفس کی مخالفت کر کے اُس کو قتل کرنا چاہیے آگے نفس کی ایک مثال فرماتے ہیں کہ

خار سہ پہلوست ہر سو کش نہی ‌ ‌ ‌ ‌ در خلد وز زخم او تو کے رہی

یعنی یہ نفس تکونہ کانٹا ہے تم اسکو جسطرف رکھو گے چبھ جاوے گا تم اُس کے زخم سے کب چھوٹ سکتے ہو یعنی اُس کی مضرت سے تو چھٹکارہ ہو ہی نہیں سکتا۔ اب چونکہ بعض لوگ بے فکر ہو جاتے ہیں کہ جب چھٹکارا ممکن ہی نہیں تو ہم پر کوئی ملامت بھی نہیں لہٰذا آگے اس سے چھوٹنے کی تدبیر فرماتے ہیں کہ۔

آتش ترک ہوا در خار زن ‌ ‌ ‌ ‌ دست اندر یار نیکو کار زن

یعنی اس کانٹے میں ترک ہوا کی آگ لگا دو اور یار نیکو کار میں ہاتھ مارو مطلب یہ کہ اس کانٹے کو اگر پاس رکھو گے تو ضرور چبھے گا لہٰذا ترکیب یہ ہے کہ اسمیں آگ لگا دو بس اسکا قضیہ ہی ختم ہو اور اس نفس کے لیے آتش ترک ہوا مناسب ہے لذات اور خواہشات کو اس کے پورا نہ کرو اس کے بعد انشاء اللہ یہ سرکشی نہ کرے گا اور پھر حق تعالیٰ کے ساتھ تعلق پیدا کر لو اور آرام سے رہو آگے پھر اہل سبا کا قصہ بیان فرماتے ہیں کہ۔

چوں ز حد بردند اصحاب سبا ‌ ‌ ‌ ‌ کہ بہ پیش ما وبا بہ از صبا

یعنی جب کہ اہل سبا کفران نعمت کو حد سے زیادہ لے گئے (اور کہا) کہ ہمارے آگے تو وبا صبا سے بہتر ہے مطلب وہی کہ نعمتوں سے بیماریاں مصیبتیں بہتر ہیں نعوذ باللہ۔

ناصحاں شاں در نصیحت آمدند ‌ ‌ ‌ ‌ از فسوق و کفر مانع می شدند

یعنی ناصحین انکو نصیحت کرتے تھے اور فسوق اور کفر سے مانع ہوتے تھے۔ اور ان باتوں سے منع کرتے تھے تو اس نصیحت کا نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ۔

قصد خون ناصحاں می داشتند ‌ ‌ ‌ ‌ تخم فسق و کافری می کاشتند

یعنی ناصحین کے قتل کا قصد رکھتے تھے اور فسق و کافری کا بیج بوتے تھے مولانا فرماتے ہیں کہ

چوں قضا آید شود تنگ ایں جہاں ‌ ‌ ‌ ‌ از قضا حلوا شود رنج دہاں

یعنی جبکہ قضا آتی ہے تو یہ جہان تنگ ہوجاتا ہے اور قضا سے حلوا تکلیف دہ ہوجاتا ہے۔

گفت اذا جاء القضا ضاق الفضا تحجب الابصار اذا جاء القضا

یعنی حضور مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جب قضا آتی ہے تو میدان وسیع تنگ ہو جاتا ہے اور آنکھیں بند ہوجاتی ہیں جبکہ قضا آتی ہے اس حدیث کو جامع صغیر میں علامہ سیوطی نے مرفوعًا بسند ضعیف بالفاظ ذیل نقل کیا ہے اذا اراد اللہ انفاذ قضائه وقدرہ سلب ذوی العقول عقولھم حتی ینفذ فیھم قضاؤہ وقدرہ فاذا اقضے امرہ ردہ الیھم عقولھم ووقعت الندامة یعنی جب کہ حق تعالیٰ اپنے کسی قضا اور حکم کو جاری فرمانا چاہتے ہیں تو ذوی العقول کی عقلیں سلب ہوجاتی ہیں یہاں تک کہ اُن میں وہ حکم نافذ ہوجاتا ہے اور جب نافذ ہوچکتا ہے تو اُن کی عقول واپس ہوجاتی ہیں اور پھر ندامت ہوتی ہے۔

چشم بستہ می شود وقت قضا تا نہ بیند چشم کحل چشم را

یعنی قضا کے وقت آنکھ بند ہوجاتی ہے یہاں تک کہ آنکھ کو سرمۂ چشم بھی دکھائی نہیں دیتا اور اُسپر وہ قضا جاری ہوجاتی ہے بس اسکا علاج یہ ہے کہ اس قضا کے اسباب پر نظر نہ کرے بلکہ خود اُس قضا والے کے پاس جا کھڑا ہو۔ اور جا کھڑا ہونا دعا کرنا ہے جیسا کہ حدیثوں میں آیا ہے لا یرد القضاء الا الدعاء جس کے معنے یہی ہیں کہ اگر قضا معلق ہے تب تو وہ رد ہی ہوجاتی ہے اور اگر مبرم ہے ہو تو اُس کے ضرر سے انسان محفوظ رہتا ہے لہذا چاہیئے کہ جب کوئی مصیبت ہو تو بس حضرت حق کے آگے رووے اور دعا کرے آگے خود مولانا اس مضمون کو مثال میں فرماتے ہیں کہ۔

شرح حبیبی

مکر آں فارس چو انگیزید گرد آں غبارت زاں سوارت دور کرد

سوئے فارس رو مرو سوئے غبار ورنہ بر تو کوبد آں مکر سوار

گفت حق آن را که این گرگش بخورد دید گرد گرگ چون زاری نکرد
او نمیدانست گرد گرگ را با چنین دانش چرا کرد او چرا
گوسفندان بوی گرگ با گزند می بدانند و بهر سو می خزند
مغز حیوانات بوی شیر را می بداند ترک می گوید چرا
بوی شیر خشم دیدی باز گرد با مناجات و حذر انباز گرد
ور نه گشتند آن گروه از گرد گرگ گرگ محنت بعد گرد آمد سترگ
بر درید آن گوسفندان را بخشم که ز چوپان خرد بستند چشم
چند چوپانشان بخواند و نامدند خاک غم در چشم چوپان میزدند
که برو ما خود ز تو چوپان تریم چون تبع گردیم هر یک سروریم
طعمهٔ گرگیم و آن یار نے هیزم ناریم و آن عار نے
حمیتے بد جاهلیت در دماغ بانگ شومی در دمن شان کرد زاغ
بهر مظلومان همی کندند چاه در چه افتادند و می گفتند آه
پوستین یوسفان بشکافتند آنچه می کردند یک یک یافتند
کیست آن یوسف دل حق جوی تو چون اسیرے بسته اندر کوے تو
جبرئیلے را بر استون بسته پر و بالش را بصد جا خسته
پیش او گوساله بریان آوری گه کشی او را بگهدان آوری
که بخور اینست ما را لوت و پوت نیست او را جز لقاء الله قوت
زین شکنجه و امتحان آن مبتلا می کند از تو شکایت با خدا
کاے خدا افغان ازین گرگ کهن گویدش نک وقت آمد صبر کن

داد تو واخواهم از هر بی‌خبر | داد که دهد جز خدای دادگر

او همی گوید که صبرم شد فنا | در فراق روی تو یاربّنا

احمدم وامانده در دست یهود | صالحم افتاده در حبس ثمود

ای سعادت بخش جان انبیا | یا بکش یا باز خوانم یا بیا

یا فراقت کافرانرا تانیست | این فراق اندر خور اصحاب نیست

کافران گویند در وقت عذاب | هر یکی یا لیتنی کنت تراب

حال او این ست کو خود زان سوست | چون بود بی تو کسی کان توست

حق همی گوید که آری ای نزه | لیک بشنو صبر آر و صبر به

صبح نزدیک ست خامش دم مزن | کاندر آمد وقت بیرون آمدن

تک بلاشان می رسد تو کم خروش | من همی کوشم پی تو تو مکوش

کوشش من به که کوششهای تو | داروی تلخم به از حلوای تو

هین تحمل کن برو خاموش شو | کمترک جنبان زبان و گوش شو

حیلت و مکر و دغا بازیش دان | هر چه از یارت جدا انداز دان

شد ز حد این باز گرد ای یار گرد | روستائی خواجه را بین خانه برد

قصهٔ اهل سبا یک گوشه نه | وان بگو که خواجه چون آمد بده

روستائی در تملق شیوه کرد | تا که حزم خواجه را کالیوه کرد

از پیام اندر پیام او خیره شد | تا زلال حزم او را تیره شد

هم ازین جا کودکانش در پسند | نرتع و نلعب بشادی میزدند

همچو یوسف کش ز تقدیر عجیب | نرتع و نلعب ببرد از ظل رب

آں نہ بازی بلکہ جاں بازیست آں
حیلہ و مکر و دغا سازیست آں

ہر چہ از یارت جدا اندازد آں
مشنو آں را کاں زیاں دارد زیاں

گر بود آں سود صد در صد مگیر
بہر زر مگسل ز گنجور اے فقیر

ایں شنو کہ چند یزداں زجر کرد
گفت اصحاب نبی را گرم و سرد

زانکہ بر بانگ دہل در سال تنگ
جمعہ را کردند باطل بے درنگ

تا نباید دیگراں ارزاں خرند
زاں جلب صرفہ ز ما ایشاں برند

ماند پیغمبر بخلوت در نماز
با دو سہ درویش ثابت بر نیاز

گفت طبل لہو بازرگانئے
چونتاں ببرید از ربانئے

قد قضضتم نحو قمح ہائما
ثم خلیتم نبیا قائما

بہر گندم تخم باطل کاشتند
واں رسول حق را بگذاشتند

صحبت او خیر من لہو است و مال
ہیں کرا بگذاشتے چشمے بمال

خود نہ شد حرص شما را ایں یقیں
کہ منم رزاق خیر الرازقین

آنکہ گندم را ز خود روزی دہد
کے توکلہا ترا ضائع نہد

از پئے گندم جدا گشتی ازاں
کہ فرستادست گندم ز آسماں

کمتر از بط نیستی آخر در آب
کو دہد مر باز داعی را جواب

باز گوید بط را از آب خیز
تا ببینی دشتہا را قند ریز

بط عاقل گویدش کاے باز دور
آب ما را حصن امن ست و سرور

دیو چوں باز آمد اے بطاں شتاب
ہیں بہ بیروں کم روید از حصن آب

باز را گویند رو رو باز گرد
از سر ما دست دار اے پائمرد

ما بری از دعوتت دعوت ترا   ما نوشیم ایندم تو کافرا
حصن ما را قند و قندستاں ترا   من نخواہم ہدیہ ات بستاں ترا
چونکہ جاں باشد نیاید لوت کم   چونکہ لشکر ہست کم ناید علم
خواجہ حازم بسے عذر آورید   بس بہانہ کرد با دیو مرید
گفت ایندم کارہا دارم مہم   گر بیایم آں نگردد منتظم
شاہ کارے نازکم فرمودہ است   ز انتظارم شاہ شب نغنودہ است
من نیارم ترک امر شاہ کرد   من نتانم شد بر شہ روئے زرد
ہر صباح و ہر مسا سرہنگ خاص   میرسد از من ہمی جوید مناص
تو روا داری کہ آیم سوئے دہ   تا برابرو افگند سلطاں گرہ
بعد ازاں درمان خشمش چوں کنم   زندہ خود را زیں مگر مدفوں کنم
زیں نمط او صد بہانہ باز گفت   حیلہ ہا با حکم حق نفتاد جفت
گر شود ذرات عالم حیلہ پیچ   با قضائے آسماں ہیچند ہیچ
چوں گریزد ایں زمیں از آسماں   چوں کند او خویش را از وے نہاں
ہرچہ آید ز آسماں سوئے زمیں   نے مفر دارد نہ چارہ نے کمیں
آتش از خورشید می بارد برو   او بہ پیش آتشش بنہادہ رو
ور ہمی طوفاں کند باراں براو   شہرہا را می کند ویراں براو
او شدہ تسلیم او ایوب وار   کہ اسیرم ہرچہ می خواہی بیار
اے کہ جزو ایں زمینی سرمکش   چونکہ بینی حکم یزداں درمکش
چوں خلقناکم شنیدی من تراب   خاک باشی جستے از وے رو متاب

بیں کہ اندر خاک تخمے کاشتم　　گرد خاکی و منش افراشتم
حملۂ دیگر تو خاکی پیشہ گیر　　تا کنم بر جملہ میرانت امیر
آب از بالا بہ پستی در شود　　زانکہ از پستی ببالا می رود
گندم از بالا بزیر خاک شد　　بعد ازاں آں خوشہ چالاک شد
دانۂ ہر میوہ آمد در زمیں　　بعد ازاں سرہا بر آورد از دفین
اصل نعمتہا ز گردوں تا بخاک　　زیر آمد شد غذائے جان پاک
از تواضع چوں ز گردوں شد بزیر　　گشت جزو آدمی حے دلیر
پس صفات آدمی شد آں جماد　　بر فراز عرش پراں گشت شاد
کز جہان زندہ اول آمدیم　　باز از پستی سوئے بالا رویم
جملہ اجزاء در تحرک در سکوں　　ناطقان کانا الیہ راجعون۔
ذکر و تسبیحات اجزائے نہاں　　غلغلے افگند اندر آسماں
چوں قضا آہنگ نیرنجات کرد　　روستائے شہرے را مات کرد
با ہزاراں حزم خواجہ مات شد　　زاں سفر در معرض آفات شد
اعتمادش بر ثبات خویش بود　　گرچہ کہ بد نیم سیلش در ربود
چوں قضا بیروں کند از چرخ سر　　عاقلاں گردند جملہ کور و کر
ماہیاں افتند از دریا بروں　　دام گیرد مرغ پراں را زبوں
تا پری و دیو در شیشہ بود　　بلکہ ہاروتے ببابل در رود
جز کسے کاندر قضا اندر گریخت　　خونِ او را ہیچ زنیجے نریخت
غیر آنکہ در گریزی در قضا　　ہیچ حیلہ ندہدت از وے رہا

اور تم کو معلوم ہوا ہے کہ اذا جاء القضاء عمی البصر اب اُس کی وجہ ستو بات یہ ہے کہ جسطرح سوار اُس گرد میں چھپ جاتا ہے جو اس کے گھوڑوں کے ٹاپوں سے اڑتی ہے یوں ہی حق سبحانہ اپنے تصرفات کے پردہ میں محجوب ہیں دیکھنے والے کی نظر ان تصرفات اور اسباب ظاہرہ تک محدود ہوتی ہے اس لیے متصرف حقیقی تک نہیں پہونچتی آگے قضا سے بچنے کی تدبیر ارشاد فرماتے ہیں وہ یہ ہے کہ ایسی حالت میں شہ سوار سے پناہ ڈھونڈھنی چاہیئے اور غبار میں الجھ کر نہ رہ جانا چاہیئے کیونکہ غبار فی نفسہ کوئی چیز نہیں وہ محض سوار کے تابع ہے پس اگر کوئی چیز پناہ دے سکتی ہے تو وہ سوار ہے لہذا اُسی سے التجا کرنی چاہیئے یعنی متصرف حقیقی حق سبحانہ ہیں اور اسباب ظاہرہ اس کے قبضہ میں ہیں پس تم کو حق سبحانہ سے پناہ لینی چاہیئے اور اسباب میں نہ اولجھنا چاہیئے اگر تم ایسا نہ کروگے تو اس کی مخفی تدبیر تم کو کچل ڈالے گی اور تم قضاء الٰہی کا شکار ہوجاؤ گے جب کوئی اپنی حماقت سے قضائے الٰہی کا شکار ہوجاتا ہے جو مثل بھیڑیئے کے ہے تو حق سبحانہ فرماتے ہیں کہ اس احمق نے جب اس بھیڑیئے کی گرد یعنی آثار قضا کو دیکھا تھا تو اُس نے تضرع کیوں نہ کیا اور یہ ہماری جناب میں کیوں نہ گڑگڑایا کہ ہم اگر مصلحت سمجھتے تو اس کو خود اس قضا ہی سے بچا لیتے ورنہ اُس کے مضرات سے محفوظ رکھتے کیا اس بھیڑیئے کی گرد اُسے معلوم نہ تھی اور آثار قضا کو اُس نے دیکھا نہ تھا ضرور دیکھا تھا پھر باوجود علم کے وہ بدستور کیوں چرنے میں مشغول اور ملذوات و تنعمات وغیرہ میں منہمک رہا یہ تو بھیڑیوں اور دیگر حیوانات سے بھی کم عقل نکلا۔ اس لیے کہ بکریوں کا قاعدہ ہے کہ خطرناک بھیڑیئے کی بو پا کر اپنے بچاؤ کی فکر کرتی ہیں اور جہاں سینگ سماتا ہے گھس جاتی ہیں اور دیگر حیوانات جب شیر کی بو پاتے ہیں تو اپنے چرنے کے شغل کو چھوڑ کر بچنے کی فکر میں مشغول ہوجاتے ہیں لیکن اس نے نہ یہ کیا نہ وہ بلکہ باوجود علم کے مشغول رہا اور بچاؤ کی فکر نہ کی اب مولانا نصیحت فرماتے ہیں کہ تم کو چاہیئے کہ جب اپنے مخالف شیر کی بو پاؤ اور آثار قضا کا مشاہدہ کرو تو اپنی مشغولیت کو چھوڑ کر دعا اور بچنے کی حقیقی تدبیر میں مصروف ہونا چاہیئے تم کو معلوم ہے کہ اہل سبا کو مصیبت کیوں برداشت کرنی پڑی اس کی وجہ یہی تھی کہ انھوں نے گرگ قضا کی گرد اور اس کے آثار کا مشاہدہ کیا مگر انھوں نے حق سبحانہ کی جناب میں

رجوع نہیں کیا لامحالہ اُس گردکے بعد ایک زبردست بھیڑیا برآمد ہوا اور غضبناک ہوکران بکریوں
کو چیر پھاڑ ڈالا یعنی قضا الٰہی اپنا کام کر گئی اور ان کا ستیاناس کردیا کیونکہ چوپان سے تو انھوں نے
آنکھیں ہی بند کرلی تھیں جو اُن کو بچاتا یعنی انبیا کی بات تو مانتے ہی نہ تھے جو ان کو بچایا چاہیئے
تھے حالانکہ انبیا نے اُن کو بہت کچھ اپنی طرف بلایا لیکن وہ نہ آئے اور اُن کو طرح طرح کی تکلیفیں
دیدیکر رنجیدہ کرتے رہے اور یہ کہتے رہے کہ ہم آپ سے زیادہ اپنی حفاظت کرسکتے ہیں اور
ہم خود افسر ہیں ہم کو تمہاری حفاظت اور طاعت کی ضرورت نہیں آپ لوگ جو کہتے ہیں کہ تم کو
بھیڑیا کھا جاوے گا اور تم آگ میں جل جاؤ گے ہم تمہارے دوست ہیں تم ہمارے ہو جاؤ
سو صاحبو ہم کو بھیڑیئے کا لقمہ بننا منظور ہے مگر تم سے دوستوں کا ہونا منظور نہیں ہم آگ کا
ایندھن ہونا اچھا سمجھتے ہیں لیکن آپ لوگوں کی ماتحتی اور اتباع کی عار گوارا نہیں بات یہ ہے
کہ حمیت جاہلیہ دماغ میں بھری ہوئی تھی اور منبر پر کوا بدبختی کی آواز بول گیا تھا سر پر شامت سوار
تھی لہذا غرور دماغ میں بسا ہوا تھا اور بدبختی کی باتیں منہ سے نکل رہی تھیں یہ لوگ انبیاء مظلومین
کے لیے کنواں کھودتے تھے اور اُن کے ضرر رسانی کی تدبیریں کرتے تھے لیکن بصد حسرت و
افسوس خود ہی اُس کنوئیں میں گر رہے تھے یہ لوگ یوسف کی طرح محبوبین اللہ اہل اللہ کے
کپڑے پھاڑتے تھے لیکن جو کچھ انھوں نے کیا ایک ایک کر کے اُن کے آگے آیا اہل سبا نے
تو اُن یوسفوں کے ساتھ بدسلوکی کی اب ہم یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ تم بھی ایک یوسف کو ستا رہے
ہو تم سمجھے وہ یوسف کون ہے؟ وہ تمہارا قلب ہے جو بالذات طالب حق ہے اور وہ حق کی طرح
تمہارے پاس پابہ زنجیر ہے غور کرنے کا مقام ہے کہ تم نے ایک جبرئیل یعنی دلکو جو واسطۂ فیض
ہے ستون سے باندھ رکھا ہے اور پوری کوشش سے اُس کے پروبال اکھیڑے ہیں تمہارا
دل اصالتاً طالب حق ہے اور وہ حق سبحانہ تک پہونچکر واسطہ فی الفیض بننا چاہتا ہے لیکن
تمنے اُسکو اسقدر مجبور کیا ہے کہ وہ سبحانہ تک نہیں پہونچ سکتا ہے۔ نہایت بیجا بات ہے تم اُسکو
غذا دکھاتے ہو کبھی تو گوسالہ بریاں اُس کے سامنے رکھتے ہو اور کبھی جائے براز پر اسے لیجا کر
کھڑا کرتے ہو یعنی کبھی لذائذ جسمانیہ اُسے کھلاتے ہو اور کبھی گندی چیزوں سے اس کا پیٹ
بھرنا چاہتے ہو اور کہتے ہو کہ ہماری غذا تو یہی ہے حالانکہ جو غذا تم اُسکو کھلاتے ہو وہ اُنکی

اصلی غذا نہیں ہے بلکہ اُس کی اصلی غذا دیدار حق سبحانہ ہے اس شکنجہ اور مصیبت سے پریشان ہو کر وہ حق سبحانہ سے تمہاری شکایت کرتا ہے اور کہتا ہے فریاد ہے اُس بھیڑیئے سے تو مجھے اس کے پنجہ سے نجات دے حق سبحانہ فرماتے ہیں کہ ذرا اور صبر کر وہ وقت بہت قریب آگیا ہے کہ میں ہر غافل سے جس نے تجھے ستایا ہے تیرا انتقام لوں گا واقعی بات یہ ہے کہ خدائے عادل ہی انصاف کر سکتا ہے اور وہی انتقام لے سکتا ہے اُس کے سوا اور کسی میں طاقت نہیں ہے کہ اُسکا انصاف کرے خیر یہ تو جملۂ معترضہ تھا اب دل پھر عرض کرتا ہے کہ اے اللہ مجھ میں تو اتنی طاقت نہیں کہ میں تیری جدائی میں صبر کر سکوں۔ میں احمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت اور خو اپنے اندر رکھتا ہوں لیکن یہود کے پھندے میں پھنس گیا ہوں اور ان نااہلوں کے قبضہ میں آگیا ہوں۔ میں صالح علیہ السلام کی طینت رکھتا ہوں لیکن ثمود اور گمراہوں کی قید میں ہوں پس اے انبیا کو سعادت عطا کرنے والے یا مجھے فنا کر دے یا اپنے پاس بلا لے یا خود مجھ پر تجلی فرما تیرا فراق تو اسقدر سخت ہے کہ کافر بھی اس کی تاب نہیں لا سکتے میں کیونکر تاب لا سکتا ہوں کافروں کی مفارقت کی تاب نہ لانے کی دلیل یہ ہے کہ وہ عذاب کے وقت کہیں گے یالیتنی کنت ترابا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ عذاب کو برداشت نہیں کر سکتے اور عذاب نتیجہ ہے مفارقت کا تو معلوم ہوا کہ مفارقت کی ان کو تاب نہیں۔ یا یوں کہو کہ عذاب عام ہے جو شامل ہے مفارقت کو بھی پس عذاب کی تاب نہ لانا مفارقت کی تاب نہ لانا ہے جو تجھسے تعلق نہیں رکھتا اُس کی تو تیری جدائی میں یہ حالت ہے پھر جو تیرا ہو اُسکی کیا حالت ہوگی حق سبحانہ فرماتے ہیں کہ تو صحیح کہتا ہے لیکن سن ذرا صبر کر صبر بہت اچھی چیز ہے ذرا خاموش رہ صبح بہت نزدیک ہے (اشارۃ الی قولہ الیس الصبح بقریب) اور تیرے اس کے پھندے سے نکلنے کا وقت آ پہونچا ہے تو شور مت کر اسیر بلا آیا ہی چاہتی ہے تیری کوشش کی ضرورت نہیں میں خود کوشش کر رہا ہوں اور تیری کوششوں سے میری کوشش بہتر ہے اور میری تعلیم صبر کی تلخ دوا تیرے حلوائے طلب وصال سے بہتر ہے بس تو جا صبر کر اور خاموش رہ زبان مت ہلا بلکہ میں نے جو کچھ کہا ہے اُس کو بسماع قبول سن (یاد رکھو کہ یہ سوال و جواب حقیقی نہیں ہیں بلکہ واقعات واقتضائے حال کی بناء پر قائم کئے گئے ہیں) جب تجھے یہ معلوم ہوا کہ تیرا دل طالب وصال حق ہے اور تیرا اُسکو

اس سے روکنا ظلم شدید ہے جس سے حق سبحانہ نہایت ناخوش ہوتے ہیں تو تجھکو متنبہ ہونا چاہئے
اور طلب حق کی فکر کرنا چاہیئے اور جو اشیاء تجھے حق سے جدا کرنے والی ہوں ان کو فریب اور
مکر اور دغابازی سمجھنا چاہیئے ارے یہ گفتگو حد سے بڑھ گئی لوٹ دیکھ تو سہی وہ دہقانی امیر کو اپنے
گھر سے لے گیا اہل سبا کے قصہ کو الگ کر اور یہ بتا کہ امیر گاؤں میں کیونکر گیا اچھا سن بات یہ ہے
کہ دیہاتی نے خوشامد کرنا اپنا شیوہ بنا لیا تھا جب ملتا یہی کہتا کہ آپ آتے ہی نہیں آپ ضرور
آئیے وغیرہ وغیرہ جس کا انجام یہ ہوا کہ امیر کی احتیاط بیہودہ ٹھیری اور وہ اُس کے متواتر پیاموں سے
مغلوب ہو گیا کہ انجام امیر کی احتیاط کا آب صاف مکدر ہو گیا اور احتیاط میں نقص واقع ہو ہی
گیا اور وہ چلدیا اُس کے لڑکوں کو گھر ہی سے یہ سفر اچھا معلوم ہوا اور " اوہو ہم خوب کھیلیں گے
آہا ہم خوب کھائیں گے " کے نعرے بلند کرنے لگے اس بارہ میں ان کی حالت بالکل ایسی ہی
تھی جیسے کہ نیرنگ تقدیر سے کھانے اور کھیلنے کی رغبت نے یوسف علیہ السلام کو اُن کے
مہربان باپ کے سایہ سے جدا کر دیا تھا اُن کو معلوم نہیں کہ یہ کھیل نہیں بلکہ جان پر کھیلنا اور مصیبت
جھیلنا ہے اور اس شریر دیہاتی کی دغابازی اور مکر و فریب ہے کہ وہ اس تدبیر سے اور راحت
کی چاٹ دیکر وطن مالوف اور راحت مرغوبہ سے جدا کرنا چاہتا ہے یہاں تم کو یہ نکتہ یاد رکھنا چاہیئے
کہ جو چیز تم کو حق سبحانہ سے جدا کرے خواہ وہ کتنی ہی دل خوش کن کیوں نہ ہو کبھی اس کی طرف
التفات نہ کرنا چاہیئے کیونکہ اس کا نتیجہ اچھا نہیں ہے بلکہ اس کا انجام سراسر خسارہ ہے وہ ہزار
نفع ہو لیکن اُس کو اختیار نہ کرنا چاہیئے کیونکہ وہ بالیقین اُس نفع سے بہت کم ہے جو حق سبحانہ
سے تعلق رکھنے سے تم کو حاصل ہونے والا ہے تقریب فہم کے لئے یوں سمجھو کہ اس نفع کی مثال
تو ایسی ہے جیسے اشرفی یا معمولی سونا اور جو نفع حق کے تعلق سے حاصل ہونے والا ہے وہ
مثل خزانہ کے ہے اور اشرفی کی خاطر خزانہ کو چھوڑنا ہرگز مناسب نہیں اب ہم ایک قصہ سناتے
ہیں جس سے تم کو عبرت ہو دیکھو حق سبحانہ نے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو کسقدر تنبیہ فرمائی
ہے اور کیسا سخت سست کہا ہے حالانکہ بات صرف اتنی تھی کہ قحط سالی کا زمانہ تھا شام سے
ایک قافلہ آگیا اُس نے منادی کرائی کہ جسکو غلہ خریدنا ہو ہمارے پاس چلا آئے انھوں نے
ڈھول کی آواز سنکر خطبہ کو چھوڑا اور گیہوں خریدنے چلے گئے تاکہ اس قافلہ سے اور لوگ سستا

خرید کر زیادہ نفع سے ان کے ہاتھ نہ بیچ سکیں اور جناب رسول اللہ قریب تمہارہ گئے کیونکہ چند آدمی اپنے خلوص پر قائم رہے تھے اور جبکہ علیہ السلام پر ارشاد ہوا کہ تمکو کیسے گوارا ہوا کہ رسول کو چھوڑ کر ایک سوداگر کی وصول کی آواز پر چلدو۔ تم پریشان ہو کر گیہوں کی طرف چلدیئے اور نبی کو کھڑا چھوڑ گئے تم نے گیہوں کی خاطر ایک باطل کا بیج بویا اور رسول کو چھوڑ دیا حالانکہ اُن کی صحبت اس خدا سے غافل کرنے والی شے اور مال دولت سے بہتر ہے اب تم کو غور سے دیکھنا چاہیئے کہ کس حقیر شے کی خاطر تم نے کتنی بیش بہا دولت کو چھوڑا ہے غضب ہے کہ تمہاری حرص نے تمہارے اس یقین کو کہ ہم خیر الرازقین ہیں کالعدم کر دیا اس سے تم کو معلوم ہوا ہوگا کہ اتنی سی بات پر کسقدر تنبیہ فرمائی گئی حالانکہ اُن کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑنا محض عارضی تھا اور اس کی تلافی بھی ہو سکتی تھی پھر وہ بھی خطا اجتہادی تھی نیت اُن کی بُری نہ تھی لیکن حق سبحانہ کو یہ تھوڑی اعراض بھی گوارا نہ ہوا پھر تمہارا کیا حال ہوگا کہ تم بالکل ہی حق سبحانہ کو چھوڑے ہوئے ہو اور طلب دنیا میں منہمک ہو تم خیال تو کرو جو گیہونکو رزق دیتا ہے وہ تمہارے توکل کی قدر کیوں نہ کرے گا بڑی شرم کی بات ہے کہ تم نے گیہوں کے لیئے اس ذات کو چھوڑ رکھا ہے جس نے آسمان سے گیہوں برسائے یعنی مینہ برسایا جس سے گیہوں پیدا ہوئے بھلے مانس تو عقل میں اس بطخ کی بطے سے بھی کم نہیں جس نے باہر بلانے والے باز کو ٹکا سا جواب دیدیا تھا جسکا قصہ یہ ہے کہ ایک باز نے بطے سے کہا کہ پانی سے نکلکر دیکھ کہ جنگل قندیز سامنے ہیں اور وہاں کیسی کیسی نعمتیں ہیں عقلمند بط نے جواب دیا کہ دور ہو ہمارے لیئے پانی ہی امن و عافیت کا قلعہ ہے اور ہم اسی میں خوش ہیں اس سے تم سمجھو کہ تم بط ہو اور شیطان باز ہے وہ کہتا ہے کہ اے بطو تم اس پانی کے قلعہ سے باہر نکلو اور اہل اللہ کو چھوڑ و دیکھو تو سہی صحرائے دنیا میں کیسی کیسی عزیز نعمتیں موجود ہیں اس کا جواب اس عقلمند بط کیطرح تم کو یہ دینا چاہیئے کہ جائیے آپ واپس تشریف لیجائیے اور ہمارے پھانسنے کے خیال سے دست بردار ہو جیئے ہم پھنسنے والے نہیں ہیں ہمنے آپ کی دعوت چھوڑی ایسی دعوت آپ ہی کو مبارک رہے اے ہم تیرے فریب میں آنے والے نہیں تو کیا ہمیں چل دیتا ہے ہماری قند تو ہمارا قلعہ ہی ہے اور جس قندستان میں تو ہمیں بلاتا ہے وہ تجھ کو روزی رہے رہیں تیرا ہدیہ لینا منظور نہیں تو ہی لے ہم نے تجھی کو دیا اور کو جب تک

جان ہے روزی کی کمی نہیں مثلاً جب تمہارے پاس فوج موجود ہو تو جھنڈوں کی کیا کمی کیونکہ وہ تو اس کے لوازمات میں سے ہیں یوں ہی رزق جان کے لوازمات میں سے ہے پس جان کے ہوتے ہوئے رزق نہ ملنا چہ معنی جب یہ ثابت ہوا کہ رزق لامحالہ ملیگا تو اس کی ایسی فکر چھوڑ دینا چاہیے جس سے آدمی وصول الی الحق سے محروم رہ جائے اور طلب حق کے ساتھ اور اس کی اعانت کے لیئے روزی تلاش کرنے میں مضائقہ نہیں کہ یہ بھی طلب حق ہے اچھا اب ہم اصل قصہ کی طرف رجوع کرتے ہیں اس محتاط امیر نے بہت کچھ عذر کیئے اور اس سرکش شیطان دیہاتی سے بہت سی باتیں بنائیں یہاں تک کہ مجھے ایک نہایت ضروری کام ہے اگر میں چلا جاؤں گا تو وہ سرانجام نہ ہوسکیگا اس کی تفصیل یہ ہے کہ بادشاہ نے ایک بہت نازک کام میرے سپرد کیا ہے اور اس کے سرانجام ہونے کی بادشاہ کو اسقدر فکر ہے کہ میرے انتظار میں رات بھر نہیں سویا اور میں یہ کر نہیں سکتا کہ حکم شاہی کی تعمیل نہ کروں اور مجھسے یہ نہیں ہو سکتا کہ بادشاہ کے روبرو شرمندہ ہوں بادشاہ کو اس کی یہاں تک فکر ہے کہ دونوں وقت بادشاہ کا ہرکارہ میرے پاس آتا ہے اور کہتا ہے کہ بہت جلد اس حکم کی تعمیل سے خلاصی حاصل کرو۔ اب تمہیں بتلاؤ کہ کیا تمہیں یہ بات گوارا ہے کہ میں گاؤں چلا جاؤں جس کا نتیجہ یہ ہو کہ بادشاہ مجھ سے بے چین ہو جائے اور میری طرف سے پیشانی پر بل ڈالے اور اس کے بعد میرے پاس اس کے غصہ کا فرو کرنے کا کچھ بھی علاج نہ ہو۔ بجز اس کے کہ میں اپنے کو زندہ درگور کردوں اور اسی قسم کے اور سیکڑوں بہانے کیئے لیکن یہ تمام تدابیر حکم حق کی ہمسری کہاں کرسکتی تھیں اور قضاء الٰہی کے مزاحم کیونکر ہوسکتی تھیں تقدیر الٰہی کی قوت کی تو یہ حالت ہے کہ اگر ذرات عالم دانوں کی طرح بکھر جائیں پھر بھی اس کے سامنے محض لاشئے اور بے حقیقت ہیں اس مقام پر ضمناً ہم ایک نہایت ضروری بات تجھے بتلانا چاہتے ہیں لیکن وہ کسی قدر تمہید کے بعد اچھی طرح ذہن نشین ہو گی اسلیئے ہم اولاً تمہیداً کچھ کہتے ہیں اس کے بعد اصل بات کہیں گے دیکھو زمین آسمان سے بچکر کہیں نہیں جاسکتی اور وہ اپنے کو اس سے پوشیدہ نہیں کرسکتی اس کی حالت یہ ہے کہ آسمان کی جانب سے جو حادثہ اس پر واقع ہو نہ وہ اس سے بھاگ کر کہیں جاسکتی ہے نہ اس کے دفع کرنے کی کوئی تدبیر اس کے پاس ہے اور نہ اس کے لیئے کوئی مامن ہے اس کی یہ حالت ہے کہ آفتاب سے اسپر آگ

پرستی ہے تو وہ سامنے ہی سر جھکاتی ہے اور اگر مینہ برسکر طوفان برپا کردے اور اس کے تمام شہروں کو اجاڑ دے تب بھی وہ ایوب علیہ السلام کی طرح اس کے آگے سر تسلیم خم کرتی ہے اور بزبان حال کہتی ہے کہ میں آپ کی معتقد ہوں آپ جو چاہیں کریں جب تمہیں یہ مقدمہ معلوم ہوگیا تو اب ہم کہتے ہیں کہ تم اپنی اصل پر غور کرو کہ تمہاری اصل کیا ہے تم زمین کا ایک حصہ ہو لہذا تمہارے اندر وہی خصلت ہونی چاہیئے جو زمین کے اندر ہے یعنی اطاعت و انقیاد اور سرکشی اختیار نہ کرنی چاہیئے اور جب خدا کا کوئی حکم تمہارے لیئے صادر ہو خود اسی سے امان لینا چاہیئے اور اس سے اپنے کو کھینچنا نہیں چاہیئے جب تمنے فرمان خداوندی خلقناکم من تراب سنا ہے اور تم کو اس کے حق ہونے کا اعتقاد بھی ہے تو تم کو بھی خاکسار ہونا چاہیئے اور سرتابی نہ کرنا چاہیئے حق سبحانہ فرماتے ہیں کہ ہم نے زمین میں بیج بویا اس نے خاکساری اختیار کی اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہم نے اُسے رفعت عطا کی پس یوں ہی تم بھی دوبارہ خاک بنو اور خاکساری اختیار کرو تاکہ میں تم کو تمام سرداروں پر سرداری بخشوں یاد رکھو کہ خاکساری ہی رفعت کا سبب ہے دیکھو پانی اولاً اوپر سے نیچے آتا ہے اور آسمان سے زمین پر برس کر زمین میں داخل ہوتا ہے اس کے بعد اس کو پھر رفعت حاصل ہوتی ہے کہ لوگ اس کو نیچے سے اوپر لاتے ہیں اور کنویں وغیرہ کھود کر نکالتے ہیں پھر کنویں سے نکالکر لیتے ہیں اور دیکھو گیہوں اوپر سے زمین میں مدفون ہوا تو اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ خوشہ بنکر لہلہانے لگا اور دیکھو ہر میوہ کا بیج اولاً زمین میں جاتا ہے اسکے بعد اُس مدفونیت سے سر نکالتا ہے اور شاخ بنکر لہکتا ہے اور دیکھو تمام نعمتوں کی جڑ یعنی پانی وہ آسمان سے زمین میں آتا ہے اور نیچے آکر جانداروں کی غذا بنتا ہے جونکہ اس نے تواضع کی اور اوپر سے نیچے آیا اُس تواضع کا یہ نتیجہ ہوا کہ جزو انسان بنگیا اور صفات انسان کی طرح وہ بھی اس کا تابع ہوگیا یا موصوف بصفات انسان ہوگیا اور انسان کے ساتھ وہ بھی عرش سے اوپر اڑ آیا تو اس لیئے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج جسمانی ہوئی تھی اور آپکے جسم میں پانی بھی موجود تھا یا یہ مطلب ہے کہ روح کے طومر تبت سے اس کے جسم کو بھی تفوق معنوی حاصل ہوا اور اسمیں پانی موجود ہے لہذا اسکو بھی تفوق حاصل ہوا والا اول اوضع اس رفعت کو دیکھکر وہ خوش ہوتا ہے اور کہتا ہے کہ اول ہم جہان زندہ عالم بالا سے پستی کی طرف آئے تھے اب ہم

پستی سے پھر عالم بالا کو چل دیئے کچھ پانی ہی کی خصوصیت نہیں بلکہ تمام اجزائے عالم خواہ متحرک ہوں یا ساکن سب یہی کہتے ہیں کہ ہم حق سبحانہ کی طرف لوٹنے والے ہیں اور ان ذرات عالم کے ذکر و تسبیح نے آسمان میں غلغلہ ڈال رکھا ہے اس ضمنی گفتگو سے فارغ ہو کر ہم پھر گفتگوئے سابق کی طرف عود کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ قضائے الٰہی میں وہ قوت ہے کہ جب اسنے اپنا کرشمہ دکھلانا چاہا تو ایک دہقانی نے شہری کو مات کر دیا اور باوجودیکہ شہری نے ہزاروں پیش بندیاں کیں لیکن بالآخر اسکو مغلوب ہونا پڑا اور اس نے سفر کیا پھر کیا اور مصیبتیں جھیلیں اور پھر جھیلیں ہر چند کہ اس کو اپنی ثبات اور غیر متزلزل ہونے پر بہت کچھ اعتماد تھا اور گویا کہ وہ اس وصف میں وہ ایک پہاڑ تھا لیکن معمولی سے سیلاب کے سامنے نہ ٹھہر سکا اور قضاء الٰہی کی ایک ٹکر کا بھی نہ ہوا واقعی بات یہ ہے کہ جب قضاء الٰہی آسمان سے نمودار ہوتی ہے تو بڑے بڑے عقلا اندھے اور بہرے ہو جاتے ہیں سو وہ حقیقت کو دیکھ سکتے ہیں اور نہ سن سکتے ہیں مچھلیوں کی یہ حالت ہوتی ہے کہ باوجود پانی کے اسقدر عزیز ہونے کے دریا کو چھوڑ کر باہر آجاتی ہیں اور جال باوجود زمین میں ہونے کے ہوا میں اڑتے ہوئے جانور کو پھانس لیتا ہے حتی کہ جن و پری شیشہ میں بند ہو جاتے ہیں بلکہ ہاروت بابل میں کنویں میں لٹکنے کے لیے آجاتا ہے (کما ہو المشہور) الا وہ لوگ جو قضا سے بھاگ کر قضا ہی میں پناہ لیتے ہیں اور کہتے ہیں نفر من القضاء الی القضاء کما قال امیر المؤمنین عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ ان کو کوئی تربیع ضرر نہیں پہونچا سکتی (ف) یاد رکھو کہ تربیع اہل نجوم کی اصطلاح میں اُسکو کہتے ہیں کہ ایک کسی برج کے ایک خاص درجہ پر ہو اور دوسرا اس برج سے چوتھے برج کے اسی درجہ پر ہو اس وضع کو وہ نیم دشمنی کا موجب کہتے ہیں چونکہ عرفاً حوادث کو اوضاع فلکیہ کا اثر سمجھا جاتا ہے اس لیئے مولانا نے تربیع کا لفظ استعمال کیا لیکن مراد حادثہ ہے فافہم) اور یاد رکھ کہ اگر تو قضائے الٰہی کی پناہ میں نہ آجائے تو کوئی تدبیر تجھکو قضاء الٰہی سے نہیں بچا سکتی ہے بعد قضاء الٰہی کی پناہ میں آنے کے بعد دو صورتیں ہونگی اگر مصلحت خداوندی مقتضی ہوگی تو وہ قضا ہی کو رد کر دے گا اور اگر مصلحت اس کو مقتضی نہ ہوئی تو اس کی مضرت سے محفوظ رہو گے اور جسقدر مضرت پہونچے گی اس کی تلافی معاوضہ اور اجر سے کر دی جاویگی (واللہ اعلم)

شرح شبیری

مکر آں فارس چو انگیزید گرد آں غبارت ز استعانت دور کرد

یعنی اُس سوار کے مکر نے جب کہ گرد اٹھائی تو اس غبار نے تجھے استعانت (بالفارس) سے دور کر دیا فارس سے مراد حق سبحانہ تعالیٰ ہیں اور گرد سے مراد اسباب ظاہر ہیں مطلب یہ ہوا کہ جسطرح کہ سوار گرد میں پوشیدہ ہو جاتا ہے اسیطرح افعال حق ان اسباب ظاہر میں مخفی ہیں کہ ان اسباب پر تو نظر ہے مگر حق تعالیٰ پر نظر نہیں جس طرح کہ وہاں گرد تو نظر آتی ہے اور سوار کا پتہ نہیں اب جو لوگ کہ اسباب کو فاعل سمجھکر اُن کے دفعیہ کے درپے ہوتے ہیں اُنکی ایسی مثال ہے کہ جیسے کوئی اُس گرد کے سامنے ہاتھ جوڑے کہ مجھے تم اسپ سے محفوظ رکھنا بھلا بتاؤ وہ کیا محفوظ کر سکتی ہے بس اسکا علاج تو یہی ہے کہ خود فاعل حقیقی حق سبحانہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو جاؤ اسی کو فرماتے ہیں کہ۔

سوئے فارس رو مرو سوی غبار ورنہ بر تو کو بد آں مکر سوار

یعنی سوار کی طرف جا اور غبار کیطرف مت جا ورنہ وہ مکر سوار تجھے کوٹے گا مطلب یہ ہے کہ ان اسباب ظاہر پر نظر مت کرو بلکہ حق سبحانہ تعالیٰ پر ہی نظر کرو ورنہ اگر تم نے اسباب پر نظر کی تو یاد رکھو کہ غیرت حق جوش میں آویگی اور تم سے انتقام لیگی پھر بتاؤ کہ کیا علاج ہے

گفت حق آں را کہ ایں گرگش بخورد دید گرد گرگ چوں زاری نکرد

یعنی حق تعالیٰ نے اُس شخص کو فرمایا کہ جسکو اس گرگ (قضا) نے کھا لیا کہ اس نے گرد گرگ کو دیکھا تو زاری کیوں نہیں کی مطلب یہ کہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جب اسباب قضا و بلا دیکھے تھے تو اسوقت دعا کیوں نہ کی تاکہ اُن سب کے آسیب سے چھوٹ جاتے اور ارشاد ہے کہ

او نمی دانست گرد گرگ را با چنیں دانش چرا کرد او چرا

یعنی کیا وہ گرد گرگ کو نہ جانتا تھا پھر باوجود اس عقل کے کیوں اس نے اُس جگہ چراگاہ بنائی مطلب یہ کہ کیا اسکو آثار قضا معلوم نہ تھے استفہام انکاری یعنی معلوم تھے جب معلوم

تھے تو پھر اُن سے بچنے کی کیوں کوشش نہیں کی اور اُس سے بچنا وہی حضرت حق سے دعا کرنا ہے کہ لا یرد القضاء الا الدعاء آگے فرماتے ہیں کہ بفحوائے ہم کالانعام بل ہم اضل یہ لوگ تو جانوروں سے بھی بدتر اور گئی گذری حالت میں ہیں اس لیئے کہ۔

گوسفنداں بوئے گرگ باگزند   می بدانند و بہر سو می خزند

یعنی بکریاں اُس باگزند گرگ کی بو پا لیتی ہیں اور ہر طرف چھپنے لگتی ہیں۔

مغز حیوانات بوئے شیر را   می بداند ترک می گوید چرا

یعنی حیوانات کا مغز شیر کی بو کو جان لیتا ہے تو چراگاہ کو چھوڑ دیتا ہے اور (چھپ جاتا ہے) تو دیکھو ان سب نے آثار سے معلوم کر لیا لہذا آثار ہی سے تم بھی قضا کو معلوم کر کے تضرع وزاری کیا کرو کہ یہ فائدہ ہوگا کہ اگر وہ ٹلے گی نہیں تو اس کے ضرر سے تو بچ جاؤ گے مثلاً قضا میں موت ہے اور تمکو آثار سے معلوم ہو گیا تو اس کے لیئے حق تعالیٰ سے دعا کرو تاکہ اُس کے مضارع سے بچ جاؤ مثلاً یہ کہ ایمان پر خاتمہ ہو یا اور بہت سے امور ایسے ہیں جو مضر ہیں حق تعالے اُن سب سے بچا دیں گے۔

بوئے شیر خشم دیدی بازگرد   با مناجات و حذر انباز گرد

یعنی تم نے خشم حق کی شیر کی بو معلوم کر لی ہے تو اب واپس ہو اور پرہیز کے ساتھ شریک ہو جاؤ مطلب یہ کہ تم کو آثار خشم حق کے معلوم ہو رہے ہیں تو اب دعا کرو کہ اُس کے مضار سے بچ جاؤ گے آگے فرماتے ہیں کہ۔

وانگشتند آں گروہ از گرد گرگ   گرگ محنت بعد گرد آمد سترگ

یعنی اُس گروہ (سبا) نے گرد گرگ سے احتیاط نہ کی تو گرگ مصیبت گرد کے بعد بہت بڑا ظاہر ہوا مطلب یہ کہ جب آثار قہر حق کے دیکھے تو اُن سے پناہ نہیں چاہی اور دعا نہیں کی نتیجہ یہ ہوا کہ اُن پر بلائیں سخت سے سخت نازل ہوئیں اس لیئے کہ اُن آثار کے بعد تو بلائیں ہی تھیں جب آثار دیکھ کر اُن کا خیہ نہ کیا تو نتیجہ یہ ہوا کہ وہ ساری بلائیں سر پر ٹوٹ پڑیں پس جب بلائیں آئیں تو انھوں نے یہ کیا کہ

بر دریدآں گوسفنداں را بخشم   کہ ز چوپان خرد بستند چشم

یعنی ان بکریوں کو غصہ میں آکر پھاڑ ڈالا جنھوں نے کہ عقل کے چرواہے سے آنکھیں بند کر رکھی تھیں مطلب یہ کہ اُن بلاؤں نے جو کہ مشابہ گرگ کے تھیں اُن لوگوں کو ہلاک کر دیا جو کہ حضرات انبیا علیہم السلام کے احکام کی نافرمانی کرتے تھے چوپان سے مراد انبیا علیہم السلام ہیں

چند چوپاں شاں بخواندو نامدند خاک غم در چشم چوپاں میزدند

یعنی کتنے ہی چرواہوں (انبیا) نے اُن کو بلایا مگر وہ نہ آئے (بلکہ) غم کی خاک ان (انبیا) کی آنکھوں میں جھونکتے تھے یعنی اُن کو ستاتے تھے اور ایذا دیتے تھے اور کہتے تھے کہ۔

کہ برو ما خود ز تو چوپاں تریم چوں تبع گردیم ہر یک سروریم

یعنی کہ جاؤ ہم تم سے زیادہ خود ہوشیار ہیں اور ہم تابع کیوں بنیں ہم تو خود سب سردار ہیں اور گویا کہ بزبان حال یہ کہتے تھے کہ

طعمۂ گرگیم و آں یار نے ہیزم ناریم آں عار نے

یعنی ہم طعمۂ گرگ ہیں اور یار کی ملک نہیں ہیں اور جہنم کے ایندھن ہیں مگر آن عار نہیں ہیں مطلب یہ ہے کہ اُن کی حالت ایسی تھی گویا کہ وہ یوں کہہ رہے تھے کہ ہم کو طعمۂ گرگ بننا منظور ہے مگر کسی کے تابع نہ ہوں گے اور جہنم میں جلنا منظور ہے (نعوذ باللہ) مگر عار تابعیت کو برداشت نہ کریں گے اور بلکہ یہ تو بعض نے خود کہہ بھی دیا ہے خود ابو طالب عم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جبکہ ان کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوت اسلام کی ہے تو کہا تھا اگر مجھے اس کا خوف نہ ہوتا کہ قریش کی بوڑھیاں مجھ پر طعن کرینگی تو میں آپ کا دل مسلمان ہو کر ضرور ٹھنڈا کر دیتا لیکن مجھے بعد مرنے کے بوڑھیاں قریش کی طعن کریں گی کہ جہنم سے ڈر گیا اس لیئے مسلمان نہیں ہو سکتا (نعوذ باللہ) اب دیکھ لیں وہ لوگ جو بزرگوں سے محبت کرنے پر گھمنڈ کرتے ہیں کہ دیکھیے دونوں جانب سے کسقدر محبت تھی کہ ایک دوسرے کے دلدادہ تھے مگر بتاؤ وہ کیا کام آئی کافر ہی مرے اور ارشاد ہوا کہ انک لا تھدی من احببت ولکن اللہ یھدی من یشاء یعنی جس کو آپ چاہیں ہدایت پر نہیں لا سکتے بلکہ جسکو خدا چاہے ہدایت دے خدا کے لیئے اس فخر نسب کو ترک کرو حدیث و قرآن کو دیکھو خوب کہا ہے۔

بندۂ عشق شدی ترک نسب کن جامی کہ دریں راہ فلاں ابن فلاں چیزے نیست

آگے فرماتے ہیں کہ

حمیتے بد جاہلیت در دماغ بانگ شومی بر دہن شاں کرد زاغ

یعنی ایک حمیت بد جاہلیت کی اُن کے دماغ میں تھی (گویا کہ) نحوست کی آواز اُن کے منہ پر کوّا کر رہا ہے یعنی وہ اسطرح باتیں کرتے تھے گویا کہ کوّا اُن کے منہ پر بول رہا ہے چونکہ کوّے کو منحوس خیال کرتے ہیں لہذا اُس کی نحوست کو ثابت کرتے ہیں۔

بہر مظلوماں ہمی کندند چاہ در چہ افتادند و می گفتند آہ

یعنی مظلوموں کے لیئے کنواں کھود رہے تھے تو کنویں میں خود ہی گر گئے اور افسوس کرتے تھے

پوستین یوسفاں بشگافتند انچہ می کردند یک یک یافتند

یعنی یوسفوں کے پوستین کو پھاڑتے تھے اور جو کچھ کرتے تھے اُس کو ایک ایک کر کے پاتے تھے مطلب یہ کہ حضرات انبیا علیہم السلام کو ستاتے تھے اور اُن کے بدلے ایک ایک کر کے پاتے تھے یہاں بعض نااہلوں کو بے فکری ہوئی کہ بس آجکل انبیا تو ہیں ہی نہیں لہذا ان کے ستانے سے تو چھوٹ گئے اور ان میں سے بعض اولیاء اللہ کے بھی معتقد ہیں وہ تو بالکل ہی بے فکر ہو گئے کہ یہ وعید بس ہم پر تو ہو ہی نہیں سکتی اس لیئے کہ ہم تو کسی کو ستاتے ہی نہیں ایسے لوگوں کو جواب فرماتے ہیں کہ۔

کیست یوسف آں دل حق جوے تو چوں اسیرے بستہ اندر کوے تو

یعنی یوسف کون ہے وہ تیرا قلب حق کا تلاش کرنے والا جو کہ قیدی کی طرح تیرے کوچہ میں بندھ رہا ہے مطلب یہ ہے کہ تمہارا قلب جو کہ اصل فطرت سے حق جو ہے وہ یوسف کی طرح ہے تم نے اسی کو جو نفس کا مغلوب کر رکھا ہے اور شہوات میں اُس کو مبتلا کر رکھا ہے یہی ایذا تو ہی یوسف کی ہے تو اب تم بھی نہ چھوٹے اور فرماتے ہیں کہ

جبرئیلے را بر استن بستہ پر و بالش را بصد جا خستہ

یعنی ایک جبرئیل کو تم نے ستون سے باندھ رکھا ہے اور اُس کے پر و بال کو سو جگہ سے زخمی کر رکھا ہے مطلب یہ کہ وہ قلب جو کہ اصل فطرت کے اعتبار سے جبرئیل جیسا پاک صاف ہے اس کو تم نے نفس کی قید میں ڈال رکھا ہے اور اُس کے ملکات حسنہ کو جن سے کہ عروج

الی الحق ہوتا تم نے بالکل خراب اور رکھ زور کر رکھا ہے۔

پیش او گوسالہ بریاں آوری گہ کشی اورا بگہداں آوری

یعنی اُس کے سامنے بھنا ہوا بچھڑا لاتے ہو اور کبھی خود اسکو کھینچکر بیت الخلاء میں لیجاتے ہو گوسالہ اور گہداں سے مراد لذات و ملکات سیّئہ ہیں چونکہ ان میں بھی تفاوت ہوتا ہے کوئی کم برا اور کوئی زیادہ لہذا ایک کو گوسالہ سے اور دوسرے کو گہداں سے تشبیہ دی یعنی بعض مرتبہ تو اُس کو لذات میں مبتلا کرتے ہو اور کبھی اُسکو معاصی میں جھونکتے ہو اور بزبان حال اُس سے کہتے ہو۔

کہ بخور اینست ما را لوت و پوت نیست او را جز لقاء اللہ قوت

یعنے کہ کہا کہ ہماری تو یہی غذا ہے (مولانا فرماتے ہیں کہ) اُس کی تو سوائے لقاء اللہ اور کوئی غذا ہی نہیں۔

زیں شکنجہ و امتحاں آں مبتلا می کند از تو شکایت با خدا

یعنی اس شکنجہ اور مصیبت سے وہ مبتلا تیری شکایت خدا سے کرتا ہے کہ۔

کائے خدا افغاں ازیں گرگ کہن گویدش نک وقت آمد صبر کن

یعنی اسے خدا اس پرانے گرگ سے فریاد ہے تو حق تعالےٰ اُس سے فرماتے ہیں کہ اب وقت آتا ہے صبر کر۔

داد تو وا خواہم از ہر بے خبر داد کہ دہد جز خدائے داد گر

یعنی (ارشاد ہوتا ہے) میں تیرا انصاف ہر بے خبر سے لوں گا (مولانا فرماتے ہیں کہ) انصاف سوائے خدائے داد گر کے اور کون دے گا۔

او ہمی گوید کہ صبرم شد فنا در فراق روئے تو یا ربنا

یعنی وہ قلب یہ کہتا ہے کہ اے اللہ تیرے روکے فراق میں میرا صبر جاتا رہا یعنی صبر نہیں ہو سکتا۔

احمدم وا ماندہ در دست یہود صالحم افتادہ در حبس ثمود

یعنی میں (مثل) احمد (کے) ہوں جو کہ یہود کے قبضہ میں رہا ہوا ہے اور میں (مثل)

صالح (کے) ہوں کہ ثمود کے قید میں پڑا ہوا ہوں یعنی میں تو جو فطرت اصلی کے اعتبار سے مثل اصحاب صالح کے ہوں ان نفس و شیطان کے قبضہ میں پھنس گیا ہوں اس سے چھڑا دیجئے اور دعا کرتا ہے کہ۔

اے سعادت بخش جان انبیاؑ یا بکش یا باز خوانم یا بیا

یعنی اے ذات جو کہ انبیاؑ کی جان بخش ہے یا تو مجھے مار ڈال یا بلا لے یا خود آ جا۔ اس لیے کہ

با فراقت کافراں را تاب نیست این فراق اندر خور اصحاب نیست

یعنی آپ کے فراق کی تو کافروں کو بھی تاب نہیں ہے اور یہ فراق اصحاب کے تو لائق ہے ہی نہیں اس لیئے کہ کفار کو جو جہنم میں عذاب ہوگا تو اصل عذاب تو خشم حق ہی ہے کہ اُسی کی وجہ سے اُن کو عذاب محسوس ہوگا ورنہ جہنم میں جو فرشتے ہیں اُن کو بھی عذاب ہونا چاہیئے لیکن چونکہ ان کو دولت رضاء حق حاصل ہوگی لہذا اُن کو وہ نار جہنم عذاب نہ معلوم ہوگی بلکہ وہ ان کے لیئے رحمت ہو جاویگی تو جب کفار کو بھی آپ کے عذاب کی تاب نہیں تو بھلا دوست تو کیا صبر کر سکتے ہیں۔

کافراں گویند در وقت عذاب ہر یکے یا لیتنی کنت تراب

یعنی عذاب کے وقت ہر ایک کافر کہے گا کہ یا لیتنی کنت ترابا۔ تو مٹی ہونے کی جو تمنا ہوگی اس کی وجہ صرف یہی ہے کہ اُن کو رضاء حق حاصل نہ ہوگی۔

حال او اینست کو خود زاں سواست چوں بود بے تو کسے کان نواست

یعنی جو کہ اُس طرف کے لوگ ہیں ان کا یہ حال ہے تو جو کہ خود تیرے ہیں وہ بے تیرے کیسے رہ سکتے ہیں جب قلب یہ عرض کرتا ہے تو ارشاد ہوتا ہے کہ۔

حق ہمی گوید کہ آرے اے نزہ لیک بشنو صبر آور صبر بہ

یعنی حق تعالے فرماتے ہیں کہ اے نزہ ہاں ٹھیک ہے، لیکن سن صبر کو اس لیئے کہ صبر بہت اچھا ہے۔

صبح نزدیک است خامش دم مزن کاندر آمد وقت بیرون آمدن

یعنی صبح نزدیک ہے خاموش رہ بول مت اس لیئے کہ باہر آنے کا وقت قریب آ گیا!

یعنی نجات کا وقت قریب ہے۔

نک بلاشاں می رسد تو کم خروش   من ہمی کوشم پئے تو تو مکوش

یعنی اب اُن کو مصیبت پہونچی ہے تو خروش مت کر میں تیرے لیئے کوشش کرتا ہوں تو کوشش مت کر۔

کوشش من بہ ز کوششہائے تو   دارو ئے تلخم بہ از حلوا ئے تو

یعنی میری کوشش بہتر ہے تیری کوششوں سے اور میری تلخ دوا تیرے حلوے سے بہتر ہے داروئے تلخ سے مراد وہ حکم صبر ہے اور حلوہ سے مراد آرزو جلد نجات ہونے کی ہے مطلب یہ کہ جو میں کہتا ہوں اُسپر عمل کر اگرچہ کچھ ناگواری ہو۔

ہیں تحمل کن برو خاموش شو   کمترک جنباں زباں رو گوش شو

یعنی کہ تحمل کر اور جا خاموش رہ اور زبان کو کم ہلا (ہمہ تن) گوش رہ یعنی بس سن کر تحمل کرو اپنی رائے کو دخل مت دے مولانا نے بیان جو اس مکالمہ کو بیان کیا ہے اس سے مقصود یہ ہے کہ نفس و قلب دونوں کے مقتضیات کو بیان کیا جاوے کہ اُس کے مقتضیات یہ ہیں اور اس کے یہ اب آگے مولانا فرماتے ہیں کہ۔

حیلت و مکر و دغا بازیش داں   ہرچہ از یار ت جدا انداز د آں

یعنی حیلہ اور مکر اور دغا بازی اُس کو جانو جو کہ تم کو یار سے جدا کر دے اب یہ قاعدہ کلیہ بیان کر کے پھر اُس روستائی اور خواجہ کا قصہ بیان فرماتے ہیں کہ

شد ز حد ایں باز گرد اے یار گرد   روستائی خواجہ را در خانہ برد

یعنی یہ باتیں حد سے گذر گئیں اب اے یار گرد واپس ہو کہ روستائی خواجہ کو گھر لے گیا مطلب یہ کہ اُن کا قصہ بیان کرو

قصہ اہل سبا یک گوشہ نہ   آں بگو کاں خواجہ چوں آمد بدہ

یعنی اہل سبا کا قصہ ایک کونہ میں رکھو اور اس کو بیان کرو کہ وہ خواجہ گاؤں میں کس طرح آیا۔

خواجہ کے دیہاتی کی دعوت کیلئے گانوں میں جانیکے قصہ کا بقیہ

روستائی در تملق شیوہ کرد   تاکہ حزم خواجہ را کالیوہ کرد

یعنی دیہاتی نے خوشامد کی عادت کرلی یہاں تک کہ خواجہ کی ہوشیاری کو غارت کردیا

از پیام اندر پیام او خیرہ شد   تا زلال حزم او را نیرہ شد

یعنی وہ خواجہ پیام پر پیام سے متحیر ہوگیا یہاں تک کہ اُس کی ہوشیاری کا آب صاف تاریک ہوگیا۔

ہم از ینجا کودکانش در پسند   زرتع و نلعب بشادی میزدند

یعنی (یہیں گھرہی) سے اُس کے لڑکے خوشی میں زرتع ونلعب خوشی سے کررہے تھے یعنی انھوں نے گھرہی سے غل مچایا کہ ہم گانوں میں جائیں گے وہ خوب خوش تھے۔

ہمچو یوسف کش بہ تقدیر عجیب   زرتع و نلعب بُرد از ظل اب

یعنی یوسف علیہ السلام کی طرح اُن کو تقدیر عجیب زرتع ونلعب ہی سے ظل اب سے لیگئی یعنی اس کھیل کودہی کے لیئے وہ گئے تھے جو مصیبت میں پڑے تھے اسی طرح یہ حضرات چلے ہیں مولانا فرماتے ہیں کہ۔

آں نہ بازی بلکہ جاں بازیست آں   حیلہ و مکر و دغا بازیست آں

یعنی یہ کھیل نہیں ہے بلکہ جاں بازی ہے اور حیلہ اور مکرو دغابازی ہے

ہرچہ از یارت جدا اندازد آں   مشنو آں را کاں زیاں دارد زیاں

یعنی جو شئے تجھے تیرے دوست سے جدا کردے اُسکو مت سنو اس لیئے کہ وہ نقصان دہ ہے۔

گر بود آں سود صد در صد مگیر   بہر زر مگسل ز گنجور اے فقیر

یعنی اگرچہ وہ صد در صد بھی سود ہو وے، تو اُسے مت لو اور تھوڑے سے سونے کے لیئے خزانہ سے قطع تعلق مت کرو۔

این شنو کہ چند یزداں زجر کرد گفت اصحاب نبی را گرم و سرد

یعنی یہ سنو کہ کتنا حق تعالیٰ نے زجر فرمایا اور اصحاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کتنا گرم و سرد کہا ارشاد ہے اُس قصہ کی طرف جو کہ قرآن شریف میں سورہ جمعہ میں مذکور ہے کہ یا ایھا الذین آمنوا اذا نودی للصلوٰۃ من یوم الجمعۃ الخ تو دیکھو یہ لوگ حضور کو چھوڑ کر جو دنیا کی طرف گئے تھے اُس پر عتاب ہوا تھا آگے خود بیان فرماتے ہیں کہ

زانکہ بر بانگ دہل در سال تنگ جمعہ را کردند باطل بے درنگ

یعنی اس لیے (زجر ہوا تھا) کہ ڈھول کی آواز پر تنگسالی میں انھوں نے جمعہ کو بے خوف خلل کر دیا جمعہ کو ترک سے مراد خطبہ کا ترک ہے اس لیے کہ یہی ہوا تھا مگر چونکہ وہ بھی ایک جزو جمعہ ہے تو اُس کو ترک کرنا گویا کہ جمعہ کو ترک کرتا ہے اور یہ اس لیے ہوا تھا کہ عرب میں اناج تھا نہیں قحط ہو رہا تھا تو شام سے اناج آگیا تھا جب صحابہ کو اطلاع ہوئی تو سب چلے گئے کہ کہیں یہاں کے سوداگر خرید کر مہنگا نہ کر دیں اس لیے جلدی سے لینا چاہا تھا اور حضور کے پاس صرف بارہ تیرہ آدمی رہ گئے تھے اُس کو بیان فرماتے ہیں کہ

تا نباید دیگراں ارزاں خرند زاں جلب صرفہ ز ما ایشاں برند

یعنی تاکہ کہیں ایسا نہ ہو کہ دوسرے لوگ ارزاں خرید لیں اور اُس کے لینے کی وجہ سے نفع ہم سے پھر لیں غرضکہ بہت لوگ چلے گئے۔

ماند پیغمبر بخلوت در نماز با دو سہ درویش ثابت پر نیاز

یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم دو تین آدمیوں کے ساتھ تنہا نماز میں رہ گئے مراد قلیل ہے ورنہ بارہ تیرہ آدمی باقی رہے تھے۔

کو فت طبل لہو بازرگانئے چون تاں ببرید از ربانئے

یعنی ایک سوداگر نے طبل لہو بجایا تو اُس نے تم کو ایک اللہ والے یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کس طرح قطع کر دیا جیسا کہ ارشاد ہے واذا راوا تجارۃ اولھوا انفضوا الیھا و ترکوک قائما۔

قد فضضتم نحو قمح ھائما ثم خلیتم نبیا قائما

یعنی تم گیہوں کی طرف گھبرا کر چلے گئے اور نبی علیہ السلام کو کھڑا ہوا چھوڑ دیا۔

بہر گندم تخم باطل کاشتند وان رسول حق را بگذاشتند

یعنی گیہوں کے لیئے تخم باطل بویا اور اُس رسول حق کو چھوڑ گئے۔

صحبت او خیر من لہو است و مال بین کرا بگذاشتے چشمے بمال

یعنی آپ کی صحبت تو لہو و مال سے بہتر ہے ارے دیکھ تو تو نے کس کو چھوڑا ہے ذرا آنکھ مل

خود نشد حرص شمارا این یقین کہ منم رزاق خیر الرازقین

یعنی (ارشاد ہوا کہ) تمہاری حرص کو اس کا یقین نہ ہوا کہ میں رزاق ہوں بہتر رزق دینے والوں کا۔

آنکہ گندم را کہ خود روزی دہد کے توکلہات را ضایع نہد

یعنی جو ذات کہ خود گیہوں کو روزی دیتا ہے وہ تمہارے توکلوں کو کب ضایع کر دے گا

از پئے گندم جدا گشتی ازاں کہ فرستادست گندم ز آسماں

یعنی گیہوں کے لیئے اُس ذات سے جدا ہو گئے جس نے کہ خود گیہوں کو آسمان سے بھیجا ہے۔

کمترا از بط نیستی آخر در آب کو دہد مر باز داعی را جواب

یعنی تو اُس بط سے تو کم نہیں ہے جس نے کہ پانی میں باز داعی کو جواب دیا تھا۔ آگے اُس بط کا قصہ بیان فرماتے ہیں۔

ایک باز کا بطوں کو پانی سے جنگل میں بلانا

باز گوید بط را کز آب خیز تا بہ بینی دشتہا را قند ریز

یعنی باز بط سے کہتا ہے کہ پانی سے اٹھ تاکہ جنگلوں کو قند ریز دیکھے یعنی سرسبز و شاداب دیکھے۔

بط عاقل گویدش کاے باز دور آب ما را حصن امن است و سرور

یعنی بط عاقل اُس سے کہتی ہے کہ اے باز دور ہو جا۔ پانی ہی ہمارے لیئے امن و سرور کا قلعہ ہے

دیو چوں باز آمد اے بطاں شتاب   ہیں بہ بیروں کم روید از حصن آب

یعنی اے (لوگو جو کہ مشابہ) بطوں کے ہو شیطان باز کی طرح ہے تو ذرا اس قلعہ آب سے باہر مت نکلنا حصن آب سے مراد معیت مع الحق یعنی ذکر حق اور معیت حق کو ترک مت کرنا اس کو ترک کیا اور مرے۔

باز را گوئید رو رو باز گرد   از سر ما دست دار اے پا نمرد

یعنی باز (شیطان) سے کہدو کہ جا جا لوٹ جا ہمارے سر سے ہاتھ اٹھا اے جوانمرد

ما بری از دعوتت دعوت ترا   ما نخواہیم این دم تو کافرا

یعنی ہم تیری دعوت سے بری ہیں دعوت تجھی کو نصیب ہو اور اے کافر ہم تیرے اس دم کو نہ پئیں گے یعنی تیرے بہکانے میں نہ آئیں گے۔

حصن ما را قند قندستاں ترا   من نخواہم ہدیہ ات بستاں ترا

یعنی قلعہ (ذکر حق) ہمارے لئے قند ہے اور قندستان تجھے مبارک ہو میں تیرے ہدیہ کو نہیں لیتا باغ تجھی کو مبارک ہو اسی طرح تم ایسے عذر کر دو اور کہدو کہ۔

چونکہ جاں باشد نیاید قوت کم   چونکہ لشکر ہست کم ناید علم

یعنی جب کہ جان ہو غذا کی کیا کمی اور جب کہ لشکر ہو جھنڈوں کی کیا کمی ہے لہٰذا ہم تیری اس دعوت سے معافی چاہتے ہیں آگے پھر اُس روستائی اور خواجہ کی حکایت فرماتے ہیں

روستائی اور خواجہ کی حکایت کی طرف رجوع

خواجۂ حازم بسے عذر آورید   بس بہانہ کرد با دیو مرید

یعنی اُس ہوشیار خواجہ نے بہت عذر کئے اور اُس سرکش شیطان سے بہت سے بہانے کئے۔

گفت ایندم کارہا دارم مہم   گر بیایم آں نگردد منتظم

یعنی کہا کہ اس وقت مجھے بہت سے ضروری کام ہیں تو اگر میں دگانوں میں آؤں

تو وہ منتظم نہ رہیں گے۔

شاہ کار نازکم فرمودہ است   زانتظارم شاہ شب نغنودہ است

یعنی بادشاہ نے مجھے ایک بہت نازک کام بتایا ہے اور میرے انتظار میں وہ رات کو سویا بھی نہیں ہے۔

من نیارم ترک امر شاہ کرد   من نتانم شد بر شہ روئے زرد

یعنی میں امر شاہ کو ترک نہیں کر سکتا اور میں (کام نہ کرکے) بادشاہ کے سامنے شرمندہ بھی ہونا نہیں چاہتا۔

ہر صباح و ہر مساسرہنگ خاص   می رسد از من ہمی جوید مناص

یعنی صبح اور شام پیادہ خاص آتا ہے اور مجھ سے اس کام کی انجام دہی کو تلاش کرتا ہے

تو روا داری کہ آیم سوئے دہ   تا برابر و افگند سلطان گرہ

یعنی کیا تو یہ جائز رکھتا ہے کہ میں گانوں میں آؤں اور سلطان ابرو پر میری طرف سے گرہ ڈال لے یعنی وہ مجھ سے ناخوش ہو جاوے یا تجھے یہ منظور ہے۔

بعد ازاں درماں خشمش چوں کنم   زندہ خود را از زمیں مگر مدفوں کنم

یعنی اس کے بعد اس غصہ کا میں کیا علاج کروں گا بس شاید اپنے کو زندہ دفن کر دوں گا

زیں نمط او صد بہانہ باز گفت   حیلہ ہا با حکم حق نفتاد جفت

یعنی اسی طرح اس نے سیکڑوں حیلے کئے مگر حکم حق کے آگے حیلے کیا چلتے اس لیے کہ ان کی قسمت میں تو وہ مصیبت لکھی تھی جو کہ آگے بیان ہوگی تو بھلا وہ کیسے چھوٹ سکتے تھے مولانا فرماتے ہیں کہ۔

گر شود ذرات عالم حیلہ پیچ   با قضائے آسماں ہیچ اند ہیچ

یعنی اگر تمام ذرات عالم بھی حیلہ کرنے والے ہوں تب بھی قضائے آسمان کے آگے سب ہیچ ہیں ہیچ آگے اس کی ایک مثال فرماتے ہیں کہ۔

چوں گریزد ایں زمیں از آسماں   چوں کند او خویش را از وی نہاں

یعنی یہ زمین آسمان سے کب بھاگ سکتی ہے اور یہ اپنے کو اس سے کب پوشیدہ

کرسکتی ہے یعنی زمین چاہے کہ آسمان سے باہر نکل جاوے کیسے ممکن ہے۔

ہر چہ آید ز آسماں سوئے زمیں نے مفر دارد نہ چارہ نے کمیں

یعنی آسمان سے زمین کی طرف جو کچھ بھی آوے وہ اُس سے نہ مفر رکھتی ہے اور نہ علاج اور نہ کوئی ٹھکانا۔

آتش از خورشید می بارد براو او بپیش آتشش بنہادہ رو

یعنی خورشید سے اسپر آگ برستی ہے اور وہ اُس کی آگ کے سامنے منہ رکھے ہوئے ہے

ور ہمی طوفاں کند باراں براو شہرہا را می کند ویراں براو

یعنی اور اگر بارش اُسپر طوفان لاوے تو اُسپر شہروں کو ویران کردے۔

او شدہ تسلیم او ایوب وار کہ اسیرم ہر چہ میخواہی بیار

یعنی وہ زمین اُس آسمان کے تابع حضرت ایوب کی طرح ہے کہ میں قیدی ہوں جو چاہے مجھپر لا جب زمین کی تواضع کی یہ حالت ہے تو مولانا فرماتے ہیں کہ۔

اے کہ جزو این زمینی سر مکش چونکہ بینی حکم یزداں در مکش

یعنی اے وہ شخص کہ تو جزو زمین ہے سرکشی مت کر اور جب کہ تو حکم حق کو دیکھے دم مت مار

چوں خلقناکم شنیدی من تراب خاک باشی جست از وے رو متاب

یعنی جب کہ خلقناکم من تراب تو نے سن لیا ہے تو خاک ہونا کافی ہے اس سے روتابی مت کر۔ جب تم تواضع کروگے تو اس پر ثمرات مرتب ہوں گے آگے اُن کو بیان فرماتے ہیں کہ

بیں کہ اندر خاک تخمے کاشتم گرد خاکی و منش افراشتم

یعنی حق تعالے فرماتے ہیں کہ دیکھو میں نے زمین میں ایک تخم بویا اس نے خاکی کی تو میں نے ہی اسکو بلند کیا تو اُسی طرح اگر تم تواضع کروگے تو تم کو حق تعالے عزت دیں گے فرماتے ہیں کہ۔

حملہ دیگر تو خاکی پیشہ گیر تا کنم بر جملہ میرانت امیر

یعنی ایک مرتبہ تو خاک سے پیدا ہوئے ہی (جواب) ایک مرتبہ اور خاکی اختیار کرو تا کہ میں تم کو سب امیروں پر امیر بنادوں۔ آگے اس کے ایک مثال ہے کہ

آب از بالا بہ پستی در رود انگہ از پستی ببالا در رود

یعنی پانی اول بلندی (یعنی آسمان) سے پستی (یعنی زمین) میں جاتا ہے اسوقت پستی سے (ڈول کے ذریعہ سے) اوپر آتا ہے اور مثال ہے کہ۔

گندم از بالا بزیر خاک شد بعد ازاں او خوشہ و چالاک شد

یعنی گندم اول اوپر سے خاک میں گیا بعد اُس کے خوشۂ چالاک ہو گیا۔

دانۂ ہر میوہ چوں گردد دفین بعد ازاں سرہا برآرد از زمین

یعنی ہر میوہ کا دانہ جب دفن ہوتا ہے بعد اُس کے زمین سے سر نکالتا ہے۔

اصل نعمتہا ز گردوں تا بخاک زیر آمد شد غذائے جان پاک

یعنی تمام نعمتوں کی اصل (یعنی پانی) آسمان سے زمین پر آئی تب جان پاک انسانی کی غذا بنی۔

از تواضع چوں ز گردوں شد بزیر گشت جزو آدمی حے دلیر

یعنی وہ پانی تواضع کی وجہ سے جب آسمان سے نیچے آیا تو آدمی کا جزو اور زندہ اور دلیر بنگیا

پس صفات آدمی شد آں جماد برفراز عرش پراں گشت شاد

یعنی پھر وہ جماد آدمی کی صفات بنگئیں اور بلندی عرش پر خوش پراں ہوئی۔ یعنی اُس پانی سے نباتات اوگے انکو آدمی نے پیا تو اُس کے اندر صفات پیدا ہوئیں پھر وہ آدمی بلندی عرش پر پہونچا تو یہ پانی بھی اُس کے ساتھ ہی رہا تو دیکھو کہاں کہاں پہونچگیا اور وہ بزبان حال یہ کہہ رہا ہے کہ۔

کز جہان زندہ اول آمدیم باز از پستی سوئے بالا رویم

یعنی کہ اول جہان زندہ (عالم غیب) سے آئے تھے پھر پستی سے بلندی کی طرف گئے یعنی ڈولوں سے کھینچا گیا آگے مولانا فرماتے ہیں کہ۔

جملہ اجزاء در تحرک در سکوں ناطقاں کانا الیہ راجعوں

یعنی اجزاء عالم تمام حالت حرکت اور سکوں میں انا الیہ راجعون بول رہے ہیں اور محققین کا مذہب یہی ہے کہ ان کی تسبیح بھی خالی نہیں ہے بلکہ قالی ہے۔

ذکر و تسبیحات اجزائے نہاں غلغلے افگند اندر آسماں

یعنی اجزائے نہاں کے ذکر و تسبیح نے بھی آسمان میں ایک غلغلہ ڈال رکھا ہے مطلب یہ کہ بھلا جو اشیا کہ ذات جسم ہیں اُن کی تسبیحا تو کیوں نہ شور کریں کہ جو کہ ایسے ہیں کہ وہ نہاں ہیں اُن کی تسبیح نے بھی ایک غل مچا رکھا ہے حاصل یہ کہ تمام عالم تسبیح خواں ہے۔

چوں قضا آہنگ نیرنجات کرد روستائی شہرئے رامات کرد

یعنی جب کہ قضا نے نیرنگیوں کا قصد کیا تو ایک دیہاتی نے شہری کو مات کر دیا۔ مطلب یہ کہ یہ دیکھو جب حق تعالیٰ نے عجائبات کے دکھانے کا قصد کیا تو ایک دیہاتی کے سامنے شہری کی کچھ نہ چلی

باہزاراں حزم خواجہ مات شد زاں سفر در معرض آفات شد

یعنی باوجود ہزاروں ہوشیاریوں کے خواجہ صاحب ہار گئے اور اُس سفر سے معرض آفات میں پڑ گئے اس لیے کہ۔

اعتمادش بر ثبات خویش بود گرچہ کہ بُد نیم سیلش در ربود

یعنی اس کو اپنے ثبات پر اعتماد تھا تو اگرچہ وہ ایک کوہ تھا مگر ایک نیم سیل اسکو لے بھاگا مطلب یہ کہ وہ اپنی عقلمندی اور ہوشیاری پر چونکہ نازاں تھا اس لیئے اس کو مات ہوئی ورنہ اگر نظر حق تعالیٰ پر ہوتی تو پھر ہرگز ایسا نہ ہوتا۔

چوں قضا بیروں کند از چرخ سر عاقلاں گردند جملہ کور و کر

یعنی جب کہ قضا آسمان سے سر نکالتی ہے تو عقلمند لوگ بھی سب اندھے اور بہرے ہو جاتے ہیں۔ اور قضا وہ شئے ہے کہ جب اُس کا ظہور ہوتا ہے تو کوئی شئے اپنے قبضہ میں نہیں رہتی یہ حالت ہوتی ہے کہ۔

ماہیاں افتند از دریا بروں مرغ پرّاں گردد از دامے زبوں

یعنی مچھلیاں دریا سے باہر نکل پڑتی ہیں اور اڑنے والا جانور جال سے عاجز ہو جاتا ہے۔ ورنہ اگر قطع نظر حکم قضا کے دیکھا جاوے تو کہاں وہ پرند اور کہاں یہ دام خاکی۔

تا پری و دیو در شیشه شود بلکه ہاروتے ببابل در رود

یعنی یہاں تک کہ دیو پری شیشہ میں بند ہو جاتی ہیں بلکہ ایک ہاروت بابل میں چلے جاتے ہیں اس قصہ کی طرف اشارہ ہے جو مشہور ہے اب کسی کو خوف ہوا کہ بس جبکہ قضا سے بچنا محال ہے تو پھر ہم کیا کر سکتے ہیں نہ طاعت نہ گناہ سب قضا ہی کی طرف سے ہے اور اُس کو کسی طرح رد نہیں کر سکتے تو اب مجبور ہو گئے مولانا فرماتے ہیں کہ۔

جز کسے کاندر قضا اندر گریخت خون اورا ہیچ تربیعے نریخت

یعنی سوائے اُس شخص کے کہ قضا سے قضا میں بھاگا تو اُس کے خون کو کسی تربیع نے نہ گرایا تربیع کہتے ہیں کسی شخص کے طالع کے دو ستاروں کا اسطرح آجانا کہ ایک سے دوسرا چوتھے خانہ میں ہو اس کو اہل نجوم منحوس کہتے ہیں اور اُس سے کہتے ہیں کہ کام نہیں ہوتے مولانا فرماتے ہیں کہ جو کہ خود قضا کی طرف یعنی صاحب القضاء کی طرف متوجہ ہو جاوے اسکو تربیع ستا نہیں سکتی یعنی اس کو کوئی گزند نہیں پہونچ سکتا۔

غیر آنکہ در گریزی در قضا ہیچ حیلہ ندہدت از وے رہا

یعنی سوائے اس کے قضا سے قضا میں ہی بھاگو کوئی حیلہ تم کو رہائی نہیں دے سکتا پس قضا سے بچنے کی یہی تدبیر ہے کہ حق تعالیٰ سے دعا کرے جیسا کہ حدیث میں ہے لا یرد القضاء الا الدعاء سیر میں لکھا ہے کہ افلاطون نے ایک مرتبہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے دریافت کیا کہ اگر تمام آسمان کمان ہوں اور حوادث تیر ہوں اور پھینکنے والے حق تعالیٰ ہوں تو اُس سے بچکر کہاں جاوے آپ نے فرمایا کہ کمان والے کے پاس جا کھڑا ہو یعنی تعلق بحق پیدا کرے تو افلاطون بولا کہ بے شک یہ علوم نبوت ہی کے ہیں تو بس معلوم ہوا کہ قضا سے بچنے کے لیئے دعا کرو اگر قضا نہ ٹلے گی تو اُس کے ضرر سے تو بچ جاؤ گے چونکہ یہاں کہا ہے کہ قضا سے بچنا ممکن نہیں ہے جب کہ توجہ بحق نہ ہو آگے اس کے متعلق ایک قصہ بیان فرماتے ہیں۔

شرح حبیبی

قصهٔ اصحاب ضروان خواندهٔ — پس چرا در حیله جوئی ماندهٔ

حیله میکردند کژدم نیش چند — که برند از روزی درویش چند

شب همه شب می سگالیدند مکر — روی در رو کرده چندین عمرو بکر

خفیه می گفتند سرها آن بدان — تا نباید که خدا دریابد آن

با گِل اندایندهٔ اسگالید گِل — دست کاری می کند پنهان ز دل

گفت الا یعلم هنالک من خلق — ان فی نجواك صدق ام ملق

کیف یغفل عن ظعین قد غدا — من یعاین این مثواه غدا

اینما قد هبطا او صعدا — قد تولاه و احصی عددا

خفیه میکردند اسرار از خدا — آن سگان جاهل ز جهل و عمی

گوش کن اکنون حدیث خواجه را — کو سوی ده چون شد و دید او جزا

گوش را اکنون ز غفلت پاک کن — استماع هجر آن غمناک کن

تا چها دید از بلا و از عنا — در ره ده چون شد از شهر او جدا

آن زکاتی دان که غمگین را دهی — گوش را چون پیش دستانش نهی

بشنوی غمهای رنجوران دل — فاقهٔ جان شریف از آب و گل

خانهٔ پر دود دارد پر فنی — مر ورا بگشا ز اصغا روزنی

گوش تو او را چو راه دم شود — دود تلخ از خانهٔ او کم شود

غمگساری کن تو با ما ای روی — گر بسوی رب اعلی میروی

این تردد حبس و زندانی بود — کو نه بگذارد که جان سوی رود

این بدانسو آن بدینسو می کشد — هر یکی گوید منم راه رشد

این تردد عقبهٔ راه حق است | ای خنک آنرا که پایش مطلق است

بی تردد می رود بر راه راست | ره نمی دانی بجو گامش کجاست

گام آهو را بگیر و رو معاف | تا رسی از گام آهو تا بناف

زین روش بر اوج انور میروی | ای برادر گر بر آذر میروی

نے ز دریا ترس و نے از موج و کف | چون شنیدی تو خطاب لاتخف

لاتخف دان چونکه خوفت داد حق | نان فرستد چون فرستادت طبق

خوف آنکس راست کو را خوف نیست | غصه آنکس را کش اینجا طوف نیست

خواجه در کار آمد و تجهیز ساخت | مرغ عزمش سوی ده اشتاب تافت

اہل و فرزندان سفر را ساختند | رخت را بر گاو عزم انداختند

شادمانان و شتابان سوی ده | که بری خوردیم از ده مژده ده

مقصد ما را چراگاه خوش است | یار ما آنجا کریم و دلکش است

با هزاران آرزو ما خوانده است | بهر ما غرس کرم بنهاده است

تا ذخیرهٔ ده زمستان دراز | از بر او سوی شهر آریم باز

بلکه باغ ایثار راه ما کند | در میان جان خود ماجا کند

عجلوا اصحابنا کے تربحوا | عقل میگفت از درون لاتفرحوا

من رباح الله کونوا رابحین | ان ربی لایحب الفرحین

افرحوا هونا بما آتاکم | کل آت مشغل الهاکم

شاد از وی شو مشو از غیر وی | کو بهارست و دگرها ماه دی

هر چه غیر اوست استدراج تست | گرچه تخت و ملک تست و تاج تست

شاد از غم شو کہ غم دام بقاست
اندریں رہ سوئے پستی ارتقاست

غم یکے گنج است و رنج تو چو کاں
لیک کے در گیرد ایں در کودکاں

کودکاں چوں نام بازی بشنوند
جملہ با خر گور ہم تگ می شوند

اے خران کور آں سو دام ہاست
در کمیں ایں سوئے خوں آشامہاست

تیرہا پرّاں شدہ لیکن کماں
گشت پنہاں از دو چشم مردماں

تیرہا پرّاں کماں پنہاں ز غیب
بر جوانی میرسد صد تیر شیب

گام در صحرائے دل باید نہاد
زانکہ در صحرائے گل نبود کشاد

ایمن آباد است دل اے مردماں
حصن محکم موضع امن و اماں

گلشن خرم بکام دوستاں
چشمہا و گلستاں در گلستاں

عج الی القلب وسر یا ساریہ
فیہ اشجارٌ و عین جاریہ

دہ مرو دہ مرد را احمق کند
عقل را بے نور و بے رونق کند

خواجہ پندارد کہ روزی دہ دہد
ایں نمی داند کہ روزی دہ دہد

قول پیغمبر شنو اے مجتبیٰ
گور عقل آمد وطن در روستا

ہر کہ روزی باشد اندر روستا
تا بماہے عقل او ناید بجا

تا بماہے احمقے در وے بود
از حشیش دہ جز اینہا چہ رود

وانکہ ماہے باشد اندر روستا
روزگارے باشدش جہل و عمیٰ

دہ چہ باشد شیخ واصل ناشدہ
دست در تقلید و حجت در زدہ

پیش شہر عقل کلی ایں حواس
چوں خران چشم بستہ در خراس

ایں رہا کن صورت افسانہ گیر
ہل تو دُر دانہ تو گندم دانہ گیر

گر بدر رہ نیست ہیں پر می ستان　　گر بد السو نیست رہ این سو بران
ظاہرش گیر ارچہ ظاہر کژ بود　　عاقبت ظاہر سوئے باطن ردد
اول ہر آدمی خود صورت است　　بعد ازاں جاں کو جمال سیرت است
اول ہر میوہ جز صورت کے است　　بعد ازاں لذت کہ معنی وی ست
اولا خرگاہ سازند و خرند　　ترک را زاں پس بمہمان آورند
صورتت خرگاہ و آں معنیت ترک　　معنیت ملاح واں صورت چو فلک
بہر حق ایں را رہا کن یک نفس　　تا خر خواجہ بجنباند جرس
خواجہ و بچگاں جہازے ساختند　　بر ستوراں جانب دہ تاختند
شادمانہ سوئے صحرا راندند　　سافروا کی تغنموا برمے خواندند
کز سفرہا ماہ کیخسرو شود　　بے سفرہا ماہ کے خوش رو شود
از سفر بیذق شود فرزین راد　　وز سفر یابید یوسف صد مراد
روز رو از آفتاب بے سوختند　　شب ز اختر راہ می آموختند
خوب گشتہ پیش ایشاں راہ زشت　　از نشاط دہ شدہ رہ چوں بہشت
تلخ از شیریں لباں خوش میشود　　خار از گلزار دلکش می شود
حنظل از معشوق خرما می شود　　خانہ از ہمخانہ صحرا می شود
اے بسا از نازنیناں خارکش　　بر امید گلعذار ماہوش
اے بسا حمال گشتہ پشت ریش　　از برائے دلبر مہ روئے خویش
کرد آہنگر جمال خود سیاہ　　تا کہ شب آید ببوسد روئے ماہ
خواجہ تا شب بر دکانے چار میخ　　زانکہ سروے در دلش کرد ستیخ

تاجرے دریا و خشکی می رود — آں بہر خانہ نشستنے می رود

ہر کرا با مردہ سودائے بود — بر امید زندہ سیمائے بود

آں در و گر رود در آوردہ بچوب — بر امید سے خدمت مہ روئے خوب

بر امید زندہ کن اجتہاد — کو نگردد بعد روزے دو جماد

ہیں مکن مونس خسے را از خسے — عاریت باشد درو آں مونسے

انس تو با مادر و بابا کجا است — گر بجز حق مونسانت را وفا است

انس تو با دایہ و لالہ چہ شد — گر کسے شاید بغیر حق عضد

انس تو با شیر و با پستاں نماند — نفرت تو از دبیرستاں نماند

آں شعاعے بود بر دیوارشاں — جانب خورشید وا رفت آں نشاں

بر ہر آں چیزے کہ افتد آں شعاع — تو براں ہم عاشق آئی اے شجاع

عشق تو بر ہر چہ آں موجود بود — آں ز وصف حق زر اندود بود

چوں زرے با اصل رفت و مس نماند — از زری خویشتن مفلس بماند

طبع سیر آمد طلاق او بخواند — پشت بروے کرد و دست از وی فشاند

از زر اندود صفاتش پا بکش — از جہالت قلب را کم گوئے خوش

کاں خوشی در قلبہا عاریتے است — زیر زینت مایۂ بے زینتے است

زر ز روے قلب در کاں میرود — سوئے آں کاں رو تو ہم کاں میرود

نور از دیوار تا خور میرود — تو بداں خور رو کہ در خور میرود

زیں سپس بستاں تو آب از آسماں — چوں نہ دیدی تو وفا از ناوداں

معدن دنبہ نباشد دام گرگ — کے شناسد معدن آں گرگ سترگ

زرگماں بردند بستہ در گرہ	می شتابیدند مغرور آں بدہ
ہمچنیں خنداں ورقصاں می شدند	سوئے آں دولاب چرخے میزدند
چوں ہمی دیدند مرغے می پرید	جانب دہ صبر جامہ می درید
ہر نسیمے کز سوئے دہ می وزید	گوئیا روح رواں می پرورید
ہر کہ می آمد زدہ او سوئے او	بوسہ می دادند خوش برروی او
کہ تو روئے یار ما را دیدہٗ	پس تو جان جان مارا دیدہٗ

یہاں مولانا عقیدۂ تقدیر الٰہی کو ایک قصہ سے ظاہر فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ قرآن میں تونے اصحاب شہر ضروان کا قصہ تو پڑھا ہی ہے پھر تو تدابیر میں پھنسکر کیوں رہ گیا ہے اور تقدیر الٰہی کو کیوں نظر انداز کر دیا ہے ہاں اگر تقدیر کے تابع ہو کر تدبیر بھی کرے تو مضائقہ نہیں تقدیر کی مزاحمت میں تدبیر چہ معنی دارد قصۂ مذکور کی تفصیل یہ ہے کہ ضروان کے چند مردم آزار آدمیوں نے اس کی کہ فقرا کو ان کی روزی سے محروم کریں اور باغ کے سارے پھل منہ اندھیرے اپنے گھر لے آئیں ان چند آدمیوں نے رات بھر اس فریب کی بابت کیٹی کی وہ اس طرح چپکے چپکے باتیں کرتے تھے جیسے اس واقعہ کو خدا سے بھی چھپانا چاہتے ہوں غضب ہے کہ منطے اور لینے والے کے خلاف کوئی منصوبے گانٹھے یا ہاتھ دل سے چھپا کر کوئی کام کرے بھلا کہیں ممکن ہے ہرگز نہیں پھر اُن کی اس کارروائی کا خدا سے پوشیدہ رہنا کیونکر ممکن تھا وہ تو کہتا ہے افلا یعلم من خلق یعنی ہر چیز کا پیدا کرنے والا خدا ہے اب تم بتلاؤ کہ کیا خالق سے مخلوق پوشیدہ ہو سکتی ہے ہرگز نہیں پھر خدا سے کوئی چیز مخفی کیونکر ہو سکتی ہے اور وہ کیسے نہ جانے گا کہ تمہاری دعا میں صدق ہے یا محض ظاہری خوشامد جب کہ وہ صدق اور تملق کو بھی جانتا ہے جو کیفیات قلبیہ میں سے ہیں تو وہ مخفی گفتگو کو کیوں نہ جانے گا اور جو اس کو جانتا ہے کہ جو آج سفر کر رہا ہے کل وہ کہاں ہوگا اور کہاں وہ بستی کی طرف اُترا اور کہاں سے

بلندی کی طرف چڑھا تو وہ اُس چلنے والے سے کیسے غافل ہوسکتا ہے وہ تو اس کا متولی اور
اُسپر ہر صورت سے قابض ہے اور اُسکی ہر کیفیت اُس کے احاطۂ شمار میں ہے پھر اس کے
غافل ہونے کے کیا معنی بھلا دیکھو تو سہی یہ جاہل کتنے اپنی جہالت اور نابینائی سے اپنے
راز خدا سے چھپاتے تھے لیکن وہ نہ چھپا سکے اور خدا نے ان کی اس مشورت کے باعث
باغ پر بجلی گرائی اور وہ جل بھنکر خاک سیاہ ہوگیا اور یہ دیکھنے کے دیکھتے رہگئے خیر یہ قصہ
تو ختم ہوا اب اُس امیر کا قصہ سنو کہ وہ گانوں کی طرف کیونکر چلا اور اُسکو اُس کی کیسی سزا
ملی تم اپنے کانوں سے غفلت کو دور کرو اور اس مبتلائے رنج و محن کے مفارقت وطن کا
قصہ سنو کہ اس نے گانوں کے رستہ میں اپنے شہر سے جدا ہوکر کیا کیا مصیبتیں اور
تکلیفیں جھیلیں جب تم اُس کے قصہ کو کان لگاکر سنو گے تو یہ زکوٰۃ ہوگی جو اس مصیبت
زدہ کو دوگے اور تم مریض القلب لوگوں کی غموں کو اور بوجہ لذات جسمانیہ میں مبتلا ہونے
کے ان کی ارواح کی غذائے روحانی سے بھوکا ہونے کی مصیبت کو تو ضرور ہی سنا غمگین
شخص کے دل کی ایسی مثال ہے جیسے کسی کے گھر میں دھواں گھٹ رہا ہو اور اُس کے
رنج کا سُن لینا گویا کہ اُس دھویں کے نکلنے کے لیئے سوراخ کھولدینا ہے پس تو اس کو
سنکر اُس دھویں کے لیئے ضرور سوراخ کھولدینا جب تیرا کان اُس کی بات کا رہگذر رہیگا
تو یہ کڑوا دھواں یعنی رنج اُس کے دل سے کسی قدر کم ہوجاوے گا۔ پھر اس نکلکر اس
کی طبیعت ہلکی ہوجاویگی یہاں تک مبتلائے غم کی مصیبت سننے اور اُس کی غمگساری
کرنے کی ترغیب تھی اب ایک دوسرے مضمون کی طرف انتقال فرماتے ہیں اور فرماتے ہیں
کہ جب تجھے غمگساری کی ضرورت معلوم ہوگئی تو اب ہم کہتے ہیں کہ اگر تجھے حق سبحانہ کی
راہ پر چلنا اور اس تک پہونچنا مقصود ہے تو ہم تجھے محض تیری خیر خواہی کے لیئے کہتے ہیں
کہ تو ہم دل جلوں کا غمگسار بن اور ہماری نصیحت سن جو محض دردِ دل اور ہمدردی کی بنا پر
ہے اگر تیری خیر خواہی اور تیرے ساتھ ہمدردی مدنظر ہوتی تو ہم کو اُس کے اظہار کی ضرورت
نہ تھی کیونکہ اس میں اپنی تعریف کا شائبہ ہے لیکن اس ضرورت نے اس تحدث بالنعمت
پر مجبور کیا تجھے اُس کے ماننے میں ضرور پس و پیش ہوگی لیکن ہم یہ بھی بتائے دیتے

ہیں کہ تردد بہت بڑی چیز ہے یہ جان کی قید جیلخانہ ہے کہ اُس کو یکسو نہیں ہونے دیتا
اسمیں ایک خیال ایک طرف دلکو کھینچتا ہے اور دوسرا خیال دوسری طرف اور ہر ایک
اس کا مدعی ہوتا ہے کہ صحیح راستہ میں ہوں اور جان کے اندر ایک کی تصویب اور
دوسرے کی تخلیہ کی قابلیت ہوتی نہیں پس وہ متحیر ہوکے رہ جاتی ہے نہ ادھر کی رہتی ہے
نہ اُدھر کی پس تم کو اس قید اور جیلخانہ میں ہرگز نہ پھنسنا چاہیئے یاد رکھو کہ تردد راہ حق
کی بڑی زبردست گھاٹی ہے اگر آدمی اُس سے پار ہو جائے تو بیڑا پار ہے اور اگر اسمیں
پھنس گیا تو گیا گذرا ہوا ازسے وہ لوگ بڑے مزہ میں ہیں جن کے پاؤں اس بیڑی سے
آزاد ہیں یہ لوگ بے تردد اور بلا کسی کشمکش کے راہ حق پر چلتے ہیں پس اگر تجھے راہ حق معلوم
نہیں ہے اس لیئے تو تحقیقی طور پر اسپر نہیں چل سکتا اور اپنی تحقیق سے خیال مزاحم کا تخلیہ
کرکے تردد سے نہیں نجات پا سکتا تو کچھ دنوں کے لیئے ایسے لوگوں کی تقلید کر جو محفوظ ہے
تردد ہیں اور اُن کے نقش قدم پر چل یہ نقش قدم تیرے لیئے بمنزلہ ہرن کے نقش قدم
کے ہے جو نافہ مطلوب تک پہونچاتا ہے پس تو اُس نقش قدم کو پکڑ لے اور بے کھٹکے چلا چل
انشاء اللہ ایک دن مطلوب حقیقی تک پہونچ جائے گا۔ اُسوقت کو تجھے اُسپر چلنا ناگوار ہوگا
اور تو اس کو بمنزلہ آگ پر چلنے کے سمجھے گا لیکن اگر تو اُس آگ پر چلنا گوارا کرلے گا تو ہم
تجھے بشارت دیتے ہیں کہ اُسی کدکش کی بدولت ایک روز تو اوج انور اور اُس مقام عالی
پر پہونچ جائے گا جو نور سے لبریز ہے اور جسوقت تو نے خطاب حق لاتخف سن لیا اسوقت
تجھے نہ دریا سے خوف ہوگا نہ موج سے نہ جھاگ سے غرض نفس الامر میں تیرے لیئے
کوئی خطرہ نہ ہوگا اب ہم یہ بھی بتلائے دیتے ہیں کہ یہ خطاب کب ہوتا ہے اور آدمی
اُس کو کیسے سنتا ہے پس یاد رکھ کہ یہ خطاب اُسوقت ہوتا ہے جب کہ حق سبحانہ کا خوف
دل میں پیدا ہو جاتا ہے اور اُس کے سننے سے مراد ہے اس خوف سے اس خطاب
معنوی پر استدلال کرنا اور وجہ استدلال یہ ہے کہ یہ خوف مثل طبق کے ہے اور
بے خوفی بمنزلہ روٹی کے اور ایک کریم کا طبق عطا کرنا دلیل ہے روٹی عطا کرنے کی
لہذا حق سبحانہ کا تم کو اپنا خوف عطا کرنا دلیل ہے تمام مہالک سے بے خوفی عطا کرنے

کی اس لیئے کہ خوف مہالک تو اُس کے لیئے ہے جس کو خدا کا خوف نہیں اور خون کے
گھونٹ تو اُس کو پینے پڑیں گے جو یہاں طلب حق میں تگ و دو نہیں کرتا اور جس کو خدا کا
خوف ہے اور جو طلب میں ساعی ہے اُس کو کیا خوف چنانچہ حق سبحانہ فرماتے ہیں کہ
الذین یخشون ربھم بالغیب لھم مغفرۃ واجر کبیر اچھا اس ضمنی گفتگو کو چھوڑو اور قصہ
سنو وہ امیر کام میں مشغول ہوا اور سفر کی تیاری کی اور اُس نے گانوں کی جانب بہت
جلد روانہ ہونے کا پختہ ارادہ کر لیا اُس کے گھر کے لوگوں اور بال بچوں نے بھی سفر کی
تیاری کی اور اُن کا ارادہ بھی پختہ ہو گیا اور یہ سب خوش تھے اور گانوں جانے کی بدیں
خیال جلدی کر رہے تھے کہ اس خوشخبری دینے والے دیہاتی کے گانوں سے ہر قسم کا نفع
اٹھائیں گے اور سمجھتے تھے کہ جہاں ہم جا رہے ہیں وہاں ہمارے لیئے عمدہ چراگاہ ہے
اُسمیں خوب کھائیں پئیں گے اور خوب کھیلیں کودینگے کیونکہ ہمارا یار جو وہاں ہے وہ
بڑا کشادہ دست اور دل لگی کا آدمی ہے اور جس نے ہم کو بہت آرزوں سے بلایا ہے جس سے
معلوم ہوتا ہے کہ اُس نے ہمارے لیئے سخاوت کا درخت بویا ہے تاکہ ہم اس سے
یہاں تک متمتع ہوں کہ گانوں سے آئندہ جاڑے تک کا سامان شہر میں لے آئیں گے
بلکہ وہ تو یا غ ہی کو ہماری راہ پر قربان کر دے گا اور وہاں پہونچنے کی خوشی میں کو ہمارے
حوالہ کر دے گا اور اپنے دل میں ہم کو جگہ دے گا یارو جلدی چلو کہ یہ نفع جلدی حاصل
ہو وہ تو یہ خیال خام پکا کر خوش ہو رہے تھے اور عقل اندر سے کہہ رہی تھی کہ بس یاد
نہ اتراؤ اس نفع پر لات مارو اور حق سبحانہ کے منافع سے منتفع ہو کہ حقیقی منافع وہی ہیں
حق سبحانہ دنیوی منفعتوں پر اترانے والوں کو پسند نہیں کرتے ہاں جو نعمتیں حق سبحانہ نے
تم کو عطا کی ہیں یا آئندہ عطا کریں ان پر اعتدال کے ساتھ خوش ہو اعتدال کی اس لیئے
ضرورت ہے کہ ہر نعمت کے اندر ایک ضرر کا پہلو بھی ہوتا ہے وہ یہ کہ وہ تمکو اپنے اندر مشغول
کر کے حق سبحانہ سے غافل کر سکتی ہے لہذا اس پہلو کو نظر انداز نہ کرنا چاہیئے اور فرحت
محضہ میں مصروف نہ ہونا چاہیئے اس سے معلوم ہوا کہ وہ حق سبحانہ ہی ہیں جن کے ملنے
پر فرحت محضہ ہونی چاہیئے اور کوئی ایسی شئے نہیں۔ لہذا کامل خوشی تم کو اُسی کے

ملنے کی ہونی چاہیئے اور کسی کے ملنے پر فرحت تامہ نہ ہونی چاہیئے۔ اس لیے کہ وہ بہار
کے مشابہ ہے اور دیگر اشیاء مانند خزاں کے اُس سے طرح طرح کے ثمرات منافع
اور خوشیاں حاصل ہوتی ہیں اور اوروں سے رنج و غم ضرر و نقصان۔ اس کے علاوہ
جتنی چیزیں ہیں خواہ بادشاہت اور تخت و تاج ہی کیوں نہ ہو سب ذریعہ امتحان ہیں اور ان
سے حق سبحانہ کو بندوں کی آزمائش اور اُن کی استعداد مخفیہ کا اظہار مقصود ہوتا ہے کہ
ہمسے زیادہ محبت کرتا ہے یا اُن چیزوں سے لہذا کوئی چیز بھی خوشی کے قابل نہیں پس
اگر حق سبحانہ کا غم محبت نصیب ہو تو وہ خوش ہونے کی چیز ہے کیونکہ اور سب غم
مار ڈالنے والے ہیں لیکن یہ غم جالب بقا ہے اور اس سے حیات ابدی اور فرحت
سرمدی حاصل ہوتی ہے تم کو یہ سنکر تعجب ہوگا کہ غم حیات ابدی و فرحت سرمدی کا سبب
کیونکر ہو سکتا ہے لیکن تم کو یقین کرنا چاہیئے کہ واقعی یہاں کی یہی حالت ہے۔ اور یہاں
پستی ہی میں بلندی ہے تم جتنے پست ہو گئے اتنے ہی اوپر جاؤ گے یاد رکھو کہ تمہارا مطلق
رنج ایک کان زر ہے اور اُس کا ایک حرف ایک خزانہ لیکن اُس کو وہی سمجھ سکتا ہے
جس نے آزمایا ہو اور تم جو لونڈوں کی طرح ناتجربہ کار ناقص العقل اور مبتلائے لہو لعب
ہو تمہارے دل کو یہ بات نہ لگے گی کیونکہ تمہاری حالت تو بالکل بچوں کی سی ہے جسطرح
بچوں کی حالت ہوتی ہے کہ جہاں انھوں نے کھیل کا نام سنا اور گورخر کی طرح دوڑ پڑے
یوں ہی تم بھی خیالی خوشی کے لیئے دوڑے چلے جا رہے ہو لیکن ہم تمہیں تنبہ کرتے ہیں اور
کہتے ہیں کہ اسے اندھے گدھو کدھر سے جا رہے ہو وہاں بہت سے جال لگے ہوئے اور
اس طرف بہت سے خون آشام چھپے ہوئے ہیں لوگو ورنہ ہلاک ہو جاؤ گے آگے فرماتے
ہیں کہ لوگوں کی غفلت کی وجہ یہ ہے کہ تیر حوادث تو چل رہے ہیں لیکن کمانِ قضا لوگوں
کی نظروں سے مخفی ہے اس لیئے وہ ان کو خاطر میں نہیں لاتے اور یہ نہیں سمجھتے کہ یہ
کسی قادر انداز تیر افگن کے چلائے ہوئے ہیں تیر حوادث کے چلنے اور کمان کے مخفی
ہونے کی ایسی مثال ہے جیسے بڑھاپے کے تیر جوانی پر چلتے ہیں کہ یہاں بھی تیر چل
رہے ہیں اور کمان مخفی ہے دیکھو دن بدن قویٰ کے اندر اضمحلال آتا جاتا ہے اعضاء

کمزور ہوتے جاتے ہیں صحت کے اندر نقصان آتا جاتا ہے اور یہ تمام آثار ہیں بڑھاپے کے لیکن بڑھاپا ابھی ظاہر نہیں جب یہ معلوم ہو چکا تو اب تمکو صحرائے گل کے سفر کو چھوڑنا چاہیئے اور صحرائے دل کے سفر میں مشغول ہونا چاہیئے اور اس کی صفائی میں منزلیں طے کرنا چاہیئے کیونکہ صحرائے گل سے مشکل حل نہ ہوگی لوگو تمہیں دل کی حقیقت معلوم نہیں یہ وہ بستی ہے جہاں کوئی خطرہ نہیں اور ایک مضبوط قلعہ اور نہایت امن وامان کی جگہ ہے پس اے گانوں کے باغ کے طالبو یہ شاداب باغ جو اہل اللہ کو ملا ہے جو تمہائے معرفت کا معدن اور گلہائے رنگا رنگ حقائق و معارف سے پٹا پڑتا ہے تم اُس کی سیر کو آؤ اسمیں واردات غیبیہ کے اشجار قائم ہیں اور فیوض ربانی کے چشمے جاری ہیں گانوں جا کر کیا لو گے گانوں جانے میں علاوہ اور نقصانات کے ایک نقصان یہ بھی ہے کہ اسمیں جاکر آدمی احمق ہو جاتا ہے نہ اس کی عقل میں نور رہتا ہے نہ رونق تم گانوں اس لیئے جاتے ہو کہ گانوں کو روزی دینے والا سمجھتے ہو لیکن تم یہ نہیں سمجھتے کہ روزی دینے والا رزاق عالم ہے پس تم جانے کے ارادہ کو فسخ کرو اور گانوں کے باغ کو چھوڑو اور گلشن قلب اہل اللہ کی طرف آؤ دیکھو وہاں جاکر تمہاری ہی سی عقل بھی جاتی رہے گی کیونکہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو گانوں میں رہتا ہے اُس کی عقل ماری جاتی ہے وہ کوڑ مغز اور کودن ہو جاتا ہے جو شخص ایک دن گانوں میں رہ لیتا ہے ایک مہینے تک اس کی عقل ٹھکانے نہیں ہوتی بلکہ ایک مہینہ تک حماقت اس کے اندر موجود رہتی ہے بات یہ بھی یہی کہ کودن پن وحماقت کے سوا گانوں کے گھاس پات سے اور کوئی بات چل ہی کیا سکتی اور جو شخص ایک مہینہ تک گانوں میں رہتا ہے اُس کی جہالت و کوری ایک عرصہ دراز تک باقی رہتی ہے تم جانتے ہو کہ اس گفتگو سے ہمارا اصلی مقصد کیا ہے وہ یہ ہے کہ مشائخ دو قسم کے ہیں بعض مشابہ ہیں گانوں کے اور بعض مشابہ ہیں شہر سے جو گانوں سے مشابہ ہیں وہ مشائخ ہیں جو قال تو رکھتے ہیں مگر حال نہیں رکھتے وہ محض علوم و معارف کو استدلالی طور پر جانتے ہیں مگر واصل نہیں ہیں لہذا وہ بمنزلہ مقلد کے ہیں ایسے لوگوں سے سالکین کو بچنا چاہیئے کیونکہ جو مشائخ

محقق اور صاحب عقل کلی مشابہ بشہر ہیں اُن کی عقل کل کے سامنے ان ناقصین کے حواس ایسے ہی ہیں جیسے گدھوں کی آنکھیں باندھ کر گدھا چکی میں جوت دیا جاوے پس جسطرح وہ اٹکل پچو چلتے ہیں یونہی یہ بھی چلتے ہیں وہاں بصارت بصار یہاں بصیرت نہیں اس کے بعد فرماتے ہیں کہ اچھا میاں اگر یہ دقائق تیری سمجھ میں نہیں آئے اور حقیقت تک تیری رسائی نہیں تو لے ہم صورت قصہ ہی تجھے سناتے ہیں تو ان موتیوں کو چھوڑ اور گیہوں کے دانے لے اگر موتیوں تک تیری رسائی نہیں نہ سہی ہم تجھے گیہوں ہی کے دانے دیتے ہیں وہی لے اور اگر تو حقیقت کی طرف نہیں چلتا نہ سہی صورت ہی کی طرف چل اور ظاہر افسانہ ہی سُن ظاہر اگرچہ فی نفسہ ٹھیک نہیں لیکن اس حیثیت سے وہ بھی اچھا ہے کہ مفضی الی الباطن ہے اور اول ظاہر ہوتا ہے اُس کے بعد باطن اور حقیقت و معنی حاصل ہوتے ہیں مثلاً آدمی اولاً ایک گوشت کا لوتھڑا اور صورت تھا مگر اُس کے بعد اُس میں جان پڑ گئی جو جمال سیرت ہے نیز ہر میوہ اولاً صورت ہوتا ہی اس کے بعد اُس میں مزہ پیدا ہوتا ہے جو اسکا معنی اور حقیقت ہے علیٰ ہذا اولاً خیمہ قائم کرتے ہیں اُس کے بعد کسی بڑے شخص مثلاً ترک کو اس میں مہمان رکھتے ہیں پس خیمہ چونکہ اول تھا صورت ہے اور ترک جو بعد ہے وہ اُسکا معنی اور مقصد نیز معنی ایسے ہیں جیسے ملاح اور صورت ایسی ہے جیسے کشتی پس جس طرح ملاح بحیثیت ملاح ہونے کے بغیر کشتی کے نہیں ہو سکتا یوں ہی معنی بدون صورت کے نہیں ہو سکتے اور جسطرح اولاً کشتی ہوتی ہے پھر ملاح یوں ہی اول صورت ہوتی ہے پھر معنی لیکن یاد رکھنا چاہیئے کہ صورت میں افضاء الی المعنی کی وجہ سے حسن آیا ہے پس اگر کہیں صورت ہی مقصود ہو اور وصول الی المعنی مدنظر نہ ہو تو اُس میں کوئی خوبی نہیں اب سامع گھبرا کر کہتا ہے کہ خدا کے لیئے تھوڑی دیر کے لیئے بیان حقائق کو چھوڑیئے اور امیر کے گدھے کو گھنٹی بجانے دیجیئے یعنی وہ بیچارہ تیار کھڑا ہے لیکن چل نہیں سکتا ذرا چلا دیجیئے بھی تو سہی کہ چلنے میں گھنٹی بجے پس مولانا مخاطب کی درخواست کو منظور فرما کر فرماتے ہیں کہ اچھا سنو امیر اور اُس کے بال بچے تیاری کر کے اور گھوڑوں پر سوار ہو کر گانوں کی جانب

روانہ ہو گئے وہ خوش خوش جنگل کی جانب گھوڑے بڑھاتے جاتے تھے اور سافرہا
کے تغنموا ایمنی سفر کرو تاکہ تم دولت لوٹ کتنے جاتے تھے اور سفر کے فضائل بیان کرتے تھے
کہ سفر ہی سے آدمی کیخسرو (بادشاہ اور دولتمند) ہوتا ہے اور بدون سفر کے چاند خوش رو
اور مہ کامل نہیں بنتا سفر سے پیادہ شطرنج فرزیں بن جاتا ہے اور سفر ہی سے یوسف
علیہ السلام کو سیکڑوں مرادیں حاصل ہوئیں ان خیالات کی بنا پر وہ سفر کر رہے تھے
اور دن بھر دھوپ میں اپنا منہ جلاتے تھے اور رات کو ستاروں کی رہنمائی پر چلتے تھے
وہ برا رستہ اُن کی نظر میں خوشنما ہو گیا تھا اور گانوں پہونچنے کی خوشی میں وہ رستہ
باوجود مکروہ ہونے کے بہشت کی طرح مرغوب ہو گیا تھا اور ایک مکروہ شے کا مرغوب
ہو جانا کچھ مستبعد نہیں کیونکہ شیریں لبوں کے منہ سے جو ناگوار بات نکلتی ہے یا اور کوئی
کڑوی شے اُن سے حاصل ہوتی ہے وہ پسندیدہ ہو جاتی ہے گلزار کی بدولت خار بھی
پسندیدہ ہو جاتا ہے معشوق اگر حنظل دے تو وہ چھوہارے کے مانند لذیذ ہو جاتا ہے
بیوی اگر ساتھ ہو تو جنگل گھر بن جاتا ہے ارے دیکھو بہت سے نازنین اور نازک بدن
اپنی گلعذار اور ماہوش محبوبہ کے لیے خوشی سے مصائب جھیلتے ہیں اور بہت سے
حمالوں کی پیٹھ اپنی مہر و دلبر کی بدولت زخمی ہو جاتی ہے لوہار نے محض اس لیئے کہ رات
کو آکر اپنی چاند سی کا منہ چومے گا اپنے حسن و جمال کو برباد کر کے دھوئیں سے اپنا منہ
کالا کر لیا ہے ایک شخص اپنے کو دوکان کا پابند کر دیتا ہے اور وہاں سے ہل نہیں
سکتا کیوں محض اس لیئے کہ ایک سرو قد بیوی نے اُس کے دل میں جگہ کر رکھی ہے
ایک تاجر زمین کا گز بن گیا ہے اور تری و خشکی کو روند ڈالا ہے یہ سفر وہ ایک خانہ
نشین بیوی کی محبت میں کر رہا ہے غرض کہ ان واقعات سے ثابت ہو گیا کہ کسی مطلوب
کی تحصیل کے لیئے ناگوار شے کا گوارا اور مکروہ کا مرغوب ہو جانا کچھ بعید نہیں اب تم اس
سے ایک اور بھی نتیجہ نکالو وہ یہ کہ جس کو کسی بیجان شے سے تعلق ہے وہ کسی زندہ نما
کے لیئے مثلاً بڑھئی جو لکڑی کی درستی میں مصروف ہے وہ اس لیئے کہ اس کے ذریعہ
سے ایک دلکش مہرو کی خدمت کرے گا جب یہ معلوم ہو گیا تو اب تم کو سمجھنا چاہیئے کہ

حقیقی زندہ حق سبحانہ کے سوا کوئی نہیں اُس کے سوا جتنے زندہ ہیں وہ زندہ نہیں بلکہ زندہ نما ہیں بس ہر شخص کو اُسی کے وصال کے لیئے اور اسی کی خدمت و اطاعت کے لیئے جد و جہد کرنی چاہیئے کیونکہ اور تو چند روز کے بعد مردہ ہو جائیں گے مگر وہ ہمیشہ زندہ رہے گا۔ لہٰذا حق سبحانہ کے سوا کوئی چیز بھی دل لگانے کے قابل نہیں بس تم اپنی پست ہمتی سے کسی ذلیل کو مونس نہ بناؤ اس لیئے کہ اس کی مونسی صرف چند روزہ ہے بلکہ حق سبحانہ سے دل لگاؤ جس کی مونسی ابدی ہے دیکھو سب سے زیادہ ماں باپ تمہارے مونس تھے اور سب سے بڑھکر تم کو ان سے اُنس تھا لیکن بتاؤ کہ اگر خدا کے سوا کسی اور کے ساتھ بھی اُنس قائم رہ سکتا ہے تو وہ تمہارا انس آج کہاں ہے نیز اگر کوئی خدا کے سوا بھی دائمی طور پر معین و مددگار بن سکتا ہے تو بتاؤ تمہاری مددگار دایہ اور غلام کہاں ہیں اور ان کے ساتھ جو تم کو انس تھا وہ کہاں ہے پس معلوم ہوا کہ حق کے سوا کسی کے ساتھ انس قائم نہیں رہ سکتا علیٰ ہذا القیاس نفرت کی بھی یہی حالت ہے مثلاً شیر و پستان سے تم کو کسدرجہ انس تھا لیکن آج نہیں اور مکتب سے تم کو کس بلا کی نفرت تھی مگر اب نہیں اب اُس کی وجہ پر غور کرو کہ تم کو انس کیوں ہوا تھا اور کیوں زائل ہو گیا اصل وجہ یہ ہے کہ مصنوعات کی مثال ایسی ہے جیسے دیوار اور حق سبحانہ کی مثال ایسی ہے جیسے خورشید اور یہ مثال محض تقریب کے لیئے ہے وللہ المثل الاعلےٰ پس جس طرح دیوار کی روشنی آفتاب کا پرتو ہوتی ہے اور بالآخر آفتاب کی طرف منجذب ہو جاتی ہے یونہی مصنوعات کے کمالات کمالات حق سبحانہ کا ظل ہیں اور ایک روز اپنی اصل کی طرف راجع ہو جاتے ہیں پس تمہاری مونس اشیاء کے کمالات بھی ظل و پرتو کمالات حق سبحانہ تھے ان کی بنا پر تم کو انس ہوا تھا اور بعد کو وہ حق سبحانہ کی طرف راجع ہو گئے تو انس بھی جاتا رہا غرض جس چیز سے تمکو محبت ہوتی ہے اُس کا منشا وہی پرتو ہے جب وہ پرتو کسی شے پر پڑتا ہے تو تم اُسپر عاشق ہو جاتے ہو اور جس موجود سے تم کو عشق ہوتا ہے وہ کمال حق سبحانہ کے پرتو سے مثل ملمع کی ہوئی شے کے ہوتی ہے اور جب وہ پرتو اور ملمع اپنی اصل

کی طرف راجع ہو جاتا ہے اور وہ خالص تا نبا رہ جاتی ہے اور اپنی ملمع سے خالی ہو جاتی ہے تو اُسوقت اُس سے تمہارا جی بھر جاتا ہے اور تم اُس کو دھتا بتاتے ہو اور اُس سے منہ پھیر لیتے اور دست بردار ہو جاتے ہو پس اس بنا پر تمہارا فرض یہ ہے کہ اُس کے ملمع کی ہوئی صفات سے تعلق منقطع کر دو اور جہالت سے کھوٹے کو کھرا نہ کہو اس لیے کہ اُن کھوٹوں کے اندر جو کھرا پن ہے وہ چند روزہ ہے اور اُس کی زینت کے تحت میں انتہائی بھدا پن چھپا ہوا ہے اور یہ جو ملمع ہے یہ بھی قائم نہ رہے گا بلکہ ایک روز اپنی اصل کی طرف راجع ہو جائیگا اس لیئے تم کو بھی اُس اصل کی طرف متوجہ ہونا چاہیئے جس کی طرف وہ راجع ہوتا ہے یاد رکھو کہ یہ نور اس دیوار پر قائم نہ رہے گا بلکہ اپنی اصل یعنی آفتاب حقیقی کی طرف راجع ہوگا ایسی حالت میں تمہارا فرض یہ ہے کہ تم بھی خورشید ہی کی طرف متوجہ ہو کیونکہ مناسب یہی ہے اور دیوار پر عاشق ہو جانا بالکل نامناسب اور نازیبا ہے اس کے بعد ہم دوسرے عنوان سے تم کو سمجھاتے ہیں دیکھو مخلوق میں جو کمالات ہیں اُن کی مثال پرنالے کے پانی کی سی ہے اور حق سبحانہ کے کمالات کی مثال آب بارش کی سی پس جب تم یہ دیکھتے ہو کہ پرنالہ ہماری ضرورت کو پورا نہیں کر سکتا کیونکہ وہ خود محتاج ہے بارش کا تو تم کو آسمان سے پانی لینا چاہیئے یعنی کمالات حق سبحانہ کو اختیار کرنا چاہیئے یاد رکھو کہ جب بھیڑیوں کو پھانسنے کے لیئے جال لگایا جاتا ہے تو اُسمیں ایک دنبہ باندھ دیا جاتا ہے تاکہ وہ اُس کو دیکھکر اُسمیں پھنس جاوے لیکن وہ دنبہ کی اصلی جگہ نہیں ہوتی۔ لیکن بھیڑیا تو اسکو سمجھتا نہیں اور اس کے لالچ میں پھنس جاتا ہے یونہی کمالات مخلوق اپنی اصلی جگہ نہیں ہیں بلکہ وہ عارضی اور ذریعہ امتحان ہیں لیکن لوگ اس راز کو نہیں سمجھتے اور اُن پر فریفتہ ہو کر دام شیطانی میں پھنس جاتے ہیں جب یہ سُن چکے تو اب اصل قصہ سنو وہ بیوقوف گانوں کی طرف جا رہے تھے اور حصول منافع کو اتنا ہی یقینی سمجھتے تھے جیسا کہ اشرفیاں گرہ میں بندھی ہوئی ہیں اور اس بنا پر ان کا حصول یقینی ہے غرض وہ اسی طرح خوش خوش اور شاداں و فرحاں جا رہے تھے اور اُس رہٹ کی طرح چکر کھا رہے تھے ان کی بیتابی کی یہ حالت

تھی کہ جب کوئی پرندہ گانوں کی طرف اڑتا تھا تو بیتاب ہو کر کپڑے پھاڑ لیتے تھے اور کہتے تھے کہ کسی طرح ہم اُس سے پہلے پہونچ جائیں اور اس قدر شغف بڑھا ہوا تھا کہ گانوں کی طرف سے آنے والی صبا سے ان کی جان میں جان آتی تھی اور جو شخص گانوں کی طرف سے آتا ہوا ملتا تو فرط محبت سے اُس کی پیشانی پر بوسہ دیتے اور کہتے کہ تو نے ہمارے یار کو دیکھا ہے تو گویا کہ ہماری جان کی جان کو دیکھا ہے۔

شرح شبیری

قصہ اصحاب ضروان کا اور ان کے اس حیلہ کرنے کا کہ فقیروں کو بے دئے ہوئے میوے توڑ لاویں.

قصہ اصحاب ضرواں خواندۂ پس چرا در حیلہ جوئی ماندۂ

یعنی اصحاب ضروان کا قصہ تم نے (قرآن میں) پڑھا ہے پھر حیلہ جوئی کے اندر کیوں رہے ہوئے ہو ضروان ایک گانوں کا نام ہے یمن میں اُن کا قصہ قرآن شریف میں موجود ہے اور وہ یہ ہے کہ ایک شخص تھا وہ اپنے باغ میں سے فقرا کو بھی میوے دیا کرتا تھا اور زیادہ حصہ ان ہی لوگوں کو دیتا تھا جب وہ مرگیا تو اُس کی اولاد نے اُس کو لغو سمجھا مگر چونکہ ایک عادت پڑ رہی تھی تو سمجھے کہ اگر صبح کو توڑنے کے واسطے گئے تو فقرا جمع ہو جاویں گے اس لئے خوب سویرے سے توڑنے چلے تاکہ سویرے ہی لا کر گھر میں بھر لیں چونکہ رات سے قصد تھا اور حق تعالیٰ کو علم تھا ہی لہٰذا رات کو ایک بجلی آئی اور باغ جلکر خاک سیاہ ہو گیا تو دیکھو انھوں نے مقابلہ تقدیر کا کرنا چاہا تھا مگر اُس کے سامنے عاجز رہے اور سارا مال کھو بیٹھے اِس قصہ کو مولانا فرماتے ہیں کہ

حیلہ می کردند کژدم نیش چند کہ برند از روزئے درویش چند

یعنی چند کچھ جیسے ڈھنگ والے لوگ حیلہ کر رہے تھے تاکہ چند درویشوں کی روزی لیجاویں

شب ہمہ شب می سگالیدند مکر　　روے در رو کردہ چندیں عمرو بکر

یعنی رات کو ساری رات وہ مکر سوچ رہے تھے کئی ایک عمرو بکر منہ سے منہ ملائے ہوئے یعنی آہستہ آہستہ۔

خفیہ میگفتند سرہا آں بداں　　تا نباید کہ خدا در یابد آں

یعنی وہ لوگ خفیہ اسرار بیان کر رہے تھے (گویا کہ یہ سمجھتے تھے) کہ کہیں خدا نہ سن لے یعنی اُن کی حالت ایسی تھی کہ گویا کہ وہ سمجھ رہے تھے اُن کی ایسی مثال تھی جیسے کہ۔

با گِل اندا نبیدہ اسگالید گِل　　دست کارے میکند پنہان ز دل

یعنی مٹی گوندھنے والے کے ساتھ مٹی (امور مخالف) سوچے یا ہاتھ کوئی کام دل سے پوشیدہ کر کے کرنا چاہے تو یہ کسی طرح نہیں ہوسکتا اسی طرح اُن کے یہ اسرار حق تعالیٰ سے پوشیدہ نہ رہتے تھے مولانا فرماتے ہیں کہ۔

کیف لا یعلم ھواک من خلق　　ان فی نجواک صدق ام ملق

یعنی جس نے کہ تجھے پیدا کیا ہے وہ تیری خواہشوں کو کس طرح نہ جان لے گا کہ آیا تیری سرگوشی میں صدق ہے یا کذب ہے۔

کیف یغفل عن ظعین دغدا　　من یعاین این مثواہ غدا

یعنی مسافر خوش سے وہ شخص کس طرح غافل ہوسکتا ہے کہ اُس کے ٹھکانے کو آج ہی دیکھ رہا ہے کہ کل کہاں ہے مطلب یہ کہ جسکو مسافر کے سفر اور قیام گاہ سے سب سے پہلے ہی خبر ہے وہ بھلا اُس سے غافل ہوسکتا ہے ہرگز نہیں وہ تو اس کی ساری نشست و برخاست سے واقف ہوگا تو اسی طرح حق تعالیٰ ہماری ساری باتوں سے واقف ہیں اُن سے پوشیدہ ہوکر کہاں جاوینگے

اینما قد ھبطا و صعدا　　قد تولاہ و احصیٰ عددا

یعنی وہ مسافر جہاں اُترا ہے اور جہاں چڑھا ہے وہ خبردار اُس کے پیچھے ہے

اور اُس کے تمام حالات کو احصا کئے ہوئے ہوتا ہے۔

خفیہ می کردند اسرار از خدا آں سگاں جاہل از جہل و عمی

یعنی وہ کتے جاہل اپنے جہل اور اندھے پن کی وجہ سے اسرار کو حق تعالیٰ سے پوشیدہ کرتے تھے یعنی اُن کی ظاہر حالت سے ایسا معلوم ہوتا تھا۔ مگر آخر کار نتیجہ یہ ہوا کہ وہ قضاء و قدر پر غالب نہ آسکے بلکہ وہی غالب رہی اس قصہ کو یہیں ختم کر کے آگے پھر خواجہ صاحب کی خبر لیجاتی ہے فرماتے ہیں کہ

گوش کن اکنوں حدیث خواجہ را کو سوئے دہ چوں شد و دید او جزا

یعنی اب ذرا خواجہ کی بات سنو کہ وہ گانوں میں کسطرح گیا اُس نے کس طرح بدلا پایا

گوش را اکنوں ز غفلت پاک کن استماع ہجر آں غمناک کن

یعنی کان کو اب غفلت سے پاک کر کے اُس غمناک کی مصیبت کو سنو

تا چہا دید از بلا و از عنا در رہ دہ چوں شد از شہر او جدا

یعنی تاکہ (معلوم ہو کہ) اس نے کیا کیا بلا اور مصیبت گانوں کے رستہ میں دیکھی جب کہ وہ شہر سے جدا ہوا آگے فرماتے ہیں کہ ہم جو تم کو اُس کے سننے کی ترغیب دے رہے ہیں یہ فضول نہیں ہے بلکہ اس کے اندر بھی فائدہ اور ثواب ہیں اس لیئے کہ جب تم غمگین کی داستان سنو گے تو اُسمیں یہ فائدہ ہوگا کہ اُس کا دل ہلکا ہو جاوے گا اور وہ تنگی اُس کے قلب سے دور ہو جاوے گی تو اُسمیں ایک تو تطییب قلب مومن ہے دوسرے یہ فائدہ ہے کہ اگر اس غم کے زائل ہونے سے اُسکا قلب بشاش ہوا اور اُس کی وجہ سے اس کو مشغولی بحق ہوگئی تو چونکہ اُس کے سبب تم بنے ہو لہذا ماجور ہو گے لہذا ضرور ہے کہ غمگین کی بات کو غور سے سنو آگے مولانا تھوڑی دور تک اسی مضمون کو بیان فرماتے ہیں کہ۔

تا زکاتے داں کہ غمگیں را دہی گوش را چوں پیش دستانش نہی

یعنی تم جو غمگین کی داستان پر کان رکھ رہے ہو اور سن رہے ہو اُس کو یوں سمجھو کہ زکوٰۃ دے رہے ہو۔

بشنوی غمہائے رنجوران دل فاقۂ جان شریف از آب و گل

یعنی رنجور دلوں کے غموں کو سنو جن کی جان شریف کو آب وگل سے فاقہ ہے یعنی اُن کو جو اس آب وگل میں پھنسنے کی وجہ سے اور تردادت میں ابتلا کی وجہ سے جان شریف کی اصل غذا نہیں ملتی اس لیئے وہ رنجور ہیں تو تم سے اگر وہ بیان کریں اُن کی بات سنو کہ وہ اُس سے سبک دل ہو جاویں گے اور پھر مشغول بحق ہوں گے تو تم اُس کے سبب ہو گے اور ماجور ہو گے اُن کی یہ حالت ہے کہ

خانۂ پُر دود دارد پُر فنے مر ورا بکشا ز اصغار روزنے

یعنی ایک پُر فن ایک گھر دھویں سے بھرا ہوا رکھتا ہے تو تم اُسمیں کان لگانے کا ایک روزن کھولدو مطلب یہ کہ اُسکا قلب جو گھٹ رہا ہے اُس کی ایسی مثال ہے جیسے کسی گھر میں دھواں گھٹ رہا ہو تو اگر اُس گھر میں ایک روشندان لگا دیا جاوے تو وہ سارا دھواں نکل جاوے اسی طرح اگر تم اُس کی ساری داستان سُن لو گے تو ایسا ہو گا گویا کہ تم نے ایک روزن اُس کے قلب میں لگا دیا اور وہ سارا غبار اُس سے نکل گیا سبحان اللہ خوب مثال ہے۔

گوش تو اورا چو راہ دم شود دودِ تلخ از خانۂ او کم شود

یعنی تمہارا کان اُس کے لیئے سانس کا رستہ ہو جاوے گا اور وہ تلخ دھواں اُس کے گھر میں سے کم ہو جاوے گا یعنی تمہارا اُس لینا جب کہ روشن دان کی طرح ہے تو تمہارا کان اُس کے سانس لینے کا روزن ہو جاوے گا اور اُس کا قلب بہت ہلکا ہو جاویگا اور پھر وہ مشغول بحق ہو گا تو اسکے سبب بننے کا ثواب تمہیں بھی ملیگا اب آگے شیخ کو خطاب کر کے فرماتے ہیں کہ

غمگساری کن تو باما ای روی گر بسوئے رب اعلیٰ میروی

یعنی اے سیراب اگر تو حق تعالیٰ کی طرف جا رہا ہے تو ہماری بھی غمگساری کر اور ہماری بھی خبر لے۔

این تردد حبس و زندانے بود کو نہ بگذارد کہ جاں سوئے رود

یعنی یہ تردد ایک حبس اور زنداں ہے جو کہ جان کو ایک طرف ہونے نہیں دیتا۔

این بدین سو واں بدانسو میکشد ہر کسے گوید منم راہ رشد

یعنی ایک اس طرف کو اور دوسرا اُس طرف کو کھینچ رہا ہے اور ہر ایک کہہ رہا ہے کہ میں راہ ہدایت ہوں چونکہ تردد میں تو یہی ہوتا ہے کہ دونوں طرف دل ہوتا ہے اس لیے کہتے ہیں کہ دل اِدھر ہوتا ہے نہ اُدھر بس بیچ میں ڈانواں ڈول ہے خبر لو۔

این تردد عقبۂ راہ حق است اے خنک آنرا کہ پایش مطلق است

یعنی یہ تردد راہ حق کی گھاٹی ہے اور وہ شخص اچھا ہے جسکا پاؤں ان سے چھوٹا ہوا ہے یعنی جس کو کہ تردد ات نہیں ہیں اچھا ہے اور اُس کی یہ حالت ہے کہ۔

بے تردد می رود بر راہ راست رہ نمی دانی بجو گامش کجا است

یعنی وہ راہ راست پر بے تردد کے چلا جا رہا ہے تو اگر راہ نہیں جانتا تو اُس کا نشان قدم تلاش کر لے کہ کہاں ہے مطلب یہ کہ جو علائق اور ترددات سے چھوٹا ہوا ہے پس وہ سیدھے راستہ پر بے تکلف چلا جا رہا ہے تو اگر تم کو خود بصیرت نہیں ہے تو اس راست رو کا اتباع ہی کرو کہ اسی طرح منزل مقصود تک پہونچ جاؤ گے آگے اس کی ایک مثال ہے کہ۔

گام آہو را بگیر و رو معاف تا رسی از گام آہو تا بناف

یعنی گام آہو کو پکڑ لو اور عافیت کے ساتھ چلے جاؤ تا کہ تم گام آہو سے نافہ تک پہونچ جاؤ مطلب یہ کہ اگر تم کو نافہ کی تلاش ہے اور اُس کے متلاشی ہو تو آہو کے نشان قدم پر چلے چلو اسی سے تم کو نافہ ملجاوے گا تو اسی طرح ان حضرات کی اتباع سے تم کو دولت عقبیٰ حاصل ہو جاوے گی

زین روش بر اوج انور میر وی اے برادر گر بر آذر میروی

یعنی اس چال سے اوج انور تک چلے جاؤ گے اے بھائی اگرچہ آگ پر چل رہے ہو مطلب یہ کہ اگرچہ اسوقت مجاہدہ و ریاضت کرنا گویا آگ پر چلنا ہے مگر اسی سے تم کو اوج انور کی روش حاصل ہو جاوے گی آگے فرماتے ہیں کہ۔

نے ز دریا ترس و نے از موج و کف　　چوں شنیدی تو خطاب لاتخف

یعنی نہ دریا سے ڈرو اور نہ موج وکف سے جب کہ تم نے لاتخف کا خطاب سن لیا ہے مطلب یہ کہ جب کہ تم کو حق تعالیٰ کی طرف سے لاتخف کا خطاب ہے تو پھر تم کسی شے سے کیوں ڈرتے ہو اور خطاب لاتخف اس طرح ہے کہ ارشاد ہے کہ ان اولیاء اللہ لاخوف علیہم ولا ھم یحزنون اور جو کہ اولیاء کا دوست ہو اور اُن کا محب ہو وہ بھی اسی میں داخل ہے لہٰذا ہر شخص کو لاتخف کا خطاب ہو گیا لیکن مولانا اس کو اور طرح سے بھی بیان فرماتے ہیں کہ

لاتخف داں چونکہ خوفت داد حق　　نان فرستد چوں فرستادت طبق

یعنی جب کہ حق تعالےٰ خوف دیں تو تم لاتخف جانوں اس لیئے کہ جب طباق بھیجا ہے تو روٹی بھی بھیجے گا مطلب یہ کہ جب تم کو خوف ہو تو سمجھ لو کہ اب خطاب لاتخف ہو رہا ہی اس لیئے کہ ایسی مثال سمجھو کہ جیسے جب آقا طبق بھیجتا ہے تو روٹی بھی دیتا ہے تو جب تم کو خوف دیا ہے تو اُس کے اندر خطاب لاتخف بھی ضرور ہے۔

خوف آنکس راست کو را خوف نیست　　غصہ آنکس را کش اینجا طوف نیست

یعنی خوف تو اس کو ہے (یہاں) خوف نہیں ہے اور غصہ اُس کے لیئے ہے جسکو کہ اس جگہ سرگشتگی نہیں ہے مطلب یہ کہ جس کو دنیا میں خدا کا خوف نہیں ہے اس کو آخرت میں خوف ہو گا اور جو کہ یہاں خوف میں ہیں وہ انشاء اللہ وہاں خوش اور بے خوف ہوں گے خیر چونکہ اوپر کہا تھا کہ خواجہ کا قصہ بیان کرو تو آگے اُن کا قصہ بیان کرتے ہیں اور یہ بیچ میں اور مضمون کچھ مناسبت سے آگیا تھا۔

خواجہ کا گانوں کی طرف مہمانی کے لیئے روانہ ہونا

خواجہ در کار آمد و تجہیز ساخت　　مرغ عزمش سوئے دہ اشتاب تاخت

یعنی میاں نے کام شروع کیا اور سامان کیا اور ان کے ارادہ کا جانور گانوں

کی طرف چلا یعنے خوب شوق میں سامان کر کے جلدی جلدی روانہ ہوئے۔

اہل و فرزنداں سفر را ساختند　　رخت را بر گاو عزم انداختند

یعنی اہل و عیال نے سفر شروع کیا اور اسباب کو قصد کے بیل پر لاد دیا یعنی اسباب کو سواری میں لادکر روانہ ہو گئے۔

شادماناں و شتاباں سوئے دہ　　کہ برے خوردیم از دہ مژدہ دہ

یعنی خوش اور جلدی گانوں کی طرف جارہے تھے اور بزبان حال کہہ رہے تھے گویا ہمنے مژدہ دینے والے گانوں سے پھل کھا ہی لیا اور کہتے تھے کہ

مقصد ما را چرا گاہ خوش است　　یار ما آنجا کریم و دلکش است

یعنی ہمارا منزل مقصود ایک عمدہ چراگاہ ہے اور ہمارا دوست کریم اور دلکش وہاں موجود ہے۔

با ہزاراں آرزو ما خواندہ است　　بہر ما غرس کرم بنہادہ است

یعنی ہزاروں آرزو سے اس نے ہمیں بلایا ہے اور ہمارے لیے کرم کا درخت اس نے لگا رکھا ہے۔

تا ذخیرہ دہ زمستان دراز　　از بر او سوئے شہر آریم باز

یعنی تاکہ گانوں کی چیزیں جاڑے کے طویل موسم کے لیئے اس کے پاس سے شہر کی طرف لاویں گے مطلب یہ کہ گانوں سے خوب ذخیرہ لاویں گے مثلاً لکڑی گیہوں وغیرہ وغیرہ خوب بھر کر لاویں گے یہ منصوبے سوچتے جارہے تھے اور سوچتے تھے کہ۔

بلکہ باغ ایثار راہ ما کند　　در میان جان خود ما جا کند

یعنی بلکہ ہمارے اوپر باغ کو فدا کردے گا اور اپنی جان میں ہماری جگہ کرے گا یعنی جان سے بھی زیادہ عزیز رکھے گا اور کہتے تھے کہ۔

عجلوا اصحابنا کے تربحوا　　عقل میگفت از درون لا تفرحوا

یعنی اے ہمارے ساتھیو جلدی کرو تاکہ نفع حاصل کرو اور عقل اندر سے کہہ رہی تھی

کہ ذرا اترا و مت۔

من رباح اللہ کونوا ابجین ان ربی لا یحب الفرحین

یعنی حق تعالیٰ کے نفع سے نفع حاصل کرو اس لیئے کہ میرا رب اترانے والوں کو دوست نہیں رکھتا مطلب یہ کہ یہ کیا نفع دنیاوی پر مر رہے ہو حق تعالیٰ کے پاس جو نفع ہے اُس کو حاصل کرو۔

افرحوا ھونا بما اتاکم کل ات مشغل الھاکم

یعنی شئے کہ تم کو ملی ہے اُس پر اعتدال سے خوش ہو اس لیئے کہ ہر آنے والا مشغل ہے کہ لہو میں تم کو ڈالدیا ہے حدیث میں ہے احبب حبیبک ھونا ما عسی ان یکون بغیضک یوما ما وابغض بغیضک ھونا ما عسی ان یکون حبیبک یوما ما یعنی دوست سے دوستی بھی اعتدال سے کرو شاید کبھی دشمن ہو جاوے (تو تمہارے اسرار پر مطلع ہو کر زیادہ نقصان دہ ہو سکتا ہے) اور اپنے دشمن سے دشمنی بھی اعتدال کے ساتھ کرو شاید وہ کبھی دوست ہو جاوے (تو پھر کیا منہ دکھاؤ گے) تو مولانا فرماتے ہیں کہ عقل کہہ رہی تھی کہ ذرا فرح اعتدال پر رکھو آپے سے باہر مت ہو جاؤ۔

شاد از وے شو مشو از غیر وے کو بہار ست و دگر ہا ماہ دے

یعنی حق تعالیٰ سے خوش ہو اور دوسروں سے خوش مت ہو اس لیئے کہ وہ تو مثل موسم بہار کے ہیں اور باقی اور سب ماہ خزاں ہیں لہذا حق تعالیٰ سے تعلق پیدا کرو اور اُن کی نعما پر خوش ہو۔

ہر چہ غیر اوست استدراج تست گر چہ تخت و ملک تست و تاج تست

یعنی اس کے سوا اور جو ہے سب تیرے لیئے استدراج ہے اگر چہ تیرا تاج و تخت اور ملک ہی ہو سب معطل ہے اور حق تعالیٰ کی طرف سے استدراج اور امتحان ہے آگے ترقی کر کے فرماتے ہیں کہ۔

شاد از غم شو کہ غم دام لقاست اندریں رہ سوئے پستی ارتقاست

یعنی غم سے خوش ہو کیونکہ غم جالب بقا ہے اور اس راہ میں پستی کی طرف عروج

ہے مطلب یہ کہ غیر اللہ سے خوش مت ہو بلکہ اگر غم آوے تو اُس سے خوش ہو کہ یہاں کا غم وہاں کے اجر کا موجب ہے اور اگر یہاں پستی اور تواضع اختیار کرو گے تو وہاں کا عروج حاصل ہوگا تو دیکھو یہاں پستی میں عروج ہے۔

غم یکے گنج است و رنج تو چکاں لیک کے در گیرد ایں در کودکاں

یعنی غم ایک بہت بڑا خزانہ ہے اور تمہارا رنج مثل معدن کے ہے لیکن اس بات کو بچے کیا جانیں یعنی جو نادان ہیں وہ اس بات کو کیا سمجھ سکتے ہیں کہ غم کیا شے ہے ورنہ غم ایک بڑی نعمت ہے کیونکہ اس کا اجر حق تعالیٰ کے یہاں عظیم ہے غم یکے میں تعظیم کے لئے ہے آگے بچوں کی عادت بتاتے ہیں کہ۔

کودکاں چوں نام بازی بشنوند جملہ با خر گور ہم تگ می شوند

یعنی بچے جب کھیل کا نام سن لیتے ہیں تو سارے گورخر کے برابر دوڑ میں ہو جاتے ہیں یعنی خوب چست و چالاک ہوتے ہیں اسی طرح جو نادان ہیں وہ اس دنیاوی لذات اور خوشی کو سنکر خوش ہوتے ہیں اور اصلی خوشی کی اُن کو خبر بھی نہیں آگے فرماتے ہیں کہ۔

اے خراماں کور ایں سو داما ست در کمیں ایں سوئے خوں آشاما ست

یعنی اسے اندھے چلنے والے اسطرف جال ہیں اور اسطرف کمین میں خون کے پیاسے ہیں۔ مطلب یہ کہ اے حقیقت سے اندھے تو جو خوش خوش جارہا ہے اور اسطرف سلامتی سمجھے ہوئے ہے ارے اس طرف تو تیرے خون کی پیاسی چیزیں ہیں اسطرف یعنی دنیا کی طرف مت جا اور اسمیں مشغول مت ہو۔

تیر ہا پراں شدہ لیکن کماں گشت پنہاں از دو چشم مرداں

یعنی تیر تو اڑ رہے ہیں اور کمان پوشیدہ اور غائب ہے اور جوانی پر سبکروں تیر بڑھاپے کے پڑ رہے ہیں مطلب یہ کہ دیکھو جوانی پر جو یہ بڑھاپے کا اثر ہے اور روز مروز طاقت کم ہو رہی ہے آخر یہ کیا بات ہے یہ وہی حادث ہیں مگر نظر تو اُسپر چاہیئے کہ جس نے ان حوادث کو پیدا کیا ہے۔

گام در صحرائے دل باید نہاد　　زانکہ در صحرائے گل نبود کشاد

یعنی قدم صحرائے دل میں رکھنا چاہیئے اس لیئے کہ صحرائے گل میں تو کشادگی نہیں ہے یعنی ان ظاہری جنگلوں میں تو فراخی اور کشادگی حقیقی نہیں ہے لہذا انکو ترک کرو اور صحرائے دل میں قدم رکھو اور قلب کی سیر کرو کسی نے خوب کہا ہے کہ ؎ ستمست اگر ہوست کشد کہ بہ سیر سرو سمن درآ ٭ تو ز غنچہ کم ندمیدۂ در دل کشا بہ چمن درآ ٭ اور امیر خسرو فرماتے ہیں کہ ؎

ما غریباں را تماشائے چمن درکار نیست　　داغہائے سینۂ ما کمتر از گلزار نیست

اور فرماتے ہیں کہ۔

ایمن آباد است دل اے مردماں　　حصن محکم موضع امن و اماں

یعنی اے لوگو دل ایک ایمن آباد ہے (کہ جہاں کچھ خوف ہے ہی نہیں) اور ایک مضبوط قلعہ ہے اور امن و امان کی جگہ ہے اور دل وہ شئے ہے کہ۔

گلشن خرم بکام دوستاں　　چشمہا و گلستاں در گلستاں

یعنی دل ایک عمدہ گلشن موافق مقصد دوستوں کے ہے اور اسمیں چشمے ہیں اور گلستاں در گلستاں ہیں یعنی علوم و معارف کے باغ کھل رہے ہیں۔

عج الی القلب و سر یا ساریہ　　فیہ اشجار و عین جاریہ

یعنی اے (قافلہ) چلنے والے قلب کی طرف متوجہ ہو کہ اسمیں (علوم و معارف کے) باغ ہیں اور چشمہ جاریہ ہیں۔

دہ مرو دہ مرد را احمق کند　　عقل را بے نور و بے رونق کند

یعنی گانوں میں مت جاؤ کیونکہ گانوں انسان کو احمق بنادیتا ہے اور عقل کو بے نور اور بے رونق کردیتا ہے دہ سے مراد ماسوا اللہ ہے مطلب یہ کہ ادھر ادھر ماسوا اللہ سے دل مت لگاؤ بلکہ بس اس ایک ہی طرف دل لگائے رکھو اسی میں سب کچھ ہے ورنہ اگر ادھر طرف متوجہ ہو جاؤ گے تو عقل بے رونق ہو جاویگی۔

خواجہ پندارد کہ روزی دہ دہد　　ایں نمیداند کہ روزی دہ دہد

یعنی میاں جانتے ہیں کہ روزی گانوں دیتا ہے اور یہ نہیں جانتے کہ روزی دینے والا دیتا ہے مطلب یہ کہ میاں کو تو خیال ہے کہ ہمارے باغ ہیں گانوں ہیں زمین ہیں اور ان ہی سے روزی ملتی ہے اور یہ خبر نہیں کہ روزی روزی دینے والا یعنی حق تعالیٰ دیتے ہیں لہذا چاہیئے کہ ماسوی اللہ پر بھروسہ اور اعتبار مت کرو بلکہ توکل بحق ہونا ضروری ہے۔

قول پیغمبر شنو اے مجتبےٰ کور عقل آمد وطن در روستا

یعنی اے برگزیدہ شخص حضور مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا قول سنو کہ (فرمایا کہ) گانوں میں گھر ہونا کوری عقل ہے اشارہ ہے اُس حدیث کی طرف جو کہ صحاح میں ہے کہ فرمایا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ من تسکن البادیۃ جفا یعنی جو کوئی جنگل میں رہے وہ سخت دل ہو جاتا ہے اور سخت دلی ایک بہت بڑی کوریٔ قلب ہے اور فرماتے ہیں کہ۔

ہر کہ روزی باشد اندر روستا تا بماہے عقل او نابد بجا

یعنی جو کوئی ایک دن گانوں میں رہے اُس کی عقل ایک ماہ تک ٹھکانہ پر نہیں آتی

ہر کہ در رستا کند روزی وشام تا بماہے عقل او نبود تمام

یعنی جو کوئی گانوں میں ایک صبح و شام گذارے اُس کی عقل ایک ماہ تک پوری نہیں ہوتی۔

تا بماہے احمقی با او بود از حشیش دہ جز اینہا چہ رود

یعنی احمقی ایک ماہ تک اُس کے ہمراہ رہتی ہے اور وہ گانوں کے گھاس میں سوائے اس کے اور کیا لے گا۔ مطلب یہ کہ وہاں کے گھاس پھونس سے تو بے وقوفی اور جانورپن ہی آتا ہے۔ آگے فرماتے ہیں کہ۔

وانکہ ماہے باشد اندر روستا روزگارے باشدش جہل و عمی

یعنی اور جو شخص کہ ایک مہینے تک گانوں میں رہے تو اُس کو ایک زمانہ تک جہل و عمی رہے گا اول تو اس میں بھی شبہ نہیں ہے بلکہ مشاہدہ اور تجربہ ہے کہ بعض سرزمین

کی خاصیت ہی ایسی ہوتی ہے کہ وہاں جاکر آدمی بیوقوف ہو جاتا ہے ایسے قصے
بعض قصبات کے ہر جگہ مشہور ہوتے ہیں جیسے کہ ہمارے اطراف میں کاندہلہ و
انبیٹہہ اور پورب میں گرسی علیٰ ہذا اور قصبات ہیں تو اسی طرح گانوں کی آب و ہوا
میں خاصیت کم عقل کردینے کی ہونا تعجب نہیں ہے لیکن مولانا نے گانوں سے ایک
اور لطیف امر مراد لیا ہے جسکو خود آگے بیان فرماتے ہیں کہ۔

دہ چہ باشد شیخ واصل ناشدہ دست در تقلید وحجت درزدہ

یعنی گانوں کیا ہے وہ شیخ ہے جو کہ واصل نہ ہوا ہو اور ہاتھ تقلید وحجت میں مارے
ہوئے ہو مطلب یہ کہ جو شیخ کہ کامل نہیں ہے وہ اُن لوگوں کے آگے جنکو کہ بصیرت حاصل
ہے مثل مقلد کے ہے کہ اُس کو صرف علم تقلیدی حاصل ہوتا ہے اور دیگر جہال کی نسبت
سے وہ مدلل ہے تو ایسا شخص جو کہ اصطلاحات وغیرہ سے تو واقف ہو لیکن کامل نہ ہو
وہ ایسا ہے جیسے ایک شخص مقلد اور مجتہد دونوں نہ ہو تو ایسا شخص یقیناً گمراہ اور گمراہ
کن ہوگا تو اسی طرح یہ شخص بھی گمراہ کن ہے سبحان اللہ خوب ہی مثال دی ہے۔

پیش شہر عقل کلی ایں حواس چوں خران چشم بستہ در خراس

یعنی عقل کامل کے سامنے یہ حواس مثل آنکھ بندھے ہوئے گدھوں کے ہیں جو کہ
چونہ چکی میں ہوتے ہیں حواس سے مراد عقل ناقص اور عقل کل سے مراد عقل کامل
مطلب یہ کہ عقل کامل یعنی شیخ کامل کے آگے یہ شیوخ ایسے ہیں کہ جیسے گدھے کو
چونہ چکی میں آنکھیں باندھکر لگا دیا جاتا ہے اور وہ گھومتا رہتا ہے اور اُس کو یہ خبر بھی
نہیں ہوتی کہ کہاں جارہا ہے اور صبح سے شام تک چلتا ہے اور پھر وہیں کا وہیں
اسی طرح شیخ ناقص سلوک طے کررہا ہے اور جہاں تھا وہیں رہتا ہے آگے قصہ
کی طرف رجوع فرماتے ہیں کہ۔

ایں رہا کن صورت افسانہ گیر ہل تو دُردانہ گندم دانہ گیر

یعنی اس کو ترک کرو اور افسانہ کی صورت کو اختیار کرو اور دُردانہ کو ترک کرو اور گندم
دانہ کو لو مطلب یہ کہ ان باتوں کو جو کہ مثل دُردانہ کے ہیں یعنی علوم ومعارف کے بیان

کو ترک کردو اس لیئے کہ اُن کی تو کہیں انتہا ہی نہیں ہے لہذا اسپر اکتفا کر کے اُس قصۂ خواجہ کو جو کہ مشابہ گندم دانہ کے ہے بیان کرو مولانا کو ان باتوں کے ترک کرنے کو بھی ذرا دیر چاہیئے اس لیئے کہ یہ باتیں تو مثل طبیعت ثانیہ کے ہو گئی ہیں لہذا آگے فرماتے ہیں کہ۔

گر بدُر رہ نیست ہیں بُر می ستاں　　گر بداں سو نیست رہ ایں سو بُراں

یعنی اگر موتی کو حاصل نہیں کر سکتے تو گیہوں ہی لے لو اور اگر اُس طرف جانے کا رستہ نہیں ہے تو (سواری کو) اسی طرف کو چلاؤ مطلب یہ کہ اگر اسرار و معانی کے بیان کرنے کی تاب نہیں ہے تو یہ قصہ ہی بیان کرو کہ اسمیں بھی جبکہ نیت غمخواری ہو ثواب ملنے کی امید ہے۔

ظاہرش گیر ارچہ ظاہر کژ بود　　عاقبت ظاہر سوئے باطن رود

یعنی اُس کے ظاہری کو لو اگرچہ ظاہر کج ہوتا ہے انجام کار ظاہر باطن کی طرف لے جاتا ہے یعنی اس ظاہر سے رسائی باطن کی طرف ہو جاتی ہے۔

اول ہر آدمی خود صورت است　　بعد ازاں جاں کو جمال سیرت است

یعنی ہر آدمی کا شروع صورت ہی ہے اور اُس کے بعد جان ہوتی ہے جو کہ سیرت کی جمال ہے

اول ہر میوہ جز صورت کے است　　بعد ازاں لذت کہ معنی وے است

یعنی ہر میوہ کی ابتدا بجز صورت کے اور کیا ہے اور اُس کے بعد لذت ہے جو کہ اسکا مقصود ہے۔

اول آخر گاہ سازند و خرند　　ترک را زاں پس بہ مہماں آورند

یعنی اول خرگاہ درست کر لیتے ہیں اور خرید لیتے ہیں اور ترک کو بعد اُس کے مہمانی میں لاتے ہیں تو دیکھو صورت ہی موصل الی المعنی والمقصود ہوا کرتی ہے لہذا صورت کو اختیار کرنا بھی مضر نہیں ہے بلکہ موصل ہے ہاں صرف صورت میں رہ جانا مضر ہے مگر جو صورت سے مقصود معنی ہوں تو کچھ بھی مضر نہیں ہے آگے

فرماتے ہیں کہ

صورتت خرگاہ و آں معنی است ترک　　معنیت ملاح و آں صورت چو فلک

یعنی تمہاری صورت خرگاہ ہے اور وہ جان ترک ہے اور تمہاری جان ملاح (کی طرح) ہے اور صورت کشتی ہے تو اگر اول خرگاہ اور کشتی نہ ہوگی تو ترک اور ملاح کو جگہ کہاں مل سکتی ہے اس لیے صورت پر نظر معنی کے لیے کرنا مفید ہے ہاں صرف صورت ہی صورت کو لینا مضر ہے کہ وہ حاجب عن المقصود ہو جایا کرتی ہے پس اس کو بیان کر کے آگے خواجہ کی روانگی کو پھر بیان کرتے ہیں ۔

خواجہ اور اُس کے کنبہ کا گانوں کی طرف چلنا

بہر حق ایں را رہا کن یک نفس　　تا خر خواجہ بجنباند جرس

یعنی (مولانا اپنے نفس کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں کہ) خدا کے لیے ایک لمحہ کے لیے اس بیان اسرار کو ترک کر دو تاکہ خواجہ کا گدھا گھنٹی ہلا دے مطلب یہ کہ وہ چلنے کو تیار ہوں یعنی اس کو ترک کرو اور اُن کی روانگی کو بیان کرو خیر آگے بیان کرتے ہیں ۔

خواجہ و بچگاں جہازے ساختند　　بر ستوں را جانب دہ تاختند

یعنی خواجہ اور اس کے بچوں نے سامان کیا اور بیلوں پر گانوں کی جانب چلے

شادمانہ سوئے صحرا راندند　　سافروا کے تغنموا می خواندند

یعنی یہ لوگ جنگل کی طرف خوش خوش چلے اور کہہ رہے تھے کہ سفر کرو تاکہ غنیمت حاصل ہو ۔

کز سفرہا بندہ کے خسرو شود　　بے سفرہا ماہ کے خوش رو شود

یعنی کہ سفروں کی وجہ سے غلام بادشاہ ہو جاتے ہیں اور بے سفر کے چاند کب خوشرو ہوتا ہے مطلب یہ کہ سب آپس میں کہہ رہے تھے کہ سفر بہت عمدہ چیز ہے

اس سے چاند خوب صورت اور غلام بادشاہ ہو جاتے ہیں لہٰذا ہمکو بھی سفر کرنا چاہیے

از سفر بیذق شود فرزیں راد   وز سفر یابید یوسف صد مراد

یعنی سفر ہی کی وجہ سے بیذق فرزین بزرگ ہو جاتا ہے اور سفر ہی سے یوسف علیہ السلام نے سیکڑوں مرادیں پائیں کہ دیکھو بادشاہ بن گئے غرضکہ ان کی یہ حالت تھی کہ۔

روز رو از تاب خور می سوختند   شب ز اختر راہ می آموختند

یعنی دن کو تو خورشید کی تابش سے مُنہ جلایا کرتے تھے اور رات کو ستاروں سے راستہ سیکھا کرتے تھے مطلب یہ کہ بیچارے رات دن چلتے تھے۔

خوب گشتہ پیش ایشاں راہ زشت   از نشاط دہ شدہ رہ چوں بہشت

یعنی اُن کے سامنے وہ راہ زشت (شوق کی وجہ سے) خوب ہو گئی تھی اور گاؤں کے شوق کی وجہ سے راہ بہشت کی طرح ہو گئی تھی آگے مولانا فرماتے ہیں کہ۔

تلخ از شیریں لباں خوش می شود   خار از گلزار دلکش می شود

یعنی شیریں لبوں کی وجہ سے تلخ شیریں ہو جاتا ہے اور گلزار کی وجہ سے خار بھی دلکش ہو جاتا ہے۔

حنظل از معشوق خرما می شود   خانہ از ہمخانہ صحرا می شود

یعنی معشوق کی وجہ سے حنظل بھی خرما ہو جاتا ہے اور صحرا بیوی کی وجہ سے گھر ہو جاتا ہے۔

اے بسا از نازنیناں خارکش   بر امید گلعذارے ماہوش

یعنی بہت سے ایسے لوگ ہیں کہ نازنینوں کی وجہ سے خارکش ہیں اور ایک ماہوش گلعذار کی امید پر سب کچھ سہتے ہیں۔

اے بسا حمال گشتہ پشت ریش   از بلائے دلبر مہ روئے خویش

یعنی بہت سے حمال ایک اپنے دلبر مہرو کی مصیبت کی وجہ سے پشت زخمی ہو گئے ہیں۔

کردہ آہنگر جمال خود سیاہ تا کہ شب آید بوسد روے ماہ

یعنی آہنگر نے اپنے جمال کو سیاہ کر رکھا ہے تاکہ رات کو آکر اپنے چاند سے ٹکڑے کا منہ چوم لے۔

خواجہ تا شب بر دکانی چارمیخ زانکہ سروے در دلش کردست بیخ

یعنی خواجہ رات تک ایک دوکان پر محبوس رہتا ہے اس لیے کہ ایک سرو نے اُس کے دل میں جڑ پکڑ رکھی ہے۔

تاجرے دریا و خشکی می رود آں بہر خانہ نشینے میرود

یعنی ایک تاجر دریا و خشکی میں چلتا ہے وہ ایک خانہ نشین کی محبت میں چل رہا ہی خانہ نشینے مخفف ہے خانہ نشینی کا۔

ہر کرا با مردہ سودائے بود بر امید زندہ سیمائے بود

یعنی جس کو کہ مردہ کے ساتھ کوئی خیال ہوتا ہے وہ کسی زندہ سیما کی امید پر ہوا کرتا ہے۔

آں درودگر روئے آوردہ بچوب بر امید خدمت مہ روئے خوب

یعنی وہ بڑھئی جو توجہ لکڑی کی طرف کرتا ہے تو ایک عمدہ مہ رو کی خدمت کی امید پر کرتا ہے۔ آگے مولانا فرماتے ہیں کہ۔

بر امید زندہ کن اجتہاد کو نگردد بعد روزے دو جماد

یعنی ایک زندہ کی امید پر کوشش کر کیونکہ وہ بعد دو روز کے جماد نہ ہو جاوے گا مطلب یہ کہ حق تعالی کے لیے کوشش کرو کہ وہ زائل ہونے والا نہیں ہے۔

مونسے مگزیں خسے را از خسی عاریت باشد درو آں مونسی

یعنی کسی خس کو خسی کی وجہ سے مونس مت بناؤ اس لیے کہ وہ مونسی صرف عاریتی ہے

انس تو با مادر و بابا کجا است گر بجز حق مونسانت را وفا است

یعنی تیرا انس ماں باپ کے ساتھ کہاں ہے اگر سوائے حق کے تیرے کسی مونس کو وفا ہے مطلب یہ کہ اگر سوائے خدا کے اور کوئی بھی وفادار مونس ہے

تو یوں بتاؤ کہ تمہارے ماں باپ کی محبت کہاں گئی یعنی سب مر گئے اور سب کی محبت غائب ہو چکی۔

انس تو با دایہ و لالہ چہ شد ۔۔۔ گر کسے شاید بغیر حق عضد

یعنی تیری مونسی دایہ اور لالہ کے ساتھ کیا ہوئی اگر کوئی سوائے حق کے ساتھ مدد چاہیے۔

انس تو با شیر و با پستاں نماند ۔۔۔ نفرت تو از دبیرستاں نماند

یعنی تیری محبت دودھ اور پستان کے ساتھ نہ رہی اور تیری نفرت مکتب سے نہ رہی اور اس کی وجہ یہ تھی کہ۔

آں شعاع بود بر دیوار شاں ۔۔۔ جانب خورشید وارفت آں نشاں

یعنی وہ دیوار پر شعاعیں تھیں تو خورشید کی جانب وہ نشان چلتے ہوئے مطلب یہ کہ یہ ساری محبتیں صرف ظلی اور عارضی تھیں اور صرف پرتو حق تھا کہ تھوڑی دیر میں سب زائل ہو جاتا ہے اور وہ نور جاتا رہتا ہے۔

بر ہر آں چیزے کہ افتد آں شعاع ۔۔۔ تو بر آں ہم عاشق آئی اے شجاع

یعنی جس شئے پر کہ وہ شعاع پڑتی ہے اسی پر عاشق ہو جاتا ہے اے شجاع اور اُس اصل کو نہیں دیکھتا کہ جس کا یہ ظل اور پرتو ہے۔

عشق تو بر ہر چہ آں موجود بود ۔۔۔ آں ز وصف حق چو زر اندود بود

یعنی تیرا عشق ہر اُس شئے پر جو موجود تھی وہ وصف حق کی وجہ سے زر اندود تھا یعنی تیرا عشق جو ان اشیاء ظلیہ کے اوپر ہے یہ صرف اس لئے ہے کہ اوصاف حق ان میں منجلی ہیں ورنہ خود ان میں کچھ نہیں ہے اور صرف یہ ملمع ہے ورنہ اصل نہیں ہے

چو زرے با اصل رفت و مس بماند ۔۔۔ و ز زری خویشتن مفلس بماند

یعنی جب کہ زری اصل کے ساتھ ملگئی تو تانبا رہ گیا اور سونے پن سے مفلس رہ گیا۔ مطلب یہ کہ جب وہ کمال عارضی جاتا رہا اور اصل کی طرف راجع ہو گیا تو اب جیسے تھے ویسے ہی رہ گئے کچھ بھی نہ رہا۔

طبع سیر آمد طلاق او را براند　　　　پشت بروے کرد و دست از وے فشاند

یعنی اب اُس سے طبیعت سیر ہو گئی اور اُسکو طلاق دیدی اور اُسپر پشت کر کے اُس سے ہاتھ جھاڑ دیا۔ یعنی اب جب کہ اُس سے وہ حسن عارضی زائل ہو گیا اُسکو ترک کر کے بیٹھ رہے کوئی پوچھے کہ آج وہ محبت اور الفت کہاں گئی۔ معلوم ہوا کہ وہ سب عارضی تھا۔

از زر اندود صفاتش پا بکش　　　　از جہالت قلب را کم گوئے خوش

یعنی اُس کی ان ملمع کی صفات سے پاؤں کھینچ لو اور جہالت کی وجہ سے قلب کو بہت خوش مت کرو۔ مطلب یہ کہ بہت زیادہ ان عارضی اشیاء پر جان مت دو بلکہ سبکو غیر مقصود سمجھو اس لیے کہ۔

کاں خوشی در قلبہا عاریتی است　　　　زیر زینت مایۂ بے زینتی است

یعنی اس لیے کہ وہ خوشی قلوب کے اندر عاریتی ہے اور زینت کے نیچے اسباب بے زینتی کے ہیں مطلب یہ کہ یہ اشیاء فانیہ جو ظاہر میں اچھی معلوم ہو رہی ہیں یہ بالکل عاریت ہیں کہ چند روزہ ہیں اور پھر کچھ بھی نہیں ان کی ایسی مثال ہے کہ جیسے کسی خوب عمدہ اطلس کے خوان پوش کے نیچے غلاظت بھری ہو کہ باہر سے تو اچھا معلوم دے رہا ہے مگر اُس کی حقیقت جو ہے وہ بعد کھلنے کے معلوم ہو گی لہذا ان چیزوں کو کسی کو مقصود نہ بناؤ بلکہ اصل مقصود حق تعالےٰ کو سمجھو کہ وہ باقی ہیں۔

زر ز روئے قلب در کاں میرود　　　　سوئے آں کاں رو تو ہم کاں میرود

یعنی سونا کھوٹے پر سے کان میں چلا جاتا ہے تو تو بھی اُس معدن کی طرف جا جسطرف کہ وہ جا رہا ہے مطلب یہ کہ یہ تمام اشیاء دیکھو انجام کار وہیں جا رہی ہیں اور ان سب کا مرجع حق سبحانہ تعالیٰ کی طرف ہے تو پھر تم ان میں کیوں دل لگا رہے ہو تم کو لازم ہے کہ تم بھی اُسی طرف توجہ کرو جو کہ ان سبکی اصل ہے یعنی حق تعالیٰ سے تعلق اور نسبت اور محبت پیدا کرو۔

نور از دیوار تا خور میرود　　تو بداں خور رو کہ در خور میرود

یعنی نور دیوار سے خورشید کی طرف چلا جاتا ہے تو تم اُس خورشید کی طرف متوجہ ہو جو کہ اس خورشید میں اثر کر رہا ہے مطلب یہ کہ دیکھو اول تو سورج کی شعاعیں دیوار پر پڑ کر اُس کو منور کر دیتی ہیں پھر ساری شعاعیں سمٹکر خورشید ہی کی طرف چلی جاتی ہیں تو تم کو چاہیئے کہ اُس نور کی طرف متوجہ نہ ہو اور اُسکو اپنا مقصود مت بناؤ بلکہ تم اُس اصل مقصود کی طرف متوجہ ہو جس سے کہ نور خود اُس خورشید میں آرہا ہے کہ جب تم نے اُسکو لے لیا تو یہ سارے انوار ظلیہ تمہارے ساتھ ہوں گے۔

زیں سپس بستاں تو آب از آسماں　　چوں ندیدی تو وفا از ناوداں

یعنی اُس کے بعد تم پانی آسمان سے حاصل کرو جب کہ تم نے پرنالوں سے وفا نہ دیکھی مطلب یہ کہ جب تم کو معلوم ہو گیا کہ جسقدر یہ اشیاء دنیاوی ہیں ان میں وفاداری نہیں ہے بلکہ سب زائل ہونے والے اور ناپائدار ہیں تو اب تم کو چاہیئے کہ اصل سے یعنی عالم غیب سے انوار حاصل کرو اور اُس طرف متوجہ ہو اور ان تمام اشیاء کو ترک کرو اور کسی شئے کو سوائے حق تعالٰے کے مقصود نہ بناؤ آگے اُس کی ایک مثال فرماتے ہیں کہ

معدن دنبہ نباشد دام گرگ　　کے شناسد معدن آں گرگ سترگ

یعنی دام گرگ معدن دنبہ نہیں ہوا کرتا اور وہ گرگ عظیم معدن (دنبہ) کو کب پہچانتا ہے مطلب یہ کہ دیکھو جب بھیڑیئے کو جال میں پھنساتے ہیں تو اُس کے اندر ایک دنبہ باندھ دیتے ہیں تاکہ وہ آجاوے مگر وہ دنبوں کا ریوڑ تو نہیں ہے کہ جہاں بہت سے دنبے ہوں بلکہ ظاہر ہے کہ صرف یہی ایک ہے جو دکھائی دے رہا ہے اور اگر اُس ایک دنبہ کو چھوڑ کر ریوڑ کی طرف جاوے کہ جہاں دام بھی نہیں ہے اور ایک کی جگہ دس موجود ہیں اسی طرح اہل دنیا صرف ظاہری اشیاء پر نظر کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ بس جو ہے وہ یہی ہے حالانکہ اُن کو خبر نہیں کہ عالم غیب میں کیا کچھ بھرا پڑا ہے وہ اس ایک کی طرف متوجہ ہو کر جال میں

پھنستے ہیں اور اُس خزانہ غیر متناہی کو چھوڑے ہوئے ہیں افسوس صد افسوس آگے فرماتے ہیں کہ جسطرح ان اہل دنیا کو غلطی ہو رہی ہے اور غیر اصل کو اصل سمجھے ہوئے ہیں اسی طرح اُس خواجہ کو بھی غلطی ہو رہی تھی کہ اپنے ہمسایہ روستائی کی محبت کو اصل اور دلی محبت خیال کئے ہوئے تھا آگے اسکو فرماتے ہیں کہ۔

زر گماں بردند بستہ در گرہ   می شتابیدند مغروراں بدہ

یعنی وہ (خواجہ اور اُس کے اہل وعیال) گرہ میں سونا بندھا ہوا سمجھے اس لیئے مغرور ہو کر گانوں کی طرف دوڑ رہے تھے مطلب یہ کہ یہ لوگ اُس گنوار کی باتوں میں صدق سمجھے اسلئے جلدی جلدی اُدھر کو جا رہے تھے اور اُن کی فرط شوق میں یہ حالت تھی کہ۔

ہمچنیں خنداں و رقصاں می شدند   سوئے آں دولاب چرخے میزدند

یعنی ایسے خنداں اور رقصاں جا رہے تھے اور اُس دولاب کی طرف چرخ لگا رہے تھے مطلب یہ کہ اُس گانوں کی طرف خوب خوش وخرم چلے جا رہے تھے اور یہ حالت تھی کہ۔

چوں ہمی دیدند مرغے می پرید   جانب دہ صبر جامہ می درید

یعنی جب دیکھتے تھے کہ کوئی جانور گانوں کی جانب اُڑ رہا ہے تو ان کا صبر کپڑے پھاڑتا تھا مطلب یہ کہ اگر دیکھتے تھے کہ کوئی جانور گانوں کی طرف جا رہا ہے تو اُن کا بہت بُرا حال ہوتا تھا اس لیئے کہ سوچتے تھے کہ اللہ اکبر یہ ہم سے پہلے پہونچ جاوے گا اور اُس منزل مقصود کی ہم سے پہلے زیارت کرلے گا سچ یہ ہے کہ شوق عجیب چیز ہے اور یہ حالت تھی کہ۔

ہر کہ می آمد ز دہ از سوئے او   بوسہ می دادند خوش بر روئے او

یعنی جو ہوا گانوں کی طرف سے آتی تھی گویا کہ اُن کی روح رواں کو پرورش کرتی تھی۔

ہر کہ می آمد ز دہ از سوئے او   بوسہ می دادند خوش بر روئے او

یعنی جو کوئی گانوں کی طرف سے اُن کی طرف آتا تو یہ لوگ خوب خوش ہو کر اُس کے مُنہ کو بوسہ دیتے تھے اور بزبان حال کہتے تھے کہ

کہ تو روئے یار ما را دیدۂ　　　　پس تو جان جان ما را دیدۂ

یعنی تو نے ہمارے یار کا چہرہ دیکھا ہے اور تو نے ہماری جان جان کو دیکھا ہے اس لیئے اُس کی قدر کرتے تھے اور اُس کے منہ کو چومتے تھے آگے مولانا مجنوں کی حکایت بیان فرماتے ہیں کہ جیسے کہ فرط شوق میں یہ لوگ اُن راہگیروں کے مُنہ کو چومتے تھے صرف اس لیئے کہ اُن لوگوں نے اُس دیہاتی کو دیکھا تھا اور اُس کے گانوں کے باشندے تھے اسی طرح مجنوں سگ کوئے لیلےٰ کو پیار کیا کرتا تھا اور کہتا تھا کہ اسے کتے تو ہی وہ کتا ہے کہ جس نے میری لیلیٰ کو دیکھا ہے اور اُس کے کوچے میں رہا ہے اب قصہ سُنو۔

شرح حبیبی

ہمچو مجنوں کو سگے را می نواخت　　　　بوسہ اش می داد پیشش می گداخت

گرد او می گشت خاضع در طواف　　　　ہمچو حاجی گرد کعبہ بے گزاف

ہم سر و پائیش ہمی بوسید و ناف　　　　ہم جلاب شکرش میداد صاف

بو الفضولے گفت کای مجنون خام　　　　اینچہ شید ست اینکہ می آری مدام

پوز سگ دائم پلیدی میخورد　　　　مقعد خود را بلب می استرد

عیبہائے سگ بسے او می شمرد　　　　عیبداں از غیبداں بوئے نبرد

گفت مجنوں تو ہمہ نقشی و تن　　　　اندر آ بنگر تو از چشمان من

کاین طلسم بستهٔ مولی است این | پاسبان کوچهٔ لیلی است این
همتش بین و دل و جان و شناخت | کو کجا بگزید و مسکن گاه ساخت
او سگ فرخ رخ کهف من است | بلکه او هم درد و هم کهف من است
آن سگی کو گشت در کویش مقیم | خاک پایش به ز شیران عظیم
آن سگی که باشد اندر کوی او | من بشیران کی دهم یک موی او
آنکه شیران مر سگانش را غلام | گفتن امکان نیست خامش والسلام
گر ز صورت بگذرید ای دوستان | جنت است و گلستان در گلستان
صورت خود چون شکستی سوختی | صورت کل را شکست آموختی
بعد از آن هر صورتی را بشکنی | همچو حیدر باب خیبر بر کنی
سغبهٔ صورت شد آن خواجه سلیم | کو بده می شد بگفتار سقیم
سوی آن دام تملق شادمان | همچو مرغی سوی دانهٔ امتحان
از کرم دانست آن مرغ حریص | دانه را با دام لیکن شد محیص
از کرم دانست مرغ آن دانه را | غایت حرص است نی جود و عطا
مرغکان در طمع دانه شادمان | سوی آن تزویر پران و دوان
گر ز شادی خواجه آگاهت کنم | ترسم ای رهرو که بیگاهت کنم
مختصر کردم چو آمد ده پدید | خود نبود آن ده ره دیگر گزید
قرب ماهی ده بده می تاختند | زانکه راه ده نکو نشناختند
هر که گیرد پیشه بی اوستا | ریشخندی شد بشهر و روستا
هر که در ره بی قلاوزی رود | هر دو روزه راه صدساله شود

ہر کہ تازد سوئے کعبہ بے دلیل ہمچو ایں سرگشتگاں گردد ذلیل

جز کہ نادر باشد اندر خافقین آدمی سر بر زند بے والدین

مال او باید کہ کسبے میکند نادرے باشد کہ بر گنجے زند

مصطفائے کو کہ جسمش جاں بود تا کہ رحمٰن علم القرآں بود

اہل تن را جملہ عالم بالقلم واسطہ افراشت در بذل کرم

ہر حریصے ہست محروم اے پسر چوں حریصاں تگ مرو آہستہ تر

اندریں رہ رنجہا دیدند و تاب چوں عذاب مرغ خاکی اندر آب

سیر گشتہ از دہ و از روستا وز شکر ریزی چناں نا اوستا

بعد ماہے چوں رسیدند آں طرف بے نوا ایشاں ستورا بے علف

اس بارہ میں اُس کی حالت مجنوں کی طرح تھی کہ وہ سگ لیلیٰ کی وقعت کرتا تھا اور اُس کو چومتا تھا اور اُس کے سامنے گھلا جاتا تھا اور بہت عاجزی کے ساتھ اُس کے گرد پھر پھر کر اُس پر قربان ہوتا تھا بلا مبالغہ اُس کی ایسی حالت تھی جیسے کوئی حاجی خانۂ کعبہ کے گرد پھرتا ہو وہ کبھی اُس کا سر چومتا تھا کبھی پانوں کبھی ناف اور کبھی اُس کو شکر کا شربت پلاتا تھا اُس کی یہ حالت دیکھکر ایک بیہودہ نے کہا کہ اے مجنوں یہ کیا مکر ہے جو تو ہمیشہ کیا کرتا ہے کتے کا مُنہ ہمیشہ ناپاکی کھاتا اور ہونٹوں سے اپنے پائخانہ کا مقام صاف کرتا ہے بھلا ایسا مُنہ چومنے کے قابل ہے یہ شخص کتے کے بہت سے عیوب بیان کر رہا تھا لیکن اس عیب سے واقف شخص کو مجنونی کی ہوا بھی نہ لگی تھی جو اُس کے ان کمالات سے واقف تھا جو اُس کی نظر سے مخفی تھی اُس کا اعتراض سُنکر مجنوں نے جواب دیا کہ تو تو سراسر ظاہر پرست ہے ذرا میری آنکھوں سے اُس کی باطن کو دیکھ کہ حق سبحانہ نے اُس کو ایک عجیب طلسم بنایا ہے

یعنی کہ یہ لیلیٰ کے کوچہ کا پاسبان ہے ذرا اسکی ہمت اس کی روح اور اُس کی تمیز تو دیکھو کہ اس نے کیسی جگہ انتخاب کی ہے اور کہاں مسکن بنایا ہے یہ اوصاف کسی معمولی کتے میں ہو سکتے ہیں ہرگز نہیں ارے یہ مبارک رو کتا تو میری لیلیٰ کا کتا ہے جو کہ میری جاپناہ ہے بلکہ وہ تو میرا ہمدرد اور میرے رنج میں شریک ہے کہ وہ بھی لیلیٰ کا دلسوز ہے اور میں بھی۔ جو کتا کہ کوچہ لیلےٰ میں رہتا ہے میرے نزدیک تو اُس کے پاؤں کی خاک بڑے بڑے شیروں سے بڑھکر ہے اور جو کتا اُس کی گلی کا رہنے والا ہی اُس کا ایک بال شیروں کے بدلے میں نہیں دے سکتا اور لیلےٰ جس کے کتوں کے شیر غلام ہیں اُس کے اوصاف بیان کرنا تو میرے امکان سے باہر ہے لہذا خاموش رہنا چاہیئے فقط (شعر آں سگے الخ اور اُس سے اگلا اور اس سے تیسرا سیاق سے معلوم ہوتا ہے کہ مقولہ مجنون ہے اور یہ بھی ممکن ہو کہ مولانا کا مقولہ ہو اور سگ سے مراد وہ اہل اللہ ہوں جو لوگوں کی نظروں میں حقیر ہیں اور دنیوی وجاہت اصلا نہیں رکھتے اور شیروں سے مراد دنیا کے امرار و سلاطین ہوں اُسوقت بھی ترجمہ وہی ہوگا جو لکھا گیا فقط لیلیٰ کی جگہ حق سبحانہ رکھا جاوے گا) آگے مولانا انتقال فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جسطرح صورت سگ نے اُسکی اُس حقیقت کو محجوب کر رکھا تھا جو مجنوں کی نظر میں تھی یوں ہی صورت ظاہری نے حقیقت واقعیہ کو محجوب کر رکھا ہے پس اگر تم صورت کو چھوڑ دو اور حقیقت کو دیکھو تو بس جنت اور گلزار ہی گلزار ہے اب ہم ایک قاعدہ بتاتے ہیں جس سے تم کو معلوم ہوگا کہ صورت سے گذرنے کی کیا صورت ہے جب تو اپنی صورت کو توڑ پھوڑ دے گا اور جلا پھونک دے گا تو تجھکو سب صورتوں کا توڑنا آجاوے گا اس کے بعد تو ہر صورت کو توڑ سکیگا اور جناب علی کرم اللہ وجہہ کی طرح اس در خیبر کو اوکھیڑ سکیگا (اپنی صورت کو توڑنا اور جلانا ترک لذات و شہوات و فنائی اللہ ہے) جسطرح اُس حریص مجنوں نے صورت سے دھوکا کھایا اور عام طور پر لوگ صورت پر فریفتہ ہیں یوں ہی یہ بیوقوف امیر بھی جو غیر صحیح گفتگو کی بنا پر گانوں جا رہا تھا صورت گفتگو پر فریفتہ ہوا اور حقیقت تک نہ پہونچا وہ خوشامد کے جال میں پھنسنے کے لیئے خوش خوش چلدیا

جس طرح پرندہ اُس دانہ کی طرف جاتا ہے جو اُسکو مصیبت میں پھنسانے والا ہے یہ حریص پرندہ جال کے دانوں کو ناشی از کرم و سخاوت سمجھتا ہے مگر ان سے اُس کی رہائی اور آزادی رخصت ہو جاتی ہے وہ دانوں کو سخاوت سے ناشی سمجھتا ہے لیکن واقع میں ان کا منشا غایت حرص صیاد ہوتی ہے نہ کہ سخاوت و بخشش لیکن پرندے چونکہ اس راز سے واقف نہیں ہوتے اس لیئے دانہ کے لالچ میں خوش خوش اُس دام فریب کی طرف اُڑتے ہوئے چلے جاتے ہیں یہی حالت بالکل اُس امیر کی تھی وہ بھی خوش خوش مصیبت میں پھنسنے کے لیئے جا رہا تھا اور اتنا خوش تھا کہ اگر میں تم سے اُس کی خوشی کی تفصیل بیان کروں تو مجھے اندیشہ ہے کہیں ناوقت نہ ہو جاوے اور ضروری باتیں بیان سے رہ جائیں اس لیئے میں اُس کو مختصر کرتا ہوں اور کہتا ہوں کہ جب کوئی گانوں نظر پڑتا اور وہ وہاں پہونچتے اور پہونچنے پر معلوم ہوتا کہ وہ گانوں نہیں بلکہ ہم کسی اور گانوں میں چلے آئے چونکہ گانوں کو جانتے نہ تھے اس لیئے تقریباً ایک ماہ تک یوں ہی پریشان پھرتے رہے اور پھرنا ہی چاہیئے تھا کیونکہ جو شخص بدون استاد کے کوئی کام کرتا ہے تو کیا شہر کیا دیہات ہر جگہ مسخرہ بنایا جاتا ہے اور جو شخص بلا رہبر کے کسی رستہ پر چلتا ہے عام ہے کہ راہ حق ہو یا راہ متعارف تو دو دن کا راستہ سو برس میں طے ہوتا ہے یعنی اس کے طے کرنے میں بہت وقت صرف ہوتا ہے اور جو شخص کہ بلا رہبر کے کعبہ کا سفر کرتا ہے وہ انھیں حیران و پریشان لوگوں کی طرح ذلیل ہوتا ہے اور راز اس میں یہ ہے کہ عادۃ اللہ یوں ہی جاری ہے کہ وہ اسباب پر نتائج مرتب کرتے ہیں گو اسباب نہ فی حد ذاتہا موثر ہیں نہ حق سبحانہ اُن کے محتاج لیکن انھوں نے باختیار خود اپنی غالب عادت یوں ہی قرار دے رکھی ہے کہ بلا وسائط وہ نتیجہ مرتب نہیں فرماتے چنانچہ ایسا دنیا میں بہت کم ہوتا ہے کہ بلا ماں باپ کے بچہ ہو جاوے اس لیئے علی العموم مال اُسی کو ملتا ہے جو کماتا ہے اور ایسا شاذ و نادر ہوتا ہے کہ کسی کو خزانہ مل جاوے۔ ہر شخص جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جیسا جسم بھی بوجہ غایت لطافت و صلاحیت و فقدان مقتضیات نفسانیہ کے روح کے مماثل ملے تو ہے نہیں کہ

حق سبحانہ اُس کو بلا واسطہ تعلیم فرمائیں جسطرح جناب رسول اللہ کو تعلیم فرمائی تھی چنانچہ فرمایا ہے الرحمن علم القرآن بلکہ عام طور پر لوگوں پر جسمانیت غالب ہے جو کہ افاضہ بلا توسط سے عادۃً مانع ہے اس لیئے ایسے لوگوں کے لیئے علم بالقلم فرمایا اور صرف کرم کے لیئے تعلیم کو واسطہ مقرر فرمایا جب یہ معلوم ہوا کہ کسی راہ پر چلنے کے لیئے راہبر کی ضرورت ہے اور بدون راہبر کے چلنے والا پریشان ہوتا ہے اس بنا پر اُس کا پریشان ہونا ضروری تھا اور ان تمام پریشانیوں کا اصل منشا حرص تھا لہذا حرص کے متعلق ہم ایک مفید اور نہایت کار آمد بات تم کو بتلاتے ہیں سنو حریص محروم ہوتا ہے کیونکہ حرص عاقبت اندیشی سے مانع ہوتی ہے اور نا عاقبت اندیشی کا لازمی نتیجہ محرومی و ناکامی ہے لہذا تم کو حریصوں کی طرح دوڑ کر نہ چلنا چاہیئے بلکہ آہستہ آہستہ اور سوچ سمجھکر اور مآل پر نظر کر کے کام کرنا چاہیئے۔ خیر یہ تو ضمنی گفتگو تھی اب اصل مقصد سنو اس راستہ میں امیر اور اُس کے ساتھیوں کو بہت کچھ تکلیفیں اٹھانی پڑیں اور بہت پیچ و تاب کھانے پڑے اور ایسی تکلیف ہوئی جیسے خشکی کے جانور کو پانی میں ہوتی ہے حتی کہ گانوں سے بھی اُن کا جی بھر گیا اور اُس دہقانی سے بھی اور اُس کندۂ ناتراشش کی شکر ریزی اور آؤ بھگت سے بھی مگر کرتے کیا مجبور تھے اس لیئے گانوں ہی کو تلاش کیا اور اللہ اللہ کر کے ایک مہینہ کے بعد گانوں میں پہونچے جب وہاں پہونچے تو نہ اُن کے پاس سامان رہا تھا اور نہ اُن کے گھوڑوں کے لیئے چارہ تھا کیونکہ سامان لیکر چلے تھے دو چار دن کا لگ گیا ایک مہینہ۔

شرح شبیری

مجنوں کا اُس کتے کو نوازنا جو کہ کوچۂ لیلیٰ میں رہا کرتا تھا

ہمچو مجنوں کو سگے را می نواخت بوسہ اش میداد و پیشش میگداخت

یعنی مجنوں کی مانند کہ وہ کتے کو نوازا کرتا تھا اور اُسکو چوما کرتا تھا اور اُس کے سامنے گھلا جاتا تھا

گرد او می گشت خاضع در طواف ہمچو حاجی گرد کعبہ بے گزاف

یعنی وہ مجنون اُس کتے کے گرد طواف میں بہت ہی خضوع میں پھرتا تھا جیسے کہ حاجی کعبہ کے گرد بے مسخرگی کے پھرتا ہے مطلب یہ کہ اُسکو اُس سے مسخرگی مقصود نہ تھی بلکہ اُس کتے کی وقعت واقع میں اس کے قلب میں ایسی ہی تھی جیسی کہ وہ ظاہر کرتا تھا۔

ہم سر و پایش ہمی بوسید ناف ہم جلاب شکرش میداد صاف

یعنی اُسکا سر اور پانوں اور ناف چوما کرتا تھا اور اُس کو شربت تند اور شکر صاف دیا کرتا تھا

بوالفضولے گفت کای مجنون خام ایں چہ شید است اینکہ می آری مدام

یعنی ایک بوالفضول نے کہا کہ اے مجنون خام یہ کیا مکاری ہے جو کہ تو ہمیشہ کیا کرتا ہے چونکہ اُس کے قلب میں تو اُس کی الفت نہ تھی اس لیے اُس کو مکر اور فریب معلوم ہوا اور اس نے کہا کہ۔

پوز سگ دائم پلیدی میخورد مقعد خود را بلب می استرد

یعنی کتے کا منہ ہمیشہ پلیدی ہی کھاتا ہے اور وہ اپنے مقعد کو لب سے صاف کرتا ہے باوجود اس کے پھر تو اُس کو چومنا چاہتا ہے آخ تھو۔

عیبہائے سگ بسے او می شمرد عیبداں از غیبداں بوئے نبرد

یعنی اُس شخص نے کتے کے بہت عیوب گنے مگر عیبداں رازداں سے کوئی بو نہ لے گیا مطلب یہ کہ مولانا فرماتے ہیں کہ اُس شخص نے کتے کی بہت ہی برائیاں کیں اور یہ سب اس لیے تھا کہ یہ شخص تو عیبداں تھا اور مجنوں غیبداں یعنی رازداں تھا جو رازاور بھید اس کتے کے اندر تھا اُس کو تو مجنوں ہی جانتا تھا اُس بیچارے کو کیا خبر کہ اسمیں کیا بات ہے کہ جس سے یہ اسقدر محبوب ہے غرض کہ جب اُس نے کتوں کی بہت بُرائی کرلی تو مجنون بولا کہ ۔

گفت مجنوں تو ہمہ نقشی و تن اندر آ و بنگرش از چشم من

یعنی مجنون نے کہا کہ تو تو بالکل صورت اور تن (پرست) ہے تو اندر آ کر میری آنکھ سے دیکھ ۔

کیں طلسم بستہ مولیٰ است ایں　　پاسبانِ کوچۂ لیلیٰ است ایں

یعنی یہ طلسم حق تعالیٰ کا لگایا ہوا ہے اور یہ لیلے کے کوچہ کا پاسبان ہے مطلب یہ کہ اس نے کہا کہ تو تو صرف صورت کو دیکھ رہا ہے کہ اس کی صورت کتے کی ہے اور تجھے یہ خبر نہیں کہ اس کے اندر ایک طلسم ہے جسپر کہ حق تعالیٰ نے اس صورت کی مہر لگا رکھی ہے اور وہ طلسم اُس کی وہی صفت دربانی لیلیٰ ہے پس اس صفت پر ہم تو عاشق ہیں نہ کہ اُس کی صورت پر۔

ہمتش بین و دل و جاں را شناخت　　کو کجا بگزید و مسکن گاہ ساخت

یعنی اُس کتے کی ہمت اور دل اور جان کو دیکھو کہ اُس نے (کیسا) پہچانا (اور اس بات کو دیکھو) کہ اُس نے کہاں (جگہ) اختیار کی ہے اور مسکن گاہ بنائی ہے بات دیکھنے کی تو یہ ہے کہ اللہ اکبر لیلیٰ کے کوچہ میں۔ جو اُس نے جگہ بنائی ہے تو اُسکو کہاں سے عقل آئی کہ اس نے ایسی جگہ اختیار کی۔

او سگ فرخ رخ کہف منست　　بلکہ او ہمدرد و ہم لہف منست

یعنی یہ کتا مبارک رو میرا پناہ ہے بلکہ وہ میرا ہمدرد اور ہم لہف ہے بتحقیق بمعنی ہمدرد مطلب یہ کہ یہ تو اس صفت کی بدولت میرا ہمدرد اور جائے پناہ بن گیا ہے تو جسطرح کہ یہ مجنون صرف اس مناسبت سے کہ اُس کی لیلیٰ کے کوچہ کا کتا ہے اُس کی اسقدر منزلت کرتا تھا اسی طرح وہ لوگ بھی جو اُدھر سے آتا تھا اُس کی قدر و منزلت کرتے تھے اس لیئے کہ اس نے اُس دیہاتی کو جوان کا دوست تھا دیکھا تھا خوب کہا ہے کہ۔ ے

نازم بچشم خود کہ جمال تو دیدہ است　　اُفتم بپائے خود کہ بکویت رسیدہ است

آگے مولانا فرماتے ہیں کہ۔

آں سگے کہ گشت در کویش مقیم　　خاک پائیش بہ ز شیران عظیم

یعنی جو کتا کہ اُس کے (یعنی حق تعالیٰ کے) کوچہ میں مقیم ہو جاوے اس کی خاک پا بڑے بڑے شیروں سے بہتر ہے یہاں سگ سے مراد وہ لوگ ہیں جو کہ ظاہر حالت میں ذلیل رہتے ہیں اور جن کی شان حدیث کہ من اشعث اغبر الخ کے مطابق ہے مطلب یہ کہ

جب اُس کتے کی جو کہ مقیم کوچہ لیلیٰ تھا یہ قدر ہے تو بھلا وہ لوگ جو ظاہر حالت میں اگرچہ خراب وخستہ ہیں مگر مقیم کوئے حق ہیں کیوں قدر کے قابل نہ ہوں گے اُن کی تو خاک پا بھی ان ظاہری قوی اور باعزت دنیاداروں کے جسم سے بھی کہیں زیادہ ہے۔

آں سگے کہ باشد اندر کوئے او
من بہ شیراں کے دہم یک موئے او

یعنی جو کتا کہ اُس کے کوچہ میں مقیم ہو تو میں اُس کا ایک بال بھی شیروں کو کب دوں مطلب یہ کہ وہ شخص جو کہ بظاہر ذلیل وخوار ہے مگر مقیم کوئے حق ہے اُسکی تو میں ان دنیا داروں کو ہوا بھی نہ لگنے دوں اور ان ظاہری عزت والوں کو اُس کے ہاتھ بھی نہ لگانے دوں۔ اس لئے کہ اگرچہ اُسکی ظاہری حالت ذلیل ہے مگر اُس کا ایک ایک بال اسقدر معزز ہے کہ ان کا سارا جسم بھی اسقدر معزز نہیں ہے اس لئے کہ اُس کے اُس بال کو بھی عزت حقیقی حاصل ہے اور اُن کے اس سارے جثہ کو بھی عزت حقیقی حاصل نہیں ہے تو پھر مجازی اور رعایتی کے سامنے خواہ وہ کتنی ہی باعزت کیوں نہ ہو حقیقی شے ہمیشہ بڑھی ہوئی ہوگی اگرچہ ظاہر میں تھوڑی اور کم ہی ہو۔

ایکہ شیراں مر سگانش را غلام
گفتن امکاں نیست خامش والسلام

یعنی اے وہ شخص کہ شیر اُس کے کتوں کے غلام ہیں کہنا ممکن نہیں ہے لہذا چپ رہو والسلام مطلب یہ کہ یہ تو وہ حضرات ہیں کہ ان کے ادنیٰ خدام کے تابع یہ سب شیران دنیاوی ہیں آگے ان کے سامنے کوئی حقیقت نہیں لیکن کیا کریں ہمارے اندر اسقدر استعداد ہی نہیں ہے کہ ان کی عزت کو پوری طرح بیان کر سکیں لہذا بہتر یہی ہے کہ چپ رہیں اور جتنا بیان کر دیا ہے اسی پر اکتفا کریں والسلام آگے فرماتے ہیں کہ ہمارے بیان کرنے کی حاجت ہی نہیں بلکہ

گر ز صورت بگذرید ای دوستاں
جنت است و گلستاں در گلستاں

یعنی اے دوستو اگر تم صورت سے گذر جاؤ تو پھر جنت ہی جنت ہے اور گلستان ہی گلستان ہے مطلب یہ کہ یہ صورت ہی حاجب ہو رہی ہے اور حقیقت بینی سے

مانع ہے ورنہ اگر تم اس صورت پر نظر نہ کرو تو پھر تو نور ہی نور اور جنت ہی جنت ہے اس لیئے کہ ان کے قلب میں تو باغ و بہار ہے اور انوار و معارف بھرے پڑے ہیں اب کوئی کہہ سکتا تھا کہ بھلا کس کس کی صورت سے قطع نظر کرتے پھریں اور کہاں کہاں صورت کو توڑیں مولانا اس کی ایک بہت سہل تدبیر فرماتے ہیں کہ۔

صورت خود چوں شکستی سوختی   صورت کل را شکست آموختی

یعنی جب تو نے اپنی صورت کو توڑ دیا اور جلا دیا تو بس ساری صورتوں کو شکست سکھا دیا مطلب یہ کہ بس جب اپنی ہستی پر نظر نہ رہے گی اور اُس کو فنا کر دو گے پھر ساری ہستیاں فانی معلوم ہوں گی اس کی ضرورت ہی نہ ہوگی کہ سب کو الگ الگ توڑتے اور ان سے قطع نظر کرتے پھرو بس جب تم اپنی ہستی کو مٹا چکو گے تو یہ ہوگا کہ

بعد ازاں ہر صورتے را بشکنی   ہمچو حیدر باب خیبر بر کنی

یعنی اس کے بعد تو ہر صورت کو توڑ دے گا اور حیدر رضی اللہ عنہ کی طرح باب خیبر کو اکھاڑ دے گا۔ صورت کے توڑنے سے مراد ان سے قطع نظر کرنا ہے مطلب یہ کہ اگر تم نے اپنی صورت سے قطع نظر کر لی اور اپنی حقیقت پر نظر کی تو پھر یوں سمجھو کہ تم نے باب خیبر کو فتح کر لیا اور بہت بڑا کام کر لیا۔ آگے فرماتے ہیں کہ جسطرح کہ صورت پر نظر ہونے سے حقیقت پوشیدہ ہو جاتی ہے اسی طرح وہ خواجہ صاحب اُن الفاظ کی صورت کو دیکھ کر فریفتہ ہو گئے اور یہ خبر نہ ہوئی کہ اُس کے اندر آیا صدق ہے یا کذب ہے آگے مولانا اسی کو فرماتے ہیں کہ

سغبۂ صورت شد آں خواجہ سلیم   کو بدہ می شد بگفتار سقیم

یعنی وہ بھولا بھالا خواجہ اسی صورت الفاظ پر فریفتہ ہو گیا تھا اور کذب کو صدق کی وجہ سے گانوں میں جا رہا تھا مطلب یہ کہ چونکہ وہ اُن فضول باتوں پر فریفتہ ہو گیا تھا اور کذب کو صدق سمجھے ہوئے تھا اس لیئے اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ گانوں کو روانہ ہو گیا۔ آگے اُس کی ایک مثال فرماتے ہیں کہ

سوئے آں دام تملق شادماں   ہمچو مرغے سوئے دانہ امتحاں

یعنی اُس تملق کی جان کی طرف وہ خوش خوش اُس جانور کی طرح کہ جو دانہ آزمائش کی طرف جاتا ہو (جارہا تھا) مطلب یہ کہ جسطرح کہ جال میں دانہ رکھا ہوا ہوتا ہے تو جانور اس کی طرف جاتا ہے اور پھنس جاتا ہے اسی طرح یہ خواجہ بھی اُن باتوں کو صادق خیال کر کے چلا تھا آخر کار پھنس گیا۔

از کرم دانست آں مرغ حریص دانہ را با دام لیکن شد محیص

یعنی وہ مرغ حریص اُس دانہ کو کرم کی وجہ سے سمجھا لیکن وہ جال ہو گیا۔ مطلب یہ کہ وہ جانور یوں سمجھا کہ یہ دانہ صیاد نے کرم کی وجہ سے ڈالا ہے اور اُس کا غایت کرم ہے کہ ہم کو دانہ کھلاتا ہے مگر وہی اُس کے لیئے دام تزویر ہو گیا کہ پھنس گیا۔

از کرم دانست مرغ آں دانہ را غایت حرص است نے جود و عطا

یعنی جانور تو اُسکو کرم کی وجہ سے سمجھتا ہے بلکہ وہ غایت حرص کی وجہ سے ہے جود و عطا نہیں ہے اس لیئے کہ جب صیاد کو حرص شکار ہوئی جب ہی تو اُس نے یہ جال پھیلایا ہے ورنہ کیوں جال پھیلاتا تو یہ کرم نہیں بلکہ صیاد کی حرص ہے۔

مرغگاں در طمع دانہ شادماں سوئے آں تزویر پراں دواں

یعنی جانور دانہ کی طمع میں خوش خوش اُس جال کی طرف دوڑ رہے ہیں اور اُڑ رہے ہیں اسی طرح یہ خواجہ اور اُس کے اہل و عیال خوش خوش اُس دام تزویر کی طرف جارہے تھے آگے فرماتے ہیں کہ

گر ز شادی خواجہ آگاہت کنم ترسم اے رہرو کہ بے گاہت کنم

یعنی اگر اُس خواجہ کی خوشی سے تم کو آگاہ کروں تو اے خواجہ میں ڈرتا ہوں کہ میں تم کو بے وقت کردوں گا مطلب یہ کہ اگر میں اُسکی خوشی کی پوری کیفیت کو بیان کروں تو مجھے خوف ہے کہ قصہ طویل ہو جاوے اور اصل مقصود بھی ہاتھ سے جاتا رہے اس لیئے آگے قصہ کو مختصر کر کے بیان فرماتے ہیں کہ۔

مختصر کردم چو آمد دہ پدید خود نبود آں دہ دہ دیگر گزید

یعنی میں مختصر کرتا ہوں کہ جب وہ گاؤں آیا تو خود وہ گاؤں نہ تھا بلکہ کوئی گاؤں دوسرا

(اس خواجہ نے) اختیار کر لیا تھا غرضکہ بیچارے راستہ بہک گئے۔

قرب ماہے دہ بدہ می تاختند زانکہ راہ دہ نکو نشناختند

یعنی قریب ایک ماہ کے وہ گانوں درگانوں دوڑ رہے تھے اس لئے کہ گانوں کا راستہ پوری طرح پہچانتے نہ تھے مولانا فرماتے ہیں کہ۔

ہر کہ گیرد پیشۂ بے اوستاد ریشخندے شد بہ شہر و روستا

یعنی جو شخص کہ بے اوستاد کے کسی پیشہ کو اختیار کرے تو اُس کا مذاق ہر شہر او گانوں میں ہوگا اس لئے کہ کام ہوگا نہیں تو مذاق ہی اُڑے گا۔

ہر کہ در رہ بے قلاوزے رود رہ دو روزہ راہ صد سالہ شود

یعنی جو شخص کہ راہ میں بلا رہبر کے چلے تو دو دن کی راہ اُسکو راہ صد سالہ کی برابر ہو جاتی ہے۔ مولانا کے ظاہر الفاظ تو اس راہ دہ پر دال ہیں مگر مقصود مولانا کا راہ حق مراد ہے۔

ہر کہ تازد سوئے کعبہ بے دلیل ہمچو ایں سرگشتگاں گردد ذلیل

یعنی جو شخص کہ کعبہ کی طرف بلا دلیل دوڑے وہ ان بھٹکے ہوؤں کی طرح ذلیل ہی ہوگا

زانکہ نادر باشد اندر خافقین کادمی سر برزند بے والدین

یعنی اس لئے کہ یہ بات اس زمانہ میں بہت نادر ہے کہ آدمی بے والدین کے پرورش پائے تو جب اسباب ہی سے سب کام ہوتے ہیں تو اس راہ پانے کا سبب وجود رہبر ہی ہے اس کے بغیر راہ یابی بہت مشکل ہے اور اگر کسی کو مل گئی ہے تو وہ نادر ہے آگے اس کی مثال ہے کہ۔

مال او یابد کہ کسبے میکند نادرے باشد کہ بر گنجے زند

یعنی مال اسی کو ملتا ہے جو کہ کمائی کرے اور یہ امر نادر ہے کہ کوئی خزانہ پہونچ جاوے۔

مصطفائے کو کہ جسمش جان بود تا کہ رحمٰن علم القرآں بود

یعنی وہ مصطفٰے کہاں ہیں کہ اُن کا جسم بھی جان ہے یہاں تک کہ حق تعالیٰ علم القرآں

ہوں مطلب یہ کہ ایسے لوگ کہاں ہیں کہ جن کا جسم بھی مشغول حق میں جان کی طرح ہو اور ان کا مربی بلاواسطہ حق تعالیٰ ہوں اب تو یہی ہے کہ اسباب کو مہیا کرو اور کام ہو جاوے تو رہبر کو ساتھ لو تب کام چل سکتا ہے اس لیے کہ۔

اہل تن را جملہ علم بالقلم واسطہ افراشت در بذل کرم

یعنی اہل تن کو تو جملہ علم بالقلم بذل کرم میں واسطہ ڈالا ہے مطلب یہ کہ جنکو کہ بلاواسطہ خود ہی تعلیم قرآن فرمائی تو وہ بہت کم لوگ ہیں ورنہ اور سب کے لیے تو علم کیلئے قلم ہی کو واسطہ فرمایا جارہا ہے تو جب واسطہ ہوتا ہے جب ہی کرم ہوتا ہے۔

ہر حریصے ہست محروم اے پسر چوں حریصاں تگ مرو آہستہ تر

یعنی اے صاحبزادے ہر حریص محروم ہے تو تو حریصوں کی طرح دوڑ کر مت چل آہستہ چل تاکہ مطلوب تک وصول ہو جاوے آگے پھر اُس خواجہ کا قصہ بیان فرماتے ہیں کہ۔

اندراں رہ رنجہا دیدند و تاب چوں عذاب مُرغ خاکی اندر آب

یعنی اُس راہ میں انھوں نے بہت تکالیف اور تپش دیکھی جیسے کہ مرغ خاکی پانی میں مصیبت میں ہوتا ہے اسی طرح وہ بھی مصیبت میں مبتلا ہو رہے تھے اور اُن کی یہ حالت ہو گئی تھی کہ۔

سیر گشتہ از دہ واز روستا وز شکر ریزی چناں ناوستا

یعنی وہ گانوں سے اور روستائی سے سیر ہو گئے تھے اور ایسے نالائق کی مہمانی سے بھی۔ چونکہ تکالیف بہت برداشت کی تھیں اس لیے سخت پریشان ہو کر کہتے تھے کہ بس باز آئے اور طبیعت سیر ہو گئی تھی جیسا کہ قاعدہ ہے۔

شرح حبیبی

روستائی بیں کہ از بد نیتی		میکند بعد اللتیا و التی

روی پنهان میکند ز ایشان بروز / تا سوی باغش نه بگشایند پوز
آنچنان رو که همه رزق و سرشت / از مسلمانان نهان اولی ترست
رو یها باشد که دیوان چون مگس / بر سرش بنشسته باشد چون حرس
چون ببینی روی او در تو فتند / یا مبین آن یا چو دیدی خوش مخند
در چنان روی خبیث عاصیه / گفت یزدان نسفعا بالناصیه
چون بپرسیدند و خانه اش یافتند / همچو خویشان سوی در بشتافتند
در فرو بستند اهل خانه اش / خواجه شد زین کجروی دیوانه اش
لیک هنگام درشتی هم نبود / چون در افتادی بچه تیزی چه سود
بر درش ماندند ایشان پنج روز / شب بسر ما روز خود خورشید سوز
نے ز غفلت بود ماندن نے خری / بلکه بود از اضطرار و بے زری
با لئیمان بسته نیکان ز اضطرار / شیر مردارے خورد از جوع زار
او همی دیدش همی گفتش سلام / که فلانم مر مرا اینست نام
گفت باشد من چه دانم تو کئی / یا پلیدی یا قرین پاکئی
والهم روز و شب اندر صنع هو / هیچگونه نیستم پروائے تو
از خودی خود ندارم هم خبر / نیست از هستی کسر موئے اثر
هوش من از غیر حق آگاه نیست / در دل و جانم بجز الله نیست
گفت این دم با قیامت شد شبیه / تا برادر شد یفر من اخیه
شرح میکردش که من آنم که تو / لوتها خوردی ز خوان من دو تو
نے فلان روزم خریدم آن متاع / کل سر جاوز الاثنین شاع

نے تو بودی سالہا مہمان من ‌‌ نے رسیدت بیکراں احسان من

سر مہر ما شنیدستند خلق ‌‌ شہرہ وار در و چو نعمت خورد خلق

او ہمی گفتش چہ گوئی ترہات ‌‌ نے ترا جانم نہ نام تو نہ جات

پنجمیں شب ابر و باراں نے گرفت ‌‌ کآسماں از بارشش شد در شگفت

چوں رسید آں کارد اندر استخواں ‌‌ حلقہ زد خواجہ کہ مہتر را بخواں

چوں بصد الحاح آمد سوئے در ‌‌ گفت آخر چیست اے جان پدر

گفت من آں حقہا بگذاشتم ‌‌ ترک کردم آنچہ می پنداشتم

پنج سالہ رنج دیدا ایں پنج روز ‌‌ جان مسکینم دریں سرما و سوز

یک جفا از خویش و از یار و تبار ‌‌ در گرانی ہست چوں سہ صد ہزار

زانکہ دل ننہاد بر جور و جفاش ‌‌ جانش خو گر بود بر مہر و وفاش

ہر چہ بر مردم بلا و شدت است ‌‌ ایں یقیں داں کز خلاف عادت است

گفت اے خورشید مہرت در زوال ‌‌ گر تو خونم ریختی کردم حلال

امشب از باراں بادہ گوشۂ ‌‌ تا بیابی در قیامت توشۂ

گفت یک گوشہ ست آں باغباں ‌‌ ہست اینجا گرگ را او پاسباں

در کفش تیر و کماں از بہر گرگ ‌‌ تا زند چوں آید آں گرگ سترگ

گر تو آں خدمت کنی جا آن تست ‌‌ ور نہ جائے دیگرے فرمائے جست

گفت صد خدمت کنم تو جائے دہ ‌‌ واں کمان و تیر در کفم بنہ

من نخسپم حارسی رز کنم ‌‌ گر بر آرد گرگ سر تیرش زنم

بہر حق مگذارم امشب اے دو دل ‌‌ آب باراں بر سر و در زیر گل

گوشهٔ خالی شد و او با عیال / رفت آنجا جای تنگ بی مجال

چون ملخ بر همدگر گشته سوار / از نهیب سیل اندر کنج غار

شب همه شب جمله گویان کای خدا / این سزای ما سزای ما سزا

این سزای ما که شد یار خسان / یا کسی کرد از برای ناکسان

این سزای آنکه اندر طمع خام / ترک گوید خدمت خاص کرام

خاک پاکان لیسی و دیوارشان / بهتر از عام و زر و گلزارشان

بندهٔ یک مرد روشندل شوی / به که بر فرق سر شاهان روی

از ملوک خاک جز بانگ دهل / تو نخواهی یافت از پیک سبل

شهریان خود ره زنان نسبت بروح / روستائی کیست گیج بی فتوح

این سزای آنکه بی تدبیر عقل / بانگ غولی آمدش بگزید نقل

چون پشیمانی ز دل شد با شغاف / زان سپس سودی ندارد اعتراف

چون پشیمان گشت از دل تا چه کرد / بعد از آن سودی ندارد آه سرد

آن کمان و تیر اندر دست او / گرگ را جویان همه شب سو بسو

گرگ خود بر وی مسلط چون شرر / گرگ جویان وز گرگ او بی خبر

هر پشه هر کیک چون گرگی شده / اندر آن ویرانه شان زخمی زده

فرصت آن پشه راندن هم نبود / از نهیب حملهٔ گرگ عنود

تا نباید گرگ آسیبی زند / روستائی ریش خواجه بر کند

اینچنین دندان گزان تا نیم شب / جان شان از ناف می آمد بلب

ناگهان تمثال گرگ هشته / سر برآورد از فراز پشته

تیر را بگشاد آں خواجہ ز شست | زد بر آں حیواں کہ تا افتاد پشت
اندر افتادن ز حیواں باد جست | روستائی ہائی کرد و کوفت دست
ناجواں مردا کہ خر کرہ من است | گفت نے ایں گرگ چوں آہرمن است
اندرو اشکال گرگے ظاہر است | شکل او از گرگی او مخبر است
گفت نے بادے کہ جست از فرج وے | من شناسم ہمچناں کآبے و مے
کشتۂ خر کرہ ام را در ریاض | کہ مبادت بسط ہرگز ز انقباض
گفت نیکوتر تفحص کن شب است | شخصہا در شب ز ناظر محجب است
شب غلط بنماید و مبدل بسے | دید صائب شب ندارد ہر کسے
ہم شب و ہم ابر و ہم باران ژرف | ایں سہ تاریکی غلط آرد شگرف
گفت آں بر من چو روز روشن است | می شناسم باد خر کرہ من است
در میان بست باد آں باد را | می شناسم چوں مسافر زاد را
خواجہ بر جست و بیامد ناشگفت | روستائی را گریبانش گرفت
کابلہ طرار شید آوردۂ | بنگ و افیوں ہر دو باہم خوردۂ
در سہ تاریکی شناسی باد خر | چوں ندانی مر مرا اے خیرہ سر
آنکہ دانم نیم شب گوسالہ را | چوں نداند ہمرہ دہ سالہ را
خویشتن را عارف و والہ کنی | خاک در چشم مروت می زنی
کہ مرا از خویش ہم آگاہ نیست | در دلم گنجائے جز اللہ نیست
آنچہ دی خوردم از آنم یاد نیست | ایں دل از غیر تحیر شاد نیست
عاقل و مجنون حقم یاد آر | در چنیں بے خویشیم معذور دار

آنکہ مردارے خورد یعنی نبید ... شرع او را سوئے معذوران کشید

مست و بنگی را طلاق و بیع نیست ... ہمچو طفل است و معاف و معتقی است

مستئے کاید ز بوئے شاہ فرد ... صد خم مے در سر و مغز آں نکرد

پس برو تکلیف چوں باشد روا ... اسپ ساقط گشت و شد بے دست و پا

بار کہ نہد در جہاں خر کرہ را ... درس کہ دہد پارسی بومرہ را

بار بر گیرند چوں آمد عروج ... گفت حق لیس علی الاعمی حرج

سوئے خود اعمی شدم از حق بصیر ... من معافم از قلیل و از کثیر

لاف درویشی زنی و بیخودی ... ہائے و ہوئے عاشقان ایزدی

کہ زمیں را من ندانم ز آسماں ... امتحانت کرد غیرت امتحاں

باد خر کرہ چنیں رسوات کرد ... ہستی نفی ترا اثبات کرد

امیر بیچارے کی مصیبت تو سُن چکے اب دیکھو کہ اُن کے پہونچنے پر وہ دیہاتی کیا حیلہ بہانہ کرتا ہے وہ دن کو اُن سے اپنا منہ بدیں خیال چھپاتا ہے کہ مبادا یہ لوگ میری باغ کا رخ کریں اور پھل کھانے کے لیئے منہ کھولیں ساب مولانا فرماتے ہیں کہ ایسے سراپا مکر اور سراسر شرمندہ کا مسلمانوں سے چھپا رہنا ہی بہتر ہے خدا مسلمانوں کو ایسی صورت نہ دکھلائے اُس کے بعد نصیحت فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یاد رکھو کہ بہتیرے مرد ایسے ہوتے رہیں کہ اُن کے سر پر چوکیداروں کی طرح بکثرت شیاطین مسلط ہوتی ہیں جب تم اُن کی صورت دیکھو تو تم کو لپٹ جائیں پس ایسوں کے ساتھ تم کو دو طرح سے برتاؤ کرنا چاہیئے یا اُن کو دیکھنا ہی نہ چاہیئے اور اگر ضرورت ہو تو اُن سے خندہ پیشانی سے نہ ملنا چاہیئے ایسے ہی خبیث اور نافرمان چہروں کے لیئے نسفعا بالناصیہ وارد ہوا ہے (اس عبارت کو یا تو بقرینہ ماسبق دنیوی بے مروتوں پر محمول کیا جاوے

کہ یہ انتقال ہے ان لوگوں کی طرف جو حق سبحانہ کی نعمتیں کھاتے ہیں اور پھر بے مروتی
کرتے ہیں یہ توجیہ بلحاظ نسفعا بالناصیہ کے زیادہ مناسب اور اقرب ہے یا مطلق بے
مروتوں پر محمول کیا جاوے خواہ مخلوق سے بے مروتی کرنے والے ہوں یا خالق سے فتدبر
اب اس اجمال کی تفصیل سنو جب وہ گاؤں میں پہونچے اور وہاں پہونچکر دریافت کیا
کہ فلاں چودھری صاحب کا مکان کہاں ہے اور لوگوں کے پتہ بتانے سے اُسکا
گھر ملگیا تو یہ لوگ اپنا ہی گھر سمجھکر دروازہ کی طرف بڑھے اُس کے گھر کے لوگوں نے
ان کو دیکھکر دروازہ بند کر لیا امیر اس بدسلوکی کو دیکھکر رنج و غصہ کے سبب دیوانوں
کی مثل از خود رفتہ ہوگیا لیکن سختی کا موقع نہ تھا کیونکہ کنویں میں گرنے کے بعد تیزی فضول ہے
اس لیئے صبر کیا یہ لوگ پانچ دن تک اُس کے دروازہ پر پڑے رہے رات کو سردی میں
مرتے تھے اور دن کو دھوپ میں جلتے تھے اسکا سبب نہ غفلت تھی نہ حماقت بلکہ مجبوری اور
روپیہ کا پاس نہ ہونا تھا واقعی مجبوری بہت بری بلا ہے اُس کے سبب اچھے لوگ پاجیوں
کے ساتھ تعلق رکھنے پر مجبور ہوتے ہیں اور بھوک سے مضطر ہوکر شیر نرمردار کھاتا ہے
امیر جب کبھی اُس کو دیکھتا تو سلام کرتا اور کہتا کہ میں فلاں شخص ہوں اور میرا نام فلاں ہے
اسپر وہ یہ جواب دیتا کہ ہاں ہو گے لیکن نہ میں یہ جانتا ہوں کہ آپ کون ہیں اور نہ یہ
کہ آپ کیسے ہیں اچھے ہیں یا بڑے میں رات دن حق سبحانہ کی صنعت کے مشاہدہ
میں مصروف اور از خود رفتہ ہوں مجھے آپ کا اصلا خیال نہیں مجھے اپنی بھی خبر نہیں کہ
میں کون ہوں اور کیا ہوں اس لیئے کہ میں اپنے کو بالکل مٹا چکا ہوں اور ہستی کا مجھ میں
بال برابر بھی نشان نہیں میرے جو اس کو غیر اللہ کی مطلق خبر نہیں بلکہ میرے دل و جان میں
تو صرف اللہ ہی اللہ سمایا ہوا ہے امیر نے یہ جواب سُنکر حیرت سے کہا کہ یہ وقت تو قیامت
کے مشابہ ہوگیا کہ اسوقت بھائی سے بھائی بھاگتا ہے وہ اُس کو تفصیلاً بھی بتاتا تھا کہ
میں وہ ہوں جس کے یہاں تم جُھک جُھک کر اور بہت رغبت سے طرح طرح کے کھانے
کھاتے تھے تمہیں بتلاؤں میں نے تمہیں فلاں سامان خرید کر نہیں دیا تھا غرور دیا
تھا بہت سے لوگ اُس کے شاہد ہیں اس لیئے کہ یہ معاملہ کچھ مخفیہ نہیں ہوا بلکہ اور

لوگوں کے سامنے ہولے ہے اور جو راز کہ دو آدمیوں سے تجاوز کر جاوے وہ تمام لوگوں میں پھیل
جاتا ہے اور تمہیں بتلاؤ کیا تم میرے یہاں برسوں مہمان نہیں رہے اور میں نے تم پر بے حد
احسان نہیں کیا میں نے تم پر اسقدر احسان کئے کہ مجھ سے اور تم سے تمام لوگ واقف ہو گئے
لیکن تم کو کچھ بھی اُن کی شرم نہیں حالانکہ مثل مشہور ہے مُنہ کھائے آنکھ لجائے مگر وہ یہی
کہتا کہ کیا خرافات بکتے ہو میں نہ تمہیں جانتا ہوں اور نہ تمہارے نام سے واقف ہوں اور
نہ یہی جانتا ہوں کہ تم کہاں رہتے ہو غرض اس پانچ روز کے عرصہ میں اُن کی اسی قسم کی گفتگو
ہوتی رہی جب پانچویں رات ہوئی تو ابر آیا اور اس زور سے بارش شروع ہوئی کہ آسمان بھی
متحیر تھا اس سے امیر کو اور بھی تکلیف ہوئی وہ اپنی مقدور بھر تو برداشت کرتا رہا مگر جب
تکلیف انتہا کو بھی پہونچ گئی اور برداشت کی طاقت نہ رہی تو مجبور ہو کر امیر نے اُس چودہری
کے بلانے کو زنجیر کھٹکھٹائی۔ اول تو اس نے آنے میں ہچر مچر کی لیکن جب اس نے بہت ہی
منت خوشامد کی تو گھر سے باہر آیا اور کہا کہ کیا بات ہے اُس پر اس نے کہا کہ میں نے اپنے
تمام حقوق چھوڑ دیے اور جو توقعات مجھے تم سے تھیں وہ بھی چھوڑ دیں میری اس بیچاری جان
کو اس سردی اور تپش آفتاب میں رہنے کے سبب پانچ دن میں پانچ سال کے برابر تکلیف
ہوئی اس کی وجہ یہ ہے کہ میں تم کو اپنا خاص آدمی سمجھتا تھا اور جو تکلیف اپنے کسی عزیز قریب
یار دوست یا کسی کنبہ والے سے پہونچتی ہے وہ گرانی میں تین لاکھ تکلیفوں کے برابر ہوتی ہے
کیونکہ وہ اس کی مہرو وفا کا خوگر ہوتا ہے اس لیئے اُس کی زیادتی اور ظلم سہنے کے لیئے تیار
نہیں ہوتا۔ چونکہ وہ تکلیف اُس کو خلاف توقع اور خلاف امید پہونچتی ہے اس لیئے زیادہ
ناگوار ہوتی ہے اس سے تم کو نتیجہ نکالنا چاہیئے کہ دنیا میں جو کچھ کسی کو تکلیف پہونچتی ہے
وہ سب مخالفت عادت کے سبب لہذا آدمی کو چاہیئے کہ کسی فانی کا عادی نہ ہو جس کے
نہ ہونے کے سبب تکلیف ہو خیر یہ تو جملہ معترضہ تھا اب اصل مطلب سنو امیر نے کہا کہ اے
وہ دہقانی جس کی محبت کا آفتاب زوال میں ہے اگر تو نے ابتک مجھے بے انتہا پریشان کیا
ہے اور گویا کہ مجھے مار ڈالا ہے تو میں نے سب معاف کیا۔ لیکن اتنا کر کہ آج کی رات ہم کو ایک
گوشہ میں جگہ دیدے تاکہ ہم بارش سے بچ جائیں خدا تجھے قیامت میں اس کا اجر دیگا

اس نے کہا کہ ہاں ایک گوشہ تو ہے مگر وہ باغبان سے متعلق ہے اور وہاں بیٹھکر بھیڑیے کی دیکھ بھال کرتا ہے وہ اُس بھیڑیئے کے لیئے تیر کمان ہاتھ میں لیئے ہوتا ہے تاکہ جب وہ آئے تو اُس کو تیر سے مار ڈالے اگر تو وہ خدمت انجام دے تو میں وہ جگہ تجھے دے سکتا ہوں اور اگر ایسا نہیں کر سکتا تو کہیں اور ٹھکانہ ڈھونڈھ لے امیر نے کہا کہ آپ تو ایک خدمت کہتے ہیں میں سو خدمتیں کروں گا مگر آپ مجھے جگہ دیدیجئے اور تیر و کمان دیدیجئے میں رات بھر نہ سوؤنگا اور انگوروں کی حفاظت کروں گا اور اگر بھیڑیا سر بھی نکالے گا تو میں فوراً تیر ماروں گا خدا کے لیئے آپ مجھے اُس جگہ چھوڑ دیجئے میں بڑی مصیبت میں ہوں کہ اوپر پانی نیچے گارا الغرض وہ گوشہ خالی کر دیا گیا اور وہ مع بال بچوں کے اُس تنگ اور بے گنجائش جگہ میں چلا گیا بارش کے خوف سے اس غار کی طرح تنگ و تاریک مقام میں سب کے سب چھپ گئے اور تنگی کے سبب اوپر تلے یوں پڑے تھے جیسے ٹڈیاں۔ تمام رات یہ کہتے رہے کہ اے خدا ہماری یہی سزا ہے۔ ہماری یہی سزا ہے کہ ہم نے اس نالائق کی بات پر کیوں بھروسہ کیا اب مولانا فرماتے ہیں کہ واقعی ایسے شخص کی یہی سزا ہے کہ وہ مصائب میں مبتلا ہو جو کمینوں سے دوستی کرے یا نااہلوں سے اہلیت کا برتاؤ کرے اور اُس کی یہی سزا ہے جو اہل اللہ کی خدمت ایک طمع خام کے لیئے اور دنیاوی غرض سے چھوڑ دے پس تمہارا فرض ہے کہ اہل اللہ کی خاک اور ان کی دیوار چاٹو یہ تمہارے لیئے عوام اور اُن کے انگوروں اور باغ سے ہزار درجہ بہتر ہے اور ایک روشندل شخص کا غلام ہو جانا بہتر ہے اُس سے کہ تم بادشاہوں کے سر پر پاؤں رکھو دنیاوی بادشاہوں سے بجز ڈھول کی آواز کے کچھ بھی حاصل نہ ہو گا یعنی اُن سے جو کچھ مال و دولت عزت و وقعت تم کو ملیگی وہ وہ ڈھول کی آواز کی طرح دور ہی سے دل کو لبھانے والی ہوگی روح (اہل اللہ) کے لحاظ شہری بھی رہزن ہیں پھر احمق اور بے مایہ دیہاتی کیا بلا ہوتا ہے اس بنا پر اُس کو چاہیئے تھا کہ دیہاتیوں کو تو درکنار شہریوں سے بھی دوستی نہ کرتا بلکہ اہل اللہ سے تعلق پیدا کرتا لیکن اس نے عقل سے کام نہیں لیا اس لیئے یہ مصیبت بھگتنی پڑی علیٰ ہذا جو شخص بلا سوچے سمجھے شیطان کی آواز کے پیچھے چلدے اُس کی یہی سزا ہے جو اس شہری کو

اُس کے تدبیر نہ کرنے اور دیہاتی کے فریب میں آجانے پر ملی جب کہ پشیمانی دل کی تہ میں اُتر گئی اور تلافی کا وقت نہ رہا تو اُسوقت اپنی غلطی کا اقرار کچھ نفع نہیں بخشتا۔ اور جب کہ وہ تہ دل سے اپنے کئے پر پشیمان ہو اور تلافی نہ ہو سکے تو اسوقت آہ سرد کچھ بھی نافع نہیں ہوتی۔ پس اگر وہ شہری اب پشیمان بھی ہوا تو کیا نتیجہ غرض وہ ہاتھ میں تیر و کمان لیئے ہوئے بھیڑیئے کی تلاش میں تھا اور ہر طرف دیکھ رہا تھا۔ بھیڑیئے تو اُس کو خود لپٹے ہوئے تھے مگر وہ ان بھیڑیوں سے غافل ہوکر دوسرے بھیڑیئے کی تلاش میں تھا یعنی ہر ہر مچھر اور ہر ہر پسوان کے لیئے ایک بھیڑیا ہو گیا تھا اور اُس ویرانہ میں اُن کے ڈنک لگا رہا تھا مگر اس خوف میں کہ کہیں بھیڑیا باغ میں نہ گھس آئے اور آکر درختوں وغیرہ کو کچھ نقصان نہ پہونچائے اور وہ دیہاتی اُس کی ڈاڑھی اوکھاڑے اُس کو اتنی بھی فرصت نہ تھی کہ وہ مچھروں کو دفع کرے غرض آدھی رات تک یونہی پریشان رہا حتیٰ کہ مارے تکلیف کے اُسکا لبوں پر دم آگیا تھا دفعۃً ایک جانور نے جو کہ بھیڑیئے کی صورت تھا ایک ٹیلے سے سر نکالا امیر نے شست سے اُس پر تیر چھوڑا حتیٰ کہ وہ نیچے گر گیا اُس جانور کے گرنے سے ایک گوز نکلا اُسکو سنکر اس دہقانی کے منہ سے آہ نکلگئی اور بے اختیار اپنا سر پیٹ لیا اور کہا کہ ارے پاجی یہ تو میرا گدھی کا بچہ تھا تو نے اُسے مار ڈالا امیر نے کہا ہرگز نہیں یہ دیو صورت یقیناً بھیڑیا ہی گدھی کا بچہ نہیں ہو سکتا اُس کے اندر بھیڑیئے کے علامات ظاہر ہیں اور اسکی شکل کہہ رہی ہے کہ یہ بھیڑیا ہے اس نے کہا تو غلط کہتا ہے جو گوز اس سے نکلا ہے اُسکو میں یوں پہچانتا ہوں جیسے شراب اور پانی کو تو نے میری گدھی کے بچہ کو مار ڈالا خدا کرے تجھے اس رنج سے کبھی رہائی نہ ہو اور تو کبھی خوش نہ ہو اس نے کہا آپ خوب تحقیق کر لیجے رات کا وقت ہے اجسام دیکھنے والے کو اسوقت اچھی طرح دکھائی نہیں دیتے۔ رات کو اکثر اشیاء خلاف واقع اور دوسری حقیقت دکھلائی دیتی ہیں ہر شخص رات کو صحیح نہیں دیکھ سکتا۔ اسوقت رات بھی ہے ابر بھی ہے اور موسلا دھار پانی پڑ رہا ہے یہ تین تاریکیاں تو نہایت عجیب غلطی پیدا کر سکتی ہیں اُس نے کہا کہ اس معاملہ میں یہ رات میرے نزدیک مثل روز روشن کے ہے مجھے غلطی نہیں ہو سکتی میں بیس گوزوں کے درمیان اپنے گدھے کے بچے کے گوز کو یوں پہچان سکتا ہوں جسطرح مسافر توشہ کو یہ سنکر امیر سے صبر نہ ہو سکا وہ کودا

اور کود کر اُس کا گریبان پکڑ لیا اور کہا کہ او احمق بد معاش تو لے بیٹھا ہے فریب گا ہے
اور بھنگ وافیون ملا کر کھائی ہے تین تاریکیوں کے اندر تو گدھے کے بچے کے گوز کو پہچان
سکتا ہے مگر مجھے دن میں بھی نہیں پہچانتا۔ اسے احمق بتا تو سہی جب کوئی شخص بچھڑے
وغیرہ کو آدھی رات کو پہچانتا ہے تو وہ اپنے دس سال کے رفیق کو نہ پہچانے گا تو اپنے
کو عارف اور خود رفتہ بناتا ہے اور چشم مروت میں خاک جھونکتا ہے اور کہتا ہے کہ مجھے اپنی
بھی خبر نہیں اور میرے دل میں خدا کے سوا کوئی نہیں سماتا مجھے رات کا کھایا بھی یاد
نہیں رہتا اور تحیر کے سوا کسی چیز سے میرا جی خوش نہیں ہوتا یا درکھو کہ میں عاشق حق
سبحانہ اور اُسکا دیوانہ ہوں ایسی حالت خود رفتگی میں مجھے معذور رکھنا چاہیئے کیونکہ اگر
کوئی شخص حرام شئے یعنی نبیذ وغیرہ پی لیتا ہے تو شریعت اُسکو فی الجملہ معذوروں میں شامل
کر لیتی ہے چنانچہ بعض ائمہ کے نزدیک اُسکی بیع اور طلاق بھی صحیح نہیں بلکہ وہ مثل بچوں کے
کے اور مرفوع القلم اور غیر مکلف ہے پس جو مستی حق سبحانہ کے کمالات کی بنا پر ہواتنی
مستی تو سو خم مے بھی دماغ میں پیدا نہیں کر سکتے پس جو شخص ایسی مستی میں مبتلا ہو وہ
کیسے مکلف ہو سکتا ہے کیونکہ وہاں تو عقل کا گھوڑا گر کر بے دست و پا اور عاجز ہو گیا
ہے اور عقل ہی مدار تکلیف ہے پس جب عقل نہ رہی تکلیف بھی نہیں رہ سکتی غور تو کرو
کوئی گدھے کے چھوٹے بچے پر بوجھ لادتا ہے اور بو مرہ کو بھی کوئی فارسی پڑھاتا ہے ہرگز
نہیں کیونکہ وہ اہل ہی نہیں علیٰ ہذا یہ بھی اہل تکلیف نہیں دیکھو لنگڑے سے بعض احکام
کی تکلیف اُٹھالی جاتی ہے چنانچہ حق سبحانہ فرماتے ہیں لیس علی الاعرج حرج کیوں؟
محض اس لیئے کہ وہ اُس کی طاقت نہیں رکھتا اور اُن کا اہل نہیں علیٰ ہذا مست بھی اہل
نہیں پس چونکہ میں اپنی طرف سے اندھا اور حق سے بینا ہو گیا ہوں اس لیئے میں ہر تکلیف
سے آزاد ہوں غرضکہ تو اسی قسم کی خرافات بکتا تھا اور فقیری اور بے خودی کے دعوے کرتا
تھا عاشقان الٰہی کی طرح ہاوہو کرتا تھا اور کہتا تھا کہ مجھے زمین و آسمان کی بھی خبر نہیں
لیکن غیرت امتحان کو تیرے یہ دعوے اچھے نہ معلوم ہوئے لہٰذا اس نے تیرا امتحان کیا
اور گدھی کے بچے کے گوز نے تیری حقیقت کھولکر تجھے رسوا کر دیا اور ایک معمولی ہستی

یعنی گدھی کے گوز نے تیری ادعا نفی کو اثبات بنا دیا ۔

شرح شبیری

خواجہ اور اُس کی قوم کا گانوں میں پہونچنا اور روستائی کا انکو شرارت کی وجہ سے نہ پہچاننا

بعد ماہے چوں رسیدند آنطرف بینوا ایشاں ستوں را بے علف

یعنی بعد ایک مہینے کے جب وہ لوگ اسطرف پہونچے تو وہ خود تو بے توشہ تھے اور اُن کے بیل بے گھاس دانہ ۔

روستائی بیں کہ از بدنیتی میکند بعد اللتیا والتی

یعنی اُس گنوار کو دیکھو کہ (کمبخت) بدنیتی کی وجہ سے ایسی ویسی باتوں کے بعد یہ کرتا ہے کہ ۔

روئے پنہاں میکند زایشاں بروز تا سوئے باغش نہ بکشانید پوز

یعنی ان لوگوں سے دن دہاڑے روپوشی اختیار کرتا ہے تاکہ اُس کے باغ کی طرف مُنہ نہ کھولیں مطلب یہ کہ وہ لوگ بیچارے ایک ماہ کے بعد مارے تارے اُس گانوں میں پہونچے اور وہ کمبخت روستائی دن دہاڑے روپوشی کرتا ہے اور چھپتا پھرتا ہے اگر رات ہو تو خیر ایک دوسرے کو دیکھتے بھی نہیں آنکھ تو چار نہ ہوں یہاں تو نالائق اسقدر بے مروتی کرتا ہے کہ دن دہاڑے دیدوں میں دیدے ڈالکر بے مروتی کرتا ہے بس حد ہو گئی اور صرف اس لیئے کہ اگر اُن کے ساتھ مروت کرتا ہوں تو میرے باغ کے میوے سب کھا جائیں ایسے شخص کے لیئے تو یہی کہا جاویگا کہ خدا ایسے کو غارت ہی کرے مولانا کو بھی غصہ آ گیا ہے فرماتے ہیں کہ ۔

آں چناں رو کہ ہمہ رزق و شرشت از مسلماناں نہاں اولیٰ ترست

یعنی ایسا مُنہ جو کہ بالکل مکر اور شر ہے وہ مسلمانوں سے پوشیدہ ہی رہے تو بہتر ہے (اور ایسے کمبخت منحوس کی صورت نہ دیکھنا ہی بہتر ہے) اور فرماتے ہیں کہ۔

روبہا باشد کہ دیواں چوں مگس　　بر سرش بنشستہ باشد چوں حرس

یعنی بہت مُنہ ایسے ہوتے ہیں کہ اُن کے سر پر شیاطین مکھی کی طرح بیٹھے ہوتے ہیں جیسے کہ نگہبان ہوں مطلب یہ کہ بعض ایسے نالائق ہوتے ہیں کہ اُن کے سر پر ہر وقت شیطان سوار رہتے ہیں۔

چوں ببینی روئے شاں در تو فتند　　یا مبیں شاں چوں بدیدی خوش مخند

یعنی جب تم اُن کا مُنہ دیکھو تو وہ تمہارے اندر پڑیں (یعنی فریب ہو جاویں) تو یا تو اُن کا مُنہ ہی مت دیکھو (اور یہی بہتر ہے) اور اگر دیکھ لیا تو پھر خوش مت ہو۔ اس لیے کہ مثل مشہور ہے کہ ہنسے اور پھنسے۔ بس ان سے تعلق ہی مت رکھو کہ سخت مضر ہے۔

در چناں روئے خبیث عاصیہ　　گفت یزداں نسفعا بالناصیہ

یعنی ایسی ہی روئے عاصی کے بارے میں حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ نسفعا بالناصیہ (یعنی اسکی پیشانی کے بال پکڑ کر کھینچے جاویں گے) مولانا فرماتے ہیں کہ یہ قول ایسے ہی نالائقوں کے حق میں ہے خیر آگے پھر اُن مصیبت زدگان کی حالت مفصل بیان فرماتے ہیں کہ۔

چوں بپرسیدند و خانش یافتند　　ہمچو خویشاں سوئے در بشتافتند

یعنی انھوں نے پوچھ پاچھ کر اُسکا گھر پالیا تو عزیزوں کی طرح اُس کے دروازہ کی طرف دوڑے تاکہ دروازہ کھلواویں مگر گھر والے بھی تو اُسی نالائق کے تھے وہ اس سے کم تھوڑے ہی تھے انھوں نے یہ کیا کہ۔

در فرو بستند اہل خانہ اش　　خواجہ شد زیں کجروی دیوانہ وش

یعنی اُس کے گھر والوں نے دروازہ بند کر لیا تو یہ خواجہ اُن کی اس کجروی سے دیوانہ سا رہ گیا۔

لیک ہنگام درشتی ہم نبود　　چوں در افتادی بچہ تیزی چہ سود

یعنی لیکن وقت سختی کا بھی نہ تھا (کیونکہ مثل مشہور ہے کہ) جب تم کنویں میں گر پڑے تو اب تیزی سے کیا فائدہ تو اب تو آ پھنسے اگر اسوقت تیزی کرتے ہیں تو نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جسقدر امید ہوگی وہ بھی جاتی رہے گی لہذا آخر بیچاروں نے یہ کیا کہ۔

بر درش ماندند ایشان پنج روز　　　شب بسر ما روز خود خورشید سوز

یعنی یہ لوگ اُس کے دروازہ پر پانچ روز تک پڑے رہے رات کو جاڑے میں اور دن کو خود آفتاب جلانیوالا۔

نے زغفلت ماندن نے خری　　　بلکہ بود از اضطرار و بے زری

یعنی اُن کا یہ (دروازہ پر پڑا) رہنا کسی غفلت یا گدھے پن کی وجہ سے نہ تھا بلکہ اضطرار اور بے زری کی بدولت تھا کہ بیچاروں کے پاس خرچ بھی ختم ہوگیا تھا اُن کی یہ حالت تھی کہ۔

با لئیماں بستہ نیکاں ز اضطرار　　　شیر مرداری خورد از جوع زار

یعنی نیک لئیموں کے ساتھ بندھ گئے تھے جیسے کہ شیر جو بھوک سے زار و نزار ہو کر مردار کھالیا کرتا ہے۔اسی طرح مصیبت کے مارے یہ پڑے ہوئے تھے۔

او ہمی دیدش ہمی کردش سلام　　　کہ فلانم مر مرا اینست نام

یعنی وہ خواجہ اُس نالائق کو دیکھتا تھا تو اُس کو سلام کرتا تھا (اور کہتا تھا) کہ ارے میں فلا ہوں اور میرا نام یہ ہے۔

گفت باشد من چہ دانم تو کئی　　　یا پلیدی یا قرین پاکئی

یعنی وہ روستائی خبیث کہتا کہ ہوگا میں کیا جانوں تو کون ہے کوئی پلید ہے یا کسی پاکی کا ساتھی ہے مطلب یہ کہ وہ خبیث کہتا کہ بھائی تم کوئی ہوگے مگر مجھے کیا خبر ہے کہ کون ہو بھلے ہو یا برے ہو اور کہتا کہ مجھے کیا خبر اسلیئے میری تو یہ حالت ہے۔

والہم روز و شب اندر صنع ہو　　　ہیچگونہ نیستم پروائے تو

یعنی میں تو صنع حق میں رات دن مستغرق ہوں اور مجھے تو کسی قسم کی خبر ہی نہیں۔

از خودی خود ندارم ہم خبر   نیست از ہستی سر مویم اثر

یعنی میں تو اپنی ہستی کی بھی خبر نہیں رکھتا اور مجھے تو ہستی سے سر مو بھی اثر نہیں ہے مطلب یہ کہ خبیث صوفی بنتا تھا اور کہتا تھا کہ جناب میں تو حق تعالیٰ کی مصنوعات کے مشاہدے میں مستغرق ہوں مجھے اپنی بھی خبر نہیں میں تو اپنی ہستی کو فنا کر چکا ہوں مٹا چکا ہوں تو بھلا جب مجھے اپنی خبر نہیں ہے تمہاری تو کیا خبر ہوگی اور کہتا کہ میری یہ حالت ہے کہ۔

ہوش من از غیر حق آگاہ نیست   در دل و جانم بجز اللہ نیست

یعنی میرے ہوش تو غیر حق سے آگاہ نہیں ہیں اور میرے دل و جان میں بجز اللہ کے کوئی نہیں ہے جب اُس خواجہ نے اسقدر سر دھری دیکھی تو اُسکو سخت افسوس ہوا اور بولا کہ۔

گفت اینذم با قیامت شد شبیہہ   تا برادر شد یفر من اخیہ

یعنی وہ خواجہ بولا کہ یہ وقت تو مشابہ قیامت کے ہوگیا ہے کہ بھائی بھائی سے بھاگنے لگا ہے سچ یہ ہے کہ اُس خواجہ کو اسوقت سخت حیرت اور پریشانی ہوگی خدا ایسے خبیث کو غارت ہی کرے۔ الحمد للہ الذی عافانی مما ابتلاک بہ وفضلنی علیٰ کثیر ممن خلق تفضیلا اُس کی حالت کو دیکھکر تو یہ دعا یاد آتی ہے اللہ ایسے شخص سے بچاوے

شرح میکردش من آنم کہ تو   لوتہا خوردی و خوان من دوتو

یعنی وہ خواجہ بیان کرتا تھا کہ (ارے کمبخت) میں وہ ہوں جس کے دستر خوان سے تو نے دونوں وقت کھانے کھائے ہیں اور کہتا تھا کہ۔

آں فلاں روزت خریدم آں متاع   کل سر جاوز الاثنین شاع

یعنی کہ میں نے تجھے فلاں دن وہ اسباب خرید کر دیا تھا اور ہر بھید جو کہ دو سے گذر گیا وہ شایع ہو گیا مطلب یہ کہ یہ بات ایسی نہیں ہے کہ مجھے اور تجھے ہی خبر ہو بلکہ یہ تو مشہور و معروف بات ہے اور سب جانتے ہیں کہ تو آیا کرتا تھا اور میں تیرے ساتھ احسان کیا کرتا تھا اور کہتا تھا کہ۔

نے تو بودی سالہا مہمان من   نے رسیدت بیکراں احسان من

یعنی کہ کیا تو سالہا سال تک میرا مہمان نہیں رہا ہے اور کیا تجھے میرے بیحد احسان نہیں پہونچے ہیں استفہام انکاری ہے یعنی پہونچے ہیں۔

سر مہر ما شنیدستند خلق ٭ شرم دارد روچو نعمت خورد حلق

یعنی ہماری محبت کی باتیں لوگ سنا کرتے تھے اور اگر حلق کوئی نعمت کھا لیتا ہے تو مُنہ کو شرم آیا کرتی ہے اور وہ اُس صاحب نعمت کا شکر گذار ہوتا ہے مگر تو وہ نالائق ہے کہ تو نے ساری باتیں بالائے طاق اٹھا رکھی ہیں۔

او ہمی گفتش چہ گوئی ترہات ٭ نے ترا دانم نہ نام تو نہ جات

یعنی وہ (خبیث) اُس خواجہ سے کہتا کہ کیا فضول باتیں کہہ رہے ہو میں نہ تجھے جانوں نہ تیرے نام کو اور نہ تیری جائے قیام کو غرضکہ وہ بیچارے اسی طرح باہر پڑے رہے اور اُس نالائق نے انکو نہ پوچھنا تھا نہ پوچھا۔ آخر یک گلے دیگر شگفت یہ ہوا کہ۔

پنجمیں شب ابر و بارانے گرفت ٭ کاسماں از بارشش شد در شگفت

یعنی پانچویں رات کو بارش اور ابر ہوگیا (اور اسقدر بارش ہوئی) کہ آسمان اُس ابر کی بارش سے تعجب میں ہوگیا کہ اُس نے یہ کہا کہ اللہ اکبر ایسی بارش کبھی نہ ہوئی تھی یعنی بڑے زور شور کی بارش ہونا شروع ہوئی۔

چوں رسیدش کارد اندر استخواں ٭ حلقہ زد خواجہ کہ مہتر را بخواں

یعنی جب کہ چھری اُس کی ہڈی تک پہونچگئی (یعنی بہت سخت تکلیف ہوئی اور تکلیف حد کو پہونچ گئی تو) خواجہ نے کنڈی کھٹکھٹائی کہ ذرا چودھری جی کو تو بلاؤ یہ یہ ہے کہ یہ خبیث اُردو زبان کا مہتر (یعنی بھنگی) تھا۔

چوں بصد الحاح آمد سوئے در ٭ گفت آخر چیست ای جان پدر

یعنی جب کہ وہ خواجہ سیکڑوں الحاح اور عاجزی سے دروازہ پر آیا تو وہ نالائق بولا کہ میاں آخر کیا ہے۔

گفت من آں حقہا بگذاشتم ٭ ترک کردم انچہ می پنداشتم

یعنی خواجہ نے کہا کہ میں نے اُن حقوق (دوستی) کو ترک کیا اور جو کچھ کہ میں نے سمجھا تھا

اُس کو ترک کیا مطلب یہ کہ میرا جو خیال تھا کہ تو میرے ساتھ سلوک کرے گا اُن سبکو میں نے ترک کیا اور سارے خیالات کو چھوڑا اور سارے حقوق کو بھی ایک طرف رکھتا ہوں بس اب بطور انسان ہونے کے کہ تو بھی انسان ہے اور میں بھی تجھسے یہ کہتا ہوں کہ

پنجسالہ رنج دیداین پنجروز جان مسکینم دریں سرما و سوز

یعنی میری جان مسکین نے اس پانچ دن میں پانچ برس کی تکلیف دیکھی ہے یعنی اسقدر سخت کلفت ہوئی ہے جیسے کہ پانچ برس تک تکلیف ہی گذری ہے۔

یک جفا از خویش واز یار و تبار در گرانی ہست چوں سی صد ہزار

یعنی اپنے عزیز اور یار و تبار سے ایک جفا بھی گرانی میں تیس لاکھ برابر ہوتی ہے۔

زانکہ دل ننہاد بر جور و جفاش جانش خوگر بود با مہر و وفاش

یعنی اس لیئے کہ اُس شخص نے اُن لوگوں کی جفا پر تو دل نہ رکھا تھا تو اُس کی جان تو اُن کی مہر و وفا کی خوگر تھی مطلب یہ کہ اگر عزیز و اقارب کی کوئی ذراسی بھی بات ہو وہ بھی گران ہوتی ہے اس لیئے کہ اُسکو اُن لوگوں سے امید وفاہی کی ہوتی ہے جفا کی ہوتی نہیں تو خلاف امید ہونے سے کلفت ہوتی ہے جب بات ہے تو آگے مولانا فرماتے ہیں کہ۔

ہرچہ بر مردم بلا و شدت است ایں یقیں داں کز خلاف عادت است

یعنی آدمی پر جو بلا اور شدت ہے یہ یقین جانوں کہ یہ خلاف عادت کی وجہ سے ہے بس اگر کسی سے امید ہی نہ ہو تو اُس کے خلاف بھی نہ ہوگا اور پھر کلفت بھی نہ ہوگی تو یہ ساری کوفت اس کی ہے کہ غیر حق سے امید رکھتے ہیں لہٰذا بس ساری امید حق تعالیٰ سے رکھنا چاہیئے کسی اور سے تعلق اور امید ہی مت رکھو خیر جب اس نے بہت ہی الحاح وزاری کی تو وہ نالائق بولا کہ

گفت یک گوشہ است آن باغبان ہست اینجا گرگ را او پاسبان

یعنی اس نے کہا کہ ایک گوشہ ہے وہ باغبان کا ہے اور وہ باغبان اس جگہ بھیڑیئے کا پاسبان ہی مطلب یہ کہ بولا کہ اور کوئی جگہ تو خالی نہیں ہے صرف ایک کونہ باغبان کا ہے اُسمیں وہ رہتا ہے اور رات کو وہ پاسبانی کرتا ہے تاکہ بھیڑیا نہ گھس آوے۔

در کفش تیر و کماں از بہر گرگ　　تا زند چوں آید آں گرگ سترگ

یعنی اُس کے ہاتھ میں بھیڑیئے کے لیئے تیر و کمان ہے تاکہ جب وہ گرگ قوی ہیکل آوے تو اُس کے مار دے۔

گر تو آں خدمت کنی جا آن تست　　ورنہ جائے دیگرے فرمای جست

یعنی اگر تم یہ خدمت کرو تو جگہ تمہاری ہے ورنہ دوسری تلاش کرو مطلب یہ کہ اگر تم پاسبانی کرو تو خیر وہ جگہ تم کو مل سکتی ہے۔ خیر اس بیچارے کو تو ضرورت تھی مثل ہے کہ ڈوبتے کو تنکے کا سہارا ہوتا ہے اُس نے اُسی کو غنیمت سمجھا اور کہا کہ۔

گفت صد خدمت کنم تو جائے دہ　　واں کمان و تیر در کفم بنہ

یعنی خواجہ نے کہا کہ میں تو تیری سو خدمتیں کردوں گا تو مجھے جگہ دیدے اور وہ کمان اور تیر میرے ہاتھ میں دے۔

من نہ خسپم حارسی رز کنم　　گر برآرد گرگ سر تیرش زنم

یعنی خواجہ نے کہا کہ میں سوؤں گا نہیں بلکہ انگوروں کی حفاظت کرلوں گا اور اگر بھیڑیا سر نکالیگا تو میں اُس کے تیر ماروں گا۔

بہر حق مگذارم امشب ای دودل　　آب باراں بر سر و در زیر گل

یعنی ارے دودلے خدا کے واسطے آج کی رات مجھے (باہر) مت چھوڑ اس لیئے کہ بارش کا پانی سر پر ہے اور نیچے مٹی ہے لہذا خدا کے واسطے جگہ دیدے خیر اُس نے وہ جگہ اور وہ عہدہ خواجہ صاحب کو عنایت کر دیا۔

گوشۂ خالی بُد و او با عیال　　رفت آنجا جائے تنگ بی مجال

یعنی وہ گوشہ خالی تھا اور وہ مع اہل و عیال کے اُس جگہ چلا گیا جگہ تنگ تھی اور بے جولانگاہ کے یعنی نہ چلنے پھرنے کی جگہ نہ کچھ بہت ہی چھوٹا اور مختصر کونا تھا تو سب کی یہ حالت تھی کہ

چوں ملخ بر ہمدگر گشتہ سوار　　از نہیب سیل اندر کنج غار

یعنی ٹڈی کی طرح وہ سب ایک دوسرے پر اُس غار کے کونے میں خوف سیل سے

سوار تھے یعنی بس ایک پر ایک پڑا ہوا تھا۔

شب ہمہ شب جملہ گویاں کای خدا — این سزای ما سزای ما سزا

یعنی رات کو تمام رات وہ سارے یوں کہہ رہے تھے کہ اے خدا یہ ہماری سزا ہے اور ہماری سزا ہے مولانا فرماتے ہیں کہ۔

این سزای آنکہ شد یار خساں — یا کسے کرد از برائے ناکساں

یعنی یہ اُس شخص کی سزا ہو جو کہ کمینوں کا دوست بنا یا اُس نے نالائقوں کے ساتھ نالائقوں جیسا معاملہ کیا۔

این سزای آنکہ اندر طمع خام — ترک گوید خدمت خاک کرام

یعنی یہ سزا اُس شخص کی ہے کہ جو طمع خام میں حضرت اولیاء کرام کی خدمت کو ترک کردے مولانا اُن کی حالت سے انتقال فرماتے ہیں اُن لوگوں کی حالت کی طرف جو کہ اولیاء اللہ کی مخالفت کرتے ہیں فرماتے ہیں کہ جو لوگ حضرات اولیاء اللہ کی خدمت کو طمع کی وجہ سے ترک کرتے ہیں وہ بھی اسی طرح مصیبت میں پھنسا کرتے ہیں جیسے کہ انکو طمع نے خراب کیا ہے کہ کدھر ہی کا نہ رکھا۔

خاک پاکاں لیسی و دیوار شاں — بہتر از عام و زر و گلزار شاں

یعنی پاک لوگوں کی خاک کو اور اُن کی دیوار کو چاٹو یہ عام لوگوں سے اور اُن کے انگوروں اور اُن کے گلزار سے بہتر ہے مطلب یہ کہ ان حضرات کی خدمت عوام الناس کے اکرام سے بھی بہتر ہے اور فرماتے ہیں کہ۔

بندۂ یک مرد روشن دل شوی — بہ کہ بر فرق سر شاہاں روی

یعنی کسی مرد روشن دل کے غلام ہو اس سے بہتر ہے کہ بادشاہوں کے سر پر چلو مطلب یہ کہ اولیاء اللہ کے پانوں اپنے سر پر رکھنا اس سے بہتر ہے کہ اپنے پاؤں اوروں کے سر پر رکھو اس لیئے کہ۔

از ملوک خاک جز بانگ دہل — تو نخواہی یافت ای پیک سبل

یعنی اے سالک تم ان شاہان دنیا سے سوائے بانگ دہل کے اور کچھ نہ پاؤ گے یعنی بجز

اس کے کہ ان کی شہرت ہے باقی اُن کے اندر کوئی خوبی نہیں ہے باطن خالی ہے صرف ظاہر ہی ظاہر ہے۔

شہریاں خود رہ زناں نسبت بروح — روستائی کیست گیج بے فتوح

یعنی شہری لوگ خود روح کی نسبت کر رہ زن ہیں تو روستائی تو بھلا کیا ہے ایک احمق بے فتوح مطلب یہ کہ جو لوگ کہ شہری اور عاقل ہیں وہ بھی بہ نسبت روح کے رہ زن ہیں تو بھلا یہ گنوار جس کو کہ عقل بھی نہیں ہے یہ تو کیوں نہ دشمن روح اور دشمن اولیاء کرام ہوں گے۔

ایں سزائے آنکہ بے تدبیر عقل — بانگ غولے آمدش بگزید نقل

یعنی یہ اُس شخص کی سزا ہے کہ جس کو ایک آواز غول آئی تو اُس نے بے تدبیر عقل کے نقل اختیار کر لیا مطلب یہ کہ یہ اُس شخص کی سزا ہے جو کہ شیاطین کی آواز پر عمل کرتا ہے اور عقل سے مشورہ نہیں لیتا اور اسکی تدابیر پر عمل نہیں کرتا۔

چوں پشیمانی ز دل شد یا شتاف — زاں سپس سودے ندارد اعتراف

یعنی جب کہ پشیمانی دل سے سویدائے قلب تک پہونچ گئی تو اُس کے بعد اعتراف قصور کوئی فائدہ نہیں رکھتا مطلب یہ کہ جب کوئی کام کیا اور اسکی وجہ سے پشیمانی حاصل ہوئی اور وہ کام ختم ہو چکا تو اگر اب یہ کہیں کہ بے شک یہ ہماری غلطی تھی اور اعتراف غلطی کریں تو اُس سے کیا فائدہ ہوتا ہے۔

چوں پشیماں گشت از دل زانچہ کرد — بعد ازاں سودش ندارد آہِ سرد

یعنی جب کہ اپنے کئے پر دل سے پشیمان ہو لیا تو اُس کو آہ سرد کرنا مفید نہیں ہے مطلب یہ کہ جب کوئی شخص اپنے کئے پر دل سے پشیمان ہو لیا اور پشیمانی ہوا کرتی ہے بعد اُس کام کے ختم کے تو گویا کہ جب وہ کام ہو چکا تو اب افسوس کرنے سے کیا ہوتا ہے مثل مشہور ہے کہ اب کیا ہووے پچھتانے سے جب چڑیاں چگ گئیں کھیت تو اسی طرح جب اُس خواجہ نے اوّل ہی اُس کے مکر و اور کذب کو نہ سمجھا تو اب افسوس کرنے اور پشیمان ہونے سے کیا ہوتا ہے آخر کار یہ ہوا کہ

آں کمان و تیر اندر دست او — گرگ را جویاں ہمہ شب سو بسو

یعنی وہ کمان اور تیر اس کے ہاتھ میں تھا اور ادھر اُدھر بھیڑیئے کو تلاش کرتا تھا مولانا فرماتے ہیں کہ۔

گرگ بروی خود مسلط چوں شرر — گرگ جویاں وز گرگ او بیخبر

یعنی بھیڑیا تو اُس پر خود شرر کی طرح مسلط تھا اور وہ گرگ کو ڈھونڈھ رہا تھا اور اس گرگ سے بے خبر تھا مطلب یہ کہ مولانا فرماتے ہیں کہ وہ روستائی تو گرگ کی طرح اس خواجہ پر مسلط تھا اور یہ حضرت گرگ کو تلاش کر رہے تھے اور یہ خبر نہ تھی کہ وہ اگر مسلط ہے تو ایک گرگ کو تلاش کر رہا تھا اور اس گرگ سے بے خبر تھا آگے ترقی کر کے فرماتے ہیں کہ۔

ہر پشہ و ہر کیک چوں گرگے شدہ — اندراں ویرانہ شاں زخمی شدہ

یعنی ہر مچھر اور ہر پسو گرگ کی طرح ہو رہا تھا اور اُس ویرانہ میں زخم مار رہا تھا مطلب یہ کہ بھلا وہ روستائی تو کیا مسلط تھا اُن بیچاروں کے اوپر ہر پشہ اور ہر پسو مسلط ہو رہا تھا اور کاٹ رہا تھا غرضکہ سخت مصیبت میں مبتلا تھا اور یہ حالت تھی کہ۔

فرصت آں پشہ راندن ہم نبود — از نہیب حملۂ گرگ عنود

یعنی اُس مچھر کے ہٹانے کی بھی اُس گرگ عنود کے خوف کی وجہ سے فرصت نہ تھی۔

تا نیاید گرگ آسیبے زند — روستائی ریش خواجہ بر کند

یعنی تاکہ کہیں بھیڑیا نہ آجاوے اور گزند پہونچاوے اور پھر روستائی خواجہ صاحب کی ڈاڑھی اوکھاڑے۔

ایں چنیں دنداں زناں تا نیمشب — جان شاں از ناف می آید بلب

یعنی وہ خواجہ اسی طرح آدھی رات تک دانت بجاتا پھرا اور اُن کی جان ناف سے لب پر آتی تھی غرضکہ وہ بیچارے اسی مصیبت میں مبتلا تھے کہ ایک اور مزا ہوا وہ یہ کہ۔

ناگہاں تمثال گرگے ہشتہ — سر بر آورد از فراز پشتہ

یعنی ناگہاں ایک بھیڑیئے کی جیسی شکل نے ایک پشتہ پر سے سر نکالا (اسکو دیکھتے ہی

تیر را بکشاد آں خواجہ زشست زد براں حیواں کہ تا افتاد پست

یعنی خواجہ نے شست سے تیر کو کھینچا اور اُس جانور پر ایسا مارا کہ وہ پیچھے کو گر گیا

اندر افتادن زحیواں باد جست روستائی ہائے کرد و کوفت دست

یعنی گرنے میں اُس جانور کا گوز نکل گیا تو روستائی نے ہائے کی اور ہاتھ پیٹ لیا اور بولا کہ۔

ناجوانمرداکہ خر کرہ من است گفت نے ایں گرگ چوں آہرمن است

یعنی اے ناجوانمرد یہ تو میرا گدھی کا بچہ ہے تو خواجہ نے کہا کہ نہیں یہ تو بھیڑیا مثل شیطان کے ہے۔

اندر و اشکال گرگے ظاہر است شکل او از گرگی او مخبر است

یعنی اس کے اندر گرگ کی شکلیں ظاہر ہیں اور اسکی شکل اُس کی گرگ سے مخبر ہے مطلب یہ کہ اُس نے کہا کہ یہ تو یقیناً بھیڑیا ہے اور اُس کے اندر تو صاف طور پر بھیڑیئے کی شکل ظاہر ہے تو اُس روستائی نے کہا کہ۔

گفت نے بادے کہ جست از فرج وے می شناسم ہمچناں کاب زمے

یعنی اُس روستائی نے کہا کہ نہیں اُسکی فرج سے جو ہوا نکلی ہے میں اُسکو اس طرح پہچانتا ہوں جیسے کہ پانی کو شراب سے یعنی جس طرح کہ وہ دونوں چیزیں ممتاز ہوتی ہیں اور اُس کو ایک دوسرے سے ہر شخص ممتاز کرسکتا ہے اسی طرح میں اُس کے گوز کو پہچانتا ہوں اور کہا کہ۔

کشتہ خر کرہ ام را در ریاض کہ مبادت بسط ہرگز ز انقباض

یعنی تو نے میرے گدھی کے بچہ کو باغوں میں مار ڈالا ہے تو خدا کرے تجھے حالت انقباض سے بسط کبھی نہ ہو مطلب یہ کہ اُس کو بددعا دیتا ہے کہ خدا کرے تجھے کبھی آرام نصیب نہ ہو اور ہمیشہ مصیبت ہی میں مبتلا رہے۔

گفت نیکو تر تفحص کن شب است شخصہا در شب ز ناظر محجب است

یعنی خواجہ نے کہا کہ اچھی طرح تلاش کر لو اس لیئے کہ رات ہے اور جسے رات میں دیکھنے

والے سے پوشیدہ ہوتے ہیں یعنی اُس نے کہا کہ ذرا تلاش کرلو اور غور کرلو اس لیئے کہ اکثر دھوکا ہو جایا کرتا ہے رات کا وقت ہے تم بھیڑیئے کو گدھی کا بچہ سمجھے ہوئے ہو۔

شب غلط بنماید و مبدل بسے دید شب صائب ندارد ہر کسے

یعنی رات بسا اوقات غلط اور مبدل دکھا دیتی ہے اور رات کا دیکھنا ہر شخص صائب نہیں رکھتا مطلب یہ کہ رات کو ہر شخص کو دیکھنے میں غلطی ہو جایا کرتی ہے تو شاید تمہیں بھی غلطی ہو رہی ہو۔

ہم شب و ہم ابر و ہم باراں ژرف ایں سہ تاریکی غلط آرد شگرف

یعنی رات بھی ہے اور ابر بھی اور بارش سخت بھی تو یہ تین تاریکیاں بہت زیادہ غلطی پیدا کرتی ہیں مطلب یہ کہ خواجہ نے کہا کہ بھائی دیکھ تو اندھیری بھی تو بہت سخت ہے رات ہے پھر ابر ہے لہذا یقیناً غلطی ہو سکتی ہے مگر جناب وہ کب ماننے والا تھا وہ گدھے کا بچہ تو اپنے گدھی کے بچہ کی گوز کو خوب پہچانتا تھا اُس نے کہا کہ۔

گفت ایں بر من چو روز روشن است می شناسم باد خر کرہ من است

یعنی اُس نے کہا یہ مجھ پر روز روشن کی طرح (ظاہر) ہے اور میں پہچانتا ہوں کہ میرے گدھے کے بچہ ہی کا گوز ہے۔

درمیان بست باد آں باد را می شناسم چوں مسافر زاد را

یعنی بیس گوزوں میں بھی میں اُس گوز کو پہچانتا ہوں جیسے کہ مسافر زاد کو پہچان لیتا ہے سبحان اللہ مولانا نے تشبیہ بھی غضب کی دی ہے گوز کی شناخت کو شناخت زاد سے خدا کی قسم اگر پہچان ہو تو ایسی تو ہو واہ واہ سبحان اللہ قربان جایئے۔ جب اس خبیث نے یہ کہا تو آخر اُس بیچارے خواجہ کو بھی غصہ آگیا۔

خواجہ بر جست و بیامد ناشگفت روستائی را گریبانش گرفت

یعنی خواجہ اچھلا اور بے صبر ہو گیا اور اُس دیہاتی (خبیث) کا گریبان پکڑ لیا اور بولا کہ

کابلہ طرار شید آوردۂ بنگ و افیوں ہر دو با ہم خوردۂ

یعنی کہ ارے بیوقوف چالاک تو مکر لایا ہے اور بنگ اور افیون تو نے ملا کر کھائی ہیں اسلیئے

نشہ زیادہ ہوگیا جو ایسی باتیں کر رہا ہے۔

در سہ تاریکی شناسی باد تر چوں ندانی مر مرا اے خیرہ سر

یعنی تین تاریکیوں میں گوز خر کو تو پہچانتا ہے تو ارے بیوقوف مجھے کس طرح نہیں پہچانتا۔

آنکہ داند نیم شب گوسالہ را چوں نداند ہمرہ دہ سالہ را

یعنی جو شخص کہ آدھی رات کو گوسالہ کو پہچان لے دہ (سالہ) دس برس کے ساتھی کو کیوں نہیں پہچانتا مطلب یہ کہ جب شناخت اسقدر بڑھی ہوئی ہے تو اسکو کیوں شناخت نہیں کرتا۔ اور اگر اُس کو نہیں پہچانتا تو اس کو کسطرح پہچانا اس سے معلوم ہوا کہ شرارت ہے اور کچھ نہیں۔

خویشتن را عارف و والہ کنی خاک در چشم مروت می زنی

یعنی اپنے کو عارف اور مستغرق بناتا ہے اور چشم مروت میں خاک ڈالتا ہے یعنی بے مروتی تو اسقدر کرتا ہے اور پھر عارف حق بھی بنتا ہے شرم نہیں آتی ہے اور کہتا ہے کہ

کہ مرا از خویش ہم آگاہ نیست در دلم گنجا بجز اللہ نیست

یعنی کہ مجھے اپنے سے بھی آگاہی نہیں ہے اور میرے دل کے اندر سوائے خدا کے کوئی سمایا ہوا نہیں ہے اور کہتا ہے کہ۔

آنچہ دی خوردم از آنم یاد نیست ایں دل از غیر تحیر شاد نیست

یعنی جو کچھ کہ میں نے کل کھایا ہے وہ بھی مجھے یاد نہیں ہے اور یہ دل غیر حیرت سے شاد نہیں ہے یعنی اسمیں بجز حق کے اور کوئی ہے ہی نہیں۔

عاقل و مجنون حقم یاد آر در چنیں بیخویشیم معذور دار

یعنی مجھے غافل اور مجنون حق سمجھو تو ایسی بے خودی میں مجھے معذور سمجھو مطلب یہ کہ اگر میں تم کو بھول گیا ہوں اور مجھے تمہاری خبر نہیں رہی تو اسمیں مجھے معذور سمجھو کہ میں تو مست و بے خود ہوں

آنکہ مردار سے خورد یعنی نبیذ شرع او را سوئے معذوراں کشید

یعنی جو شخص مردار کھاتا ہے یعنی شراب تو شرع نے اُسکو بھی معذوروں کی طرف کھینچا ہے

مست و بنگی را طلاق و بیع نیست ہمچو طفلست او معاف و مطلق است

یعنی مست اور بھنگ والے کی طلاق اور بیع نہیں ہے وہ بچہ کی طرح ہے اور وہ معاف کیا گیا اور مطلق چھوڑا گیا ہے ہمارے امام صاحب کے یہاں تو نشہ باز کی طلاق واقع ہو جاتی ہے مگر بیع واقع نہیں ہوتی۔ اور امام شافعی کے یہاں دونوں واقع نہیں ہوتیں تو وہ کہتا ہے کہ دیکھو جو شخص حرام نشے کھا کر بے خود ہوا ہے اُس کو بھی معذور کہا جاتا ہے اگرچہ بعض امام ہی کہیں مگر کہتے تو ہیں۔

مستی کاید ز بوے شاہ فرد صد خم مے در سر و مغز آن نکرد

یعنی جو مستی کہ مستی شاہ یکتا کی بو سے آوے ایسی تو سو شراب کے مٹکوں نے بھی سر اور مغز میں نہیں کی مطلب یہ کہ جو مستی کہ مستی حق سے ہے ویسی تو سیکڑوں خم میں بھی نہیں ہے۔

پس برو تکلیف چوں باشد روا اسپ ساقط گشت و شد بے دست و پا

یعنی پھر اُسپر تکلیف (احکام) کس طرح جائز ہو سکتی ہے گھوڑا گر پڑا اور بے دست و پا ہو گیا مطلب یہ کہ جو شخص کہ مست حق ہو اُسپر کسی طرح احکام جاری ہوں گے یقینی بات ہے کہ وہ بطریق اولی معذور ہو گا اُس کی تو ایسی مثال ہے کہ جیسے گھوڑا گر پڑا اور بے دست و پا ہو گیا تو اُس کو کوئی نہیں چلاتا اسی طرح جو کہ مست ہو گیا وہ بھی معذور ہو جاتا ہے۔

بار کہ نہد در جہاں خر کرہ را درس کہ دہد پارسی بومرہ را

یعنی گدھے کے بچے پر کون بوجھ رکھتا ہے اور بومرہ کو کون فارسی پڑھاتا ہے بومرہ کنیت شیطان کی ہے مطلب یہ کہ یہ باتیں بے جوڑ ہیں اور بے فائدہ ہیں اس لئے کہ گدھے کا بچہ ابھی بوجھ کو سنبھالنے کے لائق نہیں ہے اور شیطان جو کہ اوروں کو پڑھنے سے روکتا ہے خود تو کیا ہی پڑھے گا تو اسی طرح مست حق کو تکلیف احکام دینا سخت غیر موزوں ہے اور قاعدہ ہے کہ۔

بار بر گیرند چون آمد عرج گفت حق لیس علی الاعمی حرج

یعنی جب لنگڑا پن آتا ہے تو بوجھ اتار لیتے ہیں اور حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اندھے پر کوئی تکلیف نہیں ہے۔

ہمچنیں لیس علی الاعرج حرج نیست رنجے چوں عمیٰ و چوں حرج

یعنی اسی طرح لنگڑے پر حرج نہیں ہے اس لئے کہ اندھے پن اور لنگڑے پن کی طرح کوئی تکلیف نہیں ہے مطلب یہ کہ دیکھو اندھے لنگڑے جو معذور ہوں اُن کو حق تعالیٰ نے بھی معذور رکھا ہے تو بس پھر میری تو یہ حالت ہے کہ۔

سوی خود اعمیٰ شدم از حق بصیر پس معافم از قلیل و از کثیر

یعنی میں اپنی طرف سے تو اندھا ہوں اور حق تعالیٰ کی طرف سے بصیر ہوں پس میں قلیل و کثیر (سب احکام) سے معاف کیا گیا ہوں اور مجھپر احکام کی تکلیف نہیں ہے مطلب یہ ہے کہ خواجہ نے اُس روستائی سے کہا کہ کمبخت تو یہ کہتا ہے اور تیری یہ حالت ہے کہ۔

لاف درویشی زنی و بیخودی ہائے ہوئے عاشقان ایزدی

یعنی درویشی اور بیخودی کی شیخی مارتا ہے اور عاشقان حق جیسی ہائے ہوئے کرتا ہے اور کہتا ہے کہ۔

کہ زمیں را من ندانم ز آسماں امتحانت کرد غیرت امتحاں

یعنی کہ میں زمین کو آسمان سے پہچان نہیں سکتا تو غیرت حق نے تیرا امتحان کیا ہے امتحان مطلب یہ کہ خواجہ نے کہا کہ نالائق تو مست حق بنتا تھا اور اپنے کو عاشق خدا بناتا تھا اور تھا کاذب تو حق تعالیٰ نے تیرا امتحان کیا ہے کہ اُس کرہ خر کو میرے ہاتھ قتل کرایا اور اُسوقت آپ کے استغراق کی حقیقت کھلگئی کہ پہچانا بھی کیا کہ اُس کا گوز تف ہے۔

باد خر کرہ چنیں رسوات کرد ہستی نفی ترا اثبات کرد

یعنی گدھے کے بچے کے گوز نے تجھے رسوا کر دیا اور تیری ہستی کی نفی کو ثابت

کردیا مطلب یہ کہ تو جو اپنی ہستی کی فنا کا دعویٰ کرتا تھا اس گوزخرہ کرہ کے پہچان سے
حق تعالیٰ نے ظاہر کردیا کہ تو نہ فانی ہے نہ کچھ بلکہ مکار محض ہے آگے مولانا فرماتے ہیں

شرح حبیبی

اینچنیں رسوا کند حق شیدرا ۔ اینچنیں گیرد رمیدہ صیدرا
صد ہزاراں امتحان است اے پدر ۔ ہر کہ گوید من شدم سرہنگ در
گر نداند عامہ اورا زامتحان ۔ پختگان راہ جویندش نشان
چوں کند دعویٰ خیاطی کسے ۔ افگند در پیش او شہ اطلسے
کہ ببراین را بغلطاق فراخ ۔ زامتحان پیدا شود اورا دو شاخ
گر نبودے امتحان ہر بدے ۔ ہر مخنث در وغا رستم بدے
خود مخنث را زرہ پوشیدہ گیر ۔ چوں بہ بیند زخم می گردد اسیر

اب مولانا فرماتے ہیں کہ دیکھو حق سبحانہ مکر کو یوں ذلیل کرتے ہیں جسطرح اس دیہاتی
کے مکر کو ذلیل کیا لہذا آدم کو دعاوی باطلہ سے نہایت احتیاط چاہیئے کیونکہ جب کوئی
شخص دعویٰ کرتا ہے کہ مقرب بارگاہ خداوندی ہوگیا ہوں تو اس کو لاکھوں طرح
سے جانچا جاتا ہے جب امتحانات میں پاس ہو جاتا ہے تب یہ دعویٰ صحیح مانا جاتا
ہے اگر عام لوگ اس کا امتحان نہیں کرسکتے تو اس رستہ کے ماہریں تو اسکا کھوج
لگا لیتے رہیں کہ یہ رستہ پر چلا بھی ہے یا نہیں اور چلا ہے تو کہاں تک پہونچا ہے
دیکھو جب کوئی شخص درزی ہونے کا دعویٰ کرتا ہے تو امتحان کے لیئے بادشاہ
اس کے سامنے اطلس ڈالدیتا ہے کہ ذرا بغلطاق (ایک قسم کی قبا کا نام ہے)
فراخ تو قطع کرو اس امتحان سے اس کے دعوے کی دونوں شقیں صحت و بطلان

نفیاً و اثباتاً ظاہر ہو جاتی ہیں جب ادنیٰ اسے دعوے بلا امتحان کے تسلیم نہیں کیے جاتے تو اتنا بڑا دعویٰ بدون امتحان کے کیونکر قابل قبول ہوگا پس معلوم ہوا کہ امتحان کی ضرورت ہے نیز اگر امتحان نہ ہوتا تو ہر شخص جنگ میں رستم بن سکتا تھا پس وہ امتحان ہی ہے جو حق و باطل ودعاوے صادقہ وکاذبہ میں امتیاز کرتا ہے اگر یہ نہ ہوتا تو بڑا خلط مبحث ہو جاتا اور فساد عظیم لازم آجاتا لیکن جب قانون امتحان مقرر ہو گیا تو اب کسی کی تلبیس نہیں چل سکتی فرض کرو کسی مخنث نے بدعویٰ رستمی زرہ بھی پہن لی اور کسی مدعی کاذب نے اہل اللہ کی صورت بھی بنالی لیکن اس سے کیا ہوتا ہے جب وہ مخنث زخم کھائیگا تو بجائے اس کے کہ ثابت قدم رہے فوراً بول اٹھے گا کہ مجھے قتل نہ کرو گرفتار کر لو یونہی جب مدعی تقرب زیر امتحان آئیگا اُس کی بھی حقیقت کھلجاوے گی۔

شرح شبیری

اینچنیں رسوا کند حق شید را　　　اینچنیں گیر د رمیدہ صید را

یعنی حق تعالیٰ اسیطرح مکر کو رسوا کر دیتے ہیں اور اسی طرح بھاگے ہوئے شکار کو پکڑ لیتے ہیں۔

صد ہزاراں امتحانست ای پدر　　　ہر کہ گوید من شدم سرہنگ در

یعنی بابا لاکھوں امتحانات ہیں جو کوئی کہتا ہے کہ میں سپاہی ہوں سپاہی سے مراد مرد حق مطلب یہ کہ جو شخص کہ اس راہ حق میں مرد بنتا ہے اُس کے لیئے لاکھوں امتحانات ہیں۔

گر ندانند عامہ اور از امتحاں　　　پختگان راہ جویندش نشاں

یعنی اگر عوام اُس کو امتحان سے نہ پہچان سکیں تو جو اس راہ کے پختہ ہیں وہ اُسکے نشانات کو تلاش کرتے ہیں مطلب یہ کہ اگر عوام الناس کو خبر نہ ہوئی اور وہ نہ پہچان سکے کہ یہ مرد حق ہے یا نہیں تو اہل اللہ اُسکو پہچان لیتے ہیں اور اُس کے

امتحانات کرتے ہیں آگے اُس کی مثال فرماتے ہیں کہ ۔

چوں کند دعویٰ خیاطی کسے — افگند در پیش او شہ اطلسے

یعنی جب کوئی درزی ہونے کا دعوے کرے تو بادشاہ اُس کے آگے ایک اطلس ڈالدیتا ہے اور کہتا ہے کہ

کہ بُبر ایں را بغلطاق فراخ — زامتحاں پیدا شود او را دو شاخ

یعنی کہ اس کا ایک قبا فراخ تراش دے تو امتحان سے اُس کی حالت ظاہر ہو جاوے اور معلوم ہو جاوے کہ صرف دعویٰ تھا اور کچھہ نہیں ہے جانتے بوجھتے کچھہ نہیں

گر نبودے امتحان ہر بدی — ہر مخنث در وغا رستم بُدے

یعنی اگر ہر بد آدمی کا امتحان نہ ہوا کرتا تو ہر مخنث لڑائی میں رستم بنجایا کرتا اسلیے زبان سے کہہ لینا کیا مشکل ہے سب کہہ لیا کرتے ہیں کہ ہم رستم ہیں ۔

خود مخنث را زرہ پوشیدہ گیر — چوں بہ بیند زخم او گردد اسیر

یعنی مخنث کو زرہ پہنے ہوئے بھی فرض کرلو مگر جب وہ زخم دیکھے گا تو وہ اسیر ہو جاوے گا مطلب یہ کہ اگر مخنث نامرد سارے سامان حفاظت کے بھی کر لے مگر اُس فطری ضعف طبع کو کہاں لے جاوے گا تو جب خون نکلیگا اور اُن کی پھونک نکلے گی ساری حقیقت معلوم ہو جاویگی تو اسیطرح جو شخص دعویٰ قرب حق کا کرے اور ہو غلط وہ بھی ظاہر ہو جاتا ہے جیسے کہ اس روستائی نالائق کا ہو گیا آگے پھر اُسی خواجہ کا قول بیان کرتے ہیں کہ وہ اسکو بُرا بھلا کہہ رہا ہے اُس خواجہ نے کہا کہ ۔

شرح حبیبی

مست مے ہشیار گردد از دبور	مست حق تاید بخود از نفخ صور

بادہ حق راست باشد نے دروغ | دوغ خوردی دوغ خوردی دوغ دوغ
ساختی خود را جنید و بایزید | رو کہ نشناسم ترا از کلید
بدرگی و نبلی و حرص و آز | چوں کنی پنہاں بشید اے مکر ساز
خویش را منصور حلاجے کنی | آتشے در پنبۂ یاراں زنی
کہ نہ نشناسم عمر از بولہب | باد خر کرہ شناسم نیم شب
اے خرے کایں از تو خر باور کند | خویش را بہر تو کور و کر کند
خویش را از رہرواں کمتر شمر | تو حریف رہزنانی گہ مخور
باز پر از شید و سوئے عقل تاز | کے پرد بر آسمان پر مجاز
خویشتن را عاشق حق ساختی | عشق با دیو سیاہے باختی
عاشق و معشوق را در رستخیز | دو بہ یک بند و در پیش آرند نیز
تو چو خود را کیج و بے خود کردہ | خوں رز کو خون ما را خوردہ
رو کہ نشناسم ترا از من بجہ | عاشق بے خویشم و بہلول دہ

ان اشعار کے اندر ہر دو احتمال ہیں یہ بھی کہ مولانا کا مقولہ ہوں اور مخاطب ہر مدعی کاذب ہو اور یہ بھی کہ امیر کا مقولہ ہوں اور مخاطب وہ دہقانی ہو جب یہ معلوم ہو چکا تو اب حل سنو اے مدعی کاذب یا اے دہقانی یاد رکھ کہ جو لوگ شراب سے مست ہوں تو وہ چھوا ہوا سے ہوش میں آسکتے ہیں اور مدعی کاذب ذرا سے محرک سے اپنی اصلی حالت کو ظاہر کر دیتے ہیں لیکن جو لوگ شراب محبت حق سے مست ہوں وہ نفخ صور اور قوی سے قوی محرک سے بھی ہوش میں نہیں آسکتے اس لیئے کہ شراب حق اصلی اور صادق نشہ رکھتی ہے اس کا نشہ کاذب نہیں ہوتا نشہ کاذب تصنع کا ہوتا ہے جو ذرا سی دیر میں اتر جاتا ہے پس تو یاد رکھ

تو نے شراب محبت حق نہیں پی ہے بلکہ تصنع کیا ہے جو اپنے اثر میں ضد ہی اثر شراب محبت حق کی اس لیئے اُس کو شراب محبت حق سے وہی نسبت ہے جو دہی کو شراب متعارف سے تو نے اپنے کو جنید اور بایزید تو بنار کھا ہے اور کہتا ہے کہ جاؤ مجھے تو کلہاڑی اور کنجی میں بھی تمیز نہیں ہے میں تو مشاہدۂ کمالات حق سبحانہ میں ہمہ تن مشغول ہوں لیکن یہ تو بتا کہ تو اپنی بدذاتی اور طاعت حق سبحانہ میں کاہلی اور حرص و طمع کو مکر سے کیونکر چھپا سکیگا جو تیرے دعوے کے بطلان کو ظاہر کر رہی ہیں تو اپنے کو منصور حلاج بناتا ہے اور بایزید بسطامی کو بھی جھومنے میں ڈالتا ہے اور یہ بھی کہتا ہے کہ میں حضرت عمر اور ابولہب میں امتیاز نہیں کرتا میں اتنا بیخود ہوں اور ان باتوں کے ساتھ ہی یہ بھی کہتا ہے کہ میں آدھی رات کو گدھے کے بچے کے گوز کو پہچانتا ہوں یا اُس کے مماثل اور ایسے دعوے کرتا ہے جو پہلے دعووں کے منافی ہیں تو ایسی صورت میں کوئی گدھا ہی تیرے دعووں کی تصدیق کر سکتا ہے اور تیری خاطر اپنے کو اندھا اور بہرا کر سکتا ہے کہ تیرے دوسرے دعووں کو سنے ہی نہیں جو پہلے دعووں کے منافی ہیں یا سنے تو سہی لیکن ان کے مناقض ہونے کو سمجھے ہی نہیں ارے احمق تو اہل اللہ کی برابری کا دعویٰ مت کر بلکہ اُن سے اپنے کو حقیر سمجھ تو رہرو راہ حق نہیں بلکہ تو تو رہزنوں کا ہم پیشہ ہے پس جھوٹے دعوے کر کے گوہ مت کھا مکر کو چھوڑ اور ہوش میں آ۔ یاد رکھ تو مصنوعی پروں سے آسمان پر نہیں اڑ سکتا اور اہل اللہ کی صورت بنانے سے مقرب نہیں بن سکتا بے وقوف تو اپنے کو عاشق حق سبحانہ ظاہر کرتا ہے حالانکہ شیطان پر عاشق ہے کہ اُس کی طاعت میں سرگرم ہے دیکھنا قیامت میں تجکو اور تیرے معشوق ابلیس کو ساتھ باندھیں گے اور سرعت کے ساتھ تجھے حق سبحانہ کے سامنے لیجائینگے اُسوقت دیکھنا کیسی گت بنے گی تو نے جو اپنے کو پاگل اور بیخود بنار کھا ہے یہ مستی شراب حق تو کجا شراب انگوری بھی نہیں بلکہ ہمارا خون پیا ہے اور بندگان حق کو ستایا ہے اُس کی ہے یعنی بندگان حق سبحانہ کو یا ہمکو ستانیکی شامت ہی کہ تو بلائے تصنع میں گرفتار ہوا ہی اور کہتا ہی کہ جاؤ میں تم کو نہیں پہچانتا

میرے پاس سے چلے جاؤ میں عاشق بیخود ہوں اور گانوں کا بہلول ہوں۔

شرح شبیری

مست مے ہشیار چوں شد از دبور　　　مست حق نا ید بخود از نفخ صور

یعنی مست شراب تو دبور سے ہشیار ہو جاتا ہے اور مست حق نفخ صور سے بھی خودی میں نہیں آیا مطلب یہ کہ جو کہ مست شراب ہیں وہ تو پچھوا ہوا سے ہوشیار ہو جاتے ہیں (شاید ایسا اگر چونکہ وہ ٹھنڈی ہوتی ہے لہذا اس کی خنکی سے ہوش آجاتا ہو تحقیق نہیں ہے غرض کہ اُس نے کہا کہ وہ تو اس سے بھی ہشیار ہو جاتا ہے مگر) مست حق تو نفخ صور سے بھی خودی میں نہیں آتا۔ بلکہ اُسی طرح مسرور اور خوش وخرم رہتا ہے اس لئے کہ قرآن شریف میں موجود ہے لا یحزنهم الفزع الاکبر تو اُس وقت ان پر جو حالت ہو گی اُس حالت میں وہ کیفیت حب حق کی تو اُن سے زائل نہ ہوگی وہ رہے گی آگے فرماتے ہیں کہ جو کہ مست حق ہیں وہ تو اسقدر عظیم واقعہ سے بھی اس استغراق سے نہ جاگیں گے اور جناب والا کا استغراق گوز خر سے جاتا رہے لاحول ولا قوۃ الا باللہ تف ہے نالائق خبیث اور اُس نے کہا کہ۔

بادۂ حق راست باشد نے دروغ　　　دوغ خوردی دوغ خوردی دوغ دوغ

یعنی بادۂ حق تو راست ہوا کرتا ہے نہ کہ دروغ ارے تو نے تو دوغ کھایا ہے دوغ دوغ مطلب یہ کہ تجھکو اصل شے حاصل نہیں ہے بلکہ جھوٹی اور کاذب اشیاء پر مغرور ہو رہا ہے۔

ساختی خود را جنید و با یزید　　　رو کہ نشناسم تبر را از کلید

یعنی تو نے اپنے کو جنید اور بایزید بنایا ہے اور کہتا ہے کہ میں کنجی کو کلہاڑی سے ممتاز نہیں کر سکتا یعنی میں بوجہ استغراق کے یہ بھی نہیں پہچان سکتا کہ کونسا کلہاڑا ہے اور کونسی کنجی ہے اسقدر استغراق بڑھا ہوا ہے یہ تو کہہ رہا ہے مگر یہ تو بتا کہ۔

بدرگی و منبلی و حرص و آز چوں کنی پنہاں بشید لے مکرساز

یعنی اے مکرساز بدرگی کو اور کاہلی کو اور حرص و آز کو توکس طرح چھپا سکتا ہے مطلب یہ کہ جسطرح کہ مخنث نے زرہ پہن لی اور تمام سامان حفاظت کے کرلیئے مگر اپنی اصلی اور جبلی عادت ضعف طبیعت سے تو معذور ہے اُس کو کہاں ہٹا وے گا تو اسیطرح اگرچہ تو نے بہت سے عبا و قبا لا دلیئے اور صورت درویشوں کی بنالی مگر اپنی اصلی خصلتوں کو کہاں چھپائے گا ایسے تو آپ کی ساری حقیقت معلوم ہوجاویگی۔

خویش را منصور حلاجی کنی آتشے در پنبۂ یاراں زنی

یعنی اپنے کو تو منصور حلاجی بناتا ہے اور آگ دوستوں کی روئی میں لگاتا ہے حضرت منصور کو کہا جاتا ہے کہ آپ نداف تھے اس سے آپ کو حلاج کہتے ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ آپ کی کرامت سے ایک مرتبہ روئی دھنی گئی تھی تو آپکو حلاج کہتے ہیں اور انکا نام حسین ہے ان کے والد کا نام منصور ہے اور یہ منصور انا الحق والے حسین ابن منصور ہیں مگر یہ اپنے والد ہی کے نام سے مشہور ہیں تو اُس خواجہ نے کہا کہ ارے منصورؒ کی کرامت سے تو روئی درست ہوگئی تھی اور تو انکی مشابہت کرتا ہے اور دوستوں کی روئی میں آگ لگاتا ہے یعنی اُن کو نقصان پہونچاتا ہے اُن کو دھوکے دیتا ہے اور کہتا ہے کہ۔

کہ نہ بشناسم عمر از بولہب باد خر کرہ شناسم نیم شب

یعنی عمر کو ابولہب سے (ممتاز کرکے) تو پہچان نہیں سکتا (مگر) گوز خرکرہ کو آدھی رات کو بھی شناخت کرلیتا ہوں۔

اے خری کایں از تو خر باور کند خویش را بہر تو کور و کر کند

یعنی ارے گدھے تجھسے اس بات کو وہ گدھا یقین کرلیگا جو کہ اپنے آپ کو تیرے لیئے کور و کر لیگا مطلب یہ کہ جو حق سے اندھا بن جاوے تو وہ تیری اس بات کو مان لیگا ورنہ اور کوئی تو مان نہیں سکتا آگے وہی خواجہ کہتا ہے کہ

خویش را از رہبراں کمتر شمر تو حریفے رہزناں نے گہ مخور

یعنی اپنے کو سالکین سے کم سمجھ اس لیئے کہ تو تو رہزنوں کا ہم پیشہ ہے (تو دعویٰ کر کے) گرُ مت کھا یعنی فضول بڑائی مت کر کر کچھ بھی مفید نہیں ہے۔

باز پرا ز شید و سوے عقل تاز　　　کے پرد پر آسماں پر مجاز

یعنی مکر سے واپس ہو اور عقل کی طرف دوڑ اس لیئے کہ پر مجازی آسمان پر کب اڑ سکتا ہے لہذا جب تیرے پاس حقیقی کمالات نہیں ہیں تو ان کمالات مجازی سے عروج نہیں ہو سکتا لہذا اس مکر کو چھوڑ دو اور ان اپنے تراشے ہوئے ظاہری کمالات پر غرہ مت کرو کہ فضول ہیں۔

خویشتن را عاشق حق ساختی　　　عشق با دیو سیاہے باختی

یعنی تو اپنے کو عاشق حق بناتا ہے حالانکہ عشق بازی ایک دیو سیاہ کے ساتھ کر رہا ہے یعنی ساتھی شیطان کا بنا ہوا ہے اور بتاتا ہے کہ عاشق حق ہوں۔

عاشق و معشوق را در رستخیز　　　دو بدو بندند پیش آرند تیز

یعنی عاشق و معشوق کو قیامت میں ایک دوسرے سے باندھیں گے اور تیزی کے ساتھ حق تعالیٰ کے سامنے لاویں گے اس لیئے کہ المرء مع من احب تو جب اس شخص کو تعلق اصل میں شیطان کے ساتھ ہے تو اسکو اور شیطان کو ساتھ لاوینگے پھر دیکھلو کہ شیطان کہاں جاوے گا وہیں یہ حضرت بھی چلیں گے۔

تو چو خود را گیج و بے خود کردۂ　　　خون رز کو خون ما را خوردۂ

یعنی تو نے اپنے آپ کو جو دیوانہ اور بے خود بنا رکھا ہے تو خون انگور کیا تو نے ہمارا خون کھایا ہے مطلب یہ کہ یہ جو تو دیوانہ اور بیخود بنا ہوا ہے یہ شراب کی وجہ سے نہیں ہے ارے کمبخت تو تو ہم کو ستایا ہے اور ہمارا خون کھایا ہے اُس کی وجہ سے دیوانہ اور پاگل ہو رہا ہے اور کہتا ہے کہ۔

رو کہ نشناسم ترا از من بجہ　　　عاشق بے خویشتم و بہلول دہ

یعنی کہ جا کہ میں تجھے نہیں پہچانتا مجھ سے الگ ہو میں عاشق بیخود ہوں اور گانوں کا بہلول ہوں یعنی کہتا ہے کہ بھائی میں تو بیخود ہو گیا ہوں میں کسیکو نہیں پہچانتا اور

جسطرح کہ حضرت بہلول مست حق تھے اسیطرح میں بھی ہوں (کمبخت بہلول بنتا ہے بہلول ہے) آگے کہتے ہیں کہ۔

شرح حبیبی

تو تو ہم میکنی از قرب حق ۔۔۔ کہ طبق گر دور نبود از طبق

آں نمی بینی کہ قرب اولیا ۔۔۔ صد کرامت دارد و کار و کیا

آہن از داؤد مومے می شود ۔۔۔ موم در دستت چو آہن می بود

قرب خلق و رزق بر جملہ است عام ۔۔۔ قرب وحی عشق دارند ایں کرام

قرب بر انواع باشد اے پدر ۔۔۔ می زند خورشید بر کہسار و زر

لیک قربے ہست با زرشید را ۔۔۔ کہ ازاں آگہ نباشد بید را

شاخ خشک و تر قریب آفتاب ۔۔۔ آفتاب از ہر دو کے دارد حجاب

لیک کو آں قربت شاخ طری ۔۔۔ کہ ثمار پختہ از وے می بری

شاخ خشک از قربت آں آفتاب ۔۔۔ غیر زود تر خشک گشتن و میاب

بنگر ایں کاں شاخ خشک از قرب خور ۔۔۔ غیر خشکی کے برد چیزے دگر

آں چناں مستی مباش اے بیخرد ۔۔۔ کہ بہ عقل آید پشیمانے خورد

بلکہ زاں مستاں کہ چوں مے میخورند ۔۔۔ عقلہائے پختہ حسرت می برند

اے گرفتہ ہمچو گربہ موش پیر ۔۔۔ گر ازاں مے شیر گیری شیر گیر

اے بخوردہ از خیال جام ہیچ ۔۔۔ ہمچو مستان حقائق بر مپیچ

می فتی ایں سو و آں سو مست وار ۔۔۔ اے تو ایں سو نیستت آں سو گذار

گر بدآنسو راہ یابی بعد ازاں — گہ بدیں سو گہ بداں سو سرفشاں
جملہ زیں سوئے ازاں سو گپ مزن — چوں نداری مرگ ہرزہ جاں مکن
آں خضر جاں کز اجل نہراسد او — شاید از مخلوق را نشناسد او
کام از ذوق تو ہم خوش کنی — در دمے در خیک خود پرش کنی
پس بیک سوزن تہی گردد زباد — انچنیں فربہ تن لاغر مباد
کوزہا سازی ز برف اندر شتا — کے کند چوں آب بیند او وفا

یہ ابیات بھی دو احتمال رکھتے ہیں یا مولانا کا مقولہ ہوں کما ہو الاظہر یا امیر کا اب حل سنوائے مدعی کاذب یا اے دیوانی تو قرب حق کی حقیقت صرف تعلق خالقیت و مخلوقیت وصانعیت و مصنوعیت سمجھتا ہے اور یہ نہیں جانتا کہ جو قرب خاص اولیاء اللہ کو حاصل ہوتا ہے اسمیں سیکڑوں عظمتیں اور ہزاروں شان و شوکت ہوتی ہیں اُن سے وہ افعال ظاہر ہوتے ہیں جو دوسروں سے نہیں ہوتے چنانچہ جو اہل اللہ داؤد علیہ السلام کی طرح مقرب بارگاہ ہیں وہ لوہے کو نرم کر سکتے ہیں اور نفس کی رعونت کو دور کر سکتے ہیں تو تو کر نیری تو یہ حالت ہے کہ تونے تو میم کو لوہا کر لیا اور نفس جو ابتدا اُنکو در تھا اب اُسکو زبردست بنادیا پس معلوم ہوا کہ اُنکو صرف قرب خالقیت و مخلوقیت اور رزاقیت و مرزوقیت ہی حاصل نہیں کیونکہ وہ تو سب کو حاصل ہے حتی کہ کفار کو بھی بلکہ اُن کو ایک اور قرب بھی حاصل ہے جس کے ذریعہ سے یہ دوسروں سے ممتاز ہیں یعنی قرب وحی عشق یعنی وہ قرب جس کی بنا پر اسپر علوم و معارف فائض ہوتے ہیں جس کا منشا ران کا عشق یا حضرت حق سبحانہ ہے ارے بابا کچھ حقیقت قرب ایک ہی فرد میں منحصر نہیں کہ تو اُس کے علاوہ دوسرے افراد کی نفی کرتا ہے بلکہ اُس کی تو مختلف قسمیں ہیں دیکھ تو سہی آفتاب پہاڑوں وغیرہ پر بھی چمکتا ہے اور سونے پر بھی لیکن سونے کے ساتھ جو قرب خاص ہے وہ پہاڑ

اور بید وغیرہ کے ساتھ نہیں اور اُس کی انکو ہوا بھی نہیں لگی نیز آفتاب کو شاخ تر
اور شاخ خشک ہر دو سے قرب ہے کیونکہ آفتاب دونوں پر نور افشانی کر رہا ہے اور
محجوب نہیں ہے لیکن شاخ خشک کو وہ تقرب کہاں حاصل ہے جو شاخ تر کو حاصل ہے
کہ اس سے تم کو پختہ میوے ملتے ہیں جو کہ شاخ خشک سے نہیں ملتے ہیں بلکہ
شاخ خشک کو تو اس قرب آفتاب سے صرف یہ حاصل ہوتا ہے کہ جلد خشک ہو کر
آگ میں جلنے کے کام آسکے پس اسی قسم کا تفاوت اہل اللہ اور غیر اہل اللہ کے قرب
میں ہے کہ اہل اللہ کو اس سے ثمرات باطنی حاصل ہوتے ہیں اور غیر اہل اللہ کے
لیے بجز زیادتی نقص کے اور کچھ بھی حاصل نہیں ہوتا دیکھلو شاخ خشک کو قرب آفتاب
سے صرف خشکی ہی حاصل ہوتی ہے اور کچھ بھی نہیں پس تو ایسا مست نہ ہو کر ہوش آنیکے
بعد ندامت ہو بلکہ اُن مستوں میں سے ہو کہ جب وہ شراب پیتے ہیں تو دیگر عقلاء کو حسرت
ہوتی ہے کہ کاش ہمکو بھی اس کا کوئی جرعہ ملجاتا۔ ارے تو تو بلی کی طرح چوہے کو پکڑ رہا
ہے اور دنیا سمیٹ رہا ہے۔ اگر تو شراب حق سے مست ہی تو شیر کو پکڑ یعنی عالی حوصلہ
بن اور دولت اخروی حاصل کر ارے تجھے تو اُس جام شراب حقیقی کے خیال سے
بھی کوئی حصہ نہیں ملا پس تو اہل اللہ کی طرح مضطرب مت ہو تو مستوں کی طرح کبھی
ادھر گرتا ہے کبھی اُدھر ارے بیوقوف تو تو ابھی ادھر ہی ہے اُدھر کی تو تجھے ہوا
بھی نہیں لگی۔ ہاں جب تو اُس کوچہ سے واقف ہوگا پھر شوق سے کبھی ادھر سر ٹیکیے
گا کبھی اُدھر اور شوق سے وجد کرنا کون منع کرتا ہے لیکن ابھی تو تو سراسر ادھر ہی ہے
لہذا ابھی تو اُدھر کی ڈینگیں نہ مار اور جب تو مرنہیں رہا ہے تو بے فائدہ جاں کنی
ظاہر مت کر حاصل یہ کہ اگر کوئی آدمی واقع میں شراب محبت سے مخمور ہو اور تاب
ضبط نہ رکھتا ہو پھر اُس سے حرکات مستانہ و مجنونانہ غیر منضبط صادر ہوں تو مضائقہ
نہیں لیکن بننا نہ چاہیئے کہ یہ جھوٹا دعویٰ اور تلبیس ہے جو کہ حب جاہ و مال سے ناشی
ہے لہذا حرام ہوگا تو دنیا دار ہو کر خواہ مخواہ مخلوق سے بے خبر بنتا ہے ہاں جو لوگ
خضر کی سی روح اپنے اندر رکھتے ہیں اور دنیا سے اتنے بے تعلق ہیں کہ موت سے

بھی نہیں ڈرتے وہ اگر مخلوق کو نہ پہچاننے کا دعویٰ کریں تو اُن کو زیبا ہے تیری تو یہ حالت ہے جیسے کوئی مزیدار اشیاء کھا کر چٹخارے لیتا ہوا در تو تو اپنی مشک کو پھونک مار کر بھر رہا ہے ایسی مشک ایک سوئی چبھو دینے سے ہوا سے خالی ہو جاتی ہے یعنی تیرا ذوق شوق محض وہم کی بناء پر ہے نہ کہ بناء بر حقیقت اور تیرا تقدس محض ظاہری ہے نہ کہ تحقیقی لہٰذا وہ ذرا سے امتحان سے زائل ہو جاتا ہے اور اصلی حالت ظاہر ہو تی ہے اب مولانا فرماتے ہیں کہ خدا کرے ایسے دھوکے باز جو بظاہر پارسا اور بباطن شیطان ہیں اور جن کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی دیکھنے میں موٹا تازہ ہو اور باطن میں دبلا پتلا یعنی مکر ور ہو غارت ہو جائیں کہ لوگ ان کی تلبیس سے رہائی پائیں اسے دھوکہ باز صوفی تو یاد رکھ کہ تیرا فریب یقیناً ظاہر ہو جاوے گا اور تو رسوا ہو گا اگر جاڑے میں تو نے برف کے گلاس بنا بھی لیے تو کیا ہوا جب اُن میں پانی ڈالا جاوے گا تو وہ ٹھہر تھوڑا ہی سکتے ہیں فوراً گھل جائیں گے یعنی اگر تو نااہلوں کے سامنے بزرگ بن بھی گیا تو جب اہل اللہ تجھے جانچیں گے تو تیری یہ تلبیس قائم نہ رہ سکے گی۔

شرح شبیری

تو تو ہم مبکنی از قرب حق کہ طبق گر دور نبود از طبق

یعنی تو قرب حق سے وہم کرتا ہے کہ طبق گر طبق سے دور نہیں ہوتا۔

ایں ہمی بینی کہ قرب اولیا صد کرامت دارد و کار و کیا

یعنی اسکو نہیں دیکھتا کہ اولیاء اللہ کا قرب اور سو کرامتیں اور عزو شان رکھتا ہے مطلب یہ کہ تجھے شاید یہ غرور ہو رہا ہے کہ جسطرح کہ صانع مصنوع کی من حیث الصانعیۃ قریب ہوتا ہے اسی طرح چونکہ حق تعالیٰ صانع ہیں وہ بھی میرے قریب ہیں تو تجھے

قرب حق حاصل ہی تو ارے جاہل یہ تو سمجھ کہ یہ قرب تو سب کو حاصل ہی حتی کہ کفار کو بھی حاصل ہی دیکھنا تو
اُس قرب کا ہی جو کہ حضرات اولیا راللہ کو حاصل ہوتا ہی اگر وہ قرب تجکو حاصل ہی تو بیشک تجھکو قرب حق
حاصل ہی اور اگر وہ حاصل نہیں ہے تو قرب حق حاصل نہیں ہے اس لئے کہ یہ قرب اولیا رجو ہوتا ہی اس کے اندر
کمالات ہوتے ہیں ورنہ یوں تو سب قریب ہیں جیسا کہ ارشاد ہی وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ تو اس
قرب پر غرہ نہونا چاہئے معلوم ہوتا ہی کہ مولانا کے زمانہ میں اسطرح قرب حق کا بھی دعوی کیا ہی مولانا اس کا
رد فرماتے ہیں اس خواجہ کی زبانی آگے فرماتے ہیں کہ تجھے وہ قرب تو کیا حاصل ہوتا بلکہ تو تو اُنکی ضد ہی
تیری اور اُنکی تو یہ حالت ہے کہ۔

آہن از داؤد موے می شود موم در دستت چوں آہن می بود

یعنی داؤد علیہ السلام کے ہاتھ میں تو آہن موم ہو جاتا ہی اور تیرے ہاتھ میں موم بھی لوہے کی طرح ہو جاتا ہے
مطلب یہ کہ تمہارے ہاتھ میں سہل چیزیں بھی مشکل ہو جاتی ہیں اور حضرات اہل اللہ کے سامنے مشکل بھی
سہل ہو جاتے ہیں تو پھر تم اور یہ حضرات ایک درجہ میں کب ہو سکتے ہیں۔

قرب حق و رزق بر جملہ است عام قرب وحی عشق دارند ایں کرام

یعنی قرب حق اور رزق تو سب پر عام ہی اور وحی عشق کا قرب یہ کرام ہی رکھتے ہیں مطلب یہ کہ قرب
دو قسم کا ہی قرب خاص اور قرب عام قرب عام تو وہی قرب من حیث الصانعیۃ ہے وہ سب کے لئے عام ہے
جیسے کہ رزق عام ہی اور قرب خاص وہ ہی جو کہ اہل اللہ کو حاصل ہوتا ہی کہ جسمیں حق تعالی کی محبت اور اُس کے
کلام اور اُس کے انعامات سے مشرف ہوتے ہیں تو مولانا فرماتے ہیں کہ یہ قرب عام تو قابل فخر نہیں ہی اسلئے کہ یہ تو
عوام الناس حتی کہ کفار اور حیوانات اور جمادات کو بھی حاصل ہے ہاں وہ قرب خاص قابل حصول ہے
آگے خود ہی اُس کے مختلف قسم ہونا بیان فرماتے ہیں کہ۔

قرب بر انواع باشد اے پدر می زند خورشید بر کہسار و زر

یعنی اے بابا قرب کئی قسم پر ہوتا ہی (جیسے کہ) خورشید کہسار پر اور زر پر دونوں پر پڑتا ہے

لیک قربے ہست باز رشید را کہ ازاں نبود خبر مر بید را

یعنی لیکن ایک قرب خاص خورشید کو زر کیساتھ ہی کہ اُسکی خبر بید کو نہیں ہے مطلب یہ کہ دیکھو آفتاب کی شعاعیں
معدن زر پر بھی پڑتی ہیں اور اور چیزوں مثل لکڑی وغیرہ کے اوپر بھی پڑتی ہیں مگر معدن پر جو پڑتی ہیں وہ

تو سونا بنتا ہی اور دیگر اشیاء پر ویسی نہیں پڑتی ورنہ اور ساری چیزیں بھی سونا بنجایا کرتیں تو دیکھو جسطرح کہ قرب سبکے ساتھ ہی مگر پھر فرق ہی اسیطرح حق تعالیٰ کو قرب بمعنی عام سب کے ساتھ ہی مگر پھر بھی فرق ہی بعض وہ ہیں کہ جنکے ساتھ خصوصیت ہے اور اس قرب سے اُن کے اندر کمالات پیدا ہوتے ہیں اور بعض وہ ہیں کہ جن کے اندر صفات پیدا نہیں ہوتے ہیں آگے اس فرق مراتب قرب کی ایک اور نفیس مثال فرماتے ہیں کہ

شاخ خشک و تر قریب آفتاب آفتاب از ہر دو کے دارد حجاب

یعنی شاخ خشک اور شاخ تر دونوں آفتاب کے قریب ہیں آفتاب دونوں سے کب حجاب رکھتا ہی یعنی وہ کسی سے منہ تو نہیں چھپاتا سب کے سامنے اور سب پر چمک ڈال رہا ہے۔

لیک کو آں قربت شاخ طری کہ ثمار پختہ از وے می خوری

یعنی لیکن وہ شاخ تر کی سی قربت کہاں ہی کہ اُس سے ثمار پختہ تو کھاوے گا مطلب یہ کہ دونوں شاخوں کو قرب آفتاب برابر حاصل ہی مگر شاخ تر کے قرب سے تو میوے کھانیکو ملتے ہیں اور شاخ خشک سے کچھ بھی نہیں بلکہ اُس کی یہ حالت ہوتی ہے۔

شاخ خشک از قربت آں آفتاب غیر زوتر خشک گشتن گو میاب

یعنی شاخ خشک کو قرب آفتاب سے سوائے جلدی خشک ہو جانیکی کچھ دو کہ مت پا مطلب یہ کہ شاخ تر کو جو قرب حاصل ہی اُس سے میوے ملیں گے اور شاخ خشک کے قرب سے سوائے اس کے کہ وہ اور جلدی خشک ہو جاوے کیا نتیجہ ہوگا تو اسیطرح جنکو کہ قرب خاص حاصل ہے اُنکے اندر تو کمالات پیدا ہوتے ہیں اور جنکو کہ قرب عام حاصل ہے اُن کے اندر کمالات کا نام بھی نہیں ہے اور فرماتے ہیں کہ۔

بنگر ایں کاں شاخ خشک از قرب خور غیر خشکی می برد چیزے دگر

یعنی اسکو دیکھو کہ وہ شاخ خشک قرب خورشید سے سوائے خشکی کے اور کچھ بھی لیجاتی ہے یعنی بس یہ اسکو یہی حاصل ہوتا ہے کہ اور بھی خشک ہو جاتی ہے اب آگے فرماتے ہیں کہ۔

آں چناں مستی مباش اے بیخرد کہ بہ عقل آید پشیمانی برد

یعنی اے بے عقل ایسا مست مت ہو کہ جب عقل میں آوے تو پشیمانی لیجاوے مطلب یہ کہ ایسی مستی مت اختیار کرو کہ جب ہوش میں آؤ تو افسوس کرو کہ ہم نے یہ کیا کیا۔

بلکہ زاں مستاں کہ چوں می میخورند عقلہائے پختہ حسرت می برند

یعنی بلکہ اُن مستوں میں سے ہو کہ وہ جب شراب پیتے ہیں تو عقول پختہ بھی حسرت لیجاتے ہیں مطلب یہ کہ اُن مستوں میں سے ہو کہ جب وہ اپنی مستی میں آتے ہیں تو جو عقول کہ پہلے سے پختہ ہیں وہ بھی حسرت لیجاتی ہیں کہ افسوس ہم ایسے نہ ہوئے اور وہ مستی حب حق کی ہے لہذا ہمیشہ مست حق ہو اور سچے بنو کذب سے کام نہیں چلتا آگے فرماتے ہیں

اے گرفتہ ہمچو گربہ موش پیر گر تو زاں می شیر گیری شیر گیر

یعنی اے شخص کہ تو بلی کی طرح بڈھے چوہے کو پکڑے ہوئی ہے اگر تو اُس شراب سے مست ہے تو شیر کو پکڑ موش پیر سے مراد جسم اور شیر سے مراد روح ہے مطلب یہ کہ اے شخص تو جو جسم پروری میں لگا ہوا ہے اُسکو ترک کر اسلیے کہ جب تو اُس حب حق کی شراب سے مست نہیں تو پھر روح کی پرورش کر اور اُسکو سنبھال کیا اس جسم کے پیچھے پڑا ہوا ہے

اے نخوردہ از خیال جام ہیچ ہمچو مستان حقائق بر مپیچ

یعنی اے شخص کہ وہ جام (اصلی) کے خیال سے کچھ بھی پئے ہوئے نہیں ہے تو مستان حق کی طرح مت اینٹھ مطلب یہ کہ اے شخص کہ تو صرف دعاوی ہی کرتا ہے اور اس جام محبت حق سے تو نے کچھ بھی نہیں پیا ہے پھر تو آن حضرت کی طرح مستی کیوں کرتا ہے اسلیے کہ تو نے تو کچھ پیا ہی نہیں ہے۔

می فتی ایں سو و آں سو مست وار اے تو ایں سو نیستت آں سو گذار

یعنی اے شخص کہ تو مست کی طرح اِدھر اُدھر گر رہا ہے تو تو اسیطرف ہی تیرا گذر اُس طرف نہیں ہے مطلب یہ کہ تو تو اس دنیا کے اندر چھپا ہوا ہے تجھے اُسطرف کی یعنی مستی حق کی کیا خبر لہذا فضول مکر اور فریب مت کر۔

گر بداں سو راہ یابی بعد ازاں گہ بدیں سو گہ بداں سو سر فشاں

یعنی اگر تو اُس طرف راہ پالے تو اس کے بعد کبھی اُدھر اور کبھی ادھر سر جھاڑ یعنی اگر مستی حق حاصل ہو جاوے تب تو اگر تو اِدھر اُدھر گرے پڑے تو ایک بات بھی ہے مگر اس سے پہلے تو فضول ہے کہ صرف دعویٰ اور دروغ ہے

جملہ زیں سوئے ازاں سو گپ مزن چوں نمار ی موت ہرزہ جاں مکن

یعنی تو تو بالکل اس طرف کا ہے اُس جانب سے گپ مت مارے اور جب تو موت نہیں رکھتا تو فضول جان کنی مت کر موت سے مراد مرتبہ فنا کا حاصل ہونا ہے مطلب یہ کہ تیری مقتضیات اور تیری خواہشات سب اسطرف ہی کی ہیں اور پھر تجھے ابھی مرتبہ فنا بھی حاصل نہیں ہے تو فضول تو بن رہا ہے اس سے کیا فائدہ ہوگا بلکہ ایک روز ساری قلعی کھلجاوے گی۔

آں خضر جاں کز اجل نہراسد او شاید از مخلوق رانشا سد او

یعنی وہ خضر جیسے جان والا جو کہ اجل سے ڈرتا نہیں اسکو لائق ہے کہ اگر وہ مخلوق کو نہ پہچانے خضر جان سے مراد عارف مطلب یہ کہ جو شخص کہ عارف ہے اور اسکو اسقدر شوق لقار حق ہے کہ وہ موت سے ڈرتا ہی نہیں بلکہ اور تمنا کرتا ہے جیساکہ اکثر بزرگوں سے منقول ہے کہ وہ معرفت کی تمنا کرتے تھے اور انکو دنیا میں بھی مرتبۂ فنا حاصل تھا تو اگر وہ مخلوق کو نہ پہچانیں تو کچھ تعجب نہیں اسلئے کہ انکو اسکا حق ہے مگر اس سے پہلے تو بالکل کذب اور صریح مکر ہے ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ ؎ خرم آں روز کزیں منزل ویراں بروم ۔ راحت جاں طلبم وز پے جاناں بروم ۔ نذر کردم کہ گر آید بسر ایں غم روزے ۔ تا درمیکدہ شاداں غزل خواں بروم ۔ اور بہت سے بزرگوں کی حکایتیں کہ انکو موت کے آنیکا اشتیاق تھا مشہور و معروف ہیں ۔

کام از ذوق توہم خوش کنی　　　درد مے در خیک خود پرش کنی

یعنی تالو کو ذوق توہم سے خوش کر رہا ہے اور اپنی مشک میں پھونک مار کر بھر رہا ہے ۔

پس بیک سوزن تہی گردی زباد　　　ایں چنیں فربہ تن لاغر مباد

یعنی پس تو ایک سوئی سے ہوا سے خالی ہوجاوے گا ایسا فربہ تن (ظاہر میں) اور لاغر تن (حقیقت میں) خدا کرے نہ ہو مطلب یہ کہ تو توہم قرب حق سے خوش ہو رہا ہے اور پھولا رہا ہے کہ مجھکو قرب حق حاصل ہے مگر یاد ہے کہ ساری کر شیخی اور ساری باتیں ایک ذرا سے امتحان سے نکلجاویگی اگر ادھر سے امتحان ہوگیا تو بس ساری مستی رہ جاویگی اور سارا قرب دھرا رہ جاویگا آگے اُس کی حالت کی سریع الزوال ہونے کو ایک مثال سے واضح فرماتے ہیں کہ :

کوزہا سازی زبرف اندر شتا　　　کے کند چوں تاب بیند آں وفا

یعنی اگر تم جاڑے میں برتن بنالو تو وہ جب گرمی دیکھیں گے کب وفا کرینگے مطلب کہ اگر تم کسی طرح سے برف کی برتن بنالو تو ان کو دیکھکر اگرچہ کوئی اسوقت دھوکا کھا جاویگا مگر جب گرمی انکو پہونچیگی تو یقیناً سب پگھل جاوینگے اور تمہاری ساری قلعی کھلجاویگی اسیطرح اگر تم قرب حق اور حب حق کا دعوی کرتے ہو تو ایک دن وہ ہوگا کہ تمہاری ساری قلعی کھلجاوے گی اور سب کو معلوم ہوجاوے گا کہ جناب کو کیسی محبت تھی آگے ایک گیدڑ کی حکایت کہ وہ رنگین ہوگیا تھا تو طاؤس صفت بننے کا دعوی کیا جب اُس سے کہا گیا کہ اچھا مور کیطرح ناچو یا آواز کرو تو وہ ان دونوں باتوں کو نہ کرسکا تو آخر اسکی قلعی کھلگئی اور ذلیل ہوا بیان فرماتے ہیں ۔

تمام شد نصف تقریبی ربع اول از دفتر ثالث کلید مثنوی ۔

عارف باللہ حضرت مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ کی نادر روزگار،
اور معرکہ آرا کتاب "مثنوی معنوی" کی جامع اور لاجواب شرح

کلیدِ مثنوی

حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہٗ

8

یہ وہ مقبول خاص و عام کتاب ہے کہ خواندہ ناخواندہ سب ہی اس سے دلچسپی لیتے ہیں مگر مضامین عالیہ ہونے کی وجہ سے مطالب سمجھنے میں بڑی دقت پیش آتی ہے اور بعض اوقات نوبت الحاد و زندقہ تک پہنچ جاتی ہے، حضرت حکیم الامت نے اشعارِ مثنوی کو واضح کر کے اور مسائل تصوف کو عام فہم بنا کر نہایت خوبی سے سمجھا دیا ہے حقیقت یہ ہے کہ اِس سے معتبر اور شریعت و طریقت کا پاس و ادب رکھ کر مضامین کو حل کرنے والی کوئی اور شرح نہیں لکھی گئی

اِدارہ تالیفاتِ اشرفیہ
بیرون بوہڑ گیٹ
ملتان

کلیدِ مثنوی

عارف باللہ حضرت مولانا جلال الدین رُومی رحمۃ اللہ علیہ کی نادر روزگار،
اور معرکہ آرا کتاب مثنوی معنوی کی جامع اور لاجواب اُردو شرح

کلیدِ مثنوی

از:

حکیم الامۃ مجدد الملۃ حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہ

جلد ۸

یہ وہ مقبول خاص و عام کتاب ہے کہ خواندہ، ناخواندہ سب ہی اس سے دلچسپی لیتے ہیں۔ مگر مضامین عالیہ ہونے کی وجہ سے مطالب سمجھنے میں بڑی دقت پیش آتی ہے اور بعض اوقات نوبت الحاد و زندقہ تک پہنچ جاتی ہے۔ حضرت حکیم الامت نے اشعارِ مثنوی کو واضح کر کے اور مسائل تصوف کو عام فہم بنا کر نہایت خوبی سے سمجھا دیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس سے معتبر اور شریعت و طریقت کا پاس ادب رکھ کر مضامین کو حل کرنیوالی اور کوئی شرح نہیں لکھی گئی

ادارہ تالیفاتِ اشرفیہ
بیرون بوہڑ گیٹ • ملتان

بقیہ ربع اوّل از دفتر ثالث کلید مثنوی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شرح حبیبی

افتادن شغال در خم رنگ و رنگین شدن و دعوے طاؤسی نمودن درمیان شغالان دیگر

آن شغالے رفت اندر خم رنگ ۔۔۔ اندر آن خم کرد یک ساعت درنگ

پس برآمد پوستش رنگین شدہ ۔۔۔ کہ منم طاؤس علیین شدہ

پشم رنگین رونق خوش یافتہ ۔۔۔ وآفتاب آں رنگہا برتافتہ

دید خود را سرخ و سبز و بور و زرد ۔۔۔ خویشتن را بر شغالاں عرضہ کرد

جملہ گفتند اے شغالک حال چیست ۔۔۔ کہ ترا در سر نشاطے ملتویست

ـــہ اس دفتر ثالث کے شروع سے اس بقیہ تک اشرف المطابع تھانہ بھون ضلع مظفر نگر سے طلب فرما سکتے ہیں ۱۲

از نشاط از ما کرانہ کردۂ | این تکبر از کجا آوردۂ
یک شعالے بیش و شد کلے فلان | شید کردی تا شدی از خوش دلان
شید کردی تا بہ ممبر بر جہے | تا ز لاف این خلق را حسرت دہی
بس بجوشیدی ندیدی گرمئے | پس ز شید آوردۂ بے شرمئے
صدق و گرمی خود شعار اولیاست | باز بے شرمی پناہ ہر دغاست
کالتفات خلق سوئے خود کشند | کہ خوشیم و از درون بس ناخوشند

اے بنے ہوئے عارف تیری ایسی مثال ہے جیسے ایک گیدڑ رنگ کے مٹکے میں جا گھسا وہ اُسمیں تھوڑی دیر ٹھیر رہا تاکہ خوب رنگ چڑھ جائے اُس کے بعد نکلا تو اُسکی کھال رنگین ہو گئی تھی اور دعوے کرتا تھا کہ میں جنت کا مور ہوں اُسکی اون سے رنگین ہو کر ایک عجیب چمک دمک پیدا ہو گئی تھی دہوپ کی آمیزش سے مختلف رنگ چمکنے لگے تھے جب اُس نے اپنے آپ کو کبھی سرخ اور کبھی سبز اور کبھی گلابی اور کبھی زرد دیکھا تو اُسنے اپنے کو گیدڑوں کے سامنے پیش کیا۔ اُسکو عجیب خوشی میں دیکھکر گیدڑوں نے کہا کہ اے گیدڑ کیا حال ہے کہ تیرے سر میں خوشی پیچ وتاب کھا رہی ہے اور مارے خوشی کے تو ہم سے الگ ہو گیا ہے یہ تکبر تو کہاں سے لے آیا۔ ایک گیدڑ نے آگے بڑہکر کہا کہ ارے فلاں تو نے فریب گانٹھا ہے اور اس فریب سے تو خوش ہو رہا ہے پس اے بنے ہوئے عارف تو نے بھی بہروپ بھرا ہے تاکہ ممبر پر سردار ہو کر بیٹھے اور اپنے دعوؤں کی لوگوں کے دلوں میں حسرت پیدا کرے تو بدون گرمی محبت کے بہت کچھ جوش وخروش دکھلاتا ہے۔ اور

مکر سے یہ بے شرمی اختیار کی ہے۔ سچائی اور سوزش درونی اہل اللہ کا شعار ہے نہ کہ تیرا بلکہ تو بے شرمی سے اپنی دغابازی کو چھپاتا ہے اس لئے کہ بے شرمی دغابازوں کی پشت وپناہ ہے دغاباز بے شرمی کے سہارے پر دعویٰ اس لئے کرتے ہیں کہ لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کریں۔ اور یہ ظاہر کرتے ہیں کہ ہماری حالت بہت اچھی ہے۔ حالانکہ اُن کی اندرونی حالت بالکل تباہ ہوتی ہے۔

شرح شبیری

ایک گیدڑ کا رنگ کے مٹکے میں گر پڑنا اور رنگین ہو جانا اور پھر گیدڑوں میں جا کر طاؤس ہونیکا دعویٰ کرنا

آں شغالک رفت اندر خم رنگ　　اندراں خم کرد یک ساعت درنگ

یعنی ایک ذرا سا گیدڑ رنگ کے مٹکے میں گر پڑا اور اُس مٹکے میں کچھ دیر رہا یعنی مٹکے میں کچھ دیر لگی

پس برآمد پوستش رنگیں شدہ　　کہ منم طاؤس علیین شدہ

یعنی پھر وہ نکلا اس حال میں کہ اُس کی کھال رنگین ہو گئی تھی۔ اور کہہ رہا تھا کہ میں طاؤس جنت ہو گیا ہوں۔

پشم رنگیں رونق خوش یافتہ　　آفتاب آں رنگہا بر تافتہ

یعنی رنگین اون نے خوب رونق پائی تھی اور آفتاب نے اُن رنگوں کو اور چمکا دیا تھا۔

دید خود را سُرخ سبز و بور و زرد　　خویشتن را بر شغالاں عرضہ کرد

یعنی اُس نے اپنے کو سُرخ سبز اور گلابی اور زرد دیکھا تو اپنے کو گیدڑوں کے سامنے پیش کیا۔

جملہ گفتند اے شغالک حال چیست — کہ ترا در سر نشاطے ملتویست

یعنی سب گیدڑوں نے کہا کہ اے گیدڑ یہ کیا حال ہے کہ تیرے سر میں ایک خوشی لپٹی ہوئی ہے۔ یعنی آج تو بہت خوش معلوم ہوتے ہو۔

از نشاط از ما کرانہ کردۂ — این تکبر از کجا آوردۂ

یعنی نشاط کے مارے ہم سے کنارہ کیا ہے تو نے تو یہ تکبر کہاں سے لایا ہے یہ تو سب نے اعتراض کیا اور

یک شغالے پیش او شد کاے فلاں — شید کردی تا شدی از خوشدلاں

یعنی ایک گیدڑ اُسکے آگے آیا کہ اے فلانے تو نے مکر کیا ہے تا کہ خوشدلوں سے ہو جاوے

شید کردی تا بہ منبر بر جہی — تا ز لاف این خلق را حسرت دہی

یعنی تو نے مکر کیا ہے تا کہ منبر پر کودے اور تا کہ شیخی سے اُن لوگوں کو حسرت دے یعنی جبکہ تو ایسے دعوے کریگا تو سب کو حسرت ہوگی کہ افسوس ایسے ہم نہ ہوئے تو تو نے اس لیے یہ مکر کیا ہے کہ تو سب سے بڑا بنے اور سب پر حکومت کرے معلوم ہوتا ہے کہ یہ گیدڑ کچھ عارف تھا اور کہا کہ

پس بجوشیدی ندیدی گرمئے — پس ز شید آوردۂ بے شرمئے

یعنی تو بہت کودا اور اُچھلا مگر کوئی گرمی نہ دیکھی تو اب مکر سے بے شرمی لایا ہے مطلب یہ کہ اول تو خوب اُچھلا کودا اگر کوئی حرارت قلب کے اندر پیدا نہ ہوئی تو اب بے شرم ہو کر یہ مکر کیا ہے تا کہ اگر سچا حال نہیں ہے تو حال کاذب ہی سے لوگوں کو پھنساوے۔

صدق و گرمی خود شعار اولیاست | باز بے شرمی پناہ ہر دغاست

یعنی صدق اور حرارت قلب تو خود اولیاء کرام کا شعار ہے اور پھر بے شرمی ہر دغا باز کی پناہ ہے۔ یعنی جو دغا باز ہے وہ بے شرم ہو کر دعوے کرے پس پھر کیا ہے سب کچھ حاصل ہے سب لوگ بزرگ ہی سمجھیں گے۔ اللہ رے بے شرمی تیرا ہی راج ہے۔

کالتفات خلق سوئے خود کشند | کہ خوشیم و از دروں بس ناخوشند

یعنی تاکہ التفات خلق کو اپنی طرف کھینچیں کہ ہم خوش ہیں حالانکہ اندر سے بہت ناخوش ہیں مطلب یہ کہ وہ بے شرمی کر کے اپنے کو مخلوق کے آگے خوش ظاہر کرتے ہیں مگر ان کا دل تو خراب ہے اور وہ دل سے ناخوش ہیں۔ آگے ایک شخص کی حکایت لاتے ہیں کہ وہ اپنی مونچھوں پر چربی لگا کر لوگوں میں شیخی کیا کرتا تھا کہ میں نے پلاؤ کھایا ہے زردہ کھایا ہے اور اندر سے بھوکا ہوتا تھا۔ آخر کار ایک روز اسکی بھی قلعی کھل گئی تو اسی طرح جو لوگ کاذب ہیں وہ ظاہر میں تو بڑے بزرگ علوم ہوتے ہیں مگر اندر سے دیکھو تو ایسے نالائق کہ الامان والحفیظ اب حکایت سنو۔

شرح حبیبی

پوست دنبہ یافت مرد مستہاں	ہر صباح او چرب کردے سبلتاں
در میان منعماں رفتے کہ من	لوت چربے خوردہ ام در انجمن
دست بر سبلت نہادے در نوید	رمز یعنی سوئے سبلت بنگرید

کایں گواہ صدقِ گفتار من ست ویں نشان چرب و شیریں خوردنست

اشکمش گفتے جواب بے طنین کہ اباد اللہ کید الکافرین

لافِ تو مارا بر آتش بر نہاد کاں سبال چرب تو برکندہ باد

گر نبودے لاف زشتت اے گدا یک کریمے رحم افگندے بما

ور نبودے عیب کم کردے جفا ہم بدے مہانے یک آشنا

راست گر گفتے وکج کم باختے یک طبیبے دارو ما ساختے

گفت حق کہ کج مجنباں گوش و دم ینفعن الصادقین صدقہم

کہف اندر کشر مخسپ اے محتلم انچہ داری وانما وفاستقم

ور نگوئی عیب خود بارے خمش از نمایش وز دغل خود را مکش

بر سبال چرب خود تکیہ مکن زانکہ گمرہ بردو نبہ بے سخن

گر تو نقدے یافتی مکشا دہاں ہست در رہ سنگہائے امتحاں

سنگہائے امتحاں را نیز پیش
امتحانہا ہست در احوال خویش

گفت یزداں از ولادت تا بہ حین
یفتنون فی کل عام مرتین

امتحاں بر امتحانست اے پسر
ہیں بکمتر امتحاں خود را مخر

امتحاناتِ قضا ایمن مباش
ہاں ز رسوائی بترس اے خواجہ تاش

بلعم باعور و ابلیس لعیں
ز امتحان آخریں گشتہ مہیں

زانکہ بودند ایمن از مکر خدا
کامتحانہا رفت اندر ما مضےٰ

عاقبت رسوائی آمد حالِ شاں
ہم شنیدہ باشی از احوالِ شاں

کانچہ پنہاں می کند پیدا اش کن
سوخت مارا اے خدا رسواش کن

او بدعوے میل دولت میکند
معدہ اش نفریں سبلت میکند

لاف وادادکرمہا می میکند
شاخ رحمت را ز بن بر میکند

جملہ اجزائے تنش خصم ویند
کز بہاے لاف ایشاں در دبند

راستی پیش آر یا خاموش کن
وانگہاں رحمت بہ بین و نوش کن

وایں شکم خصم سبال او شدہ
دست پنہاں در دعا اندر زدہ

کاے خدا رسوا کن ایں لاف لئام
تا بجنبد سوئے ما رحم کرام

مستجاب آمد دعائے آں شکم
سوزش حاجت بزد بیروں علم

گفت حق گر فاسقی و اہل صنم
چوں مرا خوانی اجابتہا کنم

تو دعا را سخت گیر و می شخول
عاقبت برہاندت از دست غول

چوں شکم خود را بحضرت در سپرد
گربہ آمد پوست را دنبہ ببرد

از پئے دنبہ دویدند او گریخت
کودک از ترس عتابش رنگ ریخت

آمد اندر انجمن آں طفل خرد
آبروئے مرد لافی را ببرد

گفت آں دنبہ کہ ہر صبحے بداں
چرب می کردے لبان و سبلتاں

گربہ آمد ناگہانش در ربود
بس دویدیم و نکرد آں جہد سود

پہلوان در لاف گرم و ذوقناک / چون شنید این قصہ گشت از غم ہلاک

منفعل شد در میان انجمن / سر فرو برد و خمش شد از سخن

خندہ آمد حاضران را از شگفت / رحمہا شان باز جنبیدن گرفت

دعوتش کردند و سیرش داشتند / تخم رحمت در زمینش کاشتند

او چو ذوق راستی دید از کرام / بے تکبر راستی را شد غلام

راستی را پیشۂ خود کن مدام / تا شوی در ہر دو عالم نیکنام

ایسے دغابازون کی حالت بالکل ایسی ہے جیسے ایک شخص کو دنبہ کی کھال مل گئی تھی وہ ہر صبح اسکی چکنائی سے اپنی موچھونکو تر کرتا اور دولتمندونکی مجلس مین جاکر کہتا کہ مین نے ایک محفل مین خوب مرغن کھانا کھایا ہے اور خوشی موچھون پر ہاتھ رکھتا یہ کنایہ ہوتا تھا اس امر کا کہ تم میری موچھین دیکھ لو کہ میرے بیان کی شاہد ہین اور یہ چکنائی میرے مرغن بشیرین غذا کھانے کی علامت ہے۔ ظاہری حالت تو یہ اور اندرونی حالت یہ کہ پیٹ اسکو کوستا تھا اور کہتا تھا کہ خدا ایسے کاذبونکے مکر کو تباہ کرے اے تیری شیخی نے ہمیں تو انگاروں پر لٹا رکھا ہے خدا کرے یہ تیری چکنائی آلود موچھین اکھڑ جائیں ارے ننگے اگر تیری یہ بیہودہ شیخی نہ ہوتی تو کوئی اللہ کا سخی ہم پر رحم کرتا اور اگر تو اپنا عیب فقر ظاہر کرتا اور یہ ظلم نہ کرتا تو کسی مہربان کے یہان تو مہمان ہوتا اور اگر تو سچ سچ اپنی حالت کہدیتا اور ٹیڑی چال نہ چلتا تو کوئی طبیب ہمارا علاج کرتا واقعی پیٹ کا بیان بالکل سچ ہے چنانچہ حق سبحانہ فرماتے ہین کہ کان اور دم بے قاعدہ مت ہلا یعنی اصلی

حالت ظاہر کر کہ یہ سچ ہے جن کو نفع پہونچتا ہے لہذا آدمی کو چاہیئے کہ غار کے اندر تیز جانہ ہوئے
یعنی نہ اپنی حالت کو چھپائے اور نہ کج بیانی اختیار کرے بلکہ اصلی حالت کو ٹھیک ٹھیک ظاہر کردے
اور اگر اپنا عیب بھی نہ بیان کرے تو اتنا ہی کرے کہ خاموش رہے نمائش اور فریب سے اپنے کو
ہلاک نہ کرنا چاہیئے جسطرح یہ شخص کر رہا تھا اور اپنی چکنی موچھوں پر بھروسہ نہ کرنا چاہیئے اسلئے کہ
بلی دنبہ کو اٹھالے گئی یعنی اپنی ظاہری حالت کی درستی پر اکتفا نہ کرنا چاہیئے کیونکہ عنقریب اوسکی
حقیقت کھلنے والی ہے اور دہوکہ ظاہر ہوکر ندامت لاحق ہونیوالی ہے خواہ مخواہ کی شیخی تو
بُری بات ہے ہی لیکن اگر کسی کو کچھ دولت باطنی بھی ملجاوے تب بھی خاموش رہنا چاہیئے اسلئے
کہ اظہار دعوے ہے اور اس دعوے کی تصویب اور تغلیط کیلئے امتحان کی کسوٹیاں یعنے
اہل اللہ موجود ہیں اور امتحان بڑی سخت چیز ہے حق سبحانہ محفوظ رکھیں اور خود ان کسوٹیوں
کیلئے بھی انکے احوال میں بہت سے امتحانات ہیں اونکو بھی اپنی کسوٹی ہونے پر مغرور نہ ہونا
چاہیئے حق سبحانہ فرماتے ہیں کہ ہر سال لوگونکی ایک یا دو مرتبہ جانچ کیجاتی ہے پس معلوم ہوا
کہ راہ میں اہل امتحان کا بھی امتحان ہوتا ہے لہذا تم کو معمولی امتحان کے معاوضہ میں بھی اپنے
کو نہ خریدنا چاہیئے یعنی معمولی امتحان کیلئے بھی آمادہ نہ ہونا چاہیئے بلکہ حق سبحانہ سے دعا کرنی
چاہیئے کہ وہ ہم کو امتحان کے شکنجہ میں نہ کھینچے امتحانات قضا نہایت سخت ہوتے ہیں لہذا تم کو
ہر وقت ڈرتے رہنا چاہیئے اور کبھی ایسی بات پر زبان نہ بلانی چاہیئے جس سے دعوی ظاہر ہو
دیکھو بلعم باعور اور ابلیس آخری امتحان میں ذلیل ہو گئے اور وجہ یہ ہوئی کہ حق سبحانہ کے ارادہ
مخفیہ سے بیخوف ہو گئے تھے اور یہ سمجھتے تھے کہ بہت سے امتحانات ہوچکے ہیں اور ہم اونمیں
پاس ہوچکے ہیں اب کیا پروا ہے اسکا انجام یہ ہوا کہ بالآخر رسوا ہوئے تو تمے اونکی حالت سُنی
ہی ہوگی ہم کو تفصیلاً بیان کرنے کی ضرورت نہیں خیر تو اسکا پیٹ کہتا تھا کہ اے اللہ جسکو یہ چھپا رہا
ہے تو اوسکو ظاہر کردے اور اے اللہ تو اسے ذلیل کر اس نے ہمیں پھونک دیا دیکھو وہ محض دعوے
سے دولتمندی کی طرف مائل ہوتا تھا لیکن خود اوسکا پیٹ ہی اوسکی موچھونکو ملامت کرتا تھا اسکی شیخی
بخششونکو دور کر رہی تھی اور رحمت کی شاخ کو جڑ سے اوکھیڑ رہی تھی لیکن اوسکے جسم ہی کے اجزاء
اوسکے دشمن ہو رہے تھے کیونکہ وہ بہانکی شیخی بگہار رہا تھا اور سرسبزی و شادابی کا دعوی کر رہا تھا

اور اسکے اجزا خزان اور خشکی اور انقباض کی حالت مین تھے ارے احمق کیا غضب کر رہا ہے۔ کہ خواہ مخواہ شیخی بگہار رہا ہے اور مصیبت مین گرفتار ہے جھکو چاہیئے کہ یا تو یہی سچی حالت بیان کر دے اور اگر یہ نہو تو خاموش ہی رہ پہر دیکھنا کہ لوگ تجہپر کیسی رحمت کرتے ہین تو اصلی حال کہدے اور خوب مزہ سے کہا کیون ہو کام رتا ہے خیر یہ تو جملہ معترضہ تہا اب سنو غرض کہ اوسکا پیٹ ہی اوسکی موچھونکا دشمن ہو رہا تھا اور اندر ہی اندر دعا کر رہا تھا کہ اے خدا ایسے پاجیونکی شیخی کو رسوا کر تاکہ ہماری طرف انکا رحم متوجہ ہو حق سبحانہ نے پیٹ کی دعا قبول فرمائی اور سوزش احتیاج جسکو وہ چہپا رہا تھا طشت از بام ہو گئی حق سبحانہ فرماتے ہین کہ خواہ فاسق ہو خواہ بت پرست ہو جب ہم سے دعا کرتا ہے تو ہم اوسکو قبول فرماتے ہین لہذا تم کو شکم سے عبرت حاصل کرنا چاہیئے اور دعا کو مضبوط پکڑنا چاہیئے اور خوب چلانا چاہیئے انشاء اللہ اسکا نتیجہ یہ ہوگا کہ ایکروز تم کو شیطان کے پنجہ سے رہائی نصیب ہوگی دیکہو جب پیٹ نے اپنے کو خدا کے حوالہ کیا تو حق تعالے نے اوسکی حصول مدعا کی تدبیر جو اس صورت سے ظاہر ہوئی کہ بلی آئی اور دنبہ کی کہال اڑا لیگئی گہر والے ونبہ کو چہیننے کے لئے دوڑے لیکن وہ بہاگ گئی اور ہاتھ نہ آئی اوسکو دیکہکر باپ کے غصہ کے خوف سے لڑکے کا رنگ فق ہو گیا اور وہ چہوٹا بچہ محفل مین آیا اس شیخی باز کی ساری آبرو خاک مین ملادی اسنے کہا کہ دنبہ کی وہ کہال جس سے آپ ہر روز صبح کو ہونٹ اور موچہیں چکنی کیا کرتے تھے بلی لے گئی ہم چہیننے کیلئے بہت دوڑے لیکن ہماری کوشش بے سود ثابت ہوئی یہ بہا اور اسوقت شیخی گبہارنے مین سرگرم اور مزے لے رہا تھا جب اسنے یہ قصہ سنا تو ارے رنج کے مرنے کے قریب ہو گیا اور محفل مین بہت شرمندہ ہوا اوسنے سر کو جہکا لیا اور خاموش بیٹھ گیا حاضرین اول تو اس واقعہ سے متعجب ہو کر ہنس پڑے اوسکے بعد اونکے رحم کو حرکت ہوئی اور خیال کیا کہ بیچارہ شریف آدمی ہے۔ اسلئے اپنی حالت کو چہپاتا ہے اسکی مدد کرنی چاہیئے لوگون نے اوسکی دعوت کی اور اوسکا خوب پیٹ بھر دیا اور اپنے رحم کا بیج اوسکی زمین مین بو دیا پس جبکہ ان اسنیا کیطرف سے اوسکو سچ کا مزہ حاصل ہوا تو وہ سچ کا غلام ہو گیا اور پہر کبہی شیخی نہین کی اس واقعہ سے تم کو عبرت حاصل کرنا چاہیئے۔ اور سچ کو اپنا شعار بنا لینا چاہیئے تاکہ دنیا مین بہی نیکنامی ہو اور آخرت مین بہی۔

شرح شبیری

ایک شیخی باز کا ہر صبح کو اپنی موچھ اور لب کو چکنا کرلینا اور باہر آکر دوستوں میں ظاہر کرنا کہ میں نے یہ کھایا ہی اور وہ کھایا ہی

دنبہ پارہ یافت مردے مستہان ہر صباحے چرب کردے سبلتان

یعنی ایک شخص نے کہین سے دُنبہ کی کھال کا ٹکڑہ مفت پالیا تھا تو ہر صبح کو اوس سے موچھین چکنی کیا کرتا تھا۔

درمیان منعمان رفتے کہ من لوت چربے خوردہ ام در انجمن

یعنی امرا کے یہان جاتا اور کہتا کہ مین نے (فلان) مجلس مین بڑی چرب غذا کھائی ہے۔

دست بر سبلت نہادے در نوید رمز یعنی سوئے سبلت بنگرید

یعنی ہاتھ موچھ کے اوپر رکہتا خوشی میں اشارہ یہ کہ موچھ کیطرف دیکہو مطلب یہ کہ موچھوں کے اوپر تاؤ دیتا تھا کہ لوگونکو معلوم ہو کہ حضرت کی موچھ چکنی ہو رہی ہے تو ضرور کھایا ہے۔

کاین گواہ صدق گفتار من است وین نشان چرب و شیرین خوردن است

یعنی (اسطرف اشارہ مقصود ہوتا تھا) کہ یہ میری بات کا گواہ ہے اور یہ چرب و شرین غذا کھانے کی نشانی ہے وہ تو اس طرح سے خوب شیخی بگھارا کرتا تھا اور اوسکے پیٹ کی یہ حالت تھی کہ۔

اشکمش گفتے جواب بے طنین کہ اباد اللہ کید الکافرین

یعنی اوسکا پیٹ جواب بے آوازکے دیتا کہ خدا اس کا فروں جیسے مکر کو غارت کرے مطلب یہ کہ پیٹ اوسکو بوجہ بھوک کے کوسا کرتا تھا اور اسکے کوسنے کی کوئی آواز تو سنتا نہ تھا وہ کہتا کہ خدا ایسے مکر کو کہ مجھے بھوکا رکھتا ہے غارت ہی کرے اور کہتا کہ۔

لاف تو مارا بر آتش برنہاد　　کان سبال چرب تو برکندہ باد

یعنی تیری شیخی نے ہمیں آگ پر رکھ رکھا ہے تیری وہ موچھ خدا کرے اکھڑ جاوے۔

گر نبودے لاف زشتت اے گدا　　یک کریمے رحم آوردے بما

یعنی اگر تیری یہ بری شیخی نہو تی تو شاید کوئی کریم ہم پر رحم کرتا اور کہلا دیتا مگر اب تو سب سمجھتے ہین کہ یہ ایسی غذا کھاتا ہے کہ کسیکو نصیب نہیں لہذا کوئی پوچھتا بھی نہیں ہے۔

ور نبودے عیب و کم کردے جفا　　ہم بردے مہمانی یک آشنا

یعنی اور اگر عیب دکہا دیتا اور جفا کم کرتا تو کسی آشنا کا مہمان ہوجاتا مگر اب کوئی پوچھتا ہی نہیں۔

راست کم گفتے و کج کم باختے　　یک طبیبے دارو ما ساختے

یعنی اگر سچ کہہ دیتا اور کج بازی کم کرتا تو کوئی طبیب ہماری دوا کر دیتا اور دوا یہی روٹی ہے کوئی تو ہمین روٹی دے دیتا آگے مولانا فرماتے ہیں کہ۔

گفت حق کہ کج مجنبان گوش و دم　　ینفعن الصادقین صدقہم

یعنی حق تعالے کا ارشاد ہے کہ گوش و دم کو کج مت ہلاؤ اسلئے کہ صادقین کو قیامت مین اونکا صدق ہی نفع دیگا۔ لہذا غلط اور کذب ہرگز نہ بولنا چاہیئے۔

کہف اندر کژ مخسپ اے محتلم　　انچہ داری وانما و فاستقم

یعنی اے پراگندہ خواب دیکھنے والے غار کے اندر کم مت سوچ کچھ کہ تو رکھتا ہے دکھلا دے اور استقامت اختیار کر مطلب یہ کہ تمہارے اندر عیوب ہین اونکو پوشیدہ کر کے مت رکھو بلکہ ظاہر کردو کہ اونکا کوئی علاج ہی کرنے اوسکے بعد تم استقامت اختیار کرو مگر بعض طبائع ایسے ہوتے ہیں کہ وہ عیوب ظاہر نہیں کرسکتے ہیں اونکو علاج آگے بتاتے ہیں کہ اولی تو یہی ہے کہ ظاہر کردو اور اگر عیوب کو ظاہر نہ کرسکو تو اوسکے لئے فرماتے ہین کہ۔

ورنگوئی عیب خود بارے خمش ۔۔۔ از نمایش وز دغل خود را مکش

یعنی اور اگر اپنے عیوب کہتے نہیں تو چپ ہی رہ نمایش اور دغل سے اپنے کو قتل مت کر مطلب یہ کہ اگر عیوب کو ظاہر نہیں کرسکتے تو اوسکے خلاف کمالات تو ظاہر مت کرو بلکہ چپ ہی رہو اسلئے کہ اگر تم نے کمالات کا دعوی کیا تو پھر کوئی بھی رحم نہ کریگا اور اگر دعوی شروع کر دیا تو پھر تو کوئی پوچھے کا بھی نہیں اور پھر مارے جاؤگے۔

بر سبال چرب خود تکیہ مکن ۔۔۔ زانکہ گربہ برد دنبہ بے سخن

یعنی اپنی چکنی مونچھ پر بھروسہ مت کر اسلئے کہ بلی دنبہ کی کھال کو بے شک لیگئی۔ اسکے بیان کا قصہ آگے بیان فرمادین گے تو مطلب یہ کہ فضول باتیں بنا کر اپنا نقصان مت کرو اسمیں خطاب سالک کو بھی ہے کہ دیکھو اول تو اپنے عیوب کو شیخ کے سامنے ظاہر کردو تاکہ وہ علاج کر دے اور اگر یہ تم سے نہ ہوسکے تو دعوے تو مت کرو کہ اوسمین تو پھر کوئی بھی تم پر رحم نہ کریگا اور فرماتے ہیں کہ۔

گر تو نقدے یافتی مکشا دہان ۔۔۔ ہست در رہ سنگہائے امتحان

یعنی اگر تم نے کوئی نقد پا لیا ہے تو پھر منہ مت کھولو اسلئے کہ راہ مین بہت سے سنگ امتحان ہیں مطلب یہ ہے کہ اول تو کاذب دعوے مت کرو اور اگر کچھ سوز وگداز حاصل بھی ہوگیا ہے تب بھی اوسکو سامنے مین گاتے مت پھرو اسلئے کہ اس نقد کے پرکھنے والے راہ سلوک میں بہت ہیں اور وہ اولیاء اللہ ہین جو کہ حال صادق اور حال کاذب کو معلوم کر لیتے ہیں اور ذرا سنبھلکر قدم رکھنا ورنہ

اگر امتحان مین ناکامیاب ہوئے تو پھر بڑی خرابی ہوگی کسی نے خوب کہا ہے کہ ؎ سنبھل کے رکھنا قدم دشت خار مین مجنون + کہ اس نواح مین سودا برہنہ پا بھی ہے۔ اب چونکہ یہان کاملین کو غرہ ہو سکتا تھا کہ آہا ہم سنگہاے امتحان اور پرکھنے والے ہیں لہذا مولانا اونکے کان بھی کھولتے ہیں فرماتے ہیں کہ۔

سنگہاے امتحان را نیز پیش　　امتحانہا ہست در احوال خویش

یعنی سنگہاے امتحان کے آگے بھی اپنے احوال مین امتحانات ہیں مطلب یہ کہ یہ جو کاملین پرکھنے والے ہیں اونکے لئے بھی امتحانات ہیں۔ اور اونکی بھی آزمائشیں ہوتی ہین لہذا وہ بھی ضرا تادین اور ذرا سنبھل کر رہیں ورنہ کہیں لغزش ہوگئی تو پھر سخت مشکل ہوگی۔ آگے فرماتے ہین کہ۔

گفت یزدان از ولادت تا بحین　　یفتنون فی کل عام مرتین

یعنی حق تعالے کا ارشاد ہے کہ ولادت سے وقت (موت) تک وہ ہر برس مین دو مرتبہ آزمائے جاتے ہین قرآن شریف مین ہے یفتنون فی کل عام مرۃ او مرتین تو دیکھو جب باو صرف سے آزمائش ہے تو بیفکر ہوجانا سخت غلطی ہے اور فرماتے ہین کہ۔

امتحان بر امتحانست اے پسر　　ہین بکمتر امتحان خود را مخر

یعنی اے صاحبزادے امتحان پر امتحان ہین تو تم بہت چھوٹے امتحان میں اپنے کو مت خرید و مطلب یہ کہ جب امتحانات ہیں تو ذرا سنبھل کر کام کرو کہیں ذرا سے امتحان میں آکر اپنے کو برباد نہ کردو۔

ز امتحانات قضا ایمن مباش　　ہین ز رسوائی بترس اے خواجہ تاش

یعنی قضا کے امتحانات سے بےخوف مت ہو اور اے ساتھی رسوائی سے ڈرتے رہو۔ کہ کہیں امتحان ہو اور اس میں ناکام ہوکر رسوائی ہو لہذا ہر وقت ڈرتے رہنا چاہیئے آگے بلعم باعور کی بےخوفی کا قصہ بیان فرماتے ہیں کہ دیکھو وہ بیخوف ہوگئے تھے اور آخر رسوا اور شرمندہ ہوئے۔

بلعم باعور کا بیخوف ہوجانا کہ حضرت حق نے اوسکا امتحان کیا تھا اور پھر اوسکا ناکام رہنا

بلعم باعور و ابلیس لعین ... ز امتحان آخرین گشته مهین

یعنی بلعم باعور اور ابلیس لعین دیکھو آخری امتحان مین ذلیل ہوگئے۔

زانکه بودند ایمن از مکر خدا ... کامتحانها رفت اندر ما مضا

یعنی اسلئے کہ وہ مکر خدا سے بیخوف تھے (اور سمجھتے تھے) کہ زمانہ ماضی مین تو بہت سے امتحانات ہوچکے ہین مطلب یہ کہ انہوں نے یہ سمجھا کہ اسقدر امتحانات ہوچکے ہیں اب کیا امتحان ہوگا۔ اور اگر ہوگا بھی تو جیسا اون مین پاس ہوگئے تو اب تو ضرور پاس ہوجاوینگے بس اس دہوکہ مین رہ گئے تو آخر کار یہ نتیجہ ہوا کہ۔

عاقبت رسوائی آمد حالشان ... هم شنیده باشی از احوالشان

یعنی انجام کار اونکی حالت رسوائی ہوئی اور تو نے اونکے احوال سنے ہی ہونگے ابلیس کا اور بلعم باعور کا قصہ مشہور ہے کہ جب امتحان ہوا تو ناکامیاب اور ذلیل ہوئے لہذا چاہیئے کہ مکر حق سے کبھی بیخوف نہ رہنا چاہیئے بس آگے پھر اس شیخی باز کی حالت بیان فرماتے ہیں کہ۔

او بدعوے میل دولت مے کند ... معده اش نفرین سبلت میکند

یعنی وہ دعوے کے ساتھ رغبت دولت کی کرتا تھا اور اوسکا معدہ اون موچھوں پر لعنت کرتا تھا اور کہتا تھا کہ۔

کانچہ پنہان میکند پیداش کن　　سوخت ما را اے خدا رسواش کن

یعنی کہ جو کچھ یہ چھپاتا ہے یا اپنی اسکو ظاہر کردے اسنے ہم کو جلا دیا ہے لے خدا اسکو رسوا کر دے۔

جملہ اعضائے تنش خصم وبند　　کز بہارے لاف ایشان در وبند

یعنی اوس بدن کے تمام اعضاء اوسکے دشمن ہیں کیونکہ وہ ایک بہارے شیخی مار رہا ہے اور وہ سب خزاں میں ہیں۔ مطلب یہ کہ مولانا فرماتے ہیں کہ چونکہ وہ شیخی بگھارتا تھا اور اوسکے اعضاء سارے بھوکے ہوتے تھے تو سارے اوسکے دشمن تھے اور کوستے تھے آگے مولانا فرماتے ہیں کہ۔

لاف وا روزد کرمہا مے کند　　شاخ رحمت را زبن بر میکند

یعنی شیخی کرموں کو واپس کر دیتی ہے اور شاخ رحمت کو جڑ سے اکھاڑ دیتی ہے اسلئے کہ جب کوئی شیخی کرتا ہے تو اوسپر کوئی بخشش نہیں کرتا لہذا چاہیئے کہ۔

راستی پیش آر یا خاموش کن　　وانگہا رحمت بہ بین و نوش کن

یعنی راستی کو آگے لا یا خاموش رہ اور اسوقت رحمت کو دیکھ اور نوش کر۔ مطلب یہ کہ یا تو اپنے عیوب ٹھیک ٹھیک بیان کر دو اور اگر یہ نہ ہو سکے تو چپ ہی رہو یہ تو نہیں کہ اور اوپر سے دعوے شروع کر دو یاد رکھو کہ یہ دعوے بہت بڑے حجاب ہیں کہ یہ جود وعطا کو متوجہ ہونے ہی نہیں دیتے۔

این شکم خصم سبال او شدہ　　دست پنہان در دعا اندر رزہ

یعنی یہ پیٹ اوسکی موچھہ کا دشمن ہو رہا تھا اور اندر ہی اندر دعا میں ہاتھ اوٹھاتے ہوتے تھا اور موچھہ کا اسلئے دشمن تھا کہ اسکی چربی کی وجہ سے تو بیچارہ بھوکا رہتا تھا وہ دعا کرتا تھا کہ۔

کاے خدا رسوا کن این لاف لئام　　تا بجنبد سوے ما رحم کرام

یعنی کہ اے خدا اس ہیجون کی شیخی کو رسوا کر تاکہ ہماری طرف کریمو نکا رحم جنبش کرے۔ اسلئے کہ جب لوگوں کو حالت معلوم ہوگی تو بہلا دینگے۔

مستجاب آمد دعائے آن شکم   سوزش حاجت بزد بیرون علم

یعنی اوس پیٹ کی دعا قبول ہوگئی اور حاجت کی سوزش نے باہر علم نکالا یعنی وہ سوزش حسی صورت تو ہیں آگئی اور اوس سے انتقام لے لیا اور وہ انتقام اس طرح لیا کہ اوسکی شیخی ظاہر ہوگئی اور وہ رسوا ہوگیا۔ مولانا فرماتے ہیں۔

گفت حق گر فاسقی و اہل صنم   چون مرا خوانی اجابتہا کنم

یعنی حق تعالےٰ نے فرمایا ہے کہ تو اگر فاسق ہے اور اگر بت پرست ہے جب مجھے پکارے گا مین قبول کرونگا محققین کا یہی مذہب ہے اور یہی مشاہدہ ہے کہ کفار کی دعا بھی قبول ہوتی ہے اور کسی نے اس مضمون کو اس طرح نظم کیا ہے کہ ؎ باز آ باز آ از انچہ کردی باز آ ÷ صد بار اگر توبہ شکستی باز آ ÷ این درگہ ما درگہ نومیدی نیست ÷ گر کافر و گبر و بت پرستی باز آ ÷

تو دعا را سخت گیر و می شخول   عاقبت برہاندت از دست غول

یعنی تو دعا کو سخت پکڑے اور فریاد کر تو آخر کار یہ دعا تجھے ان شیاطین کے ہاتھ سے چھڑا دے گی تو جب پیٹ نے دعا کی تو اوسکی دعا بھی قبول ہوگئی اسطرح کہ۔

بلی کا اوس دنبہ کی کھال کو لیجانا اور اوس پہلوان کا رسوا ہونا

چون شکم خود را بحضرت در سپرد   گربہ آمد پوست دنبہ را ببرد

یعنی جب پیٹ نے اپنے کو حضرت حق میں سونپ دیا تو ایک بلی آئی اور پوست دُنبہ کو لیگئی۔

ازپس دُنبہ دویدا و می گریخت　　　کودک از ترس عتابش رنگ ریخت

یعنی لڑکا اوس کھال کے پیچھے دوڑا اور بھاگا اور اوس (شیخی باز) کے خوف سے اوسکا رنگ (رو) جاتا رہا یعنی جب بلی لے گئی تو اوسکا لڑکا بہت دوڑا اور اوسے چھیننے کو بھاگا۔ مگر وہ بلی لے ہی گئی تو اوس بچے نے سوچا کہ اب مجھے مارینگے اسلئے اوسنے یہ کیا کہ۔

آمد اندر انجمن آن طفل خورد　　　آبروئے مرد لافی را ببرد

یعنی وہ چھوٹا بچہ محفل مین آگیا اور اوس شیخی باز آدمی کی آبرو ریختہ کردی۔ اسلئے کہ۔

گفت آن دُنبہ کہ ہر صبحے بدان　　　چرب میکردی لبان و سبلتان

یعنی اوسنے کہدیا کہ وہ کھال جس سے ہر صبح کو تم لب اور مونچھیں چکنی کیا کرتے تھے۔

گربہ آمد ناگہانش در ربود　　　بس دویدیم و نکرد آن جہد سود

یعنی بلی آئی اور ناگہان اسکو لے گئی ہم بہت دوڑے مگر اوس کوشش نے کچھ فائدہ نہ کیا۔

پہلوان در لاف گرم و ذوفناک　　　چون شنید این قصہ شد از غم ہلاک

یعنی پہلوان شیخی مین سرگرم اور ذوفناک تہا جب اوسنے یہ قصہ سُنا تو مارے غم کے قریب بہ (ہلاک) ہوگیا اسلئے کہ ساری قلعی کھل گئی۔

منفعل شد در میان انجمن　　　سر فرو برد و خمش گشت از سخن

یعنی وہ محفل مین شرمندہ ہوگیا اور سر جھکا کر بات کرنے سے خاموش رہگیا۔

خندہ آمد حاضران را از شگفت　　　رحمهاشان باز جنبیدن گرفت

یعنی حاضرین کو (اول تو طبعی طور پر) تعجب سے ہنسی آگئی پھر اوسکے رحم نے جنبش شروع کی مطلب یہ کہ اول تو سب کو اوسکی اس حرکت پر ہنسی آگئی مگر پھر اوسکی حالت پر رحم آیا۔ کہ دیکھو شریف آدمی ہو آجتک شرافت کے مارے اپنی حالت کو ظاہر نہ کرتا تھا اب کیا تھا اب تو یہ حالت ہوئی کہ۔

دعوتش کردند و سیرش داشتند　　تخم رحمت در زمینش کاشتند

یعنی وہ اوسکی دعوت کرتے تھے اور اوسکو خوب پیٹ بھر کر رکھتے تھے اور اوسکی زمین میں تخم رحمت بوتے تھے یعنی اوسکے ساتھہ خوب سلوک کرتے تھے۔

او چو ذوقے راستی دید از کرام　　بے تکبر راستی را شد غلام

یعنی اوسنے جب کریموں سے راستی کا مزہ دیکھا تو بے تکبر کے راستی کا غلام ہو گیا یعنی جب اوسنے دیکھا کہ اصل حالت کے ظاہر ہو جانے سے ایسے ایسے انعامات ہوتے ہیں اوسنے پھر ہمیشہ راستی ہی اختیار کر لی آگے مولانا فرماتے ہیں کہ۔

راستی را پیشہ خود کن مدام　　تا شوی در ہر دو عالم نیک نام

یعنی ہمیشہ اپنا پیشہ راستی کو بنالو تاکہ دونوں عالم میں نیکنام رہو پس اسکو ختم کرکے آگے اوس شغال کا قصہ پورا فرماتے ہیں۔

شرح حبیبی

آن شغال رنگ رنگ اندر نہفت　　بر بنا گوشش ملامت گر بگفت

بنگر آخر در من و در رنگ من　　یک صنم چون من ندارد خود شمن

چون گلستان گشته ام صدرنگ خوش
مر مرا سجده کن از من سرمکش

کروفر وآب وتاب ورنگ بین
فخر دنیا خوان مرا ورکن دین

مظہر لطف خدائی گشته ام
لوح شرح کبریائی گشته ام

اے شغالان ہیں مخوانیدم شغال
کے شغالے را بود چندین جمال

آن شغالان آمدند آنجا بجمع
ہمچو پروانہ بگرد اگرد شمع

جملہ گفتندش چہ خوانیمت جوہری
گفت طاؤس نرچون مشتری

پس بگفتندش کہ طاؤسان جان
جلوہا دارند اندر گلستان

تو چنان جلوہ کنی گفتا کہ نے
بادیہ نارفتہ چون گویدمنے

بانگ طاؤسان کنی گفتا کہ لا
پس نہٗ طاؤس خواجہ بوالعلا

خلعت طاؤس آید زآسمان
کے رسی از رنگ دعوہا بدان

ہمچو فرعون مرصع کردہ ریش
برتر از موسےٰ پرید از خریش

اوہم از نسل شغال مادہ زاد	درخم مالے وجاہے اوفتاد
ہرکہ دید آن جاہ ومالش سجدہ کرد	سجدۂ افسوسیان را او بخورد
گشت مستک آن گدائے ژندہ دلق	از سجود و از تحیرہائے خلق
مال مار آمد کہ دروے زہرہاست	وآن قبول وسجدۂ خلق اژدہاست
ہائے اے فرعون ناموسی مکن	تو شغالے ہیچ طاؤسی مکن
سوئے طاؤسان اگر پیدا شوی	عاجزی از جلوہ ورسوا شوی
موسی وہارون چو طاؤسان بدند	پر جلوہ بر سر ورویت زدند
زشتیت پیدا شد و رسوائیت	سرنگون افتادی از بالائیت
چون محک دیدی سیہ گشتی چو قلب	نقش شیرے رفت پیدا گشت کلب
اے سگ گرگین زشت از حرص وجوش	پوستین شیر را برخود مپوش
غرۂ شیرت بخواہد امتحان	نقش شیر وآنگہ اخلاق سگان

اے شغال بے جمال بے ہنر ہیچ بر خود ظن طاؤسی مبر
زانکہ طاؤسان کنندت امتحان خوار و بے رونق بمانی در جہان

ضمنی مضمون سے فارغ ہو کر پھر قصہ شغال کیطرف عود فرماتے ہین اور کہتے ہیں کہ جب اوس گیدڑ نے آگے بڑھکر اعتراض کیا تو اوس رنگین گیدڑ نے چپکے سے اوسکے کان پر منہ رکھکر کہا کہ تو مجھے اور میری رنگ کو دیکھکر بتا کہ کسی بت پرست کے پاس ایسا خوبصورت بت ہے دیکھہ تو سہی میں باغ کی طرح صدرنگ اور پسندیدہ و مرغوب ہو گیا ہوں تو مجھسے سرکشی مت کر اور مجھے سجدہ کر تو میری شان و شوکت میری چمک دمک اور میرے رنگ کو دیکھہ اور مجھے دنیا اور رکن دین کہہ مین عنایت حق سبحانہ کا مظہر ہوں اور اوسکی کبریائی و عظمت وجلال کی شرح کی تختی ہوں کہ مجھسے اوسکی عظمت اوسکا جلال ظاہر ہوتا ہے اے گیدڑو دیکھو مجھے گیدڑ نہ کہنا بھلا کہیں گیدڑ مین بھی یہ خوبصورتی ہوتی ہے یہ تقریر سنکر سب گیدڑ اوسکے چاروں طرف یوں جمع ہو گئے جیسے شمع کے گرد پروانہ اور سب نے کہا کہ اچھا جناب ہم آپ کو کیا کہا کریں اوسنے کہا " طاؤس نر چون مشتری " اسپر اونہوں نے کہا کہ طاؤسان عالم جان یعنی اہل اللہ گلشن عالم مین اپنے عجیب و غریب جلوے دکھلاتے ہیں تو ایسے جلوے دکھا سکتا ہے اوسنے جواب دیا کہ نہیں۔ واقعی بات ہے یہ بیچارہ جنگل تک تو گیا نہیں منا کی حالت کیا بیان کرسکتا ہے یعنی اوسکو تو عالم جان کی ہوا بھی نہیں لگی پھر اہل اللہ کے سے جلوے کیا دکھا سکتا ہے اسکے بعد کہا اچھا ان طاؤسون کی بولی بول سکتا ہے اور حقایق و معارف بیان کرسکتا ہے کہا نہیں۔ تو انھوں نے کہا کہ تو بس تو جناب آپ احمق ہین اور طاؤس نہیں ہو سکتے واقعی بات یہ ہے کہ خلعت طاؤسی آسمان کی طرف سے ملتی ہے یعنی جسکو حق سبحانہ مقرب بنائیں وہی مقرب ہو سکتا ہے اور تیرے رنگین دعوون سے یہ دولت حاصل نہیں ہو سکتی محض مدعی تقرب حق کی ایسی مثال ہے جیسے فرعون نے اپنی ڈاڑہی میں موتی پروئے تھے اور اپنے گدھے پن سے اپنے کو موسے علیہ السلام سے بالاتر سمجھتا تھا بات یہ تھی کہ وہ بھی کسی گیدڑ ہی کی اولاد سے تھا اور

مال و دولت کے مٹکے میں گر کر اپنی حقیقت کو بھول گیا تھا پس جس نے اوس جاہ و مال پر نظر کی اوس نے اوسکو سجدہ کیا اور ایسے ہی احمق لوگوں کا مسجود اوسے بنا گیا کیونکہ وہ دولت ابدی سے محروم مخلوق کے سجدوں اور اونکی تعظیموں سے مغرور ہو گیا اور یہ بنا ہوئی اوسکی تباہی کی واقعی بات یہ ہے کہ مال تو ایک سانپ ہے جو اپنے اندر سیکڑوں زہر رکھتا ہے لیکن جاہ اور ہی آفت ہے کہ یہ اژدہا ہے یہ مال سے بھی زیادہ تباہ کن ہے دیکھہ اے فرعون مغرور مت بن اور اپنی حقیقت کو مت بھول۔ تو گیدڑ ہے طاؤس مت بن اگر تو اصلی طاؤسوں کے سامنے آئے گا اور اہل اللہ سے تیرا مقابلہ ہوگا تو تو اونکی سی پھبن نہ دکھا سکے گا اور ذلیل ہوگا۔ دیکھہ لے حضرت موسے اور حضرت ہارون حضرت حق کے اصلی طاؤس تھے اونہوں نے تجھے اپنا جلوہ دکھایا اور تو اونکا مقابلہ نہ کر سکا لہذا تیرا قبح اصلی ظاہر ہو گیا اور تو رسوا ہو گیا اور بلندی سے پستی میں سر کے بل گر گیا جب تو کسوٹی پر کسا گیا تو کھوٹے سونے کی طرح تیری سیاہی ظاہر ہو گئی اور وہ شیرانہ صورت جاتی رہی اور اندر سے کتا نکل آیا۔ پس اے خارشتی کتے اور اے مدعی کاذب تو حرص اور جوش طمع سے شیر کی کھال پہنکر شیر ہونے کا دعوی مت کر اور اہل اللہ کی صورت بنا کر ولایت کا مدعی نہ بن امتحان چاہتا ہے کہ تیرے اندر شیر کی غرش ہو یعنی اہل اللہ کے اوصاف ہوں حالانکہ تجھہ میں یہ نہیں بلکہ صورت تو شیر کی ہے اور اخلاق کتوں کے یعنی ظاہر تو تیرا اہل اللہ کا سا ہے اور باطن سگان دنیا کا سا پھر تجھے شیر حق اور ولی کون مان لیگا دیکھہ او بدصورت اور بدسیرت گیدڑ اور او مدعی کاذب خبردار اپنے کو طاؤس اور ولی اللہ نہ سمجھہ بیٹھنا اسلئے کہ اصلی طاؤس یعنی اہل اللہ تجھے آزمائیں گے اور تو دنیا میں ذلیل اور بے آبرو ہوگا

شرح شبیری

اوس گیدڑ کا دعوی طاؤسی کرنا جو کہ رنگ کے مٹکے مین گر پڑا تھا

آن شغال رنگ رنگ اندر نہفت | بر بنا گوشش ملامت گر بگفت

یعنی اوس رنگ رنگ والے گیدڑ نے چپکے سے ملامت کرکے کان مین یہ کہا کہ۔

بنگر آخر در من و در رنگ من　　یک صنم چون من ندارد خود شمن

یعنی آخر میرے اندر اور میرے رنگ کو دیکھ تو یہی کہ بت پرست ایک بت بھی ایسا نہیں رکھتا یعنی بت پرست باوجودیکہ خوبصورت بت بناتے ہیں مگر مجھ جیسا خوبصورت کوئی بت پرست بھی نہین رکھتا۔

چون گلستان گشتہ ام صد رنگ خوش　　مر مرا سجدہ کن از من سر مکش

یعنی مین باغ کی طرح سو رنگ خوش والا ہوگیا ہون تو تو مجھے سجدہ کر اور سرکشی مت کر۔

کر و فر و آب و تاب و رنگ بین　　فخر دنیا خوان مرا و رکن دین

یعنی میری کر و فر اور آب و تاب اور رنگ کو دیکھ اور مجھے فخر دنیا اور رکن دین کہو۔ اسلئے کہ میرا مرتبہ بہت بلند ہوگیا ہے۔

مظہر لطف خدائی گشتہ ام　　لوح شرح کبریائی گشتہ ام

یعنی مین لطف خدا کا مظہر ہوگیا ہون اور کبریائی حق کی شرح کی لوح ہوگیا ہون غرضکہ اوسنے کہا کہ مظہر جلال و جمال دونون ہون اور بولا کہ۔

اے شغالان ہین مخوانیدم شغال　　کے شغالے را بود چندین جمال

یعنی اے گیدڑو مجھے گیدڑ مت کہو اسلئے کہ دیکھو تو کسی گیدڑ کو بھی اتنا جمال ہوتا ہے اور جب میرے اندر جمال ہے تو معلوم ہوگیا کہ میں گیدڑ نہیں رہا۔

آن شغالان آمدند آنجا بجمع　　ہمچو پروانہ بگرد اگرد شمع

یعنی وہ گیدڑ سارے اوس جگہ اس طرح جمع ہو گئے جیسے کہ پروانے شمع کے گرد ہوتے ہین اور وہ یہ پوچھ رہے تھے کہ۔

گفت آن طاؤس زچون مشتری　　پس چہ خوانیمت بگوائے جوہری

یعنی اے جوہری پھر ہم تجھے کیا (کہکر) پکارین تو اوسنے کہا کہ وہی طاوس ز مانند مشتری (ستارہ کے) یعنی جسطرح کہ مشتری ستارہ علویات مین سے ہے اسی طرح مجھے طاؤس علوی کہو۔

پس بگفتندش کہ طاؤس جہان　　جلوہا دارند اندر گلستان

یعنے پس اونہوں نے اوس سے کہا کہ دُنیا کے طاؤس تو باغ مین جلوہ کرتے ہیں (یعنی ناچتے ہیں)

تو چنان جلوہ کنی گفتا کہ نے　　بادیہ نارفتہ چون گوید منے

یعنی تو ویسا جلوہ کرسکتا ہے تو وہ بولا کہ نہیں (مولانا فرماتے ہین) کہ جنگل مین نہ چلا ہوا کیونکر (حالات) منی بیان کر سکتا ہے یعنی جب وہ کبھی ناچا ہی نہ تہا تو کس طرح ناچ سکتا تہا جب اوسنے اسکا انکار کیا تو اونھون نے دوسرا سوال کیا کہ۔

بانگ طاؤسان کنی گفتا کہ لا　　پس نہ طاؤس خواجہ بوالعلا

یعنی اچھا تو موروں کی آواز کرسکتا ہے تو اوس نے کہا کہ نہیں (تو وہ بولے کہ) اے خواجہ بوالعلا تو طاؤس نہیں ہے اسلئے کہ جب اوسکے کمالات مین سے کوئی بھی تیرے اندر موجود نہیں ہے تو پھر کدہر سے طاؤس بن بیٹھا ہے مولانا فرماتے ہیں کہ۔

خلعت طاؤس آید ز آسمان　　کے رسی از رنگ دعویہا بدان

یعنی طاؤس کی خلعت تو آسمان سے آتی ہے تو رنگ کے دعوون سے تم اوس تک کب پہنچ سکتے ہو مطلب یہ کہ مور کا وہ حسن تو خلقی ہوتا ہے اور مخلوق حق ہوتا ہے پھر اوس اصل

کمال تک دعویٰ کسطرح پہونچ سکتا ہے اسی طرح اگر تم دعوے کروگے اور اصل مین کچھ نہوگا تو پھر ذلیل ہوگے اور کچھ نہ ہوگا۔

گر تو دعوے میکنی معنی بیار ... گہ مخور ورنہ پس گردن مخار

یعنی اگر تم دعوے کرتے ہو تو اوسکے معنی بھی لاؤ اور گہ مت کھاؤ ورنہ پس گردن مت کھجانا۔ پس گردن خاریدن کنایہ از شرمندہ شدن مطلب یہ کہ اگر دعوے کرتے ہو اوسکی کچھ اصلیت بھی پیدا کرو ورنہ پھر خوامخواہ شرمندگی حاصل ہوگی تو دیکھو کہیں ایسا مت کرنا کہ پھر شرمندگی ہو آگے فرعون کا قصہ بیان فرماتے ہیں اور اوسکو اس شغال مدعی سے تشبیہ دیتے ہیں۔

فرعون کا دعویٰ خدائی کرنا اور اوسکو اوس گیدڑ سے تشبیہ دینا کہ جسنے طاؤسی دعویٰ دوسرے گیدڑونکے سامنے کیا تھا

ہمچو فرعون مرصع کردہ ریش ... برتر از موسیٰ پریدہ از خریش

یعنی مثل فرعون کے کہ اوسنے ڈاڑھی مرصع کررکھی تھی اور اپنے گدھے پن کی وجہ سے موسے علیہ السلام سے بڑہتا تھا۔

او ہم از نسل شغال مادہ زاد ... در خم مالے وجاہے اوفتاد

یعنی وہ بھی اسی گیدڑ کی نسل سے تھا اور مال وجاہ کے مٹکے میں پڑا ہوا تھا۔

ہر کہ دید آن جاہ ومالش سجدہ کرد ... سجدۂ افسوسیان را او بخورد

یعنی جو کوئی اوسکا جاہ ومال دیکہتا تھا سجدہ کرتا تھا اور وہ اون خوشامدیون کا سجدہ قبول کرتا تہا۔

گشت مستک آن گدائے ژندہ دلق — از سجود واز تحیرہائے خلق

یعنی وہ پرانی گدڑی والا فقیر مخلوق کی تحیر اور سجود سے مست ہوگیا مولانا فرماتے ہیں کہ۔

مال مار آمد کہ دروے زہرہاست — وان قبول وسجدۂ خلق اژدہاست

یعنی مال سانپ ہے کہ اوسکے اندر بہت سے زہر ہین اور وہ مخلوق کا قبول کرنا اور سجدہ اژدہا ہی اول مصرعہ مین مال اور دوسرے مین جاہ کی مذمت ہے اور مال کی خرابی جاہ سے کم ہے یہ جاہ بڑی قاتل ہے اسکا مارا پانی بھی نہیں مانگتا آگے فرماتے ہیں کہ۔

ہائے اے فرعون ناموسی مکن — تو شغالی ہیچ طاؤسی مکن

یعنی ہائے ارے فرعون نخوت مت کر اور تو تو شغال ہے تو طاؤسی مت کر یعنی جو کمالات کہ تمہارے اندر نہون اونکو ظاہر مت کرو اور اونکا دعوے مت کرو اسلئے کہ۔

سوئے طاؤسان اگر پیدا شوی — عاجزی از جلوہ و رسوا شوی

یعنی طاؤسونکی طرف اگر تو ظاہر ہوگا تو تو جلوہ سے تو عاجز ہے تو رسوا ہی ہوگا یعنی جب کاملین کی برابری کا دعوی ہوگا اور وہ کمالات حاصل نہونگے تو امتحان کے وقت رسوا ہوگے اس سے بہتر ہے کہ پہلے ہی سے بچتے رہو۔

موسے وہارون چو طاؤسان بدند — پر جلوہ بر سر وروئیت زدند

یعنی موسے اور ہارون طاؤس کیطرح تھے تو اُنہوں نے پر جلوہ کو تیرے سر اور منہ پر مارا تو یہ ہوا کہ۔

زشتئیت پیدا شد و رسوائیت — سرنگون رفتادی از بالائیت

یعنی تیری زشتی ظاہر ہوگئی اور تیری رسوائی اور تو اوس بلندی سے سرنگون ہوکر گر پڑا۔

چون محک دیدی سیہ گشتی چو قلب　　نقش شیرے رفت پیدا گشت کلب

یعنی جب تونے کسوٹی دیکھی تو کھوٹے کی طرح سیہ ہوگیا اور تیرا نقش شیری جاتا رہا اور کتا ظاہر ہوگیا مطلب یہ کہ جن کمالات کو کہ تو ظاہر کرتا تھا وہ سارے زائل ہوگئے اور اصل حقیقت جو تھی وہ نکل آئی۔

اے سگ گرگین زشت از حرص و جوش　　پوستین شیر را بر خود مپوش

یعنی ارے خارشی برے کتے حرص و جوش سے تو شیر کی پوستین اپنے اوپر مت پہن اسلئے کہ۔

غرۂ شیرت بخواہد امتحان　　نقش شیر و ونگہ اخلاق سگان

یعنی تیرا غرۂ شیر تو مقتضی امتحان کو ہے اور نقش تو شیر جیسے اور اخلاق کتون جیسے ہیں تو پھر رسوائی نہو تو اور کیا ہو اور فرماتے ہین کہ۔

اے شغال بے جمال و بے ہنر　　ہیچ بر خود ظن طاؤسی مبر

یعنی ای بے جمال اور بے ہنر گیدڑ اپنے اوپر کسی قسم کا گمان طاؤسی مت کر۔

زانکہ طاؤسان کنندت امتحان　　خوار و بے رونق بمانی در جہان

یعنی اسلئے کہ طاوس تیرا امتحان کرینگے تو تو خوار بے رونق درمیان مین رہجاویگا۔ یہان بظاہر خطاب شغال وغیرہ کو ہے مگر مقصود وہ لوگ ہین جو دعوے کاذب کیا کرتے ہین اور مقصود یہ بیان کرتا ہے کہ میان ذرا شیخی مت کرو کہ اگر کاملین تمہارا امتحان لینے لگے تو اوس وقت فضول شرمندہ ہونا پڑیگا آگے آیت ولتعرفنھم فی لحن القول کی تفسیر کرتے ہین اور اس سے مقصود یہ ہے کہ جو شخص کہ دعوی کاذب کرتا ہی اوسکے لب و لہجہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ جھوٹا ہی اب سنو فرماتے ہین

شرح حبیبی

گفت یزدان مر نبی را در مساق | یک نشان سہلتر ز اہل نفاق
گر منافق زفت باشد نغز و ہول | در شناسی مر ورا در لحن قول
چون سفالین کوزہا را می خری | امتحانے میکنی اے مشتری
می زنی دستے بر آن کوزہ چرا | تا شناسی از طنین اشکستہ را
بانگ اشکستہ دگرگون می بود | بانگ چاؤش است پیشش می رود
بانگ می آید کہ تعریفش کند | ہمچو مصدر فعل تصریفش کند

اوپر مدعی کاذب سے کہا تھا کہ دیکھ جھوٹے دعوے مت کر اہل اللہ تیرا امتحان کرینگے اور تو رسوا ہوگا اب مدعیان کاذب کے امتحان کا ایک واقعہ اور امتحان کا ایک طریق بیان فرماتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ دیکھو منافق لوگ مسلمانی کے جھوٹے دعوے کرتے تھے جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اونکا امتحان کیا اور حق سبحانہ نے اونکے امتحان کا ایک قاعدہ جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو تعلیم فرمایا وہ یہ کہ اونکی باتون میں اخلاص نہوگا اور کبھی کبھی ایسی باتیں بھی اونکی زبان سے نکل جائیں گی جو اونکے دعوے کے منافی ہونگی کیونکہ حق سبحانہ فرماتے ہیں۔
ولتعرفنهم فی لحن القول یعنی اگر منافق بڑے سے بڑا اور شیرین کلام اور باہیبت و رعب بھی ہوگا تب بھی تم اوسکو ب و لہجہ اور گفتار سے معلوم کر لوگے کیونکہ اوسکی باتیں دلنشین نہ ہونگی۔

اور کبھی ایسی باتیں بھی زبان سے نکل جائیں گی جو اوسکے دعوے کے خلاف ہونگی جیسے لئن رجعنا الی المدینۃ لیخرجن الاعز منہا الاذل وغیرہ جب یہ معلوم ہوگیا کہ اہل اللہ امتحان کرتے ہیں۔ اور اونکے امتحان کے لئے بہت طریقے ہیں منجملہ اونکے ایک آواز بھی ہے تو اب سمجھو کہ اس امتحان کی ضرورت ہے اور آواز سے امتحان ہوسکتا ہے دیکھو جب تم مٹی کے برتن خریدتے ہو تو پہلے اونکا امتحان کرتے ہو اور امتحان کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ اوس برتن پر ہاتھ مارتے ہو کیوں محض اسلئے کہ آواز سے ٹوٹے ہوئے کو پہچان لو پس جبکہ مٹی کے برتن کے لئے امتحان کی ضرورت ہے تو اتنا بڑا دعوے کرنے والے کے لئے امتحان کی ضرورت نہو گی اور جب مٹی کا ٹوٹا ہوا برتن آواز سے پہچانا جا سکتا ہے تو فاسد القلب لوگ آواز سے کیوں نہیں پہچانے جا سکتے ضرور پہچانے جا سکتے ہیں یا در کھو کہ جس طرح ٹوٹے ہوئے برتن کی آواز اور ہی قسم کی ہوتی ہے یون ہی فاسد القلب لوگوں کی گفتار بھی دوسری ہی قسم کی ہوتی ہے جو اہل اللہ کی آواز سے نہیں ملتی۔ آواز بمنزلہ شاہی چوبدار کے ہے جو آگے آگے چلتا ہے پس جسطرح چوبدار بادشاہ کی آمد کو ظاہر کرتا ہے جو ہنوز معلوم نہین ہوتے یون ہی آواز اہل اللہ اونکے قلب مین شہنشاہ حقیقی کی اس آمد کو ظاہر کرتی ہے جو اوسکی شان کے مناسب ہے اور جسطرح فعل باوجود مصدر سے نکلنے کے اوسکی حالت یعنی قابل تغیر و اصلاح ہونے کو ظاہر کرتا ہے یون ہی لوگوں کی آواز باوجود اسکے اونسے صادر ہونے کے اونکی لایق تغیر حالت باطنی کو ظاہر کرتی ہے۔

شرح شبیری

آیت وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ فِي لَحْنِ الْقَوْلِ کی تفسیر جو کہ منافقوں کے بارہ میں ہے

گفت یزدان مر نبی را در مساق ۔ یک نشان سہلتر ز اہل نفاق

یعنی حق تعالے نے قرآن مجید مین نبی صلے اللہ علیہ وسلم کو ایک بہت سہل نشانی اہل نفاق

کی یہ بتائی ہے کہ۔

گر منافق رفت باشد نغز و ہول	در شناسی مرد را در لحن قول

یعنی اگرچہ منافق بہت ڈبل اور خوب موٹا ہو (مگر) آپ اوسکی بات کے لہجہ سے معلوم کرینگے (کہ یہ منافق ہے) اسلئے کہ خلوص اور مکر تو بات کے لہجہ سے معلوم ہوجاتا ہے آگے اس آواز سے معلوم کرلینے کی ایک بڑے غضب کی مثال دیتے ہین کہ۔

چون سفالین کوزہا رامی خری	امتحانے میکنی اے مشتری

یعنی جب مٹی کے برتن خریدتے ہو تو اے خریدار تم اوسکا امتحان (اسطرح) کیا کرتے ہو کہ۔

میزنی دستے بران کوزہ چرا	تا شناسی از طنین اشکستہ را

یعنی تم اوس برتن پر ہاتھ مارتے ہو کیونکہ آواز سے ٹوٹے ہوئے کو پہچان لو۔

بانگ اشکستہ دگرگون می بود	بانگ چاؤش است پیشش میرود

یعنی ٹوٹے ہوئے کی آواز ہی اور طرح کی ہوتی ہے اور آواز ایک نقیب ہے کہ جو اوسکے آگے جارہا ہے (اور پکار رہا ہے کہ بچ جاؤ یہ شخص فلان آتا ہے تو اوسکی برائی بھلائی معلوم ہوجاتی ہے

بانگ می آید کہ تعریفش کند	ہمچو مصدر فعل تصریفش کند

یعنی آواز آتی ہے تاکہ اوسکی تعریف کردے مثل مصدر کے کہ فعل اوسکی تصریف کرتا ہے۔ مطلب یہ کہ آواز سے اوسکی حالت معلوم ہوجاتی ہے جیسے کہ یہ مصدر کہ اصل ہے اشتقاق مین اور مبدا وہی ہے مگر فعل جوکہ تابع ہے اوسکی تعریف کرتا ہے مصدر اعلال مین اوسکے تابع ہوتا ہے تو دیکھو باوجودیکہ وہ تابع ہے مگر اعلال مین اوسکا معرف ہے اسی طرح اگرچہ آواز تابع ہے مگر اوسکی حالت کے بیان کیلئے ایسکی ضرورت ہے اور یہ آواز ہی اوسکی حالت کو بیان کرتی ہے

توجسطرح کہ اوسکی آواز سے اوسکی حالت معلوم ہوجاتی ہے اسیطرح منافقین اور غیر مخلصین اور مدعیین کی باتوں سے اونکے قلب کی حالت روشن ہوجاتی ہے اور سارا مکر ظاہر ہوجاتا ہے اور رسوا ہوتے ہین آگے فرماتے ہین کہ۔

شرح حبیبی

چون حدیث امتحانے رو نمود	یاد م آمد قصۂ ہاروت زود
پیش ازین زان گفتہ بودم اندکے	خود چہ گویم از ہزار انش یکے
خواستم گفتن دران تحقیقہا	تاکنون واماندم از تعویقہا
گوش دل رایک نفس این سو بدار	تا بگویم با تو از اسرار یار
حملۂ دیگر زبسیارش قلیل	گفتہ آید شرح یک جزوے زپیل
گوش کن ہاروت را ماروت را	اے غلام وچاکران ماروت را
مست بودند از تماشائے اِلٰہ	وز عجائبہائے استدراج شاہ
این چنین مستی ست ز استدراج حق	تاچہ مستیہا وہد معراج حق
دانۂ دامش چنین مستی نمود	خوان انعامش چہا داند کشود

مست بودند و رہیدہ از کمند	ہائے و ہوئے عاشقانہ میزدند
یک کمین و امتحان در راہ بود	صرصرش چون کاہ کہ را می ربود
امتحان میکردشان زیر و زبر	کے بود سرمست را زینہا خبر
خندق و میدان بپیش او یکیست	چاہ و خندق پیش او خوش مسلکیست

جبکہ امتحان کی یہان تک نوبت پہونچی تو اسپر مجھے قصہ ہاروت و ماروت یاد آگیا اس سے پیشتر بھی مین نے دفتر اول مین اسکو کسیقدر بیان کیا ہے اور اب بھی پورا تو کیا بیان کر سکتا ہون ہزارون حصون مین سے ایک حصہ بیان کرونگا میرا ارادہ تہا کہ یہین تحقیقات عجیبہ بیان کرون لیکن موانع کے سبب معذور رہا اب تم کو تھوڑی دیر کے واسطے اس طرف متوجہ ہونا چاہیئے تاکہ مین تجھسے حق سبحانہ کے کچھ بہید ظاہر کرول دوسری بار بھی میں بہت نہ بیان کرونگا بلکہ بہت تھوڑا سا بیان کرونگا اور گویا کہ ہاتھی کے ایک ذرا سے جزو کی تشریح کرونگا اچھا اب تم قصہ ہاروت و ماروت سنو وہ بظاہر تماشا سے حق سبحانہ اور فی الحقیقت اس کے عجائبات استدراج کے سبب مست تھے اور اس بظاہر مشاہدہ جمال حق اور بباطن استدراج حق نے اون کو اس درجہ بیخود کر رکہا تھا کہ نفع و ضرر میں امتیاز نہ کر سکتے تھے حتی کہ حق سبحانہ کے معاملہ میں دعوے عظمت کر بیٹھے اور یہ نہ سمجھ سکے کہ اسکا انجام کیا ہوگا یاد رکھو کہ یہ وہ مستی نفسانی نہیں ہے جسکی فرشتون سے کلام اہل فن میں نفی کیگئی ہے بلکہ یہ قوی مدرکہ کا ایک خاص امر یعنی انہماک اور ماسوی کی طرف عدم التفات ہے اور اسکی فرشتوں سے نفی کی کوئی وجہ نہیں اس سے تم سمجھ سکتے ہو کہ جب استدراج حق سے اس قسم کی مستی اور انہماک حاصل ہو سکتا ہے تو قرب حق میں کیا کچھ مستی نہ ہوگی اور جب جال میں ڈالے ہوئے ایک دانہ نے ایسا مست کر دیا تو اوسکا خوان انعام کیا کچھ مستیوں کے دروازے

اسیر نہ کھویگا غرض کہ وہ مست اور ابتک کمند امتحان سے آزاد تھے اور عاشقوں کی طرح ہاؤ ہو کرتے تھے یعنی محبت الہی کا دم بھرتے تھے لیکن راہ تقرب حق میں ایک سخت مہلکہ اور امتحان تہا جو اسقدر قوی تھا کہ اوسکی آمد ہی تنکے کی طرح پہاڑ کو اوڑا دیتی تھی اور بڑے بڑے ارباب استقلال کے حوصلے اوس سے ٹکرانے اور اوسکا مقابلہ کرنے سے پست ہوتے تھے اور وہ امتحان اونکو تہ و بالا کر رہا تھا لیکن وہ تو مست تھے اونکو کیا تنبہ ہوتا مست کی تو حالت یہ ہوتی ہے کہ خندق اور میدان دونون اوسکی نظر میں یکسان معلوم ہوتے ہیں۔ اور اوسکو تو کنوان اور خندق بھی عمدہ شاہراہ معلوم ہوتے ہیں چنانچہ مندرجہ ذیل واقعہ سے اوسکی تصدیق ہوگی۔

شرح شبیری

چون حدیث امتحان روئے نمود　　یادم آمد قصہ ہاروت زود

یعنی جب امتحان کی بات آگئی تو مجھے قصہ ہاروت و ماروت کا یاد آگیا مولانا نے کچھ قصہ ہاروت و ماروت بنا بر علی المشہور دفتر اول کے اخیر میں بیان کیا ہے جو کہ کلید مثنوی دفتر اول سطر ثانی مین مذکور ہے یہان اوسیکی طرف اشارہ ہے کہ اب چونکہ بہت دور سے امتحان کا ذکر آرہا ہے اور ہاروت و ماروت کا بھی امتحان ہوا تھا اسلئے یہان اونکا قصہ بھی یاد آگیا آگے خود اوس پہلے مذکور کی طرف اشارہ فرماتے ہیں کہ۔

پیش ازین زان گفتہ بودم اندکے　　خود چہ گویم از ہزاران شش یکے

یعنی اس سے پہلے میں نے اوسمین سے کچھ بیان کیا ہے اور خود کیا کہون ہزار مین سے ایک مطلب یہ کہ اوسکے اندر جو حقائق ہیں اونمین سے جو بیان کرونگا اور کرتے ہیں وہ ایسے ہیں۔ جیسے کہ ہزار میں سے ایک چیز بیان کیجاوے یعنی بہت تھوڑا سا بیان کیا جا سکتا ہے۔

خواستم گفتن دران تحقیقہا　　تاکنون وا ماندم از تعویقہا

یعنی مین نے اوسکے اندر کچھ تحقیقات بیان کرنا چاہے تھے مگراب تعویقات کی وجہ عاجز رہا

حملۂ دیگر ز بسیارش قلیل　　گفتہ آید شرح یک عضوے زپیل

یعنی اب دوسری مرتبہ اُس مین سے تھوڑا سا بیان کیا جاتا ہے جیسے کہ ہاتھی مین سے ایک عضو مطلب یہ کہ جیسے سارے ہاتھی کی نسبت اوسکا ایک عضو بہت ہی قلیل ہوتا ہے اسیطرح ان تحقیقات مین سے اب بھی تھوڑے ہی سے بیان ہوسکتی ہے۔

گوش کن ہاروت را ماروت را　　اے غلام وچاکران ماروت را

یعنی قصہ ہاروت و ماروت کو سُن لے وہ شخص کہ ہم تیرے منہ کے غلام اور نوکر ہین دوسرا مصرعہ ایسا ہے جیسے کہ ہماری زبان میں بولتے ہین کہ میں تیرے مُکھڑے کے قربان ذرا یہ بات سُن لے تو مولانا بھی غایت شفقت سے اسیطرح فرماتے ہین اور فرماتے ہین کہ۔

گوش دل را یک نفس این سو بدار　　تا بگویم با تو از اسرار یار

یعنی گوش دل کو ایک ذرا اودھر کرتا کہ مین تجھے اسرار یار میں سے کچھ بیان کرون یار سے مراد حق تعالے مراد یہ کہ ذرا گوش دل سے سُنو توہم تم سے اسرار حق بیان کریں۔ آگے اونکا قصہ بیان فرماتے ہیں۔

قصہ ہاروت اور ماروت کا اور حق تعالے کے امتحان پر اونکی دلیری

مست بودند از تماشائے الہ　　وز عجایبہائے استدراج شاہ

یعنی وہ لوگ تماشائے حق مین مست تھے اور حق تعالے کی عجیب عجیب استدراجون سے تماشائے حق سے مراد تجلیات مطلب یہ کہ وہ دونون تجلیات مین اسقدر مست ہو رہے تھے کہ اونکو دوسری طرف التفات ہی نہ تھا اور اونکو کبھی وہم بھی نہ ہوتا تھا کہ ہم مردود بھی ہوگئے اور انکو اس استدراج کی خبر نہ تھی کہ اونکو اس قرب میں استدراج ہے کہ وہ مست ہو رہے ہین حالانکہ یہی اونکے لئے مہلک تہا۔

این چنین مستی است استدراج حق   تا چہ مستیہا دہد معراج حق

یعنی استدراج حق مین ایسی مستی ہے تو معراج حق تو کیا کچھ مستی دیگی مطلب یہ کہ دیکھو کہ جب استدراج میں کہ اوسمین قرب اصلی ہوتا بھی ہنین ایسی مستی ہے کہ دوسری طرف التفات ہی نہیں ہے تو پھر جب معراج اور قرب ہوگا اسوقت تو دیکھو کیسی کچھ مستی ہوگی۔

دانہ دامش چنین مستی نمود   خوان انعامش چہا داند کشود

یعنی اونکے دانہ دام نے ایسی مستی دکہائی تو اوسکا خوان انعام تو کیا کچھ کھولنا چاہیگا۔ مطلب یہ کہ دیکھو اونکا امتحان ہوا تھا تو اسقدر مست ہوئے کہ اونکو دوسری طرف کی خبر بھی نہ رہی تو بھلا جسکو کہ قرب حق اصل مین حاصل ہوا اوسکو تو کیا کچھ مستی حاصل ہوگی غرضکہ اونکی یہ حالت تھی کہ۔

مست بودند و رہیدہ از کمند   ہائے وہوئے عاشقانہ میزدند

یعنی مست تھے اور کمند سے چھوٹے ہوئے تھے اور عاشقون جیسی ہائے ہوئے کرتے تھے مطلب یہ کہ چونکہ کبھی کمند مین پہنسے نہ تھے اسلئے مست تھے اور چھوٹے پھر رہے تھے اور عاشق بنتے تھے۔

یک کمین وامتحان در راہ بود   صرصرش چون کاہ کہ راے ربود

یعنی ایک کہانی اور امتحان راہ مین تہا اور اسکی ہوا کوہ کو کاہ کی طرح بجا تی تھی مطلب یہ کہ وہ مست تھے حالانکہ اونکی راہ میں اور اوس سلوک مین امتحان بھی تہا اور ایسا امتحان کہ اوسکی باد تند بڑے بڑے مضبوطوں کو ہلا دے بس اونکو اوسکی خبر نہ تھی اور وہ اوسی حالت مشاہدہ مین مغرور اور مست ہو رہے تھے۔

امتحان میکردشان زیروزبر   کے بود سرمست را زینہا خبر

یعنی حق اونکا امتحان زیروزبر کر رہے تھے اور سرمست کو اوسکی کب خبر ہوتی ہے مطلب یہ کہ حق تعالےٰ نے تو اونکو استدراج مین مبتلا کر رکہا تھا اور اونکو اسکی خاک بھی خبر نہ تھی یہان ایک ذرا سا اشکال یہ ہوتا ہے کہ محققین نے کہا ہے کہ ملائکہ کے اندر شہوت نہیں ہوتی اسلئے کہ انکے اندر نفس نہیں ہوتا اور مولانا اونکو مست کہہ رہے ہیں تو یہان مست سے کیا مراد ہوگا تو بات یہ ہے کہ مستی دو قسم کی ہوتی ہے ایک مستی عقلی اور ایک شہوانی مثلاً ایک مستی اور سرور انسان کو اوسوقت ہوتا ہے جبکہ اوسکو کوئی نئی بات معلوم ہو یا کوئی خوشی ہو یا کوئی خیال سرور پختہ جم جاوے اور ایک شہوانی ہوتی ہے تو ملائکہ مین وہ مستی شہوانی تو نہ تھی ہان یہ مستی عقلی ضرور تھی کہ وہ اس خیال مین مگن تھے کہ ہم مقرب حق ہین بس اسی مستی کو مولانا بھی فرمارہے ہین اور یہ اونکی ملکیت کی بھی منافی نہین ہے آگے فرماتے ہیں کہ اوس سرمست کی یہ حالت ہوتی ہے کہ۔

خندق ومیدان بہ پیش او یکیست   چاہ وخندق پیش او خوش مسلکے است

یعنی خندق اور میدان اوس کے آگے سب ایک ہوتے ہیں اور کنوان اور خندق اوسکے آگے عمدہ راستہ ہین مطلب یہ کہ وہ اسقدر مست ہوتا ہے کہ اوسکو مضرات ومہلکات نافع اور خوش معلوم ہوتے ہین آگے بز کوہی کا قصہ بیان فرماتے ہیں کہ دیکھو جسطرح وہ مست ہوکر قعر کوہ کو میدان سمجہتا ہے اُسی طرح جو مست ہوتے ہیں وہ بھی مہلکات کو نافع خیال کرتے ہین اور اوسطرف التفات نہیں کرتے۔

شرح حبیبی

آن بز کوهی بران کوه بلند — بر دود از بهر خورد بے گزند

تا علف چیند به بیند ناگهان — بازئی دیگر ز حکم آسمان

بر کہے دیگر براندازو نظر — ماده بز بیند بر آن کوه دگر

چشم او تاریک گردد در زمان — بر جهد سرمست زین که تا بدان

آنچنان نزدیک بناید ورا — که دویدن گرد با لوعه سرا

آن هزاران گز دو گز بنمایدش — تا ز مستی میل جستن آیدش

چونکه بجهد در فتد اندر میان — در میان هر دو کوه بے امان

او ز صیادان به که بگریخته — خود پناهش خون او را ریخته

شسته صیادان میان آن دو کوه — انتظار آن قضائے باشکوه

باشد اغلب صید این بز اینچنین — ورنه چالاکست و چست و خصم بین

رستم از چہ با سر و سبلت بود ‏ ‏ دام پاگیرش یقین شہوت بود

ہمچو من از مستی شہوت بہ بر ‏ ‏ مستی شہوت بہ بین اندر شتر

باز این مستی و شہوت در جہان ‏ ‏ پیش مستیٔ ملک شد مستہان

مستیٔ آن مستیٔ این بشکند ‏ ‏ او بشہوت التفاتے کے کند

آب شیرین تا نخوردی آب شور ‏ ‏ خوش بود خوش چون درون دیدہ نور

قطرۂ از بادہ ہائے آسمان ‏ ‏ بر کند جان را از مے و ز ساقیان

تا چہ مستیہا بود املاک را ‏ ‏ در جہالت روحہائے پاک را

کہ بہ بوئے دل بر آن می بستہ اند ‏ ‏ خم بادہ این جہان بشکستہ اند

جز مگر آنہا کہ نومیدند و دور ‏ ‏ ہمچو کفار نہفتہ در قبور

نا امید از ہر دو عالم گشتہ اند ‏ ‏ خار ہائے بے نہایت کشتہ اند

دیکھو ایک پہاڑی بکرا خوراک حاصل کرنے کے لئے بے خطر ایک اونچے پہاڑ پر دوڑتا ہوا جاتا ہے تاکہ وہاں جا کر گھاس چرے لیکن قضائے آسمانی کا اوسکو کچھ اور ہی کرشمہ نظر آتا ہے

یعنی وہ دوسرے پہاڑ پر نظر ڈالتا ہے تو اوسکو بکری نظر پڑتی ہے پس اوسکو دیکھکر فوراً ہی اوسکی آنکھون کے سامنے اندھیرا چھا جاتا ہے اور وہ اس پہاڑ سے اوس پہاڑ پر جست کرتا ہے وہ پہاڑ باوجود بہت دور ہونے کے اوسکو اسقدر قریب اور آسان معلوم ہوتا ہے جیسا کہ گھر نیکے چوبچہ کے گرد پھرنا اور ہزارون گز اوسکو دوگز دکھلائی دیتے ہیں حتی کہ مستی کے سبب اوسکو کودنے کی خواہش ہوتی ہے اور بالآخر وہ کودتا ہے لیکن جب وہ کودتا ہے تو فوراً ہی دونوں پہاڑوں کے درمیان میں گر جاتا ہے اس سے تم کو معلوم ہوگیا ہوگا کہ مستی کیا اثر رکھتی ہے اب فوائد زائدہ سنو دیکھو وہ شکاریون سے بھاگا تھا اور سے پہاڑ میں پناہ لی تھی لیکن خود اوسکی جائے پناہ ہی نے اوسکو ہلاک کردیا اور قضائے الٰہی سے بچ نہ سکا۔ اور جن سے بچنا چاہتا تھا اونہیں کے قبضہ میں آگیا چنانچہ ان پہاڑون کے درمیان حق سبحانہ کے قضائے باشکوہ کے انتظار میں شکاری بیٹھے ہوئے تھے اونہوں نے اوسکو گرفتار کرلیا پس تم کو کبھی اپنی تدابیر پر اعتماد نہ کرنا چاہیئے بلکہ ہر کام مین حق سبحانہ پر نظر رکھنی چاہیئے چونکہ یہ بکرا بہت چست و چالاک اور اپنے دشمن کو پہچاننے والا ہوتا ہے لہذا اکثر اسکا شکاریوں ہی کیا جاتا ہے کہ اول اوسکو مغلوب شہوت کرکے اوسکے احساس کو باطل کیا جاتا ہے پھر گرفتار کرلیا جاتا ہے اسطرح سے بہت آسانی سے قبضہ میں آجاتا ہے واقعی یہ شہوت بہت بُری بلا ہے اگر کوئی شخص رستم بھی ہو اور بہت بڑا سر اور بڑی بڑی مونچھیں رکھتا ہو جو دلیل ہین اوسکی عالی دماغی اور بہادری کی تو بھی شہوت یقیناً اوسکے پاؤنکا جال ہوجائیگی کہ اوسکو ہلنے بھی نہ دیگی جب یہ معلوم ہوگیا کہ شہوت اسقدر خطرناک چیز ہے تو تو تم کو چاہیئے کہ میری طرح مستیٔ شہوت سے قطع تعلق کرو تم دیکھتے نہیں یہ مستی اونٹ سے بردبار اور متحمل جانور کی کیا گت بناتی ہے جب تم مستیٔ شہوت کی قوت سُن چکے تو اب سمجھو کہ فرشتون کی مستی کے سامنے اس مستیٔ شہوت کی کچھ بھی حقیقت نہیں جب مستی ملکی حاصل ہوجاتی ہے تو وہ مستیٔ شہوت کو توڑ پھوڑ کر رکھدیتی ہے پس جسکو اسقدر تیز اور قوی مستی حاصل ہو وہ معمولی مستیٔ شہوت کو کیا خاطر میں لادیگا اور الحمد للہ کہ وہ مستی مجھے حاصل ہے اور اوسکی وجہ سے میں مستیٔ شہوت کو کچھ بھی نہیں سمجھتا یون ہی تو بھی وہ مستی حاصل کر۔

اور اس مستی کو چھوڑ تجھے یہ مستی اسلئے عزیز ہے کہ تو نے وہ مستی نہیں دیکھی کیونکہ قاعدہ ہے کہ جبتک آدمی شیریں پانی نہیں پیتا اسوقت تک وہ آب شور ہی کو نہایت لذیذ اور ایسا محبوب سمجھتا ہے جیسے آنکھ کا نور۔ لیکن جب وہ شیریں پانی پی لیتا ہے تو اوسکو منہ بھی نہیں لگاتا یا در کہہ کہ شراب محبت حق اسقدر تند ہے کہ اوسکا ایک قطرہ پیکر دنیاوی شراب اور اسکے ساقیوں سے بالکل سیری حاصل ہو جاتی ہے اور انکی طرف رُخ کرنے کو جی نہیں چاہتا اب تم اندازہ کر سکتے ہو کہ فرشتوں اور ارواح مقدسہ انسانیہ یعنی اہل اللہ میں مشاہدہ جلال کبریائی سے کیا کچھ مستیاں ہونگی کہ اونہوں نے تو اس شراب کے خم کے خم سپئے ہیں اب ہم ترقی کر کے کہتے ہیں کہ جن لوگوں کو محض ہوا وسکی بُو سونگھ کر اس سے تعلق پیدا ہو گیا ہے انکی بھی یہ حالت ہو گئی ہے کہ دنیا کے شراب کے خم کو توڑ ڈالا ہے پھر جن لوگوں نے اوسکو خوب سیر ہو کر پیا ہے اونکی کیا حالت ہوگی۔ ہاں جنکو اسکی ہوا بھی نہیں لگی ہے اور وہ اس سے یوں نا اُمید اور دُور ہو گئے ہیں جسطرح مر کر قبروں میں چھپ جانے والے کافر اور جو فلاح دارین سے نا امید ہو چکے ہیں اور اپنی راہ میں بے انتہا کا مٹے بو چکے ہیں اگر اس شراب کی حقیقت نہ سمجھیں اور اوسکے سوا دیگر شرابوں اور مستیوں میں ہمہ تن منہمک ہوں تو کچھ بعید نہیں۔

شرح شبیری

بزکوہی کے بکری کو دیکھکر مستی اور اوسکا ایک پہاڑ سے دوسرے پر کودنا

آن بزکوہی بران کوہ بلند   بر دواز بہر خوردے بے درنگ

یعنی وہ بُزِ کوہی اوس بلند پہاڑ پر غذا کے لئے بے خوف و خطر دوڑتا ہے۔

تا علف چیند بہ بیند ناگہان ‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌ بازئی دیگر ز حکم آسمان

یعنی (وہ دوڑتا ہے) تاکہ گھاس چرے تو ناگہاں حکم آسمانی کی وجہ سے ایک اور بازی دیکھتا ہے وہ یہ کہ۔

بر کُہے دیگر بر اندازد نظر ‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌ مادہ بز بیند بران کوہے دگر

یعنی اوس دوسرے پہاڑ پر نظر ڈالتا ہے تو اوس دوسرے پہاڑ پر مادہ بز کو دیکھتا ہے (تو بس یہ حالت ہوتی ہے کہ)

چشم او تاریک گردد در زمان ‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌ بر جہد سرمست زین کہ تا بدان

یعنی اوسکی آنکھہ تاریک ہو جاتی ہے اوسوقت اور مست ہو کر اس پہاڑ سے دوسرے پر کودتا ہے

آنچنان نزدیک بنماید ورا ‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌ کہ دویدن گرد بالوعہ سرا

یعنی وہ پہاڑ اوسکو ایسا نزدیک معلوم ہوتا ہے جیسے کہ گھر کے چو بچہ کے گرد دوڑنا مطلب یہ کہ جسطرح کہ اوسکو پھلانگ جانا آسان ہوتا ہے اسیطرح وہ اس پہاڑ سے دوسرے پر کود کر پہونچ جانا آسان سمجھتا ہے۔

آن ہزاران گز دو گز بنمایدش ‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌ تا ز مستی میل جستن آیدش

یعنی وہ ہزاروں گز اوسکو دو گز دکہائی دیتا ہے یہاں تک کہ مستی سے کودنے کی رغبت اوسکو ہوتی ہے۔

چونکہ بجہد در فتد اندر زمان ‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌ درمیان ہر دو کوہِ بے امان

یعنی جبکہ کودتا ہے تو اُن دونوں بے اماں پہاڑون کے درمیان میں گر پڑتا ہے۔

اوز صیادان بہ کہ گریخت ۔ خود پناہش خون اورا ریخت

یعنی وہ صیادوں سے پہاڑ میں بھاگا تھا اور خود اوسکی پناہ نے اوسکا خون گرایا مطلب یہ کہ اگر میدان میں رہتا اور پہاڑ پر نہ جاتا تو کیوں وہاں سے گر کر مرتا بلکہ اگر وہاں کودتا بھی مرتا تو نہ

نشستہ صیادان میان آن دوکوہ ۔ انتظار آن قضائے باشکوہ

یعنی اُن دونوں پہاڑون کے درمیان میں صیاد اُن قضائے باشکوہ کے انتظار میں بیٹھے ہوتے ہین بس وہ شکار کر لیتے ہیں مولانا فرماتے ہیں۔

باشد اغلب صید این بز این چنین ۔ ورنہ چالاکست و چست و خصم بین

یعنی اکثر اوقات اس بکرے کا شکار اسطرح ہوتا ہے ورنہ یہ تو بڑا چالاک وچست اور دشمن کا دیکھنے والا ہے۔

رستم ارچہ باسر و سبلت بود ۔ دام پاگیرش یقین شہوت بود

یعنی رستم اگرچہ بڑی مونچھ اور سر والا ہو مگر یقیناً اوسکی پاگیر شہوت ہوتی ہے یعنی خواہ کتنا ہی قوی کیوں نہ ہو مگر شہوت کے آگے وہ بھی مغلوب ہوجاتا ہے توبس اسیطرح ایک قسم کی مستی ہاروت کو تھی وہ بھی اسی وجہ سے پھنس گئے اور پھر جو گت بنی وہ ظاہر ہے اور مولانا اس قصہ کو بنا ر علی المشہور لکھ رہے ہیں کہ اگر ایسا ہو تو یہ قصہ یوں ہے اور اگر یہ قصہ غلط ہو تو پھر مولانا کا بیان صرف تمثیل ہو جاویگا غرضکہ اسوقت اسکی صحت وغیرہ سے بحث نہیں ہے صرف اوسکے نتیجہ پر نظر ہے۔ آگے مولانا فرماتے ہین کہ۔

ہمچو من از مستی شہوت ببر ۔ مستی شہوت بہ بین اندر شتر

یعنی میری طرح مستی شہوت سے الگ ہوجاؤ اور مستی شہوت کو شتر کے اندر دیکھو مطلب یہ کہ بطور غوث بالنعمۃ کے فرماتے ہیں کہ جسطرح ہم نے شہوت کو ترک کر دیا ہے اسیطرح تم بھی قطع کر دو اور دیکھو شتر میں جو شہوت ہوتی ہے تو اوسوقت اوسکی کیا بُری گت ہوتی ہے بس اسی کو اپنے اوپر قیاس کرلو۔

باز این مستیٔ شہوت در جہان پیش مستیٔ ملک شد مستہان

یعنی پھر یہ مستی شہوت جہان مین اوس مستی ملک کے آگے ذلیل ہوگئی۔ اسلئے وہ مستی عقل اس مستی شہوت سے زیادہ ہوتی ہے کیونکہ اسین توانسان کو کچھ دوسری طرف کی بھی خبر رہتی ہے مگر اوس میں تو دوسری طرف التفات ہی نہیں ہوتا یہ اوس سے بھی بڑھکر ہوئی۔

مستیٔ آن مستیٔ این بشکند او بہ شہوت التفاتے کے کند

یعنی اوسکی مستی اسکی مستی کو توڑ دیتی ہے اور وہ شہوت کی طرف التفات کب کرتا ہے۔ مطلب یہ کہ مولانا اس مستی عقل کی جو کہ ملائکہ کو مشاہدہ تجلیات سے ہوتی ہے رغبت دلا رہے ہین کہ اوسکو حاصل کرو تو اوس سے یہ مستی شہوت زائل ہوجاویگی اور رغبت اسلئے دے رہے ہین کہ وہ فی نفسہ تو محمود ہی ہے اگرچہ ایک عارض کی وجہ سے ہاروت ماروت کو مضر ہوئی مگر فی نفسہ کوئی مضر نہیں ہے ورنہ تمام ملائکہ کو مضر ہوتی تو یہیں جبکہ وہ مضر بعارض ہے لہذا فی نفسہ وہ مطلوب ہوئی اور وہ عارض جو ہے وہ قابل اسکے ہوا کہ اوس سے حق تعالےٰ کی درگاہ میں پناہ مانگے پس جبکہ حق تعالےٰ کی مدد ہوگی تو انشاء اللہ پھر مضر نہوگی آگے فرماتے ہیں کہ۔

آب شیرین تا نخوردی آب شور خوش نماید چون درون دیدہ نور

یعنی جب تک کہ تم نے آب شیرین نہیں پیا ہے اوسوقت تک آب شور ہی ایسا اچھا معلوم ہوتا ہے جیسے کہ آنکھہ میں نور اچھا معلوم ہوتا ہے آب شیرین سے مراد تجلی حق اور

آب شور سے مراد مستی شہوت مطلب یہ کہ جب تک اوسکی مستی کو دیکھا نہیں ہے اوسیوقت تک تم کو یہ مستی دنیا بھلی معلوم ہو رہی ہے ورنہ جب اوسکو چکھہ لوگے تو پھر اس کی قدر بالکل جاتی رہے گی۔

قطرۂ از بادہ ہائے آسمان　　　برکند جان رازمے وساقیان

یعنی آسمانی شرابون کا ایک قطرہ بھی جان کو (ان ظاہری) شراب اور ساقیوں سے الگ کر دیتا ہے پس جبکہ دس شراب کے ایک قطرہ میں یہ خاصیت ہے تو۔

تاچہ مستیہا بود املاک را　　　وزجلالت روجہائے پاک را

یعنی کیا کچھ مستی فرشتوں کو ہوگی اور جلالت کی وجہ سے پاک ارواح کو کیا کچھ ہوگی۔ اسلئے کہ اونکی تو یہ حالت ہے کہ:

کہ بہوئے دل دران مے بستہ اند　　　خم بادہ این جہان بشکستہ اند

یعنی کہ بو پر اوس مئے کی دل باندھے ہوتے ہیں اور اس جہان کی شراب کے مٹکے توڑ دیتے ہین مطلب یہ کہ اُن لوگونکی یہ حالت ہے کہ اونھوں نے اس جہان کی مستیوں کو ترک کر دیا اور اوسی مستی اصلی کی طرف دل لگا رکھا ہے تو اونکو کیا کچھ مستی ہوگی آگے انھیں سے استثنا منقطع کے طور پر کچھ مستثنے فرماتے ہین کہ۔

جز مگر آنہا کہ نومیدند و دور　　　ہمچو کفار نہفتہ در قبور

یعنی مگر سوائے اونکے جو کہ ناامید اور دور ہین جیسے کہ کفار جو کہ قبور میں پوشیدہ ہیں مطلب یہ کہ جیسے کہ وہ لوگ ہین جو کہ کافر ہیں اور قبروں میں ہین وہ اس مستی سے بالکل ناامید اور دُور ہیں۔ اور اونکا تو ذکر ہی نہیں۔ ہان جو کہ مست ہیں اون کو سب کچھ حاصل ہے اور کفار کی تو یہ حالت ہے کہ۔

نا اُمید از هر دو عالم گشته اند — خارهائے بے نهایت کشته اند

یعنی وہ لوگ دونون عالم سے نا اُمید ہو گئے ہیں اور اُن لوگون نے بے انتہا خار بوئے ہیں یعنی اعمال سیئہ کئے ہین لہذا اُنکو وہ مستی حاصل نہیں ہو سکتی آگے پھر قصہ بیان فرماتے ہیں

شرح حبیبی

پس زمستیها بگفتند اے دریغ — بر زمین باران بدادیے چو میغ

گستریدے دران بیداد جا — عدل و انصاف و عبادات و وفا

این بگفتند و قضا می گفت بیست — پیش پایت دام ناپیدا بسے است

ہین مرو گستاخ در دشت بلا — ہین مران کورانه اندر کربلا

که زموی و استخوان هالکان — می نیابد راه پائے سالکان

جمله ره استخوان موے و پے — بسکه تیغ قهر لاشئے کرد شئے

گفت حق که بندگان ما رعون — بر زمین آهسته می رانند هون

پا برہنه چون رود در خار زار — جز بمہل و فکر و پرہیزگار

این قضا میگفت لیکن گوش شان | بسته بود اندر حجاب جوش شان
چشمها و گوشها را بسته اند | جز مگر آنها که از خود رسته اند
جز عنایت که کشاید چشم را | جز محبت که نشاند خشم را
جهد بے توفیق جان کندن بود | زار زنی کم گرچہ صد خرمن بود
جهد بے توفیق خود کس را مباد | در جہان واللہ اعلم بالرشاد

غرضکہ ہاروت وماروت مست تھے اور مستی میں یہ کہہ رہے تھے کہ اے کاش ہم زمین پر بکثرت پانی برساتے اور اس محل ظلم پر ہم عدل وانصاف عبادتیں اور وفائے حق سبحانہ پھیلاتے وہ تو یہ کہہ رہے تھے اور انسانوں پر بیوفائی ظلم فسق وفجور کی تعریفیں کررہے تھے لیکن قضا کہہ رہی تھی کہ ذرا دم لو تمہارے پاؤں کے سامنے بھی بہت سے جال ہیں جن سے تم بھی نہیں بچ سکتے یہاں سے مولانا مضمون ارشادی کی طرف انتقال فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ دیکھو صحرائے امتحان میں ان فرشتوں کی طرح اکڑتے ہوئے نہ چلنا اور اس دشت سراپا مصائب میں اندھادھند نہ گھسنا۔ اسمیں غفلت کے ساتھ چلنے کے سبب سے ہلاک ہونے والوں کے اسقدر بال اور ہڈیاں پڑی ہوئی ہیں کہ چلنے والوں کو راستہ بھی نہیں ملتا۔ چونکہ قہر حق سبحانہ نے بہت سے مغروریں اور عُجب رکھنے والوں کو ہلاک کیا ہے اسلئے تمام راہ میں ہڈیاں بال اور بھیجے بھی پڑے ہوئے ہیں پس تم کبھی اپنی طاعات پر گھمنڈ اور عصاۃ کی تحقیر نہ کرنا کیونکہ بندگان مقبولین کی یہ شان نہیں ہے چنانچہ حق سبحانہ فرماتے ہیں عباد الرحمٰن الذین یمشون علی الارض ہونا

یعنی ہمارے خاص بندے ہماری مدد توفیق سے زمین پر آہستہ چلتے ہیں اور اکڑ کر نہیں
چلتے پس جب رفتار میں بھی تکبر کو حق سُبحانہ پسند نہیں کرتے تو طاعات میں کیونکر پسند
کرینگے غور تو کرو کہ جو شخص محتاط ہو اور پاؤنمیں جوتے نہوں بلکہ ننگے پاؤں ہوں اور جنگل
کانٹوں سے پر ہو پس کیا ایسا شخص اس حالت میں بلا سوچے ایک قدم بھی رکھہ سکتا ہے۔
ہرگز نہیں پس تم کیسی بیفکری کے ساتھ صحرائے امتحان میں چلے جا رہے ہو خیر۔
تو قضا اسنے وہ کہہ رہی تھی جو ہم اوپر بتلا چکے ہیں لیکن انکے کانوں پر اونکی مستی نے
پردہ ڈال رکھا تھا کہ وہ مستی کے سبب اوسکو نہ سنتے تھے واقعی بات یہ ہے کہ جبتک
آدمی فنا نہیں ہو جاتا اسوقت تک علی تفاوت الاحوال کان بھی بند ہوتے ہیں۔ اور
آنکھیں بھی نہ وہ بہتری کو سُن سکتا ہے نہ دیکھہ سکتا ہے ہاں جب فنائے تام
حاصل ہو جاتی ہے اوسوقت کان بھی پورے طور پر کھل جاتے ہیں اور آنکھیں بھی
اور آنکھوں کا کھول دینا حقیقۃً حق سُبحانہ ہی کے قبضہ میں ہے جب وہ چاہتے ہیں
اسیوقت آنکھیں کھلتی ہیں لیکن اوس نے اپنی مشیت کیلئے بعض اسباب عادیہ مقرر
فرما دئے ہیں کہ جب اونکا وجود ہوتا ہے تو آنکھہ کھولنے کے ساتھ مشیت بھی
متعلق ہو جاتی ہے اور وہ سبب عشق و محبت حق سُبحانہ ہے پھر عشق و محبت آتش خشم
کو فرو کر کے رحمت کو متوجہ کرتے ہیں اور وہ رحمت آنکھیں کھولدیتی ہے اور عشق و محبت
بھی توفیق حق سبحانہ ہی حاصل ہوتے ہیں اگر توفیق حق سبحانہ نہو تو محض کوشش تو
دو دسری ہی ہے اگر سیکڑوں کھلیان گیہوں کے برابر بھی ہو تب بھی باجرہ کے ایک دانہ کے
برابر ہے خدا کرے کسی کی کوشش بے توفیق کے نہو اور حق سبحانہ سب کو توفیق عطا
فرماویں اور خدا ہی خوب صواب کو جانتا ہے اور جو کچھ وہ کرتا ہے وہی صواب ہے
جسکو توفیق دیتا ہے وہ بھی حکمت ہے اور جسکو نہیں دیتا اوسمیں بھی حکمت ہے۔
(تنبیہہ) یاد رکھو کہ مولانا نے عجب کو نہایت مضر بتلایا ہے اور عجب کبھی تو اپنی طاعات
پر ہوتا ہے اور کبھی طاعات پر تو نہیں ہوتا مگر اس عجب نہ ہونے پر عجب ہوتا ہے یعنی
یہ عجب ہوتا ہے کہ ہم میں عجب نہیں۔ وہلم جراً اور سہرا اوپر درجہ کا عجب نیچے والے

عجب سے زیادہ خطرناک ہے کیونکہ اوپر والے عجب کا احساس مشکل سے ہوتا ہے لہذا وہ زیادہ خطرناک ہے۔

شرح شبیری

ہاروت و ماروت کا بشریت کی تمنا کرنا اور حق تعالٰے کی غیرت

پس ز مستیہا بگفتند اے دریغ　　　بر زمین باران بدادیمے چو میغ

یعنی وہ مستیوں کی وجہ سے کہا کرتے تھے کہ کاش ہم زمین پر بارش (انصاف) بادل کیطرح برساتے مطلب یہ کہ وہ اسکی خواہش کیا کرتے تھے کہ ہم دنیا میں اگر ہوتے تو خوب انصاف کرتے اور بنی آدم کیطرح جور و ظلم نہ کرتے اس تمنا کے ضمن میں وہ بنی آدم کو ذلیل بھی سمجھتے تھے انکو ظالم اپنے کو منصف قرار دیتے تھے اور سمجھتے تھے کہ

گستریدیمے درین بیداد جا　　　عدل و انصاف و عبادات و وفا

یعنی اس بیداد کی جگہ میں ہم عدل اور انصاف اور عبادتوں اور وفا کو بچھاتے یعنی اگر ہم دنیا میں ہوتے تو یہ کام کرتے اور حق تعالٰے کی خوب عبادت کرتے غرضکہ وہ اسی گھمنڈ میں تھے اور بنی آدم کو ذلیل اور ظالم کہا کرتے تھے۔

این بگفتند و قضا می گفت ایست　　　پیش پاتان دام ناپیدا بسے ست

یعنی وہ تو یہ کہا کرتے تھے اور قضا کہتی تھی کہ ذرا ٹھہرو تمہارے پاؤں کے آگے بہت سے پوشیدہ جال ہیں یعنی اس راہ میں بہت سے امتحانات ہیں جنسے کہ ابھی بے خبر ہو۔ مولانا فرماتے ہیں کہ۔

ہین مرو گستاخ در دشت بلا ہین مرو کورانہ اندر کربلا

یعنی ارے دشت بلا میں گستاخانہ مت چل اور کربلا میں اندھوں کیطرح مت چل۔ دشت بلا اور کربلا سے مراد امتحانات اور راہ سلوک ہے مطلب یہ کہ بے خوف اور گستاخ ہوکر اس راہ کو قطع مت کر۔

کہ ز موئے و استخوان ہالکان می نیابد راہ پائے سالکان

یعنی ہالکین کے بالوں اور ہڈیوں کی وجہ سے چلنے والوں کا پاؤں راہ نہیں پاتا استخوان وموئے ہالک سے مراد امتحانات وعبرتیں ہیں یعنی اس راہ میں اسقدر امتحان اور عبرت ہیں کہ کہیں چلنے کو راستہ نہیں ملتا قدم قدم پر امتحانات موجود ہیں۔

جملۂ رہ استخوان وموئے وپئے بسکہ تیغ قہر لاشئے کردشئے

یعنی تمام راہ میں ہڈیاں اور بال اور پاؤں ہی ہیں اور تیغ قہر نے بہت سی شئے کو لاشئے کردیا یعنی بہت سے موجودات کو معدوم کردیا ہے اور اونکے نشانات آج عبرت اور امتحانات کیلئے موجود ہیں لہذا ذرا سنبھلکر چلنا چاہیئے آگے اسکی تائید فرماتے ہیں کہ

گفت حق کہ بندگان جفت عون برزمین آہستہ می رانند ہون

یعنی حق تعالےٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ جو بندے کہ منصور من الحق ہیں وہ زمین پر آہستہ اور ہونا چلتے ہیں توجب وہ اسقدر آہستہ اور سنبھلکر چلتے ہیں جنکی بابت کہ قرآن شریف میں ہے وعباد الرحمن الذین یمشون علی الارض ھونا توپھر جو لوگ کہ ابھی اس راہ

ہیں شروع ہی مین قدم رکھہ رہے ہیں اونکو توکسقدر احتیاط کی ضرورت ہوگی۔

پا برہنہ چون رود در خارزار جز بہ میل وفکرت پرہیزگار

یعنی پرہیزگار رپا برہنہ خارزار میں بغیر آہستگی اور فکر کے کب چلیگا مطلب یہ کہ جب بندگان خدا ہروقت سنبہلکر چلتے ہیں تو اگر وہ خارزار میں ہوں اور برہنہ پا ہوں تو پہر تو کیوں سنبھل کر نہ چلیں گے پس چاہیئے کہ اپنی کسی حالت پر مغرور نہ ہو اور اپنے تقوی وطہارت کو کچھہ نہ سمجھے بلکہ ہروقت حق تعالےٰ سے ڈرتا رہے اب یہاں ایک اور باریک بات ہے کہ بعض لوگ جو کہ استغفار کرتے رہتے ہیں وہ سمجھیں گے کہ ہم تو ڈرتے رہتے ہیں تو یہ بھی عزہ ہے اس سے ڈرتے ہی رہیں پھر جو لوگ کہ اس سے ڈریں گے وہ بھی بیفکر ہوں وہلم جرا بس خلاصہ یہ ہے کہ اپنی کسی حالت پر مغرور نہ ہو بلکہ ہروقت حق تعالےٰ سے استغفار کرتا رہے اور خود اس استغفار پر استغفار کرے جہانتک ہوسکے ہروقت خوف میں رہے کسی وقت بھی مغرور نہ ہو کہ یہ بہت بڑا حجاب ہے ان ہاروت وماروت کو یہی تو پیش آیا کہ انہوں نے کہا کہ یا آلہی جس طرح انسان آپکی نافرمانی کرتا ہے ہم کبھی نہ کریں تو ارشاد ہوا کہ تمہارے نفس نہیں ہے اسلئے نہ کروگے تو بولے کہ اگر آپ ہمارے نفس بھی رکھہ دیں تب بہی ہم نہ کرینگے اسلئے کہ انکو عزہ تہا بس پھر امتحان ہوا اور نفس رکھا گیا۔ آخر ناکامیاب ہوئے نعوذ باللہ۔

این قضا میگفت لیکن گوششان بستہ بود اندر حجاب جوششان

یعنی قضا یہ کہہ رہی تھی لیکن اونکے کان اونکے حجاب کے جوش میں بند ہورہے تھے وہ جو انکو جوش تقوی تھا اوسیں اندہے ہورہے تھے کہیں کی خبر نہ تھی مولانا فرماتے ہیں کہ۔

چشمہا و گوشہا را بستہ اند جز مر آنہا را کہ از خود رستہ اند

یعنی آنکھوں کو اور کانوں کو انہوں نے بند کر رکہا ہے سوائے اونکے جو اپنے سے

چھوٹے ہوئے ہیں مطلب یہ کہ جو لوگ کہ درجۂ فنا حاصل کر چکے ہیں وہ تو مستثنیٰ ہیں ورنہ اور تو سب اپنے گوشش وچشم کو بند کئے ہوئے ہیں۔

جز عنایت کہ کشاید چشم را　　　　جز محبت کہ نشاید خشم را

یعنی عنایت کے سوا اور کون آنکھ کو کھول سکتا ہے اور سوائے محبت کے غصہ کو کون بجھا سکتا ہے لہذا ہر وقت عنایت اور حب حق کے طالب ہو کہ اسی سے کام بنے گا۔

جہد بے توفیق جان کندن بود　　　　زار زنے کم گرچہ صد خرمن بود

یعنی بے توفیق (حق) کے کوشش جان کندن ہوتا ہے اور ارزنی سے بھی کم ہوتی ہے اگرچہ سو خرمن ہو۔ مطلب یہ کہ جب توفیق حق نہ ہو تو کتنی ہی کوشش کرو سب بیکار ہوتی ہے لہذا حق تعالےٰ سے توفیق کی درخواست کرو آگے مولانا دعا فرماتے ہیں کہ۔

جہد بے توفیق خود کس را مباد　　　　در جہان واللہ اعلم بالسداد

یعنی خدا کرے جہد بے توفیق تو عالم میں کسیکو نہ ہو واللہ اعلم بالصواب اور یہ تجربہ ہے کہ اگر انسان کام شروع کردے اور نیت خالص حق تعالےٰ کیلئے ہو تو پھر توفیق ہو ہی جاتی ہے انشاء اللہ۔ آگے فرعون کا موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کو روکنے کیلئے تدبیر کرنیکا قصہ بیان فرماتے ہیں کہ دیکھو چونکہ وہ ایک بے دینی کا کام کر رہا تھا اسلئے اوسکو توفیق نہ تھی لہذا کامیاب نہ ہوسکا اسیطرح اگر سالک کو اوسکے کام میں توفیق حق نہ ہو تو اوسکے ناکام رہنے کا بھی خوف ہے۔

شرح حبیبی

جہد فرعونے چو بے توفیق بود　　　　ہرچہ او میدوخت آن تفتیق بود

از منجم بود در حکمش ہزار | وز معبر بود و ساحر بیشمار
مقدم موسے نمودندش بخواب | کہ کند فرعون و ملکش را خراب
با معبر گفت و با اہل نجوم | چون بود دفع خیال و خواب شوم
جملہ گفتندش کہ تدبیرے کنیم | راہ زادن را چو رہزن بر زنیم
تا رسید آن شب کہ مولد بود آن | راے آن دیدند آن فرعونیان
کہ برون آرند آن روز از پگاہ | سوئے میدان بزم و تخت پادشاہ
پس بفرمودند در شہر آشکار | کہ منادیہا کنند از ہر کنار
الصلا اے جملہ اسرائیلیان | شاہ میخواند شما را زان مکان
تا شما را رو نماید بے نقاب | بر شما احسان کند بہر ثواب
کان اسیرا نرا بجز دوری نبود | دیدن فرعون دستورے نبود
گر فتادندے برہ در پیش او | بہر آن یاسہ بخفتندے برو

یاسہ آن بد که نه بیند هیچ اسیر | در گه و بیگه لقائے آن امیر

بانگ چاؤشان چو در ره بشنود | تا نه بیند رو بدیوارے کند

ور به بیند روئے آن مجرم شود | انچه بدتر بر سر او آن رود

بود شان حرص لقائے ممتنع | که حریص است آدمی فیما منع

شد منادی در محلها روان | بانگ میزد کو بکو شادی کنان

کاے اسیران سوئے میدان که روید | کز شهنشاه دیدن و جودست امید

چون شنیدند آن مژده اسرائیلیان | تشنگان بودند و بس مشتاق آن

زین خبر گشتند جمله شادمان | راه میدان برگرفتند آن زمان

حیله را خوردند آن سو تافتند | خویشتن را بهر جلوه ساختند

تا رود آنجا به بیند یار او | تا چه خاصیت دهد دیدار او

از غرض غافل بدند و بیخبر | وز طمع رفتند بیرون سر بسر

ہمچنان کان جا مغول حیلہ دان	گفت میجویم کسے از مصریان
مصریان را جمع آرید این طرف	تا در آرم آنکہ می جویم بکف
ہر کجا بد مصرئے جمع آمدند	گردن ایشان بدان حیلہ زوند
شومئ آنکہ سوئے بانگ نماز	داعی اللہ را بزد ندے نیاز
دعوت مکار شان اندر کشید	الحذر از مکر شیطان اے رشید
بانگ درویشان و محتاجان نیوش	تا نگیرد بانگ محتالیت گوش
گر گدایان طامع اند و زشت خو	در شکم خواران تو صاحبدل بجو
در تگ دریا گہر با سنگہاست	فخر ہا اندر میان ننگ ہاست
پس بجوشیدند اسرائیلیان	از پگہ تا جانب میدان دوان
چون بحیلت شان بمیدان برداو	روئے خود بنمو د شان بس تازہ رو
کرد دلداری و بخششہا بداد	ہم عطا ہم وعدہا کرد آن قباد

بعد ازان گفت از برائے جان تان	جملہ در میدان بخسپند اشبان
پاسخش دادند کہ خدمت کنیم	گر تو خواہی یک مہ اینجا ساکنیم

اب مولانا اپنے بیان بالا کی واقعہ سے تائید کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ دیکھو فرعون کی کوشش کے ساتھ توفیق الہی شامل حال نہ تھی لہذا اوسکا سینا حقیقت میں پھاڑنا تھا یعنی اوسکی سعی مثل عدم سعی کے تھی تفصیل اسکی یہ ہے کہ اوسکی گورنمنٹ میں بہت سے منجم اور ہزارون تعبیر دینے والے اور بکثرت ساحر تھے جبکہ موسے علیہ السلام کی تشریف آوری کو حق سبحانہ نے خواب میں فرعون کو اس صورت سے دکہلایا کہ وہ فرعون اور اوسکے ملک کو تباہ و برباد کرتے ہین تو اوسنے تعبیر دینے والوں اور منجموں سے مشورہ کیا کہ اس منحوس خواب وخیال کا توڑ کیونکر ہوسکتا ہے اور ایسی کونسی تدبیر ہوسکتی ہے جسکے سبب ہم اوسکے ضرر سے بچ جائیں اون سب نے کہا کہ حضور مطمئن رہیں ہم تدبیر کرلینگے اور ہم ڈاکوؤنکی طرح اوسکے پیدا ہونے ہی میں مزاحم ہوجائینگے۔ اوسوقت تو قصہ رفت وگذشت ہوا لیکن جسوقت وہ رات آنے کو ہوئی جسمیں حضرت موسے علیہ السلام شکم مادر میں تشریف لانے والے تھے اوسوقت اونکی یہ رائے ہوئی کہ آج صبح ہی سے بزم شاہی اور تخت فرعونی میدان میں منتقل ہوجاوے اوسکے بعد یہ حکم دیا کہ چاروں طرف شہر میں صاف طور پر یہ منادی کرادیجاوے کہ اے بنی اسرائیل تم کو مطلع کیا جاتا ہے کہ بادشاہ سلامت تم کو یہاں سے اپنے پاس بلاتے ہیں اور غرض یہ ہے کہ تم کو بلا نقاب اپنا چہرہ دکھلائیں اور تم پر احسان کریں۔ اس حکم اور اعلان کو بہ نسبت اور صورتوں کے زیادہ مؤثر خیال کیا گیا کیونکہ اون قیدیون (بنی اسرائیل) کو قرب شاہی حاصل تھا ہی نہیں حتی کہ اونکو فرعون کے دیکھنے تک کی اجازت نہ تھی اونکی یہ حالت تھی کہ اگر راستہ میں کہیں اسکے سامنے پڑجاتے تھے تو بنا بر قانون سلطنت کبھی کبھی

منہ کے بل گر پڑتے تھے اسلئے کہ قانون یہ تھا کہ کوئی اسرائیل کسی وقت اور کسی حالت میں
بادشاہ کی صورت نہ دیکھے اور جب نقیبوں کی آواز اوسکے کانوں میں آئے تو دیوار کی
طرف منہ کرلے یا زمین پر اوندھے منہ گر جائے تاکہ بادشاہ کا چہرہ نہ دیکھ سکے اگر کوئی
بادشاہ کا چہرہ دیکھے گا تو مجرم قرار پائیگا اور سخت سے سخت سزا کا مستوجب ہوگا اسلئے
اونکو دیدار کی بے انتہا خواہش تھی جس سے کہ قانوناً اونکو روکا گیا تھا اسلئے کہ قاعدہ ہے
کہ جس سے آدمی کو روکا جاتا ہے اوسکی اوسکو زیادہ رغبت ہوتی ہے غرض جب یہ امر طے
پاگیا اور حکم بھی نافذ ہوگیا تو منادی کرنے والا محلوں میں گھومنے لگا اور خوشی خوشی گلی کوچوں
میں یہ اعلان کرنے لگا کہ اے بنی اسرائیل میدان میں چلو کہ آج امید ہے کہ بادشاہ کا
دیدار بھی تم کو نصیب ہوگا اور اوسکی طرف سے تم کو بہت کچھ انعام واکرام بھی ملیگا۔ جب
بنی اسرائیل نے یہ خوشخبری سنی تو شربت دیدار کے پیاسے اور مشتاق تو تھے ہی یہ خبر سنکر
بہت خوش ہوئے اور فوراً میدان کا راستہ لیا یہ لوگ اوسکی چال میں آگئے۔ اور
حسب حیثیت اپنے اپنے کو دیدار کیلئے موزوں بنا کر چل کھڑے ہوئے تاکہ وہاں جاکر
اپنے مطلوب کو دیکھیں۔ دیکھیں تو سہی اوسکے دیدار میں کیا خاص بات ہے جسکے سبب
ابتک ہم کو اوس سے روکا گیا تھا وہ یہ خیال کر رہے تھے مگر اصل مقصد کی اونکو بالکل
خبر نہ تھی اور طمع دیدار میں سب کے سب باہر چلے جارہے تھے یہ واقعہ بالکل ایسا ہی ہے
جیسا کہ چالباز مغل نے کہا کہ مجھے ایک مصری شخص کی ضرورت ہے تم سب مصریوں کو جمع
کرو تاکہ جسکی مجھے ضرورت ہے وہ میرے ہاتھ لگ جائے اعلان کیا گیا کہ سب مصری
جمع ہوجائیں فلاں ضرورت ہے اسیر جہاں کوئی مصری تھا کھنچا چلا آیا اور سب ایک جگہ
جمع ہوگئے اسکے بعد اونکو ایک ایک کرکے امیر کے سامنے پیش کیا جب کوئی شخص پیش
ہوتا تو کہدیتا یہ نہیں ہے یہ کہکر اوس سے کہتا کہ آپ فلاں گوشہ میں ایک طرف کو بیٹھ جائیں
اسی طرح سے سب ایک مکان میں جمع ہوگئے اور جب دیکھا کہ کوئی باقی نہیں رہا تو حکم دیدیا
کہ سب کو قتل کردو اس تدبیر سے سب کی گردن ماری گئی اور اونکو احساس بھی نہ ہوا تھا
کہ ہم کو بلانے سے اصل غرض کیا ہے اب سنو کہ یہ تباہی ان پر کیوں آئی بات یہ ہے

کہ یہ نحوست تھی اسکی کہ وہ اذان سُنکر اوسکی طرف نہ چلتے تھے اور حق سبحانہ کی منادی کی
بات نہ مانتے تھے پس حق سبحانہ نے اُنکو یہ سزا دی کہ ایک مکار کی منادی پر وہ کھنچے چلے
آئے اور ہلاک ہوگئے پس اس واقعہ سے تم کو سبق لینا چاہیئے اور شیطان کے مکر سے
بہت بچنا چاہیئے کیونکہ اوسکا انجام ہلاکت ہے اور فقیروں اور محتاجوں کی ندا کو سُننا
چاہیئے مبادا کسی حیلہ گر کی آواز تمہارا کان پکڑے اور تم اوسکی اطاعت پر مجبور ہوکر ہلاک
ہوجاؤ یہ مانا کہ بھکاری لوگ بہت طامع ہوتے ہیں اور اونکی خصلت بہت بُری ہوتی ہے
لیکن اُنہیں بہت کھانے والے حریفوں میں تم کو کبھی صاحبدل کا جویاں رہنا چاہیئے اسلئے
کہ دیکھو کہ دریا کی تہ میں موتی اور پتھر ملے ہوتے ہیں اور بری باتوں میں اچھی باتیں بھی
ہوتی ہیں پس تم کو سبکو ایک لکڑی نہ ہانکنا چاہیئے بلکہ سب کو لے لینا چاہیئے اور پھر
اچھوں کو الگ اور بروں کو الگ کر دینا چاہیئے (بھیک مانگنے والوں میں اہل اللہ کا ہونا کوئی
تعجب کی بات نہیں کیونکہ کبھی ضرورت سلوک اور کبھی ضرورت طبعی یا جازت شرعی اونکو اسکے
اختیار کرنے پر مجبور کرتی ہے لیکن ہر بھیک مانگنے والے کا معتقد بھی نہ ہونا چاہیئے اسلئے
کہ مولانا نے خود فرمادیا ہے کہ سب اچھے نہیں ہوتے بلکہ اکثر بُرے ہوتے ہیں اور بہت
کم اچھے ہوتے ہیں مگر ہوتے ضرور ہیں) غرضکہ بنی اسرائیل ہر طرف سے اُبل پڑے
اور صبح ہی سے میدان کی طرف روانہ ہوگئے جب فرعون نے ان کو اس تدبیر سے میدان
میں کھینچ لیا تو بہت خوش ہوکر اپنا مُنہ دکھلایا اور بہت خاطر کی اور بہت کچھ داد و دہش
کی اور بہت کچھ وعدے بھی کئے کہ ہم تم کو یہ رعائتیں دینگے اور بڑے بڑے عہدے
دینگے وغیرہ وغیرہ اوسکے بعد کہا کہ اسوقت آپ صاحبان کی مصلحت اسی میں ہے کہ آپ
لوگ آج رات کو یہیں آرام کریں اور صبح کو اپنے اپنے مکان تشریف لیجاویں اونہوں
نے جواب دیا کہ ہم نہایت خوشی سے تعمیل حکم کیلئے حاضر ہیں یہ تو ایک رات ہے اگر
حضور کی خوشی ہو تو ہم ایک مہینہ تک یہیں رہ سکتے ہیں۔

شرح شبیری

فرعون کا موسیٰ علیہ السّلام کی آمد کا خواب دیکھنا اور اوسکا تدارک کرنا

جہد فرعونی چو بے توفیق بود　　ہر چہ او میدوخت آن تفتیق بود

یعنی فرعون کی کوشش چونکہ بے توفیق حق کے تھی سو جو وہ سی رہا تھا وہ پہاڑ تھا یعنی جو تدبیر کرتا تھا اوسکا اثر اولٹا ہی ہوتا تھا۔

از منجم بود در حکمش ہزار　　وز معبر نیز و ساحر بے شمار

یعنی اوسکے حکم میں نجومیوں میں سے بھی ہزاروں تھے اور معبرین اور ساحرین میں سے بھی بے شمار تھے۔

مقدم موسےٰ نمودندش بخواب　　کہ کند فرعون و ملکش را خراب

یعنی قضا و قدر نے موسےٰ علیہ السلام کی آمد اوسکو خواب میں دکھائی (اور یہ دکھایا) کہ وہ فرعون اور اوسکے ملک کو خراب کر دینگے۔

با معبر گفت و با اہل نجوم　　چون بود دفع خیال و خواب شوم

یعنی اوسنے اس خواب کو معبرین اور نجومیوں سے کہا (اور یہ بھی کہا) کہ اس منحوس خواب وخیال کا دفعیہ کسطرح ہوگا۔

جملہ گفتندش کہ تدبیرے کنیم راہ زادن راچو رہزن می زنیم

یعنی اون سب نے کہا کہ ہم ایک تدبیر کرتے ہیں اور پیدا ہونے کی راہ کو رہزنوں کی طرح مارتے ہیں یعنی ہم پیدائش ہی کو بند کردینگے اور ایسی تدبیر کرینگے کہ اول سے نطفہ ہی نہ ٹھہرے

تا رسیدن آن شب کہ مولد بود آن رائے این دیدند آن فرعونیان

یعنی یہانتک کہ وہ رات آگئی جو کہ وقت علوق تھا تو اون فرعونیوں کی یہ رائے ہوئی کہ۔

کہ برون آرند آن روز از پگاہ سوئے میدان بزم وتخت بادشاہ

یعنی آج صبح ہی سے بزم اور تخت شاہی کو باہر میدان میں لاویں مطلب یہ کہ آج جلوس باہر جنگل میں ہو۔

پس بفرمودند در شہر آشکار کہ منادی ہا کنند از شہریار

یعنی پھر اون لوگون نے شہر میں صاف طرح کہدیا کہ بادشاہ کی طرف سے یہ منادی کردو کہ۔

الصلا اے جملہ اسرائیلیان شاہ میخواند شمارا زان مکان

یعنی اے جماعت اسرائیلیو بخشش ہے اور تم کو بادشاہ اوس مکان سے (جسمیں تم رہتے ہو) بلاتا ہے یعنی منادی کرادی کہ اے قوم اسرائیل آج تم کو بادشاہ بلاتا ہے اور انعام بھی دیگا اور یہ ارادہ ہے کہ۔

تا شمارا رو نماید بے نقاب بر شما احسان کند بہر ثواب

یعنی تاکہ تم کو بے حجاب ہوکر منہ دکھادے اور تم پر ثواب کیلئے احسان کرے اور یہ منادی اسلئے تھی کہ۔

کان اسیر از عجز دورے نبود　　　دیدن فرعون دستورے نبود

یعنی اون رعبت والونکو عجز دوری کے کچھہ نہ تہا اور فرعون کو دیکہنے کی اجازت نہ تھی بلکہ یہ حالت تھی کہ۔

گر فتادندے بره در پیش او　　　بہر آن یاسہ نخفتندے برو

یعنی اگر کہیں راہ میں اوسکے سامنے پڑ جاتے تو اوس قاعدہ کیوجہ سے اوندہے مُنہ لیٹ جاتے۔

یاسہ آن بُد کہ نہ بیند ہیچ اسیر　　　در گہ و بیگہ لقائے آن امیر

یعنی قاعدہ یہ تھا کہ کوئی رعیت والا وقت بیوقت میں اوس بادشاہ کی لقا کو نہ دیکھے۔ مطلب یہ کہ تکبر اور غرور کی یہ حد تھی کہ کسیکو چہرے کے دیکہنے کی اجازت نہ تھی نعوذ باللہ منہ سچ یہ ہے کہ وہ خبیث چہرہ اس قابل بھی نہ تھا کہ کوئی اسے دیکھے اور یہ حکم تھا کہ۔

بانگ چاؤشان چو در رہ بشنود　　　تا نہ بیند رو بدیوارے کند

یعنی کہ جب نقیبوں کی آواز کوئی راہ میں سنے تو ہرگز منہ نہ دیکھے بلکہ اپنا منہ دیوار کیطرف کو کرلے

ور بہ بیند روئے او مجرم شود　　　انچہ بدتر بر سر او آن رود

یعنی اور اگر کوئی دیکھہ لے تو وہ مجرم ہوتا تھا اور جو بدتر سزا ہوتی تھی اوسپر جاری ہوتی تھی۔

بود شان حرص لقائے ممتنع　　　کہ حریص است آدمی فیما منع

یعنی اونکو اس منع کی ہوئی ملاقات کی حرص تھی اسلئے کہ انسان جس چیز سے منع کیا جاتا ہے اوسکا حریص ہوتا ہے تو چونکہ اون لوگوں کو منہ دیکہنے کی اجازت نہ تھی۔ لہذا آج اوسکے دیکہنے کے سب مشتاق ہوگئے۔

فرعون کا بنی اسرائیل کو ولادت موسوی کے روکنے کے لئے میدان میں حیلہ سے بُلانا

شد منادی در محلتہا روان　　　　بانگ میزد کو بکوشادی کنان

یعنی منادی تمام محلوں میں خوشی کرتا ہوا اور آواز لگاتا ہوا پھر گیا اور وہ یہ کہتا تھا کہ۔

کاے اسیران سوئے میدان کہ وید　　　　کز شہنشاہ دیدن و جود ست امید

یعنی اے رعیت والو میدان کیطرف جاؤ اسلئے کہ بادشاہ سے دیدار اور عطا دونوں کی امید ہے۔

چون شنید آن مژدہ اسرائیلیان　　　　تشنگان بودند وبس مشتاق آن

یعنی جب اسرائیلیوں نے یہ مژدہ سُنا تو وہ اوسکے بہت ہی پیاسے اور مشتاق تھے۔

زین خبر گشتند جملہ شادمان　　　　راہ میدان برگرفتند آن زمان

یعنی اس خبر سے سب خوش ہوگئے اور اسیوقت میدان کی راہ سب نے اختیار کی۔

حیلہ را خوردند آن سو تافتند　　　　خویشتن را بہر جلوہ ساختند

یعنی وہ دہوکہ کھا گئے اور اوسطرف دوڑے اور اپنے کو جلوہ کیواسطے انھون نے تیار کیا۔

تا رود آنجا بہ بیند یار او　　　　تا چہ خاصیت دہد دیدار او

یعنی تاکہ جا کر وہ اپنے یار کو دیکھیں کہ اوسکا دیدار کیا خاصیت دیتا ہے اس شوق میں سب چل دئے۔

از غرض غافل بُدند و بے خبر وز طمع رفتند بیرون سربسر

یعنی وہ غرض سے تو غافل اور بیخبر تھے اور طمع کی وجہ سے وہ باہر کیطرف سربسر چلے گئے آگے ایک حکایت اس دہوکہ دہی سے بلاکر جمع کر لینے کی بیان کرتے ہیں۔

ایک حکایت تمثیل میں

ہمچنان کاینجا مغول حیلہ دان گفت میجویم کسے از مصریان

یعنی اسیطرح یہان (یعنی ہمارے ملک میں) ایک مغل حیلہ داں نے کہا کہ مجھے مصریوں میں سے ایک شخص کی ضرورت ہے۔

مصریان را جمع آرید این طرف تا درآید آنکہ میجویم بہ کف

یعنی (ملازمون سے کہا کہ) مصریون کو اس طرف جمع کرو تاکہ جسکی مجھے تلاش ہے وہ ہاتھ لگ جاوے۔

ہر کجا بُد مصرے جمع آمدند در بر آن میر یک یک می شدند

یعنی جہان کہیں کوئی مصری تھا وہ سب جمع ہو گئے اور اس امیر کے پاس آ گئے۔

ہر کہ می آمد بگفتا نیست این ہین درخواجہ دران گوشہ نشین

یعنی جو کوئی آتا وہ مغل کہتا یہ نہیں ہے ہان ذرا تم اوس گوشہ میں بیٹھ جاؤ۔ ایک خاص جگہ سب کو بتادی تاکہ سبکو قبضہ میں کر لے۔

تا بدین شیوہ ہمہ جمع آمدند　　گردن ایشان بدان حیلہ زدند

یعنی یہانتک کہ اس حیلہ سے سب جمع ہو گئے تو اون سب کی گردن اوس نے اس حیلہ سے ماری مولانا فرماتے ہیں۔

شومی آنکہ سوئے بانگ نماز　　داعی اللہ را نبُردند بے نیاز

یعنی یہ اسکی نحوست تھی کہ اذان نماز کیطرف اللہ کے پکارنے والے کی نیاز نہ لیجاتے تھے۔

دعوت مکارشان اندر کشید　　الحذر از مکر شیطان اے رشید

یعنی ایک مکار کی دعوت نے اونکو کھینچ لیا تو اے رشید مکر شیطان سے ذرا بچتے رہنا۔

بانگ درویشان و محتاجان بنوش　　تا نگیرد بانگ محتالیت گوش

یعنی درویشوں اور محتاجوں کی آواز سن تاکہ تمہارا کان کسی محتال کی آواز کو نہ قبول کرے

گر گدایان طامع اند و زشت خو　　در شکم خواران تو صاحبدل بجو

یعنی اگر فقیر طامع اور زشت خو ہین تو توان شکم خوارونمیں ہی صاحبدل کو تلاش کر۔ اسلئے کہ بعض مرتبہ بعض بزرگون نے خود اپنے کبر کے علاج کے لئے سوال اختیار کیا ہے یا یہ ہو کہ اوسکو اجازت شرعی ہو اسلئے مانگتا ہو لہذا سب کی خدمت کرو کہ اون ہی میں ایک صاحبدل بھی ملجاویگا اسکی ایسی مثال ہے کہ۔

در تگ دریا گہر با سنگہاست　　فخرہا اندر میان ننگ ہاست

یعنی قعر دریا مین موتی پتھروں کے ساتھ ہیں اور بہت سے فخر درمیان شرمندگیوں کے ہین تو جب موتی کی تلاش ہو تو دریا سے موتی اور پتھر سب بٹول لو ادسی میں موتی

ہیں اسیطرح سب کی خدمت کرو ان ہی میں صاحبدل ملجاویگے آگے پھر اسرائیلیونکا قصہ ہے کہ۔

پس بجوشیدند اسرائیلیان   از پگہ تا جانب میدان دوان

یعنی بس بنی اسرائیل اوبل پڑے اور صبح سے میدان کی جانب روانہ ہوگئے۔

چون بحیلت شان بمیدان برد او   روئے خود بنمود شان بس تازہ رو

یعنی جبکہ سبکو حیلہ سے وہ (فرعون) میدان میں لیگیا تو اونکو خوش ہوکر چہرہ (منحوس) دکھادیا

کرد دلداری و بخششہا بداد   ہم عطا ہم وعدہا کرد آن قباد

یعنی دلداری کی اور انعامات دئے اور عطا بھی کی اور اوس بادشاہ نے وعدہ کو بھی پورا کیا۔

بعد از ان گفت از برائے جان تان   جملہ در میدان بخسپند امشبان

یعنی اوسکے بعد کہا کہ اپنی جانون کے واسطے سب آج کی رات اس میدان ہی میں سو رہو برائے جان تان ایسا ہے جیسا کہ کہا کرتے ہیں کہ تمہیں اپنی جان کی قسم جب اوسنے یہ کہا تو۔

پاسخش دادند کہ خدمت کنیم   گر تو خواہی یک مہ اینجا ساکنیم

یعنی اون سب نے اوسکو جواب دیا کہ ہم تو خدمتگار ہین اگر آپ چاہیں تو ہم ایک مہینہ اس جگہ رہیں پس سبکو اوس جگہ چھوڑ کر تا کہ کوئی اپنے گھر بیوی کے پاس نہ جاسکے خود شہر میں آگیا

شرح حبیبی

شہ شبانگہ باز آمد شادمان	کہ امشبان حملست و دور ند از زنان

خازنش عمران هم اندر خدمتش ‌ ‌ ‌ هم بشهر آمد قرین صحبتش

گفت اے عمران برین درخسپ تو ‌ ‌ ‌ هین مرو سوئے زن صحبت مجو

گفت خسپم هم درین درگاه تو ‌ ‌ ‌ هیچ نندیشم بجز دلخواه تو

بود عمران هم ز اسرائیلیان ‌ ‌ ‌ لیک مر فرعون را دل بود و جان

نے گمان بردے که او عصیان کند ‌ ‌ ‌ آنکه خوف جان فرعون آن کند

ایمن از عمران بد و افعال او ‌ ‌ ‌ لیک آن خود بد جزائے حال او

خود کجا در خاطر فرعون بود ‌ ‌ ‌ اینچنین تقدیر چون عاد و ثمود

شه برفت و او بر آن درگه خفت ‌ ‌ ‌ نیم شب آمد بپیشش خفیه جفت

زن برو افتاد و بوسید آن لبش ‌ ‌ ‌ بر جهانیدش ز خواب اندر شبش

گشت بیدار او و زن را دید خوش ‌ ‌ ‌ بوسه باران کرد از لب بر لبش

گفت عمران این زمان چون آمدی ‌ ‌ ‌ گفت از شوق و قضائے ایزدی

درکشیدش درکنار از مهر مرد / بر نیامد با خود آن دم در نبرد

جفت شد با او امانت را سپرد / پس بگفت ای زن نه این کاریست خرد

آهنی بر سنگ زد زاد آتشی / آتشی از شاه و ملکش کین کشی

من چه ابرم تو زمین موسی نبات / حق شه شطرنج و ما ماتیم مات

مات و برد از شاه میدان ای عروس / این مدان از ما مکن بر ما فسوس

آنچه این فرعون می ترسید ازو / هست شد آنیدم که گشتم جفت تو

باز گردد هیچ از نیها دم مزن / تا نیاید بر من و تو صد حزن

عاقبت پیدا شود آثار این / چون علاماتها رسد ای نازنین

در زمان از سوی میدان نعرها / می رسید از خلق می شد بر هوا

شاه از ان هیبت برون جست آن زمان / پا برهنه کاین چه غلغلهاست هان

از سوی میدان چه بانگ است و غریو / کز نهیبش می رمد جنی و دیو

گفت عمران شاہ ما را عمر باد ۔۔۔ قوم اسرائیلیان اند از تو شاد

از عطائے شاہ شادی میکنند ۔۔۔ رقص می آرند و کف ہا می زنند

گفت باشد کاین بود اما و لیک ۔۔۔ وہم و اندیشہ مرا پر کرد نیک

این صدا جان مرا تغییر کرد ۔۔۔ از غم و اندوہ تلخم پیر کرد

پیش یا می آمد پس میرفت شہ ۔۔۔ جملہ شب ہمچو حامل وقت زہ

ہر زمان میگفت لے عمران مرا ۔۔۔ سخت از جا بردہ است این نعرہا

زہرہ نے عمران مسکین را کہ تا ۔۔۔ باز گوید اختلاط جفت را

چون زن عمران بعمران در خزید ۔۔۔ تا کہ شد استارۂ موسیٰ پدید

ہر پیمبر کہ در آید در رحم ۔۔۔ نجم او بر چرخ گردد منتجم

فرعون بنی اسرائیل کو میدان میں چھوڑ کر رات کے وقت خود گھر میں واپس آگیا۔ اور خوش تھا کہ یہ رات حمل کی ہے اور بنی اسرائیل اپنی عورتوں سے الگ ہیں پس حمل نہیں قرار پا سکتا عمران جو اسکے خزانچی تھے وہ بھی اسکے ساتھ شہر میں آ گئے تھے فرعون نے ان سے کہا کہ تم ہماری ڈیوڑھی ہی پر سونا اور نہ بیوی کے پاس جانا نہ اوس سے

صحبت کرنا اونھوں نے کہا بہت بہتر ہے میں حضور ہی کے دولت خانہ پر سوؤنگا اور
آپکے خلاف مرضی کام کا تصور تک نہ آنے دونگا حالانکہ عمران بھی اسرائیل تھے لیکن فرعون
انکو دل وجان کیطرح عزیز رکھتا تھا یہ محض خدا کی قدرت تھی کہ بنی اسرائیل کا دشمن
اور اونکی ذلت کا خواستگار ایک اسرائیلی کو اتنا چاہے کہ تبقدیر الٰہی وہ ایسا کرنے پر
مجبور تھا اور ان پر اسکو اتنا اعتماد تھا کہ اوسکو اسکا خطرہ بھی نہ ہوتا تھا کہ یہ میری نافرمانی
کرینگے اور وہ کام کرینگے جسمیں میری جان کے لئے خطرہ ہو اور وہ اونکی اور انکے افعال
کیطرف سے بالکل مطمئن تھا اسلئے انکی نگرانی کا کوئی خاص اہتمام نہیں کیا اور صرف
یاددہانی پر اکتفا کیا لیکن یہ مقدمہ تھا اوسکی حالت کی سزا کا جو اوسکو انپر اتنا اعتماد
ہو گیا وہ تقدیر الٰہی جسکا ظہور عنقریب ہونیوالا ہے عاد اور ثمود کی طرح اوسکے خیال میں
بھی نہ تھی اور اوسکو خطرہ نہ ہوتا تھا کہ عمران میری تباہی کا ذریعہ بنیں گے خیر وہ تو اونکو
ہدایت کر کے محلسرا میں چلا گیا اور یہ ڈیوڑہی پر سو گئے جب آدہی رات ہوئی اور لوگ
سو گئے تو چپکے چپکے انکی بیوی انکے پاس آپہونچی اور آکر اونکے اوپر لیٹ گئی اور منہ
چومنا شروع کیا اور نیند جو اُنکے سر میں بھری ہوئی تھی اوس سے اونکو بیدار کیا جب وہ
جاگے تو بیوی کو خوب دلربا صورت میں دیکھا یہ دیکھکر بیتاب ہو گئے اور چٹا چٹ بوسے
لینے شروع کئے اور بوسونکا تار باندھ دیا اور کہا کہ اسوقت تم کیسے آگئیں اونھون نے
کہا کہ آپکی محبت اور تقدیر الٰہی یہ کھینچ لائی انہوں نے اپنے کو بہت روکنا چاہا مگر رُک
نہ سکے بالآخر اونکو بقصد ہمبستری آغوش میں لیا اور اُن سے ہم صحبت ہوئے۔ اور
امانت کو اونکے سپرد کیا یعنی حمل قرار پا گیا جب فراغت ہوئی تو ہوش آیا اور کہا
کہ ہم سے بڑی غلطی ہوئی دیکھو یہ کوئی معمولی بات نہیں بلکہ لوہے اور پتھر کے ٹکرانے
سے آگ پیدا ہو گئی ہے اور آگ بھی معمولی نہیں بلکہ وہ آگ جو بادشاہ اور اُسکے
ملک کو پھونکدیگی نیز میری مثال ایسی سمجھو جیسے ابر اور اپنی ایسی جیسے زمیں اور جو بچہ
پیدا ہوگا وہ ایک پودے کی مثل ہے۔ ایضاً بادشاہ کا حق بمنزلہ شطرنج کے تھا۔
اور ہم بازی جیتے اور حق شاہ کو ملحوظ رہنے کی کوشش کر رہے تھے مگر نہ جیت سکے

بلکہ بات ہو گئے ہماری ہار جیت سب حق سبحانہ کے قبضہ میں ہے یہ محض تقدیر الٰہی
تھی اور ہمارے اختیار کو اسمیں کچھ دخل نہ تھا لہذا پچھتانے کی کوئی بات نہیں جو کچھ ہونا
تھا وہ ہوا اور جسکا بادشاہ کو خطرہ تھا وہ اب جبکہ میں تم سے ہمصحبت ہوا وجود میں آ گیا
یعنی تم کو حمل رہ گیا جیسا کہ قرائن سے معلوم ہوتا ہے۔ اب تم واپس ہو جاؤ اور دیکھو پھر ان
ان واقعات کی کسیکو اطلاع نہ ہو تاکہ میں اور تم دونوں مصیبت میں نہ پڑ جائیں۔
گو بالکل تو چھپ نہیں سکتا کیونکہ جب اسکی نشانیاں ظاہر ہونگی جو منجمین نے سمجھ رکھی
ہیں تو اُن سے اسکا اجمالی علم ہو ہی جائیگا یہ روانہ ہوئیں اور ادھر میدان کی طرف
سے آوازیں اُٹھیں اور ہوا میں گونجنے لگیں بادشاہ خوف زدہ ہو کر ننگے پاؤں
باہر دوڑا اور کہا کہ دیکھو تو یہ کیا شور ہے اور میدان کی طرف سے یہ آوازیں کیسی
آرہی ہیں جنکی ہیبت سے بھوت اور جن بھی بھاگتے ہیں عمران نے کہا کہ حضور کی عمر
دراز ہو معلوم ایسا ہوتا ہے کہ اسرائیلی لوگ چونکہ آپ سے خوش ہیں اسلئے وہ عطائے
شاہی سے خوش ہو کر ناچتے اور تالیاں بجاتے ہونگے اوسنے کہا ممکن ہے یہ ہی ہو
لیکن مجھے تو طرح طرح کے خیال آتے ہیں اور اس آواز نے میری حالت دگرگوں کر دی
ہے اور غم اور ناگوار رنج پہونچا کر مجھے بڑھا کر دیا ہے اوسکی عجیب حالت تھی کبھی باہر آتا
تھا اور کبھی اندر جاتا تھا اور تمام رات یوں بیقرار تھا جیسے حاملہ دردزہ کے وقت ہوتی
ہے اور ہر وقت یہی کہتا تھا کہ اے عمران ان آوازوں نے تو مجھے نہایت بیچین کر رکھا
ہے عمران کی کیا طاقت تھی کہ وہ صاف صاف کہدے کہ جب میری بیوی میرے پاس
گھس آئی تو میں اوس سے ہمصحبت ہو گیا جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ حمل رہ گیا اور موسے کا
ستارہ طلوع ہو گیا یہ اوسکا شور ہے۔ بات یہ ہے کہ جب کوئی پیغمبر شکم مادر میں
جلوہ افروز ہوتے ہیں تو اونکا ستارہ آسمان پر ظاہر ہوتا ہے جب موسے علیہ السلام
شکم مادر میں آگئے تو فرعون اور اوسکی تدبیروں اور چالوں کی آنکھوں میں خاک
ڈالکر ان کا ستارہ بھی طالع ہو گیا اور کسی کے روکے نہ رک سکا۔

شرح شبیری

فرعون کا میدان سے خوش خوش شہر مین آنا اور شب حمل مین بنی اسرائیل کی عورتونکو مردون سے جدا کر دینا

شہ شبانگہ باز آمد شادمان　　کامشبان حمل است دور اند از زنان

یعنی بادشاہ رات کو خوش خوش واپس آگیا (اور کہتا تھا) کہ آج حمل ہے اور مرد عورتون سے دور ہیں تو پھر کیسے حمل قرار پائیگا۔

خازنش عمران ہم اندر خدمتش　　ہم بشہر آمد قرین صحبتش

یعنی عمران (والد موسےٰ علیہ السّلام) جو اوسکے معتمد تھے وہ اوسکی خدمت میں تھے تو وہ بھی شہر میں اوسکے ساتھ ساتھ چلے آئے مگر چونکہ یہ بھی بنی اسرائیل سے تھے اگرچہ معتمد تھے اسلئے اُنسے یہ بولا کہ۔

گفت اے عمران برین در خسپ تو　　ہین مرو سوئے زن اے مرد نکو

یعنی کہ فرعون نے کہا کہ اے عمران یہیں سو رہو اور اے مرد نیک عورت کے پاس مت جانا

گفت خسپم ہم برین درگاہ تو　　ہیچ نندیشم بجز دلخواہ تو

یعنی اوہون نے کہا کہ میں آپکے ہی دروازہ پر سوتا ہون اور میں سوائے اُس شئے کے جو تیرا دلخواہ ہے اور کچھ سوچتا بھی نہیں ہون مولانا فرماتے ہین کہ۔

بود عمران ہم ز اسرائیلیان لیک مر فرعون را دل بود و جان

یعنی عمران بھی بنی اسرائیل سے تھے مگر فرعون کے دل اور جان تھے یعنی اوسکو ان سے بہت محبت تھی۔

کے گمان بردے کہ او عصیان کند انچہ خوف جان فرعون آن کند

یعنی وہ کب گمان کرتا تھا کہ یہ نافرمانی کرینگے اور جو چیز کہ اوس کی جان کا خوف ہو اُسکو کرینگے

ایمن از عمران بُد و افعال او لیک خود آن بد جزائے حال او

یعنی وہ عمران اور اونکے افعال سے بیخوف (اور مطمئن) لیکن خود ہی اوسکی سزا تھی۔

خود کجا در خاطر فرعون بود اینچنین تقدیر چون عاد و ثمود

یعنی فرعون کے دل میں ایسی تقدیر کہاں تھی جیسے عاد و ثمود یعنی اوسے کیا خبر تھی کہ جو کچھ ہونیوالا ہے وہ آگے ہی ہوگا پس عمران سے اتنا کہا کہ تم گھر میں مت جانا یہ کہکر وہ خود گھر میں چلا گیا۔

عمران کا والدہ موسیٰ علیہ السلام کیساتھ جمع ہونا اور انکا حاملہ ہوجانا

شہ برفت و او بران درگاہ خفت نیم شب آمد بہ پیشش خفیہ جفت

یعنی بادشاہ تو چلا گیا اور وہ اوسکے دروازہ پر سو گئے تو آدہی رات کو اونکے پاس اونکی بیوی آئیں

زن برو افتاد و بوسید آن لبش بر جہانیدش ز خواب اندر شبش

یعنی بیوی اون کے اُوپر گر پڑیں اور اون کے لب کو بوسہ دیا اور اوس رات میں ہی اونکو نیند سے جگایا۔

گشت بیدار او وزن را دید خوش بوسہ باران کرد از لب بر لبش

یعنی وہ بیدار ہوگئے اور بیوی کو خوش دیکھا تو بوسہ کی بارش اپنے لب سے اونکے لب پر کردی یعنی خوب بوسے لئے۔

گفت عمران این چون آمدی گفت از شوق و قضائے ایزدی

یعنی عمران نے پوچھا کہ تم اسوقت کیسے آئیں تو انھوں نے کہا کہ تمہاری ملاقات کے شوق میں اور حکم خداوندی سے موسیٰ علیہ السلام کے والدین کے عقائد تو پہلے سے اچھے تھے۔ اور بعض نے اونکی والدہ کو نبی کہا ہے اگر نبی نہیں تو ولی ہونے میں تو شک ہی نہیں تو ممکن ہے کہ اونکو الہام ہوگیا ہو اسپر کہا کہ حکم خداوندی چونکہ ہمارے سے اوس بچہ کے ظہور کا ہے اسلئے میں تمہارے پاس آگئی۔

در کشیدش در کنار از مہر مرد برنیامد با خود آن دم در نبرد

یعنی محبت کی وجہ سے مرد نے انکو گود میں لے لیا اور وہ اوسوقت مقابلہ میں اپنے اوپر غالب نہ آسکے مطلب یہ کہ فرعون کی خیرخواہی میں بہت الگ رہنا چاہا مگر قضا کے سامنے کیا کرسکتے تھے آخر مغلوب ہوئے۔

جفت شد با او امانت را سپرد پس بگفت ای زن نہ این کاریست خورد

یعنی اونکے ساتھ جفت ہوگئے اور امانت کو سپرد کردیا پھر کہا کہ اے عورت یہ کوئی چھوٹا کام نہیں ہے مطلب یہ کہ دیکھو ظاہر مت کرنا بہت بڑی بات ہے۔

آہنے بر سنگ زد زاد آتشے آتشے از شاہ و ملکش کین کشے

یعنی ایک لوہا پتھر پر لگا تو آگ پیدا ہوئی اور آگ وہ کہ جو بادشاہ اور اوسکے ملک سے کینہ کش

تھی یعنی اونکے ملنے سے موسیٰ علیہ السلام جو کہ مہلک فرعون تھے پیدا ہوئے اور انھون نے یہ کہا کہ۔

من چو ابرم تو زمین موسیٰ نبات　　حق شہ شطرنج و ما ماتیم مات

یعنی مین تو ابر ہون اور تم زمین ہو اور موسے نبات ہیں اور حق شہ شطرنج ہے اور ہم مات میں ہیں مات میں چونکہ نجومیون نے کہا تھا کہ ایک لڑکا ہوگا اوسکا یہ نام ہوگا ایسا ہوگا اسلئے انکو نام معلوم تھا اسی سے انھون نے کہا کہ موسے علیہ السلام نبات کیطرح ہیں اور بادشاہ کا حق ایک شطرنج کی طرح ہے اور ہم اوسپر کھیل رہے تھے مگر کیا کریں ہار گئے اور حق شہ کو ہاتھ سے کھو بیٹھے مگر کیا کریں جو ہونا تھا ہو گیا اور کہا کہ

مات و بُرد از شاہ میدان ای عروس　　آن مدان از ما مکن بر ما فسوس

یعنی اے دلہن مات اور بازی لیجانا یہ سب خدا کی طرف سے سمجھو اور اسکو ہم سے مت سمجھو اور ہم پر مذاق مت اڑاؤ مات اور برد سے مراد غالبیت اور مغلوبیت ہی حاصل اس شعر کا یہ ہے کہ ؎ از خدا دان خلاف دشمن و دوست ٭ کہ دل ہر دو در تصرف اوست ٭ اور وہی عمران بولے کہ۔

انچہ این فرعون می ترسید زو　　ہست شد این دم کہ گشتم جفت تو

یعنی جس چیز سے کہ فرعون ڈرتا تھا وہ اسوقت ہست ہوگئی جبکہ میں تمہارے قرین ہوا مطلب یہ کہ آثار سے معلوم ہوگیا کہ علوق ہوگیا اور ایک علامت سب سے زیادہ یہ تھی کہ وہ ہونگے تو بنی اسرائیل میں سے اور بنی اسرائیل کا کوئی مرد عورت کے پاس نہیں ہے بلکہ عورتیں گھر میں اور وہ سب میدان میں ہیں۔ صرف ایک ہم دونوں میاں بیوی ہی قرین ہوئے ہیں تو یقیناً ہم سے ہی وہ پیدا ہونگے اسکے بعد یہ فرمایا کہ۔

عمران کا اپنی زوجہ کو بعد اونسے مجامعت کرنیکے وصیت فرمانا

بازگرد آن ہیچ زینہا دم مزن — تا نیاید بر من و تو صد حزن

یعنی واپس ہو جاؤ اور کسی سے ذکر مت کرنا تاکہ کہیں مجھ پر اور تمپر سو بلائیں نہ آویں۔ اسلئے کہ اگر کسی کو معلوم ہو جاتا تو کیون کوئی انکو زندہ چھوڑتا اور یہ کہا کہ۔

عاقبت پیدا شود آثار این — چون علامتہا رسد اے نازنین

یعنی اے نازنین آخر کار اسکے آثار تو ظاہر ہوں ہی گے جبکہ علامتیں ظاہر ہونگی مطلب یہ کہ تم کسی سے ذکر مت کرنا اگرچہ یہ بات پوشیدہ رہنے والی نہیں ہے مگر تم اپنی طرف سے پوشیدہ ہی رکھنا یہ وصیت کرکے اونکو تو روانہ کیا اودھر میدان میں یہ ہوا کہ۔

در زمان از سوئے میدان نعرہا — می رسید از خلق و می شد بر ہوا

یعنی اوسیوقت میدان کیطرف سے مخلوق کے نعرے آئے اور ہوا پر ہو گئے یعنی ہوا مین لوگون کے غل مچانے کی آواز آئی۔

شاہ زان ہیبت برون جست آن زمان — پابرہنہ کین چہ غلغلہاست ہان

یعنی بادشاہ اونکے خوف سے ننگے پاؤں اوسیوقت باہر نکل آیا کہ ارے یہ کیا شور ہیں۔

از سوئے میدان چہ بانگ است و غریو — کز نہیبش می رمد جنی و دیو

یعنی میدان کی طرف سے یہ کیا شور اور غل ہو کہ جسکی آواز سے جن اور دیو سب بہاگتے ہیں۔

گفت عمران شاہ مارا عمر باد — قوم اسرائیلیانند از تو شاد

یعنی عمران بولے کہ ہمارے بادشاہ کی عمر دراز ہو یہ قوم بنی اسرائیل آپ سے خوش ہیں۔

از عطائے شاہ شادی میکنند رقص می آرند وکفہا می زنند

یعنی آپکی عطاء کی وجہ سے خوشی کر رہے ہیں اور ناچ رہے ہیں اور تالیاں بجا رہے ہیں (بس اسی کا غل ہے یہ کہتے نہیں کہ یہ ساری میری حرکت ہے)

فرعون کا اوس شور وغل کی آواز سے خوف کرنا

گفت باشد کاین بود اما ولیک وہم واندیشہ مرا پر کرد و نیک

یعنی فرعون نے کہا کہ شاید یہی ہو لیکن (اسنے) میرے وہم اور اندیشہ کو پر کر دیا ہی اور زیادہ یعنی مجھے تو توہمات آرہے ہیں اور خوف طاری ہے۔

این صدا حال مرا تغییر کرد از غم واندوہ تلخم پیر کرد

یعنی (فرعون بولا) کہ اس آواز نے تو میری حالت متغیر کر دی غم واندوہ تلخ نے مجھکو بڈہا بنا دیا مطلب یہ کہ اس آواز سے تو مجھے بہت ہی خوف معلوم ہوتا ہے اور اوس وقت حالت یہ تھی کہ۔

پیش می آمد پس می رفت شہ جملہ شب ہمچو حامل وقت زہ

یعنی کبھی آگے آتا تھا اور کبھی پیچھے جاتا تھا وہ بادشاہ ساری رات (اسکی یہ حالت رہی) جیسے کہ حاملہ دردزہ کے وقت یعنی بہت ہی بے چین رہا۔

ہر زمان میگفت اے عمران مرا سخت از جا بردہ است این نعرہا

یعنی ہر گھڑی یہی کہتا تھا کہ اے عمران یہ نعرے تو مجھے بالکل اپنی جگہ سے لیگئے مطلب یہ کہ

مجھے تو ان نعروں نے از خود رفتہ بنا دیا ہے۔

زہرہ نے عمران مسکین را کہ تا　　　　باز گوید اختلاط جفت را

یعنی عمران مسکین کو اتنی تاب نہ تھی کہ اپنی بیوی کے ساتھ اوس اختلاط کو بیان کردیں۔ اسلئے کہ اگر ذرا زبان سے نکالا اور مارے گئے لہذا بیچارے خاموش تھے اور دوسرے بہانے کر رہے تھے۔

چون زن عمران بعمران درخزید　　　　تا کہ شد استارۂ موسےٰ پدید

یعنی جبکہ عمران کی بیوی عمران کے ساتھ ملیں یہانتک کہ موسےٰ علیہ السّلام کا ستارہ ظاہر ہوگیا اور نطفہ رہگیا۔ آگے مولانا فرماتے ہیں کہ۔

ہر پیمبر کہ در آید در رحم　　　　نجم او بر چرخ گردد منتجم

یعنی جو پیمبر کہ رحم میں آتے ہیں اونکا ستارہ آسمان پر روشن ہوجاتا ہے بات یہ ہے کہ جب کوئی پیمبر پیدا ہوتے ہیں تو کوئی نہ کوئی ستارہ تو نکلتا ہی ہے اوسیکو کہد ینگے کہ یہ ستارہ نکل آیا مگر مولانا قواعد نجوم پر فرماتے ہیں خیر ہوگا غرضکہ نجومیوں نے دیکھ لیا کہ علوق ہوگیا آگے فرعون کا خبر کے لئے عمران کو میدان میں بھیجنا اور اونکا ظاہر میں نجومیون پر خفا ہونا کہ تم نے انتظام کیون نہ کیا اور پھر فرعون کی ان لوگون پر خفگی بیان فرمادینگے۔

موسیٰ علیہ السّلام کے ستارہ کا آسمان پر ظاہر ہوجانا اور نجومیون کا شور کرنا

بر فلک پیدا شد این استارہ اش　　　　کوری فرعون و مکر و چارہ اش

یعنی اونکا (موسے علیہ السلام کا) ستارہ آسمان پر فرعون کے مکر اور اسکے چارہ کے خلاف ظاہر ہو گیا۔ یعنی جو کچھ کہ تدابیر انھوں نے کی تھیں اون سب کے خلاف وہ ستارہ نکل آیا یعنی علوق ہو گیا

شرح حبیبی

روز شد گفتش کہ اے عمران برو | واقف آن غلغل و آن بانگ شو
راند عمران جانب میدان و گفت | این چہ غلغل بود شاہنشہ شنفت
ہر منجم سر برہنہ جامہ چاک | ہمچو اصحاب عزا پاشیدہ خاک
ہمچو اصحاب عزا آواز شان | بد گرفتہ در فغان و ساز شان
ریش و مو برکندہ رو بدریدگان | خاک بر سر کردہ پر خون دیدگان
گفت خیرست این چہ آشوبست و حال | بد نشانی میدہد منحوس سال
عذر آوردند و گفتند اے امیر | کرد مارا دست تقدیرش اسیر
اینہمہ کردیم و دولت تیرہ شد | دشمن شہ ہست گشت و چیرہ شد
شب ستارہ آن پسر آمد عیان | کورئے ما بر جبین آسمان

زد ستاره آن پیمبر بر سما — ما ستاره باز گشتیم از کجا

با دل خوش شاد عمران وز نفاق — دست بر سر می بزد کاه الفراق

کرد عمران خویش پر خشم و ترش — رفت چون دیوانگان بیعقل و هش

خویشتن را اعجمی کرد و براند — گفتهای بس خشن بر جمع خواند

خویشتن را ترش غمگین ساخت او — نردهای بازگونه باخت او

گفت شان شاه مرا بفریفتید — از خیانت وز طمع نشکفتید

سوی میدان شاه را انگیختید — آبروی شاه ما را ریختید

دست بر سینه زدید اندر زمان — شاه را ما فارغ آریم از غمان

عاقبت زرها تلف شد کار خام — شد بر فرعون و بر خواندش تمام

چون شنید از غصه رویش شد سیاه — خواند ایشان را از خشم آن دین تباه

گفت ایشان را که هین ای خائنان — من بر آویزم شما را بی امان

خویش را در مضحکه انداختیم — ما لها با دشمنان در باختیم

تا که امشب جمله اسرائیلیان — دور ماندند از ملاقات زنان

مال رفت و آبرو و کار خام — این بود یاری و افعال کرام

سالها ادرار و خلعت میبرید — مملکتها را مسلّم میخورید

از برائے آنکه در روزے چنین — فهم گرد آرید و باشید معین

رائے تان این بود و فرهنگ و نجوم — طبل خوارانید و مکارید و شوم

من شما را بر درم آتش زنم — بینی و گوش و لبان تان بر کنم

من شما را هیزم آتش کنم — عیش رفته بر شما ناخوش کنم

سجده کردند و بگفتند اے خدیو — گر یکے کرّت ز ما چربید دیو

سالها دفع بلاها کرده ایم — وهم حیران زانچه ما ها کرده ایم

فوت شد از ما و حملش شد پدید — نطفه اش جست است رحم اندر خزید

لیک استغفار این روز ولاد | مانگہداریم اے شاہ قباد
روز میلادش رصد بندتم ما | تا نگرود فوت و نجہد این قضا
گر نداریم این نگہ مارا بکش | اے غلام رائے تو افکار وہش
تا بہ نہ مہ می شمرد او روز روز | تا نہ پرد تیر حکم خصم دوز
بر قضا ہر کو شب خون آورد | سرنگون آید ز خون خود خورد
چون مکان بر لامکان حملہ برد | خون خود ریزد بلا ہا را خرد
چون زمین با آسمان خصمے کند | شورہ گردد سر ز مرگے برزند
نقش با نقاش پنجہ مے زند | سبلتان وریش خود برمی کند

رات بھر تو پریشان رہا اور کسی مصلحت سے رات کو تفتیش نہ کر سکا جب صبح ہوئی تو کہا اے عمران جاؤ اور ان آوازوں اور شیروں کا سبب معلوم کرو عمران میدان میں گئے اور جا کر کہا کہ یہ کیا شور تھا بادشاہ نے اُسے سُنا ہے اور مجھے تحقیق کیلئے بھیجا ہے ہر منجم ننگے سر تھا کپڑے پھٹے ہوئے تھے اور اہل ماتم کیطرح سر پر خاک ڈال رکھی تھی اور فریاد کرنے اور ملکر شور کرنے سے اہل ماتم کیطرح آوازیں بیٹھ گئی تھیں۔ داڑھیاں اور بال نچے ہوتے تھے ناخنون سے منہ نُچا ہوا تھا سر پر خاک پڑی ہوئی تھی آنکھون میں خون کے آنسو

بھرے ہوئے تھے جب اونکی یہ حالت تفصیلی طور پر دیکھی تو کہا کہ خیر تو ہے یہ پریشانی کیسی ہی
اور تم نے یہ حالت کیون بنائی ہے یہ منحوس سال تو بُری نشانیان دکھلا رہا ہی خدا خیر کرے
یہ سنکر سب نے معذرت کی اور کہا کہ ہم تقدیر کے پنجہ میں پھنس گئے ہم نے سب کچھ کیا
لیکن سلطنت مکدر ہوگئی اور بادشاہ کا دشمن پیدا ہوگیا اور غالب آگیا اور ہماری آنکھو نمیں
دہول ڈالکر اوس بچہ کا ستارہ آسمان کی پیشانی پر نمودار ہوگیا چونکہ وہ ستارہ آسمان پر
طلوع ہوگیا ہی اسلئے ہم اپنی آنکھوں سے رو رو کر ستارہ (آنسو) برسا رہے ہیں عمران دلمیں
توخوش تھے مگر بناوٹ سے سر پر دو ہتڑ مارے اور کہا ہائے سلطنت کی مفارقت عمران
نے اپنی صورت غصہ اور خفگی کی بنائی اور جیسے دیوانے بے ہوش وحواس ہوتے ہیں اسطرح
آگے بڑھے اور اپنے کو انجان بناکر اونکی طرف چلے اور اس مجمع کو بہت کچھ سخت وسست
کہا وہ اپنے کو غصہ ور و مغموم بناکر الٹی چال چل رہے تھے یعنی اونکو فریب دے رہے تھے
تاکہ کوئی تاڑ نہ جائے کہ یہی حضرت ہیں جنکی بدولت یہ آفت آئی ہے اور اونسے کہہ رہے
ہے کہ تم نے میرے بادشاہ کو بڑا دہوکا دیا کمبختو یا جیو تم اسوقت بھی خیانت اور طمع سے باز
نہ رہے تم نے بادشاہ کو میدان میں لاکر اوسکی توہین کی کیونکہ جب یہ معلوم ہوگا کہ بادشاہ
جس غرض سے میدان میں گئے تھے وہ غرض پوری نہ ہوئی تو بادشاہ کی تدبیر اور اسکے
اقتدار پر کتنا بڑا حرف آئیگا تم نے اوسوقت سینہ ٹھوک کر کہا تھا کہ ہم بادشاہ کو فکر سے
نجات دینگے اب کیا ہوئی تمہاری تدبیر۔ روپیہ بھی مفت میں برباد ہوا اور کام بھی بگڑا رہا
غرض اونکو خوب ڈانٹا اور جو جی میں آیا کہا۔ اسکے بعد بادشاہ کے پاس آئے اور بادشاہ
سے پورا واقعہ بیان کیا جب بادشاہ نے یہ واقعہ سُنا تو مارے رنج کے چہرہ سیاہ ہوگیا۔
اور اس بے ایمان نے غیظ میں آکر منجمین وغیرہ کے حاضر کرنے کا حکم دیا جب وہ حاضر
ہوئے تو کہا کہ او بے ایمانو میں تم کو سولی پر لٹکاؤنگا تمہارے کہنے سے میں نے اپنا
مضحکہ کیا دشمنونکو مال و دولت دی حتیٰ کہ اسرائیلی آج رات کو اپنی عورتوں سے الگ
رہے پھر یہ واقعہ کیوں ہوا میرا مال بھی برباد ہوا آبرو میں بھی بٹہ آیا اور کام کا کام بگڑا
رہا کیا دوستی اسی کے معنی ہیں اور پہلے مالنسوں کی یہی باتیں ہوتی ہیں برس گذر گئے

کہ تم مجھ سے تنخواہیں اور خلعتیں لے رہے ہو اور چھوٹی چھوٹی سلطنتوں کے برابر جاگیریں مسلم کمارہے ہو یہ سب اسی لئے تو کہ تم اڑے وقت میں اپنے خیالات منتشرہ کو جمع کرکے معاملہ پر غور کرو اور میری اعانت کرو یہی تمہاری رائے تھی یہ ہی تمہاری عقل تھی اور یہی تمہارا نجوم تھا تم کسی کام کے نہیں فقط کمانے والے اور مکار اور منحوس ہو میں تمہاری کھال ادھیڑ ڈالوں گا تم کو آگ لگا دونگا تمہارے ناک کان ہونٹ سب اکھڑوا دونگا میں تم کو آگ میں جھونک دونگا اور تمہارے سارے گزشتہ عیش کو مکدر کردونگا تم کیا بھولے ہوئے ہو۔ عتاب شاہی کو سنکر سب سجدہ میں گر گئے اور کہا کہ جہاں پناہ اگر ایک مرتبہ ہم سے غلطی ہوگئی ہے اور شیطان ہم پر غالب آگیا ہے تو حضور معاف فرمادیں آخر برسوں تک بلاؤں کو دفع بھی تو ہمیں نے کیا ہے اور وہ وہ کام کئے ہیں جو کسی کے وہم وگمان میں بھی نہیں آتے خیر اب تو بات ہاتھ سے نکل گئی اور حمل ظاہر ہوگیا۔ اور نطفہ نکلکر رحم میں پہونچ گیا لیکن پیدائش کے دن اسکی تلافی کا خیال رکھیں گے جب ولادت کا دن ہوگا اوسوقت خوب رصد قائم کرینگے اور نہایت غور سے ستاروں کو دیکھیں گے تاکہ بات ہاتھ سے نہ نکل جائے اور تقدیر پردہ خفا سے منصہ ظہور پر جلوہ گر نہ ہو جائے اگر ہم اسکا لحاظ نہ رکھیں تو ہم واقعی گردن زدنی ہیں، حضور جس قدر روا ہیں کہ دیگر اہلکار اور ہوش حضور کی راستے کے غلام ہیں ہم کو فوراً مار ڈالیں۔ خیر یہ واقعہ تو رفت گذشت ہوا لیکن اسکا خیال اسکی طبیعت میں سے نہ گیا۔ وہ نو مہینہ تک ایک ایک دن گنتا رہا کہ مبادا دشمن کو بلند ہونے والا تیر قضا نہ چل جاوے لیکن کیا اس سے قضاء الٰہی رک سکتی تھی ہرگز نہیں جو شخص قضاء الٰہی پر شبخون مارنے کا ارادہ کرتا ہے اور اسکو مٹانا چاہتا ہے وہ خود سر کے بل گرتا اور اپنا خون پیتا ہے اور جب ناسوت لاہوت پر حملہ کرتا ہے تو خود اپنے ہی کو ہلاک کرتا ہے اور اپنے ہی لئے بلائیں مول لیتا ہے جب زمین آسمان کیساتھ مخالفت کرتی ہے تو خود ہی شور ہوتی اور موت سے ٹکراتی ہے جب مصنوع صانع سے پنجہ کرتا ہے تو خود اپنی ہی ڈاڑھی اور مونچھیں اکھیڑتا ہے غرضکہ جب مخلوق خالق کا مقابلہ کرتا ہے تو اپنا ہی نقصان کرتا ہے اور حکم الٰہی کی مزاحمت نہیں کرسکتا۔

شرح شبیری

روز شد گفتش کہ اے عمران برو　　واقف آن غلغل و آن بانگ شو

یعنی دن ہو گیا تو اون سے (عمران سے) فرعون نے کہا کہ عمران جاؤ اور اس شور وغل سے واقف ہو کہ کس وجہ سے یہ شور وغل ہو رہا تھا۔

راند عمران جانب میدان و گفت　　این چہ غلغل بود شاہنشہ نخفت

یعنی عمران میدان کیطرف گئے اور بولے کہ یہ کیا غل تھا کہ بادشاہ کو نیند تک نہیں آئی۔

ہر منجم سر برہنہ جامہ چاک　　ہمچو اصحاب عزا پاشیدہ خاک

یعنی ہر نجومی پھٹے کپڑے ننگے سر اور ماتم والوں کی طرح سر پر خاک ڈالے ہوئے (تھا)

ہمچو اصحاب عزا آواز شان　　بد گرفتہ از فغان و ساز شان

یعنی ماتم والوں کی طرح اونکے اوس فعل (ماتم) اور فغان سے اونکی آواز بیٹھ گئی تھی۔

ریش و مو برکندہ رو بدریدگان　　خاک بر سر کردہ پر خون دیدگان

یعنی ڈاڑھی اور بال (سر کے) اکھاڑے ہوئے اور منہ کو نوچے ہوئے اور سر پر خاک ڈالے اور آنکھیں پر خون غرضکہ مصیبت کے مارے بیچاروں کی عجب حالت اور کیفیت ہو رہی تھی۔

گفت خیر ست این چہ آشوب حال　　بد نشانی مید ہد منحوس سال

یعنی عمران بولے کہ یہ کیا آشفتہ حالی ہے اور بری نشانی منحوس سال کو دیتی ہے مطلب یہ

کہ اونھون نے کہا کہ یہ بُری صورت بنا لینا بھی بسبب سال کی نحوست کا ہوتا ہے۔ لہذا تم کو چاہیئے کہ ایسی صورت نہ بناؤ

عذر آوردند و گفتند اے امیر　　کرد مارا دست تقدیرش اسیر

یعنی سب نے عذر کیا اور سب نے کہا کہ اے امیر ہم کو اُسکی تقدیر نے قید کر دیا تقدیرش کی شین کی ضمیر حق تعالے کی طرف ہے اگر کہا جاوے کہ وہ تو خدا کے قائل بھی نہ تھے پھر یہ جواب اونھون نے کیون دیا تو اوسکا جواب یہ ہے کہ یہ الفاظ تو مولانا کے ہیں مولانا اونسے روایت بالمعنی کر رہے ہیں اونکے الفاظ کچھ اور ہونگے غرضکہ انھون نے یہ کہا کہ ہم عاجز ہوگئے اور جو ہم نے انتظام کیا تھا اوسمیں ناکامیاب رہے۔

این ہمہ کردیم و دولت تیرہ شد　　دشمن شہ ہست گشت و چیرہ شد

یعنی ہم نے یہ سب کچھ انتظام کیا مگر سلطنت زوال میں آگئی اور دشمن شاہ ہست ہوگیا اور غالب ہوگیا (اور ہماری کچھ نہ چلی تف ہے۔ نالائقو تمپر بھلا خدا کی پناہ بندے ہو کر خدا کا مقابلہ اللھم احفظنا آخر ناکام نہ ہوتے تو کیا ہوتا) اور بولے کہ۔

شب ستارہ آن پسر آمد عیان　　کوری ما بر جبین آسمان

یعنی اوس لڑکے کا ستارہ رات آسمان کی جبین پر ہمارے خلاف ظاہر ہوہی گیا۔

زو ستارہ آن پیمبر بر سما　　ما ستارہ بار گشتیم از بکا

یعنی اوس پیمبر کا ستارہ آسمان پر طلوع ہوگیا اور ہم بکا کی وجہ سے ستارہ بار ہوئے یعنی اودہر وہ ستارہ نکلا اور ہم نے آنسو برسانا شروع کئے انکو ستارہ سے تشبیہ دی جب وہ کہہ چکے عمران بولے کہ

با دل خوش شاد عمران وز نفاق　　دست بر سر می بزد کاہ الفراق

یعنی عمران دل سے تو خوش تھے اور نفاق سے اونھون نے سر پر ہاتھ مارا کہ افسوس فراق (سلطنت) مطلب یہ کہ عمران کو تو معلوم تھا کہ یہ میرا ہی لڑکا ہوگا تو وہ خوش تھے کہ اتنا بڑا جلیل القدر بادشاہ میرے گھر میں ہوگا اسلئے کہ جو سلطنت فرعونی کو تہ و بالا کرے وہ خود بھی تو بادشاہ ہونا چاہیئے اسلئے دل میں تو خوش تھے کہ سلطنت میرے گھر میں آوے گی مگر ظاہر میں اونکے دکھانے کو سر پیٹ لیا اور بہت افسوس کیا۔

کرد عمران خویش پر خشم و ترش　　رفت چون دیوانگان بیعقل و ہش

یعنی عمران نے اپنے کو پر خشم اور ترش بنا لیا اور دیوانونکی طرح بے عقل و ہوش ہو کر روانہ ہوگئے

خویشتن را اعجمی کرد و براند　　گفتہائے بس خشن بر جمع خواند

یعنی اپنے کو نادان بنا لیا اور چلدیئے اور جماعت نجومیون کو بہت سخت سُست کہا۔

خویشتن را ترش غمگین ساخت او　　نردہائے باژگونہ باخت او

یعنی اونہون نے اپنے کو ترش اور غمگین بنا لیا اور الٹی نرد اونہوں نے کھیلی مطلب یہ کہ انھوں نے اپنے کو بہ تکلف غصہ ور بنایا اور نجومیون کو بہت بُرا بھلا کہا اور دلمیں خوش تھے تو یہ اُلٹی بات کر رہے تھے کہ تھے خوش اور بنے ناخوش اور نجومیوں سے کہا کہ۔

گفت شان شاہ مرا بفریفتید　　از خیانت وز طمع نشگفتید

یعنی اون سے کہا کہ تم نے میرے بادشاہ کو دہوکہ دیا اور خیانت اور طمع سے صبر نہ کر سکے۔

سوئے میدان شاہ را انگیختید　　ابروئے شاہ ما را ریختید

یعنی ہمارے بادشاہ کو تم نے میدان کیطرف برانگیختہ کیا اور ہمارے بادشاہ کی آبروریزی کی۔ اسلئے کہ جو او سکو سنے وہ یہی کہے کہ کچھہ کر تو نہ لیا سارا انتظام دہرا رہ گیا۔

دست بر سینہ نہادید از ضمان ۔ شاہ را فارغ آریم از غمان

یعنی تم نے ضمانت سے سینہ پر ہاتھ رکھا تھا کہ ہم بادشاہ کو غموں سے فارغ کر دینگے۔

عاقبت زرہا تلف شد کار خام شد بر فرعون و برخواندش تمام

یعنی آخر تمام روپیہ فضول گیا اور کام کیا رہا (اونکو یہ کہا اور خود) بادشاہ کے پاس چلے گئے۔ اور وہ سب اوس سے کہدیا روپیہ وہ ضائع ہوا جو اس انتظام میں خرچ ہوا اور بنی اسرئیل کو انعام میں دیا گیا تو اوس سے نتیجہ کچھ نہ نکلا۔

چون شنید از غصہ رویش شد سیاہ خواند ایشان را زخشم آن دین تباہ

یعنی جب فرعون نے سنا تو غصہ سے اوسکا منہ سیاہ ہوگیا اور اون نجومیوں کو اس دین تباہ نے غصہ میں بلایا مطلب یہ کہ سخت غم ہوا۔

گفت ایشانرا کہ ہی ای خائنان من برآویزم شما را بے امان

یعنی اونسے بولا کہ اے دغاباز و میں تمہیں (دار پر) بے امان کے لٹکا دونگا۔

خویش را در مضحکہ انداختیم مالہا با دشمنان در باختیم

یعنی اپنے کو ہم نے مضحکہ میں ڈالا کہ میدان میں سگئے اور) اموال دشمنوں (بنی اسرائیل) کو ہم نے دئے۔

تا کہ امشب جملہ اسرائیلیان دور ماندند از ملاقات زنان

یعنی یہانتک کہ آجکی رات سارے بنی اسرائیل عورتوں سے ملنے سے دور رہے (مگر)

مال رفت و آبرو و زر کار خام این بود یاری و افعال کرام

یعنی ایک کچے کام میں مال بھی گیا اور آبرو بھی گئی ارے کیا بھلے آدمیوں کی ایسی ہی مدد اور ایسے ہی افعال ہوتے ہیں۔

سالہا ادرار و خلعت میبرید　　　مملکتہا را مسلم مے خورید

یعنی سالہا سال سے تم نے وظیفے اور خلعت لئے جاتے ہو اور سالم ملکوں (کی جاگیروں) کو کھاجاتے ہو۔

از برائے آنکہ در روزے چنین　　　فہم گرد آرید و گردیدم معین

یعنی اسی لئے تاکہ ایسے دن میں تم سمجھ سے کام لو اور میرے مددگار بنو۔

رائے تان این بود و فرہنگ و نجوم　　　طبل خوارانید و مکارید و شوم

یعنی کیا تمہاری یہی عقل اور دانائی اور نجوم ہے بس تم طبل خوار ہو اور مکار ہو اور منحوس ہو۔

من شمارا بر درم آتش زنم　　　گوش و بینی و لبان تان بر کنم

یعنی تم کو چیر ڈالونگا اور آگ لگا دونگا اور تمہارے کان اور ناک اور لب سب اوکھڑوا دونگا۔

عیش رفتہ بر شما ناخوش کنم　　　من شمارا ہیزم آتش کنم

یعنی گذشتہ عیش میں تم پر ناخوش کر دونگا اور میں تم کو آگ کا ایندھن بنا دونگا۔

(سبحان اللہ ذرا ہٹ جانا غصہ آرہا ہے بھلا اوس الوسے کوئی پوچھے کہ ارے نالائق توجو غصہ کر رہا ہے تو بھلا اونکی کیا خطا خدا کے آگے کسی کی چلی۔ ہے جو آج انکی چلتی مگر خدا بچائے تکبر اور جہل سے کہ اس کمبخت خبیث کو کچھ نہ سوجھتا تھا خیر یہ تو غصہ کر چکا۔

سجدہ کردند و بگفتند اے خدیو　　　گر یکے کرت زما چربید دیو

یعنی سب نے سجدہ کیا اور سب نے کہا کہ اے سردار اگر ایک مرتبہ ہم پر شیطان غالب آگیا تو کیا ہی اسلئے کہ

سالہا دفع بلاہا کردہ ایم ‌‌ ‌ وہم حیران زانچہ ماہا کردہ ایم

یعنی سالہا سال تک ہم نے بلاؤنکو دفع کیا ہے اور جن اشیا سے کہ وہم حیران تھا ہم نے کی ہیں

فوت شد از ما وحملش شد پدید ‌ ‌ ‌ نطفہ اش جست و رحم اندر خزید

یعنی ہم سے چوک گیا اور اسکا حمل ظاہر ہوگیا اور نطفہ کودا اور رحم کے اندر گھس گیا تو خیر یہ وقت تو نکل گیا اور چوک گیا۔

لیک استغفار این روز ولاد ‌ ‌ ‌ ما نگہداریم اے شاہ قباد

یعنی لیکن اوسکے تدارک میں اے شاہ قباد ہم روز ولادت کی حفاظت کرینگے۔

روز میلادش رصد بندیم ما ‌ ‌ ‌ تا نگردد فوت و نجہد این قضا

یعنی اوسکی ولادت کے دن ہم رصد بندی کرینگے تاکہ کہیں یہ قضا بھی فوت نہ ہو جاوے۔ مطلب یہ کہ ہم خوب رصد بندی کرکے ٹھیک وقت پر ایسا انتظام کرینگے کہ یہ حکم قضا نافذ نہ ہوسکے گا تو اوس وقت تک ہم کو مہلت دیجاوے۔

گر نداریم این نگہ مارا بکش ‌ ‌ ‌ اے غلام رائے تو افکار وہش

یعنی اگر ہم اوسکی حفاظت نہ کرسکیں تو ہم کو مار ڈالنا اے وہ شخص کہ تیری رائے کے تمام افکار وہوش غلام ہیں مطلب یہ کہ آپ تو بڑے عاقل ہیں سمجھ لیجئے کہ غلطی ہو ہی جاتی ہے۔ لہذا معاف فرمائیے ہاں اگر دوسری مرتبہ ہم ناکام رہیں تو بیشک سزائے موت دینا۔

تا بہ نہ مہ می شمرد او روز روز ‌ ‌ ‌ تا نپرد تیر حکم خصم دوز

یعنی نو ماہ تک وہ ایک ایک دن گنتا تھا تاکہ حکم دشمن دوز کہیں نافذ نہ ہو جائے مولانا فرماتے ہیں کہ

چون مکان بر لامکان حملہ برد　　　خون خود ریزد بلا ہا را خرد

یعنی جبکہ ناسوت لاہوت پر حملہ کرے تو اپنا ہی خون گراتا ہے اور بلاؤنکو خریدتا ہے۔ اور قضا حکم لاہوت سے ہے تو اوسکا مقابلہ کرنا گویا کہ لاہوت پر حملہ کرنا ہے تو جو ناسوت لاہوت کا مقابلہ کرے اوسکا تو نتیجہ ظاہر ہے کہ ہلاک ناسوت ہوگا آگے خود اوسکی تفسیر فرماتے ہیں کہ۔

بر قضا ہر کو شب خون آورد　　　سرنگون آید ز خون خود خورد

یعنی قضا پر جو کوئی کہ شب خون مارے (یعنی اوسکا مقابلہ کرے) تو وہ سرنگون آویگا۔ اور اپنے خون سے کھاویگا آگے اوسکی ایک مثال فرماتے ہیں کہ

چون زمین با آسمان خصمی کند　　　شورہ گردد سر ز مرگے برزند

یعنی زمین جب آسمان کے ساتھ دشمنی کرے تو وہ شورہ ہو جاویگی اور سر ایک موت سے بہر اہی ہے مطلب یہ کہ جو اپنے سے غالب سے مقابلہ کرے وہ آخر ہلاک ہی ہوگا دوسری مثال یہ ہے کہ

نقش با نقاشش چون پنجہ زند　　　سبلتان وریش خود را برکند

یعنی جو نقش کہ نقاش کے ساتھ پنجہ کرے وہ اپنی موچھیں اور ڈاڑہی کو اکھاڑتا ہے مطلب یہ کہ اگر وہ اسکا مقابلہ کرے تو آخر اوسی کا تو مصنوع ہے وہ اوسکو غارت و ہلاک کردیگا۔ اسی طرح جو شخص کہ مقابلہ حق و قضا کرے وہ بھی بجز اسکے کہ ہلاک ہو اور کیا ہوگا خیر وہ تو جو ہوا گذر گیا۔ اب بعد نو ماہ کے فرعون نے اون عورتوں کو جمع کیا جنکے کہ تھوڑے ہی زمانہ میں بچے پیدا ہوئے تھے تاکہ سب بچونکو قتل کردے آگے اوسی کو بیان فرماتے ہیں اللہ اکبر دیکھنا یہ ہے کہ اوسنے کیسے کیسے انتظام کئے کہ اس سے زیادہ کوئی انتظام ہو ہی نہیں سکتا۔ مگر قدرت حق کے آگے آخر کچھہ نہ چلا اور عاجز ہی رہا۔ بس دیکھہ لو وہ کونسی قدرت ہے کہ جس نے اسطرح

عاجز کردیا ہے سبحانہ وتعالیٰ علواً کبیراً۔ اب آگے قصہ سنو۔

شرح حبیبی

بعد نہ مہ شہ برون آورد تخت ‌‌ سوئے میدان وبرون افگند رخت

بار دیگر شد منادی سوئے شہر ‌‌ کائے زنان از دہر می یابید بہر

اے زنان با طفلگان میدان روید ‌‌ تا ز بخششہائے شہ شادان شوید

آنچنانکہ پار مردان را رسید ‌‌ خلعت وہر کس از ایشان زر کشید

ہین زنان امروز اقبال شماست ‌‌ تا بیابد ہر کسے چیزے کہ خواست

مر زنان را خلعت وزیور دہد ‌‌ کودکان را ہم کلاہ زر نہد

ہر کہ او این ماہ زائیدست ہین ‌‌ گنجہا گیرید از شاہ مکین

آن زنان با طفلگان بیرون شدند ‌‌ شادمان تا خیمۂ شہ آمدند

ہر زنے نوزادہ بیرون شد ز شہر ‌‌ سوئے میدان غافل از دستان قہر

چون زنان جملہ بدو گرد آمدند ‌‌ ہرچہ بود از نر ز مادر بستدند

سر بریدندش کہ ہست احتیاط		تا نہ زاید خصم و نفزاید خباط

نو مہینے کے بعد پھر تخت شاہی میدان میں لایا گیا اور سامان باہر نکالا گیا اور دوسری مرتبہ شہر میں یہ منادی کرائی گئی کہ اے وہ عورتو جنکی قسمت میں زمانہ نے دولت کا ایک بہت بڑا حصہ رکھا ہے تم اپنے چھوٹے بچوں سمیت میدان میں چلو تم کو شاہی عطیوں سے حاصل کرنے سے خوشی ہوگی بادشاہ تم پر یوں ہی دولت برسائینگے جسطرح پارسال مردونکو خلعت ملے تھے اور ہر شخص اونمیں سے بہت سا سونا کھینچ لایا تھا دیکھو عورتوں آج تمہاری خوش قسمتی کا دن ہے کہ ہر ایک کو اوسکا مدعا حاصل ہوگا اس موقعہ کو ہاتھ سے نہ دینا آج عورتوںکو خلعت فاخرہ اور زیور ملیگا اور بچونکو کلاہ زرین پہنائی جاویگی جنکے اس مہینہ میں بچہ پیدا ہوا ہے وہ چلیں اور بادشاہ سے خزانہ لیں یہ سنکر عورتیں اپنے اپنے بچونکو لیکر خوش خوش میدان کی جانب روانہ ہوگئیں اور بادشاہ کے خیمہ تک پہنچ گئیں غرض جس جس کے نیا بچہ ہوا تھا انمیں سے ایک بھی شہر میں نہ رہی سب باہر نکلکر میدان کیطرف چلدیں اور کسیکو بھی اس فریب آمیز قہر کا پتہ نہ چلا اور جبکہ وہ سب کی سب اکٹھی ہو چکیں جتنے لڑکے تھے سب کو اونکی ماؤں سے لے لیا گیا۔ اور اونکو ذبح کر دیا گیا اور سمجھا گیا کہ ہمیں احتیاط ہے ایسا کرنے سے دشمن پیدا نہ ہوگا اور خرابی نہ پڑیگی۔

شرح شبیری

فرعون کا میدان کیطرف بنی اسرائیل کی اون عورتون کو مکر سے بُلانا جو کہ زائیدہ تھیں

بعد نہ مہ شہ برون آورد تخت	سوئے میدان و منادی کرد سخت

یعنی نو ماہ بعد بادشاہ نے میدان کیطرف تخت دھر انکالا اور بہت سخت منادی کی۔

بار دیگر شد منادی سوئے شہر کاے زنان از دہر می یابید بہر

یعنی دوسری مرتبہ پھر شہر میں منادی ہوئی کہ اے عورتو تم زمانہ سے حصہ حاصل کرو یعنی تم بھی اس مرتبہ انعام لو۔

اے زنان با طفلگان میدان روید تا ز داد و بخششم شادان شوید

یعنی (اوسنے یہ منادی کرائی کہ) اے عورتو بچوں سمیت میدان مین جاؤ تا کہ میری بخشش اور انصاف سے خوش ہو۔

آن چنان کہ پار مردان را رسید خلعت و ہر کس از ایشان زر کشید

یعنی جیسے کہ پار سال مردونکو خلعتین ملی تھیں اور ہر ایک نے اونین سے روپیہ کھینچا تھا۔

ہین زنان امسال اقبال شماست تا بیابد ہر کسے چیزے کہ خواست

یعنی اری عورتو اب کے سال تمہارا اقبال ہے تا کہ ہر کوئی وہ پائے جو وہ چاہے۔

مر زنان را خلعت و حلیت دہند کودکان را ہم کلاہ زر نہند

یعنی عورتونکو جوڑے اور زیور دینگے اور بچونکو سنہری ٹوپیان سر پر رکھیں گے۔

ہر کہ او این ماہ زائیدست ہین گنجہا گیر و ز من بے شک یقین

یعنی جو عورت کہ اس مہینے میں جنی ہے ارے وہ تو مجھ سے بشک اور یقیناً خزانہ کے خزانہ لیلے گی

آن زنان با طفلگان بیرون شدند شادمان تا خیمۂ شہ آمدند

یعنی وہ عورتیں معہ بچوں کے باہر گئیں اور خوش خوش خیمہ شاہ تک آپہونچیں۔

ہر زنے نو زادہ بیرون شد ز شہر سوئے میدان غافل از دستان قہر

یعنی ہر عورت نوزائیدہ شہر سے باہر میدان کیطرف چلی گئی دران حالیکہ وہ قہر کے ہاتھوں سے غافل تھیں۔

چون زنان جملہ بدو گرد آمدند ہر چہ بود آن نر ز مادر بستدند

یعنی جب عورتیں سب اوسکے گرد جمع ہو گئیں (تو اوس خبیث نے یہ کہا کہ) جو جو لڑکے تھے اونکو ماؤں سے لے لیا (اور پھر اوس سنگدل بیرحم خبیث پاجی نے یہ کیا کہ)

سر بریدندش کہ اینست احتیاط تا نہ زاید خصم نفزاید خباط

یعنی اون سب کے سر کاٹ دیے اور کہا کہ یہ احتیاط ہے تاکہ دشمن پیدا نہ ہو اور گڑ بڑ نہ پڑے مطلب یہ کہ حالت تو مقتضی صرف اسکو تھی کہ وہ بچے جو بالکل تازے پیدا ہوے ہون اُنکو مارا جاوے مگر احتیاط اسکو مقتضی ہے کہ پہلے بچونکو بھی قتل کیا جاوے لہذا اوس کمبخت نے سب کو قتل کر دیا نعوذ باللہ منہ۔

شرح حبیبی

چون زن عمران کہ موسیٰ زادہ بود دامن اندر چید زان آشوب زود

بعد ازان قستان کہ آن سگ بازنان کرد دیگر بین چہ آورد آن زمان

آن زنان قابلہ در خانہا بہر جاسوسی فرستاد آن دغا

غمز کردندش کہ اینجا کودکیست — نامراد و میدان کہ در وہم و شکیست

اندرین کوچہ یکے زیباز نیست — کودکے دارد ولیکن پرفنےست

چون عوانان آمدند آن طفل را — در تنور انداخت از امر خدا

امر آمد سوئے زن از وا د گر — کہ ز نسل آن خلیل ست این پسر

در تنور انداز موسیٰ را تو زود — تا نگہدارمیش ازہر نار و دود

عصمت یا نار کونی باردا — لاتکون النار حرا شاردا

زن بوحی انداخت اورا در شرر — بر تن موسیٰ نکرد آتش اثر

پس عوانان خانہ را جستند زود — ہیچ طفلے اندر آن خانہ نبود

پس عوانان بے مراد آنسو شدند — باز غمازان کزان واقف بدند

با عوانان ماجرا برداشتند — پیش فرعون از برائے دانگ چند

کائے عوانان باز گردید آنطرف — نیک نیکو بنگرید اندر غرف

بازگشتند آن عوانان جملگان — تا بجویند آن پسر را آن زمان

باز وحی آمد که در آبش فگن — روئے در امید دار و مو مکن

در فگن در نیلش و کن اعتمید — من ترا با او رسانم روسفید

مادرش انداخت اندر رود نیل — کار را بگذاشت با نعم الوکیل

این سخن پایان ندارد مکرهاش — جمله می پیچید اندر دست و پاش

صد هزاران طفل می گشت از برون — موسیٰ اندر صدر خانه در درون

از جنون می کشت هر جا بد جنین — از حیل آن کور چشم دوربین

اژدها بد مکر فرعون عنود — مکر شاهان جهان را خورده بود

لیک ازان فرعون تر آمد پدید — هم ورا هم مکر او را در کشید

اژدها بود و عصا شد اژدها — این بخورد آن را بتوفیق اله

دست شد بالائے دست این تا کجا — تا به یزدان که الیه المنتهیٰ

کان یکے دریاست بے غور و کران	جملہ دریا ہا چو سیلے پیش آن
حیلہ ہا و چارہ ہا گر اژدہاست	پیش الا اللہ آنجا جملہ لاست
چون رسید اینجا بیانم سر نہاد	محو شد واللہ اعلم بالرشاد

جبکہ زن عمران کے بچہ پیدا ہوا تو وہ نہایت احتیاط کے ساتھ اس فتنہ سے الگ رہیں ایکچال تو یہ کتا فرعون عورتونکے ساتھ کرچکا تھا اب دیکھو دوسری چال کیا کی وہ یہ کی کہ دائیونکو گھر وںمیں جاسوسی کے لئے بھیجا کہ جاکر دیکھو کسکے یہاں نیا بچہ پیدا ہوا ہے یا عنقریب پیدا ہونیوالا ہی یا کوئی ایسا بچہ ہے جو پیدا ہوچکا ہو اور میدان مین نہ لایا گیا ہو اونھون نے تلاش کیا اور تفتیش کی تو لوگون نے کسی دائی کو بھتکایا کہ یہان ایک لڑکا ہے کہ میدان مین نہیں لیجایا گیا کیونکہ اوسکے گھر والوں کو شبہ ہوگیا تھا کہ اسمین کوئی چال ہے اور اس گلی میں ایک خوبصورت عورت ہے اوسکے پاس بچہ ہے مگر وہ بڑی چالاک ہے ذرا ہوشیاری سے تلاشی لینی چاہیئے اوسنے جاکر پولیس میں اطلاع کی تو اہلکاران خانہ تلاشی کے لئے روانہ ہوئے جب وہ تلاشی کے لئے پہونچے ہیں تو بحکم خداوندی موسیٰ علیہ السلام کی ماں نے اونکو تنور میں ڈالدیا اونکو حکم ہوا تھا کہ یہ بچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد مین سے ہے اسکو تم فوراً تنور میں ڈالدو ہم اوسکو بحفاظت یا نارکونی برداً آگ اور دہوئیں کی تکلیف سے محفوظ رکھیں گے اور آگ اوسپر تیز گرم نہ ہوگی یہ حکم الہامی سنکر اونھوں نے اونکو جلتی ہوئی آگ میں ڈالدیا۔ اور موسیٰ علیہ السلام کے جسم پر آگ سے کچھ بھی صدمہ نہ پہونچا پس جبکہ پولیس والون نے تلاشی لی تو معلوم ہوا کہ گھر میں کوئی لڑکا نہیں ہے اسپر پولیس والے ناکام واپس ہوگئے اوسکے بعد جن لوگونکو لڑکے کے ہونے کی اطلاع تھی اونھوں نے دوبارہ مخبری کی اور پولیس کے ذریعہ سے فرعون کے یہاں پرچہ گذارا یہ سب کیوں کیا محض چند دانگ انعام کے لئے افسوس صد افسوس جب فرعون کے یہاں سے دوبارہ تلاشی کا حکم ہوا تو انھون نے پولیس سے

کہا کہ تم اس طرف جاؤ اور مکانات مین خوب غور سے دیکھو اس مکان مین یقیناً لڑکا ہے وہ دوبارہ لڑکے کو تلاش کرنے کے لئے آئے اوسوقت پھر الہام ہوا کہ اسکو دریا میں ڈالدو اور پریشان نہ ہونا بلکہ بہبودی کی اُمید رکھنا اسکو دریائے نیل میں ڈالدو اور ہم پر بھروسہ رکھو ہم تم کو موسے تک پہنچا دینگے اور وہ تم کو خوش وخرم ملیں گے اس الہام کی بنا پر اونھوں نے موسی کو تابوت میں بند کرکے دریائے نیل میں ڈالدیا اور معاملہ بہتر کارساز کے سُپرد کیا خیر یہ گفتگو تو ختم ہی نہ ہوگی اب تم اجمالاً اتنا سُن لو کہ فرعون کے پوری پوری میں مکر تھے اور اوسنے لاکھوں بچے باہر مارڈالے لیکن موسے علیہ السلام خود اوسکے گھر میں براج رہے تھے اور تقدیر الہی کے سامنے اسکا کوئی پیچ نہ چل سکتا تھا جہاں کہین بچہ ملا اوسنے دیوانہ پن سے فوراً مارڈالا یہ اس بظاہر دور بین اور فی الحقیقت اندھے کی جہالت تھی کہ تقدیر الہی کی مزاحمت کرتا تھا نیز فرعون کا مکر ایک اژدہا تھا جس نے دُنیا بھر کے بادشاہوں کے مکروں کو نگل کر اونکو مغلوب کرلیا تھا لیکن اب ایک اسکا بھی چچا پیدا ہوگیا جو خود اسکو بھی اور اسکے مکر کو بھی دونو نکو نگل گیا یعنی وہ تو اژدہا تھا ہی اب عصائے موسے اژدہا ہوگیا اور یہ اژدہا بتوفیق الہی اس اژدہے کو کھا گیا بات یہ ہے کہ عالم میں ایک سے ایک زبردست ہے اور یہ سلسلہ خدا پر جاکر ختم ہو جاتا ہے کہ وہ سب سے زبردست ہے، اوس سے زبردست کوئی نہیں کیونکہ وہ ایک نامحدود سمندر ہے جسکی نہ کہیں تھاہ ہے نہ کنارہ اور باقی دریا اوسکے سامنے سیل سے زیادہ وقعت نہیں رکھتے۔ تدابیر ضرور اژدہا ہیں لیکن ہستی حق سبحانہ کے سامنے سب لاشے محض ہیں میرا بیان یہاں تک پہونچکر ختم ہوگیا اور قدرت حق سُبحانہ میں محو ہوگیا اب آگے بیان کرنے کی قدرت نہیں ہے اس بیان کو یہ لکھکر ختم کرتا ہوں کہ حق سُبحانہ ہی راستہ سے خوب واقف ہیں وہ ہر کام کو ٹھیک کرتے ہیں نہ اونکے کسی فعل کی کوئی مزاحمت کرنیوالا ہے اور نہ اونکے کسی کام میں دُنیا دی تدبیروں کی طرح کوئی بے ڈھنگا پن ہے۔

شرح شبیری

موسیٰ علیہ السلام کا پیدا ہو جانا اور سپاہیونکا عمران کے گھر میں

خبر سنکر خانہ تلاشی کیلیئے آنا اور والدۂ موسیٰ علیہ السّلام کو الہام حق ہونا کہ موسیٰ علیہ السّلام کو آگ میں ڈالدو اسلیئے کہ میں اونکی حفاظت کروں گا

چون زن عمران کہ موسیٰ زادہ بود — دامن اندر چید زان آشوب زود

یعنی چونکہ زن عمران نے موسےٰ علیہ السّلام کو جنا تھا تو اونھوں نے اس آشوب سے جلدی سے دامن چنا یعنی اونھوں نے چاہا کہ کہیں چھپ جائیں اسلئے کہ پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ اونکو معلوم تہا کہ وہ لڑکا وہی ہو گا جو کہ مجھسے پیدا ہو گا لہذا اونکو فکر ہوئی کہ کسیکو خبر نہ ہو جاوے ورنہ غضب ہی ہو جاویگا۔

بعد ازان دستان کہ آن سگ با زنان — کرد دیگر بین چہ آورد آن زمان

یعنی بعد اوس مکر کے جو اوس کتے نے عورتوں کے ساتھ کیا یہ دیکھو کہ اوسیوقت دوسری کیا بات کی یعنی صرف اسی پر اکتفا نہ کی کہ سب کو جمع کر کے بچونکو مارڈالا بلکہ اوس سور نے آگے بھی اور مکر کیا مگر کیا ہوتا ہے جسکو خدا بچاوے اوسکو کون ہاتھ لگا سکتا ہے اوسکو جو تدابیر سوجہتی تھیں یہ بھی اسلئے تھیں کہ جسقدر زیادہ اوسنے تدابیر کیں اوسیقدر قدرت حق ظاہر ہوتی کہ دیکھ تو نے یہ کیا مگر خبیث پھر تیرے ہی ہاتھوں اونکو پرورش کرایا تیرے ہی گھر میں رکھا ڈوب مر خبیث نالایق سچ یہ ہے کہ خدا کے آگے وہ کیا چل سکتا تھا ہار گیا آگے اوس دوسرے مکر کو بیان فرماتے ہیں۔

آن زنان قابلہ در خانہا — بہر جاسوسی فرستاد آن دغا

یعنی دائیونکو جاسوسی کے لئے اوس دغا باز نے گہروں میں بہیجا کہ جا کر دیکھیں کہ شاید کوئی عورت

نہ آئی ہو اور بچے کو چھپا رکھا ہو لہذا خبیث نے عورتوں سے جاسوسی کرائی)

غمز کردندش کہ اینجا کودکیست　　نامد او میدان کہ در وہم وشکیست

یعنی اون (خبیثنیوں) نے شکایت کی کہ یہاں ایک بچہ ہے کہ وہ میدان میں نہیں آیا اس لئے کہ (اوسکی ماں) وہم وشک میں ہے یعنی وہ خوف کے مارے گئی نہیں اور اوسکے پاس بچہ ہے۔

اندرین کوچہ یکے زیبا زنیست　　کودکے دارد ولیکن پرفنیست

یعنی اس کوچہ میں ایک حسین عورت ہے کہ وہ ایک بچہ رکھتی ہے مگر ہے بڑی چالاک (کسیکو دینے والی ہے نہیں) پس یہ سنتے ہی اوسنے سپاہیونکو تلاشی کا حکم دیدیا اب قدرت دیکھئے کہ۔

چون عوانان آمدند او طفل را　　در تنور انداخت از امر خدا

یعنی جبکہ سپاہی آئے تو اُنھوں نے (والدۂ موسیٰ علیہ السلام نے) بچہ کو حکم خداوندی سے تنور میں ڈالدیا۔

وحی آمد سوئے زن ازدادگر　　کہ ز نسل آن خلیل است این پسر

یعنی حق تعالےٰ کیطرف سے عورت کو الہام ہوا کہ یہ لڑکا اون خلیل اللہ کی نسل سے ہے (لہذا)

در تنور انداز موسےٰ را تو زود　　تا نگہداریمش اندر نار و دود

یعنی موسےٰ کو جلدی سے تنور میں ڈالدو۔ تاکہ اوس آگ اور دہویں میں ہم اوسکی حفاظت کریں۔

عصمت یا نار کونی باردا　　لاتکون النار حرا شاردا

یعنی یا نار کونی بردا کی عصمت کیوجہ سے یہ آگ گرم اور تیز نہ ہوگی۔

زن بوحی انداخت او را در شرر　　بر تن موسےٰ نکرد آتش اثر

یعنی عورت نے الہام کی وجہ سے اونکو شعلوں میں ڈالدیا تو موسٰے علیہ السلام کے بدن پر آگ نے اثر نہ کیا اللہ اکبر کیا قدرت ہے پھر والدہ موسٰی علیہ السلام کے قلب میں کسقدر مضبوطی عطا فرمائی کہ اونکو الہام کے صحیح ہونے کا اسقدر یقین تھا کہ جانب مخالف کا احتمال ضعیف بھی نہ ہوا اللہ اکبر تعالی اللہ عن ذلک علوا کبیرا۔ اے اللہ ہم کو بھی ایسا ہی توکل عطا فرما آمین یا رب العالمین) جب وہ تنور میں ڈال چکیں او سکے بعد یہ ہوا کہ۔

پس عوانان خانہ را جستند زود ہیچ طفلے اندران خانہ نبود

یعنی پھر سپاہیوں نے گھر کی جلدی سے تلاشی لی تو اوس گھر میں کوئی بچہ نہ تہا اور تنور میں ہونیکا کسیکو احتمال بھی نہ تہا اور اگر ہوتا تو سمجھتے کہ اچھا ہے جو چاہتے تھے کہ ناپید ہو جاوے۔ وہ مقصود حاصل ہوگیا۔ لہذا یہ ہوا کہ)

پس عوانان بے مراد آنسو شدند باز غمازان کزان واقف بدند

یعنی پس سپاہی بے مراد او سطرف کو چلے گئے اور پھر تو چغلخورون نے جو کہ اوس سے واقف تھے۔

با عوانان ماجرا بر داشتند پیش فرعون از برائے دانگ چند

یعنی سپاہیون سے اس قصہ کو فرعون کے سامنے چند دانگوں کے لئے اُٹھایا مطلب یہ کہ جب سپاہیوں کو وہاں کچھ نہ ملا تو وہ تو نامراد ہو کر واپس ہوگئے مگر جن لوگونکو کہ یہ قصہ معلوم تھا انھوں نے پھر بچہ کو دیکھا اسلئے کہ بعد جانے سپاہیوں کے والدۂ موسٰی علیہ السلام نے اونکو نکال لیا تہا تو فرعون کے پاس پھر خبر پہونچائی کہ وہ بچہ موجود ہے اور یہ خبر اسلئے پہونچائی تاکہ کچھ ملجاوے معلوم ہوتا ہی کہ فرعون نے اس خبر رسائی کیلئے کچھ انعام مقرر کیا ہوگا جب پھر خبر پہونچی تو فرعون نے کہا کہ۔

کاے عوانان باز گردید آنطرف نیک نیکو بنگرید اندر غرف

یعنی کہ اے سپاہیوں پھر وہاں جاؤ اور خوب اچھی طرح کہڑکیوں وغیرہ مین دیکھنا۔

بازگشتند آن عوانان جملگان — تاکہ موسیٰ را بجویند آن زمان

یعنی وہ سپاہی پھر سارے کے سارے اسطرف کو روانہ ہوگئے تاکہ موسیٰ علیہ السلام کو اسیوقت تلاش کریں (مگر وہ کب ملنے والے تھے اونکا محافظ تو حق تعالےٰ تھا)

والدۂ موسیٰ علیہ السّلام کو پھر الہام ہونا کہ انکو پانی میں ڈالدو

بازوحی آمد کہ در آبش فگن — روئے در اُمید دار و مومکن

یعنی پھر الہام ہوا کہ انکو پانی میں ڈالدو اور توجہ الله میں رکھو اور بال مت اکھاڑو مطلب یہ کہ حق تعالیٰ سے اُمید رحمت رکھو گھبراؤ مت۔

در فگن در نیلش وکن اعتمید — من ورا با تو رسانم روسفید

یعنی ارشاد ہوا کہ انکو دریائے نیل میں ڈالدو اور (ہم پر) بہروسہ کرو میں انکو تمہارے پاس روسفید پہنچا دونگا یعنی صحیح سالم تم تک پہونچ جاوینگے بس اس الہام کے ہوتے ہی۔

مادرش انداخت اندر رود نیل — کار را بگذاشت با نعم الوکیل

یعنی اونکی والدۂ ماجدہ نے انکو دریائے نیل میں ڈالکر کام کو نعم الوکیل پر چھوڑ دیا یعنی توکل کرکے حق تعالےٰ کے سپرد کر دیا الله اکبر یہ دیکھنے کی بات ہے کہ ایک عورت کو اپنے بچے کی نسبت اسطرح یقین ہوجاوے اور احتمال جانب مخالف کا نہو آخر کوئی بتادے کہ یہ کونسی قوت ہے ایسے کیا یہ قوت مادہ کی ہے یا کس کی بس یہ قوت اوس وحدہ لاشریک کی عنایت کردہ ہی ہے اور کسیکو یہ قدرت اور یہ طاقت نہیں ہے۔ تعالیٰ اللہ عن ذلک علواً کبیراً۔ آگے مولانا فرماتے ہیں کہ۔

این سخن پایان ندارد فکر باش — جملہ می پیچید ہم در ساق و پاش

یعنی یہ گفتگو تو کہیں انتہا نہیں رکھتی اور اس فرعون کی فکر اوسکی پنڈلی اور پاؤں میں لپٹ رہی تھی مطلب یہ کہ قدرت حق کے بیان کی تو کہیں انتہا نہیں ہے اب یہ بتاتے ہیں کہ اوس نے جو تدابیر کیں۔ کہ موسے علیہ السلام ظاہر نہ ہوں اور سیقدر اسکو پیچیدگیاں پیش آئیں اوسکی احتیاط اور علم کی یہ حالت تھی۔

صد ہزاراں طفل می کشت از برون   خصم اندر صدر خانہ در درون

یعنی وہ باہر سے لاکھوں بچوں کو قتل کر رہا تھا اور دشمن صدر خانہ کے اندر موجود تھے۔

از جنون می کشت ہر جا بد جنین   از حیل آن کور چشم دور بین

یعنی جنون کی وجہ سے جہاں کہیں جنین ہوتا اوسکو وہ اندہا دور بین حیلہ کی وجہ سے قتل کرا دیتا تھا۔ مطلب یہ کہ وہ جو کہ ظاہر میں تو بڑا عاقل اور دور بین تھا مگر حقیقت سے اندہا تھا تمام نوزائیدہ بچوں کو قتل کیا کرتا تھا نعوذ باللہ منہ نعوذ باللہ منہ۔

اژدہا بد مکر فرعون عنود   مکر شاہان جہان را خوردہ بود

یعنی فرعون کا مکر ایک اژدہا تھا کہ تمام شاہان عالم کی مکروں کو کھا گیا تھا یعنی سب پر غالب آکر ملکوں کو فتح کر چکا تھا اسقدر عاقل تھا۔

لیک زو فرعون ترے آمد پدید   ہم ورا ہم مکر او را در کشید

یعنی لیکن ایک اس سے زیادہ فرعون ظاہر ہوئے کہ اسکو اور اسکے مکروں سب کو کھینچ دیا یعنی اوس سے زیادہ موسے علیہ السلام پیدا ہوئے کہ وہ سب کو مغلوب کیا کرتا تھا اور انھوں نے اسکو مغلوب کر دیا۔

اژدہا بود و عصا شد اژدہا   این بخورد آن را بتوفیق خدا

یعنی وہ اژدہا تھا اور عصا جو اژدہا ہوا تو وہ (عصا) توفیق حق سے اس فرعون کو کھا گیا مطلب یہ کہ

اوس نے اوس خبیث کو مغلوب کر دیا۔ سبحان اللہ دیکھئے کہ جو لوگ کہ مادہ کو اور عقل کو متصرف کہتے
ہیں اون سے کوئی پوچھے کہ بتاؤ کہ فرعون کہ جو اسقدر عاقل تھا اتنا بڑا زبردست بادشاہ سب کچھ
مگر جب حکم خداوندی ہوا ایک ذرا سے نطفہ کے ٹھہرنے کو نہ روک سکا پھر اوس سے بڑھکر یہ کہ اوس
دشمن کو اپنے گھر میں پالا۔ اپنی گود میں کھلایا اور اندھے کو یہ خبر نہ ہوئی کہ میں سب کو قتل کر رہا ہوں۔
اور اس بچہ کی خود پرورش کر رہا ہوں بس یہاں سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ کوئی زبردست قوت
ہے کہ اوسکے ہاتھ میں عنان عالم ہے یقلبھا کیف یشاء وہ جسکو چاہے بینا کردے اور جسے چاہے
اندھا کردے۔ جسے چاہے ہدایت دے جسے چاہے گمراہ کرے۔ اے اللہ ہمیں ہدایت راہ مستقیم کی اور
بصیرت اور اپنی محبت اور معرفت عطا فرما آگے مولانا فرماتے ہیں۔

دست شد بالائے دست این تا کجا تا بہ یزدان کہ الیہ المنتہی

یعنی ایک قدرت دوسری پر ہے اور یہ کہاں تک ہے؟ حق تعالےٰ تک ہے اسلئے کہ وہی منتہی ہے

کان یکے دریاست بے غور و کران جملہ دریاہا چو سیلے پیش آن

یعنی اسلئے کہ وہ ایک دریا ہے بے انتہا اور بے کنارہ اور سارے دریا اسکے سامنے مثل ایک سیل کے ہیں

حیلہ ہا و چارہا گر اژدہاست پیش الا اللہ آنہا جملہ لاست

یعنی حیلے اور چارے اگرچہ اژدہا ہیں مگر الا اللہ کے آگے سب فنا ہیں یہاں پہونچکر مولانا پر
توحید کا غلبہ ہوگیا اسلئے فرماتے ہیں۔

چون رسید اینجا بیانم سر نہاد محو شد واللہ اعلم بالرشاد

یعنی جب میرا بیان یہاں تک پہونچا تو اس سے سر رکھدیا اور محو ہوگیا واللہ اعلم بالصواب۔
مطلب یہ کہ جب قدرت حق کا بیان شروع ہوا تو بس میں مغلوب ہوگیا اور استغراق طاری ہوگیا
آگے مولانا مضمون ارشادی تحریر فرماتے ہیں کہ۔

شرح حبیبی

انچه در فرعون بود اندر تو هست — لیک اژدرہات محبوس چہ ہست

اے دریغ آن جملہ احوالِ تو ہست — تو بر آن فرعون بر خواہش بست

انچہ گفتم جملگی احوال تست — خود نگفتم صد یکے زانہا درست

گر ز تو گویند وحشت زایدت — ور ز دیگر آن فسانہ آیدت

چہ خرابت میکند نفس لعین — دور می اندازدت سخت این قرین

این جراجتہا ہمہ در نفس تست — لیک مغلوبے ز جہل ای سخت سست

آتشت را ہیزم فرعون نیست — زانکہ چون فرعون او را عون نیست

گلخن نفس ترا خاشاک نیست — ورنہ چون فرعون او شعلہ زنیست

یک حکایت بشنو از تاریخ گو — تا بری زین راز سر پوشیدہ بو

یہ جو کچھ میں نے فرعون کی حالت بیان کی ہے سب تم پر منطبق ہے مگر تم میں اور اس میں یہ فرق ہے کہ تمہارے اندر جو اژدہا ہے وہ کوئین میں مقید ہے اور اسکا اژدہا آزاد تھا لہذا اسکی

شرارتیں ظاہر ہوگئیں اور تمہاری وہ شرارتیں دبی ہوئی ہیں۔ ہائے افسوس کہ یہ سب تیری حالتیں اور تیرے اندر موجود ہیں مگر تو ان کو فرعون کے سر منڈھیگا اور اپنے اوپر منطبق نہ کریگا میں پھر کہتا ہوں کہ جو کچھ میں نے بیان کیا ہے الف سے یٰ تک تیری حالت ہے بلکہ اس سے زیادہ ہی میں نے تو اسکا دسواں حصہ بھی ٹھیک بیان نہیں کیا باوجود اسکے تیری یہ حالت ہی کہ جب ان باتونکو تیری نسبت بیان کیا جاتا ہے تو تو بجائے اسکے کہ غور کرے اور اصلاح کی طرف متوجہ ہو حماقت سے اسپر غصہ ہوتا ہے اور اگر دوسرونکی نسبت بیان کیا جائے تو اسکو محض ایک قصہ سمجھتا ہے۔ اور اس سے عبرت نہیں پکڑتا غرض تیری غفلت انتہا درجہ کو پہونچی ہوئی ہے اور تو کسیطرح نہیں سمجھتا دیکھہ تو سہی یہ ملعون نفس تجھے کیسا خراب کر رہا ہے اور یہ تیرا یار تجھے حق سُبحانہ سے کسقدر دور کر رہا ہے تو متنبہ کیوں نہیں ہوتا یاد رکھہ کہ یہ سب زخم جو ہم نے فرعون کے لئے ثابت کئے ہیں تیرے اندر بھی موجود ہے مگر جہالت تجھپر غالب ہے اس لئے تجھے احساس نہیں ہوتا تیرے اندر آگ بھری ہوئی ہے مگر اُسکے بھڑکانیکا جو سامان فرعون کے پاس تھا وہ تیرے پاس نہیں ورنہ تو بھی فرعون سے کم نہ ہوتا اب جو تو اس سے کم معلوم ہوتا ہے اوسکی وجہ یہ ہے کہ فرعون کی طرح اس آگ کو مدد نہیں پہونچتی خلاصہ کلام یہ ہے کہ تیرا نفس جو ایک پہاڑ کی مانند ہے اسکے اشتعال کا وہ سامان تیرے پاس نہیں جو فرعون کے پاس تھا ورنہ شعلے زنی میں وہ بھی فرعون ہی کی شکل ہے لہذا تجھے اسکی طرف سے غافل نہ رہنا چاہیئے بلکہ ہر وقت اسکی اصلاح کی فکر رکھنی چاہیئے۔ اچھا اب تو ایک حکایت سُن جسکو مورخین نے بیان کیا ہے تاکہ یہ راز سربستہ تجھپر منکشف ہو جاوے۔

شرح شبیری

انچه در فرعون بد اندر تو هست لیک اژدرہات محبوس چہ است

یعنی جو چیز کہ فرعون میں تھی وہ تمہارے اندر بھی موجود ہے لیکن تمہارے اژدہے کنوئیں میں

بند ہیں مطلب یہ کہ مقابلہ قضا یا تکبر یا خود بینی وغیرہ یہ سب خود تمہارے اندر بھی موجود ہیں۔ مگر دبے ہوتے ہیں کسی کے ایمان میں کسی کی صحبت نیک میں کسی کے کہیں میں ورنہ مواد سب ہمارے اندر ہی موجود ہیں تو اسکو دیکھکر خود ہم کو عبرت حاصل کرنا چاہیئے اور نصیحت حاصل کرنا ضروری ہے اسلئے کہ۔

اے دریغ این جملہ احوال تواست تو بران فرعون برخوابیش بست

یعنی افسوس تو یہ ہے کہ یہ سب احوال تمہارے ہیں اور تم اوس فرعون میں اور اسکے خواب میں بندہ رہے ہو مطلب یہ کہ تم اسکو صرف قصہ فرعون مت سمجھو اور اسکے خواب پر کار بند مت ہو۔ اسلئے کہ یہ احوال تو خود تمہارے ہیں تو ان سب کو اپنے اوپر منطبق کرکے دیکھو۔

انچہ گفتم جملگی احوال تست خود نگفتم صد یکے زانہا درست

یعنی میں نے جو کچھ بیان کیا یہ سارے تیرے احوال ہیں اور میں نے خود ہی سو میں سے ایک بھی پورا پورا نہیں بیان کیا اس لئے کہ۔

گر ز تو گویند وحشت زایدت ور ز دیگر آن فسانہ آیدت

یعنی اگر تجھ سے کہیں تو تجھے وحشت بڑھتی ہے اور دوسرے سے تم کو فسانہ معلوم ہوتا ہے مطلب یہ کہ اگر تم کو مخاطب بنا کر کہتے ہیں تو تم کو وحشت ہوگی اور جو نفع ہونیوالا تھا وہ بھی نہ ہوگا اور اگر دوسرے کے قصہ کے طور پر بیان کرتے ہیں تو خیر تم اسکو سن تو لوگے کہ شاید عبرت حاصل ہوجاوے اسلئے کہ دوسروں کے قصوں میں بیان کرکے تم کو تمہارے حالات سنائے گئے ہیں اسلئے کہ ؎

خوشتر آن باشد کہ سر دلبران + گفتہ آید در حدیث دیگران

اور فرماتے ہیں کہ۔

چون خرابت میکند نفس لعین دور می انداز دت سخت این کمین

یعنی یہ نفس لعین تجھے کسطرح خراب کر رہا ہے اور یہ سانپ تجھے (حق سے) بہت دور ڈال رہا ہے۔

این جراحتہا ہمہ از نفس تست　　لیک مغلوبی ز جہل ای سخت سست

یعنی یہ سارے زخم تیرے نفس کی طرف سے ہیں لیکن اے سست تو جہل کی وجہ سے مغلوب ہو رہا ہے اور اس نفس لعین نے تجھے دبا رکھا ہے اور فرماتے ہیں کہ۔

آتشت را ہیزم فرعون نیست　　ورنہ چون فرعون او شعلہ زنیست

یعنی تیری آگ کے لئے ایندھن نہیں ہے ورنہ وہ بھی فرعون کی طرح شعلہ زن ہے۔

گلخن نفس ترا خاشاک نیست　　ورنہ چون فرعون نار قاہریست

یعنی تیرے نفس کی گلخن کے لئے کوڑا نہیں ہے ورنہ فرعون کی طرح وہ ایک قاہر آگ ہے۔ مطلب یہ کہ مقتضیات نفسانی تو جو فرعون کے اندر تھے وہ تمہارے اندر بھی موجود ہیں مگر ظاہر اسلئے نہیں ہوتے کہ تمہارے پاس اوسقدر سامان نہیں ہے ورنہ اگر خدانخواستہ کہیں سامان بھی ہوتا تو یقیناً ہم لوگ فرعون سے بھی زیادہ ہو جاتے نعوذ باللہ نعوذ باللہ نعوذ باللہ بس یہی اچھا ہے کہ ہمیں حق تعالےٰ نے اسقدر سامان ہی نہیں دیا کہ پوری طرح مقتضیات نفسانی کو جاری کرسکیں فضل ہے کہ اللہ تعالےٰ گنجے کے ناخون ہی نہیں دیتے کہ وہ کہجاوے بس اوسکی یہ بہت بڑی رحمت ہے ہم پر فالحمد للہ علیٰ ذالک ؎

شکر نعمتہائے تو چندان کہ نعمتہائے تو　+　عذر تقصیرات ما چندانکہ تقصیرات ما

بس اس قصہ فرعون کو صرف افسانہ ہی مت سمجھو بلکہ اسکو اپنے اوپر منطبق کر کے اس سے عبرت حاصل کرو کیونکہ السعید من وعظ بغیرہ حدیث میں صاف ہے آگے فرماتے ہیں کہ

یک حکایت بشنو از تاریخ گو　　تا بری زین راز سرپوشیدہ بو

یعنی ایک حکایت تاریخ گو سے سنو تاکہ تم اس راز پوشیدہ سے بو لیجاؤ آگے ایک حکایت لاتے ہیں

کہ ایک اژدہا سردی میں افسردہ پڑا ہوا تھا اسکو لوگ مردہ سمجھکر باندہ لائے جب اسکو گرمی لگی۔ تو اوسنے حرکت کی اسوقت لوگ بھاگے کوئی مرا کوئی گرا مولانا فرماتے ہیں کہ یہی حالت نفس کی ہے کہ ابھی تو یہ ایمان میں یا صحبت نیک میں یا کسی اور بات میں ڈبا ہوا ہے اور مردہ معلوم ہورہا ہے مگر جب یہ اس سے علیحدہ ہوا تو یہ کروٹ لیگا اوسوقت پھر حقیقت معلوم ہوگی اے اللہ نفس وشیطان کے مکروں سے بچائیو اب آگے حکایت سنو۔

شرح حبیبی

مارگیرے رفت اندر کوہسار	تا بگیرد او بافسونہاش مار
گر گران و گر شتابندہ بود	آنکہ جویندست یابندہ بود
در طلب زن دائما تو ہر دو دست	کہ طلب در راہ نیکو رہبرست
لنگ و لوک و خفتہ شکل و بے ادب	سوے اومی غیژ و اورا می طلب
گہ بگفت و گہ بخاموشی و گہ	بوی کردن گیر ہر سو بوے شہ
گفت آن یعقوب با اولاد خویش	جستن یوسف کنید از حد بیش
ہر کسے خود را درین جستن بجد	ہر طرف رانید شکل مستعد
گفت از روح خدا لا تیأسوا	ہمچو گم کردہ پسر رو سو بسو

از رہ حس دہان پوبان شوید | روے جانان را بجان جویان شوید
پرس پرسان هر دو گانے جان دمید | گوش را بر چار راه آن نهید
ہر کجا بوئے خوش آید بو برید | سو آن سر کاشنائے آن سرید
ہر کجا لطفے بہ بینی از کسے | سوئے اہل لطف رہ یابی بسے
این ہمہ جو ہا ز دریائیست ژرف | جزو را بگذار بر کل دار طرف
زشتہائے خلق بہر خوبی ست | برگ بے برگی نشان طوبی ست
جنگہائے خلق بہر آشتی ست | دام راحت دائما بے راحتی ست
خشمہائے خلق بہر مہر خاست | از جفائے خلق اُمید وفاست
ہر زدن بہر نوازش را بود | ہر گلہ از شکر آگہ میکند
بوئے بر از جزو تا کل اے کریم | بوئے بر از ضد تا ضد اے حکیم
چون عصا در دست موسیٰ گشت مار | جملہ عالم را بدین سان مے شمار

جنگہاے آشتے آرد درست — مارگیر از بہر بازی مار جست

بہر بازی مار جوید آدمے — غم خورد بہر امید بیغمے

او ہمے جستے یکے مار شگرف — گرد کوہستان در ایام برف

اژدہائے مردہ دید آنجا عظیم — کہ دلش از شکل او شد پر زبیم

مارگیر اندر زمستان شدید — مار مے جست اژدہائے مردہ دید

مارگیر از بہر حیرانے خلق — مارگیر داینت نادانے خلق

آدمی کوہست چون مفتون شود — کوہ اندر مار حیران چون شود

خویشتن نشناخت مسکین آدمے — از فزونے آمد و شد در کمے

خویشتن را آدمی ارزان فروخت — بود اطلس خویش را بر دلق دوخت

صد ہزاران مار کہ حیران اوست — او چرا حیران شدست و مار دوست

مارگیر آن اژدہا را برگرفت — سوے بغداد آمد از بہر شگفت

اژدہائے چون ستون خانۂ / مے کشیدش از پے دانگانہ

کاژدہائے مردہ آوردہ ام / در شکارش من جگرہا خوردہ ام

او ہمے مردہ گمان بردش ولیک / زندہ بود و او ندیدش نیک نیک

او ز سرماہا و برف افسردہ بود / زندہ بود وا بشکل مُردہ بود

عالم افسردہ است و نام او جماد / جامد افسردہ بود اے اوستاد

باش تا خورشید حشر آید عیان / تا ببینی جنبش جسم جہان

چون عصائے موسیٰ اینجا مار شد / عقل را از ساکنان اخبار شد

پارۂ خاک ترا چون زندہ ساخت / خاکہا را جملگی باید شناخت

مُردہ زینسو اند و زان سو زندہ اند / خامش اینجا و انطرف گویندہ اند

چون ازان سوشان فرستد سوے ما / آن عصا گردد سوئے ما اژدہا

کوہہا ہم لحن داؤدی شود / جوہر آہن بکف موی بود

باد حمّال سلیمانے شود ‌ ‌ ‌ بحر با موسےٰ سخندانے شود

ماه با احمد اشارت بین شود ‌ ‌ ‌ نار ابراهیم را نسرین شود

خاک قارون را چو مارے درکشد ‌ ‌ ‌ استن حنّانه آید در رشد

سنگ احمدؐ را سلامے می کند ‌ ‌ ‌ کوه یحییٰ را پیامے می کند

جملهٔ ذرات عالم در نهان ‌ ‌ ‌ با تو مے گویند روزان و شبان

ما سمیعیم و بصیریم و خوشیم ‌ ‌ ‌ با شما نا محرمان ما خامشیم

چون شما سوئے جمادے می روید ‌ ‌ ‌ محرم جان جمادان چون شوید

از جمادے عالم جان ها روید ‌ ‌ ‌ غلغل اجزائے عالم بشنوید

فاش تسبیح جمادات آیدت ‌ ‌ ‌ وسوسه تاویلها بربایدت

چون ندارد جان تو قندیلها ‌ ‌ ‌ بهر بینش کردهٔ تاویلها

دعوے دیدن خیال عار بود ‌ ‌ ‌ بلکه مر بیننده را دیدار بود

که غرض تسبیح ظاهر کے بود
دعوئے دیدن خیال وغے بود

بلکه ہر بیننده را دیدار آن
وقت عبرت مے کند تسبیح خوان

پس چو از تسبیح یادت مے دہد
آن دلالت ہمچو گفتن می بود

این بود تاویل اہل اعتزال
وای آنکس کو ندارد نور حال

چون ز حس بیرون نیامد آدمی
باشد از تصویر غیبی اعجمی

این سخن پایان ندارد مارگیر
مے کشید آن مار را با صد زحیر

تا به بغداد آمد آن ہنگامه خواه
تا نہد ہنگامۂ بر چار راه

بر لب شط مرد ہنگامه نہاد
غلغله در شہر بغداد اوفتاد

مارگیرے اژدہا آورده است
بوالعجب نادر شکارے کرده است

جمع آمد صد ہزاران خام ریش
صید او شد ہر یکے آنجا ز خویش

منتظر ایشان و او ہم منتظر
تا که جمع آیند خلق منتشر

مردم هنگامه افزون‌تر شود　　گریه و توزیع نیکوتر رود

جمع آمد صد هزاران ژاژخا　　حلقه کرده پشت پا بر پشت پا

حلقه گرد او چو رز گرد عریش　　همچنان که بت پرستان برکنیش

مرد را از زن خبر نے ز ازدحام　　رفته درهم چون قیامت خاص و عام

چون همی حراقه جنبانید او　　می کشیدند اهل هنگامه گلو

اژدها کز زمهریر افسرده بود　　زیر صد گونه پلاس و پرده بود

بسته بودش با رسنهائے غلیظ　　احتیاطے کرده بودش آن حفیظ

در درنگ و اتفاق و انتظار　　وز هیاهوی و فغان بے شمار

وز غلو خلق و مکث و طمطراق　　تافت بر آن مار خورشید عراق

آفتاب گرم سیرش گرم کرد　　رفت از اعضائے او اخلاط سرد

مرده بود و زنده گشت او از شگفت　　اژدها بر خویش جنبیدن گرفت

خلق را از جنبش آن مرده مار / گشت ستان آن یک تحیر صد هزار

با تحیر نعره ها انگیختند / جملگان از جنبشش بگریختند

مے شکست او بند زان بانگ بلند / هر طرف میرفت چاقاچاق بند

بند ها بگسست و بیرون شد ز زیر / اژدهائے زشت غران همچو شیر

در هزیمت بس خلائق کشته شد / از فتاده و کشتگان صد پشته شد

مارگیر از ترس بر جا خشک گشت / که چه آوردم من از کهسار و دشت

گرگ را بیدار کرد آن کور میش / رفت نادان سوئے عزرائیل خویش

اژدها یک لقمه کرد آن گیج را / سهل باشد خون خوری حجاج را

خویش را بر استنے پیچید و بست / استخوان خورده را در هم شکست

شهر خالی گشت و اژدرها براند / سوئی که گرد از بیابان بر فشاند

نفست اژدرهاست او کے مرده است / از غم بے آلتے افسرده است

گر بیابد آلت فرعون او — که بامر او همی رفت آب جو

آنگه او بنیاد فرعونے کند — راه صد موسیٰ و صد هارون زند

کرمکست این اژدها از دست فقر — پشۂ گردد ز جاه و مال قصر

اژدها را دار در برف فراق — هین مکش او را بخورشید عراق

تا فسرده مے بود آن اژدهاست — لقمۂ اوئی چو او یابد نجات

مات کن او را و ایمن شو ز مات — رحم کم کن نیست او ز اهل صلات

کان تف خورشید شهوت سر زند — آن خواش مرده ریگیت پر زند

می کشانش در جهاد و در قتال — مردوار الله یجزیک الوصال

چونکه آن مرد اژدها را آورید — در هوائے گرم خوش شد آن مرید

لاجرم آن فتنه ها کرد اے عزیز — بلکه صد چندانکه ما گفتیم نیز

تو طمع داری که او را بے جفا — بسته داری در وقار و در وفا

ہر خسے را این تمنا کے رسد	موسئے باید کہ اژدرہا کشد
صد ہزاران خلق زاژدرہائے او	در ہزیمت کشتہ شد لے وائے او
وز طمع ہم خویش را بر باد داد	گفتہ شد واللہ اعلم بالسداد

ایک سپیرا پہاڑوں میں اس غرض سے گیا کہ اپنے منتروں کے ذریعہ سے کوئی سانپ پکڑے اتنا فرماکر دوسرے مضمون کی طرف انتقال فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ طالب کسی قسم کا ہو خواہ سست رفتار ہو یا تیز رفتار لیکن جب کوشش کرتا رہتا ہے تو مطلوب اسکو مل ہی جاتا ہے۔ جب یہ اصول معلوم ہوگیا تو تم کو چاہیئے کہ ہمہ تن اور ہمیشہ حق سبحانہ کی طلب میں سرگرم رہو اسلئے کہ طلب اور جستجو راہ حق کا عمدہ رہبر ہے چنانچہ کوئی صاحب فرماتے ہیں۔ شوق در ہر دل کہ باشد رہبرے در کار نیست۔ تم خواہ لنگڑے ہو یا لنجے کاہل ہو یا نقصان عقل کے سبب بے ادب۔ غرض کیسے ہی ہو تم کو اس راہ میں گھٹنوں کے بل چلنا چاہیئے۔ اور حق سبحانہ کو ڈھونڈھنا چاہیئے کبھی گفتار سے کبھی خاموشی سے کبھی تاڑنے سے غرض جسطرح ممکن ہو حق سبحانہ کا پتہ لگانا چاہیئے۔ دیکھو یعقوب علیہ السلام نے اپنے صاحبزادوں سے کہا تھا کہ یوسف کی تلاش میں حد سے زیادہ کوشش کرو اور اس تلاش میں نہایت مستعدی کے ساتھ ہر حس سے کام لو۔ آنکھ سے بھی زبان سے بھی کان سے بھی وغیرہ وغیرہ۔ اور یہ بھی فرمایا تھا کہ دیکھو رحمت خدا سے ناامید نہ ہونا ؎

تجھے فضل کرتے نہیں لگتی بار ✣ نہ ہو تجھ سے مایوس اُمیدوار

پس تم حضرت یعقوب علیہ السلام کی اس وصیت کو دستاویز بناؤ اور حضرت حق کو یوں ہر طرف ڈھونڈھو جسطرح کسیکا لڑکا گم ہو جاتا ہے تو وہ ڈھونڈھتا ہے تم حس دہن یعنی قوت تکلم سے بھی کام لو۔ اور جس شخص پر گمان ہو کہ وہ جانتا ہے اوس سے دریافت کرو۔ اور دیدار

محبوب حقیقی کے جان و دل سے طالب ہو اور مژدہ نشان یابی مطلوب کی امید پر پوچھتے پوچھتے جان دیدہ و اور مطلوب کے چوراہے پر کھڑے ہو کر خوب کان لگاؤ یعنی جب تمہارے سامنے مختلف رستے ہوں تو اٹکل پچو ایک طرف کو نہ چلدو بلکہ خوب غور کرو جس طرف اس حقیقت کے آثار معلوم ہوں جس سے کہ تم روز ازل سے واقف ہوا و سطرف چلدو اب کچھ اسکے پتے ہم تم کو بتلاتے ہیں غور سے سنو جس کسی کے اندر کوئی عمدہ بات دیکھو تو سمجھو کہ وہ تم کو اپنے سرچشمہ کی رہنمائی کرتی اور تم کو حق سبحانہ کا پتہ دیتی ہے کیونکہ جملہ کمالات حق سبحانہ ہی کے کمالات کے ظلال و عکوس ہیں اور حق سبحانہ ان کاموں کا یوں ہی سرچشمہ ہے جسطرح کہ ندیوں کا سرچشمہ گہرا سمندر ہوتا ہے۔ پس اس صورت میں تم کو فروع کو چھوڑ کر اصل کو مطمح نظر بنانا چاہیئے۔ جب یہ معلوم ہو گیا کہ خوبیاں مطلوب کی طرف رہنمائی کرتی ہیں تو اب سنو کہ برائیاں بھی رہنمائے مطلوب ہیں اسلئے کہ مخلوق میں جسقدر برائیاں ہیں سب کا انجام کوئی نہ کوئی خوبی ہے اور یہ سامان بے سروسامانی کسی عمدہ حالت کا پیش خیمہ ہے مثلاً مخلوق کے غصے کسی نہ کسی شفقت کے لئے ہوتے ہیں خواہ اسطرح کہ ان سے مقصود ہی نفع رسانی ہو اور خواہ اسطرح کہ انکی برائی سے شفقت کی خوبی معلوم ہو اور آدمی غصہ کو چھوڑ کر شفقت اختیار کریں اور خواہ یوں کہ مخلوق کا بیجا غصہ رحمت خداوندی کا باعث ہوتا ہے اور اسکے سبب سے مظلوم پر رحمت ہوتی ہے اور خواہ اسلئے کہ آدمی مخلوق کے غصوں سے تنگ ہو کر حق سبحانہ سے دل لگاتا ہے پس ثابت ہوا کہ غصہ کا انجام محبت ہے اور مخلوق کی جفا میں امید وفا جھلکتی ہے۔ نیز مخلوق کی جتنی لڑائیاں ہیں سب کا انجام صلح ہے خواہ یوں کہ لڑائی ختم ہو کر صلح ہو جائے اور یا یوں کہ اس سے مطلوب حاصل ہو جائے جو کہ مطلوب کے ساتھ صلح ہے اور یا اس طرح کہ مخلوق کی لڑائیوں سے پریشان ہو کر حق سبحانہ کے ساتھ تعلق پیدا کرے جو کہ حق سبحانہ کے ساتھ صلح ہے۔ علی ہذا تکلیف کا انجام ہمیشہ راحت ہوتا ہے۔ خواہ تکلیف اٹھانے والے کیلئے ہو پھر خواہ دنیا میں خواہ آخرت میں اور خواہ دوسروں کیلئے ہو۔ جیسے کہ کفار کی تکلیف مومنین کی راحت کا سبب ہے کہ انکو اپنے آپ کو اس تکلیف سے محفوظ دیکھکر خوشی ہوتی ہے یوں ہی ہر گلہ شکر سے مبنی ہے۔ کیونکہ گلہ کا منشا تکلیف ہے۔

اور ہر تکلیف موجب راحت ہے اور ہر راحت موجب شکر اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ برائیاں
بھلائیوں کے لئے ہوتی ہیں اور یہ پہلے معلوم ہو چکا کہ بھلائیاں حق سبحانہ کی طرف رہنمائی
کرتی ہیں اس مقدمہ کو اسکے ساتھ ملانے سے نتیجہ نکلا کہ برائیاں بھی موصل الی الحق ہیں
پس تم کو فرع سے اصل کا اور ایک ضد سے دوسری ضد کا پتہ لگانا چاہیئے کیونکہ ہم تبلا چکے
ہیں کہ برائیوں کا انجام بھلائی ہے اگر اب بھی اسمیں کچھ شبہ باقی ہو کہ برائی کا انجام
بھلائی کیونکر ہو سکتا ہے اور ایک ضد منقلب الی الضد الآخر کیونکر ہو سکتی ہے تو سمجھو کہ موسیٰ
علیہ السلام کی لاٹھی جماد تھی یا نہیں اور اژدہا حیوان ہوتا ہے یا نہیں اور جمادیت وحیوانیت
میں تضاد ہے یا نہیں اور موسے علیہ السلام کی لاٹھی اژدہا بنگئی تھی یا نہیں ان تمام سوالات
کا جواب یہ ہی ہے کہ بیشک پھر جبکہ موسے علیہ السلام کی لاٹھی اژدہا بنگئی تھی تو اور تمام کو بھی اسی پر
قیاس کر لو اور سمجھ لو کہ اور اشیاء بھی اپنی ضد کی طرف منقلب ہو سکتی ہیں اور جنگوں سے صلحیں
پیدا ہو سکتی ہیں وغیرہ وغیرہ اسی اصول پر سپیرے نے تماشہ کے لئے سانپ پکڑا تھا اور خوشی
کے لئے اپنے کو خطرہ میں ڈالا تھا اور کچھ اسی سپیرے کی تخصیص نہیں بلکہ ہر آدمی تماشہ کیلئے
سانپ پکڑتا ہے اور بیغمی کی اُمید پر غم کھاتا ہے خیر یہ تو ضمنی مضمون تھا اب اصل حکایت سنو
وہ سپیرا برفباری کے زمانہ میں پہاڑوں کے اندر ایک عجیب سانپ تلاش کر رہا تھا یکایک
اس نے دیکھا کہ ایک بڑا اژدہا جسکی صورت کے دیکھنے سے اُسکو سخت دہشت معلوم ہوئی مردہ
پڑا ہوا ہے وہ تو اس سخت جاڑے میں سانپ ہی تلاش کر رہا تھا لیکن اسکو اسکی خواہش سے
بڑھکر اور اسکے زعم میں مردہ اژدہا ملگیا جس سے اسکو بیحد خوشی ہوئی اب تم غور کرو کہ مخلوق بھی
کسقدر نادان ہے کہ سپیرا آدمی ہو کر مخلوق کو متعجب کرنے کے لئے سانپ پکڑتا ہے اور
مخلوق باوجود آدمی ہونے کے اُس سے حیران اور متعجب ہوتی ہے غضب کی بات ہے کہ جو
پہاڑ کی مثل اپنے اندر ہزاروں سانپ و دیگر عجائبات رکھتا ہے پھر وہ کیسے ان معمولی چیزوں پر
فریفتہ ہو جاتا ہے اور پہاڑ جو سانپوں کا معدن ہے وہ ایک سانپ سے کیسے دنگ ہو جاتا
ہے افسوس کہ آدمی نے اپنی حقیقت کو نہیں پہچانا اور اوج ترقی سے حضیض تنزل میں گر گیا
اُس نے اپنے کو ان خرافات میں پھنسا کر خراب کر لیا اور اپنے کو بہت تھوڑی قیمت میں بیچ ڈالا

اور اطلس ہو کر گدڑی کا پیوند بنگیا پہاڑ کے لاکھوں سانپ تو خود اسس کی جامعیت اور اسکی عجائب وغرائب سے حیران ہیں پھر وہ سانپ سے کیوں متعجب ہوتا ہے اور کیوں انکو دوست رکھتا ہے خیر اُس نے اژدہے کو لے لیا اور لوگوں کو متعجب کرنے کے لئے بغداد کیطرف چلدیا اژدہا جو کہ مکان کے ستون کی طرح موٹا تازہ تہا وہ اسکو کچہہ داموں کے خاطر کہینچے لئے جاتا تہا وہ خیال کرتا تہا کہ میں اسے لوگوں کو دکہاؤنگا اور کہونگا کہ میں ایک مردہ اژدہا لایا ہوں اور میں نے اسکے شکار کرنے میں بہت خون جگر کہایا ہے وہ اسکو مُردہ سمجہتا تہا لیکن واقع میں وہ زندہ تہا اور اسنے غور سے اُسے نہ دیکہا تہا سردی اور برف میں ٹھٹھرا ہوا اور زندہ تہا مگر صورۃً مُردہ تہا یوں ہی تم کو سمجہنا چاہیئے کہ عالم بھی ٹھٹھرا ہوا ہے اور اسیواسطے اوسکا نام جماد ہے کیونکہ جامد ٹھٹھرے ہوئے ہی کو کہتے ہیں تم اسکو مردہ سمجہتے ہو مگر ذرا دم لو اور خورشید محشر کو طلوع ہونے دو پھر جسم عالم کی حس وحرکت دیکہنا اسوقت تم کو یقین ہوگا کہ فی الحقیقت یہ مردہ نہ تہا بلکہ ٹھٹھرا ہوا تہا اگر کچہہ بھی عقل ہو تو اجسام ساکنہ کی حیات اب بھی معلوم ہو سکتی ہے موسیٰ علیہ السلام کی لاٹھی جاد تھی مگر وہ سانپ اور حس وحرکت کرنے والی بنگئی اس واقعہ نے دیگر اجسام ساکنہ کی حالت بھی بتلادی کہ وہ فی الحقیقت مردہ نہیں ہیں بلکہ وہ زندہ ہیں اور اپنی حس وحرکت ظاہر کرنے کے لئے امر خداوندی کے منتظر ہیں جسوقت انکو حکم ہوجاتا ہے وہ اپنی حس وحرکت مخفیہ کو ظاہر کردیتے ہیں دور کیوں جاؤ خود اپنی ہی حالت کو نہ دیکہہ لو کہ تم ایک مُشت خاک تھے اور اب زندہ ہوگئے اس سے معلوم ہوا کہ خاک میں صلاحیت حس وحرکت وحیات ہے جب اوسمیں صلاحیت ہے اور یہ مشاہد ہے تو پھر اسکے حیات میں استبعاد کیوں جب حیات ارض مستبعد نہیں تو بقیہ اجزاء عالم کو بھی اسی پر قیاس کرلو اور سمجہہ لو کہ انکی حیات بھی مستبعد نہیں اور جبکہ انکی حیات مستبعد نہیں اور نصوص ومکاشفات اہل اللہ اسکو ثابت کرتے ہیں تو انکار کی کون وجہ ہے پس ثابت ہوا کہ وہ تمہاری طرف سے مردہ ہیں اور حق سُبحانہ کی طرف سے زندہ اور تمہاری طرف سے خاموش ہیں اور حق سُبحانہ کی طرف سے گویا۔ اور جبکہ وہ انکو ہماری طرف بہیجتا ہے یعنی انکو اظہار حس وحرکت کا حکم دیتا ہے تو انکی حرکت وحس ظاہر ہوجاتی ہے اور لاٹھی اژدہا بنجاتی ہے پہاڑ حضرت داؤد علیہ السّلام کی طرح

خوش آواز بنجاتے ہیں لوہا اپنے اندر معرفت رکھتا ہے کہ وہ حضرت داؤد علیہ السلام کے ہاتھ کو پہچانتا ہے۔اسکے اندر موم بنجاتا ہے اور دوسرے ہاتھوں میں اپنی حالت پر رہتا ہے ہوا امر سلیمانی کو پہچانتی ہے کہ انکو باربرداری کا کام دیتی ہے اور دوسروں کو نہیں دیتی حجر موسےٰ علیہ السلام کی بات کو پہچانتا ہے کہ انکے لئے دو ٹکڑے ہوجاتا ہے اور دوسروں کے لئے نہیں ہوتا چاند جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اشارہ کو سمجھتا ہے کہ دو ٹکڑے ہوجاتا ہے اور دوسروں کے لئے نہیں ہوتا آگ ابراہیم علیہ السلام کو پہچانتی ہے کہ گلزار ہوجاتی ہے اور دوسروں کے لئے نہیں ہوتی زمین موسےٰ اور قارون کو پہچانتی ہے کہ انکے حکم سے انکو سانپ کی طرح نگلجاتی ہے اسطن حنانہ جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو پہچانتا ہے کہ وہ ایک مناسب کام کرتا ہے کہ آپکے فراق میں روتا اور آپکی تسکین سے خاموش ہوجاتا ہے پتھر جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو پہچانتا ہے کہ انکو سلام کرتا ہے پہاڑ یحیٰی علیہ السلام کو پہچانتا ہے کہ انکو پیام پہنچاتا ہے اور کہتا ہے کہ آپ میرے اوپر تشریف لائیے یہاں کفار آپ کو تکلیف نہ پہنچا سکینگے غرض تمام اجزاء عالم حس وحرکت رکھتے ہیں اور رات دن تم سے کہتے ہیں کہ ہم سنتے بھی ہیں اور دیکھتے بھی ہیں اور ہم بہت خوش ہیں لیکن تم نامحرم ہو اسلئے تمہارے سامنے خاموش ہیں واقعی بات یہی ہے کہ جب تم اپنی حرکات ناشایستہ سے جماد بنے جارہے ہو اور اپنی قوی مدرکہ کو معاصی سے روز بروز خراب کر رہے ہو تو تم ارواح جمادات کے محرم راز کیونکر ہوسکتے ہو اگر تم کو انکی حیات پر مطلع ہونیکی ضرورت ہے تو عالم جان کی طرف چلو اور اپنے قوی مدرکہ باطنہ کو امراض سے پاک کرو پھر اجزائے عالم کا شور سنو اسوقت تم کو جمادات کی تسبیح صاف طور پر معلوم ہوگی اور انکی تسبیح کے بارہ میں جو تم تاویلیں کرتے ہو انکا وسوسہ بھی تم کو نہ ہوگا چونکہ تم اپنی جان کے اندر نور حق سبحانہ نہیں رکھتے اسلئے معرفت جمادات کے لئے تم تاویلیں کرتے ہو اور کہتے ہو کہ معرفت جمادات کا دعویٰ ایک شرمناک خیال ہے بلکہ وہ آلہ معرفت حق سبحانہ ہیں اسلئے معرفت عارف کو انکی طرف مجازاً منسوب کردیا گیا ہے کیونکہ انکی تسبیح سے تسبیح ظاہری مقصود نہیں انکی معرفت کا دعویٰ تو خیال باطل اور کھلی گمراہی ہے بلکہ بات یہ ہے کہ دیکھنے والوں کو ان کا دیکھنا

عبرت کے وقت تسبیح خواں بناتا ہے پس چونکہ وہ تم کو تسبیح یاد دلاتے ہیں اسلئے انکی دلالت
مثل گویائی کے سمجھی جاتی ہے اسلئے تسبیح کو انکی تسبیح کہا جاتا ہے یہ تاویل ہے معتزلہ کی
جو مبنی ہے اسپر کہ وہ صرف قال رکھتے ہیں اور نور حال نہیں رکھتے اور جو شخص اپنے اندر
نور حال نہیں رکھتا اسکی حالت نہایت قابل افسوس ہے کہ وہ جہل مرکب میں گرفتار رہتا
ہے اور اسکا منشا حواس جسمانیہ میں مشغول رہنا ہے جبتک آدمی حواس جسمانیہ کی مشغولی
کو چھوڑ کر حواس باطنیہ کی اصلاح نہیں کرتا اسوقت تک صورت غیبیہ سے ناواقف رہتا ہے
یہ گفتگو تو ختم بھی نہ ہوگی اسکو چھوڑو اور قصہ سنو وہ سپیرا اوس ستون کے ستون اژدہے
کو بڑی مصیبت سے کھینچتا ہوا بغداد تک لایا اور چاہا کہ کسی چوراہے میں تماشہ کرے
بالآخر لب دریا اُس نے تماشہ کیا اور سارے شہر میں شور مچ گیا کہ ایک سپیرا اژدہا
لایا ہے اور نہایت حیرت انگیز اور عجیب شکار کیا ہے یہ سنکر سیکڑوں احمق جمع ہو گئے اور
اپنی حماقت سے ہر ایک اسکا شکار ہو گیا ادہر وہ لوگ منتظر تھے کہ جلدی تماشا دکھلائے
ادہر وہ منتظر تھا کہ لوگ خوب اچھی طرح جمع ہو جائیں اور تماشائی لوگ زیادہ ہو جائیں کہ
بھیک اور چندہ زیادہ ہو غرض کہ لاکھوں بیہودہ لوگ جمع ہو گئے اور سب اسکے گرد حلقہ
کئے ہوئے تھے لوگوں کی کثرت سے یہ حالت ہو گئی تھی کہ پاؤں پر پاؤں رکھا ہوا تھا
سب کے سب اسکو یوں گھیرے ہوئے تھے جیسے انگور کی بیلیں انگور کی ٹٹی کو یا جسطرح بت پرست
بتخانہ کو کثرت کے سبب مرد و عورت میں تمیز نہ تھی اور خاص و عام یوں ملے جلے جا رہے
تھے جیسے قیامت میں جب وہ ڈگڈگی بجاتا تھا تو لوگ ہاؤ ہو سے اپنے گلے پھاڑ رہے تھے
اور اژدہا جو کہ کڑاکے کے جاڑے سے ٹھٹھرا ہوا تھا وہ سیکڑوں ٹاٹ اور پردوں میں دبا ہوا
تھا اوسنے مزید احتیاط یہ کی تھی کہ اسکو بڑے موٹے رسوں میں جکڑ رکھا تھا لوگوں کے
توقف اور اسکے اتفاق دانتظار اور ہائے ہو اور بیحد چیخ پکار اور مخلوق کے غلو اور توقف اور
مجمع کے شان و شوکت میں آفتاب خوب گرم ہو گیا اور آفتاب گرم رفتار نے اژدہے کو خوب
گرم کر دیا اور اسکے اعضاء سے سرد خلطیں پگھل گئیں تعجب کی بات ہے کہ وہ مردہ اژدہا ایک
زندہ ہو گیا اور اسنے حرکت شروع کی لوگ اس مرے ہوئے اژدہے کی حرکت سے نہایت

متحیر ہوئے اور حیرت سے چلانا شروع کیا کہ ارے یہ تو زندہ ہوگیا ارے یہ تو زندہ ہوگیا اور
اسکی حرکت کو دیکھ کر سب بھاگ گئے وہ اژدہا اس شور سے گھبرا کر رسوں کو یوں توڑتا تھا وہ
تڑاق تڑاق ٹوٹ کر ہر طرف جا پڑتے تھے غرض کہ سب رسے ٹوٹ گئے اور اسکے نیچے سے وہ خبیث
اژدہا شیر کی طرح غراتا ہوا نکلا بھاگنے میں بہت سی لوگ مرگئے اور گرنے اور مرنے والوں کے
تودے لگ گئے مارے خوف کے سپیرا بھی وہیں سوکھ کر رہگیا اور خیال کیا کہ میں پہاڑوں
اور جنگلوں سے کیا بلا اٹھالایا دیکھو اس اندھی بھیڑ (سپیرے) نے بڑے (اژدہے) کو جگایا
اور خود اپنی حماقت سے ملک الموت کے پنجے میں پھنسے کیونکہ اسنے اس سپیرے کو نگل لیا اور
یہ کچھ بعید نہیں کیونکہ وہ تو حجاج بن یوسف کیطرح خونخوار تہا اور حجاج کے لئے خونخواری کو بنا
مشکل کام ہے جب وہ اسکو نگل چکا تو ایک ستون سے لپٹا اور زور کیا حتی کہ اسکے پیٹ کے
اندر اس سپیرے کی ہڈیاں پسلیاں سب چور چور ہوگئیں اوسکے خوف سے شہر خالی ہوگیا اور
وہ جنگل کی گرد اوڑاتا ہوا پہاڑوں کی طرف چلدیا اب تم اس قصہ سے عبرت پکڑو اور سمجھو کہ نفس ایک
اژدہا ہے جو ہنوز مرا نہیں بلکہ اپنی خواہشات کے پورا کرنے کا سامان نہ ہونے کے غم میں ٹھٹھرا
ہوا ہے اگر اسکو بھی فرعون کا سامان مل جاوے جسکے حکم سے رود نیل چلتا تہا تب وہ بھی فرعونیت
کی عمارت قائم کرے اور سیکڑوں موسیٰ و ہارون جیسے اہل اللہ کی رہزنی پر مستعد ہوجاوے
اب جو وہ ایک معمولی کیڑا ہے اوسکی وجہ اوسکی محتاجی ہے اگر اسکو جاہ و مال ملجاوے تو وہ ہی
فرعون بنجاوے اسلئے کہ جاہ و مال کے بدولت ایک مچھر سا کمزور شخص چرغ کی طرح قوی ہوسکتا
ہے لہذا تم کو چاہیئے کہ تم اس اژدہائے نفس کو مفارقت خواہشات کی برف میں رکھو اور ہرگز اسکو
اسکی خواہشات پورا کرکے گرمی نہ پہنچاؤ تاکہ وہ اژدہا ٹھٹھرا ہی رہے کیونکہ اگر وہ بچ گیا تو تمہیں
کھاہی جاویگا پس اسے شکست دیکر اپنی شکست سے بیخوف ہوجاؤ اور اسپر رحم نہ کرو اسلئے کہ
وہ کسی ہمدردی کا مستحق نہیں کیونکہ جب تم اسکی ہمدردی کروگے تو خواہشات نفسانی کی آفتاب کی
گرمی ظاہر ہوگی اور اسکے سبب ذلیل نفس جو نور حق سبحانہ کی تاب نہ لانے کے سبب مثل
خفاش ہے پر پرزے جھاڑ کر تیار ہوگا تم کو چاہیئے کہ مردوں کی طرح کہ اوسکو مجاہدہ اور جنگ
کے میدان میں کھینچ لاؤ اللہ جل شانہ ان مشقتوں کے عوض تم کو دولت وصل سے کامیاب

کرینگے دیکھو جب وہ اژدھا کو کھینچ لایا تھا تو گرم ہوا میں وہ چاق چوبند ہو گیا تھا اور اسنے چاق چوبند ہو کر وہ فتنے برپا کئے جو تم سُن چکے ہو بلکہ جسقدر ہم نے بیان کیا ہے اُس سے سو گونہ زائد یوں ہی اگر تمہارا نفس چاق وچوبند ہو گیا تو وہ فتنے برپا کریگا لہذا تم کو ضرور مجاہدات اور اسکے ساتھ جنگ کرنی چاہیئے اور تکالیف سے نہ ڈرنا چاہیئے۔ تم یہ جانتے ہو کہ بلا مشقت ومحنت اوسکو پابند وقار و وفاد یکھو لیکن ہر شخص کی یہ تمنا پوری نہیں ہوتی اژدہے کو کھینچنے اور اوسکو بلا مشقت منقاد کرنے کے لئے موسے جیسے لوگوں کی ضرورت ہے اونھوں نے اژدہے کو یوں مسخر کیا تھا کہ محو اسکے ضرر سے محفوظ رہے اور اسکو دشمنوں کی ہلاکی کا ذریعہ بنایا سو ہر شخص ایسا کہاں ہو سکتا ہے تم اس سپیرے سے عبرت پکڑو کہ اس کمبخت کے اژدہے نے کتنے لوگوں کو بہا گتے میں مارڈالا اور طمع سے اپنے کو بھی برباد کیا بس نفس بھی زندہ ہوکر یہ ہی حالت کریگا ختم شد واللہ اعلم بصحۃ القصۃ والاستنباطات۔

شرح شبیری

ایک سپیرے کی حکایت کہ اُس نے ایک ٹھٹرے ہوئے اژدھا کو مرا ہوا خیال کیا اور اسکو رسیوں میں لپیٹ کر اور باندھکر بغداد میں لایا۔

مارگیرے رفت سوئے کہسار تا بگیرد او بافسونہاش مار

یعنی ایک سپیرا کوہسار میں گیا تاکہ اپنے افسونوں سے سانپ پکڑے آگے مولانا فرماتے ہیں کہ

گرگران وگرشتابندہ بود آنکہ جوئیدست یابندہ بود

یعنی خواہ کسلمند خواہ چست وچالاک (کوئی) ہو جو طالب ہے وہ یابندہ ہے مطلب یہ ہی کہ جو شخص جس کا طالب ہو اُسکو وہ شئے مل ہی جاتی ہے طلب اور تو کی ضرورت ہے طلب لگی رہے کبھی نہ کبھی مل ہی رہے گی۔

در طلب زن دائما تو ہر دو دست　　که طلب در راه نیکو رہبر ست

یعنی تم طلب میں دونوں ہاتھ لگاؤ اسلئے کہ طلب راہ میں اچھا رہبر ہے مطلب یہ کہ منجملہ اور شرائط راہ یابی کے ایک طلب بھی ہے اور یہ ایک اچھی شرط ہے کہ بے اسکے اور شرائط کارگر نہیں ہوتے تو چونکہ یہ شرط راہ یابی ہے اسلئے اسکو رہبر سے تعبیر کر دیا تو صرف طلب ہی رہبر نہیں ہے اور بغیر اسکے اور چیزیں بھی کارآمد نہیں ہیں۔

لنگ و لوک و خفته شکل و بی ادب　　سوئے او مے غیژ و اورا می طلب

یعنی لنگڑا لولا اور خفتہ شکل بے ادب جیسا بھی ہو اسکی طرف گھٹنیوں سے چلتا رہ اور اسکو طلب کر مطلب یہ کہ تو کتنا ہی نکما کیوں نہ ہو اور طلب کتنی ہی کم کیوں نہ ہو مگر ہونی چاہیئے بس جب طلب ہو اور اسکی تلاش میں لگے رہوگے تو ایک دن پہونچ ہی جاؤ گے اگرچہ زیادہ دن میں ہی اسکی مثال ایسی ہے کہ جیسے دو شخص کنواں کھود رہے ہیں تو ایک تو ایک دن میں ایک ہاتھ کھودتا ہے اور دوسرا ایک بالشت کھودتا ہے تو جو ایک ہاتھ کھودتا ہے ظاہر ہے کہ جلدی کھودیگا اور جو ایک بالشت روزانہ کھودتا ہے وہ زیادہ دن میں کھودیگا مگر کھود وہ بھی لیگا اسیطرح جسکو طلب زیادہ ہے واصل الی الحق جلدی ہوگا اور جسکو کم ہے وہ ذرا دیر میں ہوگا مگر انشاء اللہ محروم وہ بھی نہ رہیگا پس طلب کرتے رہنا شرط ہے اے اللہ ہمیں استقامت و استدامت علی الطاعات نصیب فرما۔

گہ بگفت و گہ بخاموشی و گہ　　بوئے کردن گیر ہر سو بوئے شه

یعنی کبھی گفتگو سے اور کبھی خاموشی سے اور کبھی سونگھنے سے بوئے شہ کو حاصل کر مطلب یہ کہ جس طرح اور جس حالت میں بھی ہو اسکی طلب میں لگے رہو آگے طلب کی ایک مثال فرماتے ہیں کہ

گفت آن یعقوب با اولاد خویش　　جستن یوسف کنید از حد بیش

یعنی اون یعقوب علیہ السلام نے دیکھو اپنی اولاد سے کہا تہا کہ یوسف کی حد سے زیادہ تلاش کرو اسطرح کہ۔

ہر حسے خود را درین جستن بجد ہر طرف رانید شکل مستعد

یعنی اپنی ہر حس کو اس تلاش کرنے میں کوشش کے ساتھ ہر طرف مستعد کی طرح چلاؤ۔

گفت از روح خدا لا تیأسو ہمچو گم کردہ پسر راسو بسو

یعنی انھوں نے فرمایا کہ رحمت حق سے نا امید مت ہو اور گم کردہ پسر کی طرح ادہر ادہر چلو جاؤ مطلب یہ کہ اونھوں نے فرمایا کہ جسطرح کہ وہ شخص کہ جسکا لڑکا کھو جاوے اپنے بچے کو تلاش کیا کرتا ہے اسیطرح تم اپنے بھائی کو تلاش کرو اور رحمت حق سے نا امید مت ہو اوپر کہا تہا کہ ہر حس سے اوسکو تلاش کرو آگے اسکی تفصیل فرماتے ہیں کہ۔

از رہ حس دہاں پرسان شوید روئے جاناں را بجان جویاں شوید

یعنی منہ کے راستہ سے تو پوچھو اور روئے جاناں کو جان (دل) سے تلاش کرو مطلب یہ کہ منہ سے پوچھو اور دل سے تلاش کرو سیطرح سالک کو چاہیئے کہ منہ سے تو راستہ شیخ سے پوچھے اور دل سے طلب میں لگا رہے اور اپنی یہ حالت کرے کہ۔

پرس پرسان ہر دگانے جان دہید گوش را بر چار راہ آن نہید

یعنی پوچھتے پوچھتے جان دے دو اس حال میں کہ تم مژدہ دئے گئے ہو اور کان کو اوس کی چار راہ پر رکہدو مطلب اس طرح سمجھو کہ قرآن مجید میں ہے کہ ان الذین قالوا ربنا اللہ ثم استقاموا تتنزل علیہم الملائکۃ الا تخافوا ولا تحزنوا وابشروا بالجنۃ التی کنتم توعدون یعنی جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے اور اسپر مستقیم ہو گئے تو ان پر ملائکہ نازل ہوتے ہیں کہ تم نہ خوف کرو اور نہ غمگین ہو اور بشارت حاصل کرو اس جنت کی کہ جسکا تم وعدہ کئے جاتے تھے

تو دیکھو جو لوگ کہ ایمان پر مستقیم ہوں اُنکے لئے حق تعالےٰ جنت دیتے ہیں تو پس اب سمجھو مولانا فرماتے ہیں کہ جب طلب کروگے اور طلب ہی میں جان دیدوگے تو یہ استقامت علی الطلب ہے اور جب استقامت ہوگی تو بشارت جنت ظاہر ہے بس معلوم ہوگیا کہ طلب کرتے کرتے جان دیدو اور پھر بشارت حاصل کرو اور اسکے چوراہے پر کان رکھو کہ کس طرف سے مرشد اور رہنما کی آواز آتی ہے جدہر سے آواز معلوم ہو اُسی طرف کو روانہ ہو جاؤ انشاء اللہ اگر دل گواہی دے کہ یہ سچ کہہ رہا ہے تو وہی راہ ہدی ہوگی اور اپنی یہ حالت کرلو کہ۔

ہر کجا بوئے خوش آید بو برید ۔۔۔ سوئے آن سر کا شنائی آں سرید

یعنی جہاں سے کہ بوئے خوش آوے اُدہر ہی بو لیجاؤ طرف اُسی بھید کے جسکے تم پہلے سے آشنا ہو مطلب یہ کہ جدہر تمہارا قلب گواہی دے کہ اُدہر راہ ہدایت ہے اسی طرف کو روانہ ہو جاؤ اور فرماتے ہیں کہ یہ کوئی نئی بات نہیں ہے جسکی کہ اب شناخت کرنا پڑے بلکہ یہ وہ آواز ہے کہ جسکے تم فطرت سے آشنا ہو اس لئے کہ کل مولود یولد علی الفطرۃ حدیث میں موجود ہے تو اُس آواز کے آشنا تم جب فطرت سے ہوئے تو وہ کوئی نئی بات نہ رہی لہٰذا انشاء اللہ ذراسی طلب ہوگی تو وہ تم کو ملجاویگی۔

ہر کجا لطفے بہ بینی از کسے ۔۔۔ سوئے اصل لطف رہ یابی بسے

یعنی جہاں کہیں کسی میں کوئی خوبی دیکھو تو اس سے اصلی خوبی کی طرف بہت راہ یابی ہو سکتی ہے مطلب یہ کہ جہاں کہیں کوئی تعجب دیکھو تو اس سے اسکے صانع پر استدلال کرو کہ ع چہ باشد آن نگار خود کہ بندد ایں نگارہا۔ تو بس جب تم ہر خوبی اور ہر کمال اور ہر صنعت سے استدلال حق تعالےٰ کی خوبی اور کمال اور صنعت پر کروگے تو یہ خوبی اور یہ کمال غیر اللہ کا بھی راہبر ہوجاویگا اس لئے کہ۔

این ہمہ جوہا ز دریائیست ژرف ۔۔۔ جزو را بگذار و بر کل دار طرف

یعنی یہ تمام ندیاں ایک عمیق دریا سے ہی ہیں تو جزو کو ترک کرو اور کل پر نظر کرو مطلب یہ کہ چونکہ یہ سب عالم اُسکے ظل ہیں تو اُس اصل کو حاصل کرو اور ان توابع کو ترک کرو جزو سے مراد تابع ہے ورنہ حق تعالےٰ کے اجزا کب ہیں تو دیکھو ان غیر اللہ کے یہ کمالات بھی موصل ہو گئے ہیں آگے فرماتے ہیں۔

زشتہائے خلق بہر خوبیست   برگ بے برگی نشان طوبیست

یعنی مخلوق کی برائیاں خوبی کے واسطے ہیں اور بے سامانی کا سامان نشانی بشارت کی ہے مطلب یہ کہ مخلوق کی جب کوئی برائی دیکھو تو اُس سے بھی حق تعالےٰ کے کمال پر نظر کرو مثلاً مخلوق کے جہل کو دیکھکر علم حق پر نظر کرو اور عجز کو دیکھکر قدرت پر علی ہذا۔ تو پہلے تو خوبی خلق سے خوبی خالق پر نظر ہوتی ہے اور اب زشتی خلق سے بھی خوبی خالق پر نظر ہونے لگتی ہے بلکہ من عرف نفسہ فقد عرف ربہ کے اچھے معنی یہی ہیں کہ من عرف نفسہ بالنقص فقد عرف ربہ بالکمال۔ یعنی جس نے اپنے نقص پر نظر کی اس نے حق تعالےٰ کے کمالات پر نظر کی تو بس معلوم ہو گیا کہ مخلوق کے حالات اور افعال کو دیکھکر خالق پر استدلال کرو تو یہ سارا عالم جو آج حاجب ہے رہنا بنجاوے آگے مولانا فرماتے ہیں۔

خشمہائے خلق بہر مہر خاست   از جفائے خلق امید وفاست

یعنی مخلوق کے خشم محبت کے لئے ہیں اور مخلوق کی جفا سے امید وفا کی ہے اسکا مطلب سمجھنے سے قبل ایک بزرگ کا قول سن لو ایک بزرگ فرمایا کرتے تھے کہ انسان تارک الدنیا کبھی نہیں ہوتا بلکہ اول متروک الدنیا ہو جاتا ہے اور یہ اس طرح کہ جس کو حق تعالےٰ بچاتے ہیں اسپر مخلوق کو مسلط فرما دیتے ہیں تو لوگ اسکو تنگ کرتے ہیں اور یہ پریشان ہوتا ہے ساری دنیا اس سے بے وفائی کرتی ہے اب اسکا دل سب کی طرف سے بجھ جاتا ہے اور کہتا ہو جاتا ہے اور سمجھتا ہے کہ یہاں ساری دنیا جب بے وفا ہے تو اُس طرف متوجہ ہو جو باوفا ہے بس وہ اس دنیا کو ترک کرکے حق سبحانہ کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے اسطرح

تارک دنیا ہوتا ہے اسی کو مولانا فرمارہے ہیں مطلب یہ ہے کہ مخلوق جو خشم کرتی ہے اور جفا کرتی ہے یہ اس لئے ہوتا ہے کہ اس سے نظر حق تعالےٰ کے رحم اور محبت اور وفا پر ہوتی ہے اور انسان طالب حق ہوجاتا ہے تو دیکھو یہاں بھی صفات مخلوق سے صفات حق پر استدلال ہوا آگے بھی یہی مضمون فرماتے ہیں کہ۔

جنگہائے خلق بہر آشتی است　　　دام راحت دائما بے راحتی است

یعنی مخلوق کی جنگ صلح (حق) کے لئے ہیں اور راحت کا دام ہمیشہ بے راحتی ہے مطلب یہ کہ مخلوق کی جنگوں سے حق تعالےٰ کی آشتی اور مہربانی پر نظر ہوتی ہے اور ہمیشہ بے آرامی اور تکلیف جالب ہوا کرتی ہے راحت اور آرام کو یہ سب عنوانات مختلف ہیں ورنہ اصل مطلب وہی ہے کہ صفات مخلوق سے استدلال صفات حق پر ہوتا ہے اور دوسرے عنوان سے اسی کو فرماتے ہیں کہ۔

ہر زدن بہر نوازش را بود　　　ہر گلہ از شکر آگہ میکند

یعنی مارنا نوازش کے لئے ہوتا ہے اور ہر جگہ شکر سے آگاہ کرتا ہے مطلب یہ کہ دیکھو یہاں بھی ایک شے سے دوسری پر استدلال ہوتا ہے اور جب انسان کو کوئی کلفت ہوتی ہے تو اسکے بعد وہ شکر حق کرتا ہے تو یہ شکر اس کلفت ہی کی وجہ سے کیا تو دیکھو اس نے اس طرف رہبری کردی آگے بطور حاصل کے فرماتے ہیں کہ۔

بوئے بر از جزو تا کل اے کریم　　　بوئے بر از ضد تا ضد اے حکیم

یعنی اے کریم جزو سے کل تک بو لیجاؤ اور ایک ضد سے دوسری ضد تک اے حکیم مطلب یہ کہ ایک ضد سے دوسری ضد پر استدلال کرو اور تابع سے متبوع پر استدلال کرو تو پھر یہ سارا عالم جو کہ اب حاجب ہے رہنمائے راہ حق ہوجاوے گا آگے اسکی ایک نظیر لاتے ہیں کہ۔

چون عصا در دست موسیٰ گشت مار　　　جملہ عالم را بدین سان مے شمار

یعنی جیسے کہ عصا دست موسےٰ میں سانپ بنگیا تم سارے عالم کو اسیطرح گنو مطلب یہ کہ دیکھو جماد میں اور زندہ شے میں تو تضاد ہے مگر وہ عصا موسےٰ جو کہ جماد محض تھا زندہ ہوگیا اور سانپ بنگیا اور ہادی بنگیا تو اسیطرح تم تمام عالم کو سمجھو کہ اگرچہ بظاہر جماد معلوم ہوتا ہے مگر اس اعتبار سے کہ وہ موصل الی الحق ہوسکتا ہے وہ حی ہے تو جب ایک ضد سے دوسری ضد بن سکتی ہے تو اور جگہ کیوں بعید سمجھتے ہو آگے دوسری نظیر اسکی فرماتے ہیں کہ۔

جنگہا مے آشتی آرد درست　　　مارگیر از بہر بازی مار جُست

یعنی لڑائیاں صلح کو لاتی ہیں درست سپیرے نے کھیل کے لئے سانپ کو تلاش کیا مطلب یہ کہ دیکھو جنگ و صلح دو ضد ہیں مگر ایک سے دوسری پیدا ہوتی ہے کہ ایک سے لڑائی ہوئی اور دوسری سے صلح ہوتی ہے اور دیکھو کہ تفریح اور ہلاکت دونوں ضد ہیں مگر سپیرا اپنے کو ہلاکت میں ڈالتا ہے تاکہ اوروں کو تفریح حاصل ہو یہ سب بھی آپس میں اضداد ہیں۔

بہر بازی مار جوید آدمی　　　غم خورد بہر امید بے غمی

یعنی آدمی کھیل کے لئے سانپ کو تلاش کرتا ہے اور بے فکری کے واسطے فکر میں پڑتا ہے اسلئے کہ وہ سمجھتا ہے کہ پیسے ملیں گے اُس سے بے فکر ہو کر کھاؤنگا تو دیکھو غم اور بے غمی دونوں اضداد ہیں مگر ایک سے دوسری حاصل ہوتی ہے تو اسیطرح صفات مخلوق سے صفات حق پر استدلال کرو آگے پھر قصہ میں جوڑ لگاتے ہیں کہ۔

او ہمے جستے یکے مار شگرف　　　گرد کوہستان در ایام برف

یعنی وہ سپیرا ایک بہت بڑا سانپ اُس کوہستان کے گرد ایام برف میں تلاش کر رہا تھا۔

اژدہائے مُردہ دید آنجا عظیم　　کہ دلش از شکل او شد پُر زبیم

یعنی اُس جگہ ایک بڑا اژدہا مردہ دیکھا کہ اس کا دل اسکی شکل سے خائف ہوا مطلب یہ کہ اسقدر بڑا اژدہا تھا کہ یہ سپیرا اسکی صورت دیکھ کر ڈر گیا۔

مارگیر اندر زمستان شدید　　مار مے جُست اژدہائے مردہ دید

یعنی سپیرا اُس شدید جاڑے میں سانپ کو تلاش کر رہا تھا تو ایک مردہ اژدہا اُس نے دیکھا مولانا فرماتے ہیں کہ۔

مارگیر از بہر حیرانی خلق　　مار گیرد اینت نادانی خلق

یعنی سپیرا لوگونکی حیرت کے لئے سانپ پکڑتا ہے یہ مخلوق کی عجیب نادانی ہے مطلب یہ کہ مارگیر جو سانپ پکڑتا ہے تو اس لئے تاکہ لوگوں کو حیرت میں ڈالے تو تعجب کی بات ہے کہ لوگ حیرت میں پڑتے ہیں اس لئے کہ۔

آدمی کوہ است چون مفتون شود　　کوہ اندر مار حیران چون شود

یعنی آدمی تو ایک پہاڑ ہے وہ کیونکر مفتون ہوتا ہے اور پہاڑ سانپ میں کسطرح حیران ہوتا ہے مطلب یہ ہے کہ انسان کی مثال ایک پہاڑ کی سی ہے کہ اُسکے اندر سانپ بھی لاکھوں ہوتے ہیں اور سبزے بھی ہوتے ہیں اثمار بھی ہوتے ہیں اسیطرح انسان میں بھی خصائل حمیدہ ورذیلہ سب طرح کے ہوتے ہیں پھر اگر پہاڑ کسی سانپ کو دیکھکر حیرت کرے تو تعجب کی بات ہے اسلئے کہ اسکے اندر تو ایسے ایسے بہت سے ہیں تو اسیطرح انسان اگر ان ظاہری سانپوں کو دیکھکر حیرت کرے تو تعجب ہے اسلئے کہ اسکے اندر تو خود لاکھوں سانپ بھرے پڑے ہیں وہ ان کو دیکھے وہ اسکو کیا دیکھ رہا ہے۔

خویشتن نشاخت مسکین آدمی　　از فزونی آمد و شد در کمی

یعنی مسکین آدمی نے اپنے کو پہچانا نہیں یہ فروتنی سے آیا اور کمی میں ہوگیا مطلب یہ کہ پیدا تو ہوا فطرت پر اور یہاں آکر دنیا میں پھنس گیا۔

خویشتن را آدمی ارزان فروخت — بود اطلس خویش را بر دلق دوخت

یعنی آدمی نے اپنے کو بہت ارزاں فروخت کر دیا یہ تو اطلس تھا مگر اسنے اپنے کو گدڑی پر سی دیا اسلئے کہ کمینے دنیا کے بدلہ میں اپنے تمام ملکات حسنہ کو کھو دیتا ہے اس کی تو یہ حالت ہے کہ۔

صد ہزاران مار گہ حیران اوست — او چرا حیران شدست و ماردوست

یعنی لاکھوں پہاڑ اور سانپ تو اُس میں حیران ہیں تو وہ کیوں حیران اور سانپ کا دوست بنا ہے مطلب یہ کہ چونکہ قرآن شریف میں ہے ولقد کرمنا بنی آدم تو تمام عالم اس انسان کو دیکھکر حیران ہے کہ اللہ اکبر یہ کیا چیز ہے مگر افسوس اور حیرت اسلئے ہے کہ یہ اوروں کو دیکھکر کیوں حیران ہوتا ہے اسکو تو چاہیئے تہا کہ خود اپنے اندر نظر کرتا آگے پھر اس مارگیر کا قصہ بیان فرماتے ہیں کہ۔

مارگیر آن اژدہا را برگرفت — سوئے بغداد آمد از بہر شگفت

یعنی سپیرے نے اُس اژدہا کو پکڑ لیا اور تعجب کے واسطے بغداد کی طرف لایا یعنی بغداد میں لایا تاکہ لوگ اسکو دیکھکر تعجب کریں۔

اژدہائے چون ستون خانۂ — مے کشیدش از پے دانگانۂ

یعنی ایک اژدہا مثل گھر کے ستون کے اور وہ اسکو چند پیسوں کے لئے کھینچ رہا تہا اور اسکا قصہ یہ تہا کہ لوگوں سے کہے گا۔

کاژدہائے مردۂ آوردہ ام — در شکارش من جگرہا خوردہ ام

یعنی ایک اژدہا مردہ لایا ہوں اور اسکے شکار میں میں نے جگر کھائے ہیں یعنی بڑی محنت کی ہے۔

او ہمے مُردہ گمان بُردش ولیک　　　زندہ بود و او ندیدش نیک نیک

یعنی وہ اسکو مردہ گمان کرتا تھا لیکن وہ زندہ تھا اور اس نے اُسے اچھی طرح نہ دیکھا تھا۔

او ز سرما ہا و برف افسردہ بود　　　زندہ بود و شکل مُردہ مینمود

یعنی وہ سردی کی اور برف کی وجہ سے ٹھٹھرا ہوا تھا زندہ تھا اور مُردہ کی شکل دکھائی دیتا تھا مولانا فرماتے ہیں کہ۔

عالم افسردہ است نام او جماد　　　جامد افسردہ بود اے اوستاد

یعنی عالم افسردہ ہی ہے اور نام اسکا جماد ہے تو جامد (لغت میں) افسردہ ہی ہوتا ہے اجی اوستاد جی مطلب یہ کہ دیکھو عالم بھی تمام زندہ ہے اور اسکو جماد کہتے ہیں اور اس کو مردہ خیال کرتے ہیں مولانا لطیفہ فرماتے ہیں کہ عالم کو جو جماد کہتے ہیں تو جامد کے معنی بھی افسردہ ہی کے ہیں۔ تو مانتے تو سب ہیں کہ افسردہ ہے مردہ نہیں مگر سب غافل ہیں اہل کشف نے صراحۃ لکھا ہے کہ تمام عالم میں جسقدر اشیاء ہیں سب میں حیات ہے کیا درخت اور کیا دیوار اور زمین اور کیا آسمان۔ اور اسی لئے یہ حضرات نصوص و احادیث میں تاویل نہیں کرتے اہل ظاہر تو تاویل کرتے ہیں اور معتزلہ انکار کرتے ہیں مگر یہ حضرات تمام نصوص کو اُنکے اصلی معنی پر رکھکر تسلیم کرتے ہیں اور وجہ اسکی یہ ہے کہ ان لوگوں نے آنکھوں سے دیکھ لیا ہے پھر انکی کسطرح تکذیب کردیں اور یہ آنکھوں کا دیکھنا ایسا متواتر ہے کہ اسکا بھی انکار نہیں ہوسکتا سیکڑوں قصے ہیں کہ بزرگوں سے گھر نے باتیں کیں درخت بولا بلکہ خود احادیث میں جو قصے ہیں اور قرآن میں جو آتیں ہیں اُن میں بھی تاویل کی ضرورت نہیں ہے اسلئے کہ یہ تو معلوم ہو ہی گیا کہ یہ چیزیں بول سکتی ہیں بات کرسکتی ہیں تو پھر اگر یہ موافق

آیت قرآن کی تسبیح لسانی کرتی ہوں تو کیا حرج ہے اور موافق احادیث کے اگر جمادات بولے ہوں یا موافق حدیث ہذا جبل یحبنا و نحبہ کے اسکو محبت ہو تو کیا حرج ہے مگر ہم کو نہ معلوم ہو تو اس سے انکا عدم تو لازم نہیں آتا اسلئے کہ قاعدہ ہے کہ عدم علم مستلزم علم عدم کو نہیں ہے تو یہ ساری چیزیں مُردہ معلوم ہوتی ہیں مگر ایک دن وہ آویگا کہ یہ سب زندہ ہونگی آگے اس وقت کو بتاتے ہیں۔

باش تا خورشید حشر آید عیان تا بہ بینی جنبش جسم جہان

یعنی ذرا ٹھیرے رہو تاکہ خورشید حشر ظاہر ہو جاوے اور تم جسم جہاں کی جنبش کو دیکھو مطلب یہ کہ جسطرح یہ اژدہا گرمی آفتاب سے زندہ ہو گیا اور اس نے جنبش شروع کر دی تو اسیطرح جب آفتاب حشر ظاہر ہو گا اس روز یہ جسم عالم بھی سارا جنبش کریگا اور سب زندہ ہو جاوے گا جیسا کہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ہاتھ پیر بولیں گے بلکہ قرب قیامت میں تمام اشیاء بولنے لگیں گی تو پھر قیامت میں تو سب زندوں کی طرح بولیں گی اور صاحب سچ یہ ہے کہ ان کے شعور کا انکار ہی ذرا مشکل ہے یہ تو یقیناً ثابت ہے کہ ان کو شعور ہے آگے شعور ہونیکے نظائر فرماتے ہیں کہ۔

چون عصائے موسیٰ اینجا مار شد عقل را از ساکنان اخبار شد

یعنی جیسے کہ عصا موسےٰ اس جگہ سانپ بنگیا اور ساکنین عالم کی عقل کے لئے اخبار ہو گیا تو دیکھو اس میں شعور تھا جب تو وہ دست موسےٰ علیہ السّلام کو پہچانتا تھا اور صرف اُن کے ہاتھ سے تو سانپ بنتا تھا دوسروں کے ہاتھ سے نہ بنتا تھا اور پھر سانپ بنکر لوگوں کو ہدایت کا سبب بنتا تھا گویا کہ خود ہی ہدایت کرتا تھا اور ہدایت کا کام زندہ کا ہے تو دیکھو اسکے اندر خواص زندوں کے موجود تھے آگے اور فرماتے ہیں کہ۔

پارۂ خاکے ترا چون زندہ ساخت خاکہا را جملگی باید شناخت

یعنی تم ایک پارہ خاک ہو تو جس طرح کہ تم کو زندہ کر دیا اسیطرح ساری خاکوں کو سمجھنا چاہیئے مطلب یہ ہے کہ دیکھو آخر تم بھی تو خاک ہی سے بنے ہو اور زندہ ہو تو جسطرح کہ اس خاک میں جسمیں سے کہ تم بنے ہو قابلیت حی ہونے کی تھی اسیطرح اوروں میں بھی موجود ہے ورنہ ترجیح کی کیا وجہ ہے تو بس جسطرح کہ تم زندہ ہوئے اسیطرح اور جمادات بھی زندہ ہو سکتے ہیں اور انکے اندر بھی حیات ہو سکتی ہے اس میں اشکال ہی کیا ہی مگر ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ۔

مُردہ زینسو بیند و زان سو زندہ اند　　خامش اینجا و انطرف گویندہ اند

یعنی اس طرف سے تو مُردہ ہیں اور اس طرف زندہ ہیں اور اس جگہ تو خاموش ہیں اور اس طرف بولنے والے ہیں اسی مضمون کو مولانا نے ایک اور جگہ بہت صاف فرمایا ہے ؎ خاک و باد و آب و آتش بندہ اند + با من و تو مردہ باحق زندہ اند + تو انکی حیات اگر ہم کو نہ معلوم ہو تو اس سے انکی حیات کی نفی تو نہیں ہو سکتی آگے فرماتے ہیں کہ

چون ازان سو شان فرستد سوئے ما　　آن عصا گردد سوئے ما اژدہا

یعنی جب اسطرف سے اُن کو ہماری طرف بھیج دیتے ہیں تو وہی عصا ہماری طرف اژدہا بنجاتا ہے مطلب یہ ہے کہ اس طرح تو یہ سب مُردہ ہیں مگر جب اُدہر سے حکم ہو جاتا ہے تو وہی اشیا کبھی ادہر بھی اشکل حی نظر آتی ہیں جیسے کہ عصا جماد ہے مگر جب اُسکو حکم ہوا کہ اپنی اُس حیات مستور کو دُنیا والوں پر بھی ظاہر کر دو تو وہ ادہر بھی زندہ ہو کر ظاہر ہو گیا انکی مثال ایسی سمجھو کہ جیسے کہ ایک شخص شاہی دربار کا رعیت کے سامنے آ کر چپ بیٹھ جاتا ہے تو رعیت کے لوگ اسکو گونگا خیال کرتے ہیں ایک روز بادشاہ بولے کہ آج جا کر رعایا میں لکچر دو اس نے آ کر بولنا شروع کیا تو سب کی آنکھیں کھل گئیں کہ اللہ اکبر یہ تو بڑا مقرر ہے اسیطرح جب ان اشیا کو حکم ہوتا ہے تو یہ بھی اپنی حیات کو اس عالم میں ظاہر کر دیتی ہیں اور دیکھو ان کا شعور اس آیت سے معلوم ہوتا ہے

کہ قرآن شریف میں ہے۔ قال لہا وللارض ائتیا طوعا او کرہا قالتا اتینا طائعین۔
یعنی آسمان اور زمین سے کہا کہ تم یا تو طوعا آؤ یا کرہا تو انھوں نے عرض کیا کہ ہم طوعا
حاضر ہوتے ہیں تو دیکھو ایک تو انکا حاضر ہونا بطور حکم تکوینی کے تھا ہیں تو انکے شعور کی
ضرورت نہ تھی اور یہ کرہا میں داخل ہے مگر جب انھوں نے عرض کیا کہ ہم طوعا حاضر ہوتے
ہیں تو اس سے معلوم ہوا کہ وہ سمجھ بوجھ کر خود حاضر ہوئے تھے تو دیکھو اُنکے اندر شعور تہا
جب تو انھوں نے ایسا کیا اور پھر اہل کشف نے تو عجیب عجیب حیرت انگیز امور ظاہر کئے
ہیں جنکا انکار بہت مشکل ہے پس معلوم ہوا کہ انکے اندر بھی شعور موجود ہے کہ یہ حکم خداوندی
کو مانتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ یہ حکم خداوندی ہے اسکی آگے نظیر بیان فرماتے ہیں کہ۔

کوہہا ہم لحن داؤدی کند جوہر آہن بکف مومے شود

یعنی پہاڑ بھی لحن داؤدی کرتے ہیں اور جوہر آہن دست داؤد علیہ السّلام میں مومی کرتا
ہے تو اگر اُسکے اندر شعور نہیں ہے تو ہر ایک ہاتھ میں موم کیوں نہیں ہو جاتا معلوم ہوتا ہے
کہ وہ داؤد علیہ السلام کے ہاتھ کو شناخت کرتا تھا جب تو صرف اُنکے ہاتھ میں موم
ہو جاتا تھا۔

باد حمّال سُلیمانی شود بحر با موسےٰ سخندانی شود

یعنی ہوا سُلیمان علیہ السّلام کی حمال ہو جاتی ہے اور دریا موسےٰ علیہ السّلام کے ساتھ
ایک سخندان بنجاتا ہے تو دیکھو اگر وہ سلیمان علیہ السّلام کو اور موسےٰ علیہ السّلام کو
نہ پہچانتے تھے اور انکے اندر شعور نہ تہا تو اُن کا کہنا کسطرح مانتے تھے ہمارا کہا نہ مان لیا
معلوم ہوا کہ شعور ہے۔

ماہ با احمدؐ اشارت بین شود نار ابراہیم را نسرین شود

یعنی احمد صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چاند اشارت بین ہوتا ہے اور نار ابراہیم علیہ السّلام

کے لئے مسخر ہو جاتی ہے یہ ساری علامتیں شعور کی ہیں۔

خاک قارون را چو ماری در کشد اُستن حنانہ آید در رشد

یعنی قارون کو خاک سانپ کی طرح کھینچتی ہے اور استن حنانہ بدیت میں آتا ہے یہ ساری علامات انکے اندر شعور ہونے کی ہیں آگے اور ہو۔

سنگ بر احمدؐ سلامے میکند کوہ یحییٰ را پیامے میکند

یعنی پتھر احمد صلے اللہ علیہ وسلم پر سلام کرتا ہے اور یحییٰ علیہ السلام سے پہاڑ پیام کہتا ہے یہ تو قصے خاص تھے آگے عام طور پر فرماتے ہیں کہ۔

جملہ ذرات عالم در نہان با تو مے گویند روزان و شبان

یعنی عالم کے تمام ذرے چپکے چپکے تم سے رات دن یہ کہہ رہے ہیں کہ۔

ماسمیعیم و بصیریم و خوشیم با شما نامحرمان ما خامشیم

یعنی ہم سمیع ہیں اور بصیر ہیں اور خوش ہیں (مگر) تم نامحرموں کے ساتھ ہم خاموش ہیں یعنی وہ کہہ رہے ہیں کہ ہمارے اندر حیات بھی ہے نطق بھی ہے سب کچھ ہے مگر چونکہ تم لوگ نامحرم ہو اسلئے تمہارے آگے خاموش ہیں اور نہیں بولتے مولانا فرماتے ہیں کہ

چون شما سوئے جمادے مے روید محرم جان جمادان کے شوید

یعنی چونکہ تم (حالت) جمادی کیطرف جاتے ہو تو جان جمادان کے محرم کسطرح ہو سکتے ہو مطلب یہ کہ جب تم عالم اسفل کی طرف متوجہ ہو تو تم کو انکی حیات کی کیا خبر خبر تو جب ہو جبکہ تم قلب میں نور پیدا کرو آگے اسکو فرماتے ہیں کہ۔

از جمادے عالم جانہا روید غلغل اجزائے عالم بشنوید

یعنی جمادی سے عالم ارواح میں جاؤ تو اجزائے عالم کا غلغلہ سُنو اُسوقت تو یہ حالت ہو کہ

فاش تسبیح جمادات آیدت وسوسہ تاویلہا بربایدت

یعنی تسبیح جمادات تمہارے پاس ظاہر طور پر آویں اور وساوس اور تاویلوں کو رباہ کردیں مطلب یہ کہ جبکہ اس عالم سے توجہ الگ کرکے اُس عالم کی طرف متوجہ ہوگے تو پھران جمادات کی تسبیح تم کو صاف طور پر سُنائی دیگی اور جسقدر وساوس اور تاویلیں اب تمہارے ذہن میں اسکے متعلق ہیں سب زائل ہو جاوینگی۔

چون ندارد جان تو قندیلہا بہر بنیش کردۂ تاویلہا

یعنی جبکہ تمہاری جان انوار نہیں رکھتی تو اُس نے سمجھنے کے لئے تاویلیں کی ہیں اور کہتے ہو کہ

دعوی دیدن خیالِ عار بود بلکہ مر بینندہ را دیدار بود

یعنی دیکھنے کا دعوی کرنا خیال عار کا تھا بلکہ خود دیکھنے والے کو دیدار تھا مطلب یہ ہے کہ مولانا فرماتے ہیں کہ تمہارے اندر انوار باطن تو تھے نہیں کہ جس سے تم ان جمادات کے نطق کا ادراک کرتے لہذا اُس میں تاویلیں کرنے لگے اور انکے شعور اور انکے نطق کے معنی گھڑنے لگے اور کہنے لگے کہ ان اشیاء کے دیکھنے کا قائل ہونا کہ یہ دیکھتی ہیں اور انکے اندر شعور ہے یہ ایک ایسا خیال ہے کہ جو قابل عار ہے اور بالکل غلط ہے بلکہ انکے نطق اور انکے دیدار کے یہ معنی ہیں کہ انکو دیکھکر اُس بینندہ کو عبرت ہوتی ہے اور یہ سبب نطق اور ذکر اور تسبیح کا ہوجاتی ہیں تو سبب کی طرف نسبت کردیا گیا ورنہ یہ فعل ہے مسبب کا تو اس قسم کے معنی گھڑنا یہ سب اسیوجہ سے ہے کہ تم کو نور باطن حاصل نہیں ہے آگے خود اس کی توضیح فرماتے ہیں۔

کہ غرض تسبیح کے ظاہر بود دعوی دیدن خیال و غی بود

یعنی کہ تسبیح سے مقصود ظاہری (تسبیح) کب ہے اور دیکھنے کا دعوی خیال اور گمراہی ہے۔

بلکہ ہر بینندہ را دیدار آن　　وقت عبرت میکند تسبیح خوان

یعنی بلکہ ہر دیکھنے والے کے لئے انکا دیدار عبرت کے وقت تسبیح خواں کر دیتا ہے۔

پس چو از تسبیح یادت میدہد　　این دلالت ہمچو گفتن مے بود

یعنی بس جبکہ تم کو تسبیح سے یاد دلاتی ہے تو یہ دلالت مثل کہنے کے ہو جاتی ہے مطلب یہ کہ تم یہ تاویل کرتے ہو کہ اس سے جو عبرت ہوتی ہے تو اسیکو اُن کے ناطق ہونے سے تعبیر کر دیا مولانا فرماتے ہیں کہ۔

این بود تاویل اہل اعتزال　　وائے آنکس کو ندارد نور حال

یعنی یہ اہل اعتزال کی تاویل ہوا کرتی ہے تو اُس شخص پر افسوس ہے جو کہ نور حال نہ رکھے۔

چون ز حس بیرون نیاید آدمی　　باشد از تصویر غیبی اعجمی

یعنی جبکہ آدمی حس سے باہر نہ ہو (اور اسی میں مقید رہے) تو وہ تصویر غیبی سے نادان ہوا کرتا ہے مطلب یہ کہ جو شخص کہ اس دنیاوی دہندوں میں لگا ہوا ہے اور ان سے ابھی باہر نہیں ہوا وہ اس عالم غیب کے حالات سے بالکل ناواقف رہتا ہے ہاں جو کہ ان سے نکل گیا اسکو سب کچھ حاصل ہوگا آگے فرماتے ہیں کہ۔

این سخن پایان ندارد مارگیر　　مے کشید آں مار را با صد زحیر

یعنی یہ باتیں تو کہیں انتہا ہی نہیں رکھتیں مارگیر اس سانپ کو سیکڑوں مصیبتوں سے کھینچ رہا ہے مطلب یہ کہ اجزائے عالم کی حیات اور قدرت حق کے بیان کی تو کہیں انتہا ہی نہیں ہے تو اب اسکو یہیں ترک کرکے قصہ مارگیر بیان کرو کہ وہ اسکو کسطرح کھینچ رہا ہے

تا به بغداد آمد آن ہنگامہ خواہ　　تا نہد ہنگامۂ بر چار راہ

یعنی وہ ہنگامہ کا طالب بغداد میں آیا تاکہ چوراہہ پر ہنگامہ کو رکھے یعنی اس نے چاہا کہ کسی چوراہے پر مجمع کرے۔

بر لب شط مرد ہنگامہ نہاد　　غلغلہ در شہر بغداد اوفتاد

یعنی (دجلہ کی) پٹری کے کنارے اُس آدمی نے مجمع رکھا تو تمام شہر بغداد میں شور مچ گیا کہ

مارگیرے اژدہا آوردہ است　　بوالعجب نادر شکاری کردہ است

یعنی ایک سپیرا ایک اژدہا لایا ہے اور اس بوالعجب نے ایک عجیب شکار کیا ہے۔

جمع آمد صد ہزاراں خام ریش　　صید او شد ہر یکے زاں خرز خریش

یعنی لاکھوں احمق : ہاں جمع ہو گئے اور اپنے گدہے پن سے اس سپیرے کا شکار بن رہے تھے یعنی اسے پیسے دے دیکر پھنس رہے تھے۔

منتظر ایشان و او ہم منتظر　　تاکہ جمع آیند خلق منتشر

یعنی وہ لوگ بھی منتظر تھے اور یہ شخص بھی منتظر تھا تاکہ لوگ جو کہ ابھی منتشر ہیں جمع ہو جاویں یعنی وہ اسکا منتظر تھا کہ مجمع خوب زیادہ ہو جاوے اور یہ جانتا تھا کہ۔

مردم ہنگامہ افزوں تر شود　　گدیہ و توزیع نیکوتر شود

کہ لوگوں کا مجمع خوب زیادہ ہو جاوے اور بھیک اور بخشش خوب ہو جاوے۔

جمع آمد صد ہزاران ژاژ خا　　حلقہ کردہ پشت پا بر پشت پا

یعنی لاکھوں بیہودہ حلقہ کرکے ایک پر ایک جمع ہوگئے۔

حلقہ گرد او چو زرگر دعریش ہمچنان کہ بت پرستان گرد گنیش

یعنی اُس سپیرے کے گرد حلقہ کئے ہوئے جیسے کہ انگور گرد ٹٹی کے اور جیسے کہ بت پرست (حلقہ کئے ہوئے) گنیش پر ہوں غرضکہ لوگ ٹوٹے پڑتے تھے۔

مرد را از زن خبر نے ز ازدحام رفتہ درہم چون قیامت خاص و عام

یعنی ازدحام کی وجہ سے مرد کو عورت کی خبر نہ تھی اور قیامت کی طرح خاص و عام ایک دوسرے میں گھسے ہوئے تھے

چون ہمی حراقہ جنبانید او مے کشیدند اہل ہنگامہ گلو

یعنی جب وہ ڈگڈگی ہلاتا تھا تو ہنگامے والے غل مچاتے تھے لوگوں کی تو یہ حالت اور اُن اژدہا صاحب کی کیفیت ملاحظہ ہو۔

اژدہا کز زمہریر افسردہ بود زیر صد گونہ پلاس و پردہ بود

یعنی اژدہا جو کہ جاڑے کی وجہ سے ٹھٹھرا ہوا تھا وہ سیکڑوں قسم کے ٹاٹوں اور پردہ کے نیچے تھا یعنی اس سپیرے نے اسکو خوب دبا رکھا تھا تاکہ کوئی دیکھ نہ لے اور جب لوگ خوب جمع ہوجاویں اُسوقت اسکو کھولے۔

بستہ بودش با رسنہائے غلیظ احتیاطے کردہ بودش آن حفیظ

یعنی اسکو سپیرے نے موٹی رسیوں میں باندھ رکھا تھا اور اس حفیظ نے خوب احتیاط کر رکھی تھی

در درنگ و اتفاق و انتظار وزہیا ہوئی و فغان بے شمار

یعنی دیر اور جمع ہونے اور انتظار کی وجہ سے اور بے انتہا ہائے ہوئے اور فغاں کی وجہ سے۔

وز غلو خلق و بکثت طمطراق　　تافت بر آن مار خورشید عراق

یعنی لوگوں کے غلو سے اور ٹھیرنے سے اور دہوم دہام کی وجہ سے اس سانپ پر عراق کا خورشید چمک آیا (چونکہ عراق میں گرمی زیادہ ہوتی ہے اسلئے خورشید عراق کہدیا) مطلب یہ کہ ان چیزوں کے انتظار میں گرمی خوب ہوگئی۔

آفتاب گرم سیرش گرم کرد　　رفت از اعضائی او اخلاط سرد

یعنی آفتاب تیز روشن نے اسکو گرم کردیا اور اسکے اعضا میں سے سردی کے اخلاط جاتے رہے یعنی وہ جو ٹھہر رہا تھا وہ افسردگی گرمی پہنچنے سے اس میں سے زائل ہوگئی۔

مُردہ بود و زندہ گشت او از شگفت　　اژدہا بر خویش جنبیدن گرفت

یعنی وہ مردہ تھا اور وہ تعجب سے زندہ ہوگیا اور اژدہا نے خود ہلنا شروع کیا مطلب یہ کہ اسکو جو گرمی پہنچی تو وہ ہلنے لگا تب لوگوں کو سخت تعجب ہوا کہ ارے مُردہ زندہ ہوگیا یا یوں تعجب ہوا کہ ارے یہ تو مردہ نہ تہا بلکہ زندہ ہی تہا۔

خلق را از جنبش آن مُردہ مار　　گشت شان آں یک تحیر صد ہزار

یعنی لوگوں کو اُس مُردہ سانپ کی جنبش سے انکا وہ ایک تحیر لاکھ حصہ ہوگیا یعنی اول تو صرف اسکے عظم جسم ہی کی حیرت تھی اب وہ حیرت اور بھی بڑہ گئی۔

با تحیر نعرہ ہا انگیختند　　جملگان از جنبشش بگریختند

یعنی حیرت کے ساتھ نعرے مار رہے تھے اور سارے کے سارے اُس کی جنبش کی وجہ سے بھاگ گئے۔

سے شکست آن بندزان بانگ بلند ہر طرف میرفت چاقاچاق بند

یعنی اُس نے اُس آواز بلند کی وجہ سے سارے بند توڑ ڈالے اور ہر طرف کو چلتا تھا اس حال میں کہ وہ بند تڑاق پڑاق ہوتے تھے مطلب یہ کہ تمام رسیوں وغیرہ کو توڑ تاڑ اب اُس نے ادہر سے اُدہر اور اُدہر سے ادہر ٹہلنا شروع کیا اسلئے کہ وہ اس غل سے پریشان ہوگیا اس لئے کہ اژدھام بھی تو شاید پانچ چھ لاکھ آدمیوں کا تھا اسلئے کہ آگے معلوم ہوگا کہ جب لوگ بھاگے تو بہت سے آدمی کچلکر مر گئے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بے انتہا مجمع ہوگا جب تو یہ نوبت آئی۔

بندہا بشکست بیرون شد ززیر اژدہائے زشت غران ہمچو شیر

یعنی اُس نے اُن بندوں کو توڑ دیا اور اُن کے نیچے سے ایک اژدہائے عظیم شیر کیطرح غراتا ہوا باہر نکلا۔

در ہزیمت بس خلائق کشتہ شد از فتادہ وکشتگان صد پشتہ شد

یعنی بھاگنے میں بہت سی مخلوق ماری گئی اور مرے ہوئے اور گرے ہوئے لوگوں کے سو پشتے ہوگئے یعنی تمام پشتے لگ گئے اسقدر آدمی بھاگنے میں مرے نعوذ باللہ اللہ ایسی بلا سے بچاوے۔

مارگیر از ترس بر جا خشک گشت کہ چہ آوردم من از کہسار و دشت

یعنی سپیرا تو ڈر کے مارے وہیں سوکھ گیا کہ میں جنگل اور پہاڑ سے یہ کیا لے آیا یعنی بیچارا بہت ہی پچھتا رہا تھا اور اسکی ایسی مثال ہوئی جیسے

گرگ را بیدار کرد آن کور میش رفت نادان سوئے عزرائیل خویش

یعنی اُس اندہی بھیڑنے گرگ کو جگادیا اور نادان اپنی موت کی طرف گیا اسلئے کہ نہ تو اسکو لاتا اور نہ یہ حالت ہوتی تو اور لوگ تو خیر بھاگ بھی گئے مگر یہ تو اس قابل بھی نہ رہا کہ بھاگ سکے بس وہیں بیٹھا کا بیٹھا ہی رہ گیا۔

اژدہا یک لقمہ کرد آن گیج را سہل باشد خون خوری حجاج را

یعنی اژدہا نے اُس احمق کا ایک لقمہ کیا اور حجاج کو تو خون خوری آسان ہوتی ہی ہے حجاج سے مراد وہ اژدہا مطلب یہ کہ جسطرح کہ حجاج کو خون خوری آسان تھی اسیطرح اس اژدہا کو بھی اس شخص کو کھا لینا آسان تھا اسکو نگل تو گیا مگر چونکہ سالم نگلا تھا اسلئے سب ہڈیاں وغیرہ ویسی ہی اسکے پیٹ میں تھیں تو اس سپیرے کی ہڈیوں کو توڑنے کے لئے اُس اژدہا نے یہ حرکت کی کہ۔

خویش را بر استنی پیچید و بست استخوان خوردہ را در ہم شکست

یعنی اپنے آپ کو ایک ستون پر لپیٹا اور باندہا اور اُس کھائے ہوئے کی ہڈیوں کو توڑ ڈالا (اہنی توبہ اہی توبہ) یعنی کسی ستون سے لپٹ کر اپنے کو زور سے دبایا تو پیٹ میں اوسکی ساری ہڈیاں ٹوٹ گئیں نعوذ باللہ۔ آگے مولانا فرماتے ہیں۔

نفست اژدرہاست او کی مردہ است از غم بے آلتی افسردہ است

یعنی تیرا نفس ایک اژدہا ہے وہ مردہ کب ہے (بلکہ) بے سامانی کی وجہ سے افسردہ ہو رہا ہے۔

گر بیابد آلت فرعون او کہ با مر او ہمی رفت آب جو

یعنی اگر یہ سامان فرعون پائے کہ اسکے حکم سے ندی کا پانی چلا کرتا تھا۔

آنگہ او بنیاد فرعونے کند راہ صد موسیٰ و صد ہارون زند

یعنی اُس وقت یہ دعوے فرعونی کا کرے اور سیکڑوں موسے اور ہارون جیسوں کی راہ مارے مورخین نے لکھا ہے کہ نیل حکم فرعون سے چلا کرتا تھا اور یہ اسکے لئے استدراج تھا تو فرماتے ہیں کہ اگر اس ہمارے نفس کو کہیں ایسی باتیں حاصل ہو جاویں کہ اسکے حکم سے بھی خدانخواستہ بوجہ استدراج کے (نعوذ باللہ) ایسے کام ہونے لگیں تو یہ حضرت فرعون سے بھی کہیں زیادہ ہو جاویں اور یہ امر بالکل صحیح ہے بس ہمارا تو اسی حالت میں رہنا کہ ہم بالکل عاجز ہوں ٹھیک ہے۔

کرمکست این اژدہا از دست فقر　　پشۂ گردد ز مال و جاہ صقر

یعنی یہ اژدہا فقر کے ہاتھوں ایک کیڑا ہے (مگر) مال وجاہ کی وجہ سے ایک مچھر بھی شکرا بنجایا کرتا ہے مطلب یہ کہ مال وجاہ میں پھنس کر خواہ کتنا ہی ضعیف کیوں نہ ہو اسمیں قوت شرارت زیادہ ہو جاتی ہے بس اسکا علاج یہ ہے کہ۔

اژدہا را دار در برف فراق　　ہین مکش او را بخورشید عراق

یعنی اُس اژدہا کو برف فراق (دنیا) ہی میں رکھو اور اسکو خورشید عراق تک مت کھینچو مطلب یہ کہ بس اسکو تو فقر اور ذلت ہی میں رکھو تاکہ ٹھٹرا ٹھٹرا یا پڑا رہے اسکو لذات وتنعمات میں مت لگاؤ کہ پھر یہ حضرت پر پرزے نکالیں گے آگے خود فرماتے ہیں کہ۔

تا فسردہ مے بود آن اژدہات　　لقمۂ اوئی چو او یابد نجات

یعنی تاکہ وہ تمہارا اژدہا ٹھٹرا ہی رہے اور جب وہ نجات پا لیگا تو تم اُسکے لقمہ ہو گے مطلب یہ کہ اسکو مصائب میں مبتلا رکھو یہی ٹھیک ہے ورنہ اگر اس حالت سے یہ نکل گیا تو بس تم ہی کو لقمہ کریگا۔

مات کن او را و آمین شو ز مات　　رحم کم کن نیست او ز اہل صلات

یعنی اُسکو مغلوب کر لو اور پھر مغلوبی سے بے خوف رہو اور اسپر رحم مت کرو اسلئے کہ یہ تمہارے صلہ والوں میں سے نہیں ہے یعنی اس قابل نہیں ہے کہ تم اسکے ساتھ صلہ رحمی کرو بلکہ یہ تو بس اسی قابل ہے کہ اسکو مارا جاوے اور اسکا سر کُچلا جاوے اور اگر تم نے اسپر رحم کیا تو یہ ہوگا کہ۔

کان تف خورشید شہوت سر زند　　آن خفاش مُردہ ریگیت پر زند

یعنی کہ وہ گرمی خورشید شہوت اُبھرے گی اور وہ تمہارا ذلیل خفاش پر مارے گا مطلب یہ کہ اگر اسپر رحم کروگے تو پھر یہ ہوگا کہ یہ تم پر غالب ہوکر ہلاکت میں ڈالے گا۔

مے کشش او را در جہاد و در قتال　　مرد وار اللہ یجزیک الوصال

یعنی اسکو جہاد اور قتال میں مرد کی طرح کھینچ کہ اللہ تم کو بدلہ وصال دے مطلب یہ کہ حق تعالے تمہیں اپنا وصل نصیب فرماویں تم اسکو خوب مجاہدہ میں رکھو کہ اسی سے اسکی اصلاح ہوگی آگے فرماتے ہیں کہ

چون کہ آن مرد اژدہا را آورید　　در ہوائے گرم خوش شد آن مرید

یعنی جبکہ وہ مرد اس اژدہا کو ہوائے گرم میں لایا تو وہ مردود خوش ہوا۔

لاجرم آن فتنہ ہا کرد اے عزیز　　بلکہ صد چندان کہ ما گفتیم نیز

یعنی آخر کار اس نے اے عزیز یہ فتنے کئے بلکہ سو گونہ اس سے بھی زیادہ جتنے کہ ہم نے کہے ہیں مطلب یہ کہ دیکھو وہ اسکو لایا اور اسکو گرمی میں رکھا تو اس نے لاکھوں کو ہلاک کردیا تو اگر تم بھی اس نفس کو گرمی مجاہدہ و ریاضت میں نہ رکھوگے تو یہ بھی تمہارے ساتھ سرکشی کریگا لہذا اسکو ہمیشہ مجاہدہ میں رکھو تاکہ یہ درست رہے۔

تو طمع داری کہ او را بے جفا　　بستہ داری در وقار و در وفا

یعنی تم یہ چاہتے ہو کہ اسکو بے مشقت کے وقار و فا میں باندھکر رکھو یعنی تم یہ چاہتے ہو کہ بلا مجاہدہ و ریاضت کے اسکو اخلاق حمیدہ پر مجبور کریں تو یاد رکھو کہ۔

ہر کسے را این تمنا کے رسد موسیٰ باید کہ اژدرہا کشد

یعنی ہر شخص کو یہ تمنا کب حاصل ہوتی ہے کسی موسےٰ کی ضرورت ہے جو کہ اژدہا کو مار ڈالے مطلب یہ کہ ایسا تو بہت کم ہوتا ہے کہ جو بے کسی مشقت کے کامل ہوجاوے یہ شان تو انبیاء علیہم السلام ہی کی ہوتی ہے کہ اُنکی تربیت خود حضرت حق بلا واسطہ فرماتے ہیں اور انکے علاوہ اور کسیکو تو (حلوا خوردن را روئے باید) بے مجاہدہ و مشقت کے اسپر غلبہ حاصل ہوا نہیں ہے۔

صد ہزاران خلق زا اژدرہائے او در ہزیمت کشتہ شد از رائے او

یعنی لاکھوں مخلوق اس سپیرے کے اژدہا کی وجہ سے بھاگنے میں مر گئی افسوس ہے اوپر

وز طمع ہم خویش را بر باد داد گفتہ شد واللہ اعلم بالسداد

یعنی طمع کی وجہ اپنے کو بھی برباد کیا (یہ قصہ) کہا گیا واللہ اعلم بالصواب یعنی اس نالائق کے اس اژدہا کو لانے نے لاکھوں آدمیوں کا خون کیا اور خود مرا اور صرف اس طمع میں کہ کچھ پیسے ملجاوینگے بس اب قصہ ختم ہوگیا واللہ اعلم بالصواب الیہ المرجع والمآب یہاں جو کہا تھا کہ ع موسیٰ باید کہ اژدرہا کشد یہاں سے اس قصہ موسےٰ علیہ السلام سے جوڑ لگایا ہے لہذا آگے اسکو بیان بھی فرماتے ہیں کہ

شرح حبیبی

گفت فرعونش چرا تو اے کلیم خلق را کشتی و افگندی بہ بیم

در ہزیمت از تو افتادند خلق — در ہزیمت کشتہ شد مردم زرق

لاجرم مردم ترا دشمن گرفت — کین تو در سینہ مرد و زن گرفت

خلق را مے خواندی و بر عکس شد — از خلافت مرد و زن را نیست بد

من ہم از شرت اگر پس مے خزم — در مکافات تو دیگے مے پزم

دل ازین بر کن کہ بفریبے مرا — یا بجز نے پس روئے گردم ترا

تو بدان غرہ مشو کش ساختے — در دلِ خلقاں ہراس انداختے

صد چنین آرے وہم رسوا شوے — خوار گردے مضحکہ غوغا شوے

ہمچو تو سالوس بسیاران بدند — عاقبت در شہر ما رسوا شدند

گفت با امر حقم اشراک نیست — گر بریزد خونم امرش باک نیست

راضیم من شاکرم من ای حریف — این طرف رسوا و پیش حق شریف

پیش خلقاں خوار و زار و ریشخند — پیش حق محبوب و مطلوب و پسند

از سخن میگویم این ورنہ خدا	از سیہ رویاں کند فردا ترا
عزت آن اوست و آن نبدگانش	ز آدم و ابلیس ہمے خوان نشانش
شرح حق پایاں ندارد ہمچو حق	ہاں و ہاں بر بند و برگردان ورق

اَب سُنو اژدہا موسےٰ علیہ السلام کا کیونکر مطیع تھا اور دشمنوں کے لئے کسطرح خطرناک تھا ایک مرتبہ فرعون نے کہا کہ اے موسےٰ تونے مخلوق کو اپنے اژدہے سے مار ڈالا اور انکو ہراساں کر دیا تجھ سے اور تیرے اژدہے سے ڈر کر لوگ بھاگنے لگے اور بھاگنے میں پھسل کر گرنے کے سبب بہت سے لوگ مرگئے اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ لوگ تیرے دشمن ہوگئے اور تیری عداوت عورتوں اور مردوں کے سینہ میں بیٹھ گئی تو مخلوق کو اپنی اطاعت کی طرف بلاتا تھا مگر نتیجہ اُلٹا ہوا اور لوگ تیری مخالفت کے لئے مجبور ہوگئے ہیں اگر تیری شر سے پیچھے ہٹتا ہوں تو اس سے تجکو یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ میں مرعوب ہوگیا اور تیرا مطیع ہوجاؤنگا بلکہ تیری سزا کا سامان مہیا کر رہا ہوں تو اس خیال کو دِل سے دُور رکھنا کہ تو مجھے دہوکا دے نے گا یا میں تیری باتوں میں آکر تیرا مطیع ہوجاؤنگا ناممکن ہے کہ ایسا ہو تو اس ڈہونگ پر مغرور نہ ہو ناجو تونے بنایا ہے اور لاٹھی کو سانپ بنا کر مخلوق کو مرعوب اور خوف زدہ کر دیا ہے تو ایسے ایسے سو کام کریگا اور ہر کام میں ذلیل ہوگا رسوا ہوگا۔ دنیا تجھ پر ہنسے گی۔ تجھ سے مکار بہت آئے اور بالآخر ہمارے شہر میں ذلیل ہوئے انھوں نے جواب دیا کہ میں امر میں خدا کا شریک نہیں ہوں کہ اسکے حکم کے مقابلہ میں کوئی ذاتی رائے رکھتا ہوں بلکہ میں تو محکوم محض ہوں لہٰذا اگر وہ اپنے حکم سے مجھے مار بھی ڈالے تو بھی مجھے کچھ اندیشہ نہیں میں اسکے ہر حکم پر دل سے راضی اور ہر حالت میں اسکا شکر بجالانے والا ہوں

اور گو دنیاوی لحاظ سے ذلیل ہوں لیکن خدا کے نزدیک بڑی عزت اور شرف رکھتا ہوں اور گو مخلوق کی نظروں میں ذلیل۔ محقر اور قابل مضحکہ ہوں لیکن حق سبحانہ کا محبوب اور اسکا مطلوب اور پسندیدہ ہوں یہ اپنی ذلت و خواری دنیاوی کا اقرار بھی ایک بات کے طور پر اور علی سبیل التنزل ہے ورنہ میں دعوی کرتا ہوں کہ کل تو روسیاہ اور ذلیل ہوگا اور میں معززو موقر اسلئے کہ عزت خدا اور اسکے بندگان خاص ہی کیلئے ہے چنانچہ ان العزۃ للہ ولرسولہ وللمومنین یا ورنہ ہو تو آدم و ابلیس کے قصہ میں اسکا نشان دیکھ لو کہ آدم کے مقابلہ میں شیطان کیسا ذلیل ہوا خیر اسماء وصفات حق کی تفصیل تو یوں ہی غیر متناہی ہے جیسے کہ خود ذات حق سبحانہٗ غیر محدود ہے لہذا خاموش رہنا چاہیئے اور اصل قصہ کی طرف متوجہ ہونا چاہیئے۔

شرح شبیری

موسیٰ علیہ السّلام کے ساتھ فرعون کے سوالوں اور جوابوں اور دہمکیوں کا بیان

گفت فرعونش چرا تو اے کلیم　　　خلق را کشتی وافگندی زبیم

یعنی فرعون نے اُن سے کہا کہ اے کلیم تم نے کیوں مخلوق کو قتل کرایا اور خوف میں ڈالدیا مطلب یہ کہ سب اچھی طرح سے ایک دین پر تھے تم نے ایک نیا مذہب نکالکر لوگوں میں تفریق کردی اور مخالفت بڑہادی اس سے تم کو کیا ملا۔

در تردد از تو افتادند خلق   در ہزیمت کشتہ شد مردم ز زلق

یعنی تمہاری وجہ سے مخلوق تردد میں پڑ گئی ہے اور بھاگنے میں لوگ لغزش کی وجہ سے مر گئے مطلب یہ کہ جب تمہارے اژدہا سے لوگ ڈر کر بھاگے تو اس میں بہت سے بھاگنے میں مر گئے تو اس سے تم کو کیا فائدہ ہے بلکہ اس کا یہ نتیجہ ہوا کہ۔

لاجرم مردم ترا دشمن گرفت   کینہ تو در سینہ مرد و زن گرفت

یعنی آخر کار لوگوں نے تم کو دشمن اختیار کر لیا اور تمہارا کینہ مرد و عورت سب نے اپنے سینہ میں لے لیا مطلب یہ کہ اب سب تمہارے دشمن ہو گئے اور تم نے جو چاہا تھا کہ سب میرے تابع فرمان ہوں اور میری مانیں یہ مقصود تمہارا حاصل نہیں ہوا بلکہ اور لوگ تم سے متنفر ہو گئے۔

خلق را مے خواندی بر عکس شد   از خلافت مرد و زن را نیست بد

یعنی تو نے لوگوں کو بلایا تو وہ برعکس ہو گیا اور اب تیرے خلاف کرنے سے علاوہ مرد و عورت کو اور کوئی علاج نہیں ہے مطلب یہ کہ اب تو بجز اسکے کہ سب تمہاری مخالفت کریں اور کیا کر سکتے ہیں۔

من ہم از شرت اگر پس مے خزم   در مکافات تو دیگے می پزم

یعنی میں بھی اگر تیرے شر سے پیچھے ہٹ جاتا ہوں تو تیری مکافات میں ایک دیگ پکا رہا ہوں مطلب یہ کہ اگرچہ میں بھی بولتا نہیں ہوں اور تجھے کچھ کہتا نہیں ہوں مگر یاد رہے کہ میں بھی تدابیر سے غافل نہیں ہوں برابر تم سے بدلہ لینے کی تدابیر کر رہا ہوں۔

دل ازین برکن کہ بفریبے مرا یا بجز فی پس روے گرد ترا

یعنی اس سے دل ہٹالے کہ تو مجھے فریب دیگا یا سوائے (تیرے) سایہ کے اور کوئی تیرا پیرو ہوگا مطلب یہ کہ اُس نے کہا کہ اس سے بے فکر رہو کہ میں تمہارے دہوکہ میں نہ آؤنگا اور تمہارا سایہ تو تمہارے ساتھ رہے گا اور وہ تو تمہارا تابع ہوگا مگر یاور کھو کہ اور کوئی تمہارا اتباع نہ کریگا بلکہ سب میرے ہی معتقد رہیں گے۔

تو بدان غرا مشو کش ساختے در دل خلقان ہراس انداختے

یعنی تو نے جو کچھ بنایا ہے اسپر مغرور مت ہو کہ تو نے مخلوق کے دل میں خوف ڈالدیا ہے مطلب یہ کہ تم نے جو یہ سانپ بناکر لوگونکو ڈرادیا ہے تو اسپر مغرور مت ہونا کہ اس خوف سے تم سب کو اپنا کر لوگے اس لئے کہ۔

صد چنین آری وہم رسوا شوی خوار گردی ضحکہ و غوغا شوی

یعنی اگر ایسے سو بھی لاوگے تب بھی رسوا ہوگا اور خوار ہوگا اور (لوگوں کے لئے ایک) مسخرہ پن اور غوغا ہوجاویگا مطلب یہ کہ بجز اسکے کہ لوگ تمسخر کرینگے اور کچھہ حاصل نہ ہوگا۔

ہمچو تو سالوس بسیاران بدند عاقبت در شہر مارسوا شدند

یعنی تجھہ جیسے مکار بہت ہوئے ہیں اور آخر کار ہمارے شہر میں رسوا ہوئے ہیں تو اس کا مقصود اس کہنے سے یہ تھا کہ موسےٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام بد دل اور خائف ہوکر یہ کام ترک فرمادیں مگر وہ کب دبنے والے تھے اُن کا جواب سنئے۔

موسی علیہ السّلام کا اُس تہدید کے متعلق جو کہ فرعون ان کو کر رہا تھا جواب

گفت با امر حقم اشراک نیست　　گر بریزد خونم امرش باک نیست

یعنی ارشاد فرمایا کہ حکم حق کے ساتھ مجھے شرک کرنا نہیں ہے اور اگر اسکا حکم میرا خون بھی کرادے تو مجھے کوئی خوف نہیں ہے مطلب یہ ہے کہ اسکے حکم کے آگے مصلحت سوچنا اور یہ دیکھنا کہ اسطرح لوگ دشمن ہوتے ہیں اور اسطرح دوست یہ شرک ہے اُسکے حکم کے آگے مصلحت کیسی بس جو حکم ہے اسکو پورا کرتے ہیں اب اگر اس میں ہماری جان بھی جاتی رہے تو کچھ حرج نہیں اُنکا تو وہ مذہب تھا کہ ؎

مصلحت دید من آنست کہ یاران ہمہ کار　＊　بگذارند و خم طرۂ یارے گیرند

کیسی مصلحت بینی اور کیسی عاقبت اندیشی بس حکم ہے کہ تبلیغ کرو کرتے ہیں اس میں خواہ کوئی دشمن ہو تو کیا اور دوست ہو تو کیا اور فرمایا کہ۔

راضیم من شاکرم من ای حریف　　اینطرف رسوا و پیش حق شریف

یعنی اے مقابل میں اسپر راضی اور شاکر ہوں کہ اس طرف تو رسوا ہوں۔ اور حق تعالے کے سامنے معزز ہوں یعنی دنیا کی رسوائی اور وہاں کی عزت ہو تو اسپر مجھے کوئی خوف نہیں ہے میں راضی ہوں۔

پیش خلقان خوار و زار و ریشخند　　پیش حق محبوب و مطلوب و پسند

یعنی مخلوق کے آگے تو خوار و ذلیل اور مسخرہ ہوں اور حق تعالے کے سامنے محبوب اور مطلوب اور پسندیدہ ہوں یہ مجھے قبول ہے اور میں اسپر راضی ہوں

یہ فرماکر فرماتے ہیں کہ۔

از سخن میگویم این ورنہ خدا　　　　از سیہ رویان کند فرد اترا

یعنی میں یہ بات کہتا ہوں ورنہ خدا تعالے کل کو تجھے ہی سیہ رویوں سے کریگا مطلب یہ کہ میں جو کہہ رہا ہوں کہ میری جان بھی جاتی رہے تب بھی پرواہ نہیں ہے یہ صرف ایک بات کے طور پہ اور بطور فرض کے کہہ رہا ہوں۔ ورنہ اصل تو یہ ہے کہ انشاء اللہ حق تعالے تجھی کو مغلوب اور سیہ رو بنادیگا اسلئے کہ۔

عزت آن اوست و آن بندگانش　　　　ز آدم و ابلیس برمے خوان نشانش

یعنی عزت ملک حق اور اُسکے بندوں کی ہے آدم اور ابلیس سے نشان پڑھ لو مطلب یہ کہ ان العزۃ للہ ولرسولہ وللمومنین تو جب عزت حق تعالے ہی کی ہے اور اُسکے بندوں کی تو میں بھی معزز اور منصور رہونگا اور دیکھو آدم اور ابلیس کے قصہ کو پڑھ لو کہ دیکھو عزت کس کو حاصل ہوئی بس اسی سے قیاس کرلو اور فرماتے ہیں کہ۔

شرح حق پایان ندارد ہمچو حق　　　　ہان دہان بربند و برگردان ورق

یعنی حق تعالے کی طرح ان کی صفات کی شرح بھی انتہا نہیں رکھتی تو ہاں ذرا منہ کو بند کر اور ورق لوٹ ورق گردانیدن حالت دگرگوں کردن۔ مطلب یہ کہ فرمایا کہ حق تعالے جس طرح غیر متناہی ہیں اسیطرح اُنکی صفات بھی غیر متناہی ہیں تو انکو تو کوئی بیان نہیں کرسکتا لہٰذا اس سے بہتر ہے کہ چپ ہو رہو اور اس حالت سے بدل دوسری حالت پیدا کر یعنی اس قصہ کو بیان کرو آگے جواب فرعون کے نقل فرماتے ہیں کہ۔

شرح حبیبی

گفت فرعونش ورق در دست ماست ... دفتر و دیوان و حکم اینذم مراست

مر مرا بخریده اند اهل جهان ... کز همه عاقل تری تو ای فلان

موسیا خود را خریدی هین برو ... خویشتن کم بین بخود غره مشو

جمع آرم ساحران دهر را ... تا که جهل تو نمایم شهر را

این نخواهد شد بروزی تا دو روز ... مهلتم ده تا چهل روز تموز

گفت موسیٰ مر مرا دستور نیست ... بنده ام امهال تو مامور نیست

گر تو چیری و مرا خود یار نیست ... بنده فرمانم بدانم کار نیست

می زنم با تو بجد تا زنده ام ... من چه کاره نصرتم من بنده ام

می زنم تا در رسد حکم خدا ... او کند هر خصم از خصم جدا

گفت سے نے مہلتم باید نہاد | عشوہا کم دہ تو کم پیمائے باد
حق تعالے وحی کردش در زمان | مہلتش دہ متسع مہراس ازان
این چہل روزش بدہ مہلت بطوع | تا سگالد مکرہا و نوع نوع
تا بکوشد او کہ نے من خفتہ ام | تیز رو کہ پیش رہ بگرفتہ ام
حیلہ ہاشان را ہمہ برہم زنم | وانچہ افزانید من برکم زنم
آب را آرند من آتش کنم | نوش خوش گیرند من ناخوش کنم
مہر پیوندند من ویران کنم | انچہ اندر وہم ناید آن کنم
تو مترس و مہلتش دہ بس دراز | گو سپہ گرد آر و صد حیلت بساز

اسپر فرعون نے کہا کہ یہ تیری غلطی ہے۔ جو کہتا ہے کہ میں غالب ہونگا۔ اس لئے کہ دفاتر میرے قبضہ میں ہیں رجسٹر اور عدالتیں اور حکومت میری ہیں مجھے لوگوں نے یہ کہکر منتخب کر لیا ہے کہ اے فرعون تو سب سے زیادہ عاقل ہے اسکے برخلاف تیری حالت یہ ہے کہ تو جاہ مال کے لحاظ سے معمولی ہی ہے جیسا کہ ظاہر ہے اور عقل کی یہ حالت ہے کہ تو خود ہی اپنے کو انتخاب کرتا ہے اور کوئی تیرا ساتھ نہیں دیتا ایسی حالت میں تیرا مجھے اپنے اتباع کی دعوت دینا

محض بیہودہ ہے پس جا اور اپنے اوپر یعنی محقر سمجھ پر اور اُس لکڑی پر جو تیرے پاس ہے مغرور مت ہو ورنہ میں زمانہ کے مشہور جادوگروں کو بلاتا ہوں اور تیری جہالت اہل شہر کو دکھلاتا ہوں لیکن یہ کام ایک دو دن کا نہیں بلکہ گرمیوں میں چالیس دن کی مہلت دے تاکہ میں تیرے مقابلہ کے لئے تیار ہو جاؤں موسے علیہ السلام نے کہا کہ مجھے ہنوز کوئی جدید حکم نہیں ملا اور تجھکو تنبیہ کی فرصت دینے کا امر میری پاس نہیں آیا لہذا میں مجبور ہوں کیونکہ محض بندہ ہوں مجھے اپنی طرف سے کوئی کام کرنے کا مجاز نہیں ہے مانا کہ تو غالب ہے اور میرا کوئی یار و مددگار نہیں مگر مجھے اس سے کچھ سروکار نہیں میں تابع فرمان ہوں جو مجھے حکم ہوا ہے اُسکی تعمیل کرونگا فتح و شکست کو خدا کے سپرد کرتا ہوں جب تک میرے دم میں دم ہے پوری کوشش سے تیرا مقابلہ کرونگا۔ میں تو بندہ ہوں لہذا فتح و نصرت کا کوئی استحقاق نہیں رکھتا میں تجھ سے اسوقت تک مقابلہ کرتا رہونگا جبتک کہ خدا میرے اور تیری درمیان فیصلہ نہ کردے کیونکہ صرف وہی ہے جو ایک دشمن کو دوسرے دشمن سے علیحدہ کرتا ہے اور انکے درمیان فیصلہ کرتا ہے۔ فرعون نے کہا نہیں نہیں مجھے مہلت ضرور دینی چاہیئے اور فریب اور فضول گوئی سے کام نہ لینا چاہیئے۔ اسپر حق سبحانہ نے موسے علیہ السلام کی طرف وحی کی کہ اسکو کافی مہلت دیدی جائے اور کچھ اندیشہ نہ کیا جائے یہ چالیس دن کی مہلت بخوشی منظور کر لیجاوے تاکہ یہ اپنے دل کے حوصلے نکال لے اور انواع و اقسام کے مکر سوچ لے اور بڑی کوشش کرلے۔ کیونکہ ہم کچھ سوتے نہیں ہیں اس سے کہو کہ تو خوب تیز رو ہو اور اپنی پوری قوت صرف کردے ہم نے رستہ روک رکھا ہے اور ہم اسے چلنے نہ دینگے میں انکی تدابیر کو درہم برہم کردونگا اور جتنی زیادتی کرینگے میں اسکو اتنا ہی کم کردونگا یہ پانی لائینگے میں اسے آگ بنا دونگا۔ یہ عمدہ غذائیں کھائینگے میں اسکو ناپسندیدہ کردونگا یہ آپس میں محبت کرینگے میں اسے برباد کردونگا غرض یہ جو تدبیر کرینگے میں اسکا توڑ کردونگا لہذا تم کچھ خوف نہ کرو اور یہ جو لمبی مہلت مانگتا ہے تم منظور کرلو اور کہدو

کہ تو اپنی پوری فوج جمع کرلے اور ہر ممکن تدبیر کو کام میں لا انشاءاللہ اسکا نتیجہ تجھے بہت جلد معلوم ہو جائیگا۔

شرح شبیری

فرعون کا موسیٰ علیہ السّلام کو جواب دینا اور اُنسے چالیسؔ روز کی مہلت مانگنا

گفت فرعونش ورق در دست ماست ‏ دفتر و دیوان و حکم این دم مراست

یعنی فرعون نے ان سے کہا کہ ورق (دفاتر) ہمارے ہاتھ میں ہیں اور رجسٹر اور کچہریاں اور حکم سب اس دم میرے ہیں۔

مر مرا بخریدہ اند اہل جہان ‏ از ہمہ عاقل تری توائی فلان

یعنی سارے اہل جہان نے مجھے خرید رکھا ہے تو ارے فلانے سب سے زیادہ عقلمند ہے مطلب یہ کہ سارے تو مجھے مانتے ہیں آپ بڑے عقلمند نکلکر آئے ہیں کہ میری حکومت کا انکار کرتے ہیں کہ یاد رکھو کہ سارے اختیارات مجھکو حاصل ہیں ابھی کایا پلٹ کرا دونگا اور بولا کہ۔

موسیا خود را خریدی ہیں برو ‏ خویشتن کم بین بخود غرہ مشو

یعنی اے موسیٰ اپنے کو تم الگ کرتے ہو تو کرے جاؤ اپنے کو ذرا کم دیکھو اور مغرور مست ہو مطلب یہ کہ ذرا گھمنڈ میں مت رہنا کہ تم کو کچھ سحر وغیرہ آتا ہے اس لئے حکومت کرنا چاہتے ہو گے تو یاد رکھنا کہ۔

جمع آرم ساحران دہر را تاکہ جہل تو نمایم شہر را

یعنی میں تمام زمانہ کے ساحروں کو جمع کردوں گا تاکہ تیرا جہل تمام شہر کو دکھادوں۔

ایں نخواہد شد بروزے یا دو روز مہلتم دہ تا بہ چہل روز تموز

یعنی یہ (جمع ساحران) ایک دو دن میں تو ہوگا نہیں لہذا تم مجھے تموز کے چالیس روز تک مہلت دو۔ تموز گرمی کا مہینہ ہے۔ مطلب یہ کہ یہ جو گرمی کا چلہ ہے اس میں مجھے مہلت دو۔ تو میں سب کو جمع کروں اور پھر تمہارا مقابلہ ہو سبحان اللہ ذرا دیکھئے کہ کس طرح مہلت طلب کر رہا ہے۔ یہ سنکر موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا کہ۔

موسیٰ علیہ السلام کا جواب فرعون کو

گفت موسیٰ ہر مرا دستور نیست بندہ ام امہال تو مامور نیست

یعنی موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ مجھے اجازت نہیں ہے میں تو بندہ ہوں مجھکو تجھے مہلت دینے کی اجازت نہیں ہے مطلب یہ کہ مجھے تو حکم ہے کہ تیرے سر پر ہر وقت مسلط رہوں لہذا میں تجھے مہلت نہیں دے سکتا۔

گر تو چیری وہر اخود یار نیست بندہ فرمانم بدانم کار نیست

یعنی اگر تو غالب ہے اور میرا کوئی مددگار نہیں ہے تو میں تو بندۂ حکم ہوں مجھے اس (تنہائی اور اسیری) سے کام نہیں ہے مطلب یہ کہ اگرچہ تو بظاہر فوج ولشکر والا اور غالب ہے مگر مجھے

کوئی خوف نہیں ہے میں تو بندۂ فرمان ہوں مجھے تجھ پر مسلط رہنے کا حکم ہوگیا ہے اب مجھے کیا میں تنہا ہوں تو کیا اور تو باجماعت ہے تو کیا۔

می زنم با تو بجد تا زنده ام من چه کاره نصرتم من بنده ام

یعنی میں جب تک زندہ ہوں اُس وقت تک تو کوشش سے تجھ میں لگا رہوں گا اور مجھے مدد وغیرہ سے کیا کام میں تو بندہ ہوں ؎

جو نصرت دے تب نہ قسمت نہ دیوے تو شکایت کیا ٭ سر تسلیم خم ہے جو مزاج یار میں آئے

می زنم تا در رسد حکم خدا که کند هر خصم از خصمے جدا

یعنی جب تک کہ حکم خدا پہونچے گا میں تیرے ساتھ لگا رہوں گا کہ وہ حکم ہر خصم کو دوسرے خصم سے جدا کر دیتا ہے۔ مطلب یہ کہ حکم خداوندی ہر ایک کو الگ الگ کر دیتا ہے اور دو فریق میں وہی فیصلہ کرتا ہے تو جب تک کوئی حکم خداوندی نہ ہو اُس وقت تک تو میں تم پر مسلط ہوں جب فرعون نے یہ سخت اور کورا جواب سُنا تو عرض کرنے لگا کہ۔

فرعون کا موسیٰ علیہ السلام کو جواب دینا اور موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی آنا

گفت نے نے مہلتم باید نهاد عشوه ها کم ده تو کم پیمائے باد

یعنی فرعون بولا کہ نہیں نہیں مجھے مہلت ضرور دینی چاہیئے ذرا دھوکہ کم دو اور فضول باتیں مت کرو۔ دیکھیئے بس اسکی اسی قدر قدرت تھی کہ اب کس طرح الحاح سے مہلت مانگ رہا ہے تف ہے۔ جب اُس نے الحاح کیا تو بس فوراً وحی آئی کہ

حق تعالیٰ وحی کردش در زماں مہلتے ده مر ورا مهراس ازان

یعنی حق تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی فرمائی کہ تم اسکو مہلت دیدو اور اُس سے خوف مت کرو یعنی اِس سے مت ڈرو کہ وہ سامان کریگا بلکہ مہلت دیدو۔

این چہل روزش بدہ مہلت بطوع تا سگالد مکرہا او نوع نوع

یعنی ان چالیس دن کی اُسکو خوشی سے مہلت دیدو تاکہ وہ قسم قسم کے مکر سوچ لے اور ارشاد ہوا کہ۔

تاکہ کوشد او کہ نے من خفتہ ام تیز رو گو پیش رہ بگرفتہ ام

یعنی تاکہ وہ کوشش کرے اِس لئے کہ میں سو تو نہیں رہا ہوں۔ اُس سے کہدو کہ تیز چل اس لئے کہ میں نے راستہ کا آگا پکڑ رکھا ہے مطلب یہ کہ حق تعالیٰ نے فرمایا کہ میں سو تو نہیں گیا ہوں جو اُس کے مکر چل جاویں گے میں نے اُس کے مکروں کے راستے روک رکھے ہیں وہ جو تدبیر کریگا میں اُسکو باطل کر دونگا تم بالکل بے فکر رہو۔ اور مہلت دیدو اِس لئے کہ۔

حیلہ ہاشاں راہمہ برہم زنم وانچہ افزایند من برکم زنم

یعنی اُن کے تمام حیلوں کو میں مغلوب کر دونگا اور وہ جو کچھ ترقی کرینگے میں اُسکو کمی پر مار دونگا مطلب یہ کہ حق تعالیٰ نے فرمایا کہ میں اُن کی ایک نہ چلنے دونگا تم بے فکر رہو۔

آب را آرند من آتش کنم نوش خوش گیرند من ناخوش کنم

یعنی یہ پانی کو لادینگے میں اُسکو آگ بنا دونگا اور یہ نوش خوش اختیار کرینگے تو میں اُسکو ناگوار کر دونگا غرض کہ ان کی سب تدبیر کو اُلٹ دونگا۔

مہر پیوندند من ویراں کنم انچہ اندر وہم ناید آں کنم

یعنی یہ تو محبت کو ملا دیں گے اور میں ویران کر دونگا اور جو کہ وہم میں نہ آویگا وہ کر دونگا۔

تو مترس و مہلتش درده دراز | گو سپه گرد آر و صد حیلت بساز

یعنی تم ڈرو مت اور اسکو خوب دراز مہلت دیدو اور کہدو کہ فوج جمع کرلے اور سو حیلے بنا لے (مگر کچھ نہیں کر سکتا) اسکو سنکر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خوشی اور دلیری کی کیا انتہا تھی وہ تو پھولے نہ سماتے تھے بس اُنھوں نے فوراً مہلت دیدی۔

شرح حبیبی

گفت امر آمد برو مہلت ترا	من بجائے خود شدم رستی بلا
او ہمی شد اژدہا اندر عقب	چون سگ صیاد دانا و محب
چوں سگ صیاد جنباں کرده دم	سنگ را می کرد ریگ او زیر سم
سنگ و آہن را بدم در می کشید	خرد می خائید آہن را پدید
در ہوا می کرد سر بالای برج	که ہزیمت مے شد ازوی روم و گرج
کفک می انداخت چوں اشتران زکام	قطرۂ بر ہر کہ می زد شد جذام
ژغژغ دندان او دل می شکست	جان شیران سیه می شد ز دست

چوں بقوم خود رسید آں مجتبے | شد فن او بگرفت باز او شد عصا
تکیہ بروے کرد و می گفت ای عجب | پیش ما خورشید و پیش خصم شب
ای عجب چوں می نہ بیند ایں سپاہ | عالمے پر آفتاب چاشت گاہ
چشم باز و گوش باز و ایں ذکا | خیرہ ام در چشم بندی خدا
من ز ایشاں خیرہ ایشاں ہم ز من | از بہارے خار ایشاں من سمن
پیش شاں بردم بسے جام رحیق | سنگ شد آبش بہ پیش آں فریق
دستہ گل بستم و بردم بہ پیش | ہر گلے چوں خار گشت و نوش نیش

جب موسیٰ کو حق سبحانہ نے فرعون کو مہلت دینے کے متعلق ہدایت فرمادی تو آپ نے اُس سے فرمایا کہ مجھے مہلت دینے کی اجازت ہوگئی ہے اب میں تجھے مہلت دیتا ہوں پس میں اپنے مقام پر جاتا ہوں اور تو بھی کچھ دنوں کے لئے اس کشاکشی سے چھوٹ گیا۔ یہ فرماکر آپ روانہ ہوگئے آپ آگے آگے جارہے تھے اور آپ کا اژدہا یوں دانائی اور محبت سے چل رہا تھا جیسے شکاری کتا جاتا ہو۔ وہ شکاری کتے کی طرح دُم ہلاتا جاتا تھا۔ اور اپنی قوت اور بوجھ سے پتھروں کو چور چور کرتا جاتا تھا۔ پتھر اور لوہے تک کو سانس سے کھینچ لیتا تھا۔ اور لوہے کو چبا کر ریزہ ریزہ کر دیتا تھا۔ اور عالیشان عمارتوں سے دیکھنے یوں سر اُٹھائے ہوئے تھا کہ رومی اور گرجی جیسے بہادر لوگ اس سے خوف کھا کر بھاگ گئے تھے جس طرح غصہ کی حالت

میں شیروں کے منہ سے کف جاری ہوتا ہے یوں وہ کف اڑار ہا تھا۔ اور وہ اس قدر زہریلا اور تیز تھا کہ جس پر گرتا تھا فوراً جذام ہوجاتا تھا۔ اُس کے دانت پیسنے کی آواز سے دل پھٹے جاتے تھے اور کالے شیروں کی جانیں قابو سے نکلی جاتی تھیں۔ غرض کہ موسیٰ علیہ السلام اس شان سے اپنے مکان پر جارہے تھے جبکہ وہ اپنے لوگوں میں پہنچ گئے تو انہوں نے اُس کا جبڑا پکڑا اور پھر وہ لاٹھی بن گیا۔ وہ اس پر تکیہ لگائے ہوئے اُس کی پہلی حالت کو یاد کرکے تعجب سے فرمانے لگے کہ دیکھو کیسی خدا کی قدرت ہے کہ ایک شے (یعنی معجزہ) جو ہمارے لئے آفتاب کی طرح روشن ہے وہ مخالف (فرعون) کے نزدیک رات کی طرح تاریک ہے اور ہم مومنین کے لئے تو یہ معجزہ حقانیت نبوت کو یوں ہی واضح دکھلاتا ہے جس طرح آفتاب ظاہری دیگر اشیاء کو۔ لیکن فرعون اور اُس کے ہمراہیوں کے لئے وہ اُسکو یوں مخفی کرتا ہے جس طرح رات اشیاء کو۔ اور بڑی حسرت کی بات ہے کہ یہ سپاہ فرعونی اُس عالم نبوت وغیرہ کو کیوں نہیں دیکھتی جس میں ایسا واضح معجزہ موجود ہے۔ جو اپنی وضاحت میں آفتاب نیم روز کی مثل ہے۔ میں حق سبحانہ تعالیٰ کی نظر بندی اور قدرت عجیبہ سے نہایت حیران ہوں کہ آنکھیں کھلی ہوئی ہیں کان بھی کھلے ہوئے ہیں اور اس درجہ ذکاوت وذہانت بھی موجود ہے پھر بھی یہ لوگ نہ دیکھتے ہیں نہ سنتے ہیں نہ سمجھتے ہیں۔ میں انکو دیکھکر حیران ہوں جیساکہ ابھی بیان ہوچکا ہے اور وہ مجھے دیکھکر حیران ہیں کہ یہ ایک معمولی آدمی اور اتنی بڑی سلطنت قاہرہ سے ٹکراتا ہے اسے ہو کیا گیا۔ ایک تعجب کی بات یہ ہے کہ بہار ایک ہے اور مفیض حقیقی یعنی حق سبحانہ واحد ہیں۔ مگر آثار مختلف کہ ان کو خار بنایا اور مجھے سمن۔ نیز ایک تعجب کی بات یہ ہے کہ میں بہت مرتبہ جام شراب ہدایت لے کر گیا مگر اس فریق کے پاس جاکر وہ بجائے پانی کے پتھر اور بجائے ہدایت کے ضلالت ہوگیا۔ میں ان کے پاس گلدستہ نصائح لے کر گیا لیکن وہاں جاکر ہر گل نصیحت خار شبہ بن گیا۔ اور غذای شیریں نیش عقرب وغیرہ کی طرح ناخوش گوار بن گئی۔

شرح شبیری

موسیٰ علیہ السلام کا فرعون کو مہلت دیدینا تاکہ وہ ساحروں کو جمع کرلے

گفت امر آمد برو مہلت ترا   من بجائے خود شدم رستی ہلا

یعنی موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ جا تجھے مہلت ہے۔ میں اپنی جگہ جاتا ہوں اور تو چھوٹ گیا مطلب یہ کہ خیر جا حکم ہوگیا ہے اور مہلت مل گئی ہے ورنہ میں تو تجھ پر مسلط ہو ہی گیا تھا مگر اس مہلت کے حکم سے تیری رہائی ہوگئی کچھ اور روز مزے اڑا لے۔

او ہمی شد اژدہا اندر عقب   چوں سگ صیاد دانا و محب

یعنی وہ چلے اور اژدہا صیاد کے کتے کی طرح جو کہ دانا اور محب تھا اُن کے پیچھے ہولیا۔

چوں سگ صیاد جنباں کردہ دم   سنگ را می کرد ریگ او زیر سم

یعنی شکاری کے کتے کی طرح دُم ہلاتا ہوا پتھروں کو سُم کے نیچے ریتہ کرتا ہوا (چلدیا)۔

سنگ و آہن را بدم در می کشید   خرد می خائید آہن را پدید

یعنی لوہے اور پتھر کو سانس سے کھینچ رہا تھا یعنی لوہے کو ریزہ ریزہ کرکے کھلم کھلا چباتا تھا۔

در ہوا می کرد سر بالای برج　　　　که ہزیمت می شد از وی روم و گرج

یعنی وہ اژدہا ہوا میں سر برج کے اوپر کر لیتا تھا کہ اُس سے رومی اور گرجی بھی ہزیمت میں آتے تھے مطلب یہ کہ جب وہ منہ کھولتا تھا تو اُس کا منہ برج پر پہونچتا تھا اور بڑے بڑے دلاور اُسکے خوف سے بھاگتے تھے۔

کفک می انداخت چون اشتر زکام　　　　قطرہ زاں بر سر کہ می زد شد جذام

یعنی وہ اونٹ کی طرح منہ سے جھاگ ڈال رہا تھا۔ اُس میں سے ایک قطرہ جس پر پڑ جاتا تھا اُسکو جذام ہو جاتا تھا۔ یعنی اس قدر زہریلا تھا نعوذ باللہ۔

ز غژ غژ دندان او دل می شکست　　　　جان شیران سیہ می شد ز دست

یعنی اُس کے دانتوں کی کٹر کٹراہٹ سے دل ٹوٹا جاتا تھا۔ اور شیران سیہ کی جان ہاتھ سے جاتی تھی یہاں تک اُس اژدہا کی حالت کو بیان فرما کر آگے فرماتے ہیں کہ۔

چوں لقوم خود رسید آں مجتبیٰ　　　　شدق او بگرفت و باز او شد عصا

یعنی وہ برگزیدۂ (حق) جب اپنی قوم میں پہنچے تو اُسکی باچھ پکڑ لی وہ پھر عصا ہو گیا۔ مطلب یہ کہ اُس عصا کی یہ حالت کہ وہ اژدہا رہا اُس وقت تک ہی رہی جب تک کہ موسیٰ علیہ السلام فرعونیوں میں رہے مگر جب اپنی قوم میں گئے تو اسکو پکڑ لیا وہ پھر عصا ہو گیا۔

تکیہ بروے کرد و می گفت ای عجب　　　　پیش ما خورشید و پیش خصم شب

یعنی اُس پر سہارا لگا کر فرمایا کہ تعجب ہے کہ یہ خورشید ہے اور مقابل کی رات ہے مطلب یہ کہ فرمانے لگے کہ دیکھو ہمارے نزدیک تو یہ بالکل صاف ہے کہ یہ معجزات ہیں اور حق تعالیٰ ایک ہیں مگر فرعون نہیں سمجھتا اُسکے سامنے سب پوشیدہ ہے اور فرمانے لگے کہ۔

اے عجب چون می نہ بیند این سیاہ — عالمے پر آفتاب چاشتگاہ

یعنی بہت تعجب کی بات ہے کہ یہ سیاہ کسطرح ایک عالم پر آفتاب چاشتگاہ کو دیکھتی نہیں۔ عالم پر آفتاب سے مراد نبوت ہے۔ مطلب یہ کہ دیکھو نبوت کا عالم پر آفتاب اسقدر چمک رہا ہے مگر تعجب ہے کہ ان لوگوں کو دکھائی نہیں دیتا حالانکہ۔

چشم باز و گوش باز و این ذکا — خیرہ ام در چشم بندی خدا

یعنی آنکھ کھلی ہوئی کان کھلے ہوئے اور یہ ذکاوت۔ تو میں حق تعالے کی اس چشم بندی میں متحیر ہوں مطلب یہ کہ دیکھو آنکھ اور کان سب کھلے ہوئے اور اسقدر عاقل اور ذکی ہیں مگر دیکھو تو حق تعالے نے چشم بصیرت کو کس طرح بند کر دیا ہے کہ دکھائی ہی نہیں دیتا۔

من ز ایشان خیرہ ایشان ہم ز من — از بہارے خار ایشان من سمن

یعنی میں ان سے حیران ہوں اور وہ مجھ سے بھی حیران ہیں ایک ہی بہار سے ہیں وہ خار ہیں میں سمن ہوں مطلب یہ کہ میں تو ان سے حیرت میں ہوں کہ وہ آفتاب نبوت کو کیوں نہیں دیکھتے اور وہ اس وجہ سے متحیر ہیں کہ میں ایسی باتیں کیوں کرتا ہوں۔ حالانکہ دونوں ایک بہار سے ہیں مگر وہ خار ہو گئے ہیں اور میں چنبیلی ہوں۔

پیش شان بردم بسے جام رحیق — سنگ شد آبش بہ پیش آن فریق

یعنی میں اُنکے آگے بہت مرتبہ جام شراب لیگیا مگر وہ اس فریق کے سامنے پتھر بنگیا یعنی جب اُنکے پاس ہدایت کا جام لے گیا انھوں نے اسکو قبول نہ کیا تو وہ اُنکے اعتبار سے جام ضلالت ہو گیا۔

دستۂ گل بستم و بُردم بہ پیش — ہر گلے چون خار گشت و نوش نیش

یعنی ایک گلدستہ لگا کر اُنکے سامنے لیگیا تو ہر پھول تو خار ہو گیا! اور ہر نوش نیش ہو گیا۔ مطلب یہ کہ

اُنکے حق میں سب معز ہوا اسلئے کہ اُس سے اُنکا عناد اور زیادہ ہی ہوتا چلا گیا۔ کمی نہ ہوئی اسلئے کہ

شرح حبیبی

آن نصیب جان بے خویشان بود — چونکہ با خویشند بیدا کے شود

خفتۂ بیدار باید پیش ما — تا بہ بیدارے بہ بیند خوابہا

دشمن این خواب خوش شد فکر خلق — تا نخسپد فکرتش بستہ است خلق

حیرتے باید کہ روبد فکر را — خوردہ حیرت فکر را و ذکر را

ہر کہ کامل تر بود او در ہنر — او بصورت پس بمعنی پیشتر

راجعون گفت و رجوع اینسان بود — کہ گلہ وا گردد و خانہ رود

چونکہ گلہ باز گردد از ورود — پس فتد آن بز کہ پیش آہنگ بود

پیش افتد آن بز لنگ پسین — اضحک الرجعی وجوہ العابسین

از گزافہ کے شدند این قوم لنگ — فخرہا دادند و بخریدند ننگ

پا شکسته مے روند ایشان بجِ | از خرج راہیست پنہان تا فرج
دل ز دانشہا بشستند این فریق | زانکہ این دانش نداند آن طریق
دانشے باید کہ اصلش زان سرست | زانکہ ہر فرعے باصلش رہبرست
ہر پرے بر عرض دریا کے پرد | تا لدن علم لدنے مے برد
پس چرا علمے بیاموزے بمرد | کش بباید سینہ را زان پاک کرد
پس مجو پیشی ازین سر لنگ باش | وقت واگشتن تو پیش آہنگ باش
آخرون السابقون باش ای حریف | بر شجر سابق بود میوہ لطیف
گرچہ میوہ آخر آید در وجود | اول ست او زانکہ او مقصود بود
چون ملائک گوئے لا علم لنا | تا بگیرد دوست تو علمتنا
گر درین مکتب ندانے تو ہجے | ہمچو احمد پرے از نور حجے
گر نباشی نامدار اندر بلاد | گم نۂ واللہ اعلم بالعباد

اندرین ویرانه کین معروف نیست — از برائے حفظ گنجینہ زریست

موضع معروف کے بنہند گنج — زین قبل آمد فرج در زیر رنج

خاطر آرد پس شکال اینجا ولیک — بگسلد اشکال را استور نیک

دست عشقش آتشے اشکال سوز — ہر خیالے را برو بد نور روز

ہم ازآنسو جو جواب ای مرتضی — کاین سوال آمد ازآنسو مرترا

گوشۂ بے گوشۂ دل شہرہی ست — تاب لاشرقی ولاغرب از مہی ست

تو ازینسو و ازانسو چون گدا — اے کہ معنی چہ مے جوئے صدا

ہم ازانسو جو کہ وقت دردتو — مے شوی در ذکر یاربے دوتو

وقت مرگ و درد آنسو می خمے — چونکہ دردت رفت چونے اعجمے

وقت محنت گشتۂ اللہ گو — چونکہ محنت رفت گوئی راہ کو

درزمان درد و غم یادش کنے — چون شدے خوش باز بر غفلت تنے

این ازان آمد کہ حق را بیگمان	ہر کہ بشناسد بود دائم بر آن
آنکہ در عقل و گمان ہستش حجیب	گاہ پوشیدہ ست و گہ بدریدہ جیب
عقل جزوے گاہ خیرہ گہ نگون	عقل کلی ایمن از ریب المنون
عقل بفروش و ہنر حیرت بخر	رو بخواری نے بخارا اے پسر
تا بخارا ے دگر یابی درون	ساکنان محفلش لا یفقہون

اب مولانا فرماتے ہیں کہ انکے لئے ایسا ہی ہونا چاہیئے تھا جیسا ہوا۔ اسلئے کہ ادراک حقائق علے ماہی علیہ انکا حصہ ہے جو اپنے کو فنا کر چکے ہیں جبکہ وہ خودی میں منہمک ہیں تو انکو حقائق کا کیونکر ادراک ہو سکتا تھا۔ ہمارے نزدیک تو بیداری میں خواب دیکھنے اور جاگتے ہوئے امورِ غیبیہ کا مشاہدہ کرنے کے لئے ضرورت ہے کہ آدمی مخلوق سے بے خبر اور خالق سے باخبر ہو جب وہ ایسا کرے گا اُسوقت وہ امور غیبیہ کا مشاہدہ کر سکتا ہے بات یہ ہے کہ مخلوق کے افکار لایعنی اس عمدہ خواب کے دیکھنے کے دشمن اور امور غیبیہ کا مشاہدہ کرنے سے مانع ہیں پس اگر امور غیبیہ کے مشاہدہ کی ضرورت ہے تو سو رہنا چاہیئے یعنی دنیا سے غافل ہو جانا چاہیئے ورنہ جبتک سوؤ گے نہیں اسوقت تک افکار بیہودہ حلق کو روکے رہینگے اور غذائے روحانی علوم و معارف کو حلق سے نہ اترنے دینگے شاید تم یہ سوال کرو کہ سونے اور دنیا سے غافل ہونے کی کیا ضرورت ہے لہذا اسکا جواب سُنو تم وہ حالت پیدا کرو جو تواتر تجلیات سے پیدا ہوتی ہے جسکو حیرت کہتے ہیں یہ حالت تمام افکار کو مٹا دیگی کیونکہ حیرت کا قاعدہ ہے کہ اسکے ہوتے ہوئے نہ ماسوے اللہ کا خیال آتا ہے نہ اسکا ذکر اسلئے کہ وہ سب ذکر و فکر کو

لکھا جاتی ہے (اب رہی یہ بات کہ یہ حالت کیونکر پیدا ہو سو اسکا طریق شیخ کامل سے معلوم ہوسکتا ہے اور اس طریق پر عمل کرنے سے بشرط استعداد وہ حالت پیدا ہو جائیگی) یاد رکھو کہ جو شخص دنیاوی معاملات سے زیادہ غافل اور ان میں جد و جہد کرنے سے زیادہ کاہل ہوگا وہ ظاہر میں تو اوروں سے پیچھے ہوگا مگر حقیقت میں اُن سے آگے ہوگا دلیل اسکی یہ ہے کہ حق سبحانہ نے فرمایا ہے الی اللہ مرجعکم نیز اسی ہمکو انا للہ وانا الیہ راجعون تعلیم فرمایا ہے اور لوٹنے کی ایسی مثال سمجھو جیسا کہ گلہ بکریوں کا جا رہا ہو اور ہر بکری اپنی جگہ سے گھر کی طرف مڑ جاوے پس جبکہ گلہ اس صورت سے واپس ہوگا تو وہ بکری جو آگے آگے جا رہی تھی پیچھے رہجاوے گی اور وہ لنگڑی بکری جو پیچھے جا رہی تھی آگے ہو جائیگی اور یہ واپسی ایسی عجیب ہوگی کہ تند خو اور تنگ چڑھے لوگ بھی اسکو دیکھکر ہنس پڑینگے پس اس سے معلوم ہوا کہ جو دنیا کے لحاظ سے کاہل ہیں۔ وہ حق سبحانہ کے پاس اوروں سے پہلے پہونچینگے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ اہل اللہ طلب دنیا میں فضول لنگڑے نہیں ہوتے اور فخر دنیا کے عوض ننگ دنیا بلا وجہ نہیں خریدی بلکہ اسمیں ایک بھید ہے وہ یہ کہ لوگ اپنی سعی فی طلب الدنیا کو چھوڑکر اور پانوں توڑکر کعبۂ مقصود کو جا رہے ہیں اور دنیا داروں سے پہلے پہنچنا چاہتے ہیں اور اس تنگی ہی مین اُنکے لئے فراخی ہے کیونکہ تنگی سے فراخی تک ایک سرنگ ہے جسکے ذریعہ سے وہ فراخی تک پہنچ سکتے ہیں اور اُن لوگوں نے جو عقل دنیا کو اپنے دل سے دہوڈالا ہے اسکی وجہ یہ ہے کہ یہ عقل کعبۂ مقصود کی راہ نہیں جانتی لہذا اسکی طرف رہنمائی نہیں کرسکتی بلکہ اسکے لئے اُس سمجھ کی ضرورت ہے جو وہبی اور عطائے حق سبحانہ ہو ایسی عقل بیشک رہنمائی کرسکتی ہے کیونکہ وہ فرع حق سبحانہ ہے اور حق سبحانہ اسکی اصل اور ہر فرع اپنی اصل کی طرف رہنمائی کرتی ہے مانا کہ عقل دنیا بھی پرواز رکھتی ہے لیکن ہر پر توسندر کی چوڑائی میں نہیں اُڑسکتا کہ وہ اڑکر علم لدنی کا کھوج لگالے بلکہ اسکے لئے خاص پروں کی ضرورت ہے اور وہ پروہ ہیں جو عقل وہبی کو عطا ہوتے ہیں جب یہ معلوم ہوگیا کہ عقل دنیا اور علوم وغیرہ یہ حضرت حق کی طرف رہنمائی نہیں کرسکتے تو تم لوگونکو ایسے علوم کیوں سکھاتے ہو جو اگر پیشتر سے حاصل ہوں تب بھی ان کو محو کرنے کی ضرورت ہے بلکہ وہ علم سکہلاؤ جنکی تحصیل کی ضرورت ہے یعنی علوم حق سبحانہ۔ نیز جبکہ یہ معلوم ہوگیا

کہ ترقی دُنیاوی درحقیقت تنزل ہے اور دنیاوی پیش قدمی فی الحقیقۃ پیچھے رہنا ہے تو اب تم اس طرف کی یعنی دنیاوی زیادتی کبھی طلب نہ کرنا بلکہ باشکستہ ہوجانا اور سعی دنیا کو بالکل خیرباد کہنا۔ ایسا کروگے تو واپسی کے وقت تم آگے رہوگے تم کو آخرون السابقون کا مصداق ہونا چاہیئے اور دُنیا میں اوروں سے پیچھے اور دین میں آگے رہنا چاہیئے دیکھو تو سہی میوہ درخت سے پہلے ہوتا ہے اگرچہ وجود میں مؤخر ہوتا ہے اور اولیت اُسکی درجۂ مقصودیت میں ہے کہ پھل مقصود بالذات ہوتا ہے اور درخت مقصود بالعرض اور مقصود بالذات کا رتبہ مقدم ہے مقصود بالعرض پر۔ اس مثال میں تم کو یہ دیکھنا چاہیئے کہ ثمر و شجر میں ہر ایک متاخر ہے۔ اور ہر ایک متقدم لیکن ثمر کا تقدم معنوی ہے اور تاخر صوری اور شجر کا تقدم و تاخر بالعکس ہے۔ اب یہ دیکھو کہ ان میں کون اشرف و اعلےٰ ہے ظاہر ہے کہ ثمر اعلےٰ و افضل ہے۔ پس معلوم ہوا کہ تقدم معنوی کے ہوتے ہوئے تاخر صوری مضر نہیں اور تاخر معنوی کی صورت میں تقدم صوری مفید نہیں۔ پس تو ثمر کیطرح تقدم معنوی اختیار کر اور شجر کی طرح تقدم صوری کو ترجیح نہ دے اور دعاوی علوم و فنون کو چھوڑ کر فرشتوں کی طرح لاعلم لنا کہہ تاکہ تعلیم خداوندی تیری دستگیری کرے اور تجھے وہ علوم معارف حاصل ہوں جنکی طرف تیری عقل رہبری نہیں کرسکتی تھی اگر اس کتب سلوک میں تو بالکل ہی انجان بنے گا اور ب ج تک بھی نہ جانے گا تو تو جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی طرح نور عقل وہبی سے پرواز کریگا اور علوم و معارف تک پہنچیگا اگر تو شہروں میں مشہور نہ ہو اس سے اپنے کو گمنام نہ سمجھنا کیونکہ اللہ جل جلالہ اپنے خاص بندوں کو خوب جانتے ہیں اور انھیں کے جاننے کی ضرورت بھی ہے اگر کوئی نہ جانے بلا سے۔ اس گمنامی میں بھی ایک راز ہے کہ یہ خراب وخستہ شخص جو مشہور نہیں ہے حفاظت اسرار کے لئے خزانہ بنایا گیا ہے اور قاعدہ ہے کہ خزانہ ایسی ہی جگہ رکھتے ہیں جہاں کسیکو شبہ بھی نہ ہو اور اسکو کوئی جانتا ہی نہ ہو پس یہ وجہ ہے گمنامی کی بس ایسی گمنامی پر ہزار شہرتیں قربان ہیں۔ لہذا تم گمنامی سے گھبرانا مت۔ اسی مضمون سے ایک اور بات بھی معلوم ہوگئی وہ یہ کہ خوشی رنج کے پردوں میں مستور ہوتی ہے لہذا تم کو تکالیف سے بھی گھبرانا نہ چاہیئے یہاں طبیعت شبہے پیدا کرتی ہے۔ لیکن جو اعلےٰ طبیعت ہو وہ اسکی محبوس نہیں ہوتی اور جسطرح عمدہ گھوڑا اسکیل کو توڑ پھوڑ کر پھینکدیتا ہے یوں ہی

وہ طبیعت بھی ان اشکالات کے پرزے اڑا دیتی ہے پس اگر طبیعت اعلےٰ درجہ کی ہی تو جوابات بھی خود ہی دے دیگی۔ نیز عشق کا ہاتھ شبہات کو جلا دینے والی آگ ہے کہ اسکے آگے کوئی شبہ قائم نہیں رہ سکتا اس بارہ میں اسکی ایسی مثال ہے جیسے دن کی روشنی کہ وہ کسی وہم کو باقی نہیں چھوڑتی یوں ہی یہ بھی کسی شبہ کو باقی نہیں رکھتا۔ نیز حق سبحانہ سے دریافت کر کہ اسی نے شبہ پیدا کیا ہے اور وہی جواب تعلیم فرمائیگا۔ غرضکہ جواب کی تین صورتیں ہیں اول یہ کہ طبیعت وقادہ ہو اور وہ شبہ کو حل کر دے دوسرے عشق کہ وہ شبہ کی جڑ کاٹ دے تیسرے الہام غیبی۔ ان تین طریقوں میں سے کسی طریق سے اسکو حل کرنا چاہیئے (ف مولانا نے شبہ کو ظاہر نہیں کیا اور نہ جواب تبلایا لیکن انداز بیان سے شبہ کی تقریر یہ معلوم ہوتی ہے کہ جب مال ایسی جگہ رکھتے ہیں جو غیر معروف ہو تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جو مشہور ہیں وہ دولت باطنی کا خزانہ نہیں۔ وہو باطل اور تقریر جواب یہ ہے کہ دولت کے رکھنے کی دو صورتیں ہیں ایک محفوظ کرنا دوسرے لوگوں کو فائدہ پہنچانا پس جسوقت اسکو محفوظ کرنا مقصود ہوا اُسوقت تو ایسی ہی جگہ رکھینگے جو غیر معروف ہو اور جسوقت لوگوں کو فائدہ پہنچانا مقصود ہوا اسوقت ایسے مقام پر رکھینگے جہاں سے ہر شخص مستفید ہو سکے پس جو اہل اللہ غیر مشہور ہیں انکو دولت بغرض اول سپرد کی گئی ہے اور جو مشہور ہیں انکو بغرض ثانی فلا اشتباہ) اب شاید تو سوال کرے کہ حق سبحانہ تک کیونکر رسائی ہو اور اُس سے کیونکر دریافت کیا جاوے تو اسکا جواب یہ ہے کہ گوشہ جو فی الحقیقت کوئی گوشہ نہیں بلکہ مجازاً اُسے گوشہ کہا گیا ہے وہ وصول الی اللہ کا شاہراہ ہے اور وہ اسی ماہ کی غیر ذی جہت روشنی سے منور ہے تم اسپر چلو یعنی تصفیہ باطن کرو تم کو حق سبحانہ تک رسائی ہوگی۔ اور سارے اشکالات بالہام غیبی مندفع ہو جاوینگے۔ ارے تو تو حقائق و معانی کا پہاڑ ہے پھر تو فقیر کی طرح ادہر اُدہر سے صدا (آواز) کو کیوں ڈھونڈھتا ہے۔ اور قالی جواب کے کیوں درپے ہے بلکہ حالی جواب تلاش کرنا چاہیئے اور اُسی طرف سے تلاش کرنا چاہیئے جسطرف تو تکلیف کے وقت یا ربی یا ربی کہتا ہوا جھکتا ہے بھلے مانس موت اور تکلیف کے وقت تو تو اس طرف جھکتا ہے اور جب وہ تکلیف دور ہو گئی تو اسوقت تو کیوں انجان بنجاتا ہے تکلیف کے وقت تو تو اللہ کا پتہ لگا لیتا ہے

اور جب تکلیف جاتی رہی تو انجان بنجاتا ہے اور پوچھتا ہے خدا کا رستہ کہاں ہے اسے احمق وہی رستہ ہے جس پر تو تکلیف کیوقت چل ہاتہاتھا تو رنج وغم کے وقت تو اُسے یاد کرتا ہے لیکن جب تو خوش ہوتا ہے پھر غافل ہوجاتا ہے اسکی اصل وجہ یہ ہے کہ جو لوگ حق سبحانہ کو بلا شبہ وشک جانتے ہیں وہ تو اپنی معرفت پر قائم رہتے ہیں اور جو شخص کہ عقل وگمان میں مبتلا ہے اسکے لئے ایک پردہ ہے سو کبھی وہ پڑا ہوا ہوتا ہے اسوقت آدمی اُس سے غافل ہوتا ہے اور کبھی وہ چاک ہوتا ہے اُسوقت وہ حق سبحانہ کو پہچانتا اور اسکی طرف متوجہ ہوتا ہے کیونکہ عقل ناقص کبھی تو غالب ہوتی ہے اور کبھی مغلوب۔ جب غالب ہوتی ہے اسوقت معرفت حاصل ہوتی ہے اور جب خواہشات نفس سے مغلوب ہوتی ہے بسوقت وہ معرفت زائل ہوجاتی ہے اور عقل کامل ان تقلبات سے مامون ہے لہذا اسکی معرفت کبھی زائل نہیں ہوتی جب تجھکو عقل ناقص کی حالت معلوم ہوگئی تو اس عقل جزوی اور کمالات عرفی کو حیرت سے بدل لے اور بجائے طلب علوم رسمیہ کے لئے بکار اجاسنے کے۔ تذلل۔ اور مسکنت۔ عجز۔ وانکسار کی تحصیل کے لئے چاہئے اسکا نتیجہ یہ ہوگا کہ تو اپنے باطن میں ایک دوسرا انبار امشاہدہ کریگا جسکی عقل سے رہنے والوں کو تفقہ ظاہری وقانی سے کچھ تعلق نہ ہوگا یعنی تجھکو ایک اور مدن علم نظر آئے گا جہاں سے تجھے بدون الفاظ کے علوم ومعارف حاصل ہونگے۔

شرح شبیری

آن نصیب جان بی خویشان بود ۔۔۔ چونکه باخویشند بیدا کے شود

یعنی وہ تو بے خودوں کی جان کو نصیب ہوتا ہے تو چونکہ وہ باخود میں انہر کب ظاہر ہوسکتا ہے۔

خفته بیدار باید پیش ما ۔۔۔ تا به بیداری به بیند خوابها

یعنی ہمارے آگے ایک خفتہ بیدار کی ضرورت ہے جو کہ بیداری میں بہت سے خواب دیکھے مطلب یہ کہ ایسے شخص کی ضرورت ہے جو کہ اس دُنیا کے اعتبار سے تو خفتہ ہو مگر حق تعالیٰ کی جانب سے بیدار ہو تو وہ بیداری میں بھی تجلیات وانوار حق کے خواب دیکھے گا تو چونکہ یہ لوگ ایسے نہ تھے لہٰذا ان کو یہ بات نصیب نہ ہوئی آگے مولانا فرماتے ہیں کہ۔

دشمن این خواب خوش شد فکر حق — تا نخسپند فکر تش بستہ است حلق

یعنی فکر خلق اس خواب خوش کی دشمن ہوگئی ہے اور جبتک یہ فکر نہ سوویگی جبتک حلق بند ہا ہوا رہیگا مطلب یہ کہ مخلوق کا فکر اس خواب کی دشمن ہے جس میں کہ اس طرف سے خواب ہو اور حق تعالیٰ کی طرف سے بیداری ہو تو جبتک کہ یہ فکر اور یہ تدابیر جو اسکے دشمن ہیں زائل نہ ہوگی یاد رکھو کہ اسوقت تک حلق بند ہا ہوا ہے اور انوار و تجلیات کے حصول سے مانع ہے آگے اس فکر کے ازالہ کی تدبیر بتاتے ہیں کہ۔

حیرتے باید کہ رو بد فکر را — خورد حیرت فکر را و ذکر را

یعنی ایک حیرت کی ضرورت ہے جو کہ اس فکر کو صاف کر دے اور وہ حیرت فکر اور ذکر سب کو کھا جاوے حیرت سے مراد تواتر تجلیات مطلب یہ کہ تواتر تجلیات سے جو حالت ہوتی ہے اُسکی ضرورت ہے کہ وہ اس فکر کو محو اور زائل کر دیتی ہے بس جب وہ حیرت حاصل ہو جاوے گی تو یہ فکر معاش اور فکر دنیا زائل ہو جاویگی اور اسکے زائل ہوتے ہی وہ خواب خوش نصیب ہو جاویگی آگے ایک مضمون بیان فرماتے ہیں اور اُسکی ایک عجیب و غریب دلیل بیان فرماوینگے سُنئے فرماتے ہیں کہ۔

ہر کہ کامل تر بود او در ہنر — او بمعنی پس بصورت بیشتر

یعنی جو شخص کہ ہنر (دنیا) میں زیادہ کامل ہوگا وہ معنیٰ تو پیچھے ہوگا صرف صورت میں آگے ہوگا مطلب تو یہ ہے کہ جو شخص کہ دنیاوی امور میں کامل ہوگا وہ صورتاً تو آگے ہے

اور سب سے بڑھا ہوا ہے مگر معنی جسقدر کامل ہے اسیقدر پیچھے ہے اور اسکو حقیقت پیشروی حاصل نہیں ہے۔ یہ تو دعوے ہے آگے اسکے دلیل ایک عجیب فرماتے ہین جسکا حاصل اوّل سمجھہ لو اسکے بعد سہل ہوجاویگا فرماتے ہین کہ دیکھو قاعدہ ہے کہ جب گلہ بکریوں وغیرہ کا چلتا ہے تو بعض اُس میں سے آگے ہوتی ہیں اور بعض پیچھے لیکن اگر چلتے چلتے سب یکدم سے اسیطرح لوٹنے لگین کہ سب رہین تو اپنی اپنی جگہ پر مگر مُنھ پھیر لین تو جو سب سے آگے ہے اَب وہ تو پیچھے ہوجاویگی اور جو سب سے پیچھے تھی وہ سب سے آگے ہوگی جب یہ سمجھ مین آگیا تو اَب سمجھو کہ قرآن شریف مین ہے کہ کل الینا راجعون سب ہماری طرف لوٹیں گے اور دُنیا میں اسوقت سب چل رہے ہین تو بس جب لوٹنے کا وقت یعنی قیامت ہوگی تو اس دنیا کی روش مین جو سب سے آگے تھا وہ اُس قاعدہ کے موافق سب سے پیچھے ہوگا اور جو پیچھے ہین یعنی غریب لوگ وہ سب سے آگے ہوجاوینگے تو دیکھ لو تو جو اس دُنیا مین کامل اور آگے ہے وہ قیامت میں سب سے ناقص اور پیچھے ہوگا۔ سُبحان اللہ عجیب دلیل ہے اَب اشعار سے سمجھ لو فرماتے ہین کہ۔

راجعون گفت و رجوع این سان بود ۔۔۔ کہ گلہ واگردد و خانہ رود

یعنی حق تعالے نے کل الینا راجعون فرمایا ہے اور رجوع اسطرح ہوا کرتا ہے کہ گلہ واپس ہو اور گھر کو جاوے۔

چونکہ واگردید گلہ از ورود ۔۔۔ پس فتد آن بز کہ پیش آہنگ بود

یعنی جب وہ گلہ گھاٹ سے واپس ہوا تو وہ بکری تو پیچھے ہوگئی جو کہ سب سے آگے تھی۔

پیش افتد آن بز لنگ پسین ۔۔۔ اضحک الرجعی وجوہ العابسین

یعنی وہ لنگڑی پچھلی بکری جو آگے ہو جاویگی تو اس رجعت نے عابسین کے منہ کو بھی ہنسا دیا مطلب یہ کہ جب اسطرح ایکدم سے انقلاب ہو گیا کہ اگلی پچھلی اور پچھلی اگلی ہو گئی تو جو لوگ کبھی ہنستے نہ تھے انکو بھی ہنسی آ گئی کہ عجب دل لگی ہے تو اسیطرح جو لوگ کہ اس دنیا میں آگے بڑے ہوئے ہیں اور خوب کامل ہیں وہ قیامت میں پیچھے ہونگے اور جو آدمی غریب ناقص ہیں وہ سب سے آگے ہونگے اللھم احشرنی فی زمرۃ المساکین آگے فرماتے ہیں کہ۔

از گزافہ کے شدند این قوم لنگ　　فخر را دادند و بخریدند ننگ

یعنی یہ لوگ بیہودگی کی وجہ سے کب لنگڑے ہوئے ہیں (بلکہ) انھوں نے فخر دیدیا ہے اور ننگ کو خرید لیا ہے یعنی یہ لوگ جو تم کو دنیاوی امور میں ایسے معلوم ہوتے ہیں تو یہ نہیں کہ یہ کچھ کر نہیں سکتے بلکہ خود ہی انھوں نے ایسی حالت بنا رکھی ہے تاکہ وہاں جاکر سب سے آگے چلیں۔

پاشکستہ می روند ایشان بحج　　از حرج راہیست پنہان تا فرج

یعنی یہ حضرات پاشکستہ (کعبۂ مقصود حقیقی کے) حج کو جارہے ہیں اور تکالیف سے ایک راہ پوشیدہ کشادگی تک ہے حرج سے مراد مجاہدہ ہے مطلب یہ کہ یہ حضرات جو مجاہدہ وریاضت کرتے ہیں تو اس سے ایک راہ ہے جو کہ اندر ہی اندر عالم غیب تک چلی گئی ہے بس یہ اس راہ پر ہوتے ہیں اور ان کی یہ حالت ہے کہ۔

دل ز دانشہا بشستند این فریق　　زانکہ این دانش ندانند این طریق

یعنی اس فریق نے دل کو علوم (ظاہری) سے دھو ڈالا ہے اسلئے کہ یہ علوم (ظاہری) اس راستہ (پوشیدہ) کو نہیں جانتے لہذا یہ حضرات ان علوم کو قلب سے محو کر دیتے ہیں محو کر دینے سے مراد یہ ہے کہ ان کا اثر نہیں رہتا کہ یہ سمجھیں کہ ہم کو یہ علم حاصل ہے اور

یہ حاصل ہے بلکہ دعوی بالکل جاتا رہتا ہے ہاں وہ علوم باقی رہتے ہیں مثلاً ایک شخص نے ہدایہ پڑھا تھا تو اُسکے محو کرنے کے یہ معنی ہیں کہ ہدایہ تو اُسکو یاد رہے مگر اس امر کو بھول جاوے کہ مجھے ہدایہ آتا ہے بس اُنکے اندر دعوی اور عجب اور تکبر نام کو نہیں ہوتا۔

وانستنی باید کہ اصلش زان سرست　　زانکہ ہر فرعے باصلش رہبرست

یعنی اُس علم کی ضرورت ہے جسکی اصل اس طرف سے ہو اسلئے کہ ہر فرع اپنی اصل کیطرف رہبر ہوتی ہے تو جب یہ علم اُس علم حق کی فرع ہوگا تو یہ اُس تک پہنچا دیگا جیسا کہ قاعدہ ہے کہ ہر فرع اپنے اصل کی طرف پہنچایا کرتی ہیں۔

ہر پرے بر عرض دریا کے پرد　　تا لدن علم لدنی مے برد

یعنی عرض دریا پر ہر پر کب اڑ سکتا ہے قرب حق تک تو علم لدنی ہی لیجاتا ہے پر سے مراد علم ہے مقصود یہ کہ ہر علم تو حق تعالے تک نہیں پہونچا سکتا بلکہ اُسکے قرب تک تو علم لدنی ہی پہونچاتا ہے اسلئے کہ اُسکی اصل اسی طرف سے ہے ورنہ اور کوئی تو وہاں تک کیا ہی پہونچ سکتا ہے خوب کہا ہے ؎

بحر یست بحر عشق کہ ہیچش کنارہ نیست　+　انجا جزاین کہ جان بسپارند چارہ نیست

توجب یہ علوم ظاہری موصل الی الحق نہیں ہیں یعنی ان میں تہاک موصل نہیں ہے یوں واسطہ ہونے کے درجہ میں تو موصل ہیں ہی مگر مقصود نہیں ہیں لہذا مولانا فرماتے ہیں کہ۔

پس چرا علمے بیاموزی بمرد　　کش بباید سینہ را زان پاک کرد

یعنی پس مرد کو ایسا علم کیوں سکہاتے ہو کہ اُس سے اسکو سینہ پاک کرنا پڑے مطلب یہ کہ جب یہ علوم ظاہری ایسے ہیں کہ ان سے سینہ کو پاک کرنا پڑتا ہے تو پھر اپنی اولاد کو کیوں سکہاتے ہو یہاں سے وہ لوگ جو کہ اپنی اولاد کو علم معاش میں منہمک کئے ہوئے

ہیں سبق حاصل کریں کہ مولانا جب اُن علوم ظاہری کو جو کہ وسیلہ ہیں وصول کا منع فرمارہے ہیں تو وہ علوم جو کہ اس سے حاجب ہیں مولانا کے نزدیک سب پسندیدہ اور لایق درس کے ہو سکتے ہیں ظاہر ہے کہ وہ یقیناً واجب الترک ہو گئے آگے فرماتے ہیں کہ۔

پس مجو پیشی ازین سر لنگ باش　　　وقت واگشتن تو پیش آہنگ باش

یعنی پس اس طرف کی پیشی مت تلاش کرو (بلکہ) لنگڑے رہو اور لوٹنے کے وقت سب سے آگے رہنا جیسا کہ اوپر معلوم ہو چکا ہے آگے فرماتے ہیں کہ اس دنیا میں اپنے کو ذلیل وخوار رکھو تو اُس عالم میں تم کو عزت حاصل ہو گی فرماتے ہیں کہ۔

آخرون السابقون باش ای ظریف　　　بر شجر سابق بود میوہ لطیف

یعنی اسے ساطی نحن آخرون السابقون (کے مصداق) رہو اور شجر پر (مقصوداً) میوہ لطیف سابق ہوا کرتا ہے۔

گرچہ میوہ آخر آید در وجود　　　اوّل ست او زانکہ او مقصود بود

یعنی میوہ اگرچہ وجوداً آخر میں آیا ہے (مگر) وہ اول ہے اسلئے کہ مقصود وہی تھا تو اسیطرح اگر تم یہاں مسبوق بھی رہو گے تو کیا ہے وہ سابقیت مقصودی اُس عالم کی تم کو ہو حاصل ہو جاویگی اور وہاں تم ہی اول رہو گے۔

چون ملائک گوی لا علم لنا　　　تا بگیرد دست تو علمتنا

یعنی تو ملائکہ کیطرح لا علم لنا کہے تاکہ تیرا ہاتھ علمتنا پکڑے مطلب یہ کہ دیکھو جب ملائکہ نے اپنا عجز لا علم لنا سے ظاہر کر دیا تو فوراً حضرت آدم علیہ السلام کو حکم ہوا کہ انبئہم باسمائہم تو اگر تم بھی اسیطرح عجز ظاہر کر دوگے تو پھر تم کو علم لدنی اور علم وہبی عطا ہو جاویگا۔

گر درین مکتب ندانی تو ہجا	ہمچو احمد پری از نور حجی

پس اگر تو اس مکتب (دُنیا) میں ہجا بھی نہ جانے گا تو احمد صلے اللہ علیہ وسلم کی طرح نور عقل سے اڑو گے مطلب یہ کہ جس طرح کہ حضور مقبول صلے اللہ علیہ وسلم امی تھے۔ مگر حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو سب علوم حاصل تھے اسیطرح تم کو بھی اگر اس دُنیا میں علوم ظاہر حاصل نہ ہونگے تو کیا ہرج ہے اسلئے کہ تم کو بس اسیطرح علم لدنی حاصل ہو جائیگا ہاں اتنا ضرور ہے کہ شہرت نہ ہوگی تو اسکے لئے فرماتے ہیں کہ۔

گر نہ باشی نامدار اندر بلاد	گم نشو اللہ اعلم بالعباد

یعنی اگر تم شہروں میں نامدار نہ ہوگے تو (حق تعالے سے تو) گم نہیں ہو اسلئے کہ حق تعالی اپنے بندونکو خوب جانتا ہے توجب وہ جانتے ہیں پھر کیا غم ہے چاہے ساری دنیا نہ جانے

یا الٰہی تو نہ چھوٹے تیرا چھٹنا ہے غضب ✤ یوں ہی راضی ہوں مجھے چاہے زمانہ چھوڑدے

آگے ایک مثال بیان فرماتے ہیں کہ۔

اندران ویرانہ کان معروف نیست	از برائے حفظ گنجینہ زر لیست

یعنی اُس ویرانہ میں جو کہ مشہور نہیں ہے حفاظت کے لئے خزانہ زر ہوتا ہے۔

موضع معروف کے بنہند گنج	زین قبل آمد فرج در زیر رنج

یعنی خزانہ مشہور جگہ میں کب رکھتے ہیں اسی قبیل سے کشادگی تکلیف کے تحت میں ہے مطلب یہ کہ دیکھو لوگ خزانہ کو غیر معروف جگہ میں رکھا کرتے ہیں تاکہ کسیکو اطلاع نہ ہو۔ تو اسیطرح تمہارے اندر جو خزانہ بھرے ہوئے ہیں وہ اس مجاہدہ وریاضت کے ویرانہ میں دبے ہوئے ہیں لہذا تم شہرت اور ناموری کی کبھی خواہش مت کرو

بلکہ ہمیشہ اپنے کو مٹانے میں لگے رہو کہ اس سے مقصود حقیقی تک پہنچ جاؤ گے آگے فرماتے ہیں کہ۔

خاطر آرد بس شکال اینجا ولیک　　بگسلد اشکال را استور نیک

یعنی دل اس جگہ بہت سے اشکال لاتا ہے مگر اسکو اچھا آدمی خود توڑ دیتا ہے یہاں مولانا نے نہ اشکال بیان کیا ہے اور نہ جواب دیا ہے مگر سیاق و سباق سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اشکال یہ ہے کہ کوئی کہہ سکتا ہے کہ آپ فرماتے ہیں کہ شہرت کو حاصل مت کرو حالانکہ بہت بزرگ مشہور ہوئے ہیں اور خود اپنے ہی افعال سے مشہور ہوتے ہیں مثلاً تصانیف سے ارشادات سے تو انکو کیا کہا جاویگا جواب یہ ہے کہ انھوں نے شہرت کا قصد نہیں کیا بلکہ شہرت خود بخود ہو گئی اور یہ مضر نہیں ہے بلکہ مضر یہ ہے کہ شہرت کا قصد کیا جاوے اور یہاں یہ ہے نہیں۔ فلا اشکال اصلاً فافہم۔ آگے فرماتے ہیں کہ۔

ہست عشقش آتشے اشکال سوز　　ہر خیالے را برو بد نور روز

یعنی عشق حق تمام اشکالوں کو جلا دینے والا ہے اور دن کی روشنی ہر خیال کو لیجاتی ہے مطلب یہ کہ سب اشکال اسی وقت تک پڑ رہے ہیں جبتک کہ عشق اور محبت حق دل میں جاگزین نہیں ہے اور جب وہ دل میں جم جاویگی تو سارے اشکال سوختہ ہو جاوینگے تو بس عشق حق پیدا کرو۔

کہ اس سے سارے اشکال اسطرح جاتے رہینگے جیسے کہ دن کی روشنی سے سارے خیالات کاذبہ زائل ہو جاتے ہیں کہ رات کو تمام شبہات و خیالات میں انسان مبتلا ہوتا ہے مگر دن ہوتے ہی سب زائل اسیطرح عشق حق بھی سب اشکالوں کو زائل کر دیگا۔

ہم ز آنسو جو جواب ای مرتضیٰ　　کاین سوال آمد ازان سو مر ترا

یعنی اسے مرتضیٰ اب اُسی طرف سے جواب کو بھی تلاش کرو اس لئے کہ یہ سوال بھی تمکو اُسی طرف سے آیا ہے۔

گوشۂ بے گوشۂ دل شہ رہیست تا بلا شرقی و لا غرب از مہیست

یعنی بے گوشہ دل کا گوشہ لاشرقی سے لاغربی تک ایک شاہ راہ ہے ایک برتر کی طرف سے۔ دل کے بے گوشہ ہونے سے مراد دل کا لامکانی ہونا اور پھر اُسکے گوشہ سے مراد خلوت ہے مقصود یہ کہ جو جسم کہ لامکانی ہے اس سے خلوت میں حق تعالیٰ تک ایک شاہ راہ ہے کہ جب اسکو خلوت نصیب ہوتی ہے اور ازدحام خلائق نہیں ہوتا وہ فوراً اُس طرف متوجہ ہوجاتا ہے۔ لہٰذا تم اُس طرف توجہ کرو اور اُدھر لو لگاؤ کہ اس سے ساری اشکال حل ہوجاوینگے۔

تو ازین سو و ازان سو چون گدا اے کہ معنی چہ می جوئی صدا

یعنی تو اس طرف سے ہی ہے اور اُس طرف سے مثل گدا کے ہے تو اسے کہ وہ معنی تو صدا کو کیا تلاش کررہا ہے مطلب یہ ہے کہ تو تو وہ معنی ہے اور تیرے اندر تو انوار و تجلیات حق درجۂ استعداد مین موجود ہیں تو پھر ان الفاظ اور اشیار ظاہری پر کیون لگا ہوا ہے جن سے کہ اشکال واقع ہوتے ہیں تو اُس معنی اور اُس مقصود کی طرف کیون رجوع نہیں ہوتا۔

ہم ازان سو جو کہ وقت درد تو می شوی در ذکر یا ربی دوتو

یعنی اس جواب کو بھی اُس طرف سے ڈھونڈھ جہان کہ درد کیوقت ذکر یاربی میں تو دوہرا ہوا کرتا ہے مطلب یہ کہ مصیبت کے وقت جسکو پکارا کرتا ہے اُسکا جواب بھی اُدھرہی سے طلب کر۔

وقت درد و مرگ آنسو می نمے چونکہ دردت رفت چونے اعجمے

یعنی درد اور مرگ کے وقت تو اس طرف جھکتا ہے اور جبکہ درد تیرا جاتا رہا تو تو کیسا اجنبی ہو جاتا ہے جیساکہ قرآن شریف مین ہے کہ واذا رکبوا فی الفلک دعوا اللہ مخلصین لہ الدین فلما نجاھم الی البر اذا ھم یشرکون۔ کہ جب وہ کشتی مین سوار ہوتے ہین۔ اسوقت تو حق تعالے کو خلوص سے پکارتے ہیں اور جب انکو خشکی کی طرف نجات دیدیتے ہین تو شرک کرنے لگتے ہیں۔ تو اسیطرح ہم لوگ مصیبت کے وقت تو حق تعالے کو پکارتے ہین اور جب حق تعالے اُس مصیبت سے نجات دیدیتے ہین تو بس پھر سب بھول جاتے ہین۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

وقت محنت گشتۂ اللہ گو   چونکہ محنت رفت گوئی راہ کو

یعنی مصیبت کے وقت تو تو اللہ کہنے والا بنجاتا ہے اور جب وہ مصیبت جاتی رہی تو کہتا ہے کہ راہ (حق) کہان ہے۔

در زمان درد و غم یادش کنی   چون شدی خوش باز بر غفلت تنی

یعنی درد و غم کے وقت مین تو اسکو تو یاد کرتا ہے اور جب (درد و غم سے) اچھا ہو جاتا ہے تو غفلت پر مستعد ہو جاتا ہے۔

این ازان آمد کہ حق را بیگمان   ہر کہ بشناسد بود دائم بران

یعنی یہ اس وجہ سے ہے کہ جو کوئی حق کو بے گمان پہچان لیگا وہ تو ہمیشہ اُسی پر قائم رہیگا۔

وانکہ در عقل و گمان ہستش حجیب   گاہ پوشیدہ ست و گہ بدریدہ جیب

یعنی جس شخص کی عقل اور گمان مین حجاب ہے تو اُسکو کبھی پوشیدہ ہے اور کبھی گریبان دریدہ ہے مطلب یہ کہ جس نے حق کو پہچان لیا وہ تو ہر وقت اور ہر گھڑی اسیر ہی رہتا ہے اور جو کہ ابھی محجوب ہے اُسکو کبھی تو مشاہدہ ہو جاتا ہے اور کبھی پھر محجوبیت ہو جاتی ہے

جب اسکو حضور ہوتا ہے تو وہ یاد کر لیتا ہے اور جب پھر حجاب ہو جاتا ہے تو وہ بھول جاتا ہے

عقل جزوی گاہ خیرہ گہ نگون　　عقل کلی ایمن از ریب المنون

یعنی عقل جزوی کبھی تو (مشاہدۂ حق میں) حیران ہوتی اور کبھی سرنگون ہوتی ہے اور عقل کلی حوادثات زمانہ سے بےخوف ہوتی ہے۔ عقل جزوی سے مراد عقل عوام اور عقل کلی سے مراد عقل اولیاء کہ وہ ادراک کلیات کا کرتی ہے۔ تو جزوی عقل تو مختلف احوال میں رہتی ہے اور عقل کلی ہمیشہ مشاہدہ میں رہتی ہے جب یہ معلوم ہو گیا تو یہ کرو کہ۔

عقل بفروش و ہنر حیرت بخر　　رو بخواری نے بخارا ای پسر

یعنی عقل (جزوی) کو اور ہنر (ظاہری) کو فروخت کر کے حیرت کو خرید لے اور اے صاحبزادے خواری میں جاؤ بخارا میں مت جاؤ چونکہ بخارا میں علوم زیادہ تھے تو مطلب یہ ہے کہ ان علوم ظاہری کے حصول میں کوشاں مت ہو بلکہ تواضع اور انکسار حاصل کرو اور جب تم تواضع پیدا کرو گے تو یہ ہوگا کہ۔

تا بخارائے دگر بینی درون　　ساکنان محفلش لا یفقہون

یعنی تاکہ تم باطن میں ایک دوسرا بخارا دیکھو کہ اس محفل کے ساکن ان ظاہری باتوں کو سمجھتے بھی نہیں ہیں یعنی تم کو وہاں علوم و معارف حاصل ہونگے لہذا تواضع و انکسار پیدا کرو۔ آگے ایک اعتراض کا جواب دیتے ہیں کوئی کہتا ہے کہ آپ جو اس علم ظاہری کی مذمت کرتے ہیں اور معانی کے حصول کی ترغیب دیتے ہیں تو آپ بھی تو خود یہ قصے وحکایات بیان کرتے ہیں جنکا تعلق علم ظاہری سے ہے مولانا اسکا جواب بطور دفع دخل مقدر کے فرماتے ہیں کہ۔

شرح حبیبی

ما چو خود را در سخن آغشته‌ایم — کز حکایت ما حکایت گشته‌ایم

من عدم و افسانه گردم در حنین — تا تقلب یابم اندر ساجدین

این حکایت نیست پیش مرد کار — وصف حال ست و حضور یار غار

آن اساطیر اولین که گفت عاق — حرف قرآن را بد آثار نفاق

لامکانی که درو نور خداست — ماضی و مستقبل و حالش کجاست

ماضی و مستقبلش نسبت به تست — هر دو یک چیز اند و پنداری که دو ست

یک تنی او را پدر ما را پسر — بام زیر زید و بر عمرو آن زبر

نسبت زیر و زبر شد زان دو کس — سقف سوی خویش یک چیز ست و بس

نیست مثل آن مثال این سخن — قاصر از معنی نو حرف کهن

چو لب جو نیست مشکا لب ببند — بی لب و ساحل بدست این بحر قند

این سخن پایان ندارد باز گرد		سوئے فرعون و مدمغ تا چہ کرد

تم یہ شبہ نہ کرنا کہ آپ تو خود الفاظ مین پھنسے ہوئے اور قصہ گوئی مین مصروف ہین اور ہم کو ترک الفاظ کی ہدایت فرماتے ہیں کیونکہ میں جو گفتگو میں مشغول اور یہاں تک مشغول ہون کہ حکایات کے بیان کرنے میں ضرب المثل ہو گیا ہوں اور یہی رونا روتے ہوئے معدوم اور افسانہ ہو جاؤنگا اس سے میرا مقصود الفاظ نہیں بلکہ ایک معنی صحیح ہیں وہ یہ کہ سالکین کی رہنمائی کا شرف مجھے حاصل ہو اور ان کی اہتداء سے مجھے مزید قرب حق حاصل ہو پس یہ جاننے والے کے نزدیک حکایات نہین ہین۔ بلکہ اظہار حقائق اور مشاہدۂ جمال حق سبحانہ ہے کیونکہ مجھے ہر بات سے خوشنودی حق سبحانہ مطلوب ہے تم اسکو افسانہ کہنے سے احتراز کرو دیکھو قرآن کو نا فرمانون نے اساطیر الاولین کہا تھا۔ یہ اُنکے کفر و نفاق کی علامت تھی وہ لامکان جہان نور خدا (قرآن) ہے ماضی و مستقبل و حال کہاں ہے اسلئے کہ یہ یا تو زمانہ کے حصص ہیں یا زمانیات کے اقسام اور وہان نہ زمانہ کو دخل ہے اور نہ زمانیات کو۔ ماضی و مستقبل تو تمہارے لحاظ سے ہیں ورنہ فی حد ذاتہا دونوں ایک شے ہیں مگر تم اسکو دو سمجھتے ہو۔ اسکو ہم واضح مثالوں سے ظاہر کرتے ہیں ایک شخص ہے کہ اُسکا باپ ہمارا بیٹا ہے تو یہ شخص اپنی ذات کے لحاظ سے ایک ہے مگر نسبت کے اعتبار سے دو کیونکہ باپ بھی ہے اور بیٹا بھی اور دیکھو کوٹھا زید کے نیچے ہے اور عمرو کے اوپر ہے بس وہ تحت و فوق دو شخصوں کے لحاظ سے ہو گیا ہے ورنہ جہت اپنے لحاظ سے صرف ایک شے ہے۔ یونہی ماضی و مستقبل قرآنی کو سمجھ لو۔ لیکن ان امور مذکورہ کو اسکی تقریبی مثال سمجھنا اور من کل الوجوہ اسکی مثال نہ سمجھ بیٹھنا کیونکہ ہر دو میں بہت بڑا فرق ہے اور یہ فرق اس لئے باقی رہا کہ الفاظ تو ہیں دقیانوسی اور پُرانے اور معانی ہیں نئے جنکے لئے الفاظ موضوع نہیں لہذا انہیں پرانے الفاظون میں سے اس نئے معنی کے مناسب الفاظ نکالکر اسکو ظاہر کیا جاتا

ہے اس لئے وہ معنی پورے طور پر ظاہر نہیں ہو سکتے۔ آگے الفاظ کو مشک سے اور معانی خاصہ کو ندی اور سمندر سے تشبیہ دیکر فرماتے ہیں کہ اسے مشک کے مشابہ لفظو جبکہ اس ندی کا کنارہ نہیں تو تم اپنا منہ بند کرلو اور ان معانی جدیدہ کو اپنے اندر سمانے کی ہوس نہ کرو کیونکہ اس بحر قند کا تو کوئی ساحل اور کنارہ ہی نہیں پھر تم اپنے اندر انہیں کیسے لے سکتے ہو۔ خیر یہ گفتگو تو ختم نہ ہوگی۔ اب بد دماغ فرعون کی طرف لوٹنا چاہیئے اور دیکھنا چاہیئے کہ اس نے موسٰی علیہ السّلام کے مقابلہ کیلئے کیا تدبیر کی۔

شرح شبیری

من چو خود را در سخن آغشتہ ام — کز حکایت من حکایت گشتہ ام

یعنی میں نے اپنے کو جو باتوں میں ملا رکھا ہے اور حکایت کی وجہ سے میں خود حکایت بنگیا ہوں

من عدم و افسانہ گردم در حنین — تا تقلب یابم اندر ساجدین

یعنی میں جو عدم اور افسانہ بات میں ہو گیا ہوں (یہ سب اسلئے ہے) تاکہ میں ساجدین میں تقلب پاؤں قرآن شریف میں ہے وتقلبك فی الساجدین یعنی حضور جو تہجد پڑھنے والوں کی نگرانی فرماتے ہیں تو ہم آپ کا اُن میں تقلب دیکھتے ہیں تو جسطرح کہ وہاں حضور ثواب کے لئے ایسا کرتے تھے اسیطرح میں بھی یہ ساری حکایات ہدایت کیواسطے لاتا ہوں کہ ان سے نتائج نکالکر ہدایت ہوگی۔

این حکایت نیست پیش مرد کار — وصف حالست و حضور یار غار

یعنی یہ کام والے آدمی کے سامنے تو حکایت نہیں ہے بلکہ وصف حال ہے اور حق تعالےٰ کا حضور ہے۔

آن اساطیر اولین کہ گفت عاق　　حرف قرآن را بد آثار نفاق

یعنی وہ جو حرف قرآن کو اس کافر نے اساطیر الاولین کہا تھا یہ سب آثار نفاق سے تھا حالانکہ حرف قرآنی ایک ایک ہدایت ہین تو اسیطرح جو کہ کام کا آدمی ہے اسکے سامنے تو یہ حرف قرآنی کی طرح ہادی ہیں ورنہ پھر حکایات تو ہیں ہی۔

لامکانے کہ درو نور خداست　　ماضی و مستقبل و حال از کجاست

یعنی لامکانی جس مین کہ نورِ حق ہے اُسکا ماضی اور مستقبل اور حال کہان سے ہے مطلب یہ کہ اُسکے اعتبار سے تو سب یکسان ہے وجہ یہ ہے کہ قرآن تو کلام حق ہے اور وہ کلام حق ہونے کے اعتبار سے اور صفت حق ہونے کے اعتبار سے تو قدیم ہی ہے اگرچہ وہ حادث ہوگئی ہو باعتبار الفاظ کے تو اسیطرح اگرچہ یہ بظاہر حکایات ہیں مگر حقیقت کے اعتبار سے یہ ہادی ہین۔

ماضی و مستقبلش نسبت بتوست　　ہر دو یک چیز اند و پنداری کہ دوست

یعنی اُسکا ماضی اور مستقبل تیری نسبت کر ہے اور وہ دونون ایک ہی شئے ہین اور تو ان کو دو سمجھے ہوئے ہے یعنی ایک ہی شئے ہادی اور مضل ہوتی ہے ایک کے اعتبار سے ہادی ہے اور دوسری کے اعتبار سے مضل ہوتی ہے اور تم یہ خیال کرتے ہو کہ دو چیزین ہین ان میں سے ایک ہادی ہے اور ایک مضل ہے یہ نہیں ہو بلکہ اسکی مثال ایسی ہی جیسے کہ

یک تنے او را پدر ما را پسر　　بام زیر زید و بر عمرو آن زبر

یعنی ایک ہی شخص ہے اسکے لئے تو باپ ہے اور ہمارا لڑکا ہے اور کوٹھا زید کے نیچے ہے اور عمرو کے وہی اوپر ہے مطلب یہ ہے کہ نسبت کے بدلنے سے منسوب نہین بدلتا ایک ہی شئے مین دو اعتبار ہو سکتے ہین ایک ہی شخص ایک کے اعتبار سے تو باپ ہے

اور دوسرے کے اعتبار سے بیٹا زید کوٹھے کے اُوپر اور عمر نیچے تو کوٹھا تو وہی ہے مگر ایک کے اوپر ہے اور دوسرے کے نیچے ہے خود فرماتے ہیں کہ۔

نسبت زیر و زبر شد زین دو کس سقف سوئے خویش یکچیزست وبس

یعنی اُوپر نیچے ان دونون شخصون کی نسبت ہوئی ورنہ خود سقف اپنے اعتبار سے ایک ہی شئے ہے اور بس تو اسیطرح کلام حق درجہ کلام مین تو قدیم ہی ہے اُسکے یہان ماضی اور مستقبل کہان ہے اور یہ جو کفار کہتے تھے کہ یہ حکایات پہلون کی ہیں یہ پہلے انکے اعتبار سے تھے ورنہ حق تعالےٰ کے سامنے تو سب یکسان ہین جو شئے کہ ہم سے پہلے ہے وہ حق تعالےٰ کے سامنے اسوقت موجود ہے تو اختلاف زمان ہمارے اعتبار سے ہی ہے اسیطرح یہ حکایات ماضی کی ہین مگر انکے مصادیق اب بھی موجود ہین آگے فرماتے ہین کہ۔

نیست مثل آن مثال است این سخن قاصر از معنی نو حرف کہن

یعنی اسکے مثل نہین ہے بلکہ یہ ساری باتیں مثال ہیں اور یہ حرف کہن معنی نو (کے بیان) سے قاصر ہیں مطلب یہ کہ چونکہ حق تعالےٰ کا کلام تو جیسا تھا ویسا ہی اب بھی ہے اسلئے وہ اگرچہ قدیم ہے مگر اب بھی وہ معنی نو ہی ہیں اور ہمارے الفاظ ہر گھڑی زائل ہوتے ہیں تو یہ ہر گھڑی کہن ہو رہے ہیں تو ان کو حرف کہن کہا تو فرماتے ہیں کہ ہم نے جو کچھ یہ بیان کیا ہے یہ حق تعالےٰ کی مثال ہے مثل نہیں ہے اسلئے کہ مثل تو کہتے ہیں مشارک فی النوع کو اور یہ باری تعالیٰ کے ساتھ ممتنع ہے لہذا یہ مثال ہے مگر ایسیں بھی ہم مثال پوری طرح بیان نہ کرسکے بلکہ اسکے بیان سے بھی قاصر رہے ہیں آگے فرماتے ہین کہ۔

چون لب جو نیست مشکا لب ببند بے لب و ساحل ہست این بحر قند

یعنی جب اس دریا کا کنارہ بھی نہیں ہے تو لب مت کھولو بند کر لو یہ دریا تند تو بے لب ساحل کے ہے تو جب اسکی کہیں انتہا ہی نہیں ہے لہذا چپ رہنا ہی بہتر ہے۔

این سخن پایان ندارد باز گرد سوئے فرعون مدمغ تا چہ کرد

یعنی یہ بات تو کہیں انتہا نہیں رکھتی ہے تو اب تم اس فرعون دماغ دار کی طرف واپس ہو کہ اُس نے کیا کیا بس یہاں سے انتقال فرما کر اُسکی حکایت کو بیان فرماتے ہیں

شرح حبیبی

چونکہ موسیٰ بازگشت و او بماند ۞ اہل رائے و مشورت را پیش خواند

مجتمع گشتند بفشروند پائے ۞ ہر کسے کردند عرض فکر و رائے

عاقبت ہامان بے سامان دون ۞ رائے پیش آورد کر و فش رہنمون

کاے شہ صاحب ظفر چون غم فزود ۞ ساحران را جمع باید کرد زود

در ممالک ساحران داریم ما ۞ ہر یکے در سحر فرد و پیشوا

مصلحت آنست کز اطراف مصر ۞ جمع شان آرد شہ و صراف مصر

او بسے مردم فرستاد آن زمان ۞ در نواحے بہر جمع جادوان

هر طرف کہ ساحرے بد نامدار ۔۔۔ کرد پّران سوے او دو مرد کار

دو جوان بودند ساحر مشتہر ۔۔۔ سحر ایشان در دل مہ مستمر

شیر دوشیدہ ز شیرانِ شکار ۔۔۔ در سفرہا رفتہ بر خمے سوار

شکل کرباسے نمودہ آفتاب ۔۔۔ او بپیمودہ فروشیدہ شتاب

سیم بردہ مشتری آگہ شدہ ۔۔۔ دست از حسرت بر خدہا بر شدہ

صد ہزاران ہمچنین در جادوئی ۔۔۔ بودہ استاد و نہ بودہ چون روی

چون بر ایشان آمد این پیغام شاہ ۔۔۔ کز شما شاہ است اکنون چارہ خواہ

از پئے آن کہ دو درویش آمدند ۔۔۔ بر شہ و بر قصر او موکب زدند

نیست با ایشان بغیرِ یک عصا ۔۔۔ کہ ہمی گردش بامرش اژدہا

شاہ و لشکر جملہ بیچارہ شدند ۔۔۔ زین دو کس جملہ بافغان آمدند

چارہ جویان بندہ را پیش شما ۔۔۔ شاہ ازان ارسال فرموست تا

چارۂ سازید اندر دفع شان	گنجہا بخشد عوض شہ بیکران
آن دو ساحر را چو این پیغام داد	ترس و مہرے ز دل ہر دو فتاد
عرق جنسیت چو جنبیدن گرفت	سر بہ زانو بر نہادند از شگفت
چون دبیرستان صوفی زانو است	حل مشکل را دو زانو جادو است

جب موسے علیہ السلام تشریف لے گئے اور فرعون رہگیا تو اس نے اہل الرائے و قابل مشورہ لوگونکو اپنے حضور میں طلب کیا جب سب لوگ مجتمع ہو گئے اور اطمینان سے بیٹھے تو فرعون نے معاملہ کو پیش کیا اسپر سب لوگون نے اپنی اپنی رائے ظاہر کی بالآخر پاجی ہامان بے سامان نے یہ رائے پیش کی اور یوں اسکو رہنائی کی کہ اے فرخمند شہنشاہ جبکہ تفکر بہت بڑھگیا ہے تو اسکی تدبیر یہ ہے کہ فوراً جادوگروں کو جمع کیا جاوے ہمارے ملک میں بہت سے جادوگر ہین جنمیں سے ہر ایک یکتائے روزگار اور اپنے فن کا امام ہے بس اب مشورہ یہی ہے کہ اطراف مصر سے حضور جو حاکم مصر ہین انکو جمع کریں یہ سنکر اس نے جادوگرون کے جمع کرنے کے لئے فوراً چاروں طرف آدمی دوڑا دئے اور جس طرف کوئی مشہور جادوگر تھا اُسکے پاس اُس نے بجائے ایک کے دو آدمی بھیجے دو جوان بہت مشہور جادوگر تھے جن کا جادو چاند کے دلپر چلتا تھا وہ اپنے جادو کی قوت سے شکاری شیرون کا دودھ نکالتے تھے اور مٹکے پر سوار ہوکر سفر کرتے تھے اور جادو سے دھوپ کو کپڑا ظاہر کرکے ناپ کر بیچڈالتے اور زر فروختن اڑالیجاتے تھے جب مشتری اس دھوکہ پر مطلع ہوتا تو افسوس سے اپنا منہ پیٹ لیتا تھا اسی قسم کے اور لاکھون فن جادوگری میں اُستاد کامل تھے اور حرف ردی کیطرح

اسی کے تابع نہ تھے جب اُنکے پاس بادشاہ کا یہ پیغام پہنچا کہ جہان پناہ چاہتے ہیں کہ تم مصیبت سے دفع کی کوئی تدبیر کرو اسلئے کہ دو فقیر آئے ہیں اور انھون نے بادشاہ اور انکے قلعہ اور اسکی سپاہ پر حملہ کیا ہے انکے پاس کچھ نہیں ہے بجز ایک لاٹھی کے جو انکے حکم سے اژدہا بنجاتی ہے ان دو شخصون سے بادشاہ اور اسکی سپاہ عاجز ہوگئی ہے اور تمام لوگ چلا اُٹھے ہیں بادشاہ نے اس احقر کو آپکی خدمت میں چارہ جوئی کیلئے اور اس لئے بھیجا ہے تاکہ آپ انکو دفع کرنے کی کوئی تدبیر کریں اگر آپ ایسا کرینگے تو بادشاہ سلامت آپکو اُسکے عوض میں بہت سا انعام دینگے۔ جب یہ پیغام ان دو مشہور ساحرون کے پاس پہنچا تو انکے دل میں حضرت موسےٰ علیہ السّلام کی طرف سے کچھ خوف اور کچھ محبت پیدا ہوگئی اور جبکہ مجانست فطری یا موسےٰ علیہ السّلام کی آگ بجز کی اور بوجہ استعداد ایمانی کے انکا اُنکی طرف میلان ہوا تو تحیر سے زانو پر سر رکھ لیا اور سوچنے لگے کہ کیا کرنا چاہیئے آیا اُن سے مقابلہ کیا جاوے یا نہیں اب مولانا فرماتے ہیں کہ چونکہ صوفی کا مکتب گھٹنا ہی ہے اور اسکو جو علوم و معارف حاصل ہوتے ہیں وہ عام طور پر اسی پر سر رکھکر مستغرق ہونے سے ہوتے ہیں لہذا یون کہنا چاہیئے کہ حل مشکل کے لئے تو گھٹنا تو جادو کی خاصیت رکھتا ہے کہ جب اسپر سر رکھکر آدمی نے غور کیا تو اکثر کوئی نہ کوئی بات سمجھ مین آہی جاتی ہے اسلئے انھون نے گھٹنوں پر سر رکھکر سوچنا شروع کیا اور تدبیر انکی سمجھ میں بھی آگئی۔

شرح شبیری

فرعون کا شہر وںمین جادوگرونکی تلاش کیلئے قاصد روانہ کرنا

چونکہ موسیٰ بازگشت و او بماند	اہل رای و مشورت را پیش خواند

یعنی جبکہ موسٰے علیہ السلام واپس تشریف لے آئے اور وہ رہگیا تو اہل رائے اور مشورہ کو سامنے بلایا۔

مجتمع گشتند و بفشردند پائے ہر کسے کردند عرض فکر و رائے

یعنی سب جمع ہو گئے اور ثابت قدم ہو گئے اور ہر شخص نے اپنی فکر اور رائے کو پیش کیا

عاقبت ہامان بی سامان دون رائے پیش آورد و گردش رہنمون

یعنی آخر میں ہامان بے سامان اور کمینہ نے رائے پیش کی اور اُس (فرعون) کی رہنمائی کی بولا کہ۔

کای شہ صاحب ظفر چون غم فزود ساحران را جمع باید کرد زود

یعنی کہ اے بادشاہ صاحب ظفر جب غم بڑھ گیا (یعنی یہانتک یہ لوگ بڑھ گئے ہیں تو اب) ساحرون کو جلدی ہی جمع کرنا چاہیئے۔

در ممالک ساحران داریم ما ہر یکے در سحر فرد و پیشوا

یعنی ممالک میں ہم ایسے ساحرین رکھتے ہین جو کہ ہر ایک سحر میں فرد و پیشوا ہے۔

مصلحت آنست کز اطراف مصر جمع آردشان شہ و صراف مصر

یعنی مصلحت یہ ہے کہ اطراف مصر میں سے بادشاہ جو کہ مصر مین تصرف کرنیوالا ہے جمع کرے بس یہ رائے پیش کی پیش کرنا تھا کہ قبول ہو گئی اور اسپر نتیجہ یہ مرتب ہوا کہ

او بسے مردم فرستاد آن زمان در نواحے بہر جمع جادوان

یعنی اُس نے بہت سے آدمی اسی وقت ہر طرف جادوگروں کے جمع کرنے کو روانہ کر دئے۔

ہر طرف کہ ساحرے بُد نامدار کرپران سوئے او دو پیک کار

یعنی جس طرف کہ کوئی ساحر نامدار تھا اُس نے اُسی طرف کو دو کام کے قاصد روانہ کر دیے

دو جوان بودند و ساحر مشتہر سحر ایشان در دلِ شہ مستمر

یعنی دو جوان تھے جو کہ مشہور ساحر تھے اور انکا سحر بادشاہ کے دل میں قوی تھا یعنی بادشاہ اُنکا بہت معتقد تھا مستمر مِرہ سے ہے بمعنی قوی اُنکے سحر کی یہ حالت تھی کہ۔

شیر دوشیدہ ز شیران شکار در سفرہا رفتہ بر خمے سوار

یعنی شکاری شیروں کا دودھ نکال لیتے تھے اور مٹکے پر سوار ہو کر سفر میں جاتے تھے (کہ اُنکے سحر سے وہ مٹکا چلتا تھا)

شکل کرباسے نمودہ ماہتاب آن بہ پیمودہ فروشیدہ شتاب

یعنی چاندنی کو کپڑے کی شکل میں دکھا کر اسکو ناپ کر جلدی سے فروخت کرتے تھے ایک قسم کا جادو ہوتا ہے کہ اُس سے چاندنی زمین پر ایسی معلوم ہوتی ہے کہ گویا کپڑا پھیلا ہوا ہے ساحر اُس کپڑے موہومہ کو ناپ کر مشتری کے حوالہ کرتا ہے وہ کپڑا خیال کر کے اسکو خرید لیتا ہے جب گھر پہنچے تو کچھ بھی نہیں تو یہ دونوں اسقدر بڑے ساحر تھے کہ ایسا سحر کیا کرتے تھے۔

سیم بردہ مشتری آگہ شدہ دست از حسرت بر خہا بر زدہ

یعنی (فروخت کر کے) روپیہ لیجاتے تھے (اور جب) مشتری آگاہ ہوتا تھا تو حسرت کیوجہ سے ہاتھ منہ پر مارتے تھے یعنی پھر مشتری افسوس کرتے تھے کہ روپیہ سب گیا تو وہ دونوں ایسے بڑے ساحر تھے آگے فرماتے ہیں کہ۔

صد ہزاران ہمچنین در جادوئی بودہ منشی و نہ بودہ چون روی[۵]

یعنی جادوگری میں لاکھون اسیطرح سے موجد تھے اور روی کیطرح نہ تھے روی قافیہ کے اخیر حرف کو کہتے ہیں چونکہ وہ تابع ہوتا ہے قافیہ کے اسلئے یہان مراد محض تابع ہے مطلب یہ کہ سحر مین وہ کسی کے تابع نہ تھے بلکہ خود موجد اور ماہر تھے۔

صد ہزاران جادوئیہا جنس این بودہ ایشان را ہمہ دیدہ مبین

یعنی لاکھوں جادوگریاں اس جنس کی اُنکے لئے سب آنکھونکی دیکھی ہوئی تھیں مطلب یہ کہ اُن کی اِن جادوگریوں کو سب کھلم کھلا جانتے تھے تو بادشاہ نے انکو بھی بلایا۔

چون بدایشان آمد آن پیغام شاہ کز شما شاہ است اکنون چارہ خواہ

یعنی جب اُنکے پاس وہ بادشاہ کا پیغام پہنچا کہ تم سے اب بادشاہ مدد چاہتا ہے۔

از پئے آن کہ دو درویش آمدند بر شہ و بر قصر او موکب زدند

یعنی اس وجہ سے کہ دو درویش آئے ہیں انھوں نے بادشاہ اور اسکے محل پر لشکرزنی کی ہے

نیست با ایشان بغیر یک عصا کہ ہمی گردد بامرش اژدہا

یعنی اُنکے ساتھ بجز ایک عصا کے اور کچھ نہیں ہے کہ وہ اُنکے حکم سے اژدہا بنجاتا ہے۔

شاہ و لشکر جملہ بیچارہ شدند زین دو کس جملہ بافغان آمدند

یعنی بادشاہ اور لشکر سب لاعلاج ہوگئے ہیں اور ان دو شخصون سے سب فغان میں آگئے ہین

---

[۵] الروی ہو الحرف الذی تنتہی علیہ القصیدۃ وتنسب الیہ فیقال لامیۃ او میمیۃ وقیل الاولی ان یفسر الروی بالحرف الاخیر من القافیۃ او الفاصلۃ ۱۲ کشاف اصطلاحات الفنون۔

چارہ جویان بندہ راپیش شما ۔ شاہ ازان ارسال فرمودہ است تا

یعنی بندہ کو بادشاہ نے تمہارے پاس چارہ جو کرکے اسلیئے بھیجا ہے تاکہ ۔

چارۂ سازید اندر دفع شان ۔ گنجہا بخشد عوض ، شہ بیکران

یعنی اُنکے دفع کے لیئے تم کوئی علاج کرو تو اسکے عوض میں بادشاہ بے انتہا خزانہ بخشیگا

چارۂ مے باید اندر ساحری ۔ تا بود کہ زین دو ساحر جان بری

یعنی ساحری میں کوئی ایسا علاج چاہیئے تاکہ ہووے ان دونون ساحروں سے جان بری

آن دو ساحر را چو این پیغام داد ۔ ترس و مہرے در دل ہر دو فتاد

یعنی ان دونون ساحرون کو جب اس نے یہ پیغام دیا تو دونون کے دل میں خوف اور محبت (دونون) پڑیں یعنی موسیٰ علیہ السّلام کی محبت بھی ہوئی اور اُنکی ہیبت بھی ہوئی

عرق جنسیت چو جنبیدن گرفت ۔ سر بزانو بر نہادند از شگفت

یعنی جنسیت کی رگ نے جو ہلنا شروع کیا تو انھون نے تعجب سے سرزانو پر رکھ لیا مطلب یہ کہ چونکہ یہ مسلمان ہونے والے تھے اسلیئے اُنکے اندر موسیٰ علیہ السّلام سے ایک تعلق موجود تھا نام سنتے ہی محبت نے جوش کیا تو یہ اس فکر میں ہوے کہ آخر یہ محبت کیون ہورہی ہے یہ اس حیرت میں سوچنے لگے اور سربزانو ہوکر بیٹھ گئے مولانا فرماتے ہیں کہ ۔

چون دبیرستان صوفی زانو است ۔ حل مشکل را دو زانو جادو است

یعنی جبکہ صوفی کا مکتب زانو ہیں ۔ حل مشکل کے لئے دو زانو جادو ہیں مطلب کہ صوفی لوگونکو

جب کوئی مشکل پیش آتی ہے تو وہ سر بزانو ہو کر سوچتے ہیں اسلئے کہ انکی مشکل اسیطرح حل ہوتی ہے تو وہ بھی سوچنے لگے سوچتے سوچتے یہ تدبیر نکالی کہ چونکہ باپ بھی ساحر تھا اسکی قبر پر جاکر عمل کشف القبور سے اس سے دریافت کریں کہ یہ آیا سچے ہیں یا ساحر ہیں بس یہ سوچکر انھوں نے اپنی ماں سے باپ کی قبر دریافت کی تاکہ اسپر جاکر دریافت کریں آگے اسیکو فرماتے ہیں کہ۔

شرح حبیبی

بعد ازان گفتند ای مادر بیا	گور بابا کو تو مارا رہنما
بردشان بر گور او بنمود راه	پس سہ روزه داشتند از بہر شاه
بعد ازان گفتند ای بابا بما	شاه پیغامے فرستاد از وجا
کہ دو کس اورا بہ تنگ آورده اند	آبروئیش پیش لشکر برده اند
نیست با ایشان سلاح و لشکری	جز عصا، و در عصا شور و شری
تو جہان راستان در رفتۂ	گرچه در صورت بجا کی خفتۂ
آن اگر سحر ست و ہمارا خبر	ور خدائے باشد ای جان پدر

ہم خبر دہ تا کہ ما سجدہ کنیم	خویش را بر کیمیائے بر زنیم
نا اُمیدانیم اُمیدے رسد	در شب دیجور خورشیدے رسد
از ضلال آئیم در راہ رشد	راندگانیم و کرم ما را کشد

چنانچہ گھٹنے سے سر اُٹھانے کے بعد انھون نے اپنی ماں سے کہا کہ ماں چلیے ہمیں ہمارے باپ کی قبر بتا دو اُس نے اُنکی رہنمائی کی اور قبر پر لیگئی اسکے بعد انہون نے فرعون کیلیے تین روزہ رکھے اسکے بعد کہا کہ ابا بادشاہ نے محزون ہو کر ہمارے پاس پیغام بھیجا ہے اور کہا ہے کہ دو آدمیون نے مجھے پریشان کر رکھا ہے اور لشکر کے سامنے میری آبرو خاک مین ملا دی ہے نہ تو اُنکے پاس ہتھیار ہین نہ فوج بجز ایک عصا کے اور سارا شور و شر اس لاٹھی ہی میں ہے آپ سچون کے ملک میں تشریف لیگئے ہین گو بظاہر مٹی میں سوتے ہیں اگر یہ کوئی جادو ہے تب بھی آپ ہم کو تبلا دیجئے اور اگر خدائی قوت ہو جیسا کہ ان آدمیون کا دعویٰ ہے تب بھی آپ ہم کو تبلا دیجئے تا کہ ہم بھی اُس خدا کے مطیع ہو جائیں اور کیمیا سے ملکر کیمیا ہو جائیں اب تو ہم نا امید ہیں پھر ہم کو اُمید ہو جاوے اور شب تاریک ضلالت میں ہمارے لئے آفتاب ہدایت نکل آئے ہم گمراہی کو چھوڑ کر راہ ہدایت پر آئیں اور ہم مردودون کو کرم حق سبحانہ اپنی طرف کھینچ لے۔

شرح شبیری

دونون ساحرونکا اپنی ماں سے اپنے باپ کی قبر کو دریافت کرنا اور اپنے باپ کی رُوح سے موسیٰ علیہ السّلام کی حقیقت دریافت کرنا

بعد ازان گفتند اے مادر بیا　　گور بابا کو تو ما را رد نما

یعنی بعد اس (سوچنے) کے انھون نے کہا کہ اے ماں یہاں آ اور ہم کو راہ دکھائے کہ ہمارے باپ کی قبر کہاں ہے

بردشان بر گور او بنمود راہ　　پس سہ روزہ داشتند از بہر شاہ

یعنی وہ اُنکی ماں انکو اُسکی قبر پر لیگئی اور راستہ دکھا دیا پھر بادشاہ کی خاطر سے تین روزے رکھے معلوم ہوتا ہے کہ اس کشف قبور کے لئے اول کچھ مجاہدہ کی ضرورت ہوتی تھی تو چونکہ یہ کام فرعون کیلئے کر رہے تھے لہذا انھون نے مجاہدہ کے لئے تین روزے بادشاہ کی خاطر سے رکھے تاکہ عالم ملکوت سے لذات کے ترک سے مناسبت ہوجاوے

بعد ازان گفتند اے بابا بما　　شاہ پیغامے فرستاد از وجا

یعنی بعد ان روزون کے رکھنے کے انھون نے کہا کہ اے بابا ہمارے پاس بادشاہ نے لاچاری کی وجہ سے پیغام بیجا ہے وجا معنی خفی ہونا یہاں بمعنی لاچاری مطلب یہ کہ بعد روزوں کے وہ اُس طرف متوجہ ہوتے اور اپنے باپ کی روح سے دریافت کیا کہ ہمارے پاس بادشاہ کا یہ پیغام آیا ہے۔

کہ دو مرد اورا بہ تنگ آوردہ اند　　آبروش پیش لشکر بردہ اند

یعنی کہ دو آدمیون نے اُسکو تنگ کر رکھا ہے اور اُسکی آبرو لشکر کے آگے گرائی ہے۔

نیست با ایشان سلاح و لشکرے　　جز عصا و در عصا شور و شرے

یعنی اُنکے ساتھ کوئی ہتھیار یا لشکر نہین ہے سوائے ایک عصا کے کہ اُس عصا ہی میں ایک شور و شر ہے مطلب یہ کہ صرف ایک عصا اُنکے پاس ہے مگر بس وہی غضب کا ہے۔

تو جہان راستان در رفتۂ گرچہ در صورت بجائے خفتۂ

یعنی اے بابا تو جیوان کے جہان میں گیا ہوا ہے اگرچہ ظاہرا ایک خاک میں سویا ہوا ہے مطلب یہ کہ وہاں تو سب منکشف ہے اور معلوم ہے اور سب سچے ہیں لہذا آپ ہیں یہ بتا دیجئے کہ۔

آن اگر سحر ست مارا دہ خبر ور خدائی باشد لے جان پدر

یعنی اگر وہ سحر ہے تو ہم کو خبر دے اور اگر یہ بات خدا والی ہے تو لے باپ کی روح۔

ہم خبر دہ تا کہ ما سجدہ کنیم خویش را بر کیمیائے بر زنیم

یعنی تب بھی خبر دے تاکہ ہم اطاعت کریں اور اپنے کو ایک کیمیا پر لگا دین مطلب یہ کہ ہم بھی پھر اُن کے فیوض سے مستفیض ہوں اسلئے کہ۔

نا اُمیدانیم اُمیدے رسد در شب دیجور خورشیدی رسد

یعنی ہم تو (رحمت حق سے) نا اُمید ہیں تو کوئی امید ہو اور شب تاریک میں کوئی خورشید پہنچے۔

از ضلال آئیم در راہ رشد راندگانیم و کرم مارا کشد

یعنی گمراہی سے ہم راہ ہدایت میں آجاویں اور ہم راندگان درگاہ ہیں ہم کو کرم کھینچ لے غرض کہ جو کیفیت ہو اُس سے آگاہ فرما دیا جاوے۔

شرح حبیبی

گفت شان در خواب کای اولاد من نیست ممکن ظاہر این را دم زدن

فاش مطلق گفتنم دستور نیست ‌ ‌ ‌ لیک راز از پیش چشم دور نیست

یک نشانے وانمایم با شما ‌ ‌ ‌ تا شود پیدا شما را این خفا

نور چشمانم چو آنجا مے روید ‌ ‌ ‌ از مقام خواب شان آگاہ شوید

آن زمان کہ خفتہ باشد آن حکیم ‌ ‌ ‌ آن عصا گیرید بگذارید بیم

گر بدزدید آن عصا شان ساحرست ‌ ‌ ‌ چارۂ ساحر شما را حاضرست

ورنہ نتوانید ہان آن ایزدیست ‌ ‌ ‌ او رسول ذو الجلال و مہتدیست

گر جہان فرعون گیرد شرق و غرب ‌ ‌ ‌ سرنگون آید ز حق در گاہ حرب

این نشان راست دادم جان باب ‌ ‌ ‌ بر نویس اللہ اعلم بالصواب

جان بابا چون بخسپد ساحری ‌ ‌ ‌ سحر و مکرش را نباشد رہبرے

چونکہ چوپان خفت گرگ ایمن شود ‌ ‌ ‌ چونکہ خفت آن جہد او ساکن شود

لیک حیوانے کہ چوپانش خداست ‌ ‌ ‌ گرگ را آنجا امید و رہ کجاست

جادوئی کہ حق کند حق ست و راست | جادوئی خواندن مر آن حق را خطاست
جان بابا این نشانِ قاطع است | گر بمیرد نیز حقش رافع است

اس نے ان سے خواب میں کہا کہ اے میرے بچو اس راز کو صاف صاف ظاہر کرنا تو میرے امکان میں نہیں کیونکہ مجھے صاف کہنے کی اجازت نہیں ہے مگر یہ راز مجھے معلوم ضرور ہے اب تم سے ایک علامت بیان کرتا ہوں تاکہ اسکے ذریعہ سے یہ راز مخفی تم پر آشکار ہو جاوے میرے نور چشمو جب تم وہاں پہنچو تو یہ معلوم کرو کہ وہ شخص کہاں سوتے ہیں اور یہ معلوم کر کے جب وہ سو رہے ہوں انکی لاٹھی اٹھا لاؤ دیکھو ڈرنا مت ورنہ راز ظاہر نہ ہوگا اب اگر تم اس لاٹھی کو چرا لو تب تو سمجھ لو کہ وہ جادوگر ہے پھر اسکا انتظام کر دینا تم کو کچھ مشکل ہی نہیں اور اگر چرا نہ سکو تو سمجھ لو کہ خدائی قوت ہے انکا بیان سچا ہے اور وہ خدا ئے ذوالجلال کے رسول اور ہدایت یافتہ ہیں اگر فرعون مشرق و مغرب پر بھی قبضہ کرلے گا تب بھی وہ خدا سے نہیں لڑ سکتا لڑائی کے وقت حق سبحانہ ضرور اسکو مغلوب کر دینگے۔ بیٹا یہ سچی پہچان میں نے تم کو بتائی ہے تم اسے دل پر نقش کر لو واللہ اعلم بالصواب بیٹا دیکھو جب جادوگر سو جاتا ہے تو اسکے جادو اور مکر کا کوئی رہبر نہیں ہوتا لہذا وہ معطل ہو جاتا ہے اور جبکہ چرواہا سو جاتا ہے تو بھیڑیا بے کھٹکے ہو جاتا ہے اسلئے کہ سونے سے اسکی تدابیر اور کوششیں رک جاتی ہیں مگر جس جانور کا محافظ خدا ہو بھیڑئے کو وہاں رسائی کی امید بھی نہیں ہوسکتی اسلئے کہ حق سبحانہ پر غفلت ہی طاری نہیں ہوتی پس سمجھو کہ خدا کا جادو واقعی اور سچا جادو ہے جسکا عالم میں کوئی توڑ نہیں میں نے بنا بر صنعت مشاکلت اُسے جادو کہہ دیا ہے (جیسے قلت اطبخوا لی جبۃ وقمیصا۔ یا اللہ یستہزئ بھم) ورنہ اسکو حقیقۃً جادو کہنا غلط ہے بیٹا اگر تم اُسکو اٹھا نہ سکو تو سمجھنا کہ یہ اسکے دعوی نبوت کی قطعی الدلالۃ نشانی ہے اور ایسی ہے کہ سونا تو درکنار اگر انکی وفات بھی ہو جاوے

تب بھی حق سبحانہ اسکو بلند ہی کرینگے اور کبھی مغلوب نہ کرینگے۔

شرح شبیری

اس مُردہ ساحر کا اپنے لڑکونکو جواب دینا

گفت شان در خواب کای اولادِ من — نیست ممکن ظاہر این را دم زدن

یعنی ان سے خواب میں کہا کہ اے میرے بچو ہمیں ظاہر طور پر دم مارنا تو ممکن نہیں مطلب یہ کہ بالکل صاف صاف تو ہم بتا نہیں سکتے اسلئے کہ۔

فاش و مطلق گفتنم دستور نیست — لیک راز از پیش چشمم دور نیست

یعنی ظاہر اور صاف کہنے کی تو مجھے اجازت نہین ہے لیکن راز میری آنکھون کے سامنے سے دور بھی نہیں ہے مطلب یہ کہ چونکہ دنیا دار الابتلا رہے اسلئے اگر اس عالم کے حالات صاف طور پر معلوم ہو جاوین تو پھر آزمائش ہی کیا رہی اسلئے اس نے کہا کہ ہم کو صاف صاف کہنے کا تو حکم حق نہیں ہی مگر اس بھید سے ہم بالکل ناواقف بھی نہیں بلکہ آگاہ ہیں لہذا یہ کرینگے کہ۔

لیک بنمایم شمارا آیتے — تا شوید آگہ زسرے کیتے

لیکن تم کو مین ایک نشانی بتا دون گا تاکہ تم مخفی شئے کے بھید سے آگاہ ہو جاؤ۔

یک نشانے وانمایم با شما — تا شود پیدا شمارا این خفا

یعنی میں تمہیں ایک نشانی دکہادونگا تاکہ تم پر یہ خفا ظاہر ہوجاوے آگے نشانی بتاتا ہے کہ

نور چشمانم چو آن جا گہ رسید　　　از مقام خفتنش آگہ شوید

یعنی اے میرے نور چشمو جب تم اس جگہ پہونچو تو انکے سونے کی جگہ سے آگہ ہوجیو۔

آن زمان کہ خفتہ باشد آن حکیم　　　آن عصا گیرید بگذارید بیم

یعنی جسوقت کہ وہ حکیم سوتے ہوے ہون تو اس عصا کو لیلو اور خوف کو چھوڑ دینا یعنی بس خوف تو کرنا مت کسیطرح اس عصا کو چرا لینا۔

گر بدزدید آن عصا او ساحرست　　　چارہ ساحر شما را حاضرست

یعنی اگر تم عصا کو چرا سکو تب تو وہ ساحر ہے اور ساحر کا علاج تمہارے پاس حاضر ہی ہے۔

ورنہ بتوانید ہان آن ایزدیست　　　او رسول ذوالجلال و مہتدیست

یعنی اور اگر نہ چرا سکو تو وہ اللہ والا ہے اور وہ رسول حق ہے اور مہتدی ہے تو اگر وہ رسول ہے تو پھر تو یہ سمجھ لو کہ۔

گر جہان فرعون گیرد شرق و غرب　　　سرنگون آید خدا را گاہ حرب

یعنی اگر سارا جہان شرق سے غرب تک فرعون ہی فرعون سے لے تو وہ خدا کے آگے لڑائی کے وقت سرنگون ہی لاوے گا مطلب یہ کہ اگر ساری دنیا فرعون سے بھر جاوے تب بھی خدا کے آگے انکی کچھ نہیں چل سکتی۔

این نشان راست دادم جان باب　　　بر نویس اللہ اعلم بالصواب

یعنی میں نے یہ سچی نشانی دیدی ہے اے جان باپ کی اسکو (قلب پر) نقش کر لو واللہ اعلم بالصواب

مطلب یہ کہ بس اس نشانی سے تم کو ان کا صدق وکذب معلوم ہوجاویگا آگے ایک قاعدہ کلیہ بیان کرتا ہے کہ۔

جان بابا چون بخسپد ساحری سحر ومکرش را نباشد رہبری

یعنی اے جان باپ کی جب کوئی ساحر سورہتا ہے تو اُسکے سحر اور مکر کا کوئی رہبر نہیں رہتا اسلیئے کہ وہ ہی متصرف تہا وہ سوگیا اب اسکا تصرف باطل ہوجاتا ہے اسکی ایسی مثال ہے کہ۔

چونکہ چوپان خفت گرگ ایمن شود چونکہ خفت او جہد او ساکن شود

یعنی جبکہ چوپان سوجاوے تو گرگ بیخوف ہوجاتا ہے چونکہ وہ سورہا ہے اُسکی کوشش ساکن ہوگئی یعنی جب وہ سوگیا تو اُسکی خوب حفاظت بھی باطل ہوگئی۔

لیک حیوانے کہ چوپانش خداست گرگ را آنجا امید و رہ کجاست

یعنی لیکن جس جانور کا خدا نگہبان ہے گرگ کو اُس جگہ امید اور راہ کب ہے اس لئے کہ وہ تو کبھی غافل نہیں ہوتے نہ سوتے ہیں تو وہاں کسیکی رسائی نہیں ہوسکتی لہذا یاد رکھو کہ۔

جادوئی کہ حق کند حق ست و راست جادوئی خواندن مرآن حق را خطاست

یعنی جس جادو کو حق تعالےٰ حق اور سچا فرمادین تو اس حق کو جادو کہنا ہی خطا ہے مطلب یہ کہ اسی طرح جس کا محافظ خدا ہو وہاں کسیکی دسترس نہیں اسی طرح جسکی کہ حق تعالےٰ حفاظت کرین اسکو کون مٹا سکتا ہے تو اگر وہ جادو ہے تو اسکے سورہنے سے اُسکا اثر باطل ہوجاویگا اور تم اسکے چرانے پر قادر ہوگے اور اگر وہ حق تعالےٰ کی طرف سے ہے تو پھر تم اُسکے چرانے پر قادر نہ ہوسکے اسلئے کہ حق تعالےٰ تو ہر گھڑی متصرف ہیں

پھر بولا کہ۔

جان بابا این نشان قاطع ست　　　گر بمیر د نیز حقش رافع ست

یعنی اے جان پدر یہ نشانی قاطع ہے اور اگر وہ مر بھی جاوے تب بھی حق اسکا رافع ہے
یعنی اس نے کہا کہ اُنکا اثر سونے سے تو کیا جاتا اگر وہ مر بھی جاوین تب بھی اُنکا اثر زائل
نہیں ہوتا بلکہ اسیطرح قائم رہتا ہے آگے مولانا اس سے ایک دوسرے مضمون کی طرف
انتقال فرماتے ہیں وہ یہ ہے کہ جس طرح موسٰے علیہ السلام کے سو جانے سے
اُس عصا پر کسی کا دسترس نہ پہنچا تھا اسیطرح حضور مقبول صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات
سے قرآن شریف پر کسی محرف کو قدرت نہیں ہو سکتی سبحان اللہ خوب ہی انتقال ہے۔

شرح حبیبی

مصطفٰے را وعدہ کرد الطاف حق　　　گر بمیری تو نمیرد آن سبق

من کتاب و معجزت را رافعم　　　بیش و کم کن را ز قران مانعم

من ترا اندر دو عالم حافظم　　　طاغیان را از حدیثت رافضم

کس نتاند بیش و کم کردن درو　　　تو بہ از من حافظے دیگر مجو

رونقت را روز افزون مے کنم　　　نام تو بر زر و بر نقرہ زنم

منبر و محراب سازم بهر تو / در محبت قهر من شد قهر تو

نام تو از ترس پنهان میکنند / چون نماز آرند پنهان می‌شوند

خفیه میگویند نامت را کنون / خفیه هم بانگ نماز ای ذوفنون

از هراس و ترس کفار لعین / دینت پنهان می‌شود زیر زمین

من مناره پر کنم آفاق را / کور گردانم دو چشم عاق را

چاکرانت شهرها گیرند و جاه / دین تو گیرد ز ماهی تا بماه

تا قیامت باقیش داریم ما / تو مترس از نسخ دین ای مصطفیٰ

اے رسول ما تو جادو نیستی / صادقی هم خرقهٔ موسیستی

هست قرآن مر ترا همچو عصا / کفرها را درکشد چون اژدها

تو اگر در زیر خاکے خفتهٔ / چون عصایش دان تو آنچه گفتهٔ

گرچه باشی خفته تو در زیر خاک / چون عصا آگه بود آن گفت پاک

قاصدان را بر عصایت دست نے	تو بخسپ ای شہ مبارک خفتنے
تن بخفتہ نور جان در آسمان	بہر پیکارے توزہ کردہ کمان
فلسفی و آنچہ پوزش میکند	قوس نورت تیر دوزش میکند
آنچنان کرد و ازان افزون کہ گفت	او بخفت و بخت اقبالش نخفت

اب مولانا گر بیر و نیز حقش رافع ست کی تائید فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ مذکورہ بالا بیان بالکل صحیح ہے چنانچہ اسکی نظیر یہ واقعہ موجود ہے کہ حق سبحانہ نے اپنے فضل و کرم سے جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے وعدہ فرمایا ہے کہ اگر آپ انتقال بھی فرماجاوین تو قرآن پھر بھی زندہ رہے گا میں اس کتاب اور اس معجزہ کو تفوق بخشونگا اور جو اس میں تحریف کرنا چاہے گا میں مزاحمت کرونگا اور اسکو کامیاب نہ ہونے دونگا مین آپ کا دوتون عالم میں محافظ ہوں اور جو آپ کی بات نہ مانیں میں نہ انکو چھوڑ دونگا جب میں تم پر اتنا مہربان ہون تو مین قرآن کی بھی حفاظت کرونگا تم اطمینان رکھو قرآن میں کوئی شخص کمی بیشی نہیں کرسکتا اور مجھ سے بڑھکر تم کو کوئی محافظ ملے گا بھی نہیں پس فکر بیکار ہے مین آپکی رونق کو روز بروز ترقی دونگا اور سونے چاندی پر آپکے نام کا سکہ ہوگا میں آپ کے لئے منبر و محراب بناؤنگا جن میں آپ بحیثیت ایک مقتدا کے جلوہ افروز ہونگے اور چونکہ مجھے آپ سے نہایت محبت ہے اسلئے آپ کا قہر وغضب میرا قہر وغضب ہوگا گو اب یہ حالت ہے کہ مومنین مارے خوف کے آپ کا نام نہیں لے سکتے اور نماز بھی پڑھتے ہیں تو چھپ کر اور آپ کا نام بھی لیتے ہیں تو آہستہ سے اور آذان بھی دیتے ہیں تو اس طرح کہ کسیکو خبر نہ ہو اور ملعون کفار کے خوف سے آپ کا دین یون پوشیدہ ہے جیسے کوئی چیز

زمین میں چھپی ہوئی ہو لیکن عنقریب میں آپ کے دین کو مشہور عالم کرونگا اور نا فرمانوں کی آنکھوں کو اس کی چمک دمک سے اندھا کرونگا آپ کے خدام ملک و جاہ پر قابض ہونگے اور آپکے دین کا زمین سے آسمان تک تسلط ہوگا آپ انکا بھی اندیشہ نہ کریں کہ آپ کا دین کسی وقت میں ادیان سابقہ کیطرح منسوخ ہوجاویگا یا سٹجاویگا نہیں بلکہ ہم اسکو قیامت تک باقی رکھینگے اسے ہمارے رسول آپ جادو نہیں جسکی شان و شوکت عارضی ہو بلکہ آپ سچے اور موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ نبوت میں مماثل ہیں آپ کے لئے قرآن ایسا ہی ہے جیسا انکے پاس عصا تھا کہ یہ بھی تمام کفر ونکو اژدہے کیطرح نگل جاویگا آپ اگرچہ زیر زمین خواب راحت میں ہوں مگر آپ کے منہ سے نکلا ہوا کلام مثل عصائے موسیٰ ہوگا کہ اسکو کوئی ضرر نہیں پہونچا سکتا اگرچہ آپ زیر خاک سو رہے ہوں مگر آپ کے منہ سے نکلا ہوا کلام عصا کی طرح خبردار ہوگا اور جو اس میں تحریف وغیرہ کا قصد کریگا اسکا اسپر قابو نہ چلیگا پس آرام سے سوئیے اور کچھ فکر نہ کیجئے آپ کا جسم سوتا ہوگا مگر آپ کا نور جان عالم بالا پر پہنچا ہوا جنگ مخالفین کے لئے کمان کھینچے ہوئے ہوگا یعنی آپ کو روحانی تعلق حق سبحانہ سے ہوگا جسکی وجہ سے حق سبحانہ اسوقت اسکی خصوصیت کے ساتھ محافظ ہونگے اور فلسفی اور حکیم دنیا اور انکا پوزہ جو کارروائی آپ کے خلاف کریگا آپ کا نور اسکو فنا کردیگا اب مولانا فرماتے ہیں کہ جیسا حق سبحانہ نے وعدہ فرمایا تھا ویسا ہی کیا جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سو گئے مگر آپ کا بخت و اقبال بیدار رہا۔

شرح شبیری

قرآن مجید کو عصائے موسیٰ علیہ السلام سے تشبیہ دینا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کو موسیٰ علیہ السلام کے

سو جانیسے تشبیہ دینا اور قرآن شریف مین تحریف کرنیوالونکو اُن ساحر بچّونسے تشبیہ دینا جنھون نے کہ عصائے موسیٰ علیہ السّلام کو چرانا چاہا تھا جبکہ موسیٰ علیہ السّلام سو رہے تھے

مصطفیٰ را وعدہ کرد الطاف حق　　　گر بمیری تو نمیرد این سبق

یعنی مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے الطاف حق نے وعدہ فرمایا تھا کہ اگر آپ وفات بھی پاجائینگے تب بھی یہ درس قرآن نہ مریگا اسلئے کہ۔

من کتاب و معجزت را رافعم　　　بیش و کم کن راز قرآن مانعم

یعنی مین آپکی کتاب اور معجزہ (کے رتبہ) کو بلند کرنے والاہون اور گھٹانے بڑھانے والیکو قرآن سے مانع ہوں (اور کسیکو قدرت نہ ہونے دونگا)

من ترا اندر دو عالم حافظم　　　طاغیان را از حدیثت دافعم

یعنی میں آپ کا دونون عالم مین حافظ ہون اور نافرمانون کو آپکی حدیث سے دفع کرنیوالاہون

کس نتاند بیش و کم کردن درو　　　تو بہ از من حافظے دیگر مجو

یعنی اسمیں کوئی شخص بیش و کم نہ کرسکیگا آپ مجھ سے بہتر کوئی اور محافظ نہ تلاش کرین۔

رونقت را روز افزون میکنم　　　نام تو بر زر و بر نقرہ زنم

یعنی آپ کی رونق کو دن پر دن زیادہ کرونگا اور آپ کے نام کو سونے اور چاندی پر لاؤنگا یعنی آپ کی سلطنت ہوگی اور آپکے نام کا سکہ چلیگا چنانچہ ہوا۔

منبر و محراب سازم بہر تو　　در محبت قہر من شد قہر تو

یعنی مین آپکے لئے منبر اور محراب بناؤنگا اور محبت مین آپ کا قہر میرا قہر ہے مطلب یہ کہ آپ سے محبت ہونے کی وجہ سے اگر کسی پر آپ کا قہر ہوگا تو اسپر میرا قہر بھی ہوگا اور مین تمہارے لئے منبر و محراب جو کہ لوازم سلطنت سے ہین بناؤنگا اور ابھی تو یہ حالت ہے کہ

نام تو از ترس پنہان میکنند　　چون نماز آرند پنہان مے شوند

یعنی آپ کے نام کو خوف کی وجہ سے پوشیدہ کرتے ہین اور جب نماز پڑھتے ہین تو پوشیدہ ہو جاتے ہین۔

خفتہ میگویند نامت را کنون　　خفیہ ہم بانگ نماز ای ذی فنون

یعنی اب تو آپکے نام مبارک کو خفیہ لیتے ہیں اور آواز نماز کو بھی خفیہ رکھتے ہیں ای ذوفنون

از ہراس و ترس کفار لعین　　دینت پنہان می شود زیر زمین

یعنی کفار لعین کے خوف اور ترس کی وجہ سے آپ کا دین ابھی تو (گویا کہ) زیر زمین دفن ہورہا ہے (مگر عنقریب یہ ہوگا کہ)

من منارہ پر کنم آفاق را　　کور گردانم دو چشم عاق را

یعنی مین آفاق مین اُس دین کو منارہ پر کرونگا اور منکر کی دونون آنکھونکو اندھا بنا دونگا۔

چاکرانت شہرہا گیرند و جاہ　　دین تو گیرد ز ماہی تا بماہ

یعنی آپکے غلام شہرون اور مرتبونکو سے لین گے اور آپ کا دین ماہی سے ماہ تک محیط ہوجائیگا یعنی اسفل سے لیکر اعلےٰ تک آپ ہی کا دین ہوگا۔

تا قیامت باقیش داریم ما　　　　تو مترس از نسخ دین ای مصطفےٰ

یعنی قیامت تک ہم اسکو باقی رکھیں گے اور اے مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم تم نسخ دین سے خوف مت کرو مطلب یہ کہ آپ بیفکر رہیں آپ کے بعد نسخ حسیّ نہیں ہوسکتا۔

اے رسول ما تو جادو نیستی　　　　صادق ہم خرقۂ موسیستی

یعنی اسے ہمارے رسول آپ جادوگر نہیں ہیں آپ صادق ہیں اور آپ موسےٰ کے ہم خرقہ ہیں

ہست قرآن مر ترا ہمچون عصا　　　　کفرہا را درکشد چون اژدہا

یعنی تمہارے لئے قرآن مثل عصا کے ہے کہ وہ کفرونکو اژدہا کی طرح مار ڈالتا ہے۔

تو اگر در زیر خاکے خفتۂ　　　　چون عصائش دان تو انچہ گفتۂ

یعنی اگر آپ زیر خاک سو رہے ہین تو جو کچھ کہ آپ نے فرمایا ہی اسکو عصا کی طرح جانو۔

گرچہ باشی خفتہ تو در زیر خاک　　　　چون عصا آگہ بود آن گفت پاک

یعنی اگرچہ آپ زیر خاک سو رہے ہون مگر اس قول پاک کو مثل عصا کے آگاہ سمجھئے کہ جسطرح وہ عصا سارقون سے آگاہ ہوکر انکو بھگا دیتا تھا اسیطرح یہ قرآن بھی کسی کو اپنے اوپر قدرت نہ ہونے دیگا۔

قاصدان را بر عصایت دست نے　　　　تو بخسپ ای شہ مبارک خفتنے

یعنی (تحریف کے) قاصدونکو آپکے عصا پر قدرت نہیں ہے اسے شاہ دوجہان آپ مبارک سونا سوئیے

یعنی آپ بیٹھکر سو وین اس پر کسیکو قدرت نہ ہوگی اسلئے کہ۔

تو بخفتہ نور تو بر آسمان — بہر پیکار توزہ کردہ کمان

یعنی آپ سو رہے ہین اور آپ کا نور آسمان پر آپکی طرف سے لڑائی کیلئے کمان زہ کئے ہوئے ہی

فلسفی و آنچہ پوزش میکند — قوس نورت تیر دوزش میکند

یعنی فلسفی اور اسکا منہ جو کچھ کرتا ہے آپکے نور کی قوس اسکو تیر دوز کر دیتی ہے یعنی اسکو رک دیدیتی ہے مولانا فرماتے ہین کہ۔

آن چنان کرد و ازان افزون کہ گفت — او بخفت و بخت و اقبالش نخفت

یعنی حق تعالےٰ نے ویسا ہی کیا بلکہ اس سے زیادہ جیسا کہ کہا تھا آپ سو رہے اور آپکا بخت و اقبال نہ سویا بلکہ بحمد اللہ تا ہنوز روزا فزون و رو بترقی ہے اللھم زد فزد آگے پھر موسے علیہ السلام کا قصہ بیان فرماتے ہیں کہ۔

شرح حبیبی

جان بابا چونکہ ساحر خواب شد	کار او بے رونق و بے آب شد
ہر دو از گورش ؑ روان گشتند و تفت	تا بمصر از بہر آن پیکار رفت
چون بمصر از بہر آن کار آمدند	طالب موسیٰ و خانہ او شدند

اتفاق افتاد کان روز و رود / موسیٰ اندر زیر نخلے خفته بود

پس نشان دادندشان مردم عیان / کش بنخلستان بجوئید این زمان

آمدند آن هر دو تا خرما بنان / خفته بود او لیک بیدار جهان

بهر نازش بسته بود او چشم سر / عرش و فرش جمله در پیش نظر

ای بسا بیدار چشم خفته دل / خود چه بیند چشم اهل آب و گل

و انکه دل بیدار دارد چشم سر / گر بخسپد بر کشاید صد بصر

گر تو اهل دل نه بیدار باش / طالب دل باش و در پیکار باش

ور دلت بیدار شد مے خسپ خوش / نیست غایب ناظرت از هفت و شش

گفت پیغمبر که خسپد چشم من / لیک کے خسپد دلم اندر وسن

شاه بیدار ست و حارس خفته گیر / جان فدائے خفتگان دل بصیر

وصف بیداری دل ای معنوی / در نگنجد در هزاران مثنوی

چون بدیدندش کہ خفت ست او دران / بہر دزدیٔ عصا کردند ساز

ساحران قصد عصا کردند زود / کز پسش باید شدن آنگہ بود

اندکے چون پیشتر کردند ساز / اندر آمد آں عصا در اہتزاز

آنچنان برخود بلرزید آن عصا / کان دو برجا خشک گشتند از وجا

بعد ازاں شد اژدہا و حملہ کرد / ہر دواں بگریختند و روئے زرد

رو در افتادن گرفتند از نہیب / غلط غلطان منہزم اندر نشیب

پس یقین شان شد کہ ہست از آسمان / زانکہ مے دیدند حد ساحران

پس ازیں رو علم سحر آموختن / نیست ممنوع و حرام و ممتہن

بعد ازاں اطلاق و تبشان شد پدید / کارشان تا نزع و جان کندن رسید

پس فرستادند مردے در زمان / سوئے موسیٰ از برائے عذر آن

کامتحان کردیم مارا کے رسد / امتحان تو اگر نبود حسد

مجرم شاہیم و ما را عذر خواہ ❊ ای تو خاص الخاص درگاہ اللہ

عفو کرد و در زمان نیکو شدند ❊ پیش موسیٰ ساجد و دو تو شدند

در گذار از ما کہ ما کردیم بد ❊ اے ترا الطاف و فضل بیعدد

گفت موسیٰ عفو کردم ای کرام ❊ گشت بر دوزخ تن و جان تان حرام

من شما را خود ندیدم اے دو یار ❊ اعجمی سازید خود را ز اعتذار

ہمچنان بیگانہ شکل و آشنا ❊ در نبرد آیید پیش بادشاہ

انچہ باشد مر شما را از فنون ❊ جمع آرید از برون و از درون

پس زمین را بوسہ دادند و شدند ❊ انتظار وقت فرصت می بدند

اب مولانا پھر قصۂ خواب کی طرف رجوع فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس مردہ نے کہا کہ بیٹا جب ساحر سو جاتا ہے تو اسکا کام بے رونق اور بے آب و تاب ہو جاتا ہے یہ سُنکر وہ دونوں اسکی قبر سے مصر کی طرف اُس جنگ عظیم کیلئے تیزی کے ساتھ روانہ ہوگئے جب وہ اس کام کے لئے مصر میں آئے تو انھون نے موسےٰ علیہ السلام اور انکے دولت خانہ کو تلاش کیا اتفاق ایسا ہوا کہ جس روز وہ آئے اس روز موسےٰ علیہ السلام ایک کھجور کے درخت کے نیچے سو رہے تھے جب انھون نے لوگون سے دریافت کیا تو انھون نے انکو صاف پتہ یہ بتایا کہ اسوقت وہ

تم کو نخلستان میں ملینگے وہان تلاش کر و یہ سنکر وہ نخلستان میں آئے تو معلوم ہوا کہ وہ سو رہے ہیں
لیکن یاد رکھو کہ انکی رُوح سوئی ہوئی نہ تھی بلکہ وہ بیدار تھی مگر انکی جسمانی آنکھیں بند تھیں اسلئے
انکو ایک ایسے معشوق سے تشبیہ دیجا سکتی ہے جو جاگتا ہو مگر ناز سے آنکھیں بند کرے وہ سونیکی
حالت میں عرش و فرش سب کو بچشم قلب دیکھ رہے تھے انکی تو یہ حالت تھی کہ سوتے میں بھی
جاگ رہے تھے اور بہت سے ایسے بھلے مانس ہیں کہ جاگتے میں بھی سوتے ہیں یعنی انکی چشم قلب
بند ہے اور جسمانی آنکھیں کھلی ہوئی ہیں لیکن بیچارے جسمانی لوگون کی آنکھیں کھلی ہو کر بھی کیا خاک
دیکھ سکتے ہیں لیکن اگر یون کہا جاوے کہ وہ ظاہرا بھی سو رہے ہیں اور باطنا بھی تب بھی ایک حد
تک صحیح ہے کیونکہ یہ بیداری بھی بمنزلہ خواب کے ہے برخلاف ان لوگون کے جنکا دل جاگتا ہے
کیونکہ ایسے لوگون کا سونا بھی مثل بیداری کے ہے کیونکہ اگر جسمانی آنکھین بند ہو جاتی ہیں تو
روحانی آنکھیں بجاے ان دو کے سو کھل جاتی ہیں پس جب اہل دل کی فضیلت معلوم ہو گئی
تو اب تم اپنی حالت کو دیکھو اگر تم اہل دل نہیں ہو تو سونے کا موقع نہیں بلکہ تم کو ذکر اللہ کیلئے
راتو نکو جاگنا چاہیئے اور اصلاح قلب اور مخالفت نفس و شیطان کرنا چاہیئے اور اگر تمہارا دل
بیدار ہو چکا ہے تو مزے سے پاؤں پھیلا کر سوؤ اب تمہاری چشم قلب سے کوئی معتد بہ چیز
غائب نہ ہوگی نہ کم نہ زیادہ چنانچہ جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ سونے کی
حالت میں میری آنکھ سوتی ہے دل نہیں سوتا اور جبکہ بادشاہ یعنی دل بیدار ہوا اور محافظ یعنی
جسم سوتا ہو تو سویا کرے کیا مضائقہ مصیبت تو جب ہے کہ بادشاہ سو جاوے ایسے وہ لوگ
قربان ہو جانے کے قابل ہین جو سوتے ہون مگر قلوب اُنکے مشاہدہ جمال حق میں مصروف ہون
واقعی بات یہ ہے کہ بیداری قلب بڑی دولت ہے اگر اُسکی تعریف کیجاوے تو ہزارون مثنویان
بھی اسکے لئے کافی نہ ہون اسلئے ہم اسکو مختصر کرتے ہیں اور اصل قصہ بیان کرتے ہیں جبکہ
انھون نے موسے علیہ السّلام کو دیکھا کہ پاؤں پھیلائے سو رہے ہین تو عصا کو چرانے پر
اتفاق کیا اسکے بعد اسکو چرانے کا قصد کیا اور چاہا کہ پیچھے سے جا کر چپکے سے
اڑا لیں جون ہی وہ کسیقدر آگے بڑھے فورا عصا کو جنبش شروع ہوئی وہ کچھ اس طرح سے
ہلا کہ اسکو دیکھتے ہی وہ دونون خوف سے سوکھ گئے اسکے بعد وہ اژدہا بنا اور ان پر حملہ کیا

تو وہ بھاگے اور مارے خوف کے چہروں کی رنگت زرد ہوگئی فرط دہشت سے اچھی طرح بھاگ بھی نہ سکتے تھے بلکہ گر گر پڑتے تھے مگر وہ گرتے پڑتے کسی نشیب کے اندر بھاگ ہی گئے اب تو ان کو یقین ہوگیا کہ یہ تصرف حق سبحانہ ہے اسلئے کہ وہ ماہر فن تھے اور یہ سمجھتے تھے کہ یہ بات ساحروں کی طاقت سے باہر ہے پس اگر کوئی جادو اس غرض سے سیکھے کہ تصرف حق سبحانہ اور تصرف جادوگران میں امتیاز کرسکے تو نہ ممنوع و حرام ہے اور نہ ذلیل کام خیر یہ تو استطرادا مذکور ہوگیا اب سنو کہ اسکے بعد انکی کیا حالت ہوئی وہ بھاگ تو گئے مگر انکو دست لگ گئے اور بخار چڑھ آیا حتٰے کہ قریب المرگ ہوگئے جب یہ حالت ہوئی تو کسی شخص کو فوراً حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس معذرت کے لئے بھیجا اور کہا کہ ہم نے آپکا امتحان کیا لیکن اگر فی الجملہ حسد کی آمیزش نہ ہوتی تو ہم کو آزمایش کب زیبا تھی پس ہمارے حسد نے یہ نوبت پہنچائی پس اے درگاہ حق سبحانہ کے خاص الخاص بندے ہم اپنے جرم کا اعتراف کرتے ہیں آپ ہم کو معاف فرماویں موسٰے علیہ السّلام نے انکا قصور معاف کردیا اور وہ اچھے ہوگئے اسکے بعد خود حاضر خدمت ہوئے اور نہایت تعظیم و تکریم کی اور کہا کہ ہم نے بُری حرکت کی آپ ہم کو معاف فرماویں آپکے الطاف و افضال بے حد و نہایت ہیں لہذا اس خطا کو معاف کردینا آپ کے نزدیک کوئی بڑی بات نہیں موسٰے علیہ السّلام نے فرمایا کہ میں نے معاف کیا اور میں تم کو خوشخبری دیتا ہوں کہ اب تم پر دوزخ حرام ہوگئی ہے کیونکہ تم مسلمان ہوگئے ہو میں نے تم کو دیکھا بھی نہیں تھا پس اب تم معذرت کو بالکل بھول جاؤ اب میں تم کو وصیت کرتا ہوں کہ تم بادشاہ کے سامنے مقابلہ میں یوں آنا جیسے کہ تم مجھے جانتے ہی نہیں اور اپنے ہنر خوب دکھلانا اور بالکل کمی نہ کرنا کیونکہ اس سے فرعون پر کافی طور پر حجت قائم ہوگی ورنہ وہ خیال کریگا کہ اگر یہ لوگ پوری کوشش کرتے تو میں غالب ہوسکتا تھا لیکن یہ کمبخت دشمن سے مل گئے اور اپنے ہم پیشہ کی رعایت کرکے مجھے شکست دلادی یہ سنکر وہ آداب بجالاکر روانہ ہوگئے اور موقع کے منتظر رہے

شرح شبیری

موسیٰ علیہ السلام کی حکایت کا بقیہ

جان بابا چونکہ ساحر خواب شد　　کار او بے رونق و بے آب شد

یعنی (اُس مُردہ ساحر نے کہا کہ) اے جان پدر جب ساحر سو گیا تو اسکا کام بے رونق اور بے آب ہو گیا اسلئے کہ متصرف وہی تھا اب اُسکا تصرف باطل ہو گیا۔

ہر دو از گورش روان گشتند تفت　　تا بمصر از بہر آن پیکار رفت

یعنی وہ دونوں اسکی قبر سے جلدی سے روانہ ہو گئے یہانتک کہ مصر میں اس مقابلہ عظیم کیلئے آ گئے۔

چون بمصر از بہر آن کار آمدند　　طالب موسیٰ و جائے او شدند

یعنی جب مصر میں اُس کام کے لئے آئے تو موسیٰ علیہ السلام اور انکی قیامگاہ کے متلاشی ہوئے۔

اتفاق افتاد کاں روز ورود　　موسیٰ اندر زیر نخلے خفتہ بود

یعنی اتفاق ایسا پڑا کہ اُس ورود (ساحران) کے دن میں موسیٰ علیہ السلام ایک کھجور کے نیچے سو رہے تھے۔

پس نشان دادند شان مردم بجو　　کہ بروزان سوئے نخلستان بجو

یعنی لوگوں نے ان ساحروں کو ان کا نشان بتایا کہ جاؤ اور اس نخلستان کے اس طرف تلاش کرو

چون بیامد دید در خرمانیان　　　خفتہ کو بود بیدار جہان

یعنی جب وہ آئے تو انھون نے کھجور کی جڑ میں ایک سویا ہوا دیکھا جو کہ جہان کا بیدار تھا یعنی قلب کے اعتبار سے سارے جہان سے زیادہ بیدار تھا اسکو دیکھا کہ وہ سورہا ہے اب یہاں شبہ سا ہوا کہ جب بیدار تھے تو سو کیون رہے تھے اسکو فرماتے ہیں۔

بہر ناز شن بستہ او دو چشم سر　　　عرش و فرشش جملہ در پیش نظر

یعنی ناز کی وجہ سے انھون نے سر کی دونوں آنکھیں بند کرلی تھیں مگر عرش و فرش سب انکی پیش نظر تھا مطلب یہ کہ اگرچہ وہ ظاہر میں سو رہے تھے مگر اصل میں وہ بیدار تھے اسلئے کہ انکا قلب بیدار تھا مگر جسطرح کہ بچہ ماں کی گود میں لیٹ کر آرام اور ناز کی وجہ سے آنکھیں بند کرلیتا ہے اسیطرح انھون نے ان دونون چشم سر کو بند کرلیا تھا مولانا فرماتے ہیں کہ

اے بسا بیدار چشم و خفتہ دل　　　خود چہ بیند چشم اہل آب و گل

یعنی بہت سے ایسے ہیں کہ بیدار چشم ہیں اور دل سویا ہوا ہے تو آب و گل کی آنکھ خود کیا دیکھ سکتی ہے مطلب یہ کہ جب یہ چشم آب و گل کہلی ہوگی تو یہ سوائے ان ظاہری چیزوں کے اور کیا دیکھیگی ظاہر ہے کہ اسکی نظر تو ان ہی پر رہیگی۔

وانکہ دل بیدار دارد چشم سر　　　گر بخسپد بر کشاید صد بصر

یعنی اور جو کہ دل بیدار رکھتا ہے تو اگر چشم سر سو بھی جاوے تو وہ سیکڑوں آنکھیں کھول دے۔

گر تو اہل دل نہ بیدار باش　　　طالب دل باش و در پیکار باش

یعنی اگر تو اہل دل نہیں ہے تو بھاگتا کر اور دل کا طالب اور (نفس کی) لڑائی میں رہ مطلب یہ کہ اگر تم کو بیداری قلب نصیب نہیں ہے تو خیر ا تو ان آنکھون ہی کو کھوے رکھو کہ اسی سے بہت کچھ ہوجاوے گا۔

ور دولت بیدار شد مے خسپ خوش　　نیست غائب ناظرت از ہفت و شش

یعنی اور اگر تیرا دل بیدار ہوجاوے تو پھر خوب سو پھر تیری نظر تھوڑے بہت کسی سے غائب نہیں ہے مطلب یہ کہ بعد مجاہدہ و ریاضت کے اگر کچھ آرام زیادہ بھی کر تو تب بھی کوئی حرج کی بات نہیں ہے مگر قبل نفس کے رام ہونے کے تو ذرا مجاہدہ و ریاضت کرو اور اسکی تدبیر یہی ہے کہ حقوق نفس تو ادا کرے مگر حظوظ میں مبالغہ نکرے اسی سے سب کچھ انشاء اللہ حاصل ہوجاویگا ہاں اسکے ساتھ جو اور شرائط ہیں وہ ہیں ہی۔

گفت پیغمبر کہ خسپد چشم من　　لیک کے خسپد دلم اندر وسن

یعنی پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میری آنکھ تو سورہتی ہے مگر میرا قلب اونگھ میں کب سوتا ہے یعنی آپکی نیند بھی مشابہ اونگھ کے ہوتی تھی جیسے کہ ہم لوگون کا وضو اونگھ سے نہیں ٹوٹتا اسیطرح آپ کا وضو سونے سے نہ جاتا تھا اسلئے کہ آپکی نیند بھی مثل اونگھ کے ہے اسلئے کہ آپکا قلب بیدار ہی رہتا تھا۔

شاہ بیدارست حارس خفتہ گیر　　جان فدائے خفتگان دل بصیر

یعنی بادشاہ کو بیدار اور پاسبان کو سویا ہوا فرض کرو ہماری جان ان سوئے ہوؤں پر فدا ہو جنکا دل بصیر ہے مطلب یہ کہ قاعدہ تو یہ ہے کہ چوکیدار جاگتا ہے اور بادشاہ سوتا ہے مگر یہاں قلب جو کہ مشابہ بادشاہ کے ہے جاگتا ہے اور آنکھ جو کہ مثل پاسبان کے ہے سوتی ہے یہ عجیب الٹی بات ہے آگے فرماتے ہیں کہ۔

وصف بیداری دل اے معنوی　　در نگنجد در ہزاران مثنوی

یعنی اے معنوی بیداری دل کا وصف تو ہزاروں مثنویون مین بھی نہ سماویگا لہذا اسکو یہیں تک بیان کرکے آگے پھر ان ساحرون کا قصہ بیان فرماتے ہیں کہ۔

چون بدیدندش که خفتست او دراز بہر دزدی عصا کردند ساز

یعنی جب انھون نے دیکھا کہ وہ لمبے لمبے سو رہے ہیں تو عصا کے چرانے کا سامان کیا۔

ساحران قصد عصا کردند زود کز پسش باید شدن انگہ ربود

یعنی ساحرون نے جلدی سے عصا (کے چرانے) کا قصد کیا کہ انکے پیچھے سے جانا چاہیئے اور اسکو اچک لینا چاہیئے اسلئے کہ سامنے جانے میں تو خوف تھا کہ وہ شاید جاگتے ہون تو دیکھ لیں لہذا یہ تدبیر کی۔

اندکے چون بیشتر کردند ساز اندر آمد آن عصا در اہتزاز

یعنی جب تھوڑا سا زیادہ سامان کیا تو وہ عصا ہلنے میں آیا یعنی جب وہ ذرا اور قریب پہونچے تو اس عصا نے ہلنا شروع کیا۔

آنچنان بر خود بلرزید آن عصا کان دو بر جا خشک گشتند از وجا

یعنی وہ عصا خود بخود اس طرح ہلا کہ وہ دونون اپنی جگہ ہی پر ڈر کے مارے سوکھ گئے۔

بعد ازان شد اژدہا و حملہ کرد ہر دو آن بگریختند روئے زرد

یعنی بعد اُس (ہلنے) کے وہ اژدہا ہوگیا اور اس نے حملہ کیا تو وہ دونون روئے زرد ہوکر بھاگے روئے زرد ہوکر بھاگنے سے مراد خائف ہوکر بھاگنا ہے۔

رو در افتادن گرفتند از نہیب غلط غلطان منہزم اندر نشیب

یعنی انھون نے ڈر کے مارے گرنا شروع کیا اور لڑکتے پڑکتے نشیب میں کو بھاگنے والے یعنی نشیب میں کو بھاگ رہے تھے تاکہ اس اژدہا کی نگاہ سے اوجھل ہو جاویں۔

پس یقین شان شد کہ ہست از آسمان   زانکہ میدیدند حدِّ ساحران

یعنی پس اُنکو یقین ہوگیا کہ آسمان ہی سے ہے اسلئے کہ انھون نے ساحرون کی حد تو دیکھی تھی مطلب یہ کہ وہ سحر کو تو پہچانتے تھے اور اس میں وہ علامات نہیں تھیں لہٰذا معلوم ہوا کہ یہ حق تعالےٰ کی طرف سے ہے مولانا فرماتے ہیں کہ۔

پس ازین رو علم سحر آموختن   نیست ممنوع و حرام و ممتہن

یعنی اس حیثیت سے علم سحر کو سیکھ لینا ممنوع اور حرام اور ممتہن نہیں ہے یعنی اس نیت سے کہ حق و باطل میں تمیز ہو جاوے اگر سحر کو کوئی سیکھ لے تو کوئی حرج نہیں ہے ہاں اُسکے مقتضا پر عمل نہ کرے جیسے کہ فلسفہ کو پڑھا جاوے کہ اُن لوگون کے جواب دینگے مگر اسپر عمل نہ کرے مولانا خود اسیکو فرماتے ہیں کہ۔

بہر تمیز حق از باطل نکوست   سحر کردن شد حرام ای مرد دوست

یعنی حق کو باطل سے تمیز دینے کیلئے تو اچھا ہے (مگر) اے دوست سحر کرنا حرام ہے یعنی اسپر عمل نہ کرے صرف اُسکی حقیقت کے معلوم کرنے کو سیکھ لے غرض جب وہ بھاگے تو اُن کی یہ حالت ہوئی کہ۔

بعد ازان اطلاق و تپ شان شد پدید   کارشان تا نزع و جان کندن رسید

یعنی بعد اُسکے اُن کو (ڈر کی وجہ سے) دست اور بخار ہوگیا اور اُن کا کام نزع اور جان کنی تلک پہونچگیا

پس فرستادند مردے در زمان   سوئے موسیٰؑ از برائے عذر آن

یعنی پس انھون نے اسیوقت اُس فعل کی عذر خواہی کیلئے موسیٰ علیہ السّلام کے پاس آدمی بھیجا

کامتحان کردیم مارا کے رسد   امتحان تو اگر نبود حسد

یعنی کہ ہم نے امتحان کیا تو ہم کو آپ کا امتحان کرنا کب لائق تھا اگر حسد نہ ہوتا مطلب یہ کہ ہم نے جو یہ امتحان کیا یہ اسی لیئے تھا کہ ہمارے قلب میں آپ کی طرف سے کینہ تھا ورنہ اس امتحان کی کیا ضرورت تھی تو چونکہ ہم سے یہ خطا ہوگئی ہے لہٰذا ہم اب معافی کے خواستگار ہیں۔

مجرم شاہیم مارا عذر خواہ　　اے تو خاص الخاص درگاہ اللہ

یعنی ہم مجرم شاہ ہیں آپ ہماری عذر خواہی فرماویں اے وہ شخص کہ آپ درگاہ خداوندی کے خاص الخاص ہیں۔

درگذر از ما کہ ما کردیم بد　　اے ترا الطاف و فضل بے عدد

یعنی ہم سے درگذر فرمایئے اس لئے کہ ہم نے بُرا کیا ہے لے وہ کہ آپکے الطاف اور فضل بے نہایت ہیں غرضکہ اُن بچاروں نے بہت ہی عذر خواہی کی۔

عفو کرد و در زمان نیکو شدند　　پیش موسیٰ بر زمین سر می زدند

یعنی موسےٰ علیہ السّلام نے معاف فرمایا تو وہ اسیوقت اچھے ہوگئے اور موسےٰ علیہ السلام کے آگے زمین پر سر مارتے تھے یعنی بہت ہی شرمندگی اور عاجزی کا اظہار کر رہے تھے۔

گفت موسیٰ عفو کردم اے کرام　　گشت بر دوزخ تن و جان تان حرام

یعنی موسےٰ علیہ السّلام نے فرمایا کہ اے کرام میں نے تو معاف کردیا اور اب دوزخ تمہاری جان اور تن پر حرام ہوگئی یعنی آپ نے ان کو مغفور و مرحوم ہونے کی بشارت دی مگر ان کی شرمندگی اس سے نہ گئی اس لئے کہ اب تو ان کو موسےٰ علیہ السّلام کی قدر ہوگئی تھی تو اُنکی تسلی کے لئے موسےٰ علیہ السلام نے فرمایا۔

من شمارا خود ندیدم اے دو یار　　اعجمی سازید خود را زاعتذار

یعنی اے دونوں یارو میں نے تو تم کو دیکھا بھی نہ تھا تم اس عذر خواہی سے اپنے کو اجنبی بنا لو مطلب یہ کہ اب اس عذر خواہی میں اسقدر مبالغہ مت کرو اسلئے کہ زیادہ سخت بات تو ہوتی ہوتی جبکہ میں تم کو دیکھتا اور میرا دل دکھتا مگر اب تو مجھے خبر بھی نہ ہوئی تم نے جب کہا ہے تب خبر ہوئی ہے لہٰذا بس عذر خواہی کو ختم کرو کہ ہو چکی آگے فرماتے ہیں کہ ایک بات یہ کرنا کہ۔

ہمچنان بیگانہ شکل و آشنا — در نبرد آئید پیش بادشاہ

یعنی اسیطرح بیگانوں جیسے شکل اور (اصل میں) آشنا ہو کر بادشاہ کے مقابلہ میں آنا۔

انچہ باشد مر شمارا از فنون — جمع آرید از درون و از برون

یعنی جو کچھ کہ تم کو فنون (جادو) سے (حاصل) ہو اسکو اندر سے باہر سے خوب جمع کرو مطلب یہ کہ موسےٰ علیہ السلام نے یہ تدبیر بتائی کہ اب تم مومن تو ہو گئے مگر اس ایمان کو کسی پر ظاہر مت کرو بلکہ اسیطرح بیگانوں کی طرح آکر مجھسے مقابل ہونا اور اپنے کرتب خوب کہانا اُسکے بعد میں تم کو مغلوب کرونگا پھر سب کے سامنے ایمان کو ظاہر کرنا تو اس میں مصلحت یہ ہے کہ اور لوگوں کو بھی ترغیب ایمان کی ہوگی پس یہ سُنکر وہ چلدیتے۔

شہروں سے ساحروں کا فرعون کے سامنے جمع ہونا اور اُس سے خلعتیں پانا اور موسیٰ علیہ السلام کے مغلوب کرنے پر سینہ پر ہاتھ مارنا اور کہنا کہ اس کام کا دفعیہ ہم سے سمجھو

پس زمین را بوسہ دادند و شدند — انتظار وقت فرصت مے بدند

یعنی اُن دونوں نے زمین کو بوسہ دیا اور چلدئے اور وقت فرصت کے منتظر رہے (وہ وقت فرصت یہ تھا کہ)

شرح حبیبی

تا بفرعون آمدند آن ساحران
داد شان تشریفہائے بیکران

وعدہا شان کرد و ہم پیشین بداد
بندگان اسپان و نقد و جنس و زاد

بعد ازان شان گفت ہین ای سابقان
گر فزون آئید اندر امتحان

بر فشانم بر شما چندین عطا
کہ بدرّد پردۂ جود و سخا

پس بگفتندش باقبال تو شاہ
غالب آئیم و شود کارش تباہ

ما درین فن صفدریم و پہلوان
کس ندارد پائے ما اندر جہان

القصہ جادوگر فرعون کے پاس آئے اُس نے انکو اولاً بیش بہا خلعت عطا کئے اور وعدے بھی کئے اور بہت کچھ غلام گھوڑے نقد و جنس کھانے وغیرہ پیشگی بھی دیتے اسکے بعد ان سے کہا کہ اے شائقان فتحمندی یا فن جادوگیری یا انعام و اکرام اگر تم اس آزمائش میں کامیاب ہوتے اور ہوسئے سے بڑھ گئے تو میں تم کو اسقدر انعام دونگا کہ جود و سخا کی حد سے بھی تجاوز کر جاویگا۔ اسپر انھون نے کہا کہ حضور کے اقبال سے ہم یقیناً غالب ہونگے اور حریف کو کامل شکست ہوگی ہم تو اس فن مین صف شکن اور پہلوان ہیں عالم میں ہمارے مقابلہ کی کسیکو تاب نہیں موسئے بیچارہ کیا کریگا۔

شرح شبیری

تا بفرعون آمدند آن ساحران — داد شان تشریفہائے بیکران

یعنی یہانتک کہ وہ سب ساحر فرعون کے پاس آئے تو اس نے انکو بے انتہا خلعتیں دین۔

وعدہا شان کردہ پیشین ہم بداد — بندگان اسپان و نقد و جنس و زاد

یعنی اُن سے فرعون نے وعدے بھی کئے اور پیشگی بھی غلام اور گھوڑے اور نقد اور جنس اور توشہ (خوب) دیا۔

بعد ازان میگفت ہین ای سابقان — گر فزون آئید اندر امتحان

یعنی اسکے بعد اُن سے بولا کہ اے سبقت لیجانے والو اگر تم امتحان میں غالب آگئے تو۔

بر فشانم بر شما چندین عطا — کہ بدرد پردہ جود و سخا

یعنی تم پر اسقدر عطا کرونگا کہ وہ جود و سخا کے پردہ کو بھی پھاڑ دیگی مطلب یہ کہ جود و سخا سے بھی وہ عطا بڑھ جاویگی جود و سخا کو ایک پردہ فرض کرکے اس سے عطا کو بڑھاتے ہیں جب اسکو پردہ فرض کیا تو اس سے جب ہی بڑھ سکتی ہے جبکہ اس پردہ کو پھاڑے لہذا کہدیا کہ بدرد پردۂ الخ غرضکہ اس نے کہا کہ بے انتہا مال و دولت دونگا سبحان اللہ ذرا آپکی خدائی ملاحظہ ہو کہ جنکو کل بندے کہتا تھا آج ان ہی سے امداد کا قائل ہے تف ہے ایسے خدا پر اور اسکی خدائی پر نعوذ باللہ منہ۔

پس بگفتندش باقبال تو شاہ — غالب آئیم و شود کارش تباہ

یعنی بس انہون نے اُس سے کہا کہ اے بادشاہ آپکے اقبال سے ہم ہی غالب آوینگے اور اُنکا (موسے علیہ السّلام کا) کام تباہ ہوگا اس مضمون کو حق تعالٰے فرماتے ہیں کہ قَالُوْا بِعِزَّةِ فِرْعَوْنَ اِنَّا لَنَحْنُ الْغَالِبُوْنَ۔ بعزۃ کا ترجمہ باقبال ہی کرنا بہتر ہے اور بولے کہ۔

مادرین فن صفدریم وپہلوان — کس ندارد پائے ما اندر جہان

یعنی ہم اس فن مین صف شکن (کامل) ہیں اور پہلوان ہیں اور جہان میں ہمارا مرتبہ کوئی نہیں رکھتا مطلب یہ کہ ہم سب سے بڑے ہوئے ہیں آج کوئی ہمارے مقابلہ کا نہیں ہے مولانا نے اس حکایت کو یہیں تک بیان فرمایا ہے آگے کہیں پورا نہیں کیا اور وجہ اسکی یہ ہے کہ مولانا کو حکایت مقصود ہی نہیں ہے بالکل اسیطرح قرآن شریف میں بھی ہے کہ قصص پورے پورے بیان نہیں کئے گئے بلکہ اسیقدر بیان کیا گیا ہے جسقدر سے کہ نتیجہ نکل سکے اسیطرح مولانا نے اسکو یہانتک فرما کر آگے اُس مضمون کو جو کہ اس سے مقصود ہے اور جو اس سے نتیجہ اخذ ہوتا ہے بیان فرماتے ہیں کہ۔

شرح حبیبی

ذکر موسیٰ بند خاطرہا شدست — کاین حکایتہاست کہ پیشین بدست

ذکر موسیٰ بہر روپوش است لیک — نور موسیٰ نقد تست ای یار نیک

موسیٰ و فرعون در ہستی تست — باید این دو خصم را در خویش جست

تا قیامت ہست از موسیٰ نتاج — نور دیگر نیست دیگر شد سراج

این سفال و این فتیلہ دیگرست	لیک نورش نیست دیگر زان سرست
گر نظر در شیشہ داری گم شوی	زانکہ از شیشہ است اعداد دوئی
ور نظر بر نور داری وارہے	از دوئی و اعداد جسم ای منتہے
از نظر گاہ است ای مغز وجود	اختلاف مومن و گبر و جہود

قصہ بیان کرنے کے بعد مولانا مضمون ارشادی کی طرف انتقال فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ صورت قصہ موسےٰ میں تمہارا دل پہنسکر رہ گیا ہے اور تم نے سمجہ لیا ہے کہ یہ قصے ہیں جو گذر چکے لیکن یہ تمہاری غلطی ہے تم کو اس میں امور ذیل کا لحاظ رکھنا چاہیئے اول یہ کہ صورت محض روپوشی کے لئے ہے ورنہ تمہارا حصہ اسمیں سے نور موسےٰ ہے یعنی اس سے عبرت حاصل کرکے تم کو بھی اسی قسم کا نور حاصل کرنا چاہیئے جو موسےٰ علیہ السلام کو حاصل تھا یعنی معرفت حق سبحانہ۔ دوم یہ کہ موسےٰ و فرعون خود تیرے اندر بھی موجود ہیں یعنی نفس و روح پس تجھے انکو اپنے اندر ڈھونڈھنا چاہیئے اور موسےٰ روح کی حمایت کرکے فرعون نفس کو شکست دینی چاہیئے تیسرے یہ کہ موسےٰ صرف وہی نہ تھے جو گذر گئے بلکہ موسےٰ قیامت تک پیدا ہوتے رہینگے اور اہل اللہ کا سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا پس تجھکو انکے ساتھ وہ برتاؤ نہ کرنا چاہیئے جو فرعون نے موسےٰ معروف کے ساتھ کیا تھا بلکہ انکی طاعت کرنا چاہیئے اہل اللہ کو ہم نے موسےٰ اسلئے کہا کہ موسےٰ اپنی جسمیت کے لحاظ سے موسےٰ نہ تھے کیونکہ جسمیت کے لحاظ سے ان میں اور دیگر لوگون میں امتیاز نہیں بلکہ وہ نور حق سبحانہ تھا جس نے موسےٰ کو موسےٰ بنایا تھا اور وہی نور اپنی قدر مشترک کے لحاظ سے ان میں بھی موجود ہے گو خصوصیات مختصہ کے ذریعہ سے انمیں فرق بھی

ہوا اسلئے وہ بھی حکماً موٹے ہو گئے چراغ بتی یعنی اجسام متعدد سہی مگر شعلہ یعنی نورِ حق سبحانہ
تو سب میں ایک ہے لہٰذا انکو متعدد کہنا کچھ بیجا نہیں اب ہم تم کو اس سے بھی زیادہ واضح مثال
سے سمجھاتے ہیں مثلاً اگر ایک چراغ روشن ہو اور اسکا عکس مختلف شیشوں میں نظر آتا ہو
پس اس صورت میں اگر تم شیشون کے تعدد پر نظر کر کے نور کو متعدد کہو گے تو یہ تمہاری غلطی
اور راہ ثواب سے گم شدگی ہو گی کیونکہ تعدد فی الحقیقت نور میں نہیں بلکہ شیشوں میں ہے
اور اگر نور کو دیکھو گے تو توہم تعدد و اثنینیت سے رہائی پاؤ گے اور ٹھیک راستہ پر چلو گے
یون ہی افراد اہل اللہ بھی بمنزلہ متعدد شیشوں کے ہیں جن میں حق سبحانہ کا نور واحد جلوہ نما
ہے اور تعدد محال سے متعدد نظر آتا ہے جب یہ معلوم ہو گیا تو اب یہ مسئلہ صاف ہو گیا
کہ دیگر اہل اللہ بھی موٹے ہیں لیکن اس اتحاد سے سب کے نبی اور رسول ہونے کا شبہ
نہ ہونا چاہیئے کیونکہ اول تو یہ مثال تقریبی ہے تحقیقی نہیں لہٰذا مثال کے کل احکام کا ممثل لہ
کیلئے ثابت کرنا بھی صحیح نہ ہوگا اسکے علاوہ مثال میں بھی من کل الوجوہ اتحاد نہیں کیونکہ شیشوں
کے تکدر اور شفافی کے اختلاف سے۔ نیز انکے رنگون کے مختلف ہونے سے مرتبہ ظہور میں
اس نور میں اختلاف ہو جاویگا کہیں وہ زیادہ روشن ہوگا کہیں کم کہیں اس سے کم کہیں
سُرخ ہوگا کہیں سبز کہیں زرد کہیں سفید پس نور حق سبحانہ میں اختلاف ہے کہیں وہ
نور نبوت ہے کہیں نور ولایت کہیں کم ہے کہیں زیادہ لیکن اس اختلاف کو بھی اس اختلاف
کی مثال تام نہ سمجھنا چاہیئے بلکہ مثال تقریبی سمجھنا چاہیئے چونکہ الفاظ اصل حقیقت کو ظاہر
نہیں کر سکتے جیسا کہ مولانا بھی جا بجا اسکی شکایت کرتے ہیں اسواسطے مدعا کو ایسے الفاظ میں ظاہر
کیا جاتا ہے جسکا مدلول مقصود سے فی الجملہ مناسبت رکھتا ہے یہ بڑی لغزش کی جگہ ہے
اس سے ہوشیار رہنا چاہیئے اور دھوکا کھا کر گمراہی مین نہ پڑنا چاہیئے) چونکہ اختلاف حکم توحد
و تعدد نور اختلاف محال نظر سے پیدا ہوا تھا اسکی مناسبت سے استطراداً ایک اور
اختلاف کو جتلاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ مومن اور آتش پرست اور یہودی وغیرہ میں جو
اختلاف ہے اسکا منشا بھی اختلاف مواقع نظر ہے لیکن مومن کی نظر حقیقت پر ہے اسلئے
اسکا حکم و اعتقاد صحیح اور وہ مہتدی ہے اور دوسرونکی نظرین غیر حقیقت پر ہیں اسلئے انکے

اعتقادات و احکام غیر صحیح اور وہ گمراہ و ضال ہیں آگے اس اختلاف کو ایک مثال سے ظاہر کرتے ہیں مگر یہ مثال بھی تقریبی ہے تحقیقی نہیں وہو کا نہ کھانا چاہیئے۔

شرح شبیری

ذکرِ موسیٰ بند خاطر ہا شدست   کاین حکایتہاست کہ پیشین بدست

یعنی موسےٰ علیہ السلام کا ذکر قلوب کے لئے قید ہو گیا ہے کہ یہ حکاتیں ہیں انکی جو کہ پہلے تھے مطلب یہ کہ لوگ صرف حکایت و ذکر موسےٰ کو دیکھتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ یہ تو پہلوں کی حکاتیں ہیں جو کہ گذر چکے ہیں اب انکا کوئی اثر نہیں ہے حالانکہ۔

ذکر موسیٰ بہر روپوش است ولیک   نور موسےٰ نقد تست ای یار نیک

یعنی ذکر موسےٰ علیہ السلام تو ایک روپوش ہے ولیکن نور موسےٰ تمہاری جانکا نقد ہے اے یار نیک مطلب یہ کہ یہ ذکر موسےٰ تو ایک واسطہ ہے کہ اسکے ذریعہ سے انکی حالت کو ظاہر کیا جاتا ہے یہ صرف پردۂ ذکر حالات موسوی ہے ورنہ وہ نور جو کہ موسےٰ علیہ السلام کے اندر تھا تمہارے اندر بھی موجود ہے اور وہ ملکات حسنہ درجہ استعداد میں تمہارے اندر موجود ہیں انکو حاصل کرو اور انکو ترقی دو۔

موسیٰ و فرعون در ہستی تست   باید این دو خصم را در خویش جست

یعنی موسےٰ و فرعون خود تمہارے اندر موجود ہیں تو ان دونوں متخاصمین کو اپنے اندر تلاش کرنا چاہیئے موسےٰ سے مراد ملکات حسنہ اور فرعون سے ملکات سیئہ مطلب یہ کہ خود تمہارے اندر ملکات حسنہ اور سیئہ دونوں موجود ہیں تو تم کو چاہیئے کہ اپنے اندر ان دونوں چیزوں کو تلاش کرو اور ایک کو مغلوب اور دوسرے کو غالب کرو اب چونکہ یہاں شبہ ہوتا تھا کہ

اب موسے علیہ السلام کا نور کہاں ہے وہ تو مدت ہوئی ہے کہ گذر گئے ہیں اسکا جواب فرماتے ہیں کہ۔

تا قیامت ہست از موسیٰ نتاج — نور دیگر نیست دیگر شد سراج

یعنی موسے علیہ السلام سے قیامت تک توالد ہوگا تو نور دوسرا نہیں ہے ہان چراغ دوسرا ہوگیا ہے مطلب یہ کہ قیامت تک موسے علیہ السّلام کی اولاد معنوی باقی رہے گی اور وہ نور موسوی قیامت تک قائم رہیگا تو جب انکی اولاد معنوی قیامت تک باقی ہے تو انکا وہ نور بھی اسیطرح باقی ہے اور تمہارے اندر بھی موجود ہے اسلئے کہ تم بھی مسلمان ہو ہان بوجہ تشخص بدل جانے کے ایسا ہوگیا ہے کہ جیسے دو چراغ ہون کہ انکا جو نور ہے وہ بالنوع تو ایک ہی ہے صرف تشخص بدل گیا ہے اسیطرح تمہارے اندر بھی بالنوع تو وہی نور ہے ہاں تشخص کے بدل جانے سے تشخصات مختلف ہوگئے ہیں مگر ہیں سب اسکی افراد آگے اور توضیح فرماتے ہیں کہ۔

این سفال و این فتیلہ دیگرست — لیک نورش نیست دیگر زان سرست

یعنی یہ چراغ اور یہ فتیلہ دوسرا ہے لیکن نور اسکا دوسرا نہیں ہے وہ اسی طرف سے ہے سفال و فتیلہ سے مراد تشخص انسانی مطلب وہی کہ صرف تشخصات بدل گئے ہیں ورنہ تمہارے اندر بھی وہی نور ہے جو کہ موسے علیہ السلام میں تھا اور وہ نور بھی غیب سے تھا اور یہ بھی یہاں تو مولانا نے اس نور کو تشخصاً دو اور حقیقۃً ایک کہا تھا آگے اور ترقی فرماکر کہتے ہیں کہ۔

گر نظر در شیشہ داری گم شوی — زانکہ از شیشہ است اعداد دوئی

یعنی اگر تم نظر شیشہ میں رکھو تو گم ہوگئے اسلئے کہ تعدد اور دوئی تو شیشہ ہی کی وجہ سے ہی۔

در نظر بر نور داری وارہی — از دوئی و اعداد جسم اے منتہی

یعنی اور اگر نظر نور پر رکھو گے تو دوئی اور تعدد سے چھوٹ جاؤ گے اے منتہی۔ مطلب یہ کہ مثلاً ایک لیمپ کسی لالٹین کے اندر رکھا ہوا ہے تو جس شخص کی نظر اُس لالٹین کے شیشوں پر پڑ رہی ہے وہ تو سمجھتا ہے کہ ایک نور اس طرف ہے اور دوسرا نور اُس طرف اور تیسرا نور اسطرف علیٰ ہذا اور جو کہ خود اس لیمپ کو دیکھ رہا ہے وہ جانتا ہے کہ یہ نور خود بذاتہ تو ایک ہی ہے مگر یہ سب اسکے مظاہر ہیں کہ یہ اس طرف سے بھی نظر آ رہا ہے اور اس طرف سے بھی علیٰ ہذا تو اسیطرح وہ نورِ حق اپنی ذات کے اعتبار سے تو واحد ہی ہے جیسا کہ معلوم ہے مگر اسکے مظاہر مختلف ہیں لہٰذا ظاہر نظر میں وہ نور متعدد معلوم ہوتا ہے مگر اصل میں وہ ایک ہی ہے تو اوپر تو اس نور کو بھی تخصیصاً متعدد کیا تھا یہاں پر اس نور کو بھی ایک فرما دیا۔ صرف اس کے مظاہر مختلف ہو رہے ہیں اسی لئے مسلمانوں میں مختلف فرقے ہیں اور یہ سب مظاہر اسماء کے ہیں کوئی کسی اسم کا ظہور ہے اور دوسری میں دوسرے کا مگر ہیں سب مظاہر حق ہی اب یہاں بھی مولانا نے مسلمانوں ہی کی بابت فرمایا کہ انمیں مختلف مظاہر کی وجہ سے مختلف فرقے ہو رہے ہیں آگے اس سے بھی ترقی کر کے فرماتے ہیں کہ۔

از نظر گاہ است اے مغزِ وجود اختلافِ مومن و گبر و جہود

یعنی اے مغز موجودات (یعنی انسان) یہ مومن و گبر و جہود کا اختلاف نظر گاہ کی وجہ سے ہو رہا ہے مطلب یہ ہے کہ مومنین میں تو وہ نور ایک ہے ہی مگر اس سے ترقی کر کے فرماتے ہیں کہ کفار میں بھی وہی نور ہے اور مومنین اور کافرین میں جو اختلاف ہو رہا ہے اسکی وجہ یہ ہے کہ نظر گاہ مختلف ہے کسی کی نظر کہیں پہونچی اور کسیکی کہیں پس بجز مومن کے اور سب کی نظر غلط پہنچ گئی تو اگر سب کی نظر صحیح ہوتی تو پھر اختلاف کیوں ہوتا اسلئے کہ وہ ذات تو ایک ہی ہے یا اگر ذات تو مختلف ہوتی تب بھی اسقدر اختلاف نہ ہوتا اسلئے کہ ہر شخص اس نور کو اپنے اپنے کیلئے ثابت کرتا اختلاف تو زیادہ اسی وجہ سے ہو رہا ہے کہ باوجودیکہ وہ ذات ایک ہی ہے پھر اسکے بیان میں اختلاف ہو رہا ہے کوئی اسکو کسیطرح تعبیر کرتا ہے کوئی کسیطرح اور وہ ایک ہی ہے تو بس جب وہ نور واحد ہے تو وہ تو ہمیشہ سے ہے

اور ہمیشہ تک رہے گا اور اُس ہمیشگی کے ضمن میں ہم بھی داخل ہیں لہذا وہ نور ہمارے اندر بھی موجود ہے لہذا چاہیئے کہ اُس نور کو حاصل کریں اور اسکو غالب کریں آگے ایک حکایت لاتے ہیں کہ چند آدمیون نے ہاتھی کو تاریکی میں ہاتھ سے چھوکر دیکھا تو کسی نے اسکو ستون کیطرح بتایا اور کسی نے کسیطرح اسلئے کہ جہان جسکا ہاتھ لگا وہ اسکو سارے کو ویسا ہی سمجھا اسلئے کہ ایک ہاتھ سارے ہاتھی کا احاطہ تو کر ہی نہیں سکتا اسی طرح ہماری نظر کنہ ذات کا تو احاطہ کر ہی نہیں سکتی لہذا جہانتک جسکی نظر پہونچی اس نے ویسا بیان کیا اسلیئے یہ سارا اختلاف واقع ہوا ہے اب حکایت سُنو۔

شرح حبیبی

پیل اندر خانۂ تاریک بود ‏ ‏ ‏ عرضہ را آوردہ بودندش ہنود

از برائے دیدنش مردم بسے ‏ ‏ ‏ اندران ظلمت ہمی شد ہر کسے

دیدنش با چشم چون ممکن نبود ‏ ‏ ‏ اندر آن تاریکیش کف می بسود

آن یکے را کف بخرطوم اوفتاد ‏ ‏ ‏ گفت ہمچون ناودانستش نہاد

آن یکے را دست بر گوشش رسید ‏ ‏ ‏ آن برو چون بادبیزن شد پدید

آن یکے را کف چو بر پایش بسود ‏ ‏ ‏ گفت شکل پیل دیدم چون عمود

آن یکے بر پشت او بنہاد دست
گفت خود این پیل چون تختے بدست

ہمچنین ہر یک بجزوے چون رسید
فہم آن میکرد ہر جا مے تنید

از نظر گہ گفت شان بد مختلف
آن یکے دالش لقب داد آن الف

در کف ہر کس اگر شمعے بدے
اختلاف از گفت شان بیرون شدے

چشم حس ہمچون کف دست و بس
نیست کف را بر ہمہ آن دسترس

چشم دریا دیگرست و کف دگر
کف بہل در دیدہ در دریا نگر

جنبش کفہا ز دریا روز و شب
کف ہمی بینی و دریا نے عجب

ما چو کشتیہا بہم بر مے زنیم
تیرہ چشیم و در آب روشنیم

ایک ہاتھی ایک تاریک مکان مین تہا ہندوستانی لوگ اسے دکہانے کے لیے لائے تھے اسکے دیکھنے کے لیے بہت سے آدمی گئے ہر شخص اندہیرے مین کہا چلا گیا چونکہ اندہیرے میں آنکھ سے تو دیکہا نہیں جا سکتا تہا اس سے ہاتہوں سے ٹٹولتے تھے ایک شخص کا ہاتہ تو اس کی سونڈ پر پڑا اسنے کہا ہاتھی ایسا ہوتا ہے جیسے پرنالہ دوسرے کا ہاتہ کان پر پڑا اس نے کہا ہاتھی ایسا ہوتا ہے جیسا پنکہا کسیکا ہاتہ پاؤں پر پڑا اسنے کہا ہاتھی ایسا ہوتا ہے جیسا ستون کسی نے اسکی کمر پر ہاتہ رکہا اسنے کہا ہاتھی ایسا ہے

جیسا تخت غرض یون ہی ہر شخص اسکو ویسا ہی سمجھتا تھا جیسا وہ عضو جسپر اسکا ہاتھ پڑتا تھا اور ہر جگہ شیخی مارتا تھا کہ میں نے ہاتھی دیکھا ہے اور اختلاف موقع نظر کے سبب انکی گفتگو مختلف تھی ایک اسکو دال کہتا تھا دوسرا الف۔ لیکن اگر ہر شخص کے ہاتھ میں شمع ہوتی توانکی گفتگو سے اختلاف دور ہوجاتا پس یہی حالت اختلاف مومن وگبرو یہود وغیرہ کی ہے کہ مومن کے ہاتھ میں شمع ہے یعنی نور باطن یا نور نبوت اسلئے وہ حقیقت سے واقف ہے اور اسکے احکام وعقائد صحیح ہیں اور دوسرون کے پاس دونون شمعین نہیں اسلئے وہ گمراہ ہیں اور انکے اعتقادات خلاف واقع اب تم ایک اور مفید بات سنو وہ یہ کہ حواس جسمانی تو ایسے ہیں جیسے ہتیلی اور جس طرح ہتیلی سے حقیقت ہاتھی کی معلوم نہیں ہوسکتی تھی یون ہی حواس جسمانیہ سے بھی ذات وصفات حق سبحانہ کا صحیح طور پر ادراک نہیں ہوسکتا بلکہ دریا[عہ] میں اور حق سبحانہ کا ادراک کرنے والی آنکھ اور ہے اور خس وخاشاک غیر اللہ کا ادراک کرنیوالی اور۔ پس تو خاشاک کو چھوڑ اور دریا میں آنکھ سے دریا (حق سبحانہ) کو دیکھ یہ جس قدر خس و خاشاک یعنی غیر اللہ ہیں سب کی حرکت وغیرہ رات دن دریا یعنی حق سبحانہ ہی کی جانب سے ہے پس بھلے مانس بڑے تعجب کی بات ہے کہ تو خس وخاشاک کو دیکھتا ہے اور دریا کو نہیں دیکھتا اور اتنا نہیں سمجھتا کہ کف دریا کہیں بدون دریا کے بھی ہوتا ہے اور ممکن بدون واجب کے بھی ہوسکتا ہے پس ہم جو آپس میں اختلاف کر رہے ہیں اور گویا کہ کشتیو نکو آپس میں ٹکرا رہے ہیں اسکا منشا حق سبحانہ کا خفا نہیں کیونکہ وہ تو بمنزلہ آب روشن کے ہے بلکہ اسکا باعث ہماری بینائی کا قصور ہے کہ ہم کو دکھائی نہیں دیتا ✦

عہ یا یون کہو کہ دریا بین آنکھ اور ہے اور ہتیلی یعنی چشم حس اور کہ اس سے غیر اللہ کا ادراک ہوتا ہے جسکی حق سبحانہ کا پس تو ہتیلی (چشم حس) کو چھوڑ اور چشم دریا بین (چشم قلب) سے دریا حق سبحانہ کو دیکھ۔

شرح شبیری

ہاتھی کی صورت اور اسکی ہیئت میں شب تاریک میں اختلاف کرنا

پیل اندر خانۂ تاریک بود　　عرضہ را آوردہ بودندش ہنود

یعنی ہاتھی ایک تاریک گھر میں تھا اسکو ہندی لوگ دکھانے کے لئے لاتے تھے۔

از برائے دیدنش مردم بسے　　اندران ظلمت ہمی شد ہر کسے

یعنی اسکے دیکھنے کے لئے بہت سے آدمی اس تاریکی میں جارہے تھے ہر ہر شخص۔

دیدنش با چشم چون ممکن نبود　　اندر آن تاریکیش کف می بسود

یعنی جبکہ اسکو آنکھ سے (بوجہ تاریکی کے) دیکھنا ممکن نہ تھا تو اس تاریکی میں اسپر ہاتھ ملتے تھے یعنے ہاتھ سے ٹٹول کر دیکھتے تھے۔

آن یکے را کف بخرطوم اوفتاد　　گفت ہمچون ناودانست این نہاد

یعنی ایک کا ہاتھ تو سونڈ پر پڑا وہ بولا کہ یہ ذات تو مثل پرنالے کے ہے۔

آن یکے را دست بر گوشش رسید　　آن برو چون بادبیزن شد پدید

یعنی ایک کا ہاتھ اسکے کان پر پڑا تو اسپر وہ ہاتھی مثل ایک پنکھے کے ظاہر ہوا۔

آن یکے را کف چو بر پایش بسود　　گفت شکل پیل دیدم چون عمود

یعنی ایک شخص کا ہاتھ جو اسکے پاؤں پر ملا گیا تو وہ بولا کہ میں نے تو ہاتھی کی شکل مثل ایک ستون کے دیکھی۔

آن یکے بر پشت او بنہاد دست گفت خود این پیل چون تختے بدست

یعنی ایک شخص نے ہاتھ اسکی پشت پر رکھا تو وہ بولا کہ یہ ہاتھی تو مثل ایک تخت کے ہے۔

ہمچنین ہر یک بجزوے کو رسید فہم آن میکرد ہر جا مے تنید

یعنی اسیطرح ہر ایک کہ وہ جس جزو پر پہونچتا تھا وہ اسکو سمجھتا تھا اور اسی جگہ پر تنتا تھا یعنی جو شخص جو سمجھے ہوئے تھا وہ اسی میں مست تھا مولانا فرماتے ہیں کہ۔

از نظر گہ گفت شان شد مختلف آن یکے دالش لقب داد این الف

یعنی انکے اقوال نظر گاہ کی وجہ سے مختلف ہو رہے تھے کہ ایک تو اسکو دال کہتا تھا اور وہ الف یعنی مختلف عنوانات سے جو اسکو بیان کر رہے تھے اسکی یہ وجہ تھی کہ جسکی نظر جہاں پہونچی وہ اسی کو ہاتھی سمجھے ہوئے تھا تو دیکھو ایک ہی ذات میں نظر گاہ کے اختلاف سے اختلاف ہو رہا ہے۔

در کف ہر کس اگر شمعے بُدے اختلاف از گفت شان بیرون شدے

یعنی اگر ہر شخص کے ہاتھ میں ایک شمع ہوتی تو انکے اقوال سے اختلاف باہر ہو جاتا اسلئے کہ سب اسکے پورے جسم کو دیکھ لیتے آگے فرماتے ہیں کہ۔

چشم حس ہمچون کف دست ست و بس نیست کف را بر ہمہ او دسترس

یعنی چشم حس بھی مثل کف دست ہی کے ہے اور بس کہ ہاتھ کو تمام جسم پر قدرت نہیں ہے مطلب یہ کہ جس طرح کہ ہاتھ سے ہاتھی کے پورے جسم کا احاطہ نہ کر سکے اور اس وجہ سے اختلاف واقع ہوا اسیطرح یہ ہماری چشم حس بھی حقائق کا احاطہ نہیں کر سکتی بس جسکی نظر جہان تلک پہونچی

وہ اسپر رہ گیا تو جب چشم حس سے غلطی ہوتی ہے تو تم کو یہ چاہیئے کہ اس سے دیکھنا چھوڑ و بلکہ چشم حقیقت بین سے نظر کرو کہ حقائق اشیا منکشف ہون آگے اس چشم حس اور چشم حقیقت بین کی ایک مثال فرماتے ہیں کہ۔

چشم دریا دیگرست و کف دگر　　کف بہل وز دیدۂ دریا نگر

یعنی چشم دریا تو اور ہے اور (چشم) کف اور ہے تو کف کو ترک کرو اور چشم دریا سے دیکھو۔ دریا سے مراد روح اور کف سے مراد ظاہر جسم وغیرہ مطلب یہ ہے کہ تم اس آنکھ سے دیکھو جو کہ روح مین اور حقیقت بین ہے اور اس ظاہر بین چشم کو چھوڑ و تب تم کو حقائق اشیار ظاہر ہوں گی اور اسوقت تم حقیقت بین ہو جاوگے۔

جنبش کفہا ز دریا روز و شب　　کف ہمی بینی و دریا نے عجب

یعنی کف کی جنبش روز و شب دریا ہی کی وجہ سے ہے تو تم کف کو تو دیکھتے ہو اور دریا کو نہیں دیکھتے تعجب ہے مطلب یہ کہ جسقدر تصرفات اور حرکات جسم کے ہیں یہ سب روح ہی کی بدولت ہیں مگر تعجب یہ ہے کہ تم ان تصرفات جسم کو تو دیکھتے ہو مگر ان تصرفات روح پر نظر نہیں کرتے سخت تعجب کی بات ہے آگے دوسری مثال فرماتے ہیں کہ۔

ما چو کشتیہا بہم بر مے زنیم　　تیرہ چشمیم و در آب روشنیم

یعنی ہم کشتیون کی طرح آپس میں ٹکرا رہے ہیں اور خود تیرہ چشم ہیں اور آب روشن میں ہیں یعنی ہماری ایسی مثال ہے کہ جیسے کشتی کہ خود تو اندھی ہوتی ہے مگر ہوتی ہے آب روشن میں اسیطرح ہمارا یہ جسم ظاہری تو اندھا ہے۔ مگر روح کے پاس ہے لیکن اسے خود بھی خبر نہیں ہے۔

شرح حبیبی

اے تو در کشتی تن رفتہ بخواب — آب را دیدے نگر در آب آب

آب را آبے ست کو میراندش — روح را روحی ست کو میخواندش

موسیٰ و عیسیٰ کجا بد کافتاب — کشت موجودات را می داد آب

آدمؑ و حوا کجا بود آن زمان — کہ خدا افگند این زہ در کمان

این سخن ہم ناقص ست و ابتر ست — آن سخن کہ نیست ناقص آن سر ست

گر بگویم زان بلغزد پاے تو — ور نہ گویم ہیچ ازان اے وائے تو

ور بگویم در مثال صورتے — بر ہمان صورت بچسپی اے فتے

بستہ پاے چون گیا اندر زمین — سر بجنبانے بباد بے یقین

لیک پایت نیست تا نقلے کنی — یا مگر پا را ازین گِل بر کنی

چون کنے پارا حیاتت زین گلست — این حیاتت را روش بس مشکلست

چون حیاتت از حق بگیری ای روی — پس غنی گردے زگل در دل روی

شیر خواره چون ز دایه بگسلد — لوت خواره شد مرا و را مے ہلد

بستهٔ شیر زمینے چون جہوب — جوئی فطام خویش از قوت القلوب

قوت حکمت خور که شد نور ستیر — ای تو نور بے حجب را نا پذیر

تا پذیرا گردی اے جان نور را — تا بہ بینی بے حجب مستور را

چون ستاره سیر بر گردون کنی — بلکه بے گردون سفر بیچون کنی

آنچنان کز نیست در ہست آمدی — ہین بگو چون آمدی مست آمدی

راہہائے آمدن یادت نماند — لیک رمزے با تو بر خواہیم خواند

ہوش را بگذار آنگه ہوش دار — گوش را بر بند آنگه گوش دار

می نگویم زانکه تو خامی ہنوز — در بہاری و ندیدستی تموز

این جہان ہمچون درخت ست ای کرام | ما برو چون میوہای نیم خام
سخت گیرد خامہا مر شاخ را | زانکہ در خامی نشاید کاخ را
چون بہ پخت و گشت شیرین لب گزان | سست گیرد شاخہا را بعد ازان
چون ازان اقبال شیرین شد دہان | سرد شد بر آدمی ملک جہان
سخت گیری و تعصب خامی ست | تا جنینی کار خون آشامی است
چیز دیگر ماند اما گفتنش | با تو روح القدس گوید بی منش

اُوپر سے مولانا لوگوں کی غفلت از حق سبحانہ کو بیان کرتے آرہے ہیں اَب اس غفلت کو دُور کرنے کی ترغیب دیتے ہیں اور فرماتے ہیں ارے تو جو کشتی تن میں پڑا سو رہا ہے آخر تو نے پانی کو تو دیکھا ہے جس سے وہ کشتی تن چل رہی ہے یعنی رُوح کو تو تو جانتا ہی ہے پس تو اس پانی کو بھی تو دیکھ جو اس پانی کو چلا رہا ہے یعنی حق سُبحانہ پر بھی تو نظر کر جو رُوح میں متصرف ہے اسلئے کہ اس پانی کیلئے بھی ایک پانی ہے جو اسکو چلا رہا ہے اور روح کیلئے بھی ایک رُوح ہے جو اسکو اپنی طرف بلاتی ہے اور صرف رُوح پر انتہا نہیں ہوگئی بلکہ منتہی رُوح الروح یعنی حق سُبحانہ ہیں تو اسکو کیوں نہیں دیکھتا رُوح الروح کے وجود کی دلیل یہ ہی کہ روح کا وجود اور دیگر کمالات ذاتی نہیں چنانچہ ایک وقت میں وہ اپنے وجود اور تمام کمالات سے معرا بھی ہیں ضرور کوئی اور رُوح ہے جس نے اسکو وجود اور دیگر کمالات عطا کئے اور وہ ازلی قدیم ہے دیکھو تو سہی دیکھئے اسوقت کہاں تھے جبکہ وہ موجودات کو اپنے

فیوض سے مالا مال کر رہے تھے اور آدم و حوا کہاں تھے جبکہ حق سبحانہ نے کمان تصرف کوزہ
کیا تھا اور ایجاد خلق اور دیگر تصرفات کا ارادہ کیا تھا اسکا جواب یہ ہے کہ کہیں نہیں پس معلوم ہوا کہ
ان تمام موجودات سے باہر ایک ذات ہے جو یہ سب تصرفات کرتی ہے اسکو ہم خدا کہتے ہیں
اور وہی روح الروح ہے اور وہی آب آب۔ یہ گفتگو ناقص اور ناتمام ہے اس سے پورا مدعا
ظاہر نہیں ہوتا جوبات ناقص اور ناتمام نہیں وہ وہی ہے جو حق سبحانہ کی طرف سے ہو یعنی
ذوق و وجدان صحیح وہ اصل حقیقت کو پورے طور پر ظاہر کر دیتی ہے جسمیں شک و شبہ کی
گنجایش نہیں اور ایسی گفتگو میں تو شکوک و شبہات نکل سکتے ہیں لہذا اگر تم انکشاف حقیقت
چاہتے ہو تو ذوق و وجدان حاصل کرو۔ اگر میں امور کشفیہ کو تجھسے ظاہر کرتا ہوں تو یہ اندیشہ
ہے کہ تو اس راہ سے واقف تو ہے نہیں نہیں معلوم کیا سے کیا سمجھہ جاوے اور گمراہ ہو جاوے
اور اگر نہیں بیان کرتا تو یہ بھی تیرے لئے مصیبت ہے کہ تو بالکل ہی محروم رہا جاتا ہے پس
میں عجب کشمکش میں ہوں کہ کیا کروں اگر مثالوں سے سمجھاتا ہوں تو اسمیں یہ خرابی ہے کہ صورت
ہی کو لیکر رہجاتا ہے اور اس سے حقیقت کی طرف نہیں چلتا۔ بات یہ ہے کہ تو پابند صورت
ہے اسلئے تیری ایسی مثال ہے کہ جیسے گھاس زمین میں جما ہوا ہو اور ہوا سے حرکت کرتا ہو یونہی
تو بھی پابند صورت ہو کر اس سے مزہ لیتا اور جھومتا ہے مگر جس طرح گھاس کے پاؤں نہیں
کہ وہ ایک انچہ جگہ سے ہٹ جاوے یونہی تیرے بھی پاؤں نہیں کہ صورت سے حقیقت
کی طرف ذرا سی بھی حرکت کرے ہاں تیری حرکت و انتقال کی ایک صورت ہے وہ یہ کہ تو
صورت کو چھوڑ دے اور اس نے جو تیرے پاؤں پکڑ رکھے ہیں انکو چھڑا لے لیکن تو ایسا
کریگا کیوں اسلئے کہ یہ حیات موجودہ تو تیری اسیکے دم سے ہے اور تو اس حیات کو چھوڑنا
نہیں چاہتا پس حقیقت کی طرف انتقال کیونکر ہو مگر یہ بھی یاد رہے کہ اس حیات سے کام چلنا
نہایت دشوار ہے جبتک یہ حیات ہے اسوقت تک کامیابی نہیں ہو سکتی۔ پس جبتک یہ
حیات موجودہ ہے یعنی تلذذات و تنعمات جسمانیہ وغیرہ موجود ہیں اسوقت تک تو تم سے صورت
سے استغنا نہیں ہو سکتا اور جبکہ حق سبحانہ سے تو نے حیات حاصل کی اور یہ حیات تیرا
غذائے روحانی ہوئی اسوقت تجھے گل کی ضرورت نہ ہوگی اور صورت سے تجھے کچھ

کام نہ رہے گا بلکہ تو اقلیم قلب میں پہونچ جاویگا اور تیری غذا حقائق و معارف ہونگے۔ دیکھو
جب بچہ دایہ سے قطع تعلق کر لیتا ہے تو وہ اغذیہ نفیسہ کھانے لگتا ہے اور دایہ سے کچھ
بھی واسطہ نہیں رکھتا پس یہی حالت تمہاری ہوگی نیز تم بھی غلوں کی طرح پابند غذاے زمین اور
ناسوتی غذاؤں سے متغذی ہو لہذا اسکو چھوڑو اور غذائے دل حاصل کرو اور اسکی صورت یہ ہے
کہ چونکہ تم ابھی بیحجاب نور سے متغذی ہونے کی استعداد نہیں رکھتے اسلئے اولاً کلمات حکمت
اور پند و نصائح سے غذا حاصل کرو کہ یہ نور مستور ہے اور اسکو تم ہضم کر سکتے ہو اس سے
تمہارے اندر نور بے حجاب کو قبول کرنے کی استعداد پیدا ہوگی اور تم اس پوشیدہ نور کو
بیحجاب دیکھنے لگوگے اور تمہاری یوں کایا پلٹ ہوگی کہ اب تو ایک انچہ بھی حرکت نہیں کر سکتے
اسکے بعد ستاروں کی طرح آسمان پر چلوگے (یعنی بسیر معنوی و روحانی) بلکہ آسمان تو کیا چیز ہے
لامکان میں بے کیف متعارف سیر کروگے سیر بے کیف اگر سمجھ میں نہ آئی ہو تو سمجھو کہ تم یونہی
سیر کروگے جیسے نیستی سے ہستی میں آئے تھے بھلا تبلاؤ تو سہی کیسے آئے تھے مست آئے اور
مست ہی جاؤگے تمہیں تو آنے کا راستہ یاد نہیں رہا اسلئے جا بھی نہیں سکتے مگر ہم اشارۃً
تم کو تبلاتے ہیں اچھا اب تم دنیاوی عقل کو خیرباد کہکر سمجھنے کیلئے تیار ہو جاؤ اور دنیاوی کام
بند کر کے سننے کیلئے مستعد ہو نہیں میں نہیں کہتا اسلئے کہ تو ابھی خام ہے اور ابھی تو تیار بھی نہیں
ہے یعنی تیری ابتدائی حالت ہے تو نے گرمیاں نہیں دیکھیں اور پختہ نہیں ہوا لہذا تو ابھی نہ
اسرار کو سن سکے گا نہ سمجھ سکے گا یہ جہان ایسا ہے جیسے درخت اور ہم اسمیں ایسے ہیں جیسے
درخت پر گدرائے ہوئے میوے اور قاعدہ ہے کہ کچے میوے شاخ کو مضبوط پکڑتے
ہیں اسلئے کہ ہنوز وہ محلوں میں پہونچنے کے قابل نہیں ہوئے اور جب وہ پک گئے اور شیریں
اور مرغوب ہوگئے اسکے بعد وہ شاخ کو بہت ہلکے سے پکڑتے ہیں پس یہی حالت ہر انسان کی
ہے کہ جب وہ دولت باطنی سے شیرین دہن ہوتا ہے تو جہان اسکی نظروں میں بالکل بے وقعت
ہو جاتا ہے اس عالم ناسوت کو سخت پکڑنا اور اسکے لئے تعصب کرنا دلیل خامی ہے دیکھ لو
جبتک تم شکم مادر میں اور ناقص ہوتے ہو اسوقت تک خون حیض کھاتے ہو اور جب کامل
ہوگئے اسوقت تمہاری غذا دودھ ہوتا ہے اور جب اور کامل ہوتے اسوقت اور غذائیں کھاتے ہو

یوں ہی اسکو سمجھو کہ جب تک ناقص ہو اسوقت تک تمہاری غذا نا سوتی ہے جب کسیقدر کامل ہوگے یہ غذا بھی کم ہوگی اور دوسری غذا ملیگی بالآخر تمہاری غذا بالکل روحانی ہو جاویگی۔ ہاں وہ بات تو رہ ہی گئی جو ہم کہنا چاہتے تھے لیکن ہم نہیں کہتے وہ اگر خدا چاہے گا تو تم کو وسائط فیض حق سبحانہ سے معلوم ہوگی۔

شرح شبیری

اے تو در کشتی تن رفتہ بخواب ۔۔۔ آب را دیدی نگر در آب آب

یعنی اے شخص کہ تو کشتی تن میں سو رہا ہے ارے تو نے پانی کو تو دیکھ لیا مگر اس پانی کے پانی کو بھی تو دیکھ مطلب یہ کہ اگر تمہاری نظر متنبہ کرنے سے روح پر بھی پہونچ گئی اور تم نے اسکو بھی دیکھ لیا تو کیا ہوتا ہے ارے اسپر نظر کر کہ جو اسکی بھی روح ہے یعنی حضرت حق کی طرف نظر کر کہ فلاح دارین حاصل ہو۔

آب را آبے ست کو میراندش ۔۔۔ رُوح را روحی ست کو میخواندش

یعنی پانی کیلئے بھی پانی ہے جو کہ اسکو چلا رہا ہے اور روح کی بھی ایک رُوح ہے جو کہ اسکو بلا رہی ہے اسلئے کہ رُوح کے جو تصرفات ہیں وہ تو آخر حضرت حق ہی کی طرف سے ہیں بس اسکو طلب کرنا چاہیئے آگے اُس ذات کا قدیم ہونا بتاتے ہیں کہ۔

موسئے و عیسئے کجا بُد کافتاب ۔۔۔ کِشت موجودات را می داد آب

یعنی موسئے اور عیسئے کہاں تھے کہ وہ آفتاب حقیقی کشت موجودات کو پانی دے رہا تھا یعنی جبکہ حق تعالےٰ موجودات میں تصرفات فرما رہے تھے اسوقت بھلا کوئی بتا دے کہ موسئے کہاں تھے جنکی رُوح آج ایسی ہے اور عیسئے کہاں تھے پس جب کوئی نہ تھا تو وہ تھا اور جب کوئی

نہ ہوگا تو وہ ہوگا۔

آدم و حوا کجا بد آن زمان　　　که خدا افکند این زہ در کمان

یعنی اُسوقت آدم وحوا کہاں تھے جبکہ حق تعالےٰ نے اس زہ کو کمان میں ڈالا یعنی جبکہ عالم میں تصرفات فرمائے اور اسکو پیدا فرمایا تو یہ آدم وحوا کہاں تھے بلکہ عالم تو ان سے بھی پہلے ہی اگرچہ حادث ہے مگر پھر بھی ان سے تو پہلے ہی ہے لہٰذا اس ذات قدیم کو حاصل اور تلاش کرنا چاہئے اور انہیں عمر گنوا دے کہ سو شہیدوں سے اسکی دو قوت جو اس طلب میں ہو اوسلے ہے آگے فرماتے ہیں کہ۔

این سخن ہم ناقص ست و ابترست　　　آن سخن کہ نیست ناقص زان سرست

یعنی یہ بات بھی ناقص و ابتر ہے اور جو بات کہ ناقص نہیں ہے وہ اسطرف کی ہے مطلب یہ کہ ہم نے جو آفتاب وآب سے تشبیہ دی ہے یہ بھی ناقص ہی ہے اور صرف مثال ہے مثل نہیں ہے اسلئے کہ مثال تو مشارک فی الوصف کو کہتے ہیں اور مثل مشارک فی النوع کو تو حق تعالیٰ کی مثال تو بیان ہوسکتی ہے مگر مثل کوئی بیان نہیں کرسکتا اور پھر مثال بھی جو بیان کرتے ہیں وہ بھی ناقص ہی ہوتی ہے وہ بھی پوری طرح بیان نہیں ہوسکتی ہے اسلئے اسکے بیان سے بھی عاجز ہیں

گر بگویم زان بلغزد پائے تو　　　ور نگویم ہیچ ازاں ای وائے تو

یعنی اگر میں اُس میں سے کچھ کہتا ہوں تو تیرا پاؤں لغزش کریگا اور اگر نہیں کہتا ہوں تو اے شخص تیری حالت پر افسوس ہی مطلب یہ کہ اگر مثال بیان کرتا ہوں تو ممکن ہے کہ تو اسکو مثل سمجھ جاوے اور پھر کفر میں مبتلا ہو اور اگر کچھ بھی بیان نہیں کرتا تو تیری حالت پر افسوس ہوتا ہے کہ تو بالکل ہی جاہل رہا جاتا ہے۔

ور بگویم در مثال صورتے　　　بر ہمان صورت بچسپی اے فتے

یعنی اور اگر میں کسی صورت کی مثال مین بیان کرتا ہون تو اے جوان تو اسی صورت پر چپک جاوے گا
یعنی بس اسکو ذات سمجھ جاؤ گے لہذا سخت مشکل آگئی ہے اور تمہاری یہ حالت ہے کہ

بستہ پائے چون گیاہ اندر زمین　　سر بجنبانی ببادے بے یقین

یعنی تو گھاس کی طرح زمین میں بستہ پا ہے اور بلا یقین کے ہوا سے سر ہلا رہا ہے۔

لیک پایت نیست تا نقلے کنی　　تا مگر پا را ازین گل بر کنی

یعنی لیکن تیرا پاؤں نہیں ہے تاکہ تو کوئی نقل کرے تاکہ شاید تیرا پاؤن اس مٹی سے اکھڑ جاوے
مطلب یہ کہ تمہارا پاؤن تو اس دنیا میں پھنسا ہوا ہے اور عمدہ مضامین کو سنکر فوراً سر ہلانے
لگتے ہو تو یاد رکھو کہ اس سر ہلانے سے تم اپنی جگہ سے نہیں ہٹ سکتے اس دنیا کی دلدل سے
تو جب رہائی ہوگی جبکہ اپنے پاؤں سے چلوگے ورنہ سر ہلانے سے کچھ نہیں ہوتا اور جب اپنے
پاؤن کو حرکت دوگے اسوقت تم کو اسکی بھی قابلیت ہو جاویگی کہ تم ان مضامین کو بھی سمجھ سکو
اور غلطی نہ ہو۔

چون کنی پا را حیاتت زین گل است　　این حیاتت را روش بس مشکل است

یعنی تو اس سے کسطرح پاؤں اکھاڑے تیری حیات تو اسی مٹی سے ہے تو اس حیات سے تو روش
مشکل ہے مطلب یہ کہ دنیاوی حیات سے تو وصول الی الحق مشکل ہے بلکہ۔

چون حیات از حق بگیری ای روی　　پس غنی گردی زگل و ردل روی

یعنی اے سیراب جب تو حق تعالےٰ سے حیات کو حاصل کریگا تو اس گل سے غنی ہو جاویگا اور
دل میں چلا جاویگا۔ یعنی پھر اس دنیاوی تعلق سے چھوٹکر قلب کی راہ پر چلوگے جو کہ راہ حق
ہے۔ آگے اس چھوٹنے بعد وصل ہو جانے کی ایک مثال فرماتے ہیں کہ۔

شیر خوارہ چون ز دایہ بگسلد　　لوت خوارہ شد مرا و را ہے ہلد

یعنی شیر خوار بچہ جب دایہ سے الگ ہو جاتا ہے تو وہ غذا خوار ہو جاتا ہے اور اس (دودھ) کو چھوڑ دیتا ہے (اور اگر اس شیر ادر کو ترک نہ کرتا تو آج یہ قسم قسم کی غذائیں کہاں سے کھاتا)

بستۂ شیر زمینے چون حبوب　　　جوئے فطام خویش از قوت القلوب

یعنی تو اس زمین کے دودھ میں بندھا ہوا ہے دانوں کی مانند تو تو اس سے فطام کو قوت القلوب سے تلاش کر مطلب یہ کہ جس طرح حبوب زمین سے غذا حاصل کر کے نشو و نما حاصل کرتے ہیں اسیطرح تم اس دنیا سے غذا حاصل کر رہے ہو تو تم اس دودھ کے چھوٹنے کی تدبیر کو قوت القلوب یعنی حضرت حق سے تلاش کرو کہ پھر اسکے مقتضیات سے نکلکر دوسری غذا حاصل ہو گی۔

قوت حکمت خور کہ شد نور ستیر　　　اے تو نور بے حجب را ناپذیر

یعنی تو حکمت کی غذا کھا کہ وہ نور مستور ہے اے وہ شخص کہ تو نور بے حجاب کو ناپذیر ہے اور جب غذائے حکمت کھاؤ گے تو یہ ہو گا کہ۔

تا پذیرا گردی اے جان نور را　　　تا بہ بینی بے حجب مستور را

یعنی اے جانان تا کہ تم نور کے قابل ہو جاؤ اور تا کہ اس مستور کو بے حجاب ہو کر دیکھو یعنی اگر تم قوت حکمت کو حاصل کرو گے تو پھر تمہارے اندر اس نور کے قبول کی قابلیت ہو جاوے گی اور یہ ہو گا کہ۔

چون ستارہ سیر بر گردون کنی　　　بلکہ بے گردون سفر بیچون کنی

یعنی ستارہ کیطرح تم آسمان پر سیر کرو گے بلکہ بے سماں کے سفر بے کیف کرو گے مطلب یہ کہ پھر تم کو عالم ملکوت سے تعلق ہو جاویگا اور اسوقت تم کو عروج اور سیر میں کسی کیف کی ضرورت نہ ہو گی بلکہ بے کیف تمہاری سیر ہو گی آگے اس سیر کی ایک مثال بتاتے ہیں کہ

یہ سیر کوئی عجیب نہیں ہے بلکہ تم ایک دفعہ کر بھی چکے ہو فرماتے ہیں کہ۔

آنچنان کز نیست در ہست آمدی   ہین بگو چون آمدی مست آمدی

یعنی جس طرح کہ تو نیست سے ہست میں آیا ہاں ذرا کہہ کہ تو کس طرح مست آیا مطلب یہ کہ جسطرح اول عدم سے وجود میں آنے کہ اسکی کیفیت تم کو معلوم ہے کچھ بھی نہیں بس صرف تم اسوقت مست تھے کچھ خبر نہ تھی صرف حضرت حق پر نظر تھی اسیطرح اگر اب مست ہو جاؤ گے تو تم کو اب بھی اسیطرح سیر حاصل ہو جاوے گی ہاں اب اتنا ضرور ہو گیا ہے کہ۔

راہہائے آمدن یادت نماند   لیک رمزے بر تو بر خواہیم خواند

یعنی تجھے آنے کے راستے یاد نہیں رہے لیکن ہم ایک رمز اس میں سے تجھے بتا دینگے یعنی ہم ان راہ کا کچھ پتہ دینگے۔ لہذا اب یہ کر کہ۔

ہوش را بگذار انگہ ہوش دار   گوش را بر بند وانگہ گوش دار

یعنی (اُس) ہوش (ظاہری) کو چھوڑ اور پھر ذرا ہوش رکھہ اور (ان ظاہری) کانوں کو بند کر اسوقت کان لگا۔ مطلب یہ کہ ان رموز کے سننے کے لئے ان حواس ظاہری کی ضرورت نہیں ہے بلکہ حواس قلب اور حس باطن کی ضرورت ہے لہذا ان حواس کو کھول اور انکو بند کر چونکہ مولانا غایت جوش مین تھے اسلئے یہ تو کہدیا کہ ہم تم سے کہتے ہیں مگر پھر سنبھلے اسلئے آگے فرماتے ہیں کہ۔

می نگویم زانکہ تو خامی ہنوز   در بہاری وندیدستی تموز

یعنی میں نہیں بتاتا اسلئے کہ تو ابھی خام ہے اور ابھی بہار میں ہے تموز کو نہیں دیکھا ہے مطلب یہ کہ چونکہ ابھی تم خام ہو اسلئے ہم تم سے بیان نہیں کرتے اسلئے کہ غالب احتمال غلطی کا ہے اب تم بہار میں تو آگئے ہو مگر ابھی گرمی نہیں پڑی کہ تم کو سینک کر پختہ بنا دین اسلئے ابھی کچے

رہگئے ہو آگے اس خامی کی مثال فرماتے ہیں کہ۔

این جہان ہمچون درخت است ای کرام　　ما برو چون میوہاے نیم خام

یعنی اے کرام یہ جہان ایک درخت کی مانند ہے اور ہم اسپر مانند ادکچرے میوؤں کے ہیں

سخت گیرد خامہا مر شاخ را　　زانکہ در خامے نشاید کاخ را

یعنی کچے میوے شاخ کو مضبوط پکڑتے ہیں اسلئے کہ خامی کی حالت میں وہ محلونکے لائق نہیں ہیں (لہذا درخت ہی کو خوب پکڑے ہوئے ہیں)۔

چون بپخت و گشت شیرین لب گزان　　سست گیرد شاخہا را بعد ازان

یعنی جبکہ پختہ ہو گیا اور شیرین تو (اپنی پہلی حالت خامی پر) لب کاٹتا ہوا اسکے بعد شاخون کو بہت سست پکڑتا ہے مطلب یہ ہی کہ یہ جہان تو درخت ہی اور ہم اسپر میوے ہیں تو میوہ جبتک خام رہتا ہی شاخ کو مضبوط پکڑے رہتا ہے اسلئے کہ وہ ابھی اس قابل نہیں ہوا ہے کہ محلوں میں جاکر نازنینوں کے منہ سے لگے اس طرح ہم جبتک خام ہیں اسوقت تک اس جہاں مین خوب مضبوط جکڑے ہوتے ہیں اور اس سے الگ نہیں ہوتے اسلئے کہ ابھی اس قابل نہیں ہوئے کہ عالم غیب میں جاکر ملکوت میں ملیں تو اگر کوئی شخص اس میوۂ نیم خام کو درخت سے الگ کرکے محل میں لیجاوے تو یہ ہوگا کہ اسکے منہ سے بھی جاویگا اور بالکل ہی سڑ جاویگا۔ اسیطرح اگر اس حالت میں ہم سے علوم و معارف بیان کردئے جاویں تو ابھی اس قابل تو ہوئے نہیں کہ انکو سمجھ سکیں بلا اسکے ایمان سے بھی جاوینگے اور شاید نوبت (نعوذ باللہ) کفر کی آجاوے ان جب میوہ پختہ ہوجاتا ہے تو اب وہ شاخ سے ویسے تام ہی لگا ہوا ہوتا ہے ذرا سی جنبش سے نیچے آرہتا ہے اسیطرح جب ہم پختہ ہوجاوینگے تو اس وقت ہم کو ذرا سی حرکت کی ضرورت ہوگی کہ اس حرکت سے سب اصل سے جاملیں اور میوہ پختہ جب ہوتا ہے کہ اسپر گرمی پڑے تو وہ گرمی اسکو سینک سینک کر پکا دیتی ہے اسیطرح ہم

پختہ جب ہو سکتے ہیں جبکہ مجاہدات وریاضات کریں لہذا مولانا نے یہاں سے مجاہدہ کی بھی ترغیب دی ہے لہذا جب مجاہدہ کرکے صفائی حاصل ہو گی اور فہم میں ترقی ہو جاوے گی اسوقت ذرا سے اشارہ سے یہ علوم حاصل ہو سکتے ہیں اور ذوق سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا جس مضمون کو بیان کرتے کرتے ہماری خامی کی وجہ سے رک گئے ہیں وہ مضمون ظلیت کا ہے کہ تمام مخلوق ظل ہے حق تعالے کی تو چونکہ یہ مضمون بہت ہی نازک تھا اس لئے بیان نہیں فرمایا کہ احتمال غالب غلطی کا تھا آگے اس مثال کو خود مثل لہ پر منطبق فرماتے ہیں کہ۔

چون ازان اقبال شیرین شد دہان　　　سرد شد بر آدمی ملک جہان

یعنی جبکہ اس اقبال حق سے منہ میٹھا ہو گیا تو آدمی پر یہ ملک جہان سرد ہو جاتا ہے مطلب یہ کہ جب انسان کو عالم غیب کی شیرینی میسر ہو جاتی ہے تو یہ تمام جہان اسکی نظر میں ہیچ ہو جاتا ہے اور اسکا دل اس سے سرد ہو جاتا ہے بس ذرا سے اشارہ میں وصل حق ہو جاتا ہے پھر یہ تمام علوم ومعارف اسکے سامنے مثل آئینہ کے ہوتے ہیں۔

سخت گیری وتعصب خامی است　　　تا جنینے کار خون آشامی است

یعنی (اس جہان کو) مضبوط پکڑنا یہ خامی ہے اور تم جبتک جنین ہو تمہارا کام خون پینا ہی ہے مطلب یہ کہ تم جو اس دنیا میں منہمک ہو یہ علامت ہی اسکی کہ ابھی خامی تمہارے اندر موجود ہو تب تو اس میوۂ خام کی طرح چپکے ہو اور جب تک اسمیں دنیاوی لذات میں ہو معلوم ہوتا ہے کہ ابھی جنین ہو کہ اس ناپاک شے کو استعمال کر رہے ہو ورنہ اگر تم پختہ ہوتے یا انسان کامل ہوتے تو کیوں اس دنیا میں اس طرح لگے ہوتے اور اس مردار کو کیوں منہ لگاتے تو بس مجاہدہ کرو کہ اس سے صفائی قلب میں پیدا ہو کر کام بنجاویگا آگے فرماتے ہیں کہ۔

چیز دیگر ماند اما گفتنش　　　با تو روح القدس گوید بے منش

یعنی ایک اور چیز بھی رہگئی ہے لیکن اسکے نہ کہنے کی وجہ یہ ہو کہ تجھ سے اسکو روح القدس

بلا میرے فرماد بنگے روح القدس سے مراد وسائط فیض مطلب یہ کہ ہم ان علوم کو تو بیان نہیں کر سکتے مگر ہاں ایک چیز ہے کہ جو تم کو خود حاصل ہو جاوگی مگر اسمیں میرے واسطہ کی ضرورت نہیں ہے وہ تم کو خود حاصل ہو جاوگی اور وہ وجدان ہے کہ جسکے ذریعہ سے علوم و معارف کو حاصل کر سکتے ہو اب اسکا حاصل یہ ہوا کہ مجاہدہ کرو کہ اس سے قلب میں صفائی ہوگی اور پھر اس قابل ہو جاؤ گے کہ یہ علوم جنکو آج خامی کی وجہ سے سمجھ نہیں سکتے ہو انشاء اللہ تم کو خود حاصل ہونگے یہاں تو مولانا نے فیض بذریعہ وسائط کی حاصل ہونے کو کہا ہے آگے بطور اضراب کے فرماتے ہیں کہ۔ نے توگوئی ہم بگوش خویشتن الخ

شرح حبیبی

نے توگوئی ہم بگوش خویشتن — بے من و بے غیر من آی ہم تو من

ہمچو آن وقتے کہ خواب اندروی — تو زپیش خود بہ پیش خود شوی

بشنوی از خویش و پنداری فلاں — با تو اندر خواب گفت ست آن نہاں

تو یکے تو نیستی اے خوش رفیق — بلکہ گردونی و دریائے عمیق

آن توی زفت ست کان نہصد توست — قلزم ست و غرقہ گاہ صد توست

خود چہ جائے حد بیداری و خواب — دم مزن واللہ اعلم بالصواب

اُوپر بیان کیا تھا کہ وہ اسرار تم کو وسائط فیض حق سبحانہ سے معلوم ہونگے اب ترقی کرکے
فرماتے ہیں کہ کیسے وسائط بلکہ تو خود اسرار کو اپنے کان میں بیان کریگا نہ میں بیان کرونگا
نہ میرا غیر تم یہ شبہ نہ کرنا کہ مین بھی تو آپ کا غیر ہون جب میں خود بیان کرونگا تو آپ کے
غیر نے تو بیان کیا پھر بے غیر من کہان درست رہا کیونکہ تو میرا غیر نہیں بلکہ تو اور میں تو افق
اغراض کے اعتبار سے یا اسلئے کہ ہم دونوں ایک ظاہر کے مظاہر اور ایک ہی حقیقت اصطلا
یعنی اسماء الٰہیہ کے افراد اصطلاحیہ یعنی مظاہر ہیں تو ہم اور تم متغائر نہ ہوتے پس اب کوئی اشکال
نہ رہا نیز یہ بھی شبہ نہ کرنا کہ میں اپنے کان میں کیونکر کہہ سکتا ہون اسلئے کہ تم جب خواب
دیکھتے ہو تو یہیں دیکھتے ہو کہ میں فلاں کے پاس گیا اور اس نے مجھ سے یہ کہا وہ دوسرا شخص
کون ہوتا ہے خود تمہاری ہی رُوح جو اس صورت میں متشکل ہوکر تم کو نظر آتی ہے پس دیکھو تم
خود اپنے پاس جاتے ہو علیٰ ہذا جو تم سے خواب میں کچھ کہتا ہے وہ کون ہوتا ہے وہ بھی تمہاری
روح جو اس شکل کے ساتھ متشکل ہوتی ہے پس دیکھو تم خود اپنے سے سنتے ہو لیکن تم کو اس
عینیت کا احساس نہیں تم یہی سمجھتے ہو کہ میں فلاں کے پاس گیا اور فلاں نے مجھ سے بیان
کیا پس یوں ہی سمجھ لو کہ وہ وسائط خود تم ہی ہوگے اسلئے کہ وہ واسطہ خود تمہاری حقیقت
اصطلاحیہ ہوگا یعنی اسم الٰہی تم کو واقعۂ خواب سے آگاہ ہوکر متحیر نہ ہونا چاہیئے اسلئے کہ تم ایک ہی
شے نہیں ہو بلکہ تم تو آسمان اور بڑے گہرے سمندر ہو کہ ہزاروں عجائبات کو اپنے اندر
لئے ہو مگر تمہیں اپنے کمالات کی خبر نہیں اسلئے ذراسی عجیب بات سنکر متحیر ہو جاتے ہو۔
آدمی تو وہ بڑی تہ ہے جو سیکڑون تہیں اپنے اندر رکھتا ہے بلکہ وہ تو ایک سمندر ہے جسمیں
سیکڑوں تہیں غرق ہو جائیں یعنی انسان تو تمام حقائق موجودہ کا جامع ہے ایک بیداری
و خواب کیا چیز ہیں اور انکا اجتماع ایک وقت میں جیسا کہ واقعۂ خواب سے ظاہر ہوتا ہے
کہ آدمی سوتا بھی ہے اور بیداری کا کام بھی کرتا ہے یعنی آتا جاتا بھی ہے بولنا اور سننا بھی ہے
وغیرہ وغیرہ کیا تعجب کی بات ہے اس سے تو اس سے بڑی عجائبات کا ظہور بھی تعجب خیز
نہیں پس تم کو ان واقعات میں شکوک و شبہات نہ کرنے چاہئیں اور خاموشی کے ساتھ
ان کو سننا اور ماننا چاہیئے مضمون ختم ہوا اور خدا اسکی صحت سے خوب واقف ہے کہ

سب صحیح ہے یا کہیں لغزش ہوئی ہے اسکے بعد خاموشی کے نتائج بتلاتے ہیں۔

شرح شبیری

ہے تو گوئی ہم بگوش خویشتن ۔۔۔ بے من و بے غیر من ای ہم تو من

یعنی نہیں تو اپنے ہی کان میں کہے گا بے میرے اور بے میرے غیر کے لے وہ شخص کہ میں بھی تو ہے مولانا کی یہ ایک تعبیر ہے جسکا عنوان مولانا نے یہ اختیار کیا ہے اول معنونکو سمجھ لو پھر یہ بھی سمجھ میں آجاویگا بات یہ ہے کہ صوفیہ اسکے تو قائل ہیں ہی کہ عالم میں جسقدر فیض جس کسی کو بھی ہوتا ہے وہ کسی نہ کسی اسم الہی کا ظہور ہوتا ہے تو وہ اسم ظاہر اور یہ شخص اسکے لیے مظہر ہوتا ہے اور صوفیہ کی یہ بھی ایک اصطلاح ہے کہ وہ اس اسم ظاہر کو اس شخص کی حقیقت کہدیا کرتے ہیں مثلاً ایک شخص کو ہدایت ہوئی تو یہ حضرات فرماتے ہیں کہ اسکے اندر اسم ہادی کا ظہور ہوا اور اسم ہادی اس شخص کی حقیقت ہے پھر ان اسماء کا جو ظہور ہوتا ہے اور ان سے جو فیض ہوتا ہے وہ اول تو بواسطہ مخلوق کے ہوتا ہے مگر ایک وہ وقت آتا ہے کہ اس شخص کو خود حق سبحانہ تعالےٰ سے فیض ہونے لگتا ہے اور وہ اسماء بلا واسطہ کسی کے خود اس شخص کے اندر ظاہر ہوکر تے ہیں اور اسکو مستفیض کرتے ہیں تو اسوقت میں یہ حضرات کہتے ہیں کہ یہ شخص خود اپنی حقیقت سے یعنی اس اسم سے جو کہ اسکے اندر ظہور کر رہا ہے مستفیض ہو رہا ہے تو اس مرتبہ میں گویا کہ شخص یہ خود اپنی ہی ذات سے مستفیض ہو رہا ہے اور علوم و معارف خود بخود اسکو حاصل ہونے لگتے ہیں بس مولانا اسیکو فرماتے ہیں کہ ہم نے جو کہا تھا کہ تم کو وہ وجدان حاصل ہوجاویگا اور اسمیں میری تو ضرورت نہ ہوگی مگر اور وسائط فیض کی ضرورت ہوگی اب فرماتے ہیں کہ ایک وہ مرتبہ آویگا کہ اسمیں نہ میری اور نہ میرے غیر کی کسیکی بھی ضرورت نہ ہوگی یعنے مخلوق کا واسطہ ہی نہ رہے گا بس بلا واسطہ حضرت حق سے فیض ہونے لگے گا اسیکو تعبیر اسطرح فرمایا کہ تم اپنے کان میں خود بات کہو گے یعنی اپنی اس حقیقت سے مستفیض ہوگے کہ وہ حقیقت خود تم ہی ہو

اسلئے کہ وہ تمہاری حقیقت ہے اور اس حقیقت کے وہ معنی نہیں جیسے کہ انسان کے لئے حیوان ناطق حقیقت ہوتی ہے بلکہ مراد یہ ہے کہ وہ تمہارے اندر ظہور کئے ہوتے ہوگا اور اُس سے تم کو فیض ہوگا اور اسیکی طرف مولانا نے اسمیں اشارہ کر دیا ہے فرماتے ہیں کہ اے ہم تو من یعنی اس مرتبہ حقیقت میں میں اور تو دونوں ایک ہیں مثلاً دو شخص ہیں اور دونوں میں اسم ہادی کا ظہور ہوا تو اس مرتبہ میں ان دونوں کی حقیقت کو ایک ہی کہا جاویگا اور کہیں گے کہ یہ دونوں مرتبہ حقیقت میں ایک ہیں ہاں خصوصیات کے لحاظ کرنے سے ان میں تغائر آگیا ہے ورنہ وہ اس مرتبہ میں ایک ہی ہیں اور بعض بزرگ جو فرماتے ہیں کہ میاں شیخ کی حقیقت مرید کے ہر وقت ہمراہ رہتی ہے اب جو ان اصطلاحات سے ناواقف ہے اسکو تعجب ہوتا ہے اور وہ شیخ کو حاضر و ناظر سمجھکر کفر میں مبتلا ہوتا ہے حالانکہ انکا مقصود یہ ہوتا ہے کہ شیخ کی حقیقت جو کہ اسم ہادی ہے وہ انسان کے ہر وقت ہمراہ رہتی ہے اب دیکھو اسمیں کوئی اشکال نہیں ہے تو مولانا کی تعبیر اور ہے اور مقصود مولانا کا یہ ہے جو کہ اب تقریر کرنے سے بحمداللہ واضح ہوگیا اصل تو اسکی یہ ہے اسمیں بعض نے غلو کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ شجر میں سے جو موسیٰ علیہ السلام کو آواز آئی تھی وہ بھی خود اُن کی حقیقت تھی وہ حق تعالےٰ کا نور نہ تھا یا اور کسی قسم کی باتیں کہتے ہیں تو یہ سب واہیات ہے بس اصل صرف یہ ہے جو بیان کی گئی ہے آگے تقریب کے لئے اسکی ایک مثال بھی فرماتے ہیں کہ۔

ہمچو آن وقتے کہ خواب اندر روی　　　تو ز پیش خود بہ پیش خود شوی

یعنی جیسے کہ تم جس وقت کہ سو جاتے ہو تو اپنے ہی سامنے سے اپنے سامنے ہوتے ہو۔

بشنوی از خویش و پنداری فلان　　　با تو اندر خواب گفت ست آن نہان

یعنی اپنے ہی سے باتیں سنتے ہو اور سمجھتے ہو کہ فلان نے تم سے خواب میں وہ پوشیدہ بات کہی ہے مطلب اسکا یہ سمجھو کہ یہ حال کل خوابوں کا نہیں ہے بلکہ بعض مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ خواب میں یہ شخص دیکھتا ہے کہ خود ہی شخص سامنے سے آرہا ہے تو یہ اپنے وجود کو خود ہی

سامنے سے دیکھ رہا ہے وجہ اسکی یہ ہوتی ہے کہ روح اشکال متفرق میں متشکل ہوتی ہے اور وہ اسکی روح دوسری شکل میں متمثل ہوکر اسکے سامنے آجاتی ہے اور بعض مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ یہ شخص کسی دوسرے کو دیکھتا ہے کہ اس نے اس سے یہ کہا مگر وہ خود اسکی روح ہوتی ہے کہ وہ دوسری صورت میں متمثل ہوگئی ہے اور بعض مرتبہ جسکو اس نے دیکھا ہے خود اسکی روح ہی ہوتی ہے تو مولانا ان بعض حالات کے اعتبار سے فرماتے ہیں کہ یہ شخص خود اپنی رُوح کو دوسری شکل میں متمثل دیکھکر اسکو دوسرا سمجھے ہوئے ہے مگر وہ خود اسکی رُوح ہے اور یہ اکثر طلباء کو ہوتا ہے کہ وہ مثلاً ایک مضمون کا مطالعہ دیکھتے دیکھتے سوگئے اور وہ مطالعہ میں انکو حل نہ ہوسکا تو انکو خواب میں حل ہوجاتا ہے تو یہ جو حل کرنے والا ہے یہ خود اس شخص کی روح ہے کہ بعد سونے کے اسکے اندر یکسوئی پیدا ہوئی اور اس نے دوسری صورت میں متمثل ہوکر اسکو فیض پہنچایا تو دیکھو جسطرح کیہاں خود اس شخص کی حقیقت اسکو فیض پہنچارہی ہے اسیطرح وہاں بھی اسکی حقیقت اسکو فیض پہنچاتی ہے اور یہ تو عالم ملکوت کی حالت ہے اسمیں تو اگر ایسا ہوجاوے تو کچھ بعید نہیں ہے بزرگوں کے قصے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس عالم ناسوت میں بھی انکو ایسا پیش آتا ہے ایک بزرگ کی بابت لکھا ہے کہ انکی شکایت قاضی کے یہاں سماع سننے کی ہوئی تو قاضی نے محتسب کو روانہ کیا تاکہ احتساب کرے جب وہ قریب آیا تو وہ حضرت سامنے تشریف لائے اور انکی ستر صورتیں تھیں اور بولے کہ لواپنے مجرم کو پہچان لو تو دیکھو یہ جسقدر صورتیں تھیں ساری ان بزرگ کی رُوح کی شکلیں تھیں اور بہت سے قصے ایسے ہیں تو پھر اگر ملکوت میں کہا جاوے کہ رُوح انسان مختلف اشکال میں ظاہر ہوجاتی ہے تو کیا حرج ہے اس سے معلوم ہوا کہ انسان ایک نہیں ہے بلکہ اسکے اندر ایک بہت بڑا عالم ہے کہ جسکی مختلف اشکال ہیں اسیکو فرماتے ہیں کہ۔

تو یکے تو نیستی اے خوش رفیق　　بلکہ گردونی و دریائے عمیق

یعنی تو ایک تو نہیں ہے اے اچھے ساتھی بلکہ تو تو گردون ہے اور دریائے عمیق ہے مطلب یہ کہ اے انسان تو مرتبۂ رُوح میں ایک تو نہیں ہے بلکہ تیرے اندر بہت سے اعتبارات ہیں۔

اور اوس کثرت کیوجہ سے تو مثل گردوں کے اور دریائے عمیق کے ہے کہ جس طرح ان چیزوں میں مختلف اشیاء ہیں اسیطرح تو بھی تمام تجلیات اسماء کا مظہر ہے۔

آن تو ئی زفت است کہ آن نہ صد تو است　　قلزم است وغرقہ گاہ صد تو است

یعنی تیرا وہ تو عظیم کہ جو نو سو تو میں ایک قلزم ہے اور سیکڑوں تو کا غرقہ گاہ ہے۔ مطلب کہ تیرا وجود مرتبہ روح میں ایک وجود نہیں ہے بلکہ چونکہ اوسمیں بہ نسبت جسم کے مظاہر اسماء زیادہ ہیں بلکہ اکثر لوگ انسان کو حقیقۃ جامعہ کہتے ہیں کہ اوس کے اندر حق سبحانہ تعالیٰ کے کل اسماء کا ظہور بدرجہ اتم بہ نسبت اور اشیاء کے موجود ہے اگرچہ فی حد ذاتہ کامل ظہور نہو مگر بہ نسبت دیگر اشیاء کے اسمیں ظہور کامل ہے تو جب وہ وجود درجہ روح میں تکثر رکھتا ہے تو اوسمیں سیکڑوں وہ وجود جو کہ ناقص ہیں غرق اور مستور ہیں اور وہ سارے وجودات اوس کے اندر موجود ہیں۔

خود چہ جائے حد بیداری و خواب　　دم مزن واللہ اعلم بالصواب

یعنی خود کیا جگہ ہوشیاری اور بیداری اور خواب کی ہے پس چپ رہو اللہ درست بات کو زیادہ جاننے والا ہے۔ مطلب یہ کہ حالت بیداری و خواب جو کہ ہم بیان کرتے ہیں انکی بھی کیا حقیقت ہے لہذا بس چپ رہنا ہی مناسب ہے۔ اللہ ہی صواب کو خوب جانتا ہے اور ہمارے چونکہ یہ سب مکاشفات ظنیہ ہیں لہذا انمیں ممکن ہے کہ خطا ہو۔ آگے فرماتے ہیں:

شرح حبیبی

دم مزن تا بشنوی زان مہ لقا　　الصلا اے پاکبازان الصلا

دم مزن تا بشنوی اسرارِ حال　　از زبانِ بے زبان کہ قم تعال

دم مزن تا بشنوی زان دم زنان　　انچہ ناید در بیان و در زبان

دم مزن تا بشنوی زان آفتاب　　انچہ ناید در کتاب و در خطاب

دم مزن تا دم زند بہر تو روح　　آشنا بگذار در کشتی نوحؑ

ہمچو کنعان کاشنا میکرد او　　کہ نخواہم کشتیِ نوحؑ عدو

تو خاموشی اختیار کر ایسا کرنے سے محبوب حقیقی سے تو یہ سنے گا کہ اے پاکباز و تمکو صلائے عام ہے اور تو خاموش رہ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تو بدون زبان کے تکلم کرنیوالے کو یہ اسرار بیان کرتے سنے گا کہ اٹھو اور ہماری طرف آؤ۔ دیکھ تو سکوت اختیار کرنا۔ اس کرنے سے تو حق سبحانہ کو وہ اسرار بیان کرتے ہوئے سُنے گا کہ جو بیان میں نہیں آسکتے اور زبان سے ادا نہیں ہو سکتے۔ خبردار تو بولنا ہی مت اس سے تجھے حق سبحانہ وہ راز سنائیں گے جو نہ احاطہ تحریر میں آسکتے ہیں اور نہ تقریر میں تو چپ ہی رہنا تا کہ بجائے تیرے روح حق سبحانہ سے کلام کرے یا تجھ سے روح حقیقی یعنی حق سبحانہ گفتگو کریں۔ خلاصہ یہ کہ اپنی عقل کو چھوڑ دے اور شکوک و شبہات مت نکال بلکہ شیخ جو کہے اوسکو تسلیم کر اور اپنی جد و جہد کو چھوڑ کر کشتی نوحؑ میں سوار ہو جا۔ ایسا نہ کرنا جیسا کنعان نے کیا تھا کہ وہ تیرنا جانتا تھا اسپر مغرور ہو کر اوس نے کہدیا کہ میں اپنے دشمن باپ نوحؑ کی کشتی میں نہ بیٹھونگا اگر تو تسلیم اختیار کریگا تو قرب حق سبحانہ سے بہرہ ور اور اونکا راز دار رہے گا اور نہ کنعان کی طرح اس بحر ناپیدا کنار میں غرق ہو جاویگا۔ قد تم الربع الاول من الدفتر الثالث من المثنوی

وللہ الحمد

شرح شبیری

دم مزن تا بشنوی زان مہ لقا — الصلا اے پاکبازان الصلا

یعنی چپ ہو تاکہ تم اُس مہ لقا سے یہ سنو کہ آؤ اے پاکبازو آؤ۔ مہ لقا سے مراد مرشد کامل مطلب یہ کہ تم خود چپ رہو اور ان حقایق وعلوم ومعارف کے حصول کے درپے مت ہو بلکہ کام کیئے جاؤ اور حالات کی اطلاع دیتے رہو گے تو بس جب مرشد دیکھے گا کہ تمکو ان علوم کے سمجھنے کی استعداد ہو گئی ہے اور تم کو درجہ اجمال میں کوئی علم منکشف ہوا ہے تو اُسوقت وہ تم کو اُسکی حقیقت خود بتلا دیگا۔ اور تم کو خود دریافت کرنے کی ضرورت ہی نہوگی۔

دم مزن تا بشنوی اسرار حال — از زبان بے زبان کہ قم تعال

یعنی چپ رہو تاکہ تم اسرار حال کو بے زبان کی زبان سے سنو کہ اٹھو آؤ۔ مطلب یہ ہے کہ تم اپنی طرف سے ان علوم ومعارف وکیفیات کے طالب مت ہو بلکہ اپنی حالت کو مرشد کامل کے سامنے پیش کر دو وہ جو مناسب سمجھے گا تمھارے لئے تجویز کر لیگا۔ اور بلکہ خود زبان سے بھی چاہیئے کچھ نہ کہے بلکہ وہ ذریعہ القا کے تمکو ان علوم ومعارف کی تحصیل کرا دیگا اور اگر زبان سے بھی کہے گا تو وہ وقت اور موقع کو دیکھکر کہے گا اور تمھاری استعداد کا لحاظ کرے گا۔

دم مزن تا بشنوی از دم زنان — آنچہ ناید در بیان و در زبان

یعنی چپ رہو تاکہ تم دم زنان (روحانی) سے وہ سنو جو کہ بیان اور زبان میں نہیں آ سکتا مطلب کہ وہ علوم ومعارف اُن کی صحبت کے فیض سے حاصل ہوں گے کہ جو الفاظ میں بیان نہیں ہو سکتے اِس لئے کہ وہ امور دقیقہ وکشفیہ ہیں اُن کی صحبت میں رہنے سے حق تعالے کا

فضل ہوتا ہے اور اس شخص کو بھی منکشف ہو جاتے ہیں لہذا جب تک کہ یہ درجہ حاصل نہ ہو اُس وقت تک خاموشی ہی بہتر ہے۔

دم مزن تا بشنوی زان آفتاب — آنچہ ناید در کتاب و در خطاب

یعنی چپ رہو تاکہ اُس آفتاب سے وہ سنو جو کہ کتاب اور خطاب میں نہیں آسکتا۔ آفتاب سے مراد وہی مرشد کامل یعنی تم خاموش رہو اور خود کسی شے کے طالب مت ہو تو وہ چیزیں میسر ہوں گی کہ جو ان الفاظ ظاہری میں بیان نہیں ہو سکتیں۔

دم مزن تا دم زند بہر تو روح — آشنا بگزار در کشتی نوح

یعنی تم چپ رہو تاکہ تمہارے لئے روح بولے اور کشتی نوح میں تیرنے کو چھوڑ دو روح سے بھی مراد مرشد کامل مطلب یہ کہ تم خود دعوے اور اقتضاؤں کو مٹا دو اُس وقت مرشد تمہاری استعداد کے موافق خود تمکو تعلیم کر دے گا بس ترک دعوے ایک بہت بڑی چیز ہے کہ اُس سے فضل ہوتا ہے۔

ہمچو کنعاں کآشنا میکرد او — کہ نخواہم کشتی نوح عدو

یعنی مثل کنعان کے کہ وہ شناوری کرتا تھا (اور کہتا تھا) کہ میں کشتی نوح عدو کی نہیں جانتا۔ مطلب یہ کہ تم دعوے کو ترک کر دو ورنہ اگر تم دعوے کرو گے تو تمہارا ایسا حال ہوگا جیسے کہ کنعان نے شناوری کا دعوے کیا کہ میں تیر کر بچ جاؤں گا اور نوح علیہ السلام کی نہ مانی تو ہلاک ہوا اسیطرح اگر تم مرشد کامل کی نہ سنو گے اور دعوے کرو گے تو ہلاک ہو گے آگے کنعان کا قصہ بیان فرماتے ہیں کہ۔

قد تمت الربع الاول من الدفتر الثالث من المثنوی وللہ الحمد

عارف باللہ حضرت مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ کی نادرِ روزگار،
اور معرکہ آرا کتاب "مثنوی معنوی" کی جامع اور لاجواب شرح

کلیدِ مثنوی

حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہٗ

9

یہ وہ مقبول خاص و عام کتاب ہے کہ خواندہ ناخواندہ سب ہی اس سے دلچسپی لیتے ہیں مگر مضامین عالیہ ہونے کی وجہ سے مطالب سمجھنے میں بڑی دقت پیش آتی ہے اور بعض اوقات نوبت الحاد و زندقہ تک پہنچ جاتی ہے، حضرت حکیم الامت نے اشعارِ مثنوی کو واضح کر کے اور مسائل تصوف کو عام فہم بنا کر نہایت خوبی سے سمجھا دیا ہے حقیقت یہ ہے کہ اس سے معتبر اور شریعت و طریقت کا پاس و ادب رکھ کر مضامین کو حل کرنے والی کوئی اور شرح نہیں لکھی گئی

ادارۂ تالیفاتِ اشرفیہ
بیرون بوہڑ گیٹ
ملتان

کلیدِ مثنوی

عارف باللہ حضرت مولانا جلال الدین رُومی رحمۃ اللہ علیہ کی نادر روزگار،
اور معرکہ آراء کتاب "مثنوی معنوی" کی جامع اور لاجواب اُردو شرح

کلیدِ مثنوی

از:

حکیم الامۃ مجدد الملۃ حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہ

جلد ۹

یہ وہ مقبول خاص و عام کتاب ہے کہ خواندہ، ناخواندہ سب ہی اس سے دلچسپی لیتے ہیں۔ مگر مضامین عالیہ ہونے کی وجہ سے مطالب سمجھنے میں بڑی دقت پیش آتی ہے اور بعض اوقات نوبت الحاد و زندقہ تک پہنچ جاتی ہے۔ حضرت حکیم الامت نے اشعارِ مثنوی کو واضح کر کے اور مسائل تصوف کو عام فہم بنا کر نہایت خوبی سے سمجھا دیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس سے معتبر اور شریعت و طریقت کا پاس ادب رکھ کر مضامین کو حل کرنے والی اور کوئی شرح نہیں لکھی گئی۔

ادارہ تالیفاتِ اشرفیہ
بیرون بوہڑ گیٹ • مُلتان

حامداً و مصلیاً و مسلماً

الربع الثانی من الدفتر الثالث من المثنوی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شرح حبیبی

نوح علیہ السلام کا اپنے لڑکے کو بلانا اور اُسکا سرکشی کرنا اور کہنا کہ مین پہاڑ پر چڑھکر بچ جاونگا اور تمہارا احسان سر پر نہ رکھونگا

هین بیا در کشتی بابا نشین — تا نہ گردی غرق طوفان اے ہین

گفت نے نے آشنا آموختم — من بجز شمع تو شمع افروختم

ہین مکن کاین موج طوفان بلاست — دست و پاے آشنا امروز لاست

باد قہرست و بلاے شمع کش — جز کہ شمع حق نمی پاید خمش

گفت نے رفتم بران کوہِ بلند — عاصم است آن گہ مرا از ہر گزند

ہین مکن کہ کوہ کاہست این زمان — جز حبیب خویش را ندہد امان

گفت من کے پند تو بشنودہ ام — کہ طمع کردی کہ من زین دودہ ام

٢ خوش نیامد گفت تو ہرگز مرا — من بریم از تو در ہر دو سرا

ہین مکن بابا کہ روز ناز نیست — مر خدا را خویشی و انباز نیست

تاکنون کردی و این دم نازکیست — اندرین درگاہ کسے را ناز کیست

لم یلد لم یولد ست او از قدم — نے پدر دارد نہ فرزند و نہ عم

ناز فرزندان کجا خواہد کشید — ناز بابایان کجا خواہد شنید

نیستم مولود پیرا کم بناز — نیستم والد جوانا کم گراز

نیستم شوہر نیم من شہوتی — نازرا بگذار اینجا اے ستی

جز خضوع و بندگی و اضطرار — اندرین حضرت ندارد اعتبار

گفت بابا سالہا این گفتہ — باز می گوئی بجہل آشفتہ

چند ازینہا گفتہ باہر کسے — تا جواب سرد بشنودے بسے

این دم سرد تو در گوشم نرفت — خاصہ اکنون کہ شدم دانا و زفت

گفت بابا چہ زیان دارد اگر — بشنوی یکبار تو پند پدر

ہمچنین مے گفت او پند لطیف — ہمچنین میگفت او دفع عنیف

نے پدر از نصح کنعان سیر شد — نے دمے در گوش آن ادبیر شد

اندرین گفتن بُدند و موج تیز — بر سر کنعان زد و شد ریز ریز

نوح گفت اے پادشاہ بُردبار — مر مرا خر مرد و سیلت بُرد بار

وعدہ کردے مر مرا تو بارہا — کہ بیابد اہلت از طوفان رہا

دل نہادم بر امیدت من سلیم — پس چرا بربود سیل از من گلیم

گفت او از اہل و خویشانت نبود — خود ندیدے تو سفیدے از کبود

چونکه در دندان تو کرم اوفتاد — نیست دندان برکنش اے اوستاد

تا که باقی تن نگردد زار ازو — گرچه بود آنِ تو شو بیزار ازو

گفت بیزارم ز غیرت ذات تو — غیر نبود آنکه او شد مات تو

تو ہمیدانے که چونم با تو من — بیست چندانم که با باران چمن

زنده از تو شاد از تو عائلے — مغتذی بے واسطه بے حائلے

متصل نے منفصل نے اے کمال — بلکه بیچون و چگونه ز اعتلال

ماہیانیم و تو دریائے حیات — زنده ایم از لطف اے نیکو صفات

تو نگنجے در کنار فکرتے — نے بمعلولے قرین با علتے

پیش ازین طوفان و بعد ازین مرا — تو مخاطب بوده در ماجرا

یا تو مے گفتم نہ با ایشان سخن — اے سخن بخش نو و آن کہن

نے کہ عاشق روز و شب گوید سخن — گاہ با اطلال و گاہے با دمن

روے در اطلال کردہ ظاہرا — او کرا مے گوید این مدحت کرا

شکر طوفان را کنون بگماشتے — واسطہ اطلال را برداشتے

زانکہ اطلال و لییم و بد بدند — نے نداے نے صداے مے زدند

من چنان اطلال خواہم در خطاب — کز صدا چون کوہ وا گوید جواب ۵

تا مثنی بشنوم من نام تو — عاشقم بر نام جان آرام تو

ہر نبی زان دوست دارد کوہ را — تا مثنی بشنود نام ترا

آن کہ پست مثال سنگلاخ — موش را شاید نہ ما را در مناخ

من بگویم او نگردد یار من — بے صدا ماند دم و گفتار من

با زمین آن بہ کہ ہموارش کنے — نیست ہمدم با عدم یارش کنی

گفت ای نوح ار تو خواہی جملہ را / حشر گردانم بر آرم از ثری

بہر کنعانے دل تو نشکنم / لیکت از احوال او آگہ کنم

گفت نے نے راضیم کہ تو مرا / ہم کنی غرقہ اگر باید ترا

ہر زمانم غرقہ میکن من خوشم / حکم تو جانست چون جان میکشم

ننگرم کس را و گر ہم بنگرم / او بہانہ باشد و تو منظرم

عاشق صنع توام در شکر و صبر / عاشق مصنوع کے باشم چو گبر

تفصیل قصہ کنعان اور نوح علیہ السلام یہ ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام نے کنعان سے کہا کہ بیٹا تو مسلمان ہو جا اور اپنے باپ کی کشتی میں بیٹھ جا۔ تاکہ تو طوفان میں غرق ہونیسے محفوظ رہے اُس نے جواب دیا کہ نہ میں مسلمان ہوتا ہوں اور نہ تمہاری کشتی کی مجھے ضرورت ہی اسلئے کہ مجھے تیرنا آتا ہے اور اس تاریکی سے نجات پانے کے لئے میرے پاس آپ کی شمع کے علاوہ ایک اور شمع ہے انھوں نے کہا بیٹا ایسا نہ کرو دیکھو یہ طوفان بلا کی موج ہی پیراکی کے ہاتھ پاؤں آج بالکل کام نہیں دے سکتے یہ قہر و بلا کی آندھی ہے اسکے سامنے کوئی شمع تدبیر نہیں ٹھیر سکتی اسوقت تو صرف شمع حق اور تدبیر الٰہی ہی کی ضرورت ہے اور کوئی تدبیر مفید نہیں بس تم ایسی باتیں نہ کرو اور کہنا مان لو اس نے کہا اچھا لیجئے میں پہار پر چلدیا یہ اونچا پہاڑ مجھے بچا دے گا دیکھیں آپ کا طوفان میرا کیا کرتا ہے انھوں نے کہا بیٹا ایسی باتیں نہ کرو آج پہاڑ ایک تنکے کے برابر بے حقیقت ہے اور حق سبحانہ اپنے

محبوب کے سوا کسی کو نہ بچا وینگے اُس نے کہا کہ ابا میں نے آپکی کبھی کوئی بات مانی ہے؟ کہ آج آپ کو یہ توقع ہے کہ میں آپ کی اولاد ہوں لہذا آپ کی بات مان لونگا مجھے آپکی یہ باتیں اچھی نہیں معلوم ہوتیں مجھے آپ سے کوئی واسطہ نہیں آپ میری خیر خواہی نہ کیجئے اسپر بھی شفقت پدری کا جوش فرو نہ ہوا اور فرمایا کہ دیکھو بیٹا ایسی باتیں نہ کرو کہنا مانو یہ ناز کا وقت نہیں خدا کا نہ کوئی رشتہ دار ہے نہ شریک کہ ہمکو اسکے ارادہ سے روک سکے اب تک تم نے ناز کیا اور میں نے اٹھایا مگر یہ وقت نازک ہے درگاہ حق سبحانہ میں ناز نہیں چلتا۔ خیر مجھ سے تو تم پیدا ہوئے تھے اسلئے میں نے ناز برداری کی مگر حق سبحانہ تو نہ کسی سے پیدا ہوے نہ ان سے کوئی پیدا ہوا اسکے تو نہ کبھی باپ ہوا نہ بیٹا نہ چچا ایسی حالت میں نہ بیٹوں کے ناز اٹھا سکتا ہے نہ باپوں کے حکموں کو مان سکتا ہے کیونکہ وہ بیٹا اور باپ ہی نہیں رکھتا جو اسپر ناز کرے یا حکم کرے وہ تو یہ کہتا ہے کہ بڑے میاں آپ نخرے نہ کریں اسلئے کہ میں کسی کا بیٹا نہیں ہوں کہ باپ کی ناز برداری کا عادی ہوکر آپ کی ناز برداری کروں اور جوان صاحب آپ بھی کان کھولکر سُن لیں کہ میں صاحب اولاد نہیں کہ انکی ناز برداری کا عادی ہونے کے سبب آپ کی بھی ناز برداری کروں لہذا آپ مجھ سے اینٹھیں نہیں نیز اے عورت تو بھی سُن لے کہ میں نہ شہوت رکھتا ہوں نہ میرے کوئی بیوی ہے کہ اسکی ناز برداری کے سبب تیری بھی ناز برداری کروں پس تو ناز مت کر ہمارے یہاں کسی کا ناز نہیں چلتا یہاں تو صرف خشوع و خضوع بندگی و بیچارگی چلتی ہے اور کوئی چیز یہاں وقعت نہیں رکھتی۔ اسپر اسنے کہا ابا جان تم کو یہی بتے برس گذر گئے اور کچھ بھی آپ کی نصیحت کارگر نہ ہوئی آپ بھی بڑے جاہل ہیں کہ پھر بھی وہی باتیں کرتے ہیں آپ سوچئے تو سہی کہ آپ نے ہر شخص سے اسی قسم کی کسقدر باتیں کی ہیں مگر اسکا نتیجہ یہی ہوا کہ آپ کو بہت مرتبہ روکھے جواب سننے پڑے بالخصوص میں کہ آپکی غیر مؤثر نصیحت میں نے کبھی سُنی ہی نہیں پھر بھلا اب تو کیا سنونگا کہ اب تو مجھے ہوش بھی آگئے ہیں اور نفع و نقصان کو سمجھنے بھی لگا ہوں اور بڑا بھی ہوگیا ہوں اسپر بھی انھوں نے یہی کہا کہ میاں میں نے مانا کہ تم نے کبھی میری بات نہیں

سُنی لیکن اگر ایک مرتبہ میری بات مان لو تو کچھ حرج ہے غرض کہ وہ یونہی اسکو نرمی سے سمجھایا کئے اور وہ اسیطرح سخت جواب دیتا رہا نہ تو حضرت نوح علیہ السلام کا ہی اسکی نصیحت سے جی بھرا اور نہ اسی بدبخت نے کوئی بات مان کے دی اسی رد وکد میں تھے کہ موج آئی اور کنعان کے سر سے ٹکرائی اور وہ پاش پاش ہو گیا اسپر حضرت نوحؑ نے حضرت حق سبحانہ میں التجا کی کہ اے اللہ میرا گدہا بھی مرا اور سامان بھی رو میں بہ گیا یعنی اس طوفان میں گرا بچہ بھی مر گیا اور میں دیکھتا کا دیکھتا رہ گیا آپ نے تو بارہا مجھسے وعدہ فرمایا تھا کہ میں آپ کے لوگونکو بچاؤنگا اور آپ کا وعدہ یقیناً سچا ہے اور اسی بنا پر مجھے امید کامل تھی کہ کنعان ہلاک نہ ہوگا لیکن سمجھ میں نہیں آتا کہ مجھ غریب کا کمبل کیوں بہ گیا یہ میں ضرور جانتا ہوں کہ آپ کا وعدہ جھوٹا نہ تھا اور یہ میری سمجھ کی غلطی ہے مگر اسکی تفصیل دریافت کرنا چاہتا ہوں۔ حق سبحانہ نے جواب دیا کہ وہ تمہاری اہل میں سے نہ تھا تم کو اہل اور غیر اہل میں امتیاز نہ ہوا اور محض ظاہر کو دیکھکر تم نے اسکو اپنی اہل میں سے سمجھ لیا حالانکہ واقع میں ایسا نہیں اور تم کو اسکے بچاؤ کی فکر نہ چاہیئے دیکھو جب تمہارے دانت میں کیڑا پڑ جاتا ہے تو اب وہ دانت نہیں رہتا اور قابل انتفاع نہیں ہوتا بلکہ بجائے آرام دینے کے تکلیف دیتا ہے ایسے دانت کو دانت سمجھکر رکھنا نہیں چاہیئے بلکہ اکھیڑ ڈالنا چاہیئے تاکہ بقیہ جسم کو اس سے تکلیف نہ ہو اگرچہ وہ واقع میں تمہارا ہی جزو ہے لیکن اس سے قطع تعلق کرنا چاہیئے بس ایسا ہی کنعان کو سمجھو کہ گو وہ تمہارے اہل میں سے تھا مگر نااہل تھا لہذا اسکا ڈوبنا ہی بہتر تھا یہ حکم سنکر حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا کہ میں بجز آپکے سب سے قطع کرتا ہوں اور یہ جو آپکے مطیعین ہیں یہ تو آپ ہی کے ہیں غیر نہیں ہیں اسلئے ان سے تعلق رکھتا ہوں اور وہ تعلق بھی آپ ہی کی وجہ سے ہے لہذا آپ ہی سے ہے آپ خود جانتے ہیں کہ مجھ کو آپ سے کیا تعلق ہے مجھکو آپ سے اس تعلق سے کہیں زیادہ تعلق ہے جو چمن کو بارش سے ہے کیونکہ چمن کو جو تعلق استفاضۂ حیات وکمالات بارش سے ہے وہ تو محض تعلق تسبب ہے اور مجھکو جو آپ سے تعلق ہے وہ حقیقی ہے پس کجا یہ کجا وہ میں آپ ہی کے ذریعہ سے زندہ ہوں آپ ہی سے مجھے خوش کرتے ہیں آپ ہی کا محتاج ہوں آپ ہی سے بلا واسطہ غذا حاصل کرتا ہوں

آپ مین یہ کمال ہے کہ نہ آپ متصل ہیں نہ منفصل کیونکہ اتصال وانفصال مادیات کی شان ہے
نہ مجردات کی بلکہ آپکے مناسب تو بیچونی وبیچگونی ہے اسلئے آپ بیچون وبیچگون ہیں نیز آپ
دریا اور منبع حیات ہین اور ہم مچھلیان اور آپ کے فیض سے زندہ نہ آپ کی کہنہ ذات عقل میں
آسکتی ہے نہ آپ کو معلولیت کے سبب کسی علت سے اقتران ہے یعنی آپ کسی علت کے
معلول نہیں طوفان سے پہلے بھی اور طوفان کے بعد بھی اس تمام قصہ تبلیغ میں میری مخاطب
آپ ہی تھے اور اے نیا اور پُرانا کلام عطا کرنیوالے میری گفتگو آپ ہی سے تھی نہ ان لوگونسے
یعنی میری گفتگو درحقیقت توانہیں سے تھی مگر چونکہ آپکی رضا کیلئے اور آپکے حکم کی تعمیل کیلئے
تھی لہذا آپ ہی سے تھی آگے مولانا اس استبعاد کو مثال سے دور کرتے ہیں جو اس کلام سے
پیدا ہوتا ہے وہ یہ کہ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ گفتگو کسی سے ہو اور مخاطب کوئی اور ہو چنانچہ
فرماتے ہیں کہ دیکھو عاشق جو رات دن کبھی معشوق کے کھنڈرون کو مخاطب بناتا ہے اور کبھی
کوُڑی کو تو وہ جو ظاہراِن کھنڈرون وغیرہ کو مخاطب بناتا ہے تو تمہیں بتلاؤ کہ حقیقت میں یہ
تعریف کس کی ہے کیا ان کھنڈرونکی نہیں بلکہ معشوق کی کیونکہ وہ جسقدر انکی تعریف کرتا ہے
سب اُس معشوق کے تعلق کے سبب ہے لہذا درحقیقت وہ معشوق ہی کی تعریف ہے جب یہ
معلوم ہوگیا تو اب کچھ استبعاد نہ رہا۔ اب حضرت نوح علیہ السّلام کی گفتگو کی طرف عود کرتے
ہیں اور فرماتے ہیں کہ میں آپ کا بیحد شکر ادا کرتا ہون کہ آپ نے طوفان کو مسلط کرکے ان
بدبختون کو ہلاک کردیا اور ان کھنڈرون کے واسطہ کو اٹھادیا کیونکہ یہ لوگ مثل کھنڈر اور بُرے
باجی اور بہت بُرے تھے کہ نہ جواب ہی دیتے تھے نہ صدائے بازگشت ہی ان سے پیدا
ہوتی تھی مجھے تو ایسے کھنڈرون اور وسائط کی ضرورت ہے کہ گفتگو میں پہاڑ کی طرح آواز
بازگشت سے جواب دین یعنی میری پند ونصائح سے متاثر ہون میری دعوت کی اجابت کرین
اور اس سے مجھے کوئی حظ نفس مقصود نہیں بلکہ غرض یہ ہے کہ آپ کے نام کو دوہرا سنون
ایک مرتبہ اپنی زبان سے دوسری مرتبہ اُنکی زبان سے کیونکہ میں آپکی روح کو تسکین بخشنے والے
نام پر عاشق ہون لہذا اسکے بار بار سننے کا اور زبان سے لینے کا شائق ہون تمام انبیاء جو
پہاڑون سے محبت کرتے ہیں اُنکی وجہ یہی ہے کہ وہ انکے ذریعہ سے آپکے نام کو دوہرا سنتے

ہین جب وجہ محبت یہ ہے تو جو پہاڑ پست ہیں اور اسلئے کنکریلی زمین کے مشابہ ہیں کہ ان سے صدا برآمد نہیں ہوتی وہ ہمارے مناسب نہیں ہیں بلکہ وہ جو ہونکے مناسب ہیں یعنے جو لوگ دین میں ہماری موافقت کریں وہ ہمارے مناسب نہیں بلکہ وہ دنیا دارون کے مناسب ہین کیونکہ مین تو کہتا ہون اور وہ میری موافقت نہیں کرتا اس سئے میری بات بلا جواب کے رہجاتی ہے ایسے پہاڑون یعنی لوگوں کیلئے تو یہی بہتر ہو کہ آپ انکو کھود کر زمین کے برابر کردین یعنی ان کو فنا کردیں کیونکہ وہ دوست نہیں ہین ان کو تو رفیق فنا ہی بنانا چاہیئے جب حق سبحانہ کے سامنے حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی کامل اطاعت اور اُن کی قضا پر پوری رضامندی ظاہر فرمائی تو حق سبحانہ نے اُن کی یون عزت افزائی فرمائی اور یہ فرمایا کہ اے نوح چونکہ تم ہماری رضا کے تابع ہو اس لئے ہم بھی تمہاری رضامندی کا لحاظ کرینگے اگر تم کہو تو میں ابھی سب کو دوبارہ زندگی عطا کردون اور زمین میں سے اُن کو بحال لون میں کنعان کے سئے تمہاری دل شکنی نہ کرون گا لیکن مین اُسکی حالت تم کو بتلائے دیتا ہون اگر اسپر بھی تم یہی چاہو کہ کنعان زندہ ہو جاوے تو مین تمہاری خواہش کے پورا کرنے پر تیار ہوں اس پر انھون نے جواب دیا کہ مین کوئی ذاتی خواہش نہیں رکھتا مین تو آپ کی رضا کا تابع محض ہوں آپ نے جو کچھ کیا میں اسی پر رضامند ہون کیونکہ اگر آپ مجھے بھی غرق کردیں تو آپ کو شایان ہے اور میں اسپر بھی رضامند ہون بلکہ میں تو اسپر بھی رضامند ہوں کہ آپ مجھے ہر دم پیدا کریں اور ڈبوئیں۔ آپ کا حکم تو میری جان ہے بھلا میں جان کو کیسے ہلاک کرسکتا ہون اور اس حکم کے تبدیل کی درخواست کرکے اسے کیونکر فنا کرسکتا ہوں میرا مطمع نظر تو آپ ہی ہیں لہذا اول تو میں آپ کے سوا کسی پر نظر نہ کرونگا اور اگر کرونگا بھی تو وہ محض ایک آڑ ہوگا اور مقصود آپ ہی ہون گے مین تو حالت شکر اور حالت صبر یعنی تکلیف و راحت ہر دو حال میں آپ کے فعل پر عاشق ہون۔ مین کفار کی طرح مصنوع کا عاشق نہیں ہون۔

شرح شبیری

نوح علیہ السّلام کا اپنے لڑکے کو بُلانا اور اُسکا سرکشی کرنا اور کہنا کہ مین پہاڑ پر چڑھکر بچ جاؤنگا اور تمہارا احسان سر پر نہ رکھونگا

ہین بیا در کشتی بابا نشین تا نہ گردی غرق طوفاں اے مہین

یعنی (نوح علیہ السّلام نے فرمایا کہ) ارے آباپ کی کشتی مین بیٹھ جا تاکہ اے ذلیل طوفان مین غرق نہ ہو جاوے۔

گفت نے من آشنا آموختم من بجز شمع تو شمع افروختم

یعنی وہ کنعان بولا کہ نہیں مین نے شناوری سیکھی ہے اور مین نے تمہاری شمع کے علاوہ ایک شمع جلائی ہے یعنی تم نے جو تدبیر نجات کی کی ہو اُسکے علاوہ مین نے اور تدبیر سوچی ہے اور وہ تدبیر یہی تھی کہ تیر کر بچنے کا قصد تھا تو نوح علیہ السّلام نے فرمایا کہ۔

ہین مکن کین موج طوفان بلاست دست و پا را آشنا امروز لاست

یعنی ارے ایسا مت کر کیونکہ یہ طوفان بلا کی موج ہے تو آج ہاتھ پاؤن کی شناوری معدوم ہے مطلب یہ کہ ان سے کام نہ چلے گا اسلئے کہ۔

باد قہرست و بلائے شمع کش — جز کہ شمع حق نمی پاید خمش

یعنی یہ قہر کی ہوا ہے اور بلائے شمع کش ہے بجز شمع حق کے اور کوئی نہیں ٹھیر سکتی تو خاموش رہ شمع سے مراد تدابیر نجات۔ مطلب یہ کہ یہ قہر حق کی ہوا ہے کہ یہ تمام تدابیر کو باطل کر دیتی ہے اور آج اُسکے آگے کوئی تدبیر کارگر نہیں ہوتی۔ ہاں جو تدبیر کہ حق تعالےٰ کی ارشاد کردہ ہو وہ اس ہوا میں قائم رہ سکتی ہے اور وہ تدبیر کشتی ہے کہ اسمین نجات مل سکتی ہے اسکے علاوہ اور کسی چیز سے آج نجات نہیں مل سکتی۔

گفت نے رفتم بران کوہ بلند — عاصم ست آن کہ مرا از ہر گزند

یعنی وہ بولا کہ نہین میں اُس بلند پہاڑ پر چلا جاؤنگا تو وہ پہاڑ مجھے ہر گزند سے بچانیوالا ہوگا یہ سُنکر پھر حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا کہ۔

ہین مکن کہ کوہ کاہست این زمان — جز حبیب خویش را ندہد امان

یعنی ارے ایسا مت کر کہ یہ پہاڑ اسوقت ایک تنکے کی برابر ہے حق تعالےٰ سوا اپنے محبوب کے کسیکو امن نہیں دیگا۔

گفت من کے پند تو بشنودہ ام — کہ طمع کردی کہ من زین دودہ ام

یعنی وہ بولا کہ مین نے تمہاری بات کب سُنی ہے کہ تم کو طمع ہوگی کہ میں اس خاندان سے ہوں۔

خوش نیامد گفت تو ہرگز مرا — من بری ام از تو در ہر دو سرا

یعنی مجھے تمہاری بات کبھی اچھی معلوم نہیں ہوتی میں تو تم سے دونون جہان میں بری ہوں مطلب یہ کہ اُس نے کہا کہ تم کو یہ طمع ہوگی کہ مین تمہارے خاندان سے ہون اسلئے تمہاری مان لونگا۔ تو سُن لو کہ مجھے تمہاری بات کبھی اچھی معلوم ہوئی ہی نہیں تو آج کیا اچھی معلوم ہوگی لہذا میں

تمہاری بات کبھی نہ مانونگا نوح علیہ السّلام نے پھر فرمایا کہ۔

ہین مکن با ما کہ روز ناز نیست　　　　مر خدا را خویشی و انباز نیست

یعنی ارے ایسا ہمارے ساتھ مت کر یہ دن ناز کا نہیں ہے خدا کو قرابت اور شرکت نہیں ہے مطلب یہ کہ تو جو میرے اوپر ناز کر رہا ہے یہ گویا کہ حق تعالےٰ پر ناز ہے تو دیکھ تو سہی کہ آج ناز کا دن نہیں ہے بلکہ روز نیاز ہے اسلئے کہ حق تعالےٰ کو تو کسی سے قرابت اور اُسکا تو کوئی شریک نہیں ہے کہ جو سفارش کرے تو مان لیں اسلئے بس ناز کم کر اور چلا آ۔

تاکنون کردی و اینـدم نازکیست　　　　اندرین درگاہ کسے را ناز کیست

یعنی تو ابتک تو ناز کرتا رہا مگر یہ وقت نازک ہے اس درگاہ میں کسی شخص کو ناز کب ہی مطلب یہ کہ ابتک تو تو ناز کرتا رہا اور اسی وجہ سے تو نے میری نہ مانی مگر دیکھ یہ وقت نازک ہے اسمیں کسی کی نہیں چلتی اور درگاہ حق میں کسیکو ناز کب ہو سکتا ہے اسلئے کہ ناز ہوتا ہی اولاد کو یا قرابت دار کو یا بیوی کو یا اباواجداد کو اور وہاں یہ شان ہے کہ۔

لم یلد و لم یولد ست او از قدم　　　　نے پدر دارد نہ فرزند و نہ عم

یعنی وہ تو ہمیشہ سے لم یلد و لم یولد ہے نہ وہ باپ رکھتا ہے اور نہ فرزند اور نہ چچا۔

ناز فرزندان کجا خواہد کشید　　　　یا ز بابایان کجا خواہد شنید

یعنی وہ لڑکوں کا ناز کب کھینچے گا (جبکہ اُسکے لڑکا ہی نہیں) یا وہ والدین کی کب سنے گا (جبکہ اسکے والدین ہی نہیں ہیں) انکا تو ارشاد ہے کہ۔

نیستم مولود پیرا کم بناز　　　　نیستم والد جوانا کم گراز

یعنی میں مولود نہیں ہوں لہذا اے بڈھے تو ناز کم کر اور میں والد بھی نہیں ہوں تو اے جوان

اگر مت مطلب یہ کہ شاید کوئی بڑ ھا یہ سمجھے کہ میں تو نعوذ باللہ حق تعالے کا بزرگ ہون جو
کھو نگا مان لینگے تو فرماتے ہیں کہ یاد رکہہ کہ مین کسیکا مولود نہیں ہون لہذا تم بھی اُمید مت
رکھو کہ مجھ سے ناز کر کے بچ سکوگے اور شاید کسی جوان کو یہ شبہ ہو کہ ہم تو اولاد ہیں ہمیں
کچھ نہ کہیں گے جیسے کہ یہود کہتے ہیں تو یاد رکھو کہ فرماتے ہیں کہ مین کسیکا والد بھی نہیں ہون۔

نیستم شوہر نیم من شہوتی ناز را بگزار اینجا اے ستی

یعنی مین شوہر نہیں ہون اور مین شہوتی نہین ہوں تو اے عورت تو ناز کو اس جگہ چھوڑ دے
مطلب یہ کہ اگر شاید کسی عورت احمق کو شبہ ہو تاکہ میں زوجہ حق ہون تو وہ بھی یاد رکھے کہ ارشاد
ہے کہ مین کسیکا شوہر نہیں ہون لہذا معلوم ہوا کہ کوئی شخص بھی حق تعالے پر ناز نہیں کر سکتا بلکہ

جز خضوع و بندگی و اضطرار اندرین حضرت ندارد اعتبار

یعنی سوائے خضوع اور بندگی اور اضطرار کے اس درگاہ میں اعتبار نہیں رکھتا بس جب یہ
بات ہے تو نوح علیہ السلام نے کنعان سے فرمایا کہ تو ناز مت کر اسلئے کہ وہاں ناز کا کام
ہی نہیں ہے ہاں عاجزی اور نیاز کا کام ہے لہذا یہ کر تاکہ رستگاری ملے یہ سب سنکر
وہ کہتا ہے کہ۔

گفت بابا سالہا این گفتہ باز می گوئی بجہل آشفتہ

یعنی بولا کہ اے بابا تو نے برسون یہ کہا ہے اور پھر کہہ رہا ہے تو کیا جہل میں ملا ہے مطلب
یہ کہ تو نے بہت کہا مگر مین نے نہ مانا تو اب پھر کہنا نعوذ باللہ جہالت ہے۔

چند ازینہا گفتہ با ہر کسے تا جواب سرد بشنودی بسے

یعنی تم نے یہ باتیں ہر شخص سے کہی ہیں یہانتک کہ جواب سرد بہت سنے ہیں (مگر تم عجیب آدمی
ہو کہ اس سے باز ہی نہیں آتے)

این دم سرد تو در گوشم نرفت　　خاصه اکنون که شدم دانا و زفت

یعنی تمہاری یہ سرد باتیں میرے کان میں کبھی نہیں گئیں اور خاصکر جبکہ میں دانا اور قوی ہو گیا ہوں مطلب یہ کہ بچپن میں تو جبکہ مجھے عقل و ہوش بھی کم تھا میں نے تمہاری سنی ہی نہیں تو اب تو میں خوب عاقل ہو گیا ہوں اب تو تمہاری کیا سنونگا۔ نوح علیہ السلام نے فرمایا کہ۔

گفت بابا چہ زیان دارد اگر　　بشنوی یکبار تو پند پدر

یعنی نوح علیہ السّلام نے فرمایا کہ اے بابا کیا نقصان ہو جاویگا اگر تو ایک مرتبہ باپ کی نصیحت سن لیگا مطلب یہ کہ فرمایا کہ خیر جو گذرا گذرا اب اگر ایک مرتبہ میری بات سن ہی لیگا تو یہ تو بتا کہ تیرا حرج ہی کیا ہو جاوے گا مولانا فرماتے ہیں کہ۔

ہمچنین میگفت او پند لطیف　　ہمچنان میگفت او دفع عنیف

یعنی وہ تو اسیطرح نصیحت لطیف فرما رہے تھے اور وہ بھی اسیطرح دفع سخت کر رہا تھا یعنی وہ نصیحت فرما رہے تھے اور وہ سختی سے انکار کر دیتا تھا۔

نے پدر از نصح کنعان سیر شد　　نے دمے در گوش آن ادبیر شد

یعنی نہ تو والد کنعان کی نصیحت سے سیر ہوئے اور نہ کوئی بات اس ادبار والے کے کان میں گئی ادبیر مالہ ہے ادبار کا مراد اہل ادبار یعنی وہ برابر نصیحت فرماتے رہے مگر اس نے بھی کچھ سنکر نہ دیا۔

اندرین گفتن بدند و موج تیز　　بر سر کنعان زد و شد ریز ریز

یعنی وہ اسی گفتگو میں تھے کہ موج تیز نے کنعان کے سر پر حملہ کیا اور اسکو ریزہ ریزہ کر دیا۔

نوح گفت اے بادشاہ بُردبار　　مر مرا خر مرد وسیلت بُرد بار

یعنی نوح علیہ السلام نے (جناب باری میں) عرض کیا کہ اے بادشاہ بُردبار میرا گدھا مر گیا اور سیل بوجھ کو لے گیا یہ ایک مثل ہے جب کسی کا بالکل خاتمہ اور فیصلہ ہو جاوے اسوقت بولتے ہیں مطلب یہ کہ بس اب تو بالکل فیصلہ ہو چکا ہے مگر ایک عرض یہ ہے کہ۔

وعدہ کردی مر مرا تو بارہا　　کہ بیابد اہلت از طوفان رہا

یعنی آپ نے بارہا مجھ سے وعدہ فرمایا تھا کہ تمہارے اہل طوفان سے نجات پاوینگے۔

دل نہادم بر امیدت من سلیم　　پس چرا بربود سیل از من گلیم

یعنی مجھ سیدھے سادھے نے آپکی امید پر دل رکھا تو پھر مجھ سے کمبل کو سیل کیوں لے گیا کمبل سے مراد انکا لڑکا تھا مطلب یہ کہ آپ نے تو وعدہ فرمایا تھا کہ ہم تیرے اہل کو نجات دیدینگے تو پھر میرا لڑکا اس طوفان بلا میں کیوں آگیا مقصود اس سے دُعا کرنا تھا اس قصہ کو قرآن شریف میں بھی بیان فرمایا ہے وعدہ تو بیان ہے کہ ارشاد ہے کہ قلنا احمل فیھا من کل زوجین اثنین واھلك الا من سبق علیہ القول ومن آمن۔ یعنی ہم نے نوح سے کہا کہ اُس کشتی میں ہر ایک جانور کے ایک ایک نر و مادہ اور اپنی اہل کو بجز اُنکے کہ جن پر قول غرق سابق ہو چکا ہے اور دیگر مومنین کو سوار کر لو تو اس سے معلوم ہوا کہ اہل ناجی ہے آگے دُعا نقل فرماتے ہیں کہ ونادی نوح ربہ فقال رب ان ابنی من اھلی وان وعدك الحق وانت احکم الحاکمین۔ یعنی نوحؑ نے حق تعالٰے کو پکارا کہا اے میرے رب میرا بیٹا تو میرے اہل ہی میں سے ہے اور آپکا وعدہ حق ہے اور آپ احکم الحاکمین ہیں تو جب اہل میں سے ہے تو اسکو تو موافق وعدہ نجات ہونی چاہیئے اسپر جواب ارشاد ہوتا ہے کہ یا نوح انہ لیس من اھلك۔ یعنی اے نوحؑ وہ تمہاری اہل میں سے ہی نہیں ہے اہل سے نہ ہونے کی توجیہ تفاسیر میں مذکور ہے یہاں صرف اسقدر عرض کرنا ہے کہ نوح علیہ السلام کے اول فرمایا تھا

کہ تمہاری اہل نجات پاویگی مگر اُن میں سے وہ لوگ جن پر کہ قول غرق سابق ہوچکا ہے نجات نہ پاوینگے تو پھر نوح علیہ السلام نے کیون دُعا کی جواب اسکا یہ ہے کہ یہ ارشاد تو ہوا تھا مگر اسکی تفصیل نہ فرمائی تھی کہ کون ایسا ہے جو ناجی نہ ہوگا لہذا احتمال سب میں تھا تو اگرچہ کنعان کے کافر ہونے کی وجہ سے سبقت قول معلوم ہوتا تھا مگر یہ شبہ بھی تھا کہ شاید نجات پا جاتا۔ تو اسکی تفسیر میں ابہام رہا اسلئے دُعا کی اُسپر جواب یہی ملا کہ وہ تمہارے اہل سے نہیں ہے۔ فلا تسئلنِ ما لیس لک بہ علم۔ یعنی جس امر کا تمہیں علم نہیں ہے اسکا سوال مت کرو تو یہ نوحؑ کی غلطی نہ تھی بلکہ تفسیر میں ابہام تھا اسکی ایسی مثال ہے کہ جیسے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو علم قیام ساعۃ تھا مگر اسکا علم نہ تھا کہ کب قائم ہوگی اسیطرح یہ تو علم تھا کہ غیر مومنین اہل ناجی نہ ہونگے باقی یہ کہ وہ کون کون ہیں اسکا علم نہ تھا لہذا دعا کی تو وہان سے ارشاد ہوا کہ تم اسکا سوال مت کرو کہ جسمیں جانب مخالف کا بھی احتمال تھا۔ اس سے تو سوال ہی نہ کرنا چاہیئے تھا تو نوحؑ نے کوئی اعتراض نہیں کیا جس سے کہ اعتراض پڑسکے خوب سمجھ لو پس جب نوحؑ نے یہ عرض کیا تو ارشاد ہوا کہ۔

گفت او از اہل خویشانت نبود ۔۔۔ خود ندیدی تو سفیدی از کبود

یعنی ارشاد ہوا کہ وہ تمہارے (اُس) اہل میں سے نہ تھا (جسکا ناجی ہونا مقدر ہوچکا تھا) اور تم نے خود سفیدی کو کبود سے ممتاز نہیں کیا۔ مطلب یہ کہ تم نے دونون مین فرق نہیں کیا بلکہ سبکو اہل میں ہی داخل سمجھا حالانکہ جو کفار تھے وہ اس اہل میں داخل نہ تھے جنکی نجات کا وعدہ تھا اور وہ اہل مومنین ہی تھے اور جب یہ کنعان مومن نہ تھا تو یہ اس قابل ہی نہ تھا کہ اسکو نجات ملے بلکہ یہ تو اسی قابل تھا کہ یہ ہلاک کیا جاوے اسکی آگے ایک مثال فرماتے ہین کہ۔

چونکہ در دندان تو کرم افتاد ۔۔۔ نیست دندان برکنش ای اوستاد

یعنی جبکہ تمہارے دانت میں کیڑا پڑ گیا تو وہ دانت ہی نہ رہا اے استاد اسکو اکھاڑ دو۔

تا کہ باقی تن نہ گردد زار ازو ۔۔۔ گرچہ بود آن تو شو بیزار ازو

یعنی تاکہ اُس سے باقی تن بھی خراب نہ ہوجاوے تو اگرچہ وہ تمہاری ملک ہے تم اس سے بیزار ہوجاؤ تو اسیطرح جبکہ یہ کنعان مومن نہ تھا تو اگرچہ یہ اولاد ہی کیون نہ ہو اس سے بیزار ہوجاؤ خوب کہا ہے کہ ؎

بیزار خویش کہ بیگانہ از خدا باشد + فدائے یک تن بیگانہ کاشنا باشد

جب یہ ارشاد ہوا تو نوح نے عرض کیا کہ۔

گفت بیزارم ز غیر ذات تو غیر نبود آنکہ او شد مات تو

یعنی نوحؑ نے عرض کیا کہ (اے اللہ) مین تیری ذات کے سوا سب سے بیزار ہوں اور جو کہ تیرا مطیع ہوگیا وہ غیر نہیں ہے صوفیہ کی اصطلاحات اکثر محاورات کے تابع ہوتی ہیں اور اُنکی اصطلاحات علوم منطقیہ کے موافق نہیں ہیں تو غیر محاورہ مین کہتے ہیں اسکو جو بے تعلق ہو مثلاً بولتے ہیں کہ فلاں شخص تو غیر نہیں ہے تو اس غیر سے مراد مقابل عین نہین ہے بلکہ اس سے مراد غیر تعلق والا ہے تو چونکہ نوحؑ کی اس دعا سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ انکو اپنی اولاد سے بہت محبت ہے اور بہت تعلق ہے اسلئے فرماتے ہیں کہ اے الٰہی میں تیری ذات کے سوا سب سے بیزار ہون اب یہان یہ شبہ ہوا کہ مومنین کے لئے تو آپ دُعا بھی فرماتے تھے لہذا فرماتے ہیں کہ جو کہ آپ سے تعلق رکھنے والا ہے اور آپ کا مطیع ہے وہ چونکہ غیر نہیں ہے اس لئے اس سے تعلق رکھنا گویا کہ تعلق بحق ہے۔

تو ہمے دانی کہ چونم با تو من بیست چندانم کہ باران با چمن

یعنی آپ تو جانتے ہین کہ میں آپ کے ساتھ کیسا ہون میں ایسا ہون جیسا کہ بارش کے ساتھ چمن مطلب یہ کہ جس طرح کہ چمن کو باران کے ساتھ تربیت کا تعلق ہوتا ہے اُس سے کہیں زیادہ آپ سے مجھے تعلق ہے تو پھر میں کسی دوسرے پر کیون نظر کرونگا۔

زندہ از تو شاد از تو عائلے مغتذی بے واسطہ بے حائلے

یعنی آپ ہی سے زندہ ہون اور آپ ہی سے شاد ہون اور ایک محتاج ہون اور بے واسطہ اور بے حائل کے غذا حاصل کرنے والا ہون۔

متصل نے منفصل نے اے کمال　　بلکہ بیچون و چگونہ و اعتلال

یعنی نہ متصل ہیں اور نہ منفصل ہیں اے کامل بلکہ بیچون و چگونہ اور علت و معلولیت کے مطلب یہ کہ صوفیہ کرام حق تعالے اور بندہ کے درمیان مین صرف واسطہ صانعیت و مصنوعیت ہی نہیں کہتے اور وہ صرف واسطہ فی الاثبات ہی نہیں مانتے بلکہ یہ حضرات ایک اور واسطہ بھی مانتے ہیں جو کہ اسکے علاوہ ہے مگر اسکو یہ حضرات الفاظ میں بیان نہیں کر سکتے صرف اشارات سے کام لیتے ہیں ہاں وہ وجدانی اور ذوقی امر ہے جسکو مکشوف ہو جاوے وہی اسکو معلوم کر سکتا ہے تو اسیطرح فرماتے ہیں کہ میں نہ تو آپ سے بالکل ہی متصل ہون اور نہ منفصل ہون اور میرے آپ کے درمیان میں نہ علیت اور معلولیت کا واسطہ ہے بلکہ وہ واسطہ ایسا ہے کہ جس کو الفاظ سے بیان کرنا مشکل ہے صرف مثالون سے اسکو بیان کیا جا سکتا ہے لہذا اس کے آگے مثال فرماتے ہیں کہ

ماہیانیم و تو دریائے حیات　　زندہ ایم از لطفت اے نیکو صفات

یعنی ہم مچھلیان ہیں اور آپ آب حیات ہیں تو ہم آپ ہی کے لطف سے زندہ ہیں اے نیکو صفات۔

تو نگنجی در کنار فکرتے　　نے بمعلولے قرین چون علتے

یعنی آپ کنار فکر مین بھی نہیں سما سکتے نہ آپ علت کی طرح کسی معلول کے قرین ہیں مطلب یہ کہ مخلوق میں اور آپ میں جو علاقہ ہے وہ علاقہ معلول و علت کا نہیں ہو نہ آپ فکر ناقص انسانی مین سما سکتے ہیں بلکہ آپ سب سے بالا اور برتر اور ارفع ہیں سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰی عَمَّا یَصِفُوْنَ آگے فرماتے ہیں کہ۔

پیش ازین طوفان و بعد این مرا تو مخاطب بودۂ در ماجرا

یعنی اس طوفان سے پہلے اور بعد اسکے (ہمیشہ) آپ ہی گفتگو میں میرے مخاطب رہے۔ مطلب یہ کہ چونکہ میں نے جب کلام کیا ہے وہ سب آپ ہی کے لئے تھا اسلئے گویا کہ دوسرے سے کلام ہی نہیں کیا اور تمام کاموں سے آپ ہی مقصود تھے تو اور جس سے بھی کلام کیا یا واسطہ [illegible] مقصودیت کو نہیں پہونچا۔ اور [illegible] طوفان کے جب اور سب لوگ ہلاک ہو گئے میں آپ [illegible]

با تو می گفتم نہ با ایشان سخن اے سخن بخش نو و آن کہن

یعنی میں تو آپ سے ہی بات کرتا تھا نہ کہ اُن سے اے نئی بات کے بخشنے والے اور اُس پرانی کے مطلب یہ کہ درجہ مقصودیت میں تو ہمیشہ آپ ہی میرے مخاطب رہے ہیں باقی بظاہر اوروں سے جو گفتگو ہوئی تھی اسکی مثال دیتے ہیں کہ۔

نے کہ عاشق روز و شب گوید سخن گاہ با اطلال و گاہے با دمن

یعنی کیا عاشق دن رات ٹیلوں اور جنگلوں سے باتیں نہیں کیا کرتا جیسے کہ عرب کا قاعدہ تھا کہ کہتے ہیں کہ ؎

ایا منزلے سلمے سلام علیکما ٭ ہل الازمن الاتی مضین رواجع۔ مگر

روئے در اطلال کردہ ظاہرا او کرا می گوید این مدحت کرا

یعنی ظاہر اتو وہ ٹیلوں میں توجہ کئے ہوتے مگر وہ یہ مدح کس کی کر رہا ہے کسکی۔ ظاہر ہے کہ مقصود اس سے مدح معشوق ہوتی ہے بس اسیطرح اگرچہ میں ان سے باتیں کرتا تھا مگر چونکہ آپ کے واسطے ہوتی تھیں لہذا گویا کہ آپ ہی میرے مخاطب ہوتے تھے لیکن۔۔

شکر طوفان را کنون بگماشتے واسطہ اطلال را بر داشتے

یعنی شکر ہے کہ آپ نے اب طوفان کو مقرر فرما کر اُن اطلال کے واسطے کو اٹھا دیا دبس اب بلا واسطہ آپ سے مناجات کرونگا)

زانکہ اطلال و لئیم و بد بُدند — نے ندائے نے صدائے میزدند

یعنی اسلئے کہ وہ صرف ٹیلے اور لئیم اور بد ہی تھے نہ وہ ندا کرتے تھے نہ صدا کرتے تھے مطلب یہ کہ پہاڑ مین اگر بولتا ہے تو وہ گونجتا ہے اور اس میں سے دوبارہ بھی آواز جو اس نے کی پیدا ہوتی ہے اور اُس سے اُنس ہوتا ہے مگر وہ ایسے تھے کہ میں تو آپ کا ذکر کرتا تھا اور ان میں حرکت بھی نہ ہوتی تھی اگر وہ بھی میرا ساتھ دیتے تو ان سے اُنس ہوتا اب تو بہتر ہوا کہ ہلاک ہوگئے۔

من چنان اطلال خواہم درخطاب — کز صدا چون کوہ واگوید جواب

یعنی مین تو خطاب کے لئے ایسے اطلال کو چاہتا ہون کہ صدا سے پہاڑ کی طرح جواب دیں۔

تا مثنّیٰ بشنوم من نام تو — عاشقم بر نام جان آرام تو

یعنی تاکہ میں آپکا نام دوبارہ سنوں۔ میں تو آپ کے نام جان آرام پر عاشق ہون۔ مطلب یہ کہ مجھے تو ایسے واسطہ کی ضرورت ہے جو کہ میرا ساتھ آپکے ذکر مین دے تاکہ ایکمرتبہ تو میں آپ کا نام مبارک لون اور دوسری مرتبہ وہ آپ کا نام لے تو آپ کے نام کو میں دوبارہ سنون اور مجھے دو نامہ آوے۔

ہر نبی زان دوست دارد کوہ را — تا مثنّیٰ بشنود نام ترا

یعنی ہر نبی اسلئے پہاڑ کو دوست رکھتا ہے تاکہ آپکے نام مبارک کو دوبارہ سنے مطلب یہ کہ چونکہ پہاڑ مین گونج پیدا ہونے سے جو الفاظ کہ متکلم بولتا ہے ویسی ہی آواز اس میں سے بھی نکلتی ہے تو اسی لئے انبیاء علیہم السلام پہاڑون میں رہنا پسند کرتے ہیں تاکہ وہ ذکر کرین

اور اُس مین سے دوبارہ ویسی ہی آواز پیدا ہونے سے انکا دوہرا لطف آتا ہے انبیاء کا پہاڑ کو محبوب رکھنا کہین منقول تو ہے نہیں مگر انکے حالات سے معلوم ہوتا ہے کہ اول اول ان حضرات کو خلوت پسند ہوتی ہے تو وہ اکثر غارون اور پہاڑون میں ہی قیام کرتے ہیں باقی اسمین اس مصلحت کا ہونا یہ صرف ایک نکتہ ہے تو بس واسطہ ایسا ہو جو کہ انکے ساتھ وہ بھی ذکر حق کرے۔

آن کہ پست مثال سنگلاخ موش را باید نہ مارا در مناخ

یعنی وہ پہاڑ سنگلاخ کی طرح موش کو قیام گاہ کے لئے چاہیئے نہ ہم کو مطلب یہ کہ جسمین سے کہ آواز پیدا نہ ہو اور وہ ذکر میں ساتھ نہ دے ایسے واسطہ کی ضرورت تو دنیا دارون کو جو کہ عالم ناسوت میں رہکر پستی میں پڑے رہنے میں موش کی طرح ہیں ضرورت ہے باقی ہمیں ایسے لوگون کی ضرورت نہیں ہے اسلئے کہ۔

من بگویم او نگردد یار من بے صدا ماند دم وگفتار من

یعنی میں تو کہتا ہون اور وہ میرا ساتھ نہیں دیتا تو میری بات اور گفتار بھی بے صدا کے رہجاتی ہے یعنی وہ جوش اور شوق میرے اندر بھی نہیں رہتا اسلئے کہ انکو دیکھکر طبیعت مرجھا جاتی ہے

با زمین آن بہ کہ ہموارش کنی نیست ہمدم با عدم یارش کنی

یعنی یہ بہتر ہے کہ آپ اسکو زمین کے ہموار کردین اور وہ ہمدم نہیں ہے تو اسکو عدم کے ساتھ مقرون فرما دین مطلب یہ کہ ایسے کو تو ہلاک کر دینا ہی بہتر ہے یہانتک حضرت نوحؑ کی گفتگو سے معلوم ہوتا تھا کہ انکو رنج ہے مگر حق تعالےٰ کے سامنے سب کو ہیچ سمجھے ہوئے ہیں اسلئے ارشاد ہوتا ہے کہ۔

گفت اے نوحؑ ار تو خواہی جملہ را حشر گردانم بر آرم از ثرےٰ

یعنی فرمایا کہ اے نوحؑ اگر تم چاہو تو مین سب کو زندہ کر دون اور زمین سے نکال دون۔

بہر کنعانے دل تو نشکنم لیک از احوال آگہ مے کنم

یعنی مین ایک کنعان کے واسطے تمہاری دل شکنی کرنا نہیں چاہتا لیکن آپ کو احوال سے آگاہ کرتا ہون یعنی آپ کو بتا دیا ہے ورنہ آپ کی دل شکنی منظور نہیں ہے اگر آپ کہیں تو سب کو زندہ کر دون۔ اللہ اکبر کیا رحمت ہے اور کیسی شفقت ہے اور دوسری طرف رضا اور تسلیم اور انقیاد ملاحظہ ہو کہ یہ سُنکر حضرت نوحؑ فرماتے ہیں کہ۔

گفت نے نے راضیم کہ تو مرا ہم کنی غرقہ اگر باید ترا

یعنی انھون نے عرض کیا کہ نہیں نہیں میں تو راضی ہون کہ اگر آپ چاہیں تو مجھے بھی غرق کر دیں۔

ہر زمانم غرقہ مے کن من خوشم حکم تو جانست چون جان میکشم

یعنی آپ مجھے ہر گھڑی غرق فرمادین آپ کا حکم تو جان ہے میں اسکو جان کی طرح کھینچتا ہون۔

ننگرم کس را وگر ہم بنگرم او بہانہ باشد و تو منظرم

یعنی مین کسیکو نہیں دیکھتا اور اگر دیکھون بھی تو وہ بہانہ ہوگا اور آپ میرے منظر ہونگے۔

عاشق صنع توام در شکر و صبر عاشق مصنوع کے باشم چو گبر

یعنی میں تو آپکے افعال کا شکر و صبر کے ساتھ عاشق ہون اور میں بُت پرست کی طرح مصنوع کا عاشق کب ہونگا تو یہ اغراق وغیرہ تو آپ کا فعل ہے اسپر تو مین راضی اور خوش ہون اور یہ اولاد اور دوسرے لوگ سب مصنوع ہیں تو اُن کو بحیثیت مصنوعیت کے مقصود نظر سمجھنا تو کفر ہے لہذا میں ان پر ہرگز نظر نہیں کرتا۔ مولانا فرماتے ہین کہ۔

عاشق صنع خدا با فر بود　　عاشق مصنوع او کافر بود

یعنی افعال حق کا عاشق تو با عزت ہوتا ہے اور انکے مصنوع کا عاشق کافر ہوتا ہے اسلئے کہ جب اُس نے مصنوع کو مقصود سمجھا تو لا مقصود الا اللہ کے درجہ میں یہ شخص کافر ہوگا اور فرماتے ہیں کہ

درمیان این دو فرقی بس خفی است　　خود شناسد آنکه در رویت صفی است

یعنی ان دونون کے درمیان میں فرق بہت خفی ہے وہ شخص خود جانتا ہے جسکی نظر میں صفائی ہے مطلب یہ کہ مصنوع اور صنع پر نظر کرنا اور ان میں پھر مقصودیت نہ ہونا ایسا امر ہے کہ جو محض مخفی ہے اور وجدانی امر ہے اسکو وہی سمجھہ سکتا ہے جسکو مکشوف ہوگیا ہے۔ آگے دو حدیثون کے درمیان توفیق بیان فرماتے ہیں جسکا اول حاصل سمجھہ لو کہ ایک تو حدیث ہے کہ الرضاء بالکفر کفر۔ کفر پر راضی ہونا کفر ہے اور دوسری حدیث ہے کہ من لم یرض بقضائی ولم یصبر علی بلائی فلیطلب ربا سوائی۔ یعنی جو کہ میری قضا پر راضی نہ ہو اور میری بلا پر صبر نہ کرے اسکو چاہیئے کہ کوئی دوسرا رب تلاش کرلے تو ان دونوں میں تعارض معلوم ہوتا ہے جواب اسکا یہ ہے کہ یہ قاعدہ ہے کہ اگر کسی شئے پر حکم کسی حیثیت کے اعتبار سے ہوتا ہے تو محکوم علیہ وہ حیثیت ہوا کرتی ہے بس اب سمجھو کہ کفر من حیث ہو مخلوق اللہ وفعل اللہ تو حسن ہے اور من حیث ہو فعل العبد قبیح و مذموم ہے اور بحیثیت فعل حق ہونیکے تو کفر قضا ہے اسپر تو راضی رہنا اور اسکو حسن سمجھنا فرض ہے مگر بحیثیت اسکے فعل عبد ہونے کے قضا نہیں ہے بلکہ مقتضی ہے تو اسکو حسن سمجھنا اور اسپر راضی رہنا ضروری نہیں ہے تو اب یہ کہنا کہ من لم یرض بقضائی الخ بھی صحیح ہے اور الرضاء بالکفر الخ بھی صحیح ہے کہ کفر پر بحیثیت قضا ہونے کے تو راضی رہنا فرض کہ وہ فعل حق ہے اور اس درجہ مین وہ حسن ہے مگر فعل عبد کی حیثیت سے تو وہ قضا ہے ہی نہیں وہ تو مقتضی ہوگیا اب وہ حسن نہیں رہا۔ خوب سمجھہ لو اب اشعار سے بھی سمجھ لو۔

شرح حبیبی

عاشق صنع خدا با فر بود — عاشق مصنوع او کافر بود

درمیان این دو فرقے بس خفیست — خود شناسد آنکه در رویت صفیست

وے سوالے کرد سائل مر مرا — زانکه عاشق بود او بر ماجرا

گفت نکتہ الرضا بالکفر کفر — این پیمبر گفت و گفت اوست مہر

باز فرمود او که اندر ہر قضا — مر مسلمان را رضا باید رضا

نے قضائے حق بود کفر و نفاق — گر بدین راضی شوم باشد شقاق

ور نیم راضی بود آن ہم زیان — پس چه چاره باشدم اندر میان

گفتمش این کفر مقضی نے قضاست — ہست آثار قضا این کفر راست

پس قضا را خواجه از مقضی بدان — تا شکالت حل شود اندر جہان

راضیم بر کفر زان رو کہ قضاست ‏ ‏ نے ازان رو کہ نزع و کفر ماست

کفر از روئے قضا خود کفر نیست ‏ ‏ حق را کافر مخوان اینجا بایست

کفر جہل ست و قضائے کفر علم ‏ ‏ ہر دو یک کے باشد آخر حلم و خلم

زشتی خط زشتی نقاش نیست ‏ ‏ بلکہ از وے زشت را بنمودنیست

قوت نقاش باشد آنکہ او ‏ ‏ ہم تواند زشت کردن ہم نکو

گر کشایم بحث این را من بساز ‏ ‏ تا سوال و تا جواب آید دراز

ذوق نکتہ عشق از من میرود ‏ ‏ نقش خدمت نقش دیگر مے شود

آن یکے مرد دو مو آمد شتاب ‏ ‏ پیش یک آئینہ دار مستطاب

گفت از ریشم سفیدی کن جدا ‏ ‏ کہ عروس نو گزیدم اے فتا

ریش او ببرید و کل پیشش نہاد ‏ ‏ کہ تو بگزین چون مرا کاری فتاد

این سوال و این جواب ست ای گزین ‏ ‏ کہ سر اینہا ندارد مرد دین

این یکے زد سیلیے مرزیدرا | حملہ کرد او ہم برائے کیدرا

گفت سیلی زن سوالے میکنم | پس جوابم گوئی وانگہ مے زنم

بر قضائے تو زدم آمد طراق | یک سوالے دارم اینجا در وفاق

این سوال از تو ہمے پرسم بگو | حل کن اشکال مرا اے نیکخو

این طراق از دست من یا دست یا | از قفا گاہِ تو اے فخر کیا

گفت از درد این فراغت نیستم | کہ درین فکر و تامل بیستم

تو کہ بیدردی ہمی اندیش این | نیست صاحب درد را این فکر ہین

دردمندان را نباشد فکر غیر | خواہ در مسجد برو خواہے بدیر

غفلت و بیدردیت فکر آورد | در خیالت نکتہ بکر آورد

جز غم دین نیست صاحب درد را | مے نشناسد ھر ورا او گرد را

حکم حق را بر سر در دنہد | حفظ و فکر خویش یکسو مے نہد

۲۷

اب مولانا مضمون ارشادی کی طرف انتقال فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ عشق صنع الٰہی نہایت اچھی چیز ہے اور عاشق فعل حق نہایت باشکوہ برخلاف اسکے عشق مصنوع نہایت مذموم ہے اور عاشق مصنوع بمنزلہ کافر کے ہے ان دونوں میں بہت باریک فرق ہے اسکو صاحب بصیرت صافیہ ہی سمجھ سکتا ہے اور اُسکی خفا کی تصدیق تم کو اس واقعہ سے ہوگی کہ کل ایک شخص نے چونکہ وہ تحقیق واقعہ کا نہایت شائق تھا مجھ سے سوال کیا کہ جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے الرضاء بالکفر کفر اور آپ کا ارشاد سند ہے اسکے بعد فرمایا کہ ہر مسلمان کو قضاء الٰہی پر رضامند ہونا چاہیئے اب آپ فرمایئے کہ کیا کفر و نفاق قضائے الٰہی نہیں۔ جبکہ یہ قضاء الٰہی ہیں تو ان پر بحکم حدیث ثانی رضامند ہونا چاہیئے پس اگر اسپر راضی ہوتا ہوں تو حدیث اول کی مخالفت ہے اور اگر راضی نہیں ہوتا تو یہ بھی نقصان ہے کہ حدیث اول کے خلاف ہے اب میں بیچ میں پھنسکر رہگیا ہوں نہ ادہر ہی جا سکتا ہوں نہ اُدہر بس آپ فرمائیں کہ میں کیا کروں میں نے اس کو یہ جواب دیا کہ تم کو خفا کے سبب صنع اور مصنوع اور قضا اور مقضے میں تمیز نہیں ہوئی اس وجہ سے یہ اشکال عارض ہوا کفر قضا نہیں کیونکہ وہ فعل حق سبحانہ ہے بلکہ کفر مقضے ہے اسلئے کہ فعل عبد ہے اور یہ کفر عین قضا نہیں بلکہ اثر قضا ہے پس تم کو قضا اور مقضی میں فرق کرنا چاہیئے تاکہ تمہارا شبہ حل ہو جاوے اور یوں کہو کہ میں کفر سے راضی ہوں اس حیثیت سے کہ آپ کے قضا کا اثر ہے اور اس حیثیت سے اُس سے راضی نہیں ہوں۔ کہ وہ آپ کے ساتھ بغاوت اور ہمارا کفر اور ہمارا فعل ہے پس دونوں حدیثوں پر عمل ہو گیا۔ حدیث ثانی پر تو ظاہر ہے اور حدیث اول پر اسلئے کہ کفر بحیثیت اثر قضا ہونے کے کفر ہی نہیں کیونکہ خلق کفر اور قضائے کفر کفر نہیں ورنہ نعوذ باللہ خدا کا کافر ہونا لازم آئے گا۔ پس تم اسکو کفر نہ کہو۔ اور خدا کو کافر کہنے سے بچو اور قضائے کفر کفر ہو کیونکر سکتی ہے اس لئے کہ کفر تو جہل ہے اور قضائے کفر علم و حکمت پس دونوں حلم و غضب کی طرح ایک دوسرے کی نقیض ہونگے اور ایک نہ ہونگے اگر اسپر شبہ ہو کہ قضائے کفر علم و حکمت کیونکر ہو سکتا ہے اور یہ خدا کی نسبت کیسے ہوگا تو اسکو یوں سمجھو کہ اگر کوئی خوشخطی کا اوستاد کامل بُرے حروف لکھے تو وہ اوستاد کی زشتی نہ ہوگی بلکہ زشت الفاظ ہونگے مگر اس سے وہ بُرائی کی صفت استاد تک سرایت نکریگی

اور وہ برانہ ہوگا بلکہ یوں کہا جاویگا کہ اُس نے بُرے کی بُرائی ظاہر کی اور یہ اُس کا نقص سمجھا جاویگا بلکہ یہ اسکی قدرت تامہ اور کمال تام ہے کہ وہ اچھے کو بُرا بھی بنا سکتا ہے یعنی جسطرح وہ اچھا لکھ سکتا ہے یوں ہی بُرا بھی لکھ سکتا ہے بس میں اسی قدر پر اکتفا کرتا ہوں اسلئے کہ اگر میں مفصل بحث کرتا ہوں جسمیں بہت سے سوال وجواب ہوں اور اس وجہ سے وہ دراز ہوجاوے تو ذوق عشق میرے ہاتھ سے جاتا ہے اور اب جو میں خدمت بندگان خدا میں مصروف ہوں یا طاعت الہٰی میں مشغول ہوں یہ صورت مثلکر دوسری صورت پیدا ہوجاتی ہے کیونکہ مجھے نفس کی مداخلت کا اندیشہ ہے یا یوں کہو کہ یہ جسقدر میں نے کہا ہے اور کہہ رہا ہوں یہ تو بالہام حق ہے اور مزید تفصیل کے متعلق الہام ہوا نہیں پس اگر میں زیادہ بیان کرونگا تو اسمیں اپنی فہم سے کام لینا پڑیگا اور اس میں مشغولیت کے سبب حق سبحانہ کی طرف سے توجہ ہٹے گی اور اس سے عشق میں نقصان آنا ظاہر ہے اور میں نہیں چاہتا کہ میرے اس ذوق میں کمی آئے۔ لہذا مزید تفصیل سے معذور ہوں اب اسکے مناسب ایک قصہ سُن جس سے میری معذوری خوب ظاہر ہو جاوے۔ ایک شخص جسکے کچھ بال سفید اور کچھ سیاہ تھے وہ ایک حجام کے پاس آیا اور کہا کہ میری ڈاڑہی میں سے سفید بال نکال دے کیونکہ میں نے نئی شادی کی ہے مبادا دلہن کو نفرت ہوجاوے اُس نے ساری ڈاڑہی مونڈ کر سامنے رکھدی اور کہا کہ مجھے تو فرصت نہیں کیونکہ ایک ضروری کام آپڑا ہے آپ خود چن لیجئے بس یہی حالت طالب دین کی ہوتی ہے اور وہ سوال وجواب کی طرف اصلا التفات نہیں کرتا۔ اسکی مثال ایسی ہوتی ہے۔ جیسے کسی شخص نے ایک شخص کے تھپڑ مارا اس نے بھی چالاکی سے اسپر حملہ کرنا چاہا تو اُس تھپڑ مارنے والے نے کہا کہ میں ایک سوال کرتا ہوں پہلے تم اُسکا جواب دیدو اسکے بعد مجھے مار لینا یہ تو ظاہر ہے کہ میں نے تمہاری گدی پر تڑاق سے تھپڑ مارا ہے اسکے متعلق مجھے ایک بات بغرض تحقیق دریافت کرنی ہے وہ یہ کہ میں آپ سے یہ پوچھتا ہوں اور آپ میرے اس شبہ کو حل فرمائیں کہ تڑاق میرے ہاتھ سے ہوا تھا یا آپ کی گدی سے اسکے جواب میں وہ یہی کہے گا کہ تکلیف کے سبب مجھے اتنی مہلت نہیں کہ اس معاملہ میں غور وخوض کروں تم کو تکلیف نہیں ہے لہذا تم خود ہی سوچے جاؤ پس صاحب جسکو تکلیف ہوگی اور اپنی مصیبت

ہیں مبتلا ہوگا وہ کسی مخمصہ میں نہ پڑیگا اور جو اپنی تکلیف میں مبتلا ہیں وہ دوسرے کی فکر میں نہیں پڑتے۔ وہ تو یہ کہتے ہیں کہ ہم خود ہی مصیبت میں مبتلا ہیں ہماری بلا سے خواہ تم مسجد میں جاؤ یا تبخانہ میں غفلت اور بیدردی ہی کی یہ خاصیت ہے کہ تم افکار لایعنی میں مبتلا ہوستے ہو۔ اور وہ ہی تمہارے خیال میں نفیس نفیس مضامین پیدا کرتی ہے جسکو اپنی تکلیف کا احساس ہوتا ہے اسکو تو سوائے دین کی فکر کے اور کوئی بھی فکر نہ ہوگی اور وہ مقصود اور غیر مقصود میں تمیز کریگا بس اسکا کام تو یہ ہوگا کہ حکم خداوندی کو سر پہ رکھے گا۔ اور اپنی کسی غیر اہم شے کو یاد کرنے اور اسکو سوچنے کو ایک طرف رکھے گا۔

شرح شبیری

ان دونوں حدیثوں کے درمیان میں توفیق کہ الرضا بالکفر کفر اور دوسری حدیث کہ من لم یرض بقضائی ولم یصبر علی بلائی فلیطلب ربّا سوائی

وے سوالے کرد سائل مر مرا ۔۔۔ زانکہ عاشق بود او بر ما جرا

یعنی کل ایک سائل نے مجھ سے ایک سوال کیا اسلئے کہ وہ بحث و مباحثہ کا عاشق تھا۔

گفت نکتہ الرضا بالکفر کفر ۔۔۔ این پیمبر گفت و گفت او ست مہر

یعنی اس نے کہا الرضا بالکفر کا نکتہ پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اور آپ کا قول مہر ہے

یعنی ثابت ہے۔

بازفرمود او کہ اندر ہر قضا　　　مرمسلمان را رضا باید رضا

یعنی پھر آپ نے ہی فرمایا ہے کہ ہر قضا میں مسلمان کو رضا چاہیئے رضا۔

نے قضائے حق بود کفر ونفاق　　　گر بدین راضی شوم باشد شقاق

یعنی تو کیا کفر و نفاق قضائے حق نہیں ہے تو اگر میں اُسپر راضی ہوتا ہوں تو یہ تو خلاف حق ہے۔

ورنیم راضی بود آن ہم زیان　　　پس چہ چارہ باشدم اندر میان

یعنی اور اگر راضی نہیں ہوتا ہوں تو یہ بھی نقصان ہے تو اب درمیان میں میرا کیا علاج مطلب یہ کہ اب نہ ادہر ہٹ سکتے ہیں اور نہ ادہر بڑھ سکتے ہیں تو بتاؤ کہ کیا کریں۔

گفتمش این کفر مقضے نے قضاست　　　ہست آثار قضا این کفر راست

یعنی میں نے اُس سے کہا کہ یہ کفر تو مقضی ہے نہ کہ قضا ہے اور یہ کفر تو ٹھیک آثار قضا میں سے ہی

پس قضا را خواجہ از مقضے بدان　　　تا شکالت دفع گردد در زمان

یعنی پس اے خواجہ قضا کو مقضے سے (ممتاز کرکے) جان تو تاکہ تمہارا اشکال اسیوقت دفع ہوجاوے تو جب وہ قضا نہیں بلکہ مقضے ہے تو وہ رضا کا محکوم علیہ بھی نہیں ہے آگے بر تقدیر تسلیم ایک دوسرا جواب دیتے ہیں کہ۔

راضیم بر کفر زان رو کہ قضاست　　　نے از ان رو کہ نزاع و خبث ماست

یعنی میں کفر پر اس حیثیت سے کہ وہ قضا ہے راضی ہوں نہ اس حیثیت سے کہ ہماری خباثت اور نزاع ہے مطلب یہ کہ اگر مان بھی لیں کہ کفر قابل رضا ہے تو پھر ہم کہتے ہیں کہ اس حیثیت سے

کہ فعل حق ہی قضا ہے اور اسپر ہم راضی بھی ہیں مگر اس حیثیت سے کہ وہ فعل عبد ہے ہم راضی نہیں ہیں۔

کفر از روئے قضا خود کفر نیست　　حق را کافر مخوان اینجا مایست

یعنی کفر از روئے قضا کے کفر ہی نہیں ہے حق کو کافر مت کہہ اور اس جگہ مت کھڑا ہو مطلب یہ کہ درجۂ خلق و فعل حق میں یہ کفر کفر ہی نہیں ہے ورنہ اگر اُسکو اس درجہ میں کفر کہا جاوے اور اسکے خالق حق تعالےٰ ہیں تو نعوذ باللہ چونکہ اسکے مرتکب اور فاعل کیلئے کہا جاوے وہی حق تعالےٰ کے لئے ہوگا بس معلوم ہوا کہ وہ اس درجہ میں کفر ہی نہیں ہے تو اسپر رضا ہی واجب ہے۔

کفر جہل است و قضائے کفر علم　　ہر دو یک کے باشد آخر حلم و حلم

یعنی کفر تو جہل ہے اور قضائے کفر علم ہے تو پھر حلم اور غضب دونوں یکساں کیسے ہوجاوینگے وہ الگ ہے وہ الگ آگے مثال ہے کہ۔

زشتی خط زشتی نقاش نیست　　بلکہ از وے زشت را بنمودنیست

یعنی خط کی زشتی (مستلزم) نقاش کی زشتی (کو) نہیں ہے بلکہ اُس سے زشت کا دکھانا ہے مطلب یہ کہ اگر کوئی کاتب میر پنجہ کش جیسا مثلاً ایسا لکھے جیسے کہ ایک بچہ لکھتا ہے اور کوئی تمیز نہ کر سکے کہ یہ بچہ کا لکھا ہوا ہے یا کسی ماہر کاتب کا تو یہ اُنکا نقص ہونیکے علاوہ اُن کا کمال ہے کہ باوجود ایسے بڑے کاتب ہونیکے پھر ایسا لکھ سکتے ہیں۔ تو خلق کفر زشتی حق نہیں ہے بلکہ دلیل کمال حق کی ہے۔

قوت نقاش باشد آنکہ او　　ہم تواند زشت کردن ہم نکو

یعنی یہ تو نقاش کی قوت کی دلیل ہے کہ وہ بُرا بھی بنا سکتا ہے اور اچھا بھی آگے فرماتے ہیں کہ۔

گر گشایم بحث این را من بساز   تا سوال و تا جواب آید دراز

یعنی اگر میں اس بحث کو سامان کے ساتھ کھولوں یہانتک کہ سوال وجواب خوب دراز ہوجاوے یعنی اسکے سوال وجواب کو خوب تفصیل سے بیان کرسکتا ہوں مگر اس سے نقصان یہ ہوتا ہے کہ

ذوق نکتہ عشق از من میرود   نقش خدمت نقش دیگر مے شود

یعنی نکتہ عشق کا ذوق مجھ سے زائل ہوتا ہے اور خدمت (دین) کا نقش نقش دیگر ہوا جاتا ہے مطلب یہ کہ اس بحث وجدان میں پڑکر میری وہ حالت عشقیہ خراب ہوتی ہے اسلئے کہ قاعدہ ہے کہ ایسی پڑکر انسان کا قلب ہمیشہ مکدر ہوجاتا ہے اور وہ نورانیت باقی نہیں رہتی اور یہ ایسا امر ہے کہ مشاہد ہے پس چاہیئے کہ جنگ وجدال کبھی نہ کرے بلکہ سب رطب و یابس مقابل کے سامنے رکھدے کہ بھائی حق و باطل کو تو خود ممتاز کرلے آگے اسپر ایک حکایت لاتے ہیں کہ

ایک مثل اس بیان میں کہ حیرت بحث وفکر کو مانع ہی

یعنی جو شخص کہ حیرت میں مبتلا ہوگا اسکو ان باتوں کی فرصت کہاں ہوگی وہ تو اپنے کام میں لگنے کو غنیمت خیال کریگا اُسکے متعلق ایک قصہ بطور مثل کے بیان فرماتے ہیں کہ۔

آن یکے مرد دو موآمد شتاب   پیش یک آئینہ دار مستطاب

یعنی ایک شخص جسکے بال دو طرح کے تھے (کچھ سفید کچھ سیاہ) ایک ماہر حجام کے آگے آیا۔

گفت از ریشم سفیدی کن جدا   کہ عروس نو گزیدم اے فتےٰ

یعنی وہ بولا کہ اے نوجوان میری ڈاڑہی سے سفیدی کو الگ کردے اسلئے کہ میں نے ایک نئی دلہن کی ہے۔

ریش او ببرید و کل پیشش نہاد گفت تو بگزین مرا کارے فتاد

یعنی اس حجام نے اسکی ساری ڈاڑھی مونڈ کر اسکے آگے رکھدی اور کہا کہ تو خود چھانٹ لے مجھے تو کام ہے۔ مولانا فرماتے ہیں کہ۔

این سوال این جوابست ای گزین کہ سر اینہا ندارد مرد دین

یعنی اے برگزیدہ یہ سوال ہے اور یہ جواب ہے کہ خیال اسکا نہیں رکھتا ہے مرد دین مطلب یہ کہ بس جو کام والے ہیں وہ اسیطرح سب رطب و یابس مقابل کے آگے رکھکر کہ تم خود چھانٹ لو الگ ہو جاتے ہیں آگے ایک اور مثل اسیکی ہے کہ۔

آن یکے زد سیلیے مر زید را حملہ کرد او ہم برای کید را

یعنی ایک شخص نے زید کے ایک چپت مارا تو اس نے بھی کید کیوجہ سے حملہ کیا۔

گفت سیلی زن سوالت میکنم پس جوابم گوئی انگہ مے زنم

یعنی اُس چپت مارنے والے نے کہا کہ میں تجھ سے ایک سوال کرتا ہوں اسکا جواب دیدے پھر مجھے مار یجیو۔

بر قفاے تو زدم آمد طراق یک سوالے دارم اینجا در وفاق

یعنی میں نے تیری گدی پر مارا تو طراق (کی آواز) آئی تو میں موافقت میں ایک سوال کہتا ہوں۔

این سوال از تو ہمی پرسم بگو حل کن اشکال من ای نیکخو

یعنی میں تجھ سے یہ سوال پوچھتا ہوں تو بتادے اور اے نیکخو میری اشکال کو حل کردے۔

این طراق از دست من بود یا ست از قفاگاہ تو اے فخر کیا

یعنی یہ طراق (کی آواز) میرے ہاتھ میں سے تھی یا تمہاری گدی میں سے اسے فخر از کیا۔

گفت از درد آن فراغت نیستم کاندرین فکر و تامل بیستم

یعنی اُس نے کہا کہ مجھے درد کے مارے اتنی فرصت نہیں ہے کہ اس فکر و تامل میں پڑوں۔

تو کہ بیدردی ہمی اندیش این نیست صاحب درد را این فکر هین

یعنی تو جو بیدرد ہے اسکو سوچتا رہ مگر صاحب درد کے لئے یہ فکر نہیں ہے۔ بس تو مولانا فرماتے ہیں کہ۔

دردمندان را نباشد فکر غیر خواہ در مسجد برو خواہے بدیر

یعنی دردمندوں کو غیر کی فکر ہوتی ہی نہیں اب تم چاہے مسجد میں جاؤ یا دیر میں مطلب یہ کہ انکی طرف سے تم چاہے جنت میں جاؤ یا جہنم میں انکو سوائے حق کے غیر کی فکر نہیں ہوتی وہ تو اُسی فکر میں رہتے ہیں۔

غفلت و بیدردیت فکر آورد در خیالت نکتہ بکر آورد

یعنی غفلت اور بے دردی تمہارے لئے فکر کو لاتی ہے اور تمہارے خیال میں نئے نئے نکتوں کو لاتے ہے۔

جز غم دین نیست صاحب درد را می شناسد مرد را و گرد را

یعنی صاحب درد کو تو سوائے غم دین کے اور کچھ نہیں ہے وہ مرد اور گرد کو ممتاز کرتا ہے مطلب یہ کہ وہ کام کی اور بیکار شے سب کو جانتا ہے لہذا کام کی چیز کو لے لیتا ہے اور بیکار کو ترک کرتا ہے۔

حکم حق را بر سر درد مے نہد حفظ و فکر خویش یکسو می نہد

یعنی حکم حق کو تو سر آنکھوں پر رکھتا ہے اور اپنی حفاظت اور فکر کو ایک طرف رکھتا ہے (اُسکو فضولیات کی فرصت ہی نہیں ہوتی) آگے بیان فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام الفاظ قرآن کے بہت کم حافظ تھے اسلئے کہ وہ اصل شئے عمل کو لئے ہوئے تھے وہ اس ظاہر کو اسقدر ضروری نہ سمجھتے تھے اور اس سے تواتر میں کوئی خرابی لازم نہیں آتی اسلئے کہ اگرچہ پورے قرآن کے حافظ کم تھے مگر ہر ہر جزو قرآن کے حافظ اس کثرت سے تھے کہ ہر ہر جزو متواتر تھا لہذا پورا قرآن ہی متواتر ہے خوب سمجھ لو۔

شرح حبیبی

در صحابہؓ کم بُدے حافظ کسے
گرچہ شوقے بود جان شان را بسے

زانکہ چون مغزش در آگند و رسید
قشرہا شد بس رقیق و واکفید

قشر جوز و فستق و بادام ہم
مغز چون آگندشان شد پوست کم

مغز علم افزود کم شد پوستش
زانکہ عاشق را بسوزد دوستش

وصف مطلوبے چو ضد طالبی است
وحی و برق نور سوزان نبی است

چون تجلی کرد اوصاف قدیم
پس بسوزد وصف حادث را گلیم

ربع قرآن ہر کرا محفوظ بود
جل فینا از صحابہ مے شنود

جمع صورت با چنین معنی ژرف ‌‌ ‌ نیست ممکن جز ز سلطانی شگرف

در چنین مستی مراعات ادب ‌ ‌ خود نباشد ور بود باشد عجب

اندر استغنا مراعات نیاز ‌ ‌ جمع ضدین است چون گرد دراز

جمع ضدین از نیاز افتاد و ناز ‌ ‌ باز در وقت تحیر امتیاز

چون عصا معشوق عمیان می‌شود ‌ ‌ کور خود صندوق قرآن می‌شود

گفت کوران خود صنادیق اند پر ‌ ‌ از حروف مصحف و ذکر و نذر

باز صندوقی پر از قرآن به است ‌ ‌ وانکه صندوقی بود خالی بدست

باز صندوقی که خالی شد ز بار ‌ ‌ به ز صندوقی که پر موش است و مار

حاصل اندر وصل چون افتاد مرد ‌ ‌ گشت دلاله به پیش مرد سرد

چون بمطلوبت رسیدی ای ملیح ‌ ‌ شد طلبکاری علم اکنون قبیح

چون شدی بر بامهای آسمان ‌ ‌ سرد باشد جستجوی نردبان

جز برائے یارے و تعلیم غیر	سر دبا شدراہ خیر از بعد خیر
آئینہ روشن کہ شد صاف وجلی	جہل باشد بر نہادن صیقلے
پیش سلطان خوش نشستہ در قبول	زشت باشد جستن نامہ و رسول

دیکھو باوجودیکہ صحابہؓ کو تحصیل دین کا بیحد شوق تھا مگر ان میں پورے قرآن کے حافظ بہت کم ہوتے تھے چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں صرف چار شخص پورے قرآن کے حافظ تھے۔ ابی بن کعب معاذ بن جبل۔ زید بن ثابت، ابوزید۔ اب اگر تحدید نہ بھی مقصود ہو تب بھی تقلیل تو ضروری ہے اور یہی مولانا کا مقصود ہے رہا یہ شبہ کہ اس سے قرآن متواتر نہیں رہتا سو یہ باطل ہے کیونکہ تواتر یوں بھی متحقق ہو سکتا ہے کہ مثلاً ایک صورت کل صحابہ کو یاد ہو۔ دوسری سورۃ بعض کو یاد ہو اور ان بعض کی تعداد اتنی ہو کہ تواتر کی حد کو پہنچ جاوے اور باقی صحابہ کو یاد نہ ہو۔ تیسری سورۃ ان ہر دو فریق میں سے بعض کو یا کل کو یاد ہو۔ علی ہذا القیاس اس صورت سے تواتر قرآن بھی قائم رہیگا اور یہ حکم بھی صحیح رہیگا کہ صحابہ میں حافظ قرآن کم تھے اب اسکی اصل وجہ سنو کہ یہ کمی کیوں تھی۔ بات یہ ہے کہ جب میوہ کا مغز زیادہ ہو جاتا ہے اور وہ پختہ ہو جاتا ہے تو پوست کمزور ہو کر پھٹ جاتا ہے اور اگر پھٹتا نہیں جیسے اخروٹ کا چھلکا پستہ کا چھلکا۔ بادام کا چھلکا وغیرہ مغز کے بھر جانے سے کم تو ضرور ہی ہو جاتا ہے بس اسیطرح جب مغز علم یعنی اہتمام عمل یا مشاہدہ معلوم میں استغراق اور اس سے تلذذ وغیرہ زیادہ ہوجاتا ہے تو پوست یعنی صورت علم و الفاظ کم ہو جاتے ہیں اسکا اصل راز یہ ہے کہ تجلی معشوق عاشق کی ہستی کو مٹا دیتی ہے اور اسکو معشوق کے سوا دوسری اشیا۔ کی طرف التفات ہی نہیں ہوتا اور اسکا بھی ایک راز ہے وہ یہ کہ طالبیت و مطلوبیت میں تضاد ہے اور

تضاد و منافی وصل و اتحاد ہے اسلیئے اولاً اس تضاد کے مٹنے کی ضرورت ہے تاکہ اسکی جگہ اتحاد پیدا ہو کر وصل تام متحقق ہو۔ جبکہ ضرورت اتحاد معلوم ہوئی تو اب اسکی دو صورتیں ہیں یا تو مطلوب فنا ہو کر طالب سے متحد ہو جاوے یا طالب فنا ہو کر مطلوب سے متحد ہو صورت اولی عشق مجازی میں ممکن ہے مگر قلب موضوع ہے اور عشق حقیقی میں مستحیل لہذا صورت ثانیہ متعین ہوئی کہ طالب فنا ہو اور مطلوب سے متحد ہو جائے مگر یاد رکھو کہ یہ اتحاد عرفی ہے نہ کہ نفس الامر میں ایک ذات بنجانا کیونکہ نہ یہ عشق مجازی میں ممکن ہے نہ عشق حقیقی میں جب یہ معلوم ہوا کہ طالبیت و مطلوبیت میں تضاد ہے۔ اور اس کی مرتفع ہونے کی ضرورت ہے تو اب سمجھو کہ یہی سبب تھا جسکے بنا پر وحی الٰہی اور برق تجلی حق سبحانہ وتعالیٰ نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فنا فی الحق اور مرضی حق سبحانہ تعالیٰ کا سراسر تابع بنا دیا تھا کیونکہ اس کے بغیر وصال کامل ناممکن تھا واقعی اوصاف قدیم کی یہی شان ہے کہ جب وہ متجلی ہوئی ہیں تو اوصاف حادث کا سامان جلکر خاک سیاہ ہو جاتا ہے اور وہ متجلی لہ کو اپنے ہی رنگ میں رنگ کر صبغۃ اللہ ومن احسن من اللہ صبغہ کی شان دکھلا دیتے ہیں ؎ چو سلطان عزت علم درکشد جہاں سر بجیب عدم درکشد

جب یہ مقدمہ ممہد ہو چکا تو اب سمجھو کہ صحابہ رضوان اللہ اجمعین کو اہتمام عمل اور مشاہدہ محبوب حقیقی انہماک تھا۔ اس لیئے اشتغال بحفظ کی مہلت نہ تھی۔ یہی سبب تھا کہ اگر کسیکو چوتھائی قرآن بھی یاد ہو جاتا تھا تو صحابہ اس کو کہتے تھے کہ یہ تو بہت بڑا شخص ہو گیا بڑائی اور جلالت کا سبب یہ تھا کہ اس نے معنی اور صورت دونوں کو جمع کر لیا تھا۔ اور صورت و معنی کا جمع کر لینا ہر شخص کا کام نہیں بلکہ کوئی بڑا شخص ایسا کر سکتا ہے مثلاً کوئی شخص عشق الٰہی میں بحد مست ہو اور پھر ادب کو بھی ہاتھ سے نہ جانے دے یہ نہیں ہو سکتا اور اگر ہو جیسا کہ صحابہ میں تھا تو ضرور حیرت انگیز بات ہے اور ایسا کرنے والا ضرور بڑا شخص ہے کیونکہ مستی کے سبب ادب سے مستغنی ہو کر پھر ادب کو ملحوظ رکھنا ایسا ہی دشوار ہے جیسے جمع ضدین۔ اور ایسا کرنے والا یوں ہی جامع بین الضدین ہے جیسے ایک شئی گول بھی ہو اور لمبی بھی۔ پس جب اس نے ناز و نیاز اور بتحیہ امتیاز دونوں کو ملحوظ رکھا

تو جمع بین الضدین تو ہو گیا پھر ایسے شخص کی جلالت شان میں کیا شبہ ہو سکتا ہے لہٰذا صحابہ کا اس کو جل فینا کہنا بالکل صحیح تھا اس بیان سے کیکو یہ شبہ نہ ہو کہ حفاظ اربعہ جناب رسول اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں خلفاء راشدین سے بھی بڑھے ہوئے تھے کیونکہ باوجود اشتراک فی الجمع بین الصورۃ والمعنی کے خلفاء راشدین کو حفاظ اربعہ پر جہت معنی سے تفوق تھا۔ اور حفاظ اربعہ کو جہت صورت سے۔ پس جو تفوق معنی کو صورت پر ہوگا وہی تفوق خلفائے راشدین کو حفاظ اربعہ پر ہوگا اور یہ امر نہ جل فینا کے مخالف ہے اور نہ تشریح و تعلیل مولانا کے جل فینا کے تو اس لئے خلاف نہیں کہ اس میں جلالت ذاتیہ یا اضافیہ بالنظر الی البعض مراد ہے نہ کہ اضافیہ بالنظر الی الکل اور تعلیل مولانا کے اس لئے خلاف نہیں کہ اشتغال بالمعنی کے درجات مختلف ہیں لہٰذا یوں کہا جاویگا۔ کہ جسقدر اشتغال خلفاء کو تھا اگر وہ اشتغال ان حفاظ اربعہ کو ہوتا تو وہ اتنا بھی قرآن یاد نہ کر سکتے جتنا کہ خلفاء اربعہ کو تھا۔ پس اس درجہ اشتغال کے ساتھ اس قدر قرآن یاد کر لینا جس قدر کہ خلفا کو تھا یہ بھی انہی کا کمال ہے جو کہ حفاظ اربعہ کو حاصل نہیں۔ لہٰذا خلفا افضل ہونگے۔ لیکن چونکہ اپنی اشتغال کے ساتھ اُنھوں نے پورا قرآن یاد کر لیا تھا جو کہ بعض دوسروں کے لئے دشوار تھا لہٰذا یہ ان کا فی نفسہ اور ان بعض کے لحاظ سے کمال تھا اور جو چوتھائی قرآن اپنے اشتغال کے ساتھ یاد کر لیتا تھا فی نفسہ و نیز بعض ان لوگوں کے لحاظ سے جو ایسا نہ کر سکتے تھے یہ اس کا بھی کمال تھا۔ اور چونکہ عام حالت کے لحاظ سے یہ امر فی نفسہ بڑا سمجھا جاتا تھا اس لئے جل فینا کہا جاتا تھا جس کے معنی یہ ہیں۔ کہ منجملہ دیگر صحابہ کے یہ بھی بڑا شخص اور عام لوگوں سے ممتاز ہو گیا اس کا یہ مطلب نہ ہوتا تھا کہ سب سے بڑھ گیا۔ صحابہ کی معذوری بیان کر کے اب دیگر قرون میں کثرت حفظ کی وجہ بیان کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ جس طرح اندھوں کی آنکھیں تو ہوتی نہیں کہ وہ ان کو رہبر بنائیں لہٰذا وہ لاٹھی ہی کو محبوب رکھتے ہیں کہ اسی کے سہارے سے مقصود تک پہونچ جاتے ہیں یہی حالت بالکل عام طور پر حفاظ کی ہے الّا ماشاء اللہ کہ وہ حقیقت سے واقف ہوتے نہیں کہ بصیرت کے ساتھ حق سبحانہ تک پہنچے

لہٰذا وہ قرآن حفظ کرتے ہیں اور گویا کہ اسکا صندوق بنتے ہیں کیونکہ جسطرح صندوق اشیاء کی حفاظت کرتا ہے اور اُن سے متمتع نہیں ہو سکتا۔ یونہی یہ بھی ہوتے ہیں کسی نے خوب کہا ہے کہ اندھے لوگ قرآن کے صندوق ہوتے ہیں کہ الفاظ قرآنیہ اور پند و نصائح و وعدہ وعید کو اپنے اندر بھرے ہوتے ہیں لیکن سمجھتے کچھ نہیں لیکن یہ یاد رکھو کہ جو صندوق قرآن سے بھرا ہوا ہو وہ اس صندوق سے بہتر ہے جو بالکل خالی ہو پس اگر کسیکو عمل کی پوری پوری توفیق نہ ہو اور قرآن یاد ہو وہ بہتر ہے اس سے جو نہ عمل ہی کرتا ہو نہ اُسکو قرآن ہی یاد ہو۔ پھر جو صندوق سامان سے خالی ہو وہ اس صندوق سے بہتر ہے جسمیں چوہے اور سانپ بھرے ہوئے ہوں۔ یعنی اگر کوئی شخص حافظ قرآن بھی نہ ہو اور اخلاق رذیلہ بھی اپنے اندر نہ رکھتا ہو وہ بہتر ہے اس سے جو حافظ قرآن بھی نہ ہو اور صفات ذمیمہ بھی اپنے اندر رکھتا ہو۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ جب آدمی کو وصل محبوب حاصل ہو جاتا ہے تو اسکی نظر میں دلالۃ اس درجہ محبوب نہیں رہتی جتنی کہ پہلے تھی۔ لہٰذا جب وصل حق سبحانہ میسر ہو جاتا ہے تو صورت علم جو بمنزلہ دلالۃ کے تھی مرغوب نہیں رہتی اور اسکا طلب کرنا بُرا سمجھا جاتا ہے کیونکہ جب آدمی آسمان پر چڑھ گیا تو ایسی حالت میں سیڑہی تلاش کرنا بیہودہ حرکت ہے لیکن تم ہمارے اس حکم کو عام نہ سمجھنا بلکہ یہ مخصوص ہے اس صورت کے ساتھ کہ جب اشتغال بالعلم بعد وصول بغرض وصول ہو لیکن اگر دوسرے کی امداد کے لئے اور اسکی تعلیم کے لئے ہو تو کچھ مضائقہ نہیں اور بدون اس غرض کے وصول الی الخیر کے بعد خیر کا ذریعہ تلاش کرنا اور اسمیں مصروف ہونا بیشک بے معنی ہے دیکھو جب آئینہ روشن اور صاف ہو جاوے اسوقت اسکو صیقل کرنا ضرور حماقت ہے نیز بادشاہ کا مقبول ہو کر اور اسکے حضور میں بیٹھکر خط یا قاصد کو ڈھونڈھنا ضرور نادانی ہے۔

شرح شبیری

حکایت اس بیان میں کہ صحابہؓ میں پوری قرآن کی حافظ کم ہوئے تھے

در صحابہ کم بُدے حافظ کسے　　گرچہ شوقے بود جان شاں را بسے

یعنی صحابہؓ میں حافظ کوئی کم ہوتا تھا اگرچہ انکی جان کو شوق بہت تھا۔

زانکہ چون مغزش در آگند و رسید　　قشرہا شد بس رقیق و واکفید

یعنی اسلئے کہ (دیکھو) جب میوہ کا مغز پر ہو جاتا ہے اور (پختگی کو) پہونچ جاتا ہے تو قشر بہت رقیق ہو جاتے ہیں اور پھٹ جاتے ہیں۔

قشر جوز و فستق و بادام ہم　　مغز چون آگندشان شد پوست کم

یعنی اخروٹ اور پستہ اور بادام کا قشر بھی جب مغز بھر جاتا ہے تو وہ پوست کم ہو جاتا ہے (بس اسیطرح)

مغز علم افزود کم شد پوستش　　زانکہ عاشق را بسوزد دوستش

یعنی علم کا مغز بڑھ گیا تو اُسکا پوست کم ہو گیا۔ اسلئے کہ عاشق کو اسکا دوست جلا دیتا ہے مطلب یہ کہ جسطرح کہ عاشق کے مقتضیات کو اسکا معشوق فنا کر دیتا ہے اسلئے کہ عاشق کو مقصود وہی ہوتا ہے تو اسیطرح جب مقصود آتا ہے تو توابع زائل ہو جاتے ہیں۔

وصف مطلوبی چو ضد طالبی است　　وحی و برق نور سوزندہ نبی است

یعنی وصف مطلوبی جبکہ طالبی کی ضد ہیں تو وحی اور برق نور نبی کو جلانے والی ہے وصف مطلوبی سے مراد اوصاف حق اور وصف طالبی سے مراد اوصاف بشر مطلب یہ کہ اوصاف حق کے آگے اوصاف بشر بہ سبب تابع ہونے کے زائل ہو جاتے ہیں۔

چون تجلی کرد اوصاف قدیم پس بسوزد وصف حادث را گلیم

یعنی جبکہ اوصاف قدیم تجلی کرتے ہیں تو اوصاف حادث کے گلیم کو وہ جلا دیتے ہیں یعنی وہ بہ سبب غیر مقصود ہونے کے اسکے آگے فنا ہو جاتے ہیں تو بس جب اُنکو عمل بالقرآن حاصل تھا تو انکو الفاظ کا زیادہ اہتمام نہ تھا بلکہ ہر شخص بقدر ضرورت یاد کر لیا کرتا تھا۔ اور یہ حالت تھی کہ۔

ربع قرآن ہر کرا محفوظ بود جل فینا از صحابہ مے شنود

یعنی جسکو کہ ربع قرآن یاد ہوتا تھا وہ صحابہ سے جل فینا سنتا تھا۔ مطلب یہ کہ صحابہ ایسے شخص کی نسبت فرمایا کرتے تھے یہ ہم میں سے بزرگ ہو گیا۔ اور بڑھ گیا۔ اب یہاں یہ شبہ ہوا کہ جب الفاظ قرآنی کو حفظ کرنا اصل مقصود کے مانع ہے تو پھر حضور مقبول صلے اللہ علیہ وسلم کو کیوں کل قرآن یاد تھا معلوم ہوتا ہے کہ نعوذ باللہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک فعل عبث کے مرتکب ہوئے اسکے جواب میں فرماتے ہیں کہ۔

جمع صورت با چنین معنے ژرف نیست ممکن جز ز سلطانی شگرف

یعنی ایسے معنی عمیق کے ساتھ صورت کو جمع کرنا ممکن نہیں ہے بجز کسی بڑے سلطان کے مطلب یہ کہ جمع بین الظاہر والباطن ایسا امر ہے کہ ہر ایک سے ممکن نہیں ہے اور اگر ہو تو سبحان اللہ مقصود اس کہنے سے یہ تھا کہ صرف صورت اور صرف الفاظ مقصود نہ ہونے چاہئیں۔

در چنین مستی مراعات ادب خود نباشد ور بود باشد عجب

یعنی مستی میں ادب کی رعایت خود ہی نہیں ہوتی اور اگر ہو تو عجیب بات ہے مطلب یہ کہ جو شخص مقصود میں مست ہے اسکو اس ادب کی کہاں خبر کہ وہ جمع بین الظاہر والباطن کرے

اور اگر باوجود اس مستی کے کسی کو اسکی خبر رہے تو یہ ہے عجیب بات۔

اندر استغنا مراعات نیاز　　جمع ضدین است چون گرد و دراز

یعنی استغنا کی حالت میں نیاز کی رعایت کرنا دو ضدوں کو جمع کرنا ہے تو یہ کس طرح دراز ہو سکتا ہے یعنی کس طرح وقوع میں آسکتا ہے کہ ضدین جمع ہو جاویں مستی بھی ہو اور ادب بھی ہو۔

جمع ضدین از نیاز افتاد آز　　باز در وقتِ تحیّر امتیاز

یعنی ضدین کا جمع نیاز کی وجہ سے حرص ہے اور پھر تحیر کے وقت امتیاز کرنا (یہ تو سخت مشکل ہے) آگے صرف الفاظ کو یاد کرنے کی ایک مثال فرماتے ہیں کہ۔

چون عصا معشوق عمیان می شود　　کور خود صندوق قرآن می شود

یعنی جیسے کہ عصا اندھوں کا معشوق ہوتا ہے تو اندھا خود صندوق قرآن کا ہوتا ہے مطلب یہ ہے کہ اصل میں مقصود تو عمل اور حال ہے اور الفاظ اسکے تابع ہیں مگر جو شخص کہ صرف الفاظ کو رٹتے ہوئے ہو اور عمل کی طرف مطلق توجہ ہی نہ کرے وہ تو بیشک اندھا ہی ہے۔

گفت کوران خود صنادیق اند پُر　　از حروف مصحف و ذکر و نذر

یعنی کسی کہنے والے نے کہا ہے کہ اندھے خود صندوق قرآن کے حروف اور ذکر و نذر کے بھرے ہوئے ہیں۔ مطلب یہ کہ اندھے صرف الفاظ قرآن کو یاد کر لیتے ہیں مگر عمل کی طرف توجہ نہیں کرتے تو یہ بے عمل کے بیکار ہے۔ اب یہاں جو لوگ کہ حافظ ہیں انکا دل مرجھانے کا خوف تھا کہ شاید وہ سمجھیں کہ بس پھر کیوں یاد کیا جاوے اسلئے فرماتے ہیں کہ۔

باز صندوقے پُر از قرآن بہ است　　زانکہ صندوقے بود خالی بدست

یعنی پھر صندوق قرآن سے بھرا ہوا اس سے بہتر ہے کہ ایک صندوق خالی ہاتھ میں ہو

مطلب یہ کہ الفاظ کے حافظ غیر حفاظ سے پھر بھی بہتر ہیں اب یہاں وہ لوگ جو کہ حافظ نہیں ہیں غمگین ہوئے آگے انکی تسلی کے لئے فرماتے ہیں سبحان اللہ عجب جامع تقریر ہے کہ کوئی پہلو چھوٹا ہوا نہیں ہے فرماتے ہیں کہ

باز صندوقے کہ خالی شد زبار　　بہ ز صندوقے کہ پُر موش است و مار

یعنی پھر وہ صندوق جو کہ بوجھ سے خالی ہو اس سے بہتر ہے کہ جو سانپوں اور چوہوں سے بھرا ہو۔ مطلب یہ کہ وہ شخص جو کہ حافظ نہیں ہے مگر اسکے عقائد اچھے ہیں خیالات فاسدہ نہیں ہیں تو یہ شخص اس سے بہتر ہے کہ جسکے اندر خباثتیں بھری ہوئی ہیں۔ عقائد خراب ہیں آگے پھر اوپر کے مضمون کی طرف رجوع ہے اوپر کہا تھا کہ مقصود کو حاصل کرنا چاہیئے اور غیر مقصود کو ترک کرنا ضروری ہے آگے بھی یہی فرماتے ہیں کہ۔

حاصل اندر وصل چون افتاد مرد　　گشت دلالہ بہ پیش مرد سرد

یعنی حاصل یہ کہ جب انسان وصل میں پڑ گیا تو دلالہ اسکے آگے سرد ہو گئی۔

چون بہ مطلوبت رسیدی ای ملیح　　شد طلبگاری علم اکنون قبیح

یعنی جبکہ تم اپنے مطلوب تک پہونچ گئے اے ملیح تو اب علم کی طلبگاری بُری ہے۔

چون شدی بر بامہای آسمان　　سرد باشد جستجوئے نردبان

یعنی جبکہ تو آسمان کے اُوپر پہونچ گیا تو اب سیڑھی کی جستجو فضول ہے مطلب یہ کہ جب مطلوب حاصل ہو گیا تو اب وسائط اور وسیلوں میں پھنسنا سخت نازیبا ہے۔ اب یہاں طلباء کو شبہ ہو سکتا تھا کہ بس ایک مرتبہ میزان خود پڑھکر اب دوبارہ بعد تحصیل کے پھر اسکے پڑھانے میں مشغول ہونا عبث ہے اسکا جواب فرماتے ہیں کہ۔

جز برائے یاری و تعلیم غیر　　سرد باشد راہ خیر از بعد خیر

یعنی سوائے دوسرے کی تعلیم اور مدد کے لئے کہ اب خیر کے بعد راہ خیر کو لینا بہتر ہے مطلب یہ کہ اگر دوبارہ مشغول ہونے میں دوسرے کا نفع ہو تو یہ بھی مناسب اور نافع ہے۔

آئینہ روشن کہ شد صاف و جلی جہل باشد بر نہادن صیقلے

یعنی وہ آئینہ جو کہ روشن اور صاف اور چمکدار ہو تو اسکو صیقل پر رکھنا جہالت ہے۔

پیش سلطان خوش نشستہ در قبول زشت باشد جستن نامہ و رسول

یعنی بادشاہ کے سامنے قبولیت میں اچھا خاصہ بیٹھے ہوئے نامہ و رسول کو تلاش کرنا بہت ہی معیوب ہے تو بس خلاصہ ان سب کا یہ ہوا کہ مقصود کو ترک کر کے غیر مقصود کو لینا معیوب ہے آگے اسپر ایک عاشق کی حکایت لاتے ہیں کہ ایک عاشق کو بعد مدت کے وصل معشوق ہوا تو وہ اسوقت پچھلے خطوط کو جنمیں کہ اُس نے شکایت ہجراں کی تھی اور اسکے جور و ظلم کو لکھا تھا لے بیٹھا تو معشوق نے کہا کہ ارے بیوقوف حبیب تجھے وصل معشوق حاصل ہے تو اسمیں کیوں پڑتا ہے اسمیں پڑنا سخت بیوقوفی ہے تو اسیطرح جب ان حضرات کو وصل مقصود قرب حق میسر ہوتا ہے تو یہ نہ تو کسی سے مناظرہ میں الجھیں اور نہ صرف الفاظ کے تابع ہوں بلکہ توابع کو صرف وسائط اور وصول تک رکھتے ہیں اور جب قرب حاصل ہوگیا بس پھر ان سب سے الگ ہو جاتے ہیں۔ اب حکایت سُنو۔

شرح حبیبی

آن یکے را یار پیش خود نشاند نامہ بیرون کرد و پیش یار خواند

بیتہا در نامہ و مدح و ثنا زاری و مسکینی و بس لابہا

گریه و افغان و حزن و درد خویش | خواری و بیزاری با اهل و خویش

دوری و رنجوری از هجران دوست | ذکر پیغام و رسول از مغز و پوست

همچنین میخواند با معشوق خود | تا که بیرون شد ز حصر و حد و عد

گفت معشوق این اگر بهر من است | گاه وصل این عمر ضائع کردنست

من به پیشت حاضر و تو نامه خوان | نیست این بارے نشان عاشقان

گفت اینجا حاضری اما ولیک | من نمی یابم نصیب خویش نیک

آنچه می دیدم ز تو پارینه سال | نیست اینדم گرچه می بینم وصال

من ازین چشمه زلالے خورده ام | دیده و دل زآب تازه کرده ام

چشمه مے بینم ولیکن آب نے | راه آبم را مگر زد رهزنے

گفت پس من نیستم معشوق تو | من به بلغار و مرادت در قتو

عاشقی تو بر من و بر حالتے | حالت اندر دست نبود ای فتے

پس نیم کلّے مطلوب تو من ‌ ‌ جزو مقصودم ترا اندر زمن

خانهٔ معشوقه ام معشوق نے ‌ ‌ عشق بر نقد است و بر صندوق نے

هست معشوق آنکه او یکتو بود ‌ ‌ مبتدا و منتهایت او بود

چون بیابی اش نباشے منتظر ‌ ‌ هم هویدا او بود هم نیز سر

میر احوال است نے موقوف حال ‌ ‌ بندهٔ این ماه باشد ماه و سال

چون بگوید حال را فرمان کند ‌ ‌ چون بخواهد جسمها را جان کند

منتهی نبود که موقوف است او ‌ ‌ منتظر بنشسته باشد حال جو

کیمیائے حال باشد دست او ‌ ‌ دست جنباند شود مس مست او

گر بخواهد مرگ هم شیرین شود ‌ ‌ خار و نشتر نرگس و نسرین شود

او بود سلطان حال اندر روش ‌ ‌ نے چو تو محروم از حال و کشش

آنکه او موقوف حالست آدمی ست ‌ ‌ که بحال افزون و گاہے در کمی ست

صوفی ابن الوقت باشد در مثال ‌‌ ‌ ‌ لیک صافی فارغ است از وقت و حال

حالها موقوف فکر و رائے او ‌ ‌ ‌ ‌ زنده از نفخ مسیح آسائے او

عاشق حالی نه عاشق بر منی ‌ ‌ ‌ ‌ بر امید حال بر من مے تنی

آنکه گه ناقص گہے کامل بود ‌ ‌ ‌ ‌ نیست معبود خلیل آفل بود

وانکه آفل باشد و گه آن و این ‌ ‌ ‌ ‌ نیست دلبر لا احب الآفلین

آنکه او گاہے خوش و گه ناخوش است ‌ ‌ ‌ ‌ یک زمانے آب و یکدم آتش است

برج مه باشد ولیکن ماه نے ‌ ‌ ‌ ‌ نقش بت باشد ولے آگاه نے

هست صوفی صفا چون ابن وقت ‌ ‌ ‌ ‌ وقت را همچون پدر بگرفته سخت

لیک صافی غرق عشق ذوالجلال ‌ ‌ ‌ ‌ ابن کس نے فارغ از اوقات و حال

غرقهٔ نورے که او لم یولد ست ‌ ‌ ‌ ‌ لم یلد لم یولد آن ایزد ست

رو چنین عشقے گزین گر زندهٔ ‌ ‌ ‌ ‌ ورنه وقت مختلف را بندهٔ

منگر اندر نقش خوب و زشت خویش ‖ بنگر اندر عشق و بر مطلوب خویش

منگر این را که حقیری یا ضعیف ‖ بنگر اندر ہمت خود ای شریف

تو بہر حالے کہ باشے می طلب ‖ آب میجو دائما اے خشک لب

کان خشکت گواہے میدہد ‖ کو بآخر بر سر منبع رود

خشکی لب ہست پیغامے ز آب ‖ کہ بمات آرد یقین این اضطراب

کاین طلبگاری مبارک جنبشے است ‖ این طلب در راہ حق مانع کشی است

این طلب مفتاح مطلوبات تست ‖ این سپاہ نصرت و رایات تست

این طلب ہمچون خروسی در صیاح ‖ مے زند نعرہ کہ مے آید صباح

گرچہ آلت نیستت تو مے طلب ‖ نیست آلت حاجت اندر راہ رب

ہر کرا بینے طلبگار اے پسر ‖ یار او شو پیش او انداز سر

کز جوار طالبان طالب شوے ‖ وز ظلال غالبان غالب شوی

گر یکے مورے سلیمانے بجست — منگر اندر جستن او سست سست

ہر چہ داری تو ز مال و پیشۂ — نے طلب بود اول و اندیشۂ

گر یکے گنجے بیابد نادرست — ور باشد از طلب ہم قاصرست

ہر کہ چیزے جست بیشک یافت او — چون بجد اندر طلب بشتافت او

چون نہادی در طلب پا اے پسر — یافتی و شد میسر بے خطر

ہین مباش ای خواجہ یکدم بے طلب — تا بیابے ہر چہ خواہے بے تعب

عاقبت جوئیدہ یابندہ بود — چونکہ در خدمت شتابندہ بود

در طلب چالاک شو این فتح باب — ے طلب واللہ اعلم بالصواب

اچھا اب مضمون بالا کی تائید کے لئے ایک قصہ سنو ایک شخص کو اسکے معشوق نے اپنے پاس بٹھلایا تو اس نے خط نکالا اور اسکو پڑھکر سنانے لگا۔ اس خط کے اندر عشقیہ اشعار تھے اور بہت کچھ تعریف و توصیف تھی اپنی خستگی اور بیچارگی کا اظہار تھا بہت کچھ منت و سماجت تھی اور اپنے رونے پیٹنے نالہ و فغاں رنج والم کا بیان تھا اپنی ذلت اور اپنوں اور بیگانوں سے بے تعلقی ظاہر کی تھی اپنے زمانہ مفارقت کا بیان کیا تھا اور مصائب ہجر ذکر کئے تھے اپنے پیغاموں اور قاصدوں کا بھی ذکر کیا تھا غرض کہ رطب و یابس بہت کچھ تحریر کیا تھا۔

وہ یہ خط اپنے محبوب کے استمالت خاطر و جلب رحم کے لئے اُسکو سُنا رہا تھا حتے یہ مضمون بہت لمبا ہو گیا۔ اور بہت دیر ہو گئی اسپر اُس معشوق نے دق ہو کر کہا کہ تم نے جو کچھ کیا اگر میرے لئے کیا تو میں تمہارے پاس موجود ہوں اور تمہارا مدعا حاصل ہے۔ پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ تمہارا کیا مقصد ہے۔ وصل کی حالت میں اس خرافات کا اعادہ محض تضیع اوقات ہے آپ ذرا غور تو کریں کہ میں آپکے پاس موجود ہوں اور آپ خط پڑھ رہے ہیں۔ عاشقوں کی تو یہ باتیں نہیں ہوتیں۔ آپ کیسے عاشق ہیں۔ اُس نے جواب دیا کہ بیشک آپ میرے سامنے تشریف فرما ہیں مگر پورے طور پر میرا مدعا حاصل نہیں کیونکہ گو اسوقت مجھے وصل حاصل ہے لیکن اس وصل میں میں آپ کی وہ دلفریبیاں اور دلربائیاں۔ نازو انداز۔ ادائیں اور غمزے نہیں دیکھتا۔ جو پارسال کے وصل میں تھیں۔ لہذا میں چاہتا ہوں کہ اسوقت بھی وہی باتیں ہوں جو اُس وصل میں تھیں۔ تاکہ لذت تامہ حاصل ہو اور میرا مدعا پورے طور پر حاصل ہو۔ میں نے پارسال آپ کی خوبیوں سے بہت کچھ حظ حاصل کیا تھا اور اُن سے آنکھوں کو اور دل کو بہت ہی محظوظ کیا تھا۔ لیکن میں اُن خوبیوں کا سرچشمہ تو دیکھ رہا ہوں مگر وہ خوبیاں نہیں ہیں۔ نہیں معلوم وہ کیا ہوئیں اور کس غارتگر نے انھیں کھو دیا۔ اس نے جواب دیا کہ بس معلوم ہوا کہ آپ کا معشوق میں نہیں ہوں۔ بلکہ کوئی اور شے ہے اور میرے ذریعہ سے اس مطلوب تک پہونچنا مقصود ہے۔ مگر میں یہ کہے دیتا ہوں کہ مجھ میں اور آپکے مطلوب میں بہت بعد ہے میں اگر بلغار میں ہوں تو وہ قتو (شہر یا ملک) میں ہے بس میرے ذریعہ سے اسکو حاصل کرنا ناممکن ہے یعنی آپ بالعرض مجھ پر اور بالذات میری خوبی پر عاشق ہیں اور وہ آپ کی مطلوب خوبی میرے امکان سے باہر ہے اسلئے کہ آپ کو وہ ادائیں اور دلفریبیاں من حیث الذات مطلوب تھیں بلکہ من حیث کونہا ملذۃ و مطربۃ مطلوب ہیں اور احوال عاشق مختلف ہوتے ہیں کبھی ایک ادا دلفریب ہوتی ہے اور کبھی دوسری ادا۔ حتےٰ کہ کبھی ظلم پسند ہوتا ہے اور رحم ناپسند اور وہ یوں کہتا ہے ؎

محو جفا ستم کش الطاف کب ہوا + رحم اسکو میرے حال پہ آیا غضب ہوا

اور کبھی رحم پسند ہوتا ہے اور کہتا ہے ؎

بیدم سا پڑا تھا کوئی اُس کوچہ میں اُس نے + دروازہ یہ آجھانک کے دیکھا جو کہیں یہ
اس رحم کے صدقے وہیں گھبرا کے کہا ہاں + جا کر کوئی دیکھو کہیں مومن تو نہیں یہ
کبھی اختلاط غیر کا احتمال بھی تکلیف دیتا ہے اور کہتا ہے ؎
کیا خوش ہوں کوئی غیر میں گر نقش پا نہو + وہ شوخ جانتا ہوں کہ ثابت قدم نہیں
اور کبھی اُسکی طرف التفات کو عدم التفات کی علامت قرار دیکر اپنی طرف عدم التفات
پر فخر کرتا ہے اور کہتا ہے ؎
یا دسہواً اُسے اسے غیر ہے نسیان عمداً + یا در کھ بھول گیا جس کو وہی یاد رہا
یہ اُتار چڑھاؤ تو عاشق کی طبیعت کا ہے اب معشوق کی طرف دیکھو کہ اسکے بیساختہ پن
اور تصنع میں بھی فرق ہوتا ہے کہ جو بات اُسکے بیساختہ پن میں ہے وہ تصنع میں نہیں۔ لہٰذا
میں عرضداشت پر کوئی توجہ نہیں کر سکتا نیز جبکہ میں اور میرے احوال خاصۃً ہر دو آپکے
مطلوب ہیں گو جہتیں مختلف ہیں۔ پس میں آپکا مطلوب تام نہ ہوا۔ بلکہ جز و مطلوب ہوا۔ بلکہ آپکے
مطلوب کا گھر ہوا۔ مطلوب نہ ہوا۔ اور آپ کا عشق مال پر ہوا صندوق پر نہ ہوا کیونکہ معشوق
کئی تہ رکھنے والے کپڑے کی طرح نہیں ہوتا جسکی ایک تہ مبدا۔ اور دوسری منتہٰے ہوتی ہے۔
بلکہ وہ اکہرے کپڑے کی مثل ہوتا ہے کہ اسکا مبدا و منتہٰے خود وہی ہوتا ہے یعنی معشوق
ذوجہتین نہیں ہوتا کہ ظاہر میں خود مطلوب ہو اور باطن میں کچھ اور بلکہ اسکی حالت تو یہ ہوتی
ہے کہ جب وہ ملجاوے تو طلب کا خاتمہ ہوجاوے۔ اور ظاہراً بھی وہی مطلوب ہو۔ اور
باطناً بھی وہی۔ اور آپکے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ مجھ میں یہ بات نہیں۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ میں
آپکا معشوق نہیں۔ اس مقام پر اتنی بات اور سمجھ لینی چاہیئے کہ جب وہ عاشق محبوب کی اداؤں
اور دلفریبیوں پر من حیث کونہا ملذۃ و مطربۃ عاشق تھا تو درحقیقت وہ خود اپنے حال
پر عاشق تھا۔ لہٰذا اسکے معشوق کے اندر تین تہیں تھیں۔ اول ذات محبوب۔ دوسری احوال
محبوب۔ تیسری خود اپنے احوال۔ معشوق نے تیسری تہ کو دوسری تہ میں مندمج کر دیا اور
اسکی طرف۔
عاشقی تو برمن برحالے + حالت اندر دست نبود اے فتے

سے اشارہ کر دیا ہے اور ہم نے اسکی شرح میں اسپر تنبیہ بھی کر دی ہے اور اب اسکو تفریحاً بھی بیان کر دیا ہے۔ جب یہ امر واضح ہو گیا تو اب سُنو مولانا فرماتے ہیں کہ جو حالت عشق مجازی میں اس عاشق کی تھی وہ حالت عشق الٰہی میں عارف کامل کی نہیں ہوتی۔ اور عارف کامل جسکو حاکم احوال کہنا چاہیئے حال کا پابند نہیں ہوتا۔ بلکہ زمانہ جو تقلیب احوال میں یدطولے اور مہارت تامہ رکھتا ہے اسکا غلام ہوتا ہے اور اسپر حاکم ہو کر اسکے امر تغیر نہیں پیدا کر سکتا اسکی یہ حالت ہوتی ہے کہ جب وہ گفتگو کرتا ہے تو حال کو حکم کرتا ہے اور مخاطبین پر فوراً ایک خاص حال طاری ہو جاتا ہے یا یوں کہو کہ جب وہ گفتگو کرتا ہے تو اسکے مناسب حال کو طاری ہو جانے کا حکم کرتا ہے اور وہ حال اسپر فوراً طاری ہو جاتا ہے اور جب وہ چاہتا ہے تو کندۂ ناتراش لوگوں کو جو کہ جمادات سے مشابہ ہیں اور اسلئے سراسر جسم کہلانے کے مستحق ہیں آدمی بنا دیتا ہے اور ایسا کر دیتا ہے کہ گویا ان میں جسمانیت ہے ہی نہیں اور بالکل رُوح ہی روح ہے اور جو شخص پابند حال ہو اور حال کا طالب ہو کر منتظر بیٹھا ہو وہ منتہی نہیں بلکہ ناقص ہے۔ اور عارف کامل خود تو کیا منتظر حال ہوتا اسکی تو یہ شان ہوتی ہے کہ وہ اپنے دست تصرف سے احوال ناقصہ کو احوال کاملہ بنا تا ہے اور جب ہاتھ ہلاتا ہے تو شراب باوجودیکہ مست کن ہے خود مست ہو جاتی ہے ہر چند کہ موت تلخ ہے لیکن اگر وہ چاہے تو اسکو شیریں اور مرغوب بنا دے اور خار و نشتر باوجودیکہ موذی ہیں مگر وہ چاہے تو نرگس و نسرین کیطرح مفرح و منشط ہو جائیں۔ وہ حال کا بادشاہ ہوتا ہے اور احوال اسکے تابع فرمان ہیں وہ اوروں کی طرح حال اور کشش سے محروم نہیں ہوتا اسلئے اسکا طالب و منتظر بھی نہیں ہوتا۔ جو لوگ پابند احوال اور اسکے طالب و منتظر ہوتے ہیں وہ انسانیت سے نہیں نکلے اور فنا فی الحق ہو کر صفات الٰہیہ کے ساتھ موصوف نہیں ہوئے۔ اسلئے کہ ان میں ابھی تک ایک صفت نقصان یعنی تغیر و تلون اور کبھی گھٹنا کبھی بڑھنا موجود ہے چنانچہ مثل مشہور ہے کہ صوفی ابن الوقت اور تابع حال ہوتا ہے سو یہ انھیں ناقص صوفیہ کی حالت ہے رہے وہ صوفی جو کدورات بشریہ و ظلمات نفسانیہ سے پاک صاف ہیں سو وہ وقت حال سے بیفکر ہیں یہ تو احوال کے کیا پابند ہوتے احوال خود

انکی فکر و راستے کے پابند ہیں کہ جبتک یہ نہ چاہیں کوئی حال طاری نہیں ہو سکتا اور جبتک یہ چاہیں تو پھر رُک نہیں سکتا۔ لہذا یہ کہنا صحیح ہے کہ وہ انھیں کے دم حیات بخش مثل دم مسیح کے بدولت زندہ ہیں۔ ہاں تو اس معشوق نے اپنے عاشق ہی کہا کہ تو حال پر عاشق ہے مجھہ پر عاشق نہیں۔ کیونکہ جب مجھہ میں وہ حال موجود ہوتا ہے تو میں تجھے اچھا معلوم ہوتا ہوں اور تو میرا طالب ہوتا ہے اور جب نہیں ہوتا تو میں تجھے پسند نہیں آتا اور تو اس حال کے لئے بیچین ہوتا ہے۔ پس معلوم ہوا کہ مجھہ سے جو کچھ تعلق اور میری جو کچھ طلب ہے وہ بتوقع حال ہے اور اسی کی امید پر تو مجھے لپٹتا ہے معشوق کے اس بیان سے معلوم ہوا کہ کبھی وہ ناقص ہوتا ہے کبھی کامل کبھی اس میں دلبری کی صفت موجود ہوتی ہے کبھی نہیں کبھی وہ پسندیدہ ہوتا ہے کبھی ناپسندیدہ کبھی پانی کیطرح دل ٹھنڈا کرتا ہے اور مرغوب ہوتا ہے اور کبھی آگ کی طرح دل جلاتا اور قابل نفرت ہوتا ہے پس سمجھو کہ جو کبھی ناقص اور کبھی کامل ہو وہ فانی ہے معبود خلیل یعنی مقصود طالب حق اور مطلوب اہل کمال نہیں۔ اور جو فانی اور متغیر الاحوال ہو وہ دلبر اور اس قابل نہیں کہ اسکو محبوب بنایا جاوے چنانچہ حضرت خلیل فرماتے ہیں لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِیْنَ۔ اور جو کبھی پسندیدہ اور کبھی ناپسندیدہ ہو اور کبھی پانی کیطرح دل ٹھنڈا کرنے والا اور مرغوب ہو اور کبھی آگ کی طرح دل جلانے والا اور نامرغوب ہو وہ ماہ اور حسن ذاتی رکھنے والا نہیں بلکہ برج ماہ اور حسن عارضی رکھتا ہے وہ صورت بت ہے اور اپنے اندر صفت علم جو کمال ہے نہیں رکھتا پس ایسے کو مطلوب اور مقصود بنانا طالب حق کو ہرگز شایاں نہیں بلکہ مطلوب اسکو بنانا چاہیے جو افول و تغیر احوال بلکہ جملہ نقائص سے منزہ اور جمیع کمالات کے ساتھ موصوف ہو اور کبھی بھی ناپسند نہ ہو بلکہ ہمیشہ پسندیدہ ہو اور کبھی بھی نامرغوب نہ ہو۔ بلکہ ہمیشہ مرغوب ہو۔ اب سمجھو کہ طالبان حق کی دو شانیں ہوتی ہیں بعض تو عاشق مجازی کی طرح خام ہوتے ہیں۔ اور بعض پختہ چنانچہ صوفی طالب صفا چونکہ تابع وقت ہوتا ہے اسلئے وہ وقت و حال ہی کو مضبوط پکڑے ہوتا ہے اور اسیکو مقصود سمجھتا ہے یہ تو اس عاشق مجازی کی طرح خام اور ناقص ہے لیکن جو لوگ کدورات بشریہ و ظلمات نفسانیہ سے پاک ہوتے ہیں وہ عشق حق سبحانہ میں غرق ہوتے ہیں اور کسی کے تابع و پابند نہیں ہوتے بلکہ وہ اوقات و احوال سے بیفکر ہوتے

ہیں وہ اُس نور میں غرق ہوتے ہیں جو کسی سے پیدا نہیں ہوا اور لم یلد ولم یولد شان حق سبحانہ ہے لہذا وہ نور حق سبحانہ میں مستغرق ہوتے ہیں پھر نبوت وقت کا وہاں کیا گذر ہوسکتا ہے صنف اول کی طرح یہ حضرات خام نہیں ہوتے بلکہ یہ حضرات پختگان عشق ہیں پس اگر تم میں حیات موجود ہے اور ادراک واحساس رکھتے ہو اور جمادات کی طرح بے حس نہیں ہو تو ایسا عشق اختیار کرو اور اگر عاشق مجازی یا پہلی قسم کے عاشق خدا بنے تو یاد رکھو کہ اوقات مختلفہ کی غلامی کرنی پڑیگی اور ہر وقت اور ہر حال تم پر جُدا گانہ حکومت کریگا اور تم اس ست خصمی ملازمت سے ہمیشہ پریشان رہو گے پس تم کو چاہیئے کہ وحدہ لاشریک کے ہو رہو جہاں سکون ہی سکون ہے پریشانی کا نام نہیں تو اپنی بھلائی برائی پر نظر نہ کرتا۔ اور یہ نہ خیال کرنا کہ میرا کیا منہ ہے۔ کہ میں طالب حق سُبحانہ بنوں بلکہ تو یہ دیکھنا کہ یہ دولت عشق الہٰی کیسی عجیب ہے۔ اور مطلوب کیسا پاکیزہ اور کسقدر دلربا ہے ؎

عابد فریب شوخی ورغبت فزا نگاہ ؛ ہیں کیا کسی سے صبر تجھے دیکھکر نہو۔ خبردار تو یہ نہ دیکھنا کہ میں مفلس و قلاش ہوں یا ضعیف و ناتواں ہوں بلکہ تو اپنی ہمت عالی پر نظر کرنا جو تجھکو اس طلب کیلئے عطا ہوتی ہے اور خواہ تیری کچھ ہی حالت کیوں نہ ہو طلب کرتے رہنا تو پیاسا ہے پس تو ہمیشہ پانی کو طلب کرتے رہنا اور یہ خیال بھی نہ کرنا کہ مجھے پانی نہ ملے گا اسلئے کہ ہونٹوں کی خشکی اور تیری طلب کہہ رہی ہے کہ تیرے ہونٹوں کی رسائی پانی کے چشمہ تک ہوگی اور تو کبھی نہ کبھی دیر یا سویر وصال مطلوب سے کامیاب ہوگا کیونکہ یہ تیرے ہونٹوں کی خشکی اور تیری طلب پانی (حق سبحانہ) کی طرف سے تیرے لئے اس امر کا پیغام اور مژدہ ہے کہ یہ تیری بیچینی ایک روز تجھے ہم تک پہونچا کے رہے گی۔ کیونکہ یہ طلب ہی ایک مبارک حرکت ہے اور راہ حق میں یہ طلب ہی تمام رکاوٹوں کو دُور کرنے والی ہے۔ یہ طلب تیرے مقاصد کی کنجی ہے اور یہی تیری فتح کے لئے فوج اور جھنڈے ہیں تو اس خشکی اور طلب کو ایسا سمجھنا جیسا رات کو مرغ کی اذان کہ وہ صبح کی آمد کا اعلان ہوتا ہے مانا کہ تیرے پاس سامان طلب نہیں مگر تو پریشان نہ ہو بلکہ طلب کئے جا حق سُبحانہ کے رستہ کو طے کرنے کے لئے سامان صفر کی ضرورت نہیں ؎

داد حق را قابلیت شرط نیست + بلکہ شرط قابلیت داد اوست

اور بھی تجھ سے کچھ نہیں ہو سکتا تو اتنا ہی کرنا کہ جسکو تو اس راہ کا طالب دیکھے اسکا رفیق بنجا اور اپنے کو اسکے حوالہ کر دے کیونکہ خربوزہ کو دیکھکر خربوزہ رنگ پکڑتا ہے اُن طالبین کے زیر سایہ تو بھی طالب ہو جاویگا۔ اور ان غالبین نفس و شیطان کے سایہ میں رہکر تو بھی غالب ہو جاویگا۔ یاد رکھہ کہ اگر کوئی چیونٹی سلیمان کو تلاش کرے تو اُسکو نظر حقارت سے نہ دیکھنا چاہیئے۔ بلکہ اسکی عالی ہمتی کی داد دینا چاہیئے۔ پس تو اپنی طلب کو بھی اس چیونٹی کی طلب کے مشابہ سمجھکر حقیر نہ سمجھنا اسلئے کہ طلب بڑی چیز ہے دیکھہ تو سہی جو کچھ دولت یا ہنر تیرے پاس اسوقت موجود ہے۔ ان سے پہلے کیا تھا طلب ورخیال ہی تو تھا اسی طلب اور خیال کی برکت ہے کہ آج تو دولتمند اور صاحب کمال بنا بیٹھا ہے پس تو طلب کو حقیر سمجھکر چھوڑ نہ بیٹھنا اور یہ نہ سمجھنا کہ جو کچھ ملنا ہو گا خود ہی مل رہے گا۔ کیونکہ بے طلب کے کسیکو خزانہ ملجانا شاذ و نادر ہوتا ہے ظاہر تو یہ ہے کہ طلب نہ ہونے کی صورت میں دولت سے تو محرومی لازمی ہی طلب دولت سے محرومی کا اور اضافہ ہو جائے گا۔ طلب کو فضول سمجھنا سراسر حماقت ہے۔ کیونکہ من جاء وجد جو طلب کرتا ہے تو جبکہ وہ اس میں سرگرم ہوتا ہے اسکو ملنا بھی ضرور ہے۔ پس جب تم طالب بنجاؤگے تو مطلوب تمہارے لئے ضرور آسان ہو جاویگا اور ایک روز مل بھی جاویگا۔ لہذا کسی وقت بھی تم کو بے طلب نہ رہنا چاہیئے اسکا نتیجہ یہ ہو گا کہ مطلوب تم کو ملجاویگا۔ کیونکہ ہم پہلے کہہ چکے ہیں کہ کوئی شخص کسی مطلوب کو ڈھونڈھتا ہے تو جبکہ وہ اس کام میں سرگرم ہو بالآخر اسکو مل ہی جاتا ہے پس ہمت نہ ہارو اور طلب میں چست ہو کر فائض المرام بنو خلاصہ یہ ہے کہ طلب کرو۔ اتنا تو ہم جانتے ہیں باقی ٹھیک بات کو خدا ہی زیادہ جانتا ہے اب ہم ایک قصہ سُناتے ہیں جس سے تم کو طلب اور دعا کا ثمرہ اور نتیجہ ظاہر ہو۔

شرح شبیری

ایک عاشق کی اپنے معشوق کے وصل کیوقت عشق نامہ

کو پڑھنے کی اور اُسکے مطالعہ کرنیکی حکایت اور معشوق کا اسکو ناپسند کرنا اسلئے کہ مدلول کے حصول کے بعد دلیل کو تلاش کرنا قبیح ہے اور معلوم تک پہونچ جانیکے بعد علم میں مشغول ہونا مذموم ہے

آن یکے را یار پیش خود نشاند　　نامہ بیرون کرد و پیش یار خواند

یعنی ایک شخص کو دوست نے اپنے آگے بٹھایا تو اُس شخص نے خط نکالکر یار کے سامنے پڑھنا شروع کیا۔

بیتہا در نامہ و مدح و ثنا　　زاری و مسکینی و بس لابہا

یعنی خط میں اشعار تھے اور مدح وثنا تھی اور زاری اور مسکینی اور بہت سی باتیں۔

گریہ و افغان و حزن و درد خویش　　خواری و بیزاری با اہل و خویش

یعنی اپنا گریہ اور افغان اور حزن اور درد اور خواری اور بیزاری اہل و اقربا کے ساتھ۔

دوری و رنجوری از ہجران دوست　　ذکر پیغام و رسول از مغز و پوست

یعنی ہجر یار کی وجہ سے دوری اور رنجوری اور پیغام اور پیغامبر کا ذکر اور رطب و یابس اُس میں تھا۔

همچنین میخواند با معشوق خود　　تا کہ بیرون شد ز حصر و حد و عد

یعنی وہ اسیطرح اپنے معشوق کے سامنے پڑھ رہا تھا یہانتک (اسکا بیان) حد سے بہت بڑھ گیا تھا (تو اس معشوق نے اول تو صبر کیا مگر جب نوبت یہانتک پہونچی تو وہ بھی بولا کہ)

گفت معشوق این اگر بہر من است　　گاہِ وصل این عمر ضائع کردن است

یعنی معشوق نے کہا کہ اگر یہ میرے واسطے ہے تو وصل کے وقت میں یہ تو عمر کو ضائع کرنا ہے

من بہ پیشت حاضر و تو نامہ خوان　　نیست این بارے نشان عاشقان

یعنی میں تو تیرے سامنے ہوں اور تو خط پڑھ رہا ہے تو یقیناً یہ تو عاشقون کا نشان ہے نہیں (اسلئے کہ اگر تو مجھہ پر عاشق ہوتا تو اسوقت تو مجھے دیکھتا بھالتا انکو الگ پھینکتا)

گفت اینجا حاضری اما ولیک　　می نمی یابم نصیب خویش نیک

یعنی عاشق نے کہا کہ تو اس جگہ حاضر ہے لیکن میں اپنا حصہ اچھی طرح نہیں پاتا. مطلب یہ کہ تیری جو محبت مجھے پہلے تھی اب وہ جوش و خروش میرے اندر موجود نہیں ہے۔

انچہ می دیدم ز تو پارینہ سال　　نیست اینہدم گرچہ می بینم وصال

یعنی جو بات کہ میں تیرے لئے اپنے اندر پارسال پاتا تھا وہ اسوقت نہیں ہے اگرچہ وصال دیکھ رہا ہوں. مطلب یہ کہ تیرے لئے جو جوش و خروش کہ پارسال میرے اندر تھا آج وہ موجود نہیں ہے۔

من ازین چشمہ زلالے خوردہ ام　　دیدہ و دل ز آب تازہ کردہ ام

یعنی میں نے اس چشمہ (وصل) سے ایک زلال کھایا ہے اور دیدہ و دل کو آب (رخ) سے

تازہ کیا ہے (مگر)

چشمہ می بینم ولیکن آب نے راہ آبم را مگر زد رہزنے

یعنی میں چشمۂ وصل کو دیکھہ رہا ہون مگر پانی نہیں ہے میرے پانی کی راہ کسی راہزن نے ماری ہے مطلب یہ کہ وصل تو ہے مگر اسکے اندر جو پہلے جوش وخروش تھا وہ موجود نہیں ہے تو ایسا ہے کہ جیسے چشمہ ہو اور اس میں پانی نہ ہو۔ کہ وہ بے سود ہوتا ہے ایسے ہی یہ وصل بے سود ہے

گفت پس من نیستم معشوق تو من ببلغار و مراوت در قتو

یعنی معشوق نے کہا تو میں تیرا معشوق نہیں ہون میں تو بلغار میں ہون اور تیری مراد قتو میں ہے بلغار اور قتو دو شہرون کا نام ہے۔ مطلب یہ کہ تو کچھ سوچ رہا ہے اور میں کہیں ہوں۔ تو کہاں اور میں کہاں۔ معلوم ہوا کہ میں پوری طرح تیرا معشوق ہی نہ تھا بلکہ۔

عاشقی تو بر من و بر حالتے حالت اندر دست نبود ای فتے

یعنی تو مجھہ پر اور ایک حالت پر عاشق ہے تو حالت تو قدرت میں ہوتی نہیں ہے اے جوان مطلب یہ کہ اُس نے کہا کہ معلوم ہوا کہ تو دو چیزون پر عاشق تھا ایک تو مجھہ پر اور ایک اس حالت پر جو کہ میری وجہ سے تیری ہو جاتی تھی تو میں جز و معشوق ہوا کل معشوق نہ ہوا۔

پس نیم کلے مطلوب تو من جز و مقصودم ترا اندر زمن

یعنی پس میں تیرا پورا مطلوب نہیں ہون بلکہ زمانہ میں تیرا جز و مقصود ہوں۔

خانۂ معشوقہ ام معشوق نے عشق بر نقدست بر صندوق نے

یعنی میں تمہارے معشوق کا گھر ہون معشوق نہیں ہون۔ عشق نقد پر ہے اور صندوق پر نہیں مطلب یہ کہ تیرے معشوق کی تو وہ حالت ہے جو کہ میری وجہ سے تیری ہوئی تھی۔

تو میں تیرے معشوقہ کا گھر ہوا باقی معشوق خود نہیں ہوں اور ایسی مثال ہے کہ جیسے صندوقچہ میں روپیہ ہیں تو کوئی نقد پر تو عاشق ہے مگر صندوق پر نہیں۔ جبتک وہ حالت رہی تو میں آپکا معشوق رہا اور جب وہ حالت جاتی رہی تو اب معشوق صاحب بھی نفرت ہوئے مولانا فرماتے ہیں کہ۔

ہست معشوق آنکہ او یکتو بود　　مبتدا و منتہایت او بود

یعنی جو کہ ایک تو ہو معشوق (بننے کے قابل) تو وہ ہے کہ مبتدا اور منتہا تیرا وہی ہو۔ یعنی جبکہ شروع عشق تھا تب بھی وہی مطلوب تھا اور جب عشق بڑھا تب بھی وہی مطلوب ہے معشوق سے یہاں مراد مرشد کامل ہے کہ اس سے جو محبت ہوتی ہے وہ اُن سے آخیر تک ویسی ہی رہتی ہے بلکہ آخر میں اور بھی زیادہ ہو جاتی ہے اس سے طبیعت کبھی سیر نہیں ہوتی وہ معشوق بھی کامل ہوتا ہے اور عاشق بھی کامل۔ اول اسکی معشوقیت کے کمال کو بیان فرماتے ہیں کہ۔

چون بیابی اش نباشی منتظر　　ہم ہویدا او بود ہم نیز سر

یعنی جب تم اسکو پالوگے تو پھر منتظر نہ رہوگے ظاہر بھی وہی ہوگا اور پوشیدہ بھی وہی ہوگا۔ مطلب یہ کہ محبوبانِ مجازی میں تو اُس سے ملکر طبیعت سیر ہو جاتی ہے اور پھر اس حالت ذوق وشوق کے پیدا ہونے کا منتظر رہنا پڑتا ہے مگر جبکہ مرشد ملجاوے تو اول اُس سے طبیعت سیر نہیں ہوتی اور اسی سئے کسی حالت کا انتظار نہیں ہوتا بلکہ جتنا انکی خدمت میں رہنا ہوتا ہے اسیقدر اُنس ومحبت زیادہ ہوتی جاتی ہے تو دیکھو یہ وہ معشوق ہے کہ جس میں ایک ہی حیثیت ہے دوسری نہیں اس سے طبیعت کی سیری کا احتمال بھی نہیں آگے اُسکی عاشقیت کے کمال کو بیان فرماتے ہیں کہ۔

میر احوال است نے موقوف حال　　بندۂ آن ماہ باشد ماہ و سال

یعنی وہ امیر احوال ہے نہ کہ موقوف حال۔ اُس چاند کے غلام ماہ وسال ہوتے ہیں مطلب یہ کہ وہ کسی ایک حالت کا منتظر نہیں ہوتا۔ مثلاً یہ کہ ذوق وشوق کا طالب ہو یا اور کسی حال کا بلکہ وہ تو ابو الحال ہوتا ہے وہ حال کے تابع نہیں ہے حال اسکے تابع ہے جس حال کو چاہے وہ اپنے اوپر طاری کرلے۔ بس وہ اصل میں طالب رضاء حق کا ہوتا ہے اسکو حال ہو یا نہ ہو اسکی پرواہ بھی نہیں ہوتی۔ اسکی یہ حالت ہوتی ہے کہ۔

چون بگوید حال را فرمان کند   چون بخواہد جسمہا را جان کند

یعنی جب وہ بولتا ہے تو حال کو حکم کرتا ہے اور جب وہ چاہتا ہے تو جسمون کو جان کر دیتا ہے مطلب یہ کہ جسوقت وہ بولتا ہے تو وہ جس حالت کو چاہتا ہے دوسروں پر بھی طاری کر دیتا ہے وہ احوال پر اسقدر حاکم ہوتا ہے تو طالب احوال نہیں ہوتا بلکہ وہ عاشق کامل اور طالب حق ہوتا ہے۔

منتہی نبود کہ موقوف است او   منتظر بنشستہ باشد حال جو

یعنی جو کہ موقوف (حالات) ہے اور حالات کا متلاشی بیٹھا ہوا ہے وہ منتہی نہیں ہے مطلب یہ کہ جو طالب احوال ہو وہ منتہی کدہر سے ہے طالب حق منتہی ہوا کرتا ہے جو منتہی ہوتا ہے اسکی تو یہ حالت ہوتی ہے کہ۔

کیمیائے حال باشد دست او   چون بجنباند شود مس مست او

یعنی اسکا ہاتھ حالات کا کیمیا ہوتا ہے تو وہ اسکو جب ہلاتا ہے تو مس اسکا مست ہو جاتا ہے مطلب یہ کہ جسطرح کہ کیمیا ماہیت اشیاء کو بدل دیتی ہے اور ناقص سے کامل بنا دیتی ہے اسیطرح منتہی کا ہاتھ ماہیت حال کیلئے کیمیا ہوتا ہے کہ اسکی توجہ سے وہ حال مقام بنجاتا ہے

گر بخواہد مرگ ہم شیرین شود   خار و نشتر نرگس و نسرین شود

یعنی وہ اگر چاہے تو مرگ بھی شیرین ہوجاوے اور خار ونشتر بھی نرگس اور نسرین ہوجاوین
مطلب یہ کہ اگر وہ چاہے تو ایسے حالات پیدا کرے کہ مصائب و مجاہدات و ریاضات
سب خوشگوار اور آسان ہوجاوین۔

او بود سلطان حال اندر روش　　نے چو تو محروم در حال و کشش

یعنی وہ سلوک میں سلطان احوال ہوتا ہے نہ کہ تیری طرح حال اور افعال میں محروم ہوتا ہے

آنکہ او موقوف حالست آدمی است　　کہ گہے افزون و گاہی در کمی است

یعنی جو شخص کہ موقوف حال ہے وہ (صرف) آدمی ہے کہ کبھی زیادتی میں ہے اور کبھی کمی میں آدمی
سے مراد نرا آدمی جو صفات کمالیہ سے عاری ہو تو جو شخص کہ موقوف احوال ہے وہ تو صرف ایک
آدمی ہے باقی کمالات اسکے اندر نہیں ہیں۔

صوفی ابن الوقت باشد در مثال　　لیک صافی فارغ است از وقت و حال

یعنی اپنی حالت مین صوفی تو ابن الوقت ہوتا ہے لیکن صافی وہ وقت اور حال سے فارغ ہوتا ہے
وہ تابع حال نہیں ہے بلکہ احوال خود اسکے تابع ہیں۔

حالہا موقوف فکر ورائے او　　زندہ از نفخ مسیح آسائے او

یعنی احوال اُسکی فکر ورائے کے موقوف ہوتے ہیں اور اسکی مسیح جیسے نفخ سے زندہ ہوتے ہیں
یعنی احوال خود اُسی کے تابع ہوتے ہیں آگے پھر اس معشوق کا قول فرماتے ہیں کہ

عاشق حالے نہ عاشق بر منے　　بر امید حال بر من مے تنے

یعنی اُس معشوق نے کہا کہ (اے عاشق) تو حال کا عاشق ہے نہ کہ میرا ہاں اس حال کی امید
پر میرے پر بھی تنتا ہے مطلب یہ کہ اس امید پر کہ اسکے پاس حال ملجاوے گا میرے پاس

آتے ہو ورنہ اصل میں میرے عاشق ہو ہی نہیں چونکہ یہاں دو شخص ہیں ایک عاشق ہے اور ایک معشوق اور عشق ہے مجازی تو آگے مجازی عاشقی اور معشوقی دونوں کا نقص بیان فرماتے ہیں جس میں اول معشوقی کے نقص کو بیان فرماتے ہیں کہ۔

آنکہ گہ ناقص گہے کامل بود   نیست معبود خلیل آفل بود

یعنی جو کہ کبھی ناقص اور کبھی کامل ہووے وہ معبود خلیل نہیں ہے وہ تو غافل ہوگا مطلب یہ کہ وہ اس قابل نہیں کہ اسکو مقصود بنایا جاوے بلکہ وہ تو زائل و فانی ہے۔

وانکہ آفل باشد وگہ آن و این   نیست دلبر لا احب الآفلین

یعنی جو کہ آفل ہووے اور کبھی ایسا اور کبھی ویسا تو وہ دلبر نہیں ہے اور میں زائل ہونیوالونکو پسند نہیں کرتا لا احب الآفلین میں قرآن شریف سے استدلال کرکے انکا ناقص اور غیر معتبر ہونا بیان فرماویا آگے انکی عاشقی کے نقص کو بیان فرماتے ہیں کہ۔

آنکہ او گاہے خوش و گہ ناخوش است   یکزمانے آب و یکدم آتش است

یعنی جو کہ وہ کبھی خوش اور کبھی ناخوش ہے ایک گھڑی میں پانی اور ایک دم میں آگ ہے مطلب یہ کہ ایک دم میں عاشق ہے اور ایک دم میں نہیں ہے۔

برج مہ باشد ولیکن ماہ نے   نقش بت باشد ولے آگاہ نے

یعنی وہ برج ماہ ہوتا ہے لیکن ماہ نہیں ہوتا اور نقش بت ہوتا ہے لیکن آگاہ نہیں ہوتا مطلب یہ کہ جسطرح کہ برج ماہ میں صرف ماہ ہی نہیں رہتا بلکہ متفرق ستارے آتے رہتے ہیں اسیطرح اس شخص کی حالت بھی ہمیشہ متغیر رہتی ہے۔

ہست صوفی صفا جون ابن وقت   وقت را ہمچون پدر بگرفتہ سخت

یعنی صوفی (طالب) صفا جبکہ ابن وقت ہے وقت کو باپ کی طرح مضبوط پکڑے ہوئے ہے مطلب یہ کہ جو صوفی کہ طالب صفا ہے اور مجاہدہ کر رہا ہے وہ ابھی ابن الوقت اور تابع حال ہے تو چونکہ وہ ابن الوقت ہے پس جس طرح کہ بچہ اپنے باپ کو مضبوط پکڑے ہوتا ہے اور جدھر وہ جاوے اسی طرف کو بچہ بھی جاتا ہے اسیطرح یہ شخص ہے کہ جس طرف کو حال اور وقت پھرتا ہے اسیطرح یہ بھی پھرتا ہے اور بالکل وقت کے تابع ہوتا ہے۔

ہست صافی غرق عشق ذوالجلال　　ابن کس نے فارغ از اوقات و حال

یعنی صافی عشق ذوالجلال میں غرق ہے وہ کسی کا ابن نہیں ہے وہ اوقات و حال سے فارغ ہے یعنی وہ کسیکا تابع نہیں ہے اور نہ ان اوقات و حالات کا مقید ہے بلکہ وہ جس حال میں رہنا چاہتا ہے رہتا ہے اور جس حالت کو چاہتا ہے پیدا کر لیتا ہے مثلاً خشیت کے پیدا کرنے کو دل چاہا پیدا کر لے۔ رغبت اور شوق کو دل چاہا اسکو طاری کر لیا علی ہذا۔

غرقۂ نورے کہ او لم یولد ست　　لم یلد لم یولد آن ایزد ست

یعنی وہ اُس نور میں غرق ہے جو کہ لم یولد ہے اور لم یلد اور لم یولد خاصہ حق ہی ہے مطلب یہ کہ چونکہ وہ فنا فی اللہ ہو گیا ہے اسلئے وہ ابن الوقت نہیں بن سکتا اسلئے کہ ذات حق کی شان لم یلد و لم یولد ہے لہذا بس یہ ابن الوقت نہیں بلکہ ابوالوقت یعنی تا ور علی الحال اور علی الوقت ہے جیساکہ اوپر بیان کیا گیا ہے۔ آگے فرماتے ہیں کہ۔

رو چنین عشقے گزین گر زندۂ　　ورنہ وقت مختلف را بندۂ

یعنی جا اگر تو زندہ ہے تو ایسے عشق کا طالب ہو ورنہ وقت مختلف ہی کا بندہ رہے گا۔ یعنی ہمیشہ تابع حال ہی رہے گا اور ابن الحال سے ابوالحال کبھی نہ بن سکے گا لہذا عشق حق پیدا کر کہ اس سے کامل ہو جاوے گا۔ اب یہاں کسیکو شبہ ہو سکتا ہے کہ بھلا کہاں ہم کہاں عشق حق لہذا آگے اسکا جواب فرماتے ہیں کہ۔

منگر اندر نقش خوب و زشت خویش   بنگر اندر عشق و بر مطلوب خویش

یعنی تو اپنے اچھے برے وجود مین نظر مت کر بلکہ عشق اور اپنے مطلوب کو دیکھ مطلب یہ کہ ہم نے مانا کہ تم کسی قابل نہ سہی مگر تم اپنے اوپر نظر ہی کیون کرتے ہو حق تعالے کی قدرت اور انکے کرم پر نظر کرو کہ

تو مگو مارا بدان شہ بار نیست   بر کریما کارہا دشوار نیست

تو اگر تم کسی قابل نہیں تو دینے والا تو سب قابل ہے وہ تو عنایت فرماسکتا ہے پھر مایوسی کی کیا وجہ ہے۔

منگر آنکہ تو حقیری یا ضعیف   بنگر اندر ہمت خود ای شریف

یعنی اسکو مت دیکھو کہ تم حقیر ہو یا ضعیف ہو ارے بھلے مانس تم اپنی ہمت کو دیکھو۔

تو بہر حالے کہ باشی می طلب   آب میجو دائما اے خشک لب

یعنی تو جس حال میں بھی ہو طلب کرتا رہ اور اے خشک لب پانی کی تلاش کر مطلب یہ کہ تم کیسے ہو ضعیف ہو جس حال میں بھی ہو طلب پیدا کرو پس جب طلب پیدا کروگے تو یہ ہوگا کہ۔

کان لب خشکت گواہی میدہد   کو بآخر بر سر منبع رود

یعنی کہ وہ تمہارا لب خشک گواہی دیتا ہے کہ وہ آخر کار کسی منبع پر جاویگا یعنی تمہاری طلب گواہی دیتی ہے کہ وہ ایک دن ضرور واصل کردیگی بس اگر کچھ نہ ہوسکے تو اتنا تو کرو کہ طلب اور تگاپو سے بھی بڑی چیز ہے حق تعالے کا ارشاد ہے کہ وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا۔ طلب کے ساتھ انشاء اللہ ضرور ہدایت ہوگی۔

خشکی لب ہست پیغامی ز آب   کہ بمات آرد یقین این اضطراب

یعنی لب کی خشکی پانی کا پیغام ہے کہ (اے طالب) یہ اضطراب تجھے ہم تک یقیناً لاویگا۔

کاین طلبگاری مبارک جنبشے است　　این طلب در راہ حق مانع کشے است

یعنی کہ یہ طلبگاری ایک مبارک حرکت ہے اور راہ حق میں یہ طلب مانع کش ہے (جب طلب ہوتی ہے تمام موانع مرتفع ہو جاتے ہیں جیسا کہ مشاہدہ ہے)

این طلب مفتاح مطلوبات تست　　این سپاہِ نصرت و رایات تست

یعنی یہ طلب تمہاری مطلوبات کی مفتاح ہے اور یہ تمہاری نصرت کی سپاہ اور (فتح کے) جھنڈے ہیں۔

این طلب ہمچون خروسے در صیاح　　میزند نعرہ کہ مے آمد صباح

یعنی یہ طلب مثل ایک خروس کے چیخنے میں نعرہ مار رہی ہے کہ صبح آتی ہے۔ یعنی کہ جسطرح کہ مرغ آواز کرتا ہے اور اس سے صبح کی آمد معلوم ہوتی ہے اسیطرح اس طلب سے معلوم ہوتا ہے کہ صبح کامیابی نمودار ہونے والی ہے۔

گرچہ آلت نیستت تو می طلب　　نیست آلت حاجت اندر راہ رب

یعنی اگرچہ تمہارے پاس آلہ نہیں ہے تو تم طلب کرتے رہو کہ راہِ رب میں آلہ کی حاجت نہیں ہے مطلب یہ کہ اگرچہ تمہارے پاس سامان نہ ہوں تم صرف طلب میں رہو کہ انشاء اللہ ہی سے کام نبجاویگا۔ اب بعض ایسے ہیں جو کہ طلب بھی پیدا نہیں کرسکتے تو اُنکے لئے ایک اور تدبیر فرماتے ہیں کہ۔

ہر کرا بینی طلبگار اے پسر　　یار او شو پیش او انداز سر

یعنی اے صاحبزادے جسے تم طلبگار دیکھو اسکے ساتھی ہو جاؤ اور اسکے سامنے سر ڈالدو۔

مطلب یہ کہ اگر خود طلب پیدا نہیں کر سکتے تو طالبوں کی خدمت میں رہو کہ اسی سے انشاء اللہ فلاح نصیب ہوگی۔ آگے خود ہی فرماتے ہیں کہ۔

کز جوار طالبان طالب شوی　　وز ظلال غالبان غالب شوی

یعنی طالبین کے جوار سے طالب بنجاوگے اور غالبین کے سایہ سے غالب ہوجاوگے۔

گر یکے مورے سلیمانے بجست　　منگر اندر جستن او سست سست

یعنی اگر کوئی چیونٹی سلیمان کو طلب کرے تو اسکی طلب میں سست سست مت دیکھو یعنی اگر کوئی ضعیف آدمی طالب حق ہو تو اسکو ضعیف سمجھکر یہ مت سمجھو کہ یہ کیا طالب ہوگا بلکہ اسکو بھی طالب سمجھو ممکن ہے کہ وہ بڑے پایہ کا شخص ہو۔ پس اول تو طلب خود حاصل کرو اور اگر خود طلب پیدا نہ کرسکو تو طالبوں کی خدمت میں رہو اسی سے امید نفع کی ہے آگے طلب کی برکت بیان فرماتے ہیں کہ۔

ہرچہ داری تو ز مال و پیشہ　　نے طلب بود اول و اندیشہ

یعنی تم جو اسوقت مال اور پیشہ رکھتے ہو تو کیا یہ اول ایک طلب اور ایک خیال نہ تھا۔ اور آج وہی مال و دولت کی صورت میں ہے تو اسیطرح اگر تم طلب لگالوگے تو انشاء اللہ ایک روز گنج مقصود تک پہونچ جاؤگے اب یہاں بعض بزرگوں کے قصے پڑھنے والوں کو شبہ ہوا کہ یہ تو کہتے ہیں کہ بے طلب اور مجاہدہ کے ملتا ہی نہیں حالانکہ بعض کو ملگیا جیسا کہ بزرگوں کے قصوں سے معلوم ہوتا ہے مولانا اسکا جواب فرماتے ہیں کہ۔

گر یکے گنجے بیابد نادر است　　ور باشد از طلب ہم قاصر است

یعنی اگر کوئی ایک خزانہ پالے تو یہ نادر ہے اور اگر یہ شخص طلب سے ٹھیر جاوے تو قاصر ہی مطلب یہ کہ اول تو اسطرح ملجانا بہت ہی نادر ہے اور اگر کسیکو ملجاوے اور پھر وہ طلب نہ کرے تو انجام یہ ہوگا کہ اسکو بھی کھو بیٹھے گا۔

اسلئے کہ بزرگون کی توجہ سے جسکو حاصل ہوا ہے صرف قوت اور استعداد حاصل ہوجاتی ہے۔ باقی قرب حق حاصل نہیں ہوتا قرب ہمیشہ حاصل ہوتا ہے کام کرنے سے تو فرماتے ہیں کہ جسکو ملگیا ہے اُس نے بھی آخر طلب ہی کی ہے اور اگر اُس نے طلب چھوڑ دی تو وہی قاصر رہگیا لہذا چاہیئے کہ انسان خود طلب کرے اور ایسے حضرات کا ایک جواب یہ بھی ہے کہ اُن کو تو دیکھا کہ جنکو بلا طلب کے ملگیا ہے اگرچہ وہ دو چار ہی تھے مگر ان پر تو نظر گئی اور اُن لاکھوں کو نہ دیکھا کہ جو طلب اور مجاہدہ وریاضت کر کے ہی واصل ہوئے ہیں سخت افسوس کی بات ہے۔ اور کسقدر کم ہمتی کی بات ہے کہ اُن پر نظر گئی اور اِن پر نہ گئی اور یاد رہے اکثر جنکو ایسا ہوا ہے انکو جنون ہوجاتا ہے مرجاتے ہیں اسلئے کہ وہ ایک دم سے تحمل نہیں کر سکتے انکی ایسی مثال ہوجاتی ہے جیسے کہ کسی برتن میں اُسکی گنجایش سے زائد چیز بھری جاوے تو یقیناً وہ پھٹ جاویگا تو اسیطرح جب ان میں ایک مرتبہ ہی وہ استعداد بھری جاتی ہے تو ان کو یا تو جنون ہوجاتا ہے یا مرجاتے ہیں اور جنکو ایسا نہیں ہوا جیسے کہ مثلاً شاہ بھیک صاحب وغیرہ تو اسکی وجہ یہ ہوتی ہے کہ وہ حضرات پہلے سے مجاہدات وریاضات کئے ہوئے ہوتے ہیں بس صرف ایک نظر کی دیر ہوتی ہے کہ فضل ہوجاتا ہے اور فضل ہمیشہ ایک لمحہ ہی میں ہوتا ہے اس کے مقدمات بیشک پہلے سے ممہد کئے جاتے ہیں بس یاد رکھو کہ بے طلب کے کسی کو قرب و وصول نہیں ہوا ہے اور طلب سے جس نے چاہا واصل و مقرب بنگیا ہے اسیکو مولانا فرماتے ہیں کہ۔

ہر کہ چیزے جُست بیشک یافت او ۔۔۔ چون بجد اندر طلب بشتافت او

یعنی جس کسی نے کوئی چیز تلاش کی بیشک اُس نے پالی جبکہ کوشش سے طلب میں وہ دوڑا یعنی ایک قاعدہ کلیہ بتاتے ہیں کہ جس نے جب کچھ طلب کیا ضرور اسکو پالیا۔

چون نہادی در طلب پائی پسر ۔۔۔ یافتی وشد ملیسر بے خطر

یعنی اے صاحبزادے جب تو نے (کسی شے کی) طلب میں پاؤں رکھا تو اسکو پا لیا ہے اور

وہ بے خطر کے میسر ہو گئی ہے۔

ہین مباش ای خواجہ یکدم بے طلب — تا بیابے ہر چہ خواہے بے تعب

یعنی ای خواجہ ایکدم بے طلب کے مت رہو۔ تاکہ جو تم چاہتے ہو اُسکو بے تعب کے پالو۔

عاقبت جوئیندہ یابندہ بود — چونکہ در خدمت شتابندہ بود

یعنی آخر کار تلاش کرنے والا پانے والا ہوتا ہے چونکہ وہ طلب میں دوڑنے والا ہوتا ہے۔ مطلب یہ کہ طالب چونکہ طلب میں کوشان ہوتا ہے تو مطلوب اسکو مل ہی جاتا ہے۔

در طلب چالاک شو این فتح باب — ہے طلب واللہ اعلم بالصواب

یعنی طلب میں چست و چالاک رہ اور اس فتح باب کو طلب کر واللہ اعلم بالصواب۔ یعنی قرب حق کے باب کے فتح کو طلب کر اور اسمیں کوشان رہ تاکہ ایک روز حاصل ہو جاوے۔ آگے ایک حکایت لاتے ہیں کہ ایک شخص روز و شب دعا کیا کرتا تھا کہ یا الٰہی مجھے امیر کر دے۔ مگر مجھے کمانا نہ پڑے اسیطرح اسکو ایک مدت گذر گئی اتفاق سے ایک روز وہ بیٹھا ہوا تھا تو گھر میں ایک گائے گھس آئی اُس نے اُسکو ذبح کر لیا اور کھا گیا قاضی کے یہاں اسکا مقدمہ گیا تفتیش ہوئی تو معلوم ہوا کہ وہ گائے اسی کی تھی اور اسکے باپ کا ایک غلام تھا اُس نے اُسکے باپ کو قتل کر کے اسکا مال سب چھین لیا تھا اور یہ مفلس رہگیا تھا اسی مال میں سے خریدی ہوئی وہ گائے تھی تو دیکھو اُس نے اور کچھ تو کیا نہیں مگر اسکو طلب تھی تو سب کچھ مل گیا یہ لگا رہا طلب کو چھوڑا نہیں بس اسیطرح تم لگ لپٹ کر کام کرو تو جوئندہ یابندہ بود کے مصداق ہو جاؤ گے۔ اب حکایت سنو۔

شرح حبیبی

آن یکے در عہد داؤد نبی — نزد ہر دانا و پیش ہر غبی

این دعا میکرد دائم کائے خدا | ثروتے بے رنج روزی کن مرا

چون مرا تو آفریدی کاہلے | زخم خواری سست جنبے منبلے

بر خران پشت ریش بے مراد | بار اسپان و اشتران نتوان نہاد

کاہلم چون آفریدی ای ملے | روزیم دہ ہم ز راہ کاہلے

کاہلم من سایہ خسپم در وجود | خفتم اندر سایہ احسان و جود

کاہلان و سایہ خسپان را مگر | روزئے بنہادۂ نوع دگر

ہر کرا پاہست جوید روزیے | ہر کرا پا نیست کن دلسوزیے

رزق را میران بسوئے آن حزین | ابر را باران می کش ہر زمین

چون زمین را پا نباشد جود تو | ابر را راند بسوئے او دو تو

طفل را چون پا نباشد مادرش | آید و ریزد وظیفہ بر سرش

روزیے خواہم بناگہ بے تعب | کہ ندارم من ز کوشش جز طلب

مدتے بسیار میکرد این دعا | روز تا شب شب ہمہ شب تا ضحے
خلق می خندید بر گفتار او | بر طمع خامے و بر بیکار او
کہ چہ می گوید عجب این سست ریش | یا کسے داوست بنگ بیہشیش
راہ روزی کسب و رنج ست و تعب | ہرگز این نادر نشد و رشد عجب
ہر کسے را پیشۂ داد و طلب | از رہ کسب و تعب با رنج و تب
اطلبوا الارزاق من اسبابہا | وادخلوا الاوطان من ابوابہا
شاہ و سلطان و رسول حق کنون | ہست داؤد نبی ذو فنون
ہست در فرمان او از وحش و طیر | در ہمہ روئے زمین او راست سیر
با چنان عزے و نازی کاندر وست | کہ گزیدستش عنایتہائے دوست
معجزاتش بے شمار و بے عدد | موج بخشایش مدد اندر مدد
ہیچکس را خود ز آدم تا کنون | کے بدست آواز ہمچون ارغنون

کو بہر وعظے بمیراند دویست ‏‏— آدمے را صوت خوبش کردہ نیست

شیر و آہو جمع گردد آزمان ‏‏— سوئے تذکیرش مغفل این ازان

کوہ و مرغان ہم رسائل با دمش ‏‏— ہر دو اندر وقت دعوت محرمش

این و صد چندان مراد را معجزات ‏‏— نور رویش بے جہات و در جہات

با ہمہ تمکین خدا روزئے او ‏‏— کردہ باشد بستہ اندر جستجو

بے زرہ بافی و رنج روزیش ‏‏— مے نیابد با ہمہ فیروزیش

اینچنین مخذول و اپس ماندہ ‏‏— خانہ کندہ دون و گردون راندہ

اینچنین مدبر ہمے خواہد کہ او ‏‏— گنج یابد تا رود پایش فرد

رو احمقی خواہد کہ بے رنجش زود ‏‏— بے تجارت پر کند دامن ز سود

اینچنین گنجے نیامد در جہان ‏‏— کہ بر آید بر فلک بے نردبان

این ہمی گفتش بہ تسخر زر بگیر ‏‏— کہ رسیدت روزی و آمد بشیر

وان همی خندید ما را هم بده	زانچه یابی هدیه ای سالار ده
او ازین تشنیع مردم وین فسوس	کم نمی کرد از دعا و چاپلوس
تاکه شد در شهر معروف و شهیر	کوز انبان تهی جوید پنیر
شد مثل در خام طمعی آن گدا	او ازین خواهش نمی آید جدا
کم نمی کرد از دعا و ابتهال	کرد اجابت مستعان ذو الجلال
گر گران و گر شتابنده بود	عاقبت جوینده یابنده بود
تاکه روزی ناگهان در چاشتگاه	این دعا میکرد با زاری و آه
ناگهان در خانه اش گاوی دوید	شاخ زد بشکست دربند و کلید
گاو گستاخ اندران خانه بجست	مرد بر جست و قوائمهاش بست
پس گلوی گاو ببرید آن زمان	بی توقف بی تامل بی امان
چون سرش ببرید شد سوی قصاب	تا اهابش بر کند در دم شتاب

داؤد علیہ السّلام کے زمانہ میں ایک شخص ہر سمجھدار اور بے سمجھ کے سامنے ہمیشہ یہ دعا کرتا تھا کہ اے اللہ جب تو نے مجھے کاہل پیدا کیا ہے اور پڑا پڑا کھانے والا۔ اور کم حرکت کرنے والا اور کاہل بنایا ہے تو تو مجھے بے مشقت دولت عنایت فرما۔ کمر لگے ہوئے نامراد گدہوں پر گھوڑوں اور اونٹوں کا بوجھ نہیں لادا جا سکتا ہے پس جبکہ تو نے مجھے کاہل پیدا کیا ہے تو مجھ پر کسب کی مشقت کا بار نہ ڈال اور کاہلی ہی کے ذریعہ سے مجھے روزی عطا کر میں کاہل ہوں اور جب سے پیدا ہوا ہوں سایہ ہی میں سوتا ہوں۔ محنت کیلئے کبھی دھوپ میں نہیں نکلا اور ابتک تیرے احسان وجودی کے سایہ میں سویا کیا۔ کبھی مشقت و محنت برداشت نہیں کی مگر روزی ملا کی معلوم ہوتا ہے کہ کاہلوں اور سایہ میں سونے والوں کیلئے تو نے روزی کا ذریعہ کسب کے علاوہ کوئی اور مقرر کیا ہے۔ پس جنکے پاؤں ہیں وہ تو اپنی روزی اسی طریقہ سے طلب کرتے ہیں جو انکے لئے مقرر ہے یعنی محنت و مشقت کرتے ہیں۔ اور جسکے پاؤں نہیں وہ ایسا نہیں کر سکتا لہذا تو اس پر رحم کر اور اس کسب کے علاوہ دوسری طرح سے روزی پہونچا اور اپنے باران کرم کو اسی زمین تک محدود نہ رکھ۔ بلکہ مجھکو بھی اس سے متمتع کر کہ میں بھی زمین ہی کی طرح بے دست و پا ہوں آپ کا قاعدہ ہے کہ زمین کے پاؤں یعنی قدرت علی الکسب نہ ہوتے کے سبب اپنے کرم سے ابر کو اسکی طرف جھکاتے اور چلاتے ہیں نیز بچہ چونکہ پاؤں یعنی قدرت علی الاکتساب نہیں رکھتا اسلئے آپ کے حکم سے ماں خود آکر اسکی مقررہ غذا اسکو دیتی ہے بس اسیطرح میں بھی چاہتا ہوں کہ مجھے بھی اچانک اور بے مشقت کہیں سے دولت ملجاوے کیونکہ میرے پاس طلب کے سوا کوئی اور کوشش نہیں ایک عرصہ تک وہ یہی دعا کرتا رہا صبح سے شام تک شام سے صبح تک اور صبح سے دوپہر تک اسکا یہی کام تھا۔ لوگ اسکی اس دعا پر۔ اور طمع خام اور رزق سے مخالفت یعنی اسکو طلب نہ کرنے پر ہنستے تھے اور کہتے تھے کہ دیکھو تو یہ احمق بک کیا رہا ہے۔ کسی نے اسکو بھنگ پلا کر بیہوش تو نہیں کر دیا ہے۔ روزی حاصل کرنے کا طریقہ تو کمانا اور محنت و مشقت کرنا ہی ہے۔ ایسا تو کبھی بھی نہیں ہوا جسطرح یہ مانگتا ہے اور اگر ہوا ہو تو نہایت ہی تعجب خیز بات ہے۔ ہر شخص کو اس نے ہنر عطا کیا ہے اور غم اور بیماری کے باوجود بھی کمانے اور مشقت اٹھانے کے ذریعہ سے طلب

کرنا بتایا ہے اور یہ کہا ہے کہ رزق کو سبب سے تلاش کرو اور گھروں میں دروازے سے جاؤ۔
دیکھو اسوقت داؤد علیہ السلام ہیں وہ بادشاہ بھی ہیں اور رسول بھی وحوش وطیور انکے تابع
فرمان ہیں اور تمام زمین پر گھوم سکتے ہیں انکو یہ عزت اور ناز حاصل ہے کہ حق سبحانہ تے انکو
اپنے افضال وانعامات بیحد کے ذریعہ سے اپنا مقرب بنایا ہے۔ معجزات انکے بیشمار اور بے گنتی
ہیں اور حق سبحانہ کے دریائے کرم کی موجیں اُن تک برابر پہونچ رہی ہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام
کے زمانہ سے لیکر اب تک کسیکو بھی ایسی پاکیزہ آواز نصیب نہیں ہوئی کیونکہ ہر وعظ میں اپنی
خوش آوازی سے دوسو آدمیونکو مار ڈالتے ہیں اور آدمی اُس عمدہ آواز کو سنکر جان دیدیتے
ہیں انکے وعظ میں شیر اور ہرن جمع ہوجاتے ہیں اور اتنے مست ہوتے ہیں کہ ایک کو ایک
کی خبر نہیں ہوتی۔ پہاڑ اور پرندے اُنکی بات کا جواب دیتے ہیں اور جب وہ انکو بلاتے
ہیں تو وہ ان سے آشنا ہوتے ہیں یہ بھی معجزات ہیں اور انکے علاوہ اور سیکڑوں معجزے
ہیں انکے منہ کا نور بظاہر جہات میں ہے مگر فی الحقیقت بے جہات ہے کیونکہ وہ نور حق سبحانہ
ہے جو جہات سے منزہ ہے اسقدر عزت وناز اور اسقدر شوکت وقدرت کے باوجود بھی
حق سبحانہ نے انکی روزی کا وسیلہ طلب اور جد وجہد کو ہی قرار دیا ہے وہ باوجود اس
خوش اقبالی کے بھی بدون روزی کے لئے تکلیف اُٹھائے اور بغیر زرہ بنے روزی نہیں
پاتے اور یہ ایسا مطرود و مردود خانہ خراب ذلیل منحوس و بدبخت ہوکر چاہتا ہے کہ اسکو
خزانہ ملجاوے کہ اسکے پاؤں اسیں دہنس جائیں وہ اپنی حماقت سے چاہتا ہے کہ بلا کسی
زحمت اور بلا کسی تجارت کے جلدی سے نفع سے پلہ بھر لے۔ اسطرح تو خزانہ دنیا میں کسی کو بھی
نہیں ملتا۔ بھلا بتلاؤ تو کون ہے جو آسمان پر بغیر سیڑہی کے چڑھ جاوے جب کوئی نہیں
بلکہ ہر ایک کو سیڑہی اور سبب کی ضرورت ہے تو یہ ایسا کہاں کا ہے کہ اسکو حصول دولت
کیلئے سبب کی ضرورت نہیں کوئی اس سے مسخرہ پن کرتا تھا اور کہتا تھا کہ لے مبارک تیری
روزی آگئی اور تیرا خوشخبری دینے والا آگیا۔ لے روپیہ۔ دوسرا بنانے کو کہتا تھا کہ لیجئے
ابتو آپ گاؤں کے رئیس اور سردار ہوگئے جو کچھ آپ کو ملا ہے اسیں سے ہم کو بھی دلوایئے
غرض لوگ اسی قسم کی باتیں کرتے تھے مگر وہ ان بدونکی طعن تشنیع کے سبب دعا و الحاح میں کمی کرتا تھا

یہانتک کہ یہ بات تمام شہر میں مشہور ہوگئی کہ فلاں شخص سعی لاحاصل میں مصروف ہے کہ وہ خالی توشہ دان میں سے پنیر تلاش کرتا ہے اور وہ فقیر اتنا مشہور ہوا کہ طمع خام میں ضرب المثل ہوگیا لیکن وہ اپنی اس خواہش کو نہیں چھوڑتا تھا اور دعا و گریہ وزاری میں کمی نہ کرتا تھا بالآخر حق سبحانہ نے اُسکی دعا قبول فرمائی۔ کیوں نہ ہو خواہ کوئی کاہل ہو خواہ چست و چالاک جب پوری کوشش کے ساتھ کسی شے کو ڈھونڈھتا ہے تو وہ مل ہی جاتی ہے اُس قبولیت دُعا کا اثر یوں ظاہر ہوا کہ ایک روز دوپہر کے وقت بیٹھا ہوا آہ وزاری کے ساتھ دُعا کر رہا تھا کہ اچانک اُسکے گھر میں ایک گائے دوڑ کر گھس گئی اور سینگ مار کر اُس نے کواڑ اور زنجیر کنڈا سب توڑ دیا جوں ہی گائے اندر گھسی ہے اُس نے فوراً اُٹھکر اُسکے ہاتھ پاؤں باندھ دیئے اور نہ ایک کی نہ دو کی فوراً ہی اُسکو ذبح کر دیا جب ذبح کر چکا تو قصائی کے یہاں گیا کہ وہ فوراً ہی اُسکی کھال اتار دے اس قصہ کو یہانتک پہونچا کر مولانا دوسرے مضمون کی طرف انتقال فرماتے ہیں۔

شرح شبیری

حکایت اُس شخص کی کہ داؤد علیہ السَّلام کے زمانہ میں راتدن یہ دُعا کیا کرتا تہا کہ اے اللہ مجھے حلال روزی بلا رنج وکسب کے عنایت فرما

آن یکے در عہد داؤد نبیے　　نزد ہر دانا و پیش ہر غبیے

این دعا مے کرد دائم کاے خدا ثروتے بے رنج روزی کن مرا

یعنی ایک شخص حضرت داؤد نبی کے زمانہ میں ہر دانا اور ہر نادان کے سامنے یہ دعا کیا کرتا تھا کہ اسے خدا مجھے بے محنت کے امیری عنایت فرما دے۔ اور کہا کرتا تھا کہ۔

چون مرا تو آفریدی کاہلے زخم خوارے سست جنبے مبتلے

یعنی جبکہ آپ نے مجھے کاہل اور زخم خوار اور سست اور بے حس پیدا فرمایا ہے۔

بر خران پشت ریش نامراد بار اسپان و اشتران نتوان نہاد

یعنی زخمی کمر والے گدھوں نامراد پر گھوڑوں اور اونٹوں کا بوجھ نہیں رکھہ سکتے ہیں۔

کاہلم چون آفریدی اے ملے روزیم دہ ہم زراہ کاہلے ۷۸

یعنی اسے غنی جبکہ تو نے مجھے کاہل پیدا کیا ہے تو کاہلی ہی کی راہ سے مجھے روزی بھی عنایت فرما۔

کاہلم من سایہ خسپم در وجود خفتم اندر سایۂ افضال و جود

یعنی میں کاہل ہوں اور زندگی میں سایہ میں سونے والا ہوں (یعنی آرام طلب ہوں) تو اب میں آپ کے افضال وجود کے سایہ میں سوتا ہوں۔

کاہلان و سایہ خسپان را مگر روزئے بنہادۂ نوعِ دگر

یعنی کاہلوں اور آرام طلبوں کیلئے شاید آپ نے کسی دوسری طرح روزی دینا رکھا ہوگا (بس اسی طرح مجھے بھی عنایت فرما)

ہر کرا پا ہست جوید روزئے ہر کرا پا نیست کن دلسوزیے

یعنی جسکے پاؤں ہیں وہ تو روزی کو تلاش کرتا ہے اور جسکے پاؤں نہیں اُسکی آپ دلسوزی کیجئے

رزق را میران بسوئے آں حزین ابر را باران بسوئے ہر زمین

یعنی اُس کاہل غمگین کی طرف آپ رزق کو چلا دیجئے اور ابر کو ہر زمین کی طرف برسا دیتے ہیں اسلئے کہ یہ خود کچھ نہیں کر سکتے۔ آگے مثالیں ہیں کہ)

چون زمین را پا نباشد جود تو ابر را راند بسوئے او و تو

یعنی جبکہ زمین کے پاؤں نہیں ہوتے تو تیرا جود ابر کو اُسکی طرف مکرر سکر بر چلاتا ہے۔

طفل را چون پا نباشد مادرش آید و ریزد وظیفہ بر سرش

یعنی طفل کے جب پاؤں نہیں ہوتے تو اُسکی ماں آتی ہے اور خوراک اُسکے سر پر ڈالدیتی ہے یعنی خود اُسکو دودھ آکر پلاتی ہے۔ بس اسیطرح مجھے بھی آپ بلا میری کوشش کے دیجئے۔

روزئے خواہم بناگہ بے تعب کہ ندارم من ز کوشش جز طلب

یعنی میں روزی کا (اکٹھے) ایکدم سے بے تعب کے طالب ہوں کہ مین کوشش سے سوائے طلب کے اور کچھ نہیں رکھتا۔ یعنی طلب تو ہے باقی اور کسب وغیرہ کر نہیں سکتا۔

مدتے بسیار میکرد این دعا روز تا شب شب ہمہ تا ضحٰی

یعنی ایک مدت کثیر تک وہ یہ دعا کرتا تھا دن سے رات تک اور ساری رات چاشت تک۔

خلق می خندید بر گفتار او بر طمع خامے و بر بیکار او

یعنی مخلوق اسکی بات پر ہنستی تھی اور اُسکی خام طمعی پر اور اُسکے اس اصرار پر۔

کہ چہ میگوید عجب این سست ریش یا کسے دادست بنگ بیہشیش

یعنی کہ یہ مسخرہ کیا عجب بات کہتا ہے یا اسکو کسی نے بیہوشی کی دوا دیدی ہے۔

راہ روزی کسب و رنج ست و تعب ہرگز این نادر نشد ور شد عجب

یعنی روزی کی راہ تو کسب ہے اور رنج و تعب ہے اور یہ (جو یہ کہتا ہے یہ) نادر تو ہوا نہیں اور اگر ہوا ہو تو عجب ہے یعنی اگر ہوا ہے تو نادر ہو گیا مگر اسکو کہاں سے ملجاویگا۔

ہر کسے را پیشۂ داد و طلب از رہ کسب و طلب با رنج و تب

یعنی حق تعالے نے ہر ایک کو ایک پیشہ اور (ذریعہ) طلب راہ کسب اور طلب سے رنج و تب کے ساتھ دیا ہے۔ مطلب یہ کہ جبکو ملتا ہے سب کو کمانے سے اور کوشش کرنے سے ہی ملتا ہے۔

اطلبوا الارزاق من اسبابہا وادخلوا الاوطان من ابوابہا

یعنی رزقون کو اُسکے اسباب سے طلب کرو اور گہرون مین اُنکے دروازوں سے داخل ہو۔ دوسرے مصرعہ کا مضمون تو قرآن شریف سے ثابت ہے اور اول مصرعہ دوسری ادلہ سے ظاہر و باہر ہے کہ حق تعالے نے تمام دنیا کے کارخانہ کو اسباب ہی پر رکہا ہے اگرچہ اُنکی قدرت سب کچھ ہے مگر پھر بھی اسباب ہی سے کام چلتا ہے اور یہ کہتے تھے کہ۔

شاہ و سلطان و رسول حق کنون ہست داؤد نبی ذو فنون

یعنی بادشاہ اور سلطان اور رسول حق کہ اب یہ داؤد نبی ذو فنون ہیں۔

ہست در فرمان او از وحش و طیر در ہمہ روئے زمین او راست سیر

یعنی اُنکے حکم میں وحوش و طیور سب ہیں اور تمام روئے زمین مین اُنکو سیر (حاصل) ہے۔

باچنان عزی و نازی کاندروست کہ گزیدستش عنایتہائے دوست

یعنی باوجود اپنی عزت و نازکے جو کہ اُن میں ہے کہ انکو عنا تیہائے حق نے برگزیدہ فرمایا ہے۔

معجزاتش بے شمار و بے عدد　　　موج بخشایش مدد اندر مدد

یعنی اُنکے معجزے بیشمار اور بے عدد ہیں اور اُنکی بخشش کی موج زیادتی اندر زیادتی ہے۔

ہیچکس را خود ز آدم تا کنون　　　کے بدست آواز ہمچون ارغنون

یعنی آدم علیہ السلام سے اسوقت تک کسی شخص کے لئے ایسی ارغنون کیطرح آواز کب ہوتی ہے ارغنون ایک باجہ کا نام ہے مطلب یہ کہ ایسی نفیس آواز اور کس کو میسر ہے۔

کہ بہر وعظے بمیراند دو بیست　　　آدمے را صوت خوبش کردہ نیست

یعنی کہ ہر وعظ میں دوسو کو مار دیتے ہیں اُنکی آواز خوب نے آدمیون کو نیست کر دیا ہے۔

شیر و آہو جمع گردد آنزمان　　　سوئے تذکیرش مغفل این ازان

یعنی اُسوقت شیر اور ہرن اُنکے وعظ کی طرف جمع ہوتے ہیں اور ایک دوسرے سے غافل ہوتا ہے یعنی آپس میں کوئی کسیکو گزند نہیں پہونچا سکتا اسلئے کہ اُنکی آواز کو سنکر سب مست ہو جاتے ہیں۔

کوہ و مرغان ہم رسائل با دمش　　　ہر دو اندر وقت دعوت محرمش

یعنی پہاڑ اور جانور اُنکی آواز کے ساتھ ہم آواز ہیں اور دونوں بلانے کے وقت انکے محرم ہیں

این دو صد چندان حرا و معجزات　　　نور رویش بے جہات و در جہات

یعنی اس سے دوسو چند اُنکے معجزات ہیں اور نور رُخ اُنکا بے جہت تمام عالم میں ہے۔

با ہمہ تمکین خدا روزے او　　　کردہ باشد بستہ اندر جستجو

یعنی باوجود اس عزت کے حق تعالے نے انکی روزی کو جستجو میں ہی باندھ دیا ہے۔

بے زرہ بافی و رنج روزیش ٭ مے نیاید باہمہ فیروزیش

یعنی بے زرہ بافی کے اور رنج روزی انکی نہیں آتی ہے باوجود اس بزرگی انکے (جب یہ حالت ہے تو پھر)

اینچنین مخذول واپس ماندۂ ٭ خانہ کندہ دون و گردون اندۂ

یعنی ایسا ذلیل اور واپس ماندہ اور خانہ خراب اور کمینہ اور گردون کا نکالا ہوا۔

اینچنین مدبر ہمے خواہد کہ او ٭ گنج یابد تا رود پایش فرو

یعنی یہ ایسا بدبخت چاہتا ہے کہ وہ اتنا خزانہ پاوے کہ اُسکا پاؤں اُس میں دھنس جاوے

ز احمقی خواہد کہ بے رنجش زود ٭ بے تجارت پر کند دامن ز سود

یعنی احمقی کی وجہ سے چاہتا ہے کہ بلا کسی تکلیف کے جلدی سے بلے تجارت کے دامن نفع سی بھرلے

اینچنین گیجے نیامد در جہان ٭ کہ بر آید بر فلک بے نردبان

یعنی ایسا کوئی احمق دنیا میں نہیں آیا کہ آسمان پر بے زینے کے چڑھتا ہے۔

این ہمی گفتش بہ تسخر نک بگیر ٭ کہ رسیدت روزی و آمد بشیر

یعنی کوئی اُس سے مسخرہ پن سے یہ کہتا کہ لے تیری روزی پہونچ گئی اور خوشخبری دینے والا آگیا۔

وان ہمی خندید مارا ہم بدہ ٭ زانچہ یابی ہدیۂ سالار دہ

یعنی اور وہ دوسرا ہنستا کہ چودھری جی جو ہدیہ تم پاؤگے ہمیں بھی دینا۔

اوازین تشنیع مردم وین فسوس　　کم نمے کرد از دعا و چاپلوس

یعنی وہ لوگوں کے تشنیع سے اور مسخرہ پن سے دعا اور تضرع کم نہ کرتا تھا۔

تاکہ شد در شہر معروف و شہیر　　کو ز انبان تہے جوید پنیر

یعنی یہانتک کہ وہ شہر میں معروف و مشہور ہو گیا کہ وہ خالی تھیلی میں سے پنیر کو تلاش کرتا ہے یعنی بے کمائے ہوئے صرف دعا سے مال و دولت چاہتا ہے۔

شد مثل در خام طمعے آن گدا　　او ازین خواہش نمے آید جدا

یعنی وہ گدا خام طمعی میں ضرب المثل ہو گیا مگر وہ اس خواہش سے جدا نہ ہوتا تھا۔

کم نمی کرد از دعا و ابتہال　　کرد اجابت مستعان ذوالجلال

یعنی اس نے دعا اور تضرع میں کمی نہ کی تو مستعان ذوالجلال نے (اسکی دعا) قبول فرمالی۔ مولانا فرماتے ہیں کہ۔

گر گران و گر شتابندہ بود　　عاقبت جوئندہ یابندہ بود

یعنی خواہ سست ہو اور خواہ چالاک ہو آخر کار طالب پانے والا ہوتا ہے مطلب یہ کہ طالب ہونا چاہیئے چاہے طلب کم ہو یا زیادہ مقصود ہر صورت میں حاصل ہو ہی جاتا ہے اب آگے ذرا سنئے کہ اس شخص کی دعا کیں لطف کے ساتھ قبول ہوئی ہے۔

اُس الحاح سے دُعا کرنے والے کے گھر میں ایک گائے کا گھس آنا اور فرمایا ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

کہ حق تعالےٰ دُعا میں الحاح کرنیوالونکو دوست رکھتا ہے اسلئے کہ الحاح عین مرضی حق ہی اور دُعا کرنیوالے کیلئے اُس دُعا سے جو کہ وہ کر رہا ہے الحاح بہتر ہے

یہ مضمون اس سُرخی کا حدیث مین موجود ہے اور چونکہ اُس شخص نے دُعا الحاح سے کی تھی اسلئے اس مناسبت سے مولانا نے اس حدیث کو سُرخی میں بیان فرما دیا ہے آگے قصہ فرماتے ہیں کہ

تا کہ روزے ناگہان وقت چاشتگاہ　　　این دُعا میکرد با زاری و آہ

یعنی یہانتک ایک روز چاشت کے وقت وہ زاری و آہ کے ساتھ دعا کر رہا تھا۔

ناگہان در خانہ اش گاوی دوید　　　شاخ زد بشکست دربند و کلید

یعنی ناگاہ اُسکے گھر میں ایک گائے گھسی۔ اور اُس نے سینگ مار کر کنڈی وغیرہ توڑ دی (مثل مشہور ہے کہ گر نستانی بستم میرسد۔ بس اسیطرح یہ گائے بھی کنڈی وغیرہ توڑ کر گھس آئی۔ کہ گر نستانی بستم میرسد)

گاو گستاخ اندران خانہ بجست　　　مرد بر جست و قوائمہاش بست

یعنی گائے گستاخانہ گھر میں گھس آئی تو وہ آدمی رمعہ گھر والون کے) اُٹھا اور اُسکے پاؤں باندھ لیے۔

پس گلوئے گاو ببرید آن زمان　　　بے توقف بے تامل بے امان

یعنی پھر اُسنے اُسیوقت گائے کا گلا کاٹ دیا بلا کسی توقف و تامل کے اور بے امان کے۔

چون سرش ببرید شد سوئے قصاب تا ہابش برکند ور دم شتاب

یعنی جب اُسکا سر کاٹ لیا تو قصاب کی طرف چلا تاکہ فوراً جلدی سے اُسکی کھال نکالدے۔ آگے مولانا اس مضمون سے انتقال دوسری طرف فرماتے ہیں چونکہ اس شخص کے دل میں ایک تقاضا پیدا ہوا کہ بے مشقت کے اسیری ملجاوے تو اسکو حق تعالے نے اسکے لیے آسان فرما دیا۔ لہذا مولانا بھی آگے دعا فرماتے ہیں جسکا حاصل یہ ہے کہ یا الٰہی جب آپ نے ہم کو احکام فرماتے ہیں جنکا کہ اندر سے تقاضا پیدا ہوتا ہے کہ ان سارے احکام کی تعمیل ہوجاوے تو اچھا ہے تو یا تو اُس شخص کی طرح ہمارے لیے بھی اسکو سہل فرما دیجئے اور توفیق عمل کی دیجئے ورنہ پھر اُس تقاضے کو ہم پر سے اُٹھا دیجئے۔ اَب سمجھ لو کہ فرماتے ہیں کہ۔

شرح حبیبی

اے تقاضا گر درون ہمچون جنین چون تقاضا میکنی اتمام این

سہل کن گردان رہ نما توفیق دہ یا تقاضا را بہل بر ما منہ

چون ز مفلس زر تقاضا می کنی زر ببخشش در سرا ے شاہ غنی

بے تو نظم و قافیہ شام و سحر زہرہ کے دارد کہ آید در نظر

نظم و تجنیس و قوافی ای علیم بندۂ امر تواند از ترس و بیم

چون مسبح کردۂ ہر چیز را ذات بے تمیز و با تمیز را

هر یکے تسبیح بر نوع دگر
گوید و از حال آن این بیخبر

آدمے منکر ز تسبیح جماد
وان جماد اندر عبادت اوستاد

بلکه هفتاد و دو ملت هر یکے
بیخبر از یکدگر اندر شکے

چون دو ناطق را ز حال همدگر
نیست آگه چون بود دیوار و در

چون من از تسبیح ناطق غافلم
چون بداند سبحهٔ صامت دلم

هست سنی را یکے تسبیح خاص
هست جبری را ضد آن در مناص

سنی از تسبیح جبری بے خبر
جبری از تسبیح سنی بے اثر

این همی گوید که آن ضال است و گم
بے خبر از حال او وز امر قم

وان همی گوید که این را چه خبر
جنگ شان افگند یزدان از قدر

گوهر هر یک هویدا مے کند
جنس از ناجنس پیدا میکند

قهر را از لطف داند هر کسے
خواه نادان خواه دانا یا خسے

لیک لطفے قہر در پنہان شدہ ‏‏ یاکہ قہرے در دل لطف آمدہ

کم کسے داند مگر ربانئے ‏‏ کش بود در دل محک جانئے

باقیان زین دو گمانے میبرند ‏‏ سوئے لانہ خود بیک پر می پرند

علم را دو پر گمان را یک پرست ‏‏ ناقص آمد ظن بہ پرواز ابترست

مرغ یک پر زود افتد سرنگون ‏‏ باز بر پرد دو گامے یا فزون

می فتد می خیزد آن مرغ گمان ‏‏ با یکے پر بر اُمید آشیان

چون ز ظن وارست علمش رو نمود ‏‏ شد دو پر آن مرغ و پرہا واکشود

بعد ازان یمشی سویا مستقیم ‏‏ نے علے وجہہ مکبًا او سقیم

با دو پر برمے پرد چون جبرئیل ‏‏ بیگمان بے فکرت و بے قال و قیل

گر ہمہ عالم بگویندش توئے ‏‏ بر رہ یزدان و دین مستوی

او نگردد گرم تر از گفتشان ‏‏ جان طاق او نگردد جفت شان

ور ہمہ گویند او را گمرہی | کوہ پنداری و تو برگ کہی
او نیفتد در گمان از طعن شان | او نگردد کم ز طعن شان
بلکہ گر دریا و کوہ آید بگفت | گویدش با گمرہی یاری و جفت
ہیچ یک ذرہ نیفتد در خیال | یا بطعن طاعنان رنجور حال
مطمئن و موقن و بے احتیال | کاینچنین باشد مگر در کل حال

قبل اسکے کہ ہم حل ابیات میں مصروف ہون ایک ضروری بات تبلا دینا مناسب معلوم ہوتا ہے تاکہ حل اشعار میں مدد دے وہ یہ کہ اصولیین نے کہا ہے کہ سبب وجوب کے موجود ہونے پر خطاب تقدیری بندوں کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور بندوں سے مامور بہ کے تفویض و تسلیم کا مطالبہ ہوتا ہے اسکو پیش نظر رکھکر اور اُسکے منشاء پر غور کرکے اگر یون کہا جاوے کہ یہ حکم واجبات مخصوصہ ہی کیساتھ خاص نہیں بلکہ تمام تکالیف کی یہی حالت ہے خواہ مامور بہ ہوں یا منہی عنہ واجب ہون یا مسنون یا مندوب حرام ہون یا مکروہ تحریمی یا تنزیہی اور ان میں علاوہ قواعد عامہ کے ہر مکلف کے لئے ہر ضرورت کے وقت افعل یا لاتفعل کا خطاب متوجہ ہوتا ہے تو کچھ بعید نہیں معلوم ہوتا۔ یہی وہ تقاضاء ہے جو جنین کی طرح مستور اور مخفی ہے جب یہ معلوم ہو چکا تو اب سنو کہ مولانا فرماتے ہیں کہ اسے جنین کی طرح مخفی تقاضا کرنے والے جب آپ ہم سے اپنے امر مطلوب کی تکمیل کا مطالبہ فرماتے ہیں تو اسکو ہمارے لئے آسان بھی کر دیجئے اور ہم کو اسکی طرف ہدایت بھی فرمایئے اور اُسکے اختیار کی توفیق بھی عطا فرمایئے اور اگر آپ کو یہ منظور نہیں تو براہ لطف و کرم اسکا ہم سے مطالبہ بھی نہ فرمایئے کہ ہم بدون آپکی امداد کے آپکے احکام کی بجا آوری

سے قاصر ہیں اور جب ہم مفلسون (یعنی بدون آپکی توفیق وامداد کے بجا آوری احکام سے قاصرین) سے زرر (بجا آوری احکام) کا مطالبہ کرتے ہیں تو چپکے سے ہم کو وہ زر (استطاعت بجا آوری) عطا بھی فرما دیجئے آپ غنی اور قادر وفاعل مختار ہیں۔ آپ کے لئے کچھ دشوار نہیں انتظام وتتابع شام وسحر کب طاقت رکھتا ہے کہ بدون آپ کے نظر آسکے کیونکہ ہر نظم وقافیہ اور تجنیس خواہ اُسکا تعلق شام وسحر سے ہو یا اور چیزوں سے بوجہ خوف کے آپکے مطیع حکم ہے (فائدہ نظم وقافیہ وتجنیس سے مراد اس جگہ مطلق انتظام واتساق وتتابع ومجانست ومناسبت ہی نہ کہ خاص اصطلاح عروض وبدیع فافہم) آپ نے کس عجیب طریقہ سے ہر چیز اور تمام ذوی العقول اور غیر ذوی العقول کو اپنی عبادت کرنیوالا بنایا ہے کہ ہر ایک نئے طریقہ سے آپکی عبادت کرتا ہی خواہ وہ عبادت آپکی مرضی کے موافق ہو خواہ خلاف اور خواہ مقصوداً ہو یا لزوماً اور لطف یہ کہ ایک کی ایک کو خبر نہیں۔ کبھی تو نفس عبادت ہی کی اطلاع نہیں ہوتی اور کبھی نفس عبادت کو جانتا ہے مگر وہ اسکے عبادت الہی ہونے سے واقف نہیں ہوتا۔ چنانچہ انسان عبادت جمادات کا منکر ہے۔ حالانکہ وہ عبادت میں ماہر ہیں۔ نیز حیوانات اور کفار کا بھی یہی حال ہے سب سے بڑھکر یہ کہ فرقہائے اسلامیہ باطلہ جو تعداد میں بہتر ہیں انکی بھی یہی حالت ہے کہ ہر ایک کی جُدا گانہ عبادت ہے اور ایک کی دوسرے کو خبر نہیں۔ اس سے ہمارے اس قول کی بھی تصدیق ہوتی ہے کہ ذوی العقول اور غیر ذوی العقول سب آپکی پرستش کرتے ہیں مگر ایک کی دوسرے کو خبر نہیں کیونکہ جب ذوی العقول کی یہ حالت ہی تو غیر ذوی العقول کی کیا حالت ہوگی ضرور یہی ہوگا کہ ان میں بھی ایک کی دوسرے کو خبر نہوگی نیز ان لوگون کی غلطی ظاہر ہوتی ہے جو تسبیح جمادات کا انکار کرتے ہیں۔ کیونکہ جب ان کو ذوی العقول کی عبادت کا بھی علم نہیں تو غیر ذوی العقول کی تسبیح کا انکو کیا احساس ہو سکتا ہے خیر یہ تو استطرادی گفتگو تھی اب سنو کہ اس سے بھی بڑھکر یہ بات ہے کہ اہل حق کی عبادت ایک خاص طریق پر ہے اور جبری کی انکے خلاف دوسرے طریق پر اور عام طور پر اہل حق کو جبری کی عبادت یعنی اسکی عبادت ہونے کی جہت کی خبر نہیں اور جبری کو اہل حق کی طاعت یعنی اسکی طاعت ہونے کی جہت سے آگاہی نہیں۔ اہل حق جبری کو گمراہ بتاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ حقیقت حال سے واقف

نہیں اور امرقم فانذر وغیرہ کی دلالت علی الاختیار کو نہیں سمجھتے۔ اور جبری کہتا ہے کہ اہل سنت کیا جانیں اب سنو کہ حق سبحانہ نے ان میں آپس میں لڑائی کرا رکھی ہے اور اس سے مقصود یہ ہے کہ ہر ایک کی استعداد کا مرتبہ ظاہر ہو جاوے اور اہل اور نا اہل اور ضال اور مہتدی میں امتیاز ہو جاوے لیکن یہ امتیاز ہر ایک کا کام نہیں کیونکہ غصہ اور مہربانی میں تو ہر شخص خواہ دانا ہو یا نادان یا بالکل ہی گیا گذرا ہوا امتیاز کر سکتا ہے لیکن وقت یہ ہے کہ بعض کا مرحوم اور بعض کا مغضوب ہونا بالکل صاف نہیں بلکہ لطف میں قہر کی آمیزش ہے اور قہر میں لطف کی اور جو لطف قہر میں مستور ہو یا جو قہر لطف قہر میں مخفی ہو اوسکو لوگ بہت کم سمجھتے ہیں الا اہل اللہ جنکے دل میں ایک کسوٹی رکھی ہوئی ہے کہ وہ اوس سے مجرم کو معلوم کر لیتے ہیں یہ مضمون بھی استطرادی تھا۔ اب ہم پھر مضمون سابق کی طرف عود کر کے کہتے ہیں کہ اہل حق اور جبری کے علاوہ اور فرقے جو ہیں وہ ایک اور ہی گمان رکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم اہل حق ہیں باقی سب گمراہ۔ یہ لوگ اپنے گھونسلے کی طرف ایک پر سے اڑتے ہیں تفصیل اسکی یہ ہے کہ علم و یقین کے تو دو پر ہیں۔ یعنی صاحب علم تو اوس جانور کے مشابہ ہے جو دو پر رکھتا ہو اور اچھی طرح اڑ سکتا ہو۔ اسکے برخلاف صاحب ظن اسقدر پرواز نہیں رکھتا بلکہ اس سے گھٹیا اور خستہ حال ہے اور اوس جانور سے مشابہت رکھتا ہے جو ایک پر رکھتا ہو اور ایک پر والے جانور کا قاعدہ ہوتا ہے کہ وہ جلدی اوندھے منہ گر جاتا ہے پھر دو چار قدم اڑتا ہے پھر گر جاتا ہے اور آشیانہ تک نہیں پہونچ سکتا یہی حالت صاحب گمان کی ہے کہ وہ بھی باوجود اپنے نقصان کے بار بار حقیقت تک پہونچنے کی کوشش کرتا ہے مگر ہر مرتبہ ناکام رہتا ہے اور جبکہ وہ ظن سے چھوٹ جاتا ہے اور علم و یقین حاصل کر لیتا ہے تو دو پروں والے جانور کی مثل ہوتا ہے اور پروں کو کھولکر سیدھا اڑتا اور حقیقت تک پہونچتا ہے اور صاحب ظن کی طرح اوندھے منہ نہیں گرتا اور نہ اوسکی طرح کمزور ہوتا ہے ایسا شخص دو پروں سے جبرئیل کیطرح اڑتا ہے نہ وہ مبتلائے ظن ہوتا ہے نہ اوسے غور و خوض کی ضرورت ہوتی ہے نہ وہ سوال و جواب کا محتاج ہوتا ہے اوسکی طمانیت کی یہ حالت ہوتی ہے کہ اگر تمام عالم ملکر اوس سے یہ کہے کہ راہ حق میں تو ہی ٹھیک چلنے والا ہے اور تیرا ہی دین ٹھیک ہے تو اس سے اوسکی

جدوجہد میں کوئی ترقی نہیں ہوسکتی۔ اوراوسکی یکتا روح اُن سے میل نہیں کھا سکتی یعنی اب بھی وہ ان سے اور انکی تائید سے یوں ہی مستغنی ہوتا ہے جیسے پہلے تھا اور اگر سب ملکر اوسے گمراہ کہیں اور یہ کہیں کہ تو اپنے کو پہاڑ سمجھتا ہے مگر فی الحقیقت ایک تنکا ہے تو وہ اون کے اس طعن سے گمان باطل میں مبتلا نہ ہوگا اور اونکی اس نیزہ زنی کا اوسکو کچھ بھی احساس نہ ہوگا بلکہ اگر دریا اور پہاڑ بھی بول اُٹھیں اور کہیں کہ تو قرین ضلالت اور گمراہ ہے تو وہ بالکل بھی توشبہ میں نہ پڑے گا بلکہ وہ اوسی طرح صاحب یقین اور مطمئن رہے گا اور اسے ہرگز یہ خیال نہ ہوگا کہ اب کیا کرنا چاہیئے کیونکہ اوسکی حالت ہمیشہ یکساں رہتی ہے اور کبھی بھی اسے کھٹکا نہیں ہوتا۔ جو لوگ صاحب یقین نہیں ہیں اونکی وہی حالت ہے جو ایک معلم کی تھی جسکا قصہ حسب ذیل ہے۔

شرح شبیری

اے تقاضا گر درون ہمچون جنین ؎ چون تقاضا مے کنے اتمام این

یعنی اے باطن میں جنین کی طرح تقاضا کرنے والے جب تقاضا فرماتے ہیں تو اسکو پورا کر دیجئے

سہل گردان رہ نما توفیق دہ ؎ یا تقاضا را بہل بر ما منہ

یعنی سہل فرمایئے اور راہ دکھلایئے اور توفیق دیجئے یا تقاضے کو چھوڑ دیتے اور ہم پر مت رکھیئے اب یہاں ایک بات یہ بھی سمجھ لو کہ مصرعہ "یا تقاضا را بہل بر ما منہ" حالت دلال و ناز کی ہے۔ مولانا پر اسوقت حالت ناز غالب ہے اسلئے وہ ایسی بات فرمارہے ہیں باقی یاد رکھو کہ اور کسیکو ایسی بات کہنا یا اس مصرعہ کو بطور دعا کے پڑھنا حرام و ناجائز ہے اسلئے کہ ہر ایک کی تو یہ حالت نہیں ہے ہاں جسکو حاصل ہو جاوے اسوقت چاہے اس سے بھی تیز کہدے مگر اس سے پہلے کہنا بالکل حرام ہے آگے اسکی ایک مثال فرماتے ہیں کہ۔

چون ز مفلس زر تقاضا میکنی　　زر بہ بخشش در سرای شاہ غنی

یعنی جب آپ کسی مفلس سے روپیہ کا تقاضا کریں تو اے شاہِ غنی اوسکو پوشیدگی میں روپیہ دیجئے مطلب یہ کہ اگر کوئی شخص مفلس کنگال سے روپیہ طلب کرے اور یہ طالب رحیم کریم مہربان ہو تو وہ یہ کریگا کہ سب کے سامنے تو اس سے طلب کرے گا تاکہ قاعدہ میں گڑ بڑ نہ پڑے اور لوگ اس شخص کو مستثنیٰ نہ سمجھ جاوین مگر الگ بلا کر چپکے سے اسکو روپیہ دیدیگا کہ دیکھو ہم جانتے ہیں کہ تمہارے پاس کچھ نہیں ہے لہذا تم اپنی طرف سے یہ روپیہ پیش کر دینا تو فرماتے ہیں کہ یا الٰہی اسیطرح ہم ضعیف اور کمزور ہیں ہم میں تعمیل احکام کی قدرت نہیں ہے لہذا جب آپ نے حکم فرمایا ہے جو کہ لا تقاضا ہوتا ہے تو اسکے لئے ہمارے اندر قوت بھی پیدا فرمائیے تاکہ اوسکی تعمیل آسانی سے کرسکیں آپکی بڑی قدرت ہے آپ سب کچھ کرسکتے ہیں آگے حق تعالےٰ کی قدرت کو بیان فرماتے ہیں کہ۔

بے تو نظم و قافیہ شام و سحر　　زہرہ کے دارد کہ آید در نظر

یعنی بے آپ (کی مدد) کے شام و سحر میں قافیہ اور نظم کی کیا مجال ہے کہ وہ وقوع میں آسکے مطلب یہ کہ ہم جو کچھ نظم و قوافی کو جمع کرتے ہیں یہ سب آپکی دین ہے ورنہ بے آپکی قدرت اور بے آپکی دین کے کب کچھ حاصل ہوسکتا ہے۔ اسلئے کہ۔

نظم و تجنیس و قوافی ای علیم　　بندۂ امر تو اند از ترس و بیم

یعنی نظم اور تجنیس اور قوافی لے علیم سب آپکے حکم کے بندہ ہیں ترس وبیم کی وجہ سے مطلب یہ جسطرح کہ کوئی کسیکا بندہ ترس وبیم کی وجہ سے ہوتا ہے اسیطرح یہ قوافی وغیرہ سب آپکے حکم کے تابع ہیں لہذا جب آپ کا حکم ہوتا ہے یہ قلب پر وارد ہوجاتے ہیں ورنہ نہیں آتے لہذا معلوم ہوا کہ جسقدر افعال اور احوال ہیں سب آپکے قبضۂ قدرت میں ہیں کہ بے آپکے کچھ ہو ہی نہیں سکتا آگے قدرت علی الاقوال کو بیان فرماتے ہیں کہ

چون مسبح کردۂ ہر چیز را — ذات بے تمیز و با تمیز را

یعنی جب آپ نے ہر شئے کو مسبح بنایا ہے ذات بے تمیز کو اور با تمیز کو (بے تمیز سے مراد بے شعور اور با تمیز سے باشعور) مطلب یہ کہ جب آپ نے ذی شعور اور غیر ذی شعور سب کو مسبح کر دیا ہے تو

ہر یکے تسبیح بر نوع دگر — گوید و از حال آن این بیخبر

یعنی ہر ایک ایک دوسری قسم پر تسبیح کہتا ہے اور وہ اسکے حال سے بے خبر ہوتا ہے۔ مطلب یہ کہ بس آپ نے کام میں لگا دیا ہے سب کام میں لگے ہوئے ہیں کسی کو دوسرے کی خبر نہیں ہے بس جسطرح کہ آپ نے تکوینیات میں سب کو کام میں لگا رکھا ہے اور اُن پر ان کاموں کو سہل فرما رکھا ہے اسیطرح آپ ان تشریعیات کو بھی ہم پر سہل فرما دیجئے۔ آگے ایک کا دوسرے کی حالت سے بیخبر ہونے کو بیان فرماتے ہیں کہ۔

آدمی منکر ز تسبیح جماد — وان جماد اندر عبادت اوستاد

یعنی آدمی جماد کی تسبیح سے منکر ہے اور وہ جماد عبادت میں اُستاد ہے تو دیکھ لو کہ ایک کو دوسرے کی حالت کی خبر نہیں ہے آگے اس سے ترقی کر کے فرماتے ہیں کہ۔

بلکہ ہفتاد و دو ملت ہر یکے — بیخبر از یک دگر اندر شکے

یعنی بلکہ ہفتاد و دو ملت ہر ایک ایک دوسرے سے بیخبر ہیں اور شک میں ہیں۔

چون دو ناطق را ز حال ہمدگر — نیست آگہ چون بود دیوار و در

یعنی جبکہ دو ناطق ایک دوسرے کی حالت پر آگاہ نہیں ہیں تو دیوار و در تو کسطرح ہوں گے اوپر کے شعر میں ہفتاد و دو ملت فرمایا ہے حالانکہ اصل میں ہفتاد و سہ ملت ہیں ایک ملت حقہ باقی باطلہ مگر یہاں مولانا کو صرف باطلین کا بیان مقصود ہے اسلیئے کہ شک میں اور بیخبری میں

ہیں۔ ورنہ اہل حق تو سب جانتے ہیں اور اُن کو تو بحمد اللہ سب چیزون کا علم ہوتا ہے۔ یہان حالت کی بیخبری سے مراد منشاء حال کی بیخبری ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ ان تمام ملل کو آپس کے اختلافات کے اصل مناشئے ہی معلوم نہیں ہیں۔ اور وہ سب اس سے بیخبر ہو رہے ہیں۔ صرف الفاظ میں لڑائی ہو رہی ہے اور اگر مناشئے معلوم ہو جاوین تو شاید اسقدر اختلاف بھی نہ رہے مگر منشا کی خبر نہیں ہوتی اور جو محقق ہیں وہ اختلاف کے منشاء کو معلوم کر کے اسکے بعد اوسمیں غور کرتے ہین تو جب دو ناطقون کو جو کہ مدرک کلیات جزئیات کے ہیں آپس کے اختلاف کے منشاء کی خبر نہیں ہے تو بھلا اور دیوار و در کو تو آپس میں کیا تمیز ہو سکتی ہے۔

چون من از تسبیح ناطق غافلم　　چون بداند سبحۂ صامت دلم

یعنی جبکہ میں ناطق کی تسبیح سے غافل ہوں تو میرا قلب چُپ چیزون کی تسبیح کو کس طرح جان لیگا من سے مراد انسان ہے اور تسبیح سے مراد حالت ہے۔ مطلب یہ کہ جب انسان ایک دوسرے کی حالت سے غافل ہے۔ حالانکہ آپس میں دونوں بولتے ہیں ایک کی حالت دوسرا معلوم کرسکتا ہے مگر پھر بھی خبر نہیں ہے تو بھلا وہ چیزین جو کہ بول بھی نہیں سکتیں اونکی حالت کی تو کیا خبر ہو سکتی ہے۔

ہست سنی را یکے تسبیح خاص　　ہست جبری را ضد آن در مناص

یعنی سُنی کے لئے ایک تسبیح خاص ہے اور جبری کے لئے اوسکی ضد ہے چھٹکارہ میں۔

سُنی از تسبیح جبری بے خبر　　جبری از تسبیح سنی بے اثر

یعنی سُنی تو جبری کی تسبیح سے بیخبر ہے اور جبری سُنی کی تسبیح سے بے اثر ہے تسبیح سے مراد حالت کا منشاء۔ مطلب یہ کہ ایک کو دوسرے کی حالت اور اُسکے خیالات کے مناشئے کی مطلق خبر نہیں ہے ورنہ اگر مناشئے کی خبر ہو جاوے تو اسقدر اختلاف نہ رہے اسلئے کہ جسقدر مذاہب باطلہ ہیں مناشئے اُن سب کے بالکل ٹھیک ہیں اسلئے کہ مثلاً کوئی شخص اول تنزیہہ کا قائل ہوا

اوس نے جو حق تعالےٰ سے اشیاء کی نفی شروع کی تو بعض اُن چیزون کی بھی نفی کر دی جو اس قابل نہ تھیں علیٰ ہذا اور نہیں تو اگر ان مناشے کی خبر ہو جاوے تو یقیناً یہ کرین کہ جو اصل ہے اوسکو باقی رکھا جاوے اور جو اُسمیں زیادتی ہو گئی ہے اوسکی نفی کیجاوے مگر آجکل تو یہ ہو رہا ہے کہ جڑ سے ہی نفی کرتے ہیں تو یہ ساری خرابی اسکی ہے کہ مناشے سے بیخبر ہیں۔

این ہمی گوید کہ آن ضال است و گم — بے خبر از حال او وز امر قم

یعنی یہ (جبری) تو کہتا ہے کہ وہ (سنی) گمراہ ہے (اور یہ جبری) اوس (سُنی) کے حال سے بیخبر ہے اور امر قم سے۔ مطلب یہ کہ جبری جو افعال عبد کو غیر اختیاری من کل الوجوہ بتا کر سنی کو گمراہ بتار ہا ہے اسکی یہی وجہ ہے کہ وہ اُسکے منشاء سے بیخبر ہے اور اُسکو اسکی خبر نہیں ہے کہ قرآن شریف میں موجود ہے کہ یا ایہا المدثر قم فانذر تو جب حکم قیام اور پھر حکم انذار ہے تو معلوم ہوا کہ افعال عبد اختیار میں ہیں ورنہ پھر اس حکم کے کچھ معنی نہیں ہیں تو دیکھو اگر وہ سُنی کے قول کے منشاء سے باخبر ہوتا تو یقیناً وہ اسقدر سخت مخالف نہ ہوتا۔

وان ہمی گوید کہ این را چہ خبر — جنگ شان افگند یزدان از قدر

یعنی وہ (سُنی) کہتا ہے کہ اس (جبری) کو کیا خبر تو ان کا جنگ حق تعالےٰ نے قدر سے اتارا ہے مطلب یہ کہ سُنی جبری کو من کل الوجوہ گمراہ بتار ہا ہے حالانکہ اصل میں اسکے قول کا منشاء اثبات قدرت حق ہے اب اُسکے اثبات میں جو افراط و تفریط ہوئی تو اوسمیں وہ اختیار عبد کی بھی نفی کر بیٹھا کہ عبد کو کسی درجہ میں اختیار ہے ہی نہیں حالانکہ یہ امر من کل الوجوہ غلط تھا مگر جو سنی کو اسکی خبر ہوتی تو یقیناً وہ اسکے گمراہ سمجھنے میں اسقدر سخت نہ ہوتا بلکہ جو اصل تھا اسکو قائم رکھکر باقی زوائد کی نفی کر دیتا اور یہاں سُنی سے مراد عوام سنی ہیں سُنی محض مراد نہیں ہے اس لئے کہ محققین تو ہمیشہ مناشے پر نظر کر کے بالکل مطابق اصل کے دودھ کو دودھ اور پانی کو پانی کر دیتے ہیں ہاں جو عوام ہیں وہی ایک طرف کو بڑھ جاتے ہیں اور جبری میں عوام و خواص کی تفریق نہیں ہے۔ اسلئے کہ وہ اہل باطل ہیں تو سب عوام ہی ہیں اون میں محققین کدہر سے

ہوئے تھے۔ غرضیکہ ایک دوسرے کے مناسبے نہ معلوم ہونے سے سب کی آپس میں چل رہی ہے آگے اس جنگ فیما بین کی حکمت فرماتے ہیں کہ۔

گوہر ہر یک ہویدا مے کند　　　جنس از ناجنس پیدا میکند

یعنی ہر ایک کا گوہر ظاہر فرماتے ہیں اور جنس کو ناجنس سے الگ فرماتے ہیں تو اس اختلاف میں یہ برکت ہے کہ حق و باطل سب ممتاز ہوجاتا ہے آگے تقریب کیلئے ایک مثال فرماتے ہیں کہ

قہر را از لطف داند ہر کسے　　　خواہ نادان خواہ دانا یا خسے

یعنی قہر کو لطف سے ہر شخص ممتاز کرکے جانتا ہے خواہ وہ نادان ہو یا دانا ہو یا کوئی کمینہ ہو مطلب یہ کہ جس طرح کہ قہر و لطف کو انسان ممتاز کرکے معلوم کرسکتا ہے اسیطرح جب حق و باطل واضح اور ظاہر ہوجاوے اسوقت تمیز کرلینا بہت آسان ہے۔

لیک لطفے قہر در پنہاں شدہ　　　یا کہ قہرے در دل لطف آمدہ

یعنی لیکن وہ لطف جو کہ قہر میں پوشیدہ ہو یا کہ وہ قہر جو لطف کے اندر آیا ہوا ہو۔

کم کسے داند مگر ربانئے　　　کش بود در دل محک جانئے

یعنی (اوسکو) کوئی کم جانتا ہے مگر وہ اللہ والا کہ جو اسکو دل میں جان کیلئے کسوٹی ہو۔

باقیان زین دو گمانے مے برند　　　سوئے لانہ خود بیک پرمے پرند

یعنی باقی لوگ اس سے دو گمان لیجاتے ہیں اور اپنے آشیانہ کی طرف ایک پر سے اڑتے ہیں مطلب یہ کہ اگر حق و باطل ممتاز ہو تب تو ہر شخص معلوم کرسکتا ہے مگر جو باطل بصورت حق ہو یا بالعکس تو اسوقت دونوں کو ممتاز کرنا کارے وارد۔ یہ ہر شخص کا کام نہیں ہے یہ کام کسی کامل محقق کا ہے کہ جو کسوٹی کی طرح دونوں کو پرکھ کر الگ الگ کردے اور جو ان کے سوا

غیر محقق ہے وہ تو دونوں طرف ڈانواں ڈول ہوگا اور کسی طرف بھی پورا یقین نہ ہوگا اور اس کی مثال ایسی ہوگی جیسے کہ کوئی جانور اپنے گھونسلے میں ایک پر سے اُڑ کر جانا چاہے تو وہ بہت کم دور تک اڑ سکتا ہے اور پھر گر جاویگا تو اسیطرح جو محقق نہیں ہے وہ استدلال سے کچھ کام لیگا آگے جاکر پھر ٹوٹ پھوٹ جاویگا اور جو محقق ہوگا اُسکو ایسا یقین واثق ہوگا کہ اسکو دوسری جانب کا کبھی خیال بھی نہ آوے گا۔ آگے اس مثال کو خود مولانا بیان فرماتے ہیں کہ۔

بیان میں اسکے کہ علم کے دو پر ہیں اور گمان کے ایک پر ہی

علم را دو پر گمان را یک پر است ناقص آمد ظن بہ پرواز ابتر است

یعنی علم کے لئے دو پر ہیں اور گمان کے ایک پر ہے تو گمان ناقص آیا اور پرواز میں ضعیف ہے۔ دو پر سے مراد قوت اور ایک پر سے مراد ضعف۔ مطلب یہ کہ علم اور یقین تو قوی ہوتا ہے اور اسکے استدلالات بھی قوی ہوتے ہیں اور گمان اور اسکے استدلالات ہمیشہ کمزور ہوا کرتے ہیں۔ آگے اسکی ایک مثال فرماتے ہیں کہ۔

مُرغ یک پر زود افتد سرنگون باز بر پرد دو گامے یا فزون

یعنی مُرغ یک پر جلدی سے اوندھے منہ گر پڑتا ہے اور پھر دو ایک قدم یا کچھ زیادہ اڑتا ہے (تو اسی طرح)

اُفت و خیزان میرود مرغ گمان با یکے پر بر اُمید آشیان

یعنی گرتا پڑتا چلتا ہے مُرغ گمان ایک پر سے آشیان کی امید پر۔ مطلب یہ کہ مقصود تک کبھی رسائی نہیں ہوتی۔ استدلال سے کچھ پہونچتا ہے پھر گر جاتا ہے پھر پرواز کرتا ہے مگر پھر آشیان تک پہونچنا نصیب نہیں ہوتا۔

چون ز ظن وارست علمش رو نمود شد دو پر آن مرغ و پرہا بر کشود

یعنی جب ظن سے چھوٹ گیا تو اوسکو علم نے منہ دکھایا اور وہ مرغ دوپر ہوگیا اور پرون کو کھول دیا۔

بعد ازان ممشی سویا مستقیم — نے علی وجہہ مکبا او سقیم

یعنی اُسکے بعد وہ سیدھا اور مستقیم چلتا ہے نہ منہ کے بل اوندھا گرتا ہوا اور بیمار۔ مطلب یہ کہ جب بعد ظن کے علم حاصل ہو جاتا ہے اور تحقیق نصیب ہو جاتی ہے تو پھر تو مقصود تک بہت جلد پہنچ جاتا ہے اور اوسکے راہ میں کوئی روکاوٹ پیدا نہیں ہوتی۔

با دو پر بر می پرد چون جبرئیل — بیگمان بے فکرت و بے قال و قیل

یعنی دونوں پرون سے جبرئیل کی طرح بے گمان اور بے فکر اور بے قال وقیل کے اڑتا ہے۔ یعنی اوسکو اپنے مقصود میں کسی قسم کا وہم وگمان نہیں ہوتا بلکہ بے کسی شبہ کے وہ پہونچا ہوا ہوتا ہے اور اُس محقق کی یہ حالت ہوتی ہے کہ۔

گر ہمہ عالم بگویندش توئے — بر رہ یزدان و دین مستوی

یعنی اگر تمام عالم اُس سے کہے کہ تو راہ مستقیم پر اور دین مستوی پر ہے۔

او نگردد گرم تر از گفت شان — جان طاق او نگردد جفت شان

یعنی وہ اونکے اس کہنے سے گرم نہ ہوگا اور اوسکی جان طاق اونکی جفت نہ ہوگی۔ مطلب یہ ہے کہ اگر محقق کو ساری دُنیا غوث وقطب کہنے لگے تو اوسکو اس سے کوئی خاص مسرت نہ ہوگی اسلئے کہ اوسکی جو حالت ہے اوسکو خود معلوم ہے پھر اوسکو مسرت ہی کیا ہو اسکی ایسی مثال ہے کہ جیسے کسی کی جیب میں اشرفیان پڑی ہیں اور اوسکو خود بھی خبر ہے کہ میری جیب میں ہیں پھر کوئی اُس سے کہے کہ تمہاری جیب میں اشرفیان ہیں تو اوسکو اس سے کوئی خاص مسرت نہ ہوگی بلکہ کچھ فکر ہو جاویگا کہ اسکو خبر ہوگئی ہے ممکن ہے کہ چرا لے اسیطرح جب ان حضرات کو کوئی غوث و قطب

کہتا ہے تو چونکہ اونکو پہلے سے اپنی حالت معلوم ہوتی ہے التفات ہی نہیں ہوتا بلکہ اس اظہار سے فکر پڑ جاتی ہے اسلئے کہ یہ حضرات تو اپنی حالت کا اظہار چاہتے ہی نہیں۔ لہذا جو محقق ہیں اونکو کسی کی تعریف کرنے سے کوئی خاص مسرت نہیں ہوتی اور نہ کسی کے بُرا کہنے سے رنج ہوتا ہے اسلئے کہ وہ جیسے ہیں ان کو خبر ہے۔ پھر دوسرے کے کہنے سے پھولنا حماقت ہے بس وہ حضرات ایک حالت پر رہتے ہیں اور اپنی حالت میں خود مگن ہوئے ہیں۔

ور ہمہ گویند او راگمرہے ۔۔۔ کوہ پنداری و تو برگ کہے

یعنی اور اگر سب اسکو کہیں کہ تو گمراہ ہے اور اپنے کو پہاڑ سمجھتا ہے حالانکہ تو برگ کاہ ہے۔

او نیفتد در گمان از طعن شان ۔۔۔ او نگردد دردمند از طعن شان

یعنی وہ ان لوگون کی طعن سے شبہ مین نہ پڑیگا اور وہ ان کی نیزہ زنی سے دردمند نہ ہوگا مطلب یہ کہ اس محقق کو اگر ساری دنیا گمراہ اور بدین کہنے لگے تو اس سے اسکو اپنی حالت مین کسی قسم کا شبہ واقع نہ ہوگا بلکہ وہ اپنی حالت کو خوب جانتا ہے بس وہ وہی سمجھے گا۔ آگے اور ترقی کر کے فرماتے ہیں کہ۔

بلکہ گر دریا و کوہ آید بگفت ۔۔۔ گویدش با گمرہی ہستی توجفت

یعنی بلکہ اگر دریا اور کوہ گفتگو میں آویں اور اس سے کہیں کہ تو گمراہی کا قرین ہوگیا۔

ہیچ یک ذرہ نیفتد در خیال ۔۔۔ یا بطعن طاعنان رنجور حال

یعنی وہ ایک ذرہ کی برابر بھی شبہ میں نہ پڑیگا۔ یا کہ طاعنون کے طعن سے رنجور حال ہو وہ یہ بھی نہ ہوگا بلکہ

مطمئن و موقن و بے احتیال ۔۔۔ کاینچنین باشد مگر در کل حال

یعنی مطمئن اور موقن اور بے حیلہ کے ہوگا کہ وہ ایساہی شاید ہر حال میں ہوگا مطلب یہ کہ بہلا آدمی اگر کہیں اور اوسکو یقین نہ آوے تو عجب نہیں ہے بلکہ اگر خارق کے طور پر درخت زمین پہاڑ سب اُس سے کہیں کہ تو گمراہ ہے تو اوسکو ذرہ برابر پرواہ نہ ہوگی بلکہ اپنے کام میں لگا رہے گا اوسکو اپنی حالت کا اسقدر یقین ہے کہ کسی کے شبہ ڈالنے سے اوسکو شبہ ہوتا ہی نہیں اور جیساکہ وہ اس معاملہ میں پختہ ہوتا ہے مولانا فرماتے ہیں کہ شاید وہ تمام حالتوں میں ایساہی پختہ ہوتا ہوگا۔ آگے دوسرون کے کہنے سے غیر محقق کے شبہ میں پڑجانے کی ایک مثال فرماتے ہیں کہ۔

شرح حبیبی

کودکان مکتبے از اوستاد ‌ ‌ ‌ رنج دیدند از ملال و اجتہاد

مشورت کردند در تعویق کار ‌ ‌ ‌ تا معلم در فتد در اضطرار

چون نمی آید ورا رنجورئیے ‌ ‌ ‌ کہ بگیرد چند روز او دوریے

تا رہیم از حبس و از تنگی کار ‌ ‌ ‌ ہست او چون کوہ خارا برقرار

آن یکے زیرک تر این تدبیر کرد ‌ ‌ ‌ کہ بگوید اوستا چونی تو زرد

خیر باشد رنگ تو برجائی نیست ‌ ‌ ‌ این اثر یا از ہوا یا از تپیست

اندکے اندر خیال افتد ازین ‌ ‌ ‌ تو برادر ہم مدد کن اینچنین

چون درآئے از در مکتب بگو	خیر باشد اوستا احوال تو
آن خیالش اندکے افزون شود	کز خیالے عاقلے مجنون شود
آن سوم و چارم و پنجم چنین	در پے ما غم نمایند و حنین
تا چو سی کودک تواتر این خبر	متفق گویند یابد مستقر
ہر یکے گفتش کہ شاباش اے زکی	باد بختت بر عنایت متکے
متفق گشتند در عہد وثیق	کہ نگرداند سخن را یک رفیق
بعد ازان سوگند داد او جملہ را	تا کہ غمازے نگوید ماجرا
رائے آن کودک بچربید از ہمہ	عقل او در پیش میرفت از رمہ

ایک مکتب کے لڑکے اُستاد کے ہاتھ سے پریشان اور مبتلائے زحمت تھے انھون نے چھٹی لینے کے لئے یہ مشورہ کیا کہ اُستاد کسی مجبوری میں مبتلا ہو جاوے۔ کیونکہ اسکے بغیر تعطیل نہیں ہوسکتی تھی وہ خیال کرتے تھے کہ اسکو کوئی ایسا مرض کیون لاحق نہیں ہوجاتا جسکے سبب وہ چند روز کیلئے ہم سے دوری اختیار کرے تاکہ ہم اس قید اور تکلیف سے چھوٹ جائیں یہ تو سخت پہاڑ کی طرح جنبش بھی نہیں کرتا۔ غرض انکی خواہش تھی کہ وہ بیمار ہوجاوے۔ اسکے لئے ایک نہایت سمجھدار لڑکے نے یہ تدبیر کی کہ میں استاد سے یہ کہوں گا کہ آپ کا رنگ زرد کیوں ہے خیر تو ہے آپ کی

رنگت اپنی اصلی حالت پر نہیں ہے یا تو آب و ہوا اور موسم کا کچھہ اثر ہے یا آپکے اندر اثر بخار ہے۔ اس سے اسکے خیال میں کچھہ تغیر ضرور ہوگا۔ خواہ وہ احتمال ہی کے درجہ میں ہو۔ پھر دوسرے لڑکے سے کہا کہ بھائی تم بھی میری اسیطرح تائید کرنا جب تم مکتب کے دروازے سے آؤ تو آتے ہی یہ کہنا کہ جناب آج مزاج کی کیا کیفیت ہے اس سے اُسکے اُس خیال کو اور ترقی ہوگی کیونکہ خیال بہت بُری چیز ہے یہ تو اتنی ترقی کرتا ہے کہ آدمی مجنون ہو جاتا ہے اور ہمارے بعد تیسرا اور چوتھا او پانچواں لڑکا بھی یون ہی غم ظاہر کرے اور روئی صورت بناتے تاکہ جب تیس لڑکے پے درپے اس خبر کو متفق ہو کر بیان کریں تو وہ خیال خوب جم جاوے یہ تدبیر سُنکر ہر ایک نے اسے داد دی اور کہا کہ واہ رے ذہین شاباش خوب بات نکالی۔ تیرا نصیب ہمیشہ عنایت خداوندی پر سہارا کئے ہوئے اور عنایت الہٰی ہمیشہ تیرے شامل حال رہے۔ غرض وہ سب متفق ہوگئے اور اسکا پختہ عہد ہو گیا کہ کوئی دوست اپنے عہد سے نہ پھرے گا اسکے بعد مزید اطمینان کے لئے اُس نے سب سے اسکی قسمیں لیں کہ کوئی شخص اس واقعہ کی مخبری نہ کرے گا۔ دیکھو اس لڑکے کی عقل سب پر غالب آگئی اور اسکی عقل سب کی پیش رو ہو گئی اسکے متعلق ضمناً ہم ایک مفید بات تبلاتے ہیں اس کے بعد ثانی قصہ کی طرف متوجہ ہونگے۔

شرح شبیری

مثال آدمی کے لوگونکی تعظیم اور رغبت کے شبہ سے بیمار ہوجانیکی اور ایک لڑکونکے معلّم کی حکایت

کودکان مکتبے از اوستاد ۔۔۔ رنج دیدند از ملال و اجتہاد

یعنی ایک مکتب کے لڑکون نے استاد کے غصہ اور محنت کی وجہ سے رنج دیکھا تھا مطلب یہ کہ ایک معلم لڑکون سے محنت بہت لیتا تھا اور غصہ ور زیادہ تھا تو مکتب کے لڑکے تنگ ہوگئے تھے۔

مشورت کردند در تعویق کار تا معلم در فتد در اضطرار

یعنی سب نے (معلم کے) کام کو تعویق میں ڈالنے کا (یعنی چھٹی لینے کا) مشورہ کیا تاکہ معلم اضطرار میں پڑجاوے۔ یعنی سب نے کہا کہ کوئی ایسا کام کرو کہ جس سے یہ اضطرار مین پڑے اور ہمیں چھٹی دیدے اور بولے کہ۔

چون نمی آید ورا رنجوریے کہ بگیرد چند روز او دوریے

یعنی اُسکو کوئی بیماری کیون نہیں آتی کہ وہ چند روز کیلئے دوری اختیار کرے۔

تا رہیم از حبس و از تنگی کار ہست او چون سنگ خارا برقرار

یعنی تاکہ ہم حبس اور تنگی کار سے چھوٹ جاویں کہ وہ تو سخت پتھر کی طرح برقرار ہے یعنی بولے کہ کمبخت سخت پتھر ہے کہ کبھی بیمار بھی نہیں ہوتا۔

آن یکے زیرک ترا این تدبیر کرد کہ بگوید اوستا چونے تو زرد

یعنی اُس ایک عقلمند لڑکے نے یہ تدبیر کی کہ وہ کہے گا کہ استاد جی آپ زرد رو کیسے ہورہے ہیں۔

خیر باشد رنگ تو لجائے نیست این اثر یا از ہوا یا از تپے است

یعنی خیر تو ہے آپ کا رنگ برجا نہیں ہے یہ یا تو ہوا کا اثر ہے یا بخار کا اثر ہے۔

اندکے اندر خیال افتد ازین تو برادر ہم مدد کن این چنین

یعنی وہ اس (کہنے) سے تھوڑا سا خیال مین پڑیگا۔ تو بھائی ذرا تم بھی اسیطرح مدد کرنا یعنی وہ لڑکا

بولا کہ جب میں اسطرح اسکا مزاج پوچھوں تو پھر آکر تم بھی یہی پوچھنا۔

چون درائی از در مکتب بگو خیر باشد اوستا احوال تو

یعنی جب تو مکتب کے دروازے سے آوے تو کہنا کہ اُستاد جی خیر ہے آپ کا حال (کیسا ہے)

آن خیالش اندکے افزون شود کز خیالے عاقلے مجنون شود

یعنی اُسکا وہ خیال کچھ زیادہ ہوگا کہ خیال سے تو عاقل بھی مجنون ہوجاتا ہے۔

آن سوم وآن چارم وپنجم چنین در پے ما غم نمایند وحنین

یعنی وہ تیسرا اور چوتھا اور پانچوان اسیطرح ہمارے بعد اظہار رنج وغم کریں۔

تا چو سی کودک پیاپے این خبر متفق گویند یابد مستقر

یعنی یہانتک کہ جب تیس لڑکے آگے پیچھے اس خبر کو متفق ہوکر کہیں گے تو یہ (اسکے دل میں) قرار پکڑ جاویگی۔

ہر یکے گفتش کہ شاباش اے ذکی باد بختت بر عنایت متکے

یعنی ہر ایک نے اس لڑکے سے کہا کہ شاباش اے ذکی تیرا بخت عنایت (حق) پر متکی ہو۔

متفق گشتند در عہد وثیق کہ نگرداند سخن را یک رفیق

یعنی وہ سب کے سب عہد وبیان میں متفق ہوگئے کہ کوئی ساتھی بات کو پھیرے نہیں یعنی سب نے کہا کہ جسطرح ٹھیری ہے اسکے خلاف کوئی نہ کرے۔

بعد ازان سوگند داد او جملہ را تا کہ غمازے نگوید ماجرا

یعنی بعد اُسکے اُس نے سب کو قسم دی تاکہ کوئی غماز اس ماجرے کو کہہ نہ دے۔

رائی آن کودک بچربیلا ز ہمہ　　عقل او در پیش میرفت از رمہ

یعنی اس لڑکے کی رائے سب سے بڑھ گئی اور اسکی عقل جماعت سے آگے چلتی تھی۔ آگے مولانا فرماتے ہیں کہ۔

شرح حبیبی

آن تفاوت ہست در عقل بشر　　کہ میان شاہدان اندر صور

زین قبل فرمود احمد در مقال　　در زبان پنہان بود حسن رجال

اختلاف عقلہا در اصل بود　　بر وفاق سنیان باید شنود

برخلاف قول اہل اعتزال　　کہ عقول از اصل دارند اعتدال

تجربہ و تعلیم بیش و کم کند　　تا یکے را از یکے اعلم کند

باطل است این زانکہ رائے کودکے　　کہ ندارد تجربہ در مسلکے

بگذرد زاندیشۂ مردان کار　　عاجز آید کارشان در اضطرار

بر دمید اندیشۂ زان طفل خرد	پیر با صد تجربہ بوئے نبرد
خود فزون آن بہ کہ آن از فطرت ست	باز افزون کو ز جہد و فکرت ست
تو بگو دادہ خدا بہتر بود	یا کہ لنگے راہوارانہ رود

یاد رکھو کہ آدمیونکی عقول میں بھی وہی تفاوت ہے جو معشوقونکی صورتون میں اسی کے متعلق جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے حدیث میں فرمایا ہے کہ آدمی کا حسن زبان کے نیچے مستور ہے یعنی جبتک آدمی کلام نہیں کرتا اسوقت تک اسکی عقل کا حسن و قبح ظاہر نہیں ہوتا۔ اس سے تو صرف یہ امر ثابت ہوا کہ عقول میں تفاوت ہے مگر بعد کو اہل سنت اور معتزلہ میں یہ اختلاف واقع ہوا کہ یہ اختلاف فطری ہے یا علم و تجربہ کی کمی بیشی کے سبب ہے اہل سنت کہتے ہیں کہ یہ اختلاف فطری ہے اور معتزلہ کہتے ہیں کہ علم و تجربہ کی کمی بیشی سے ہے مگر ہم کہتے ہیں کہ اختلاف فطری ہے جیسا کہ اہل سُنت کہتے ہیں (تم کو خوب سن رکھنا چاہیئے) برخلاف معتزلہ کے کہ وہ یہ کہتے ہیں کہ بدوِ فطرت میں عقول سب یکسان ہیں تجربہ اور تعلیم کی کمی بیشی آمیں کمی بیشی پیدا کرتی ہے۔ حتیٰ کہ ایک دوسرے سے زیادہ عالم اور عاقل ہوجاتا ہے اور دوسرا کم رہجاتا ہے۔ اس قول کے بطلان کی دلیل یہ ہے ایک لڑکا جو نہ تجربہ رکھتا ہے اور نہ زیادہ علم اُسکی عقل ایک خاص معاملہ میں اُن لوگون سے بڑھ جاتی ہے جو اُسکے کرنے والے ہیں اور وہ اسکے مقابلہ میں عاجز اور مجبور ہوجاتے ہیں دیکھو اس چھوٹے بچہ کی عقل نے ایک ایسی بات پیدا کی کہ ایک بڈھا (اُستاد) باوجود سیکڑوں تجربون کے اسکی ہوا تک کو نہ پہونچ سکا۔ اب یہ بات بھی دیکھنے کے قابل ہے کہ کمی بیشی کو تو دونون فریق تسلیم کرتے ہین مگر اُسکے منشاء میں اختلاف رکھتے ہیں اب دیکھو کہ وہ زیادتی بہتر ہے جو بدوِ فطرت میں ہے یا وہ زیادتی جو کوشش اور غور و فکر کی مشق سے پیدا ہوئی ہے اور تمہیں انصاف سے کہدو کہ داد خدا بہتر ہے یا یہ کہ حقیقۃً ناقص اور صورۃً کامل ہو لہذا اسکی ایسی مثال ہے جیسے کہ

گھوڑا ہو تو لنگڑا اگر بتکلف رہوار چلتا ہو (ف یاد رکھو کہ یہ گفتگو معتزلہ کیلئے ملزم اور مسکت ہے کہ وہ نقصان کو فطری تسلیم کرتے ہیں اور الزام انھیں کو دینا مقصود بھی ہے مگر فی نفسہ مثبت مذہب نہیں بلکہ مثبت مذہب وہ دلیل ہے جو پیشتر بیان کی ہے یعنی مشاہدہ زیادتی عقل طفل خورد بر عقل پیر تجربہ کار) اس ضمنی گفتگو کو ختم کر کے پھر اصل قصہ کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

شرح شبیری

آن تفاوت ہست در عقل بشر ۔ کہ میان شاہدان اندر صور

یعنی عقل بشری میں وہ تفاوت ہے جیسا کہ معشوقوں کی صورتوں میں ہوتا ہے۔ چونکہ معتزلہ کہتے ہیں۔ کہ عقول اصل فطرت سے سب مساوی ہوتی ہیں مگر تجربوں کی زیادتی سے کوئی بڑھ جاتی ہے اور انکی کمی سے کوئی گھٹی رہتی ہے اور اہل سنت یہ کہتے ہیں کہ اصل فطرت ہی سے متفاوت ہوتی ہیں مولانا آگے اپنے مذہب کا اثبات اور معتزلہ کے مذہب کا رد فرماتے ہیں کہ۔

بیان میں اسکے کہ عقول خلق اصل فطرت سے متفاوت ہیں اور معتزلہ کے نزدیک اصل فطرت سے مساوی ہیں اور تفاوت حصول علم سے ہوتا ہے

زین قبل فرمود احمد در مقال ۔ در زبان پنہان بود حسن رجال

یعنی اس قبیل سے احمد صلے اللہ علیہ وسلم نے گفتگو میں فرمایا ہے کہ زبان میں حسن رجال پنہان

ہوتا ہے مطلب یہ کہ حضور نے فرمایا ہے کہ انسان کے بولنے سے اُسکے حسن و قبح کی حالت معلوم ہو جاتی ہے تو معلوم ہوا کہ انسان آپس میں متفاوت ہیں جب ہی تو زبان سے ایک دوسرے میں امتیاز ہوتا ہے مولانا فرماتے ہیں کہ۔

اختلاف عقلہا در اصل بود — بر وفاق سنیان باید شنود

یعنی اختلاف عقول اصل سے ہی ہے موافق مذہب سنیون کے سننا چاہیئے۔

بر خلاف قول اہل اعتزال — کہ عقول از اصل دارند اعتدال

یعنی بخلاف قول معتزلہ کے کہ عقول اصل فطرت سے اعتدال رکھتی ہیں (اور وہ کہتے ہیں کہ)

تجربہ و تعلیم بیش و کم کند — تا یکے را از یکے اعلم کند

یعنی تجربہ اور تعلیم زیادہ اور کم کرتی ہے یہانتک کہ ایک کو دوسرے سے اعلم کر دیتا ہے مولانا فرماتے ہیں کہ

باطل است این زانکہ رائی کودکے — کہ ندارد تجربہ در مسلکے

یعنی (یہ مذہب معتزلہ) باطل ہے اسلئے کہ ایک بچہ کی عقل جو کہ معاملات میں تجربہ نہیں رکھتا ہے۔

بگذرد ز اندیشۂ مردان کار — عاجز آید کارشان در اضطرار

یعنی بڑھ جاتی ہے مردان کار کے فکرون سے اور ان مردون کا کام اضطرار میں عاجز آتا ہے تو جب اُنکو تجربہ ہی نہیں تو پھر ان بچون کی عقل اُن سے کیون بڑھجاتی ہے معلوم ہوا کہ اصل فطرت ہی سے متفاوت ہیں۔ آگے تائید میں اُوپر والے بچہ کی حکایت کو پیش فرماتے ہیں رجوع الے القصہ نہیں ہے صرف تائید مقصود ہے فرماتے ہیں کہ۔

بر دمید اندیشۂ زان طفل خرد — پیر با صد تجربہ بوئے نہ برد

یعنی اُس چھوٹے لڑکے میں سے ایک فکر نکلی تو وہ (معلم) بڈھا باوجود سو تجربوں کے بو نہ لیجا سکا تو معلوم ہوا کہ اُس بچہ کی عقل فطرتاً ہی زیادہ تھی۔

خود فزون آن بہ کہ آن از فطرت است — تا ز افزونے کہ جہد و فکرت است

یعنی زیادتی وہی بہتر ہے جو کہ فطرت سے ہو اور پھر وہ زیادتی جو جہد و فکر سے ہو۔

تو بگو دادہ خدا بہتر بود — یا کہ لنگے راہوارانہ رود

یعنی تم ہی کہو کہ خدا کی دی ہوئی بہتر ہے یا کہ وہ لنگڑا جو (بہ تکلف) راہواروں کی طرح چلتا ہے۔ اور یہ معلوم ہے کہ وہی دادۂ خدا بہتر ہے پس جو عقل کہ فطرت سے زیادہ ہو وہی بہتر ہے یہ ایک لطیفہ کے طور پر فرما دیا آگے پھر اُن لڑکوں کا قصہ فرماتے ہیں کہ۔

شرح حبیبی

روز گشت و آمدند آن کودکان — بر ہمین فکرت بمکتب شادمان

جملہ استادند بیرون منتظر — تا در آید اوّل آن یار مصر

زانکہ منبع او بُدست این رای را — سر امام آمد ہمیشہ پائے را

اے مقلد تو مجو پیشے بران — کو بود منبع ز نور آسمان

او درآمد گفت استا را سلام | خیر باشد رنگ رویت زرد فام
گفت استا نیست رنجے مر مرا | تو برو بنشین مگو یاوہ ہلا
نفی کرد اما غبار وہم بد | اندکے اندر دلش ناگاہ زد
اندر آمد دیگرے گفت اینچنین | اندکے آن وہم افزون شد برین
ہمچنین تا وہم او قوت گرفت | ماند اندر حال خود بس در شگفت

خیر مشورہ طے پا گیا اور وہ ان ہوا اسوقت لڑکے اسی خیال میں ڈوبے ہوئے خوش خوش مکتب میں آئے سب لڑکے اس ذہین لڑکے کے انتظار میں باہر کہڑے رہے کیونکہ اس رائے کا سرچشمہ وہی تھا اور وہ بمنزلہ سر کے تھا اور دیگر لڑکے بمنزلہ پاؤن کے اور سر پاؤں کا پیشوا ہوتا ہی ہے اس واقعہ سے مقلد و ناقل کو عبرت حاصل کرنی چاہیئے اور محقق سے جو کہ نور حق سبحانہ کا سرچشمہ ہے بڑہنے کا خیال نہ کرنا چاہیئے خیر یہ تو ضمنی گفتگو تھی اب سُنو کہ وہ لڑکا آیا اور آکر اُس نے اُستاد کو سلام کیا اور کہا کہ خیر تو ہے جناب کے چہرہ کی رنگت کچھ زردی مائل ہے اُستاد نے اسکو توجہڑک دیا اور کہا کہ جا اپنی جگہ بیٹھ بیہودہ بکواس مت کر مجھے کوئی تکلیف نہیں ہے اُس نے بیماری کا انکار تو کر دیا مگر بُرے خیال نے اسکے دلپر اثر ضرور کیا اُس نے سوچا کہ احتمال تو ہے کہ یہ لڑکا سچ کہتا ہو۔ دوسرا اور آیا اُس نے بھی یہی کہا۔ اس سے اس وہم میں اور ترقی ہوئی یہی سلسلہ جاری رہا۔ حتی کہ وہ وہم قوی ہو گیا اور اُس نے سمجھہ لیا کہ میں واقع میں بیمار ہوں اور یہ سمجھکر اپنی حالت پر بہت متعجب ہوا اور کہا کہ کسقدر عجیب بات ہے کہ میں بیمار ہون اور مجھے خبر نہیں۔ یہان مولانا اسکے مناسب اور مضمون کی طرف انتقال فرماتے ہیں ؎

شرح شبیری

لڑکوں کا اُستاد کو مکر سے وہم میں ڈال دینا

روز گشت و آمدند آن کودکان　　　بر ہمین فکرت بمکتب شادمان

یعنی دن ہو گیا اور وہ لڑکے اسی فکر میں خوش خوش مکتب میں آتے۔

جملہ استادند بیرون منتظر　　　تا درآید اول آن یار مکر

یعنی سارے باہر منتظر کھڑے ہو گئے تاکہ اول وہ یار مکار آوے۔

زانکہ منبع او بدست این ای را　　　سر امام آمد ہمیشہ پاتے را

یعنی اسلئے کہ اُس راستے کا وہی منبع تھا اور پاؤں کے لئے ہمیشہ سر ہی امام ہوتا ہے لہذا وہ اسکے منتظر ہوئے مولانا فرماتے ہیں کہ۔

اے مقلد تو مجو پیشی بران　　　کو بود منبع ز نور آسمان

یعنی اے مقلد تو اسپر پیشی مت ڈھونڈھ جو کہ نور آسمانی سے منبع ہووے۔ مطلب یہ کہ بس تم کو بتا دیا گیا ہے اب اُس پر اپنی طرف سے زیادتی مت کرو ورنہ خطا پاؤ گے۔ آگے پھر اُن لڑکوں کی حکایت ہے۔

او درآمد گفت استا را سلام　　　خیر باشد رنگ رویت زرد فام

یعنی وہ لڑکا آیا اور اُستاد کو سلام کیا (اور بولا کہ) خیر ہے آپکے چہرے کا رنگ زرد زرد ہے۔

گفت استا نیست رنجے مر مرا — تو برو بنشین مگو یاوہ ہلا

یعنی استاد نے کہا کہ مجھے کوئی تکلیف نہیں ہے تو جا بیٹھ خبردار فضول مت بک۔

نفی کرد اما غبار وہم بد — اندکے اندر دلش ناگاہ زد

یعنی اُس نے نفی کردی مگر وہم بد کا غبار تھوڑا سا اُسکے دل پر جم گیا۔

اندر آمد دیگرے گفت این چنین — اندکے آن وہم افزون شد برین

یعنی دوسرا اندر آیا اور اُس نے بھی اسیطرح کہا تو تھوڑا سا وہم اس (پہلے) پر زیادہ ہوا۔

ہمچنین تا وہم او قوت گرفت — ماند اندر حال او بس در شگفت

یعنی اسیطرح (سب کہتے رہے) یہانتک کہ اسکے وہم نے قوت پکڑلی اور وہ اپنی حالت میں ایک تعجب میں (رہ گیا کہ مجھے کیا ہوگیا) آگے مولانا فرماتے ہیں کہ جس طرح یہ معلم دوسرون کے کہنے سے وہم میں پڑ گیا اسیطرح فرعون بھی دوسرونکی تعلیم سے وہم میں مبتلا ہوگیا تھا اور اپنی حالت کی خبر نہ تھی فرماتے ہیں کہ۔

شرح حبیبی

سجدۂ خلق از زن و از طفل و مرد — زو دل فرعون را رنجور کرد

گفتن ہر یک خداوند و ملک — آنچنان کردش ز وہمے منہتک

که بدعوےٰ الٰہی شد دلیر	اژدہا گشت ومی شد ہیچ سیر
عقل جزوی آفتش وہم ست وظن	زانکہ درظلمات شد او را وطن
برزمین گرنیم گز راہے بود	آدمی بے وہم ایمن می رود
برسر دیوار عالے گر روی	گر دو گز عرضش بود کثر می شوی
بلکہ می اُفتی ز لرز دل بوہم	ترس وہم رانکو بنگر بفہم

دیکھو جسطرح لڑکون کے کہنے سے استاد اپنے کو بیمار سمجھ گیا اور پھر سچ مچ بیمار بنگیا یوں ہی عورتون بچون اور مردون غرض کہ مخلوق کے سجدون سے فرعون اپنے کو خدا سمجھ گیا تھا اور یہ سمجھکر مریض القلب ہوگیا تھا اور ہرشخص کے خداوند نعمت اور بادشاہ کہنے نے غلبہ وہم کے سبب یون ہی مشکور سوا کیا تھا کہ وہ دعوےٰ الوہیت پر جرأت کر بیٹھا۔ اور اژدہا بنگیا کہ اپنی تعظیم سے اسکا دل سیر ہی نہ ہوتا تھا۔ اس سے تم سمجھو کہ وہم وظن عقل ناقص کے لئے آفت ہے کیونکہ وہم وظن کا گھر ظلمات میں ہے اور ان کو ظلمات ناسوت ہی سے تعلق ہے۔ پس اگر عقل ناقص ہوتی ہے تو یہ اسیر غالب آکر اُسکو بھی ظلمات کر دیتے ہیں اور وہ ادراک حقیقت سے قاصر ہوجاتی ہے اسکی تصدیق پورے طور پر تم کو اس واقعہ سے ہوگی کہ اگر زمین پر آدھ گز چوڑا رستہ ہو تو آدمی بیخوف وخطر چلا جاتا ہے لیکن اگر کوئی اونچی دیوار ہو اور اسپر چلنا پڑے تو اگر دو گز چوڑا رستہ بھی ہوگا تب بھی تم کبھی کبھی ایک طرف کو جھک جاؤگے بلکہ غلبہ وہم سے دل کانپنے لگے گا اور ہاتھ پاؤں بے قابو ہوجائنگے اور تم گر پڑوگے اس سے تم سمجھ لو کہ خوف اور وہم کیا قوت رکھتا ہے۔ اور کیا عقل پر غالب آکر اسکو بیکار کر دیتا ہے جب یہ فائدہ معلوم ہوگیا تو اب قصہ سُنو۔

شرح شبیری

فرعون کا لوگوں کی تعظیم کی وجہ سے بیمار ہو جانا

سجدۂ خلق از زن و از طفل و مرد ۔ زود دل فرعون را رنجور کرد

یعنی مخلوق کے سجدہ نے عورتوں اور بچوں اور مردوں سے جلد ہی فرعون کے دل کو بیمار کر دیا زن و طفل و مرد تفسیر ہے خلق کی یعنی جب لوگوں کی تعظیم کی وجہ سے اسکا دل خراب ہو گیا اور اسکے اندر تکبر کوٹ کوٹ کر بھر اگیا۔ نعوذ باللہ منہ۔

گفتن ہر یک خداوند و ملک ۔ آنچنان کردش ز وہم منہلک

یعنی ہر ایک کے خداوند اور بادشاہ کہنے نے اسکو اسطرح وہم سے ہلاک ہونیوالا کر دیا۔

کہ بدعوے الٰہی شد دلیر ۔ اژدہا گشت و نمی شد ہیچ سیر

یعنی کہ دعوے الوہیت میں دلیر ہو گیا (اور ظلم میں) اژدہا ہو گیا تھا مگر سیر نہ ہوتا تھا۔ یعنی جتنی کوئی تعظیم کرے اس سے اسکو زیادہ کی ہوس ہوتی تھی آگے مولانا فرماتے ہیں کہ۔

عقل جزوی آفتش وہم ست و ظن ۔ زانکہ در ظلمات شد او را وطن

یعنی عقل جزوی کی آفت وہم اور ظن میں ہے اسلئے کہ ظلمات میں اسکا وطن ہوتا ہے۔ تو وہ حقیقت کو نہیں دیکھ سکتی۔ آگے وہم کی ایک مثال فرماتے ہیں کہ۔

بر زمین گر نیم گز راہے بود ۔ آدمی بے وہم ایمن مے رود

یعنی زمین پر اگر آدھ گز بھی راہ ہووے تو آدمی بے وہم کے بیخوف چلا جاتا ہے۔

بر سر دیوار عالی گر روی ــــ گر دو گز عرضش بود کژ می‌شوی

یعنی اور اگر کسی بلند دیوار پر چلتے ہو تو اگر اسکا عرض دو گز ہو تب بھی کج ہوتے جاتے ہو۔

بلکہ می افتی ز لرز دل بوہم ــــ ترس وہم را نکو بنگر بفہم

یعنی بلکہ تم دل کے کانپنے کی وجہ سے گر پڑتے ہو اور خوف اور وہم کو فہم سے اچھی طرح سمجھ لو تو دیکھو ایک جگہ تو آدھی گز زمین پر چلتے ہوئے بھی نہیں ڈرتے اور دوسری جگہ دو گز زمین پر بھی گر پڑتے ہو یہ اسکی وجہ سے ہے کہ تم کو یہاں گرنے کا وہم نہیں ہے اور وہاں وہم ہے تو وہم ایسی بلا ہے۔ آگے پھر اُس معلم کی حکایت فرماتے ہیں کہ۔

شرح حبیبی

گشت استا سخت سست از وہم و بیم ــــ بر جہید و می‌کشانید او گلیم

خشمگین با زن کہ مہر اوست سست ــــ من بدین حالم نپرسید و نجست

خود مرا آگہ نکرد از رنگ من ــــ قصد دارد تا رہد از ننگ من

او بحسن و جلوۂ خود مست گشت ــــ بیخبر کز بام من افتاد طشت

آمد و در را بہ تندی بر کشاد ــــ کودکان اندر پئے آن اوستاد

گفت زن خیرست چون زود آمدی | که مبادا ذات نیکت را بدی

گفت کوری رنگ و حال من ببین | از غم بیگانگان اندر حنین

تو درون خانه از بغض و نفاق | می نه بینی حال من در احتراق

گفت زن ای خواجه علتی نیستت | وهم و ظن و لاش بی معنیستت

گفت ای غر تو هنوزی در لجاج | می نه بینی این تغیر و ارتجاج

گر تو کور و کر شدی ما را چه جرم | ما درین رنجیم و در اندوه و کرم

گفت ای خواجه بیارم آینه | تا بدانی که ندارم من گنه

گفت رو نه تو رهی نی آینه‌ات | دائما در بغض و کینی و عنت

جامهٔ خواب مرا زو گستران | تا بخسپم که سر من شد گران

زن توقف کرد مردش بانگ زد | کای عدو زوتر ترا این می سزد

جامهٔ خواب آورد و گسترد آن عجوز | گفت امکان نی و باطن پر ز سوز

گر بگویم متہم دارد مرا ‖ ورنہ گویم جد شود این ماجرا

فال بد رنجور گرداند ہمے ‖ آدمے را کہ نبود ستش غمے

قول پیغمبر قبولہ یفرض ‖ ان تمارضتم لدنیا تمرضوا

گر بگویم او خیالے بر زند ‖ فعل دارد زن کہ خلوت میکند

مر مرا از خانہ بیرون میکند ‖ بہر فسقے فعل و افسون میکند

جامہ خواب افگند او ستاد و فتاد ‖ آہ آہ و نالہ از وے می بزاد

کودکان آنجا نشستند و نہان ‖ درس میخواندند با صد اندہان

کاین ہمہ کردیم و ما زندانیم ‖ بد بنائے بود و ما بد بانیم

ہین دگر اندیشۂ باید نمود ‖ تا ازین محنت فرج یابیم زود

اُستاد وہم اور خوف کے سبب بہت ہی نحیف ہوگیا وہ اُٹھا اور اپنا کمبل اٹھا کر چلدیا۔ بیوی پر نہایت غصہ تھا کہ میں اس حالت میں تھا اور اُس نے پیشتر سے نہ پوچھا کہ تیری رنگت زرد ہے تجھے کیا تکلیف ہے اور مجھے میری رنگت پر مطلع نہ کیا۔ جی وہ کیوں کرتی وہ تو خدا سے چاہتی ہے کہ یہ کہیں مرے اور میری زوجیت کی عار سے اُسکا پیچھا چھوٹے وہ اپنے

غرور حسن میں مست ہے اُسے اتنی بھی خبر نہیں کہ میری بیماری لوگون میں مشہور ہو گئی غرض وہ اس پیچ و تاب میں مکان تک پہونچا اور زور سے دروازہ کھولا۔ لڑکے بھی اُستاد کے پیچھے پیچھے آ رہے تھے کیونکہ اُنکو ابھی چھٹی نہ ملی تھی۔ عورت نے انکو بے وقت آتا دیکھکر پوچھا کہ خیر تو ہے آپ آج اسوقت کیسے چلے آئے خدا نکرے کہ آپ کو کوئی نقصان پہونچا ہو۔ اُنھون نے کہا کہ اندھی ہو گئی ہے مجھ سے کیا پوچھتی ہے میری حالت اور میری رنگت دیکھہ لے۔ غضب ہے کہ میرے غم مین دوسرے لوگ تو کڑھتے ہیں اور تو گھر میں رہکر بغض و نفاق کے سبب میری حالت نہیں دیکھتی کہ میں بھن رہا ہوں۔ اُس نے کہا جناب آپ تو اچھے خاصے ہیں کوئی نقصان بھی آپکے اندر نہیں محض بے معنی اور فضول توہم اور خیال فاسد ہے اُسنے کہا کہ چھنال تو اب تک بھی جھگڑے ہی نکال رہی ہے مجھے نہیں دیکھتی کہ میری حالت میں کسقدر تغیر آ گیا ہے اور میں کیسا کانپ رہا ہون اگر اندھی اور بہری ہو گئی ہے تو ہمارا کیا قصور۔ ہم خود اپنی تکلیف اور رنج و غم میں مبتلا ہیں۔ اسنے کہا کہ جناب آپ فرمائیں تو میں آئینہ لاکر آپکو آپ کی حالت دکھلا دوں تاکہ آپ جان لیں کہ میں اس معاملہ میں بے قصور ہوں اُسنے کہا جا دُور ہو خدا کرے نہ تو بچے نہ تیرا آئینہ۔ سب تباہ ہون۔ تو ہمیشہ عداوت اور دشمنی اور ضد ہی کرتی رہی جا میرا بستر بچھا دے میرا سر بھاری ہو رہا ہے ذرا سو رہوں۔ عورت نے بستر بچھانے میں توقف کیا سمجھا کہ شاید سمجھہ جائیں مگر اُس نے ڈانٹا کہ اری دشمن جلدی سے بچھا دے اسوقت تجھے ایسا کرنا چاہیئے خیر بڑی بی بستر لے آئی اور لاکر بچھا دیا دل میں جل رہی تھی لیکن کچھہ کہہ نہ سکتی تھی سوچتی تھی کہ میں کچھہ کہتی ہوں تو مجھے متہم سمجھے گا اور اگر نہیں کہتی تو یہ قصہ سچ ہوا جاتا ہے اور یہ یقیناً بیمار ہو جائیگا کیونکہ جو آدمی بیمار نہ ہو اور اپنے کو بیمار کہے تو وہ واقع میں بیمار ہو جاتا ہے اسلئے کہ جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کو صحیح سمجھنا لازمی ہے اور آپ نے فرمایا ہے کہ اے منافقین اگر تم ہمارے سامنے بیمار بنکر آؤ گے تو تم واقع میں بیمار ہو جاؤ گے اور اگر کہتی ہون تو وہ خیال کریگا کہ عورت کوئی حرکت کرنا چاہتی ہے اسلئے مجھے ٹالتی ہے اور تنہائی چاہتی ہے یہ اسکی ایک چال ہے کہ مجھے تو صحت کا یقین دلاکر گھر سے نکالتی ہے اور خود حرامکاری کریگی ان تمام باتوں پر نظر کر کے اُس نے بدنامی پر بیماری کو ترجیح دی اور بستر بچھا دیا۔ استاد صاحب لیٹ گئے اور ہاے ہاے کرنے لگے لڑکے بھی

بیٹھ گئے اور آہستہ آہستہ پڑھنے لگے انکو اسکا رنج تھا کہ ہم نے یہ سب کچھ کیا پھر بھی ہم قید میں گرفتار ہیں ہماری عمارت بُری تھی اور ہم بُری عمارت بنانے والے تھے۔ اچھا اب کوئی اور تدبیر کرنی چاہیئے کہ اس مصیبت سے چھوٹکر خوشی حاصل کریں۔

شرح شبیری

اُستاد معلم کا وہم وخیال کی وجہ سے بیمار ہو جانا

گشت اُستا سخت سست از وہم وبیم　　برجہید و مے کشاید او گلیم

یعنی استاد وہم وخوف کی وجہ سے بہت سُست ہو گیا تو اٹھا اس حالت میں کہ کمبل کھینچتا تھا۔

خشمگین با زن کہ مہر او ست سست　　من بدین حالم نہ پرسید او نخست

یعنی بیوی پر غصہ میں تھا کہ اُسکی محبت سُست ہے کہ میں اس حال میں ہوں اور اُسنے پہلے نہ پوچھا۔

خود مرا آگہ نکرد از رنگ من　　قصد دارد تا رہد از ننگ من

یعنی اُسنے خود مجھے میری تغیر رنگ سے آگاہ نہیں کیا وہ تو یہ چاہتی ہے کہ میرے ساتھ سے چھوٹ جاوے

او بحسن و جلوہ خود مست گشت　　بیخبر کز بام من افتاد طشت

یعنی وہ اپنے حسن جلوہ میں مست ہے اور وہ اس سے بیخبر ہے کہ میری بیماری مشہور ہو گئی ہے۔

آمد و در را بہ تندی برکشاد　　کودکان اندر پئے آن اوستاد

یعنی آیا اور دروازہ سختی سے کھولا اور لونڈے اُس اُستاد کے پیچھے پیچھے۔

گفت زن خیرست چون زود آمدی	کہ مبادا ذات نیکت را بدے

یعنی عورت بولی کہ خیر ہے جلدی کیسے آگئے کہ آپکی ذات نیک کو کوئی بُرائی نہ ہو۔

گفت کوری رنگ و حال من ببین	از غم بیگانگان اندر حنین

یعنی وہ معلم بولا کہ اندھی ہے میرا رنگ اور میری حالت دیکھ کہ میری تکلیف سے بیگانے رنج میں ہیں

تو درون خانہ از بغض و نفاق	می نہ بینی حال من در احتراق

یعنی تو گھر کے اندر بغض و نفاق کی وجہ سے میرا حال جلنے میں دیکھتی نہیں ہے یعنی میں بخار کے مارے جل رہا ہوں اور کمبخت تجھے گھر کے اندر رہکر خاک خبر نہیں۔

گفت زن اے خواجہ رنجی نیستت	وہم و ظن و لاش بے معنیستت

یعنی عورت نے کہا کہ اے خواجہ آپکو کوئی تکلیف نہیں ہے وہم وظن لاشے اور بے معنی تم کو ہوگیا ہے

گفت اے غر تو ہنوزی در لجاج	می نہ بینی در تغیر و ارتجاج

یعنی بولا کہ اری مکار تو ابھی لڑائی میں ہے تو میرا تغیر اور کانپنا نہیں دیکھتی۔

گر تو کور و کر شدی مارا چہ جرم	ما درین رنجیم و در اندوہ و کرم

یعنی بولا کہ اگر تو کور و کر ہوجاوے تو ہماری کیا خطا ہم تو اس تکلیف اور غم اور مصیبت میں ہیں۔ یعنی وہ بیوی سے بولا کہ میں تو اس حال میں ہوں اور تو اچھا بتا رہی ہے تو میری کیا خطا ہے۔

گفت اے خواجہ بیارم آئینہ	تا بدانی کہ ندارم من گنہ

یعنی بیوی نے کہا کہ میاں میں آئینہ لے آؤں تاکہ آپ کو معلوم ہو کہ میری خطا نہیں ہے۔

گفت رو رو چہ تو چہ آئینہ ات　　دائما در بغض و کینے و عنت

یعنی وہ بولا کہ جا جا کیا تو اور کیا تیرا آئینہ تو ہمیشہ بغض اور کینہ اور سرکشی میں رہتی ہے

جامۂ خواب مرا رو گستران　　تا بخسپم کہ سر من شد گران

یعنی میرا بستر جلدی بچھا دے تاکہ میں سو رہوں کہ میرا سر بھاری ہو گیا ہے۔

زن توقف کرد مردش بانگ زد　　کاے عدو تر ترا این مے سزد

یعنی عورت نے (بچھونا کرنے میں) توقف کیا (تاکہ وہم زائل ہو جاوے) تو اُس مرد نے اُس کو آواز دی کہ اری دشمن تجھے یہی لائق ہے (کہ ہم مر رہے ہیں اور تو بیٹھی ہوئی ہے)

اُستاد کا بستر میں لیٹ جانا اور وہم و تکلیف کیوجہ سے رُونا

جامہ خواب آورد و گسترد آن عجوز　　گفت امکان نے و باطن پر ز سوز

یعنی وہ بُڑھیا بستر لائی اور بچھا دیا بولنے کی تو طاقت نہیں اور اندر سے جل رہی تھی (اور دل ہی دل میں یوں کہہ رہی تھی کہ)

گر بگویم متہم دارد مرا　　ورنہ گویم جد شود این ماجرا

یعنی اگر کہتی ہوں تو یہ مجھے متہم کریگا اور اگر نہیں کہتی ہوں تو یہ بات سچ ہوئی جاتی ہے۔ یعنی سچ مچ بیمار ہو جاوے گا۔ مولانا فرماتے ہیں۔

فال بد رنجور گرداند ہمے　　آدمی را کہ نبودستش غمے

یعنی فال بد اُس آدمی کو بھی بیمار بنا دیتی ہے جسکو کہ کوئی تکلیف نہ ہو۔

قول پیغمبر قبولہ یفرض　　ان تمارضتم لدنیا تمرضوا

یعنی قول پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم ہے تو اُسکا قبول کرنا فرض ہے (اور وہ یہ ہے کہ) اگر تم دُنیا کیلئے مریض ہوگئے تو سچ مچ مریض ہوجاؤ گے حدیث میں منافقین کیلئے ہے اگر تم بہانہ کرکے مریض ہوگے تو سچ مچ مریض ہو جاؤ گے اُسکو مولانا نے یہاں چسپاں فرمادیا ہے آگے پھر اُس عورت کے دل کی باتونکو بیان فرماتے ہیں کہ وہ اپنے دل میں کہہ رہی تھی کہ۔

گر بگویم او خیالے بر زند　　فعل دار د زن کہ خلوت میکند

یعنی اگر میں کہتی ہوں تو وہ یہ خیال کریگا کہ عورت کوئی فعل کرنا چاہتی ہے کہ جو خلوت کرتی ہے مطلب یہ کہ اسنے کہا کہ اگر مین کہتی ہوں کہ تم تو اچھے خاصے ہو جاکر پڑ ہاؤ تو وہ سمجھے گا کہ کوئی یار ہے اسکو بلانے کے لئے خلوت کرنا چاہتی ہے۔

مر مرا از خانہ بیرون میکند　　بہر فسقے فعل وافسون میکند

یعنی (سمجھیگا) کہ مجھے گھر سے باہر کرتی ہے اور کسی کام کے لئے یہ کام اور چالاکی کرتی ہے۔ خیر دل میں یہ سب سوچا مگر بستر بچھا دیا۔

جامہ خواب افگند و استا اوفتاد　　آہ آہ و نالہ از وے می بزاد

یعنی اسنے بستر بچھا دیا تو استاد جی گر پڑے اور آہ آہ اور نالہ و بکا اس سے پیدا ہوا۔

کودکان آنجا نشستند و نہان　　درس میخواندند با صد اندہان

یعنی لڑکے وہاں بیٹھے ہوتے اور چپکے چپکے سبق سو غمونکے ساتھ پڑھ رہے تھے۔

کایں ہمہ کردیم و ہم زندانئیم　　بد بنائے بود و ما بد بانئیم

یعنی کہ ہم نے یہ سب کچھ کیا اور رہم قید ہی ہیں یہ سب بڑی بناتی اور ہم بُرے بانی ہیں مطلب یہ کہ چونکہ استاد نے کہا کہ گھر پر بیٹھ کر پڑھو اور میں لیٹتا ہوں تو وہ اس غم میں تھے کہ افسوس کہ اسکو بیمار بھی تدبیر سے ڈالا مگر پھر بھی کچھ نہ ہوا ہم قیدی کے قیدی ہی رہے اسکے بعد بولے کہ۔

ہین دگر اندیشۂ باید نمود — تا ازین محنت فرج یابیم زود

یعنی ارے کوئی دوسری فکر کرنی چاہیئے تاکہ اس مصیبت سے ہم جلدی سے خوشی حاصل کریں۔ مطلب یہ کہ سب نے کہا کہ ایسی تدبیر سوچو کہ اس سے بھی چھوٹیں تو اسی لڑکے نے پھر تدبیر کی جسکو آگے بیان فرماتے ہیں کہ۔

شرح حبیبی

گفت آن زیرک کہ ای قوم پسند — درس خوانید و کنید آواز بلند

چون ہمی خواند گفت ای کودکان — بانگ ما استاد را دارد زیان

درد سر افزاید استا را ز بانگ — ارزد این کو در دیا بد بہر دانگ

گفت استا راست میگوید روید — درد سر افزون شدم بیرون شوید

سجدہ کردند و بگفتند اے کریم — دور بادا از تو رنجوری و بیم

پس برون جستند سوئے خانہا — ہمچو مرغان در ہوائے دانہا

مادران شان خشمگین گشتند و گفت — روز کتاب و شما با لہو جفت

وقت تحصیل ست اکنون و شما — مے گریزید از کتاب و اُستا

عذر آوردند کاے مادر تو بیست — این گنہ از ما و از تقصیر نیست

از قضائے آسمان استاد ما — گشت رنجور و سقیم و مبتلا

مادران گفتند مکرست و دروغ — صد دروغ آرید بہر طمع دوغ

ما صباح آئیم پیش استا — تا بہ بینیم اصل این مکر شما

کودکان گفتند بسم اللہ روید — بر دروغ و صدق ما واقف شوید

بامدادان آمدند آن مادران — بپرسش استا ز ہر گوشہ روان

خفتہ استا ہمچو بیمار گران — درد سر را سر بہ بستہ چون نان

ہم عرق کردہ ز بسیاری لحاف — سر بہ بستہ رو کشیدہ در سجاف

آہ آہے میکند آہستہ او — جملگان گشتند ہم لاحول گو

خیر باشد اوستا این درد سر | جان تو ما را نبوده زین خبر

گفت هم بے خبر بودم ازین | آگہم این کودکان کردند ہین

من بدم غافل بشغل قال و قیل | بود در باطن چنین رنجے ثقیل

چون بجد مشغول باشد آدمے | او ز دید رنج خود باشد عمے

از زنان مصر یوسف شد سمر | که ز مشغولے بشد زیشان خبر

پاره پاره کرد ساعد ہائے خویش | روح واله که نه پس دید و نه پیش

اے بسا مرد شجاع اندر حراب | که ببرد دست یا پایش ضراب

او ہمان دست آورد در گیر و دار | بر گمان آنکه ہست او بر قرار

خود نه بیند دست رفته در ضرر | خون ازو بسیار رفته بیخبر

یہ سوچکر اُس زیرک لڑکے نے کہا کہ لڑکو خوب زور زور سے پڑہو جب وہ زور زور سے پڑہنے لگے تو کہا اتنے زور سے کیون پڑہتے ہو ہمارے چلانے سے اُستاد کو نقصان پہنچتا ہے آواز سے اُنکے سر مین درد بڑہتا ہے کیا یہ مناسب ہے کہ ایک دانگ کیلئے وہ تکلیف اُٹھائین اُستاد نے کہا ہان یہ ٹھیک کہتا ہے جاؤ میرے سر کا درد بڑہ گیا جاؤ ابھی چلے جاؤ سب آداب بجا لائے اور کہا

خدا کرے آپ جلد تندرست ہو جائیں آپکو بھی تکلیف ہے اور ہماری پڑھائی کا بھی نقصان ہے یہ کہکر سب نکلکر اپنے اپنے گھر یوں بھاگے جیسے جانور دانہ کی خاطر پنجرہ سے نکلتے ہوں۔ اُنکی ماؤں نے جب یہ دیکھا کہ مکتب کا وقت ہے اور لڑکے کھیل رہے ہیں تو اُنھوں نے لڑکوں سے کہا کہ مکتب کا دن ہے اور تم کھیل رہے ہو پڑھنے کیوں نہیں گئے یہی وقت علم حاصل کرنے کا ہے اور تمہاری حالت یہ ہے کہ کتاب اور اُستاد سے بھاگتے ہو اُنھوں نے معذرت کی اور کہا اور اماں آپ ذرا ٹھیرین تو سہی یہ ہمارا قصور اور ہماری کوتاہی نہیں ہے بلکہ حکم خدا سے اُستاد صاحب بیمار ہو گئے ہیں ماؤں نے کہا تم جھوٹ کہتے ہو تمہاری عادت ہے کہ معمولی نفع کیلئے سیکڑوں جھوٹ تراشتے ہو ہم صبح کو خود اُستاد کے پاس جائینگے تاکہ تمہاری اس فریب کی حقیقت ظاہر ہو جاوے لڑکوں نے کہا بسم اللہ آپ تشریف لیجائیں اور ہمارا جھوٹ سچ معلوم کرلیں۔ صبح کو لڑکوں کی مائیں آئیں۔ اُنھوں نے دیکھا کہ استاد یوں پڑے ہوئے ہیں جیسے کوئی نہایت سخت بیمار پڑا ہوا ہو بہت سے لحافوں کے سبب پسینہ پسینہ ہیں سر پر پٹی بندھی ہوئی ہے مُنہ کو کپڑے میں لپیٹے ہوئے ہیں۔ اشتداد مرض کے خوف سے آہستہ آہستہ آہ آہ کر رہے ہیں۔ یہ دیکھکر سب نے کہا لاحول ولا قوۃ۔ اُستاد خیر تو ہے آپ کو تو یہ تکلیف ہے اور ہم کو خبر بھی نہیں۔ اُس نے کہا کہ تم کو خبر نہ ہونا کچھ تعجب کی بات نہیں مجھے بھی خبر نہ تھی ان لڑکوں ہی نے مجھے بھی خبر کی ہے میں تو پڑھنے پڑھانے میں مصروف تھا اور اندر یہ سخت مرض بھرا ہوا تھا جب آدمی کسی کام میں منہمک ہوتا ہے تو اُسکو اپنی تکلیف کی خبر نہیں ہوتی۔ دیکھو زنان مصر اور یوسف علیہ السلام کا قصہ مشہور ہے کہ وہ سب دیدار یوسف میں مشغول تھیں اور اسی مشغولی میں اُنکو کسی چیز کی خبر نہ رہی تھی۔ حتےٰ کہ انھوں نے ترنج تراشتے ہوتے اپنے ہاتھ کاٹ لئے اور روح اسقدر لذت دیدار میں مشغول تھی کہ آگے پیچھے کی کچھ خبر نہ تھی۔ بہت سے آدمی لڑائی میں ایسے ہوتے ہیں کہ اُنکے ہاتھ شمشیر زنی میں زخمی ہو جاتے ہیں اور وہ اسے ہاتھ کو کام میں لاتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ہمارا ہاتھ اسیطرح صحیح سالم ہے۔ انہیں یہ خبر بھی نہیں ہوتی کہ ہاتھ بیکار ہو گیا اور اسی بیخبری کی حالت میں بہت سا خون بہ جاتا ہے یہ قصہ تو ختم ہوا اور وہم کی قوت معلوم ہو گئی اب ہم اسکے مناسب بعض فوائد بیان کرتے ہیں۔

شرح شبیری

لڑکون کا اُستاد کو دوسری مرتبہ وہم میں ڈالنا کہ اسکو قرآن پڑہنے سے دردسر ہوتا ہے

گفت آن کودک کہ ای قوم پسند　　درس خوانید وکنید آوا بلند

یعنی (اول تو) اسی لڑکے نے (چپکے سے) کہ اے قوم پسندیدہ سبق پڑہو اور آواز کو بلند کرو۔

چون ہمی خواندند گفت ای کودکان　　بانگ ما اُستاد را دارد زیان

یعنی جب سبنے (زور سے) پڑہا تو بولا کہ ارے لڑکو ہماری آواز اُستاد کو نقصان دیتی ہے۔

دردسر افزاید استا را ز بانگ　　ارزد این کو در دیا بد بہر دانگ

یعنی آواز سے اُستاد کا دردسر بڑہتا ہے تو کیا یہی لائق ہے کہ وہ چند پیسوں کے لئے دردپاوے یعنی اسکو جو معراتی وغیرہ ملجاتی ہے بس اُسکے واسطے وہ دردسر مول لے۔ لہذا آہستہ پڑہو۔

گفت اُستا راست میگوید روید　　دردسر افزون شدم بیرون شوید

یعنی استاد نے کہا کہ یہ سچ کہتا ہے تم لوگ جاؤ۔ میرا دردسر بڑہتا ہے جاؤ باہر جاؤ۔ یعنی اس کہنے سے اسکو وہم ہوگیا کہ ہاں دردسر بڑہتا تو ہے لہذا سب کو چھٹی دیدی۔

سجدہ کردند و بگفتند ای کریم　　دور بادا از تو رنجوری و بیم

یعنی سب نے اُس لڑکے کو سجدہ کیا اور کہا کہ اے کریم تو ہمیشہ رنجوری اور بیم سے خدا کرے دور ہے سجدہ کرنے سے مراد. سب نے اسکا شکریہ ادا کیا اور اُسکو دعا دی۔

پس برون جستند سوئے خانہا | ہمچو مرغان در ہوائے دانہ ہا

یعنی بس وہ اپنے گہرون کی طرف چلد یئے جیسے کہ پرند دانہ کی خواہش میں۔ یعنی جسطرح کہ جانور تلاش دانہ میں ہوتا ہے اسیطرح وہ سارے وہان سے گہرون کو روانہ ہوگئے۔

لڑکونکا مکتب سے اس مکر سے چھوٹنا اور اُنکی ماؤنکا اُنسے سوال کرنا

مادران شان خشمگین گشتند وگفت | روز کتاب و شما بالہو جفت

یعنی انکی مائیں غصہ ہوئیں اور بولیں کہ دن تو مکتب کا ہے اور تم کہیل رہے ہو۔

وقت تحصیل است اکنون و شما | می گریزید از کتاب و اوستا

یعنی یہ وقت تحصیل (علم) کا ہے اور تم کتاب اور اُستاد سے بھاگتے ہو۔

عذر آوردند کائے مادر تو بیست | این گنہ از ما و از تقصیر نیست

یعنی سب نے عذر کیا اور کہا کہ امان تم ٹھیرو تو یہ ہماری خطا نہیں ہے اور ہمارے قصور سے نہیں ہے (بلکہ)

از قضائے آسمان اُستاد ما | گشت رنجور و سقیم و مبتلا

یعنی قضائے آسمانی کی وجہ سے ہمارا اُستاد بیمار اور سقیم اور مبتلاء (مصیبت) ہو گیا ہے۔

مادران گفتند مکر ست و دروغ | صد دروغ آرید بہر طمع دوغ

یعنی ماؤن نے کہا کہ مکر ہے اور جھوٹ ہے تم سو جھوٹ دوغ کی طمع میں لاتے۔ دوغ سے مراد چھٹی

یعنی تم اسکے لئے جتنے مکر چاہے کرو۔

ماصباح آئیم پیش اوستا تا بہ بینیم اصل این مکر شما

یعنی ہم صبح کو اُستاد کے آگے آوینگے تاکہ تمہارے اس مکر کی اصل دیکھیں۔

کودکان گفتند بسم اللہ روید بر دروغ و صدق ما واقف شوید

یعنی لڑکے بولے کہ بسم اللہ جاؤ اور ہمارے سچ جھوٹ پر واقف ہو جاؤ۔ یعنی جاکر معلوم کرلو کہ آیا ہم سچے ہیں یا جھوٹے ہیں۔

ماؤں کا علی الصباح اُستاد کی عیادت کو جانا

بامداوان آمدند آن مادران پرسش استاز ہر گوشہ روان

یعنی صبح کو وہ مائیں استاد کے پوچھنے کیلئے ہر گوشہ سے روانہ ہوکر آئیں۔

خفتہ اُستا ہمچو بیمار گران در دسر را سر بہ بستہ چون زنان

یعنی اُستاد سخت بیمار کی طرح پڑا ہوا تھا اور درد سر کیلئے سر کو عورتوں کی طرح باندھے ہوئے تھا۔

ہم عرق کردہ ز بسیاری لحاف سر بہ بستہ رو کشیدہ در سجاف

یعنی لحافوں کی زیادتی سے پسینہ لائے ہوئے اور سر باندھے ہوئے اور پردوں میں منہ لپیٹے ہوئے۔

آہ آہے می کند آہستہ او جملگان گشتند ہم لاحول گو

یعنی وہ آہ آہ آہستہ آہستہ کر رہا ہے تو سب کی سب لاحول پڑھنے لگیں یعنی جب سب نے علامتوں سے دیکھا کہ اچھا خاصہ ہے اور عورتوں کی طرح کراہ رہا ہے تو سب نے لاحول پڑھی مگر جب آ ہی گئیں۔

تھیں اب بے پوچھے جانا مناسب نہ تھا لہذا بولیں کہ۔

خیر باشد استاد این درد سر　　جان تو مارا نبوده زین خبر

یعنی اے استاد خیر تو ہے یہ درد سر کب سے ہی آپکی جان کی قسم ہم کو تو خبر بھی نہ تھی۔

گفت من ہم بے خبر بودم ازین　　آگہم این کود کان کردند ہین

یعنی استاد صاحب بولے کہ اس سے میں بھی بے خبر تھا۔ ارے مجھے تو ان بچوں نے آگاہ کیا۔

من بدم غافل بشغل قال و قیل　　بود در باطن چنین رنجے ثقیل

یعنی میں تو بول چال کے شغل میں غافل تھا اور باطن میں یہ سخت مرض موجود تھا مولانا فرماتے ہیں کہ

چون بجد مشغول باشد آدمے　　او ز دید رنج خود باشد عمے

یعنی جب آدمی کسی کوشش میں مشغول ہوتا ہے تو وہ اپنی تکلیف کے دیکھنے سے اندھا ہوتا ہی مطلب یہ کہ یہ قاعدہ ہے کہ جب انسان کسی ضروری کام میں لگا ہوا ہوتا ہے تو اسکو تکلیف کی خبر نہیں ہوتی اب خواہ اس استاد کو ایسا نہ ہوا ہو مگر ایسا ہوا کرتا ہے آگے اسکی ایک نظیر پیش فرماتے ہیں کہ۔

از زنان مصر یوسف شد سمر　　کہ ز مشغولے بشد زایشان خبر

یعنی زنان اور یوسف سے قصہ ہو گیا ہے کہ مشغولی کی وجہ سے ان سے خبرداری جاتی رہی۔

پارہ پارہ کردہ ساعدہائے خویش　　روح والہ کہ نہ پس بیند نہ پیش

یعنی روح عاشق نے پہونچے ٹکڑے ٹکڑے کر لئے کہ نہ آگے دیکھا اور نہ پیچھے۔ یعنی دیکھو چونکہ وہ دوسری طرف مشغول ہو گئیں لہذا انکو کچھ بھی خبر نہ ہوئی۔ آگے اسکی ایک دوسری مثال فرماتے ہیں کہ۔

اے بسا مردِ شجاع اندر حراب　　　که بُبرّد دست و پایش را ضراب

یعنی بہت سے مرد شجاع لڑائیون میں ہوتے ہیں کہ شمشیر زنی انکے دست و پاؤن کاٹ ڈالتی ہے۔

او ہمان دست آورد در گیر و دار　　　بر گمان آنکه ہست او برقرار

یعنی وہ اسی ہاتھ کو دار و گیر میں رکھتا ہے اس گمان پر کہ وہ برقرار ہے۔ یعنی وہ اسی مقطوع ہاتھ سے کام لیتا رہتا ہے اور اسکو اُسکے کٹجانے کی خبر بھی نہیں ہوتی بلکہ وہ اسکو برقرار سمجھتا ہے حالانکہ وہ مقطوع ہوتا ہے۔

خود نہ بیند دست رفتہ در ضرر　　　خون ازو بسیار رفتہ بے خبر

یعنی وہ خود نہیں دیکھتا ہے اور ہاتھ گیا ہوا ہے ضرر میں۔ اور اُس سے بہت خون گیا ہے اور وہ بے خبر ہے اور یہ بات عجب نہیں ہے بلکہ اکثر ایسا مشاہدہ ہوا ہے کہ لڑائیون میں سر کٹ گیا ہے اور تلوار ہاتھ میں موجود ہے اور اسکو چلا رہے ہیں اور تھوڑی دیر بعد گر جاتے ہیں اصل سبب تو حکم حق ہے مگر سبب ظاہری یہ ہے کہ قاعدہ ہے مقتول کی رُوح ایک دم سے نہیں نکلتی بلکہ رفتہ رفتہ نکلتی ہے اسلئے کہ دیکھو مقتول بہت دیر تک تڑپتا ہے تو معلوم ہوا کہ رُوح فوراً نہیں نکلتی۔ جب یہ معلوم ہوا تو ایک شخص جو لڑائی میں تلوار چلا رہا ہے اور اسکے ہاتھ کو ایک کام کرنیکی مشق ہو گئی ہے اُسکا گلا کٹ گیا مگر اُسکو جوش میں اس امر کی خبر نہ ہوئی کہ میرا گلا کٹا ہے اور رُوح نکلی رفتہ رفتہ تو جسوقت تک اُسکے بدن میں روح رہی اسوقت تک اسکا ہاتھ موافق اس مشق کے جو اُسے دیرسے ہوئی ہے جب رُوح نکل گئی تو وہ لاش گر جاتی ہے مولانا اس سے ایک اور بات نکالتے ہیں جسکو آگے بیان فرماتے ہیں کہ۔

شرح حبیبی

تا بدانے کہ تن آمد چون لبیس	رو بجو لا بس لباسے را ملیس

روح را توحید الله خوشتر ست — غیر ظاہر دست و پائے دیگرست

دست و پا در خواب بینی ایتلاف — آن حقیقت دان مدانش از گزاف

آن توئے کہ بے بدن داری بدن — پس مترس از جسم جان بیرون شدن

روح دار و بے بدن بس کار و بار — مرغ باشد در قفس بس بے قرار

باش تا مرغ از قفس آید برون — تا بہ بینی ہفت چرخ او را زبون

یک حکایت گو مت گر بشنوی — در حقیقت بر حقیقت بگروی

قصہ یوسف و زنان مصر اور حالت جنگ سے تم کو یہ سمجھنا چاہیئے کہ تن کوئی چیز نہیں بلکہ وہ روح کیلئے مثل لباس کے ہے اور اصل روح ہے پس تم کو کوشش کے ساتھ روح کو تلاش کرنا چاہیئے یعنی اسکی اصلاح کی فکر کرنی چاہیئے اور فکر تن بالکل چھوڑ دینا چاہیئے الا جبکہ اصلاح روح کیلئے اصلاح تن کی ضرورت ہو اسوقت اصلاح تن میں مصروف ہونا مضائقہ نہیں رکھتا۔ کیونکہ وہ فی الحقیقت اشتغال باصلاح روح ہے نہ کہ باصلاح تن۔ اصلاح تن کی فکر سے ممانعت اسلئے ہے کہ روح کیلئے تن کی چندان ضرورت نہیں۔ اسکے لئے تو توحید حق سبحانہ بہت اچھی چیز ہے۔ پس تم توحید کو اسپر غالب کرو اگر ایسا کرنے میں یہ ظاہری ہاتھ پاؤن جائیں بلا سے جائیں کیونکہ اسکے لئے ایک تن مثالی اس جسم ظاہر کے علاوہ ہے کہ ضرورت کے وقت اسکو وہی کام دے سکتا ہے جو یہ جسم دیتا ہے اگر تن مثالی تمہاری سمجھ میں آیا ہو اور ان ہاتھ پاؤن کے علاوہ اور ہاتھ پاؤن میں کچھ شک ہو تو یوں سمجھو کہ تم خواب میں ہاتھ پاؤں جڑے ہوئے دیکھتے ہو وہ ہاتھ پاؤن واقعی ہوتے ہیں محض تخیل نہیں ہوتا۔

پس معلوم ہوا کہ اگر تمھارے لئے یہ بدن نہ بھی ہو تب بھی ایک بدن تمھارے لئے ہے لہذا اگر اس جسم سے جان نکل جاوے تو ہرگز نہ ڈرنا چاہیئے یاد رکھو کہ روح کا یہی کام نہیں کہ وہ تدبیر بدن میں مصروف رہے بلکہ اس کے علاوہ اوسکو اور بھی کام ہیں جنکہ وہ اس میں مشغولی کے سبب نہیں کرسکتی۔ پس تم خیال کرو کہ وہ ان کے لیے کسقدر بیقرار ہوگی۔ دیکھو جانور پنجرہ کے اندر کسقدر بیقرار ہوتا ہے تم اسکو سمجھو اور اسکو اس قید سے رہا کرو۔ تم اسکو لغو نہ سمجھنا۔ ذرا اس پنجرہ سے اسکو نکلنے تو دو پھر دیکھنا کہ وہ اسکی طرف رُخ بھی نکرے گی اور اسقدر بلند پروازی کرے گی کہ رفعت ہفت آسمان اس کے آگے ہیچ ہوگی۔ اگر فی الحقیقت تمکو حقیقت کیطرف میلان ہے اور تم سننا چاہتے ہو تو میں تمسے ایک حکایت بیان کرتا ہوں جس سے تمکو معلوم ہو جاوے گا کہ یہ جسم کوئی چیز نہیں اور روح کے لئے علاوہ ان ہاتھ پاؤں کے اور ہاتھ پاؤں بھی ہیں۔

شرح شبیری

بیان میں اسکے کہ تن روح کے لئے مثل ایک لباس کے ہے اور یہ ظاہری ہاتھ روح کے ہاتھ کی آستین ہے اور یہہ ظاہری پاؤں روح کے پاؤں کا موزہ ہے۔

تا بدانی کہ تن آمد چون لبیس ۞ رو بجو لابس لباسے را ملیس

(یعنی تاکہ تم جان لو کہ تن ایک لباس ہے تو جاؤ لابس کو تلاش کرو لباس کو مت چاٹو

مطلب یہ کہ یہ امور جو اکثر پیش آتے ہیں اس لئے ہیں کہ بدن روح کا لباس ہے اور اصل فاعل بدن میں روح ہے تو اگرچہ جسم میں نقصان آجاتا ہے مگر چونکہ روح سالم رہتی ہے اس لئے وہ اپنا کام کرتی رہتی ہے تو اب تمکو چاہیئے کہ روح کے مقتضیات پر عمل کرو اور اقتضائے جسمانی کو ترک کرو۔

روح را توحید اللہ خوشتر است　　غیر ظاہر دست و پائے دیگر است

یعنی روح کے لئے توحید حق بہتر ہے اور غیر ظاہر کے دست و پا دوسرے ہیں مطلب یہ کہ روح کا مقتضا تو توحید ہے اور قرب حق ہے اوسکو طلب کرو اور اوس کے ہاتھ پاؤں بہی دوسرے ہیں۔ جن سے کہ قرب حق حاصل ہوتا ہے آگے ان دست و پائے روحانی کے سوا ان دست و پا ظاہری کے ہونے کی ایک نظیر لاتے ہیں۔ کہ

دست و پا در خواب بینی ایتلاف　　آن حقیقت دان مدانش از گزاف

یعنی خواب میں دست و پا اور ملاپ دیکھتے ہو تو اسکو حقیقت جانو اوسکو گزاف مت سمجھو۔ مطلب یہ کہ خواب میں تم اپنی صورت کو خود دیکھتے ہو کہ کہیں جا رہے ہیں تو اوسمیں تم ہاتھ پاؤں بہی دوسرے دیکھتے ہو تو مولانا فرماتے ہیں کہ وہ کوئی اور شے نہیں ہے بلکہ تمہارے ہی ہاتھ پاؤں ہیں۔

آن توئی کہ بے بدن داری بدن　　پس مترس از جسم جان بیرون شدن

یعنی وہ تو ہی ہے کہ بے بدن ظاہری کے بدن رکھتا ہے پس تم جسم سے جان کے باہر ہو جانے سے ڈرو مت اسلئے کہ

روح دارد بے بدن بس کاروبار　　مرغ باشد در قفس بس بے قرار

یعنی روح بے بدن کے بہی بہت سے کام کرتی ہے اور مرغ تو قفس میں بے قرار ہوتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ روح کے دست و پا ایسے ہیں کہ جنکو ان دست پا ظاہری کی حاجت نہیں ہوتی بلکہ

وہ بے اِن کے ہی بہت سے کام کرتے ہیں اور اسکی مثال جسم کے اندر ایسی ہے کہ جیسے کہ کوئی جانور قفس میں قید ہو تو وہ ہر گھڑی یہ چاہتا ہے کہ اِس میں سے نکل جاؤں تو جب تمہاری روح اِس جسم سے الگ ہو کر بہت سے کام کر سکتی ہے تو پھر تم اِس کے جسم سے نکل جانے سے گھبراتے کیوں ہو اور خائف کیوں ہوتے ہو اگر نکل ہی گئی تو کیا ہے بلکہ جو کام یہ یہاں کرتی ہے اِس کے بعد جب یہ نکل جاوے گی تو اپنا اصل مقصود اچھی طرح حاصل کرے گی اسی کو فرماتے ہیں کہ

باش تا مرغ از قفس آید برون ۔۔۔ تا بہ بینی ہفت چرخ اوراز بون

یعنی ذرا ٹھیرے رہو تاکہ یہ مرغ قفس سے باہر آجاوے تو اوسوقت تم ہفت چرخ کو اوسکے آگے حقیر سمجھو گے اسلئے کہ روح تو مجرد ہے اور افلاک سب مادی ہیں تو اگرچہ علویات میں سے ہیں مگر پھر بھی روح سے تو بڑھ نہیں سکتے۔ تو جب یہ اس عالمِ ناسوت سے چھوٹ جاوے گی تو یقیناً آسمانوں وغیرہ سب سے بڑھ جاوے گی۔ اب یہاں یہ بات سمجھ لینا چاہیئے کہ بزرگوں نے لکھا ہے کہ انسان کی روح دوسری صورت میں متمثل ہو سکتی ہے۔ اور جسوقت کہ وہ کسی جسم ناسوتی میں متمثل ہوتی ہے اوس وقت اوس کے افعال و خواص سب ویسے ہی ہوتے ہیں تو بعض مرتبہ تو خود جسکی روح ہے اوسی کی صورت میں متمثل ہوتی ہے اور بعض مرتبہ اور صورتوں میں بھی متمثل ہوتی ہے اور اِس جسم کو روح کا جسم مثالی بولتے ہیں اِس جسم پر احکام وغیرہ متوجہ نہیں ہوتے بلکہ احکام کا مکلف تو یہ جسم ناسوتی ہی ہے جسم مثالی صرف دوسری صورت اوس روح کی ہوتی ہے اور اسکے قصے سینکڑوں موجود ہیں کہ ایک شخص کئی کئی صورتوں میں ایک وقت میں موجود دیکھے بعض بزرگ ایک ہی وقت میں اپنے گھر رہے اور اوسی وقت اونکو مکہ میں حج کرتے ہوئے پایا گیا۔ لیکن اب یہ محقق کا کام ہے کہ جسم ناسوتی اور جسم مثالی کے احکام میں فرق کرے اِس لیے کہ جس کی روح متمثل ہوئی ہے اوسکو تو خبر ہے کہ وہ جسم مثالی ہے اور یہ جسم ناسوتی ہے لہذا اوسکو چاہیئے کہ احکام نماز وغیرہ تو جسم ناسوتی پر جاری کرے اور جسم مثالی کو اوسکی جگہ رکھے۔ حکایت کتابوں میں ہے کہ ایک محقق بزرگ ایک دوسرے بزرگ سے

ملنے گئے تو یہ زائر تو محقق تھے اور وہ مزور محقق نہ تھے بلکہ صاحب خوارق تھے اونکو باتیں کرتے دیر ہوگئی اور نماز کا وقت آگیا یہ زائر وضو وغیرہ کئے بیٹھے تھے حتے کہ نماز کھڑی ہوئی تو اون زائر صاحب نے مزور سے کہا کہ چلئے نماز پڑھیئے تو اون مزور نے کہا کہ سامنے دیکھئے دیکھا تو وہی بزرگ صف میں موجود ہیں مگر چونکہ یہ زائر محقق تھے سمجھے اور بولے کہ جناب وہ آپ کا جسم مثالی ہے اور آپ کا جسم ناسوتی یہ ہے اور نماز جسم ناسوتی پر فرض ہے جسم مثالی پر نہیں ہے لہذا آپ یہ کریں کہ اس جسم ناسوتی کو تو وہاں کھڑا کیجئے اور اوس مثالی کو یہاں بٹھاتے چونکہ معاند تو نہ تھے بلکہ غلطی میں تھے اِس لیے فوراً سمجھ گئے اور اونکو دعائیں دیں کہ میں تو ایک مدت سے اس غلطی میں مبتلا تھا خدا تمکو جزائے خیر دے کہ تمنے اِس غلطی سے مجھے نکالا۔ اور اوس کے بعد وضو کر کے نماز میں شریک ہوئے اور ایک بزرگ کا قصہ بندہ نے پہلے ہی لکھا ہے کہ اون کو ایک مرتبہ محتسب گرفتار کرنے گیا تو سامنے سے دیکھا کہ وہی صورتیں ستر آرہی ہیں اور انہوں نے کہا کہ میاں محتسب ان میں سے پہچان لو کہ تمہارا مجرم کون ہے تو یہ اونکی روح ہی تھی۔ جو کہ ستر شکلوں میں متمثل ہوگئی تھی۔ تو ایسے بہت سے قصے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ روح بھی دوسرے جسم میں متمثل ہو سکتی ہے اور اوس وقت وہ سارے کام ناسوتی جیسے ہی کرے گی تو دیکھو معلوم ہوا کہ روح کے لیے سوا ان ہاتھ پاؤں کے اور قوی بھی ہیں خوب سمجھ لو۔ آگے فرماتے ہیں۔

یک حکایت گوشمت گر بشنوی　　در حقیقت بر حقیقت بگروی

یعنی میں تم سے ایک حکایت کہوں اگر تم سنو تو حقیقت میں حقیقت پر پہونچ جاؤ گے۔ آگے ایک حکایت لاتے ہیں کہ ایک بزرگ کے دھوکہ سے چوروں کے ساتھ ہاتھ کٹ گیا تھا تو ایک مرتبہ اونکو خلوت میں ایک شخص نے دیکھا کہ وہ دونوں ہاتھوں سے زنبیل بُن رہے ہیں تو اوسکو تعجب ہوا تو بات یہ تھی کہ اون کا وہ ہاتھ تو کٹ گیا تھا مگر بوقت ضرورت حق تعالے اون کے لئے دوسرا ہاتھ روحانی متمثل فرما دیتے تھے کہ وہ مثل ناسوتی کے کام دیتا تھا۔ آگے حکایت سنو۔

شرح حبیبی

بود درویشے بکہسارے مقیم   خلوت او را بود ہمخواب وندیم

چون ز خالق میرسید او را شمول   بود از انفاس مرد و زن ملول

ہمچنانکہ سہل شد ما را حضر   سہل شد ہم قوم دیگر را سفر

آنچنانکہ عاشقی بر سروری   عاشق ست آن خواجہ بر آہنگری

ہر کسے را بہر کارے ساختند   میل آنرا در دلش انداختند

دست و پا بے میل جنبان کے شود   خار و خس بے آب و بادے کے رود

گر ببینی میل خود سوئے سما   پر دولت برگشا ہمچون ہما

ور ببینی میلِ خود سوئے زمین   نوحہ میکن ہیچ منشین از حنین

عاقلان خود نوحہا پیشین کنند   جاہلان آخر بسر بر میزنند

ز ابتدائے کارِ آخر را ببین   تا نباشی تو پشیمان یوم دین

آن یکے آمد بہ پیش زرگرے / کہ ترازو دہ کہ بر سنجم زرے

گفت رو خواجہ مرا غربال نیست / گفت میزان دہ برین تسخر مایست

گفت جاروبے ندارم در دکان / گفت بس بس این مضاحک را بمان

من ترازوئے کہ میخواہم بدہ / خویشتن را کر مکن ہر سو مجہ

گفت بشنیدم سخن کر نیستم / تا نپنداری کہ بے معنیستم

این شنیدم لیک پیری مرتعش / دست لرزان جسم تو نامنتعش

فہم کردم لیک پیری ناتوان / دستت از ضعف است لرزان ہر زمان

وان زر تو ہم قراضہ خورد و مرد / دست لرزد پس بریزد زر خرد

پس بگوئے خواجہ جاروبے بیار / تا بجویم زر خود را از غبار

چون بروبے خاک را جمع آوری / گوئیم غربال خواہم اے جری

تا بہ بیزم خاک و زر را جو ہم ازان / کے بود غربال ما را در دکان

من ز اول دیدم آخر را تمام / جائے دیگر رو ازینجا والسلام

هر که اول بین بود اعمی بود / هر که آخر بین چه با معنی بود

هر که اول بنگرد پایان کار / اندر آخر او نگردد شرمسار

حکم چون بر عاقبت اندیشی است / پادشاه بندهٔ درویشی است

عاقبت بینان بوند اهل رشاد / درنگر واللہ اعلم بالسداد

این سخن پایان ندارد راز گوی / قصهٔ آن مرد زاهد باز گوی

کن تمام اکنون حدیث شیخ فرد / کاندران کهسار بودش خواب و خورد

ایک فقیر پہاڑوں میں رہتے تھے۔ خلوت ہی اونکی بیوی تھی۔ اور وہی اونکی جلیس تھی۔ غرضکہ خلوت کے سوا کچھہ نہ تہا۔ چونکہ حق سبحانہٗ اُنکو اپنی آغوش رحمت میں لیے ہوئے تھے۔ اسلئے آدمیوں سے گھبراتے تھے۔ تمکو یہ امر بہت دشوار معلوم ہوگا۔ لیکن حالات مختلف ہیں اور ہرایک کے لیے ایک خاص حالت آسان ہے۔ مثلاً تم کو اگر وطن میں رہنا آسان ہے تو کچھہ لوگ ایسے بھی ہیں جن کا گھر رہنے سے جی گھبراتا ہے اون کے لیے سفر آسان ہے نیز جسطرح تم سرداری پر عاشق ہو دوسرا آہنگری پر عاشق ہے۔ غرضکہ ہرایک کو ایک خاص کام کے لئے بنایا گیا ہے اور اوس کے لئے ایسکو آسان کردیا گیا ہے۔ اور اُسکی رغبت اوس کے دلمیں ڈالدیگئی ہے اور رغبت ہی کا سارا کھیل ہے۔ چنانچہ بدون رغبت کے ہاتھہ پاؤں کو حرکت ہی نہیں ہوسکتی۔ اس لئے اونکی مثال ایسی ہے جیسے خس و خاشاک اور رغبت کی مثال ایسی ہے جیسے پانی یا ہوا۔ پس جس طرح خس و خاشاک کو بدون پانی یا ہوا کے حرکت نہیں ہوسکتی۔ یوں ہی ہاتھہ پاؤنکو بدون رغبت کے جنبش نہیں ہوتی۔ جب یہ معلوم ہوگیا تو اب سمجھو کہ رغبتیں مختلف ہیں۔

کبھی تقرب حق سبحانہ کی رغبت ہوتی ہے اور کبھی اشتغال بعالم ناسوت کی۔ اب اگر تم اپنے اندر تقرب حق کی رغبت پاؤ تو عین سعادت ہے۔ خوب دولت سعادت سے مالامال ہو۔ اور اگر ناسوت اور شہوات کی طرف میلان ہو تو خوب روؤ اور رونے سے دم نہ لو۔ اور حق سبحانہ سے بگریہ وزاری تبدیل رغبت کی دعا کرو۔ کیونکہ رونا تو ایسے شخص کے لیئے ضرور ہے۔ خواہ دنیا میں رولے یا آخرت میں روئے۔ عقلمندوں کا یہ کام ہے کہ پہلے ہی رو لیتے ہیں اور نادان لوگ آخر میں روئیں گے اور سر پیٹیں گے جبکہ تلافی کا وقت نہ رہے گا۔ پس ابتدا ہی میں انتہا پر نظر ڈال لیتا کہ آخرت میں پشیمانی نہ ہو اب ہم پیش بینی کا ایک قصہ سناتے ہیں ایک شخص ایک سنار کے پاس آیا اور یہ کہا کہ ذرا مجھے ترازو دیدے۔ میں سونا تو لونگا اوس نے کہا جناب میرے پاس چھلنی نہیں ہے اوس نے کہا ہل مذاق میں بات کو کیوں اڑاتے ہو ترازو دیدو اسپر اوس نے کہا کہ میری دوکان پر جھاڑو نہیں ہے اوس نے کہا بس کر اوران دل لگیوں کو رہنے دے میں ترازو مانگتا ہوں مجھے ترازو دیدے اور اپنے کو بہرہ نہ بنا اور ادہر ادہر مت اوچھل۔ اوس نے کہا کہ میں بہرا نہیں ہوں میں نے آپ کی بات سن لی آپ مجھے لغو آدمی نہ خیال کریں۔ میں نے آپ کی بات تو سن لی اور سمجھ بھی لی۔ لیکن آپ بڑھے آدمی ہیں بدن میں آپ کے رعشہ ہے۔ ہاتھ آپ کے کانپتے ہیں جسم میں کمزوری ہے سونا برادہ شدہ ہے آپ کا ہاتھ کانپے گا اور وہ برادہ گر پڑے گا۔ پھر آپ کہیں گے کہ جناب ذرا جھاڑو دیدیجئے کہ میں مٹی میں سے اپنا سونا نکال لوں اس کے بعد آپ جھاڑو دیں گے اور مٹی کو جمع کریں گے۔ پھر کہیں گے کہ مجھے چھلنی کی ضرورت ہے ذرا چھلنی بھی دیدیجئے اور میری دوکان میں چھلنی ہے نہیں۔ لہذا میں نے آغاز ہی سے انجام کو دیکھ لیا آپ کہیں اور تشریف لیجائیے والسلام۔

پس سمجھو کہ جو شخص صرف آغاز کو دیکھتا ہے وہ اندھا ہے اور جو آخر کو دیکھے۔ وہ نہایت خوبی کا آدمی ہے اور جو شخص ابتدا ہی میں انتہا کو دیکھے وہ انتہا میں شرمندہ نہ ہوگا۔ جبکہ ممدوحیت اور مذمومیت کا حکم عاقبت اندیشی پر مبنی ٹھیرا تو ثابت ہوا کہ بادشاہت درویشی کی لونڈی ہے کیونکہ بادشاہت میں آغاز بینی ہے اور درویشی میں انجام بینی۔

اس سے معلوم ہوا کہ جو لوگ انجام بیں ہیں اون کی روش ٹھیک ہے خوب سمجھ لو۔ اور فی الواقع حق سبحانہ ہی صحت سے خوب واقف ہیں ہم کو جو کچھ معلوم تھا وہ بیان کردیا خیر یہ گفتگو کبھی ختم ہی نہ ہوگی اب اصل راز بیان کرنا چاہیئے اور پھر زاہد کا قصہ بیان کرنا چاہیئے اور اوس یکتائے زمان شیخ کا واقعہ بیان کرنا چاہیئے جو کہسار ہی میں سوتا تھا اور وہیں کھاتا تھا۔

شرح شبیری

حکایت اوس درویش کی کہ اوسنے پہاڑ میں خلوت اختیار کی تھی اور خلوت اور انقطاع عن الخلق کی حلاوت اور ذکر اس منقبت میں داخل ہونے کا کہ انا جلیس من ذکرنی و انیس من استانس بی ۰

گر با ہمہ چو بے منی بے ہمہ
ور بے ہمہ چو با منی با ہمہ

بود درویشے بکہسارے مقیم　　　خلوت اوراً بود ہمخواب و ندیم

یعنی ایک درویش ایک پہاڑ میں مقیم تھا اور اوس کے لیئے خلوت ہی ہمخواب اور ندیم تھی ۰

چون ز خالق مے رسید اورا شمول بود از انفاس مرد و زن ملول

یعنی چونکہ خالق سے اوسکو شراب (محبت) ملتی تھی تو وہ مرد وزن کے انفاس سے ملول تہا مطلب یہ کہ چونکہ اوسکو حُب حق نصیب تہا لہٰذا وہ مخلوق کے اختلاط سے پریشان ہوتا تھا ۔ مولانا آگے حکایت سے دوسرے مضمون کیطرف انتقال فرماتے ہیں کہ ۔

ہمچنان کہ سہل شد ما را حضر سہل شد ہم قوم دیگر را سفر

یعنی جیساکہ ہمکو ایک جگہ رہنا سہل ہے اسیطرح دوسرے لوگوں کو سفر سہل ہے یہ ایک مثال ہے مقصود اس مثال سے یہ ہے کہ بعض چیزیں ایسی ہوتی ہیں کہ ایک کو سہل اور دوسرے کو مشکل ۔ تو اس فقیر کو تو خلوت سہل تہی مگر ہمکو مشکل ہوتی ہے آگے اور اسیکی مثال ہے کہ ۔

اینچنان کہ عاشقی بر سروری عاشق است آنخواجہ بر آہنگری

یعنی جیسے تم سرداری پر عاشق ہو اسی طرح ایک دوسرا آدمی آہنگری پر عاشق ہے ۔

ہر کسے را بہر کارے ساختند میل آنرا در دلش انداختند

یعنی ہر شخص کو کارکنان قضا و قدر نے ایک کام کے لیئے بنایا ہے اور اوس کے دلمیں اوسیکی رغبت ڈال دی ہے (بس سب لوگ اسیطرح کام میں لگے ہوئے ہیں ۔ اور اونکو وہی سہل ہے ۔ کوئی سنار ہے تو کوئی لوہار ۔ کوئی بڑھی ہے تو کوئی معمار ۔ علی ہذا) ۔

دست و پا بے میل جنبان کے شود خار و خس بے آب و بادے کے رود

(یعنی) ہاتہ پاؤں بے رغبت کے کب ہلتے ہیں اور خار و خس بے پانی اور ہوا کے کب چلتے ہیں مطلب یہ ہے کہ دیکھو جسقدر دنیا میں کام ہورہے ہیں ہاتہ پاؤں سے تو ہاتہ پاؤں تو جب ہی چلتے ہیں جب اِن کے لیے کوئی محرک ہو ۔ جیسے کہ خار و خس کے لیئے پانی یا ہوا محرک ہوا کرتی ہے تو

پس مستر کہ ان کے لیے وہی اقتضائے نفس ہے کہ نفس اوسکو کرنا چاہتا ہے تو دست وپا اوس کے تابع ہو کر اوس کام کو کرنے لگتے ہیں جب معلوم ہوا کہ جو کام ہوتا ہے وہ رغبت اور میلان سے ہوا کرتا ہے تو فرماتے ہیں کہ

گر بہ بینی میل خود سوئے سما　　　پر دولت بر کشا ہمچون ہما

یعنی اگر تم اپنا میلان آسمان کی طرف دیکھو تو پر دولت کو ہما کی طرح کھول دو۔ مطلب یہ کہ اگر دیکھو کہ تمھارا میلان طبعی عالم غیب کی طرف ہے تب تو خوب عروج کرو۔ اور کوشش کر کے ترقی حاصل کرو۔

ور بہ بینی میل خود سوئے زمین　　　نوحہ میکن ہیچ منشیں از حنین

یعنی اور اگر تم اپنا میلان زمین کی طرف دیکھو تو نوحہ کرتے رہو اور گریہ وزاری سے مت بیٹھو مطلب یہ کہ اگر عالم سفلی کیطرف تمہارا میلان ہو تو بس پھر تو سر پکڑ کر رویا کرو۔ اور آہ وزاری کیا کرو

عاقلان خود نوحہ ہا پیشین کنند　　　جاہلاں آخر بسر برمے زنند

یعنی عاقل تو خود پہلے ہی سے نوحہ کرتے ہیں اور جاہل آخر میں سر پیٹتے ہیں یعنی جو عاقل ہیں وہ تو ہر وقت حق تعالیٰ کے آگے گریہ وزاری کرتے رہتے ہیں تو وہ اون کے کام آتی ہے اور جو جاہل ہیں وہ بعد کو سر پٹا کرتے ہیں اور کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔

ز ابتدائے کار آخر را بہ بین　　　تا نباشی تو پشیمان یوم دین

یعنی ابتدائے کار سے انجام کو دیکھ لو تاکہ قیامت میں پشیمانی نہو۔ یعنی اگر اول ہی سے دیکھ لوگے تو پھر انشاء اللہ نافرمانی صادر نہوگی اور سمجھوگے کہ اُسکا بُرا انجام ہے تو اُسکو ترک کر دوگے آگے ایک حکایت لاتے ہیں کہ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ انجام کو اول ہی سے سوچ لینا چاہیئے۔

ایک سونار کا انجام کار کو دیکھ لینا اور ترازو مانگنے والے سے اوسکے موافق باتیں کرنا

آن یکے آمد بہ پیش زرگرے — کہ ترازو دہ کہ سنجم زرے

یعنی ایک شخص کسی سونار کے پاس آیا کہ ترازو (کانٹا) دیدے میں کچھہ سونا تولونگا۔

گفت رو خواجہ مرا غربال نیست — گفت میزان دہ برین تسخر مایست

یعنی سونار نے کہا کہ جناب جائیے میرے پاس چھلنی نہیں ہے تو وہ شخص بولا کہ ترازو دو۔ اور اس تمسخر پر مت ٹھیرو۔ یعنی اوس شخص نے کہا کہ میاں مسخرا پن مت کرو ذرا ترازو دیدو۔

گفت جاروبے ندارم بر دکان — گفت بس بس این مضاحک را بمان

یعنی سونار نے کہا کہ میری دوکان پر جھاڑو نہیں ہے تو وہ شخص بولا کہ بس بس ان مسخرہ پنوں کو رہنے دو

من ترازوئے کہ میخواہم بدہ — خویشتن را کر مکن ہر سو مجہ

یعنی میں تو ترازو مانگتا ہوں وہ دیدے اپنے کو بہرا مت بنا اور ہر طرف مت جا۔

گفت بشنیدم سخن کر نیستم — تا نہ پنداری کہ بے معنیستم

یعنی سونار نے کہا کہ میں نے بات سن لی ہے میں بہرا نہیں ہوں اور یہ ہرگز مت سمجہنا کہ میں بے معنی ہوں (بلکہ)

این شنیدم لیک پیری مرتعش — دست لرزان جسم تو نا منتعش

یعنی میں نے یہ تو سن لیا لیکن تو بڈھا ہے ہاتہہ پیر کا نپنے والا ہاتہہ لرزان ہے اور جسم تیرا بے قابو ہے

فہم کردم لیک پیری ناتوان دستت از ضعف است لرزان نہان

یعنی میں نے سمجھ تو لیا لیکن تو بڈھا ہے اور ہاتھ تیرا ہر وقت ضعف کی وجہ سے کانپتا ہے۔

وان زر تو ہم قراضہ خورد و مرد دست لرزد پس بریزد زر خورد

یعنی وہ تیرا سونا بھی ریزہ ریزہ ہے تو تیرا ہاتھ کانپے گا اور وہ زر خورد گر جاوے گا۔

پس بگوئے خواجہ جاروبے بیار تا بجویم زر خود را از غبار

یعنی پھر تو کہیگا کہ میاں ذرا جھاڑو لانا تاکہ میں غبار میں سے اپنا سونا تلاش کرلوں۔

چون بروبی خاک را جمع آوری گوئیم غربال خواہم ای جری

یعنی جب تو جھاڑو دیگا تو خاک کو جمع کرے گا اور مجھ سے کہیگا کہ میاں مجھے چھلنی کی ضرورت ہے

تا بہ بیزم خاک و زر جویم از ان کے بود غربال ما را در دکان

یعنی تاکہ میں خاک کو چھانکر اوسمیں سے سونا تلاش کرلوں تو ہماری دکان میں چھلنی کہاں ہے۔

من ز اول دیدم آخر را تمام جائے دیگر رو ازینجا والسلام

یعنی میں نے اول ہی آخر کو پوری طرح دیکھ لیا تھا۔ (لہذا) تو کہیں اور چلا جا والسلام مولٹنا فرماتے ہیں کہ

ہر کہ اول بین بود اعمی بود ہر کہ آخر بین چہ با معنے بود

یعنی جو شخص کہ صرف اول بین ہو وہ اندھا ہوتا ہے اور جو کہ آخر بین ہو وہ کیسا با معنے ہوتا ہے +

ہر کہ اول بنگرد پایان کار　　　اندر آخر او نگردد شرمسار

یعنی جو شخص کہ اول ہی انجام کار کو دیکھ لے وہ آخر میں شرمسار نہیں ہوا کرتا۔

حکم چون بر عاقبت اندیشی است　　　بادشاہی بندۂ درویشی است

یعنی حکم جب عاقبت اندیشی کا ہے تو بادشاہی غلام درویشی کی ہے مطلب یہ کہ دیکھو بادشاہی کا انجام کیا ہے مفلسی و درویشی کہ قبر میں جاکر کچھ بھی پاس نہوگا اور اعتبار انجام کا ہے اور وہی اصل ہے اور یہ حالت ابتدائی تابع ہے تو بس بادشاہی درویشی کے تابع ہوئی۔ اور غلام بھی آقا کا تابع ہوا کرتا ہے۔ لہذا بادشاہی درویشی کی غلام ہوئی آگے فرماتے ہیں کہ

عاقبت بینان بوند اہل رشاد　　　در نگر واللہ اعلم بالسداد

یعنی اہل رشاد ہی عاقبت بیں ہوتے ہیں تم آپ ہیں غور کر لو۔ واللہ اعلم بالصواب۔ مطلب یہ کہ اہل اللہ و اہل رشاد ہی آخیر بیں ہیں کہ اون کی نظر انجام پر ہے تب تو اس دنیا کو ترک کر کے عاقبت کو اختیار کیا ہے لہذا چاہیئے کہ ہمیشہ انجام پر نظر کر کے جسکا انجام اچھا ہو اوسکو اختیار کرو اور دوسرے کو ترک کرو۔ آگے فرماتے ہیں کہ۔

این سخن پایان ندارد راز گوی　　　قصۂ آن مرد زاہد باز گوی

یعنی یہ بات تو انتہا نہیں رکھتی تم راز کو بیان کرو اور اوس مرد زاہد کا قصہ پھر کہو۔

کن تمام اکنون حدیث شیخ فرد　　　کاندران کہسار بودش خواب و خورد

یعنی اب تم اوس شیخ یکتا کی بات کو پورا کرو جسکی کہ خواب و خورد اوسی پہاڑ میں تھی۔

شرح حبیبی

اندران که بود اشجار و ثمار — سیب و امرود و انار و بے شمار

قوت آن درویش بود آن میوه ها — غیر آن چیزے نخوردے دائما

گفت آن درویش یا رب با تو من — عهد کردم زین نچینم در زمن

خود نچینم میوه را در کل حین — نیز غیرے را نگویم که بچین

جز ازان میوه که باد اندازدش — من نچینم از درخت منتعش

مدتے بر نذر خود بودش وفا — تا در آمد امتحانات خدا

زین سبب فرموده استثنا کنید — گر خدا خواهد به پیمان بر زنید

زانکه حکم کار در دست من است — اختیار جملگان بست من است

هر زمان دل را دگر میلے دهم — هر زمان بر دل دگر داغے نهم

کل اصباح لنا شان جدید — کل شئ عن مرادے لا یحید

در حدیث آمد که دل همچون پریست | در بیابانے اسیر صرصریست
باد پر را هر طرف راند گزاف | گه چپ و گه راست با صد اختلاف
در حدیث دیگران دل دان چنان | کاب جوشان ز آتش اندر قازغان
هر زمان دل را دگر رائے بود | آن نه از وے لیک از جائے بود
پس چرا ایمن شوی بر رائے دل | عهد بندی تا شوی آخر خجل
این هم از تاثیر حکم ست و قدر | چاه می بینی و نتوانی حذر
نیست خود از مرغ پران این عجب | کو نه بیند دام و افتد در عطب
این عجب که دام بیند با وتد | گر بخواهد ور نخواهد مے فتد
چشم باز و گوش باز و دام پیش | سوئے دامے مے پرد با پر خویش
بنگر اندر دلق مهتر زادهٔ | سر برهنه در بلا افتادهٔ
در هوائے نابکارے سوخته | اقمشه و املاک خود بفروخته
خوار گشته درمیان قوم خویش | مرهمش نایاب و دل ریش از مریش

خان و مان رفته شده بدنام و خوار
کام دشمن سے رود ادبار وار

زاهدے بیند بگوید اے کیا
همتے میدار از بهر خدا

کاندرین ادبار زشت افتاده ام
مال و زر و نعمت از کف داده ام

همتے تا بو که من زین وارهم
زین گل تیره بود که برجهم

این دعا میخواهد او از عام و خاص
کالخلاص و الخلاص و الخلاص

دست باز و پائے باز و بند نے
نے موکل بر سرش نے آهنے

از کدامین بند میجوئی خلاص
وز کدامین قید میخواهی مناص

بند تقدیر و قضائے مختفے
که نه بیند آن بجز ذات صفے

گرچه پیدا نیست آن در مکمن است
بدتر از زندان و بند آهن است

زانکه آهنگر مر آنرا بشکند
حفره گر هم خشت زندان بر کند

این عجب این بند پنهان گران
عاجز از تکسیر آن آهنگران

دیدن آن بند احمد را رسد
بر گلوئے بسته حبلٌ من مسد

دید بر پشت عیال بولهب — تنگ هیزم گفت حمال الحطب

حبل و هیزم را جز آن چشمی ندید — که پدید آید برو هر ناپدید

باقیانش حمله تاویلی کنند — کاین ز بیهوشی است ایشان هوشمند

لیک از تاثیر آن پشتش دوتو — گشته و نالان شده در پیش او

که دعائی همتی تا وارهم — تا ازین بند نهان بیرون جهم

آنکه داند این علامتها پدید — چون نداند او شقی را از سعید

داند و پوشد بامر ذوالجلال — که نداند کشف راز حق حلال

این سخن پایان ندارد آن فقیر — از مجاعت شد زبون و تن اسیر

پنج روز آن باد امرودی نریخت — ز آتش جوعش صبوری می گریخت

بر سر شاخی مرودی چند دید — باز صبری کرد و خود را واکشید

باد آمد شاخ را سرزیر کرد — طبع را بر خوردن او چیر کرد

جوع و ضعف و قوت جذب غذا — کرد زاهد را ز نذرش بیوفا

اوس پہاڑ میں درخت اور پھل امرود۔ انار سیب بکثرت تھے اور اُس فقیر کی غذا وہی میوے تھے اون کے علاوہ اور کوئی چیز نہ کھاتا تھا۔ ایک مرتبہ اوس نے حق سبحانہ سے کہا کہ اے اللہ میں آپ سے عہد کرتا ہوں کہ میں کبھی میوہ نہ توڑوں گا۔ یعنی نہ خود توڑوں اور نہ کسی سے کہونگا کہ توڑ دے نیز درخت سے میوہ نہ چنوں گا۔ بزاون میووں کے جو ہوا سے گر جائیں ایک زمانہ تک اپنے عہد کو پورا کرتے رہے۔ آخر امتحانات خداوندی شروع ہوئے چونکہ دعوے پر امتحان ضروری ہے اور امتحان میں کامیابی نہایت کٹھن اور لوہے کے چنے ہیں اسی لیئے حق سبحانہ نے باقتضائے رحمت ہمکو تعلیم فرمایا ہے کہ تم استثنا کر لیا کرو۔ یعنی ہر عہد کے ساتھ انشاء اللہ تعالیٰ کہہ لیا کرو کیونکہ حکومت میرے قبضہ میں ہے اور سب کے اختیارات میرے اختیار کے تحت میں ہیں۔ لہذا بدون میری مشیت کے کوئی کچھ نہیں کرسکتا۔ میں ہر وقت دلمیں مختلف قسم کے میلان پیدا کرتا ہوں اور ہر وقت ولپر ایک نیا داغ رکھتا ہوں یعنی ایک ایسی خواہش پیدا کرتا ہوں جس کے حاصل نہونے سے اسے رنج ہو (یا یوں کہو کہ اسی مطلق رغبت پیدا کرنے کو داغ دینے سے تعبیر کیا۔ کیونکہ جس طرح داغ دینا ایک خاص اثر پیدا کرتا ہے۔ یوں ہی رغبت پیدا کرنا بھی ایک تاثیر خاص ہے) غرض ہر وقت ہمارے لیے ایک نیا کام ہے اور کوئی شے میرے ارادہ سے متخلف نہیں ہوسکتی۔ بلکہ جو میں چاہتا ہوں فوراً ہو جاتی ہے۔

اذا اراد شیئًا ان یقول له کن فیکون حدیث میں آیا ہے کہ دل کی مثال ایسی ہے جیسے ایک پر ہوا ور ایک میدان کے اندر آندھی کے قبضہ میں ہو کہ جسطرف وہ چاہتی ہے اسکو پلٹے دیتی ہے کبھی دائیں جانب پلٹتی ہے کبھی بائیں طرف اور اسی قسم کے اور سینکڑوں پلٹے دیتی ہے نیز دوسری حدیث میں آیا ہے (واللہ اعلم بالصحۃ) کہ دلکو ایسا سمجھو جیسے ایک دیگچہ ہو جس میں پانی جوش مار رہا ہو۔ کہ اس کے اندر بھی یوں ہی خیالات کا جوش ہوتا ہے اور ہر وقت اوس کی جداگانہ رائے ہوتی ہے۔ لیکن یہ یاد رکھو کہ یہ خود دل کا تصرف نہیں ہے بلکہ کوئی اور ذات ہے جو یہ گوناگوں خیالات پیدا کر رہی ہے جب تقلب و تغیر احوال کی یہ حالت ہے تو کون سی وجہ ہے کہ دل کے ایک خیال کی بنا پر آدمی مطمئن ہو جاوے اور سمجھ لے کہ بس یہی ہوگا اور یہ خیال کرکے حق سبحانہ سے

عہد کرے کہ میں یوں ہی کرونگا۔ اس کے خلاف نہ کروں گا اور آخر میں اوس کے پورا نہ ہوسکنے کے سبب ندامت م اٹھائے۔ اب مولانا پر غلبہ توحید سے سکر کی حالت طاری ہوتی ہے۔ اور فرماتے ہیں کہ یہ عہد کرنا بھی بحکم قضا و قدر ہی ہے اسمیں بھی آدمی پورے طور پر مختار نہیں۔ اور اوسکو اختیار کامل حاصل نہیں کہ وہ عہد نہ کرے۔ اس لیے کہ ایسا ہوتا ہے کہ مضرت آدمی کے سامنے کھڑی ہوتی ہے اور وہ اس سے بچ نہیں سکتا۔ یہ کوئی تعجب کی بات نہیں کہ پرندہ جال نہ دیکھے اور ہلاکت میں پڑ جائے بلکہ حیرت انگیز یہ بات ہے کہ کھونٹا مع جال دیکھ رہا ہے اور پھر خواہ مخواہ اور بالاضطرار اسمیں پھنس جاتا ہے آنکھیں بھی کھلی ہوئی ہیں کان بھی کھلے ہوئے ہیں جال بھی نظر آرہا ہے اسپر بھی وہ خود اپنے پروں سے اڑکر اوسمیں آپھنستا ہے اس سے معلوم ہوا کہ حیوانات اپنے اوپر پورا اختیار نہیں رکھتے اب انسان کی حالت سنو ایک رئیس زادہ ہے کہ گدڑی پہنے ہوئے پہ ننگے سر ہے مصیبت میں مبتلا ہے کسی چڑیل کی محبت میں جل رہا ہے جائداد اور گھر کا سامان سب بک چکا ہے اپنے لوگوں میں نظر حقارت سے دیکھا جاتا ہے۔ اور ننگ خاندان سمجھا جاتا ہے مطلوب کی یہ حالت ہے کہ اوس کے حصول کی کوئی صورت نہیں معشوق کے ظلم و ستم نے دل و جگر چھلنی کر رکھے ہیں گھر بار سب تباہ ہو چکا ہے بدنامی و ذلت انتہا کو پہونچ گئی ہے ادھر اوسکی محرومی و بدبختی مستمر ہے اودھر رقیب کا کام نکل رہا ہے غرضکہ وہ ان مصائب میں مبتلا ہے اور یہ بھی نہیں کہ اوسکو اس کا احساس نہو نہیں وہ ان کا احساس بھی رکھتا ہے اور جب کسی متقی کو دیکھتا ہے تو کہتا ہے کہ حضور خدا کے لیے میرے واسطے دعا فرمایئے کہ میں اس مصیبت میں پھنس گیا ہوں مال و دولت نعمت سب کھو چکا ہوں۔ آپ توجہ فرمائیں کہ میں اس مصیبت سے نجات پاؤں۔ ممکن ہے کہ آپکی دعا اور توجہ سے مجھے نجات ملجائے غرض وہ ہر ایک سے یہی التجا کرتا ہے اور کہتا ہے کہ ؎

پھنسی ہوئی ہے یہ گردن بتوں کے پھندوں میں — چھڑا دے کوئی ہو ایسا خدا کے بندوں میں

یہ تو واقعہ ہے جو بکثرت ہوتا ہے اور جس کا انکار نا ممکن ہے حالانکہ اس کے ہاتھ بھی کھلے ہوئے ہیں پاؤں بھی کھلے ہوئے ہیں اسکو کسی نے محبوس بھی نہیں کر رکھا ہے کوئی پہرہ بھی اسپر

قائم نہیں ہے۔ اوس کے گلے پر تلوار بھی رکھی ہوئی نہیں۔ اب اِس سے کوئی پوچھے کہ میاں تم کس پھندے سے نکلنا چاہتے ہو۔ اور کون سی بیڑی سے چھوٹنا چاہتے ہو۔ سمجھو کہ یہ وہی تقدیر و قضاء الٰہی کا مستور پھندا ہے جو لوگوں کو دکھلائی نہیں دیتا ہے بلکہ اسکو نفوس مقدسہ اہل اللہ ہی دیکھتے ہیں۔ اگرچہ وہ ظاہر نہیں ہے بلکہ مستور ہے۔ لیکن اوسکی گرفت جیلخانہ اور بیڑی سے بھی زیادہ سخت ہے کیونکہ لوہار بیڑی کو کاٹ سکتا ہے اور کھودنے والا جیلخانہ کی اینٹیں اُکھیڑ سکتا ہے۔ لیکن تعجب کی بات یہ ہے کہ اس مخفی بیڑی اور مستور جیلخانہ کو نہ کوئی لوہار کاٹ سکتا ہے نہ کوئی کھودنے والا کھود سکتا ہے وہ پھندا احمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے شخص کو دکھلائی دے سکتا ہے اور وہی زوجۂ ابولہب کے گلے میں مونج کی رسی بندہی ہوئی دیکھ سکتے ہیں جنھوں نے ابولہب کی بیوی کی پشت پر ایندھن کا گٹھا لدا ہوا دیکھ کر اوسے حمالۃ الحطب کہا تھا۔ اس رسی اور ایندھن کے گٹھے کو وہی آنکھ دیکھ سکتی ہے جو اکثر غیر محسوسات کو دیکھنے کی عادی ہو۔ دوسرے لوگ جن کی آنکھ ایسی نہیں وہ چونکہ اسکو دیکھتے نہیں اسلئے مجبوراً تاویل کرتے ہیں۔ اور نہ دیکھنا انکا بے موقع بھی نہیں۔ کیونکہ مشاہدہ غیر محسوسات تو ہوش ظاہری کو خیرباد کہنے سے ہو سکتا ہے اور وہ ایسے ہیں نہیں۔ بلکہ وہ ہوش والے ہیں۔ پھر مشاہدہ کیونکر ہو ہاں تو وہ پھندا اپنی ذات کے لحاظ سے ضرور غیر محسوس ہے۔ لیکن اپنے اثر کے اعتبار سے محسوس ہے کہ اوسکی تکلیف کے سبب وہ اہل اللہ کے سامنے جھکتا اور اون کے سامنے روتا پیٹتا ہے اور کہتا ہے کہ خدا کے لیئے مجھے اِس بلا سے چھڑاؤ اور کوئی دعا یا توجہ ایسی کرو کہ میں نجات پا جاؤں۔ اور اس مخفی پھندے سے چھوٹ جاؤں۔ اس مقام پر ضمناً ایک اور ضروری امر پر بھی تنبیہ کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے وہ یہ کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تقدیر کے پھندے کو دیکھ لینا ثابت ہے اور آپ کے طفیل اور آپ ہی کے اتباع کی برکت سے اہل اللہ کو بھی یہ شرف حاصل ہو جاتا ہے جب یہ امر محقق ہے تو جو لوگ اون اشیاء کو جنکو لوگ علامات سے جانتے ہیں بعض اوقات عیاناً مشاہدہ کرتے ہیں وہ شقی اور سعید میں کیوں نہیں امتیاز کر سکتے نہیں بلکہ بعض اوقات اونکو اسکا بھی احساس و ادراک ہوتا ہے لیکن وہ جو ظاہر نہیں کرتے

اسکی وجہ یہ ہے کہ اونکو اظہار کا حکم نہیں ہوتا - اور وجہ اخفا یہ ہوتی ہے کہ وہ راز حق سبحانہ کے ظاہر کرنے کو جائز نہیں جانتے - خیر یہ گفتگو تو بہت طویل ہے - اب سنو کہ وہ فقیر بہوک سے بہت مضمحل ہوگیا اور حرکت کرنا بہی اوس کے لیے دشوار ہوگیا - وجہ یہ ہوئی کہ پانچ دن تک ہوا سے کوئی امرود بھی نگرا - اور خود توڑ نہ سکے اسلئے بہوکا رہنا پڑا - اور بہوک کی آگ اس قدر شعلہ زن ہوئی کہ ان سے صبر نہ ہو سکتا تہا - اتفاقاً اونہوں نے ایک شاخ کے اوپر چند امرود لگے ہوئے دیکھے خیر یہاں تک بھی صبر کیا اور توڑنے سے اجتناب کیا اِس کے بعد یہ ہوا کہ ہوا کا ایک جھونکا آیا اور اوس نے شاخ کو نیچے جھکا دیا - اور اس طرح اونکی طبیعت کو اوسکے کہانے پر پوری طور پر مائل کر دیا - اونکو بھوک لگی ہوئی تہی جسم میں بیحد ناتوانی تھی - اعضا رکو جذب غذا کی شدید ضرورت تہی ان سب باتوں نے ملکر فقیر کا عہد توڑ دیا

شرح شبیری

اوس زاہد کوہی کے قصہ کا بقیہ جسنے کہ نذر کی تھی کہ پہاڑی میوہ درخت سے خود نہ توڑوں گا اور نہ کسی سے صراحۃً یا کنایۃً کہوں گا کہ توڑ دے بلکہ جسکو ہوا گرا دیگی اوسکو کھا لیا کرونگا

اندراں کہ بود اشجار و ثمار　　سیب و امرود و انار بے شمار

یعنی اوس پہاڑ میں اشجار و ثمار بہت تہے سیب اور امرود اور انار بے شمار تہے +

قوت آن درویش بود آن میوہا	غیر آن چیزے نخوردے دائما

یعنی اوس درویش کی غذا وہ میوے ہی تہے اور وہ ہمیشہ سوا اوس چیز کے اور کچھ نہ کہاتا تہا

گفت آن درویش یارب با تو من	عہد کردم زین نچینم در زمن

یعنی اوس درویش نے کہا کہ اے اللہ میں تیرے ساتہ عہد کرتا ہوں کہ اس میں سے کبھی توڑوں گا نہیں۔

خود نچینم میوہ در کل حین	نیز غیرے را نگویم کہ بچین

یعنی میں تو کبھی خود میوہ توڑوں گا نیز کسی غیر سے بہی نہ کہونگا کہ توڑ دے ❊

جز ازان میوہ کہ باد اندازدش	نے ازان میوہ کہ شاخ افرازدش

یعنی سوائے اوس میوہ کے کہ ہوا اوسکو ڈالدے نہ وہ میوہ کہ شاخ اوسکو بلند کرے یعنی اوس نے نذر کی تہی کہ جو میوہ شاخ پر لگا ہوگا اوسکو تو توڑوں گا نہیں اور جسکو ہوا گرا دیگی اوسکو کہا لیا کرونگا۔

مدتے بر نذر خود بودش وفا	تا در آمد امتحانات قضا

یعنی ایک مدت تک اوسکو اپنی نذر پر وفا رہی یہان تک کہ قضا کے امتحانات آئے مولانا فرماتے ہیں کہ۔

زین سبب فرمود استثنا کنید	گر خدا خواہد بہ پیمان بر زنید

یعنی اسی سبب سے حق تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ استثنا (اس طرح) کرلیا کرو کہ اگر خدا چاہیگا تو تم عہد کو پہونچ جاؤگے قرآن شریف میں ارشاد ہے کہ لا تقولن لشیٔ انی فاعل ذالک غدًا الا ان یشاء اللہ تو چونکہ اوس درویش نے اپنے عہد کے ساتہ انشاء اللہ

نہ کہا تھا آخر ٹوٹ گیا۔ اور مصرعہ ثانی میں گر خدا خواہد۔ ترجمہ ہے انشاء اللہ کا۔ اور ارشاد حق ہے کہ

زانکہ جملہ کار در دست من است اختیارِ جملگان پست من است

یعنی اسلئے کہ تمام کام میرے ہاتھ میں ہے اور سب کا اختیار میرے تابع ہے۔

ہر زمان دل را دگر میلے دہم ہر نفس بر دل دگر داغے نہم

یعنی ہر وقت دلکو ایک نئی رغبت دیتا ہوں اور ہر گھڑی دلپر ایک نیا داغ رکھتا ہوں۔

کلُ اصباح لنا شانٌ جدید کل شیِ عن مرادی لا یحید

یعنی ہر صبح کو ہماری ایک نئی شان ہے اور ہر کوئی شے ہماری مراد سے تجاوز نہیں کر سکتی قرآن شریف میں ہے کہ کُلَّ یَوۡمٍ ھُوَ فِیۡ شَاْنٍ اور ارشاد ہے کہ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ تو بس جب یہ بات ہے تو ہمیشہ مدد حق تعالیٰ سے مانگنی چاہیئے اور حق تعالےٰ ہی کو واسطہ ڈالنا چاہیئے آگے فرماتے ہیں کہ

در حدیث آمد کہ دل ہمچون پریست در بیابانے اسیر صرصریست

یعنی حدیث میں ہے کہ دل مانند ایک پر کے ہے جو کہ بیابانیں ایک آندہی کا اسیر ہو۔

باد پر را ہر طرف راند گزاف گہ چپ گہ راست با صد اختلاف

یعنی ہوا پر کو ہر طرف بے ترتیب ڈال رہی ہے کبھی بائیں کبھی دائیں سو اختلاف کے ساتھ مطلب یہ حدیث میں ہے کہ قلب کی مثال ایسی ہے کہ جیسے ایک پر میدانیں پڑا ہو اور تند ہوائیں کہ یقلبہا ظھرا لبطن وبطنا لظاھر - اوسکو وہ تائید ہا کرتی ہوں تو جس طرح کہ یہ پر ہواؤنکے تابع ہے تو اسیطرح بلکہ اس سے بھی زیادہ قلب حق تعالیٰ کے قبضہ میں ہے یقلبہا کیف یشاء لہذا چاہیئے کہ ہمیشہ حق تعالیٰ ہی سے مدد مانگتا ہے اور کہتا ہے کہ یا مقلب القلوب ثبت قلبی علی دینک آگے فرماتے ہیں کہ

در حدیث دیگر این دل دان چنان کآب جوشان ز آتش اندر قازغان

یعنی دوسری حدیث میں ہے کہ اس دل کو ایسا جانو کہ جیسے کہ پانی آگ کیوجہ سے ہانڈی میں جوش مارتا ہو اس حدیث کو احیاء العلوم میں امام غزالی نے بالفاظ ذیل نقل کیا ہے مثل القلب فی تقلبہ کالقدر اذا استجمعت غلیانا۔

ہر زمان دل را دگر رائے بود آن نہ از وے لیک از جائے بود

یعنی ہر وقت دل کی ایک نئی حالت ہوتی ہے اور وہ اوسکی طرف سے نہیں بلکہ کسی اور جگہ سے ہوتی ہے۔

پس چرا ایمن شوی بر رائے دل عہد بندی تا شوی آخر خجل

یعنی پس دل کی رائے پر کس لئے بے خوف ہو جاتے ہو اور عہد باندھ لیتے ہو یہاں تک کہ شرمندہ ہوتے ہو۔ یہ فرما کر آگے فرماتے ہیں کہ۔

این ہم از تاثیر حکم است و قدر چاہ می بینی و نتوانے حذر

یعنی یہ بھی حکم قدر ہی کا اثر ہے کہ کنواں دیکھتے ہو اور بچ نہیں سکتے۔ تو جب یہ بات ہے تو پھر قضا سے بچکر قضا ہی کیطرف جاوے اور اوسی سے چارہ جوئی اور مدد چاہے۔

نیست خود از مرغ پران این عجب کو نہ بیند دام وافتد در عطب

یعنی اُڑنے والے جانور سے یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے کہ وہ جال نہ دیکھے اور مصیبت میں پڑ جاسے (مگر)

این عجب کہ دام بیند ہم وتد گر بخواہد ور نخواہد مے فتد

یعنی عجیب بات تو یہ ہے کہ جال دیکھتا ہے اور کھونٹا بھی دیکھتا ہے اور اگر چاہے یا نہ چاہے گر پڑتا ہے مطلب یہ کہ دیکھو جو جانور کہ ہوا میں اڑ رہا ہے اوس نے جو جال نہیں دیکھا تو اگر وہ آکر پھنس جاوے تو کوئی تعجب نہیں ہے لیکن تعجب تو یہ ہے کہ ایک جانور سامنے بیٹھا ہے اور دیکھ رہا ہے کہ اوس کے لئے جال بچھایا جا رہا ہے مگر پھر بھی پھنس جاتا ہے۔

چشم باز و گوش باز و دام پیش　　سوئے دامے می پرد با پر خویش

یعنی آنکھ کھلی ہوئی کان کھلے ہوئے اور جال سامنے اور جال کیطرف اپنے ہی پروں سے اڑتا ہے۔ تو معلوم ہوا کہ کوئی اور شے ہے جو اوسکو اوس طرف لیجا رہی ہے ورنہ اگر اوسکو من کل الوجوہ اپنا اختیار ہوتا تو یقیناً جان بوجھ کر ہلاکت میں نہ پھنستا۔ آگے مولانا اسکو خود ایک مثال میں بیان فرماتے ہیں کہ۔

قضا کو جان سے تشبیہ دینا کہ صورت تو پوشیدہ ہے اور اثر ظاہر ہے۔

بنگر اندر دلق مہتر زادۂ　　سر برہنہ در بلا افتادۂ

یعنی ایک امیر زادہ کی گدڑی کو دیکھو کہ وہ سر برہنہ ہے اور بلا میں پڑا ہوا ہے

در ہوائے یک نگارے سوختہ　　قمشہ و املاک خود بفروختہ

یعنی ایک معشوق کے عشق میں جلا ہوا ہے متاع اور املاک اپنے بیچے ہوئے ہے۔

خوار گشتہ در میان قوم خویش　　مرہمش نایاب و دل ریش از مریش

یعنی اپنی قوم میں ذلیل ہوا اور اوس کا مرہم نایاب ہے اور اوس کا دل اوسکے عشق سے زخمی ہے۔

خان و مان رفتہ بشدہ بدنام و خوار کام دشمن میرود ادبار وار

یعنی خان ومان برباد شدہ اور بدنام و ذلیل اور دشمن کا مقصد ادبار کی طرح چلتا ہے۔ دشمن سے مراد نفس و شیطان یعنے سب گھر بار برباد کئے ہوئے ہے اور نفس و شیطان کا قابو چلا ہوا ہے۔

زاہدے بیند بگوید اے کیا ہمتے میدار از بہر خدا

یعنی کسی زاہد کو دیکھتا ہے تو کہتا ہے کہ اے بزرگ خدا کے لیئے دعا کیجئے۔

کاندرین ادبار زشت افتادہ ام مال و زر و نعمت از کف دادہ ام۔

یعنی کہ میں اس ادبار زشت میں پھنس گیا ہوں اور مال وزر اور نعمت ہاتھ سے برباد کردی ہے

ہمتے تا بو کہ من زیں وارہم زین گل تیرہ بود کہ بر جہم

یعنی ایک دعا کیجئے تاکہ شاید کہ میں اس سے چھوٹ جاؤں اور اس تیرہ و تاریک کیچڑ سے نکل جاؤں۔

این دعا میخواہد او از عام و خاص تا کہ یابد یکدمے از غم خلاص

یعنی وہ یہ دعا ہر عام و خاص سے چاہتا ہے تاکہ ایک دم کے لیئے غم سے خلاصی پائے مولانا فرماتے ہیں کہ۔

دست و پا ز و پائے باز و بند نے نے موکل بر سرش نے آہنے

یعنی ہاتھ کھلے ہوئے پاؤں کھلے ہوئے کوئی قید نہیں ہے نہ تو اوس کے سر پر کوئی سپاہی ہے اور نہ کوئی بیڑی وغیرہ ہے۔

ازکدامیں بند میجوئے خلاص وزکدامیں قید میخواہی مناص

یعنی کون سے بند سے خلاصی ڈھونڈھتا ہے اور کون سی قید سے خلاصی چاہتا ہے مطلب یہ کہ یہ جو سب سے کہتا پھرتا ہے کہ دعا کرو کہ میں قید سے چھوٹ جاؤں تو ظاہر میں اوس پر کوئی قید ہی نہیں پھر کیوں کہتا پھرتا ہے کہ دعا کرو کہ قید سے نکل جاؤں۔ یہ سوال کر کے مولانا خود ہی جواب دیتے ہیں کہ۔

بند تقدیر قضائے مختفی کہ نہ بیند آن بجز جان صفی

یعنی یہ قید تقدیر قضائے پوشیدہ کی ہے کہ اوسکو بجز برگزیدۂ حق کے اور کوئی دیکھتا ہی نہیں ہے۔

گرچہ پیدا نیست آن در مکمن است بدتر از زندان و بند آہن است

یعنی اگرچہ یہ قید ظاہر نہیں ہے اور پوشیدگی میں ہے مگر زندان اور قید آہنی (ظاہری) سے سخت ہے آگے اوس کا اس ظاہری قید سے سخت ہونا بتاتے ہیں کہ۔

زانکہ آہنگر مر آن را بشکند حفرہ گر ہم خشت زندان بر کند

یعنی اسلئے کہ اوس (قید ظاہری) کو تو لوہار توڑ دیتا ہے یا نقب زن زندان کی اینٹ اوکھاڑ دیتا ہے۔

این عجب این بند پنہان گران عاجز از تکسیر آن آہنگران

یعنی یہ عجب ہے کہ یہ قید پوشیدہ اور گراں ہے کہ اوس کے توڑنے سے لوہار بھی عاجز ہیں۔ لہذا معلوم ہوا کہ یہ قید اس قید ظاہری سے سخت تر ہے آگے فرماتے ہیں کہ

دیدنِ آن بند احمدؐ را رسد   بر گلوئے بستہ حبل من مسد

یعنی اِس قید کو دیکھنا احمد صلی اللہ علیہ وسلم کو پہونچتا ہے کہ گلو پر ایک رسی لپیٹ خرما سے بندھی ہوئی ۔

دید بر پشتِ عیالِ بولہب   تنگ ہیزم گفت حمال الحطب

یعنی بولہب کے گھر والونکی پشت پر ایک لکڑیوں کا گٹھا دیکھا تو کہا کہ حمال الحطب ۔

حبل و ہیزم را جز آن چشمے ندید   کہ پدید آید برو ہر ناپدید

یعنی رسی اور لکڑیوں کو سوائے اوس آنکھ کے کسی نے نہیں دیکھا جسپر کہ ہر ظاہر اور غیر ظاہر ظاہر ہوتا ہے

باقیانش جملہ تاویلے کنند   کاین ز بیہوشی ست و ایشان ہوشمند

یعنی باقی لوگ اوسکی تاویل کرتے ہیں اسلئے کہ یہ تاویل تو بیخبری کی وجہ سے ہے اور وہ خبردار ہیں احمدؐ سے مراد اہل اللہ ان اوپر کے چاروں شعروں کا مطلب یہ ہے کہ اوس قضا کے دیکھنے کیلئے اہل اللہ کی چشم چاہیئے جو کہ نائب رسول ہوں اور دیکھو کہ حضور مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے بولہب کی بیوی کی کمر پر لکڑیاں لدی ہوئی دیکھیں اور رسی لٹکتی ہوئی دیکھی تو فرمادیا کہ حمالۃ الحطب تو دیکھو اوس گذشتہ واقعہ کو آپنے اپنی آنکھوں سے دیکھا اور دوسرے لوگ تو اسکی تاویل کرتے ہیں مگر مولانا فرماتے ہیں کہ تاویل کی ضرورت ہی نہیں اسلئے کہ ہمیں کیا حرج ہے کہ کہا جاوے کہ وہ قضا صورت میں متمثل ہوگئی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تو خود رسی اور لکڑیاں نظر آئیں تو بس قضا کے دیکھنے کے لیے چشم بصیرت کی ضرورت ہے ورنہ اور لوگوں کو کیا خبر آگے پیر اوس مثال کیطرف رجوع ہے کہ دیکھو ظاہر میں اوسپر کوئی قید معلوم نہیں ہوتی ۔

لیک از تاثیر آن پشتش دو تو   گشتہ و نالان شدہ در پیش او

یعنی لیکن اوسکی تاثیر کیوجہ سے اوسکی پشت دوہری ہو رہی ہے اور اوس زاہد کے آگے رو رہا ہے (اور کہہ رہا ہے)

کہ دعائے ہمتے تا وارہم   تا ازین بند نہان بیرون جہم

یعنی کوئی دعا اور مدد کیجئے تاکہ میں چھوٹ جاؤں اور تاکہ اس قید پوشیدہ سے باہر نکل جاؤں تو بس معلوم ہوگیا کہ بند قضا کوئی شے ہے کہ جو اس قید ظاہری کے علاوہ ہے اور مولانا فرماتے ہیں کہ۔

آنکہ بیند این علامتہا پدید   چون نداند او شقی را از سعید

یعنی جو شخص کہ ان علامتوں کو دیکھ رہا ہے وہ شقی کو سعید سے کس طرح ممتاز کر کے نہ دیکھے گا مطلب یہ کہ جو شخص کہ ایسی پوشیدہ بات کو دیکھ لیتا ہے تو بھلا وہ یہ تو کیوں معلوم نہ کرلے گا کہ فلاں شخص اچھا ہے فلاں برا ہے۔ یقیناً معلوم کر لیتا ہے۔ مگر۔

داند و پوشد بامر ذو الجلال   کہ نباشد کشف راز حق حلال

یعنی جانتا ہے اور حکم حق کی وجہ سے پوشیدہ رکھتا ہے اسلئے کہ حق تعالےٰ کے راز کو ظاہر کرنا حلال نہیں ہے۔ یعنی بعض مرتبہ بعض بات کا اظہار مضر ہوتا ہے لہذا وہ اہل قضا کو کہ یہ شخص برا ہے اور یہ اچھا ہے ظاہر نہیں کرتے ورنہ وہ سب جانتے ہیں اور قضا اونکو آنکھوں سے نظر آجاتی ہے آگے اوس فقیر کے قصہ کو اور امتحان حق کو بیان فرماتے ہیں

این سخن پایان ندارد آن فقیر   از مجاعت شد زبون و تن اسیر

یعنی اس بات کی انتہا نہیں ہے اور وہ فقیر بھوک کیوجہ سی ضعیف اور تن اسیر ہوگیا ہے

اس نذر کرنے والے فقیر کا درخت امرود سے پھل توڑنے پر مضطر ہونا اور اسی وقت حق تعالیٰ کیطرف سے اوسکی گوشمالی ہونا

پنج روز آن باد امرودے نریخت ز آتشِ جوعش صبوری میگریخت

یعنی پانچ روز تک ہوا نے کوئی امرود نہ گرایا۔ تو اوس درویش کی آتش جوع سے صبر بہاگتا تہا۔ یعنی اوسکو مارے بہوک کے صبر کی تاب نہ رہی۔

بر سرِ شاخے مرودے چند دید باز صبرے کرد و خود را واکشید

یعنی ایک شاخ پر چند امرود دیکہے تو پہر صبر کیا اور اپنے کو ہٹا لیا یعنی جب ہی احتیاط کی۔ اور نفس کو سمجہا لیا کہ او پر لگ رہے ہیں کون توڑے مگر وہاں تو منظور امتحان تہا جب اوس نے اس طرح پرہیز کیا تو یہہ ہوا کہ

باد آمد شاخ را سر زیر کرد طبع را بر خوردنِ آن چیر کرد

یعنے ہوا آئی اور شاخ کے سر کو نیچے کر دیا اور طبیعت کو اوس کے کہانے پر غالب کر دیا۔

جوع و ضعف و قوتِ جذبِ قضا کرد زاہد را ز نذرش بیوفا

یعنی بہوک نے اور ضعف نے اور جذب قضا کی قوت نے زاہد کو اوسکی نذر سے بیوفا کر دیا۔

شرح حبیبی

چونکہ از امرود بن میوہ شکست — گشت اندر عہد و نذر خویش سست

ہم در آن دم گوشمالِ حق رسید — چشم او بگشاد و گوش او کشید

مخلصان ہستند دائم در خطر — امتحانہا ہست در رہ ای پسر

یا مکن نذرے کہ نتوانے وفا — بر خطر منشین و بیرون جہ بلا

نذر را باید وفا در راہِ حق — لیک حق تا خود کرا بدہد سبق

عہدہا بستیم بس در کارہا — نذرہا کردیم در سر بارہا

قوت آن کو کہ پایان آوریم — عاجزیم و ناتوان و مضطریم

گر نہ فضلت دستگیر ما شود — وائے بر ما زانکہ رسوائی بود

نذر ما را با وفا پیوستہ دار — عہد ما را از کرم دار استوار

باز گشتم سوئے قصہ کان فقیر — عہد چون بشکست در دم شد اسیر

غیرت حق گوشمالش داد زود / زانکه فرمود است اوفوا بالعقود

اتفاقاً دزد چندے تاختند / وندران کهسار منزل ساختند

بست از دزدان بُدند آنجا بپیش / بخش میکردند مسروقات خویش

شحنه را غماز آگه کرده بود / مردمِ شحنه در افتادند زود

هم بد آنجا پاے چپ و دست راست / جمله ببریدند و غوغائے بخاست

دست زاهد هم بریده شد غلط / پاش را میخواست هم کردن سقط

در زمان آمد سوارے بس گزین / بانگ بر زد بر عوان کاے سگ ببین

این فلان شیخ ست ابدال خدا / دست او را تو چرا کردی جدا

آن عوان بدرید جامه تیز رفت / پیش شحنه داد آگاهیش تفت

شحنه آمد پابرهنه عذرخواه / که ندانستم خدا بر من گواه

هین بحل کن مر مرا زین کار زشت / اے کریم و سرورِ اهل بهشت

گفت میدانم سبب این نیش را / مے شناسم من گناهِ خویش را

من شکستم حرمت ایمانِ او	پس یمینم برد دادستانِ او
بد شکستم عہد و دانستم بدست	تا رسید آن شومیٔ جرأت بدست
دست ما و پائے و مغز و پوست	باد اے وائے فدائی حکم دوست
قسم من بود این ترا کردم حلال	تو ندانستی ترا نبود وبال۔
آنکہ او دانست او فرمان رواست	با خدا سامان پیچیدن کراست

جوں ہی اونہوں نے امرود کے درخت سے میوہ توڑا اور اپنے عہد و پیمان میں سست ثابت ہوئے فوراً ہی حق سبحانہ کی طرف سے تادیب ہوئی اور اون کی آنکھیں کھولدیں اور کان کھینچ دئے اسکی تفصیل تو ہم بعد کو بیان کریں گے پہلے اتنی بات سُن لو کہ راہِ حق میں مخلصین کے لیے بہت خطرے ہیں۔ اگر تم عہد کرتے ہو تو سمجھ لو کہ اس طریق میں بہت سے امتحانات ہیں تمکو اون کے لیے تیار رہنا چاہیئے۔ اور اگر تم امتحانات کی طاقت نہیں رکھتے تو ایسا عہد ہی مت کرو۔ جسکو تم پورا نہ کرسکو اور اس کا تمکو مکلف بھی نہ بنایا گیا ہو اور اسلم طریق یہ ہے کہ خطرہ میں نہ پڑو اور اوس سے کو دکر الگ کھڑے ہو جاؤ۔ اور عہد کر لینے کی صورت میں تو اوسکا پورا ہی کرنا ضروری ہے خواہ کچھ ہی کیوں نہو۔ لیکن یہ بھی خدا ہی کے قبضے میں ہے۔ کیا معلوم وہ کسے توفیق عطا کرتے ہیں اور کسکو ایفائے عہد کی توفیق اور ہمت دیتے ہیں اور کسے نہیں دیتے۔ لہٰذا اسلم یہی ہے کہ غیر ضروری عہد نہ کیا جائے۔ مولانا اس کے بعد مناجات فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ بسا اوقات ہم نے بہت سے معاملات میں عہد کیا ہے اور بہت مرتبہ تجھ سے خفیہ طور پر عہد کئے ہیں۔ لیکن ہم میں تنی قوت کہاں ہے کہ اونکو انجام کو پہونچادیں۔ بلکہ ہم ایسا کرنے سے عاجز اور ضعیف اور مجبور ہیں اور جو کچھ کرتے ہیں

یہ آپکی عنایت کے سبب سے کرتے ہیں اگر آپ کا فضل ہماری مدد نہ کرے تو ہماری بڑی خرابی ہے کیونکہ ہم سے عہد پورا نہ ہوگا اور اوس کے بعد رسوائی ہوگی۔ بس آپ اپنے فضل سے ہمارے عہد ونکو وفا کے ساتھ مقرون اور ہمیشہ اونکو مضبوط رکھئے۔ دیکھئے وہ ٹوٹنے نہ پاویں ورنہ ہماری بڑی ذلت ہوگی اچھا اب ہم قصہ کیطرف عود کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جب اوس فقیر نے عہد توڑا تو فوراً ہی مصیبت میں پھنس گیا اور حق سبحانہ نے اوسکو فوراً سزا دی۔ کیونکہ اوس نے ایفار عہد کا حکم دیا ہے اور کہا ہے کہ اوفوا بالعقود یعنی جو معاملات تم حق سبحانہ کے ساتھ یا اپنے میں علی الوجہ المشروع طے کرلو۔ اونکو پورا کیا کرو اور اوس نے ایسا کیا نہیں لہذا مستوجب سزا ہوا تفصیل اسکی یہ ہے کہ اتفاقاً چند چور بہاگے ہوئے آئے اور آکر اس پہاڑ میں ٹھیر گئے جہاں وہ فقیر رہتا تھا۔ چور تعداد میں کمہر اور پر بنیں نہے یہ سب کے سب وہاں قیام کر کے مال مسروقہ کو تقسیم کررہے تھے چونکہ کسی مخبر نے کوتوال کو چوروں کی بابت اطلاع کردی تہی۔ لہذا اوسی حالت میں دوڑ پہنچ گئی اور مال سمیت سب کو گرفتار کرلیا۔ اور سب کے دائیں ہاتھ اور بائیں پاؤں وہیں کاٹ ڈالے گئے۔ اسی ہلڑ میں فقیر کا ہاتھ بھی غلطی سے کاٹ ڈالا گیا۔ پاؤں کو بھی کاٹنا چاہتے تھے کہ فوراً ہی ایک غیبی سوار نمودار ہوا۔ اور اوسنے پولیس مین کو ڈانٹا کہ او اندھے دیکھ کیا کرتا ہے یہ فلاں بزرگ اور ابدال وقت ہیں تو نے انکا ہاتھ کیوں کاٹا۔ اوس پولیس مین نے یہ سنکر کپڑے پھاڑ لئے اور کوتوال کے پاس دوڑا ہوا گیا اور فوراً اوسکو واقعہ کی اطلاع دی کوتوال ننگے پاؤں معذرت کے لیے حاضر ہوا اور کہا کہ خدا گواہ ہے مجھے آپ کے متعلق کوئی علم نہ تہا آپ میری اس بیہودہ حرکت کو معاف فرمادیں۔ آپ کریم ہیں اور اہل بہشت میں آپ کا بہت بڑا مرتبہ ہے اونہوں نے جواب دیا کہ اس عقوبت کی وجہ مجھے معلوم ہے اور میں اپنے گناہ سے خوب واقف ہوں۔ اصل بات یہ ہے کہ میں نے عہد خداوندی کی ہتک حرمت کی تہی لہذا اوسکی عدالت نے اس جرم میں میرا ہاتھ کاٹ ڈالا میں نے اوس کا عہد توڑا تھا اور جانتا تہا کہ یہ برا کام ہے اوس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اوس کا وبال میرے ہاتھ پر پڑا۔ لیکن اے والی مجھے اس کا کوئی غم نہیں میں تو چاہتا ہوں کہ میرے ہاتھ میرے پاؤں میرا مغز میری کہال غرض سب اجزا میرے دوست کے حکم پر قربان ہوجائیں۔

فی الحقیقت میں اِس کا مستحق تھا لہذا میں تمکو معاف کرتا ہوں اور میرا یہ خون ہدر ہے جس کا نہ کسی سے مطالبہ ہوسکتا ہے اور نہ معاوضہ لیا جاسکتا ہے کیونکہ تمکو تو علم نہ تھا تمپر تو اس سیئے وبال نہوگا اور جسکو علم تہا وہ خود حاکم ہے اول تو خدا کو پلٹنے کا کسکو یارا ہے اور اوس سے کون کہے کہ آپ نے یہ کیوں کیا پہر میرا قصور بھی تھا اِس لیے اِن ہاتھ کٹنے کا مطالبہ کسی سے نہیں ہوسکتا۔

شرح شبیری

چونکہ از امرود بن میوہ شکست — گشت اندر نذر و عہد خویش سُست

یعنی جبکہ امرود کے درخت سے میوہ توڑ لیا تو اپنی نذر اور عہد میں سُست ہوگیا۔

ہم در آندم گوشمالِ حق رسید — چشم او بکشاد و گوش او کشید

یعنی اوسیوقت حق تعالی کیطرف سے گوشمالی پہونچی جس نے کہ اوسکی آنکھیں کہولدیں اور اوس کا کان کھینچدیا۔ گوشمالی کا ذکر آگے آوے گا یعنی جیسے ہی اوس نے امرود توڑ کر کہایا ویسے ہی حق تعالے کی طرف سے سزا مسلط ہوئی جس کا ذکر آگے آوے گا۔ مولانا فرماتے ہیں کہ

مخلصان باشند دائم در خطر — امتحانہا ہست در رہ اے پسر

یعنی مقربین ہمیشہ خطرہ میں رہتے ہیں اور اے صاحبزادے راہ (حق) میں بہت سے امتحانات ہیں۔

عہد را باید وفا اے جان من　　　تا نمانی شرمسار و ممتحن

یعنی اے میری جان عہد کو وفا کرنا چاہیئے تاکہ تم شرمندہ اور ممتحن نہ ہو جاؤ۔ مطلب یہہ کہ جہاں تک ہو سکے جو عہد حق تعالےٰ سے قولاً فعلاً کرو اوسکو پورا کرو۔

یا مکن نذرے کہ نتوانی وفا　　　بر خطر منشین و بیرون جہ ہلا

یعنی یا ایسی نذر ہی مت کرو جسکو کہ پورا نکرسکو تم خبردار خطر پر مت بیٹھو۔ اور باہر نکل جاؤ۔ مطلب یہ کہ یا تو وفا کرو اور اگر جانو کہ وفا نہ کرسکو گے تو پہر عہد ہی مت کرو۔ اور سچ یہی ہے کہ جو چیزیں کہ شریعت نے ہمارے ذمہ نہیں کیں ہیں اون کے علاوہ دوسری چیزیں اپنے سر کہہ لیں تو اوسمیں بعض مرتبہ امتحان حق ہو جاتا ہے آگے فرماتے ہیں کہ۔

نذر را باید وفا در راہ حق　　　لیک حق تا خود کرا بدہد سبق

یعنی راہ حق میں نذر کو وفا کرنا چاہیئے۔ لیکن خود حق تعالیٰ ہی دیکہئے کسکو سبقت دیتے ہیں مطلب یہ کہ راہِ حق میں وفاء عہد ضروری ہے مگر وفاء عہد کی بہی توفیق حق ہی دے تو وہ بہی ہو سکتا ہے چونکہ وفاء عہد توفیق حق پر منحصر تہا اسلئے آگے حق تعالیٰ سے دعا فرمانے لگے کہ

عہدہا بستیم بس در کارہا　　　نذرہا کردیم در سر بارہا

یعنی اے اللہ ہمنے بہت سے کاموں میں عہد باندہے اور پوشیدگی میں بارہا نذریں کیں۔

قوت آن کو کہ پایان آوریم　　　عاجزیم و ناتوان و مضطریم

یعنی وہ قوت کہاں ہے کہ ہم پورا کرسکیں۔ ہم تو عاجز اور ناتوان اور مضطر ہیں۔

گر نہ فضلت دستگیر ما شود وائے بر ما زانکہ رسوائی بود

یعنی اگر آپ کا فضل ہمارا دستگیر نہو تو ہمپر افسوس ہے اسلئے کہ رسوائی ہوگی

نذر ما را با وفا پیوستہ دار عہد ما را از کرم دار استوار

یعنی ہماری نذر کو وفا کے ساتھہ قرین رکھئے اور ہمارے عہد کو کرم سے استوار رکھیئے۔ اب دعا کرکے پہر رجوع بقصہ فرماتے ہیں کہ۔

باز گشتم سوئے قصہ کان فقیر عہد چون بشکست در دم شد اسیر

یعنی میں پہر اوس فقیر کے قصہ کی طرف لوٹتا ہوں کہ جب اوس نے عہد توڑا تو وہ فوراً قید ہوگیا۔

غیرت حق گوشمالش داد زود زانکہ فرمودست او فوا بالعقود

یعنی غیرت حق نے اوسکو جلدی ہی گوشمالی دی اسلئے کہ فرمایا ہے کہ اوفوا بالعقود۔

جمع از دزدان بدند آنجا مگر در میان آوردہ بے مر سیم و زر

یعنی چوروں کی ایک جماعت اوسجگہ تہی شاید کہ وہ بے انتہا روپیہ پیسہ لائے تہے۔

اتفاقاً دزد چندے تاختند و ندران کہسار منزل ساختند

یعنی اتفاقاً چند چور دوڑے اور اوس کہسار میں اونہوں نے منزل بنائی۔ یعنی وہیں کہیں چوروں کی جماعت تہی جنہوں نے کہ ایک بہت بڑا ڈاکہ ڈالا تہا اتفاقاً وہ لوگ اوسی کہسار میں آکر جمع ہوگئے تہے۔

اوس شیخ کو اون چورون کے ساتھ متہم کرنا اور اسکا ہاتھ کاٹ ڈالنا

بست از دزدان بُدند آنجا و بیش　　　　بخش مے کردند مسروقات خویش

یعنی اوس جگہ چور بیس یا اس سے زیادہ تھے اور اپنے مسروقات کو تقسیم کر رہے تھے۔

شحنہ را غماز آگہ کردہ بود　　　　مردم شحنہ در افتادند زود

یعنی غماز نے کوتوال کو آگاہ کر دیا تھا۔(کہ چور فلاں پہاڑ میں ہیں) تو کوتوال کے آدمی جلدی سے (اوسمیں) گھس پڑے۔

شحنہ حالے عزم آن کہسار کرد　　　　جملہ را بگرفت و بست آن شیر مرد

یعنی کوتوال نے اوسیوقت ارادہ اوس کہسار کا کیا اور سب کو اوس شیر مرد نے پکڑ کر باندھ لیا۔

بس بفرمود از غضب جلاد را　　　　دست و پائے ہر یک از تن کن جدا

یعنی پھر غصہ کی وجہ سے جلاد کو حکم دیا کہ ہاتھ پاؤں ہر ایک کا تن سے جدا کر دو۔

ہم بُد آنجا پائے چپ و دست راست　　　　جملہ را ببرید غوغائے بخاست

یعنی اوسجگہ پر بایاں پاؤں اور سیدھا ہاتھ سب کا کاٹ دیا تو ایک شور پیدا ہو گیا۔

دست زاہد ہم بریدہ شد غلط پاش را میخواست ہم کردن سقط

یعنی زاہد کا بھی ہاتھ غلطی سے کاٹا گیا۔ اور اوسکے پاؤنکو بھی کاٹنا چاہتے تھے۔

در زمان آمد سوارے بس گزین بانگ برزد بر عوان کای سگ ببین

یعنی اوسیوقت ایک سوار بہت برگزیدہ آیا۔ اور اوس نے سپاہی کو للکارا کہ اے کتے دیکھ

این فلان شیخ است ابدال خدا دست او را تو چرا کردی جدا

یعنی یہ تو فلان شیخ ابدالِ خدا ہے تو نے اوسکے ہاتھ کو کیوں (تن سے) جدا کیا۔

آن عوان بدرید جامہ تیز رفت پیش شحنہ داد آگاہیش تفت

یعنی اوس سپاہی نے کپڑے پھاڑ ڈالے اور تیزی سے کوتوال کے پاس گیا اور اوس کو فوراً آگاہی دی۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ یہ سوار جو آیا یہ غیبی تھا اور چونکہ اوس شیخ نے ہاتھ سے تو خیانت کی تھی مگر پاؤں سے کچھ نہ کیا تھا لہذا ہاتھ تو کٹ گیا مگر پاؤں کٹنے نہ پایا تھا کہ فوراً اوس سوار غیبی نے آکر بچا لیا سبحان اللہ تعالی اللہ علوا کبیرا۔ غرض کہ جب اوس سپاہی نے جاکر کوتوال سے کہا تو اوسکی یہ حالت ہوئی کہ

شحنہ آمد پا برہنہ عذر خواہ کہ ندانستم خدا بر من گواہ

یعنی کوتوال ننگے پاؤں عذر خواہی کرتا ہوا آیا کہ خدا گواہ ہے میں نے آپ کو جانا نہ تھا۔

ہین بحل کن مر مرا این کار زشت اے کریم و سرور اہل بہشت

یعنی یہ کار زشت مجھے معاف فرما دیجئے اے کریم اور اے سردار اہلِ بہشت

گفت میدانم سبب این نیش را ‌ ‌ ‌ ‌ می شناسم من گناہ خویش را

یعنی اونہوں نے فرمایا کہ میں اس زخم کے سبب کو جانتا ہوں اور میں اپنے گناہ کو پہچانتا ہوں

من شکستم حرمتِ ایمان او ‌ ‌ ‌ ‌ پس یمینم برد دادستان او

یعنی میں نے اوس کے عہدونکی حرمت توڑی تو اوسکی عدالت میرا داہنا ہاتھ لے گئی

من شکستم عہد و دانستم بدست ‌ ‌ ‌ ‌ تا رسید آن شومئ جرأت بدست

یعنی میں نے عہد شکنی کی اور میں جانتا تھا کہ برا ہے یہاں تک کہ اوسکی نحوست ہاتھ پر پہونچی

یعنی میں سب جانتا ہوں کہ یہ کیوں ہوا اور اگر معلوم نہ بھی ہو تب بھی تو یہ بات ہے کہ

دست ما و پائے ما و مغز و پوست ‌ ‌ ‌ ‌ باد اے والی فدائے حکم دوست

یعنی ہمارا ہاتھ اور پاؤں اور مغز اور پوست اے حاکم اوس دوست کے حکم پر فدا ہے۔

قسمِ من بود این ترا کردم حلال ‌ ‌ ‌ ‌ تو ندانستی ترا نبود وبال

یعنی یہ میری قسمت میں تھا میں نے تجھے معاف کیا اور تو تو جانتا ہی نہ تھا
تو تجھپر کوئی وبال نہ ہوگا۔

وانکہ او دانست او فرمانرواست ‌ ‌ ‌ ‌ با خدا سامان پیچیدن کراست

یعنی اور وہ کہ جانتا ہے کہ وہ حاکم ہے تو بھلا خدا کی ساتھ اینچ پینچ کرنے کا سامان کسکے
پاس ہے مطلب یہ کہ جب حکم خدا ہے اور پھر میری خطا ہے تو مجھے اسیر بلا ہی
رہنا چاہیئے اور تمھاری کوئی خطا نہیں ہے سب معاف کیا اہل اللہ کو جب کوئی
مصیبت پیش آتی ہے تو اگر اوس سے مقصود تنبیہ ہوتا ہے تو حق تعالے اونکو

اوس سے فوراً متنبہ کر دیتا ہے اسی طرح اوسکو بھی فوراً تنبیہ ہوگئی لہذا اوس کو لوال سے کسم قسم کی کدورت اون کے دلمیں پیدا نہیں ہوئی اب آگے مولانا فرماتے ہیں کہ

اے بسا مرغ ز معدہ و ز مغص　　برکنار بام محبوس قفص

یعنی بہت سے جانور ہیں کہ معدہ اور پیٹ کی جلن کیوجہ سے بام پر ہوتے ہیں اور محبوس قفس ہوتے ہیں۔ خلاصہ اس کا اور چند اشعار بالا کا یہ ہے کہ اکثر حرص و شہوت کی چیزیں انسان کو خراب کرتی ہیں اوراس سے بہت مصیبت میں پھنستے ہیں تو دیکھو ایک جانور اچھا خاصہ کوٹھے پر بیٹھا ہوتا ہے مگر جال میں آکر پھنستا ہے یہ صرف اس شکم پیچ پیچ کی بدولت ہے

شرح حبیبی

اے بسا مرغ ز معدہ و ز مغص	برکنار بام محبوس قفص
اے بسا مرغ پرندہ دانہ جو	کہ بریدہ حلق او ہم حلق او
اے بسا ماہی در آب دور دست	گشتہ از حرص گلو ماخوذ شست
اے بسا مستور در پردہ بُدہ	شومے فرج و گلو رسوا شدہ
اے بسا قاضے حبر نیکخو	از گلوئے رشوتے اوزرد رو

اے بسا حاجی بحج رفتہ بعشق	وقت باز آمد شدہ او یار فسق
بلکہ در ہاروت و ماروت این شراب	از عروج چرخ شان شد سد باب
بایزید از بہر این کرد احتراز	دید در خود کاہلی اندر نماز
از سبب اندیشہ کرد آن ذو لباب	دید علت خوردن بسیار آب
گفت تا سالے نخواہم خورد آب	آنچنان کرد و خدایش داد تاب
این کمینہ جہد او بد بہر دین	گشت او سلطان و قطب العارفین

یاد رکھو کہ یہ جو کچھ مصیبت اون فقیر پر پڑی وہ سب پیٹ کی بدولت تھی اب تم سمجھ لو کہ پیٹ کیسی بُری بلا ہے۔ اور اوسکی کس قدر حفاظت کی ضرورت ہے۔ دیکھو بہت سے جانور معدہ اور آنتوں کے پیچ کی بدولت پنجرہ میں بند ہو کر کوٹھے پر رکھے ہوئے ہیں۔ اور بہت جانوروں کی یہ حالت ہوتی ہے کہ وہ دانہ تلاش کرتے ہیں اور اون کا حلق اون کا گلا کٹوا دیتا ہے بہت سی مچھلیاں جو بہت گہرے پانی میں محفوظ ہوتی ہیں حلق ہی کی حرص کے سبب کانٹے میں پھنستی ہیں بہت سی پردہ نشین عورتیں شرم گاہ اور حلق کی بدولت بدنام ہو جاتی ہیں بہت سے قاضی جو عالم متبحر اور نیک خصلت ہوتے ہیں رشوت خوار حلق کی بدولت شرمندگی اوٹھاتے ہیں بہت سے حاجی جو بڑے شوق سے حج کرتے ہیں لوٹ کر حلق ہی کی بدولت فاسق ہو جاتے ہیں بلکہ ہاروت و ماروت کے معاملہ میں یہہ شراب ہی جس کا تعلق حلق سے ہے اون کے لیے آسمان پر جانے سے مانع ہوئی تہی (کما ہو المشہور) جب اسکی یہ مضرتیں ہیں تو ضرور وہ حفاظت کا مستحق ہے چنانچہ حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ نے اِسی لیے اِس سے

احتراز کیا تہا جس کا واقعہ یہ ہے کہ انہوں نے دیکہا کہ نماز میں آج مجہے کاہلی ہوئی ہے اونہوں نے
اِس کے سبب پر غور کیا تو معلوم ہوا کہ پانی زیادہ پی لیا تہا یہ معلوم کر کے اونہوں نے مصمم ارادہ
کر لیا کہ ایک سال تک پانی نہ پیوں گا۔ چنانچہ اونہوں نے ایسا ہی کیا۔ اور خدا نے اون کو ایسا
کرنے کی طاقت دیدی یہ تو دین کے لیے ان کی ایک ادنی کوشش تہی یہ ہی وجہ ہے کہ وہ
سلطان العارفین اور قطب العارفین بن گئے۔

شرح شبیری

اے بسا مرغ پرندہ دانہ جو   کہ بریدہ حلق او ہم حلق او

یعنی بہت سے جانور ہیں جو کہ دانہ کے متلاشی ہوتے ہیں کہ اون کا حلق خود اون کے حلق
کو کٹوا دیتا ہے یعنی حلق سے کہانے گئے تہے اور جال میں پہنس کر خود اپنا حلق کٹوا دیتے ہیں۔

اے بسا ماہی در آب دور دست   گشتہ از حرص گلو ماخوذ شست

یعنی بہت سی مچہلیاں بڑے عمیق پانی میں ہوتی ہیں کہ حرص گلو کی وجہ سے وہ خود
شست میں ہو جاتی ہیں۔

اے بسا مستور در پردہ بدہ   شومی فرج و گلو رسوا شدہ

یعنی بہت سی مستورات ہیں جو کہ پردہ میں ہوتی ہیں اور فرج و گلو کی نحوست
کی وجہ سے رسوا ہوتی ہیں۔

اے بسا قاضی حبر نیکخو ازگلوے رشوتے او زرد رو

یعنی بہت سے قاضی عالم نیکخو اور رشوت (کہانے والے) گلو کی وجہ سے زرد رو ہتے ہیں

اے بسا حاجی بحج رفتہ بعشق وقت باز آمد شدہ او یار فسق

یعنی بہت سے حاجی ہیں جوکہ بڑی محبت وآرزو سے حج کو گئے ہتے ہیں اور واپسی کے وقت فسق کے یار ہوجاتے ہیں۔

بلکہ در ہاروت و ماروت این شراب از عروج چرخ شان شد سد باب

یعنی بلکہ ہاروت و ماروت میں یہ شراب عروج چرخ سے اون کے لئے مانع ہوگئی مولانا اِس قصہ کو ہمیشہ اور ہر جگہ بناءً علی المشہور لکھتے ہیں جب اونہوں نے شراب پی جیساکہ مشہور ہے تو دیکھو اِسی وجہ سے وہ گمراہ ہوئے۔ اور اس حرص وشہوت میں مبتلا ہوکر عروج آسمانی سے رہ گئے۔

بایزید از بہر این کرد احتراز دید در خود کاہلی اندر نماز

یعنی بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ نے اِسی لئے احتراز کیا ہے کہ اونہوں نے اپنے اندر نماز میں کاہلی دیکھی۔

از سبب اندیشہ کرد آن ذولباب دید علت خوردن بسیار آب

یعنی اون ذی عقل نے سبب اِس کا سوچا تو اِس کا سبب پانی زیادہ پینا دیکھا۔

گفت تا سالے نخواہم خورد آب آنچنان کرد و خدایش داد تاب

یعنی اونہوں نے فرمایا کہ ایک سال تک میں پانی نہ پیونگا تو اونہوں نے ایسا ہی کیا اور خدا نے اون کو

تحمل عطا فرمایا۔

این کمینہ جہد او بہر دین	گشت او سلطان و قطب العارفین

یعنی دین کے لیے اونکا یہ ادنے مجاہدہ تھا (ورنہ) وہ تو سلطان العارفین اور قطب العارفین ہمجے ہین (تو اونہوں نے اس سے کہیں زیادہ زیادہ مجاہدات کئے ہیں) آگے پھر اوس زاہد کوہی کے قصہ کی طرف رجوع فرماتے ہیں کہ

شرح حبیبی

چوں بریدہ شد برائے حلق دست	مرد زاہد را در شکوے بہ بست
اینچنین باشد چو یکدر بستہ شد	صد در دیگر بروشکستہ شد
شیخ اقطع گشت نامش پیش خلق	کرد معروفش بدین آفات حلق
در عریش او رسیکے زایر بیافت	کو بہر دو دست خود زنبیل بافت
گفت اورا اے عدوئے جان خویش	در عریشم آمدی سر کردہ پیش
ہین چہ اکردی شتاب اندر سباق	گفت از افراط مہر و اشتیاق

پس تبسم کرد و گفت اکنون بیا — لیک مخفی دار این را اے کیا

تا نمیرم من مگو این با کسے — نے قرینے نے حبیبے نے خسے

بعد ازان قوم دگر از روزنش — مطلع گشتند بر بافیدنش

گفت حکمت را تو دانی کردگار — من کنم پنہان تو کردی آشکار

آمد الہامش کہ یکچندے بُدند — کہ درین غم بر تو منکر مے شدند

کہ مگر سالوس بود او در طریق — کہ خدا رسواش کرد اندر فریق

من نخواہم کان رمہ کافر شوند — وز ضلالت در گمانِ بد روند

این کرامت را بکردیم آشکار — کہ دہیمت دست اندر وقت کار

تا کہ این بیچارگانِ بدگمان — رد نگردند از جناب آسمان

من ترا بے این کراماتہا ز پیش — خود تسلی دادہ ام از ذات خویش

این کرامت بہر ایشان دادمت — وین چراغ از بہر این بنہادمت

تو از ان بگذشتہ گز مرگ تن	ترسی از تفریق اجزائے بدن
وہم تفریق از سر و پایت برفت	دفع وہم اسپرید نیک رفت

یہاں سے پھر قصہ کی طرف عود فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جب خلق کی خاطر اون کا ہاتھ کاٹا گیا تو اونہوں نے کوئی شکایت کسی قسم کی نہیں کی بلکہ صبر کیا۔ جیسا کہ اوپر معلوم ہوچکا ہے اور ہونا بھی یہی چاہیے اور عقلا ایسا ہی کرتے ہیں کیونکہ ہاتھ بعض اغراض کے پورا کرنے کا ایک ذریعہ تہا اور حق سبحانہ کا قاعدہ ہے کہ جب وہ ایک دروازے اور ذریعہ کو مسدود کرتا ہے تو اور بہت سے دروازے پہوڑ دیتا ہے اور دیگر ذرائع پیدا کردیتا ہے چنانچہ اوس نے اون کے لئے بھی ایسا ہی کیا۔ جسکی تفصیل حسب ذیل ہے اوس روز سے اون کا نام شیخ اقطع ہوگیا۔ اور اس بیہودہ نام کے ساتھ اون کو حلق کی خرابیوں نے مشہور کیا۔ چنانچہ تم کو معلوم ہی ہوچکا ہے اتفاقاً کوئی شخص اون کی زیارت کو آیا اوسنے جہونپڑی کے اندر داخل ہوکر دیکھا کہ وہ دونوں ہاتھوں سے زنبیل بن رہے ہیں۔ اسپر اونہوں نے اوسکو ڈانٹا اور کہا کہ او اپنی جان کے دشمن تو یوں ہی منہ اوٹہائے ہوئے میرے جہونپڑے کے اندر چلا آیا۔ اطلاع بھی نہ کی۔ بتا تو گھسنے میں اتنی عجلت کیوں کی اوسنے عرض کیا فرط محبت و اشتیاق نے مجھے اتنی مہلت نہ دی اس جواب سے اون کا غصہ ٹھنڈا ہوگیا اور ہنسکر فرمایا کہ اچھا آجاؤ لیکن اس راز کو مخفی رکہنا اور جب تک میں مر نہ جاؤں اس وقت تک کسی سے نہ کہنا خواہ کوئی ہمنشین ہو یا محبوب یا کوئی معمولی آدمی۔ یہ واقعہ تو ختم ہوا اس کے بعد کچھ اور لوگ سوراخ کے ذریعہ سے اون کے دونوں ہاتھوں سے بننے پر مطلع ہوگئے۔ اب یہ بہت پریشان ہوئے اور حق سبحانہ سے عرض کیا کہ اے اللہ میں تو اسکو چہپانا چاہتا ہوں اور آپنے ظاہر کردیا اسکی مصلحت کو آپ جانتے ہیں اسپر اونکو الہام ہوا کہ فصلحت

اسمیں یہ ہے کہ ایک عرصہ تک تو لوگوں کی یہ حالت تہی کہ اِس معاملۂ غم افزامیں آپ پر انکار کرتے تہے اور کہتے تہے کہ یہ اس روش میں مکار تھا۔ کیونکہ خدا نے اسکو چوروں کے ضمن میں رسوا کر دیا میں نے نہ چاہا کہ اون کے انکار کی شامت اونکو کفر اختیاری میں مبتلا کر دے اور یہہ اپنی ناواقفیت اور جہالت سے گمان بد میں مشغول رہیں اس لیے میں نے اِس کرامت کو ظاہر کر دیا کہ میں کام کے وقت تم کو ہاتھہ عطا کرتا ہوں تاکہ یہ بدگمان بیچارے درگاہِ خداوندی سے مردود نہو جائیں۔ یہ آپ کے لئے نہیں ہے اسلئے کہ آپکو تو میں ان کرامتوں سے پہلے خود اپنی ذات سے (یعنی اوس کے مشاہدہ یا اپنی طرف سے الہام سے یا کسی اور طریقہ سے) کامل تسلی دے چکا ہوں بلکہ یہ کرامت تو میں نے آپکو اِن لوگوں کی وجہ سے عطا کی ہے اور یہ چراغ میں نے آپ کے سامنے اِن ہی لوگوں کی رہنمائی کے لئے رکہا ہے آپ کو اسکی کچھہ ضرورت نہیں۔ اسکی ایک وجہ تو پیشتر معلوم ہو چکی۔ دوسری یہ ہے کہ آپ کو ہاتھہ کٹنے کا کچھہ ایسا غم بھی نہیں تہا جس کے لئے اس اہتمام کی ضرورت ہوتی۔ اس لئے کہ آپکا مرتبہ اِس سے ارفع ہے کہ آپکو جسم کے مردہ ہونے یا اوس کے اجزار کے جُدا ہو جانے سے خوف ہو اور اسکی تحقق کے بعد رنج ہو۔ لیکن اتنا فائدہ آپ کے لئے بھی ہوا کہ گو آپ کو تفریق اجزاء کا خوف اور رنج نہو مگر نفس تفرق جسم کا توہم ہو سکتا۔ اب وہ بھی جاتا رہا۔ اور خوب قوی اور مستقل طور پر اندفاع توہم آپ کو حاصل ہو گیا۔ کیونکہ اس واقعہ سے آپ کو معلوم ہو گیا کہ آپ کا قطع ید ایسا تہا جیسا خواب میں کسیکا ہاتھہ کٹ جاتا ہے۔ اور آنکھہ کھلنے کے بعد وہ اوسکو سالم پاتا ہے۔ نیز یہ بھی معلوم ہو گیا کہ تفرق جسم کے بعد بھی حق سبحانہ جب چاہتے ہیں اتصال پیدا کر سکتے ہیں پس وہ تفرق ایسی صورت میں کچھہ بھی قابلِ التفات نہو گا۔ اب مولانا اسکی تائید میں ایک قصہ بیان کرتے ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ دیکھو ساحران فرعون کو کسقدر تفریق جسم کی دہمکیاں دی گئیں لیکن چونکہ یہ تفرق اون کی نظر میں ایک وہم وخیال سے زیادہ وقعت نہ رکہتا تہا نیز اونکو خدا کی قدرت پر اطمینان تہا کہ اگر وہ چاہیں گے

تو پھر اتصال پیدا کر دیں گے اسلئے اونہوں نے اِن دہمکیوں کی طرف کچھہ بھی التفات نہ کیا تفصیل قصہ حسب ذیل ہے۔

شرح شبیری

چون بریدہ شد برائے حلق دست　　مرد زاہد را درِ شکوے بہ بست

یعنی چونکہ اون کا ہاتھہ حلق کی وجہ سے کاٹا گیا تو اون مرد زاہد کے شکوے کا دروازہ بند ہوگیا یعنی پھر اونہوں نے کوتوال وغیرہ کسیکی شکایت نہیں کی اسلئے کہ اونکو تو معلوم تہا کہ یہ اوس حرکت کی سزا ہے۔

اینچنین باشد چو کلید بستہ شد　　صد درِ دیگر بروا شکستہ شد

یعنی ایسا ہی ہوا کرتا ہے کہ جب ایک در بند ہوا تو سو دروازے دوسرے اوسپر ٹوٹ جاتے ہیں۔ مطلب یہ کہ اگر ایک دروازہ اسباب میں بند ہوجاتا ہے تو حق تعالیٰ اور دوسرے سیکڑوں اسباب پیدا فرما دیتے ہیں اور در کھلنے کو ٹوٹنے سے تعبیر کیا کہ وہ ٹوٹ گئے ہیں کہ اب بند ہی نہیں ہوتے۔ اور یہ شعر مابعد کی تمہید ہے خلاصہ یہ ہے کہ آگے بیان کریں گے کہ اون زاہد صاحب کے خلوت میں ہاتھہ لگ جاتا تہا تو بیان فرماتے ہیں کہ دیکھو اگرچہ ظاہر میں اون کا ہاتھہ کٹ گیا تہا مگر اوس کے کٹ جانے سے اون کا ضرر کچھہ نہیں ہوا بلکہ اون کو حق تعالیٰ نے دوسرا ہاتھہ عنایت فرما دیا۔ آگے پھر اون کی حکایت ہے۔

شیخ اقطع کی کرامت اور اُن کا خلوت میں دونوں ہاتھوں سے زنبیل بُننا

شیخ اقطع گشت نامش پیش خلق　　کرد معروفش بدین آفات خلق

یعنی لوگوں کے آگے اون کا نام شیخ اقطع ہوگیا اور لوگوں نے ان آفات کے ساتھ اُنکو مشہور کردیا یعنی شیخ اقطع تو اُن کے نقص پر دال تھا مگر لوگوں نے یہی اونکا نام مشہور کردیا۔ مولا فرماتے ہیں کہ

گر تو نام اولش خواہی روان　　ہین برو بوالخیر تیناتیش خوان

یعنی اگر تم اون کا اول نام معلوم کرنا چاہتے ہو تو جاؤ اور اونکو ابوالخیر تیناتی کہو تیتان بفتح تا و یائے تحتانی نام موضع ستش فرسخ از مصر یعنی اون کا اصلی نام ابوالخیر ہے اور تیتان کے رہنے والے تھے

در عریش او را یکی زائر بیافت　　کو بہر دو دست خود زنبیل بافت

یعنی جھونپڑی میں ایک زائر نے اونکو پایا کہ وہ اپنے دونوں ہاتھوں سے زنبیل بن رہے ہیں

گفت او را اے عدوئے جان خویش　　در عریشم آمدی سر کردہ پیش

یعنی شیخ نے اوس سے کہا کہ اے اپنی جان کے دشمن تو میرے جھونپڑے میں ویسے ہی منہ اوٹھائے ہوئے چلا آیا۔

ہین چرا کردی شتاب اندر سباق　　گفت از افراط مہر و اشتیاق

یعنی (فرمایا کہ) اے تو نے آنے میں جلدی کیوں کی تو اوسنے عرض کیا کہ فرط محبت اور اشتیاق کی وجہ سے۔

پس تبسم کرد و گفت اکنون بیا　　لیک مخفی دار این را اے کیا

یعنی پس اونہوں نے تبسم کیا اور فرمایا کہ اب آجا لیکن اے زیرک اسکو ذرا پوشیدہ ہی رکھنا

تا نمیرم من مگو این با کسے　　نے قرینے نے حبیبے نے خسے

یعنی جب تک کہ میں مر نہ جاؤں اسکو کسی سے مت کہنا نہ کسی ساتھی سے نہ دوست سے نہ کسی کمینہ سے مطلب یہ ہے کہ کسی سے مت کہنا۔ ان بزرگ نے اس شخص کو تو منع کردیا مگر پھر یہ ہوا

بعد ازان قوم دگر از روزنش　　مطلع گشتند بر بافیدنش

یعنی بعد اوس کے دوسرے لوگوں نے جھونپڑی کے روزن سے اُن کے بننے پر اطلاع پالی جب اُنہوں نے دیکھا کہ یہ تو لوگوں پر ظاہر ہوگیا تو اُن کو یہ خوف ہوا کہ کہیں اُن پر کوئی وبال نہ آوے کہ اسکو ظاہر کیوں کیا تھا۔ لہذا اِس ڈر کے مارے دعا فرماتے ہیں

گفت حکمت را تو دانی کردگار　　من کنم پنہان تو کردی آشکار

یعنی اونہوں نے عرض کیا کہ اے اللہ حکمت کو تو آپ ہی جانتے ہیں مگر میں نے تو پوشیدہ کیا تھا اور آپنے ظاہر فرمایا مطلب یہ کہ اے اللہ اسمیں میری تو کوئی خطا ہے نہیں آپنے ہی ظاہر فرمایا ہے۔

آمد الہامش کہ یک چندے بُدند　　کاندرین غم بر تو منکر مے شدند

یعنی اونکو الہام ہوا کہ یہ لوگ ایک مدت (اِس طرح) تھے کہ اِس تکلیف میں تم پر منکر ہوا کرتے تھے (اور کہا کرتے تھے کہ)

کہ مگر سالوس بود اندر طریق　　　　کہ خدا رسواش کرد اندر فریق

یعنی کہ شاید یہ طریق حق میں مکار تھے کہ خدا نے اوسکو فریق میں رسوا کر دیا۔ یعنی لوگ تمہارے اس ہاتھ کٹ جانے سے کہا کرتے تھے کہ مکار تھا لہذا حق تعالیٰ نے اوس کا بدلا دیا۔ اور معلوم ہوتا تھا کہ چور تھا تو چونکہ لوگ تم پر بدگمانی کیا کرتے تھے اور اوس سے ان کے ایمان کے متزلزل ہونیکا خوف تھا لہذا

من نخواہم کان رمہ کافر شوند　　　　وز ضلالت در گمان بد روند

یعنی میں نہیں چاہتا کہ یہ جماعت کافر ہوں اور گمراہی کی وجہ سے گمان بد میں پڑیں یعنی حقتعالے نے فرمایا کہ چونکہ تمہاری شان میں گستاخی سے عوام کے ایمان کا خوف تھا کہ کہیں گستاخی مفضی الی الکفر نہو جائے۔ اور ایسا بہت ہوا ہے۔ قصبہ دیوبند میں ایک شخص نے ایک بزرگ کی شان میں گستاخی کی تو اون بزرگ نے کہا کہ حق تعالیٰ تمہارے ایمان کو سلامت رکھے بد دعا نہیں دی بلکہ یہ دعا کی لیکن اندر سے دل تو دکھا ہی تھا۔ تو وہ شخص کچھ ہی دن بعد نصرانی ہو گیا والعیاذ باللہ تو دیکھو گستاخی ہی کا یہ اثر ہوا تو ارشاد ہوا کہ چونکہ ان لوگوں کے کافر ہو جانے کا خوف تھا لہذا ہم نے ان کے بچانے کے لیئے ایسا کیا ان لوگوں پر کرامت ظاہر کر دی تاکہ یہ گستاخی کرنا چھوڑ دیں اللہ اکبر قابل غور امر ہے کہ ان بزرگ نے جو ایک کام کیا اور وہ بظاہر بہت چھوٹا تھا اگرچہ اصل میں عظیم تھا مگر ظاہر میں تو خفیف ہی تھا تو اونکو فوراً سزا ملی اور عوام کے فعل پر اون کے ایمان کی حفاظت کیجا رہی ہے سبحان اللہ علوا کبیرا اے اللہ ہم ضعیف لوگوں کا ایمان پر خاتمہ فرما۔ اور استقامت و استدامت علی الطریق نصیب فرما آمین۔

سچ یہ ہے کہ جتنا قرب بڑھا اوسیقدر تنبیہ بھی ہوتی ہے اسلئے کہ جو کہتا ہے اپنے ہی کو کہا کرتا ہے دیکھو قرآن شریف میں ازواج مطہرات امہات المومنین کی بابت ارشاد ہے۔ من یات منکن بفاحشۃ مبینۃ یضاعف لہا العذاب ضعفین تو یہ دوہرا عذاب کیوں اسی لیئے کہ مقرب ہو کر اور پھر اسقدر خطا عظیم اے اللہ ہمیشہ اپنی حفاظت میں رکھنا۔ اور ارشاد ہے کہ

این کرامت را بکردیم آشکار که دہیمت دست اندر وقت کار

یعنی ہم نے تمہاری اِس کرامت کو (اسلئے) ظاہر کیا کہ ہم تمکو کام کے وقت ہاتھ دیتے ہیں۔

تاکہ این بیچارگانِ بدگمان رد نگردند از جناب آسمان

یعنی تاکہ یہ بیچارے (تم سے) بدگمان ہوکر درگاہِ آسمانی سے مردود نہو جائیں۔

من تسلی این کرامتہا ز پیش خود ترا دادہ ام از ذات خویش

یعنی میں نے تمکو تو ان کرامتوں سے پہلے خود ہی تسلی دیدی تھی۔

این کرامت بہر ایشان دادمت وین چراغ از بہر این بنہادمت

یعنی یہ کرامت تو میں نے تمکو اون کے لئے دی ہے اور یہ چراغ اِن کے واسطے رکھا ہے
میں نے مطلب یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے اون سے فرمایا کہ تمکو تو میں نے پہلے ہی تسلی دیدی تھی
اِس طرح کہ تمام واردات و احوال پہر اوسی طرح لوٹا دیئے تھے جس سے کہ صاف معلوم ہوتا تھا
کہ تم مردود نہیں ہوئے اب اِس کرامت کی تمہارے لئے تو ضرورت نہ تھی یہ کرامت تو
صرف اِس لئے ظاہر کی ہے کہ جو لوگ تمہاری بزرگی کے منکر ہیں اون کا ایمان نہ جاتا رہے
اور وہ کہیں گمراہ نہو جاویں ورنہ آپکی تو یہ حالت ہے کہ۔

تو ازان بگذشتۂ کز مرگ تن ترسی از تفریق اجزاء بدن

یعنی تو اوس سے گذر گیا ہے کہ مرگ تن کی وجہ سے اجزاء بدن کے الگ ہوجانے سے ڈرے

وہم تفریق سر و پائے تو رفت دفع وہم از سر رسیدیک رفت

یعنی سر و پا کی تفریق کا وہم تم سے جاتا رہا ہے اور وہم کا دفعیہ از سر تمکو خوب اچھی طرح

پہونچ گیا ہے مطلب یہ ہے کہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اب آپکی وہ شان ہے کہ آپکو اسکا خوف نہیں ہے کہ آپ کے یہ دست و پا ظاہری الگ کر دیئے جاویں اسلئے کہ آپکو تو وہ روحانی اعضار حاصل ہیں اور وہ آپ کو عطا ہو جاویں گے تو آپکی یہ شان پہلے سے تھی اور اب از سر نو یہ حالت اور زیادہ قوی ہوگئی اسلئے کہ آپ کو اس وقت ظاہری ہاتھ کے بعد دست روحانی مل گیا اب تو عین الیقین ہوگیا ہے اور کوئی وہم و شبہ رہا ہی نہیں۔ اور اگر یہ بھی نہو تب بھی اون کے تمام اعضار بدن فدائے حق ہیں اون کو ان کے جاتے رہنے کی بہ سبب اوس تعلق کے جو اونکو حق تعالیٰ کے ساتھ تھا کچھ پروا نہ تھی اور پھر ان دست و پا کے فانی اور اس عالم کے فانی ہونیکو وہ خوب سمجھے ہوئے تھے لہذا اب اونکو اس سے کیا غم ہو سکتا تھا کہ اون کا ہاتھ کٹ گیا ہے یہ کرامت صرف اس لئے تھی کہ اور وں کا ایمان درست رہے آگے ساحران فرعون کا قصہ لاتے ہیں کہ دیکھو جب فرعون نے کہا لاقطعن ایدیکم وارجلکم من خلاف ولا صلبنکم اجمعین تو وہ جواب دیتے ہیں۔ لاضیر انا الی ربنا لمنقلبون اونکو جو اسقدر قوت تھی کہ وہ لاضیر کہتے ہیں جو نکرہ تحت میں نفی کے ہے کوئی ضرر بھی نہیں حالانکہ ضرر ظاہر میں موجود تھا تو اس لاضیر کے کہنے کی وجہ یہی تھی کہ اونہوں نے اصل حقیقت کو سمجھ لیا تھا اور وہ اس دنیا کو فانی اور اسکی حیات کو فانی سمجھے ہوئے تھے اور دوسرے عالم کو اور اوس کی حیات کو باقی سمجھے ہوئے تھے اس لئے اون کو ضرر نہونے کا اسقدر پختہ یقین تھا جیسے کہ اون کے جواب سے معلوم ہوتا ہے۔ آگے حکایت بیان فرماتے ہیں کہ۔

شرح حبیبی

ساحران را نے کہ فرعون لعین	کرد تہدید و سیاست بر زمین

کہ بہ برم دست و پاتان از خلاف　　پس در آویزم ندارم تاں معاف

تم دیکھ لو کیا ساحرونکو فرعون نے دہمکی نہ دی تہی اور خوف نہ دلایا تہا کہ میں تم لوگوں کے ایک طرف کے ہاتہہ اور ایک طرف کے پاؤں کاٹ ڈالونگا۔ اور اوس کے بعد تم کو لٹکادوں گا اور ہرگز معاف نہ کروں گا۔ لیکن اِس کا اونپر کیا اثر ہوا۔ کچھ بہی نہیں

شرح شبیری

ساحران فرعون کا ہاتھ پیر کٹوالنے پر جری ہونے کا سبب

ساحران را نے کہ فرعون لعین　　کرد تہدید و سیاست بر زمین

کیا فرعون لعین نے ساحرونکو تہدید و سیاست زمین پر نہیں کی (کہ یہہ کہا تہا کہ)

کہ بہ برم دست و پاتان از خلاف　　پس در آویزم ندارم تان معاف

یعنی کہ میں تہارے ہاتہ پاؤں خلاف سے کاٹونگا اور پہر تمکو لٹکاؤں اور معاف نکرونگا خلاف سے کاٹنے کا مطلب یہ کہ اگر داہنا ہاتھ تو بایاں پیر یا اِس کے برعکس غرضیکہ اوس نے دہمکی دی کہ تمہارے ہاتہ پیر کاٹ کر سولی دیے دوں گا۔ مولانا فرماتے ہیں کہ

شرح حبیبی

او همی پنداشت کایشان درسهان / وهم و تخویف اند و وسواس و گمان

که بود شان لرزه و تخویف و ترس / از توهم ها و تهدیدات نفس

او نمیدانست کایشان رسته اند / بر دریچه نور دل بنشسته اند

سایهٔ خود را ز خود دانسته اند / چابک و چست و گش و برجسته اند

هاوُن گردون اگر صد بارشان / خورد کوبد اندرین گلزارشان

اصل آن ترکیب را چون دیده اند / از فروع وهم کم ترسیده اند

این جهان وهم ست اندر ظن ما نیست / گر رود در خواب دستی باک نیست

گر بخواب اندر سرت ببرید گاز / هم سرت برجاست هم عمرت دراز

گر ببینی خواب در خود را دو نیم / تندرستی چون بخیزی نی سقیم

حاصل اندر خواب نقصان بدن / نیست باکی از دو صد پاره شدن

این جهان را که بصورت قائمست / گفت پیغمبر که حلم نائمست

از ره تقلید تو کردی قبول / سالکان این دیده پیدا بی رسول

روز در خوابی مگو کین خواب نیست / سایه فرعست اصل جز مهتاب نیست

خواب و بیداریت آن دان ای عضد / که ببیند خفته کو در خواب شد

او گمان برده که این دم خفته‌ام / بیخبر زان کوست در خواب دوم

کوزه‌گر گر کوزه را بشکند / چون بخواهد باز خود قائم کند

کور را هر گام باشد ترس چاه / با هزاران ترس می آید براه

مرد بینا دید عرض راه را / پس بداند او مغاک و چاه را

پا و زانوش نلرزد هر دمی / رو ترش کی دارد او از هر غمی

خیز فرعونا که ما آن نیستیم / که بهر بانگی ز غولی بیستیم

خرقهٔ ما را بدر دوزنده هست / ورنه خود ما را برهنه تن بهست

بے لباس آن خوب را اندر کنار	خوش بگیریم اے عدو نابکار
خوشتر از تجرید از تن و زمزیج	نیست اے فرعون بے الہام گیج

وجہ اس دہمکی کی یہ تہی کہ وہ سمجہتا تہا کہ یہ ابہی اسی وہم و گمان اور وسوسہ خوف کی حد میں ہین جمیں پہلے تہے اور اوہام و خیالات اور نفس کی دہمکیوں سے ڈر جاتے اور کانپ جاتے تہے لیکن وہ یہ نہ سمجھا کہ وہ اوہام کے پہندے سے نکل چکے ہیں اور اب وہ اُس درجہ پر بیٹھے ہُوئے ہیں جس سے نور قلب داخل ہوتا ہے اور وہ اوس نور کے ذریعہ سے حقائق کو علی ما ہی علیہ دیکہہ رہے ہیں اب اونکو اپنی حقیقت اور اپنے سایہ میں امتیاز ہوگیا ہے اسلئے اب وہ بجائے مغموم و محزون ہونے کے چست و چالاک اور خوش و خورم ہیں وہ جان چکے ہیں کہ اس مرکب عنصری کی اصل کچہہ اور ہی ہے خواہ روح ہو یا جسم مثالی اسلئے اگر آسمان اون کو اپنی اوکہلی میں متواتر تبہی کوٹے اور اون کے جسم عنصری کو ریزہ ریزہ کر دے تب بہی ان پر وہم غالب نہوگا - اور اس سے وہ ذرا بہی نہ ڈریں گے پس تم بہی اون کی تقلید کرو اور اس عالم ناسوتی میں دل کو نہ پہنساؤ کیونکہ اس عالم کی وہم و خیال سے زیادہ وقعت نہیں ہے لہذا تمکو مبتلائے گمان نہ رہنا چاہیئے اور تفرق جسم سے ہرگز خوف نہ کرنا چاہیئے - کیونکہ اس سے تم کو کچہہ بہی ضرر لاحق نہیں ہوتا - اب ہم تمکو ایک دوسرے عنوان سے اسی مقصد کو سمجہانا چاہتے ہیں - دیکہو اگر خواب میں قینچی سے تمہارا سر کاٹ ڈالا جائے تو تمکو اس سے کیا نقصان پہونچتا ہے - کچہہ بہی نہیں - کیونکہ تمہارا سر اسی طرح قایم رہتا ہے بلکہ بنابر مشہور یہ فائدہ ہوتا ہے کہ اس سے تمہاری عمر بڑہتی ہو کیونکہ عوام میں مشہور ہے کہ اگر خواب میں کوئی اپنے کو مردہ دیکہے تو اس سے اوسکی عمر بڑہتی ہے - اسیطرح اگر تم خواب میں اپنے کو دیکہو کہ کسی نے میرے دو ٹکڑے کر دیئے ہیں تو اس سے تمکو کیا ضرر ہوتا ہے کچہہ بہی نہیں کیونکہ تم جب بیدار ہوتے ہو تو اسی طرح تندرست ہوتے ہو - اور کچہہ بہی نقصان تمہارے اندر نہیں ہوتا - خلاصہ یہ

خواب کے اندر بدن میں خرابی واقع ہونے بلکہ سو ٹکڑے ہو جانے کی بھی کچھ پرواہ نہیں جب یہ امر ممہد ہو چکا تو اب سمجھو کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اِس جہان کو جو بظاہر قائم معلوم ہوتا ہے سونے والے کا خواب فرمایا ہے۔ گو تم بھی اسکو ضرور مانتے ہوگے۔ مگر تم نے تو صرف تقلیداً ہی مانا ہے لیکن اہل اللہ نے اسکو تمھاری طرح صرف جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہونے ہی کی وجہ سے نہیں مانا بلکہ اونہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کی بدولت اور آپ کے طفیل سے اس کا مشاہدہ بھی کیا ہے۔ اِس سے معلوم ہو گیا کہ تم دن میں بھی خواب ہی میں ہو تم یہ نہ کہنا کہ میں خواب میں نہیں ہوں اور عالم خواب نہیں ہے۔ کیونکہ اول تو اہل اللہ پر اس کا خواب ہونا منکشف ہو چکا ہے لیکن اگر اونکی بات نہ مانو تو خود جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد موجود ہے پس جبکہ عالم کا خواب ہونا بھی ظاہر ہو گیا اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ خواب میں اگر جسم میں تفرق اتصال واقع ہو تو کچھ قابل التفات نہیں لہذا تمکو اسکی مضرتوں کی کچھ پرواہ نہ کرنی چاہیئے۔ اور اس سے قطع تعلق کر کے حق سبحانہ کے ساتھ مشغول ہونا چاہیئے علاوہ اِس کے ایک اور وجہ بھی ہے وہ یہ کہ عالم ظل اور پرتو ہے جناب حق سبحانہ کا اور بلا تشبیہ اسکی اون کے لحاظ سے ایسی ہی مثال ہے جیسے چاندنی اور چاند بس جس طرح کہ چاندنی فرع ہے چاند کی یوں ہی عالم فرع ہے حق سبحانہٗ کی اور یہ تمکو معلوم ہے کہ اصل کو چھوڑ کر فرع میں مشغول ہونا سراسر حماقت ہے۔ پس حق سبحانہ کو چھوڑ کر عالم میں مشغول ہونا اور اوسکی مضرتوں سے بچنے اور منفعتوں کو وصول کرنے کی دھن میں لگنا سراسر نادانی ہوگا۔ پس اِس سے بھی ثابت ہوا کہ تفرق جسم سے ڈرنا ہرگز نہ چاہیئے اب مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس شبہ کو بھی رفع کر دیا جاوے جو عالم کو خواب کہنے پر واقع ہوتا ہے وہ یہ کہ اس عالم میں اگر ہم کبھی بیدار ہوتے ہیں اور کبھی سوتے ہوتے ہیں۔ پس اگر عالم خواب ہوتا تو سونا جاگنا کیسا۔ تقریر دفع یہ ہے کہ یہ امر مشاہد ہے اور اِس کا انکار نہیں کیا جا سکتا کہ کبھی آدمی سوتے ہوئے خواب دیکھتا ہے اور اوس خواب میں اول اپنے کو جاگتے ہوئے دیکھتا ہے اور پھر خواب ہی میں دیکھتا ہے کہ میں سو گیا

مثلاً ایک شخص خواب میں دیکھتا ہے کہ میں سفر کر رہا ہوں اور سفر ہی میں اوسکو رات ہوجاتی ہے اور وہ دیکھتا ہے کہ میں تھک کر ایک مقام پر لیٹ رہا۔ اور مجھے نیند آگئی تو دیکھو کہ وہ خواب میں سمجھتا ہے کہ میں پہلے سے جاگ رہا تھا اور اب سویا ہوں حالانکہ وہ پہلے سے بھی سو رہا تھا اور اب دوبارہ سویا ہے اِس سے تمہاری سمجھ میں آگیا ہوگا کہ خواب کے اندر سونا اور جاگنا دونوں ہو سکتے ہیں۔ بس یہی حالت بالکل عالم کی ہے کہ وہ در اصل ایک خواب ہے آدمی اسمیں اولا اپنے کو جاگتا ہوا جانتا ہے اور اوس کے بعد سمجھتا ہے کہ میں سوگیا۔ اب کوئی شبہ نہ رہا اب ہم تفرق جسم سے نہ ڈرنے کے لئے ایک اور وجہ بھی بتلاتے وہ یہ کہ قاعدہ ہے کہ اگر برتن بنانے والا برتن کو توڑ دیتا ہے تو وہ اگر چاہے تو دوبارہ بنا بھی سکتا ہے۔ بس سمجھنا چاہیئے کہ اگر کسی مصلحت سے حق سبحانہ تفریق جسم کریں گے بھی تو دوبارہ بنا بھی سکتے ہیں۔ اگر چاہیں گے اور مصلحت ہوگی تو بنا بھی دیں گے۔ پھر ڈر کس لئے غرضکہ یہ وجوہ ہیں جو مقتضی ہیں اسکو کہ تفرق سے نہ ڈرنا چاہیئے اب یہ بھی سمجھ لینا چاہیئے کہ ان تمام باتوں کے باوجود آدمی کیوں ڈرتا ہے اس کی وجہ صرف حقیقت ناشناسی ہے دیکھو اندھا چونکہ رستہ سے واقف نہیں ہوتا اسلئے اوسکو ہر قدم پر کنوئیں کا ڈر ہوتا ہے اور بہت ہی ڈرتے ڈرتے رستہ چلتا ہے برخلاف اِس کے دیکھنے والا شخص چونکہ رستہ کی چوڑائی کو دیکھتا ہوتا ہے لہذا وہ گڑھے اور کنوئیں کو آنکھ سے دیکھتا ہے پس جو چیزیں فی الواقع بچنے کی ہیں اون سے احتیاط کرتا ہے اور جو چیزیں بچنے کی نہیں اون کی کچھ بھی پرواہ نہیں کرتا۔ نہ ہر وقت اوس کے گھٹنے اور پاؤں میں تھرتھراہٹ ہوتی ہے اور نہ وہ معمولی تکلیف وہ چیزوں سے بے چین ہوتا ہے اور اندھا جہاں ڈرنے کی ضرورت نہیں وہاں بھی ڈرتا ہے اور جو بچنے کی چیزیں نہیں اُنسے بھی کھٹکتا ہے اور ذرا سے خطرہ کو بہت سمجھکر اوس کا دم فنا ہوجاتا ہے۔ دیکھو چونکہ ساحروں کو حقیقت کا انکشاف ہوگیا تھا اِس لیے اونہوں نے فرعون کی دھمکیوں کے جواب میں صاف کہدیا کہ ارے فرعون بھاگ بھی ہم وہ نہیں کہ ہر بُھتنے کی بات کو صحیح سمجھکر رہبری کو چھوڑ دیں اور بدک جائیں تو کچھ ہی کہہ ہم نہ مانیں گے تو تفریق جسم کی دھمکی دیتا ہے

جلد ۹ ۱۳

اچھا تو کاٹ ڈال اول تو خدا کو یہ قدرت حاصل ہے کہ وہ ہمارے جسم کو دوبارہ ٹھیک کردے لہذا ہمکو ڈرنے کی کوئی ضرورت نہیں اور اگر کبھی مصلحت سے اوس نے ایسا نہ بھی کیا تب بھی ہمکو کچھہ نقصان نہیں بلکہ اور فائدہ ہے کہ تن فی الجملہ قرب حق سبحانہ سے حاجب تہا جب وہ نہ رہیگا تو زیادہ قرب ہوگا اور ہماری اوس عاشق کی سی مثال ہوگی جو کرتہ اُتار کر اپنے معشوق کو آغوش میں لے ظاہر ہے کہ اِس صورت میں اوسکو اپنے معشوق سے بہ نسبت کرتہ پہنے ہونے کے زیادہ قرب ہے اِس سببسے ہماری تو عین خوشی ہے کہ ہم جسم اور مزاج سے الگ ہوجائیں پس یہ تیری دہمکیاں بجائے اس کے کہ خوف وہراس پیدا کریں اور اشتیاق پیدا کرتی ہیں۔ یاد رکہو کہ" کور را ہر گام باشد ترس چاہ" الی آخر البیت الثالث میں دو مضمون بیان کئے تھے اول عوام کا آلام دنیا میں بتلا ہونے سے ڈرنا اور اہل اللہ کا نہ ڈرنا۔ دوسرے عوام کا بتلائے آلام ہو کر پریشان اور بےچین بجبین ہونا اور اہل اللہ کا نہ گھبرانا اور نہ چین بجبین ہونا اور دونوں باتوں کا منشا حقیقت ناشناسی و حقیقت شناسی کو بتلایا تہا اب ایک تیسری بات بیان کرنا چاہتے ہیں وہ یہ کہ اہل اللہ تو حقیقی مضرتوں میں بتلا نہیں ہوتے اور عوام ہوجاتی ہیں اس کا کیا سبب ہے اِس مضمون کو مولانا ٹہر اور راونٹ کے سوال وجواب کے پیرایہ میں بیان کرتے ہیں اور حاصل اوس کا بھی وہی حقیقت ناشناسی او حقیقت شناسی ہے تفصیل حسب ذیل ہے۔

شرح شبیری

اوچنان پنداشت کایشان در ہمان ۔۔۔ وہم وتخویف اند و وسواس وگمان

یعنی اوس نے ویسا ہی سمجہا کہ یہ لوگ اوسی وہم اور خوف اور وسواس اور گمان میں ہیں۔

کہ بود شان لرزہ و تخویف و ترس　　　از توہمہا و تحذیرات نفس

یعنی اونکو لرزہ اور خوف اور ڈر نفس کے توہمات اور خوفوں سے ہو جائیگا یعنی اوس کا خیال تہا کہ میرے ڈرانے سے انکا نفس انکو ڈرا وے گا اور یہ خوف کے مارے اِس دین سے پہر جاویں گے اور قبول کریں گے مگر۔

او نمیدانست کایشان رستہ اند　　　بر دریچہ نور دل بنشستہ اند

یعنی وہ نہیں جانتا تہا کہ یہ لوگ (اوس حالت سے) چہوٹ گئے ہیں اور نور دل کے دریچہ میں بیٹھے ہیں۔

سایۂ خود راز خود دانستہ اند　　　چابک و چست و گش و برجستہ اند

یعنی اپنے سایہ کو اپنی ذات سے ممتاز کر لیا ہے اور چست و چالاک اور خوش اور برجستہ ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ دیکہو اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میں تمہارے سایہ کے ایک تلوار مارتا ہوں تو تمہیں کچہہ بہی خوف نہیں ہوتا۔ اسلئے کہ جانتے ہیں کہ ہمارا کوئی ضرر نہیں ہے اسیطرح چونکہ ان حضرات نے اس جسم ظاہر کو روح کا ظل اور سایہ سمجہہ رکہا ہے اسلئے اگر کوئی شخص یہ کہے کہ ہم تمہارے اِس جسم کو کاٹ دیں گے ٹکڑے ٹکڑے کر دیں گے۔ تو وہ یہی کہیں گے کہ لاضیر انا الی ربنا المنقلبون اونکی تو یہ شان ہے کہ

ہاون گردون اگر صد بار شان　　　خرد کوبد اندرین گلزار شان

یعنی آسمانکی اوکہلی اگر سو بار اونکو اس گلزار (دنیا) میں ریزہ ریزہ کرکے کوٹ دے۔

اصل این ترکیب را چون دیدہ اند　　　از فروع وہم کم ترسیدہ اند

یعنی چونکہ اس ترکیب کی اصلیت کو اونہوں نے دیکہہ لیا ہے تو وہ وہم کی زیادتی سے کب ڈرتے ہیں

مطلب یہ کہ اگر اون کے جسم پر سو بار گزند پہونچے تب بھی اونکو پرواہ نہیں اِس لیئے کہ اونہوں نے اسکی اصلیت کو معلوم کر لیا ہے پہر وہ کس بات سے ڈریں اون کو ذرا خوف نہیں ہوتا وہ بالکل بے فکر ہوتے ہیں جانتے ہیں کہ اچھا ہے جتنا حجاب حسن سے کم ہوا اوتنا ہی بہتر ہے آگے مولانا اس حیات دنیوی کو خواب سے تشبیہ دیتے ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ دیکھو اگر کوئی خواب میں دیکھے کہ اوس کا ایک ہاتہہ مثلاً کسی نے کاٹ دیا تو اوسکو کوئی خوف ہوتا ہے ہرگز نہیں۔ بلکہ جب آنکھہ کھلتی ہے معلوم ہوجاتا ہے کہ خواب کی بات تھی اور وہ خواب میں ایک عارضی ہاتہہ تھا ورنہ میرا اصل ہاتہہ تو موجود ہے اور اگر کسیکو خواب ہی میں اتنا ہوش ہو کہ میں خواب دیکھہ رہا ہوں تو وہ اوس خواب ہی میں سمجھہ جاوے گا کہ یہ ساری خواب کی باتیں ہیں اور اوسکو اِس سے مطلق خوف نہوگا۔ تو اسیطرح اِس دنیا میں اگر کوئی شخص دیکھے کہ کسی نے اوس کے جسم کو گزند پہونچایا تو جب اِس خواب سے بیداری ہوگی اُس وقت معلوم ہوگا کہ ارے وہ تو ایک عارضی ہاتہہ تہا اور اصل روحانی ہاتہہ تو موجود ہے اور اگر کسیکو یہاں دنیا ہی میں اتنا ہوش ہوگا کہ وہ اِس حیات کو خواب سمجھتا ہو تو وہ اب ہی سمجھہ جاوے گا کہ اِس جسم کے گزند سے میری اصل ذات پر کوئی گزند نہیں پہونچتا تو بس اوسکو بھی کوئی خوف اوس خواب دیکھنے والے کی طرح نہوگا جب مولانا نے یہ تشبیہ دی تو کوئی شبہ کرتا ہے کہ اگر یہ زندگی خواب ہے تو پھر اوس میں ہم اور خواب کیوں دیکھتے ہیں۔ سوتے ہیں اور اوس میں پھر خواب دیکھتے ہیں مولانا فرماتے ہیں کہ دیکھو تم سوتے ہو اور خواب دیکھتے ہو کہ ہم ایک جگہ سوئے ہیں اور اوسمیں خواب دیکھہ رہے ہیں تو جیسے کہ اس خواب ظاہری میں بھی خواب دیکھہ لیتے ہو اسی طرح اس خواب ہستی میں بھی خواب دیکھہ لیتے ہو سبحان اللہ عجیب تحقیق ہے سچ یہ ہے کہ یہ حضرت اصل محقق ہیں اور اون کے علوم علوم ہیں کہ جس بات کو بیان فرماویں گے اوسکو بالکل آئینہ کر دیں گے گویا کہ آنکھوں سے دیکھہ رہے ہیں سبحان اللہ سبحان اللہ اللہ تعالیٰ مولانا کے فیوض سے ہم گنہگار ونکو مستفیض فرما اور ہمارے گناہ اونکی برکت سے معاف فرمائے

اور توفیق حسنات کی عطا فرمائے آمین۔ یہ تو اس کا حاصل ہے اب الفاظ سے بھی سمجھ لو فرماتے ہیں کہ

این جہان خود السبت اندر ظن مایست گر رود در خواب دستی باک نیست

یعنی یہ جہان ایک خواب ہے تم (ہماری اس بات میں) شبہ میں مت کھڑے ہو تو اگر کسی کا خواب میں ہاتھ جاتا رہے تو کوئی بھی خوف نہیں ہے۔

گر بخواب اندر سرت ببرید گاز ہم سرت بجاست ہم عمرت دراز

یعنے اگر خواب میں معترض نے تمہارا سر کاٹ دیا تو تمھارا سر بھی جگہ پر ہے اور عمر بھی دراز ہے۔

گر ببینی خواب در خود را دو نیم تندرستی چون بخیزی بے سقیم

یعنے اگر تو خواب میں اپنے کو دو ٹکڑے دیکھے تو تو جب اٹھے گا تندرست ہے اور بے سقیم ہے۔

حاصل اندر خواب نقصان بدن نیست باکے از دو صد پارہ شدن

یعنے حاصل یہ ہے کہ خواب میں جسم کے نقصان کا اور دو سو ٹکڑے ہو جانے کا کوئی خوف نہیں ہے۔

این جہان را کہ بصورت قائم است گفت پیغمبر کہ حلم نائم است

یعنے یہ جہان جو کہ صورت میں قایم ہے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ سونے والے کا خواب ہے۔

حدیث میں ہے الناس نیام اذا ماتوا انتبھوا۔ کہ لوگ سو رہے ہیں جب مریں گے جاگیں گے۔ آگے فرماتے ہیں کہ

از رہ تقلید تو کردی قبول … سالکان این دیدہ پیدا بےرسول

یعنے تو نے تو اس حدیث کو تقلیداً قبول کرلیا ہے اور سالکین نے دیکھا ہے اور اونپر بلا واسطہ (تقلید کے) ظاہر ہے یعنی تم تو اس حدیث سے اس زندگی کو جو خواب سمجھے ہو صرف تقلیداً ہی سمجھے ہو اور اون حضرات نے جب اسکو سنا فوراً اون کو وہ مشاہدہ اپنا معلوم ہوا اور وہ اسکو مشاہدۃً و بداہتہً ایسا سمجھے ہوئے ہیں کہ وہ خود دیکھے ہوئے تھے باقی اِس حدیث سے اونکو یقین میں زیادتی ہوگئی۔

روز در خوابے مگو کاین خواب نیست … سایہ فرع است اصل جز مہتاب نیست

یعنے تو دن کو بھی خواب میں ہے یہ مت کہہ کہ خواب نہیں ہے اسلئے کہ سایہ تو فرع ہو اور اصل بجز مہتاب کے اور کچھ نہیں ہے یعنی چونکہ یہ حیاتِ دنیوی مثل خواب کے ہے تو تم اگرچہ بظاہر دن میں بیدار ہو مگر اصل میں دن کو بھی سو ہی رہے ہو تاگے اوس سوال کا جواب ہے فرماتے ہیں کہ

خواب بیداریست آن دان اے عضد … کہ بہ بیند خفتہ کو در خواب شد

یعنے اے بھائی اِس بیداری کے خواب کو ایسا جانو کہ جیسے کوئی سونیوالا دیکھے کہ وہ سوگیا ہے۔

او گمان برد کہ این دم خفتہ ام … بیخبر زان کوست در خواب دوم

یعنے وہ گمان کرتا ہے کہ وہ اسوقت سویا ہے اور اس سے بے خبر ہے کہ وہ خواب دوم میں ہے مطلب یہ ہے کہ اِس ظاہری بیداری میں جو تم سوکر خواب دیکھتے ہو اوسکی ایسی مثال ہے کہ جیسے تم خواب میں دیکھتے ہو کہ مثلاً تم ایک مکان میں گئے اور وہاں جاکر سو رہے اور اوس سونے میں خواب دیکھا تو تمہارا اس خواب میں یہ خیال ہے کہ ہم اب سوئے ہیں

حالانکہ ٹنٹوں پہلے سے سو رہے ہو تو اسی طرح تم جو رات کو سوتے ہو اور خواب دیکھتے ہو
تو تم سمجھتے ہو کہ تم اب سوئے ہو حالانکہ جب سے دنیا میں آئے ہو جب ہی سے سو رہے ہو اور
اِس خواب ہستی میں یہ خواب دوسرا دیکھ رہے ہو سبحان اللہ خوب ہی مثال ہے۔ دیکھلو
کیسا واضح ہوگیا ہے کہ کوئی گنجائش ہی باقی نہ رہا۔ بس بکنے والے یہ اور سمجھنے والے
ہمارے حضرت سلمہم پیر اگر مثنوی میں ایسے مضامین نہوں تو اور کیا ہو۔ آگے پیر اون بیان حروف
کے قصہ کی طرف رجوع ہے اور اون کے قول کو روایت بالمعنی کے طور پر ایک
مثال میں بیان فرماتے ہیں کہ۔

کوزہ گر گر کوزۂ را بشکند — چون بخواہد باز خود قائم کند

یعنے کوزہ گر اگر کسی کوزہ کو توڑ دے تو پھر جب چاہے اوسکو قایم کر لے تو
اسی طرح اگر حق تعالیٰ اِس جسم ظاہری کو فنا بھی فرمادیں تو کیا ہے دوسرا جسم روح کے لئے
عطا فرمادینگے آگے ایک دوسری مثال ہے کہ

کور را ہر گام باشد ترس چاہ — با ہزاران ترس می آید براہ

یعنے اندھے کو ہر قدم پر کنوئیں کا خوف ہوتا ہے اور ہزاروں خوف سے رستہ
پر آتا ہے۔

مرد بینا دید عرض راہ را — پس بداند او مغاک و چاہ را

یعنے بینا آدمی رستہ کے عرض کو دیکھ لیتا ہے تو وہ کنوئیں کو اور گڑھوں کو
جانتا ہے۔

پاؤ زانوش نلرزد ہر دمے — رو ترش کے دارد او زہر غمے

یعنے اوس کا پاؤں اور زانو ہر دم کا نپتا نہیں ہے اور وہ ہر غم سے رو ترش

نہیں رکھتا۔ مطلب یہ کہ جو اندھا ہے چونکہ اوسکو راستہ کی خبر نہیں ہے لہٰذا ہر ہر قدم پر اوسکو گر جانے کا خوف ہوتا ہے اور جو اندھا نہیں ہے وہ سیدھا راہِ راست پر چلا جاتا ہے اور اوسکو مطلق خوف نہیں ہوتا۔ تو اسی طرح جو شخص کہ اِس راہ سے اندھا ہے اوسکو تو اِس جسم اور اِس حیات کے جاتے رہنے سے خوف ہوتا ہے اور جو اس راہ کو دیکھے ہوئے ہے وہ بیفکری سے چلا جاتا ہے اگر اوس کے جسم کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالیں تب بھی اوسکو پرواہ نہیں ہوتی تو چونکہ اون ساحروں کو حقیقت منکشف ہوگئی تھی لہٰذا بالکل بفکر تھے اور اون کے قلب میں مطلق ہراس تھا۔ اور وہ جانتے تھے کہ اگر یہ جسم نہ رہے تو کیا ہے ہمکو اور ملجاوے گا آگے پہر اونہیں کا قول نقل فرماتے ہیں کہ وہ بولے کہ

خیز فرعونا کہ ما آن نیستیم ۔۔۔ کہ بہر بانگے زغولے بیستیم

یعنے اے فرعون اُٹھ ہم وہ نہیں ہیں کہ شیاطین کی ہر آواز پر کہڑے ہو جاویں۔

خرقہ ما را بدر دوزندہ ہست ۔۔۔ ورنہ خود ما را برہنہ تن بہ است

یعنے تو ہمارے خرقہ کو پھاڑ ے سینے والا موجود ہے ورنہ خود ہمارے لیے ننگا بدن ہی بہتر رہے

بے لباس آن خوب را اندر کنار ۔۔۔ خوش بگیریم اے عدو نابکار

یعنے بے لباس کے اوس حسین کو کنار میں ہم خوب لیں گے اے نابکار دشمن

خوش تر از تجرید از تن وز مزاج ۔۔۔ نیست اے فرعون بے الہام گیج

یعنے اے فرعون بیوقوف بے الہام بدن اور مزاج سے مجرد ہو جانے سے بہتر تو کوئی چیز ہی نہیں ہے خرقہ سے مراد جسم ظاہری۔ خوب سے مراد حق تعالیٰ۔ عدو نابکار سے مراد فرعون مطلب اوپر کے چاروں شعروں کا یہ ہے کہ اے فرعون تو ہمارے

اس جسم ظاہری کو جو روح کے لئے مثل خرقہ کے ہے پہاڑ دلے اور ہلاک کر دلے ہیں اسکی خاک پرواہ نہیں ہے۔ اسلئے کہ اسکا سینے والا موجود ہے وہ اسکو فوراً سی دیگا اور پہر ایسا ہی جسم عطا فرماوے گا اور اگر نہ بہی عطا فرماوے تو کیا ہے ہماری روح بر ہنہ رہی اچھی ہے اسلئے کہ یہ جسم تو ایک قسم کا حجاب ہے تو جسقدر حجاب کم ہوں اچھا ہی ہے اگرچہ روح خواہ کتنی ہی مجرد کیوں نہو جاوے مگر وصل متعارف ہرگز نہیں ہوسکتا۔ لیکن پہر بہی بہ نسبت اس جسم کے وجود کے تجرد کے وقت زیادہ وصل ہوگا۔ تو اگر یہ جسم نہ رہے گا تو ہمارا مقصود یعنی وصال حق اور اچہی طرح حاصل ہوگا۔ پہر ہمکو اس جسم کے ضائع ہو جانے اور جاتے رہنے سے کیا غم ہو۔ ہمیں اسکی پوری حقیقت معلوم ہوگئی ہے یہ بہی اون کے اقوال کی روایت بالمعنی ہے آگے ایک خچر اور اونٹ کی حکایت لاتے ہیں کہ خچر نے اونٹ سے پوچھا کہ میرے تو چلنے میں بہت ٹہوکر لگتی ہے اور تیرے نہیں لگتی اسکی کیا وجہ ہے تو اسنے کہا کہ بات یہ ہے کہ میں رستہ کو دور تک دیکہہ لیتا ہوں اس لیے دیکھ بہال کر چلتا ہوں اور تجہے دور تک دکہائی نہیں دیتا اسلئے گر جاتا ہے۔ تو مولانا اسپر لاتے ہیں کہ دیکھو کہ جو اس راہ کی حقیقت سے واقف ہے وہ کبھی خطا نہیں کہاتا بلکہ بالکل بے فکری سے چلا جاتا ہے اور جو اسکی حقیقت سے واقف نہیں ہے وہ ٹہوکریں کہاتا ہے تو چونکہ یہ ساحران فرعون حقیقت اس دنیا کی دیکہہ چکے تہے اس لیے بالکل بے فکر تہے اور خوب مضبوط تہے اور وہ جانتے تہے کہ اگر یہ قتل کر دے گا تو کیا ہے ہم کو حق تعالے کی طرف جذب ہو جائے گا جیسا کہ اون کے قول انا الی ربنا لمنقلبون سے معلوم ہوتا ہے اب حکایت سنو فرماتے ہیں کہ

شرح حبیبی

درفراز و شیب و در راہ عمیق	گفت اشتر با شتر کاے خوش رفیق

تو نیائی در سر و خوش میروی | من همی آیم بسر در چون غوی

من همی افتم برو در هر دمے | خواه در خشکی و خواه اندر نمے

این سبب را باز گو با من ز چیست | تا بدانم من که چون بایست زیست

گفت از چشم تو چشم من یقین | بیگمان روشن تر ست و دور بین

بعد ازان هم از بلندی ناظرم | زین سبب ورنے رو نیفتم حاضرم

خوش بر آیم بر سر کوهِ بلند | آخر عقبه به بینم هوشمند

پس همه پستی و بالائے راه | دیده ام را وا نماید هم اله

هر قدم من از سر بینش نهم | از عثار و او فتادن وا رهم

تو به بینی پیش خود یک دو سه گام | دانه بینی و نه بینی رنج دام

یستوی الاعمیٰ لدیکم والبصیر | فی المقام والنزول والمسیر

ایک خچر نے اونٹ سے کہا کہ دوست یہ کیا بات ہے کہ اونچے نیچے اور گہرے رستہ میں تو تو سر کے بل نہیں گرتا اور میں گر جاتا ہوں۔ میں خشکی میں بھی اور تری میں بھی بسا اوقات گر جاتا ہوں اس کا سبب مجھے اب تک نہیں معلوم ہوا تو مجھے بتلا کہ کیا

بات ہے تاکہ مجھے معلوم ہو جاوے کہ بلا گرے پڑے کیونکر زندگی بسر کرنا چاہیے۔ اونٹ نے کہا کہ اصل بات یہ ہے کہ میری آنکھ بہ نسبت تمہاری آنکھ کے یقیناً اور بلا شبہ زیادہ روشن ہے اور دور بین ہے اس کے علاوہ یہ بات ہے کہ میرا سر تمہارے سر کی بہ نسبت اونچا ہے اس لئے میں اونچے سے دیکھتا ہوں اور جو اونچے سے دیکھتا ہے اوسکو دور تک کی چیزیں نظر آتی ہیں پس میں گرانے والی چیزوں کے سامنے موجود ہوتا ہوں اور انسے غائب نہیں ہوتا یعنی وہ میری نظر میں ہوتی ہیں لہذا میں گرتا ہی نہیں۔ میں پہاڑ پر مزے سے چڑھ جاتا ہوں اور آخری گھاٹی کو نہایت ہوشیاری سے دیکھتا ہوتا ہوں اس لئے نہیں گرتا خلاصہ یہ ہے کہ رستہ کی ہمواری اور ناہمواری حق سبحانہ میرے پیش نظر رکھتے ہیں اور میں ہر قدم دیکھ کر رکھتا ہوں لہذا ٹھوکر اور گرنے پڑنے سے بچا رہتا ہوں۔ برخلاف میرے تمہاری یہ حالت ہے کہ تم بہت ہی کوتاہ بیں ہو۔ اور ایک دو تین قدم سے زیادہ تمہاری نظر نہیں پہونچتی۔ اس لئے تم رستہ تو دیکھ لیتے ہو مگر اوس کے خطرات تک تمہاری نظر نہیں پہونچتی اس لیے تمہاری مثال ایسی ہوتی ہے جیسے وہ جانور جو دانہ تو دیکھ لے اور مضرت دام اوسکو محسوس نہو۔ جب تمہاری یہ حالت ہے تو بھلا میں اور تم کیسے برابر ہو سکتے ہیں۔ کیا تمہارے نزدیک اندھے اور دیکھنے والے۔ اٹھنے اور اترنے اور چلنے وغیرہ احوال سفر میں برابر ہو سکتے ہیں جبکہ ایسا نہیں تو تم میری مساوات کی ہوس تمام کیوں رکھتے ہو۔ اب سمجھو کہ جو حالت اونٹ اور خچر کی ہے وہی اہل اللہ اور غیر اہل اللہ کی ہے اہل اللہ چونکہ اشیاء کو علی ماہی علیہ دیکھتے ہیں اس لئے وہ حقیقی مضرتوں سے عام طور پر محفوظ رہتے ہیں اور غیر اہل اللہ چونکہ ان سے واقف نہیں ہوتے اس لیے انمیں مبتلا ہو جاتے ہیں مولانا اس مضمون کو استطراداً اور اتمام فائدہ کے لیے بیان کرکے پھر مضمون سابق کیطرف عود کرتے ہیں اور اس استبعاد کو دفع کرنا چاہتے ہیں جو ساحروں کے منجذب بحق سبحانہ ہونے یا تفرق جسم کے بعد اوس کے متصل کرنے پر ہو سکتا ہے اور اسی کے ضمن میں حشر اجساد کے غیر مستبعد ہونے پر بھی تنبیہ فرما دیں گے اور یہ بھی ممکن ہے کہ استبعاد حشر اجساد کی کا دفع کرنا مد نظر ہو اور جس طرح کہ مضمون کا سبق استطرادی اور متعلق با بیات کور را الخ تھا یہ بھی استطرادی اور مرتبط بہ بیت خرقہ مارا بدر الخ ہو

شرح شبیری

ایک خچر کا اونٹ سے شکایت کرنا کہ مین تو منہ کے بل بہت گرتا ہوں اور تو نہین گرتا۔ مگر شاذ و نادر تو آخر اسکی وجہ کیا ہی اور اونٹ کا جواب دینا

گفت استر با شتر اے خوش رفیق　　در فراز و شیب و در راہ دقیق

یعنے ایک خچر نے اونٹ سے کہا کہ اے اچھے دوست نشیب و فراز میں اور پتلے راستہ میں

تو نیائی در سر و خوش میروی　　من ہمی آیم بسر چون غوی

یعنے تو تو سر کے بل نہیں گرتا اور اچھی طرح چلا جاتا ہے اور میں گمراہوں کی طرح سر کے بل گر جاتا ہوں۔

من ہمی افتم برو در ہر دمے　　خواہ در خشکی و خواہ اندر نمے

یعنے میں تو ہر دم منہ کے بل گرتا ہوں خواہ خشکی میں ہوں یا کہ تری میں ہوں۔

این سبب را باز گو با من کہ چیست　　تا بدانم من کہ چون بایست زیست

یعنی اس سبب کو مجھ سے کہہ کہ کس وجہ سے ہے تاکہ میں جان لوں کہ کس طرح زندگی بسر کرنا چاہیئے۔

گفت از چشم تو چشم من یقین بیگمان روشن تر است و دور بین

یعنی اونٹ نے کہا کہ (اول تو) یقیناً اور بے گمان میری آنکھ تیری آنکھ سے زیادہ روشن اور دور بین ہے۔

بعد ازان هم از بلندی ناظرم زین سبب در رو نیفتم حاضرم

یعنی اس کے بعد یہ ہے کہ میں بلندی سے دیکھتا ہوں تو اس سبب سے میں مُنہ کے بل نہیں گرتا تو میں حاضر ہوں یعنی دیکھ تو میں حاضر ہوں میرا امتحان کرلو کہ یہ باتیں درست ہیں یا غلط۔

خوش برآیم بر سر کوه بلند آخر عقبه ببینم هوشمند

یعنی میں ایک کوہ بلند پر اچھی طرح آتا ہوں اور گھاٹی کے آخر حصہ کو دیکھ لیتا ہوں اس حال میں کہ ہوشمند ہوتا ہوں۔

پس همه پستی و بالائی راه دیده ام را وانماید هم اله

یعنی پس تمام نشیب و فراز راہ کو حق تعالیٰ میری آنکھ کو دکھا دیتے ہیں۔

هر قدم من از سر بینش نهم از عثار و اوفتادن وارهم

یعنی میں قدم بصیرت سے رکھتا ہوں تو ٹھوکر اور گرنے سے چھوٹ جاتا ہوں۔

تو نه بینی پیش خود یک دو سه گام دانه بینی و نه بینی رنج دام

یعنی تو اپنے آگے دو تین ایک قدم تک دیکھ لیتا ہے تو دانہ کو تو دیکھ لیتا ہے مگر دام کی تکلیف کو نہیں دیکھتا یعنی دو تین قدم تک سڑک صاف تو دیکھ لی مگر اس کے بعد جو غار ہے اوسکو دیکھا ہی نہیں اس سے گر جاتا ہے۔

لیستوی الاعمیٰ لدیکم والبصیر فی المقام والنزول والمسیر

یعنی کیا تمہارے نزدیک اعمیٰ اور بصیر ٹہیرنے میں اور اوترنے میں اور چلنے میں برابر ہیں یعنے برابر نہیں ہے تو بس جو راہ کو دیکھ رہا ہے وہ تو بے کھٹکے چلا جاوے گا اور جو اندھا ہے وہ راستہ ہی میں مرے گا آگے پیر اون ساحروں کی قصہ کیطرف رجوع ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اگر ہم مر بھی جاویں گے تو کیا ہے ہم کو حق تعالیٰ جذب فرماویں گے اور ہم اس طرف منجذب ہو جاویں گے اصل مضمون تو یہ ہے اب اس کے لئے اول ایک تمہید نہایت نفیس بیان فرماتے ہیں کہ۔

شرح حبیبی

چون جنین را در شکم حق جان دہد	جذب اجزا در مزاج او نہد
از خورش او جذب اجزا میکند	تار و پود جسم خود را مے تند
تا چہل سالش بجذب جزو ہا	حق حریصش کرده باشد در نما
جذب اجزا روح را تعلیم کرد	چون نداند جذب اجزا شاه فرد
جامع این ذرہا خورشید بود	بے غذا اجزات را داند ربود

آن زمانے کہ در آئے تو ز خواب | ہوش و حس رفتہ را خواند شتاب
تا بدانے کان ازو غائب نشد | باز آید چون کہ فرماید کہ عد
ہیں عزیزا در زرگر اندر حرفت | کہ بہ بو سیدو ریزیدہ برت
پیش تو گرد آوریم اجزاش را | آن سر و دُم و دو گوش و پاش را
دستِ زرگر جزو بر ہم مے نہد | پارہ ہا را اجتماعے مے دہد
در زرگر در صنعتِ پارہ زنے | کو ہمی دوزد کہن بے سوزنی
ریسمان نے سوزنے نے وقت خرز | آنچنان دوزد کہ پیدا نیست درز
چشمِ بکشا حشر را پیدا ببیں | تا نماند شبہات در یوم دین
تا ببینی جامعیم را تمام | تا نلرزی وقتِ مُردن زاہتمام
ہمچنان کہ وقتِ خفتن ایمنے | از فوات جملہ حسہائے تنی
بر حواسِ خود نلرزی وقتِ خواب | گرچہ مے گردد پریشان و خراب

کیسکو یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ بھلا ذرا سی دیر میں ساحران فرعون واصل الی اللہ کیسے ہو گئے یا تفرق کے بعد جسم کیونکر مل سکتا ہے اِس کے جواب کے لیے اولاً کچھ تمہید کی ضرورت ہے، وہ یہ کہ جب بچۂ شکم کو حق سبحانہ جان عطا فرماتے ہیں تو اوس کے اندر خواہش جذب غذا اور قوت جاذبہ غذا پیدا کرتے ہیں جس سے کہ اجزا منفصلہ جزو جسم ہو جاتے ہیں اور وہ جنین اوس کے ذریعے سے اجزاء جسم مادر کو کھینچتا اور اپنے جسم کو تیار کرتا ہے اور اوس وقت سے لیکر چالیس برس کی عمر تک یہ قوت اوس کے اندر اپنی پوری قوت کے ساتھ موجود رہتی ہے اور وہ جذب غذا کر کے بڑھتا رہتا ہے اور یہ سب کچھ حق سبحانہ ہی کا کیا ہوا ہے یہ تو جسم کی حالت تھی اب روح کی حالت سنو۔

حق سبحانہ نے روح کو اپنی غذا کے اجزا کو جذب کرنا سکھلایا ہے اور بہ تعلیم حق سبحانہ وہ بھی اپنی غذا کو جذب کرتی ہے جب یہ امر ممہد ہو چکا تو اب سمجھو کہ جب حق سبحانہ دوسروں کو قوت جذب عطا کرتے ہیں تو وہ اجزا کو اپنی طرف کھینچیا یا انکو ایک دوسرے کی طرف بلا ضرورت تغذی کھینچنا کیوں نہ جانیں گے۔ بلکہ جب بواسطہ قوت جاذبہ تغذی کے واسطہ ذرات کو جمع کرنے والا ہی آفتاب حقیقی ہے تو وہ بدون توسط قوت جاذبہ اور بلا ضرورت تغذی بھی تمہارے اجزاء کو اپنی طرف یا اون کو آپس میں ایک دوسرے کی طرف لیجانا اور اونکا ملا دینا ضرور جانتے ہیں۔ اب نہ انجذاب ساحران الی الحق مستبعد رہا نہ تفرق اتصال جسم کے بعد اوس کا اتصال۔ نہ حشر اجساد۔ آگے حشر اجساد یا مطلق اتصال تفرق جسم کے امکان و وقوع پر مزید تنبیہ فرماتے ہیں۔ اور کہتے ہیں۔ دیکھو جب تم خواب سے بیدار ہوتے ہو تو تمہارے ہوش و حواس جو جا چکے تھے حق سبحانہ اونکو فوراً واپس بلا لیتے ہیں۔ اور تم میں آجاتے ہو یہ اسلئے ہے تاکہ تم جان لو کہ وہ اُن سے غائب نہوئے تھے بلکہ اس طرح اُس کے قبضہ میں تھے کہ جب وہ اون کو واپسی کا حکم دے تو وہ فوراً لوٹ آئیں گے ایک اور تنبیہ فرماتے ہیں اور حضرت عزیر علیہ السّلام کا قصہ بیان فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ حق سبحانہ نے عزیر علیہ السّلام کو خطاب فرمایا کہ اے عزیر تم اپنے گدھے کو دیکھو جو تمہارے نزدیک بوسیدہ اور ریزہ ریزہ پڑا ہے ہم تمہارے سامنے ہی اِس کے تمام اجزاء سر۔ دُم۔ دو کان

کان۔ پاؤں وغیرہ کو جمع کرتے ہیں واقعی عجیب قدرت ہے کہ دست متعارف نہیں اور اکسیر بھی اجزا
کو ترکیب دیتے اور ٹکڑوں کو ایک جا کر دیتے ہیں۔ دیکھو اگر کوئی پیوند لگانیوالا پرانے اور پھٹے
کپڑہ کو بلا سوئی کے سی دے تو کس قدر عجیب کاریگری ہے۔ پس یہی شان حق سبحانہ کی ہے کہ نہ
تاگا ہے نہ سوئی اور جب سیتے ہیں تو ایسا سیتے ہیں کہ جوڑ نہیں معلوم ہوتا ہے یعنی بلا آلات کے
ترکیب دیتے ہیں اور ترکیب ایسی عجیب ہوتی ہے کہ جوڑ نہیں معلوم ہوتا۔ اس کے بعد مولانا
مضمون سابق کیطرف رجوع فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ حق سبحانہ نے حضرت عزیر علیہ السلام سے
فرمایا کہ ہم تیری گدھے کو زندہ کرتے ہیں تو آنکھ کھول۔ اور حشر کو دنیا ہی میں دیکھ لے یہ ہم اسلئے
کرتے ہیں تاکہ تم کو قیامت کے بارہ میں کچھ بھی شک وشبہ نہ رہے اور تاکہ میری جامعیت کا
تمکو پورے طور پر مشاہدہ ہو جاوے۔ اور موت کے وقت تمکو اپنے جسم کے فنا ہونے کا ذرا بھی
غم نہو۔ اور تمہاری حالت ایسی ہو جاوے جیسا کہ سونے کے وقت تم کو اطمینان ہوتا ہے اور
حواس خمسہ کے فوت ہونے کا کچھ بھی کھٹکا نہیں ہوتا۔ اور اگرچہ سوتے وقت وہ سب پریشان
اور خراب ہو جاتے ہیں مگر تم اونکی اس حالت سے ذرا بھی نہیں گھبراتے دیکھو ان واقعات سے
بھی تفرق کا اتصال سے بدلجانا اور حشر اجساد کا واقع ہونا ہر دو غیر مستبعد ثابت ہو گئے۔

شرح شبیری

چون جنین را در شکم حق جان دہد ۔۔۔ جذب اجزاء در مزاج او نہد

یعنی حق تعالے جب پیٹ میں جنین کو روح عطا فرماتے ہیں تو اُس کے مزاج میں جذب
اجزا رکھہ دیتے ہیں۔

از خورش او جذب اجزا میکند — تار و پود جسم خود را مے تند

یعنی وہ اجزاء غذائیہ کو جذب کرتا ہے اور اپنے جسم کے تار و پود کو تنتا ہے یعنی وہ اجزاء غذائیہ کو جذب کر کے نشو و نما حاصل کرتا ہے یہ حالت تو اوسکی حالت جنینیت میں ہوتی ہے اور جب پیدا ہو لیتا ہے تو اسوقت یہ ہوتا ہے کہ

تا چہل سالش بجذب جزو ہا — حق حریصش کردہ باشد در نما

یعنی چالیس سال تک جذب اجزا میں حق تعالیٰ اوسکو نشو و نما کے لیے حریص کر دیتے ہیں۔ یعنی بعد پیدایش کے وہ چالیس سال تک نشو و نما کے لیے اجزار غذائیہ کو جذب کرتا رہتا ہے جب معلوم ہوا کہ بعد روح پڑنے کے انسان کو حق تعالیٰ آخر عمر تک جذب اجزار غذائیہ تعلیم فرماتا ہے تو اب آگے فرماتے ہیں کہ۔

جذب اجزا روح را تعلیم کرد — چون نداند جذب اجزا شاہ فرد

یعنی جذب اجزار (غذائیہ) جب روح کو تعلیم کیا ہے تو وہ شاہ یکتا خود جذب اجزا کو کیوں نہ جانے گا مطلب یہ کہ حق تعالےٰ نے جب روح کو جذب سکھایا تو خود تو کیوں جذب نہ کریں گے لہذا اگر یہاں سے موت ہوگی تو وہ جذب حق ہے کہ اپنے پاس بلا رہے ہیں۔

جامع این ذرہا خورشید بود — بے غذا اجزات را اندر ربود

یعنی ان ذرات کا جامع خورشید ہی تھا بے غذا کے وہ تمہارے اجزار کو ربودہ کرتا جاتا ہے مطلب یہ ہے کہ تمہارے اجزار بدنی کا جامع حق تعالیٰ ہی ہے اور روح جو اجزار کو جذب کرتی ہے اوسمیں تو خود اوسکی غرض بھی ہوتی ہے کہ اوسکو اوس سے غذا ملتی ہے مگر حق تعالیٰ ایسے اس سے کہ اونکو لالچ غذا وغیرہ کی ہو تمہارے اجزار کو جذب اور جمع فرماتے ہیں سبحان اللہ سبحان اللہ آگے تقریب فہم کے لیے اس جذب اجزار اور جمع اجزا کی

ایک نظیر بیان فرماتے ہیں کہ

آن زمانے کہ در آئی تو ز خواب ۔۔۔ ہوش و حس رفتہ را خواند شتاب

یعنی جسوقت کہ تم نیند سے اُٹھتے ہو تو حق تعالیٰ تمہارے گئے ہوئے ہوش و حواس کو جلدی سے بُلا دیتے ہیں۔

تا بدانی کان ازو غائب نشد ۔۔۔ باز آید چون بفرماید کہ عد

یعنی تاکہ تم جان لو کہ وہ اوس سے غائب نہ تھا اور وہ لوٹ آتا ہے جبکہ وہ فرماتے ہیں کہ لوٹ مطلب یہ ہے کہ دیکھو تم جب سو جاتے ہو تو تمہارے سارے ہوش و حواس گم ہو جاتے ہیں اوس کے بعد جب جاگتے ہو تو حق تعالیٰ اون کو دوبارہ واپس فرما دیتے ہیں اور تم اونکو پھر جذب کر لیتے ہو تو جس طرح کہ وہ تمہارے اُٹھتے ہی سارے حواس کو جمع فرما دیتے ہیں اور وہ تم سے غافل نہیں ہوتے اسی طرح وہ تم کو جذب فرمالیں گے اور جمع فرما دیں گے آگے حضرت عزیر علیہ السلام کے گدھے کی ہڈیوں کے جمع ہونے کے قصہ کو بیان فرماتے ہیں۔ کہ دیکھو جس طرح کہ اوسکو حق تعالیٰ نے جمع کیا اسی طرح وہ تمکو جمع فرمالیں گے اور اس جسم ظاہری کے جاتے رہنے سے اونکو جمع میں کوئی دقت نہ ہوگی بلکہ وہ بے اس جسم کے بھی اپنی طرف جذب فرمالینگے

عزیر علیہ السّلام کے گدھے کا بعد مرنیکے جمع ہونا اور اسکو اونکی آنکھوں کے سامنے سواری کے قابل ہو جانا

ہین عزیرا در نگر اندر خرت ۔۔۔ کہ بپوسیدست و ریزندہ برت

یعنی (ارشاد حق ہوا کہ) اے عزیر ذرا اپنے گدھے کو دیکھنا کہ تمہارے سامنے وہ بوسیدہ اور ریزہ ریزہ ہو گیا ہے۔

پیش تو گرد آوریم اجزاش را　　آن سر و دم و دو گوش و پاش را

یعنی ہم تمہارے سامنے اوس کے اجزار کو جمع کرتے ہیں اسکو سر کو اور دم کو اور دونوں کانوں کو اور اوس کے پاؤں کو مولانا فرماتے ہیں کہ۔

دست نے و جزو برہم مے نہد　　پارہا را اجتماعے مے دہد

یعنی حق تعالیٰ کے ہاتھ نہیں ہے اور اجزار کو ایک دوسرے پر رکھتے ہیں اور ٹکڑوں کو اجتماع دیتے ہیں۔

درنگر در صنعت پارہ زنے　　کو ہمی دوزد کہن بے سوزنے

یعنی ذرا اس پیوند لگانے والے کی صنعت کو دیکھو کہ وہ کہنہ کو بے سوئی کے سیتا ہے

ریسمان نے سوزنے نے وقت خرز　　آنچنان دوزد کہ پیدا نیست درز

یعنی سینے کے وقت نہ تاگا ہے نہ سوئی ہے۔ اور ایسا سیتا ہے کہ کہیں درز ظاہر نہیں ہے سچ یہ ہے کہ حق تعالیٰ کی قدرت میں اپنی طرف نظر کرتے ہوئے حیرت ہوتی ہے ورنہ قدرت حق کے آگے تو کوئی حیرت کی بات ہے ہی نہیں ہم اپنی حالت کو دیکھیں کہ تاگا نہ ہے اور نہ سوئی نہ تاگا اور پھر اجزا اس طرح جڑیں کہ کہیں درز نہیں سبحان اللہ تعالیٰ علوا کبیراً دیکھئے زخم ہوتا ہے کھال پھٹ کر الگ ہوجاتی ہے اوس کے بعد وہ آکر اس طرح ملجاتی ہے کہ یہ بھی خبر نہیں کہ یہاں کبھی زخم ہوا بھی تہا۔ بھلا بتلاؤ کہ یہ کون کرتا ہے اور اسپر طرہ یہ کہ ہم بدذات لوگ گناہوں میں مبتلا ہیں مگر پھر رحمت کم نہیں ہوتی شیخ شیرازی خوب فرماتے ہیں ؎

خدائے را ست مسلم بزرگواری و حلم　　کہ جرم بیند و نان بر قرار مے دارد

سُبْحَانَ اللّٰہِ عَمَّا یَصِفُوْنَ وَسَلَامٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝

سچ یہ ہے کہ بس یہ کام سوائے خدا کے کوئی نہیں کرسکتا۔ لَا اِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحَانَکَ اِنِّی کُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ آگے فرماتے ہیں کہ

چشم بکشا حشر را پیدا بہ بین　　تا نہ ماند شبہات در یوم دین

یعنی آنکھ کھولو اور حشر کو ظاہر دیکھ لو تاکہ تمکو قیامت کے دن میں شبہ باقی رہے۔ مطلب کہ قیامت میں آخر کیا ہوگا یہی ہوگا کہ سب کو ایک دم سے جمع کردیا جاوے گا۔ اور اجزاء عالم جو منتشر تھے سب ایک جگہ جمع ہوجاویں گے۔ تو پھر جب اسوقت بھی یہ اجتماع ہو رہا ہے صرف اسقدر فرق ہے کہ اسوقت گاہ گاہ ہوتا ہے اور قیامت میں ایک ساتھ ہوگا۔ تو مولانا فرماتے ہیں کہ ذرا غور کرو تو تمکو قیامت میں شبہ نہ رہے اور اِس اجتماع سے ہی استدلال کرلو اور سمجھ لو کہ قیامت برحق ہے سبحان اللہ بس محقق ہو تو ایسا ہو مبصر ہو تو ایسا ہو دیکھئے تو قیامت کا ثبوت اور اوسکا یقین کس خوبی سے دلایا ہے اے اللہ مولانا کے فیوض سے اس غریب نادار کو بھی محروم نہ فرما۔ این دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد۔ آگے پھر ارشاد حق کو عزیر علیہ السلام سے نقل فرماتے ہیں کہ

تا بہ بینی جامعیم را لتمام　　تا نہ لرزی وقت مردن زاہتمام

یعنی (ارشاد ہوا کہ میں نے جو یہ گدھے کی ہڈیاں تمکو جمع کرکے دکھادی ہیں یہ اِس لیے ہے) تاکہ تم میری جامعیت کو پوری طرح سے دیکھ لو۔ اور مرنے کے وقت غموں کی وجہ سے نہ کانپو (اور سمجھو کہ اگر یہاں مر بھی جاویں گے تو خوف نہیں ہے اسلیے کہ حق تعالیٰ پھر اسی طرح دوبارہ زندہ فرمائیں گے) آگے مولانا موت کو نیند سے تشبیہ دیکر اوس سے خوف کو دفع فرماتے ہیں کہ

ہمچنان کہ وقت خفتن ایمنے　　از فوات جملہ حسہائے تنے

یعنی جس طرح کہ سونے کے وقت تم اپنے حواس بدن کے فوت ہوجانے سے بیخوف ہوتے ہو

بر حواس خود نہ لرزی وقت خواب　　گرچہ مے گردد پریشان و خراب

یعنی تم اپنے حواس پر سونے کے وقت کانپتے نہیں ہو اگرچہ وہ پریشان اور خراب ہوجاتے ہیں (اور ان کے پریشان ہوجانے سے تم اسلئے نہیں ڈرتے کہ پھر واپس آجادیں گے تو بھلا پھر موت سے ہی کیوں ڈرتے ہو۔ ارے وہاں بھی تو یہی ہے کہ ان حواس کے جاتے رہنے کے بعد پھر حواس لوٹ آتے ہیں اور بلکہ وہ حواس ان سے کہیں اچھے ہوتے ہیں۔ تو بھلا پھر موت سے خوف کرنے کے کیا معنی ہیں) سبحان اللہ بس دیکھئے یہ ہیں علوم نبوت کس پاکیزگی سے موت کے خوف کی خبر نہونے کو بیان فرمایا ہے آگے ایک حکایت لاتے ہیں کہ ایک بزرگ تھے اون کے بیٹے مرگئے تھے اور وہ روتے نہ تھے تو اون کے گھر والوں نے کہا کہ تم کیسے سنگدل ہو کہ تم کو رونا نہیں آتا تو وہ بولے کہ میں کیوں روؤں میں تو اون کو زندہ دیکھ رہا ہوں پھر رونے کی کیا وجہ ہے۔ (اب یہ زندہ دیکھنا یا تو ذوقاً ہو یا عیاناً ہو کہ چونکہ اون کو اون کی حیات ابدی کا یقین تھا اسلئے وہ اونکو گویا کہ زندہ ہی دیکھ رہے تھے یا کشف سے اونکو زندہ دکھائی دیتے ہوں۔ غرضکہ جو کچھ بھی ہو) وہ اون کی موت سے خوش تھے اون کو غم نہ تھا تو اسی طرح موت سے غم ہرگز نہ کرنا چاہیئے۔ زندگی کی اصلیت کو کسی نے خوب بیان کیا ہے کہتا ہے کہ ؎

زیست ایک ماندگی کا وقفہ ہے ‏ ‏ ‏ ‏ یعنے آگے چلیں گے دم لے کر

تو جب اس حیات مستعار کی یہ حالت ہے تو اس میں دل لگانا سخت نادانی ہے کسی نے خوب کہا ہے کہ ؎

بیٹھی ہے موت تاک لگائے کمین میں ‏ ‏ ‏ ‏ لیجائیگی گھسیٹ کے آخر زمین میں

جگہ دل لگانے کی دنیا نہیں ہے ‏ ‏ ‏ ‏ یہ عبرت کی جا ہے تماشا نہیں ہے

اشعار ہی میں مضمون بڑھ گیا مگر اب میں صرف ایک قطعہ اور لکھ کر آگے حکایت کو لکھتا ہوں۔ کسی نے کہا ہے ؎

رہ کے دنیا میں بشر کو نہیں زیبا غفلت ‏ ‏ ‏ ‏ موت کا دھیان بھی لازم ہے کہ ہر آن رہے

جو بشر آتا ہے دنیا میں یہ کہتی ہے قضا ‏ ‏ ‏ ‏ میں بھی پیچھے چلی آتی ہوں ذرا دھیان رہے

بس اب خوب سمجھ لو کہ یہ دنیا جائے قیام نہیں ہے یہاں سے جا کر وہاں حیات ابدی میسر ہونے والی ہے۔ پھر اس جسم ظاہری کے مرجانے سے اور اس کے گزند پہونچنے سے کیا خوف ہو۔ اے اللہ ہر مسلمان اور خاصکر اس بندۂ ناکارہ کو ہمت اور توفیق عطا فرما اب ناظرین حکایت سنیں فرماتے ہیں کہ

شرح حبیبی

بود شیخے رہنمائے پیش ازین ‌‌ آسمانے شمع بر روئے زمین

چون پیمبر در میان امتان ‌‌ در کشائے روضۂ دار الجنان

گفت پیغمبر کہ شیخ رفتہ پیش ‌‌ چون نبی باشد میان قوم خویش

یک صباحے گفت اہلبیت او ‌‌ سخت دل چونے بگو انئے نیکخو

ما ز ہجر و مرگ فرزندان تو ‌‌ نوحہ میداریم باپشت دو تو

تو نمی گریے نمی زاری چرا ‌‌ یا کہ رحمت نیست در دل ای کیا

چون ترا رحمے نباشد در درون ‌‌ پس چہ امیدست ما از تو کنون

ما بامید تو ایم اے پیشوا ‌‌ کہ نہ بگذاری تو مارا در عنا

چون بیارایند بهر حشر تخت — خود شفیع ما توئے آن روز سخت

در چنان روز و شب بے زینہار — ما باکرام تو ایم امیدوار

دست ما و دامن تست آن زمان — که نماند هیچ مجرم را امان

گفت پیغمبر که روز رستخیز — کے گذارم مجرمانرا اشک ریز

من شفیع عاصیان باشم بجان — تا رہانم شان ز اشکنجه گران

عاصیان و اہل کبائر را بجہد — وا رہانم از عتاب نقض عہد

صالحان امتم خود فارغ اند — از شفاعتہائے من روز گزند

بلکه ایشانرا شفاعتہا بود — گفت شان چون حکم نافذ میرود

هیچ وازر وزر غیرے بر نداشت — من نیم وازر خدایم بر فراشت

آنکه بے وزرست شیخ ست اے جوان — در قبول حق چو اندر کف کمان

شیخ که بود پیر یعنی مو سپید — معنئے این مو بدان اے ناامید

هست آن موئے سیہ ہستی او   تا ز ہستیش نماند تار مو

چونکہ ہستیش نماند پیر اوست   گر سیہ مو باشد او یا خود دو موست

ہست آن موئے سیہ وصفِ بشر   نیست آن مو موئے ریش و موئے سر

مہد در عیسے برآرد صد نفیر   کہ جوانان گشتہ ما شیخیم و پیر

گر رہید از بعض اوصافِ بشر   شیخ نبود کہل باشد اے پسر

ور یکے موئے سیہ کان وصفِ ماست   نیست بر وے شیخ و مقبولِ خداست

چون بود مویش سپید ار با خود است   او نہ پیر ست و نہ خاصِ ایزد ست

ور سرِ موئے ز وصفش باقی ست   او نہ از عرش خدا آفاقی ست

ما ہمہ امیدوارانِ توئیم   ریزہ چینِ خوانِ احسانِ توئیم

یک بیا این جملہ چون بے شفقتے   بہر فرزندان چرا بے رافتے

یا مگر خود دل نمے سوزد ترا   باز گو اے شیخ مارا ماجرا

اوپر فنائے دنیوی پر غم نہونیکا بیان کیا تہا اب اوس کے متعلق ایک حکایت بیان فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس سے قبل ایک صاحب ارشاد بزرگ تہے جنکو یوں کہنا چاہیئے کہ وہ زمین پر خدا کے شمع اور تاریکی ضلالت کو مٹانے والے اور گمراہونکو راہ دکہلانے والے تہے۔ اور در بارہ نفس ہدایت ایسے تہے جیسے امت کے درمیان نبی کہ وہ لوگوں کو ہدایت کر کے اون کے لیے جنت کا دروازہ کہولتے تہے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے (واللہ اعلم کہاں تک صحیح ہے) کہ شیخ متقدم (فی السن یا فی الفضل) ایسا ہوتا ہے جیسے کہ اپنی قوم میں نبی اسلئے ہمارا اذنکو نبی سے تشبیہ دینا کچہہ بعید نہیں ایک مرتبہ اون کے گہر کے لوگوں نے اون سے عرض کیا کہ آپ فرمائیں تو سہی کہ آپ اس قدر سخت دل کیوں ہیں۔ آپ کے بچوں کی جدائی اور اون کے انتقال کے سبب ہماری تو کمر ٹیڑہی ہوگئی ہے۔ اور ہم روتے ہیں آپ تو فرمایئے کہ آپ کیوں نہیں روتے یا کہ آپ کے دلمیں رحم ہی نہیں۔ جب آپ کے دلمیں رحم ہی نہیں تو اب ہم کو آپ سے کیا امید ہے۔ ہم کو تو آپ سے بڑی توقع ہے کہ آپ ہم کو تکلیف میں نہ چہوڑیں گے اور جبکہ حشر کے لیئے عرش آراستہ کیا جاوے گا تو آپ اس روز ہمارے شفیع ہوں گے۔ ایسے بے پناہ دن اور سیاہی آفتاب کے سبب رات میں ہم کو آپ کے اکرام کی بڑی امید ہے اسوقت جبکہ کسی مجرم کو امان نہوگی اسوقت ہمارا ہاتہہ ہوگا اور آپ کا دامن۔ جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ قیامت کے دن میں مجرموں کو روتا نہیں چہوڑ سکتا میں جان و دل سے عاصیوں کی سفارش کروں گا تاکہ اون کو بہاری شکنجہ سے رہائی دلاؤں گناہگاروں اور اہل کبائر کو میں کوشش کے ساتہہ پیمان شکنی کے عتاب سے چہڑاؤنگا میری امت کے نیک لوگ تو اس تکلیف کے دنمیں میری (نجات کے لیے اور عذاب سے چہڑانے کے واسطے) سفارش کی طرف سے خود ہی بیفکر ہیں بلکہ وہ خود دوسروں کی سفارش کریں گے اور اون کی سفارش یوں مانی جاوے گی جیسے کہ کسیکا حکم نافذ ہوتا ہے پس اگر ایسی سفارش کی ضرورت ہے تو گناہگاروں کو لہذا میں یہ مخصوص سفارش اونہیں لوگوں کی کروں گا اسپر کوئی شبہ نہ کرے کہ حق سبحانہ فرماتے ہیں

لا تزر وازرۃ وزر اُخریٰ۔ کیونکہ اول تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ کوئی کسی کی سفارش ہی نہ کرسکے گا بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک کے گناہ پر دوسرے کو سزا نہوگی اور اگر ہو بھی تب بھی شبہ کی گنجایش نہیں کیونکہ حق سبحانہ نے مجھے اس سے ارفع کیا ہے کہ میں وازر اور گناہگار ہوں اب مولانا فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو ہیں ہی اون کے بعد جو بے گناہ او قابل سفارش ہے وہ شیخ کامل ہے اور اُن کی بات حق سبحانہ کے یہاں یوں ہی مقبول ہوتی ہے جیسے کمان کا تیر نشانہ پر لگتا ہے یا یوں کہو کہ وہ حق سبحانہ کے یوں مقبول ہیں جیسے ہاتھ میں کمان ہوتی ہے لیکن شیخ کے معنی سمجھنے میں غلطی نہ کرنا۔ کیونکہ گو شیخ کے معنی ہیں بڈھا یعنی جس کے بال سفید ہوں مگر بالوں کی حقیقت سمجھ لینی چاہیئے۔ سیہ بالوں سے مراد اون کی ہستی ہے۔ پس بالوں کے سفید ہونے کے یہ معنی ہیں کہ کالا بال ایک نہ رہے یعنی ہستی کا نام و نشان باقی نہ رہے پس جبکہ ہستی بالکل نہ رہی اب وہ بڈھا ہوگیا خواہ ظاہری بال بالکل سیاہ ہوں یا کھچڑی ہوں پھر سمجھ لو کہ سیاہ بالوں سے مراد اوصاف بشریہ یعنی صفات ذمیمہ ہیں۔ ڈاڑہی اور سر کے بال نہیں ہیں چنانچہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام گہوارہ میں بآواز دہل پکار رہے تھے کہ ہم ابھی عرفی جوان بھی نہیں ہوئے بلکہ بچہ ہی ہیں اور حقیقی بڈہے ہوگئے جبکہ بڈہے کے معنی یہ قرار پائے تو اگر کسی میں بعض صفات ذمیمہ موجود ہوں اور بعض زائل ہوچکی ہوں تو وہ شیخ۔ پیر اور بڈھا نہیں ہوا۔ بلکہ ادھیڑ اور ناقص ہے اور اگر صفات رزیلہ میں سے کوئی صفت بھی اِس میں باقی نہیں تو وہ شیخ اور مقبول خدا ہے۔ اور جبکہ بال سر اور ڈاڑہی کے سب سفید ہوں مگر ہنوز اوس کی خودی اور ہستی فنا نہیں ہوئی تو نہ وہ پیر ہے اور نہ حق سبحانہ کے خواص اور خلص عباد اللہ میں ہے اور اگر بال برابر بھی صفات ذمیمہ اس میں باقی ہیں تو وہ حق سبحانہ کا مقرب کامل نہیں۔ بلکہ فی الجملہ دنیا دار ہے۔ اس مضمون کو ختم کرکے مولانا پھر گہر کے لوگوں کی گفتگو کی طرف انتقال فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ گہر کے لوگوں نے کہا کہ ہم سب آپ کے امیدوار ہیں اور آپ کے خوان احسان کے ریزہ چیں ہیں۔ لیکن با ایں ہمہ آپ اتنے

بے شفقت کیوں ہیں اور بچوں پر آپ کو رحم کیوں نہیں آتا۔ یا آپ کے دل میں درد ہی نہیں فرماتے تو یہی کیا قصہ ہے +

شرح شبیری

ایک شیخ بزرگوار کا اپنے بیٹوں کی موت پر جزع و فزع نہ کرنا

بود شیخے رہنمائے پیش ازین آسمانی شمع بر روئے زمین

یعنی ایک شیخ رہنما پہلے زمانہ میں تھے اور وہ روئے زمین پر ایک آسمانی شمع (ہدایت) تھے +

چون پیمبر درمیان امتان درکشائے روضۂ دار الجنان

یعنی پیمبر کی طرح کہ وہ امتوں کے درمیان میں ہوا اور جنت کے باغ کا دروازہ کھولنے والے۔ مطلب یہ کہ وہ اپنے لوگوں میں ایسے رہنما تھے جیسے کہ پیمبر امت میں ہوا کرتا ہے +

گفت پیغمبر کہ شیخ رفتہ پیش چون نبی باشد میان قوم خویش

یعنی پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ شیخ آگے چلنے والا اپنی قوم میں مثل نبی کے

ہوا کرتا ہے۔ اشارہ اوس حدیث کی طرف ہے جس کے الفاظ مشہور تو یہ ہیں کہ الشیخ فی قومہ کا لنبی فی امتہ اور جامع صغیر نے اِس حدیث کو الفاظ دو طرح نقل کئے ہیں اور حدیث کو ضعیف کہا ہے ایک تو اِس طرح کہ الشیخ فی بیتہ کا لنبی فی امتہ اور ایک اِس طرح کہ الشیخ فی اہلہ کا لنبی فی امتہ اول تو یہ حدیث سنکر اسکو غلط اور موضوع ہی سمجھا کرتے تھے مگر چونکہ جامع صغیر نے نقل کیا ہے اگرچہ ضعیف ہی کہا ہے مگر خیر اب انکار نہیں ہو سکتا۔ تو مطلب یہ ہوگا کہ چونکہ بوڑھا آدمی اپنے اہل وعیال میں مربی ہوتا ہے۔ لہذا ایسا ہوتا ہے جیسے کہ نبی اپنی امت میں ہوتا ہے خیر غرض کہ ایک بزرگ بوڑھے پہلے زمانہ میں تھے

یک صباحے گفتش اہل بیت او ۔۔۔ سخت دل چونی بگوائے نیک خو

یعنی ایک روز اون کے گہر والوں نے اون سے کہا کہ اے نیک خصلت تم کیسے سخت دل ہو

ما زہجر و مرگ فرزندان تو ۔۔۔ نوحہ میداریم بالپشت دو تو

یعنی ہم تو تمہارے لڑکوں کے ہجر اور موت سے نوحہ کرتے ہیں کہ دوہرے ہو جاتے ہیں۔

تو نمی گریے نمے زاری چرا ۔۔۔ یا کہ رحمت نیستت در دل کیا

یعنی تم نہ روتے ہو اور نہ زاری کرتے ہو تو کیا اے دانا تمہارے دل میں رحم ہی نہیں ہے ؎

چون ترا رحمے نباشد در درون ۔۔۔ پس چہ امیدست مان از تو کنون

یعنی جبکہ تمہارے دلمیں رحم ہی نہیں ہے تو پہر ہمکو تم سے اب کیا اُمید ہے۔

ما بہ امید توئیم اے پیشوا ۔۔۔ کہ نہ بگزاری تو مارا در عنا

یعنی اے پیشوا ہم تو اس امید میں ہیں کہ آپ ہمکو (قیامت کے روز) مصیبت میں نہ چھوڑیں گے +

چون بیارایند روز حشر تخت　　خود شفیع ما تو ئی آن روز سخت

یعنی جبکہ حشر کے دن تخت سنواریں گے تو (ہمیں امید ہے کہ) خود آپ ہی اوس سخت دن میں ہمارے شفیع ہوں گے۔

در چنان روز و شب بے زینهار　　ما با کرام تو ئیم امیدوار

یعنی ایسے بے پناہ روز و شب میں ہم تو آپ ہی کے اکرام کے امیدوار ہیں۔

دست ما و دامن تست آن زمان　　که نماند هیچ مجرم را امان

یعنی اوسوقت آپ کا دامن ہوگا اور ہمارا ہاتھ ہوگا جسوقت کہ کسی مجرم کو امن نہ رہیگا (تو جب تمہارے دل میں رحم ہی نہیں ہے تو اب کیا امید ہے کہ شفاعت کروگے) اور یہ کہا

گفت پیغمبر که روز رستخیز　　کے گذارم مجرمان را اشک ریز

یعنی پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ قیامت کے دن میں مجرموں کو روتا ہوا کب چھوڑوں گا۔ حدیث میں صاف ہے کہ شفاعتی لاهل الکبائر من امتی اور فرمایا ہے کہ

من شفیع عاصیان باشم بجان　　تا رهانم شان ز اشکنجه گران

یعنی میں جان و دل سے عاصیوں کا شفیع ہونگا تاکہ اونکو شکنجہ گراں سے چھڑاؤں۔

عاصیان و اهل کبائر را بجهد　　وا رهانم از عتاب نقض عهد

یعنی عاصیوں اور اہل کبائر کو کوشش کر کے میں نقض عہد کے عتاب سے چھڑاؤں گا۔

صالحانِ امت من فارغ اند از شفاعتہائے من روز گزند

یعنی میری امت کے صالحین تو قیامت کے روز میری شفاعت سے فارغ ہوں گے۔

بلکہ ایشان را شفاعتہا بود گفت شان چون حکم نافذ میرود

یعنی بلکہ خود اونکی ہی شفاعت ہوگی اور اونکی عرض حکم نافذ کی طرح چلے گی۔ صالحین کے لیے شفاعت نہونے کے یہ معنی ہیں کہ ایسی شفاعت جو منجی من النار ہو اون کے لئے نہوگی باقی اہل حق کہتے ہیں کہ شفاعت اون کے لیے بھی ہوگی اور اِس شفاعت سے ترقی درجات ہوگی اور وہ حضرات پھر خود بھی شفاعت فرماویں گے اور اونکی شفاعت بھی منجی من النار ہوگی اور حق تعالیٰ اون کی عرض کو اس طرح مانیں گے جیسے کہ کوئی حاکم حکم کرے اور اوس کا حکم نافذ ہو جاتا ہے اور ٹلتا نہیں ہے اسی طرح ان حضرات کی شفاعت رائیگاں نہوگی بلکہ حق تعالیٰ ضرور قبول فرماویں گے آگے مولانا آیت لا تزر وازرۃ وزر اخریٰ میں علاوہ تفسیر مشہور کے ایک اور نکتہ بیان فرماتے ہیں تفسیر مشہور تو یہ ہے کہ قیامت میں ایسا نہوگا کہ گناہ تو کرے زید اور اوسکی سزا عمر و بھگتے بلکہ اپنے اپنے اعمال کی سزائیں اور جزائیں سب کو الگ ملیں گی مولانا فرماتے ہیں کہ قرآن شریف میں جو یہ آیت ہے اس سے نکلتا ہے کوئی وازر کسی دوسرے کا وزر نہ اُٹھاویگا اور کسیکا بوجہ کسی پر پڑیگا اور بوجہ پڑنے کے معنی ذمہ داری کے بھی آتے ہیں بولتے ہیں کہ اوس نے اوس کا سارا بوجہ اوٹھا رکھا ہے۔ یعنی اوسکی ساری ذمہ داری کر رکھی ہے تو اِس سے یہ بھی نکلا کہ ایک شخص دوسرے کا ذمہ دار بھی نہوگا اور حالانکہ حضور ذمہ دار ہوں گے تو مولانا فرماتے ہیں کہ اِس سے مراد یہ ہے کہ حضور ذمہ دار تو ہوں گے اور سب کا بوجہ اپنے اوپر لینگے مگر اس بوجہ کے لینے سے خود حضورؐ پر کوئی بات ہو یہ نہوگا۔ بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر کسی قسم کا کوئی اثر نہوگا۔ اسلئے کہ آیت میں تو یہ ہے کہ کوئی وازر دوسرے کا بوجہ نہ اوٹھاوے گا اور حضور خود وازر ہیں نہیں ایسا بوجہ کہ جس کا اثر خود حضور صلی اللہ

علیہ وسلم پر کوئی بوجہ نہ اُٹھاویں گے یعنی ایسا نہ ہوگا کہ جیسے عیسائی عیسے علیہ السلام کی نسبت کہتے ہیں کہ وہ سب کی طرف سے کفارہ ہو گئے اون کا مطلب تو یہ ہے کہ سب کی طرف سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام معذب ہوئے نعوذ باللہ اور بقول اون کے حضرت عیسے علیہ السلام اورونکو مقبول بنانیکو خود مردود بنے۔ اور ہم یہ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مقبولیت اس درجہ ہے کہ خود مقبول رہا اور اورونکو بھی مقبول بنالیا خوب سمجھ لو۔ تو نہ ہم عیسے علیہ السلام کے اس طرح وازر ہونے قائل اور نہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے۔ بلکہ معنی یہ ہوئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سب کی ذمہ داری فرماویں گے اس طرح کہ آپ پر اون کے اوزار کا کوئی اثر نہوگا۔ اب اس مضمون کو مولانا بیان فرماتے ہیں بزبان حضور مقبول صلی اللہ علیہ وسلم یعنی گویا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی فرما رہے ہیں کہ

ہیچ وازر وزر غیرے برنداشت　　من نیم وازر خدایم برفراشت

یعنی کسی وازر نے دوسرے کا وزر نہیں اُٹھایا ہے اور میں وازر ہی نہیں ہوں خدا نے مجھے بلند فرمایا ہے مطلب یہ کہ میں وازر ہی نہیں تو میں اِس طرح کہ اوس وزر کا اثر کچھ مجھ پر رہے میں کسیکا وزر نہ اوٹھاؤں گا اسلئے کہ آیت میں یہ ہے کہ وازر کوئی کسیکا وزر نہ اوٹھاویگا ہاں جو ذمہ داری ہوگی وہ اِس عموم میں داخل ہی نہیں ہے یہ ایک نکتہ ہے باقی اصل تفسیر وہی ہے جو مشہور ہے اسیلئے اوس کی توضیح اپنے نزدیک اچھی طرح کردی گئی ہے تاکہ کوئی اسکو تفسیر نہ خیال کرے اور خلط بحث نہ ہوجاوے فافہم آگے مولانا فرماتے ہیں کہ

آنکہ بے وزرست شیخ ست اے جوان　　در قبول حق چو اندر کف کمان

یعنی جو کہ بے وزر (گناہ) ہے اے جوان وہی شیخ ہے اور قبول حق میں وہ مثل کمان کے ہے ہاتھ میں۔ مطلب یہ کہ جس طرح ہاتھ میں کمان ہوتی ہے اسی طرح وہ شیخ بے وزر قبولِ حق میں ہے کہ جس طرح وہ چاہے اوسکو رکھے۔ اوسکو کچھ عذر نہیں ہے آگے شیخ کی تعیین فرماتے ہیں کہ:۔

شیخ کہ بود پیر یعنی مو سپید　　معنئے این مو بدان اے با امید

یعنی شیخ کون ہے بڈھا یعنی سفید بال والا (لیکن ذرا) اِس بال کے معنی سمجھہ لو بال مراد

ہست آن موئے سیہ ہستی او　　تا ز ہستیش نماند تار مو

یعنی موئے سیاہ سے مراد اوسکی ہستی ہے یہان تک کہ اوسکی ہستی سے ایک تار مو نہ رہے۔

چونکہ ہستیش نماند پیر اوست　　گر سیہ مو باشد او یا خود دو موست

یعنی جب اوسکی ہستی نہ رہی تو وہ پیر ہوگیا اگرچہ وہ سیہ مو ہو یا اوس کے دو ہی بال ہوں مطلب یہ ہے کہ ہماری مراد بالوں سے ہستی ہے اور سیاہ بالوں سے مراد ہستی تاریک اور سفید بال سے مراد ہستی نورانی ہے تو اب ہم جب کہتے ہیں کہ شیخ سفید بال والا ہوتا ہے اِس سے مقصود یہ ہے کہ شیخ وہ ہوتا ہے جسکی ہستی نورانی ہو چکی ہو۔ اور وہ درجہ فنا کا حاصل کرکے درجہ بقا باللہ حاصل کر چکا ہو۔ اگرچہ وہ ابھی بچہ ہی ہو شیخ شیرازی بھی اسی مضمونکو فرماتے ہیں کہ ع بزرگی بعقل ست نہ بہ سال آگے مولانا بھی اِس مضمون کو بہت صاف کرکے فرماتے ہیں کہ۔

ہست آن موئے سیہ وصف بشر　　نیست آن مو موئے ریش موئے سر

یعنی سیاہ بال وصف بشری ہے اور وہ ڈاڑہی یا سر کے بال (مراد) نہیں ہیں آگے ایک نظیر پیش فرماتے ہیں کہ دیکھو بچپن میں ہی وہ شیخ تھے فرماتے ہیں کہ۔

عیسے اندر مہد بر دارد نفیر　　کہ جوان نا گشتہ ما شیخیم و پیر

یعنی عیسے علیہ السلام گہوارہ میں آواز بلند فرماتے ہیں کہ ہم بے جوان ہوئے

۱۵ مئی ۹۰ء

شیخ اور پیر ہیں جیساکہ قرآن شریف میں ہے۔ قَالَ اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰهِ اٰتَانِیَ الْکِتٰبَ وَجَعَلَنِیْ نَبِیًّا وَّجَعَلَنِیْ مُبٰرَکًا اَیْنَ مَا کُنْتُ وَاَوْصٰنِیْ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّکٰوةِ مَا دُمْتُ حَیًّا تو دیکھو ابھی گہوارہ میں پڑے ہیں اور نبوت کا دعوے ہے تو اگر اوس سفیدی سے مراد بالوں کی سفیدی ہوتی تو یہاں کیا معنے ہوتے بس معلوم ہوا کہ باطنی سفیدی سے مراد ہستی کا نورانی ہوجانا ہے اسمیں لوگوں نے اختلاف کیا ہے کہ آیا عیسے علیہ السلام بچپن میں نبی تہے یا نہ تہے بعض لوگ اِس آیت میں تاویل کرتے ہیں مگر کیا ضرورت ہے کہ تاویل کیجاوے اسلئے کہ بچپن میں نبی ہونے کی صورت میں یہی اعتراض ہے کہ عقل کامل نہ تہی اور نبوت کیسے مل گئی اسلئے کہ نبی کی عقل تو کامل ہوتی ہے جواب یہ ہے کہ ممکن ہے کہ حق تعالیٰ نے اوس عمر میں اونکی عقل کو کمال عطا فرما دیا ہو جیساکہ یحییٰ علیہ السلام کو بچپن میں نبوت مل گئی تہی خود قرآن شریف میں موجود ہے ارشاد ہے واتیناہ الحکم صبیا۔ تو جس طرح اون کو بچپن میں مل گئی اُنکو اگر رضاعت کے زمانہ میں مل گئی ہو تو کیا عجب ہے آگے فرماتے ہیں کہ۔

چون یکے موئے سیاہ کان وصف ماست　　　　نیست بروے شیخ و مقبول خداست

یعنی جبکہ ایک موئے سیاہ جو کہ ہمارے وصف میں سے ہے اوس میں نہیں ہے تو وہ مقبول خدا ہے مطلب یہ کہ اگر اوصاف بشری جو کہ مشابہ موئے سیاہ کے ہیں کسی میں نہوں بس وہی مقبول حق ہے چاہے اوس کے بدن کے سارے بال سیاہ ہی ہوں۔

چون بود موش سفید ار با خود ست　　　　او نہ پیر ست و نہ خاص ایزد ست

یعنی اگر اوس کے بال (بدن کے) سفید ہوں تو اگر باخود ہے تو وہ نہ پیر ہے اور نہ خاص خدا ہے مطلب یہ کہ جب اوس کے اندر اوصاف بشری اور شہوات موجود ہیں تو وہ اگرچہ سفید بال والا ہو اور اوسکی پلکیں اور بھویں سب سفید ہوگئی ہیں مگر وہ با خدا نہیں ہے بلکہ باخود ہی ہے اور فرماتے ہیں کہ

گر رہید از بعض اوصاف بشر　　شیخ نبود کہل باشد اے پسر

یعنی اگر بعض اوصاف بشری سے تو چھوٹ گیا (اور بعض اوسمیں موجود ہیں) تو صاحبزادے وہ شیخ نہیں ہے۔ بلکہ وہ ادھیڑ ہے یعنی وہ اس کے مثل ہے کہ جس کے کچھ بال سفید ہوں اور کچھ سیاہ ہوں

در سرِ موئے ز وصفش باقی است　　او نہ از عرش خدا آفاقی است

یعنی اور اگر سرِ مُو اوسکے وصف میں سے باقی ہے تو وہ عرش خدا سے نہیں ہے بلکہ آفاقی ہی ہے مطلب یہ کہ اگر اوسکو پوری طرح درجہ فنا حاصل نہیں ہے تو وہ مقرب حق اور خاص حق نہیں ہے بلکہ ابھی وہ ناسوت ہی میں پھنسا ہوا ہے۔ تو بس اس ساری تقریر سے معلوم ہوا کہ تمام صلحاء اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم شفاعت فرمائیں گے۔ آگے پھر اون گھر والوں کا قول اون بزرگ سے نقل فرماتے ہیں کہ۔

ما ہمہ امیدواران تو ایم　　ریزہ چین خوان احسان توایم

یعنی ہم سارے کے سارے آپ کے امیدوار ہیں اور آپ کے خوان احسان کے ریزہ چین ہیں یعنی آپ نیک ہیں صالح ہیں تو ہم سب کو امید ہے کہ آپ ہماری شفاعت کریں گے +

لیک با این جملہ چون بے شفقتے　　بہر فرزندان چرا بے رقتی

یعنی لیکن باوجود ان سب باتوں کے کہ آپ بے شفقت کیوں ہیں اور اپنے صاحبزادوں کے لیے بے رقت کیوں ہیں مطلب یہ کہ آخر آپ کو روتا کیوں نہیں آتا۔ حالانکہ آپ ایسے بزرگ ہیں نیک ہیں صالح ہیں۔

یا مگر خود دل نمی سوزد ترا　　باز گو اے شیخ ما را ماجرا

یعنی یا کہ شاید آپ کے دل میں سوزش ہی نہیں ہوتی اے شیخ ہم سے کچھ بات تو بیان کرو مطلب یہ کہ آیا آپ کے قلب میں شفقت و رحم ہی نہیں ہے یا یہ کہ آپ کے دل میں سوزش ہی نہیں ہوتی۔ آخر کچھ کہو تو آگے وہ شیخ جواب دیتے ہیں کہ

شرح حبیبی

شیخ گفت او را مپندار اے رفیق — کہ ندارم رحم و مہر دل شفیق

بر ہمہ کفار ما را رحمت است — گرچہ جانِ جملہ کافر نعمت است

بر سگانم رحمت و بخشایش است — کہ چرا از سنگہا شان مالش است

آن سگے کہ مے گزد گویم دعا — کہ ازین خو وارہانش اے خدا

این سگان را ہم درین اندیشہ دار — کہ نباشد از خلائق سنگسار

زان بیاورد اولیا را بر زمین — تا کند شان رحمۃ للعالمین

خلق را خواند سوئے درگاہ خاص — حق را خواند کہ وافرکن خلاص

جهد بنماید ازین سو بهر بهر / چون نشد گوید خدایا در مبند

رحمت جزوی بکل پیوسته شد / رحمت کل را تو هادی بین به ود

تاکه خبر دست او ندا اندر راه بحر / هر غدیرے را کند اشباه بحر

چون نداند راه یم ره کے برد / سوئے دریا خلق را چون آورد

متصل گردد به بحر آنگاه او / ره برو تا بحر همچون سیل جو

ور کند دعوی به تقلیدے بود / نز عیان وحی و تائیدے بود

گفت پس چون رحم داری بر همه / همچو چوپانے بگرد این رمه

چون نداری نوحهٔ فرزند خویش / چونکه فصاد اجل زد شان به نیش

چون گواه رحم اشک دیدهاست / دیدهٔ تو بے نم و گریه چراست

شیخ دانا زین عتابش گرم شد / در سخن یکباره بے آزرم شد

رو بزن کرد و بگفتش کاے عجوز / خود نباشد فصل دے همچون تموز

جملہ گر مردند ایشان وحی اند | غائب و پنہان زچشم دل کے اند
من چو بینم شان معین پیش خویش | از چہ رو رو را کنم ہمچون تو ریش
گرچہ بیرون انداز دورِ زمان | با من اند و گرد من بازی کنان
گریہ از ہجران بود یا از فراق | با عزیزانم وصال ست و عناق
خلق اندر خواب مے بینند شان | من بہ بیداری ہمی بینم عیان

شیخ نے فرمایا کہ تم یہ نہ سمجھو کہ مجھے محبت نہیں اور میرے دلمیں شفقت نہیں کیونکہ ہماری شفقت کی تو یہ حالت ہے کہ ہم کو کفار پر بھی رحمت ہے اگرچہ وہ لوگ ناشکر ہیں اور ہماری رحمت و عنایت تو کتوں پر بھی ہے اور ہم کو افسوس ہوتا ہے کہ یہ کمبخت پتھروں سے کیوں مار کھاتے ہیں۔ چنانچہ جب کوئی کتا کسیکے کاٹتا ہے تو میں دعا کرتا ہوں کہ اے اللہ تو اسکی یہ بری خصلت چھڑا دے اور کتونکو اِس خیال میں مشغول رکھ کہ وہ کسیکو نہ کاٹیں اور لوگونکی اینٹیں نہ کھائیں۔ اب مولانا فرماتے ہیں کہ حق سبحانہ نے اولیاء اللہ کو زمین پر اِسی لیے پیدا کیا ہے کہ اونکو تمام عالم کے لیے یوں رحمت بناوے کہ وہ مخلوق کو حق سبحانہ کی طرف دعوت دیں اور حق سبحانہ سے دعا کریں کہ اے اللہ انکو ذمایم سے پوری رہائی عطا فرما۔ اور وہ اسطرف نصیحت کے لیئے پوری کوشش کریں جب اُدھر نصیحت کارگر نہو تو کہیں کہ اے اللہ تو رحمت کا دروازہ مت بند کر۔ اور تو اپنی رحمت سے اونکو اِس بلا سے نجات دے۔ اور اصل وجہ اسکی یہ ہے کہ ہادی حقیقی تو رحمت کاملہ و تامہ حق سبحانہ ہے۔ مگر اہل اللہ کی رحمت ناقصہ اوس کے ساتھ تعلق پیدا کرکے اسمیں فنا ہوگئی ہے اسلئے اسپر وہی آثار مرتب ہوتے ہیں جو رحمت حق سبحانہ پر

ہوتے ہیں اور رحمت حق سبحانہ عام ہے اسلئے اہل اللہ کی شفقت بھی عام ہے اور جب تک کہ رحمت ناقص رہتی ہے اوسوقت تک اوسے اوس بحر رحمت کا راستہ ہی نہیں معلوم ہوتا۔ جو نالاب اور رحمت ناقصہ کو اپنے میں جذب کر کے مشابہ سمندر بن سکتی ہے۔ اور جبکہ وہ اوس دریا کا راستہ ہی نہیں جانتی تو خود اوس تک پہونچ کیسے سکتی ہے اور مخلوق کو اوس سمندر تک پہنچا کیسے سکتی ہے۔ ہاں اگر اوسکو سمندر کے ساتھہ اتصال ہوجاوے اُس وقت وہ سمندر میں ندی نالوں کی طرح ملکر اوس میں جذب ہوسکتی ہے۔ اور اگر یہہ بات نہیں حاصل ہوئی اور اوسپر بھی آدمی لمبے چوڑے دعوے کرے تو وہ دعاوی تقلیدی اور سنے سنائے ہیں مشاہدہ اور الہام اور تائید حق سبحانہٗ کے سبب نہیں ہیں خیر یہ گفتگوے استطرادی تو ختم ہوئی۔ اب سنو کہ اون کے گہر کے لوگوں نے کہا کہ جب آپ سب پر رحم کرتے ہیں اور سب کی آپ یوں ہی حفاظت کرتے ہیں جس طرح کہ چرواہا بکریوں کی توپھر یہ کیا بات ہے کہ آپ کو اپنی بچوں پر رونا نہیں آتا۔ جبکہ فصاد اجل نے اون کے نشتر مار کر اون کو ہلاک کردیا۔ نیز جبکہ رحم دل کے گواہ آنکھوں کے آنسو ہیں توپھر آپکی آنکھوں میں آنسو اور تری کیوں نہیں شیخ دانا کو اس ملامت سے جوش آگیا اور عورت کی طرف متوجہہ ہوکر تیز لہجہ میں یوں خطاب فرمایا کہ بڑی بی بات یہ ہے کہ بہار و خزاں جاڑا۔ اور گرمی یکساں نہیں ہوتے۔ اسی طرح عوام و خواص بھی یکساں نہیں۔ میرے سب بچے خواہ مردہ ہوں یا زندہ میرے چشم قلب کے سامنے ہیں اور مخفی وغائب نہیں جب میں اونکو اپنے سامنے مشخص دیکھہ رہا ہوں تو میں آپکی طرح اپنا منہ کیوں نوچوں۔ گو وہ زمانہ سے باہر ہیں مگر میرے پاس ہیں اور میرے گرد کھیلتے ہیں آپ غور کریں کہ رونے کا سبب یا محبوب کا محب کو چھوڑ دینا ہوتا ہے یا اوسکا دور ہونا۔ اور مجھے اپنے پیاروں سے اتصال اور قرب ہے۔ توپھر میں کیوں روؤں لوگ تو اون کو خواب میں دیکھتے ہیں اور میں بیداری میں دیکھہ رہا ہوں۔ آگے اوسکا طریقہ ارشاد فرماتے ہیں اور کہتے ہیں ؎

شرح شبیری

شیخ کا لڑکوں کے مر جانے پر نہ رونے کا عذر بیان کرنا

شیخ گفت او را مپندار اے رفیق
کہ ندارم رحم و مہر و دل شفیق

یعنی شیخ نے اوس (بیوی) سے کہا کہ اے رفیق تو یہ مت سمجھ کہ میں رحم اور محبت اور شفیق دل نہیں رکھتا*

بر ہمہ کفار ما را رحمت است
گرچہ جانِ جملہ کافر نعمت است

یعنی ہمکو تو تمام کفار پر بھی رحم ہے اگرچہ تمام کفار کی جان نعمت ہی مطلب یہ کہ بھلا ہمکو اپنے لوگوں پر تو رحم کیوں نہ ہوگا۔ ہم کو تو کفار پر بھی رحم آتا ہے کہ افسوس یہ راہ حق کو دیکھتے نہیں حالانکہ وہ سارے کفران نعمت حق کرتے ہیں مگر ہم کو اونپر بھی رحم آتا ہے آگے اور ترقی کر کے فرماتے ہیں کہ کفار تو پھر بھی لسان ہر، اونمیں تو یہ اشتراک بھی ہے مگر ہماری تو یہ حالت ہے کہ۔

بر سگانم رحمت و بخشایش است
کہ چرا از سنگہا شان مالش است

یعنی مجھے تو کتوں پر بھی رحم اور بخشایش ہے کہ انکو کیوں پتھروں سے مالش ہے مطلب کہ اونپر بھی رحم آتا ہے کہ کیوں بھونکتے ہیں جو اسکی وجہ سے ان کے پتھر لگتے ہیں۔
آگے اس معنی کی خود ہی تصریح فرماتے ہیں کہ۔

آں سگے کہ می گزد گویم دعا　　کہ ازیں خو وا رہانش اے خدا

یعنی جو کتا کہ کاٹتا ہے۔ میں یہ دعا کرتا ہوں کہ اے خدا اس کو اس خصلت سے چھڑا دیجئے (اور یہ دعا کرتا ہوں کہ)

ایں سگاں راہم دریں اندیشہ دار　　کہ نباشند از خلائق سنگسار

یعنی ان کتوں کو اس فکر میں رکھ کہ یہ مخلوق سے سنگسار نہ ہوں۔ مطلب یہ ہے کہ ان کی اس خصلت کو بدل دیجئے۔ تاکہ یہ سنگسار نہ ہو سکیں۔

زاں فرستاد انبیا را بر زمیں　　تا کند شاں رحمۃ للعالمیں

یعنی حق تعالے نے اسی لئے انبیاؑ کو زمین پر بھیجا ہے تاکہ اُن کو رحمۃ للعالمین بنا دے۔

خلق را خواند سوئے درگاہ خاص　　حق را خواند کہ وافر کن خلاص

یعنی یہ حضرات مخلوق کو تو درگاہ خاص حق کی طرف بلاتے ہیں۔ اور حق سے دعا کرتے ہیں کہ خلاصی کو وافر کیجئے۔

جہد بنماید ازیں سو بہر پند　　چوں نشد گوید خدایا در مبند

یعنی وہ اس طرف سے تو نصیحت میں کوشش فرماتے ہیں۔ اور جب (وہ کارگر) نہیں ہوتی تو کہتے ہیں کہ اے خدا دروازہ (رحمت) بند کر۔ مطلب یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے انبیاؑ کو زمین پر جہان کے لئے اپنے اپنے مرتبہ کے موافق بنا کر بھیجا۔ اور اس صفت میں سب سے زیادہ حضور مقبول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اور ان حضرات کی یہ شان ہوتی ہے کہ لوگوں کو تو اللہ کیطرف بلا دیں۔ اور اللہ میاں سے کہیں کہ اے اللہ ان کو توفیق ایمان کی نصیب فرما۔ تو چونکہ میں (یعنی وہ شیخ) ان کا ظل ہوں۔ اور میرے اندر بھی وہ اثر آیا ہے لہذا میں بھی تمام چیزوں

پر رحم کرتا ہوں۔ آگے مولانا فرماتے ہیں کہ۔

رحمت جزوی بُود مر عام را　　　رحمت کلی بود ہمام را

یعنی رحمت ناقص تو عوام کو بھی ہوتی ہے۔ مگر رحمت کامل بزرگ ہی کو ہوتی ہے۔ آگے بزرگوں کی رحمت کے کامل ہونیکا راز بیان فرماتے ہیں کہ۔

رحمت جزوش قرین گشتہ بکل　　　رحمت دریاست ہادی سبل

یعنی ان کی رحمت جزوی اوس کامل کے قرین ہوگئی ہے۔ اور رحمت دریا ہادی سُبل ہے مطلب یہ کہ اول تو ان کی رحمت بھی رحمت جزوی ہی تھی۔ مگر چونکہ وہ رحمت حق کے ساتھ جوکہ رحمت کاملہ ہے مقرون ہوگئی ہے۔ اور اسی سے مستفیض ہو رہی ہے اس لئے وہ بھی کامل ہوگئی ہے۔ آگے مولانا نصیحت فرماتے ہیں کہ۔

رحمت جزوی بکل پیوستہ شو　　　رحمت کل را تو ہادی بین و رو

یعنی تم بھی رحمت ناقص ہو کل سے پیوستہ رہو۔ اور رحمت کل کو ہادی دیکھکر چلے چلو مطلب یہ کہ ابھی تو تم ناقص ہو۔ اور تمہاری رحمت بھی ناقص ہے۔ تو اس کامل کے ساتھ پیوستہ ہو جاؤ۔ یا تو حق تعالیٰ کے ساتھ یا ان حضرات کے ساتھ جوکہ حق سے مستفیض ہوکر کامل ہو چکے ہیں۔ غرضکہ تم کاملوں کیساتھ لگے رہوگے تو انشاء اللہ کامل ہو جاؤ گے۔ آگے ایک غلطی رفع فرماتے ہیں کہ

تا کہ جزو است او نداند راہ بحر　　　ہر غدیرے را کند اشباہ بحر

یعنی جب تک کہ وہ ناقص ہے راہ بحر کو نہیں جانتا۔ اور ہر تالاب کو بحر کے مشابہ کر دیتا ہے۔ یہاں نقص سے مراد نقص علمی ہے۔ ورنہ اگر نقص حالی مراد ہوتا تو وہ تو ہر ایک کو پیش آتا ہے کہ جب وہ اوس کامل سے پیوستہ ہونا چاہیگا تو وہ تو یقیناً ناقص الحال ہی ہوگا۔ تو یہاں

مطلب یہ ہے کہ جو شخص کہ ناقص الحال ہو اور ناقص العلم بھی ہو۔ وہ اس بحر تک رسائی حاصل نہیں کر سکتا۔ کمال علمی کا ہونا ضروری ہے کہ جس سے بصیرت و معرفت ہو۔ ورنہ اگر معرفت ہی نہ ہوگی۔ تو پیوستہ کس کے ساتھ ہوگا۔ تو جب نقص علم ہوگا تو وہ ناقص کو کامل اور بالعکس سمجھ جاوے گا۔ اور بحر اور دریا اور یم وغیرہ سب سے حق تعالیٰ مراد ہیں اور ان تشبیہات کا صحیح ہونا کئی مرتبہ عرض کیا جا چکا ہے۔

چوں نداند راہ یم رہ کے برد　　سوئے دریا خلق را چوں آورد

یعنی جب وہ دریا کی راہ ہی نہیں جانتا تو خود کس طرح راہ لیجا سکتا ہے۔ اور مخلوق کو دریا کیطرف کس طرح لا سکتا ہے۔ مطلب یہ کہ جب کسی کو نقص علمی ہو اور اس کو معرفت حق ہی حاصل نہ ہو تو نہ وہ خود پہونچ سکتا ہے اور نہ دوسروں کو پہونچا سکتا ہے۔

متصل گردد بہ بحر انگاہ او　　رہ برد تا بحر ہمچوں سیل وجو

یعنی وہ جب بحر سے متصل ہو جاتا ہے تو اس وقت وہ بحر تک سیل اور ندی کی طرح راہ لیجا سکتا ہے۔ مطلب یہ کہ جب اس کو معرفت حق حاصل ہو جاوے گی تو اب اوسکو اُسکے ساتھ پیوستہ ہونا بھی آسان ہوگا اور جس طرح کہ ندی اور رود دریا میں جا کر ملجاتے ہیں اسی طرح یہ بھی حق تعالیٰ کے ساتھ پیوستہ ہو جاوے گا۔ اور اگر ابھی معرفت ہی حاصل نہوئی ہو تو اسکو فرماتے ہیں کہ

ور کند دعوت بہ تقلیدے بود　　نز عیان و وحی و تائیدے بود

یعنی اور اگر وہ دعوت کرے تو وہ دعوت بھی تقلیدی ہوتی ہے۔ نہ عیاناً اور وحی اور تائید کے ساتھ ہوتا ہے۔ مطلب یہ کہ وہ خود تو کیا راہ پاوے گا۔ اگر اوروں کو بھی بلاتا ہی تو یہ بلانا بھی تقلیدی ہی ہوتا ہے۔ اور حق تعالیٰ کی طرف سے نہیں ہوتا۔ غرضکہ چاہیئے کہ اس کامل کے ساتھ پیوستہ ہوں تو ہمارے اندر بھی اس کی برکت سے کمال پیدا ہو جاوے

چونکہ شیخ کا جواب تو اوپر ختم ہو ہی چکا تھا۔ آگے اُس عورت کا سوال نقل فرماتے ہیں کہ۔

گفت پس چوں رحم داری بر ہمہ ہمچو چوپانے بگردِ ایں رمہ

یعنی اس عورت نے کہا کہ بس جبکہ تم سب پر رحم رکھتے ہو۔ اور اس جماعت کے گرد چرواہان کی طرح ہو۔

چوں نداری نوحہ بر فرزند خویش چونکہ فصاد اجل شاں زد بہ نیش

یعنی تم اپنے فرزند پر نوحہ کیوں نہیں کرتے۔ جبکہ فصاد اجل نے ان کے نشتر مارا ہے۔

چوں گواہ رحم اشک دیدہاست دیدۂ تو بے نم و گریہ چراست

یعنی جبکہ رحم کے گواہ آنکھ کے اشک ہیں۔ تو تمہاری آنکھ بے نم اور بے گریہ کیوں ہے۔

شیخ دانا زیں عتابش گرم شد در سخن یکبارہ بے آزرم شد

یعنی شیخ دانا اس کے اس عتاب سے جوش میں آ گئے۔ اور بات میں ایک دفعہ ہی بیتاب ہو گئے۔

رو بزن کرد و بگفتش اے عجوز خود نباشد فصل دے ہمچوں تموز

یعنی عورت کی طرف متوجہ ہوئے اور اس سے کہا کہ اے عجوز فصل خزاں فصل بہار کے خود برابر نہیں ہوا کرتی۔ مطلب یہ کہ میں اور تم لوگ برابر نہیں ہیں۔

جملہ گر مردند وایشاں ورحے اند غائب و پنہاں ز چشم دل کے اند

یعنی سارے کے سارے اگر مر گئے۔ اور اگر زندہ ہیں چشم دل سے کب غائب اور پنہاں ہیں۔

من چو بینم شان معین پیش خویش — از چہ رو ور ا کنم ہمچون تو ریش

یعنی میں جب اونکو مجسم اپنے سامنے دیکھتا ہوں تو پھر اپنے منہ کو تیری طرح کس لئے زخمی کروں۔

گرچہ بیرون اند از دور زمان — با من اند و گرد من بازی کنان

یعنی اگرچہ اس دور زماں کے باہر ہیں مگر میرے تو سب تہہ میں اندر کھیل کر رہے ہیں۔

گریہ از ہجران بود یا از فراق — با عزیزانم وصالست و عناق

یعنی گریہ یا تو ہجر سے ہوا کرتا ہے یا فراق سے اور مجھے عزیزوں کے ساتھ وصل اور معانقہ ہے۔ ہجر تو کہتے ہیں اوسکو کہ محبوب سامنے ہو اور پاس ہو اور نہ ملے اور فراق یہ کہ وہ دور ہی ہو جاوے تو مطلب یہ کہ روے تو جب جبکہ محبوب چھوڑ دے یا الگ ہو جاوے مگر میرے تو سامنے موجود ہیں کیوں روؤں۔ معلوم ہوتا ہے کہ انکو کشف ہوتا تھا اور وہ اونکو کشف کے ذریعہ سے دیکھتے تھے اور فرماتے ہیں کہ۔

خلق اندر خواب مے بینند شان — من بہ بیداری ہمی بینم عیان

یعنی خلق تو اونکو خواب میں دیکھتی ہے اور میں اونکو بیداری میں عیاناً دیکھ رہا ہوں آگے اس عیاناً دیکھنے کی ترکیب بتاتے ہیں کہ میں اس طرح دیکھتا ہوں کہ

شرح حبیبی

زین جہاں خود را مے پنہاں کنم — برگ حس را از درخت افشان کنم

یعنی میں عالمِ شہادت سے عالمِ غیب کیطرف متوجہ ہو جاتا ہوں اور درخت روح سے حواس ظاہرہ کے پتوں کو جھاڑ دیتا ہوں۔ یعنی ان حواس کو معطل کرکے حواس باطنہ سے کام لیتا ہوں۔ پس عالمِ غیب مجھپر منکشف ہوتا ہے اور میں اپنے بچوں کو دیکھ لیتا ہوں اوس کے بعد مولانا اِس بیان کو موجہہ کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ

شرح شبیری

زین جہان خود را دمے پنہاں کنم ۔ برگ حس را از درخت افشاں کنم

یعنی اِس جہان سے اپنے کو ایک دم کے لئے پنہاں کر لیتا ہوں اور برگ حس کو درخت سے جھاڑ دیتا ہوں مطلب یہ کہ اپنے حواس کو معطل کرکے غیبت حاصل کر لیتا ہوں تو جہاں ان حواس کو معطل کیا وہ عالم مکشوف ہو جاتا ہے اور اونکو دیکھ لیتا ہوں آگے فرماتے ہیں کہ

شرح حبیبی

حس اسیر عقل باشد اے فلان ۔ عقل اسیر روح باشد ہم بدان

دست بستہ عقل را جان باز کرد ۔ کارہائے بستہ را ہم ساز کرد

حسہا و اندیشہا ز آب صفا | ہمچو خس بگرفتہ روئے آب را
دست عقل آن خس بجیسو مے برد | آب پیدا مے شود پیش خرد
خس بس انبہ بود بر جو چوں حباب | خس چو یکسو رفت پیدا گشت آب
چونکہ دست عقل نکشاید خدا | خس فزاید از ہوا بر آبِ ما
آب را ہر دم کند پوشیدہ او | از ہوا خندان و گریاں عقل تو
چونکہ تقوے بست دو دست ہوا | حق کشاید ہر دو دستِ عقل را
پس حواس چیرہ محکوم تو شد | چوں خرد سالار و مخدوم تو شد
حس را بیخواب خواب اندر کند | تا کہ غیبتہا ز جاں سر بر زند
ہم بہ بیداری ببیند خوابہا | ہم ز گردوں بر کشاید بابہا

یعنی تم شیخ کے کلام کو محض دعوی نہ سمجھو بلکہ یہ ایک موجہہ اور مدلل بیان ہے کیونکہ حق سبحانہ نے اصالۃً حس کو عقل کا محکوم اور عقل کو روح کا منقاد بنایا ہے پس جبکہ روح عقل کے بندھے ہوئے ہاتھوں کو کھول کر اوسکو حواس کے مغلوب کر دینے کے قابل بنا دیتی ہے تو سب مشکلات حل ہو جاتی ہیں تفصیل اسکی یہ ہے کہ حواس

اور خیالات نفسانیہ نے مغیبات کو یوں ہی چھپا رکھا ہے جیسے کہ خس و خاشاک آب صفا پر پھیل کر اوسکو چھپا لیتا ہے اور احتجاب مغیبات انہیں حواس و افکار کے سبب سے ہے جبکہ عقل غالب ہوجاتی ہے اور بندش کے اوٹھہ جانے کے سبب وہ حواس میں تصرف کرنے کے قابل ہوجاتی ہے تو وہ حواس و افکار کے خس و خاشاک کو ہاتھہ سے ہٹادیتی ہے۔ یعنی اون کی طرف توجہہ چھوڑ دیتی ہے اور وہ یوں معطل ہوجاتے ہیں جیسے خواب میں ان کی حالت ہوتی ہے اور آب صاف اوسکو دکھلائی دینے لگتا ہے یعنی مغیبات اوس کے سامنے حاضر ہوجاتے ہیں خس و خاشاک چونکہ آب جو پر بہت تھے اسلئے پیشتر پانی نظر نہ آتا تھا۔ اب ہٹ گئے تو پانی ظاہر ہوگیا یعنی ہجوم و افکار و خیالات کے سبب مغیبات نہ دکھلائی دیتے تھے اب اون کے دفع ہوجانے سے پیش نظر ہوگئے اور جبکہ حق سبحانہ بتوسط روح عقل کے ہاتھہ نہیں کھولتے تو اوس وقت خس و خاشاک افکار و اوہام بڑہتے رہتے ہیں۔ اور آب مغیبات کو جس کا ظہور تمکو مطلوب ہے پوشیدہ کرتے رہتے ہیں پس وہ خس و خاشاک تو ہوائے نفس سے ہنستے کھیلتے ہیں۔ اور عقل بیٹھی قسمت کو روتی ہوتی ہے۔ کیونکہ حواس اوسپر غالب اور وہ اون کی مغلوب ہوتی ہے۔ کیونکہ روح اوسکی امداد نہیں کرتی۔ کہ اوسکو ان کمینوں کے نرغے سے چھڑا ئے نیز اپنے مطلوب یعنی ادراک مغیبات سے دور ہوتی ہے اسلئے روتی رہتی ہے برخلاف اِس کے جب روح اوسکی امداد کرتی ہے یعنی تقوے اختیار کرکے خواہشات نفسانیہ کے دست تعدیکو باندھتی رہتی ہے اوسوقت حق سبحانہ اوسکے توسط سے عقل کے ہر دو دست کھولتے ہیں۔ پس عقل حواس پر جو کہ اب تک غالب تھے تسلط کرکے اونکو مغلوب کرتی اور اپنا منقاد بناتی ہے اور اون کو بیداری ہی میں سلا دیتی ہے یعنی حالت خواب ہی کی طرح معطل کردیتی ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ روح سے مغیبات کا ظہور ہونے لگتا ہے۔ پس ثابت ہوا کہ شیخ کا بیداری میں لڑکوں کو دیکھنا کچہ مستبعد نہیں۔ بلکہ اگر اور لوگ بھی ویسا ہی کریں جیسا کہ شیخ نے کیا ہے تو اونکو بھی دکھلائی دے سکتے ہیں۔ بشرطیکہ کوئی حکمت حصول کشف سے مانع نہو۔

عارف باللہ حضرت مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ کی نادر روزگار،
اور معرکہ آرا کتاب "مثنوی معنوی" کی جامع اور لاجواب شرح

کلیدِ مثنوی

حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہ

10

یہ وہ مقبول خاص و عام کتاب ہے کہ خواندہ ناخواندہ سب ہی اس سے دلچسپی لیتے ہیں مگر مضامین عالیہ ہونے کی وجہ سے مطالب سمجھنے میں بڑی دقت پیش آتی ہے اور بعض اوقات نوبت الحاد و زندقہ تک پہنچ جاتی ہے، حضرت حکیم الامت نے اشعارِ مثنوی کو واضح کر کے اور مسائل تصوف کو عام فہم بنا کر نہایت خوبی سے سمجھا دیا ہے حقیقت یہ ہے کہ اس سے معتبر اور شریعت و طریقت کا پاس و ادب رکھ کر مضامین کو حل کرنے والی کوئی اور شرح نہیں لکھی گئی

ادارہ تالیفاتِ اشرفیہ
بیرون بوہڑ گیٹ
ملتان

عارف باللہ حضرت مولانا جلال الدین رُومی رحمۃ اللہ علیہ کی نادر روزگار
اور معرکہ آراء کتاب "مثنوی معنوی" کی جامع اور لاجواب اُردو شرح

کلیدِ مثنوی

از:

حکیم الامۃ مجدد الملۃ حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ

جلد ۱۰

یہ وہ مقبول خاص و عام کتاب ہے کہ خواندہ' ناخواندہ سب ہی اس سے دلچسپی لیتے ہیں. مگر مضامین عالیہ ہونے کی وجہ سے مطالب سمجھنے میں بڑی دقت پیش آتی ہے اور بعض اوقات نوبت الحاد و زندقہ تک پہنچ جاتی ہے.
حضرت حکیم الامت نے اشعارِ مثنوی کو واضح کر کے اور مسائل تصوف کو عام فہم بنا کر نہایت خوبی سے سمجھا دیا ہے. حقیقت یہ ہے کہ اس سے معتبر اور شریعت و طریقت کا پاس ادب رکھ کر مضامین کو حل کرنیوالی اور کوئی شرح نہیں لکھی گئی.

ادارہ تالیفاتِ اشرفیہ
بیرون بوہڑ گیٹ • مُلتان

قال تعالیٰ كَمَا أَرْسَلْنَا فِيكُمْ رَسُولًا مِّنكُمْ يَتْلُو عَلَيْكُمْ آيَاتِنَا وَيُزَكِّيكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ

الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُم مَّا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ

چوں در کریمہ صدر قولہ یتلو و یعلمکم الکتٰب بر فضل علم نظم و معنی قولہ یزکیکم بر شرف علم کلام و عقائد و علم سلوک و قولہ والحکمۃ بر مزیت علم اسرار و علم اصول اوّل با وضح بیان ست و ازانجا کہ بود تصوف کہ مشتمل بر سلوک و اسرار است از علم دین نیک عیاں ست و باتفاق اہل آفاق مثنوی را در کتب این فن خاص شان ست لیکن از علاقش محتاج تبیان ست بنا بر علیہ این شرح اردو کہ معنونش را

کلید مثنوی

عنوان ست و این ربع ثالث دفتر سوم ازاں ست از بالفاظ و عبارت مولوی شبیر علی و مولوی حبیب احمد سلمہما اللہ کہ ہر یکے ازایشاں بجائے صاحب معانی یعنی مولانا اشرف علی صاحب دام ظلہم بمنزلہ لسان و ترجمان ست) در وصل متن راچناں حل کردہ کہ غایت امکان ست و مسائل را بطورے تقریر نمودہ کہ ہم موافق تحقیق اہل اتقان و ہم مطابق حدیث و قرآن ست و اشکالات و اغلاط را بطرزے دور ساختہ کہ موجب اطمینان داناں ست و جا بجا ملفوظات سیدنا الحاج محمد امداد اللہ کہ عطر افشان

منشط اذہان ست ہم در مطاویش بر حسب فرمائش

محمد عثمان تاجر کتب مالک کتب خانہ اشرفیہ دہلی

حامداً ومصلیاً ومسلماً

ربع ثالث من کلید مثنوی شرح دفتر ثالث

بسم اللہ الرحمن الرحیم

شرح حبیبی

حامداً ومصلیاً۔ اما بعد۔ واضح ہو کہ مولانا نے اس سے بیشتر گائے کی بابت دو شخصون کا نزاع اور اُن کا مقدمہ بیان کیا تھا اب مولانا اُس قصّہ کا مغز اور اُس کی حقیقت بیان فرماتے ہین۔

نفس خود را کش جہانے زندہ کن	خواجہ را کشت است او را بندہ کن
مدعی گاؤ نفس تست ہین	خویشتن را خواجہ کردست و مہین
آن کشندہ گاؤ عقل تست رو	بر کشندہ گاو تن منکر مشو
عقل اسیرست و ہمی خواہد ز حق	روزی بے رنج و نعمت بر طبق
روزی بے رنج او موقوف چیست	آنکہ بکشد گاو را کاصل بدیست
نفس گوید چونکہ کشتی گاو من	زانکہ گاو نفس باشد نقش تن
خواجہ زادہ عقل ماندہ بینوا	نفس خونی خواجہ گشت و پیشوا
روزی بے رنج میدانی کہ چیست	قوت ارواح است و ارزاق نبی است

لیک موقوف است بر قربان گاوٴ — گنج اندر گاو داں اے کنج کاوٴ

دوش چیزے خوردہ ام ورنہ تمام — دادمے در دست فہم تو زمام

دوش چیزے خوردہ ام افسانہ است — ہرچہ می آید ز پنہان خانہ است

چشم بر اسباب از چہ دوختیم — کہ ز خوش چشمان کرشم آموختیم

ہست بر اسباب اسبابے دگر — در سبب منگر دراں میکن نظر

انبیا در قطع اسباب آمدند — معجزات خویش بر کیواں زدند

بے سبب مر بحر را بشگافتند — بے زراعت چاش گندم یافتند

ریگہا ہم آرد شد از سعی شان — پشم بز ابریشم آمد کش کشان

جملہ قرآں ست در قطع سبب — عز درویش و ہلاک بولہب

مرغ بابیلے دو سہ سنگ افگند — لشکر زفت حبش را بشکند

پیل را سوراخ سوراخ افگند — سنگ مرغے کو ببالا پر زند

دُم گاوٴ کشتہ بر مقتول زن — تا شود زندہ ہمانا در کفن

حلق ببریدہ جہد از جائے خویش — خون خود جوید ز خون پالائے خویش

ہمچنیں ز آغاز قرآں تا تمام — رفض اسباب ست و علت و السلام

کشف ایں نے ز عقل کار افزا شود — بندگی کن تا ترا پیدا شود

بند معقولات آمد فلسفی — شہسوار عقل عقل آمد صفی

عقل عقلت مغز و عقل تست پوست — معدۂ حیوان ہمیشہ پوست جوست

مغز جو از پوست دارد صد ملال ‌‌ مغز نغزانرا حلال آمد حلال

چونکه قشر عقل صد برہان دہد ‌‌ عقل کل کے گام بے ایقان نہد

عقل دفترہا کند یکسر سیاہ ‌‌ عقل عقل آفاق دارد پر ز ماہ

از سیاہی وز سفیدی فارغ است ‌‌ نور ماہش بر دل و جان بازغ است

ایں سیاہ و آں سفید از قدر یافت ‌‌ زاں شب قدر است کاختروار تافت

قیمت ہمیان و کیسہ از زرست ‌‌ بے زر اے ہمیان و کیسہ ابترست

ہمچناں کہ قدر تن از جان بود ‌‌ قدر جان از پرتو جانان بود

گر بدے جان زندہ بے پرتو کنوں ‌‌ ہیچ گفتے کافراں را میتون

ہین بگو کہ ناطقہ جو می کند ‌‌ تا بقرنے بعد ما آبے رسد

گرچہ ہر قرنے سخن آرے بود ‌‌ لیک گفت سابقاں یارے بود

نے کہ ہم توریت و انجیل و زبور ‌‌ شد گواہ صدق قرآں اے شکور

روزی بے رنج جو و بے حسیب ‌‌ کز بہشت آورد جبریل سیب

بلکہ رزقے از خداوند بہشت ‌‌ بے صداع باغبان نے رنج کشت

زانکہ نفع نان دراں نان داد اوست ‌‌ بدہدت آں نفع بے توسیط پوست

ذوق پنہاں نقش ناں چوں سفرہ است ‌‌ ناں بے سفرہ ولے را بہرہ است

تفصیل تطبیق یہ ہے کہ تم اپنے نفس کو مار کر ایک عالم کو زندہ کردو (عالم سے مراد یا خود ہی ہو یا تمام مخلوق مراد ہو نفس کشی سے اپنا زندہ ہونا تو ظاہر ہے اور مخلوق کا زندہ ہونا اسلئے ہے

کہ عالم میں جو موت اور فساد ہی وہ نفس کے سبب ہے جب وہ مر جاویگا تو عالم زندہ ہو جاوے گا
رہا یہ شبہ کہ عالم میں جو فساد ہے وہ ایک نفس کا تو نہیں اگر ایک نفس مر گیا تو اور نفس کیونکر
مر جائیں گے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ مولانا کا مخاطب کوئی خاص شخص نہیں بلکہ ہر فرد ہے۔
جب ہر فرد کا نفس مر جائیگا تو پھر کون سا نفس باقی رہے گا اور اگر الفراد ہی ملحوظ رکھا جاوے تب
بھی جواب ہو سکتا ہی وہ یہ کہ ایک خاص نفس کے مرجانے سے وہ موت مرتفع ہو جائے گی جو اس
خاص نفس کے ذریعے سے دوسروں کو حاصل ہوتی ہے گو مطلق موت مرتفع نہو گی چنانچہ مولانا دفتر دوم
میں فرماتے ہیں نفس تست آں مادر بد خاصیت + کہ فساد اوست در ہر ناحیت + پس
بکش او را کہ بہر آن دنی + ہر زماں قصد عزیزے میکنی = اور تائید اس توجیہ کی مولانا کے
اس شعر سے بھی ہو سکتی ہے جو قصہ گاؤ میں فرمایا گیا ہے یعنی کشتہ شد ظالم جہانے زندہ شد
ہر یکے از ما خدا را بندہ شد = وجہ تائید یہ ہے کہ اس ظالم کے مرنے سے مخلوق کی وہ
موت مرتفع ہوئی تھی جو اُسکی جہت سے حاصل تھی نہ کہ مطلق موت) اسلئے کہ اُس نے اپنی آقا روح
کو مارا ہے اور اُسکو دوبارہ غلام بنالو۔ یا در کھو کہ مدعی گاؤ تمہارا نفس ہے جسنے اپنے کو آقا اور
سردار بنا رکھا ہے اور گائے کو مارنیوالی تمہاری عقل ہے اور عقل حق پر ہے تم عوام کی طرح
اسکے فعل پر اعتراض نکرنا نیز عقل البتہ ہے کہ وہ اپنی جدوجہد سے قرب حق سبحانہ اور
غذائے روحانی حاصل نہیں کر سکتی اسلئے وہ حق سبحانہ سے چاہتی ہے کہ مجھے بلا معتدبہ مشقت
کے روزی اور نعمت سے بھرا ہوا خوان ملجاوے لیکن اُسکی روزی اُسکو کیوں نہیں ملتی اسکی وجہ
یہ ہے کہ وہ ایک بات پر موقوف ہے اور وہ بات یہ ہے کہ اول وہ گائے کو مار ڈالے جو کہ اصل
شر ہے اسلئے وہ اس گائے کو مارتی ہے نفس اس سے منازعت کرتا ہے کہ تو نے میری
گائے کیوں مار ڈالی۔ کوئی یہ شبہ نکرے کہ صاحب نفس کی گائے کونسی ہے جسکو عقل مار سکے
تو پھر عقل نفس کی گائے کو کیونکر مارتی ہے جسپر نفس مدعی ہوتا ہے کیونکہ ہم کہیں گے کہ بات
یہ ہے کہ نفس کی گائے جسم یعنی شہوات اور لذات ہیں اور عقل سلیم انکو فنا کرتی ہے اسیر
نفس شور مچاتا ہے اور مزاحمت کرتا ہے۔ خیر تو جبکہ نفس نے اپنی آقا روح کو مار ڈالا تو اسکا
بچہ عقل فقیر رہگیا اور نفس خونی آقا اور سردار بن بیٹھا پس وہ بچہ بے مشقت اپنی روزی

حق سبحانہ سے مانگتا ہے تم جانتے ہو کہ وہ بے مشقت روزی کیا ہے جسکو عقل حق سبحانہ سے
مانگتی ہے سنو وہ غذائے روح اور اصلی غذا ہے یعنی غذائے معارف وحقائق لیکن چونکہ اسکا
حصول موقوف ہے گائے کی قربانی پر کیونکہ یہ خزانہ قتل گاؤ ہی میں مستور ہے اسلئے وہ اُسکو
مارتی ہے (یاد رکہو کہ یہ عنوان تو خبر کا ہے مگر مقصود طلب گاؤ کشی ہے یعنی تمکو گاؤ تن کو مارنا
چاہیئے) کیا کہوں کل میں نے ایک مباح شئے کھالی تھی اُس سے طبیعت میں انشراح نہیں رہا
اور مضمون کی آمد بند ہوگئی ورنہ اس مضمون کو تجھے اچھی طرح سمجھا دیتا۔ یہ جو میں نے کہا ہے کہ کل
میں نے ایک شے کہالی تھی اس سے ایسا ہوگیا یہ تو صورت ہے ورنہ حقیقت کچھہ اور ہی ہے وہ
یہ کہ جو کچھ بھی اس عالم میں ظاہر ہوتا ہے وہ سب اثر ہے عالم غیب کا اب تم یہ کہو گے کہ جب تم
جانتے ہو تو پھر اس صورت کے اختیار کرنے کی پھر دفع دخل کی ضرورت ہی کیا تھی پہلے ہی سے
کیون نہ کہدیا کہ خدا نے ایسا کر دیا سو میں تمکو اسکی وجہ بھی بتلاتا ہوں کہ میں نے سبب ظاہری پر
کیون نظر کی بات یہ ہے کہ یہ ادا میں نے حسینوں سے اڑائی ہے یعنی انبیاء و اولیاء کاملین کا یہی
طریقہ ہے کہ وہ اسباب کو اگر موثر حقیقی نہیں سمجھتے تو اُنکو نظر انداز بھی نہیں کرتے پس اُنکے تبع کا فرض
ہے کہ اسباب کو نظر انداز نہ کرے لیکن اُنکو مؤثر حقیقی بھی نہ سمجھے اور نظر کو ان ہی تک محدود نہ رکھے
کیونکہ ان اسباب سے اوپر اور اسباب خفیہ مثل ارادہ حق سبحانہ بھی ہیں لہذا صرف انہی
پر نظر کو مقصود نکرنا چاہیئے بلکہ اُنپر بھی نظر رکھنی چاہیئے کیونکہ انبیاء اسی بات کی تعلیم کیلئے تشریف لائے
تھے کہ اسباب کو موثر حقیقی نہ سمجھا جاوے اور اُنہوں نے اس خیال کو دل سے مٹا دینے کیلئے اپنی
معجزات کو زحل تک رفعت دی چنانچہ بلا سبب ظاہری کے اُنہوں نے دریا کے دو ٹکڑے کر دئے
جیسا کہ موسی علیہ السلام کا معجزہ ہے اور اسلئے گویا کہ انہوں نے صاف ستھرے گیہوں بلا بوئے
جوتے حاصل کر لئے۔ نیز ریت اُنکی کوشش سے بلا سبب ظاہری کے آٹا ہوگیا جیسا کہ ابراہیم
علیہ السلام کا واقعہ مشہور ہے اور بھیڑ کی اُون ابریشم ہوگئی جیسا کہ موسی علیہ السلام کی زوجہ مطہرہ
کی کرامت مشہور ہے۔ نیز تمام قرآن اسباب کے موقوف علیہ ہونیکا قلع قمع کرتا ہے مثلاً ایک مسکین یعنی
جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا غلبہ اور ابولہب سے معزز اور دولتمند کی ہلاکی کس سبب
ظاہری پر مبنی تھین اور دیکھو پرندے ہاتھیوں پر کنکریاں پھینکتے ہیں اور حبشی کے بڑے بھاری

لشکر کو شکست دیتے ہیں اور اس پرندے کی کنکری جو ہوا میں اڑتا ہے ہاتھی کو چھلنی کر ڈالدیتی ہے۔ علی ہذا حق سبحانہ موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیتے ہیں کہ گائے کی دم مقتول کے اوپر مارو تاکہ وہ فوراً کفن میں زندہ ہو جاوے ایسا کرتے ہی وہ حلق بریدہ اپنی جگہ سے اچھل پڑتا ہے اور اپنے قاتل سے قصاص لینا چاہتا ہے یہ امور کس ظاہری سبب کا نتیجہ ہیں علی ہذا القیاس قران اول سے آخیر تک ترک اسباب و علل علی الوجہ المخصوص سے علی وجہ اعتقاد موثریتہا الحقیقیہ سے پر ہے الحمد للہ کہ یہ بحث اختیار سبب تو تمام ہوئی اب سنو کہ یہ امور تمہاری بکھیڑا کرنے والی عقل سے منکشف نہیں ہو سکتے بلکہ اطاعت حق سبحانہ کرو تاکہ اس سے یہ امور تم پر منکشف ہو جائیں معقولات میں تو فلسفی محبوس ہوتا ہے اور عقل العقل پر یعنی اس نور حق پر جو عقل کو بینش بخشتا ہے مقبول حق سبحانہ قبضہ کرتا ہے اور اس اختلاف انتخاب کی وجہ یہ ہے کہ عقل العقل تو مغز اور اصل شے ہے اور عقل اسکا پوست اور صورت ہے اور فلسفی پر چونکہ حیوانیت اور بہیمیت کا غلبہ ہے اسلئے وہ پوست کی طرف راغب ہے کیونکہ معدۂ حیوانی کا خاصہ ہے کہ وہ اجسام کو طلب کرتا ہے جو کہ بمنزلہ پوست کے ہیں اور معانی کی طرف اسکو رغبت نہیں ہوتی جو کہ بمنزلہ مغز کے ہیں اور اہل اللہ پر چونکہ روحانیت کا غلبہ ہے اسلئے وہ طالب معنی ہیں جو کہ مغز ہے اور صورت کی طرف رغبت نہیں کرتے کیونکہ جو شخص طالب مغز ہے اسے پوست سے سخت نفرت ہے اسکے لئے تو وہ اعلیٰ درجہ کا مغز بھی حلال و طیب ہے جب یہ معلوم ہو چکا کہ فلسفے کو تو عقل حاصل ہے اور مقبولین حق سبحانہ کو عقل العقل تو اب سمجھو کہ یہ عقل با وجودیکہ ایک پوست ہے لیکن یا اینہمہ جب کسی مدعا کو مانتی ہے تو اسپر سیکڑوں دلیلیں قائم کرتی ہے جب تسلیم کرتی ہے تو عقل کل یعنی عقل اہل اللہ جو سراسر مغز ہے بے یقین کے کیسے قدم رکھ سکتی ہے کیونکہ یہ عقل تو نہایت ادنیٰ ہے اور وہ نہایت اعلیٰ اسلئے کہ یہ عقل تو اوراق کو سیاہ کرتی ہے اور عقل العقل (یعنی نور حق سبحانہ) عالم کو پر نور کرتی ہے وہ تسوید و تبییض سے فارغ ہے اور اسکو عقل کیطرح تسوید و تبییض کی ضرورت نہیں بلکہ اسکا چاند تو دل و جان پر چمکتا اور انکو منور کر کے معدن علوم بناتا ہے اور اس مسودہ و مبیضہ یعنی دفاتر علوم کو جو وقعت حاصل ہوئی ہے یہ بھی اسی شب قدر یعنی نور الٰہی کا نتیجہ ہے جو ستاروں کی طرح دل و جان پر چمکی کیونکہ ان میں جسقدر واقعیت ہے

وہ اسی کا فیض ہے اگر وہ نہ ہوتی تو یہ عقل فی نفسہ کچھ بھی نہ تھی پس اس عقل کی مثال ایسی ہے جیسے کیسہ
وہمیانی اور نور حق سبحانہ کی مثال ایسی ہے جیسے سونا اور ہمیانی اور کیسہ کی قدر سونے ہی سے ہے ورنہ
بلا سونے کے ہمیانی و کیسہ کسی کام کے بھی نہیں جب ہر دو عقل کا فرق معلوم ہوگیا تو معلوم ہوا کہ
عقل کل کے احکام اور مدرکات نہایت صحیح ہیں پس تمکو حقائق کو اس عقل سے سمجھنے کی کوشش
نکرنی چاہئے بلکہ عقل کل حاصل کرکے اس سے سمجھنا چاہئے اور عقل ناقص کامل ہوتی ہے عقل العقل
یعنی نور حق سبحانہ سے لہذا نور حق سبحانہ حاصل کرنا چاہئے نیز اس کا حاصل کرنا اسلئے بھی ضروری
ہے کہ جسطرح جسم کی قدر جان سے ہے اور جسد بلا روح کوڑی کے کام کا بھی نہیں یون
ہی جان کی قدر پرتو حق سبحانہ سے ہے کیونکہ جسطرح حیات جسم بدون روح کے متحقق نہیں ہوسکتی
یون ہی حیات روح بدون اس پرتو کے حاصل نہین ہوسکتی اسکی وجہ یہ ہے کہ اگر حیات روح
بدون پرتو حق سبحانہ کے بھی متحقق ہوسکتی تو کافر بھی زندہ کہلاتے انکو مردہ کون کہتا۔ حالانکہ
قرآن میں انکو مردہ کہا گیا ہے۔ یہانتک پہونچکر مولانا کے دل میں ایک خیال پیدا ہوتا ہے وہ
یہ کہ کوئی سمجھنے والا تو ہے نہیں یہ گفتگو فضول ہے لہذا اسکو ختم کرنا چاہئے اسکے بعد اسکا خود ہی
جواب دیتے ہیں اور کہتے ہین نہیں جی تم ضرور بیان کرو کیونکہ تمہاری قوت ناطقہ ایک نہر
کھود رہی ہے تاکہ کسی زمانہ مین اس نہر مین پانی بہے یعنی اہل فہم اس سے منتفع ہون۔ اب
پھر ایک شبہ ہوتا ہے وہ یہ کہ جب اسمیں اہل فہم ہونگے تو وہ یہ ہی باتیں بھی تو کہہ سکتے ہین پھر
بھی اس گفتگو کی ضرورت نہ رہی اس کا جواب دیتے ہیں کہ یہ صحیح ہے کہ ہر زمانہ میں مضامین عالیہ
بیان کرنے والے ہوتے ہیں لیکن متقدمین کے مقالات انکے مؤید اور مصدق ہو جاتے ہین
تم دیکھ لو کیا انجیل توریت اور زبور قرآن کی مصدق نہ ہوئیں ضرور ہوئیں۔ اور اس سے قرآن کو
ایک خاص قوت حاصل ہوگئی۔ ان خیالات کو دفع کرکے پھر مضمون سابق کی طرف عود فرماتے
ہین اور سلسلہ گفتگو کو شروع کرکے کہتے ہیں کہ جب امور مذکورہ بالا تمہارے ذہن نشین ہوگئے
تو اب تم اسی فقیر کی طرح بے مشقت اور بے حساب روزی تلاش کرو اور حق سبحانہ سے علوم
و معارف حقیقیہ اور نور و قرب حق سبحانہ طلب کرو تاکہ جبرئیل تمہارے پاس بہشت کے سیب
یعنی غذائے روحانی لائیں بلکہ خود مالک بہشت یعنی حق سبحانہ بلا توسط روح القدس وغیرہ کے

تمکو غذا پہونچائیں، تمکو باغبانی کی دردسری کرنی پڑے اور نہ جوتنے بونے کی زحمت اُٹھانی پڑے اور حق سبحانہ کا بلاواسطہ کسی شے کو عطا کرنا کچھ بھی بعید نہیں کیونکہ مثلاً تمکو تو روٹی کے ذریعہ سے نفع پہونچتا ہے مگر روٹی کو نفع کی صفت کسنے بخشی ہے بلاواسطہ حق سبحانہ نے بس جسطرح اُسنے بلاواسطہ روٹی کو وہ صفت بخشی ہے یون ہی وہ نفع بلاتوسّط پوست نان کے تمکو بھی دے سکتا ہے کیونکہ اسوقت صورت نان بمنزلہ دسترخوان کے ہوئی اور ذوق اس میں روٹی کی طرح پوشیدہ ہوا پس جسطرح روٹی بدون دسترخوان کے مل سکتی ہے یوں ہی ذوق و نفع نان بھی بدون روٹی کے حاصل ہو سکتا ہے۔ جب یہ ثابت ہو گیا کہ ذوق و نفع نان ظاہری بدون توسط نان کے حاصل ہو سکتا ہے بس اسی سے سمجھ لو کہ اہل اللہ کو غذائے روحانی یوں ہی بلاتوسط دسترخوان یعنی وسائط فیض حاصل ہوتی ہے

شرح شبیّری

مولانا نے نصف ثانی کے آخیر میں ایک حکایت بیان کی ہے جسکا خلاصہ یہ ہے کہ ایک شخص سالہا سال تک دعا کیا کرتا تھا کہ اے اللہ بلا محنت و مشقّت کے مجھے امیر بنا دے لوگ اسکی اس بات پر ہنسا کرتے تھے۔ اتفاقاً ایک روز دعا کر رہا تھا کہ اُسکے گھر میں ایک گائے گھس آئی اُسنے اسکو پکڑ کر ذبح کر لیا مالک گائے نے دعویٰ کیا حضرت داؤدؑ کے یہاں دعوی پیش ہوا آپنے اس مدعا علیہ سے فرمایا کہ تم گائے کی قیمت دو اُسنے کہا کہ میں نے تو دعا کی تھی وہ مستجاب ہوئی اور خدا نے مجھے گائے دی میں قیمت کیسی دوں حضرت داؤدؑ نے فرمایا کہ دعا کوئی طریقہ ملک نہیں ہے تمکو قیمت دینا ہوگی اُسنے اسقدر آہ و زاری کی کہ داؤدؑ کا دل بھر آیا اور انکو یہ خیال ہوا کہ اسکا لب و لہجہ جھوٹوں کا نہیں ہے تب اُنہوں نے مقدمہ ملتوی کر دیا اور خلوت میں جا کر حق تعالیٰ سے اظہار معاملہ کی دعا کی حق تعالیٰ نے سارا معاملہ منکشف فرما دیا کہ مدعی اس مدعا علیہ کے باپ کا غلام ہے اس مدعی نے مدعا علیہ کے باپ کو قتل کر دیا ہے اور مدعا علیہ اُسوقت بچہ تھا تو سارا مال بھی یہ مدعی خود دبا بیٹھا ہے اور گائے اُسی مال میں سے تھی لہذا وہ بھی اس مدعا علیہ ہی کی تھی اور یہ غلام بھی اسی کا ہے اور سارا مال بھی اسی کا ہے۔ دوسرے روز حضرت

داؤد ؑ نے سارا مال اُس شخص کو دلایا اور اُس قاتل غلام کو قتل کرایا۔ اس قصہ کے بعد مولانا اس قصہ کو مقصود پر منطبق فرماتے ہیں اول اُس کا بھی خاکہ سمجھ لو تو پھر آسان ہو جائے گا۔ فرماتے ہیں کہ نفس انسانی تو اُس خونی کی طرح ہے (اسلئے کہ جسطرح اُسنے اپنے آقا کو مار کر حرام مال حاصل کیا تھا اسی طرح نفس نے عقل کو مغلوب کر کے شہوات و لذات کو حاصل کیا ہے) جسنے کہ گائے کا دعوی کیا تھا اور گائے شہوات و لذات ہیں اور عقل اُس مدعا علیہ ذابح گائے کی طرح ہے (اسلئے کہ جسطرح کہ یہ مدعا علیہ حق تعالی سے بے محنت و مشقت کے روزی طلب کیا کرتا تھا اسی طرح عقل بھی حق تعالی سے روزی علوم و معارف کو بے کسب و مشقت کے طلب کرتی ہے) تو جسطرح اُسنے گائے کا دعوی کیا تھا اور کہتا تھا کہ اسنے میری گائے کو ذبح کر لیا ہے اسی طرح نفس عقل پر دعوے کرتا ہے کہ اسنے میری لذات و شہوات کو فنا کر دیا ہے اور شیخ کامل داؤد ؑ کی طرح کہ جسطرح اُنہوں نے حق دار کو حق دلا دیا تھا اسی طرح شیخ کامل نفس کو مغلوب کر کے عقل کو غلبہ دلا دیتا ہے اب سمجھو کہ فرماتے ہیں کہ

بیان میں اسکے کہ نفس انسان کا بجائے اُس خونی کے ہے جو کہ مدعی گائے کا ہوا تھا اور وہ ذابح گائے عقل ہے اور داؤد حق تعالی ہیں یا شیخ کامل کہ نائب حق ہے کہ اُسکی قوت اور مدد سے دشمن کو مار کر بے کسب اور بے حساب روزی کا مالک ہو سکتا ہے

نفس خود را کش جہانے زندہ کن　　　خواجہ را کشت است او را بندہ کن

یعنی اپنے نفس کو مار اور ایک جہان کو زندہ کر اُسنے آقا کو قتل کر دیا ہے اُسکو غلام بنا لے جہان سے مراد خود یہ شخص یعنی نفس کو قتل کر کے اپنے کو زندہ کر لے اور جہان اسلئے کہا یا کہ بعض نے کہا ہے کہ چونکہ انسان جامع ہے لہذا یہ عالم اصغر ہے تو مطلب یہ ہے کہ اپنے نفس کو مار تو تجھے حیات اصلی میسر ہو گی اس نالائق نے عقل کو مغلوب کر رکھا ہے تم اسکو مغلوب کر کے غلام بنا لو۔

مدعی گاؤ نفس تست ہین — خویشتن را خواجہ کردست ہین

یعنی مدعی گائے تیرا نفس ہے کہ اسنے اپنے کو آقا اور بڑا بنا رکھا ہے۔

آن کشندہ گاؤ عقل تست رو — بر کشندہ گاؤ تن منکر مشو

یعنی وہ ذابح گائے تمہاری عقل ہے جاؤ اُس کشندہ گاؤ تن پر منکر مت ہو۔ گاؤ تن سے مراد لذات وشہوات۔ مطلب یہ کہ عقل نے جو نفس کے لذات وشہوات کو مار لیا ہے تو اُس پر انکار مت کرو اسلئے کہ ان کا تو فنا ہونا ہی بہتر ہے۔

عقل اسیر ست وہمی خواہد ز حق — روزی بے رنج ونعمت بر طبق

یعنی عقل مطیع (حق) ہے اور وہ حق تعالیٰ سے روزی بے مشقت اور نعمت پر طبق مانگتی ہے روزی بے رنج سے مُراد علوم ومعارف ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ عقل حق تعالیٰ سے علوم ومعارف کو طلب کرتی ہے اور دعا کرتی ہے کہ اے اللہ علوم ومعارف عنایت فرما یہ علوم ومعارف قرب حق کیلئے علت نہیں ہیں ہاں معین ہیں) تو جسطرح کہ وہ شخص روزی بے رنج وتعب کا طالب تھا اسیطرح عقل بھی حق تعالیٰ سے روزی بے رنج ولتعب مانگتی ہے۔

روزی بے رنج او موقوف چیست — آنکہ بکشد گاؤ را کاصل بدیست

یعنی روزی بے رنج وہ موقوف کس شئے کی ہے اُسکی کہ گائے کو مار دے کہ یہی اصل ہے بدی کی (گائے سے مراد لذات وشہوات) مطلب یہ کہ علوم ومعارف کا حصول موقوف ہے لذات وشہوات نفسانیہ کے فنا کرنے پر۔

نفس گوید چون کشی تو گاؤ من — زانکہ گاؤ نفس باشد نقش تن

یعنی نفس کہتا ہے کہ تونے میری گائے کیوں ماری اسلئے کہ گاؤ نفس نقش تن ہے مطلب یہ کہ جب لذات نفسانیہ کو فنا کر دگے تو نفس اُس غلام کی طرح تمپر گائے کا دعوےٰ کرے گا۔

خواجہ زادہ عقل ماندہ بینوا — نفس خونی خواجہ گشت و پیشوا

یعنی عقل جو خواجہ زادہ ہے وہ تو بینوا رہی ہوئی ہے اور نفس خونی خواجہ اور پیشوا ہو گیا ہے۔

روزی بے رنج میدانی کہ چیست — قوت ارواح ست وارزاق نبی ست

یعنی روزی بے رنج تم جانتے ہو کہ کیا ہے قوت ارواح اور ارزاق نبی کے ہیں۔

لیک موقوف ست بر قربان گاؤ گنج قتل گاؤ داں اے گنج کاؤ

یعنی لیکن (اس روزی کا حصول) گائے کی قربانی پر موقوف ہی قتل گائے کو تم خزانہ سمجھو اے کاوش کرنیوالے مطلب یہ کہ لذات و شہوات نفسانیہ کو ترک کر دو۔ اور انکو فنا کر دو اسی سے تمکو علوم و معارف کا خزانہ ملیگا۔ آگے فرماتے ہیں۔

دوش چیزے خوردہ ام ورنہ تمام دادمے در دست فہم تو زمام

یعنی میں نے کل ایک چیز کہالی ہے ورنہ پورے طور پر میں تمہارے دست فہم میں لگام دیدیتا۔ مطلب یہ کہ میں اس مضمون کو پوری طرح بیان کرتا مگر مجبور اس سے ہوں کہ میں نے ایک چیز کہالی ہے جس سے کہ نفس میں کسل وغیرہ پیدا ہوگیا ہے اور پوری طرح بیان پر قادر نہیں رہا ہوں آگے اس قصہ سے انتقال فرماتے ہیں کہ

دوش چیزی خوردہ ام افسانہ است ہرچہ می آید ز پنہاں خانہ است

یعنی میں نے کل ایک چیز کہالی ہے یہ تو ایک افسانہ ہے (بلکہ) جو کچھ آتا ہے پوشیدہ گہر سے ہے یعنی میرا بیان سے عجز بھی خدا کی طرف سے ہے باقی یہ چیز کا کہالینا تو ایک ظاہری بہانہ ہے اب کچے لی کہتا ہے کہ پھر تم نے اسباب پر کیوں نظر کی اُس کا جواب دیتے ہیں کہ۔

چشم بر اسباب از چہ دوختیم کہ ز خوش چشماں کرشم آموختیم

یعنی آنکھ کو اسباب پر میں نے کیوں سی لیا اسلئے کہ خوش چشموں سے میں نے کرشمہ سیکہا ہے (خوش چشم سے مُراد انبیاءؑ) مطلب یہ کہ میں نے اسباب پر نظر کرنیکو انبیاء علیہم السلام سے سیکہا ہی کہ باوجودیکہ اُنکے معجزات بلا اسباب ظاہری کے پیدا ہوتے تھے مگر پھر بھی وہ اسباب ہی پر نظر رکہتے تھے اور اصل فاعل خدا ہی کو سمجھتے تھے اسکو فرماتے ہیں کہ

ہست بر اسباب اسباب دگر در سبب منگر دراں افگن نظر

یعنی ان اسباب پر اور دوسرے اسباب ہیں تو تم سبب میں مت دیکھو اُس سبب السبب مین نظر ڈالو یعنی اُس سبب کو جس نے ان اسباب کو بنایا ہے دیکھو

انبیاء در قطع اسباب آمدند معجزات خویش بر کیواں زدند

یعنی انبیاء علیہم السلام اسباب کے قطع کرنے کیلئے آئے اور اپنے معجزات کو اُنہوں نے کیوان

پر لگایا یعنی بہت بڑے بڑے معجزے ان اسباب ظاہری کے بغیر اُنہوں نے ظاہر کئے۔

بے سبب مر بحر را بشگافتند   بے زراعت چاش گندم یافتند

یعنی بے سبب کے اُنہوں نے دریا کو چیر دیا اور بے زراعت کے گندم کا خرمن پالیا۔

ریگہا ہم آرد شد از سعی شاں   پشم بُز ابریشم آمد کشکشان

یعنی ریتے اُنکی سعی کی وجہ سے آٹے ہو گئے اور بکری کی اُون کھنچتی ہوئی ابریشم ہو گئی (یہ سب معجزات انبیاء کے ہیں تو دیکھو کہ بے اسباب ظاہری کے یہ سب ظاہر ہوا)

جملہ قرآن ہست در قطع سبب   عز درویش و ہلاک بولہب

یعنی تمام قرآن شریف قطع سبب میں ہے عزت درویش کی اور ہلاکی بولہب کی یعنی تمام قرآن شریف اس قطع سبب ہی کے اندر ہے کہ اس سے درویش یعنی حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی تو عزت ہوئی کہ آپ کے معجزات وکرامات ظاہر ہوئے اور ابولہب کی خرابی اور ہلاکت کا باعث ہوا کہ اُسنے اُن کا انکار کیا آگے قطع سبب ہی کی اور مثال ہے کہ۔

مرغ باپیلی و سنگ افگند   لشکر زفت حبش را بشکند

یعنی ایک چڑیا ہاتھی پر دو تین کنکریاں مارے اور حبش کے لشکر عظیم کو شکست دیدے

پیل را سوراخ سوراخ افگند   سنگ مرغے کو ببالا پر زند

یعنی ہاتھی کو سوراخ سوراخ کر کے ڈال دے۔ کنکر ایسے جانور کا جو اوپر کو پر مارتا ہے۔ یعنی دیکھو ایک ذرا سے جانور نے کیسے عظیم الشان لشکر کو شکست دی اور ہاتھیوں کو کس طرح مارا یہ بھی اسباب ظاہر کے برخلاف تھا۔

دم گاو کشتہ بر مقتول زن   تا شود زندہ ہماندم در کفن

یعنی گائے مذبوح کی دُم کو مقتول پر مارو تا کہ وہ اُس وقت کفن میں زندہ ہو جائے۔

حلق ببریدہ جہد از جای خویش   خون خود جوید زخون پالای خویش

یعنی مقتول اپنی جگہ سے کود دے گا اور اپنے خون کو اپنے خونریز سے ڈھونڈے گا (تو دیکھو اس طرح ایک مقتول کا زندہ ہونا کونسی عقل کے موافق اور اسباب ظاہری پر منطبق ہے)

ہمچنین ز آغاز قرآن تا تمام   رفض اسباب است و علت والسلام

یعنی اسی طرح ابتداء قرآن سے ختم تک ترک اسباب و علت ہے والسلام مطلب یہ کہ جسطرح کہ دو قصے ہمنے یہاں بیان کئے اسی طرح قرآن شریف اس ترک اسباب کے قصوں سے بھرا پڑا ہے تو بس اسباب کو ترک کرنا چاہئے اور مسبب حقیقی پر نظر کرنی چاہئے آگے فرماتے ہیں کہ

کشف این نز عقل کارافزا شود بندگی کن تا ترا پیدا شود

یعنی اسکا کشف عقل کارافزا سے نہ ہوگا بندگی کرو تاکہ تمکو ظاہر ہوجاوے یعنی اس کا کشف کہ اسباب محض فضول ہیں اس عقل معاش سے نہ ہوگا بلکہ خدا تعالیٰ کی اطاعت کرو اس سے حق تعالیٰ منکشف فرما دیتے ہیں۔

بند معقولات آمد فلسفی شہسوار عقل عقل آمد صفی

یعنی فلسفی تو مقید معقولات کا ہے اور عقل کی شہسوار عقل صافی ہے۔

عقل عقلت مغز و عقل تست پوست معدۂ حیوان ہمیشہ پوست جوست

یعنی تیری عقل العقل تو مغز ہے اور تیری عقل پوست ہے اور معدۂ حیوانی ہمیشہ پوست ہی کا متلاشی ہے (تو چونکہ تم ابھی حیوانیت ہی میں پھنسے ہوئے ہو لہذا تم بھی پوست کے متلاشی ہو اس عقل کے بندے ہو رہے ہو)

مغز جوا ز پوست دارد صد ملال مغز نغز آنرا حلال آمد حلال

یعنی مغز کو تلاش کرو پوست سے تو سو ملال آتے ہیں اور مغز اصل اُسکے لئے حلال ہی حلال

چونکہ قشر عقل صد برہان دہد عقل کل کے گام بے ایقان نہد

یعنی جبکہ پوست عقل سو برہان دیتی ہے تو عقل کل قدم بے یقین کے کب رکھے گی یعنی جب یہ عقل سو دلائل بیان کرتی ہے تو بھلا عقل کل تو بالکل مشاہدہ اور عین الیقین کرادیگی لہذا اسی کو حاصل کرو۔

عقل دفترہا کند یکسر سیاہ عقل عقل آفاق دارد پر زماہ

یعنی عقل (معاش) تو ایک طرف سے دفاتر کو سیاہ کردیتی ہے اور عقل العقل آفاق چاندوں سے پُر رکھتی ہے یعنی اس عقل معاش میں تو دفاتر سیاہ ہوتے ہیں جیساکہ مشاہد ہے خاصکر اس زمانہ میں کہ ایک علم کی مسل ایک گدہے کا بوجھ اور عقل العقل میں نور ہی نور ہے وہاں یہ

خرافات نہیں ہیں تو وہ قابل طلب ہے اُسکی یہ حالت ہے کہ

از سیاہی وز سپیدی فارغ است　　نور ماہش بر دل و جان بازغ است

یعنی سیاہی اور سفیدی سب سے فارغ ہے اور اُسکے چاند کا نور دل وجان پر چمک رہا ہے ۔

این سیاہ وآں سفید ار قدر یافت　　زاں شب قدر است کاختروار تافت

یعنی اس سیاہ اور اُس سفید سے اگر قدر پالی تو یہ اُسی شب قدر کی وجہ سے ہے جو کہ ستارہ کی طرح چمکی یعنی اس عقل اور اس کے اقبال میں جو نور ہے یہ اُسی عقل العقل کا پرتو ہے آگے مثال ہے کہ ۔

قیمت ہمیان و کیسہ از زر است　　بے زرے ہمیان و کیسہ ابتر است

یعنی ہمیانی اور تھیلی کی قیمت روپیہ کی وجہ سے ہے اور بے روپے کے ہمیانی اور کیسہ ابتر ہے مطلب یہ کہ ایک سوت کی تھیلی جو ایک لاکھ روپیہ کی ہو جاتی ہے اس وجہ سے کہ اُسکے اندر روپیہ بھرا ہوا ہے ورنہ کوئی پوچھے بھی نہیں اسی طرح اس عقل کی اور اسکے اقبال کی جو کچھ قدر ہے وہ اُس عقل العقل کی بدولت ہے ورنہ اسکو پوچھتا ہی کون تھا

ہمچنانکہ قدر تن از جاں بود　　قدر جان از پرتو جاناں بود

یعنی جس طرح کہ بدن کی قدر جان کی وجہ سے ہوتی ہے جان کی قدر جانان کی پرتو کی وجہ سے ہوتی ہے

گر بُدے جان زندہ بے پرتو کنوں　　ہیچ گفتے کافراں را میتوں

یعنی اگر جان بے پرتو (جانان) کے زندہ ہوتی تو کافروں کو میتون کیوں کہتے یعنی کافروں کو قرآن شریف میں جا بجا مردہ جو کہا گیا ہے اسکی یہی وجہ ہے کہ اُن پر پرتو جانان نہیں بس معلوم ہوا کہ بے پرتو جانان کے جان اصل میں زندہ ہی نہیں ہے اب یہاں کوئی کہتا ہے کہ آپ جو یہ مضامین بیان فرماتے ہیں اس سے کیا فائدہ اسلئے کہ کسی اہل کمال کی قدر اور اسکے مضامین کی سماعت اُسکے زمانہ میں ہوتی ہی نہیں پھر اس بیان سے کیا فائدہ ۔ مولانا اس کا جواب فرماتے ہیں کہ

ہیں بگو کہ ناطقہ جو مے کند　　تا بقرنے بعد ما آبے رسد

یعنی ہاں کہدو کہ ناطقہ ندی کھود رہا ہے تاکہ ہمارے بعد ایک قرن پانی پہونچے مطلب یہ کہ

اس وقت ہم صرف الفاظ بیان کئے دیتے ہیں ممکن ہے کہ ہمارے بعد کسی کو اس سے نفع ہو
اور اس سے مستفیض ہو تو گویا کہ ندی تو ہم کھود دیتے ہیں پانی چلانا رہ جاویگا یہ کوئی
دوسرا ہمارے بعد کریگا اب کوئی کہتا ہے کہ جب بعد والوں کیلئے ہے تو آپکو کیا ضرورت ہے
اُس زمانہ والے خود بیان کر دیں گے۔ اس کا جواب فرماتے ہیں کہ

گرچہ ہر قرنے سخن آرے بود لیک گفتۂ سالکان یارے بود

یعنی اگرچہ ہر قرن سخن آر ہوتا ہے لیکن پہلوں کا کیا ہوا مددگار ہوتا ہے یعنی پہلے لوگ جو
کہہ جاتے ہیں وہ مستند ہوا کرتا ہے تو اگر ہم کہہ جاوینگے تو اور پچھلوں کیلئے اگرچہ وہ بھی سخن آر
ہوں یہ سند ہوگا اور اس سے اُنکو مدد ملے گی آگے اُسکی ایک مثال فرماتے ہیں کہ

نے کہ ہم توریت و انجیل و زبور شد گواہ صدق قرآں ای شکور

یعنی کیا یہ بات نہیں ہے کہ توریت اور انجیل اور زبور قرآن کے صدق پر گواہ ہوئیں اے شاکر۔
تو بس جسطرح کہ وہ منسوخ کتب بوجہ سابقیت کے گواہ اور مستند ہوئیں اسی طرح ہمارا
کلام بھی پچھلوں کیلئے سند ہوگا آگے رجوع ہے اوپر کہا تھا کہ عقل روزی بے رنج وکسب
کی طالب ہے آگے فرماتے ہیں کہ

روزی بے رنج جوئی وبی حسیب کز بہشتت آورد جبریل سیب

یعنی روزی بے رنج و بے حسب تلاش کرو کہ بہشت سے تیرے واسطے جبریل سیب لاویں
سیب سے مراد شریعت محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ مطلب یہ ہے کہ تم روزی بے کسب
ور نج کے متلاشی رہو اور وہ علوم ومعارف ہیں تو وہ انشاء اللہ تمکو بے رنج و بے کسب میسر
ہو جاویگی۔ اسلئے کہ جبریل علیہ السلام لائے ہیں وہ تمکو میسر ہو گی آگے ترقی کرکے
فرماتے ہیں کہ

بلکہ رزقے از خداوند بہشت بے صداع باغبان بے رنج وکشت

یعنی بلکہ خداوند بہشت کی طرف سے ایک رزق (ملیگا) بے باغبان کے محنت اور بے رنج
کشت کے یعنی نہ بونے کی ضرورت نہ باغباں کے کام کی ضرورت حق تعالیٰ بے رنج
وتعب روزی عطا فرمادیں گے۔

زانکہ نفع نان دراں نان داد وست　　بد ہدت آں نفع بے توسیط پوست

یعنی اسلئے کہ روٹی کا نفع روٹی میں اُسکی دین ہے تو تجھے وہ نفع بے واسطہ پوست کے عنایت فرماویں گے مطلب یہ کہ روٹی میں جو لذت ہے اور اُسکا جو نفع ہے یعنی شکم سیری یہ کسنے اُس میں رکھدیا ہے ظاہر ہے کہ حق تعالیٰ نے ہی اُسکے اندر اسکو پیدا کردیا تو اگر حق تعالیٰ نے اُسی نفع کو تمہارے لئے بیواسطہ روٹی کے مرتب فرماویں تو کونسا استحالہ لازم آتا ہے تو بس ظاہر ہے کہ وہ روزی بے کشت اور بے محنت باغباں عنایت فرما سکتے ہیں۔

ذوق پنہاں نقش ناں چوں سفرہ است　　ناں بے سفرہ ولی را بہرہ است

یعنی ذوق تو پنہاں ہے اور روٹی کا نقش مثل سفرہ کے ہے اور روٹی بے دسترخواں کے ولی کا حصہ ہے مطلب یہ کہ روٹی میں جو لذت ہے وہ تو پوشیدہ ہے اور روٹی کا جسم اُسکے لئے مثل دسترخوان کے ہے تو جبکہ حق تعالیٰ نے اُس جسم میں وہ لطف ودیعت فرمادیا تو وہی اُس لطف کو بے اُس جسم کے بھی عطا فرما سکتے ہیں اور وہی رزق حق اولیاء اللہ کی خوراک ہوتی ہے

شرح حبیبی

رزق جانی کے بری با سعی جست	جز بعدل شیخ کو داؤد تست
نفس چوں با شیخ بیند گام تو	از بُن دنداں شود او رام تو
صاحب ایں گاؤ رام آنگاہ شد	کز دم داؤد او آگاہ شد
عقل گاہے غالب آید در شکار	بر سگِ نفست کہ باشد شیخ یار
نفس اژدرہاست با صد زور و فن	روئے شیخ او را چو مرد دیدہ کن
گر تو خواہی ایمنی از اژدہا	دستش از داماں مکن یکدم رہا

خاک شو در پیش شیخ باصفا | تا ز خاک تو بروید کیمیا

گر تو صاحب گاو را خواهی زبون | چون خران سیخش کن از سوئے درون

صد زبان در هر زبانش صد لغت | زرق و دستانش نیاید در صفت

چون بہ نزدیک ولی اللہ شود | آن زبان صد گزش کوتہ شود

مدعی گاو نفس آمد فصیح | صد ہزاران حجت آرد ناصحیح

شہر را بفریبد الا شاہ را | رہ نتاند زد شہ آگاہ را

نفس را تسبیح و مصحف در یمین | خنجر و شمشیر اندر آستین

مصحف سالوس او باور مکن | خویش با او ہمسر و ہمراز مکن

سوئے حوضت آورد بہر وضو | واندر اندازد ترا در قعر جو

عقل نورانی و نیکو طالب است | نفس ظلمانی برو چون غالب است

زانکہ او در خانہ عقل تو غریب | بر در خود سگ بود شیر مہیب

باش تا شیران سوئے بیشہ روند | وین سگان کور آنجا بگروند

مکر نفس و تن نداند عام شہر | او نگردد جز بوحی القلب قہر

ہر کہ جنس اوست یار او شود | جز مگر داود کہ شیخت بود

کو مبدل گشت جنس تن نماند | ہر کرا حق در مقام خود نشاند

خلق جملہ علتی اند از کمین | یار علت می شود علت یقین

ہر خسے دعوے داودی کند | ہر کہ بے تمییز کف در وے زند

چونکه بیمارے شنید آواز طیر	مرغ ابلہ میکند آں سوئے سیر
نقد را از قلب نشناسد غوی ست	ہیں ازو بگریز اگرچہ معنوی است
رستہ و بربستہ پیش او یکیست	گر یقین دعوے کند او در شکیست
ایں چنیں کس گر ذکی مطلق است	چونکش ایں تمیز نبود احمق است
ہیں ازو بگریز چوں آہو ز شیر	سوئے او مشتاب اے دانا دلیر

اوپر طلب غذائے روحانی کی ترغیب دی تھی اب اُس کا طریقہ بتلاتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ بطور خود کوشش کرنے سے وہ غذا نہیں مل سکتی بلکہ جب شیخ جو کہ تیرا داود ہے نفس وعقل کے درمیان انصاف کرے گا اور عقل کو غالب اور نفس کو مغلوب کرے گا اسوقت مل سکتی ہی اسلئے کہ نفس خود تجھ سے مغلوب نہیں ہو سکتا۔ بلکہ جب تجھے شیخ کی ہدایت پر عمل کرتے دیکھے گا اُسوقت وہ عاجز ہو کر تیرا مطیع ہوگا جسطرح کہ وہ گائے والا اسوقت مطیع ہوا جبکہ داؤد علیہ السلام کا فیصلہ قطعی سُن لیا۔ یوں ہی عقل بھی تیرے سگ نفس پر اسیوقت غالب ہو سکتی ہے جبکہ شیخ کی اعانت ہو نفس کو ایک چالاک اور ہوشیار اژدہا سمجھو اور شیخ کے چہرہ کو زمرد جو اُسکی آنکھیں پھوڑ کر اُسکو اندھا کر دیتا ہے بس اگر تو اژدہے کے خطرہ سے بچنا چاہتا ہے تو اُس کا دامن ہرگز نہ چھوڑ اور اسکے سامنے خاک ہوجا تاکہ اُس خاک سے کیمیاوی بوٹی پیدا ہو کر تجھے کندن کردے یعنی فیوضات باطنیہ حاصل ہو کر تو انسان کامل بنجائے اور اگر تو گائے والے (نفس) کو مغلوب کرنا چاہتا ہے تو گدہوں کی طرح اُسکے اندر لکڑی کر تاکہ وہ پریشان ہو کر مطیع ہو جاوے۔ یہ بڑا بدمعاش ہے سو زبانیں رکھتا ہے اور ہر زبان میں سو سو بولیاں رکھتا ہے غرضکہ اُسکے مکر و فریب بیان سے باہر ہیں یہ کسی طرح مغلوب نہیں ہوتا۔ اُسکو صرف شیخ کامل ہی مغلوب کر سکتا ہے کیونکہ جب شیخ کامل کے پاس پہونچتا ہے تو اُسکی وہ تسو گز کی زبان کٹ جاتی ہے اور کچھ چوں و چرا نہیں کر سکتا۔ گویہ گائے والا (نفس) نہایت لسّان ہے اور سفسطہ آمیز

سیکڑوں دلیلیں پیش کرتا ہے مگر اس سے وہ عوام کو دہوکہ دے سکتا ہے لیکن بادشاہ کو دہوکہ نہیں دے سکتا اور رہزنی کر کے اُسکو راہ راست سے نہیں بھٹکا سکتا۔ یاد رکھو کہ یہ بڑا چالاک ہے۔ اسکے ہاتھ میں تسبیح و قرآن ہوتے ہیں اور آستین میں خنجر و شمشیر بس تم اسکی مکارانہ قرآن خوانی کا کبھی اعتبار نہ کرنا اور اپنے کو اس کا رازدار اور مصاحب نہ بنانا یہ اتنا چالاک ہے کہ وضو کی ترغیب دیکر تمکو حوض پر لیجاتا ہے اور جاکر ندی میں غوطہ دیدیتا ہے مقصود یہ ہے کہ اگر نفس طاعات کی ترغیب بھی دے تب بھی اس کا معتقد نہ ہونا چاہئے بلکہ اُسکے مکر سے ہوشیار رہنا چاہئے کیونکہ اس میں بھی اسکی کوئی غرض مخفی ہوتی ہے پس طاعات کو تو اختیار کرنا چاہئے مگر اس فریب میں نہ آنا چاہئے جسکے لئے اُسنے وہ ترغیب دی تھی۔ شاید تم یہ سوال کرو کہ صاحب عقل تو ایک نورانی شئے اور طالب حسنات ہے اور نفس ظلمانی و طالب سیئات تو نفس عقل پر کیوں غالب ہوا۔ عقل اسپر غالب کیوں نہوئی تو اس کا جواب یہ ہے کہ عقل روح کی ایک قوت ہے اور روح مجردات سے ہے اسلئے وہ تن سے اجنبی ہے اور نفس جسمانی ہے اسلئے اپنے گھر میں ہے اور اپنے گھر پر کتا بھی شیر ہوتا ہے اسلئے وہ خانۂ تن پر عقل کا تسلط نہیں ہونے دیتا اور اسپر غالب آتا ہے لیکن یاد رہے کہ یہ قبضہ اور تسلط عارضی ہے ذرا اس جنگل میں اصلی شیروں کو آنے دو اور اہل اللہ کی توجہ اس طرف منعطف ہونے دو پھر دیکھنا کہ یہ کتے انکے آگے پانی بھریں گے۔ اور بجز اطاعت کے ان کو چارہ نہ ہوگا کیونکہ اسکے مکر کو عام لوگ نہیں جانتے اسلئے کوئی اُسکو مغلوب نہیں کرسکتا یہ اگر مغلوب ہوتا ہی تو ارباب الہامات ربانیہ ہی سے ہوتا ہے بلکہ اور لوگ تو چونکہ اُسکے ہمنفس ہیں اسلئے اُسکے معین ہوتے ہیں بجز داؤد ؑ کے جس سے ہماری مُراد شیخ ہے کہ وہ اُسکی بیخکنی کرتا ہے کیونکہ وہ نائب حق ہے اور جسکو حق سبحانہ اپنی نیابت عطا فرماتے ہیں اُسکی قلب ماہیت ہوجاتی ہے اور وہ مجانس نفس و تن نہیں رہتا۔ عوام کے معین نفس ہونے کا راز یہ ہی کہ وہ سب امراض باطنیہ میں مبتلا ہیں اور نفس بھی انہیں امراض میں مبتلا ہے اور یہ یقینی امر ہے کہ ایک بیماری کو دوسری بیماری سے تقویت پہونچتی ہے پس ضرور ہے کہ وہ اُسکے معین ہوں یہانتک تمکو معلوم ہوا کہ غذائے روحانی حاصل کرنے کیلئے داؤد وقت کی ضرورت ہے

مگر اس مقام پر ایک یہ بات بتلا دینا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ بہت سے نااہل داؤد ہونیکے مدعی ہیں بس جو لوگ تمیز نہیں رکھتے وہ انکو داؤد سمجھکر ان کا دامن پکڑ لیتے ہیں انکی مثال ایسی ہے جیسے ایک احمق جانور شکاری سے جانور کی آواز سنکر اُس طرف چلدیتا ہے اور جال میں پھنس جاتا ہے یہ لوگ گمراہ ہیں کہ سونے اور ملمع میں تمیز نہیں کرسکتے ایسے لوگوں سے بھاگنا چاہئے خواہ وہ دقیقہ رس ہی کیوں نہ ہوں۔ کیونکہ یہ اُسکو جو پابند دام ہو اور اُسکو جو وارستہ از دام ہو دونوں کو یکساں سمجھتے ہیں جبھی تو ایک دھوکہ باز کے پھندے میں پھنس گئے۔ ایسے لوگوں کی بات کا کوئی اعتبار نہیں۔ اگر وہ دعوی کریں کہ ہمکو فلاں بات کا یقین ہے تب بھی وہ شک ہی میں ہیں کیونکہ جب وہ تمیز ہی نہیں رکھتے تو ان کا یقین اس بات کی واقعیت ظاہر نہیں کرسکتا اور واقع میں دونوں امر محتمل ہیں ممکن ہے کہ ایسا ہو جیسا کہ وہ کہتا ہے اور ممکن ہے کہ ایسا نہ ہو اور ایسا شخص اگر نہایت ہی ذہین ہو تب بھی جبکہ وہ اہل کمال اور بہروپیوں میں تمیز نہیں کرسکتا احمق ہی ہے دیکھو ایسے شخص سے اسی طرح بھاگنا جسطرح کہ ہرن شیر سے بھاگتا ہے اور اے سمجھدار شخص تو بینا کانا اُس سے میل نہ کرنا اس سے تم یہ بھی سمجھ سکتے ہو کہ جب یہ دھوکہ کھانیوالا اس قدر قابل نفرت ہے تو دھوکہ دینے والا کس قدر قابل نفرت ہوگا لہذا اُسکی طرف تو بالاولے رُخ نہ کرنا۔ اب ہم ایک واقعہ سناتے ہیں جس سے تمکو معلوم ہو کہ احمق اور بے تمیز لوگ کسدرجہ قابل گریز ہیں۔ سنو

شرح شبیری

رزق جانی کے بری با سعی چست ۔۔۔ جز بعدل شیخ کو داؤد تست

یعنی رزق روحانی کو پوری سعی سے کب حاصل کرسکتے ہو سوائے عدل شیخ کے کہ وہ داؤد تمہارے ہیں۔ عدل سے مراد تربیت ہے مطلب یہ کہ اُس رزق روحانی کو بے تربیت شیخ کی تم کب حاصل کرسکتے ہو جسطرح کہ روزی بے کسب داؤد علیہ السلام کے واسطہ سے اُس شخص کو ملگئی اسی طرح شیخ کے ذریعہ کہ وہ مثل داؤد کے ہے تمکو روزی علوم و معارف حاصل ہوگی

نفس چوں با شیخ بیند گام تو ۔۔۔ از بن دنداں شود او رام تو

یعنی جبکہ نفس تیرا قدم شیخ کیساتھ دیکھے گا تو بُن دنداں سے وہ تیرا مطیع ہو جاویگا (بن دنداں سے مطیع ہونا یعنی پوری طرح تہ دل سے مطیع ہوگا)

صاحب این گاؤ رام آنگاہ شود ‌ ‌ ‌ ‌ کز دم داؤد او آگاہ شود

یعنی اس گائے والا اُسوقت مطیع ہوگا کہ داؤد علیہ السلام کے دم سے آگاہ ہوگا (گاؤ سے مراد وہی لذات اور صاحب لذات نفس اور داؤد سے مراد شیخ کامل) مطلب یہ کہ نفس اُسوقت تمہارا مطیع ہوگا جبکہ وہ شیخ کامل سے آگاہ ہو جاویگا اور اُسے شیخ کامل کی خبر ہو جاویگی اس وقت وہ مطیع ہوگا۔

عقل گاہی غالب آید در شکار ‌ ‌ ‌ ‌ بر سگ نفست کہ باشد شیخ یار

یعنی عقل شکار میں اُسوقت تیرے سگ نفس پر غالب آویگی جبکہ شیخ مددگار ہوگا۔

نفس اژدرہاست با صد زور و فن ‌ ‌ ‌ ‌ روئے شیخ اورا چو مرد دیدہ کن

یعنی نفس ایک اژدہا ہے ساتھ سو زور و فن کے اور روئے شیخ اُسکے لئے مثل مرد آنکھ نکالنے والے کے ہے مطلب یہ کہ نفس کو مغلوب کرنیوالا اور اُسکو اندھا کرنیوالا روئے شیخ ہی ہے

گر تو خواہی ایمنی از اژدہا ‌ ‌ ‌ ‌ دستش از داماں مکن یکدم رہا

یعنی اگر تم اژدہا سے بیخوف رہنا چاہتے ہو تو ہاتھ اُسکے دامن سے ایک دم کو الگ مت کرو

خاک شو در پیش شیخ با صفا ‌ ‌ ‌ ‌ تاز خاک تو بروید کیمیا

یعنی شیخ باصفا کے آگے خاک ہوجا تاکہ تیری خاک میں سے کیمیا پیدا ہو یعنی تم اُسکے آگے خاک ہوجاؤ اور اُسکے مطیع ہوجاؤ تو کمالات خود تمہارے اندر سے پیدا ہونگے۔

گر تو صاحب گاؤ را خواہی زبوں ‌ ‌ ‌ ‌ چوں خراں میخش کن از سوئے درون

یعنی اگر تو نفس کو مغلوب کرنا چاہتا ہے تو گدہوں کی طرح اُسکے سینگ اندر کی طرف سے اکھاڑدے مطلب یہ کہ جسطرح کہ گدھے کے سینگ ہوتے ہی نہیں اسی طرح تو بھی اُسکی جڑ اپنے قلب میں سے اکھاڑدے اور شہوات ولذات کو ترک کردے اُسکے بعد دیکھ کہ وہ عاجز ہوتا یا نہیں

صد زباں در ہر زبانش صد لغت ‌ ‌ ‌ ‌ زرق و دستانش نیاید در صفت

یعنی (اسکے) سو زبان ہیں اور اُسکی ہر زبان میں سو لغت ہیں اور اُس کا مکر و فریب تو بیان آ نہیں سکتا

چوں بہ نزدیک ولی اللہ شود آن زبان صد گزش کوتہ شود

یعنی جبکہ کسی ولی اللہ کے پاس جاتا ہے تو وہ اُسکی سو گز کی زبان کوتاہ ہو جاتی ہے مطلب یہ کہ نفس بڑا مکار ہے اور اُسکی زبان سو گز کی ہے کہ یہ کسیکے آگے رکتا ہی نہیں مگر جب شیخ کامل کے آگے پہونچتا ہے تو چونکہ وہ اسکے تمام مکروں سے واقف ہوتا ہے لہذا اسکے سامنے اسکی کچھ نہیں چلتی۔

مدعی گاؤ نفس آمد فصیح صد ہزاراں حجت آرد نا صحیح

یعنی مدعی گاؤ (جو کہ) نفس (ہے) بہت فصیح ہے اور لاکھوں حجتیں نادرست لاتا ہے

شہر را بفریبد الا شاہ را رہ نتاند زد شہ آگاہ را

یعنی شہر کو فریب دے لیتا ہے مگر شاہ کو۔ شاہ آگاہ کو گمراہ نہیں کرسکتا۔

نفس را تسبیح و مصحف در یمیں خنجر و شمشیر اندر آستیں

یعنی نفس کے داہنے ہاتھ میں تو تسبیح و مصحف ہے اور آستین میں خنجر و شمشیر ہے مطلب یہ کہ نفس وہ شے ہے کہ یہ ضرر اندرونی پہونچاتا ہے۔ ظاہر میں تو بڑا دوست ہے اور باطن میں بس مار آستین ہے اللھم احفظنا

مصحف و سالوس او باور مکن خویش با او ہمسر و ہمسر مکن

یعنی اُسکے مصحف و مکر کا تو یقین مت کر اور اپنے کو اُسکے ساتھ ہمراز و ہمسر مت بنا ورنہ اگر راز دار ہوگیا تو یا درہے کہ گہر کا بہیدی لنکا ڈہائے۔ اُسکے مکر کی یہ حالت ہے کہ

سوئے حوضت آورد بہر وضو و اندر اندازد ترا در قعر او

یعنی وضو کیلئے حوض کی طرف تجھے لاتا ہے اور (پھر) اُسکے قعر میں تجھے ڈال دیتا ہے مطلب یہ کہ ترغیب نیک کام کی دیتا ہے اور وہاں لیجاکر کسی مصیبت میں مبتلا کر دیتا ہے

عقل نورانی و نیکو طالب است نفس ظلمانی بر او چوں غالب است

یعنی عقل تو نورانی ہے اور اچھی طالب ہے۔ تو نفس ظلمانی اُسپر کیونکر غالب ہے، آگے

خود بتاتے ہیں کہ

زانکه او در خانه عقل تو غریب — بر در خود سگ بود شیر مہیب

یعنی اسلئے کہ وہ نفس تو گھر میں ہے اور عقل تیری غریب ہے تو اپنے دروازہ پر تو کتا بھی شیر مہیب ہوتا ہے مطلب یہ کہ تمنے نفس کی تو خوب خاطر کی ہے اور اُسکو خوب پال رکھا ہے اور بیچاری عقل کو گھر سے باہر کر رکھا ہے تو اپنے گھر تو کتا بھی شیر ہوتا ہے لہذا تیرا نفس اس وجہ سے پھولا ہوا اور عقل پر غالب ہو رہا ہے۔

باش تا شیراں سوئے بیشہ روند — ویں سگاں کور آنجا بگروند

یعنی ٹھیر جا یہانتک کہ شیر بیشہ کی طرف جاویں اور یہ اندھے کتے اُس جگہ مطیع ہو نگے۔ (شیران سے مراد شیوخ کاملین) مطلب یہ کہ اس نفس کے بیشہ میں شیوخ کاملین کو آنے دو وہ اُنکو اُنکے گھروں سے نکالیں گے اور انکو مطیع کریں گے۔ اور عقل کو اُنپر غالب کریں گے۔

مکر نفس و تن نداند عام شہر — او نگردد جز بوحی القلب قہر

یعنی مکر نفس و تن کو عوام شہر نہیں جانتے وہ بجز الہام قلبی کے مقہور نہیں ہوتا۔ مطلب یہ کہ نفس کے مکروں کو عوام نہیں جانتے ہاں جو شخص ملہم من اللہ ہو وہ اُسکے مکروں کو سمجھ سکتا ہے اور اُسی سے یہ مطیع ہو سکتا ہے۔

ہر کہ جنس او ست یار او شود — جز مگر داؤدؑ کو شیخت بود

یعنی جو کہ اُسکی جنس ہے اُسکا یار ہو جاتا ہے مگر سوائے داؤدؑ کے کہ وہ تیرا شیخ ہو یعنی سوائے شیوخ کاملین کے اور عوام تو سب اُسکی ساتھ ہو لیتے ہیں اور شیوخ اسلئے بچے رہتے ہیں کہ

کو مبدل گشت و جنس تن نماند — ہر کرا حق در مقام دل نشاند

یعنی کیونکہ وہ مبدل ہو گیا ہے اور جنس تن نہیں رہا جسکو کہ حق نے مقام دل میں بٹھا دیا مطلب یہ کہ جسکو کہ حق تعالیٰ نے درجہ روحانیت کا عطا فرما دیا وہ اب جنس نفس و تن سے چھوٹکر جنس روح بن گیا ہے۔ لہذا اُسکو اس سے ضرر نہیں ہوتا اور وہ اسکی ساتھ ملتا نہیں ہے

بلکہ اُسکو ہی خود مطیع کر لیتا ہے

خلق جملہ علتی انداز کمین　　یار علت می شود علت یقین

یعنی مخلوق سب باطن کی رو سے علتی ہیں تو علت تو یقیناً علت ہی کی ہمراہ ہو گی مطلب یہ کہ چونکہ لوگ سب علتی ہیں اور اُنکے باطن میں علت موجود ہے لہذا اُن کا میلان بھی علت ہی کی طرف ہوتا ہے اور وہ اُس سے مل جاتے ہیں۔ آگے شیوخ مکارین سے بچاتے ہیں کہ

ہر خسے دعوے داوُدی کند　　ہر کہ بے تمیز کف در وے زند

یعنی ہر کمینہ دعوی داؤد ہونے کا کرتا ہے تو جو کہ بے تمیز ہے وہ اُسکے اندر ہاتھ مارتا ہے یعنی کمینہ لوگ شیخ بنتے ہیں تو جو جاہل اور بیخبر ہیں وہ اُنکے ہاتھ میں ہاتھ دیدیتے ہیں اور پھنس جاتے ہیں آگے اس پھنسنے کی مثال فرماتے ہیں کہ۔

چوں ز صیادے شنید آواز طیر　　مرغ ابلہ میکند آں سوئے سیر

یعنی جبکہ صیاد سے جانور کی آواز سنتا ہے تو بیوقوف جانور اُس طرف کو چلتا ہے۔ مطلب یہ کہ جب صیاد جانوروں کی بولی بولتا ہے تو جو بیوقوف جانور ہے وہ اپنی ہمجنس کی بولی سمجھکر اُدہر جاتا ہے اور پھنس جاتا ہے اسی طرح جو جھوٹے لوگ دعوی مشیخت کا کرتے ہیں جو بیوقوف ہیں وہ اُنکے دام میں پھنس جاتے ہیں

نقد را از قلب نشناسد غوی است　　ہین ازو بگریز اگرچہ معنوی ست

یعنی جو کہرے کو کہوٹے سے نہ پہچانے وہ غوی ہے۔ ارے اُس سے بھاگ اگرچہ (بظاہر) معنوی ہو

رستہ و بربستہ پیش او یکیست　　گر یقین دعوی کند او در شکیست

یعنی (ہوا و ہوس سے) چھوٹا ہوا اور (اُن کا) مقید اُسکے آگے سب ایک ہیں (اسلئے کہ اُسکو تمیز ہی نہیں) اور اگر وہ یقین کا دعوی کرے تو وہ خود شک میں ہے یعنی اُسے خود ہی شک ہے تو وہ دعوی یقین کا کیا کرے گا۔ اطمینان قلب جسکا نام ہے وہ اسکو حاصل ہی ہی نہیں۔

اینچنیں کس گر ذکی مطلق است　　چونش ایں تمیز نبود احمق است

یعنی ایسا شخص اگرچہ (بظاہر) ذکی مطلق ہی ہو جب اُسکو یہ تمیز نہیں ہے احمق ہے

ہیں ازو بگریز چوں آہو ز شیر　　سوئے او مشتاب ای دانا دلیر

یعنی ارے اُس سے بھاگ جیسے کہ ہرن شیر سے اور اے دانا دلیر اُسکی طرف کو دوڑ مت
یعنی ایسے شخص کے پاس ہرگز مت جاؤ۔ آگے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حکایت لاتے ہیں
کہ وہ بھاگے جارہے تھے ایک شخص نے عرض کیا کہ حضرت کیوں بھاگ رہے ہیں فرمایا احمقوں
سے بھاگ رہا ہوں تو بھلا جب ایسے حضرات کو ضرورت ان سے علیحدگی کی ہوتی تھی تو پھر
اوروں کو تو کیوں نہ ہوگی اب حکایت سنئے۔

شرح حبیبی

عیسیٰ مریم بکوہے می گریخت
شیر گوئی خون او میخواست ریخت

آں یکے درپے دوید و گفت خیر
در پیت کس نیست چہ گریزی چو طیر

با شتاب او آنچناں می تافت جفت
کز شتاب خود جواب او نگفت

یکدو میداں درپئے عیسیٰ براند
پس بجد و جہد عیسیٰ را بخواند

کز پئے مرضات حق یک لحظہ بیست
کہ مرا اندر گریزت مشکلے است

از کہ ایں سو می گریزی اے کریم
نے پیت شیر و نہ خوف خصم و بیم

گفت از احمق گریزانم برو
می رہانم خویش را بندم مشو

گفت آخر آں مسیحا نے توئی
کہ شود کور و کر از تو مستوی

گفت آرے۔ گفت تو آن نیستی
کہ فسون غیب را ماویستی

چوں بخوانی آں فسوں بر مُردہٴ
بر جہد چوں شیر صید آوردہٴ

گفت آرے آں منم گفت کہ تو
نے ز گل مرغاں کنی اے خوبرو

بردمی بروے سبک تا جاں شود　　در ہوا اندر زماں پرّاں شود
گفت آرے گفت پس اے روح پاک　　ہر چہ خواہی میکنی از کیست باک
با چنیں بُرہاں کہ باشد در جہاں　　کہ نباشد مر ترا از بندگاں
گفت عیسی کہ بذات پاک حق　　مبدع تن خالق جاں از سبق
حرمت ذات و صفات پاک او　　کہ بود گردوں گریباں چاک او
کاں فسون و اسم اعظم راکہ من　　بر کر و بر کور خواندم شد حسن
بر کہ سنگیں بخواندم شد شگاف　　خرقہ را بدرید بر خود تا بناف
بر تن مردہ بخواندم گشت حے　　بر سر لاشے بخواندم گشت شے
خواندم آں را بر دل احمق بہ وُد　　صد ہزاراں بار و درمانے نشد
سنگ خارا گشت وزاں خو بر نگشت　　ریگ شد کز وے نروید ہیچ کشت
گفت حکمت چیست کانجا اسم حق　　سود کر اینجا نبود او را سبق
آں ہماں رنجست و ایں رنجے چرا　　او نشد او را و ایں را شد دوا
گفت رنج احمقی قہر خداست　　رنج کوری نیست قہر آں ابتلاست
ابتلا رنجے ست کاں رحم آورد　　احمقے رنجیست کاں زخم آورد
آنچہ داغ اوست مہر او کردہ است　　چارۂ بروے نیارد برد دست
ز احمقاں بگریز چوں عیسی گریخت　　صحبت احمق بسے خونہا بریخت
بر سر آرد زخم رنجے احمقے　　رحم نبود چارہ جوئی آں شقے

اندک اندک ابر را در دہوا	این چنین دزد دہم احمق از شما
آن گریز عیسوی نز بیم بود	ایمن ست و آں پے تعلیم بود
زمہریرار پرکند آفاق را	چہ غم آں خورشید با اشراق را

ایک مرتبہ عیسی علیہ السلام ایک پہاڑ پر یوں دوڑے جارہے تھے کہ اس سے ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کوئی شیر اُنکو مار ڈالنا چاہتا ہو یہ حالت دیکھکر ایک مخلص پیچھے دوڑا اور کہا حضور خیر تو ہے آپ کیوں اُڑے جارہے ہیں آپکے پیچھے تو کوئی بھی نہیں پھر کیا خوف ہے مگر وہ اسقدر تیز جارہے تھے کہ جلدی کے سبب اُسکو جواب بھی ندیا کچھ دور تو وہ اُن کے پیچھے دوڑا مگر جب تھک گیا تو بہت اصرار کیسا تھ اسنے حضرت عیسے علیہ السلام کو آوازیں دینی شروع کیں اور ٹھہرانا چاہا اور کہا کہ خدا کیلئے ذرا ٹھہر جائیے مجھے آپکے بھاگنے کے متعلق ایک شبہ ہوگیا ہے اسکو حل فرماتے جائیے جب وہ ٹھہرے تو اُسنے دریافت کیا کہ آپ کس سے بھاگتے ہیں نہ آپکے پیچھے کوئی شیر آرہا ہے نہ کسی دشمن کا خطرہ ہے آپنے فرمایا کہ یہ صحیح ہے مگر میں احمق سے بھاگ رہا ہوں اور اُس سے اپنے کو چھڑانا چاہتا ہوں تو جا اپنا کام کر اور مجھے مت روک اُسنے عرض کیا کہ کیا آپ وہ ہی عیسے نہیں جو اندھے بہروں کو اچھا کرتے ہیں آپنے فرمایا کہ ہاں میں وہی ہوں پھر اُسنے سوال کیا کہ کیا آپ وہی نہیں ہیں جو افسون غیب یعنی اسم اعظم اپنے پاس رکھتے ہیں جسکی یہ صفت ہی کہ جب آپ اُسکو کسی مردہ پر پڑھکر دم کرتے ہیں تو وہ یوں مستعدی کیساتھ اُٹھتا ہے جیسے شیر کے پاس شکار لایا گیا ہو آپنے فرمایا کہ ہاں میں وہی ہوں پھر اُسنے دریافت کیا کہ کیا آپ مٹی سے جانور نہیں بنا دیتے اور کیا ایسا نہیں ہوتا کہ آپ ایک آہستہ سے پھونک مارتے ہیں تو وہ جاندار ہو جاتا اور فوراً ہوا میں اُڑ جاتا ہے آپنے فرمایا کہ ہاں میں ایسا ہی کرتا ہوں اور ایسا ہوتا ہے اسپر اسنے متحیر ہوکر پوچھا کہ جب آپ کی یہ شان ہے کہ جو آپ چاہتے ہیں وہی ہو جاتا ہے تو پھر آپ کو کس کا ڈر ہے اور باوجود

ان معجزات باہرہ کے پھر کون ایسا ہی جو آپ کا خادم نہ ہوگا اور اُس سے آپکو تضرر کا اندیشہ ہوگا۔ آپنے فرمایا کہ قسم ہی اُس ذات پاک کی جو جسم و جان کو ابتدا ہی سے پیدا کرنیوالا ہے اور اُسکی ذات و صفات پاک کی قسم جسکا فلک سا عظیم القدر جسم عاشق و مطیع ہے کہ میں نے اُس افسوں اور اُس اسم اعظم کو جسکو میں اندہے اور بہروں پر پڑہتا ہوں تو وہ اچھے ہوجاتے ہیں اور پہاڑ پر پڑہکر دم کرتا ہوں تو پہٹ جاتا ہی اور ناف تک گریبان چاک ہوجاتا ہے یعنی مرا مسخر ہوجاتا ہے اور مُردہ پر پڑہتا ہوں تو زندہ ہوجاتا ہی اور لاشے پر پڑہتا ہوں تو شے ہوجاتی ہے۔ احمق کے دل پر نہایت شفقت کیساتھ لاکہوں مرتبہ پڑہا مگر وہ اچہا نہ ہوا بلکہ اور پتھر ہوگیا۔ اور وہ عادت اُسکی نہ گئی اور ایسا ہوگیا جیسے ریت کہ قابل زراعت ہی نہیں اسپر اُس نے یہ سوال کیا کہ آخر اس میں کیا حکمت ہے کہ اسم اعظم نے وہاں کام دیا اور یہاں کچھ کام نہ دیا حالانکہ وہ بھی مرض ہیں اور یہ بھی مرض ہی پھر کیا وجہ ہے کہ اُن کیلئے تو وہ دوا ہوگیا مگر اس مرض کیلئے دوا نہ ہوسکا آپنے فرمایا کہ دونوں قسم کے مرضوں میں فرق ہے۔ مرض حماقت اثر قہر خدا ہے اور اندہا پن وغیرہ امراض قہر خدا کا اثر نہیں ہیں بلکہ وہ ایک قسم کا ابتلائے حق سبحانہ ہے اور ابتلا وہ مرض ہی جسپر رحم آتا ہے اور احمقی وہ مرض ہے کہ اس سے تکلیف ہوتی ہے اور غصہ آتا ہے اور اسکی وجہ سے خوب سزا دینے کو جی چاہتا ہے اور داغ حماقت حق سبحانہ کی قائم کی ہوئی مہر ہے جسکو کوئی تدبیر نہیں توڑ سکتی جب یہ قصہ سُن چکے تو اس سے عبرت پکڑو اور احمقوں سے تم بھی یوں ہی بھاگو جسطرح عیسے علیہ السلام بھاگے تھے۔ کیونکہ احمق کی صحبت بہت خون کرتی ہے اور بہت سے لوگوں کو موت روحانی میں پھنسا دیتی ہے لہذا مرض احمقی خود معالج کو نقصان پہونچاتا ہی اسلئے اس شقی کا علاج کرنا رحم نہیں ہے بلکہ خود اپنے اوپر ظلم ہے کیونکہ جسطرح کہ ہوا تہوڑا تہوڑا پانی اُڑاتی ہے جو محسوس بھی نہیں ہوسکتا اور آخر میں وہ پانی بالکل خشک ہوجاتا ہے یوں ہی احمق بھی تمہارے صفات حمیدہ کو نامعلوم طریقہ سے فنا کرتا رہتا ہے۔ بس تمکو اس سے بچنا چاہئے لیکن تمکو اس مقام پر یہ بھی سمجھ لینا چاہئے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا بھاگنا اپنے خوف سے نہیں تھا کیونکہ وہ

تو معصوم تھے بلکہ وہ بھاگنا دوسروں کو عملی تعلیم تھی مثلاً اگر کرگڑے کی سردی تمام عالم میں پھیل جائے تو آفتاب کو اس سے کیا خطرہ۔ پس یہی حالت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تھی کہ اگر تمام عالم احمق ہو جاتا تب بھی اُنکو ضرر نہ تھا۔

شرح شبیری

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا احمقوں سے پہاڑ پر بھاگنا اور ایک شخص کا اُن کے پیچھے جانا اور اُنسے سوال کرنا

عیسیٰ مریم بکوہے می گریخت　　　　شیر گوئی خون او میخواست ریخت

یعنی عیسیٰ مریم علیہما السلام ایک پہاڑ کی طرف (ایسے) بھاگ رہے تھے گویا کہ کوئی شیر انکا خون ریخت کرنا چاہتا یعنی ایسے بھاگ رہے تھے کہ جیسے کوئی درندہ آتا ہوا اور کوئی شخص اُسکے خوف سے بھاگے۔

آں یکے در پے دوید و گفت خیر　　　　در پیت کس نیست چہ گریزی چو طیر

یعنی ایک شخص اُن کے پیچھے دوڑا اور کہا کہ خیر تو ہے آپکے پیچھے تو کوئی نہیں ہے آپ پرندہ کی طرح کیوں بھاگ رہے ہیں مطلب یہ کہ ایسے اُڑے ہوئے کیوں جا رہے ہو کوئی دشمن وغیرہ بھی تعاقب میں نہیں۔

با شتاب او آنچناں میتافت جفت　　　　کز شتاب خود جواب او نہ گفت

یعنی جلدی کیساتھ وہ ایسا تیز بھاگ رہے تھے کہ اپنی جلدی کی وجہ سے اُسکو جواب بھی نہ دیا

یکدو میدان در پے عیسیٰ براند　　　　پس بجد جد عیسیٰ را بخواند

یعنی ایک دو میدان تک تو اُسنے عیسیٰ کے پیچھے چلایا پھر بجد جہد سے اُسنے عیسیٰ کو پکارا

کز پے مرضات حق یک لحظہ بیست　　　　کہ مرا اندر گریزت مشکلے است

یعنی کہ خدا کے واسطے ایک گھڑی کیلئے کھڑے رہئے کہ مجھے آپکے بھاگنے میں ایک شکل ہے

(وہ یہ کہ)

ازکہ این سو می گریزی اے کریم　　نے پیت شیر و نہ خوف خصم و بیم

یعنی اے کریم آپ اس طرف کس سے بھاگ رہے ہیں آپ کے پیچھے نہ شیر ہے اور نہ خوف دشمن ہے اور نہ کوئی اور خوف ہے۔

گفت از احمق گریزانم برو　　می رہانم خویش را بندم مشو

یعنی آپ نے فرمایا کہ میں احمق سے گریزاں ہوں تو جا اور میں اپنے کو (احمق سے) چھڑاتا ہوں تو میری روک مت ہو۔

گفت آخر آن مسیحا نہ تو ئی　　کہ شود کور و کر از تو مستوی

یعنی اُس سائل نے کہا کہ آخر کیا آپ وہی مسیحا نہیں ہیں کہ آپ سے اندھے بہرے سب تندرست ہوتے ہیں مطلب یہ کہ جب آپ ایسے ہیں تو آپکو احمق کیا گزند پہونچا سکتا ہے

گفت آری۔ گفت آن شہ نیستی　　کہ فسون غیب را ماویستی

یعنی عیسیٰ ع نے کہا کہ ہاں (میں وہی مسیحا ہوں) تو اُس سائل نے کہا کہ کیا آپ وہ بادشاہ نہیں ہیں جو کہ غیب کی باتوں کے ماوی اور ٹھکانہ ہیں۔

چون بخوانی آن فسون بر مردۂ　　بر جہد چون شیر صید آوردۂ

یعنی جب اُس فسوں کو تم کسی مُردہ پر پڑھ دو تو وہ شکاری شیر کی طرح کود آئے۔

گفت آرے آن منم گفت کہ تو　　نے ز گل مرغان کنی ای خوبرو

یعنی عیسیٰ ع نے فرمایا کہ ہاں میں وہی ہوں تو اُسنے کہا کہ اے خوبرو کیا آپ وہ نہیں ہیں جو مٹی سے جانور بنا دیتے ہیں۔

بر دمی بروی سبک تا جان شود　　در ہوا اندر زمان پران شود

یعنی اُسپر آہستہ سے پھونکتے ہوں یہانتک کہ وہ جان ہو جاتا ہے اور اُسی وقت ہوا میں اُڑنے لگتا ہے۔

گفت آری گفت بس ای روح پاک　　ہر چہ خواہی میکنی از کیست باک

یعنی عیسےٰ ع نے فرمایا کہ ہاں تو اُسنے کہا کہ اے روح پاک آپ جو چاہیں کریں پھر ڈر کس کا ہے

باچنیں برہاں کہ باشد در جہاں | کہ نبا شد مر ترا از بندگاں
یعنی باوجود اس قدر دلائل کے دنیا میں کون ہوگا جو کہ آپکے غلاموں میں سے نہ ہوگا

گفت عیسیٰؑ کہ بذات پاک حق | مبدع تن خالق جاں در سبق
یعنی عیسیٰؑ نے فرمایا کہ حق کی ذات پاک کی قسم ہے جو کہ بدن کا بنانیوالا اور ازل میں خالق جان ہے

حرمت ذات و صفات پاک او | کہ بود گردوں گریباں چاک او
یعنی اُسکی ذات پاک اور صفات کی قسم جسکا کہ آسمان گریباں چاک (عاشق) ہے

کاں فسوں و اسم اعظم را کہ من | بر کر و بر کور خواندم شد حسن
یعنی کہ اُس فسوں اور اسم اعظم کو کہ میں نے کور وکر پر پڑھا تو وہ اچھے ہو گئے۔

بر کہ سنگین بخواندم شد شگاف | خرقہ را بدرید بر خود تا بناف
یعنی سنگین پہاڑ پر پڑھا تو وہ پھٹ گیا اُسنے اپنے خرقہ کو ناف تک پھاڑ لیا۔

بر تن مردہ بخواندم گشت حی | بر سر لاشے بخواندم گشت شی
یعنی مُردہ کے بدن پر پڑھا تو وہ زندہ ہوگیا اور لاشے کے اوپر پڑھا تو وہ شے ہوگئی۔

خواندم آنرا بر دل احمق بہ وُد | صد ہزاراں بار و درمانی نشد
یعنی میں نے اُسکو احمق کے دل پر دوستی سے لاکھوں بار پڑھا مگر کوئی اثر نہوا۔

سنگ خارا گشت وزاں خو بر نگشت | ریگ شد کز وے نروید ہیچ کشت
یعنی پتھر بن گیا اور اس (احمقی کی) خصلت سے نہ پھرا ریت ہوگیا کہ اُس میں کوئی کھیتی نہیں اُگتی

گفت حکمت چیست کانجا اسم حق | سود کرد اینجا نبود آں را سبق
یعنی سائل نے کہا کہ (اس میں) کیا حکمت ہے کہ اُس جگہ تو اسم حق نے نفع کیا اور اس جگہ اُسکے لئے سبقت نہ ہوئی۔

آں ہماں رنجست و ایں رنجے چرا | او نشد ایں را و آں را شد دوا
یعنی وہ (کوری وکری) بھی ایک بیماری ہے اور یہ بھی ایک مرض ہے تو کس لئے وہ اسکے لئے تو دوا ہوگیا اور اُسکے لئے نہ ہوا۔

گفت رنج احمقی قہر خدا است | رنج کوری نیست قہر آں ابتلا است

یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ حمقی تو خدا کا قہر ہے (نعوذ باللہ منہ) اور کوری کا مرض قہر نہیں ہے بلکہ وہ تو ابتلاء ہے۔

ابتلاء رنجیست کان رحم آورد　　احمقی رنجیست کان زخم آورد

یعنی مبتلا ہو جانا (کسی مرض میں) تو ایک ایسی شے ہے کہ رحم لاتی ہے اور احمقی ایک ایسا مرض ہے جو کہ زخم پیدا کرتا ہے۔

آنچہ داغ اوست مہر او کردہ است　　چارہ بر وے نیارد بر داد دست

یعنی جو کہ احمقی کا داغ ہے اسنے مہر کردی ہے تو کوئی علاج سپر قدرت نہیں لاسکتا۔ آگے مولانا فرماتے ہیں

ز احمقاں بگریز چوں عیسیٰ گریخت　　صحبت احمق بسے خونہا بریخت

یعنی احمقوں سے بھاگ جیسا کہ عیسیٰ ع بھاگے (کیونکہ احمق کی صحبت نے بہت سے خون خراب کئے ہیں۔

بر سر آرد زخم رنج احمقی　　رحم نبود چارہ جوئی آں شقی

یعنی احمقی کا مرض سر پر زخم لگاتا ہے اور اس بدبخت کا معالج رحم نہیں ہوتا۔

اندک اندک آب را دزدد ہوا　　واینچنیں دزدد ہم احمق از شما

یعنی جیسے کہ ہوا پانی کو تھوڑا تھوڑا چراتی ہے (اور اسکو ہوا اڑا لیتی ہے) اسی طرح احمق تم میں سے (عقل کو) چراتا ہے (اور انجام کار تمکو بھی احمق بنا لیتا ہے۔

گرمیت را دزدد و سردی دہد　　ہمچناں کو زیر خود سنگے نہد

یعنی تمہاری گرمی (عقل) کو چراتا ہے اور سردی (احمقی) دیدیتا ہے اسی طرح گویا کہ وہ اپنے نیچے ایک پہاڑ رکھتا ہے۔

آں گریز عیسوی نز بیم بود　　ایمن است آں از پئے تعلیم بود

یعنی عیسیٰ علیہ السلام کا بھاگنا خوف کی وجہ سے نہیں تھا (کیونکہ) وہ تو بیخوف تھے (بلکہ) تعلیم کیواسطے تھا (کہ انکو بتانا تھا کہ احمق سے اسطرح الگ رہا کرو) آگے اُسکی ایک مثال ہے کہ

زمہریر ار پر کند آفاق را　　چہ غم آں خورشید با اشراق را

یعنی جاڑا اگر تمام عالم کو سردی سے بھر دے تو اُس روشن آفتاب کو کیا غم (بس اسی طرح احمقوں سے عیسیٰ علیہ السلام کو کیا غم جیسے سردی سے علاوہ آفتاب کے اور اشیاء متاثر ہوتی ہیں بس اسی طرح احمق کی حماقت سے بھی اور لوگ ہی متاثر ہوتے ہیں) آگے اُسکی وجہ بتاتے ہیں کہ۔

ہر کرا گرمی بود از نور حق
او چہ غم دارد ز سرد یا تو لق

یعنی جسکے پاس کہ نور حق کی گرمی ہو اُسکو کسی سردی کا کیا غم ہے (تو بس اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس چونکہ نور حق تھا انکو احمقوں کی حماقت سے کیا خوف ہوتا) آگے اہل سبا کی حماقت اور اُس حماقت کی وجہ سے اُنکی بربادی کے قصہ کو بیان فرماتے ہیں کہ

شرح حبیبی

یاد م آمد قصۂ اہل سبا
گر دم احمق صبا شان شد وبا

آں سبا ماند بشہر بس کلاں
در فسانہ بشنوی از کودکاں

کودکاں افسانہا می آورند
درج در افسانہ شان بس سر و پند

ہزلہا گویند در افسانہ ہا
گنج میجو در ہمہ ویرانہ ہا

بود شہرے بس عظیم و مہ وے
قدر او قدر سکرہ بیش نے

بس عظیم و بس فراخ و بس دراز
سخت زفت و تو بتو ہمچوں پیاز

مردم دہ شہر مجموع اندروں
لیک جملہ سہ تن ناشستہ رو

اندرو نوع خلایق بیشمار
لیک آں جملہ سہ خام پختہ خوار

جاں ناکردہ بجاناں تاختن
گر ہزار انست باشد نیم تن

آں یکے بس دوربین و دیده کور
از سلیماں کور و دیده پائے مور

وآں دگر بس تیز گوش و سخت کر
گنج و در وی نیست یکجو سنگ زر

واں دگر عور و برہنه لاشه تاز
لیک دامنہائے جامه او دراز

گفت کور اینک گروہے میرسند
من ہمی بینم که چه قوم اند و چند

گفت کر آرے شنیدم بانگ شاں
که چه میگویند پیدا و نہاں

آں برہنه گفت ترساں زاں منم
که ببرند از درازی دامنم

کور گفت اینک به نزدیک آمدند
خیز بگریزیم و پیش از زخم و بند

کر ہمی گوید که آرے مشغله
می شود نزدیک تر یاراں ہله

آں برہنه گفت آوه دامنم
از طمع برند و من ناایمنم

شہر را ہشتند بیروں آمدند
در ہزیمت در دہے اندر شدند

اندراں ده مرغ فربه یافتند
لیک ذره گوشت بروی نی نژند

کور دید و آں کر آوازش شنید
عور بگرفت و بدامن درکشید

مرغ مرده خشک در زخم کلاغ
استخوانہا زار گشته چوں نباغ

پس طلب کردند دیگے یافتند
بے سر و بے بن سبک بشتافتند

بر سر آتش نہادند آں سه تن
مرغ فربه را بدیگ اندر زفن

آتشش کردند چنداں اے پسر
کاستخواں شد پخته لحمش بیخبر

زاں ہمی خوردند چوں از صید شیر
ہر یکے از خوردنش چوں پیل سیر

هر سه زاں خوردند و بس فربه شدند — چوں سه پیل بس بزرگ و مه شدند

آنچناں کز فربہی ہر یک جواں — درنه گنجیدے ز زفتی در جہاں

باچنیں گبزی و ہفت اندام زفت — از شگاف در بروں جستند تفت

راہ مرگ خلق ناپیدا رہے است — در نظر ناید کہ آں بیجا رہے است

نک پیاپے کاروانہا مقتفی — زیں شگاف در کہ ہست آں مختفی

بر در ار جوئی نیابی آں شگاف — سخت ناپیدا و زو چندیں زفاف ہ

جبکہ گفتگو ذکر حماقت تک پہونچی تو مجھے اہل سبا کا قصہ یاد آگیا کہ اُنکی احمقانہ گفتگو سے اُن کا شہر سبا وبا ہوگیا تھا قبل اسکے کہ ہم اُن کا قصہ بیان کریں اولا انکے شہر کی حالت بیان کرتے ہیں ان کا شہر معروف بہ سبا اُس بڑے شہر کے مشابہ تھا جسکا ذکر تم لڑکوں کی کہانیوں میں سنتے ہو۔ بچے کہانیاں کہتے ہیں مگر اُنکی کہانیوں میں بہت سے اسرار اور نصائح درج ہوتے ہیں اور گو وہ اپنی کہانیوں میں ترلیات بانکتے ہیں مگر تمکو تمام ویرانوں میں خزانوں کا متلاشی رہنا چاہئے لہذا ان میں اسرار و نصائح کو ڈھونڈھنا چاہئے ضرور ملیں گے وہ کہانی یہ ہے کہ ایک بہت بڑا شہر تھا مگر مقدار میں سکورہ سے زیادہ نہ تھا وہ بہت بڑا اور بہت لمبا چوڑا تھا اور بہت گنجان اور پیاز کے چھلکوں کی طرح اوپر تلے بسا ہوا تھا اور آدمیوں کی یہ کثرت کہ دس شہروں کے آدمی اسمیں مجتمع تھے لیکن گنتی میں صرف تین نحوس تھے اور اُسکے اندر مختلف قسم کی مخلوق تھی ایک سب کو شمار کیجئے تو تین بیہودے اور پکی پکائی کے کھانیوالے تھے اب مولانا بر سبیل اعتبار فرماتے ہیں کہ اگر ہزاروں آدمی ہوں اور انکی جان طالب حق نہو تو فی الحقیقت وہ آدھے آدمی کے برابر بھی نہیں ہیں یہ جملہ معترضہ بیان فرماکر پھر قصہ شروع کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ ایک تو اُن میں تیز نظر اور اندھا تھا

ہ قولہ زفاف جمع زفّہ بروزن ظلّہ بمعنی زمرہ و گروہ کذا فی القاموس ۱۲ منہ

جو کہ سلیمان یعنی دیکھنے کے لائق چیز کو دیکھتا تھا اور چیونٹی کا پاؤں یعنی نہ دیکھنے کے لائق چیز ین دیکھتا تھا دوسرا بہت سننے والا اور بہرا تھا اسلئے گو یا کہ وہ ایک خزانہ تھا جسمیں جو برابر بھی سونا نہ تھا۔ تیسرا ننگا اور طول سے دوڑانے والا تھا لیکن دامن اُسکے بہت بڑے بڑے تھے ان میں جو اندھا تھا اُسنے کہا کہ کچھ لوگ آرہے ہیں اور میں دیکھتا ہوں کہ کون لوگ ہیں اور کتنے ہیں اور جو بہرا تھا اُسنے کہا کہ میں اُنکی آواز سنتا ہوں کہ وہ زور زور اور چپکے چپکے کیا باتیں کرتے ہیں اور جو ننگا تھا اُسنے کہا کہ مجھے اسکا خطرہ ہے کہ یہ میرا دامن دراز نہ کاٹ لیں اندھے نے کہا لو وہ تو قریب ہی آگئے ارے اُٹھو اور بھاگو ایسا نہ ہو کہ لوگ ہمیں ضرر پہنچائیں اور قید کرلیں۔ بہرے نے کہا کہ ارے ہاں اُنکی آواز تو نزدیک ہوتی جاتی ہے یارو ہوشیار رہو جاؤ۔ ننگے نے کہا بہت ٹھیک ہے یہ لوگ حرص سے میرا دامن کاٹنا چاہتے ہیں اور مجھے اُنکی طرف سے کھٹکا ہے تم ضرور بھاگو غرضکہ وہ بھاگے اور شہر کو چھوڑ کر باہر نکلے اور بھاگتے بھاگتے ایک گانوں میں پہونچے۔ اس گانوں میں اُنکو ایک بہت موٹا تازہ مرغ ملا لیکن وہ بہت ہی دُبلا تھا اور اُس میں ذرہ برابر گوشت نہ تھا اندھے نے اُسے دیکھا بہرے نے اُسکی آواز سنی اور ننگے نے پکڑ کر دامن میں رکھ لیا۔ مرغ مرا ہوا اور سوکھا ہوا تھا اور کووں کی چونچوں سے ہڈیاں بھی سوکھکر سوت کے تاروں کی مانند ہو گئی تھیں اُسکے بعد اُنہوں نے ہانڈی تلاش کی تو ایک ہانڈی ملی جسکے نہ سر تھا نہ پیندی وہ جلدی سے دوڑے اور اُسے لے لیا اور فوراً ہانڈی کو چولہے پر رکھدیا اور اُس موٹے تازہ مرغ کو اُس میں اپنی ہوشیاری سے رکھدیا آگ اُسکے نیچے اتنی جلائی کہ ہڈیاں گل گئیں اور گوشت کو آنچ بھی نہ لگی اسکے بعد اُنہوں نے اسکو کھایا جسطرح شیر شکار کو کھاتا ہے اور اُسکو کھا کر ہر ایک ہاتھی کی طرح مگن ہو گیا اور اسکو کھا کر تینوں خوب موٹے تازے ہو گئے اور ایسے معلوم ہوتے تھے جیسے تین بڑے مست تازے ہاتھی بلکہ اتنے موٹے ہوئے کہ ایک ایک ان میں عالم میں نہ سماتا تھا لیکن باوجود اسقدر فربہ اور عظیم الجثہ ہونے کے کواڑ کی درزوں سے فوراً نکلجاتے تھے۔ اب مولانا فرماتے ہیں کہ اسمیں اشارہ ہے اس طرف کہ راہ موت ایک غیر محسوس راستہ ہے اور اپنی مکاتی نہ ہونے کے سبب

دکھلائی بھی نہیں دیتا۔ لیکن مخلوق باوجودیکہ اتنی موٹی تازی ہے کہ اُسمیں کا ہر ایک فرد عالم میں نہیں سماتا کیونکہ وہ چاہتا ہے کہ سارا عالم میرا ہو اور اگر اُس سے بھی زیادہ ہو تو وہ بھی میں ہی لیلوں مگر اُسکے اس مخفی شگاف در سے یکے بعد دیگرے قافلے کے قافلے نکلے چلے جارہے ہیں۔ اس دروازہ کا اسقدر باریک اور غیر محسوس شگاف ہیکہ اگر تم تلاش بھی کرو تو بھی دکھلائی نہ دے مگر باایں ہمہ اسمیں کو اتنی جماعتیں کثیرہ نکل رہی ہیں مولانا نے یہانتک کہانی اور ضمناً اُسکے بعض حقائق بیان کر دئے آگے اُسکی شرح کرتے ہیں اور فرماتے ہیں

شرح شبیری

قصہ اہل سبا کا اور اُنکی حماقت کا اور اُنکے اندر انبیاؑ کی پند و نصیحت کا مؤثر نہ ہونا

یادم آمد قصۂ اہل سبا کز دم احمق صبا شاں شد وبا

یعنی مجھے اہل سبا کا قصہ یاد آیا کہ دم احمق کی وجہ سے اُنکو صبا وبا ہو گئی تھی مطلب یہ کہ اُنکے جو افعال احمقی کے تھے اُسکی وجہ سے وہ عیش و عشرت اُنکے لئے وبا ہو گئی۔

آں سبا ماند بشہرے بس کلاں در فسانہ بشنوی از کودکاں

یعنی وہ سبا ایک (اُس) شہر کی مشابہ ہے (جو کہ) بہت بڑا تھا اور کہانی میں تم بچوں سے سنو گے۔ مولانا کے زمانہ میں معلوم ہوتا ہے کہ بچوں میں ایک کہانی مشہور تھی جسکو مولانا آگے خود بیان فرماوینگے۔ خلاصہ اُس کا یہ ہے کہ بچے بیان کیا کرتے تھے کہ ایک بہت بڑا شہر تھا لیکن اتنا ایک کوزہ کی برابر اور اُس میں بہت بڑی آبادی تھی مگر تھے صرف تین ہی آدمی۔ اُن میں سے ایک بہرا تھا مگر سنتا خوب تھا ایک اندھا تھا اور دیکھتا خوب تھا اور ایک برہنہ تھا مگر اُسکے دامن بڑے لمبے لمبے تھے تو یہ ایک اجتماع ضدین معلوم ہوتا ہے مولانا اسکی حقیقت بیان فرماوینگے کہ اُنکے اندر دنیا کی آنکھ تھی۔ دنیا ہی کیلئے کان تھے دنیا ہی کیلئے وہ لباس تھا۔ دین اور خدا کیلئے چونکہ کچھ نہ تھا لہذا گویا کہ نقد دم تھا تو مثلاً

وہ اندھا دین سے اندھا تھا اور تیز بیں معاملات دنیاوی میں تھا۔ علیٰ ہذا اُن میں صورت تو تھی مگر معنے نہ تھے۔ اسی طرح مولانا فرماتے ہیں کہ اہل سبا بھی اُسی شہر کے مطابق تھے کہ صورت تو بہت ہی عمدہ مگر معنی خاک بھی نہیں اور دین کے نام اُنکے اندر کچھ بھی نہیں تھا آگے مولانا اُس قصہ مشہور کو بعد دو تین شعروں کے بیان کرینگے اُسکے بعد اُسکی شرح فرماویں گے اور اس سے نتیجہ نکالیں گے دور تک یہی مضمون ہے اب مولانا فرماتے ہیں کہ۔

کودکاں افسانہ ہا می آورند ۔۔۔ درج در افسانہ شاں بس سر و پند

یعنی بچے بہت سے افسانے بیان کرتے ہیں اور اُنکے افسانوں میں بہت سے اسرار اور نصائح درج ہوتے ہیں۔ مطلب یہ کہ ان کہانیوں کو بھی بیکار مت سمجھو بلکہ ان سے بھی نتیجہ نکال لو کہ اُن میں بھی معنے ہوتے ہیں یہ فضول نہیں ہوتے جیسا کہ دیکھو بچوں کی اس کہانی کا نتیجہ نکل آیا۔

ہزلہا گویند در افسانہ ہا ۔۔۔ گنج می جو در ہمہ ویرانہ ہا

یعنی یہ لوگ کہانیوں میں ہزل کہتے ہیں تو تم تمام ویرانوں میں خزانہ کو تلاش کرو۔ اب آگے اُس قصہ مشہور کو بیان فرماتے ہیں کہ۔

بود شہری بس عظیم و مہ ولے ۔۔۔ قدر او چون قدر سکرہ بیش نے

یعنی ایک شہر بہت عظیم الشان تھا لیکن اُسکی قدر ایک کوزہ سے زائد نہ تھی۔

بس عظیم و بس فراخ و بس دراز ۔۔۔ سخت زفت و زفت اندازہ پیاز

یعنی بہت بڑا اور بہت فراخ اور بہت دراز اور بہت ہی عظیم الشان اور برابر ایک پیاز کے۔

مردم دہ شہر مجموع اندرو ۔۔۔ لیک جملہ سہ تن ناشستہ رو

یعنی آدمی گاؤں اور شہر کے اُس میں جمع تھے لیکن سارے تین تن تھے اور وہ بھی ناشستہ رو تھے۔ مطلب یہ کہ اس شہر کے اندر آدمی گاؤں اور شہر کے موجود تھے مگر وہ سارے تین قسم کے آدمی تھے۔

اندرو نوع خلائق بے شمار ۔۔۔ لیک آن جملہ سہ خام پختہ کار

یعنی اُسکے اندر نوع خلائق بیشمار تھی لیکن وہ سارے تین خام پختہ کار تھے یعنی باوجودیکہ نوع

خلائق بیشمار تھی لیکن پھر بھی یہ تین کم ہمت ہی تھے۔

جان ناکردہ بجانان تاختن　　گر ہزار انست باشد نیم تن

یعنی جان کو جانان کیساتھ تاختہ نہ کئے ہوئے تو اگر ہزار ہوں تو وہ نیم تن ہے مطلب یہ کہ جسکو خدا سے تعلق نہ ہو وہ اگر ہزار بھی ہوں تو حقیقت کے اعتبار سے کچھ بھی نہیں ہیں اسی طرح اگرچہ اس شہر میں لاکھوں رہتے تھے مگر کچھ بھی نہ تھی اسلئے کہ خدا سے انکو تعلق نہ تھا اور وہ لاکھوں ایسے تھے جیسے کہ صرف تین آدمی ہوں۔

آں یکے بس دور بیں و دیدہ کور　　از سلیماں کور و دیدہ پائے مور

یعنی وہ ایک بہت دور بیں اور دیدہ کور (یعنی) سلیمان سے کور اور پائے مور کو دیکھے ہوئے۔ مطلب یہ کہ دنیا میں دور بیں تھا مگر دین کے اعتبار سے اندھا تھا۔

آں دگر بس تیز گوش و سخت کر　　گنج و در وے نیست یکجو سنگ زر

یعنی وہ دوسرا بہت تیز گوش اور بہت سخت بہرا ایک خزانہ تھا اور اسکے اندر ایک جو کی برابر سونا نہ تھا یعنی دنیا کے اعتبار سے تو بہت کچھ تھا مگر اصل میں دیکھو تو دین میں بہرا

واں دگر عور و برہنہ لاشہ باز　　لیک دامن ہائے جامہ او دراز

یعنی اور وہ دوسرا ننگا برہنہ مفلس لیکن اسکے کپڑے کو دامن بہت دراز تھے یعنی دین کے اعتبار سے برہنہ تھا مگر ظاہری دامن بہت دراز تھے اب اُن میں باتیں شروع ہوئیں۔

گفت کور اینک گروہے میرسند　　من ہمی بینم کہ چہ قوم اند و چند

یعنی اندھا بولا کہ یہ ایک گروہ پہونچتے ہیں اور میں انکو دیکھ رہا ہوں کہ کون قوم ہے اور کتنے ہیں

گفت کر آرے شنیدم بانگشاں　　کہ چہ میگویند پیدا و نہاں

یعنی بہرے نے کہا کہ میں انکی آواز سن رہا ہوں وہ جو کچھ کہ ظاہر یا پوشیدہ کہہ رہے ہیں۔

آں برہنہ گفت ترساں زاں منم　　کہ ببرم از درازی دامنم

یعنی وہ برہنہ بولا کہ میں اس سے ڈر رہا ہوں کہ میرے دامن کی لمبائی نہ کاٹ لیں۔

کور گفتا اینک نزدیک آمدند　　خیز بگریزیم پیش از زخم و بند

یعنی اندھے نے کہا کہ یہ نزدیک آگئے اٹھو ہم زخم اور بند سے پہلے بھاگ جائیں۔

کر ہمی گوید کہ آرے مشغلہ　　می شود نزدیک تر یاراں بلہ

یعنی بہرا کہتا تھا کہ ہاں یہ شغلہ تو اے یارو بہت نزدیک ہوتا جاتا ہے خبردار رہو۔

آں برہنہ گفت آوہ دامنم　　از طمع برند و من ناآمنم

یعنی اُس برہنہ نے کہا کہ آہ میرے دامن کو طمع کی وجہ سے کاٹ لیں گے اور میں بیخوف نہیں ہوں

شہر را ہشتند بیروں آمدند　　وز ہزیمت در دہِ اندر شدند

یعنی اُنہوں نے شہر کو چھوڑ دیا اور باہر آگئے اور بھاگنے کی وجہ سے ایک گاؤں میں چلے گئے

اندراں دہ مرغ فربہ یافتند　　لیک ذرہ گوشت بروی نی نشدند

یعنی اُس گاؤں میں اُنہوں نے فربہ مرغ پائے لیکن اُنپر ذرہ برابر گوشت تھا اور بہت دُبلا تھا

کوردید و آں کر آوازش شنید　　عور بگرفت و بدامن در کشید

یعنی اندھے نے تو دیکھا اور اُس بہرے نے اُسکی آواز سنی اور ننگے نے پکڑ کر دامن میں رکھ لیا

مرغ مردہ خشک در زخم کلاغ　　استخوانہا زار گشتہ چوں نباغ

یعنی مرغ مُردہ اور زخم کلاغ میں خشک اور ہڈیاں تاگے کی طرح پتلی ہوگئی تھیں۔

پس طلب کردند دیگے یافتند　　بے سرو بے بن سبک بشتافتند

یعنی پھر اُنہوں نے تلاش کیا تو ایک دیگچی پائی بے سر اور بے تلی کے تو تیز دوڑے۔

بر سر آتش نہادند آں سہ تن　　مرغ فربہ را بدیگ اندر زفن

یعنی اُن تینوں نے اُس مرغ فربہ کو دیگچی میں آگ پر فن سے رکھدیا۔

آتشش کردند چنداں اے پسر　　کاستخواں شد پختہ لحمش بیخبر

یعنی اے صاحبزادے اُنکیا اتنی آگ کی کہ ہڈیاں تو پک گئیں اور اس کا لحم بے خبر تھا۔

زاں ہمی خوردند چوں از صید شیر　　ہر یکے از خوردنش چوں پیل سیر

یعنی اُن سب نے اُس میں سے ایسا کھایا جیسے کہ صید سے شیر اور ہر ایک اُسکے کھانے سے مانند ہاتھی کے سیر تھا۔

ہر سہ زاں خوردند بس فربہ شدند　　چوں سہ پیل بس بزرگ و مہ شدند

یعنی تینوں نے اُس میں سے کھایا تو موٹے ہوگئے اور بڑے عظیم الشان ہاتھی کی طرح ہوگئے۔

آنچناں کز فربہی ہر یک جواں　　در نگنجندے ز زفتی در جہاں

یعنی ایسے (موٹے ہوئے) کہ موٹاپے کی وجہ سے ہر ایک جوان جہان میں نہ سماتا تھا۔

باچنیں گبزی و ہفت اندام زفت　　از شگاف در بروں جستند تفت

یعنی باوجود اتنے موٹاپے اور تن عظیم کے دروازہ کی دراز میں سے جلدی سے نکل گئے۔

مطلب یہ ہے کہ اہل دنیا جو دین کے اعتبار سے کور و کر اور برہنہ ہوتے ہیں اُنکی یہ حالت ہوتی ہے کہ جو شے ڈرنے کی نہیں ہے اُس سے خائف ہوتی ہیں جیسے کہ یہ لوگ اُس لشکر سے ڈرے تھے اور کہا تھا کہ کہیں کوئی دامن نہ کاٹ لے وغیرہ وغیرہ۔ پھر جب اہل دنیا ضرر سے بچنے کیلئے طمع نفع میں پھنستے ہیں تو ظاہر میں تو اُنکو نفع ہوتا ہے اور وہ اُسکو نفع خیال کرتے ہیں مگر حقیقت میں وہ نفع ہی نہیں ہوتا جیسا کہ انکو مُرغ ملے مگر کمزور اور بے گوشت کے پھر جو اہل دنیا اس نفع سے متمتع ہوتی ہیں تو وہ بھی صرف صورت ہوتی ہے واقع میں کچھ بھی نہیں ہوتا جیسے کہ ان لوگوں نے اپنے زعم میں کھا لیا مگر اصل میں وہ کچھ بھی نہ تھا پھر اہل دنیا اپنے زعم میں بہت عظیم الشان ہو جاتے ہیں جیسے کہ یہ لوگ کھا کر خوب موٹے ہوئے تھے مگر موت کے ایک ذرا سے دراز میں سے نکلجاتے ہیں۔ آگے یہی شرح خود فرماتے ہیں کہ

راہ مرگ خلق ناپیدا رہے است　　در نظر ناید کہ آں بیجا رہ است

یعنی مخلوق کی موت کی راہ ایک ناپیدا راہ ہے کہ نظر میں نہیں آتی اسلئے کہ بیجا راہ ہے۔ یعنی موت کا راستہ ایک ایسا پوشیدہ اور ذرا سا ہے کہ آجتک کسی کو نظر نہیں آیا۔

نک پیاپے کاروانہا مقتفی　　زیں شگاف در کہ ہست آں مختفی

یعنی یہ آگے پیچھے قافلے آنیوالے جانیوالے اس شگاف در سے (جا رہے ہیں) جو کہ مخفی ہے

بر درار جوئی نیابی آں شگاف　　سخت ناپیدا و در چندیں زفاف

یعنی اگر دروازہ پھر کر تلاش کرو تو شگاف نہ پاؤ گے اور وہ سخت ناپیدا ہے اور اس میں اسقدر دوڑ دھوپ ہے آگے فرماتے ہیں کہ۔

شرح حبیبی

اے ضیاء الحق حسام الدین عیاں | بازباید گفت شرح این بیاں
اے پسر ہر مختصر افسانہ نیست | آشنا را روئے در بیگانہ نیست
کر امل را داں کہ مرگ ما شنید | مرگ خود نہ شنید و نقل خود ندید
حرص نابیناست بیند مو بمو | عیب خلقاں و بگوید فاش او
عیب خود یک ذرہ چشم کور او | می نہ بیند گرچہ ہست او عیب جو
عور می ترسد کہ دامانش برند | دامن مرد برہنہ کے درند
مرد دنیا مفلس ست او ترسناک | ہیچ او را نیست واز دزدانش باک
او برہنہ آمد و عریاں رود | وز غم دزدش جگر خوں می شود
وقت مرگش کہ بود صد نوحہ پیش | خندہ آید جانش را زیں ترس خویش
آں زماں داند غنی کش نیست زر | ہم ذکی داند کہ بود او بے ہنر
چوں کنار کودکے پر از سفال | کو براں لرزاں بود چوں رب مال
گر ستانی پارۂ گریاں شود | پارہ گر بازش دہی خنداں بود
چوں نباشد طفل را دانش دثار | گریہ و خندش ندارد اعتبار
محتشم چوں عاریت را ملک دید | پس براں مال دروغیں می طپید
خواب می بیند کہ او را ہست مال | ترسد از دزدے کہ بربابد جوال
چوں ز خوابش برکشاند گوش کش | پس ز ترس خویش تسخر آیدش
ہمچنیں ترسانی ایں عالماں | کہ بود شاں عقل و علم ایں جہاں

از پے ایں عاقلاں ذو فنون ‏— گفت ایزد در نبی لا یعلمون

ہر کسے ترساں ز دزدی کسے ‏— خویشتن را علم پندارد بسے

گوید او کہ روزگارم می برند ‏— خود نداند روزگار سودمند

گوید از کارم برآوردند خلق ‏— غرق بیکاریست جانش تا بحلق

عور ترساں کہ منم دامن کشاں ‏— چوں رہانم دامن از چنگال شاں

صد ہزاراں فضل داند در علوم ‏— جاں خود را می نداند آں ظلوم

داند او خاصیت ہر جوہرے ‏— در میاں جوہر خود چوں خرے

کہ ہمی دانم یجوز و لا یجوز ‏— خود ندانی تو یجوزی یا عجوز

ایں روا واں ناروا دانی ولیک ‏— خود روا یا ناروائی بیں تو نیک

قیمت ہر کار می دانی کہ چیست ‏— قیمت خود را ندانی احمقیست

سعدہا و نحسہا دانستۂ ‏— ننگری سعدی تو یا ناشستۂ

جاں جملہ علمہا ایں است و ایں ‏— کہ بدانی من کیم در یوم دیں

آں اصول دیں بدانستی ولیک ‏— بنگر اندر اصل خود گو ہست نیک

از اصولیت اصول خویش بہ ‏— کہ بدانی اصل خود اے مرد مہ

ای ضیاء الحق حسام الدین کہانی تو ختم ہوئی اب اُسکی صاف صاف شرح کرنی چاہیئے اور اسکی ضروری ضروری اسرار بیان کرنے چاہئیں۔ کیونکہ ہمنے محض کہانی ہونے کی حیثیت سے نہیں بیان کیا۔ اسلئے کہ ہر مختصر شے کہانی نہیں ہوتی۔ اور عارف اُسکو افسانہ ہونے کی حیثیت سے نہیں دیکھتا بلکہ اُسکے متضمن اسرار ہونے کے لحاظ سے اُسکو دیکھتا ہے۔ شرح اس کہانی کی یہ ہے

کہاس ہیں جو بہت سننے والا بہرا شخص ہے وہ امل اور امید ہے کیونکہ امل دوسروں کی موت تو خوب سنتی ہے کہ آج فلاں مر گیا اور کل فلاں مرا تھا لیکن وہ اپنی موت کی خبر نہیں سنتی اور اس خیال سے اپنا منتقل ہونا نہیں دیکھتی یعنی صاحب امل کو یہی خیال ہوتا ہے کہ میں کبھی نہ مروں گا اسی لئے وہ کبھی دنیا کے جھگڑوں سے فارغ ہو کر موت کیلئے تیاری نہیں کرتا اور اس قصہ میں جو تیز نظر اندھا ہے وہ حرص ہے کہ یہ سب کے عیب دیکھتی اور بیان کرتی ہے مگر باوجودیکہ وہ عیب بینی میں منہمک ہے اسکی پھوٹی ہوئی آنکھ اپنا عیب ذرا نہیں دیکھتی اس قصہ میں ایک ننگا اپنے دامن کے کاٹے جانے سے ڈرتا ہے اور اتنا نہیں سمجھتا کہ بھلا ننگے کے پاس دامن ہوتا ہی کہاں ہے جسے کوئی کاٹے یا پھاڑے اسکی تاویل یہ ہے کہ دنیادار مفلس ہے۔ اول تو اسکے پاس اصلی مال ہی نہیں بلکہ خیالی ہے پھر وہ خیالی بھی اس کی ملک نہیں مگر وہ ڈرتا ہے کہ کہیں چوری نہ ہو جائے اور باوجودیکہ اس کا کچھ بھی نہیں لیکن اسکو چوروں کا کھٹکا ہے وہ تو ننگا ہی آیا تھا اور ننگا ہی چلا جاویگا اور حالت اسکی یہ ہے کہ چور کی فکر میں اس کا جگر خون ہوا جاتا ہے مرنے کے وقت جبکہ وہ اپنی تہیدستی پر ہزاروں آہ و فغاں کرتا ہوگا اسکی جان اسکے اس خوف پر ہنسے گی اور کہیگی کہ عجب احمق تھا جو چوری کے اندیشہ میں گھلا جاتا تھا۔ یہی وقت ہے جبکہ دولتمند کو معلوم ہوگا کہ وہ بالکل مفلس ہے اور اسکے پاس کوڑی بھی نہیں اور وہی وقت ہے جبکہ وہیں یہ نہ جانے گا کہ وہ تو کچھ نہ جانتا تھا کیونکہ جو فنون وہ جانتا تھا وہ فنون اسوقت بیکار ہیں گے اور جو ہنر کارآمد ہے وہ اسکو آتا نہ ہوگا اسلئے کہیگا کہ ہم بڑے احمق تھے کہ کام کی باتیں نہ سیکھیں اور فضولیات میں مصروف رہے دنیاوی دولتمندوں کی حالت ایسی ہے جیسے کسی لڑکے نے گود میں ٹھیکرے بھر رکھے ہوں کیونکہ جسطرح یہ لوگ اپنے مال کے ضائع ہونے سے ڈرتے ہیں اسی طرح اس لڑکے کو بھی ان ٹھیکروں کے ضائع ہونیکا خوف ہوتا ہے چنانچہ اگر اسکے پاس سے کوئی ٹھیکرا لیلو تو فوراً رونے لگتا ہے اور کہتا ہے کہ میرا روپیہ لے لیا اور اگر ایک ٹھیکرا اسے دیدو تو خوش ہوتا ہے اور سمجھتا ہے کہ مجھے روپیہ ملگیا۔ لیکن چونکہ لڑکے کو عقل نہیں ہوتی اسلئے نہ ٹھیکرے کے جاتے رہنے پر اس کا رونا کوئی چیز ہے اور

نہ اسکے ملجانے پر اُس کا ہنسنا کوئی شے ہے۔ بس یہی حالت دنیاوی دولت اور دولتمندوں کی ہے۔ بس ایک غلطی تو دولتمندوں کی یہ ہے کہ وہ اُسکو دولت سمجھتے ہیں۔ دوسری غلطی یہ ہے کہ وہ اُسکے پاس عاریت ہے لیکن وہ اُسکو اپنی ملک سمجھتے ہیں پس چونکہ یہ لوگ اس فرضی مال کو باوجود اُسکے عاریت ہونیکے اپنی ملک سمجھتے ہیں اسی لئے اُسکے لئے بیقرار ہوتے ہیں۔ اُنکی حالت بالکل ایسی ہے جیسے کوئی شخص خواب دیکھ رہا ہو کہ میرے پاس مال ہے اور ڈر رہا ہو کہ مبادا کوئی چور میری خورجین اُڑا لیجاوے۔ لیکن جبکہ کوئی شخص اُس کان پکڑ کر اُٹھا کر بٹھلا دیتا ہے تو وہ خود اپنے اوپر ہنستا ہے اور کہتا ہے کہ میں بھی عجب چیز ہوں کہ خواہ مخواہ پریشان ہو رہا تھا۔ بس یوں ہی یہ دولتمند بھی اسوقت خواب میں اپنے کو دولتمند جانتے اور اس دولت کے ضائع ہونے سے ڈرتے ہیں۔ لیکن جب موت انکو بیدار کریگی اُسوقت اُنکو خود اپنے اوپر ہنسی آویگی اور جیسے دولتمندوں کی خوف کی حالت ہے وہی حالت اُن عالموں کی خوف کی ہے جو کہ علم وعقل دنیاوی رکھتے ہیں کیونکہ واقع میں یہ لوگ عقل وعلم کچھ بھی نہیں رکھتے چنانچہ قرآن خود ہمارے اس دعوے کی تصدیق کرتا ہے اور وہ ایسے ہنرمند عاقلوں کو جاہل بتلاتا ہے اور کہتا ہے اولئک کالانعام بل ھم اضل وغیرہ مگر با ایں ہمہ وہ اپنے کو بہت بڑا عالم جانتا ہے اور ہر شخص سے ڈرتا ہے کہ کہیں میرا علم نہ چرا لے یعنی ضائع نہ کر دے چنانچہ وہ کہتا ہے کہ لوگ میرا وقت برباد کرتے ہیں حالانکہ اُسکے پاس نافع وقت ہی نہیں۔ نیز وہ کہتا ہے کہ لوگ مجھے کام نہیں کرنے دیتے حالانکہ وہ خود سر سے پاؤں تک بیکاری میں غرق ہے یہ ایک ننگا ہے جو کہتا ہے کہ میرے دامن بڑے بڑے اور زمین پر گھسٹتے چلتے ہیں اور سوچتا ہے کہ میں کیسے اپنا دامن لوگوں کے ہاتھوں سے چھڑاؤں۔ یہ شخص اپنے کو علوم کا بہت بڑا ماہر جانتا ہے لیکن واقع میں وہ ظالم اتنا جاہل ہے کہ اُسے اپنی بھی خبر نہیں وہ ہر جوہر کی خاصیت جانتا ہے لیکن اپنے جوہر کی حالت نہیں بیان کر سکتا۔ وہ دعوی کرتا ہے کہ میں یجوز ولا یجوز جانتا ہوں لیکن اس سے کوئی کہے کہ احمق تو اپنی نسبت تو یہ جانتا ہی نہیں کہ تو یجوز کہلانے کا مستحق ہے یا عجوز کہلانے کا یعنی تو یہ تو جانتا ہی نہیں کہ اس عقبہ سے پار ہو جانیوالا ہے یا بڑھیا کی طرح عاجز ہے

(ف- واضح ہو کہ یہ معنی تو اسوقت ہیں جبکہ نسخہ "خود ندانی تو بجوزی یا عجوزہ" ہو اور اگر نسخہ "خود ندانی تو کہ حوری یا عجوزہ" ہو جیساکہ حضرت مجدد الملۃ والدین عم فیضہم نے فرمایا کہ مجھے تو یوں ہی یاد پڑتا ہے تو اسوقت معنی یہ ہونگے کہ تو اپنی نسبت تو جانتا ہی نہیں کہ تو جمیل الباطن ہے یا قبیح الباطن فتنبہ) تو یہ دوسری چیزوں کی نسبت تو جائز یا ناجائز ہونا جانتا ہے لیکن تجھے اپنی نسبت بھی تو جاننا چاہئے کہ تو بھی رونق یا دحق ہے یا نہیں تو ہر مال کی قیمت تو جانتا ہے مگر افسوس کہ تجھے اپنی قدر و قیمت معلوم نہیں کہ اعمالنا تو کتنا بیش قیمت ہیرا ہے اور اب تو نے اپنی کیا گت بنالی ہے لہذا یہ علم تیرا علم نہیں بلکہ سراسر حماقت ہے تو دوسری اشیاء کی سعادت و نحوست سے تو خوب واقف ہے مگر تجھے اپنا علم نہیں کہ تو سعد ہے یا نحس۔ حالانکہ تمام علوم کی روح تو یہ ہے کہ تو اپنی نسبت یہ جان لے کہ قیامت میں ہم کیا ہونگے تو نے دین کے اُصول تو جان لئے مگر اب تجھکو اپنی اصل کو بھی دیکھنا چاہئے کہ وہ فطرۃً اچھی ہے مگر تو نے اُسکو بگاڑ دیا ہے (یا یوں کہو کہ تمکو اپنی اصل کو دیکھنا چاہئے کہ وہ کیسی ہے کیونکہ یہ دیکھنا عمدہ بات ہے یا یوں کہو کہ تمکو اپنی اصل کو دیکھنا چاہئے کہ وہ اچھی بھی ہے یا نہیں) تمہارے اُصولی ہونے سے تو یہ بہتر ہے کہ تم اپنی ذات کے اصولی ہو یعنی یہ جانو کہ تمہاری اصل کیا ہے اور اب تم کیا بن رہے ہو۔ خلاصہ یہ کہ اس شعر میں صرف طول امل اور حرص اور اعتراز بمال و کمال ظاہری تین چیزیں تھیں۔

شرح شبیری

اے ضیاء الحق حسام الدین ہاں　　　　باز باید گفت شرح ایں بیاں

یعنی اے ضیاء الحق حسام الدین ہاں اس بیان کی شرح پھر بیان کرنی چاہئے

اے پسر ہر مختصر افسانہ نیست　　　　آشنا را روئے در بیگانہ نیست

یعنی اے لڑکے ہر مختصر افسانہ ہی نہیں ہے اور آشنا کیلئے رو بیگانہ میں نہیں ہے مطلب یہ کہ ہر کہانی کو صرف کہانی ہی مت سمجھ بلکہ اُس سے نتائج نکالو گے اس قصہ کی شرح بیان فرماتے ہیں۔

شرح اُس اندھے تیز بیں کی اور اُس بہری تیز سُننے والیکی اور اُس برہنہ دراز دامن کی

کر امل را داں کہ مرگ ما شنید　　مرگ خود نشنید و نقل خود ندید

یعنی بہرا تو امل کو جانو کہ وہ ہماری موت کو سنتی ہے اور اپنی موت اور اپنی منتقل ہونیکو نہیں دیکھتی

حرص نابیناست بیند مو بمو　　عیب خلقاں او بگوید کو بکو

یعنی حرص نابینا ہے کہ وہ مو بمو مخلوق کے عیب دیکھتی ہے اور کوچہ بکوچہ کہتی ہے

عیب خود یک ذرہ چشم کور او　　می نہ بیند گرچہ ہست او عیب جو

یعنی اپنے کو اسکی اندھی آنکھ ذرہ برابر بھی نہیں دیکھتی اگرچہ وہ عیب جو ہے۔

عور می ترسد کہ دامانش برند　　دامن مرد برہنہ کے درند

یعنی ننگے صاحب فرماتے ہیں کہ اُسکے دامن کو لیجاویں گے ارے ننگوں کے دامن کو کب پھاڑتے ہیں مطلب یہ کہ اُسکے پاس جب دامن ہی نہیں تو کوئی پھاڑے ہی گا کیا۔ مگر انکی ڈر کے مارے پھونک نکلی جاتی ہے۔

مرد دنیا مفلس است و ترسناک　　ہیچ او را نیست از دزدانش باک

یعنی دنیا دار مفلس ہے اور (بھر) خوفناک ہے اُسکو چوروں سے کیا خوف اسلئے کہ

او برہنہ آمد و عریاں رود　　وز غم دزدش جگر خوں میشود

یعنی وہ برہنہ آیا اور عریاں ہی جاویگا اور چوروں کے غم سے جگر خون ہوا جاتا ہے۔

وقت مرگش کہ بود صد نوحہ پیش　　خندہ آید جانش را زیں ترس خویش

یعنی اُس کی موت کے وقت کہ پہلے سے سو نوحے ہوتے ہیں اُس کی جان کو اس اپنی خوف سے ہنسی آتی ہے۔

آں زماں داند غنی کش نیست زر　　ہم ذکی داند کہ بود او بے ہنر

یعنی اُسوقت غنی جان لیتا ہے کہ اُسکے پاس زر نہیں ہے اور ذکی بھی جان لیتا ہے کہ وہ بے ہنر تھا۔ آگے اہل دنیا کی ایک مثال فرماتے ہیں کہ۔

چوں کنار کودکے پُر از سفال　　　کو براں لرزاں بود چوں با مال

یعنی بچوں کی گود کی طرح کہ وہ ٹھیکرے سے بھری ہوتی ہے اور وہ (بچہ) اُسپر مال والوں کی طرح ڈرتا ہے (کہ کوئی ان ٹھیکروں کو چُرا نہ لے۔

گر ستانی پارۂ گریاں شود　　　پارہ گر باز ش دہی خنداں شود

یعنی اگر تم ایک ٹکڑا لیلو تو رونے لگے اور اگر پھر اُس ٹکڑے کو دیدو تو خوش ہوجاوے

چوں نباشد طفل را دانش دثار　　　گریہ و خندش ندارد اعتبار

یعنی جبکہ بچہ کو عقل کامل نہیں ہوتی تو اُس کا رونا اور ہنسنا معتبر نہیں ہے۔

محتشم چوں عاریت را ملک دید　　　پس براں مال دروغیں می طپید

یعنی محتشم نے جب عاریت کو ملک سمجھا تو اُس جھوٹے مال پر تڑپنا شروع کردیا۔

خواب می بیند کہ او را ہست مال　　　ترسد از دزدے کہ بربایدجوال

یعنی خواب دیکھتا ہی کہ اُس کا مال ہے اور چوری سے ڈرتا ہے کہ کوئی گون اُچک لیگا۔

چوں ز خوابش می کشاند گوش کش　　　پس ز ترس خویش تسخر آیدش

یعنی جب خواب سے اُسکو کان کھینچنے والا اُٹھاویگا تو اسکو اپنے خوف پر ہنسی آویگی۔

ہمچنیں ترسانے ایں عالماں　　　کہ بود شاں عقل و علم ایں جہاں

یعنی اسی طرح ان عالموں کا خوف ہی جنکو کہ اس جہان کا عقل و علم ہوتا ہے۔

از پئے ایں عاقلاں ذو فنوں　　　گفت ایزد در نبی لا یعلمون

یعنی ایسی ہی عاقلان ذوفنون کیواسطے حق تعالیٰ نے قرآن شریف میں لا یعلمون فرمایا ہے

ہر کسے ترساں ز دزدی کسے　　　خویشتن را علم پندارد بسے

یعنی ہر شخص دوسرے کی چوری سے ڈرتا ہے اور اپنے لئے علم عظیم جانتا ہے۔

گوید او کہ روزگارم می برند　　　خود ندارد روزگاری سودمند

یعنی کہتا ہے کہ میرا وقت ضائع کرتے ہیں اور خود کوئی وقت نافع نہیں رکھتا۔

گوید از کارم بر آوردند خلق　　　غرق بیکاریست جانش تا بحلق

یعنی کہتا ہے کہ لوگوں نے مجھے کام سے رکھا (حالانکہ) اُسکی جان حلق تک بیکاری میں غرق ہے؛

عور ترساں کہ منم دامن کشاں — چوں رہانم دامن از چنگال شاں

یعنی ننگا ڈرتا ہے کہ میں دامن کش ہوں تو اُنکے چنگل سے دامن کس طرح چھڑاؤں

صد ہزاراں فضل داند از علوم — جان خود را می نداند آں ظلوم

یعنی لاکھوں فضل علوم جانتا ہے اور وہ ظالم اپنی حقیقت کو نہیں جانتا۔

داند او خاصیتے ہر جوہرے — در میاں جوہر خود چوں خرے

یعنی ہر ذات کی خاصیت کو جانتا ہے اور اپنی ذات کے جاننے میں گدھے کی طرح ہے اور کہتا ہے۔

کہ ہمی دانم یجوز و لا یجوز — خود ندانی کہ تو حوری یا عجوز

یعنی کہ میں یجوز ولا یجوز سب جانتا ہوں اور خود تو یہ نہیں جانتا کہ تو حور ہے یا بڑھیا۔ یعنی اپنی تو خبر نہیں اور ساری دنیا کی خبر لیتا پھرتا ہے ایک نسخہ ہے " خود ندانی تو یجوزی یا عجوز " اسکے معنے یہ ہونگے کہ تجھے خبر نہیں کہ تو اس قابل ہے کہ تجھ پر اطلاق حسن جائز ہو یا بڑھیا ہو مگر اسمیں تکلف ہے نسخہ جو متن میں لکھا گیا ہے وہ ہی بے تکلف معلوم ہوتا ہے ؕ

ایں روا واں ناروا دانی ولیک — خود روا یا ناروائی بیں تو نیک

یعنی یہ روا ہے اور وہ ناروا ہے اسکو تو جانتا ہے لیکن تو خود (سکہ) چلنے والا ہے یا بے چلنے والا ہے اسکو اچھی طرح دیکھ یعنی یہ دیکھ قیامت میں تو سکۂ روا ہے یا ناروا ہے اگر اس روا ناروا کو دیکھ لیا تو کام بن گیا ورنہ قسمت کو روؤ گے ؕ

قیمت ہر کالہ می دانی کہ چیست — قیمت خود را ندانے احمقیست

یعنی ہر اسباب کی قیمت کو جانتا ہے کہ کیا ہے اور اپنی قیمت کو نہیں جانتا تو احمق ہے۔

سعدہا و نحسہا دانستۂ — ننگری سعدی تو یا ناشستۂ

یعنی سعد و نحس کو تو تو جانتا ہے اور یہ نہیں دیکھتا کہ تو سعد ہے یا ناشستہ ہے ؕ

جاں جملہ علمہا این است ایں — کہ بدانی من کیم در یوم دیں

یعنی تمام علوم کی جان یہی ہے یہی کہ تم یہ جان لو کہ قیامت میں تم کون ہینگے

آں اصول دیں بدانستی ولیک — بنگر اندر اصل خود کو ہست نیک

یعنی وہ اصول دین کے تو تو نے جان لئے لیکن اپنی اصل میں دیکھ کہ وہ (علم) خوب ہے ؕ

از اصولیت اصول خویش بہ ۔۔۔ کہ بدانی اصل خود اے مرد مہ

یعنی اصولی ہونے سے اپنے اصول بہتر ہیں کہ اے مرد بزرگ تم اپنی اصل کو جان لو۔ (تو دنیا میں یہی ہو رہا ہے کہ اپنی حقیقت اور اصل سے تو غافل ہیں اور دوسروں کے عیوب اور انکی حقائق کو دیکھتے پھرتے ہیں) آگے قصہ بیان فرماتے ہیں کہ :

شرح حبیبی

اصل شان بد بود آن اہل سبا ۔۔۔ می رمیدندے ز اصحاب لقا

دادشان چندیں ضیاع و باغ و راغ ۔۔۔ از چپ و از راست از بہر فراغ

بسکہ می افتاد از پری ثمار ۔۔۔ تنگ می شد معبرہ بر رہگذار

آن نثار میوہ رہ را می گرفت ۔۔۔ از پری میوہ رہرو در شگفت

سلہ بر سر در درختستان ز شان ۔۔۔ پر شدے ناخواست از میوہ فشان

باد آن میوہ فشاندے نے کسی ۔۔۔ پر شدے زان میوہ دامنہا بسے

خوشہائے زفت تا زیر آمدہ ۔۔۔ بر سر و روے روندہ می زدہ

مرد گلخن تاب از پری زر ۔۔۔ بستہ بودے بر میان زرین کمر

سگ کلیچہ کوفتے در زیر پا ۔۔۔ تخمہ بودے گرگ صحرا از نوا

گشتہ ایمن شہر و دہ از دزد و گرگ ۔۔۔ بز نترسیدے ہم از گرگ سترگ

جامۂ ایشان اگر چرکیں شدے ۔۔۔ آتش سوزندہ شان صابون بدے

در تنور انداختندے جامہ را ۔۔۔ بعد یک ساعت شدے خوش با صفا

گر بگویم شرح نعمتہائے قوم
که زیادت می شد آں یوم فیوم

مانع آمد از سخنہائے مہم
انبیاء بردند امر فاستقم

چوں زخد بردند ناشکری چناں
غیرت حق کار گر شد در زماں

سیزدہ پیغمبر آنجا آمدند
گمرہان را جملہ رہبر می شدند

که ہلا نعمت فزوں شد شکر گو
مرکب شکر ار بخسپد حرکو

شکر منعم واجب آمد در خرد
ورنہ بکشاید درِ خشمِ ابد

ہین کرم بینید آں خود کس کند
کز چنیں نعمت بشکرے بس کند

سر بہ بخشد شکر خواہد سجدۂ
پا بہ بخشد شکر خواہد قعدۂ

شکر نعمت نعمتت افزوں کند
صد ہزاراں گل زخارے سر زند

جب تمکو اس شہر کی حالت معلوم ہوگئی تو اُسکے رہنے والوں کا قصہ سنو۔ چونکہ اس شہر سبا کے رہنے والے بداصل تھے اور اُن کے قلوب مریض تھے اسلئے وہ حق بیں حضرات (انبیاءؑ) سے بھاگتے تھے یہ تو اجمال ہے اب اُسکی تفصیل سنو۔ حق سبحانہ نے بہت سا مُلک اور بہت سے باغ اور جنگل ہر طرف انکو عطاء کئے تھے تاکہ اُنکو اطمینان قلب نصیب ہو اور وہ اُسکو عبادت الٰہی کا ذریعہ بنادیں انکے تمول وتنعم کی یہ حالت تھی کہ چونکہ سڑکیں پر دورویہ میوہ دار درختوں کی قطاریں تھیں اور میوے بکثرت گرتے تھے اسلئے رہگیروں کو چلنے کیلئے خالی راستہ نہ ملتا تھا۔ میووں کا ستھراؤ رستہ بند کر دیتا تھا اور اجنبی مسافر کو میووں کی کثرت سے حیرت ہوتی تھی اگر کوئی شخص ٹوکرا سر پر لئے ہوئے اُنکے باغوں میں گذرتا تو بلا اسکے خواہش کے میووں کی گرنے سے ٹوکرا بھر جاتا تھا بدون اسکے کہ کوئی شخص ان درختوں کو حرکت دے خود ہوا انکو حرکت دیتی تھی اور بہت سے دامن میوں

سے بھر جاتے تھے بڑے بڑے خوشے نیچے لٹکے ہوئے تھے جو چلنے والیکے منہ سے مس کیتے تھے
ہونے کی کثرت سے بہر بھو بچے کی یہ حالت تھی کہ کمر میں سونے کا پٹکا باندھ کر بہار جھونکتا تھا
اور انسان کی یہ حالت تھی کہ کلچونکو پاؤں میں روندتے اور منہ نہ لگاتے تھے۔ بھیڑیوں کی خوراک
کی یہ حالت تھی کہ زیادہ کہانے سے اکثر بدہضمی میں مبتلا رہتے تھے چونکہ کثرت دولت
سے استغنا بڑھا ہوا تھا اسلئے اہل شہر کو نہ چور کا کھٹکا تھا نہ بھیڑیئے کا اور چونکہ بھیڑیے
اپنی شکم سیری کی وجہ سے بکریوں کی طرف توجہ نہ کرتے تھے اسلئے بکریوں کو بھی بھیڑیوں
کا خطرہ نہ تھا ان لوگوں کو اگر کپڑا میلا ہو جاتا تھا تو وہ آگ جسکا کام جلانا ہے اُنکے لئے خواہ
بہ تسخیر استدراجی یا بہ سبب ہنرمندی انکو صابون کا کام دیتی تھی یعنی تھوڑی دیر کیلئے وہ
اُسے تنور میں ڈالدیتے تھے اور اسکا میل کچیل جلکر کپڑا نہایت صاف نکل آتا تھا۔ غرض اُنکو بیحد
تموّل اور بے انتہا تنعم حاصل تھا۔ میں کہانتک بیان کروں اسلئے کہ اگر میں ان کی نعمتوں
کی تفصیل کروں جو یوماً فیوماً ترقی پذیر تھیں تو وہ مجھے ضروری باتوں سے مانع ہو جاویگی
لہذا اسی قدر پر اکتفا کر کے اصل مقصد بیان کرتا ہوں سنو انبیاء کو حکم ہوا کہ جس بات
کا تمکو حکم ہوا ہے اسکو بجا لاؤ اور انہوں نے اسکی تعمیل کی یعنی اہل سبا کی تبلیغ پر آمادہ
ہوئے (یا یوں کہو کہ انبیاء ان کے پاس حق سبحانہ کا یہ حکم لیگئے کہ تم ٹھیک ہو جاؤ)
کیونکہ جب باوجود ان نعمتوں کے ان کی ناشکری حد سے بڑھی تو غیرت حق نے اپنا کام
کیا اور انکی اصلاح کیلئے انبیاء کو بھیجا چنانچہ اس مقام پر تیرہ نبی متعاقباً یا مجتمعاً آئے
اور انکی رہبری کی اور فرمایا کہ دیکھو لوگو نعمت حق سبحانہ بہت بڑھ گئی ہے اب اُسکا شکر بھی
ادا کرنا چاہئے اور اگر اسپ شکر سو رہا ہے تو اسے ایڑ لگانی چاہئے یعنی اگر شکر میں فتور
واقع ہو تو پھر نئے سرے سے مستعد ہو کر شکر کرنا چاہئے کیونکہ شکر منعم عقلاً واجب ہے اور
ناشکری کی صورت میں تم قہر ابدی میں مبتلا ہو جاؤ گے تم غور تو کرو کہ کوئی ایسی عنایت
بھی کرتا ہے جیسی حق سبحانہ کرتا ہے کہ اتنی بڑی نعمتوں کے مقابلہ میں معمولی شکر پر اکتفاء
کرتا ہے مثلاً سر سی نعمت عطاء کرتا ہے اور اس کا شکر مقرر کیا ہے سجدہ جو کچھ بھی دشوار
نہیں۔ اور پاؤں عطا کرتا ہے اس کا شکر کیا مقرر کیا ہے قعدہ و قیام وغیرہ معمولی اور آسان

اور یہ بھی نہیں کہ وہ شکر گذشتہ نعمتوں ہی کا معاوضہ سمجھا جاوے۔ بلکہ وہ اور نعمتوں کا بھی سبب ہوگا اور تمہاری نعمتیں اُس سے اور بڑھیں گی اور کانٹوں میں لاکھوں پھول نکلیں گے یعنی وہ نعمتیں تمکو اس طریق سے پہونچیں گی کہ تمکو وہاں سے ملنے کا گمان بھی نہ ہوگا۔

شرح شبیری

اہل سبا کی اکڑ اور اُنکی ناشکری کا قصہ

اصل شاں بد بود زاں اہل سبا　　　می رمید ندے ز اصحاب لقا

یعنی اُن کی اصل بُری تھی اسلئے اہل سبا اصحاب لقا سے بھاگتے تھے اصحاب لقا سے مُراد انبیا کیونکہ اُنکو لقائے حق میسر ہوتا ہے۔

داد شاں چندیں ضیاع و باغ و راغ　　　از چپ و از راست از بہر فراغ

یعنی حق تعالیٰ نے انکو اسقدر اسباب اور باغ وغیرہ چپ و راست سے فراغ کیواسطے دیا تھا کہ۔

بسکہ می افتاد از پُری ثمار　　　تنگ می شد معبرہ بر رہگذار

یعنی پھل زیادتی کی وجہ سے اسقدر گرتے تھے کہ چلنے والوں کو رستہ تنگ ہو جاتا تھا۔

آں نثار میوہ رہ را می گرفت　　　از پُری میوہ رہرو در شگفت

یعنی وہ میوہ کا گرنا راستہ کو گھیر لیتا تھا اور زیادتی میوہ کی وجہ سے چلنے والا تعجب میں ہوتا تھا

سلہ بر سر بر درختستان شاں　　　پُر شدے ناخواست از میوہ فشاں

یعنی ٹوکرا سر پر رکھکر اُنکے باغوں میں سے بے خواہش میوہ فشاں کے پر ہو جاتا۔

باد آں میوہ فشاندے نے کسے　　　پُر شدی زاں میوہ داماں ہا بسے

یعنی ہوا اُس میوہ کو بلا کسی آدمی کے گراتی تھی اور اُس سے بہت سے دامن پُر ہو جاتے تھے

خوشہ ہائے زفت تا زیر آمدہ　　　بر سر و روئے روندہ می زدہ

یعنی بڑے بڑے خوشے نیچے تک آئے ہوئے سر اور منہ چلنے والے پر لگتے تھے۔

مرد گلخن تاب از پُری زر　　　بستہ بودے بر میاں زریں کمر

یعنی بہر بہونجا روپیہ کی زیادتی کی وجہ سے گھر میں نہریں سٹکا باندھتا تھا۔

سگ کلیچہ کوفتے در زیر پا ‌‌‌‌‌‌‌ تخمہ بودے گرگ صحرا از نوا

یعنی کتا کلیچہ کو پاؤں کے نیچے روندیتا تھا اور غذا کی وجہ سے گرگ صحرا کو تخمہ ہو جاتا تھا۔

گشتہ ایمن شہر وده از دزد و گرگ ‌‌‌‌‌‌‌ بز نترسیدے ہم از گرگ سترگ

یعنی شہر اور گاؤں چور اور بھیڑیئے سے بیخوف تھے اور بکری گرگ عظیم سے نہ ڈرتی تھی اسلئے کہ بھیڑیے کو شہر میں آنیکی ضرورت ہی نہ ہوتی تھی اسکو جنگل ہی میں اتنی غذا ملجاتی تھی کہ پھر اسکو ضرورت نہ رہتی تھی۔

جامۂ ایشاں اگر چرکیں شدے ‌‌‌‌‌‌‌ آتش سوزندہ شاں صابون بدے

یعنی اُن کے کپڑے اگر میلے ہو جاتے تو آگ جلانے والی اُن کا صابون ہوتی۔

در تنور انداختندے جامہ را ‌‌‌‌‌‌‌ بعد یکساعت شدے خوش باصفا

یعنی تنور میں کپڑے کو ڈال دیتے تو بعد ایک ساعت کے وہ خوش باصفا ہوجاتا تھا یعنی وہ آگ میں جلتا نہ تھا بلکہ صاف ہوجاتا تھا ممکن ہے کہ حق تعالیٰ اُن کی آگ کو بھی اسقدر نرم کردیا ہو کہ وہ نہ جلاتی ہو اور صاف کردیتی ہو۔

گر بگویم شرح نعمتہائے قوم ‌‌‌‌‌‌‌ کہ زیادت می شد آں یوماً فیوم

یعنی اگر میں قوم کی نعمتوں کی شرح کروں کہ وہ دن بدن زیادہ ہوا کرتی تھیں۔

مانع آید از سخنہائے مہم ‌‌‌‌‌‌‌ انبیاء بردند امر فاستقم

یعنی اُن باتوں کی شرح کرنا مجھے ضروری باتوں سے مانع ہو جاویگی اور انبیاء اُنکے پاس امر فاستقم لائے یعنی جب اسقدر نعمتیں اہل سبا پر ہوئیں تو اب انبیاء نے فرمایا کہ ذرا استقامت اختیار کرو، پھسل مت جانا۔

چوں زحد بردند ناشکری چناں ‌‌‌‌‌‌‌ غیرت حق کارگر شد در زماں

یعنی جب وہ لوگ ناشکری کو حد سے اسقدر لیگئے کہ غیرت حق اُسی وقت کارگر ہوگئی یعنی غیرت حق اُن کی اس حرکت سے جوش میں آگئی۔

تیرہ پیغمبروں کا اہل سبا کی نصیحت کے لئے آنا

سیزدہ پیغمبر آنجا آمدند گمرہاں راجملہ رہبری شدند

یعنی اس جگہ تیرہ پیغمبر آئے کہ سارے گمرہوں کیلئے رہبر ہوتے تھے (اور فرماتے تھے کہ)

کہ ہلا نعمت فزوں شد شکر کو مرکب شکر ار بخسپد حرکو

یعنی کہ خبردار نعمت زیادہ ہوگئی ہے شکر کرو اور مرکب شکر اگر سو جاوے تو تم حرکت دیدو۔

شکر منعم واجب آمد در خرد ورنہ بکشاید در خشم ابد

یعنی منعم کا شکر کرنا عقل کے اعتبار سے بھی واجب آیا ہے ورنہ خشم ابدی کا دروازہ کھلجاتا ہے؛

ہیں کرم بینید وایں خود کس کند کز چنیں نعمت بشکری بس کند

یعنی ارے کرم تو دیکھو اور یہ کوئی کرتا ہے کہ اتنی نعمتوں پر ایک شکر کو بس کرے مطلب یہ کہ حق تعالیٰ اتنی نعمتوں پر بہت تھوڑے شکر پر کفایت فرماتے ہیں مگر پھر بھی کوئی شکر نکرے تو اُسکی بدبختی۔ آگے اُسکے نظائر فرماتے ہیں کہ

سر بہ بخشد شکر خواہد سجدہٗ پا بہ بخشد شکر خواہد قعدہٗ

یعنی سر بخشتے ہیں اور شکر میں ایک سجدہ چاہتے ہیں اور پاؤں بخشتے ہیں اور شکر میں ایک قعدہ مانگتے ہیں۔

شکر نعمت نعمتت افزوں کند صد ہزاراں گل ز خارے سر زند

یعنی نعمت کا شکر کرنا تمہاری نعمت کو زیادہ کرتا ہے اور لاکھوں پھول ایک خار سے ظاہر ہوتے ہیں یعنی ہمارے اس شکر سے جو کہ خار کی طرح ہے لاکھوں گل ظاہر ہوتے ہیں۔

شرح حبیبی

قوم گفتہ شکر ما را برد غول	ما شدیم از شکر و ز نعمت ملول
ما چناں پژمردہ گشتیم از عطا	کہ نہ طاعت ما خوش آید نے خطا

ما نمی خواہیم نعمت ہا و باغ | ما نمی خواہیم اسباب فراغ
نعمتے چہ سیر شد جاں ہا ازیں | شکر چہ گوئیم بر گزیدہ ہیں

ان لوگوں نے کہا کہ صاحبو ہم سے شکر کی توقع نہ رکھو نہ ہمارا جی شکر کو چاہتا ہے نہ نعمت کو ہمارا دل تو اس نعمت سے اتنا مرجھا گیا ہے کہ نہ ہمکو طاعت میں مزہ آتا ہے نہ معصیت میں آپ اس نعمت ہی کی بنا پر تو ہمسے شکر چاہتے ہیں۔ پس ہمیں نہ ان نعمتوں کی ضرورت ہے اور نہ باغوں کی اور نہ ہمکو اسباب فراغت درکار ہے آپ یہ سب لیجائیں اور ہمارا پیچھا چھوڑیں آپ نعمت نعمت گاتے ہیں کیسی نعمت ہمارا تو اسکی طرف رخ کرنے کو بھی جی نہیں چاہتا۔ اب فرمائیے ہم کس بات کا شکر کریں۔

انبیاء گفتند در دل علتے ست | کہ ازاں در حق شناسی آفتے ست
نعمت از وے جملگی علت شود | طعمہ در بیمار کے قوت شود
چند خوش پیش تو آمد اے مصر | جملہ ناخوش گشت صاف او کدر
تو عدوئے ایں خوشیہا آمدی | گشت ناخوش ہرچہ بر وے کف زدی
ہر کہ او شد آشنا و یار تو | شد حقیر و خوار در دیدار تو
ہر کہ او بیگانہ باشد با تو ہم | پیش تو او بس مہ است و محترم
ایں ہم از تاثیر آں بیماری است | زہر او در جملہ خلقاں ساری است
دفع آں علت بباید کرد زود | کہ شکر با آں حدث خواہد نمود
ہر خوشی کاید بتو ناخوش شود | آب حیواں گر رسد آتش شود
کیمیائے مرگ و جسک است آں صفت | مرگ گردد زاں حیات عاقبت

بس غذائے کہ زوی دل زندہ شد ‌‌ چوں بیامد در تن تو گندہ شد

بس عزیزے کہ بناز اشکار شد ‌‌ چوں شکارت شد بر تو خوار شد

آشنائی عقل با عقل از صفا ‌‌ چوں شود ہر دم فزوں باشد ولا

آشنائی نفس با ہر نفس پست ‌‌ تو یقین می داں کہ ہر دم کمتر است

زانکہ نفسش گرد علت می تند ‌‌ معرفت را زود فاسد می کند

گر نخواہی دوست را فردا نفیر ‌‌ دوستی با عاقل و با عقل گیر

از سموم نفس چوں با علتے ‌‌ ہر چہ گیری تو مرض را آلتے

گر بگیری گوہرے سنگے شود ‌‌ ور بگیری مہر دل جنگے شود

ور بگیری نکتۂ بکر لطیف ‌‌ بعد درکت گشت بی ذوق و کثیف

کہ من ایں را بس شنیدم کہنہ شد ‌‌ چیز دیگر گو بجز ایں اے عضد

چیز دیگر تازہ و نو گفتہ گیر ‌‌ باز فردا زاں شوی سیر و نفیر

دفع علت کن چو علت خو شود ‌‌ ہر حدیث کہنہ پیشت نو شود

تا کہ از کہنہ برآرد برگ نو ‌‌ بشگفاند کہنہ صد خوشہ ز گو

ما طبیبانیم شاگردان حق ‌‌ بحر قلزم دید ما را فانفلق

آں طبیبان طبیعت دیگرند ‌‌ کہ بدل از راہ نبضے بنگرند

ما بدل بیواسطہ خوش بنگریم ‌‌ کز فراست ما بعالے منظریم

آں طبیبان غذایند و ثمار ‌‌ جان حیوانی بدیشاں استوار

ما طبیبان فعالیم و مقال | ملہم ما پرتو نور جلال
کاینچنیں فعلے ترا نافع بود | وانچناں فعلے زرہ قاطع شود
اینچنیں قولے ترا پیش آورد | وانچناں قولے ترا نیش آورد
آنچنان وانیچنین از نیک و بد | پیش تو بنہیم وبنمائیم جد
گر تو خواہی ایں گزین و خواہی آں | زہر و شکر سنگ و گوہر شد عیاں
وان طبیبان را بود بوے دلیل | ایں دلیل ما بود وحی جلیل
دست مزدے می نخواہیم از کسے | دست مزد ما رسد از حق بسے
ہیں صلا بیماری ناسور را | دارو ئے ما یک بیک رنجور را

انبیاء علیہم السلام نے فرمایا کہ تمہارے دل میں بیماری ہے جو کہ اشیا کو علی ما ھی علیہ دیکھنے سے مانع ہے جب وہ مرض دل کے اندر ہوتا ہے تو ہر نعمت اُس سے روگ معلوم ہوتی ہے دیکھو اگر کوئی مریض ہو تو کتنی ہی غذائیں کہلاؤ کبھی قوت نہ آئیگی بلکہ اور مرض کی ترقی کا سبب ہونگی کیونکہ وہ خلط فاسد کی طرف مستحیل ہونگی اور خلط فاسد کے بڑہنے سے مرض میں زیادتی ہوگی پس جسطرح یہاں اغذیہ نے اپنا برعکس اثر دکہلایا یہی حالت مرض قلب کے ساتھ نعمتوں کی ہے اور یہی وجہ ہے کہ جو اچھی چیز تمہارے سامنے آتی ہے تمہیں بری معلوم ہوتی ہے اور صاف شئے تمکو مکدر دکھلائی دیتی ہے اور اسلئے تم ان عمدہ اشیاء کے دشمن ہو رہے ہو اور جس چیز پر ہاتھ ڈالتے ہو تمکو بری معلوم ہوتی ہے نیز جو تمہارا دوست ہوتا ہے وہ تمہارے نظر میں حقیر اور ذلیل نظر آتا ہے اور جو بیگانہ ہوتا ہے وہ معزز اور مکرم سمجھا جاتا ہے یعنی اہل اللہ حقیقت میں دوست ہیں اُنکو تم حقارت کی نظر سے دیکھتے ہو اور اہل دنیا جو درحقیقت بیگانہ ہیں انکی قدر کرتے ہو یہ بھی اُسی وباء عام کا اثر ہے جسکا زہر تمام لوگوں میں پھیلا ہوا ہے۔ پس اسوقت ضرورت اسکی ہے کہ اس مرض کو جس سے شکر پاخانہ

دکھلائی دیگی بہت جلد دور کیا جائے کیونکہ تمہارا مزاج روحانی اعتدال سے منحرف ہوگیا ہے اور
جو اچھی چیز تمہارے سامنے آتی ہے وہ تمہیں بُری معلوم ہوتی ہے اگر آبِ حیات بھی تمہارے پاس
پہونچتا ہے تو وہ بھی تمہاری نظر میں آگ ہو جاتا ہے اس سے انجام کار حیات روحانی مبدل
بہ موت روحانی ہو جاتی ہے پس گویا کہ یہ موت اور رنج کی کیمیا ہے جو قلب ماہیت کر دیتی ہے
نیز دیکھو تمہارا مزاج روحانی اعتدال سے اتنا منحرف ہوگیا ہے کہ جو غذائیں دل کو حیات
بخشنے والی ہیں وہ تمہارے بدن میں جاکر فاسد ہو جاتی ہیں اور بجائے مفید ہونے کے مرض
بڑھاتی ہیں۔ اور بہت سے شکار ناز یعنی نازنین محبوب جو اس قابل ہیں کہ اُنکی ناز برداری
لیجاوے جب تمہارے پاس آتے ہیں تو تم اُنکو مُنہ بھی نہیں لگاتے یہ کسقدر فساد مزاج ہے
یاد رکھو کہ جب عقل غالب ہوتی ہے اور عقل کی عقل کیساتھ دوستی ہوتی ہے اور نفسانیت
کا شائبہ بھی نہیں ہوتا تو اُس سے محبت میں روزانہ ترقی ہوتی ہے اور جب نفس کا غلبہ
ہوتا ہے اور نفس کی کسی نفس کیساتھ دوستی ہوتی ہے تو محبت دن بدن گھٹتی جاتی ہے
اور وجہ اسکی یہ ہے کہ نفس بلا بس مرض یعنی مریض شہوات و اہوا ہے اسلئے دوستی
میں بہت جلد بگاڑ پیدا کرتا ہے کیونکہ جب تک غرض حاصل ہوتی رہیگی دوست رہیگا اور جب
غرض حاصل ہو جاویگی یا اُسکی امید منقطع ہو جاویگی الگ ہو جاویگا۔ پس اگر تم چاہتے ہو کہ
کل کو دوست سے بگاڑ اور تنفر ہو تو عاقل اور عقل سے دوستی کرنی چاہئے۔ یاد رکھو کہ جب تک
تم اثر نفس سے مریض ہو اُسوقت تک تمہاری یہی حالت رہیگی کہ جو چیز تم کھاؤ گے وہ مرض بن
جاویگی اور ہر شئے تمکو خلاف ماہی علیہ دکھلائی دیگی۔ مثلاً لوگے تم موتی اور تمکو نظر آئیگا پتھر
کروگے محبت انجام کار بنجائیگی دشمنی اور سمجھوگے ایک نازک اور نئی بات اور سمجھنے کے بعد
ہو جاویگی بے مزہ اور بھدی اور تم کہوگے کہ یہ تو میں سُن چکا اور پرانی بھی ہوگئی اب کوئی
اور نئی بات سناؤ اچھا فرض کرو کہ اور نئی بات بھی کہی گئی مگر پھر کیا وہ بھی کل کو معمولی اور قابل
نفرت ہو جائیگی۔ اور یوں ہی سلسلہ جاری رہے گا۔ پس اگر تم چاہتے ہو کہ یہ خرابیاں دفع
ہوں تو ان کی جڑ کو کاٹو اور اس مرض کو دفع کرو جو ان آثار کا منشا ہے پس جبکہ وہ مرض منقطع
ہو جائیگا تو ہر پرانی بات میں بھی تمکو نئی ہی کا مزہ آویگا۔ اور اس کا یہ نتیجہ ہوگا نہ پرانے ہی

درختوں میں نئی شاخیں نکلیں گی اور وہ پُرانے ہی درخت سیکڑوں خوشے نکالیں گے یعنی وہی باتیں جو اسوقت تمکو اساطیر الاولین نظر آتی ہیں یا پُرانی باتوں کی طرح بے مزہ معلوم ہوتی ہیں۔ ہزاروں طرح کے ثمرات محمودہ بخشیں گے تم امراض جسمانیہ کے معالجہ کی طرف تو توجہ کرتے ہو اور ان متعارف طبیبوں سے رجوع کرتے ہو لیکن تم امراض روحانیہ کے معالجہ کی کیوں فکر نہیں کرتے اور ہم سے کیوں بھاگتے ہو۔ دیکھو تو سہی ہم میں اور اُن میں کسقدر تفاوت ہے۔ ہم وہ طبیب ہیں جنہوں نے حق سبحانہ سے تعلیم حاصل کی ہے اور بحر قلزم بھی ہمکو جانتا اور ہماری قدر کرتا ہے کہ ہمکو دیکھکر پھٹ جاتا ہے اور راستہ دیدیتا ہے ہم وہ اطباء طبیعت نہیں جو دل کے بعض حالات نبض سے ظنًا معلوم کرتے ہیں وہ اور لوگ ہیں۔ ہم تو دل کو خوب اچھی طرح اور براہ راست بلا توسط نبض عیانًا دیکھتے ہیں کیونکہ ہم فراست کے مقام عالی پر ہیں۔ نیز وہ لوگ تو غذاؤں اور پھلوں کے طبیب اور ان کا نفع نقصان جاننے والے اور ان سے روح حیوانی کو تقویت دینے والے ہیں اور ہم طبیب افعال واقوال ہیں ہمکو انکے خواص پرتو نور حق سبحانہ سے معلوم ہوئے ہیں اور اُس پرتو ہی سے ہمکو معلوم ہوا ہے کہ فلاں کام تمہارے لئے نافع ہے اور فلاں فعل تمکو راہ حق سے جُدا کرنیوالا ہے اور فلاں بات تمکو راہ حق میں آگے بڑہائیگی اور فلاں بات تمکو نقصان پہونچاویگی اور سب ہم تمہارے سامنے رکھدیتے ہیں اور اُنکی مضرتوں اور منفعتوں کو اچھی طرح دکھلا دیتے ہیں۔ اسکے بعد تمکو اختیار حاصل ہے خواہ اشیاء نافعہ کو لیلو خواہ ضارہ کو تمہارے سامنے موتی اور پتھر بالکل صاف رکھے ہوئے ہیں۔ نیز وہ طبیب تو قارورہ سے بعض احوال پہچانتے ہیں اور ہمکو وحی حق سبحانہ سے معلوم ہوتے ہیں۔ نیز وہ فیس لیتے ہیں ہم فیس بھی نہیں لیتے بلکہ ہماری فیس خزانہ شہنشاہ حقیقی سے ملتی ہے پس جبکہ ہمارے علم میں اور انکے علم میں بھی زمین آسمان کا فرق ہے اور ہماری تشخیص اور اُنکی تشخیص میں بھی زمین آسمان کا بل ہے اور وہ مرض جسکا ہم علاج کرتے ہیں اس مرض سے کہیں زیادہ مہتم بالشان ہے جسکا متعارف طبیب معالجہ کرتے ہیں اور ہم اُنکی طرح فیس بھی نہیں لیتے جس سے ہماری خیر خواہی و شفقت بلنسبت اُنکی شفقت کے کہیں زیادہ ظاہر ہوتی ہے نیز اسمیں کچھ خرچ بھی نہیں ہوتا

کہ نخل ہی مانع ہو پھر کیا وجہ ہے کہ تم ہمسے علاج نہیں کراتے دیکھو ہوش میں آؤ اور اپنے معالجہ کی فکر کرو ہم عام اعلان کرتے ہیں کہ ہم عسیر البرء امراض کا علاج کرتے ہیں اور ہر بیمار کو بلا امتیاز اپنے شفاخانہ سے مفت اور بلا کسی فیس یا قیمت کے دوا دیتے ہیں جسکا جی چاہے ہمسے علاج کرائے +

شرح شبیری

جواب قوم کا انبیاء علیہم السلام کو

قوم گفتہ شکر مارا بر دغول ماشدیم از شکر و از نعمت ملول

یعنی قوم نے کہا کہ ہمارے شکر کو بہوت لیگئے اور ہم تو شکر اور نعمت سب سے ملول ہوئے ہیں۔ مطلب یہ کہ شکر تو وہ کرے جبکو نعمت سے راحت ملے ہم تو اسقدر نعمت ہونے سے اُکتا گئے ہیں۔ لہذا ہم شکر کیا کریں۔

نعمتے چہ سیر شد جاں ما ازیں شکر چہ گوئیم بر گوئید ہیں

یعنی نعمت کیا ہوتی ہے ہماری تو جان اس سے سیر ہوگئی ہے ہم شکر کیا کریں ارے کچھ بتاؤ تو۔

پیش ما ایں نعمت آرد محنتے شکر محنت کس نگفتہ است ای فتے

یعنی یہ نعمت تو ہمارے سامنے مصیبت کو لاتی ہے تو شکر مصیبت بھی کسی نے کیا ہے اے جوان

ماں چناں پژمردہ گشتیم از عطا کہ نہ طاعت ماں خوش آید نے خطا

یعنی ہم تو اس عطا سے اسقدر پژمردہ ہو گئے ہیں کہ نہ طاعت ہمکو اچھی معلوم ہوتی ہے اور نہ خطا

مانمی خواہیم نعمت ہا و باغ مانمی خواہیم اسباب فراغ

یعنی ہم نعمتوں اور باغوں کے خواہشمند نہیں ہیں اور ہم اسباب فراغ کو نہیں چاہتے (نعوذ باللہ)

انبیاء علیہم السلام کا قوم کو جواب دینا

انبیاء گفتند در دل علتے است کہ ازاں در حق شناسی آفتے است

یعنی انبیاء علیہم السلام نے کہا کہ دل میں کوئی مرض ہے کہ اُسکی وجہ سے حق شناسی میں آفت واقع ہو رہی ہے۔

نعمت از وے جملگی علت شود　　طعمہ در بیمار کے قوت شود

یعنی اُس (علت) کی وجہ سے نعمت بھی علت ہو جاتی ہے اور بیمار میں کہانا کب قوت ہوتا ہے۔ یعنی بیماری کی وجہ سے لذیذ کہانے بدمزہ ہو جاتے ہیں تو اسی طرح اس مرض قلبی کی وجہ سے نعمت علت ہو جاتی ہے۔

چند خوش پیش تو آمد اے مصر　　جملہ ناخوش گشت و صافِ او کدر

یعنی اے مصر (علی الذنب) تیرے سامنے کتنی ہی عمدہ اشیاء آئیں (مگر) سب ناگوار اور اُن اشیاء کی صاف مکدر ہو گئیں (یہ سب اُس مرض کی وجہ سے ہے)

تو عدوئے ایں خوشیہا آمدی　　گشت ناخوش ہر چہ بروے کف زدی

یعنی تو اُن عمدہ اشیاء کا دشمن ہو گیا ہے اور تو نے جس چیز پر ہاتھ مارا وہ بُری ہو گئی۔

ہر کہ او شد آشنا و یار تو　　شد حقیر و خوار در دیدار تو

یعنی جو شخص کہ وہ تمہارا آشنا اور یار ہے وہ تمہاری نظر میں حقیر و خوار ہو گیا ہے۔

ہر کہ او بیگانہ باشد با تو ہم　　پیش تو او بس مہ است و محترم

یعنی جو شخص کہ وہ تیری ساتھ بیگانہ ہوتا ہے وہ تیرے سامنے بہت عظیم و محترم ہے مطلب یہ کہ جو خیر خواہ ہیں جیسے کہ انبیاء علیہم السلام انکو تو بیگانہ سمجھتے ہو اور جو بیگانے ہیں اُنکے آشنا ہوتے ہو

ایں ہم از تاثیر آں بیماری است　　زہر او در جملہ خلقان ساری است

یعنی یہ بھی اُسی بیماری کی تاثیر کی وجہ سے ہے اور اُس کا زہر ساری مخلوق میں سرایت کرنیوالا ہے

دفع آں علت بباید کرد زود　　کہ شکر با آں حدث خواہد نمود

یعنی اُس مرض کو جلدی ہی دفع کرنا چاہئے کہ اسکی ساتھ تو شکر بھی نجاست دکہائی دیگی۔

ہر خوشے کاید بتو ناخوش شود　　آبِ حیواں گر رسد آتش شود

یعنی جو عمدہ شے کہ تجھ تک آوے وہ ناخوش ہو جاتی ہے اور آبِ حیواں اگر تجھ تک پہنچے تو

آتش ہو جاوے۔ مطلب یہ کہ اُس مرض قلبی کی وجہ سے نافع شے بھی تمہارے پاس آکر مضر ہو جاویگی

کیمیای مرگ وجسک است آں صفت مرگ گردد زاں حیاتت عاقبت

یعنی وہ صفت مرگ و ہلاکت کی کیمیا ہے اور اُس سے تمہاری حیات آخر کار مرگ ہو جاویگی۔ مطلب یہ کہ یہ مرض وہ بلا ہے کہ یہ حیات کو مبدل بمرگ کردیتا ہے۔

بس غذائے کہ زوی دل زندہ شد چوں بیامد در تن تو گندہ شد

یعنی بہت سی وہ غذائیں کہ اُن سے دل زندہ ہوتا ہے جب تمہارے بدن میں آئیں تو وہ گندہ ہو گئیں۔

بس عزیزے کہ بناز اشکار شد چوں شکار تست شد بر تو خوار شد

یعنی بہت سے وہ معشوق کہ جو ناز کی وجہ سے آشکار ہو گئے تو جب وہ تیرے شکار ہوئے تو تیرے نزدیک خوار ہو گئے۔ مطلب یہ کہ بہت سے وہ حضرات جو اپنی شفقت کی وجہ سے تم پر شفیق ہوئے اور خود تمہارا ساتھ دیا مگر جب تمہارے پاس آئے تو تم نے انکی ذلت کی جیسے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام کہ شان میں ہمیشہ گستاخیاں کی ہیں آگے فرماتے ہیں کہ۔

آشنائی عقل با عقل از صفا چوں شود ہر دم فزوں باشد ولا

یعنی عقل کی عقل کیساتھ دوستی صفائی کیساتھ جب ہوتی ہے تو دوستی ہر دم زیادہ ہی ہوتی ہے

آشنائی نفس با ہر نفس پست تو یقیں می داں کہ دم دم کمتر است

یعنی نفس کی ہر نفس پست کیساتھ آشنائی ہو تو تم یقیناً جان لو کہ دم بدم کم ہوگی

زانکہ نفسش گرد علت می تند معرفت را زود فاسد می کند

یعنی اسلئے کہ اُس کا نفس علت کے گرد تنتا ہے اور دوستی کو جلدی فاسد کردیتا ہے

گر نخواہی دوست را فردا نفیر دوستی با عاقل و با عقل گیر

یعنی اگر تو کل دوست سے نفرت نہیں چاہتا تو دوستی عاقل و عقل کیساتھ اختیار کر۔

از سموم نفس چوں با علتے ہر چہ گیری تو مرض را آلتے

یعنی سموم نفس سے جب تو باعلت ہے تو جو کچھ کہ تو لے گا تو مرض کیلئے آلہ ہوگا۔ یعنی اگر اچھی بات بھی لیگا تو اُس سے بھی مرض ہی کو ترقی ہوگی۔

گر بگیری گوہرے سنگے شود ور بگیری مہرِ دل جنگے شود

یعنی اگر تو گوہر لے تو وہ ایک پتھر ہو جاوے اور اگر محبت قلبی اختیار کرے تو لڑائی ہو جاوے۔

ور بگیری نکتۂ بکر و لطیف بعد درکت گشت بی ذوق کثیف

یعنی اور اگر کسی نکتۂ نو و لطیف کو لوگے تو تمہارے لینے کے بعد وہ بے ذوق اور کثیف ہو جاویگا (اسلئے کہ تم اُسکو سنکر کہتے ہو کہ)

کہ من این را بس شنیدم کہنہ شد چیز دیگر گو بجز این اے عضد

یعنی میں نے اسکو بہت مرتبہ سنا ہے پرانا ہوگیا ہے تو اسکے سوائے قوت بازو کوئی اور چیز بیان کرو۔

چیز دیگر تازہ و نو گفتہ گیر باز فردا زاں شوی سیر و نفیر

یعنی کوئی دوسری تازی اور نئی بات کہی ہوئی فرض کرلو تو تم اُس سے بھی تو کل کو سیر اور نفور ہو جاؤ گے تو پھر اور نئی بات مانگوگے پھر اور مانگوگے علی غیر النہایۃ لہٰذا اب اس کا علاج یہ ہے کہ)

دفع علت کن چو علت خو شود ہر حدیث کہنہ پیشت نو شود

یعنی اُس مرض کو دفع کردے کہ جب مرض دفع ہو جاویگا تو ہر بات پرانی تمہارے سامنے نئی ہو جاویگی (اسلئے کہ تم اُسکے الفاظ پر نظر نہ رکھوگے بلکہ اُس سے جو نفع ہے اُس پر تمہاری نظر ہوگی اور اُس سے منتفع ہوگے تو گویا کہ ہر بات نئی بات ہوگی آگے اسکو فرماتے ہیں کہ)۔

تا کہ از کہنہ برآرد برگ نو بشگفاند کہنہ صد خوشہ ز گو

یعنی یہانتک کہ کہنہ سے برگ نو نکلیں گے اور وہی کہنہ گڑھے میں سے سو خوشے نکالیگا۔ مطلب یہ کہ اُسی کہنہ سے ہر بار منتفع ہوگے تو گویا کہ ہمیشہ نئی بات سنی اور تمکو ہر بار اس میں نیا لطف آویگا تو قبل اُس مرض کو کھودو ساری باتیں آسان ہو جاوینگی آگے پھر اُن انبیاءؑ کا اہل سبا کو جواب ہے فرماتے ہیں کہ۔

ما طبیبانیم شاگردانِ حق بحرِ قلزم دید ما را فانفلق

یعنی ہم طبیب ہیں اور شاگردان حق تعالیٰ ہیں ہمکو بحر قلزم نے دیکھا تو وہ بھی پھٹ گیا یعنی متاثر ہوا۔ مطلب یہ کہ ہم حق تعالیٰ سے مستفیض ہیں اور ہم سے ہر شے متاثر ہوتی ہے مگر تم

ہی (یعنی اہل سبا ہی) متاثر نہیں ہوتے اور فرماتے ہیں کہ۔

آن طبیباں طبیعت دیگر اند　　　که بدل از راه نبضے بنگرند

یعنی وہ طبیبان طبیعت دوسرے ہیں جو کہ دلکو نبض کی راہ سے دیکھتے ہیں۔

مابدل بیواسطہ خوش بنگریم　　　کز فراست مابعالی منظریم

یعنی ہم دل کو بے واسطہ (نبض وغیرہ) کے اچھی طرح دیکھ لیتے ہیں اسلئے کہ فراست کی وجہ سی ہم عالی منظر ہیں۔

آن طبیبان غذا اینند و ثمار　　　جان حیوانی بدیشاں استوار

یعنی وہ طبیب غذا کے ہیں اور ثمار کے کہ جان حیوانی اُن سے درست رہتی ہے۔

ماطبیبان فعالیم و مقال　　　ملہم ما پرتو نور جلال

یعنی ہم طبیب افعال واقوال کے ہیں اور ہمارا ملہم نورحق کا پرتو ہے یعنی ہم افعال واقوال کے ضرر و نفع کو بتاتے ہیں اور ہمارا امید أفیض نورحق ہے کہ اُس سے مستفیض ہوکر مضر و نافع کی تشخیص کرتے ہیں اور بتا دیتے ہیں کہ۔

کاینچنیں فعلے ترا نافع بود　　　و آنچناں فعلے زرہ قاطع بود

یعنی کہ ایسا فعل تو تجھے نافع ہوگا اور ویسا فعل تجھے راستہ (حق) سے قاطع ہوگا۔

اینچنین قولے ترا پیش آورد　　　و آنچناں قولے ترا نیش آورد

یعنی ایسا قول تو تجھے آگے لادیگا اور ویسا قول تیرے زخم لگا دیگا (غرضکہ مضر و نافع سب تمہیں بتا دیتے ہیں)

آنچناں و اینچنیں از نیک وبد　　　پیش تو بنہیم و بنمائیم جد

یعنی ایسے ویسے (سب) نیک و بد سے تیرے سامنے رکھدیتے ہیں اور حقیقت کو دکھا دیتے ہیں

گر تو خواہی ایں گزیں ور خواہی آں　　　زہر و شکر سنگ و گوہر شد عیاں

یعنی اگر تو چاہے تو اسکو قبول کر اور اگر چاہے اسکو زہر اور شکر اور سنگ و گوہر سب ظاہر ہوگیا ہے

آن طبیباں را بود بولے دلیل　　　ویں دلیل ما بود وحی جلیل

یعنی ان طبیبوں کیلئے تو پیشاب دلیل ہوتی ہے اور یہ ہماری دلیل وحی جلیل سے ہے

دست مزدی می نخواہیم از کسے　　　دست مزد ما رسد از حق بسے

یعنی ہم کسی سے اُجرت نہیں مانگتے۔ ہماری اُجرت تو حق تعالیٰ سے بہو نچ رہی ہے۔ یہ شعر ترجمہ ہے ما اسئلکم علیہ اجراان اجری الا علے العلمین کا اور فرماتے ہیں کہ

ہیں صلا بیماری ناسور را　　　داروے ما یک بیک رنجور را

یعنی ہاں بیماری ناسور کیلئے اعلان ہے اور ہماری دوا ایک ایک مریض کیلئے (مفت) ہے مطلب یہ کہ وہ حضرات اعلان فرماتے ہیں کہ دیکھو ناسور جو ایسی شے ہے کہ اُس کا علاج ہی نہیں مگر ہم ناسور قلب کا علاج آج مفت کرتے ہیں اور ایک ایک کی دوا تقسیم کرتے ہیں جس کا دل چاہے علاج کرا دے۔

شرح حبیبی

قوم گفتند اے گروہ مدعی	کو گواہِ علم طب نافعی
چوں شما بستہ ہمیں خواب وخورید	ہمچو ما باشید و در دہ می چرید
چوں شما در دام ایں آب و گلید	کے شما صیاد سیمرغ ولید
حب جاہ و سروری دارد بدان	کہ شمارد خویش از پیغمبران
ما نخواہیم اینچنیں لاف و دروغ	کردن اندر گوش وافتادن بدوغ
انبیا گفتند کایں زاں علت است	مایۂ کوری حجاب رویت است
دعوے ما را شنیدید و شما	می نہ بیند ایں گہر در دست ما
امتحانست ایں گہر مر خلق را	ماش گرد انیم گرد چشمہا
ہر کہ گوید کو گوا گفتنش گواست	کو نمی بیند گہر حبس عماست

آفتابے در سخن آمد کہ خیز ‏ کہ برآمد روز و برجہ کم ستیز

تو بگوئی آفتابا کو گواہ ‏ گویدت اے کور از حق دیدہ خواہ

روز روشن ہر کہ او جوید چراغ ‏ عین جستن کوریش دارد بلاغ

ورنہ می بینی گمانے بردہٗ ‏ کہ صباح است و تواند پردہٗ

کوریٔ خود را مکن زیں گفت فاش ‏ خامش و در انتظار فضل باش

فضل بے علت مگر دریابدت ‏ زیں شقاوت روئے دل برتابدت

ورنہ مانی در چنیں کوری ابد ‏ آئینہ پنہاں شد از تو در غد

درمیان روز گفتن روز کو ‏ خویش رسوا کردن است ای تند خو

صبر و خاموشی جذوب رحمت است ‏ ویں نشاں جستن نشان علت است

انصتوا بپذیر تا بر جان تو ‏ آید از جاناں جزائے انصتوا

گر نخواہی نکس پیش ایں طبیب ‏ بر زمیں زن زر و سر را ای لبیب

گفت افزوں را تو بفروش و بخر ‏ بذل جان و بذل جاہ و بذل سر

تا ثنائے تو بگوید فضل ہو ‏ کہ حسد آرد ملک بر جاہ او

چوں طبیباں را نگہدارید دل ‏ خود ببینید و شوید از خود خجل

دفع ایں کوری بدست خلق نیست ‏ لیکن اکرام طبیباں از ہدیست

ایں طبیباں را بجاں بندہ شوید ‏ تا بمشک و عنبر آگندہ شوید

ان لوگوں نے انبیاء ع کا وعظ سنکر کہا کہ اے طب دانی کا دعوے کرنیوالی جماعت تمہاری

طب نافع کے جاننے کا ثبوت کیا ہے جبکہ تم بھی ہماری طرح پابند خواب وخور ہو تو تم بھی ہماری ہی طرح ہو جیسے ہم شہر میں کہاتے پیتے ہیں تم بھی کہاتے پیتے ہو اور جبکہ تم آب وگل کے جال میں پہنسے ہوئے ہو تو تم سیمرغ دل کے شکاری کب ہو سکتے اور قلوب میں تصرف کیسے کر سکتے ہو۔ انبیاءؑ نے جواب دیا کہ یہ سوال بھی اُسی مرض کا نتیجہ ہے اور یہ تمہارا اندہا پن حقیقت بینی سے مانع ہے تمنے ہمارے طبیب روحانی ہونے کو سن تو لیا لیکن اس موتی (یعنی ہمارے طبیب روحانی ہونے) کو ہمارے ہاتھ میں نہیں دیکھتے ہو ہم اسکو لوگوں کی آنکھوں پر پہرا رہے ہیں یعنی وہ انکے پیش نظر ہے لیکن مخلوق ہے کہ اس کا ثبوت اور امتحان چاہتی ہے پس جو شخص شہادت مانگتا ہے ہم اُس سے کہتے ہیں کہ تیرا سوال خود شاہد ہے کہ تو موتی کو دیکھ نہیں سکتا اور اندہے پن میں محبوس ہے پس یہ شہادت خود اعتراف ہے ہمارے صدق کا کیونکہ اسکے یہی معنے ہیں کہ ایک شے واضح ہے مگر ہمکو دکہلائی نہیں دیتی۔ مثلاً آفتاب کہتا ہے کہ اُٹھو دن ہو گیا۔ دیکھو میری مزاحمت مت کرو۔ پس اگر اسوقت تم یہ کہو کہ سورج گواہ لا جو شہادت دیں کہ تو سچا ہے تو وہ اُس کا یہی جواب دیگا کہ اندہے تو اپنے اندہے پن کا اقرار کرکے خود میری صدق کی گواہی دے رہا ہے پس تو خدا سے دعا کر کہ وہ تجھے آنکھ دے اور تو میرے صدق کا مشاہدہ بھی کرے۔ واقعی بات یہ ہے کہ جو شخص روز روشن میں چراغ ڈھونڈہتا ہے تو یہ اس کا احمقانہ ڈہونڈہنا بھی اُسکے اندہے پن کی دلیل اور روز روشن کی شہادت ہے۔ اب اگر تم دیکھ نہیں سکتے اور محجوب ہو اور تمکو ظہور صبح حق میں تردد ہے تو اسکی صورت یہ ہے کہ تم انکار کر کے اپنے اندہے پن کو ظاہر نکرو بلکہ خاموش ہی رہو اور دل سے اس بات پر آمادہ رہو کہ اگر کسی طرح مجھپر حق واضح ہو جاوے تو میں قبول کر لوں اور فضل حق کے منتظر رہو کیونکہ جب دل سے قبول حق پر آمادہ ہوگے اور مخالفت ومعاندت نکروگے تو شاید حق سبحانہ کا وہ فضل جو کسی سبب ظاہری پر مبنی نہیں تمہارے شامل حال ہو اور تمہارے دل کا رُخ شقاوت کی طرف سے پہیر کر ہدایت کی طرف کردے اور تم مہتدی ہو جاؤ اور اگر اتنا بھی نہ کروگے اور مخالفت ومعاندت ہی پر آمادہ رہوگے تو سمجھ لو کہ آئینہ حق نما تمسے غلاف میں پوشیدہ ہو گیا اور اب وضوح حق کی ظاہراً کچھ امید نہیں مگر حق سبحانہ کو اب بھی اختیار حاصل ہے کہ وہ دل کو پہیر دیں

اور ہدایت فرما دیں۔ یاد رکھو کہ دن میں یہ کہنا کہ دن کہاں ہے اپنے کو رسوا کرنا ہے۔ نیز صبر اور خاموشی اور دل سے وضوح حق کے بعد قبول حق پر آمادہ رہنا حق سبحانہ کی رحمت کو اس کی طرف کھینچنے والا ہے اور معاندانہ ثبوت طلب کرنا مرض باطنی کی علامت ہے تمکو حکم انصتوا کو قبول کر کے اُسپر کاربند ہونا چاہیئے تاکہ حق سبحانہ کی طرف سے تمپر رحمت ہو خوب سمجھ لو اگر تم عود مرض نہیں چاہتے ہو تو تمکو اطباء کی عزت و توقیر کرنا چاہیئے اور فضول گفتگو کے بدلہ میں بذل مال اور بذل جاہ اور بذل سر خریدنا چاہیئے یعنی فضول باتیں نہ کرنا چاہئیں بلکہ انکے لئے جان مال عزت و آبرو سبکو صرف کرنے پر آمادہ رہنا چاہیئے تاکہ حق سبحانہ تمہاری وہ تعریف کریں کہ اُسکی رفعت پر آسمان کو بھی رشک ہو۔ دیکھو جبکہ تم طبیبوں کی دلداری کرو گے تو اپنے امراض تمکو مشاہد ہوں گے اور تمکو اپنی حالت دیکھکر خود ندامت ہوگی۔ کوئی یہ شبہ نکرے کہ ہدایت انبیاء کے قبضہ میں تھوڑا ہی ہے جو تعظیم و تکریم کے صلہ میں وہ انکو بخشدیں گے کیونکہ گو یہ مسلم ہے کہ ہدایت مخلوق کے قبضہ میں نہیں مگر طبیبوں کا اکرام خود خدا کی ہدایت ہے جو مقدمہ ہے ہدایت الی قبول الحق، کا پس تم ان کے دل و جان سے غلام ہو جاؤ تاکہ مشک و عنبر سے پُر ہو جاؤ۔

شرح شبیری

قوم سبا کا انبیاء علیہم السلام سے معجزوں کی درخواست کرنا

قوم گفتند اے گروہ مدعی — کو گواہ علم طب نافعی

یعنی قوم نے کہا کہ اے گروہ مدعی (نبوت اُس) علم طب نافع کا گواہ کہاں ہے مطلب یہ کہ تم جو کہتے ہو کہ ہمارے پاس وہ علم طب ہے کہ جو بڑے بڑے امراض کا علاج کر سکتا ہے تو اُسکے لئے کوئی گواہ بھی تو ہونا چاہیئے جو اُس علم کے نافع ہونے کو بتادے اور کہتے تھے کہ

چوں شما بستہ ہمیں خواب و خورید — ہمچو ما باشید در دہ می چرید

یعنی (اے گروہ انبیاء) جب تم اسی خواب و خور کے مقید ہو اور ہماری طرح رہتے ہو اور گاؤں میں کھاتے پیتے ہو۔

چوں شما در دام ایں آب و گلید　　کے شما صیاد سیمرغ دلید

یعنی جبکہ تم اسی آب و گل کے دام میں ہو تو تم سیمرغ دل کے صیاد کب ہو سکتے ہو۔ مطلب یہ کہ جب تم ہماری طرح کھاتے پیتے چلتے پھرتے ہو پھر تمہارے اندر کونسی بات زیادہ ہے جو تم پیمبر اور طبیب روحانی کہلانے کے مستحق ہو بلکہ

حب جاہ و سروری دارد براں　　کہ شمارد خویش از پیغمبراں

یعنی حب جاہ و سرداری اُسپر کہتی ہے کہ اپنے کو پیغمبروں سے گنے یعنی تم میں سے ہر ایک کو حب جاہ نے اسپر مجبور کیا ہے کہ دعوے نبوت کا کرتے ہو ورنہ اگر حب جاہ نہ ہوتی تو کبھی تم ایسا دعوے نکرتے،

ما نخواہیم ایچنیں لاف دروغ　　کردن اندر گوش و افتادن بدوغ

یعنی ہم ایسے لاف و دروغ کو کان میں کرنا اور فریب میں پڑنا نہیں چاہتے۔ مطلب یہ کہ جب ہم میں اور تم میں کوئی فرق نہیں ہے اور تم دعویٰ نبوت کا کرتے ہو تو بھلا ہم ایسی شیخی اور دروغ کو کس طرح مان لیں۔

انبیا گفتند کایں زاں علت ست　　مایۂ کوری حجاب رویت ست

یعنی انبیاء نے فرمایا کہ یہ اُسی مرض کی وجہ سے ہے اور کوری کی اصل رویت (حق) کا حجاب ہے یعنی تمہارا مرض اور تمہاری کوری تمہیں رویت حق سے مانع ہو رہی ہے اور فرمایا کہ

دعوی ما را شنیدید و شما　　می نہ بینید ایں گہر در دست ما

یعنی تمنے (صرف) ہمارے دعوی کو تو سُن لیا اور ہمارے ہاتھ میں اس گوہر (نبوت) کو دیکھتے نہیں یعنی تم اس گوہر نبوت کو دیکھتے نہیں حالانکہ یہ اسقدر درخشاں و تاباں ہے کہ اسکے لئے گواہ کی خود ضرورت ہی نہیں مگر جو کوئی نہ دیکھے تو اس کا علاج ہی کیا ہے

امتحانست ایں گہر مر خلق را　　ماش گرد انیم گرد چشمہا

یعنی یہ گوہر مخلوق کیلئے ایک امتحان ہے اور ہم اسکو آنکھوں کے گرد پھرا رہے ہیں۔

ہر کہ گوید کو گوا گفتش گواست　　کو نمی بیند گہر حبس عماست

یعنی جو شخص کہ کہتا ہے کہ گواہ کیا ہے اُس کا قول خود گواہ ہے کہ وہ گوہر کو نہیں دیکھتا اور

محبوس عمٰی ہے۔ مطلب یہ کہ یہ گو ہر نبوت جو اس قدر درخشان و تاباں اور ظاہر ہے یہ مخلوق کے امتحان کیلئے ہے کہ معلوم ہو کہ کون اسکو دیکھتا ہے اور کون اس سے اندھا ہے تو ہم اسکو آنکھوں کی گرد پھرا رہے ہیں اب بھی اگر کوئی اسپر گواہ کو طلب کرتا ہے تو اُس کا یہ طلب گواہ خود اُسکے اندھے ہونیکا گواہ ہے اور معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ شخص اندھا ہے اسکو بصیرت حاصل نہیں ہے۔ آگے ایک مثال فرماتے ہیں کہ

آفتابے در سخن آمد کہ خیز
کہ برآمد روز و برجہ کم ستیز

یعنی ایک آفتاب گفتگو میں آوے کہ اُٹھ اسلئے کہ دن نکل آیا اُٹھ جا مخالفت مت کر۔

تو بگوئی آفتابا کو گواہ
گویدت اے کور از حق دیدہ خواہ

یعنی تو کہے کہ اے آفتاب (اس امر کا) گواہ کون ہے تو وہ تجھے کہیگا کہ ارے احمق حق تعالیٰ سے آنکھ مانگ۔ مطلب یہ کہ مثلاً آفتاب جو تمسے آکر کہے کہ اٹھو دن ہو گیا ہے اور تم اُس سے کہو کہ کون گواہ ہے اس امر کا کہ دن ہو گیا ہے تو وہ یہی کہے کا اندھے تجھے علامت اور گواہ نظر نہیں آتا کہ جو تجھے کہہ رہا ہے وہی علامت و گواہ ہے ۔ اسی طرح انبیاء علیہم السلام فرماتے ہیں کہ طریق حق آگیا ہے اُسکو قبول کرو تم اُن سے گواہ طلب کرتے ہو تو یاد رہے کہ اپنے دعوے کے وہ خود ہی گواہ ہیں ان کا تشریف لانا خود طریق حق کا واضح ہوتا ہے ۵

آفتاب آمد دلیل آفتاب
گر دلیلت باید از وے رو متاب

آگے فرماتے ہیں کہ

روز روشن ہر کہ او جوید چراغ
عین جستن کوریش دارد بلاغ

یعنی روز روشن میں جو شخص کہ چراغ کو تلاش کرے تو بیہودگی سے خود اُسکی یہ تلاش کوری رکھتی ہے یعنی اگر کوئی روز روشن میں یہ کہے کہ مجھے کچھ نظر نہیں آتا معلوم ہوتا ہے کہ رات ہو گئی ہے اور اندھیرا چھا گیا ہے لہٰذا چراغ لاؤ تو اس کا یہ کہنا ہی خود اسکے اندھے ہونیکی علامت ہے۔

ورنہ می بینی گمانے بردۂ
کہ صباح است و تو اندر پردۂ

یعنی اور اگر تو دیکھتا نہیں ہے اور ایک گمان لے گیا ہے کہ صباح ہے اور تو پردہ میں ہے۔

کوری خود را مکن زیں گفت فاش
خامش و در انتظار فضل باش

یعنی اس کہنے سے اپنے اندھے پن کو ظاہر مت کر خاموش اور انتظار فضل (حق) میں رہ۔ مطلب یہ ہے کہ اگر آفتاب نبوت تمکو نظر نہیں آتا تو یہ تو طبعی امر ہے کہ کسی بات کو سنکر ایک شبہ دل میں پڑجاتا ہے کہ ممکن ہے کہ صحیح ہے تو اسکو سنکر تمہیں شبہ تو ہونا چاہئے کہ ممکن ہے کہ یہ نبی ہوں مگر ہمکو نظر نہ آتا ہو اور ہمیں بصیرت نہو آتنا سمجھو اور مخالفت مت کرو بلکہ مخالفت سے خاموش رہکر طلب اور جستجو کرو اور پھر فضل حق کا انتظار کرو انشاء اللہ اگر مخالفت وعناد نہ ہوگا اور طلب ہوگی تو حق ضرور واضح ہوجاوے گا اور فضل حق منعطف ہوگا باقی اس آفتاب نبوت کا انکار کرکے اپنے اندھے ہونیکو ظاہر مت کرو کیا فائدہ ہے بس مخالفت تو کرو مت (خاموش سے یہی مراد ہے) اور طلب کرتے رہو حق انشاء اللہ خود واضح ہوگا اور یہ ہوگا کہ۔

فضل بی علت مگر دریابدت زیں شقاوت روی دل برتابدت

یعنی فضل (حق) بلا سبب (ظاہری) کے شاید تمکو پالے اور اس شقاوت سے تیرے روے دل کو پھیر دے مطلب یہ کہ بلا تدابیر ظاہری انشاء اللہ فضل حق تمہیں پالے گا اور اس بدبختی سے تمکو نجات دیدے گا۔

ور بمانی در چنیں کوری ابد آئینہ پنہاں شد از تو در نمد

یعنی اور اگر تو ایسی ہی کوری ابدی میں رہے تو آئینہ تجھسے نمدے میں پوشیدہ ہوگیا ہے مطلب یہ کہ اگر اب بھی نہ دیکھے تو بس ایسا ہے جیسے کہ آئینہ نمدے میں پوشیدہ کردو تو وہ موجود تو ہے پاس مگر دکھائی نہیں دیتا اور اس سے منتفع نہیں ہوسکتے۔

درمیان روز گفتن روز کو خویش رسوا کردن است ای تندخو

یعنی دن میں یہ کہنا کہ دن کہاں ہے اے تندخو اپنے کو رسوا کرنا ہے مطلب یہ کہ حضرات انبیاء کی مخالفت کرنا خود اپنے کو رسوا کرنا ہے سب کو معلوم ہوجاویگا کہ اسکو بصیرت حاصل نہیں ہے بلکہ اندھا ہے

صبر و خاموشی جذوب رحمت است وین نشان جستن نشان علت است

یعنی صبر و خاموشی جاذب رحمت ہے اور یہ نشان تلاش کرنا نشانی مرض کی ہے۔ صبر و خاموشی سے مراد مخالفت نہ کرنا ہے یعنی حضرات انبیاء کی مخالفت نکرنا یہ جاذب رحمت ہے اور صرف اس سے کہ مخالفت نہو اکثر فضل حق ہوجاتا ہے۔

انصتوا بہ پذیر تا بر جان تو آید از جانان جزائے انصتوا

یعنی انصتوا تو قبول کر تا تیری جان پر جانان کی طرف سے انصتوا کی جزا آوے۔ مطلب یہ کہ قرآن شریف میں ہے انصتوا لعلکم ترحمون ۰ انصتوا پر ترحمون کو محمول کیا ہے لہذا اگر تم مخالفت اہل بعد وانبیاء سے انصات کروگے تو وہ محمول تم پر مرتب ہو جاوے گا

گر نخواہی نکس پیش ایں طبیب بر زمین زن زود سر را ای لبیب

یعنی اگر تو عود مرض نہیں چاہتا تو اے لبیب زمین پر اس طبیب کے سامنے سر ٹیک یعنی عود مرض کو جو سخت مہلک ہے اگر تم نہیں چاہتے تو مخالفت ترک کرو اور اطاعت اختیار کرو انشاء اللہ پھر ایسا نہ ہوگا

گفت افزوں را تو بفروش و بخر بذل جان و بذل جاہ و بذل زر

یعنی زائد باتوں کو تو فروخت کردو اور بذل جان اور بذل جاہ اور بذل سر کو خرید لو

تا ثنائے تو بگوید فضل ہو کہ حسد دارد ملک بر جاہ تو

یعنی تاکہ تمہاری ثنا فضل حق کہے کہ ملک تمہاری جاہ پر حسد کرے یعنی تم اگر اس گفتگو زائد کو فروخت کر کے بذل جاہ وغیرہ حاصل کروگے تو فضل حق نازل ہوگا اور اسوقت تمہارا وہ مرتبہ ہوگا کہ ملک بھی تمہارے جاہ پر رشک کرے گا۔

چوں طبیباں را نگہدارید دل خود بہ بینید و شوید از خود خجل

یعنی جبکہ تم طبیبوں کی دل کی حفاظت کروگے تو خود دیکھ لوگے اور اپنے سے شرمندہ ہوگے یعنی اگر تم مخالفت نکروگے اور انکے دل کو صدمہ نہ پہونچاؤ گے تو پھر اسکی برکت سے حق تم پر خود واضح ہو جاویگا اور اس وقت اپنے اس انکار سے تم خود شرمندہ ہوگے۔

دفع ایں کوری بدست خلق نیست لیک اکرام طبیباں از ہدیست

یعنی اس کوری کا دفع کرنا مخلوق کے قبضہ میں نہیں ہے لیکن طبیبوں کا اکرام ہدایت سے ہے مطلب یہ کہ حضرات انبیاء کے قبضہ میں تو ہدایت کر دینا نہیں ہے جیسا کہ انک لا تھدی من احببت سے صاف معلوم ہوتا ہے مگر ان حضرات کی تعظیم اور انکی عدم مخالفت ضرور اسکے لئے شرط ہے اور ہدایت میں اسکو ضرور دخل ہے لہذا یہ کرو کہ۔

این طبیبان را بجان بندہ شوید ‏ تا بمشک و عنبر آگندہ شوید

یعنی ان طبیبوں کی جان ودل سے مطیع ہوجاؤ تاکہ مشک وعنبر سے پُر ہوجاؤ (بس اصل عدم مخالفت وعناد ہے انشاء اللہ اگر یہ نہ ہوگا تو فضل حق ضرور پاویگا)

شرح حبیبی

قوم گفتند این ہمہ زرق است و مکر ‏ کہ خدا نائب کند از زید و بکر

ہر رسول شاہ باید جنس او ‏ آب و گل کو خالق افلاک کو

مغز خر خوردیم تا ما چون شما ‏ پشہ را داریم ہمراز ہما

کو ہما کو پشہ کو گل کو خدا ‏ ز آفتاب چرخ چہ بود ذرہ را

این چہ نسبت وین چہ پیوندی بود ‏ تا کہ در عقل و دماغے در رود

تا کجا این گفت بیہودہ کجا ‏ این چہ زرقست و چہ شیدست و دغا

خود کجا کو آسمان کو ریسمان ‏ می نگیرد مغز ما این داستان

غالبا ما عقل داریم این قدر ‏ گند نا را می شناسیم از گزر

این بدان ماند کہ خرگوشے بگفت ‏ من رسول ماہم و با ماہ جفت

کز رمہ پیلان بر آن چشمہ زلال ‏ جملہ نخچیران بدند اندر وبال

جملہ محروم و ز خوف از چشمہ دور ‏ حیلۂ کردند چون کم بود زور

از سر کہ بانگ زد خرگوش زال ‏ سوئے پیلان در شب غرہ ہلال

شاہ پیلان من رسولم بیش نیست ‏ بر رسولان بند و زجر و خشم نیست

ماہ می گوید کہ اے پیلان روید ‏ چشمۂ آن ماست زان یکسو شوید

ورنہ من تاں کور گردانم ستم | گفتم از گردن برون انداختم
ترک ایں چشمہ بگوئید ورود ید | تا ز زخم تیغ من ایمن شوید
تک نشان آنست کاندر چشمہ ماہ | مضطرب گردد ز پیل آب خواہ
کہ بیا رابع عشر اے شاہ پیل | تا درون چشمہ یابی زیں دلیل
آں فلاں شب حاضر آای شاہ پیل | تا دروں چشمہ یابی آن دلیل
چونکہ ہفت وہشت از مہ بگذرید | شاہ پیل آمد ز چشمہ می چرید
چونکہ زد خرطوم پیل آن شب در آب | مضطرب شد آب ومہ کرد اضطراب
پیل باور کرد از وے آن خطاب | چوں درون چشمہ مہ کرد اضطراب
ترس ترساں باز گشتند آن رمہ | بعد ازان نامد یکے زلیشان ہمہ
مانہ آن پیلان گو لیم اے گروہ | کا ضطراب ماہ آرد مان شکوہ

انبیاء کا جواب سنکر لوگوں نے کہا کہ ہم ہرگز نہ مانیں گے کہ خدا زید وعمرو وبکر کو اپنا نائب کریگا یہ تمہارا مکر و فریب ہے قاعدہ ہے کہ بادشاہ کا قاصد اُسکے جنس سے ہوتا ہے پھر کجا آب و گل سے بنا ہوا آدمی اور کہاں خالق افلاک۔ ہمنے کچھ گدہے کا بھیجا نہیں کہایا ہے اور ہم احمق نہیں کہ مچھر کو ہما کا ہمسر قرار دیں۔ بھلا کجا مچھر کجا ہما کجا مٹی کجا خدا اور آفتاب فلک سے ذرہ کو کیا نسبت یہ کونسی مناسبت اور کونسا جوڑ ہے جسکو عقل باور کرسکے اور جو دماغ میں اُسکے بھلا کجا ہم کجا یہ بیہودہ گفتگو بھلا ہم ملنے والے ہیں پھر یہ فریب یہ مکر یہ دغا کیسی بھلا کہیں ایسا ہوسکتا ہے توبہ توبہ کہاں آسمان کہاں ریسمان ہمارا دماغ تو اس افسانہ کو قبول نہیں کرتا اور غالباً ہم اتنی تمیز بھی رکھتے ہیں کہ گندنا اور گلزمیں یعنی حق اور باطل میں تمیز کرسکیں

اسکی مثال تو ایسی ہے جیسے ایک خرگوش نے کہا تھا کہ میں چاند کا قاصد اور اس کا قربن ہوں اور وجہ اُسکی یہ تھی کہ ایک شفاف چشمہ پر تمام شکار ہاتھیوں کے ہاتھ سے پریشان اور اُس سے منتفع ہونے سے محروم اور خوف کے باعث اس چشمہ سے دور تھے اور قوت تھی نہیں اسلئے انکو تدبیر کی سوجھی اور اُنھوں نے یہ چال کی کہ چاندرات کو پہاڑ پر سے ایک بوڑھے خرگوش نے ہاتھیوں کو آواز دی اور کہا کہ اے ہاتھیوں کے بادشاہ میں محض قاصد ہوں اور قاعدہ ہے کہ قاصدوں کو نہ قید کیا جاتا ہے اور نہ اُنپر غیظ وغضب کیا جاتا ہے۔ پس میں جو کچھ کہنے والا ہوں امید ہے کہ میں اس میں معذور سمجھا جاؤں گا۔ چاند کہتا ہے کہ اے ہاتھیو تم چلے جاؤ اور ہمارے چشمہ سے الگ ہوجاؤ ورنہ میں تمکو بہت بُری طرح اندھا کردوں گا۔ دیکھو میں تمکو اطلاع کرچکا ہوں اور اپنی گردن سے اُس بار کو الگ کرچکا ہوں پس تم اس چشمہ کو چھوڑدو اور جہاں جی چاہے چلے جاؤ۔ تاکہ میری تلوار کے زخم سے محفوظ رہو یہ تو پیغام تھا اب اگر اُسکی تصدیق چاہتے ہو کہ واقعی یہ پیغام چاند ہی کا ہے تو اُسکی علامت یہ ہے کہ جو ہاتھی پانی پینے جاویگا چاند اُسکی اس حرکت سے چشمہ کے اندر پیچ وتاب کھاویگا پس میں آپ سے کہتا ہوں کہ آپ چودھویں تاریخ کو آئیں تاکہ چشمہ کے اندر اُس علامت کو مشاہدہ کریں آپ اُس رات کو ضرور آئے تاکہ چشمہ کے اندر آپکو یہ علامت معلوم ہوجائے جبکہ پندرہ راتیں چاند کی گذر گئیں یعنی گذرنے کو ہوئیں تو ہاتھیوں کا بادشاہ آیا اور چشمہ سے پانی پینے لگا جوں ہی اُسنے اُس رات کو پانی میں سونڈ ڈالی فوراً ہی پانی میں اضطراب پیدا ہوا اور چاند بھی مضطرب ہونے لگا جبکہ ہاتھی نے چشمہ کے اندر چاند کا اضطراب دیکھا تو اُسکو خرگوش کی بات کا یقین ہوگیا اور سارا گلہ خوف زدہ ہوگیا اور اسکے بعد اُس میں سے ایک بھی چشمہ کی طرف نہ پھٹکا تو صاحبو ہم احمق ہاتھی نہیں ہیں کہ ہمکو چاند کا خیالی اضطراب مرعوب کرسکے۔

شرح شبیری

قوم سبا کا انبیاء علیہم السلام متہم قرار دینا

قوم گفتند ایں ہمہ زرقست ومکر ۔۔۔ کہ خدا نائب کند از زید وبکر

یعنی قوم نے کہا کہ یہ سب فریب ہے اور مکر ہے کہ خدا زید و بکر میں سے کسیکو اپنا نائب

بتاوے۔ مطلب یہ کہ وہ نبوت ہی کا انکار کرتے تھے اور کہتے تھے کہ بشر رسول حق ہو ہی نہیں سکتا اسلئے کہ۔

ہر رسول شاہ باید جنس او آب و گل کو خالق افلاک کو

یعنی ہر رسول شاہ اس کی جنس سے ہونا چاہئے اور آب و گل کہاں اور خالق افلاک کہاں مطلب یہ کہ رسول مرسل کی جنس سے ہونا چاہئے تو خدا کا رسول خدا ہی ہوا اور یہ ہوگا نہیں تو بس رسول بھی نہ ہوگا اور کہتے تھے کہ۔

مغز خر خوردیم تا ما چوں شما پشہ را داریم ہمسر از ہما

یعنی کیا ہمنے مغز خر کھا لیا ہے تاکہ ہم تمہاری طرح پشہ کو ہمسر از ہما کا رکھیں یعنی ہم کوئی بیوقوف تو نہیں ہیں جو بشر کو رسول حق تان لیں اسلئے کہ۔

کو ہما کو پشہ کو گل کو خدا ز آفتاب چرخ چہ بود ذرہ را

یعنی کہاں تو ہما اور کہاں پشہ اور کہاں مٹی اور کہاں خدا اور آفتاب چرخ کو ذرہ سے کیا نسبت ہوگی۔

ایں چہ نسبت ایں چہ پیوندے بود تا کہ در عقل و دماغے در رود

یعنی یہ کیا نسبت اور کیا تعلق ہوگا کہ کسی عقل و دماغ میں جاویگا۔

ما کجا ویں گفت بیہودہ کجا ایں چہ زرقست و چہ شیدست و دغا

یعنی ہم (یعنی انسان) کہاں اور یہ بیہودہ بات کہاں یہ کیا فریب اور کیا مکر اور کیا دغا ہے۔

خود کجا کو آسمان کو ریسماں می نگیرد مغز ما ایں داستاں

یعنی خود کہاں (نسبت) ہے کہاں آسمان اور کہاں ریسماں ہماری تو عقل اس بات کو قبول نہیں کرتی (کہ خدا کا رسول اور قاصد بشر ہو)

غالباً ما عقل داریم ایں قدر گندنا را می شناسیم از گزر

یعنی غالباً ہم اسقدر تو عقل رکھتے ہیں کہ پیاز کو گاجر سے ممتاز کر لیں (تو ایسا تو نہیں ہے کہ بشر کو قاصد حق مان لیں آخر خدا اور بشر میں امتیاز کرنے کی لائق تو ہماری عقل ہے ہی) آگے خرگوشوں کی حکایت لاتے ہیں کہ ان کفار نے کہا کہ بشر کو رسول حق کہنا تو ایسا ہے جیسے کہ اس خرگوش نے

(جس کا قصہ کلیلہ و دمنہ میں ہے) ہاتھی سے کہا تھا کہ میں قاصد ماہ ہوں تو جس طرح کہ وہ غلط کہتا تھا اسی طرح یہ بات بھی غلط ہے۔

حکایت خرگوشوں کی کہ ایک خرگوش کو ہاتھی کے پاس رسول بنا کر بھیجا تھا کہ جا کر کہہ کہ میں چاند کا قاصد ہوں چاند نے کہا ہے کہ اس چشمہ سے پانی مت پیا کر اور یہ قصہ کتاب کلیلہ و دمنہ میں ہے

این بدان ماند کہ خرگوشی بگفت　　من رسول ماہم و با ماہ جفت

یعنی یہ (دعویٰ نبوت) اس سے مشابہ ہے کہ ایک خرگوش نے کہا تھا کہ میں چاند کا رسول ہوں اور اس کا قرین ہوں مطلب یہ کہ جیسا وہ غلط تھا ایسا ہی یہ بھی نعوذ باللہ غلط ہے اور اس خرگوش نے ایسا اسلئے کیا کہ۔

کز رمہ پیلاں ازیں چشمہ زلال　　جملہ نخچیراں بدند اندر وبال

یعنی کیونکہ جماعت پیلوں کی وجہ سے اس چشمہ شیریں سے تمام نخچیر وبال میں تھے یعنی ان کو اس سے پینا نصیب نہ ہوتا تھا۔

جملہ محروم و زخوف از چشمہ دور　　حیلہ کردند چوں کم بود زور

یعنی سب محروم تھے اور خوف کی وجہ سے چشمہ سے دور تھے تو انہوں نے جبکہ قوت کم تھی ایک حیلہ کیا (اور وہ حیلہ یہ کیا کہ)

از سر کہ بانگ زد خرگوش زال　　سوئے پیلاں در شب غرہ ہلال

یعنی ایک بوڑھے خرگوش نے سر کوہ سے ہاتھیوں کی طرف غرہ ہلال کی شب میں آواز دی یعنی اول شب ماہ میں آکر اسنے سر کوہ سے یہ آواز دی کہ۔

شاہ پیلاں من رسولم بیش نیست　　بر رسولاں بند و زجر و نیش نیست

یعنی اے شاہ پیلاں میں رسول ہوں اور زیادہ (کچھ) نہیں ہوں اور قاصدوں پر بند اور زجر اور

یعنی نہیں ہے مطلب یہ کہ میں ایلچی ہوں اور ایلچی را چہ زوال۔

ماہ می گوید کہ اے پیلاں روید　　　چشمہ آن ماست زاں یکسو شوید

یعنی چاند کہتا ہے کہ اے ہاتھیو چلے جاؤ چشمہ ہماری ملک ہے اس سے ایک طرف ہو جاؤ۔(راوی کہتا ہے کہ)۔

ورنہ من تاں کور گردانم ستم　　　گفتم از گردن برون انداختم

یعنی ورنہ میں تمکو ستم سے اندھا کر دونگا تو میں نے کہدیا اور گردن سے باہر ڈال دیا ہے مطلب یہ کہ خرگوش نے کہا کہ چاند نے یہ پیغام دیا ہے کہ اس چشمہ سے ہٹ جاؤ ورنہ میں تمکو اندھا کر دونگا تو اب میں تو تم سے کہہ چکا ہوں تم جانو۔

ترک ایں چشمہ بگوئید و روید　　　تا ز زخم تیغ من ایمن شوید

یعنی اس چشمہ کو چھوڑدو اور چلے جاؤ تاکہ میری تیغ کی زخم سے بیخوف رہو۔

نک نشاں آنست کاندر چشمہ ماہ　　　مضطرب گردد ز پیل آب خواہ

یعنی (اُس چاند کی ناراضگی کی) نشانی یہ ہے کہ چشمہ کے اندر چاند آبخواہ ہاتھی سے مضطرب ہوتاہے یعنی جب کوئی ہاتھی پانی پینا چاہتا ہے تو چاند غصہ کی وجہ سے چشمہ کے اندر کانپا کرتاہے پس یہ اُسکی علامت ہے کہ وہ ہاتھیوں کے پانی پینے سے ناراض ہے اور یہ کہا کہ۔

کہ بیا رابع عشر اے شاہ پیل　　　تا درون چشمہ یابی زیں دلیل

یعنی اے شاہ پیل چودہویں رات کو آنا تاکہ چشمہ کے اندر تو اس سے دلیل پاوے یعنی اُس خرگوش نے کہا کہ اے شاہ پیل تم چودہویں رات کو آنا اسوقت تمکو اُس کی خفگی اور اس کا اضطراب معلوم ہو جاویگا۔

آں فلاں شب حاضر آ ای شاہ پیل　　　تا درون چشمہ یابی آن دلیل

یعنی اُس فلاں رات میں اے شاہ پیل آ تاکہ چشمہ کے اندر تو اُس دلیل کو پالے۔

چوں دو ہفتہ از مہ نو بگذرید　　　شاہ پیل آمد ز چشمہ می چرید

یعنی ماہ نو کے دو ہفتے گذر گئے تو شاہ پیل آیا کہ چشمہ سے چرتا تھا یعنی وہ بعد دو ہفتہ کے کہ چودہویں شب تھی چشمہ سے پانی پینے آیا۔

چونکہ زد خرطوم پیل آن شب در آب ... مضطرب شد آب مہ کرد اضطراب

یعنی ہاتھی نے جبکہ اس شب کو پانی میں سونڈ ماری تو پانی مضطرب ہوا اور چاند نے بھی اضطراب کیا یعنی پانی کے ہلنے سے چاند بھی ہلا۔

پیل باور کرد از وے آن خطاب ... چون درون چشمہ مہ کرد اضطراب

یعنی ہاتھی نے اس خرگوش سے اس بات کو یقین کر لیا جبکہ چشمہ کے اندر ماہ نے اضطراب کیا یعنی جب چاند انکے پانی پینے سے ہلا تو یہ سمجھے کہ بیشک یہ پانی پینے سے خفا ہوتا ہے اسلئے خفگی کے مارے کانپ رہا ہے۔

ترس ترساں باز گشتند آں رمہ ... بعد ازاں نامد یکے زالیشاں ہمہ

یعنی ڈرتے ڈرتے وہ گروہ واپس ہو گئے اور اسکے بعد ان سب میں سے ایک بھی نہ آیا اور سب ڈر گئے اور وہ نخچیر آرام سے بیٹھ گئے۔ آگے اہل سبا کا مقولہ ہے کہتے ہیں کہ

مانہ زاں پیلاں گو لیم اے گروہ ... کاضطراب ماہ آرد ماں شکوہ

یعنی اے گروہ (انبیاءؑ) ہم ان بیوقوف ہاتھیوں میں سے نہیں ہیں کہ چاند کا مضطرب ہونا ہمارے لئے خوف لاوے یعنی ایسے ڈرنے والے نہیں ہیں تو تم جو قاصد حق بنکر ہمیں ڈراتے ہو ہم اس سے ڈرنیوالے نہیں ہیں۔ جب انہوں نے یہ کہا تو حضرات انبیاءؑ جواب فرماتے ہیں کہ

شرح حبیبی

انبیاءؑ گفتند آوہ پند ماں	سخت تر کرد اے سفیہاں بندتاں
اے دریغا کہ دوا در رنج تاں	گشت زہر جاں قہر آہنج تاں
ظلمت افزود ایں چراغ آن چشم را	چوں خدا بگماشت پردہ خشم را
چہ رئیسی جست خواہیم از شما	کہ ریاست ما فزونست از سما
چہ شرف یابد ز کشتی بحر در	خاصہ کشتی ز سر گیں گشتہ پر

ای دریغ آں دیدۂ کور و کبود — کافتابے اندرو ذرہ نمود

زآدمے کو بود بے مثل و ندید — دیدۂ ابلیس جز طینے ندید

چشم دیوانہ بہارش دے نمود — زانطرف جنبید کورا خانہ بود

اے بسا دولت کہ آید گاہ گاہ — پیش بے دولت بگردد او زراہ

اے بسا معشوق کاید ناشناخت — پیش بدبختے نداند عشق باخت

احمقاں را ایں چنیں حرماں چراست — می نسازد گمرہاں را راہ راست

ایں غلط دہ دیدہ را حرماں ماست — ویں مقلب قلب را سوء القضاست

چوں بت سنگیں شما را قبلہ شد — لعنت و کوری شما را ظلہ شد

چوں بشاید سنگ تاں انباز حق — چوں نشاید عقل و جاں ہمراز حق

پشۂ مردہ ہمارا شد شریک — چوں نشاید زندہ ہمراز ملیک

یا مگر مردہ تراشیدہ شماست — پشہ زندہ تراشیدہ خداست

عاشق خویشید و صنعت کرد خویش — دم ماراں را سر مارست کیش

نے دراں دم دولتے و نعمتے — نے دراں سر راحتے و لذتے

گرد سر گرداں بود آں دم مار — لائق اند و درخورند آں ہر دو یار

آنچناں گوید حکیم غزنوی — در الٰہی نامہ گر خوش بشنوی

کم فضولی کن تو در حکم قدر — در خور آمد شخص خر با گوش خر

شد مناسب عضوہا و ابدانہا — شد مناسب وصفہا با جانہا

وصف ہر جانے مناسب باشدش / بیگماں جانے کہ حق بتراشدش

چوں صفت با جاں قرین کردست او / پس مناسب دانش ہمچوں چشم و رو

شد مناسب وصفہا در خوب و زشت / شد مناسب حرفہا کہ حق نوشت

دیدہ و دل ہست بین الاصبعین / چون قلم در دست کاتب ای حسین

اصبع لطف است و قہر اندر میاں / کلک دل با قبض و بسطے زیں بناں

اے قلم بنگر گر اجلالیستی / کہ میان اصبعان کیستی

جملہ قصد و جنبشت زیں اصبعست / فرق تو بر چار راہ مجمع است

ایں حروف حالہات از نسخ اوست / عزم و فسخت ہم ز عزم و فسخ اوست

جز نیاز و جز تضرع راہ نیست / زیں تقلب ہر قلم آگاہ نیست

ایں قلم داند و لے بر قدر خود / قدر خود پیدا کند در نیک و بد

انبیاءؑ نے جواب دیا کہ اے احمق لوگو افسوس کہ تم پر ہماری نصیحت کا بُرا اثر پڑا اور اُسنے تمہاری بندش کو اور بھی سخت کر دیا کیونکہ پہلے تو صرف گمراہی تھی اور اب اسکے ساتھ عناد بھی شامل ہو گیا اور افسوس کہ ہماری دوا تمہاری بیماری کے بارہ میں تمہاری مقہور جان کیلئے زہر بنگئی اور چونکہ حرکتوں سے حق سبحانہٗ نے اپنے قہر کا پردہ تمہاری آنکھوں پر ڈالدیا ہے اسلئے اس چراغ ہدایت نے تمہاری آنکھوں کیلئے تاریکی ہی بڑھائی۔ اے احمقو تم سوچو تو سہی کہ جبکہ ہماری ریاست آسمان سے بھی زیادہ ہے تو ہم تم سے ریاست کے کیا طلبگار ہو سکتے ہیں اور غور تو کرو کہ موتیوں والا سمندر ایک کشتی سے کیا عزت حاصل کر سکتا ہے بالخصوص اُس کشتی سے جو گوبر سے پُر ہو۔ اب مولانا فرماتے ہیں (اور یہ بھی ممکن ہے کہ مقولہ انبیاءؑ ہی ہو) واقعی اُس آنکھ کی حالت نہایت افسوسناک ہے جسمیں آفتاب ذرہ معلوم ہوا اور ایسا ثابت ہوتا ہے چنانچہ آدم علیہ السلام باوجودیکہ لاجواب اور

بے مثل تھے مگر ابلیس کی آنکھ کو مٹی کے سوا اور کوئی بات نظر نہ آئی اور اُسنے کہدیا انا خیر منہ
خلقتنی من نار وخلقتہ من طین اور اسکی ابلیسی آنکھ نے اُن کی بہار کو خزاں ہی دکھلایا کیوں نہو
ہر کوئی اپنے گھر ہی کی طرف سے حرکت کرتا ہے یعنی ہر شخص کے خیالات و افعال اُسکے مناسب ہوتے
ہیں اسلئے ابلیس نے بھی وہی کیا جو اُسکے مناسب تھا۔ ارے بہت سی دولتیں ایسی ہوتی ہیں کہ
کبھی کبھی اور اتفاق سے کسی مفلس کے سامنے آجاتی ہیں لیکن وہ بجائے اسکے کہ اسپر قبضہ کرے
اُس راستہ ہی کو چھوڑ دیتا ہے اور بہت سے معشوق ایسے ہوتے ہیں کہ ایک بدنصیب عاشق
کے پاس بھیس بدلکر آتے ہیں مگر وہ اپنا ارمان نہیں نکال سکتا۔ یہ لوگ نہایت ہی احمق ہوتے
ہیں۔ اب سنو کہ احمق اسقدر کیوں محروم ہوتے ہیں بات یہ ہے کہ گمراہوں اور کجرفتاروں کیلئے
راہ راست موافق اور مناسب ہی نہیں اصل وجہ اس کی یہ ہے کہ ہر بات تقدیر سے تعلق رکھتی ہے
پس ہماری آنکھ کو غلطی میں ڈالنے والی ہماری شقاوت ازلی ہے اور ہمارے دلوں کو گمراہی کی طرف
پھیر والی خوبی تقدیر ہے ۵

تہیدستان قسمت را چہ سود از رہبر کامل — کہ خضر از آب حیوان تشنہ می آرد سکندر را

اس استطرادی مضمون کو یہانتک پہونچا کر مولانا پھر جواب انبیاء بیان فرماتے ہوئے کہتے ہیں کمبختو
چونکہ تمنے بتوں کی پرستش شروع کی اسلئے یہ لعنت بعد عن الرحمۃ اور اندھاپن پھر چھا گیا کہ
تم کسی طرح حق کو قبول نہیں کرتے اور یہ آفتاب تمہیں نظر نہیں آتا تم کہتے ہو کہ تم خدا کے رسول
کیسے ہو سکتے ہو اچھا تم ہی انصاف کرو جب تمہارے بُت خدا کے شریک ہو سکتے ہیں حالانکہ
پتھر ہیں تو ذی روح اور ذی عقل خدا کا مقرب کیوں نہیں ہو سکتا۔ اور جبکہ مردہ پتھر (بت) ہما
(حق سبحانہ) کا شریک و سہیم ہو سکتا ہے تو زندہ پتھر (آدمی) بادشاہ (حق سبحانہ) کا مقرب
کیوں نہیں ہو سکتا یا شاید یہ فرق ہو کہ وہ مردہ تمہارا بنایا ہوا ہے اسلئے وہ تو شریک ہو سکتا ہے
اور زندہ خدا کا بنایا ہوا ہے اسلئے وہ خدا کا مقرب بھی نہیں ہو سکتا لاحول ولا قوۃ بات یہ ہے
کہ تم لوگ خود اپنے اوپر اور اپنی مصنوعات پر عاشق ہو اسلئے تم اپنے کو انبیاء سے برتر سمجھتے ہو
اور اپنی مصنوعات کو بھی اور تمہارے مناسب بھی یہی ہے کیونکہ سانپ کی دُم کا دین و مذہب
اسکا سر ہی ہوتا ہے۔ کیونکہ نہ اس دم میں کوئی خوبی ہے نہ سر میں کوئی بہتری اسلئے وہ دُم

سر کے گرد گھومتی ہے اور یہ جوڑا نہایت ہی مناسب ہے۔ دیکھو اگر تم غور سے سنو تو میں تمہیں بتاؤں
کہ حکیم غزنوی الٰہی نامہ میں یوں فرماتے ہیں کہ تم حکم الٰہی میں گفتگو اور بحث ومناظرہ نہ کیا کرو۔ بلکہ تم جس مرتبہ
کے ہو اُسی مرتبہ پر رہو کیونکہ ہر چیز اپنے میل کیساتھ اچھی ہوتی ہے چنانچہ گدہے کا جسم گدہے کے
کانوں ہی کے مناسب ہے اور گدہے کے کان اُسکے جسم کیلئے زیبا ہیں چونکہ تمہارا منہ نہیں
کہ احکام الٰہیہ میں گفتگو کرو اسلئے خاموش رہنا چاہیئے یہ حاصل تھا حکیم غزنوی کی نصیحت کا آگے
مولانا اسپر اضافہ فرماتے ہیں یا یوں کہو کہ اُسکی تشریح فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ کچھ گدہے ہی
کی تخصیص نہیں بلکہ تمام اعضاء وابدان میں مناسبت ہوتی ہے اور اعضاء وابدان کی بھی تخصیص
نہیں بلکہ اوصاف ارواح اور خود ارواح میں بھی مناسبت ہوتی ہے اور جس جان میں جو صفت
حق سبحانہ پیدا فرماتے ہیں وہی اُسکے لئے مناسب ہوتی ہے پس جس جان میں جو وصف غیر اختیاری
دیکھو سمجھ لو کہ یہی اسکے مناسب ہے جیسے آنکھ اور چہرہ میں مناسبت ہوتی ہے پس اچھے لوگوں اور
بُرے لوگوں میں جو اوصاف ہیں وہ سب اُن کے مناسب ہیں کیونکہ وہ آثار صنع حق ہیں اور حق سبحانہٗ
حکیم مطلق اور صانع کامل ہیں پس ان کی صنعت کے آثار میں ہرگز بے ڈھنگا پن نہیں ہو سکتا جب
یہ مقدمہ ممہد ہو گیا تو اب سمجھو کہ دل اور آنکھ حق سبحانہ کی دو انگلیوں کی یوں ہی درمیان میں ہیں جسطرح
کہ کاتب کے ہاتھ میں قلم ایک انگلی لطف ہے دوسری قہر اور ان دونوں کے درمیان میں قلم دل ہی
وہ قلم کبھی ان انگلیوں کے اثر سے منقبض ہوتا ہے اور کبھی منبسط جب یہ بھی معلوم ہو گیا تو اب وہ
مضمون اچھی طرح ثابت ہو گیا کہ تم اپنے کو اور اپنے بتوں کو انبیاء سے بڑھکر سمجھتے ہو تمہارے
مناسب ہے بھی یہی۔ اب مولانا اس مضمون کے نتیجہ کے طور نصیحت فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جب
یہ ثابت ہوا کہ تم حق سبحانہ کے قبضہ میں ہو وہ جس طرف چاہیں تمہیں پلٹ سکتے ہیں تو تمکو اس امر کا ضرور
لحاظ رکھنا چاہیئے کہ تم کس مقتدر کے قبضہ میں ہو یاد رکھو کہ تمہاری ہر حرکت اُسی کے حکم سے اور
تمہارا سر چوراہے پر رکھا ہوا ہے یعنی جسطرح چوراہے پر رکھے ہوئے سر کو ہر طرف کے آنے جانے
والے لوگوں کی ٹھوکروں کا خطرہ ہوتا ہے اور اسکو اطمینان نہیں ہو سکتا کہ میں ایک حالت پر قائم ہونگا
یوں ہی تمکو بھی اپنی حالت پر اطمینان نہ ہونا چاہیئے بلکہ قہر الٰہی سے ہر وقت ڈرتے رہنا چاہیئے۔ اور اپنی
طاعات وعبادات پر کبھی ناز نکرنا چاہیئے کیونکہ تمہارے حالات قلبیہ اُسیکے پیدا کئے ہوئے ہیں اور

تمہارا عزم و فسخ عزم سب اُسیکی عزم و فسخ کا اثر ہے پس ایسی حالت میں گھمنڈ اور ناز کا کوئی موقع نہیں اور بجز نیاز و تضرع زاری و مسکنت کے اور کوئی بہبودی کی صورت نہیں ہر شخص اس تقلب سے واقف نہیں اسلئیے وہ بے اعتدالیون میں منہمک ہے اور جو شخص کچھ جانتا بھی ہے وہ بھی اس کی حقیقت سے واقف نہیں بلکہ اپنی حیثیت کیموافق جانتا ہے اور حیثیت اُسکی اُسکے افعال حسنہ اور سیئہ سے ظاہر ہے کہ وہ کس درجہ کا آدمی ہے۔

شرح شبیری

انبیاء علیہم السلام کا اُن کے طعن کا جواب دینا اور انکی مثال بیان فرمانا

انبیاء گفتند آوہ پند ماں　　سخت تر کرد اے سفیہاں بند تاں

یعنی انبیاء علیہم السلام نے فرمایا کہ افسوس ہماری نصیحت نے اے بیوقوفو تمہاری بند کو زیادہ کردیا

اے دریغا کہ دوائے رنج تاں　　گشت زہر جان قہر آہنج تاں

یعنی افسوس کہ تمہارے مرض کی دوا تمہاری قہر کش جان کیلئے زہر ہوگیا یعنی ان کی جو جان قہر کی جاذب اور قہر حق کو کھینچنے والی تھی اُسکے لئے یہ نصائح انبیاء زہر ہو گئی اور ان کا کفر اور بھی زیادہ ہوگیا۔

ظلمت افزود ایں چراغ آں چشم را　　چوں خدا بگماشت بر دل خشم را

یعنی اس چراغ (نبوت) نے اُس آنکھ کو ظلمت ہی بڑھائی جبکہ خدا نے دل پر خشم کو مقرر فرمادیا تھا یعنی چونکہ اُنکے دل پر خشم حق تھا لہذا انکو چراغ ہدایت اور آفتاب نبوت نے اور ظلمت ہی کو زیادہ کیا اُنکو ہدایت نہ ہوسکی اور انبیاء ع نے فرمایا کہ۔

چہ رئیسی جست خواہیم از شما　　کہ ریاست ماں فزونست از سما

یعنی ہم تمسے کیا ریاست کو ڈھونڈیں گے کہ ہماری ریاست تو آسمان سے زیادہ ہے مطلب یہ کہ ہم تمسے جاہ و مال کیا طلب کرتے ہماری سلطنت تو زمین و آسمان سب پر ہے۔ تو پھر ہمکو تمہارا مال

و دولت لیکر کیا نفع ہوگا آگے اُسکی مثال دیتے ہیں کہ۔

چہ شرف یابد ز کشتی بحر دُر　　　خاصہ کشتی ز سرگیں گشتہ پُر

یعنی موتیوں کا دریا کشتی سے کیا شرف پاویگا۔ خاصکر اس کشتی سے جو سرگین سے پُر ہو۔
مطلب یہ کہ جس دریا میں موتی بھرے ہوں اگر اُس میں ایک کشتی بھی آجاوے تو اُس کشتی سے
اس دریا کو کیا شرف ہو سکتا ہے اور خاصکر جبکہ وہ کشتی گوبر سے بھری ہو تو بجائے شرف کی
اور گندگی ہی زیادہ ہوگی تو اسی طرح انبیاء نے فرمایا کہ تمہاری مال و دولت سے ہمکو شرف تو
کیا ہوتا اور گندگی ہی بڑھے گی آگے فرماتے ہیں کہ۔

اے دریغ آن دیدۂ کور و کبود　　　آفتابے اندر و ذرہ نمود

یعنی افسوس ہے اُس کور و کبود آنکھ پر کہ جو آفتاب اُسکے اندر ذرہ دکھائی دیا۔ مطلب یہ کہ اس
اندھے کی حالت قابل افسوس ہے کہ جسے آفتاب ذرہ دکھائی دے تو اسی طرح جو آفتاب
کو نہ دیکھے وہ بھی یقیناً اندھا ہے۔

ز آدمے کو بود بے مثل و ندید　　　دیدۂ ابلیس جز طینے ندید

یعنی اُن آدم سے جو کہ بے مثل و نظیر تھے دیدۂ ابلیس نے سوائے مٹی کے (کچھ) نہ دیکھا۔

چشم دیوانہ بہارش دے نمود　　　زانطرف جنبید کورا خانہ بود

یعنی چشم احمقانہ نے اسکو بہار دے دکھلائی اور اس طرف سے جنبش کی جس طرف کہ اُس کا
گھر تھا یعنی چونکہ اس کا گھر اور مرجع ضلال تھا لہذا اسکو غلط ہی دکھائی دیا۔

اے بسا دولت کہ آید گاہ گاہ　　　پیش بے دولت بگردد او ز راہ

یعنی بہت سی وہ دولتیں جو کبھی کبھی بے دولت کے سامنے آتی ہیں تو وہ راہ سے پھر جاتا ہے
مطلب یہ کہ جسکو مفت گھر بیٹھے دولت ہاتھ آجاوے اسکو اس دولت کی قدر نہیں ہوا کرتی۔

اے بسا معشوق کاید ناشناخت　　　پیش بدبختے ندانند عشق باخت

یعنی بہت سے وہ معشوق کہ وہ ناآشنا سا ہو کر کسی بدبخت کے سامنے آدیں تو وہ عشق کرنا نہ جانے گا
مطلب یہ کہ اگر کوئی معشوق کسی کے پاس خود چلا جاوے تو جو عاقل ہے وہ تو اُسکی اور قدر کریگا
اور اسکو نعمت غیر مترقبہ سمجھے گا مگر جو بیوقوف ہے وہ اُسکی بیقدری کرے گا اور اسکو بہچانیگا بھی

نہیں تواسی طرح اُن لوگوں کے پاس دولت نبوت مفت ہی آگئی ہے لہذا یہ کمبخت قدر نہیں کرتے آگے فرماتے ہیں کہ

احمقاں را ایں چنیں حرماں چراست　　　می نسازد گمرہاں را راہ راست

یعنی احمقوں کو البسا حرمان کیوں ہیں (اس سوال کے بعد جواب خود فرماتے ہیں) گمراہوں کو راہ راست موافق نہیں آتی (لہذا محروم رہتے ہیں)۔

ایں غلط دہ دیدہ احرماں ماست　　　وین مقلب قلب را سوء القضاست

یعنی آنکھ کو غلطی میں ڈالنے والا ہمارا حرمان ہے اور یہ مقلب قلب کو سوء القضا ہے مطلب یہ کہ ہماری محرومی باعث ہے غلطی دیدہ کی اور ہمارے قلب کو سوء القضا تقلیب کر رہی ہے۔ لہذا ہم غلطی میں پڑے ہوئے ہیں آگے انبیاء ع کا مقولہ ہے فرماتے ہیں کہ۔

چوں بُت سنگین شما را قبلہ شد　　　لعنت و کوری شما را ظلہ شد

یعنی جبکہ بُت سنگین تمہارے لئے قبلہ ہو گئے اور لعنت و کوری تمہارے لئے سایہ ہو گئیں۔

چوں بشاید سنگ تا انباز حق　　　چوں نشاید عقل و جان ہمراز حق

یعنی جبکہ تمہارے پتھر خدا کے شریک ہو سکتے ہیں تو عقل و روح ہمراز حق کیوں نہیں ہو سکتے۔ مطلب یہ ہے کہ اُنہوں نے کہا تھا کہ بھلا بشر کس طرح رسول حق ہو سکتا ہے رسول تو مرسل کی جنس سے ہونا چاہئے حضرات انبیاء علیہم السلام اس کا جواب دیتے ہیں کہ دیکھو تم پتھر کے بتوں کو خدا کا شریک مانتے ہو تو کمبخت بھلا وہ مُردہ بیجان بے عقل پتھر تو شریک حق ہو سکے اور جو کہ زندہ ہے اور عقل و جان رکھتا ہے وہ رسول بھی نہ ہو سکے غضب کی بات ہے

پشّہ مردہ ہُما را شد شریک　　　چوں نشاید زندہ ہمسراز ملیک

یعنی مردہ مچھر تو ہما کا شریک ہو جاوے تو زندہ ہمراز شاہ کیوں نہیں ہو سکتا۔ مطلب یہ کہ ذرا سوچو تو کہ مُردوں کو تو تم شریک حق بتا رہے ہو اور انسان زندہ اگر کہے کہ وہ قاصد ہے تو اُسکو نہیں مانتے بظاہر (اور فی الحقیقۃ) تو انسان کا قاصد حق ہونا ان کے شریک ہونے سے اقرب ہے مگر یہ فرق ہو سکتا ہے کہ۔

آں بُت مردہ تراشیدہ شما ست　　　پشّہ زندہ تراشیدہ خدا ست

یعنی وہ بُت مُردہ تو تمہارا بنایا ہوا ہے اور وہ پشہ زندہ بنایا ہوا خدا کا ہے تو اپنی بنائی ہوئی چیز کو تو اسقدر بڑھایا کہ اُسے بھی خدا بنا دیا اور خدا کی بنائی ہوئی شے ایسی کہ وہ قاصد حق بھی نہ ہو سکے انکی تو یہ حالت ہے کہ۔

عاشق خویشند و صنعت کرد خویش　　دم ماراں را سر مار است کیش

یعنی یہ لوگ اپنے اور اپنے کی ہوئی صنعت کے عاشق ہیں اور سانپوں کی دُم کیلئے سانپ کا سر ہی مذہب ہے مطلب یہ ہے کہ جب سانپ بیٹھتا ہے تو دُم کو چکر دیکر منہ سے ملا لیتا ہے تو جس طرح کہ دُم کیلئے سر مار مذہب ہوتا ہے کہ وہ اُسی طرف رجوع ہوتی ہے اسی طرح یہ لوگ اپنی مصنوعات کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں اور اُنہیں پر مغرور اور خوش رہتے ہیں حالانکہ۔

نے دراں دم دولتے و نعمتے　　نے دراں سر راحتے و لذتے

یعنی نہ تو اُس دُم میں کوئی دولت یا نعمت ہے اور نہ اس سر میں کوئی راحت یا لذت ہے۔

گرد سر گرداں بود آں دُم مار　　لائق اند و در خورند آں ہر دو یار

یعنی وہ سانپ کی دُم سر کے گرد گرداں رہتی ہے تو وہ دونوں یار لائق اور مناسب ہیں مطلب یہ کہ جس طرح کہ اُس دُم یا سر مار میں کوئی دولت یا نعمت یا راحت نہیں ہوتی اسی طرح نہ خود ان میں اور نہ ان کی مصنوعات میں کوئی راحت وغیرہ ہے تو یہ جو آپس میں ایک دوسرے کے عاشق ہیں یہ اسوجہ سے کہ دونوں آپس میں مناسب ہیں کہ دونوں مضر اور بیکار ہیں لہذا کند ہمجنس با ہمجنس پرواز تو چونکہ ان کی مناسب ضلالت اور گمراہی ہی ہے تو انکو وہی نصیب ہوتی ہے آگے فرماتے ہیں کہ

آنچناں گوید حکیم غزنوی　　در الٰہی نامہ گر خوش بشنوی

یعنی اگر تم خوب سنو تو (ہم تم کو بتلادیں کہ) حکیم غزنوی الٰہی نامہ میں اس طرح کہتے ہیں کہ۔

کم فضولی کن تو در حکم قدر　　در خور آمد شخص خر با گوش خر

یعنی تم حکم قدر میں فضولی مت کرو (اسلئے کہ) جسم خر گوش خر کیساتھ مناسب آیا ہے مطلب اس کا اور اگلے کئی اشعار کا یہ ہے کہ حکم قدر میں تم اعتراض مت کرو حق تعالیٰ نے ہر شے کو اپنے مناسب کیساتھ بنایا ہے تو اسی طرح انکے مناسب گمراہی تھی ان کو گمراہ کر دیا ہے

شد مناسب عضوہا و ابدانہا　　شد مناسب وصفہا با جانہا

یعنی اعضا، ابدان کے مناسب ہیں اور اوصاف جانوں کے مناسب ہیں۔

وصف ہر جانے مناسب با شدش　　بیگمان جائے کہ حق بتراشدش

یعنی وصف ہر جان کا اُسکے مناسب ہوتا ہے اور اس جگہ تو یقینا جبکہ حق نے بنایا ہو۔

چون صفت با جاں قرین کردست او　　پس مناسب دانش ہمچوں چشم ورو

یعنی جب کسی صفت کو حق تعالیٰ نے کسی جان کیساتھ قرین کیا ہے تو اسکو چشم ور و کی طرح مناسب ہی سمجھو۔ یعنی جس طرح کہ چشم و رو مناسب ہیں اسی طرح اور جسقدر اوصاف وغیرہ حق تعالیٰ نے کسی میں پیدا کئے ہیں وہ سب بھی مناسب ہی ہین۔

شد مناسب وصفہا در خوب و زشت　　شد مناسب حرفہا کہ حق نوشت

یعنی اچھے برے کے تمام اوصاف مناسب ہیں اور وہ حروف کہ حق نے لکھے ہیں سب مناسب ہیں یعنی جو جسکی تقدیر میں لکھا ہے وہ اُسکے مناسب ہے۔

دیدہ و دل ہست بین الاصبعین　　چون قلم در دست کاتب اے حسین

یعنی دیدہ و دل (حق تعالیٰ کی) دو انگلیوں کے درمیان میں (اس طرح) ہین جس طرح کہ کاتب کے ہاتھ مین قلم ہوتا ہے اے حسین۔ یعنی جس طرح کہ کاتب کے ہاتھ میں قلم ہوتا ہے کہ وہ جسطرح چاہے اسکو پھیرے اسی طرح حق تعالیٰ کے قبضہ مین قلب ہے جسطرح وہ چاہیں اُسکو پھیر سکتے ہیں خواہ اسکو بینا کر دیں یا کور کر دیں جو چاہیں کریں۔

اصبع لطف است و قہر اندر میان　　کلک دل با قبض و بسطے زین بنان

یعنی لطف و قہر کی انگلی درمیان میں ہے تو اس انگلی کی وجہ سے کلک دل قبض و بسط میں ہے۔ یعنی جب لطف ہے تو دل میں بھی بسط ہے اور اگر قہر ہے تو دل میں بھی انقباض ہے تو جب قلب قلم کی طرح ہے تو اسکو خطاب کر کے فرماتے ہیں کہ۔

اے قلم بنگر گر اجلالیستے　　کہ میان اصبعین کیستے

یعنی اے قلم دیکھ لے اگر تو اجلالی ہے کہ کسکی انگلیوں میں ہے۔

جملہ قصد و جنبشت زین اصبع است　　فرق تو بر چار راہ مجمع است

یعنی تیرے تمام قصد اور حرکات اس انگلی سے ہیں اور سر تیرا مجمع کے چوراہے پر ہے یعنی جس

طرح کہ قلم کہ ہوتا تھیے کاتب کی انگلیوں میں مگر اس کا سر جوڑا ہے پر ہوتا ہے کہ وہ جو لکھتا ہے اسکو سب دیکھتے ہیں۔ اسی طرح انسان کا قلب ہے تو خدا کے قبضہ میں مگر جو کچھ اعمال یہ کرتا ہے اسکو ایک عالم دیکھتا ہے۔

این حروف حالہات از فسخ است　　　عزم و فسخت ہم ز عزم و فسخ اوست

یعنی تیرے حالات کے یہ حروف اسکے لکھنے سے ہیں اور تیرا عزم اور فسخ عزم اسکے عزم و فسخ سے ہے (غرضکہ تمام حالات اسیکے قبضہ میں ہیں جب یہ حالت ہے تو اب سمجھ لو کہ)

جز نیاز و جز تضرع راہ نیست　　　زیں تقلب ہر قلم آگاہ نیست

یعنی بجز نیاز و تضرع کے کوئی راہ نہیں ہے اور تقلب سے ہر قلم آگاہ نہیں ہے مطلب یہ کہ بس اب تمکو چاہئے کہ درگاہ حق میں نیاز و تضرع سے کام لو اور ان ہی سے اپنی درستی حالت کو عرض کرو کہ وہی اسکو درست کر دینگے باقی بے اُنکے کئے کچھ نہ ہوگا۔ اور اس تقلب سے ہر شخص چونکہ آگاہ نہیں ہے اسی لئے گمراہ ہوتے ہیں۔

این قلم داند ولے بر قدر خود　　　قدر خود پیدا کند در نیک و بد

یعنی اسکو قلم جانتا ہے لیکن اپنی قدر کے موافق اور اپنی قدر کو نیک و بد میں ظاہر کر دیتا ہے یعنی اسکو جانتا بھی ہے مگر ہر شخص اپنی قدر کے موافق ہی جانتا ہے اور جب اسکو لوگوں میں ظاہر کرتا ہے تو اپنی قدر کو سب پر ظاہر کر دیتا ہے اور سبکو معلوم ہو جاتا ہے کہ انکی یہ حالت ہے اور ان کا علم اسقدر ہے آگے ایک مضمون لاتے ہیں جسکا خلاصہ یہ ہے کہ مثال یا مثل وہ بیان کر سکتا ہے جو اس مثال یا مثل کی اور ممثل لہ دونوں کی حقیقت سے واقف ہو اور اسکے افعال و خواص کو احاطہ کئے ہوئے ہو ورنہ مثال مطابق واقع کے نہ ہوگی بلکہ یوں ہی اوٹکل پیس ہوگی اور یہ معلوم ہے کہ حق تعالیٰ کی کنہہ ذات کسیکو معلوم نہیں ہے تو ان لوگوں نے جو مثل بیان کی کہ حق تعالیٰ کو ماہ کہا اور انکے قاصدوں کو خرگوش کی طرح کہا اور پھر اس کا غلط ہونا ثابت کیا یہ مثل مطابق واقع کے نہیں ہے اسلئے کہ مثال کی اگر حقیقت سمجھ بھی لی تو طرف ثانی ممثل لہ کی حقیقت کی تو خبر نہیں ہے پھر کس طرح مثال بیان کر سکتے ہیں۔ اب اشعار سے سمجھ لو۔

شرح حبیبی

آنچه در خرگوش و پیل آویختند / تا ازل را با حیل آمیختند

کے رسد تان این مثلها ساختن / سوئے آن درگاہ پاک انداختن

آن مثل آوردن آن حضرت است / کہ بعلم سر و جہر او آیت است

تو چہ دانی سر چیزے ای تو کل / تا بہ زلف و یا بہ رخ آری مثل

موسی آنرا کہ عصا دید و نبود / اژدہا بد سر او لب بر کشود

چون چنان شاہی نداند سر چوب / تو چہ دانی سر آن دام و حبوب

چون غلط شد چشم موسی در مثل / چون کند موشی فضولی مدخل

آن مثالت را چو اژدرہا کند / تا بپاسخ جزو جزوت بر کند

این مثل آورد ابلیس لعین / تا کہ شد ملعون حق تا یوم دین

این مثال آورد قارون از لجاج / تا فرو شد در زمین با تخت و تاج

این مثال آورد نمرود جہول / تا کہ پشہ مغز سر خوردش عجول

این مثال اندیش گشتہ قوم عاد / کاستخوان شان خرد مرد آمد زباد

این مثال آورد شداد لئیم / تا کہ شد محروم از ہر دو نعیم

این مثال آورد فرعون از غلط / تا کہ اندر آب دریا شد سقط

این مثال آورد ہر بدبخت دون / تا کہ شد در قعر دوزخ سرنگون

این مثالت را چو زاغ و بوم دان / کہ از ایشان پست شد صد خاندان

اب اہل سبا کی طرف رُخ کرتے ہیں اور ان کی خبر لیتے ہیں فرماتے ہیں کہ اُن احمق لوگوں نے جو خرگوش
اور ہاتھی کے قصہ کو دست آویز بنایا جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ حکم ازلی کو چالاکیوں کی ضمن میں داخل کر دیا۔
بھلا ان سے کوئی کہے کہ گدھو تمہیں کب زیبا ہے کہ مثلیں تراش تراش کر حضرت حق سبحانہ
سے انکو منسوب کرو و لہ المثل الاعلیٰ مثال بیان کرنا تمہارا کام نہیں کیونکہ اُسکے لئے ضرورت
ہے ممثل بہ اور ممثل لہ ہر دو کے پورے حالت معلوم ہونے کی تاکہ قیاس مع الفارق نہو جاوے
اور یہ بات تم میں مفقود ہے لہذا ثابت ہوا کہ یہ تمہارا کام نہیں۔ بلکہ یہ حق سبحانہ کے شایاں
ہے جو کہ علم محیط رکھتے ہیں اور جن کا علم غیب و شہادت نہایت واضح امر ہے۔ مثلاً اگر کوئی
گنجا زلف و رخ کی مثال بیان کرے تو اُس سے یہی کہا جاویگا اے گنجے جب تیرے زلفیں ہی
نہیں اور تو نے زلف کبھی دیکھی بھی نہیں تو تو زلف و رُخ کی حالت کیا جانے کہ تو ان کی مثال
بیان کرتا ہے۔ یاد رکھو کہ مثال بیان کرنا یعنی کسی شے کی حالت ظاہر کرنا کچھ آسان کام نہیں۔
دیکھو موسیٰ علیہ السلام نے جس چیز کو محض لاٹھی سمجھا تھا وہ صرف لاٹھی ہی نہ تھی بلکہ باطن کے
لحاظ سے اژدہا بھی تھی جسکی اندرونی حالت بعد کو ظاہر ہوئی اور ایک وقت میں وہ منہ کھول کر
کھڑی ہو گئی۔ بھلا جب اتنا بڑا شخص ایک لکڑی کی باطنی حالت نہ سمجھ سکے پھر تمہیں اُس دام و
دانہ کی حقیقت کیا معلوم ہو سکتی ہے جسنے تمکو پھنسا رکھا ہے اور جبکہ اظہار حال میں حضرت موسیٰ
علیہ السلام سے غلطی ہوئی تو بھلا چوہا بیہودہ اس میں بل کیا بنا سکتا ہے اور اس میں کیا مداخلت
کر سکتا ہے یاد رکھنا کہ حق سبحانہ تمہاری مثال کو اژدہا بنا دینگے کہ وہ جواب میں تمہارے عضو عضو
کو الگ کر دیگا۔ یعنی اس کا جواب یہ ہوگا کہ تم ہلاکت ابدی میں مبتلا ہو گے دیکھو ابلیس ملعون نے بھی اظہار
حال آدم میں یوں ہی غلطی کی تھی اُس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہمیشہ کیلئے ملعون ہو گیا اور قارون نے بھی یوں
ہی مکابرہ و مجادلہ کیا تھا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تخت و تاج سمیت زمین میں دھنس گیا اور جاہل نمرود
نے بھی اسی طرح مجادلہ کیا تھا جسکے سبب ایک مچھر نے فوراً اس کا بھیجا کھالیا اور قوم عاد نے بھی یہی
باتیں گھڑی تھیں جن سے ان کی ہڈیوں کو چور چور کر دیا گیا اور شداد پاجی نے بھی اسی قسم کا
مکابرہ کیا تھا جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ دونوں جنتوں سے محروم رہا نہ اپنی بہشت سے منتفع ہوا نہ خدا کی
بہشت سے اور فرعون نے بھی یوں ہی غلط جھگڑا کیا تھا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ پانی میں ڈوب گیا

غرض ہر بدبخت وشقی ازلی نے اسی قسم کی فضول باتیں کیں حتےٰ کہ وہ دوزخ میں الٹا گرادیا گیا بس تم اپنی اس مثال کو ایک کوا پایا تو سمجھو جسنے ہزاروں گھرانے تباہ کردئے لہذا وہ تم کو بھی نہیں چھوڑ سکتا۔

شرح شبیری

بیان اُس کا کہ ہر شخص کا کام مثال بیان کرنا نہیں ہے اور خاصکر کارخانۂ حق میں جو کہ غیر متناہی ہو

آنچہ در خرگوش و پیل آں ریختند ۔۔۔ تا ازل را با حیل آمیختند

یعنی جو کچھ کہ وہ لوگ خرگوش و پیل (کے قصہ) میں اچھلے اور ازل کو حیل کیساتھ ملا دیا۔

کے رسد شان این مثلہا ساختن ۔۔۔ سوئے آن درگاہِ پاک انداختن

یعنی انکو یہ مثل بیان کرنا کب پہونچتا ہے (اور پھر) اُس درگاہ پاک کی طرف ڈالنا۔ مطلب یہ کہ حکم ازلی کو ان خرگوشوں کے حیلہ کیساتھ ملا دیا اور ان دونوں باتوں کو ایک کرکے اللہ میاں تک پہونچے کہ انکی مثال بیان کی تو ان لوگوں کو یہ کب مناسب تھا اسلئے کہ یہ تو حقائق اشیاء سے پوری طرح واقف ہی نہیں۔

ایں مثال آوردن آن حضرت است ۔۔۔ کہ بہ علم سر وجہر او آیت است

یعنی یہ مثال بیان کرنا کام (اس) درگاہ کا ہے کہ جو علم سر وجہر میں حجت ہے یعنی جسکو کہ حقائق اشیاء کا علم ہے اس کا کام ہے کہ وہ مثال بیان کرے تو وہ مطابق واقع کے ہوگی اسلئے کہا سکو طرفین کی حقیقت معلوم ہے۔

تو چہ دانی سر چیزے تا تو کل ۔۔۔ تا بہ زلف و یا بہ رُخ آری مثل

یعنی جب تک کہ تو گنجا ہے تو کسی چیز کا بھید کیا جانے تاکہ زلف یا رخ کی مثل بیان کرے مطلب یہ کہ جب تم گنجے ہو تو تم کیا جانو کہ زلف کیسی ہوتی ہے اور رخ حسین کیسا ہوتا ہے اب تم اُسکی مثال بیان کرنے لگے تو یہ سراسر حماقت ہی ہے۔ اسی طرح جب تمکو کسی شی کی حقیقت معلوم

نہیں تو اُسکی مثال ہی کیا بیان کرسکتے ہو آگے اس حقیقت ناشناسی کی ایک نظیر لاتے ہیں کہ۔

موسیٰ آنرا کہ عصا دید و نبود　　　اژدہا بُد سرِ او لب می کشود

یعنی موسیٰ نے جسکو کہ عصا دیکھا اور وہ (عصا) نہ تھا (بلکہ) اژدہا تھا اور اسکے بھید کو لب کھولتا تھا یعنی دیکھو موسیٰ ؑ اس عصا کی حقیقت کو نہ سمجھے اور سوال حق پر یہی کہا کہ عصای میری لاٹھی ہے حالانکہ وہ اژدہا تھا اور جب وہ لب کھولتا تھا تو اس کا بھید ظاہر ہوتا تھا۔

چوں چناں شاہی نداند سرِ چوب　　　تو چہ دانی سرِ این دام و حبوب

یعنی ایسا بادشاہ ایک لکڑی کے بھید کو نہ جانے تو تم اس دام اور دانوں کے راز کو کیا جانو یعنی دنیا میں جو دام و حبوب ہیں تم کو اُنکے اسرار کی کیا خبر ہو سکتی ہے

چوں غلط شد چشم موسیٰ در مثل　　　چوں کند موشے فضولے مدخل

یعنی جب مثل بیان کرنے میں چشم موسیٰ غلط ہو گئی تو ایک چوہا فضولی کسطرح دخل دے سکتا ہے۔ اور وہ مثال مطابق واقع کے تو کیا ہوتی بلکہ یہ ہوتا ہے کہ)

آں مثالت را چو اژدرہا کند　　　تا بپاسخ جزو جزوت برکند

یعنی تمہاری اس مثال کو حق تعالیٰ اژدہا بنا دیتے ہیں یہانتک کہ جواب میں وہ تمہارے جزو جزو کو اُکھاڑ دیتی ہے۔ مطلب یہ کہ وہ مثال خود تمہیں کو نقصان دہ ہوتی ہے آگے الیسی مثال کے نقصان دہ ہونے کی نظائر بیان فرماتے ہیں کہ

این مثال آورد ابلیس لعین　　　تا کہ شد ملعون حق تا یوم دین

یعنی ابلیس ملعون یہ مثال لایا۔ یہانتک کہ قیامت تک ملعون حق ہوگیا۔ مطلب یہ کہ اُسنے یہ کہا خلقتنی من نار و خلقتہ من طین تو دیکھو اسی وجہ سے ملعون بن گیا۔

این مثال آورد قاروں از لجاج　　　تا فرو شد در زمین با تخت و تاج

یعنی یہی مثال قارون مخالفت کی وجہ سے لایا۔ یہانتک کہ زمین میں مع تخت و تاج کے چلا گیا۔ مطلب یہ کہ اُسنے کہا کہ انما اوتیتہ علی علم عندی۔ اسی دعوے ہی کی بدولت اُسکو خسف ہوا

این مثال آورد نمرود جہول　　　تا کہ پشہ مغز سر خوردش عجول

یعنی یہی مثال نمرود جاہل لایا۔ یہانتک کہ مچھر نے جلدی سے اُس کا مغز سر کھالیا۔ مطلب یہ کہ اُسنے کہا تھا انا احیی و اُمیت تو خدا کی برابری کی تھی لہذا ہلاک ہوا۔

این مثال اندیش گشتہ قوم عاد　　کاستخوان شان خرد و مرد آمد زباد

یعنی اس مثال کے سوچنے والے قوم عاد ہوئے کہ اُن کی ہڈیاں ہوا سے چور چور ہوگئیں۔ یعنی انہوں نے تکبر و نافرمانی کی تھی جیسا کہ جابجا قرآن شریف میں ہے تو اُنکو سزا ملی۔

این مثال آورد شداد لئیم　　تا کہ شد محروم از ہر دو نعیم

یعنی شداد لئیم بھی اس مثال کو لایا یہانتک کہ وہ دونوں نعمتوں سے محروم رہا۔ مطلب یہ کہ مشہور ہے کہ اُسنے ایک باغ بنایا تھا جسکو وہ بہشت کی مثال کہا کرتا تھا تو اُس کے اس دعوی کی بدولت ہلاک ہوا۔ اور دونوں نعیم سے محروم رہنے کے یہ معنے بھی ہوسکتے ہیں کہ مشہور ہے کہ جب وہ اُسکی مصنوعہ جنت تیار ہوئی تو وہ اس میں داخل ہوتے لگا دروازہ میں قدم رکھتے ہی روح پرواز کر گئی خسر الدنیا والاخرۃ کا مصداق ہوگیا۔

این مثال آورد فرعون از غلط　　تا کہ اندر آب دریا شد سقط

یعنی یہی مثال فرعون غلطی کی وجہ سے لایا۔ یہانتک کہ آب دریا میں ساقط ہوا یعنی اُسنے کہا انا ربکم الاعلے الیس اس دعوی میں مارا گیا۔ یہ نظائر تو خاص خاص تھی آگے عام طور پر فرماتے ہیں کہ۔

این مثال آورد ہر بدبخت دوں　　تا کہ شد در قعر دوزخ سر نگوں

یعنی ہر بدبخت کمینہ اس مثال کو لایا یہانتک قعر دوزخ میں سر نگون ہوا یعنی ہر بدبخت کمینہ ایسے دعوے کرتا ہے تو ہلاک ہوتا ہے آگے فرماتے ہیں کہ۔

این مثالت را چو زاغ و بوم دان　　کہ از ایشان پست شد صد خاندان

یعنی اپنی اس مثال کو زاغ و بوم کی طرح (منحوس) جانو کہ اُنکی وجہ سے سیکڑوں خاندان برباد ہوگئے ہیں پس اسی طرح تمہاری ان مثلوں سے بھی بہت بربادی پہیلتی ہے آگے نوح علیہ السلام کے کشتی بنانیکے قصہ کو بیان فرماتے ہیں کہ وہ کشتی بنایا کرتے تھے اور انکی قوم اُنپر استہزا میں مثالیں بیان کرتی تھی تو وہ قوم آخر ہلاک ہوئی یہ اُسی خیل ناکافی کی بدولت ہے کہ حقیقت کو سمجھتے نہیں ہیں اور مثال بیان کرنے بیٹھ جاتے ہیں اب حکایت سنو

شرح حبیبی

نوح اندر بادیہ کشتی بساخت | صد مثل گو از پئے تسخر بتاخت

در بیابانے کہ چاہ و آب نیست | میکند کشتی چہ ناداں ابلہی است

آں یکے میگفت ایں کشتی بتاز | واں یکے میگفت پرش ہم بساز

آں یکے میگفت دنبالش کژ است | واں یکے میگفت پشتش کژتر است

آں یکے میگفت پالانش کجاست | واں یکے میگفت پالیش کژ چرا ست

واں یکے میگفت کاں مشکو تہی است | واں یکے میگفت ایں خر بہر کیست

آں یکے میگفت جو چوں میخورد | ورنہ بارت کے بمنزل می برد

آں یکے میگفت بیکاری مگر | یا شدے فرتوت شد عقلت زسر

او ہمی گفت ایں بفرمان خداست | ایں بچربکہا نخواہد گشت کاست

ایں مثل بشنو کہ شب دزد عنید | در بن دیوار حفرہ می برید

نیم بیدارے کہ او رنجور بود | طقطق آہستہ اش را می شنود

رفت بر بام و فرود آویخت سر | گفت او را در چہ کاری ای پدر

خیر باشد نیم شب چہ می کنی | تو کہ گفتا دہل زن ای سنی

در چہ کارے گفت می کوبم دہل | گفت کو بانگ دہل ای بو سبل

گفت فردا بشنوی ایں بانگ را | نعرۂ یا حسرتا وا ویلتا

من چو رفتم بشنوی بانگ دہل | آنزماں واقف شوی بہ خبر دل

اوپر مولانا نے فرمایا تھا کہ مجادلین تباہ و برباد ہو گئے۔ اب اُسکو ایک مثال سے ثابت کرتے ہیں اور کہتے ہیں۔ دیکھو لوگوں نے نوح علیہ السلام سے بھی اسی قسم کے مجادلے کئے تھے پھر اُن کا کیا حشر ہوا۔ تفصیل اُسکی یہ ہے کہ نوح علیہ السلام کشتی بنا رہے تھے اُسکو دیکھکر سیکڑوں مثالیں بیان کرنیوالے تمسخر کیلئے دوڑ پڑے اور کہا کہ اس خشکی میں جہاں نہ کنواں ہے نہ پانی یہ شخص کشتی بنا رہا ہے نہایت بیوقوف آدمی ہے (نعوذ باللہ) کوئی کہتا تھا کہ جناب ذرا اسی چلائے تو سہی کوئی کہتا تھا کہ چلنے کیلئے اسکے پاؤں تو ہیں نہیں لہذا آپ اس میں پر لگائیں کوئی کہتا تھا کہ اس کا پیچھا ٹیڑھا ہے کوئی کہتا تھا کہ اسکی کمر ٹیڑھی ہے کوئی کہتا تھا کہ اسکا پالان کہاں ہے کوئی کہتا تھا کہ اسکے پاؤں ٹیڑھے کیوں ہیں کوئی کہتا تھا کہ یہ تو خالی مشک ہے کوئی کہتا تھا کہ یہ گدھا کس کے لئے ہے کہ اسکے منہ تو ہے نہیں پھر چرتا کیسے کہا تا ہے اور اگر کہا تا ہی نہیں تو آپ کا سامان منزل تک کیونکر لیجاتا ہے۔ کوئی کہتا تھا کہ جناب معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو کوئی کام نہیں جو اس فضول اور لایعنی کام میں مصروف ہیں یا آپ بڈھے ہو گئے ہیں اور دماغ سے عقل جاتی رہی ہے وہ سب کا یہی جواب دیتے تھے کہ یہ میں بحکم الٰہی بنا رہا ہوں اور تمہاری پھبتیوں سے اس میں ہرگز کمی نہیں آسکتی ابتو تم مذاق اُڑا رہے ہو لیکن انشاء اللہ ایک دن تمکو اسکی ضرورت معلوم ہو جاویگی چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ طوفان آیا اور سب ڈوب گئے۔ نوح علیہ السلام اور اُنکی قوم کی حالت ایسی تھی جیسے ایک چور دیوار کی جڑ میں نقب لگا رہا تھا ایک ایسے شخص نے جو بیمار تھا اور بیماری کے سبب سے اچھی طرح نیند نہ آتی تھی اسلئے کچھ سو رہا تھا کچھ جاگ رہا تھا اسکی آہستہ آہستہ کھٹ کھٹ کو سنا یہ سنکر وہ کوٹھے پر چڑھا اور اُسنے سر جھکا کر اس سے کہا کہ آپ کیا کر رہے ہیں خیر تو ہے آپ کون ہیں اور آدھی رات کے وقت کیا کر رہے ہیں۔ اُسنے جواب دیا کہ میں ڈھول بجانے والا ہوں پھر اُسنے کہا کہ اچھا آپ کر کیا رہے ہیں اُسنے کہا کہ میں ڈھول بجا رہا ہوں اُسنے کہا کہ ڈھول کی آواز تو کہیں معلوم نہیں ہوتی اُسنے کہا کہ یہ آواز اب سنائی دیگی بلکہ کل سننا جبکہ میں مال لیکر چلتا ہونگا اور تم واویلا اور آہ و فریاد سے گھر کو سر پر اُٹھالوگے جب میں جاؤنگا اُسوقت وہ آواز سنائی دیگی اور مفصل حالت معلوم ہو جائیگی یونہی قوم نوح کو بھی کشتی کی ضرورت اسوقت محسوس نہ ہوتی تھی اور بعد کو اُنکو اچھی طرح معلوم ہو گئی۔

آں دروغ است و کژ و بر ساختہ　　بہرآں کژ را تو ہم نشناختہ
در غلط افتادۂ اے نیم خام　　پختہ شو در آتش حق والسلام

پس جس طرح قوم نوح علیہ السلام وغیرہ کی مثالیں غلط تھیں اور اُنکو کشتی وغیرہ کا راز معلوم نہ تھا یوں ہی تمہاری مثال بھی خلاف واقع غلط اور تراشی ہوئی ہے نیز تمکو اس کا راز بھی معلوم نہیں دیکھو تم غلطی میں پڑے ہوئے اور ادکچرے ہو پس تمکو آتش حب حق میں پختہ ہونا چاہئے۔

شرح شبیری

قوم نوح کا اُنکی کشتی بنانے میں استہزاء کی طور پر مثل بیان کرنا

نوحؑ اندر بادیہ کشتی بساخت　　صد مثل گو از پئے تسخر بتاخت

یعنی نوح علیہ السلام نے خشکی میں کشتی بنائی تو سیکڑوں مثل بیان کرنیوالے مسخرہ پن کیلئے دوڑے اور کہتے تھے کہ۔

در بیابانے کہ چاہ و آب نیست　　می کند کشتی چہ ناداں ابلہ است

یعنی جس جگہ پر کہ کنواں یا پانی نہیں ہے یہ کشتی بنا رہے ہیں کیا نادان اور احمق ہیں (نعوذ باللہ)

آں یکے میگفت ایں کشتی بتاز　　واں یکے میگفت پرش ہم بساز

یعنی وہ ایک کہتا تھا کہ اس کشتی کو تو دوڑا دو تو اور وہ دوسرا کہتا تھا کہ اُسکی پَر بھی بنا دو یعنی پانی وغیرہ تو ہے ہی نہیں پھر اسکے چلنے کی کیا سبیل ہے۔ پَر بنالو کہ جس سے اُڑا کیے۔

آں یکے میگفت دنبالش کجاست　　واں یکے میگفت پشتش کژ چراست

یعنی وہ ایک کہتا تھا کہ دنبال اسکا ٹیڑھا ہے اور ایک کہتا تھا کہ اسکی پشت ٹیڑھی میڑھی ہے۔

آں یکے میگفت پالانش کجاست　　واں یکے میگفت پایش کج چراست

یعنی ایک کہتا تھا کہ اُس کا پالان کہاں ہے اور ایک کہتا تھا کہ اُس کا پاؤں کج کیوں ہے مطلب یہ کہ خشکی میں تو گھوڑا وغیرہ چل سکتا تھا اور انداز سے معلوم ہوتا ہے کہ تم اسکو خشکی ہی میں چلاؤ گے تو یہ تو بتاؤ کہ اسکا پالان کہاں ہے کمبخت سارے مسخرے جمع تھے۔

آں یکی میگفت کایں مشکے تہی ست | واں یکی میگفت ایں خر بہر کیست

یعنی ایک کہتا تھا کہ یہ ایک مشک خالی ہے (یعنی فضول ہے) اور ایک کہتا تھا کہ یہ گدہا کسکے لئے ہے

آں یکی میگفت چوں چوں میخورد | ورنہ بارت کے بمنزل می برد

یعنی ایک کہتا تھا کہ یہ جو کسطرح کہاتا ہے اور اگر نہیں کہاتا تو تمہارے بوجھ کو منزل پر کس طرح لیجاتا ہے،

آں یکی میگفت بیکاری مگر | یا شدی فرتوت عقلت شد ز سر

یعنی ایک کہتا تھا کہ شاید تم بیکار ہو یا فرتوت ہو گئے ہو اور تمہارے سر سے عقل جاتی رہی ہے (نعوذ باللہ) غرض کہ وہ کمبخت یہ باتیں کیا کرتے تھے اب اُن کا جواب سُنئے کہ کس متانت سے فرماتے ہیں کہ۔

او ہمی گفت ایں بفرماں خداست | ایں بچربکہا نخواہد گشت کاست

یعنی وہ فرماتے تھے کہ یہ حکم خدا سے ہے اور یہ ان تمسخروں سے گھٹے گی نہیں مطلب یہ کہ تم خواہ کتنا ہی استہزا کرو یہ اسی طرح رہیگی اور تمکو کل معلوم ہوجاویگا کہ یہ تمسخر کسپر پڑیں گے۔ قرآن شریف میں بھی ہے کہ ان تسخروا منا فانا نسخر منکم کما تسخرون۔ آگے مولانا ایک چور کی حکایت لاتے ہیں کہ جس طرح کہ نوح علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ کل تمکو معلوم ہوجاویگا اور یہ بات اُنکے کلام سے نکلتی ہے اسی طرح ایک چور نقب دے رہا تھا صاحب خانہ نے پوچھا کہ ارے تو کون ہے اُسنے کہا کہ ڈھول بجانے والا ہوں صاحب خانہ نے کہا کہ کیا کر رہا ہے بولا کہ ڈھول بجا رہا ہوں صاحبخانہ نے کہا کہ آواز کہاں ہے تو کہتا ہے کہ اُسکی آواز تجھے کل کو سنائی دیگی جب بارے میں غل مچاتا پھر لگا۔ تو اسی طرح نوح ع نے کہدیا کہ کل کو خبر ہوجاوگی اب حکایت سنو۔

حکایت اُس چور کی کہ نقب لگا رہا تھا اور سمجھ رہا تھا کہ میں ڈھول بجا رہا ہوں

ایں مثل بشنو کہ شب دزد عنید | در بُن دیوار حفرہ می برید

یعنی یہ مثل سنو کہ ایک شب کو ایک چور معاند ایک دیوار کی جڑ میں نقب لگا رہا تھا۔

نیم بیدارے کہ او رنجور بود　　طقطقی آہستہ اش را می شنود

یعنی ایک نیم بیدار جو بیمار تھا اُسکی آہستہ کھٹ کھٹ کو سنتا تھا۔

رفت بر بام و فرو آویخت سر　　گفت او را در چہ کارے ای پدر

یعنی وہ مریض کوٹھے پر گیا اور سر نیچے لٹکا کر اُس سے بولا کہ اے بابا تو کس کام میں ہے۔

خیر باشد نیم شب چہ می کنی　　تو کئی گفتا دُہل زن ای سنی

یعنی خیر تو ہے تو رات کو کیا کر رہا ہے ارے تو کون ہے تو وہ چور بولا ارے بھائی ڈھول بجانیوالا ہوں

در چہ کاری گفت میکوبم دُہل　　گفت کو بانگ دہل ای بو سبل

یعنی تو کس کام میں ہے اُسنے کہا ڈھول بجا رہا ہوں تو صاحب خانہ نے کہا کہ اے بوسبل ڈھول کی آواز کہاں ہے۔

گفت فردا بشنوی این بانگ را　　نعرۂ یا حسرتا واویلتا

یعنی چور نے کہا کہ اس آواز کو تو کل کو سن لیگا (اور وہ) یا حسرتا یا ویلتا کا نعرہ ہے یعنی جب تو یا حسرتا یا ویلتا کرے گا اسوقت معلوم ہوگا کہ ہاں ڈھول بج رہا تھا (اور بولا کہ)

من چو رفتم بشنوی بانگ دُہل　　آں زماں واقف شوی بر جزو و کل

یعنی میں جب چلا گیا تو تو ڈھول کی آواز سن لیگا۔ اور اُسوقت جزو و کل پر واقف ہو جاویگا۔ پس اسیطرح حضرت نوح علیہ السلام اُس قوم سے فرماتے تھے کہ وہ کہتے تھے کہ کشتی کیوں بناتے ہو تو فرما دیتے تھے کہ کل کو اسکی حقیقت معلوم ہو جاویگی۔ آگے پھر اُن ہی انبیاء ؑ قوم سبا کا مقولہ ہے کہ فرماتے ہیں کہ

آں دروغ ست و کژ و بر ساختہ　　سر آں کژ را تو ہم نشناختہ

یعنی وہ (مثل) جھوٹ ہے اور کج ہے اور گھڑی ہوئی ہے اور اس کج کے سر کو تم بھی نہیں پہچانتے۔

در غلط افتادۂ اے نیم خام　　پختہ شو در آتش حق والسلام

یعنی اے نیم خام تو غلطی میں پڑا ہوا ہے تو حق تعالیٰ کی آتش (محبت) میں پختہ ہو جاؤ والسلام

مطلب یہ کہ چونکہ تم اس مثل کی حقیقت کو نہیں سمجھے اسلئے غلطی کر رہے ہو اور اگر اس مثل کی حقیقت کو سمجھ لیتے تو پھر ایسی غلطی نکرتے تو اب تم حب حق دل میں پیدا کرو اُس سے یہ غلطی رفع ہو جاویگی۔ آگے اُس مثل کو خود اُن ہی پر صادق کرتے ہیں کہ۔

شرح حبیبی

سرّ آں خرگوش داں دیو فضول — کہ بہ پیش نفس تو آمد رسول

تا کہ نفس گول را محروم کرد — ز آب حیوانی کہ از وے خضر خورد

باز گونہ کردہ معنیش را — کفر گفتی مستعد شو نیش را

اضطراب ماہ گفتی در زلال — کہ بترسانید پیلاں را اشغال

قصۂ خرگوش و پیل آری و آب — خشیت پیلاں زمہ در اضطراب

ایں چہ ماند آخر اے کوراں خام — با مہے کہ شد زبونش خاص و عام

چہ مہ و چہ آفتاب و چہ فلک — چہ عقول و چہ نفوس و چہ ملک

چہ وحوش و چہ طیور و چہ جماد — چہ ملوک و چہ گدا چہ کیقباد

چہ بلاد و چہ جبال و چہ بحار — چہ مہ و چہ سال چہ لیل و نہار

چہ تراب و آب و چہ باد و چہ نار — چہ خریف و صیف و چہ دے چہ بہار

جملہ اندر حکم و در فرمان او — ہمچو گوئے در خم چوگان او

آفتاب آفتاب و آفتاب — ایں چہ می گویم مگر ہستم بخواب

ہمنے جو کہا تھا کہ تمکو اسکا راز معلوم نہیں سو سنو حقیقت اس مثال کی یہ ہے کہ خرگوش شیطان ہے اور نفس کے پاس قاصد حق سبحانہ بنکر آیا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ احمق نفس کو

اپکے چشمۂ آب حیات سے پانی پینے سے روک دیا جس سے حضرت خضر علیہ السلام نے پیا تھا
یعنی حقائق و معارف سے منتفع ہونے سے روک دیا۔ تمنے اسکے معنے اُلٹے کئے اور کفر کیا
تو اب اُسکی سزا کیلئے تیار رہو تمنے پانی میں چاند کے مضطرب ہونے کا بھی تذکرہ کیا ہے
جس سے خرگوش نے ہاتھیوں کو ڈرایا تھا۔ بھلا غضب ہے کہ انبیاء ع کے مقابلہ میں
خرگوش اور ہاتھی اور پانی اور ہاتھیوں کے پانی کے اندر چاند کی تڑپ سے ڈر جانے کا قصہ
بیان کرتے ہو ارے اندھو تمہیں شرم نہیں آتی بھلا اسکو اس ماہ حقیقی سے کیا نسبت جسکا
تمام عالم مغلوب و مسخر ہے۔ کیا چاند کیا سورج کیا آسمان کیا عقول کیا نفوس کیا فرشتے کیا
وحوش کیا طیور کیا جمادات کیا سلاطین کیا مفلس کیا سلاطین عظام مثل کیقباد کیا شہر کیا
پہاڑ کیا دریا کیا مہینہ کیا سال کیا رات اور دن کیا مٹی کیا پانی کیا ہوا کیا آگ کیا خریف
کیا گرمی کیا خزاں کیا بہار غرض کہ ہر چیز اُسکے حکم کے تابع ہے اور ایسی ہے جیسے گیند تلے
کے لپیٹ میں وہ سورج کے سورج کا سورج ہے ارے میں یہ کیا کہہ رہا ہوں میں شاید
خواب میں ہوں جو سمجھتا نہیں اُس کا مرتبہ تو کہیں بڑھکر ہے آفتاب آفتاب آفتاب کو اس
سے کیا نسبت (**توضیح** اہل سبا نے اپنی تمثیل میں جو چاند کو حق سبحانہ سے تشبیہ دی
تھی اس میں انکا اشتراک فی المعبود کا وصف بھی مدنظر تھا کیونکہ وہ قوم ستارہ پرست بھی تھی
ایک مولانا در ایں چہ باشد الخ سے اس خیال کا ابطال کرتے ہیں ھذا ما قالہ بحر العلوم
ایک توجیہ تو یہ ہے۔ دوسری توجیہ یہ ہے کہ اولاً مولانا نے اُنکی تمثیل کو خود اُن پر اُلٹا تھا
اب اُس کا محل نزاع سے اجنبی ہونا ظاہر فرماتے ہیں یعنی اول حملہ تھا کفار پر اب اپنی طرف سے
مدافعت ہے اور حاصل مدافعت یہ ہے کہ وہ قصہ فریب تھا خرگوش کا جو اُسنے اپنی ذاتی
منفعت کیلئے کیا تھا اور جس میں کہ وہ کامیاب بھی ہو گیا اور چاند اپنی عجز کے سبب اس تلبیس کے ازالہ
پر قادر نہو سکا لیکن خدا تو قادر ہے اُسکے خلاف کسی کی تلبیس چل نہیں سکتی چنانچہ فرماتے ہیں
ولو تقول علینا بعض الاقاویل لاخذنا منہ بالیمین ثم لقطعنا منہ الوتین الخ
پس اس مثال کو حق سبحانہ سے کیا تعلق وھذا ھو الراجح عندی۔ وجہ اول یہ کہ اولاً مولانا نے
اس مثال کی لغویت کو اجمالاً ان الفاظ سے ظاہر فرمایا تھا۔ آنچہ در خرگوش و پیل آویختند +

تا ازل را با حیل آمیختند + کے رسد تاں ایں مثلہا ساختن + سوئے آن درگاہ پاک انداختن +
جس سے معلوم ہوتا ہے کہ منشا الغویت اس کا قریب ہونا ہے اور یہ توجیہ بالکل اسکے مطابق ہے دوسری
وجہ یہ کہ سیاق کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ پوری مثال ابن کا مشار الیہ ہے نہ کہ فقط ماہ۔ تیسری
وجہ یہ کہ مولانا نے جس انداز سے ان کی تقریر کو نقل کیا ہے اس سے ہرگز یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ انکو
چاند کو حق سبحانہ کیساتھ وصف معبودیت میں شریک کرنا مقصود ہے رہا علامہ بحر العلوم کا یہ ارشاد
کہ چوں تشبیہ دادید ایں رسالت را برسالت خرگوش از ماہ پس حق را مثل ماہ دانستید
وایں غلط عظیم ست وکوری شنیع شاید آن قوم ماہ پرستاں باشند کہ ماہ را عظیم مثل اللہ بدانستند
در معبودیت پس رسل کوری ایشاں بیان فرمودند" سو سراسر مخدوش ہے کیونکہ اول تو تشبیہ
مرکب میں تشبیہ اجزا با جزا لازم نہیں پس اُن کا یہ ارشاد کہ پس حق را مثل ماہ دانستند امر
غیر مسلم اور بر تقدیر تسلیم یہ ضرور نہیں کہ مماثلت فی المعبودیۃ ہی مراد ہو بلکہ ظاہر یہ ہے کہ مماثلت
فی الشرف ای المشارکۃ المطلقۃ فیہ مراد ہے جیسا کہ اُن کا سیاق کلام بتا رہا ہے پس اس سے
اعتقاد مشارکت فی المعبودیۃ یا اس مقام پر اس کا مقصود ہونا سمجھنا غیر موجہ ہے اصل وجہ یہ ہے کہ
علامہ نے جب دیکھا کہ مشبہ بہ حق سبحانہ کو بنایا گیا ہے اور فرمایا گیا ہے "کہ این چہ ماند با ہے"
اسلئے اُنہوں نے ابن کا مشار الیہ ماہ کو بنایا اسکے بعد اُنکو ایسی وجہ تشبیہ تلاش کرنے کی ضرورت
ہوئی جسکی تردید کی ضرورت ہو اسلئے وجہ تشبیہ مشارکت فی المعبودیۃ کو قرار دیا۔ اور یہ اسوقت ہو سکتا ہے
جبکہ ان کا اعتقاد بھی یہ ہو اسلئے فرمایا "شاید آن قوم ماہ پرستاں الخ" ولاحاجۃ الی ہذہ التکلفات الباردۃ
فافہم)

شرح شبیری

سر آں خرگوش دان دیو فضول + کہ بہ پیش نفس تو آمد رسول

یعنی اُس خرگوش کا راز شیطان فضول کو جانو کہ وہ تمہارے نفس کے سامنے رسول ہو کر آیا

تا کہ نفس گول را محروم کرد + ز آب حیوانی کہ از وے خضر خورد

یعنی یہانتک کہ نفس بیوقوف کو اُس آب حیوانی سے جس سے کہ خضر نے کھایا ہے محروم کر دیا مطلب

یہ کہ وہ مثل اصل میں اسطرح ہے کہ وہ خرگوش تو شیطان ہے اور وہ چشمہ آبحیات ابدی ہے اور وہ ہاتھی تمہارا نفس ہے بشیطان نے تمکو بہکا کر آب حیوانی سے روکدیا اور اصل میں تو یہ مثل تمہارے اوپر صادق آتی ہے مگر تمنے یہ کیا کہ

باژگونہ کردۂ معنیش را　　　کفر گفتی مستعد شو نیش را

یعنی تونے اُسکے معنی کو اُلٹ دیا ہے اور تونے کفر بکا ہے اب تو سزا کیلئے مستعد ہو جا- مطلب یہ کہ تمنے اُس مثل میں حق تعالیٰ کو ماہ سے تشبیہ دی ہے تو یہ کفر ہے لہذا اسکی سزا کیلئے مستعد ہو جاؤ- اب یہاں یہ شبہ ہوتا ہے کہ چاند سے تشبیہ دینے میں کیا حرج ہے خود مولانا ہی بلا حق تعالیٰ کو ماہ آفتاب وغیرہ سے تشبیہ دیا کرتے ہیں تو بات یہ ہے کہ قرآن شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ قوم کواکب پرست ہے قرآن شریف میں ہے کہ ہُدہُد نے سلیمان علیہ السلام سے آکر عرض کیا کہ یسجدون للشمس- اور یہ قصہ اہل سبا کا ہی ہے تو معلوم ہوا کہ وہ کواکب کو آلہ مانتے تھے تو اس تشبیہ میں بھی اُن کا یہی مقصود تھا کہ ماہ اور حق تعالیٰ دونوں من کل الوجوہ متشابہ ہیں اور جیسے وہ خدا ہیں ویسے ہی یہ چاند بھی (نعوذ باللہ) خدا ہے تو مولانا اسطرح تشبیہ دینے کو کفر فرماتے ہیں اور انکی حالت سے اُن کا یہ اعتقاد صاف معلوم ہوتا ہے اب کوئی شبہ نہیں رہا تو انبیاء علیہم السلام فرماتے ہیں کہ یہ مثل اصل میں تو تم پر صادق تھی مگر تمنے اسکو اُلٹا کر دیا-

اضطراب ماہ گفتی در زلال　　　کہ بترسانید پیلاں را شغال

یعنی تمنے ماہ کے اضطراب کو آب شیریں میں بیان کیا کہ پیلوں کو شغال نے ڈرا دیا- (شغال مجازاً کہدیا) مطلب یہ کہ تم یہ بیان کرتے اور اُسکو مثل حق بیان کرتے ہو تو یہ تو صریح کفر ہے اور کفر اُسی اعتقاد کی وجہ سے ہوا- آگے فرماتے ہیں کہ-

قصۂ خرگوش و پیل آری و آب　　　خشیت پیلاں زمہ در اضطراب

یعنی قصہ خرگوش کا اور ہاتھی کا اور پانی کا لاتے ہو- اور چاند سے اضطراب کیوقت میں ہاتھیوں کا ڈرنا (بیان کرتے ہو)

ایں چہ ماند آخر اے کوراں خام　　　با مہے کہ شد زبونش خاص و عام

یعنی اے اندھو خام یہ آخر کیا متشابہ ہوگا اُس ماہ کے جسکے کہ خاص و عام سب مغلوب ہیں (دیکھو

یہاں خود ماہ کہہ رہے ہیں تو کفر اُس اعتقاد ہی کی وجہ سے فرمایا) آگے فرماتے ہیں کہ

چہ مہ و چہ آفتاب و چہ فلک　　چہ عقول و چہ نفوس و چہ ملک

یعنی کیا ماہ اور کیا آفتاب اور کیا فلک اور کیا عقول اور کیا نفوس اور کیا فرشتہ۔

چہ وحوش و چہ طیور و چہ جماد　　چہ ملوک و چہ گدا چہ کیقباد

یعنی کیا وحوش اور کیا طیور اور کیا جماد اور کیا بادشاہ اور کیا فقیر اور کیا کیقباد۔

چہ بلاد و چہ جبال و چہ بحار　　چہ مہ و چہ سال و چہ لیل و نہار

یعنی کیا شہر اور کیا پہاڑ اور کیا دریا اور کیا مہینہ اور کیا سال اور کیا رات اور کیا دن۔

چہ تراب و آب چہ باد و چہ نار　　چہ خریف و صیف و چہ دی چہ بہار

یعنی کیا مٹی اور کیا پانی اور کیا ہوا اور کیا آگ اور کیا خریف اور کیا صیف اور کیا خزاں اور کیا بہار۔

جملہ اندر حکم و در فرمان او　　ہمچو گوئے در خم چوگان او

یعنی سب اُسکی حکم اور فرمان میں ہیں مثل گیند کے اُنکی چوگان کے خم میں ہیں *

آفتاب آفتاب آفتاب　　ایں چہ میگویم مگر ہستم بخواب

یعنی وہ آفتاب آفتاب آفتاب ہے اور میں یہ کیا کہہ رہا ہوں شاید میں خواب میں ہوں مطلب یہ کہ جب اُسکی یہ سب اشیاء تابع فرمان ہیں تو پھر کوئی شے الوہیت میں اُسکی شریک کس طرح ہوسکتی ہے۔ اُسکی شان تو بہت بڑی ہے پھر آفتاب آفتاب آفتاب سے تشبیہ دی مگر کہتے ہیں کہ میں یہ کیا کہہ رہا ہوں شاید خواب میں ہوں ورنہ ایسی باتیں کیوں کرتا اسلئے تشبیہ تو یہ بھی ناقص ہی ہے لہذا اب اس سے خاموش ہو کر حضرات انبیاء علیہم السلام و اہل اللہ کے خشم اللہ دل دُکھنے کے آثار کو بیان فرماتے ہیں کہ

شرح حبیبی

صد ہزاراں شہر را خشم شہاں	سرنگوں کردست اے بدگوہراں
کوہ بر خود می شگافد صد شگاف	آفتابے چوں خرابے در طواف

خشم مرداں خشک گرداند سحاب | خشم دلہا کرد عالمہا خراب
بنگرید اے مردگاں بے حنوط | در سیاستگاہ شہرستان لوط
پیل خود چہ بود کہ سہ مرغ پراں | کوفتند آں پیلگاں را استخواں
اضعف مرغان ابابیل ست او | پیل را بدرید و نہ پذیرد رفو
کیست کو نشنید آں طوفان نوحؑ | یا مصاف لشکر فرعون و روح
روح شاں بشکست و اندر آب ریخت | ذرہ ذرہ آب شاں بر می گسیخت
کیست کو نشنید احوال ثمود | وانکہ صرصر عادیاں را می ربود
چشم باری در چناں پیلاں کشا | کہ بدندے پیل کش اندر وغا
آنچناں پیلاں و شاہان ظلوم | زیر خشم دل ہمیشہ در رجوم
تا ابد از ظلمتے در ظلمتے | می روند و نیست غوثے رحمتے
نام نیک و بد مگر نشنیدہ اید | جملہ دیدند و شما نا دیدہ اید
دیدہ را نادیدہ می آرید لیک | چشم تاں را واکشاید مرگ نیک
گر دو عالم پر بود خورشید و نور | چوں روی در ظلمتے مانند کور
بے نصیب آئی ازاں نور عظیم | بستہ روزن باشی از ماہ کریم
تو دروں چاہ رفتے ز کاخ | چہ گنہ دارد جہانہائے فراخ
جاں کہ اندر وصف گرگے ماند او | چوں ببیند روئے یوسف را نکو
لحن داؤدی بہ سنگ و کہ رسید | گوش آں سنگیں دلانش کم شنید

آفریں بر عقل و بر انصاف باد
ہر زماں واللہ اعلم بالرشاد

صدقوا رسلاً کراماً یا سبا
صدقوا روحاً سباہا من سبا

صدقوا ہم ہم شموس طالعۃ
یومنوا کم من مخازی القارعۃ

صدقوا ہم ہم بدور زاہرہ
قبل ان یلقوکم بالساہرہ

صدقوا ہم ہم مصابیح الدجی
اکرموہم ہم مفاتیح الرجا

صدقوا من لیس یرجو خیرکم
لا تضلوا لا تصدوا غیرکم

پارسی گوئیم ہیں تازی بہل
ہندوے آں ترک باش از جان و دل

ہیں گواہیہای شاہاں بشنوید
بگروید آنکہ آسمانہا بگروید

یا بحال اولیناں بنگرید
یا سوئے آخر بحزمے بر پرید

حزم چہ بود در دو تدبیر احتیاط
از دو آں گیری کہ دور ست از خباط

آں یکے گوید دریں رہ ہفت روز
نیست آب و ہست ریگ پائی سوز

آں دگر گوید دروغ ست ایں بداں
کہ بہر شب چشمۂ بینی رواں

حزم آں باشد کہ برگیری تو آب
تا رہی از ترس باشی در صواب

گر بود در راہ آب ایں را بریز
ور نباشد وائے بر مرد ستیز

اے خلیفہ زادگاں دادے کنید
حزم بہر روز میعادے کنید

آں عدوئے کز پدرتان کیں کشید
سوئے زندانش ز علیین کشید

آں شہ شطرنج دل را مات کرد
از بہشتش سخرۂ آفات کرد

چند جانبدش گرفت اندر نبرد ۔ تا بکشتی درفگندش روز نبرد

اینچنیں کردست باآں پہلواں ۔ سُست سُستش منگرید ای دیگراں

مادر و بابائے ماراآں حسود ۔ تاج و پیرایہ بچالاکے ربود

کردشاں آنجا برہنہ و خوار و زار ۔ سالہا بگریست آدم زار زار

کہ زاشک چشم او روئید نبت ۔ کہ چرا اندر جریدہ لاست ثبت

تو قیاسے گیر طرّاریش را ۔ کہ چناں سرور کند زوریش را

الحذر لئے گل پرستاں از شرش ۔ تیغ لاحول زنید اندر سرش

کو ہمی بیند شمارا از کمیں ۔ کہ شما او را نمی بینید ہیں

دائما صیاد ریزد دانہا ۔ دانہ پیدا باشد و پنہاں دغا

ہر کجا دانہ بدیدے الحذر ۔ تا نہ بندد دام بر تو بال و پر

چونکہ دیدی دانہ بگریز ای حمام ۔ ورنہ چوں خوردی درافتادی بدام

شاد مرغے کو تبرک دانہ گفت ۔ در ریاض قدس بہرش گل شگفت

ہم بداں قانع شد و از دام رست ۔ ہیچ دامے پر و بالش را نبست

اب مولانا اہل سبا کو اُن کی گستاخی پر توبیخ فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اے گستاخو تم اپنی قوت جسمانی و دماغی پر کیا بھولے ہوئے ہو اور کیا گستاخیاں کر رہے ہو یاد رکھو کہ اہل اللہ کے غضب نے لاکھوں شہروں کو اُلٹ دیا ہے اُن کی شوکت کی یہ حالت ہے کہ پہاڑوں کے سیکڑوں ٹکڑے ہوتے ہیں اور آفتاب گدہا چکی کی طرح اُن کے سامنے گھومتا ہے اہل اللہ کا غضب ابر کا پانی خشک کر دیتا ہے اور اُسنے بہت سے ملکوں کو تباہ کر دیا ہے ۔ اے ذلیل مردہ اگر بعبد

ہو تو قوم لوط کے ملک کو دیکھ لو کہ اُس کا کیا حال ہوا۔ ہاتھی کی تو اُن کے سامنے کوئی حقیقت ہی نہیں
کیونکہ اُن کی ہڈیاں تو چند پرندوں نے کچل دی ہیں۔ دیکھو ابابیل بہت کمزور جانور ہے مگر اسنے
کنکریوں سے اُنکو یوں چھید ڈالا کہ پھر زخم مندمل نہ ہو سکے اور آخر کار مر گئے کون ہے جسنے طوفان
نوح کا واقعہ نہیں سُنا یا موسی ؑ اور فرعون کے لشکروں کی معرکہ آرائی نہیں سنی۔ دیکھو موسی
علیہ السلام نے اُن کو شکست دی اور پانی میں ڈبو دیا اور پانی نے انکو گلا کر ریزہ ریزہ کر دیا اور
کون ہے جسنے ثمود کا قصہ نہیں سُنا اور یہ نہیں سنا کہ آندھی نے قوم عاد کو اُڑا دیا تھا لبس تم
ذرا اُن زبردست لوگوں کی حالت کو بغور دیکھو جو کہ لڑائیوں میں ہاتھیوں کا مقابلہ کر کے اُن کو
مار ڈالتے تھے اور دیکھو کہ ایسے زبردست لوگ ہمیشہ اہل دل کے غضب کے تختہ مشق رہے ہیں
اور ہمیشہ مار کھاتے رہے ہیں اور ہمیشہ ایک مصیبت کی تاریکی سے اُس سے بڑی مصیبت کی تاریکی
میں منتقل ہوتے رہے ہیں۔ نہ اُن کا کوئی فریاد رس تھا اور نہ کوئی رحمت کرنے والا لبس تمکو اپنی قوت
پر ہرگز گھمنڈ نہ ہونا چاہئے تمہارے انداز سے معلوم ہوتا ہے کہ ابھی تمہیں دین و دنیا کی کچھ بھی خبر نہیں
کہ جن واقعات کو دنیا دیکھ رہی ہے تم اُنکو نہیں دیکھتے نہیں بلکہ تم ضرور دیکھتے ہو مگر ان کی
ساتھ ایسا معاملہ کرتے ہو گویا کہ دیکھا ہی نہیں۔ لیکن یاد رہے کہ موت تمہاری خوب آنکھیں کھول
دیگی اور پھر تم تعامی بھی نہ کر سکوگے یہانتک تو بیچ کو ختم کر کے آگے نصیحت فرماتے ہیں اور کہتے ہیں
کہ تم جو کمالات انبیا علیہم السلام کو نہیں دیکھ سکتے یہ انبیا ؑ کی تقصیر نہیں بلکہ خود تمہارا قصور ہے
کیونکہ اُنکی کمالات ظاہر ہیں لیکن تم اُنکو دیکھنا ہی نہیں چاہتے اسلئے اسکی ذمہ داری خود تمپر
عائد ہے نہ کہ اُن پر مثلاً اگر ہر دو عالم نور سے پُر ہوں اور تم روشنی میں آؤ ہی نہیں بلکہ آنکھیں بند
کر کے تاریکی میں چلو تو نور کا کیا قصور خود تمہاری خطا ہے۔ کیونکہ جبکہ تم ایسا کروگے تو اس کا لازمی
نتیجہ یہ ہوگا کہ اُس نور وافر سے محروم رہوگے اور نور پہونچنے کا ذریعہ تمہارے لئے مسدود ہوگا نیز
اگر دنیا فراخ ہو اور تم اُس سے خود فائدہ نہ اُٹھاؤ بلکہ کنوئیں میں اُتر جاؤ جیساکہ تمنے کیا ہے کہ قصر
ہدایت کو چھوڑ کر چاہ ضلالت میں گرے ہوئے ہو تو پھر عالم کا کیا قصور وہ تمکو اپنی آغوش میں لینے
اور راحت پہونچانے کیلئے ہر وقت تیار ہے قصور خود تمہارا ہے اب مولانا اپنی تقریر کا رُخ بدلتے ہیں
اور فرماتے ہیں کہ ان لوگوں کے کمالات انبیا ؑ کو نہ دیکھنے کی وجہ انہماک فی الشہوات ولذات اور

بغض و عناد اہل الحق ہے کیونکہ قاعدہ ہے کہ جو روح وصف گرگی میں محبوس ہوگی یعنی حرص وطمع
ومخالفت وعناد میں مشغول ہوگی وہ یوسف ؑ کے چہرہ کو غور سے نہیں دیکھ سکتی یعنی اہل کمال کے
کمالات کو غائر نظر سے نہیں دیکھ سکتی۔ کیونکہ بھیڑیا تو یہ چاہے گا کہ جسقدر جلد ممکن ہو اس یوسف
کو کھا جاؤں پھر اتنا موقع کہاں مل سکتا ہے کہ وہ اسکی خوبیوں میں غور کرے اور دیکھے کہ یہ خوبصورت
ہے یا بدصورت پس یہی حالت معاندین کی ہے کہ انکو عناد ہی سے فرصت نہیں پھر انکو انبیاء ؑ کے
کمالات میں غور کرنے کا کب موقع مل سکتا ہے یہی سبب تھا کہ لحن داؤدی پتھروں اور پہاڑوں
تک تو پہونچتی تھی مگر سنگدل آدمی اسکو نہ سنتے تھے پس ہم تو عقل و انصاف کو سراہتے ہیں کیونکہ
یہی وہ چیزیں ہیں جن سے اشیاء کا حُسن و قبح اور ان کا ادراک علی ماہی علیہ ہو سکتا ہے۔
اب پھر مولانا اہل سبا کو مخاطب بناتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اے اہل سبا تم عقل اور انصاف سے
کام لو اور انبیاء کرام کی تصدیق کرو اور اس روح (نبی) کی تصدیق کرو جسکو ایک بڑے پھانسنے
والے محبوب نے پھانس لیا ہے (یعنی حق سبحانہ نے) ارے کمبختو وہ آفتاب روشن ہیں ان کی
تصدیق کرو اور تکذیب کرکے اپنے اوپر اندھے پن کا دھبہ نہ لگاؤ۔ یہ لوگ قیامت میں تمہارے کام
آئیں گے اور تمکو اسدن کی رسوائیوں سے بچائیں گے ارے یہ ماہتاباں ہیں ان کی تصدیق کرو
قبل اسکے کہ وہ قیامت میں تمسے ملیں کیونکہ اسوقت کا ملنا نہایت خطرناک ہے ارے یہ اندھیری
رات کے چراغ ہیں ان کی تصدیق کرو اور یہ حصول امید کے ذرائع ہیں انکی تعظیم و تکریم کرو ارے
یہ تمسے کسی نفع کی توقع نہیں رکھتے انکی ضرور تصدیق کرو دیکھو نہ خود گمراہ ہو نہ دوسروں کو قبول
حق سے روکو تم یہ کہوگے کہ ہم عربی نہیں سمجھتے جو کچھ کہنا ہے فارسی میں کہو بہت اچھا لو فارسی ہی
سنو تم اُس معشوق حقیقی یعنی حق سبحانہ کے دل وجان سے عاشق بنو اور انبیاء علیہم السلام جسقدر
اسکے کمالات کی شہادت دیتے ہیں سبکو بگوش قبول سنو۔ دیکھو آسمانوں نے اسکی اطاعت
کرلی ہے تم بھی اطاعت کرو۔ اور اُسکی دو صورتیں ہیں یا تو پہلے نافرمانوں کی حالت دیکھ لو اور
اُن سے عبرت حاصل کرو یا مابعد کیلئے حزم کو کام میں لاؤ۔ حزم کے معنے ہیں دو تدبیروں کے
بارہ میں احتیاط پر عمل کرنا۔ اور اُس تدبیر کو اختیار کرنا جسمیں ٹھوکر کھانیکا اندیشہ نہو۔ مثلاً ایک
شخص کہتا ہے کہ اس سات روز کے راستہ میں پانی کہیں نہیں۔ صرف پاؤں جلانیوالا

ریت ہے - دوسرا کہتا ہے نہیں صاحب یہ غلط ہے بلکہ تمکو ہر رات ایک چشمہ جاری ملیگا - اس
وقت احتیاط اس میں ہے کہ پانی لیلو تاکہ خطرہ سے محفوظ رہو - ٹھیک راستہ پر چلو اگر رستہ
میں پانی ہوا تو اُس پانی کو گرا دینا اور اگر نہ ہوا اور تم پانی لیکر بھی نہ چلے تو تمہاری کمبختی آگئی پیاسے
مروگے - اے بنی آدم خدارا انصاف کو کام میں لاؤ - اور قیامت کے بارہ میں احتیاط پر عمل کرو -
اور اعمال صالحہ کر کے اُسکے لئے توشہ تیار رکھو کیونکہ ضرورت پڑی تو کام دیگا اور اگر بالفرض
سارا قصہ افسانہ ہوا تو تمکو کچھ ضرر نہیں اور وہ دشمن جو تمہارے جدا مجد سے دشمنی کرتا ہے اور
اُنکو بہشت سے جیل خانہ دنیا میں لا ڈالتا ہے اور وہ دشمن جسنے اتنے بڑے دل کی شطرنج کی
بادشاہ یعنی آدم علیہ السلام کو مات کر دی اور اُنکو بہشت سے نکالکر مصیبتوں میں پھنسا دیا
اور مقابلہ میں اُنکو کئی داؤں میں پھانس لیا جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ کشتی میں نہایت شرمندگی کیساتھ
اُنکو چاروں شانے چت پٹک دیا غرض کہ اس کہلاڑی پہلوان کیساتھ اسنے یہ معاملہ کیا تو
اے ہیچو تم اس پُرانے گہاگ کو نظر حقارت سے نہ دیکھو تم اُسکے سامنے کیا حقیقت رکہتے ہو اس
کمبخت حاسد نے تو تمہارے باپ آدم کا تاج اور تمہاری ماں حوا کا زیور اُتار دیا تھا یہ انعام
خداوندی تھا کہ اُنکو پھر مل گیا ورنہ اُسنے کوئی کمی نہ کی تھی اُسنے اُنکو برہنہ اور ذلیل خستہ کر دیا تھا
جسکے سبب آدم کو اسقدر کثرت سے رونا پڑا کہ اُنکے آنسوؤں سے گہاس نکل آئی - وہ پچہتاتے
تھے کہ میں نے کیوں اس خبیث کا کہنا مانا کہ میرا نام دفتر عصاۃ عہ میں درج ہوا اب تم اسکی چالاکی
کو اسی سے قیاس کر لو کہ اتنا بڑا سردار اُسکے ہاتھوں اسقدر پریشان ہوتا ہے کہ غصہ میں اپنی
ڈاڑہی نوچتا ہے پھر تمہاری تو ہستی ہی کیا ہے - اے عالم ناسوت اور اجسام و جسمانیات کے
عاشقو اُسکے شر سے بچو اور لاحول کی تلوار اُسکے سر پر مار کر اسکو اسقدر مضمحل کر دو کہ تم پر غالب
نہ آسکے کیونکہ وہ تمہیں اُس کمین سے دیکھ رہا ہے جہاں کہ تم اُسکو نہیں دیکھ سکتے اسلئے تم اس سے
صرف لاحول کی تلوار سے مقابلہ کر سکتے ہو اور دو بدو اُس سے نہیں لڑ سکتے اور اُسکے کمینگاہ میں
مستور ہونیکا یہ راز ہے کہ شکاری جال میں دانہ ڈالکر خود چھپ جاتا ہے پس دانہ تو ظاہر ہوتا ہے
اور دہوکا مخفی ہوتا ہے اسلئے جانور پھنس جاتا ہے - اسی طرح یہ خود تو چھپا ہوا ہے اور لذت و شہوات

عہ یہ حاصل ہے لفظ جریدہ لا کا یعنی دفتر عدم اطاعت یا عدم تقرب وغیرہ ۱۲ منہ

دانے تمہارے سامنے ڈالدیئے ہیں تاکہ تم دھوکے میں آجاؤ۔ پس دیکھو تم جہاں کہیں شیطانی دانہ دیکھو اُس سے بچنا۔ ایسا نہو کہ تم جال میں پھنس جاؤ تمکو دانہ دیکھتے ہی بچنا چاہیئے اور یہ خیال نہ کرنا چاہیئے کہ ہم ہوشیاری کیساتھ دانہ بھی کھالیں گے اور جال سے بھی بچ جائینگے اسلئے کہ دانہ کھاکر جال سے بچنا ناممکن ہے نہایت خوشی ہے اُس شخص کیلئے جو اس دانہ سے بچا رہا اور اس سبب سے بہشت میں اُسکے لئے طرح طرح کی خوشی کے سامان مہیا ہوگئے اور اُسنے انہیں پر قناعت کی اور جال سے بچا رہا۔ اور کوئی جال اُسکو مقید نہ کر سکا۔

شرح شبیری

صد ہزاراں شہر را خشم شہاں ... سرنگوں کردست ای بدگوہراں

یعنی اے بدذات خشم شاہاں نے لاکھوں شہروں کو سرنگون کر دیا ہے (یہاں خطاب اُن اہل سپاہی کو ہے) مطلب یہ ہے کہ ارے تم اُن کا دل مت دکھاؤ ان حضرات کے دل دکھنے کی وجہ سے لاکھوں شہر برباد ہوگئے ہیں اور یہ حالت ہے کہ۔

کوہ بر خود می شگافد صد شگاف ... آفتابے چوں خراسے در طواف

یعنی پہاڑ اپنے اوپر سو شگاف ہوکر پھٹ جاتا ہے اور آفتاب مثل چکی کے طواف میں ہے یعنی اُن حضرات کے خشم کیوقت پہاڑ پھٹ جاتے ہیں اور آفتاب جو اسقدر عظیم الشان کرہ ہے سرگرداں پھر رہا ہے۔

خشم مرداں خشک گرداند سحاب ... خشم دلہا کرد عالمہا خراب

یعنی مردان حق کا غصہ سحاب کو خشک کر دیتا ہے اور خشم قلوب (اہل اللہ) جہانوں کو خراب کر دیتا ہے،،

بنگرید اے مُردگاں بے حنوط ... در سیاستگاہ شہرستان لوط

یعنی اے بے حنوط مُردو قوم لوط کے شہروں کی سیاستگاہ میں دیکھو (بے حنوط سے مراد ذلیل اسلئے کہ حنوط تو مُردہ کے اکرام کیلئے لگایا جاتا ہے) مطلب یہ کہ اُنکے شہروں کو دیکھکر عبرت حاصل کرو کہ اُنہوں نے انبیاءؑ کی نافرمانی کی تو ہلاک ہوئے اسی طرح یہ روز بد تمہارا

بھی آنیوالا ہے اوران حضرات کے غصہ کا یہ اثر ہوتا ہے کہ۔

پیل خود چہ بود کہ سہ مرغ پراں ‎ ‎ کوفتند آں پیلگان را استخواں

یعنی ہاتھی خود کیا ہوتا ہے کہ چند اڑنیوالے جانوروں نے اُن ہاتھیوں کی ہڈیاں توڑدیں

اضعف مرغاں ابابیل است و ‎ ‎ پیل را بدرید و نہ پذیرد رفو

یعنی سب سے زیادہ ضعیف جانوروں میں ابابیل ہے اور اُسنے ہاتھی کو پھاڑ ڈالا کہ وہ رفوکو قبول نہیں کرتا۔ مطلب یہ ہے کہ دیکھو خشم ہوا تو ایک ذرا سے جانور نے ہاتھیوں کو درہم برہم کردیا۔ اور اگرچہ یہ خشم حق سے ہوا ہے مگر خشم انبیاء کیلئے خشم حق ضروری ہے اسلئے خشم انبیاء بھی یہ سب باتیں ہوسکتی ہیں اور قرآن شریف میں جو ابابیل آیا ہے اُسکے معنے اس ابابیل متعارف کے نہیں ہیں جو سیاہ سیاہ ایک چڑیا کی برابر ہوتا ہے بلکہ ابابیل جمع ہے ابول کی اُسکے معنے ہیں جھنڈ کے جھنڈ یعنی وہ جانور جھنڈ کے جھنڈ تھے اب اُنکی تفصیل نہیں کہ کیا تھے اور مولانا کا یہاں ابابیل کہنا بھی اسی معنی میں ہے یعنی وہ بہت چھوٹے جانور تھے مگر چونکہ تتبع سے یہ معلوم ہے کہ چھوٹا جانور الگ ہوکر نہیں اُڑتا بلکہ ملکر اُڑتے ہیں اسلئے مولانا نے اُسکو اضعف مرغاں کہدیا یعنی وہ جھنڈ چھوٹے جانوروں کے تھے باقی مولانا کی مراد بھی یہ ابابیل نہیں ہیں خوب سمجھ لو آگے فرماتے ہیں کہ

کیست کو نشنید آں طوفان نوح ‎ ‎ یا مصاف لشکر فرعون و روح

یعنی وہ کون ہے جسنے کہ وہ طوفان نوح نہیں سنا یا لشکر فرعون اور روح کی جنگ کو نہیں سنا تو یہ سب خشم انبیاء ہی کی بدولت ہوا ہے) روح سے مُراد موسیٰؑ ہیں۔

روح شاں بشکست و اندر آب ریخت ‎ ‎ ذرہ ذرہ آب شاں برمی گسیخت

یعنی موسیٰؑ نے اُنکو شکست دی اور پانی میں ریختہ کردیا۔ اور پانی اُنکو ذرہ ذرہ کرکے توڑتا تھا

کیست کو نشنید احوال ثمود ‎ ‎ وانکہ صرصر عادیاں را می ربود

یعنی کون ہے جسنے کہ ثمود کا حال نہیں سنا اور یہ کہ صرصر عادیوں کو لے بھاگتی تھی۔

چشم بارے در چناں پیلاں گشا ‎ ‎ کہ بدند سے پیل کش اندر وغا

یعنی ایک دفعہ آنکھ اُن ہاتھیوں میں کھول کہ یہ لڑائی میں پیل کش تھے یعنی یہ لوگ بڑے

بڑے زبردست تھے۔ مگر

آں چناں پیلاں و شاہان ظلوم　　زیر خشم دل ہمیشہ در رجوم

یعنی ایسے زبردست اور شاہان ظالم خشم دل کے نیچے ہمیشہ رجم میں تھے یعنی ذرا آنکھ کھولکر عبرت پکڑو کہ ایسے ایسے زبردست لوگ اور اس طرح ہلاک ہوئے۔

تا ابد از ظلمتے در ظلمتے　　می روند و نیست غوث و رحمتے

یعنی ابد الآباد تک ایک ظلمت سے دوسری ظلمت میں چلتے رہیں گے اور کوئی فریاد رس اور رحمت نہوگی۔ مطلب یہ کہ دیکھ لو اُس خشم کی بدولت ابد الآباد تک ظلمت ہی ظلمت میں رہیں گے۔

نام نیک و بد مگر نشنیدہ اید　　جملہ دیدند و شما نا دیدہ اید

یعنی نیک و بد کا نام شاید تمنے نہیں سُنا ہے اور سب نے تو دیکھا ہے اور تم بے دیکھے ہو۔

دیدہ را نا دیدہ می آرید لیک　　چشم تاں را واکشاید مرگ نیک

یعنی دیکھی ہوئی چیز کو بے دیکھی ہوئی لاتے ہو لیکن تمہاری آنکھ کو موت اچھی طرح کھول دیگی۔ مطلب یہ کہ م عبرت جو حاصل نہیں کرتے تو ایسا ہے کہ گویا کتمنے دیکھا ہی نہیں۔ اور باوجود اسقدر واقعات کے موجود ہونیکے تم اندھے ہو تو خیر موت اچھی طرح تمہاری آنکھیں کھول دیگی اور اُس روز اس غفلت اور اندھے پن کی حقیقت معلوم ہو جاویگی آگے اس عبرت کے چیزوں کے موجود ہونیکو اور اُن سے عبرت حاصل نکرنیکی ایک مثال فرماتے ہیں کہ۔

گر دو عالم پُر بود خورشید و نور　　چوں روی در ظلمتے مانند کور

یعنی اگر دونوں عالم خورشید و نور سے پر ہوں تو جب تم ظلمت میں اندھے کی طرح چلو۔

بے نصیب آئی ازاں نورِ عظیم　　بستہ روزن باشی ازماہ کریم

یعنی اُس نور عظیم سے بے نصیب ہوگے اور اُس ماہ کریم سے بستہ روزن ہوگے۔ مطلب یہ کہ اگرچہ تمام عالم عبرت کی چیزوں سے بھرا ہوا ہے مگر جبکہ تم عبرت حاصل نکرو تو تمہارے اعتبار سے وہ ایسا ہے گویا کہ ایک شے بھی موجود نہیں ہے اور تم اندھوں کی طرح تمام عالم میں پھر رہے ہو۔

تو درون چاه رفتستی زکاخ　　چه گنه دارد جہانہائے فراخ

یعنی تو کنویں میں محل سے چلا گیا ہے تو اُس عالم فراخ کی کیا خطا یعنی اگر تو سارے جہان کو چھوڑ کر ایک تاریک کنویں میں چلا جاوے تو اگر اُس جہان کے باغ و بہار تجھے نظر نہ آویں تو اُسکی کیا خطا۔

جان کہ اندر وصف گرگی ماند او　　چوں بہ بیند روئے یوسف را نکو

یعنی وہ جان کہ وصف گرگی میں مشابہ ہے تو وہ روئے یوسف کو اچھی طرح کب دیکھ سکتی ہے۔

لحن داؤدی بہ سنگ وکہ رسید　　گوش آں سنگین دلانش کم شنید

یعنی لحن داؤدی سنگ وکوہ تک تو پہونچ گیا (مگر) اُن سنگین دلوں کے کانوں نے اُسکو نہ سُنا۔

آفریں بر عقل و بر انصاف باد　　ہر زماں واللہ اعلم بالرشاد

یعنی (ایسے) عقل و انصاف پر ہر دم آفریں ہے۔ واللہ اعلم بالرشاد۔ مطلب یہ کہ بھائی ایسی عقل و انصاف پر جو کہ حق کو دیکھتے ہی نہیں ہزار آفریں۔ یہ طعن ہے۔ خلاصہ سب کا یہ ہے کہ دنیا میں عبرت کی چیزیں موجود ہیں اُنکو دیکھکر عبرت حاصل کرو۔ اور اہل اللہ اور انبیاؑ کا دل دکھانے سے باز رہو آگے مولانا قوم سبا کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں کہ۔

صدقوا رسلاً کراماً یا سبا　　صدقوا روحاً سباہا من سبا

یعنی اے قوم سبا رسولان کرام کی تصدیق کرو اور اُس روح کی تصدیق کرو کہ مقید کر رکھا ہے اُسکو جسنے کہ مقید کیا ہے۔ مطلب یہ کہ اُن حضرت کی تصدیق کرو کہ اُنکو حق تعالیٰ نے مقید کیا ہے اور وہ حق تعالیٰ کے مطیع ہیں۔

صدقوا ہم ہم شموس طالعۃ　　یؤمنوا کم من مخازی القارعۃ

یعنی اُن کی تصدیق کرو وہ آفتاب ہیں چمکنے والے وہ تمکو قیامت کی رسوائیوں سے نجات دیں گے۔

صدقوا ہم ہم بدور زاہرہ　　قبل ان یلقوکم بالساہرہ

یعنی اُن کی تصدیق کرو وہ چاند ہیں روشن قبل اسکے کہ وہ تمسے قیامت میں ملیں۔ مطلب کہ قیامت میں ملنے سے پہلے پہلے اُن کی تصدیق کر لو ورنہ قیامت میں وہ تم سے بہ حیثیت مدعی کی ملیں گے لہذا اس سے پہلے ہی کی تصدیق کام آ دیگی۔

صدقوہم ہم مصابیح الدجیٰ　　　اکرموہم ہم مفاتیح الرجا

یعنی اُنکی تصدیق کرو وہ تاریکی کے چراغ ہیں اور ان کا اکرام کرو وہ امید کی کنجیاں ہیں

صدقوا من لیس یرجوا خیرکم　　　لاتضلوا لااتصدوا غیرکم

یعنی اُس شخص کی تصدیق کرو جو تمہاری خیر کا طالب نہیں ہے خود گمراہ مت ہوا ور اپنے غیر کو روکو مت۔ یعنی جو کہ تمسے مال کے طالب نہیں اور کسی شئے کے طالب نہیں اُن کی تصدیق کرو۔ یہاں جو تہوڑی سی عربی لکھدی ہے تو آگے فرماتے ہیں کہ

پارسی گوئیم ہین تازی بہل　　　ہندوے آن ترک باش اے آب وگل

یعنی ہم فارسی کہتے ہیں عربی کو چھوڑ دو اور اُس ترک کا غلام ہو جاے آب وگل (ترک سے مراد حضرت من) مطلب یہ کہ ہم فارسی کہتے ہیں عربی کو ترک کر دو اسلئے کہ شاید عربی کو کوئی نہ سمجھے اور بس خدا کے بندے بنے رہو یہی مطلوب ہے۔

ہین گواہیہائے شاہاں بشنوید　　　بگر دیدند آسمانہا بگر وید

یعنی ہاں بادشاہوں کی گواہی کو سنو اور آسمان تو مطیع ہو گئے تم بھی مطیع ہو جاؤ۔

یا بحال اولینان بنگرید　　　یا سوئے آخر بحزمے بر پرید

یعنی یا پہلوں کے حال دیکھو یا آخر کی طرف حزم سے اُڑو مطلب یہ کہ یا تو اُن حضرات کی باتیں سنکر مان لو اور اگر یہ نہیں ہوتا تو پہلوں کے قصوں سے عبرت حاصل کرو۔ اور اگر یہ بھی نہیں ہے تو حزم سے کام لو کہ دیکھ لو احتیاط کس میں ہے اُسکو لیلو تو دیکھ لو کہ احتیاط اسی میں ہے کہ انبیاء کی تصدیق کیجاوے اسلئے کہ یہ کہتے ہیں کہ اگر نہ مانوگے تو قیامت میں باز پرس ہوگی۔ سو اگر تصدیق کر لی اور یہ (نعوذ باللہ) کاذب ہوئے اور قیامت وغیرہ نہ آئی تو تمسے کوئی بھی نہ پوچھیگا کہ تمنے کیا کیا تھا اور اگر یہ سچے ہوئے اور قیامت قایم ہوئی تو اسوقت تم باایمان ہوگے غرضکہ ہر صورت سے اُن کی مان لینا ہی بہتر ہے آگے حزم کے

معنی بیان فرماتے ہیں۔

حزم کے معنے کے بیان میں اور مرد حازم کی مثال

حزم چہ بود در دو تدبیر احتیاط ۔ از دو آں گیری کہ دور ست از خباط

یعنی حزم کیا ہوتا ہے دو تدبیروں میں احتیاط کرنا اور دو میں سے اُسکو لینا جو خبط سے دور ہے (پس اسکا نام حزم ہے تو ہم اوپر بتا چکے ہیں کہ احتیاط تصدیق انبیاء ہی میں ہے۔ لہذا اُنکی مانو آگے ایک مثال سے حزم کے اس معنی کو اور واضح فرماتے ہیں)۔

آں یکے گوید دریں رہ ہفت روز ۔ نیست آب و ہست ریگ پائی سوز

یعنی ایک شخص کہتا ہے کہ اس راہ میں سات روز تک پانی نہیں ہے اور ریت پاؤں کو جلانیوالا ہے۔

آں دگر گوید دروغ ست ایں بداں ۔ کہ بہر شب چشمۂ بینی عیاں

یعنی دوسرا کہتا ہے کہ غلط ہے یہ سمجھہ لے کہ ہر شب میں ایک چشمہ دیکھو گے ظاہر طور پر یعنی ہر منزل پر چشمہ ملے گا۔

حزم آں باشد کہ برگیری تو آب ۔ تا رہی از ترس و باشی در صواب

یعنی حزم وہ ہے کہ تم پانی لیلو تاکہ خوف سے چھوٹ جاؤ اور درست حالت میں رہو۔

گر بود در راہ آب ایں را بریز ۔ در نباشد وائے بر مرد ستیز

یعنی اگر راستہ میں پانی ہو تو اُسکو گرادینا اور اگر نہو تو مخالفت کرنیوالے آدمی پر افسوس ہے یعنی جبکہ اسکو نہ مانے اور احتیاط نکرے اُسوقت اُسکی حالت افسوسناک ہے۔ آگے فرماتے ہیں کہ

اے خلیفہ زادگاں دادی کنید ۔ حزم بہر روز میعادے کنید

یعنی اے شہزادو انصاف کرو اور روز میعاد کیلئے حزم کرو یعنی اُس روز کیلئے احتیاط سے کام لو اور چونکہ حضرت آدم خلیفہ اور بادشاہ تھے اسلئے خلیفہ زادہ انسان کو کہدیا۔

آں عدوئے کز پدرتاں کیں کشید ۔ سوئے زنداں لش زعلیین کشید

یعنی وہ دشمن جسنے کہ تمہارے باپ سے کینہ کیا اور علیین سے اُن کو زندان کی طرف کھینچا۔

آں شہ شطرنج دل را مات کرد | از بہشتش سخرۂ آفات کرد

یعنی اُسنے شطرنج دل کے شاہ کو مات کر دیا۔ اور بہشت سے (نکالکر) اُنکو سخرۂ آفت کر دیا یعنی وہاں سے نکال کر اُنکو آفات میں مبتلا کر دیا۔

چند جا بندش گرفت اندر نبرد | تا بکشتی در فگندش روی زرد

یعنی کئی جگہ سے اُسنے بند لڑائی میں پکڑے یہانتک کہ کشتی میں اُنکو زرد رو کر کے ڈالدیا۔

ایں چنیں کردست با آں پہلواں | سست سستش منگر اے دیگراں

یعنی اُسنے اُس پہلوان کیساتھ ایسا کیا ہے تو اے دوسرو تم اُسکو کمزور مت سمجھو۔

مادر و بابائے ما را ایں حسود | تاج و پیرایہ بچالاکے ربود

یعنی ہمارے ماں باپ کا اُس حاسد نے تاج اور پیراہن چالاکی سے لے لیا ہے۔

کردشاں آنجا برہنہ خوار و زار | سالہا بگریست آدم زار زار

یعنی اُنکو اُس جگہ برہنہ اور ذلیل کیا تو آدم علیہ السلام سالہا سال تک زار زار روئے۔

کہ ز اشک چشم او روئید نبت | کہ چرا اندر جریدہ لاست ثبت

یعنی یہانتک کہ اُن کی اشک چشم سے گھاس اُگ آیا کہ کیوں دفتر لا میں (میرا نام) ثبت ہے مطلب یہ کہ وہ اسلئے روتے تھے کہ میرا نام اُس دفتر مخالفت میں کیوں ثبت ہو گیا۔ اور کیوں لکھا گیا۔ مورخین نے لکھا ہے کہ اُن کی اشک چشم سے بوٹیاں پیدا ہوئی تھیں اور جسقدر خوشبودار بوٹیاں مثل الائچی وغیرہ کے ہیں سب پیدا ہوئی تھیں۔ تو دیکھو اُس شیطان نے ایسے زبردست کو بھی ایک دفعہ ہرا دیا۔

تو قیاسے گیر طراریش را | کہ چناں سرور کند زو ریش را

یعنی تم اُسکی چالاکی کو قیاس کر لو کہ ایسا سردار اُسکی وجہ سے داڑہی کو اُکھاڑے۔ یعنی جب وہ اُس سے زیر ہو گئے تو پھر تم دیکھ لو کہ تمہاری ساتھ کیا کچھ کر سکتا ہے۔

الحذر اے گل پرستاں از شرش | تیغ لاحول زنید اندر سرش

یعنی اے گل پرستو اُسکے شر سے بچو اور لاحول کی تلوار اُسکے سر میں مارو۔

کو ہمی بیند شما را از کمیں — کہ شما و رانمی بینید ہیں

یعنی کیونکہ وہ تو تمکو کمین سے دیکھ رہا ہے اور تم اُسکو نہیں دیکھتے ہو (قرآن شریف میں بھی ہے کہ انہ یرٰکم ھو وقبیلہ من حیث لا ترونھم تو اُسکی مثال ایسی ہے جیسی کہ صیاد کہ جانور کو صیاد تو دیکھتا ہے اور وہ جانور اُسکو نہیں دیکھتا اور صیاد کی یہ حالت ہوتی ہے کہ)

دائما صیاد ریزد دانہا — دانہ پیدا باشد و پنہاں دغا

یعنی صیاد ہمیشہ دانے ڈالتا ہے تو دانہ تو ظاہر ہوتا ہے اور دغابازی پوشیدہ ہوتی ہے

ہر کجا دانہ بدیدی الحذر — تا نہ بندد دام بر تو بال و پر

یعنی جہاں کہیں تم دانہ دیکھو تو بچو تاکہ جال تمہر بال و پر کو باندہ نہ دے۔

چونکہ دیدی دانہ بگریزای حمام — دانہ چوں خوردی درافتادی بدام

یعنی اے کبوتر جب تو نے دانہ دیکھا تو تو بھاگ اور جو دانہ تو نے کھالیا تو (سمجھ لے کہ) تو جال میں پڑ گیا۔ مطلب یہ ہے کہ یہ شیطان بھی ہر دم شہوات کا جال بچھاتا ہے اور ہر دم اُسکے اندر لذات کے دانے ڈالتا ہی تو خدا کیلئے تم ذرا بچتے رہنا کہیں اسکے جال میں نہ پھنس جاؤ بس جہاں کہیں ذرا شبہ بھی ہو حزم اور احتیاط کی بات یہ ہے وہاں ٹھیرو مت بس چلدو۔

زانکہ ہر مرغے کہ ترک دانہ کرد — دانہ از صحرائے بے تزویر خورد

یعنی اسلئے کہ جس جانور نے کہ دانہ کو ترک کیا صحرائے بے تزویر سے دانہ کہایا۔

شاد مرغے کو بترک دانہ گفت — در ریاض قدس بہرش گل شگفت

یعنی خوش ہو وہ مرغ جسنے کہ ترک دانہ کیا اور ریاض قدس سے اُسکے لئے پھول کھلگئے یعنی جسنے کہ ان لذات و شہوات کو ترک کیا اُسکیلئے ریاض قدس سے گل کھل گئے اور علوم و معارف حاصل ہو گئے

ہم بداں قانع شد و از دام رست — ہیچ دامے پر و بالش را نہ بست

یعنی اُسیر قانع ہو گیا اور دام سے چھوٹ گیا تو کسی دام نے اُسکے پر و بال کو نہ باندہا۔ یعنی پھر وہ کہیں پھنس ہی نہیں سکتا۔ تو اسی طرح جو شخص کہ شیطان کے جال کے دانوں کو ترک

کرے گا وہ کبھی اُسکے جال میں نہیں پھنس سکتا آگے ایک مثال میں حزم کا فائدہ اور ترک حزم کا ضرر بیان فرماتے ہیں۔

شرح حبیبی

باز مرغے فوق دیوارے نشست
دیدہ سوئے دانہ و دامے ببست

یک نظر او سوئے صحرا می کند
یک نظر حرصش بدامے می کشد

ایں نظر با آں نظر چالیش کرد
ناگہانے از نظر نمالیش کرد

رفت و دانہ خورد اندر دام ماند
صائدش کشت و بخورد و کام راند

باز مرغے کاں تردد را گذاشت
زاں نظر بر کند و بر صحرا گماشت

شاد پر و بال او بخا لہ
تا امام جملہ آزاداں شد او

ہر کہ او را مقتدا سازد برست
در مقام امن و آزادی نشست

زانکہ شاہ حازمان آمد دلش
تا گلستان و چمن شد منزلش

حزم از و راضی و او راضی ز حزم
ایں چنیں کن گر کنی تدبیر عزم

اب ہم دو جانوروں کی حالت بیان کرتے ہیں اس سے تمکو عبرت حاصل کرنا چاہئے۔ ایک جانور دیوار پر آزاد بیٹھا ہے اسی اثنا میں اُسنے جال اور دانہ کو دیکھا۔ اب وہ ایک طرف تو صحرا کو دیکھتا ہے اور اپنی آزادی کا خیال کرتا ہے دوسری طرف لذت دانہ پر نظر کرتا ہے اور حرص اُسکو اُسکی طرف کھینچتی ہے۔ اب دونوں نظروں میں جنگ ہوتی ہے اور نظر حرص غالب آکر اُسکی عقل کو فنا کر دیتی ہے اور اُسکو عقل سے کورا کر دیتی ہے وہ جاتا ہے اور دانہ کھا کر جال میں پھنس رہتا ہے۔ شکاری اسے ذبح کرتا ہے اور کھا کر اپنی مقصد براری کرتا ہے اب ایک دوسرا جانور لو اُسکو بھی یہی تردد پیش آتا ہے مگر یہ تردد کو چھوڑ دیتا ہے اور دام

دانہ سے نظر کو ہٹا کر صرف جنگل کو مطمح نظر بناتا ہے ایسے جانور کے مزے ہیں اور اُسکے پر و بال خوش ہیں اور وہ اپنے اس فعل سے تمام آزادوں کا مقتدا ہو جاتا ہے جو جانور اسکو مقتدا بناتا ہے بچ جاتا ہے اور امن و آزادی کی جگہ میں بیٹھا ہوتا ہے کیونکہ اُسنے نہایت ہوشیاری سے کام لیا۔ اسلئے اُس کا دل ہوشیاری میں گویا کہ ہوشیاروں کا بادشاہ تھا اور اُس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بجائے دام یا شکم صیاد کے گلستان و چمن اُس کا مسکن بنا۔ اب وہ حزم و احتیاط سے خوش ہے کہ وہ اُسکے کام آئیں۔ اور حزم و احتیاط اُس سے خوش ہیں کہ اُسنے اُن کی قدر کی۔ بس اگر تمکو کرنا ہے تو ایسی تدبیر اور ایسا عزم اختیار کرو۔

شرح شبیری

اُس جانور کے حال کی پراگندگی جسنے ترک حزم ہوا وہوس کی وجہ سے کیا

باز مرغے فوق دیواری نشست ۔۔۔ دیدہ سوئے دانہ و دامی بہ بست

یعنی پھر (یہ سنو کہ) ایک جانور کسی دیوار پر بیٹھا اور آنکھ کو دانہ و دام کی طرف باندھا۔

یک نظر او سوئے صحرا میکند ۔۔۔ یک نظر حرصش بدانہ می کشد

یعنی وہ ایک نظر تو صحرا کی طرف کرتا ہے اور اُسکی حرص کی ایک نظر دانہ کی طرف کھینچتی ہے یعنی ایک دفعہ دیکھتا ہے کہ جنگل لق و دق پڑا ہے مگر اُس میں دانہ نہیں ہے لیکن جال بھی یقیناً نہیں ہے اور جہاں دانہ ہو وہاں جال کا احتمال ہے غرضکہ وہ دونوں طرف نظر کر رہا ہے۔

این نظر با آن نظر چالیش کرد ۔۔۔ ناگہانے از خرد خالیش کرد

یعنی اس نظر نے اُس نظر کیساتھ لڑائی کی تو ناگہاں عقل سے اُسکو خالی کر دیا۔

رفت و دانہ خورد و اندر دام ماند ۔۔۔ صائدش کشت و بخورد و کام راند

یعنی گیا دانہ کھایا اور جال میں رہ گیا تو شکاری نے اُسکو ذبح کیا اور کھایا اور کام چلایا۔

مطلب یہ کہ اسی طرح انسان ایک طرف لذت دیکھتا ہے اور وہاں شیطان کے بہکانیکا یقین ہوتا ہے اور دوسری طرف شیطان نہیں مگر لذت بھی نہیں تو اسوقت یہ سوچتا ہے کہ لاؤ اسوقت تو مزہ لیلو پھر دیکھا جاویگا۔ بس یہ سوچ کر اُدہر کو چلا۔ اور پھنسا۔ پھر ساری عقل وغیرہ رکھی رہ جاتی ہے اور شیطان کا شکار ہو جاتا ہے۔

باز مرغے کان تردد را گذاشت　　　زان نظر بر کند و بر صحرا گماشت

یعنی پھر اُس مرغ کو سنو کہ اُسنے تردد کو تو چھوڑا اور اُس (دانہ) سے نظر الگ کر کے جنگل پر (نظر کو) مقرر کر دیا (اور احتمال ضرر پر وہاں سے چلدیا)

شاد پر و بال او بختا لہ　　　تا امام جملہ آزادان شد او

یعنی اُسکے پر و بال خوش ہیں اور خوشی ہے اُسکے لئے یہانتک کہ وہ تمام آزادوں کا امام ہوگیا

ہر کہ او را مقتدا سازد برست　　　در مقام امن و آزادی نشست

یعنی جسنے کہ اُسکو مقتدا بنالیا وہ چھوٹ گیا اور مقام امن اور آزادی میں بیٹھ گیا۔

زانکہ شاہ حازماں آمد دلش　　　تا گلستان و چمن شد منزلش

یعنی اسلئے کہ اُس کا دل حازموں کا بادشاہ ہے یہانتک کہ گلستان اور چمن میں اُسکی منزل ہوگئی

حزم زو راضی و او راضی ز حزم　　　این چنین کن گر کنی تدبیر و عزم

یعنی وہ حزم سے راضی اور حزم اُس سے راضی تو تو ایسا ہی کر اگر تدبیر و عزم کرتا ہے مطلب یہ کہ ایک تو وہ تھا کہ شیطان کے بہکانے میں آکر پھنس گیا اور ایک وہ ہے کہ اُسنے احتمال ضرر پر اُسمیں لذت کو ترک کر دیا۔ اور وہاں سے چلدیا۔ بس اب وہ کہیں بھی نہیں پھنس سکتا اور وہ سب کا مقتدا ہوگیا۔ اب اور بھی جو کوئی اُسکو مقتدا بنائے وہ بھی اُسکی طرح دام ابلیس سے چھوٹ جاویگا۔ آگے فرماتے ہیں کہ

شرح حبیبی

بارہا در دام حرص اُفتادۂ　　　حلق خود را در بریدن دادۂ

بازرت آن تواب لطف آزاد کرد | توبه پذرفت و شمار اشاد کرد

گفت ان عدتم کذا عدنا کذا | نحن زوجنا الفعال بالجزا

چونکه جفتے را بر خود آورم | آید آن جفتش دوانه لاجرم

جفت کردیم این عمل را با اثر | چون رسد جفتے رسد جفتے دگر

چوں ربایند غارتے از جفت شوئے | جفت می آید پئے او شوئے جوئے

بار دیگر سوئے این دام آمدید | خاک اندر دیدهٔ توبه زدید

بازرت آن تواب بکشود آن گره | گفت هین بگریز این سو پا منه

باز چوں پروانهٔ نسیاں رسید | جان تاباں را جانب آتش کشید

کم کن اے پروانه نسیان و شکے | در پر سوزیده بنگر تو یکے

چو رهیدی شکر آں باشد که هیچ | سوئے آن دانه نداری پیچ پیچ

تا تراچوں شکر گوئی بخشد او | روزی بے دام و بے خوف عدو

شکر آن نعمت که تاں آزاد کرد | نعمت حق را بباید یاد کرد

چند اندر رنجها و در بلا | گفتی از دامم رها کن اے خدا

تا چنین خدمت کنم احسان کنم | خاک اندر دیدهٔ شیطان کنم

چو خلاصت داد حق از امتحاں | همچنانستی که بودی همچناں

چوں رها کردت فرامش کردیش | جان خود را مست دهیش کردیش

سگ زمستان جمع کرده استخوانش | زخم سرما خورد گرداند چنانش

که بگوید این قدرِ تن که منم / خانهٔ از سنگ باید کردنم

چونکه تابستاں بیاید من بچنگ / بهر سرما خانهٔ سازم ز سنگ

چونکه تابستاں بیاید از گشاد / استخوانها پهن گردد پوست شاد

رفت گردد پاک شد در سایهٔ / کاہے سیر غیرے خود رایۂ

گوید او چوں زفت بیند خویش را / در کدامیں خانه گنجم اے کیا

گویدش دل خانهٔ سازای عمو / گوید او در خانه کے گنجم بگو

استخوان حرص تو در وقت درد / در ہم آید خورد گردد در نورد

گوئی از توبہ بسازم خانهٔ / در زمستاں باشدم کاشانهٔ

چوں بشد رنج و شدت آں حرص رفت / ہمچو سگ سودائے خانه از تو رفت

شکر نعمت خوشتر از نعمت بود / شکر بارہ کے سوئے نعمت رود

شکر جانِ نعمت و نعمت چو پوست / زانکه شکر آرد ترا تا کوئے دوست

نعمت آرد غفلت و شکر انتباه / صیدِ نعمت کن بدامِ شکرِ شاه

نعمت شکرت کند پر چشم و میر / تا کنی صد نعمت ایثارِ فقیر

سیر نوشی از طعام و نقل حق / تا رود از تو شکم خواری و دق

نعمت و ہاب را شکرے کنید / تا سر منحوس خود را الشکنید

شکر جاذب نعمتِ او فرکند / کفر نعمت مرد را کافر کند

یہاں سے مولانا انسان کی بے اعتدالیوں کو دکھلانا چاہتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ دیکھو

تم بہت مرتبہ حرص کے جال میں پھنسکر معاصی میں مبتلا ہوچکے اور اپنے کو ہلاکی میں ڈال چکے ہو
لیکن پھر بھی جبکہ تمنے توبہ کی تو حق سبحانہ نے اپنی عنایت بے غایت سے تمکو اس جال سے چھڑا کر
خوش کیا اور یہ ہدایت کردی کہ دیکھو اگر تمنے پھر یہ حرکت تو پھر یہی سزا موجود ہے کیونکہ
ہمنے افعال کو اُنکے نتائج کیساتھ وابستہ کر رکھا ہے اور گویا کہ افعال و نتائج آپسمیں نر
و مادہ ہیں۔ اب فرض کرو کہ میں ایک جوڑے کے نر یا مادہ کو اپنے پاس لاؤں تو اس تعلق
کی بنا پر جو ایک کو دوسرے سے ہے دوسرا خود کھنچا چلا آئیگا۔ پس یوں ہی ہمنے عمل کو اُسکے
نتیجہ کیساتھ وابستہ کر رکھا ہے۔ پس عمل متحقق ہوگا تو لامحالہ (ہماری عادت کیموافق جسکے
بدلنے پر ہمکو کامل قدرت حاصل ہے) اُسکے ساتھ اُسکا اثر بھی متحقق ہوگا۔ دیکھو جب
کوئی شخص ایک جوڑے میں سے نر کو اڑا لے تو اسکے پیچھے پیچھے مادہ بھی پہونچ جائیگی۔
لیکن باوجودیکہ تمکو ہدایت کردی گئی تھی مگر پھر اس جال میں آپھنسے اور توبہ کی آنکھوں میں
خاک جھونکدی مگر جب تمنے پھر معذرت کی تو حق سبحانہ نے اپنی رحمت سے پھر عقدہ کشائی
کی اور کہدیا کہ جا بھاگ دیکھ پھر ادہر آکر نہ پھٹکنا لیکن پھر جبکہ وہ نسیان جو پروانہ کی طرح گناہ
کی آگ پر عاشق ہے آوارد ہوا یعنی تم پہلی توبہ کو بھول گئے تو وہ تمہیں آگ میں کھینچ لے گیا
اور گناہ میں مبتلا کردیا۔ اب مولانا فرماتے ہیں کہ اے پروانہ نسیان و شک بس بہت
ہوچکی۔ ابتو جانے دے ذرا اپنے جلے ہوئے پر کو دیکھ اور پہلے معاصی کے نتائج کو پیش نظر کر
اور دوبارہ آگ میں گرنے سے بچ۔ یعنی بھول کی کوئی حد بھی اس غفلت کو چھوڑ و۔ دیکھو جب
تمکو حق سبحانہ نے جال سے چھڑا دیا ہے تو تمکو اس انعام کا شکر کرنا چاہیئے۔ اور شکر
اس کا یہ ہے کہ پھر دانہ کی طرف رُخ نکرو۔ تاکہ جب تم شکر کرو تو حق سبحانہ تمکو ایسی روزی
عطا فرمائیں جسمیں نہ کوئی جال پوشیدہ ہو اور نہ کسی دشمن کا خطرہ ہو یعنی غذائے روح
یا غذائے جنت اُس نعمت کے شکر میں کہ اُسنے تمکو دام بلا سے رہائی عطا فرمائی ہے
تمکو حق سبحانہ کی نعمت کو یاد کرنا چاہیئے اور اُسکے مقتضا پر عمل کرنا چاہیئے۔ (یاد رکھو کہ
اس مقام پر ایک دوسری توجیہ بھی ہے وہ یہ کہ "شکر آن نعمت کہ تاں آزاد کرد"
بدل یا عطف بیان ہو "شکر" کا جو بیت بالا میں ہے یا خبر ہو مبتداء محذوف کی یعنی دد

آن شکر شکر آن نعمت ست کہ تاں آزاد کرد) لیکن تمنے اب تک ایسا نہیں کیا تم بہت
مرتبہ تکلیفوں میں اور مصیبت کے جال میں پھنسے اور یہ کہا کہ اے اللہ مجھے اس پھندے
سے چھڑا دے تاکہ میں یوں اطاعت کرونگا اور یوں اچھے کام کرونگا لیکن جب حق سبحانہ نے اُس
تکلیف سے نجات دی تو پھر ویسے کے ویسے ہی رہے جیسے تھے اور جبکہ تمکو اس مصیبت سے
چھوڑا دیا تو پھر تم اُسکو بھول گئے اور پھر اپنے کو اس رہائی اور راحت میں مست اور بیہوش
کرلیا۔ تمہاری ایسی مثال ہے جیسے ایک کتا کہ موسم سرما اُسکی ہڈیوں کو اکٹھا کردیتا ہے
اور سردی کی تکلیف سے وہ سُکڑ کر ذرا سا رہجاتا ہے کیونکہ وہ کہتا ہے کہ مجھے اپنے اس
جسم کیموافق جتنا کہ میں ہوں پتھروں کا ایک گھر ضرور بنانا چاہئیے ابتو جاڑے ہیں اور سردی
کے مارے جان نکلی جاتی ہے گھر بنانیکا کسے ہوش ہے ہاں جب گرمیاں آجائیں گی
اُسوقت جاڑوں کیلئے اپنے پنجوں سے پتھروں کا گھر بناؤں گا پس جبکہ گرمیاں آتی ہیں اور
اُسکا جسم کھلجاتا ہے اور ہڈیاں پھیل جاتی ہیں اور کھال عمدہ ہو جاتی ہے تو خوب موٹا
تازہ ہو جاتا ہے اور سایہ میں پاؤں پھیلا کر سو رہتا ہے اُسوقت وہ کاہل اور بے نیاز
احمق اور خود رائے ہوتا ہے اب جبکہ وہ اپنے کو خوب موٹا تازہ دیکھتا ہے تو کہتا ہے
بھلا میں اب اس گھر میں سما سکتا ہوں اُس کا دل اب بھی اُس سے کہتا ہے کہ ارے گھر بنالی
تو اُس کا یہ جواب دیتا ہے کہ اچھا تو یہی بتا میں کس گھر میں سما سکتا ہوں اور بیہودہ عذر
کر کے گھر نہیں بناتا پس بالکل یہی حالت تمہاری ہے کہ تکلیف کیوقت تو تمہاری حرص کی
ہڈیاں سمٹ کر اکٹھی ہو جاتی ہیں اور سُکڑ کر چھوٹی ہو جاتی ہیں اُسوقت تم کہتے ہو کہ مجھے
توبہ کی ایک عمارت بنانی چاہئیے تاکہ سرمائے مصائب و آلام و ہموم سے نجات ملے۔ لیکن
جب وہ تکلیف جاتی رہی اور حرص موٹی تازی ہوگئی تو کتے کی طرح گھر بنانے کا خیال تمہارے
دل سے بھی جاتا رہتا ہے یہ نہایت نازیبا روش ہے لہذا اسے چھوڑنا چاہئیے اور جب
مصیبت سے نجات حاصل ہو جاوے تو شکر کرنا چاہئیے کیونکہ نعمت کا شکر خود نعمت سے
بھی اچھا ہے اسلئے کہ شاکر مصیبت میں نہیں پڑتا اور صاحب نعمت مصیبت میں گرفتار
ہو جاتا ہے۔ نیز شکر نعمت کی روح ہے اور نعمت اُس کا قالب۔ اور یہ فرق اسلئے ہے کہ

شکر تمکو حق سبحانہ تک پہونچانیوالا ہے برخلاف نعمت کے کہ وہ اکثر گمراہ کردیتی ہی کیونکہ نعمت سے غفلت پیدا ہوتی اور شکر سے ہوشیاری حاصل ہوتی ہے پس شکر نعمت افضل ہوا نفس نعمت سے اچھا ہمنے مانا کہ نعمت ہی اچھی چیز ہے لیکن نعمت بھی تو شکر ہی سے ملتی ہی پس اگر تم نعمت خداوندی ہی کے طالب ہو تو اُسکی تحصیل کا ذریعہ بھی شکر ہی ہے اسلئے بھی شکر ضروری ہے۔ شکر جو کہ خود بھی ایک نعمت ہے اگر تمکو حاصل ہو جاوے تو تم چشم سیر اور دولتمند ہو جاؤگے اور اسکا نتیجہ یہ ہوگا کہ تم دوسروں کو نعمت دے سکوگے اور تم غذائے روحانی خوب پیٹ بھر کر کہاؤگے۔ یہانتک کہ یہ جسمانی غذا کا زیادہ کہانا اور اُسکی تکلیف تمسے دور ہوگی پس تم حق سبحانہ کی نعمت کا شکر کرو تاکہ یہ منحوس سر تمہارا پھوٹنے سے بچ جاوے شکر نعمت فراواں کو کہینچتا ہے اور ناشکری آدمی کو کافر تک کردیتی ہے۔

شرح شبیری

بارہا در دام حرص اُفتادہٗ حلق خود را در بُریدن دادہٗ

یعنی بارہا تم دام حرص میں پڑ چکے ہو اور اپنے حلق کو کاٹنے کیلئے تمنے دیدیا ہے۔

بازت آں تواب لطف آزاد کرد توبہ پذرفت و شمار اشاد کرد

یعنی اُس تواب لطف نے تمکو آزاد کردیا اور توبہ قبول کر کے تمکو خوش کردیا یعنی تمنے بارہا گناہ کر کے توبہ کی ہے اور حق تعالیٰ نے ہمیشہ تمہاری توبہ کو قبول فرمایا ہے اور تمکو خوش کردیا ہے اور ساتھ ہی یہ بھی فرمادیا ہے کہ۔

گفت ان عدتم کذا عدنا کذا نحن زوجنا الفعال بالجزا

یعنی فرمایا کہ اگر تم اِس طرح لوٹو گے تو ہم اُس طرح لوٹیں گے ہمنے افعال کو جزا کے ساتھ ملادیا ہے یعنی فرمایا ہے کہ اگر تم پھر گناہ کروگے تو ہم سزا دینگے اسلئے کہ ہمنے افعال کو اُنکی جزا کی ساتھ قرین کردیا ہے تو جب فعل ہوگا اُسکی مطابق اُسکی جزا بھی مرتب ہو جاویگی آگے ایک مثال دیتے ہیں کہ۔

چونکہ جفتے را بر خود آورم آید آں جفتش دوانہ لاجرم

یعنی جبکہ ہم ایک جفت کو اپنے پاس لادیں تو وہ دوسرا جوڑا بھی یقیناً آویگا (تو اسی طرح جب افعال و جزا آپس میں جفت ہیں تو ایک کے آنے سے دوسری بھی آوے گی)۔

جفت کردیم ایں عمل را با اثر چوں رسد جفتے رسد جفتے دگر

یعنی ہمنے ان اعمال کو اثر کی ساتھ جفت کر دیا ہے تو جب ایک جفت پہونچے گی تو وہ دوسری بھی پہونچے گی۔

چوں رباید غارتے از جفت شوے جفت می آید پئے او شوی جوئی

یعنی جبکہ کوئی لوٹیرا کسی جفت سے (اُسکے) شوہر کو اُچک لے تو وہ جفت اُسکے پیچھے شوہر کو تلاش کرتی ہوئی آتی ہے۔ تو اسی طرح جبکہ اعمال اور جزا آپس میں جفت ہیں تو ایک کے وجود سے دوسرے کا وجود ضروری ہے تو حق تعالیٰ نے یہ فرما دیا ہے مگر

بار دیگر سوئے ایں دام آمدید خاک اندر دیدۂ توبہ زدید

یعنی تم دوسری دفعہ (پھر) اس جال کی طرف آئی۔ اور دیدۂ توبہ میں تمنے خاک جھونکدی۔ یعنی باوجود اسکے کہ اول توبہ قبول کرکے یہ سب کچھ کہدیا گیا تھا مگر تمنے پھر توبہ توڑ دی

باز تاں آں تواب بکشود آں گرہ گفت ہیں بگریز رواں سو منہ

یعنی پھر اُس تواب نے تمہاری گرہ کھولدی اور کہدیا ارے بھاگ اس طرف منہ مت کر۔

باز چوں پروانۂ نسیاں رسید جان تاں را جانب آتش کشید

یعنی پھر جب نسیان کا پروانہ پہونچا تو تمہاری جان کو اُسنے آتش کی طرف کھینچا۔

کم کن اے پروانہ نسیان و شکے در پر سوزیدہ بنگر تو یکے

یعنی اے (شخص) پروانہ نسیان و شک کو کم کر اور تو ایک مرتبہ جلے ہوئے پر کو دیکھ لے۔ (پر سوزیدہ سے مُراد معصیت کے نقصانات ہیں) مطلب یہ ہے کہ اس نسیان و شک کو چھوڑ اور معصیت سے جو تجھے نقصان مثل ضعف وغیرہ کے پہونچا ہے اُسکو دیکھ کہ اگر تو پھر کریگا تو پھر یہی ہوگا تو اس سے عبرت پکڑ اور آئندہ اُن افعال کا مرتکب مت ہو۔ آگے فرماتے ہیں کہ۔

چوں رہیدی شکر آں باشد کہ ہیچ ‌ ‌ ‌ سوئے آں دانہ نداری ہیچ پیچ

یعنی جب تو چھوٹ گیا تو اُس کا شکریہ ہے کہ اُس دانہ کی طرف کبھی رغبت نہ رکھے۔

تا ترا چوں شکر گوئی بخشداد ‌ ‌ ‌ روزی بے دام و بے خوف عدو

یعنی تاکہ جب تو شکر کرے وہ تجھے روزی بے دام اور بے خوف عدو مرحمت فرمادے مطلب یہ کہ اُس چھوٹ جانیکا شکریہ تھا کہ تم کبھی پھر اس طرف کو رُخ نہ کرتے اور جب تم اُس طرف کو رخ نہ کرتے تو ان لذات و شہوات کو ترک کرتے تو حق تعالیٰ تمکو وہ لذت عطا فرماتے کہ جن میں ضرر کا احتمال بھی نہ تھا

شکر آں نعمت کہ تان آزاد کرد ‌ ‌ ‌ نعمت حق را بباید یاد کرد

یعنی اُس نعمت کے شکر میں کہ تمکو عذاب سے آزاد کیا نعمت حق کو یاد کرنا چاہیئے۔

چند اندر رنجہا و در بلا ‌ ‌ ‌ گفتی از دامم رہا کن اے خدا

یعنی کتنی مرتبہ تو نے رنج و بلا میں کہا ہے کہ اے اللہ مجھے (اسوقت اس) دام سے چھوڑ دے

تا چنیں خدمت کنم احسان کنم ‌ ‌ ‌ خاک اندر دیدۂ شیطان کنم

یعنی تاکہ میں ایسی خدمت کروں اور احسان کروں اور دیدۂ شیطان میں خاک ڈالوں۔ یعنی اُس وقت خوب خوب وعدے کرتے ہو۔

چوں خلاصی داد حقت زامتحان ‌ ‌ ‌ ہمچنانستی کہ بودی ہمچناں

یعنی جبکہ حق تعالیٰ نے تجھے اُس مصیبت سے خلاصی دیدی تو تو ویسا ہی ہے جیسا کہ تھا۔

چوں رہا کردت فرامش کردیش ‌ ‌ ‌ جان خود را مست و بیہش کردیش

یعنی جبکہ تجھے رہا کر دیا تو تو نے اُس (وعدہ) کو فراموش کر دیا۔ اور اپنی جان کو مست و بیہوش بنالیا (اور سارے وعدے وعید بھول گئے) آگے اس وعدہ کرنے اور پھر بھول جانے کی ایک مثال فرماتے ہیں کہ۔

حکایت کتوں کے جاڑوں میں نذر کرینگی کہ جب گرمی آویگی تو جاڑے کیلئے گھر بنادینگے

سگ زمستان جمع گردد استخوانش　　زخم سرما خورد گرداند چنانش

یعنی کتا جاڑے میں اُسکی ہڈیاں جمع ہوتی ہیں اور جاڑے کا زخم اسکو اس طرح چھوٹا کر دیتا ہے

کو بگوید کایں قدر تن کہ منم　　خانۂ از سنگ باید کردنم

یعنی کہ وہ کہتا ہے کہ جسقدر کہ میرا بدن ہی مجھے ایک گھر پتھر کا بنانا چاہئے یعنی جب بدن سکڑ جاتا ہے تو کہتا ہے کہ میرا جسم دُبلا پتلا تو ہے ہی لہذا ایک چھوٹا سا گھر مجھے کافی ہوگا اور کہتا ہے کہ

چونکہ تابستان بیاید من بہ چنگ　　بہرِ سرما خانۂ سازم ز سنگ

یعنی جب گرمی آویگی تو میں اپنی ہاتھ سے سردی کے واسطے پتھر کا ایک گھر بناؤں گا۔

چونکہ تابستاں بیاید از کشاد　　استخوانہا پہن گردد پوست شاد

یعنی جبکہ گرمی آتی ہے تو خوشی کے مارے اُسکی ہڈیاں موٹی ہوجاتی ہیں اور کھال اچھی ہوجاتی ہے

زفت گردد پا کشد در سایۂ　　کاہلی سیرے غرے خود رایۂ

یعنی موٹا ہوجاتا ہے تو سایہ میں پاؤں کھینچتا ہے کاہل اور سیر اور مغرور اور خود رائی (ہو کر)

گوید او چوں زفت بیند خویش را　　در کدامیں خانہ گنجم اے کیا

یعنی جب اپنے کو موٹا دیکھتا ہے تو کہتا ہے کہ اے میاں میں کس گھر میں سماؤں گا۔

گویدش دل خانۂ ساز ای عمو　　گوید او در خانہ کے گنجم بگو

یعنی اُس سے دل کہتا ہے کہ چچا گھر بنالے تو کہتا ہے کہ یہ تو بتا کہ میں کسی گھر میں کس طرح سماؤنگا

آگے اس مثال کو مثل لہ پر منطبق فرماتے ہیں کہ۔

استخوان حرص تو در وقت درد　　در ہم آید خورد گردد در نورد

یعنی تیری حرص کی ہڈیاں درد کے وقت میں درہم برہم ہوجاتی ہیں اور لپٹکر چھوٹی ہوجاتی ہیں۔

گوئی از توبہ بسازم خانۂ　　در زمستان باشدم کاشانۂ

یعنی (اُسوقت) تو کہتا ہے کہ میں توبہ کا ایک گھر بناؤں گا کہ جاڑوں میں وہ میرے لئے کاشانہ ہوجاوے

چون بشد رنج و شدت آن حرص زفت　　ہمچو سگ سودائے خانہ از تو رفت

یعنی جب رنج جاتا رہا تو تیری حرص عظیم ہوگئی اور کتے کی طرح گھر کا خیال تجھ سے جاتا رہا۔

(اور پھر اُسی طرح غافل ہو گئے تو ایسا نہ چاہیئے بلکہ اُس رہا ہونے کا شکر یہ ہے کہ پھر کبھی اُسکے مرتکب نہ ہو اور اس نعمت خلاصی کا شکر ادا کرو اسلئے کہ)

شکر نعمت خوشتر از نعمت بود　　شکر بارہ کے سوی نقمت بود

یعنی شکر نعمت نعمت سے اچھا ہوتا ہے (اسلئے کہ) شکر نقمت کی طرف کب لیجاتا ہے۔

شکر جانِ نعمت و نعمت چو پوست　　زانکہ شکر آرد ترا تا کوئی دوست

یعنی شکر تو نعمت کی جان ہے اور نعمت مثل پوست کے ہے اسلئے کہ شکر تو تمکو کوئے دوست تک لاتا ہے

نعمت آرد غفلت و شکر انتباہ　　صید نعمت کن بدام شکر شاہ

یعنی نعمت تو غفلت لاتی ہے اور شکر بیداری لاتا ہے تو نعمت کا شکار شکر شاہ کے دام میں کرو۔ مطلب یہ ہے کہ شکر نعمت نعمت سے بہتر ہے اسلئے کہ دیکھو نعمت تو بعض مرتبہ سبب ہلاکت کا ہو بھی جاتی ہے مگر شکر کبھی سبب ہلاکت نہیں ہوتا۔ تو تم یہ کرو کہ شکر کیا کرو کہ شکر خود جالب نعمت ہے۔ نعمت شکر کی بدولت خود تم تک دوڑتی ہوئی آویگی۔

نعمت شکرت کند پُرچشم و میر　　تا کنی صد نعمت ایثار فقیر

یعنی شکر جو ایک نعمت ہے وہ تجھے پُرچشم اور امیر کر دیگا۔ یہانتک کہ تم سو نعمتیں فقیر پر نثار کر دو گے یعنی شکر سے اس قدر نعمت زیادہ ہوگی کہ خود تو رکھو ہی گے مگر اوروں کو بھی دو گے

سیر نوشی از طعام و نقل حق　　تا رود از تو شکم خواری و دق

یعنی تو حق تعالیٰ کے طعام و نقل سے سیر ہو کر کھاویگا یہانتک کہ تجھسے شکم خواری اور دق (بابِ) جاتا رہیگا یعنی اسقدر نعمت ملیگی کہ پھر حرص نہ رہے گی۔

نعمت و ہاب را شکری کنید　　تا سر منحوس خود را نشکنید

یعنی حق تعالے کی نعمت کا شکر کرو تا کہ اپنے سر منحوس کو نہ توڑ لو۔

شکر جذب نعمت اوفر کند　　کفر نعمت مرد را کافر کند

یعنی شکر کرنا نعمت وافر کو جذب کرتا ہے اور کفران نعمت انسان کو کافر کر دیتی ہے۔ (اور ہر شے کا شکر الگ ہے تو اس خلاصی کا شکر یہی ہے کہ پھر اُس کام کے مرتکب نہ ہو)

آگے اہل سبا کا حضرات انبیاء علیہم السلام کو نصیحت سے روکنے کا قصہ بیان فرماتے ہیں۔

شرح حبیبی

قوم گفتند اے نصوحان بس بود — آنچہ گفتید ار دریں دہ کس بود
قفل بر دلہائے ما بنہاد حق — کس نداند برد بر خالق سبق
نقش ما ایں کرد آں تصویر گر — ایں نخواہد شد بگفت و گو دگر
سنگ را صد سال گوئی لعل شو — کہنہ را صد بار گوئی باش نو
خاک را گوئی صفات آب گیر — آب را گوئی عسل شو یا کہ شیر
نار را گوئی کہ نور محض شو — پشہ را گوئی کہ سوئے باد رو
قلب را گوئی کہ زر پاک شو — یا کہ اکسیری شود چالاک شو
ہیچ ازاں اوصاف دیگرگوں شوند — آب کے گردد عسل اے ارجمند
خالق افلاک و ہم افلاکیاں — خالق آب و تراب و خاکیان
آسمان را داد دوران و صفا — آب و گل را تیرہ روئی و نما
کے تواند آسماں دُردے گزید — کے تواند آب و گل صفوت خرید
قسمتے کرد ست ہر یک را ربے — کے کُئے گردد بجہد ت چوں کہے

غرضکہ جب انبیاء علیہم السلام نے اُنکو بہت کچھ نصیحت کی اور حجتوں سے اُنکو مغلوب کیا تو انہوں نے جبر کو دستاویز بنا کر پیچھا چھوڑانا چاہا اور کہا کہ صاحبو اگر اس گاؤں میں کوئی شخص آپکی بات ماننے والا ہوتا تو جسقدر آپ غرِ ملچکے ہیں وہ ہی کافی تھا مگر کیا کیجئے کہ حق سبحانہ نے دلوں پر قفل

لگادیا ہے کہ نصیحت کا اثر اس میں پہونچتا ہی نہیں اور یہ کسی کی مجال نہیں کہ خدا کا مقابلہ کر کے اُس سے بازی لیجا ئے کہ اُسنے تو قفل لگایا ہے اور دوسرا شخص اُسکو توڑ دے جبکہ اُس مصور نے ہماری تصویر ایسی بنائی ہے تو اب وہ کسی صورت سے نہیں بدل سکتی آپ پتھر کو سو برس تک کہیں کہ تو لعل ہو جا اور پرانے کو سو مرتبہ کہیں کہ تو نیا ہو جا۔ آپ مٹی کو کہیں کہ پانی کی صفات اختیار کرے اور پانی سے کہیں کہ شہد ہو جا۔ یا ذرہ بنجا آگ سے کہیں کہ نور محض بنجا جلانے کی صفت چھوڑدے مچھر سے کہیں کہ ہوا کے پاس جا کھوٹے کو کہیں کہ کھرا بنجا یا اکسیر ہو جا۔ اور چست و چالاک ہو جا لیکن کہیں یہ صفات بدل سکتی ہیں ہرگز نہیں۔ پانی ہرگز شہد نہیں بن سکتا۔ افلاک اور ساکنین افلاک اور آب وخاک اور خاکیوں کے خالق نے آسمان کو چکر اور صفائی عطا فرمائی ہے اور آب و گل کو تیرگی اور نمو عطا فرمایا ہے اب آسمان تیرگی اختیار نہیں کرسکتا۔ اور آب و گل صفائی حاصل نہیں کرسکتی غرض کہ ہر چیز کو اُسنے ایک خاص روش عطا کی ہے جس سے وہ نہیں پھر سکتی چنانچہ اگر پہاڑ کو کوشش سے کاہ بنانا چاہو تو ناممکن ہے۔

شرح شبیری

منکروں کا انبیاء علیہم السلام کو نصیحت کرنے سے منع کرنا اور جبریوں کے طریقہ پر حجت لانا

قوم گفتند اے نصوحان بس بود　　　　اُنچہ گفتید ار دریں دہ کس بود

یعنی قوم (سبا) نے کہا کہ اے ناصحو جو کچھ کہ تمنے کہا ہے اگر کوئی گاؤں میں (سننے والا) ہو تو کافی ہے یعنی اگر ہم تمہاری بات مانیں تو جتنا تمنے کہا ہے اسقدر کہنا کافی ہے مگر ہم کیا کریں ہم سمجھ ہی نہیں سکتے اسلئے کہ۔

قفل بر دلہائے ما بنہاد حق　　　　کس نداند بُرد بر خالق سبق

یعنی حق تعالی نے ہمارے قلوب پر قفل لگا دیا ہے اور خدا پر کوئی سبقت لیجا نہیں سکتا اتو یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ خدا ہمیں اس حالت میں رکھے اور ہم تمہاری مان کر دوسری

حالت بدل لیں)

نقش ما این کرد آن تصویر گر　　این نخواہد شد بگفت و گو دگر

یعنی اُس مصوّر نے ہمارا نقش ایسا ہی بنایا ہے تو یہ گفتگو سے متغیر نہیں ہو سکتا۔ (اسلئے کہ اس کی تو ایسی مثال ہے کہ)

سنگ را صد سال گوئی لعل شو　　کہنہ را صد بار گوئی باش نو

یعنی پتھر کو سو برس تک تو کہہ کہ لعل ہو جا اور پرانے کو سو مرتبہ کہہ کہ نیا ہو جا۔

خاک را گوئی صفات آب گیر　　آب را گوئی عسل شو یا کہ شیر

یعنی تو خاک کو کہے کہ پانی کی صفات لیلے اور پانی کو کہے کہ شہد یا دودھ ہو جا۔

نار را گوئی کہ نور محض شو　　پشہ را گوئی کہ سوئے باد رو

یعنی تو آگ کو کہے کہ نور محض ہو جا اور مچھر کو کہے کہ ہوا کی طرف جا۔

قلب را گوئی کہ عین پاک شو　　یا کہ اکسیرے شو و چالاک شو

یعنی کھوٹے کو تو کہے کہ تو عین پاک ہو جا یا کہ اکسیر ہو اور چست و چالاک ہو جا۔

ہیچ ازاں اوصاف دیگر گوں شوند　　آب کے گردد عسل اے ارجمند

یعنی کیا ان میں سے کوئی متغیر ہو سکتی ہے اور اے برخوردار پانی شہد کب بن سکتا ہے۔

خالق افلاک و ہم افلاکیان　　خالق آب و تراب و خاکیان

یعنی آسمان اور آسمان والوں کے خالق نے اور پانی اور مٹی اور خاکیوں کے خالق نے۔

آسمان را داد دوران و صفا　　آب و گل را تیرہ روئی و نما

یعنی آسمان کو تو چکر کہانا اور صفائی دی۔ اور آب و گل کو۔ تیرہ روئی اور نشو و نما دیا۔

کے تواند آسمان دردے گزید　　کے تواند آب و گل صفوت خرید

تو آسمان تو تیرگی کو کب قبول کر سکتا ہے اور پانی اور مٹی صفائی کو کب لے سکتی ہیں۔

قسمتے کردست ہر یک را رہے　　کے کُہے گردد بجہدت چوں کہے

یعنی ہر ایک کیلئے ایک راہ تقسیم کر دی ہے تو تمہاری کوشش سے پہاڑ تنکے کی برابر کب ہو سکتا ہے (تو بس اسی طرح حق تعالیٰ نے ہمارے لئے بھی اس حالت کو مقرر فرما دیا ہے

اب ہم اسکو بھی کسی کے کہنے سننے سے بدل نہیں سکتے لہذا نصیحت کرنا فضول ہے۔ جب ان لوگوں نے یہ کہا تو حضرات انبیاء علیہم السلام نے جواب دیا کہ۔

شرح حبیبی

انبیاء گفتند کارے آفرید	وصفہائے کہ نتاں زاں سر کشید
وافرید او وصفہائے عارضی	کہ گہے مبغوض می گردد رضی
سنگ را گوئی کہ زر شو بیہودہ است	مس را گوئی کہ زر شو راہ ہست
ریگ را گوئی کہ گل شو عاجز ست	خاک را گوئی کہ گل شو جائز ست
رنجہا دادہ است کانرا چارہ نیست	آن بمثل لنگی و فطس و عمی ست
رنجہا دادہ است کانرا چارہ ہست	آن بمثل لقوہ و درد سر ست
این دواہا ساخت بہر ایتلاف	نیست این درد و دواہا از گزاف
بلکہ اغلب رنجہا را چارہ ہست	چوں بجد جوئی بیاید آن بدست

انبیا علیہم السلام نے جواب دیا کہ ہم انکار نہیں کرتے بیشک ایسے اوصاف بھی ہیں جنکے آگے تسلیم خم کرنا پڑتا ہے لیکن اسکے ساتھ ہی ہم یہ بھی کہتے ہیں کہ وہ اوصاف بھی ہیں جو قابل تغیر ہیں۔ مثلاً دیکھو کبھی ایک شے مبغوض ہوتی ہے اور وہی شے دوسرے وقت میں پسندیدہ ہوجاتی ہے یہ مسلم کہ پتھر سے سونا ہونے کی طلب لغو ہے کیونکہ اسمیں اسکی قابلیت ہی نہیں پیدا کیگئی۔ لیکن تانبے سے سونا بننے کی طلب معقول ہے کیونکہ اسمیں قابلیت ہے ریت کو اگر چاہو کہ پھول ہو جاوے تو ایسا نہیں ہوسکتا لیکن اگر مٹی کو یہ چاہو تو ممکن ہے علی ہذا امراض بھی حق سبحانہ نے دو قسم کے پیدا کئے ہیں وہ بعض جنکا کوئی علاج ہی نہیں گو نگا مادر زاد ہونا یا ناک کا خلقۃً چپٹا ہونا یا مادر زاد اندھا ہونا ہے اور جو بعض امراض قابل زوال اور علاج

پذیر ہیں لقوہ یا درد سر یا بخار وغیرہ ہیں چنانچہ دواؤں کو جو حق سبحانہ نے پیدا کیا ہے تو فضول نہیں پیدا کیا بلکہ اُنکو اسی لئے پیدا کیا ہے کہ ان کو استعمال کیا جاوے اور ان سے امراض عارضہ کو زائل کیا جاوے بلکہ اکثر بیماریاں تو ایسی ہی ہیں جو قابل علاج ہیں۔ ہاں مگر کوشش کی ضرورت ہے جب کوشش کروگے تو ایسی دوائیں مل سکتی ہیں جن سے اُنکو زائل کیا جاوے جبکہ امراض جسمانیہ کی حالت معلوم ہوگئی تو امراض روحانیہ کو بھی اسی پر قیاس کر لو۔

شرح شبیری

انبیاء علیہم السلام کا جبریوں کو جواب

انبیاء گفتند کارے آفرید وصفہائے کہ نتاں زاں سرکشید

یعنی انبیاء علیہم السلام نے فرمایا کہ ہاں حق تعالیٰ نے ایسے اوصاف پیدا فرمائے ہیں کہ اُن سے کشی نہیں کرسکتے (لیکن)

وافریداوصفہائے عارضی کہ بے مبغوض می گردد رضی

یعنی اور اوصاف عارضی (بھی) پیدا فرمائے ہیں کہ کبھی مبغوض پسندیدہ ہوجاتا ہے۔ یعنی ایک شخص مبغوض ہوتا ہے مگر پھر وہ پسندیدہ ہوجاتا ہے تو دیکھو اُسکے اندر مبغوض ہونیکا وصف عارضی تھا۔ حاصل یہ کہ بعض اوصاف تو بیشک ایسے ہی ہیں کہ اُن سے سرتابی نہیں ہوسکتی مگر بعض ایسے بھی ہیں کہ وہ بدل سکتے ہیں۔ آگے دونوں کی نظائر پیش فرماتے ہیں کہ۔

سنگ را گوئی کہ زر شو بیہودہ است مس را گوئی کہ زر شو راہ ہست

یعنی پتھر کو اگر تو کہے کہ سونا ہوجا تو بیہودگی ہے اور تانبے کو کہے کہ سونا ہوجا تو راہ ہے۔ یعنی مس کو کہہ سکتے ہیں اسلئے کہ وہ ہوجاتی ہے تو اُسکو کہنا ٹھیک ہے۔

ریگ را گوئی کہ گل شو عاجز است خاک را گوئی کہ گل شو جائز است

یعنی ریت کو اگر تم کہو کہ گارا ہوجا تو وہ عاجز ہے اور مٹی کو کہو کہ گارا ہوجا تو جائز ہے۔ (اسلئے کہ اُسکا گارا بنا کرتا ہے)

رنجہا داست کاں را چارہ نیست آں بمثل لنگی و فطس و عمی است

یعنی بعض امراض ایسے دئے ہیں کہ جن کا علاج نہیں ہے وہ تو مثل گونگے ہونیکے اور ناک چپٹی ہونیکے اور (مادر زاد) اندھا ہونے کے ہیں (کہ ان کا کوئی علاج ہی نہیں ہے)

رنجہا دادست کانرا چارہ ہست　　آن بمثل لقوہ و درد سر است

یعنی بعض امراض ایسے دئے ہیں کہ جنکا علاج ہے اور وہ مثل لقوہ اور درد سر کے ہیں۔

این دواہا ساخت بہر ایتلاف　　نیست این درد و دواہا از گزاف

یعنی ان دواؤں کو الفت پکڑنے کیلئے بنایا ہے اور یہ درد اور دوائیں فضول نہیں ہیں۔ یعنی دواؤں کو امراض کیلئے مناسب بنایا ہے یونہی نہیں ہے کہ جو دل میں آیا فضول ایک دوسرے کے ساتھ جوڑ لگا دیا ہو۔

بلکہ اغلب رنجہا را چارہ ہست　　چون بجد جوئی بیاید آن بدست

یعنی بلکہ اکثر امراض کے علاج ہیں جب تم کوشش سے تلاش کرو تو ہاتھ آسکتے ہیں (تو بس جبکہ بعض چیزیں اپنی حالت سے متغیر ہو سکتی ہیں اور امراض کا علاج ہو سکتا ہے تو تمہاری اس گمراہی کا علاج بھی ہو سکتا ہے اور تمہاری یہ حالت بدل بھی سکتی ہے ہاں اگر ان سے یہ کہا جاتا کہ تم فرشتہ بنجاؤ مثلاً تب تو یہ کہہ سکتے تھے کہ ہم نہیں بن سکتے مگر اسمیں ان کا یہ کہنا ظاہر ہے کہ غلط تھا) آگے پھر ان منکرین کے جواب کو نقل فرماتے ہیں کہ انبیاء کے جواب سنکر انہوں نے دوبارہ اپنی حجت کو مضبوط کیا اور اسپر دوبارہ دلیل لائے۔

شرح حبیبی

قوم گفتند اے گروہ این رنج ما	نیست زان رنجے کہ بپذیرد دوا
سالہا گفتید زین افسون و پند	سخت تر میگشت زان ہر لحظہ بند
گر دوا را این مرض قابل بدے	آخر از وے ذرۂ زائل شدے
سدہ چون شد آب ناید در جگر	گر خورد دریا رود جائے دگر
لاجرم آماس گیرد دست و پا	تشنگی را نشکند آن استقا

انبیاء گفتند نومیدی بدست — فضل و رحمتهای باری بیحد است

از چنین محسن نشاید ناامید — دست در فتراک این رحمت زنید

ای بسا کارا که اول صعب گشت — بعد از آن بگشاده شد سختی گذشت

بعد نومیدی بسی امیدهاست — از پس ظلمت بسی خورشیدهاست

خود گرفتم که شما سنگین شدید — قفلها بر گوش و بر دل بر زدید

هیچ ما را با قبولی کار نیست — کار ما تسلیم و فرمان بردنیست

او بفرمودست ما این بندگی — نیست ما را از خود این گویندگی

جان برای امر او داریم ما — گر بریگی گو یدا و کاریم ما

امر حق را ما گروه بی ریا — می رسانیم این رسالت با شما

غیر حق جان نبی را راه نیست — با قبول و رد خلقش کار نیست

مزد تبلیغ رسالاتش ازوست — زشت و دشمن رو شدیم از بهر دوست

ما برین درگه ملولان نیستیم — تا ز بعد راه هر جا بیستیم

دل فروبسته و ملول آنکس بود — کز فراق یار در محبس بود

دلبر و مطلوب با ما حاضرست — در نثار رحمتش جان شاکرست

در دل ما لاله زار و گلشنیست — پیری و پژمردگی ما را نیست

دائما تر و جوانیم و لطیف — تازه و شیرین و خندان و ظریف

پیش ما صد سال و یک ساعت یکیست — که دراز و کوته از ما منفکیست

آن دراز و کوتهی در جسمهاست — خود دراز و کوته اندر جان کجاست

صد و نه سال آن اصحاب کهف — پیش شان یک روز بے اندوه و لهف

وانگهی بنمودشان یک روز هم — که به تن باز آمد ارواح از عدم

چون نباشد روز و شب یا ماه و سال — کے بود سیری و پیری و ملال

در گلستان عدم چون بیخودی ست — مستی از سغراق لطف ایزدی است

لم یذق لم یدر هر کس کو نخورد — کے بوهم آرد جعل انفاس ورد

نیست موهوم ار بدے موهوم آن — همچو موهومان شدے معدوم آن

دوزخ اندر وهم چون آرد بهشت — هیچ تابد روئے خوب از خوک زشت

پس گلوی خود ببر بدای مهان — اینچنین لقمه رسیده تا دهان -

راههائ صعب پایان برده ایم — ره براهل خویش آسان کرده ایم

هین بجوئید از نجوم سعد راه — زانکه در ظلمت در ید و قعر چاه

هر که ما را گشت پیرو باز رست — از عذاب نار و در جنت نشست

وانکه نشنید از شقاوت پند ما — در عذاب جاودان شد مبتلا

انبیا علیہم السلام کا جواب سنکر پھر لوگون نے اعتراض کیا اور کہا کہ یہ تو آپکو بھی تسلیم ہے کہ امراض ۲ قسم کے ہین بعض نا قابل علاج اور بعض قابل علاج پس ہمارا مرض اُن امراض سے نہیں ہے جو قابل علاج ہوں اور دلیل اُسکی یہ ہے کہ آپ حضرات نے برسوں ہمکو نصیحتیں کیں اور منتر پڑھے مگر مرض بڑھتا گیا جون جون دوا کی۔ اس سے ہمارے بندشوں میں اضافہ ہی ہوتا گیا اور ذرہ بھر بھی کمی نہ آئی۔ پس اگر یہ امراض قابل علاج ہوتے تو کچھ تو کمی ہوتی-

دیکھئے جب جگر میں سدہ پیدا ہوجاتا ہے تو اس میں پانی نہیں پھونچ سکتا۔ خواہ وہ سمندر ہی کیون نہ پیجاوے بلکہ وہ دوسرے مقامات پر چلا جاتا ہے اور اُس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ پیاس تو نہیں بجھتی جسکے لئے پیا گیا تھا بلکہ اور روگ پیدا ہوجاتا ہے یعنی ہاتھ پاؤن ورم کرجاتے ہین۔ پس یہی حالت ہماری ہے اسپر انبیاؑ نے کہا کہ نا اُمیدی کی کوئی بات نہیں تم کوشش کرو۔ انشاءاللہ سارا مرض زائل ہوجاویگا اسلئے حق سبحانہ کی رحمتیں اور اُنکے فضل بیحد ہیں اور ایسے صاحب انعام واکرام سے نا اُمید ہونا زیبا نہیں تم کوشش کرو اور رحمت حق سبحانہ کو دستاویز بناؤ بہت سے کام ابتداءً سخت ہوتے ہیں اُسکے بعد سب سہل ہوجاتے ہیں اور ساری مشکلات دفع ہوجاتی ہیں اگر کسیکے مرض کی حالت یاس تک پھونچ جاوے تب بھی واقع میں اُسکے لئے بہت اُمیدین ہیں اور اگر ظلمت قلب انتہا کو پھونچ جاوے تب بھی واقع میں بہت سے آفتاب معارف وغیرہ ہین جو اسکو زائل کرسکتے ہیں۔ اچھا ہمنے فرض کیا کہ تم پتھر ہی ہوگئے اور تمنے اپنے دلوں اور کانوں پر قفل لگالئے ہیں کہ نہ تم ہماری نصیحتوں کو سنتے ہو نہ سمجھتے ہو لیکن ہمکو اسکی بھی کچھ پروا نہیں کیونکہ ہماری یہ غرض نہیں کہ تم خواہ مخواہ قبول ہی کرلو۔ ہمارا اصل مقصد تو حق سبحانہ کی اطاعت اور اُسکے حکم کی تعمیل ہے۔ اُسنے ہمکو اس خدمت پر مامور کیا ہے اسلئے ہم کرتے ہیں۔ اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتے کہ مایوس ہوکر اسکو چھوڑدیں ہماری جان تو اُسی کی احکام کی اطاعت کیلئے ہے پس اگر وہ ہمیں حکم دے کہ تم ریت میں کھیتی کرو ہم کرنے کو موجود ہیں خواہ پیداوار ہو یا نہ ہو ہم لوگوں کو دکھاوا تو مقصود ہے نہیں بلکہ ہمکو تو اطاعت مقصود ہے پس ہم اُس امر حق سبحانہ کے سبب جو ہمکو تمہاری تبلیغ کی بابت ہوا ہے یہ پیغامات تم تک پھونچاتے ہیں خواہ تم پر ان کا اثر ہو یا نہ ہو خوب سمجھ لو کہ انبیاء علیہم السلام کا دست تو صرف حق سبحانہ ہوتا ہے اسلئے اُنکو اُسکی اطاعت مدنظر ہوتی ہے اُنکو مخلوق کے رد و قبول سے کچھ سروکار نہیں ہوتا۔ اور اپنی پیغام رسانی کی اُجرت وہ اُسی کے خزانہ سے پاتے ہیں مخلوق سے وہ کسی نفع کے خواستگار نہیں ہوتے اور اپنے محبوب ہی کی خاطر لوگوں کی نظروں میں بُرے اور دشمن بنتے ہیں۔ نیز ہم لوگ درگاہ حق سبحانہ تک

پھونچے ہوئے ہیں اور چلتے چلتے اُکتا نہیں گئے کہ بُعد مسافت کے سبب تھک کر ہر جگہ بیٹھ جایا کریں۔ دل تنگ اور ملول وہ شخص ہوتا ہے جو فراق یار کے قید خانہ میں ہو۔ مگر بحمد اللہ ہم ایسے نہیں ہیں ہمارا مطلوب ہمارے پاس موجود ہے اور ہمپر اپنی رحمت برسا رہا ہے جسکی ہماری جان ہر دم شکر گذاری کرتی ہے اور ہمارا دل باغ باغ ہے بڑھاپے اور پژمردگی کو ہمارے یہاں کوئی دخل نہیں۔ ہم ہمیشہ تر و تازہ۔ جوان۔ پاکیزہ۔ شیرین خنداں اور خوش طبع رہتے ہیں۔ ہمارے نزدیک سو برس اور ایک ساعت دونوں برابر ہیں اسلئے کہ درازی و کوتاہی کو ہمسے کچھ واسطہ نہیں درازی و کوتاہی کا تعلق اجسام سے ہے اور ہم سراپا روح ہیں۔ روح میں درازی و کوتاہی کہاں۔ دیکھو اصحاب کہف پر روحانیت غالب تھی اسلئے تین سو نو برس انکے نزدیک ایک دن تھے جو بے غم و رنج گذر گئے اور جبکہ ان کی روح واپس ہوئی ہے اور وہ جاگے ہیں تو اُسوقت انکو اتنے سال ایک دن بھی نہ معلوم ہوئے اور جبکہ ہمکو ماہ و سال اور رات دن سے بھی تعلق نہو اور جبکہ گلستان فنا میں جسمیں ہم یا اصحاب کہف وغیرہ ہیں بیخودی اور جام شراب لُطف خداوندی کی مستی ہو تو ہم لوگوں کی طبیعت کیسے بھر سکتی ہے اور ہماری روح کیونکر بڈھی اور کمزور ہو سکتی ہے اور ہم کیسے اُکتا سکتے ہیں جسنے یہ شراب نہیں پی اور اس کا مزہ نہیں چکھا وہ اس سے واقف نہیں ہو سکتا۔ دیکھو پھول کی بو گوہ کے کیڑے کے وہم میں بھی نہیں آسکتی اور وہ نہیں جان سکتا کہ خوشبو بھی کوئی چیز ہے پس تم اسے کیسے سمجھ سکتے ہو۔ جب یہ امر معلوم ہوا کہ ہم حق سبحانہ سے اُکتا نہیں سکتے تو یہ بھی معلوم ہو گیا کہ ہم تمہاری نصیحت کو نہیں چھوڑ سکتے کیونکہ ترک نصیحت ترک اطاعت حق ہے اور ترک اطاعت اکتانا ہے جو ہمارے لئے ناممکن ہے ہم جو کچھ امور غیبیہ کی نسبت بیان کرتے ہیں اُسکو تم ہمارا وہم نہ سمجھنا اسلئے کہ اگر یہ بات وہمی ہوتی تو اور موہومات کی طرح یہ بھی فنا ہو جاتی لیکن یہ فانی نہیں پس موہوم بھی نہیں تم سوچکہ دوزخ کو آدمی بہشت کیسے سمجھ سکتا ہے اور بدصورت سور کا چہرہ کیونکر حسین معلوم ہو سکتا ہے جبکہ یہ نہیں ہو سکتا تو ہماری مدرکات کو وہم کیونکر کہا جاتا ہے دیکھو کہنا مانو اور جبکہ ایسی نفیس غذا تمہاری منہ تک پھونچ گئی ہے تو اپنا گلا کاٹ کر اُسکو معدہ میں جانے سے نہ روکو۔ مانا کہ وہ غذا اس طرح معدہ میں نہ پھونچ سکیگی لیکن یہ یاد رہے کہ جان بھی نہ رہے گی پس تم اپنے کو ہماری

نصیحتوں کی ضد سے اندھا بہرا نہ بناؤ ہماری نصیحت سنو اور اُسے قبول کرو دیکھو اس رستہ کی کڑیاں خود اپنے اوپر اُٹھا کر ہمنے اپنے متبعین کیلئے اُسکو آسان کردیا ہے اب وصول الی اللہ کچھ زیادہ دشوار نہیں رہا تم ذرا ہمت کرو انشاءاللہ بہت آسانی سے پہونچ جاؤ گے ہم سعد ستارے ہیں اور تم تاریکی ضلالت اور کنویں کی تہ میں ہو پس تم ہمکو راہ نما بناؤ۔ یاد رکھو جسنے ہماری پیروی کی عذاب دوزخ سے بچ گیا اور جنت میں جا بیٹھا اور جسنے اپنی بدبختی سے ہماری نصیحت نہ سنی وہ عذاب ابدی میں مبتلا ہوا۔

شرح شبیری

اُن منکروں کا جبریانہ حجتوں کو دوبارہ کرنا

قوم گفتند اے گروہ ایں رنج ما　　　نیست زاں رنجے کہ بہ پذیرد دوا

یعنی قوم نے کہا کہ اے گروہ (انبیاءؑ) ہمارا مرض اُن امراض میں سے نہیں ہے جو دوا کو قبول کرے۔ مطلب یہ کہ انبیاءؑ نے جو کہا تھا کہ بعض امراض ایسے بھی ہوتے ہیں کہ اُن کا علاج ہو سکتا ہے تو تم بھی اپنا علاج کرو تو وہ کہتے ہیں کہ ہمارا مرض ایسا نہیں ہے جو دوا کو قبول کرے اور اُس کا قرینہ یہ ہے کہ۔

سالہا گفتید زیں افسون و پند　　　سخت تر میگشت زاں ہر لحظہ بند

یعنی سالہا سال تک تمنے ان افسون و پند سے کہا (مگر) اُس سے ہر لحظہ بند زیادہ ہی ہوتی گئی یعنی تمنے اتنا سمجھایا مگر ہمارا انکار اور مانعیت قبول حق سے بیماری بڑھتی چلی گئی۔

گر دوا را ایں مرض قابل بُدے　　　آخر از وے ذرۂ زائل شُدے

یعنی اگر یہ مرض دوا کے قابل ہوتا تو اس میں کچھ ذرا ذرہ سا زائل تو ہوتا اگر ہمارا یہ مرض بڑھ رہا ہے لہذا معلوم ہوا کہ لاعلاج ہے اور ظاہر ہے کہ اُن کا یہ کہنا غلط ہے اسلئے کہ یہ تو اُسوقت کہہ سکتے جبکہ انبیاء کے کہنے پر عمل کرتے اور اسکے بعد مرض زائل نہ ہوتا تو کہتے کہ مرض لاعلاج ہی جب علاج ہی نکرے تو پھر اسکا لاعلاج ہونا کہاں سے معلوم ہوا) آگے اُسکی ایک مثال دیتے ہیں کہ

سدہ چوں شد آب ناید در جگر　　　گر خورد دریا رود جائے دگر

یعنی سُدّہ جب پیدا ہو گیا تو پانی جگر میں نہیں آتا اگر دریا بہا دے تو وہ دوسری جگہ چلا جاوے

لاجرم آماس گیرد دست و پا — تشنگی را نشکند آن استقا

یعنی لامحالہ ہاتھ پاؤں آماس اختیار کرتے ہیں اور وہ پانی پینا تشنگی کو بجھاتا نہیں ہے (تو چونکہ ہمارے اندر اسکے قبول کرنے سے مانع موجود ہے۔ لہذا ہمارے اندر یہ نصیحت وغیرہ اثر نہیں کر سکتی) آگے حضرات انبیاء علیہم السلام کا جواب ہے۔

انبیا علیہم السلام کا جبریوں کو دوبارہ جواب دینا

انبیاؑ گفتند نومیدی بدست — فضل و رحمتہائے باری بیحد است

یعنی انبیاءؑ نے فرمایا کہ ناامیدی بُری ہے (اسلئے کہ) فضل و رحمت حق تو بیحد ہے۔

از چنین محسن نشاید ناامید — دست در فتراک این رحمت زنید

یعنی ایسے مُحسن سے ناامید نہ ہونا چاہئے۔ اور اس رحمت کے فتراک میں ہاتھ مارو مطلب یہ کہ انبیاءؑ نے فرمایا کہ حق تعالیٰ سے ناامید نہ ہونا چاہئے بلکہ فتراک رحمت میں ہاتھ مارو تاکہ رحمت حاصل ہو جاوے اور ناامیدی بہت بُری چیز ہے۔ ناامید ہر گز نہ ہو اسلئے کہ۔

اے بسا کارا کہ اول صعب گشت — بعد ازان بکشادہ شد سختی گذشت

یعنی بہت سے وہ کام کہ اول سخت ہوئے اور اسکے بعد کُھل گئے اور سختی گذر گئی (تو تمکو بھی چاہئے کہ ناامید نہ ہو ممکن ہے کہ پہلے مرض کا علاج نہ ہوا ہو اور اب ہو جاوے)۔

بعد نومیدی بسے اُمیدہاست — از پس ظلمت بسے خورشیدہاست

یعنی ناامیدی کے بعد بہت سی امیدیں ہیں اور ظلمت کے بعد بہت سے خورشید ہیں (لہذا ناامید مت ہو) ایک جواب تو یہ دیا آگے ایک دوسرا جواب فرماتے ہیں جسکا خلاصہ یہ ہے کہ ہمنے مانا کہ تم قبول نہیں کرتے مگر ہمکو اس سے کیا غرض تم مانو یا نہ مانو ہم تو اس کام کو حکم حق سمجھ کر کرتے ہیں۔ خدا کا حکم ہے کہ تبلیغ کرو۔ کرتے ہیں چاہے کوئی سُنے یا نہ سُنے۔ آخر سُرخی تک یہی مضمون ہے فرماتے ہیں کہ۔

خود گرفتم کہ شما سنگین شدید — قفلہا بر گوش و بر دل بر زدید

یعنی مین نے فرض کر لیا کہ تم سنگین (دل) ہو گئے ہو اور گوش دل پر تمنے قفل لگا لئے ہین۔

ہیچ مارا با قبولے کار نیست　　کار ما التسلیم و فرمان بردنیست

یعنی ہمکو بالکل کسی قبول سے کام نہیں ہے۔ ہمارا کام تسلیم اور حکم بجالانا ہے۔

امر حق را ما گروہ بے ریا　　می رسانیم این رسالت با شما

یعنی ہم گروہ بے ریا امر حق کیلئے اس رسالت کو تم تک پھونچاتے ہین۔ مطلب کہ ہمکو حکم حق ہے کہ پھونچاؤ تو ہم پھونچاتے ہین چاہے کوئی قبول کرے یا نہ کرے اسلئے کہ۔

غیر حق جان نبی را یار نیست　　با قبول و رد خلقش کار نیست

یعنی جان نبی کیلئے سوائے حق تعالےٰ کے کوئی یار نہین ہے اُسکو مخلوق کے قبول و مردود کرنے سے کام نہیں ہے یعنی نبی کا یہ کام نہین کہ وہ یہ دیکھے کہ ہمین کوئی قبول کرتا ہے یا نہین اُسکے لئے تو کام کرنے کیلئے یہ تحرک کافی ہے کہ خدا کا حکم ہے کہ تبلیغ کرو بس وہ پہونچاتا ہے

مزد تبلیغ رسالاتش از وست　　زشت و دشمن رو شدیم از بہر دوست

یعنی اُسکے احکام کی تبلیغ کی مزدوری اُسی کی طرف سے ہے اور ہم بُرے اور دشمن رو دوست کے واسطے ہو گئے ہین۔

ما برین درگہ ملولان نیستیم　　تا ز بُعد راہ ہر جا بیستیم

یعنی ہم اس درگاہ پر ملول نہیں ہیں تاکہ بُعدِ راہ کی وجہ سے ہر جگہ کھڑے ہوں یعنی ہم ملول نہین ہین کہ اس کام کو سخت سمجھکر بار بار ٹھہرین اور تسکین اس کام مین ہم خوش و خرم ہین اسلئے کہ۔

دل فرو بستہ و ملول آنکس بود　　کز فراق یار در محبس بود

یعنی دل منقبض اور ملول تو وہ شخص ہو جو کہ فراق یار کی وجہ سے محبس میں ہو۔

دلبر و مطلوب با ما حاضر ست　　در نثار رحمتش جان شاکر ست

یعنی (ہمارا) دلبر اور مطلوب ہماری ساتھ موجود ہے اور اُسکی رحمت کے نثار کرنے سے ہماری جان شاکر ہے یعنی چونکہ اُس طرف سے ہر دم رحمت برس رہی ہے تو اُسکا شکر ہماری جان کر رہی ہے تو جب وہ ہر دم ہماری ساتھ ہے پھر ہم ملول اور منقبض کیون ہون

در دل ما لالہ زار و گلشنے ست　　پیری و پژمردگی را راہ نیست

یعنی ہمارے دل مین ایک لالہ زار اور ایک گلشن ہے کہ پیری اور پژمردگی کو (ہمارے اندر) راہ نہیں ہے
یعنی اُس قرب محبوب کی وجہ سے ہمارے اندر ایک ایسا باغ کھلا ہوا ہے کہ ہمارے اندر پژمردگی اور
کسل پیدا ہی نہیں ہوتا۔

دائما تر و جوانیم و لطیف　　　تازہ و خندان و شیرین و ظریف

یعنی ہم ہمیشہ تر و تازہ اور جوان اور لطیف ہین۔ تازہ ہیں اور خندان اور شیرین اور ظریف ہین۔
مطلب یہ کہ ہمیشہ خوش و خرم ہین۔

پیش ما صد سال و یک ساعت یکیست　　　کہ دراز و کوتہ از ما منفکیست

یعنی ہمارے سامنے سو برس اور ایک گھڑی ایک ہے کیونکہ دراز و کوتہ ہمسے الگ ہے۔ مطلب یہ کہ
خوش رہنے اور ملول نہ ہونیکے اعتبار سے ہمکو ایک ساعت اور سو برس برابر ہین کہ نہ ہم ایک
ساعت مین ملول ہوں اور نہ سو برس مین اسلئے کہ یہ زمانہ کا طول و قصر ہمارے پاس ہے ہی نہین
بلکہ ہمسے ایک طرف ہی اسلئے کہ۔

آن دراز و کوتھی در جسمہاست　　　خود دراز و کوتہ اندر جان کجاست

یعنی وہ درازی اور کوتاہی تو اجسام میں ہے اور جان مین دراز و کوتاہ کہان ہے۔ مطلب یہ کہ
روح تو مجرد ہے اُسکے اندر زمانہ کے طول و قصر کا اعتبار نہین ہے تو چونکہ انبیاء علیہم السلام میں
روحانیت بڑھی ہوئی ہوتی ہے لہذا فرماتے ہین کہ ہم طول و قصر زمانہ سے الگ ہین ہمارے اوپر اُس کا
اثر نہیں ہوتا۔ آگے اس طول و قصر کے موثر نہ ہونے کی ایک نظیر فرماتے ہین کہ۔

صد و نہ سال آن اصحاب کہف　　　پیش شان یکروز بے اندوہ و لہف

یعنی تین سو نو برس اُن اصحاب کہف کے اُنکے سامنے ایک دن بے رنج و غم کے تھا۔ یعنی دیکھو
اصحاب کہف کہ تین سو نو برس تک سوئے مگر چونکہ اُنکے اندر روحانیت غالب تھی لہذا انکو وہ مدت
ایک دن کی برابر معلوم ہوئی جیساکہ قرآن شریف مین مذکور ہے۔

وانگہے بنمودشان یکروز ہم　　　کہ بہ تن باز آمد ارواح از عدم

یعنی اُس وقت اُنکو ایک روز بھی نہ معلوم ہوا جبکہ ارواح بدن مین واپس آئین مطلب یہ کہ اُنپر تو روحانیت
کا اسقدر غلبہ تھا کہ وہ تین سو نو برس کی مدت اُن کو ایک دن سے بھی کم معلوم ہوئی جیسے کہ قرآن شریف

مین حکایت فرماتے ہین کہ قال قائل منهم کم لبثتم قالوا لبثنا یوما او بعض یوم۔ تو دیکھو اول تو اس مدت کو ایک دن کہا مگر پھر اُسمین بھی شبہ ہو گیا اور بولے کہ شاید ایک دن سے بھی کم ہم اسمین ٹھیرے ہین تو یہ سب اسوجہ سے تھا کہ اُنکے اندر روحانیت بڑہی ہوئی تھی اور روح زمانہ کی مقید ہوتی نہیں لہذا اُنکو زمانہ کا طول کچھ ملول کن نہ تھا اسی طرح حضرات انبیاء علیہم السلام بھی فرماتے ہین کہ ہم طول زمانہ سے ملول نہیں ہوتے

چون نباشد روز و شب با ماہ و سال — کے بود سیری و پیری و ملال

یعنی جبکہ روز و شب مع ماہ و سال کے نہیں ہوتا تو کب سیری اور پیری اور ملال ہوگا۔ یعنی جب روحانیت غالب ہے اور اس اعتبار مین روز و شب وغیرہ کچھ ہوتا نہیں ہے تو پھر ملال و پژمردگی بھی نہیں ہوتی

در گلستان عدم چون بیخودیست — مستی از سغراق لطف ایزدیست

یعنی گلستان عدم مین جب تم بیخود ہو اور لطف حق کی شراب کی وجہ سے مستی ہے (تو بھلا پھر ملال کہان ہو سکتا ہے)

لم یذق لم یدر ہر کس کو نخورد — کے بوہم آرد جُعل انفاس ورد

یعنی جسنے کہایا نہین وہ (مصداق) لم یذق لم یدر (کا) ہے اور گوہ کا کیڑا گلاب کی خوشبو کو کب وہم مین لاسکتا ہے۔ مطلب یہ کہ جسنے ابھی چکھا ہی نہین اسکی تو وہ حالت ہے کہ جسنے نہ چکھا اُسنے نہ جانا تو پھر تم اُسکی لطف سے بھی واقف نہین ہو اور جسطرح کہ گوہ کا کیڑا گلاب کی خوشبو کا تصور نہین کر سکتا اسی طرح تم اس مستی اور اس لطف اور ملول نہ ہونیکا اندازہ نہین کر سکتے۔ اب کوئی کہتا ہے کہ یہ سب وہم ہے کہ سوچ لیا کہ مستی ہے تو مستی ہو گی ورنہ حقیقت مین کچھ بھی نہیں ہے اسکا جواب فرماتے ہین کہ۔

نیست موہوم ار بُدے موہوم آن — ہمچو موہومان شدے معدوم آن

یعنی موہوم نہین ہے اور اگر وہ موہوم ہوتا تو مثل اور موہومون کے یہ معدوم ہو جاتا۔ یعنی جسطرح کہ اور موہوم چیزین ہوتی ہین کہ اُن کا وجود بہت تھوڑی دیر کا ہوتا ہے اور پھر فنا ہو جاتی ہین اسی طرح اگر یہ حالت موہوم ہوتی تو فنا ہو جاتی۔ مگر اس مستی کا بڑہنا اور زیادہ ہوتا جانا بتا رہا ہے کہ موہوم نہین بلکہ واقع مین کچھ ہے ورنہ آخر وہم کہانتک چلتا آگے اسکی ایک مثال فرماتے ہین کہ۔

دوزخ اندر وہم چون آرد بہشت ہیچ تابد روئے خوب از خوک زشت

یعنی وہم دوزخ کو بہشت کس طرح کر دیگا۔ اور کیا روئے خوب ایک بھونڈے سور سے ظاہر ہو سکتی ہے
مطلب یہ کہ جو شے نا قعی ہو اُسکو وہم میں بھی نہین لا سکتے اسلیئے کہ دیکھو مصیبت کو راحت کس طرح فرض
کرو گے یا ایک بھونڈی صورت کے سور کو حسین اور خوبرو کس طرح فرض کر لوگے اور اگر فرض کر لیا
بھی اور تصور باندہ بھی لیا تو وہ تصور بھی تھوڑی دیر میں جاتا رہیگا اور یہ حالت بڑہتی ہے اس سے
معلوم ہوتا ہے کہ حالت واقعی ہے آگے فرماتے ہین کہ۔

ہین گلوئے خود مبر یدای مہان این چنین لقمہ رسیدہ تا دہان

یعنی ہاں اے چودہریو اپنے گلے مت کاٹو ایسا لقمہ منہ تک پہونچا ہوا ہے۔ یعنی ہدایت قریب آگئی ہے
اب تم اُسکو قبول کر لو اور انکار مت کرو ہلاک مت ہو۔

راہہائے صعب پایان بردہ ایم رہ براہل خویش آسان کردہ ایم

یعنی مشکل راہین تو ہم ختم کر چکے ہین اور راستہ کو اپنے اہل پر سہنے آسان کر دیا ہے مطلب یہ کہ
جو خود کامل ہوتے ہین اور مکمل بھی ہوتے ہین وہ اول خود اپنے اوپر مشکلین برداشت کرتے ہین
اور خود سارے کام کر کے اور اُن مین تجربہ حاصل کر کے دوسرون کیلئے آسانیان کر دیتے ہین تو
اسی طرح حضرات انبیاء علیہم السلام نے اول خود مشکل کام تو ختم کر لئے۔ اب فرماتے ہین کہ راہ ہدایت
کو تمپر بالکل آسان کر کے پیش کرتے ہیں۔

ہین بجوئید از نجوم سعد راہ زانکہ در ظلمت درید و قعر چاہ

یعنی ارے نجوم سعد سے راہ تلاش کرو اسلیئے کہ تم ظلمت میں ہو اور قعر چاہ مین ہو۔ یعنی ہمارا اتباع
کرو اور ہماری پیروی اختیار کرو تو فلاح پاؤ گے۔

ہر کہ ما را گشت پیرو باز رست از عذاب نار رو در جنت نشست

یعنی جو شخص کہ ہمارا پیرو ہو گیا وہ عذاب نار سے چھوٹ گیا اور جنت مین بیٹھ گیا۔

وانکہ نشنید از شقاوت پند ما در عذاب جاودان شد مبتلا

یعنی اور جسنے کہ بدبختی کی وجہ سے ہماری نصیحت کو نہ سُنی وہ عذاب جاودانی مین مبتلا ہو گیا۔ (جب انبیاء
علیہم السلام نے یہ فرمایا تو قوم نے دوبارہ اس کا جواب دیا کہ۔)

شرح حبیبی

قوم گفتند ار شما سعد خودید
نحس مائید و ضدید و مرتدید

جان ما فارغ بُد از اندیشها
در غم افگندید ما را و عنا

ذوق جمعیت که بود و اتفاق
شد ز فال بد شما صد افتراق

طوطی نقل و شکر بودیم ما
مرغ مرگ اندیش گشتیم از شما

هر کجا افسانهٔ غم گستریست
هر کجا افسانهٔ مستنکریست

هر کجا اندر جهان فال بدیست
هر کجا مسخ نکالے موخذیست

در مثال و قصه و فال شما است
در غم انگیزی شما را مشتها است

اُنہون نے کہا اگر آپ سعد ہین تو اپنے لئے۔ ہمارے واسطے تو آپ منحوس مخالف اور مرتد ہین کیونکہ ہماری جان تفکرات سے خالی تھی آپ لوگون نے ہمکو غم اور تکلیف مین ڈالدیا جو ذوق جمعیت اور اتفاق ہمارے لئے حاصل تھا آپ کی فال بد سے پارہ پارہ ہو گیا اسکے پیشتر ہم طوطی نقل شکر خوار تھے اب ہمکو موت ہی کا اندیشہ رہنے لگا۔ جہان کہین غم پھیلانے کا قصہ ہے اور جہان کہیں بھی کوئی ناخوشی ہے اور جہان کہیں بھی کوئی فال بد ہے اور جس جگہ بھی کوئی مسخ عذاب یا گرفت ہے وہ تمہارے ہی مثال اور قصہ اور فال بد کی بدولت ہے (اس توجیہ پر در سببیہ ہوگا اور یہ بھی ممکن ہے کہ ظرفیہ ہو اُسوقت مطلب یہ ہی کہ ہر طرح کی رنجدہ باتین آپ لوگون کے بیان مین موجود ہوتی ہین لعل ہذا ہو الاظہر) معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا مقصد ہی لوگون کو غم مین مبتلا کرنا ہے۔

شرح شبیری

قوم کا اعتراض کو انبیاء علیہم السلام پر مکرر کرنا

قوم گفتند ار شما سعد خودید نحس مائید و ضد ید و مرتدید

یعنی قوم نے کہا کہ اگرچہ تم اپنے سعد ہو (مگر) ہمارے تو نحس ہو اور ضد ہو اور مرتد ہو (نعوذ باللہ)

جان ما فارغ بُد از اندیشہا در غم افگندید مارا و عنا

یعنی ہماری جان اندیشوں سے فارغ تھی تم نے ہمکو مصیبت اور غم مین ڈالدیا۔ مطلب یہ کہ آرام سے رہتے تھے تمنے آکر فضول فکر مین ڈالدیا کہ یون ہوگا اس طرح باز پرس ہوگی وغیرہ وغیرہ اب کبھی ہمیں بھی شبہ ہو ہی جاتا ہے اور فکر لگ گیا۔

ذوق جمعیت کہ بود و اتفاق شد ز فال زشت تان صد افتراق

یعنی جمعیت کا ذوق اور اتفاق جو تھا تمہاری فال بد کی وجہ سے سو افتراق ہو گئے۔ مطلب یہ کہ سب ایک تھے اور آپسمین اتفاق تھا تمہارے آنے سے سب مین پھوٹ پڑ گئی اسلئے کہ کچھ انبیاء کو مان گئے کچھ متردد ہوئے کچھ مخالفت سے باز رہے اور کچھ مخالف ہی رہے تو یہ سارا تفرق انبیاء ہی کی وجہ سے ہوا وہ کہتے تھے کہ اُنھوں نے اتفاق کو کھو دیا ہم کہتے ہین کہ اگر سب ایمان لے آؤ تب بھی تو اتفاق ہو سکتا ہے بلکہ اُس اتفاق سے بدرجہا اولیٰ ہوگا اور کہتے تھے کہ

طوطی نقل و شکر بودیم ما مرغ مرگ اندیش گشتیم از شما

یعنی ہم طوطی نقل (خوار) اور شکر تھے تمہاری وجہ سے مرغ مرگ اندیش ہو گئے (کہ اکثر یہی فکر رہتی ہے کہ دیکھو مریں تو کیا ہوگا شاید یہی (انبیاء) صحیح کہتے ہون)

ہر کجا افسانۂ غم گستری ست ہر کجا آوازۂ مستنکری است

یعنی جہان کہیں کہ افسانہ غم گستری کا ہے اور جس جگہ مستنکری کا آوازہ ہے۔

ہر کجا اندر جہان فال بدی ست ہر کجا مسخ و نکالے موخذی است

یعنی جہاں کہیں جہان میں فال بدی ہے اور جہان کہین مسخ یا نکال یا پکڑ دھکڑ ہے (یہ سب)

در مثال قصہ و فال شما است در غم انگیزی شمارا مشتہا است

یعنی تمہاری قصہ و فال کی مثال ہے اور غم انگیزی میں تمکو رغبت ہے مطلب یہ کہ دنیا میں جو خرابی

کہیں آرہی ہے وہ تمہاری نحوست کا نمونہ ہے۔ اصل تمہارے اندر ہے اور باقی سب نمونے ہیں (نعوذ باللہ)

آگے انبیاء علیہم السلام کا جواب ہے کہ۔

شرح حبیبی

انبیا گفتند فال زشت و بد   از میان جان تان دارد مدد

گر تو جائے خفتہ باشی با خطر   اژد ہا در قصد تو آید بسر

مہربانے مر ترا آگاہ کرد   کہ بجہ زود ارنہ اژدر ہات خورد

تو بگوئی فال بد چون میزنی   فال چہ برجہ ببین در روشنی

از میان فال بد من خود ترا   می رہانم می برم سوئے سرا

چون نبی آگہ کنندہ است از نہاں   کو بدید انچہ ندید اہل جہاں

گر طبیبے گویدت غورہ مخور   کہ چنین رنجے بر آرد شور و شر

تو بگوئی فال بد چوں میزنی   پس تو ناصح را موثم می کنی

ور منجم گویدت امروز ہیچ   آنچنان کارے مکن اندر بسیچ

زانکہ نیکو نیست روز امروز ہان   تا نگردی نادم و خاسر دراں

صد رہ ار بینی دروغ اخترے   یکدو بارہ راست آمد می خرے

این نجوم ما نشد ہرگز خلاف   صحتش چوں ماند از تو در غلاف

آن طبیب و آن منجم از گمان   می کنند آگاہ ما خود از عیان

دود می بینیم و آتش از کران   حملہ می آرد بسوئے منکران

تو ہمی گوئی خمش کن زین مقال — کہ زیان ماست قال شوم فال

ایکہ نصح ناصحان را نشنوی — فال بد با تست ہر جا می روی

افعیے بر پشت تو بر مے رود — او ز بامے بیندت آگہ کند

گوئیش خاموش غمگینم مکن — گویدت خوش باش خود رفت این سخن

چون زند افعی دہان بر گردنت — تلخ گردد جملہ شادی کردنت

پس بدو گوئی ہمین بود ای فلان — چون نہ بر بدی گریبان در فغان

یا ز بالا بام تو سنگے میزدی — تا مرا از جد نمودی آن بدی

او بگوید نے کہ می آزردہ — تو بگوئی نے کہ شادم کردہ

گفت من کردم جوانمردی و پند — تا رہانم من ترا زین خشک بند

از لئیمی حق آن نشناختے — مایہ ایذا و طغیان ساختے۔

انبیاء علیہم السلام نے جواب دیا کہ کمبختو تم فال بد نکالنے کا الزام ہمکو دیتے ہو فال بد کو تو خود تمہاری جان برابر ملد پہونچا رہی ہے۔ دیکھو اگر تم مخدوش حالت مین کسی مقام پر سو رہے ہو اور اژدہا تمکو ہلاک کرنے کیلئے تمہارے سر پر آ پہونچے اُسوقت ایک مشفق تمکو مطلع کرے کہ ارے جلدی اُٹھ ورنہ اژدہے نے تجھے کہا لیا۔ اسپر تو کہے کہ میاں ایسی بری فال کیون منہ سے نکالتے ہو تو وہ اس کا جواب یہی دیگا کہ ارے منحوس فال کیسی تو اُٹھ اور روشنی مین دیکھ لے کہ مین سچ کہتا ہون یا بد فال زبان سے نکال رہا ہون۔ مین فال بد نہیں نکالتا بلکہ میں تو تجھے اژدہے سے چھوڑا کر صحیح و سالم تیرے گہر پہونچانا چاہتا ہون اور میں تجھکو یون ہی مطلع کرتا ہون جس طرح ایک نبی جو اُن مصائب کا مشاہدہ کرتا ہے جسکا اہل عالم مشاہدہ نہین کرتے۔ اپنی اُمت کو ان مصائب سے مطلع کرتا ہے یا یون سمجھو کہ اگر کوئی طبیب کہے کہ دیکھو کچے انگور نہ کہانا ورنہ فلاں بیماری زور

کر جائیگی۔ اسپر تم کہو کہ حکیم صاحب آپ فال بد مُنہ سے کیون نکالتے ہیں آپکو ایسا نہ چاہیئے تو یقینا
یہ ہوگا اور اسکو تم بھی مانتے ہو کہ تم ایک خیر خواہ کو خطاوار ٹھہرا رہے ہو غور تو کرو کہ اگر کوئی نجومی یہ کہے
کہ دیکھو آج کسی کام کا ہرگز قصد نہ کرنا کیونکہ آج کا دن اچھا نہیں ہے ایسا نہ ہو کہ تم بعد کو پچھتاؤ اور
نقصان اُٹھاؤ تو وہان تم یہ نہ کہوگے کہ آپ بدفال کیون مُنہ سے نکالتے ہین۔ ہان تو تمہاری
حالت یہ ہوتی ہے کہ اگر تم سو مرتبہ نجومی کی غلط بیانی کا تجربہ کر چکے ہو اور ایک مرتبہ اُسکی بات
صحیح بھی ثابت ہوئی ہے تو تم اُسکو قبول کر لیتے ہو پھر سمجھ میں نہین آتا کہ جب ہماری پیشین گوئی ایک
بھی غلط ثابت نہین ہوئی تو پھر تمکو ہمارے قول کی صحت میں کیوں شک ہے اور اُسکی صحت تم سے کیون
مخفی ہے طبیب اور منجم تو جو بیان کرتے ہین محض ظن سے کہتے ہین جسمین صحت اور غلطی دونون کا
احتمال ہے لیکن ہم جو کچھ کہتے ہین وہ مشاہدے کی بنا پر کہتے ہین جسمین غلطی کا احتمال بھی نہیں اور
ہم دیکھ رہے ہین کہ دھوان اور آگ ایک طرف سے منکرون پر حملہ آور ہو رہی ہے مگر با این ہمہ تمکو
طبیب و منجم کی باتون کا یقین ہوتا ہے اور ہمسے کہتے ہو کہ بس جی ایسی باتین نکرو کہ یہ بدفالی کی باتین ہیں
اور ان سے ہمکو نقصان ہوتا ہے دیکھو تم جو خیر خواہوں کی نصیحت نہیں سنتے اور اُسکو بدفالی کہتے ہو
یاد رکھو کہ وہ فال بد جہاں تم جاتے ہو تمہارے ساتھ ہوتی ہے اور ایک دن تمکو ایسا ضرر پہونچائیگی
کہ تم سر پکڑ کر رو ؤگے اور خیر خواہون کی نصیحت کی قدر کروگے فرض کرو کہ ایک سانپ تمہاری
کمر پر چل رہا ہے ایک شخص کوٹھے پر سے دیکھتا ہے اور تمہین مطلع کرتا ہے تم اُسے کہتے ہو کہ بس جی
چُپ رہو خواہ مخواہ مجھے پریشان نکرو وہ شخص کہتا ہے کہ بہتر ہے اور بات رفت گزشت ہو جاتی ہے
اُسکے بعد سانپ تمہاری گردن میں کاٹتا ہے اور جبکہ وہ کاٹتا ہے تو تمہارے نشے ہرن ہو جاتے
ہین اور ہر خوشی تمکو بُری معلوم ہوتی ہے اسوقت تم کہوگے کہ اے شخص تو ٹھیک کہتا تھا۔ ارے تو ایک
دفعہ نصیحت کرکے خاموش کیون ہو رہا۔ تو نے نالہ و فریاد کرکے گریبان کیون نہ پھاڑ لیا یا اوپر سے
میرے پتھر کیون نہ مارا تاکہ مجھے یہ بُرائی واقعی معلوم ہوتی۔ اور مین اُسکو دل لگی نہ سمجھتا اُسپر وہ کہیگا کہ
جی نہیں تم خواہ مخواہ پریشان ہوتے اسپر تم یہی کہوگے کہ نہیں بلکہ میں بہت خوش ہوتا۔ تب وہ
یہ کہیگا کہ مین نے تو ایثار سے کام لیا تھا اور تمکو نصیحت کی تھی تاکہ تمکو اس مصیبت پھندے سے چھوڑا دیا
مگر تمنے اپنے پاجی پن سے اُسکی قدر نہ کی اور اُسکو تمنے تکلیف اور سرکشی کا ذریعہ بنا لیا۔ میرا کیا قصور

پس تم انبیاءؑ کی بالکل ایسی ہی حالت سمجھو اُنکی بات مانو اور اُن پہ بدفالی کا الزام نہ لگاؤ۔

شرح شبّیری

انبیاء علیہم السلام کا اُنکو دوبارہ جواب دینا

انبیاءؑ گفتند فال زشت و بد ۔۔۔ از میان جان تان دارد مدد

یعنی انبیاءؑ نے فرمایا کہ فال زشت و بد تمہاری ہی جان کے اندر سے مدد رکھتی ہے مطلب یہ کہ یہ فال بدسب تمہارے ہی اندر سے پیدا ہوتی ہیں جیسا کہ قرآن شریف میں ہے کہ قال طائرکم معکم آگے اسکی ایک مثال دیتے ہیں کہ۔

گر تو جائے خفتہ باشی بے خطر ۔۔۔ اژدہا در قصد تو آید بسر

یعنی اگر تو کسی جگہ پہ بے کھٹکے سو رہا ہو اور اژدہا تیرے (کھانے کے) قصد سے سر کی طرف سے آوے

مہربانے مر ترا آگاہ کرد ۔۔۔ کہ بجہ زود ارنہ اژدر ہات خورد

یعنی کسی مہربان نے تجھے آگاہ کیا کہ جلدی سے اُٹھ ورنہ تجھے اژدہا نے کھالیا۔

تو بگوئی فال بد چون میزنی ۔۔۔ فال چہ برجہ ببین در روشنی

یعنی تو کہتا ہے کہ کیوں فال بد مار رہا ہے (تو وہ ناصح کہتا ہے کہ) فال کیا ہوتی ہے اُٹھ اور روشنی میں دیکھ لے (اور کہتا ہے کہ)

از میان فال بد من خود ترا ۔۔۔ می رہانم می برم سوئے سرا

یعنی ارے میں تو تجھے فال بد میں سے خود چھوڑا رہا ہوں اور گھر کی طرف لیجا رہا ہوں (مولانا فرماتے ہیں کہ)

چون نبی آگہ کنندہ است از نہان ۔۔۔ کو بدید آنچہ ندید اہل جہان

یعنی یہ پوشیدگی سے آگاہ کرنیوالا مثل نبی ہی کے ہے کہ اُسنے دیکھ لیا ہے جوکہ اہل جہان نے نہیں دیکھا۔ مطلب یہ کہ جسطرح کہ اس ناصح نے اژدہا کو دیکھ لیا ہے اور اس سونے والے کو ڈرا رہا ہے اور وہ اُسکو فال بد خیال کرتا ہے۔ اسی طرح حضرات انبیاء علیہم السلام بھی کفار کو نار جہنم

سے ڈر رہے ہیں اور اُنہون نے تو اُسکو دیکھ رکھا ہے مگر کفار نے نہین دیکھا لہذا یہ اُسکو فال بد خیال کرتے ہین آگے دوسری مثال ہے کہ

گر طبیبے گو یدت غورہ مخور | کہ چنین رنجے برآرد شور و شر

یعنی اگر کوئی طبیب تم سے کہے کہ کچّا انگور مت کھاؤ اسلئے کہ ایسا رنج شور و شر پیدا کرتا ہے۔ مطلب یہ کہ اُسکے کھانے سے تکلیف زائد ہوگی۔

تو بگوئی فال بد چون میزنی | پس تو ناصح را موثم می کنی

یعنی تم کہو کہ فال بد کیون مار رہے ہو تو تم ناصح کو گنہگار ٹھیرا رہے ہو مطلب یہ کہ اُس طبیب سے یہ کہنا کہ جناب آپ مرض کا نام کیوں لیں یہ تو فال بد ہے ایسا ہے گویا کہ تم اُس سے کہہ رہے ہو کہ گناہ کیون کرتے ہو کہ مجھے نصیحت کرتے ہو آگے تیسری مثال ہے کہ۔

ور منجم گو یدت امروز ہیچ | آنچنان کارے مکن اندر بسیچ

یعنی اور اگر منجم تجھسے کہے کہ آج ہرگز ایسے کسی کام کو قصد میں مت کرنا۔ یعنی اُس کا قصد مت کرنا

تا نگردی نادم و خاسر دران | زانکہ نیکو نیست روز امروز ہان

یعنی تاکہ تم اُس میں نادم اور خاسر نہو اسلئے کہ آج کا دن اچھا نہیں ہے۔

صد رہ ار بینی دروغ اخترے | یک دو بارہ راست آید می خرے

یعنی سو بار اگرچہ تو نے ستارون کا جھوٹ ہونا دیکھ لیا ہے اور دو مرتبہ درست آتا ہے (مگر) تو خرید لیتا ہے۔

این نجوم ما نشد ہرگز خلاف | صحتش چون ماند از تو در غلاف

یعنی یہ ہمارا نجوم کبھی خلاف نہیں ہوا تو اُسکی صحت تجھسے حجاب میں کس طرح رہگئی۔ مطلب یہ کہ انبیاؑ نے فرمایا نجومی تجھسے کہتا ہے کہ اس کام کو مت کرنا ورنہ نقصان ہوگا اور سیکڑون مرتبہ اُس کا غلط ہونا تمکو معلوم ہوچکا ہے مگر وہ جو کہتا ہے اُسکو مانتے ہو اور ہمارا جو یہ نجوم ہے یہ کبھی بھی غلط نہیں ہوا مگر اسکو تم صحیح نہیں مانتے اور ہم جو کہتے ہین کہ فلان کام مت کرو ورنہ نقصان اُٹھاؤ گے تو اُسکو غلط مانتے ہو یہ کیسے غضب کی بات ہے۔

آن طبیب و آن منجم از گمان | می کنند آگاہ ما از خود عیان

یعنی وہ طبیب اور وہ منجم تو گمان سے آگاہ کرتے ہیں اور ہم معائنہ سے۔ یعنی وہ اٹکل سے کہتے ہیں کہ نقصان ہوگا اور ہم تو اُس نقصان کو دیکھکر کہتے ہیں۔

دود می بینیم و آتش از کران حملہ می آرد بسوئے منکران

یعنی ہم دھوین اور آگ کو ایک کنارہ سے دیکھ رہے ہیں کہ وہ منکرین پر حملہ کر رہی ہے (تو اُسکو دیکھکر ہم تمکو ڈراتے ہیں اور اُس سے بچاتے ہیں)

تو ہمی گوئی خمش کن زین مقال کہ زیان ماست قالِ شوم فال

یعنی تو کہتا ہے کہ اس بات سے چُپ رہ کیونکہ فال بد کی بات ہمکو نقصان دیتی ہے (فرماتے ہیں کہ)

ایکہ نصح ناصحان را نشنوی فال بد با تست ہر جا میروی

یعنی اے شخص جو کہ ناصحون کی نصیحت کو نہیں سنتا فال بد تو تیرے ساتھ ہے تو جہان کہیں جاویگا یعنی جہان بھی تو جاویگا فال بد تیری ساتھ موجود ہوگی اسکی ایسی مثال ہے کہ۔

افعئے بر پشت تو بر می رود او ز بامے بیندت آگہ کند

یعنی ایک سانپ تیری پشت پر چل رہا ہے تو وہ (ناصح) ایک کوٹھی پر سے دیکھ کر تجھکو آگاہ کرتا ہے۔

گوئیش خاموش غمگینم مکن گوید او خوش باش خود رفت این سخن

یعنی تو اُس (ناصح) سے کہتا ہے کہ چُپ رہ مجھے غمگین مت کر تو وہ کہتا ہے کہ اچھا خوش رہ اور یہ بات رفت گزشت ہو گئی یعنی جب اُسنے تمہیں سانپ کی اطلاع کی تو آپ فرماتے ہیں کہ ایسی بات مت کہو رنج ہوتا ہے تو وہ کہتا ہے کہ بہتر ہے رہو اسی حالتیں ہمارا ہی کیا حرج ہے اب یہ بات تو ہو چکی اور تم اُسی حالتین رہے۔

چون زند افعی دہان بر گردنت تلخ گردد جملہ شادی کردنت

یعنی جبکہ سانپ تمہاری گردن پر مارے گا تو تمہارا سارا خوشی کرنا تلخ ہوجاویگا یعنی تم جو کہتے تھے کہ مجھے غمگین مت کرو خوش رہنے دو اب وہ ساری خوشی نکلے گی۔

پس بدو گوئی ہمین بود ای فلان چون نہ بر زیدی گریبان و فغان

یعنی پھر تو اُس سے کہتا ہے کہ ارے میان کیا یہی تھا تو تمنے فغان مین گریبان کیون نہ پھاڑ دیا۔

یا ز بالا یم تو سنگے می زدے　　　تا مرا از جد نمودے این بدے

یعنی یا اوپر سے تو نے پتھر مارا ہوتا۔ تاکہ مجھے یہ بدی جد سے دکھاتا۔ مطلب یہ کہ اب اُس سے کہتی ہو کہ میان تمنے تو بڑی متانت سے کہا کہ تمھاری پشت پہ سانپ ہے ارے میان میرا گریبان پھاڑ ڈالتے یا اوپر ہی سے ایک پتھر مارتے تاکہ مجھے معلوم ہوتا کہ تو صحیح کہتا ہے مین تو سمجھا کہ یونہی کہہ رہے ہین

او بگوید نے کہ می آزردۂ　　　تو بگوئی نے کہ شادم کردۂ

یعنی وہ کہتا ہے کہ نہین تم آزردہ ہوتے تھے تو تو کہتا ہے کہ نہیں (اب) مجھے تمنے شاد کیا ہے مطلب یہ کہ وہ کہتا ہے کہ نہیں بھلا میں کیسے عرض کرتا آپکو اور زیادہ رنج ہوتا۔ تو تو کہتا ہے کہ اب مجھے آپنے بہت خوش کیا ہے کہ جو سانپ سے کٹوا دیا۔

گفت من کردم جوانمردی و پند　　　تا رہانم من ترا زین خشک بند

یعنی ناصح نے کہا کہ مین نے تو جوانمردی اور نصیحت کی تاکہ مین تجھے اس قید سخت سی چھڑادوں۔

از لئیمی حق آن نشناختے　　　مایۂ ایذا و طغیان ساختے۔

یعنی لئیمی کی وجہ سے تو نے اُس کا حق نہ پہچانا اور (اُسکو) مایۂ ایذا و طغیان بنالیا۔ (تو اب میں کیا کروں اور میری کیا خطا) آگے مولانا فرماتے ہین کہ۔

شرح حبیبی

این بود خوئے لئیمان دنے	بد کند با تو چو نیکوئی کنے
نفس را زین صبر میکن منحنیش	کہ لئیم ست و لنسازد نیکوئیش
با کریمے گر کنی احسان سزد	ہر یکے را او عوض ہفصد دہد
با لئیمے چون کنی قہر و جفا	بندۂ گردد ترا بس با وفا
کافران کارند در نعمت جفا	باز در دوزخ ندا شان ربنا

که لئیمان در جفا صافی شوند ‏ چون وفا بینند خود جافی شوند

مسجد طاعاتشان خود دوزخ است ‏ پای بند مرغ بیگانه فخ است

هست زندان صومعه دزد لئیم ‏ کاندران ذاکر شود حق را مقیم

چون عبادت بود مقصود از بشر ‏ شد عبادتگاه گردنکش سقر

آدمی را هست در هر کار دست ‏ لیک ازو مقصود این خدمت بدست

ما خلقت الجن والانس این بخوان ‏ جز عبادت نیست مقصود از جهان

گرچه مقصود از کتاب آن فن بود ‏ گر تواش بالش کنی هم می شود

لیک ازو مقصود این بالش نبود ‏ علم بود و دانش و ارشاد و سود

گر تو میخی ساختی شمشیر را ‏ برگزیدے بر ظفر ادبیر را

گرچه مقصود از بشر علم و هدیست ‏ لیک هر یک آدمی را معبدیست

معبد مرد کریم اکرمته ‏ معبد مرد لئیم اسقمته

مر لئیمان را بزن تا سر نهند ‏ مر کریمان را بده تا بر دهند

لاجرم حق هر دو مسجد آفرید ‏ دوزخ آنها را و اینها را مزید

ساخت موسیٰ قدس در باب صغیر ‏ تا فرود آرند سر قوم زحیر

زانکه جباران بدند و سرفراز ‏ دوزخ آن باب صغیرست و نیاز

آنچنان که حق ز گچ و استخوان ‏ از شهان باب صغیری ساختتان

اهل دنیا سجدهٔ ایشان کنند ‏ چونکه سجده کبریا را دشمنند

ساخت سرگین دانگے محراب شان | نام آن محراب میر و پہلوان

لائق این حضرت پاکے نیند | نیشکر نے لیک در صورت نیند

آن سگان را این خران خاضع شوند | شیر را عارست کو را بنگروند

گربہ باشد شحنہ ہر موش خو | موش کہ بود تا ز شیران ترسد او

خوف ایشان از کلاب حق بود | خوف شان کے ز آفتاب حق بود

ربی الاعلی است ورد آن مہان | رب ادنی در خور این ابلہان

موش کے ترسد ز شیران مصاف | بلکہ آن آہو تگان مشک ناف

رو بہ پیش دیگ لیس ای کاسہ لیس | تش خداوند و ولی نعمت نویس

بس کن از شرحے بگویم دو روست | خشم گیرد میر ہم داند کہ ہست

حاصل آن آمد کہ بد کن ای کریم | با لئیمان تا نہد گردن لئیم

با لئیم نفس چون احسان کنند | چون لئیم آن نفس بد کفران کند

زین سبب بد کاہل زحمت شاکرند | اہل نعمت طاغی اند و ماکرند

ہست طاغی بگلر زرین قبا | ہست شاکر خستہ صاحب عبا

شکر کے روید ز املاک و نعم | شکر می روید ز بلوائے و سقم

اب مولانا فرماتے ہین کہ ان لوگون کی سرکشی کا سبب یہ تھا کہ ان پر انعامات و احسانات کئے گئے
کیونکہ پاجی لوگون کی عادت ہوتی ہے کہ جب ان کی ساتھ نیکی کیجاتی ہے تو وہ اُسکے عوض مین بُرائی
کرتے ہین۔ جب یہ اُصول معلوم ہوگیا تو دیکھو تمہارا نفس بھی پاجی ہے اور اُسکو نیکی راس نہین پس

تم اسکے ساتھ برائی کرنا اور مجاہدات سے اسکو نڈھال کردینا اسوقت یہ مطیع ہوگا۔ احسان کریم کے موافق ہے نہ کہ لئیم کے۔ کریم کے ساتھ جب احسان کیا جاتا ہے تو وہ اُس کا بدلا مات سو نیکیوں سے کرتا ہے اور لئیم کی حالت اُسکے برعکس ہے۔ اُسپر جب سختی کیجاتی ہے اُسوقت وہ وفادار غلام ہوتا ہے دیکھو کافر لوگ نعمتوں کے اندر تو ظلم وستم کرتے ہیں اور ہرگز اطاعت حق پر آمادہ نہیں ہوتے مگر جب دوزخ میں جائینگے تو اُسوقت یا ربنا یا ربنا پکارینگے کیونکہ پاجیوں کی عادت ہے کہ وہ سختی ہی سے ٹھیک ہوتے ہیں اور جب انکے ساتھ سلوک کیا جاتا ہے تو اکھڑ بنجاتے ہیں۔ ایسے لوگوں کی عبادت گاہ دوزخ ہے کیونکہ قاعدہ ہے کہ وحشی جانور بدون جال کے قابو میں نہیں آتا۔ اور چور کی عبادت گاہ قیدخانہ ہی ہوتی ہے۔ جہاں کہ وہ خدا کو ہر وقت یاد کرتا ہے۔ نیز چونکہ آدمی کی پیدائش کا مقصود اطاعت حق سبحانہ ہے اور کفار دنیا میں عبادت واطاعت کرتے نہیں لہذا انکے لئے دوزخ کو عبادت خانہ بنایا گیا۔ کہ اچھا تم یہاں عبادت نہیں کرتے تو یہاں کرو اسپر یہ شبہ نہ کرنا کہ آدمی تو ہر قسم کے کام کرتا ہے پھر یہ کیسے کہا گیا کہ اُسکو عبادت ہی کیلئے پیدا کیا گیا ہے کیونکہ گو آدمی کو ہر کام میں دخل ہے لیکن سوائے طاعت کے اور کوئی کام مقصود اصلی نہیں۔ اسکی دلیل یہ ہے کہ حق سبحانہ نے فرمایا ہے وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ۔ اس کلام میں حق سبحانہ نے مقصود خلقت انسان کو منحصر فرمایا ہے عبادت واطاعت میں۔ پس معلوم ہوا کہ انسان کی خلقت سے عبادت کے سوا اور کوئی امر مقصود نہیں اور توضیح اسکی اس مثال سے ہوگی کہ کتاب سے مقصود علم ہے مگر بااینہمہ وہ اور کام میں بھی آسکتی ہے مثلاً اگر تم اسکو تکیہ بنالو تو بنجائیگی اگر اُس سے روٹی پکاؤ تو پک جائیگی وغیرہ وغیرہ۔ لیکن مقصود اس سے یہ نہیں کہ اُسکو تکیہ بنایا جاوے بلکہ مقصود اصلی علم عقل ہدایت اور نفع خاص ہے۔ پس اگر کتاب سے وہ کام نہ لیا جاوے جسکے لئے وہ ہے بلکہ اُس سے دوسرے کام لئے جاویں تو سراسر حماقت ہے علی ہذا تلوار کا مقصود اصلی اپنی حفاظت ہے اور اُسکی ساتھ بھی کھونٹے کا کام بھی لیسکتی ہے۔ پس اگر تم اُسکو کھونٹا بنالو تو گویا کہ فتح کے مقابلہ میں تمنے بدبختی کو ترجیح دی اور اسکو اختیار کیا اس سے معلوم ہوگیا کہ انسان سے مقصود عبادت ہے اور مع ہذا وہ دوسرے کام بھی کرسکتا ہے لیکن اُس کا دوسرے کاموں میں منہمک ہونا اُسکی بدبختی ہے اب ہم کہتے ہیں کہ گو مقصود خلقت انسان سے معرفت حق سبحانہ اور اطاعت ہے لیکن ہر قسم کے آدمی کیلئے ایک

جُداگانہ معبد ہے پہلے آدمیوں کا معبد تو محل انعام واکرام ہے اور پاجیوں کا معبد محل تکلیف۔ کیونکہ یہ عام قاعدہ ہے کہ اگر پاجیوں سے اطاعت کرانا ہو تو اُنکو خوب مارنا چاہئے تاکہ وہ مطیع ہو جاویں اور اگر بھلے مانسوں سے کام لینا ہو تو اُنپر انعام واکرام کرنا چاہئے تاکہ وہ کام دین اسی اصول کی بنا پر حق سبحانہ نے دو مسجدین بنائی ہیں ایک دوزخ جو کافرون کیلئے ہے اور دوسری جنت جو مصداق ولدینا مزید اور عبادت گاہ مومنین ہے موسیٰ علیہ السلام نے بیت المقدس مین ایک کہڑکی بنائی تھی تاکہ ذلیل لوگ آمین جھکین کیونکہ یہ لوگ متکبر ومغرور تھے حق سبحانہ کے سامنے سر جھکانے سے اُنکو عار تھی اسلئے اُنکے سر یون جھکوائے گئے پس دوزخ کو بھی اسی کہڑکی مثل اور محل خضوع سمجھو وہ باب صغیر دوزخ ایسا ہی ہے جیسے کہ دنیا مین بادشاہون کے گوشت اور ہڈیوں کی اُنکے لئے کہڑکی بنائی گئی ہے کیونکہ جب اہل دنیا حق سبحانہ کو سجدہ کرنے کے مخالف ہین تو اُن سے بادشاہوں کے سامنے سجدہ کرا لیا گیا اور گوہ دانوں کو اُنکی محراب عبادت بنایا گیا جنکا لقب دنیا مین معزز اور بہادر وغیرہ ہے کیونکہ یہ کمبخت ناپاک اس درگاہ پاک کے قابل نہین ہین کہ وہان سجدہ کرین اسلئے اُن کی محراب بھی ویسی ہی تجویز کیگئی جیسے یہ خود تھے یعنی گوہ دان اور گوہ کے تھیلے یہ کتے اہل دنیا گدہوں کے سامنے تو ذلت اختیار کرتے ہین مگر حق سبحانہ کی اطاعت سے انکو عار آتی ہے کیونکہ قاعدہ ہے کہ چوہا بلی سے ڈرتا ہے اور شیر سے نہین ڈرتا حالانکہ دونون مین کوئی بھی نسبت نہین یونہی یہ لوگ بھی حق سبحانہ کے کتوں (اہل دنیا) سے تو ڈرتے ہین مگر حق سبحانہ سے جو کہ آفتاب حقیقی ہین نہین ڈرتے بلکہ ان سے اہل اللہ ڈرتے ہین چنانچہ وہ سردار تو ربی الاعلیٰ کہتے ہین یعنی جو سب سے اعلیٰ ہے وہ میرا پروردگار ہے اور یہ احمق اُن کی ضد ہین کہ بزبان حال ربی الادنیٰ کہتے ہین یعنی ذلیلون کو معبود بناتے اور اُن کی پرستش کرتے ہین اور ہر ایک کا طریق اُسکے موافق ہے کیونکہ کفار خست ودناءت مین چوہے کی مثل ہین اسلئے وہ حق سبحانہ سے نہیں ڈرتے جسطرح چوہا شیران جنگلی سے نہین ڈرتا اور اہل اللہ اپنی پاکیزگی اور عمدگی مین آہوئے مشک کے مثل ہین اسلئے وہ حق سبحانہ سے ڈرتے ہین جسطرح آہوئے مشک شیر سے ڈرتا ہے اب مولانا کفار کو مخاطب کیکے کہتے ہین کہ او پیالہ چاٹنے والون حق سبحانہ کے دربار مین تمہارا کچھ کام نہین تم ہانڈی چاٹنے والون ہی کے پاس جاؤ اور اُنہیں کو خداوند اور ولی نعمت لکھو وہ تمہارے مناسب اور تم اُنکے مناسب ۔ گوشت خردندان سگ اب مولانا متنبہ ہو کر فرماتے ہین کہ بس جی اُسکو ختم کرو کیونکہ اگر مین مفصل شرح کرون گا تو معزز حضرات خفا ہون گے کہ ہماری توہین کرتے ہین (یہ فقرہ بطور ظرافت کے

ہے نہ کہ بوجہ خوف کے) اور سمجھین گے کہ ہم بھی کچھ ہین تب ہی تو یہ ہماری طرف متوجہ ہین گو برائی ہی کیساتھ ہین خلاصہ مقصد یہ ہے کہ پاجیون کو مطیع کرنے کیلئے ضرورت ہے کہ انکی ساتھ برائی کیجاوے تاکہ وہ مطیع ہون پس نفس کیساتھ کبھی سکوت نہ کرنا چاہئے اسلئے کہ جب کوئی اس پاجی کیساتھ احسان کرتا ہے تو وہ پاجیون کی طرح ناشکری کرتا ہے یہی وجہ ہے کہ مبتلائے تکالیف لوگ شاکر ہین اور خوش عیش لوگ سرکش اور مکار ہین معزز طبقے کے خوش پوشاک لوگ سرکش ہیں اور کمبل پوش خستہ حال شکرگذار۔ کیونکہ ریاست اور نعمتون سے شکر پیدا نہین ہوتا بلکہ شکر سختی اور تکلیف سے پیدا ہوتا ہے (یاد رکھو کہ یہ حالت اہل نفس لوگون کی ہے نہ کہ اہل اللہ کی جو نفس کا خاتمہ کرچکے ہین چنانچہ خود ہماری تقریر سے واضح ہے پس اہل اللہ کے حال سے شبہ نہ ہونا چاہئے)

شرح شبیری

این بود خوئے لئیمان دنے — بدکند با تو چو نیکوئے کنے

یعنی کمینہ لئیموں کی یہ عادت ہوتی ہے کہ تمہاری ساتھ برائی کرین جب تم نیکی کرو۔

نفس را زین صبر می کن منحنیش — کہ لئیم ست ونسازد نیکوئیش

یعنی نفس کو اس صبر سے منحنی کر کیونکہ وہ لئیم ہے اسکو نیکی موافق نہیں ہے مطلب یہ کہ جب لئیمون کی عادت معلوم ہوگئی اور نفس لئیم ہے لہذا اسکی ساتھ بھی برائی کرو اور اسکو مجاہدات وریاضات مین کھینچو تب باز رہے گا۔ آگے فرماتے ہین کہ

با کریمے گر کنی احسان سزد — ہر یکے را او عوض ہفصد دہد

یعنی اگر کسی کریم کے ساتھ احسان کرو تو لائق ہے کہ وہ ہر ایک کا سات سو بدلے دیگا یعنی ہمیشہ اس احسان کو مانے گا اور تمہارا شکرگذار ہوگا

با لئیمے چون کنی قہر و جفا — بندۂ گردد ترا بس باوفا

یعنی کسی لئیم کیساتھ جب تو قہر و جفا کرے تو وہ تیرا غلام بہت باوفا ہو جاوے۔ آگے اسکی ایک مثال ہے

کافران کارند در نعمت جفا — باز در دوزخ نداشان ربنا

یعنی کافر لوگ جوکہ نعمت میں تو جفا لاتے ہین اور پھر دوزخ مین انکی ندا یا ربنا ہوگی

کہ لئیمان در جفا صافی شوند ‌‌ ‌ ‌ چون وفا بینند خود جافی شوند

یعنی لئیم لوگ جفا مین صافی ہوجاتے ہین اور جب وفا دیکھتے ہین تو خود جفا کرنیوالے ہوجاتے ہین مطلب یہ کہ دیکھو کافر دنیا مین نعمت مین رہتے ہین تو ہمیشہ کفر مین رہتے ہین اور جب دوزخ مین جاوینگے تو وہان اللہ کو یاد کرین گے تو یہ اسی لئے ہے کہ چونکہ وہ لئیم ہین احسان کیساتھ تو کافر ہے مگر جب اُن پر جفا ہوئی تو درست ہوگئے آگے ایک نکتہ بیان فرماتے ہین کہ حق تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ما خلقت الجن والانس الا لیعبدون تو جب غایت خلق عبادت ہے تو اس غایت کو ہر فرد بشر پر مرتب ہونا ضروری ہے تو ان مین سے بعض افراد تو وہ ہین کہ جنہون نے طوعاً قبول کرلیا اور اُن پر یہ غایت مرتب ہوگئی جیسے کہ مؤمنین مگر بعض وہ ہین کہ جنہون نے یہان نہ مانا اور اس غایت کا مرتب ہونا ضروری تھا تو حق تعالیٰ نے اُن کیلئے دوزخ بنائی کہ وہ وہان جاکر خدا کی یاد کرینگے اور دوزخ مین اُنپر یہ غایت مرتب ہوگی اور اُن کا معبود بنےگی اب سنو کہ فرماتے ہین کہ۔

حکمت دوزخ کے اُس جہان میں اور زندان کے اس جہاں میں پیدا کرنیکی یہ ہے کہ تاکہ وہ منکروں کا معبد بنے کیونکہ حکم ہوا تھا اُنتیا طوعاً و کرہاً تو جو طوعاً نہ آوے اُسکو اسکی ذریعہ سے کرہاً لایا جاویگا

مسجد طاعات شان خود دوزخ است ‌ ‌ ‌ پائے بند مرغ بیگانہ فخ است

یعنی اُن (لئیموں) کی طاعات کی مسجد دوزخ ہے (کیونکہ) مرغ بیگانہ کا پانے بند جال ہوتا ہے مطلب یہ کہ دیکھو پلا ہوا جانور تو مالک کے پاس خود آتا ہے اور جو بیگانہ ہوتا ہے اُسکو جال مین گرفتار کرکے لاتے ہین تو جو مؤمنین تھے وہ تو خود آگئے اور جو بیگانے تھے اُنکو دوزخ و زندان کے ذریعے سے لایا جاتا ہے کہ دیکھا گیا ہے کہ اکثر زندان خونی مین جاکر بھی خدا کی یاد آجاتی ہے تو کفار کو اس ذریعے سے عبادت مین لگایا جاتا ہے۔

ہست زندان صومعۂ دزد لئیم ‌ ‌ ‌ کاندران ذاکر شود حق را مقیم

یعنی قید خانہ دُزد لئیم کا عبادت خانہ ہے کیونکہ وہ اُسکے اندر ذاکر حق ہمیشہ کیلئے ہوجاتا ہے۔

چون عبادت بود مقصود از بشر ‌ ‌ ‌ شد عبادت گاہ گردنکش سقر

یعنی جبکہ عبادت ہی انسان سے مقصود تھی تو گردن کشوں کی عبادت گاہ دوزخ ہو گئی

آدمی را ہست در ہر کار دست　　لیک ز و مقصود این خدمت بدست

یعنی آدمی کو ہر کام کی استعداد ہے لیکن اُس سے مقصود یہی خدمت (عبادت) ہے

ما خلقت الجن والانس این بخوان　　جز عبادت نیست مقصود از جہان

یعنی ما خلقت الجن والانس کو پڑھو کہ سوائے عبادت کے جہان سے کچھ مقصود نہیں ہے مطلب یہ کہ انسان ویسے دنیا میں سارے کام کرتا ہے مگر اُسکی پیدائش سے اصل مقصود عبادت ہی کرنا ہے اب دوسری کام طبعی کرتا ہے اُسکی ایسی مثال ہے کہ

گرچہ مقصود از کتاب آن فن بود　　گر تو اش بالش کنی ہم می شود

یعنی اگرچہ مقصود کتاب سے وہی فن ہوتا ہے (جسکی وہ کتاب ہے) مگر جو تم اُسکو تکیہ کر لو تو ہو سکتا ہے۔

لیک از و مقصود این بالش نبود　　علم بود و دانش و ارشاد و سود

یعنی لیکن اُس کتاب سے یہ تکیہ بنانا مقصود نہ تھا (مقصود) علم اور دانش اور ارشاد اور نفع تھا (مگر تکیہ بنا لیا تو بن ہی گیا اسی طرح انسان اگر اور کام کرتا ہے تو وہ بھی ہو جاتے ہیں مگر اصل مقصود اسکو پیدا کرنے سے اُس سے عبادت کرانا ہی تھا) آگے دوسری مثال ہے کہ۔

گر تو میخے ساختی شمشیر را　　برگزیدی بر ظفر ادبیر را

یعنی اگر تو نے تلوار کو کھونٹا بنا لیا تو فتح پر ادبار کو قبول کیا یعنی جس سے کہ فتح ہوتی تھی اسکو ایسے کام میں لایا کہ اسکو بیکار کر دیا۔ گویا کہ ادبار کو خرید لیا آگے فرماتے ہیں کہ

گرچہ مقصود از بشر علم و ہدیست　　لیک ہر یک آدمی را معبدیست

یعنی اگرچہ مقصود انسان سے علم و ہدایت ہے لیکن ہر ایک آدمی کا ایک معبد ہے۔

معبد مرد کریم اکرمتہ　　معبد مرد لئیم اسقمتہ

یعنی مرد کریم کا معبد تو اکرمتہ ہے اور لئیم کا معبد اسقمتہ ہے یعنی کریم کا اکرام کرو تو وہ وفادار و شکرگذار ہو کر خوب کام کرے گا۔ اور لئیم کو اگر جوتے کے نیچے رکھو تب وہ کام کرتا ہے۔

مر لئیمان را بزن تا سر نہند　　مر کریمان را بدہ تا بر دہند

یعنی لئیموں کو مار تاکہ اطاعت کریں اور کریموں کو دے تاکہ پھل دیں تو جب ہر ایک کیلئے معبد دوسرا ہے

تو پھر حق تعالیٰ نے دونوں کیلئے الگ الگ معبد بھی بنایا ہے)۔

لاجرم حق ہر دو مسجد آفرید　　دوزخ آنہا را و اینہا را مزید

یعنی لامحالہ حق تعالیٰ نے دونوں مسجدیں پیدا فرمائیں دوزخ اُن کیلئے اور ان کیلئے مزید یعنی اشقیا کیلئے تو دوزخ کو مسجد بنایا کہ وہ تو وہاں جاکر عبادت کرینگے اور کریموں کیلئے جنت کہ جسمیں ہر دم نعمت زیادہ ہے کہ وہ نعمت پاکر شکر گذار ہوں گے اور پھر عبادت حق اچھی طرح کرینگے آگے اُسکی ایک نظیر بیان فرماتے ہیں کہ

ساخت موسیٰ قدس در باب صغیر　　تا فرود آرند سر قوم زحیر

یعنی موسیٰ علیہ السلام نے بیت المقدس میں ایک چھوٹا دروازہ بنایا تاکہ قوم کشر سر نیچا کریں۔

زانکہ جباران بدند و سر فراز　　دوزخ آن باب صغیر ست و نیاز

یعنی اسلئے کہ وہ لوگ جبار تھے اور بلند تھے تو دوزخ وہی باب صغیر اور نیاز ہے یعنی موسیٰ علیہ السلام نے بیت المقدس میں ایک چھوٹا سادہ دروازہ بنایا تھا تاکہ جو لوگ سجدہ نہیں کرتے وہ اسمیں آکر جھکیں اور اسطرح اُن کا سر جھکے تو اسی طرح حق تعالیٰ نے دوزخ کو بنایا ہے کہ جو لوگ یہاں خدا کی یاد نہیں کرتے وہ دوزخ میں جاکر خدا کو یاد کریں اور ما خلقت الجن والانس کی غایت اسطرح اُن پر مرتب ہو جاوے آگے ایک مضمون بیان فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ نے جو ظالم اور جابر سلاطین پیدا کئے ہیں وہ اسلئے ہیں کہ جو لوگ خدا کے سامنے سرنگوں نہیں وہ اُنکے سامنے سر جھکاویں اور اُنکو بڑا سمجھکر اُن کی تعظیم کریں تو اُن کا عجز معلوم ہو کہ خدا کے سامنے تو نہ جھکے بندوں کے آگے جھکنا پڑا۔

بیان میں اسکے کہ حق تعالیٰ نے بادشاہوں کی صورت کو اُن جباروں کے مسخر ہونیکا سبب بنایا ہے جو کہ مسخر حق نہیں ہیں جیسا کہ نبی علیہ السلام نے باب صغیر بیت المقدس میں جباران بنی اسرائیل کے جھکنے کیواسطے بنایا تھا کہ جب اُسمیں آویں تو عاجزی کریں اور حکم ہوا تھا کہ ادخلوا الباب سجدا وقولوا حطة الی آخرہ

آنچنان کہ حق ز لحم و استخوان | از شہان باب صغیری ساخت ہان

یعنی اسیطرح حق تعالیٰ نے ہڈی اور گوشت کا بد بادشاہوں میں سے ایک باب صغیر بنایا ہے یعنی بادشاہونکو ہڈی اور گوشت کا ایک باب صغیر بنایا ہے کہ جسطرح باب صغیر موسوی مین جبارین کو جھکنا پڑتا تھا اسی طرح جو خدا کے آگے نہ جھکین اُنکو ان بادشاہون کے آگے جھکنا پڑتا ہے اب یہاں یہ شبہ نہو کہ بعض مرتبہ مقبولان حق اور مطیعین کو بھی تو بادشاہون کے سامنے جھکنا پڑتا ہے تو پھر یہ غایت کہاں رہی۔ بات یہ ہے کہ یہ جو جھکتے ہین تو کراہتہ کیسا تھ! انکو تعظیم مقصود نہیں ہوتی بخلاف اُن جبارین کے کہ وہ اُن کی تعظیم کے اعتبار سے جھکتے ہین۔

اہل دنیا سجدۂ ایشان کنند | چونکہ سجدہ کبریا را دشمنند

یعنی اہل دنیا اُنکو سجدہ کرتے ہین چونکہ وہ حق تعالیٰ کو سجدہ کرنے کے دشمن ہوتے ہین۔

ساختہ سرگین دانکے محرابشان | نام آن محراب میر و پہلوان

یعنی حق تعالیٰ نے ایک گوہ دان ہے اسکو ان اشقیا کیلئے محراب بنایا ہے کہ وہان جاکر یہ جھکتے ہین اور اُس گوہ دان کا نام امیر صاحب پہلوان صاحب وغیرہ وغیرہ ہے اور یہ سب اسلئے ہے کہ۔

لائق این حضرت پاکی نیند | نے شکرتے لیک در صورتے اند

یعنی وہ (اشقیا) اس درگاہ پاک کے لائق نہیں ہین نہ شکر نہیں ہیں لیکن صورتیں بنتے ہیں یعنی صورت تو انسانی ہے مگر حقیقت انسانی نہین ہے

آن سگان زاین خران خاضع شوند | شیر را عارست کو را بگروند

یعنی وہ کتے ان گدہوں کے مطیع ہوتے ہین اور شیر کو تو عار آتی ہے کہ اُسکے تابع ہون مطلب یہ کہ حق تعالیٰ کی اطاعت کیلئے یہ لوگ لائق نہ تھے تو ان سگان دنیا کے مطیع ہوئے۔

گربہ باشد شحنۂ ہر موش خو | موش کہ بود تا ز شیران ترسد او

یعنی بلی ہر موش خصلت کی کوتوال ہوتی ہے چوہا کون ہوتا ہے جو کہ شیرون سے ڈرے یعنی دیکھو چوہا بلی سے تو ڈرتا ہے مگر شیر سے نہیں ڈرتا تو اسی طرح یہ اشقیا شاہان دنیا سے تو ڈرتے ہین مگر حق تعالیٰ سے نہیں ڈرتے تو گویا موش خصلت ہین۔

خوف ایشان از کلاب حق بود | خوف شان کو ز آفتاب حق بود

گوہ دان ۱۹۶ گوہ دان (اشقیا) کی محراب بنایا ہے اور اسی محراب کا نام میر و پہلوان ہے یعنی انسان جو ایک

یعنی اُنکو حق کے کتوں سے خوف ہوتا ہے اور آفتاب حق سے کب خوف ہوتا ہے اِسلئے کہ وہ آفتاب حق کی معرفت ہی نہیں رکھتے اُس سے ڈرین کیا)

ربی الاعلیٰ ست ور دِ آن مہان　　　رب ادنیٰ در خور این ابلہان

یعنی اُن سرداروں کا تو ورد ربی الاعلیٰ ہے اور اُن بیوقوفوں کے لائق رب ادنیٰ ہے یعنی یہ توان شاہان دنیوی ہی کے مطیع ہوتے ہیں اور اہل اللہ اللہ کے مطیع ہوتے ہیں۔

موش کے ترسد ز شیران مصاف　　　بلکہ آن آہو تگان مشک ناف

یعنی چوہا شیران جنگ سے کب ڈرتا ہے بلکہ وہ آہو قدم مشک ناف (ڈرتے ہیں اسلئے کہ چوہے کو شیر کی معرفت ہی نہیں ہے اور آہو کو معرفت ہے اسی طرح عارفین حق تعالیٰ سے ڈرتے ہیں اور ان کی اطاعت کرتے ہیں اور غیر عارف نہیں ڈرتا اور نہ اطاعت کرے)

رو بہ پیش دیگ لیس ای کاسہ لیس　　　نُش خداوند و ولی نعمت نویس

یعنی اے کاسہ لیس تو دیگ لیس کے پاس جا۔ اور تو اُسکو خداوند اور ولی نعمت لکھ یعنی اے دنیادار تو دنیادار ہی کے پاس جا اور اُسکی خوشامد کر۔ آگے فرماتے ہیں کہ۔

بس کن ار شرحے بگویم دور دست　　　خشم گیرد میر دہم داند کہ ہست

یعنی بس کر اگر میں کوئی شرح طویل کہوں گا تو امیر غصہ ہو جاویگا۔ اور جانیگا کہ کچھ ہے۔ مطلب یہ کہ اگر میں بہت کچھ شاہان دنیا کی مذمت کروں گا تو امیر صاحب خفا ہو جاوینگے اور دوسری خرابی یہ ہوگی کہ اُنکو خیال ہوگا کہ ہم کچھ ہیں جب تو ہماری اس قدر ہجو کیجا رہی ہے اور ہماری شان کچھ ہے جب تو اُسکو توڑا جارہا ہے تو اُسکو اپنے اوپر کچھ گمان ہو جاویگا لہذا میں اسکو یہیں تک رکھتا ہوں اور آگے بیان نہیں کرتا۔

حاصل ایں آمد کہ بد کن ای کریم　　　با لئیمان تا نہد گردن لئیم

یعنی حاصل یہ ہے کہ اے کریم تم لئیموں کیساتھ سختی کرو تاکہ لئیم اطاعت قبول کرے

با لئیم نفس چون احسان کند　　　چون لئیمان نفس بد کفران کند

یعنی نفس لئیم کیساتھ جب (کوئی) احسان کرے تو لئیموں کی طرح نفس بد ناشکری کرتا ہے

زین سبب بُد کاہل محنت شاکرند　　　اہل نعمت طاغی اند و ماکرند

یعنی یہ سبب ہے کہ اہل محنت تو شاکر ہیں اور اہل نعمت طاغی ہیں اور ماکر ہیں یعنی چونکہ نفس لئیم مصیبت ہی میں درست رہتا ہے لہذا جو اہل مصیبت ہیں وہ تو شاکر ہیں اور جو اہل نعمت ہیں وہ طاغی ہیں اسلئے کہ۔

ہست طاغی بگلر زرین قبا ہست شاکر خستہ و صاحب عبا

یعنی طاغی تو بڑے اور زرین قبا ہیں اور شاکر خستہ اور صاحب عبا ہیں۔ یعنی اکثر ایسا ہے ورنہ بہت سے وہ لوگ بھی ہیں کہ جسقدر نعمت زیادہ ہوتی ہے اُسی قدر وہ زیادہ شکر کرتے ہیں اُنکو غرور وغیرہ نہیں ہوتا تو یہ حکم اکثری ہے کلی نہیں۔

شکر کے روید ز املاک و نعم شکر می روید ز بلوا و سقم

یعنی شکر املاک و نعم سے کب اُگتا ہے شکر تو بلاؤں اور بیماریوں سے جمتا ہے یعنی اکثر ایسا ہوتا ہے ورنہ بہت مرتبہ اسکے خلاف بھی ہوتا ہے کہ وہ نعمت کو دیکھکر شکر کرتے ہیں آگے ایک صوفی کی حکایت لاتے ہیں کہ اُسکو کھونٹی پر دسترخوان پڑا ہوا دیکھکر وجد ہوا تھا لوگوں نے دریافت کیا تو اُسنے کہا کہ مجھے اسکو دیکھکر یاد آیا کہ کبھی اسکے اندر روٹیاں ہونگی تو دیکھئے اوپر جو کہا تھا کہ اہل محنت شاکر ہوتے ہیں تو یہ صوفی چونکہ مجاہدہ و ریاضت کئے ہوئے تھا اُسکو تصور نعمت پر وجد ہوا اب حکایت سنئے۔

شرح حبیبی

صوفئے بر میخ روزے سفرہ دید چرخ می زد جامہا را مے درید
بانگ میزد نک نوائے بینوا قحط ہا و دردہا را نک دوا
چونکہ دود و سوز او بسیار شد ہر کہ صوفی بود با او یار شد
کنخے و ہائے و ہوئے می زدند تا کہ چندین مست و بیخود می شدند
بو الفضولے گفت صوفی را کہ چیست سفرۂ آویختہ از نان تہی است
گفت رو رو نقش بے معنیستے بیخبر از خویش و عاشق نیستے

مولانا نے اوپر بیان کیا تھا کہ شکر ریاست اور نعمت سے پیدا نہیں ہوتا بلکہ مصیبت اور تکلیف سے

بیدا ہوتا ہے اسکی تائید مین ایک قصہ بیان فرماتے ہین اور کہتے ہین کہ کسی صوفی نے کہونٹی پر دسترخوان پڑا ہوا دیکھا۔ اسکو دیکھتے ہی اُسپر وجد کی حالت طاری ہوگئی اور اُسنے ناچنا اور کپڑے پھاڑنا شروع کیا۔ اور کہنے لگا کہ ارے یہ مفلسوں کی دولت ہے اور بھوک اور تکلیف کا علاج ہے جبکہ اُسکا درد وسوز زیادہ بڑھا تو جو وہاں اور صوفی تھے اُنپر بھی وہی حالت طاری ہوگئی اور وہ بھی اُسکے ساتھ وجد مین شریک ہوگئے یہ قہقہے لگاتے اور ہاؤ ہو کرتے رہے حتے کہ بیحواس اور بیخود ہوگئے کسی بیہودہ پیٹ بھرے نے کہا کہ ارے بات کیا ہے جو تم اتنے خوش ہو رہے ہو ایک دسترخوان پڑا ہوا ہے جسمین روٹی وٹی کچھ بھی نہیں صوفی نے جواب دیا کہ جا الگ ہو تو ایک بے معنے تصویر ہے تو محض غافل ہے اور عاشق نہیں ہے۔ ہم تجھے اسکا راز کیونکر سمجھائین یہ تو اجمال ہے۔ اسکی تشریح دو طرح سے ہوسکتی ہے ایک تو یہ کہ صوفی لوگ بھوکے تھے اسلئے وہ روٹی کے طالب اور قدردان تھے اور شدت گرسنگی سے یہ کیفیت ان کی اسقدر ترقی کر گئی تھی کہ روٹی دیکھنا یا کھانا تو درکنار روٹی کے ظرف کو دیکھنے مین بھی لطف آتا تھا اور چونکہ نعمت الٰہی کے قدردان تھے اور نعمت کی قدر کرنا بھی شکر ہے اسلئے وہ شاکر تھے اور اس شکر کا منشا انکی تکلیف اور مصیبت تھی برخلاف اسکے دوسرا شخص چونکہ عیش مین تھا اسلئے وہ مبتلائے غفلت تھا اور روٹی کی قدر اُسکے دل مین نہ تھی اسلئے وہ انپر ہنستا تھا اور قدر نہ کرنیکے سبب ناشکر تھا وھذا ھو الظاھر۔ دوسری صورت یہ ہے کہ صوفی طالب حق تھا اور دسترخوان کے خالی ہونے سے اُسے اسلئے خوشی ہوئی کہ اُس کا خالی ہونا مناسب ہے۔ بھوک کے اور بھوک ذریعہ ہے حصول غذائے روحانی کا اور علاج ہے امراض روحانیہ کا اور تغذی وشفائی روحانی مطلوب ہے تو خلوی سفرہ ذریعہ ہوا مطلوب کا اور جسطرح مطلوب لذت بخش ہے اوسی ہی ذریعہ مطلوب بھی لذت بخش ہے اسلئے اُنکو خالی دسترخوان دیکھنے سے خوشی ہوئی اور معترض چونکہ غیر طالب حق تھا اسلئے اُسنے اُن کی حرکت کو لغو سمجھا اور اعتراض کردیا اُسپر صوفی نے جواب دیا کہ تو عاشق حق سچا نہیں ہے اسلئے تجھے دسترخوان کے خالی ہونے کی قدر نہین اور تو نہیں جانتا کہ یہ کس مطلوب کے حصول کا ذریعہ ہے اس واقعہ سے بھوک کی فضیلت اور اُسکا موصل الی اللہ ہونا ظاہر ہوا اور سیری کا نقص اور اس کا مانع وصول ہونا ثابت ہوا اور بھوک از جملہ مصائب ہے اور سیری از قبیل نعم پس ثابت ہوا کہ نعم مانع شکر نہین اور مصائب باعث شکر

شرح شبیری

ایک صوفی کا عشق خالی دستر خوان پر جو کہ کہانے سے خالی تھا

صوفئی بر میخ روزے سفرہ دید ۔۔۔ چرخ میزد جامہا را می درید

یعنی ایک صوفی نے کہونٹی پر ایک دستر خوان دیکھا تو چکر کرنے لگا اور کپڑے پہاڑنے لگا یعنی اسکو وجد ہو گیا۔

بانگ میزد نک نوائے بینوا ۔۔۔ قحط ہا و درد ہا را نک دوا

یعنی آواز دیتا تھا کہ یہ بے نوایوں کا توشہ ہے اور قحط اور دردوں کی یہ دوا ہے

چونکہ درد و سوز او بسیار شد ۔۔۔ ہر کہ صوفی بود با او یار شد

یعنی جبکہ درد و سوز اُسکا زیادہ ہوا اور جو کوئی صوفی تھا اُسکے ساتھ یار ہو گیا یعنی جسقدر صوفی تھے وہ بھی اُسکی حالت کو دیکھکر اُسکے شریک ہو گئے اور وہ بھی وجد کرنے لگے۔

کخ کخے و ہاو ہوئے می زدند ۔۔۔ تا کہ چندین مست و بیخود می شدند

یعنی قہقہہ اور ہائے ہو کر رہے تھے یہانتک کہ خوب مست و بیخود ہو گئے۔

بو الفضولے گفت صوفی را کہ چیست ۔۔۔ سفرہ آویختہ از نان تہی است

یعنی ایک بو الفضول نے صوفی سے کہا کہ کیا ہے ایک دستر خوان روٹی سے خالی لٹکا ہوا ہے

یعنی ایک آدمی نے کہا کہ میاں دستر خوان لٹکا ہوا ہے اسپر وجد کیسا ہے۔

گفت رو رو نقش بے معنیستے ۔۔۔ تو بجو ہستی کہ عاشق نیستی

یعنی صوفی نے کہا کہ جا جا کہ تو نقش بے معنی ہے تو ہستی کو تلاش کر اسلئے عاشق نہیں ہے۔

شرح حبیبی

عشق نان بے نان غذائے عاشق است	بند ہستی نیست ہر کو صادق است
عاشقاں را کار نبود با وجود	عاشقاں را ہست بے سرمایہ سود

بال نے وگرد عالم می پرند	دست نے وگوز میدان می برند
آن فقیرے کوز معنی بوئی یافت	دست ببریده همی زنبیل بافت
عاشقان اندر عدم خیمه زدند	چون عدم یکرنگ ونفس واحدند

یہان سے مولانا کا کلام شروع ہوتا ہے اور وجہ ربط یہ ہے کہ اوپر چونکہ عاشق کی ایک حیرت انگیز صفت بیان کی تھی جو غیر عاشقوں کے خلاف تھی یعنی دسترخوان مین باوجود روٹی نہ ہونے کے اُسکو دیکھکر خوش ہونا لہذا یہاں سے مولانا عاشق آپی کے حیرت انگیز اور اسکے ساتھ مخصوص صفات کو گناتے ہین اور کہتے ہیں کہ واقعی عاشقوں کے اوصاف غیر عاشقوں کی صفات سے ممتاز اور حیرت انگیز ہوتے ہین چنانچہ ایک صفت اُن کی یہ ہے جو دوسروں مین نہیں کہ اُن کی غذا عشق ہے جسکو غذا ہونیکے اعتبار سے روٹی اور نفس الامر کے لحاظ غیر نان کہا جاسکتا ہے (اس توجیہ پر عشق نان بے نان ترکیب اضافی نہ ہوگی اور نان بے نان کنایہ جوع سے نہ ہوگا بلکہ نان بے نان صفت ہوگی عشق کی۔ لے عشقے کہ او بوجہے نان است وباعتبارے غیر نان۔ اور اس توجیہ سے محشین کی توجیہ کا بے لطف بلکہ غیر صحیح ہونا ظاہر ہوجاویگا کیونکہ اسوقت معنے یہ ہونگے کہ عاشق خدا کی غذا بھوک کا عشق ہے ولا یخفی سخافتہ) اور دوسری صفت یہ کہ وہ صادق ہین اور جو صادق ہوتے ہین وہ ہستی بین محبوس نہین ہوتے لہذا انکو وجود سے خواہ اپنا ہو یا غیر کا کچھ کام نہیں وہ تو نیستی اور فنا چاہتے ہین اور نیستی ہی سے اُنکو دولت وصال ہاتھ آتی ہے تو گویا کہ اُنکو بے مال کے نفع ملتا ہے یہ ایک عجیب بات ہے اور دیکھو اُنکے بازو نہین ہوتے مگر عالم کا چکر لگاتے ہین یعنی اپنے کشف سے عالم کی حالت معلوم کرتے ہین نیز اُنکے ہاتھ نہین ہوتے مگر میدان سے گیند اُڑا لیجاتے ہین (یعنی وصال محبوب سے کامیاب ہوکر دوسروں پر سبقت لیجاتے ہین۔ اور کوئی حیلہ و تدبیر ذاتی نہیں رکھتے کیونکہ فانی ہوتے ہین اور خودی کو مٹا چکتے ہین یہ جو کچھ کہتے ہین اپنے کو حق سبحانہ کا تابع بنا کر کرتے ہین) عام محسوسات مین بھی تمکو اس کی نظیر ملیگی دیکھو وہ فقیر شیخ اقطع جنکو معنی اور حقیقت کا پتہ لگ گیا تھا بدون ہاتھ کے زنبیل بُنتے تھے پس بلا ہاتھ کے گیند اڑا لیجانا بہت ہی قریب بفہم ہوگیا اور دیکھو چونکہ عشاق ہستی کو فنا کرکے نیستی مین سکونت اور بود و باش اختیار کرتے ہین اسلئے

عدم کی صفت حاصل کر لیتے ہیں۔ اور جسطرح اعدام میں تمایز نہیں ہوتا یونہی یہ بھی سب ایک رنگ اور مثل ایک جان کے ہوتے ہیں۔ یعنی چونکہ انکے اغراض و مقاصد میں اختلاف نہیں ہوتا جو کہ منشا تفرق ہے اسلئے سب ایک جان دو قالب ہوتے ہیں (تنبیہ قولہ ؎ عشق نان بے نان غذائے عاشق است میں یہ بھی احتمال ہے کہ مقولہ صوفی ہو اُسوقت مطلب یہ ہوگا کہ ہم تو روٹی کے عاشق... ہیں اور ہماری غذا تو روٹی کا عشق ہے نہ کہ روٹی بس ہمکو اُسکے تصور میں بھی مزہ آتا ہے اور اُسکی ظرف کو دیکھکر بھی ہم آپ میں نہیں رہتے اسلئے تیری غذا روٹی ہے اور تو ہستی نان چاہتا ہے اور نیستی سے تجھپر کچھ اثر نہیں ہوتا۔ یہ تقریر صوفی بے مبیخ الخ جو ان اشعار کے متصل پیشتر شرح ہو چکے ہیں) کی مذکورۂ بالا دو توجیہوں میں سے پہلی توجیہ کی مؤید ہے)

شرح شبیری

عشق نان بی نان غذائی عاشق است　　　　بند ہستی نیست ہر کو صادق است

یعنی عشق روٹی کا بے روٹی کے غذا عاشق کی ہے اور جو صادق ہے وہ مقید ہستی نہیں۔ مطلب یہ کہ چونکہ تو عاشق نہیں ہے لہذا تو اسکو ڈھونڈہ کہ روٹی ہے یا نہیں ہمکو تو تصور کافی ہے ہمکو اس محسوس کی ضرورت نہیں ہے بلکہ ایسی نان محسوس کے ہمکو غذا ملتی ہے اصل میں معلوم یہ ہوتا ہے کہ اُس صوفی نے جو دسترخوان دیکھا اور اُس سے ذہن غذائے محسوس کی طرف منتقل ہوا اس غذائے محسوس سے غذائے معنوی کی طرف ذہن منتقل ہو گیا بس اسپر وجد کر رہا تھا اور صوفیہ معنویات کو عدم سے تعبیر کر دیا کرتے ہیں اور وہ عدم اضافی ہوتا ہے نہ کہ حقیقی تو اُن کا یہ کہنا کہ تم ہستی کو تلاش کرو اس کا مطلب یہ ہے کہ تم اس ہستی محسوس کو ڈھونڈو ہمکو اسکی ضرورت نہیں ہمکو ہستی معنوی جسکو عدم سے تعبیر کیا جاتا ہے کافی ہے آگے فرماتے ہیں کہ

عاشقاں را کار نبود از وجود　　　　عاشقاں راہست بے سرمایہ سود

یعنی عاشقوں کو وجود (محسوس) سے کام نہیں ہے عاشقوں کو بے سرمایہ (محسوس) کے نفع ہوتا ہے

بال نے و گرد عالم می پرند　　　　دست نے و گو ز میداں می برند

یعنی بازو (محسوس) نہیں ہے اور عالم کے گرد اُڑتے ہیں۔ ہاتھ (محسوس) نہیں ہیں اور گیند میدان سے لیجاتے ہیں (اسلئے کہ ان کی سیر اور ان کی ترقی تو معنوی ہوتی ہے اُسکے لئے ان محسوسات

کی ضرورت ہی نہیں ہوتی) آگے اسکی ایک نظیر لاتے ہیں کہ

آن فقیرے کو ز معنی بوی یافت   دست ببریدہ ہمی زنبیل بافت

یعنی وہ فقیر جسنے کہ بو معنی سے پائی ہاتھ کٹے ہوئے بھی زنبیل بنتا تھا۔ (تو دیکھئے انکو اس دست محسوس کی ضرورت نہ تھی انکے لئے دست معنوی موجود تھا)

عاشقان اندر عدم خیمہ زدند   چوں عدم یک رنگ و نفس واحدند

یعنی عاشق لوگ عدم میں خیمہ لگاتے ہیں اور مثل عدم کے یک رنگ اور نفس واحد ہیں۔ مطلب یہ کہ جو عاشق ہیں انکو اس ہستی محسوس کی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ وہ اس ہستی معنوی کے محتاج ہوتے ہیں جسکو کہ عدم سے تعبیر کرتے ہیں اور اسکے اعتبار سے وہ عدم کی طرح یک رنگ ہوتے ہیں کہ جسطرح عدم میں باعتبار وجود کے تشتت نہیں ہے بلکہ نسبتہ کم ہے اسیطرح انکے اندر بھی تشتت اور اختلاف نہیں رہتا اگرچہ تشخصات مختلف ہوتے ہیں مگر اختلاف اور تشتت نہیں ہوتا۔ اب یہاں کوئی کہتا ہے کہ آپکو ہی معلوم ہوتا ہوگا ہمکو تو کچھہ لطف نہیں آتا تو آگے مثالوں سے اس استبعاد کو دور فرماتے ہیں کہ

شرح حبیبی

شیر خوارہ کے شناسد ذوق لوت   مر پری را بوئے باشد لوت پوت

آدمی کے بو برد از بوئے او   چونکہ خو اوست ضد خوی اوست

پیش قبطی خون بود آن آب نیل   آب باشد پیش سبطے جمیل

جادہ باشد بحر ز اسرائیلیان   غرقہ گہ باشد ز فرعون عوان

باد بُد بر عادیان گرز و بتر   لیک بر ہود و بر قومش ظفر

گلستان باشد بر ابراہیم نار   لیک بر نمرود باشد زہر مار

بر سمندر باشد آتش خاندان   لیک باشد بردگر مرغان زیان

لیک حلوا بر خسان بلوا بود	نزدِ عاشق درد و غم حلوا بود

یعنی مولانا عشاق کے احوال عجیبہ سے استبعاد کو دور فرماتے ہیں اور معترض کے اعتراض کی بیہودگی ظاہر کرتے ہیں اور کہتے ہیں۔ ہر چیز اور ہر شخص کیلئے کچھ مناسبات ہوتے ہیں سو وہ اپنی مناسب اشیاء سے واقف ہوتا ہے اور دوسروں کے مناسبات سے ناواقف۔ اسی لئے وہ دوسرون کی باتون پر اعتراض کرتا ہے مثلاً بچہ کی غذا دودہ ہے اسلئے وہ نہین جانتا کہ لذیذ کہانون مین کیا مزہ ہے اور پری کی غذا محض بو ہے تو آدمی جسکی غذا اجسام ہین وہ کیسے جان سکتا ہے کہ بو بھی غذا ہو سکتی ہے کیونکہ اُسکی طبیعت اور ہے اور پری کی اور۔ اور دیکھو آب نیل قبطی کیلئے خون ہے اور سبطی کیلئے پانی۔ دریا اسرائیلیون کے لئے رہگذر ہے اور فرعون کیلئے محل غرق۔ آندھی عاد کیلئے گرز و تبر کی طرح مہلک ہے اور ہود اور اُن کی قوم کیلئے آلہ فتح۔ آگ ابراہیمؑ کیلئے گلستان ہے اور نمرود کے لئے سانپ کے زہر کی طرح مہلک۔ آگ سمندر کا گھر ہے اور دوسرے جانورون کیلئے موجب ضرر علی ہذا عاشق کیلئے درد و غم حلوا ہوتے ہین اور نالائقون کیلئے حلوا بھی مصیبت ہے کہ ان کا حلوا کہاتے منہ دُکہتا اور کہچڑی کہاتے پہنچا اُترتا ہے یا یون کہو کہ عشاق کیلئے مصائب بھی موجب راحت ہوتے ہین کیونکہ اُن کی بدولت وہ وصال محبوب سے متمتع ہوتے ہین اور نااہلون کیلئے نعمائے الٰہیہ بھی مصیبت ہوتے ہین کیونکہ وہ اُن مین مشغول ہو کر حق سبحانہ کو بھولجاتے ہین۔ ان واقعات سے معلوم ہوا کہ اشیاء کے احوال اختلاف اشخاص و طبائع سے مختلف ہوتے ہین جو شخص اس سے واقف ہے جو اسکے لئے حاصل ہے وہ اس اثر کا منکر ہے جو دوسرون کیلئے ہے حالانکہ وہ انکار اسکا بیہودہ ہے پس اسے تم معترض کے اعتراض کی لغویت اور عاشق کیلئے ان عجائبات مذکورہ کا غیر مستبعد ہونا بخوبی سمجھ سکتے ہو کیونکہ اعتراض اور استبعاد کی بنا دوسرون کی حالت کو اپنے اوپر قیاس کرنا ہے اور یہ باطل ہے جیسا کہ واضح ہو چکا اگر اسقدر بیان سے سیری نہوئی ہو تو اور سنو۔

شرح شبیری

مر پری را بوئے باشد لوت پوت	شیر خوارہ کے شناسد ذوق لوت

یعنی شیر خوار بچہ غذا کا ذوق کب پہچانتا ہے اور جنکی بو ہی غذا ہوتی ہے (مشہور ہے کہ جنات کا غذاؤں کی بو سونگھہ کر پیٹ بھر جاتا ہے تو مولانا بناءً علے المشہور فرما رہے ہین) مطلب یہ ہے کہ دیکھو بچہ کو غذا کے مزہ کی خبر نہین ہوتی اسیطرح جن خوشبو سے غذا حاصل کر سکتا ہے اور تم نہین کر سکتے تو اسطرح اگر اسکو بھی تم نہ سمجھ سکو اور اہل اللہ سمجھ لین تو کیا استبعاد ہے آگے خود فرماتے ہین کہ۔

آدمی کے بو برد از بوئے او　　　چونکہ خوئے او ست غیر خوئے او

یعنی آدمی کب بو لیجاتا ہے اُسکی بو سے جبکہ اُسکی خو ہے اُسکی خو کی مطلب یہ کہ جسطرح کہ جن بو سے غذا حاصل کر لیتے ہین تو اُسکی تمکو ہوا بھی نہین لگ سکتی اسلئے کہ تمہاری خاصیت اور ہے اور ان کی خاصیت اور ہے۔

یا بد از بو آن پری بوئے کش　　　تو نیابی آن ز صد من لوت خوش

یعنی وہ جن بو کا کھینچنے والا بو سے وہ چیز پالیتا ہے کہ تم سو من عمدہ غذا سے بھی نہین پا سکتے (اسلئے کہ تم تو بے کہلائے ہوئے اسسے متمتع نہین ہو سکتے اور وہ صرف بو سونگھہ کر اُس سے متمتع ہو سکتے ہین اسی طرح اگر اہل اللہ ایک چیز سے غذا حاصل کر سکین اور تم نہ کر سکو تو اسمین استبعاد ہی کیا ہے) آگے ایک اور مثال فرماتے ہین کہ۔

پیش قبطی خون بود آن آب نیل　　　آب باشد پیش سبطی جمیل

یعنی قبطی کے آگے تو آب نیل خون ہو جاتا ہے اور سبطی جمیل کے سامنے وہ پانی ہوتا ہے (تو دیکھو ایک کیلئے خون اور ایک کیلئے پانی)

جادہ باشد بحر ز اسرائیلیان　　　غرقہ گہ باشد ز فرعون عوان

یعنی دریا اسرائیلیون کے لئے تو راستہ ہو جاتا ہے اور فرعون عوان کیلئے غرق کی جگہ ہو جاتی ہے

باد صرصر بر عادیان گرز و تبر　　　لیک بر ہود و بر قومش ظفر

یعنی ہوا عادیون کیلئے تو گرز و تبر ہو گئی تھی لیکن ہود اور اُن کی قوم کے لئے فتح ہو گئی (کہ ان کے اعداء کو ہلاک کیا)

گلستان باشد بر ابراہیم نار　　　لیک بر نمرود باشد زہر مار

یعنی آگ ابراہیم علیہ السلام پر تو گلستان ہو جاتی ہے لیکن نمرود پر زہر تار ہوتی ہے،

برسمندر باشد آتش خاندان | لیک باشد برد گر مرغان زیان

یعنی سمندر پر تو آگ گھر ہوتی ہے لیکن دوسرے جانوروں کیلئے نقصان دہ ہوتی ہے۔ (تو دیکھو ایک شے ایک کیلئے مضر اور دوسرے کو نافع تو اسیطرح اہل اللہ کو وہ اشیاء معنوی کار آمد ہوتے ہیں اور وہ اُن محسوسات کے محتاج نہیں ہوتے اور تمکو یہ میسر نہیں ہے)

نزد عاشق درد و غم حلوا بود | لیک حلوا بر خسان بلوا بود

یعنی عاشق کیلئے درد و غم حلوا ہوتا ہے لیکن خسوں پر یہی حلوا بلوا ہو جاتا ہے آگے اسی کی تائید میں ایک حکایت لاتے ہیں۔

شرح حبیبی

انچہ یعقوب از رخ یوسف بدید | وانچہ او از بوئے او اندر کشید
وانچہ در روے بود و اندر روے بدید | خاص رو بد او با خوان کو رسید
این ز عشق نقش خویش در چہ میکند | وان یکین از بہر او چہ میکند
سفرۂ او پیش این از نان تہیست | پیش یعقوب است پر کو مشتہیست
روئ ناشستہ نہ بیند روی حور | لا صلوۃ گفت الا بالحضور
عشق باشد لوت پوت جانہا | جوع ازین رو لیست قوت جانہا
جوع یوسف بود مر یعقوب را | بوئے نان خوش می رسید از دور جا
آنکہ بستد پیرہن را می شتافت | بوئے پیراہان یوسف می نیافت
وانکہ صد فرسنگ رہ زانسو بد او | چونکہ بد یعقوب می بوئید بو

ای بسا عالم ز دانش بی نصیب	حافظ علم است آنکس نی حبیب
مستمع از وی همی یابد مشام	گرچه باشد مستمع از جنس عام
زانکه پیراهن بدستش عاریہ است	چوں بدست آن نخاسی جاریہ است
جاریہ پیش نخاسے سرسری است	در کف او از برائے مشتری است

دیکہو جو بات یعقوب علیہ السلام کو یوسف علیہ السلام کے چہرہ مین نظر آتی تھی اور جو سرور کہ اُنکو اُنکی بو سے حاصل ہوتا تھا اور جو خوبیان کہ یوسف علیہ السلام میں تھین اور جن کمالات کو یعقوب علیہ السلام اُن کی اندر دیکہتے تھے یہ سب باتین انہیں کیساتھ مخصوص تھیں۔ بھائیونکو انکی ہوا بھی نہ لگی تھی۔ نیز یعقوب علیہ السلام تو انکے غم مین اپنے کو ہلاک کئے دیتے تھے اور بھائی انکے لئے کنوان کہودتے اور اُنکو مارنے کی فکر مین تھے اُنکو تو وہ خالی دسترخوان کی طرح معرا عن الکمالات دکہلائی دیتے تھے اور یعقوب علیہ السلام کیلئے روٹیون سے پُر دسترخوان کی طرح کمالات سے لبریز تھے وجہ فرق کیا ہے وہ یہ کہ انکو طلب اور عشق تھا اور بھائی اس سے بے بہرہ تھے اصل بات یہ ہے کہ بدطینت اور نالائق لوگون کو حور کا چہرہ حسین نظر نہین آتا۔ جیسا کہ اخوان یوسف ع کو یوسف ع کا چہرہ نہ دکہلائی دیا۔ اسیلئے جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ بلا حضور کے نماز ہی نہیں ہوتی کیونکہ حقیقت صلوۃ مشاہدہ محبوب حقیقی ہے اور یہ بدون حضور قلب کے نہین ہوتا۔ اور حضور قلب بدون صفائی باطن و ازالۂ صفات رذیلہ کے نہین ہوتا۔ اسلئے ضرورت ہوئی صفائی باطن اور ازالۂ صفات ذمیمہ کی (اس شعر کی دوسری توجیہ یہ ہے کہ کفار کو حور کا چہرہ نظر نہ آئیگا کیونکہ اُنکو اس سے مناسبت نہیں۔ علی ہذا نماز بدون حضور کے نہیں ہوتی کیونکہ نماز اور عدم حضور مین مناسبت نہین اس موقع پر یہ دو مستقل نظیرین ہونگی) اور چونکہ انکو روئے خوب اسلئے دکہلائی نہیں دیتا کہ اسپر صفات نفسانیہ کا غلبہ ہوتا ہے اسی لئے اُنکو اہل کمال سے عشق بھی نہیں ہوتا۔ کیونکہ عشق اہل کمال تو ارواح کی غذا ہے اور وہ سراپا نفس ہین تو انکو یہ دولت کیونکر حاصل ہوسکتی ہے لہذا یعقوب علیہ السلام کو یوسف علیہ السلام سے عشق تھا اور بھائیوں کو نہ تھا جبکہ ارواح کی غذا عشق ٹہیرا تو

اسی لئے کہا گیا ہے الجوع طعام الصدیقین یا یون کہو کہ بھوک ارواح کی غذا ہے (اسکی دو توجیہین ہو سکتی ہین اول یہ کہ جوع استعارہ ہو عشق سے تب تو واضح ہے دوسری یہ کہ جوع اپنے حقیقی معنے پر ہو اُس وقت اسکی توجیہ یہ ہوگی کہ بھوک سے سورۃ نفس منکسر ہوتی ہے اور نفس کی قوت جسقدر گھٹے گی اُتنی ہی روح کو قوت ہوگی اسلئے بھوک قوت روح کا سبب ہے لہذا اسکو روح کی غذا کہا گیا اور وجہ تفرع غذائیت جوع بر غذائیت عشق یہ ہوگی کہ جوع سبب عشق ہے کیونکہ بھوک سے نفس کی قوت ٹوٹے گی اُس سے صفات ذمیمہ زائل ہونگی اس سے روح کو صفائی اور قوت حاصل ہوگی اس سے اُسکو عشق حق سبحانہ حاصل ہوگا والاقرب ھو الاول کما یدل علیہ البیت الآتی) پس چونکہ یعقوب علیہ السلام کو یوسف علیہ السلام کی بھوک یعنی عشق اور طلب تھی اسی لئے اُنکو دور و دراز جگہ سے روٹی (یعنی اپنے مطلوب یوسف علیہ السلام) کی بو آتی تھی دیکھو جو شخص کرتہ لئے ہوئے آتا تھا چونکہ اُسکو بھوک (عشق) نہ تھی لہذا اُسکو بو نہ آتی تھی اور جو شخص کہ سو فرسنگ اُدھر تھا چونکہ وہ یعقوب (عاشق) تھا وہ اسکو سونگھتا تھا اسی طرح بہت سے عالم ایسے ہین جو علم باعمل سے بے بہرہ ہین اور اُنپر اُس کا کچھ اثر نہین لہذا گویا کہ اُنکو علم ہی حاصل نہین۔ ایسے لوگ علم کا صندوق ہین اور خود کوئی کمال نہیں رکھتے مگر سننے والا اُس سے متاثر ہوتا ہے گو وہ عامی ہو وجہ اسکی یہ ہے کہ وہ علم اُنکے لئے نہین ہے اُنکے پاس تو بطور عاریت کے ہے اور منتفع ہونیوالے اس سے مستمعین ہین جسطرح کہ بردہ فروش کے پاس جاریہ ہوتی ہے کہ وہ اُسکی پاس برائے چندے ہوتی ہے اور وہ اسپر مشتری تک پہونچا دینے تک قابض ہوتا ہے اور حقیقت مین وہ مشتری کیلئے ہوتی ہے اور وہی اُس سے منتفع ہوتا ہے

شرح شبیری

یعقوب علیہ السلام کا یوسفؑ کے چہرے سے جام حق کو پینے مین مخصوص ہونا اور بوئے یوسفؑ سے بوئے حق لینے مین اور بھائیون کا ان دونون سے محروم رہنا

انچہ یعقوبؑ از رخ یوسفؑ بدید — وانچہ او از بوئے او اندر کشید

یعنی یعقوب علیہ السلام نے یوسفؑ کے رخ سے جو دیکہا اور جو کچہہ کہ اُنہون نے اُنکی بوسے کھینچا

وانچہ دروے بود اندروی بدید — خاص او بُد او باخوان کی رسید

یعنی جو چیز کہ اُنکے اندر تھی اُنہوں نے اُن مین دیکھ لی اور وہ اُنہیں کا خاصہ تھا وہ بہائیون کو کب پہونچا مطلب یہ کہ دیکہو یعقوبؑ یوسفؑ سے بوئے حق پاوین اور اُنکے بھائی اُس سے محروم رہین۔

او ز عشقش خویش در چہ میکند — وان یکین از بہر او چہ میکند

یعقوب علیہ السلام تو اُن کے عشق کی وجہ سے اپنے کو کنوین مین کرتے ہین اور وہ بھائی اُن کے واسطے کنوان کہود رہے ہین۔

سفرۂ او پیش این از نان تہی است — پیش یعقوبؑ است پر کو مشتہی است

یعنی اُن (یوسفؑ) کا دستر خوان ان (بہائیوں) کے سامنے تو خالی ہے اور یعقوبؑ کے سامنے پُر ہے کیونکہ وہ اشتہار والے ہین۔ (تو دیکہئے یوسفؑ اور یعقوبؑ مین مناسبت ہے اور بھائیون مین اور ان مین مناسبت نہیں ہے)

روئے ناشستہ نہ بیند روئے حور — لاصلوٰۃ گفت الا بالحضور

یعنی نجس حور کا منہ نہ دیکہے گا اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لاصلوٰۃ الا بحضور القلب۔ نجس سے مُراد کافر مطلب یہ کہ حضورِ قلب اور صلوٰۃ مین اور مومن اور حور مین مناسبت ہے تو یہ تو انکی ساتھ جمع ہو جاوینگے اور دوسرون کے ساتھ جمع نہ ہونگے۔

عشق باشد لوت پوت جانہا — جوع ازین رو لیست قوت جانہا

یعنی ارواح کی غذا عشق ہوتی ہے اور اسی وجہ سے قوت ارواح جوع ہے مطلب یہ کہ بزرگون نے کہا ہے کہ الجوع طعام الصدیقین تو جو اہل اللہ ہین اُنکو اس غذائے ظاہری محسوس کی ضرورت نہین ہوتی بلکہ اُنکی غذا عشق اور غذائے معنوی ہو جاتی ہے۔

جوع یوسفؑ بود مر یعقوب را — بوئے نانش می رسید از دور جا

یعنی یعقوبؑ کو یوسفؑ کی جوع تھی تو اُنکو اُنکی نان کی بو دور جگہ سے پہونچتی تھی یعنی چونکہ وہ اُنکے

طالب تھے لہذا دور سے اُنہون نے بوئے پیراہن محسوس کرلی۔

آنکہ بستد پیرہن را می شتافت بوئے پیراہان یوسف می نیافت

یعنی جسنے کہ پیراہن (یوسفی) کو لیا اور وہ (اُسکو لئے ہوئے) دوڑ رہا تھا اُسنے بو پیراہان یوسف ؑ کی نہ پائے۔

وانکہ صد فرسنگ زاں سو بود او چونکہ بد یعقوب می بوئید او

یعنی اور وہ کہ وہ سو فرسنگ اُس طرف تھے چونکہ وہ یعقوب تھے وہ سونگھہ رہے تھے (تو دیکھو چونکہ وہ لانے والا تو طالب یوسف ؑ نہ تھا اسلئے وہ اُس سے متمتع نہو سکا اور یعقوب علیہ السلام طالب تھے وہ اُس سے متمتع ہوئے اب مولانا اسپر تفریع فرماتے ہین کہ)

اے بسا عالم ز دانش بی نصیب حافظ علم است آنکس نی حبیب

یعنی بہت سے عالم ہین جو عقل سے بے نصیب ہین وہ شخص حافظ علم ہے نہ کہ کوئی بڑا آدمی یعنی جو لوگ کہ عالم بے عمل ہین وہ علم کے محافظ ہین باقی خود کامل نہین اور چونکہ طالب حق نہین لہذا اس علم سے متمتع نہین ہوتے

مستمع از وے ہمی یابد مشام گرچہ باشد مستمع از جنس عام

یعنی سننے والا اُس سے خوشبو پاتا ہے اگرچہ وہ سننے والا عوام مین ہی سے ہو مطلب یہ کہ اس عالم سے جو اور لوگ سنتے ہین وہ اگرچہ عوام ہی ہین اُنکو نفع ہوتا ہے اسلئے کہ وہ طالب ہوتے ہین آگے اسکی وجہ فرماتے ہین کہ

زانکہ پیراہن بدستش عاریست چون بدست آن نخاسی جاریست

یعنی اسلئے کہ پیراہن اُسکے ہاتھ مین عاریت ہے جیسے کہ نخاسی کے ہاتھ مین جاریہ ہوتی ہے مطلب یہ ہے کہ جسطرح نخاسی کے پاس جاریہ ہوتی ہے کہ اُسکو اُسکے حسن وجمال سے کوئی واسطہ ہی نہین اُسکو اپنے ٹکون سے کام اسی طرح عالم بے عمل یادہ آیزندہ پیراہن ہے کہ اُسکو اسکی خوبی اور اُسکے صفات سے کوئی غرض ہی نہین وہ صرف اُسکی حفاظت کرتا ہے اور مثلاً جو خریدار جاریہ کا ہے وہ اسپر جان فدا کئے دیتا ہے اور سارا گہر بار اسپر سے نثار کرنے کو تیار ہے اسلئے کہ وہ اُسکی قدر جانتا ہے اسی طرح جو طالب علم ہے وہ بھی علم پر سے جان سے قربان ہوتا ہے

اور اُس سے متمتع ہوتا ہے آگے خود فرماتے ہین کہ

جاریہ پیش نخاسی سرسری است　　　　در کف او از برائے مشتری است

یعنی جاریہ نخاسی کے سامنے تو ایک سرسری چیز ہے اور اُسکے ہاتھ مین خریدار کیلئے ہے (چونکہ وہ اُس کے پاس عارضی طور پر ہے لہذا اُس سے متمتع بھی نہین ہوتا پس معلوم ہوا کہ ایک ہی شے ایک کیلئے کوئی اثر کرتی ہے اور دوسرے کیلئے دوسرا اثر کرتی ہے تو اگر اہل اللہ غذائے معنوی کو حاصل کرین اور تم نہ کر سکو تو اسمین استبعاد ہی کیا ہے) آگے فرماتے ہین کہ

شرح حبیبی

قسمت حق است روزی خواہ نے　　　　ہر یکے را سوئے دیگر راہ نے

یک خیال نیک باغ آن شدہ　　　　یک خیال زشت راہ آن زدہ

آن خیالے از اثر باغے شدہ　　　　وان خیالے عالمے برہم زدہ

آن خدائے کز خیالے باغ ساخت　　　　وز خیالے دوزخ و جائے گداخت

پس کہ داند راہ گلشنہائے او　　　　پس کہ داند راہ گلخنہائے او

دیدہ بان دل نہ بیند در مجال　　　　کز کدامین رکن جان آید خیال

جز مگر آن دل کہ دارد عون حق　　　　کون او را نیست کردہ کون حق

گر بدیدی مطلعش از احتیال　　　　بند کردے راہ ہر ناخوش خیال

کے رسد جاسوس را آنجا قدم　　　　کہ بود مرصاد در بند عدم

دامن فضلش بکف کن کوروار　　　　قبض اعمی این بود اے شہریار

دامن او امر و فرمان ویست　　　　نیکبختے کہ تقی جان ویست

آن یکے در مرغزاری جوئے آب	وان یکے پہلوئے او اندر عذاب
او عجب مانده که ذوق آن ز چیست	این عجب مانده که این در حبس کیست
ہین چرا خشکی که اینجا چشمہا است	ہین چرا زردی که اینجا صد دوا است
ہین بیا اے ہمنشین در انجمن	گوید اے جان من نیارم آمدن
ہین بیا جانان که پایت بستہ نیست	گویدش نے نے نتانم تو بالیست
این مثل آمد درین معنی بگفت	بو که یابی زین بیان سر نہفت
اندرین معنے بگویم قصہ	گوش بکشا تا بری زان حصہ

اب رہی یہ بات کہ جو بات ایک کو حاصل ہوتی ہے دوسرے کو کیون نہیں ہوتی اُسکی وجہ یہ ہے کہ یہ تقسیم حق سبحانہ کی ہے جو اُسنے اپنی حکمت بالغہ کی بنا پر کی ہے خود لوگون کی نہیں کہ جو جس چیز کو چاہے حاصل کرے اسلئے کوئی شخص بطور خود دوسرے کی صفت کو حاصل نہین کر سکتا۔ دیکھو ایک خیال تو اچھا ہے جو صاحب خیال کیلئے باغ کی طرح فرحت افزا اور مسرت بخش ہے اور ایک خیال برا ہے جو صاحب خیال کو خوشی تک نہیں پہونچنے دیتا۔ اور ایک خیال تو اپنے اثر سے عالم کو گلشن بنا دیتا ہے (مثلاً خیال عدل) دوسرا خیال ہے کہ عالم کو تہ و بالا کر دیتا ہے (خیال جور) یہ کس کا پیدا کیا ہوا ہے وہ خدا ہی ہے جسنے ایک خیال کو باغ کی طرح مسرت بخش اور سرور افزا بنایا ہے اور دوسرے خیال کو دوزخ کی طرح موجب تکلیف اور گھلانے والا بنایا ہے جبکہ متصرف کرنیوالا خدا ہی ہے تو اب اُس کے باغون یعنی عمدہ خیالات اور اُسکی دوزخون یعنی برے خیالات کا رستہ کون جان سکتا ہے کہ وہ کہاں سے اور کیونکر آتے ہین۔ دل جو لانگاه روح مین چارون طرف دیکھتا ہے کہ انکا رستہ معلوم کرون کہ وہ کہان سے آتے ہین لیکن اُسکو معلوم نہیں ہو سکتا کہ وہ کس دیوار مین کو پھوٹ آتے ہین الا وہ دل جسکو حق سبحانہ کی تائید حاصل ہو اور مؤید بقوت قدسیہ ہو اور اپنی ہستی کو حق سبحانہ کی ہستی مین فنا کر کے متخلق باخلاق اللہ ہو گیا۔ اور خدا کے رنگ مین رنگ گیا ہو جیسے کہا ہے کہ ہر دل نہین دیکھ سکتا اُسکی وجہ

یہ ہے کہ اگر ہر دل دیکھ سکتا کہ وہ خیالات کہاں سے پھوٹتے ہیں تو وہ تدبیر سے ہر ناپسندیدہ خیال کا رستہ بند کر دیتا اور کبھی تکلیف دہ خیال دآنے دیتا۔ حالانکہ وہ ایسا نہیں کر سکتا نیز چونکہ یہ شخص حق سبحانہ کے تعلق نہیں رکھتا اسلئے اسکی یہ تلاش ایسی ہوگی جیسے جاسوسوں کی اور جاسوس کی وہاں رسائی ہو نہیں سکتی کیونکہ وہ کہات تو علام وفنا میں محبوس ہے اور عدم وفنا تک اس جاسوسی کی رسائی ہی نہیں کیونکہ یہ ہستی میں محبوس ہے پس یہ وہاں تک کیسے پہونچ سکتا ہے اور وہاں کی حالت کیونکر معلوم کر سکتا ہے پس ای جاسوس تو اس فکر کو چھوڑ دے اور حق سبحانہ کے فضل کا دامن پکڑ لے۔ کیونکہ اندھے کیلئے رستہ کو دیکھنے کی فکر لغو ہے اسکے لئے تو دامن پکڑ لینا ہی کافی ہے دامن فضل حق اسکے اوامر ہیں۔ یعنی بس تو احکام پر کاربند رہ اور زائد فکروں کو چھوڑ دے یہی بڑی سعادت ہے کہ آدمی کی جان سوزش عشق الٰہی سے جلتی ہو اور وہ طلب حق میں منہمک ہو اور انکشاف اسرار کوئی مقصود کمال نہیں جسکی فکر میں آدمی پڑ جائے۔ اب تقسیم حق کی ایک اور دلیل سنیئے ایک شخص ایک باغیچہ میں نہر کے کنارہ بیٹھا ہے۔ دوسرا اسکے قریب ہی مصیبت میں مبتلا ہے مصیبت زدہ تعجب کر رہا ہے کہ اسے کاہے کی خوشی ہے اور وہ تعجب کرتا ہے کہ کمبخت تکلیف میں کیوں مقید ہے یہ میرے پاس کیوں نہیں آجاتا کہ اسے راحت ہو یہ خیال کر کے وہ اس سے کہتا ہے کہ ارے تو پیاسا کیوں مر رہا ہے آجا یہاں بہت چشمے ہیں اور تو بیمار کیوں ہے میرے پاس آ یہاں تیرے مرض کا علاج موجود ہے۔ ارے یار تو بھی اس محفل عیش ونشاط میں آجا مصیبت کیوں جھیل رہا ہے وہ کہتا ہے میں تو نہیں آسکتا وہ پھر کہتا ہے کہ ارے آجا تیرے پاؤں میں بیڑیاں تو نہیں پڑیں وہ اسیر بھی یہی جواب دیتا ہے کہ بس کرو جی تمہیں معلوم نہیں میں آہی نہیں سکتا خلاصہ یہ کہ ایک شخص خوش وخرم ہے اور دوسرا تکلیف میں مبتلا ہے وہ بزبان حال کہتا ہے کہ تو بھی مجھ سا ہو جاوہ بزبان حال جواب دیتا ہے کہ میں ایسا نہیں کر سکتا اور قید حال بنا بر اغلب ہے ورنہ گفتگو میں بھی ایسا ہوتا ہے اب مولانا فرماتے ہیں کہ ہم اس مضمون کو ایک قصہ سے واضح کرتے ہیں شاید سمجھ میں آجاوے اچھا اب میں بیان کرتا ہوں تم غور سے سنو تاکہ تمکو اس سے کچھ ملجاوے۔

شرح شبیری

قسمت حق است روزی خواہ نے　　　　ہر یکے را سوئے دیگر راہ نے

یعنی یہ تقسیم حق ہے روزی خواہ کی نہین ہے اور ہر ایک کو دوسری کی طرف راہ نہیں ہے مطلب یہ کہ کسی انسان نے تو تقسیم کیا نہین ہے کہ جو عمدہ عمدہ اپنے لئے رکھ لیتا یہ تو تقسیم حق ہے جو جسکی مناسب تھا ویسا اُسکو کر دیا کسی نے خوب کہا ہے کہ ؎ خالق نے ایک ایک سے بہتر کیا ہے خلق - دارا کوئی کسی کو سکندر بنا دیا تو ایک ہی شے ہے ایک کیلئے اور اثر ہے دوسرے کیلئے دوسرا اثر - آگے بھی اسیکو فرماتے ہین کہ

یک خیال نیک باغ آن شدہ　　　　یک خیال زشت راہ این زدہ

یعنی ایک خیال خوب اُسکے لئے تو وہ باغ ہو رہا ہے اور ایک بُرے خیال نے اُس (دوسری) کی رہزنی کی ہے

آن خیالے از اثر باغ شدہ　　　　وان خیالے عالمے برہم زدہ

یعنی وہ خیال تو اثر کی وجہ سے باغ ہو رہا ہے اور اُس (دوسرے) خیال نے ایک عالم کو درہم برہم کر دیا ہے

آن خدائے کز خیالے باغ ساخت　　　　وز خیالے دوزخ وجائے گداخت

یعنی وہ وہ خدا ہے کہ ایک خیال سے اُسنے باغ بنایا اور ایک خیال سے دوزخ اور جگہ گھُلنے کی بنائی

پس کہ داند راہ گلشنہای او　　　　پس کہ داند جائے گلخنہائے او

یعنی پس اُسکے گلشنون کی راہ کون جانتا ہے اور پھر اُسکے گلخنون کی راہ کاکسکو علم ہے -

دیدہ بان دل نہ بیند در مجال　　　　کز کدامین رکن جان آید خیال

یعنی دل کی آنکھ والا جولانگاہ مین نہین جانتا کہ کون سے رکن جان سے خیال آتا ہے یعنی دل کو بھی خبر نہین ہوتی کہ یہ خیال خوب و زشت کہاں سے آرہے ہین اور صاحب دل کو بھی خبر نہیں ہوتی کہ یہ میرے خیالات کہاں سے آرہے ہین -

جز مگر آن دل کہ دارد عون حق　　　　کون او را نیست کردہ کون حق

یعنی مگر سوائے اُس دل کے جو کہ حق تعالےٰ کی مدد رکھتا ہے اور اُسکی ہستی کو ہستی حق نے نیست کر دیا ہو مطلب یہ کہ جو فنا فی الحق ہو چکا ہو وہ تو سمجھ سکتا ہے ورنہ دوسرے کو تو خبر بھی نہین ہو سکتی - آگے اس خبر نہ ہونے کی مصلحت بیان فرماتے ہین کہ -

گر بدیدے مطلعش را ز احتیال　　　　بند کردے راہ ہر ناخوش خیال

یعنی اگر اُس خیال کے مطلع کو حیلہ سے دیکھ لیتا تو ہر بُرے خیال کی راہ کو بند کر دیتا - (مگر)

کے رسد جاسوس را آنجا قدم کو بود مرصاد در بند عدم

یعنی جاسوس (عقل) کا قدم وہان تک کب پہونچتا ہے جبکہ کمینگاہ بند عدم مین ہو مطلب یہ کہ اگر انسان کو معلوم ہو جایا کرتا کہ یہ میرا خیال کہان سے ناشی ہے اور کہان سے یہ خیالات آتے ہین تو جسقدر خیالات برے ہوتے اُنکو وہ آنے ہی نہ دیتا اور اُنکے مطلع کو بند کردیتا مگر جہان سے یہ خیال آتے ہین وہان تک عقل کی رسائی ہی نہیں ہے اسلئے کہ یہ خیالات تو حق تعالی کی طرف سے آتے ہین وہان کون جاسکتا ہے جو ان کے مطلع کو بند کرے ہان ایک تدبیر ہوسکتی ہے وہ یہ کہ

دامن فضلش بکف کن کور وار قبض اعمی این بود اے شہریار

یعنی اُسکی دامن فضل کو ہاتھ میں اندھے کی طرح لیلے اور اندھے کا پکڑنا اس وجہ سے ہوتا ہے اے شہریار۔ یعنی بس اُسکے فضل کا دامن پکڑ لو تو انشاءاللہ کبھی بھٹکو گے بس جدہر کو وہ چلے اُدہر کو تم چلو اور کہتے ہین کہ اندھا جو دامن پکڑتا ہے وہ بھی تو اسلئے تاکہ جدہر کو دامن والا چلے اُدھر ہی کو یہ بھی چلے تو بس تم دامن حق کو استوار پکڑ لو۔ اب کوئی کہتا ہے کہ کیا اللہ میان کے بھی دامن ہوتا ہے تو بتلاتے ہین کہ۔

دامن او امر و فرمان ویست نیکبختے کہ تقی جان ویست

یعنی اُن کا دامن اُنکے امر و فرمان ہین اور وہ نیکبخت ہے اُسکی جان گرمی والی ہے۔ مطلب یہ کہ اُنکے احکام پر چلنا اور فرمان کو بجالانا بھی دامن کو پکڑ کر چلنا ہے اور جسکو گرمی عشق حق نصیب ہے وہ شخص بڑا ہی خوش نصیب ہے۔

آن یکے را مرغزار و جوئے آب وان یکے پہلوئے او اندر عذاب

یعنی ایک کیلئے تو مرغزار اور جوئے آب ہے اور وہ ایک اُسکا پہلو عذاب مین ہے۔ مطلب یہ کہ ایک خیال ہوتا ہے مگر ایک شخص کیلئے جنت ہے اور دوسرے کے لئے وہی دوزخ ہے

او عجب مانده کہ ذوق آن ز چیست وین عجب مانده کہ این در حبس کیست

یعنی وہ تعجب میں رہا ہے کہ اسکو خوشی کسکی ہے اور اُسکو تعجب ہے کہ یہ کسکے حبس مین ہے (کہ جو غمگین ہے اور وہ اسکو غمگین دیکھکر کہتا ہے کہ)

ہین چرا خشکی کہ اینجا چشمہا است ہین چرا زردی کہ اینجا صد دوا است

یعنی ارے تو خشک کیون ہو رہا ہے اس جگہ تو چشمے ہین اور تو زرد کیون ہے یہاں تو سودائین ہین۔

ہین بیا اے ہمنشین در انجمن گوید اے جان من نیارم آمدن

یعنی (وہ کہتا ہے کہ) ارے اے ہمنشین انجمن مین آ تو وہ کہتا ہے کہ لے جان مین آ نہین سکتا۔ (تو وہ پھر کہتا ہے کہ)

ہین بیا جانان کہ پایت بستہ نیست گویدش رنے نے نتانم تو بالیست

یعنی اے جان آ جا تیرا پاؤن بندھا ہوا تو نہین ہے تو وہ اس سے کہتا ہے کہ مین نہیں آ سکتا تو کہارہ مطلب یہ کہ ایک شخص ذکر اللہ مین خوش ہے اور وہ دوسرے سے کہتا ہے کہ میان تم دنیا مین پھنسکر غمگین کیون ہوتے ہو یہان آ جاؤ دیکھو کیسی خوشی ہے وہ کہتا ہے کہ نہ مجھسے تو ہوتا ہی نہین وہ کہتا ہی کہ ارے اسمین بڑی لذت ہے اور یہ تو بڑا آسان ہے وہ کہتا ہے کہ ہوگا مگر مجھہ سے تو کچھ بھی نہین ہوتا تو دیکھو لیجئے ایک ہی شے ہے ایک کو آسان ایک کو مشکل ایک کو آرام دہ ایک کو سوہان روح ہی آگے فرماتے ہین کہ۔

یک مثل آمد درین معنی بگفت بو کہ یابی زین بیان سر نہفت

یعنی ایک مثال اسمین گفتگو مین آئی ہے شاید کہ تم اس بیان سے سر پوشیدہ کو پالو۔ آگے ایک حکایت لاتے ہین کہ ایک آقا اور ایک غلام جارہے تھے غلام نمازی تھا راستہ مین نماز کا وقت آیا تو غلام اجازت لیکر نماز کو چلا گیا اور وہان بہت دیر لگادی آقا نے کہا کہ ارے بھائی آتا کیون نہین اُسنے کہا کہ آنے نہیں دیتے۔ آقا نے کہا کون نہین آنے دیتے غلام بولا کہ جو آپکو اندر نہین آنے دیتے وہ مجھے باہر نہین آنے دیتے۔ یعنی حق تعالیٰ کہ مسجد کے دروازہ پر ہو اور اندر نہین آ سکتے اسی طرح وہ مجھے روکے ہوئے ہین تو دیکھئے ایک ہی شے نماز ہے ایک کو اسقدر آسان اور دوسرے کو اسقدر مشکل

اندرین معنی بگویم قصہ گوش بگشا تا بری زان حصہ

یعنی اس معنی مین میں ایک قصہ کہتا ہون تو کان کھول تاکہ اُس سے حصہ لیجا سکے (اب قصہ سنئے)

شرح حبیبی

درزمانے بود امیرے از کرام بود سنقر نام اور ایک غلام

میر شد محتاج گرمابه سحر — بانگ زد سنقر هلا بردار سر

طاس و مندیل و گل از التون بگیر — تا بگرمابه رویم از ناگزیر

سنقر آمد طاس و مندیل نکو — برگرفت و رفت با او دو بدو

مسجدے در رہ بد و بانگ صلا — آمد اندر گوش سنقر بر ملا

بود سنقر سخت مولع در نماز — گفت اے میر من اے بندہ نواز

تو برین دکان زمانے صبر کن — تا گزارم فرض و خوانم لم یکن

رفت سنقر میر بر دکان نشست — منتظر از بادۂ پندار مست

میر از بهر دل آن زندہ جان — کرد یک ساعت توقف بر دکان

چون امام و قوم بیرون آمدند — از نماز و وردها فارغ شدند

سنقر آنجا ماند تا نزدیک چاشت — میر سنقر را زمانے چشم داشت

گفت اے سنقر چرا نائی برون — گفت می نگذاردم ای ذوفنون

صبر کن نک آمدم اے روشنی — نیستم غافل کہ در گوش منی

هفت نوبت صبر کرد و بانگ کرد — تا کہ عاجز گشت از تیباش مرد

پاسخش این بود می نگذاردم — تا برون آیم هنوز اے محترم

گفت آخر مسجد اندر کس نماند — کیست وا میدارد آنجات نشاند

گفت آنکہ بستہ استت از برون — بستہ است او ہم مرا از اندرون

آنکہ نگذارد ترا کائی درون — می نہ بگذارد مرا کایم برون

آنکہ نگذارد کزین سو پا نہی	اوبدین سو بست پائے این رہی

کسی زمانہ مین ایک شریف امیر تھے اور سنقر نام اُن کا ایک غلام تھا ایک روز صبح کیوقت اُن کو حمام کی ضرورت ہوئی تو اُنہون نے آواز دی سنقر اُٹھو۔ اور کنیزک سے طشت اور تولیہ اور سرد ہونے کی مٹی لو تاکہ حمام چلین سنقر آیا اور اُسنے طشت اور تولیہ وغیرہ پالیا اور ساتھ ہولیا۔ رستہ مین ایک مسجد پڑتی تھی اس مین سے نماز کی آواز آئی سنقر کو چونکہ نماز کا شوق تھا اسلیئے اس نے امیر سے کہا کہ حضور ذرا اس دکان پر تشریف فرما ہون تاکہ مین نماز پڑھ لون۔ مین چھوٹی چھوٹی سورتین لم یکن وغیرہ پڑہون گا۔ یہ کہکر سنقر روانہ ہوگیا۔ اور امیر دوکان پر اُسکے انتظار مین بادۂ پندار مین مست بیٹھ گئے کیونکہ نماز مین تو کسر شان تھی نماز کیلئے کیسے جاتے وہ امیر اس زندہ دل کی دلجوئی کیلئے کچھ دیر تک دوکان پر بیٹھے رہے جبکہ امام اور مقتدی نماز اور درود وظائف سے فارغ ہوکر نکلے تو سنقر نہ نکلا وہ چاشت (اشراق یا چاشت معروف) تک وہین رہا امیر نے ایک عرصہ تک تو انتظار کیا جب وہ نہ آیا تو آواز دی کہ اے سنقر تم آتے کیون نہین اُس نے جواب دیا کہ جناب مجھے آنے نہین دیتا ذرا توقف فرمائیے مین ابھی حاضر ہوا مجھے خود خیال ہے اور مین جناب کی طرف سے غافل نہین ہون۔ غرض یون ہی سات مرتبے اُسنے آوازین دین اور ساتون مرتبہ وہی جواب ملا۔ اور اُسنے صبر کیا۔ آخر وہ اُسکے غمزہ سے عاجز ہوگیا۔ کیونکہ اسکا جواب ہر مرتبہ یہی ہوتا تھا کہ حضور مجھے آنے نہین دیتا۔ بالآخر اُسنے مجبور ہوکر کہا کہ مسجد مین تو کوئی شخص بھی نہین رہا پھر تجھے کون روک رہا ہے اور کسنے بٹھلا رکھا ہے اُسنے جواب دیا کہ حضور جسنے جناب کو باہر روک رکھا ہے اُسی نے مجھے اندر روک رکھا ہے اور جو آپکو اندر آنے نہیں دیتا وہی مجھے باہر نہین آنے دیتا اور جو حضور کو اس طرف قدم نہین بڑہانے دیتا وہی اس غلام کو اُسطرف قدم نہین بڑہانے دیتا یعنی وہ حق سبحانہ ہین جو مقلب القلوب ہین اور جو لوگون کو مختلف خیالات مین محبوس کرتے ہین۔

شرح شبیری

حکایت ایک امیر کے غلام کی جو کہ نماز اور مناجات کا بہت شوق رکھتا تھا

در زمانے بود امیری از کرام — بود سنقر نام اور ایک غلام

یعنی ایک زمانہ مین ایک امیر کرام مین سے تھا اور اُس کا سنقر نامی ایک غلام تھا۔

میر شد محتاج گرمابہ سحر — بانگ زد سنقر ہلا بردار سر

یعنی امیر کو صبح کیوقت نہانے کی ضرورت ہوئی تو آواز دی کہ سنقر ہوشیار ہو جاؤ اور سر اُٹھا

طاس و مندیل و گل از التون بگیر — تا بگرمابہ رویم و نا گزیر

یعنی تشلہ اور رومال اور منجن لونڈی سے لیلے تاکہ ہم ضرورتًا گرمابہ کو جاوین

سنقر انگہ طاس و مندیل نکو — بر گرفت و رفت با او دو بدو

یعنی سنقر نے اُسی وقت تشلہ اور عمدہ رومال لے لیا اور اُسکے ساتھ چلا۔

مسجدے در رہ بد و بانگ صلا — آمد اندر گوش سنقر بر ملا

یعنی ایک مسجد راہ مین تھی اور آواز اذان کی سنقر کے کان مین ظاہر طور پر آئی۔

بود سنقر سخت مولع در نماز — گفت اے میر من ای بندہ نواز

یعنی سنقر نماز کا بہت حریص تھا تو بولا کہ میرے امیر اور اے بندہ نواز۔

تو برین دکان زمانے صبر کن — تا گذارم فرض و خوانم لم یکن

یعنی تم اس دوکان پر تھوڑی دیر ٹھیرو تاکہ مین فرض ادا کرلون اور لم یکن پڑھ لون (لم یکن پڑھنے سے یہ مُراد ہے کہ نماز مختصر ہی پڑھونگا زیادہ طول نہ دونگا۔)

رفت سنقر میر بر دکان نشست — منتظر از بادۂ پندار مست

یعنی سنقر تو چلا گیا اور امیر صاحب دوکان پر منتظر بیٹھ گئے اور غرور سے مست تھے

میر از بہر دل آن زندہ جان — کرد یک ساعت توقف بر دکان

یعنی امیر نے اُس زندہ جان کی خاطر سے ایک گھڑی دوکان پر توقف کیا۔

چون امام و قوم بیرون آمدند — از نماز و ورد با فارغ شدند

یعنی جب امام وقوم سب باہر نکل آئے اور نماز اور اوراد سے فارغ ہو گئے۔

سنقر آنجا ماند تا نزدیک چاشت — میر سنقر را زمانے چشم داشت

یعنی سنقر اُس جگہ اشراق کے قریب تک رہا تو امیر نے سنقر کا کچھ دیر تو انتظار کیا

گفت اے سنقر چرا نائی برون — گفت می نگذاردم اے ذو فنون

یعنی اُسنے کہا کہ اے سنقر تو باہر کیون نہین آتا تو وہ بولا کہ اے ذوفنون مجھے چھوڑتا نہین۔

صبر کن نک آمدم اے روشنی — نیستم غافل کہ در گوش منی

یعنی صبر کرو مین ابھی آیا اے (صاحب) روشنی مین غافل نہیں ہون آپ میرے کان مین ہین یعنی مجھے خود خیال ہے

ہفت نوبت صبر کرد و بانگ کرد — تا کہ عاجز گشت از تیباش مرد

یعنی سات مرتبہ آواز دی اور صبر کیا یہانتک کہ اُسکے انتظار سے یہ مرد عاجز ہو گیا

پاسخش این بود می نگذاردم — تا برون آیم ہنوز اے محترم

یعنی اُس کا جواب یہی تھا کہ مجھے چھوڑتا نہین تاکہ مین باہر آؤن اے محترم۔

گفت آخر مسجد اندر کس نماند — کیست وا میدارد آنجا کت نشاند

یعنی آقا نے کہا کہ آخر مسجد مین تو کوئی نہین رہا کون اُس جگہ ہے جسنے کہ تجھے ٹھالیا ہے

گفت آنکہ بستہ استت از برون — بستہ است او ہم مرا از اندرون

یعنی غلام نے کہا کہ جسنے کہ تجھے باہر باندہ رکہا ہے اُسی نے مجھے اندر سے باندہ رکہا ہے۔

آنکہ نگذارد ترا کائی درون — می نہ ہلذارد مرا کایم برون

یعنی وہ ذات کہ تجھے نہیں چھوڑتی کہ تو اندر آوے مجھے نہین چھوڑتی کہ مین باہر آؤن۔

آنکہ نگذارد کزین سو پا نہی — او بدین سو بست پائی این رہی

یعنی جو کہ نہین چھوڑتا کہ تم اُس طرف پاؤن رکھو اُسی نے اس غلام کے پاؤن اسطرف باندہ دئیے اور وہ ذات حق ہے تو دیکھو ایک ہی کام ایک کو مقبل ودوسرے کو ساقی) آگے مولانا اسکی مثال لاتے ہین کہ۔

شرح حبیبی

ماهیان را بحر بگذارد برون | خاکیان را بحر نگذارد درون
اصل ماهی زآب و حیوان از گل است | حیله و تدبیر اینجا باطل است
قفل زفت است و گشاینده خدا | دست در تسلیم زن و اندر رضا
ذره ذره گر شود مفتاحها | این گشایش نیست جز از کبریا
چون فراموشت شود تدبیر خویش | یابی آن بخت جوان از پیر خویش
چون فراموش خودی یادت کنند | بنده گشتی آنگه آزادت کنند
گر تو خواهی حری و دل زندگی | بندگی کن بندگی کن بندگی
از خودی بگذر که تا یابی خدا | فانی حق شو که تا یابی بقا
گر ترا باید وصال راستین | محو شو والله اعلم بالیقین۔

دیکھو سمندر ہے کہ مچھلیون کو باہر نہین آنے دیتا اور خاکیون کو اندر نہین آنے دیتا۔ وجہ اسکی یہ ہے کہ مچھلی کی اصل پانی ہے اور دیگر حیوانات کی مٹی۔ پس وہ اپنی جنس کو جاذب ہے اور غیر جنس کو مانع۔ اور لبقائے مغائرت کیساتھ کوئی تدبیر ایسی نہین جس سے سمندر مین رہنے کے قابل ہو سکے پس تم بھی مناسبت با حق سبحانہ پیدا کرو۔ اور مغائرت و تضادت کو دور کرو اسکی صورت یہ ہے کہ ہمہ تن منقاد حق سبحانہ اور راضی برضائے حق سبحانہ ہو جاؤ۔ تو گو قفل نہایت سخت ہے مگر خدا اُسکو کھول بھی سکتا ہے یہ قفل کھلجاویگا اور بدون حق سبحانہ کے کھولے ہوئے اگر ذرہ ذرہ کنجیان ہو جاوے اور کوشش اسکے کھولنے کی کرے تو ناممکن ہے بس اُسکو خدا ہی کھول سکتا ہے بشرطیکہ تم خودی کو مٹادو اور اپنی تدبیر کو بھول جاؤ۔ اور یہ بات کہ یہ کیونکر ہو اُس کا طریقہ بھی ہم بتاتے ہین اور اُس کا پتہ دیتے ہین دیکھو یہ خوش نصیبی تمکو اپنے شیخ سے حاصل ہوگی اُس کا دامن پکڑو پس جب تمکو اپنی شیخ کی بدولت یہ دولت حاصل ہو جائیگی اور تم اپنے کو بھولجاؤ گے

اُسوقت یہ قفل ٹوٹ جاویگا۔ اور وہ بھی تمکو یاد کرینگے اور جبکہ تم بندگی اختیار کر لوگے اُسوقت تمکو قید ناسوتی سے آزاد کردینگے پس اگر تم قید نفس سے آزادی اور زنج دلی چاہتے ہو تو ضرور ضرور بندگی کرو۔ اور خودی کو چھوڑ دو تاکہ خدا کو پاؤ۔ اور فنا فی الحق ہو جاؤ تاکہ لقا بالحق حاصل ہو اور اگر تمکو حقیقی محبوب کا وصال مطلوب ہے تو اپنے کو مٹاؤ واللہ اعلم۔

شرح شبیری

ماهیان را بحر نگذارد برون　　　خاکیان را بحر نگذارد درون

یعنی مچھلیون کو تو دریا باہر نہیں آنے دیتا اور خاکیون کو بحر ہی اندر نہیں آنے دیتا۔ یعنی دیکھو دریا ایک شے ہے مگر مچھلیاں اُس سے نکلنے مین ہلاکت سمجھتی ہین اور مرغان خاکی اُسکے اندر جانے مین اپنی ہلاکت متصور کرتے ہین اور وجہ اسکی یہ ہے کہ

اصل ماہی زآب وحیوان از گل است　　　حیلہ و تدبیر اینجا باطل است

یعنی مچھلی کی اصل تو پانی سے ہے اور حیوان کی مٹی سے تو حیلہ و تدبیر اس جگہ باطل ہے مطلب یہ کہ چونکہ اصل فطرت سے اختلاف ہے لہذا نہ وہ دریا مین جاسکے اور نہ وہ دریا سے نکل سکے اور چونکہ اصل فطرت اس طرح ہے لہذا اس مین حیلہ و تدبیر بھی نہیں چلتی کہ حیلہ کرکے فطرت کو بدل کر خاکی دریا مین چلے جاوین یا مچھلیاں اُس سے باہر نکل آوین تو اسیطرح جو کہ فنا فی اللہ ہو چکے ہین وہ تو احکام حق مین خوش ہیں اُنکو تو وہان سے نکلنا موت ہے اور جو الگ ہین اُنکو اُنکی بجا آوری موت ہے نہ تو ادھر آسکتے ہین اور نہ وہ اُدھر جاسکتے ہین۔ اب یہان سننے والے کو یاس ہوسکتی تھی کہ بس پھر تو کوئی اُمید ہی نہیں رہی جیسی اصل ہوگی اُسیکے مطابق رہین گے اور کوئی تدبیر کارگر نہوگی لہذا آگے فرماتے ہین کہ

قفل زفت است و کشاینده خدا　　　دست در تسلیم زن واندر رضا

یعنی قفل تو عظیم ہے اور کھولنے والا خدا ہے تو تم ہاتھ تسلیم و رضا مین مارو مطلب یہ کہ اگر چہ قفل تو عظیم ہے مگر اُسکو کھولنے والے حق تعالیٰ ہین تم تسلیم و رضا حاصل کرلو اور راضی برضا رہو انشاء اللہ یہ قفل عظیم حق تعالےٰ کھولدینگے۔

ذرہ ذرہ گر شود مفتاحہا　　　　این کشایش نیست جز از کبریا

یعنی ذرہ ذرہ اگر کنجیان ہو جاوین تو یہ کہلنا سوائے حق تعالیٰ کے کسی سے نہین ہے یعنی اگر تمام ذرات عالم کنجیان بنجاوین تب بھی اس قفل کو سوائے خدا کے کوئی نہین کہول سکتا۔

چون فراموشت شود تدبیر خویش　　　　بخت یابی اے جوان از پیر خویش

یعنی جبکہ تجھے اپنی تدابیر فراموش ہوجاوین گی تو اے جوان اپنے شیخ سے بخت پاویگا۔ مطلب یہ کہ جب تم تدابیر کو فنا کردو گے تو تمکو کوئی رہبر مل جاوے گا اور وہ حق تعالیٰ تک پہونچا دیگا۔

چون فراموش خودی یادت کنند　　　　بندہ گشتی وآنگہ آزادت کنند

یعنی جب تو اپنے کو فراموش کرے تو وہ تجھے یاد کرین تو غلام ہو جاوے اسوقت تجھے آزاد کرین اسلئے کہ ارشاد ہے فاذکرونی اذکرکم یعنی مجھے یاد کرو مین تمکو یاد کرون گا۔ اور یاد کامل وہ ہے کہ اُسمین اپنی بھی خبر نہ رہے تو بس جب اپنے کو بہلادیا تو اُس طرف سے اذکرکم صادق آگیا۔ آگے فرماتے ہین کہ

ا　گر تو خواہی حرّی و دل زندگی　　　　بندگی کن بندگی کن بندگی

یعنی اگر تم آزادی اور دل زندگی کے طالب ہو تو بندگی کرو بندگی کرو بندگی (کہ اسی سے دل زندگی حاصل ہوگی)

از خودی بگذر کہ تا یابی خدا　　　　فانی حق شو کہ تا یابی بقا

یعنی خودی سے گذر جا تاکہ تو خدا کو پالے اور فانی حق ہو جا تاکہ تو بقا کو پالے۔

گر ترا باید وصال راستین　　　　محو شو واللّٰہ اعلم بالیقین

یعنی اگر تجھے وصال صدیق کی ضرورت ہے تو تو محو ہو جا۔ واللّٰہ اعلم بالیقین۔ تو بس فنا فی الحق ہو کر بقا حاصل ہوتی ہے اور اپنے کو مٹا کر خدا ملتا ہے خوب سمجھ لو آگے پھر اُن انبیاء علیہم السلام کا قصہ بیان فرماتے ہین کہ ۔

شرح حبیبی

انبیا گفتند با خاطر کہ چند　　　　مید ہیم این را و آن را وعظ و پند

چند کوبیم آهن سردی بغی
در دمیدن در قفس هین تا بکی

جنبش خلق از قضا و وعده است
تیزی دندان ز سوز معده است

عقل اول راند بر عقل دوم
ماهی از سر گنده گردد نی ز دم

لیک هم میدان و خر میران چو تیر
چونکه بلغ گفت حق شد ناگزیر

تو نمیدانی که آخر کیستی
جهد کن چندانکه دانی چیستی

چون نهی بر پشت کشتی بار را
بر توکل میکنی آن کار را

تو نمیدانی که از هر دو کئی
غرقهٔ اندر سفر یا ناجئی

گر بگوئی تا ندانم من کیم
در نخواهم تاختن بر کشتی و یم

من درین ره ناجیم یا غرقه ام
کشف گردان کز کدامین فرقه ام

من نخواهم رفت این ره با گمان
بر امید خشک همچون دیگران

هیچ بازرگانئی ناید ز تو
زانکه در غیب ست سر این دو رو

تاجر ترسنده طبع شیشه جان
در طلب نی سود دارد نی زیان

بل زیان دارد که محروم ست و خوار
نور او یابد که باشد شعله خوار

چونکه بر بوک است جمله کارها
کار دین اولی کز آن یابی رها

نیست دستوری درینجا قرع باب
جز امید الله اعلم بالصواب

داعی هر پیشه امید است و بوک
گرچه گردنشان ز کوشش شد چو دوک

بامدادان چون سوی دکان رود
بر امید و بوک روزی می دود

بوک روزی نبودت چون میروی — خوف حرمان هست تو چون قوی

خوف حرمان ازل در کسب لوت — چون نکردت سست اندر جستجوت

گوئی از چه خوف حرمان هست پیش — هست اندر کاهلی این خوف بیش

هست در کوشش امیدم بیشتر — دارم اندر کاهلی افزون خطر

پس چرا در کار دین ای بدگمان — دامنت میگیرد این خوف زیان

یا ندیدی کاهل این بازار ما — در چه سودند انبیاء و اولیاء

زین دکان رفتن چه کان شان رو نمود — اندرین بازار چه بستند سود

آتش آن را رام چون خلخال شد — بحر این را رام چون حمال شد

از دم آن مردهٔ زنده شده — ابر آنرا سایه بانے آمده

آهن آنرا رام همچون موم شد — باد آنرا بنده و محکوم شد

شد روا در نعم و دشمن چوب مار — عنکبوتے شد مر آنرا پرده دار

قوم دیگر سخت پنهان می روند — شهرهٔ خلقان ظاهر کے شوند

اینهمه دارند و چشم هیچ کس — برنیفتد بر کیان شان یک نفس

هم کرامتشان هم ایشان در حرم — نامشان را نشنوند ابدال هم

یا نمیدانے کرمهاے خدا — کو ترا می خواند اینسو که بیا

شش جهت عالم همه اکرام اوست — هر طرف که بنگری اعلام اوست

گر کریمے گویدت آتش درا — اندر آ زود و مگو سوزد مرا

کوز آتش نرگس و نسرین کند	وز میانش غنچها سر برزند
در حقیقت آتش از هیبت چه ماست	گا ذر دستار خوان انبیاست

انبیاء علیہم السلام نے جب اُن لوگون کو بہت نصیحت کی اور اُنپر کچھہ اثر نہوا تو اُنہون نے اپنے دل مین کہا کہ ہمنے ہر ایک کو بہت کچھہ نصیحت مگر کچھہ بھی اثر نہوا۔ یہ لوگ جو اپنی بگراہی سے ٹہنڈا لوہا بنے ہوئے ہین آخر انکے ہم کب تک کوٹین اور سوراخ دار پنجرے مین کب تک پھونک بہرنے کی کوشش کرین۔ یہ ایک وسوسہ تہا جسکو اُنہون نے یون دفع کر دیا کہ ہر چند کہ مخلوق کی حرکات بحکم قضا و قدر ہین اور جب اُدہر ہی سے مدد ہو اور اُن کے اندر طلب پیدا ہو تب ہی کچھہ ہو سکتا ہے کیونکہ بدون طلب کے کچھہ نہین ہو سکتا۔ دانت اُسیوقت چلتے ہین جب پیٹ مین بھوک کی آگ لگی ہوئی ہو۔ اور چونکہ حق سبحانہ ان کی عقول پر حاکم اور متصرف ہین اور اُنکو منظور نہیں اسلئے کچھہ نہین ہوتا اور یہ فساد جو ان مین پیدا ہوا ہے اوپر ہی سے ہے جسمین کوئی حکمت مضمر ہے کیونکہ مچھلی سر ہی کی جانب سے سڑتی ہے دُم سے نہین سڑتی یہ سب کچھہ ہے لیکن ہمکو اسکو فقط علم ہی تک محدود رکھنا چاہئے اس کا اثر عمل پر نہ ہونا چاہئے اور کام برابر کرتے رہنا چاہئے کیونکہ جب حق سبحانہ نے یہ حکم تبلیغ فرمایا ہے تو اُسکی اطاعت ضروری ہے اب مولانا فرماتے ہین کہ جسطرح انبیاء نے قدر کا راز سمجھکر نصیحت کو نہین چھوڑا اسی طرح تم بھی نہ چھوڑو یہ مانا کہ تم نہین جانتے کہ تمہارا کیا حشر ہوگا لیکن تمکو اُسوقت تک کوشش کرتے رہنا چاہئے جب تک کہ تمکو نتیجہ معلوم ہو جاوے اور تم جان جاؤ کہ مقبول ہو یا مردود نیک ہو یا بد اور یہ مرنے کے بعد ہوگا۔ تو مرتے وقت تک کوشش سے دست بردار نہ ہونا چاہئے۔ دیکھو جب کشتی پر بوجھہ لادتے ہو تو یہ کام تمہارا محض توکل ہی پر ہوتا ہے تمکو یہ معلوم نہین ہوتا کہ تم دو فریق مین سے کس فریق مین ہو آیا ڈوب جاؤگے یا بچ جاؤگے۔ اب اگر تم یہ کہو کہ صاحب جب تک مین یہ نہ جان لون گا کہ مین ڈوبنے والا ہون یا بچنے والا اسوقت تک نہ کشتی پر سوار ہون گا نہ دریا مین چلون گا۔ پس پہلے تم مجھے بتا دو کہ مین کس فریق مین ہون آیا ڈوب جاؤن گا یا بچ جاؤن گا تب چلون گا۔ ورنہ مین اورون کی طرح خالی امید اور محض گمان پر نہ جاؤن گا تو اس صورت مین تم سے ہرگز سوداگری نہین ہو سکتی کیونکہ ان دونون پہلوؤن کی حقیقت پردہ غیب مین مستور ہے۔ دیکھو جو تاجر ڈرپوک اور نازک مزاج ہوتا ہے طلب دولت کے

بارہ مین نہ اُسکو فائدہ ہوگا نہ نقصان کیونکہ یہ دونون باتین تجارت کرنیکے بعد ہوتی ہیں اور وہ ڈر کے مارے تجارت ہی نہین کرتا - پس اُسے نفع یا نقصان کیونکر ہو بلکہ اگر نظر کو غائر کیا جاوے تو اس حالت مین اُسکو نقصان ہی ہوگا کیونکہ محروم اور ذلیل ہوگا نور اُسکو ملتا ہے جو آگ کہائے یعنی راحت جفاکش ہی اُٹھاتا ہے - پس چونکہ ہر کام کا مدار توقع اور اُمید پر ہے لہذا دین کا کام اس کا زیادہ مستحق ہے کہ احتمالات کی بنا پر اُسکو نہ چھوڑا جاوے اور یہی صورت رہائی کی ہے دین کے معاملہ مین بجز اُمید کے اور کسی طرح دروازہ کہٹکہٹانے کی اجازت ہی نہین صرف یہ اجازت ہے کہ اُمید رکہو اور کام کرو - نہ اسکی اجازت ہے کہ کام چھوڑو اور نہ اسکی کہ تم نتیجہ کے پیچھے پڑو - دیکہو اُمید ہی وہ شے ہے جو آدمی کو ہر کام پر آمادہ کرتی ہے خواہ اُس مین اُسکو کتنی ہی مشقت برداشت کرنی پڑے اور خواہ اُن کی گردن سوکہکر کانٹا ہو جاوے - مثلاً تاجر جب صبح کو دوکان پر جاتا ہے تو رزق کی ضرور اُمید ہوتی ہے کیونکہ اگر اُمید نہین ہوتی تو پھر کیون جاتے ہو اور اگر محرومی کا خوف ہے تو تم کیسے اس کام پر مضبوط ہو - اب ہم پوچھتے ہین کہ روٹی کمانے کے بارہ مین حرمان ازلی کا خوف تمکو جستجو مین کیون کمزور نہین کرتا وہان تو تم کہتے ہو کہ گو حرمان کا خوف بھی سامنے ہے مگر کاہلی مین یہ خوف اور بھی زیادہ ہے وہان اگر احتمال تھا تو یہان یقین ہے اور کوشش ہی مین کامیابی کی اُمید زیادہ ہے اور ترک سعی مین تو غلبہ حرمان ہی کو ہے پس دین کے کام مین خوف نقصان تمہارا دامنگیر کیون ہوتا ہے اسکی دو وجہین ہوسکتی ہین یا تو یہ کہ تم نہین دیکھتے کہ اس بازار کے تاجر انبیاء اور اولیاء سعی کی بدولت کیسے کیسے نفع اُٹھا رہے ہین اور دوکان پر جانے سے اُنکو کسقدر دولتین مل رہی ہین اور بازار مین اُنکو کسقدر نفع ہوا ہے کہ بعض کیلئے آگ (ابراہیم) خلخال کی طرح مطیع ہوگئی - بعض کا سمندر باربردار ہوا ہے (موسیٰ) - اور بعض کے ہاتھوں مُردے زندہ (عیسیٰ) ہوئے ہین اور بعض پر ابر سایہ کرتا تھا (جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم) - اور بعض کے ہاتھ مین لوہا موم ہوگیا (داود) - اور بعض کی ہوا محکوم تھی (سلیمان) - بعض کیلئے دفع دشمن کیواسطے لکڑی سانپ بن گئی (موسیٰ) - اور بعض کی حفاظت کیلئے مکڑی نے جالا بنا دیا (جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم) - اور کچھ ایسے ہین جو مخفی ہین اور مخلوق مین مشہور نہین - وہ دولت ہر قسم کی رکہتے ہین لیکن اُن کے کمال پر کسی کی نظر نہین پڑتی - اُنکو شرف بھی حاصل ہے اور قرب بھی مگر یا اینہمہ اب تک بھی اُن کا نام نہین سنتے یا یہ کہ تمہین حق سبحانہ کی عنایتین معلوم نہین - کہ وہ خود تمہین بُلا رہی ہین

کہ ارے ادھر آ تمام عالم اُسکے انعام سے پُر ہے اور ہر طرف اُسکے وجود اُسکی وحدانیت اُسکی عظمت وجلال اُسکے لطف وکرم کی شہادتین موجود ہین پس تمکو اُن باتو نپر غور کرنا چاہئیے اور اطاعت پر کمر بستہ ہونا چاہئیے اور اگر کوئی بھی کریم تمسے یہ بھی کہے کہ تم آگ مین کود پڑو تب بھی اندیشۂ ضرر کو پیش نظر نہ رکھنا چاہئیے بلکہ اُسمین فوراً کود پڑنا چاہئیے کیونکہ وہ آگ ہی سے نرگس ونسرین منافع دنیویہ واُخرویہ پیدا کر دیگا - اور اسی میں انواع واقسام کے پہول کہلینگے - آگ تمہارے نزدیک آگ ہے اُسکے سامنے تو مارے ڈر کے پانی ہے اور ممکن نہین کہ خلاف منشا کوئی تصرف کرسکے وہ تو انبیاء کے دستر خوان کا دھوبی ہے پس اُن کے حکم کے ہوتے ہوئے کیسے ضرر پہونچا سکتی ہے اب وہ قصہ سنو جس سے معلوم ہو کہ آگ انبیاء کے دستر خوان کا دھوبی ہے

شرح شبیری

انبیاء علیہم السلام کا منکروں کے حق کو قبول کرنے سے مایوس ہو جانا قولہ تعالیٰ حتیٰ اذا استیأس الرسل الخ

انبیاء گفتند در خاطر کہ چند — می دہیم این را و آنرا وعظ وپند

یعنی انبیاء علیہم السلام نے دل مین کہا کہ ہم کب تک اسکو اور اُسکو وعظ ونصیحت کرین -

چند کوبیم آہن سرد ز غے — در دمیدن در قفس ہین تا بکے

یعنی ایک آہن سرد کو ہم غلطی سے کب تک کوٹین اور قفس مین پہونکنا کب تک مطلب یہ کہ اگر کوئی قفس مین پہونکے تو بجز اسکے کہ ساری پہونک بیکار جاوے اور کیا فائدہ ہو سکتا ہے ہان اگر مشک وغیرہ مین پہونکین تو ہوا رُکے اسی طرح ان لوگون کے سمجہانے سے کوئی فائدہ نہیں ہے جبکہ یہ مانتے ہی نہیں - اور اس کا اثر یہ نہین ہوا کہ وہ تبلیغ ترک کر دیتے نہین بلکہ صرف اُنکو اُنکے راہ پر آنیسے مایوسی ہو گئی کہ اب یہ ہدایت نہ پاوینگے -

دُم خر پیمودن آخر تا بہ چند — چون نیفزاید جوے جز رشخند

یعنی گدہے کی دُم کو آخر ناپنا کب تک جبکہ وہ ایک جو بھی بجز مسخرہ پن کے نہین بڑھتے مطلب یہ کہ

گدھے کی دُم کو اگر ناپو تو وہ بڑہے گی تھوڑا جتنی تھی اُسی قدر رہے گی۔ ہان ایک مسخرہ پن زیادہ ہوتا ہے اسی طرح انکو سمجھانا فضول ہے اور فرماتے ہین کہ

جنبش خلق از قضا و وعدہ است　　　تیزیٔ دندان ز سوز معدہ است

یعنی مخلوق کی جنبش قضا وقدر کی وجہ سے ہے اور دانتون کی تیزی معدہ کی جلن سے ہوتی ہے یعنی جب خوب بھوک لگی ہو اُسوقت دانت خوب تیز چلتے ہین تو اسی طرح جب قضا وقدر سے توفیق ہوتی ہے اُسوقت انسان کام کرسکتا ہے ورنہ کچھہ بھی نہین کرسکتا۔

نفس اول راند بر نفس دوم　　　ماہی از سر گند باشد نے ز دُم

یعنی نفس اول نے نفس دوم پر حکمرانی کی اور مچھلی سر کی طرف سے سڑتی ہے نہ کہ دُم کی طرف سے۔ نفس اول سے مراد متصرف اول یعنی روح اور نفس دوم سے مراد انسان۔ مطلب یہ کہ اول روح ہی خراب ہے تو اُسنے جب انسان پر حکمرانی کی تو وہ بھی ویسی ہی ہوگی اور جسکی اصل فطرت اچھی ہوتی ہے اُسکے سب کام اچھے ہوتے ہین دوسرے مصرعہ مین مثال دیتے ہین کہ مچھلی سر کی طرف سے اول سڑتی ہے اسی طرح انسان ابتداو فطرت ہی سے خراب ہوتا ہے اور قضا و قدر نے جس طرح اصل مین بنادیا ویسا ہی رہتا ہے تو چونکہ کفار اصل فطرت سے منکر حق ہین لہذا اب بھی وہی حالت ہے

لیک ہم میدان و خر میران چو تیر　　　چونکہ بلغ گفت حق شد ناگزیر

یعنی لیکن جانتے بھی رہو اور گدہے کو تیر کی طرح چلاتے بھی رہو جبکہ حق نے بلغ فرمادیا ہے تو اب لاچاری ہے مطلب یہ کہ یہ بھی سمجھتے رہو کہ یہ مانین گے نہیں ان کی اصل فطرت ہی خراب ہے مگر تبلیغ بھی کرتے رہو اسلئے کہ حق تعالی نے بلغ کا حکم کردیا ہے آگے مولانا فرماتے ہین کہ۔

تو نمیدانی کزین دو کیستی　　　جہد کن چند انکہ بینی چیستی

یعنی تو نہین جانتا کہ ان دونوں مین سے تو کون ہے تو کوشش کر اتنی کہ تو دیکھہ لے کہ تو کون ہے مطلب یہ کہ ابھی تجھے خبر نہین ہے کہ آیا تو سعید ہے یا شقی ہے لہذا اتنی کوشش کر کہ تجھے یقیناً معلوم ہوجاوے کہ تو کون ہے اور علم یقینی موت کے بعد ہوگا لہذا مرنیکے وقت تک کوشش مین لگے رہو ممکن ہے کہ سعید ہی ہو ابھی سے شقی ہونیکا فیصلہ کس طرح کرتے ہو آگے اسکی ایک مثال فرماتے ہین کہ۔

چون نہی بر پشت کشتی بار را　　　بر توکل میکنی آن کار را

یعنی جب تم کشتی پر اسباب رکھتے ہو تو اُس کام کو توکل پر کرتے ہو (اسلئے کہ)

تو نمیدانی کزین ہر دو کئے — غرقہ اندر سفر یا ناجئے

یعنی تو نہین جانتا کہ تو ان دونون مین سے کون ہے سفر مین غرق ہونیوالا ہے یا ناجی ہے یعنی دونون احتمال ہین کہ ممکن ہے کہ کشتی ڈوب جاوے اور ممکن ہے کہ کنارہ لگے اور مال فروخت کر کے نفع ہو

گر بگوئی تا ندانم من کیم — در نخواہم تاختن بر کشتی و یم

یعنی اگر تو کہنے لگے کہ مین جب تک کہ معلوم نکرلون کہ مین کون ہون (اُسوقت تک) مین کشتی یا دریا مین سوار نہ ہون گا یعنی اگر تم کہو کہ جب تک مجھے خبر نہ ہوجاوے کہ آیا مین ڈوبون گا یا بچون گا اُسوقت تک مین تو کشتی مین سوار ہوتا نہین اور کہو کہ۔

من درین رہ ناجیم یا غرقہ ام — کشف گردان کز کدامین فرقہ ام

یعنی مین اس راہ مین ناجی ہون یا غرق ہونیوالا ہون مجھے بتادو کہ مین کس فرقہ سے ہون یعنی یا تو مجھے بتادو کہ مین ڈوبون گا یا بچون گا اور اگر نہین بتاتے تو سُن رکھو کہ۔

من نخواہم رفت این رہ با گمان — بر امید خشک ہمچون دیگران

یعنی مین تو اس راہ مین (صرف) شبہ پر اور اُمید خشک پر دوسرون کی طرح نہ چلون گا۔ یعنی اگر تم کہو کہ جس طرح کہ اور لوگ صرف احتمال نجات پر چل کھڑے ہوتے ہین بس ایسے احتمالات پر نہ چلون گا بلکہ مجھے بتادو یقیناً کہ مین بچون گا یا نہ بچون گا۔ تو اگر تم اس طرح کہنے لگو یہ ہوگا کہ

ہیچ بازرگانئے ناید ز تو — زانکہ در غیب ست سرّ این دو رو

یعنی تجھسے کوئی تجارت نہ ہوگی اسلئے کہ ان دونون پہلوون کا راز تو غیب مین ہے۔ یعنی کسیکو یقینی طور پر معلوم تو ہے نہین اور بے یقین کے آپ سفر نہین کرتے تو لس تجارت ہوچکی۔

تاجر ترسندہ طبع شیشہ جان — در طلب نے سود دارد نے زیان

یعنی تاجر ڈرنیوالا نازک جان طلب مین نہ نفع رکھیگا نہ نقصان یعنی اسکو نہ نفع ہوگا نہ نقصان آگے ترقی کر کے فرماتے ہین کہ

بل زیان دارد کہ محروم است و خوار — نور او یابد کہ باشد شعلہ خوار

یعنی بلکہ نقصان ہی رکھے گا۔ کیونکہ محروم و خوار ہے نور تو وہ رکھے جو شعلہ خوار ہو یعنی جفاکش ہو

اسکو نفع ہوتا ہے ورنہ ایسے نازک مزاجون سے کیا ہوگا۔ آگے فرماتے ہین کہ

چونکہ بر بوک است جملہ کارہا　　　کار دین اولےٰ کزین یابی رہا

یعنی جبکہ تمام کام احتمال پر ہین تو دین کے کام اولیٰ ہین کہ اُن سے رہائی پاؤ۔ مطلب یہ کہ جب معلوم ہوگیا کہ صرف احتمال نفع.... پر ہی کوشش کرتے ہین تو تمکو بھی تو سعید ہونیکا احتمال تو ہے اُسی احتمال پر دین کے کام کرو یہ کیا ضرور ہے کہ جب تم کو سعید ہونیکا یقین ہوجاوے جب ہی کام کرو اس احتمال پر کہ خدا کے یہان تم شاید سعید ہو کیون کام نہیں کرتے جیسا کہ وہ سوداگر صرف احتمال نفع پر تجارت کرتا ہے بلکہ اُسکو تو اُسمین احتمال ضرر بھی ہے اور کار دین مین تو احتمال ضرر ہے ہی نہین تو افسوس ہے کہ یہان تو یقین کے جویا ہو اور وہان احتمال پر بھی کام شروع کر دو۔ آگے فرماتے ہین کہ

نیست دستورے درینجا قرع باب　　　جز امید اللہ اعلم بالصواب

یعنی اس جگہ سوائے امید کے قرع باب کی اجازت نہین۔ واللہ اعلم بالصواب۔ مطلب یہ کہ باب حق کو کھٹکھٹانے مین سوائے اُمید کے یقین وغیرہ کی اجازت نہین ہے کہ جب یقین ہو اُسوقت تو کام کرو ورنہ نہین بس یہان تو کام امید کا ہے اُمید پر سب کام کرو۔

بیان اس کا کہ ایمان مقلّد کا خوف و رجا میں ہے

داعی ہر پیشہ امید است و بوک　　　گرچہ گردن شان زکوشش شد چو دوک

یعنی ہر پیشہ کیلئے محرک اُمید و احتمال ہی ہے اگرچہ اُن کی گردن کوشش سے مثل تکلے کے ہوجاوے یعنی اگرچہ کوشش کے مارے گردن تکلے کی طرح ہو جاوے مگر وہ ساری کوشش صرف ایک احتمال پر ہوتی ہے کہ شاید نفع ہوجاوے۔

بامدادان چون سوئے دکان رود　　　بر اُمید و بوک روزی می دود

یعنی (تاجر) صبح کو جب دوکان کی طرف جاتا ہے تو اُمید اور احتمال روزی پر دوڑتا ہے

بوک روزی نبودت چون میروی　　　خوف حرمان است تو چونے قوی

یعنی شاید کہ تیرے لئے روزی نہو تو تو کیون جارہا ہے اور تجھے خوف حرمان ہے تو تو کس

طرح قوی ہے۔

خوف حرمان ازل در کسب لوت　　چون نکردت سست اندر جستجوت

یعنی کسب روزی مین خوف حرمان ازلی نے تجھے جستجو مین سست کیون نکر دیا۔ مطلب یہ کہ احتمال تو نقصان کا بھی ہے۔ پھر کس طرح قوی ہو کر کوشش کر رہے ہو اسمین اس احتمال پر چھوڑ نہین بیٹھے بلکہ

گوئی آرے خوف حرمان ہست بیش　　ہست اندر کاہلی این خوف بیش

یعنی کہتے ہو کہ ہان خوف حرمان تو سامنے ہے (مگر) کاہلی مین یہ خوف اور زیادہ ہے (اور کہتا ہے کہ)

ہست در کوشش امیدم بیشتر　　دارم اندر کاہلی افزون خطر

یعنی کوشش مین تو مجھے اُمید زیادہ ہے اور کاہلی مین خطرہ زیادہ رکھتا ہون یعنی کہتے ہو کوشش کرتا رہون گا تو غالب اُمید نفع کی ہے اور اگر کوشش چھوڑ دون گا تو پھر تو خطرہ زیادہ ہو جاویگا۔ اور اُمید نفع مغلوب ہو جاویگی۔ مولانا اسپر تفریع فرماتے ہین کہ

پس چرا در کار دین ای بدگمان　　دامنت می گیرد این خوف زیان

یعنی پھر اے بدگمان کار دین مین یہ نقصان کا خوف تیرا دامن کیون پکڑتا ہے مطلب یہ کہ جب کار دنیا مین خوف نقصان مانع کوشش نہین ہوتا تو کار دین مین خوف نقصان مانع کیون ہے دوسری شق پر کیون نظر نہین کرتے۔ نفع کا بھی تو احتمال ہے اُس احتمال کی بنا پر کام مین لگو کہ نفع ہو

یا ندیدی کاین این بازار ہا　　در چہ سودند انبیاء و اولیا

یعنی یا تو نے دیکھا نہیں کہ اس بازار والے کیسے نفع مین ہین انبیاء اور اولیاء یعنی آیا تجھے خوف نقصان مانع ہے یا کہ تجھے اُسکے اندر نفع ہی دکھائی نہین دیتا۔ اور جو اس بازار کے سوداگر ہین یعنی انبیاء اور اولیاء کیا تو نے اُنکو کبھی نہین دیکھا کہ وہ کیسے نفع مین ہین اور کیا تمکو اس کی خبر نہین ہے کہ۔

زین دکان رفتن چہ کان شان رو نمود　　اندرین بازار چون بستند سود

یعنی اس دوکان سے جانے سے اُنکو کیسی معدن نے منہ دکھایا۔ اور اس بازار مین اُنھون نے کس طرح نفع باندھا یعنی کیا تمنے اُنکے نفعون کو کبھی دیکھا نہین ہے آگے حضرات انبیاء علیہم السلام

کے کچھ معجزات بیان فرماتے ہین کہ دیکھو اُن حضرات کو یہ نفعے ہوئے اور دم ایسے ہو گئے۔

آتش آنرا رام چون خلخال شد　　بحر اینرا رام چون حمال شد

یعنی آگ اُنکے لئے خلخال کی طرح مطیع ہو گئی اور اُنکے لئے دریا حمال کی طرح مطیع ہو گیا۔ مطلب یہ کہ جسطرح کہ خلخال پاؤن مین پڑا رہتا ہے اور حمال صاحب مال کا مطیع ہوتا ہے اسی طرح آگ اور دریا حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت موسی علیہ السلام کے مطیع ہو گئے۔ یہ کیا تھا یہ اُسی بازار حب حق کا سودا ور نفع تھا۔

از دم آن مردۂ زندہ شدہ　　ابر آنرا سایہ بانے آمدہ

یعنی اُن کی پھونک سے مُردہ زندہ ہوتا تھا اور ابر اُن کیلئے سائبان آیا۔ یعنی عیسیٰ علیہ السلام کے دم سے مُردہ زندہ ہوتا تھا اور حضور مقبول صلے اللہ علیہ وسلم پر بعض مرتبہ ابر سایہ کرکے چلا ہے۔

آہن آنرا رام ہیچون موم شد　　باد آنرا بندہ و محکوم شد

یعنی لوہا اُن کیلئے مثل موم کے ہو گیا۔ اور ہوا اُن کیلئے غلام اور محکوم ہوئی یعنی داؤد علیہ السلام کے لئے لوہا موم نرم ہوتا تھا اور سلیمان علیہ السلام کیلئے ہوا مسخر تھی۔

شد ورا در دفع دشمن چوب مار　　عنکبوتے شد مر آنرا پردہ دار

یعنی دفع دشمن مین اُن کیلئے لکڑی سانپ بن گئی اور ایک مکڑی اُن کیلئے پردہ دار ہوئی۔ یعنی موسیٰ کیلئے دفع دشمن مین عصا اژدہا تھا اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی مکڑی سے حفاظت ہوئی کہ غار ثور میں جب آپ پوشیدہ ہوئے تو مکڑی نے جالا تن دیا تھا تو یہ سب اُسی یاد حق کا نفع اور اُسی کا سود تھا۔ آگے فرماتے ہین کہ یہ تو انبیاء ہین کہ جنکے معجزے ظاہر و باہر ہین حق تعالیٰ کے بہت سے اولیاء پوشیدہ ہین کہ نہ کسیکو اُن کی کرامات کی خبر اور نہ اُنکی بزرگی کی اطلاع مگر ہین سب مقبولان حق

معنے اُس حدیث کے کہ ان للہ اولیاء اخفیاء

(حق تعالیٰ کے بہت سے اولیاء پوشیدہ ہین)

قوم دیگر سخت پنہاں آمدند　　شہرۂ خلقان ظاہر کے شوند

یعنی قوم دوسری سخت پوشیدہ آئی ہین اور مخلوق ظاہری مین کب مشہور ہوتی ہین۔

اینہمہ دارند و چشم ہیچکس　　بر نیفتد بر کیاشان یک نفس

یعنی یہ سب کچھ رکھتے ہین اور کسی کی نگاہ اُن کی بزرگی پر ایک گھڑی کو نہین پڑتی۔

ہم کرامت شان ہم ایشان درحرم　　　　نام شان را نشنود ابدال ہم

یعنی اُن کی کرامت بھی ہین اور وہ حرم (حق) مین بھی ہین (مگر) نام اُن کا ابدال بھی نہین سنتے (تو دیکھیے حق تعالیٰ کے اولیا ظاہر بھی ہین اور خفی بھی ہین اور یہ سب برکات وفیوض اُسی فیض حق کے ہین۔) آگے رجوع ہے ماقبل کی طرف اوپر کہا تھا۔ یا ندیدی کاہل این بازار ہا الخ کہ کیا تو نے اس بازار والون کو نہین دیکھا ہے اب آگے فرماتے ہین کہ،،

یا نمیدانی کرمہائے خدا　　　　کو ترا میخواند این سو کہ بیا

یعنی یا کہ تو حق تعالےٰ کے انعامات کو نہین جانتا کہ وہ تجھے بُلا رہے ہین کہ اس طرف آ مطلب یہ کہ حق تعالیٰ تجھے اپنے انعامات کی طرف بلا رہے ہین۔

شش جہت عالم ہمہ اکرام اوست　　　　ہر طرف کہ بنگری اعلام اوست

یعنی شش جہت عالم تمام اُسی کا اکرام ہے اور جس طرف تو دیکھیے اُسی کی نشانیان ہین

چون کریمے گویدت آتش درا　　　　اندر آ زود و مگو سوزد مرا

یعنی جیسا کوئی تمسے کہے کہ آگ مین چلے آؤ تو اُسکے اندر آ جاؤ اور یہ مت کہو کہ مجھے جلادیگی۔ کریم سے مُراد وہ ہے جسکو کہ وحی آتی ہو سو اگر ایسا شخص یہ بھی کہے کہ آگ مین گر پڑو تو وہ چونکہ من اللہ ہوگا اُس کا کہا مان لینا جائز ہے ورنہ کسی دوسرے کے کہنے سے اپنے کو ہلاک کرنا حرام ہی خوب یاد رکھو تو جب انبیا علیہم السلام کے کہنے سے اپنے کو ہلاک کرسکتے ہو تو حق تعالیٰ اگر احکام شاقہ کا حکم فرمادین جسمین کہ بظاہر تعب بھی ہو تو کیا حرج ہے اسلئے کہ اگر اُن کے احکام کو بجا لاؤ گے تو یہ ہوگا کہ۔

کو ز آتش نرگس ونسرین کند　　　　وز میانش غنچہا سر برزند

یعنی کیونکہ وہ آگ مین نرگس ونسرین کردین گے اور اُسکے درمیان سے غنچے سر نکالین گے یعنی وہ اگر احکام شاقہ کا بظاہر حکم بھی کرین تو وہ اُسکو آسان فرمادین گے۔

درحقیقت آتش از ہیبت چو ماست　　　　گاذر دستار خوان انبیا است

یعنی حقیقت مین آگ (اُن کریمون کی) ہیبت کی وجہ سے مثل پانی کے ہے اور حضرات انبیاء

علیہم السلام کے دستر خوان کی دھوبی ہے مطلب یہ کہ اگر وہ کریم آگ مین گرنے کو کہین تو گر جاؤ اسلئے کہ اُن کی نسبت سے آگ مضر نہین رہی ہے اور غیر مضر ہونے مین پانی کی طرح ہو گئی ہے اور انبیاء کی تو دھوبی ہے آگے حضرت انس بن مالک رض کی حکایت لاتے ہین کہ اُن کا دستر خوان میلا تھا اُنھوں نے آگ مین ڈال دیا تو جلا نہین بلکہ صاف ہو گیا تو دیکھو آگ غیر مضر اور گاذر ہو گئی اب حکایت سنو

شرح حبیبی

از انس فرزند مالک آمده است
که بمهمانی او شخصی شده است

او حکایت کرد کز بعد طعام
دید انس دستار خوان را زرد فام

چرکن و آلوده گفت ای خادمه
اندر افگن در تنورش یکدمه

در تنور پر ز آتش در فگند
آنزمان دستار خوان را هوشمند

جمله مهمانان دران حیران شدند
انتظار دود کندوری بدند

بعد یک ساعت بر آورد از تنور
پاک و اسپید و ازان اوساخ دور

قوم گفتند ای صحابی عزیز
چون نه سوزید و منقی گشت نیز

گفت زانکه مصطفی دست و دهان
بس بمالید اندرین دستار خوان

ای دل ترسنده از نار و عذاب
با چنان دست و لبی کن اقتراب

چون جمادی را چنین تشریف داد
جان عاشق را چها خواهد کشاد

مر کلوخ کعبه را چون قبله کرد
خاک مردان باش ای جان در نبرد

بعد ازان گفتند با آن خادمه
تو نگوئی حال خود با اینهمه

چون فگندی زود این از گفت وی	گیرم او بردست ورا بہر ازپے
این چنین دستار خوان قیمتے	چون فگندی اندر آتش ای ستی
گفت دارم از کریمان اعتمید	از عباد اللہ دارم بس اُمید
میزرے چہ بود اگر او گویدم	در رو اندر عین آتش بی ندم
اندر افتم از کمالِ اعتقید	نیستم ز اکرام ایشان نا امید
سر در اندازم نہ این دستار خوان	ز اعتماد ہر کریم اے رازدان
اے برادر خود برین اکسیر زن	کم نباید صدق مرد از صدق زن
آن دل مردے کہ از زن کم بود	آن دلے باشد کہ کم ز اشکم بود

انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے (واللہ اعلم بصحتہ) کہ اُنکے یہان ایک مہمان آئے۔ ان مہمان صاحب نے بیان کیا کہ کہانے سے فراغت پانیکے بعد انس رضہ نے دسترخوان کو شوربے مین زرد اور میلا اور سالن مین سنا ہوا دیکہا تو لونڈی سے فرمایا کہ اسکو تھوڑی دیر تنور مین ڈالدو اُسنے آگ سے لبریز تنور مین اُسکو ڈالدیا یہ دیکہکر تمام مہمان حیران ہوئے اور منتظر تھے کہ اب دسترخوان جلے گا اور اس سے دہوان نکلے گا تہوڑی دیر کے بعد جو دسترخوان نکالا تو پاک صاف اور سفید تھا میل کچیل کچہ بھی باقی نہ رہا تھا لوگون نے دریافت کیا اے صحابی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم یہ صاف کیون کر ہو گیا جلا کیون نہیں اُنہون نے فرمایا کہ وجہ یہ ہے کہ جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اس دسترخوان سے ہاتھ منہ پونچہا تھا یہ وجہ ہے نہ جلنے کی پس اس سے تم ہمارے بیان کی تصدیق کرو اور عبرت پکڑو اور واضح ہو کہ تمکو جو آگ اور عذاب کا ڈر ہے اس سے بچنے کی تدبیر یہ ہے کہ اس ہاتھ اور منہ سے تقرب حاصل کرو یعنی محبت اور اطاعت آنجناب پیدا کرو تم اس خوف سے مامون ہو جاؤ گے تم سمجھو کہ جنہون نے ایک

جماد کو صوری اتصال اور قرب کی بدولت یہ شرف بخشا کہ وہ ضررِ آتش سے محفوظ ہو گیا تو جان عاشق جسکو معنوی اتصال و قرب ہے اسپر کسقدر کرم کے دروازہ کہولیں گے اور اسپر کیا کیا عنایتین نہ ہون گی۔ دیکہو تو سہی آپنے کعبہ کے پتہرون کو کیونکر قبلہ بنا دیا اور اُسکو کسقدر شرف عطا کیا۔ پس ان واقعات سے عبرت حاصل کرو۔ اور مردان خدا کی خاک ہو جاؤ اپنے کو اُنکے سامنے فنا کر دو۔ دیکہو اُس خادمہ نے اپنے کو کیونکر فنا کر رکہا تہا چنانچہ جب لوگ حضرت انس سے جواب سُن چکے تو اُس خادمہ کی طرف متوجہ ہو کر کہا کہ تم اپنی حالت کیون نہین بیان کرتین کچھ تم بھی تو کہو ہمنے مانا کہ اُنکو راز معلوم تہا اسلئے اُنہون نے بے تکلف حکم دیدیا مگر تمکو تو راز معلوم نہ تہا تمنے ان کے کہنے سے اسقدر جلد دستر خوان کو آگ مین کیون ڈالدیا اور اسقدر قیمتی دستر خوان کو آگ کے حوالہ کیسے کر دیا اُسنے جواب دیا کہ مجہے اہل اللہ پر پورا بہروسہ ہے اور مجہے حق سبحانہ کے خاص بندون سے بڑی امیدین ہین ازار کیا چیز ہے اگر وہ مجہسے بہی کہین کہ بے ہٹکے آگ مین گہس جا۔ تو مجہے اُنسے اتنا اعتقاد ہے کہ فوراً آگ مین گر پڑون۔ مجہے ان حضرات کی عنایت سے بہت کچھہ اُمیدین ہین اور مین نا اُمید نہین ہون۔ اسلئے میں ہر اہل اللہ کے اعتماد پر صرف دستر خوان ہی نہین بلکہ سر تک آگ مین جہونکنے لئے تیار ہون۔ بس جب ایک عورت کے اعتقاد اور خلوص کی یہ حالت ہے تو تمکو عورت سے تو کم نہ ہونا چاہئے اور خود بہی کمال اعتقاد حاصل کر کے کندن ہو جانا چاہئے۔ یاد رکہو کہ جس مرد کا دل عورت کے دل سے بہی کم ہو وہ دل دل نہین بلکہ پیٹ سے بہی ادنی ہے کہ وہ جس کام کا ہے اُسکو انجام دے رہا ہے اور یہ اپنے فرض سے غافل ہے اسپر نظر کر کے تمکو اُن کے اکرام سے نا اُمید نہ ہونا چاہئے اور اعتماد کرنا چاہئے۔ اور اُن سے اتصال روحانی حاصل کرنا چاہئے۔ کیونکہ یہ بڑے کریم ہین اور ان کے ساتھ صوری اتصال مین بہی بڑی برکت ہے چہ جائیکہ معنوی۔ چنانچہ ان دونون باتون کی تصدیق تمکو قصہ ذیل سے ہوگی۔

شرح شبیری

حکایت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی رومال کو آگ مین ڈالدینے کی اور اُسکے نہ جلنے کی

از انس فرزند مالک آمده است — کہ بمہمانی او شخصے شدہ است

یعنی انس بن مالک رضؓ سے روایت ہے کہ اُن کی مہمانی مین ایک شخص ہوئے یعنی ایک شخص اُنکے مہمان ہوئے

او حکایت کرد کز بعد طعام — دید انس دستار خوانرا زرد فام

یعنی اُس مہمان نے بیان کیا کہ کہانے کے بعد انس رضؓ نے دستر خوان کو زرد فام دیکہا یعنی شوربا لگا ہوا دیکہا

چرکن و آلودہ گفت ای خادمہ — اندر افگن در تنورش یک دمہ

یعنی میلا اور آلودہ دیکہا تو فرمایا کہ اے خادمہ اسکو ایک دم کیلئے تنور مین ڈالدے۔

در تنور پُر ز آتش در فگند — آن زمان دستار خوانرا ہوشمند

یعنی تنور آگ کے بہرے ہوئے مین اُس ہوشمند نے اُسی وقت دستر خوانکو ڈالدیا۔

جملہ مہمانان دران حیران شدند — انتظار دود کندوری بُدند

یعنی سارے مہمان اس بات مین حیران تھے اور دستر خوان کے دہوین کے منتظر تھے یعنی منتظر تھے کہ وہ اب جلیگا اور دہوان اُٹھے گا۔

بعد یک ساعت برآورد از تنور — پاک اسپید و ازان اوساخ دور

یعنی بعد ایک گہڑی کے خادمہ نے تنور سے پاک اور سفید نکالا اور اُس سے تمام میل کچیل دور تھے

قوم گفتند ای صحابی عزیز — چون نہ سوزید و منقی گشت نیز

یعنی قوم نے کہا کہ اے صحابی عزیز یہ جلا کیون نہین (بلکہ) اور صاف بھی ہوگیا۔

گفت زانکہ مصطفےٰ دست و دہان — بس بمالید اندرین دستارخوان

یعنی فرمایا کہ اسلئے کہ مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم نے مُنہ اور ہاتھ اس دستر خوان مین بہت پونچہے ہین آگے مولانا فرماتے ہین کہ۔

ای دل ترسندہ از نار و عذاب — با چنان دست و لبے کن اقتراب

یعنی ای دل نار و عذاب سے ڈرتے والے تو ایسے دست و لب کیساتھ نزدیکی حاصل کرلے۔

چون جمادے را چنین تشریف داد — جان عاشق را چہا خواہد کشاد

یعنی جبکہ ایک جماد کو ایسی خلقت عطا فرمائی تو جان کو تو کتنی کشادگی دین گے (اور اب اس زمانہ مین اقتراب اُس دست و لب کیساتھ یہ ہے کہ دست سے افعال سرزد ہوئے ہین اور لب سے اقوال

لہذا افعال واقوال پر عمل کرنا یہی دست ولب کیساتھ اقتراب ہے۔

مر کلوخ کعبہ را چون قبلہ کرد　　خاک مردان باش ای جان در نبرد

یعنی کعبہ کے ڈھیلون کو جب قبلہ کردیا تو تو اے جان مردان (حق) کے مقابلہ (نفس) مین خاک ہو جا مطلب یہ کہ دیکھ لو کہ ابراہیم علیہ السلام کا دست مبارک لگنے سے کعبہ کے اینٹ پتھر قبلہ ہو گئے تو بس تو بھی خاک مردان حق ہو جا کہ اُس سے کام چلے گا اور نفس کے مقابلہ میں اُسی وقت تمکو کامیابی ہوگی۔

بعد ازان گفتند با آن خادمہ　　تو نگوئی حال خود با اینہمہ

یعنی بعد اسکے سب نے اُس خادمہ سے کہا کہ تو اپنا حال باوجود ان سب باتون کے نہین کہتی مطلب یہ کہ انکو تو اعتماد تھا اسوجہ سے اُنہون نے تو کہدیا مگر تجھے تو چاہئے تھا کہ پوچھ لیتی باوجود خوف جلنے کے پھر تو نے ڈالدیا تو تو ذرا اپنا حال بیان کر کہ تجھے کیا ہو گیا تھا۔

چون فگندی زود این از گفت وی　　گیرم او بردست در اسرار پے

یعنی اُن کے کہنے سے تو نے جلدی کس طرح ڈالدیا ہمنے فرض کیا کہ وہ اسرار میں قدم لیگئے ہین یعنی ہمنے فرض کیا کہ اُنکو تو اسرار پر اطلاع تھی لہذا اُنہون نے کہدیا تجھے کیا ہو گیا تھا کہ تو نے اُسکو آگ مین جھونک دیا۔

اینچنین دستار خوان قیمتے　　چون فگندی اندر آتش ای ستی

یعنی ایسا قیمتی دسترخوان اری بی تو نے آگ مین کیونکر ڈالدیا۔

گفت دارم بر کریمان اعتمید　　از عباد اللہ دارم بس اُمید

یعنی اُس خادمہ نے کہا کہ مجھے کریمون پر اعتماد ہے اور مین اللہ کے بندون سے بہت اُمید رکھتی ہون مطلب یہ کہ مجھے اعتماد تھا کہ اسمین کوئی مصلحت ہوگی اور مجھے تو اللہ کے بندون سے بڑی بڑی امیدین ہین یہ تو کوئی بات نہ تھی۔

میزرے چہ بود اگر او گویدم　　در رود اندر عین آتش بے ندم

اندر افتم از کمال اعتقید　　نیستم ز اکرام ایشان نا امید

یعنی کپڑا تو کیا اگر وہ مجھے فرمادین کہ عین آتش مین چلی جا تو بے پشیمانی کے مین کمال اعتقاد کی

وجہ سے چلی جاؤں ادہر میں اُن کے اکرام سے ناامید نہیں ہوں۔مطلب یہ کہ اُن پر مجہے اسقدر اعتماد اور اعتقاد ہے کہ اگر خود مجہے بہی آگ میں جانے کو کہیں تو میں خود بہی آگ میں چلی جاؤں اور اُس کا یہ کہنا چونکہ غلبۂ حال میں ہے لہذا بوجہ بیخودی معاف ہے ورنہ بے غلبۂ حال کے کسی غیر نبی کے کہنے سے ایسا کرنا اہلاک نفس ہے جوکہ حرام ہے اور کہتی ہے کہ۔

سر دراندازم نہ این دستار خوان ز اعتماد ہر کریم راز دان

یعنی میں تو سر ڈالدوں نہ کہ یہ دستر خوان بوجہ اعتماد ہر کریم راز دان کے یعنی چونکہ مجہ اعتماد ہے کہ یہ جو کر رہے ہیں اسمیں مصلحت ہی لہذا دستر خوان تو کیا میں تو سر ڈالنے کو موجود ہوں آگے مولانا فرماتے ہیں کہ۔

اے برادر خود برین اکسیر زن کم نباید صدق مرد از صدق زن

یعنی اے بہائی اپنے کو اس اکسیر پر مارا اور مرد کا صدق صدق زن سے کم تو نہ ہونا چاہئے۔مطلب یہ کہ جس طرح کہ اُسکو اعتماد تہا اور اُسنے ان حضرات سے تعلق پیدا کرکے اپنے کو کامل بنالیا تہا اسی طرح تم بہی اولیاء اللہ اور کاملین سے تعلق پیدا کرو کہ تم بہی کام کے ہوجاؤ گے۔بہلا ایک عورت سی تو کم مت ہو۔

آن دل مردے کہ از زن کم بود آن دلے باشد کہ کم ز اشکم بود

یعنی وہ دل اُس مرد کا کہ جو عورت سے کم ہووے وہ وہ دل ہو جو شکم سے بہی (مرتبہ میں) کم ہے یعنی ذلیل وخوار ہونے میں وہ شکم سے گیا گذرا ہو چونکہ اوپر کہا تہا کہ ایسے حضرات کے دست ولب سے اقتراب حاصل کرو اُسکے مناسب آگے حکایت لاتے ہیں کہ ایک حبشی غلام نے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا دست مبارک اپنے چہرہ پر پہیر لیا تو اُس کا چہرہ روشن ہوگیا۔تو اسی طرح اگر تم اُس سے اقتراب پیدا کروگے تو تمہارے قلوب اور چہرے سب روشن ہوجاوینگے اب حکایت سنو۔

شرح حبیبی

اندران وادی گروہی از عرب	خشک شد از قحط باران شان قرب
درمیان آن بیابان ماندہٗ	کاروان مرگ بر خود خواندہٗ

ناگہانے آن مغیث ہر دو کون | مصطفی پیدا شد از رہ بہر عون
دید کانجا کاروانے بس بزرگ | بر تف ریگ و رہ صعب و سترگ
اشتران شان را زبان آویختہ | خلق اندر ریگ ہر سو ریختہ
رحمش آمد گفت ہین زوتر روید | چند یارے سوئے آن کثبان دوید
کہ سیاہی بر شتر مشک آورد | سوئے میر خود بزودی می رود
آن شتربان سیہ را با شتر | سوئے من آرید با فرمان مر
سوئے کثبان آمدند آن طالبان | بعد یک ساعت بدیدند آنچنان
بندۂ می شد سیہ با اشترے | راویہ پر آب چون ہدیہ برے
پس بدو گفتند مے خواند ترا | این طرف خیر البشر فخر الورے
گفت من نشناسم او را کیست او | گفت او آن ماہ روئے قند خو
سید و سرور محمد نور جان | مہتر و بہتر شفیع مجرمان
نوعہا تعریف کردندش کہ ہست | گفت مانا او مگر آن ساحر ست
کہ گروہے را زبون کرد او بسحر | من نیایم جانب او نیم شبر
کشکشانش آوریدند آن طرف | او فغان برداشت بر تشنیع و تف
چون کشیدندش بہ پیش آن عزیز | گفت نوشید آب و بر دارید نیز
جملہ را زان مشک او سیراب کرد | اشتران و ہر کسے زان آب خورد
راویہ پر کرد و مشک از مشک او | ابر گردون خیرہ ماند از رشک او

این کسے دیده است کز یک راویه ‌ ‌ سرد گردد سوز چندین ہاویہ

این کسے دیده است کز یک مشک آب ‌ ‌ گشت چندین مشک پر بی اضطراب

مشک خود روپوش بود و موج فضل ‌ ‌ می رسید از امر او از بحر اصل

آب از جوشش ہمی گردد ہوا ‌ ‌ وان ہوا گردد ز سردی آبہا

بلکه بے اسباب بیرون زین حکم ‌ ‌ آب رویانید تکوین از عدم

تو ز طفلی چون سببہا دیدهٔ ‌ ‌ در سبب از جہل بر چفسیدهٔ

با سببہا از مسبب غافلے ‌ ‌ سوی این روپوشہا زان مائلے

چون سببہا رفت بر سر میزنے ‌ ‌ ربّنا و ربّنا ہا مے کنے

رب می گوید برو سوئے سبب ‌ ‌ چون ز صنعم یاد کردی ای عجب

گفت زین پس من ترا بینم ہمه ‌ ‌ ننگرم سوئے سبب وان دمدمه

گویدش رُدُّوا لَعَادُوا کار تست ‌ ‌ اے تو اندر توبه و میثاق سست

لیک من آن ننگرم رحمت کنم ‌ ‌ رحمتم پر است و بر رحمت تنم

ننگرم عہد بدت بدہم عطا ‌ ‌ از کرم این دم چو میخوانے مرا

از من آید جمله احسان و وفا ‌ ‌ وز تو بدعہدی و نسیان و خطا

حاصل آنکه در سبب پیچیدهٔ ‌ ‌ لیک معذورے ہمین را دیدهٔ

قافله حیران شدند از کار او ‌ ‌ یا محمدؐ چیست این اے بحر خو

گردهٔ روپوش مشک خورد را ‌ ‌ غرقه کردی ہم عرب ہم کرد را

ایک وادی مین عربون کی ایک جماعت کی یہ حالت تھی کہ بارش نہ ہونے اور پانی نہ ملنے کی سبب اُن کی مشکین خشک ہو گئی تھین اور اُس میدان مین ایک قافلہ پڑا ہوا تھا جو شدت مصیبت سے اپنی موت کی دعائین مانگ رہا تھا کہ دفعتہً اُن کی مدد کیلئے ہر دو عالم کے فریادرس (دنیا مین بذریعہ دعا و ہدایت اور عقبیٰ مین بذریعہ شفاعت) محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کہین سے آتے ہوئے وہان پھونچ گئے۔ یہان پھونچکر آپنے دیکھا کہ ایک بہت بڑا قافلہ گرم ریتا اور دور و دراز اور کٹھن رستہ پر پڑا ہوا ہے یہ دیکھکر آپکو رحم آیا اور فرمایا کہ تم مین سے چند آدمی اُن ٹیلون پر جاؤ دیکھو ایک حبشی مشک لا رہا ہے اور اپنے آقا کی طرف تیز جا رہا ہے تم اُس حبشی کو اونٹ سمیت میرے پاس جبرًا لے آؤ۔ وہ متلاشی ٹیلون پر آئے تھوڑی دیر کے بعد اُنہون نے ویسا ہی دیکھا جیسا آپنے فرمایا تھا کہ ایک حبشی غلام اونٹ پر سوار ہے اور اُسکے پاس ایک بڑی مشک پانی سے بہری ہوئی ہے ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے کسی کے واسطے ہدیہ لئے جاتا ہوا اُس سے اُنہون نے کہا کہ تمکو فخر البشر خیر الورے اُس طرف بلاتے ہین۔ اُسنے کہا مین نہین جانتا فخر البشر خیر الورے کون ہین اسیران مین سے کسی نے کہا کہ ماہرو شیرین خصال سرور سید بہتر دہتر شفیع مجرمان محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور ایسی ہی اور تعریفین کین کیونکہ آپ واقع مین ایسے ہی ہین اُسنے کہا ہونہو یہ وہی جادوگر ہے جسنے اپنے جادو سے ایک بڑی جماعت کو مغلوب کر لیا مین اُس کی طرف تو آدہ بالشت بھی نہ چلونگا۔ جب اُنہون نے دیکھا کہ وہ خوشی سے نہین آتا تو وہ کہینچتے ہوئے اُس طرف لائے اُسنے چلانا شروع کیا اور طعن و تشنیع اور جلی کٹی باتین کہنی شروع کین۔ مگر اُنہون نے اُسپر کچھہ توجہ نہ کی اور لے ہی آئے جبکہ اُسکو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مبارک مین حاضر کیا تو آپنے فرمایا اچھا تم سب اسمین سے پانی پیلو اور اپنی اپنی مشکین بہر لو آپنے اُسی مشک سے سب کو سیراب کر دیا۔ اور آدمیون اور اُونٹون سبنے اُس سے خوب اچھی طرح پانی پی لیا اور اُسکی ایک مشک سے چھوٹی بڑی مشکین بھی پُر کر لین وہ مشک یون ہی پانی دے رہی تھی کہ ابر آسمانی کو اُسپر رشک ہوتا تھا اور وہ بھی متحیر تھا کہ اتنا چھوٹا ظرف اور اس مین اسقدر پانی کسی نے ایسا دیکھا ہے کہ ایک مشک سے اتنی دوزخون کی آگ بجھہ جاوے یعنی اتنے پیٹون مین ٹھنڈک پڑ جاوے اور کسی نے یہ دیکھا ہے کہ ایک مشک سے بے زحمت اتنی مشکین بہر جائین۔ اصل بات یہ ہے کہ

کہ مشک تو ایک آڑ تھی ورنہ یہ موج فضل بحکم خداوندی بحر قدرت بے پایان سے آرہی تھی اُسکی قدرت نہایت وسیع ہے دیکھو پانی بخارات بنکر ہوا بنتا ہے اور ہوا سردی پاکر پھر پانی بنجاتی ہے بلکہ اُسنے نوع آب کو عدم محض سے پیدا کیا ہے جب اُسکی قدرت اتنی وسیع ہے تو اسمین کیا راز ہے کہ مشک آب کو حجاب بنایا گیا اس کا سبب یہ ہے کہ تمنے بچپن سے اسباب ہی کو دیکھا ہے اسلئے تم اسباب ہی کو لئے ہوئے ہو۔ اور بلا سبب کے کوئی بات تمہاری سمجھ مین نہین آتی۔ تمنے سبب مین مشغول ہوکر اُس مسبب کو بھلا دیا ہے جسنے خود اسباب کو بنایا اور اُس سے پھر کر ان حجابون کی طرف مائل ہو گئے ہو لیکن جب اسباب ختم ہو جاتے ہین اُسوقت تم بھی سر پیٹتے اور ربنا اللہ یہ کردے اے اللہ وہ کردے کہتے ہو اور حق سبحانہ کی قدرت کا اعتراف کرتے ہو اسوقت حق سبحانہ فرماتے ہین کہ اب تمہین میرا بلا اسباب کے فاعل ہونا کیسے یاد آیا تم تو اسباب ہی کو سب کچھ مانتے تھے بس جاؤ اسباب ہی کو ذریعہ مقصود بناؤ۔ اسپر تم کہتے ہو نہیں اے اللہ اب مین تجھی کو سب کچھ سمجھونگا اور اسباب جو کہ دھوکے کی ٹٹی ہین اُن پر کبھی نظر نہ کرون گا۔ اُسپر حق سبحانہ فرماتے ہین کہ ہم جانتے ہین کہ تم اپنے عہد و پیمان میں بڑے بودے ہو تمہاری تو یہ حالت ہے کہ دوزخ کو دیکھکر بھی معاصی مین مبتلا ہو لیکن ہم تمہارے پاجی پن پر نظر نہ کرینگے بلکہ تمپر رحمت کرین گے کیونکہ ہماری رحمت وسیع ہے اور ہم رحیم ہین ہم تمہارے جھوٹے عہد کو نہ دیکھین گے بلکہ جب اُسوقت تم ہم سے مانگ رہے ہو تو ہم اپنے کرم سے تمہیں دینگے ہمارا کام احسان و وفا ہے اور تمہارا کام بدعہدی بھول اور غلطی۔ خیر خلاصہ یہ کہ تم اسباب مین لپٹے ہوئے ہو مگر ایک حد تک معذور ہو کہ تمنے آنکھ کھولکر اسباب ہی دیکھے ہین اسلئے آڑ کی ضرورت ہوئی خیر جب یہ واقعہ ہوا تو قافلہ متحیر ہوا اور کہا کہ یا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم یہ کیا بات ہے کہ آپنے ایک چھوٹی سی مشک کو آڑ بنا کر اُس مین اتنا پانی نکالا کہ تمام عربون اور کردوں کو گویا کہ اسمین ڈبو دیا

شرح شبیری

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک عرب کے قافلہ کی فریاد کو

پہونچنا کہ تشنگی اور بے آبی کی وجہ سے عاجز ہو رہا تھا اور دل موت پر رکھے ہوئے تھا اور اُنکے جانور بھی قریب بہلاکت تھے

اندراں وادی گروہے از عرب — خشک شد از قحط باراں شاں قرب

یعنی اُس جنگل مین ایک عرب کے گروہ کے قحط بارش کی وجہ سے مشکیزے خشک ہو گئے تھے (چونکہ مشک مین پانی بہرنے سے وہ تر رہتی ہے ورنہ خشک ہوجاتی ہے تو چونکہ پانی تھا نہین لہذا ساری مشکین خشک ہو گئی تھین۔

درمیانِ آن بیابان ماندۂ — کاروانِ مرگ بر خود خواندۂ

یعنی اُس بیابان مین رہے ہوئے اور موت کے قافلہ کو اپنے اوپر بلائے ہوئے۔

ناگہانے آن مغیثِ ہر دو کون — مصطفےٰ پیدا شد از رہ بہرِ عون

یعنی ناگہان وہ دونون جہان کے فریادرس (یعنی) مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم راستہ سے مدد کیواسطے پیدا ہوگئے یعنی ناگہان اُس جنگل مین حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا بھی گذر ہوا

دید کانجا کاروانے بس بزرگ — بر تفِ ریگ و رہے صعب سترگ

یعنی آپنے ایک بہت بڑے قافلہ کو گرم ریت اور ایک بڑی سخت راہ پر دیکھا۔

اشتران شان را زبان آویختہ — خلق اندر ریگ ہر سو ریختہ

یعنی اُنکے اونٹ زبان ڈالے ہوئے تھے اور لوگ ریتے مین ہر طرف پڑے ہوئے تھے،،

رحمش آمد گفت ہین زوتر روید — چند یارے سوئے آن کثبان روید

یعنی آپکو رحم آیا تو فرمایا کہ ہان جلدی سے جاؤ چند آدمی اُن ٹیلون کی طرف جاؤ۔

کہ سیاہے بر شترِ مشک آورد — سوئے میرِ خود بزودی می برد

یعنی ایک حبشی اونٹ پر مشک لا رہا ہے اور اپنے امیر کی طرف جلدی سے لیجا رہا ہے

آن شتربان سیہ را با شتر — سوئے من آرید با فرمان مُر

یعنی اُس حبشی اونٹ والے کو معہ اونٹ کے میرے پاس حکم قطعی کی ساتھ لاؤ مطلب یہ کہ

اُسکی رضا لینے کی حاجت نہین ہے بس حکم قطعی ہے کہ اسکو میرے پاس لے آؤ۔

سوئے کنبان آمدند آن طالبان / بعد یک ساعت بدیدند آنچنان

یعنی وہ تلاش کرنیوالے ٹیلون کی طرف آئے تو ایک گھڑی کے بعد اُنہون نے ویسا ہی دیکھا

بندۂ می شد سیہ با اشترے / راویہ پُر آب چون ہدیہ برے

یعنی ایک غلام حبشی معہ ایک اونٹ کے مشک پانی سے بہری ہوئی ہدیہ لیجانیوالے کی طرح جارہا ہے
یعنی بہت اہتمام سے وہ اُس مشک کو لیجارہا ہے۔

پس بدو گفتند می خواند ترا / این طرف فخر البشر خیر الورے

یعنی پس اُن لوگون نے کہا کہ تجہے اس طرف فخر البشر اور خیر الورے بلا رہے ہین۔

گفت من نشناسم او را کیست او / گفت او آن ماہ روئے قند خو

یعنی اُسنے کہا کہ مین اُنکو نہین پہچانتا کہ وہ کون ہین تو صحابہ نے فرمایا کہ وہ ماہرو اور قندخو ہین۔

سید و سرور محمد نور جان / مہتر و بہتر شفیع مجرمان

یعنی سید اور سردار محمد صلے اللہ علیہ وسلم نور جان مہتر اور بہتر اور مجرمون کے شافع،،

نوعہا تعریف کردندش کہ ہست / گفت مانا او مگر آن ساحر است

یعنی اُن کی قسم قسم کی تعریفین کین کہ وہ (ایسے) ہین تو بولا کہ شاید وہ فلان ساحر ہین،

کہ گروہے را زبون کرد او بسحر / من نیایم جانب او نیم شبر

یعنی کہ ایک گروہ کو اُنہون نے جادو سے مغلوب کر رکہا ہے تو مین اُن کی طرف آدہی بالشت بھی نہ آؤن گا۔

کش کشانش آوریدند آن طرف / او فغان برداشت بر تشنیع و تف

یعنی اُسکو کہینچتے ہوئے اُس طرف کو لائے اور وہ تشنیع وطعن مین غل مچارہا تھا۔

چون کشیدندش بہ پیش آن عزیز / گفت نوشید آب و بردارید نیز

یعنی جبکہ وہ اسکو اُس عزیز کے سامنے لائے تو فرمایا کہ پانی پیو اور رکہ بھی لو

جملہ را زان مشک او سیراب کرد / اشتران و ہر کسے زان آب خورد

یعنی سبکو آپنے اُس مشک سے سیراب فرمایا۔ اونٹون نے اور ہر شخص نے اُس پانی سے پیا،،

راویہ پُر کرد و مشک از مشک او ابر گردوں خیرہ ماند از رشک او

یعنی بڑی اور چھوٹی سب مشکین اُسکی مشک سے بھرلیں اور ابر آسمانی بھی آپکے رشک سے حیران رگھیا یعنی اُسکو حیرت تھی کہ مین بھی اسقدر فیاض نہین ہون جیسے کہ آپ ہین۔ مولانا فرماتے ہین کہ

این کسے دیدہ است کز یک راویہ سرد گردد سوز چندین ہاویہ

یعنی یہ کسی نے دیکھا ہے کہ ایک مشک سے اتنی دوزخون کی آگ بجھہ گئی ہو۔

این کسے دیدست کز یک مشک آب گشت چندین مشک پر بے اضطراب

یعنی یہ کسی نے دیکھا ہے کہ پانی کی ایک مشک سے اتنی مشکین بے کسی اشکال کے بھر گئی ہون

مشک خود روپوش بود و موج فضل می رسید از امر او از بحر اصل

یعنی مشک خود ایک حجاب تھا (ورنہ) فضل کی موج حکم حق سے دریائے اصل سے پہونچ رہی تھی یعنی یہ مشک تو ایک درمیان مین واسطہ اور حجاب تھی ورنہ اصل مین تو پانی دریائے اصل اور بحر رحمت مین سے آرہا تھا آگے اُسکے استعجاب کو دور فرماتے ہین کہ۔

آب از جوشش ہمی گردد ہوا وان ہوا گردد ز سردی آبہا

یعنی پانی اپنے جوشش سے ہوا بنجاتا ہے اور وہ ہوا سردی کی وجہ سے پانی ہوجاتی ہے مطلب یہ کہ دیکھو اسباب ظاہری سے اکثر اوقات ہوا پانی بنجاتی ہے اور پانی ہوا بنجاتا ہے لیکن

بلکہ بے اسباب و بیروں زین حکم آب رویانید تکوین از عدم

یعنی بلکہ بے اسباب کے اور اُس حکم سے باہر تکوین عدم سے پانی اُگاتی ہے۔ مطلب یہ کہ اسباب ظاہری سے تو ہوا سے پانی اور پانی سے ہوا بنجاتے ہین لیکن بعض مرتبہ اُسکے خلاف بھی ہوتا ہے جیساکہ یہان ہو رہا تھا کہ بے اسباب ظاہری کے حکم تکوینی عدم سے اُس پانی کو پیدا کر رہا تھا اور یہ پانی آرہا تھا آگے فرماتے ہین کہ۔

تو ز طفلی چون سببہا دیدۂ در سبب از جہل بر چفسیدۂ

یعنی تو نے بچپن سے جب اسباب کو دیکھا ہے تو جہل کی وجہ سے سبب پر چپکا ہوا ہے

با سببہا از مسبب غافلی سوئے این روپوشہا زان مائلی

یعنی تو اسباب مین مسبب سے غافل ہے اور ان حجابات کی طرف اسوجہ سے مائل ہے

چون بنا اسبابہا رفت بہ سر میزنی ربنا و ربنا ہا می کنی

یعنی جب اسباب جاتے رہے تو سر پیٹتا ہے اور ربنا ربنا کرتا ہے مطلب یہ کہ مولانا فرماتے ہین کہ اے انسان تو نے چونکہ بچپن سے ان اسباب ہی کو دیکھا ہے اسلئے تیری نظر مین صرف اسباب ہی ہین اور تو مسبب سے غافل ہو رہا ہے اور تیری سمجھ مین بے اسباب ظاہری کے اس طرح پانی کا پیدا ہو جانا نہین آتا لیکن جب اسباب فنا ہو جاتے ہین اور قضا و قدر کی طرف سے کوئی امر واقع ہوتا ہے تو اسوقت دعائین کرتا ہے اور حق تعالیٰ کو پکارتا ہے کہ اے اللہ اسباب تو ہین نہین اب آپ ہی بچائیے۔ اور آپ ہی پناہ دیجئے جب یہ دعا کرتا ہے تو حق تعالیٰ فرماتے ہین کہ

رب ہمی گوید برو سوئے سبب چون ز صنعم یاد کردی ای عجب

یعنی حق تعالیٰ فرماتے ہین کہ اسباب ہی کی طرف جا تعجب ہے کہ تو نے مصنوع سے مجھے یاد کیا مطلب یہ کہ حق تعالیٰ فرماتے ہین کہ تو نے مصنوع کو چھوڑ کر مجھے یاد کیا تو تو ہمیشہ اسباب ہی کی طرف متوجہ رہتا تھا تو اب کیون اس طرف متوجہ ہوا جا اسباب ہی کی طرف جا جب اُدھر سے یہ ارشاد ہوتا ہے تو انسان کہتا ہے کہ

گفت زین پس من ترا بینم ہمہ ننگرم سوئے سبب وان دمدمہ

یعنی کہتا ہے کہ اسکے بعد مین بالکل تجھے ہی دیکھونگا۔ مین سبب اور مکر و فریب کی طرف نہ دیکھونگا یعنی انسان اس ارشاد حق کو سنکر عرض کرتا ہے کہ یا الٰہی اب آئندہ اسباب کی طرف نظر نکرونگا اور اب تو ہمیشہ تمام امور کو آپ ہی کی طرف سے سمجھونگا۔

گویدش رُدُّوا لَعَادُوا کار تست اے تو اندر توبہ و میثاق سُست

یعنی حق تعالیٰ اُس سے فرماتے ہین کہ تیرا کام ردوا لعادوا ہے ای وہ کہ تو توبہ اور عہد مین سست ہے (حق تعالیٰ قرآن شریف مین ارشاد فرماتے ہین ولو تری اذ وقفوا علی النار فقالوا یا لیتنا نرد ولا نکذب بآیات ربنا و نکون من المؤمنین بل بدا لہم ما کانوا یخفون من قبل ولو ردوا لعادوا لما نہوا عنہ و انہم لکذبون) مطلب یہ کہ حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہین کہ اے انسان تو جو وعدہ کرتا ہے کہ مین آئندہ اسباب کی طرف متوجہ نہونگا یہ وعدہ

اور تو بالکل سست اور تو اس وعدہ اور میثاق پر پورا رہنے والا نہین ہے اسلئے کہ تیری تو وہ حالت ہے اور تو تو ایسا بہولنے والا ہے کہ جب جہنم کو دیکھ لیگا اور اُسکے عذاب کا مشاہدہ کریگا تو اُس وقت کہیگا کہ اگر مین دنیا مین لوٹ جاؤن تو اس مرتبہ جا کر ضرور عبادت حق کرون اور ایمان لاؤن لیکن چونکہ ہم علیم ہین ہم جانتے ہین کہ تو وہان جا کر ہمین بہول جاویگا اور اُسی طرح شرک و معاصی مین مبتلا ہو جاویگا تو بالکل جہوٹا ہے اور ہم جانتے ہین کہ تو پہر اسباب کی طرف متوجہ ہوگا - اور تو اُن اسباب ہی مین لگے گا اور اپنے کامون کو اب بہی ہماری طرف سے نہ سمجہے گا اور یہ تیرا توبہ کرنا اور تیرے یہ عہد و میثاق سب سست ہین لیکن خیر سُنیے کہ

لیک من آن ننگرم رحمت کنم رحمتم پرست بر رحمت تنم

یعنی لیکن مین اُسکو نہین دیکہتا اور رحمت کرتا ہون میری رحمت زیادہ ہے مین رحمت پر تنتا ہون

ننگرم عہد بدت بدہم عطا از کرم این دم چو میخوانی مرا

یعنی مین تیرے عہد بد کو نہین دیکہتا بلکہ کرم کی وجہ سے تجہے عطا دیتا ہون جبکہ تو مجہے پکار رہا ہی

از من آید جملہ احسان و وفا وز تو بدعہدی و نسیان و خطا

یعنی مجہسے تو بالکل احسان اور وفا آتا ہے اور تجہسے بدعہدی اور نسیان اور خطا آتا ہے مطلب یہ کہ حق تعالیٰ فرماتے ہین کہ اے انسان اور اے بندہ اگرچہ تو سُست عہد اور توبہ شکن اور وعدہ فراموش ہے لیکن جب تو ہماری طرف متوجہ ہوا اور تونے ہمین پکارا تو اب ہماری رحمت اور کرم کا تقاضا یہ ہے کہ ہم تجہے بخشتے ہین اور تجہپر رحم کرتے ہین تونے ہمیشہ بدعہدی اور وعدہ فراموشی کی ہے اور ہمنے ہمیشہ کرم کیا ہے اور عطا کی ہے لہذا اُسی بنا پر ہم اب بہی تجہپر رحم کرتے ہین اور تیری اس بدعہدی پر جسکا کہ ہمین علم ہے کہ تو کرے گا نظر نہین کرتے سچ یہ ہے کہ رحمت حق بہانہ می جوید جو کچہ کی ہے اور بدعہدی وغیرہ غرض جو کی ہے وہ سب ہماری طرف سے ہے اور اُس طرف سے کرم اور انعامات ہی ہین خوب کہا ہے ؎ ترے کرم مین کمی کچہ نہین کریم ہے تو مرا قصور ہے جہوٹا اُمیدوار ہون مین - اور فرماتے ہین کہ ؎ نقصان ز قابل ہست وگرنہ علی الدوام + فیض سعادتش ہمہ کس را برابرست - غرضکہ انسان وہ وعدہ فراموش اور عہد شکن ہے کہ اُسپر جو کچہ بہی گذر جاوے یہ اُسکو فوراً ہی بہلا دینے والا ہے آگے خود انسان کی معذوری اسباب

مین بیان فرماتے ہین کہ

حاصل آنکہ در سبب پیچیدۂ　　　　لیک معذوری ہمین را دیدۂ

یعنی حاصل یہ کہ تو سبب مین لپٹا ہوا ہے لیکن تو معذور ہے کہ تو نے اُسیکو دیکھا ہے مطلب یہ کہ فرماتے ہین کہ اے انسان حاصل اس ساری گفتگو کا یہ ہے کہ تو بالکل اسباب مین لپٹا ہوا ہے اور تیری نظر اسباب ہی پر ہے لیکن تو اس مین کسی درجہ مین معذور بھی ہے اسلئے کہ ہوش سنبھالا تو اسباب ہی پر نظر پڑی اب تو مجاہدات و ریاضات کے بعد تو اس حالت کو رفع کر سکتا ہے اور نظر خالق اور صانع پر کر سکتا ہے غرضکہ اسوقت یہ پانی اسباب ظاہری کے خلاف بحر رحمت اور فضل حق سے آرہا تھا اور سبکو سیراب کر رہا تھا۔

قافلہ حیران شد انداز کار او　　　　یا محمدؐ چیست این اے بحر خو

یعنی قافلہ آپکے کام سے حیران رہ گیا (اور سب چیخ اُٹھے کہ) اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور اے دریا خصلت یہ کیا ہے۔

کردۂ روپوش مشک خورد را　　　　غرقہ کردی ہم عرب ہم کرد را

یعنی آپنے ایک چھوٹی مشک کو حجاب کر لیا ہے اور عرب اور کرد سبکو غرق کر دیا ہے مطلب یہ کہ سارے قافلہ والے حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے اس معجزے سے حیران اور ششدر رہگئے اور بول اُٹھے کہ اے محمد صلے اللہ علیہ وسلم آپنے بظاہر تو اس مشک خورد کو حجاب بنالیا ورنہ اپنے معجزے سے تمام عرب اور عجم کو سیراب کر دیا۔ اور پانی سب مین پہونچا دیا۔ عرب و کرد بطور مبالغہ کے کہدیا مطلب یہ کہ اسمین سے سیکڑون آدمیون کو سیراب کر دیا۔ غرض کہ سارے کے سارے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے معجزے کے قائل ہوگئے اور مان گئے کہ ع الفضل ما شہدت بہ الاعداء غرض کہ اُس غلام کی مشک اُسی طرح بھری رہی اور قافلہ سارا کا سارا سیراب ہوگیا۔ آگے اُسکی مشک کے بھرے رہنے اور اس حبشی غلام کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزہ سے سپید ہو جانے کا قصہ بیان فرماتے ہین

شرح حبیبی

ای غلام اکنون تو پر بین مشک خود ‌‌ ‌ تا نگویی در شکایت نیک و بد

آن سیه حیران شد از برهان او ‌ ‌ ‌ می دمید از لامکان ایمان او

چشمهٔ دید از هوا ریزان شده ‌ ‌ ‌ مشک او روپوش فیض آن شده

آن نظر روپوشها هم بر درید ‌ ‌ ‌ تا معین چشمهٔ غیبی رسید

چشمها پر آب کرد آندم غلام ‌ ‌ ‌ شد فراموشش ز خواجه وز مقام

دست و پایش ماند از رفتن براه ‌ ‌ ‌ زلزله افگند در جانش اله

باز بهر مصلحت بازش کشید ‌ ‌ ‌ که بخویش آ باز رو ای مستفید

وقت حیرت نیست حیرت پیش تست ‌ ‌ ‌ این زمان در ره درآ چالاک و چست

دستهای مصطفی بر رو نهاد ‌ ‌ ‌ بوسهای عاشقانه بس بداد

مصطفی دست مبارک بر رخش ‌ ‌ ‌ آنزمان مالید کرد او فرخش

شد سپید آن زنگی زاده حبش ‌ ‌ ‌ همچو بدر و روز روشن شد شبش

یوسفی شد در جمال و در دلال ‌ ‌ ‌ گفتش اکنون رو بده واگوی حال

او همی شد بی سر و بی پای و مست ‌ ‌ ‌ پای می نشناخت در رفتن ز دست

پس بیامد با دو مشک پر روان ‌ ‌ ‌ سوئے خواجه از نواحی کاروان

خواجه بر ره منتظر بنشسته بود ‌ ‌ ‌ کان غلامش دیر می آمد نه زود

خواجه از دورش بدید و خیره ماند ‌ ‌ ‌ از تحیر اهل آن ده را بخواند

راویه ما اشتر ما هست این ‌ ‌ ‌ پس کجا شد بنده زنگی جبین

آن یکے بدریست می آید ز دور | می زند بر نور روز از روش نور
گو غلامم مگر سرگشته شد | یا بد و گرگے رسید و کشته شد
یا مگر او را بکشت این بدگهر | اشترش آورد اینجا از قدر
چون بیامد پیش گفتش کیستے | از یمن زادی و یا ترکیستے
گو غلامم را چه کردی راست گو | گر بکشتی وا نما حیلت مجو
گفت اگر کشتم بتو چون آمدم | چون بپائے خود درین خون آمدم
گفت نے نے در نگیرد با منت | راست باید گفت سر دستان افینت
گو غلام من بگفت اینک منم | کز دست فضل یزدان روشنم
دیده ام صد رو بدری گشته ام | صاحب فضلے و قدرے گشته ام
ہے چه میگوئے غلام من کجاست | ہین نخواہی جست از من جز براست
گفت اسرار ترا با آن غلام | جمله وا گویم یکا یک من تمام
زان زمانیکه خریدی تو مرا | تا بکنون باز گویم ماجرا
تا بدانی که ہمانم در وجود | گرچه از شب بر من صبحے گشود
رنگ دیگر شد و لیکن جان پاک | فارغ از رنگ ست و از ارکان خاک

جب پانی پینے اور لینے سے لوگ فارغ ہو گئے تو آپ نے اس غلام سے فرمایا کہ اے میاں اپنی مشک پانی
سے بھری ہوئی دیکھو۔ لے ایسا ہو کہ تو ہمیں برا بھلا کہے۔ وہ حبشی آپ کا یہ معجزہ دیکھکر جہان رنگ
اور خدا کی طرف سے اسمیں ایمان پیدا ہو گیا صورت اس کی یہ ہوئی کہ اسنے دیکھا کہ میری

مشک محض آرہا ہے اور ہوا مین سے چشمہ بہ رہا ہے اس سے اُسکی نظر آگے بڑہی کہ ہوا مین کہان سے آرہا ہے اور اُسکی نظر چشمۂ غیبی یعنی قدرت آلہیہ تک پہونچی۔ اس سے وہ معتقد ہو گیا۔ اور ایمان لے آیا۔ اُسوقت اُسکی آنکھون مین آنسو ڈبڈبا آئے اور نہ اُسکو آقا کا خیال رہا نہ گہر کا اور اُسکی جان مین کو سناٹا نکل گیا۔ اُسکے ہاتھ پاؤن مین اتنی طاقت نہ رہی کہ وہ راستہ چل سکے۔ مصلحت کیلئے حق سبحانہ نے اُسکو پہر اس حالت سے نکالا اور حکم دیا کہ ہوش مین آ۔ اور اپنے گھر واپس جا۔ یہ وقت تحیر کا نہین ہے تحیر کا وقت آگے آئیگا۔ اسوقت تو تو تیزی کیساتھ راستہ پر ہولے خیر جب اُسکے حواس درست ہوئے تو اُسنے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر اپنا مُنہ رکہا اور عاشقون کی طرح بہت سے بوسے دئے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی براہ شفقت اُسکے منہ پر ہاتھ پہیر کر اُسکو مبارک کیا اس سے وہ زنگی اور حبشی زادہ گورا چٹا ہو گیا اور اُس کا رات کی طرح تاریک چہرہ دن کی طرح روشن ہو گیا اور حُسن و ناز افزا مین یوسف وقت بن گیا۔ تب آپ نے فرمایا کہ اچھا اب گاؤن مین جاؤ اور یہ واقعہ بیان کرو جسکو ہے کہ اس معجزہ کو دیکہکر اور لوگ بھی ایمان لائین۔ یہ حکم سنکر وہ روانہ ہو گیا اور چلنے مین اُس کی یہ حالت تھی کہ بے سر و پا او رمست وار جا رہا تھا نہ اُسکو ہاتھ کا ہوش تھا نہ پاؤن کا بس وہ دوڑتا ہوا قافلہ سے آقا کے پاس آیا آقا رستہ مین منتظر بیٹھا ہوا تھا کیونکہ وہ جلد نہ آیا تھا بلکہ اُسکو دیر ہو گئی تھی۔ آقا نے اُسکو دور سے دیکہا اور متحیر رہگیا۔ اور متحیر ہو کر گاؤن کے لوگون کو بلا لیا وہ سوچتا تھا کہ مشک بھی ہماری ہے اور اونٹ بھی ہمارا ہے زنگی غلام کیا ہوا یہ جو آرہا ہے یہ تو ایک چودہوین رات کا چاند ہے اسکی چہرہ کی روشنی تو دن کی روشنی پر غالب آرہی ہے۔ ہمارا غلام کیا ہوا معلوم ہوتا رستہ بھول گیا۔ یا کوئی بہیڑیا پہو نچ گیا اُسنے کہا لیا۔ اور وہ مر ڈالا گیا ممکن ہے کہ اسی بدذات نے اُسے مار ڈالا ہو اور تقدیر سے اونٹ اُسے یہان لے آیا ہو وہ اسی طرح خیالات پکار رہا تھا کہ غلام اُسکے سامنے آگیا۔ جب وہ اُسکے سامنے آیا تو اُسنے کہا کہ تو کون ہے تو یمنی ہے یا ترکی میرا غلام کہان ہے سچ بتا تو نے اُسے کیا کیا۔ دیکہہ اگر تو نے اُسے مار ڈالا ہے تو دہوکا مت کرنا صاف صاف کہدینا اُسنے کہا کہ اگر مین اُسے مار ڈالتا تو آپکے پاس کیسے آتا اور مرنے کیلئے اپنے پاؤن کیون آتا اُسنے کہا کہ اس سے تو بچ نہین سکتا۔ یہ تیرا دہوکا بے فہرہے تو سچ سچ کہدے میرا غلام

کہان ہے اُسنے کہا مین ہی آپ کا غلام ہون۔ حق سبحانہ کے دست عنایت نے مجھے منور کردیا ہے اُسی کے ذریعے سے مجھے مرتبہ عالی نصیب ہوا ہے اور اسی سے مین چودھوین رات کا چاند ہوگیا ہون اور اُسی کے سبب مین صاحب فضیل اور عالی قدر ہوگیا ہون۔ آقا نے پھر کہا ارے تو کیا کہہ رہا ہی سچ بتا کہ میرا غلام کہان ہے دیکھہ اگر تو اپنی خیریت چاہتا ہے تو سچ سچ کہدے کیونکہ تجھکو میری ہاتھ سے سچ ہی چھڑا سکتا ہے اور جھوٹ سے تو بچ نہین سکتا اُسنے کہا آپکو یقین نہین آتا مین ہی آپ کا غلام ہون۔ اور اُس غلام اور آپکے درمیان جو راز ہین مین ایک ایک بتائے دیتا ہون۔ اور جسوقت سے آپنے مجھے خریدا ہے اسوقت تک کی ایک ایک بات بیان کئے دیتا ہون تاکہ آپکو معلوم ہوجاوے کہ میری ذات وہی ہے اگرچہ سیاہ رنگت جاکر گوری رنگت نکل آئی ہے میرا رنگ دوسرا ہوگیا ہے مگر جان وہی ہے کیونکہ جان رنگ کے تابع نہین۔ وہ تو رنگ عناصر اور خاک سب سے مبرا ہے پس رنگ کے بدل جانے سے اسپر کیا اثر پڑ سکتا ہے۔

شرح شبیری

رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزہ سے اُس غلام کی مشک کا غیب سے بھر جانا اور اُس حبشی غلام کا گورا چٹا ہوجانا

اے غلام اکنون تو پُر بین مشک خود ۔۔۔ تا نگوئی در شکایت نیک و بد

یعنی اے غلام تو اب اپنی مشک بھری ہوئی دیکھہ لے تاکہ تو شکایت مین برا بھلا نہ کہے مطلب یہ کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ارے غلام اب دیکھہ لے کہ تیری مشک بھری ہوئی ہے کبھی تو پھر شکایت کرے کہ میرا پانی لیلیا۔ اور مجھے خالی چھوڑ دیا۔ ہمنے لیا ہے لیکن تیری مشک ویسی کی ویسی ہی بھری ہوئی ہے

آن سیہ حیران شد از برہان او ۔۔۔ می دمید از لامکان ایمان او

یعنی وہ حبشی آپکی برہان سے حیران رہگیا۔ اور اُس کا ایمان غیب سے اُگ رہا تھا۔ یعنی حبشی حضرت کا یہ معجزہ دیکھکر حیران رہگیا۔ اور اُسکے قلب مین ایمان آنا شروع ہوگیا۔ اور نور ایمان اُسکو

قلب مین چمکنے لگا۔

چشمۂ دید از ہوا ریزان شدہ　　مشک او روپوش فیض آن شدہ

یعنی اُسنے ایک چشمہ دیکھا جو کہ ہوا مین سے گر رہا ہے اور اُسکی مشک اُس فیض کیلئے حجاب ہو رہی ہے

زان نظر روپوشہا ہم بردرید　　تا معین چشمۂ غیبے رسید

یعنی اُس نظر سے حجابات کو بھی اُٹھا دیا۔ یہانتک کہ چشمۂ غیبی کے مقام اجرا تک پہونچ گئی۔ مطلب یہ کہ اُسے ایک چشمہ نظر آیا کہ جو ہوا مین گر رہا ہے اور اُس کی مشک اُس کیلئے حجاب ہو گئی ہے کہ لوگ سمجھتے ہین کہ اُس مشک مین سے یہ پانی آرہا ہے اُسکے بعد اُسکی نگاہ سے وہ حجاب مشک بھی اُٹھ گیا اور اُسنے خود اُس چشمہ کو دیکھ لیا کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے فیض سے ایک چشمۂ آب اُبل رہا ہے اُسکو دیکھکر اُس کی یہ حالت ہوئی کہ۔

چشمہا پر آب کرد آن دم غلام　　شد فراموشش ز خواجہ وز مقام

یعنی اسوقت غلام نے آنکھین پرآب کردین اور اُسکو آقا اور قیامگاہ فراموش ہوگئے۔ مطلب یہ کہ اُس معجزہ کو دیکھکر وہ غلام رونے لگا اور اُسے نہ آقا یاد رہا اور نہ اُسے قیامگاہ یاد رہی وہ سبکو بھول گیا اور حیرت مین رہ گیا۔

دست و پایش ماند از رفتن براہ　　زلزلہ افگند در جانش آلہ

یعنی اُسکے ہاتھ پاؤن راستہ مین چلنے سے رہ گئے۔ اور اُس کی جان مین حق تعالے نے زلزلہ ڈالدیا یعنی وہ اُس حالت کو دیکھکر ششدر ہوگیا اور کانپنے لگا۔ اور اس بات نے اُسے ایک مرتبہ ہلا ڈالا۔ اور اُسپر حالت سکر طاری ہوگئی۔

باز بہر مصلحت بازش کشید　　کہ بخویش آ باز رو ای مستفید

یعنی پھر مصلحت کی وجہ سے اُسے واپس کھینچ لیا کہ اے مستفید آپے مین آ اور پھر چل مطلب یہ کہ اس حالت کے بعد۔۔۔ حق تعالی نے اُسکو سکر سے صحو کی طرف کھینچا کہ خودی مین اور ہوش مین آ کر سلوک طے کر اسلئے کہ استغراق اور سکر کی حالت مین ترقی نہین ہوتی بلکہ سکون رہتا ہے سلوک نہین ہوتا اسلئے اُسکو حالت سکر سے حالت صحو کی طرف لائے تاکہ ترقی ہو۔

وقت حیرت نیست حیرت پیش تست　　این زمان در رہ درآ چالاک و چست

یعنی حیرت کا وقت نہین ہے حیرت تیرے آگے ہے اسوقت تو راہ مین چالاک وچست ہو کر آ-
مطلب یہ کہ سکر سے صحو کی طرف لاتے ہین گویا یہ ارشاد تھا کہ یہ وقت حیرت کا نہین ہے
بلکہ اسوقت تو وقت سلوک ہے مقام حیرت آگے آویگا- وہان حیران ہونا- یہان تو ہوشیار ہو کر
راستہ چلو یہان سے وہ حضرات جو کہ استغراق اور بیخودی کو بزرگی سمجھتے ہین سن لین کہ دیکھئے
مولانا روم رح جیسے صوفی اور شیخ کامل جنکو کہ ہر طبقہ مانتا ہے فرماتے ہین کہ سکر اور استغراق
مین سلوک طے نہیں ہوتا اسلئے حالت سکر کے بدلنے کی ضرورت واقع ہوئی اور اسکو ہوش مین
لایا گیا- غرضکہ جب اسکو حالت سکر سے افاقہ ہوا تو اسنے فرط جوش و محبت مین یہ کیا کہ

دستہائے مصطفے بر رو نہاد بوسہائے عاشقانہ بس بداد

یعنی مصطفے صلے اللہ علیہ وسلم کے ہاتھون کو منہ پر رکہا اور عاشقانہ بوسے بہت سے دئے

مصطفے دست مبارک بر رخش آنزمان مالید و کرد او فرخش

یعنی مصطفے صلے اللہ علیہ وسلم نے دست مبارک اسکے چہرہ پر اسوقت مل دیا تو اسنے اسکو فرخ
کر دیا- مطلب یہ کہ جب اسنے دست مبارک پر بوسے دئے تو حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے
اپنا دست مبارک اسکے چہرہ پر پہیر دیا اور اس ہاتھ پہیرنے نے اسکو خوش نصیب اور نیک
نہاد کر دیا-

شد سپید آن زنگئے زادہ حبش ہمچو بدر و روز روشن شد شبش

یعنی وہ زنگی زادہ حبشی سفید ہو گیا اور اس کی رات روز روشن اور بدر کی طرح ہو گئی- مطلب یہ کہ
حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پہیر دینے سے وہ حبشی حسین اور خوبصورت ہو گیا
اور اسکی صورت جو رات کی طرح کالی تھی وہ بدر اور روز روشن کی طرح ہو گئی-

یوسفے شد در جمال و در دلال گفتش اکنون رو بدہ وا گوئی حال

یعنی وہ جمال اور ناز مین ایک یوسف ہو گیا تو حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا کہ اب
گاؤن جا- اور حالت کو بیان کر مطلب یہ کہ اس کا حسن یوسفی ہو گیا اور اسکی حالت اور
اسکے ناز و کرشمے بہت زیادہ ہو گئے جب اس کی یہ حالت ہو گئی تو حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے
فرمایا کہ اب گاؤن مین جا کر اس ساری قصہ کو بیان کر تا کہ اور لوگون کو بھی معلوم ہو اور کسیکو ہدایت

ہو جاوے

افتہ بیہوش بے سر و بے پای و دست | پای می نشناخت در رفتن ز دست

یعنی وہ بے سر و پا اور دست جا رہا تھا وہ چلنے مین ہاتھ سے پاؤن کو نہ پہچانتا تھا مطلب یہ کہ اس قصہ کو اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے اس معجزہ کو دیکھکر اُسکے اوپر ایک عجیب حالت ہو گئی کہ وہ مستون کی طرح جا رہا تھا اور اُسے اپنے وجود کی کچھہ خبر نہ تھی بس وہ اس حالت مین مست تھا غرضکہ وہ گاؤن کی طرف چلا۔

پس بیامد با دو مشک پُر روان | سوئے خواجہ از نواحی کاروان

یعنی پس اپنے خواجہ کے پاس قافلہ کی طرف سے دو بہری ہوئی اور چلتی ہوئی مشکون کے ساتھ آیا (یہان دو مشک سے مُراد دو آنکھین ہین) مطلب یہ ہے کہ قافلہ کے پاس سے روتا ہوا آیا اور اُس کا یہ رونا رنج کی وجہہ سے نہ تھا بلکہ حیرت اور تعجب اور خوشی کے وقت مین بھی انسان کو رونا آجاتا ہے پس ایسی حالت مین وہ بھی روتا ہوا آیا۔ اور آنکھون کو دو مشک سے بوجہ زیادتی گریہ کے تشبیہ دی یعنی وہ بہت ہی رو رہا تھا۔

خواجہ بر رہ منتظر بنشستہ بود | کان غلامش دیر می آمد نہ زود

یعنی آقا صاحب راستہ پر منتظر بیٹھے ہوئے تھے کہ اُس کا وہ غلام نہ جلدی آتا تھا نہ دیر مین یعنی وہ آقا منتظر تھا کہ آج میرے غلام کو کیا ہو گیا کہ ابھی نہین چکتا اُس بیچارہ کو اس ماجرے کی کیا خبر۔ اب آگے اُس غلام کے آقا کے پاس پہونچنے کو اور آقا کے نہ پہچان سکنے کو بیان فرماتے ہین۔

آقا کا اپنے غلام کو حسین خوبصورت دیکھنا اور نہ پہچاننا اور اس سے کہنا کہ تو نے میری غلام کو قتل کر دیا ہے اور اسکا خون تجھپر سوار ہو گیا ہے جو تو آگیا ہے

خواجہ از دورش بدید و خیرہ ماند | از تحیر اہل آن دہ را بخواند

یعنی آقا صاحب نے اُسکو دور سے دیکھا تو حیران رہگئے اور حیرت کی وجہ سے گاؤن والون کو بلایا کہ

راویہ ما اشتر ما ہست این | پس کجا شد بندۂ زنگی جبین

یعنی مشک ہماری ہے اور اونٹ ہمارا ہے پھر وہ حبشی غلام کہان گیا -

آن یکے بدر یست می آید ز دور | می زند بر نور روز از روش نور

یعنی وہ ایک چاند ہی جو کہ دور سے چلا آرہا ہے کہ اُسکے چہرہ کا نور تو روز پر بڑھ گیا ہے

کو غلام ما مگر گشتہ شد | یا بدو گرگے رسید و کشتہ شد

یعنی ہمارا غلام کہان ہے شاید راستہ بہک گیا یا اُسکو کوئی بھیڑیا پھونچا اور مارا گیا -

یا مگر او را بکشت این بد گہر | اشترش آورد اینجا از قدر

یعنی یا شاید اُسکو اس بد ذات نے مار ڈالا ہے اور اسکو تقدیر کی وجہ سے اونٹ اس جگہ لے آیا ہے مطلب یہ کہ جب اُس آقا نے دور سے دیکھا کہ اونٹ اور مشک تو ہماری ہے اور غلام وہ ہے نہین تو اول تو خود حیرت مین ہوا پھر اور لوگون کو بُلایا تاکہ اور لوگ بھی دیکھہ لین شاید میری نظر کچھہ غلطی کر رہی ہو غرضکہ سبکو دکھلایا تو معلوم ہوا کہ بیشک وہ غلام نہین ہے تو اب احتمالات پیدا ہوئے کہ یا تو وہ کہین رستہ بھول گیا ہے یا اُسکو کہین بھیڑیون وغیرہ نے مار ڈالا ہے اور یہ کوئی اور شخص ہے باقی مشک وغیرہ ہماری مشک وغیرہ کے مثل ہے وہ نہین ہے پھر یہ احتمال ہوا کہ شاید اس شخص نے ہی جو آرہا ہے ہمارے غلام کو مار ڈالا ہے اور خود اونٹ اور مشک وغیرہ پر قبضہ کر کے کہین لیجانا چاہتا تھا مگر تقدیر الٰہی سے اونٹ اسکو یہان لے آیا اور یہ ہم تک پھونچ گیا ورنہ بھلا یہ کاہے کو یہان آنے لگا تھا غرضکہ دور سے دیکھہ دیکھہ کر طرح طرح کے احتمالات پیدا ہو رہے تھے

چون بیامد پیش گفتش کیستے | از یمن زادی و یا ترکیستے

یعنی جب وہ سامنے آیا تو اُس آقا نے اُس سے کہا کہ تو کون ہے یمنی ہے یا ترکی ہے

کو غلامم را چہ کردی راست گو | گر بکشتی وا نما حیلت مجو

یعنی کہ میرے اُس غلام کو تو نے کیا کیا سچ بتا اگر تو نے مار ڈالا ہو تو بتا دے حیلہ مت کر

گفت گر کشتم بتو چون آمدم | چون بپائے خود در این خون آمدم

یعنی اُس غلام نے کہا کہ اگر مین نے مار ڈالا ہے تو مین آ کس طرح گیا اور خود اپنے پاؤن سے اس خون مین کس طرح آگیا۔ مطلب کہ اُس غلام نے کہا کہ بہلا اگر مین نے تمہارے غلام کو مار ڈالا ہوتا تو مین یہہ یہان کیون آجاتا مین تو فوراً بہاگ جاتا اور تیرے پاس ہرگز نہ آتا بلکہ مین تو تیرا وہی غلام ہون ـ

گفت نے نے در نگیرد با منت　　　راست باید گفت سر دست این فنت

یعنی اُس آقا نے کہا کہ نہین نہین میرے اندر یہ بات اثر نہ کریگی۔ تیری یہ بات بالکل فضول ہے سچ کہنا چاہئے۔

کو غلام من بگفت اینک منم　　　کرد دست فضل یزدان روشنم

یعنی (آقا نے کہا کہ) میرا غلام کہان ہے تو غلام نے کہا کہ یہہ مین ہی تو ہون حق تعالیٰ کے دست فضل نے مجہے حسین کر دیا ہے۔

دیدہ ام صدری و بدری گشتہ ام　　　صاحب فضلی و قدری گشتہ ام

یعنی مین نے ایک صدر کو دیکہا ہے تو مین بدر ہو گیا ہون اور صاحب فضل اور صاحب قدر ہو گیا ہون مطلب یہ کہ غلام نے کہا کہ مین ہی آپ کا وہ غلام ہون لیکن مین نے ایک ایسی ذات کو دیکہا کہ جسکے دیکہنے سے میری یہ حالت ہو گئی ہے اور مجہے یہ فضیلت اور مقدرت ملی ہے جب اس آقا نے یہ سنا تو اُسنے کہا کہ۔

ہے چہ می گوئی غلام من کجاست　　　ہین نخواہی رست از من نیز راست

یعنی ارے تو کہہ کیا رہا ہے میرا غلام کہان ہے ارے تو مجہسے بجز سچائی کے چہوٹ نہین سکتا

گفت اسرار ترا با آن غلام　　　جملہ واگویم یکایک من تمام

یعنی اُس غلام نے کہا کہ تیرے تمام اسرار جو اُس غلام کی ساتہ تہے مین ایک ایک کرکے ساری تجہہ سے بیان کر دون۔

زان زمانے کہ خریدی تو مرا　　　تا بااکنون باز گویم ماجرا

یعنی جسوقت سے کہ تو نے مجہے خریدا ہے اب تک کا سارا قصہ بیان کر دون۔

تا بدانی کہ ہمانم در وجود　　　گرچہ از شبدیز من صبحے کشود

یعنی تاکہ تو جان لے کہ مین وجود مین وہی ہون اگرچہ میری تاریک رات مین سے ایک صبح

نکل آئی ہے۔

رنگ دیگر شد ولیکن جان پاک — فارغ از رنگ است واز ارکان خاک

یعنی رنگ دوسرا ہو گیا لیکن جان پاک سے اور ارکان خاک سے فارغ ہے مطلب یہ کہ اُس غلام نے کہا کہ دیکھو تم جو اُس غلام سے اپنے اسرار بیان کیا کرتے تھے ان سبکو مین بیان کر سکتا ہون اور جب سے تمنے مجھے خریدا ہے اُسوقت سے اسوقت تک کے کل قصے جو گذرے ہین مین بیان کرسکتا ہون جس سے تمکو صاف طور پر معلوم ہو جاویگا کہ مین تمہارا وہی غلام ہون اور میری صورت صرف بدل گئی ہے ورنہ میری اندرونی حالت اور میری روح سب وہی ہے اُسمین کسی قسم کا تغیر نہین آیا۔ آب آگے مولانا فرماتے ہین کہ۔

شرح حبیبی

تن شناسان زود ما را گم کنند — آب نوشان ترک مشک و خم کنند

جان شناسان از عددہا فارغ اند — غرقۂ دریائے بیچون اند و چند

جان شو و از راہ جان جانرا شناس — یار بینش شو نہ فرزند قیاس

چون ملک با عقل یک سر رشتہ اند — بہر حکمت را دو صورت گشتہ اند

آن ملک با عقل از یک گوہر اند — در پئے ہم ہمچو دنبال و سر اند

آن ملک چون مرغ بال و پر گرفت — وین خرد بگذاشت پر و فر گرفت

لاجرم ہر دو مناصر آمدند — ہر دو خوش را ولپشت ہمدگر شدند

ہم ملک ہم عقل حق را واجدے — ہر دو آدم را معین و ساجدے

نفس و شیطان نیز ز اول واحدے — بودہ آدم را عدو و حاسدے

آنکہ آدم را بدن دید او رمید — وانکہ نور مؤتمن دید او خمید

آن دو دیده روشنان بوده ازین　　وین دو را دیده ندیده غیر طین

این بیان اکنون چو خر در یخ بماند　　چون نشاید بر جهود انجیل خواند

کی توان با شیعه گفتن از عمر　　کی توان بربط زدن در پیش کر

لیک گر در ده بگوشه یک کس است　　ها و هوئی که برآوردم بس است

مستحق شرح را سنگ و کلوخ　　ناطقی گردد مشرح با رسوخ

این نیاز مریمی بوده است و درد　　که چنان طفلی سخن آغاز کرد

جزو او بی او برائی او بگفت　　جزو جزوت گفت دارد در نهفت

دست و پا شاهد شوندت ای رهی　　منکری را چند دست و پا نهی

ور نباشی مستحق شرح و گفت　　ناطقه ناطق ترا دید و بخفت

هر چه روئید از پئی محتاج است　　تا بیابد طالبی چیزی که جست

حق تعالی کاین سموات آفرید　　از برائی دفع حاجات آفرید

هر که جویا شد بیابد عاقبت　　مایۂ دردست اصل مرحمت

هر کجا دردی دوا آنجا رود　　هر کجا فقری نوا آنجا رود

هر کجا مشکل جواب آنجا رود　　هر کجا پستی است آب آنجا رود

آب کم جو تشنگی آور بدست　　تا بجوشد آبت از بالا و پست

تا نزاید طفلک نازک گلو　　کی روان گردد ز پستان شیر او

رو بدین بالا و پستیها بدو　　تا شوی تشنه و حرارت را گرو

بعد ازان از بانگ زنبور هوا ۔ بانگ آب جو نیوشی اے کیا
حاجت تو کم نباشد از حشیش ۔ آب را گیری سوئے او می کشیش
گوش گیری آب را تو می کشی ۔ سوئے زرع خشک تا یابد خوشی
زرع جان را کش جواهر مضمر است ۔ ابر رحمت پُر ز آب کوثر است
تا سقاهم ربهم آید خطاب ۔ تشنه باش الله اعلم بالصواب

یہان سے مولانا ایک دوسرے مضمون کی طرف انتقال فرماتے ہین اور کہتے ہین کہ جو حالت اُس آقا کی تھی وہی حالت ظاہر پرستون کی ہے کہ وہ بھی ہم اہل اللہ کی صورت کو دیکھکر ہماری حقیقت سے انکار کر دیتے ہین اور ہمکو نہین پہچان سکتے برخلاف طالبین معنے کے کہ وہ صورت پر نظر نہین کرتے بلکہ وہ معنی کو دیکھتے ہین جسطرح کہ پانی کا طالب مشک اور مٹکے کو نہین دیکھتا بلکہ وہ پانی کو دیکھتا ہے یہ لوگ تن شناس نہین ہوتے بلکہ روح شناس ہوتے ہین ان کو تشخصات سے بحث نہین ہوتی کیونکہ تعدد و تشخصات والبتہ کیف و کم ہین اور یہ لوگ دریائے بے کیف و کم مین غرق ہین اسلئے کیف و کم پر [illegible] نظر نہین ہوتی۔ پس تمکو چاہئے کہ صورت کو چھوڑو اور اپنی روح کے ذریعہ سے اہل اللہ کی روح کو پہچانو اور اُنکو اُس آقا کی طرح غیر نہ سمجھو بلکہ انکو اپنا یار جانو اور گمان کے پابند نہو کیونکہ تمہاری روح اور اہل اللہ کی روح دونون یون ہی ایک رشتہ مین منسلک ہین جس طرح فرشتہ عقل کیسا تھ لیکن بمقتضائے حکمت الٰہیہ دو صورتین اختیار کرلی ہین۔ فرشتہ اور عقل ہر دو بلحاظ ذات ایک ہی ہین ایک دوسرے سے یون ہی وابستہ ہین جیسے سر اور دم گو صورتین دونوں کی مختلف ہین کہ فرشتون نے پرندون کی طرح بازو و پر لیئے اور عقل نے پرون کو چھوڑ کر شوکت و شان لی۔ اسی لئے دونون ایک دوسرے کے یار و مددگار ہین اور آپس ہین ایسے متوافق ہین جیسے ایک چیز کی رو و پشت اور اُن کی تجانس و توافق ہی کی وجہ ہے کہ ہر دو حق سبحانہ کو پہچاننے والے اور آدم کو سجدہ کرنیوالے اور مدد دینے والے ہین

علی ہذا نفس و شیطان بھی اول ہی سے ایک ہین اسیلئے آدم کے دشمن اور حاسد ہین پس ان ہین
جسنے آدم کے جسم پر نظر کی وہ ان سے بھاگا اور جسنے اُس نور حق سبحانہ کو دیکھا جو اُن مین ودیعت کیا ہوا تھا
اُنہون نے اطاعت قبول کی اور اُسکے سامنے جھک گئے پس عقل و ملک نے تو نور کو دیکھکر آنکھہ روشن
کی اور نفس و شیطان نے بجز مٹی کے کچھہ بھی نہ دیکھا۔ لہذا تمکو صفات ملکیہ اختیار کرنی چاہئین۔ اور
عقل کو نفس پر غالب کرکے ارواح اہل اللہ کا موافق اور یار بننا چاہئے۔ اور نفس کو غالب کرکے
تن پرست اور ظاہر بین نہ بننا چاہئے اور اپنے کو اُن کا غیر اور دشمن اور حاسد نہ بنانا چاہئے
یہانتک پہونچکر بیان یون ٹہر گیا جیسے گدہا برف مین ٹہر جاوے کیونکہ مخاطب صحیح نہین ہے
یہود کے سامنے انجیل نہین پڑہی جاسکتی۔ روافض کے سامنے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فضائل
نہیں بیان کئے جاسکتے۔ بہرے کے سامنے بربط نہین بجایا جاسکتا۔ بس جسطرح یہ سب بے جوڑ
ہین یون ہی راز بیان کرنا اور نااہل یہ بھی بے جوڑ ہین لیکن اگر یہ کہا جاوے کہ سب کے سب تو نااہل
ہین بھی نہیں کوئی تو اہل ہوہی گا تو ہم کہتے ہین کہ اسکے لئے یہی شور و فغان کافی ہے جو ہم کہہ
چکے ہین زائد کی ضرورت نہین پس اگر تم مستحق شرح ہو تب تو یہ گفتگو ہے کہ جو مستحق شرح
ہے اُسکے لئے تو پتھر اور ڈھیلے بھی ناطق اور مشرح کامل ہوجاتے ہین۔ دیکھو مریم علیہا السلام
کی بی کسی ہی تھی جسکی وجہ سے ذرا سے بچہ نے بولنا شروع کر دیا اُنکے جزو تے بدون اُن کی
فرمائش کے اُنکے حق مین گواہی دینی شروع کی پس تم بھی سمجھہ لو کہ یون ہی تمہارے اعضا بھی خفیہ
متکلم ہین تم اس کا انکار نہ کرنا کیونکہ تمہارا انکار چلے گا نہین اسلئے یہ امر ثابت ہے کہ ہاتھہ پاؤن
گواہی دینگے۔ پس اس سے معلوم ہوا کہ وہ پوشیدہ گفتار رکہتے ہین۔ جب وہ پوشیدہ گفتار
رکہتے ہین تو اگر تمکو بھی ضرورت ہوگی تو خود تمہارے اعضا ہی ساری تشریح کر دینگے۔ ہماری ضرورت
نہین۔ اور اگر تم مستحق شرح و گفتگو نہین ہو تو ناطق کی قوت گویائی بھی تمہین دیکھکر سوجاویگی پس
فضول فرمائشون مین نہ پڑو ضرورت پیدا کرو۔ ضرورت ہی وہ شے ہے جس سے کام بنتے ہین
جو چیز پیدا ہوتی ہے سب حاجتمند ہی کیلئے ہوتی ہے۔ تاکہ جو طالب حاجتمند جس چیز کو ڈہونڈے
اُسے ملجاوے۔ حق سبحانہ نے جو آسمان پیدا کئے ہین یہ بھی دفع حاجت محتاجین ہی کیلئے
کئے ہین جب یہ معلوم ہوگیا تو اب سمجھو کہ جسکو حاجت ہوگی اور طالب صادق ہوگا ضرور اُسکو

اُس کا مطلوب ملیگا۔ کیونکہ بنی رحم تکلیف ہے جہان تکلیف ہوتی ہے دوا وہین جاتی ہے
اور جہان محتاجی ہوتی ہے سامان وہین جاتا ہے اور جہان مشکل ہوتی ہے جواب وہین
جاتا ہے اور جہان پستی ہوتی ہے پانی وہین جاتا ہے پس تم پانی کو نہ ڈھونڈھو وہ تو گھر
بیٹھے آجائیگا بلکہ پیاس پیدا کرلو اُس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ہر طرف سے تمہارے لئے پانی
اُبل پڑے گا۔ یعنی مطلوب کی فکر مین نہ پڑو وہ تو گھر بیٹھے ملیگا تمہارا کام صرف اتنا ہے کہ
حاجت پیدا کرلو اور بلا حاجت پیدا کئے کچھہ نہین ہوسکتا۔ دیکھو جب تک بچہ نازک گلو پیدا
نہین ہوتا جسکو دودھ کی ضرورت ہوتی ہے اُسوقت تک چھاتیون سے دودھ جاری نہین
ہوتا۔ پس تم جاؤ اوپر نیچے دوڑو تاکہ تمہارے اندر حرارت پیدا ہو اور پیاس لگے اُسکے بعد
زنبور ہوا کی آواز سے تم پانی کی آواز خود سُن لوگے۔ مقصد یہ ہے کہ مطلوب کی فکر مین نہ
پڑو بلکہ مطلوب کی حاجت پیدا کرنے مین جد وجہد کرو مطلوب خود حاصل ہوجائیگا۔ تم غور تو کرو
جب گھاس کو پانی کی ضرورت ہوتی ہے تو پانی کو خود لیکر تم گھاس تک پھونچا دیتے ہو اور
اور جب کھیتی خشک ہوتی ہے تو پانی کا کان پکڑکے اُس تک پھونچا دیتے ہو پس تمہاری
حاجت آخر گھاس کی حاجت سے تو کم نہین ہے کہ حق سبحانہ اُس کی طرف التفات نہ
فرماوین۔ نہین بلکہ تمہاری جان کی کھیتی کیلئے جسمین جواہر مخفی ہین آب رحمت باری آب کوثر ہے
پس تم پیاس اور حاجت پیدا کرو تاکہ اُدھر سے سقاهم ربهم شرابا طهورا کا
خطاب آئے یعنی آب کوثر رحمت سے تمہاری جان کو سیراب کیا جاوے واللہ اعلم بالصواب

شرح شبیری

تن شناسان زود مارا گم کنند　　آب نوشان ترک مشک و خم کنند

یعنی ظاہر بین لوگ ہمکو جلدی گُم کردیتے ہین اور پانی کے پینے والے مشک اور خم سبکو ترک کردیتے
ہین (آب نوش سے مراد حقیقت بین) مطلب یہ کہ جو ظاہر بین ہین وہ تو ذرا سے تغیر ظاہری
سے ہمکو پہچان نہین سکتے اور جو حقیقت شناس لوگ ہین وہ ان ظواہر کو ترک کردیتے ہین
اور حقیقت کو دیکھتے ہین اور جب اُس مین کوئی تغیر نہین ہوتا تو اُس شخص کو بھولتے نہین۔

جان شناسان از عددہا فارغ اند　　غرقہ دریائے بیچون اند و چند

یعنی حقیقت شناس لوگ عددون سے فارغ ہین اور وہ دریائے بیچون اور بے عددی مین غرق ہین یعنی اُنکو اعداد ظاہری پر نظر نہین ہے بلکہ وہ تو حقیقت پر نظر رکھتے ہین - اور اُسیکو دیکھتے ہین جو کہ بے کیف و کم ہے اُس مین تشخصات اور اعداد ہین ہی نہین - آگے مضمون ارشادی فرماتے ہین کہ

جان شو و از راہ جان جان را شناس　　یار بینش شو نہ فرزند قیاس

یعنی جان ہوجا اور جان کی راہ سے جان کو پہچان اور بصیرت کا ساتھی ہو نہ کہ قیاس کا تابع - مطلب یہ کہ حقیقت بین ہو اور قوی حسیہ کو چھوڑ کر قوی ملکیہ سے معرفت حق جو جان جان ہے حاصل کر اور بصیرت حاصل کر اس ظاہری قیاس کو ترک کر -

چون ملک با عقل یک سر رشتہ اند　　بہر حکمت را دو صورت گشتہ اند

یعنی جیسا کہ فرشتہ عقل کیساتھ ایک رشتہ ہین اور حکمت حق کی وجہ سے دو صورت پر ہو گئے ہین

آن ملک با عقل چون یک گوہر اند　　در پئے ہم ہمچو دنبال و سر اند

یعنی وہ فرشتہ عقل کیساتھ جب ایک ذات ہین تو ایک دوسرے کے پیچھے دُم اور سر کی طرح ہین -

آن ملک چون مُرغ بال و پر گرفت　　وین خرد بگذاشت پر و فر گرفت

یعنی اُس فرشتہ نے مُرغ کی طرح بال و پر اختیار کر لیا اور اس عقل نے پر کو چھوڑ دیا اور شوکت و شان اختیار کیا -

لاجرم ہر دو مناصر آمدند　　ہر دو خوش رو پشت یکدیگر شدند

یعنی آخر کار دونون ایک دوسرے کے مددگار آئے - اور دونون خوش خوش ایک دوسرے کی مدد ہو گئے - مطلب یہ ہے کہ دیکھو عقل اور فرشتہ جیسا ایک ذات اور ایک لڑی مین منسلک تھے اور صرف حکمت الٰہیہ کے اقتضا سے اُن کی صورتین دو تہین تو دیکھو ایکدوسرے کا مددگار ہوا اور صورت کے دو ہونے پر نظر نہ ہوئی بلکہ حقیقت پر نظر ہوئی کہ جب حقیقت ایک ہے تو وہ دونون ایک ہی ہوئے جس سے صاف معلوم ہوا کہ صورت بدلجانے سے حقیقت نہین بدلتی -

ہم ملک ہم عقل حق را واجدے　　ہر دو آدم را معین و ساجدے

یعنی فرشتہ اور عقل حق کو پہچاننے والے ہین تو دونون آدم کے مددگار اور ساجد ہوئے۔

نفس و شیطان بود ز اول واحدے　　بود آدم را عدو و حاسدے

یعنی نفس و شیطان اول ہی سے ایک تھے تو وہ آدم کے دشمن اور حاسد ہوئے۔ مطلب یہ کہ دیکھو عقل اور فرشتہ باوجود صورت کے اختلاف کے حق تعالے کے پہچاننے مین ساتھ ہے اور ایک دوسرے کے مددگار رہے کیونکہ ان دونون کی حقیقت تو ایک ہی تھی تو اُن دونون کی طبیعت کا مقتضا بھی یہی ہوا اور نفس و شیطان بھی اگرچہ صورت مین دو تھے لیکن حقیقت ایک ہونیکی وجہ سے دونوں کے دونوں آدمؑ کے دشمن اور نافرمان حق ہوئے تو دیکھئے اصل اعتبار حقیقت کا ہوا صورت کا نہوا۔

آنکہ آدمؑ را بدن دید او رمید　　وانکہ نور مؤتمن دید او خمید

یعنی جسنے کہ آدمؑ کے بدن کو دیکھا تو وہ تو فرنٹ ہوگیا اور جسنے کہ نور مؤتمن کو دیکھا تو وہ جھک گیا مطلب یہ کہ دیکھو جسنے آدم ؑکے صرف ظاہری بدن پر نظر کی وہ تو اُن سے فرنٹ ہوگیا اور ان کا مطیع نہوا اور جسنے کہ اُس نور کو دیکھا جو کہ اُن مین امانت رکھا گیا تھا اور وہی اُن کی حقیقت تھی تو وہ اُنکا مطیع و تابعدار ہوگیا۔

آن دو دیدہ روشنان بودہ ازین　　وین دو را دیدہ ندیدہ غیر طین

یعنی ان دونون کی آنکھین اسی وجہ سے روشن ہوگئین اور ان دونون کی آنکھون نے سوائے مٹی کے کسی شے کو نہین دیکھا۔ مطلب یہ کہ فرشتہ اور عقل نے جب حقیقت آدم کو دیکھ لیا تو سب منقاد ہوگئے اور اُن کی آنکھین روشن ہوگئین اور نفس و شیطان نے جب صرف ظاہر آدم ہی کو دیکھا اور کہا کہ خلقتہ من طین اسلئے وہ اندہے اور مردود ہوئے اور اُنہون نے اطاعت نہ کی۔ اب چونکہ یہان تقدیر کی بحث آگئی کیونکہ اُنہون نے سجدہ کیا تو بھی حکم حق ہی سے کیا اور دوسرون نے نہ کیا تو وہ بھی حکم حق ہی سے نہ کیا اور یہ مضمون ایسا ہے کہ اسکو نہ کوئی کماحقہ بیان کر سکا اور نہ بیان کر سکتا ہے اور نہ اسکے سننے کے لوگ اہل ہین۔ لہٰذا مولانا فرماتے ہین کہ

این بیان اکنون چو خر در یخ بماند　　چون نشاید بر جہود انجیل خواند

یعنی یہ بیان اب گدہے کی طرح برف مین رہ گیا جیسے کہ یہودی پر انجیل نہ پڑہنا چاہئے۔

کے توان با شیعہ گفتن از عمرؓ　　کے توان بر بربط زدن در پیش کر

یعنی شیعہ سے عمرؓ کے حالات کب کہہ سکتے ہین اور بہرے کے سامنے بربط کے اوپر کب مارتے ہین۔ مطلب یہ ہے کہ چونکہ کوئی اہل نہین ہے سب نااہل ہی ہین اسلئے یہ بیان آگے کو نہیں چلتا۔ اور گدھے کی طرح دھنس گیا ہے جیسے کہ یہودی کے سامنے انجیل پڑہنا بے سود ہے اور شیعہ کے سامنے حضرت عمرؓ کے حالات بیان کرنا بے سود ہین بس اسی طرح ان نااہلون کے سامنے اس قسم کے مضامین کا بیان کرنا بے سود ہے۔

لیک گر در دہ بگوشہ یک کس است　　ہائے ہوئے کہ برآوردم بس است

یعنی لیکن گاؤن کے گوشہ مین اگر کوئی شخص ہے تو جو مضامین کہ مینے بیان کئے ہین کافی ہین۔

مستحق شرح را سنگ و کلوخ　　ناطقے گردد مشرح بارسوخ

یعنی مستحق بیان کو تو پتھر اور ڈھیلا پورے پورے ناطق ہوجاتے ہین مطلب یہ ہے کہ مولانا نے جو اوپر فرمایا تھا کہ نااہلون کے سامنے اس قسم کے مضامین بیان نکرنا چاہئین تو اب شبہ ہوا کہ ممکن ہے کہ ان نااہلون ہی مین کوئی اہل بھی ہو تو اُس کی خاطر سے بیان کردینا چاہئے۔ لہذا فرماتے ہین کہ اگر کوئی اہل ہے تو اُسکو اسقدر بیان کردینا ہی کافی ہے اسلئے کہ جو طالب ہوتا ہے وہ ڈھیلے اور پتھرون تک سے اپنے مطلب کی بات نکال لیتا ہے تو مین نے تو کچھ بیان ہی کیا ہے اگرچہ نامکمل ہی سہی تو اس سے تو اُسکو پورے طور پر ہدایت ہوجاویگی۔ اور وہ اس سے سمجھ لیگا۔ آگے ایک دوسرے مضمون کی طرف منتقل ہوتے ہین کہ دیکھو طالب اپنے مطلب کی بات نکال ہی لیتا ہے تو سمجھ لو کہ حق تعالیٰ نے جو چیزین پیدا کی ہین وہ طالبین کی طلب ہی پر پیدا فرمائی ہین۔ لہذا طلب پیدا کرنی چاہئے۔ تاکہ اُس طرف سے عطا ہو

بیان میں اسکے کہ حق تعالیٰ نے جو کچھ دیا اور پیدا فرمایا سب طلب پر اور حاجت کی بنا پر فرمایا تو اپنے کو کسی شے کا محتاج بنانا چاہئے تاکہ حق تعالیٰ عطا فرمادین کہ ارشاد ہے

امّن یجیب المضطر اذا دعاہ

آن نیاز مریمے بودہ است و درد — کہ چنان طفلے سخن آغاز کرد

یعنی وہ مریم علیہا السلام کا نیاز اور درد ہی تھا کہ جو ایک ایسے بچے نے باتین شروع کردین

جز و او بے او برائے او بگفت — جز و جزوت گفت دارد در نہفت

یعنی اُن ہی (مریم علیہا السلام) کے جزو نے اُن ہی کے واسطے کہا تو تیرا جز و جز و (بھی) پوشیدگی مین نطق رکھتا ہے مطلب یہ کہ عیسے علیہ السلام نے جو اسقدر بچہ تھے کہ ابھی تھوڑی ہی دیر کے پیدائش تھے لوگون سے باتین کین اُس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت مریمؑ نے جو آہ و زاری کی تھی اور دعا کی تھی کہ یا لیتنی مت قبل ھذا وکنت نسیا منسیا تو اُس کی برکت یہ ہوئی کہ اسقدر ذرا سے بچہ ہوکر وہ بولے تو جس طرح عیسی علیہ السلام اُنکے جزو تھے اور اُنہون نے اُن کی براءت کی شہادت دی پس اسیطرح تمہارے اندر بھی تمام اجزا ابدان ناطق ہین اور وہ ہمارے افعال حسن و قبیح پر گواہ ہین اور ایک روز صاف طور پر گواہی دینگے

دست و پا شاہد شوندت اے رہی — منکرے را چند دست و پا نہی

یعنی اے میان تیرے ہاتھ پاؤن گواہ ہوجاوینگے تو تو انکار کیلئے کہانتک ہاتھ پاؤن مار یگا - مطلب یہ کہ کہانتک انکار کروگے جبکہ خود تمہارے اجزا ہی تمہارے افعال پر گواہی دینگے غرضکہ جب طلب ہو تو سارے کام درست ہوجاتے ہین اور اگر طلب ہی نہو تو پھر کچھہ بھی نہین ہوتا

ور نباشی مستحق شرح و گفت — ناطقہ ناطق ترا دید و بخفت

یعنی اور اگر تو شرح اور گفتگو کا مستحق نہین ہے تو بولنے والیکے ناطقہ نے تجھے دیکھا اور سو گیا - مطلب یہ کہ دیکھو طلب کی برکت سے تو وہ بچہ جو بولنے کی قابل نہ تھا بولنے لگا اور اگر تمکو طلب نہین ہے تو جو بولنے کے قابل ہین وہ بھی تمہارے آگے آکر تمکو نااہل سمجھکر چپ ہوجاوین گے اور کوئی بات نکہین گی بس طلب پیدا کرو کہ جو سب چیزین تمکو حاصل ہوجاوین -

ہر چہ روئید از پے محتاج رست — تا بیابد طالبے چیزے کہ جست

یعنی کہ جو شے پیدا ہوئی محتاج کے واسطے پیدا ہوئی یہان تک کہ طالب نے اُس شے کو پالیا جسکو کہ اُسنے تلاش کیا مطلب یہ کہ جو شے پیدا ہوئی ہے وہ کسی طالب کی طلب پر اور کسی محتاج کی حاجت رواءی کیلئے پیدا ہوئی ہے -

حق تعالیٰ کاین سمٰوات آفرید　　　از برائے دفع حاجات آفرید

یعنی حق تعالےٰ نے جو یہ آسمان پیدا فرمائے ہین تو حاجتون کے دفع کرنے کیلئے پیدا فرمائے ہین (غرضکہ)

ہر کہ جویا ست بیابد عاقبت　　　مایہ اش درد ست واصل رحمت

یعنی جو شخص کہ طالب ہو وہ آخر کار پالے گا اُسکی پونجی اُسکے ہاتھ مین ہوگی اور رحمت کی جڑ مطلب یہ کہ جو طالب ہوتا ہے وہ اپنے مطلوب کو پا ہی لیتا ہے پھر اُسکی وہ پونجی اُس کے ہاتھ مین ہوتی ہے اور رحمت حق اُسکے ساتھ ہوتی ہے آگے بھی یہی فرماتے ہین کہ

ہر کجا دردے دوا آنجا رود　　　ہر کجا فقرے نوا آنجا رود

یعنی جس جگہ کہ درد ہوتا ہے دوا وہین جاتی ہے اور جہان فقر ہوتا ہے بخشش وہین جاتی ہے

ہر کجا مشکل جواب آنجا رود　　　ہر کجا پستی است آب آنجا رود

یعنی جس جگہ کہ مشکل ہوتی ہے جواب اُسی جگہ جاتا ہے اور جس جگہ پستی ہوتی ہے پانی وہین کو جاتا ہے حاصل یہ کہ جب طلب ہوتی ہے جب ہی کوئی چیز ملتی ہے لہذا چاہئے کہ

آب کم جو تشنگی آور بدست　　　تا بجوشد آبت از بالا و پست

یعنی پانی کم تلاش کرو اور پیاس پیدا کرو تاکہ پانی تمہارے اوپر نیچے سب جگہ سے اُبلے آگے اسکی نظائر پیش کرتے ہین کہ دیکھو بے طلب کے کوئی شے نہین ملتی۔ فرماتے ہیں کہ

تا نزاید طفلک نازک گلو　　　کے روان گردد ز پستان شیر او

یعنی جب تک کہ بچہ نازک گلو پیدا نہین ہوتا تو پستان سے اُس کا دودھ کب روان ہوتا ہے مطلب یہ کہ دیکھو جب تک بچہ پیدا نہین ہوتا اور وہ دودھ کو طلب نہین کرتا اُسوقت تک دودھ پستان سے جاری نہین ہوتا۔ اور جب دودھ کا طالب یعنی بچہ پیدا ہو جاتا ہے تو پھر دیکھو دودھ کس طرح اُبلتا ہے اور جوش مارتا ہے لہذا

رو بدین بالا و پستیہا بدو　　　تا شوی تشنہ و حرارت را گرو

یعنی جاؤ بلندیون اور پستیون مین دوڑ تاکہ تو پیاسا اور حرارت مین گروی ہو جاوے مطلب یہ کہ مجاہدات وریاضات سے طلب پیدا کرو تو اُسکے بعد یہ ہوگا کہ

بعد ازان از بانگ زنبور ہوا　　بانگ آب جو بنوشے اے کیا

یعنی اُسکے بعد ہوا کی مکھی کی آواز سے ندی کے پانی کی آواز سنوگے اے بزرگ. مطلب یہ کہ جب طلب پیدا ہو جاویگی تو اُسوقت ہر چیز مین سے تمکو اپنا مطلوب ہی دکہائی دیگا اور ہر شے سے تمکو اپنے مطلوب ہی کی طرف رسائی ہوگی۔

حاجت تو کم نباشد از حشیش　　آب را گیری سوئے او می کشیش

یعنی تیری حاجت گہاس سے کم تو نہین ہے کہ تو پانی کو پکڑتا ہے اور اُس کی طرف کہنچتا ہے

گوش گیری آب را تو می کشی　　سوئے زرع خشک تا یابد خوشی

یعنی تم پانی کا کان پکڑتے ہو اور سوکہی کہیتی کی طرف کہنچتے ہو تاکہ تری پاوے۔

زرع جان را کش جواہر مضمر است　　ابر رحمت پُر ز آب کوثر است

یعنی جان کی کہیتی کیلئے جسمین کہ جواہر مضمر ہین ابر رحمت آب کوثر سے پُر ہے۔ مطلب یہ ہے کہ دیکہو جب کہیتی سوکہ جاتی ہے تو وہ بزبان حال پانی کو طلب کرتی ہے لہذا تم اُسکی طلب پر پانی کو کوشش کرکے لاتے ہو اور اُس تک پہونچاتے ہو تو بہلا تم خیال کرو کہ جتنی اُس گہاس کو پانی کی حاجت تھی تمہاری حاجت اُس سے کم نہیں اور تم جتنے گہاس پر شفیق ہو اُس سے زیادہ حق تعالیٰ تمپر شفیق ہین اور اُس گہاس کے سوکہنے سے جن چیزون کے فوت ہونے کا خوف ہے اُس سے کہین زیادہ چیزون کے فوت ہونے کا تمہارے خراب ہونے سے خوف ہے لہذا جب تم گہاس کی طلب پر اُسے پانی دیتے ہو تو سوچو تو سہی کہ حق تعالیٰ تمہین خراب ہوتے دیکہکر اور باوجود تمہاری طلب کے تمہاری پیاس کو کیا نہ بجہاوینگے اور کیا تمہارا مطلوب تمکو حاصل نہ ہوگا ضرور بالضرور حاصل ہوگا پس طلب پیدا کرو کہ جو اصل چیز ہے اللہ تعالیٰ اپنی اور اپنی رضا کی طلب اپنے اس بندہ کو اور ہر مسلمان کو نصیب فرماوین آمین یارب العلمین آگے فرماتے ہین کہ

تا سَقَاهُمْ رَبُّهُمْ آید خطاب　　تشنہ باش اللہ اعلم بالصواب

یعنی تاکہ سقاہم ربہم خطاب آوے لہذا پیاسا رہ واللہ اعلم بالصواب۔ مطلب یہ کہ طلب پیدا کرو۔ تاکہ اُس طرف سے تمکو عطا ہو اور بحر رحمت جوش مین آکر تمکو تمہارے مطلوب تک پہونچادے

واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب۔ آگے ایک اور قصہ بیان فرماتے ہین کہ اُس غلام کی زبانی حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا معجزہ سنکر اُسی گاؤن سے جس کہ وہ غلام آیا تھا ایک اور عورت آئی تاکہ وہ بھی حضور مقبول صلے اللہ علیہ وسلم کے معجزات کا امتحان کرے اور اُس ذات بابرکات کے دیدار سے مشرف ہو۔ اب حکایت سنو۔

شرح حبیبی

ہم ازان دہ یک زنے از کافران	سوئے پیغمبر روان شد از امتحان
پیش پیغمبر در آمد با خمار	کودکے دو ماہہ زن را در کنار
گفت کودک سلم اللہ علیک	یا رسول اللہ قد جئنا الیک
مادرش از خشم گفتش ہین خموش	کیت افگند این شہادت را بگوش
این کیت آموخت ای طفل صغیر	کہ زبانت گشت در طفلی جریر
گفت حق آموخت وانگہ جبرئیل	در بیان با جبرئیلم من رسیل
گفت کو گفتا کہ بالائے سرت	می نہ بینی کن بیا لا منظرت
ایستادہ بر سر تو جبرئیل	مر مرا گفتہ بصد گونہ دلیل
گفت می بینی تو گفتا کہ بلے	بر سرت تابان چو بدر کاملے
می بیاموزد مرا وصف رسول	بر علوم می رہاند زین سفول
پس رسولش گفت ای طفل رضیع	چیست نامت باز گو و شو مطیع
گفت نامم پیش حق عبد العزیز	عبد عزے پیش این یکمشت حیز
من ز عزے پاک و بیزار و بری	حق آنکہ دادت این پیغمبری

کودکے دو ماہہ ہمچون ماہ بدر ‏— درس ما لغ گفتہ چون اصحاب صدر

پس حنوط آندم زجنت در رسید ‏— تا دماغ طفل و مادر بو کشید

ہر دو می گفتند کز خوف سقوط ‏— جان سپردن بہ برین بوئے حنوط

آنکہ تعریفش شہنشہ خود کند ‏— جامد و نامیش صد مردق زند

آنکسے را کو معرف حق بود ‏— جامد و نامیش صد صدق بود

آنکسے راکش خدا حافظ بود ‏— مرغ و ماہی مر ورا حارس شود

اندرین بودند کا واز صلا ‏— مصطفےٰ بشنید از سوئے علا

خواست آبے و وضو را تازہ کرد ‏— دست و رو را شست و زان آب سرد

ہر دو پا شست و بموزہ کرد رائے ‏— موزہ را بربود یک موزہ ربائے

دست سوئے موزہ برد آن خوش خطاب ‏— موزہ را بربود از دستش عقاب

موزہ را اندر ہوا برد او چو باد ‏— پس نگون کرد و از ان مارے فتاد

در فتاد از موزہ یک مارے سیاہ ‏— زان عنایت شد عقابش نیکخواہ

پس عقاب آن موزہ را آورد باز ‏— گفت ہین بستان و رو سوئے نماز

از ضرورت کردم این گستاخیے ‏— من ز ادب دارم شکستہ شاخیے

وائے کو گستاخ پائے می نہد ‏— بے ضرورت کش ہوا فتوی دہد

پس رسولش شکر کرد و گفت ما ‏— این جفا دیدیم خود بود آن وفا

موزہ بربودی و من درہم شدم ‏— تو غمم بردی و من در غم شدم

گرچه هر غیبے خدا ما را نمود — دل دران لحظه بخود مشغول بود

گفت دور از تو که غفلت از تو رست — دیدنم آن غیب را هم عکس تست

مار در موزه به بینم در هوا — نیست از من عکس تست ای مصطفی

عکس نورانی همه روشن بود — عکس ظلمانی همه گلخن بود

عکس عبد الله همه نورے بود — عکس بیگانه همه کورے بود

عکس هر کس را بدان ای جان ببین — پهلوئے جنسے که میخواهی نشین

عبرتست این قصه اے جان مر ترا — تا شوی راضی تو در حکم خدا

تا که زیرک باشی و نیکو گمان — چون به بینی واقعه بد ناگهان

دیگران گردند زرد از بیم آن — تو چو گل خندان گه سود و زیان

زانکه گل گر برگ برگش می کنی — خنده نگذارد نه گردد منثنی

گوید از خارے چرا افتم بغم — خنده را من خود ز خار آورده ام

هر چه از تو یاوه گردد از قضا — تو یقین دان که خریدت از بلا

ما التصوف قال وجدان الفرح — فی الفواد عند اتیان الترح

آن عقابش را عقابے دان که او — در ربود آن موزه را زان نیکخو

تا رهاند پاش را از زخم مار — اے خنک عقلے که باشد بے عثار

گفت لاتاسوا علی ما فاتکم — ان اتی السرحان اردے شاتکم

لیک هر چه فوت شد غمگین مشو — زانکه گر شد کهنه آید باز نو

اگر بلا آید ترا اندہ مبر	ور زیان بینی غم او را مخور
کان بلا دفع بلا ہائے بزرگ	وان زیان منع زیانہای سترگ
راحت جان آمد ایجان فوت مال	مال چون جمع آمد ایجان شد وبال

نیز ایک کافر عورت گاؤن سے جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے امتحان کیلئے آئی اور اس ہیئت سے آئی کہ اوڑھنی اوڑھے ہوئے تھی اور دو مہینہ کا بچہ بغل مین لئے ہوئی تھی بچہ نے کہا یا رسول اللہ آپ پر خدا کا سلام ہو ہم حضور کی خدمت مین حاضر ہوئی ہیں جب ماں نے یہ سُنا تو غصہ سے کہا چپ رہ ارے یہ گواہی تیرے کان مین کسنے ڈالدی اور یہ تجھے کسنے سکھلایا کہ تیری زبان بچپن ہی مین چلنے لگی (اتنی سی جان ہاتھ بھر کی زبان) اُسنے کہا اوّلاً تو مجھے خدا نے یہ شہادت تعلیم فرمائی ہے اور اُسکے بعد جبرئیل علیہ السلام نے اور مین جبرئیل علیہ السلام کے ساتھ ساتھ بول رہا ہون اُسنے کہا جبرئیل کہان ہین بچہ نے کہا اماں تم دیکھتی نہین آپکے سر پر ہین ذرا نظر تو اُٹھا و جبرئیل آپکے سر پر کھڑے ہوئے میری رہنمائی فرما رہے ہین اُسنے کہا تجھے دکھلائی دیتے ہین بچہ نے کہا ہان مین دیکھ رہا ہون کہ آپکے سر پر چودھوین رات کے چاند کی طرح چمک رہے ہین وہ مجھے جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی تعریف سکھلا رہے ہین اور وہی مجھکو اس حضیض سے اوج پر پہونچا رہے ہین اس گفتگو کے بعد جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے شیرخوار بچے تیرا نام کیا ہے بیان کر دیکھ میرے حکم کی نافرمانی نہ کرنا کہ بیان نہ کرے اُسنے عرض کیا کہ خدا کے نزدیک تو میرا نام عبد العزیز ہے مگر یہ پست ہمت اور محقر لوگ مجھے عبد العزیٰ کہتے ہین مگر مجھے عزے سے کوئی واسطہ نہین مین اُس سے بیزار اور بری ہون اور اقرار کرتا ہون کہ حق نے آپکو پیغمبری عطا فرمائی ہے غرض دو مہینہ کے بچے نے اسقدر اعلیٰ گفتگو کی جیسے اولیاء اللہ اور صاحب قوۃ قدسیہ کرتے ہون۔ اُسکے بعد جنت کی خوشبو آئی جو لڑکے نے بھی سونگھی اور اُسکی ماں نے بھی اسکو سونگھکر دونون کہتے تھے کہ چونکہ اس خوشبو کے زوال کا اندیشہ ہے اسلئے اسی خوشبو مین ہماری جان نکلجائے تو بہتر ہے کہ ہمسے یہ خوشبو جدا ہی نہو۔ واقعی بات یہ ہے کہ جسکی تعریف حق سبحانہ

فرماتے ہین کیا جمادات کیا نباتات کیا حیوانات سب اُسکی تعریف کرتے ہین اور جس کی تعریف خداتعالیٰ فرماتے ہین جمادات نباتات وحیوانات سب اُس کی تصدیق کرتے ہین اور جس کا خدا نگہبان ہوتا ہے مرغ وماہی اُسکی حفاظت کرتے ہین چنانچہ یہی واقعہ ہورہا تھا کہ اتنے مین بلندی سے اذان کی آواز آئی اور جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے سنکر پانی منگایا کو وضو آپکو پیشتر سے تھا مگر آپنے تازہ دھنو کیا اور ٹھنڈے پانی سے ہاتھ منہ دھویا۔ (مسح کرکے) پاؤن دہوئے اور جی مین آیا کہ موزہ پہنین ایک اچکنے والا جانور موزہ اُچک لیگیا۔ یعنی آپنے موزہ اُٹھانے کیلئے ہاتھ بڑہایا اور عقاب آپکے ہاتھ مین سے اُچک لیگیا۔ اور ہوا کی طرح ہوا مین لے اُڑا اور وہان جاکر اُسکو الٹا تو اس مین سے سانپ گرا۔ دیکھو خدا کی عنایت تھی کہ عقاب خیرخواہ ہوگیا اور وہ کالا سانپ جو موزہ مین بیٹھا ہوا تھا گرپڑا اور موزہ پہننے کے قابل ہوگیا۔ اُسکے بعد وہ عقاب موزہ کو واپس لایا۔ اور کہا لیجئے اور نماز کو تشریف لیجائیے مین نے یہ گستاخی محض ضرورت کیلئے کی تھی ورنہ مین بے ادب نہین ہون بلکہ مین تو ادب کی وجہ سے حضور کے سامنے بہت ہی منکسر ہون ہان اُسکی حالت نہایت قابل افسوس ہی جو بلا ضرورت محض خواہش نفسانی سے گستاخانہ قدم اُٹھائے مگر الحمد للہ کہ مین ایسا نہین ہون جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اُس کا شکر ادا کیا۔ اور فرمایا کہ ہمنے تو اُسکو زیادتی سمجھا تھا لیکن یہ تو واقع مین خیرخواہی تھی تم میرا موزہ لیگئے اور مجھے ناگوار ہوا کہ دیکھو اُسنے نماز کیلئے جانے مین مزاحمت کی تمنے میرا غم کھویا اور مین مغموم ہوا یہ میری غلطی تھی اگرچہ حق سبحانہ نے اکثر مغیبات ضرور ہمپر ظاہر فرمائے ہین اور ان مین سے یہ بھی تھا لیکن دل اپنی حالت مین مشغول تھا اسلئے التفات نہوا عقاب نے کہا کہ خدا نہ کرے کہ آپکو غفلت ہو مین نے جو دیکھا تو یہ بھی حضور ہی کا پرتو تھا میرا کوئی ذاتی کمال نہ تھا مین ہوا کے اندر اڑتا ہوا موزہ کے اندر سانپ دیکھ لون یہ میرا کام نہین بلکہ حضور ہی کا عکس ہے اب مولانا فرماتے ہین کہ نورانی چیز کا عکس بھی نورانی ہی ہوتا ہے اور ظلمانی چیز کا عکس تاریک ہی ہوتا ہے اسلئے اہل اللہ کا پرتو بھی نورانی ہوتا ہے لہذا اس سے معرفت بڑہتی ہے اور اغیار کا عکس بالکل ظلمت ہوتا ہے کہ جو صفائی اور تنور پہلے سے ہوتا ہے وہ بھی یا زائل ہوجاتا ہے یا اُس مین تکدر آجاتا ہے علی تفاوت الاحوال پس اول تمکو ہر شخص کا عکس اُسکی حالت سے جان لینا چاہئے پھر جسکے پہلو مین چاہو بیٹھو نیز اس قصہ سے تمکو عبرت حاصل کرنی چاہئے تاکہ تم

حق سبحانہ کے حکم پر رضا مند ہو۔ اور جب اچانک کوئی ناگوار واقعہ پیش آئے تو عقل سے کام لو
اور خدا کے ساتھ حُسن ظن رکھو کہ اسمین بھی کوئی مصلحت ہوگی اور جبکہ دوسرے لوگونکی مارے
خوف کے رنگت زرد ہو اسوقت تمکو اصلا ہراس نہو بلکہ تم نفع اور نقصان ہر دو حالت مین پہول
کی طرح کہلے رہو اسلئے کہ پہول کو کچہہ بھی ملال نہین ہوتا اگر تم اُسکی پنکہڑی پنکہڑی الگ کر دو
تب بھی وہ کہلا ہی رہتا ہے نہ ہنسنا چہوڑتا ہے اور نہ پژمردہ ہوتا ہے وہ کہتا ہے کہ مین معدوم
ہونے سے ملول کیون ہون آخر یہ ہنسی جو مجھے ملی ہے یہ بھی تو عدم ہی سے ملی ہے اور عدم تو میرا
وطن اصلی ہے پس اگر میرے اجزا اپنے اصلی وطن کو چلے جاوین تو رنج کی کیا بات ہے پس
تمکو بھی ایسا ہی ہونا چاہئے اور جو کچہہ بحکم الٰہی تم سے جاتا ہے تمکو اُسپر غم نکرنا چاہئے بلکہ
سمجہنا چاہئے کہ یہ کسی بلا کا دفعیہ ہے کسی نے کسی درویش سے پوچھا کہ تصوف کیا ہے اُنہون
نے فرمایا کہ ناگوار واقعہ پیش آنیکے وقت بھی دل مین خوشی پانا پس تم سختی کو اُسی عقاب کی
مثل غم رُبا سمجہنا جو جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا موزہ اڑا لیگیا تھا اور وہ اسلئے آتی ہے
کہ تمکو تکلیف شدید سے بچا دے پس تمکو عقل سے کام لینا چاہئے اور غلطی مین نہ پڑنا چاہئے
جو عقل غلطی سے بچے بڑی مبارک ہے۔ دیکھو حق سبحانہ نے فرمایا ہے کہ جو چیز تمسے فوت ہوجائے
تم اُس کا غم نکرو کیونکہ وہ حقیقت مین ایک بہیڑیا تھی اور بہیڑیے کا قاعدہ ہے کہ جب آتا ہے تو
تمہاری بکری لیجاتا ہے پس اُسکے بھی تمکو کوئی ضرر ہوتا ہم نے تمکو اُس ضرر سے بچا دیا۔
مانا کہ ایک چیز تم سے جاتی رہی اُسپر غم فضول ہے پس تم ہرگز غم نکرو کیونکہ اگر پورانی ضائع
ہوگئی بلا سے اور نئی ملجاویگی خواہ اُسی قسم کی یا اُس سے بھی بڑہکر پس اگر کوئی بلا آئے تو اُسپر
مغموم نہ ہونا چاہئے اور اگر نقصان ہو تو اُس کا غم نہ کرنا چاہئے کیونکہ وہ بلا اور بڑی بلاؤن کا دفعیہ ہے
اور یہ نقصان دیگر بڑے نقصانون کا مانع ہے چنانچہ مال کے ضائع ہونے سے جان کو راحت ہوتی ہے
اور جب مال جمع ہوجاتا ہے تو وبال جان ہوتا ہے کہین اسکی حفاظت کی فکر ہے کہین اُسکے لئے
لوگون سے لڑائی ہے کہین کچہہ ہے کہین کچہہ ہے غرضکہ ایک مصیبت ہے اور جبکہ وہ نہ رہا سارے
جہگڑون سے نجات ہوگئی

شرح شبیری

ایک کافر عورت کا مع ایک شیر خوار بچے کے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مین آنا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی معجزہ کی وجہ سے بچہ کا گویا ہو جانا

ہم ازان دہ یک زنے از کافران　　سوئے پیغمبر دوان شد زامتحان

یعنی اُسی گاؤن مین سے ایک عورت کافرون مین سے پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف امتحان کے لئے دوڑی۔

پیش پیغمبر در آمد با خمار　　کودکے دو ماہہ زن را در کنار

یعنی پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اوڑھنی اوڑھے اس طرح آئی کہ ایک دو مہینہ کا بچہ عورت کی گود مین تھا۔

گفت کودک سلم اللہ علیک　　یا رسول اللہ قد جئنا الیک

یعنی بچے نے کہا کہ یا رسول اللہ آپ پر خدا کا سلام ہو ہم آپ کے حضور مین حاضر ہوئے ہین۔

مادرش از خشم گفتش ہین خموش　　کیت افگند این شہادت را بگوش

یعنی اُس کی ماں نے غصہ سے اُس بچہ کو کہا کہ ارے چپ تیرے کان مین اس گواہی کو کسنے ڈال دیا

این کیت آموخت ای طفل صغیر　　کہ زبانت گشت در طفلی جریر

یعنی ارے ذرا سے بچے تجھے یہ کسنے سکھا دیا کہ تیری زبان بچپن ہی مین چلنے لگی ہے۔

گفت حق آموخت وانگہ جبرئیل　　در بیان با جبرئیلم من رسیل

یعنی اُس بچہ نے کہا کہ خدا تعالیٰ نے سکھلایا ہے اور اسوقت جبرئیل نے۔ اور مین بیان مین جبریل کے ساتھ ہمزبان ہون۔ مطلب یہ کہ اُس بچے نے کہا کہ اول تو خدا نے سکھلایا ہے یعنی اُس نے میرے دل مین ڈالا۔ اُسنے حکم دیا کہ اسکو یہ سکھلا دیا جائے تو اب جبریل علیہ السلام مجھے سکھلا رہے ہین اور مین اب بولنے مین اُن ہی کا ہمزبان ہون۔ وہ جو کہتے ہین وہی مین کہتا ہون۔

گفت کو گفتا کہ بالائے سرت   می نہ بینی کن ہبالا منظرت

یعنی ماں نے کہا کہ (جبریل) کہاں ہین تو بچہ نے کہا کہ تیرے سر پر ہین کیا تجھے نظر نہین آتے اپنی نظر اوپر کو کر۔

ایستادہ بر سر تو جبرئیل   مر مرا گشتہ بصد گونہ دلیل

یعنی تیرے سر پر جبریل کھڑے ہوئے ہین اور میرے لئے سو طرح سے راہبر ہو رہے ہین

گفت می بینی تو گفتا کہ بلے   بر سرت تابان چو بدر کاملے

یعنی ماں نے کہا کہ کیا تو دیکھ رہا ہے تو بچے نے کہا کہ ہان (وہ تو) تیرے سر پر ایک بدر کامل کی طرح تابان ہین۔

می بیاموزد مرا وصف رسول   زان علوم می رہاند زین سفول

یعنی وہ جبرئیل مجھے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے اوصاف سکھلا رہے ہین اور اُس بلندی کی وجہ سے مجھے اِس پستی سے چھڑا رہے ہین۔ مطلب یہ کہ اوصاف رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے علم سے جو بلند مرتبہ حاصل ہوتا ہے اُسکے ذریعے سے مجھے وہ اِس پستی اور جہل سے چھڑا رہے ہین۔ اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے اوصاف مجھے سکھلا رہے ہین۔ یہ باتین تو اُس بچہ نے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی برکت سے اپنی ماں سے کہین اب آگے حضور صلے اللہ علیہ وسلم خود اُس سے سوالات فرماتے ہین اور وہ جواب دیتا ہے۔

پس رسولش گفت ای طفل رضیع   چیست نامت باز گو و شو مطیع

یعنی پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس بچے سے کہا کہ اے شیر خوار بچے تیرا نام کیا ہے بتا اور مطیع ہو جا۔

گفت نامم پیش حق عبد العزیز   عبد عزے پیش این یکمشت حیز

یعنی اُس بچہ نے کہا کہ خدا کے نزدیک تو میرا نام عبد العزیز ہے اور ان تھوڑے سے نامردون کے نزدیک عبد عزے ہے مطلب یہ کہ اُسنے کہا کہ میرا نام خدا کے نزدیک تو عبد العزیز ہے لیکن یہ کافر لوگ جو نامرد اور پست ہمت اور حقیر ہین مجھے عبد عزّی کہتے ہین (عزّی ایک بُت کا نام ہے جسکو اہل عرب پوجتے تھے)

من ز عزیٰ پاک و بیزار و بری　　حق آنکه دادت این پیغمبری

یعنی میں تو عزیٰ سے پاک اور بیزار اور بری ہوں۔ قسم ہے اُس کی جسنے آپکو پیغمبری دی ہے

کودک دو ماہہ ہمچون ماہ بدر　　درس بالغ گفتہ چون اصحاب صدر

یعنی دو مہینہ کے بچہ نے جو کہ ماہ کامل کی طرح تھا کامل سبق دیا بڑے لوگوں کی طرح۔ مطلب یہ کہ اُس دو مہینہ کے بچہ نے جو کہ رہبری اور ہدایت دینے میں بدر کامل کی طرح تھا بڑے لوگوں کی طرح گفتگو کی یہ سب اُسی ذات والاصفات کے برکات ہیں۔

پس حنوط آندم ز جنت در رسید　　تا دماغ طفل و مادر بو کشید

یعنی پھر اسوقت جنت کی خوشبو آئی۔ یہانتک کہ ماں اور بیٹے کے دماغ نے خوشبو کھینچی۔ مطلب یہ کہ ان باتوں کی بعد جنت کی خوشبو آئی اور ماں نے بھی سونگھی اور اُس لڑکے کو بھی محسوس ہوئی۔ پھر تو یہ حالت ہوئی کہ۔

ہر دو می گفتند کز خوف سقوط　　جان سپردن بہ برین بوئی حنوط

یعنی دونوں کہتے تھے کہ زوال کے خوف سے جان دیدینا بہتر ہے اس خوشبو پر۔ مطلب یہ کہ اُن کو خوف ہوا کہ کہیں یہ خوشبو جاتی نہ رہے تو کہتے تھے کہ بس سونگھتے ہی سونگھتے جان نکل جائے تو کیسی اچھی بات ہے۔ آگے مولانا فرماتے ہیں کہ۔

آنکہ تعریفش شہنشہ خود کند　　جامد و نامیش صد مرد ق زند

یعنی جس کی تعریف کہ خود بادشاہ کرے تو اشیاء جامد اور نامی سب سیکڑوں تعریفیں کریں۔

آن کسے راکش معرف حق بود　　جامد و نامیش صد صدق زند

یعنی جسکا تعریف کرنے والا حق تعالیٰ ہو تو جامد اور نامی اُس کی سیکڑوں تصدیقیں کریں۔ مطلب یہ کہ جسکا کہ خدا تعریف کرنے والا اور ثناگو ہو اُس کی تو نباتات اور حیوانات سب کے سب ثناگو ہونگے۔ تو چونکہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے تعریف کرنیوالے حق تعالیٰ ہیں اسلئے اُن کی ثناگوئی میں ہر شے رطب اللسان ہے۔ اور اُس بچہ کا بول پڑنا اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے اوصاف بیان کرنا کوئی محل تعجب نہیں ہے آگے فرماتے ہیں کہ۔

آن کسے راکش خدا حافظ بود　　مرغ و ماہی مر ورا حارس بود

یعنی جس شخص کا کہ خدا محافظ ہو مرغ و ماہی سب اُس کے نگہبان ہوتے ہین آگے اسپر ایک حکایت لاتے ہین کہ دیکھو حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے محافظ چونکہ حق تعالےٰ تھے اسلئے جانور تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کرتے تھے اور آپکے نگہبان تھے۔ اب حکایت سنو۔

عقاب کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی موزہ کو لیکر اُڑ جانا اور اوپر جاکر اوندہا کر دینا تو اُس سے ایک سیاہ سانپ کا گرنا

اندریں بودند کاواز صلا　　مصطفےٰ بشنید از سوئے علا

یعنی سب لوگ اسی گفتگو مین تھے کہ نماز کی آواز مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم نے بلندی کی طرف سے سنی (صلا مخفف صلوۃ ہے)

خواست آبے و وضو را تازہ کرد　　دست و رو را شست او زان آب سرد

یعنی حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے پانی منگایا اور وضو کو تازہ کیا اور اُس ٹھنڈے پانی سے ہاتھ مُنہ دہویا مطلب یہ کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا وضو اگرچہ پہلے سے تھا لیکن آپنے دوبارہ تازہ وضو کرنا چاہا۔

ہر دو پا شست و بموزہ کرد رائے　　موزہ را بربود یک موزہ ربائے

یعنی دونون پاؤن دہوکر موزہ کی طرف رائے فرمائی تو موزہ کو ایک موزہ کا اُچکنے والا لے گیا۔ مطلب یہ کہ وضو فرماکر موزہ پہننے کا ارادہ کیا تو موزہ کو ایک جانور اُچک کرلے اُٹھا

دست سوئے موزہ برد آن خوش خطاب　　موزہ را بر بود از دستش عقاب

یعنی وہ خوش خطاب (یعنی حضور صلے اللہ علیہ وسلم) موزہ کی طرف ہاتھ لیگئے تو آپکے دست مبارک مین سے عقاب موزہ کو لے گیا۔

موزہ را اندر ہوا برد او چو باد　　پس نگون کرد و ازاں مارے فتاد

یعنی وہ ہوا کی طرح موزہ کو لے اُڑا پھر اُسے اوندہا کر دیا تو اس میں سے ایک سانپ گرا۔

در فتاد از موزہ یک مارے سیاہ　　زاں عنایت شد عقابش نیکخواہ

یعنی موزہ مین سے ایک کالا سانپ گر پڑا اس عنایت خداوندی کی وجہ سے عقاب آپ کا خیر خواہ ہوگیا

پس عقاب آن موزہ را آورد باز　　　گفت ہین بستان و رو سوئے نماز

یعنی پھر عقاب اُس موزہ کو واپس لے آیا۔ اور عرض کیا کہ یہ لیجئے اور نماز کیلئے تشریف لیجائیے
اور (عرض کرنے لگا کہ)

از ضرورت کردم این گستاخئے　　　من ز ادب دارم شکستہ شاخئے

یعنی مین نے یہ ایک گستاخی بضرورت کی تھی (ورنہ) مین تو ادب کی وجہ سے بہت ہی منکسر ہون۔
مطلب یہ کہ اُس عقاب نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم مین نے جو یہ گستاخی کی کہ آپ کے
دست مبارک مین سے موزہ اُچک لیا تو اُس کی وجہ صرف ضرورت تھی ورنہ مین ہرگز ایسی گستاخی نکرتا
مین تو حضور کے سامنے بہت ہی متواضع اور منکسر ہون۔

وائے کو گستاخ پائے می نہد　　　بے ضرورت کش ہوا فتوے دہد

یعنی افسوس ہے اُس شخص پر جو کہ بے ضرورت گستاخانہ قدم رکھتا ہے (صرف اسلئے) کہ اُسکو
ہوائے نفسانی فتویٰ دیتی ہے۔ مطلب یہ کہ اُسنے عرض کیا کہ مین تو بہت ہی متواضع اور منکسر ہون اور
مین نے جو کیا وہ حقیقت مین گستاخی نہ تھی بلکہ ایک ضروری کام تھا۔ لیکن اُن لوگون پر سخت افسوس
ہے جو بلا ضرورت صرف خواہشات نفسانی کی وجہ سے حقیقۃً گستاخیان کرتے ہین،

پس رسولش شکر گفت و گفت ما　　　این جفا دیدیم و بود آن خود وفا

یعنی پس رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اُس (عقاب) کا شکر ادا فرمایا اور فرمایا کہ ہمتو اُسکو جفا
سمجھے تھے اور یہ تو وفا تھی۔ مطلب یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس کا شکریہ ادا کیا اور فرمایا میان
ہم تو سمجھے تھے کہ تم نے ایک ظلم کیا کہ موزہ نہ پہننے دیا لیکن یہ تو سراسر وفاداری تھی۔

موزہ بر بودی و من در ہم شدم　　　تو غم بردی و من در غم شدم

یعنی تو موزہ لے گیا اور مین پریشان ہوا تو میرا غم لے گیا اور مین غم مین مبتلا ہوا (اور فرمایا کہ)

گرچہ ہر غیبے خدا ما را نمود　　　دل دران لحظہ بخود مشغول بود

یعنی اگرچہ تمام مغیبات (ضروریہ) خدا نے ہمکو دکھلا دئے ہین لیکن اسوقت مین دل اپنی طرف
مشغول تھا مطلب یہ کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حق تعالیٰ نے ضروری غیبیات
ہمکو بتلا دی ہین اور ہم اُنپر مطلع ہین۔ لیکن اسوقت چونکہ دوسری طرف توجہ تھی لہذا موزہ مین

سانپ کے ہونے کی خبر نہ ہوئی۔ اسکو سنکر عقاب نے یہ جواب دیا کہ

گفت دور از تو کہ غفلت از تو رست — دیدنم آن غیب را ہم عکس تست

یعنی عقاب نے کہا کہ یہ آپ سے یہ دور ہے کہ آپ سے غفلت پیدا ہو (بلکہ) یہ میرا دیکھنا بھی آپ ہی کا عکس تھا
مطلب یہ کہ اُسنے عرض کیا کہ آپ کی شان سے یہ بہت ہی بعید ہے کہ آپ سے غفلت ہو آپ سے خدا نکرے
غفلت کیون ہوتی آپ تو ایسے ہوشیار اور بیدار ہین کہ دوسرون پر بھی اُس ہوشیاری کا عکس
پڑتا ہے کہ مین نے جو اس سانپ کو دیکھ لیا اور مجھے معلوم ہو گیا۔ یہ بھی صرف آپ ہی کی برکت تھی
ورنہ بھلا میں اور اُڑتا ہوا موزہ مین سانپ کیسے دیکھ سکتا تھا۔

مار در موزہ بہ بینم در ہوا — نیست از من عکس تست ای مصطفٰے

یعنی مین سانپ کو موزہ مین اڑتے ہوئے دیکھ لون یہ مجھسے نہین ہے بلکہ اے مصطفٰے صلی اللہ
علیہ وسلم آپ کا ہی عکس ہے۔ مطلب یہ کہ اُسنے عرض کیا کہ میرا یہ دیکھ لینا بھی کوئی ذاتی کمال نہ تھا بلکہ
یہ بھی آپ ہی کا پرتو اور عکس تھا کہ جسکی بدولت میری آنکھ نے اسکو دیکھ لیا۔ ورنہ کہان مین اور
کہان یہ ادراک۔ ع ببین تفاوت رہ از کجاست تا بکجا۔ آگے مولانا فرماتے ہین کہ

عکس نورانی ہمہ روشن بود — عکس ظلمانی ہمہ گلخن بود

یعنی نورانی شے کا عکس بالکل روشن ہی ہوتا ہے اور ظلمانی شے کا عکس بالکل سیاہ ہوتا ہے

عکس عبد اللہ ہمہ نوری بود — عکس بیگانہ ہمہ کوری بود

یعنی عبد اللہ کا عکس بالکل نورانی ہوتا ہے اور بیگانہ کا عکس بالکل اندھا پن ہوتا ہے مطلب
یہ کہ جو حضرات اولیاء اللہ ہین اور اُن کے قلوب نورانی ہین اُن کا تو عکس بھی نورانی ہی ہوتا ہے اور
جو لوگ کہ محجوب اور غیر اولیاء اللہ ہین اُن کا عکس بھی ظلمت اور حجاب ہی ہوتا ہے آگے ایک مضمون
ارشادی فرماتے ہین کہ۔

عکس ہر کس را بدان ای جان ببین — پہلوئے جنسے کہ میخواہی نشین

یعنی ہر شخص کے عکس کو اے جان اُس سے جانچ لے (اور پھر) جسکے پہلو مین چاہے بیٹھ مطلب
یہ کہ جب ہر شخص کا عکس مختلف پڑتا ہے اور ہر ایک کا اثر جدا گانہ ہوتا ہے تو تمکو چاہئے کہ اول
ہر شخص کی حالت کو اُسکے عکس سے جانچ لو کہ اُسکے ہمنشینون پر اُس کا کیا اثر اور کیا عکس ہے

جب تم اسکو پہچان لو پھر جسکے پاس چاہو بیٹھو اُٹھو۔ پھر تمکو ضرر نہیں ہو سکتا اسلئے کہ جب اس امر کی شناخت ہو گئی تو اب تو کوئی بات رہی ہی نہیں جس سے ضرر ہو سکے آگے اس قصہ کا وجہ عبرت ہونا بیان فرماتے ہیں

اس حکایت سے عبرت حاصل کرنیکی وجہ اور آیۃ اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا کے معنے

عبرت ست این قصه اے جان مر ترا　　　تا شوی راضی تو در حکم قضا

یعنی اے جان یہ قصہ تمہارے لئے عبرت کے قابل ہے تاکہ تم حکم قضا میں راضی رہو۔

تاکه زیرک باشی و نیکو گمان　　　چون به بینی واقعهٔ بد ناگهان

یعنی تاکہ تم ہوشیار اور نیک گمان رہو جسوقت کہ ناگہان کوئی ناگوار واقعہ کو دیکھو۔ مطلب یہ کہ یہ قصہ بالا اسلئے تمہارے لئے عبرت کے قابل ہے کہ تمہیں معلوم ہو جاوے کہ جو واقعہ قضا و قدر سے پیش آتا ہے اُس میں کوئی نہ کوئی مصلحت ضرور ہوتی ہے اور جب یہ معلوم ہو جاویگا تو پھر تم اُسپر راضی رہوگے اور تمکو راضی رہنا آسان ہو جاوے گا۔

دیگران گردند زرد از بیم آن　　　تو چو گل خندان گه سود و زیان

یعنی دوسرے لوگ تو اُسکے خوف سے زرد ہو جاویں اور تم پھول کی طرح نفع نقصان کے وقت ہنستے رہو۔

زانکه از گل گر تو برگش می کنی　　　خنده نگذارد و نه گردد منثنی

یعنی اسلئے کہ اگر تم پھول کی پنکھڑیاں اُکھاڑ دو تو وہ ہنسی کو چھوڑتا نہیں اور مرجھاتا نہیں۔

گو ید از خارے چرا افتم بغم　　　خنده را من خود ز خار آورده ام

یعنی وہ پھول کہتا ہے کہ میں خار عدم سے کیوں غم میں پڑوں میں تو ہنسی کو عدم ہی سے لایا ہوں مطلب یہ کہ دیکھو پھول کی اگر تم پنکھڑی پنکھڑی الگ کر ڈالو تب بھی وہ ہنستا ہی رہتا ہے اور پژمردہ نہیں ہوتا بلکہ وہ بزبان حال کہتا ہے کہ بھلا میں جو معدوم ہونے سے ملول اور پژمردہ ہوں تو مجھے اس کی کیا غرض ہے اسلئے کہ میری یہ ہنسی تو عدم ہی سے وجود میں آئی ہے تو اگر مجھپر دوبارہ عدم طاری ہوگا تو اسوقت بھی یہ ہنسی رہے گی پس اسی طرح تمکو چاہئے کہ جو ناگواری پیش آوے

یہ سمجھو کہ ہم خود قضا و قدر سے آئے ہیں۔ اور یہ بلا و مصیبت بھی قضا و قدر ہی سے آئی ہے لہذا پریشان ہونا سخت غلطی ہے

ہر چہ از تو یاوہ گردد از قضا　　　تو یقین دان کہ خریدت از بلا

یعنی جو شئے کہ قضا کی وجہ سے تیرے پاس سے جاتی رہے تو تو یقیناً جان لے کہ تجھے بلا سے خرید لیا مطلب یہ کہ اگر تمہاری کوئی شے جاتی رہے اور تقدیر سے کسی چیز کا نقصان ہو جاوے تو اُسپر راضی رہو۔ اور یوں سمجھو کہ کوئی بلا خود ہماری ذات پر آنیوالی تھی جو کہ چلو مال ہی پر ٹل گئی۔ فالحمد للہ۔

ما التصوف قال وجد ان الفرح　　　فی الفواد عند اتیان الترح

یعنی (کسی شخص نے کسی سے پوچھا کہ) تصوف کیا ہے تو اُسنے کہا کہ دل میں مصیبت کے آنیکے وقت خوشی پانا۔ مطلب یہ کہ جسوقت کوئی مصیبت آوے تو اُسپر راضی رہنا اصل تصوف ہے اب رہا رنج طبعی تو نہ تو وہ ممنوع ہے اور نہ مذموم بلکہ اصل مقصود یہ ہے کہ مصیبت کیوقت راضی رہے اور کوئی کلمہ خدا کی شکایت وغیرہ کا نہ کہے اور اگر رنج طبعی ہو تو مضائقہ نہیں ہے اور اسکی علامت کہ رنج طبعی ہے اور دل سے راضی ہیں یا اصل سے راضی ہی نہیں ہیں یہ ہے کہ اگر ایسے وقت میں شکوہ و شکایت کرتا ہے تب تو راضی نہیں ہے اور اگر شکایت نہیں ہے بلکہ صبر کیا تو معلوم ہوا کہ راضی ہے اور اسکو اصل تصوف حاصل ہے اور شکوہ و شکایت زبان ہی سے نہیں بلکہ دل میں بھی خدا کی شکایت پیدا نہ ہو۔

آن عقابش را عقابے دان کہ او　　　در ربود آن موزہ را زان نیکخو

یعنی اُس شخص کی مصیبت کو وہ عقاب جانو جو کہ موزہ کو اُس نیک خصلت صلے اللہ علیہ وسلم سے اُچک لے گیا تھا۔

تا رہاند پاش را از زخم مار　　　اے خنک عقلے کہ باشد بے غبار

یعنی تاکہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے پاؤں مبارک کو سانپ کے زخم سے بچا دے۔ ٹھنڈی ہو وہ عقل جو کہ بے غبار ہے۔ مطلب یہ کہ جو مصیبت کسی پر آوے تو اُس مصیبت کو اُس عقاب کی طرح جانو جو کہ موزہ لیگیا تھا کہ دیکھو اُسمیں کیسی مصلحت تھی حالانکہ بظاہر ناگوار معلوم ہوتا تھا تو بس تم بھی یہی سمجھو کہ جو واقعہ پیش آیا ہے اس میں بھی کوئی مصلحت ہے جیسا کہ خود ارشاد حق ہے کہ عسی ان تکرھوا

فنیئا وھو خیر لکم وعسی ان تحبوا شیئا وھو شر لکم -

گفت لا تاسوا علی ما فاتکم　　ان اتی السرحان اردی شاتکم

یعنی حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ جو شے جاتی رہے اُسپر غمگین مت ہو اگرچہ بھیڑیا آوے اور تمہاری بکریون کو خراب کردے ۔ مطلب یہ کہ جو چیز بھی جاتی رہے اُسکو اُسی طرف سے سمجھو اور اُسکے مصالح پر غور کرو - اور اُسپر غمگین مت ہو -

گفت ہر چہ آن فوت شد غمگین مشو　　زانکہ گر شد کہنہ آید باز نو

یعنی فرمایا ہے کہ جو کچھہ فوت ہو جاوے تو غمگین مت ہو اسلئے کہ اگر پُرانا جاتا رہا تو نیا آجاویگا -

گر بلا آید ترا اندہ مبر　　ور زیان بینی غم آن ہم مخور

یعنی اگر تجہپر کوئی بلا آوے تو رنجیدہ مت ہو - اور اگر تو کوئی نقصان دیکھے تب بھی غم مت کہا اسلئے کہ

کان بلا دفع بلا ہائے بزرگ　　وان زیان منع زیانہائی سترگ

یعنی کیونکہ وہ بلا بہت سی بڑی بلاؤن کا دفعیہ ہے اور وہ نقصان بہت سے بڑے نقصانون کی روک ہے مطلب یہ کہ اگر کوئی بلا آوے یا کوئی نقصان ہو جاوے تو یون سمجھو کہ نہ معلوم یہ کتنی بڑی بڑی بلاؤن اور نقصانون کا دفعیہ ہے کہ اُسکے آجانے سے وہ سب ٹل گئے ورنہ نہ معلوم کیا سے کیا ہو جاتا -

راحت جان آمد اے جان فوت مال　　مال چون جمع آمد ای جان شد وبال

یعنی مال کا جاتا رہنا اے پیارے راحت جان ہے اور جب مال جمع ہو جاتا ہے تو پیارے وہ وبال ہو جاتا ہے - مطلب یہ کہ مال کے جاتے رہنے سے رنجیدہ نہ ہو اسلئے کہ مال کا فوت ہو جانا ہی اچھا ہے ورنہ جب یہ جمع ہو جاتا ہے تو وبال جان ہو جاتا ہے اب آگے ایک حکایت لاتے ہین جس سے کہ معلوم ہوگا کہ مال کے فوت ہو جانے مین کسقدر بلاؤن کا دفعیہ ہے ورنہ نہ معلوم جان پر پڑے یا ایمان پر پڑے - غرض کہ فوت مال مین بیحد مصالح ہین لیکن اسکو سنکر کوئی عاقل صاحب یہ نہ سمجھین کہ پھر جسقدر مال ہے اُسکو فوت کر دیا جاوے - بات یہ ہے کہ مال کے فوت ہو جانے مین مصالح ہین فوت کر دینے مین کوئی مصلحت نہین ہے اگر مال ہو اور شریعت کے مطابق ہو تو خدا کی نعمت ہے اُس مین اسراف سے بچے اور اگر جاتا رہے تو صبر کرے -

اب حکایت سنو

شرح حبیبی

گفت موسی را یکے مرد جوان / کہ بیاموزم زبان جانوران
تا بود کز بانگ حیوانات و دد / عبرتے حاصل کنم در دین خود
چون زبانہائے بنی آدم ہمہ / در پئے آب است و نان و دمدمہ
بوکہ حیوانات را درد دگر / باشد از تدبیر ہنگام گذر
گفت موسی رو گذر کن زین ہوس / کاین خطر دارد بسے در پیش و پس
عبرت و بیداری از یزدان طلب / نہ از کتاب و از مقال و حرف و لب
گرم تر شد مرد زان منعش کہ کرد / گرم تر گردد ہمے از منع مرد
گفت اے موسی چو نور تو بتافت / ہر چہ چیزے بود از تو چیز یافت
مر مرا محروم کردن زین مراد / لائق لطفت نباشد اے جواد
این زمان قائم مقام حق توئی / یاس باشد گر مرا مانع شوی
گفت موسیٰ یارب این مرد سلیم / سخرہ کردستش مگر دیو رجیم
گر بیاموزم زیان کارش بود / ور نیاموزم دلش بد مے شود
گفت اے موسے بیاموزی کہ ما / رد نکردیم از کرم ہرگز دعا
گفت یارب او پشیمانی خورد / دست خاید جامہ ہا را بر درد
نیست قدرت ہر کسے را سازوار / عجز بہتر مایۂ پرہیزگار
فقر زین رو فخر آمد جاودان / کہ بتقوے ماند دستش نارسان

زان غنا و زان غنی مردود شد — کہ ز قدرت صبرہا بدرود شد
آدمی را عجز و فقر آمد امان — از بلائے نفس پر حرص و غمان
آن غم آید ز آرزو ہائے فضول — کہ بدان خو کردہ است آن صید غول
آرزوئے گل بود گلخوارہ را — گل شکر نگوارد آن بیچارہ را

موسیٰ علیہ السلام سے ایک شخص نے درخواست کی کہ مجھے جانورون کی زبان سکھلا دیجئے تاکہ درندون اور دیگر جانورون سے مین دین کے متعلق نصیحت حاصل کرون کیونکہ آدمیون کی گفتگو تو علی العموم روٹی پانی مکروفریب سے تعلق رکھتی ہے ممکن ہے کہ جانورون کو کوئی اور ہی درد ہو۔ اور انکو اس جہان فانی کو چھوڑنے کی فکر ہو۔ اور وہ اسکی تدابیر مین مصروف ہون۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اس خیال کو چھوڑ دو اس مین ہر پہلو مین بہت سے خطرے ہین۔ رہی عبرت اور تیقظ سو خدا سے دعا کرو وہ عطا فرماوینگے۔ یہ بات نہ کتاب سے حاصل ہوتی ہے نہ گفتگو سے نہ الفاظ و لب سے اُنہون نے جو منع کیا تو اسکو اور ہی زیادہ شوق ہوا کیونکہ منع کرنے سے آدمی کی حرص اور بڑھتی ہے اُسنے عرض کیا کہ یا حضرت جب آپکے نور نے عالم کو منور کیا تو جو بھی کوئی چیز تھی سبکو آپکے دربار سے کچھ نہ کچھ مل گیا۔ اور کوئی محروم نہیں رہا پس مجھے اپنے کرم سے محروم کرنا آپکے الطاف فراوان کے شایان شان نہین اسوقت حضور ہی خلیفۃ اللہ فی الارض ہین اگر حضور کے یہان سے مین محروم ہو گیا تو پھر کوئی امید حصول مدعا کی نہین حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حق سبحانہ سے دعا کی کہ اے اللہ معلوم ہوتا ہے کہ شیطان نے اس احمق کو مسخر کر لیا ہے اور میری نصیحت نہین مانتا۔ اگر مین اسکو سکھلاتا ہون تو اس کا نقصان ہے۔ اور اگر نہین سکھلاتا ہون تو بد دل ہوتا ہے مجھے کیا کرنا چاہئے۔ حق سبحانہ نے فرمایا کہ تم سکھلا دو کیونکہ ہم دعا کو اپنے کرم سے رد نہین کرتے! اسپر اُنہوں نے عرض کیا کہ اے اللہ وہ احمق پشیمان ہو گا۔ اور افسوس سے اپنے ہاتھ کاٹے گا اور کپڑے پھاڑے گا۔ اب مولانا فرماتے ہین کہ ہر ایک کیلئے قدرت موافق نہین طالب اتقا کیلئے عجز ہی بہتر سرمایہ ہے۔ فقر اسی لئے ہمیشہ موجب فخر رہا ہے کہ محتاج کا معاصی تک نہ پہنچنے والا ہاتھ ہمیشہ تقوے ہی تک رہتا ہے اور دولتمندی

اور دولتمند بالعموم اسی لئے مردود ہے ہیں کہ حصول قدرت کے سبب معاصی سے صبر نہو سکا پس عجز و فقر آدمی کو نفس حریص کی بلا اور طرح طرح کے آلام سے بچاتا ہے کیونکہ غم تو ان فضول آرزوؤں سے پیدا ہوتا ہے جن کا شیطان کے پھندے میں پھنسا ہوا آدمی خوگر ہوتا ہے چنانچہ جو شخص مٹی کھانے کا عادی ہے اُسکو مٹی کی آرزو ہوتی ہے اور گل شکر اُسکو ہضم نہیں ہوتی اور عادت ہوتی ہے قدرت و سامان و دولت سے تو تمام غموم کی جڑ یہی چیزیں ہیں جب یہ نہ ہونگی تو پھر کوئی غم نہ ہوگا اور نہ کوئی آرزو ہوگی۔

شرح شبیری

ایک شخص کا موسیٰ علیہ السلام سے جانوروں کی زبان سیکھنے کی استدعا کرنا

گفت موسیٰ را یکے مرد جوان — کہ بیاموزم زبان جانوران

یعنی موسیٰ علیہ السلام سے ایک مرد جوان نے عرض کیا کہ مجھے جانوروں کی بولی سکھا دیجئے۔

تا بود کز بانگ حیوانات و دد — عبرتے حاصل کنم در دین خود

یعنی تاکہ ایسا ہو کہ درندوں اور چرندوں کی باتوں سے میں اپنے دین میں کوئی عبرت حاصل کروں۔

چوں زبانہائے بنی آدم ہمہ — در پئے آبست و ناں و دمدمہ

یعنی چونکہ سب آدمیوں کی زبانیں پانی اور روٹی اور مکر و فریب کے واسطے ہیں۔

بو کہ حیوانات را درد دگر — باشد از تدبیر ہنگام گذر

یعنی شاید کہ حیوانات کیلئے کوئی دوسرا مشغلہ موت کی تدبیر (وغیرہ کے متعلق) ہو۔ مطلب یہ کہ اُسنے کہا کہ مجھے حیوانات کی بولی سکھا دیجئے اسلئے کہ آدمی کی زبان تو دن رات اسی مشغلہ میں رہتی ہے کہ روٹی کا فکر کر لیا۔ پانی کا فکر کر لیا۔ مکر و فریب کر لیا۔ ان کی بولیاں سنکر تو اسی طرف طبیعت کو میلان ہوتا ہے اور اگر حیوانات کی بولیاں معلوم ہو جاوینگی تو ممکن ہے کہ وہ کچھ اُس طرف کے متعلق گفتگو کرتے ہوں اور سوچتے ہوں کہ موت کیواسطے تدابیر کرنا چاہئے۔ تو اُن کی باتوں سے ہمیں بھی اُس طرف توجہ ہو جاوے۔

گفت موسیٰ رو گذر کن زین ہوس　　　　کاین خطر دارد بسے در پیش و پس

یعنی موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ جا اس ہوس سے درگذر ۔ کیونکہ یہ بات آگے پیچھے بہت سے خطرے رکھتی ہے۔ مطلب یہ کہ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اس مین بہت سے خطرے ہین تو اس ہوس کو دل سے نکال دے ۔

عبرت و بیداری از یزدان طلب　　　　نہ از کتاب و از مقال و حرف و لب

یعنی عبرت اور بیداری خدا سے مانگ نہ کہ کتاب سے اور باتون سے اور حرفون سے اور لب سے مطلب یہ کہ میان ان باتون سے کہین عبرت اور بیداری ہوا کرتی ہے ۔ عبرت تو ہوا کرتی ہے توفیق حق سے تو خدا سے دعا کر بھلا ان باتون مین کیا رکھا ہے ۔

گرم تر شد مرد زان منعش کہ کرد　　　　گرم تر گردد ہمے از منع مرد

یعنی وہ آدمی اُس منع کرنے سے اور بھی مصر ہوا ۔ اور منع کرنے سے آدمی زیادہ مصر ہوا ہی کرتا ہے مطلب یہ کہ موسیٰ علیہ السلام نے جو منع کیا تو اسکو اور زیادہ اشتیاق ہوا اور وہ اور بھی اصرار کرنے لگا کہ نہین مجھے ضرور سکھا دیجئے ۔ دوسرے مصرع مین ایک قاعدہ کلیہ فرماتے ہین کہ بھائی منع کرنے سے تو ضد زیادہ ہوا ہی کرتی ہے جیسے کہ مشہور ہے کہ الانسان حریص لما منع ۔ غرضکہ اُس کا اصرار اسلئے اور بھی زیادہ ہوا ۔

گفت اے موسیٰ چو نور تو بتافت　　　　ہر چہ چیزے بود از تو چیز یافت

یعنی اُسنے عرض کیا کہ اے موسیٰ جبکہ آپ کا نور چمکا تو جو موجودات تھین سبنے آپسے کوئی چیز حاصل کی ہے

مر مرا محروم کردن زین مراد　　　　لائق لطفت نباشد اے جواد

یعنی اے کریم مجھے اس مراد سے محروم کرنا آپکے لطف کے لائق نہیں ہے ۔

این زمان قائم مقام حق توئی　　　　یاس باشد گر مرا مانع شوی

یعنی اس زمانہ مین خدا کے نائب آپ ہی ہین تو اگر آپ مجھے اس امر مین مانع ہونگے تو مجھے یاس ہوجاویگی ۔ مطلب یہ کہ اُسنے عرض کیا کہ اے موسیٰ علیک السلام جب سے آپکو نبوت ملی ہے تمام موجودات علیٰ فرق مراتب آپسے فیضیاب ہوئے ہین اور سب کو کچھہ نہ کچھہ فیض پہونچا ہے تو آپ بھلا مجھے جو میری مراد تک نہین پہونچاتے یہ آپکے لطف و کرم سے تو بہت ہی بعید ہے اسوقت آپ نائب حق ہین اور

حق تعالےٰ کے یہان سے حکم ہے کہ لا تقنطوا ناامید مت ہو اور مجھے آپ ناامید کئے دیتے ہین نائب حق ہو کر ناامید نہ کیجئے بلکہ میری مراد کو پورا فرما دیجئے۔

گفت موسے یارب این مرد سلیم　　سخرہ کرد ستش مگر دیو رجیم

یعنی موسی علیہ السلام نے جناب باری مین عرض کیا کہ اے اللہ یہ آدمی تو بہولا ہے شاید اس کو شیطان ملعون نے مسخر کر لیا ہے۔

گر بیاموزم زیان کارش بود　　ور نیاموزم دلش بد مے شود

یعنی اگر سکہاتا ہون تو اسکے کام کا نقصان ہوتا ہے اور اگر نہین سکہاتا ہون تو اُس کا جی برا ہوتا ہے۔ مطلب یہ کہ جب اُسنے بہت ہی اصرار کیا اور موسیٰ علیہ السلام جانتے تھے کہ اسکو سیکہنے سے نقصان ہوگا۔ اور وہ مانتا نہ تھا تو موسی علیہ السلام نے جناب باری مین دعا کی کہ اے اللہ یہ آدمی ویسے تو بہولا معلوم ہوتا ہے۔ مگر شیطان نے شاید اسکو خوب اچہی طرح بہکا دیا ہے جو یہ اسقدر اصرار کر رہا ہے اب مشکل یہ ہے کہ اگر سکہاتا ہون تو اس کا نقصان ہوتا ہے اور نہ سکہاؤن تو اس کی دل شکنی ہوتی ہے اب کرون تو کیا کرون۔

گفت ای موسےٰ بیاموزش کہ ما　　رد نکردیم از کرم ہرگز دعا

یعنی ارشاد باری ہوا کہ اے موسیٰؑ آپ اسکو سکہا دیجئے اسلئے کہ ہمنے کرم کی وجہ سے کبہی دعا کو رد نہین کیا۔

گفت یارب او پشیمانی خورد　　دست خاید جامہ ہارا بر درد

یعنی موسی علیہ السلام نے عرض کیا کہ اے اللہ وہ (بعد مین) پشیمان ہوگا۔ ہاتھ کاٹے گا اور کپڑون کو پہاڑے گا۔ مطلب یہ کہ جب ارشاد حق سکہا دینے کا ہوا تو موسی علیہ السلام نے عرض کیا کہ اے اللہ اسکو اس بولی کے سیکہنے سے نقصان ہوگا جو کہ اسکو اسوقت معلوم نہین ہوتا۔ اُسوقت روتا پہرےگا اور پریشان اور پشیمان ہوکر ہاتھ کاٹے گا اور کپڑے پہاڑے گا۔ اور افسوس کرے گا۔ تو بہتر ہے کہ ابہی نہ سکہایا جاوے آگے مولانا فرماتے ہین کہ:

نیست قدرت ہر کسے را سازوار　　عجز بہتر مایۂ پرہیزگار

یعنی ہر شخص کیلئے قدرت ہونا مناسب نہیں ہے پرہیزگار کا سرمایہ تو عجز ہی بہتر ہے۔

فقر زین رو فخر آمد جاودان　　که بتقوے ماند دست نارسان

یعنی فقر ہمیشہ اسی لئے مایۂ فخر رہا ہے کہ محتاج کا ہاتھ تقوے ہی مین بند رہتا ہے۔

زاں غنا وزاں غنی مردود شد　　که ز قدرت صبرہا مدرونہ شد

یعنی غنا اور غنی اسیلئے مردود ہوئے کہ قدرت کی وجہ سے صبر جاتے رہے۔

آدمی را عجز و فقر آمد اماں　　از بلائے نفس پُر حرص و غماں

یعنی آدمی کیلئے نفس پر حرص وغم کی بلاؤں سے عجز و فقر جائے امن ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ہر شخص کیلئے صاحب مقدرت اور غنی ہونا مناسب نہیں ہے اور ہر شخص کو دولت موافق نہیں ہوتی بلکہ بہت سے لوگ ایسے ہین کہ جنکو فقر ہی کی بدولت تقوے نصیب ہے کہ چونکہ انکو کسی شئے پر قدرت نہیں ہے اور وہ کچھہ کرہی نہیں سکتے اسلئے اُن کا تقوے درست ہے اور اگر کہین خدانخواستہ ایسے طبیعت والے صاحب قدرت ہوتے تو پھر تو خدا جانے کیا غضب ڈہاتے۔ کسی نے کہا ہے کہ ؎ زاہد نہ داشت تاب جمال پری رُخان + کُنجے گرفت و ترس خدا را بہانہ ساخت۔

غرضکہ یہی وجہ ہے کہ اکثر مواقع مین فقر کو مایۂ فخر کہا جاتا ہے کہ طبائع ضعیف ہین تو اکثر جگہ فقر ہی بہتر ہی کہ نہ قدرت ہوگی اور نہ کوئی حرکت کرسکینگے اور یہی وجہ ہے کہ بہت سے غنی مردود ہوچکے ہین کہ اُن کو قدرت تھی اور پھر نہ سنبھل سکے نہ صبر کرسکے اور بلاہائے نفس میں مبتلا ہوگئے پس نفس و شیطان کی بلاؤن اور اُن کے پہندون سے امن تو فقر ہی مین ملتا ہے اسلئے کہ

آن غم آید ز آرزوہائے فضول　　که بدان خو کردہ است آن صید غول

یعنی وہ غم فضول آرزوون ہی سے آتا ہے جسکا کہ یہ شیطان کا شکار عادی ہوتا ہے

آرزوئے گِل بود گلخوارہ را　　گل شکر نگوارد آن بیچارہ را

یعنی مٹی کہانیوالیکو مٹی ہی کی آرزو ہوتی ہے اُس بیچارہ کے گل شکر ہضم ہی نہیں ہوتی۔ مطلب یہ کہ غموم و بلاہائے شیطانی و نفسانی تو فضول فضول آرزوؤں بیہودہ باتون ہی سے پیدا ہوتے ہین اور فضول آرزوئین پیدا ہوتی ہین مال و دولت کے ہونے سے۔ لہذا اصل جڑ سب چیزون کی یہی حضرت مال و دولت ہی ہوئے۔ تو مال و دولت اگرچہ کیسی ہی نعمت ہو لیکن بعض آدمی کے موافق نہیں آتی۔ اس کی ایسی مثال ہے کہ دیکھو جسکو مٹی کہانے کی عادت ہوتی ہے وہ مٹی ہی کہاتا ہے اسکو

گل شکر ہضم ہی نہین ہوتی حالانکہ گل شکر ظاہر ہے کہ کیسی عمدہ اور لطیف اور نفیس چیز ہے تو اسی طرح دولت اگرچہ کیسی ہی نفیس ولطیف کیون نہو لیکن ہر شخص کے مناسب نہین ہے ۔ بس اسی طرح جانورون کی بولی سمجھنا اور اُس سے عبرت حاصل کرنا کیسا ہی اچھا کیون نہو لیکن اس شخص کے مناسب نہ تھا مگر اسکو جتنا منع کیا جاتا تھا اُس کا اصرار اُسیقدر زیادہ ہوتا تھا ۔ آخر حضرت موسی علیہ السلام کے پاس حضرت حق کی طرف سے دوسری مرتبہ وحی آئی جسکو آگے بیان فرماتے ہین ۔

شرح حبیبی

بعد ازان وحی آمد از حضرت که رو ‌ ‌ ‌ هرچه می گوید به لطف خود شنو

گفت یزدان که بده بالیست او ‌ ‌ ‌ برگشا در اختیار آن دست او

اختیار آمد عبادت را نمک ‌ ‌ ‌ ورنه می گردد بناخواه این فلک

گردش او را نه اجر و نی عقاب ‌ ‌ ‌ کاختیار آمد هنر وقت حساب

جمله عالم خود مسبّح آمدند ‌ ‌ ‌ نیست آن تسبیح جبری سودمند

تیغ در دستش نه از عجزش بکن ‌ ‌ ‌ تا که غازی گردد او یا راه زن

زانکه کرّمنا شد آدم ز اختیار ‌ ‌ ‌ نیم زنبور عسل شد نیم مار

مومنان کانِ عسل زنبور وار ‌ ‌ ‌ کافران خود کانِ زهرے همچو مار

زانکه مومن خورد بگزیده نبات ‌ ‌ ‌ تا چو نحلے گشت ریق او حیات

باز کافر خورد شربت از صدید ‌ ‌ ‌ هم ز قوتش زهر شد در وے پدید

اهل الهام خدا عین الحیات ‌ ‌ ‌ اهل تسویل هوا سم الممات

در جهان این مدح و شاباش و زهے ‌ ‌ ‌ ز اختیارست و حفاظ و آگهے

جملہ رندان چونکہ در زندان روند | متقی و زاہد و حق خوان شوند

چونکہ قدرت رفت کاسد شد عمل | ہین کہ تا سرمایہ نستاند اجل

قدرتت سرمایۂ سود ست ہین | وقت قدرت را نگہدار و ببین

آدمی بر خنگ کرّمنا سوار | در کف درکش عنان اختیار

باز موسیٰ داد پند او را بمہر | کہ مرادت زود خواہد کرد چہر

ترک این سودا بگو وز خود بترس | دیو دادستت برائے مکر درس

ہین برو در سر خود کم طلب | کاین مرادت افگند در صد تعب

گفت بارے نطق سگ کو بر درست | نطق مرغ خانگی کاہل پرست

گفت موسیٰ ہین تو دانی در رسید | نطق این ہر دو شود بر تو پدید

اُسکے بعد حضرت حق سبحانہ کی طرف سے وحی آئی کہ جائیے جو کچھ وہ کہے اُسکو مہربانی سے سنئے اور اس کی خواہش پوری کرکے اُسکو عاجز سے مختار بنائیے تاکہ وہ امتحان کے قابل ہو سکے۔ اب مولانا فرماتے ہین کہ اختیار عبادت کیلئے ایسا ہے جیسا کہ کھانیکے لئے نمک۔ کیونکہ جس طرح کھانا نمک سے پسندیدہ ہوتا ہے یونہی عبادت اختیار سے مرغوب ہوتی ہے ورنہ اضطرارًا تو آسمان بھی چکر کھاتا ہے لیکن اُس کی گردش پر نہ سزا ہے نہ جزا کیونکہ محاسبہ کیوقت اختیار ہی کو ایک اعلی وصف سمجھا گیا اور یہی مبنی ہے جزا و سزا کا اور اختیار فلک مین معدوم ہے علے ہذا تمام عالم تسبیح قہری کرتا ہے لیکن اُس جبری تسبیح سے کیا فائدہ۔ طریقہ امتحان تو یہ ہے کہ تلوار ہاتھ مین دیدو اور عجز کو رفع کردو پھر دیکھو کہ وہ غازی ہوتا ہے یا ڈکیتی کرتا ہے چونکہ آدمی اختیار ہی کے سبب مکرم بنا ہے اور اُسکو اختیار عطا کیا گیا ہے اسی لئے کچھ ان مین شہد کی مکھی ہو گئے اور کچھ سانپ۔ یا یون کہو کہ ہر ایک من وجہ شہد کی مکھی ہو گیا اور من وجہ سانپ لیس مومن

توشہد کی مکھی کی طرح کان شہد ہین اور کافر معدن زہر جیسا کہ سانپ ہوتا ہے کیونکہ مومن اپنے
اختیار کو کام مین لائے اور جہتہ محمودہ کو غالب کیا توشہد کی مکھی کی طرح کانِ عسل ہو گئے اور کفار
نے اپنے اختیار سے جہت مذمومہ کو غالب کیا تو وہ معدن زہر ہو گئے۔ مومنین کی کانِ عسل ہونیکی
وجہ یہ ہے کہ اُنہون نے عمدہ نباتات کہائے ہین اور معارف سے غذا حاصل کی ہے۔ اُس کا نتیجہ یہ
ہوا کہ شہد کی طرح اُن کا تھوک مایۂ حیات بن گیا (لعلہ اشارۃ الی ما ھو المشہور من انہ قال
صلی اللہ علیہ وسلم سور المومن شفاء) اسکے خلاف کفار نے صدید کفر سے غذا حاصل کی تو اس
کی غذا سے اُسکے اندر زہر پیدا ہو گیا۔ پس ملہم من الحق چشمۂ آب حیات بن گئے۔ اور جو خواہشات
نفسانیہ کی تلمیعات مین مبتلا ہین وہ زہر ہلاہل ہو گئے۔ غرضکہ عالم مین تعریف اور شاباش اور واہ
واہ سب اختیار اور محافظت حدود و تیقظ ہی کی بناء پر ہے ورنہ جو قیدی جیلخانہ مین جاتے ہین
سب متقی اور پارسا اور خدا کو پکارنے والے ہو جاتے ہین مگر کچھہ بھی تعریف کی بات نہین کیونکہ
جب قدرت معصیت نہ رہی تو عمل بھی خراب ہو جاتا ہے تمکو متنبہ ہونا چاہئے کہ موت اس دولت
کو تم سے نہ چھین لے کیونکہ قدرت ہی منفعت کا سرمایہ ہے پس تمکو وقت قدرت کی حفاظت کرنی
چاہئے اور اسے ضائع نکرنا چاہئے کیونکہ آدمی اسپ کرامت پر اسی لئے سوار ہے کہ اُسکے ادراک
کے ہاتھ مین اختیار کی باگ ہے ورنہ اُس مین اور اوروں مین کیا فرق ہے یہ مضمون اضطراری تو ہو چکا۔
اب اصل قصہ سنو۔ موسے علیہ السلام نے شفقت سے پھر اُسے نصیحت فرمائی اور کہا کہ تمہاری مراد
تو بہت جلدی حاصل ہو جاویگی مگر بہتر یہ ہے کہ تم اس خیال کو چھوڑ دو اور اپنے نفس سے ڈرو۔
دیکھو شیطان نے دغا کیلئے تمکو یہ فریب دیا ہے جاؤ اور دردسری مول نہ لو کیونکہ اس مقصد سے
بہت تکلیف ہوگی اُسنے کہا اچھا زیادہ نہین صرف ایک کُتے کی زبان سکھلا دو جو میرے دروازہ پر پڑے
اور ایک مرغ خانگی کی جو بازو رکھتا ہے۔ موسی علیہ السلام نے فرمایا اچھا تو جان اور جا تیرا مدعا
حاصل ہو گیا۔ اور پھر ان دونوں کا نطق منکشف ہو گیا۔

شرح شبیری

حق تعالی کی جانب سے موسی علیہ السلام کی طرف وحی آئی کہ اُسکو جو چیز وہ چاہتا ہے سکھلا دو

بعد ازاں وحی آمد از حضرت کہ رَو　　　ہر چہ می گوید بہ لطف خود شنو

یعنی اُسکے بعد حضرت حق سے وحی آئی کہ (اے موسیٰ ع) جاؤ اور وہ جو کچھ کہے لطف و مہربانی سے اُسکو سنو۔

گفت یزدان کہ بدہ بالیست او　　　برکشا در اختیار آن دست او

یعنی حق تعالیٰ نے فرمایا کہ اُس کا مطلوب دیدو اور اختیار مین اُس کا ہاتھ کہولدو۔ مطلب یہ کہ اُسکے ہاتھ جو اب عجز کی وجہ سے بندہ رہے ہین اُسکو کہول کر اُسکو با اختیار کردو۔ اور وہ جو چاہتا ہی اُسکو بتادو تاکہ ہم امتحان کرسکین اسلئے کہ اجر و مواخذہ تو اُسی وقت ہوسکتا ہے جبکہ انسان کو اختیار بھی ہو اور اگر اختیار ہی نہیں تو پہر اجر و مواخذہ ہی کیا ہوگا۔ آگے مولانا فرماتے ہین کہ۔

اختیار آمد عبادت را نمک　　　ورنہ می گردد بناخواہ این فلک

یعنی عبادت کیلئے اختیار نمک ہے ورنہ اضطراراً تو یہ آسمان بھی گردش مین ہے۔

گردش او را نہ اجر و نے عقاب　　　کاختیار آمد ہنر وقت حساب

یعنی اُس کی گردش کیلئے نہ اجر ہے اور نہ عذاب ہے کیونکہ حساب کے وقت تو اختیار ہی ہنر ہے مطلب یہ کہ جسطرح نمک سے کہانا پسندیدہ ہوجاتا ہے اسی طرح اختیار سے عبادت پسندیدہ ہوجاتی ہے ورنہ آخر بے اختیار کے تو آسمان و زمین سب گردش مین ہین اضطراراً یہ سب کام مین ہین لیکن چونکہ اُنکو اختیار نہین ہے اسلئے ان کے کام کا نہ کوئی اجر ہے اور نہ کوئی انکو اُس میں عذاب ہے بلکہ ایک کام ہے جو کہ سپرد کردیا گیا ہے اور یہ بیچارے اُس میں لگے ہوئے ہین آگے فرماتے ہین کہ۔

جملہ عالم خود مسبح آمدند　　　نیست زان تسبیح جبری سودمند

یعنی تمام عالم خود مسبح ہے لیکن اُس اضطراری تسبیح سے کوئی نفع نہیں ہے۔ غرضکہ اصل شے ہر کام مین اختیار ہے اسی کی وجہ سے اجر ملتا ہے اور یہی وہ شے ہے جو کہ فعل عبد کو موجب عقاب کردیتی ہی آگے پہر ارشاد باری ہے کہ

تیغ در دستش نہ از عجزش بکن　　　تاکہ غازی گردد او یا راہ زن

یعنی اُسکے ہاتھ مین تلوار رکھدو اور عجز سے اُسکو برطرف کردو تاکہ (معلوم ہوکہ) غازی ہوتا ہے یا ڈاکو

مطلب یہ کہ ارشاد ہوا کہ اسکو سکھا دو تاکہ اُسکے بعد معلوم ہو کہ اُسکو اچھی جگہ استعمال کرتا ہے یا بُری جگہ استعمال کرتا ہے اور جب تک اسنے سیکھا ہی نہیں اُسوقت تو اس کا امتحان ہو ہی نہین سکتا۔ اور ارشاد ہے کہ

زانکہ کرمنا شد آدم زاختیار　　　نیم زنبور عسل نیمش مار

یعنی اسلئے کہ آدم اختیار ہی کی وجہ سے کرمنا ہوا ہے کہ وہ اختیار آدھا تو شہد کی مکھی ہے اور آدھا سانپ ہے۔

مومنان کان عسل زنبور دار　　　کافران خود کان زہرے ہمچو مار

یعنی مومن لوگ تو شہد کی مکھی کی طرح شہد کی کان ہین اور کافر لوگ سانپ کی طرح زہر کی کان ہین

زانکہ مومن خورد بگزیدہ نبات　　　تا چو نحلے گشت ریق او حیات

یعنی اسلئے کہ مومن نے تو چھٹی ہوئی شکر کھائی یہانتک کہ شہد کی طرح اُس کا تھوک موجب حیات ہوا۔

باز کافر خورد شربت از صدید　　　ہم ز قوتش زہر شد در وے پدید

یعنی پھر کافر نے شربت پیپ کا کھایا تو اُس کی روزی سے اُس مین زہر ہی ظاہر ہوا۔ مطلب کہ انسان کو جو خلعت ولقد کرمنا بنی آدم عطا ہوا ہے اُس کا سبب یہ اختیار ہی تو ہے کہ چونکہ یہ عبادت حق باختیار خود کرتا ہے لہذا اس کا اکرام ہوا اور نہ اُسکو دیگر اشیاء پر کیا فضیلت ہے صرف اس اختیار ہی نے اس کا یہ مرتبہ کر دیا ہے اب اس اختیار کے دو پہلو ہین ایک تو اچھا مثل شہد کے اور ایک بُرا مثل سانپ کے مومنین نے چونکہ اس اختیار کو عبادت حق مین خرچ کیا تو اُن کو مراتب عالیہ نصیب ہوئے۔ اور کفار نے چونکہ ان کو دوسری طرف خرچ کیا لہذا اُنکو اُس کا بدلہ ویسا ہی ملا۔ غرضکہ جیسا جسنے کیا ویسا بھرا۔ آگے فرماتے ہین کہ۔

اہل الہام خدا عین الحیات　　　اہل تسویل ہوا سم الممات

یعنی الہام خداوندی والے تو چشمہ حیات ہین اور ہوا اسنے نفسانی کو سنوارنے والے موت کے زہر ہین مطلب یہ کہ جو لوگ اولیاء اللہ ہین وہ تو چشمہ حیات ہین کہ اُن کے ذریعہ سے حیات ابدی اور حیات روحانی نصیب ہوتی ہے۔ اور جو لوگ خواہشات نفسانی کے متبع ہین وہ گویا کہ زہر قاتل ہین۔

در جہان این مدح و شاباش و زہے　　　ز اختیار است و حفاظ و آگہے

یعنی دنیا مین یہ تعریف اور شاباش اور واہ واہ اختیار و حفاظت اور آگاہی ہی کی وجہہ سے ہے مطلب یہ کہ دنیا مین دیکھ لو کہ جسکی کوئی تعریف کرتا ہے وہ اسی وجہ سے کہ اُس شخص نے کوئی کام اپنے اختیار سے اچھا کیا ہو۔ اور اگر کسی سے کسی نے زبردستی کوئی اچھا کام کرالیا تو اُس کی کوئی بھی تعریف نہین کرتا تو معلوم ہو گیا کہ اچھائی اور بُرائی سب اختیار ہی کی بدولت ہے آگے ایک مثال دیتے ہین کہ۔

جملہ رندان چونکہ در زندان روند　　　متقی و زاہد و حق خوان شوند

یعنی سارے بدمعاش جبکہ قیدخانہ مین جاتے ہین تو متقی اور زاہد اور خدا کی یاد کرنے والے ہو جاتے ہیں۔ مطلب یہ کہ دیکھو دنیا مین جب بدمعاش لوگ قیدخانہ مین جاتے ہین تو کیسے نیک بنجاتے ہین۔ اس کی وجہ کیا ہے۔ وجہ صرف یہی ہے کہ وہان افعال بد پر قدرت تو ہوتی نہین اور اختیار باطل ہو جاتا ہے۔ پس نیک ہو جاتے ہین۔ لیکن اُس وقت کی نیکی قابل اعتبار نہیں اسلئے کہ دیکھو اگر کوئی شخص کہے کہ مین (خدانخواستہ) اسقدر مدت جیل مین رہا اور مین نے اُس مین رہتے ہوئی کسی کی چوری نہین کی تو پھر سننے والا یہی کہے گا کہ یہ تو کوئی کمال نہین۔ کمال جب ہے کہ تو شہر میں ہو اور تجھے چوری کا موقعہ بھی ملے اور پھر چوری نہ کرے پس اسیطرح اگر بعد مرنے کے دوزخ مین جاتے وقت (نعوذ باللہ منہ) کوئی توبہ کرے کہ اب گناہ نہ کرون گا وہ توبہ کار آمد نہین ہے جیسا کہ ظاہر ہے تو یہ تو اب ہے کہ گناہ کر سکتے ہین تمام سامان موجود ہین اور پھر ایک خوف حق ہے جو اُس گناہ کی طرف رُخ بھی نہین کرنے دیتا۔ یہ ہے اُس اختیار سے اچھا کام لینا اور یہی ہے وہ اختیار جسکی وجہہ سے کہ انسان کا اکرام ہوا ہے۔ ربنا لاتزغ قلوبنا بعد اذ ھدیتنا وھب لنا من لدنک رحمۃ انک انت الوھاب آگے خود اسی کو فرماتے ہین کہ۔

چونکہ قدرت رفت کاسد شد عمل　　　ہین کہ تا سرمایہ نستاند اجل

یعنی جبکہ قدرت جاتی رہی تو عمل بیکار ہو گیا۔ ہوشیار رہنا کہ کہین سرمایہ کو موت نہ لے لے مطلب یہ کہ ذرا ہوشیار رہو کہین موت آجاوے اور یہ اختیار بالکل باطل ہو جاوے موت کے آنے سے پہلے پہلے عمل کر لو ورنہ اُسکے بعد تو سارے اعمال بیکار ہو جاوین گے۔

قدرتت سرمایہ سود ست ہین　　　وقت قدرت را نگہدار و بہ بین

یعنی تمہارا اختیار ہی نفع کی پونجی ہے اختیار کے وقت کی حفاظت کرو اور دیکھتے بھالتے رہو مطلب یہ کہ اس وقت فرصت کو غنیمت جانو اور اس حالت مین جبکہ حق تعالیٰ نے اختیار دے رکھا ہے اس سے کام لو ورنہ اس کے بعد اسکو تلاش کروگے اور اس کا کہین پتہ نہ ہوگا۔

آدمی بر خنگ کرمنا سوار　　　در کف درکش عنان اختیار

یعنی آدمی کرمنا کے گھوڑے پر سوار ہے۔ اور اُسکے ادراک کے ہاتھ مین اختیار کی باگ ہے مطلب یہ کہ انسان اکرام حق کے گھوڑے پر سوار ہے اور باگ اُسکے ہاتھ مین اختیار کی ہے اگر اُسنے اُس باگ اختیار کو سیدہا رکہا اور راہ راست پر لیچلا تو وہ گھوڑا یعنی اکرام صحیح وسالم رہا اور یہ صاحب اکرام اور مکرم رہے اور اگر اُس باگ اختیار کو ٹیڑہا رکہا اور کہین بے راہ چلا تو نتیجہ یہ ہوا کہ وہ گھوڑا کہین گڈہے وغیرہ مین جا پڑا اور اُسکے ہاتھ پاؤن ٹوٹ گئے اور بیکار ہوگیا اور یہ شخص بھی صاحب اسپ صاحب اکرام نہ رہا۔ غرضکہ جو اکرام ہے اور جو ذلت ہے جو اجر ہے اور جو عذاب ہے وہ سب اس اختیار ہی کی بدولت ہے۔ لہذا ارشاد حق ہوا کہ اسکو جو یہ کہتا ہے سکہا دو تاکہ یہ عاجز نہ رہے اُسکے بعد دیکھینگے کہ یہ اُس اختیار کو کس جگہ استعمال کرتا ہے آیا اچھی جگہ استعمال کرتا ہے یا بُری جگہ اُس طرف سے یہ ارشاد ہوا لیکن نبی کو جو امت پر رحمت ہوتی ہے اُس کی بنا پر حضرت موسی علیہ السلام نے اُس شخص کو ایک مرتبہ اور سمجہانا چاہا اور فرمایا کہ۔

باز موسی داد پند او را بہ مہر　　　کہ مرادت زرد خواہد کرد چہر

یعنی پہر موسیٰ علیہ السلام نے اُسکو محبت سے نصیحت کی کہ ارے تیری مراد تیرا چہرہ زرد کردے گی مطلب یہ کہ حضرت موسی علیہ السلام نے فرمایا کہ دیکھ تیری یہ آرزو اور یہ مراد تجھے بعد مین شرمندہ اور زرد رو کریگی تو خوب سمجھہ لے۔

ترک این سودا بگو وز حق بترس　　　دیو دادستت برائے مکر درس

یعنی اس خیال کو چہوڑ اور خدا سے ڈر کہ تجھے شیطان نے مکر کی وجہ سے یہ سبق دیا ہے

ہین بر و در د سر خود کم طلب　　　کاین مرادت افگند در صد تعب

یعنی ارے جا اپنا درد سر مت ڈہونڈہو کہ یہ مراد تجھے سیکڑون مصیبتون مین ڈالدیگی۔

مطلب یہ کہ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ دیکھ اس خیال سے درگذر یہ خیال شیطانی ہے تو بہت مصیبت مین پڑیگا۔ غرضکہ جب بہت سمجھایا تو ذرا تھوڑی سی کچھہ سمجھہ آئی لیکن رہی وہی مرغی کی ایک ٹانگ صرف اس قدر کمی ہوئی کہ پہلے تو تمام جانورون کی بولی سیکھنے کی تمنا تھی اب صرف اپنے گھر کے پلے ہوئے کتے اور مرغ کی بولی سیکھنے کی آرزو رہگئی جسکو مولانا آگے بیان فرماتے ہین کہ۔

اُس طالب کا صرف مُرغ خانگی اور کُتّے کی زبان سیکھ لینے پر قانع ہوجانا اور موسیٰ علیہ السلام کا اسکو قبول فرمالینا

گفت بارے نطق سگ کو بر درست	نطق مرغ خانگی کاہل پرست

یعنی اُس شخص نے کہا کہ اچھا اُس کتّے کی بولی جو کہ دروازہ پر ہے اور اُس مرغ خانگی کی بولی جو کہ پرندہ ہے مطلب یہ کہ اُسنے کہا کہ اچھا ایک کتے کی اور ایک مرغ کی جو کہ میرے یہاں پلے ہوئے ہیں بولی سکھادیجئے کہ ایک چوپایہ ہے اور ایک پرندہ ہے اور پہر رات دن میرے سامنے رہتے ہین۔ باتین کرتے ہین تو مین یہی سمجھا کرون اور سنا کرون۔ غرضکہ جب اُسنے نہ مانا تو موسیٰ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ۔

گفت موسیٰ ہین تو دانی در رسید	نطق این ہر دو شود بر تو پدید

یعنی موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اچھا تو جان لیگا اور ان دونون کی بولی تجھپر ظاہر ہو جاویگی لے اب تو مقصود مل گیا۔

شرح حبیبی

بامداداں آں برائے امتحان	ایستاد او منتظر بر آستان
خادمہ سفرہ بیفشاند و فتاد	پارۂ نانِ بیات آثار زاد
در ربود آنرا خروسے چون گرو	گفت سگ کردی تو بر ما ظلم رو
دانۂ گندم تو دانی خورد و من	عاجزم در دانہ خوردن در وطن

گندم و جو را و باقی حبوب — تو توانی خورد من نی ای طروب

این لب نانی که قسم ماست آن — می ربائی اینقدر را از سگان

پس خروسش گفت تن زن غم مخور — که عوض بدهد خدا زین به دگر

اسپ این خواجه سقط خواهد شدن — روز فردا سیر خور کم کن حزن

مر سگان را عید باشد مرگ اسپ — روزئ وافر بود بی جهد و کسب

اسپ را بفروخت چون بشنید مرد — پیش سگ شد آن خروس روی زرد

روز دیگر همچنان نان را ربود — آن خروس و سگ بر و لب برکشود

کای خروس عشوه ده چندین دروغ — ظالمی و کاذبی و بی فروغ

اسپش گفتی سقط گردد کجاست — کور اختر گوئی محروم ز راست

گفت او را آن خروس با خبر — که سقط شد اسپ او جای دگر

اسپ را بفروخت جست او از زیان — آن زیان انداخت او بر دیگران

لیک فردا اشترش گردد سقط — مر سگان را باشد این نعمت فقط

زود اشتر را فروشید آن حریص — یافت از غم وز زیان آندم محیص

روز ثالث گفت سگ با آن خروس — ای امیر کاذبان با طبل و کوس

تا بکی گوئی دروغ ای بی فروغ — دروغی ای نااهل دروغی دروغ

گفت او بفروخت اشتر را شتاب — لیک فردایش غلام آید مصاب

چون غلام او بمیرد نانها — بر سگ و خواهنده ریزند اقربا

این شنید و آن غلامش را فروخت — رست از خسران و رخ را بر فروخت

شکرها می‌کرد و شادیها که من — رستم از سه واقعه اندر زمن

تا زبانِ مرغ و سگ آموختم — دیدهٔ سوء القضا را دوختم

روز دیگر آن سگِ محروم گفت — کای خروس ژاژ خا کو طاق و جفت

چند چند آخر دروغ و مکرِ تو — خود نپرد جز دروغ از وکرِ تو

گفت حاشا از من و از جنس من — که بگردیم از دروغی ممتحن

ما خروسان چون مؤذن راست گو — هم رقیب آفتاب و وقت جو

پاسبان آفتابیم از درون — گر کنی بالای ما طشتی نگون

پاسبانِ آفتاب اند اولیا — در بشر واقف ز اسرارِ خدا

اصل ما را حق پی بانگ نماز — داد هدیه آدمی را در جهاز

گر به ناهنگام سهو از ما رود — در اذان آن مقتل ما می‌شود

گفت ناهنگام حی علی الفلاح — خونِ ما را می‌کند خوار و مباح

آنکه معصوم آمد و پاک از غلط — آن خروسِ وحی جان آمد فقط

آن غلامش مرد پیش مشتری — شد زیانِ مشتری آن یکسری

او گریزانید مالش را ولیک — خونِ خود را ریخت اندر یاب نیک

یک زیان دفع زیانها می‌شدی — جسم و مال ماست جانها را فدی

پیش شاهان در سیاست گستری — می‌دهی تو مال و سر را می‌خری

اعجمی چون گشتهٔ اندر قضا — می گریزانی ز داور مال را

لیک فردا خواهد او مردن یقین — گاو خواهد گشت وارث در حنین

صاحب خانه بخواهد مرد و رفت — روز فردا نک رسیده لوت زفت

پارهای نان و لالنگ و طعام — درمیان گوئی یا بد خاص و عام

گاو قربانی و نانهائی تنک — بر سگان و سائلان ریزد سبک

مرگ اسپ و اشتر و مرگ غلام — بد قضا گردان این مغرور خام

از زیان مال و درد آن گریخت — مال افزون کرد و خون خویش ریخت

این ریاضتهای درویشان چراست — کان بلا بر تن بقای جانهاست

تا بقای خود نیابد سالکی — چون کند تن را سقیم و هالکی

دست کی جنبد بایثار و عمل — تا نه بیند داده را جانش بدل

آنکه بدهد بی امید سودها — آن خدایست آن خدایست آن خدا

آن ولی حق که خوی حق گرفت — نور گشت و تابش مطلق گرفت

او غنی است و جز او جمله فقیر — کی فقیری بی عوض گوید که گیر

تا نه بیند کودکی که سیب هست — او پیاز گنده را ندهد ز دست

این همه بازار بهر این غرض — برد دکانها شسته بهر این عوض

صد متاع خوب عرضه می کنند — واندرون دل عوضها می تنند

یک سلامی نشنوی ای مرد دین — که نگیرد آخرت آن آستین

بے طمع نشنیدہ ام از خاص و عام	من سلامے اے برادر والسلام
جز سلام حق تو ہین آنرا بجو	خانہ خانہ جا بجا و کو بکو
از دہانِ آدمے خوش مشام	ہم پیام حق شنیدم ہم سلام
وین سلام باقیان بر بوئے آن	من ہمی نوشم بدل خوشتر ز جان
زان سلام او سلام حق شدہ است	کاتش اندر دودمان خود زدہ است
مردہ است از خود شدہ زندہ برب	زان بود اسرار حقش در دو لب
مردن تن در ریاضت زندگیست	رنج این تن روح را پائندگیست

وہ درخواست کنندہ موسیٰ علیہ السلام سے رخصت ہوکر اپنے مکان پر آیا اور اگلے دن صبح کو وقت امتحان کیلئے دروازہ پر منتظر ہوکر کھڑا ہوا کہ دیکھون مین کتے اور مرغے کی زبان سمجھتا ہون یا نہین۔ اتنے مین خادمہ آئی اور اُسنے دسترخوان جھاڑا اس مین سے رات کے کہانے کے بچے کچھے ٹکڑے نیچے گرے اُن کے گرتے ہی اُنکو مرغا اس طرح لے اڑا اسطرح وہ اُسکے پاس گروہون یہ دیکھکر کتے نے کہا کہ جاؤ جی تمنے تو ہمپر بڑا ظلم کیا تو تو غلہ بھی کہا لیتا ہے اور مین مکان مین غلہ کہا نہین سکتا تو تو گیہون جو اور ہر قسم کا اناج کہا لیتا ہے اور مین نہین کہا سکتا۔ ہمارا حقہ تو یہی روٹی کا کنارہ تھا سو اسکو بھی اُڑا لیجاتا ہے اور اتنا بھی ہمین نہین دیتا اسپر مرغ نے اُس سے کہا کہ ذرا خاموش رہ رنج مت کر خدا تجھے اس کا عوض اس سے بہتر دیگا کل کو میان کا گھوڑا مریگا تو خوب پیٹ بھر کر کہانا رنجیدہ مت ہو جب گھوڑا مریگا تو کتون کی عید ہوگی اور بے زحمت و مشقت بہت سا رزق ملیگا۔ یہ سنکر اُسنے گھوڑے کو بیچ دیا اور مرغ کو کتے سے سخت ندامت ہوئی۔ دوسرے دن بھی اُسی طرح مرغ نے روٹی اُڑالی اور کتے نے پھر شکایت کی اور کہا کہ او فریبی مُرغے اتنا جھوٹ۔ تو ظالم ہے تو بڑا جھوٹا ہے۔ تیری بات بالکل قابل اعتبار نہیں تو نے جو کہا تھا کہ گھوڑا مرے گا بتا تو سہی کہان مرا تو اپنی پیشین گوئیون کے سبب سچ سے بالکل محروم ہے واقف کار مُرغے نے

جواب دیا کہ مرا تھے مگر دوسری جگہ مرا ہے۔ میاں نے اُسکو بیچ دیا اور خود نقصان سے بچ گئے اور وہ نقصان دوسرے کے سر ڈالدیا لیکن تو گھبرا نہین کل کو اونٹ مرے گا اور وہ صرف کتون ہی کا حصہ ہوگا۔ یہ سنکر اُس حریص نے اونٹ کو بھی بیچدیا اور رنج اور نقصان سے چھوٹ گیا۔ تیسرے روز کتے نے پھر مرغے سے کہا کہ او جھوٹون کے صاحب نوبت و نشان بادشاہ تو کب تک جھوٹ بولکر مجھے فریب دیگا۔ معلوم ہوتا ہے کہ تو سراسر فریب بالکل دہوکا اور مجسّم دغا ہے اُسنے کہا مین کیا کرون اُسنے فوراً ہی اونٹ کو بیچدیا۔ اچھا تو صبر کر کل کو اس کا غلام مریگا اور جب غلام مریگا تو عزیز و اقارب کتون اور فقیرون کو روٹیان دین گے اُسنے یہ سنا اور غلام کو بھی بیچڈالا۔ اور اس طرح نقصان سے بچ گیا اور بہت خوش ہوا اور بڑے شکر کئے اور بہت خوشیان منائین کہ مین فی الحال تین واقعون سے بچ گیا جب کہ مین نے جانورون کی زبان سیکھی ہے سوء القضاء کی آنکھ بند کر دی کہ وہ مجھے نقصان نہ پہونچا سکی۔ دوسرے دن پھر اُس محروم کتے نے کہا کہ او فضول گو مرغے وہ تیری بیہودہ پیشین گوئیان کہان ہین۔ تیرے مکر اور جھوٹ کی بھی کوئی انتہا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ تیرے آشیانہ مین بالکل جھوٹ ہی جھوٹ بھرا ہوا ہے اور اُس سے جھوٹ ہی نکلتا ہے یعنی تو مجسّم جھوٹ ہی۔ اُسنے کہا کہ مین اور میری جنس اس سے منزہ ہے کہ وہ جھوٹ بول کر ذلیل ہو۔ ہم مرغے موذن کی طرح سچے ہین ہم آفتاب کے نگران اور وقت کے متلاشی رہتے ہین اگر ہم پر طشت بھی ڈھانپ دیا جاوے تب بھی ہم اندر ہی سے آفتاب کی نگرانی کرتے ہین۔ اب مولانا جملہ معترضہ کے طور پر فرماتے ہین کہ جسطرح جانورون مین مرغ آفتاب کا نگران ہے یون ہی آدمیون مین اہل اللہ آفتاب حقیقی کے نگران اور اُسکے اسرار سے واقف ہین۔ اسکو ختم کر کے پھر مرغ کا بیان شروع کرتے ہین اُسکے بعد مرغ نے کہا کہ حق سبحانہ نے ہمارے جد امجد کو نماز کی اطلاع کیلئے آدم علیہ السلام کو منجملہ دیگر سامان کے عطا فرمایا تھا اگر کسی دن بیوقت اذان دینے مین ہم سے سہو ہو جاتا ہے اور ہم سہواً ایسا کر بیٹھتے ہین تو وہ ہمارے قتل کا ذریعہ ہو جاتا ہے اور ہمارے بیوقت حی علی الفلاح کہنے سے ہمارا خون ناقابل وقعت اور مباح ہو جاتا ہے اور ہمکو ذبح کر ڈالا جاتا ہے۔ اب مولانا استطراداً فرماتے ہین کہ غلطی سے جو محفوظ ہین وہ وہی مرغ حق سبحانہ ہین جن کی ارواح ملہم من اللہ ہین۔ یعنی اہل اللہ خواہ بالعموم کما ہو مذہب البعض ہو علی الخصوص یعنی انبیاء کما ہو المذہب المشہور۔ یہ مضمون استطراداً بیان کر کے پھر مقولہ مرغ

بیان کرتے ہین اور کہتے ہین کہ مرغ نے کہا کہ مین نے جھوٹ نہین بولا بلکہ غلام مشتری کے یہان مرا ہے اور اُس سے مشتری کا سراسر نقصان ہوا ہے۔ اب مولانا فرماتے ہین کہ اُسنے اپنا مال ہلاکت سے بچا لیا لیکن خوب سمجھ لو کہ اسنے اپنا خون کیا۔ اگر وہ ایسا نہ کرتا تو ایک نقصان اور بہت سے نقصانون کا دفعیہ ہوجاتا کیونکہ ہمارا مال ہمارا جسم ہماری جانون کا فدیہ ہے ان پر آفت آنے سے جان کی آفت ٹل جاتی ہے مقدمات مین حکام کے یہان تو تم مال صرف کر کے جان بچا لیتے ہو لیکن قضائے الٰہی کے بارہ مین تم نادان کیون ہو گئے ہو اور خدا سے مال کو کیون بچاتے ہو۔ یہ مضمون استطرادی ختم کر کے پھر مرغ کا مقولہ بیان کرتے ہین اور کہتے ہین کہ مرغ نے کہا کہ یہ سب کچھ ہوا لیکن کل کو وہ خود مر یگا اور وارث اُسکے ماتم مین گائے ذبح کرینگے کل جب میان مرین گے اُسوقت تجھ سے جتنا کھایا جاوے کھانا۔ روٹیوں کے ٹکڑے لنگر اور کھانے خوب تقسیم ہونگے ہر گلی مین کیا عام کیا خاص سب کو حصہ ملیگا اور قربانی کی گائے اور چپاتیان کتون اور سائلون سب کو خوب ملین گی۔ یہانتک مرغ کا مقولہ ختم ہو گیا۔ اب مولانا فرماتے ہین کہ گھوڑی اونٹ اور غلام کا مرنا اس احمق دھوکہ کھانیوالے شخص کی جان سے بلا کو دفع کرنیوالا تھا لیکن اُسنے مال کے نقصان اور اُس کی تکلیف کو گوارا نہ کیا اور مال کو بڑھا کر اپنی جان دی۔ تم سمجھتے ہو کہ سالکین ریاضتین کیون کرتے ہین اس کا راز یہی ہے کہ جسم پر مصیبت اُٹھا کر جان کو بچاتے ہین کیونکہ جسمانی مصیبت جان کی بقا کا ذریعہ ہے سمجھو تو یہی جب تک کوئی سالک اپنی جان بچتے ہوئے نہ دیکھیگا اسوقت تک وہ اپنے جسم کو کیسے مریض اور فنا کر سکتا ہے کیونکہ جب تک آدمی اپنے ایثار اور اپنے بخل کا بدل نہین دیکھ لیتا اُسوقت تک ایثار وعمل کیلئے اُس کا ہاتھ ہل نہین سکتا۔ جو بلا توقع نفع دیتا ہے وہ صرف خدا ہے صرف خدا ہی اور اسکے بعد وہ ولی حق جو متخلق باخلاق اللہ ہو گیا۔ اور سراسر نور بن گیا اور تابش مطلق حاصل کر لی وہ غنی اور بیغرض ہے اُسکے علاوہ جتنے ہین سب محتاج غرض ہین اور جو خود محتاج ہو وہ دوسرے کو کیا دے سکتا ہے۔ بچون ہی کو دیکھ لو کہ جب تک وہ سیب نہین دیکھ لیتے اور یہ نہین سمجھ لیتے کہ پیاز دیکر ہمکو سیب ملیگا اس وقت تک وہ سڑے ہوئے پیاز کو بھی ہاتھ سے نہین چھوڑتے یہ جتنے بازار ہین سب غرض ہی کیلئے ہین اور جو کوئی دوکان پر بیٹھتا ہے صرف عوض کی خاطر گو ہر قسم کا اعلیٰ سے اعلیٰ سامان خریدار کے سامنے رکھتے ہین مگر دل مین غرض رکھتے ہین تم کوئی سلام ایسا نہ سنو گے جو آخر مین کسی نہ کسی وقت تمہاری آستین نہ پکڑے اور جس سے کوئی غرض مقصود نہ ہو۔ بھائی مین نے تو نہ کسی خاص سے بے غرض سلام

سنا ہے نہ عام سے۔ سب کی اغراض پوشیدہ ہوتی ہین جو اپنے وقت پر ظاہر ہوتی ہے بجز حق سبحانہ کے سلام کے وہ ضرور بے غرض ہوتا ہے۔ بس اسکو گہر گہر گلی گلی جگہ جگہ ڈہونڈہو۔ بعض خوش دماغ آدمیون (اہل اللہ) کے منہ سے مین نے پیام حق سنا ہے بس اورون کا سلام مین اسی توقع پر بدل بلکہ جان سے زیادہ محبت کیساتھ سنتا ہون کہ شاید ان مین کوئی سلام حق بھی سنائی دیجاوے یا یہ کہ یہ سلام اس سے مناسبت صوری رکہتے ہین اسلئے مین انہین سنتا ہون اب اس کی وجہ سنو کہ اہل اللہ کا سلام سلام حق کیون ہوا اس کی وجہ یہ ہے کہ اُنہون نے اپنا سامان ہستی جلادیا۔ اور فانی فی الحق ہو گئے وہ اپنے سے مردہ اور خدا کیساتھ زندہ ہین یعنی فانی فی الحق اور باقی بالحق ہین اسلئے اُن کی زبان پر اسرار خداوندی ہوتے ہین۔ بس یاد رکھو کہ ریاضت مین جسم کا فنا ہو جانا یہ مرنا نہین ہے بلکہ سراسر حیات طیبہ ہے اور اس جسم کے تکالیف بقائے روح کا ذریعہ ہین۔

شرح شبیری

بامداد آن آن برائے امتحان　　　ایستاد او منتظر بر آستان

یعنی صبح کو وہ شخص امتحان کیواسطے چوکہٹ پر منتظر کہڑا ہو گیا۔

خادمہ سفرہ بیفشاند و فتاد　　　پارۂ نانِ بیات آثار زاد

یعنی خادمہ نے دسترخوان جہاڑا تو رات کے روٹی کے ٹکڑے جو کہ کہانیکے آثار تھے گرے

در ربود آنرا خروسے چون گرو　　　گفت سگ کردی تو بر ما ظلم رو

یعنی اُسکو مرغا گروی شے کی طرح لے بہاگا تو کتے نے کہا کہ ارے جا تو نے ہمپر (بہت) ظلم کیا۔ مطلب یہ کہ مرغا اس ٹکڑہ کو اس طرح لے اُڑا جیسا کہ کوئی اپنی گروی شے کو چہوڑا کر لیکر بہاگتا ہے

دانۂ گندم تو دانی خوردہ من　　　عاجزم در دانہ خوردن در وطن

یعنی تو تو گیہون کا دانہ کہانا جانتا ہے اور مین گہر مین دانہ کہانے سے عاجز ہون۔

گندم و جو را و باقی حبوب　　　می توانی خورد و نے من ای طروب

یعنی ارے مسخرے گیہون کو اور جَو کو اور باقی دانون کو تو تو کہا سکتا ہے اور مین نہین (کہا سکتا)۔

این لب نانے کہ قسمت آن ما | می ربائی اینقدر را از سگان
یعنی یہ ٹکڑہ روٹی کا جو کہ ہماری قسمت کا ہے تو اتنے کو بھی کتون سے اُچک لیتا ہے یعنی تو ہمکو یہ بھی نہیں کہانے دیتا۔

مُرغے کا کتے کو جواب

پس خروسش گفت تن زن غم مخور | کہ خدا بدہد عوض زین بہ دگر
یعنی تب مرغے نے اُس کتے سے کہا کہ چپ رہ غم مت کہا کہ خدا اس سے بہتر دوسرا عوض دیگا
اسپ این خواجہ سقط خواہد شدن | روز فردا سیر خور کم کن حزن
یعنی کل کو اس آقا کا گھوڑا مریگا تو تو خوب سیر ہو کر کہانا غم کو کم کر۔
مرسگان را عید باشد مرگ اسپ | روزی وافر بود بے جہد و کسب
یعنی کتون کو تو گھوڑے کا مرنا عید ہے کیونکہ بے مشقت اور کمائی کے بہر پور روزی ملتی ہے۔
اسپ را بفروخت چون بشنید مرد | پیش سگ شد آن خروس روے زرد
یعنی اُس نے جو سنا تو گھوڑے کو فروخت کر دیا۔ تب تو کتے کے آگے وہ مرغا شرمندہ ہوا کہ بات غلط نکلی۔
روز دیگر ہمچنان نان را ربود | آن خروس و سگ بر و لب برگشود
یعنی دوسرے دن بھی اُسی طرح روٹی کو وہ مرغا لے بھاگا تو کتے نے اُس سے کہا۔
کاے خروس عشوہ دہ چندین دروغ | ظالمی و کاذبی و بے فروغ
یعنی کہ اے مرغے مکار اتنا جھوٹ تو ظالم ہے اور کاذب ہے اور بے فیض ہے۔
اسپ کش گفتی سقط گردد کجاست | کور اختر گوئی محروم از راست
یعنی جس گھوڑے کو کہ تو نے کہا تھا کہ مرے گا وہ کہان ہے تو اندھا ستارون کا بتانیوالا ہے اور تو سچ سے محروم ہے۔ مطلب یہ کہ کتے نے کہا کہ ارے مُرغ تو بڑا جھوٹا ہے تو اُس اندھے کی مثل ہے جو کہ باوجود اندہے ہونے کے کہے کہ مین ستارون کو دیکھ رہا ہون بہلا تجھے کیا خبر تھی کہ گھوڑا مریگا تو نے فضول علی الشپ ہی ہانک دیا کہ وہ مرے گا تو تو کہا لینا

گفت او را آن خروس با خبر کہ سقط شد اسپ او جائے دگر

یعنی اُس مرغ باخبر نے کہا اس کا گھوڑا دوسری جگہ جاکر مرگیا ہے ۔

اسپ را بفروخت جست او از زیان آن زیان انداخت او بر دیگران

یعنی گھوڑے کو اُسنے فروخت کردیا اور نقصان سے (بظاہر) بچ گیا (لیکن) اُسنے اُس نقصان کو دوسرون پر ڈالدیا۔ یعنی جس بیچارہ نے گھوڑا خریدا ہے اسنے اپنا نقصان اُسپر ڈالا کہ اب اُسے نقصان ہوا۔

لیک فردا استرش گردد سقط مر سگان را باشد این نعمت فقط

یعنی لیکن کل کو اُس کا خچر مرے گا تو یہ نعمت تو صرف کتون ہی کے لئے ہو گی مطلب یہ کہ اُس مرغ نے کہا کہ اگرچہ یہ گھوڑے کو فروخت کر آیا تو اس سے کیا ہوتا ہے اب اس کا خچر مرجاویگا تو تو اُسکو خوب کھانا۔

زود استر را فروشید آن حریص یافت از غم وز زیان آندم محیص

یعنی اُس حریص نے جلدی سے خچر کو بھی فروخت کردیا اور غم اور نقصان سے اُس وقت چھٹکارا پالیا۔ مطلب یہ کہ اسکو سنکر وہ آقا صاحب اُس خچر کو بھی فروخت کر آئے اور اسوقت اس نقصان سے چھوٹ گئے کہ جو وہ مرتا توان کا نقصان ہوتا تو اپنے نزدیک تو اُسوقت نقصان سے خلاصی پائی۔ لیکن یہ خبر نہیں کہ یہ خلاصی صرف اسی وقت کی ہے پھر اچھی طرح پھنسے گی

روز ثالث گفت سگ با آن خروس اے امیر کاذبان باطبل و کوس

یعنی تیسرے دن کتے نے مرغے سے کہا کہ اے جھوٹون کے بادشاہ مع طبل و کوس کے یعنی تو ڈنکے کی چوٹ جھوٹ بولتا ہے۔ یہ نہیں کہ کوئی پوشیدہ بات ہو اور بولا کہ۔

تا بکے گوئی دروغے بے فروغ در دغی اے نااہل دروغی در دروغ

یعنی یہ بے رونق جھوٹ تو کب تک بولے گا۔ اے نالایق تو جھوٹا ہے اور جھوٹا ہے اور جھوٹا ہے اور جھوٹا ہے (دروغ سے مراد جھوٹا اور مکر کرنیوالا ہے درنہ اصل معنے تو اسکے چھپا چھپے کے ہین)

گفت او بفروخت استر را شتاب لیک فردایش غلام آید مصاب

یعنی مرغ نے کہا کہ اُسنے خچر کو تو جلدی سے فروخت کردیا لیکن کل کو اُس کا غلام مصیبت زدہ ہوگا

یعنی کل کو اُس کا غلام مرے گا۔

چون غلام او بمیرد نان ہا　　　　بر سگ و خواہندہ ریزند اقربا

یعنی جب اُس کا غلام مرے گا تو عزیز و اقارب کتون اور فقیرون کو روٹیان دین گے۔

این شنید و آن غلامش را فروخت　　　　رست از خسران و رخ را بر فروخت

یعنی (اُس کسان نے) یہ سنا اور اپنے اُس غلام کو فروخت کر دیا (اور بظاہر) نقصان سے چھوٹ گیا اور چہرہ کو روشن کر لیا۔ مطلب یہ کہ اُس غلام کو فروخت کر کے بہت ہی خوش ہوئے کہ خوب نقصانون سے بچے لیکن ابھی خبر نہین ہے۔ آگے آگے دیکھنا ہوتا ہے کیا۔

شکرہا می کرد و شادیہا کہ من　　　　رستم از سہ واقعہ اندر زمن

یعنی شکر کرتا تھا اور خوشیان کرتا تھا کہ مین زمانہ مین تین واقعون سے چھوٹ گیا۔

تا زبان مرغ و سگ آموختم　　　　دیدۂ سوء القضا را دوختم

یعنی جبکہ مین نے مرغ اور کتے کی بولی سیکھ لی تو مین نے سوء القضا کی آنکھ کو سی دیا۔ مطلب یہ کہ بہت ہی خوش ہو رہا تھا کہ مین نے جو مرغ اور کتے کی بولی سیکھ لی ہے تو مین دیکھو تین نقصانون سے بچ گیا اور اب مجھپر سوء القضا کا داؤ نہین چل سکتا۔ مین نے اسکو قضا و قدر سکو ہرا دیا۔ اب مین کسی سے دب نہین سکتا اسلئے کہ میرا جو نقصان ہونیوالا ہوگا اُسکو فوراً ہی الگ کر دیا کرون گا۔ غرضکہ وہ اس مین خوش ہوتا تھا۔ نہ یہ خبر نہ تھی کہ اب کی باری مجھپر ہی ہے غرضکہ اب بیچارہ مرغ کو کتے سے بہت ہی شرمندگی ہوئی کہ اُس سے اسقدر وعدے کئے اور ایک بھی پورا نہوا تو آگے اُسکے شرمندہ ہونے کو اور پھر خود آقا صاحب کی موت کی خبر دینے کے واقعہ کو بیان فرماتے ہین۔

مرغ کا کتے کے آگے تین وعدون کے غلط ہو جانیسے شرمندہ ہونا

روز دیگر آن سگ محروم گفت　　　　کای خروس ژاژ خا کو طاق و جفت

یعنی دوسرے دن اُس محروم کتے نے کہا کہ اے مرغ بیہودہ گو وہ طاق و جفت (وعدے) کہان ہین یعنی تو نے جو مختلف وعدے مجھسے کئے تھے بتا وہ کہان ہین۔

چند چند آخر دروغ و مکر تو خود نپرد جز دروغ از وکر تو

یعنی تیرا مکر اور جھوٹ آخر کہانتک اور تیرے آشیانہ سے سوائے جھوٹ کے کچھ اڑتا ہی نہین مطلب یہ کہ تو ہمیشہ جھوٹ ہی بولتا ہے۔

گفت حاشا از من و از جنس من که بگردیم از دروغے ممتهن

یعنی اُسنے کہا کہ مجھ سے اور میری جنس سے یہ دور ہے کہ ہم ایک جھوٹ کی وجہ سے ذلیل ہون

ما خروسان چون مؤذن راست گو هم رقیب آفتاب و وقت جو

یعنی ہم مرغے مثل موذن کے راست گو ہین۔ ہم آفتاب کے پاسبان ہین اور وقت کے تلاش کرنے والے یعنی ہم کو وقت کی پہچان ہے اور ہم ٹھیک وقت پہ اذان دیتے ہین تو پھر ہم جھوٹ کیسے بولتے۔

پاسبان آفتابیم از درون گر کنی بالائے ما طشتے نگون

یعنی ہم پاسبانِ آفتاب اندر سے ہیں۔ اگر تم کوئی طشت ہمارے اوپر اوندھا کر دو۔ مطلب یہ کہ اگر تم ہمین کسی چیز کے اندر بند بھی کر دو تب بھی ہم اندر سے ٹھیک وقت کو پہچان لینگے مولانا فرماتے ہین کہ۔

پاسبان آفتاب اند اولیا در بشر واقف ز اسرار خدا

یعنی اولیاء اللہ آفتاب (حقیقی) کے پاسبان ہین اور (صورت) بشر مین اسرار خدا سے واقف ہین مطلب یہ کہ جسطرح کہ مرغ باوجود طشت کے اندر بند ہونیکے آفتاب ظاہری کے نکلنے اور غروب ہونیکو معلوم کر لیتا ہے۔ اسی طرح اولیاء اللہ صورت بشری مین جو کہ حجاب ہے مشاہدہ اسرار حق اور حق کا مشاہدہ کرتے ہین۔ آگے پھر مرغے کا قول ہے کہ۔

اصل ما را حق پئے بانگ نماز داد ہدیہ آدمی را در جہاز

یعنی ہمارے آباؤ اجداد کو بانگ نماز کیلئے حق تعالیٰ نے آدمی کو جہیز مین دیا ہے۔ مطلب یہ کہ مرغا بولا کہ ہم ایسے راست گو ہین کہ حق تعالیٰ نے جب آدم کو سب چیزین عنایت فرمائین تو منجملہ ان کی ایک مرغ جو ہمارے آباؤ اجداد مین سے تھا نماز کا وقت بتانیکو عنایت فرمایا تھا۔ اس سے ہماری راست گوئی پر دلیل ملتی ہے اور ہماری راست گوئی یہانتک بڑھ گئی ہے کہ۔

گر بہ ناہنگام سہوے از ما رود   در اذان آن مقتل ما می شود

یعنی اگر نا وقت مین ہم سے اذان مین سہو ہو جاوے تو وہ ہمارے قتل کا سبب ہو جاتا ہے (پہلے یہ قاعدہ تھا کہ جو مرغ بے وقت اذان دے اُسکو منحوس سمجھکر ذبح کر دیتے تھے) تو اُس مُرغ نے کہا کہ ہماری راست گوئی اس حد تک ہے کہ اگر کبھی سہو بھی ہو تو گردن ماری جاوے پھر ہم جھوٹ کیسے بولین۔

گفت ناہنگام حی علی الفلاح   خون ما را می کند خوار و مباح

یعنی نا وقت حی علی الفلاح کہنا ہمارے خون کو خوار و مباح کر دیتا ہے۔

آنکہ معصوم آمد و پاک از غلط   آن خروس وحی جان آمد فقط

یعنی وہ کہ معصوم و پاک غلطی سے آیا ہے وہ خروس وحی جان ہے فقط مطلب یہ کہ معصوم غلطی سے وہ حضرات ہی ہین جو کہ ملہم من اللہ ہین۔ باقی ہم سے بھی غلطی ہو جاتی ہے مگر جب غلطی کرتے ہین مارے جاتے ہین۔ لہذا معلوم ہوا کہ ہم اکثر امور مین سچے ہی ہین

آن غلامش مُرد پیش مشتری   شد زیان مشتری آن یکسری

یعنی وہ اُس کا غلام خریدار کے پاس مر گیا۔ اور خریدار کیلئے سراسر نقصان ہوا

او گریزانید مالش را ولیک   خون خود را ریخت اندر یاب نیک

یعنی اُسنے اپنے مال کو الگ کر دیا لیکن اپنے خون کو ریختہ کر لیا۔ اسکو خوب سمجھ لے۔ مطلب یہ کہ اُسپر ایک بلا آنیوالی تھی سو اول اُسکے مال پر آئی اُسنے اسکو فروخت کرنا شروع کر دیا تو اب خود اسپر پڑے گی۔ اور اُس مال کے علیحدہ کرنے سے اسنے اپنا خون ریختہ کر لیا۔ مولانا فرماتے ہین کہ

یک زیان دفع زیانہا می شدی   جسم و مال ماست جانہا را فدے

یعنی ایک نقصان بہت سے نقصانات کا دفعیہ ہو جاتا ہے اور ہمارا جسم و مال جان کا فدیہ ہے

پیش شاہان در سیاست گستری   می دہی تو مال و سر را می خری

یعنی بادشاہون کے سامنے سیاست گستری مین تم مال دیتے ہو اور سر کو خرید لیتے ہو۔

اعجمی چون گشتۂ اندر قضا   می گریزانی ز داور مال را

یعنی تو قضا مین کیا انجان بن گیا ہے کہ حق تعالی سے مال کو الگ کرتا ہے۔ مطلب یہ کہ دنیا مین

اگر کہین پھنس جاتے ہو۔ اور خوف جان ہوتا ہے تو مال دیکر جانکو چھڑا لیتے ہو تو اگر قضاء حق مین تمہاری جان پر کوئی بلا آوے تو کیا وجہ ہے کہ وہان مال کو الگ کرتے ہو اور جان کو خطرہ مین ڈالتے ہو۔

زانکہ مالت بر تو گر صدقہ شود　　آن زیانے نیست سود تو بود

یعنی اسلئے کہ اگر تیرا مال تجھپر صدقہ ہو جاوے تو وہ نقصان نہیں ہے تیرا تو نفع ہوگا۔ (اسلئے کہ مال دیکر جان بچ جاویگی)

مرغے کا مالک کی موت کی خبر دینا

لیک فردا خواہد او مردن یقین　　گاؤ خواہد گشت وارث در حنین

یعنی لیکن کل کو یقیناً وہ خود مریگا۔ اور غم مین وارث لوگ گائے کاٹین گے۔

صاحب خانہ بخواہد مرد و رفت　　روز فردا نک رسیدت لوت زفت

یعنی صاحبخانہ مریگا اور جاویگا تو کل کو یہ تجھے غذائے عظیم ملیگی۔ (اور وہ غذا یہ ہے کہ)

پارہائے نان و لا لنگ طعام　　درمیان کوئے یابد خاص و عام

یعنی روٹی کے ٹکڑے اور کہانے کا لنگر محلہ مین خاص و عام سبکو ملیگا۔

گاؤ قربانی و نانہائے تنک　　بر سگان و سائلان ریزد سبک

یعنی قربانی کی گائے اور پہلکے کتون اور سائلون پر جلدی جلدی گرینگے۔

مرگ اسپ و اشتر و مرگ غلام　　بد قضا گردان این مغرور خام

یعنی گہوڑے اور اونٹ اور غلام کی موت اس مغرور خام کی قضا گردان تھی۔ یعنی ان کی موت سے اسپر سے قضا ٹلجاتی اور یہ بچ جاتا۔

از زیان مال و درد آن گریخت　　مال افزون کرد و خون خویش ریخت

یعنی مال کے نقصان اور اسکے درد سے بہاگا مال تو زیادہ کر لیا اور اپنا خون ریختہ کیا مولانا فرماتی ہین کہ۔

این ریاضتہائے درویشان چراست　　کاین بلا بر تن بقائے جانہاست

یعنی یہ درویشوں کی ریاضتیں کس لئے ہیں اسلئے ہیں کہ بدن پر بلا کا ہونا جان کیلئے بقا ہے۔ یعنی اولیاء اللہ جو ریاضتیں کرتے ہیں اس میں یہی مصلحت ہے کہ بدن پر امور شاقہ برداشت کرکے جان کی حفاظت کرتے ہیں اور بعفناء اس تن کی بقاء ابدی حاصل کرتے ہیں۔

تا بقائے خود نہ بیند سالکے　　چون کند تن را سقیم و ہالکے

یعنی جب تک کہ کوئی سالک اپنی بقا نہ دیکھ لے تو اپنے بدن کو سقیم و ہالک کس طرح کرے یعنی اگر سالک یہ نہ دیکھے کہ بعد فناء اس تن کے مجھے بقائے ابدی حاصل ہوگی تو وہ کیوں مجاہدات کرے۔ مجاہدات کی وجہ یہی ہے کہ ان حضرات نے افناء تن میں ابقاء جان کو مشاہدہ کرلیا ہے

دست کی جنبد بایثار و عمل　　تا نہ بیند دادہ را جانش بدل

یعنی ہاتھ ایثار و عمل میں کب ہلتا ہے جب تک کہ اس (معطی) کی جان بدل نہ دیکھ لے یعنی بے اسکے کہ انسان اپنی کوئی غرض نہ دیکھ لے کوئی کام نہیں کرتا۔

آنکہ بدہد بے امید و سود ہا　　آن خدا یست آن خدایست آن خدا

یعنی جو کہ بے کسی امید اور نفع کے دیتا ہے وہ خدا ہے اور خدا ہے اور خدا۔ مطلب یہ ہے کہ حق تعالیٰ کے افعال معلل بالاغراض والعلل نہیں ہوتے اُن میں حکم ضرور ہوتی ہیں مگر اُن سے کسی اپنی غرض کا حصول مقصود نہیں ہوتا۔ بلکہ سراسر عبد ہی کی غرض ہوتی ہے جیسا کہ ظاہر ہے

یا ولی حق کہ خوئے حق گرفت　　نور گشت و تابش مطلق گرفت

یعنی یا ولی حق جس نے کہ خوئے حق اختیار کرلی اور نور ہوگیا اور تابش مطلق لیلی مطلب یہ کہ یا تو حق تعالیٰ بلا کسی غرض کے عطا فرماتے ہیں اور یا اولیاء اللہ جو کہ فنا فی الحق ہوگئے ہیں مگر فرق اسقدر ہے کہ حق تعالیٰ کے عطا میں تو بالکلیہ غرض عبد ہی کی ہوتی ہے غرض حق ہے ہی نہیں اور اولیاء اللہ میں غرض دوسری کی غالب ہوتی ہے اور اپنی مغلوب۔ تو گویا کہ اپنی غرض ہے ہی نہیں مثلاً وہ ارشاد و ہدایت کرتے ہیں تو اس میں اُنکو دوسروں کی مصالح پر زیادہ نظر ہوتی ہے بہ نسبت اپنی مصالح کے اور یہ امر شاہد ہے اور یہ اسلئے ہے کہ۔

کو غنی است و جز او جملہ فقیر　　کے فقیرے بے عوض گوید کہ گیر

یعنی اسلئے کہ وہ غنی ہے اور سوا اُسکے سب فقیر ہیں تو کوئی فقیر بے عوض کے کب کہتا ہے کہ لے۔

یعنی اگر کسی فقیر کے پاس کوئی شے ہو تو وہ دوسرے کو کب دیگا جب تک کہ اسکو اُس کا کوئی بدلا نہ ملے اسی طرح یہ اہل دنیا بھی ہین کہ اُنکو جب تک کسی عوض کی اُمید نہین ہوتی اور کوئی غرض ان کی حاصل نہین ہوتی اُس وقت تک یہ بھی کوئی کام نہین کرتے اور اولیاء اللہ بلا اپنی کسی غرض غالب کے نفع پہنچاتے ہین سا آگے اہل دنیا کی مثال ہے کہ۔

این ہمہ بازار بہر این غرض ۔۔۔ بر دُکانہا شستہ بر بوئے عوض

یعنی یہ سب (اہل) بازار اُسی غرض کیواسطے دوکانون پر عوض کی طلب مین بیٹھے ہوئے ہین

صد متاع خوب عرضہ میکنند ۔۔۔ واندرون دل عوضہا می تنند

یعنی سیکڑون عمدہ اسباب پیش کرتے ہین اور دل مین عوض کو تن رہے ہین یعنی اہل بازار خوب چیزین پیش کرتے ہین جس سے معلوم ہوتا ہے کہ بڑے ہی خیرخواہ ہین مگر دل مین روپیون کا حساب لگا رہے ہین تو دیکھئے بے عوض کے کوئی کام نہین کرتے ۔

یک سلامی نشنوی ای مرد دین ۔۔۔ کہ نگیرد آخرت آن آستین

یعنی اے مرد دین تو ایک سلام نہ سنے گا کہ جو آخر مین وہ آستین نہ پکڑے یعنی جو کوئی سلام بھی کرتا ہے وہ بھی بے غرض نہین آخر مین ضرور کوئی اپنی غرض پیش کرے گا۔

بے طمع نشنیدہ ام از خاص وعام ۔۔۔ من سلامے اے برادر والسلام

یعنی بے طمع کے مین نے خاص وعام سے اے بہائی کوئی سلام نہین سنا ہے والسلام یعنی اگر کسی نے سلام بھی کیا اُس مین بھی اُس کی کوئی نہ کوئی غرض ہوتی ہے۔

جز سلام حق تو ہان آنرا بجو ۔۔۔ خانہ خانہ جا بجا و کو بہ کو

یعنی سوائے سلام حق کے (کہ وہ بے غرض ہے) ہان تو اُسی کو گہر گہر اور جگہ جگہ اور کوچہ کوچہ تلاش کر اب یہان کسیکو تلاش ہوئی کہ وہ سلام حق کہان سے ملیگا تو بتاتے ہین کہ

از دہان آدمی خوش مشام ۔۔۔ ہم پیام حق شنیدم ہم سلام

یعنی آدمی خوش مشام کے مُنہ سے مین نے پیام حق بھی سنا ہے اور سلام (حق) یہی مطلب یہ ہے کہ ان حضرات سے جو کلمات اور سلام و پیام جو سنو وہ گویا کہ پیام و سلام حق ہے تو حق کے سلام کو ان حضرات کے پاس تلاش کرو انشاء اللہ یہین ملیگا۔

وین سلام باقیان بر بوی آن　　من ہمی نوشم بدل خوشتر زجان

یعنی اور یہ سلام باقیون کا اُسی کی اُمید مین دل و جان سے سنتا ہون یعنی اور لوگون کی سلام جو سنتا ہون یہ بھی صرف اسلئے کہ ان ہی مین بعض اہل اللہ بھی ہوتے ہین۔ تو شاید کسی ولی کا سلام نصیب ہو جاوے۔

زان سلام او سلام حق شدہ است　　کاتش اندر دودمان خود زدست

یعنی اسلئے کہ اس کا سلام سلام حق ہے کیونکہ اُسنے اپنے خاندان مین آگ لگالی ہے یعنی چونکہ یہ فانی فی الحق ہو چکا ہے لہذا اس کا سلام گویا سلام حق ہے۔

مردہ است از خود شدہ زندہ برب　　زان بود اسرار حقش در دو لب

یعنی اپنے سے تو مُردہ ہے اور حق سے زندہ ہے اسلئے اسرار حق اُسکے دونون لبون مین ہین یعنی چونکہ فانی بحق ہو چکا ہے لہذا اسرار حق اُسکو معلوم ہونے لگے ہین۔

مردن تن در ریاضت زندگیست　　رنج این تن روح را پایندگیست

یعنی تن کا ریاضت مین فنا ہونا زندگی (جان) ہے اور اس بدن کی تکلیف روح کیلئے بقا ہے

شرح حبیبی

گوش بنہادہ بُد آن مرد خبیث　　می شنود او از خر و کشش این حدیث

چون شنید اینہا رواں شد تیز و تفت　　بر در موسیٰ کلیم اللہ رفت

رو ہمی مالید بر خاک او ز بیم　　کہ مرا فریاد رس زین ای کلیم

گفت رو بفروش خود را و برہ　　چونکہ استا گشتۂ بر جہ ز چہ

بر مسلمانان زیان انداز تو　　کیسہ ہمیانہا را کن د و تو

من درون خشت دیدم این قضا　　کہ در آئینہ عیان شد مر ترا

عاقل اول بیند آخر را بدل ‌ ‌ ‌ اندر آخر بیند از دانش مقل

باز زاری کرد کای نیکو خصال ‌ ‌ ‌ مر مرا در سر مزن در رو ممال

از من آن آمد که بودم ناسزا ‌ ‌ ‌ ناسزایم را تو ده حسن الجزا

گفت تیری جست از شست ای پسر ‌ ‌ ‌ نیست سنت کاید او واپس ز سر

لیک درخواهم ز نیکو داوری ‌ ‌ ‌ تا که ایمان آن زمان با خود بری

چونکه ایمان برده باشی زنده ‌ ‌ ‌ چونکه با ایمان روی پاینده

هم در آن دم حال بر خواجه بگشت ‌ ‌ ‌ تا دلش شوریده آوردند طشت

شورش مرگ است نی هیضه طعام ‌ ‌ ‌ قی چه سودت دارد ای بدبخت خام

چار کس بردند تا سوی وثاق ‌ ‌ ‌ ساق می مالید او بر پشت ساق

پند موسی نشنوی شوخی کنی ‌ ‌ ‌ خویشتن بر تیغ فولادی زنی

شرم ناید تیغ را از جان تو ‌ ‌ ‌ آن تست این ای برادر آن تو

موسی آمد در مناجات آن سحر ‌ ‌ ‌ کای خدا ایمان از و مستان مبر

پادشاهی کن برو بخشا که او ‌ ‌ ‌ سهو کرد و خیره رویی و غلو

گفتمش این علم نی درخورد تست ‌ ‌ ‌ دفع پندارید قولم را و سست

دست را بر اژدها آن کس زند ‌ ‌ ‌ که عصا را دستش اژدرها کند

سر غیب آن را سزد آموختن ‌ ‌ ‌ که ز گفتن لب تواند دوختن

درخور دریا نشد جز مرغ آب ‌ ‌ ‌ فهم کن والله اعلم بالصواب

او بدر یار رفت و مرغابی نبود / گشت غمگین دستگیرش آن ودود

کرد اجابت آن دعا را کردگار / رحم فرمودش بعجز و افتقار

گفت بخشیدم بما و ایمان نعم / ور تو خواهی این زمان زنده اش کنم

بلکه جمله مُردگان خاک را / زنده سازیم این زمان بهر ترا

گفت موسی این جهانِ مُردنیست / آنجهان انگیز کانجا روشنیست

این فنا جا چون جهان بود نیست / بازگشت عاریت بس سود نیست

رحمتے افشان بر ایشان هم کنون / در نهانخانه لدینا محضرون

تا بدانی که زیانِ جسم و مال / سودِ جان باشد رهاند از وبال

پس ریاضت را بجان شو مشتری / چون سپردی تن بخدمت جان بری

ور ریاضت آیدت بی اختیار / سر بنه شکرانه ده ای کامیار

چون حقت داد این ریاضت شکر کن / تو نکردی او کشیدت زامر کن

این حکایت بشنو و عظے شمر / تا نگردی خسته از نقص و ضرر

جب مُرغابیہ باتین کر رہا تھا تو آقا کان لگائے ہوئے اُسکی یہ باتین سُن رہا تھا جب اُسنے اپنا مرنا سُنا تو بہت گھبرایا۔ اور موسیٰ علیہ السلام کے دولت خانہ کی طرف دوڑا خوف کے مارے منہ کو خاک پر ملتا تھا اور کہتا تھا کہ اے کلیم مجھے اس بلا سے بچائیے۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا جا اب اپنے کو بیچکر اس مصیبت سے چھوٹ جا آخر تو تو رد قضا مین بڑا ماہر ہو گیا ہے کنوئین سے کیون نہین نکلجاتا تا کہ بچ جا اور مسلمانون کو نقصان پہونچا کر اپنی تھیلی اور ہمیانی بھر۔ ارے احمق جس وقت تک اس آئینہ کو جلا نہین ہوئی تھی مین تو اُسی وقت اس قضا کو دیکھ رہا تھا تو نے تو اسے آئینہ

صیقل ہونے پر ہی دیکھا ہے یعنی مین نے ابتدا ہی مین سوچ لیا تھا کہ اس کا یہ انجام ہوگا اور تو نے اس وقت دیکھا جبکہ بالکل تیرے سامنے آگیا عاقل جو ہوتے ہین وہ انجام کو اول ہی مین دیکھ لیتے ہین اور عقل سے بے بہرہ لوگ آخر مین دیکھتے ہین وہ پھر رویا اور کہا کہ حضور بھگو بھگو کر میرے سر مین جوتیان نہ مارین اور مجھے شرمندہ نہ کرین واقعی مجھ نالائق سے نالائقی ہوگئی۔ آپ میری نالائقی کا معاوضہ بھلائی سے فرماوین۔ فرمایا کہ اب تو تیر کمان سے نکل گیا ہے اور یہ طریقہ نہین کہ وہ واپس ہو لیکن حق سبحانہ کی بہتر حکومت سے اس کی درخواست کرون گا کہ تیرا ایمان پر خاتمہ ہو جب تیرا ایمان پر خاتمہ ہوگا تو تو نافع مین زندہ ہی ہے اور جبکہ تو ایمان اپنے ساتھ لیگیا تو تو حقیقت مین باقی ہی ہے حضرت موسے علیہ السلام نے یہ فرمایا اور اس کی حالت بگڑنی شروع ہوئی حتے کہ اس کا جی متلایا اور لوگ قے کے لئے طشت لائے کوئی اس سے کہے کہ یہ موت کا ہیجان ہے یہ بدہضمی کی قے نہین ہے کہ اس سے طبیعت ہلکی ہوجاوے اور بدنصیب احمق تجھے اس سے کچھ نفع نہ ہوگا۔ غرضکہ چار شخص اسے چارپائی پر لٹا کر اسکے گھر لیگئے اور وہ نزع کی حالت مین پنڈلی سے پنڈلی رگڑ رہا تھا اس سے کوئی کہے کہ احمق تو موسیٰ کی نصیحت نہین سنتا اور ضد کرتا ہے اور اپنے کو فولادی تلوار سے بھڑاتا ہے تجھے خیال نہین ہوتا کہ تلوار تیری جان کا کچھ لحاظ نہ کریگی۔ اب اپنے کئے کی سزا بھگت۔ تیری یہی سزا ہے خیر جب وہ چلا گیا تو موسیٰ علیہ السلام نے حق سبحانہ سے دعا فرمائی کہ اے اللہ اس کا ایمان سلب نہ کرنا اور اسکو با ایمان مارنا آپ مراحم خسروانہ کو کام فرماوین اور اسکو معاف فرماوین اُسنے بڑی غلطی کی۔ بڑی نالائقی کی اور بہت زیادتی کی مین نے تو اُس سے کہا تھا کہ یہ علم تیرے موافق نہین ہے مگر اُسنے میری بات کو معمولی سمجھا اور سمجھا کہ ٹالنے کیلئے کہتے ہین۔ اب مولانا فرماتے ہین کہ خطرات مین پڑنا ہر شخص کا کام نہین بلکہ وہ صرف اہل السر کا کام ہے کیونکہ اژدہے پر وہی ہاتھ ڈال سکتا ہے جسکے ہاتھ مین یہ کمال ہو کہ وہ لاٹھی کو اژدہا بنادے اور راز غیب اُسیکو جاننا زیبا ہے جو اُسکو افشا نہ کرسکے۔ دیکھو ہر جانور دریا مین نہین جاسکتا۔ اُس مین صرف دریائی جانور ہی جاسکتا ہے۔ ویسی ہی تم سمجھ لو کہ راز غیب کا جاننا مقربین بارگاہ علام الغیوب ہی کو زیبا ہے خیر تو حضرت موسی علیہ السلام نے فرمایا کہ اے اللہ یہ دریائی جانور نہ تھا اور دریا مین گھس گیا۔ اور ڈوب گیا۔ آپ اسکی دستگیری فرمائیے حق سبحانہ نے دعا کو

قبول فرمایا اور اُسکے عجز و افتقار پر رحم فرمایا اور کہا کہ اچھا میں نے اسے ایمان بخشا اور اگر تم کہو تو میں
اسے زندہ بھی کردوں بلکہ ایک وہ کیا اگر تم کہو تو تمہاری خاطر میں تمام مردوں کو زندہ کردوں۔
موسی علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ جہان تو فانی ہے اس کی زندگی تو کوئی معتد بہ چیز نہیں ہے ہاں
آپ اسے اُس عالم میں زندہ فرمائیے جو روشن ہے اور یہ جہان تو کوئی رہنے کی جگہ نہیں ہے
واپسی اگر ہوگی بھی تو برائے چندے ہے لہذا بے سود ہے اور اسکے ساتھ اُن لوگوں پر بھی رحم فرمائیے
جو عدم کے تہخانہ میں مستور اور آپکے سامنے حاضر ہیں۔ اس سے تمکو سمجھنا چاہیئے کہ جسم و مال کا
نقصان جان کا نفع ہے کہ وہ جان بکھیڑے سے چھوٹتا ہے اور یہ سمجھکر ریاضت کا جان و دل سے خریدار
ہونا چاہیئے۔ جب تم جسم کو حق سبحانہ کے سپرد کردوگے تو جان ہلاکت سے بچالوگے اور اگر کوئی
ریاضت بلا اختیار تمکو پیش آجاوے تو اُسکے سامنے سر جھکا دو اور شکر کرو اور جب حق سبحانہ
کی طرف سے کوئی تکلیف پہونچے تو شکر کرو کیونکہ تمنے ریاضت نہ کی تھی حق سبحانہ نے اپنے حکم سے
تمسے ریاضت لی۔ دیکھو یہ قصہ سنو مگر قصہ کی طرح نہ سننا بلکہ اسکو ایک وعظ اور نصیحت سمجھنا تاکہ
اگر تمکو کوئی نقصان یا ضرر پہونچے تو اُس سے تم کبیدہ خاطر نہ ہو۔

شرح شبیری

گوش بنہادہ بُد آن مرد خبیث ۔۔۔ می شنید او از خروسش این حدیث

یعنی وہ مرد خبیث کان لگائے ہوئے تھا اور اپنے مرغے سے اس بات کو سُن رہا تھا (کہ کل کو
ہم خود نہیں ہوں گے)۔

اُس شخص کا موسی علیہ السلام کی طرف جلدی سے دوڑنا جبکہ اپنے مرنے کی خبر سُنی

چون شنید اینہا روان شد تیز و تفت ۔۔۔ بر در موسیٰ کلیم اللہ رفت

یعنی جب ان باتوں کو سنا تو خوب تیز روانہ ہوکر دروازہ موسیٰ کلیم اللہ پر گیا۔

رو ہمی مالید بر خاک او ز بیم ۔۔۔ کہ مرا فریاد رس زین اے کلیم

یعنی وہ خاک پر خوف (موت) سے منہ ملتا تھا کہ اے کلیم اس کی میری فریاد رسی کیجئے یعنی مجھے موت سے بچائیے۔

گفت رو بفروش خود را و برہ چونکہ استا گشتہ بر جہ زچہ

یعنی موسی علیہ السلام نے فرمایا کہ جا اپنے کو بیچ کر اور چھوٹ جا جبکہ تو استاد ہو گیا ہے تو کنوین سے کود جا۔

بر مسلمانان زیان انداز تو کیسہ و ہمیانہا را کن دو تو

یعنی مسلمانوں پر نقصان ڈال دے اور تھیلی اور ہمیانیوں کو دوگنا کر لے

من درون خشت دیدم این قضا کہ در آئینہ عیان شد مر ترا

یعنی مین نے اس قضا کو اینٹ ہی مین دیکھ لیا تھا جو کہ آئینہ مین تجھے ظاہر ہوا ہے (خشت کہتے ہین بے صیقل کے لوہے کو) مطلب یہ کہ تجھے تو بعد وقوع کے مشاہدہ ہوا اور مین پہلے ہی سمجھ گیا تھا۔

عاقل اول بیند آخر را بدل اندر آخر بیند از دانش مقل

یعنی عاقل تو انجام کو اول ہی دل سے دیکھ لیتا ہے اور عقل سے مفلس آخر مین دیکھتا ہے

باز زاری کرد کای نیکو خصال مر مرا بر سر مزن بر رو ممال

یعنی اس نے پھر آہ و زاری کی کہ اے نیکو خصال مجھے سر پر مت مار اور منہ پر مت مل یعنی مجھے بچالو

از من آن آمد کہ بودم ناسزا ناسزایم را تو دہ حسن الجزا

یعنی مجھسے تو وہ آیا اسلئے کہ مین نالائق تھا تو میری نالائقی کی آپ اچھی جزا دیجئے۔

گفت تیرے جست از شست اے پسر نیست سنت کاید آن واپس دگر

یعنی فرمایا کہ اے صاحبزادہ تیر کمان سے نکل گیا اب قاعدہ نہین کہ وہ پھر واپس آوے۔

لیک در خواہم ز نیکو داورے تا کہ ایمان آن زمان با خود برے

یعنی لیکن مین اچھی عدالت سے یہ مانگونگا کہ تو اس (موت کے) وقت ایمان اپنی ساتھ لیجاوے۔

چونکہ ایمان بردہ باشی زندۂ چونکہ با ایمان روی پایندۂ

یعنی جبکہ تو ایمان کو لے گیا ہو تو تو زندہ ہے اور جبکہ تو با ایمان جاوے تو تو باقی ہے (اب

آثار مرگ شروع ہوتے ہین)

ہم در آندم حال بر خواجہ بگشت — تا دلش شورید آوردند طشت

یعنی اُسی وقت میان کی حالت بدلی یہانتک کہ دل اُس کا متلایا اور لوگ طشت (سبیلا بچی وغیرہ) لائے (لوگ سمجھے کہ قے ہو نیسے دل ہلکا ہوا۔ مولانا فرماتے ہین کہ)

شورش مرگ است نی ہیضہ طعام — قے چہ سودت دارد ای بدبخت خام

یعنی یہ جوش موت ہے نہ کہ کہانیکا ہیضہ تو قے تجھے کیا فائدہ دیگی اے بدبخت خام یعنی اگر بدہضمی وغیرہ ہو تو قے سے کچھہ تسکین ہو۔ مگر یہ تو شورش مرگ ہے قے سے کیا تسکین ہو سکتی ہے۔

چار کس بُردند تا سوئے وثاق — ساق می مالید او بر پشت ساق

یعنی چار آدمی گھر تک لیگئے اور (کرب کی وجہ سے) پنڈلی پر پنڈلی مل رہا تھا۔ مولانا فرماتے ہین کہ

پندِ موسی نشنوی شوخی کنی — خویشتن بر تیغ فولادی زنی

یعنی موسی کی نصیحت کو تو سُنتا نہین اور شوخی کرتا ہے تو اپنے کو تیغ فولادی پر مارتا ہے۔

شرم ناید تیغ را از جانِ تو — آن تست این اے برادر آن تو

یعنی تلوار کو تیری جان سے شرم نہ آوے گی اے بہائی یہی تیرے مناسب ہے یہی ہے۔ یعنی جب تو تلوار پر اپنے کو مار رہا ہے تو یاد رکہہ کہ تلوار تو کاٹ ہی دیگی اُسکو شرم نہ آویگی کہ وہ تجھے نکاٹے اور بس تمہارے مناسب یہی ہے کہ تمہاری ساتھ وہ ایسا کرے۔

موسی علیہ السلام کا اُس شخص کی ایمان کی سلامتی کیلئے دعا کرنا

گفت موسیٰ در مناجات آن سحر — کائے خدا ایمان از و مستان مبر

یعنی موسی علیہ السلام نے اُس صبح کو مناجات مین فرمایا کہ اے خدا ایمان اُس سے مت لیجئے اور مت لیجا۔

بادشاہی کن بر و بخشا کہ او — سہو کرد و خیرہ روئی و غلو

یعنی آپ مرحمت خسروانہ کیجئے اور بخش دیجئے کہ اُسنے سہو اور خیرہ روئی اور غلو کیا ہے۔

گفتمش این علم نے درخورد تست — دفع پندارید قولم را و سست

یعنی مین نے اُس سے کہا کہ یہ علم تیرے لائق نہین ہے تو اُسنے میرے قول کو ٹالنا اور سست سمجھا۔

دست را بر اژدہا آنکس زند　　کہ عصا را دستش اژدرہا کند

یعنی اژدہا پر تو ہاتھ وہ مارے جو کہ عصا کو اُس کا ہاتھ اژدہا بنا لے۔

سر غیب آنرا سزد آموختن　　کہ تواند لب ز گفتن دوختن

یعنی اسرار غیب کا سیکھنا اُس شخص کی لائق ہے جو کہ لب کو کہنے سے سی سکے یعنی جو اُن کو چھپا سکے اُسکو سیکھ لینا بھی مناسب ہے

در خور دریا نشد جز مرغ آب　　فہم کن واللہ اعلم بالصواب

یعنی دریا کے لائق کوئی نہین ہے سوائے مرغ آبی کے ذرا سمجھ لو واللہ اعلم بالصواب۔

او بدریا رفت مرغ آبی نبود　　گشت غرق دست گیرش ای ودود

یعنی وہ دریا مین چلا گیا اور مرغ آبی نہ تھا اب وہ غرق ہو گیا ہے اے اللہ آپ اُسکی دستگیری کیجئے۔
یعنی اُسنے یہ حرکت کر لی جو کہ اُسکی لائق نہ تھی اب اے اللہ آپ دستگیری فرماوین۔

حق تعالیٰ کا موسیٰ علیہ السلام کی دعا کو قبول فرمانا

کرد اجابت آن دعا را کردگار　　رحم فرمودش بعجز و افتقار

یعنی اُس دعا کو حق تعالےٰ نے قبول فرما لیا اور اُسپر بسبب اُسکے عجز و افتقار کے رحم فرمایا۔

گفت بخشیدم بدو ایمان منم　　ور تو خواہی این زمان زندش کنم

یعنی فرمایا حق تعالیٰ نے کہ مین نے اُسکو ایمان بخشا اور اگر تم چاہو تو مین اسیوقت اُسکو زندہ کر دون

بلکہ جملہ مردگان خاک را　　زندہ سازیم این زمان بہر تو ما

یعنی بلکہ تمام زمین کے مردون کو ہم اسوقت آپ کی خاطر سے زندہ کر دین۔

گفت موسیٰ این جہان مُردنست　　آن جہان انگیز کانجا روشن است

یعنی موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ جہان تو مرنے کا ہے اُس جہان مین اُٹھائیے کہ وہ جگہ روشن ہی

این فنا جا چون جہان بود نیست　　باز گشت عاریت بس سود نیست

یعنی یہ فنا کی جگہ جب رہنے کی جگہ نہین ہے تو عاریت کا واپس دینا فائدہ نہین ہے یعنی اگر اس وقت اُسکو زندگی مستعار واپس بھی ملگئی تو پھر چھین جائیگی لہذا اس سے بہتر ہے کہ اُس عالم کی

راحت نصیب فرمائیے اب جو وقت رحمت دیکھا تو اورون کی شفاعت بھی فرماتے ہین کہ۔

رحمتے افشان بر ایشان ہم کنون در نہانخانہ لدینا محضرون

یعنی اب اُن پر بھی رحم فرمائیے نہانخانہ مین اور لدینا محضرون مین یعنی ملک عدم مین اپنے پاس اورون پر بھی رحم فرمائیے۔ اب آگے مولانا فرماتے ہین کہ ہمنے جو قصہ بیان کیا ہے اسلئے ہے کہ۔

تا بدانی کہ زیان جسم و مال سود جان باشد رہاند از وبال

یعنی تاکہ تم جان لو کہ جسم و مال کا نقصان جان کا نفع رکھتا ہے اور وبال سے چھڑاتا ہے۔

پس ریاضت را بجان شو مشتری چون سپردی تن بخدمت جان بری

یعنی پس ریاضت کے جان و دل سے خریدار ہو جاؤ جبکہ تمنے تن خدمت مین سپرد کر دیا تو تم تو جانبر ہو جاؤگے

ور ریاضت آمدت بے اختیار سر بنہ شکرانہ دہ اے کامیار

یعنی اور اگر تمہارے پاس ریاضت بے اختیار آوے تو سر رکھ اور شکر کر اے کامیاب۔ مطلب یہ کہ ریاضت کی دو قسمین ہین ایک اختیاری۔ ایک اضطراری۔ اختیاری تو یہ کہ اپنے اختیار سے نفس پر جبر کرے اور ریاضت مین مشغول ہو اور اضطراری مجاہدہ یہ ہے کہ جب حق تعالیٰ دیکھتے ہین کہ یہ خود تو باز رہتا نہین تو وہ اس شخص کو کسی مرض یا مصیبت مین مبتلا کر دیتے ہین کہ جس سے یہ اُس کام کو کر ہی نہین سکتا تو اسکو مجاہدہ اضطراری کہتے ہین اور جب حق تعالےٰ ایسا کرتے ہین تو اُس شخص کو اُن مصائب پر صبر دیتے ہین اور اس صبر سے اُسکے درجات مین ترقی ہوتی ہے تو اس سے پہلے شعر مین تو فرمایا تھا کہ خود مجاہدہ کرو اور اس مین فرماتے ہین کہ اگر مجاہدہ اضطراری مین مبتلا ہو جاؤ تو صبر کرو اور اطاعت کرو۔ آگے بھی یہی فرماتے ہین کہ

چون حقت داوت ریاضت شکر کن تو نکردی او کشیدت ز امر کن

یعنی جب حق تعالےٰ نے تجھے ریاضت دی تو تو شکر کر تو نے نہین کیا تو حق تعالیٰ نے امر کن سے تجھے کھینچ لیا یعنی تکوینًا تجھے کام مین لگا دیا۔ مگر یہ حکم تکوینی مثل جمادات کے نہیں ہے کہ وہ اس طرح کام مین لگ رہے ہین کہ اُنکو شعور نہین بلکہ یہان امر تکوینی مع شعور کے ہے کہ کام سے رہے ہین اور اُس شخص کو معلوم ہے کہ ہان اس سے یہ مقصود ہے لہذا اُسپر صبر کرتا ہے۔ آگے ایک عورت کی حکایت لاتے ہین کہ اُسکے بچے زندہ نہ رہتے تھے وہ بہت غمگین تھی کہ خواب مین ایک باغ دیکھا کہ وہ اُسکو

لئے تیار رہے اور اسکے سارے بچے اُسکے اندر موجود ہیں اور اس سے کہا گیا کہ تو خود تو کام کرتی نہ تھی
ہمنے یہ مصائب تجھپر مسلط کر کے تجھے صبر دیا اور پھر تیرے درجات رفیع کئے اور یہ باغ وغیرہ دیا تو
دیکھو یہ عورت مجاہدہ اضطراری مین تھی اور اُسنے صبر کیا تو درجات عطا ہوئے اسی طرح تم بلاؤں اور
مصائب پر صبر کرو تو تمکو بھی درجات عالیہ عطا ہون گے۔ اب حکایت سنو۔

حکایت اس عورت کی کہ بچے اُسکے زندہ نہ رہتے تھے تو وہ حق تعالیٰ کے آگے روئی تو جواب ملا کہ یہ تیری ریاضت اور مجاہدہ کی عوض مین ہے

این حکایت بشنو و دو عظے شمر ۔ تا نگردی خستہ از نقص و ضرر

یعنی یہ حکایت سن اور (اسکو) ایک وعظ شمار کر تا کہ تو نقص و ضرر سے خستہ نہ ہو۔ یعنی اگر کوئی ضرر ہو
یا کوئی مرض وغیرہ آوے تو تو اُس سے غمگین مت ہونا۔ اور اس حکایت کو پیش نظر رکھنا کہ جسطرح کہ اُسکو
درجات عالیہ ملے اسی طرح تمکو بھی ملین گے۔

شرح حبیبی

آن زنے ہر سال زائیدی پسر ۔ بیش از شش مہ نبودے عمر ور
یا سہ یا چار مہ گشتے تباہ ۔ نالہ کرد آن زن کہ افغان اے الہ
نہ مہم بارست و ماہم فرح ۔ نعمتم زوتر رواز قوس قزح
پیش مردان خدا کردے نفیر ۔ این شکایت آن زن از درد نذیر
بیست فرزندش چنین در گور رفت ۔ آتشے در جان او افتاد تفت
تا شبے بنمود او را جنتے ۔ باغ سبزے خوش بے خنتے
باغ گفتم نعمت بے کیف را ۔ کاصل نعمتہاست مجمع باغہا

ورنہ لاعین رأت چہ جائے باغ — گفت نور غیب را یزدان چراغ
مثل نبود آن مثال آن بود — تا برد بو آنکہ او حیران بود
حاصل آن زاد بد آن زن مست شد — زان تجلی آن ضعیف از دست شد
دید در قصرے نبشتہ نام خویش — آن خود دانست آن محجوب کیش
بعد ازان گفتند کاین نعمت وراست — کو بجان بازی بجز صادق نخواست
خدمت بسیار می بایست کرد — مر ترا تا بر خوری زین چاشت خورد
چون تو کاہل بودی اندر التجا — آن مصیبتہا عوض دادت خدا
گفت یارب تا بصد سال و فزون — اینچنینم دہ بریز از من تو خون
اندر آن باغ او چو آمد پیش پیش — دید روئے جملہ فرزندان خویش
گفت از من گم شد از تو گم نشد — بے دو چشم غیب کس مردم نشد
تو نکردی فصد از بینی دوید — خون افزون تا ز تب جانت رہید
مغز ہر میوہ بہ است از پوستش — پوست تن را دان و مغز ان دوستش
مغز نغزے دارد آخر آدمی — یکدمے آنرا طلب گر زآدمی

ایک عورت کے ہر سال بچہ پیدا ہوتا تھا لیکن چھ مہینے سے زیادہ نہ جیتا تھا یا تین مہینے کا ہو کر مرجاتا تھا۔ یا چار مہینے کا۔ بالآخر وہ رو پڑی اور کہا کہ اے اللہ نو مہینے تک تو میں حمل کی مصیبت میں رہتی ہوں اور تین مہینے کیلئے مجھے خوشی حاصل ہوتی ہے۔ میری نعمت تو قوس قزح سے بھی جلدی زائل ہو جاتی ہے اس میں کیا راز ہے اہل اللہ کے سامنے بھی وہ عورت اس ڈرانیوالی تکلیف کی شکایت کرتی تھی کیونکہ بیس بچے اس بیچاری کے مرکر قبر میں جا چکے تھے اسلئے اسکے بدن میں

غم کی آگ شعلہ زن تھی۔ اُس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک روز خواب مین اسے جنت دکہلائی دی۔ اور اُسنے دیکھا کہ ایک سرسبز اور نہایت عمدہ باغ ہے جسمین کسی چیز کی کمی نہین۔ اب مولانا استطرادًا فرماتے ہین کہ جنت تو بے کیف متعارف ہے اور ان باغون کی مثل نہین۔ مگر مین نے اسلئے باغ کہدیا کہ دنیا مین باغات تمام نعمتون کی جڑ سمجھے جاتے ہین ورنہ اُسکی صفت تو یہ ہے لا عین رأت ولا اذن سمعت ولا خطرت علی قلب بشر۔ ان متعارف باغون کی اُسکے سامنے کوئی بھی حقیقت نہین۔ یہ جو مین نے کہا ہے تمثیلاً وتقریبًا الی الافہام کہا ہے اور تمثیل مین کوئی مضائقہ نہین کیونکہ حق سبحانہ خود اپنے نور کو چراغ سے تشبیہ دیتے ہین اور فرمایا ہے مثل نورہ کمشکوٰۃ فیہا مصباح۔ یہ محض تقریب فہم اور تمثیل کیلئے ہے ورنہ کجا نورحق کجا چراغ۔ پس باغ اُس کی مثل نہین ہے بلکہ مثال ہو اور یہ تمثیل اسلئے اختیار کی گئی تاکہ ناواقفون کو بھی اس کا پتہ لگ جاوے ورنہ اصل کیفیت تو اُس کی مشاہدہ ہی سے معلوم ہوتی ہے (اس سے کسی ناواقف کو یہ شبہ نہ ہونا چاہئے کہ مولانا جنت و دوزخ جسمانی کا انکار کررہے ہین۔ اور ان کے نزدیک جنت ودوزخ ایک روحانی چیز اور صرف خیالات خوشکن ورنجدہ کا نام ہے جیساکہ اس زمانہ کے روشن خیال لوگون کا خیال ہے کیونکہ یہ تو نصوص صریحہ کے خلاف ہے بلکہ مولانا کا مقصود یہ ہے کہ حقیقۃً اُس مین درخت بھی ہین اُس مین نہرین بھی ہین۔ اُس مین شراب بھی ہے اُس مین محلات بھی ہین اور یہ سب امور حقیقتًا ہین نہ کہ تشبیہًا چنانچہ مولانا اسی مضمون مین اس کی طرف اشارہ بھی کرینگے۔ اور آیندہ اُسکو تفصیلاً بھی بیان کرینگے لیکن وہ اسقدر عجیب اور نفیس ولطیف ہین کہ اُن کی واقعی نفاست ولطافت کسی کے وہم وگمان مین بھی نہین آسکتی اور اسلئے ان باغات وغیرہ سے اُسکو کچھہ بھی مناسبت نہین پس تم اُسکو اپنے باغات وغیرہ کی مثل نہ سمجھہ بیٹھنا) خلاصہ یہ کہ وہ عورت اسکو دیکھکر مست ہوگئی۔ اور اُس کا نور دیکھکر وہ بیچاری آپ مین نہ رہی اُسنے دیکھا کہ ایک محل مین میرا نام لکھا ہوا ہے اُسنے سمجھا کہ یہ میرے لئے ہے۔ غیب سے ندا آئی کہ یہ محل حقیقت مین اُسکے لئے تھا جو جانبازی مین خالص ثابت ہوا ہو اور اُس غذائی چاشت کو کہانیکے لئے بہت بڑی خدمت کی ضرورت تھی لیکن چونکہ تم حق سبحانہ کی طرف رجوع کرنے مین کاہل تھین اسلئے تمہاری خدمتون کی عوض تمکو تکلیفین دی گئین تاکہ تم اسکے مستحق ہوسکو یہ سمجھکر اُسنے کہا کہ اے اللہ سینکڑون سال تک بلکہ اس سے بھی زیادہ مجھے تکلیف دیجئے اور یون ہی مجھے زار ونزار کیجئے

مین بخوشی رضامند ہون اُسکے بعد جب اور آگے بڑھی تو اُسنے اپنے سب بچوں کی صورتین دیکھین اُسنے کہا کہ اے اللہ اب معلوم ہوا کہ یہ مجھسے گم ہوگئے تھے مگر تجھہ سے گم نہ ہوئے۔ تیرے پاس تو یہ نہایت حفاظت اور آرام سے ہین۔ اب مجھے صبر آگیا۔ اب مولانا فرماتے ہین کہ دیکھو جب تک حالت غیبیہ اسپر منکشف نہین ہوئی پریشان رہی اور رضا و تسلیم اس کے اندر پیدا نہ ہوئی مگر جب حالت غیبیہ کا مشاہدہ ہوگیا اُسوقت سکون ہوگیا۔ واقعی بات یہ ہے کہ جسکو غیب بین آنکھین عطا نہین ہوئیں وہ آدمی نہیں۔ خیر یہ تو استطرادی گفتگو تھی اب اصل مقصد سنو۔ وہ یہ کہ حق سبحانہ جو کچھہ تکلیف دیتے ہیں اُس مین مصلحتین ہوتی ہین۔ پس تمکو صابر و شاکر رہنا چاہئے۔ مثلاً تمہارے جسم مین خون کی زیادتی ہوگئی ہے اور اندیشہ ہے کہ بخار چڑھہ جاوے یا بخار چڑھہ بھی گیا ہے مگر تم فصد نہین کراتے پس وہ اپنی رحمت سے نکسیر چلا دیتا ہے جس سے تمہاری جان بخار کی زحمت سے چھوٹ جاتی ہے۔ یاد رکھو کہ ہر میوہ مین مغز اُسکے پوست سے اچھا ہوتا ہے پس تمہارے اندر بھی دو چیزین ہین ایک پوست دوسرا مغز۔ پوست تو تن ہے اور روح مغز ہے آخر آدمی کے اندر بھی تو عمدہ مغز موجود ہے پس اگر تو نسل آدم علیہ السلام سے ہے اور الولد سر لابیہ کا مصداق ہے تو اسے طلب کر یعنی اس کی فکر کر اور جسم کے پیچھے نہ پڑ۔

شرح شبیری

آن زنے ہر سال زائیدے پسر ۔۔۔ بیش از شش مہ نبودے عمر در

یعنی ایک عورت ہر سال ایک لڑکا جنتی تھی اور وہ بچہ چھہ ماہ سے زائد عمر والا نہ ہوتا تھا

یا سہ مہ یا چار مہ گشتے تباہ ۔۔۔ نالہ کرد آن زن کہ افغان اے الٰہ

یعنی یا تین ماہ یا چار ماہ (زندہ رہتا پھر) تباہ ہوجاتا تو اُس عورت نے نالہ کیا کہ اے اللہ

نہ مہم بارست و سہ ماہم فرح ۔۔۔ نعمتم زوتر رواز قوس قزح

یعنی میرے لئے نو ماہ تو بوجھ ہے اور تین ماہ فرحت ہے میری نعمت تو قوس قزح سے بھی جلدی جانی والی ہے

پیش مردان خدا کردے نفیر ۔۔۔ این شکایت آن زن از درد نذیر

یعنی مردان حق کے آگے اس شکایت کی وہ عورت درد ڈالنے والے کی فریاد کرتی -

بیست فرزندش چنین در گور رفت　　آتشے در جان او افتاد و تفت

یعنی بیس بچے اُسکے اسی طرح گور مین گئے تو اُس کی جان مین ایک آگ اور جلن پڑ گئی -

تا شبے بنمود او را جنتے　　باغکے سبزی خوشی بی خنتے

یعنی یہانتک کہ حق تعالے نے اُسے ایک رات ایک جنت دکہلائی - ایک باغ سرسبز عمدہ بے محنت کے مولانا فرماتے ہین کہ

باغ گفتم نعمت بے کیف را　　گفتہ ام سبزی خلد دار الضیف را

یعنی مین نے نعمت بے کیف کو باغ کہدیا - اور خلد دار الضیف کو سرسبز کہدیا -

ورنہ لا عین رأت چہ جائے باغ　　گفت نور غیب را یزدان چراغ

یعنی ورنہ (وہ تو) لا عین رأت ہے چہ جائیکہ باغ اور فرمایا ہے نور غیب کو حق تعالیٰ نے چراغ

مثل نبود آن مثال آن بود　　تا برد بو آنکہ او حیران بود

یعنی یہ مثل نہیں ہے اُس کی مثال ہے تا کہ بو لیجاوے وہ شخص کہ وہ حیران ہے مطلب یہ کہ اگر مین نے جنت کو سرسبز وغیرہ کہدیا تو کیا ہے حق تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ مثل نورہ کمشکوۃ فیہا مصباح تو یہ مثل (بکسر المیم) نہیں بلکہ مثالین تقریب فہم کیلئے ہین آگے پہر قصہ فرماتے ہین

حاصل آن زن دید آنرا مست شد　　زان تجلی آن ضعیف از دست شد

یعنی حاصل یہ کہ اُس عورت نے اُسکو دیکہا اور مست ہوگئی اور اُس تجلی سے وہ ضعیف از خود رفتہ ہوگئی -

دید در قصرے نبشتہ نام خویش　　آن خود دانستش آن محبوب کیش

یعنی اُسنے ایک محل مین اپنا نام لکہا دیکہا تو اُسکو اُس محبوب کیش نے اپنی ملک جانا -

بعد از ان گفتند کاین نعمت وراست　　کو بجان بازی بجز صادق نخاست

یعنی اُسکے بعد فرشتون نے کہا کہ یہ نعمت اُسکے لئے ہے جو کہ جانبازی سے سوائے صادق کے نہ اُٹہا یعنی جسنے کہ ہمیشہ طلب صادق ہی کی اُسکے لئے یہ نعمتین ہین -

خدمت بسیار می بایست کرد　　مر ترا تا بر خوری زین چاشت خورد

یعنی تجھے خدمت بسیار کرنی چاہئے تھی تاکہ تو اس چاشت سے پہل کہاتی۔

چون تو کاہل بودی اندر التجا　　آن مصیبتہا عوض دادت خدا

یعنی جبکہ تو دعا مین کاہل تھی تو خدا نے یہ مصیبتین (اُس مجاہدہ کے) عوض مین دیدین۔ مطلب یہ ہے کہ حق تعالیٰ کو تجھے مراتب عُلیا پر فائز فرمانا تھا اور اُسکے لئے مجاہدات شاقہ کی ضرورت تھی اور اُس مین تو کاہل تھی لہذا حق تعالیٰ نے ان مصائب کو تیرے لئے عوض بنادیا کہ اُنپر تو نے صبر کیا تو یہ درجات ملگئے جب اُسنے یہ سُنا تو بولی کہ

گفت یارب تا بصد سال و فزون　　این چنینم ده بہر یزاز من تو خون

یعنی اُسنے کہا کہ اے اللہ سو برس بلکہ زیادہ تک تو اسی طرح مجھے عطا فرما اور خون گرا یعنی اسی طرح اولاد کو عنایت فرما اور مار۔ تاکہ درجات علیہ نصیب ہون

اندر آن باغ او چو آمد پیش پیش　　دید در وے جملہ فرزندان خویش

یعنی اُس باغ مین جو وہ آگے آگے آئی تو اُسنے اُسمین اپنے سارے بچون کو دیکھا۔

گفت از من گم شد از تو گم نشد　　بے دو چشم غیب کس مردم نشد

یعنی بولی کہ (اے خدایا) مجھسے تو گم ہوگئے تھے آپسے گم نہ ہوئے تھے (آپکے پاس موجود تھے مولانا فرماتے ہیں کہ) بے غیب کی دو آنکھون کے کوئی آدمی نہین ہوا۔

تو نکردی فصد و از بینی دوید　　خون افزون تا ز تب جانت رہید

یعنی تو نے فصد نہ کی تو ناک سے خون زائد دوڑ گیا۔ یہانتک کہ جان تیری تپ سے چھوٹ گئی۔ مطلب یہ کہ تم مجاہدہ اختیاری مین مشغول نہ ہوئے تو خدا نے تمکو اضطراری مین لگادیا۔ یہانتک کہ تم اُس عذاب سے بچ گئے اور درجات تمکو ملگئے۔

مغز ہر میوہ بہ است از پوستش　　پوست تن را دان و مغز آن دوستش

یعنی ہر میوہ کا مغز اُسکے پوست سے بہتر ہے تو تم تن کو تو پوست جانو اور مغز اُسکے اُس دوست کو یعنی روح کو۔

مغز نغزے دارد آخر آدمی　　یکدمے آنرا طلب گر زان دمی

یعنی آخر آدمی تو ایک مغز نفیس رکہتا ہے تو تو اگر اُس دم سے ہے تو ایک دم اُسکو طلب کر یعنی اگر آدمی ہے

تو تو اُس مغز نغز یعنی روح کو طلب کر اور اُس کی پرورش کر۔ اور پرورش تن کو چھوڑ۔ آگے حضرت حمزہ رضؓ کی حکایت لاتے ہیں کہ وہ آخر میں بے زرہ کے لڑائی میں آیا کرتے تھے کسی نے پوچھا تو فرمایا کہ یہ جسم چونکہ کوئی حفاظت کی شے نہیں ہے لہذا اس کی حفاظت کو ترک کر دیا۔ تو دیکھو تم بھی ایسا ہی کرو۔ اب حکایت سنو

شرح حبیبی

در جوانی حمزہؓ عم مُصطفےٰ — با زرہ می شد مدام اندر دغا
اندر آخر حمزہ رضؓ چون در صف شدی — بے زرہ سرمست در غزو آمدے
سینہ باز و تن برہنہ پیش پیش — در فگندے در صف شمشیر خویش
خلق پرسیدند کائے عم رسول — وے ہزبر صف شکن شاہ فحول
نے کہ لاتلقوا بایدیکم الے — تہلکہ خواندے ز پیغام خدا
پس چرا تو خویش را در تہلکہ — می در اندازی چنین در معرکہ
چون جوان بودی و زفت و سخت زہ — تو نمی رفتی سوئے صف بے زرہ
چون شدی پیر و ضعیف و منحنی — پردہائے لااُبالی می تنی
لااُبالی وار با تیغ و سنان — می نمائی دار و گیر و امتحان
تیغ حرمت می ندارد پیر را — کے بود تمیز تیغ و تیر را
کے روا باشد کہ شیرے ہمچو تو — کُشتہ گردد راست بر دست عدو
زین نسق غمخوارگانِ بیخبر — پند می دادند او را از عبر
گفت حمزہ چونکہ بودم من جوان — مرگ میدیدم وداع اینجہان

سوی مردن کس برغبت کے رود	پیش اژدرہا برہنہ کے شود
لیک از نور محمد من کنون	نیستم این شہر فانی را زبون
از برون حس زلشکرگاہ شاہ	پر ہمی بینم ز نور حق سپاہ
خیمہ در خیمہ طناب اندر طناب	شکر آنکہ کرد بیدارم زخواب
آنکہ مردن پیش چشمش تہلکہ است	امر لاتلقوا بگیرد او بدست
آنکہ مردن پیش او شد فتح باب	سارعوا آید مراورا در خطاب

جوانی مین حضرت حمزہ رض جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے چچا ہمیشہ لڑائی مین زرہ پہنکر جاتے تھے مگر اخیر عمر مین جب وہ صف جنگ مین جاتے تھے تو نشہ حب حق مین چور ہوتے تھے اور جہاد مین بدون زرہ کے شریک ہوتے تھے اور حالت یہ ہوتی تھی کہ سینہ بھی کھلا ہوتا تھا جسم بھی برہنہ ہوتا تھا اور آگے آگے ہوتے تھے اور اپنے کو تلوارون مین ڈالدیتے تھے لوگون نے دریافت کیا کہ اے جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے چچا اور اے شیر خدا اور صف شکن شاہ مردان کیا آپنے حکم خداوندی لاتلقوا بایدیکم الی التھلکۃ نہین پڑھا۔ جب بڑھاپے تو پھر کیا بات ہے کہ آپ ایسے معرکہ مین گھسکر اپنے کو ہلاکت مین ڈالتے ہین جبکہ آپ جوان بھی تھے موٹے تازے بھی تھے قوی بھی تھے اُسوقت تو آپ صف جنگ مین بلا زرہ کے نہ جاتے تھے اور جب بڈھے ضعیف ونحیف ہوئے اُسوقت آپ لاپروائی کے پردے اپنے اوپر ڈالتے ہین اور نہایت بیباکانہ تیغ دشمنان سے مزاحمت اور زور آزمائی کرتے ہین آپ خیال فرمائین کہ تلوار بڑھاپے کی کچھ وقعت نہین کرتی۔ بھلا تیغ وتبر کو کیا تمیز کہ کون قابل وقعت ہے اور کون نہین پس یہ جائز نہین کہ آپسا بہادر دشمن کے ہاتھ سے مارا جائے آپ اپنی حفاظت کیجئے۔ غرض اسی طرح اُن کے نادان دوست اُنکو مصائب سے ڈراتے اور نصیحت کرتے تھے مگر حمزہ رضی اللہ عنہ نے اُنکو یہ جواب دیا کہ صاحبو جب مین جوان تھا اُسوقت اس جہان سے رخصت ہونے کو موت سمجھتا تھا اور یہ یقینی امر ہے کہ موت کی طرف آدمی رغبت سے نہین جاتا اور اژدہے کے

سامنے ننگا نہیں جاتا اسلئے یہ سب احتیاطیں کرتا تھا لیکن اب جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نور سے مجہپر حقیقت حال منکشف ہو گئی ہے اور اب جب دنیا مجہپر غالب نہیں رہی مین عالم محسوسات سے باہر حق سبحانہ کی چہاونی دیکھ رہا ہون اور نور حق کی سپاہ سے اُسے لبریز پاتا ہون. خیمہ پر خیمہ اور طنابوں پر طنابین قائم ہین مین اُن کا نہایت شکور ہون جنہون نے مجہپر حقیقت حال کو منکشف کر کے جہل مرکب سے رہائی دی۔ اور گویا کہ مین سوتا تھا اُنہون نے مجھے جگا دیا اور یہ جو تمنے کہا ہے کہ حق سبحانہ نے لا تلقوا بایدیکم الی التہلکہ فرمایا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ جو موت کو ہلاکت سمجھے وہ اسپر کاربند ہو۔ اور جو مرنے کو وصال حق سبحانہ کا دروازہ کہلنا سمجھتا ہے اسکے لئے تو سارعوا الی مغفرۃ من ربکم وجنۃ الخ خطاب ہے اور اُسکو تو موت کیلئے ترغیب ہے۔

شرح شبیری

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا لڑائی میں بے زرہ کے تشریف لانا

در جوانی حمزہ عم مصطفی　　با زرہ مے شد مدام اندر وغا

یعنی جوانی مین حمزہؓ عم مصطفے صلے اللہ علیہ وسلم لڑائی مین ہمیشہ مع زرہ کے جاتے تھے۔

اندر آخر چونکہ در غزو آمدے　　بے زرہ خود را بر صفہا بر زدے

یعنی اخیر عمر مین جبکہ لڑائی مین آتے تو بے زرہ کے اپنے کو صفوں مین ڈالتے۔

اندر آخر حمزہ چون در صف شدی　　بے زرہ سرمست در غزو آمدے

یعنی اخیر مین حمزہؓ جب صف مین آتے تو بے زرہ کے مست کی طرح غزو مین آ جاتے۔

سینہ باز و تن برہنہ پیش پیش　　در فگندے در صف شمشیر خویش

یعنی سینہ کہلا ہوا اور تن برہنہ آگے آگے صف شمشیر مین اپنے کو ڈالدیتے۔

خلق پرسیدند کاے عم رسول　　اے ہزبر صف شکن شاہ فحول

یعنی لوگون نے پوچھا کہ اے عم رسول اور اے شیر صف شکن اور شاہ مرداں

نے تو لا تلقوا بایدیکم الے　　تہلکہ خواندے ز پیغام خدا

یعنی آپنے لا تلقوا بایدیکم الے التہلکہ پیغام خدا سے پڑہا نہیں ہے۔ کیا

پس چرا تو خویش را در تہلکہ　　می در اندازی چنین در معرکہ

یعنی پس آپ کیوں اپنے کو ہلاکت میں اور اس طرح معرکہ میں ڈالتے ہیں۔

چون جوان بودی و زفت و سخت زہ　　تو نمی رفتی سوئے صف بی زرہ

یعنی جب آپ جوان اور مضبوط اور سخت زہ والے تھے تو آپ صف کی طرف بے زرہ نہیں جاتے تھے۔

چون شدی پیر و ضعیف و منحنی　　پردہائے لاأبالی می زنی

یعنی جبکہ آپ بوڑھے اور ضعیف اور منحنی ہوگئے تو اب بے پروائی کے پردہ کو مارتے ہو۔

لاأبالی وار با تیغ و سنان　　می نمائی دار و گیر و امتحان

یعنی لاأبالی کی طرح مع تیغ و سنان کے آپ امتحان میں دار و گیر دکھاتے ہیں۔

تیغ حرمت می ندارد پیر را　　کے بود تمیز تیغ و تیر را

یعنی تلوار کسی بوڑھے کی عزت نہیں کرتی اور تیغ و تیر کو کب تمیز ہوتی ہے (کہ یہ بزرگ ہیں اور یہ نہیں ہیں اُسکے آگے جو پڑے گا وہ اُسکو کاٹے گی)

کے روا باشد کہ شیری ہمچو تو　　کشتہ گردد زار بر دست عدو

یعنی کب مناسب ہے کہ ایک آپ جیسا شیر دست عدو سے مارا جائے یعنی اگر آپ فرمادیں کہ میں مرنے کو ایسا کرتا ہوں تو ہمیں یہ گوارا نہیں ہے کہ آپ ایسا کریں۔

زین نسق غمخوارگان بیخبر　　پند می دادند او را از عبر

یعنی اس طرح سے غمخوار لوگ (حقیقت سے) بے خبر انکو عبرتوں سے نصیحت کر رہے تھے یعنی وہ اُن کو ڈراتے تھے اور کہتے تھے کہ دیکھو ایسا مت کرو ورنہ نقصان اُٹھاؤ گے۔

حضرت حمزہ رض کا جواب

گفت حمزہ رض چونکہ بودم من جوان　　مرگ می دیدم وداع این جہان

یعنی حضرت حمزہ رض نے فرمایا کہ جبکہ میں جوان تھا تو اس جہان کے رخصت کرنے کو موت سمجھتا تھا۔

سوئے مُردن کس برغبت کے رود　　پیش اژدرہا برہنہ کے شود

یعنی کوئی شخص مرنے کی طرف رغبت سے کب جاتا ہے اور اژدہا کے آگے برہنہ کب ہوتا ہے۔

لیک از نور محمد من کنون　　نیستم این شہر فانی را زبون

یعنی لیکن اب مین نور محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے اس دنیائے فانی سے عاجز نہین ہون۔

از برون حس ز لشکرگاہ شاہ　　پر ہمی بینم ز نور حق سپاہ

یعنی اس حس سے خارج لشکر شاہ (حق تعالیٰ) کی مین نور حق سے سپاہ پر دیکھتا ہون یعنی مجھے حواس باطنیہ سے جنود غیبیہ نظر آرہے ہین اور مین اُنکو دیکھہ رہا ہون۔

خیمہ در خیمہ طناب اندر طناب　　شکر آنکہ کرد بیدارم ز خواب

یعنی خیمہ در خیمہ اور طناب در طناب ہین اور شکر اُس کا کہ اُسنے مجھے خواب سے بیدار کر دیا۔

آنکہ مردن پیش چشمش تہلکہ است　　امر لا تلقوا بگیرد او بدست

یعنی وہ شخص کہ اُس کی نگاہ مین مرنا ہلاکت ہے وہ امر لا تلقوا الخ کو ہاتھ مین لیگا۔

آنکہ مردن پیش او شد فتح باب　　سارعوا آید مراو را در خطاب

یعنی وہ شخص کہ اُسکے آگے مرنا فتح باب (عیب) ہے تو اُسکو خطاب مین سارعوا آیا ہے یعنی اُنکے لئے تو یہ خطاب ہے کہ ایسے کامون مین جلدی اور مسارعت کرو اُن کیلئے خطاب لا تلقوا نہیں ہے اسلئے کہ وہ اسکو ہلاکت سمجھتے ہی نہین ہین۔ اور فرماتے ہیں کہ۔

شرح حبیبی

الحذر اے مرگ بینان دارعوا　　العجل ای حشر بینان سارعوا

الصلا ای لطف بینان افرحوا　　البلاء اے قہر بینان اترحوا

ہر کہ یوسف دید جان کردش فدا　　ہر کہ گرگش دید بر گشت از ہدا

مرگ ہر یک ای پسر ہم رنگ اوست　　آئینہ صافی یقین ہم رنگ روست

پیش ترک آئینہ را خوش رنگی است　　پیش زنگی آئینہ ہم زنگی است

ایکہ می ترسی ز مرگ اندر فرار　　آنکہ خود ترسانی ای جان ہوشدار

زشت روئی تست نی رخسار مرگ ‌‌ جان تو همچون درخت و مرگ برگ

از تو رستست ار نکویست ار بدست ‌‌ ناخوش و خوش هر ضمیرت از خودست

گر بخاری خسته خود کشته ‌‌ در حریر و قز دری خود رشته

لیک نبود فعل همرنگ جزا ‌‌ هیچ خدمت نیست همرنگ عطا

مزد مزدوران نمی ماند بکار ‌‌ کان عرض وین جوهرست و پایدار

آن همه سختی و زورست و عرق ‌‌ این همه سیمست و زر و پر طبق

گر ترا آید ز جائی تهمتی ‌‌ کرده مظلومت دعا در محنتی

تو همی گوئی که من آزاده ام ‌‌ بر کسی من تهمتی ننهاده ام

تو گناهی کرده شکل دگر ‌‌ دانه کشتی دانه کی ماند به بر

او زنا کرده جزا صد چوب بود ‌‌ گوید او من کی زدم کس را بعود

نی جزای آن زنا بود این بلا ‌‌ چوب کی ماند زنا را در جزا

مار کی ماند عصا را ای کلیم ‌‌ درد کی ماند دوا را ای حکیم

تو بجای آن عصا آب منی ‌‌ چون بیفگندی شد آن شخص سنی

یار شد یا مار شد آن آب تو ‌‌ زان عصا چون است این اعجاب تو

هیچ ماند آب آن فرزند را ‌‌ هیچ ماند نیشکر مر قند را

چون سجودی یا رکوعی مرد کشت ‌‌ شد در آن عالم سجود او بهشت

چونکه پرید از دهانش حمد حق ‌‌ مرغ جنت ساختش رب الفلق

حمد و تسبیحت نماند مرغ را — گرچه نطفهٔ مرغ باد است و هوا

چون ز دستت رفت ایثار و زکات — گشت این دست آن طرف نخل و نبات

آب صبرت آب جوی خلد شد — جوی شیر خلد مهر تست و ود

ذوق طاعت گشت جوی انگبین — مستی و شوق تو جوی خمر بین

این سببها آن اثرها را نماند — کس نداند چونش جای آن نشاند

این سببها چون بفرمان تو بود — چاره جو هم مر ترا فرمان نمود

هر طرف خواهی روانش میکنی — آن صفت چون بد چنانش میکنی

چون منی تو که در فرمان تست — نسل تو در امر تو آیند چیست

می دود در امر تو فرزند تو — که منم جزوت که کردیش گرو

آن صفت در امر تو بود این جهان — هم در امر تست آن جوها روان

آن درختان مر ترا فرمان برند — کان درختان از صفاتت با برند

چون بامر تست اینجا این صفات — پس در امر تست آنجا آن جزات

چون ز دستت زخم بر مظلوم رست — آن درختی گشت ازان زقوم رست

چون ز خشم آتش تو در دلها زدی — مایهٔ نار جهنم آمدی

آتشت اینجا چو آدم سوز بود — آنچه از وی زاد مرد افروز بود

آتش تو قصد مردم می کند — مار کز وی زاد بر مردم زند

آن سخنهای چو مار و کژدمت — مار و کژدم گشت و می گیرد دمت

اولیا را داشتے در انتظار ۔۔۔ انتظار رستخیزت گشت یار

وعدهٔ فردا و پس فردائے تو ۔۔۔ انتظار حشر آمد وائے تو

منتظر مانی دران روز دراز ۔۔۔ در حساب و آفتاب جان گداز

کاسمان را منتظر می داشتے ۔۔۔ تخم فردا رہ روم مے کاشتے

خشم تو تخم سعیر دوزخ است ۔۔۔ ہین بکش این دوزخت را کان فخ است

کشتن این نار نبود جز بنور ۔۔۔ نورک اطفا نارنا نحن الشکور

گر تو بے نور آوری حلمے بدست ۔۔۔ آتشت زنده است در خاکستر است

آن تکلف باشد و روپوش ہین ۔۔۔ نار را نہ کشد بغیر نور دین

تا نہ بینی نور دین ایمن مباش ۔۔۔ کاتش پنہان بود یک روز فاش

نور آبے دان و ہم بر آب چفش ۔۔۔ چونکہ داری آب از آتش مترس

آب آتش را کشد آتش بخو ۔۔۔ می بسوزد نسل فرزندان او

سوئے آن مرغابیان رو روز چند ۔۔۔ تا ترا در آب حیوانے کشند

مرغ خاکی مرغ آبی ہم تن اند ۔۔۔ لیک ضد انند و آب و روغن اند

ہر یکے بر اصل خود رانندہ اند ۔۔۔ احتیاطے کن بہم مانندہ اند

ہمچنان کہ وسوسہ و وحے الست ۔۔۔ ہر دو معقول اند لیکن فرق ہست

ہر دو دلالان بازار ضمیر ۔۔۔ رختہا را می ستانند اے امیر

گر تو صراف دلی فکرت شناس ۔۔۔ فرق کن سر دو فکرت چون نخاس

ورنہ دانی این دو فکرت را گمان تا نماند در تفکر جان تو	لاخلابہ گوئی و مشتاب و مران غبن ناید بر تو و بر خوان تو

اب مولانا فرماتے ہیں (اور یہ بھی ممکن ہے کہ حضرت حمزہ رضؓ کے مقولہ کا تتمہ ہو) کہ اے وہ لوگو جو موت کو موت سمجھتے ہو تم بچو ایسا نہو مر جاؤ۔ اور اے وہ لوگو جو اسکو حیات ابدی سمجھتے ہو جلدی کرو۔ اور اُس کی طرف دوڑو۔ بڑی دولت ہے اور اے موت کو عنایت حق سمجھنے والو تمہین اطلاع کیجاتی ہے تم خوش ہو کہ ایک دن تمکو یہ لطف عزور میسر ہوگا اور اے وہ لوگو جو اسکو قہر سمجھتے ہو تمہارے لئے مصیبت ہی تم ملول اور رنجیدہ ہو۔ اب مولانا عنوان بدلتے ہین اور خطاب کو چھوڑ کر فرماتے ہین کہ جو لوگ موت کو یوسف سمجھتے ہین وہ تو اسپر جان فدا کرتے ہین اور مرنیکے لئے مرتے ہین اور جو اسکو بھیڑیا سمجھتے ہین وہ راہ راست سے بھٹکے ہوئے ہین اور منشا اختلاف یہ ہے کہ ہر شخص کی موت اُسکے مناسب ہے۔ کیونکہ اُسکی مثال ایسی ہے جیسے شفاف آئینہ تو جو آئینہ شفاف ہوگا وہ چہرہ کی رنگت اختیار کر لیگا۔ پس اگر وہ ترک ہے تو آئینہ بھی خوش رنگ ہوگا اور اگر زنگی ہے تو آئینہ بھی زنگی ہی ہوگا۔ اسیطرح موت بھی ہے کہ جو لوگ خود اچھے ہین اُن کی موت بھی اچھی ہے اور جو بُرے ہین اُن کی موت بھی بُری ہے پس جو لوگ موت سے ڈر کر بھاگتے ہین اُن سے کوئی کہے کہ ارے احمق تو جو موت سے ڈر کر بھاگتا ہے یہ تیری حماقت ہے تو درحقیقت موت سے نہین بھاگتا بلکہ خوب سمجھ لے کہ تو اپنے سے بھاگ رہا ہے کیونکہ تو جو موت سے بھاگتا ہے تو اُسکو بُرا سمجھکر مگر موت بدرو نہین ہے بلکہ تو خود بدرو ہے تیری جان بمنزلہ درخت کے ہے اور موت بمنزلہ پتون کے اور قاعدہ ہے کہ جیسا درخت ہوگا ویسے ہی پتے ہونگے۔ علے ہذا جیسی تیری جان ہوگی ویسی ہی تیری موت ہوگی اور چونکہ یہ تجھی سے پیدا ہوئی ہے خواہ اچھی ہو یا بُری اسلئے اگر تو اچھا ہے تو موت بھی اچھی ہے اور اگر تو بُرا ہے تو موت بھی بُری ہے یون ہی جو خوشی یا ناخوشی تیرے دل پر طاری ہوتی ہے وہ بھی تجھی سے پیدا ہوتی ہے چنانچہ اگر تمکو کانٹا لگتا ہے تو وہ بھی تمہارا ہی بویا ہوا ہے اور اگر تم حریر اور ریشم ہو تو وہ بھی تمہارا ہی کاتا ہوا ہے لیکن کوئی فعل جزا کے مشابہ نہین ہوتا اور کوئی خدمت عطا کی مماثل نہین ہوتی۔ مزدورون کی مزدوری کام کے مشابہ نہین ہوتی۔ کیونکہ محنت عرض ہے اور مزدوری جوہر وہ غیر باقی ہے اور یہ باقی وہ تکلیف اور مشقت ہے یہ طباق بھر چاندی سونا اگر تم پر کہین سی تہمت لگے

تو وہ اسلئے ہے کہ تمہارے مظلوم نے کسی تکلیف مین بددعا کی ہے تم کہتے ہو کہ مین تو بالکل آزاد ہون اور
مین نے کسی پر تہمت نہین لگائی ہے۔ یہ سچ ہے مگر تمنے گناہ دوسری صورت مین کیا ہے اور ایک
دانہ بویا ہے۔ یہ اُس کا پھل ہے اور قاعدہ ہے کہ دانہ پھل کے مشابہ نہین ہوتا۔ پس لازم ہے کہ
یہ بھی تمہارے فعل کے مشابہ نہو۔ دیکھو آدمی زنا کرتا ہے تو سَو دُرّہ اسکو سزا ملتی ہے وہ کہتا ہے
کہ مین نے تو کسیکو لکڑی سے نہین مارا تھا مجھے کس بات کا بدلا ملا۔ لیکن کیا تم سمجھتے ہو کہ یہ خیال
صحیح ہے اور کیا یہ زنا کا بدلا نہین ہے ضرور ہے حالانکہ دُرّون کو زنا سے کچھ مشابہت نہین بلس معلوم
ہوا کہ ترتب جزا علی الفعل کیلئے مماثلت ضرور نہین بلکہ مطلق ترتب شئی علی الشئی کیلئے بھی مماثلت شرط نہین
دیکھو موسی علیہ السلام کی لاٹھی سانپ بن گئی تھی اور صورت خشبیہ پر صورت ثعبانیہ مرتب ہوئی تھی۔ ان
دونون مین کونسی مماثلت ہے علی ہذا درد پر دوا مرتب ہوتی ہے۔ ان دونون مین کونسی مشابہت ہے
اگر تمکو لاٹھی کے سانپ بننے مین کچھ تعجب ہو تو تم بجائے لاٹھی کے منی کو سمجھو۔ دیکھو جب تم منی کو
رحم مین ڈالتے ہو تو اُس سے آدمی بنجاتا ہے اُسکے بعد یا سانپ کی طرح موذی بنجاتا ہے یا خیر خواہ
دوست بنجاتا ہے پس دیکھو منی سے سانپ بنگیا۔ اب لاٹھی سے سانپ بنجانا کونسی تعجب کی بات ہے
کہ تمکو تعجب ہو۔ اچھا لکڑی اور سانپ کو جانے دو۔ یہ تو ہے کہ منی سے بچہ بنتا ہے اچھا یہی
بتلاؤ کہ منی اور لڑکے مین کونسی مشابہت ہے اور دیکھو گنے سے شکر پیدا ہوتی ہے بھلا دیکھو
کہ گنے اور شکر مین کوئی مشابہت ہے جبکہ یہ ثابت ہو گیا کہ فعل اور اس کی جزا مین اور ایک شئے اور
اُس سے پیدا ہونیوالی چیز مین مماثلت اور مشابہت لازم نہین تو اب سمجھو کہ جب آدمی دنیا مین رکوع
وسجود ودیگر طاعات کرتا ہے تو اُس سے آخرت مین اُسکو بہشت ملتی ہے تو گویا کہ اُسکی طاعات
بیج تھین اور بہشت اُس کا ثمرہ ہے اور جبکہ اُسکے مُنہ سے حمد حق سبحانہ نکلتی ہے تو اس سے
بحکم حق سبحانہ جنت مین جانور پیدا ہوتے ہین (اس مقام پر یہ تنبیہ کردینا ضروری ہے
کہ جنت بجمیع اجزائہا آدمی کو اُس کی طاعات کے صلہ مین ملتی ہے۔ پس مولانا نے اولاً مطلق
طاعات کے صلہ مین جنت کے ملنے کو بتلایا اب اُس کی مجموعہ طاعات کے اجزا اور جنت کے
اجزا مین مناسبت دکھلاتے ہین مولانا کا یہ مطلب نہیں ہے کہ افعال وطاعات مادہ جنت مین
جیسا کہ سرسری نظر سے مفہوم ہوتا ہے۔ پس چونکہ حمد کا مُنہ سے نکلنا مناسبت رکھتا تھا

پرندکے اڑنے سے اسلئے فرمادیا کہ حمد جانور ہو گئی ورنہ حقیقت مین ایسا نہیں ہے باقی آئندہ مضامین کو بھی ایسا ہی سمجھو) پس دیکھو کہ اگرچہ پرند کا مادہ ہوا ہوتی ہے اور تسبیح کا مادہ بھی ہوا ہے مگر تاہم پرند اور تسبیح مین کوئی مشابہت نہین اور جب تمہارے ہاتھ سے کوئی خیرات یا زکوۃ نکلتی ہے تو اس سے جنت مین درخت اور سبزہ پیدا ہوتا ہے - اور تمہارے صبر کے پانی سے جنت کی نہر کا پانی پیدا ہوتا ہے اور تمہاری محبت سے جوئے شیر پیدا ہوتی ہے اور ذوق طاعات سے جوئے شہد پیدا ہوتی ہے اور تمہاری مستی و شوق سے جوئے شراب بنتی ہے یہ تمام اسباب اپنے آثار کے مماثل نہیں ہین اور کوئی نہین جانتا کہ ان افعال کی جزا انکو کیون قرار دیا گیا - اور کیسے اُن آثار کو ان اسباب پر مرتّب کیا گیا - دلیل ثانی اس امر کی کہ نعمتے جنت تمہارے افعال کے آثار ہین یہ بھی ہے کہ جس طرح یہ اسباب تمہارے اختیار مین تھے اسی طرح وہ چارون نہرین وغیرہ بھی تمہارے قبضہ مین ہونگی اور جسطرف تم انکو لیجاؤگے اُسی طرف جائینگے اور جس صفت پر تمہاری صفات تھین کہ اُن مین تمکو ہر طرح تصرّف کا اختیار حاصل تھا یہی حالت اُن نہرون کی بھی ہوگی کہ تم جیسا چاہوگے اُنکو ویسا ہی بنا لوگے دنیا میں بھی اُسکی نظیر موجود ہے دیکھو چونکہ منی تمہارے اختیار مین ہوتی ہے اسیطرح اُس سے جو اولاد پیدا ہوتی ہے وہ بھی تمہارے اختیار مین ہوتی ہے اور تمہارا بچہ تمہارے اشارہ پر چلتا ہے اور گویا کہ وہ زبان حال سے کہتا ہے کہ مین آپکا وہی جزو ہون جسکو آپنے رحم مادر مین محفوظ کیا تھا لہذا آپکو مجھپر وہی اختیار حاصل ہے جو اُسپر تھا جس طرح تمہاری صفات دنیا مین تمہارے قبضہ مین تھین یون ہی جنت کی نہرین بھی تمہارے کہنے مین ہونگی - علی ہذا درخت بھی تمہارے مطیع ہونگے کیونکہ وہ بھی پھل والے تمہاری صفات و افعال ہی سے ہوئے ہین پس خلاصہ یہ کہ جب تمہارے صفات و افعال تمہارے کہنے مین ہین تو آخرت مین جو انکی جزا ہوگی وہ بھی تمہارے کہنے مین ہوگی - اب سنو کہ جسطرح افعال حسنہ سے نتائج حسنہ پیدا ہوتے تھے یون ہی افعال سیئہ سے بُرے نتائج پیدا ہوتے ہین - مثلاً جب تمہارے ہاتھ سے کسی کو زخم پہونچتا ہے تو اُس سے دوزخ مین زقوم کا درخت پیدا ہوتا ہے اور جب بیجا غصہ سے تم دوسرون کے دل جلاتے ہو تو اسکے تم دوزخ کا ایندھن بنتے ہو اور چونکہ دنیا مین تمہارے غصہ کی آگ لوگون کے دلوں کو جلاتی تھی اسلئے دوزخ کی آگ جو اُس سے پیدا ہوئی ہے - تمہین جلائیگی - اور جبکہ تمہارے غصہ کی آگ لوگون پر حملہ کرتی ہی

تو اُس سے جو آگ پیدا ہوگی وہ خود تم پر حملہ کریگی اور تمہاری باتیں جو سانپ بچھو کی طرح نکلتی تھین ایک
وہ سانپ بچھو بنکر تمہارا گلا دبائین گی اور چونکہ تم اولیاء اللہ یا عام اہل حقوق کو انتظار مین رکھتے ہو
اسلئے انتظار قیامت کا بار تمپر پڑیگا۔ اور یہ آجکل کے وعدے انتظار قیامت کی صورت مین ظاہر ہونگے
اور تمکو اُس طول طویل دن مین دہوپ اور حساب مین رہکر آخری نتیجہ کا اسلئے انتظار کرنا پڑیگا کہ تم
آسمان کو بھی منتظر رکھتے تھے اور کل چلون گا کل چلون گا کا بیج بوتے تھے مطلب یہ ہے کہ تم اہل اللہ کی
نصیحتونپر آجکل آجکل کرتے تھے لہذا تم اُنکو بھی منتظر رکھتے تھے اور آسمان کو بھی کیونکہ آسمان کو بھی صعود
عمل نیک کا انتظار رہتا تھا اور دیگر اہل حقوق کا منتظر ہونا تو ظاہر ہے پس تم ان سبکو منتظر رکھنے کی
کی جزا مین اس انتظار مین مبتلا ہوگے اب سنو کہ تمکو یہ معلوم ہو چکا ہے کہ تمہارا غصہ دوزخ
کا بیج ہے پس تمکو اس دوزخ کو ٹھنڈا کرنا چاہئے کیونکہ یہ مصائب کا جال ہے اگر بے احتیاطی
کروگے تو ضرور مصائب مین پھنسوگے اور یہ آگ اُسی وقت بجھ سکتی ہے جبکہ نور دین حاصل ہو کیونکہ
نور دین ہی مین آتش دوزخ کے بجھانیکی خاصیت ہے چنانچہ حدیث مین آیا ہے جب تو پُل صراط سے
گذرے گا اُس وقت دوزخ کہے گی جز یا مومن فان نورک اطفا ناری واللہ اعلم بصحتہ
اور ہم خدا کا شکر کرتے ہین کہ ہمکو یہ نور حاصل ہے پس تمکو نور دین حاصل کرنا چاہئے یہ بھی یاد رکھو
کہ اگر نور دین حاصل نہو اور کسی اور طرح سے تم حلم حاصل کرلو تو یہ سمجھنا کہ آگ بجھی نہین ہے بلکہ راکھ مین
چھپی ہوئی ہے جہان راکھ ہٹی وہ چمکی یہ تکلیف اور تستر ہے نہ کہ بجھنا۔ کیونکہ نور دین کے علاوہ
کوئی چیز اس آگ کو بجھانیوالی ہے ہی نہین پس جب تک تم اپنے دل مین نور دین نہ دیکھ لو
اُسوقت تک بیخوف نہونا کیونکہ یہ چھپی ہوئی آگ ایک روز ضرور ظاہر ہوگی پس نور دین کو اس آگ
کا پانی سمجھو۔ اور اسے لپٹو اور جب تمہارے پاس پانی ہو اُسوقت تمکو آگ سے ڈرنے کی ضرورت
نہین۔ کیونکہ پانی آگ کو فنا کردیتا ہے۔ اور وجہ یہ ہے کہ آگ پانی کی اولاد کو فنا کرتی ہے یعنی
اُن مرکبات کو جلاتی پھونکتی ہے جن مین پانی کو دخل ہے مثلاً نباتات اثمار وغیرہ۔ اب تمکو یہ فکر
ہوگی کہ وہ پانی کیونکر ملے جس سے یہ آگ فنا ہو تو اُسکی تدبیر یہ ہے کہ تم اُس بحر کی مرغابیون
(اہل اللہ) کے پاس چند روز رہو وہ تمکو اس آب حیات مین غوطہ دینگے اور اسکے بعد پھر اُس
آگ سے تمکو کچھ بھی خطرہ نہوگا۔ یاد رکھو کہ بعض مرغ خاکی اور مرغ آبی صورت مین یکسان نظر

آتے ہین مگر حقیقت کے لحاظ سے اُن مین تباین ہوتا ہے اور ان کی مثال ایسی ہوتی ہے جیسے پانی اور تیل کہ دونون سائل ہین مگر ایک آتش کش ہے اور ایک آگ کو زندہ کرنیوالا اور ہر ایک اپنی اصل پر چل رہا ہے پس تمکو بہت احتیاط کرنی چاہئے اور دہوکے بازون سے بچنا چاہئے اسلئے کہ دونون صورت مین بہت ملتے جلتے ہین جس سے غلطی کا قوی احتمال ہے اور اُن مین وہی نسبت ہو کہ وسوسہ اور الہام مین کہ دونون امر عقلی وغیر محسوس ہین مگر پھر بھی باہم فرق ہے وسوسہ اور الہام دونون بازار باطن کے دلال ہین اور ہر ایک اُس مین سے کچھہ کچھہ لیتا ہے پس اگر تم صراف دل ہو تو تم اپنے خیال کو خود ہی پہچان لو کہ یہ وسوسہ ہے یا الہام اور جسطرح بردہ فروش اچھے بُرے مال مین تمیز کرتا ہے اسیطرح تم ان دونون فکرون مین تمیز کرلو اور اگر تم خود ان دونون کو نہیں پہچان سکتے توکہدو لا خلابۃ اور اس خیال پر عمل کرنے مین جلدی مت کرو اور کسی صرف نما کو دکھلا لو جب وہ ایک شق متعین کردے اُسوقت اُسپر عمل کرو اور بلا دکہلائے نکرو تاکہ تمہاری جان تردد مین پھنسے اور نیز اور تمہاری غذا پر نقصان واقع نہ ہو۔

شرح شبیری

الحذر ای مرگ بینان دارعوا　　　العجل ای حشر بینان سارعوا

یعنی اے موت دیکھنے والو بچو اور اے حشر دیکھنے والو جلدی کرو مطلب یہ کہ اے وہ لوگو جو کہ موت سے ڈرتے ہو الگ ہو جاؤ اور موت سے بچ جاؤ۔ اور جو لوگ کہ موت کی اور حشر کی حالت اُنکے پیش نظر ہے اور وہ موت سے نہیں ڈرتے وہ آگے بڑہین اور جلدی کرین اور فرماتے ہین کہ۔

الصلا ای لطف بینان افرحوا　　　البلا اے قہر بینان اترحوا

یعنی اعلان ہے اے لطف کے دیکھنے والو خوش ہو اور بلا ہے اے قہر کر دیکھنے والو ہلاک ہو جاؤ یعنی اے وہ لوگو جو کہ موت کو لطف جانتے ہو وہ تو اُس سے خوش رہو اور جو کہ اسکو قہر سمجھتے ہو وہ اس سے ڈرو اور ہلاک ہو۔

ہر کہ یوسف دید جان کردش فدا　　　ہر کہ گرگش دید برگشت از ہدا۔

یعنی جسنے کہ (موت کو) یوسف دیکھا تو اُسپر جان فدا کردی اور جسنے اُسکو گرگ دیکھا وہ ہدایت سے برگشتہ ہوگیا۔

مرگ ہر یک ای پسر ہم رنگ اوست　　پیش دشمن دشمن و بر دوست دوست

یعنی اے لڑکے ہر ایک کی موت اُسکے ہم رنگ ہے دشمن کے آگے دشمن ہے اور دوست پر دوست ہے یعنی جیسے اُسکے حالات ہوتے ہین اُسیکے موافق اُس کی موت بھی ہوتی ہے آگے مثال ہے کہ

پیش ترک آئینہ را خوش رنگی است　　پیش زنگی آئینہ ہم زنگی ست

یعنی ترک کے آگے آئینہ خوش رنگ ہے اور زنگی کے سامنے آئینہ بھی زنگی ہے یعنی دیکھو آئینہ ایک ہی شئے ہے مگر جو ترک اُس مین دیکھے تو وہ خوش رنگ معلوم ہوتا ہے اور اگر کوئی زنگی اُس مین دیکھے تو وہ آئینہ بھی سیاہ ہو جاتا ہے تو اُس آئینہ مین تو کوئی خرابی نہین ہے بلکہ اُس رائی ہی مین خرابی ہے تو اسی طرح موت فی نفسہ تو ایک عمدہ اور خوش صورت ہے مگر خود انسان ہی مین خرابی ہوتی ہے تو یہ ناگوار معلوم ہوتی ہے اور اگر وہ اچھا ہوتا ہے تو یہ بھی اچھی معلوم ہوتی ہے آگے فرماتے ہین کہ۔

آنکہ می ترسی ز مرگ اندر فرار　　ترست از خویشست ای جان ہوشدار

یعنی وہ کہ تو بھاگنے مین موت سے ڈرتا ہے تو یہ تیرا خوف اپنے ہی سے ہے اے جان ہوش رکھیہ مطلب یہ کہ تو جو موت کی ڈراونی صورت سے ڈر رہا ہے یہ موت سے خوف نہین بلکہ یہ خوف اپنی ہی ذات سے ہے اسلئے کہ یہ زشتی اور یہ خرابی جو موت مین پیدا ہوئی ہے یہ تمہارے ہی حالات ہین تو گویا کہ اپنی ہی سے ڈر رہے ہو۔

زشت روی تست نی رخسار مرگ　　جان تو ہمچون درخت و مرگ برگ

یعنی زشت تو تیرا منہ ہے نہ کہ رخسار موت کا اور تیری جان مثل درخت کے ہے اور موت پتے ہین۔ (تو جیسا درخت ہوگا ویسے ہی پتے ہونگے۔ علی ہذا جیسی تمہاری حالت ہوگی ویسی ہی تمہاری موت ہوگی)

از تو رستست ار نکویست ار بدست　　ناخوش و خوش ہر ضمیرت از خودست

یعنی اگر نیکی ہے اور اگر بدی ہے (سب) تجھسے ہی پیدا ہوئی ہین اور اچھا اور بُرا تیرے دل پر تیری ہی طرف سے ہے۔

گر بخارے خستۂ خود کشتۂ　　در حریر و قز دری خود رشتۂ

یعنی اگر کسی کانٹے سے تو زخمی ہوا ہے تو نے خود بویا ہے اور اگر حریر و قز مین ہے تو تو نے خود ہی کاتا ہی مطلب یہ کہ جو حالت ہے وہ تمہاری حالت کا عکس اور اثر ہے اب یہان کسیکو شبہ ہوا کہ اگر یکو

دوزخ مین جلایا جاویگا (نعوذ باللہ منہ) تو ہمنے تو دنیا مین کسیکو آگ مین نہ جلایا تھا پھر یہ اُسکے ہمرنگ کہان ہوا
اس کا جواب فرماتے ہین کہ۔

لیک نبود فعل ہمرنگ جزا ہیچ خدمت نیست ہمرنگ عطا

یعنی لیکن کوئی فعل ہمرنگ جزا کے نہین ہوتا اور کوئی خدمت ہمرنگ عطا کے نہین ہے مطلب یہ کہ اعمال پر جو جزا ملتی ہے وہ اُنکے ہمرنگ نہین ہوتی۔ کہ جیسا عمل ہو بعینہ ویسی ہی جزا بھی ہو بلکہ اُس کا اثر ہوتا ہے بعینہ ویسی ہی نہین آتی آگے اُس کی مثال فرماتے ہین کہ۔

مزد مزدوران نمی ماند بکار کان عرض وین جوہر ست پایدار

یعنی مزدورون کی مزدوری کام کے مشابہ نہین کیونکہ وہ (کام) تو عرض ہے اور یہ (مزدوری) جوہر اور پائدار ہے (پھر دونون یکسان کہان ہوئے دونون الگ الگ ہین)

آن ہمہ سختی و زور ست و عرق وین ہمہ سیم ست و زر ست و طبق

یعنی وہ (کام) تو بالکل سختی اور زور ہے اور پسینہ ہے اور یہ (مزدوری) بالکل چاندی ہے اور سونا ہے اور طبق ہے (تو دیکھو عمل کے ہمرنگ جزا نہین ہے) آگے فرماتے ہین کہ

گر ترا آید ز جائے تہمتے کرد مظلومت دعا در محنتے

یعنی اگر تجھے کسی جگہ سے کوئی تہمت لگے تو تیرے مظلوم نے مصیبت مین دعا کی ہے۔

تو ہمی گوئی کہ من آزادہ ام بر کسے من تہمتے ننہادہ ام

یعنی تو کہتا ہے کہ مین تو آزاد ہون مین نے کسی پر تہمت نہین لگائی ہے

تو گناہے کردۂ شکل دگر دانہ کشتی دانہ کے ماند بہ بر

یعنی تو نے ایک گناہ دوسری شکل کا کیا ہے تو نے دانہ بویا تو دانہ پھل کے کب مشابہ ہوتا ہے مطلب یہ کہ مثلاً تمکو کسی نے تہمت لگائی تو تم اس فکر مین پڑے کہ مین نے تو کسیکو تہمت لگائی نہین ہے جسکے بدلہ مین مجھے تہمت لگی مولانا فرماتے ہین کہ یہ ضرور نہین ہے کہ تم کسیکو تہمت ہی لگایا کرو بلکہ تمنے کوئی اور گناہ کیا ہے اُس کا یہ بدلا ہے۔

او زنا کرد و جزا صد چوب بود گوید او من کے زدم کس را بعود

یعنی اُسنے زنا کیا اور جزا سو لکڑیان تھین تو وہ کہتا ہے کہ مین نے کسیکو کب لکڑی سے مارا ہے

نے جزاے آن زنا بود این بلا　　　چوب کے مانند زنا را در جزا

یعنی کیا اُس زنا کی جزا یہ بلا نہ تھی تو لکڑی جزا ہونے مین زنا کے کب مشابہ ہے۔ تو مطلب یہ ہے کہ جزا افعال کے مشابہ اور مماثل نہین ہوتی مگر اُن دونون مین تناسب ہوتا ہے کہ اُس تناسب کی بدولت وہ جزا جزا ہوئی آگے اُسکی نظائر بیان فرماتے ہین کہ۔

مار کے ماند عصا را اے کلیم　　　درد کے ماند دوا را اے حکیم

یعنی سانپ لکڑی کے کب مشابہ ہے اے کلیم اور درد دوا کے کب مشابہ ہے اے حکیم یعنی دیکھو عصا اور مار مین کوئی تماثل نہین مگر مناسبت ہے دوا اور مرض مین کوئی تشابہ نہین مگر مماثلت ہے۔

تو بجاے آن عصا آب منی　　　چون بیفگندی شد آن شخص سنی

یعنی تو نے بجاے اُس عصا کے آب منی کو جب ڈال دیا تو وہ ایک شخص مضبوط ہو گیا۔

یار شد یا مار شد آن آب تو　　　زآن عصا چونست این اعجاب تو

یعنی وہ تیرا آب منی یار ہو گیا یا مار ہو گیا تو اُس عصا سے یہ تیرا اعجاب کیا ہے مطلب یہ کہ اُس آب منی کا یہ اثر اور بدلا ہے مگر اُس مین اور اس مین کیا مشابہت ہے خود فرماتے ہین کہ۔

ہیچ ماند آب آن فرزند را　　　ہیچ ماند نے شکر مر قند را

یعنی کیا لڑکا اُس پانی کے کچھ مشابہ ہے اور کیا نیشکر قند کے مشابہ ہے (تو دیکھو جزائین اپنے اصل اعمال کے مشابہ نہین ہین) آگے ایک اور مثال ہے کہ۔

چون سجودے یا رکوعے مرد کشت　　　شد دران عالم سجود او بہشت

یعنی جب کوئی سجدہ یا رکوع کسی نے بویا تو اُس عالم مین اُس کا سجود بہشت ہو گیا،

چونکہ پرید از دہانش حمد حق　　　مرغ جنت ساختش رب الفلق

یعنی جبکہ اُسکے منہ سے حمد حق نکلی تو اُسکو رب الفلق نے مرغ جنت بنا دیا۔

حمد و تسبیحش نماند مرغ را　　　گرچہ نطفہ مرغ باد ست و ہوا

یعنی اُسکی حمد و تسبیح مرغ کے مشابہ نہین ہین اگرچہ نطفہ مرغ کا باد ہے اور ہوا (بعض جانورون کو سُنا ہے کہ کسی نے جفتی کرتے نہین دیکھا بلکہ وہ صرف منہ سے منہ ملاتے ہین اُسی سے نطفہ قرار پاتا ہے۔ تو اسیطرح فرماتے ہین کہ اگرچہ اُس کا نطفہ باد و ہوا ہے مگر پھر بھی تسبیح و تحمید اُس

مرغ جنت کے مشابہ نہین ہے

چون ز دستت رست ایثار و زکوة — کشت این دست آن طرف نخل و نبات

یعنی جبکہ تمہارے ہاتھ سے ایثار و زکوة اُگا تو اُس ہاتھ نے اُس طرف نخل و نباتات بو دئے

آب صبرت آب جوئے خلد شد — جوئے شیر خلد مہر تست و ود

یعنی تمہارا آب صبر جنت کی ندی کا پانی ہو گیا اور خلد کی جوئی شیر تمہاری محبت اور الفت ہے (تو دیکھو تماثل تو نہین مگر مناسبت سب مین ہے)

ذوق طاعت گشت جوئی انگبین — مستی و شوق تو جوئے خمر بین

یعنی ذوق طاعت تو جوئے انگبین ہو گئی اور تم اپنی مستی اور شوق جوئے خمر دیکھو۔ مطلب یہ کہ دیکھو چونکہ انگبین مین اور ذوق طاعت مین ایک مناسبت تھی اور مستی اور جوش مین اور شراب مین مناسبت تھی تو جنت ہر شے کی جزا اور اُسکے مناسب ہوئی کہ جوئے خمر تو مستی اور جوش کے بدلے مین ملی اور جوئے انگبین ذوق طاعت کے جزا مین ملی اور صبر کے بدلے مین جوئے آب اور محبت اور الفت کے بدلے مین جوئے شیر ملی غرضکہ ہر شے کی جزا مین اُسکے ساتھ ایک مناسبت ضرور ہے لیکن تماثل نہین ہے اسیکو فرماتے ہین کہ

این سببہا آن اثرہا را نماند — کس نداند چونش جائے آن نشاند

یعنی یہ اسباب اُن اثرات کے مشابہ نہین ہین اور کوئی نہین جانتا کہ اُس (اثر) کو اُس (سبب) کی جگہ کس طرح بٹھا دیا۔ مطلب یہ کہ ان اسباب و اثرات مین چونکہ تماثل اور تشابہ نہین تھا اسلئے کوئی نہین سمجھ سکتا کہ اُس سبب کا یہ اثر کس طرح ہو گیا۔ لیکن جب دیکھا جاتا ہے تو مناسبت ضرور نکلتی ہے آگے فرماتے ہین کہ

این سببہا چون بفرمان تو بود — چار جو ہم مر ترا فرمان نمود

یعنی یہ اسباب جب تیرے اختیار مین تھے تو چارون ندیوں نے بھی تیری فرمانبرداری کی۔ مطلب یہ کہ اسباب دنیاوی مثل صبر و مہر وغیرہ کے جب تمہارے اختیار مین تھے اور تم اُنکو اپنے اختیار سے بجالاتے تھے تو جو ندیان کہ ان اسباب کے اثرات تھین وہ بھی جنت مین تمہارے اختیار اور تمہارے کہنے مین ہوئین کہ جہان چاہو اُنکو لیجاؤ۔

ہر طرف خواہی روانش می کنی　　　آن صفت چون بد چنانش میکنی

یعنی تم جس طرف چاہو اُنکو روانہ کر لیتے ہو جسطرح کہ وہ صفت تمہی اُسی طرح اسکو کر لیتے ہو مطلب یہ کہ جسطرح وہ سبب اور صفت تمہارے کہنے مین تھی اور تمکو انپر اختیار تھا پس اسیطرح وہ اثرات بھی تمہارے اختیار مین ہونگے کہ جہان چاہو اُنکو لیجا سکو گے آگے اُسکی ایک مثال دیتے ہین کہ

چون منی تو کہ در فرمانِ تست　　　نسل آن در امر تو آید چست

یعنی جیسے کہ تیری منی کہ تیرے حکم مین ہے تو اس کی نسل تیرے کہنے مین چست و چالاک ہوتی ہے

می دود بر امر تو فرزند تو　　　کہ منم جزو تو کہ کردیش گرو

یعنی تیرے حکم پر تیرا لڑکا دوڑتا ہے اور (بزبان حال کہتا ہے) کہ مین تیرا جزو ہون جسکو کہ تونے گرو کیا تھا مطلب یہ کہ دیکھو تمہاری منی تمہارے کہنے مین ہوتی ہے کہ اُسکو جسوقت چاہو جہان چاہو ڈال دو تو اُس منی سے آئندہ جو اولاد تمہاری پیدا ہوتی ہے وہ بھی تمہارے کہنے مین ہوتی ہے کہ تمنے پکارا بیٹا وہ دوڑا ہوا آتا ہے کہ جی ابا تو اُس کا اسطرح تمہارے تابع ہونا اسی لئے ہے کہ جس شے کا کہ وہ اثر اور نتیجہ ہے وہ شے تمہاری حکم اور کہنے مین تھی تو بس چونکہ یہ افعال سب تمہارے اختیار مین تھے اسلئے اُنکی جزائین بھی تمہارے اختیار مین ہوئین۔

آن صفت در امر تو بود این جہان　　　ہم در امرِ تست آن جوہا رواں

یعنی وہ صفت اس جہان مین تمہارے کہنے مین تھی تو وہ ندیان بھی تمہارے حکم کے موافق روانہ ہوئین۔

آن درختان مر ترا فرمان برند　　　کان درختان از صفاتت با برند

یعنی وہ درخت (جنت بھی) تیری فرمانبرداری کرتے ہین کیونکہ وہ درخت تیرے اعمال کی وجہ سے باثمر ہین۔

چون بامرِ تست اینجا این صفات　　　پس در امرِ تست آنجا آن جزات

یعنی جب تیرے حکم مین اس جگہ یہ صفات ہین تو اُس جگہ وہ تیری جزائین (بھی) تیرے حکم مین ہین مطلب یہ کہ یہ اعمال حسنہ جب تیرے اختیار مین تھے اور تو انکو باختیار خود بجالاتا تھا تو جنت کی وہ جزائین اور انکے بدلے بھی تیرے کہنے مین اور تیرے حکم کے موافق ہوئے۔

چون ز دستت زخم بر مظلوم رست — آن درختے گشت ازان زقوم رست

یعنی جب تیرے ہاتھ سے زخم مظلوم پر ہوا تو وہ ایک درخت ہوگیا اور اُس سے زقوم اگا۔

چون ز خشم آتش تو در دلہا زدی — مایۂ نار جہنم آمدے

یعنی جبکہ تو نے غصہ سے آگ دلون مین لگائی تو تو نار جہنم کا پونجی ہوا۔

آتشت اینجا چو آدم سوز بود — انچہ از وے زاد مرد افروز بود

یعنی تیری آگ جو اُس جگہ آدمی کی جلانے والی تھی تو جو کچھہ اُس سے پیدا ہوا وہ انسان کا جلانیوالا ہوا

آتش تو قصد مردم می کند — نار کز وے زاد بر مردم زند

یعنی تیری آگ آدمی کا قصد کرتی ہے اور جو آگ اُس سے پیدا ہوئی وہ آدمی پر لگتی ہے۔

آن سخنہائے چو مار و کزدمت — مار و کزدم گشت می گیرد دمت

یعنی وہ تیری سانپ بچھو جیسی باتین سانپ بچھو ہوگئین اور تیرا دم پکڑنے لگین۔ مطلب یہ کہ نیک کامون کی جزا تو ویسی ہی ملی کہ جو سب تمہارے بہشت مین ہوئی اور سب اشیا عمدہ اور آرام دہ تھین اور جو اعمال تمنے برے کئے اُن کی جزا بھی ویسی ہی ملی جیسے کہ تمنے کسی پر ظلم کیا تو اُس سے آخرت مین ایک درخت پیدا ہوا جس کا پہل زقوم جیسی بُری چیز تھا علے ہذا تمکو غصہ آیا تو وہ چونکہ ایک آگ تھی لہذا اُس سے آتش دوزخ مین تمہارے لئے اشتعال پیدا ہوگیا۔ کہ وہ آتش غضب اور دل کو جلاتی تھی تو اب اُسکی جو جزا ہے یعنی آتش دوزخ وہ تمکو جلانے لگی۔ علی ہذا تم جو لوگون کو سخت و سست باتین کہا کرتے تھے جو کہ تکلیف رسانی مین سانپ بچھو کی طرح تھین تو ان کی جزا بھی سانپ بچھو کی طرح ہوئین جو کہ تمکو ڈسنے لگین اور تمکو اُنہون نے خوب درست کردیا آگے بھی اسکو بیان فرماتے ہین کہ۔

اولیا را داشتے در انتظار — انتظار رستخیزت گشت یار

یعنی تو دوستون کو انتظار مین رکہا کرتا تھا تو وہ قیامت کا انتظار تیرے لئے یار ہوگیا۔

وعدۂ فردا و پس فردائے تو — انتظار حشرت آمد وائے تو

یعنی تیرا کل کا اور پرسون کا وعدہ تیرے لئے انتظار حشر ہوگیا۔ افسوس ہے تجھہ پر۔

منتظر مانی دران روز دراز — در حساب و آفتاب جان گداز

یعنی تو اُس روز دراز مین حساب اور آفتاب جانگداز مین منتظر رہے گا کیونکہ

کاسمان را منتظر می داشتی   تخم فردا رہ روم می کاشتی

یعنی کہ (اہل) آسمان کو تو منتظر رکہا کرتا تھا اور فردا رہ روم کا بیج بویا کرتا تھا (آسمان سے مراد اہل آسمان ہین ظرف بولکر مظروف مراد لیا ہے) مطلب یہ کہ تو اہل حقوق سے اُنکے حقوق ادا کرنے مین دعدۂ کل اور پرسون کے کیا کرتا تھا اور انکو ٹلایا کرتا تھا اور منتظر رکہا کرتا تہا اب اسیطرح تم قیامت کے روز آفتاب تیز اور حساب کے وقت مین منتظر کہڑے رہوگے اور اس وقت اس انتظار مین رکہنے کا بدلا تم کو ملے گا۔

خشم تو تخم سعیر دوزخ است   ہین بکش این دوزخت را کاین فخ است

یعنی تیرا غصہ دوزخ کا بیج ہے ارے تو اس دوزخ کو مار کیونکہ یہ پہونک ہے مطلب یہ کہ تیرا غصہ جزا کے اعتبار سے آتش دوزخ ہے تو تو اس آتش غضب کو بجہا کیونکہ یہ آتش غضب اُس دوزخ کیلیئے پہونک ہے کہ جیسے کوئی آگ کو دھونکا کرتا ہے تو اسیطرح تمہارا یہ غصہ آتش دوزخ کو بڑہا اور زیادہ کر رہا ہے اب آگے اس آتش غضب کی بجہانے کی تدبیر بتاتے ہین کہ۔

کشتن این نار نبود جز بنور   نورک اطفا نارنا نحن الشکور

یعنی اس آگ کو بجہانا بجز نور کے نہین ہوسکتا۔ (کہ دوزخ بھی کہتی ہے کہ اے مومن) تیری نور نے میری آگ کو بجہادیا۔ (تو گذر جا) ہم مشکور ہین۔ مطلب یہ کہ اس نار کے بجہانے کیلیئے نور باطن کی ضرورت ہے جب تمکو نور باطن حاصل ہوجاویگا اسوقت یہ نار جاتی رہیگی اور دلیل اسکی کہ نور سے یہ نار بجہہ جاویگی یہ ہے کہ دیکہو حدیث مین ہے کہ جب مومن دوزخ کے اوپر ہوکر پلصراط پر سے گذریگا تو دوزخ پکاریگی کہ جز یا مؤمن فان نورک اطفا ناری کہ اے مومن جلدی گذر جا کہ تیرے نور نے میری نار کو بجہادیا۔ تو اب دیکہیئے کہ نور باطن مومن کی وجہ سے نار دوزخ بجہنے لگی تو اسیطرح اگر تم نور باطن حاصل کرلوگے تو تمہاری نار غضب بھی بجہہ جاویگی۔ آگے فرماتے ہین کہ خدا کا شکر ہے ہمکو وہ نور باطن حاصل ہے ہم اُسکے اثر سے گذر گئے ہین اور اس حدیث کی سند ضعیف ہے

گر تو بے نور آوری حلمے بدست — آتشت زندہ است و در خاکستر است

یعنی اگر تو بے نور کے حلم حاصل کریگا تو تیری آگ زندہ ہے اور راکھہ مین ہے

آن تکلف باشد و روپوش ہین — نار را نکشد بغیر نور دین

یعنی ہان وہ تو تکلف اور روپوش ہوگا اور نار کو تو سوائے نور دین کے کوئی بجھاتا نہین مطلب یہ کہ اگر نور دین تمکو حاصل نہین ہے اور تمنے بہ تکلف حلم اپنے اندر پیدا کر بھی لیا تب بھی سمجھہ لو کہ وہ قابل اعتبار نہین ہے، کیونکہ تکلف کب تک رہیگا۔ آخر ایک دفعہ وہ تکلف ٹوٹیگا اور پھر وہ نار غضب ظاہر ہوجاویگی یہ تو ایسا ہے کہ جیسے راکھہ مین آگ دبا دو کہ بظاہر تو آگ معلوم نہین ہوتی لیکن ذرا ہوا سے بھی اگر راکھہ ہٹ گئی تو فوراً آگ ظاہر ہوجاویگی بس وہ حلم تکلفی اگر ذرا بھی کوئی ٹھیس لگی تو ٹوٹ جاویگا اور پھر وہ نار ظاہر ہوجاویگی۔ لہذا معلوم ہوگیا کہ بجز نور دین کے اور کوئی شے اس آگ کی فرد کرنیوالی نہین ہے اسی لئے آگے فرماتے ہین کہ۔

تا نہ بینی نور دین ایمن مباش — کاتش پنہان بود یک روز فاش

یعنی جب تک تم نور دین نہ دیکھ لو بیخوف مت ہو کیونکہ (وہ) پوشیدہ آگ ایک دن ظاہر ہوگی مطلب یہ کہ جب تک نور دین حاصل نہو اُسوقت تک اُس نار غضب سے بیخوف مت ہو کیونکہ جو حلم کہ بہ تکلف حاصل کیا گیا ہے یہ ایک دن زائل ہوگا اور آتش غضب پھر ظاہر ہوگی لہذا نور دین ہی حاصل کرو۔

نور آب دان و ہم بر آب چفس — چونکہ داری آب از آتش مترس

یعنی نور تو ایک پانی جانو اور پانی ہی پر چپک جاؤ۔ اور جبکہ تم پانی رکھتے ہو تو آگ سے مت ڈرو مطلب یہ کہ نور ایمانی کو پانی سمجھو جیسے کہ پانی آگ کو بجھادیتا ہے اسیطرح یہ نور ایمانی آتش غضب کو بجھادیتا ہے تو اگر تمہارے پاس نور ایمانی ہے تو پھر تم کسی آگ سے بھی مت ڈرو کیونکہ

آب آتش را کشد آتش بخو — می بسوزد نسل فرزندان او

یعنی پانی تو آگ کو بجھاتا ہے اور آگ (اپنی) خصلت مین اُس پانی کے لڑکوں کی نسل کو جلادیتی ہے۔ مطلب یہ کہ آگ اور پانی مین تو ضد ہے۔ پانی تو آگ کو بجھاتا ہے اور آگ اُس پانی کی لڑکون کی نسل کو جو کہ درخت ہین جلادیتی ہے اسیطرح وہ نور ایمانی اُس آتش غضب کو بجھادیتا ہے

اور جہان غضب ہوتا ہے وہ اُس نور ایمانی کے اثرات کو جن سے کہ وہ نور پیدا ہوتا ہے جلا دیتا ہے لہذا تم نور ایمانی کامل حاصل کرو کہ جس سے وہ غضب کی آگ بالکلیہ فنا ہو جاوے آگے اُس نور کے حصول اور اُس آگ کے بجھنے کی تدبیر بتاتے ہین کہ۔

سوئے آن مرغابیان رو روز چند　　تا ترا در آب حیوانی کشند

یعنی اُن مرغابیون کی طرف چند دن کیلئے جا تاکہ تجھے آب حیوانی مین کھینچین (مرغابیون سے مراد اولیاء اللہ ہین کیونکہ اسکے قبل نور ایمانی کو پانی سے تشبیہ دی تھی تو اولیاء اللہ کو جنکہ وہ نور ایمانی حاصل ہے مرغابیوں سے تشبیہ دیتے ہین) مطلب یہ کہ چند روز اولیاء اللہ کی خدمت مین جاکر رہو تاکہ وہ تمکو آب حیات پلا دین اور اس آگ کو بجھا دین آگے فرماتے ہین کہ۔

مرغ خاکی مرغ آبی ہم تن اند　　لیک ضد انند و آب و روغن اند

یعنی مرغ خاکی اور مرغ آبی ایک طرح کے ہین لیکن (آپس مین) ضد ہین اور آب و روغن (کی طرح) ہین مطلب یہ کہ اولیاء اللہ اور غیر اولیاء اللہ صورت اور ظاہر مین سب ایک طرح کے ہین لیکن دہوکہ نہ کہا جانا کہ غیر اولیاء اللہ کے پہندے مین جا پڑو کیونکہ ظاہر مین تو دونون ایک مین لیکن حقیقت مین اور اصل مین دونون ضدین ہین ایک دوسرے کے بالکل مخالف ہین۔

ہر یکے بر اصل خود رانندہ اند　　احتیاطے کن بہم مانندہ اند

یعنی ہر ایک اپنے قاعدہ پر چلتے ہین تو تو احتیاط کر کہ سب آپس مین متشابہ ہین۔ مطلب یہ کہ اولیاء اللہ اور غیر اولیاء اللہ جو گمراہ ہین سب بظاہر صورت یکسان ہین اور ہر ایک کا طریق اور مشرب علیحدہ ہے لہذا ذرا احتیاط ہی رکہنا کہین اولیاء اللہ کے دہوکہ مین غیر اولیاء اللہ اور گمراہون کے پہندے مین نہ پھنس جانا آگے ایک مثال دیتے ہین کہ

ہمچنان کہ وسوسہ و وحی ہست　　ہر دو معقول اند لیکن فرق ہست

یعنی جسطرح کہ وسوسہ اور وحی کہ دونون عقلی ہین لیکن (باہم) فرق ہے (وحی سے مراد الہام) مطلب یہ کہ دیکہو الہام اور وسوسہ دونون امور باطنیہ اور احوال قلب مین سے ہین لیکن پھر ایک دوسرے مین زمین و آسمان کا فرق ہے کہ ایک قابل عمل ہے اور دوسرا بالکل غیر قابل عمل ہے تو اسیطرح اولیاء اللہ اور غیر اولیاء اللہ مین بھی فرق ہے لیکن بظاہر دونون یکسان معلوم ہوتے ہین جیسے کہ بظاہر شی

اور وسوسہ بھی یکسان ہی معلوم ہوتے ہین۔

هردو دلالانِ بازار ضمیر　　رختها را می ستانند اے امیر

یعنی دونون بازار قلب کے دلال ہین اور اے امیر اسبابون کو لے لیتے ہین۔ مطلب یہ کہ دونون دل کے بازار کے دلال اور دونون اسباب کو چھین لیتے ہین لیکن فرق اسقدر ہے ایک تو عمدہ اسباب کو چھین لیتے ہین اور دوسرے خراب کو چھین لیتے ہین لہذا احتیاط ضروری ہے۔

گر تو صراف دلی فکرت شناس　　فرق کن سر دو فکرت چون نخاس

یعنی اگر تو صراف دل ہے تو اپنے فکر کو پہچان اور بردہ فروش کی طرح اپنے دو فکر مین فرق کرے مطلب یہ کہ اگر تم خود کھوٹے کھرے کو پہچان سکتے ہو تو خود پہچان لو کہ آیا کونسا فکر تمہارا از قبیل الہام اور قابل عمل ہے۔ اور کونسا از قبیل وسوسہ اور غیر قابل عمل ہے۔

ور ندانی این دو فکرت از گمان　　لاخلابہ گوئی و مشتاب و مران

یعنی اگر تم ان دونون فکرون کو تردد کی وجہ سے نہ جانو تو لاخلابہ کہدو اور نہ دوڑو اور چلاؤ مت۔

تا نماند در تفکر جان تو　　غبن ناید بر تو و بر خوان تو

یعنی تاکہ تیری جان تفکر مین نہ رہے اور تجھ پر اور تیرے اسباب پر غبن نہ آوے مطلب یہ کہ اگر تم خود نہ جانتے ہو اپنا وسوسہ اور الہام مین فرق نہین کر سکتے ہو تو اُسوقت خود رستہ سلوک کا طے نہ کرو بلکہ لاخلابہ (یعنی دہوکہ نہین ہے) کہدو تاکہ پھر غبن وغیرہ مین تم مبتلا نہو اور نفس و شیطان تمکو دہوکہ اور غبن نہ دے سکین۔ اوپر جو کہا ہے کہ لاخلابہ کہدو آگے اس لاخلابہ کے قصہ کو بیان فرماتے ہین۔

شرح حبیبی

آن یکے یارے پیمبر را بگفت	کہ منم در بیعہا با غبن جفت
مکر ہر کس کو فروشد یا خرد	ہمچو سحر ست و زراہم می برد
گفت در بیعے کہ ترسے از غرار	شرط کن سہ روز خود را اختیار

کہ تأنی ہست از یزدان یقین   ہست تعجیل از شیطان لعین

پیش سگ چون لقمۂ نان افگنی   بو کند وان را خورد اے معتنی

او ببینی بو کند ما با خرد   ہم ببوئیمش بعقل منتقد

با تأنی گشت موجود از خدا   تا بشش روز این زمین و چرخہا

ورنہ قادر بود کز کن فیکون   صد زمین و چرخ آوردے برون

آدمی را اندک اندک آن ہمام   تا چہل سالش کند مرد تمام

گرچہ قادر بود کاندر یک نفس   از عدم پران کند پنجاہ کس

بود عیسے را دمے کز یک دعا   بے توقف بر جہاندی مردہ را

خالق عیسے نہ بتواند کہ او   بے توقف مردم آرد تو بتو

این تأنی از پئے تعلیم تست   کہ طلب آہستہ باید بے شکست

جویکے کوچک کہ دائم می رود   نے نجس گردد نہ گندہ می شود

زین تأنی زائد اقبال و سرور   این تأنی بیضہ دولت چون طیور

باش تا اعضائے تو چون بیضہا   مرغہا زایند اندر انتہا

بیضۂ مار ارچہ ماند در شبہ   بیضۂ گنجشک را دورست رہ

دانی اے عاقل کہ ماند سین و شین   در نوشتن لیک اندر لفظ بین

دانۂ آبے بدانہ سیب نیز   گرچہ ماند فرقہا دان اے عزیز

برگہا ہمرنگ باشد در نظر   میوہا ہر یک بود نوع دگر

بر کہت ٹے جسمہا مانندہ اند	لیک ہر جانے بہ ریعے زندہ اند
خلق در بازار یکسان می روند	آن یکے در ذوق دیگر دردمند
ہمچنان در مرگ یکسان می رویم	نیم در خسران و نیمے خسرویم
این سخن پایان ندارد باز گو	از بلال واز ہلال و کابر او

دیکھو ایک صحابی نے جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا تھا کہ حضور مین خرید و فروخت مین بہت نقصان اُٹھاتا ہون جو شخص کچھ خریدتا یا بیچتا ہے وہ کچھ ایسا جادو کرتا ہے کہ مجھے مغالطہ مین آجانا پڑتا ہے آپنے فرمایا کہ جس بیع مین تمکو دھوکہ کا اندیشہ ہو اُس مین دوسرے شخص سے یہ کہدیا کرو کہ بھائی دھوکہ نہین ہمین تین دن کا اختیار ہے اور راز اس کا یہ ہے کہ جن معاملات مین شبہ ہو اُن مین توقف کرنا اچھا ہے اور جلدی کرنا بُرا دیکھو جب تم کتے کے آگے لقمہ ڈالتے ہو تو وہ اسے سونگھتا ہے اور پھر کہاتا ہے پس وہ تو ناک سے سونگھتا ہے اور ہمکو پرکھی ہوئی اور کھری عقل سے سونگھنا چاہئے اور دیکھو حق تعالے نے توقف کیساتھ چھ دن مین زمین اور آسمانون کو پیدا کیا ہے ؛ ورنہ وہ قادر تھا کہ ایک کن سے سو زمین و آسمان بنادیتا علے ہذا وہ آدمی کو رفتہ رفتہ چالیس سال کی مدت مین کامل آدمی کرتا ہے اگرچہ وہ قادر ہے کہ ایک دم مین پچاس مکمل انسان عدم سے وجود مین لے آئے چنانچہ عیسیٰ علیہ السلام کو ایک پھونک عطا ہوئی تھی یعنی وہ ایک دعا سے بے تامل مردہ کو زندہ کر دیتے تھے تو کیا خالق عیسے ایسا نہین کرسکتا کہ بے تامل بہت سے انسانون کو عدم سے وجود مین لے آئے۔ ضرور کرسکتا ہے پھر اس توقف کا کیا سبب ہے وہ یہی ہے کہ تم اس سے سبق حاصل کرو کہ طلب مین آہستگی چاہئے مگر سلسلہ منقطع نہونا چاہئے قید عدم انقطاع کا راز یہ ہے کہ دیکھو چھوٹی نہر آہستہ چلتی ہے اور منقطع نہین ہوتی اسلئے نہ وہ ناپاک ہوتی ہے نہ سڑتی ہے لیکن اگر جریان رک جاوے تو نجس بھی ہوسکتی ہے اور گندہ بھی تو سمجھو کہ تانی سے خوشی اقبالی اور خوشی پیدا ہوتی ہے۔ تانی گویا کہ ایک بیضہ ہے اور دولت اُس کا بچہ تم تانی کرو اور

آہستہ آہستہ کام کرتے رہو پھر دیکھنا کہ آخر مین بیضون کی طرح تمہارے اعضا سے کیسے کیسے بچے پیدا ہوتے ہین لیکن اتنی بات یاد رکھو کہ گو اعضا صورت مین سب یکسان ہین مگر ان سے نتائج مختلف پیدا ہوتے ہین اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اس تشابہ کیسا تھ ان مین فرق بھی ہے مثلاً سانپ کا انڈا صورت مین چڑیا کے انڈے سے ملتا ہوا ہے مگر با این ہمہ ان مین یون لعب ہے اور ہر ایک کی استعداد مین زمین و آسمان کا تفاوت ہے علی ہذا تم سمجھو کہ سین و شین مین صورت مین تشابہ ہے مگر نقطون کا فرق بھی ہے اور دیکھو بعض مختلف درختون کے پتے ہمشکل ہوتے ہین مگر انکے میوے مختلف ہوتے ہین پس یون ہی اجسام بھی متشابہ ہین لیکن ان کی ارواحین مختلف پیدا وار ون کیسا تھ زندہ ہین کسی مین کچھہ پیداوار ہوتی ہے کسی مین کچھہ اور دیکھو لوگ بازار مین چلتے پھرتے ہین مگر باوجود تماثل صوری کے معنوی تفاوت بھی ان مین بہت کچھہ ہوتا ہے مثلاً ایک خوش اور شگفتہ ہوتا ہے - دوسرا ملول اور رنجیدہ اسی طریقہ سے تم موتوں کا تفاوت بھی سمجھ سکتے ہو حالانکہ ہم سب ایک ہی طرح مرتے ہین مگر پھر بھی بہت فرق ہوتا ہے بعض لوگ تو خسارہ مین ہوتے ہین اور بعض بادشاہون کی طرح راحت و عیش مین خیر یہ گفتگو تو ختم نہ ہوگی اب بلال کی حالت اور ان کا واقعہ بیان کرنا چاہیئے -

شرح شبیری

خرید و فروخت مین غبن سے بچنے کا حیلہ

آن یکے یاری پیمبر را بگفت | کہ منم در بیعہا با غبن جفت

یعنی اُس ایک صحابی نے پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ مین بیوع مین غبن کیسا تھ ہون مطلب یہ کہ انہون نے عرض کیا کہ مجھے خرید و فروخت مین اکثر لوگ دھوکہ دیدیتے ہین -

مکر ہر کس کو فروشد یا خرد | ہمچو سحر است و ز راہم می برد

یعنی ہر اُس شخص کا مکر جو کہ خریدے یا بیچے جادو کی طرح ہے کہ مجھے بے راہ کر دیتا ہے یعنی ہر شخص کا مکر مجھہ پر چل جاتا ہے اور لوگ مجھے دھوکہ دیدیتے ہین -

گفت در بیعے کہ ترسی از غرار　　　شرط کن سہ روز خود را اختیار

یعنی حضور مقبول صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس بیع مین تمکو دہوکہ کا خوف ہو تو تم اپنے لئے تین روز کیلئے خیار شرط کر لیا کرو۔

کہ تانی ہست از رحمان یقین　　　ہست تعجیلت ز شیطان لعین

یعنی کہ اطمینان یقیناً حق تعالیٰ کی طرف سے ہے اور تمہاری جلدی شیطان ملعون کی طرف سے ہے مطلب یہ ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میان جب خرید و فروخت کیا کرو اور اُس مین تمہین خوف ہو کہ اس مین دھوکہ کیا جاویگا تو اُس مین خیار شرط کر لیا کرو تو پھر تین دن مین اپنے نفع نقصان کو تم خوب سوچ سمجھ سکو گے اور اطمینان سے کام ہوگا کیونکہ اطمینان سے کام کرنا تو حق تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے اور جلدی کرنا شیطان کا کام ہے لہذا اطمینان سے خوب سوچ سمجھکر کام کیا کرو۔ حدیث مین یہ قصہ اس طرح ہے کہ قال رجل للنبی صلی اللہ علیہ وسلم انی اخدع فی البیوع فقال اذا بایعت فقل لاخلابۃ ولی الخیار ثلثۃ ایام تو دیکھئے کہ یہان حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دھوکہ سے بچنے کیلئے فرمایا کہ لاخلابۃ کہہ لیا کرو تو اسیطرح مولانا فرماتے ہین کہ دہوکہ سے بچنے کیلئے لاخلابۃ کہہ لیا کرو۔ آگے اطمینان سے کام کرنے والون کی مثالین اور فائدے بیان کرتے ہین کہ

پیش سگ چون لقمۂ نان افگنی　　　بو کند آنگہ خورد اے معتنی

یعنی کتے کے آگے جب تم روٹی کا ٹکڑہ ڈالوگے تو وہ (اول) سونگھے گا اور اسوقت اسکو کہا دیگا اے خوش چین۔

او بہ بینی بو کند ما با خرد　　　رو ببویش خوش بعقل منتقد

یعنی وہ تو ناک سے سونگھتا ہے اور ہم عقل سے تو تو اُسکے سونگھنے سے پرکھنے والی عقل تک جا مطلب یہ کہ دیکھو جب تم کتے کو ٹکڑہ ڈالتے ہو تو وہ اسکو سونگھ لیتا ہے جب کہاتا ہے کیونکہ وہ سونگھنے سے اُسکے اندر اگر زہر وغیرہ ہو تو اُسکو معلوم کر لیتا ہے لہذا ڈالتے ہی کہا نہین جاتا بلکہ اطمینان سے کہاتا ہے۔ بس اسیطرح تمکو چاہئے کہ جسطرح وہ ناک سے سونگھتا ہے اور ہر شے کے عیب و صواب کو معلوم کر لیتا ہے اسیطرح تم ہر شے کے عیب و صواب کو عقل سے معلوم کر لو۔ اور

خوب اطمینان سے سوچ سمجھکر کام کرو جلدی مت کرو آگے فرماتے ہین کہ

باتانی گشت موجود از خدا　　　تا بہ شش روز این زمین و چرخہا

یعنی حق تعالیٰ سے یہ زمین و آسمان چھ دن مین اطمینان سے ہی موجود ہوئے (ورنہ)

ورنہ قادر بود او از کن فکون　　　صد زمین و چرخ آوردی برون

یعنی ورنہ حق تعالیٰ قادر تھے کہ (حکم) کن فیکون سے سیکڑون زمین و آسمان باہر آتے مطلب یہ کہ حق تعالیٰ کو باوجودیکہ اس امر پر قدرت تھی کہ ایک کن کے حکم سے ایسے ایسے سیکڑون آسمان و زمین پیدا فرمادیتے لیکن حق تعالیٰ نے آسمان و زمین کو چھ روز مین جو پیدا کیا تو بظاہر اسکی ایک مصلحت یہ بھی ہے کہ بندون کو اطمینان سے کام کرنا سکھلایا جاوے۔

آدمی را اندک اندک آن ہمام　　　تا چہل سالش کند مرد تمام

یعنی آدمی کو وہ بادشاہ چالیس برس تک تھوڑا تھوڑا کرکے پورا آدمی کرتا ہے۔

گرچہ قادر بود کاندر یک نفس　　　از عدم پران کند پنجاہ کس

یعنی اگرچہ حق تعالیٰ قادر تھے کہ ایک دم مین عدم سے پچاس آدمی اڑادیتے مطلب یہ کہ دیکھو حق تعالیٰ انسان کو چالیس برس تک تھوڑا تھوڑا بناتے ہین اور اسکے بعد اُسکو انسان کامل بناتے ہین اور چالیس برس کے بعد پورا آدمی ہوتا ہے ورنہ وہ تو اسپر بھی قادر تھے کہ ایک دم مین اور ایک حکم کن مین پچاس آدمی کو پیدا فرمادین۔

بود عیسے را دمے کز یک دعا　　　بے توقف زندہ کردے مردہ را

یعنی عیسیٰ علیہ السلام کیلئے ایک پھونک تھی کہ وہ دعا کی وجہ سے بلا توقف مردہ کو زندہ کردیا کرتے تھے

خالق عیسی نہ بتواند کہ او　　　بے توقف مردم آرد تو بتو

یعنی کیا عیسیٰ علیہ السلام کے خالق تعالیٰ شانہ بلا توقف تہ بتہ آدمی نہین کرسکتے (لیکن)

این تانی از پئے تعلیم تست　　　کہ طلب آہستہ باید بے شکست

یعنی یہ اطمینان تمہاری تعلیم کیواسطے ہے کہ طلب آہستہ اور بے انقطاع کے چاہئے مطلب یہ کہ دیکھو عیسے علیہ السلام ایک پھونک مین مردہ کو باذن حق زندہ فرمادیتے تھے تو کیا خالق عیسیٰ علیہ السلام کو اتنی بھی قدرت نہ ہوگی کہ وہ ایکدم مین کسیکو پیدا فرمادے ضرور اس سے بھی کہین بڑہ

قدرت ہے لیکن یہ اطمینان سے کام کرنا اور دیر لگانا صرف بندون کی تعلیم کیلئے ہے ورنہ حق تعالیٰ کو اس طرح کام کرنے کی کیا ضرورت ہے اُنکے تو حکم کن مین کل کام ہوتے ہین لہذا انسان کو چاہئے کہ آہستگی سے بلا انقطاع کے طلب مین لگا رہے آگے اس اطمینان سے کام کرنیکی وجہ سے پاک رہنے اور مقصود کے حاصل ہونیکی ایک مثال دیتے ہین کہ

جوئیکے کوچک کہ دائم می رود　　نے نجس گردد نہ گندہ می شود

یعنی وہ نالہ جو کہ ہمیشہ چلتا ہے نہ تو نجس ہوتا ہے اور نہ گندہ ہوتا ہے۔ مطلب یہ کہ دیکھو چھوٹا نالہ جو کہ آہستہ آہستہ برابر چلتا رہے وہ نجاست کے پڑ جانے سے بھی نجس اور گندہ نہین ہوتا۔ اسی طرح تم آہستہ آہستہ طلب مین لگے رہوگے اور طلب چھوڑو گے نہین تو ہمیشہ آرام سے پاک وصاف رہوگے۔

زین تانی زاید اقبال وسرور　　این تانی بیضہ دولت چون طیور

یعنی اس اطمینان سے اقبال اور سرور پیدا ہوتا ہے اور یہ اطمینان بیضہ ہے اور دولت پرندون کی طرح ہے مطلب یہ کہ اس اطمینان کی مثال تو انڈے جیسی ہے اور دولت واقبال پرندوں کی طرح ہین تو جسطرح انڈے سے جانور نکلتا اور پیدا ہوتا ہے اسیطرح اس اطمینان سے کام کرنیکی برکت سے دولت وسرور پیدا ہوتا ہے اب یہان کوئی اعتراض کرتا ہے کہ بھلا اطمینان کا اور دولت کا کیا جوڑ ہے تو آگے اس کا جواب دیتے ہین کہ۔

مرغ کے ماند بہ بیضہ ای عنید　　گرچہ از بیضہ ہمی آید پدید

یعنی ارے معاند جانور بیضہ کے کب مشابہ ہوتا ہے اگرچہ بیضہ ہی سے نکلتا ہے۔ مطلب یہ کہ جسطرح مرغ اور بیضہ مین کوئی تماثل اور تشابہ نہین ہوتا لیکن مرغ نکلتا اسی بیضہ ہی سے ہے تو اسی طرح دولت پیدا تو اس تانی ہی سے ہوتی ہے اگرچہ بظاہر کوئی ان مین جوڑ نہو۔

باش تا اعضائے تو چون بیضہا　　مرغہا زایند اندر انتہا

یعنی ٹھہر تاکہ تیرے اعضا وبیضون کی طرح آخر مین بہت سے مرغ جنیں۔ مطلب یہ کہ جلدی مت کر ذرا ٹھیرا رہ کہ تیرے یہی اعضاء آخر مین دولت واقبال کو جمع کر لینگے جیسے کہ آخر مین انڈون مین سے جانور نکل آتا ہے اب یہان یہ شبہ ہوتا ہے کہ بہت سے لوگ اطمینان سے

کام کرتے ہین لیکن اُنکو اقبال و سرور حاصل نہیں ہوتا۔ تو اس کا جواب دیتے ہین کہ۔

بیضۂ مار ارچہ ماند در شبہ بیضۂ کنجشک را دور ست رہ

یعنی سانپ کا انڈا اگرچہ صورت مین چڑیا کے انڈے کے مشابہ ہے (مگر) راہ بہت دور ہے

دانی اے عاقل کہ ماند سین بشین در نوشتن لیک در نقطہ بہ بین

یعنی اے عاقل تو جانتا ہے کہ سین و شین لکھنے مین مشابہ ہوتے ہین لیکن نقطہ مین دیکھ۔

دانہ آبی بدانہ سیب نیز گرچہ ماند فرقہا دان ای عزیز

یعنی بہی کا دانہ بھی سیب کے دانہ کے اگرچہ مشابہ ہوتا ہے (لیکن) اے عزیز فرق جانو۔

برگہا ہمرنگ باشد در نظر میوہا ہر یک بود نوع دگر

یعنی پتے دیکھنے مین ہمرنگ ہوتے ہین (لیکن) میوے ہر ایک کے دوسری قسم کے ہوتے ہین

برگہائے جسمہا مانندہ اند لیک ہر جانے بربعے زندہ اند

یعنی جسمون کے پتے (بھی) مشابہ ہین لیکن ہر جان اپنی آمدنی سے زندہ ہے

خلق در بازار یکسان می روند آن یکے در ذوق و دیگر دردمند

یعنی مخلوق بازار مین یکسان چلتی ہین وہ ایک تو مزہ مین اور دوسرے دردمند ہین۔

ہمچنان در مرگ یکسان می رویم نیم در خسران و نیمے خسرویم

یعنی اسیطرح موت مین ہم سب ایک طرح جاتے ہین (لیکن) آدھے خسران مین ہین اور آدھے خوش ہین۔ مطلب یہ کہ بات یہ ہے کہ تمام چیزون مین ایسا تفاوت ہے کہ جسکی وجہ سے ہر شخص کیلئے باوجود مشابہت کے اثرات مختلف پیدا ہوتے ہین اسکی مثال ایسی ہے کہ جیسے سانپ اور چڑیا کے انڈے تو مشابہ ہوتے ہین لیکن بچے مختلف نکلتے ہین۔ علی ہذا بہی اور سیب کے دانے صورت مین مشابہ ہوتے ہین لیکن ایک سے بہی پیدا ہوتی ہے اور دوسرے سے سیب پیدا ہوتا ہے غرضکہ ہر شخص کیلئے اثرات یکسان ظاہر ہونا ضروری نہیں ہے اسیطرح اور سب مثالون کو منطبق کر لیا جاوے کہ دیکھو سارے آدمی ایک ہی طرح مرتے ہین کہ روح کے نکلنے سے سب مرجاتے ہین لیکن کوئی وہان جاکر خوش رہتا ہے اور کوئی خاسر و نامراد رہتا ہے۔

این سخن پایان ندارد بازگو از بلال و از ہلال و کار او

یعنی یہ بات تو انتہا نہین رکھتی تو پھر بلال اور بلال اور اُسکے کام سے بیان کرو مطلب یہ کہ اس امر کا بیان کہ کون موت کے بعد خوش رہتا ہے اور کون خاسر رہتا ہے تو یہ بیان تو بہت طویل ہے لہذا تم اس بیان کو چھوڑ کر حضرت بلال رض کی وفات کا قصہ بیان کرو کہ جس سے اُن کا خوشی سے جان دینا معلوم ہو۔ اب آگے قصہ سنو۔

شرح حبیبی

چون بلال از ضعف شد ہمچون ہلال ‏ ‏ رنگ مرگ افتاد بر روئے بلال

جفت او دیدش بگفتا واحرب ‏ ‏ پس بلالش گفت نے نے واطرب

تاکنون اندر حرب بودم ز زیست ‏ ‏ تو چہ دانی مرگ چہ عیش ست چیست

این ہمی گفت و رخش در عین گفت ‏ ‏ نرگس و گل برگ و لالہ می شگفت

تاب رو و چشم پر انوار او ‏ ‏ می گواہی داد بر گفتار او

ہر سیہ دل خود سیہ دیدے ورا ‏ ‏ مردم دیدہ سیہ آمد چرا

مردم نادیدہ آمد روسیاہ ‏ ‏ مردم دیدہ بود مرأت ماہ

خود کہ بیند مردم دیدہ ترا ‏ ‏ در جہان جز مردم دیدہ فزا

چون بغیر مردم دیدہ اش ندید ‏ ‏ پس بغیر او کہ در رنگش رسید

پس جز او جملہ مقلد آمدند ‏ ‏ در صفات مردم دیدہ بلند

گفت جفتش الفراق اے خوش خصال ‏ ‏ گفت نے نے الوصال است این وصال

گفت جفت امشب غریبی می روی ‏ ‏ از تبار و خویش غائب می شوی

گفت نی نی بلکه امشب جان من — می رسد خود از غریبی در وطن

گفت ای جان و دلم وا حسرتا — گفت نی نی جان من وا دولتا

گفت رویت را کجا بینیم ما — گفت اندر حلقهٔ خاص خدا

حلقهٔ خاصش بتو پیوسته است — گر نظر بالا کنی نی سوی پست

اندران حلقه ز رب العالمین — نور می تابد چو در حلقه نگین

گفت ویران گشت اینخانه دریغ — گفت اندر مه نگر منگر به میغ

کرد ویران تا کند معمور تر — قوم انبه بود خانه مختصر

من چو آدم بودم اول حبس کرب — پر شد اکنون نسل جانم شرق و غرب

من گدا بودم درین خانه چو چاه — شاه گشتم قصر باید بهر شاه

قصرها خود مر شهان را مانس ست — مرده را خانه و مکان گوری بس ست

انبیا را تنگ آمد این جهان — چون شهان رفتند اندر لامکان

مردگان را این جهان بنمود فر — ظاهرش زفت و بمعنی تنگ تر

گر نبودی تنگ این افغان چیست — چون دو تا شد هر که در وی بیش زیست

در زمان خواب چون آزاد شد — زان مکان بنگر که جان چون شاد شد

روح از ظلم طبیعت باز رست — مرد زندانی ز فکر حبس جست

این زمین و آسمان بس فراخ — سخت تنگ آمد به هنگام مناخ

چشم بند آمد فراخ و سخت تنگ — خندهٔ او گریه فخرش جمله ننگ

همچو گرمابه که تفسیده بود — اندر آئی جانت پخسیده بود

گرچه گرمابه عریض است و طویل — زان تپش تنگ آیدت جان و کلیل

تا برون نائی نه بکشاید دلت — پس چه سود آمد فراخی منزلت

یا که کفش تنگ پوشی ای غوی — در بیابان فراخی می روی

آن فراخی بیابان تنگ گشت — بر تو زندان آمد آن صحرا و دشت

هر که دید او مر ترا از دور گفت — کو دران صحرا چو لاله بر شگفت

او نمیداند که تو چون ظالمان — از برون در گلشنی جان در فغان

خواب تو آن کفش بیرون کردنست — که زمانی جانت آزاد از تن است

اولیا را خواب ملک است ای فلان — همچو آن اصحاب کهف اندر زمان

خواب می بینند و آنجا خواب نی — در عدم در می روند و باب نی

خانهٔ تنگ و درون جان چنگلوک — کرد ویران تا کند قصر ملوک

چنگلوکم چون جنین اندر رحم — نه مهه گشتم شد این نقلان مهم

گر نباشد درد زه بر مادرم — من درین زندان میان آذرم

مادر طبعم ز درد مرگ خویش — میکند زه تا رهد بره ز میش

تا چرد آن بره در صحرای سبز — هین رحم بکشا که گشت این بره گبز

درد زه گر رنج آبستان بود — بر جنین اشکستن زندان بود

حامله گریان ز زه کاین المناص — وان جنین خندان که پیش آمد خلاص

ہر چہ زیر چرخ ہستند امہات	از جماد و از بہیمہ وز نبات
ہر یکے از درد غیرے غافل اند	جز کسے کہ نبیہ و عاقل اند
انچہ کوسہ داند از خانہ کسان	بمہ از خانہ خودش کے داند آن
انچہ صاحبدل بداند حال تو	تو ز حال خود ندانی اے عمو
انچہ بیند در جبینت اہل دل	کے بہ بینی در خود ائی از خود خجل

جبکہ بلال رضی اللہ عنہ ضعف سے مانند ہلال ہو گئے تو آپکے چہرہ پر موت کی زردی چھاگئی اور آثار وفات نمایاں ہو گئے اُنکی بیوی نے جب یہ حالت دیکھی تو کہا ارے ہم تو لُٹ گئے اسپر حضرت بلال نے فرمایا کہ نہین نہین یہ بڑی خوشی کا وقت ہے اتبک تو مین اس زندگی کے ہاتھ سے مصیبت مین تھا مگر اب عیش کا زمانہ آیا ہے تم اسسے گھبراتی ہو۔ تمہین کیا معلوم کہ موت مین کیسی راحت ہے اور موت کیا چیز ہے وہ یہ کہہ رہے تھے اور اسوقت ان کا چہرہ نرگس اور گل برگ اور لالہ کی طرح شگفتہ ہو رہا تھا اُنکے چہرہ اور پُرانوار آنکھون کی رونق اُنکے اس بیان کی شہادت دے رہے تھے اب مولانا فرماتے ہین کہ سنگدل لوگ انکو رو سیاہ رنگ حبشی دیکھتے تھے اسلئے اُنکو خاطر مین نہ لاتے تھے مگر ہم ان احمقون سے پوچھتے ہین کہ اگر سیاہ ہونا ہی دلیل حقارت ہے تو آنکھ کی پتلی سی شریف اور عزیز چیز کیون سیاہ ہے پس معلوم ہوا کہ رنگ ظاہری کوئی چیز نہین بلکہ مدار شرف و عزت کمال ہے پس بلال کو کیون محقر سمجھا جاتا ہے جب معلوم ہوا کہ مدار تعظیم و تحقیر ذلت و عزت کمال پر ہے نہ کہ رنگ پر تو جو لوگ کوربا طن ہین وہ گو گورے رنگ کے ہون مگر حقیقت مین سیاہ ہین اور صاحب بصیرت گو سیاہ رنگ ہون مگر حقیقت مین وہ حق سبحانہ کا آئینہ ہین اب حضرت بلال کو خطاب فرماکر کہتے ہین کہ اے صاحب بصیرت یا اے آنکھ کی پتلی بلال تمہین بجز اہل کمال کے جو دوسرون کی بصیرت بڑھانیوالے یا خود کامل بصیرت رکھنے والے ہین دوسرا کون دیکھ سکتا ہے اور اُسکو آپکی حقیقت کیا معلوم ہو سکتی ہے۔ اب خطاب سے غیبت کی طرف التفات فرماکر کہتے ہین کہ جب اُنکو بجز ارباب بصیرت کے کوئی نہین دیکھ سکتا تو اُنکی رنگت کی تہ کو بھی دوسرا نہین پہونچ سکتا۔ اور اُسکی قدر نہین کر سکتا۔ دیکھنے والے تو

ارباب بصیرت ہی ہین لیکن اگر اُنکے علاوہ کوئی اور کسی عالی نظر شخص کے صفات کا معترف اور اُسکے کمالات کا معتقد ہو تو غلط ہوگا۔ نہ کہ محقق اُس استطرادی مضمون کو ختم فرماکر پھر قصہ کی طرف عود فرماتے ہین اور کہتے ہین کہ اُنکی بیوی نے کہا کہ اب کوئی دم مین جدائی ہونیوالی ہے اُنہون نے جواب دیا کہ نہین یہ اصلی جدائی نہین بلکہ یہ جدائی حق سبحانہ کیساتھ وصال ہے اُنکی بیوی نے کہا کہ آج کی رات آپ گھر سے بے گھر ہونگے اور اپنے کنبہ اور اپنے عزیزون سے غائب ہو جائینگے اُنہون نے جواب دیا کہ نہین نہین بلکہ آج کی رات تک میری روح گھر سے بے گھر تھی اب وہ اپنے اصلی وطن مین پہونچ گئی اُن کی بیوی نے کہا کہ اے میری پیارے سخت افسوس ہے کہ آپ انتقال فرمانے کو ہین اُنہون نے جواب دیا کہ نہین نہین افسوس کی کوئی بات نہین یہ تو بڑی دولت ہے اُنکی بیوی نے کہا کہ ہم اب آپکا چہرہ کہان دیکھین گے اُنہون نے فرمایا کہ خدا کے حلقۂ خاص اور اُسکی آغوش رحمت مین اگر تم یہکہو کہ وہانتک ہماری رسائی کیونکر ہو سکتی ہے تو یاد رکھو کہ اگر تم عالی نظری اختیار کرو اور پست ہمت نہ بنو دنیا پر لات مارو تو وہ حلقہ تمسے بہت ہی قریب ہے اور تم بہت جلد وہان تک پہونچ سکتے ہو اُس حلقہ رحمت مین حق سبحانہ کا نور یون چمکتا ہے جیسے انگوٹھی کی حلقہ مین اُس کا نگینہ۔ پس وہ نور میرے دیکھنے کا ذریعہ بنجائیگا۔ (اور یہ بھی ممکن ہے کہ حلقہ خاص خدا سے مراد گروہِ اہل اللہ ہو اسوقت گروہ اہل اللہ مین حضرت بلال کو دیکھنے کی یہ توجیہ ہو سکتی ہے کہ تمام اہل اللہ چونکہ صفات مین متشابہ ہوتے ہین اسلئے انکا دیکھنا گویا کہ حضرت بلال ہی کا دیکھنا ہے اور یہ توجیہ بھی ہو سکتی ہے کہ اُس حلقہ مین تمکو قوت کشفیہ حاصل ہوگی اور تم اُس سے مجھے دیکھ سکتی ہو) اُنکی بیوی نے کہا کہ ہائے ہمارا گھر اُجڑ گیا۔ اُنہون نے جواب دیا کہ چاند کو دیکھو ابر کو نہ دیکھو یعنی جسم کی حالت دیکھنے کے قابل نہیں ہے بلکہ روح کی حالت قابل لحاظ ہے یاد رکھو کہ بیوی کے سوال مین ایک لفظ مین او معنی ہوتے ہین اور حضرت بلال کے جواب مین اُسکے دوسرے معنے یا بیوی کے گفتگو کا منشا اور ہوتا ہے اور حضرت بلال کے جواب کا مبنی دوسرا۔ اور یہ اُس قبیل سے ہے جیسے یسئلونک عن الاھلۃ قل ھی مواقیت للناس والحج۔ یا مثل سوال لاحملنک علی الادھم وجواب مثل الامیر یحمل علی الادھم والاشھب اور اول سے یہی روش چلی آرہی ہے چنانچہ یہان بیوی نے گھر سے مکان متعارف مراد لیا اور حضرت بلال نے اُسکو خانہ تن پر محمول کر کے جواب دیا فتنبہ لہ) حق سبحانہ نے میرے خانہ تن کو اسلئے ویران کیا ہے کہ اُسکو دوبارہ آباد کرے کیونکہ آدمی (واردات) زیادہ ہو گئے تھے اور گھر

چھوٹا تھا۔ اسمین اُنکی گنجایش تھی پہلے تو مین حضرت آدم علیہ السلام کی طرح تنہائی کی تکلیف مین مقید تھا اب جبکہ حق سبحانہ نے میری نسل بڑہائی اور میری روح سے علوم ومعارف کے چشمے اُبلے تو اُنکی کثرت کی یہانتک نوبت پہونچی کہ مشرق ومغرب اُن سے پُر ہو گئی پس یہ جہان مجہپر تنگ ہو گیا اور نقل مکان کی ضرورت ہوئی۔ نیز پہلے تو مین مفلس تھا اور اس کنوین کی طرح تنگ مکان دنیا مین رہتا تھا اب مین بادشاہ ہو گیا ہون۔ لہذا مین اس تنگ مکان مین نہین رہ سکتا میرے لئے قصر شاہی سے وسیع مکان کی ضرورت ہے بادشاہون کا جی تو محلات ہی مین لگتا ہے رہے مردے اُنکے رہنے کیلئے گور کافی ہے پس اس عالم مین اہل دنیا ہی رہ سکتے ہین ہم نہین رہسکتا۔ اب مولانا فرماتے ہین کہ چونکہ انبیا علیہم السلام اور ورثۂ انبیاء پر یہ مکان دنیا تنگ ہوا اسلئے اُنہون نے جیتے جی ہی اس عالم کو چھوڑ دیا اور بادشاہونکی طرح قصر لا مکان مین رہنے لگے۔ رہے مردے اہل دنیا سو انکو یہی جہان باشوکت وشان نظر آیا جو بظاہر نہایت عالیشان ہے اور حقیقت مین نہایت تنگ اسلئے اُنہون نے یہین رہنا پسند کیا۔ ہمنے اس جہان کو حقیقت مین تنگ اسلئے کہا کہ اگر یہ فی الواقع تنگ نہوتا تو یہ پریشانی۔ شور وشیون نالہ وفغان جو رات دن ہم اس مکان کے رہنے والون مین دیکھتے ہین کیون ہوتا اور یہ کیون ہوتا کہ جقدر زیادہ کوئی اس مکان مین رہتا ہے اُسیقدر اُسکی کمر جہکتی جاتی ہے کیونکہ فراخی تو مستلزم راحت ومسرت ہے نہ کہ موجب آلام وہموم۔ پس معلوم ہوا کہ یہ جہان واقع مین تنگ ہے اور اسکی تائید اس سے ہوسکتی ہے کہ جب آدمی سوتا ہے اور اس عالم سے چہوٹکر اُسکو عالم غیب سے تعلق ہوتا ہے تو اُسکی ساری کدورتین مٹجاتی ہین اور وہ تروتازہ اور خوش وخرم ہو جاتا ہے نہ اسے کوئی رنج ہوتا ہے نہ تکلیف۔ اور روح طبیعت ونفس کے ظلم سے چہوٹ جاتی ہے اور قیدی جیلخانہ کی فکر سے رہائی پاتا ہے اور یہی حالت اور رونکی ہوتی ہے پس ثابت ہوا کہ زمانۂ اقامت دنیا مین یہ بظاہر نہایت کشادہ آسمان وزمین فی الحقیقت نہایت تنگ ہین اور نکی ظاہری فراخی اور واقعی تنگی ایک نظربندی ہے اور اُس کا رونا حقیقت مین ہنسی ہے اور اسکا فخر حقیقت مین ننگ۔ اب بھی اگر سمجھہ مین نہ آیا ہو تو اسی مضمون کو ہم اور مثالون سے سمجھاتے ہین۔ سنو یہ عالم ایسا ہے جیسا حمام کہ نہایت فراخ اور عالی شان ہوتا ہے اور گرم بھی ہوتا ہے جسمین تم داخل ہوتے ہو تو تمہاری جان اکڑ جاتی ہے۔ جیسے گرم ہو کر پوستین اکڑ جاتا ہے۔ دیکھو باوجودیکہ وہ حمام خوب لمبا چوڑا ہے لیکن اُسکی

گرمی سے تمہاری جان تنگ اور زچ ہوتی ہے اور حالت یہ ہوتی ہے کہ جب تک تم وہان سے نکلتے نہین
تمہارا جی خوش نہین ہوتا - اور تمہاری طبیعت نہین کھلتی - پس جب یہ حالت ہے تو وہ ظاہری فراخی کس
کام کی لہذا وہ کالعدم ہے اور تنگی اُسکی قابل اعتبار و لحاظ ہے لہذا اگر اُسکو یون کہا جاوے کہ حمام
فراخ نہین بلکہ تنگ ہے تو اس اعتبار سے صحیح ہے یا یون کہو کہ تم تنگ جوتا پہنکر ایک وسیع میدان مین
چل رہے ہو پس وہ بیابان کی فراخی تمہارے لئے تنگی ہو جاتی ہے اور وہ لق و دق جنگل تمہارے
لئے جیلخانہ ہو جاتا ہے مگر جو شخص تمکو دور سے دیکھتا ہے وہ اپنے دل مین کہتا ہے کہ یہ تو لالہ کی طرح شگفتہ
اور نہایت راحت مین ہے لیکن اُسے یہ معلوم نہین کہ تم ظالمون کی طرح بظاہر تو خوش و خورم ہو مگر تمہاری
روح مصیبت مین گرفتار ہے پس جبکہ تم جاگتے ہوتے ہو اُسوقت تمہاری حالت ویسی ہی ہوتی ہے
جیسے کہ وہ شخص جو میدان مین تنگ جوتا پہنکر چلتا ہے اور جب تم سو جاتے ہو تو ایسی حالت ہوتی ہے
جیساکہ وہ جوتا نکالدیا گیا کیونکہ اسوقت تمہاری جان آلام و ہموم دنیاوی سے نجات پاتی ہے اب سمجھو جو
حالت تمہاری خواب مین ہوتی ہے وہی اہل اللہ کی اس عالم مین ہوتی ہے لہذا یہ دنیا ہی اُنکے لئے
خواب ہے - اُنکی حالت ایسی ہے جیسے کہ اصحاب کہف کہ وہ دنیا مین ہین مگر سوتے ہین مگر فرق یہ ہے کہ وہ
حقیقۃً سوتے ہین اور یہ حقیقۃً نہین سوتے بلکہ بیداری ہی مین عالم غیب کا مشاہدہ کرتے ہین اور بدون ورود
موت و خواب کے عالم غیب مین پہونچ جاتے ہین جبکہ یہ استطرادی مضمون معلوم ہو چکا تو پھر حضرت بلال رضی اللہ عنہ
کی گفتگو سنو اُنہون نے فرمایا کہ یہ مکان تنگ ہے اور میری جان اس مین اسیر ہو رہی ہے اسلئے
حق سبحانہ نے اسے ویران کیا تاکہ میرے لئے محل شاہی تیار کرے مین اس مکان مین یون اسیر
ہو رہا ہون جیسے کہ رحم مین بچہ اب چونکہ مین نو مہینہ کے بچہ کی طرح اس مکان کو چھوڑنے کے قابل
ہو گیا ہون اسلئے نقل مکانی میرے لئے ضروری ہوئی اگر میری ماں کو دردزہ نہو تو مین لامحالہ اسی جیلخانہ
مین بیقرار رہونگا پس ضرور ہوا کہ میری ماں یعنی طبیعت کو دردزہ کی تکلیف ہو لہذا وہ اپنی موت کی تکلیف
سے گویا کہ دردزہ مین مبتلا ہے تاکہ میری روح اُس سے جدا ہو - اور تاکہ وہ اُس سے جدا ہو کر عالم غیب کے
فیوض سے متغذی ہو پس اسکو حکم ہوا کہ اپنے رحم کا منہ کھول کہ بچہ بڑا ہو گیا ہے اُسکو ضرورت ہے کہ یہ تجھسے
جدا ہو جاوے تاکہ میری طبیعت کو نزع کی تکلیف ہے لیکن میری روح کا فائدہ ہے جسطرح کہ حاملہ کو دردزہ
کی تکلیف ہوتی ہے اور بچہ کیلئے وہ جیلخانہ کا ٹوٹنا ہوتا ہے حاملہ تو دردزہ کی تکلیف مین مبتلا ہو کر روتی

اور ہائے اللہ مین کیا کرون ہائے اللہ مین کہان جاؤن کہتی ہے اور یہ حالاً خوش ہوتا ہے کہ اُسکو قید خانہ
سے رہائی ہوتی ہے اس پورے مضمون سے تین باتین مستفاد ہوئین اول یہ کہ اہل عالم تنگی مین ہین
اور اہل اللہ اپنی تکلیف کو محسوس کرتے ہین۔ مگر اہل دنیا انکی تکلیف کا احساس نہین کرتے دوم یہ کہ اہل اللہ
اہل دنیا کی تکلیف کا احساس کرتے ہین۔ تیسرے یہ کہ اہل دنیا اپنی تکلیف کا احساس نہین کرتے چونکہ
یہ تینون امر مستبعد ہین اسلئے مولانا کلام آئندہ سے اُس استبعاد کو دور فرماتے ہین کہ جسقدر ما ئین کیا
جمادات کیا حیوانات کیا نباتات آسمان کے نیچے ہین علی العموم دوسرے کی تکلیف کا احساس نہین
رکھتین بجز اُنکے جو عاقل اور بیدار مغز ہین اور بے ریش لڑکا جسقدر دوسرے لوگون کے گھرون کی اندرونی
حالت سے واقف ہوتا ہے کیونکہ اُس سے نہ شرم ہوتی ہے نہ پردہ۔ اُتنا لمبی ڈاڑہی والا احمق خود اپنے
گھر کی حالت نہین جانتا۔ اس سے تینون استبعاد دفع ہوگئے اُسکے بعد ایک ضروری امر کو تفریع
کے طور پر تصریحاً بیان کیا جاتا ہے اور فرماتے ہین کہ اس سے تم سمجھو کہ اہل اللہ جسقدر تمہاری حالت سے
واقف ہوسکتے ہین اسقدر تم خود اپنی حالت نہین جان سکتے اور تمہارے بشرہ وغیرہ سے جو حالت وہ
جان سکتے ہین تم اُسکو اپنے اندر نہین دیکھ سکتے پس تمکو اُن کی تقلید کرنی چاہئے اور اُن کی ہدایات
پر کاربند ہونا چاہئے۔ اپنی رائے کو دخل نہ دینا چاہئے۔

شرح شبیری

حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا خوشی کیساتھ وفات پانا

چون بلال از ضعف شد ہمچون ہلال　　رنگ مرگ افتاد بر روئے بلال

یعنی بلال رض جب ضعف کی وجہ سے ہلال کی طرح ہوگئے اور بلال کے چہرہ پر موت کا رنگ پڑا۔

جفت او دیدش بگفتا واحرب　　پس بلالش گفت نے نے واطرب

یعنی اُنکی بیوی نے دیکھا تو بولین کہ افسوس ہے تو بلال نے اُن سے کہا کہ نہین نہین خوشی ہے۔

تاکنون اندر حرب بودم ز زیست　　تو چہ دانی مرگ چہ عیش است چیست

یعنی اُسوقت تک مین زندگی کی وجہ سے افسوس مین تھا اور تو کیا جانے کہ موت کیسی عیش ہے اور کیا ہے۔

این ہمی گفت و رخش در عین گفت　　نرگس و گل برگ و لالہ می شگفت

یعنی یہ فرماتے تھے اور اُن کا چہرۂ مبارک عین گفتگو کیوقت نرگس اور گل برگ اور لالہ کو کہلا رہا تھا۔

تاب رو و چشم پُر انوار او	می گواہی داد بر گفتار او

یعنی اُنکی چہرۂ پُر نور کی اور آنکھون کی رونق اُن کی باتون پر گواہی دے رہی تھی مطلب یہ کہ جب حضرت بلال رضہ کے چہرہ پر آثار موت ظاہر ہوئے تو اُن کی بیوی صاحبہ افسوس کرنے لگین کہ اب یہ انتقال فرماجاوینگے تو حضرت بلال رضہ فرمانے لگے کہ نہین نہین خوشی کا مقام ہے اور فرحت کا وقت ہے کیونکہ مین تو اِس زندگی کی وجہ سے مصیبت مین تھا کہ یہ جسم ناسوتی مجھے چارون طرف سے گھیرے ہوئی تھی اب مین روح ہوکر اور اِس جسم ناسوتی کو ترک کرکے قرب حق مین زیادہ ہو جاؤنگا۔ اور فرمانے لگے کہ تمھین کیا خبر ہے کہ موت مین کیا عیش ہے اور کیسے مزے ہین وہ تو ایک بہت ہی عمدہ شے ہے جو کہ محبوب و محب مین از دیاد قرب کا باعث ہوتی ہے مولانا فرماتے ہین کہ یہ اُن کا کہنا صرف زبان ہی سے نہ تھا بلکہ وہ ان باتون کو دل سے کہہ رہے تھے اور اِس گفتگو کیوقت اُنکے چہرہ پر جو ایک رونق تھی وہ اِس امر کو بتا رہی تھی کہ یہ ساری باتین سچی ہین اور یہ دل سے کہہ رہے ہین۔ آگے مولانا فرماتے ہین کہ۔

ہر سیہ دل خود سیہ بیند ورا	مردم دیدہ سیہ آمد چرا

یعنی ہر سیہ دل اُنکو (صرف) سیاہ ہی دیکھتا ہے تو (بھلا) آنکھ کی پتلی کیون سیاہ ہے مطلب یہ کہ جو لوگ سیاہ دل ہین اُنکو حضرت بلال رضہ کے اندر کا نور نظر نہین آتا تھا وہ صرف یہ دیکھتے تھے کہ وہ ایک حبشی ہین اور اُنکے اندر جبکہ وہ سیاہ ہین نور کہان سے آیا تو بھلا ہم یہ پوچھتے ہین کہ آنکھ کی پتلی مین باوجود اُسکے سیاہ ہونیکے نور کیون ہے معلوم ہوا کہ سیاہ ہونا نور ہونیکے منافی نہین ہے بلکہ

مردم نادیدہ آمد روسیاہ	مردم دیدہ بود مرآت ماہ

یعنی بے پتلی کے آدمی روسیاہ ہے اور پتلی والا آدمی چاند کا آئینہ ہے مطلب یہ کہ دیکھو جس شخص مین وہ سیاہ پتلی نہین ہوتی وہ روسیاہ اور اندھا کہلاتا ہے اور جسمین وہ ہوتی ہے اُسکو بینا اور روشن چشم کہتے ہین غرضکہ سیاہ منافی نورانی ہونیکے نہین ہے۔ آگے مولانا حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو مخاطب کرتے ہین کہ۔

خود کہ بیند مردم دیدہ ترا	در جہان جز مردم دیدہ فزا

یعنی اے آنکھ کی پتلی تمکو خود جہان مین کون دیکھ سکتا ہے سوائے نگاہ کے بڑھا نیوالے آدمی کے۔ مطلب یہ کہ اے بلال تمہاری اصلی حالت کو سوائے اُس شخص کے جو کہ مبصر ہوا اور آنکھ والا ہو اور نورانی ہو وہی معلوم کر سکتا ہے ورنہ دوسرے کسی شخص کو تو خبر بھی نہین ہو سکتی۔ اور وہ تمکو صرف ایک حبشی غلام ہی خیال کرے گا۔ آگے فرماتے ہین کہ

چون بغیر مردم دیدہ اش ندید　　　پس بغیر او کہ در رنگش رسید

یعنی جب سوائے آنکھ کی پتلی کے اُسکو کسی نے نہین دیکھا تو پھر اُسکے سوا اور کون ہوگا جو اُسکے رنگ مین پہونچا۔

پس جز او جملہ مقلد آمدند　　　در صفات مردم دیدہ بلند

یعنی سوا اُسکے سب مقلد ہین صفات مین مردمک دیدہ کے بلند۔ مطلب یہ کہ جب حضرت بلال رضہ کی حقیقت کو بجز اُس بصیرت والیکے اور کوئی پہچان ہی نہین سکتا تو پھر اُس بصیرت والیکے سوا جسنے بھی اُسکو دیکھا اُسنے صرف رنگ ہی رنگ دیکھا اور اُسکو کچھ بھی نظر نہ آیا آگے پھر حضرت بلال رضہ کی بیوی کا مقولہ ہے۔

گفت جفتش الفراق ای خوش خصال　　　گفت نے نے الوصال است این وصال

یعنی اُن کی بیوی نے کہا کہ اے خوشخصال فراق ہے تو آپنے فرمایا کہ نہین نہین یہ جُدائی تو عین وصل ہے (کیونکہ یہانسے جُدا ہوکر قرب حق اور وصل نصیب ہوگا جو کہ عین مقصود اور وصل حقیقی ہے)

گفت جفت امشب غریبے میروی　　　از تبار و خویش غائب می شوی

یعنی بیوی صاحبہ نے کہا کہ آجکی رات تم سفر مین جا رہے ہو اور عزیز و اقارب سے غائب ہو رہے ہو۔

گفت نے نے بلکہ امشب جان من　　　می رسد خود از غریبی در وطن

یعنی حضرت بلال رضہ نے فرمایا کہ نہیں نہین بلکہ آج کی رات تو میری جان سفر سے وطن مین پہونچ رہی ہے مطلب یہ کہ آج تو اُسکو دار فانی سے علیحدگی کے بعد وطن اصلی مین جگہ ملیگی اور یہ وہان جا دے گی پھر سفر مین جانا کہان ہوا بلکہ مین تو وطن اصلی مین جا رہا ہون پھر کیا غم ہے اور اُس کا وطن اصلی ہونا ظاہر ہے

گفت ای جان ودلم وا حسرتاہ　　　گفت نے نے جان من وا دولتاہ

یعنی بیوی صاحبہ نے فرمایا کہ اے میری جان ودل افسوس ہے تو حضرت بلال رضہ نے فرمایا کہ نہین نہین میری جان خوب دولت ہے۔ مطلب یہ کہ جب اُن کی بیوی صاحبہ انکے انتقال پر افسوس کرنے لگین

تو حضرت بلال رضؓ نے فرمایا کہ افسوس مت کرو۔ کیونکہ مجھے تو ایک دولت مل رہی ہے اور وہ قرب وصل حق تھا۔

گفت رویت را کجا بینیم ما　　　　گفت اندر حلقۂ خاص خدا

یعنی بیوی صاحبہ نے فرمایا کہ آپ کے چہرۂ (مبارک) کو کہاں دیکھین گے تو حضرت بلال رضؓ نے فرمایا کہ خدا تعالیٰ نے فرمایا کہ خدا تعالیٰ کے حلقۂ خاص مین۔ مطلب یہ کہ جب بیوی صاحبہ افسوس کرنے لگین کہ اب یہ چہرہ کہان نظر آویگا اور کس طرح اسکو دیکھ سکین گے تو آپ نے فرمایا کہ جب متوجہ بحق ہوگی اُسی وقت تمکو میرا چہرہ نظر آجاویگا چہرہ نظر آنے سے مراد قرب ہے۔ مقصود یہ ہوا کہ چونکہ مین اب خدا تعالیٰ کے پاس جا رہا ہون لہٰذا تم جب متوجہ بحق ہوگی تو تمکو میرا قرب حاصل ہوجاویگا۔ اور تمکو تسلی ہو جایا کریگی۔ آگے فرماتے ہین کہ

حلقۂ خاصش بتو پیوستہ است　　　　گر نظر بالا کنی نے سوئے پست

یعنی حق تعالیٰ کا حلقۂ خاص تمسے ملا ہوا ہے اگر تم بلند نظری کرو نہ کہ پستی کی طرف۔ مطلب یہ کہ اگر تم متوجہ بحق ہو اور اُس طرف اپنی توجہ کروگی اور اس دنیائے دنی پر لات ماروگی تو انشاء اللہ تمکو میرا قرب اور تسلی جو کہ مقصود قرب ہے حاصل ہوجایا کریگی کیونکہ

اندران حلقہ ز رب العالمین　　　　نور می تابد چو در حلقہ نگین

یعنی اُس حلقہ مین رب العلمین کا نور چمکتا ہے جیسے کہ انگوٹھی مین نگینہ مطلب یہ کہ حضرت بلال رضؓ نے فرمایا کہ تم جب متوجہ بحق ہوگی تو تمہارے قلب مین نورانیت پیدا ہوگی اور اُس نورانیت سے تمکو تسلی حاصل ہوگی یا یہ کہا جاوے کہ اُس نور سے تمہارے قلب مین صفائی پیدا ہوگی اور اس صفائی سے تمکو کشف ہونے لگے گا اور تم مجھے دیکھ لیا کروگے۔ بغرضکہ حاصل یہ کہ توجہ بحق کرنے سے تمکو قرب یا قرب سے جو مقصود ہے یعنی تسلی حاصل ہوجایا کریگی۔ آگے پھر بیوی صاحبہ کا مقولہ ہے۔

گفت ویران گشت این خانہ دریغ　　　　گفت اندر مہ نگر منگر بہ میغ

یعنی بیوی صاحبہ نے فرمایا کہ افسوس یہ گھر اُجڑ گیا تو حضرت بلال رضؓ نے فرمایا کہ چاند کو دیکھو ابر کو مت دیکھو۔ مطلب یہ کہ جب بیوی صاحبہ نے فرمایا کہ افسوس یہ گھر اُجڑ گیا اور ویران ہوگیا تو اُنہون نے تو ظاہری گھر کو مراد لیا تھا جیسا کہ محاورہ ہے اور جیسا کہ اوپر سے اُنکے کلام سے تمام

یہی ظاہری اشیاء مراد ہین لیکن اوپر سے بھی اور یہان بھی حضرت بلال رضؓ اُنکے الفاظ کو دوسرے
معنی کی طرف لیگئے یعنی اُنہون نے مکان سے مراد تن لیا تو اُنکے جواب مین فرمایا کہ تم چاند کو دیکھو
ابر کو مت دیکھو۔ مطلب یہ کہ روح کو دیکھو اور اس تن ظاہری کو مت دیکھو کہ یہ خراب ہو رہا ہے
یا ویران ہو رہا ہے بلکہ اسپر نظر کرو کہ میری روح کو اس سے کیا کچھ ارام اور راحت اور
چین نصیب ہو رہا ہے لہذا اب افسوس کرنا فضول ہے اب آگے مولانا اس تن ظاہری
کے موت سے ویران کر دینے کی حکمت بیان فرماتے ہین کہ موت کے ذریعہ سے اس تن
ظاہر کو کیون ویران کر دیا جاتا ہے۔ خلاصہ اُسکا یہ ہے کہ چونکہ روح کے کیفیات و حالات زیادہ
تھے جو اس تن ظاہر کے اندر نہ سما سکتے تھے اسلئے روح کو اس تن سے جو کہ اُسکے بجائے گھر کے
تھا الگ کر دیا گیا تاکہ وہ اپنے تمام اسباب یعنی علوم و معارف کو بڑھا سکے اور اُن کو ترقی دے سکے
اور اس تن کی کوٹھری مین مقید نہ رہنا پڑے یہ تو خلاصہ تھا اب اصل کو سنئے

بدن کے موت سے ویران ہو جانیکی حکمت

کرد ویران تا کند معمور تر		قوم انبہ بود و خانہ مختصر

یعنی ویران کر دیا تاکہ خوب عمدہ کر دین کیونکہ قوم زیادہ تھی اور گھر چھوٹا تھا (قوم سے مراد علوم
و معارف ہین) مطلب یہ کہ قاعدہ ہے کہ جب گھر چھوٹا ہو اور آدمی زیادہ ہون تو اُس مکان کو توڑکر
دوسرا مکان اُس سے بڑا بنایا کرتے ہین تاکہ سارے آدمی اُس مین سما سکین۔ الغرض اسیطرح
چونکہ علوم و معارف زیادہ تھے اور یہ بدن اُنکے لئے مکان تنگ تھا تو اس مکان تن کو ویران کر کے
دوسرا مکان بنایا گیا تاکہ وہ سب علوم اُس مین رہ سکین۔ اور روح اُن مین اور ترقی کر سکے تو
اس بدن کے ویران کرنے مین یہ حکمت ہوئی کہ روح کیلئے دوسرا مکان اس سے زیادہ وسیع اور
خوبصورت اور عمدہ بنایا جاویگا آگے پھر مقولہ حضرت بلال رضؓ کا ہے فرماتے ہین کہ۔

من چو آدم بودم اول حبس کرب		پر شد اکنون نسل جانم شرق و غرب

یعنی مین آدم کی طرح اول محبوس کرب تھا اور اب میری جان کی نسل شرقاً غرباً پر ہو گئی۔ مطلب
یہ ہے کہ جسطرح کہ حضرت آدم علیہ السلام اول تو آب و گل مین محبوس رہے اور اُنکو جسم عطا نہ ہوا تو وہ

اُس حالت میں تنگ ہو رہے تھے اسیطرح میں بھی اس دنیا میں رہکر تکلیف میں تھا اور تنگ ہو رہا تھا پھر بعد میں جسطرح کہ آدم علیہ السلام کو جسم عنصری عطا ہوا اور اُسکے ذریعہ سے اُنکی اولاد شرقاً غرباً پھیل گئی اسیطرح اب میں اس دنیا سے نکلکر جو روح ہو گیا ہوں تو میرے علوم و معارف بھی بہت زیادہ ہو گئے ہیں اور تمام میں پھیل گئے ہیں اور فرماتے ہیں کہ۔

من گدا بودم درین خانہ چو چاہ　　　شاہ گشتم قصر باید بہر شاہ

یعنی کہ میں اس کنوئیں جیسے گھر میں فقیر تھا اور اب میں بادشاہ ہو گیا ہوں تو بادشاہ کیلئے تو محل کی ضرورت ہی۔ مطلب یہ کہ چونکہ میں اس دنیا میں تو علوم و معارف سے خالی اور ان کا محتاج تھا تو میرا دل اس ویرانہ میں اور تنگ جھونپڑی میں یعنی دنیا میں لگتا تھا لیکن اب جو میں بادشاہ ہو گیا ہوں اور مجھے علوم و معارف کا مال و دولت ملگیا ہے تو اب مجھکو ضرورت ہے کہ میں محل میں رہوں اور میری لائق محل یہاں ہے نہیں لہذا ضروری ہوا کہ میں کسی ایسے مقام پر جاؤں جہاں وہ محل مجھے ملے اور وہ مقام عدم ہے۔ لہذا اب وہیں جانا ضروری ہوا۔

قصرہا خود مر شہان را مانس است　　　مردہ را خانہ و مکان گوری لبس ست

یعنی محلات خود بادشاہوں کے اُنس کی جگہ ہے اور مُردہ کیلئے گھر اور مکان ایک گور کافی ہے۔ مطلب یہ کہ دیکھو بادشاہوں کا دل تو محلات ہی میں لگتا ہے اور مردوں کیلئے ایک گور کافی ہے وہی اُن کا مکان اور وہی اُنکے لئے محل ہے تو چونکہ اہل دنیا بالکل مردوں کی مثل ہیں لہذا انکو یہ دنیا ہی کی مکان اچھے معلوم ہوتے ہیں۔

انبیا را تنگ آمد این جہان　　　چون شہان گشتند اندر لامکان

یعنی یہ جہان انبیاء علیہم السلام کیلئے تنگ معلوم ہوا تو وہ بادشاہوں کی طرح لامکان میں چلے گئے

مردگان را این جہان بنمود فر　　　ظاہرش زفت و بہ معنی تنگ تر

یعنی مردوں کیلئے اس جہان نے شوکت دکھلائی تو اُس کا ظاہر تو بڑا ہے اور اندر سے بالکل تنگ ہی مطلب یہ کہ دیکھو انبیاء علیہم السلام چونکہ بادشاہ تھے اُن کا دل اس دنیا کے تنگ جھونپڑے میں نہ لگا اور وہ یہاں جب تک رہے پریشان ہی رہے لہذا وہ یہاں سے نکلکر عدم میں چلے گئے اور وہاں اپنے محلات میں رہے اور چونکہ اہل دنیا مردہ ہیں لہذا انکو اسی میں راحت و آرام ہے اور یہ

اسی کو وسیع و فراخ خیال کرتے ہین حالانکہ اسکی حالت یہ ہے کہ ظاہر مین تو خوب بڑا ہے اور اصل مین
بالکل تنگ ہے۔ اب آگے اُسکے تنگ ہونیکو ایک دلیل سے بیان فرماتے ہین کہ:۔

گر نبودے تنگ این افغان زچیست　　چون دوتا شد ہر کہ روزی بیش زیست

یعنی اگر یہ تنگ نہوتا تو یہ شور و غل کسلئے ہے اور جو شخص کہ کچھہ روز زیادہ زندہ رہا وہ دوہرا کیون ہوجاتا ہے
مطلب یہ کہ دیکھو اگر یہ دنیا مکان تنگ نہوتی تو اسکے رہنے والے گھبرایا کیون کرتے کہ جسے دیکھو پریشان
ہے جسے دیکھو تفکرات مین غلطان و پیچان ہے اور پہر یہ کہ جہان کسیکو ذرا زیادہ دن زندہ رہنا پڑا اور
وہ بیچارہ دوہرا ہوا کمر جہک گئی تو آخر یہ کمر کیون جہک جاتی ہے۔ یہ صاف اس امر کی دلیل ہے کہ یہ مکان
بہت ہی تنگ ہے کہ جسکی تنگی کی وجہ سے انسان زیادہ روز تک اس مین سیدہا کہڑا بہی نہین ہو سکتا
بلکہ تہوڑے دنون مین اسکے حالات سے تنگ آکر اور تہک کر جُہک جاتا ہے جس سے اسکی تنگی
صاف طور پر واضح ہوتی ہے۔

در زمانِ خواب چون آزاد شد　　زان مکان بنگر کہ جان چون شاد شد

یعنی خواب کے وقت مین کیسا آزاد ہوگیا اور اس مکان سے دیکھو کہ جان کس طرح خوش ہوئی
مطلب یہ کہ دیکھو خواب کہ ایک نمونہ ہے عدم کا اور اس دنیا سے تہوڑا سا تغافل ہے لیکن اسمین جاکر
انسان کیا کچھہ خوش ہوتا ہے اور کیسا آزاد ہوجاتا ہے کیونکہ اس دنیا سے تو غفلت ہوتی ہے
تو اُسکو بالکل راحت و آرام ہی ہوتا ہے تو جب بالکل اس دنیا سے علیحدگی ہوجاوے تو پہر ظاہر ہے کہ
کیسا کچھہ عیش حاصل ہوگا آگے بہی اسی راحت و آرام کی تشریح فرماتے ہین کہ دیکھو خواب مین یہ نفع ہی کہ

ظالم از ظلم طبیعت باز رست　　مرد زندانی ز فکر حبس جست

یعنی ظالم تو طبعی ظلم سے چھوٹ گیا اور قیدی آدمی قید کی فکر سے نکل گیا۔ یعنی خواب مین جاکر ظالم تو اپنی
اُس ظلم طبعی سے چھوٹ گیا اور اتنی مدت کیلئے وہ ظلم سے باز آگیا اور جو قیدی ہے اُسکو اپنی قید کی فکر نہ
رہی بلکہ وہ خواب مین جاتے ہی ایسا ہوگیا گویا کہ بالکل ہی آزاد تہا۔

این زمین و آسمان بس فراخ　　سخت تنگ آمد بہنگام مناخ

یعنی یہ زمین و آسمان بہت فراخ سونیکے وقت بیحد تنگ معلوم ہوتا ہے مطلب یہ کہ انسان
جب سو جاتا ہے تو اُسکو زمین و آسمان جو کہ ایسے فراخ اور وسیع مین بالکل تنگ معلوم ہوتے ہین

جیسا کہ اکثر خواب مین ہوتا ہے تو جب نمونۂ عدم مین جا کر یہ آسمان وزمین تنگ معلوم ہوتے ہین تو اصل عدم کے مقابلہ مین تو کیون تنگ نہ ہونگے۔ ظاہر ہے کہ اُسکے سامنے یہ سب بالکل تنگ و تاریک جھوپڑا معلوم ہوگا

چشم بند آمد فراخ و سخت تنگ — خندۂ او گریہ فخرش جملہ ننگ

یعنی یہ ایک نظربندی ہے کہ وسیع ہے اور بیحد تنگ ہے اسکی ہنسی رونا ہے اور اس کا فخر بالکل ننگ ہے مطلب یہ کہ اس جہان مین عجب ایک نظربندی ہے کہ ظاہر مین وسیع معلوم ہوتا ہے اور اصل مین بیحد تنگ ہے۔ اور اس کی ہنسی انجام کے اعتبار سے بالکل رونا ہی رونا ہے اور اس مین جو چیزین کہ مایۂ فخر ہین وہ اصل مین بالکل شرم اور ننگ کی باتین ہین۔ آگے دنیا کے ظاہر مین وسیع اور باطن مین تنگ ہونیکو مثالون سے واضح فرماتے ہین

دنیا کی مثال جو کہ ظاہر مین وسیع ہے اور باطن مین تنگ ہے اور خواب کی تشبیہ موت سے جو کہ اس تنگی سے چھوٹنا ہے

ہمچو گرمابہ کہ تفسیدہ بود — اندر آئی جانت بخسیدہ بود

یعنی مثل حمام کے جو کہ گرم کیا گیا ہو تو اندر آوے تو تیری جان گھٹنے لگے۔

گرچہ گرمابہ عریض است و طویل — زان تپش تنگ آیدت جان و کلیل

یعنی اگرچہ حمام لمبا چوڑا ہے (لیکن) اُس تپش سے تیری جان تنگ اور پریشان ہوتی ہے

تا برون نائی نہ بکشاید دلت — پس چہ سود آمد فراخی منزلت

یعنی جب تک کہ تو باہر نہ آوے تیرا دل نہ کُھلے پھر گھر کی فراخی تیرے کیا کام آئی۔ مطلب یہ کہ دیکھو ایک حمام ہے جو کہ بہت لمبا چوڑا ہے لیکن اُسکو خوب گرم کیا گیا ہے جس سے کہ تمہارا دل اُس مین گھبرانے لگا ہے اور جب تک تم باہر نہ آؤ گے تمہارا دل ٹھکانے نہ لگے گا۔ اور اُس مین رہتے ہوئے تم پریشان ہی رہو گے حالانکہ اُس حمام کا مکان خوب وسیع و فراخ ہے تو اسی طرح جو حضرات کہ اس دنیا کی برائیون پر نظر رکھتے ہین اُن کا دل بھی باوجود اسکی ظاہری ٹیپ ٹاپ کے نہین لگتا اور وہ اس مین پریشان ہی رہتے ہین آگے اسی کی ایک دوسری مثال بیان فرماتے ہین کہ

یا کہ کفش تنگ پوشی اے غوی　　در بیابان فراخے می روی

یعنی یا کہ تو اے گمراہ تنگ جوتا پہنے اور ایک وسیع جنگل مین تو چلے۔

آن فراخی بیابان تنگ گشت　　بر تو زندان آمد آن صحرا و دشت

یعنی وہ بیابان کی وسعت تنگ ہو گئی اور وہ جنگل اور میدان تجھپر قید خانہ ہو گیا۔

ہر کہ دید او مر ترا از دور گفت　　کو دران صحرا چو لالہ بر شگفت

یعنی جسنے تجھے دور سے دیکھا تو وہ بولا کہ وہ اس جنگل مین لالہ کی طرح کھل رہا ہے۔

او نمی داند کہ تو چون ظالمان　　از برون در گلشنے جان در فغان

یعنی وہ (دیکھنے والا) نہین جانتا کہ تو ظالمون کی طرح باہر سے تو گلشن مین ہے اور جان مصیبت مین ہے مطلب یہ کہ دوسری مثال ... یون سمجھو کہ تم ایک تنگ جوتا پہنکر ایک وسیع جنگل مین چلو تو دیکھنے والا تو یون سمجھتا ہے کہ تم خوب آرام کی ساتھ اس لق و دق جنگل مین بے رکاوٹ کے چلے جا رہے ہو لیکن تمہاری حالت یہ ہے کہ سخت مصیبت مین ہو۔ اور وہ لق و دق لمبا چوڑا جنگل تمہارے لئے کچھ بھی فرحت بخش نہین ہے بلکہ سخت تکلیف دہ ہو رہا ہے۔ اسیطرح دنیا مین رہنے والون کو یون سمجھا جاتا ہے کہ بہت عیش و آرام مین ہین لیکن سچ یہ ہے کہ جسے دیکھو وہ مصیبت مین ہے جسے دیکھو کسی نہ کسی آفت مین مبتلا ہے اب آگے موت کو خواب سے مثال دیتے ہین کہ۔

خواب تو آن کفش بیرون کردنست　　کہ زمانے جانت آزاد از تن است

یعنی تمہاری نیند اس جوتہ کو نکال ڈالنا ہے کہ ایک زمانہ کیلئے تیری جان تن سے آزاد ہے مطلب یہ کہ تمہارا سو جانا ایسا ہے جیسا کہ وہ چلنے والا اس جوتہ کو اتار دے کہ چونکہ کچھ دیر کیلئے تن سے اور اس عالم سے غفلت ہو گئی ہے اسلئے راحت و آرام مین ہو تو جب دنیا سے بالکل ہی علیحدگی ہو جاویگی اس وقت کو خیال کرو اور اس راحت و آرام پر قیاس کر لو کہ کیسا کچھ آرام اور کیسی کچھ راحت ہوگی۔ آگے فرماتے ہین کہ

اولیا را خواب ملک است اے فلان　　ہمچو آن اصحاب کہف اندر جہان

یعنی نیند اولیاء اللہ کیلئے بادشاہی ہے اے فلان جیسے کہ وہ اصحاب کہف کیلئے جہان مین مطلب یہ کہ اولیاء اللہ کو نیند بجائے بادشاہی کے ہے اسلئے کہ انکو نیند مین چونکہ اس جہان سی علیحدگی

ہوجاتی ہے گویا کہ اُنکو بادشاہی ملگئی۔ انکو ایسی خوشی ہوتی ہے۔

خواب می بیند و آنجا خواب نے　　در عدم در میرود نے در و باب نے

یعنی خواب دیکھتے ہین اور اُس جگہ خواب نہین ہے عدم مین جاتے ہین اور دروازہ نہین ہے مطلب یہ کہ بے سوئے ہوئے عالم عدم کا مشاہدہ کرتے ہین اور لوگ جن امور کو سوکر دیکھتے ہین وہ بے سوئے ہوئے اُن کا مشاہدہ کر لیتے ہین۔ اور عالم عدم مین چلے جاتے ہین حالانکہ ظاہر مین کوئی دروازہ نہین بلکہ بذریعہ کشف کے اُنکو اُس عالم کا مشاہدہ ہوجاتا ہے۔ اور وہ سب چیزون کو دیکھ لیتے ہین غرضکہ ثابت ہوگیا کہ یہ دنیا تنگ ہے اور اسمین اہل اللہ کا دل گھبراتا ہے۔ اب آگے پھر حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا مقولہ نقل فرماتے ہین کہ۔

خانۂ تنگ و درون جان چنگلوک　　کرد ویران تا کند قصر ملوک

یعنی گھر تنگ تھا اور اندر جان اٹیرن ہورہی تھی۔ تو ویران کردیا تاکہ بادشاہی محل بنادے مطلب یہ کہ اُنھون نے فرمایا کہ میری جان اُس تنگ بدن کے مکان مین گھٹ رہی تھی تو اب اُس بدن کو حق تعالیٰ نے ویران کردیا تاکہ اُسکو محل شاہی بنادے۔ اور فرماتے ہین کہ۔

چنگلوکم چون جنین اندر رحم　　نہ مہہ گشتم شد این نقلان مہم

یعنی مین ایسا اٹیرن ہورہا ہون جیسے کہ پیٹ مین بچہ اور مین نو مہینے کا ہوگیا ہون تو یہ منتقل ہونا ضروری ہوا مطلب یہ کہ اب مین علوم و معارف حاصل کرکے کامل ہوچکا ہون جیسے کہ بچہ پیٹ مین گوشت پوست حاصل کرکے پورا ہوجاتا ہے تو جسطرح کامل ہوجانیکے بعد وہ نکلنا چاہتا ہے اور اُس رحم کو جو اُس عالم کی نسبت کر تنگ ہے چھوڑکر اُس عالم مین آنا چاہتا ہے اسیطرح مین بھی اب کامل ہوگیا ہون، مین بھی اُس عالم کو ترک کرنا چاہتا ہون۔ کیونکہ یہ عالم اُس عالم اُخروی کے مقابلہ مین رحم سے بھی چھوٹا ہے لہذا یہان سے نکلنا ضروری ہوا۔

گر نباشد درد زہ بر مادرم　　من درین زندان میان آذرم

یعنی اگر میری مان کو دردزہ نہو تو مین اُس قیدخانہ مین آگ مین ہون۔

مادر طبعم ز درد مرگ خویش　　می کند زہ تا رہد برہ ز میش

یعنی میری مادر طبع اپنی موت کے درد سے دردزہ کرتی ہے تاکہ بچہ بھیڑ سے چھوٹ جاوے۔

تا چرد آن برہ در صحرائے سبز | ہین رحم بکشا کہ گشت آن برہ گبز

یعنی تاکہ وہ بچہ سرسبز جنگل مین چرے ارے رحم کھول دو کہ بچہ خوب ڈابل ہوگیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ دیکھو اگر مان کو دردزہ کی تکلیف نہو تو وہ بیچارہ بچہ پیٹ مین سے کس طرح باہر آوے بلکہ وہ تو وہین گھٹ گھٹکر مرجاوے تو جب اسکو دردزہ کی تکلیف ہوتی ہے جب ہی تو وہ بچہ نکلکر سرسبز جنگل مین چرتا ہے اور پھر کامل ہوتا ہے۔ اسیطرح اگر اس بدن کو اور روح کو نزع کی ذراسی کلفت نہو تو پھر یہ روح جو اس مین پھنسی ہوئی ہے کس طرح نکلے۔ اور کسطرح علوم ومعارف کو حاصل کرے یہ تو جب ہی حاصل کرسکتی ہے جبکہ اس تن عنصری کو تکلیف ہو اور پھر یہ روح اس سے الگ ہو پھر اسکا کمال اور جمال دیکھو۔

دردزہ گر رنج آبستان بود | بر جنین اشکستن زندان بود

یعنی دردزہ اگرچہ حاملہ کیلئے تکلیف ہوتی ہے (لیکن) بچہ پر قیدخانہ کا ٹوٹنا ہوتا ہے۔

حاملہ گریان ززہ کاین المناص | وان جنین خندان کہ پیش آمد خلاص

یعنی حاملہ تو دردزہ سے رو رہی ہے کہ چھٹکارا کہان ہے اور وہ بچہ خوش ہے کہ چھٹکارا سامنے آگیا مطلب یہ کہ حاملہ کیلئے تو دردزہ مصیبت کا سامنا ہوتا ہے اور وہ اس سے چھوٹنا چاہتی ہے لیکن بچہ کو اس سے بیحد خوشی ہوتی ہے کہ خدا کا شکر ہے کہ چھٹکارے کا وقت آگیا۔ اور اب اس قیدخانہ سے چھٹکارا ہوگا تو اسیطرح جو حضرات کہ کامل ہوگئے ہین وہ اس دنیا مین گھبراتے ہین اور جب نزع ہوتی ہے اور نزع کی تکلیف ہوتی ہے تو انکی روح خوش ہوتی ہے کہ خدا کا شکر ہے کہ اس سے چھٹکارا ہوا آگے فرماتے ہین کہ۔

ہر چہ زیر چرخ ہستند امہات | از جماد و از بہیمہ وز نبات

یعنی آسمان کے نیچے جو مائین ہین جمادات سے اور جانورون مین سے اور نباتات مین سے

ہر یکے از درد غیرے غافل اند | جز کسانیکہ نبیہ و عاقل اند

یعنی کہ ہر ایک دوسرے کے درد سے غافل ہین سوائے اُن لوگون کے جوکہ سمجھدار اور عاقل ہین مطلب یہ کہ دنیا مین جسقدر مائین ہین انکو صرف اپنے درد کی خبر ہوتی ہے اور وہ اپنے درد کی مصیبت سے چھوٹنا چاہتی ہین۔ باقی اُنکو دوسرےکے درد اور مصیبت سے کوئی سروکار نہین ہوتا۔ بس وہ تو یہ

چاہتی ہین کہ ہمیر جو مصیبت ہے وہ جاتی رہے اگرچہ بچہ کو اندر کیسی ہی مصیبت ہو ہان جو حضرات کہ عاقل ہین اُنکو دوسرون کے درد کا بھی احساس ہوتا ہے۔ اور وہ اُسکا بھی خیال کرتے ہین۔

انچہ کوسہ داند از خانہ کسان　　　بلمہ از خانہ خود کش کے داند آن

یعنی بے ڈاڑھی والا آدمی دوسرے لوگونکے گھر کی جن چیزون کو جانتا ہے داڑھی نالا آدمی خود اپنے گھر کی چیزون کو کب جانتا ہے مطلب یہ کہ بے داڑھی والا آدمی چونکہ گھرون کے اندر جاتا ہے اُسکو تو دوسرون کے گھرون کی بھی خبر ہوتی ہے اور جو بڑا داڑھی والا آدمی ہو جاتا ہے اسکو اپنے گھر کی بھی بعض چیزون کی خبر نہین ہوتی۔ لیکن یہان بے ریش سے مراد عقلمند ہے اور باریش سے مراد بیوقوف ہے کیونکہ زیادہ عمر ہونے سے آدمی سٹھیا ہی جاتا ہے تو مقصود یہ ہوا کہ عاقل آدمی (یعنی اہل اللہ کہ اصلی عاقل وہی ہین) تو دوسرون کے درد کی اور تکلیف کی بھی خبر رکھتے ہین۔ اور جو بیوقوف ہین (یعنی اہل دنیا) انکو خود اپنی ہی پڑی رہتی ہے اور اپنی بھی خبر اچھی طرح اور پوری طرح نہین ہوتی۔

انچہ صاحبدل بداند حال تو　　　تو ز حال خود ندانی اے عمو

یعنی صاحبدل جو بات تیری حالت کی جانتا ہے چچا تو اپنے حال کو نہین جانتا۔

انچہ بیند در جبینت اہل دل　　　کے بہ بینی در خود ای از خود خجل

یعنی جو بات تیری پیشانی مین اہل دل دیکھتا ہے اے وہ کہ اپنے سے شرمندہ ہے تو اپنے اندر کب دیکھیگا۔ مطلب یہ کہ تیری حالت کو جسقدر کہ اہل دل جانتے ہین اور وہ پہچان لیتے ہین تو اُسقدر بھی اپنی حالت کو پہچان نہین سکتا کیونکہ تجھے اس قدر سمجھ اور عقل ہی نہین ہے آگے اُسکی وجہ بتاتے ہین کہ اہل دل کیون سمجھ لیتے ہین اور غیر اہل کو کیون خبر نہین ہوتی۔

شرح حبیبی

غفلت از تن بود چون تن روح شد	بیند او اسرار را بے ھیچ بلد
چون زمین برخاست از جو فلک	نے شب و نے سایہ باشد نے نلک

هر کجا سایہ است و شب یا سایگہ | از زمین باشد نہ از افلاک و مہ
دود پیوستہ ہم از ہیزم بود | نے ز آتشہای مستنجم بود
وہم افتد در خطا و در غلط | عقل باشد در اصابتہا فقط
ہر گرانی و کسل خود از تن است | جان ز خفت جملہ در پریدن است
روی سرخ از کثرت خونہا بود | روی زرد از جنبش صفرا بود
رو سفید از قوت بلغم بود | باشد از سودا کہ رو ادہم بود
در حقیقت خالق آثار اوست | لیک جز علت نہ بیند اہل پوست
مغز کو از پوستہا آوارہ نیست | از طبیب علت او را چارہ نیست
چون دوم بار آدمی زادہ بزاد | پائے خود بر فرق علتہا نہاد
علت اولی نباشد دین او | علت اخری نداند کین او
می پرد چون آفتاب اندر افق | با عروس صدق و صفوت در نتق
بلکہ بیرون از افق وز چرخہا | بے مکان باشد چو ارواح و نہی
پس عقول ماست سایہ ای عمو | می فتد چون سایہ در پائے او

یہان سے مولانا اس امر کی وجہ بتلانا چاہتے ہین کہ اہل اللہ کو دوسرے لوگون کے احوال کیون معلوم ہوجاتے ہین اور کہتے ہین کہ منشا جہل وغفلت تن ہے نہ کہ روح چونکہ یہ لوگ تن کو فنا کرکے سراسر روح ہوگئے ہین اسلئے لامحالہ یہ لوگ اسرار پر مطلع ہوتے ہین دیکھو اگر وسط فلک سے زمین علیحدہ ہوجاوے تو نہ رات رہے گی نہ سایہ نہ زوال بلکہ تمام جو نور سے ہر وقت معمور رہے گا پس یہی حالت بالکل جسم وروح کی ہے اگر جسم فنا ہوجاوے تو تاریکی جہل کا نام نہ رہے گا

اور سراسر نور علم ہی ہوگا۔ اگر اس سے کسیکو یہ شبہ ہو کہ جب تاریکی جہل نہ رہیگی تو لازم ہے کہ روح کو کل اشیاء کا بحیث لا یعزب عنہ مثقال ذرۃ علم ہو جاوے حالانکہ یہ باطل ہے۔ کیونکہ اس سے مقصود اُس جہل کی نفی ہے جسکا منشا جسم تھا ورنہ تاریکی ظلمت امکان ہنوز موجود ہے جو علم محیط سے مانع ہے۔ اور کُل اہل اللہ وانبیاء حتے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی جو اشیاء مخفی رہین اسکا منشا یہی ظلمت امکان تھی نہ کہ تاریکی جسم اُمید ہے کہ اس تقریر سے وہ تمام شبہے رفع ہو جائینگے۔ جو مولانا کے بیان سے اہل اللہ کے علم محیط کے متعلق ناواقفین کو واقع ہوتے ہین۔ خلاصہ یہ کہ روح انسانی کیلئے دو قسم کی تاریکیاں ہین ایک ظلمت جسم جو کہ عارضی اور قابل زوال ہے۔ دوسری ظلمت امکان جو اصلی اور ناممکن الزوال ہے پس جس جہل کا منشا ظلمت جسمانی ہو وہ جہل فنائے جسم سے مرتفع ہو جائیگا۔ اور جس جہل کا منشاء ظلمت امکان ہو وہ فنائے جسم سے مرتفع نہ ہوگا لیکن چونکہ ظلمت قابل شدت وضعف ہے اسلئے اس مین بانارۂ حق وافاضۂ علوم کمی ہوتی رہتی ہے مگر بالکلیہ زائل نہین ہو سکتی۔ پس انبیاء علیہم السلام اور کمل عرفاء کو جو باوجود فناء تن کے بعض اشیاء کا علم نہین ہوتا اُسکا سبب وہ ظلمت امکان ہوتی ہے جس مین بعد انارۂ حق وافاضۂ علم کمی آتی جاتی ہے۔ اس مضمون کو ہم تقریب فہم کیلئے ایک حسّی مثال سے سمجھاتے ہین۔ ایک شخص ہے کہ اُسکے سامنے لوہے کی چادر کھڑی ہوئی ہے جو کہ اسکو چارون طرف سے گھیرے ہوئے ہے اُسوقت وہ شخص بیرونی اشیاء کو نہین دیکھ سکتا۔ اب چادر کو الگ کر دیا جاوے یا اُسے جالی دار بنا دیا جاوے تو اب وہ اُن اشیاء کو دیکھنے لگیگا جنکو وہ لوہے کی کثافت کے باعث نہ دیکھ سکتا تھا مگر اُن اشیاء کو اب بھی نہین دیکھ سکتا جنکو اُسکی محدود قوت بصری دیکھنے سے قاصر ہے اب وہ دوربین یا خوردبین یا مجلی بصر دواؤن کا استعمال کرے تو اس سے اُسکی نظر اور زیادہ ہوگی اور جو چیزین پہلے نہ دکھلائی دیتی تھین اب دکھلائی دینے لگینگی۔ مگر اب بھی وہ قوت محدود ہی رہے گی اور بہت سی اشیاء اب بھی اُسکو نہ دکھلائی دینگی۔ لیکن جب وہ پہلے سے زیادہ قوی دوربین یا خوردبین یا مجلی بصر دواؤن کا استعمال کریگا تو اُسکی نظر اور تیز ہوگی مگر پھر بھی وہ محدود ہی رہے گی اور بہت سی اشیاء اب

بھی اُسکو دِکھلائی نہ دیگی غرضکہ اُسکی نظر بڑھتی تو ضرور رہے گی مگر ہر مرتبہ محدود ہی رہیگی کسی وقت بھی اُسکی قوت بینائی غیر محدود نہیں ہو سکتی۔ پس یہی حالت تم اہل اللہ کی سمجھو کہ فنائے جسم یعنی تجلیۂ جسم کے بعد بھی اُنکی قوت مدرکہ محدود ہی رہتی ہے اور افاضۂ علوم و معارف سے اُس میں ترقی ضرور ہوتی ہے مگر ترقی پر بھی وہ محدود ہی رہتی ہے۔ واللہ اعلم) پس جہاں کہیں سایہ ہے یا رات ہے یا محل سایہ ہے اسکا منشا زمین ہی ہے نہ کہ افلاک اور چاند دھواں جو ایک تاریک چیز ہے ہمیشہ لکڑی ہی سے پیدا ہوتا ہے جو کہ جسم کثیف ہے آگ سے پیدا نہیں ہوتا۔ پس جہل عارضی بھی جسم ہی سے پیدا ہوگا۔ نہ کہ روح سے اور غلطی وہم کرتا ہے جو ایک جسمانی قوت ہے نہ کہ عقل جو ایک قوت روحانی ہے مگر اپنی قوت کے محدود ہونے سے تمام اشیاء کا ادراک نہیں کر سکتی جو گرانی اور کسل ہے وہ جسم ہی کے سبب سے۔ رہی جان سو وہ تو اپنی خفت کے سبب عروج ہی میں ہے یہ اسباب مذکورہ مسببات مزبورہ کا یوں ہی سبب ہیں جسطرح کہ کثرت خون سے چہرہ سُرخ ہو جاتا ہے اور ہیجان صفرا سے چہرہ زرد ہو جاتا ہے قوت بلغم سے مُنہ سفید ہو جاتا ہے اور سودا سے مُنہ سیاہ ہو جاتا ہے لیکن یہ اسباب ان آثار کے پیدا کرنیوالے نہیں پیدا کرنیوالے حق سبحانہ ہی ہیں ہاں عادۃً ان اسباب کو خلق آثار میں دخل ضرور ہے۔ لیکن ظاہر بین لوگ غلطی یہ کرتے ہیں کہ وہ مؤثر حقیقی کو نہیں دیکھتے بلکہ اعتقاداً یا عملاً علل ظاہرہ و اسباب عادیہ ہی پر نظر رکھتے ہیں اور جو ارواح کہ اجسام سے علیحدہ نہیں ہیں اور اجسام کو ہنوز فنا نہیں کر چکی ہیں اُنکے لئے امراض یعنی حاجات بھی ضروری ہیں۔ اور انکے دفع کیلئے طبیب یعنی اسباب عادیہ بھی لابدی ہیں مگر جبکہ آدمی ایک مرتبہ اپنے کو فنا کر کے پھر بقا حاصل کرتا ہے اسوقت وہ علتوں کو بے حقیقت سمجھتا ہے نہ وہ علل بعیدہ کا معتقد ہوتا ہے اور نہ علل قریبہ اسکو ضرر پہونچاتی ہیں بلکہ وہ تو یوں بلند پرواز ہوتا ہے جیسے کہ آفتاب افق میں اور وہ تو پردہ کے اندر عروس صدق و صفا کیساتھ ہم آغوش ہوتا ہے بلکہ وہ تو افق اور آسمانوں سے بھی اوپر اور عقول و افہام کی طرح لامکانی ہوتا ہے یعنی اُسکی نظر بالذات غیر اللہ پر نہیں ہوتی بلکہ اسکا مطمح نظر صرف حق سبحانہ ہوتے ہیں وہ حقیقۃً اُنھی کو مؤثر جانتا ہے اور اسباب کا جو کسیقدر دخل مانتا ہے وہ بھی اسطرح کہ ان کا دخل بھی بحکم حق سبحانہ ہی ہے ورنہ یہ فی نفسہا کوئی

چیز نہین جبکہ اُسکی رفعت شان کی یہ حالت ہے تو ہماری عقول اُسکے سامنے یون ہی بے حقیقت اور ضعیف اور اُسکے یون ہی تابع ہین جیسے آفتاب کے لئے سایہ۔

شرح شبیری

بیان مین اسکے کہ جو کچھہ غفلت اور کاہلی اور تاریکی ہو سب تن سے ہے

غفلت از تن بود چون تن روح شد　　بیند او اسرار را بے ہیچ بُد

یعنی غفلت تو بدن سے تھی جب بدن روح ہوگیا تو وہ اسرار کو بے کسی علاج کے دیکھہ لیگا مطلب یہ کہ یہ غفلت تو اس جسم عنصری کی وجہ سے ہے کہ اُس عالم کیلئے پردہ اور حجاب ہو رہا ہے لیکن جب اولیاء اللہ کے جسم مین بھی صفات روح پیدا ہو گئے تو اُنہون نے جسم ہی سے آن اشیاء کو دیکھہ لیا اور اُن کا مشاہدہ کر لیا جیسا کہ روح کر سکتی ہے۔ بس یہ وجہ ہے کہ اولیاء اللہ کے تو جسم پر بھی صفات روح غالب ہوتے ہین اور ہماری روح پر بھی صفات جسم غالب ہوتے ہین لہذا وہ تو مشاہدہ کر لیتے ہین اور ہمکو نظر نہین آتا۔ آگے اسکو ایک مثال سے واضح فرماتے ہین کہ

چون زمین برخاست از جو فلک　　نے شب و نے سایہ باشد نے دلک

یعنی جب زمین جو فلک سے اُٹھ جاوے تو نہ رات ہو نہ سایہ ہو نہ غروب آفتاب ہو (جو کہتے ہین زمین وآسمان کے درمیانی میدان کو)

ہر کجا سایہ است و شب یا سایگہ　　از زمین باشد نہ از افلاک و مہ

یعنی جہان کہین سایہ ہے اور رات ہے یا سایہ کی جگہ ہے زمین ہی کی وجہ سے ہے نہ کہ افلاک اور چاند کی وجہ سے مطلب یہ کہ دیکھو اگر آسمان کے بیچ مین سے زمین ہٹجاوے تو کل اشیاء مشاہد ہو جاوین نہ تو رات رہے نہ آفتاب غروب ہو بلکہ سب چیزین سامنے رہین اسیطرح اگر یہ صفات جسم نہ رہین تو پھر سب چیزین سامنے ہی رہین اور روح کو علوم و معارف کا مشاہدہ ہوتا رہے کوئی ضروری شئے اُس سے غائب نہو۔ یہ غیبوبت تو جسم کی وجہ سے ہے کہ جو اُس عالم کے اشیاء کے مشاہدہ کے اور اُس شخص کے درمیان مین حائل ہو رہا ہے۔ آگے ایک دوسری مثال ہے کہ۔

دود پیوستہ ہم از ہیزم بود　　　کے ز آتشہای مستنجم بود

یعنی دھواں لکڑی سے ملا ہوا ہوتا ہے دہکتی ہوئی آگ میں کب ہوتا ہے۔ (تو جس طرح جو حضرات روشن ہو گئے ہیں اُن میں یہ کثیف چیزوں نہیں ہیں اور جو ابھی لکڑی کی طرح ہیں اور منور نہیں ہوئے اُنکے اندر یہ کثیف چیزیں موجود ہیں۔)

وہم افتد در خطا و در غلط　　　عقل باشد در اصابتہا فقط

یعنی وہم تو خطا میں اور غلطی میں پڑتا ہے اور عقل فقط صواب میں پہونچنے کیلئے ہوتی ہے۔ مطلب یہ کہ وہم جو کہ عکس عقل ہے وہ تو اکثر غلطی میں رہتا ہے ہاں عقل ہمیشہ ٹھیک ہی چلتی ہے تو جو حضرات عاقل ہیں وہ تو ہمیشہ ہر شے کو درست طرح پر سمجھیں گے اور دوسرے لوگ وہم ہی میں رہینگے۔

ہر گرانی و کسل خود از تن است　　　جان ز خفت جملہ در پریدن است

یعنی تمام گرانی اور کسل تن کی وجہ سے ہے اور جان ان سب کے سو جانے سے اُڑنے میں ہے مطلب یہ کہ گرانی اور کسل وغیرہ تو آثار تن میں سے ہے اور جب یہ آثار جاتے رہتے ہیں اور آثار تن ضعیف ہو جاتے ہیں تو پھر روح عالم بالا کی طرف پرواز کرتی ہے۔

روئے سرخ از کثرت خونہا بود　　　روئے زرد از کثرت صفرا بود

یعنی سرخ منہ تو خون کی کثرت سے ہوتا ہے اور زرد منہ صفرا کی زیادتی کی وجہ سے ہوتا ہے۔

رو سفید از قوت بلغم بود　　　باشد از سودا کہ رو ادہم بود

یعنی سفید منہ بلغم کی زیادتی کی وجہ سے ہوتا ہے اور یہ بات سودا کی وجہ سے ہوتی ہے کہ منہ کالا ہو مطلب یہ ہے کہ دیکھو آثار کے اختلاف سے صورت میں اختلاف ہوا کہ خون کی زیادتی کی وجہ سے تو سرخ چہرہ ہوا اور علی ہذا تو اسی طرح اختلاف آثار سے اور اختلاف بھی واقع ہوتا ہے کہ اگر دنیاوی اثر پڑے گا تو ویسا حال ہوگا اور اگر دینی اثر ہوگا تو ایسا حال ہوگا۔

در حقیقت خالق آثار اوست　　　لیک جز علت نہ بیند اہل پوست

یعنی حقیقت میں آثار کا خالق تو وہ ہے لیکن اہل ظاہر سوائے علت کے اور کچھ نہیں دیکھتے مطلب یہ ہے کہ تمام احوال پیدا تو ہوتے ہیں آثار سے لیکن وہ آثار خالق تعالی شانہ کے

حلم سے پیدا ہوتے ہین۔ تو جو اہل ظاہر ہین اُن کی نظر تو صرف اُن آثار اور علل ہی پر رہتی ہے اور جو اولیاء اللہ ہین وہ اُس خالق کو دیکھتے ہین اور اُن آثار سے اُسکے وجود باجود پر استدلال کرتے ہین آگے فرماتے ہین کہ۔

مغز کو از پوست تنہا آوارہ نیست — از طبیب و علت او را چارہ نیست

یعنی جو مغز کہ پوست سے علیحدہ نہین ہے طبیب اور مرض سے اُسکے لئے علاج نہین ہے۔ مطلب یہ کہ جو عقل کہ اوصاف بشری سے خالی نہین ہے اور جسمین کہ اوصاف بشری غالب ہین اُس عقل کو طبیب اور مرض سے چھٹکارا نہین ہے یعنی وہ عقل مریض ہے اور اسکو طبیب کی ضرورت ہے۔

چون دوم بار آدمی زادہ بزاد — پائے خود بر فرق علتہا نہاد

یعنی جب آدمی دوسری مرتبہ پیدا ہوا تو اُسنے اپنا پاؤن علتون کے سر پر رکھا۔

علت اولی نباشد دین او — علت آخری ندارد کین او

یعنی علت اولی اُس کا دین نہین ہوتا۔ اور علت اُخری اُس کا کین نہین رکھتا۔ (علت اولی سے مراد علت بعیدہ ہے کیونکہ اُس شخص کی نسبت تو وہ اولی ہے لیکن اصل مین بعید ہے اور علت اُخری سے مراد علت قریبہ ہے) مطلب یہ ہے کہ جب آدمی دوسری مرتبہ پیدا ہوتا ہے یعنی اوصاف بشریہ سے نکلکر اُسکے اندر اوصاف روح غالب ہوتے ہین تو اُسکی نظر علت بعیدہ پر نہین رہتی بلکہ علت قریبہ پر اُس کی نظر ہوتی ہے اور وہ اصل علت اسیکو سمجھتا ہے اور وہ خالق تعالے شانہ ہے کہ وہی اصل مین ہر شی کی علت ہے اور وہی علت قریبہ ہین اور جب اُسکی نظر اُس علت قریبہ پر ہوتی ہے تو اُسکی یہ حالت ہو جاتی ہے کہ۔

می پرد چون آفتاب اندر افق — با عروس صدق و صفوت از تتق

یعنی وہ آفتاب کی طرح افق مین اُڑتا ہے صدق و صفا کی عروس کیساتھ پردۂ عروسی مین (تتق اُس پردہ کو کہتے ہین جو کہ عروس کے آگے سب سے قریب کا پردہ ہوتا ہے) مطلب یہ کہ یہ شخص بہر پرواز کرتا ہی اور صدق و صفا کیساتھ قرین رہتا ہے اور بہت ہی عالی حوصلہ ہو جاتا ہے اور اسکی پرواز بہت ہی عالی ہو جاتی ہے۔

بلکہ بیرون از افق وز چرخہا — بے مکان باشد چو ارواح و نہی

یعنی بلکہ افق سے اور آسمانوں سے باہر بے مکان عقول اور ارواح کی طرح ہو جاتا ہے مطلب یہ کہ اُس شخص کا عروج ان آسمانوں سے بھی بلند ہو جاتا ہے اور عقول اور ارواح کی طرح لامکانی ہو جاتا ہے کیونکہ اُسکے اندر صفات روح وعقل ہی غالب ہوتے ہیں لہذا اسکی پرواز کل مکانات سے بلند ہو کر لامکان تک پہونچتی ہے لیکن ہمکو جو یہ عروج نہیں ہوتا باوجودیکہ عقل تو ہمارے اندر بھی ہے اسکی وجہ بتاتے ہیں کہ

پس عقول ماست سایہ ای عمو　　　　می فتد چون سایہ در پاہائے او

یعنی عزیز من چچا ہماری عقول سایہ ہیں اور اُسکے پاؤں میں سایہ کی طرح پڑے رہتے ہیں مطلب یہ کہ چونکہ ہماری عقلیں اُنکی عقول کی سایہ ہیں اسلئے جہاں تک خود اُنکی عقل کی رسائی ہوتی ہے وہاں تک ہماری رسائی نہیں ہوتی بلکہ جہاں اُنکی عقل ہوتی ہے وہاں عقل پہونچ ہی نہیں سکتی۔ آگے اسکی ایک مثال دیتے ہیں خلاصہ اُس کا یہ ہے کہ دیکھو اصل احکام کے ثبوت کیلئے نص ہے اور اُسکے بعد قیاس مجتہد ہے تو جہاں نص ہوتی ہے وہاں قیاس کرنا مجتہد کو جائز نہیں ہے اور وہاں تک قیاس کی رسائی نہیں ہے اسیطرح چونکہ ہماری عقول کا درجہ اُن کی عقول کے بعد ہے لہذا ہماری عقول کی رسائی وہانتک نہیں ہوتی جہانتک کہ اُنکی عقول کی رسائی ہوتی ہے یہ تو خلاصہ تھا اب اصل بیان کو سنو۔

شرح حبیبی

مجتہد ہرگہ کہ باشد نص شناس	اندران صورت نیندیشد قیاس
چون نیابد نص اندر صورتے	از قیاس آنجا نماید عبرتے
نص وحی روح قدسی دان یقین	وان قیاس عقل جزوی تحت این
عقل از جان گشت با ادراک وفر	روح او را کے شود زیر نظر
لیک جان در عقل تاثیرے کند	زان اثر آن عقل تدبیرے کند
نوح وار ار صدمتے زد بر تو روح	کو یم و کو کشتی و طوفان نوح

عقل ترا از روح پندارد ولیک
نور خور از قرص خور دورست نیک

زان بقرصے سالکے خورسند شد
تا ز نورش سوئے قرص افگنده شد

زانکه این نوری که اندر سافل است
نیست دائم روز و شب او آفل است

وانکه اندر قرص دارد باش و جا
غرقهٔ آن نور باشد دائما

نے سحابش ره زند نے خود غروب
وارهید او از فراق سینه کوب

این چنین کس اصلش از افلاک بود
یا مبدل گشت گر از خاک بود

زانکه خاکے را نباشد تاب آن
که زند بروے شعاعش جاودان

گر زند بر خاک دائم تاب خور
آنچنان سوزد که ناید زو ثمر

دائم اندر آب کار ماهی است
مار را با او کجا همراهی است

لیک در که مارهائے پُرفن اند
اندرین یم ماهیها می کنند

مکرشان گر خلق را شیدا کند
هم ز دریا تاششان رسوا کند

واندرین یم ماهیانِ پُرفن اند
مار را از سحر ماهے می کنند

گر تو ماری شو قرین ماهیان
تا شوی چون ماهیان در یم روان

ماهیان قعر دریائے جلال
بحرشان آموخته سحر حلال

پس محال از تابشان حال شد
نحس آنجا رفت و نیکوفال شد

زهر آنجا رفت و شکر شد یقین
سنگ آنجا رفت و گوهر شد ثمین

خاک زر شد سنگ گوهر پائے سر
می نه بیند جسد شد چشم بشر

تا قیامت گر بگویم زین کلام	صد قیامت بگذرد وین ناتمام

اب مولانا عقول ناقصہ کا ادنی اور روح کا اعلیٰ ہونا دوسرے انداز سے بیان فرماتے ہین اور کہتے ہین کہ اوّلاً مقدمہ کے طور پر یہ سمجھو کہ جب مجتہد کے پاس نص ہوتی ہے تو اس صورت مین وہ قیاس نہین کرتا۔ اور جبکہ اُسکو نص نہین ملتی اُسوقت قیاس سے ایک شے کا حکم دوسرے کیلئے ثابت کرتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ نص قیاس سے فائق اور مجتہد اُس حالت مین جبکہ وہ نص رکھتا ہو خود اپنے سے اعلیٰ ہے بحالیکہ وہ قیاس کرے جب یہ معلوم ہوگیا تو اب سمجھو کہ نص وہ الہام ہے جو ارواح کاملہ کو ہوتا ہے پس لامحالہ عقل جزوی کا استنباط اس سے ادنیٰ ہوگا اور روح کامل عقل ناقص سے اعلیٰ ہوگی۔ وہذا ہو المدعی۔ نیز عقل کو جو کچھ ادراک و شوکت حاصل ہے وہ روح ہی کی بدولت ہے۔ پس روح اُسکی محکوم کیسے ہوسکتی ہے اور جبکہ عقل روح کی محکوم ہے تو اُسکو روح سے کیا نسبت۔ اس سے بھی ارواح کاملہ کا تفوّق برعقول ناقصہ واضح ہوگیا۔ عقل روح مین تصرف نہین کرتی بلکہ روح خود عقل مین تاثیر کرتی ہے جسکے باعث عقل تدبیر کرتی ہے۔ اب مولانا عقل کو مخاطب کرکے اُسکی کمی کو ظاہر فرماتے ہین اور کہتے ہین کہ اے عقل اگر روح نے جو کہ مثل نوح ع ہے نوح ع کی طرح تیری اندر تاثیر کی ہے اور تجھے کسیقدر اپنے رنگ مین رنگا ہے تو اس سے تو اُسکی ہمسری کا دعویٰ نہ کرنا۔ کیونکہ دریا کشتی اور طوفان نوح یعنی وہ اسباب و علامات کہان ہین جن سے تو نوح و روح کی ہمسری کی مستحق ہو۔ یہان ایک اور بات بتلا دینا بھی مناسب معلوم ہوتا ہے وہ یہ کہ جب روح عقل مین تاثیر کرتی ہے تو وہ اُس اثر ہی کو روح سمجھہ جاتی ہے لیکن یہ اُسکی غلطی ہے اثر اور شے ہے مؤثر دوسری شے۔ نور آفتاب اور قرص آفتاب مین بہت فرق ہے۔ اب مولانا ایک دوسرے مضمون کی طرف انتقال فرماتے ہین اور کہتے ہین کہ جب تمہین معلوم ہوگیا کہ اثر اور چیز ہے اور مؤثر اور۔ اور آفتاب اور ہے اور اُس کا نور اور۔ اسی وجہ سے سالک نے آثار قدرت حق پر قناعت نہین کی اور ذات کا طالب ہوا جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ آثار قدرت سے ذات تک پہونچ گیا کیونکہ یہ نور یعنی آثار قدرت جو عالم مین ہین فانی ہین اور ہمیشہ رہنے والے نہین ہین

نیز جو شخص کہ قرص خورشید مین اپنا مسکن بنالیتا ہے اور فنا فی اللہ ہو جاتا ہے وہ ہمیشہ نور مین غرق رہتا ہے نہ ابر اُسکی رہزنی کر کے اُسے اُس نور سے جدا کر سکتا ہے نہ غروب۔ غرضکہ وہ مفارقت سے جس کا نتیجہ سینہ کوبی ہے چھوٹ جاتا ہے یعنی کوئی مانع اُسکو حق سبحانہ سے محجوب نہین کر سکتا۔ لہٰذا وہ وصال ابدی سے متمتع ہوتا ہے۔ ایسا شخص یا تو وہ ابتداءً ہی ملکوتی الاصل ہوتا ہے یا کسب سے اُسکو یہ کمال حاصل ہوتا ہے اور ابتداءً وہ ناسوتی الاصل ہوتا ہے پھر کایا پلٹ ہوجاتی ہے اور یہ ہمنے کیون کہا کہ اُس کی کایا پلٹ ہوجاتی ہے اسکی وجہ یہ ہے کہ خاک رہکر اُسکو یہ صفت حاصل نہین ہوسکتی۔ کیونکہ خاک مین اتنی قوت نہین ہے کہ ہمیشہ آفتاب حقیقی کی شعاعوں کو برداشت کر سکے۔ آفتاب حقیقی کی تو شان ارفع واعلے ہے اگر یہ آفتاب ظاہری بھی اُسپر ہمیشہ اپنی شعاعین ڈالتا رہے تو وہ یون بھسم ہو جاوے کہ اُس سے قابلیت انبات جاتی رہے نیز حق سبحانہ گویا کہ ایک بحر ہین اور سمندر مین ہمیشہ مچھلی ہی رہ سکتی ہے جو کہ مائی الاصل ہے سانپ جو کہ خاکی الاصل ہے اُس مین نہین ٹھیر سکتا۔ یہ بھی ایک دلیل ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ خاکی اپنی اصل پر رہکر کمال مذکور حاصل نہین کر سکتا تمکو یہ تو معلوم ہوگیا کہ سانپ جو کہ خاکی الاصل ہے سمندر مین نہین رہ سکتا جسکا مطلب یہ تھا کہ خاکی الاصل مین جب تک کہ اُسکی کایا پلٹ نہو وصال حق سبحانہ کی قابلیت نہین لیکن اتنا اور معلوم کر لینا چاہیئے کہ گو وہ عالم مین بڑے بڑے چالاک سانپ پڑے ہوئے ہین جو اس بحر حقیقی کی مچھلی ہونا ظاہر کرتے ہین یعنی بہت سے بنے ہوئے لوگ ہین جو اپنے کو مقرب حق سبحانہ ظاہر کرتے ہین مگر اُن کا دھوکہ چل نہین سکتا۔ کیونکہ اگر وہ مخلوق کو اپنے پھندے مین لے بھی آئینگے تو کیا ہے پانی سے انکی وحشت ان کی حقیقت کھولدیگی۔ یعنی اُن سے افعال واقوال واحوال ایسے صادر ہونگے جنسے ارباب بصیرت اُن کی بناوٹ کو سمجھ جاوینگے اور اسکی ساتھ ہی یہ بھی جان لو کہ جہان یہ بنے ہوئے لوگ ہین دیسی حقیقی اور سچے اہل اللہ بھی ہین تم سبکو ایک لکڑی سے نہ ہانکنا۔ یہ لوگ ایسے کامل ہین کہ اپنے اثر سے نااہلونکو اہل مچھلیون کو عارف سانپونکو مچھلی بنا سکتے ہین پس اگر تو سانپ یعنی محجوب ہے تو ان مچھلیون (اہل اللہ) سے قریب ہو تاکہ تو بھی انکی فیض صحبت سے دریا مین چلنے کے قابل اور وصل حق سبحانہ کے لائق ہو سکے۔ یہ لوگ جو بحر جلال کی تہ تک پہونچنے والی مچھلیان ہین انکو بحر حقیقی (حق سبحانہ)

نے حلال جادو تعلیم فرمایا ہے جس سے وہ قلب ماہیت کر سکتے ہین۔ پس انکے پرتو سے وہ چیز جو بادی النظر مین محال معلوم ہوتی ہے متحقق بالفعل ہو جاتی ہے اور وہان منحوس بھی جاکر سعید ہو جاتا ہے وہان زہر شکر ہو جاتا ہے پتھر وہان پہونچکر ایک قیمتی موتی ہو جاتا ہے وہان مٹی سونا اور پتھر موتی اور پاؤن سر ہو جاتا ہے غرضکہ کامل کا یا پلٹ ہو جاتی ہے باوجودیکہ یہ لوگ ایسے صاحب کمال ہین مگر عوام انکو اپنی ہی مثل سمجھتے ہین اور کہتے ہین ان هٰذا الا بشر مثلنا خیر یہ گفتگو تو کبھی ختم ہی نہ ہوگی اگر قیامت تک بھی مین تفصیل کرتا رہونگا۔ تب بھی ناتمام ہی رہیگی لہٰذا اسکو ختم کرنا چاہیئے۔

شرح شبیری

نص مطلق کو جو کہ بے قید ہوتی ہے قیاس سے تشبیہ دینا

مجتہد ہرگہ کہ باشد نص شناس — اندران صورت نیندیشد قیاس

یعنی مجتہد جسوقت کہ نص شناس ہوتا ہے تو اُس صورت مین قیاس کو نہین سوچتا مطلب یہ کہ جب مجتہد کو کسی صورت مین نص ملجاتی ہے تو وہ اُس صورت مین قیاس سوچتا ہی نہین بلکہ اُسی نص پر عمل کرتا ہے۔

چون نیابد نص اندر صورتے — از قیاس آنجا نماید عبرتے

یعنی جب کسی صورت مین نص نہین پاتا تو قیاس سے اُس جگہ اعتبار کرتا ہے یعنی جب کسی صورت مین نص نہین ملتی تو اُسوقت قیاس پر عمل کرتا ہے۔ آگے فرماتے ہین کہ۔

نص وحی روح قدسی دان یقین — وان قیاس عقل جزوی تحت این

یعنی نص کو یقیناً روح قدسی کی وحی جانو اور وہ عقل جزوی کا قیاس اُسکے نیچے ہے (وحی روح قدسی سے مراد علوم ذوقیہ ہین اور قیاس عقل جزوی سے مراد کسبیہ ہین) مطلب یہ ہے کہ علوم ذوقیہ تو مثل نص کے ہین اور علوم کسبیہ قیاس کی طرح ہین تو جہان علوم ذوقیہ کی رسائی ہوتی ہے وہان علوم کسبیہ کی رسائی نہین ہو سکتی کیونکہ۔

عقل از جان گشت با ادراک و فر — روح او را کے شود زیر نظر

یعنی عقل جان سے ہی تو با ادراک و فہم ہوئی ہے تو روح اسکے زیر نظر کب ہو سکتی ہے مطلب یہ کہ عقل کو جو کچھ حاصل ہوا ہے یہ روح ہی کا تو طفیل ہے اور اُسی کا تو اثر ہے پھر بھلا عقل روح کو کب احاطہ کر سکتی ہے کیونکہ جس ادراک سے اُس کا احاطہ کرنا چاہیئے وہ تو خود اُسیکا فیضان ہے۔

لیک جان در عقل تاثیری کند　　　زان اثر آن عقل تدبیری کند

یعنی لیکن جان عقل مین کوئی تاثیر کرتی ہے تو اُس اثر سے وہ عقل کوئی تدبیر کرتی ہے۔ مطلب یہ کہ جب عقل پر روح اپنا پرتو ڈالتی ہے اور کچھ اثر اُس مین کرتی ہے تو وہ عقل بھی کچھ تدبیر کرنے لگتی ہے۔

نوح وار ار صدمتے زد در قو روح　　　کو یم و کو کشتی و طوفان نوح

یعنی نوح کی طرح اگرچہ کوئی اثر روح نے تمہارے اندر کیا بھی تو کہان دریا اور کہان کشتی اور کہان طوفان نوح۔ مطلب یہ ہے کہ اگر عقل مین روح نے کچھ اثر کر بھی دیا لیکن بھلا وہ افعال روح کہانسے آوینگے۔ یعنی اُس اثر سے وہ اصلی افعال روح تو پیدا نہین ہو سکتے۔ تو پھر بھلا کہان وہان تک رسائی ہو سکتی ہے۔

عقل اثر را روح پندارد ولیک　　　نور خور از قرص خور دور است نیک

یعنی عقل اثر کو روح خیال کرتی ہے لیکن خورشید کا نور خورشید کی ٹکیا سے بہت دور ہے مطلب یہ کہ عقل کی رسائی اُن آثار تک تو ہو جاتی ہے اور وہ اُن آثار روح ہی کو روح سمجھنے لگتی ہے لیکن بھلا کہان وہ آثار اور کہان وہ روح اسکی ایسی مثال ہے کہ جیسے کوئی دہوپ کو اور آفتاب کو ایک سمجھے تو بھلا کہان خود آفتاب اور کہان اُسکی شعاع یعنی دھوپ آگے فرماتے ہین کہ۔

زان بقرصے سالکے خورسند شد　　　تا ز نورش سوی قرص افگند شد

یعنی ایک سالک اسلئے قرص پر راضی ہو گیا تا کہ اُسکے نور سے ٹکیا کیطرف پھینکا گیا ہو جاوے (قرص اول سے مراد افعال و مجاہدات اور قرص ثانی سے مراد ذات حق) مطلب یہ ہے سالک جو افعال اور مجاہدات پر راضی ہو گیا اسکی وجہ صرف یہ ہے کہ تا کہ یہ نور قرص خود اُس قرص تک اُسکو پہنچا دے یعنی یہ افعال حق ذات حق تک رسائی کرا دے اور یہ راہبر ہو جاوے۔

زانکہ این نورے کہ اندر سافل است   نیست دایم روز و شب او آفل است

یعنی اسلئے کہ یہ نور جو کہ سافل مین ہے دایم نہین ہے رات دن غروب ہونیوالا ہے۔ مطلب یہ کہ نور خورشید جو کہ زمین پر پڑ رہا ہے یہ تو ہمیشہ رہنے والا نہین ہے۔ بلکہ ہر گھڑی غروب اور زائل ہونیوالا ہے اور وہ قرص خورشید ہمیشہ رہنے والی ہے۔ اُسکو غروب نہین ہے بلکہ وہ کسی نہ کسی جگہ ظاہر ہی رہتی ہے تو جو شخص کہ ان افعال کے مشاہدہ مین ہو گا جو کہ نور خورشید کی مانند ہین وہ تو ہمیشہ زوال مین رہیگا۔

وانکہ اندر قرص دارد باش و جا   غرقۂ آن نور باشد دائما

یعنی اور جو شخص کہ قرص مین ٹھکانہ اور جگہ رکھتا ہے تو وہ اُس نور مین ہمیشہ غرق رہتا ہے۔

نے سحابش رہ زند نے خود غروب   وارہید او از فراق سینہ کوب

یعنی نہ بادل اُسکے لئے رہزن ہو اور نہ خود غروب وہ فراق سینہ کوب سے چھوٹ گیا۔ مطلب یہ ہے کہ جو شخص افعال سے گذر کر خود ذات باری تعالے کے قرب مین آگیا اُسکو اب افعال سے استدلال کی ضرورت نہین رہی بلکہ وہ تو ہمیشہ اور ہر وقت نور ہی نور مین غرق رہے گا اُسکو کبھی بھی ذہول نہ ہو گا۔ اور جو صرف آثار ہی پر رہا اور اُس مؤثر پر اُس کی نظر نہ ہوئی وہ ہمیشہ زوال مین رہے گا خوب سمجھ لو۔ آگے فرماتے ہین کہ

این چنین کس اصلش از افلاک بود   یا مبدل گشت گر از خاک بود

یعنی ایسے شخص کی اصل یا تو افلاک سے تھی یا اگر خاک سے تھی تو بدل گئی۔

زانکہ خاکے را نباشد تاب آن   کہ زند بر وے شعاعش جاودان

یعنی اسلئے کہ خاکی کو اسکی تاب نہین ہوتی کہ اُسپر اُس خورشید کی شعاع ہمیشہ پڑتی رہے مطلب یہ کہ ایسا شخص یا تو اصل ہی سے اُسپر صفات روح کا غلبہ ہوتا ہے اور یا یہ کہ تھا تو غلبہ عناصری کا لیکن اُس کی حالت بدل گئی اور غلبہ صفات روح کا ہو گیا۔ اب اُسکے اندر یہ بات پیدا ہو سکتی ہے ورنہ اگر صفات روح کا غلبہ نہ ہو تو اُس نور افگنی کی تو وہ تاب بھی نہین لا سکتا۔ آگے اُسکی ایک مثال دیتے ہین کہ۔

گر زند بر خاک دائم تاب خور   آنچنان سوزد کہ ناید زو ثمر

یعنی اگر خاک پر ہمیشہ خورشید تپش ڈالے تو وہ اسطرح جلجاوے کہ اُس سے پھل نہ آوے مطلب یہ کہ اگر زمین پر ہمیشہ دھوپ ہی پڑتی رہے تو ظاہر ہے کہ تمام زمین جلکر سیاہ ہوجاوے اور پھر نہ اُس مین کوئی درخت ہوسکے اور نہ کوئی پھل پیدا ہوسکے۔ تو اسیطرح اگر ہر گھڑی اور ہر وقت تجلی ہی مین رہے تو وہ بھی جلجاوے اور پھنک جاوے۔ اور وہ بھی اُسکی تاب نہین لاسکتا۔ آگے ایک دوسری مثال ہے کہ۔

دائم اندر آب کار ماہی است ۔ مار را با او کجا ہمراہی است

یعنی ہمیشہ پانی مین رہنا مچھلی کا کام ہے سانپ کو اُسکی ساتھ کب ہمراہی ہے۔ مطلب یہ کہ جو اولیاء اللہ ہین وہ ہر وقت مورد تجلی رہ سکتے ہین اور اُنکے اندر اسقدر تحمل ہوسکتا ہے ورنہ جو عوام ہین وہ اُس تجلی کو ہر وقت برداشت نہین کرسکتے۔ آگے مکارون کے مکر کو کھولتے ہین کہ۔

لیک در کہ مارہائے پرفن اند ۔ اندرین یم ماہیہا می کنند

یعنی لیکن پہاڑ مین بہت سے مکار سانپ ہین جو کہ اُس دریا مین مچھلی پن کرتے ہین۔

مکر شان گر خلق را شیدا کند ۔ ہم ز دریا تاسشان رسوا کند

یعنی اُن کا مکر اگر مخلوق کو شیدا کرے تو اُن کا دریا سے گھبرانا اُنکو رسوا کردے گا۔ مطلب یہ کہ بہت سے مکار ایسے ہین جو کہ ظاہر مین صوفی صافی اور زاہد و متقی بنتے ہین اور ہوتے ہین مکار تو اگر ان کا مکر ایک دفعہ لوگون کو اپنے جال مین پھنسا بھی لیگا لیکن جب شریعت کی کسوٹی پر رکھکر اُنکو پرکھا جاویگا تو آخر ان کی قلعی کھل جاویگی۔ اور معلوم ہوجاویگا کہ اُن کی کیا حالت ہے کیونکہ شریعت پر ہر وقت عمل کرنے سے اُن کا دل گھبراویگا اس سے صاف معلوم ہوجاویگا کہ ان کا تقوے اور زہد سب بناوٹ کا تھا۔

واندرین یم ماہیان توسن اند ۔ مار را از سحر ماہی می کنند

یعنی اور اُس دریا مین بڑی زبردست مچھلیان ہین جو کہ سانپ کو جادو سے مچھلی بنا لیتی ہین۔

گر تو ماری شو قرین ماہیاں ۔ تا شوی چو ماہیان در یم روان

یعنی اگر تو سانپ ہے تو تو مچھلیون کے قریب رہ تاکہ تو مچھلیون کی طرح دریا مین روانہ ہو

مطلب یہ کہ جیسے کہ اس دنیا مین مکار بہت ہین اسیطرح ایسے لوگ بھی موجود ہین جو کہ عوام کو اولیاء اللہ بنادین تو اگر تم عوام مین سے ہو اور تمکو قرب حق حاصل نہین ہے تو تم ان حضرات کے قرب و جوار مین رہو اس سے تمکو قرب حق نصیب ہوجاویگا۔ آگے اُن حضرات کی صفت کرتے ہین کہ

ماہیان قعر دریائے جلال　　بحرشان آموختہ سحر حلال

یعنی (وہ) دریائے جلال کے گڑھے کی مچھلیان ہین اور دریا نے اُنکو سحر حلال سکھادیا ہے

بس محال از تاب ایشان حال شد　　نحس آنجا رفت و نیکو فال شد

یعنی بہت سے ناممکن امور اُنکے فیض سے ممکن ہوگئے منحوس اُس جگہ گیا اور نیک فال ہوگیا

زہر آنجا رفت و شکر شد یقین　　سنگ آنجا رفت شد دُرِّ ثمین

یعنی وہان زہر گیا اور یقیناً شکر ہوگیا اور وہان پتھر گیا اور قیمتی موتی ہوگیا۔

خاک زر شد سنگ گوہر پای سر　　می نہ بیند جز بشر چشم بشر

یعنی خاک سونا ہوگئی اور پتھر موتی ہوگیا اور پاؤن سر ہوگیا اور چشم انسان سوائے بشر کے کسیکو نہین دیکھتی۔ مطلب یہ ہے کہ وہ حضرات دریائے جلال حق کے مچھلیان ہین اور حق تعالیٰ نے اُنکو ایسا تصرف عطا فرمایا ہے کہ بعض اوقات کسیکے اوپر ایسی نظر ہوتی ہے کہ وہ کام کا ہو جاتا ہے تو چاہئے کہ اُن حضرات سے لگا رہے ایک نہ ایک دن کچھ نہ کچھ ہو کر ہی رہے گا۔ اسلئے کہ ان حضرات کی برکت و تصرف سے بہت سی ناممکن چیزین وجود مین آگئین۔ اور زہر اُن کی برکت سے شکر کی طرح خوشگوار بن گیا علے ہذا اور چیزین کہ وہ مضر تھین لیکن ان حضرات کی برکت سے وہی چیزین بے ضرر بلکہ مفید بن گئین لیکن جسکو صفات روح حاصل نہین ہین اور صرف بشر ہی ہے وہ تو اُنکے اندر کسی اور شے کو نہ دیکھے گا بلکہ وہ تو صرف اُنکی صفت بشریت ہی پر نظر رکھیگا اُسکو کسی بات کی بھی اُنکے کمالات مین سے خبر نہ ہوگی۔ جیسے کفار کہا کرتے تھے کہ یہ نبی کیسے ہین جیسے ہم ہین ویسے ہی یہ ہین۔ کھانا کھاتے ہین۔ پاخانہ پیشاب کرتے ہین تو اُنکو سوائے اسکے اور اُنکے کمالات باطنی نظر ہی نہ آتے تھے۔ آگے فرماتے ہین کہ۔

تا قیامت گر بگویم زین کلام — صد قیامت بگذرد وین ناتمام

یعنی اگر مین اس کلام کو قیامت تک بیان کرون تو سیکڑون قیامتین گذر جاوین اور یہ ناتمام ہی ہو۔ مطلب یہ کہ اولیاء اللہ کی صفات اگر ہم قیامت تک بھی بیان کرین تب بھی ختم نہین ہو سکتین۔ لہذا اب ہم انکے بیان کو بند کرتے ہین۔ اب مولانا کو یہ خیال آیا کہ ممکن ہے کہ کسیکو ان کا سننا ناگوار ہوا ور سمجھے کہ یہ مضامین تو بار ہا بیان ہو چکے ہین اور پھر ان ہی کو بیان کرنے لگتے ہین اور اسلئے کوئی اُکتا وے تو آگے اُن آداب کو بیان فرماتے ہین جنکا لحاظ رکھنا مرید کو شیخ کا کلام سننے کیوقت ضروری ہے۔

شرح حبیبی

بر ملولان این مکرر کردن است — نزد من عمرے مکرر بردن است

شمع از برق مکرر بر شود — خاک از تاب مکرر زر شود

گر ہزاران طالب اند و یک ملول — از رسالت باز می ماند رسول

این رسولان ضمیر رازگو — مستمع خواہند اسرافیل خو

نخوتے دارند و کبرے چون شہان — چاکری خواہند از اہل جہان

تا ادبہاشان بجا گہ ناوری — از رسالتشان چگونہ بر خوری

کے رسانند آن امانت را بتو — تا نباشی پیش‌شان راکع دوتو

ہر ادبشان کے ہمی آید پسند — کامدند ایشان ز ایوان بلند

نے گدایانند کز ہر خدمتے — از تو دارند اے مزور منتے

لیک با بی رغبتیہائے ضمیر — صدقۂ سلطان بیفشان وا مگیر

اسپ خود ران ای رسول آسمان ‏ در ملولان منگر و اندر جہان
فرخ آن ترکے کہ استیزہ نہد ‏ اسپش اندر خندق آتش جہد
گرم گرداند فرس را آنچنان ‏ کہ کند آہنگ اوج آسمان
چشم را از غیر و غیرت دوختہ ‏ ہمچو آتش خشک و تر را سوختہ
گر پشیمانی برو غیبے کند ‏ آتش اول در پشیمانی زند
خود پشیمانی نروید از عزم ‏ چون بہ بیند گرمئے صاحب قدم

لوگ ان مضامین کو بار بار سنکر اُکتا گئے ہین اسلئے ختم کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے لیکن گو اکتانے والوں کو تو مکرر معلوم ہوتا ہے مگر مجھے اس سے بار بار حیات تازہ حاصل ہوتی ہے- تم تعجب نہ کرنا کہ تکرار تازہ حیات کا سبب کیونکر ہو سکتی ہے اسلئے محسوسات مین بھی اسکی نظیر موجود ہے اسلئے کہ شمع لگاتار روشنی سے زیادہ اونچی یا روشن ہوتی ہے- اور آفتاب کی گرمی کے لگاتار پہونچنے سے مٹی سونا ہو جاتی ہے یہ سب کچھ ہے لیکن اگر سو طالب ہوں اور اُن مین ایک برداشتہ خاطر ہو تو قاعدہ ہے کہ ولی جو مضامین الہامیہ کو پہونچاتا ہے اُس کی طبیعت رُکجاتی ہے اور وہ مضامین بیان نہین کر سکتا- اور راز اسکا یہ ہے کہ یہ پیغامبر جو اسرار الٰہیہ کے بیان کرنیوالے اہل دل ہین یہ چاہتے ہین کہ سننے والے یون ہمہ تن گوش ہوں جیسے سرافیل حکم نفخ سننے کیلئے ہمہ تن گوش کھڑے ہین اور وجہ اسکی یہ ہے کہ انکے دماغ شاہانہ ہوتے ہین اور یہ نہایت غیور ہوتے ہین اسلئے شائبہ ذلت کو بھی پسند نہین کرتے اور یہ چاہتے ہین کہ لوگ ہمارے محتاج ہوں اور غلامانہ برتاؤ کرین بس جب تک تم ان کا پورا پورا ادب نہ بجالاؤ گے اسوقت تک تم ان کی پیغامبری سے متمتع نہین ہو سکتے- اور جب تک تم ان کے سامنے نہ جھکو گے اُسوقت یہ امانت خداوندی تمکو نہین دیسکتے مگر یہ بھی یاد رکھو کہ ہر ادب بھی انکو پسند نہین ہے کیونکہ یہ تو بڑے قصر شاہی سے آئے ہین اسلئے ان کا دماغ بھی

نہایت عالی ہے لہٰذا ممکن ہے کہ ایک شے کو تم ادب سمجھو مگر انکے نزدیک وہ بے ادبی ہو۔ اسلئے ادب وہ ہونا چاہیے جسکو وہ ادب سمجھین۔ یہ لوگ کچھ بھیک مانگنے والے نہین ہین کہ جو خدمت تم کرو وہ شکر کیسا تھا اُسکو قبول کرلین بلکہ یہ نہایت مستغنی ہین اسلئے خدمت ان کی مرضی کے موافق ہونی چاہیے۔ یہانتک پہونچکر پھر مولانا کو جوش ہوا اور فرماتے ہین کہ اے حسام الدین مانا کہ لوگ ملول ہین اسلئے آپکا جی نہین چاہتا کہ اسرار بیان کرین لیکن آپ خدا کیلئے اور پورے ہی دل سے بیان کیجئے مگر بیان کیجئے اسرار کو روکئے نہین اور اے آسمانی قاصد آپ اپنا کام کئے جائے اور جہان اور اہل جہان پر نظر نہ کیجئے مبارک ہے وہ شہسوار کہ لڑائی قائم کرے اور اپنے گھوڑے کو آگ کی خندق مین ڈالدے اور اپنے گھوڑے کو اسقدر تیز کرے کہ قلعہ تو قلعہ آسمان پر پہونچنے کا قصد کرے۔ یعنی کیا کہنا ہے اُس ولی کا جو تمام موانع کو اٹھاکر اپنے کام مین مصروف رہے نہ غیر اللہ کو خاطر مین لائے اور نہ غیرت ناقدردانی کو کام مین لائے بلکہ آگ کی طرح درجۂ توجہ مین تمام ماسوی اللہ کو جلاڈالے اور کسی پر بھی نظر نہ کرے۔ اگر ناقدردانی کے سبب پشیمانی اُسپر ملامت کرے اور کہے کہ تو نے ان ناقدردون کے سامنے یہ گفتگو کیون کی تو سب سے پہلے اس پشیمانی ہی کو آگ لگائے یہ گفتگو بطور فرض و تقدیر کے ہے ورنہ جب حق سبحانہ کو مطمح نظر بنالیا جاویگا اور پشیمانی اُس قدیم الذات والصفات کے جلال پر نظر کریگی تو وہ عدم سے وجود ہی مین نہ آئیگی۔ کیونکہ حق سبحانہ تو پشیمانی کے دشمن ہین اور ہر چیز اپنے دشمن کو پہچانتی ہے لہٰذا ناممکن ہے کہ کسی کے اپنے کسی فعل مین حق سبحانہ مطمح نظر ہون اور اُس فعل پر پشیمانی ہو یہ توجیہ اُسوقت ہے جبکہ صاحب قِدم کو بکسر قاف پڑہا جاوے لیکن اگر اُسکو بفتح قاف پڑہا جاوے تو معنی یہ ہونگے کہ جب اُس تیز رفتار بزرگ کی مستعدی کو دیکھیگی تو پشیمانی وجود ہی مین نہ آویگی آگے اسکی تائید ہے کہ ہر شے اپنے دشمن کو پہچانتی ہے اور فرماتے ہین اسپ داند بانگ دیو و شیر را الخ

شرح شبیری

شیخ کی زبان سے حکمت کے فیضان کیوقت سننے والے

اور مریدون کے لئے آداب

برملولان این مکرر گفتن است نزد من عمرے مکرر بردن است

یعنی اُکتانے والون پر یہ مکرر کہنا ہے اور میرے نزدیک ایک عمر دوبارہ لیجانا ہے۔ مطلب یہ کہ لوگ ان مضامین کو مکرر سمجھکر اُن سے اُکتاتے ہین اور میرے نزدیک انسے ایسا نشاط ہوتا ہے کہ گویا کہ ایک جدید عمر حاصل ہو گئی اور نئی زندگی ملگئی۔

شمع از برقِ مکرر بر شود خاک از تابِ مکرر زر شود

یعنی شمع دوبارہ روشن کرنے سے بڑہتی ہے اور خاک مکرر تپش سے سونا ہوجاتی ہے مطلب یہ کہ اگر شمع کو بار بار جلاتے رہو اور اُس مین دیا سلائی لگاتے رہو تو اُسکی روشنی زیادہ ہی ہوگی کم تو ہونے سے رہی۔ علے ہذا خاک پر جب بار بار آفتاب کی تپش پڑتی ہے تو دیکہو وہ سونا ہوجاتی ہے تو اسیطرح ان مضامین کی تکریر سے قلب مین نورانیت زیادہ ہوتی ہے اب آگے ایک عام قاعدہ بیان فرماتے ہین کہ۔

گر ہزاران طالب اند و یک ملول از رسالت باز می ماند رسول

یعنی اگر ہزارون طالب ہون اور ایک اُکتانے والا ہو تو رسالت سے رسول باز رہجاتا ہے مطلب یہ کہ اگر مجمع مین ایک اُکتانیوالا ہو اور ہزارون سائل ہون تو اُس اُکتانے والے کا اثر پڑتا ہے اور وہ رسالت سے عاجز ہو جاتا ہے۔

این رسولان ضمیر راز گو مستمع خواہند اسرافیل خو

یعنی یہ دلِ راز گو کے رسول۔ سننے والا اسرافیل کی خصلت کا چاہتے ہین مطلب یہ کہ یہ جو اولیاء اللہ ہین جو کہ دل راز گو کے رسول ہین اور اُسکے رازون کو ظاہر کرتے ہین۔ یہ بھی یون چاہتے ہین کہ ہماری باتون کا سننے والا ایسا مستعد ہو کہ ہمہ تن ہماری ہی طرف متوجہ رہے۔

نخوتے دارند و کبرے چون شہان چاکری خواہند از اہل جہان

یعنی ایک نخوت اور کبر بادشاہون کی طرح رکہتے ہین اور اہل جہان سے ملازمت چاہتے ہیں

تا ادبہا شان بجا گہ نادری　　　　از رسالت شان چگونہ برخوری

یعنی جب تک کہ اُنکے آداب کو تو بجا نہ لاویگا اُنکی رسالت سے کس طرح پہل کہاویگا۔

کے رسانند آن امانت را بتو　　　　تا نباشی پیش شان راکع دوتو

یعنی وہ امانت کو تجھ تک کب پہونچاوینگے جب تک کہ تو اُنکے آگے دوہرا نہ جہکیگا۔ مطلب یہ ہے کہ اہل اللہ جب اپنا فیض پہونچاتے ہین تو اُن کا دل یہ چاہتا ہے کہ کوئی سننے والا ہو کہ بس ہمہ تن گوش ہو جاوے اور اُنکے پاس جو طالب ہو کر جاوے اُسکی آزمایش اور طلب کے دیکہنے کیلئے وہ اول اول ظاہرًا نخوت اور تکبر کرتے ہین اور استغنا سے کام لیتے ہین اور دیکہتے ہین کہ کسکو طلب ہے جو کہ باوجود ہماری اسقدر بیرُخی کے بھی لپٹے بس وہ اس خدمت کے طلبگار ہین۔ جو کہ طلب پر دلالت کرے اور جبتک کہ طلب معلوم نہ ہو گی اُسوقت تک وہ اُس امانت کو جسکو وہ اپنے اندر لئے ہوئے ہین تم تک نہ پہونچاوینگے وہ اپنی خدمت کے طلبگار نہین ہوتے اُن مین تکبر نہین ہوتا ہان اول طلب دیکہتے ہین اور یہی اُنکے آداب مین سے ہے کہ اوّل طلب پیدا کرلو۔ پہر دیکہئے اُنکے آداب وہ نہین ہین جیسے کہ اور لوگون کے آداب ہوتے ہین بلکہ اُنکے آداب مین سے تو یہی ہے کہ اول طلب پیدا ہو جاوے بس پہر کوئی غم نہین ہے آگے اُسیکو بیان فرماتے ہین کہ۔

ہر ادب شان کے ہمی آید پسند　　　　کامدند الشان زایوان بلند

یعنی ہر ادب انکو پسند نہین آتا۔ کیونکہ وہ ایوان بلند سے آئے ہین۔

نے گدایانند کز ہر خدمتے　　　　از تو دارند اے مزور منتے

یعنی وہ فقیر نہین ہین کہ ہر خدمت کی وجہ سے اے طالب وہ تیرا احسان لین۔ مطلب یہ کہ اُنکے لئے ہر ادب کافی نہین کہ بعضے لوگ اُنکے ساتہ تکلف کا برتاؤ کرتے ہین تو انکو یہ ادب پسند نہین آتا بلکہ اُنکو تو وہی ایک خدمت کہ جس سے طلب معلوم ہو جاوے پسند ہے وہ کوئی فقیر تو ہین نہین کہ جو اُسکی عمر بہر کسی نے خدمت نہ کی ہو تو وہ ذراسی خدمت سے بھی تمہارا ممنون ہو اُن کی خدمت تو جب تک اُن کی مرضی کے موافق نہ ہوگے وہ ہرگز خوش نہین ہو سکتے لہذا چاہیے کہ اہل اللہ کی خدمت اُسی طرح کرین جس سے اُنکو راحت ہو اور جو خدمت کہ اُنکو

پسند ہو وے وہ ایسی خدمت سے کیا فائدہ کہ جس سے اُنکو الٹی کوفت ہو غرضکہ اُنکے کلام کا
وقت کا ادب یہی ہے کہ ہمہ تن گوش ہو جاؤ۔ اب یہ قاعدہ تو اس امر کو مقتضی تھا کہ مولانا
آگے کچھ نہ بیان کریں کیونکہ لوگ اُکتانے لگے ہیں مگر مولانا اپنے نفس کو خطاب کر کے فرماتی
ہیں کہ۔

لیک با بے رغبتیہائے ضمیر   صدقہ سلطان بیفشان وا مگیر

یعنی لیکن با وجود قلوب کی بے رغبتی کے صدقہ سلطان نثار کرو اور سمیٹو مت مطلب یہ کہ
با وجود بے رغبتی کے بھی علوم ربانی کے بیان کو بند مت کرو اور بیان کرو۔

اسپ خود را ان اے رسول آسمان   در ملولان منگر و اندر جہان

یعنی اے رسول آسمانی اپنا گھوڑا چلاؤ۔ اُکتانے والوں میں اور جہاں میں مت دیکھو۔ کیونکہ

فرخ آن ترکے کہ استیزہ نہد   اسپش اندر خندق آتش جہد

یعنی مبارک ہے وہ سوار جو کہ لڑائی رکھے (باوجودیکہ) اُس کا گھوڑا آگ کی خندق میں کودے

گرم گرداند فرس را آنچنان   کہ کند آہنگ اوج آسمان

یعنی گھوڑے کو ایسا گرم کرے کہ وہ ملبندی آسمان کا قصد کرے۔ مطلب یہ کہ اے رسول
غیبی تم اپنے فیوض کو روکو مت اور باوجود لوگوں کی بے رغبتی کے بیان کرتے رہو کیونکہ اصل سوار
تو وہی ہے کہ باوجودیکہ گھوڑا خندق آتش میں جا رہا ہے لیکن وہ سپر جما رہے تو بس تم بھی اُن
لوگوں کی بے رغبتی اور ملال کو مت خیال کرو۔ بلکہ تم بیان کرتے رہو کیونکہ یہ تو صدقہ سلطانی
ہے پھر کیوں کسی سے دریغ رکھتے ہو تم تو سبکو دو اب جسکا دل چاہے لے اور جو محروم رہے
اُسکو رہنے دو اُسکی وجہ سے اور حقداروں کو کیوں محروم کیا جاوے تمہاری تو یہ حالت
ہونی چاہئے کہ۔

چشمہا از غیر و غیرت دوختہ   ہمچو آتش خشک و تر را سوختہ

یعنی غیر اور غیرت سے آنکھ کہ سی کر آگ کی طرح خشک و تر سبکو آگ لگائے ہوئے۔

گر پشیمانی برد عیبے کند   آتش اول در پشیمانی زند

یعنی اگر پشیمانی لیجاوے تو ایک عیب کرتا ہے۔ اول تو پشیمانی ہی میں آگ لگا دے۔

خود پشیمانی نروید از عدم — چون بہ بیند گرمی صاحب قدم

یعنی خود پشیمانی عدم سے پیدا نہین ہوتی ہے جبکہ وہ صاحب قدم کی گرمی کو دیکھ لیتی ہے۔ مطلب یہ کہ رسول حق کی تو یہ حالت ہونی چاہئے کہ وہ غیر حق سے اور غیرت سے سب سے آنکھ کو بند کرکے بس خدا کیواسطے سارے کام کرے اور یہ نہ سوچے کہ کسیکو نفع ہوا ہے یا نہین کہ اسی سے تو پشیمانی ہوگی کہ افسوس ہمنے فضول ہی محنت کی۔ بس یہ سمجھے کہ یہ کام خدا کے لئے کرتے ہین اور خدا ثواب دیگا۔ تو پھر خواہ کوئی سنے یا نہ سنے ثواب ملے ہی گا۔ پھر پشیمانی کیسی یعنی جب کوئی سرگرمی سے کام مین لگا ہوا ہو تو پھر اُسکے پاس پشیمانی بھی نہیں آتی بلکہ پشیمانی بھی اُن ہی کے پاس آتی ہے جو کہ ڈھل مُل یقین ہوتے ہین خوب سمجھ لو۔ بس کام مین لگے رہو اور خوب علوم ومعارف کو بیان کرو کسیکے سننے نہ سننے کی پرواہ مت کرو کہ تمہارا کام پہونچا دینا ہے اور خدا اُس کام کو اجر دیگا۔ وہ ہر وقت مین تمکو ملیگا خواہ کوئی سُنے یا نہ سُنے۔ خوب سمجھ لو۔ اب یہان کسیکو شبہ ہوا کہ بھلا پشیمانی کو کیا خبر کہ یہ سرگرمی سے کام مین لگا ہوا ہے اور یہ لاپرواہی سے جو وہ ان دونون مین فرق کریگی۔ اور سرگرمی والے کے پاس نہ آویگی اور دوسرے کے پاس آویگی آگے اسی کا جواب ہے۔

خلاصہ جواب کا یہ ہے کہ دیکھو حیوانات باوجود غیر ذوی العقول ہونیکے اپنے دشمنون کو پہچانتے ہین اور دشمن دوست مین فرق کرتے ہین تو اسیطرح پشیمانی بھی جانتی ہے اور سرگرم رہرو کو اور غیر کو خوب جانتی ہے۔ خوب یاد رکھو۔ اب آگے اسیکو بیان فرماتے ہین۔

قد تم الربع الثالث من الدفتر الثالث من المثنوی المعنوی ولله الحمد

عارف باللہ حضرت مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ کی نادر روزگار،
اور معرکہ آرا کتاب "مثنوی معنوی" کی جامع اور لاجواب شرح

کلیدِ مثنوی

حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہٗ

11

یہ وہ مقبول خاص و عام کتاب ہے کہ خواندہ ناخواندہ سب ہی اس سے دلچسپی لیتے ہیں مگر مضامین عالیہ ہونے کی وجہ سے مطالب سمجھنے میں بڑی دقت پیش آتی ہے اور بعض اوقات نوبت الحاد و زندقہ تک پہنچ جاتی ہے، حضرت حکیم الامت نے اشعارِ مثنوی کو واضح کر کے اور مسائل تصوف کو عام فہم بنا کر نہایت خوبی سے سمجھا دیا ہے حقیقت یہ ہے کہ اِس سے معتبر اور شریعت و طریقت کا پاس و ادب رکھ کر مضامین کو حل کرنے والی کوئی اور شرح نہیں لکھی گئی

اِدارہ تالیفاتِ اشرفیہ
بیرون بوہڑ گیٹ
ملتان

کلیدِ مثنوی

عارف باللہ حضرت مولانا جلال الدین رُومی رحمۃ اللہ علیہ کی نادر روزگار،
اور معرکہ آراء کتاب "مثنوی معنوی" کی جامع اور لاجواب اُردو شرح

کلیدِ مثنوی

از:

حکیم الامۃ مجدد الملۃ حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہ

جلد ۱۱

یہ وہ مقبول خاص و عام کتاب ہے کہ خواندہ، ناخواندہ سب ہی اس سے دلچسپی لیتے ہیں۔ مگر مضامین عالیہ ہونے کی وجہ سے مطالب سمجھنے میں بڑی دقت پیش آتی ہے اور بعض اوقات نوبت الحاد و زندقہ تک پہنچ جاتی ہے۔ حضرت حکیم الامت نے اشعارِ مثنوی کو واضح کر کے اور مسائل تصوف کو عام فہم بنا کر نہایت خوبی سے سمجھا دیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس سے معتبر اور شریعت و طریقت کا پاس ادب رکھ کر مضامین کو حل کرنیوالی اور کوئی شرح نہیں لکھی گئی

ادارہ تالیفاتِ اشرفیہ
بیرون بوہڑ گیٹ • مُلتان

بقیہ ربع ثانی دفتر ثالث

شرح شبیری

حس اسیر عقل باشد اے فلان　　عقل اسیر روح باشد ہم بدان

یعنی اے شخص حس تو اسیر عقل کی ہوتی ہے اور عقل اسیر روح کی ہوتی ہے۔ اسکو بھی جان لو مطلب یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے حواس کو عقل کے تابع اور اوسکے محکوم اسلئے بنایا تھا تاکہ وہ ان حواس کو قید اور مغلوب رکھے اور عقل کو روح کا تابع اور محکوم اسلئے بنایا تھا تاکہ وہ اسکو رہا کرکے اور مطلق چھوڑکر اوس سے کام لے اسلئے کہ اسیر تو اپنے قبضہ میں ہوتا ہے خواہ اوسکو قید رکھو یا رہا کردو تو حواس اِس قابل تھے کہ اونکو قید رکھا جاوے اور عقل اس قابل تھی کہ اوسکو رہا کرکے اوس سے کام لیا جاوے۔ مگر دنیا میں پہنسکر نہ تو عقل نے اپنا کام کیا کہ حواس کو قید کرکے رکھتی۔ اور نہ روح نے اپنا کام کیا کہ عقل کو رہا کرکے اوس سے کام لیتی۔ بلکہ عقل نے تو حواس کو مطلق چھوڑ دیا۔ اور اونہوں نے خوب شرارت شروع کردی۔ اور روح نے عقل سے کام نہ لیا لہذا وہ امور غیبیہ جن کا انکشاف اوسوقت ہوتا جبکہ ہر ایک اپنے کام میں لگتا۔ اب نہ ہوئی لیکن اب جبکہ حواس کو مغلوب کردیا جیساکہ "برگ حس را از درخت الخ" سے معلوم ہوتا ہے تو جب حواس مغلوب ہوگئے تو اب روح نے اپنا کام کیا وہ یہ کہ

دست بستہ عقل را جان باز کرد　　کارہائے بستہ را ہم ساز کرد

یعنی روح نے عقل کے بندہے ہوئے ہاتھوں کو کہول دیا اور کارہائے بستہ کا بھی سامان کردیا مطلب یہ کہ عقل کے ہاتھ جو ہوا و ہوس میں بندہے ہوئے تھے جب روح نے اپنا کام کیا تو اونکو کھول دیا اور عقل کو رہا کردیا۔ اور جو امور کہ پہلے غائب تھے اب اُنکو ظاہر کردیا۔

حسہا و اندیشہ بر آب صفا   ہمچو خس بگرفتہ روئے آب را

یعنی حواس اور اندیشوں نے آب صفا پر خس کیطرح روئے آب کو چھپا رکہا تہا۔ حواس سے مراد حواس ظاہری اور اندیشہ سے مراد حواس باطنہ آب صفا سے مراد عقل نیز روئے آب سے مراد بھی عقل۔ مطلب یہ کہ قبل اسکے کہ روح اپنا کام کرے حواس اور اندیشوں نے عقل کو مغلوب کر رکھا تہا اور جسطرح کہ سطح آب پر خس و خاشاک آکر اوسکو چھپا دیتے ہیں اسیطرح حواس نے عقل کو مغلوب اور اُس کے کام کو پوشیدہ کر رکہا تہا اور امور غیبیہ ظاہر نہوتے تہے۔ مگر جبکہ روح نے اپنا کام کیا کہ عقل کو رہا کر کے اوس سے کام لیا تو عقل نے یہ کیا کہ

دست عقل آن خس بیکسو مے برد   آب پیدا مے شود پیش خرد

یعنی عقل کا ہاتھ اوس خس کو ایک طرف لیجاتا ہے اور پانی عقل کے سامنے ظاہر ہو جاتا ہے۔ یہاں آب سے مراد امور غیبیہ ہیں مطلب یہ ہو گیا کہ جب روح نے عقل کو رہا کیا تو اوس نے اپنا کام کیا کہ جو اسکو مغلوب کیا جب حواس مغلوب ہو گئے تو وہ امور غیبیہ جو اب تک اس عقل سے پوشیدہ تہے اب ظاہر ہو گئے۔

خس بس انبہ بود بر جو چون حباب   خس چو یکسو رفت پیدا گشت آب

یعنی حباب کی طرح ندی پر خس بے انتہا تہے۔ تو جب خس ایک طرف ہوئے پانی ظاہر ہو گیا۔ جو سے مراد عقل اور آب سے مراد امور غیبیہ مطلب یہ ہوا کہ روح کے کام کرنے سے پہلے عقل میں حواس کے خس و خاشاک بہرے ہوئے تہے۔ لیکن جب عقل نے رہا ہو کر ان خس و خاشاک کو الگ کیا تو وہ امور غیبیہ ظاہر ہو گئے اور اِس عقل نے اونکا ادراک کر لیا

چونکہ دست عقل نکشاید خدا   خس فزاید از ہوا بر آب ما

یعنی جبکہ دست عقل کو خدا نہ کہولے تو خس ہمارے پانی پر ہوا کی وجہہ سے بڑہ جاویں خدا کے

دست عقل کھولنے سے مراد روح کا کھولنا ہی ہے۔ اِس لئے کہ بے اسکے کہ خدا کا حکم ہو روح کب کام کرسکتی ہے تو مطلب یہ ہوا کہ اگر روح دست عقل کو نہ کھولتی تو ہم پردہ امور ظاہر ہو ہی نہ سکتے تھے مگر اب عقل نے رہا ہو کر خس و خاشاک کو ایک طرف کرکے اُن امور کو ہمارے سامنے ظاہر کردیا۔

آب را ہر دم کند پوشیدہ او　　آں ہوا خنداں و گریاں عقل تو

یعنی آب کو وہ ہر دم پوشیدہ کر رہی ہے تو وہ ہوا ہنستی ہے اور تمہاری عقل رو رہی ہے۔ آب سے مراد امور غیبیہ اور ہوا سے مراد ہوا و ہوس مطلب یہ کہ وہ ہوا و ہوس کی ہوس خس و خاشاک کو لاکر اُن امور غیبیہ پر جمع کردیتی ہے اور اُسکو چھپا دیتی ہے تو اُس وقت وہ تو خوش ہوتی ہے کہ اُس نے اپنا کام کرلیا۔ مگر عقل جب اپنا کام نہیں کرسکتی تو روتی ہے۔

چونکہ تقوے بست دو دست ہوا　　حق کشاید ہر دو دستِ عقل را

یعنی جبکہ تقوی ہوا کے دونوں ہاتھ باندھ دیتا ہے تو حق تعالیٰ عقل کے ہاتھ دونوں کھول دیتا ہے۔ مطلب یہ کہ جب تقوے نے آکر ہوا و ہوس کو مغلوب کردیا تو اب وہ عقل اپنا کام کرتی ہے تو یہ ہوتا ہے کہ

پس حواس چیرہ محکوم تو شد　　چوں خرد سالار و مخدوم تو شد

یعنی پھر حواس (جو کہ پہلے) غالب (تھے وہ) تمہارے محکوم ہوجاتے ہیں جبکہ عقل تمہاری پیشرو اور مخدوم ہوتی ہے۔ مطلب یہ کہ جب عقل نے اپنا کام کیا اور وہ مخدوم اور پیشرو ہوئی تو اب جو حواس کہ پہلے غالب ہورہے تھے اب مغلوب اور محکوم ہوگئے اور عقل کے تابع ہوگئے اب عقل یہ کرتی ہے کہ۔

حس را بیخواب خواب اندر کند   تاکہ غیبتہا ز جاں سر بر زند

یعنی حس کو بیخواب کے خواب میں کر دیتی ہے یہاں تک غیوب جان سے سر نکالتے ہیں مطلب یہ کہ حواس تو اُس وقت ہی معطل ہوتے ہیں جبکہ انسان سو جاوے مگر یہ عقل اُن پر غالب ہو کر بے اُن کے سوتے ہوئے اُن کو معطل کر دیتی ہے بس جب وہ معطل ہو گئے تو اب روح پر غیوب فائض ہوتے ہیں۔ اور وہ اُن امور غیبیہ کا مشاہدہ کر لیتی ہے۔ اور اُس وقت یہ ہوتا ہے کہ

ہم بہ بیداری بہ بیند خوابہا   ہم ز گردوں بر کشاید بابہا

یعنی بیداری ہی میں وہ بہت سے خواب دیکھتی ہے اور آسمان سے بہت سے ابواب کھول لیتی ہے۔ مطلب یہ کہ وہ بیداری ہی میں اُن حواس کو معطل کر کے اُن مغیبات کو دیکھ لیتی ہے اور آسمان سے ابواب کھل جاتے ہیں اور اُدہر سے اُس پر فیض ہونے لگتا ہے۔ تو بس اس ترکیب سے وہ صاحبزادوں کی زیارت فرماتے تھے۔ چونکہ بیان کیا ہے کہ ان حواس ظاہری کے باطل ہونیکے بعد امور غیبیہ کا ادراک ہوتا ہے۔ آگے ایک حکایت لاتے ہیں کہ ایک شیخ اندھا تھا مگر جب قرآن شریف پڑھتا تھا تو بینا ہو جاتا تھا تو دیکھو ان حواس کے زائل ہونیکے بعد دیکھ سکتا تھا اسی طرح ان حواس کے تعطل کے بعد انسان اون امور غیبیہ کا مشاہدہ کر سکتا ہے۔ اب حکایت سنو۔

شرح حبیبی

دید در ایام آں شیخ فقیر   مصحفے در خانۂ پیرِ ضریر

پیش او مہمان شد او وقت تموز — ہر دو زاہد جمع گشتہ چند روز

گفت اینجا اے عجب مصحف چراست — چونکہ نابیناست این درویش راست

اندرین اندیشہ تشویشش فزود — کہ جز او را نیست اینجا باش و بود

اوست تنہا مصحفے آویختہ — من نیم گستاخ یا آمیختہ

تا بپرسم نے خمش صبرے کنم — تا بصبرے بر مرادے بر زنم

صبر کرد و بود چندے در حرج — کشف شد کالصبر مفتاح الفرج

صبر گنج ست اے برادر صبر کن — تا شفا یابے تو زین رنج کہن

صبر سوئے کشف بر سر رہبرست — صبر تلخ آمد بر او شکرست

رفت لقمان سوئے داؤد از صفا — دید کو میکرد ز آہن حلقہا

جملہ را باہمدگر درمے فگند — ز آہن و پولاد آن شاہ بلند

صنعت زرّاد او کم دیدہ بود — در عجب مے ماند و وسواسش فزود

کاین چه شاید بود وا پرسم ازو / که چه می سازی ز حلقه تو بتو

باز با خود گفت صبر اولی ترست / صبر با مقصود زوتر رهبرست

چون نپرسی زودتر کشفت شود / مرغ صبر از جمله پران تر شود

ور بپرسی دیرتر حاصل شود / سهل از بی صبریت مشکل شود

چونکه لقمان تن بزد اندر زمان / شد تمام از صنعت داؤد آن

پس زره سازید و در پوشید او / پیش لقمان حکیم صبر خو

گفت این نیکو لباس است ای فتی / در مصاف و جنگ دفع زخم را

گفت لقمان صبر نیکو همدمیست / کو پناه و دافع هر جا غمیست

صبر را با حق قرین کرد ای فلان / آخر والعصر را آگه بخوان

صد هزاران کیمیا حق آفرید / کیمیائے ہمچو صبر آدم ندید

مرد مهمان صبر کرد و ناگهان / کشف گشتش حال مشکل در زمان

نیم شب آواز قرآن را شنید — جست از خواب آن عجائب را بدید

که ز مصحف کور میخواند درست — گشت بیصبر و ز کور آن حال جُست

گفت چون در چشمهایت نیست نور — چون ہمی بینی ہمی خوانی سطور

انچه میخوانی بر آن افتادهٔ — دست را بر حرف آن بنهادهٔ

اصبعت در سیر پیدا مے کند — که نظر بر حرف داری مستند

گفت اے گشته ز جهل تن جُدا — این عجب میداری از صنع خُدا

می ز حق درخواستم کای مستعان — بر قرأت من حریصم ہمچو جان

نیستم حافظ مرا نورے بده — در دو دیده وقت خواندن بے گره

باز ده دو دیده ام را آن زمان — که بگیرم مصحف و خوانم عیان

آمد از حضرت ندا کاے مرد کار — اے بهر رنجے بما امیدوار

حُسن ظن ست و امیدے خوش تُرا — که ترا گویم بهر دم برتر آ

هر زمان کہ قصد خواندن باشدت — باز مصحفہا قرائت بایدت

من در آنم وا دہم چشم ترا — تا فرو خوانی معظم جوہرا

ہمچنان کرد و ہر آنگاہی کہ من — وا کشایم مصحف اندر خواندن

آن خبیرے کہ نشد غافل ز کار — آن گرامی بادشاہ کردگار

باز بخشد بینشم آن شاہ فرد — در زمان ہمچون چراغ شب نورد

زین سبب نبود ولے را اعتراض — ہر چہ بستاند فرستد اعتیاض

گر بسوزد باغت انگورے دہد — در میان ماتمے سورے دہد

آن شل بے دست را دستے دہد — کان غمہا را دل مستے دہد

لا نسلم و اعتراض از ما برفت — چون عوض می آید از مفقود رفت

چونکہ بے آتش مرا گرمی رسد — راضیم گر آتش ما را کشد

چونکہ بے چشمت بہ بخشد دیدنے — این چنان کوریست چشم روشنی

بے چراغے چون بُود او روشنے   گر چراغت شد چہ افغان میکنی

ایک وقت ایک بزرگ نے ایک نابینا بڑے میاں کے ہاں ایک قرآن دیکھا۔ یہ بزرگ اُن کے ہاں گرمی کے زمانہ میں مہمان ہوئے تھے۔ خیر کچھ عرصہ تک دونوں بزرگ یکجا رہے ایک روز اونکو خیال ہوا کہ بڑے تعجب کی بات ہے کہ یہاں یہ قرآن کیوں ہے اِس لئے کہ یہ فقیر تحقیقاً نابینا ہیں اس لئے یہ نہیں پڑھ سکتے۔ وہ یوں تسکین حاصل کر سکتے تھے کہ شاید کوئی اور رہتا ہو اور وہ پڑھتا ہو لیکن جب یہ خیال ہوا کہ یہاں صرف وہی ہیں اور اُن کے سوا اور کوئی رہتا بھی نہیں اور قرآن لٹکا ہوا ہے تو اون کی تشویش اور بھی بڑھی پھر سوچا کہ میں گستاخ یا بے تکلف بھی نہیں کہ پوچھ ہی لوں۔ اب مجھے کیا کرنا چاہئے اسکے بعد سوچا کہ نہیں کچھ نہ کرنا چاہئے۔ بلکہ خاموش رہنا اور صبر کرنا چاہئے۔ تاکہ صبر کی بدولت مجھے مقصود تک رسائی حاصل ہو۔ آخر کار اونہوں نے صبر کیا۔ چندروز تو اون کو پریشانی رہی مگر آخر کو وہ راز اون پر منکشف ہوگیا۔ کیونکہ صبر فراخی کا ذریعہ ہے۔ اس لئے اوس کی بدولت اون کو فراخی حاصل ہونا ضرور تھا۔ قبل اس کے کہ ہم تفصیل انکشاف بیان کریں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ صبر کے متعلق نصیحت کریں سنو تمکو صبر کرنا چاہئے کیونکہ صبر ایک عظیم الشان دولت ہے اسکے باعث تمکو اس تکلیف سے نجات اور اُس پرانی بیماری سے شفا حاصل ہوگی جس میں تم مبتلا ہو۔ نیز یاد رکھو کہ صبر کو ہر راز کے انکشاف میں بہت بڑا دخل ہے۔ مگر بشرطیکہ کوئی اوس سے بڑی مصلحت مزاحم نہو اور صبر گو فی نفسہ ناگوار ہے مگر اس کا نتیجہ نہایت خوشگوار ہے۔ اب ہم ایک واقعہ بیان کرتے ہیں جس سے اسکی تصدیق ہو کہ صبر کو کشف راز میں دخل تام ہے۔ اور وہ کشف راز میں بالخاصیت مؤثر ہے۔ حضرت لقمان خلوص کے ساتھ حضرت داؤد علیہ السلام کی خدمت میں تشریف لے گئے اور دیکھا کہ وہ لوہے کے حلقے بنا رہے ہیں۔ اور ان لوہے اور فولاد کے حلقوں کو ایک دوسرے میں ڈال رہے ہیں تو چونکہ اونہوں نے زرہ سازی کا کام کبھی دیکھا نہ تھا اسلئے وہ بہت متعجب ہوئے۔ اور اون کے دل میں مختلف خیالات

پیچ و تاب کہانے لگے۔ اونہوں نے خیال کیا کہ یہ کیا ہوگا مجھے پوچھنا چاہئے کہ آپ حلقوں کو اوپر تلے رکہہ کر کیا بنا رہے ہیں پھر اپنے دل میں کہا کہ پوچھنا مناسب نہیں۔ صبر ہی بہتر ہے۔ کیونکہ صبر بہت جلد مقصود تک پہونچا دیتا ہے۔ جبکہ تم نہ پوچھوگے تو یہ راز بہت جلد منکشف ہو جائیگا۔ کیونکہ پرندۂ صبر تمام پرندوں سے تیز اڑنے والا ہے اور مقصود تک سب سے پہلے پہونچنے والا ہے اور اگر پوچھوگے تو مقصود دیر میں حاصل ہوگا۔ کیونکہ بے صبری سے آسان کام بہی مشکل ہو جاتا ہے خیر تو جبکہ حضرت لقمان اوسوقت خاموش رہے تو حضرت داؤد علیہ السلام نے اوسکو مکمل کر لیا۔ پس اونہوں نے زرہ بنا کر اوسکو حضرت لقمان صابر کے سامنے پہنا اور فرمایا کہ یہ لڑائی اور مقابلہ کے وقت زخم کو دفع کرنے کے لئے بہتر لباس ہے جبکہ حضرت لقمان کو صبر کا پہل مل گیا تو اونہوں نے فرمایا کہ واقعی صبر اچھا رفیق ہے کہ وہ ہر جگہ غم سے پناہ دینے والا اور اوسکو دفع کرنے والا ہے تمکو صبر کی عظمت اور مہتم بالشان ہونا اس سے معلوم ہو سکتا ہے کہ حق سبحانہ نے صبر کو حق کے ساتہ مقارن کیا ہے۔ سورۂ والعصر کو غور سے پڑہ کر دیکہو اوس میں ہے وتواصوا بالحق وتواصوا بالصبر۔

(تنبیہ) مولانا کے انداز بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ اُنہوں نے حق سے مراد حق سبحانہ سمجہا ہے۔ اوسوقت معنی یہ ہوں گے کہ تم کو حق سبحانہ کا لحاظ رکہنا چاہئے کہ کوئی بات اوسکی مرضی کے خلاف نہو۔ اور صبر کا بہی لحاظ رکہنا چاہئے کہ وہ چھوٹنے نہ پاوے۔ تو جس طرح حق سبحانہ نے اپنے خیال رکہنے کی بابت امر فرمایا یوں ہی صبر کے لحاظ رکہنے کی بہی ہدایت کی ہے۔ اِس سے اوس کا مہتم بالشان ہونا ظاہر ہے۔ اور مفسرین نے حق سے ایمان یا مطلق امر شرعی مراد لیا ہے۔ پس اگر ایمان مراد ہو تو حاصل یہ ہوگا کہ جس طرح ایمان کے لحاظ رکہنے کا امر فرمایا یوں ہی صبر کا خیال رکہنے کی بہی ہدایت کی اِس سے بہی اوسکی عظمت ظاہر ہے۔ اور اگر مراد مطلق امر شرعی ہو تو مطلب یہ ہوگا کہ گو اولاً حق سبحانہ مطلق امر شرعی کا خیال رکہنے کی ہدایت فرما چکے تہے اور اوس میں صبر بہی آگیا تہا مگر اسپر اکتفا نہیں کیا بلکہ استقلالاً اوس کے ساتہ اوسکو بیان کیا۔

اس سے بھی اوسکی عظمت ظاہر ہے واللہ اعلم) خلاصہ کلام یہ کہ حق سبحانہ نے سیکڑوں
اعلیٰ اعلیٰ درجہ کی چیزیں اور قلب ماہیت کر دینے والی اشیاء بنائیں۔ لیکن انسان کو تو
صبر سے بڑھکر کوئی کیمیا ملی نہیں اس سے تم سمجھ سکتے ہو کہ صبر کتنی بڑی دولت ہے
جب یہ مضمون ختم ہوا تو ہم پھر اصل قصہ کی طرف لوٹتے ہیں اور کشف راز کی تفصیل بیان
کرتے ہیں سنو۔ اوس مہمان نے صبر کیا تو فوراً اوسپر وہ حال مشکل منکشف ہو گیا
صورت اسکی یہ ہوئی کہ اوس نے آدہی رات کے وقت قرآن کی آواز سنی اوسکو
سنکر وہ اوٹھہ بیٹھا۔ اور اوسنے یہ عجیب بات دیکھی کہ وہ نابینا دیکھہ کر قرآن پڑھ رہا ہے
اور بالکل ٹھیک ٹھیک پڑھ رہا ہے یہ دیکھہ کر وہ بیتاب ہو گیا اور اس نابینا
بزرگ سے دریافت کیا کہ حضرت یہ کیا راز ہے جبکہ آپکی آنکھوں میں روشنی
نہیں ہے تو آپ دیکھتے کیونکر ہیں۔ اور سطریں کیونکر پڑھتے ہیں۔ میں دیکھتا ہوں
کہ جو آپ پڑھتے ہیں اوسی پر آپکی توجہ بھی ہے اور اوسی لفظ پر ہاتھہ رکھا ہے آپکی انگلی کی
حرکت بتلا رہی ہے کہ آپ بلاشبہ حروف کو دیکھتے ہیں۔ اونہوں نے جواب دیا کہ تم
تو عارف اور جہل جسم سے الگ ہو تمکو حق سبحانہ کی اس صنعت میں تعجب کیوں ہے
بات یہ ہے کہ میں نے حق سبحانہ سے درخواست کی تہی کہ اے اللہ مجھے قرآن پڑھنے کا
نہایت شوق ہے اور وہ مجھے جان کی طرح عزیز ہے میں حافظ تو ہوں نہیں کہ حفظ
پڑھ لیا کروں۔ تو مجھے پڑھنے کے وقت روشنی عطا فرما دیا کر کہ مجھے پڑھنے میں وقت ہو
اور جبکہ میں تلاوت کرنا چاہوں تو مجھے آنکھیں دیدیا کرتا کہ میں قرآن لیکر اور دیکھکر
پڑھ سکوں تو حضرت حق سبحانہ کی طرف سے جواب ملا کہ تم بڑے کام کے آدمی ہو اور
ہر مشکل کے حل کے ہمیں سے امیدوار رہتے ہو یہ تمہارا حسن ظن اور عمدہ امید ہی ہے
جسکی بنا پر میں تمکو ہر لحظہ مزید قرب سے مشرف کرتا ہوں۔ اچھا جب تم قرآن
پڑھنا چاہو یا یوں کہو کہ دیکھکر تلاوت کرنا چاہو (معطوف و معطوف علیہ میں
فرق عنوان تعبیری کا ہے ورنہ مقصود ایک ہے اور دلی محمد کا اول کو تلاوت
پر اور دوسرے کو اختلاف قرأت قرار جاننے پر محمول کرنا مجھے تکلف معلوم

ہوتا ہے واللہ علم تمہیں وعدہ کرتا ہوں کہ تمکو آنکھیں پیدا کروں گا تاکہ اے عظیم الذات تو قرآن پڑھ سکے۔ چنانچہ اوس نے ایسا ہی کیا۔ کہ جب میں پڑھنے کے لئے قرآن کھولتا ہوں تو وہ دانائے راز جو کبھی کسی کام سے غافل نہیں ہوتا اور وہ معظم شہنشاہ اور صانع عالم اور شہنشاہ لاشریک مجھے روشن آنکھیں عطا فرماتا ہے جو تاریکی عمی کو یوں لپیٹ کر رکھدیتی ہیں جیسے چراغ تاریکی شب کو۔ یہ قصہ تو ہو چکا اب سنو کہ ولی جو حق سبحانہ کے فعل پر کوئی اعتراض نہیں ہوتا بلکہ وہ اوسکو بلا چون وچرا تسلیم کرلیتا ہے اوسکی وجہ ایک یہ بھی ہے کہ وہ جانتا ہے کہ حق سبحانہ جو چیز لیتے ہیں اوس کا معاوضہ دیتے ہیں چنانچہ اگر وہ تمہارا باغ جلا دیتا ہے تو اوس کے عوض تم کو انگور دیتا ہے اور عین غم میں تمکو خوشی عطا کرتا ہے اور لنجے کو ہاتھ عنایت کرتا ہے اور غم سے لبریز لوگوں کو دل مست عطا کرتا ہے۔ پس جبکہ ہم نے یہ دیکھا کہ ہمارے مطلوب سے بھی بڑا عوض ہمکو ملجاتا ہے تو ہم نے چون وچرا اور اعتراض چھوڑ دیا کیونکہ ایسی حالت میں نکتہ چینی محض فضول ہے۔ مثلاً اگر ہم کو بدون آگ کے گرمی ملجاوے تو ہم کو آگ کے بجھہ جانیکا کیا غم اگر وہ ہماری آگ کو بجھاوے تو ہم رضامند ہیں اور جبکہ وہ تمکو بلا آنکھہ کے بینش عطا فرماویں تو تم کو کیا غم یہ اندھا پن تو خود ایک چشم روشن ہے پھر رنج کی کونسی وجہہ ہے علی ہذا اگر چراغ کے بدون وہ تم کو روشنی دیں تو اگر ایسی صورت میں تمہارے چراغ کو گل کردیں تو تمہارے آہ وزاری کرنیکی کونسی وجہہ ہے

شرح شبیری

ایک اندھے شیخ کا قصہ کہ وہ قرآن شریف کو

دیکھکر پڑھتے تھے اور قرآن پڑھنے کے وقت وہ اللہ کے حکم سے بینا ہو جایا کرتے تھے

دید در بغداد یک شیخ فقیر　　مصحفے در خانۂ پیر ضریر

یعنی ایک درویش بزرگ نے بغداد میں ایک اندہے بوڑہے کے یہاں قرآن شریف دیکھا

گشت ضیفش در تموز پر ز سوز　　ہر دو زاہد جمع گشتہ چند روز

یعنی یہ درویش اوس کے مہمان تموز گرم میں ہو گئے تہے تو دونوں زاہد چند روز تک جمع رہے یعنی یہ شیخ اون اندہے کے یہاں گرمی کے دنوں میں مہمان ہوئے تہے تب اونہوں نے اون کے یہاں قرآن شریف رکہا ہوا دیکھا

گفت اینجا اے عجب مصحف چراست　　چونکہ نابیناست این درویش راست

یعنی اوس درویش نے کہا کہ تعجب ہے کہ یہ قرآن شریف یہاں کیوں ہے جبکہ یقیناً یہ درویش نابینا ہے (دیکھئے اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلے قرآن شریف کو فضول کوئی نہ رکہتا تہا۔ جب تو ان شیخ کو تعجب ہوا کہ یہ تو ہے اندھا پہر قرآن فضل کیا رکہا ہے ورنہ اِس زمانہ میں تو چاہے عمر بہر کہول کر بہی نہ دیکھے مگر گہر میں رکہے ہونے سے کوئی تعجب نہیں ہوتا اسلئے کہ پڑہنے کی عادت ہی نہیں رہی افسوس صد افسوس)

اندرین اندیشہ تشویشش فزود　　کہ جز او را نیست اینجا باش و بود

یعنی اِس فکر میں اونکو تشویش بڑھ گئی۔ کہ اسجگہ اور کسیکی تو بود و باش ہی نہیں ہے (کہ یہ کہا جاوے کہ وہ دوسرا آدمی پڑھتا ہوگا پہر کیوں رکہا ہے)

اوست تنہا مصحف آویختہ　　من نیم گستاخ یا آمیختہ

یعنی یہ تو تنہا ہی ہے اور مصحف لٹکا ہوا ہے اور میں بے تکلف یا ملا جلا نہیں ہوں۔

تا بپرسم خمش صبرے کنم　　تا بصبرے بر مرادے بر زنم

یعنی تاکہ پوچھ ہی لوں اور نہ خاموش ہی رہ سکتا ہوں۔(اب خود فیصلہ کرتے ہیں کہ) میں صبر کرتا ہوں تاکہ صبر کی وجہ سے مراد پر پہونچ جاؤں۔

صبر کرد و بود چندے در حرج　　کشف شد کالصبر مفتاح الفرج

یعنی اونہوں نے صبر کیا اور چندے تنگی میں رہے تو (اونپر وہ راز جیساکہ آگے معلوم ہوگا) کھل گیا اسلئے کہ صبر کشادگی کی کنجی ہے۔ آگے مولانا فرماتے ہیں کہ۔

صبر گنج است اے برادر صبر کن　　تا شفا یابی تو زیں رنج کہن

یعنی اے بہائی صبر ایک خزانہ ہے تو تم صبر کیا کرو تاکہ اس رنج کہنہ سے تم شفا پاؤ یعنی جسقدر افکار وغیرہ تمکو ہوں گے صبر سے سب حل ہوجائیں گے انشاء اللہ۔

صبر سوئے کشف ہر سر رہبر ست　　صبر تلخ آمد بر او شکر ست

یعنی صبر ہر بہید کے کشف کی طرف رہبر ہے اور صبر خود تلخ ہے مگر اوس کا پہل شیریں ہے اس صبر پر آگے حضرت لقمان علیہ السلام کی حکایت لاتے ہیں کہ اونہوں نے بہی صبر کیا تھا تو انپر بہی وہ بہید جس کے وہ طالب تھے ظاہر ہوگیا۔

لقمان علیہ السلام کا جسوقت کہ انہوں نے دیکھا کہ داؤد علیہ السلام

لوہے کی کڑیاں بنا رہے ہیں پوچھنے سے صبر کرنا اس سبب سے کہ صبر موجب راحت و فرح ہے

رفت لقمان سوئے داؤد از صفا دید کو مے کرد ز آہن حلقہا

یعنی لقمان علیہ السلام داؤد علیہ السلام کے پاس صفا حاصل کرنے کے لئے گئے تو دیکھا کہ وہ لوہے کی کڑیاں بنا رہے ہیں۔

جملہ را با ہمد گر در مے فگند ز آہن و پولاد آن شاہ بلند

یعنی سب کو ایک دوسرے میں لوہے اور فولاد سے وہ شاہ بلند ڈال رہے تھے

صنعت زراد او کم دیدہ بود در عجب مے ماند و وسواسش فزود

یعنی زرہ بنانے والے کی صنعت کو لقمان علیہ السلام نے دیکھا نہ تھا تو وہ تعجب میں رہ گئے اور اون کا وسوسہ بڑھا۔

کاین چہ شاید بود واپرسم از و کہ چہ می سازی ز حلقہ تو بتو

یعنی کہ اس کا کیا ہوگا میں اون سے پوچھوں کہ تم تو بتو حلقے کیا بنا رہے ہو۔

باز با خود گفت صبر اولے ترست صبر با مقصود زو تر رہبر ست

یعنی پھر اپنے سے کہا کہ صبر زیادہ اولے ہے اور صبر مقصود تک جلدی رہبر ہے مولانا فرماتے ہیں کہ۔

چون نپرسی زودتر کشفت شود مرغ صبر از جملہ پران تر شود

یعنی اگر تم نہ پوچھو گے تو تمکو جلدی ہی ظاہر ہوجاویگا اسلئے کہ مرغ صبر سب سے زیادہ اُڑنے والا ہوتا ہے۔

ور بپرسی دیرتر حاصل شود سہل از بے صبریت مشکل شود

یعنی اور اگر پوچھو تو وہ دیر میں حاصل ہوگا اور سہل تمہاری بے صبری کی وجہ سے مشکل ہوجاوے گا۔ پوچھنے یا نہ پوچھنے سے مراد صبر کرنا یا صبر کرنا ہے مطلب یہ کہ اگر صبر کروگے تو وہ بات جلدی معلوم ہوگی اور بے صبری سے معلوم ہوتی ہوتی بھی مشکل ہوجاوگی

چونکہ لقمان تن بزد اندر زمان شد تمام از صنعت داؤد آن

یعنی جبکہ لقمان اوسوقت چپ ہورہے تو وہ (زرہ) داؤد علیہ السلام کے بنانے سے پوری ہوگئی۔

پس زرہ سازید و در پوشید او پیش لقمان حکیم نیکخو

یعنی پھر داؤد علیہ السلام نے زرہ بناکر اوسکو لقمان حکیم نیکخو کے سامنے پہنا۔

گفت این نیکو لباس است اے فتی در مصاف و جنگ دفع زخم را

یعنی داؤد علیہ السلام نے فرمایا کہ اے فتی یہ مصاف اور جنگ میں زخم کے دفع کرنے کے لیے اچھا لباس ہے۔

گفت لقمان صبر نیکو ہمدمے است کو پناہ و دافع ہر جا غمے است

یعنی لقمانؑ نے فرمایا کہ صبر ایک اچھا ہمدم ہے کہ وہ ہر جگہ پناہ اور دافع غم کا ہی

مولانا فرماتے ہیں۔

صبر را با حق قرین کرد اے فلان　　آخر والعصر را آگہ بخوان

یعنی حق تعالیٰ نے صبر کو حق کے ساتہ قرین کیا ہے اے شخص۔ تو اوس وقت والعصر کے آخر کو پڑہ۔ والعصر میں ہے کہ وتواصوا بالحق وتواصوا بالصبر حق سے مراد عقائد ہیں مولانا کا مطلب یہ ہے کہ صبر وہ ہے کہ حق تعالیٰ نے اوسکو عقائد کے ساتہ بیان فرمایا ہے تو کس درجہ کی شے ہوگی۔

صد ہزاران کیمیا حق آفرید　　کیمیائے ہمچو صبر آدم ندید

یعنی حق تعالیٰ نے لاکہوں کیمیائیں پیدا فرمائیں مگر (بنی) آدم نے صبر جیسی کوئی کیمیا نہیں دیکھی مطلب یہ ہوا کہ صبر بہت ہی عمدہ اور حصول مقصود میں امداد دینے والی شے ہے آگے اون شیخ نابینا کا بقیہ قصہ فرماتے ہیں کہ۔

اوس نابینا کا باقی قصہ اور اوس کا دیکھکر قرآن پڑھنا

مرد مہمان صبر کرد و ناگہان　　کشف گشتش حال مشکل در زمان

یعنی اوس مرد مہمان نے صبر کیا تو ناگاہ اوسی زمانہ میں وہ حال مشکل اوسپر کہل گیا (اِس طرح کہ)

نیم شب آواز قرآن را شنید　　جست از خواب آن عجائب را بدید

یعنی اوس مہمان نے آدہی رات کو قرآن کی آواز سنی تو نیند سے اوٹھ بیٹھا اور یہ عجائب دیکھا کہ:۔

کہ ز مصحف کور میخواند درست　　گشت بیصبر ز کو آن حال جُست

یعنی کہ قرآن شریف بے وہ اندھا ٹھیک ٹھیک پڑھ رہا ہے تو یہ مہمان بے صبر ہوگیا۔ اور اندھے سے اس حال کی جستجو کی۔

گفت چُس کوری عجب بے چشم و نور　　چون ہمی خوانی و می بینی سطور

یعنی اوسنے کہا کہ تو کیسا عجیب اندھا بے چشم و نور کے ہے اور تو کس طرح پڑھ رہا ہے اور کس طرح سطروں کو دیکھ رہا ہے۔

آنچہ میخوانی بر آن اُفتادہ　　دست را بر حرف آن بنہادہ

یعنی جو کچھ تو پڑھتا ہے اوسی پر پڑا ہوا ہے اور تو نے ہاتھ کو اوسی حرف پر رکھ رکھا ہے۔

اصبعت در سیر پیدا میکند　　کہ نظر بر حرف داری مستند

یعنی تیری اُنگلی چلنے میں ظاہر کر رہی ہے کہ تو یقیناً حرف پر نظر رکھتا ہے۔

گفت اے گشتہ ز جہل تن جُدا　　این عجب میداری از صنع خدا

یعنی اوس اندھے نے کہا کہ اے شخص جو جہل تن سے جُدا ہے کیا تو قدرت خدا سے یہ عجب بات سمجھا ہے۔ چونکہ یہ دوسرے بھی بزرگ ہیں اس لئے اوس نے کہا کہ آپ جہل باتوں سے جُدا ہیں اور آپکو اوس عالم کا انکشاف ہے پھر آپ اس سے تعجب کیوں کرتے ہیں۔ یہ تو قدرت حق ہے اور اسکی وجہ ظاہری یہ ہوئی ہے کہ

من ز حق در خواستم کاے مستعان　　بر قرارت من حریصم ہمچو جان

یعنی میں نے حق تعالیٰ سے درخواست کی تھی کہ اے مستعان میں قرآن پڑھنے پر جان کی طرح حریص ہوں۔ یعنی جس طرح کہ مجھے اپنی جان سے محبت ہے اسی طرح قرآن خوانی سے اُنس ہے۔

نیستم حافظ مرا نورے بدہ در دو دیدہ وقت خواندن بے گرہ

یعنی میں حافظ ہوں نہیں تو آپ میری دونوں آنکھوں میں قرآن پڑھنے کے وقت ایک نور بے رکاوٹ کے عطا فرما دیجئے۔

بازدہ دو دیدہ ام را آن زمان کہ بگیرم مصحف و خوانم عیان

یعنی وہ نور میری دونوں آنکھوں کو واپس دیدیا کیجئے جبکہ میں مصحف لوں اور عیاناً پڑھوں +

آمد از حضرت ندا کای مرد کار اے بہر رنجے بما امیدوار

یعنی حضرت حق سے ندا آئی کہ اے مرد کار اور اے وہ شخص جو کہ ہر تکلیف میں ہمارا اُمیدوار ہے

حسن ظن ست و امید خوش ترا کہ ترا گویم بہر دم بر ترا

یعنی تجھے حُسن ظن اور امید خوش یہ ہے کہ میں تجھے ہر دم کہونگا کہ ترقی کر مطلب یہ کہ تجھے امید ہے کہ ہم تجھے ہر دم ترقی دیں گے اسی لئے تو ایسی باتیں ہم سے مانگتا ہے تو سن رکھہ کہ

ہر زمان کہ قصد خواندن باشدت یا ز مصحفہا قرارت بایدت

یعنی جسوقت کہ تیرا قصد قرآن پڑھنے کا ہو یا قرآن سے تجھے کچھہ پڑھنے کی

ضرورت ہو۔

من درآن دم وادہم چشم ترا۔ تا فرو خوانے معظم جوہرا

یعنی میں اوس وقت وہ نور تیری آنکھہ کو دیا کروں گا تاکہ تم پڑھ لیا کرو۔ اے معظم ذات۔ تو حق تعالے نے یہ وعدہ فرمایا تہا۔ آگے فرماتے ہیں کہ۔

ہمچنان کرد و ہر آنگاہے کہ من واکشایم مصحف اندر خواندن

یعنی حق تعالے نے ایسا ہی کیا کہ جسوقت میں قرآن شریف پڑہنے کے لئے کہولتا ہوں۔

آن خبیرے کہ نشد غافل ز کار آن گرامی بادشاہ کردگار

یعنی وہ خبیر جو کہ کسی کام سے غافل نہیں ہے اور وہ معظم بادشاہ حق تعالے۔

باز بخشیم بینشم آن شاہ فرد در زمان ہمچون چراغ شب نورد

یعنی وہ شاہ یکتا ہیں بینش کو پہر اوسی وقت عطا فرما دیتا ہے۔ مثل چراغ شب نورد کے یعنی جس طرح کہ چراغ تاریکی کو زائل کر دیتا ہے اسی طرح وہ روشنی تاریکی کو زائل کر دیتی ہے۔ چونکہ مولانا نے یہاں ایک حکایت اون شیخ اقطع کی بیان کی ہے کہ وہ بے ہاتھ کے زنبیل بُن رہے تہے دوسری حکایت ان شیخ ضریر کی کہ بے آنکھوں کے قرآن خوانی میں مشغول تہے اسلئے آگے فرماتے ہیں کہ۔

زین سبب نبود ولی را اعتراض ہرچہ بستاند فرستد اعتیاض

یعنی اسی لئے ولی کو اعتراض نہیں ہوتا کہ حق تعالیٰ جو کچہہ لیتے ہیں اوس کا عوض بہیج دیتے ہیں۔ جیسا کہ ان دونوں قصوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک کے

ظاہری ہاتھ لے لئے تو باطنی ہاتھ عطا فرمادیئے اور ایک کی ظاہری آنکھیں لے لیں تو باطنی آنکھیں عطا فرمادیں۔ اور یہاں تو عوض مثل مقصود کے تہا۔ مگر ہمیشہ یہ ضروری نہیں ہے بلکہ اصل یہ ہے کہ عوض تو ضرور ملتا ہے مگر یہ ضرور نہیں کہ جو ہم چاہیں وہی ملجائے بلکہ جو علم حق میں بہتر ہوتا ہے وہی ملتا ہے آگے ایک مثال فرماتے ہیں کہ:۔

گر بسوزد باغت انگورے دہد　　　　در میانِ ماتمت سورے دہد

یعنی اگر تمہارا باغ جلا دیں تو انگور دے دیتے ہیں اور ماتم کے درمیان میں تمکو خوشی عطا فرماتے ہیں۔

آن شل بے دست را دستے دہد　　　　کان غمہا را دل مستے دہد

یعنی وہ شل بے دست وپا کو ہاتھ عطا فرماتے ہیں اور معدن غموم کو دل مست (عن السرور) دیتے ہیں۔ مطلب یہ کہ جو کچھ بہی وہ لیلیں اوس کا عوض ضرور ملتا ہے خواہ وہ مرضی موافق اوس فاقد کے ہو یا نہو۔ اور خواہ دنیا میں ملے یا آخرت میں مگر ملے پر ملے۔ جب یہ حالت ہے تو فرماتے ہیں کہ۔

لانسلم و اعتراض از ما برفت　　　　چوں عوض می آید از مقصود رفت

یعنی ہم سے لانسلم اور اعتراض جاتا رہا۔ جبکہ عوض مقصود کا عظیم ملجاتا ہے ما سے مراد فرقہ یعنی ہمارے گروہ میں اعتراض نہیں ہے۔ اور یہ گروہ اعتراض نہیں کرتی اسلئے کہ ہر مقصود کا اونکو اوس سے بڑھکر عوض ملجاتا ہے۔

چونکہ بے آتش مرا گرمی دہد　　　　راضیم گر آتشش ما را کشد

یعنی جبکہ بے آتش کے مجھے گرمی عطا فرماتے ہیں تو میں راضی ہوں اگر

میری آگ کو بجھا دیں مطلب یہ کہ ہمیں یہ مجال نہیں کہ ہم یہ کہیں کہ اس کام کو اس طریق سے انجام دیا جاوے بلکہ ہم تو یہ دیکھتے ہیں کہ اصل کام ہو جاوے سو اگر مثلاً وہ بے آگ کے ہمارے لئے گرمی پیدا کر دیں تو ہمارا کیا حرج ہے مقصود جو تھا وہ تو حاصل ہے۔

چونکہ بے چشمے بہ بخشد دیدنی ‏ ‏ ‏ این چنین کوریست چشم روشنی

یعنی جبکہ بے (ظاہری) آنکھ کے بینائی عطا فرماتے ہیں تو ایسی کوری تو چشم روشن ہے۔ (پھر اس آنکھ کے مفقود ہونے سے کیا حرج ہوا۔)

بے چراغے چون دہد او روشنے ‏ ‏ ‏ گر چراغت شد چہ افغان میکنی

یعنی بے چراغ کے جب وہ روشنی عطا فرماتے ہیں تو اگر تمہارے پاس چراغ نہو تو فغاں کیوں کرتے ہو۔ اسلئے کہ مقصود تو حاصل ہے اب جس طرح وہ چاہیں اوس طرح کرتے ہیں اس کی کیا ضرورت ہے کہ تمہاری مرضی کے مطابق ہوا کرے آگے اولیاء اللہ کے مذاق کو ذکر فرماتے ہیں کہ بعض ایسے رضی برضا ہوتے ہیں کہ وہ دعا کرنا بھی حرام جانتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ دعا کرنا گویا کہ قضا میں دخل دینا ہے مگر یہ ادن کا ایک حال ہوتا ہے کہ اس میں مغلوب ہو کر وہ دعا نہیں کر سکتے۔ باقی کامل وہ ہے جو کہ قضا پر راضی ہو۔ اور پھر رضا کے ساتھ دعا بھی کرے اسلئے کہ دیکھو یہ تو مسلم ہے کہ انبیاء علیہم السلام سب کامل تھے اور ادن کو رضا رکامل حاصل تھی مگر باوجود اس کے وہ دعا فرماتے تھے تو دعا کرنا تو ایک حال ہے اور رضا کے ساتھ دعا کو جمع کرنا یہ نشانی جامعیت کی ہے اور کمال یہی ہے مگر بعض مغلوب الحال بزرگونکی یہ شان ہوئی ہے کہ وہ قضا کے سامنے دعا کو بھی اچھا نہیں سمجھتے۔ اب سنئے فرماتے ہیں کہ۔

شرح حبیبی

بشنو اکنون قصۂ آن رہروان — کہ ندارند اعتراضے در جہان

زاولیا اہل دعا خود دیگرند — کہ ہمی دوزند و گاہے مے درند

قوم دیگر مے شناسم ز اولیا — کہ دہان شان بستہ باشد از دعا

از رضا کہ ہست رام آن کرام — جُستن دفع قضا شان شد حرام

در قضا ذوقے ہمی بینند خاص — کفر شان آید طلب کردن خلاص

حُسن ظنّے بر دل ایشان کشود — کہ نپوشند از غمے جامہ کبود

ہر چہ آید پیش ایشان خوش بود — آبِ حیوان گردد از آتش بود

زہر در حلقوم شان شکر بود — سنگ اندر راہ شان گوہر بود

جملگے یکسان بود شان نیک و بد — از چہ باشد این ز حُسن ظنِ خود

کفر باشد نزد شان کردن دعا | کاے الٰہ از ما بگردان این قضا

گفت بہلول آن یکے درویش را | چونی اے درویش واقف کن مرا

گفت چون باشد کسے کہ جاودان | بر مراد او رود کار جہان

سیل و جوہا بر مراد او روند | اختران زان سان کہ او خواہد شوند

زندگی و مرگ سرہنگان او | بر مراد او روانہ کو بکو

ہر کجا خواہد فرستد تعزیت | ہر کجا خواہد بہ بخشد تہنیت

سالکان راہ ہم بر کام او | ماندگان راہ ہم در دام او

ہیچ دندانے نہ جنبد در جہان | بے رضا و امر او فرمان روان

بے رضائے او نیفتد ہیچ برگ | بے قضائے او نیاید ہیچ مرگ

بے مراد او نجنبد ہیچ رگ | در جہان ز اوج ثریا تا سمک

گفت اے شہ راست گفتی ہمچنین | در فر و سیمائے تو پیدا ست این

آن دو صد چندانکہ ای صادق ولیک — شرح کن این را بیان کن نیک نیک

آنچنان کہ فاضل و مرد فضول — چون بگوش او رسد آرد قبول

آنچنانش شرح کن اندر کلام — کہ ازان ہم بہرہ یابد جانِ عام

ناطقِ کامل چو خوان باشی بود — بر سرِ خوانش ز ہر آشے بود

کہ نماند ہیچ مہماں بے نوا — ہر کسے یابد غذائے خود جدا

ہمچو قرآن کہ بمعنے ہفت توست — خاص را و عام را مطعم دروست

گفت این باری یقین شد پیش عام — کہ جہان در امر یزدانست رام

ہیچ برگے در نیفتد از درخت — بے قضا و حکم آن سلطان بخت

از دہان لقمہ نشد سوئے گلو — تا نگوید لقمہ را حق کادخلوا

میل و رغبت کان زمام آدمیست — جنبش و آرام امر آن غنی است

در زمینہا و آسمانہا ذرہ — پر نجنباند نگردد پرّہ

جز بفرمان قدیم نافذش | شرح نتوان کرد و جلدی نیست خوش

کہ اثمر و برگ و درختان را تمام | بے نہایت کے شود در نطق رام

اینقدر بشنو کہ چون کلی کار | می نگردد جز بامر کردگار

چون قضائے حق رضائے بندہ شد | حکم او را بندہ خواہندہ شد

بے تکلف نے پئے مزد و ثواب | بلکہ طبع او چنین شد مستطاب

زندگی خود نخواہد بہر خود | نے پئے ذوق حیات مستلذ

ہر کجا امر قدم را مسلکے است | زندگی و مردگی پیشش یکے است

بہر یزدان می زید نے بہر گنج | بہر یزدان می مرد نز خوف و رنج

ہست ایمانش برائے خواہ او | نے برائے جنت و اشجار و جو

ترک کفرش ہم برائے حق بود | نے ز بیم آنکہ در آتش شود

اینچنین آمد ز اصل آن خوئے او | بے ریاضت نے ز جست و جوئے او

ناگهان خندد که او بیند رضا	همچو حلوائی شکر او را قضا
بندهٔ کش خوی و خصلت این بود	نے جهان بر امر و فرمانش رود
پس چرا لابه کند او یا دعا	که بگردان اے خداوند این قضا
مرگ او و مرگ فرزندان او	بہر حق پیشش چو حلوا در گلو
نزع فرزندان بر آن بیوفا	چون قطائف پیش شیخ بینوا
پس چرا گوید دعا الا مگر	در دعا بیند رضائے دادگر
آن شفاعت و آن دعا نز رحم خود	میکند آن بندهٔ صاحب رشد
رحم خود را او همان دم سوخته است	که چراغ عشق حق افروخته است
دوزخ اوصاف او عشق است و او	سوخت مر اوصاف او را مو بمو
هر طروقے این فرق کے شناخت	جز دقوقے کو درین دولت نتافت

اوپر مولانا نے رضا بالقضا کی ہدایت فرمائی تھی۔ اب اون اہل اللہ کی حالت بیان فرماتے ہیں جو قضا الٰہی پر رضامند ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ اب ان سالکین کی حالت سنو۔

جو عام کے کسی تصرف کی بابت کوئی مزاحمت نہیں کرتے تفصیل اسکی یہ ہے کہ اہل اللہ
دو قسم کے ہیں ایک تو وہ اولیا ہیں جو دعا کو مانتے ہیں اور اپنی دعاؤں سے
عالم میں مختلف تصرف کرتے ہیں کبھی ایک شے کو بناتے ہیں اور کبھی بگاڑتے ہیں
یہ تو اور لوگ ہیں ہماری گفتگو کا تعلق ان سے نہیں ہے۔ اور ہیں اہل اللہ میں۔
کچھ ایسے لوگ بھی جانتا ہوں جنہوں نے اپنے منہ کو دعا سے بند کر رکھا ہے
اور وہ ازخود اپنی غرض سے کبھی دعا نہیں کرتے تسلیم و رضا چونکہ اِن بزرگونکو
حاصل ہے اسلیئے طلب دفع قضا اون کے نزدیک عملاً حرام ہے۔ گو اعتقاداً
حرام نہیں جانتے۔ کیونکہ شریعت سے اسکی اجازت حاصل ہے اور عملاً حرام
ہونیکا یہ مطلب ہے کہ وہ اِس سے یوں بچتے ہیں جس طرح کہ حرام اشیاء سے
بچا کرتے ہیں اونکو قضائے الٰہی میں ایک خاص مزہ ملتا ہے۔ اس لئے اونکے
نزدیک اوس سے رہائی حاصل کرنے کی کوشش کرنا طبعاً ایسا ہی ناپسند ہے
جیسا کہ شرعاً و عقلاً کفر۔ اونکو حق سبحانہ کے ساتھ ایسا حُسن ظن حاصل ہے
کہ وہ کسی غم سے ماتمی لباس نہیں پہنتے۔ بلکہ اونکو جو کچھ پیش آتا ہے وہ اونکو اچھا ہی
معلوم ہوتا ہے۔ اور آگ بھی ہوتی ہے تو اون کے لئے آب حیات ہوتی ہے اونکے
گلے میں زہر بھی یوں ہی مزہ سے اوترتا ہے جیسے شکر اور اون کے رستہ میں
اگر پتھر بھی آتا ہے تو وہ اوسکی ویسی ہی قدر کرتے ہیں جیسے موتی کی غرض کہ
بھلائی اور بُرائی مصیبت و راحت خوشی و غم بحیثیت قضاء الٰہی ہونے کے
اونکی نظر میں سب یکساں ہیں۔ یہ کیوں محض اس لئے کہ حق سبحانہ کے ساتھ
وہ حُسن ظن رکھتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ فعل الحکیم لا یخلو عن الحکمۃ۔ اسی کا نتیجہ ہے
کہ دعا کرنا اور کہنا کہ اے اللہ اس قضا کو بدل دے اونکو طبعاً یوں ہی ناپسند
ہے جس طرح کہ شرعاً و عقلاً کفر چنانچہ بہلول رحمۃ اللہ علیہ نے ایک فقیر سے
کہا کہ جناب والا مجھے مطلع فرمائیں کہ حضور کا مزاج کیسا ہے۔ فرمایا کہ اُسکے
مزاج کی حالت کیا پوچھتے ہو جسکی یہ حالت ہو کہ عالم کا کاروبار ہمیشہ اوسکی

منشا کے موافق ہوتا ہو۔ ندیاں اوسکی مرضی کے موافق بہتی ہوں ستارے اوسی طرح چلتے ہوں جس طرح وہ چاہتا ہے حیات وموت جس کے دو پیادے ہوں کہ اسکی منشا کے موافق کام کرتے ہوں وہ جہاں چاہے غم بہیجدے اور جہاں چاہے خوشی عنایت کرے۔ رستہ چلنے والے بہی اوسکی مرضی کے موافق چلتے ہوں اور نہ چلنے والے بہی اوسی کے پہندے میں ہوں اوس حاکم کی رضا وحکم کے بغیر کوئی دانت منہ میں نہ ہل سکتا ہو اور اوسکی رضامندی کے بغیر کوئی پتا نہ گرتا ہو۔ اور اوسکے فیصلہ کے بغیر کوئی موت واقع نہ ہوتی ہو۔ اوسکی خواہش کے بغیر ثریا سے ثرے تک اور عالم بہر میں کوئی رگ حرکت نہ کرتی ہو۔ یہ سنکر بہلول علیہ الرحمۃ نے عرض کیا کہ حضور نے بہت بجا فرمایا اور حضور کی شان اور چہرہ ہی سے یہ بات ثابت ہے بلکہ اِس سے سو گنا زیادہ ظاہر ہے لیکن میں اپنے قصور فہم سے اسکا مطلب نہیں سمجھا براہ مہربانی اس مضمون کی اچھی طرح تشریح فرما دیجئے اور تشریح ایسی ہو کہ ایک قابل آدمی اور ناقابل دونوں اوسکو سنکر مان لیں۔ اور ایسی شرح فرمایئے کہ اوس سے عوام کو بہی فائدہ پہونچے۔ قادر کلام شخص ایک ایسے مہمان نواز سے مشابہ ہے جس کے دسترخوان پر ہر قسم کا کہانا ہو کہ کوئی مہمان بہوکا نہ رہے بلکہ ہر ایک کو اوس کی غذا ملجائے جیسے قرآن کہ سات طبقے رکہتا ہے کہ خاص و عام سب کو اوس سے اون کی لیاقت واستعداد کے موافق غذا ملتی ہے عوام اپنے فہم کے مطابق سمجہتے ہیں اور خواص اپنے فہم کے موافق۔ اون بزرگ نے جواب دیا کہ یہ مقدمہ تو سب کو تسلیم ہے کہ تمام عالم حق سبحانہ کے قبضہ میں ہے حتی کہ کوئی پتا اُسکی حکم کے بغیر نہیں گرتا اور جب تک حق سبحانہ حلق میں جانیکا حکم نہ دیں لقمہ اوس میں نہیں جا سکتا۔ میلان اور رغبت جو کہ آدمی کے لئے بمنزلہ باگ کے ہیں اُنکی حرکات اوسی کے تابع ہیں اور اون کی حرکات وسکون سب اُسی کے حکم سے ہیں۔ زمین وآسمان میں ذرہ بہی پر ہلاتا ہے اور کوئی حرکت کرتا ہے

تو اوس کے حکم نافذ و قدیم سے کرتا ہے یہ اجمال ہے جس کی تفصیل ہم نہیں کر سکتے اور تفصیل کے لئے جلدی اچھی ہی نہیں کیونکہ کون ہے جو درختوں کے سب پتے گن سکتا ہے۔ جب درختوں کے پتے باوجود متناہی ہونے کے کوئی نہیں گن سکتا تو غیر متناہی تفصیل و ار گفتگو میں کب سما سکتا ہے۔ پس خلاصہ کے طور پر اتنا سمجھ لو کہ تمام کام بامر حق سبحانہ ہوتے ہیں جب یہ امر ممہید ہوگیا تو اب سمجھو کہ جب رضائے حق پر بندہ راضی ہوگیا۔ اور اوس کا حکم ہی اوس کا مطلوب ہوگیا۔ اور یہ سب کچھ بدون تکلف کے ہوا نہ تو تصنع سے نہ اجر و ثواب کے لیئے بلکہ اوس کی طبیعت ہی اس طور پر واقع ہوئی ہے وہ نہ اپنے لئے اپنی زندگی چاہتا ہے اور نہ زندگی کے مزہ دار ہونے کی وجہ سے۔ بلکہ جدھر امر قدیم حق سبحانہ نافذ ہوا خواہ موت ہو یا حیات وہی اوسکو بھی پسند ہے۔ اور موت وحیات اُسکے نزدیک دونوں برابر ہیں وہ جیتا ہے تو خدا کے لئے نہ کہ خزانہ جمع کرنے کے لئے اور مرتا ہے تو خدا کے لئے نہ کہ رنج اور خوف سے۔ اوس کا ایمان بھی محض اوسکی رضامندی کے لئے ہے نہ جنت کے لئے نہ پھلوں کے لیئے نہ نہروں کے لئے۔ اور کفر کو جو چھوڑتا ہے تو وہ بھی خدا کے لیئے نہ کہ اس خوف سے کہ دوزخ میں جائیگا۔ اور یہ بات اوسکی جبلی ہے نہ مجاہدوں سے حاصل ہوئی نہ کسب سے وہ ہنستا ہے تو اوسی وقت جبکہ وہ رضائے حق دیکھتا ہے اور قضائے الٰہی اوسکو یوں ہی مرغوب ہے جیسے حلوا پس جس بندہ کی یہ خصلت اور عادت ہو تو بتلاؤ کیا عالم کا کاروبار اوس کے حکم کے موافق نہیں ہوتا۔ ضرور ہوتا ہے۔ جب یہ قصہ تم کو معلوم ہوگیا تو اب سمجھو کہ جن لوگوں کی یہ حالت ہو وہ کیوں گڑگڑائیں اور کیوں دعا کریں کہ اے اللہ اس قضا کو بدل دے ایسے لوگوں کے لئے تو اون کا مرنا اور اون کی اولاد کا مرنا دونوں خدا کے لیئے ہیں اور یوں مرغوب ہیں جیسے حلوا کھانا۔ اوس بظاہر بیوفا کے نزدیک بچوں کا دم توڑنا یوں ہی لذیذ ہے جیسے کسی محتاج

بڑھے کے سامنے مرے پس ایسا شخص دقوقی دعا کیوں کرے۔ ہاں لیکن او سوقت جبکہ دعا میں حق سبحانہ کی رضامندی دیکھے اور یہ خیال کرے کہ دعا بھی ایک مطلوب خداوندی ہے تو وہ اس حیثیت سے دعا کرتا ہے نہ کہ اپنی غرض سے۔ وہ مہتدی شفاعت و دعا کرتا ہے مگر اپنے رحم کی بنا پر نہیں کرتا۔ اپنے رحم کو تو اوس نے اوسی وقت آگ لگا دی تھی جبکہ عشق خداوندی کا چراغ جلایا تھا عشق حق اوس کے اوصاف کے لیئے ایک دوزخ ہے جس نے اوس کے تمام صفات کو بھسم کر دیا ہے ہر سالک کو یہ فرق معلوم نہیں اور وہ نہیں جانتا کہ اپنی غرض سے دعا اچھی نہیں اور خدا کے لیے اچھی ہے۔ مثلاً دقوقی ہی ہیں کہ وہ اُس دولت کو حاصل نہیں کر سکے

ف جاننا چاہیئے چونکہ ہر طرف دقوقی این فرقی کے شناخت الخ حل طلب شعر تھا اسلئے اوسکی پوری تفصیل کیجاتی ہے۔ **قولہ**

چون دقوقے کو درین دولت نتاخت ہر طروقے این فروقے کے شناخت

اس شعر میں مصرع ثانی میں تین نسخے ہیں (۱) چون دقوقے کو درین دولت بتاخت (۲) چون دقیقے کو درین دولت نتافت (۳) جز دقوقے کو درین دولت بتاخت یا جز دقوقی کو درین دولت نتاخت + ان نسخوں میں نسخۂ ثانیہ صحیح ہے۔ اور مطلب شعر یہ ہے کہ ہر راہ رو ایسے فرقوں سے کہ اپنی طرف سے دعا کرنا ناپسند ہے اور طلب حق سبحانہ کے وقت پسند واقف نہیں۔ مثلاً دقوقی ہیں کہ باہمہ عظمت اس فرق کو نہ پہچان سکے۔ اور غلبۂ رحم طبعی سے دعا کر بیٹھے۔ اسکی صحت کے قرائن حسب ذیل ہیں:۔

(۱) مولانا نے اولاً فرمایا ہے ؎

مرگ او و مرگ فرزندان او ۔ بہر حق پیشش چو حلوا در گلو

نزع فرزندان بر آن بے وفا ۔ چو قطائف پیش شیخ بے نوا

رحم خود را او ہماندم سوختہ است ۔ کہ چراغ عشق حق افروختہ است

بعد از ان قصۂ دقوقی میں دعائے دقوقی کے متعلق فرمایا ہے ؎

چون دقوقی آن قیامت را بدید　　رحم او جوشید و اشک او دوید
گفت یارب منگر اندر فعل شان　　دست شان گیر اے شہ نیکو نشان

الخ ہر دو کے مقابلہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اشعار ماسبق میں دقوقی پر تعریض ہے اور مقصود یہ ہے کہ اُن لوگوں نے اپنی رحم کو جلا دیا ہے۔ اِس لیے وہ دقوقی کی طرح نہیں ہیں کہ اُنہوں نے اہل کشتی پر رحم کہایا تہا۔ نیز وہ خود اپنے اور اپنے اولاد کے مرنے سے بہی خوش ہیں اور دقوقی کو اغیار کے بہی مرنے کا غم ہے اونکو اپنی اولاد کو نزع میں دیکھ کر بہی کچھ خیال نہیں ہوتا اور دقوقی اہل کشتی کو نزع میں دیکھ کر بے تاب ہوجاتے ہیں۔

(۳) مولانا نے اولاً دقوقی اور اونکی دعا کے متعلق یوں ارشاد فرمایا۔

اشک مے رفت از دو چشمش وان دعا　　بیخود از وے مے برآمد بر سما
آن دعائے بیخودان خود دیگر ست　　آن دعا زو نیست گفت داور ست
آن دعا حق میکند چون او فناست　　آن دعا و آن اجابت از خداست الخ

لیکن باانیہمہ اعتراض معترضین کو بدیں الفاظ نقل فرمایا ؎

او فضولے بودہ است از انقباض　　کرد بر مختار مطلق اعتراض

اور اس کا کوئی جواب نہیں دیا اس کے بعد اون کا غائب ہوجانا اور دقوقی کا اُن کو نہ پہچان سکنا اور افسوس کرکے رہ جانا۔ بیان فرمایا۔ اِس کے بعد مولانا نے اونکی جستجو کی دقوقی کو بدیں الفاظ ترغیب دی ؎

اے دقوقی با دو چشم ہمچو جو　　ہین مبر امید وایشان را بجو
ہین بجو کہ رکن دولت جستن ست　　ہر کشادے در دل اندر بستن است

یہ واقعات بصورت جہوری ندا دے رہے ہیں کہ دقوقی کی دعا از خود تہی اور وہ اِس فریق میں سے نہے جو مثبت دعا ہیں۔ اور ان کا رتبہ منکرین دعا سے اتنا کم تہا کہ وہ اونکو پہچان نہ سکے اور اونکو ضرورت تہی کہ وہ ایسے لوگوں کو طلب کریں۔ اور ان سے مستفیض ہوکر کاملیت سے اکملیت پر پہونچیں

ان تمام واقعات سے نسخۂ ثانیہ کی صحت واضح ہوتی ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ دقوقی کے اپنے معترضین کے نہ پہچانتے کو مضمون مصرع اول کی تائید میں بیان مقصود ہے انہیں واقعات میں غور کرنے سے یہ ہی معلوم ہوتا ہے کہ ؎

اشک رفت از دو چشمش و ان دعا　　　بیخود از وے مے برآمد بر سما

میں لفظ بیخود فرط شفقت کے باعث انہماک فی الدعا کے سبب استعمال کیا گیا ہے اور آن دعائے بیخودان خود دیگر ست میں لفظ بے خودان بمعنی مطلق فانیان مستعمل ہوا ہے جس میں اہل اللہ مثبتین دعا مثل دقوقے اور نافیین دعا سب داخل ہیں۔ چنانچہ مولانا نے خود اسکو صاف کر دیا۔ اور فرما دیا ہے۔ آں دعا حق میکند چوں او فناست الخ اور آن دعا و آں اجابت از خداست میں نسبت دعا بجناب حق سبحانہ عام ہے اِس سے کہ وہ ابتدا ہی سے منسوب بحق ہو جیسے کہ دعائے منکرین دعا جن پر اول ہی سے فنا غالب ہے یا ابتداء تو داعین ہی کی طرف سے ہو مگر بعد غلبہ فنا در حالت دعا منسوب بحق سبحانہ ہو گئی ہو ادسوقت دعاء دقوقے کا منسوب بحق سبحانہ ہونا بھی صحیح ہو گا۔ اور از خود ہونا بھی درست ہو گا۔ کیونکہ وہ ابتدائً تو خود دقوقے کی جانب سے تھی اور بعد غلبہ فنا بحالت اشتغال بدعا منسوب بحق ہو گئی تھی اور معترضین کا یہ فرمانا بھی درست ہو گا کہ ؎

او فضولے بودہ است از انقباض
کرد بر مختار مطلق اعتراض

اس وقت یہ شبہ نہیں ہو سکتا کہ دو باتوں میں سے ایک بات لازم ہے یا تو دقوقے کی دعا منسوب بحق نہ ہو گی یا اعتراض معترضین صحیح نہ ہو گا۔ اور یہ دونوں باتیں ظاہر کلام مولانا کے خلاف ہیں۔ وتقریر الدفع واضح۔

شرح شبیری

بعض اولیاء اللہ کی صفت کہ وہ احکام الٰہی پر راضی ہوتے اور یہ دعا نہیں کرتے کہ اے اللہ اس حکم کو پھیر دے

بشنو اکنون قصۂ آں رہروان ۔ کہ ندارند اعتراضے در جہان

یعنی اب اون سالکوں کا قصہ سنو جو کہ دنیا میں اعتراض نہیں رکھتے ہیں۔

ز اولیاء اہل دعا خود دیگرند ۔ کہ ہمی دوزند و گاہے مے درند

یعنی اولیاء اللہ میں سے اہل دعا اور ہی ہیں جو کہ کبھی سیتے ہیں اور کبھی پھاڑتے ہیں مطلب یہ کہ صورتاً کچھ اپنی رائی بھی لگاتے ہیں تو ایسے حضرات تو اور ہیں

قوم دیگر می شناسم ز اولیا ۔ کہ دہان شان بستہ باشد از دعا

یعنی میں اولیاء اللہ کی ایک اور قوم پہچانتا ہوں کہ اون کا منہ دعا سے سلا ہوا ہے

از رضا کہ ہست رام آن کرام ۔ جستن دفع قضا شان شد حرام

یعنی رضا کی وجہ سے جو کہ اون کرام کی مطیع ہی قضا کا دفعیہ تلاش کرنا اون کے لیے

حرام ہے (اسلئے کہ)

در قضا ذوقے ہمی بینند خاص کفرشان آید طلب کردن خلاص

یعنی یہ حضرات قضا میں ایک ذوق خاص دیکھتے ہیں تو اون کو خلاصی طلب کرنا کفر معلوم ہوتا ہے۔

حسن ظنے بر دل ایشان کشود کہ نپوشند از غمے جامہ کبود

یعنی اون کے قلب پر ایک حسن ظن کھل گیا ہے کہ وہ کسی غم کی وجہ سے جامۂ کبود نہیں پہنتے۔ مطلب یہ کہ چونکہ اون کو قضا سے ایک حسن ظن ہے اسلئے وہ کسی ظاہری غم سے غم نہیں کرتے +

ہرچہ آید پیش ایشان خوش بود آب حیواں گردد ار آتش بود

یعنی اون کے سامنے جو کچھہ آتا ہے اچھا ہی معلوم ہوتا ہے اور اگر آتش بھی ہو وہ آب حیوان بنجاتی ہے +

زہر در حلقوم شان شکر بود سنگ اندر راہ شان گوہر بود

یعنی اون کے حلقوم میں زہر بھی شکر ہو جاتا ہے اور پتھر اونکی راہ میں گوہر ہو جاتا ہے مطلب یہ ہے کہ جب وہ کسی بات کو دیکھتے ہیں کہ یہ اقتضا قضا کا ہے تو وہ اسپر راضی رہتے ہیں۔ اگرچہ وہ بظاہر کیسی ہی ناگوار بات ہو۔ مگر اونکو گوارا اور خوش ہی معلوم ہوتی ہے۔ اسکی مثال ایسی سمجھو کہ اگر کوئی محبوب مجازی کسی عاشق سے ملے اور پکڑ کر اوسکی ناک دبادے زور سے بغل میں دبادے کہ اوس عاشق کی ہڈی پسلی الگ الگ ہونے لگے تو چونکہ یہ جانتا ہے کہ یہ جو کچھہ کر رہا ہے میرا محبوب کر رہا ہے اوسکو ان ظاہری تکلیف دہ باتوں سے تکلیف نہیں ہوتی

بلکہ اوسپر وہ سرور وصال اسقدر غالب ہوتا ہے کہ اِس کلفت کو محسوس ہونے ہی نہیں دیتا۔ تو اسی طرح یہ حضرات قضاء حق پر اس طرح راضی ہوتے ہیں کہ سچ یہ ہے کہ اونکو اوس سرور کیوجہ سے کرب اور تکلیف معلوم ہی نہیں ہوتی ہے۔

جملگی یکسان بود شان نیک و بد ۔ از چه باشد این ز حسن ظن خود

یعنی اون حضرات کو سب نیک و بد یکساں ہی ہوتا ہے۔ اور یہ کس وجہ سے ہوتا ہے اپنے حسن ظن کیوجہ سے مطلب یہ کہ بظاہر گوارا ہو یا ناگوار وہ ہر حالتمیں خوش ہی رہتے ہیں اور اونکی یہ خوشی صرف اِس لیے ہوتی ہے کہ جو اون کو حق تعالی سے ایک حسن ظن ہوتا ہے۔ اور وہ ہمیشہ خوش ہی رہتے ہیں۔

کفر باشد نزد شان کردن دعا ۔ کای اله از ما بگردان این قضا

یعنی اون کے نزدیک دعا کرنا کہ اے الٰہی ہم سے اِس قضا کو پھیر دے کفر ہے مطلب یہ کہ وہ اسکو مشیت ایزدی میں دخل دینا سمجھتے ہیں اور مشیت میں دخل دینا کفر ہے ہی۔ لہذا وہ اپنے گمان کے مطابق اسکو کفر خیال کرتے ہیں۔ اور یہ انکی ایک حالت ہوتی ہے باقی اصل وہی ہے جو حالت کہ انبیاءؑ کی تھی کہ رضا کے ساتھ دعا ہو آگے دو حکایتیں ایسی کہ وہ دعا کو پسند نہیں کرتے اور قضا پر راضی رہتے ہیں لاتے ہیں۔ ایک تو حضرت بہلولؒ کی کہ اونہوں نے کسی بزرگ سے سوال کیا تھا کہ آپکا مزاج کیسا ہے اونہوں نے کہا کہ اوس شخص کا مزاج کیا پوچھتے ہو کہ جسکی مرضی کے خلاف تمام جہان میں ایک پتا نہ ہلتا ہو۔ حضرت بہلولؒ بولے کہ اسکے کیا معنی ہیں اون بزرگ نے کہا کہ یہ تو مسلم ہے کہ حق تعالیٰ کی مرضی کے خلاف کوئی کام نہیں ہوتا۔ اور جس نے اپنی مرضی کو مرضی حق میں فنا کر دیا ہو۔ اور اوسکو اتحاد (اصطلاحی) نصیب ہو چکا ہو تو جو کام کہ مرضی حق کے موافق ہونگے لامحالہ اس شخص کی مرضی کے بھی موافق ہوں گے اور بے مرضی حق کے کوئی پتا

ہل نہیں سکتا لہذا اُس کی مرضی کے خلاف بھی کوئی کام جہان میں نہیں ہوتا۔ تو دیکھیے کہ حضرت کیسے راضی بقضا تھے اور ایک حکایت شیخ دقوقی کی بیان فرماویں گے جسکا خلاصہ انشاء اللہ جب وہ شروع ہوگا بیان کیا جاویگا۔ اب حضرت بہلولؒ کی حکایت سنیئے۔

حضرت بہلولؒ کا ایک صاحب دل سے سوال کرنا اور اُن کا جواب دینا

گفت بہلول آن یکے درویش را ۔ چونے اے درویش واقف کن مرا

یعنی حضرت بہلول نے ایک درویش سے سوال کیا کہ اے درویش تم کیسے ہو ذرا مجھے بتاؤ تو مطلب یہ کہ پوچھا کہ آپ کا مزاج کیسا ہے۔

گفت چوں باشد کسے کہ جاوداں ۔ برمراد او رود کار جہاں

یعنی اُن درویش نے کہا کہ وہ شخص کیسا ہوگا کہ ہمیشہ اُس کی مراد کے موافق دنیا کا کام چلتا ہو۔

سیل جوہا برمراد او روند ۔ اختران زانسان کہ او خواہد شوند

یعنی دریا کی رو اُس کی مراد کے موافق چلتی ہیں اور ستارے جسطرح وہ چاہتا ہے چلتے ہیں

زندگی و مرگ سرہنگان او ۔ برمراد او روانہ کو بکو

یعنی زندگی اور موت اُس کے خادم ہیں اور اُسکی مراد کے موافق کوبکو روانہ ہوتے ہیں

ہر کجا خواہد فرستد تعزیت ہر کجا خواہد بہ بخشد تہنیت

یعنی جہاں چاہے تعزیت کو بھیجدے اور جہاں چاہے تہنیت بخشدے۔

سالکان راہ ہم بر گام او ماندگاں از راہ ہم در دام او

یعنی سالکین راہ (حق) اُس کے قدم پر ہیں اور جو راہ سے رہے ہوئے ہیں وہ اُس کے دام میں ہیں۔

ہیچ دندانے نخندد در جہاں بے رضائے امر آں فرمانرواں

یعنی کوئی دانت جہان میں اُس حاکم کی رضا کے بغیر ہنستا نہیں ہے۔

بے رضائے او نیفتد ہیچ برگ بے قضائے او نیاید ہیچ مرگ

یعنی بے اُس کی رضا کے ایک پتا نہیں گرتا اور بے اُسکی قضا کے کوئی موت نہیں آتی،

بے مراد او نہ جنبد ہیچ رگ در جہان ز اوج ثریا تا سمک

یعنی بے اُس کی مراد کے جہان میں اوج ثریا سے سمک تک کوئی رگ نہیں ہلتی مطلب یہ کہ اُوپر سے لیکر نیچے تک کوئی کام بے اُس کی رضا کے نہیں ہوتا۔ اب اُس کی دو صورتیں ہیں ایک تو یہ کہ رضا کاموں کے تابع ہو جاوے کہ جو ہو رضا وہاں چاہی جاوے۔ اور دوسری صورت یہ ہے کہ کام رضا کے تابع ہوں۔ کہ جیسے مرضی ہو ویسے کام ہوا کریں۔ مگر یہاں صورت اول مراد ہے کہ جہانمیں جس قدر کام ہوتے ہیں ہم سب پر راضی ہوتے ہیں۔ آگے خود ہی وہ اس صورت کو معین فرماویں گے۔ غرضکہ جب اُنہوں نے ایسی بات کہی جس سے کہ ظاہر امعلوم ہوتا ہے کہ سارا جہان اُنکے تابع ہے تو حضرت بہلول کو سُنکر حیرت ہوئی اور بولے کہ۔

گفت اے شہ راست گفتی ہمچنیں　　در فروسیمائے تو پیداست ایں

یعنی حضرت بہلول بولے کہ اے شاہ صاحب آپ نے ٹھیک فرمایا اسی طرح ہے اور آپ کی حالت اور علامت سے یہی ظاہر ہے۔

ایں و صد چندیں اے صادق ولیک　　شرح کن ایں رابیاں کن نیک نیک

یعنی یہ اور سوگنا اس سے اے صادق (سب سچ ہے) لیکن اس کی شرح کرو اور اُسکو خوب اچھی طرح بیان کرو۔ مطلب یہ کہ حضرت بہلول نے کہا کہ آپ نے جو کہا آپکی شان مجذوبیت تو اس سے بھی اعلیٰ ہے یہ اور سوگنا اور سب درست ہے مگر یہ سمجھ میں نہیں آتا اس کی شرح فرما دیجئے اور ذرا صاف کرکے بیان فرمادیجئے

آنچنانکہ فاضل و مرد فضول　　چوں بگوش او رسد آرد قبول

یعنی اس طرح (بیان فرمائیے) کہ فاضل اور غیر فاضل جس کے کان میں پہونچے وہ اُس کو قبول کرلے۔

آنچنانش شرح کن اندر کلام　　کہ ازاں ہم بہرہ یابد عقل عام

یعنی کلام میں اُس کی اس طرح شرح فرما دیجئے کہ اُس سے عقل عوام بھی حصہ پاوے مطلب یہ کہ اس طرح سلیس کرکے بیان فرما دیجئے کہ عوام بھی سمجھ لیں۔ آگے ایک مثال فرماتے ہیں کہ۔

ناطق کامل چوں خوان باشی بود　　بر سر خوانش ز ہر آشے بود

یعنی ناطق کامل مانند خوان والے کے ہوتا ہے اور اُس کے خوان ہر ہر قسم سے ہوتا ہے۔

تا نماند ہیچ مہماں بے نوا ہر کسے یابد غذائے خود جدا

یعنی یہاں تک کہ کوئی مہمان بے نوا کے نہیں رہتا۔ اور ہر شخص اپنی اپنی غذا الگ الگ پاتا ہے۔ مطلب یہ کہ میزبان کامل وہ ہے کہ جس کے دستر خوان پر ہر شخص کے موافق غذا ہے اور ہر شخص اپنی اپنی غذا کھالے تو اسی طرح ناطق کامل وہ ہے جس کے کلام سے ہر خاص و عام منتفع ہو سکے لہذا آپ نے اس بات کو اب تو اس طرح فرمایا ہے کہ سمجھنے والے ہی سمجھ سکتے ہیں۔ لیکن آپ کا کمال یہ ہے کہ اس کو اس طرح بھی بیان فرماویں کہ عوام بھی سمجھ لیں۔ آگے ایک دوسری اسی کی مثال فرماتے ہیں کہ۔

ہمچو قرآں کہ بمعنے ہفت توست خاص را و عام را مطعم در وست

یعنی قرآن کی طرح کہ معنےً تو وہ ہفت تو ہے اور خاص اور عام کو اس میں مطعم ہے۔ یعنی جس طرح کہ قرآن شریف ہے کہ اس میں سے ہر شخص اپنے مطلب کے موافق بنا لیتا ہے اسی طرح آپ بھی اس مضمون کو اس طرح بیان فرماویں کہ سب لوگ سمجھ لیں حضرت بہلول نے اُن سے پوچھا تو اُنہوں نے یہ جواب دیا کہ۔

گفت این باری یقیں شد پیش عام کہ جہاں در امر یزدان است رام

یعنی اُنہوں نے فرمایا کہ یہ تو عوام کے سامنے یقینی بات ہے کہ جہان امر خداوندی کا مطیع ہے۔

ہیچ برگے در نیفتد از درخت بے قضا و حکم آن سلطان تخت

یعنی کوئی پتا درخت سے بے قضا اور حکم اُس سلطان تخت کے نہیں گرتا ہے۔

از وہاں لقمہ نشد سوئے گلو تا نہ گوید لقمہ را حق کادخلوا

یعنی منہ سے لقمہ گلے کی طرف نہیں جاتا ہے جب تک کہ حق تعالیٰ لقمہ سے نہ فرماویں کہ داخل ہوجا۔

میل ورغبت کان زمام آدمی ست جنبش آں رام امر آں غنی است

یعنی میل ورغبت جو کہ انسان کی ماں کی طرف سے ہے تو اُس اُلفت کی جنبش اُس غنی (ہی) کے حکم سے ہے۔

در زمینہا و آسماں ہا ذرّہ پر نجنباند نہ گردد پرّہ

یعنی زمین و آسمان میں کوئی ذرہ پر نہیں ہلاتا اور نہ اُڑتا ہے۔

جز بفرمان قدیم نافذش شرح نتواں کرد جلدی نیست خوش

یعنی سوائے اُن کے اُس فرمان قدیم نافذ کے (جسکی) شرح کر نہیں سکتے ہیں اور جلدی کرنا اچھا نہیں ہے۔ مطلب یہ کہ اُن کے احکام کی شرح کرنا ممکن نہیں ہے اس لئے کہ لَوْ کَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّکَلِمٰتِ رَبِّیْ۔ الخ تو اس میں جلدی کرنا اچھا نہیں ہے۔

کہ اشمرد برگ درختاں را تمام بے نہایت کے شود در نطق رام

یعنی تمام درختوں کے پتوں کو کون گن سکتا ہے اور بے نہایت گفتگو میں کب رام ہوسکتا ہے۔

این قدر بشنو کہ چون کلے کار مے نہ گردد جز بامر کردگار

یعنی اس قدر سُن لو کہ جب تمام کام بجز امر حق تعالیٰ کے ہوتا نہیں ہے۔

چوں قضائے حق رضائے بندہ شد حکم اورا بندۂ خواہندہ شد

یعنی جب قضائے حق بندہ کی رضا ہوگئی اور اُس کے حکم کے لئے بندہ خواہندہ ہوگیا تو بس جب اُس نے اپنی رضا کو تابع قضا کردیا اور خلاف قضا کے کوئی کام ہوتا نہیں تو اُس کی رضا کے خلاف بھی کوئی کام نہیں ہوتا۔

بے تکلف نے پئے مزد و ثواب بلکہ طبع او چنیں شد مستطاب

یعنی (اُس کی یہ حالت) بے تکلف ہوتی ہے نہ کہ طلب اجر و ثواب میں بلکہ اُسکی طبیعت ہی اس طرح ہو جاتی ہے۔ یعنے رضا بر قضا اُس کی طبیعت بن جاتی ہے، وہ اس لئے نہیں کرتا کہ اُس کو ثواب ملیگا۔ بلکہ صرف اِس لئے کہ اللہ تعالےٰ راضی ہوں گے۔

زندگیٔ خود نخواہد بہر خود نے پے ذوق و حیات مستند

یعنی اپنی زندگی اپنے لئے نہیں چاہتا ہے اور نہ حیات مستند کے مزہ کی وجہ سے (بلکہ)

ہر کجا امر قدم را مسلکے است زندگی و مردگی پیشش یکے است

یعنی امر قدیم کا جہاں کہیں مسلک ہے زندگی اور موت اُس کے آگے ایک ہے، مطلب یہ کہ اگر امر حق موت کا ہے تو وہ موت پر راضی ہے اور اگر زندگی کا ہے، تو زندگی پر راضی ہے۔

بہر یزداں مے زید نے بہر گنج بہر یزداں مے مرد نز خوف و رنج

یعنی وہ اللہ ہی کے واسطے جیتا ہے نہ کہ روپیہ پیسہ کے واسطے اور اللہ ہی کے واسطے مرتا ہے نہ خوف و رنج کی وجہ سے۔

ہست ایمانش برائے خواہ او　　نے برائے جنت و اشجار و جو

یعنی اُس کا ایمان بھی خدا کی مرضی ہی کے واسطے ہے نہ کہ جنت اور اشجار اور نہروں کے واسطے۔

ترک کفرش ہم برائے حق بود　　نے زبیم آنکہ در آتش شود

یعنی اُس کا ترک کفر بھی خدا ہی کے واسطے ہوتا ہے نہ اس خوف سے کہ وہ آگ میں جاوے گا۔

این چنین آمد اصل آں خوی او　　نے ریاضت نے زجستجوئے او

یعنی اُس کی عادت اصل ہی سے ایسی ہے نہ کسی ریاضت اور جستجو کی وجہ سے ہے۔ مطلب یہ ہے کہ خاص اسمیں ریاضت کو دخل نہیں ہے بلکہ یہ ایک حال ہے لیکن ریاضت بھی بے کار نہیں ہے اس لئے کہ اگر ریاضت نہ ہو تو اِن باتوں کا اظہار کب ہوسکتا ہے!

آنگہاں خندد کہ او بیند رضا　　ہمچو حلوائے شکر او را قضا

یعنی اُس وقت ہنستا ہے جبکہ وہ (ہنسنے میں) رضا دیکھتا ہے اور قضا اُس کو حلوا اور شکر کی طرح (گوارا) ہوتی ہے۔ یہ پہلے معلوم ہوچکا ہے کہ یہ ایک حال ہے، مقام نہیں ہے تو آپ فرماتے ہیں کہ۔

بندۂ کش خوئے و خصلت این بود　　نے جہاں بر امر و فرمانش رود

یعنی جس بندہ کی کہ یہ خصلت و خو ہو تو کیا جہان اُس کے حکم کے موافق نہ چلے گا۔ (استفہام انکاری ہے یعنی ضرور اسی کی رضا کے موافق چلے گا)

پس چرا لابہ کند او یا دعا　　　کہ بگرداں اے خداوند این قضا

یعنی پھر وہ اس دعا میں کیوں زاری کرے کہ اے اللہ اس قضا کو پھیر دے۔ اسلئے کہ یہ دعا تو وہ کرے جو اس سے راضی نہ ہو اور جب وہ اس پر راضی ہے تو اس کے پھر جانے کی دعا کیوں کرنے لگا ہے۔ ظاہر بات ہے۔ اس کی تو یہ حالت ہے کہ)

مرگ او و مرگ فرزندان او　　　بہر حق پیشش چو حلوا در گلو

یعنی اس کی موت اور اس کے بچوں کی اللہ کے واسطے اس کے آگے مثل حلوے کے ہے حلق میں۔

نزع فرزندان بر آن باوفا　　　چوں قطائف پیش شیخ بے نوا

یعنی اس باوفا کے نزدیک بچوں کا نزع (ایسا ہوتا ہے) جیسے کہ میوے کسی شیخ بے نوا کے سامنے۔ مطلب یہ کہ اس کے سامنے رضا بقضا اس کی طبیعت ثانیہ ہو جاتی ہے۔

پس چرا گوید دعا الا مگر　　　در دعا بیند رضائے دادگر

یعنی پھر وہ دعا کیوں کرے ہاں مگر دعا میں وہ حق تعالے کی رضا دیکھے۔ یعنی اگر اس کو دعا میں یہ معلوم ہو جاوے کہ اب دعا سے راضی ہونگے تو دعا کرتا ہے غرضکہ جس میں رضاء حق ہوتی ہے وہی اس کی رضا ہوتی ہے۔

آن شفاعت و ان دعا نز رحم خود　　　میکند آن بندۂ صاحب رشد

یعنی (در گاہ حق میں) سفارش اور دعا وہ صاحب رشد بندہ اپنے رحم کی وجہ سے نہیں کرتا بلکہ وہ بھی جب ہی کرتا ہے جبکہ رضائے حق دیکھتا ہے۔ اس لئے کہ،

رحم خود را او ہمان دم سوختہ است   کہ چراغ عشق حق افروختہ است

یعنی اوسنے اپنے رحم کو اوسیوقت جلا دیا ہے جبکہ عشق حق کا چراغ جلایا ہے۔

دوزخ اوصاف او عشق است و او   سوخت مر اوصاف او را مو بمو

یعنی اوسکے اوصاف کی دوزخ عشق ہے اور اوس نے اوس کے اوصاف کو بالکلیہ جلا دیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ عشق حق اوسکے اوصاف کے لیئے دوزخ کی طرح ہے اُس کے آتے ہی سارے صفات جل بجھ گئے اون ہی میں وصف رحم بھی ختم ہوا اور یہ شخص اب فنا فی رضا الحق ہوگیا ہے آگے فرماتے ہیں کہ۔

ہر طروقی این فرقے کے شناخت   چون دقوقے کو درین دولت بتاخت

یعنی ہر سالک نے ان فرقوں کو مثل دقوقے کے کب پہچانا ہے کہ وہ تو اس دولت میں دوڑے ہیں مطلب یہ ہے رضا بر قضا میں اور صبر میں جو فرق ہے اونکو ہر شخص تو نہیں جانتا جو کامل ہو وہی سمجھہ سکتا ہے ہاں دقوقے جن کا آگے قصہ آتا ہے۔ چونکہ وہ بھی کامل ہیں وہ بے شک پہچانتے تھے قصہ یہ ہے کہ ایک بزرگ دقوقے نامے سیاح تھے ایک جگہ پہونچے وہاں سات بزرگ اور تھے اون ساتوں نے ان دقوقی کو نماز میں امام بنایا یہ نماز کو کہڑے ہوئے تو اون کو مکشوف ہوا کہ ایک جہاز ڈوب رہا ہے اور اوس کے بیٹھنے والے بڑا غل وشور کر رہے ہیں اونھوں نے کہڑے کہڑے دعا کی کہ یا الٰہی اُنکو بچالے تو وہ ساتوں بزرگ الگ ہوکر بیٹھہ گئے اور اون کے پیچھے نماز شروع ہی نہ کی۔ اور کہا کہ یہ شخص حق تعالیٰ کے کاموں میں دخل دیتا ہے کہ وہ اُس جہاز کو ڈبونا چاہیں اور یہ دخل دیتا ہے لہذا ان کے پیچھے نماز نہ پڑھنی چاہیئے۔ یہ تو خلاصہ ہوا اوس قصہ کا اب یہاں ایک اشکال وارد ہوتا ہے وہ یہ کہ مولانا اُس مقام پر اون لوگوں کی مدح کرتے ہیں

جوکہ راضی برضائے حق اور بقضائے حق ہوں۔ اور دقوقی کے قصے سے اون سات بزرگوں کا راضی برضا رہنا بیان کرنا مقصود ہی ہے۔ مگر یہاں دقوقی کی تعریف کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ انکو ہی کامل سمجھتے ہیں اور انکی بھی تعریف کرتے ہیں۔ تو اب یہ خلط ہوتا ہے کہ آیا مولانا کو کسکی تعریف مقصود ہے جواب اِس کا یہ ہے کہ مولانا کو اصل میں اون ساتوں کی کے کمال کو بیان کرنا مقصود ہے اور دقوقی پر اون ہی کو ترجیح دیتے ہیں۔ مگر ایک طرح دقوقی کی بہی تعریف فرما دی۔ اور مولانا کے اِس مقصود کے تعیین کے لیے اول ایک بات سمجھ لو۔ وہ یہ کہ حدیث میں غزوہ اُحد کا قصہ مذکور ہے اور اوس میں جو قیدی پکڑ کر آئے تھے اونکی بابت حق تعالیٰ نے صحابہ کو اختیار دیا کہ خواہ انکو فدیہ لیکر چھوڑ دو۔ اس صورت میں تو اگلے سال تم میں سے ستر مارے جاویں گے اور خواہ اون کو قتل کردو۔ تو حضرات صحابہ نے فدیہ لیکر رہا کرنا اختیار کر لیا تہا تو پہر اسپر عتاب نازل ہوا۔ اِس کی تفسیر میں مفسرین یہی کہتے ہیں کہ صحابہ کو حق تعالیٰ نے اختیار (بالایارالتحانی) نہ دیا تہا۔ بلکہ اختیار (بالباءالموحدۃ) یعنی آزمایش مقصود تہی اور حق تعالیٰ کو منظور یہ تہا کہ یہ قتل کیے جاویں تو چونکہ اون حضرات کی رائے صواب کو نہ پہونچی اِس لئے عتاب ہوا۔ اب سمجھو کہ معلوم ہوتا ہے کہ دقوقی کو جو الہام ہوا تہا وہ بطور تخیر کے تہا کہ اگر چاہو تو دعا کر سکتے ہو مگر حق تعالیٰ کو منظور نہ تہا۔ تو اون کو تو صرف الہام تخیر ہوا تہا اِس لیے اونہوں نے تو دعا کر دی اور اون ساتوں کو اس کا الہام ہوا کہ وہ جہاز ڈوب رہا ہے اور اسکا بہی الہام ہوا کہ دقوقی کو جو دعا کا الہام ہوا ہے اوس میں اختیار دیا گیا ہے اور منظور حق یہ ہے کہ جہاز ڈوب جاوے تو ان دقوقی کی نظر تو وہاں تک نہ پہونچی مگر یہ حضرات اس بات میں ان سے بڑہے ہوئے تہے لہذا اونہوں نے اسکو سمجہا اور ان کا اقتدا درست نہ سمجہا۔ بس اب کوئی اشکال بحمد اللہ باقی نہ رہا واللہ درّ مولانا اب آگے دقوقی کا قصہ بیان فرماتے ہیں +

شرح حبیبی

آن دقوقی داشت خوش دیباچۀ — عاشق و صاحب کرامت خواجۀ

بر زمین مے شد چو مہ بر آسمان — شب روانرا گشته زو روشن روان

در مقامے مسکنے کم ساختے — کم دو روز اندر دہے انداختے

گفت در یک خانہ ہا شم گردو روز — عشق آن مسکن کند در من فروز

عزة المسکن احاذرہا انا — انقلی یا نفس سافر للغنا

لا اعود خلق قلبے بالمکان — کے یکون خالصًا فے الامتحان

روز اندر سیر شد شب در نماز — چشم اندر شاہ باز او ہمچو باز

منقطع از خلق نے از بد خوئے — منفرد از مرد و زن نے از دوئی

مشفقے بر خلق نافع ہمچو آب — خوش شفیعے و دعایش مستجاب

نیک بد را مهربان و مستقر — بهتر از مادر شهی تر از پدر

گفت پیغمبر شما را ای مهان — چون پدر هستم شفیق و مهربان

زان سبب که جمله اجزای منید — جزو را از کل چرا بر میکنید

جزو از کل قطع شد بیکار شد — عضو از تن قطع شد مردار شد

تا نه پیوندد بکل بار دگر — مرده باشد نبودش از جان خبر

ور بجنبد نیست خود او را سند — عضو نو ببریده هم جنبش کند

جزو ازین کل گر برد یکسو رود — این نه آن کل ست کو ناقص شود

قطع و وصل او نیاید در مقال — چیز ناقص گفته شد بهر مثال

مر علیؓ را بر مثال شیر خواند — شیر مثل او نباشد گرچه راند

از مثال و مثل فرق آن بران — جانب قصهٔ دقوقی باز ران

آنکه در فتوی امام خلق بود — گوی تقوی از فرشته می ربود

آنکه اندر سیر مه رامات کرد — هم ز دینداری او دین رشک خورد

با چنین تقوی و اوراد و قیام — طالب خاصان حق بودی مدام

در سفر معظم مرادش آن بدی — که دمی با بندهٔ خاصی زدی

این همی گفتی چو می رفتی براه — کن قرین خاصگانم ای اله

یارب آنها را که بشناسد دلم — بندهٔ بسته میان و مجملم

و آنکه نشناسد تو ای یزدان جان — بر من محجوب شان کن مهربان

حضرتش گفتی که ای صدر مهین — این چه عشقست و چه استسقاست این

مهر من داری چه می جوئی دگر — چون خدا با تست چون جوئی بشر

او بگفتی یارب ای دانای راز — تو گشودی در دلم راه نیاز

در میان بحر اگر بنشسته‌ام — طمع در آب سبو هم بسته‌ام

همچو داؤد نود نعجه مراست — طمع در نعجهٔ حریفم هم بخاست

حرص اندر عشق تو فخرست و جاه | حرص اندر غیر تو ننگ و تباہ

شہوت و حرص نران بیشی بود | وان حیزان ننگ و دریشی بود

حرص مردان ازرہ پیشی بود | در مخنث حرص سوئے پس رود

آن یکے حرص از کمال مردی ست | وان دگر حرص افتضاح و سردی ست

آہ سرے ہست اینجا بس نہان | کہ سوئے خضرے شود موسیٰ دوان

ہمچو مستسقی کز آبش سیر نیست | بر ہر آنچہ یافتی باللہ مایست

بے نہایت حضرت ست این بارگاہ | صدر را بگذار صدر تست راہ

از کلیم حق بیاموز اے کریم | بین چہ مے گوید ز مشتاقی کلیم

دقوقی کی حالت بہت اچھی تھی وہ عاشقِ خدا اور صاحب کرامت شخص تھے
جس طرح چاند آسمان پر چلتا ہے وہ زمین پر چلتے تھے اور جس طرح رات کے
چلنے والوں کو چاند سے بصیرت حاصل ہوتی ہے یوں ہی ظلمات میں چلنے
والے گمراہ لوگوں کو ان کے ذریعہ سے نور معرفت حاصل ہوتا تھا وہ ایک مقام پر
نہیں رہتے تھے۔ بلکہ ایک گاؤں میں دو دن بھی نہ رہتے تھے۔ اور اسکا
یہ بیان فرماتے تھے کہ اگر کسی گاؤں میں دو دن بھی رہوں گا تو اوس جگہ کی

محبت میرے دلمیں پیدا ہو جاویگی اور میں گھر کی محبت سے بچنا چاہتا ہوں اسلیئے
کہتا ہوں کہ اے نفس تو چل یہاں سے اور سفر کرتا کہ تجھے دولت حقیقی حاصل ہوں
السفر وسیلة الظفر۔ میں اپنے دل کو کسی مکان کا خوگر نہیں بنانا چاہتا تاکہ وہ
امتحان میں خالص اور غیر اللہ کی محبت کی آمیزش سے پاک رہے وہ دن بھر تو چلتے اور
رات بھر نماز پڑھتے تھے ہمیشہ حق سبحانہ پر نظر رکھتے اور باز کی طرح اطاعت شہنشاہ
حقیقی پر کمربستہ رہتے۔ مخلوق سے جدا رہتے۔ مگر اس کا سبب بدخوئی نہ تھی
وہ عورتوں اور مردوں سے الگ رہتے مگر مغائرت کے سبب نہیں۔ بلکہ
اپنی حفاظت کے لیئے وہ مخلوق پر بیحد شفیق اور اون کے لیے پانی کی طرح
نافع تھے وہ مشفق بھی تھے اور مستجاب الدعوات بھی اس لیئے مخلوق کو اون سے
بہت نفع ہوپہنچتا تھا وہ اچھوں اور بروں سب پر مہربان اور سب کا مرجع
تھے۔ یعنی ہر طرح کے لوگ اون سے اپنی حوائج میں مدد لیتے تھے غرض کہ
وہ اون کے حق میں ماں سے بہتر اور باپ سے افضل تھے۔ کیونکہ وہ جانشین
پیغمبر تھے اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میں تمہ
تمہارے باپوں سے زیادہ مشفق اور مہربان ہوں اس لیے کہ تم سب میرے
ہی اجزا ہو۔ کیونکہ تمہاری بقا اور حیات مجھ سے وابستہ ہے پس تم اپنے
کو مجھ سے کیوں الگ کرتے ہو۔ دیکھو جب جزو کل سے الگ ہو جاتا ہے تو نکما
ہو جاتا ہے اور جب کسی عضو کو جسم سے کاٹ ڈالا جاتا ہے تو مردار ہو جاتا ہے اور
جب تک دوبارہ نہیں ملجاتا مردہ ہی رہتا ہے اور حیات کی اس کو ہوا بھی نہیں
لگتی اگر کوئی مجھ سے علاقہ قطع کرکے چلتا پھرتا کھاتا پیتا ہے۔ اور دیگر کام کرتا ہے
تو یہ خیال کچھ قابل اعتبار اور ہرگز دلیل حیات نہیں دیکھو کٹا ہوا عضو بھی کچھ
دیر تڑپتا ہے مگر اوس کے بعد ٹھنڈا ہو جاتا ہے۔ پس یہ حرکات ظاہرہ حقیقی
حیات کی دلیل نہیں ہوسکتیں بلکہ حقیقةً تو وہ مردار ہی ہے گو بظاہر زندہ
معلوم ہو۔ اسپر یہ شبہ نکرنا کہ جس طرح جزو کے اپنے کل سے جدا ہو جانیسے

اوسکی حیات جاتی رہتی ہے یوں ہی کل میں بھی نقصان آجاتا ہے تو اس سے لازم آیا
کہ لوگوں کے قطع تعلق سے خود جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نعوذ باللہ
نقصان آجانے۔ کیونکہ یہ وہ کل نہیں ہے جو جزو کے قطع تعلق کرنے اور علیحدہ
ہوجانے سے ناقص ہوجاوے۔ بلکہ یہ دوسرے طرح کا کل ہے۔ اور اصل بات
یہ ہے کہ یہ جزویت اور کلیت اور ایک کا دوسرے کی ساتھہ اتصال وانقطاع
حقیقی نہیں ہے بلکہ تشبیہی ہے اور وہ خاص تعلق جو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم اور لوگوں میں ہے اون کے انقطاع وانصال کی کیفیت بیان میں نہیں آسکتی
اسلئے تقریب فہم کے لئے ایک ناقص مثال بیان کردی گئی ہے تم نے اسکو
مثل سمجھہ لیا۔ اور تشبیہ کردیا۔ حالانکہ مثال اور چیز ہے اور مثل اور شے۔ مثلاً
حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو اسد اللہ اور مثال شیر کہا گیا ہے لیکن شیر تو کمثل نہیں ہے۔ اس سے اجمالاً تمکو مثال اور
مثل میں فرق معلوم ہوجائیگا اور جو شبہ تمنے مثال کو مثل سمجھکر کیا تہا وہ دفع ہوجاویگا اچھا اب مثال ومثل اور
انکے فرق کے قصہ کو الگ کردو اور دقوقے کے قصہ کی طرف چلو خیر تو دقوقے وہ شخص تھے جو فتوی
میں مقتدائے خلق تہے۔ اور تقوی میں سبقت لے گئے تہے اور جنہوں نے
سرعت سیر الی اللہ میں چاند کو مات کردیا تھا۔ اور
جن کی دینداری پر خود دین کو رشک ہوتا تھا۔ (یعنی نہایت دیندار تہے
اور یہ ایک عنوان عرفی ہے۔ اس مضمون کے ادا کا) غرض کہ وہ اس قدر
تو پرہیزگار۔ وظیفے اور نوافل پڑہنے والے تہے مگر باانہمہ ہمیشہ اہل اللہ کو
تلاش کرتے رہتے تہے سفر میں بڑا مقصد اون کا یہ ہوتا تہا کہ کسی وقت کسی
کامل سے ملاقات ہوجاوے جب وہ سفر کرتے تہے تو یہ دعا کرتے تہے
کہ اے اللہ مجھے اپنے خاص بندوں سے ملادے اور اے اللہ جن کو میں
جانتا ہوں اون کی خدمت میں حاضر ہونے کے لیے تو میں کمربستہ اور کجاوہ
لادے ہوئے ہوں ہی لیکن جنکو میں نہیں جانتا مجھہ محجوب پر تو اونکو مہربان
کردے کہ وہ اپنے کو مجھپر ظاہر کردیں اسپر حق سبحانہ اون کے منہ سے

جواب سننے کے لیئے اون سے فرماتے کہ کیسا عشق اور کیسی پیاس ہے جب تم کو مجھ سے محبت ہے تو غیروں کو کیوں ڈھونڈھتے ہو۔ اور جب ہم تمھارے ساتھ ہیں تو آدمیوں کو کیا تلاش کرتے ہو۔ وہ جواب دیتے کہ اے اللہ آپ تو تمام اسرار سے واقف ہیں کوئی بات آپ سے پوشیدہ نہیں ہے۔ بات یہ ہے کہ آپنے میرے اندر تواضع کی کیفیت پیدا فرمادی ہے اسلیئے اگرچہ میں سمندر میں بیٹھا ہوں لیکن پھر بھی میری نظر گھڑے پر ہوتی ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ میں پانی سے محروم ہوں۔ اور گھڑا اوس سے لبریز ہے اسلیئے اُس سے پانی حاصل کرنا چاہیے داؤد کی طرح کچھ اوپر نوٹ ۹ ے بھیڑیں میرے پاس ہیں مگر باایں‌ہمہ اوروں کی بھیڑوں کی خواہش بھی ہے (داؤد علیہ السلام کے جس قصہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے وہ بے اصل ہے بنابر مشہور اس کا ذکر کیا گیا ہے) آپ کے عشق میں جس قدر حرص ہو فخر کی بات ہے اور سراسر عزت ہے اور دیگر امور میں حرص نہایت شرم کی بات اور موجب تباہی ہے مردوں کی خواہش ترقی کی طرف ہوتی ہے اور نامردوں کی رغبت شرمناک باتوں اور بھیک مانگنے وغیرہ کی طرف اور مردوں کی حرص آگے سے تعلق رکھتی ہے اور مخنث کی حرص پیچھے پہونچ جاتی ہے۔ پس ایک کی حرص تو کمال مردی سے ناشی ہے اور دوسرے کی سراسر رسوائی اور نقص ہے۔ یہاں ایک بہت مخفی راز ہے۔ کہ موسے علیہ السلام خضر کی طلب میں جاتے ہیں حالانکہ ہر دو کے مراتب میں بہت فرق ہے (اس مقام پر یہ مضمون استطرادی ہے آگے اس کا قصہ صریحاً مذکور ہے اس کے بعد مضمون سابق کی طرف عود ہے) تمکو چاہیئے کہ طلب حق سبحانہ سے کبھی دست بردار نہو۔ اور یوں ہی طالب رہو جس طرح استسقا والا پانی سے سیر نہیں ہوتا۔ اور جس مرتبہ پر پہونچ جاؤ۔ اور خدا کے ساتھ تم کو جسقدر تعلق ہو جاوے اوسپر قناعت نکرو یاد رکھو کہ یہ درگاہ بے نہایت ہے اِس کے صدر مقام پر آدمی کبھی پہونچ ہی نہیں سکتا۔ پس تم مشیخت اور کمال کے خیال کو چھوڑ دو اور چلتے رہو۔ یہی مشیخت اور کمال ہے تم کلیم اللہ سے

سبق حاصل کرو۔ اور دیکھو کہ وہ فرطِ اشتیاق میں کیا کہتے ہیں وہ فرماتے ہیں

شرح شبیری

قصہ دقوقی اور اُن کے کرامات کا

آن دقوقی داشت خوش دیباچۂ　　عاشق وصاحب کرامت خواجۂ

یعنی وہ دقوقی ایک اچھا چہرہ رکھتے تھے اور ایک عاشق (حق) اور صاحب کرامت خواجہ تھے +

بر زمین مے شد چو مہ بر آسمان　　شب روان را گشتہ زو روشن روان

یعنی زمین پر وہ چلتے تھے جیسے کہ چاند آسمان پر اور سالکوں کے لیئے اونکی وجہ سے راہ روشن ہو گئی تھی۔

در مقامے مسکنے کم ساختے　　کم دو روز اندر دہے انداختے

یعنی کسی ایک جگہ میں مسکن نہ بناتے تھے اور دو روز (بھی) کسی گاؤں میں کم ٹھیرتے تھے۔

گفت در یک خانہ باشم گر دو روز　　عشق آن مسکن کند در من فروز

یعنی کہا کرتے تھے کہ ایک جگہ اگر میں دو روز تک رہوں تو اوس جگہ کی محبت مجھ میں

دلیں روشن ہوجاوے۔

عزۃ المسکن احاذرہا انا　　انقلی یا نفس سافر للغنا

یعنی مسکن کی عزت سے میں بچتا ہوں تو اے نفس سفر کر غنا کے واسطے

لا اعود حلق قلبی فی المکان　　کے یکون خالصاً فی الامتحان

یعنی میں اپنے قلب کے حلق کو مکان کا عادی نہیں بناتا تاکہ وہ امتحان (حق) میں خالص ہو

روز اندر سیر بُد شب در نماز　　چشم اندر شاہ باز او ہمچو باز

یعنی دن کو تو چلتے ہیں اور رات کو نماز میں رہتے ہیں اور حق تعالیٰ میں آنکھ کھلی ہو مثل باز کے۔ یعنی جس طرح کہ باز شکار کرتا ہے۔ اسی طرح وہ شکار معانی کا کرتے تھے۔

منقطع از خلق لے از بدخوئی　　منفرد از مرد و زن نے از دوئی

یعنی مخلوق سے منقطع مگر نہ کہ بدخوئی کی وجہ سے اور مرد و زن سے منفرد نہ نفرت کیوجہ سے (بلکہ)

مشفقے بر خلق نافع ہمچو آب　　خوش شفیعے و دعائش مستجاب

یعنی خلق پر وہ مشفق تھے پانی کی طرح اور شفیع (درگاہ حق میں) اور ان کی دعا (بھی) مستجاب تھی۔

نیک و بد را مہربان و مستقر　　بہتر از مادر شہے تر از پدر

یعنی نیک و بد (سب کے لیے) مہربان اور جائے قرار تھے اور ماں سے بہتر اور باپ سے زیادہ مرغوب۔ غرضکہ جب وہ اس قدر شفیق تھے لوگوں سے نفرت اور بدخوئی

کی وجہ سے کیوں الگ ہوتے۔ بلکہ بات یہ تھی کہ وہ تنہائی کے واسطے الگ رہا کرتے تھے چونکہ بزرگانِ دین نائب رسول ہوتے ہیں اور مستفیض جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوتے ہیں لہذا آگے مولانا حضور مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقت و مہربانی کو بیان فرماتے ہیں کہ

گفت پیغمبر شما را اے مہاں — چون پدر ہستم شفیق و مہربان

یعنی پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اے سردارو میں تمہارے لیئے باپ کی طرح شفیق اور مہربان ہوں۔

زاں سبب کہ جملہ اجزائے منید — جزو را از کل چرا بر مے کنید

یعنی اس سبب سے کہ تم میرے اجزاء ہو تو جزو کو کل سے قطع کیوں کرتے ہو۔ جزو مراد تابع ہے۔ مطلب یہ کہ تم میرے اس طرح تابع ہو جیسے کہ جزو کل کے تو پھر مجھے قطع تعلق مت کرو اسلئے کہ

جزو از کل قطع شد بیکار شد — عضو از تن قطع شد مردار شد

یعنی جزو کل سے قطع ہو گیا تو وہ جزو بیکار ہو گیا۔ اور عضو بدن سے قطع ہو گیا تو مردار ہو گیا

تا نہ پیوندد بکل بار دگر — مردہ باشد نبودش از جان خبر

یعنی جب تک کہ دوبارہ کل سے نہ جڑے یہ جزو مردہ رہے گا۔ اور اسکو جان کی خبر بھی نہ ہوگی۔ مطلب یہ کہ اگرچہ الگ بھی ہو جاؤ تو چاہیئے کہ پھر ملجاؤ۔ اور اگر الگ رہو گے تو پھر کبھی حیات نہ آوے گی۔ اور اگر جلدی سے ملجاؤ گے تو حیات پھر لوٹ آوے گی۔ جیسے کہ عضو نو بریدہ کو فوراً جوڑ دو تو وہ جڑ جاتا ہے اور اگر کچھ روز پڑا رہے تو پھر بالکل بے جان ہو جاتا ہے۔ اب یہاں کوئی شبہ

کرتا ہے کہ جناب بعض لوگوں نے قطع کیا مگر اون کی عقل وغیرہ سب ویسی ہی رہی
تو وہ مردہ کہاں ہوئے یعنی اون کے حواس وغیرہ جاتے رہتے یہ کہاں ہوا
مولانا اس کا جواب فرماتے ہیں کہ۔

ور بجنبد نیست خود او را سند — عضو نو ببریدہ ہم جنبش کند

یعنی اگر وہ حرکت کرتا ہے تو اوسکی کوئی سند نہیں ہے کیا کٹا ہوا عضو
جنبش کیا ہی کرتا ہے۔ (تو چونکہ قطع کو زیادہ مدت نہیں گذری اس لیے
عقل وغیرہ باقی ہے ورنہ دیکھنا کہ کچھ روز میں سب رفو چکر ہو جاوے گی)
یہاں ایک اور شبہ یہ ہوا کہ اگر جزو کی علیحدگی سے وہ بے کار ہو جاتا ہے تو
کل بھی تو ناقص ہو جاتا ہے تو اگر یہ لوگ بیکار ہوئے تو نعوذ باللہ حضور صلی اللہ
علیہ وسلم میں بھی نقص آیا۔ اس کا جواب فرماتے ہیں کہ

جزو ازین کل گر بُرد یکسو رود — این نہ آن کل است کو ناقص شود

یعنی جزو اگر اس کل سے کٹکر جاوے اور ایک طرف چلا جاوے
تو یہ تو کل نہیں ہے جو ناقص ہو گا۔

قطع و وصل او نیاید در مقال — چیز ناقص گفتہ شد بہر مثال

یعنی ان کا قطع و وصل مقال میں آ نہیں سکتا۔ اور ایک شئے ناقص مثال کے
طور پر کہی گئی ہے۔ مطلب یہ کہ ہمنے جو اوپر جزو و کل کی مثال دی ہے وہ
ایک ناقص مثال ہے ورنہ اصل میں پوری طرح وہ اوس کے مثل نہیں ہے
اور یہ وہ کامل نہیں ہے جو ناقص ہو جاوے

مر علیؓ را بر مثال شیر خواند — شیر مثل او نباشد گرچہ راند

یعنی علیؓ کو شیر کی طرح کہا ہے تو شیر انکی مثل (من کل الوجوہ) نہیں ہوتا اگرچہ (یہ مثال) جاری ہوگئی ہے مطلب یہ کہ دیکھو اگرچہ ....
.... حضرت علیؓ کو اسد اللہ کہتے ہیں مگر وہ من کل الوجوہ تو شیر نہیں ہیں اسیطرح اگرچہ مثال جزو وکل کی دی ہے مگر یہ مثال خود ناقص ہے تو جس طرح کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جزو وکل کی طرح شفیق تھے اسی طرح وہ دقوقی صاحب بھی لوگوں پر بہت شفقت فرماتے تھے۔ آگے پھر اون کا قصہ ہے۔

دقوقی کے قصہ کی طرف لوٹنا

از مثال و مثل و فرق آن بران جانب قصہ دقوقی اے جوان

یعنی اے جوان مثال اور اوس کے فرق (کے بیان) دقوقی کے قصے کی طرف چلو

آنکہ در فتوی امام خلق بود گوئے تقوی از فرشتہ مے ربود

یعنی وہ دقوقی کہ فتوے میں خلق کے امام تھے اور تقوے کی گیند فرشتہ سے لیجاتے تھے یعنی تقوے میں فرشتوں سے بھی بڑھے ہوئے تھے۔

آنکہ اندر سیر مہ رامات کرد ہم ز دینداری او دین رشک خورد

یعنی وہ کہ چلنے میں چاند کو مات کرتے تھے اور اونکی دینداری سے اہل دین رشک کہاتے تھے۔

باچنین تقویٰ و اوراد و قیام — طالب خاصان حق بودے مدام

یعنی باوجود ایسے تقوے اور اوراد۔ اور قیام کے وہ ہمیشہ خاصان حق کے طالب رہا کرتے تھے +

در سفر معظم مرادش آن بُدی — کہ دمے با بندۂ خاصی زدے

یعنی سفر میں بڑی مراد اونکی یہ ہوتی تھی کہ ایکدم کسی بندۂ خاص کے ساتھ ملیں +

این ہمی گفتے چو مے رفتے براہ — کن قرین خاصگانم اے الٰہ

یعنی جب راہ چلتے تھے تو یہ کہتے تھے کہ اے اللہ (اپنے) خاص لوگوں کا مجھے ساتھی بناوے اور عرض کرتے تھے کہ .

یارب آنہا را کہ بشناسد دلم — بندۂ بستہ میان و مجملم

یعنی اے اللہ جنکو کہ میرا دل جانتا ہے اون کا تو غلام کمربستہ اور محمل ہوں +

وانکہ نشناسد تو اے یزدان جان — بر من محجوبشان کن مہربان

یعنی اے اللہ اور جنکو کہ میرا دل نہیں پہچانتا اون کو آپ مجھ محجوب کا مہربان فرما دیجئے

حضرتش گفتے کہ اے صدر مہین — این چہ عشقست و چہ استسقاست این

یعنی حضرت حق اونسے فرماتے کہ اے صدر اعظم یہ کیسا عشق ہے اور کیسا استسقا ہے (اور ارشاد ہوتا کہ)

مہر من داری چہ میجوئی دگر — چون خدا با تست چہ جوئی بشر

یعنی میری محبت تو رہتے ہو اور کیا تلاش کرتے ہو اور جب خدا تمہارے ساتہ ہے تو بشر کو کیا تلاش کرتے ہو یعنی جب اللہ ساتہ ہے تو اہل اللہ کو کیوں ڈہونڈہتے ہو

او بگفتی یارب اے دانائے راز　　تو کشودی در دلم راہ نیاز

یعنی وہ عرض کرتے کہ اے اللہ دانائے راز آپ نے ہی تو میرے دل میں راہ تواضع کہول دی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ آپنے جو میرے قلب میں تواضع پیدا فرمادی ہے اوسیکا یہ اثر ہے کہ میں اپنی احتیاج انسانوں سے اور اون لوگوں سے جو مجہسے تعلق رکہنے والے ہیں ظاہر کرتا ہوں بزرگوں نے کہا ہے کہ درود شریف کثرت سے پڑہنا ہی تکبر کا علاج ہے اسلئے کہ اِس میں اِس کا اظہار ہے کہ باوجودیکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بحیثیت بشریت کے سب کے مماثل ہیں مگر ہم اون کی توجہ کے بہی محتاج ہیں +

۲۷۰۰

درمیان بحر اگر بنشستہ ام　　طمع در آب سبو ہم بستہ ام

یعنی اگرچہ بحر کے درمیان میں بیٹہا ہوا ہوں مگر گہڑے کے پانی کی بہی حرص رکہتا ہوں +

ہمچو داؤدم نود نعجہ مرا ست　　طمع در نعجہ حریفم ہم بجا ست

یعنی مثل داؤد علیہ السلام کے کہ نوے بکریاں میرے پاس ہیں مگر اپنے ساتھی کی بکری میں طمع کرنا بہی میرے لیئے بجا ہے۔ مولانا اِس قصہ کو بنا بر مشہور نقل فرماتے ہیں ورنہ اصل میں یہ قصہ بالکل غلط در غلط ہے مقصود یہ ہے کہ وہ فرماتے تہے کہ اگرچہ مجہے قرب کامل حاصل ہے مگر جہاں کہیں کچہہ بہی قرب حاصل ہوتے دیکہتا ہوں یہ چاہتا ہوں کہ یہ بہی حاصل ہوجاوے۔

حرص اندر عشق تو فخر است و جاه　　حرص اندر غیر تو ننگ و تباہ

یعنی آپکی محبت کی حرص تو فخر ہے اور جاہ ہے اور آپ کے غیر میں حرص کرنا یہ شرم اور تباہی ہے +

شہوت و حرص نران پیشے بود　　وان حیزان ننگ و رسوائے بود

یعنی مردوں کی حرص و شہوت تو آگے کی طرف ہونی ہے اور وہ حیزوں اور نامردوں کی شرم اور گداگری ہوتی ہے +

حرص دان از رہ پیشے بود　　در مخنث حرص سوئے پس رود

یعنی مردونکو تو حرص آگے کی طرف ہوتی ہے اور مخنث میں حرص پیچھے کی طرف جاتی ہے۔ مطلب یہ کہ جو مرد ہیں اون کو تو حرص یہ ہوتی ہے کہ آگے چلکر ترقی کریں اور جو نامرد ہیں وہ اس دنیا ہی میں پڑے رہتے ہیں۔

آن یکے حرص از کمال مردی است　　وان دگر حرص افتضاح و سردی است

یعنی وہ ایک حرص تو مردی کے کمال کیوجہ سے ہے اور وہ دوسری فضیحت اور افسردگی ہے۔ آگے فرماتے ہیں کہ

آہ سرے ہست اینجا بس نہان　　کہ سوے خضر شد موسیٰ دوان

یعنی آہ اسجگہ ایک بہت پوشیدہ بھید ہے کہ موسیٰؑ خضرؑ کی طرف دوڑتے ہوئے روانہ ہوئے۔ مطلب یہ کہ اس طلب میں ایک عجیب بھید ہو کہ دیکھو طلب وہ چیز ہے کہ موسیٰؑ جیسے جلیل القدر نبی حضرت خضر علیہ السلام کے پاس جاویں۔ دیکھو آخر طلب حق ہی تھی جب ہی تو ایسا ہوا۔

همچو مستسقی کزآبش سیر نیست بر هر آنچه یافتی بالله مایست

یعنی مستسقی کی طرح اوسکو پانی سے سیری نہیں ہوتی ۔ توتم جس چیز پر پہونچو خدا کی قسم کہڑے مت ہو۔ اس لیئے کہ ۔

چون گذشتی زان دگر نوتر رسد آن یکے بالاتر از وے در رسد

یعنی جب تم اوس سے گذر جاؤ گے تو ایک اور نئی شے ملیگی ۔ اور وہ ایک اوس سے بالا ملے گا +

بے نہایت حضرتست این بارگاہ صدر را بگذار صدر تست راہ

یعنی یہ درگاہ بے نہایت بارگاہ ہے تم صدر کو ترک کرو اسلئے تمہارا صدر تو راہ ہی ہے ۔ مطلب یہ کہ تم کسی جگہ پر ٹہیر و مت کہ وہاں پہونچکر تم صدر بنالو بلکہ تمہارا صدر تو یہی ہے کہ بس راہ طے کرتے چلے جاؤ دوسری جگہ فرماتے ہیں کہ ؎

اے برادر بے نہایت درگہے است ہر چہ بروے میرسی بروے مایست

آگے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خضر علیہ السلام کے پاس جانیکا راز بیان فرماتے ہیں

شرح حبیبی

با چنین جاہ و چنین پیغمبری طالب خضرم زخود بینی بری

موسیا تو قوم خود را ہشتۂ	در پئے نیکو پئے سرگشتۂ
کیقبادے رستہ از خوف و رجا	چند گردی چند جوئے تا کجا
آن تو با تست و تو وقف برین	آسمانا چند پیمائے زمین
گفت موسےٰ این ملامت کم کنید	آفتاب و ماہ را رہ کم زنید
میروم تا مجمع البحرین من	تا شوم مصحوب سلطان زمن
اجعل الخضر لامری سببًا	ذاک او امضے و اسری حقبًا
سالہا پرّم ز پرّ و بالہا	سالہا چہ بود ہزاران سالہا
میروم یعنے نمی ارزد بدان	عشق جانان کم مدان از عشق نان
این سخن پایان ندارد ای عمو	داستان آن فتوتے باز گو

الحمد للہ کہ مجھے حق سبحانہ نے اسقدر مرتبہ اور پیغمبری کی اتنی بڑی دولت عطا فرمائی ہے لیکن باانیہمہ میں طالب خضر ہوں اور خود بینی سے مبرا۔ لوگوں نے اُن سے یہ بھی کہا کہ اے موسےٰ تمنے اپنی قوم کو چھوڑ دیا اور ایک نیک شخص کی طلب میں سرگرداں ہو۔ آپ تو اپنے وقت کے

شہنشاہ ہیں آپ کا مرتبہ خوف ورجا سے جو مبتدین کی حالت ہے نہایت ارفع ہے۔ بلکہ آپ تو ہیبت اور انس کے درجہ میں ہیں فرمایئے آپ کب تک گھومتے اور تلاش کرتے رہیں گے۔ اور یہ کیفیت کب تک رہے گی۔ آپ کا مطلوب آپکے پاس ہے اور آپ کو اس کا علم بھی ہے پھر آپ آسمان ہو کر زمین کے گرد کب تک چکر لگائیں گے۔ لیکن انہوں نے یہ جواب دیا کہ صاحب مجھپر ملامت نہ کرو۔ اور آفتاب و ماہتاب کے قران میں دراندازی مت کرو۔ میں مجمع البحرین پر ضرور جاؤں گا۔ تاکہ میں ایک بادشاہ وقت کی مصاحبت کا شرف حاصل کروں۔ میں خضرؑ کو اپنے مقصود کے تحصیل کا ذریعہ ضرور بناؤں گا۔ پس یا تو وہ ملجائیں گے یا میں گھومتے پھرتے زمانہ گذار دوں گا اور اپنی پوری قوت سے برسوں کوشش کروں گا۔ برسوں کیا بلکہ ہزاروں برسوں تک اس کوشش کو نہ چھوڑوں گا۔ اچھا اب میں جاتا ہوں اب مولانا دریافت فرماتے ہیں کہ تم بتاؤ کہ کیا یہ ان کا جانا نازیبا تھا۔ ہرگز نہیں اسلئے کہ خدا کا عشق روٹی کی محبت سے کم نہیں جب روٹی کے لیے پھرنا گوارا ہوتا ہے اور ناپسند نہیں کیا جاتا تو طلب خدا کے لیے پھرنا ناگوار اور ناپسند کیوں ہوگا۔ خیر یہ گفتگو تو ختم ہوگی اب پیر دقوقی کا قصہ بیان کرنا چاہیئے +

شرح شبیری

موسیٰ علیہ السلام کے باوجود ان کے

کمال نبوت و تقرب حق کے خضر علیہ السلام کو تلاش کرنے کا بھید

از کلیم حق بیاموز اے کریم　　　بین چہ میگوید ز مشتاقی کلیم

یعنی اے کریم کلیم حق سے سیکھو کہ وہ کلیم مشتاقی کیوجہ سے (طلب میں) کیا کہہ رہے ہیں +

باچنیں جاہ و چنیں پیغمبری　　　طالب خضرم ز خود بینی بری

یعنی باوجود ایسے مرتبہ اور ایسی پیغمبری کے (کہتے ہیں کہ) میں طالب خضر ہوں اور خود بینی سے بری ہوں۔ آگے ایک سوال جواب فرضی نقل فرماتے ہیں کہ مثلاً کوئی موسےٰ علیہ السلام سے یہ کہتا ہے کہ

موسیا تو قوم خود را ہشتۂ　　　در پئے آن نیکوئے سرگشتۂ

یعنی اے موسیٰؑ آپ نے اپنی قوم کو چھوڑا ہے اور اوس ایک نیک کے پیچھے سرگشتہ ہو رہے ہو۔

کیقبادی رستہ از خوف و رجا　　　چند گردی چند جوئی تا کجا

یعنی آپ تو کیقباد ہیں اور خوف و رجا سے چھوٹے ہوئے ہیں تو آپ کہانتک پھریں گے اور کہان تک تلاش کریں گے خوف و رجا بتدی کی حالت کو کہتے ہیں اور انس و محبت منتہی کی اور قبض و بسط متوسط کی حالت کو کہتے ہیں تو خوف و رجا سے رستہ ہونے کے یہ معنی ہیں کہ آپ حالت ابتدائی سے

چھوٹے ہوئے ہیں اور حالتِ انتہائی تک پہونچے ہوئے ہیں +

آن تو با تست و تو واقف زین | آسمانا چند پیمائے زمین

یعنی تمھاری چیز تو تمھارے ساتھ ہے اور تم اوس سے واقف بھی ہو تو اے آسمان تم زمین کو کب تک پیمائش کروگے مطلب یہ کہ تم کامل ہو کر اپنے سے کم درجہ والونکی طلب میں کیوں پھرتے ہو۔

گفت موسےٰ این ملامت کم کنید | آفتاب و ماہ را رہ کم زنید

یعنی موسےٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ ملامت مت کرو۔ اور آفتاب و ماہ کی رہزنی مت کرو۔

میروم تا مجمع البحرین من | تا شوم مصحوب سلطان زمن

یعنی میں مجمع البحرین تک جاؤں گا۔ جب تک کہ میں اوس سلطان زمن کا ساتھی نہ ہو جاؤں +

اجعل الخضر لامری سببا | ذاک او امضی و اسری حقبا

یعنی میں خضر کو اپنی بات کے لیئے سبب بناؤں گا یا یہ کہ چلا جاؤں گا اور سالہا سال تک چلتا رہونگا +

سالہا پرم بہ پر و بال ہا | سالہا چہ بود ہزاران سالہا

یعنی میں سالہا سال تک پر و بال سے اڑونگا۔ اور سالہا کیا ہزاروں سال تک

میروم یعنی نمی ارزد بدان | عشق جانان کم مدان از عشق نان

یعنی ہزاروں سال تک چلتا رہوں گا یعنی یہ اوسکی برابر نہیں ہے اور عشق جانان کو عشق نان سے کم مت جانو۔ مطلب یہ کہ روٹی کے لیے انسان کیسی کیسی طلب کرتا ہے تو اگر حق تعالیٰ کے لیئے وہ طلب کرے تو کیا حرج ہے +

این سخن پایان ندارد ای عمو　　داستان آن دقوقی بازگو

یعنی یہ بات تو انتہا نہیں رکھتی ہے اے چچا تو اب تم دقوقی کی داستان بیان کرو

شرح حبیبی

آن دقوقی رحمۃ اللہ علیہ　　گفت سافرت مدی فی خافقیہ

سالہا رفتم سفر از عشق راہ　　بیخبر از راہ و حیران در الٰہ

پا برہنہ مے روی بر خار و سنگ　　گفت من حیرانم و بیخویش و دنگ

تو مبین این پایہا را بر زمین　　زانکہ بر دل میرود عاشق یقین

از رہ منزل ز کوتاہ و دراز　　دل چہ داند کوست مست دلنواز

این دراز و کوتہ اوصاف تن است　　رفتن ارواح دیگر رفتن است

توسفر کردی ز نطفه تا بعقل | بی لگامی بود منزل نی بنقل
سیر جان بیچون بود در دور و دیر | جسم ما از جان بیاموزید سیر
سیر جان هر کس ببیند جان من | لیک سیر جسم باشد در علن
سیر جسمانه رها کرد او کنون | میرود بیچون نهان در شکل چون
گفت روزی می شدم مشتاق وار | تا ببینم در بشر انوار یار
تا ببینم قلزمی در قطرهٔ | آفتابی درج اندر ذرهٔ
چون رسیدم سوی یک ساحل بگام | بود بیگه گشته روز و وقت شام
هفت شمع از دور دیدم ناگهان | اندران ساحل شتابیدم بدان
نور شعله هر یکی شمعی ازان | بر شده خوش تا عنان آسمان
خیره گشتم خیرگی هم خیره گشت | موج حیرت عقل را از سر گذشت
کاین چگونه شمعها افروخته است | این دو دیده خلق از اینها دوخته است

خلق جویان چراغ کشتہ بود	پیش آن شمعے کہ بر مہ مے فزود
چشم بندی بد عجب بر دیدہ ہا	بند شان میکرد یہدی من یشاء
باز مے دیدم کہ میشد ہفت یک	نور او بشگافتے جیب فلک
باز آن یکبار دیگر ہفت شد	مستی و حیرانئے من زفت شد
اتصالاتے میان شمعہا	کہ نیاید بر زبان و گفت ما
آنکہ یک دیدن کند ادراک آن	سالہا نتوان نمودن از زبان
آنکہ یکدم بیندش ادراک و ہوش	سالہا نتوان نمودانرا بگوش
چونکہ پایانے ندارد رو الیک	زانکہ لا احصے ثنا رما علیک
پیشتر رفتم دوان کان شمعہا	تا چہ چیزست از نشان کبریا
مے شدم مدہوش و بیخویش و خراب	تا بیفتادم ز تعجیل و شتاب
ساعتے بے عقل و بیہوش اندرین	اوفتادم بر سر خاک زمین

باز با ہوش آمدم برخاستم — در روش گوئے نہ سر نے پاستم

ہفت شمع اندر نظر شد ہفت مرد — نورشان مے شد بہ سقف لاجورد

پیش آن انوار نور روز درد — از صلابت نورہا را مے سپرد

باز حیران گشتم اندر صنع رب — کانچنین چون شد چگونہ است اے عجب

بیشتر رفتم کہ نیکو بنگرم — تا چہ حالست اینکہ مے گردد سرم

باز ہر یک مرد شد شکل درخت — چشم از سبزی ایشان نیکبخت

زانبہے برگ پیدا نیست شاخ — برگ ہم گم گشتہ از میوہ فراخ

ہر درختے شاخ بر سدرہ زدہ — سدرہ چہ بود از خلا بیرون شدہ

بیخ ہر یک رفتہ در قعر زمین — زیر تر از گاو و ماہی بد یقین

بیخ شان از شاخ خندان روے تر — عقل از ان اشکالہا زیر و زبر

میوہ کہ بر شکافیدے عیان — ہمچو آب از میوہ جستے نور آن

دقوقی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا کہ میں ایک عرصہ تک اطراف عالم میں پھرتا اور سفر کرتا رہا۔ اور حالت یہ تھی کہ میں باوجودیکہ برسوں سفر کرتا رہا۔ مگر راہ حق کی محبت کے سبب مجھے رستہ کی کچھ خبر نہ تھی اور میں حق سبحانہ کی ذات میں بالکل محو تھا اب مولانا فرماتے ہیں کہ جب اِن سے کوئی کہتا کہ آپ کانٹوں اور کنکروں پتھروں میں ننگے پاؤں چلتے ہیں تو وہ یہ جواب دیتے کہ مجھپر حیرت غالب ہے اور میں آپے میں نہیں ہوں۔ اور بالکل متحیر ہوں مجھے نہ کانٹوں کی خبر ہوتی ہے نہ کنکروں پتھروں کی۔ اب مولانا فرماتے ہیں کہ لوگو تم اون کے پاؤں کو زمین پر نہ دیکھو اسلئے کہ عاشق خدا گو بظاہر زمین پر چلتا ہے مگر حقیقت میں وہ دل پر چلتا اور منازل باطنیہ کو طے کرتا ہے اور متعارف رستہ اور متعارف منزل اور دور اور پاس سے دل کو کیا واسطہ۔ کیونکہ وہ تو حق سبحانہ کا مست اور لطیفہ غیبی ہے اور لمبا اور مختصر تو اوصاف جسمانیت سے ہیں سیر روحانی تو اور ہی قسم کی ہے اوس میں نہ کانٹے لگتے ہیں نہ کنکریں چبھتی ہیں نہ راہ کی درازی اور کوتاہی محسوس ہوتی ہے دیکھو تم نے نطفہ سے عقل تک سفر کیا یعنی ایک وقت میں تم نطفہ تھے پھر عاقل ہوگئے لیکن نہ یہ مسافت قدم سے طے ہوئی ہے نہ انتقال مکانی سے بس سیر الی اللہ کو اسی پر قیاس کرلو۔ روح چونکہ مجردات سے ہے اس لیئے اسکی سیر بیچون اور بے کیف ہے تم روح کی سیر کا انکار نہ کرنا اس لیے کہ ہمارے جسم نے یہ زمان و مکان میں چلنا اسی سے سیکھا ہے کیونکہ وہی محرک ہے پھر اسکی سیر میں کیا استبعاد ہے۔ اتنی بات ضرور ہے کہ روح چونکہ خود غیر محسوس ہے اس لیے اسکی سیر بھی ہر ایک کو محسوس نہیں ہوتی۔ لیکن اِس کے برخلاف جسم محسوس ہے اس لیے اسکی رفتار بھی محسوس ہوتی ہے اب دقوقی محض سیر جسمانی کو چھوڑ چکا ہے۔ بلکہ اِسی سیر جسمانی کے پردہ میں وہ سیر روحانی کر رہا ہے اِس لیئے نہ اسکو

کانٹے کی خبر ہوتی ہے نہ کنکر کی نہ قرب راہ کی نہ بُعد راہ کی خیر تو ضمنی گفتگو
تھی اب ہم پہر اصل قصہ کیطرف عود کرتے ہیں سنو اونہوں نے کہا کہ میں
ایک دن مشتاقانہ جارہا تھا تا کہ کسی شخص کے اندر انوار حق سبحانہ مشاہدہ
کروں اور تا کہ ایک قطرہ کے اندر قلزم اور ایک ذرہ کے اندر آفتاب
دیکھوں جب میں چلتے چلتے ساحل تک پہونچا تو دن ڈہلے وقت ہوچکا تہا
اور شام ہوگئی تہی اتنے میں میں نے اچانک دور سے سات شمعیں
دیکھیں یہ دیکھکر میں اونکی طرف چلا ایک شمع کے نور اور شعلہ کی یہ حالت
تہی کہ آسمان تک پہونچتا تہا۔ یہ دیکھ کر میں متحیر ہوگیا۔ میں کیا متحیر ہوگیا
خود میری حیرت بہی متحیر ہوگئی اور دریائے حیرت کی موج عقل کے سر سے
گذر گئی میں سوچتا تہا کہ کیسی شمعیں روشن ہیں اور لوگوں کی آنکھیں بند
ہیں اون کو دکہلائی نہیں دیتیں کیونکہ لوگ ان شمعوں کے ہوتے ہوئے
جو چاند سے بہی بڑہی ہوئی تہیں کسی ٹمٹمانے والے چراغ کو تلاش کر رہے
تہے اور اون کی آنکھوں کی عجیب طرح سے نظر بندی کی ہوئی تہی تم جانتے
ہو کہ وہ نظر بندی کس نے کر رکہی تہی سنو وہ نظر بندی حق سبحانہ کی صفت
اضلال نے کر رکہی تہی۔ پہر میں نے دیکہا کہ وہ ساتوں شمعیں ایک بن گئیں اور
اوس کا نور اس قدر تیز ہوا کہ آسمان کے پار جاتا تہا پہر میں نے دیکہا کہ وہ پہر
سات ہوگئیں اب تو میری بیخودی اور حیرانی اور بہی بڑہ گئی اِن شمعون کے درمیان
جو اتصالات اور ارتباطات تہے ہماری زبان اور الفاظ انکی حقیقت کے
بیان کرنے کے لیے ناکافی ہیں اور صرف دیکہنے سے تعلق رکہتے ہیں کیونکہ
جس حقیقت کا ادراک ایک نظر کر سکتی ہے اسکو برسوں میں بہی زبان
سے ظاہر نہیں کیا جا سکتا اور جو امر فہم سلیم سے ایکدم میں معلوم ہو سکتا
ہے اوسکو کان میں برسوں میں بہی نہیں پہونچایا جا سکتا۔ چونکہ اسکا بیان
بے انتہا ہے لہذا تم جاؤ اپنا کام کرو۔ ہمارے پیچہے نہ پڑو۔ کیونکہ اس کے

ذرا سے بھی اوصاف تمہارے سامنے بیان نہیں کر سکتے۔ خیر میں آگے
بڑھا کہ دیکھوں تو سہی یہ خدا کی کیسی نشانی ہے میں مدہوش اور بیخود اور خستہ حال
جا رہا تھا حتیٰ کہ میں جلدی کے مارے گر ہی گیا۔ کچھ دیر تک تو میں بے ہوش و
حواس زمین پر پڑا رہا اسکے بعد مجھے ہوش آیا۔ تو میں اُٹھا اور یوں چلا کہ مجھے
نہ سر کی خبر تھی نہ پاؤں کی اتنے میں وہ سات شمعیں سات آدمی دکھلائی دینے
لگے اِن کے نور کی بھی یہی حالت تھی کہ آسمان تک پہونچتا تھا اون کے نور کے
سامنے دنکا نور مکدر معلوم ہوتا تھا وہ اپنی قوت سے تمام نوروں کو فنا کئے
دیتا تھا۔ یہ دیکھکر میں حق سبحانہ کی صنعت میں اور بھی حیران ہو گیا۔ کہ یہ قصہ
کیا ہے اور یہ معاملہ کیونکر ہے میں اور آگے بڑھا کہ دیکھوں کیا حال ہے
جس کے سبب سے میرا دماغ چکرا رہا ہے اِس کے بعد ہر شخص ایک درخت بن گیا
جس کی سبزی سے آنکھوں کو سرور حاصل ہوتا تھا۔ اور پتے اسقدر کثرت
سے تھے کہ شاخیں نظر نہ آتی تھیں۔ اور بڑے بڑے میووں کے اندر پتے
بھی چھپ گئے تھے اور اونچے اسقدر تھے کہ ہر درخت کی شاخ سدرۃ المنتہیٰ
سے ٹکراتی تھی بلکہ سدرہ کیا آسمانوں سے اوپر خلا میں پہونچتی تھی اور جڑ
کی یہ حالت تھی کہ زمین کی تہ تک اور گاؤ زمین اور ماہی زمین کے نیچے
پہونچی ہوئی تھی ایک عجیب بات یہ تھی کہ انکی جڑ شاخوں سے بھی زیادہ دلچسپ تھی
اِن صورتوں کو دیکھ کر عقل اولٹ پلٹ ہوتی تھی اور کچھ راز سمجھ میں نہ
آتا تھا۔ جو میوہ پھٹتا تھا عرق کی طرح اوس میں سے نور نکلتا تھا۔

شرح شبیری

دقوقی علیہ الرحمۃ کے قصّہ کیطرف رجوع

آن دقوقی رحمۃ اللہ علیہ — گفت سافرت مدی فی خافقیہ

یعنی اون دقوقی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ میں نے ایک مدت تک اطراف عالم میں سفر کیا ہے۔

سال و مہ رفتم سفر از عشق ماہ — بےخبر از راہ و حیران در آلہ

یعنی میں نے برسوں اور مہینوں تک عشق حق میں سفر کیا ہے۔ کہ میں راہ سے بیخبر تھا اور حق تعالیٰ میں حیران تھا۔

پا برہنہ رفتہ ام بر خار و سنگ — گفت من حیرانم و بےخویش و دنگ

یعنی میں پا برہنہ خار و سنگ پر چلا ہوں اور فرمایا ہے کہ میں حیران اور بے خویش اور دنگ ہوں ؎

تو مبین این پایہا را بر زمین — زانکہ بر دل میرود عاشق یقین

یعنی تم ان پاؤں کو زمین پر مت دیکھو اسلئے کہ عاشق تو یقیناً دل پر چلتا ہے مطلب یہ کہ اس سے شبہ مت کرو کہ پاؤں سے یہ اسقدر مسافت کس طرح طے کر سکے۔ اس لیے کہ عاشق ان پاؤں سے چلتے نہیں بلکہ وہ دل سے چلتے ہیں۔ اور انکی یہ حالت ہے کہ۔

از رہ و منزل ز کوتاہ و دراز — دل چہ داند کوست مست دلنواز

یعنی راستہ اور منزل سے اور کوتاہ و دراز سے دل کیا جانے اس لیے کہ وہ تو دلنواز کا مست ہے۔

این دراز و کوتہ اوصاف تن است رفتن ارواح دیگر رفتن است

یعنی یہ دراز اور کوتاہ سب اوصاف تن سے ہے اور ارواح کا چلنا اور چلنا ہے (وہ ان ظاہری قدم کے چلنے پر موقوف نہیں ہے) یہاں کسیکو شبہ ہوا۔ کہ بھلا بے پاؤں کے کوئی کس طرح چل سکتا ہے۔ آگے بے پاؤں کے چلنے کی نظیر فرماتے ہیں کہ۔

تو سفر کردی ز نطفہ تا بعقل نے بگامے بود منزل نے بہ نقل

یعنی تمنے نطفہ سے عاقل ہونے تک سفر کیا نہ تو قدم سے ہٹنی یہ (طے) منزل اور نقل سے۔ مطلب یہ کہ نطفہ سے اتنے بڑے بن گئے اور اسقدر مسافت کو طے کر لیا تم ہی بتاؤ کہ کون سے قدم سے طے کیا ہے بس جس طرح وہاں طے کر لیا اوسیطرح یہ حضرات بھی بے ان قدموں کے چل سکتے ہیں:۔

سیر جان بیرون بود در دور و دیر جسم ما از جان بیاموزید سیر

یعنی سیر جان باہر ہوتی ہے اور ہمارے جسم دور و دیر میں جان ہی سے سیر سیکھی ہے۔ دور سے مراد مسافت مکانی اور دیر سے مراد مسافت زمانی مطلب یہ کہ سیر جان سب سے الگ ہوتی ہے اور مسافت زمانی اور مکانی سب جسم کو روح ہی کے بدولت میسر ہیں ورنہ اگر روح نہو تو جسم کیسے مسافت قطع کر سکتا ہے+

سیر جان ہر کس نہ بیند جان من لیک سیر جسم باشد در علن

یعنی پیارے سیر جان کو ہر شخص نہیں دیکھتا لیکن جسم کی سیر علانیہ ہوتی ہے (اسکیے سب دیکھتے ہیں۔ لہذا اونکو سیر روحانی کو سنکر تعجب ہوتا ہے کہ کیونکر ہو گئی ورنہ بعید نہیں)

سیر جسمانہ رہا کرد او کنون میرود بیچون نہان در شکل چون

یعنی ان دقیقی نے سیر جسمی کو ترک کر دیا تہا اور اب وہ بے کیف شکل کیف میں چلا کرتے تہے مطلب یہ کہ بظاہر تو وہ قدموں سے چلتے تہے مگر اصل میں وہ ترقی روحانی کیا کرتے تہے +

گفت روزی می شدم مشتاق وار تا ببینم در بشر انوار یار

یعنی اونہوں نے کہا ہے کہ ایک روز میں مشتاق کی طرح چلا تا کہ میں بشر میں انوار یار دیکھوں +

تا ببینم قلزمے در قطرۂ آفتابے درج اندر ذرۂ

یعنی تا کہ میں ایک قلزم کو ایک قطرہ میں دیکھوں اور ایک آفتاب کو ذرہ کے اندر دیکھوں قلزم سے مراد محبت حق قطرہ سے انسان آفتاب سے بہی حضرت حق اور ذرہ سے انسان۔ تو یہ اس تلاش میں تہے کہ کسی انسان میں تجلی حق دیکھوں آگے فرماتے ہیں کہ

ایک ساحل کیطرف سات شمعونکی صورت دکھائی دینا

چون رسیدم سوئے یک ساحل بگام بود بیگہ گشتہ روز و وقت شام

یعنی کہ جب میں ایک ساحل پر پہونچا تو دن بیوقت ہو گیا تہا اور شام کا وقت تہا۔

بعد ازان ناگہ چہ دیدم گو ئمیت		تا کہ دانی سرّ آن افزو ئمیت

یعنے بعد اس کے ناگاہ کیا دیکہا جو کہ میں تجہہ سے بیان کرتا ہوں تاکہ تم اوس کے بہید کو جان لو۔ اور کچہہ زیادہ بیان کروں گا۔ مطلب یہ ہے کہ میں وہ عجیب بات تم سے بیان کروں گا اور اوس سے کچہہ زائد بہی بیان کروں گا۔

ہفت شمع از دور دیدم ناگہان		اندران ساحل شتابیدم بدانؐ

یعنی ناگہاں دور سے میں نے سات شمعیں دیکہیں تو اوس ساحل میں میں اونکی طرف دوڑا

نور و شعلہ ہر یکے شمعے ازان		بر شدہ خوش تا عنان آسمانؐ

یعنی ہر ایک شمع کا اونمیں سے نور اور شعلہ عنان آسمان تک پہونچا ہوا تہا۔

خیرہ گشتم خیرگی ہم خیرہ گشت		موج حیرت عقل را از سر گذشت

یعنی میں حیران رہ گیا اور حیرانی بہی حیران ہوگئی اور حیرت کی موج عقل کے سر سے گذر گئی۔

کاین چگونہ شمعہا افروختست		کاین دو دیدہ خلق زینہا دوختہ ست

یعنی کہ یہ کیسی شمعیں روشن ہیں کہ جن سے مخلوق کی دونوں آنکہیں سلی ہوئی ہیں

خلق جویان چراغے گشتہ بود		پیش آن شمعے کہ برمہ می فزود

یعنی مخلوق چراغ تلاش کر رہی تہی سامنے اوس شمع کے جو چاند سے سبقت لیگئی تہی (چونکہ وہ نور اولیاء اللہ کا تہا اسلئے ان کو تو مکشوف ہوا مگر ہر ایک کو وہ نظر نہ آتا تہا اوس اوس کا اولیاء اللہ کا نور ہونا آگے خود معلوم ہوگا

بعض محشیین نے اسکو اسمار حق کا ظہور کہا ہے اور تاویلیں کی ہیں سب لغو ہے سیدھی بات یہ ہے کہ وہ سات اولیار اللہ جن کا ذکر آگے آوے گا اونہیں کا یہ نور بہی تھا ✣

چشم بندی بد عجب بر دیدہ ہا — بند شان میکرد یہدی من یشاء

یعنی آنکہوں پر ایک عجیب پردہ تہا کہ اونکو وہ ذات بند کرتی تہی۔ جو کہ یہدی من یشاء ویفعل من یشار ہے یعنی جس کی یہ شان ہے اوس نے وہ پردہ آنکہوں پر ڈال رکہے تہے ✣

اون سات شمعوں کا ایک ہوجانا

باز میدیدم کہ می شد ہفت یک — مے شکافد نور او جیب فلک

یعنی پہر میں نے دیکہا کہ وہ سات ایک ہوگئیں کہ اوس کا نور جیب فلک کو پہاڑے ڈالتا ہے ✣

باز آن یکبار دیگر ہفت شد — مستی و حیرانی من زفت شد

یعنی پہر وہ ایکبار ہی سات ہوگئیں اور میری مستی اور حیرانی عظیم ہوگئی۔

اتصالاتے میان شمعہا — کہ نیاید بر زبان و گفت ما

یعنی وہ اتصالات درمیان اون شمعوں کے ہماری زبان اور گفتگو میں آ نہیں سکتے ✣

آنکہ یک دیدن کند ادراک آن — سالہا نتوان نمودن از زبان

یعنی وہ بات کہ ایک دیکھنا اوس کا ادراک کر لیتا ہے سالہا سال تک اوسکو زبان سے بیان نہیں کر سکتے۔ مطلب یہ کہ شنیدہ کے بود مانند دیدہ۔ اگر بیان بھی کیا جائے تو وہ حالت جو دقوقی کے دیکھنے کے وقت ہوئی تھی کب ہو سکتی ہے ✤

آنکہ یکدم بیندش ادراک ہوش　　سالہا نتوان نمودن آن بگوش

یعنی وہ چیز کہ ایکدم میں اسکو ادراک ہوش دیکھ لیتا ہے سالہا سال میں بھی اوسکو کان تک (اوس طرح) نہیں کر سکے ✤

چونکہ پایانے ندارد رو الیک　　زانکہ لا احصے ثناء ما علیک

یعنی جبکہ یہ انتہا نہیں رکھتا تو تم اپنی طرف جاؤ (یعنی چپ رہو) اسلئے کہ لا احصی ثناء علیک (ارشاد ہے تو تم کہاں سے بیان کر سکتے ہو)

پیشتر رفتم دوان کان شمعہا　　تا چہ چیز ست از نشان کبریا

یعنی میں آگے کو دوڑتا ہوا چلا کہ وہ شمعیں آخر کیا ہیں نشان کبریا سے ✤

پس شدم مدہوش و بیخویش و خراب　　تا بیفتادم ز تعجیل و شتاب

یعنی میں مدہوش اور بیخود اور خراب ہو گیا۔ یہاں تک کہ جلدی اور دوڑنے کی وجہ سے گر بھی پڑا۔

ساعتے بے عقل و بیہوش اندرین　　اوفتادم بر سر خاک زمین

یعنی ایک گھڑی بے عقل و بے ہوش اسی حالت میں خاک زمین پر پڑا رہا ✤

باز با ہوش آمدم بر خاستم	در روش گوئی کہ بے سر پا ستم

یعنی پہر میں ہوش میں اور چلنے میں اُٹھا گویا کہ میرے نہ سر تہا اور نہ پاؤں (غرض کہ عجب حال تہا)

اوس شیخ کی نظر مین اون شمعون کا سات آدمی دکھائی دینا

ہفت شمع اندر نظر شد ہفت مرد	نور شان می شد بہ سقف لاجورد

یعنی سات شمعیں دیکہنے میں سات آدمی ہو گئے کہ اون کا نور آسمان سے گذرتا تہا

پیش آن انوار نور روز درد	از صلابت نور ہا را مے سترد

یعنی اون انوار کے آگے نور روز بہی دُرد تہا۔ اور تیزی کیوجہ سے نور ونکو زائل کرتی ہتی ✤

باز حیران گشتم اندر صنع رب	کاینچنین چون شد چگونہ است اے عجب

یعنی میں پہر صنعت حق میں حیران ہوا کہ اس طرح کیونکر ہو گیا اور تعجب ہے کہ کس طرح ہو گیا

پیشتر رفتم کہ نیکو بنگرم	تا چہ حالست اینکہ میگردد سرم

یعنے کہ میں آگے چلا تا کہ اچھی طرح دیکہہ لوں کہ کیا حال ہے آیا میرا سر پھر رہا ہے ✤

پھر اُن سات آدمیوں کا سات درخت ہو جانا

باز ہر یک مرد شد شکل درخت	چشم از سبزی ایشاں نیکبخت

یعنی پھر ہر ایک آدمی درخت کی شکل بنگیا۔ کہ آنکھ اُن کی سبزی سے ٹھنڈی ہوتی تھی۔

زانبہے برگ پیدا نیست شاخ	برگ ہم گم گشتہ از میوۂ فراخ

یعنی پتوں کی زیادتی کی وجہ سے تو شاخ ظاہر نہ تھی اور میوہ کی زیادتی کی وجہ سے پتے ہی گم ہو گئے تھے

ہر درختے شاخ بر سدرہ زدہ	سدرہ چہ بود از خلا بیروں شدہ

یعنی ہر شاخ (اس قدر بلند تھی کہ) سدرہ سے نکلی ہوئی اور سدرہ کیا لامکان سے باہر نکلی ہوئی تھی۔

بیخ ہر ایک رفتہ در قعرِ زمین	زیر تر از گاؤ ماہی بد یقین

یعنی جڑ ہر ایک کی قعر زمین تک گئی ہوئی اور گائے اور مچھلی سے بھی یقیناً نیچے تھی مشہور ہے کہ ساتوں زمینوں کے نیچے ایک گائے اور ایک مچھلی ہے تو مولانا بھی اسی بنا بر مشہور پر فرماتے ہیں کہ اُنکی جڑ اُس گائے اور مچھلی سے بھی نیچے پہونچی تھی یعنی بہت ہی نیچے تک تھی۔

بیخ شاں از شاخ خنداں روی تر	عقل از اں اشکال شاں زیر و زبر

یعنی اُنکی جڑ شاخ سے زیادہ ہنستی ہوئی تو عقل اُنکی اشکال سے زیر و زبر (حیران) تھی مطلب یہ کہ جڑ اکثر بھدی ہوتی ہے مگر ان کی جڑ بھی بہت ہی خوبصورت تھی۔

میوہ کہ بر شگافیدے عیاں	ہمچو آب از میوہ جستے نورِ آں

یعنی جو میوہ کہ عیاناً پھٹتا تو پانی کی اُس کے اندر سے اُس کا نور نکلتا۔

شرح حبیبی

این عجب تر که پریشان میگذشت / صد ہزاران خلق از صحرا و دشت

ز آرزوئے سایہ جان می باختند / از گلیمے سائبان مے ساختند

سایۂ آنرا نمی دیدند ہیچ / صد تفو بر دیدہائے پیچ پیچ

ختم کردہ قہر حق بر دیدہا / کہ نہ بیند ماہ را بیند سہا

ذرۂ را بیند و خورشید نے / لیک از لطف و کرم نومید نے

کاروانہا بے نوا وین میوہا / پختہ مے ریزد چہ سحرست ای خدا

سیب پوسیدہ ہمی چیدند خلق / درہم افتادہ بہ یغما خشک حلق

گفتہ ہر برگ و شگوفہ آن غصون / دمبدم یالیت قومے یعلمون

بانگ مے آمد ز سوئے ہر درخت / سوئے ما آئید خلق شوربخت

بانگ مے آمد ز غیرت بر شجر / چشم شان بستیم کلا لا وزر

گر کسے می گفت شان کانیسو روید / تا ازین اشجار مستعد شوید

جمله می گفتند کاین مسکین سست ‏ ‏ ‏ از قضاء الله دیوانه شدست

مغز این مسکین ز سودائی دراز ‏ ‏ ‏ وز ریاضت گشت فاسد چون پیاز

او عجب میماند یارب حال چیست ‏ ‏ ‏ خلق را این پردهٔ اضلال چیست

خلق گوناگون و با صد رائی و عقل ‏ ‏ ‏ یک قدم اینسو نمی آرند نقل

عاقلان و زیرکان شان ازتفاق ‏ ‏ ‏ گشته منکر زینچنین باغی عاق

یا منم دیوانه و خیره شده ‏ ‏ ‏ دیو برمن غالب و چیره شده

چشم میمالم بهر لحظه که من ‏ ‏ ‏ خواب بینم یا خیال اندر زمن

خواب چه بود بر درختان میروم ‏ ‏ ‏ میوه ها شان میخورم چون نگروم

باز چون من بنگرم در منکران ‏ ‏ ‏ که همی گیرند ازین بستان کران

با کمال احتیاج و افتقار ‏ ‏ ‏ ز آرزوئے نیم غوره جان سپار

ز اشتیاق و حرص یک برگ درخت ‏ ‏ ‏ مے زنند ایں بے نوایاں آه سخت

در هزیمت زیں درخت و زیں ثمار ‏ ‏ ‏ ایں خلائق صد هزارا اندر هزار

باز میگویم عجب من بیخودم ‏ ‏ ‏ دست بر شاخ خیال در زدم

ہیں بخواں استیأس الرسل ای عمو ‏ ‏ ‏ تا بظنوا انهم قد کذبوا

ایں قرأت خواں بہ تخفیف کذب ‏ ‏ ‏ ایں بود که خویش بیند محتجب

در گمان افتاد جان انبیا ‌‌ زاتفاق منکری اشقیا

جا، هم بعد التشکک نصرنا ‌‌ ترک شان گو بر درخت جان بیا

میخور و میده بدان کش روزی ست ‌‌ هر دم و هر لحظه سحر آموزی ست

خلق گویان ای عجب این بانگ چیست ‌‌ چونکه صحرا از درخت و بر تهیست

گیج گشتیم از دم سودائیان ‌‌ که به نزدیک شما باغ ست و خوان

چشم میمالم که اینجا باغ نیست ‌‌ یا بیابانیست یا مشکل رهیست

این عجب چندین دراز این ماجرا ‌‌ چون بود بیهوده و هزل و خطا

من همی گویم چو ایشان ای عجب ‌‌ اینچنین مهری چرا ز صنع رب

زین تنازعها محمد در عجب ‌‌ در تعجب نیز مانده بولهب

زین عجب تا آن عجب فرقیست ژست ‌‌ تا چه خواهد کرد سلطان شگرف

ای دقوقی تیز تر ده هین خموش ‌‌ چند گوئی چند چون قحطست گوش

مذکورہ بالا باتوں سے بھی زیادہ عجیب یہ بات تھی کہ لاکھوں کروڑوں مخلوق اس جنگل سے ہوکر اور اُنکے پاس سے گذرتی تھی اور سایہ کے لئے جان دے رہی تھی اور کمبل سائبان بناتی تھی تاکہ شبنم وغیرہ نقصان نہ پہنچاوے لیکن انکے سایہ کو ذرا بھی کوئی نہ دیکھتا تھا۔ پھٹکار ایسی غلط بین آنکھوں پر۔ قہر حق سبحانہ نے اُن آنکھوں پر مہر کردی ہے یا یوں کہو کہ حق سبحانہ نے اپنا قہر ختم کردیا ہے اُن آنکھوں پر جو اس قدر غلط بین ہوں کہ چاند کو تو نہ دیکھ سکیں اور سہا کو دیکھیں۔ اور اعلیٰ تو انکو نظر نہ آوے اور ادنیٰ نظر آوے۔ وہ ذرہ کو دیکھیں اور آفتاب کو

نہ دیکھیں۔ یہ سب کچھ ہے کہ حق سبحانہ نے اُن آنکھوں پر مہر ہی کر دی ہے اور اپنا قہر بھی اُن پر ختم کر دیا ہے مگر مایوسی ایسی حالت میں بھی نہونی چاہئے اس لئے کہ ایک قضا کو دوسری قضا بدل سکتی ہے اور جس نے مہر کی ہے وہ سب کو توڑ بھی سکتا ہے اور جس نے قہر کو ختم کیا ہے وہ رحمت کاملہ بھی کر سکتا ہے۔ خیر تو کہنا یہ ہے کہ قافلہ بے سروسامان ہے اور میوے پڑے ہوتے ہیں۔ اور کوئی نہیں دیکھتا اے اللہ یہ کیا طلسم ہے۔ باوجودیکہ گلے سڑے سیبوں کے اُٹھانے کے لئے لوگ ایک دوسرے پر گرے پڑتے ہیں۔ مگر اس نعمت سے محروم ہیں اور انکی طرف کوئی التفات بھی نہیں کرتا۔ یہ حالت دیکھکر ہر پتا اور ہر شگوفہ یوں کہہ رہا تھا کہ اے کاش یہ لوگ ہمکو جان لیں اور ہم سے منتفع ہوں اور ہر درخت ان کو یوں آواز دے رہا تھا اے بدبخت لوگو ہماری طرف آؤ یہاں تم کو میوے بھی ملیں گے اور سایہ بھی ملیگا جب وہ اس ندا پر کچھ بھی التفات نہ کرتے تھے تو غیرت حق سبحانہ درختوں کو آواز دیتی اور کہتی تھی کہ ہمنے انکی آنکھیں بند کر دی ہیں اب ان کے لئے کوئی جائے پناہ نہیں۔ نیز ان لوگوں کی یہ حالت تھی کہ اگر کوئی شخص (مثلاً میں) ان سے کہتا کہ ارے اس طرف آؤ تاکہ ان درختوں سے منتفع ہو تو اُس کا وہ یوں جواب دیتے کہ یہ بیچارہ اپنے ہوش میں نہیں ہے خدا کے حکم سے پاگل ہو گیا ہے اور ظاہری سبب یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک عرصہ تک اوہام میں مبتلا رہا ہے اور ریاضت شاقہ سے اس کا دماغ پیاز کی طرح سڑ گیا ہے وہ بیچارہ داعی یہ سنکر متحیر رہجاتا تھا۔ اور کہتا تھا کہ اے اللہ یہ کیا بات ہے اور گمراہی کے پردے انکی آنکھوں پر کیسے پڑے ہوئے ہیں۔ مختلف طرح کے لوگ ہیں اور بڑے بڑے عقلمند اور اہل الرائے بھی ہیں۔ لیکن میری بات کوئی نہیں سمجھتا۔ اور اس طرف ایک قدم بھی نہیں بڑھاتا۔ ان لوگوں میں جو لوگ عقلمند اور دانا ہیں وہ بھی مخالفانہ اس باغ کے منکر اور نہ ماننے والے ہیں اور یا مجھ میں ہی پاگل اور حواس باختہ ہو گیا ہوں۔ اور شیطان مجھ پر غالب ہو گیا ہے کہ وہ مجھے غیر واقعات کو واقعات دکھلا رہا ہے۔ میں ہر دم آنکھیں ملتا ہوں اور سوچتا ہوں کہ میں خواب دیکھ رہا ہوں یا میری متخیلہ کا تصرف ہے۔ پھر کہتا ہوں

کہ نہیں جی خواب وخیال کیا جب میں انکے پاس جاتا ہوں اور انکے میوے چنتا اور کھاتا ہوں تو کون سی جبر ہے کہ میں انکی واقعیت کا اعتقاد نہ رکھوں لیکن جب میں منکروں کی حالت دیکھتا ہوں کہ باوجودیکہ ان کی کامل حاجت اور ضرورت ہے اور وہ نصف گوشہ کے لئے جان دینے پر آمادہ ہیں اور درخت کی ایک پتی کے لئے بے سروسامان لوگ ہائے وائے کرتے ہیں مگر باینہمہ یہ لاکھوں کروڑوں آدمی ان درختوں اور پھلوں سے بھاگتے ہیں تو میں پھر مذبذب ہوجاتا ہوں اور کہتا ہوں کہ میں بھی عجیب بیہوش ہوں کہ خیالی شاخ کو پکڑ رکھا ہے اور خیال کو حقیقت واقعیہ سمجھ رہا ہوں اب مولانا پر ارشاد کا غلبہ ہوتا ہے اور صورت واقعہ اُنکی پیش نظر ہوتی ہے اور وہ اس مذبذب کی دستگیری فرماتے اور کہتے ہیں کہ اے طالب حق تو ہمت نہ ہار اور حتی اذا استیئس الرسل وظنوا انھم قد کذبوا بقراۃ تخفیف کذبوا پڑھ اس سے تجھ کو معلوم ہوگا کہ اہل اللہ خواہ چھوٹے رتبے کے ہوں یا بڑے کے کبھی اپنی محجوب عن الحق ہونے کا خیال ہوجاتا ہے گو اس خیال کے قوت اور اس کا ضعف اُن کے مرتبے کے موافق ہوتا ہے حتی کہ انبیاء کو بھی یہ واقعہ پیش آیا ہے، مگر وہاں وہ خیال انکے مرتبہ کے موافق اور وسوسہ غیر اختیاریہ کے درجہ میں تھا وہم وشک اور ظن اصطلاحی کے مرتبہ میں نہ تھا چنانچہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انکار منکرین سے ان کو یہ وسوسہ ہوا کہ کہیں یہ وحی جو ہمپر ہوتی ہے غلط تو نہیں کیونکہ اگر سچ ہوتی تو ان منکرین کو انکی ہٹ دھرمی اور انکار پر سزا کیوں نہوتی لیکن اس کے ساتھ ہی حق سبحانہ تائید بھی فرماتے اور اس وسوسہ سے نجات بھی دیتے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ (بلا اختیار) اُن کو یہ وسوسہ ضرور ہوا مگر فوراً ہی ہم نے اُنکی تائید کی جس سے وہ وسوسہ مٹ گیا بس تو ان منکرین کو ان کے حال پر چھوڑ اس درخت جان کے پاس آ۔ اور اس کے میوے خود بھی کھا اور جن کی قسمت میں ان کا کھانا ہے انکو بھی کھلا تو ایک ہی طلسم کو دیکھکر چکر میں آگیا۔ عالم میں تو ہر دم اور لحظہ اس قسم کے لاکھوں طلسم نظر آتے ہیں اس مضمون کو ختم کرکے مولانا پھر مضمون سابق کی طرف عود کرکے فرماتے ہیں کہ وہ داعی کہتا ہے کہ جب میں اُن کو درختوں

کی طرف بلاتا تو وہ کہتے کہ تعجب ہے یہ کیسی آواز ہے اور ان دیواروں کی گفتگو سے تو ہمارا دماغ خبط ہو گیا۔ یہ کہتے ہیں کہ ہمارے قریب ایک باغ ہے جس میں کھانے کے میوے ہیں ہم آنکھ مل کر غور سے دیکھتے ہیں تو نہ کہیں باغ ہے نہ میوہ یا تو جنگل ہے یا دشوار گذار راستہ اس پر میں کہتا کہ غضب کی بات ہے کہ ان کو دکھلائی نہیں دیتا اور یہ اس کو بے اصل سمجھتے ہیں بھلا اتنا طویل قصہ بیہودہ اور بے اصل اور غلط کیسے ہو سکتا ہے غرض کہ جس طرح اُن کو تعجب ہوتا تھا کہ میں بھی متحیر تھا کہ دیکھو حق سبحانہٗ نے انکی آنکھوں پر کیسی مہر کر رکھی ہے اب مولانا فرماتے ہیں کہ اسی قسم کے مجادلوں سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی حیرت ہوتی تھی۔ اور وہ تعجب کرتے تھے کہ انہیں کیا ہو گیا ہے کہ بایں ہمہ وضوح یہ لوگ حق کو نہیں سمجھتے اور ادھر ابو لہب کو تعجب ہوتا تھا کہ محمد کو کیا ہو گیا۔ کہ (نعوذ باللہ) ایسی بہکی بہکی باتیں کرتا ہے لیکن دونوں تعجبوں میں گہرا فرق تھا کیونکہ ایک کا منشا وضوح حق تھا اور دوسرے کا خفاء حق۔ اچھا اسے چھوڑو۔ اور یہ دیکھو کہ اب ولایت قلب کا عجیب بادشاہ وقتے کیا کرتا ہے۔ ہاں وقوقی شاہ صاحب آپ آپ جملہ معترضوں کے بیان میں کب تک مصروف رہینگے ان سے زبان بند کیجئے اور جلدی سے اصل قصہ بیان کیجئے ہمارے کان اصل قصہ سننے کے بیحد مشتاق ہیں

اُن درختوں کا لوگوں کی آنکھوں سے مخفی ہونا

این عجب تر کہ بر ایشاں میگذشت ۔۔۔ صد ہزاران خلق از صحرا و دشت

یعنی یہ عجیب بات تھی کہ اُن پر لاکھو مخلوق صحرا و دشت سے گذرتی تھی۔

ز آرزوئے سایہ جاں می باختند ۔۔۔ از گلیمے سائبان مے ساختند

یعنی سایہ کی آرزو میں جانبازی کرتے تھے اور کمبل کا سائبان بناتے تھے۔

سایۂ آن را نمی دیدند ہیچ　　　صد تفو بر دیدہائے پیچ پیچ

یعنی وہ لوگ اس درخت کے سایہ کو بالکل نہ دیکھتے تھے تو ایسی پیچ در پیچ آنکھوں پر تھو لعنت ہے

ختم کردہ قہر حق بر دیدہا　　　کہ نہ بیند ماہ را بیند سُہا

یعنی حق تعالیٰ کے قہر نے آنکھوں پر مہر کر رکھی ہے کہ چاند کو دیکھتے نہیں ہیں اور سُہا کو دیکھتے ہیں۔ سہا نام ہے ایک ستارہ کا جو بنات النعش کے ساتھ ایک بہت ہی ذرا سا ستارہ ہے مطلب یہ ہے کہ ناقص چیزوں پر تو نظر پڑتی ہے اور کامل پر نظر نہیں پڑتی۔ آگے بھی یہی فرماتے ہیں کہ۔

ذرہ را بیند و خورشید نے　　　لیک از لطف و کرم نومید نے

یعنی ذرہ کو دیکھتے ہیں اور خورشید کو نہیں لیکن لطف و کرم (حق) سے ناامید (بھی) نہیں ہیں۔ مطلب یہ کہ اگرچہ بصیرت حاصل نہیں ہے مگر پھر بھی انکو بھی لطف حق سے ناامیدی نہیں ہے اور یہ حالت تھی کہ۔

کاروانہا بے نوا وین میوہا　　　پختہ مے ریزد چہ سحرست اے خدا

یعنی قافلے بے توشہ کے ہیں اور یہ میوے پختہ گر رہے ہیں اے اللہ کیا سحر ہے۔

سیب پوسیدہ ہمی چیدند خلق　　　درہم افتادہ بہ یغما خشک حلق

یعنی مخلوق بوسیدہ سیبوں کو چنتی تھی اور لوٹ میں خشک حلق ایک دوسرے پر گرے پڑتے تھے

گفت ہر برگ و شگوفہ آن غصون　　　دمبدم یا لیت قومے یعلمون

یعنی ہر پتا اور شگوفہ ان شاخوں کا دمبدم کہتا تھا کہ کاش میری قوم مجھے۔ مطلب یہ کہ چونکہ یہ تو آدمی تھے اس سے یہ کہتے تھے کہ دیکھو یہ لوگ فیض حاصل نہیں کرتے کاش اگر یہ ہماری حقیقت سے واقف ہوتے تو مستفیض ہوتے۔

بانگ می آمد ز سوئے ہر درخت　　　سوئے ما آئید خلق شوربخت

یعنی ہر درخت کی طرف سے آواز آتی تھی کہ اے شور بخت لوگو ہماری طرف آؤ ممکن نہ ہے یہ آواز آتی ہو اور لوگ نہ سُن سکتے ہوں۔

بانگ می آمد ز غیرت بر شجر ۔۔۔ چشم شان بستیم کلا لا وزر

یعنی شجر پر غیرت (حق) کی وجہ سے آواز آتی تھی کہ ہمنے اُنکی آنکھیں بند کر دی ہیں تو اب کوئی بوجھ نہیں ہے مطلب یہ کہ جب وہ شجر لوگوں کو اپنی طرف بلاتے تھے تو غیب سے اُنکو آواز آتی تھی کہ بلانے سے کچھ فائدہ نہ ہوگا۔ اس لئے کہ ہم نے اُنکی آنکھیں بند کر دی ہیں۔ یہ تمہارے انوار و برکات کو دیکھ نہیں سکتے۔

گر کسے میگفت شان کایں سو روید ۔۔۔ تا ازیں اشجار مستسعد شوید

یعنی اگر کوئی اُن لوگوں سے کہتا کہ اس طرف دوڑو تاکہ ان اشجار سے سعادت حاصل کرنے والے ہو۔ گر کسے میگفت میں کسے سے مراد خود دقوقی ہی ہیں اول سے تو اپنے کو متکلم کے صیغہ سے تعبیر کر رہے تھے یہاں صنعت التفات ہے۔

جملہ می گفتند کایں مسکین مست ۔۔۔ از قضاء اللہ دیوانہ شد است

یعنی سارے کہتے ہیں کہ یہ بیچارہ مست قضاء الٰہی سے دیوانہ ہوگیا ہے (اور کہتے کہ)

مغز ایں مسکین ز سودائے دراز ۔۔۔ وز ریاضت گشت فاسد چون پیاز

یعنی اس بیچارہ کا دماغ سودائے دراز اور ریاضت کی وجہ سے پیاز کی طرح فاسد ہوگیا ہے۔ مطلب یہ کہ جب یہ لوگوں کو ان کے برکات حاصل کرنے کو بلاتے تو وہ لوگ ان کو دیوانہ بتاتے اور انکی یہ حالت تھی جس کو فرماتے ہیں کہ

او عجب می ماند یارب حال چیست ۔۔۔ خلق را ایں پردہ اضلال چیست

یعنی وہ کہتے کہ اے اللہ یہ حال کیا ہے اور خلق کیلئے یہ کیا اضلال کا پردہ ہے۔

خلق گوناگون با صد رائے وعقل یکقدم اینسو نمی آرند نقل

یعنی قسم قسم کی مخلوق باوجود سو رائے اور عقل کے اس طرف کو ایک قدم بھی نقل (کرکے) نہیں لاتے۔

عاقلان وزیرکان شان ز اتفاق گشتہ منکر زیچنین باغے وعاق

یعنی اُن کے عاقل اور زیرک سب بالاتفاق ایسے باغ سے منکر اور عاق ہوگئے ہیں۔

چشم میمالم بہر لحظہ کہ من خواب بینم یا خیال اندر زمن

یعنی میں ہر لحظہ آنکھ ملتا ہوں کہ میں خواب دیکھ رہا ہوں یا کوئی خیال ہے زمانہ میں مطلب یہ کہ وہ لوگ اُنکو بیوقوف بتاتے اور یہ تعجب کرتے کہ دیکھو ایسا نفیس باغ ہے اور افسوس ہے کہ یہ لوگ منکر ہیں مگر پھر شبہ ہوتا ہے تو سوچتے کہ کہیں میں ہی دیوانہ تو نہیں ہوگیا یا کوئی خواب تو نہیں دیکھ رہا مگر پھر کہتے ہیں کہ

خواب چہ بود بر درختان میروم میوہا شان می خورم چون نگروم

یعنی خواب کیا ہوتا ہے میں تو درختوں کے پاس چل رہا ہوں اور اُنکے میوے کھا رہا ہوں پھر کس طرح گرویدہ نہوں یعنی جب درختوں کے پاس ہوں اور اُنکے میوے کھاتا ہوں تو پھر کیسے شبہ کروں۔ مگر پھر فرماتے ہیں کہ

باز چون من بنگرم در منکران کہ ہمی گیرند زین بستان کران

یعنی پھر جب میں منکروں میں نظر کرتا ہوں کہ اس باغ سے کنارہ کشی کرتے ہیں۔

باکمال احتیاج و افتقار　　زآرزوئے نیم غورہ جان سپار

یعنی باوجود کمال احتیاج و افتقار اور آدھے کچے انگور کی آرزو میں جان دینے والے

زاشتیاق و حرص یک برگ درخت　　میزنند ایں بینوایاں آہ سخت

یعنی درخت کے ایک پتے کے اشتیاق اور حرص کی وجہ سے یہ بینوا لوگ آہ سخت کرتے ہیں۔

در ہزیمت زیں درخت و زیں ثمار　　ایں خلائق صد ہزار اندر ہزار

یعنی ان درختوں اور پھلوں سے یہ لاکھوں مخلوق ہزیمت میں ہے مطلب یہ کہ انکو شبہ ہوا کہ شاید ان پھلوں وغیرہ سے انکو استغنا ہو تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ لوگ تو ذرا ذرا سی چیزوں پر جان دیئے دیتے ہیں پھر یہ بھی نہیں ہو سکتا کہ ایسے پھلوں اور درختوں سے ان کو استغنا ہو لیکن پھر ان کو حیرت ہوتی ہے اور کہتے ہیں کہ

باز میگویم عجب من بے خودم　　دست بر شاخ خیالے درزدم

یعنی پھر میں کہتا ہوں کہ میں عجیب بے خود ہوں کہ ایک خیالے شاخ پر ہاتھ مارتا ہوں مطلب یہ کہ اُن کو شبہ ہوتا ہے کہ شاید میں جو کچھ دیکھ رہا ہوں یہ سب خیال ہی ہو تو کیا عجب ہے اب آگے فرماتے ہیں کہ یہ جو ہمکو تعجب ہوگیا ہے اس سے تعجب مت کرنا اس لئے ایسے وقت میں انبیاء کو شبہ بھی پڑ گیا ہے اس کو آیت اِذَا استیئاس الرسل و ظنوا انہم قد کذبوا سے ثابت فرماتے ہیں اول اس کو ویسے سمجھ لو پھر اشعار سے سمجھ میں آجاوے گا فرماتے ہیں کہ قرآن شریف میں ہے کہ استیئاس الرسل و ظنوا انہم قد کذبوا اکذبوا میں دو قرائتیں ہیں اور دونوں متواتر ہیں ایک تو بہ تشدید الذال المعجمہ اُس میں تو کوئی شبہ نہیں اس کی تفسیر

تو ظاہر ہے کہ رسول مایوس ہو گئے اور انھوں نے گمان کر لیا کہ وہ (کفار کی طرف سے) تکذیب کیے گئے ہیں دوسری قرأت تخفیف الذال ہے۔ اس کی تفسیر میں اختلاف ہے حضرت عائشہؓ تو سرے سے اس قرأت ہی کا انکار کرتی ہیں مگر حضرت ابن عباسؓ اسکی تفسیر فرماتے ہیں اور وہی یہاں مقصود ہے۔ ابن عباس فرماتے ہیں کہ ظنوا میں ضمیر رسل کی طرف ہے اور معنی یہ ہیں کہ وہ مایوس ہو گئے اور گمان کر لیا کہ وہ جھوٹ بولے گئے ہیں یعنی اُن سے جو نصر کا وعدہ حق تعالیٰ کی طرف سے ہوا ہے وہ غلط ہوا ہے۔ اب یہاں یہ اشکال رہا کہ بھلا انبیاء کو کس طرح یہ گمان ہو سکتا تھا اسکا جواب یہ ہے کہ اسکا وسوسہ ہوتا تھا گمان سے یہی مراد ہے کہ اُنکو وسوسہ ہوتا تھا باقی اُن کو ظن بالیقین ہرگز نہ تھا اور وسوسہ میں شریعت نے کوئی مواخذہ یا گناہ وغیرہ کچھ رکھا ہی نہیں ہے تو اب صاف ہو گیا۔ پس فرماتے ہیں کہ جس طرح کہ وہ مایوس ہو گئے تھے اور شبہ میں پڑ گئے تھے اگرچہ درجہ وسوسہ ہی میں سہی مگر ہوا تو اسی طرح ان لوگوں کے انکار سے وتوقی کو ہی شبہ پڑ گیا تھا کہ شاید مجھ ہی کو غلط دکھائی دیتا ہو۔ اب اشعار سے سمجھ لو۔ فرماتے ہیں کہ

ہاں بخواں استیاس ارسل ای عمو ۔۔۔ تا بظنوا انہم قد کذبوا

یعنی اے چچا استیاس الرسل کو ظنوا انہم قد کذبوا تک پڑھ لو۔

ایں قرأت خواں بہ تخفیف کذب ۔۔۔ ایں بود کہ خویش بیند محتجب

یعنی اس قرأت کو کذب کی تخفیف سے پڑھو اور یہی ہوا کرتا ہے کہ اپنے کو محجوب دیکھا ہے یعنی اسیطرح شبہ پڑ جاتا ہے کہ اپنے کو انسان اُس طرف سے مردود و مطرود خیال کرنے لگتا ہے۔ اور سمجھتا ہے کہ بس جی جب یہ اتنے لوگ تکذیب کر رہے ہیں تو شاید یہ سب غلط ہی ہو مگر یہ یاد رہے کہ یہ سب درجہ وسوسہ میں ہوتا ہے یقین نہیں ہوتا۔

درگمان افتاد جان انبیا ز اتفاق منکرے اشقیا

یعنی حضرات انبیا علیہم السلام کی جان اشقیا کے بالاتفاق انکار کرنے سے شک میں پڑ گئی۔ یعنی جب سب منکر ہوئے تو اُن کو بھی شک ہو گیا اور وسوسہ ہوا کہ کہیں سارے وعدے حق تعالےٰ کے غلط تو نہ تھے۔

جاءہم بعد التشکک نصرنا ترک شان گو بر درخت جان برا

یعنی شک کے بعد اُنکے پاس ہماری مدد آئی تو تم اُنکو چھوڑو اور درختِ جان پر آو۔ مطلب یہ کہ جب انبیاء کو وسوسہ ہوا تو اُس کے بعد انکے پاس مدد پہونچ گئی یہ تو وہ استدلال تھا اب آگے آواز غیبی ان دقوقی کو آتی ہے کہ ارے ان لوگوں کو چھوڑو اور درخت جان اور درخت حیات پر آؤ اور ارشاد ہوتا ہے کہ

میخور و میدہ بدان کش روزی است ہر دم و ہر لحظہ سحر آموزی است

یعنی کھاتا رہ اور دیتا رہ جس کی روزی ہے ہر دم اور ہر لحظہ سحر آموزی ہے مطلب یہ کہ اے دقوقی تم خود کھاؤ اور جو اُس کے اہل ہوں اُن کو کھلاؤ اور فیوض اور برکات پہونچاؤ۔ باقی نااہلوں کو تو سحر ہے کہ اُن کو کبھی بھی دکھائی نہ دے گا جب اُن کو یہ آواز آتی تھی تو اس طرح آتی تھی کہ لوگ بھی سنتے تھے اور وہ کہتے تھے کہ۔

خلق گویا ای عجب این بانگ چیست چونکہ صحرا از درخت و بر تہیست

یعنی لوگ کہتے کہ تعجب ہے کہ یہ آواز کیا ہے جبکہ جنگل درخت و پھل سے خالی ہے یعنی لوگ کہتے تھے کہ اس جنگل میں نہ کوئی درخت ہے نہ میوہ ہے اور آواز آ رہی ہے کہ کھاؤ اور تعجب تو یہ ہے کہ یہ آواز کیسی ہے۔ اور کہاں سے اور کہتے تھے کہ۔

گیج گشتیم از دم سودائیان　　　که بہ نزدیک شما باغ است و خوان

یعنی ہم اُن دیوانوں کی اُن آوازوں سے دیوانے ہو گئے ہیں کہ تمہارے پاس باغ ہے اور خوان ہے۔

چشم میمالیم کاینجا باغ نیست　　　یا بیابانیست یا مشکل رہیست

یعنی ہم آنکھیں ملتے ہیں کہ یہاں تو کوئی باغ نہیں ہے (بلکہ) یا تو بیابان ہے یا مشکل راستہ ہے۔

ای عجب چندین دراز این ماجرا　　　چون بود بیہودہ و ہزل و خطا

یعنی تعجب ہے کہ اتنا طویل ماجرا کس طرح بیہودہ اور ہزل اور خطا ہو گا مطلب یہ کہ اول تو ان لوگوں کو اس کے غلط ہونیکا گمان ہوا مگر پھر سوچا یہ اس قدر باتیں کہ باغ ہے اور پھل ہیں اور درخت ہیں وغیرہ وغیرہ جھوٹ بھی معلوم نہیں ہوتیں غرض کہ وہ لوگ تعجب میں تھے آگے فرماتے ہیں کہ۔

من ہمی گویم چو ایشان ای عجب　　　اینچنین مہرے چرا زد صنع رب

یعنی میں اُن لوگوں کی طرح کہتا تھا کہ تعجب ہے کہ قدرت نے ایسی مہر کیوں لگا دی ہے۔ آگے ایک مثال دیتے ہیں کہ۔

زین تنازعہا محمدؐ در عجب　　　در تعجب نیز ماندہ بولہب

یعنی ان تنازعات سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم تعجب میں تھے اور تعجب ہی میں ابولہب رہا ہوا یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی تعجب ہوتا تھا کہ یہ کفار میری رسالت کو جو اس قدر ظاہر ہے کیوں نہیں مانتے اور ابولہب کو تعجب ہوتا تھا کہ محمدؐ کو کیا ہو گیا

کہ وہ ایسا دعویٰ کرتے ہیں تو اسی طرح یہاں بھی دونوں طرف تعجب تھا۔

زیں عجب تا زاں عجب فرقیست ژرف　　　تا چہ خواہد کرد سلطان شگرف

یعنی اس تعجب میں اور اُس تعجب میں ایک فرق عظیم ہے تو اب دیکھیے وہ سلطان عظیم کیا کرے مطلب یہ کہ ان دونوں میں فرق ضرور ہے مگر اب حق تعالیٰ جس کو قبول فرماویں وہ قبول اور جس کو رد فرماویں وہ رد ہوگا۔ اور جو عجب کہ دونوں میں سے قبول ہے وہ ظاہر ہے کہ تعجب حضورؐ کا ہے کہ یہ تعجب ٹھیک تھا۔ اب مولانا فرماتے ہیں کہ۔

ای دقوقی تیز تر دو ہیں خموش　　　چند گوئی چند چوں قحط است گوش

یعنی ای دقوقی اب (قصہ کی طرف) جلدی دوڑو (اور ان اسرار کے بیان سے) چپ رہو۔ کہاں تک بیان کروگے۔ جبکہ کان کا قحط ہے۔ مطلب یہ کہ جب کوئی سننے والا ہی نہیں ہے تو بیان سے کیا فائدہ ہوگا۔ اس سے خاموش ہی رہو اور قصہ بیان کرو۔ بس مولانا کے فرماتے ہی دقوقی قصہ بیان کرتے ہیں کہ۔

شرح حبیبی

گفت راندم پیشتر من نیکبخت	باز شد آن ہفت جملہ یک درخت
ہفت مے شد فرد می شد ہر دمے	من حیران می گشتم از حیرت ہمے
بعد ازاں دیدم درختاں در نماز	صف کشیدہ چوں جماعت کردہ ساز
یک درخت از پیش مانند امام	دیگراں اندر پس او در قیام

آن قیام و آن رکوع و آن سجود — از درختان بس شگفتم می نمود

یاد کردم قول حق را آن زمان — گفت النجم و شجر را یسجدان

این درختان را نه زانو نی میان — این چه ترتیب نماز ست آنچنان

آمد الهام خدا کای با فروز — می عجب داری ز کار ما هنوز

بعد دیری گشته آنها هفت مرد — جمله در قعده پی یزدان فرد

چشم میمالم که آن هفت ارسلان — تا کیانند و چه دارند از جهان

چون به نزدیکی رسیدم من ز راه — کردم ایشان را سلام از انتباه

قوم گفتندم جواب آن سلام — ای دقوقی مفخر و تاج کرام

گفتم آخر چون مرا بشناختند — پیش ازین بر من نظر ننداختند

از ضمیر من بدانستند زود — یکدگر را بنگریدند از فرود

پاسخم دادند کای جان عزیز — چون بپوشیدست اینها بر تو نیز

بر دلی کو در تحیر با خداست — کی شود پوشیده راز چپ و راست

گفتم ار سوی حقایق بشکفید — چون ز اسم و حرف رسمی واقفید

گفت اگر اسمی شود غیب از ولی — آن ز استغراق دان نز جاهلی

بعد از آن گفتند ما را آرزوست — اقتدا کردن بتو ای پاک دوست

گفتم آرے لیک یک ساعت کہ من | مشکلاتے دارم از دور زمن
تا شود آن حل بصحبتہائے پاک | کہ بصحبت روید انگورے زخاک
دانۂ پر مغز باخاک دژم | خلوتے وصحبتے کرد از کرم
خویشتن در خاک کلی محو کرد | تا نماندش رنگ و بوی سرخ و زرد
از پس آن محو قبض او نماند | برکشاد و بسط شد مرکب براند
پیش اصل خویش چون بیخویش شد | رفت صورت جلوۂ معنیش شد
سرچنین کردند ہین فرمان تراست | تف دل زان سرچنین کردن بخاست
ساعتے با آن گروہ مجتبے | چون مراقب گشتم و از خود جدا
ہم ازان ساعت زساعت رست جان | زانکہ ساعت پیر گرداند جوان
جملہ تلوینہا ز ساعت خاستہ است | رست از تلوین کہ از ساعت برست
چون ز ساعت ساعتے بیرون شوی | چون نماند محرم بیچون شوی
ساعت از بے ساعتے آگاہ نیست | زانکہ آن سو جز تحیر راہ نیست

اُس کے بعد دقوقی نے بیان کیا کہ میں کچھ اور آگے بڑھا تو وہ ساتوں درخت ایک درخت بن گئے اس کے بعد کچھ عرصہ تک یہ حالت رہی کہ کبھی سات ہو جاتے تھے اور کبھی پھر ایک ہو جاتے تھے میں نہیں کہہ سکتا کہ مارے حیرت کے میری کیا حالت ہو رہی تھی، خیر اس کے بعد میں نے دیکھا کہ وہ درخت صف بستہ نماز پڑھ رہے ہیں اور ایک درخت اُن میں امام کی طرح آگے ہے اور دوسرے

درخت مقتدیوں کی طرح پیچھے کھڑے ہیں مجھے ان کا قیام ان کا رکوع بہت ہی عجیب معلوم ہوتا تھا۔ یہ منظر دیکھکر مجھے حق سبحانہ کا قول النجم والشجر یسجدان یاد آگیا اور میں نے اس کا عیاناً مشاہدہ کرلیا۔ میں متحیر تھا کہ نہ ان درختوں کے گھٹنے ہیں نہ کمر پھر یہ کس قسم کی نماز پڑھ رہے ہیں جب میرا تعجب بہت بڑھا تو حق سبحانہ کی طرف سے الہام ہوا کہ تمکو اب تک ہماری صناعی کا یقین نہیں ہوا۔ اور اب تک تم تعجب ہی کر رہے ہو۔ یہ بھی ہو چکا اس کے بعد وہ سات درخت سات آدمی ہوگئے۔ وہ سب کے سب وحدہٗ لاشریک کے سامنے قعدہ میں بیٹھے ہوئے تھے میں آنکھیں مَل ملکر دیکھتا تھا کہ یہ کون لوگ ہیں اور ان کا عالم میں کیا رتبہ ہے جب میں چلتے چلتے اُنکے پاس پہونچ گیا تو میں نے ہوش وحواس درست کرکے اُن کو سلام کیا۔ اُن لوگوں نے میرے سلام کا جواب میرا نام لیکر دیا۔ اب مجھے پھر حیرت ہوئی کہ ان کو میرا نام کیونکر معلوم ہوگیا۔ انھوں نے تو مجھے پہلے کبھی دیکھا بھی نہیں۔ وہ میرے اس خطرہ پر بھی مطلع ہوگئے اور نیچی نظروں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگا۔ اس کے بعد مجھے جواب دیا کہ تمکو تو یہ تعجب ہے کہ انھیں معلوم کیونکر ہوگیا اور ہمکو یہ تعجب ہے کہ تیرا اس کا سبب مخفی کیونکر رہا یاد رکھو جو لوگ ذات حق کے والہ وشیدا ہیں اُن پر ادھر اُدھر کی باتیں اکثر پوشیدہ نہیں رہتیں اس پر میں نے کہا کہ اگر آپ کو حقائق سے دلچسپی ہے جیسا کہ واقع بھی ہے تو آپ حروف واسمار رسمیہ کو کیونکر جانتے ہو یعنی حقائق تو کشف وغیرہ سے معلوم ہوتے ہیں مگر حروف واسمار رسمیہ تو بطرق متعارف ہی معلوم کرنے سے معلوم ہو سکتے ہیں پھر آپ ان سے کیسے واقف ہیں اُنھوں نے جواب دیا کہ یہ غلط ہے کہ حروف واسمار کشف وغیرہ سے معلوم نہیں ہو سکتے بلکہ جب کوئی اسم کسی ولی کی نظر سے غائب ہوتا ہے تو اُس کی وجہ ناواقفیت نہیں ہوتی بلکہ استغراق ہوتا ہے کہ اُس کے سبب اسم کی طرف التفات نہیں ہوتا دلیکن یاد رکھو کہ یہ قاعدہ کلیہ نہیں ہے بلکہ مقصود یہ ہے کہ ایسا بھی ہوتا ہے اور یہ مقصود نہیں کہ ایسا ہی ہوتا ہے) اس

گفتگو کے بعد انھوں نے کہا کہ ہمکو آپ کے پیچھے نماز پڑھنے کی نہایت تمنا ہے آپ امامت کیجئے اس پر میں نے کہا بہت بہتر ہے۔ مگر انقلابات زمانہ کے سبب میں بعض باطنی مشکلات میں گرفتار ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ پیشتر وہ مشکلات آپ حضرات کی صحبت سے حل ہو جائیں۔ کیونکہ صحبت میں بڑی برکت ہے۔ صحبت ہی کے سبب خاک سے انگور پیدا ہوتا ہے اور دانہ پر مغز نے خاک کے ساتھ صحبت اور خلوت اختیار کی اور خاک میں اپنے کو بالکل محو کر دیا تو اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس کا تلوّن سب فنا ہو گیا نہ اسمیں رنگ سرخ و زرد وغیرہ رہا نہ وہ بو رہی اور اس محویت کے بعد سارا قبض رفو چکر ہو گیا۔ اور کشاد و بسط حاصل ہو کر میدان ترقی میں گھوڑا ڈال دیا پس دیکھو جب اُس نے اپنی اصل کے سامنے فنا اختیار کی اور خودی کو چھوڑا تو صورت تو فنا ہو گئی اور معنی جلوہ گر ہو گئے یہ سُنکر انھوں نے سر ہلایا جس کا مطلب یہ تھا کہ ہم حاضر ہیں جیسی آپ کی مرضی ہو۔ اُس سر ہلانے نے میرے دل کے اندر ایک حرارت پیدا کر دی اور میں اُن کی ساتھ مراقبہ میں مشغول ہو گیا جب میں کچھ دیر تک مراقب رہا اور خودی کو اپنی فنا کر دیا فوراً مجھے ترقی ہو گئی اور تاثیرات زمانہ کی بلا سے نجات پا گیا۔ جس کی مجھے سخت ضرورت تھی۔ کیونکہ زمانہ بُری بلا ہے یہ جوان کو بڈھا اور اہل اللہ کے جوش و خروش کو ٹھنڈا کر دیتا ہے اور میری ساری تلوینیں سبدل بہ تمکین ہو گئیں۔ کیونکہ میں قید زمانہ سے آزاد ہو چکا تھا۔ اور جو قید زمانہ سے رہا ہو جاتا ہے وہ تلوینات سے بھی چھوٹ جاتا ہے کیونکہ تمام تلوینیں تغیر زمانہ ہی کے سبب ہوتی ہیں۔ یاد رکھو جس وقت تم قید زمانہ سے آزاد ہو گئے اور قید زمانہ تمہارے لئے نہ رہے گی فوراً حق سبحانہ کے راز دار ہو جاؤ گے پس اس بندش کو اُٹھاؤ اور اپنی طبیعت کے اندر وہ کیفیت پیدا کرو جو تاثر از تقلبات زمانہ سے مانع ہو اور جب تک تم پابند زمانہ ہو گے اُس وقت تک وصول ناممکن ہے۔ اس لئے کہ ساعت بے ساعتی کو اور تقید اطلاق کو اور پابند زمان متعالی عن الزمان کو کیا جانے کیونکہ وہاں تو تحیر ہی کی رسائی ہے اور متاہین فی الحق کے سوا اور کی رسائی نہیں۔

شرح شبیری

دقوقی کی نظر میں اُن سات درختوں کا ایک درخت ہو جانا

گفت راندم پیشتر من نیکبخت　　　باز شد آن هفت جمله یک درخت

یعنی میں نیکبخت پھر آگے کو چلا تو وہ سات سارے پھر ایک درخت ہو گئے۔

هفت مے شد فرد مے شد هر دمے　　　من چسان می گشتم از حیرت همے

یعنی ہر وقت وہ سات ہوتے تھے اور ایک ہوتے تھے، تو میں حیرت سے ویسا کا ویسا ہی ہو گیا

بعد از آن دیدم درختان در نماز　　　صف کشیده چون جماعت کرده ساز

یعنی بعد اسکے میں نے درختوں کو نماز میں دیکھا کہ صف بنائے ہوئے اور جماعت کی طرح سامان کئے ہوئی ہیں۔

یک درخت از پیش مانند امام　　　دیگران اندر پس او در قیام

یعنی ایک درخت اونکی امام کی طرح اور دوسرے قیام میں اُسکے پیچھے۔

آن قیام و آن رکوع و آن سجود　　　از درختان بس شگفتم مے نمود

یعنی وہ قیام اور وہ رکوع اور وہ سجدہ درختوں سے مجھے عجیب معلوم ہو رہا تھا۔

یاد کردم قول حق را آن زمان　　　گفت والنجم و شجر را یسجدان

یعنی میں نے اس وقت حق تعالیٰ کا قول یاد کیا کہ نجم و شجر کو فرمایا ہے کہ سجدہ کرتے ہیں (اور یہ بھی سوچا کہ)

این درختان را نه زانو نے میان　　　این چه ترتیب نماز ست آنچنان

یعنی ان درختوں کے نہ زانو ہیں اور نہ کمر ہے تو یہ اس طرح نماز کی ترتیب کیونکر ہے۔

آمد الہام خدا کاے با فروز　　　می عجب داری ز کار ما هنوز

یعنی الہام حق آیا کہ اے با فروز تم ہمارے کام سے ابتک تعجب کرتے ہو

اُن ساتوں درختوں کا سات آدمی ہوجانا

بعد دیرے گشتہ آنہا ہفت مرد　　جملہ در قعدہ پئے یزداں فرد

یعنی بعد کچھ دیر کے وہ سات آدمی بن گئے اور سارے خدائے یکتا کے سامنے قعدہ میں تھے۔

چشم میمالم کہ آں ہفت ارسلاں　　تا کیانند و چہ دارند از جہاں

یعنی آنکھ ملتے تھے کہ یہ سات شیر کون ہیں اور جہاں سے کیا (رتبہ) رکھتے ہیں

چوں بہ نزدیکی رسیدم من زراہ　　کردم ایشاں را سلام از انتباہ

یعنی جب میں راستہ سے اُنکے نزدیک پہونچا تو میں نے اُنکو آگاہی کیلئے سلام کیا

قوم گفتندم جواب آں سلام　　اے دقوقی مفخر و تاج کرام

یعنی اُس قوم نے میرا جواب سلام دیا (اور کہا) اے دقوقی کرام کے جائے فخر اور تاج

گفتم آخر چوں مرا بشناختند　　پیش ازیں برمن نظر نداختند

یعنی میں نے (دل میں) کہا کہ مجھے انھوں نے کس طرح پہچان لیا۔ اس سے پہلے تو مجھے کہیں دیکھا نہیں۔

از ضمیر من بدانستند زود　　یکدگر را بنگریدند از فرود

یعنی میرے دل سے اُنھوں نے (اس وسوسہ کو) معلوم کرلیا تو ایک دوسرے کو نیچے ہی نیچے دیکھا یعنی اس لئے دیکھا کہ کون اس وسوسہ کا جواب دے اسکے بعد

پاسخم دادند کاے جان عزیز
چون بپوشیدست اینہا بر تو نیز

یعنی اُنھوں نے مجھے جواب دیا کہ اے جان عزیز تم پر یہ بھی کیوں پوشیدہ ہے

بر دلے کو در تحیّر با خدا است
نے شود پوشیدہ راز چپ و راست

یعنی اُس دل پر جو کہ تحیّر میں خدا کے ساتھ ہے کوئی راز چپ و راست پوشیدہ نہیں ہوتا یعنی اُنکو سب معلوم ہو جاتا ہے تو اگر تمہارا نام معلوم ہو گیا تو کیا تعجب ہے۔

گفتم ار سوئے حقائق بشگفید
چہ ز اسم و حرف رسمی واقفید

یعنی میں نے کہا کہ اگر حقائق کی طرف تم کھلو تو نام اور حروف رسمی سے کس طرح واقف ہو۔ مطلب یہ کہ اُنھوں نے سوچا کہ علوم و معانی کا کشف تو ہو سکتا ہے مگر الفاظ اور اسمار کا کشف کیسے ہوا۔

ایں سخن چون آمد از من در خطاب
آن شہان در حال گفتندم جواب

یعنی یہ بات جب میری طرف سے خطاب میں آئی تو اُن شاہوں نے مجھے اسیوقت جواب دیا۔

گفت اگر اسمے شود غیب از ولے
آن ز استغراق دان نز جاہلے

یعنی اگر کوئی نام کسی دل سے غائب ہو جاوے تو یہ استغراق کی وجہ سے سمجھو نہ جاہلی کی وجہ سے۔

بعد ازان گفتند ما را آرزو ست
اقتدا کردن بتو اے پاک دوست

یعنی بعد اُس کے اُن لوگوں نے کہا کہ اے پاک دوست ہمیں آپ کا اقتدا کرنے کی آرزو ہے۔ یعنی سب نے کہا کہ ہمیں آرزو ہے کہ آپ کے پیچھے نماز پڑھیں۔

گفتم آرے لیک یک ساعت کہ من   مشکلاتے دارم از دور زمن

یعنی میں نے کہا کہ ہاں لیکن ایک گھڑی (بعد) اس لئے کہ میں دور زمن سے کچھ مشکلات رکھتا ہوں۔

تا شود آن حل بصحبتہای پاک   کہ بہ صحبت روید انگورے زخاک

یعنی جب تک کہ وہ آپکی پاک صحبتوں سے حل ہو جاویں کہ صحبت کی وجہ سے انگور خاک سے اوگتا ہے۔ مطلب یہ کہ اُنھوں نے کہا کہ امامت تو کرلونگا مگر مجھے کچھ مشکلات باطنی ہیں اُن کو حل کردو اُس کے بعد امامت کرونگا مجھے آپ کی صحبت سے اُمید ہے کہ حل ہو جاوینگے اس لئے کہ دیکھو انگور کو صحبت زمین ہوتی ہے تو اُس کے اندر پھل آتا ہے وہ اوگتا ہے تو اس طرح تمہاری صحبت کی برکت سے وہ عقدے بھی حل ہو جاوینگے۔ آگے صحبت سے مستفیض ہونیکی ایک مثال فرماتے ہیں۔

دانۂ پر مغز را خاک دژم   خلوتے و صحبتے کرد از کرم

یعنی دانہ پر مغز کو خاک افسردہ نے اپنا خلوتے اور صحبتی کرم کی وجہ سے کرلیا

خویشتن در خاک کلی محو کرد   تا نماندش رنگ و بوی و سرخ و زرد

یعنی (دانہ نے) اپنے کو خاک میں بالکل محو کردیا یہانتک کہ اُس کا رنگ و بو اور سُرخ و زرد وغیرہ کچھ نہ رہا۔

از پس آن محو قبض او نماند   بر کشاد و بسط شد مرکب براند

یعنی بعد اُس محو کے اُس کا قبض جاتا رہا اور کھُل گیا او رسبط ہوگیا تو سواری چلادی۔

پیش اصل خویش چون بیخویش شد　　رفت صورت جلوۂ معنیش شد

یعنی اپنی اصل کے آگے جب بیخود ہوگیا تو صورت جاتی رہی اور اُس کے معنی کا جلوہ ہوگیا (تو بس اسی طرح اگر یہ اُنکے آگے بیخود ہوجاوینگے تو اُن کو بھی یہ حالت حاصل ہوجاویگی۔ غرض کہ جب اُنھوں نے کہا تو اُنھوں نے انکے کہنے کو مان لیا اس طرح کہ)

سر چنین کردند ہین فرمان تراست　　تف دل زان سر چنین کردن بجاست

یعنی اُنھوں نے سر کو اس طرح کرلیا (یعنی جھکا لیا اور کہا) کہ اچھا حکم آپکا ہی ہے (یعنی ہم مانتے ہیں) اور گرمے دل کو اُس طرف سے اس طرح کرنا بجا ہے۔

ساعتے باآن گروہے مجتبےٰ　　چون مراقب گشتم واز خود جدا

یعنی اُس گروہ برگزیدہ کی ساتھ ایک گھڑی میں جب مراقب ہوا اور اپنے سے جُدا ہوا

ہم دران ساعت ز ساعت رست جان　　زانکہ ساعت پیر گرداند جوان

یعنی اُسی وقت جان ساعت سے چھوٹ گئی اس لئے کہ ساعت تو جوان کو بڈھا کردیتی ہے مطلب یہ کہ ان ساعات کے گذر نے ہی سے تو انسان جوان سے بوڑھا ہوتا ہے اور یہ ساعات اون دنیا کی ہیں تو بس جسوقت اودھر توجہ ہوئی اُسی وقت اس دنیا سے بالکل بے تعلق ہوگئے اور ادھر کے ہوش وحواس غائب ہوگئے آگے فرماتے ہیں کہ

جملہ تلوینہا ز ساعت خاستہ است　　رست از تلوین کہ از ساعت برست

یعنی ساری تلوینات ساعت ہی سے اُٹھی ہیں اور جو ساعت سے چھوٹ گیا وہ تلوین سے چھوٹ گیا۔ مطلب یہ کہ جو اس دنیا کے تغیرات سے چھوٹا وہ تلوین سے بھی الگ ہوگیا

آگے فرماتے ہیں کہ۔

ساعتے بیرون شو از ساعت ولا   تا ز چون وارہی و از چرا

یعنی اے دل ایک گھڑی اس ساعت سے باہر ہو تاکہ تم چو سے اور چرا سے چھوٹ جاؤ۔

چون ز ساعت ساعتے بیرون شوی   چون نماند محرم بیچون شوی

یعنی جب ایک گھڑی کیلئے اس ساعت سے باہر ہو جاؤ تو جب چون نہ رہے تو بیچون ہو جاؤ گے۔

ساعت از بے ساعتی آگاہ نیست   زانکہ آنسو جز تحیر راہ نیست

یعنی ساعت بے ساعتی سے آگاہ نہیں ہے اس لئے کہ اُس طرف تو سوائی تحیر کے (کسیکو) راہ ہی نہیں ہے مطلب یہ کہ اس عالم میں پھنسکر اُس عالم کی خبر نہیں رہتی اس لئے کہ وہاں تو حیرت ہی حیرت ہے اور کچھ بھی نہیں ہے اور اس عالم دنیا میں حیرت ہے نہیں بلکہ یہ عالم خودی کا ہے تو اس عالم کو اُس کی خبر ہی نہیں ہے۔

شرح حبیبی

ہر نفر را بر طویلہ خاص او   بستہ اند اندر جہان جستجو

منتصب بر ہر طویلہ رائضے   جز بدستوری نیاید رافضے

از ہوس از یک طویلہ گر زند   در طویلہ دیگرے اندر شود

در زمان آخر جیان چست و خوش   گوشۂ افسار او گیرند و کش

حافظان را گر نه بینی ای عیار | اختیارت را ببین بی اختیار
اختیاری میکنی و دست و پا | بر کشادستت چرا حبسی چرا
روی در انکار حافظ برده | نام تهدیدات نفسش کرده
این سخن پایان ندارد تیز رو | هین نماز آمد وقوتی پیش شو
ای یگانه هین دوگانه بر گذار | تا مزین گردد از تو روزگار
ای امام چشم روشن الصلا | چشم روشن می بباید پیشوا
در شریعت هست مکروه ای کیا | در امامت پیش کردن کور را
گرچه حافظ باشد و چست و فقیه | چشم روشن به وگر باشد سفیه
کور را پرهیز نبود از قذر | چشم باشد اصل پرهیز و حذر
او پلیدی را نه بیند در عبور | هیچ مومن را مبادا چشم کور
کوری باطن بود کان شرّ شر | زانکه اندر فعل و قولش نیست نور
کور ظاهر در نجاست ظاهرست | کور باطن در نجاسات سرست
این نجاست ظاهر از آبی رود | وان نجاست باطن افزون میشود
جز بآب چشم نتوان شستن آن | چون نجاسات بواطن شد عیان
چون نجس خوانده است کافر را خدا | آن نجاست نیست در ظاهر ورا

طاهر کافر ملوث نیست زین
آن نجاست هست در اخلاق دین

این نجاست بویش آید بیست گام
وان نجاست بویش از ری تا بشام

بلکه بویش آسمانها بر دود
بر دماغ حور و رضوان بر شود

آنچه میگویم بقدر فهم تست
مردم اندر حسرت فهم درست

فهم آب است و وجود تن سبو
چون سبو بشکست ریزد آب او

این سبو را پنج سوراخ است ژرف
اندرونی آب ماند خود نه برف

امر غضوا غضة ابصارکم
هم شنیدی راست ننهادی قدم

از دهانت نطق فهمت را برد
گوش چون زنگ ست فهمت را خورد

همچنین سوراخهای دیگرت
می کشاید آب فهم مضمرت

گر ز دریا آب را بیرون کنی
بی عوض آن بحر را هامون کنی

بیگه است ارنه بگویم حال را
مدخل اعواض را و ابدال را

کان عوضها وان بدلها بحر را
از کجا آید ز بعد خرجها

صد هزاران جانور زو میخورند
ابرها هم از برونش می برند

باز دریا آن عوضها میکشد
از کجا دانند اصحاب رشد

مولانا نے اوپر بیان کیا تھا کہ مقید زماں کی حق سبحانہ تک رسائی نہیں ہو سکتی اور غیر مقیدین کی ہوتی ہے اب اس کا ایک لاز بیان فرماتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ ہر

ایک شخص کے لئے اُس کی صفات و احوال کے لحاظ سے ایک خاص مقام معین ہے اور ہر مقام پر ایک پہرہ دار مسلط ہے۔ پس جو شخص بدون امر حق سبحانہ اپنے اصلی مقام کو چھوڑ کر دوسرے مقام تک پہونچنا چاہتا ہے۔ فوراً وہ پہرہ دار جو اپنے فرض منصبی کی انجام دہی میں ہر وقت مشغول رہتے ہیں۔ اور کبھی غافل نہیں ہوتے کہ کوئی چھپکر نکل جاوے۔ اُس کو زبردستی ہٹا دیتے ہیں اور جب خدا چاہتا ہے اُس وقت وہ آگے جا سکتے ہیں تم کو اگر وہ پہرہ دار نظر نہ آتے ہوں تو ہم تمکو ایک شناخت بتلاتے ہیں اس سے پہچان لو وہ یہ کہ تم اپنے اختیار میں بھی مختار نہیں ہو۔ ورنہ تم اپنے اختیار کو کام میں لاؤ۔ اور اپنے مرتبہ سے آگے بڑھ جاؤ۔ آخر تمہارے ہاتھ پاؤں تو کھلے ہوئے ہیں پھر کیوں مقید ہو کیوں نہیں بڑھ جاتے اور کیوں بایزید بسطامی وغیرہ نہیں ہو جاتے اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ کوئی پہرہ دار ہے جو روکتا ہے مگر تم نے اُس پہرہ دار کے انکار کا ایک بیہودہ عذر تراش رکھا ہے۔ وہ یہ کہ جی نہیں چاہتا اور نفس ڈراتا ہے کہ دیکھو تم نے ایسا کیا تو یہ ہو جاوے گا۔ وہ ہو جاوے گا لیکن یہ لغو ہے اس لئے کہ تم اپنی طبیعت اور اپنے نفس کو یوں سمجھا سکتے ہو کہ اچھا امتحان تو کر لو اگر اس میں کچھ ضرر مشاہد ہو تو پھر ہمارا اختیار سلب تو نہ ہو جاویگا۔ ہم پھر اپنی جگہ پر آ جاوینگے۔ پس ذرا تم امتحاناً ہی بڑھ کے دیکھ لو۔ دیکھو بڑھ سکتے ہو یا نہیں۔ خیر یہ گفتگو تو ختم ہوگی ہاں وقوقی شاہ صاحب ذرا جلدی کیجئے نماز کا وقت آ گیا ہے۔ آگے تشریف لے چلئے اور اے یکتائے زمانہ آپ دوگانہ ادا کیجئے۔ تاکہ آپکی امامت سے زمانہ مزین ہو جاوے اور اے امام صاحب چشم روشن ہم آپ کو امامت کی دعوت دیتے ہیں کیونکہ امام کے لئے بینا ہونا چاہئے۔ اور شریعت نے اندھے کی امامت کو مکروہ کہا ہے۔ خواہ حافظ ہو۔ خواہ مستعد اور فقیہ ہر حالت میں بینا شخص بہتر ہے۔ گو وہ علوم رسمیہ سے واقف نہو۔ پھر آپ تو علوم رسمیہ میں بھی ماہر ہیں اور راز اس کا یہ ہے۔ کہ اندھا آدمی ناپاکی سے نہیں بچ سکتا۔ کیونکہ مدار احتیاط تو بینائی ہے اور وہ اس میں

مفقود ہے وہ رہروی میں نجاست کو نہیں دیکھ سکتا۔ کیونکہ اُس سے اقوال
وافعال بدون روشنی چشم کے سرزد ہوتے ہیں پھر چشم ظاہر کے نابینا اور
چشم باطن کے نابینا ہونا میں بھی فرق ہے۔ ظاہر کا اندھا تو نجاسات ظاہرہ میں
لتھڑا ہونا ہے اور باطن کا اندھا نجاسات باطنیہ میں آلودہ ہونا ہے
اور نجاست ظاہرہ تو پانی سے دور ہو جاتی ہے مگر نجاست باطنی اس قدر
قوی ہے کہ وہ پانی سے دور نہیں ہو سکتی۔ بلکہ بعض اوقات بڑھ جاتی
ہے کیونکہ اس کے سبب بعض وقت آدمی تکبر اور عجب میں مبتلا ہوجاتا
ہے اور جبکہ نجاست باطنی پیدا ہو جاتی ہے تو وہ اکثر احوال میں بدون
آب چشم کے نہیں جا سکتی یعنی جب آدمی خوب ریاضت اور مجاہدے
کرتا ہے اور حق سبحانہ کی محبت میں روتا ہے اُس وقت زائل ہوتی
ہے۔ تمکو اگر نجاست باطنی میں کچھ شبہ ہو تو یوں تشفی کر لو کہ جب حق سبحانہ
نے انما المشرکون نجس فرمایا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ نجاست اُس کے جسم پر
تو لگی ہوئی ہے نہیں اور ظاہر کا فر تو اُس سے ملوث نہیں تو لا محالہ وہ نجاست
نجاست باطنی اور اخلاق اور دین میں ہو گی۔ پس اب شبہ نہ رہا اور نجاست
باطنی کا تحقق ثابت ہو گیا۔ ایک فرق تو نجاست ظاہری و باطنی میں وہ تھا
جو ہم اوپر بیان کر چکے ہیں۔ دوسرا فرق یہ ہے کہ نجاست ظاہری کی بو تو
مثلاً بیس ہی قدم تک پہونچتی ہے اور نجاست باطنی کی بو ایک ملک سے
دوسرے ملک میں بلکہ عالم سفلی سے عالم علوی میں پہونچتی اور حور و
رضوان کے دماغ سے ٹکراتی ہے چنانچہ بعض گناہوں کی نسبت وارد
ہے کہ ان سے فرشتوں اور حوروں کو تکلیف ہوتی ہے یہ جس قدر میں
نے بیان کیا ہے یہ تو تمہاری سمجھ کے موافق ہے۔ کیا کہوں کوئی سمجھدار
نہیں۔ ورنہ میں اور بھی بہت کچھ بیان کرتا۔ اگر تم کو اسرار کا شوق ہے تو
سمجھ حاصل کرو اب جو تمہارے اندر سمجھ نہیں اُس کی ایک خاص وجہ ہے

اور وہ یہ کہ سمجھ ایسی ہے جیسے پانی اور جسم اُس کے لئے ایسا ہے جیسے برتن اور قاعدہ ہے کہ برتن ٹوٹ جاتا ہے تو پانی اُس میں نہیں ٹھہر سکتا بلکہ بہہ جاتا ہے اب سمجھو کہ تمہارے جسم کے اندر پانچ سوراخ ہیں۔ اس لئے اس میں آب فہم نہیں ٹھہرا۔ مثلاً ایک سوراخ آنکھ ہے تم نے اُس کو کھول رکھا اور باوجودیکہ تمکو تنبیہ کی گئی۔ اور غضوا ابصارکم فرمایا۔ مگر تم نے اس پر عمل نہیں کیا اور اُس سوراخ کو کھولے رکھا دوسرا سوراخ منہ ہے بہت بڑا حصہ فہم کا کثرت کلام کے ذریعہ سے ضائع ہوتا ہے تم نے اس کی بھی کچھ پرواہ نہیں کی تیسرا سوراخ کان ہے یہ بھی تمہاری فہم کو زنگ کی طرح کھاتا ہے۔ تم نے اس کی بھی بند کرنے کی کوشش نہیں کی۔ علی ہذالقیاس اور بھی سوراخ ہیں جن سے تمہارا آب فہم نکلا جارہا ہے۔ تم نے اُن کو بھی بند نہ کیا۔ نیز اس کی بھی فکر نہ کی کہ اس کا عوض بھی پہونچ جاوے پس لامحالہ سمجھ بہت کم ہوگئی دیکھو اگر سمندر میں سے پانی نکالا جاوے اور اُس کی عوض اور پانی اس میں نہ ڈالا جاوے تو ایک دن خشک ہوکر صحرا ہوجاوے گا۔ موقع نہیں ہے نہیں تو ہم اعواض و ابدال کی بھی تفصیل کرتے کہ کہاں سے آتے ہیں اور کیونکر آتے ہیں جو بعض دریا باوجودیکہ ان کا پانی بہت صرف ہوتا ہے کیونکہ سینکڑوں جانور اس سے پانی پیتے ہیں اور ابر ان ہی سے پانی لے جاتے ہیں مگر باینہمہ وہ کم نہیں ہوتا اور برابر خرچ شدہ پانی کا بدل اُنہیں آتا رہتا ہے۔ رہی یہ بات کہ کہاں سے آتا ہے اُس کو صاحب ہدایت اور مہتدی لوگ ہی جانتے ہیں (اس مضمون میں مولانا نے ایک شبہ کے جواب کی طرف اشارہ کیا ہے۔ شبہ یہ ہے کہ یہ سوراخ تو اہل اللہ کے بھی کھلے ہوتے ہیں۔ مثلاً وہ باتیں بھی کرتے ہیں۔ وہ دیکھتے بھی ہیں۔ وہ سنتے بھی ہیں۔ خود آپ ہی اپنے کو دیکھ لیجئے کہ کتنی بڑی مثنوی لکھی ہے۔ پھر انکے افہام کیوں نہیں گھٹے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ان کو بدل ملتا رہتا ہے۔ وہاں جتنا صرف ہوتا ہے اُس کے برابر یا اس سے زیادہ اُن کو پھر مل جاتا ہے

اس لیئے ان میں کمی نہیں آتی۔ اور یہ کہ کہاں سے ملتا ہے اور کیونکر ملتا ہے اس کی تفصیل ہم اس مقام پر نہیں کر سکتے۔ بر خلاف تمہارے کہ وہاں خرچ تو ہے اور آمدنی یا تو ہے نہیں یا بہت کم ہے اس لئے تمہارے افہام کم ہوتے ہیں۔

شرح شبیری

ہر نفر را بر طویلۂ خاص او　　بستہ اند اندر جہاں جستجو

یعنی ہر شخص کو اُس کے طویلۂ خاص پر اس جہاں جستجو میں باندھدیا ہے (چونکہ یہ جہاں تو طلب کے لیئے ہے اس لئے جہاں جستجو کہدیا) مطلب یہ کہ جس طرح کہ گھوڑے الگ الگ طویلوں میں بندھے ہوتے ہیں اسی طرح ہر شخص اپنی اپنی جگہ اور اپنے اپنے کام پر لگا ہوا ہے۔

منتصب ہر ہر طویلہ رائضے　　جز بدستورے نیاید رافضے

یعنی ہر ہر طویلہ پر ایک چابک سوار (محافظ) مقرر ہے تو وہ بالا اجازت کے رافض نہیں ہوتا۔ رائض چابک سوار اور رافض علحدہ ہونے والا۔ مطلب یہ کہ ہر ہر شخص پر ایک ایک محافظ ہے جو اُس سے کام لے رہا ہے اور جب تک حکم حق نہیں ہوتا اُس وقت تک وہ رائض اُس سے علحدہ نہیں ہو سکتا۔

از ہوس از یک طویلہ گر رود　　در طویلہ دیگرے اندر شود

یعنی اگر ہوس کی وجہ سے ایک طویلہ سے جاوے۔ اور کسی دوسرے طویلہ میں جانے لگے۔

در زمان آخر چیاں چست خوش　　گوشۂ افسار او گیرند و کش

یعنی اُسی وقت وچست و چالاک سائیس اُس کی باگ ڈور کا گوشہ پکڑیں اور کھینچ لیں۔ مطلب یہ کہ جو محافظ ہر شخص پر مسلط ہے اگر یہ ادھر ادھر جاتا ہے وہ فوراً اس کو روک لیتے ہیں اور جس کام کے لئے بنایا گیا ہے اُس میں لگائے رکھتے ہیں آگے فرماتے ہیں کہ۔

حافظاں را گر نہ بینی اے عیار　　　اختیارت را بہ بین بے اختیار

یعنی اے عیار اگر تو محافظوں کو نہیں دیکھتا تو اپنے اختیار کو دیکھ۔ مطلب یہ کہ اگر تم کو وہ محافظ نہیں نظر آتے تو تم یوں سمجھو کہ تمہارا جو اختیار ہے یہ تو تمہارے اختیار میں نہیں ہے ورنہ اگر یہ اختیار میں ہو تو ہم اُس سے پہلے اختیار کو لیں گے کہ وہ اختیار میں ہے یا نہیں اگر وہ بھی اختیار میں ہے اور اسی طرح اس کے آگے سب اختیار میں ہیں تو تسلسل لازم آتا ہے بس معلوم ہوا کہ کوئی جگہ ایسی نکلتی ہے کہ وہاں اختیار اختیار میں نہیں ہے تو بس یہی بے اختیاری ہے اور اُسی کو تم محافظ سمجھ لو۔ اور دیکھ لو کہ۔

اختیارے میکنی و دست و پا　　　بر کشادستت چرا حبسے چرا

یعنی تم ایک اختیار کرتے ہو اور ہاتھ پاؤں تمہارے کھلے ہوئے ہیں تو یہ حبس کیا ہے۔ کہ کام کرنا چاہتے ہو اور کام نہیں ہوتا۔ بس معلوم ہوا کہ کوئی چیز ہے کہ جس نے مجھکو اس مقصد کے پورا کرنے سے روک رکھا ہے۔

روئے در انکار حافظ بردۂ　　　نام تہدیدات نفسش کردہ

یعنی تم نے انکار محافظ میں توجہ کی ہے اور اُس کو تہدیدات نفس نام رکھا ہے (حالانکہ یہی وہ محافظ ہے اور اسی نے تم کو روک رکھا ہے) آگے پھر قصہ بیان فرماتے ہیں کہ

دقوقی کا اُس قوم کی امامت کیلئے آگے چلنا

این سخن پایاں ندارد تیز رو   هین نماز آمد دقوقی پیش شو

یعنی یہ باتیں تو انتہا نہیں رکھتیں اب تم تیز چلو اور اے دقوقی نماز کا وقت آ گیا۔ آگے چلو۔

ای یگانہ ہیں دوگانہ برگذار   تا مزین گردد از تو روزگار

یعنی اے یکتا تم دوگانہ ادا کرو تا کہ تم سے زمانہ مزین ہو جاوے۔

اے امام چشم روشن الصلا   چشم روشن باید اندر پیشوا

یعنی اے امام چشم روشن نماز (قریب) ہے اور امامت میں چشم روشن ہی کی ضرورت ہے (اس لئے کہ)

در شریعت ہست مکروہ ای کیا   در امامت پیش کردن کور را

یعنی اے زیرک شریعت میں اندھے کو امامت میں آگے کرنا مکروہ ہے۔

گرچہ حافظ باشد و چست و فقیہ   چشم روشن بہ اگر باشد سفیہ

یعنی وہ اندھا اگرچہ حافظ اور چست اور فقیہ ہو تو چشم روشن اُس سے بہتر ہے اگرچہ جاہل ہو۔ (اس لئے کہ)

کور را پرہیز نبود از قذر   چشم باشد اصل پرہیز و حذر

یعنی اندھے کو نجاست سے پرہیز نہیں ہوتا اور پرہیز اور حذر کے لئے چشم ہی ہوا

کرتی ہے۔

او پلیدی را نہ بیند در عبور　　　ہیچ مومن را مبادا چشم کور

یعنی وہ اندھا عبور میں پلیدی کو نہیں دیکھتا۔ کسی مومن کی خدا کرے آنکھیں کور نہو

کوری باطن بود کان شرور　　　زانکہ اندر فعل و قولش نیست نور

یعنی باطن کی کوری تو معدن شرور ہے اس لئے کہ اُس کے فعل و قول میں نور نہیں ہے۔

کور ظاہر در نجاست ظاہر است　　　کور باطن در نجاسات سر است

یعنی ظاہری اندھا تو ظاہری نجاست میں ہے اور باطن کا کور نجاسات باطنی میں ہے

این نجاست ظاہر از آبے رود　　　وان نجاست باطن افزون می شود

یعنی ظاہری نجاست تو پانی سے جاتی رہتی ہے اور وہ نجاست باطنی بڑھتی ہی چلی جاتی ہے۔

جز بآب چشم نتوان شستن آن　　　چون نجاسات بواطن شد عیان

یعنی سوائے آب چشم کے اُس کو دھو نہیں سکتے۔ جبکہ باطنی نجاسات ظاہر ہوگئیں مطلب یہ ہے کہ دیکھو جب ظاہری اندھے کو اس لئے امام بنانا مکروہ ہے کہ وہ نجاسات ظاہری سے پوری طرح نہیں بچ سکتا تو جو کور باطن ہو اُس کو امام بنانا تو بدرجہ اولیٰ درست نہو گا۔ اس لئے کہ وہ نجاسات باطنی سے جو کہ نجاسات ظاہری سے اشد ہیں نہیں بچ سکتا ہے لہذا ضرورت ہے کہ امام چشم روشن ہو جیسا اوپر کہا تھا کہ چشم روشن باید اندر پیشوا۔ اب یہاں کوئی کہتا ہے کہ جناب

کوری باطن کی وجہ سے انسان ناپاک تو نہیں ہوتا۔ اور آپ نے نجس کہدیا اس کا جواب دیتے ہیں کہ۔

چوں نجس خوانده است کافر را خدا　　آن نجاست نیست در ظاہر ورا

یعنی جبکہ حق تعالےٰ نے کافر کو نجس کہا ہے اور وہ نجاست اُس کے ظاہر پر نہیں

ظاہر کافر ملوث نیست زین　　آن نجاست ہست در اخلاق و دین

یعنی کافر کا ظاہر اُس (نجاست) سے تو ملوث ہے نہیں ہاں وہ نجاست اخلاق و دین میں ہے۔

این نجاست بویش آید بست گام　　وان نجاست بویش از رے تا بشام

یعنی یہ نجاست ظاہری تو بو اُس کی بیس قدم سے آتی ہے اور اُس نجاست کی رے سے شام تک۔

بلکہ بویش آسمانہا بر رود　　بر دماغ حور و رضوان بر شود

یعنی اُس کی بو آسمانوں پر جاتی ہے اور حور و رضوان کے دماغ پر غالب آتی ہے۔ مطلب یہ کہ نجاست ظاہری کی بدبو تو تھوڑی ہی دور تک ہوتی ہے۔ مگر باطنی کی نجاست کی بو تو آسمان پر جاتی ہے اور اُس سے حور و رضوان کو اذیت ہوتی ہے حدیث میں ہے کہ انسان جب جھوٹ بولتا ہے تو فرشتے اُس سے کوسوں دور بھاگ جاتے ہیں اس لئے کہ اُس کے منہ سے بڑی سخت بو آتی ہے تو دیکھو ملائکہ کو اُس نجاست باطنی سے کس قدر سخت نفرت ہوئی آگے فرماتے ہیں کہ

آنچہ میگویم بقدر فہم تست　　مُردم اندر حسرت فہم درست

یعنی میں جو کچھ بیان کر رہا ہوں یہ سب تمہاری فہم کی قدر ہے اور میں تو فہم درست کی حسرت ہی میں مرگیا۔ یعنی فہم درست ہی کو تلاش کرتے کرتے قریب المرگ ہو گئے مگر یہ بھی نہ میسر ہوا۔ آگے فہم کی ایک مثال فرماتے ہیں کہ۔

فہم آب است او وجود تن سبو　　چون سبو بشکست ریزد آب او

یعنی فہم تو پانی ہے اور وجود تن ایک سبو ہے تو جب گھڑا ٹوٹ گیا اُس کا پانی گر جاتا ہے اس سبو کے ٹوٹنے کو خود آگے بیان فرماتے ہیں کہ۔

این سبو را پنج سوراخست ژرف　　اندرو نے آب ماند خود نہ برف

یعنی اس سبو کے پانچ بڑے بڑے سوراخ ہیں کہ نہ اُس میں پانی رہتا ہے اور نہ برف پانچ سوراخ سے مراد حواس خمسہ مطلب یہ کہ اگر یہ کھل جاتے ہیں مثلاً کوئی بولے زیادہ یا باتیں سنے زیادہ یا شہوت زانی زیادہ کرے غرضکہ جس میں بھی زیادتی ہوگی فہم کم ہوگا۔ اور اگر ان کو بند رکھوگے تو فہم تمہاری اندر جمع رہے گا۔ اور ساعت بساعت ترقی کرے گا۔

امر غضوا غضۃ ابصارکم　　ہم شنیدی راست ننہادی تو سم

یعنی غضوا غضۃ ابصارکم کے حکم کو تم نے سُنا اور قدم کو درست نہ رکھا۔ (کہ غض بصر نہ کیا تو ایک سوراخ تو یہ کھلا)

از دہانت نطق فہمت را برد　　گوش چون ریگ آب فہمت را خورد

یعنی تمہارے منہ سے بولنا تمہارے فہم کو لیجاتا ہے اور کان ریت کی طرح تمہاری آب فہم کو کھا جاتا ہے۔ مطلب یہ کہ جس طرح کہ ریت پانی کو پی لیتا ہے اور خشک کر لیتا ہے اسی طرح تمہارے کان سے یہ فضولیات جاتے ہیں یہ بھی تمہارے فہم کو ختم کئے دیتے ہیں۔

ہمچنیں سوراخہائے دیگرت   می کشاند آب فہم مضمرت

یعنی اسی طرح تمہارے اور سوراخ تمہارے آب فہم مضمرت کو کھینچتے ہیں اب یہاں کسیکو شبہ ہوا کہ ہم تو بہت باتیں کرتے ہیں اور ہمارا فہم اب تک درست ہے مولانا جواب دیتے ہیں کہ۔

گر ز دریا آب را بیروں کنی   بے عوض آن بحر را ہاموں کنی

یعنی اگر دریا میں سے تم پانی بے عوض ڈالے نکالو تو درکو جنگل کردوگے مطلب یہ کہ تمہارا فہم ایک دریا ہے تو اگر سمندر میں سے کوئی پانی نکالے اور اس کی جگہ اور پانی اوس میں نہ ڈالے تو تھوڑے دنوں میں سب سوکھ جاویگا۔ تو اسی طرح جب فہم کم ہوتا رہے گا اور داخل نہ ہوگا تو اب نہیں تو پانچ برس بعد ختم ہوجاوے گا۔ آگے فرماتے ہیں کہ۔

بیگہ است ارنی بگویم حال را   مدخل اعواض را و ابدال را

یعنی بے موقع ہے ورنہ میں عوضوں اور بدلوں کے داخل ہونیکا حال بیان کردیتا کہ۔

کان عوضہا و آن بدلہا بحر را   از کجا آید زبعد خرجہا

یعنی کہ وہ عوض اور بدل کے بحر کے کھانے سے بعد خرچ کے آجاتے ہیں۔

صد ہزاران جانور زو می چرند   ابرہا ہم از برونش می برند

یعنی لاکھوں جانور اس سے پیتے ہیں اور ابر بھی اس کے باہر سے لیجاتے ہیں۔

باز دریا آن عوضہا می کشد   از کجا دانند اصحاب رشد

یعنی پھر دریا ان عوضوں کو کہاں سے کھینچتا ہے اُس کو اصحاب رشد جانتے ہیں دا اور وہ جانتا ہی ہے کہ حق تعالیٰ سے لیتا ہے۔ آگے فرماتے ہیں کہ۔

شرح حبیبی

قصہ ہا آغاز کردیم از شتاب — ماند بے مخلص درون این کتاب

ای ضیاء الحق حسام الدین راد — کہ فلک وارکان چو تو شاہی نزاد

تو بنادر آمدی در جان و دل — ای دل و جان از قدوم تو خجل

چند کردم مدح قوم ما مضیٰ — قصد من زانہا تو بودی زاقتضا

خانۂ خود را شناسد خود دعا — تو بنام ہر کہ خواہے کن ثنا

بہر کتمان مدیح از نامحل — حق نہادست این حکایات مثل

گرچہ آں مدح از تو ہم آمد خجل — لیک بہ پذیرد خدا جہد المقل

حق پذیرد کسرہ را دار د معاف — کز دو دیدہ کور دو قطرہ کفاف

مرغ و ماہی داند آن ابہام را — کہ ستودم مجمل ایں خوش نام را

تا بروآحسودان کم وزد — تا خیالش را بدندان کم گزد

آن خیال او بود از احتیال — موی ابروے و لیست آن نے ہلال

مدح تو گویم برون از پنج و ہفت — بر نویس اکنون دو قوقی پیش رفت

در تحیات و سلام صالحین | مدح جمله انبیا آمد عجین
مدحها شد جملگی آمیخته | کوزها در یک لگن در ریخته
زانکه خود ممدوح جز یک بیش نیست | کیشها زین روی جز یک کیش نیست
زانکه هر مدحے بنور حق رود | بر صور و اشخاص عاریت بود
مدحها جز مستحق را کے کنند | لیک بر پنداشت گمره مے شوند
همچو نورے تافته بر حائطے | حائط آن انوار را چون رابطے
لاجرم چون سایه سوئے اصل راند | ضال مه گم کرد و ز استایش بماند
یا ز چاهے عکس ماهے وانمود | سر بچه مے کرد و آنرا مے ستود
در حقیقت مادح ماهست او | گرچه جهل او بعکسش کرده رو
مدح او مه راست نے آن عکس را | کفر شد آن چون غلط شد ماجرا
کز شقاوت گشت گمره آن دلیر | مه ببالا بود و آن پنداشت زیر
زین بتان خلقان پریشان می شوند | شهوتے رانده پشیمان مے شوند
زانکه شهوت با خیالے رانده اند | در حقیقت دورتر وا مانده اند
با خیالے میل تو چون پر بود | تا بدان پر بر حقیقت بر شود
چون براندی شهوتے پرت بریخت | لنگ گشتے وان خیال از تو گریخت

پر نگہدار و چنیں شہوت مراں	تا پر میلت برد سوئے جناں
خلق پندارند عشرت می کنند	بر خیالے پر خود بر مے کنند
دام دار شرح ایں نکتہ شدم	مہلتم دہ معرم زان تن زدم
باز گردم زنکہ قصہ شد دراز	وقت تنگ و خلق موقوف نماز

اب مولانا کو خیال آتا ہے کہ ارے قصہ تو چھوٹ گیا۔ اور میں کہیں کا کہیں نکل گیا۔ اس کی معذرت فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ کیا کہیں ہم نے بہت سے قصے شروع کئے۔ لیکن اس کتاب میں وہ تمام نہوئے وجہ یہ ہوئی کہ قصہ کا ایک حصہ بیان کیا اس سے ایک مضمون کی طرف انتقال کیا پھر اس مضمون کے کسی جزو سے دوسرے قصہ کی طرف انتقال کر گئے وہکذا۔ اور وہ قصہ ناقص رہ گیا۔ یہاں بھی یہی ہوا کہ قصہ بیان کرتے کرتے دقوقی کی تعریف کرنے لگے اس سے نجاست کی بحث چھڑ گئی لیکن اے وہ ضیاء الحق حسام الدین جن کی مثل فلک اور ارکان اربعہ عناصر نے کوئی دوسرا بادشاہ طبقہ اولیا میں یا اُس زمانہ میں پیدا نہیں کیا بلکہ آپ اقلیم جان و دل میں ایک عجیب بادشاہ آئے ہیں اور ہمارے جان و دل کی اقلیم آپ کی تشریف آوری سے شرمندہ ہے کہ آپ سے بادشاہ کے قابل نہیں ہے آپ کچھ خیال نہ فرمائیں اور یہ نہ سمجھیں کہ ہمیں اس نے چھوڑ دیا اور دوسروں کے حسن باطنی پر مائل ہو گیا۔ کیونکہ یہ ضرور ہے کہ میں نے گذشتہ لوگوں کی بہت تعریف کی ہے لیکن ان سے اقتضاءً میرا مقصود آپ ہی تھے۔ اور وہ تعریف آپ ہی کی طرف راجع تھی۔ آدمی کسی کی تعریف کرے لیکن وہ تعریف تو اپنا ٹھکانا پہچانتی ہے۔ درحقیقت وہ اُسی کی تعریف ہوگی جو اُس کا مستحق ہے مثلاً ہلشنا، میری تعریف کا کمالات باطنیہ تھے اور وہ کمالات

آپ میں علی وجہ الکمال موجود ہیں۔ تو وہ تعریف گو صورۃً اور نصا ان کی ہو۔ مگر اقتضا ءً ولزوماً آپ کی ہوگی اور یہی میرا مقصود تھا اور اون کو آپ کے لئے پردہ بنایا تھا۔ آپ تو خود واقف ہیں کہ حق سبحانہ نے جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی تعریف کو نااہلوں سے چھپانے کے لئے حکایات وامثال کے پردہ میں چھپایا ہے اگرچہ وہ تعریف آپ سے شرمندہ ہے کہ آپ کے رتبہ کے لائق نہیں لیکن آپ متخلق باخلاق اللہ ہیں اور حق سبحانہ کی عادت ہے کہ وہ ناداروں کے ادنی کوشش کو بھی قبول فرماتے ہیں۔ اور ایک روٹی کا ٹکڑہ صدقہ میں قبول فرماکر بذل اموال سے معذور رکھتے ہیں اور یہ کہ کور باطن کی آنکھ کے دو قطروں ہی کو بقدر ضرورت سمجھتے ہیں لہذا آپ بھی اس ادنے ہدیہ کو قبول فرمائے میرے اس ابہام کو مرغ و ماہی بھی جانتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ میں نے ضیاء الحق حسام الدین ہی کی تعریف کی ہے اور ابہام کی غرض یہ تھی کہ ان کے حاسد جلکر آہ نہ نکالیں۔ اور یہ کہ ان کے ایسے خیال کو دانتوں سے نہ کاٹیں جو ان کی متخیلہ نے تراش لیا ہے۔ کیونکہ اصلی خیال کو تو وہ کہاں پاسکتے ہیں اور اون کی صورت واقعیہ تو اون کے دماغ میں کہاں پہونچ سکتی ہے بھلا چوہے کے بل میں طوطی کب سوتا ہے۔ وہ خیال تو خود اونہیں کا تراشا ہوا ہے۔ نہ کہ واقعی اور خود انہیں کی ابرو کا بال ہے نہ کہ چاند القصہ میں آپ کی تعریف لفظی نہیں کرتا جس کا تعلق حواس خمسہ اور اس عالم اجسام سے ہے بلکہ میں آپ کی تعریف دل سے کرتا ہوں جو حواس خمسہ اور ہفت افلاک سے خارج ہے۔ خیر یہ گفتگو تو ہو چکی اب یہ لکھو کہ دقوقی امامت کے لئے آگے بڑھ گئے (یا در کھو کہ ہمنے اے ضیاء الحق حسام الدین راد الخ کو اس ملال اور شکایت کا ازالہ قرار دیا ہے جو محبوب کو عاشق کی توجہ الے الغیر سے پیدا ہوتا ہے اور برنویس الکنوں کو قصہ کی طرف انتقال مانا ہے۔ وھوالطف واقرب عندی اور ولی محمد نے مصرع اے ضیاء الحق حسام الدین راد کو برنویس الکنوں دقوقی پیش رفت کے ساتھ مرتبط قرار دیا ہے۔ اور استمداد بضیاء الحق لاتمام القصہ مانا ہے اور مضمون مابین دو مصراعین کو جملہ معترضہ کہا ہے وھو ایضاً محتمل) ہرچند کہ مولانا نے قصہ کو شروع کرنا

چاہا تھا مگر پھر کچھ یاد آگیا۔ اور مضمون سابق ہی کو بیان کرنا شروع کر دیا۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ ذکر نماز سے ایک اور مضمون ذہن میں آگیا۔ اوسکو بھی بیان کرتے چلیں۔ پھر قصہ بیان کرینگے ایک تو تائید اس امر کی کہ مدح قوم ماسلف میں آپ کی تعریف مندمج ہے اوپر گذر چکی۔ دوسری تائید اب یاد آئی۔ آپکو معلوم ہے کہ التحیات اور السلام علینا وعلی عباد اللہ الصالحین میں تمام انبیا کی تعریفیں مندرج ہیں اور وہ تعریفیں سب یوں مخلوط ہیں جیسے ایک لگن میں بہت سے لوٹے پانی کے ڈالدیے ہوں۔ ایک لگن کہنے کی یہ وجہ ہے کہ حقیقت میں ممدوح صرف ایک ذات حق سبحانہ ہے اور ایک سے زیادہ نہیں ہے اسی اعتبار سے تمام مذاہب مختلفہ بھی حقیقت کے لحاظ سے ایک ہی مذہب ہیں کیونکہ جو مدح کسیکی کیجاتی ہے وہ حقیقت میں نور حق کی طرف راجع ہوتی ہے۔ اور صور و اشخاص کے لئے عاریت ہوتی ہے۔ لوگ حقیقۃً مستحق حمد (حق سبحانہ) ہی کی مدح کرتے ہیں۔ لیکن مبتلائے گمان فاسد ہو کر گمراہ ہو جاتے ہیں اون کی مثال ایسی ہے جیسے چاندکی روشنی ایک دیوار پر پڑ رہی ہے اور دیوار ماہ و نور کے درمیان واسطے و رابطہ کی مثل ہو۔ مگر جب وہ چاندنی اوس دیوار سے گذر کر اپنی اصل کی طرف راجع ہو جائے تو گمراہ سمجھ لے کہ چاند نہیں رہا۔ اور تعریف سے رک جائے۔ یا یوں کہو کہ چاند کا عکس کنوئیں میں پڑ رہا ہے اور وہ گمراہ کنوئیں میں منہ ڈالکر اوس کے عکس کی تعریف کر رہا ہے اس صورت میں وہ تعریف کرنے والا درحقیقت چاند کی تعریف کر رہا ہے۔ مگر اپنی نادانی سے اوس نے عکس کی طرف رُخ کر رکھا ہے اور وہ اوسی کو ممدوح جانتا ہے حالانکہ حقیقت میں وہ عکس کی تعریف نہیں بلکہ چاند کی تعریف ہے۔ اس غلط بینی کے سبب یہ فعل اوس کا کفر ہو گیا اور وہ جری اپنی بدبختی سے گمراہ ہو گیا۔ اور چاند درحقیقت اوپر تھا اوس نے اوس کو نیچے سمجھا اسی قسم کا مغالطہ حسن پرستوں کو ہوتا ہے کہ وہ حسینوں کی محبت میں پریشان ہوتے ہیں اور جب کامیاب ہوتے ہیں اوس وقت بھی کچھ ہاتھ نہیں آتا۔ بلکہ شہوت رانے کرکے نادم ہوتے ہیں۔ اور حقیقی وجہ پشیمانی کی یہ ہے کہ اونہوں نے ایک خیال کی طرح بے حقیقت شے میں شہوت کو

صرف کیا ہے۔ اور حقیقت سے دور رہے ہیں۔ تمکو اس شہوت و خواہش کی نہایت قدر کرنی چاہیے کیونکہ تم کو جو کسی حسین کی طرف میلان ہوتا ہے یہ ایک پر ہے جس کے سبب تم حقیقت تک پہونچ سکتے ہو۔ اس کی دو وجہیں ہیں اول تو یہ کہ تم اس مظہر سے ظاہر کی طرف اور فرع سے اصل کی طرف منتقل ہو سکتے ہو۔ دوسری یہ کہ یہ قوت انسان میں ایک نہایت اعلی جوہر ہے۔ جو ذوق و شوق اور شگفتگی طبیعت میں مدد دیتا ہے۔ اگر اوس کو حق سبحانہ سے متعلق کیا جاوے تو بہت جلد موصل الی المطلوب ہو جاتا ہے جب تم نے شہوت پوری کر لی تو وہ پر تمہارا ضائع ہو گیا۔ اور تم لنگڑے ہو گئے اور لطف یہ کہ جس تصویر پر تم عاشق ہوئے تھے وہ بھی تم سے الگ ہو گئی خواہ اس لئے کہ خود تم کو ہی اوس کی خواہش نہ رہی یا اس لئے کہ تم اوس کے کام کے نہ رہے اور خسر الدنیا والآخرہ کا مصداق ہو گیا۔ لہذا تم کو شہوت رانی کر کے اپنے پروں کو ضائع نہ کرنا چاہیے تاکہ یہ میل و رغبت کا پر تم کو جنت میں لیجا سکے لوگ نہایت غلطی کرتے ہیں کہ وہ شہوت رانی کر کے سمجھتے ہیں کہ ہم مزے اڑا رہے ہیں کیونکہ وہ ایک تصویر کے لئے اپنے پر اوکھیڑ رہے ہیں میں اس کی تفصیل اس وقت نہیں کر سکتا اس لئے میں اس کا مقروض ہوں۔ تم مجھے مہلت دو کہ جب وسعت ہو اسوقت اس قرض کو ادا کروں۔ اب چونکہ تنگدست ہوں اور بعض عوارض کے سبب قرض یہاں ادا نہیں کر سکتا۔ اس لئے مجبوراً خاموشی اختیار کرتا ہوں۔ احباب میں واپس ہوتا ہوں کیونکہ وعظ بہت طویل ہو گیا ہے اور وقت بھی ناکافی ہے اور سب سے بڑھکر یہ بات ہے کہ لوگ نماز سے رکے ہوئے ہیں۔

شرح شبیری

قصہ ہا آغاز کردیم از شتاب ماند بے مخلص درون این کتاب

یعنی ہمنے بہت سے قصے جلدی سے شروع کر دیئے اور باطن اس کتاب کا

بے مخلص رہگیا۔ یعنی ان قصوں میں اس کتاب سے جو مقصود تھا وہ رہگیا۔ اب چونکہ مولانا حسام الدین ہی کا فیض اس مثنوی کو سمجھتے ہیں لہذا آگے اون کی تعریف کرتے ہیں

اے ضیاء الحق حسام الدین راد　　　که فلک وارکان چو تو شاہے نزاد

یعنی اے ضیاء الحق حسام الدین بزرگ کہ فلک اور ارکان نے آپ جیسا کوئی بادشاہ پیدا نہیں کیا۔

تو بنادر آمدی در جان و دل　　　ای دل و جاں از قدوم تو خجل

یعنی جان و دل میں آپ ایک نادر تشریف لائے ہیں اے وہ شخص کہ آپ کے قدوم سے دل و جاں خجل ہیں۔

چند کردم مدح قوم ما مضے　　　قصد من زانہا تو بودی اقتضا

یعنی میں نے گذشتہ لوگوں کی مدح بہت کی ہے مگر اونسے میرے مقصود اقتضا کی وجہ سے آپ ہی تھے

خانۂ خود را شناسد خود دعا　　　تو بنام ہر کہ خواہی کن ثنا

یعنی دعا تو اپنا گھر خود پہچانتی ہے تو جسکے نام سے چاہو ثنا کرو مطلب یہ کہ میں نے اگرچہ اوروں کے نام لیکر ثنا کی ہے مگر ثنا تو اپنا گھر جانتی ہے وہ ادہر اُدہر ہو کر آپ ہی پر پہونچتی ہے۔

بہر کتمان مدیح از نا محل　　　حق نہادست این حکایات و مثل

یعنی ممدوح کے بے موقعہ ہونیکی وجہ سے پوشیدہ رکھنے کو حق تعالے نے یہ حکایات اور مثل بیان فرمائی ہیں مطلب یہ کہ حق تعالےٰ نے جو قرآن شریف میں انبیاء کے قصص بیان فرمائے ہیں اور اونکی تعریفیں کی ہیں ان سب سے تعریف حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی مقصود تھی مگر *خوشتر آں باشد کہ سر دلبراں گفتہ آید در حدیث دیگراں* کی وجہ سے ہر جگہ حضور کا نام مبارک نہیں لیا۔ اسیطرح فرماتے ہیں کہ میں نے بھی ہر جگہ تمہارا نام نہیں لیا۔ مگر مقصود آپ کی ہی تعریف تھی۔

گرچہ آں مدح از تو ہم آمد خجل　　لیک بپذیر و خدا جہد المقل

یعنی اگرچہ مدح بھی آپ سے خجل ہے (اور آپ کی مدح اب بھی پوری طرح نہ ہو سکی لیکن حق تعالےٰ غریبوں کی کوشش کو قبول فرمالیتے ہیں۔

حق پذیر د کسرہ را دارد معاف　　کز دو دیدہ کور دو قطرہ کفاف

یعنی حق تعالےٰ ایک ٹکڑہ کو قبول فرمالیتے ہیں اور معاف رکھتے ہیں اس لئے کہ اندھے کی دونوں آنکھوں سے دو قطرہ بھی کافی ہیں (تو اسی طرح ہم نے جس قدر مدح کردی ہے ہم غریبوں سے اسی کو قبول فرمالیجئے۔ آگے فرماتے ہیں کہ

مرغ و ماہی داند آں ابہام را　　کہ ستودم مجمل ایں خوش نام را

یعنی ابہام کو مرغ و ماہی بھی جانتے ہیں جس خوش نام کی میں نے مجملاً تعریف کی ہے (اور مجمل اس لئے کی کہ)

تا بر و آہ حسوداں کم وزد　　تا خیالش را بدنداں کم گزد

یعنی تاکہ اون پر حسودوں کی آہ کم چلے اور تاکہ اون کے خیال کو دانتوں میں کم کاٹیں۔ مطلب یہ کہ نام اس لئے نہیں لیا تاکہ حاسد لوگ حسد نکر سکیں پس مجمل ہی رہنے دیا ہے۔ آگے فرماتے ہیں کہ۔

خود خیالش را کجا یابد حسود　　در وثاق موش طوطی کے غنود

یعنی خود حاسد اون کے خیال ہی کو کب پاوے گا موش کے بل میں طوطی کب سوئی ہے۔ (تو اون لوگوں کے ذہن میں اون کا خیال کب آتا ہے۔)

آں خیال او بود از احتیال　　موئے ابروئے و نیست آں نے ہلال

یعنی وہ اوسی کا خیال ہے جیلہ کی وجہ سے اور اوسی کی ابرو کا بال ہے نہ کہ ہلال ہے۔

مدح تو گویم بروں از پنج و ہفت　　　برنویس اکنوں دقوقی پیش رفت

یعنی آپ کی مدح میں پنج (حواس) اور ہفت (سمار) سے باہر ہو کر کہوں گا۔ اب تو لکھو کہ دقوقی آگے چلے گئے مطلب یہ کہ آپ کی مدح اس جہان میں سما نہیں سکتی لہذا ان حواس سے اور اس عالم سے باہر ہو کر آپ کی مدح کہوں تو کہہ سکتا ہوں تو اب اس کو یہیں ترک کر کے دقوقی کی امامت کو لکھا جاتا ہے۔ قصہ کی طرف اس مصرعہ ہی میں جو کچھ بیان ہے وہی ہے آگے سرخی کے آگے ہی مولانا کو چونکہ جوش زیادہ ہے قصہ بیان نکریں گے بلکہ اور مضمون مدح ہی کا بیان فرماویں گے۔

دقوقی کا اوس غیبی قوم کی امامت کیلیے آگے جانا

در تحیات و سلام الصالحین　　　مدح جملہ انبیا آمد عجین

یعنی التحیات اور سلام صالحین میں تمام انبیا کی مدح ملی ہوئی آئی ہے مطلب یہ کہ دیکھو التحیات میں تمام انبیا کی مدح ملی ہوئی ہے۔

مدحہا شد جملگی آمیختہ　　　کوزہا در یک لگن در ریختہ

یعنی تعریفیں ساری ملی ہوئی ہیں اور کوزے ایک لگن میں پڑے ہوئے ہیں۔

زانکہ خود ممدوح جز یک بیش نیست　　　کیشہا زیں روئے جز یک کیش نیست

اس لئے کہ خود ممدوح سوائے ایک کے نہیں ہے اور مذاہب اس حیثیت سے سوائے ایک مذہب کے نہیں ہیں۔

زانکہ ہر مدحے بنور حق رود　　　بر صور و اشخاص عاریت بود

یعنی اس لئے ہر مدح نور حق سے چلتی ہے اور صورتوں اور اشخاص پر عاریت ہوتی ہے

مدحہا جز مستحق را کے کنند لیک بر پنداشت گمرہ می شوند

یعنی مدحین سوائے مستحق کے (اور کسیکو) کب کرتے ہیں لیکن اپنے گمان پر گمراہ ہوتی ہیں
مطلب یہ ہے کہ دنیا میں ہندو مسلمان عیسائی نصرانی عام و خاص جو کوئی کسیکی تعریف
کرتا ہے خواہ اپنے معبود کی یا اپنے کسی ویسے ممدوح کی اصل میں وہ ساری تعریفیں
حق تعالٰے کی ہیں اس لئے کہ مثلاً کسی کے کرم کی تعریف کرتے ہیں تو یہ صفت اصل میں
کسکی ہے حق تعالٰے کی یا مثلاً کسیکی قادر ہونے کی تعریف کرتے ہیں یہ بھی اصل میں
حق تعالٰے کی صفت ہے اور اس درجہ میں سارے مذاہب ایک ہوگئے مگر ایک
خرابی چونکہ ہوگئی ہے اس وجہ سے کفر و اسلام الگ الگ ہے وہ یہ کہ اوس مدح میں
اپنے اوس ممدوح کو مقصود سمجھ لیتے ہیں اور خاص اوسی کی مدح کرتے ہیں۔ بس اس
اعتقاد کی بدولت گمراہ ہوئے ہیں۔ ورنہ اصل میں سارے حق تعالٰے ہی کے اوصاف
کی حمد کر رہے ہیں اگر ان لوگوں کو یہ گمان نہوتا تو بے شک یہ لوگ کوئی بھی گمراہ نہوتے مدح
جس کی چاہے کرتے مگر مقصود حق تعالٰے ہی ہوتے تو ظاہر ہے کہ کوئی حرج نہیں
ہے اس لئے کہ یوں تو اہل اسلام بھی مدح کرتے ہیں مگر اوس شئے کو مقصود نہیں
بناتے آگے ایک مثال فرماتے ہیں کہ۔

ہمچو نور تافتہ بر حائطے حائطہ آں انوار را چوں رابطے

یعنی جیسے کہ کوئی نور ایک دیوار پر چمکا ہوا ہو تو دیوار اون انوار کے لئے مثل ایک
واسطہ کے ہے۔

لاجرم چوں سایہ سوئی اصل راند ضال مہ گم کرد و استائش بماند

یعنی لاجرم جب سایہ اصل کی طرف چلا گیا تو گمراہ آدمی نے چاند کو گم کر دیا۔ اور اوسکی

تعریف سے رہگیا۔ مطلب یہ کہ دیکھو چاند کا عکس کسی دیوار پر پڑا تو ایک تو وہ شخص ہے کہ خود چاند کے نور کی تعریف کر رہا ہے اور دوسرا اوس دیوار کی مدح کر رہا ہے جس پر چاند کا عکس پڑ رہا ہے تو اب دیکھو کہ تھوڑی دیر میں یہ چاند نی اور اوس دیوار کی چمک دمک معدوم ہونے والی ہے۔ تو یہ حضرت مادح صاحب مدح سے بھی رہجاویں گے اور جو چاند کی مدح کر رہا تھا وہ اب بھی مادح ہے اسلئے کہ اوس کا نور باقی ہے تو اسیطرح جن لوگوں نے کہ اوروں کو مقصود بنا رکھا ہے وہ تو اون کے معدوم ہونے کے وقت تکتے رہجاویں گے اور جن کا مقصود حق تعالے ہیں وہ مدت العمر مدح کریں گے اور ممدوح موجود ہوگا۔ آگے دوسری مثال فرماتے ہیں کہ۔

یا زچاہے عکس ماہے وانمود　　　سر بچہ میکرد واں را مے ستود

یعنی یا کنویں سے چاند کا عکس دکھائی دیا تو ایک شخص نے سر کنویں میں کر کے اوس کی تعریف شروع کی۔

در حقیقت مادح ماہ ہست او　　　گرچہ جہل آں بعکسش کردہ رو

یعنی وہ حقیقت میں چاند ہی کا مادح ہے اگرچہ اپنی جہل کی وجہ سے اوسکے عکس کی طرف منہ کر رکھا ہے۔

مدح او مہ راست نے آں عکس را　　　کفر شد آں چوں غلط شد ماجرا

یعنی اوس کی مدح چاند کو ہے اوس عکس کو نہیں ہے اور جب یہ ماجرا غلط ہوگیا تو یہی کفر ہوگیا۔ مطلب یہ کہ وہ جو اوس کے اوصاف کی تعریف کر رہا ہے وہ اوصاف تو چاند کے ہیں تو اصل میں تعریف اور مدح چاند کی ہوئی بس اوسکی جو یہ غلطی ہے کہ یہ اوس عکس کی مدح کرنے لگا ہے یہی اوس کی غلطی ہے اور

اسی سے کفر لازم آتا ہے۔

کز شقاوت گشت گمرہ آن دلیر   مہ بہ بالا بود او پنداشت زیر

یعنی اسلئے کہ شقاوت کی وجہ سے وہ دلیر گمراہ ہوا کہ چاند اوپر تھا اور اس نے نیچے سمجھا۔

زین بتان خلقان پریشان میشوند   شہوتے رانده پشیمان میشوند

یعنی ان بتوں کی وجہ سے لوگ پریشان ہوتے ہیں اور شہوت رانی کر کے پشیمان ہوتے ہیں

زانکہ شہوت با خیالے رانده اند   در حقیقت دور تر وا مانده اند

یعنی اسلئے شہوت رانی ایک خیال کی ساتھ کی اور حقیقت میں بہت دور رہے ہیں۔

با خیالے میل تو چون پر بود   تا بدان پر بر حقیقت بر شود

یعنی خیالی چیزوں کے ساتھ تیرا میلان پر ہوتا ہے تاکہ تم اس پر سے حقیقت پر پہونچو۔

چون براندی شہوتے پر بر بخیت   لنگ گشتی وان خیال از تو گریخت

یعنی جبکہ تو نے شہوت رانی کر لی تو وہ تمہارا پر گر گیا اور تم لنگڑے ہو گئے اور وہ خیال تم سے جاتا رہا

پر نگہدار و چنین شہوت مران   تا پر میلت برد سوی جنان

یعنی پر کی حفاظت کر اور شہوت رانی اسطرح مت کرو تاکہ تمہارا پر میل تمکو جنان کی طرف لیجاوے۔

خلق پندارند عشرت می کنند   بر خیالے پر خود بر مے کنند

یعنی لوگ جانتے ہیں کہ وہ عشرت کر رہے ہیں اور ایک خیال پر اپنے پر اکھاڑ رہے ہیں

مطلب ان ابیات کا یہ ہے کہ ان میں جو قوت شہوانی ہے وہ ایک ایسی قوت ہے

کہ اسکو اگر اپنے اندر جمع رکھا جاوے اور اس سے کام لیا جاوے تو وہی قوت موصل الی الحق ہو جاتی ہے اسلئے کہ اس کے رہنے سے ایک جوش اور ہمت رہتی ہے اور کام جوش اور ہمت ہی سے ہوتا ہے تو بس اس کو اندر رکھکر کام کرے تو کام خوب ہوتا ہے اور اگر اسکو نکال دیا تو سمجھو کہ اس سے کسل ہوگا اور ایسا ہو گیا کہ گویا تم نے اپنا ایک پر اکھاڑ دیا۔ اور لنگڑے ہو گئے لہذا چاہے کہ اس میں افراط نہ کرو۔ بزرگوں نے لکھا ہے کہ افراط شہوت رانی سے باطنی نقصان ہوتا ہے۔ تو سمجھ لوکہ اس شہوت کو ان بتان مجازی کے ساتھ عشرت کرنے میں خرچ مت کرو بلکہ اس سے دوسرا کام بھی لو۔ آگے فرماتے ہیں کہ۔

وام دار شرح ایں نکتہ شدم مہلتم دہ معسرم زان تن زدم

یعنی اس نکتہ کی شرح کرنے کے ہم قرضدار رہے تم مجھے مہلت دو اسلئے کہ میں معسر ہوں اسی لئے چپ ہو گیا ہوں۔ مطلب یہ ہے کہ دیکھو اگر کوئی قرضدار معسر ہو تو اس کو شریعت مہلت دیتی ہے تو اسی طرح اس وقت ہم بھی معسر ہیں اور ہم اس وقت بیان نہیں کر سکتے ہمارے ذمہ یہ قرض رہا۔ انشاء اللہ پھر کہیں بیان کر دینگے۔

باز گردم زانکہ قصہ شد دراز وقت تنگ و خلق موقوف نماز

یعنی میں واپس ہوتا ہوں اس لئے کہ یہ قصہ دراز ہو گیا ہے اور وقت تنگ ہے اور لوگ نماز میں موقوف ہیں یعنی لوگ نماز کے لئے کھڑے ہوئے ہیں اور ہم قصہ دوسرا لے بیٹھے لہذا اب آگے اُن کی نماز کے قصہ کو بیان فرماتے ہیں۔

شرح حبیبی

پیش در شد آن وقوقی در نماز قوم ہمچوں اطلس آمد آن طراز

اقتدا کردند آن شاہاں قطار　　در پئے آن مقتدائے نام دار

چونکہ با تکبیر ہا مقرون شدند　　ہمچون قربان از جہان بیرون شدند

وقوقی نماز میں آگے تھے اور قوم اُنکی اقتدا میں پیچھے۔ قوم اطلس کی طرح تھی اور وہ وقوقی اُس اطلس کا بوٹا تھے غرض سب نے صف بستہ ہو کر اُنکے پیچھے اقتدا کی اور نماز شروع ہوگئی جب تکبیر کہنے لگے ہیں اُس وقت وہ اُس عالم ناسوت سے یوں نکل گئے جس طرح قربانی کا جانور ذبح ہو کر نکل جاتا ہے یعنی نماز میں اُن کو اس درجہ استغراق ہوا کہ دنیا و مافیہا کی خبر نہ رہی۔

شرح شبیری

اُس قوم کا دقوقی کے پیچھے اقتدا کرنا

پیش در شد آن دقوقی در نماز　　قوم ہمچوں اطلس آمد او طراز

یعنی وہ دقوقی نماز میں آگے ہوئے وہ قوم تو اطلس کی طرح تھی اور یہ بوٹے کی طرح یعنی جس طرح کہ کپڑے کی زینت بوٹوں سے ہوتی ہے اسی طرح یہ زینت القوم تھے۔

اقتدا کردند آن شاہان قطار　　در پئے آن مقتدائے نام دار

یعنی اُن بادشاہوں نے قطار کر کے اُس مقتدائے نام دار کے پیچھے اقتدا کی۔

چونکہ با تکبیر ہا مقرون شدند　　ہمچو قربان از جہان بیرون شدند

یعنی جب وہ تکبیر کے ساتھ مقرون ہوئے تو قربانی کی طرح جہان سے باہر ہوگئے

یعنی جس طرح کہ قربانی بعد ذبح کے فنا ہو جاتی ہے اور اس عالم سے بیخبر ہو جاتی ہے اسی طرح وہ مستغرق اور بے خبر ہو گئے اب آگے مولانا نماز کے ارکان کے متعلق کچھ اشارات و نکات و مراقبات بیان فرماتے ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے کہ انسان جب نماز پڑھنے کھڑا ہو تو ان حالات کو مستحضر کرے باقی ارکان صلوٰۃ ان نکات پر موقوف نہیں ہیں فرماتے ہیں کہ۔

شرح حبیبی

معنئے تکبیر اینست اے امیم   کائے خدا پیش تو ما قربان شدیم

وقت ذبح اللہ اکبر می کنی   ہمچنین در ذبح نفس کشتنی

گوئی اللہ اکبر و این شوم را   سر ببر تا وارہد جان از عنان

اب تکبیر کا ایک نکتہ بیان کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ جب تم ابتدائے نماز میں اللہ اکبر کہتے ہو تو گویا اس کے معنے یہ ہوتے ہیں کہ اے اللہ ہم آپ کے قربان ہو گئے ہیں اور ہم نے اپنی خودی کو مٹا دیا ہے پس جس طرح تم ذبح کے وقت اللہ اکبر کہتے ہو یوں ہی اس گردن زدنے نفس کے ذبح کے لئے یہی کہنا چاہئے۔ اور اللہ اکبر کہکر اس منحوس کا سر اوڑا دینا چاہئے تا کہ تمہاری جان مصیبت سے چھوٹے۔

شرح شبیری

معنئے تکبیر این است ای امیم   کائے خدا پیش تو ما قربان شدیم

یعنی اے امام تکبیر کے معنے یہ ہیں کہ اے خدا ہم آپ کے سامنے قربان ہوتے ہیں

وقت ذبح اللہ اکبر مے کنی   ہمچنیں در ذبح نفس کشتنے

یعنی ذبح کے وقت تم اللہ اکبر کہتے ہو بس اسی طرح اس نفس کی کشتنی ذبح کیوقت بھی

مطلب یہ کہ جس طرح ذبح کے وقت اللہ اکبر کہتے ہو اسی طرح جب نماز کے لئے اللہ اکبر کہو تو یہی سمجھو کہ ہم اس نفس کو ذبح کر رہے ہیں اس پر اللہ اکبر کہہ رہے ہیں۔

گوئی اللہ اکبر و آں شوم را ‌‌ ‌‌ سر ببر تا وارہد جان از عنا

یعنی اللہ اکبر کہو اور اس منحوس کا سر کاٹو تاکہ جان مصیبت سے چھوٹ جاوے۔

شرح حبیبی

تن چو اسمٰعیل جان ہمچون خلیل ‌‌ ‌‌ کرد جان تکبیر بر جسم نبیل

گشت کشتہ تن ز شہوا تہا و آز ‌‌ ‌‌ شد بہ بسم اللہ بسمل در نماز

چون قیامت پیش حق صفہا زدہ ‌‌ ‌‌ در حساب و در مناجات آمدہ

ایستادہ پیش یزدان اشک ریز ‌‌ ‌‌ بر مثال راست خیز رستخیز

ان حضرات کا جسم و نفس اسمٰعیل کی مانند عزیز اور بوجہ مطمئنہ ہو جانے کے ذبح پر آمادہ تھا اور اُن کی جان خلیل اللہ کی طرح اُس کی محب تھی مگر رضائے حق کیلئے اُس نے اللہ اکبر کہکر اس کے گلے پر چھُری پھیر دی اور اُن کا جسم و نفس تمام شہوات و خواہشات سے مر گیا اور بسم اللہ سے نماز میں بسمل ہو گیا۔ یہ لوگ حق سبحانہ کے سامنے یوں صف بستہ کھڑے ہوئے مناجات اور محاسبہ میں مصروف تھے جیسے قیامت میں کھڑے ہوں اور یوں کھڑے ہوئے خدا کے سامنے گریہ و زاری کر رہے تھے جیسے قیامت میں حق سبحانہ کے سامنے باادب سیدھے کھڑے ہوں

شرح شبیری

تن چو اسمٰعیل و جان ہمچون خلیل ‌‌ ‌‌ کرد جان تکبیر بر جسم نبیل

یعنی تن تو (مذبوح ہونے میں) اسمٰعیل کی طرح ہے اور روح (ذابح ہونے میں) خلیل اللہ کی طرح ہے تو روح نے اس جسم عظیم پر تکبیر کی ہے جب روح نے جسم پہ تکبیر کہی تو یہ ہوا کہ

گشت کشتہ تن ز شہوتہا و آز　　شد بہ بسم اللہ بسمل در نماز

یعنی شہوات سے اور حرص سے کشتہ ہوگیا۔ اور بسم اللہ سے نماز میں بسمل ہوگیا (یہ سب نکات اور اشارات ہیں مطلب یہ ہے کہ نماز میں اس طرح سوچے گویا کہ یوں ہو رہا ہے اور یہ سوچے کہ)

چو قیامت پیش حق صفہا زدہ　　در حساب و در مناجات آمدہ

یعنی قیامت کی طرح حق کے سامنے صف باندھے اور حساب اور مناجات میں (گویا کہ) آئے ہوئے ہیں۔

ایستادہ پیش یزدان اشک ریز　　بر مثال راست خیز رستخیز

یعنی حق تعالےٰ کے سامنے اشک ریز مثل روز رستخیز کے راست خیز کے کھڑے ہوئے ہیں مطلب یہ کہ جس طرح کہ قیامت میں لوگ سیدھے اُٹھینگے اسی طرح یہ یہ نماز میں کھڑے ہوئے ہیں۔ اب اُس کے بعد یہ سوچے کہ گویا کہ۔

شرح حبیبی

حق ہمی گوید چہ آوردی مرا　　اندریں مہلت کہ دادم من ترا

عمر خود را در چہ پایاں بردۂ　　قوت و قوت در چہ فانی کردۂ

گوهر دیده کجا فرسوده‌ٔ — پنج حس در کجا پالوده

گوش و چشم و هوش گوهرهای عرش — خرج کردی چه خریدی تو ز فرش

دست و پا ها دادمت بیل و کلند — من بخشیدم ز خود آن کے شدند

همچنین پیغامهاے دردناک — صد هزاران آمد از یزدان پاک

در قیام این گفتگو دارد رجوع — وز خجالت شد دوتا اندر رکوع

ایستادن را نمانده قوتے — در رکوع آمد نه شرم او ساعتے

قوت استادن از خجلت نماند — در رکوع از شرم تسبیحے بخواند

باز فرمان مے رسد بردار سر — از رکوع و پاسخ حق بر شمر

سر بر آرد از رکوع آن شرمسار — باز اندر رو فتد آن خام کار

باز فرمان آیدش بردار سر — از سجود و واده از کرده خبر

سر بر آرد او دگر ره شرمسار — باز اندر رو فتد آن خام کار

باز گوید سر بر آرد باز گو — که بخواهم جست از تو مو بمو

رکعت دیگر بیارو همچنین — از نهیب و سهم یزدان دراین

چون خطاب آمد دگر باره که خیز — تا چه کردستی زبان بگشای تیز

قوت پا ایستادن نبودش — که خطاب هیبتے بر جان زدش

پس نشنید قعده زان بار گران
حضرتش گوید سخن گو با بیان

نعمت دادم بگو شکرت چه بود
دادمت سرمایه هین بنمای سود

چون نه سرمایه بود او را نه سود
شافعی خواهد که آرد عذر زود

رو بدست راست آرد در سلام
سوی جان انبیا و آن کرام

یعنی ای شاهان شفاعت کاین لئیم
سخت در گل ماندش پای و گلیم

انبیا گویند روز چاره رفت
چاره آنجا بود و دست افزار زفت

مرغ بی هنگامی ای بدبخت رو
ترک ما گو خون ما اندر مشو

رو بگرداند بسوی دست چپ
در تبار و خویش گویندش که خپ

هین جواب خویش گو با کردگار
ما که ایم ای خواجه دست از ما بدار

نی ازین سو نی از آن سو چاره شد
جان آن بیچاره دل صد پاره شد

از همه نومید گردد آن دغا
پس برآرد هر دو دست اندر دعا

کز همه نومید گشتم ای خدا
اول و آخر توئی و منتها

هست امیدی که عنایت در رسد
گردد او ایمن ز حبل من مسد

در نماز این خوش اشارتها ببین
تا بدانی کاین بخواهد شد یقین

یعنی تسلیم این ای مقتدی
که توئی حق هادی و ما مهتدی

ہر چہ فرمائی تو منقادیم ما | باقضاے جرم گوشادیم ما
بچہ بیروں آر از بیضہ نماز | سر مزن چون مرغ بے تعظیم و ثنا

یہاں سے مولانا کا مقصود یہ ہے کہ نماز میں علاوہ اور مصالح و حکم کے ایک یہ بھی راز ہے کہ یہ نقشہ ہے اوس معاملہ کا جو قیامت میں بصورت عصیاں عبد حق سبحانہ اور بندے کے درمیان پیش آئے گا۔ اور نماز اوس حالت کو یاد دلاتی ہے جو قیامت میں ہونیوالی ہے پس تم کو چاہیئے کہ اس سے عبرت پکڑو۔ اور اطاعت حق میں کمربستہ ہو تاکہ اوسوقت شرمساری ہو۔ تفصیل اوس کی یہ ہے کہ جب آدمی نماز شروع کرتا ہے تو گویا کہ ایک مجرم جوابدہی کے لئے حق سبحانہ کی عدالت میں لایا گیا ہے اور حق سبحانہ اوس سے فرماتے ہیں کہ ہم نے جو تجھکو دنیا میں اتنی مہلت دی تھی اس میں تونے ہماری خوشنودی کے لئے کیا کام کئے اور اپنی عمر کو کن کاموں میں ختم کیا اور غذائے قوت کو کہاں کھویا آنکھ کے موتی کو کہاں گھسا اور حواس خمسہ کو کہاں ختم کیا۔ کان آنکھ عقل جو عرش کے موتی یعنی ہماری دی ہوئی اعلےٰ نعمتیں تھیں اون کو تونے خرچ کیا بتا دنیا میں اوس کی عوض کیا خریدا ر تجھکو ہاتھہ پاؤں بیلچہ اور کستی کی طرح آلات کسب ہمنے عطا کئے تھے خود بخود نہ ہوگئے تھے پھر تونے اون سے ہمارے لئے کیا کمایا۔ یہ اور اسی قسم کے اور لاکھوں سوالات حق سبحانہ کی طرف سے ہوتے ہیں اور حالت قیام میں یہ خطابات اوسکی طرف متوجہ ہوتے ہیں اس کو انکا کچھہ جواب نہیں بن پڑتا۔ اور شرم کے مارے جھک جاتا ہے۔ گویا کہ وہ رکوع میں ہے اور چونکہ کھڑے ہونے کی تاب نہیں رہی تھی اس لئے کچھہ دیر رکوع کے حالت میں رہتا ہے اور چونکہ مارے ندامت کے کھڑا نہیں ہوسکتا اس لئے رکوع میں تسبیح کرتا ہے۔ پھر حکم ہوتا ہے کہ جھک کیوں گیا۔ سیدہا کھڑا ہو اور جواب دے وہ مجبوراً سر اوٹھاتا ہے لیکن اس سے کھڑا نہیں ہوا جاتا اس لئے مُنہ کے بل گر پڑتا ہے گویا کہ وہ سجدہ میں ہے۔ پھر حکم ہوتا ہے کہ سر اُٹھا کر کیوں پڑا جواب دے وہ پھر اوٹھتا ہے اور کھڑے ہونے کی تاب نہیں ہوتی۔ اس لئے بیٹھ جاتا ہے تو گویا کہ وہ جلسہ میں ہے۔

اور جب جلسہ میں ندامت کا غلبہ ہوتا ہے تو پہر سانپ کی طرح مُنھ کے بل گر پڑتا ہے۔
گویا کہ دوسرے سجدہ میں ہے پہر حکم ہوتا ہے کہ گر گر کیوں پڑتا ہے۔ اوٹھ کے کہڑا
ہو اور جواب دے میں تجھسے مفصل جواب لوں گا اب وہ پہر اوٹہتا ہے گویا کہ دوسری
رکعت شروع کرتا ہے اور وہ دوسری رکعت بہی رکعت اوسے کی طرح ختم ہو جاتی
ہے اور حق سبحانہ کے خوف سے روتا ہوتا ہے پہر حکم ہوتا ہے کہ اوٹہہ جلد بیان کر
کہ تونے کیا کیا مگر اس پر ندامت کا اتنا غلبہ ہوتا ہے کہ کہڑا نہیں ہو سکتا۔ اور بیٹھ جاتا ہے
اور حضرت حق کا حکم ہوتا ہے کہ تفصیلی جواب دے کہ ہم نے جو نعمتیں دیں تونے اون کا
شکر کیونکر ادا کیا اور ہمنے تجھے مال دیا تہا تونے تجارت میں کیا نفع اوٹہایا۔ مگر جبکہ اوس کے
پاس نہ زر اصل ہوتا ہے نہ نفع تو پریشان ہو کر چاہتا ہے کہ کوئی سفارشی ہو جو میری
طرف سے معذرت کر کے مجھے نجات دلا دے۔ اس لئے وہ دائیں طرف انبیا اور دیگر
مقربین کی جانب رُخ کرتا ہے گویا کہ وہ سلام پہیرتا ہے اور مقصد اوس کا یہ ہے
کہ آپ ہی حضرات سفارش فرما دیں کہ اس کمینہ کا پاؤں اور کمبل بُری طرح دلدل
میں پہنس گیا ہے انبیا اوس کو جواب دیتے ہیں کہ اب تو کچھہ نہیں ہو سکتا۔ دنیا ہی میں اسکی
تدبیر اور اس کا کافی سامان تہا۔ سو وہاں تونے کچھہ کیا نہیں اب کہتا ہے جب وقت
نکل گیا۔ پس تو مرغ بے ہنگام ہے اور بدبخت جا دور ہو ہمارا پیچھا چھوڑ۔ اور ہماری جان
نہ کہا۔ اودہر سے مایوس ہو کر بائیں طرف اپنے عزیز و اقارب کی طرف رُخ کرتا ہے۔
اور اون سے سفارش کا ملتجی ہوتا ہے وہ بھی یہی جواب دیتے ہیں کہ بس چپ رہ اور
حق سبحانہ کے سوال کا جواب دے ہم سے کچھہ توقع نہ رکھ۔ ہم سفارش کرنے والے
کون ہوتے ہیں۔ جب نہ ادہر سے کام چلا نہ اودہر سے تو اوس کی جان مجبور ہو گئی
اور صدمہ سے دل صد چاک ہو گیا۔ اور وہ شریر سب سے ناامید ہو کر حق سبحانہ
کی جناب میں دست بدعا ہوتا ہے اور کہتا ہے کہ اللہ میں سب سے ناامید ہو گیا ہوں
میرا اول و آخر اور مبدا و منتہا تو تُو ہی ہے تو مجھپر رحم فرما اور مجھے معاف کر اب مولانا
فرماتے ہیں کہ اب یہ ٹہیک راستہ پر آیا ہے۔ کیونکہ امید کی جگہ یہی درگاہ ہے۔ اور

امید ہے کہ اوس کی درخواست رد نہو گی بلکہ اس پر رحمت ہوگی۔اور اوس کی گردن اس پھندے سے چھوٹ جائیگی۔پس سمجھو کہ نماز اور اوس کے افعال میں یہ نفیس اشارات ہیں تاکہ تم کو معلوم ہو جاوے۔کہ بصورت عدم اطاعت کے تمہاری یہی حالت ہوگی۔ایک اور بات بھی باقی رہگئی۔اوس کا راز بھی بیان کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہی وہ یہ کہ مقتدین کے افعال صلوۃ میں تو وہی اشارات ہیں جو امام یا منفرد کی نماز میں ہیں مگر نفس اقتدا میں کیا اشارہ ہے سو اس کو بھی سمجھو۔اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ تم یوں کہو کہ اے اللہ ہم آپ کے مطیع ہیں آپ ہمارے ہادی ہیں اور ہم مہتدی آپ جو فرمائیں ہم اوس کی اطاعت پر کمر بستہ ہیں اور ہمارے جرم پر جو سزا تجویز فرمائیں ہم اوس پر بحیثیت آپ کا فیصلہ ہونے کے خوش ہیں گو بحیثیت فی نفسہ مصیبت ہونے کے ہم اپنے رہائی کی درخواست کرتے ہیں پس تم کو نماز سے نتائج محمودہ حاصل کرنے چاہئیں اور مرغے کی طرح یوں چونچیں نہ مارنی چاہئیں کہ نہ تعظیم حق ادا ہو اور نہ اوس کے اوامر و نواہی کے موافقت ہو۔

شرح شبیری

حق ہمی گوید چہ آوردی مرا اندریں مہلت کہ دادم مر ترا

یعنی حق تعالے فرماتے ہیں کہ تو ہمارے پاس اوس مہلت میں جو ہمنے تجھے دی تھی کیا لایا۔

عمر خود را در چہ پایاں بردۂ قوت و قوت در چہ فانی کردۂ

یعنی اپنی عمر کو کس شئے میں ختم کیا تونے اور قوت و قوت کو کس شئے میں فنا کیا۔

گوہر دیدہ کجا فرسودۂ پنج حس را در کجا پالودۂ

یعنی گوہر دیدہ کو تونے کہاں خراب کیا ہے اور پنج حس کا کہاں صفایا کیا ہے۔

گوش و چشم و هوش گوہرہائے عرش　　خرج کردی چہ خریدی تو ز فرش

یعنی گوش و چشم و ہوش جو گوہرہائے عرش ہیں تو نے اون کو خرچ کیا۔ تو زمین سے اونکے بدلے میں اکیا خرید لایا ہے۔

دست و پا دادمت چون بیل و کلند　　من بہ بخشیدم ز خود آں کے شدند

یعنی میں نے تجھے ہاتھہ پاؤں بیل و کسی کی طرح دیئے اور وہ میں نے ہی تو بخشے وہ از خود کب ہوئے تھے۔

ہمچنیں پیغامہائے دردناک　　صد ہزاراں آید از یزدان پاک

یعنی ایسے ہی پیغامہائے دردناک لاکھوں یزدان پاک کی طرف سے آتے ہیں۔

در قیام ایں گفتہا دارد رجوع　　وز خجالت شد دوتا اندر رکوع

یعنی قیام میں یہ باتیں اس طرف رجوع ہوئیں تو شرمندگی کی وجہہ سے یہ شخص رکوع میں دوہرا ہو گیا

ایستادن را نماندہ قوتے　　در رکوع آمد ز شرم او ساعتے

یعنی کہڑے ہونیکی قوت نہ رہی تو رکوع میں شرم کی وجہہ سے ایک گہڑی کے لئے آگیا۔

قوت استادن از خجلت نماند　　در رکوع از شرم تسبیحے بخواند

یعنی قوت کہڑے ہونیکی تو شرم کے مارے رہی نہیں تو رکوع میں شرم کیوجہ سے تسبیح پڑہی۔

باز فرماں مے رسد بردار سر　　از رکوع و پاسخ حق بر شمر

یعنی پہر حکم پہونچتا ہے کہ سر رکوع سے اوٹہاؤ اور حق تعالے کا جواب دو۔

سر بر آرد از رکوع آں شرمسار　　باز اندر رو فتد آں خام کار

یعنی وہ شرمسار رکوع سے سر اُٹہاتا ہے اور پہر مُنہ کے بل وہ خامکار گر پڑتا ہے۔ مطلب یہ کہ

گویا کہ اوس حکم کی وجہ سے سر اُٹھایا تھا۔ مگر پھر کچھ جواب نہ دے سکا تو پھر مُنہ کے بل گر پڑا یہی سجدہ ہے۔

باز فرماں آیدش بردار سر   از سجود و وادہ از کردہ خبر

یعنی اوس کے پاس پھر حکم آتا ہے کہ سر اُٹھا سجدہ سے اور کئے ہوئے کی خبر دے یعنی جو کام کئے ہیں وہ سب بتاؤ۔

سر بر آرد او دگر رہ شرمسار   اندر افتد باز در رو ہمچو مار

یعنی وہ دوسری مرتبہ پھر سر اُٹھاتا ہے اور پھر شرمسار ہو کر مُنہ کے بل سانپ کی طرح گر پڑتا ہے

باز گوید سر برار و باز گو   کہ بخواہم جُستت از تو مو بمو

یعنی پھر حکم ہوتا ہے کہ سر اُٹھا اور بتلا۔ میں تجھسے مو بمو جستجو کرونگا۔ (تو سر اُٹھاتا ہے اور دوسری رکعت پھر اسی طرح ادا ہوتی ہے کہ اوس طرف سے سوالات اور اس طرف سے عجز یہانتک کہ وہ رکعت بھی ختم ہو جاتی ہے اوس کے بعد یہ ہوتا ہے کہ)

قوت پا ایستادن نبودش   کہ خطاب ہیبتے بر جاں زدش

یعنی پاؤں پر کھڑے ہونے کی اوسے قوت نہیں رہتی۔ کہ ایک ہیبت کا خطاب اوس کی جان پر غالب ہو جاتا ہے۔

پس نشیند قعدہ زاں بار گراں   حضرتش گوید سخن گو با بیاں

یعنی پس قعدہ میں اوس بار گراں کی وجہ سے بیٹھ جاتا ہے تو حضرت حق اوس سے فرماتے ہیں کہ بات پوری پورطرح کہدو۔

نعمتم دادم بگو شکرت چہ بود   دادمت سرمایہ ہیں بنمائے سود

یعنی میں نے تجھے نعمت دی تھی تیرا شکر کہاں ہے اور میں نے تجھے سرمایہ دیا دکھا نفع کہاں ہے

چوں نہ سرمایہ بود اورا نہ سود   شافعی خواہد کہ گوید عذر زود

یعنی جب نہ سرمایہ اوسکے پاس ہوتا ہے اور نہ نفع تو کسی شافع کو تلاش کرتا ہے جو جلدی سے عذر خواہی کردے۔

بیان داہنی طرف سلام کرنے کا قیامت میں حق تعالیٰ کے محاسبہ کی

ہیبت کی وجہ سے اور انبیائے سے استعانت و شفاعت چاہنا

رو بدست راست آرد در سلام سوئے جان انبیا و آں کرام

یعنی مُنہ داہنے ہاتھہ کی طرف سلام میں انبیا اور اون کرام (فرشتوں کی طرف) لاتا ہے۔

انبیار را او سلامے مے کند استعانت را طلب کردن مدد

یعنی انبیا کو وہ سلام کرتا ہے استعانت کے لئے اور مدد طلب کرنے کے لئے۔

یعنی ای شاہاں شفاعت کایں لئیم سخت در گل ماندہ اش پاؤ گلیم

یعنی (کہتا ہے کہ) اے بادشاہو شفاعت (کرو) کہ اس لئیم کا پاؤں اور گلیم سب گارے میں دہنس گیا ہے۔

انبیا گویند روز چارہ رفت چارہ آنجا بود و دست افزار رفت

یعنی انبیا کہیں گے کہ روز چار گیا چارہ اور دست افزار عظیم تو اوسی جگہ (دنیا) ہی میں تھا دست افزار شئے مستعمل مقصود چارہ۔

مرغ بے ہنگامی ای بدبخت رو ترک ما گو خون ما اندر مشو

یعنی تو مرغ بے ہنگام ہے اے بدبخت جا ہمیں چھوڑ اور ہمارے خون کا پیاسا مت ہو۔

رو بگرداند بسوئے دست چپ در تبار و خویش گویندش کہ خپ

یعنی بائیں ہاتھہ کی طرف مُنہ خویش و تبار میں پھیرتا ہے تو وہ اوسکو کہدیتے ہیں کہ دور ہو۔

ہیں جواب خویش گو با کردگار ما کہ ایم اے خواجہ دست از ما بدار

یعنی ارے اپنا جواب اللہ تعالیٰ سے خود کہہ ارے بابا ہم کون ہوتے ہیں ہمسے ہاتھہ اٹھا۔

نے ازیں سو نے ازآں سو چارہ شد جان آں بیچارہ دل صد پارہ شد

یعنی نہ اس طرف سے چارہ ہوا اور نہ اوس طرف سے تو اوسکی جان بیچارہ اور دل صد پارہ ہو گیا

از ہمہ نومید گردد آں دغا پس برآرد ہر دو دست اندر دعا

یعنی وہ دغا باز سب سے نا امید ہو جاتا ہے تو پھر دعا میں دونوں ہاتھ اٹھاتا ہے اور کہتا ہے کہ

کز ہمہ نومید گشتم اے خدا اول و آخر توئے و منتہا

یعنی کہ اے خدا میں سب سے ناامید ہو گیا ہوں اب اول و آخر آپ ہی ہیں اور منتہا آپ ہی ہیں۔

ہست امیدی کہ عنایت در رسد گرد دا و ایمن ز حبل من مسد

یعنی امید ہے کہ عنایت پہونچے گی اور یہ شخص حبل من مسد سے بے خوف ہو جاوے گا مطلب یہ کہ امید ہے کہ اب دعا کرنے سے اوس کی امید بر آویگی اور یہ بلاؤں سے چھوٹ جاوے گا۔ اب مولانا فرماتے ہیں کہ۔

در نماز این خوش اشارتہا ببین تا بدانے کاین بخواہد شد یقین

یعنی نماز میں ان اچھے اشارات کو دیکھو تاکہ تم جان لو کہ اس طرح یقیناً ہو گا۔ مطلب یہ کہ یہ صرف اشارات ہیں کہ جب نماز پڑھنے کھڑے ہو تو اس طرح سوچ لو تو اس سے یہ نفع ہو گا کہ تمکو قیامت کی حالت مستحضر رہا کریگی اور موت یاد آجایا کریگی یہ نکات تو نفس صلوۃ کے تھے آگے اقتدا کے معنے بیان فرماتے ہیں کہ

معنے تسلیم ایں اے مقتدے کہ توئے حق ہادی و ما مہتدی

یعنی تسلیم کے معنی یہ ہیں اے مقتدی کہ (یوں سمجھو کہ اے امام) تو ہی سچا ہادی ہے اور ہم مہتدی ہیں۔

ہر چہ فرمائی تو منقادیم ما با قضائے جرم گو شادیم ما

یعنی جو کچھ آپ فرماویں ہم منقاد ہیں۔ اور جرم کے قضا کے ساتھ کہدو کہ ہم شاد ہیں مطلب یہ کہ ایسی حالت بناؤ کہ گویا کہ امام سے یہ کہ رہے ہو کہ آپ اللہ میاں سے کہدیجئے کہ آپکا جو ارشاد ہمارے ان جرموں کی بابت ہو ہم اوسپر راضی ہیں۔ آگے فرماتے ہیں کہ۔

بچہ بیروں آر از بیضہ نماز سر مزن چوں مرغ بی تعظیم و ثنا

یعنی بیضۂ نماز سے بچہ نکالو اور مرغ بے ادب اور بے سامان کی طرح سر مت پٹکو مطلب یہ کہ نماز کے ثمرات کو حاصل کرو۔ اور اوس کی صورت سے اوس کی روح کو حاصل کرو یہ نہیں کہ مرغ کی طرح ٹھونگیں ماریں اور چلتے ہوئے یہاں تک نماز کے کچھ اشارات وغیرہ بیان فرما کر اب پھر قصہ بیان فرماتے ہیں کہ۔

شرح حبیبی

آں دقوقی در امامت کرد ساز / اندراں ساحل در آمد در نماز

واں جماعت در پئے او در قیام / اینت زیبا قوم و بگزیده امام

ناگہاں چشمش سوئے دریا فتاد / چوں شنید از سوئے دریا داد داد

در میان موج دید او کشتئے / در قضا و در بلا و زشتئے

ہم شب و ہم ابر و ہم موج عظیم / آں سہ تاریکی و از غرقاب بیم

تند بادے ہمچو عزرائیل خاست / موجہا آشوفت اندر چپ و راست

اہل کشتی از مہابت کاستہ / نالہ و ویلہا بر خاستہ

دستہا در نوحہ بر سر می زدند / کافر و ملحد ہمہ مخلص شدند

با خدا با صد تضرع آں زماں / عہدہا و نذرہا کردہ بجاں

سر برہنہ در سجود آنہا کہ ہیچ / روئے شاں قبلہ ندید از پیچ پیچ

گفت کہ بیفائدہ است ایں بندگی / واں زماں دیدہ دراں صد زندگی

از ہمہ امید ببریدہ تمام / دوستان و خال و عم و بابا و مام

زاہد و فاسق شدہ آندم متقی / ہمچو در ہنگام جان کندن شقی

نے ز چپ شاں چارہ بود و نے ز راست / حیلہ ہا چوں مرد ہنگام دعاست

در دعا ایشان و در زاری و آہ / بر فلک زایشان شدہ دود سیاہ

دیو آندم از عداوت تیز بیں ‌ ‌ ‌ بانگ زد کائے سگ پرستان لعیں

مرگ و جسک ای اہل انکار و نفاق ‌ ‌ ‌ عاقبت خواہد بدن ایں اتفاق

چشم تاں تر باشد از بعد خلاص ‌ ‌ ‌ کہ شوید از بہر شہوت دیو خاص

یاد تاں ناید کہ روزے در خطر ‌ ‌ ‌ دست تاں بگرفت یزداں از قدر

ایں ہمی آمد ندا از دیو لیک ‌ ‌ ‌ ایں سخن را نشنود جز گوش نیک

راست فرمودہ است باما مصطفیٰ ‌ ‌ ‌ قطب و شاہنشاہ دریائے صفا

کانچہ جاہل دید خواہد عاقبت ‌ ‌ ‌ عاقلاں بینند ز اول مرتبت

کارہا ز آغاز از غیب است و سر ‌ ‌ ‌ عاقل اول دید و آخر آں مصر

اولش پوشیدہ باشد و آخر آں ‌ ‌ ‌ عاقل و جاہل بہ بیند در عیاں

ور نہ بینی واقعہ غیب اے عنود ‌ ‌ ‌ حزم را سیلاب کے اندر ربود

حزم چہ بود بدگمانی در جہاں ‌ ‌ ‌ دمبدم دیدن بلائے ناگہاں

آنچناں کہ ناگہاں شیرے رسید ‌ ‌ ‌ مرد را بر بود و در بیشہ کشید

او چہ اندیشد دراں بردن بہ بیں ‌ ‌ ‌ تو ہماں اندیش اے استاد دیں

مے کشد شیر قضا در بیشہا ‌ ‌ ‌ جان ما مشغول کار و پیشہا

آنچناں کز فقر می ترسند خلق ‌ ‌ ‌ زیر آب شور رفتہ تا بحلق

گر بتر سیدے ازاں فقر آفریں	گنجہا شاں کشف گشتے در زمیں
جملہ شاں از خوف غم در عین غم	در پئے ہستی دویدہ در عدم

القصہ دقوقی نے امامت شروع کردی تھی اور لب ساحل نماز میں مشغول تھے اور جماعت اون کے پیچھے کھڑی تھی اور عجیب دلچسپ منظر تھا کہ مقتدی بھی نہایت اعلے تھے اور امام بھی منتخب تھے مزہ سے نماز باجماعت ادا کر رہے تھے۔ اتنے میں شور و غل کی آواز سُنائی دی اوس کے سننے سے دقوقی استغراق سے ہوش میں آئے اور دریا پر اون کی نظر پڑی دیکھتے کیا ہیں کہ ایک کشتی موجوں میں پھنسی ہوئی ہے اور قضائے الٰہی اور مصیبت کے پنجہ میں گرفتار اور نہایت تباہ حالت میں ہے رات کا وقت ہے۔ ابر چھایا ہوا ہے۔ بڑی بڑی موجیں اوٹھ رہی ہیں یہ تین تاریکیاں ہیں اور سب پر طرہ ہلاکت کا اندیشہ ہے۔ ملک الموت کی طرح آندہی چل رہی ہے۔ اور ہر طرف سے موجیں اٹھ رہی ہیں۔ اہل کشتی کی جان ہوا ہو رہی ہے۔ اور واویلا کر رہے ہیں اور شور مچا رہے ہیں روتے اور سر پیٹتے ہیں اور کافر و مؤمن سب مخلص ہو گئے ہیں نہایت گڑگڑا کر سچے دل سے خدا کے ساتھ سینکڑوں عہد و پیمان کر رہے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ اگر ہم بچ جائیں تو یہ کریں گے وہ کریں گے اور جن لوگوں نے اینٹھ مروڑ سے کبھی قبلہ کیطرف رُخ نہ کیا تھا وہ بھی ننگے سر سجدہ میں پڑے ہیں اور جو یہ کہتے تھے کہ عبادات سب فضول اور لایعنی ہیں اون کو اب اوس میں سو زندگیاں نظر آ رہی ہیں۔ اس لئے وہ سمجھتے ہیں کہ اس سے بہتر کوئی پیر پھیر [illegible] لوگ کیا دوست کیا ماموں کیا چچا کیا باپ کیا ماں غرض سب سے امیدیں منقطع [illegible] اور زاہد و فاسق سب یکساں متقی ہو گئے ہیں۔ جس طرح جانکنی کے وقت بدبخت عاصی متقی ہو جاتا ہے۔ نہ دائیں طرف ان کے لئے کوئی تدبیر رہی تھی نہ بائیں طرف۔ اور قاعدہ ہے کہ جب کوئی تدبیر نہیں رہتی اوس وقت دعا ہوتی ہے لہذا وہ دعائیں کر رہے تھے اور رو پیٹ رہے تھے اور آہوں کی یہ حالت تھی کہ فلک تک اونکا سیاہ دہواں پہونچتا تہا۔ خیر یہ تو ساری مصیبتیں تہیں۔ سب سے بڑھکر یہ مصیبت تھی

کہ شیطان ان کے خلوص کو دیکھکر ان کو دشمنی سے گھور رہا تھا وہ سمجھتا تھا کہ اگر یہ لوگ اسی حالت میں ڈوب گئے تو ضرور نجات پا جائیں گے اور میری ساری کوششوں پر پانی پھر جائے گا۔ اس لئے وہ اُن کو دھوکا دے رہا تھا اور کہہ رہا تھا کہ او نفس پرستو کیوں خدا سے جھوٹ بولکر اوس سے فریب کر کے دونا وبال اپنی گردن پر لے رہے ہو۔ اور اے منکرین ومنافقین تمہیں بُری بنے اور تم مرو تم کیا دعائیں کر رہے ہو۔ یہ ضرور ہونا ہے کہ جب تم بچ جاؤ گے تو تمہاری آنکھوں کے آنسو خشک نہونے پائیں گے کہ تم خواہشات نفسانی کے سبب پھر پکے شیطان ہو جاؤ گے اور تمہیں یاد بھی نہ آئے گا کہ خدا نے تم کو قضا کے پنجہ سے چھڑایا تھا پس اس جھوٹ اور فریب کو چھوڑو اور نفع کی امید پر مزید نقصان نہ اوٹھاؤ یہانتک اہل کشتی کی حالت ختم ہوئی اس سے لوگوں کو عبرت حاصل کرنی چاہئے اور غفلت کو دور کر کے طاعت میں مصروف ہونا چاہئے۔ لیکن بجز اون لوگوں کے جو سلیم الفطرت اور صالح الاستعداد لوگ ہیں اس واقعہ کو بسمع قبول کوئی نہ سنے گا۔ دیکھو اس واقعہ سے جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے اوس ارشاد کی تصدیق ہوتی ہے کہ جس چیز کو نادان آخیر میں دیکھتا ہے عاقل اوس کو اوّل ہی دیکھہ لیتا ہے۔ کیونکہ اہل اللہ ہی حق سبحانہ کی طرف راجع ہیں اور فساق اہل کشتی بھی۔ مگر اول الذکر ابتدا ہی سے راجع ہیں اور اہل کشتی مصیبت میں پھنسکر راجع ہوئے کیونکہ وہ عاقل ہیں اور یہ جاہل۔ اور عاقل وجاہل میں صرف اتنا ہی فرق ہے کہ کاموں کی ابتدا ہی ہوتی ہے اور وہ ہنوز نظر سے غائب اور مستور ہی ہوتے ہیں کہ عاقل اون کو پہلے ہی دیکھہ لیتا ہے اور جاہل ضدی شخص اون کو آخر میں دیکھتا ہے۔ اور ابتدا میں وہ اوس کی نظر سے پوشیدہ ہوتے ہیں۔ رہا آخر سو اسکے لحاظ سے دونوں یکساں ہیں۔ کہ آخر میں ہر دو ان کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ پس تم کو چاہئے کہ آغاز ہی میں انجام کو دیکھہ لیا کرو۔ اگر یہ کہو کہ جب وہ پوشیدہ ہے تو ہم کیسے دیکھہ لیں۔ ہماری بصیرت تو اتنی قوی نہیں تو ہم کہیں کہ اچھا ہمنے مانا کہ تم واقعۂ غیبی کو نہیں دیکھہ سکتے لیکن تمہارے حزم کو تو کوئی روبہا کر نہیں لیگئی ہے پھر تم حزم کو کیوں میں نہیں لاتے۔ حزم کی حقیقت کیا ہے کھٹکتے رہنا اور ہر وقت نزول مصیبت کو پیش نظر رکھکر اس سے بچنے کی فکر کرنا۔ اور ہر وقت ایسی حالت میں ہونا جیسے کہ

ایک شیر آیا اور آدمی کو اٹھا کرلے گیا ہو۔ پس جو حالت ایسے شخص کی اُس وقت ہو گی جبکہ اوس کو شیر اوٹھا کر لیگیا ہو وہی حالت تمہاری ہونی چاہئے لیکن افسوس باوجودیکہ ہم شیر قضا کے پنجہ میں پھنسے ہوئے ہیں اور ہم کو اوس کا کچھ بھی خیال نہیں بلکہ مزہ سے اپنے کاروبار میں مشغول ہیں۔ شیر تو بڑی چیز ہے اگر لوگوں کو فقر آفرین یعنی خدا سے اتنا ہی خوف ہو جتنا کہ فقروفاقہ سے ہے کہ وہ اس کی وجہ سے گلے تک آب شور میں ڈوبے ہوئے اور سراسر مصیبت میں مبتلا ہیں تو ان پر زمین کے خزانے منکشف ہوجاتے۔ مگر کیا کیجئے کہ اونکی سمجھ پر کچھ ایسے پتھر پڑ گئے ہیں کہ ذرا نہیں سمجھتے دیکھو وہ فقر سے جو ڈرتے ہیں تو تکلیف کے خوف سے لیکن اس سے زیادہ کیا بے سمجھی ہوگی کہ غم محتمل کے خوف سے غم متحقق میں مبتلا ہوتے ہیں اور گویا کہ وجود حاصل کرنے کے لئے عدم میں جارہے ہیں۔

شرح شبیری

دقوقی کا نماز میں کشتی والوں کا غرق ہونے میں شور و غل کرنے کو سُننا

آں دقوقی در امامت کرد ساز ‌‌ اندر آں ساحل در آمد در نماز

یعنی اوس دقوقی نے امامت کا سامان کیا اور اوس ساحل میں نماز شروع کردی۔

واں جماعت درپئے او در قیام ‌‌ اینت زیبا قوم و برگزیدہ امام

یعنی اور وہ جماعت اون کے پیچھے قیام میں بس ایک عجیب زیبا قوم تھی اور برگزیدہ امام تھے۔

ناگہاں چشمش سوئے دریا فتاد ‌‌ چوں شنید از سوئے دریا داد داد

یعنی ناگہاں اوس دقوقی کی نظر دریا کی طرف پڑی۔ جبکہ اوس نے دریا کی طرف سے داد داد کو سُنا

درمیان موج دید او کشتیے　　در قضا و در بلا و زشتیے

یعنی موج کے درمیان میں اونہوں نے ایک کشتی قضا میں اور بلا میں اور زشتی میں دیکھی

ہم شب و ہم ابر و ہم موج عظیم　　آں سہ تاریکی و از غرقاب بیم

یعنی رات تھی اور ابر تھا اور موج بلند تھی۔ یہ تین تو تاریکیاں اور ڈوبنے کا ڈر۔

تند بادے ہمچو عزرائیل خاست　　موجہا آشوفت اندر چپ و راست

یعنی ایک تند ہوا عزرائیل کی طرح اُٹھی تو موجیں چپ و راست سے اُمنڈ آئیں۔

اہل کشتی از مہابت کاستہ　　نعرہ و وایلہا برخاستہ

یعنی اہل کشتی ڈر کے مارے گھٹے ہوئے اور نعرے اور واویلا اُٹھائے ہوئے۔

دستہا در نوحہ بر سرمے زدند　　کافر و ملحد ہمہ مخلص شدند

یعنی نوحہ میں ہاتھ سر پر مارتے تھے اور کافر اور ملحد سب مخلص ہو گئے تھے۔

با خدا با صد تضرع آں زماں　　عہدہا و نذرہا کردہ بجاں

یعنی اوس وقت حق تعالے سے سو تضرع و زاری کے ساتھ سب نے دل و جاں سے عہد و نذر کئے تھے۔

سر برہنہ در سجود آنہا کہ ہیچ　　روئے شاں قبلہ ندید از پیچ پیچ

یعنی سجدہ میں وہ لوگ سر برہنہ تھے جن کے منہ نے قبلہ کو اینٹھ مروڑ کی وجہ سے دیکھا ہی نہ تھا۔

گفتہ کہ بیفائدہ است ایں بندگی　　آں زماں دیدہ در اں صد زندگی

یعنی (جو لوگ کہ) کہا کرتے تھے کہ یہ عبادت بیفائدہ ہے (وہ) اوس وقت اوس میں سو زندگیاں

دیکھ رہے تھے۔

از ہمہ امید ببریدہ تمام دوستان و خال و عم بابا و مام

یعنی سارے کے سارے سب سے امید قطع کئے ہوئے تھے دوستوں سے اور ماموں سے اور چچا سے اور باپ سے ماں سے۔

زاہد و فاسق شدہ آندم متقی ہمچو در ہنگام جاں کندن شقی

یعنی زاہد و فاسق اسوقت سب متقی ہو گئے۔ جیسے کہ جان کنی کے وقت شقی ہوتا ہی (زاہد کہتے ہیں اوس کو جو دنیا سے بے تعلق ہو دنیا کی حرص وغیرہ نہو تو یہ اونے درجہ ہے اور اعلیٰ درجہ تقوے ہے اس لئے کہدیا کہ زاہد و فاسق اوس وقت سب متقی بنے ہوئے تھے)

نے ز چپشاں چارہ بود و نے ز راست حیلہا چوں مرد ہنگام دعاست

یعنی نہ اون کو چپ سے کوئی چارہ تہا اور نہ راست سے جب حیلے سارے ختم ہو گئے تو اب دعا کا وقت آیا۔

در دعا ایشان و در زاری و آہ بر فلک زیشان شدہ دود سیاہ

یعنی وہ لوگ دعا میں اور زاری و آہ میں تھے اور فلک پر اون سے دود سیاہ گیا ہوا تہا۔ آگے ایک مضمون کو بیان فرماتے ہیں اول اوس کا خلاصہ سمجھ لو پہر اشعار سے اچھی طرح سمجھ میں آوے گا۔ وہ یہ کہ جب یہ لوگ دعا کر رہے تھے تو شیطان بین بین تہا اوس کو کبھی تو یہ امید ہوتی تہی کہ یہ اب کفر وغیرہ پر مر جاویں گے اوسکے بعد جب اون کو دعا کرتے دیکھتا تہا تو اوسے افسوس ہوتا تہا کہ یہ تو توبہ کئے لیتے ہیں

اس حالت میں اوس خبیث نے ایک وسوسہ ڈالا وہ یہ کہ اون لوگوں کے دلمیں یہ وسوسہ گذرا کہ ہمارے اندر ایک علت کفر یا معاصی تو پہلے سے ہیں ہی اور اون سے توبہ کر رہے ہیں اور توبہ یقیناً ٹوٹے گی جیساکہ بارہا ہوا ہے اور جب یقیناً ٹوٹے گی تو گویا کہ اس وقت ہمارا مقصد ہی توڑنے کا ہے اور جب توبہ کے توڑنے کا قصد ہو تو وہ توبہ ہی نہیں رہتی۔ بلکہ وہ تو نفاق ہو جاتا ہے تو اونہوں نے سوچا کہ ایک علت تو کفر و معاصی کی تھی اب خدا کے سامنے ایک علت نفاق کی ہی لیکر جاویں اس لئے بہتر ہے کہ توبہ نکریں تاکہ خیر وہ کفر وغیرہ کی علت ہی رہے اوسپر اور اضافہ تو نہو۔ شیطان نے یہ وسوسہ ڈالا اور مقصود اس سے دعا سے منع کرنا تھا مگر جس کو ذرا سا فہم سلیم ہو گا وہ سمجھ سکتا ہے کہ اوس کا یہ کہنا کہ جب ٹوٹنا یقینی ہے تو گویا کہ اوسکا قصد ہے بالکل غلط ہے اس لئے کہ قصد نقض اور شئے ہے اور نقض اور ہے ان لوگوں کا قصد نہ تھا اور اگر پھر بعد کو ٹوٹ جاوے پھر کر لے۔ پھر ٹوٹے پھر کر لے۔ یاد رکھو کہ یہ شیطان کا بہت بڑا دہوکہ ہے اور اسکا اثر آج کل بھی ہے اکثر کہا کرتے ہیں کہ میاں توبہ ہی کر کے کیا کریں گے اس لئے کہ وہ تو ٹوٹ جاوے گی تو عنوان بدلا ہوا ہے باقی مضمون وہی ہے اللھم احفظنا من الشیطن الرجیم اب اشعار سے سمجھو انشاءاللہ صاف ہو جاوے گا۔ فرماتے ہیں کہ

دیو آندم از عداوت بین بین ‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌ بانگ زد کاے سگ پرستاں علتین

یعنی شیطان اوس وقت عداوت کی وجہ سے بین بین تھا اور یہ آواز دے رہا تھا کہ اے نفس پرستو دو علتوں کے مرتکب ہوتے ہو یعنی ایک علت کفر وغیرہ ہیں تو ہو ہی۔ اب دوسری علت نفاق کی لگاتے ہو۔

مرگ و جسک اے اہل انکار و نفاق ‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌ عاقبت خواہد بدن این اتفاق

یعنی اے انکار و نفاق والو تم مرو۔ آخر کار یہ اتفاق تو ہو ہی گا۔ کہ

چشم تاں تر باشد از بعد خلاص　　　که شوید از بہر شہوت دیو خاص

یعنی خلاص کے بعد تمہاری آنکھ تر ہی ہو گی کہ تم شہوت کی وجہ سے خاص شیطان بنجاؤ گے
یعنی اس سے خلاصی کے آنسو بھی خشک نہ ہوں گے کہ تم توبہ توڑ و گے

یاد تاں ناید کہ روزے در خطر　　　دست تاں بگرفت یزداں از نذر

یعنی تمہیں یاد نہیں ہے کہ اوس خطرہ کے دن میں تمہاری حق تعالیٰ نے نذر سے دستگیری فرمائی تھی۔ یعنی پہلے ہی تم کو خلاصی مل چکی ہے اور تم توبہ توڑ چکے ہو تو اب توبہ کرنے سے کیا فائدہ ہے۔ لہذا توبہ مت کرو مولانا فرماتے ہیں۔ کہ

ایں ہمی آمد ندا از دیو لیک　　　ایں سخن را نشنود جز گوش نیک

یعنی شیطان سے یہ آواز آرہی تھی۔ لیکن اس بات کو (کہ یہ آواز شیطانی تھی) سوائے گوش نیک کے کون سنے گا یعنی جو اچھے آدمی ہیں وہ تو اوس کو سمجھیں گے کہ یہ آواز شیطان تھی ورنہ عوام تو اس کو صحیح سمجھ کر گمراہ ہی ہوں گے آگے فرماتے ہیں کہ

راست فرمودہ است با ما مصطفےٰ　　　قطب و شاہنشاہ و دریائے صفا

یعنی مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے سچ فرمایا ہے جو کہ قطب اور شاہنشاہ اور دریائے صفا ہیں۔

کانچہ جاہل دید خواہد عاقبت　　　عاقل آں بیند ز اول مرتبت

یعنی جو بات کہ جاہل قیامت میں دیکھے گا عاقل اوس کو اول ہی مرتبہ دیکھ لیتا ہے مطلب یہ کہ جو جاہل ہے وہ تو قیامت کو سمجھے گا کہ یہ دھوکہ اور آواز شیطانی تھی اور جو

عاقل ہیں وہ اسی وقت سمجھ جائیں گے کہ یہ آواز شیطانی ہے۔

کارہا آغاز گر غیب ست او سر　　عاقل اول دید و آخر آں مصر

یعنے کام سارے شروع میں اگرچہ غائب اور پوشیدہ ہیں۔ مگر عاقل اول ہی دیکھ لیتا ہے اور آخر میں وہ مصر مطلب یہ کہ اگرچہ اس وقت امور سب غائب ہیں مگر جو عاقل ہے وہ آثار سے اون کو معلوم کر لیتا ہے اور جو مصر علی الذنوب ہے وہ آخر میں۔ یعنی قیامت میں ہی دیکھے گا۔

اولش پوشیدہ باشد و آخر آں　　عاقل و جاہل بہ بیند در عیاں

یعنی اول کار پوشیدہ ہے اور اوس کے آخر میں تو عاقل اور جاہل سب عیاناً دیکھ لیں گے۔ مطلب یہ کہ اول کار جو پوشیدہ ہے تو اس وقت پہچان لینا کمال ہے ورنہ قیامت میں تو سب دیکھ ہی لیں گے پھر کیا کمال ہے اگر پہچان لیا۔

گر نہ بینی واقعہ غیب اے عنود　　حزم را سیلاب کے اندر ربود

یعنی اے معاند اگر تم غیب کے واقعہ کو نہیں دیکھتے تو آخر حزم کو کب سیلاب لے گیا۔ یعنی اگر تم کو اس وقت وہ باتیں ہوتی نہیں معلوم ہوتیں تو آخر حزم اور دور اندیشی بھی تو کوئی شے ہے وہ کہاں جاتی رہی۔ کبھی شبہ ہی ہوا ہوتا کہ ممکن ہے کہ ایسا ہو جاوے۔ اوسی بنا پر اوس سے خائف ہوئے ہوتے۔ آگے فرماتے ہیں کہ انسان کو ہر وقت حازم رہنا چاہیئے اور جو اوس کے خیالات ہوتے ہیں دنیا کے متعلق ویسا ہی خیال ضروری ہے آگے ایک مثال میں حازم کے خیالات کو بیان فرماتے ہیں۔

حزم والے آدمی کے تصورات

حزم چہ بود بدگمانے در جہاں　　دمبدم دیدن بلائے ناگہاں

یعنی حزم کیا ہوتا ہے دنیا میں بدگمانی کرنا اور بلائے ناگہانی کو ہردم دیکھنا یعنی یہ سمجھنا کہ اب بلا نازل ہوئی اب ہوئی بس یہ سوچ کر اوس سے بچنے کی تدبیر کرنا ہی حزم ہے آگے ایک مثال ہے کہ۔

آنچناں کہ ناگہاں شیرے رسید　　مرد را بربود و در بیشہ کشید

یعنی جس طرح کہ ناگاہ ایک شیر آیا اور ایک آدمی کو اوچک کر جنگل میں لے گیا۔

او چہ اندیشد دران بردن بہ بیں　　تو ہماں اندیش ای اوستاد دیں

یعنی ذرا دیکھو کہ وہ اوس وقت کیا سوچے گا ظاہر ہے کہ وہ یہی سوچے گا کہ اب مرا اب مرا تو اے اوستاد دین تم بھی یہی سوچو اور موت کو ہر وقت حاضر سمجھو اب کوئی کہتا ہے کہ جناب اوس کو تو شیر نے کھینچا تھا اس لئے اوس نے یہ سوچا ہم کو تو شیر نہیں لے گیا جو ہم یہ سوچیں مولانا اس کا جواب دیتے ہیں کہ۔

می کشد شیر قضا در بیشہا　　جان ما مشغول کار و پیشہا

یعنی شیر قضا (ہم کو) جنگلوں میں کھینچ رہا ہے اور ہماری جان کاموں اور پیشوں میں مشغول ہے۔ مطلب یہ کہ ارے تجھے خبر نہیں ہے ہم کو بھی ہر وقت شیر قضا کھینچ رہا ہے مگر اندھے ہو جاویں تو اس کا کیا علاج آگے ایک دوسری مثال دیتے ہیں کہ اگر شیر سے ڈر نہیں لگتا تو یوں سمجھو کہ۔

آنچناں کز فقر می ترسند خلق زیر آب شور رفتہ تا بحلق

یعنی اس طرح (رہو) جیسے کہ لوگ فقر سے ڈرتے ہیں اور آب شور کے نیچے حلق تک گئے ہوئے ہیں۔ یعنی دیکھو خواہ کیسا ہی امیر کبیر کیوں نہو مگر اوس کو خوف ہوتا ہے کہ ممکن ہے کہ میں مفلس ہو جاؤں اور وہ اوس کی تدبیریں ہر وقت لگا رہتا ہے تو بس اسی طرح تم بھی ہر وقت دُھن لگا لو اور ہر وقت تدابیر میں لگے رہو۔ مولانا فرماتے ہیں کہ۔

گر بترسید ے ازاں فقر آفریں گنجہاشاں کشف گشتے در زمیں

یعنی اگر یہ شخص اوس فقر آفریں (حق تعالےٰ) سے ڈرتا تو ان لوگوں کو خزانے زمین کے مکشوف ہو جاتے۔

جملہ شاں از خوف غم در عین غم در پئے ہستی فتادہ در عدم

یعنی وہ سارے کے سارے غم کے ڈر کے مارے عین غم میں ہیں۔ اور ہستی کے لئے عدم میں پڑے ہوئے ہیں۔ مطلب یہ کہ دیکھو یہ لوگ اس سے بچتے ہیں کہ ہمیں کوئی غم نہ آوے بلکہ عیش سے گذرے اس طرح گذر کرنا خود ایک غم ہے تو غم سے بچنے کو غم میں مبتلا ہو رہے ہیں عجیب بات ہے۔ غرضیکہ دنیا میں ہر گھڑی فکر عاقبت ہونی چاہیئے آگے قصہ دقوقی فرماتے ہیں کہ۔

شرح حبیبی

چوں دقوقی آں قیامت را بدید رحم او جوشید و اشک او دوید

گفت یارب منگر اندر فعل شاں دست شاں گیر اے شہ نیکو نشاں

خوش سلامت شاں بساحل باز بر | اے رسیدہ دست تو در بحر و بر
اے کریم واے رحیم سرمدی | درگذار از بد سگالاں این بدی
اے بدادہ رائگاں صد چشم و گوش | نے ز رشوت بخش کردہ عقل و ہوش
پیش از استحقاق بخشیدہ عطا | دیدہ از ما جملہ کفران و خطا
اے عظیم از ما گناہان عظیم | تو توانی عفو کردن در حریم
ما ز حرص و آز خود را سوختیم | وین دعا را ہم ز تو آموختیم
حرمت آں کہ دعا آموختے | در چنیں ظلمت چراغ افروختی
دستگیر و رہنما توفیق دہ | جرم بخش و عفو کن بخشا گرہ
ہمچنیں میرفت بر لفظش دعا | آں زماں چوں مادرانِ باوفا
اشک میرفت از دو چشمش واں دعا | بیخود از وے می برآمد بر سما

جب دقوقی نے اس قیامت کا مشاہدہ کیا اور دیکھا کہ مخلوق خدا ڈوب رہی ہے اور اس سے بڑھکر یہ کہ شیطان اون پر پھندا ڈال رہا ہے ممکن ہے کہ وہ اوس میں پھنس جائیں اور ہلاک جسمانی کے ساتھ ہلاک روحانی بھی مل جائے اس سے اون کے رحم کو جوش آیا اور آنسو بہنے لگے۔ اور حضرت حق سبحانہ کی جناب میں یوں دعا شروع کی۔ اے اللہ آپ ان کے افعال پر نظر نہ فرمائیں اور ان کی دستگیری فرمائیں آپ کا تصرف بحر و بر خشکی و تری ہر دو میں جاری ہے۔ آپ ان کو بخیر و عافیت ساحل پر پہونچا دیجئے۔ اے

ہمیشہ سے رحیم وکریم آپ ان بداندیشیوں کی بُرائی کو معاف فرمائیے۔ آپنے مخلوقات کو مفت آنکھ کان وغیرہ عطا فرمائے ہیں۔ اور عقل وفہم بھی کسی معاوضہ کے بدلہ میں نہیں دیئے ہیں اور آپنے بلا استحقاق ہر قسم کی نعمتیں عطا فرمائی ہیں۔ حالانکہ آپ کو ہماری ناشکری اور غلطیوں کا بخشش سے پہلے بھی علم تھا۔ جبکہ آپ ایسے کریم ہیں تو اے بزرگ آپ ہمارے بڑے گناہوں کو بھی معاف فرما سکتے ہیں۔ ہم تو حرص اور طمع میں جل گئے اور کوئی کام ہم نے آپ کی اطاعت کا نہیں کیا۔ یہ دعا بھی جو کر رہے ہیں یہ بھی آپ ہی کی تعلیم کردہ اور آپ ہی کی توفیق ہے۔ پس اس دعا کی عزت کو مدنظر رکھکر جو خود آپ نے تعلیم فرمائی ہے اور اس تاریکی جہل میں چراغ ہدایت روشن کیا ہے آپ ان لوگوں کی دستگیری فرمائیے۔ راہ راست دکھلائیے اور ان کو اعمال صالحہ کی توفیق دیجئے ان کے قصور معاف فرمائیے اور اس عقدۂ لاینحل کو حل فرما کر ان کو نجات دیجئے۔ غرض اسی قسم کے کلمات دعائیہ مادر مشفقہ کی طرح اُس وقت ان کی زبان سے نکل رہے تھے۔ اشک آنکھوں سے جاری تھے اور استغراق فی الدعا کی حالت میں یہ دعا ان کے مُنہ سے نکل کر آسمان پر جارہی تھی۔ بالآخر وہ مقبول ہوئی اور اہل کشتی کو نجات ہوگئی۔

شرح شبیری

دقوقی کی دعا اور شفاعت اوس کشتی کی خلاصی کیلئے

چوں دقوقی آں قیامت را بدید ‎ ‎ رحم او جوشید واشک او دوید

یعنی جب دقوقی نے اوس قیامت کو دیکھا تو اوس کے رحم نے جوش کیا اور اوس کے اشک جاری ہوگئے۔

گفت یارب منگر اندر فعل شاں　　　دست شاں گیر اے شہ نیکو نشاں

یعنی دعا کی کہ اے اللہ ان لوگوں کے فعل کو مت دیکھئے اور اے بادشاہ نیکو نشاں ان کی دستگیری کیجئے۔

خوش سلامت شاں بساحل باز بر　　　اے رسیدہ دست تو در بحر و بر

یعنی ان کو خوش اور سلامت ساحل پر پھیرلے جا۔ اے وہ ذات کہ آپ کی قدرت بحر و بر سب میں پہونچی ہے۔

اے کریم و اے رحیم سرمدی　　　در گذار از بدسگالاں ایں بدی

یعنی اے کریم اور اے رحیم ابدی ان نالائقوں سے اس بدی کو معاف فرمائیے۔

اے بدادہ رائگاں صد چشم و گوش　　　نے ز رشوت بخش کردہ عقل و ہوش

یعنی اے وہ ذات کہ اوس نے سو چشم و گوش مفت دے دیئے ہیں نہ کہ رشوت کیوجہ سے عقل و ہوش تقسیم کئے ہیں۔

پیش ز استحقاق بخشیدہ عطا　　　دیدہ از ما جملہ کفران و خطا

یعنی استحقاق سے پہلے عطائیں بخشی ہیں اور ہم سے کفران و خطا دیکھے ہیں۔

اے عظیم از ما گناہان عظیم　　　تو توانی عفو کردن در حریم

یعنی اے عظیم ہم سے گناہ عظیم ہیں آپ جرم ہونے کی حالت میں معاف کرسکتے ہیں۔

ما ز حرص و ما ز خود را سوختیم　　　ویں دعا را ہم ز تو آموختیم

یعنی ہم نے حرص و ہوس کی وجہ سے اپنے کو جلالیا ہے اور یہ دعا بھی آپ ہی سے سیکھی ہے

حرمت آنکہ دعا آموختی　　　در چنیں ظلمت چراغ افروختی

یعنی ببرکت اوس کے کہ آپ نے دعا سکھائی ہے اور ایسی ظلمت میں چراغ روشن کیا۔

دست گیر و رہ نما توفیق دہ ۔ جرم بخش و عفو کن بکشا گرہ

یعنی دستگیری کیجئے اور رہنمائی کیجئے اور توفیق دیجئے اور جرم بخشئے اور معاف کیجئے اور (مصیبت کی) گرہ کھولئے آگے مولانا فرماتے ہیں کہ۔

ہمچنیں میرفت بر لفظش دعا ۔ آنزماں چوں مادران باوفا

یعنی اسی طرح اون کی زبان پر دعا اوس وقت باوفا ماؤں کی طرح جاری تھی یعنی جسطرح کہ ماں مشفق ہوتی ہے اسی طرح شفقت سے وہ دعا مانگ رہے تھے۔

اشک میرفت از دو چشمش واں دعا ۔ بیخود از وے می برآمد بر سما

یعنی دونوں آنکھوں سے اشک جاری تھے اور وہ دعا اوس سے بیخود ہوکر نکل رہی تھی اور آسمان پر (جارہی تھی)

شرح حبیبی

آں دعائے بیخوداں خود دیگر است ۔ آں دعا زو نیست گفت داور است

آں دعا حق مے کند چوں او فنا است ۔ آں دعا و آں اجابت از خدا است

واسطۂ مخلوق نے اندر میاں ۔ بیخبر زاں لابہ کردن جسم و جاں

بندگان حق رحیم و بردبار ۔ خوئے حق دارند در اصلاح کار

مہرباں بے رشوتاں یاری کناں ۔ در مقام سخت و در روز گراں

هین بجوا این قوم را ای مبتلا — هین غنیمت دار شان پیش از بلا

رست کشتی از دم آن پہلواں — واہل کشتی را بجہد خود گماں

کہ مگر بازوئے ایشاں در حذر — بر ہدف انداخت تیرے از ہنر

پا رہاند روبہاں را در شکار — واں ز دم دانند روباہان عزار

عشقہا با دُم خود بازند کایں — می رہاند جان ما را از کمین

از ضلالت بوسہا بر دُم دہند — رقص گیرند و ز شادی بر جہند

روبہا پا را نگہدار از کلوخ — پا چو نبود دُم چہ سودائے چشم شوخ

ما چو روباہان و پائے ما کرام — مے رہاندماں ز صد گوں انتقام

حیلۂ باریک ما چوں دُم ماست — عشقہا بازیم با دم چپ و راست

دم بجنبانیم ز استدلال و مکر — تا کہ حیراں گردد از ما زید و بکر

طالب حیرانئ خلقاں شدیم — دست طمع اندر الوہیت زدیم

تا بافسوں مالک دلہا شویم — ایں نمی بینیم ما کاندر گویم

در گوئی و در چہے ای قلتباں — دست وادار از سبال دیگراں

چوں بہ بستانے رسی زیبا و خوش — بعد از آں دامان خلقاں ابکش

اے مقیم حبس چار و پنج و شش — نغز جائے دیگراں را ہم بکش

اے چو خر بندہ حریف کون خر	بوسہ گاہے یافتی ما را ببر
چون نداوت بندگی دوست دست	میل شاہی از کجایت خاستست
در ہوائے آنکہ گویندت زہے	بستہ بر گردن جانت زہے
روبہا این دم حیلت را بہل	وقف کن دل بر خداوندان دل
در پناہ شیر کم ناید کباب	روبہا تو سوئے جیفہ کم شتاب

اب مولانا فرماتے ہیں کہ ان کی دعا کیوں نہ مقبول ہوتی کیونکہ فانیین کی دعا تمام لوگوں کی دعا کے مانند نہیں ہوتی بلکہ وہ تو اور ہی قسم کی ہوتی ہے۔ کیونکہ وہ دعا محض اوس کی طرف سے نہیں ہوتی۔ بلکہ وہ ایک معنیٰ کر حق سبحانہٗ کا کلام ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ تو فنا فی اللہ ہو چکا ہے اسس لئے اوس کے افعال منسوب بحق سبحانہٗ ہوں گے اور یوں کہا جاوے گا کہ گویا کہ حق سبحانہٗ ہی دعا کر رہے ہیں اس لئے وہ دعا اور اجابت ہر دو خدا ہی کی طرف سے ہوں گی۔ اس دعا میں مخلوق کا بالکل واسطہ نہیں ہوتا بلکہ فرط محویت کے سبب جسم اور جان کو بھی اوس کی خبر نہیں ہوتی۔ بس جب دعا کرنے والا بھی خدا ہی ہے اور قبول کرنیوالا بھی خدا ہی ہے تو قبول نہونے کے کوئی معنیٰ نہیں۔ لہذا قبول ہوئی۔ اور اون کو نجات مل گئی۔ یاد رکھو بندگان خدا نہایت رحیم اور بہت بردبار ہوتے ہیں اور اصلاح امور میں حق سبحانہٗ کی عادت رکھتے ہیں۔ یعنی یہ لوگ سخت موقع پر اور مصیبت کے دن بدون کسی معاوضہ کے مہربان اور مددگار ہوتے ہیں پس اسئے مصائب روحانیہ میں مبتلا لوگو ان حضرات کو ڈھونڈتا کہ یہ تم کو ان مصائب سے نجات دلائیں اور اگر ہنوز مصیبت واقع نہیں ہوئی تب بھی اون کو غنیمت سمجھو کہ یہ اوس کے لئے سپر ہوں گے۔ لوگ سخت غلطی کرتے ہیں کہ ان حضرات کی قدر نہیں کرتے اور صلاح کار کو اپنی ندابیر

اور کوششوں کا نتیجہ سمجھتے ہیں۔ دیکھو کشتی گرداب میں سے نکلی تو عالی حوصلہ
دقوقی کی دعا سے اور اہل کشتی کو اپنی کوشش پر گمان ہے وہ سمجھتے ہیں کہ اس
بلا سے بچنے میں انہیں کے ہاتھ کا تیر نشانہ پر لگا ہے اور یہ انہیں کی قادر اندازی
ہے لہذا ان کی مثال ایسی ہے جیسے کہ لومڑیوں کو شکار میں نجات تو اون کے
پاؤں دیتے ہیں اور بھولی لومڑیاں اوس کو دُم کا فعل سمجھتی ہیں اور یہ سمجھ کر
کہ دُم ہی ہم کو کمین صیاد سے نجات دلاتی ہے اس پر عاشق ہو جاتی ہیں اور
اپنی جہالت سے اسے چومتی چاٹتی ہیں اور فرط انبساط میں ناچتی اور اوچھلتی کودتی
ہیں۔ ان سے کوئی کہے کہ اری لومڑی پاؤں کی قدر کر اور اسے ڈھیلے سے
بچا۔ ایسا نہو کہ یہ لنگڑا ہو جائے اور تو ماری جاوے۔ اگر پاؤں نہ رہا تو یاد
رکھ کہ دُم کسی کام کی نہیں۔ علے ہذا ہم ہی لومڑیاں ہیں اور ہمارے پاؤں یعنی ہمکو
مصائب سے نجات دلانے والے یہ حضرات اہل اللہ ہیں یہی ہم کو سیکڑوں
بلاؤں سے نجات دلاتے ہیں اور ہماری اعلیٰ تدبیریں بالکل ایسی ہیں جیسی لومڑی کی
دُم کہ ان کو ہماری نجات میں دخل نہیں۔ لیکن ہم ہیں کہ اپنی تدابیر پر فریفتہ ہیں
اور خواہ مخواہ دُم ہلاتے ہیں یعنی استدلال وحیل کو کام میں لاتے ہیں تاکہ
زید وعمر و بکر ہماری تدبیروں کو دیکھکر حیران ہوں۔ کہ صاحب یہ بڑے مدبر
اور پولٹیکل ہیں۔ ہم یہ چاہتے ہیں کہ لوگ ہماری تدبیروں سے متحیر ہو کر ہم کو مقتدا
بنائیں اور سمجھیں کہ یہ جو چاہیں کر سکتے ہیں گویا کہ ہم در پردہ خدائی چاہتے ہیں اور
یہ چاہتے ہیں کہ لوگوں کی آنکھوں میں خاک جھونک کر اون کے دلوں پر قبضہ کر لیں
اور یہ نہیں دیکھتے کہ ہم قعر ضلالت میں پڑے ہوئے ہیں۔ اس سے کوئی کہے کہ
ارے بھڑوے تو تو خود گڑھے میں گرا ہوا اور کنویں میں پڑا ہوا ہے تو لوگوں کا
دامن کیوں پکڑ کر کھینچتا ہے انہیں معاف کر۔ ہاں جب تو کسی باغ میں خوش و
خرم پہونچ جائے گا یعنی دولت باطنی حاصل کر لے گا اوس وقت مخلوق
کا دامن کھینچنا اور اونہیں وہاں بُلانا جہاں تو ہے آگے مولانا ایسے شخص کو

علے سبیل التہکم خطاب فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اے عناصر اربعہ اور حواس خمسہ اور شش جہات کے جیل خانہ میں رہنے والے سبحان اللہ کیسے اچھی جگہ ہی ذرا اوروں کو کھینچ لے اور اے گدہے ہانکنے والوں کی طرح گدہوں کی مقعد چاٹنے والے بھائی کیسے عجیب بوسہ گاہ تجھے ملی ہے ذرا ہم کو بھی لے چل ہم بھی دیکھیں۔ ارے احمق جب حق سبحانہ کی غلامی تجھے حاصل نہیں ہے اور تو ابھی نفس ہی کا بندہ بنا ہوا ہے تو سلطنت کی رغبت تیرے اندر کہاں سے پیدا ہو گئی یہ تو عباد اللہ الصالحین کا منصب ہے نہ کہ اہل دنیا کا۔ بات یہ ہے کہ لوگوں کی تعریفیں حاصل کرنے کے لئے تو نے اپنی روح کی گردن میں تانت کا پھندا ڈال رکھا ہے اور حُب جاہ کے لئے تو اپنی روح کو مار رہا ہے ارے لومڑی کی طرح دہوکے میں پڑے ہوئے تو اپنی تدبیر کی دُم کو چھوڑ اور اپنے دل کو اہل دل کے سپرد کردے اس سے تو انشاء اللہ لذائذ سے محروم نہ رہے گا کیونکہ شیروں کی پناہ میں آجانے کے بعد کبابوں کی کچھ کمی نہیں ہوتی پس تو اون کی پناہ میں آجا۔ اور لذائذ حقیقیہ سے بہرہ یاب ہو۔ اور لومڑی کی طرح مردار دنیا کی طرف مت دوڑ۔

شرح شبیری

آں دعائے بیخوداں خود دیگر ست آں دعا زو نیست گفت داور ست

یعنی بیخودوں کی دعا ہی دوسری ہے وہ دعا اون کی طرف سے نہیں ہے بلکہ قول حق ہے

آں دعا حق میکند چوں او فنا ست آں دعا و آں اجابت از خدا ست

یعنی وہ دعا اللہ تعالے ہی کر رہے ہیں جبکہ یہ شخص فنا ہے اور وہ دعا اور اجابت سب خدا کی طرف سے ہے مطلب یہ کہ جب یہ فنا ہو چکا اور وہی اتحاد اصطلاحی اوس کو حاصل ہو گیا تو اوس کا دعا کرنا گویا کہ خدا کا کرنا ہے۔ تو جب اللہ تعالیٰ

خود دعا کریں گے تو اوس کو قبول ہی فرماویں گے۔ اور اسس اتحاد اصطلاحی کی نظیر قرآن شریف میں موجود ہے۔ ارشاد ہے کہ فاذا قرانٰہ فاتبع قرانہ قرات جبرئیل کو اپنی قرات فرمایا دوسری جگہ ہے کہ ما رمیت اذ رمیت و لکن اللہ رمیٰ رمے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی رمے فرمایا پھر اگر صوفی بیچارے کہہ دیں تو اون پر کفر کے فتوے کیوں لگتے ہیں۔ ذرا تو انصاف سے کام لو آگے فرماتے ہیں کہ۔

واسطہ مخلوق نے اندر میاں　　　بیخبر زاں لابہ کردن جسم و جاں

یعنی درمیان میں مخلوق واسطہ نہیں ہوتی۔ اور اوس دعا کرنے سے جسم و جاں سب بے خبر ہیں۔

بندگان حق رحیم و بردبار　　　خوے حق دارند در اصلاح کار

یعنی خدا کے بندے رحیم و بردبار (ہوتے ہیں) اور اصلاح کار میں خوئے حق رکھتے ہیں۔

مہرباں بے رشوتاں یاری کناں　　　مشفقان و مستعان غمخوارگاں

یعنی مہربان بے رشوت کے مدد کرنے والے مشفق اور مدد کرنے والے اور غمخوار۔

از ترحم دستگیراں شافعاں　　　در مقام سخت و در روز گراں

یعنی ترحم کی وجہ سے دستگیر اور شافع مقام سخت میں اور روز گراں میں (مولانا فرماتے ہیں کہ)

ہیں بجو ایں قوم را اے مبتلا　　　ہیں غنیمت دار شاں پیش از بلا

یعنی اے مبتلا اس قوم کو تلاش کر اور بلا سے پہلے اُن کو غنیمت سمجھ۔

رست کشتی از دمِ آن پہلوان　　　　واہلِ کشتی را بجہد خود گمان

یعنی کشتی چھوٹی تو اُس پہلوان کی دعا سے اور اہل کشتی کو اپنی کوشش پر گمان تھا۔

که مگر بازوے ایشان در حذر　　　　بر ہدف انداخت تیرے از ہنر

یعنی کہ یقیناً اُن کے بازو نے بچنے میں ہنر ہدف پر تیر ڈالا۔ مطلب یہ کہ وہ کشتی چھوٹی تو اُن کی دعا سے اور اہل کشتی سمجھے کہ ہم نے جو کوشش کی تھی اُسکی بدولت ہم چھوٹ گئے۔ آگے ایک مثال دیتے ہیں کہ۔

پا رہاند روبہان را در شکار　　　　وان ز دُم دانند روباہان غرار

یعنی لومڑی کو شکار میں پاؤں بچاتا ہے (کہ اُس سے بھاگ جاتی ہیں اور بچ جاتی ہیں) اور وہ مغرور لومڑیا اُس (بچنے) کو دُم سے سمجھتی ہیں۔

عشقہا با دُم خود بازند کاین　　　　می رہاند جان ما را از کمین

یعنی وہ اپنی دُم کیساتھ عشقبازی کرتی ہیں کہ ہماری جان کو کمین سے یہی چھڑاتی ہے۔

از ضلالت بوسہا بر دُم زنند　　　　رقص گیرند و ز شادی بر جہند

یعنی گمراہی کی وجہ سے دُم پر بوسے دیتی ہیں اور رقص کرتی ہیں اور خوشی سے کودتی ہیں (معلوم ہوتا ہے کہ مولانا کے زمانہ میں یہ بات مشہور ہوگی کہ لومڑی اپنی دُم کو اپنے بچنے کا آلہ خیال کرتی ہے اسی بنا پر مولانا نے یہ لکھا ہے) آگے فرماتے ہیں کہ۔

روبہا پا را نگہدار از کلوخ　　　　پا چو نبود دُم چہ سود اے چشم شوخ

یعنی اے روباہ کلوخ سے پاؤں کی حفاظت کر کہ جب پاؤں نہ ہوگا تو اے شوخ چشم دُم کا کیا فائدہ۔ اب اس مثال کو مطابق فرماتے ہیں کہ۔

ما چو روباہان و پاے ما کرام　　　　میرہاند مان ز صد گون انتقام

یعنی ہم تو لومڑیوں کیطرح ہیں اور ہمارے پاؤں (اولیاء) کرام ہیں کہ ہم کو حق تعالیٰ کے سینکڑوں قسم کے انتقاموں سے (اپنی دعا سے) بچاتے ہیں۔

حیلۂ باریک ما چون دُم ماست　　عشقہا بازیم با دُم چپ و راست

یعنی ہمارے حیلہائے دقیقہ مثل ہماری دُم کے ہیں کہ ہم دُم کیساتھ چپ و راست عشقبازی کرتے ہیں۔ مطلب یہ کہ ہمکو بلاؤں سے چھڑاتی تو ہے اُن بزرگوں کی دعا۔ اور ہم اپنی تدابیر سے سمجھتے ہیں تو وہی مثل ہوئی کہ لومڑی کو آفات سے بچاتا تو ہے پاؤں اور سمجھتی ہے کہ دُم نے بچایا۔

دم بجنبانیم ز استدلال و مکر　　تاکہ حیران ماند از ما زید و بکر

یعنی ہم استدلال و مکر کی دُم ہلاتے ہیں تاکہ ہم سے زید و بکر حیران ہوں۔ یعنی ہم تدابیر کرتے ہیں اور اس لئے تاکہ لوگ سمجھیں کہ بڑے عاقل ہیں۔

طالب حیرانئے خلقان شدیم　　دست طمع اندر الوہیت زدیم

یعنی لوگوں کی حیرانی کے ہم طالب ہیں اور طمع کا ہاتھ الوہیت میں مارتے ہیں۔ یعنی افسوس ہے کہ ہم بڑا بننا چاہتے ہیں کہ لوگ ہماری تدابیر اور افعال کو دیکھکر ہماری تعریف کریں یہ حق تو خدا کا ہے کہ وہ یہ چاہے کہ میری مصنوعات کو لوگ دیکھکر حیران ہوں انسان کا یہ حق نہیں ہے اور ہم چاہتے ہیں کہ۔

تا بافسون مالک دلہا شویم　　این نمی بینیم ما کاندر گویم

یعنی تاکہ افسوں سے ہم دلوں کے مالک ہو جاویں اور ہم یہ نہیں دیکھتے کہ ہم (خود) گڑھے میں ہیں۔

در گوے و در چہے اے قلتبان　　دست وادار از سبال دیگران

یعنی ارے دیوث تو خود گڑھے اور کنوئیں میں ہے تو دوسرے کے کپڑوں سے دست اُٹھا یعنی ابھی سے تم اوروں کو کیا بلا رہے ہو۔ بلکہ

چون بہ بستانے رسی زیبا و خوش　　بعد از ان دامان خلقان گیر و کش

یعنی جب تو کسی زیبا و خوش باغیں پھونچ جاوے گا اُس کے بعد لوگوں کا دامن پکڑ نا اور کھینچنا۔

اے مقیم حبس چار و پنج و شش　　نغز جائے دیگران را ہم بکش

یعنی اے وہ شخص کہ چار و پنج و شش کی قید میں مقیم ہے۔ اس عمدہ جگہ میں تو دوسرونکو بھی کھینچ لے۔ مصرعہ ثانی تمسخر آمیز ہے اور چار سے مُراد عناصر اربعہ اور پنج سے مُراد حواس خمسہ اور شش سے مُراد جہات ستہ اور مقصود ان سب سے ناسوت مطلب یہ کہ اے شخص جو کہ ابھی ناسوت ہی میں پھنسا ہوا ہے ذرا اس مقام خوش میں ہمیں بھی بُلانا۔ اور ذرا اوروں کی بھی خبر لینا یہ صرف استہزا کے طور پر ہے یعنی تم خود ایسی جگہ ہو اوروں کو معاف رکھو۔

اے چو خر بندہ حریف کون خر　　بوسہ گاہے یافتی ما را ببر

یعنی اے خر بندہ کیطرح کون خر کا حریف ہے تو نے تو ایک بوسہ گاہ پالیا ہے ہمیں بھی لیچل۔ اس میں بھی مصرعہ ثانی استہزا آمیز ہے اور خر بندہ اُسکو کہتے ہیں جو گدھے کے پیچھے اُس کو ہکاتا ہوا چلتا ہے اور کون خر سے مراد دنیا۔ مطلب یہ کہ جسطرح کہ وہ خر بندہ کون خر سے لگا رہتا ہے اسی طرح تم دنیا میں لگے ہوئے ہو۔ تو اب تم نے تو وہی کون خر بوسہ گاہ پالی ہے بھئی ذرا ایسی جگہ تو ہمیں بھی لے چلنا۔ نعوذ باللہ۔

چوں ندادت بندگی دوست دست　　میل شاہی از کجایت خاستست

یعنی جب تیری مدد دوست کی بندگی نے نہیں کی ہے تو تیرے اندر میلان شاہی کہاں سے آگیا۔ مطلب یہ کہ ابھی چھوٹے تو بن تو چھوٹے بنے نہیں اور بڑے بننے کی تمنا ہے۔

در ہوائے آنکہ گویندت زہے　　بستہ بر گردن جانت زہے

یعنی اُس محبت میں کہ لوگ تمکو اچھا کہیں تم نے اپنی گردن جان پر ایک زہ کمان کی باندھلی ہے یعنی اس کے مارے اپنے گلے میں پھانسی ڈال رکھی ہے آگے فرماتے ہیں کہ۔

روبہا ایں دم حیلت را بہل　　وقف کن دل بر خداوندان دل

یعنی اے روباہ اس حیلہ کی دُم کو چھوڑ اور دل کو اہل دل پر وقف کردے۔ یعنی اُنکا ہو رہ۔

در پناہ شیر کم ناید کباب　　روبہا تو سوئے جیفہ کم شتاب

یعنی شیر کی پناہ میں کباب کم نہیں آتے۔ اے روباہ تو مردار کیطرف مت دوڑ۔

مطلب یہ کہ بزرگوں کی خدمتیں رہ کہ انشاءاللہ دنیا بھی سنوری رہے گی اور دین بھی درست رہے گا۔ اور یہ بات مشاہدہ ہے جس کا دل چاہے آکر مشاہدہ کرے کچھ دن کسی کامل کے پاس رہ کر دیکھئے انشاءاللہ دنیا کی بھی پریشانی نہیں رہے گی آگے فرماتے ہیں۔

شرح حبیبی

تو دلا منظور حق آنگہ شوے | کہ چو جزوے سوئے کل خود روی
حق ہمی گوید نظر ما بر دل است | نیست بر صورت کہ آن آب و گل است
تو ہمی گوئی مرا دل نیز ہست | دل فراز عرش باشد نے بہ پست
در گل تیرہ یقین ہم آب ہست | لیک ازان آیت نشاید آبدست
زانکہ گر آبست مغلوب گل است | پس دل خود را مگو کایں ہم دل است
زان دلے کز آسمانہا برتر ست | آن دل ابدال یا پیغمبر است
پاک گشتہ آن ز گل صافی شدہ | در فزونی آمدہ وافی شدہ
ترک گل کردہ سوئے بحر آمدہ | رستہ از زندان گل بحرے شدہ
آب ما محبوس گل ماندست ہین | بحر رحمت جذب کن ما را ز طین
بحر گوید من ترا خود در کشم | لیک می لافی کہ من آب خوشم
لاف تو محروم مے دارد ترا | ترک آن پنداشت کن در من درآ

آب گل خواہد کہ در دریا رود ‏ ‏ ‏ ‏ گل گرفتہ پائے او را مے کشد

گر رہاند پائے خود از دست گل ‏ ‏ ‏ ‏ گل بماند خشک او شد مستقل

آن کشیدن چیست آن گل آب را ‏ ‏ ‏ ‏ جذب تو نقل و شراب ناب را

ہمچنین ہر شہوتے اندر جہان ‏ ‏ ‏ ‏ خواہ مال و خواہ جان و خواہ نان

خواہ باغ و مرکب و تیغ و مجن ‏ ‏ ‏ ‏ خواہ ملک و خانہ و فرزند و زن

ہر یکے زینہا ترا مستے کند ‏ ‏ ‏ ‏ چون نیابے آن خمارت بشکند

این خمار غم دلیل آن شدہ است ‏ ‏ ‏ ‏ کہ بدان مفقود مستے ات بدست

خبر باندازہ ضرورت زین مگیر ‏ ‏ ‏ ‏ تا نگردد غالب و بر تو امیر

سر کشیدی تو کہ من صاحب دلم ‏ ‏ ‏ ‏ حاجت غیرے ندارم واصلم

آن چنانکہ آب در گل سر کشد ‏ ‏ ‏ ‏ کہ منم آب و چرا جویم مدد

دل تو این آلودہ را پنداشتے ‏ ‏ ‏ ‏ لاجرم دل ز اہل دل برداشتے

خود روا دارے کہ آن دل باشد این ‏ ‏ ‏ ‏ کہ بود در عشق شیر و انگبین

لطف شیر و انگبین عکس دل است ‏ ‏ ‏ ‏ ہر خوشے را آن خوش از دل حاصل است

پس بود دل جوہر و عالم عرض ‏ ‏ ‏ ‏ سایۂ دل چون بود دل را غرض

آن دلے کو عاشق مال است و جاہ ‏ ‏ ‏ ‏ یا زبون این گل و آب سیاہ

یا خیالاتے کہ در ظلمات او ‏ ‏ ‏ ‏ مے پرستدشان برائے گفتگو

دل نباشد غیر آن دریائے نور ۔ دل نظرگاہِ خدا وانگاہ کور

نے دل اندر صد ہزاران خاص عام ۔ در یکے باشد کدام است آن کدام

ریزۂ دل را بہل دل را بجو ۔ تا شود آن ریزہ چون کوہے ازو

دل محیط ست اندرین خطہ وجود ۔ زر ہمی افشاند از احسان وجود

از سلام حق سلامتہا نثار ۔ مے کند بر اہل عالم زاختیار

ہر کرا دامن درست ست و معد ۔ آن نثار دل بر آنکس مے رسد

دامن تو آن نیاز ست و حضور ۔ ہین منہ در دامن آن سنگ فجور

تا نہ درد دامنت آن سنگہا ۔ تا بدانے نقد را از رنگہا

سنگ پر کردی تو دامن از جہان ۔ ہم ز سنگ سیم و زر چون کودکان

آن خیال سیم و زر چون زر نبود ۔ دامن صدقت درید و غم فزود

کے نماید کودکان را سنگ سنگ ۔ تا نگیرد عقل دامنشان بچنگ

پیر عقل آمد نہ آن موئے چو شیر ۔ مو نمی گنجد درینجا اے فقیر

اوپر مولانا نے اہل اللہ کیطرف رجوع کرنے کی ترغیب دی تھی۔ یہ مضمون بھی اُسی کا تتمہ ہے اور فرماتے ہیں کہ اے دل تو منظور منظر رحمت حق اُسوقت ہوگا جب کہ تو جزو کی طرح اپنے کل کیطرف راجع ہوگا۔ اور اس سے اتصال پیدا کرے گا اس شعر میں بظاہر دلکو خطاب ہے۔ مگر فی الحقیقت اس کے مخاطب اہل دل ہیں اور مطلب یہ ہے کہ لے لوگو تمہارا دل منظور حق اُسوقت ہوگا جبکہ اُسکو اہل اللہ

کے قلوب سے اتصال ہو اس سے معلوم ہوا کہ جزو سے مراد قلوب عوام ہیں اور کل سے مراد قلوب عرفا۔ اب سمجھنا چاہیئے کہ قلوب عوام کو جزو اُن کے نقصان کے بناء پر کہا گیا ہے۔ اور قلوب اہل اللہ کو کل اون کے کمال کے بنا پر فرمایا گیا ہے۔ اور یہ جزویت اور کلیت تشبیہی ہے نہ کہ تحقیقی ہے۔ جب یہ معلوم ہو گیا تو اب سنو۔ کہ کوئی اعتراض کر سکتا تھا کہ حدیث میں وارد ہے۔ ان اللہ لا ینظر الی صورکم واعمالکم ولکن ینظر الی قلوبکم ونیاتکم اور قلوب میں ہمارا قلب بھی داخل ہے اور شرط کوئی ہے نہیں۔ تو ہمارا دل منظور نظر حق کیوں نہ ہوگا۔ اور اس کی منظوری اس شرط پر کیوں معلق ہوگی۔ مولانا آگے اس اعتراض کا جواب دیتے ہیں کہ حق سبحانہٗ فرماتے ہیں کہ ہماری نظر دل پر ہے۔ صورت پر نہیں اور صورت کے منظور حق منظور نہ ہونیکی وجہ ہے کہ وہ آب و گل ہے اور آب و گل منظور نظر نہیں ہو سکتے۔ اس سے معلوم ہوا کہ دل کوئی اور شئے ہے جو مغائر ہے آب و گل کے اور تمہارا دل آب و گل سے علیحدہ نہیں لہٰذا وہ صورت میں داخل ہوگا اور قلوب میں داخل نہ ہوگا۔ جب صورت میں داخل ہوگا تو منظور نظر نہیں ہو سکتا۔ اور قلوب میں داخل ہونا اُس کا موقوف ہے اتصال بقلوب اہل اللہ پر۔ پس ثابت ہوا کہ اُس کا منظور حق ہونا موقوف ہے اتصال بہ قلوب اہل اللہ پر۔ وہو المدعےٰ تمکو غلطی یوں ہوئی کہ تم اپنے دل کو دل سمجھ بیٹھے حالانکہ وہ دل نہیں۔ کیونکہ دل مجردات سے ہے اُس کا مرتبہ تو عرش سے بھی بالا ہے وہ کوئی ناسوتی شئے نہیں پس اگر اسپر تجرد غالب ہے تو وہ دل ہے اور اگر جسمانیت کا غلبہ ہے تو وہ دل نہیں اور تیرے دل پر جسمانیت اور ناسوتیت غالب ہے پس وہ دل کیسے ہو سکتا ہے اسکو تم یوں سمجھو کہ جوہڑ سے میں یقیناً پانی ہوتا ہے لیکن وہ پانی اس قابل نہیں ہے کہ اُس سے وضو یا استنجا کیا جاوے کیونکہ گو وہ اپنی ذات کے لحاظ سے پانی ہے لیکن مٹی سے مغلوب ہو کر اُس نے مٹی کا حکم حاصل کر لیا ہے پس یہ ہی حالت تمہارے دل کی ہے کہ گو وہ اپنی ذات سے مجرد اور

قلب ہے مگر انہماک فی الناسوت کے سبب وہ بھی حکماً ناسوتی ہوگیا ہے اور اس قابل نہیں کہ احکام قلب اُس کے لئے ثابت ہوں۔ پس اب نہ کہنا کہ میرا دل بھی دل ہے اور اُسکو بھی منظور حق ہونا چاہیئے تیرا اور تیرے امثال کا دل ہرگز دل نہیں۔ کیونکہ وہ ناسوت میں منہمک ہے بلکہ دل تو اہل اللہ کا دل ہے۔ خواہ انبیاء ہوں یا اولیاء۔ کیونکہ یہ معلوم ہوچکا ہے کہ دل عرش سے بالاتر ہے اور جو عرش سے بالاتر ہو وہ قلب اولیاء اللہ یا قلب انبیاء ہے پس ثابت ہوا کہ دل حقیقۃً قلب اہل اللہ ہے وہ گل سے پاک اور کامل و مکمل ہے وہ گل یعنے عالم ناسوت کو چھوڑ کر سمندر بن گیا ہے۔ اور عالم ناسوت کی قید سے چھوٹ کر اور بحر حقیقی یعنی حق سبحانہ سے اتصال پیدا کرکے خود بھی ایک سمندر ہوگیا ہے پس جو قلب اس سے اتصال پیدا کریں گے وہ بھی دل سمندر ہوجائیں گے۔ یہاں تک پہونچکر مولانا پر ایک حال طاری ہوتا ہے اور مناجات کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اے اللہ ہمارا پانی یعنی دل مٹی یعنی عالمِ ناسوت میں مقید ہوکر رہگیا ہے اے بحر رحمت ہم کو اس جیلخانہ سے نکالئے اور اپنے ساتھ متصل کرکے ہمارے پانی یعنی دلکو بھی سمندر بنا دیجئے اُس کے بعد اس سے افاقہ ہوتا ہے اور پھر مضمون سابق کیطرف عود فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ سمندر یعنی اہل اللہ تم سے یہ ہی کہتا ہے کہ میں تم کو بھی اپنے اندر جذب کرسکتا ہوں مگر زحمت تو یہ ہے کہ تم غرور میں مرے جاتے ہو اور کہتے ہو کہ میں تو خود پانی ہوں مجھے اس پانی کی کیا ضرورت ہے یہ تمہاری شیخی تمہیں محروم کر رہی ہے۔ پس تم غرور کو چھوڑ دو اور مجھ میں ملکر دریا ہو جاؤ۔ اب مولانا اس کھچے کا منشا بیان کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ آب وگل یعنی تمہارا دل بالطبع تو یہ ہی چاہتا ہے کہ دریا میں جا ملے لان الجنس الی الجنس یمیل لیکن مٹی اُس کے پاؤں کو پکڑ کر کھینچتی ہے اور جانے نہیں دیتی۔ ایسی حالت میں اگر وہ مٹی سے اپنا پاؤں چھڑالے تو مٹی خشک رہجائے اور وہ اس سے نکل کر چلا جاوے۔ اب یہ سمجھو کہ مٹی کے پانی کو کھینچنے کا کیا مطلب ہے وہ یہ کہ تم کو خواہش ہے نقل اور شراب

تاب کی یہی وہ کشش ہے جو دل کو اتصال یا اہل اللہ سے مانع ہوتی ہے اور طرح طرح کے حیلوں سے اُس کو اتصال سے روکتی ہے علی ہذا دنیا میں جو مرغوب چیز ہے خواہ مال ہو خواہ جان خواہ عزیز وا قارب خواہ باغ خواہ سواری خواہ تلوار خواہ ڈھال خواہ ملک خواہ گھر خواہ بیوی بچے سب کی یہی حالت ہے اور اُنہوں نے تم کو مست کر رکھا ہے کیونکہ جب وہ تم کو نہیں ملتے تو اُن کے خمار سے تمہارا بدن ٹوٹتا رہتا ہے یہ خمار غم اسکی دلیل ہے کہ تم ان اشیا میں مست ہو لیکن یہ مناسب نہیں بلکہ ضرورت سے زیادہ ان اشیاء کو مت حاصل کرو تاکہ یہ تم پر غالب اور حاکم ہو کر تم کو برباد کر دیں غرض کہ تو نے ان اشیاء میں مست ہو کر یہ خیال باطل ذہن میں جما لیا کہ میں صاحبدل ہوں اور میرا دل منظور حق ہے۔ اور میں واصل ہوں۔ اور اس بناء پر تو اہل اللہ سے کھنچ بیٹھا۔ جسطرح کہ جوہڑے کا پانی یہ سمجھکر کہ میں خود پانی ہوں اور مجھے آب بحر کی مدد کی کیا ضرورت ہے بحر سے کھنچ بیٹھتا ہے۔ اور تو نے اپنے دل کو دل سمجھ لیا پس لامحالہ تو نے اہل دل سے قطع تعلق کر لیا۔ اچھا تو ہی انصاف سے کہدے کہ کیا تو اس کو جائز رکھتا ہے کہ دل کی یہ حالت ہو کہ خدا سے غافل ہو کر دودھ اور شہد وغیرہ لذائذ کی محبت میں گرفتار ہو جاوے۔ ہم نہیں خیال کرتے کہ تو اگر ذرا بھی انصاف سے کام لے گا تو اس کو جائز رکھے گا۔ تو اب تو ہی انصاف کرے کہ تیرا دل جسکی یہ ہی حالت ہے دل کہلانے کا مستحق ہے یا نہیں۔ اُمید ہے تو یہ ہی کہیگا کہ نہیں اور واقع میں بھی ایسا ہی ہے کیونکہ دل کا کام یہ ہرگز نہیں کہ وہ لذائذ دنیویہ میں مصروف ہو اسلئے کہ دودھ اور شہد وغیرہ کی خوبی تو خوبی دل کا عکس ہے۔ اور جس دنیوی چیز میں جو کوئی اچھائی ہے وہ دل ہی سے حاصل ہے۔ کیونکہ دل اگر ٹھیک ہو تو ہر چیز میں مزہ ہے اور اگر اُسکی حالت خراب ہو تو پھر کسی چیز میں بھی لطف نہیں جب یہ حالت ہے تو دل اصل ہوا اور تمام عالم اُسکا تابع اور عکس۔ اب تم سمجھ لو کہ عکس دل کیونکر مطلوب دل ہو سکتا ہے۔ پس ثابت ہوا کہ جو دل مال اور جاہ کا عاشق ہے یا دوسرے الفاظ میں یوں کہو کہ وہ اس جوہڑے کا مغلوب ہے یا یوں کہو کہ وہ ان اشیاء کا مغلوب ہے جو ایک وہم و خیال سے زیادہ

وقعت نہیں رکھتیں اور جنکو وہ گھُپ اندھیرے میں واقعیات سمجھکر پوج رہا ہے محض برائے نام اور کہنے کو دل ہے ورنہ حقیقت میں دل نہیں۔ کیونکہ دل تو وہی ہے جو نور سے لبریز ہوا سکے علاوہ کوئی دل نہیں کیونکہ ناممکن ہے کہ دل محل نظر خداوندی ہو اور پھر اندھا اور بے نور ہو۔ پس اصل دل تو لاکھوں عوام اور خواص میں بھی نہ ملے گا۔ بلکہ ایک آدھ ہی کے پاس ہوگا۔ لہذا اُسکو تلاش کرو۔ اور دیکھو کہ وہ کون ہے اور اپنے دل کو جسکو دلکا ایکذرا سا ٹکڑا کہنا چاہیئے چھوڑ کر دل کو ڈھونڈو۔ تاکہ یہ ریزہ ہی اُسکی بدولت پہاڑ بنجا وے یاد رکھو کہ افاضہ اور استفاضہ کے لئے دو چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے اول مستفیض کی طلب بشرائط کی دوم مفیض کی عنایت وسخاوت کی سو یاد رکھو کہ مفیض کی طرف سے تو تقصیر نہیں کیونکہ دل اپنے افاضہ اور احسان وجود کے لحاظ سے عالم وجود کو محیط ہے اور وہ اپنے احسان اور اپنی سخاوت کا سونا لٹا رہا ہے۔ اور حق سے سلامتی حاصل کرکے اپنے اختیار سے عالم پر سلامتیاں بکھیر رہا ہے۔ جسکا دامن درست اور پھیلا ہوا ہے۔ وہ بکھیر اس تک پھونچتی ہے اور اس سے مستفیض ہوتا ہے اب اگر کمی ہے تو تمہاری طرف سے کہ تمہارا دامن درست اور پھیلا ہوا نہیں۔ لہذا تم محروم ہو۔ پس تم کو چاہیئے کہ دامن کو خالی رکھو اور اسکو پھیلاؤ۔ لیکن دامن سے متعارف دامن مراد نہیں بلکہ وہ دامن عجز اور حاضر خدمت ہونا ہے۔ پس تم اس دامن کو پھیلاؤ اور خالی رکھو یعنی نافرمانی کے اینٹ پتھر اس میں نہ بھرو۔ تاکہ وہ ان پتھروں سے پھٹکر اُس بکھیر کے روکنے کے ناقابل نہ ہوجاوے۔ دیکھنا سونے اور ملمع میں امتیاز کرنا اور سونے کے بدلے اور کچھ نہ بھرلینا۔ اب تک تو نے اپنے دامن میں متعارف سونے چاندی وغیرہ کے پتھر بھرے اور تیری مثال لڑکوں کی سی ہوگئی کہ جسطرح وہ پتھروں کو چاندی سونا سمجھکر دامن بھر لیتے ہیں یوں ہی تو نے اس متعارف چاندی سونے کو اصل چاندی سونا سمجھکر دامن بھر لیا۔ اس کے بوجھ سے تیرا دامن صدق وخلوص پھٹ گیا۔ یعنی اُن کی محبت میں پھنسکر تیرے اندر اہل اللہ کے ساتھ نہ اخلاص نہ رہا۔ اور چونکہ وہ خیالی چاندی سونا اصلی چاندی سونا نہ تھا اسلئے واقع میں غم ہی بڑھا خوشی کچھ بھی نہ ہوئی۔ گو وہ غم تمکو محسوس نہیں ہوتا۔ جس کی وجہ یہ ہے کہ تم اس چاندی سونے کو

حقیقی چاندی سونا سمجھتے ہو اور خیالی نہیں سمجھتے۔ اور یہ بعید نہیں کیونکہ جب تک عقل ان کو نہیں سنبھالتی۔ اسوقت تک لڑکوں کو بھی ہنر بہتر نہیں معلوم ہوتے بلکہ وہ اس کو سونا ہی سمجھتے ہیں۔ تم کو یہ خیال نہ کرنا چاہیئے کہ بچوں کو تو بچپن کیوجہ سے دہوکہ ہوتا ہے ہم تو بڈھے ہیں ہم کو دہوکہ کیسے ہو سکتا ہے کیونکہ بزرگی بعقلست نہ بسال بڑا تو آدمی عقل سے ہوتا ہی سفید بالوں سے نہیں ہوتا یہاں بالوں کو کچھ بھی دخل نہیں پس چونکہ تمہیں عقل نہیں اسلئے اب بھی بچے ہی ہو۔

شرح شبیری

تو دلا منظور حق آنگہ شوئے ۔۔۔ کہ چو جزوے سوئے کل خود روی

یعنی اے دل تو منظور حق اُسوقت ہوگا جبکہ جزو کی طرح اپنے کل کیطرف چلا جاوے گا یعنی تم اپنی اصل کیطرف رجوع ہو جاؤ اُسوقت منظور حق ہو سکتے ہو۔

حق ہمی گوید نظر مان بر دل است ۔۔۔ نیست بر صورت کہ آن آب و گل است

یعنے حق تعالی فرماتے ہیں کہ ہماری نظر دل پر ہے اور صورت پر نہیں ہے کیونکہ وہ تو آب و گل ہے۔ حدیث میں ہے کہ ان اللہ لا ینظر الی صورکم ولکن ینظر الی قلوبکم اسی طرف اس شعر میں اشارہ ہے۔

تو ہمی گوئی مرا دل نیز ہست ۔۔۔ دل فراز عرش باشد نے بہ پست

یعنے تم کہتے ہو کہ ہمارے بھی دل ہے (ارے) دل تو بلندی عرش پر ہوتا ہے نہ کہ پستی میں۔ مطلب یہ کہ جو اصل میں دل یعنی جو کہ لطائف میں داخل ہے وہ تو بالائے عرش ہی ہے باقی یہ قلب صنوبری تو متعلق قلب ہے قلب نہیں ہے تو تمہارا اس دل کو دل کہنا غلط ہے آگے اس کی ایک مثال فرماتے ہیں۔

در گل تیرہ یقین ہم آب ہست ۔۔۔ لیک ازان آبے نشاید آبدست

یعنی تیرہ کیچڑ میں یقیناً پانی ہوتا ہے لیکن اُس پانی سے تم کو آبدست نہ چاہیئے۔

زانکہ گر آب ست مغلوب گل است　　　پس دل خود را مگو کاین ہم دل است

یعنی اس لئے اگرچہ پانی ہے مگر مغلوب گل ہے پس تم اپنے دل کو بھی مت کہو کہ یہ بھی دل ہے۔ مطلب یہ کہ دیکھو کیچڑ میں بھی پانی ہوتا ہے مگر وہ پانی بے کار ہوتا ہے اور کسی کام کا نہیں ہوتا اُس سے طہارت حاصل نہیں ہو سکتی اسی طرح اگرچہ تمہارا قلب صنوبری نام کا دل ہے مگر اصلی دل جس کا کام توجہ الی الحق ہے نہیں ہے

آں دلے کز آسمانہا برترست　　　آں دل ابدال یا پیغمبرست

یعنی جو دل کہ آسمانوں سے برتر ہے وہ دل یا تو اولیاء اللہ کا ہے یا پیغمبروں کا ہے (اُسکی یہ حالت ہے کہ)

پاک گشتہ آں ز گل صافی شدہ　　　در فزونی آمدہ وافی شدہ

یعنی وہ گل سے پاک شدہ ہے اور صاف شدہ ہے اور ترقی میں آیا ہوا ہے اور کافی ہو۔

ترک گل کردہ سوئے بحر آمدہ　　　رستہ از زنداں و گل بحری شدہ

یعنے اُس نے گل کو ترک کر دیا ہے اور بحر کیطرف آیا ہے اور زندان و گل سے چھوٹکر بحر کیطرف آیا ہوا ہے گل سے مراد ناسوت اور بحر سے مراد حضرت حق مطلب یہ کہ وہ دل اولیاء انبیاء کا اس ناسوت سے قطع تعلق کر کے متوجہ بحق ہو چکا ہے۔

آب ما محبوس گل ماندست ہین　　　بحر رحمت جذب کن ما را ز طین

یعنی ہمارا آب۔ گل میں پھنسا ہوا ہے ہاں اے بحر رحمت ہمکو طین سے جذب کر لے یعنی ہمارا قلب ناسوت میں پھنسا ہوا ہے اے اللہ اُس کو اپنی طرف جذب فرما لیجئے۔

بحر گوید من ترا در خود کشم　　　لیک میدانی کہ من آب خوشم

یعنی بحر کہتا ہے کہ میں تجھے اپنے میں کھینچ تو لوں لیکن تو تو یہ جانتا ہے کہ میں آب وخوش ہوں۔

لاف تو محروم می دارد ترا　　　ترک آں پنداشت کن در من درآ

یعنے تیری شیخی تجھے محروم رکھتی ہے تو اس پندار کو ترک کر اور میرے اندر چلا آ۔ مطلب یہ کہ جب دعاء کرتے ہیں تو حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں تجھے جذب تو کر لوں مگر تو تو اپنے کو کامل سمجھے ہوئے ہے اس لئے خود ادہر آنا ہی نہیں چاہتا تو اس بت پندار کو توڑ ڈال اسکے

بعد آپھر دیکھہ جذب ہوتا ہے یا نہیں۔

آب وگل خواہد کہ در دریا رود　　　گل گرفتہ پائے او وا مے کشد

یعنی آب وگل چاہتا ہے کہ دریا میں جاوے مگر گل اُس کے پاؤنکو پکڑے ہوئے کھینچ رہی ہے مطلب یہ کہ قلب متوجہ بحق ہونا چاہتا ہے مگر یہ اشیاء ناسوتی اُسکو اپنی طرف کھینچے ہوتے ہیں اور اُسطرف جانیں نہیں دیتیں۔

گر رہاند پائے خود از دست گل　　　گل بماند خشک وا و شد منتقل

یعنی اگر یہ اپنے پاؤں دست گل سے چھڑا لے تو گل تو خشک رہجاوے اور یہ منتقل ہو جاوے مطلب یہ کہ اگر یہ اس ناسوت سے قطع تعلق کر دے تو یہ ناسوت تو یونہیں رہجاوے اور یہ ملکوت کیطرف منتقل ہو جاوے آگے اس مثال کو خود تطبیق دیتے ہیں کہ۔

آن کشیدن چیست از گل آب را　　　جذب تو نقل و شراب ناب را

یعنی وہ کھینچنا گل کیطرف سے آب کو کیا ہے تمہارا نقل کو اور شراب ناب کو جذب کرنا ہے۔ نقل کہتے ہیں اُس شئے کو جو بعد شراب کے کہائی جاتی ہے مراد تلذذات و تنعمات مطلب یہ کہ تم جو ان تلذذات و تنعمات میں پھنسے ہوئے ہو بس یہ ہی عالم ناسوت کیطرف کشش ہے۔

ہمچنین ہر شہوتے اندر جہان　　　خواہ مال وخواہ جان وخواہ نان

یعنی ایسطرح ہر شہوت جہان میں خواہ وہ مال ہو خواہ جان ہو خواہ نان ہو۔

خواہ باغ ومرکب و تیغ ومجن　　　خواہ ملک وخانہ وفرزند وزن

یعنی خواہ باغ ہو یا مرکب ہو یا تلوار ہو یا ڈھال ہو یا ملک ہو یا گھر ہو یا فرزند وزن ہو۔

ہر یکے زینہا ترا مستی کند　　　چون نیابی آن خمارت میکند

یعنے ہر ایک ان میں سے تجھے مستی کرتی ہے اور جب تو ان کو نہیں پاتا ہے تو تجھے خمار کرتی ہے۔ مطلب یہ ہے یہ جسقدر اشیاء ناسوتی ہم نے تمکو بتائی ہیں یہ ہی تم کو مست کرتی ہیں اور لپنے اندر لگائے رہتی ہیں اور دلیل اس کی یہ ہے کہ جب تمکو یہ چیزیں نہیں ملتی ہیں تو تمکو ایک قسم کا خمار ہو جاتا ہے جیسے کہ منشیات کو کہانے والوں کو منشیات کو نہ ملنے سے ایک

خمار ہوتا ہے اسیطرح ان اشیاء کے نہ ملنے سے تم کو جو ایک غم ہوتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ یہی چیزیں جب تمہارے پاس ہوتی ہیں تو تم کو مست رکھتی ہیں آگے خود فرماتے ہیں کہ۔

این خمار غم دلیل آن شدہ است ـ کہ بدان مفقود مستیت بدست

یعنی یہ غم کا خمار دلیل اس کی ہے کہ اُس مفقود سے تمکو مستی تھی (اور اس مستی ہی کیوجہ سے ان کیطرف جذب ہوتا ہے اور تمام ملکوت سے دوری ہوتی ہے تو اب تم کو چاہیئے کہ)

جز باندازہ ضرورت زین مگیر ـ تا نگردد غالب و بر تو امیر

یعنی بجز اندازۂ ضرورت کے اس سے مت لے تاکہ یہ تجھ پر غالب اور امیر نہ ہو جاویں۔ (تو تجھے چاہیئے تو یہ تھا مگر تو نے یہ کیا کہ)

سرکشیدی تو کہ من صاحب دلم ـ حاجت غیرے ندارم واصلم

یعنی تو نے سرکشی کی کہ میں تو صاحبدل ہوں اور کسی غیر کی حاجت نہیں رکھتا میں تو واصل ہوں

آنچنانکہ آب در گل سر کشد ـ کہ منم آب و چرا جویم مدد

یعنی جیسے کہ آب گل میں سرکشی کرنے لگے کہ میں تو آب ہوں میں مدد کیوں تلاش کروں۔ (تو نتیجہ یہ ہوگا کہ ہمیشہ اُسی طرح سڑے گا اور کبھی ترقی نصیب نہ ہوگی اسیطرح تم اس پندار میں پھنکر یہیں رہ گئے ہو اور یہ عالم ناسوت تم کو ترقی سے مانع ہو گیا ہے) آگے فرماتے ہیں کہ۔

دل تو این آلودہ را پنداشتے ـ لاجرم دل ز اہل دل بر داشتے

یعنی دل تو نے اس آلودہ کو سمجھ رکھا ہے اس لئے دل کو اہل دل سے برداشتہ کر رکھا ہے یعنی تم نے چونکہ اس دل کو دل سمجھا ہے جو آلودۂ دنیا ہے اور یہ دل اہل دل کے پاس ہے نہیں تو اس لئے تم اُن سے دل برداشتہ ہو رہے ہو ورنہ اگر تم دل کی حقیقت سمجھ لیتے تو اہل دل سے ہرگز برداشتہ خاطر نہ ہوتے آگے بطور سوال فرماتے ہیں کہ۔

خود روا داری کہ آن دل باشد این ـ کہ بود در عشق شیر و انگبین

یعنی کیا تم جائز رکھتے ہو کہ وہ (تمہارا) دل یہ ہووے جو کہ شیر و انگبین کے عشق میں ہوتا ہے۔

لطف شیر و انگبین عکس دل است ـ ہر خوشے را آن خوشی از دل حاصل است

یعنی شیر و انگبین میں جو لطف ہے وہ عکس دل کا ہے اور ہر خوب کے لئے وہ خوبی دل ہی سے حاصل ہے مطلب یوں سمجھو کہ یہ تو معلوم ہے کہ تمام عالم مظہر ہے اسمار آلہیہ کا اور اُن میں سے مظہر اتم و اکمل وجامع انسان ہے اور دیگر اشیار خاص خاص اسمار کے مظاہر ہیں پھر جسکے مظہر ہیں اُس میں بھی ناقص ہیں اور انسان مظہریت میں کامل ہے تو اب ایسا ہے گویا کہ مظہر اسمار ہونے میں انسان تو اصل ہے اور باقی سب چیز میں اس کی فرع اور اُسکے عکس ہیں تو فرماتے ہیں کہ شیر و انگبین میں جو لطافت آئی ہے یہ بھی تو مظہر ہے اسم حق کا اور انسان اس اسم کے مظہر میں بھی اکمل ہے تو گویا کہ ان کی لطافت فرع ہے لطافت قلب کی تو کیا تم یوں چاہتے ہو کہ تمہارا قلب جو کہ اصل ہے وہ فرع اور تابع بن جاوے آگے اور اوصاف فرماتے ہیں کہ۔

پس بود دل جوہر و عالم عرض سایۂ دل چوں بود دل را غرض

یعنی پس دل تو (اصل ہونے کے اعتبار سے) جوہر ہوگا اور یہ تمام عالم (تابع ہونے کے اعتبار سے) عرض ہوا۔ تو دل کا مقصود سایۂ دل کسطرح ہو جاوے گا۔ یعنی جو شئے کہ تابع تھی وہ اُس کا مقصود کس طرح بنجاوے گی۔ آگے فرماتے ہیں کہ

آن دلے کو عاشق مالست و جاہ یا زبون ایں گل و آب و سیاہ

یعنی وہ دل جو کہ عاشق مال و جاہ ہے یا اس آب و سیاہ و گل میں مغلوب ہو رہا ہے۔

یا خیالاتے کہ در ظلمات او می پرستد شان برائے گفتگو

یعنی یا وہ خیالات کہ جو ظلمات میں ہیں اُن کی پرستش کرتا ہے (تو ایسا دل) برائے گفتن ہی ہے۔

دل نباشد غیر آن دریائے نور دل نظرگاہ خدا وانگاہ کور

یعنے دل بجز دریائے نور کے نہیں ہوتا دل نظرگاہ خدا کی ہوا ور پھر اندھا ہو۔ مطلب یہ ہے کہ جو دل کہ عاشق مال و جاہ یا خیالات ظلمانی ہے وہ دل ہی نہیں بلکہ دل تو وہ ہے جو کہ خالص نورانی ہے اس لئے کہ دل نظرگاہ حق ہے۔ بھلا جو شئے کہ خدا کی نظرگاہ ہو وہ کہیں اندھی بھی ہو سکتی ہے۔ آگے فرماتے ہیں کہ۔

نے دل اندر صد ہزاران خاص و عام　　در یکے باشد کدام است آن کدام

یعنی کیا دل لاکھوں خاص و عام میں ایک ہی میں نہیں ہوتا اور وہ کہاں ہے کہاں ہے۔ مطلب یہ کہ اہلی دل والا تو لاکھوں میں ایک ہی ہوتا ہے اور پھر وہ بھی بہت کمیاب ہے۔

ریزۂ دل را بہل دل را بجو　　تا شود آن ریزہ چوں کوہے ازو

یعنی ریزۂ دل کو ترک کر اور (اہل) دل کو تلاش کر و تاکہ یہ ریزہ بھی اُس کی وجہ سے مثل ایک کوہ کے ہو جاوے۔ ریزۂ دل سے مراد دل صنوبری ہے۔ مطلب یہ کہ اُس کی طرف سے التفات ہٹاؤ اور اہل دل کو تلاش کرو کہ اُن کی صحبت سے تمہارا یہ دل بھی کام کا ہو جاوے گا۔

دل محیط است اندریں خطہ وجود　　زر ہمی افشاں داز احسان و جود

(یعنی اہل دل اس خطہ وجود کو محیط ہیں اور احسان وجود سے زر افشانی کر رہے ہیں۔

از سلام حق سلامتہا نثار　　میکند بر اہل عالم ز اختیار

یعنی حق تعالیٰ کے سلام سے سلامتیاں اہل عالم پر اپنے اختیار سے نثار کر رہے ہیں۔ اہل دل سے یہاں مراد قطب الارشاد ہے۔ مطلب یہ ہے کہ قطب الارشاد جو ہوتا ہے تمام خطہ عالم پر محیط ہوتا ہے اور حق تعالیٰ کیطرف سے سلامتیوں کو اہل عالم پر نثار کرتا ہے۔

ہر کرا دامن درست ست او معد　　آن نثار دل برآنکس مے رسد

یعنی جس شخص کا دامن درست ہے اور درست ہے وہ ذا اہل دل کا نثار اُس پر پہونچتا ہے۔

دامن تو آن نیاز است وحضور　　ہین منہ در دامن آن سنگ فجور

یعنی تمہارا دامن وہ نیاز مندی اور حضور ہے تو تم اپنے دامن میں سنگ فجور مت بھرو۔

تا ندرد دامنت زان سنگہا　　تا بدانی نقد را از رنگہا

یعنی تاکہ تمہارا دامن اُن پتھروں سے پھٹ نہ جائے اور تاکہ تم نقد کو رنگوں سے ممتاز کرکے جان لو۔ مطلب یہ ہے اگر تمکو نیاز مندی اور حضور قلب حاصل ہے تو تمپر وہ نثار بھی پہونچیگا اور تم اُس سے فیضیاب ہوگے۔ اور اگر تم نے اس دامن نیاز وحضور کو سنگہائے فسق و فجور بھر کر پھاڑ لیا تو اُسوقت تم اُن فیوض کو اُن حضرات سے حاصل نہیں کر سکتے۔

سنگ پُر کردی تو دامن از جہاں　　ہم ز سنگ سیم و زر چوں کودکاں

یعنی تم نے دامن کو اس جہان سے پُر ز سنگ کر لیا ہے اور سیم و زر کے پتھروں سے بھی مثل بچوں کے۔ مطلب یہ ہے کہ جس طرح نادان بچے پتھروں کو روپئے پیسے سمجھکر اُن سے دامن بھر لیتے ہیں اسی طرح تمنے ان ملذذات و تنعمات کو لذیذ جانکر اُن سے اپنے دامن کو پر کر لیا ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ تمہارا وہ دامن نقدی پارہ پارہ ہو جاتا ہے

آں خیال سیم و زر چوں زر نبود　　دامن صدقت درید و غم فزود

یعنی وہ خیال سیم و زر کا جب زر نہ تھا تو تمہارے دامن صدق کو اسنے پھاڑ دیا اور غم زیادہ ہو گیا۔ مطلب یہ کہ جس کو تم زر سمجھتے تھے چونکہ اصل میں وہ زر نہ تھا لہٰذا اُس کو جب تم نے اپنے دامن میں بھرا تو پتھروں نے تمہارے دامن نیاز و حضوری و تقویٰ کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔

کے نماید کودکاں را سنگ سنگ　　تا نگیرد عقل دامن شاں بچنگ

یعنی بچوں کو سنگ سنگ کب معلوم ہوتا ہے جب تک کہ اُن کے دامن کو عقل چنگل میں نہ پکڑ لے۔ مطلب یہ کہ جب تک بچوں کو عقل نہیں آتی اُسوقت تک وہ پتھر کو پتھر نہیں سمجھتے بلکہ اونکو روپیہ پیسے سمجھکر اُن سے خوش ہوتے ہیں۔ اسی طرح جب تک ہمکو عقل باطن حاصل نہ ہوگی اُسوقت تک ہم ان تلذذات و تنعمات کو مایۂ حیات سمجھیں گے اب یہاں کوئی کہتا ہے کہ ہمتو بچے نہیں ہماری عمر تو اسی برس کی ہو گئی ہے تو ہم جو اس دنیا میں لگے ہوئے ہیں ہم اس میں داخل نہیں ہیں۔ مولانا اسکا جواب دیتے ہیں کہ

پیر عقل آمد نہ آں موئے چو شیر　　مو نمی گنجد درینجا اے فقیر

یعنی پیر تو عقل ہوتی ہے نہ وہ دودھ جیسے بال اور اے درویش اس جگہ بال بھی نہیں سماتا۔ مطلب یہ ہے کہ بزرگی بعقلست نہ بسال

اس سے کچھ نہیں ہوتا۔ کہ اتنے برس کے بوڑھے ہو گئے کام تو اس سے چلتا ہے کہ عقل ہو۔ تو جب دین کی عقل تم کو نہیں ہے تو تم ابھی بچے ہو۔ ایک اور جگہ مولانا خود فرماتے ہیں کہ ؎ خلق اطفال اند جز مست خدا۔ نیست بالغ جز رہیدہ از ہوا ۔ آگے پھر قصہ بیان فرماتے ہیں۔

شرح حبیبی

چوں رہید آں کشتی و آمد بکام — شد نماز آں جماعت ہم تمام

فجفجے افتادشاں با ہمدگر — کیں فضولے نیست از ما ای پدر

ہر یکے با ہمدگر گفتند ستر — از پس پشت دقوقی مستتر

گفت ہر یک من نکردستم کنوں — ایں دعا نے از بروں نے از دروں

گفت مانا ایں امام ما ز درد — بوالفضولانہ مناجاتے بکرد

گفت آں دیگر کہ اے یار قریں — مر مرا ہم می نماید ایں چنیں

او فضولے بودہ است از انقباض — کرد بر مختار مطلق اعتراض

چوں نگہ کردم سپس تا بنگرم — کہ چہ میگویند آں اہل کرم

یک از ایشاں را ندیدم در مقام — رفتہ بودند از مقام خود تمام

نے چپ و نے راست نے بالا و زیر — چشم تیز من نشد بر قوم چیر

درہا بودند گوئی آب گشت — نے نشان پا و نے گرد بدشت

در قباب حق شدند آندم ہمہ — در کدامیں روضہ رفتند آں ہمہ

در تحیر ماندہ ام کایں قوم را — چوں بپوشانید حق از چشم ما
آنچناں پنہاں شدند از چشم او — مثل غوطہ ماہیاں در آب جو
سالہا در حسرت ایشاں بماند — عمرہا در شوق ایشاں اشک راند
تو نگوئی مرد حق را در نظر — کے در آید با خدا ذکر بشر
خر ازیں میخسپد ایں جای فلاں — کہ بشر دیدی تو ایشاں را نہ جاں
کار ازیں ویراں شدہ است اے مرد خام — کہ بشر دیدی تو ایشاں را چو عام
تو ہمہ دیدی کہ ابلیس لعین — گفت من از آتشم آدم ز طین
چشم ابلیسانہ را یکدم ببند — چند بینی صورت آخر چند چند
اے دقوقی با دو چشم ہمچو جو — ہیں مبر امید و ایشاں را بجو
ہیں بجو کہ رکن دولت جستن است — ہر گشادے در دل اندر بستن است
از ہمہ کار جہاں پرداختہ — کو و کوئے گو بجاں چوں فاختہ
نیک بنگر اندریں اے محتجب — کہ دعا را بست حق بر استجب
ہر کرا دل پاک شد از اعتدال — آں دعایش می رود تا ذوالجلال

جب تک کہ وہ کشتی گرداب سے نکلے اور منزل مقصود تک پہونچے۔ اتنے میں ان لوگوں کی نماز بھی ختم ہو گئی اور مقتدیوں میں آپسمیں کھُس پھُس ہونے لگی کہ جس نے یہ دعا کی ہے ہمیں میں سے کوئی ہے ہم سے باہر نہیں ہے وہ دقوقی کے پیچھے بیٹھے ہوئے چپکے چپکے آپسمیں اسی قسم کی باتیں کر رہے تھے اور ہر ایک کہتا تھا کہ بھائی میں۔ نے تو یہ حرکت نہیں کی نہ دل میں بیش زبان سے۔ جب سب نے انکار کر دیا تو کسی نے کہا

کہ ہو نہ ہو یہ ہمارے امام صاحب ہیں کہ اُن کی تکلیف سے متاثر ہو کر خواہ مخواہ دعا کی ہے۔ دوسرے نے کہا کہ یار کہتے تو ٹھیک ہو مجھے بھی ایسا ہی معلوم ہوتا ہے۔ مگر وہ خواہ مخواہ ہیں کہ انھوں نے دوسروں کی تکلیف سے منقبض ہو کر مختار مطلق کی مزاحمت کی۔ اب دقوقی کہتے ہیں کہ جب میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا کہ دیکھوں تو سہی یہ حضرات کیا باتیں کر رہے ہیں تو مجھے ایک بھی وہاں نہ دکھائی دیا کیونکہ وہ سب کے سب اپنی اپنی جگہ سے چلدیئے تھے میں نے ہر چند اُن کو دیکھا لیکن میری تیز نظر نہ اُنپر دائیں جانب غالب آئی نہ بائیں جانب نہ اوپر نہ نیچے۔ یعنی وہ مجھے کہیں نہ دکھائی دیئے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ موتی تھے جو پگھل کر پانی ہو گئے کہ نہ پاؤں کا نشان ہے نہ جنگل میں دھول اڑتی ہے۔ غرضکہ وہ حق سبحانہ کے قبوں میں چلے گئے۔ اور معلوم نہیں کہ وہ کس باغ میں چلدیئے مجھے حیرت ہے کہ ان لوگوں کو حق سبحانہ نے دفعۃً میری نظر سے کیوں غائب کر دیا۔ اور اس میں کیا مصلحت تھی وہ دفعۃً یوں غائب ہو گئے جیسے مچھلیاں ندی میں غوطہ مار جاتی ہیں غرضکہ دقوقی برسوں اسی طرح افسوس کرتے رہے اور بہت زمانہ تک اونکے اشتیاق میں روتے رہے تم یہ اعتراض نہ کرنا کہ اہل اللہ کی نظر میں خدا کے ساتھ آدمیوں کا بھی کہیں ذکر آتا ہے۔ جب کہ نہیں آتا تو یا تو یہ واقعہ غلط ہی یا دقوقی ولی کامل نہ تھے۔ اس لیئے کہ وہ انسانوں کے طالب تھے۔ کیونکہ تمہارا گدھا اس مقام پر اس لیئے سو جاتا ہے اور تم حقیقت تک پہونچنے سی محروم رہ جاتے ہو کہ تم اہل اللہ کو عام آدمیوں کی طرح آدمی سمجھتے ہو۔ اور اُنکو جان کی طرح مطلوب نہیں سمجھتے۔ اور کام یوں ہی بگڑا ہے کہ تم کو اُن کی حقیقت نہ معلوم ہوئی بلکہ اُنکو بھی عوام کے مثل ایک معمولی آدمی سمجھا۔ اور جسطرح ابلیس نے کمالات آدم کو نظر انداز کر کے صرف صورت پر نظر کی تھی اور کہا تھا کہ میں اس سے بہتر ہوں اس لیئے کہ میں آگ سے پیدا ہوا ہوں اور یہ مٹی سی

یوں ہی تم نے اُن کو اُسی نظر ابلیسانہ سے دیکھا۔ اور صورت میں عوام سے مشابہت دیکھکر اپنے جیسا سمجھ لیا۔ ارے بھلے مانس آخر صورت کو کب تک مدنظر رکھے گا۔ اس ابلیسی آنکھ کو بند کرا اور اُن کی حقیقت کو دیکھ اے دقوقی آپ اس معترض کی طرف التفات نہ کریں اور اپنی ندی کی طرح آنسو بہانے والی آنکھوں سے آنسو بہاتے رہیں اور امید منقطع نہ کریں اور برابر اُن کو ڈھونڈھتے رہیں۔ ہاں خوب ڈھونڈھیے۔ اس لیئے کہ مدار دولت ڈھونڈھنا ہی ہے۔ اور اہل اللہ کے ساتھ دلبستگی ہی ہر مشکل کے حل ہونے کا ذریعہ ہے۔ آپ دنیا کے تمام کام چھوڑکر جستجو میں لگ جایئے اور فاختہ کی طرح کو کو کرتے رہیئے اگر کسی محجوب کو میری اس گفتگو میں شک ہو تو میں اُس سے کہوں گا کہ دیکھ حق سبحانہ نے دعا کو استجب کے ساتھ ملایا ہے اور کہا ہے ادعونی استجب لکم اس سے ثابت ہوا کہ طلب ہی حصول مقصد کا سبب عادی ہے اور جسکا دل نجاسات باطنیہ و امراض روحانیہ سے پاک ہوتا ہے اُس کی دعا حق سبحانہ تک پہونچکر مقبول بھی ہوتی ہے

شرح شبیری

اُس جماعت اولیا کا دقوقی کی دعا و شفاعت کو سنکر سمجھنا اور غائب ہو جانا اور دقوقی کا حیران ہونا کہ یہ لوگ ہوا میں اُڑ گئے یا زمین میں چھپ گئے

چوں رہید آں کشتی و آمد بکام	شد نماز آں جماعت ہم تمام

یعنی جب وہ کشتی چھوٹ گئی اور اپنے مقصود پر آگئی تو اس جماعت کی نماز بھی پوری ہو گئی ۔

فخفخے افتاد شاں باہمدگر کیں فضولی راکہ کرد از ما ز شر

یعنی اُن لوگوں میں آپسمیں ایک کھ پچ پڑگئی کہ اس فضول حرکت کو ہم میں سے کسنے کیا ہے شر کی وجہ سے۔

ہر یکے باہمدگر گفتند سر از پس پشت دقوقی مستتر

یعنی ہر ایک نے ایک دوسرے سے چپکے چپکے دقوقی کی پس پشت کہا۔ یعنی سب نے ایک دوسرے سے انکی پس پشت پوچھا کہ یہ حرکت کس نے کی ہے

گفت ہر یک من نکردستم کنوں ایں دعائے از بروں نے از دروں

یعنی ہر ایک نے کہا کہ میں نے اسوقت یہ دعا نہ باہر سے کی ہے اور نہ اندر سے یعنی نہ لب سے کچھ دعا کی اور نہ دل سے۔ بات یہ ہے کہ ان لوگوں کو اتنا تو کشف ہوا کہ کسی نے دعا کی ہے اور یہ بھی ہوا کہ کی ہے ہم میں سے ہی مگر یہ پتا نہ چلا کہ کس نے کی ہے اس لیئے یہ ساری گڑبڑ ہوئی۔

گفت مانا کایں امام ما ز درد بوالفضولانہ مناجاتے بکرد

یعنی وہ بولے کہ یقیناً ہمارے اس امام نے درد کی وجہ سے بوالفضولوں کی طرح یہ مناجات کی ہے۔

گفت آں دیگر کہ اے یار یقیں مر مرا ہم می نماید ایں چنیں

یعنی دوسرے نے کہا اے یار یقیناً مجھے بھی ایسا ہی معلوم ہوتا ہے۔

او فضولے بودہ است از انقباض کرد بر مختار مطلق اعتراض

یعنی وہ انقباض کی وجہ سے فضولی ہو گیا ہے کہ مختار مطلق پر اعتراض کیا۔ مطلب یہ کہ کشتی کو ڈوبتے دیکھکر اوسکو انقباض ہوا اور دل دکھا تو حق تعالیٰ پر اعتراض شروع کر دیا۔ اعتراض سے یہ مراد ہے کہ اللہ میاں نے ڈوبانا چاہا اور اسنے اُن کے خلاف منشاء دعا کی۔ جب اُن کا اسپر اتفاق ہو گیا کہ ان ہی حضرت کی

یہ دعا ہے تو وہ سب اُن کے پیچھے سے چلد یئے آگے خود کہتے ہیں کہ۔

چون نگہ کردم سپس تا بنگرم | کہ چہ می گویند آں اہل کرم

یعنی جب میں نے پیچھے دیکھا تا کہ میں دیکھوں کہ وہ اہل کرم کیا کہہ رہے ہیں۔

یک ازیشاں را ندیدم در مقام | رفتہ بودند از مقام خود تمام

یعنی اُن میں سے ایک کو بھی اُسجگہ میں نے نہ دیکھا اور وہ سارے کے سارے اپنی جگہوں سے چلدیئے تھے۔

نے بچپ نے راست نے بالا و زیر | چشم تیز من نشد بر قوم چیر

یعنی نہ بائیں تھے نہ دائیں نہ اوپر نہ نیچے میری چشم تیز اوس قوم پر غالب نہ ہوسکی

درہا بودند گوئی آب گشت | نے نشان پائے نے گردے بدشت

یعنی وہ موتی تھے گویا کہ پانی ہوگئے کہ نشان پاؤں کا نہ کوئی گرد جنگل میں

در قباب حق شدند آندم ہمہ | در کدامیں روضہ رفتند آں رمہ

یعنی وہ سارے اوسیوقت حق تعالیٰ کے قبوں میں چلے گئے (اور نہ معلوم) وہ جماعت کونسے باغ میں چلی گئی۔

در تحیر ماندہ ام کایں قوم را | چوں بپوشانید حق از چشم ما

یعنی میں تحیر میں رہگیا کہ اس قوم کو حق تعالیٰ نے ہماری آنکھ سے کسطرح پوشیدہ کردیا۔ آگے مولانا فرماتے ہیں کہ

آنچناں پنہاں شدند از چشم او | مثل غوطہ ماہیاں در آب جو

یعنی وہ لوگ اوس دقوقی کی نگاہ سے ایسے پوشیدہ ہوئے جیسے مچھلیوں کا غوطہ آب جو میں (کہ اوسکا کوئی اثر ہی نہیں رہتا۔ اسی طرح اُن کے جانے کا بھی کوئی نشان وغیرہ کہیں نہ تھا)

سالہا در حسرت ایشاں بماند | عمرہا در شوق ایشاں اشک راند

یعنی دقوقی اون لوگوں کی حسرت میں سالہا سال تک رہے اور ایک عمر تک اونکے شوق میں آنسو بہائے۔ آگے ایک اعتراض کو بیان فرماکر اوسکا جواب فرماتے ہیں کہ

تو نگوئی مرد حق اندر نظر　　　کے در آرد با خدا ذکر بشر

یعنی تم کہیں یہ نہ کہو کہ مرد حق اپنی نظر میں خدا کے ساتھ بشر کا ذکر کب لاتا ہے مطلب یہ کہ بھلا جب دقوقی مرد حق ہیں تو اونکو تلاش خدا کرنی چاہیئے تھی یہ ان آدمیوں کی تلاش میں کیوں پڑے۔ اور تلاش بھی ایسی کہ روتے روتے ایک عمر گذار دی۔ آگے جواب فرماتے ہیں کہ۔

خر ازیں میخسپد اینجا اے فلاں　　　کہ بشر دیدی تو ایشاں را نہ جاں

یعنی اے فلاں گدہا اسیوجہ سے اسجگہ سوتا ہے کہ تو نے اونکو صرف بشر دیکھا جان نہ دیکھا۔ مطلب یہ ہے کہ ترقی سے مانع یہی بات ہے اور سواری یہیں آکر سو رہتی ہے آگے نہیں چلنے دیتی۔ کہ تم اون حضرات کو صرف بشر سمجھے ارے اون کے اندر علاوہ بشریت کے اور صفات بھی تو ہیں کہ وہ اللہ والے تھے دقوقی اونکو بحیثیت اس کے کہ وہ اللہ والے تھے۔ تلاش کر رہے تھے نہ کہ اونکی بشریت کی وجہ سے اونکے متلاشی تھے۔ آگے فرماتے ہیں کہ۔

کار ازیں ویراں شدہ است اے مرد خام　　　کہ بشر دیدی تو ایشاں را چو عام

یعنی اے مرد خام کام اسیوجہ سے ویران ہو گیا ہے کہ تو نے اونکو دیگر عوام کی طرح (صرف) بشر ہی دیکھا۔

تو ہماں دیدی کہ ابلیس لعیں　　　گفت من از آتشم آدم ز طیں

یعنی تو نے وہی دیکھا جیسا کہ ابلیس لعین نے کہا کہ میں تو آتش سے ہوں اور آدم مٹی سے ہیں۔ مطلب یہ کہ جسطرح کہ ابلیس نے صرف اون کا مٹی سے ہونا تو دیکھا اور اون کے دیگر کمالات نہ دیکھے۔ اسی طرح تو نے ان حضرات کا بشر ہونا تو دیکھا اور اون کے دیگر کمالات پر نظر نہ کی۔

چشم ابلیسانہ را یکدم ببند　　　چند بینی صورت آخر چند چند

یعنی اُس چشم شیطانی کو ایک دم کے لیئے بند کر لے اور صورت کو آخر کہاں تک دیکھے گا۔ یعنی صرف صورت کے دیکھنے کو چھوڑ کمالات پر بھی نظر کر۔ آگے فرماتے

ہیں کہ۔

اے دقوقی با دو چشم ہمچو جو　　ہیں مبر امید وایشاں را بجو

یعنی اے دقوقی اپنی دونوں ندی جیسی آنکھوں سے اونکو تلاش کر اور امید قطع مت کر۔

ہیں بجو کہ رکن دولت جستن است　　ہر کشادے در دل اندر بستن است

یعنی ہاں تلاش کر کہ دولت کا رکن تلاش کرنا ہی ہے اور دلمیں ہر کشادگی بستہ کرنے سے ہی ہے۔ مطلب یہ کہ اولیا کی تلاش میں لگے رہو کہ یہ طلب اور تلاش ہی وہ شئے ہے کہ جو دولت باطنی کا رکن اعظم ہے اور اولیاء اللہ میں دل لگائے رکھو کہ اس دلبستگی ہی سے کشادگی دلکی حاصل ہوگی۔

از ہمہ کار جہاں پرداختہ　　کو و کو مے گو بجاں چوں فاختہ

یعنی جہان کے تمام کاموں سے فارغ ہوکر جان و دل سے فاختہ کیطرح کوکو کہتا رہ۔ یعنی تلاش میں لگا رہ۔

نیک بنگر اندریں اے محتجب　　کہ دعا را بست حق بر استجب

یعنی اے محجوب ذرا اسمیں اچھی طرح غور کرلے کہ حق تعالی نے دعا کو استجب پر باندھا ہے۔ قرآن شریف میں ارشاد ہے کہ وا ذقال ربکم ادعونی استجب لکم تو دیکھو حق تعالے نے فرمایا ہے کہ دعا کرو تو میں قبول کروں گا لہذا چاہیئے کہ حق تعالے سے دعا کرے اور تلاش اور جستجو میں لگا رہے اور فرماتے ہیں کہ۔

ہر کرا دل پاک شد از اعتدال　　آں دعایش میرود تا ذوالجلال

یعنی جس کا قلب کہ اعتدال کی وجہ سے پاک ہوتا ہے تو اس کی دعا حق تعالی تک جاتی ہے۔ مطلب یہ کہ اول قلب کو پاک کرو اوسکے بعد دعا کرو انشاءاللہ ضرور قبول ہوگی۔ چونکہ یہاں دعا کا ذکر آیا ہے تو آگے اس گائے والے کا قصہ بیان فرماتے ہیں۔

شرح حبیبی

یاد م آمد آں حکایت کاں فقیر | روز و شب می کرد افغان و نفیر
از خدا میخواست روزے حلال | بے شکال رنج و کسب و انتقال
پیش ازیں گفتیم بعضے حال او | لیک تعویق آمد و شد پنج تو
ہم بگوئیمش کجا خواہد گریخت | چوں ز ابر فضل حق حکمت بریخت
صاحب گاوش بدید و گفت ہیں | اے بہ ظلمت گاو من گشتہ رہیں
ہیں چرا کشتی بگو گاو مرا | ابلہ طرار انصاف اندر آ
گفت من روزی ز حق میخواستم | قبلہ را از لابہ مے آراستم
سالہا بود است کار من دعا | تا کہ بفرستاد گاوے را خدا
چوں بدیدم گاو را بر خاستم | روزی من بود کشتم میخواستم
آں دعائے کہنہ ام شد مستجاب | روز من بود کشتم نک جواب

جب کہ گفتگو ذکر قبول دعا تک پہونچی تو مجھے وہ قصہ یاد آگیا کہ وہ فقیر رات دن چلاتا اور آہ و فغاں کرتا تھا اور خدا سے مشقت اور کمائی اور کہیں آنے جانے کی دقت کے بغیر حلال روزی مانگتا تھا۔ اس کا واقعہ ہم پیشتر کسیقدر بیان کر چکے ہیں مگر بعض موانع پیش آگئے اور شد بد بھی ہو گئی اس لیے اسکو پورا نہ کر سکے۔ لیکن جب کہ فضل خدا کے ابر سے حکمت کا مینھ برس رہا ہے جو مقتضی ہے اسکے اتمام کو اس لیے وہ بھاگ کر کہاں جاویگا ہم اوسکو پورا ہی کر کے رہیں گے وہ قصہ یہ ہے کہ اوسکو گائے کے قابض نے دیکھا تو کہا کہ ہاں رے ہاں تیرے ہی ظلم میں میری گائے

محبوس ہوئی ہے اچھا تو یہ تو بتا کہ تو نے میری گائے کو کیوں مار ڈالا۔
اور او احمق گٹھ کٹے تو ہی انصاف کر کہ یہ کہاں تک تیرے لیئے جائز تھا
اوسنے جواب دیا کہ میاں بات یہ ہے کہ میں خدا سے بے مشقت حلال روزی
مانگتا تھا اور قبلہ کو الحاح وزاری سے مزین کیا کرتا تھا برسوں تک یہ دعا کرتا ہی
میرا کام رہا۔ حتیٰ کہ خدا نے میرے لیئے گائے بھیجدی۔ جب میں نے گائے
کو دیکھا تو میں اُس کے پکڑنے کے لیئے اٹھا کیونکہ وہ میری روزی تھی جسکو
میں خدا سے مانگتا تھا۔ اور میں نے اوسکو پکڑ لیا اور چونکہ میری وہ دعا جو
میں ایک عرصہ سے مانگ رہا تھا مقبول ہو چکی تھی پس میں سمجھتا تھا کہ وہ میری
روزی ہے لہذا میں نے مار ڈالا۔ تو مجھ سے جواب طلب کرتا تھا لے
یہ جواب ہے۔

شرح شبیری

اوس حلال روزی کو بے کسب و محنت کے طالب کی حکایت کی دوبارہ شرح اور اوسکی دعا کا مستجاب ہونا

یادم آمد آں حکایت کاں فقیر　　　روز و شب میکرد افغان و نفیر

یعنی مجھے وہ حکایت یاد آگئی کہ وہ فقیر دن رات فغان و نفیر کیا کرتا تھا۔

از خدا میخواست روزی حلال　　　بے شکار و کسب و رنج انتقال

یعنی وہ خدا سے روزی حلال بے شکار اور کمائی اور رنج انتقال کے
مانگا کرتا تھا۔

پیش ازیں گفتیم بعض از حال او　　　لیک تعویق آمد و شد پنج تو

یعنی ہمنے اوس کا بعض حال پہلے بھی بیان کیا ہے لیکن (درمیانمیں) تعویق آگئی اور وہ پیچ تو ہو گیا۔

ہم بگوئیمش کجا خواہد گریخت — چوں ز ابر فضل حق حکمت بریخت

یعنی ہم اُس قصہ کو بیان کریں گے۔ بھاگ کر کہاں جاوے گا۔ جب کہ ابر فضل حق سے حکمت ریختہ ہوئی۔ مطلب یہ کہ جب اوس کے بیان میں بہت سے حکم ہیں تو ہم اوسکو ضرور بیان کریں گے۔ بہاگ کر کہاں جاوے گا بس آگے قصہ بیان فرماتے ہیں کہ۔

صاحب گاوش بدید و گفت ہیں — اے بہ ظلمت گاو من گشتہ رہیں

یعنی اوس شخص کو صاحب گاؤ نے دیکھا تو کہا کہ ارے تیرے ظلم میں میری گائے مرہون ہو گئی ہے۔

ہیں چرا کشتی بگو گاو مرا — ابلہ طرار انصاف اندر آ

یعنی ارے بتا تو نے میری گائے کو کیوں مارا ارے بیوقوف طرار انصاف تو کر۔

گفت من روزی ز حق میخواستم — قبلہ را از لابہ مے آراستم

یعنی اُس نے کہا کہ میں حق تعالےٰ سے روزی مانگا کرتا تھا اور قبلہ کو تفرع وزاری سے آراستہ کیا کرتا تھا۔

سالہا بودہ است کار من دعا — تا کہ بفرستاد گاوے را خدا

یعنی سالہا سال تک میرا کام دعا کرنا تھا یہانتک کہ خدائے تعالےٰ نے ایک گائے بھیجی۔

چوں بدیدم گاو را برخاستم — روزی من بود کش میخواستم

یعنی جب میں نے گائے کو دیکھا تو میں اوٹھ بیٹھا۔ اور وہ تو میری روزی تھی جس کو میں نے مانگا تھا۔

آں دعائے کہنہ ام شد مستجاب — روزی من بود کشتم ناسجواب

یعنی وہ میری پورانی دعا مستجاب ہوگئی وہ میری روزی تھی میں نے اُسے مار لیا بس یہ جواب ہے۔

شرح حبیبی

او ز خشم آمد گریبانش گرفت — چند مشتے زد برویش ناشگفت

می کشیدش تا بداؤد نبے — کہ بیا اے ظالم گیج غبے

حجت بارد رہا کن اے دغا — عقل در تن آور و با خویش آ

ایں چہ میگوئی دعا چہ بود مخند — بر سر و ریش من و خویش اے لوند

گفت من با حق دعاہا کردہ ام — اندریں لابہ بسے خوں خوردہ ام

من یقیں دارم دعا شد مستجاب — سر بزن بر سنگ اے منکر خطاب

گفت گرد آئید ہیں اے مسلمیں — ژاژ بینید و فشار ایں لعیں

اے دغا تا چند خائی ژاژ را — حجت قاطع بگو چہ بود دعا

اے مسلماناں دعا مال مرا — چوں از آنِ او کند بہر خدا

گر چنیں بودے ہمہ عالم بدیں — یک دعا املاک بردندے بکیں

گر چنیں بودے گدایان ضریر — محتشم گشتہ بدندے و امیر

روز و شب اندر دعا اندر ثنا — لابہ گویاں کہ تو دہ مال اے خدا

تا تو ندہی ہیچکس ندہد یقیں — اے کشائندہ تو بکشا بند ایں

کسب کوراں بود لابہ و دعا — جز لب نانے نیابند از عطا

قوم گفتند ایں مسلماں راست گوست — ویں فروشندہ دعاہا ظلم جوست

این دعا کے باشد از اسباب ملک | کے کشد این را شریعت خود بسلک

بیع و بخشش یا وصیت یا عطا | یا ز جنس این شود ملک ترا

در کدامین دفتر است شرع تو ؟ | گاو را تو باز ده یا حبس رو

اندر آ در حبس و در زندان او | ورنہ گاوش را بدہ حجت مگو

او بسوئے آسمان می کرد رو | کاے خداوند کریم لطف خو

من دعاہا کردہ ام زیں آرزو | واقعہ ما را کہ داند غیر تو

در دل من آں دعا انداختی | صد امید اندر دلم افراختی

من نمی کردم گزافہ آں دعا | ہمچو یوسف دیدہ ام بس خوابہا

دید یوسف آفتاب و اختراں | پیش او سجدہ کناں چوں چاکراں

اعتمادش بود بر خواب درست | در چہ و زنداں جز آں را می نجست

ز اعتماد او نبودش ہیچ غم | از غلامی و ملامم بیش و کم

اعتمادے داشت او بر خواب خویش | کہ چو شمعے می فروزیدش ز پیش

چوں در افگندند یوسف را بچاہ | بانگ آمد سمع او را از الہ

کہ تو روزے شہ شوی اے پہلواں | تا بمالی ایں جفا بر روئے شاں

قائل ایں بانگ ناید در نظر | لیک دل بشناخت قائل را ز اثر

قوتے ور لختے و مسندے | درمیان جاں فتادش زاں ندے

چاہ شد بر وے بداں بانگ جلیل | گلشن و بزمے چو آتش بر خلیل

ہر جفا کہ بعد از انش میرسید | او بداں قوت بشادی می کشید

ہمچنانکہ ذوق آں بانگ الست | در دل ہر مومنے تا حشر ہست

تا نباشد در بلاشاں اعتراض — نے ز امر و نہی حق شاں انقباض

لقمۂ تلخے چو شکر مے شود — خار ریحاں سنگ گوہر می شود

لقمۂ حکمے کہ تلخی می نہد — گلشکر آنرا گوارش می دہد

گلشکر آنرا کہ نبود مستند — لقمہ را ز انکار او قے میکند

ہر کہ خوابے دید از روز الست — مست باشد در رہ طاعات مست

مے کشد چوں اشتر مست ایں جوال — بے فتور و بے گمان و بے ملال

کفک تصدیقش بگرد پوز او — شد گواہِ مستیٔ دلسوز او

اشتر از قوت چو شیر نر شدہ — زیر ثقل بار اندک خور شدہ

ز آرزوئے ناقہ صد فاقہ برو — مینماید کوہ پیشش تار مو

در الست آنکو چنیں خوابے ندید — اندریں دنیا نشد بندہ مرید

ور بشد اندر تردد صد دلہ — یکزماں شکرستش و سالے گلہ

پائے پیش و پائے پس در راہ دیں — می نہد با صد تردد بے یقیں

وام دار شرح اینم نک گرو — ور ثنا بست از الم نشرح شنو

چوں ندارد شرح ایں معنے کراں — خر بسوئے مدعی گاؤ راں

گفت کورم خواند زیں جرم آں دغا — پس بلبیسانہ قیاس است اے خدا

من دعا کورانہ کے میکردہ ام — جز بخالق گر بہ کے آوردہ ام

کور از خلقاں طمع دارد ز جہل — من ز تو کز تست ہر دشوار سہل

آں یکے کورم ز کوراں بشمرید — او نیاز جان و اخلاصم ندید

کوری عشقست ایں کوری من — حب یعمی و یصم ست ای حسن

کورم از غیر خدا بینا بدو — مقتضائے عشق ایں باشد نکو

تو کہ بینائی ز کورانم مدار — دائر بر گرد نقطہ ایں مدار

آنچنانکہ یوسف صدیق را — خواب بنمودی و گشتش متکا

مر مرا لطف تو ہم خوابے نمود — آں دعائے بیحدم بازی نبود

می نداند خلق اسرار مرا — ژاژ می دانند گفتار مرا

حق نہانست و کہ داند راز غیب — غیر علام سر و ستار عیب

خصم گفتش رو بمن کن حق بگو — رو چہ سوئے آسماں کردی عمو

شید می آری غلط مے افگنی — لاف عشق و لاف قربت میزنی

با کدامی روئے چوں دل مردہ — روئے سوئے آسمانہا کردہ

غلغلے در شہر افتادہ ازیں — آں مسلماناں می نہد رو بر زمیں

کائے خدا ایں بندہ را رسوا مکن — گر بدم من سر من پیدا مکن

تو ہمی دانی و شبہائے دراز — من ہمی خواندم ترا با صد نیاز

پیش خلق ایں را اگر خود قدر نیست — پیش تو ہمچوں چراغ روشنی است

گاؤ می خواہند از من اے خدا — چوں فرستادی نکردم من خطا

یہ جواب سنکر وہ شخص غصہ میں اوس کی طرف بڑھا۔ اور اس کا گریبان پکڑ کر بیتابانہ چند گھونسے اُس کے منہ پر مارے اور یہ کہکر اُسکو کھینچنے لگا کہ او ظالم احمق اور کودن تو داؤد علیہ السلام کے پاس چل۔ اور کہا کہ تو حواس درست کر ہوش میں آ اور معاملہ کی بات پر لغو دلیلیں چھوڑ تو یہ کیا کہہ رہا ہے کہ میں نے دعا کی تھی۔ بھلا اس معاملہ میں دعا کو دخل کیا۔ نہ تو مجھ سے مسخرا بن کر اور نہ خود اپنے سے۔ اوسکی

پھر یہی جواب دیا کہ جناب میں نے بہت سی دعائیں خدا سے کی ہیں اور اس معاملہ میں میں نے بہت خون جگر کھایا ہے اور مجھے یقین ہے کہ وہ دعائیں قبول ہوئیں اور حق سبحانہ نے مجھے حلال روزی دی تو نہیں مانتا تو اپنا سر پھوڑ لے جب اس نے دوبارہ بھی یہی جواب سنا تو کہا کہ مسلمانوں ذرا یہاں آؤ اور اس ملعون کی بیہودہ بکواس اور لغویت دیکھو۔ ارے دغا باز یہ بکواس کب تک۔ تو اسے چھوڑ اور کوئی معقول وجہ بیان کر تو سمجھ تو سہی کہ تحلیل ملک غیر میں دعا کو کیا دخل۔ ارے مسلمانوں خدا کے لیے انصاف کرو۔ کہ دعا میرے مال کو اس کی ملک کیونکر کر سکتی ہے۔ اگر یہ بھی کوئی طریقہ تملک کا ہوتا تو تمام لوگ آپس میں ایک دوسرے کی ملک کو دعا سے اپنی ملک بنا لیا کرتے۔ نیز اگر ایسا ہوتا تو یہ اندھے بھکاری دولتمند اور امیر ہو جاتے۔ کیونکہ وہ رات دن دعا و ثنا میں مصروف ہیں اور بالحاح وزاری کہتے ہیں کہ اے اللہ تو ہمیں مال دیدے جب تک تو نہ دے گا یقیناً کوئی نہیں دے سکتا۔ اے بندشوں کے کھولنے والے تو ہی اس بندش کو کھول۔ اور کہیں سے مال دے۔ اونکی تو رات دن میں یہ دعا ہی کمائی ہے اسکے سوا اور کچھ وہ کرتے ہی نہیں۔ مگر باایں ہمہ اونکو صرف روٹی کا ایک ٹکڑا ملتا ہے اور تجھکو گائے ملگئی۔ وہ بھی اس طرح کہ مالک کو خبر بھی نہیں۔ یہ مجھے دار تقریر سنکر لوگوں نے کہا کہ واقعی یہ مسلمان سچ کہتا ہے اور یہ جو بہت دعائیں دعائیں گا رہا ہے اسپر ظلم کرنا چاہتا ہے۔ واقعی بات یہ ہے کہ دعا ملک کا سبب کیسے ہو سکتی ہے اور اس قانون کو شریعت اپنے اندر کیسے شامل کر سکتی ہے آدمی کی جو کوئی شئے مملوک ہوتی ہے تو یا بیع سے یا تصدق سے یا وصیت سے یا ہبہ سے یا اسی قسم کے کسی اور سبب سے۔ یہ مسئلہ کسی کتاب میں ہے کہ دعا سے بھی کوئی شئے ملک ہو سکتی ہے۔ پس دو صورتیں ہیں یا تو گائے واپس دو۔ یا جیلخانہ جانا منظور کرو۔ اگر گائے نہیں دیتے تو جیلخانہ میں جاؤ۔ اور جیلخانہ جانا منظور نہیں تو گائے دو۔ فضول باتیں مت کرو۔ لوگ یہ کہہ رہے تھے اور وہ آسمان کی طرف

رخ کرکے یہ کہہ رہا تھا کہ اے مالک اے کریم اے رحیم آپ جانتے ہیں کہ میں نے
رزق حلال کے لیئے بہت دعائیں کی ہیں اس واقعہ کو کماحقہٗ آپ کے سوا کوئی
نہیں جانتا۔ اور یہ بھی آپ جانتے ہیں کہ وہ دعائیں آپ ہی نے میرے دلمیں
ڈالی تھیں اور آپ ہی نے میرے دلمیں بہت سی امیدیں پیدا کی تھیں اور میں نے
وہ دعائیں خواہ مخواہ نہ کی تھیں بلکہ یوسف علیہ السلام کی طرح بہت سے خواب
اپنی کامیابی کے دیکھے تھے تب کی تھیں۔ اب مولانا واقعہٗ یوسف علیہ السلام کی تفصیل
فرماتے ہیں اور اوسکے متعلق مضمون ارشادی بیان فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یوسف
علیہ السلام نے آفتاب اور گیارہ ستاروں کو دیکھا تھا کہ وہ مجھے سجدہ کر رہے ہیں
اور انکو اپنی اس صحیح خواب پر ایسا کامل اعتماد تھا کہ قید خانہ میں بھی وہی خواب اونکے
پیش نظر تھا اور اس اعتماد کے سبب نہ اونکو اپنی غلامی کا رنج تھا نہ کم و بیش ملامت
کا۔ غرضکہ اونکو اپنے اس خواب پر جو اونکے سامنے شمع کی طرح روشن تھا کامل اعتماد
تھا۔ یہ تو اس واقعہ کی تفصیل تھی جس کا اس فقیر نے اپنی دعامیں حوالہ دیا تھا اب
اونکے اعتماد کا ایک دوسرا واقعہ سنو جو اسی کے ملحقات میں سے ہے۔ جبکہ اونکو
کنوئیں میں ڈالا گیا تھا تو حق سبحانہ کی طرف سے اون کے کان میں ایک آواز آئی
کہ تم ایک روز بادشاہ ہو جاؤ گے تاکہ تم بھائیوں کی اس زیادتی کو جتلا کر ان کو شرمندہ
کرسکو گو یہ آواز دینے والا اونکو نظر نہ آتا تھا مگر وہ اس کے منجانب اللہ ہونے
کو اوسکے اثر سے جانتے تھے۔ کیونکہ اس آواز سے ان کے دل میں ایک خاص
قوت اور سکون اور اعتماد پیدا ہوگیا تھا۔ اور اس آواز کے باعث وہ کنواں ان کے
لیئے اسقدر راحت دہ ہوگیا تھا جیسے کوئی باغ یا کوئی خوشی کی محفل جسطرح کہ اُن کے
جدامجد ابراہیم علیہ السلام کے لیئے آگ گلزار ہوگئی تھی اور اوسکا یہ نتیجہ تھا کہ جو تکلیف
انکو بعد کو پیش آتی وہ تکلیف اوس قوت کے سبب مفضے الی السرور ہو جاتی
حضرت یوسف علیہ السلام کے دلمیں اوس آواز کی یوں ہی لذت تھی اور وہ لذت
اون کے لیئے آلام کو یوں ہی ہلکا کر دیتی تھی جس طرح کہ آواز الست بربکم کی لذت

حشر تک ہر مومن کے دل میں رہے گی۔ جسکا یہ نتیجہ ہے کہ نہ اونکو مصیبتوں میں حق سبحانہ سے کوئی شکایت ہوتی ہے اور نہ اوامر و نواہی سے اُنکی طبیعت میں انقباض ہوتا ہے اس کے سبب کڑوا لقمہ اُون کے لیئے شیریں اور خار ریحان اور پتھر موتی ہو جاتا ہے اور جو لقمہ رحکم کہ مومن کی طبیعت میں تلخی اور بدمزگی پیدا کرتا ہے جس کے سبب وہ اُسکو اوگلنا چاہتا ہے تو فوراً وہ ندائے الست کی گلقند اوسکو خوشگوار بنا دیتی ہے۔ برخلاف اس کے جس کا اس گلقند پر اعتماد نہیں یعنی یہ گلقند اوس کو حاصل نہیں وہ اوسکا انکار کر کے اوسکو اوگل دیتا ہے۔ اور جو شخص روز الست کا خواب دیکھتا ہے یعنی اوسکو معرفت حق سبحانہ حاصل ہو گئی ہے وہ تو راہ طاعات میں مست ہوتا ہے اور مست اونٹ کی طرح اس بوجھ کو کھینچتا ہے۔ نہ اُسکو کچھ شک و شبہ ہوتا ہے نہ وہ اُکتاتا ہے اور نہ سستی کرتا ہے۔ اور تصدیق لسانی کے جھاگ جو اس کے منہ پر ہیں اوسکی باطنی دل سوز مستی کا ثبوت ہوتے ہیں۔ یعنی وہ زبان سے بھی اونکی اطاعت کا اقرار کرتا ہے اور یہ دلیل ہے اوسکی باطنی مستی کی۔ ہمنے اوپر کہا تھا کہ وہ مست اونٹ کی طرح اس بوجھ کو کھینچتا ہے اب سنو کہ اونٹ کی مستی میں کیا حالت ہوتی ہے۔ وہ قوت میں ایک شیر نر ہو جاتا ہے بھاری بوجھ کے نیچے رہکر کھانے کی بھی زیادہ پرواہ نہیں کرتا۔ وہ اونٹنی کی آرزو میں سیکڑوں فاقہ برداشت کرتا ہے۔ اور اوس کی قوت کی یہ حالت ہوتی کہ پہاڑ کے برابر مشکلات کو بھی بال کی مانند حقیر سمجھتا ہے جب معلوم ہو گیا تو اب اس تشبیہ کی حقیقت بھی واضح ہو گئی۔ یہ حالت تو اوسکی تھی جس نے یہ خواب دیکھا تھا۔ اب اوسکی حالت سنو جس نے یہ خواب نہیں دیکھا۔ ایسا شخص دنیا میں عبد اور منقاد نہیں ہوتا اور اگر ہو بھی گیا تو متردد ہوتا ہے اور سیکڑوں طرح کے خیالات آتے ہیں اگر تھوڑی دیر شکر کرتا ہے تو سال بھر شکایت کرتا ہے۔ راہ میں کبھی پاؤں آگے رکھتا ہے کبھی پیچھے غرضکہ اوسکو یقین حاصل نہیں ہوتا۔ بلکہ متردد رہتا ہے یہ مضمون میں تمہارے پاس رہن رکھتا ہوں اور اس کی شرح کا میں قرض دار ہوں۔ جب

خدا کرے گا ادا کر دونگا۔ اور اگر تم کو بہت جلدی ہے تو میں ایک ساہو کار بتائے دیتا ہوں۔ اوس سے وصول کر لو۔ وہ ساہو کار الم نشرح ہے کیونکہ اس سے معلوم ہوتا ہے شرح صدر بھاری بوجھوں کو ہلکا کر دینے والا بلکہ اونکو اوتار کر الگ رکھنے والا ہے چونکہ تفصیل اس کی بیحد ہے اس لیئے اسکو ختم کرنا چاہیئے اور مدعی گاؤ کی طرف رخ کرنا چاہیئے۔ ہاں تو وہ شخص حق سبحانہ سے دعا کر رہا تھا اور کہہ رہا تھا کہ اے اللہ یہ دغاباز مدعی مجھکو اس جرم میں اندھا بناتا ہے اور آپ جانتے ہیں کہ یہ قیاس اوسکا ویسا ہی ہے جیسا شیطان نے کہا تھا کیونکہ میں نے بھیک مانگنے والوں کی طرح اندھے پن سے دعا نہیں کی تھی اور خدا کے سوا کسی سے بھیک نہیں مانگی اندھا بھکاری تو اپنی جہالت سے لوگوں سے طمع رکھتا ہے اور میں تجھ سے کیونکہ ہر مشکل کے آسان کرنے والے آپ ہی ہیں۔ اس اندھے نے مجھے بھی اندھوں میں شمار کر لیا۔ اور میری عاجزی اور اخلاص کو نہ دیکھا۔ مانا کہ میں اندھا ہوں مگر میرا اندھاپن ویسا نہیں ہے جیسا وہ سمجھتا ہے بلکہ وہ اندھاپن ایسا ہے جیسا کہ عشق الٰہی میں ہوتا ہے کیونکہ محبت کا قاعدہ ہے کہ وہ غیر محبوب سے اندھا بہرا کر دیتی ہے پس میں غیر خدا سے اندھا ہوں اور خدا کے لحاظ سے بینا اور یہ مقتضائے عشق نہایت ہی اچھا ہے نہ کہ مذموم جیسا کہ وہ احمق سمجھتا ہے اے اللہ وہ تو اندھا ہے اس لیئے مجھے اندھا کہتا ہے اور تو میری حالت کو دیکھتا ہے تو مجھے اندھوں میں داخل نکرنا۔ پس میں تو اسی دائرہ کے مرکز کے گرد گھومتا ہوں یعنی میں یہی چاہتا ہوں کہ آپ مجھے برا نہ سمجھیں جسطرح آپ نے یوسف علیہ السلام کو خواب دکھلایا تھا اور اسپر اونکو اعتماد ہو گیا تھا۔ یوں ہی آپ نے اپنی عنایت سے مجھے بھی خواب دکھلایا تھا اور اوسکی بنا پر یہ میری دعائیں تھیں لہذا یہ دعائیں کھیل نہ تھیں لوگو نکو میرے اسرار معلوم نہیں اسلیئے وہ میرے بیان کو بکواس سمجھتے ہیں۔ اس معاملہ میں حق پوشیدہ ہی اور غیب کا راز سوائے آپکے کہ آپ عالم الغیب اور ستار عیب ہیں اکوئی نہیں جانتا۔

اسیر مدعی نے کہا کہ آسمان کی طرف کیا منہ کرتا ہے میری طرف دیکھ اور حق بات کہہ تو دھوکا کرتا ہے اور غلطی میں ڈالنا چاہتا ہے کہ عشق بازی اور تقرب حق کی شیخی مارتا ہے جب غذائے حرام سے تیرا دل مردہ ہے تو کیا منہ لیکر تو آسمان کی طرف منہ کرتا ہے۔ یہ واقعہ تمام شہر میں مشہور ہو گیا۔ مگر اس فقیر کی یہی حالت تھی کہ وہ سجدے میں پڑ کر حق سبحانہ سے دعائیں کرتا اور کہتا تھا کہ اے اللہ اپنے اس ناچیز بندے کو رسوا نہ کرنا اگر میں برا بھی ہوں تب بھی میرا راز ظاہر نہ کرنا۔ اے اللہ تو جانتا ہے کہ میں تجھ سے نہایت خشوع و خضوع سے دعائیں مانگتا تھا اور اگر مخلوق کو میری دعا کی قدر نہیں تو تیرے نزدیک تو یہ امر مثل روشن چراغ کے ظاہر ہے۔ یہ لوگ مجھ سے گائے مانگتے ہیں لیکن جبکہ وہ آپکی بھیجی ہوئی تھی تو اُس کے ذبح کرنے میں میرا کوئی قصور نہیں لہذا یہ لوگ مجھ پر خواہ مخواہ ظلم کرتے ہیں۔

شرح شبیری

فریقین کا داؤد علی نبینا وعلیہ السلام کے پاس جانا

اوز خشم آمد گریبانش گرفت	چند مشتے زد بر ویش ناشگفت

یعنی صاحب گائے غصہ میں آگیا اور اُسکا گریبان پکڑ کر اُس کے منہ پر بےصبر ہو کر چند گھونسے مارے۔

می کشیدش تا بداؤد نبے	کہ بیا اے ظالم گیج غبے

یعنی اُسکو داؤد نبی تک کھینچ رہا تھا کہ اے ظالم دیوانہ غبی آ۔ یعنی اُسکو کھینچتا ہوا داؤد کے پاس لیچلا۔

حجت بارد رہا کن اے دغا	عقل در تن آور و با خویش آ

یعنی حجت افسردہ کو ترک کر اے دغاباز عقل کو بدن میں لا اور خودی میں آ۔

این چہ میگوئی دعا چہ بد مخند / بر سر و ریش من و خویش اے لوند

یعنی تو یہ کہتا ہے دعا کیا ہوتی ہے میرے اور اپنے سر و ریش پر اے رند ہنس مت مطلب یہ کہ میری اور اپنی ہنسی مت کرا۔

گفت من با حق دعاہا کردہ ام / اندریں لا بہ بسے خوں خوردہ ام

یعنی اُس نے کہا کہ میں نے تو خدا کے تعالےٰ سے دعائیں کی ہیں اور اس تضرع میں بہت خون پیا ہے۔

من یقیں دارم دعا شد مستجاب / سر بزن بر سنگ اے منکر خطاب

یعنی میں یقیں رکھتا ہوں کہ (میری) دعا مستجاب ہو گئی اور اے منکر کلام تو (اپنا) سر پتھر پر مار۔

گفت گرد آئید ہیں اے مسلمیں / ژاژ بیند و فشار ایں مہیں

یعنی وہ (گائے والا) بولا کہ اے مسلمانوں جمع ہو جاؤ اور اس ذلیل کی بیہودگی اور فشار دیکھو۔ (اور بولا کہ)

اے دغا تا چند خائی ژاژ را / حجت قاطع بگو چہ بود دعا

یعنی اے دغاباز کب تک بیہودہ باتیں کرے گا کوئی حجت قاطع لا دعا کیا ہوتی ہے (اور بولا کہ)

اے مسلمانان دعا مال مرا / چو ازاں او کند بہر خدا

یعنی اے مسلمانوں میرے مال کو دعا اوسکی ملک سے کسطرح کر دے گی خدا کے واسطے (بتاؤ تو)

گر چنیں بودے ہمہ عالم بدیں / یک دعا املاک بردندے بکیں

یعنی اگر ایسا ہی ہوا کرتا تو سارے عالم میں ایک دعا سے تمام املاک کو کینہ سے لیجایا کرتا۔

گر چنیں بودے گدایان ضریر / محتشم گشتہ بدندے و امیر

یعنی اگر ایسا ہوتا تو اندھے فقیر محتشم ہو جاتے اور امیر ہو جاتے واسلیئے کہ

روز و شب اندر دعا اندو ثنا — لابہ گویان کہ تو ماں دہ اے خدا

یعنی رات دن دعا اور ثنا میں تضرع کرنے والے ہیں کہ اے خدا تو ہم کو دے (اور کہتے ہیں کہ)

تا تو ندہی ہیچکس ندہد یقین — اے کشائندہ تو بکشا بند ایں

یعنی جب تک تو نہ دے گا یقیناً کوئی نہ دے گا۔ اے کھولنے والے تو ہی اس بند کو کھول۔

مکسب راں بود لابہ دعا — جز لب تانے نیابند از عطا

یعنی اندھوں کی کمائی تو تضرع و دعا ہی ہے اور بجز ایک ٹکڑہ روٹی کے وہ عطا میں سے کچھ نہیں پاتے مطلب یہ کہ دیکھو اور اندھے جو دعا کرتے ہیں تو انکو بجز اس کے کہ ایک ٹکڑہ روٹی کا ملجاوے اور کچھ بھی نہیں ملتا۔ یہ کہاں نکلا ہے کہ اوسکو دعا سے گائے ملگئی۔

خلق گفتند ایں مسلماں راست گواست — دیں فروشندہ دعا با ظلم جواست

یعنی لوگ بولے کہ یہ مسلمان سچا ہے اور یہ دعا کا بیچنے والا ظلم کا تلاش کرنی والا ہے۔

ایں دعا کے باشد از اسباب ملک — کے کشد ایں را شریعت خود بسلک

یعنی یہ دعا اسباب ملک سے کب ہو سکتی ہے۔ اور اسکو شریعت اپنی لڑی میں کب کھینچ سکتی ہے مطلب یہ کہ شریعت میں مالک ہونے کا طریقہ دعا کرنا کوئی نہیں ہے۔ بلکہ۔۔

بیع و بخشش یا وصیت یا عطا — یا ز جنس ایں شود ملکے ترا

یعنی بیع یا ہبہ یا وصیت یا عطا یا اس کی جنس سے کوئی اور ملک تمہارے لیئے ہو۔

در کدامیں دفتر است ایں شرع تو — گاو را تو باز دہ یا حبس رد

یعنی تیری یہ شرع کونسے دفتر میں ہے تو گائے کو یا تو واپس دے یا قید میں

جا۔ (اور بولے کہ)

اندر آ در حبس و در زندانِ او ورنہ گاوش را بدہ حجت مگو

یعنی حبس و زندان میں آ ورنہ گائے اوسکی دے اور حجت مت کر (جب اُسنے دیکھا کہ دنیا میں کوئی میری بات کو نہیں سنتا تو اس نے اللہ میاں سے کہنا شروع کیا)

او بسوئے آسماں می کرد رو کاے خداوند کریم لطف خو

یعنی اُس نے آسمان کی طرف منہ کیا کہ اے خداوند کریم لطف خو!

من دعاہا کردہ ام زیں آرزو واقعہٴ ما را نداند غیر تو

یعنی میں نے اس آرزو میں بہت سی دعائیں کی ہیں اور ہمارے واقعہ کو سوائے آپ کے کوئی نہیں جانتا۔

در دلِ من آں دعا انداختے صد امید اندر دلم افراختے

یعنی میرے دل میں آپ نے ہی وہ دعا ڈالی۔ اور میرے دل میں سو امیدیں آپ نے بلند کیں

من نمی کردم گزافہ آں دعا ہمچو یوسف دیدہ ام بس خوابہا

یعنی میں نے وہ دعا فضول نہ کی تھی۔ مثل یوسف کے میں نے بہت سے خواب دیکھے ہیں۔ مطلب یہ کہ جسطرح کہ یوسف علیہ السلام نے خواب دیکھا اور اُس کی تعبیر سچی ہوئی اسی طرح مجھے بھی یقین ہے کہ میری ان دعاؤں کا اثر بھی یقیناً صحیح ہوگا۔

دید یوسف آفتاب و اختراں پیش او سجدہ کناں چوں چاکراں

یعنی یوسفؑ نے آفتاب اور ستاروں کو اپنے سامنے نوکروں کی طرح سجدہ کرتے ہوئے دیکھا۔

اعتمادش بود بر خوابِ درست در چہ و زنداں جز آں را می نجست

یعنی اونکو اپنی خواب پر اعتماد تھا تو کنویں اور زنداں میں سوائے اوسکے (اور کسیکو) تلاش نہ کرتے تھے۔ مطلب یہ کہ اونکو اسقدر اعتماد تھا کہ کنویں میں گر کر اور زنداں میں رہکر اونکو یہی امید تھی کہ وہ خواب ضرور صحیح ہوگا۔

زاعتماد آں نبودش ہیچ غم　　　از غلامی واز ملام بیش وکم

یعنی اوس کے اعتماد کی وجہ سے اونکو غلامی اور بیش وکم ملامت سے کوئی غم نہ تھا۔

اعتمادے داشت او بر خواب خویش　　　کہ چو شمعے میفروزید ش از پیش

یعنی وہ اپنے خواب پر ایسا اعتماد رکھتے تھے کہ وہ شمع کی طرح اون کے آگے جلا کرتی تھی۔

چوں در افگند یوسف را بچاہ　　　بانگ آمد سمع او را از الٰہ

یعنی جب یوسف علیہ السلام کو کوئیں میں ڈالا تو اُن کے کان میں اللہ تعالیٰ کیطرف سے آواز آتی تھی۔

کہ تو روزے شہ شوی اے پہلوا　　　تا بمالی ایں جفا بر روئے شاں

یعنی کہ اے پہلوان تم ایک دن بادشاہ ہوگے یہاں تک کہ اس جفا کو اون کے مُنہ پر ملوگے۔ یعنی تم اونپر اس امر کو ظاہر کروگے اور اونکو شرمندہ کروگے۔

قائل ایں بانگ ناید در نظر　　　لیک دل بشناخت قائل را اثر

یعنی اس آواز کا قائل دیکھنے میں نہ آیا لیکن دل نے قائل کا اثر پہچان لیا۔

قوتے و راحتے و مسندے　　　در میان جاں فتادش زاں ندے

یعنی ایک قوت اور ایک راحت اور ایک مسند اوس آواز سے اونکی جان میں پڑ گیا۔

چاہ شد بروے بداں بانگ جلیل　　　گلشن و بزمے چو آتش بر خلیل

یعنی اوس آواز جلیل کی وجہ سے کنواں اونپر گلشن و بزم ہوگیا جیسے کہ آتش حضرت خلیلؑ پر۔

ہر جفا کہ بعد ازاں شں میرسید　　　او بداں قوت بشادی میکشید

یعنی اوس کے بعد اونپر جو جفا پہونچتی تھی وہ اوسکو اوس قوت کیوجہ سے خوشی سے کھینچتے تھے۔

ہمچنانکہ ذوق آں بانگ الست　　　در دل ہر مومنے تا حشر ہست

یعنی جیسا کہ لوس بانگ الست کا ذوق حشر تک ہر مومن کے دل میں ہوتا ہے۔

تا نباشد در بلاشاں اعتراض نے ز امر و نہی حق شاں انقباض

یعنی یہاں تک کہ بلا میں اونکو اعتراض نہیں رہتا۔ اور امر و نہی حق سے اونکو انقباض نہیں رہتا۔

لقمۂ تلخے چو شکر مے شود خار ریحاں سنگ گوہر میشود

یعنی لقمۂ تلخ مثل شکر کے ہو جاتا ہے اور خار ریحاں اور سنگ گوہر ہو جاتا ہے مطلب یہ ہے کہ جس طرح کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو اوس خواب پر اعتماد تھا اسی طرح مومنین کاملین کو اوس روز الست کے عہد پر اعتماد ہے اور اوس خطاب کا ایک لطف اون کے دل کے اندر موجود ہے اوس ذوق کی وجہ سے تمام مصائب اونکو شیریں معلوم ہوتے ہیں اس لیے کہ وہ جانتے ہیں کہ یہ سب حق تعالیٰ کی طرف سے ہے۔

لقمۂ حکمے کہ تلخی مے نہد گلشکر آنرا گوارش می دہد

یعنی جس حکم کا لقمہ کہ تلخی رکھتا ہے گلشکر اوس کو گوارش دیتا ہے مطلب یہ کہ اگر کوئی حکم اونکو بظاہر تلخ معلوم ہوتا ہے تو وہ گلشکر اوس خطاب کا اوسکو لذیذ اور گوارا کر دیتا ہے جیسا کہ مثلاً کڑوی دوا کو گلقند ملا کر کھلاویں تو لذیذ ہو جاتی ہے اسی طرح وہ حکم جو بظاہر تلخ تھا اس رضا کے گلقند میں ملا کر شیریں اور لذیذ اور گوارا ہو جاتا ہے۔

گلشکر آنرا کہ نبود مستند لقمہ را از انکار او قے میکند

یعنی جس شخص کا سہارا گلشکر نہ ہو وہ لقمہ کو انکار کی وجہ سے قے کر دیتا ہے لقمہ سے مراد احکام ہیں یعنی جسکو مرتبۂ رضا حاصل نہ ہو وہ اُن احکام کو بجا نہیں لا سکتا

ہر کہ خوابے دید از روز الست مست باشد در رہ طاعات مست

یعنی جو کوئی روز الست میں خواب دیکھتا ہے تو وہ راہ طاعات میں مست ہوتا ہے۔

می کشد چوں اشتر مست ایں جوال بے فتور و بے گمان و بے ملال

یعنی مست اونٹ کی طرح اس جوال (احکام) کو بے فتور اور بے شبہ اور

بے ملال کے کھینچتا ہے۔

کفک تصدیقش بگرد پوز او　　　شد گواہ مستئ دلسوز او

یعنی اوسکی تصدیق کے جھاگ اوس کے منہ کے گرد اوسکی مستی دلسوز کے گواہ ہیں۔ کفک سے مراد کلام۔ مطلب یہ کہ اوسکا کلام بتا رہا ہے کہ اسمیں کوٹ کوٹ کر مستی بھری ہوئی ہے اس لیئے کہ اوس کے کلام میں ایک سوزش ہوتی ہے۔

اشتر از قوت چو شیر نر شدہ　　　زیر ثقل بار اندک خور شدہ

یعنی شتر (مستی کی وجہ سے) قوت میں شیر نر ہوگیا ہے اور بوجھ کے ثقل کے نیچے تھوڑی خوراک والا ہوگیا ہے مطلب یہ کہ اسقدر مست ہے کہ بھوک بھی اوسکو پوری طرح نہیں لگتی اور یہ قاعدہ ہے کہ جب مستی سوار ہوتی ہے تو بھوک وغیرہ سب غائب ہو جاتی ہے۔

زآرزوئے ناقہ صد فاقہ برو　　　مینماید کوہ پیشش تار مو

یعنی ناقہ کی آرزو میں اوسپر سو فاقہ ہیں اور اوس کے آگے پہاڑ تار مو کی برابر معلوم ہوتا ہے۔

دار الست آنکو چنیں خوابے ندید　　　اندریں دنیا نشد بندہ و مرید

یعنی الست میں جس نے ایسا خواب نہ دیکھا وہ اس دنیا میں بندہ و مرید (حق) نہوا۔

ور بشد اندر تردد صد دلہ　　　یک زماں شکرستش و سالے گلہ

یعنی اور اگر ہو گیا تو تردد میں صد دلہ ہوتا ہے اوسکو ایک زمانہ شکر ہے تو ایک سال تک گلہ ہے۔ مطلب یہ کہ اگر ایسا شخص بندہ و مرید ہو بھی گیا تو ایک طرف نہیں ہوتا۔ بلکہ ہمیشہ تردد میں رہتا ہے کبھی شاکر و صابر ہوتا ہے کبھی کافر نعمت ہوتا ہے۔

پائے پیش و پائے پس در راہ دیں　　　می نہد با صد تردد بے یقیں

یعنی راہ دین میں ایک پاؤں آگے ایک پیچھے سو تردد کا اور بلا یقین کے رکھتا ہے غرضکہ اوس کو دین کی باتوں پر یقین نہیں ہوتا۔ بلکہ ہمیشہ تردد ہی میں رہتا ہے۔ آگے فرماتے ہیں کہ۔

دام دار شرح اینم تنگ گرد　　ور شتابست از الم نشرح شنو

یعنی ہم اوس کی شرح کرنے کے قرضدار رہے اور یہ گرو ہے اور اگر جلدی ہے تو الم نشرح سے سن لو مطلب یہ کہ ہم اسکی شرح کو پھر بیان کریں گے ابھی اسکو نہیں تک رکھتے ہیں اور اگر تمہیں اسکی جلدی ہے اور تم قرض کرنا نہیں چاہتے تو الم نشرح سن لو کہ اوسمیں ہے کہ الم نشرح لك صدرك ووضعنا عنك وزرك الذی انقض ظهرك یعنی کیا ہم نے آپکے سینہ کو نہیں کھولا اور آپ سے اوس بوجھ کو جس نے آپ کی کمر توڑ دی تھی الگ نہیں کر دیا۔ تو دیکھو شرح صدر کے بعد بوجھ سے ہلکا ہونا فرمایا ہے اسی طرح جب اوس خواب روز الست کیوجہ سی شرح صدر ہو جاوے گا تو ان احکام کا بوجھ بھی ہلکا ہو جاوے گا اب آگے چاہے بیان کریں گے یا نہ کریں گے۔ کچھ تو یہاں بھی بیان کر دیا آگے فرماتے ہیں کہ

چوں ندارد شرح ایں معنی کراں　　جز بسوئے مدعی گاؤ دراں

یعنی جب کہ اس معنی کی شرح کنارہ نہیں رکھتی تو گدھے کو اوس مدعی گاؤ کیطرف چلاؤ یعنی اوسکا قصہ بیان کرو۔ اب آگے اوس دعا کرنے والے کی دعا جو اوس نے حق تعالے سے شروع کی تھی بیان فرماتے ہیں کہ۔

گفت کورم خواند زیں جرم آں دغا　　پس بلیسانہ قیاس ست اے خدا

یعنی اوس دعا کرنے والے نے کہا کہ اے خدا اس دغاباز نے مجھے اس جرم کی وجہ سے اندھا کہا ہے تو یہ قیاس تو ابلیسانہ ہے۔ مطلب یہ کہ اسنے اندھوں کی دعا سے میری دعا کو مشابہ کیا ہے تو گویا کہ مجھے اندھا کہا تو یہ قیاس تو ابلیسانہ ہے کہ جیسے اوس نے آدم علیہ السلام کی صرف صورت کو دیکھا اور ان کے کمالات پر نظر نہ کی اسی طرح اس شخص نے بھی میری دعا کو اونکی دعا کی طرح کہدیا۔ اور اوسمیں اور اسمیں کچھ فرق نہ کیا۔

من دعا کورانہ کے می کردہ ام　　جز بخالق گریہ کے آوردہ ام

یعنی میں نے اندھوں کی طرح دعا کب کی ہے اور بجز خالق کے حاجت کسی اور

کے پاس) کب لایا ہوں۔ مطلب یہ کہ اور فقرا تو اپنی حاجت کو مخلوق کے آگے پیش کرتے ہیں اور میں نے تو بجز حق تعالےٰ کے کسی اور سے کہا ہی نہیں ہے پھر میں ان اندھوں کی طرح کہاں ہوں۔

کور از خلقاں طمع دارد ز جہل　　من ز تو کز تست ہر دشوار سہل

یعنی اندھا تو مخلوق سے جہل کی وجہ سے طمع رکھتا ہے اور میں آپ سے کہ آپ سے تمام دشوار سہل ہیں۔ یعنی اس دعا کرنے والے نے حق تعالےٰ سے عرض کیا کہ اندھے تو مخلوق سے احتیاج پیش کرتے ہیں مگر میں تو آپ ہی سے عرض کرتا ہوں پھر میں ان جیسا کہاں ہوا۔

آں یکے کورم ز کوراں بشمرید　　او نیاز جان و اخلاصم ندید

یعنی اُس ایک اندھے نے مجھے اندھوں میں سے گن لیا اور اس نے میرا نیاز جان اور اخلاص نہ دیکھا۔

کوری عشقست ایں کوری من　　حب یعمی و یصم است اے حسن

یعنی یہ میری کوری کوری عشق ہے اور اے حسن محبت اندھا بہرا بنا دیتی ہے مطلب یہ کہ میں عاشق حق ہوں اس لیئے محبت نے بیشک مجھے اندھا بہرا بنا دیا ہے باقی ان اندھوں میں سے میں نہیں ہوں۔

کورم از غیر حق بینا بدو　　مقتضائے عشق ایں باشد بگو

یعنی میں غیر حق سے تو کور ہوں اور حق تعالےٰ کا بینا ہوں۔ اور کہدو کہ مقتضائے عشق یہی ہوتا ہے۔

تو کہ بینائی ز کورانم مدار　　دائرم بر گرد لطفت اے مدار

یعنی (اے اللہ) آپ بلبینا ہیں تو مجھے اندھوں میں سے مت رکھیے۔ اور اے مدار میں تو آپ کے لطف کے گرد دائرہ ہوں۔ مطلب یہ کہ میں تو آپ ہی کے لطف کا محتاج ہوں تو مجھے اندھا نہ بنایئے سبحان اللہ دیکھیے اس شخص کو حق تعالےٰ پر کیا ناز اور کیا بھروسہ تھا کہ کسی طرح جانب مخالف کا شبہ ہی نہ ہوتا تھا۔ آگے

عرض کرتا ہے کہ۔

آنچنانکہ یوسف صدیق را　　خواب بنمودی وگشتش متکا

یعنی جیسا کہ یوسف صدیق کو آپ نے ایک خواب دکھا دیا تھا اور وہ ان کے لیے تکیہ گاہ بنگیا تھا (اور انکو اس کے سچے ہونے کا پورا یقین تھا)۔

مر مرا ہم لطف تو خوابے نمود　　آں دعائے بیحدم بازی نبود

یعنی مجھکو بھی آپ کے لطف نے ایک خواب دکھا دیا ہے اور وہ میری دعا بیحد کوئی کھیل نہ تھا۔

می نداند خلق اسرار مرا　　ژاژ مے دانند گفتار مرا

یعنی لوگ میرے اسرار کو جانتے نہیں ہیں اور میری باتوں کو بیہودہ جانتے ہیں (اب آگے لوگوں کا معذور ہونے کو بیان کرتے ہیں کہ)

حق شانست وکہ داند راز غیب　　غیر علام سر و ستار عیب

یعنی ان لوگوں کو (اعتراض کرنے کا) حق ہے (اس لیے کہ) راز غیب کو سوائے علام غیب اور ستار عیوب کے کون جانتا ہے (لہذا اگر یہ لوگ مجھ پر اعتراض کرتے ہیں تو ان کی بھی خطا نہیں ہے) جب اسنے اسقدر دعا کی تو وہ گائے والا بولا کہ

خصم گفتش حق بگو اے تند خو　　رو چہ سوئے آسماں کردی عمو

یعنی مقابل نے اوس سے کہا کہ ارے تند خو سچ کہہ اور چچا آسمان کی طرف کیا منہ کیا ہی مطلب یہ کہ دعا کیا کر رہا ہے سچ بتا کہ کیوں میری گائے کو ذبح کیا۔

شید می آری غلط می افگنی　　لاف عشق ولاف قربت میزنی

یعنی مکر لاتا ہے غلطی میں ڈالتا ہے اور عشق (حق) اور قرب (حق) کی شیخی مارتا ہی

باکدامیں روئے چوں دل مردۂ　　رو بسوئے آسمانہا کردۂ

یعنی جب کہ تو دل مردہ ہے تو کوں سے منہ سے آسمان کی طرف منہ کیا ہے مطلب یہ کہ لوگوں کے مال کھا کھا کر دل تو تیرا مردہ ہو چکا ہے اور اب آسمان کی طرف منہ کر کے اللہ میاں سے کس منہ سے عرض کر رہا ہے۔ دیکھئے غضب خدا کا یہ کمبخت

اسی کا تو غلام ہے اور یہ سارا مال اسی دعا کنندہ کا ہے اور پھر چپ نہیں ہوتا سچ یہ ہے کہ حق تعالٰے نے اسکو جبھی رسوا بھی فرمایا جب اس کا ظلم اس درجہ کو پہونچ گیا۔ آگے مولانا فرماتے ہیں کہ۔

غلغلے در شہر افتادہ ازیں آں مسلماں می نہد رو بر زمیں

یعنی اس بات کی وجہ سے شہر میں ایک غل پڑا ہوا تھا اور وہ مسلمان منہ زمین پر رکھے ہوئے (کہہ رہا تھا کہ)

کاے خدا ایں بندہ را رسوا مکن گر بدم ہم سر من پیدا مکن

یعنی کہ اے خدا اس غلام کو رسوا مت کر اگرچہ میں برا ہوں میرے بھید کو ظاہر مت فرما۔

تو ہمی دانی کہ شبہائے دراز کہ ہمی خوانم ترا با صد نیاز

یعنی آپ جانتے ہیں کہ طویل راتوں میں میں آپ کو سو نیاز سے پکارا کرتا تھا۔

پیش خلق ایں را اگر خود قدر نیست پیش تو ہمچو چراغ روشنی است

یعنی مخلوق کے سامنے اگر اس کی قدر نہیں ہے تو (اے اللہ) آپ کے سامنے تو ایک چراغ روشنی ہے۔

گاؤ می خواہند از من اے خدا چوں فرستادی نکردم من خطا

یعنی اے اللہ یہ لوگ مجھ سے گائے مانگتے ہیں جب آپ نے بھیجدی تھی تو میں نے خطا نہ کی۔ یعنی جب آپ نے اسے بھیجدیا تو میں نے فوراً اوسکو پکڑکر ذبح کرلیا اس لیئے کہ میری دعاؤں کا اثر تھا سبحان اللہ اس شخص کو اپنی دعا پر اور حق تعالٰی پر کیسا کچھ بھروسہ تھا کہ کسی طرح شبہ پڑتا ہی نہ تھا اب یہ لوگ جو لڑرہے تھے تو حضرت داؤد علیہ السلام نے سن لیا اور وہ مکان سے باہر تشریف لائے۔ آگے اوسی کو بیان فرماتے ہیں۔

شرح حبیبی

چونکہ داؤد نبے آمد بروں گفت ہیں چیست ایں احوال چوں

مدعی گفت اے نبی اللہ داد ۔ گاو من در خانۂ او اوفتاد
کشت گاوم را بپرسش کہ چرا ۔ گاو من کشت او بیاں کن ماجرا
گفت داؤدش بگو اے بو الکرم ۔ چوں تلف کردی تو ملک محترم
ہیں پراگندہ مگو حجت بیار ۔ تا بیکسو گردد ایں دعوی وکار
گفت اے داؤد بودم ہفت سال ۔ روز و شب اندر دعا اندر سوال
ایں ہمی جستم زیزداں کاے خدا ۔ روزے خواہم حلال و بے عنا
مرد و زن بر نالۂ من واقف اند ۔ کودکاں ایں ماجرا را واصف اند
تو بپرس از ہر کہ خواہی ایں خبر ۔ تا بگوید بے شکنجہ بے ضرر
ہم ہویدا پرس وہم پنہاں ز خلق ۔ کہ چہ میگفت ایں گدائے ژندہ دلق
بعد ازیں جملہ دعا و ایں فغاں ۔ گاو اندر خانہ دیدم ناگہاں
چشم من تاریک شد نے بہر قوت ۔ شادی آں کہ قبول آمد قنوت
کشتم آنرا تا دہم در شکر آں ۔ کہ دعائے من شنید آں غیب داں

قصہ مختصر یہ واقعہ داؤد علیہ السلام تک پہونچایا گیا۔ جب کہ داؤد علیہ السلام کو اطلاع ہوئی تو آپ باہر تشریف لائے اور آکر فرمایا کہ کیا بات ہے اور کیا جھگڑا ہے بیان کرو۔ مدعی نے کہا کہ اے نبی اللہ آپ انصاف فرمائیں واقعہ یہ ہے کہ میری گائے اس کے گھر میں چلی گئی اوسنے اوسکو مار ڈالا۔ اب آپ اس سے دریافت فرمائیے کہ اسنے اوسے کیوں مارا۔ اور اسے حکم دیجئے کہ وجہ بیان کرے۔ داؤد علیہ السلام نے اوس سے فرمایا کہ ہاں میاں بیان کرو کہ تمنے دوسرے کی ملک کو جسمیں تم کو دست اندازی جائز نہ تھی کیوں ضایع کیا اور دیکھو بکواس نہ کرنا معقول بات کہنا تاکہ اس دعوے اور نالش کا آسانی سے فیصلہ ہو جاوے اس نے جواب دیا کہ

حضور سات برس سے میں برابر دعائیں کررہا تھا اور حق سبحانہ سے دعا میں یہ درخواست کررہا تھا کہ اے اللہ مجھے بے مشقت حلال روزی عطا فرما۔ مرد عورت سب میرے اس گریہ وزاری سے واقف ہیں اور لڑکے تک اس واقعہ کو بیان کرسکتے ہیں آپ جس سے چاہیں اس واقعہ کو دریافت فرمالیں۔ وہ بدون سزا کے اور بلا نقصان اٹھائے اسکو بیان کردے گا۔ اور ظاہر میں بھی اور خفیہ بھی ہر طرح تحقیق کرلیں کہ یہ پرانی گدڑی والا فقیر کیا دعائیں مانگتا تھا یہ تو واقعہ تھا اس کے بعد اسی میری آہ وزاری کے سبب دفعتہً گائے میرے مکان میں گھس آئی اوسکو دیکھتے ہی میری آنکھوں کے آگے اندھیرا چھاگیا۔ مگر کھانے کے لئے نہیں بلکہ اس خوشی میں کہ میری دعا مقبول ہوئی اور میں نے اوسکو اس لیئے ذبح کیا کہ میں اس شکریہ میں اس کو خیرات کردوں۔ کہ خدائے علام الغیوب نے میری دعا قبول فرمائی۔

شرح شبیری

داود علیہ السلام کا خصمین کی گفتگو کو ظاہر میں سننا

چونکہ داودؑ نبے آمد بروں — گفت ہیں چونست ایں احوال چوں

یعنی جب حضرت داودؑ نبیؑ باہر تشریف لائے فرمایا کہ ارے یہ کیا حال ہے کیا ہے

مدعی گفت ای نبی اللہ داد — گاؤ من در خانہ او در فتاد

یعنی مدعی نے کہا کہ اے نبی اللہ انصاف کیجئے میری گائے اوس کے گھر میں آگئی

کشت گاوم را بپرسش کہ چرا — گاؤ من کشت او بیاں کن ماجرا

یعنی اس نے میری گائے کو ذبح کر لیا اس سے پوچھئے کہ میری گائے کو کیوں ذبح کیا ماجرا بیان کرے۔

گفت داودش بگو اے بو الکرم — چوں تلف کردی تو ملک محترم

یعنی داؤد علیہ السلام نے اوس سے کہا کہ بو الکرم تو نے ملک محترم کو کیوں تلف کیا

ہیں پراگندہ مگو حجت بیار   تا بیکسو گردد ایں دعوے وکار

یعنی ہاں پراگندہ باتیں مت کر حجت بیان کرتا کہ یہ دعویٰ اور کام ایک طرف ہو

گفت اے داؤدؑ بودم ہفت سال   روز و شب اندر دعا و در سوال

یعنی وہ (مدعا علیہ) بولا کہ اے داؤد میں سات برس تک رات دن دعا اور سوال میں تھا۔

ایں ہمی جستم ز یزداں کاے خدا   روزئے خواہم حلال و بے عنا

یعنی میں حق تعالےٰ سے یہ ڈھونڈھا کرتا تھا کہ میں ایک روزی حلال اور بے مشقت کے چاہتا ہوں۔

مرد و زن بر نالۂ من واقف اند   کودکاں ایں ماجرا را واصف اند

یعنی میرے نالہ پر مرد و زن (سب) واقف ہیں۔ اور بچے اس ماجرے کے بیان کرنے والے ہیں۔

تو بہ پرس از ہر کہ خواہی ایں خبر   تا بگوید بے شکنجہ و بے ضرر

یعنی آپ جس سے چاہیں اس بات کو پوچھ لیجئے تا کہ وہ بے شکنجہ اور بے ضرر کے کہدے۔ مطلب یہ کہ پوچھنے کے لیئے کسی سزا وغیرہ کی ضرورت نہ ہوگی۔ بلکہ جس سے پوچھئے گا سب بتا دیں گے کہ بیشک یہ دعا کیا کرتا تھا۔

ہم ہویدا پرس و ہم پنہاں ز خلق   کہ چہ میگفت ایں گدائے ژندہ دلق

یعنی لوگوں سے ظاہر میں بھی پوچھئے اور پوشیدگی میں بھی کہ یہ گدائے کہنہ دلق کیا کہا کرتا تھا۔

بعد ازاں جملہ دعا و ایں فغاں   گاو اندر خانہ دیدم ناگہاں

یعنی بعد ان دعاؤں اور اس فغان کے میں نے ناگہاں گھر میں گائے دیکھی۔

چشم من تاریک شد نے بہر قوت   شادی آنکہ قبول آمد قنوت

یعنی میری آنکھ تاریک ہو گئی نہ کہ قوت کے واسطے (بلکہ) اوس کی خوشی میں کہ

دعا قبول ہو گئی۔ یعنی مجھے دعا کی قبولیت کی اسقدر خوشی ہوئی کہ میں اندھا ہو گیا اور میں نے گائے کو ذبح کر لیا۔

کشتم ایں را تا دہم در شکر آں ۔۔۔ کہ دعائے من شنید آں غیب داں

یعنی میں نے اوس کو ذبح کر لیا تا کہ میں اوس کے شکر میں اسکو بانٹوں کہ میری دعا کو اوس غیب داں نے قبول کر لیا (بس اس لئے میں نے اوسکو ذبح کر لیا)

شرح حبیبی

گفت داؤد ایں سخنہا را بشو ۔۔۔ حجت شرعی دریں دعوے بگو

تو روا داری کہ من بے حجتے ۔۔۔ بنہم اندر شرع باطل ستتے

اینکہ بخشیدت خریدے وارثے ۔۔۔ ریع را چوں می ستانی حارثے

کسب را ہمچوں زراعت داں عمو ۔۔۔ تا نہ کارے دخل نبود آں تو

انچہ کاری بدروے آں آن تست ۔۔۔ ورنہ ایں بیداد بر تو شد درست

رو بدہ مال مسلماں کژ مگو ۔۔۔ رو بجو وام و بدہ باطل مجو

گفت اے شہ تو ہم ایں می گوئیم ۔۔۔ کہ ہمی گویند اصحاب ستم

پس زوال آہے بر آورد و بگفت ۔۔۔ اے خدائے ہر کجا طاقے و جفت

سجدہ کرد و گفت اے دانائے سوز ۔۔۔ در دل داؤدؑ انداز آں فروز

در دلش نہ انچہ تو اندر دلم ۔۔۔ اندر افگندی براز اے مفضلم

ایں بگفت و گریہ در شد ہاے ہائے ۔۔۔ تا دل داؤدؑ بیروں شد ز جائے

یہ جواب سنکر داود علیہ السلام نے فرمایا کہ ان باتوں کو دل سے بالکل دھو دو۔

یہ جواب دعوے میں کام آنے والا نہیں ہیں اور کوئی ایسی وجہ بیان کرو جو شرعاً قابل قبول ہو کیا تم جائز رکھتے ہو کہ میں بدون حجت شرعی کے مدعی کے دعوے کو خارج کر کے شریعت میں ایک بدعت قائم کروں۔ اگر تم کو کسی نے وہ گائے صدقۃً یا ہبۃً دی تھی تو بتاؤ کس نے دی تھی اور اگر یہ نہیں تو بتلاؤ کہ آیا تم نے اوسے خریدا ہے یا ورثۃً تم اوس کے مالک ہوئے ہو۔ یا تم نے کھیتی کی تھی جو تم اس پیداوار کے دعویدار ہو۔ کھیتی کرنے سے متعارف کھیتی کرنا ہماری مراد نہیں ہے بلکہ ہماری مراد مطلق کسب ہے۔ کیونکہ کسب بھی مثل کھیتی کرنے کے ہے اور مقصود یہ ہے کہ کیا تم نے کسب کر کے اوسکو حاصل کیا ہے۔ اور اس پوچھنے کی وجہ یہ ہے کہ جب آدمی بوتا نہیں کرتا یعنی کسب نہیں کرتا اسوقت تک پیداوار اور منافع اوسکی ملک بھی نہیں ہو سکتی اور جو کچھ آدمی بوتا اور کاٹتا ہے یعنی کسب سے حاصل کرتا ہے وہ اوسکی ملک ہوتا ہے۔ اگر ان باتوں میں سے کوئی بات ہو تو بتاؤ ورنہ ظلم تمپر ثابت ہے۔ جبکہ تم کوئی وجہ معقول نہیں بیان کرتے تو جاؤ اس مسلمان کا مال دو اور اینڈی بینڈی باتیں نہ کرو۔ اگر تمہارے پاس مال موجود نہیں تو جاؤ کسی سے قرض لیکر دو اور خواہ مخواہ کسی کا مال مارنے کی فکر نہ کرو۔ اوسنے یہ فیصلہ سنکر عرض کیا کہ حضور آپ بھی وہی فرماتے ہیں جو یہ ظالم لوگ کہتے ہیں۔ یہ کہکر اوس نے ایک آہ کی۔ اور کہا اے جہاں کہیں کوئی طاق یا جفت ہے سب کے خدا تو میری فریاد سن۔ یہ کہکر سجدہ میں گر پڑا اور کہا کہ اے میرے سوزش قلبی کے جاننے والے تو داؤد علیہ السلام کے دل میں بھی اس معاملہ کے متعلق روشنی پیدا کر دے۔ اور اے کثیر الانعام ان کے دلمیں بھی وہ بات ڈالدے جو راز کے طور پر تو نے میرے دل میں ڈالی ہے۔ یہ کہا اور کہکر ڈہاڑیں مار مار کر رونا شروع کیا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ داؤد علیہ السلام کا دل ٹھکانے نہ رہ سکا۔

شرح شبیری

داود علیہ السلام کا اوس کشندہ گاؤ پر حکم کرنا

گفت داؤد ایں سخنہا را بشو   حجت شرعی دریں دعوی بگو
یعنی داود علیہ السلام نے فرمایا کہ ان باتوں کو دھو اور اس دعوے میں کوئی حجت شرعی کہہ۔

تو روا داری کہ من بے حجتے   بنہم اندر شرع باطل سنتے
یعنی کیا تو جائز رکھتا ہے کہ میں بلا کسی حجت (شرعی) کے شرع میں ایک باطل طریقہ رکھوں۔

اینکہ بخشیدت خریدی وارثے   ریع را چوں مے ستانی حارثے
یعنی یہ تجھے کس نے بخشا ہے یا تو نے خریدی ہے یا تو وارث ہے تو پیداوار کو کسطرح لیتا ہے کیا تو حارث ہے۔

کسب را ہمچوں زراعت داں عمو   تا نہ کارے دخل نبود آں تو
یعنی اے چچا کسب کو زراعت کی طرح جانوں۔ جب تک تو نہ بووے گا نہیں آمدنی تیری ملک نہ ہوگی۔

انچہ کاری بدروی آن آن تست   ورنہ ایں بیداد بر تو شد درست
یعنی جو کچھ کہ تو بووے گا اور کاٹے گا وہ تیری ملک ہیں ورنہ یہ بیداد تجھ پر درست ہوگئی۔

رو بدہ مال مسلماں کژ مگو   رو بجو وام و بدہ باطل مجو
یعنی جا مال مسلمانوں کا دے کج مت کر جا قرض کرلے اور دے باطل مت ڈھونڈھ
گفت اے شہ تو ہم ایں می گوئیم   کہ ہمی گویند اصحاب ستم

یعنی اوس (دعاکنندہ) نے کہا کہ اے شاہ آپ بھی مجھے بھی کہتے ہیں جو کہ اور اصحاب ستم کہتے ہیں۔

اوس شخص کا داؤد علیہ السلام کی داوری سے تضرع کرنا

پس ز دل آہے برآورد و بگفت کاے خدائے ہر کجا طاق و جفت

یعنی اوس (مدعا علیہ) نے دل سے ایک آہ نکالی اور کہا کہ اے خدا ہر اوس جگہ کے کہ جہاں کوئی طاق و جفت ہے یعنی وہ بولا کہ اے الہ العالمین۔

سجدہ کرد و گفت اے دانائے سوز در دل داؤد انداز آں فروز

یعنی سجدہ کیا اور کہا کہ اے دانائے سوز داؤدؑ کے دلمیں بھی اوس فروز کو ڈالدیجئے

در دلش نہ آنچہ تو اندر دلم اندر افگندی براز اے مفضلم

یعنی اوں کے دل میں بھی رکھہ دیجئے جو کہ آپ نے میرے دل میں ڈالا ہے اے بزرگ میرے۔

ایں بگفت و گریہ در شد ہائے ہائے تا دل داؤدؑ بیروں شد ز جائے

یعنی اوسنے یہ کہا اور گریہ میں ہائے ہائے کرنے لگا۔ یہاں تک کہ داؤدؑ کا دل اپنی جگہ سے باہر ہو گیا۔

شرح حبیبی

گفت ہیں امروز اے خواہان گاؤ تا روم من سوئے خلوت در نماز
خوئے دارم در نماز آں التفات روزن جانم کشادہ است از صفا
تا ہے و باران نور از روزنم

مہلتم دہ ویں دعاوے را مکاؤ پرسم ایں احوال از دانائے راز
معنے قرأۃ عینے فی الصلوٰۃ مے رسد بے واسطہ نامہ خدا
می فتد در خانہ ام از معدنم

دوزخ است آں خانہ کاں بی روزنست — اصل دیں اے بندہ روزن کردن است
تیشہ در ہر بیشۂ کم زن بیا — تیشہ زن در کندن روزن ہلا
یا نمیدانی کہ نور آفتاب — عکس خورشید برونست از حجاب
نور آں دانی کہ حیواں دید ہم — پس چہ کرمنا بود بر آدمم
من چو خورشیدم درونِ نور غرق — من ندانم خویش کرد از نور فرق
رفتنم سوئے نماز و آں خلا — بہر تعلیم ست رہ مر خلق را
کژ نہم تا راست گردد ایں جہاں — حرب و خدعہ ایں بود اے پہلواں
نیست دستورے وگرنہ ریختم — گرد از دریائے راز انگیختم
ہمچنیں داود میگفت ایں نسق — خواست گشتن عقل خلقاں محترق
پس گریبانش کشید از پس یکے — کہ ندارم در یکے اش من شکے
با خود آمد گفت را کوتاہ کرد — لب ببست و عزم خلوت گاہ کرد
در فرو بست و برفت آنگہ شتاب — سوئے محراب و دعائے مستجاب
حق نمودش آنچہ بنمودش تمام — گشت واقف بر سزائے انتقام
دید احوالے کہ کس واقف نہ بود — راز پنہانے کہ حیرانے فزود

جب اوس گریہ وزاری کا حضرت داود علیہ السلام پر نہایت اثر ہوا تو آپ نے فرمایا کہ اے مدعی گاو آج کی مجھے مہلت دے اور ثبوت دعوے میں کاوش مت کر تاکہ میں خلوت میں جاکر نماز میں مشغول ہوں اور واقف راز سے اسکو دریافت کروں مجھے عادت ہے کہ نماز میں مجھے خاص توجہ بحق سبحانہ ہوتی ہے۔

جو کہ معنی ہیں قرۃ عینی فی الصلوٰۃ کے یعنی نماز میں مجھے خاص راحت حاصل ہوتی ہے
اور اس کا منشا وہی توجہ خاص ہے میری روح میں بوجہ کمال صفا کے ایک
کھڑکی کھلی ہوئی ہے جس سے براہ راست مجھ تک پیغامات خداوندی پہونچتے
ہیں میری اس کھڑکی سے میرے خانۂ قلب میں معدن نور و پیغامات (حق سبحانہ)
سے پیغامات اور نور کی بارش پہونچتی ہے یہ ارشاد تھا حضرت داؤد علیہ السلام کا
قبل اس کے کہ ہم اس کو تمام کریں جملہ معترضہ کے طور پر ایک ضروری بات بتلاتے
ہیں وہ یہ کہ یاد رکھو کہ یہ کھڑکی نہایت قابل قدر ہے اور جس دل میں یہ کھڑکی نہ ہو
وہ گویا کہ ایک دوزخ ہے اور دین کا بہت بڑا مقصد یہی روزن پیدا کرنا ہے پس
تم ٹھہرو اور جنگل میں جاکر تیشہ نہ چلاؤ بلکہ اول تیشۂ مجاہدہ سے یہ کھڑکی پھوڑو۔ اب
تک جو تم نے ایسا نہیں کیا اس کی وجہ یا تو غفلت ہے یا یہ کہ تم اوس نور کو جانتے
ہی نہیں اور سمجھتے ہی نہیں کہ بفحوائے ہو الظاہر۔ ایک بےحجاب آفتاب اور بھی ہے
اس آفتاب متعارف کا نور اوسی کے نور کا عکس ہے۔ بلکہ تم نور اوسی نور کو سمجھتے ہو
جس کو حیوانات بھی دیکھتے ہیں اگر واقع میں یہی نور نور ہو تو وَلَقَدْ کَرَّمْنَا بَنِیْ اٰدَمَ کیونکر
درست ہوگا کیونکہ انسان کو دیگر حیوانات سے اگر کوئی خاص امتیاز ہے تو وہ اسی نور
کے سبب ہے اور جب وہ نور ہی منتفی ہوگا تو "لقد کرمنا بنی آدم" بھی درست نہ ہوگا
اگر یہ کہا جاوے کہ عقل دنیاوی اسکا منشا رہے تو اوسکا جواب یہ ہے کہ عقل دنیاوی
میں تو سب جانور شریک ہیں۔ صرف کمی بیشی کا فرق ہے جو حیوانات ہیں آپ میں
بھی ہے۔ جبکہ یہ مضمون استطرادی ختم ہوا تو اب ہم پھر حضرت داؤد علیہ السلام کی
گفتگو بیان کرتے ہیں۔ اس کے بعد حضرت داود علیہ السلام نے فرمایا کہ میں اوس
نور میں آفتاب کی طرح غرق ہوں۔ اور وہ میرے رگ و پے میں یوں سرایت کرگیا ہے
کہ مجھ میں اور نور میں امتیاز نہیں رہا اور میں نور مجسم ہوگیا ہوں۔ اسپر کوئی یہ شبہ نہ کرے
کہ جب آپ نور میں اسقدر درجہ غرق ہیں تو خلوت اور صلوٰۃ نافلہ کی آپ کو کیا ضرورت ہے
(نافلہ کی قید ہمنے اس لیئے لگائی کہ فرائض کے متعلق وہ یہ جواب دے سکتے ہیں کہ

میں امتثال امر کے لیئے ایسا کر رہا ہوں) کیونکہ خلوت میں جانا اور نوافل میں مصروف ہونا مخلوق کو راہ حق تعلیم فرمانے کے لیئے ہے۔ میں ٹیڑھا اس لیئے چلتا ہوں یعنے غیر ضروری کام اس لیئے کرتا ہوں کہ مخلوق خدا ٹھیک ہو اب مولانا فرماتے ہیں کہ یہ روش مماثل ہے الحرب خدعہ کے کیونکہ جسطرح حرب میں مقصود کچھ اور ہوتا ہے اور ظاہر کچھ اور کیا جاتا ہے۔ یہاں بھی یہی بات ہے۔ خیر یہ تو جملہ معترضہ تھا اس کے بعد حضرت داؤد علیہ السلام نے فرمایا کہ مجھے زیادہ بیان کرنے کی اجازت نہیں ورنہ بہت کچھ موتی بکھیرتا اور بہت سے اسرار کو بیان کرکے دریائے اسرار کو گویا خشک کردیتا۔ غرض داؤد علیہ السلام اسی قسم کی گفتگو کر رہے تھے اور قریب تھا کہ مخلوق عقول جلکر فنا ہو جائیں استنے میں اس ایک ذات نے جس کی وحدانیت میں مجھے کوئی شک نہیں پیچھے سے انکا گریبان کھینچ لیا یعنی حق سبحانہ نے روکدیا۔ کہ بس کرو اوپس داؤد علیہ السلام ہوشمیں آئے اور کلام کو مختصر کیا۔ اور خاموش ہو کر خلوت گاہ میں تشریف لیگئے وہاں جاکر دروازہ بند کر لیا۔ اور فوراً محراب میں تشریف لے گئے۔ اور قبول ہونے والی دعا میں مصروف ہوگئے اسپر حق سبحانہ کو جو کچھہ معلوم کرانا تھا تفصیلاً معلوم کرادیا اور اونکو معلوم ہوگیا کہ کون قابل سزا ہے اسوقت اونھوں نے وہ حالات دیکھے جن سے کوئی واقف نہ تھا اور وہ راز اونکو معلوم ہوئے جن سے وہ دنگ رہگئے۔

شرح شبیری

گفت ہیں امروز اے خواہان گاؤ مہلتم دہ ایں دعاوی رامکاؤ

یعنی حضرت داؤد علیہ السلام نے کہا اے مدعی گاؤ مجھے مہلت دے ان دعووں کو مت کنج وکاؤ کر۔ مطلب یہ کہ آج مجھے مہلت دیدے۔ یعنی ایک دن کو مقدمہ ملتوی کردیا۔

تا روم من سوئے خلوت در نماز پرسم ایں احوال از دانائے راز

یعنی تاکہ میں خلوت کی طرف نماز میں جاؤں اور ان احوال کو دانائے راز سے پوچھوں۔ یعنی مجھے مہلت دو تا میں خلوت میں جاکر حق تعالےٰ سے اسکی حقیقت دریافت کر لوں اور فرمایا

خوئے دارم در نماز آں التفات　　　معنی قرۃ عینی فی الصلوٰۃ

یعنی میں نماز میں اوس التفات کی عادت رکھتا ہوں (جو کہ) قرۃ عینی فی الصلوٰۃ کے معنی ہیں۔

روزن جانم کشادست از صفا　　　مے رسد بیواسطہ نامہ خدا

یعنی میری جان نے صفائی کی وجہ سے ایک روزن کھول لیا ہے (کہ اُسمیں سے) نامۂ حق بے واسطہ (ظاہری) کے پہونچتا ہے۔ مطلب یہ کہ نامۂ و پیام حق کے لیئے مجھے وسائط ظاہری کی ضرورت نہیں ہے۔ بلکہ میری جان میں ایک روزن ہے کہ اوس کے ذریعہ سے نامہ و پیام مجھ تک پہونچتے ہیں۔

نامۂ و باران نور از روزنم　　　مے فتد در خانہ ام از معدنم

یعنی نامہ اور باران نور میرے روزن سے میرے گھر میں میرے معدن سے پڑتی ہے۔ یعنی حق تعالےٰ کی طرف سے وہ نامہ اور باراں نور میرے اوس روزن سے میرے قلب میں آتی ہے آگے مولانا فرماتے ہیں کہ۔

دوزخ است آں خانہ کاں بے روزن ست　　　اصل دین اے بندہ روزن کردن ست

یعنی وہ گھر تو دوزخ ہے جو کہ بے روزن ہے اور اے بندہ اصل دین تو یہ روزن کرنا ہی ہے۔

تیشہ در ہر بیشۂ کم زن بیا　　　تیشہ زن در کندن روزن ہلا

یعنی تیشہ ہر بیشہ میں کم مار اور ٹھہر جا۔ اور روزن کھودنے میں تیشہ مار۔ یعنے اس روزن جان کے کھولنے میں کوشاں رہو اور دنیاوی محبتوں کو بالائے طاق رکھو۔ آگے فرماتے ہیں کہ۔

یا نمیدانی کہ نور آفتاب　　　عکس خورشید بروں ست از حجاب

یعنی یا کہ تم یہ نہیں جانتے کہ نور آفتاب عکس ہے خورشید کا جو کہ حجاب سے باہر ہے۔ مطلب یہ کہ تم جو اوسطرف متوجہ نہیں ہوتے تو کیا تم کو اس کی خبر نہیں ہے کہ یہ نور آفتاب ظاہری جو کہ اسقدر چمکدار ہے اوس نور حقیقی کا عکس ہے تو اگر تم جانتے ہو کہ یہ اوسکا عکس ہے تو ضرور اُس کو تلاش کرتے۔ معلوم ہوا کہ تم کو اس کی خبر ہی نہیں ہے۔

نور آں دانے کہ حیواں دید ہم ... پس چہ کرمنا بود بر آدمم

تم تو نور اوسکو جانتے ہو کہ جس کو حیوان نے بھی دیکھ لیا تو پھر ہمارے آدم پر کرمنا کیا ہوگا۔ یعنی اگر نور یہی نور ہے جو کہ حیوانات کو بھی نظر آتا ہے تو پھر ولقد کرمنا بنی آدم کے کیا معنی ہوں گے لہذا تمکو چاہیئے کہ نور کے علاوہ وہ اُس کی اصل اور اوسکی روح کو بھی تو دیکھو۔ آگے پھر حضرت داؤد علیہ السلام کا قول ہے کہ۔

من چو خورشیدم درون نور غرق ... من ندانم کرد خویش از نور فرق

یعنی میں مثل خورشید کے نور میں غرق ہوں اور میں اپنے کو نور سے فرق نہیں کر سکتا۔ مطلب یہ کہ فرمایا کہ میں از سرتاپا نور میں غرق ہوں اور میں اپنے کو اور اوس نور کو الگ الگ ممتاز نہیں کر سکتا اسقدر میں اور وہ نور حقیقی ایک ہوئے ہیں۔ اب یہاں کوئی کہتا ہے کہ جناب پھر آپ جب اسقدر غرق نور ہیں تو آپکو خلوت ہی کی کیا ضرورت ہے۔ یہیں جلوت ہی میں حق تعالی کی طرف متوجہ ہو جائیے تو اس کا جواب بطور دفع دخل مقدر کے فرماتے ہیں کہ۔

رفتنم سوئے نماز و آں خلا ... بہر تعلیم ست رہ مر خلق را

یعنی میرا نماز اور خلوت کی طرف جانا مخلوق کو راہ تعلیم کرنے کے لیے ہے۔ مطلب یہ ہے کہ آپ نے فرمایا کہ مجھے بے شک خلوت کی ضرورت نہیں ہے اور ان غیر ضروری امور کی حاجت نہیں رہی ہے۔ لیکن اسوقت صرف اسلیے تاکہ اور لوگ سیکھیں میں خلوت اختیار کرتا ہوں۔ یہاں سے بعض جاہل یہ خیال کرتے ہیں کہ جب سالک منتہی ہو جاتا ہے تو اوس کو نماز روزہ کی ضرورت نہیں رہتی بلکہ اوسکو

بسبب معاف ہو جاتا ہے اور اگر وہ نماز روزہ کرتا ہے تو صرف اس لیے تاکہ نظام عالم خراب نہ ہو جاوے اس خیال کا ویسے تو غلط ہونا صریح ہے اور ظاہر ہے ہاں بعض کو جو ایسے اشعار سے شبہ پڑجاتا ہے کہ دیکھو حضرت داودؑ فرماتے ہیں کہ مجھے نماز کی ضرورت نہیں بلکہ تعلیم خلق کے لیے کرتا ہوں تو اسکو سمجھ لو کہ یہاں نماز و عبادت و خلوت سے مراد غیر ضروری امور ہیں مطلب یہ ہے کہ نماز روزہ فرض تو ضروری ہے ہی مگر جو امور غیر ضروری ہیں اونکی بے شک منتہی کو ضرورت نہیں رہتی مثلاً خلوت کی یا اوراد کی یا نوافل کی تو یہاں بس یہی مراد ہے جیسا کہ سوق کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت داود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ میں خلوت اختیار کروں اور نماز وغیرہ پڑھوں تو کیا ویسے حضرت داود علیہ السلام نماز وغیرہ نہ پڑھتے تھے ضرور پڑھتے تھے تو بس معلوم ہوا کہ اس نماز وغیرہ سے نوافل اور غیر ضروری عبادت ہی مراد ہیں تو سمجھ لو کہ خواہ کوئی کتنا ہی بزرگ اور ولی ہو جاوے مگر نماز ہرگز معاف نہیں ہوتی۔ تمام اعمال ضروریہ اوسکے ذمہ فرض و واجب رہتے ہیں۔ ہاں جو غیر ضروری مثل خلوت وغیرہ کے ہوتے ہیں اون کی اس منتہی کو ضرورت نہیں رہتی۔ آگے فرماتے ہیں کہ۔

کژ نہم تا راست گردد این جہاں　　　　حرب خدعہ این بود اے پہلواں

یعنی میں (قدم کو) کج رکھتا ہوں تاکہ یہ جہاں راست ہو جاوے اور حرب خدعہ ہوتا ہے اے پہلوان۔ مطلب یہ کہ میں اپنی حالت کو ایسا ظاہر کرتا ہوں کہ جیسے مبتدی کی حالت ہوتی ہے اور اعمال غیر ضروری کو بھی کرتا ہوں کہ جس سے وہ ضروری معلوم ہوتے ہیں تو جس طرح کہ یہ غیر واقع کو واقع دکھاتا ہے اسی طرح حرب میں بھی غیر واقعی کو واقعی دکھانا ہوتا ہے۔ لیکن یہ بھی فرمایا کہ میری اس کجی سے کہ غیر ضروری امور کو بھی کرکے غیر واقعی امر کو واقعی دکھاتا ہوں اور لوگ درست ہو جاویں گے اور سمجھیں گے کہ جب نبی کی یہ حالت ہے کہ وہ ان امور غیر ضروریہ کو بھی ترک نہیں کرتے تو ہم کو کس طرح کسی کام کا ترک جائز ہوگا۔ آگے فرماتے ہیں کہ۔

نیست دستورے وگرنہ ریختے گرد از دریائے راز انگیختے

یعنی اجازت نہیں ہے ورنہ (حضرت داؤدؑ مضامین اور بھی) ریختہ کرتے اور دریائے راز سے گرد اٹھا دیتے۔ یعنی اسقدر اسرار بیان کرتے کہ دریائے راز خشک ہو جاتا۔ اور اوسمیں سے گرد اٹھنے لگتی۔

ہمچنیں میگفت داؤدؑ ایں نسق خواست گشتن عقل خلقان محترق

یعنی داؤدؑ اس طریق سے بیان کررہے تھے کہ لوگوں کی عقل جلنے لگی یعنی اوس کی سوزش سے لوگوں کے قلوب میں ایک حرارت اور گرمی محسوس ہونے لگی اور قریب تھا کہ یہ لوگ بیخود ہو جاویں۔

پس گریبانش کشید از پس یکے کہ ندارم در یکے اش من شکے

یعنی پھر اون کا گریبان ایک نے پیچھے سے کھینچ لیا کہ جس کے ایک ہونے میں میں شک نہیں رکھتا۔ مطلب یہ کہ حق تعالیٰ نے حضرت داؤدؑ علیہ السلام کو روک دیا اور اُن کو اس بیان اسرار سے منع فرمادیا۔ تو یہ ہوا کہ۔

با خود آمد گفت را کوتاہ کرد لب بہ بست و عزم خلوتگاہ کرد

یعنی حضرت داؤدؑ خودی میں آگئے اور گفتگو کو کوتاہ کردیا۔ اور لب بند کرکے خلوتگاہ کا قصد کیا۔ اب خلوت میں کشف حال کے لیے تشریف لے گئے۔

داؤد علیہ السلام کا خلوت میں جانا تاکہ جو کچھ حق ہے ظاہر ہو جاوے

در فرو بست و برفت آنگہ شتاب سوئے محراب و دعائے مستجاب

یعنی دروازہ بند کرلیا اور اُسوقت جلدی سے محراب اور دعائے مستجاب کیطرف چلے گئے۔

حق نمودش آنچہ بنمودش تمام گشت واقف بر سزائے انتقام

یعنی حق تعالیٰ نے آپ کو پوری طرح دکھا دیا جو کچھ کہ دکھایا۔ تو وہ مستحق انتقام پر

واقف ہو گئے۔

دید احوالے کہ کس واقف نبود　　راز پنہانی کہ حیرانے فزود

یعنی اونھوں نے اون احوال کو دیکھ لیا جن سے کوئی واقف نہ تھا اور اُس راز پنہانی کو جس نے کہ حیرانی زیادہ کردی۔

روز دیگر جملہ خصماں آمدند　　پیش داود پیمبر صف زدند

یعنی دوسرے دن سب خصم آئے اور داؤد علیہ السلام کے سامنے سب نے صف لگائی۔

ہمچنیں ایں ماجراہا باز رفت　　زود زد آں مدعی تشنیع زفت

یعنی اسیطرح یہ ماجرے پھر چلے۔ اور اُس مدعی نے جلدی سے ایک طعن عظیم مارا (اور کہا کہ)

شرح حبیبی

روز دیگر جملہ خلقاں آمدند　　پیش داؤد پیمبر صف زدند

ہمچنیں ایں ماجراہا باز رفت　　زود زد آں مدعی تشنیع زفت

زود گاوم را بدہ اے نابکار　　از خدائے خویشتن شرمے بدار

اینچنیں ظلم صریح ناسزا　　میرود در عہد پیغمبر ہلا

گاؤ کشتہ خوردہ بے ترس و بیم　　در جواب افزودہ تزویر لئیم

کہ چہ چندیں سال بودم در دعا　　من طلب کردم ز حق تاداد او مرا

اے رسول حق چنیں باشد روا　　ملک من بد گاؤ چوں دادش خدا

گفت داؤدش خمش کن رو بہل　　ایں مسلماں را ز گاوت کن بحل

چوں خدا پوشید بر تو اے جواں ۔ رو تو کمش کن حق ستاری بداں

گفت واویلا کہ حکم است اینچہ داد ۔ از پئے من شرع نو خواہی نہاد

رفتہ است آوازہ عدلت چناں ۔ کہ معطر شد زمین و آسماں

بر سگان کور ایں استم نرفت ۔ زیں تعدی سنگ و کہ بشگافت تفت

ہمچنیں تشنیع می زد بر ملا ۔ کا الصّلا ہنگام ظلم است الصّلا

ایں چنیں ظلم و جفا بر من مکن ۔ یا نبی اللہ مگو زینساں سخن

بعد ازاں داؤد گفتش اے عنود ۔ جملہ مال خویش او را بخش زود

ورنہ کارت سخت گردد گفتمت ۔ تا نگردد ظاہر ازوے استمت

خاک بر سر کردہ جامہ بر درید ۔ کہ بہر دم می کنی ظلمے مزید

یکدمے دیگر بدیں تشنیع راند ۔ باز داؤدش بپیش خویش خواند

گفت چوں بختت نبود اے بخت کور ۔ ظلمت آمد اندک اندک در ظہور

دید آنگاہ صدر و پیشگاہ ۔ اے دریغ از چوں تو خر خاشاک راہ

رو کہ فرزندان تو با جفت تو ۔ بندگان او شدند افزوں مگو

سنگ بر سینہ ہمی زد با دو دست ۔ می دوید از جہل خود بالا و پست

خلق ہم اندر ملامت آمدند ۔ کز ضمیر کار او غافل بُدند

اگلا دن ہوا اور تمام لوگ عدالت میں حاضر ہوئے۔ اور داؤد علیہ السلام کے سامنے صفت بستہ کھڑے ہو گئے اور جو واقعہ کل ہوا تھا آج بھی وہی ہوا۔ اور مدعی نے فوراً زور شور سے ملامت کرنی شروع کی اور کہا کہ او نالائق خدا سے شرم کر اور میری گائے دیدے۔ ارے پیغمبر خدا کے زمانہ میں ایسا ناز یبا

اور کھلا ظلم ہو غضب کی بات ہے پاجی تو بیدھڑک میری گائے مار کر کھا گیا۔ اور جواب میں باتیں بناتا ہے اور کہتا ہے کہ اتنے برسوں تک میں نے دعا کی ہے اور خدا سے روزی حلال طلب کی ہے اوسنے مجھے وہ گائے دیدی۔ اے پیغمبر خدا بھلا ایسا بھی کہیں ہوتا ہے۔ گائے تو میری تھی خدا نے اسے کیسے دیدی۔ اوسپر داؤد علیہ السلام نے فرمایا کہ بس چپکے رہو جاؤ جھگڑے کو رفع دفع کردو۔ اور گائے اس مسلمان کو معاف کردو۔ جب خدا نے تمہاری پردہ پوشی کی ہے تو تم کو ایسا نہ چاہیئے بس چپ رہو۔ جاؤ حق خدا کو ملحوظ رکھو۔ اوسنے کہا ارے غضب ہو گیا۔ بھلا! یہ کیا حکم اور کونسا انصاف ہے آپ میرے لیئے نئی شریعت قائم کرنا چاہتے ہیں۔ آپ کا انصاف تو اس درجہ مشہور ہے کہ اوسکی خوشبو سے زمین و آسمان معطر ہیں۔ پھر مجھپر یہ ظلم کیوں ہے۔ ایسا ظلم تو اندھے کتوں پر بھی نہیں ہوا۔ اور اس تعدی سے تو پتھر اور پہاڑ پھٹے جاتے ہیں وہ کھلم کھلا اسی طرح ملامت کررہا تھا۔ کبھی لوگوں سے کہتا تھا کہ دیکھو لوگو یہ ظلم ہو رہا ہے اور کبھی داؤد علیہ السلام سے کہتا کہ دیکھیئے ایسا ظلم مجھپر نہ کیجیے اور اے نبی اللہ ایسی بات نہ فرمایئے۔ اس کے بعد حضرت داؤد علیہ السلام نے فرمایا کہ اگر تو اس فیصلہ پر رضامند نہیں تو دوسرا فیصلہ یہ ہے کہ اپنا سارا مال اسے دیدے اور اگر تو اس کو بھی نہ مانے گا تو اور زحمت میں پڑے گا۔ میں نے تجھے پیشتر سے اسلیئے متنبہہ کردیا ہے تاکہ تیری ضد سے تیرا ستم ظاہر نہ ہوجاوے۔ یہ سنکر اوسنے سر پر خاک ڈالی۔ کپڑے پھاڑ لیئے اور کہا کہ ہر دم آپ تو ایک نئے ظلم کا اضافہ کرتے ہیں۔ اور کچھ دیر تک اسنے یہ ہی تشنیع و ملامت جاری رکھی۔ اس کے بعد حضرت داؤد علیہ السلام نے پھر اوسے اپنے سامنے بلایا اور کہا کہ چھوٹی قسمت والے تیری تقدیر اچھی نہ تھی اس لیئے رفتہ رفتہ تیرا ظلم ظاہر ہوا۔ تجھ گدھے کی حالت پر سخت افسوس ہے کہ تو نے عز و جاہ کی کچھ قدر نہ کی اور اوسکو خاشاک راہ سمجھا۔ اچھا جا ہم حکم دیتے ہیں کہ تیری بیوی بچے سب اس کے لونڈی غلام ہو گئے دیکھ اب کچھ نہ بولنا یہ سنکر وہ دونوں ہاتھوں سے اپنی چھاتی پتھر سے کوٹتا تھا اور اپنی جہالت سے مخبوط الحواس بنا ہوا

کبھی اوپر جاتا تھا کبھی نیچے آتا تھا۔ چونکہ لوگ اس واقعہ کی اندرونی حالت سے واقف نہ تھے اس لیئے اُنھوں نے بھی ملامت کرنی شروع کی کہ کسقدر ظلم ہے کہ اس کی گائے بھی مار لیگئی اور اُس سے مال بھی دلایا جاتا ہے اور اسی کے بیوی بچوں کو غلام بنایا جاتا ہے۔

شرح شبیری

زود گاوم را بدہ اے نابکار　　　از خدائے خویشتن شرمی بدار

یعنی اے نابکار میری گائے جلدی سے دے اور اپنے خدا سے شرم کر (اور بولا کہ)

کایں چنیں ظلم صریح ناسزا　　　میرود در عہد پیغمبر ہلا

یعنی کہ ایسا ظلم صریح ناسزا ارے پیغمبر کے زمانہ میں چلتا ہے۔

گاؤ کشتہ خوردہ بے ترس و بیم　　　در جواب افزودہ تزویر آں لئیم

یعنی گائے کو مار کر بے خوف وبیم کے کھا گیا۔ اور اے لئیم جواب میں تزویر کو زیادہ کرتا ہے (اور کہتا ہے کہ)

کہ چہ چندیں سال بودم در دعا　　　من طلب کردم ز حق داد او مرا

یعنی کہ میں اتنے سال سے دعا میں ہوں اور میں حق تعالیٰ سے طلب کیا کرتا تھا تو مجھے دیدی۔

اے رسول حق چنیں باشد روا　　　ملک من بُد گاؤ چوں وادش خدا

یعنی اے رسول حق کیا اسطرح جائز ہے کہ میری ملک تھی گائے اور اُسکو خدائے تعالےٰ نے دیدی۔

داؤد علیہ السلام کا مدعی گاؤ پر حکم کرنا کہ گائے کے

خیال سے درگذرے اور اُس مدعی کا داود علیہ السلام پر اعتراض کرنا

گفت داودش خمش کن رو بہل   این مسلماں راز گاوت کن بحل

یعنی داود علیہ السلام نے اوس سے کہا کہ خاموش رہ اور جا اس مسلمان کو چھوڑ دے اور اپنی گائے اسکو معاف کردے (اس کے بعد داود نے اشارۃً اوس کی بے ایمانی پر اس طرح تنبیہ فرمائی کہ)

چوں خدا پوشید بر تو ای جواں   رو خمش کن حق ستاری بداں

یعنی اے جوان جب خدا نے تجھ پر پوشیدہ رکھا تو جا خاموش رہ اور حق ستاری کو جان۔ مطلب یہ کہ جب خدا نے تیری حرکتوں کو پوشیدہ رکھا ہے تو اب اسکا حق یہ ہے کہ تو ایسی بدمعاشیاں مت کر اور خود ہی اپنے کو رسوا مت کر۔ مگر وہ کب ماننے والا تھا بولا کہ)

گفت وا ویلا چہ حکم ست این چہ داد   از پی من شرع نو خواہی نہاد

یعنی بولا کہ واویلا یہ کیا حکم ہے اور کیا انصاف ہے آپ میرے واسطے کوئی نئی شرع رکھیں گے۔

رفتہ است آوازۂ عدلت چناں   کہ معطر شد زمین و آسماں

یعنی آپ کے عدل کا آوازہ تو ایسا چلا ہوا ہے کہ زمین و آسمان معطر ہو رہے ہیں۔

بر سگان کور این ستم نرفت   زیں تعدی سنگ و کہ بشگافت تفت

یعنی اندھے کتوں پر بھی یہ ستم نہیں چلا۔ اور اس تعدی سے سنگ و کوہ بھی جلدی سے پھٹ گئے۔

ہمچنیں تشنیع می زد بر ملا   کالصلا ہنگام ظلم ست الصلا

یعنی اسی طرح وہ برملا طعن کر رہا تھا کہ جمع ہو جاؤ۔ وقت ظلم ہے جمع ہو جاؤ (اور

کہتا تھا کہ)

انیچنیں ظلم و جفا بر من مکن　　یا نبی اللہ مگو زینسان سخن

یعنی مجھ پر ایسا ظلم و جفا نہ کیجئے اور اے نبی اللہ ایسی بات مت کہیئے (دیکھئے اس نالائق کی آنکھوں پر اسطرح پردہ پڑ گیا تھا کہ جانتا تھا کہ ظالم میں ہی ہوں اور فیصل کن نبی ہیں ان کو سب خبر ہو سکتی ہے مگر وہی مرغی کی ایک ٹانگ کیے جا رہا تھا آخر حضرت داؤد نے اس سے زیادہ سخت حکم دیا جس کو آگے فرماتے ہیں کہ)

داؤدؑ کا اوس صاحب گاؤ کو حکم کرنا کہ تمام مال اوس مدعا علیہ کو دے

بعد ازاں داؤد گفتش اے عنود　　جملہ مال خویش او را بخش زود

یعنی بعد اس کے داؤدؑ نے اوس سے کہا کہ اے معاند سارا اپنا مال اوس کو جلدی دے۔

ورنہ کارت سخت گردد گفتمت　　تا نہ گردد ظاہر از وے آتمت

یعنی ورنہ تیرا کام سخت ہو جاوے گا۔ میں تجھ سے کہتا ہوں تا کہ اوس سے تیرا ستم ظاہر نہ ہو جاوے۔ (دیکھئے داؤد نے اب بھی چاہا کہ ظاہر نہ ہو اب بھی اشارہ ہی سے سمجھایا مگر وہ کب ماننے والا تھا یہ سنکر اُس کی یہ حالت ہوئی کہ)

خاک بر سر کرد و جامہ بردرید　　کہ بہر دم میکنی ظلمے مزید

یعنی خاک سر پر ڈالی اور کپڑے پھاڑ ڈالے (اور کہا) کہ آپ تو ہر دم ایک ظلم مزید کرتے ہیں۔

یکدمے دیگر بدیں تشنیع راند　　باز داؤدش بہ پیش خویش خواند

یعنی تھوڑی دیر اور اسی تشنیع کو چلا تو داؤدؑ نے پھر اوس کو اپنے سامنے بلایا۔

گفت چوں بخت نبود اے بخت کور　　ظلمت آمد اندک اندک در ظہور

یعنی فرمایا کہ اے کور بخت جب تیرا نصیبا (درست) نہ تھا تو تیرا ظلم تھوڑا تھوڑا ظاہر ہونے لگا ہے۔

دیدۂ آنگاہ صدر و پیش گاہ　　اے دریغ از چوں تو خر خاشاک راہ

یعنی تو نے وقت صدر و پیشگاہ دیکھا ہے تو تجھ جیسے خر اور خاشاک راہ نہایت عجیب ہے۔ یعنی جب تو نے اوس حالت صدر کو دیکھا ہے تو ایک ذرا سی گائے کے پیچھے کیوں جان دیئے دیتا ہے سخت تعجب ہے۔ مگر وہ کب ماننے والا تھا وہ تو اپنی بکواس لگاتا ہی رہا۔

زیں سخن داؤدؑ زو شد خشمناک　　گفت تا خود را مگر دانے ہلاک

یعنی ان باتوں سے داؤدؑ اوس سے خشمناک ہو گئے اور فرمایا کہ تو اپنے کو ہلاک مت کرنا۔

رو کہ فرزندان تو با جفت تو　　بندگان او شدند افزوں مگو

یعنی جا کہ تیرے لڑکے اور تیری بیوی سب اوس کے غلام ہیں زیادہ مت بک (یہ سنکر تو اوس کی یہ حالت ہوئی کہ)

سنگ بر سینہ ہمی زد با دو دست　　میدوواز جہل خود بالا و پست

یعنی دونوں ہاتھوں سے سینہ پر پتھر مارتا تھا اور اپنے جہل کی وجہ سے اوپر نیچے دوڑتا پھرتا تھا۔ مطلب یہ کہ اس کو سنکر اور بھی باولا ہو گیا اور واویلا شروع کر دی۔

خلق ہم اندر ملامت آمدند　　کز ضمیر کار او غافل بدند

یعنی لوگ بھی ملامت کرنے لگے اس لیئے کہ باطن کار سے وہ غافل تھے۔ آگے مولانا فرماتے ہیں کہ۔

شرح حبیبی

ظالم از مظلوم کے داند کسے　　کو بود سخرہ ہوا ہمچوں خسے

ظالم از مظلوم آنکس پے برد	کہ سر نفس ظلوم خود برد
ورنہ آں ظالم کہ نفس ست اندروں	خصم ہر مظلوم باشد از جنوں
سگ ہمارہ حملہ بر مسکیں کند	تا تو اند زخم بر مسکیں زند
شرم شیراں راست نے سگ را بداں	کہ نگیرد صید از ہمسایگاں
از کمین سگ ساں سوئے داود جست	عامہ مظلوم کش ظالم پرست
روسوئے داود کردند آں فریق	کاے نبی مجتبےٰ بر ما شفیق
ایں نشاید از تو کیں ظلم ست فاش	قہر کردی بے گناہے را بلاش

اب مولانا فرماتے ہیں عوام نے مدعا علیہ اور حضرت داؤد علیہ السلام کو ظالم سمجھا اور مدعی کو مظلوم حالانکہ معاملہ بالکل برعکس تھا۔ واقعی بات یہ ہے کہ جو شخص خواہش نفسانی کا یوں ہی مسخر ہو جیسے خس وخاشاک ہوا کا۔ وہ شخص ظالم اور مظلوم میں کیا امتیاز کر سکتا ہے ظالم اور مظلوم کا تو وہی شخص پتہ چلا سکتا ہے۔ جو پہلے اپنے ظالم نفس کا سر کاٹ دے ورنہ یہ ظالم نفس جو اندر چھپا ہوا ہے اپنے دیوانہ پن سے مظلوم ہی کا مخالف ہوگا اور مجانست کے سبب ظالم کا ساتھ دے گا۔ کیونکہ قاعدہ ہے کہ کتا ہمیشہ غریب اور جنجھ ہی آدمی پر حملہ کرتا ہے۔ اور جہانتک اوس سے ہوسکتا ہے غریب ہی کو کاٹتا ہے۔ یاد رکھو کہ یہ شیر ہی کا کام ہے اور کتا کبھی ایسا نہیں کر سکتا کہ ہمسایوں کا شکار نہ چھینے اور عالی حوصلگی سے خود شکار کرے۔ یعنی کسی کمزور کو نہ ستانا اہل اللہ ہی کا کام ہے اہل نفس سے ایسا نہیں ہو سکتا۔ بلکہ وہ تو جس کو کمزور دیکھتے ہیں اُسی کو ستاتے ہیں۔ چنانچہ عوام جن کا کام مرتے کو مارنا اور ظالم کی پرستش کرنا ہے کتوں کی طرح داؤد علیہ السلام کو لپٹ پڑے اور ان کی طرف رخ کر کے یوں خطاب کیا کہ اے برگزیدہ اور ہمپر مہربان نبی آپکو یہ زیبا نہیں کیونکہ یہ کھلا ہوا ظلم ہے آپ نے ایک بے قصور شخص پر محض بلا وجہ زیادتی کی۔

شرح شبیری

ظالم از مظلوم کے داند کسے　　　کو بود سخرہ ہوا ہمچوں خسے

یعنی ظالم کو مظلوم سے کب کوئی جانتا ہے جو کہ سخرہ ہوا مانند خس کے ہو۔ مطلب یہ کہ جو شخص ہوا و ہوس میں لگا ہوا ہو اوسکو کیا خبر ہو سکتی ہے کہ کون مظلوم اور کون ظالم اس لیے کہ ایسے شخص پر حقیقت اشیار منکشف ہی نہیں ہوتی۔

ظالم از مظلوم آنکس پے برد　　　کو سر نفس ظلوم خود برد

یعنی ظالم کو مظلوم سے وہ جان سکتا ہے جو کہ اپنے نفس ظالم کے سر کو کاٹ دے

ورنہ آں ظالم کہ نفس ست اندروں　　　خصم ہر مظلوم باشد از جنوں

یعنی ورنہ وہ ظالم جو نفس باطن میں ہے وہ ہر مظلوم کا جنون کی وجہ سے دشمن ہو جاتا ہے مطلب یہ کہ اگر کسی نے نفس کشی نہیں کی ہے تو اوس کا نفس ہمیشہ مظلوم کا دشمن ہوتا ہے اس لیئے کہ اس شخص پر حقیقت کبھی منکشف ہی نہ ہوگی۔

سگ ہمارہ حملہ بر مسکیں کند　　　تا تواند زخم بر مسکیں زند

یعنی کتا ہمیشہ حملہ مسکین ہی پر کرتا ہے اور جب تک سکتا ہے مسکین ہی پر زخم مارتا ہے۔

شرم شیراں راست نے سگ را بداں　　　کو نگیرد صید از ہمسایگاں

یعنی شرم تو شیروں کو ہوتی ہے نہ کہ کتوں کو جان لو کیونکہ وہ شکار کو ہمسایوں سے نہیں لیتا ہے۔ یعنی فرماتے ہیں کہ شرم تو شیروں کو ہوتی ہے کہ وہ دوسرے کا شکار نہیں لیتے خود شکار کرتے ہیں ورنہ کتے تو منتظر رہتے ہیں کہ کوئی شکار کرے تو ہم اڑا دیں تو اسیطرح اس مدعی کو بھی شرم نہ تھی اس لیئے کہ سگ خصلت تھا لہذا اوس بیچارہ کے مال کو قبضہ کیئے بیٹھا تھا۔ اور شرم نہ آتی تھی آگے فرماتے ہیں کہ

از کمیں سگساں سوئے داد جست　　　عامہ مظلوم کش ظالم پرست

یعنی کمین سے کتوں کی طرح داؤد علیہ السلام کی طرف عوام مظلوم کش اور ظالم پرست بڑھے۔

روئے در داؤدؑ کردند آں فریق　　کانبی مجتبےٰ برما شفیق

یعنی داؤد علیہ السلام کی طرف اوس فریق نے منہ کیا کہ اے نبی برگزیدہ اور ہم پر شفیق۔

ایں نشاید از تو کیں ظلم است فاش　　قہر کردی بیگناہے را بہ لاش

یعنی آپ کو یہ نہ چاہیئے اس لیئے کہ یہ تو ظلم صریح ہے اور آپ نے ایک بے گناہ پر ایک لاشے چیز کے ساتھ ظلم کیا۔ مطلب یہ کہ جب اوس ظالم نے بہت واویلا کی تو اور عوام بھی حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف متوجہ ہوئے کہ حضرت بے شک یہ تو ظلم صریح ہے اور سچ یہ ہے کہ بظاہر تو ظلم تھا ہی جب تک اصل واقعہ نہ معلوم ہو ظلم ہونے میں کیا شک ہے اب اسوقت تک تو داؤدؑ نے اشارۃً اس کے قصہ کی طرف اشارہ کیا تھا مگر اب بالکل صاف طور پر بیان فرماتے ہیں اس لیئے کہ اوس کا ظلم اور لوگونکی بدگمانی بہت بڑھ گئی تھی۔

شرح حبیبی

گفت اے یاراں زمانِ آں رسید　　کاں سرِ مکتوم او گردد پدید

جملہ برخیزید تا بیروں رویم　　تا ازاں سرِّ نہاں واقف شویم

در فلاں صحرا درختے ہست زفت　　شاخہا یش انبہ و بسیار جفت

سخت راسخ خیمہ گاہ و میخ او　　بوئے خوں می آیدم از بیخ او

خوں شدہ ست اندر تن آں خوش درخت　　خواجہ را کشت ست آں منحوس بخت

مال او برداشت ست آں قلتباں　　زیں غلام اوست اے آزادگاں

ایں جواں مر خواجہ را باشد پسر ۔۔۔ طفل بود و او ندارد زیں خبر

تا کنوں حلم خدا پوشید آں ۔۔۔ آخر از ناشکرے ایں قلتباں

کہ عیال خواجہ را روزے ندید ۔۔۔ نے بہ نوروز و نہ موسمہائے عید

بینوایاں را بیک لقمہ نجست ۔۔۔ یاد نا ورد او ز حقہائے نخست

تا کنوں از بہر یک گاوِ ایں لعین ۔۔۔ می زند فرزند او را بر زمیں

او بخود برداشت پردہ از گناہ ۔۔۔ ورنہ مے پوشید جرمش را الٰہ

کافر و فاسق دریں دور گزند ۔۔۔ پردۂ خود را بخود برمی درند

ظلم مستورست در اسرار جاں ۔۔۔ مے نہد ظالم بپیش مردماں

کہ بہ بینیدم کہ دارم شاخہا ۔۔۔ گاوِ دوزخ را بہ بینید از ملا

پس ہمیں جادست و پایت درگزند ۔۔۔ بر ضمیر تو گواہی مے دہند

چوں موکل می شود بر تو ضمیر ۔۔۔ کہ بگو تو اعتقادت وا مگیر

خاصہ در ہنگام خشم و گفتگو ۔۔۔ مے کند ظاہر سرت را مو بمو

چوں موکل مے شود ظلم و جفا ۔۔۔ کہ ہویدا کن مرا اے دست و پا

چوں ہمی گیرد گواہ سر لگام ۔۔۔ خاصہ وقت جوش خشم و انتقام

پس ہماں کس کہ موکل میکند ۔۔۔ تا لوائے راز بر صحرا زند

پس موکلہائے دیگر روز حشر ۔۔۔ ہم تواند آفرید از بہر نشر

اے بد دوست آمدہ در ظلم و کیں ۔۔۔ گوہرت پیداست حاجت نیست ایں

نیست حاجت شہر گشتن در گزند ۔۔۔ بر ضمیر آتشینت واقف اند

نفس تو ہر دم برآرد صد شرار ۔۔۔ کہ بہ بینیدم منم اصحاب نار

جزو نارم سوئے کل خود روم | من نہ نورم کہ سوئے حضرت روم
ہمچناں کایں ظالم حق ناشناس | بہر گاوے کرد چندیں التباس
او از و صد گاو برد و صد شتر | نفس انیست اے پدر از وے ببر
نیز روزے یا خدا زاری نکرد | یا ربے نامد از و روزے بدرد
کاے خدا خصم مرا خوشنود کن | گر منش کردم زیاں تو سود کن
گر خطا کشتم دیت بر عاقلہ است | عاقلہ جانم تو بودی از الست
سنگ مے گردد باستغفار دُر | ایں بود انصاف نفس اے جان حُر

لوگوں کی ملامت سُنکر حضرت داود علیہ السلام نے فرمایا کہ صاجبو اب وہ وقت آگیا ہے کہ یہ راز سربستہ ظاہر ہو جاوے۔ اچھا شہر سے باہر چلو تاکہ ہم سب اس راز سے واقف ہو جائیں۔ کیونکہ فلاں جنگل میں ایک بڑا بھاری درخت ہے اوسکی شاخیں بہت کثرت سے اور خوب ملی ہوئی ہیں۔ اور بہت مضبوط خیمہ گاہ ہے اور تنہ بھی اوس کا بہت مضبوط ہے مجھے اوس کی جڑ میں سے خون کی بو آتی ہے کیونکہ اس عمدہ درخت کے اندر ایک خون ہوا ہے۔ یعنی اوس منحوس آدمی نے اپنے آقا کو مار ڈالا ہے اور اوسکو مار کر یہ بھڑوا اوس کا سارا مال لے اڑا ہے اور آج جو یہ رئیس بنا ہوا ہے حقیقت میں اوس آقا کا غلام ہے اور یہ مدعا علیہ اوسکا پوتا ہے۔ یہ اوس زمانہ میں بچہ تھا (باپ اسکا اپنے باپ کی حیات میں فوت ہو چکا تھا) اس لیئے اوسکو اس واقعہ کی مطلق خبر نہیں۔ اب تک تو حق سبحانہ نے اپنے حلم سے اسکو پوشیدہ رکھا لیکن بالآخر حق سبحانہ نے اس بھڑوے کی ناشکری سے کہ اسنے کبھی اس کے بال بچوں کو نہ دیکھا۔ نہ نوروزمیں

نہ عید میں نہ کسی تہوار میں اور ان بے سامانوں کی ایک لقمہ سے بھی کبھی خبر نہ لی اور ان کے داداکے پہلے حقوق کو کبھی یاد نہ کیا۔ حتی کہ اب یہ ملعون ایک گائے کے لیئے اوس کے پوتے کو زمین پر پٹکنا چاہتا ہے اس گناہ سے پردہ اٹھادیا لہٰذا فی الحقیقت خود اسی نے اپنے گناہ سے پردہ اوٹھادیا۔ ورنہ حق سبحانہ اس کے جرم کو چھپائے رکھتے (ف۔ یاد رکھو کہ یہ معنی تو اسوقت ہوں گے جب کہ از ناشکری ایں قلتبان میں لفظ ناشکری میں ایک لیسے ہو اور جار مجرور فعل محذوف سے متعلق ہوں۔ اور اگر وہ تی ہوں اور ایں قلتبان ناشکری کا مضاف الیہ نہ ہو بلکہ مبتدا ہو اور جزاوسکی او بخود برداشت الخ ہو تو معنے یہ ہونگے کہ بالآخر اپنی ناشکری سے اس بھڑوے نے اپنے گناہ سے خود پردہ اٹھایا۔) اب مولانا فرماتے کہ واقعی حق سبحانہ نہایت ستار ہیں اور کفار و فساق خود اپنی پردہ دری کرتے ہیں اوسکا ظلم اوسکے دل میں مستور ہوتا ہے۔ مگر وہ خود اوسکو لوگوں کے آگے رکھد یتا ہے اور کہتا ہے کہ مجھے دیکھ لو۔ میرے سینگ ہیں۔ اور میں دوزخ کا موذی بیل ہوں۔ تم اس دوزخ کے بیل کو کھلم کھلا دیکھ لو۔ اس سے تم معلوم کر لو کہ خود دنیا ہی میں تمہارے ہاتھ پاؤں اس ظلم مستور کی گواہی دیدیتے ہیں۔ دیکھو جبکہ وہ جرم مستور تم پر مسلط ہوتا اور تقاضا کرتا ہے کہ تو اپنے حتیال کو ہرگز مت چھپا بلکہ اوسکو ظاہر کردے بالخصوص غصہ اور گفتگو کے وقت تو اوسکا تقاضا اور بھی شدید ہوتا ہے اور وہ بالکل صاف صاف تمہارے راز کو ظاہر کر دیتا ہے اور جب کہ تم پر ظلم وجفا مسلط ہو کر تقاضا کرتے ہیں کہ اسے ہاتھ پاؤں ہمیں ظاہر کردو۔ اور جب کہ تمہارا سر جو کہ تمہارے جرم کا ایک گواہ ہے تمہاری لگام پکڑتا اور اپنے قبضہ میں لاتا ہی اور تم سے راز کو ظاہر کرادیتا ہے بالخصوص جوش غضب اور جوش انتقام کے وقت تو اب سمجھو کہ جو انکو مسلط کرتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ مخفی راز کا جھنڈا صحرا میں گڑجاتا اور وہ راز آشکار ہو جاتا ہے وہی قیامت میں افشائے راز کیلئے دوسرے موکل بھی پیدا کرسکتا ہے پھر تم قیامت میں اعضاء کے گواہی دینے سے

کیوں انکار کرتے یا کیوں اوسکو منتبہ سمجھتے ہو۔ اوس کے بعد مولانا توبیخاً فرماتے ہیں
کہ اے دونوں ہاتھوں سے ظلم وجور میں مصروف شخص موکلوں کو متقرر کر کے راز کو ظاہر
کرانے کی کیا ضرورت ہے تیرا جوہر تو خود ظاہر ہے کچھ ضرورت نہیں کہ تو اپنے ظلم کو
ظاہر کر کے مشہور ہو۔ کیونکہ تیرے خطرناک خیال کو جاننے والے بدون ظاہر کئے
بھی جانتے ہیں۔ خود تیرا نفس ہر دم سیکڑوں شرارے اُڑا رہا ہے اور کہہ رہا ہے
کہ لوگوں مجھے دیکھ لو۔ میں آتشی ہوں اور میری آتش جو ایک اعتبار سے جزو دوزخ
ہے بالآخر اپنے کل کیطرف راجع ہوگی اور میں نور نہیں ہوں کہ حق سبحانہ کی طرف
متوجہ ہوں (اس مقام پر ایک ضروری امر پر تنبیہہ کردینا ضروری معلوم ہوتا ہے
وہ یہ کہ مولانا کے کلام میں نظر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جب دو چیزیں متجانس
یا متشابہ ہوں اور اونمیں ایک ادنےٰ اور ایک اعلیٰ ہو تو مولانا ادنیٰ کو جزو اور اعلےٰ
کو کل فرما دیتے ہیں۔ اسی بنا پر کبھی وہ عقول ناقصہ کو جزو اور عقول کاملہ کو کل کہتے
ہیں کبھی قلب ناقص کو جزو اور قلب کامل کو کل فرماتے ہیں۔ کبھی نفس کو آتشیں کہکر
اوس کو جزو اور دوزخ کو کل کہتے ہیں وغیرہ وغیرہ اس اصطلاح کو نہ سمجھنے کے
سبب لوگ مغالطہ میں پڑتے ہیں۔ اور جزویت وکلیت حقیقۃً مراد لیکر توجیہات
باردہ میں مشغول ہوتے ہیں) مثلاً دیکھ لو کہ اس ناحق شناس ظالم نے ایک گائے
کے لیئے کسقدر حق پوشی کی۔ حالانکہ وہ خود اُس کی دو سو گائیں اور دو سو اونٹ
اڑا لے گیا تھا۔ یہ حالت ہے نفس کی پس تم کو چاہیئے کہ اوس سے قطع تعلق کرو
اور شرارت دیکھو کہ باوجودیکہ اوس نے اسقدر ظلم کیا تھا مگر ایک دن بھی تو خدا کے
سامنے نہ رویا اور سوز دل سے ایک دن بھی تو اوس کے منہ سے اے اللہ نہ نکلا۔
اور کبھی اس نے یہ نہ کہا کہ اے خدا تو میرے مظلوم دشمن کو خوش رکھنا اگر میں نے
ابسکا نقصان کیا ہے تو اے اللہ تو میری طرف سے اس نقصان کی تلافی فرما دینا۔ اور
اسکا فائدہ کر دینا اگر میں نے نفس کے دہوکہ میں آکر اوسکو مار ڈالا ہے تو میرے اس
جرم کی دیت میرے عاقلہ پر ہے اور میرا عاقلہ تو ہمیشہ سے تو ہی ہے اور میرے جنایات

کی تلافی کرنا تیرا ہی کام ہے۔ اگر وہ ایسا کرتا تو یہ جرم جرم نہ رہتا۔ کیونکہ استغفار کے سبب سے سنگ جرم دُرِ طاعت بنجاتا ہے۔ اب تم سمجھ لو کہ یہ حالت ہے نفس کے انصاف کی۔ تو پھر اس سے کیا توقع ہو سکتی ہے کہ وہ مظلوم کی حمایت کرے گا۔ بلکہ لامحالہ وہ ظالم کا طرفدار ہو گا (قولنا۔ اگر وہ ایسا کرتا تو وہ جرم جرم نہ رہتا الخ اسکا مطلب یہ ہے کہ اُسپر جرم کے آثار مرتب نہ ہوتے اور دنیا میں رسوائی اور آخرت میں تعذیب نہ ہوتی۔ بلکہ وہ مستحق اجر ہوتا۔ دنیا میں رسوائی نہونے میں تو کوئی اشکال نہیں لیکن آخرت میں تعذیب نہ ہونے پر یہ اشکال ہے کہ قتل و اخذ مال غیر حقوق العباد ہیں ان کو حق سبحانہ بطور خود معاف نہیں فرماتے۔ پھر آخرت میں تعذیب کیوں نہ ہوتی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ گو حق سبحانہ خود معاف نہیں فرماتے۔ لیکن اگر وہ چاہیں تو خود مدعی سے معاف کرا سکتے ہیں پس تعذیب منتفی ہو گئی۔ اور اوس کے طاعت ہونے کا یہ مطلب ہے کہ وہ اوس گناہ کے سبب۔ بجائے استحقاق عقوبت کے مستحق اجر ہوتا گو وہ گناہ خود سبب استحقاق اجر نہ ہوتا۔ بلکہ سبب استحقاق فی الحقیقت استغفار ہوتا جو کہ ایک عبادت ہے لیکن اس طاعت استغفار کا سبب چونکہ وہ گناہ ہی تھا اس لیے مجازاً اسیکو طاعت کہدیا گیا اور استحقاق اجر کو اسی کی طرف نسبت کر دیا گیا فتفہم)

شرح شبیری

داؤد علیہ السلام کا قصد کرنا تا کہ اوس کے راز کو ظاہر فرماویں

گفت اے یاران زمان آں رسید کاں سر مکتوم او گردد پدید

یعنی داوڈ نے فرمایا کہ اے یارو وقت اوسکا آگیا ہے کہ اوسکا پوشیدہ راز ظاہر ہو جاوے۔

جملہ برخیزید تا بیروں رویم　　سوئے صحرا او بداں ہاموں شویم

یعنی سب اٹھو تاکہ ہم باہر جنگل کی طرف چلیں اور اُس میدان میں جاویں۔

مرد و زن از خانہا بیروں روید　　تا براں سر نہاں واقف شوید

یعنی (فرمایا کہ) اے مرد و عورت گھروں سے باہر چلو تاکہ اوس پوشیدہ بھید پر واقف ہو جاؤ۔

در فلاں صحرا درختے ہست زفت　　شاخہایش انبہ و بسیار جفت

یعنی فلاں جنگل میں ایک درخت عظیم ہے اور اوسکی شاخیں انبوہ ہیں اور بہت گھنی ہیں۔

سخت راسخ خیمہ گاہ و میخ او　　بوئے خوں می آیدم از بیخ او

یعنی اوسکی خیمہ گاہ اور اوس کی میخ سخت راسخ ہے مجھے اوس کی جڑ میں سے بوئے خون آتی ہے

خوں شدہ ست اندریں آں خوش درخت　　خواجہ را کشت است ایں منحوس بخت

یعنی اوس درخت عظیم کی جڑ میں خون ہوا ہے اور اس منحوس بخت نے اپنے خواجہ کو قتل کیا ہے۔

مال او برداشتہ ست ایں قلتباں　　ویں غلام اوست اے آزادگاں

یعنی اور اوس کے مال کو اس دیوث نے لے لیا ہے اور اے آزادو یہ اوسکا غلام ہے۔

ایں جواں مر خواجہ را باشد پسر　　طفل بود و او ندار د زیں خبر

یعنی یہ جوان اوس خواجہ کا لڑکا ہے یہ (اسوقت) بچہ تھا اسکو اس بات کی خبر نہیں ہے۔

تا کنوں حلم خدا پوشید آں　　آخر از ناشکری ایں قلتباں

یعنی اب تک تو حلم حق نے اوس (کے بھید) کو پوشیدہ رکھا (مگر) آخر اس دیوث کی ناشکری کی وجہ سے (حق تعالیٰ نے اب ظاہر فرمادیا) اور وہ ناشکری یہ ہے۔ کہ

کہ عیال خواجہ را روزے ندید　　نے بہ نوروز و نہ موسمہائے عید

یعنی عیال خواجہ کو اُس نے ایک دن نہ دیکھا نہ نوروز میں نہ موسمہائے عید میں۔

بینوایاں را بہ یک لقمہ نجست　　یاد نا وردا وز حقہائے نخست

یعنی اُس نے اون بے نواؤں کو ایک لقمہ کے لیے (کبھی) تلاش نہ کیا۔ اور اون حقوق پیشین کو یاد نہ کیا مطلب یہ کہ اوس کمبخت نے یہ بھی نہ کیا کہ کبھی عید بقر عید کو یہ سمجھکر کہ انھیں کی مال و دولت لیئے بیٹھا ہوں ان غریبوں کو ایک لقمہ تک نہ دیا۔

تاکنوں از بہر یک گاؤ ایں لعیں　　میزند فرزند او را بر زمیں

یعنی یہاں تک کہ اب ایک گائے کے واسطے یہ ملعون اوس کے لڑکے کو زمین پر پٹکے دیتا ہے۔

او بخود برداشت پردہ از گناہ　　ورنہ می پوشید جرمش را الٰہ

یعنی اس نے گناہ پر سے خود پردہ اٹھادیا ورنہ اللہ تعالیٰ نے تو اس کے جرم کو پوشیدہ رکھا تھا۔ مطلب یہ کہ اس کمبخت نے یہ ساری باتیں کرکے خود اپنا فضیحتہ کیا ورنہ حق تعالیٰ نے تو اتنی مدت سے اُس کے جرم کو چھپا ہی رکھا تھا۔ آگے مولانا فرماتے ہیں کہ

کافر و فاسق دریں دور گزند　　پردۂ خود را بخود برمے درند

یعنی کافر اور فاسق اس دور گزند میں خود بخود اپنی پردہ دری کرتے ہیں۔

ظلم مستور ست در اسرار جاں　　می نہد ظالم بہ پیش مردماں

یعنی ظلم اسرار جان میں پوشیدہ ہوتا ہے تو ظالم اوس کو لوگوں کے سامنے رکھدیتا ہے۔ مطلب یہ کہ حق تعالیٰ ظالم کے ظلم کو پوشیدہ رکھتے ہیں اور کسی پر ظاہر نہیں ہونے دیتے۔ مگر یہ خود ہی کہتا پھرے تو اسکا کیا علاج۔ اور اکثر یہی ہوتا ہے کہ حق تعالےٰ پوشیدہ رکھتے ہیں اور یہ مرتکب خود ہی ظاہر کرتا ہے اور کہتا ہے کہ

کہ بہ بینیدم کہ دارم شاخہا　　گاوِ دوزخ را بہ بینید از ملا

یعنی کہ دیکھو کہ میں اپنے سینگ رکھتا ہوں اور دوزخ کی گائے کو ظاہر طور پر دیکھ لو۔ مطلب یہ ہے کہ خود اپنی زبان سے اپنے مظالم اور اون کے اسباب کو ظاہر کرتا پھرتا ہے خاصکر خون کی بابت تو مشہور ہے کہ قاتل چھپا ہی نہیں سکتا ظاہر ہو ہی کے رہتا ہے۔ آگے مولانا فرماتے ہیں کہ جسطرح یہ اپنے گناہوں کو اضطرارًا ظاہر کر دیتا ہے اور اور اسکی زبان وغیرہ اوس کے گناہو نپر دنیا ہی میں گواہی دیتی ہے۔ اسیطرح قیامت میں بھی اعضاء گواہی دیدیں گے فرماتے ہیں کہ۔

ظالم کے ہاتھ پاؤں زبان کا دنیا ہی میں گواہی دینا

پس ہمیں جا دست و پایت بے گزند　　بر ضمیر تو گواہے مے دہند

یعنی بس اسی جگہ (دنیا ہی میں) تیرے ہاتھ پاؤں بے گزند کے تیرے باطن پر گواہی دیتے ہیں۔

چوں موکل می شود بر تو ضمیر　　کہ بگو تو اعتقادت وا مگیر

یعنی جب کہ تمہارے اوپر وہ بھید موکل ہو جاتا ہے کہ کہدے اور اپنے اعتقاد کو واپس مت لے۔

خاصہ در ہنگام خشم و گفت گو　　میکند ظاہر سرت را مو بمو

یعنی خاصکر وقت خشم و گفتگو میں کہ وہی موکل تیرے بھید کو مو بمو ظاہر کر دیتا ہے۔

چوں موکل می شود ظلم و جفا　　کہ ہویدا کن مرا اے دست و پا

یعنی وہ ظلم و جفا جسطرح مسلط ہو جاتا ہے کہ (کہتا ہے کہ) اے ہاتھ پاؤں مجھے ظاہر کر دے۔

چوں ہمی گیرد گواہ سر لگام　　خاصہ وقت جوش و خشم و انتقام

یعنی جسطرح کہ وہ گواہ سر لگام پکڑ لیتا ہے خاصکر وقت جوش اور خشم اور انتقام (کہ اسوقت تو اور اچھی طرح بتا دیتا ہے کہ دیکھو میں نے ایسا کیا تھا ایسا کیا تھا

تم مجھے کیا سمجھتے ہو وغیرہ وغیرہ تو جسطرح کہ دنیا میں یہ ظلم مسلط ہو جاتا ہے اسیطرح آخرت میں بھی کوئی شے مسلط ہو کر سب ایک ایک تم سے پوچھ لیگی۔ اسی کو فرماتے ہیں کہ۔

پس ہماں کس کہ مسلط می کند تا لوائے راز بر صحرا زند

یعنی پس وہی ذات جو کہ اوسکو مسلط کر دیتی ہے تا کہ علم راز کو صحرا پر لگا دے۔

پس موکلہائے دیگر روز حشر ہم تواند آفریداز بہر نشر

یعنی پس دوسرے موکلین حشر کے دن وہی ذات نشر کے واسطے پیدا فرمادیگی (اور اسوقت کہا جاوے گا کہ)

اے بدو دست آمدہ ظلم وکیں گوہرت بیدا ست حاجت نیست ایں

یعنی اے شخص جو کہ دونوں ہاتھوں سے ظلم وکیں میں آیا ہوا ہے تیری ذات ظاہر ہوگئی ہے۔ اب اس (اظہار) کی ضرورت نہیں رہی ہے۔

نیست حاجت شہرہ گشتن در گزند بر ضمیر آتشینت واقف اند

یعنی ظلم میں مشہور ہونے کی حاجت نہیں ہے تیرے ضمیر آتشیں پر سب لوگ واقف ہیں۔

نفس تو ہر دم بر آرد صد شرار کہ ببینیدم منم اصحاب نار

یعنی تمہارا نفس ہر دم سو شرار نکالتا ہے کہ مجھے دیکھو میں اصحاب نار سے ہوں

جزو نارم سوئے کل خود روم من نہ نورم کہ سوئے حضرت شوم

یعنی میں تو جزو نار ہوں اپنے کل کی طرف جاتا ہوں میں نور نہیں ہوں جو حضرت حق کی طرف جاؤں۔ مطلب یہ کہ تمہارا نفس ہر دم معاصی کو اور گناہوں کو ظاہر کر رہا ہے اور ہر دم دوزخ کی طرف جا رہا ہے۔

ہمچناں کایں ظالم حق ناشناس بہر گاوے کرد چندیں التباس

یعنی جس طرح کہ اس ظالم نا حق شناس نے ایک گائے کے واسطے کتنے مکر کئے (حالانکہ)

اوازیں صد گاؤ بردو صد شتر   نفس انیست آے پدر از وے ببر

یعنی وہ اس سے سو گائیں اور سو اونٹ لیجا چکا تھا تو اے بابا نفس یہی ہے اس سے قطع تعلق کر دو۔ مطلب یہ کہ جس طرح اس شخص کو باوجود اتنا مال و دولت لے لینے کے چین نہ آتی تھی اسی طرح نفس کو تمہارے دولت ایمان کو لیکر چین نہیں آتا۔ اول تو یہ شرارت اور سرزوری کرتا ہے اوسپر طرہ یہ کہ۔

نیز روزے با خدا زاری نکرد   یاربے نامد از و روزے بدرد

یعنی ایک دن بھی خدا سے زاری نہیں کی اور اس سے ایک دن بھی درد کے ساتھ یارب نہ آیا۔ یعنی ایک تو اتنا ظلم کیا پھر کبھی اتنی توفیق نہ ہوئی کہ خدا ہی سے دعا کر لیتا کہ اگر خدا کے سامنے عاجزی کرتا تو حق تعالیٰ کبھی اوس کو رسوا نکرتے رسوا تو اپنی ہٹ دھرمی سے ہوا کہ جانتا تھا کہ میں ظالم ہوں اور پھر بھی اسی پر اڑا رہا کہ میری خطا ہی نہیں ہے اور اگر یہ بھی نہ کرتا تو اتنا تو کرتا کہ اون مظلومین کے لیے دعا کرتا اور کہتا کہ۔

کاے خدا خصم مرا خوشنود کن   گر منش کردم زیاں تو سود کن

یعنی کہ اے خدا میرے دشمن کو خوش کر دیجئے اور اگر میں نے اوسکا نقصان کیا ہے تو آپ نفع کر دیجئے (تو اس طرح ہی دعا کرتا تب بھی حق تعالے معاف فرما دیتے اور کہتا کہ)

گر خطا کشتم دیت بر عاقلہ است   عاقلہ جانم تو بودی از الست

یعنی (کہ اے خدا) اگر میں نے خطاءً مار ڈالا ہے تو دیت عاقلہ پر ہے اور میری جان کے عاقلہ روز الست سے آپ ہی ہیں۔ مطلب یہ کہ عرض کرتا کہ یا الٰہی میں نے تو اوس کو مار ڈالا اب آپ اوس کی دیت دے دیجئے یعنی اوسکو خوش کر دیجئے تو اگر یہ دعا کرتا تو اوس کا مال اوس کے پاس رہتا اور حق تعالیٰ اُسے بھی خوش کر دیتا اس لیے کہ۔

سنگ می گردد ز استغفار دُر   ایں بود ز انصاف نفس اے جان حُر

یعنی استغفار کی وجہ سے پتھر بھی موتی ہوجاتا ہے تو اے جان حُر نفس کا انصاف توبہ ہے۔ یعنی نفس کو اس طرح رکھو کہ اگر ایک طرف زیادتی ہوجاوے اور کسی وجہ سے کوئی کام ہوجاوے تو پھر استغفار کرلو اوس کے ذریعہ سے اوس تعدی اور زیادتی کی تلافی ہوجاوے گی۔ مگر اُس نے ایسا نہیں کیا بلکہ ہٹ دھرمی کی تو آخر فضیحت ہوا۔ آگے پھر قصہ بیان فرماتے ہیں کہ۔

شرح حبیبی

چوں بروں رفتند سوئے آں درخت ‌ ‌ گفت دستش راز پس بندید سخت

تا گناہ و جرم او پیدا کنم ‌ ‌ تا لواے عدل بر صحرا زنم

گفت اے سگ جدّ ایں را کشتۂ ‌ ‌ تو غلامے خواجہ زیں رو کشتۂ

خواجہ را کشتی و بردی مال او ‌ ‌ کرد یزداں آشکارا حال او

آں زنت اورا کنیزک بودہ است ‌ ‌ با ہمیں خواجہ خطا بنمودہ است

ہرچہ زو زائیدہ مادہ یا کہ نر ‌ ‌ ملک وارث باشد آنہا سربسر

تو غلامے کسب و کارت ملک اوست ‌ ‌ شرع جستی شرع بستاں رو نکوست

خواجہ را کشتی باستم زار زار ‌ ‌ ہم بر اینجا خواجہ گویاں زینہار

کارد را از اشتاب کردی زیر خاک ‌ ‌ از خیالے کہ بدید سے سہمناک

نک سرش با کارد در زیر زمیں ‌ ‌ باز کاوید ایں زمیں را ہم چنیں

نام ایں سگ ہم نوشتہ کارد بر ‌ ‌ کرد با خواجہ چنیں مکر و ضرر

ہمچنیں کردند چوں بشگافتند ‌ ‌ در زمیں آں کارد با سر یافتند

ولولہ در خلق افتاد آں زماں — ہر یکے زنار ببرید از میاں

جملہ از داؤد گشتہ عذر خواہ — زانکہ بد ظن گشتہ بودند و تباہ

بعد ازاں گفتش بیا اے دادخواہ — داد خود بستاں تو ازیں روسیاہ

ہم بداں تیغش بفرمود او قصاص — کے کند مکرش ز علم حق خلاص

حلم حق گرچہ مواساہا کند — چونکہ از حد بگذرد رسوا کند

خوں نخسپد درفتد در ہر دلے — میل جست و جوئے و کشف مشکلے

اقتضائے داورے رب دیں — سر برآرد از ضمیر آں و ایں

کاں فلاں خواجہ چہ شد حالش چہ گشت — ہمچنانکہ جوشد از گلزار کشت

جوشش خوں باشد آں واجستہا — خارش دلہا و بحث و ماجرا

چونکہ پیدا گشت ستر کار او — معجز داؤد شد فاش و دو تو

خلق جملہ سر برہنہ آمدند — سر بسجدہ بر زمینہا مے زدند

ما ہمہ کوران اصلے بودہ ایم — وانچہ مے فرمودہ نشنودہ ایم

وز تو ما صد گوں عجائب دیدہ ایم — لیک معذوریم چوں بے دیدہ ایم

سنگ با تو در سخن آمد شہیر — کز برائے غزو طالوتم بگیر

تو بہ سنگ و فلاخن آمدی — صد ہزاراں خصم را برہم زدی

سنگہا بت صد ہزاراں پارہ شد — ہر یکے مر خصم را خونخوارہ شد

آہن اندر دست تو چوں موم شد — چوں زرہ سازی ترا معلوم شد

کوہہا با تو رسائل شد شکور — با تو مے خوانند چوں مقرے زبور

صد ہزاراں چشم دل بکشادہ شد — از دم تو غیب را آمادہ شد

واں قوی تر از ہمہ کاں دائم است	زندگی بخشئے کہ سرمد قائم است
جان جملہ معجزات اینست خود	کہ بہ بخشد مردہ را جان ابد
کشتہ شد ظالم جہانے زندہ شد	ہر یکے از ما حسترا بندہ شد

جب باہر نکلکر درخت کے پاس پہونچے تو حضرت داؤد علیہ السلام نے فرمایا کہ اس کی مشکیں کس لو تاکہ میں اسکا جرم اور گناہ ظاہر کروں اور تاکہ انصاف کا جھنڈا صحرا میں قائم کروں۔ یعنی انصاف کو عالم آشکار کروں۔ یہ حکم دے کر آپ مدعی کی طرف مخاطب ہوئے اور فرمایا کہ او نالائق تو نے اس مدعا علیہ کے دادا کو مارا ہے اور تو حقیقت میں غلام ہے اور اس ذریعہ سے تو سردار بن گیا ہے تو آقا کو مار کر اوس کا مال لے اڑا ہے۔ اب حق سبحانہ نے تیرا حال ظاہر کر دیا اور وہ جو تیری بیوی ہے وہ اوس کی لونڈی ہے اُس نے بھی اس آقا پر زیادتی کی ہے لہذا جو کچھ نر و مادہ بچے اوس سے پیدا ہوئے ہیں وہ اُس آقائے مقتول کے وارث کی ملک ہیں اور چونکہ تو غلام ہے اس لیے جو کچھ تو نے کمایا ہے سب اوسی کی ملک ہے تو نے شرعی فیصلہ چاہا تھا بہت بہتر ہے لے یہ شرعی فیصلہ ہے تو نے اپنے آقا کو اسی جگہ ظلماً مارا ہے حالانکہ وہ تجھ سے کہتا تھا کہ اے مجھے مت مار مجھے چھوڑ دے چونکہ تو قتل کر کے ڈرا اور تیرے متخیلہ نے کوئی صورت تیرے پیش نظر کر دی اس لیے فوراً تو نے خنجر کو زمین میں دفن کر دیا۔ دیکھو زمین میں وہ سر چھری سمیت موجود ہے اچھا لو اس زمین کو کھود دو اور دیکھو کہ اوس چھری پر اس پاجی کا نام بھی لکھا ہوا ہے دیکھو اس پاجی نے اپنے آقا کے ساتھ یہ فریب کیا اور اوسکو اسقدر ضرر پہونچایا۔ لوگوں نے حکم کی تعمیل کی اور اس زمین کو کھودا تو اُس میں سے سر اور چھری دونوں برآمد ہوئے۔ یہ دیکھکر لوگوں میں ایک شور مچ گیا اور سب نے اپنی اپنی کمر سے زنار توڑ ڈالے یعنی سب نے حضرت داؤد علیہ السلام

سے معذرت کی کیونکہ وہ اُن سے بدظن ہو کر اپنی عاقبت خراب کر چکے تھے اوس کے بعد حضرت داود علیہ السلام نے مدعا علیہ سے فرمایا کہ او مظلوم آ اور اس روسیاہ سے اپنا انتقام لے۔ اور فرمایا کہ اسی خنجر سے اس سے قصاص لے۔ اب مولانا فرماتے ہیں کہ یہ آپشے فریب سے گویا کہ دائرہ علم الٰہی سے نکلنا چاہتا تھا مگر نکل کب سکتا تھا حلم حق سبحانہ بہت درگذر کرتا ہے مگر جب کہ آدمی حد سے تجاوز کرتا ہے تو پھر حق سبحانہ اوسکو رسوا کر دیتے ہیں۔ خون خاموش نہیں رہتا بلکہ ہر دلمیں اوس کی تفتیش کی رغبت اور اس عقدہ مشکل کو حل کرنے کا خیال پیدا ہوتا ہے اور عدل خداوندیکا اقتضا لوگوں کے دلوں میں یوں ظہور کرتا ہے کہ وہ سوچتے ہیں کہ فلاں شخص کیا ہوا اور اوس کا کیا حال ہوا۔ یہ خیالات ان کے دل میں یوں ہی پیدا ہوتے ہیں کہ جسطرح باغ میں کھیتی اور یہ تمام تفتیش اور دلوں کی کھٹک اور پوچھ کچھ سب خون کا جوشش ہوتی ہیں غرضکہ جبکہ اس قصہ کا راز ظاہر ہوا تو حضرت داؤد علیہ السلام کا معجزہ ظاہر اور عظیم ہو گیا۔ سب لوگ ننگے سر آئے اور زمین پر سربسجود ہوئے اس کے بعد کہا کہ ہم اعتراف کرتے ہیں کہ ہم اصلی اندھے تھے اور جو کچھ آپ نے فرمایا اوسکو ہم نے بگوش قبول نہ سُنا اور ہم نے آپ کے سیکڑوں طرح کے عجائبات دیکھے۔ لیکن چونکہ ہم اندھے ہیں اس لیئے معذور ہیں آپ معاف فرمائیں۔ ہم جانتے ہیں کھلم کھلا آپ سے پتھر نے گفتگو کی اور کہا کہ آپ طالوت کی مصاحبت میں جنگ کریں گے اس جنگ کے لیئے آپ مجھے لے لیجیے۔ نیز آپ تین پتھر اور ایک گوپیا لیکر جنگ میں شریک ہوئے اور لاکھوں دشمنوں کو انھیں پتھروں سے فی النار کر دیا۔ آپ کے پتھروں کے بہت سے ٹکڑے ہوتے تھے اور ایک ٹکڑا دشمن کو ہلاک کرتا تھا۔ نیز جبکہ آپ کو صنعت زرہ بافی معلوم ہوئی تو آپ کے ہاتھ میں لوہا موم کی طرح نرم ہونے لگا۔ نیز پہاڑ شاکر ہو کر آپ کے ہم آواز ہوئے اور آپ کے ساتھ ساتھ قاریوں کی طرح زبور پڑھتے ہیں نیز لاکھوں باطنی آنکھیں کھلگئیں اور آپ کے وعظ سے غیب بینی پر آمادہ ہو گئیں اور سب سے بڑھکر جو کہ ہمیشہ رہنے

والی ہے یہ بات ہے کہ آپ وہ حیات عطا فرماتے ہیں جو ہمیشہ باقی رہنے والی ہے اور سب معجزات کی جان آپ کا یہ معجزہ ہے کہ آپ حیات ابدی عطا کرتے ہیں الحمد للہ کہ ظالم مر گیا اور اس کے سبب دنیا زندہ ہو گئی اور ہم میں سے ہر ایک خدا کا بندہ ہو گیا۔ ورنہ اوسنے تو ہم سب کو تباہ کر دیا تھا کہ ہم اوسکی باتوں میں آکر آپ پر اعتراض کرنے لگے تھے اور ایمان کھو بیٹھے تھے۔ فقط

شرح شبیری

لوگوں کا اوس درخت کی طرف باہر جانا

چوں بروں رفتند سوے آں درخت　　گفت دستش را زپس بندید سخت

یعنی جب اوس درخت کی طرف باہر کو چلے تو داوٗدؑ نے حکم دیا کہ اس کے ہاتھوں کو پیچھے مضبوط باندھ دو (یعنی مشکیں کس لو)

تا گناہ و جرم اوپیدا کنم　　تا لوائے عدل بر صحرا زنم

یعنی تاکہ میں اوس کے گناہ اور جرم کو ظاہر کروں اور تاکہ عدل کا جھنڈا صحرا پر لگادوں۔

گفت اے سگ جد ایں را کشتۂ　　تو غلامے خواجہ زیں روگشتۂ

یعنی داوٗدؑ نے فرمایا کہ اے کتے تو نے اُس کے جد کو مارا ہے تو غلام ہے خواجہ (مِن) (قتل کی وجہ) سے ہو گیا ہے۔ جد مجازاً کہدیا ورنہ مقتول اس شخص مدعاعلیہ کا باپ تھا مطلب یہ کہ آپ نے فرمایا کہ ارے کتے تو اس کے باپ کو مار کر خود خواجہ بن بیٹھا ہے ورنہ اصل میں غلام ہے۔

خواجہ را کشتی و بردی مال او　　کرد یزداں آشکارا حال او

یعنی تو نے آقا کو قتل کیا ہے اور اوس کا مال تو لیگیا ہے تو خدائے تعالےٰ نے اوسکا حال ظاہر کر دیا ہے۔

آں زنت او را کنیزک بودہ است ۔ باہمیں خواجہ جفا بنمودہ است

یعنی وہ تیری بیوی اوس کی باندی تھی اوس نے اُس خواجہ کے ساتھ جفا کی ہے۔

ہر چہ او زاید ہ مادہ یا کہ نر ۔ ملک وارث باشد آنہا سر بسر

یعنی جو کچھ کہ اوس عورت نے لڑکا یا لڑکی جنا ہے تو وہ سب اس وارث کی ملک ہیں سر بسر۔

تو غلامے کسب و کارت ملک اوست ۔ شرع جستی شرع بستان نکوست

یعنی تو غلام ہے اور تیرا سارا کسب اور تمام کام اوس کی ملک ہیں۔ تو شرع کو ڈھونڈھتا تھا شرع لے۔ جا خوب اچھی ہے۔ یعنی تو فیصلہ شرع کا چاہتا تھا ے یہ فیصلہ شریعت کا ہے۔

خواجہ را کشتی باستم زار زار ۔ ہم برانیجا خواجہ گویان زینہار

یعنی تو نے آقا کو ظلم سے زار زار کر کے اسی جگہ مارا ہے اور خواجہ کہہ رہا تھا کہ ارے جانے دے۔

کارد از اشتاب کردی زیر خاک ۔ از خیالے کہ بدیدی سہمناک

یعنی چھری کو جلدی سے تو نے ایک خیال کی وجہ سے جس کو تو نے خوفناک سمجھا تھا زیر خاک کر دیا ہے یعنی اس خیال سے کہ کہیں خون آلود چھری کوئی دیکھ نہ لے اوسکو بھی زیر خاک دفن کر دیا ہے۔

نک سرش با کارد در زیر زمیں ۔ باز کاوید ایں زمیں را ہمچنیں

یعنی یہ اوس کا سر مع چھری کے زیر زمین ہے (اے لوگو) تم اس زمین کو اسطرح کھودو

نام ایں سگ ہم نوشتہ کارد بر ۔ کرد با خواجہ چنیں مکر و ضرر

یعنی اس کتے کا نام چھری پر لکھا ہوا ہے اس (نمکحرام) نے آقا کے ساتھ ایسا مکر اور ضرر کیا ہے۔

ہمچنیں کردند چوں بشگافتند ۔ در زمیں آں کارد با سر یافتند

یعنی لوگوں نے اسی طرح کیا اور جب زمین کو کھولا تو زمین میں اُس چھری کو مع سر

کے پایا۔

ولولہ افتاد در خلق آں زماں　　ہر یکے زنار ببرید از میاں

یعنی اوسیوقت لوگوں میں ایک شور پڑ گیا اور ہر ایک نے کمر سے زنار توڑ دی۔ یعنے چونکہ پہلے ان لوگوں نے حضرت داودؑ علیہ السلام پر اعتراض کیا تھا اور نبی پر اعتراض کفر ہے تو اب بعد اظہار قصہ کے اون سب نے اُس کفر سے توبہ کی اوسیکو زنار توڑنے سے تعبیر فرمایا ہے اوسیکو خود فرماتے ہیں کہ۔

جملہ از داود گشتہ عذر خواہ　　زانکہ بدظن گشتہ بودند و تباہ

یعنی سب کے سب داودؑ سے عذر خواہ ہوئے۔ اس لیئے کہ سب بدظن اور تباہ ہو چکے تھے۔ یعنی چونکہ اوس اعتراض کیوجہ سے بدظن اور تباہ ہو رہے تھے اس لیئے سب نے معافی مانگی۔

داود علیہ السلام کا خونی سے قصاص لینے کا حکم کرنا بعد الزام حجت کے اوسپر

بعد ازاں گفتش بیا اے داد خواہ　　داد خود بستاں تو ازیں روسیاہ

یعنی بعد اس کے اوس (دعا کنندہ) سے فرمایا کہ اے داد خواہ تو اس روسیاہ سے اپنی داد لے (پہلے صاحب گاو مدعی تھا اور اب کشندہ گاو مدعی ہے لہذا اوسکو داد خواہ کہدیا۔ یعنی فرمایا کہ اب تو اس سے اپنا بدلہ لے)

ہم بداں تیغش بفرمود او قصاص　　کے کند مکرش ز علم حق خلاص

یعنی اوسی تلوار سے اوسکو قصاص لینے کو فرمایا۔ اور علم حق سے اوس کا مکر کب چھوٹ سکتا ہے۔

حلم حق گرچہ مواساہا کند　　چونکہ از حد بگذری رسوا کند

یعنی حلم حق اگرچہ بہت مواسات کرتا ہے (مگر) جبکہ تم حد سے گذر جاؤ تو رسوا کر دیتا ہے (دیکھو اس کی بات کو حق تعالے نے کتنی مدت تک چھپایا مگر اب جو یہ استقدر حد سے بڑھا تو آخر رسوا کر دیا۔ نعوذ باللہ منہ اللھم استر عیوبنا واغفر لنا وارحمنا

منت مولیٰنا) آگے مولانا فرماتے ہیں کہ

خوں نخسپید و درفتد در ہر دلے   میل جُست و جوئے وکشفِ مشکلے

یعنی خون سوتا نہیں ہے اور ہر دل میں جستجو اور کشف مشکل کا میلان پڑتا ہے۔

اقتضائے داوری رب دیں   سر برآرد از ضمیر آن و ایں

یعنی رب العالمین کی داوری کا اقتضا اس کے اور اُس کے دلوں سے سر نکالتا ہی (اسطرح کہ کہتے ہیں کہ۔)

کاں فلاں چوں شد چہ شد حالش چہ گشت   ہمچنانکہ جوشد از گلزار کشت

یعنی کہ وہ فلاں کیونکر ہوا کیا ہوا اور حال اُسکا کیا ہوا۔ اسطرح کہ جیسے گلزار میں سے کھیتی جوش مارتی ہے۔ مطلب یہ کہ جب خون ہوتا ہے تو لوگ جوئیں ہوتے ہیں اور ہر ایک شخص اسی جستجو میں خود بخود لگ جاتا ہے۔

جوشش خوں باشد آن واجبها   خارش دلها و بحث ماجرا

یعنی یہ جستجوئیں جوش خون کی وجہ سے ہوتی ہیں اور خارش قلوب اور بحث وماجرا ہوتا ہے۔ مطلب یہ کہ خون جوش مارتا ہے تو دلوں میں ایک خارش پیدا ہو جاتی ہے اور سب تلاش میں لگ جاتے ہیں۔ اور یہ بات آجکل بھی ہے مشہور ہے کہ خون سر چڑھکر بولتا ہے۔ اللھم احفظنا۔ آگے فرماتے ہیں کہ۔

چونکہ پیدا گشت سرِ کار او   معجزہ داود شد فاش و دوتو

یعنی جب کہ اوس کا بھید ظاہر ہو گیا۔ تو داوٗد علیہ السلام کا معجزہ ظاہر ہو گیا۔ اور دوہرا ہو گیا۔ مطلب یہ کہ جس طرح انھوں نے بتایا تھا جب اُسی طرح نکلا تو سبکو آپکا معجزہ معلوم ہو گیا اور فہرست معجزات میں ایک زیادتی ہو گئی۔

خلق جملہ سر برہنہ آمدند   سر بسجدہ بر زمینہا مے زدند

یعنی سارے سر برہنہ آئے اور سجدہ میں زمین پر مارتے تھے (اور کہتے تھے کہ)

ما ہمہ کوران اصلی بودہ ایم   وانچہ مے فرمودہ نشنودہ ایم

یعنی ہم سارے اصلی اندھے تھے اور آپ جو فرماتے تھے ہم اوسکو نہ سنتے تھے۔

ورز تو ما صد گوں عجائب دیدہ ایم　　لیک معذوریم چوں کہ دیدہ ایم

یعنی ہم نے تو آپ سے سیکڑوں قسم کے عجائبات دیکھے ہیں لیکن جب ہم اندھے ہیں تو معذور ہیں مطلب یہ کہ ہم نے آپ سے بہت سے عجائبات دیکھے ہیں مگر کیا کریں بصیرت تو حاصل نہیں ہے لہذا ہم معذور ہیں کہ اسمیں بھی یہی نہ سمجھا کہ آپ کو معلوم ہو گیا ہو گا۔ اور یہ سمجھکر چپ نہ رہے آگے ان عجائبات میں سے کچھ بیان کرتے ہیں کہ۔

سنگ با تو در سخن آمد شہیر　　کز برائے غزو جالوتم بگیر

یعنی پتھر آپ سے باتوں میں آیا۔ مشہور ہے کہ (اوس نے کہا کہ) مجھے جالوت کی لڑائی کے واسطے لے لو (اہل سیر نے لکھا ہے کہ جب داؤدؑ طالوت کے ساتھ جالوت سے لڑنے کو چلے ہیں تو ایک پتھر نے کہا تھا کہ اے داؤدؑ مجھے لیلو میرے ذریعہ سے تم جالوت کو قتل کروگے تو ایسا ہی ہوا)

تو بسہ سنگ و فلاخن آمدے　　صد ہزاراں خصم را برہم زدے

یعنی آپ (جنگ جالوت میں) تین پتھر اور گوپھیہ کے ساتھ آئے تھے اور لاکھوں دشمنوں کو درہم برہم کر دیا تھا (اس طرح کہ)

سنگہایت صد ہزاراں پارہ شد　　ہر یکے مر خصم را خونخوارہ شد

یعنی آپ کے پتھر لاکھوں ٹکڑے ہوئے اور ہر ایک دشمن کے لیئے خونخوار ہو گیا۔ یعنی ہر ایک پتھر کے بہت سے ٹکڑے ہوتے تھے اور جس کے وہ ٹکڑا لگتا تھا وہ اوسکو مار دیتا تھا۔

آہن اندر دست تو چوں موم شد　　چوں زرہ سازی ترا معلوم شد

یعنی لوہا آپ کے ہاتھ میں موم ہو گیا جب کہ آپ کو زرہ سازی معلوم ہوئی (یہ تو بہت ہی مشہور ہے)

کوہہا با تو رسائل شد شکور　　با تو میخوانند چوں مقرے زبور

یعنی پہاڑ آپ کے ساتھ ہم آواز ہوئے درانحالیکہ شکر کرنے والے تھے اور وہ

آپ کے ساتھ قاری کی طرح زبور پڑھتے تھے

صد ہزاراں چشم دل بکشادہ شد　　　از دم تو غیب را آمادہ شد

یعنی لاکھوں چشم دل آپ کے دم سے کھل گئیں۔ اور غیب کے لیئے آمادہ ہوگئیں

واں قوی تر از ہمہ کاں دائم است　　　زندگی بخشی کہ سرمد قائم است

یعنی وہ معجزہ جو کہ سب سے قوی ہے اور دائم ہے حیات (روحانی) کا بخشتا ہی کہ (یہ معجزہ) ہمیشہ کے لیئے قائم ہے مطلب یہ کہ اور سب معجزات تو آپ کے ہیں ہی مگر آپ سے جو حیاتِ روحانی میسر ہوتی ہے یہ ایسا معجزہ ہے کہ ہمیشہ کے لیئے قائم ہیں۔

جان جملہ معجزات ایں است خود　　　کہ بہ بخشد مردہ را جان ابد

یعنی تمام معجزات کی روح ہے کہ مردہ کو جان ابدی بخشتا ہے۔ مطلب یہ کہ جو روحانی مردے ہیں اونکو حیات ابدی اور حیات روحانی بخشتا ہے تو یہ معجزہ بھی تمام معجزات کی روح اور اصل ہے اب آگے مولانا قصہ کے نتیجہ اور انجام کے طور پر فرماتے ہیں کہ

کشتہ شد ظالم جہانے زندہ شد　　　ہر یکے از نو خدا را بندہ شد

یعنی ظالم مارا گیا اور ایک جہان زندہ ہوگیا اور ہر شخص از سر نو خدا کا بندہ ہوا (اس لیئے کہ اس کے معاملہ میں سب نے نبی پر اعتراض کیا تھا تو سب قریب بہ کفر پہونچ گئے تھے اب جب کہ یہ مارا گیا تو سب کو حقیقت حال معلوم ہوگئی اور سب گویا کہ از سر نو مسلمان ہوئے) آگے مولانا اس قصہ کو مقصود پر منطبق فرماویں گے۔ جس کو انشاء اللہ ربع ثالث میں بیان کیا جاوے گا۔

الحمد للہ ربع ثانی دفتر سوم کلید مثنوی کا بتاریخ ۸ رجب ۱۳۳۲ھ ختم ہوا۔ اس کے آگے انشاء اللہ ربع ثالث آتا ہے۔ فالحمد للہ علی احسانہ

عارف باللہ حضرت مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ کی نادر روزگار،
اور معرکہ آرا کتاب "مثنوی معنوی" کی جامع اور لاجواب شرح

کلیدِ مثنوی

حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہٗ

12

یہ وہ مقبول خاص و عام کتاب ہے کہ خواندہ ناخواندہ سب ہی اس سے دلچسپی لیتے ہیں مگر مضامین عالیہ ہونے کی وجہ سے مطالب سمجھنے میں بڑی دقت پیش آتی ہے اور بعض اوقات نوبت الحاد و زندقہ تک پہنچ جاتی ہے، حضرت حکیم الامت نے اشعارِ مثنوی کو واضح کر کے اور مسائل تصوف کو عام فہم بنا کر نہایت خوبی سے سمجھا دیا ہے حقیقت یہ ہے کہ اِس سے معتبر اور شریعت و طریقت کا پاس و ادب رکھ کر مضامین کو حل کرنے والی کوئی اور شرح نہیں لکھی گئی

ادارہ تالیفاتِ اشرفیہ
بیرون بوہڑ گیٹ ملتان

کلیدِ مثنوی

عارف باللہ حضرت مولانا جلال الدین رُومی رحمۃ اللہ علیہ کی نادر روزگار
اور معرکہ آرا، کتاب مثنوی معنوی کی جامع اور لاجواب اُردو شرح

کلیدِ مثنوی

از:

حکیم الامۃ مجدد الملۃ حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی قدس اللہ سرہٗ

جلد ۱۲

یہ وہ مقبول خاص و عام کتاب ہے کہ خواندہ ناخواندہ سب ہی اس سے دلچسپی لیتے ہیں۔ مگر مضامین عالیہ ہونے کی وجہ سے مطالب سمجھنے میں بڑی دقت پیش آتی ہے اور بعض اوقات نوبت الحاد و زندقہ تک پہنچ جاتی ہے۔ حضرت حکیم الامت ؒ نے اشعارِ مثنوی کو واضح کر کے اور مسائل تصوف کو عام فہم بنا کر نہایت خوبی سے سمجھا دیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس سے معتبر اور شریعت و طریقت کا پاس ادب رکھ کر مضامین کو حل کرنے والی اور کوئی شرح نہیں لکھی گئی

ادارہ تالیفاتِ اشرفیہ
بیرون بوہڑ گیٹ • مُلتان

ربع چہارم از دفتر سوم

قَالَ تَعَالٰی كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيْكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ

چوں در کریمہ صدر قولہ یتلوا و یعلمکم الکتب بر فضل علم نظم و معنی و قولہ یزکیکم بر شرف علم کلام وعقائد و علم سلوک قولہ والحکمۃ بر مزیت علم اسرار و علم اصول دال واضح بیان ست و از ان جزو بودن تصوف کہ مشتمل بر سلوک و اسرار ست از علم دین نیک عیان ست باتفاق اہل مذاق مثنوی در کتب این فن خاص شان ست لاکن از اغلاقش محتاج تبیان ست ✤ بناءً علیہ این شرح اردو کہ معنونش را

کلید مثنوی

عنوان ست و این ربع چہارم از دفتر ثالث از ان ست (بالفاظ و عبارت (مولوی شبیر علی و مولوی حبیب احمد سلمہما اللہ کہ ہر یکے از ایشان برائے صاحب معانی یعنی حکیم الامۃ حضرت مولانا اشرف علی صاحب دام ظلہم بمنزلۃ لسان و ترجمان ست) در و اصل متن راچنان حل کردہ کہ غایت امکان ست و مسائل را بطورے تقریر نمودہ کہ ہم موافق تحقیق اہل تقان و ہم مطابق حدیث و قرآن ست و اشکالات و اغلاط را بطرزے دور ساختہ کہ مورث اطمینان و امان ست و جابجا ملفوظات سیدنا الحاج محمد امداد اللہ قدس سرہ کہ مطرب آذان و منشط اذہان ست ہم مطاو وثش سپردہ

حسب فرمایش

محمد شبیر علی مالک اشرف المطابع تھانہ بھون ضلع مظفر نگر طبع شد

حامداً و مصلیاً و مسلماً

ربع چہارم دفتر ثالث کلید مثنوی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

شرح جیلبی

اسپ داند بانگ و بوئے شیر را
گر چہ حیوان ست الا نادرا

بل عدوئے خویش ہر جانور
خود بداند از نشان و از اثر

روز خفاشک نیارد بر پرید
شب برون آید چو دزدان جرید

از ہمہ محروم تر خفاش بود
کہ عدوئے آفتاب فاش بود

نے تواند در مصافش زخم خورد
نے بنفرینش تواندش مہجور کرد

آنکہ آن خورشید از احسان و جود
بر نہ راند ز قہرش تا رود بود

آفتابے کہ بگرداند قفاش
از برائے غصہ و قہر خفاش

غایت لطف و کمال او بود
ورنہ خفاششش کجا مانع شود

دشمن ار گیری بحد خویش گیر
تا بود ممکن کہ گردانی اسیر

قطرہ با قلزم کہ استیزہ کند
ابلہ است او ریش خود بر میکند

حیلت او از سبالش نگذرد
خنجر و حلق قمر چون بر درد

باعدو آفتاب این بد عتاب / ای عدو آفتاب آفتاب

ای عدو آفتابی کز فرش / می بلرزد آفتاب و اخترش

تو عدو او نہ خصم خودی / چہ غم آتش را کہ تو ہیزم شدی

ای عجب از سوزشت او کم شود / یا ز درد و غصہ ات درہم شود

رحمتش نے رحمت آدم بود / کہ مزاج رحم آدم غم بود

رحمت مخلوق باشد غصہ ناک / رحمت حق از غم و غصہ است پاک

رحمت بیچون چنین دان ای پسر / ناید اندر وہم در وے جز اثر

ظاہرست آثار میوہ رحمتش / لیک کہ داند جز او ماہیتش

ہیچ ماہیات اوصاف کمال / کس نداند جز بآثار و مثال

طفل ماہیت نداند طمث را / جز کہ گوئی ہست چوں حلوا ترا

طفل را نبود ز وطے زن خبر / جز کہ گوئی ہست آن خوش چون شکر

کے بود ماہیت ذوق جماع / مثل ماہیات حلوا اے مطاع

لیک نسبت کرد از روئے خوشی / با تو آن عاقل کہ تو کودک وشی

تا بداند کودک آنرا از مثال / گر نداند ماہیت را عین حال

پس اگر گوئی بدانم دور نیست / ور بگوئی کہ ندانم زور نیست

گر کسے گوید کہ دانی نوح را / آن رسول حق و نور روح را

گر بگوئی چون ندانم کان قمر / ہست از خورشید و مہ مشہورتر

کودکان خرد در کتابها — وان امامان جملہ در محرابها

نام او خوانند در قرآن صریح — قصہ‌اش گویند از ماضی فصیح

راست گو داند ترا از روی وصف — گرچہ ماهیت نشد از نوح کشف

ور چہ گوئی من چہ دانم نوح را — همچو اوی داند او را ای فتی

مور لنگم من چہ دانم فیل را — پشہ کی داند اسرافیل را

این سخن هم راست است از روی آن — کہ بماهیت ندانی ای فلان

عجز از ادراک ماهیت عمو — حالت عامہ بود مطلق مگو

زانکہ ماهیات و سر سر آن — پیش چشم کاملان باشد عیان

۴ در وجود از سر حق و ذات او — دورتر از وهم و استبصار کو

چونکہ او مخفی نماند از محرمان — ذات و وصفی چیست کان ماند نهان

عقل بحثی گوید این دور است و گو — بی ز تاویلی محالی کم شنو

قطب گوید مر ترا ای سست حال — آنچہ فوق حال تست آید محال

واقعاتی کہ کنونت بر گشود — نی کہ اول هم محالت می نمود

چون رهانیدت ز ده زندان کرم — تیہ را بر خود مکن حبس از ستم

چون خلاصی یافتی از صد بلا — فقر را بر خود مکن رنج و عنا

سهل گیرش تا نگردد مشکلت — ورنہ شد شکر چو زهر قاتلت

سوی بحث خویش تاز ای بوالحسن — کاین سخن پایان ندارد جان من

نسبت اثبات با نفی از نخست / گر بیانش می کنی برگو درست

نفی آن یک چیز و اثباتش رواست / چون جهت شد مختلف نسبت دو تاست

ما رمیت اذ رمیت از نسبت است / نفی و اثبات است هر دو مثبت است

آن تو افگندی که بر دست تو بود / تو نیفگندی که حق قوت نمود

زور آدم زاده را حدی بود / مشت خاک اشکست لشکر کی شود

مشت مشت تست افگندن ز ماست / زین دو نسبت نفی و اثباتش رواست

یعرفون الانبیاء اضدادهم / مثل ما لا یشتبه اولادهم

همچو فرزندان خود دانندشان / منکران با صد دلیل و صد نشان

لیک از رشک و حسد پنهان کنند / خویشتن را بر ندانم می زنند

پس چو یعرف گفت چون جای دگر / گفت لا یعرفهم غیری فذر

انهم تحت قبائی کامنون / جز که یزدان شان نداند ز آزمون

هم به نسبت گیر این مفتوح را / که بدانی و ندانی نوح را

زین نسق بسیار آمد در خبر / کان به نسبت باشد ای جان معتبر

گفت قائل در جهان درویش نیست / ور بود درویش آن درویش نیست

هست از روی بقا آن ذات او / نیست گشته وصف او در وصف هو

چون زبانه شمع پیش آفتاب / نیست باشد هست باشد در حساب

هست باشد ذات او تا تو اگر / بر نهی پنبه بسوزد زان شرر

نیست باشد روشنی ندهد ترا	کرده باشد آفتاب او را فنا
گر دو صد من شهد یک وقیه خل	چون درافگندی و در وی گشت حل
نیست باشد طعم خل چون می چشی	هست آن وقیه فزون چون می کشی
پیش شیری آهوی بیهوش شد	هستیش در هست او روپوش شد

اوپر بیان کیا تھا کہ حق سبحانہ کی گرمی سے پشیمانی ہی پیدا نہ ہوگی کیونکہ حق سبحانہ پشیمانی کے دشمن ہین اور پشیمانی اُنکو جانتی ہے اُسکے بعد کچھہ مثالین بیان کرتے ہین جنمین یہ ظاہر کرتے ہین کہ ہر جانور اپنے دشمن کو پہچانتا ہے۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ مولانا فرماتے ہین کہ دیکھو گھوڑا شیر کی آواز اور بو کو باوجود دور ہونیکے بھی پہچانتا ہے اور اگر نہین پہچان سکتا تو شاذ ونادر بلکہ ہم تو یہ کہتے ہین کہ ہر جانور اپنے دشمن کو اُسکی خاص علامات اور خاص آثار سے پہچانتا ہے دیکھو خفاش تک بھی اپنے دشمن کو پہچانتا ہے اسی لئے دن مین نہین اُڑ سکتا بلکہ چورون کی طرح رات کو نکلتا ہے اب یہان سے ایک دوسرے مضمون کی طرف انتقال فرماتے ہین اور کہتے ہین کہ سب سے زیادہ محروم خفاش ہے کہ وہ آفتاب ظاہر کا دشمن ہے کیونکہ نہ یہ جنگ مین اس کا زخم کہا سکتا ہے اور نہ اپنی بدگوئی اور نفرت سے اُسکو اپنے سے الگ کر سکتا ہے باوجود اسکے وہ آفتاب اپنے احسان وکرم سے اپنے قہر سے اُسکے پرزے نہین اُڑا دیتا اور یہ جو آفتاب خفاش کی ناخوشی اور رنج کے سبب اپنا رُخ بدل دیتا ہے یہ اسکی انتہائی مہربانی اور اس کا کمال ہے ورنہ خفاش کی یہ مجال نہین ہے کہ وہ اسکو طلوع ہونے سے روک دے۔ اس سے کوئی کہے کہ احمق دشمن اپنی حد کے اندر رہنا تاکہ کسی وقت تو اُسکو اپنے قبضہ مین لاسکے۔ دیکھہ اگر تو آفتاب سے مخالفت کرے گا تو اسکا نتیجہ بجز اپنے ضرر کے اور کچھہ نہ ہوگا۔ چنانچہ اگر قطرہ قلزم سے مخالفت کرے تو وہ احمق ہے کہ اپنی ڈاڑہی اُکھاڑ رہا ہے۔ اُس کی تدبیر خود اُسی تک محدود رہے گی اور وہ موچھون پر تاؤ دیکر خوش ہوے گا کہ مین نے یہ کیا۔ آفتاب پر اُس کی مخالفت کا کچھہ اثر نہوگا

آفتاب کی تو یہ شان ہے کہ رفعت خفاش جسم کی گردن اُتار سکتا ہے اور اُس کا گلا پھاڑ سکتا
ہے یعنی اسکو بے نور کر سکتا ہے پھر خفاش کی کیا حقیقت ہے یہ عتاب تو دشمن آفتاب ظاہری
پر ہے۔ پس اے آفتاب آفتاب یعنی حق سبحانہ کے دشمن اور اے اس آفتاب کے دشمن
جسکی شوکت سے آفتاب ستارے لرزتے ہین۔ یاد رکھ کہ تو اُس کا دشمن نہین ہے بلکہ خود اپنا
دشمن ہے کیونکہ تیری مخالفت سے اُسکو کچھ ضرر نہین ہو سکتا۔ بلکہ خود تمکو ضرر ہوگا۔ اور اس ضرر
کی بھی اُسکو کچھ پروا نہین کیونکہ اگر تو ایندھن ہو جاوے تو آگ کو کیا پروا وہ بے تامل پھونک ڈالیگی
تیرے جلنے سے اُس مین کچھ کمی آجاوے یا تیرے رنج اور تکلیف سے وہ آشفتہ ہو جاوے ناممکن
ہے۔ حق سبحانہ کی رحمت آدمیون کے رحم کے مماثل نہین ہے کیونکہ آدمی کو رحم مین غم کی آمیزش
ہوتی ہے اور مخلوق کی رحمت رنج سے پُر ہوتی ہے اور حق سبحانہ کی رحمت غم و رنج سے پاک
وصاف ہے اُسکی رحمت بے کیف ہے اُسکو ایسا سمجھو کہ وہ خود وہم مین نہین آسکتی
ہان اُسکے آثار سمجھ مین آسکتے ہین اُسکی رحمت ایک میوہ ہے جسکے آثار ظاہر ہین مگر اُس کی ماہیت
کو کوئی نہین جان سکتا۔ ایک رحمت ہی پر کیا منحصر ہے اُسکے جملہ اوصاف کمال کو بجز آثار و مثال
کے کوئی نہیں جان سکتا۔ اُسکے اوصاف کے لحاظ سے لوگون کی ایسی مثال ہے جیسے جماع
کے لحاظ سے بچہ کی۔ بچہ جماع کی ماہیت سے واقف نہین ہو سکتا بجز اسکے کہ تم اُس سے کہو کہ وہ
حلوے کی طرح مزیدار ہے۔ نیز بچہ کو وطی زن کی خبر نہین ہو سکتی بجز اسکے کہ تم اُس سے کہو کہ
وہ شکر کی طرح لذیذ ہے مگر تم سمجھتے ہو لذت جماع کی ماہیت ماہیت حلوا کے مماثل نہین ہے
پھر جو اس عاقل نے تمسے اُسکو حلوہ کی شکل کہا ہے۔ اُس کی وجہ یہ ہے کہ تم ابھی لڑکے ہو اسلئے
اُسنے لذت بخشش ہونیکے لحاظ سے ایسا کہدیا ہے تاکہ بچہ اُسکو مثال سے فی الجملہ جان لے اگرچہ اُسکی
ماہیت کو نہ جان سکے جو کہ عین حال ہے اس لحاظ سے اگر تم یہ کہو کہ مین جماع کو جانتا ہون تو
کچھ بعید نہین۔ اور اگر یہ کہو کہ مین نہین جانتا تو بھی جھوٹ نہین۔ مثلاً اگر کوئی کہے کہ تم نوح ع کو
جانتے ہو جو کہ خدا کے رسول اور نور روح تھے پس اگر تم یہ کہو کہ کیون نہین جانتا وہ ماہتاب تو اُس
آفتاب و ماہتاب سے بھی زیادہ مشہور ہین چھوٹے بچے مکتبون مین اور امام محرابون مین قران مین
اُن کا صاف صاف نام اور اُن کا گذشتہ فصیح قصہ پڑھتے ہین تو اس وصف سے تمکو وہ سچا

سمجھے گا۔ اگرچہ اُس سے نوح علیہ السلام کی ماہیت منکشف نہین ہوئی اور اگر یہ کہو کہ مین اُنکو کیا جان سکتا ہون۔ اُنکو تو وہی جانے جو ان کا سا ہو۔ مین ایک چیونٹی ہون پھر ہاتھی کو کیا جان سکتا ہون۔ اور مجھہ اسرافیل کو کیا جان سکتا ہے یعنی مجھہ مین اور اُن مین بُعدالمشرقین ہے پھر مین انکو کیا جان سکتا ہون۔ تو یہ بات بھی ٹھیک ہے کیونکہ تم اُنکو حقیقت کے اعتبار سے نہین جانتے بس یہی حالت اوصاف حق سبحانہ کی ہے کہ اُنکو لوگ آثار کے ذریعے سے جانتے ہین اور ماہیت کے لحاظ سے نہین جانتے۔ پس یہ کہنا بھی صحیح ہے کہ وہ جانتے ہین اور یہ بھی کہ نہین جانتے۔ مگر ماہیت کا نہ جاننا یہ عام لوگون کی حالت ہے نہ کہ خواص کی کیونکہ کاملین پر تو ماہیات ممکنات اور اُن کے باطن (اسماء الہیہ اور کے باطن (صفات الٰہیہ) سب منکشف ہین مگر اجمالاً دیکھو عالم وجود مین سرِّ حق یعنی ذات حق سے زیادہ تعقل و حسیات سے دور کوئی چیز نہین بس جبکہ وہ بھی اہل اللہ سے مخفی نہین اور وہ اسکا بھی مشاہدہ کرتے ہین تو پھر کوئی وصف کیسے پوشیدہ رہ سکتا ہے۔ عقل جدال پسند کہتی ہے کہ ذات و صفات حق سبحانہ کا ادراک بکنہہا محال ہے۔ بس جو نصوص سے ایسا معلوم ہو وہ خلاف عقل اور محال ہونیکے سبب قابل تاویل ہین عارف کامل اُسکے جواب مین کہتا ہے کہ یہ محال بھی نہین۔ بات یہ ہے کہ جو تیری حد سے باہر ہو وہ تیرے نزدیک محال ہے مگر یہ اصول ہی غیر مسلم ہے بہت سے ایسے واقعات ہین کہ جو پہلے تجھے محال معلوم ہوتے تھے اور اب وہ تجھپر منکشف ہو گئے ہین جبکہ حق سبحانہ نے تجھے جہالت کے گاؤن کے قید خانہ سے نکالکر علم استدلالی کے میدان وسیع مین پہونچایا ہے تو ابتو اُسکو اپنے اوپر ظلم کرکے جیلخانہ نہ بنالے اور جبکہ حق سبحانہ نے تجھے سیکڑون مصیبتون سے نکالا ہے تو ویرانہ مین رہکر فقر کی تکالیف نہ اٹھا بلکہ اس سے آگے بڑھکر شہر کشف و شہود مین پہونچ اور اُسکو آسان سمجھ ایسا نہو کہ وہ باوجود فی نفسہ آسان ہونیکے تیرے خیالی اشکال سے تیرے لئے مشکل ہو جاوے۔ کیونکہ اگر ایسا ہو گا تو جو چیز واقع مین شکر کی طرح مفید اور خوشگوار اور لذت بخش تھی وہ تیرے لئے سم قاتل کی طرح مضر ہو جاویگی۔ اچھا اُس گفتگو کو چھوڑو اور وہی کہو جو کہہ رہے تھے۔ کیونکہ یہ گفتگو ختم ہونیوالی نہین ہے اور اگر تم پہلے سے اثبات و نفی کا آپس کا تعلق بیان کر رہے جیسا کہ واقع ہے تو اُسکو ٹھیک طور پر بیان

کہو - اچھا سنو بات یہ ہے کہ جب جہات مختلف ہون اور نسبتین دو ہون تو ایک شئے کا اثبات اور اُس کی نفی ہر دو جائز ہین چنانچہ ما رمیت اذ رمیت اختلاف نسبت ہی کی بنا پر ہے اور نفی و اثبات دونون صحیح ہین - کیونکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ تمنے مارا یعنی تمسے اس کا صدور ہوا اور تمنے نہین مارا یعنی جو آثار اُسپر مرتب ہوئے ان کا تعلق تمہاری قدرۃ حادثہ سے نہین بلکہ ہماری قدرت سے ہے کیونکہ انسانی قدرت محدود ہے اس مین یہ قوت نہین کہ ایک لشکر کو ایک خاک کی مٹھی سے شکست دیدے - پس مٹھی تو تمہاری ہی تھی اور بحیثیت خاصہ پھینکنا جسپر انہزام لشکر مرتب ہو یہ ہمارا فعل تھا پس جہات مختلف ہوگئین اور اختلاف جہات و نسبت سے نفی و اثبات ہر دو جائز ہین اور سنو فرمایا گیا ہے کہ معاندین انبیا کو یہ پہچانتے ہین اور یون پہچانتے ہین کہ انکو اصلا شبہ نہین جیسا کہ اُنکو اپنی اولاد کے پہچاننے مین کوئی شبہ نہین ہوتا اور وہ انکو اسی طرح سیکڑون علامات اور دلائل سے پہچانتے ہین جسطرح کہ وہ اپنے بچون کو پہچانتے ہین لیکن رشک و حسد سے اس علم کو چھپاتے ہین اور اپنے کو انجان بناتے ہین - پس جبکہ حق سبحانہ ایک جگہ یہ فرماتے ہین کہ معاندین جانتے ہین تو دوسری جگہ یہ کیسے فرماتے ہین کہ اُنکو میرے سوا کوئی نہین جانتا تم ان کی معرفت کا خیال چھوڑدو کیونکہ وہ میرے قبائے ستر مین مستور ہین اور میرے سوا اُنکو اپنی تحقیق و تفتیش سے کوئی نہین جان سکتا سو بات وہی ہے کہ یہ امر بھی اختلاف جہات سے ہے جیسا کہ نوح علیہ السلام کا جاننا اور نہ جاننا یعنی مخالفین اُنکے نبی ہونیکو جانتے ہین مگر اُنکے کمالات عالیہ سے میرے سوا کوئی واقف نہین اسی قسم کی بہت سی باتین احادیث مین ہین جنمین نفی و اثبات اختلاف نسبت کی طرف راجع ہے اور سنو ایک شخص کہتا ہے کہ کوئی درویش عالم مین نہین اور اگر ہو بھی تو بھی نہین اب دیکھو کہ وہ کہتا ہے کہ ہو بھی تب بھی نہین ہے پس اُسنے ایک شئے کیلئے وجود و عدم دونون ثابت کردئے - اور یہ فی نفسہٖ صحیح ہے کیونکہ ذاتاً وہ موجود ہے اور اُسکے اوصاف اوصاف حق مین فنا ہو چکے ہین مثلاً شعلۂ شمع آفتاب کے سامنے موجود بھی ہوتا ہے اور معدوم بھی - ذاتاً تو وہ موجود ہے اور دلیل اُسکی یہ ہے کہ اگر تم اُسپر روئی رکھدو تو وہ جل جاویگی اور اس لحاظ سے وہ معدوم ہے کہ اُس کی روشنی آفتاب کی روشنی مین فنا ہوگئی ہے اور سنو

دو سیر شہد مین ایک اوقیہ سرکہ ملا دو جبکہ تم اسکو ڈالدوگے اور وہ اس مین ملجائیگا تو جب چکھوگے تو سرکہ کا مزہ نہ پاؤگے دیکھو مزہ اس کا فنا ہو گیا اور جب تولوگے تو ایک اوقیہ زائد ہوگا۔ پس دیکھ لو کہ ذات موجود ہے اور دیکھو شیر کو دیکھکر ہرن ششدر ہو گیا پس اسکی ہستی شیر کی ہستی مین چھپ گئی۔ کیونکہ گو اس کی ذات موجود ہے مگر آثار حیوۃ سب فنا ہو گئے اور حس وحرکت سب جاتی رہی۔

شرح شبیری

ہر حیوان کا اپنے دشمن کو پہچاننا اور اُس شخص کے خسران کا بیان کہ ایسے شخص سے دشمنی کرے کہ اُس سے حذر ممکن نہو اور نہ اُس سے الگ ہونا ممکن ہو۔

اسپ داند بانگ و بوی شیر را | گرچہ حیوانست الا نادرا

یعنی گھوڑا اگرچہ حیوان ہے (مگر) شیر کی بو اور اسکی آواز کو جانتا ہے مگر نادر یعنی شاذو نادر ایسا ہوتا ہے کہ وہ نہ پہچان سکے ورنہ اکثر پہچان لیتا ہے۔

بل عدوئے خویش را ہر جانور | خود بداند از نشان و از اثر

یعنی بلکہ اپنے دشمن کو ہر جانور خود نشان و اثر سے جان لیتا ہے۔

روز خفاشک نیارد بر پرید | شب برون آید چو دزدان جرید

یعنی خفاش دنکو نہین اُڑ سکتی ہے ہان رات کو چورون کی طرح باہر آتی ہے۔ یعنی دیکھو خفاش نے بھی اپنی ضد اور خلاف کو پہچان لیا آگے اس سے انتقال فرماتے ہین کہ۔

از ہمہ محروم تر خفاش بود | کہ عدوئے آفتاب فاش بود

یعنی سب سے زیادہ محروم خفاش ہے کہ وہ دشمن آفتاب ظاہر کی ہے۔

نے تواند در مصافش زخم خورد | نے بہ نفرین تا ندش مہجور کرد

یعنی نہ تو اسکی مصاف مین زخم کہا سکتی ہے اور نہ نفرت سے اسکو چھوڑ سکتی ہے یعنی اس نے

ایسے سے مخالفت کی کہ وہ اُسپر غالب آسکے اور نہ اُس سے متنفر ہوکر اُسکو کہین نکال سکے۔ بلکہ بیچاری خود ہی اُس سے محروم رہتی ہے۔

انکہ آن خورشید از احسان وجود ... بر نہ وقلاند ز قہرش تار و پود

یعنی اُس وقت وہ خورشید احسان وجود کی وجہ سے اُس کا تانا بانا اُسپر غصہ کیوجہ سے الگ نہین کرتا یعنی اُسکا حلم دیکھئے کہ باوجود اُس کی نفرت اور مخالفت کے وہ اسکو کچھ بھی نہین کہتا۔

آفتابے کے بگرداند قفاش ... از برائے غصہ و قہر خفاش

یعنی آفتاب اپنی قفا کو خفاش کے غصہ اور قہر کی وجہ سے کب پہراتا ہے۔ (بلکہ)

غایت لطف و کمال او بود ... ورنہ خفاشش کجا مانع بود

یعنی یہ اُس کا غایت لطف و کمال ہے ورنہ خفاش اسکو کہان مانع ہو۔ یعنی آفتاب جو غروب و روپوش ہوتا ہے یہ اسلئے نہین کہ وہ اُس خفاش سے کوئی نفرت رکہتا ہے یا وہ اس کا دشمن ہے بلکہ بات یہ ہے کہ اپنی لطف و کرم کی وجہ سے وہ الگ ہوجاتا ہے تاکہ یہ بھی باہر نکلکر پھر پہرائے ورنہ کہان خفاش اور کہان آفتاب۔

دشمن ار گیری بحد خویش گیر ... تا بود ممکن کہ گردانی اسیر

یعنی دشمن اگر اختیار کرو تو اپنی حد کے موافق اختیار کرو تاکہ یہ ممکن ہو کہ تم اُسکو قید کرلو۔

قطرہ با قلزم کہ استیزہ کند ... ابلہ است او ریش خود برمی کند

یعنی قطرہ دریائے قلزم کی ساتھ جو لڑائی کرے تو وہ بیوقوف ہے اپنی داڑہی اُکہاڑتا ہے یعنی یہ بیوقوف خود ہی ہلاک ہوگا۔

حیلت او از سبالش نگذرد ... حنجر و حلق قمر چون بر درد

یعنی اُس کا حیلہ اُسکی مونچہ سے تجاوز نہین کرتا۔ تو حنجرہ اور حلق قمر کا کیونکر پہاڑیگا۔ یعنی جیسے کہ مثل مشہور ہے کہ بہیڑ کی لات گہٹنے تک۔ اسیطرح ان کا حیلہ ان ہی تک ہے آگے یہ آفتاب یا قمر تک کیا پہونچ سکتے ہین۔ آگے فرماتے ہین کہ

با عدو آفتاب این بُد عتاب ... اے عدو آفتاب آفتاب

یعنی عدو آفتاب سے (ہمارا) یہ عتاب تہا تو اے آفتاب آفتاب کے عدو (تیرا کیا حال ہوگا)

یعنی تو جو عدو حق ہے تیرا کیا حال ہوگا جبکہ آفتاب ظاہری کے عدو کی یہ حالت ہے۔

اے عدو آفتابے کز فرش　　　می بلرزد آفتاب و اخترش

یعنی اے عدو اُس آفتاب کے کہ اُسکے دبدبہ سے آفتاب اور اُسکے ستارے سب کانپتے ہین

تو عدو او نۂ خصم خودی　　　چہ غم آتش را کہ تو ہیزم شدی

یعنی تو اس کا عدو نہین ہے اپنا دشمن ہے آگ کو کیا غم اگر تو لکڑی ہو جاوے یعنی اگر تو اُس کا دشمن ہو جاوے اور اپنے کو ہلاک کرنے لگے تو اُسکو کیا غم ہے۔

اے عجب از سوزشت او کم شود　　　یا ز درد غصہ ات پر غم شود

یعنی تعجب ہے کہ تمہاری سوزش سے وہ کم ہو یا تمہارے درد و مصیبت سے وہ پر غم ہو مطلب یہ کہ اُسکو اصل مین تو کوئی پرواہ نہ تھی مگر اُسکی رحمت اُسکو متقاضی ہے کہ وہ تمہاری درد و مصیبت پر رحم کرے مگر اُس کا رحم ایسا نہین ہے جیسا کہ آدمی کا ہوتا ہے کہ اُسکے اندر انفعال ہوتا ہے ہرگز نہین۔ حق تعالیٰ کے یہان فضل تو ہے مگر انفعال نہین ہے۔ وہ خود متاثر نہین ہوتے آگے خود فرماتے ہین کہ

رحمتش نے رحمتِ آدم بود　　　کہ مزاج رحم آدم غم بود

یعنی اُس کی رحمت آدمی کی رحمت نہین ہوتی کیونکہ آدمی کے رحم کا مزاج تو غم ہوتا ہے۔ یعنی انسان کی رحمت تو بعد انفعال کے ہوتی ہے اور حق تعالیٰ اس سے منزہ ہین۔

رحمت مخلوق باشد غصہ ناک　　　رحمت حق از غم و غصہ است پاک

یعنی مخلوق کی رحمت تو غصہ ناک ہوتی ہے اور رحمت حق غم و غصہ سے پاک ہوتی ہے۔ یعنی مخلوق کی رحمت کا اثر تو جب ہوتا ہے جبکہ خود یہ متاثر اور منفعل ہون اور حق تعالیٰ تاثر سے پاک ہے بلکہ وہان صرف اثر اور فعل ہے انفعال و تاثر نہین ہے۔

رحمت بیچون چنین دان ای پسر　　　ناید اندر وہم از وے جز اثر

یعنی اے صاحبزادے رحمت بیچون کو اسی طرح جانو اُس سے سوائے اثر کے کچھ وہم مین نہین آتا یعنی اُس کا اثر تو ظاہر ہوتا ہے باقی اُس سے رحم کو کوئی تاثر یا انفعال نہین ہوتا۔ تو بس حق تعالیٰ کی رحمت کو آثار اور مثالون سے تو معلوم کرسکتے ہو۔ باقی اُس کی کنہ کو کوئی معلوم نہین کرسکتا۔ آگے

اسیکو فرماتے ہین۔

ایک چیز کو مثال سے اور تقلیدًا جان لینے مین اور اسکی ماہیت کے معلوم کرنے مین فرق

ظاہر است آثار میوہ رحمتش　　لیک کہ داند جز او ماہیتش

یعنی اُسکی رحمت کے میوے کے آثار تو ظاہر ہین لیکن اُسکے سوا اُنکی ماہیت کو کون جانتا ہے

ہیچ ماہیات اوصاف کمال　　کس نداند جز بآثار و مثال

یعنی اوصاف کمال کی ماہیات کو کوئی بجز آثار و مثال کے نہین جانتا ہے آگے مثال ہے کہ

طفل ماہیت نداند طمث را　　جز کہ گوئی ہست چون حلوا ترا

یعنی بچہ جماع کی ماہیت کو نہین جانتا سوائے اسکے کہ تم کہو حلوے کی طرح ہے

طفل را نبود ز وطے زن خبر　　جز کہ گوئی ہست آن خوش چون شکر

یعنی بچہ کو عورت کی وطی کی خبر نہین ہوتی سوائے اسکے کہ تم کہدو کہ وہ شکر کی طرح اچھی ہوتی ہے

کے بود ماہیت ذوق جماع　　مثل ماہیات حلوا اے مطاع

یعنی ذوق جماع کی ماہیت حلوہ کی ماہیت کی طرح کب ہوتی ہے اے مطاع۔

لیک نسبت کرد از روئے خوشی　　با تو آن عاقل کہ تو کودک وشی

یعنی لیکن اُس عاقل نے باعتبار عمدہ ہونیکے (حلوہ سے) نسبت کردی۔ اسلئے کہ تو کودک وش ہے (لہذا تجھے امثلہ سے سمجھایا جاتا ہے)۔

تا بداند کودک آنرا از مثال　　گر نداند ماہیت با عین حال

یعنی تاکہ بچہ اُسکو مثال سے جان لے اگرچہ ماہیت کو عین حال سے نہ جانے یعنی اُسکو جو مثال حلوہ وغیرہ سے دیتے ہین تو اسلئے تاکہ بچہ اگر ماہیت کو نہ سمجھ سکے تو خیر مثال سے کچھ تو سمجھ لے اسیطرح حق تعالیٰ کی کنہ ذات کو تو کوئی جان نہین سکتا تو امثلہ سے سمجھاتے ہین کہ اسی سے کچھ پتہ چلے۔

پس اگر گوئی بدانم دور نیست　　ور بگوئی کہ ندانم زور نیست

یعنی پس اگر تم کہو کہ مین جانتا ہون تو بھی بعید نہین ہے (کیونکہ مثال سے تو جانتے ہی ہو) اور اگر کہو کہ مین نہین جانتا تو یہ جھوٹ نہین ہے (اسلئے کہ اُسکی ماہیت سے ناواقف ہو) آگے اور مثال ہے کہ۔

گر کسے گوید کہ دانی نوح را آن رسول حق و نور روح را

یعنی اگر کوئی کہے کہ تم نوح ع کو اُس رسول حق اور نور روح کو جانتے ہو۔

گر بگوئی چون ندانم کان قمر ہست از خورشید و مہ مشہورتر

یعنی اگر تم کہو کہ مین کیونکر نہ جانونگا کیونکہ وہ قمر خورشید وماہ سے بھی زیادہ مشہور ہین

کودکان خورد در کتابہا وان امامان جملہ در محرابہا

یعنی چھوٹے بچے مکتبون مین اور وہ سارے امام لوگ محرابون مین۔

نام او خوانند در قرآن صریح قصہ اش گویند از ماضی فصیح

یعنی اُن کا نام قرآن شریف مین صریحاً پڑہتے ہین اور اُن کا ماضی کا قصہ بیان کرتے ہین۔

راست گو دانیش تو از روی وصف گرچہ ماہیت نشد از نوح کشف

یعنی سچ ہے کہ اُسکو تم از روئے وصف جانتے ہو اگرچہ نوح کی ماہیت منکشف نہ ہوئی یعنی تمہارا یہ کہنا کہ مین نوح ع کو جانتا ہون صحیح ہے اسلئے کہ اوصاف سے تو جانتے ہی ہو اور لوگون سے اُن کا ہونا سنا تو ہے تو یہ بھی صحیح ہے۔

ور بگوئی من چہ دانم نوح را آن گزیدہ حق و محض روح را

یعنی اور اگر کہو کہ مین نوح کو کیا جانون اُس برگزیدہ حق اور محض روح کو۔

من کجا دانستن او از کجا ہیچو اوئے داند او را اے فتی

یعنی کہان مین اور کہان اُن کا جاننا ارے میان انکو اُن جیسا ہی کوئی جانے (اور تم کہو کہ

مور لنگم من چہ دانم فیل را پشۂ کے داند اسرافیل را

یعنی مین تو مور لنگ ہون مین ہاتھی کو کیا جانون اور ایک مچھر اسرافیل کو کیا جانے۔

این سخن ہم راست ست از روئے آن کہ بماہیت ندانیش ای فلان

یعنی یہ بات بھی سچ ہے اس سبب سے کہ اے شخص تو اُنکو ماہیت سے نہین جانتا۔

یعنی اگر تم کہو کہ میں نوح علیہ السلام کو نہیں جانتا یہ بھی صحیح ہے اسلئے کہ تم اُن کی ماہیت سے بیخبر ہو تو دیکھو لو ایک شے کو امثلہ سے اور تقلیداً تو جانتے ہو اور اُسکی ماہیت کی خبر نہیں۔ اسیطرح حق تعالیٰ کی کنہ ذات کو تو کوئی نہیں جانتا ہاں امثلہ سے اور تقلیداً کچھ معلوم کر لیتے ہیں۔

عجز از ادراک ماہیت عمو حالت عامہ بود در یاب تو

یعنی ادراک ماہیت سے عاجز ہونا یہ حالت عوام کی ہے تو اسکو خوب سمجھ لے۔

زانکہ ماہیات و سر سر آن پیش چشم کاملان باشد عیان

یعنی اسلئے کہ ماہیات اور سر سر اُن کاملوں کی آنکھ کے سامنے ظاہر ہوتے ہیں (ماہیات سے مراد ماہیات حوادث اور سر سر سے مراد صفات) مطلب یہ ہے کہ اشیاء کی ماہیات و صفات اولیاء اللہ کے سامنے سب منکشف ہیں آگے اُسکے استبعاد کو دور فرماتے ہیں کہ۔

در وجود از سر حق و ذات او دور تر از فہم و استبصار کو

یعنی موجودات میں صفات حق اور اُسکی ذات سے زیادہ فہم و استبصار سے کون بعید ہے

چونکہ او مخفی نماند از محرمان ذات وصفے چیست کان ماند نہان

یعنی جبکہ وہ (ذات) ہی محرموں سے مخفی نہ رہی تو ذات وصفی تو کیا ہے جو پوشیدہ رہے گی۔

(شعر عجز از ادراک الخ سے شعر چونکہ او مخفی نماند تک کی شرح خود حضرت والا صاحب ادراک نے تحریر فرما کر دی ہے اُسکو بعینہ درج ذیل کیا جاتا ہے وہو ہذا)

ف شرح اس مقام کی یہ ہے کہ یہ امر تو مقرر ہے کہ حق تعالیٰ کی ذات و صفات کی کنہ کسی ممکن کو معلوم نہیں پس ان اشعار میں انکشاف کنہ ذات عند العارف کا حکم کرنا مقصود نہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ ہر چند کہ ذات و صفات حق کیساتھ جو علم متعلق ہوتا ہے وہ بوجہ انکشاف بواسطہ صورت ذہنیہ کے علم حصولی ہے عامہ کو بھی خواص کو بھی۔ مگر دونوں میں یہ فرق ہے کہ خواص کا یہ علم حصولی تو مشابہ علم حضوری کے ہے اور عامہ کا اُسکے مشابہ نہیں وجہ مشابہت یہ کہ علم حضوری میں خود ذات مدرک کی بلا واسطہ صورت کے حاضر عند المدرک ہوتی ہے جیسے نفس کو اپنے ذات و صفات کا علم۔ پس خواص کی ذات و صفات کو بوجہ فناء کے چونکہ ذات و صفات حق کیساتھ ایک گونہ اتحاد اصطلاحی ہے اسلئے ذات و صفات حق اُسکے نزدیک گویا اس طرح حاضر ہیں جیسے اپنی ذات و صفات۔ اور اپنی ذات

وصفات اُسکے نزدیک بذواتہا وحقائقہا حاضر ہین پس ذات وصفات حق بھی اُسکے نزدیک گویا بذواتہا وحقائقہا حاضر ہین اسکو مولانا نے مجازاً انکشاف ذات سے تعبیر کر دیا بخلاف عامہ کے کہ اُنکو یہ اتحاد حاصل نہین پس اُن کا علم حصولی مشابہ علم حضوری کے نہین بلکہ اُس مین محض صورت حاضر ہے حقیقت حاضر نہین اور خود علم حضوری مین بھی مدرک کی کنہ معلوم ہونا لازم نہین چنانچہ نفس کو اپنی کنہ معلوم نہین۔ چنانچہ عقلاء کا اختلاف اُس کی حقیقت مین معلوم ہے سو اُسکے مشابہ مین تو انکشاف کنہ کا کیسے لازم ہوگا پس محذور انکشاف کنہ کا بھی لازم نہ آیا اور توجیہ انکشاف ذات کی بھی ہو گئی اور اُس کم کے مجاز ہونیکا قرینہ سباق مین ہے کہ شعر زانکہ ماہیات الخ مین ماہیات کے انکشاف کا حکم کیا ہے حالانکہ یقینی ہے کہ بہت اشیاء حادثہ کا ماہیت یعنی جنس وفصل حقیقی عارفین کو معلوم نہین چنانچہ ظاہر ہے پس یہان بھی اُن کا امتیاز عامہ سے بیان کرنا مقصود ہے کہ خواص کو ان اشیاء کا مظاہر اسماء ہونا معلوم ہے جو عامہ کو معلوم نہین۔ پس دونون جگہ صرف امتیاز عوام وخواص کا حکم کرنا مقصود ہے۔ نہ کہ انکشاف تام بالمعنی المتبادر اور ایک قرینہ سیاق مین ہے قطب گوید الخ کہ اُس مین اس انکشاف کو حال قرار دیا ہے اور جس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ انکشاف عقلی نہین ہے حال ہے اور یہ وہی حال ہے جسکو فناء کہتے ہین۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ حال مین انکشاف تام ضروری نہین۔ البتہ غیر اہل حال سے اُس مین امتیاز لازم ہے اور مراد اس حال سے وہی فناء ہے جسمین اصطلاحاً اتحاد کا حکم کیا جاتا ہے انتہی بلفظہ سلمہ اللہ تعالیٰ۔ آگے فرماتے ہین کہ۔

عقل بحثی گوید این دور است وگو ۔۔۔ بے ز تاویلے محالے کم شنو

یعنی عقل بحثی کہتی ہے کہ یہ دور ہے اور کہان ہے۔ بے کسی تاویل اور محال کے کم سنو۔ یعنی عقل ظاہر کہتی ہے کہ ماہیت حق کا انکشاف تو بالکل محال ہے۔ یہ تو ممکن ہی نہین ہے

قطب گوید مر ترا اے سست حال ۔۔۔ انچہ فوق حال تست آید محال

یعنی قطب کہتا ہے کہ اے سست حال جو شئے کہ تیرے حال سے زیادہ ہے تجھے محال معلوم ہوتی ہے۔ آگے اُسکو اور قریب فہم فرماتے ہین کہ۔

واقعاتے کہ کنونت برکشود ۔۔۔ نے کہ اول ہم محالت می نمود

یعنی جو واقعات کہ اب تمپر کھل گئے ہین کیا اول محال نہ معلوم ہوتے تھے۔ مطلب یہ کہ بہت

سی باتون کو تم اول محال سمجھتے تھے اور اب وہی باتین ممکن الوقوع ہین تو اسیطرح تم ماہیت ذات کے انکشاف کو محال سمجھتے ہو مگر جو تمپر یہ حال ہو جاوے تو تم اُسکو ممکن سمجھنے لگو گے آگے فرماتے ہین کہ

چون رہانیدت ز دہ زندان کرم   تیہ را بر خود مکن حبس از ستم

یعنی جبکہ سخت زندان سے تمکو کرم نے چھڑا دیا ہے تو تم جنگل کو اپنے لئے ستم کی وجہ سے حبس مت کرو یعنی جبکہ حق تعالیٰ نے تمکو مشکلات سے چھڑا دیا ہے تو اب تم اُس فراخی کی قدر کرو اور اُسکو اپنے لئے تو خونہ مت بناؤ۔

چون خلاصی یافتی از صد بلا   فقر را بر خود مکن رنج و عنا

یعنی جبکہ تو نے سیکڑون بلاؤن سے خلاصی پالی تو فقر کو اپنے اوپر رنج و مصیبت مت کرو یعنی جبکہ حق تعالےٰ نے تجھکو خلاصی عنایت فرمائی ہے تو پھر تو کیون خود مصیبت مین پڑتا ہے

سہل گیرش تا نگردد مشکلت   ورنہ شد شکر چو زہر قاتلت

یعنی تو اسکو سہل فرض کر تاکہ تجھے مشکل نہ ہو جاوے ورنہ شکر تیرے لئے زہر قاتل ہو جاویگی یعنی یہی کشف ذات جو کہ اسقدر سہل ہے اور شکر کی طرح شیرین و گوارا ہے اگر تو اسکو مشکل سمجھے گا تو یہی سخت مشکل ہو جاویگا آگے فرماتے ہین کہ۔

سوئے بحث خویش تاز ای بوالحسن   کاین سخن پایان ندارد جان من

یعنی اے بوالحسن اپنی بحث کی طرف چلو کہ یہ بات کہین انتہا نہین رکھتی اے جانمن یعنی تمنے جو شروع مین کہا تھا کہ ایک شئے کو ایک وقت مین موجود اور معلوم اور غیر موجود اور غیر معلوم کہہ سکتے ہین اُس بحث کو دوبارہ بیان کرو اسلئے کہ ذات حق کا بیان تو کہین انتہا ہی نہین رکھتا تو اسکو یہیں تک رہنے دو۔

نسبت اثبات با نفی از نخست   گر بیانش میکنی بر گو درست

یعنی اثبات کی نفی کیساتھ اول سے جو نسبت ہے اگر تم اُسکو بیان کرو تو پھر ٹھیک کردو یعنی پوری طرح بیان کردو کہ وہ کیا ہے۔ اب آگے اُسکو بیان فرماتے ہین کہ۔

ایک چیز مین از روئے نسبت کے اختلاف کے نفی و اثبات مین تفریق ہونا

نفی آن یک چیز و اثباتش رواست — چون جہت شد مختلف نسبت دو تاست

یعنی ایک شئے کی نفی اور اثبات (دونون) جائز ہین جبکہ جہت مختلف ہو گئی تو نسبت دو ہو گئیں۔ مطلب یہ کہ جہت کے اختلاف سے احکام بدلجاتے ہین اسکو منطقیون نے بھی تناقض کی وحدات ثمانیہ مین سے ایک بیان کیا ہے بلکہ بعض نے تو آٹھ کی جگہ اسکو ہی کہا ہے کہ اگر صرف نسبت اور جہت مختلف ہو تو محقق تناقض کا ہو جاویگا تو فرماتے ہین کہ نسبت اور جہت کے اختلاف سے نفی و اثبات شئے کا بدلجاتا ہے۔ آگے ایک مثال فرماتے ہین۔

مارمیت اذرمیت نسبت است — نفی اثبات است ہر دو مثبت است

یعنی مارمیت اذرمیت نسبت کی وجہ سے ہے۔ نفی اور اثبات دونون ثابت ہین یعنی دیکھو مارمیت بھی فرماتے ہین اور اذرمیت بھی تو یہ دونون نفی و اثبات نسبت سے ہین کہ نسبت کے بدل جانے سے نفی بھی ثابت اور اثبات بھی آگے اس کی تشریح فرماتے ہین کہ

آن تو افگندی کہ در دست تو بود — تو نیفگندی کہ قوت حق نمود

یعنی آپنے وہ تو پھینکدیا جو کہ آپکے دست مبارک مین تھا (یہ معنی تو رمیت کے ہو گئے) اور آپنے نہین پھینکا اسلئے کہ قوت تو حق تعالیٰ نے ہی دی (یہ معنے مارمیت کے ہین)

زور آدم زادہ را حدے بود — مشت خاک اشکست لشکر کے شود

یعنی آدم زادہ کے زور کی تو ایک حد ہوتی ہے تو ایک مٹھی خاک ایک لشکر کی شکست کب ہو سکتی ہے مطلب یہ کہ قوت حق اس سے ظاہر ہوتی ہے کہ آدمی کی قوت تو یہ بھی کہ بہت سے بہت دو تین چار پانچ بس اتنے آدمیون پر وہ خاک پڑ سکتی تھی یہ جو ایک لشکر کا لشکر اندھا ہو گیا یہ کسنے کر دیا معلوم ہوا کہ قوت حق تھی تو بس معلوم ہوا کہ باعتبار ظاہر کے تو رمی حضور سے ہوئی اور قوت حق تعالیٰ کی تھی تو نسبت کی وجہ سے حکم بدل گیا۔ آگے اور تشریح فرماتے ہین کہ۔

مشت مشت تست افگندن زماست — زین دو نسبت نفی و اثباتش رواست

یعنی مٹھی تو آپکی مٹھی تھی اور پھینکنا ہماری طرف سے تھا تو ان دونون نسبتون کی وجہ سے
اُس کا نفی و اثبات (دونون) جائز ہین۔ آگے دوسری مثال ہے کہ

یعرفون الانبیاء اضدادہم　　　　مثل ما لا یشتبہ اولادہم

یعنی انبیاء کو اُنکے اضداد ایسا پہچانتے ہین جیسے کہ نہین مشتبہ ہوئین اولاد اُن کی یعنی جسطرح
کہ اُن پر اُن کی اولاد کبھی متشابہ نہین ہوتی اسیطرح انبیاء علیہم السلام بھی کبھی متشابہ نہین
ہوتے بلکہ بالکل صاف طور پر پہچانتے ہین۔

ہمچو فرزندان خود دانند شان　　　　منکران با صد دلیل و صد نشان

یعنی منکر لوگ انکو اپنے بچون کی طرح سو علامتون اور نشانیون سے پہچانتے ہین۔

لیک از رشک و حسد پنہان کنند　　　　خویشتن را بر ندانم می زنند

یعنی لیکن رشک و حسد کی وجہ سے چھپاتے ہین اور اپنے کو ندانم پر مارتے ہین۔ یعنی باوجود
پہچاننے کے جاہل اور انجان بنتے ہین۔

پس چو یعرف گفت چون جائے دگر　　　　گفت لا یعرفہم غیری فذر

یعنی پس جبکہ یعرف فرمایا تو کیون دوسری جگہ لا یعرفہم غیری فرمایا ہے۔ پس چھوڑ دے۔
مطلب یہ کہ حق تعالیٰ فرماتے ہین یعرفونہ کما یعرفون ابناءھم اور دوسری جگہ حدیث
مین ہے کہ اولیائی تحت قبائی لا یعرفھم سوائی۔ تو دیکھو معرفت کو ثابت بھی فرما رہے ہین
اور اُس کی نفی بھی فرماتے ہین۔ اور فرماتے ہین کہ

انہم تحت قبائی کامنون　　　　جز کہ یزدان شان نداند ز آزمون

یعنی وہ اولیاء میری قبا کے نیچے پوشیدہ ہین اور سوائے حق تعالیٰ کے اُنکو کوئی آزمایش
سے نہین جانتا یعنی دیکھو یہان اُنکے پہچاننے کی نفی فرما رہے ہین تو بس معلوم ہوا کہ نفی ہے
اُن کی حقیقت کے پہچاننے سے اور اثبات اُن کی صورت کے پہچاننے کا ہے۔ آگے
فرماتے ہین کہ۔

ہم بہ نسبت گیر این مفتوح را　　　　کہ بدانی و ندانی نوح را

یعنی اس مفتوح کو بھی نسبت ہی سے فرض کرو کہ تم نوح کو جانتے بھی ہو اور نہین بھی جانتے

یعنی اوپر جو کہا تھا کہ ایک صورت ہی کہ تم نوح کو جانتے بھی ہو اور جانتے بھی نہیں ہو تو یہ معرفت اور عدم معرفت بھی نسبت ہی کی وجہ سے ہے۔ آگے فرماتے ہین کہ

زین نسق بسیار آمد در خبر　　　کان بہ نسبت باشد ای جان معتبر

یعنی اسی طریق سے خبر مین بہت آیا ہے کہ وہ نسبت سے ہی معتبر ہوتا ہے یعنی ایسا بہت ہوتا ہے کہ تبدل نسبت سے حکم بدلجاوے۔ آگے اسی مضمون سے فناء وبقاء کے مسئلہ کو بیان فرماتے ہین کہ ایک ہی شخص کو ایک حیثیت سے فانی اور دوسری حیثیت سے باقی کہہ سکتے ہین۔

درویش کامل کے فناء وبقاء کا مسئلہ

گفت قائل در جہان درویش نیست　　　ور بود درویش آن درویش نیست

یعنی ایک کہنے والے نے کہا کہ جہان مین درویش نہین ہے اور اگر کوئی درویش ہے تو وہ درویش نہین ہے (اسلئے کہ)

ہست از روئے بقائے ذات او　　　نیست گشتہ وصف او در وصف ہو

یعنی ہست تو از روئے بقائے ذات کے ہے اور اُس کا وصف وصف حق مین نیست ہوگیا ہے۔ مطلب یہ کہ درویش کامل اپنی ذات کے اعتبار سے تو باقی ہے کہ اُسکی ذات اور اُس کا جثہ جسم موجود ہے لیکن اوصاف کے اعتبار سے وہ فانی ہے اسلئے کہ اُسکے اوصاف اوصاف حق مین فنا ہو چکے ہین۔ لہذا ایک حیثیت سے موجود اور باقی ہے اور دوسری حیثیت سے معدوم وفانی ہے۔ آگے اس کی مثال فرماتے ہین کہ۔

چون زبانہ شمع پیش آفتاب　　　نیست باشد ہست باشد در حساب

یعنی جیسے کہ شمع کی لو آفتاب کے سامنے کہ نیست ہوتی ہے اور حساب مین ہست ہوتی ہے۔ یعنی آفتاب کے سامنے روشنی کے اعتبار سے تو نیست ہے مگر جو حساب لگاؤ تو کہو کہ ایک یا دو یا تین مثلاً شمعین جل رہی ہین تو ہست و نیست دونون ہین۔

ہست باشد ذات او تا تو اگر　　　بر نہی پنبہ بسوزد زان شرر

یعنی اُس کی ذات تو ہست ہوتی ہے یہانتک کہ تو اگر روئی رکہے تو وہ اُس شرر سے جلجاوے (لیکن)

نیست باشد روشنی ندہد ترا — کردہ باشد آفتاب او را فنا

یعنی نیست ہوتی ہے کہ تجہے روشنی نہین دیتی آفتاب اُسکو فنا کئے ہوئے ہوتا ہے آگے اُسکی ایک مثال ہے کہ

در دو صد من شہد یک اوقیہ خل — چون در افگندی و در وی گشت حل

یعنی دو سو من شہد مین ایک اوقیہ سرکہ جب تمنے ڈالدیا اور وہ اسمین حل ہو گیا۔

نیست باشد طعم خل چون می چشی — ہست یک وقیہ فزون چون میکشی

یعنی جب تم چکہو تو سرکہ کا مزہ نیست ہے اور جب (ترازو مین) کہنچو تو ایک اوقیہ زیادہ ہے (تو یہ ہست و نیست ایک ہی جگہ دونون موجود ہین کہ ایک حیثیت سے ہست اور دوسری سے نیست و معدوم ہے۔)

پیش شیرے آہوئے بیہوش شد — ہستیش در ہست او روپوش شد

یعنی کسی شیر کے سامنے کوئی آہو بیہوش ہو گیا اور اُسکی ہستی اُس شیر کی ہستی مین روپوش ہوگئی۔ (تو دیکہو ظاہر جثہ موجود مگر پہر اسکو نیست کہتے ہین) آگے فرماتے ہین کہ

شرح حبیبی

این قیاس ناقصان بر کار رب — جوشش عشقست نے از ترک ادب

نبض عاشق بے ادب بر می جہد — خویش را در کفۂ شہ می نہد

بے ادب تر نیست زو کس در جہان — با ادب تر نیست زو کس در نہان

ہم بہ نسبت دان وفاق اے منتخب — این دو ضد با ادب با بے ادب

بے ادب باشد چو ظاہر بنگری — کہ بود دعوے عشقش ہمسری

چون بباطن بنگری دعوی کجاست	او و دعوی پیش آن سلطان فناست
مَاتَ زَیْدٌ زید اگر فاعل بود	لیک فاعل نیست کو عاطل بود
او زروئے لفظ نحوی فاعل است	ورنہ او مقتول و موتش قاتل است
فاعلے چہ کو چنان مقہور شد	فاعلیہا جملہ از وے دور شد

ان ناقصین شیر وہرن وغیرہ کی حالت کو حق سبحانہ کی حالت پر قیاس کرنیکو کوئی گستاخی نہ سمجھے بلکہ یہ جوشش عشق ہے۔ عاشق کی بعض گستاخانہ ہوا کرتی ہے کیونکہ اُسکا دعوئے عشق بظاہر حق سبحانہ کی گونہ ہمسریکا دعوی کرنا ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ بظاہر حال تو اُس سے زیادہ گستاخ کوئی نہین اور باطن مین اُس سے زیادہ باادب کوئی نہین یہ موافقت ضدین یعنی باادب اور بے ادب کا جمع ہونا بھی اختلاف جہت سے ہے۔ جب تم اس کی ظاہری حالت کو دیکھو تو تم اُسے بے ادب کہوگے کیونکہ وہ حق سبحانہ کے عشق کا دعوے کرتا ہے اور یہ چھوٹا منہ بڑی بات ہے مگر جب تم اُسکے باطن پر نظر کرو تو تمکو معلوم ہوگا کہ کیسا دعوئے وہ خود اور اس کا دعوے دونون حق سبحانہ کے سامنے فنا ہین اُس کی مثال ہے جیسے کہا جاتا ہے کہ مات زید مین زید فاعل ہے لیکن وہ حقیقت مین فاعل نہین ہے کیونکہ وہ تو معطل ہے وہ نحویون کے اعتبار سے فاعل ہے ورنہ حقیقت کے لحاظ سے دیکھو تو وہ مقتول و مفعول ہے اور موت اُسکی قاتل اور فاعلِ موثر بھلا وہ کیا فاعل ہوسکتا ہے جو اس قدر مغلوب ہو کہ ساری فاعلیتین اُس سے منفک ہوجائین

شرح شبیری

این قیاس ناقصان برکار رب ۔ جوشش عشقست نہ ترک ادب

یعنی یہ ناقصونکو کار رب پر قیاس کرنا جوشش عشق ہے نہ کہ ترک ادب کی وجہ سے ہو مطلب یہ کہ حق تعالی کی صفات کو اور خود ذات کو جو ہم امثلہ ناقصہ سے بیان کرتے ہین یہ صرف جوشش عشق ہے کہ دل چاہتا ہے معلوم کرنیکو اور کنہ معلوم ہونا محال ہی لہذا اسی طرح کام چلاتے ہین ورنہ یہ اسطرح مثالین دینا خدانخواستہ ترک ادب کی وجہ سے نہین ہے۔

نبض عاشق بے ادب بر می جہد　　خویش را در کفہ شہ می نہد

یعنی عاشق کی نبض بے ادب کودتی ہے اور اپنے کو دست شاہ میں رکھتی ہے۔ یعنی عاشق ظاہر حالت میں بے ادب معلوم ہوتا ہے اور اُسکی ظاہری حرکات وکلمات سے معلوم ہوتا ہے کہ سخت بے ادب ہو مگر اصل اور باطن میں اُس سے زیادہ باادب کوئی نہیں ہوتا آگے خود فرماتے ہیں۔

بے ادب تر نیست زوکس در جہاں　　با ادب تر نیست زوکس در نہان

یعنی اُس سے زیادہ کوئی جہان میں بے ادب نہیں ہے اور اُس سے زیادہ باادب باطن میں کوئی نہیں ہے مطلب یہ کہ ظاہر آتو وہ بے ادب ہوتا ہے مگر باطن میں بے حد باادب ہوتا ہے۔

ہم بہ نسبت دان وفاق اے منتخب　　ایں دو ضد با ادب با بے ادب

یعنی اے منتخب اس موافقت ضدین باادب اور بے ادب کو بھی نسبت ہی سے جانو مطلب یہ کہ ایک شخص میں جو ہمنے دو حیثیتیں بتائی ہیں کہ وہ باادب بھی ہے اور بے ادب بھی ہے یہہ بھی اُسی نسبت اور حیثیت کے لحاظ سے ہے۔

بے ادب باشد چو ظاہر بنگری　　کہ بود دعوی عشقش ہمسری

یعنی بے ادب ہوتا ہے جبکہ تم ظاہر کو دیکھو کیونکہ اُسکے عشق کا دعویٰ کرنا تو ہمسری ہے یعنی عشق خدا کا دعویٰ کرنا بھی تو بہت بڑی بات ہے تو اگر اسکو دیکھو کہ دعویٰ عشق حق کرتا ہے تو یہہ عاشق سخت گستاخ معلوم ہوتا ہے۔

چوں بباطن بنگری دعویٰ کجاست　　او و دعویٰ پیش آں سلطاں فناست

یعنی جب باطن کو دیکھو تو دعوے کہاں ہے وہ اور دعویٰ اُس سلطان کے سامنے فنا ہے یعنی ظاہر اُتو مدعی عشق حق ہوتا ہے لہذا گستاخ معلوم ہوتا ہے اور باطن میں اگر دیکھا جاوے تو دعویٰ عشق تو کہاں خود اُسکی ہستی بھی حق تعالےٰ کے سامنے فنا ہو چکی ہے۔ اس حیثیت سے باادب بدرجۂ اکمل معلوم ہوتا ہے۔ آگے ایک مثال فرماتے ہیں کہ۔

مَاتَ زَیدٌ زید اگر فاعل بود　　لیک فاعل نیست کو عاطل بود

یعنی مَاتَ زَیدٌ (میں) زید اگرچہ فاعل ہے لیکن فاعل نہیں کیونکہ وہ تو عاطل ہے۔

او ز روئے لفظ نحوی فاعل است　　ورنہ او مقتول وموتش قاتل است

یعنی وہ لفظ نحوی کے اعتبار سے تو فاعل ہے ورنہ وہ مقتول ہے اور موت اُسکی قاتل ہے مطلب یہ کہ مات زید میں زید کو فاعل کہتے ہیں مگر وہ فاعل تو کیا وہ تو خود معطل ہو چکا ہے وہ تو اصل میں مقتول موت ہے مگر ظاہری الفاظ کے اعتبار سے فاعل ہے تو اسی طرح ظاہر حالت کے اعتبار سے یہہ عاشق گستاخ و بے ادب ہے ورنہ اصل میں نہایت باادب ہے۔

فاعلی چہ کو چناں مقہور شد　　　فاعلیہا جملہ از وے دور شد

یعنی فاعلی تو کیا وہ تو ایسا مقہور ہوا ہے کہ تمام فاعلیتیں اُس سے دور ہو گئی ہیں یعنی زید فاعل کیا بن سکتا ہے وہ تو ایسا مفعول بنا ہے کہ ساری فاعلیت ختم ہو گئی مگر ظاہر الفاظ کے اعتبار سے فاعل ہی ہے تو ایک شے ایک حیثیت سے مفعول اور دوسری سے فاعل۔ آگے ایک حکایت لاتے ہیں کہ بخارا میں غلام سے کوئی خطا سرزد ہوئی تو آقا اُس سے سخت ناراض ہوا وہ غلام خوف جان کی وجہ سے وہاں سے بھاگ گیا لیکن آقا سے اُسکو محبت زیادہ تھی اسلئے اُس سے جدا نہ رہ سکا لہٰذا پھر بے باکانہ آکر سامنے کھڑا ہو گیا ؎

قتل کر ڈالو ہمیں یا جرم الفت بخشدو　　　لو کھڑے ہیں ہاتھ باندھے ہم تمہارے سامنے

تو اُسکا یہ کھڑا ہونا ظاہرا تو سخت گستاخی پر دال ہے مگر اندر دیکھو کہ اُسکے دل میں اُس آقا کی کسقدر وقعت تھی چونکہ یہاں اس مضمون کو بیان کیا تھا اس مناسبت سے آگے اُس حکایت کو لاتے ہیں

شرح حبیبی

در بخارا بندۂ صدر جہان	متہم شد گشت از صدرش نہان
مدت دہ سال سرگرداں بگشت	گہ خراساں گہ قہستاں گاہ دشت
از پس دہ سال او از اشتیاق	گشت بیطاقت ز ایام فراق
گفت تاب فرقتم زیں پس نماند	صبر کے داند خلاعت را نشاند
از فراق ایں خاکہا شورہ بود	آب زرد و گندہ و تیرہ بود

باد جان افزا وخم گردد وبا ‌‌ ‌‌ آتشے خاکستر ے گردد ہبا

باغ چوں جنت شود دار المرض ‌‌ ‌‌ زرد و ریزاں برگ او اندر حرض

عقل دراک از فراق دوستاں ‌‌ ‌‌ ہمچو تیر انداز بشکستہ کماں

دوزخ از فرقت چناں سوزاں شدہ است ‌‌ ‌‌ پیر از فرقت چناں لرزاں بدہ است

گر بگویم از فراق چوں شرار ‌‌ ‌‌ تا قیامت یک بود از صد ہزار

پس ز شرح سوز او کم زن نفس ‌‌ ‌‌ رب سلم رب سلم گوی و بس

ہر چہ از وے شاد گشتی در جہاں ‌‌ ‌‌ از فراق او بیندیش آں زماں

زانچہ گشتی شاد بس کس شاد شد ‌‌ ‌‌ آخر از وے جست ہمچوں باد شد

از تو ہم بجہد تو دل بر وے منہ ‌‌ ‌‌ پیش ازاں کو بجہد از تو تو بجہ

ہمچو مریم گوئے پیش از فوت ملک ‌‌ ‌‌ نفس را کاعوذ بالرحمن منک

دیکھو بخارا میں صدر جہان کا ایک غلام تھا وہ کسی معاملہ میں متہم ہوا اور اپنے آقا سے چھپ گیا دس برس تک سرگرداں پھرا کیا کبھی خراسان میں کبھی قہستان میں اور کبھی جنگل میں۔ دس سال کے بعد فرط اشتیاق اور طول زمانۂ فراق سے بے طاقت ہو گیا اور کہا کہ اب مجھ میں جدائی کی طاقت نہیں واقعی بات یہی ہے کہ صبر مفارقت کو کب پاس بیٹھنے دیتا ہے اور صبر و فراق کہاں جمع ہو سکتے ہیں۔ مفارقت ہی سے خاک شورہ بنجاتی ہو کیونکہ جب قوی نامیہ وغیرہ اس سے جدا ہو جاتی ہیں تو شورہ بنجاتی ہے اور مفارقت ہی سے آب گندہ زرد اور میلا ہوتا ہے کیونکہ جب صفائی اور خلوص اس سے جدا ہوا یہ باتیں پیدا ہو جاتی ہیں۔ مفارقت ہی سے روح افزا ہوا گندہ اور وبا کا سبب بنجاتی ہے اسلئے کہ

جب صرافت اسکی جدا ہوگئی یہہ خرابیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ اور مفارقت ہی سے آگ خاکستر اور فنا ہو جاتے ہیں کیونکہ جب ہوا وغیرہ اشیاء مشعلہ سے اُسے انفکاک ہوتا ہے تو وہ بجھ جاتی ہے مفارقت ہی سے بہشت کی مانند سرسبز و شاداب باغ دار المرض بنجاتا ہے کیونکہ جب بہار چلی گئی تو پتے زرد ہوکر گرنے لگتے ہیں غرض میں فراق کے مصائب کہانتک بیان کروں اگر اس چنگاری کی مانند فراق کے اوصاف بیان کروں تو قیامت تک بیان کرنے پر بھی لاکھواں حصہ نہ بیان ہو لہذا اُسکی شورش کے بیان کو چھوڑکر یہہ دعا کرنی چاہیئے کہ اے اللہ تو ہمیں اس مصیبت سے بچا اب سنو کہ جس چیز سے تمکو خوشی ہو اُسکی مفارقت کے رنج کا بھی خیال کر لیا کرو کیونکہ جس چیز سے تم خوش ہو تم سے پہلے بھی بہت خوش ہو چکے ہیں لیکن آخر وہ شئے اُن سے بھی ہوا کی طرح جدا ہو گئی پھر تمہارے پاس کیسے رہ سکتی ہے ضرور تم سے بھی علیحدہ ہوگی لہذا تم اُس سے دل ہی نہ لگاؤ اور قبل اسکے کہ وہ تم سے جدا ہو تمہیں اُس سے جدا ہو جاؤ اور اُس اپنے ملک کے زوال سے پہلے ہی تم مریم علیہا السلام کی طرح اعوذ بالرحمٰن منک کہدو۔ تفصیل واقعہ مریم حسب ذیل ہے۔

شرح شبیری

قصّہ صدر جہان کے وکیل کا کہ متہم ہوا تھا اور بخارا سے خوف جانکی وجہ سے بھاگ گیا تھا پھر عشق نے اُس کا گریبان پکڑا (اور بخارا میں آگیا) کیونکہ جانبازی کرنا جانان کے لئے سہل ہوتی ہے

در بخارا بندۂ صدر جہاں متہم شد گشت از صدرش نہاں

یعنی بخارا میں صدر جہاں کا غلام متہم ہوگیا تو اپنے صدر سے پوشیدہ ہوگیا۔

مدت دہ سال سرگرداں بگشت گہ خراساں گہ قہستاں گاہ دشت

یعنی دس برس کی مدت تک وہ سرگردان پھرا کبھی خراسان میں اور کبھی قہستان میں اور کبھی جنگل میں۔

از پس دہ سال او از اشتیاق　　گشت بے طاقت ز ایام فراق

یعنی بعد دس برس کے وہ اشتیاق کیوجہ سے ایام فراق سے بے طاقت ہو گیا۔

گفت تاب فرقتم زیں پس نماند　　صبر کے داند خلاعت را نشاند

یعنی کہنے لگا کہ اسکے بعد مجھے فرقت کی تاب نہ رہی اور صبر کب جانے خلاعت کو بٹھلانا۔ (خلاعت مرض وغیرہ سے گھلنا) مطلب یہ کہ صبر اور غم خوری یکجا کب جمع ہو سکتے ہیں جب اُس کو اُسکی فرقت میں اندوہ والم تھا تو پھر صبر کہاں ہو سکتا تھا آگے فراق سے اشیاء کے خراب ہونیکی نظائر فرماتے ہیں کہ۔

از فراق ایں خاکہا شورہ شود　　آب زرد و گندہ و تیرہ شود

یعنی فراق کی وجہ سے یہ خاک شورہ ہو جاتی ہیں اور پانی زرد اور گندہ اور تیرہ ہو جاتا ہے یعنی خاک کو اگر پانی سے مفارقت ہو۔ یا پانی کو پانی سے مفارقت ہو تو وہ خراب ہو جاتے ہیں۔

باد جان افزا وخم گردد وبا　　آتشے خاکسترے گردد ہبا

یعنی ہوا جو جان افزا ہو وہ ناگوار اور وبا ہو جاتی ہے اور آگ خاکستر اور ہبا ہو جاتی ہے یعنی جب ہوا بند ہو جاوے اور دوسری ہوا اُس تک نہ پہنچے تو وہ خراب ہو جاتی ہے علی ہذا آگ بھی بجھ جاتی ہے۔

باغ چوں جنت شود دار المرض　　زرد و ریزاں برگ او اندر حرض

یعنی جنت جیسا باغ (بارش کی مفارقت سے) دار المرض ہو جاتا ہے زرد اور اُسکے پتے گر نیوالے مرض میں (مبتلا ہو جاتے ہیں) یعنی اگر باغ کو بارش نہ پہونچے تو وہ سوکھ ساکھ کر خراب وخستہ ہو جاتا ہے۔

عقل دراک از فراق دوستان　　ہمچو تیر انداز اشکستہ کمان

یعنی عقل مدرک دوستوں کے فراق کی وجہ سے مثل اُس تیر انداز کے ہے جو شکستہ کمان ہو یعنی فراق دوستاں میں عقل انسان بیکار ہو جاتی ہے

دوزخ از فرقت چناں سوزاں شدست　　بید از فرقت چناں لرزاں شدہ است

یعنی دوزخ فرقت کیوجہ سے اسقدر سوزاں ہو رہی ہے اور بید فرقت کی وجہ سے اسقدر کانپ رہا ہے یعنی دوزخ میں جو اسقدر شورش ہے یہ اُس فرقت کی وجہ سے ہے جو کہ اُس کو بظاہر

حق تعالیٰ سے ہے علیٰ ہذا بید بھی اپنے معشوق کی یاد میں کانپ رہا ہے یہہ مضامین اکثر شاعرانہ ہیں جیسے کہ مشہور ہے۔ مطلب یہ ہے کہ فرقت میں اکثر اشیاء خراب ہو جاتی ہیں تو اسی طرح فرقت صدر جہان میں وہ غلام خراب وخستہ تھا آگے فرماتے ہیں۔

گر بگویم از فراق چوں شرار تا قیامت یک بود از صد ہزار

یعنی اگر میں فراق کو جو مثل شرر کے ہے بیان کروں تو قیامت تک لاکھ میں سے ایک ہو گا۔ یعنی لاکھواں حصہ بھی اسکے خواص اور اسکے افعال کا قیامت تک بیان نہیں ہو سکتا۔

پس ز شرح سوز او کم زن نفس رب سلم رب سلم گوئے بس

یعنی پس اسکی سوز کی شرح سے کم دم مارو بس رب سلم رب سلم کہتے رہو یعنی اسکی سوز کو زیادہ مت بیان کرو اور رب سلم رب سلم کہتے رہو اسکا بیان کرنا مناسب نہیں ہے۔

ہر چہ از وے شاد گردی در جہاں از فراق او بیندیش آں زماں

یعنی جہان میں جس چیز سے کہ تم شاد ہو تو اس وقت اسکے فراق سے بھی ڈرو۔

زانچہ گشتی شاد بس کس شاد شد آخر از وے جست ہمچوں باد شد

یعنی جس چیز سے تم شاد ہوئے بہت لوگ شاد ہو چکے ہیں آخر اس سے نکلکر ہوا کی طرح چلی گئی۔

از تو ہم بجہد تو دل بر وے منہ پیش ازاں کو بجہد از تو تو بجہ

یعنی تجھ سے بھی نکل جاوے گی تو اسپر دل مت رکھہ اس سے قبل کہ وہ نکلے تو اس سے نکلجا یعنی قبل ازیں کہ وہ تمہیں چھوڑے تم ہی اسکو چھوڑ دو۔

ہمچو مریم گوی پیش از فوت ملک نفس را کہ اعوذ بالرحمٰن منک

یعنی ملک کے فوت ہونے سے پہلے مریمؑ کی طرح نفس سے کہدو کہ اعوذ بالرحمٰن منک۔ مطلب یہ کہ اس سے قبل کہ نفس تم پر قابو پاوے اور تمہارے ملک کو تباہ وبرباد کرے تم مریمؑ کی طرح اس سے پناہ مانگو کہ جب ان کے پاس جبرئیلؑ آتے تو انہوں نے بوجہ عدم شناخت کے کوئی مفسدہ سمجھ کر اعوذ بالرحمٰن منک کہا تھا تو یہاں تو مفسدہ ظاہر ہے تم اس نفس سے پناہ مانگو آگے جبرئیلؑ کا مریمؑ کے پاس آنے اور ان کے پناہ مانگنے کا قصہ بیان فرماتے ہیں۔

شرح حبیبی

دید مریم صورتے بس جانفزا | جانفزائے دلربائے در خلا

پیش او بررُست از روئے زمیں | چوں مہ و خورشید آں روح الامیں

از زمیں بررُست خوبے بے نقاب | آنچناں کز شرق روید آفتاب

لرزہ بر اعضائے مریم اوفتاد | کو برہنہ بود ترسید از فساد

صورتے کہ یوسف ار دیدے عیاں | دست از حیرت بریدے چوں زناں

ہمچو گُل پیشش بروئید او ز گِل | چوں خیالے کہ برآرد سر ز دل

گشت مریم بیخود و بے خویش او | گفت بجہم در پناہ لطف ہو

زانکہ عادت کردہ بود آں پاک جیب | وز ہزیمت رخت بردن سوئے غیب

چوں جہاں را دید ملکے بے قرار | حازمانہ ساخت ز آنحضرت حصار

تا بگاہ مرگ حصنے باشدش | کہ نیابد خصم راہ مقصدش

از پناہ حق حصارے بہ ندید | یورتگہ نزدیک آن دژ برگزید

چوں بدید آں غمزہائے عقل سوز | کہ ازو می شد جگرہا تیر دوز

شاہ و لشکر حلقہ در گوشش ہمہ | خسروان عقل بے ہوشش ہمہ

صد ہزاراں شاہ مملوکش برق | صد ہزاراں بدر را دادہ بدق

زہرہ نے مر زہرہ را تا دم زند | عقل کلش چوں بہ بیند کم زند

من چہ گویم چوں مرا بر دوختست | دمگہم را دمگہ او سوخت است

دودِ آن نار و دلیلم من برو	دور ازاں شہ باطل ما عبروا
خود نباشد آفتابے را دلیل	غیر نورِ آفتابِ مستطیل
سایہ کہ بود تا دلیل او بود	ایں بسستش کہ ذلیل او بود

مریم علیہا السلام نے خلوت میں ایک نہایت جانفزا اور دلربا صورت دیکھی یعنی جبرئیل علیہ السلام اُنکے سامنے ہی زمین میں سے پیدا ہوئے اور انہوں نے دیکھا کہ زمین سے ایک بے نقاب خوبصورت شخص یوں برآمد ہوا جیسے کہ مشرق سے آفتاب نکلتا ہے اُن کو دیکھتے ہی مریم علیہ السلام کا جسم تھرتھر کانپنے لگا کیونکہ وہ برہنہ تھیں اور اُنکو اندیشہ ہوا کہ ایسا نہو کوئی خرابی واقع ہو کیونکہ انہوں نے دیکھا کہ ایک ایسا خوبصورت شخص جسکو اگر یوسف علیہ السلام بھی دیکھ لیتے تو زنانِ مصر کی طرح وہ بھی حیرت سے اپنے ہاتھ کاٹ لیتے۔ پھول کی طرح اُنکے سامنے زمین سے یوں پیدا ہوا جیسے کہ دل سے خیال ظاہر ہوتا ہے یہہ دیکھکر مریم علیہا السلام بدحواس ہوگئیں اور کہا کہ اب کوئی چارہ نہیں بجز اِسکے کہ میں حق سبحانہ سے پناہ لوں کیونکہ اُن عفیفہ کی یہہ عادت تھی کہ جب کبھی کسی مصیبت سے مغلوب ہوتی تھیں تو اپنے کو حق سبحانہ کے حوالہ کردیتی تھیں اور اُن سے پناہ لیتی تھیں کیونکہ جب انہوں نے دیکھا کہ یہ عالم فانی ہے تو غایت حزم سے انہوں نے حضرت حق کو اپنا پناہ دہندہ بنایا اور بہت ہی خوب کیا کیونکہ وہ اُنکے انتقال کے وقت تک اُن کا یوں پناہ دہندہ رہے گا کہ کوئی دشمن اُن پر قابو نہ پاسکے گا۔ پس جب انہوں نے دیکھا کہ اُس شخص کے غمزے عقل کو فنا کردینے والے اور جگر کے پار ہوجانیوالے ہیں گو اب تک مجھ پر اُنکا کچھ اثر نہیں ہوا لیکن نفس و شیطان انسان کے دشمن ہیں کیا عجب ہے کہ مجھ پر نفس و شیطان کا جادو چل جاوے۔ تو انہوں نے خدا کی پناہ سے بہتر کوئی قلعہ نہ دیکھا لہذا اُسی کے قریب چوکی بنالی اور اُسکی پناہ میں آگئیں۔ اور سمجھا کہ یہاں کسی کا قابو نہیں چل سکتا۔ اسلئے کہ شاہان دنیا اور اُن کے لشکر سب اُسکے حلقہ بگوش ہیں اور بڑے بڑے عقلاء اُسکے سامنے بے ہوش ہیں لاکھوں بادشاہ اُسکے غلام ہیں اور لاکھوں حسین اُسکے فراق میں مدقوق ہیں زہرہ کی کیا طاقت ہے کہ اُسکے سامنے دم مار سکے اُسکی تو یہہ حالت ہے کہ عقل کل بھی اُسے دیکھ کر

اپنے نقص کا اعتراف کرتی ہے۔ پس نہ وہاں کسی کا زور چل سکتا ہے نہ تدبیر اور نہ وہ حسن سے متاثر ہو سکتا ہے لہٰذا کوئی تدبیر نہیں جس سے کوئی مجھ پر قبضہ حاصل کر سکے۔ یہ توجیہ تو اُس وقت ہے جبکہ چون شرط مؤخر ہو اور از پناہِ حق الخ جزائے مقدم اور شاہ و لشکر الخ علت مضمون مستنبط از جزا اور یہ بھی ممکن ہے کہ چوں بدید اور اشعار مابعد شرط موخر ہوں اور از پناہ حق الخ جزائے مقدم اُس وقت حاصل یہ ہوگا کہ حضرت مریم علیہا السلام نے جب دیکھا کہ حضرت حق خود محبوب حقیقی اور شہنشاہ حقیقی ہیں نہ اُنکے سامنے کسی کا زور چل سکتا ہے نہ تدبیر نہ حسن اسلئے اُنکے پناہ میں آگئیں۔ اب مولانا فرماتے ہیں کہ میں اُسکے کمالات کیا بیان کروں اُسنے تو میرا منہ سی دیا ہے اور اُسکی گویائی نے میرے بیان کو فنا کر دیا ہے کیونکہ میں ہوں ہی کیا چیز میں تو اُس آگ کا دھواں اور اُس علت کا معلول اور اُسکی وجود کی دلیل ہوں توبہ توبہ حاشا عن ذلک میں نے جو کچھ کہا سب غلط ہے۔ آفتاب کی دلیل تو خود اُسکا پھیلنے والا نور ہے۔ سایہ کی کیا مجال ہے کہ وہ اُسکی دلیل بن سکے اُس کے لئے تو یہ ہی کافی ہے کہ وہ اُسکا ایک ذلیل وابستہ ہو۔

شرح شبیری

روح القدس کا آدمی کیصورت میں مریمؑ کے سامنے اُنکے غسل اور برہنگی کیحالت میں ظاہر ہونا اور اُنکا خدائیتعالیٰ سے پناہ مانگنا

دید مریمؑ صورتے بس جانفزا　　　جانفزائے دلربائے در خلا

یعنی مریمؑ نے خلوت میں ایک صورت بہت ہی جانفزا اور دلربا دیکھی۔

پیش او بر رست از روے زمین　　　چون مہ و خورشید آں روح الامیں

یعنی مریمؑ کے سامنے وہ روح الامین مثل ماہ و خورشید کے نکل آئے۔ یعنی زمین میں سے پیدا ہوگئے۔

از زمیں بر رست خوبے بے نقاب　　　آں چناں کز شرق روید آفتاب

یعنی زمین سے ایک خوبصورت بے نقاب نکلے جیسے شرق سے آفتاب نکلتا ہے۔

لرزہ بر اعضائے مریم اوفتاد　　　کو برہنہ بود و ترسید از فساد

یعنی اعضائے مریمؑ پر لرزہ پڑگیا کیونکہ وہ برہنہ تھیں اور فساد سے ڈریں۔ یعنی چونکہ وہ برہنہ تھیں تو انہوں نے انکو پہچانا نہیں لہذا سمجھیں کہ کوئی مفسد ہے لہذا وہ کانپنے لگیں۔

صورتے کہ یوسف ار دیدی عیاں　　　دست از حیرت بریدی چوں زناں

یعنی ایسی صورت کہ اگر یوسفؑ بھی عیاناً دیکھ لیں تو نساء (مصر) کی طرح حیرت سے ہاتھ کاٹ لیں۔

ہمچو گل پیشش بروئید او زگل　　　چوں خیالے کہ برآرد سر ز دل

یعنی پھول کی طرح انکے سامنے وہ مٹی سے پیدا ہو گئے مثل ایک خیال کے جو کہ دل سے سر نکالے۔ یعنی وہ اس طرح نکل آئے جیسے کہ پھول مٹی سے نکل آتا ہے اسی طرح وہ زمین سے نکل آئے۔

گشت مریم بیخود و در بیخودی　　　گفت بجہم در پناہ ایزدی

یعنی مریمؑ (انکو دیکھکر) بیخود ہو گئیں اور بیخودی میں بولیں کہ میں تو پناہ حق میں جاتی ہوں یعنی میں خدا کی پناہ مانگتی ہوں۔

زانکہ عادت کردہ بود آں پاک جیب　　　در ہزیمت رخت بردن سوئے غیب

یعنی چونکہ وہ پاک دامن ہزیمت میں رخت کو غیب کیطرف لیجانیکی عادت ڈالے ہوئے تھیں یعنی انکی عادت تھی کہ جب کوئی ایسی بات ہوتی تھی تو غیب کیطرف متوجہ ہوتی تھیں اُس حالت میں بھی وہ اسطرف متوجہ ہوئیں اور بولیں کہ اعوذ بالرحمٰن منک۔

چوں جہاں را دید ملکے بے قرار　　　حازمانہ ساخت آنحضرت حصار

یعنی جبکہ مریمؑ نے (اس) جہان کو ایک ملک بیقرار (وزائل و فانی) دیکھا تو حازم کی طرح اُس درگاہ میں قلعہ بنالیا۔ یعنی جب اس دنیا کو فانی دیکھا تو بس وہ ہر کام میں حضرت حق کی طرف متوجہ ہوتی تھیں۔

تا بگاہ مرگ حصنے باشدش　　　کہ نیابد خصم راہ مقصدش

یعنی وقت موت تک انکے لئے ایک حصن ہوگا کہ کوئی خصم انکے مقصد پر نہ آوے گا۔ مطلب یہ کہ یہ وہ حصن ہے کہ اُس حصن میں اُنکے مقصد تک کسی دشمن کی رسائی ہو ہی نہیں سکتی۔

از پناہ حق حصارے بہ نہ دید　　　یورتگہ نزدیک آں دژ برگزید

یعنی پناہ حق سے کوئی حصار بہتر نہ دیکھا تو گھر اُس قلعہ کے نزدیک اختیار کرلیا۔ یعنی انہوں نے

حق تعالیٰ سے پناہ مانگی اور کہا کہ اعوذ بالرحمن منک۔

چوں بدید آں غمزہائے عقل سوز که ازو می شد جگرہا تیر دوز

یعنی جب کہ اُن غمزہائے عقل سوز کو دیکھا جن سے کہ جگر تیر دوز ہوتے تھے (تو اُن ہی کی پناہ میں چلی گئیں اور غمزوں سے مراد افعال ہیں)۔ یعنی جب انہوں نے حق تعالیٰ کے افعال و قدرۃ کو ایسا دیکھا کہ وہ تمام عقول پر غالب ہیں اور اُن پر کسی کا بس نہیں چلتا۔ تو بس وہ اُن ہی کی پناہ میں آگئیں اور اُن کی تو یہ قدرت اور وہ شان ہے کہ۔

شاہ و لشکر حلقہ در گوشش شدہ خسروان ہوش بیہوشش شدہ

یعنی شاہ اور لشکر سب اُسکے حلقہ بگوش ہیں اور خسرواں ہوش اُسکے بے ہوش ہیں یعنی تمام شاہان دنیا اور اُنکے لشکر اور بڑے بڑے عقلاء سب اُسکے سامنے زبون ہیں اُسکے آگے کسیکی نہیں چلتی لہذا اُس ہی کی پناہ ایسی ہے کہ جہاں کوئی گزند نہیں پہنچ سکتا۔

صد ہزاراں شاہ مملوکش برق صد ہزاراں بدر را دادہ بدق

یعنی لاکھوں بادشاہ غلامی کی وجہ سے اُسکے مملوک اور لاکھوں بدر کو وہ گھٹنے میں دئے ہوئے ہیں یعنی اُسکے سامنے سب زبون اور کم ہیں کوئی اُسکی برابر کا نہیں۔

زہرہ نے مر زہرہ را تا دم زند عقل کلش چوں بہ بیند گم زند

یعنی زہرہ کو طاقت نہیں ہے کہ دم مارے اور عقل کل اُسکو جب دیکھ لے تو پوشیدہ ہو جاوے یعنی اُسکی قدرت اور اُسکے جمال کے آگے سب ہیچ ہیں اسلئے حضرت مریمؑ اُنکی پناہ میں آگئیں۔ آگے مولانا فرماتے ہیں۔

من چہ گویم چوں مرا بر دوخت است دمغہم را دمگہ او سوخت است

یعنی میں کیا بیان کروں جبکہ مجھے اُسنے سی دیا ہے اور میرے نطق کو اُسکے نطق نے جلا دیا ہے یعنی میں حق تعالیٰ کی شان کیا بیان کر سکتا ہوں مجھے تو حق تعالیٰ کے جلال نے چپ کر دیا ہے اور میں اُس میں فنا ہو چکا ہوں۔

دود آں نارم دلیلم من برو دور ازان شہ باطل ما عبروا

یعنی میں اُسی آگ کا دھواں ہوں اور میں اُسپر دلیل ہوں اُس شاہ سے دور اور باطل ہے جو لوگ

تعبیر کرتے ہیں یعنی میں تو اُسیکا ظل ہوں اور اُس پر دال ہوں تو میری ہستی ہی اُسکے وجود پر دلیل ہوسکتی ہے اسلئے کہ مصنوع سے صانع پر استدلال ہوتا ہے باقی جو صفات کہ لوگ بیان کرتے ہیں وہ بالکل باطل ہیں اور اُسکی شان سے بیحد بعید ہیں۔

خود نباشد آفتابے را دلیل | جز کہ نور آفتاب مستطیل

یعنی خود آفتاب کی کوئی دلیل سوائے نور آفتاب کے جو کہ مستطیل ہو نہیں ہوتی یعنی آفتاب کے وجود کی دلیل خود اُسکا وہ نور ہی ہے اُسپر کسی دوسری دلیل کے قایم کرنے کی کوئی حاجت نہیں ہے۔ تو اسی طرح حق تعالےٰ کے وجود پر کسی دوسری دلیل کی ضرورت نہیں ہے بلکہ وہ خود ہی دلیل ہے۔

سایہ کہ بود تا دلیل او بود | این بستش کہ ذلیل او بود

یعنی سایہ کون ہے کہ اُسکی دلیل ہوگا یہی کافی ہے کہ وہ اُسکا ذلیل ہو جاوے۔ یعنی سایہ بھلا اصل کی دلیل کیا بن سکتا ہے وہ اگر اُسکا عاجز اور اُسکا ذلیل رہے یہی کافی ہے ورنہ کہاں سایہ اور کہاں اصل تو ہمارا وجود وجود حق پر کیا دلیل ہوسکتا ہے کہاں ہم اور کہاں وہ

شرح حبیبی

ایں جلالت در دلالت صادق است	جملہ ادراکات پس او سابق است
جملہ ادراکات بر خر ہائے لنگ	او سوار باد پراں چوں خدنگ
گر گریزد کس نیابد گرد شہ	ور گریزد او بگیرد پیش رہ
جملہ ادراکات را آرام نے	وقت می دانست وقت جام نے
آں یکے وہمے چو بازے می پرد	واں یکے چوں تیغ مغفر می درد
واں دگر چوں کشتئے با بادباں	واں دگر اندر تراجع ہر زماں
چوں شکارے می نماید شاں ز دور	جملہ حملہ می نمایند آں طیور

چونکه ناپیدا شود حیران شوند   همچو چغدان سوی هر ویران روند

منتظر چشمی بهم یک چشم باز   تا که پیدا گردد آن صید نیاز

چون بماند دیر گویند از ملال   صید بود آن خود عجب یا بد خیال

مصلحت آنست تا یک ساعتی   قوتی گیرند و زور از راحتی

گر نبودی شب همه خلقان ز آز   خویشتن را سوختندی ز اهتزاز

از هوس وز حرص سود اندوختن   هر کسی دادی بدن را سوختن

شب پدید آید چو گنج رحمتی   تا رهند از حرص خود یک ساعتی

چونکه قبضی آیدت ای راهرو   آن صلاح تست آیس دل مشو

زانکه در خرجی از آن بسط و کشاد   خرج را دخلی بباید ز اعتداد

گر هماره فصل تابستان بدی   سوزش خورشید در بستان زدی

منبتش را سوختی از بیخ و بن   که دگر تازه نه گشتی آن کهن

گر ترش روی است آن دی مشفق است   صیف خندانست اما محرق است

چونکه قبض آمد تو در وی بسط بین   تازه باش و چین میفگن بر جبین

کودکان خندان و دانایان ترش   غم جگر را باشد و شادی ز شش

چشم کودک همچو خر در آخر است   چشم عاقل در حساب آخر است

او در آخر چرب می بیند علف   وین ز قصاب آخرش بیند تلف

آن علف تلخ است کان قصاب داد   بهر لحم او ترازوئی نهاد

روز حکمت خور علف کاں را خدا — بے عوض دادست از محض عطا

فہم ناں کردی نہ حکمت ای رہی — چونکہ حق گفتست کلوا من رزقہ

رزق حق حکمت بود در مرتبت — کاں گلوگیرت نگردد عاقبت

ایں دہاں بستی دہانے باز شد — کو خورندہ لقمہائے راز شد

گر ز شیر دیو تن را وابرے — در فطام او بسے حلوا خوری

ترک جوشے کردہ ام من نیم خام — از حکیم غزنوی بشنو تمام

در الہی نامہ گوید شرح ایں — آں حکیم غیب فخر العارفیں

غم خور و نانِ غم افزایاں مخور — زانکہ عاقل غم خورد کودک شکر

قند شادی میوۂ باغ غم است — ایں فرح زخم است آں غم مرہم است

غم چو بینی در کنارش کش بعشق — از سر ربوہ نظر کن در دمشق

عاقل از انگور می بیند ہمی — عاشق از معدوم شے بیند ہمی

جنگ می کردند حمالاں پریر — تو مکش تا من کشم حملش چو شیر

زانکہ در آں رنج میدیدند سود — حمل را ہر یک ز دیگر مے ربود

مزد حق کو مزدِ آں بیمایہ کو — ایں دہد گنجیت مزد و آں تسو

گنج زرے کہ چو خسپی زیر ریگ — با تو باشد آں نماند مردہ ریگ

پیش پیش آں جنازہ ات میرود — مونس گور و غریبی مے شود

بہر روز مرگ ایں دم مردہ باش — تا شوی با عشق سرمد خواجہ تاش

صبر می بیند ز پردہ اجتہاد / روئے چوں گلنار و زلفیں مراد

غم چو آئینہ است پیش مجتہد / کاندراں ضد می نماید روئے ضد

بعد ضد رنج آں ضد دگر / رو دہد یعنی کشاد و کر و فر

ایں دو وصف از پنجہ دستت ببیں / بعد قبض مشت بسط آید یقیں

پنجہ را گر قبض باشد دائما / یا ہمہ بسط او بود چوں مبتلا

زیں دو وصفش کار و مکسب منتظم / چوں پر مرغ ایں دو حال او را مہم

پس اسکی عظمت ہی اُسکی سچی دلیل ہے رہے ادراکات و مدرکات سو اُن میں سے اُس تک کسی کی بھی رسائی نہیں لہذا وہ پیچھے ہیں اور حق سبحانہ ورا، بلکہ ورا الورا، تمام ادراکات اُس تک پہنچنے سے یوں عاجز ہیں جس طرح کہ کوئی لنگڑے گدھے پر سوار ہو اور حق سبحانہ اُن سے یوں ورا الورا ہیں جیسے کوئی تیر کی طرح ہوا کے گھوڑے پر سوار ہو اور سوار خر لنگ سے آگے ہو اگر حق سبحانہ چاہیں کہ کسی ادراک کی رسائی ان تک نہ ہو تو کسی کو بھی ان کی معرفت نہیں ہو سکتی۔ اور اگر ممکنات چاہیں کہ حق سبحانہ کے علم و قدرت وغیرہ کی رسائی ہم تک نہو۔ تو ناممکن ہے جس طرح کہ سوار خر لنگ تو سوار باد کو نہیں پکڑ سکتا۔ لیکن اگر سوار خر لنگ بھاگے تو سوار باد اُسکا آگا روک سکتا ہے جبکہ سلسلۂ گفتگو ادراکات کی حالت تک پہنچا تو مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اُسکے مناسب ایک اور مضمون بھی بیان کر دیا جاوے وہ یہ کہ تمام ادراکات کچھ نہ کچھ کام کرتے رہتے ہیں۔ وقت اُن کیلئے وقت میدان یعنی دوڑ دھوپ کا وقت ہے وقت جام یعنی وقت راحت و آرام نہیں اسلئے ایک ادراک تو باز کیطرح تیز جاتا ہے اور بہت جلد مقصد تک پہنچ جاتا ہے اور دوسرا تلوار کی طرح خود کو توڑتا اور عقد ہائے لاینحل کو حل کرتا ہے دان دونوں میں فرق یہ ہے کہ اول سے سرعت انتقال ظاہر ہوتی ہے اور دوسرے سے دقیقہ رسی وبینہما فرق) تیسرا بادبان والی کشتی کی طرح ہے یعنی اُسکی رفتار اول کی رفتار سے کم ہے۔ چوتھا ان تینوں کے خلاف آگے سے پیچھے کو ہٹتا ہے علیٰ ہذا القیاس علی حسب مراتب تمام ادراکات اپنے کام میں مصروف رہتے ہیں اور جب کسی مقصد کی جھلک

اُنکو نظر آتی ہے تو اُس تک پہنچنے کے لئے شکاری جانوروں کی طرح اُسپر حملہ کرتے ہیں اور جب کہ وہ اُنکی نظر سے غائب ہوجاتا ہے تو حیران رہجاتے ہیں اور الووں کی طرح ہر طرف ٹاملک ٹوئے مارتے پھرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ کہاں گیا۔ اور سب ایک آنکھ کھولے شکاری کی طرح منتظر ہوتے ہیں کہ کسی طرح وہ پھر نظر آجائے۔ جب دیر تک اسی حالت میں رہتے ہیں اور اُنکو کچھ پتہ نہیں چلتا تو تھک کر کہتے ہیں کہ ارے وہ کوئی واقعی شکار تھا یا کوئی خیال اور بے اصل شئے تھا۔ اچھا اسوقت یہی بہتر ہے کہ کچھ دیر آرام کریں اور دم لیں نئے سرے سے قوت حاصل کرکے پھر ڈھونڈیں گے۔ اس سے معلوم ہوا کہ حواس پر کلال و ملال طاری ہوتا ہے اور اُنکو آرام کرنے کی ضرورت ہوتی ہے پس اس مقصد کیلئے حق سبحانہ نے رات بنائی۔ کیونکہ اگر رات نہ ہوتی تو تمام مخلوق اپنی حرص کے سبب حرکات جسمانیہ و دماغیہ میں مصروف رہ کر اپنے کو فنا کر ڈالتے اور منفعت حاصل کرنیکی ہوس اور حرص سے ہر شخص اپنے جسم کو فنا کر ڈالتا۔ اسلئے رات خزانہ رحمت کی طرح مخلوق پر طاری ہوتی ہے تاکہ وہ کچھ دیر کیلئے اپنی حرص سے چھوٹ جاویں۔ اس سے تم کو ایک ضروری نتیجہ بھی نکالنا چاہیئے وہ یہ کہ جب تم کو قبض پیش آوے تو اُس سے تمکو نا اُمید نہ ہونا چاہیئے۔ کیونکہ بسط و کشاد میں قویٰ و ادراکات وغیرہ کا صرف ہوتا ہے۔ اور خرچ کیلئے معتد بہ آمدنی کی ضرورت ہے۔ پس اس آمدنی کیلئے قبض طاری کیا گیا۔ دیکھو گرمی کا زمانہ درختوں کیلئے بہار کا زمانہ ہے لیکن اگر یہی زمانہ ہمیشہ رہے و آفتاب کی تابش درختوں کو پھونک ڈالے اور اُسکی جڑ تک کو یوں بھون ڈالے کہ پھر وہ کبھی تازہ ہی نہ ہوسکے اور سردی کا زمانہ گو درختوں کیلئے ناگوار ہے لیکن ایک اعتبار سے وہ مشفق بھی ہے کیونکہ اُنکو ہلاک عارضی میں مبتلا کرکے ہلاک ابدی سے بچاتا ہے اور گرمی گو بہار کا زمانہ ہے لیکن بصورت دوام پھونکدینے والی ہے پس نہ گرمی سراسر مفید ہے اور نہ سردی سراسر مضر بلکہ دونوں میں منفعتیں ہیں پس قبض کو بھی تم سردی ہی کی مثل سمجھو اور جبکہ تم کو قبض پیش آئے تو اُسمیں بسط مآلی کو دیکھ کر خوش رہو اور پیشانی پر بل نہ ڈالو۔ اب ہم اسکے مناسب ایک اور مضمون سناتے ہیں وہ یہ کہ خوشی لڑکوں کا کام ہے۔ اور حزن عقلاء کا۔ نیز غم کا تعلق جگر سے ہے جو ایک عضو رئیس ہے اور خوشی کا پھیپڑے سے جو اُسکا خادم ہے۔ پس اس سے بھی تم کو قبض و بسط کا تفاوت معلوم ہوسکتا ہے۔

اچھا اب یہ سنو کہ لڑکوں کو خوشی اور عقلاء کو حزن کیوں ہوتا ہے۔ بات یہ ہے کہ لڑکے کی نظر تو گدھے کی طرح صرف کہانے اور کہیلنے مین ہے اور عاقل کی نظر حساب آخرت مین ہے اُسکو یہ کھٹکا لگا ہوتا ہے کہ ہمارا مقدمہ حق سبحانہ کی عدالت مین پیش ہوگا دیکھئے اُس کا کیا نتیجہ ہوا سلئے لڑکا خوش رہتا ہے اور عاقل محزون۔ کیونکہ لڑکے کو تو صرف اپنے سامنے مزیدار کہانے ہی دکھلائی دیتے ہین پھر اُسکو رنجیدہ ہونے کی کیا ضرورت ہے اور عاقل کو تو نفس وشیطان کے ہلاک کرنیکا خطرہ ہوتا ہے پھر وہ کیونکر مطمئن ہوسکتا ہے۔ اب سمجھو کہ جو غذائین نفس وشیطان دیتے ہین وہ حقیقت مین تلخ ہین گو تمکو فساد مزاج کے باعث تلخ نہین معلوم ہوتین۔ کیونکہ ان کا نتیجہ نہایت تلخ ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ وہ ہمکو یہ غذائین کہلا کر مارنا چاہتا ہے۔ اور اسپر وہ یون تیار ہے جیسے کہ قصائی نے گوشت تولنے کیلئے ترازو بھی تیار کر رکہی ہو۔ پس اس غذا کو چھوڑو۔ اور غذائے حکمت کہاؤ۔ جو خدا تمکو بلامعاوضہ اور محض عنایت سے دیتا ہے۔ اور اُس مین اُس کی کوئی ذاتی غرض نہیں ہوتی بلکہ صرف تمہارا نفع مدنظر ہوتا ہے۔ اس مقام پر ایک غلطی کا ازالہ بھی ضروری معلوم ہوتا ہے۔ وہ یہ کہ جب حق سبحانہ نے کلوا من رزقہ فرمایا تو تم اُس سے یہ سمجھ بیٹھے کہ صرف یہ ہی روٹیان مراد ہین نہ کہ حکمت۔ حالانکہ یہ غلط ہے بلکہ ان روٹیون کے کہانیکی اجازت بھی محض غذائے حکمت ہی کیلئے ہے۔ کیونکہ وہ لقا کا سبب عادی ہین۔ اور اصل مقصود غذائے حکمت ہے۔ پس اجازت کو صرف روٹیون تک محدود کرنا سخت غلطی ہے۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ رزق حکمت روٹیون سے بہتر ہے اور وجہ بہتری یہ کہ رزق حکمت تمہارے گلے کا پھندا بنکر تمکو ہلاک نہین کرسکتا۔ اور متعارف روٹیان جسطرح من وجہ مفید ہین (جبکہ اُنکو عبادت کا ذریعہ بنایا جاوے) یون ہی مہلک بھی ہین (جبکہ انکو خواہشات نفسانیہ کا آلہ بنایا جاوے) پس جبکہ ایک ایسی شئے کا حکم کیا گیا جو من وجہ مفید اور من وجہ مضر ہے گو بنائے حکمت جہت افادہ ہی ہے تو ایک ایسی شئے جو سراسر مفید ہے اور جسمین مضرت ہے ہی نہین کیونکر مامور بہ نہ ہوگی۔ جب یہ ثابت ہوا کہ غذائے حکمت اصالۃً مامور بہ ہے اور غذائے نان بوجہ اُس کا وسیلہ ہونیکے تو اسی سے معلوم ہوا کہ تمکو بقدر ضرورت غذائے جسمانی پر اکتفا کرنا لازم ہے لان الضرورۃ یتقدر بقدر الضرورۃ۔ پس جبکہ تم غذائے ضروری

پر اکتفا کرکے زیادہ سے منہ بند کر لوگے اُسوقت ایک دوسرا منہ غذائے روحانی کیلئے کہلیگا
جوکہ اسرار الٰہیہ کا لقمہ کہانیوالا ہے - اور اگر شیطان کے دودہ سے تم جسم کو علیحدہ کردوگ
تو اُس دودہ چہڑانے کی صورت مین تمکو بہت سی مٹھائیان کہانے کو ملین گی - اب مولانا اس
مضمون کو ختم کرکے پہر مضمون سابق کو شروع کرتے ہین - اور فرماتے ہین کہ مجھ ناقص نے خوشی
وغم کے مضمون کو ناتمام بیان کیا ہے اور ایسا کردیا ہے جیسا کچھ کچا اور کچھ پکا گوشت مگر حکیم سنائی
غزنوی سے اسکو پورا سنو - وہ قطب العارفین اور حکیم غیب اپنے الٰہی نامہ مین اس کی یون شرح
فرماتے ہین کہ تم غم کہاؤ اور غم افزاؤن کی روٹیان نہ کہاؤ اسلیئے کہ عاقل کی غذا تو غم ہے - اور
نادانون کی غذا لزت - یاد رکہو کہ باغ غم کا میوہ قند خوشی ہے اور خوشی ایک زخم ہے اور غم اُسکا
مرہم (اور راز اُس کا یہ ہے کہ یہ تو مسلم ہے کہ آدمی کیلئے نفع ونقصان دونون ہین چونکہ خوشی
مین صرف منافع پر نظر ہوتی ہے اور مضرتون سے غفلت ہوتی ہے اسلیئے اسکو ان کا خمیازہ
بھگتنا پڑتا ہے اور غم مین مضرتون پر نظر ہوتی ہے - لہذا وہ ان سے بچنے کی امکانی کوشش
کرتا ہے اور بچنے کے بعد وہ خوشی حاصل کرتا ہے واللہ اعلم)
پس جب تم غم دیکہو تو اُسکو نہایت محبت سے آغوش مین لیلو - اور ٹیلون پر سے دمشق کو دیکہو
یعنی غم مین خوشی کو دیکہو - کیونکہ مآل اس کا خوشی ہے - عقلاء کی نظر مآل پر ہوتی ہے چنانچہ
وہ انگور مین شراب دیکہتے ہین - نیز عاشق شئے معدوم مین اپنے مطلوب کو دیکہتا ہے - دیکہو
پرسون پلہ دار بوجھ کیلئے لڑ رہے تھے ایک کہتا تھا کہ اس کا بوجھ مین لیجاؤن گا دوسرا کہتا تھا کہ
مین لیجاؤن گا اس کی وجہ کیا تھی وہ یہی کہ اُنکو تکلیف مین منفعت دکہلائی دیتی تھی اور اسی مالی
منفعت کیلئے ایک دوسرے سے بوجھ چھینتا تھا - اب تم خیال کرو کہ کہان حق سبحانہ کی فردوری
اور کہان اُس مفلس بوجھ والے کی مزدوری حق سبحانہ تمکو اس تکلیف کے معاوضہ مین خزانہ دینگے
اور وہ مالک یار چند پیسے - اور خزانہ بھی ایسا نہین جیسا کہ دنیا کا خزانہ ہوتا ہے بلکہ وہ خزانۂ زر
جو اُسوقت جبکہ تم مرجاؤ تمہارے ساتھ رہے اور وارثون کی ملک ہو جاوے - اور تمہارے جنازہ
کے آگے آگے چلے - اور قبر اور بیکسی کی حالت مین تمہارا مونس اور تمہارا مددگار ہو - پس جبکہ معمولی منفعت
کیلئے تم بخوشی اور رغبت کیساتھ تکالیف برداشت کرتے ہو تو ایسے عظیم الشان نفع کیلئے تو

بالاولی تمکو تکالیف برداشت کرنی چاہئین جبکہ یہ امر محقق ہوگیا تو تمکو چاہئے کہ موت کے دن کی راحت کیلئے ابھی مرجاؤ۔ تاکہ عشق ابدی تمکو حاصل ہو۔ یاد رکہو کہ تمہارا صبر مجاہدہ کی آڑ مین مقصود کا چہرہ گلگون اور اُس کی زلفین دیکھ رہا ہے صاحب مجاہدہ کے سامنے غم ایک آئینہ کی مثل ہے کہ اُسی مین اُسکو خوشی نظر آتی ہے۔ جب غم کا زمانہ گذر جاتا ہے اُسوقت انبساط اور شان وشوکت حاصل ہوتی ہے۔ اگر آپ بھی تسکین نہوئی ہو تو اپنے ہاتھ کے قبض وبسط کو دیکہو اور دیکہو کہ قبض کے بعد بسط یقیناً ہوتا ہے اور اُسکے لئے ان دونون وصفون کی ضرورت ہے کیونکہ ہاتھ کیلئے ہمیشہ قبض ہو یا ہمیشہ بسط تو وہ بیمار ہوگا اور اُسکے کامون مین خلل آجائیگا۔ اُسکی کمائی اور اُسکے کام ان ہی دونون صفتون سے باقاعدہ ہین اور اسکے لئے یہ دونون وصف یون ہی ضروری ہین جسطرح جانور کے بازو کیلئے ان کی ضرورت ہے۔ اچھا اس مضمون کو ختم کرکے اب اصل قصہ کو پورا کرنا چاہئے۔

شرح شبیری

این جلالت در دلالت صادق است — جملہ ادراکات پس او سابق است

یعنی یہ جلیل ہونا دلالت کرنے مین صادق ہے۔ تمام قویٰ مدرکہ پیچھے ہین اور وہ سابق ہے یعنی اُس کا جلیل وعظیم ہونا ہی اُسکے وجود پر دلیل کافی ہے ورنہ جسقدر قویٰ مدرکہ ہین سارے اُسکے کنہ کے دریافت کرنے مین پس ہین اور وہ سب سے سابق ہے۔

جملہ ادراکات بر خرہائے لنگ — او سوار باد پرّان چون خدنگ

یعنی تمام قویٰ مدرکہ خرہائے لنگ پر (سوار) ہین اور وہ باد پرّان پر جو مثل خدنگ کے ہے سوار ہو

گر گریزد کس نیابد گرد شہ — ور گریزد او بگیرد پیش رہ

یعنی اگر بہاگے تو کوئی شخص گرد شاہ کو پا نہین سکتا۔ اور وہ بہاگے تو راستہ کا آگا روک لے یعنی اور قویٰ مدرکہ اگر اُس کا ادراک کرنا چاہین تو اُس تک کیا اُس کی گرد تک رسائی نہین ہوسکتی۔ اور اگر وہ ادراک کرنا چاہے تو کوئی نکلکر جا نہین سکتا۔ قرآن شریف مین موجود ہے ولا یحیطون بشیٔ من علمہ الا بما شاء۔ تو جب تمام قویٰ مدرکہ اُسکے آگے عاجز ہین تو پھر اُس کی کنہ کو کیا ن بیان کرسکتے ہین سآگے قویٰ کے افعال کو کہ یہ ہر وقت کسی نہ کسی کام مین رہتے ہین اور کسی وقت بیکار

نہین رہتے مگر بعض مرتبہ بعض اشیاء کے ادراک مین تھک جاتے ہین تو بس جب اس دنیاوی مدرکات کے ادراک مین اُن کا یہ حال ہے تو پھر ادراک حق مین تو کیون نہ تھکین گے۔ فرماتے ہین کہ

جملہ ادراکات را آرام نے ۔۔۔ وقت میدانست وقت جام نے

یعنی تمام قوی مدرکہ کو آرام نہیں ہے (بلکہ اُنکے لئے) وقت میدان ہے وقت جام نہین ہے۔ یعنی جس طرح کہ میدان مین ہر وقت کام مین رہتے ہین اسیطرح یہ بھی کام مین لگے رہتے ہین اور جام نوشی بیکاری مین ہوتی ہے تو یہ بیکار ہی نہین ہین کہ جو جام نوشی کرین بلکہ یہ حالت ہے کہ۔

آن یکے وہمے چو بازے می پرد ۔۔۔ وان یکے چون تیر مغفر می درد

یعنی وہ ایک وہم تو باز کی طرح اُڑتا ہے اور وہ ایک (نگاہ) تیر کی طرح مغفر کو پھاڑتی ہے یعنی جسطرح کہ تیر خود کو پھاڑ دیتا ہے اسیطرح نگاہ اجسام کو چیرتی ہوئی نکل جاتی ہے

وان دگر چون کشتئ با بادبان ۔۔۔ وان دگر اندر تراجع ہر زمان

یعنی اور وہ دوسرا (شامہ وسامعہ) مثل کشتی کے مع بادبان کے ہے اور وہ دوسرا (عقلیہ) تراجع مین ہے ہر وقت۔ یعنی ایک بات کو سوچا پھر اُسکو سوچتا ہے تو یہ ہر وقت تراجع مین ہے کہ اُلٹ پھیر کرتی رہتی ہے۔

چون شکارے می نماید شان زدور ۔۔۔ جملہ حملہ می فزایند آن طیور

یعنی انکو جب دور سے کوئی شکار دکھائی دیتا ہے تو یہ سارے طیور حملہ کرتے ہین یعنی جب کوئی مدرک انکو معلوم ہوتا ہے تو یہ سارے اُس طرف کو اُسکے ادراک کیلئے چلتے ہین

چونکہ ناپیدا شود حیران شوند ۔۔۔ ہمچو جغدان سوئے ہر ویران روند

یعنی جب وہ مدرک غائب ہو جاتا ہے تو سارے حیران رہجاتے ہین اور جغدون کی طرح ویرانے کی طرف جاتے ہین یعنی بس پھر ان کی کچھ نہین چلتی اور حیران رہجاتے ہین

منتظر چشمے بہم یک چشم باز ۔۔۔ تاکہ پیدا گردد آن صید نیاز

یعنی منتظر ہین ایک آنکھ کھلی ہوئی اور ایک بند تاکہ وہ صید نیاز ظاہر ہو جاوے (چشمے بہم یک چشم باز کنایہ ہے غایت انتظار سے) یعنی بے انتہا اُسکے ظہور کے منتظر رہتے ہین۔

چون بماند دیر گویند از ملال ۔۔۔ صید بود آن خود عجب یا خود خیال

یعنی جب وہ دیر تک (غائب) رہتا ہے تو ملال کی وجہ سے کہتے ہین کہ وہ صید تھا یا کوئی خیال تھا یعنی اُکتا کر کہتے ہین کہ میان یہ مدرک صرف وہم ہی تھا یا کوئی واقع مین شئی بھی اب مولانا فرماتے ہین کہ

مصلحت آنست تا یکساعتے　　　قوتے گیرند و زور از راحتے

یعنی مصلحت وہ ہے کہ ایک گہڑی کیلئے قوت اور زور راحت سے لیلین۔ یعنی وہ تہک جاتے ہین اور آگے کام نہین دیتے اس مین بھی مصلحت ہے اور وہ یہ ہے کہ اس ادراک سے اُن مین جو ملال پیدا ہو گیا ہے اور وہ تہک گئے ہین اس راحت سے سب زائل ہو جاوے اور وہ پہر تازہ دم ہو کر ادراک مین مشغول ہون۔ لہذا اُنکو ایک حد پر پہونچا کر بیکار کر دیتے ہین کہ جس سے وہ راحت حاصل کرتے ہین۔ اس مضمون سے مولانا کو رات کی مصلحت کی طرف انتقال ہوا کہ جیسے اُنکو راحت دیجاتی ہے اسیطرح رات سے بھی سب اعضاء کو راحت ملتی ہے لہذا آگے رات کے مصالح ہی کو بیان فرمانا شروع کر دیا۔ فرماتے ہین کہ۔

گر نبودے شب ہمہ خلقان ز آز　　　خویشتن را سوختندے ز اہتزاز

یعنی اگر رات نہوتی تو تمام مخلوق حرص کی وجہ سے اپنے کو ہلنے سے جلا لیتے۔ یعنی اگر رات نہ آیا کرتی تو حرص مال کی وجہ سے چوبیس گہنٹہ کمانے ہی مین لگے رہتے تو آخر ہلاک ہو جاتے تو رات کے ہونے مین یہ مصلحت ہے کہ دن بہر کے کام کے تہکے ہوئے آرام کرتے ہین اور پہر کام کیلئے تازہ دم ہو جاتے ہین۔

از ہوس وز حرص سود اندوختن　　　ہر کسے دادی بدن را سوختن

یعنی نفع کی جمع کرنے کی ہوس اور حرص کی وجہ سے ہر شخص بدن کو جلا لیتا۔ یعنی اپنے کو ہلاک کر لیتا اور کسی وقت آرام نکرتا۔ مگر اب یہ ہوتا ہے کہ۔

شب پدید آید چو گنج رحمتے　　　تا رہند از حرص خود یکساعتے

یعنی رات ایک گنج رحمت کی طرح ظاہر ہو جاتی ہے تاکہ یہ اپنی حرص سے ایک گہڑی کیلئے چہوٹ جاوین۔ اب رات کے مصالح کو بیان کرنے سے مولانا کا ذہن قبض باطن کی طرف منتقل ہوا کہ جسطرح کہ رات مین ایک قسم کی بے نوری اور ظلمت ہوتی ہے اسیطرح قبض مین بھی احوال

وغیرہ نہین ہوتے - اور واردات بند ہوجاتے ہین جو مشابہ ظلمت کے ہے لیکن جس طرح کہ رات کے بعد دن ہوتا ہے اور رات دن کے کام کرنیکے لئے نہین ہوتی ہے اور دن مین جو کسل ہوگیا تھا اُس کی مزیل ہوتی ہے - اسیطرح بسط مین جو بعض مرتبہ کسل ہوجاتا ہے اور انسان حقائق و معارف کے بیان سے تھک جاتا ہے تو قبض سے وہ کسل دور ہوجاتا ہے اور علوم و معارف و واردات خود کر آتے ہین بلکہ اور زیادتی کی ساتھ عود کرتے ہین - لہذا آگے قبض کے فوائد بیان فرماتے ہین کہ

چونکہ قبضے آیدت ای راہرو   آن صلاح تست آلیس دل مشو

یعنی اے سالک جبکہ تجھے قبض ہو تو وہ تیری صلاح ہے تو نا امید مت ہو یعنی اُس مین تیرے لئے بہت سے منافع ہین - تو اس قبض سے محرومی مت سمجھ اور ناامید مت ہو بلکہ کام مین لگا رہ

زانکہ در خرچے دران بسط و کشاد   خرچ را دخلے ببا یدز اعتداد

یعنی اسلئے کہ تو بسط و کشادگی مین تو خرچ مین ہے اور خرچ کیلئے ایک معتبر آمدنی کی ضرورت ہے مطلب یہ کہ سالک کو جب بسط ہوتا ہے تو قاعدہ ہے کہ علوم و معارف کو زیادہ بیان کرتا ہے تو فرماتے ہین کہ بسط مین تو معارف و حقائق کا خرچ ہی خرچ ہے آمدنی نہین ہے تو اگر آمدنی نہو تو سب فنا ہوجاوین - لہذا بعد بسط کے قبض ہوتا ہے تاکہ اُس خرچ کی جگہ آب آمدنی ہو - اور پھر آمدنی اور خرچ سب برابر ہوجاوے اور یکسان حالت رہنے مین نقصان ہے آگے یکسان حالت سے نقصان ہونیکی نظیر فرماتے ہین کہ -

گر ہمارہ فصل تابستان بدے   سوزش خورشید در بستان زدے

یعنی اگر تمام فصل گرمی کی ہوتی تو خورشید کی سوزش باغ مین اثر کرتی -

منبتش را سوختے از بیخ و بُن   کہ دگر تازہ نہ گشتے آن کہن

یعنی اُس (باغ) کی نبت کو بیخ و بُن سے جلا دیتی کہ وہ پُرانا پھر تازہ نہوتا -

گر ترش رولیست آن دے مشفق است   صیف خندانست واما محرق است

یعنی خزان اگرچہ ترش رو ہے لیکن مشفق ہے اور گرمی خندان ہے مگر جلانے والی ہے - مطلب یہ کہ دیکھو اگر تمام فصلوں مین گرمی رہا کرتی جو کہ موسم بہار ہے تو نتیجہ ہوتا کہ تمام درخت اور

اور تمام پودے جل بھنکر خاک ہو جاتے لیکن اب سردی آجاتی ہے اور وہ سرسبزی اور وہ موسم بہار نہیں رہتا جو کہ ظاہرًا ناگوار معلوم ہوتا ہے مگر یہ تو دیکھو کہ یہ خزان اور یہ سردی ان تمام چیزونکو سرسبزی کے قابل بنا رہی ہے کہ ان اشیاء مین جو حرارت آفتاب سرایت کر گئی تھی سردی نے آکر اُسکو معتدل کر دیا تو اسیطرح بسط کے بعد جو قبض ہوتا ہے وہ بھی تمکو علوم و معارف کے قابل بنا رہا ہے اور تمہارے اندر ایک ملال اور کسل ہو گیا ہے اُسکو دور کر کے تازہ بناتا ہے کہ پھر جو بسط ہو تو پہلے سے زیادہ علوم و معارف حاصل ہون گے خود فرماتے ہین کہ۔

چونکہ قبض آمد تو در وی بسط بین   تازہ باش و چین میفگن بر جبین

یعنی جبکہ قبض آیا تم اُس مین بسط دیکھو اور تازہ رہو جبین پر شکن مت ڈالو۔ یعنی قبض سے پریشان مت ہو بلکہ اُسکے اندر بھی تم بسط کو دیکھو۔ اور یہی سمجھو کہ انشاءاللہ یہ قبض خود آلہ ہے بسط کا تو اس سے تنگدل مت ہو اسلئے کہ۔

کودکان خندان و دانایان ترش   غم جگر را باشد و شادی زشُش

یعنی بچے جو خوش ہوتے ہین اور دانا لوگ ترش ہوتے ہین اور غم جگر مین ہوتا ہے اور خوشی پھیپڑے مین۔ مطلب یہ کہ دیکھو بچے تو ہمیشہ خوش رہتے ہین اُنکو کوئی غم ہی نہین ہے اسلئے کہ نادان ہین اور جو دانا ہین وہ ہمیشہ متفکر اور غمگین رہتے ہین اور دیکھو جگر جو ایک عضو رئیس ہے اُس سے تو تعلق غم کو ہے اور پھیپڑہ جو ایک عضو مرؤس ہے اُس کا تعلق خوشی سے ہے تو اسیطرح تمکو اگر قبض کا غم ہو تو یہ خوش ہونیکی بات ہے کہ معلوم ہو کہ تم دانا اور رئیس ہو۔

چشم کودک ہمچو خر در آخُراست   چشم عاقل در حساب آخر است

یعنی لڑکے کی نگاہ تو گدھے کی طرح آخور مین ہے اور عاقل کی نگاہ حساب آخر مین ہے یعنی بچہ کا تو صرف یہ کام ہے کہ کھا لیا اور کھیل لیا اُسے کچھ بھی غم نہین اور جو عاقل و دانا ہین وہ سیکڑون تفکرات مین رہتے ہین تو تمہارا رنج اور قبض کی حالت مین رہنا بتا رہا ہے کہ تم عاقل ہو پھر پریشان ہونیکی کونسی بات ہے۔

او در آخور چرب می بیند علف   وین ز قصاب آخرش بیند تلف

یعنی وہ (بچہ) تو آخور مین غذا کو چرب دیکھ رہا ہے اور یہ آخر کار قصاب سے اُس کا تلف ہونا

دیکھ رہا ہے۔ یعنی نادان تو عمدہ غذائین دیکھکر خوب کہاتا ہے اور عاقل سمجھتا ہے کہ انکو کہا کر قصائی کے ہاتھون ذبح ہوتا ہے تو وہ انکو نہین کہاتا۔ اسیطرح بسط مین نادان تو خوش رہتا ہے اور جو دانا ہین وہ جانتے ہین کہ صرف بسط کا انجام بہتر نہین ہے لہذا وہ قبض سے بھی خوش ہوتی ہین

آن علف تلخ است کین قصاب داد　　بہر لحم ما ترازوئے نہاد

یعنی وہ غذا تلخ ہے جو کہ اس قصاب نے دی اُسنے ہمارے گوشت کیلئے ترازو رکھی ہے یعنی چونکہ اس غذا سے اُسکو ہمارا گوشت کہانا مقصود ہے کہ وہ موٹا کر کے کاٹے لہذا اُسکی یہ غذا عاقل کیلئے تو تلخ اور ناگوار ہوگی اور جو نادان ہے وہ خوب مزہ اڑاویگا تو اسیطرح بسط کی جو ضرر ہین عاقل تو اُنکو سمجھکر قبض سے خوش ہوگا اور جو نادان ہے وہ اس بسط ہی مین رہکر اپنے اوقات ضائع کریگا۔ آگے فرماتے ہین کہ۔

روز حکمت خور علف کانرا خدا　　بے عوض دادست واز محض عطا

یعنی جا حکمت کی غذا کہا کہ اُسکو خدا نے بے عوض کے دیا ہے اور محض عطا سے (دیا ہے تو بس غذائے حکمت کو حاصل کرو کہ وہی اصل غذا ہے) آگے فرماتے ہین کہ

چونکہ حق گفتت کلوا من رزقہ　　فہم نان کردی نہ حکمت اے رہی

یعنی جبکہ حق تعالےٰ نے تمسے کہا کلوا من رزقہ تو تمنے روٹی سمجھی نہ کہ حکمت ای آزاد یعنی حق تعالےٰ جو کلوا من رزقہ فرمایا تو تم سمجھے کہ روٹی کے کہانیکا حکم ہے۔ مولانا فرماتے ہین کہ روٹی ہی کے کہانے کا صرف حکم نہین ہے بلکہ اس سے اکل حکمت بھی مراد ہے اور اسی بنا پر بیضاوی نے ومما رزقناھم ینفقون کی تفسیر مین کہا ہے کہ من انوار المعرفۃ یفیضون تو دیکھو ایک تفسیر کی بنا پر رزق مین انوار معرفت بھی داخل ہین تو اُنکے حصول اور اکل کا بھی حکم ہے

رزق حق حکمت بود در مرتبت　　تا گلوگیرت نباشد عاقبت

یعنی مرتبہ مین رزق حق حکمت ہے کہ وہ انجام مین تمہاری گلوگیر نہ ہوگی مطلب یہ کہ رزق دنیاوی تو بعض مرتبہ گلوگیر ہو جاتا ہے مگر حکمت وہ رزق حق ہے کہ یہ کبھی تمہاری گلوگیر نہ ہوگی۔

این دہان بستی دہانے باز شد　　کہ خورندہ لقمہائے راز شد

یعنی تمنے اس منہ کو بند کر لیا تو ایک (اور) منہ کہل گیا کہ وہ لقمہائے راز کا کہانیوالا ہوگیا مطلب یہ کہ اگر تمنے اس منہ کو لذات دنیاوی سے بند کر لیا تو ایک اور منہ جو کہ غذائے روحانی اور حکمت کا کہانیوالا تھا وہ کہلگیا اور یہ چیز حاصل ہوگئین

گر ز شیر ایں دیوتن را وابری　　　در فطام او بسے نعمت خوری

یعنی اگر دودھ سے اس دیوتن کو تم قطع کر دو تو اس دودھ چھڑانے سے تم بہت نعمتیں کھاؤ گے (شیر سے مراد لذات دنیاوی) یعنی اگر تم لذات دنیاوی کو ترک کر دو تو اس ترک سے تم کو آخرت کی نعمتیں میسر ہونگی۔ آگے مولانا فرماتے ہیں کہ

ترک جوشے کردہ ام من نیم خام　　　از حکیم غزنوی بشنو تمام

یعنی مجھ نیم خام نے تو ادھ کچرا بیان کیا ہے حکیم غزنوی سے تم پوری طرح شنو (ترک لوگوں کا قاعدہ ہے کہ وہ گوشت کو پوری طرح نہیں پکاتے بلکہ نیم پخت کر کے کھاتے ہیں لہٰذا ادھ کچری بات کو ترک جوش کہنے لگتے ہیں) مطلب یہ ہو کہ میں نے تو اس مضمون بالا کو ادھورا بیان کیا ہے پوری طرح بیان نہ کر سکا تم حکیم غزنوی (یعنی حکیم سنائی رح) سے شنو وہ پوری طرح سے بیان کرتے ہیں۔

در الٰہی نامہ گوید شرح ایں　　　آں حکیم غیب فخر العارفین

یعنی الٰہی نامہ میں اسکی شرح وہ حکیم غیب فخر العارفین فرماتے ہیں (الٰہی نامہ حکیم سنائی کی ایک کتاب کا نام ہو) اسمیں اُنہوں نے اس مضمون کو پوری طرح بیان کیا ہو جس کو مولانا نقل فرماتے ہیں کہ

غم خور و نان غم افزایاں مخور　　　زانکہ عاقل غم خورد کودک شکر

یعنی غم کھاؤ اور غم افزایوں کی روٹی مت کھاؤ۔ اسلئے کہ عاقل غم کھاتا ہے اور بچہ شکر۔ یعنی غم دین کھاؤ اور دنیا کی فرحت کو حقیر و ذلیل سمجھو اسلئے کہ جو دانا ہیں وہ تو ہمیشہ تفکرات و غموم ہی میں رہتے ہیں اور جو نادان ہیں وہ بیشک اسمیں ہوتے ہیں کہ ہر وقت خوشی ہی رہے مگر یاد رکھو کہ

قند شادی میوۂ باغ غم ست　　　ایں فرح زخم ست آں غم مرہم ست

یعنی قند شادی باغ غم کا میوہ ہے اور یہ فرح زخم ہو اور وہ غم مرہم ہے یعنی اول غم ہوتا ہے تب سرور و فرحت دائمی میسر ہوتی ہے یاد رکھو کہ باغ غم کا میوہ خوشی ہی ہے اور یہاں غم سے مراد قبض اور خوشی سے مراد بسط ہے تو مطلب یہ ہو کہ بعد قبض کے بسط ہوتا ہے اور اس بسط میں جو بعد قبض کے ہو زیادہ سرور اور فرحت ہوتی ہے لہٰذا فرماتے ہیں کہ

غم چو بینی در کنارش کش بعشق　　　از سر ربوہ نظر کن در دمشق

یعنی جب غم کو دیکھو تو اُسکو محبت سے کنار میں لیلو اور ٹیلہ سے دمشق میں نظر کرو (چونکہ دمشق اونچائی

ظہر ۱۲ ماں ۱۹۰۰

پر ہے اسلئے کہا کہ از سر ربوہ نظر کن) مطلب یہ ہے کہ جب قبض وارد ہو تو اُس سے متنفر مت ہو بلکہ اُسکو شوق محبت سے قبول کرو۔ اور پھر اس مجاہدہ سے جو تمکو اسکے قبول کرنے میں ہوگا علوم ومعارف حاصل کرو۔ جیساکہ دمشق میں علوم وفنون بہت زیادہ ہیں مگر چونکہ بلندی پر ہے تھوڑی تکلیف کرکے اوپر چڑھنے کی ضرورت ہی پھر جب چڑھ جاؤ گے تو انشاء اللہ علوم ومعارف کے دروازے کھل جاویں گے۔

عاقل از انگور می بیند ہمے عاشق از معدوم شے بیند ہمے

یعنی عاقل انگور میں شراب کو دیکھتا ہے اور عاشق معدوم میں سے شئے کو دیکھتا ہے مطلب یہہ کہ جو عاقل ہیں وہ تو انجام کو سوچ لیتے ہیں تو جس امر کا انجام اچھا ہوتا ہے اگرچہ اُسمیں بالفعل کلفت ہو اُسکو اختیار کرتے ہیں اور جو عاشق ہیں وہ معدوم میں سے شئے کو دیکھ رہے ہیں کہ ابھی تک محبوب کی طرف سے بظاہر کچھ ملا نہیں ہے مگر وہ اُس نہ ملنے کو بھی ملنا کہہ رہے ہیں تو بس جب قبض ہو تو عقل وعشق دونوں کا مقتضا اُسکو قبول کرنا اور اُس سے متوحش نہ ہونا ہے کیونکہ اُسکا انجام بخیر ہے اور اگرچہ بظاہر سلب علوم ہے مگر اس عدم میں اشیاء کا مشاہدہ کرنا چاہئے اسلئے کہ اسکا انجام بہتر ہوگا۔ انشاء اللہ آگے اسپر مثال کے طور ایک چھوٹی سی حکایت لاتے ہیں کہ۔

جنگ میکردند حمالاں پریر تو مکش تا من کشم حملش چو شیر

یعنی پرسوں حمال لڑ رہے تھے کہ تو مت کھینچ تاکہ میں اُسکا بوجھ مثل شیر کے کھینچوں۔ یعنی حمال کسی اسباب پر لڑ رہے تھے کہ تو مت اُٹھا اُسکو تو میں اُٹھاؤنگا۔ تو دیکھو باوجودیکہ اُس بوجھ کا اُٹھانا ایک مشقت تھی مگر ہر ایک اُس مشقت کے برداشت کرنیکو موجود تھا اسلئے کہ

زانکہ زاں رنجش ہمے دیدند سود حمل را ہر یک زدیگر می ربود

یعنی اسلئے کہ اس تکلیف سے وہ نفع دیکھ رہے تھے تو ہر ایک بوجھ کو دوسرے سے اچکتا تھا یعنی چونکہ وہ دیکھ رہے تھے کہ اسوقت مشقت ہے مگر انجام میں پیسے ملیں گے لہذا ہر شخص متمنی تھا کہ اس بوجھ کو میں اُٹھاؤں اور اس مشقت کو میں برداشت کروں اب فرماتے ہیں کہ۔

مزد حق کو مزد آں بے مایہ کو ایں دہد گنجیت مزد و آں تسو

یعنی مزدوری حق کہاں اور اُس بے مایہ کی مزدوری کہاں یہ (حق تعالیٰ) تجھے مزدوری ایک خزانہ

دیں گے اور وہ ایک تسو۔ مطلب یہ کہ جبکہ حمال ایک انسان بے مایہ کی مزدوری پر اسقدر بوجھ کے متحمل ہونیکو گوارا کرتے ہیں حالانکہ پیسہ دو پیسہ ہی ملیں گے تو بھلا جہاں کہ مزد حق تعالیٰ کی امید ہو جو کہ ذرا سے کام پر ایک عظیم الشان خزانہ عطا فرماویں گے وہاں تو کیوں طلب نہ کرنا چاہئے تو جب قبض میں علوم و معارف حاصل ہوتے ہیں تو اس تھوڑی سی مشقت کو گوارا کر لینا کیا مشکل ہے۔

گنج زرے کہ چو خسپی زیر ریگ　　　با تو باشد آں نماند مردہ ریگ

یعنی ایسا گنج زر کہ جب تو زیر خاک سوویگا تو وہ تیری ساتھ ہوگا۔ وہ میراث میں نہ رہے گا۔ یعنی جو خزانہ کہ مزدوری میں خدا تعالیٰ کیطرف سے ملیگا وہ خزانہ ہوگا کہ قبر میں بھی تمہاری ساتھ ہوگا اور دوسری چیزوں کی طرح دنیا میں مال میراثی ہو کر نہ رہیگا۔

پیش پیش آں جنازت می رود　　　مونس گور غریبی مے شود

یعنی تمہارے جنازہ کے آگے آگے چلے گا اور مونس گور اور مسافرت کا ہوگا یعنی جنازہ کی ساتھ ساتھ بھی وہی چلے گا قبر میں اور اس جہاں سے سفر کرتے بھی وہی ساتھ ہوگا۔ جیسا کہ حدیث میں ہے کہ انسان کے ساتھ اُنکے اعمال ہی جاویں گے۔ اور اعمال ہی پر جزا ملتی ہے تو بس انسان کیساتھ اصل میں تو وہ انعامات حق ہی ہیں لہذا چاہئے کہ اس نعمت کو حاصل کرو اور اس قبض سے دل پریشان نہ ہو کہ اس سے انعامات حق تم پر فائض ہونگے آگے فرماتے ہیں کہ۔

بہر روز مرگ این دم مردہ باش　　　تا شوی با عشق سرمد خواجہ تاش

یعنی روز مرگ کیواسطے اسدم مردہ ہو جا تا کہ عشق دائمی کیساتھ تو خواجہ تاش ہو۔ یعنی موت سے پہلے فنا حاصل کر و تا کہ پھر وہ عشق دائمی اور حیات دائمی تمکو نصیب ہو۔

صبر می بیند ز پردہ اجتہاد　　　روئے چوں گلنار و زلفین مراد

یعنی صبر پردۂ مجاہدہ سے دیکھ رہا ہے۔ رو مثل گلنار کے ہے اور زلفیں مراد ہیں مطلب یہ کہ صبر مجاہدہ وریاضت سے حاصل ہوتا ہے اور پھر اسکے پھل بے حد شیریں اور لذیذ ہوتے ہیں لہذا اگر کوئی مشکل یا مجاہدہ ہو تو اُس سے غمگین مت ہو اسلئے کہ

غم چو آئینہ است پیش مجتہد　　　کاندران ضد می نماید روئے ضد

یعنی غم مجاہدہ کرنیوالے کے آگے مثل آئینہ کے ہے کہ اُسمیں ایک ضد روئے ضد کو دکھا دیتی ہے یعنی

جسطرح کہ آئینہ میں جیسی شے ہوتی ہے ویسی نظر آجاتی ہے اور اضداد سب ممتاز ہوجاتے ہیں لہذا اسی طرح غم سے بھی پوری حالت و کیفیت معلوم ہوجاتی ہے۔

بعد ضد رنج آں ضد دگر — رو دہد یعنی کشاد و کروفر

یعنی ضد رنج کے بعد وہ دوسری ضد منہ دکھاتی ہے یعنی کشادگی اور کروفر یعنی اس رنج اور غم کے بعد کشادگی اور کروفر سامنے ہوتا ہے۔ اور اس قبض کے بعد بسط نصیب ہوتا ہے آگے اس قبض و بسط کے مفید ہونیکی اور صرف قبض یا صرف بسط رہنے کی مضرت بیان فرماتے ہیں کہ

ایں دو وصف از پنجہ دستت ببیں — بعد قبض مشت بسط آید یقیں

یعنی ان دونوں وصف (قبض و بسط) کو اپنے پنجہ اور ہاتھ سے دیکھ لو کہ بعد مٹھی بند کرنے کے یقیناً بسط آتا ہے یعنی جب مٹھی بند کرلیتے ہو تو اُسکے بعد پھر مٹھی کھُلتی ہے۔

پنجہ را گر قبض باشد دائما — یا ہمہ بسط او بود چوں مبتلا

یعنی مٹھی کو اگر قبض دائمی ہوجائے یا بالکل اُسکو بسط ہوجاوے تو وہ مثل مبتلا کے ہوجاوے یعنی اگر ہمیشہ مٹھی بند ہی رہے یا کھلی ہی رہے تو دیکھو علامت مرض ہے یا نہیں اسکے لئے بسط و قبض دونوں ہوتے رہیں جب ہی صحت معلوم ہوتی ہے۔

ایں دو وصفش کار و کسب منتظم — چوں پر مرغ ایں دو حال اورا مہم

یعنی یہ اسکے دونوں وصف کام اور کسب منتظم کیلئے مثل جانور کے پروں کے دونوں حال ضروری ہیں یعنی کاروبار کرنے کیلئے ان دونوں حالتوں کی ضرورت ہے کہ کبھی کھُلیں اور کبھی بند ہوں جیسے کہ جانور کہ اگر اُسکے بازو کھُلے رہیں تو وہ کسی جگہ بیٹھکر آرام نہیں کرسکتا۔ ہر وقت اُڑا کرے اور اگر بند رہیں تو اُڑ نہیں سکتا ایک جگہ پڑا پڑا سڑ جاوے۔ تو دونوں حالتیں ضروری ہیں تو پس پرواز باطنی اور کاروبار باطن کیلئے بھی دونوں حالتوں کی ضرورت ہے کہ کبھی بسط ہے تو کبھی قبض ہے اور جب دونوں حالتیں ضروری ہیں تو جس طرح کہ بسط سے خوش ہوتے ہو قبض سے بھی خوش ہونا ضروری ہے۔ اور اُس سے دل تنگ ہونا سخت غلطی ہے لیکن طبعی تنگی تو یقیناً ہوگی کہ دل گھبراویگا مگر تنگی نہ ہونیسے مراد یہ ہے کہ اُس سے پریشان ہوکر شکایت و حکایت نہ شروع کردے یا اُسکی وجہ سے کام نہ چھوڑ بیٹھے کہ جب حالات و واردات ہی نہیں تو پھر کام ہی چھوڑ دو ورنہ اگر طبعی تنگی بھی

نہ ہوتی تو بھلا وہ قبض ہی کیا ہوا لہذا اگر طبعی تنگی ہو اسکا مضائقہ نہیں اس سے پریشان نہ ہو۔ بلکہ کام میں لگا رہے کہ یہی مطلوب ہے۔ انشاء اللہ یہ سب حالات موصل الی المقصود ہونگے قبض ہو یا بسط سب اُسی طرف سے ہے یاد رکھو کہ اسمیں لاکھوں مصلحتیں ہیں جن میں سے کچھ بیان کیگئی ہیں اور باقی بعض معلوم ہیں اور بعض معلوم بھی نہیں ہیں۔ پس تم اپنا شعار تفویض کر لو جس حال میں رکھیں رہو۔ خوب کہا ہے ؎

فراق و وصل چہ باشد رضائے دوست طلب　　کہ حیف باشد از و غیر او تمنائے

بس اصل مقصود قرب ہے وہ جس حال میں بھی میسر ہو اور جس طرح بھی حاصل ہو اُسی میں لگے رہو انشاء اللہ کامیاب ہو گے۔ آگے پھر قصۂ مریم کیطرف عود ہے۔

شرح حبیبی

چونکہ مریمؑ مضطرب شد یک زماں　　ہمچنانکہ بر زمین آں ماہیاں

بانگ بر وے زد نمودار کرم　　کہ امین حضرتم از من مرم

از سر افرازان عزت سر مکش　　از چنین خوش مہرباں دم درمکش

ایں ہمی گفت و ذبالہ نور پاک　　از لبش می شد پیاپے بر سماک

از وجودم می گریزی در عدم　　در عدم من شاہم و صاحب علم

خود بنہ و بنگاہ من در نیستی است　　یک سوارہ نقش من پیش ستی است

مریما بنگر کہ نقش مشکلم　　ہم ہلالم ہم خیال اندر دلم

چوں خیالے در دلت آمد نشست　　ہر کجا کہ میگریزی با تو ہست

جز خیال عارضے باطلے　　کہ بود چوں صبح کاذب آفلے

من چو صبح صادقم از نور رب　　کہ نگردد گرد روزم ہیچ شب

ہین مگو لاحول عمراں زادہ ام　　من ز لاحول اینطرف افتادہ ام
مر مرا اصل و غذا لاحول بود　　نور لاحولے کہ پیش از قول بود
تو ہمی گیری پناہ از من بحق　　من نگاریدہ پناہم در سبق
آن پناہم من کہ مخلصہات بود　　تو اعوذ آری و من خود آں اعوذ

جب مریم علیہا السلام کچھ دیر تک یوں مضطرب رہیں جس طرح زمین پر مچھلیاں بے قرار رہتی ہیں تو اُس نمونہ کرم حق سبحانہ نے آواز دی کہ آپ پریشان نہ ہوں اور مجھ سے بھاگیں نہیں میں امین خدا جبریلؑ ہوں آپ مجھ سے بھاگ کر عالم غیب میں پناہ لیتی ہیں حالانکہ عالم غیب میں تو میری سلطنت ہے اور میں وہاں نہایت شان و شوکت رکھتا ہوں۔ آپ کے سامنے تو صرف میرا وجود ہی ہے باقی سارا ساز و سامان تو میرا عالم غیب ہی میں ہے۔ آپ خیال رکھیں کہ میں ایک نقش مشکل ہوں اور میری مثال ایسی ہے جیسے چاند یا دل کا خیال یعنی جس طرح چاند آدمی کیساتھ ساتھ رہتا ہے اور اس سے جدا نہیں ہو سکتا۔ اور جس طرح خیال کا قاعدہ ہے کہ جب دل میں آتا ہے تو بس گھر ہی کر لیتا ہے۔ اور جہاں تم جاتے ہو تمہاری ساتھ جاتا ہے یوں ہی میں بھی تم سے الگ نہیں ہو سکتا۔ یہ جو ہمنے کہا ہے کہ خیال جُدا نہیں ہوتا اس سے وہ خیال مستثنے ہے جو عارضی اور باطل ہو اور جو صبح کاذب کیطرح فنا ہو جانیوالا ہو۔ مگر میں صبح کاذب کیطرح آفل نہیں ہوں۔ بلکہ حق سبحانہ کے نور سے صبح صادق کیطرح ہوں کہ کوئی تاریکی میرے پاس نہیں پھٹک سکتی پس اے عمران زادی آپ مجھ پر لاحول نہ پڑھیں کیونکہ میں آپ کی لاحول ہی کی بدولت یہاں آیا ہوں کیونکہ جب آپ نے خدا پر بھروسہ کیا تو مجھے حق سبحانہ نے آپ کے پاس بھیجا نیز لاحول اور اعتماد بر حق تو میری اصل غذا ہے اور تکلم لاحول سے پہلے سے میں نور لاحول کھا رہا ہوں۔ آپ اعوذ بالرحمٰن منک فرماتی ہیں اور مجھ سے بھاگ کر پناہ حق میں جانا چاہتی ہیں لیکن میں آپ کو مطلع کرتا ہوں کہ میں پیشتر ہی سے حق سبحانہ کی پناہ کی زندہ تصویر ہوں اور میں وہی پناہ ہوں جس کو آپ رہائی کا ذریعہ بنانا چاہتی ہیں۔ آپ اعوذ بالرحمٰن منک کہتی ہیں حالانکہ میں خود اعوذ (پناہ) ہوں۔

شرح شبیری

جبریل علیہ السلام کا مریم علیہا السلام سے کہنا کہ میں رسول حق ہوں مجھ سے پریشان اور پوشیدہ مت ہو

چونکہ مریم مضطرب شد یک زماں ہمچنانکہ برزمین آں ماہیاں

یعنی مریم علیہا السلام جبکہ کچھ دیر اسطرح مضطرب ہوئیں جیسا کہ خشکی پر مچھلیاں۔

بانگ بر وے زد نمودار کرم کہ امین حضرتم از من مرم

یعنی انکو نمودار کرم نے آواز دی کہ میں امین حضرت حق ہوں مجھ سے بھاگو مت یعنی جو کہ کریم تھے انہوں نے کہا کہ میں امین اللہ یعنی جبریل ہوں مجھ سے بھاگو مت اور پریشان مت ہو اور کہا کہ

از سرافرازان عزت سر مکش از چنیں خوش محرماں دم در مکش

یعنی حضرت حق کے سر بلندوں سے سرکشی مت کرو اور ایسے اچھے محرموں سے دم مت کھینچو۔ مطلب یہ ہے کہ میں تو اُس عالم سے ہوں اور درگاہِ الٰہی کا مقرب ہوں تو مجھ سے فساد و فتنہ کا خوف نہیں نہیں ہے لہذا تم ڈرو مت اب یہاں شبہ ہوتا ہے کہ جب مریم علیہا السلام کو شبہ ہوا اور اُسکے بعد حضرت جبریل علیہ السلام نے خود ہی یہ کہا کہ میں فرشتہ ہوں تو انکو صرف انکے کہنے سے کیسے یقین آیا انکو یہ شبہ کیوں نہ ہوا کہ ممکن ہے کہ یہ غلط کہتے ہوں اور کوئی مفسد ہو مولانا آگے اُنکے اس قول کے صدق پر ایک علامت بیان فرماتے ہیں کہ

ایں ہمی گفت و ذبالہ نور پاک از لبش می شد پیاپے بر سماک

یعنی وہ (جبریل یہ فرما رہے تھے اور نور پاک کی لو اُنکے لب سے برابر سماک پر جا رہی تھی مطلب یہ کہ وہ جو یہ گفتگو کر رہے تھے تو اُنکے ان الفاظ کیساتھ برابر ایک نور اُنکے منہ سے ظاہر ہوتا تھا جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ بیشک ملکوتے ہیں ناسوتے اور مفسد نہیں ہیں اور بات یہ ہے کہ مریمؑ کو انکو دیکھکر درجۂ علم ضروری میں تو معلوم ہو گیا تھا کہ یہ کوئی مفسد وغیرہ نہیں ہیں باقی جب اُنہوں نے کہا اور بتایا کہ میں فرشتہ ہوں اُسوقت اُنکو پوری طرح معلوم ہو گیا اور یہ سمجھ گئیں کہ بیشک یہ فرشتہ ہیں اور کوئی مفسد

نہیں ہیں آگے پھر حضرت جبریل ؑ کا قول ہے فرماتے ہیں کہ

از وجودم مے گریزی در عدم　　　در عدم من شاہم و صاحب علم

یعنی میرے وجود سے تم عدم میں بھاگتی ہو اور عدم میں تو میں بادشاہ اور صاحب علم ہوں (عدم سے مراد عدم اضافی یعنی عالم غیب ہے) مطلب یہ کہ تم مجھسے پناہ مانگتی ہو اور عالم غیب کیطرف متوجہ ہوتی ہو تو وہاں تو میری اور خوب سلطنت ہے وہاں تو تم مجھ سے بچ ہی نہیں سکتیں۔

خود بنہ و بنگاہ من در نیستی است　　　یک سوارہ نقش من پیش ستی است۔

یعنی خود سامان اور خیمہ میرا نیستی میں ہے اور ایک تنہا نقش میرا بی بی کے سامنے ہے۔ مطلب یہ کہ یہاں تو میں صرف ایک تنہا ہوں باقی عالم غیب میں تو میری سلطنت ہے فوج پلٹن ہے لہذا تمہارا مجھ سے پناہ مانگ کر اسطرف متوجہ ہونا فضول ہے کہ وہاں تو میں موجود ہوں۔

مریما بنگر کہ نقش مشکلم　　　ہم ہلالم ہم خیال اندر دلم

یعنی اے مریم دیکھ کہ میں نقش مشکل ہوں میں ہلال ہوں اور دلمیں خیال بھی ہوں مطلب یہ کہ میں ایک عجیب نقش ہوں۔ کہ دو جگہ اور دو طرح میرا وجود ہو سکتا ہے کہ میں ظاہر میں بھی موجود ہوں کہ مجسم تمہارے سامنے کھڑا ہوا ہوں اور تمہارے دل میں بھی موجود ہوں کیونکہ ناسوتے نہیں ہوں بلکہ ملکوتے ہوں کہ جسکا ادراک خیال سے ہوتا ہے۔

چوں خیالے در دلت آمد نشست　　　ہر کجا کہ میگریزی با تو ہست

یعنی جیسے کہ کوئی خیال تمہارے دل میں آیا اور بیٹھ گیا تو تم جہاں کہیں جاؤگی وہ تمہارے ساتھ ہوگا اسی طرح میں بھی چونکہ خیال میں ہوں لہذا جہاں تم ہوگی وہیں میں بھی ہوں گا اگر عالم غیب میں جاؤگی تو وہاں موجود ہوں گا اور اگر دنیا میں رہوگی تو یہاں ساتھ ہوں۔

جز خیالے عارضی باطلے　　　کو بود چوں صبح کاذب آفلے

یعنی سوائے اس خیال کے کہ جو عارضی اور باطل ہو کہ وہ مثل صبح کاذب کے آفل ہوتا ہے (مگر)

من چو صبح صادقم از نور رب　　　کہ نگردد گرد روزم ہیچ شب

یعنی میں نور رب سے مثل صبح صادق کے ہوں کہ میرے دن کے گرد کوئی شب نہیں پھرتی۔ یعنی میں ان لوگوں کی طرح نہیں ہوں جو کاذب ہوتے ہیں اور جن کا خیال کاذب آتا ہے بلکہ میں مثل صبح صادق کے ہوں کہ میرے پاس کوئی کمی یا نقصان بھٹکنے نہیں پاتا

ہین مگو لاحول عمران زادہ ام   کہ زلاحول اینطرف افتادہ ام

یعنی اے عمران زادی مجھ سے لاحول مت کہو کہ لاحول سے مین اس طرف پڑا ہوا ہون۔

مر مرا اصل و غذا لاحول بود   نور لاحولے کہ پیش از قول بود

یعنی میری اصل اور غذا لاحول ہی تھی۔ نور اُس لاحول کا جو پہلے قول کے تھی۔ مطلب یہ ہے کہ تم جو لاحول پڑھتی ہو اور تعوذ کرتی ہو تو یہ چیزین تو میری غذا اور اصل ہے اسلئے کہ فرشتون کی غذا تو تسبیح و تحمید ہی ہے تو پھر جب ہماری غذا ہے تو ہمکو اُس سے کیا خوف ہوگا۔ تم شوق سے تعوذ وغیرہ کرو۔ ہمکو اس سے کوئی گزند وغیرہ نہین ہے

تو ہمی گیری پناہ از من بحق   من نگارید پناہم از سبق

یعنی تم مجھسے حق تعالیٰ سے پناہ مانگتی ہو اور مین سابق سے نگارید پناہ کا ہون۔ یعنی جس سے کہ تم پناہ مانگ رہی ہو مین تو خود وہ پناہ ہون اور جس سے کہ پناہ مانگ رہی ہو اُسی کا بنایا ہوا ہون۔ پھر مجھسے کہاں پناہ مانگتی ہو۔

آن پناہم من کہ مخلصہات بود   تو اعوذ آری و من خود آن اعوذ

یعنی مین وہ پناہ ہون جو تیری مخلص تھی تو اعوذ لاتی ہے اور مین خود وہ اعوذ ہون۔ مطلب یہ کہ تم جو مجھ سے پناہ مانگتی ہو اور اعوذ پڑھ رہی ہو تو مین خود وہ اعوذ ہون جو کہ تمکو شر شیاطین الانس والجن سے بچاتا تھا اسلئے کہ حق تعالیٰ جو کام لیتے ہین وہ فرشتون ہی کے ذریعہ سے لیتے ہین تو وہ بولے کہ تم جن چیزون سے پناہ مانگا کرتی ہو اُنسے نجات دینے والا تو مین ہی ہون پھر مجھسے کیا پناہ مانگتی ہو۔ غرضکہ جبرئیل ؑ نے فرمایا کہ تمہارا پناہ مانگنا بیسود ہے اسلئے کہ مین کوئی مفسد وغیرہ تو ہون نہین جس سے کہ تمکو خوف ہے۔ مین تو ایک ملک ہون۔ آگے آگے مولانا ایک عام مضمون فرماتے ہین کہ۔

شرح حبیبی

آفتے نبود بتر از ناشناخت	تو بر یار و ندانے عشق باخت
یار را اغیار پنداری ہمے	شادی را نام بنہادہ غمی

این چنین لطفے کہ دارد یار ما — تو گریزانی ازو واے بیوفا

این چنین نخلے کہ قد یار ماست — چونکہ ما دُزدیم نخلش دار ماست

این چنین مشکین کہ زلف میر ماست — چونکہ بے عقلیم آن زنجیر ماست

این چنین لطفے کہ نیلے می رود — چونکہ فرعونیم بر ما خون شود

خون ہمی گوید من آبم ہین مریز — یوسفم گرگ از توام اے پُرستیز

تو نمی بینی کہ یارے بُردبار — چونکہ با او ضد شوی گردد چو مار

لحم او و شحم او دیگر نہ شد — بر قرار اول ست آن سان کہ بُد

شمع مریم را بہل افروختہ — کہ بخارا می رود آن سوختہ

اب مولانا انتقال فرماتے ہین اور کہتے ہین کہ مریم علیہا السلام کو جسقدر پریشانی لاحق ہوئی وہ جبریل علیہ السلام کو نہ پہچاننے سے پس سمجھو کہ کوئی آفت اپنے دوست کو نہ پہچاننے سے بڑھکر نہین ہے غضب کی بات ہے کہ تم اپنے محبوب کے پاس ہو اور اُس سے عاشقانہ برتاؤ نہین کر سکتے بلکہ یار کو غیر سمجھتے ہو اور تمنے اُس شئے کا نام جو حقیقت مین خوشی ہے غم رکھ چھوڑا ہے محبوب حقیقی اسقدر تو عنایت کرتے ہین پھر بھی تم اُس سے بیوفایانہ بہلگتے ہو خلاصہ یہ کہ مولانا اُن لوگوں کی شکایت اور اُن کی حالت سے تعجب کرتے ہین جن کا تعلق حق سبحانہ کیساتھ اچھا نہین ہے اور فرماتے ہین کہ حق سبحانہ قریب اور مہربان اور محبوب حقیقی ہین مگر تم اُس سے فائدہ نہین اُٹھاتے بلکہ اُسکے ساتھ غیرون کا سا معاملہ کرتے ہو آگے ایک شبہ کا جواب دیتے ہین تقریر شبہ یہ ہے کہ تم تو حق سبحانہ کو مہربان کہتے ہو مگر ہم تو دیکھتے ہین کہ وہ تکلیفین دیتا ہے اور حاصل جواب یہ کہ وہ تو مہربان ہی ہے مگر ہماری نالائقی سے ہمکو نقصان پہونچ رہا ہے چنانچہ حق سبحانہ خود فرماتے ہین ما اصابکم من مصیبۃ فبما کسبت ایدیکم ویعفو عن کثیر۔ جب یہ امر معلوم ہوگیا تو اب حل اشعار سنو۔ فرماتے ہین کہ باوجودیکہ ہمارے محبوب کا قد ایسا اعلےٰ درجہ کا درخت خرما یعنی عشاق کو بہت کچھ نفع پہونچانیوالا ہے لیکن چونکہ ہم لوگ چورون کی طرح مجرم ہین اسلئے وہ بجائے اسکے

کہ ہمارے لئے نافع ہوتا سو الٹی طرح ہماری بلا کا ذریعہ بن گیا ہے۔ اور باوجودیکہ ہمارے محبوب کی زلف اسقدر مشکین اور مشام عشاق کو معطر کرنیوالی ہے مگر ہماری بے عقلی کے سبب ہمارے لئے زنجیر ہوگئی ہے اور باوجودیکہ اُسکا دریائے لطف نیل کی طرح بہہ رہا ہے مگر چونکہ ہم فرعون ہیں اسلئے وہ ہمارے لئے دریائے خون ہوگیا ہے وہ خون کہتا ہے کہ میں حقیقت میں خون نہیں بلکہ پانی ہوں تیرے لئے خون ہوگیا ہوں۔ پس تو مجھے مت گرا اور مجھسے نفرت مت کر دیکھ اپنی حالت کو بدل دے اور میں واقع میں یوسف کی طرح مرغوب ہوں۔ تیری نالائقی سے تیرے لئے بھیڑئے کی طرح قابل نفرت ہوگیا ہوں۔ پس تو مجھسے مت بھاگ بلکہ اپنی اصلاح کر۔ اب اگر کوئی شبہ کرے کہ یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ ایک شئے واقع میں پانی یا یوسف ہو اور دوسرے کیلئے وہ خون یا بھیڑیا ہو جاوے۔ تو یہ شبہ یوں دور ہو سکتا ہے کہ دیکھو ایک دوست ہوتا ہے لیکن جبکہ تم اُس سے مخالفت کر لیتے ہو تو وہ تمہاری نظر میں سانپ ہو جاتا ہے۔ اب دیکھو کہ باوجودیکہ نہ اُس کا گوشت بدلا ہے نہ چربی اور وہی آدمی ہے جو پہلے تھا مگر تمہاری نسبت سے بدل گیا ہے۔ اسیطرح خون اور بھیڑئے کو سمجھ لو۔ اچھا اب مریم علیہا السلام کی شمع کو تو روشن چھوڑ دو اور یہ بیان کرو کہ وہ جلا بھنا عاشق بخارا روانہ ہوتا ہے۔

شرح شبیری

آفتے نبود بتر از ناشناخت　　　　تو بر یار و ندانے عشق باخت

یعنی ناشناسی سے زیادہ کوئی آفت نہیں ہوتی۔ کہ تم یار کے نزدیک ہو اور عشق بازی کرنا نہیں جانتے یعنی تم دوست کے پاس ہو اور وہ تمہارے پاس موجود ہے مگر چونکہ پہچانتے نہیں ہو لہذا اُس سے بالکل الگ ہو۔ تم اُس سے محبت کرنا جانتے ہو نہ کچھ جانتے ہو تو پھر بھلا ناشناسی سے زیادہ بتر اور کیا شئے ہوگی اور مریم ؑ نے پناہ وغیرہ مانگی یہ بھی سب ناشناسی کی وجہ سے تھا اور ناشناسی کے وقت یہ حالت ہوتی ہے کہ

یار را اغیار پنداری ہمے　　　　شادے را نام بنہادی غمے

یعنی یار کو اغیار سمجھتا ہے اور خوشی کا نام غم رکھتا ہے (اسلئے کہ تمکو یہ خبر ہی نہیں ہوتی کہ یہ خوشی ہے لہذا اُسکو غم سمجھتے ہو اور یار کو بوجہ ناشناسی کے غیر سمجھکر اُس سے فائدہ نہیں اُٹھا سکتے)

این چنین لطفے کہ دارد یار ما　　　　تو گریزانی از وائے بیوفا

یعنی ایسا لطف کہ جو ہمارا یار رکھتا ہے تو اُس سے بھاگتا ہے اے بیوفا۔ یعنی ہمارا یار تو ایسے ایسے الطاف کرتا ہے اور تو بوجہ ناشناسی کے اُس سے بھاگ رہا ہے اور اُن الطاف کی قدر نہین کرتا۔

این چنین نخلے کہ لطفِ یار ماست　　چونکہ ما دزدیم نخلش دار ماست

یعنی ایسا نخل کہ ہمارے یار کا لطف ہے جبکہ ہم چور ہین تو اُس کا نخل ہماری دار ہے۔ مطلب یہ کہ لطف دوست جو مثل نخل کے ہے کہ اُس سے سب پھل کہاتے ہین مگر چونکہ ہم چور ہین تو ہمکو اُس مین پھانسی مل جاتی ہے تو اسیطرح وہ لطف ہمارے لئے عذاب جان ہو جاتا ہے

این چنین مشکین کہ زلف میر ماست　　چونکہ بے عقلیم آن زنجیر ماست

یعنی ایسی مشکین کہ ہمارے میر کی زلف ہے جبکہ ہم بیعقل ہین تو وہ ہماری زنجیر ہے یعنی ایک یار کی زلف مشکین ہو مگر جبکہ انسان اُس کی قدر نہ جانے تو وہی اُسکے لئے زنجیر ہو جاتی ہے۔ یہ ساری باتین اپنی ناشناسی اور ناقابلیت کی بدولت ہین۔

این چنین لطفے چو نیلے می رود　　چونکہ فرعونیم بر ماخون شود

یعنی ایسا لطف جو کہ مثل دریائے نیل کے چلتا ہے جبکہ ہم فرعون ہین تو وہ ہمپر خون ہو جاتا ہے یعنی بوجہ ہماری بیقدری اور ناشناسی کے وہی شئے جو کہ بہت لطیف اور عمدہ تھی وہی ہمارے لئے خراب ہو جاتی ہے جیسا کہ فرعونیون پر آب دریائے نیل خون ہو جاتا تھا۔ تو دیکھو وہ شئے جو کہ ایسی لطیف اور پاک وصاف تھی وہی اُن پر آفت جان ہو گئی تو یہ خرابی اُس کی طرف سے نہیں ہے بلکہ یہ کمی اور خرابی خود ہماری طرف سے ہے۔

خون ہمی گوید من آبم ہین مریز　　یوسفم گرگ از توام ای پر ستیز

یعنی خون کہتا ہے کہ ارے مین تو پانی ہون گرامت + میں یوسف ہون گرگ تو تیری وجہ سی ہو گیا ہون اے پرستیز یعنی وہ چیز کہتی ہے کہ میرے اندر جو خرابی آگئی ہے یہ تو صرف تمہارے اندر خرابی ہونے کی وجہ سے ہے کہ مین تمکو ایسی معلوم ہوتی ہون ورنہ مین تو اچھی خاصی ہون تو یہ بھی اُسی ناشناسی کی وجہ سے ہے بلکہ ناشناسی مین یہ حالت ہوتی ہے کہ۔

تو نمی بینی کہ یار بردبار　　چونکہ با او ضد شدی گردد چو مار

یعنی کیا تو دیکھتا نہین ہے کہ یار بردبار جبکہ اُس کی ساتھ تو ضد ہوا تو وہ سانپ کی طرح ہو جاتا ہے

لحم او و شحم او دیگر نشد — او چنان بد جز که از منظر نشد

یعنی اُس کا لحم و شحم تو دوسرا نہین ہوا وہ تو اُسی طرح ہے (مگر اُس کا مثل مار ہو جانا) بجز تمہاری نظرگاہ کے نہین ہوا۔ یعنی وہ جو تمہارے لئے مثل مار کے ہو گیا ہے یہ صرف اسلئے کہ تم اُس کی ضد ہو گئے ہو اور تمہاری نظر مین ایسا ہو گیا ہے ورنہ اُس کی طرف سے کسی قسم کی کوئی بات نہین ہے تو دیکھو یہ بھی اُسی ناشناسی کی وجہ سے ہے کہ تمنے اُس کی قدر نہ جانی۔ آگے اُسی نوکر عاشق بخاری اور صدر جہان کے قصہ کی طرف رجوع فرماتے ہین کہ۔

اُس وکیل کا عشق کی وجہ سے قصد کرنا کہ بخارا کو رجوع ہو

شمع مریم را بہل افروختہ — کہ بخارا می رود آن سوختہ

یعنی شمع مریم کو جلتی ہوئی چھوڑ دو اسلئے کہ وہ سوختہ بخارا کی طرف جا رہا ہے (شمع را افروختہ گذاشتن کنایہ از چیزے را ناتمام گذاشتن) مطلب یہ کہ مریمؑ کے قصہ کو یہین تک رہنے دو اسکو ناتمام ہی رہنے دو چونکہ وہ جلا بھنا عاشق بخارا کو جاتا ہے تو اُس کا قصہ بیان کرو اُس کی یہ حالت تھی کہ

شرح حبیبی

سخت بی صبر و در آتشدان تیز — رو سوئے صدر جہان کن می گریز

این بخارا منبع دانش بود — پس بخارائیست ہر کانش بود

پیش شیخے در بخارا اندرے — تا بخواری در بخارا ننگرے

اے خنک آنرا کہ ذلت نفسہ — وائے آنکس را کہ یردی رفسہ

فرقت صدر جہان در جان او — پارہ پارہ کردہ بود ارکان او

گفت برخیزم ہمانجا وا روم — کافر ار گشتم دگر رہ بگروم

وارد م آنجا بیفتم پیش او — پیش آن صدر نکو اندیش او
گویم افگندم بہ پیشت جان خویش — زندہ کن یا سر ببر مارا چہ بیش
کشتہ و مردہ بہ پیشت ای قمر — بہ کہ شاہ زندگان جائے دگر
آزمودم صد ہزاران بار بیش — بے تو شیرین می نہ بینم کار خویش
غنّ لی یا منیتی لحن النشور — ابرکی یا ناقتی تم السرور
ابلعی یا ارض دمعی قد کفیٰ — اشربی یا نفس وردا قد صفا
عدت یا عیدی الینا مرحبا — نعم ما روحت یا ریح الصبا
گفت ای یاران روان گشتم وداع — سوی آن صدری کہ میرست و مطاع
دمبدم در سوز بریان می شوم — ہرچہ بادا باد آنجا می روم
گرچہ دل چون سنگ خارا می کند — جان من عزم بخارا می کند
مسکن یارست و شہر شاہ من — پیش عاشق این بود حب الوطن

اچھا اے عاشق تم نہایت بے صبری اور اضطرار کیساتھ بھاگو اور صدر جہان کے پاس چلو۔ یہ فرماکر مولانا انتقال فرماتے ہین اور کہتے ہین کہ دیکھو بخارا علم کا چشمہ ہے پس جو شخص صاحب علم ہوگا وہ بھی بخارا ہی ہے لہذا جبکہ تم اپنے شیخ کے پاس ہو تو بخارا ہی میں ہو پس دیکھو اس بخارا کی نہایت وقعت کرنا اور اسکو بنظر حقارت نہ دیکھنا اور اپنے کو اُسکے سامنے ذلیل کرنا کیونکہ اُس کی شکل جزر و مد تمکو اُسکے بخارائے دل مین نہ پہونچنے دیگی اور بدون ذلت کے تم اُسکے دل مین گھر نہ کر سکوگے وہ شخص نہایت مزہ مین ہے جبکا نفس اپنے شیخ کے سامنے ذلیل ہو۔ اور اُس کی حالت نہایت قابل افسوس ہے جو ٹھوکر مار کر یعنی گستاخی کر کے ہلاک ہوجاوے۔ یہانتک اس مضمون کو بیان کر کے پھر مضمون سابق کی طرف عود کرتے ہین اور فرماتے ہین کہ اُسکی جان مین جو صدر جہانکی فرقت کا رنج جاگزین تھا اُسنے اُسکے ارکان جسم کو پارہ پارہ کر رکھا تھا اُسنے کہا کہ مین تو اُٹھکر وہین جاتا ہون

اور اگر مین اُس سے بھاگ کر کافرِ عشق ہو گیا ہون تو پھر نئے سرے سے مسلمان ہوتا ہون۔ ابتو مین وہین جاتا ہون اور اُسکے سامنے پڑ رہتا ہون یعنی اپنے نیک خیال صدرجہان کے سامنے اور وہان جا کر کہونگا کہ مین نے تو اپنے کو حضور کے قدمون مین لا ڈالا ہے اب حضور کو اختیار ہے خواہ مجھے زندہ کرین یا ذبح کر ڈالیں۔ میرا آپکے سامنے مرجانا اور مارا جانا اس سے بہتر ہے کہ کہین اور بیکم مین زندوں کا بادشاہ ہون۔ مین اس سے قبل لاکھون مرتبہ تجربہ کر چکا ہون کہ آپکی بجز کسی کام مین لطف نہین۔ پس لے میری آرزو میرے لئے زندہ کن گیت گا اور لے میری ناقہ خوشی تمام ہو چکی اور مین منزل مقصود تک پہونچ گیا۔ اب تو بیٹھ جا۔ اور لے زمین رونا ہو چکا اب تو آنسو پی لے۔ اور لے نفس اب پن گھٹ صاف ہے تو پی لے۔ اور لے عید مرحبا کہ تو واپس آئی اور لے بادصبا تونے مجھے نہایت ہی خوش کیا۔ اُسنے اپنے دل سے یہ گفتگو کی اور کہا کہ اے دوستو اچھا لو رخصت مین تو اُس صدرجہان کی طرف چلدیا جو میرا آقا اور واجب الاطاعت ہے کیونکہ مین ہر وقت سوزِ فراق سے کباب ہوتا ہون مجھسے یہ تکلیف برداشت نہین ہوتی پس کچھ بھی ہو مین تو وہین جاتا ہون اگرچہ میری طبیعت مجھے پتھر بنائے دیتی اور جانے سے مانع ہوتی ہے مگر میری جان بخارا ہی کا عزم کرتی ہے کیونکہ وہ میرے یار کی رہنے کی جگہ اور میرے بادشاہ کا شہر ہے اور عاشق کیلئے حب وطن یہی ہے کہ وہ وطن محبوب سے محبت کرے۔

شرح شبیری

سخت بیصبر و در آتشدان تیز　　　رو سوئے صدرجہان کن میگریز

یعنی سخت بے صبر تھا اور آتشدان تیز مین صدرجہان کی طرف مُنہ کئے ہوئے بھاگ رہا تھا مطلب یہ کہ وہ بیحد بیصبری کیساتھ تیزی سے صدرجہان کی طرف کو جا رہا تھا۔ آگے مولانا فرماتے ہین کہ

این بخارا منبع دانش بود　　　پس بخارائیست ہر کانش بود

یعنی یہ بخارا منبع دانش ہوتا ہے پس بخاری ہے جو کہ وہ (یعنی صاحب دانش) ہو مطلب یہ ہے کہ بخارا سے مراد شیخ کامل ہے جو کہ منبع دانش ہوتا ہے تو مولانا فرماتے ہین کہ یہ شخص بخارا کی طلب مین تھا تو جسطرح کہ بخارا منبع علوم و فنون تھا اسی طرح اصل بخارا وہ ہے جو کہ منبع علوم و فنون ہوتا ہے

یعنی شیخ کامل تو مستفیدین اُسکو اسی طرح تلاش کرتے اور اُس کی طرف اسی طرح دوڑتے ہیں بخارا سے شیخ کو صرف اسلئے تشبیہ دی ہے کہ جسطرح کہ بخارا مین علوم وفنون کا زور ہے اسی طرح شیخ کامل بھی منبع علوم وفنون ہوتا ہے تو بس جو اُس کا متلاشی ہے وہی بخاری ہے یعنی وہی طالب صادق ہے آگے فرماتے ہین کہ۔

پیش شیخے در بخارا اندرے　　تا بخواری در بخارا ننگرے

یعنی تم بخارا مین ایک شیخ کے آگے ہو تو بخارا مین خواری سے ہرگز نگاہ مت کرنا۔ یعنی بخارا جو کہ منبع علوم ہے ایسی جگہ پر تم کسی شیخ کامل کے پاس ہو تو اُسکے بخارائے دل میں خواری سے نظر مت کرو اور اُسکو حقیر و ذلیل مت سمجھو اسلئے کہ یہ علامت خسران کی ہے۔

جز بخواری در بخارائے دلش　　راہ ندہد جزر و مد مشکلش

یعنی بجز خواری کے اُسکے بخارائے دل میں اُس کی مشکل کا جزر و مد راہ نہین دیتا ہے۔ مطلب یہ کہ جب تک کہ تم خواری اور تواضع اور عجز اختیار نہ کروگے اُسوقت تک تمکو شیخ کے دل مین راہ نہوگی اور اُس کا جو اُتار چڑھاؤ ہے اُس سے کبھی بھی واقف نہوگے تو بس اُسکو حقیر نہ سمجھو اور اپنے کو حقیر بنالو تب اُسکے قلب کے اسرار تک رسائی ہو سکتی ہے آگے فرماتے ہین کہ۔

اے خنک آنرا کہ ذلت نفسہ　　وائے آنکس را کہ یردی رفسہ

یعنی خوش ہے وہ کہ ذلیل ہو گیا نفس اُس کا اور افسوس ہے اُس شخص پر کہ اُسکے قدم رکھنے نے اُسکو ہلاک کیا (یہاں قدم رکھنے سے مراد بے ادبی کرنا ہے) مطلب یہ ہے کہ جسنے کہ اپنے نفس کو ذلیل بنالیا اور شیخ کامل کی قدر کی وہ تو فائض المرام ہو گیا اور جسنے کہ شیخ کی بے ادبی کی اور اُس کی قدر نہ جانی اُسنے اپنے کو ہلاک کر لیا تو بس شیخ کامل کی تلاش اور اُسکے بعد اُس کی قدر اور اُس کا ادب ضروری ہے کہ اُس سے فلاح دارین میسر ہوگی۔ اب آگے پھر اُسی غلام کا قصہ بیان فرماتے ہین کہ۔

فرقت صدر جہان در جان او　　پارہ پارہ کردہ بود ارکان او

یعنی صدر جہان کی فرقت نے اُس کی جان مین اُسکے اعضاء کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا تھا یعنی اُسکی اعضاء ظاہر و باطن دونون خراب ہو چکے تھے اور قریب بہلاک تھے۔

گفت برخیزم ہمانجا وا روم　　کافرار گشتم دگر رہ بگروم

یعنی کہنے لگا کہ مین اُٹھتا ہون اور وہین جاتا ہون اگرچہ مین نافرمان ہوگیا ہون (مگر) دوبارہ پھر مطیع ہوتا ہون

وا روم آنجا بیفتم پیش او　　پیش آن صدر نکو اندیش او

یعنی مین جاتا ہون اور اُسکے سامنے جاپڑتا ہون۔ سامنے اُس صدر نکو اندیش کے یعنی بس جاکر اُسکے سامنے جاپڑونگا جو کچھ بھی کرے

گویم افگندم بہ پیشت جان خویش　　زندہ کن یا سر ببر ماراچو میش

یعنی کہونگا کہ مین نے اپنی جان کو تیرے سامنے ڈال دیا (اب تو) زندہ کر یا بھیڑ کی طرح سرکاٹ دے یعنی وہ غلام بولا کہ بس اُسکے سامنے جاکر کہدونگا کہ قتل کرڈالو ہمین یا جرم الفت بخشدو۔ لو کھڑے ہیں ہاتھ باندھے ہم تمہارے سامنے۔ اور بولا یون کہونگا کہ۔

کشتہ و مردہ بہ پیشت اے قمر　　بہ کہ شاہ زندگان جائے دگر

یعنی اے قمر تیرے آگے مردہ اور مقتول بہتر ہے کہ دوسری جگہ زندون کا بادشاہ ہون۔ (اور بولا کہونگا کہ)

آزمودم من ہزاران بار بیش　　بے تو شیرین می نہ بینم عیش خویش

یعنی مین نے پہلے ہزارون بار آزمالیا ہے کہ بے تیرے اپنی زندگی شیرین نہیں دیکھتا (اب آگے جوش مین آکر کہتا ہے کہ)

غن لی یا منیتی لحن النشور　　ابرکے یا ناقتی تم السرور

یعنی اے میری آرزو میرے لئے لحن نشور کو گا + اور اے میری ناقہ بیٹھ جا کہ سرور کامل ہوگیا مطلب یہ کہ وہ کہتا ہے کہ جب مین وہان پہونچون گا تو اُسوقت کہونگا کہ اے میری آرزو جاگ اُٹھ اور ایسا لحن (راگ) گا کہ جس سے حیات ابدی حاصل ہو اور اے میری ناقہ اب بیٹھ جا اسلئے کہ سرور وصل محبوب کا تو پورا ہوچکا ہے۔ لہذا اب تلاش سے بیٹھ جا اسلئے کہ اب تلاش کی ضرورت نہیں ہے اور کہتا ہے کہ۔

ابلعی یا ارض دمعی قد کفی　　اشربی یا نفس دوا قد صفا

یعنی اے زمین میرے اشک کو پی لے کہ وہ سو کہہ گیا اور اے نفس محبت کو پی لے کہ وہ صاف ہوگیا

یعنی اب تو جبکہ میرے آنسو بھی بند ہوگئے ہین تو اب ائے زمین تو اُن آنسوؤن کو خشک کرے اور ائے نفس اس دوستی مصفا کو پی لے اسلئے کہ ابتو اُسکے اندر سے تمام کدورات ختم ہوچکی ہین۔

عدت یا عیدی الینا مرحبا نعم ما روحت یا ریح الصبا

یعنی اے میری عید تو ہماری طرف لوٹ آئی ہے مرحبا ہے اور اچھی ہے وہ شئے کہ جو اے ریح صبا تو نے چلائی ہے مطلب یہ کہ وہ جوش مین آکر کہہ رہا ہے کہ مین وہان جاکر اس طرح عرض کرونگا اپ پھر اُن عاذلون سے مخاطب ہوتا ہے کہ۔

گفت اے یاران روان گشتم وداع سوئے آن صدرے کہ میرست و مطاع

یعنی کہنے لگا اے یارو مین روانہ ہوتا ہون رخصت طرف اُس صدر کے جو کہ میر ہے اور مطاع ہے یعنی لوگون سے کہا کہ لو اب رخصت مین تو وہان صدر جہاں کے پاس جاتا ہون۔

دمبدم در سوز بریان می شوم ہرچہ بادا باد آنجا می روم

یعنی مین دمبدم سوز مین جل رہا ہون اب جو کچھ بھی ہو مین تو وہان جاتا ہون۔

گرچہ دل چون سنگ خارا می کند جانِ من عزم بخارا می کند

یعنی اگر چہ (وہ صدر جہاں) دل کو سنگ خارا کی طرح کرتا ہے (لیکن) میری جان بخارا کا ارادہ کرتی ہے مطلب یہ کہ اگرچہ وہ میری طرف مائل نہیں ہے بلکہ اُسنے مجھے مردود کر رکھا ہے مگر مین تو اب بخارا کا ارادہ کرتا ہون اور وہان جاتا ہون۔ میرا تو دل نہین مانتا اسلئے کہ۔

مسکن یار است و شہر یار من پیش عاشق این بود حب الوطن

یعنی (وہ بخارا) میرے یار کا مسکن ہے اور میرے دوست کا شہر ہے۔ اور عاشق کے آگے یہی حب الوطن ہوتی ہے۔ مطلب یہ کہ اُسنے کہا کہ مین بخارا جاؤنگا اسلئے کہ وہ میرے محبوب کا مسکن اور شہر ہے اور عاشق کے نزدیک حب الوطن یہی ہوتی ہے کہ جہان اُس کا محبوب ہو۔ پس جہان کہین وہ ہوگا اُسی جگہ سے اُسکو محبت ہوگی آگے ایک عاشق و معشوق کی حکایت لاتے ہین کہ معشوق نے پوچھا کہ کونسا شہر سب مین اچھا ہے تو عاشق بولا کہ وہ شہر حسین کہ تو موجود ہو تو دیکھو عاشق کیلئے حب الوطن یہی ہے کہ اُس کا محبوب وہان رہتا ہو۔ ایک حکایت سنو۔ فرماتے ہین کہ۔

شرح حبیبی

گفت معشوقی بعاشق کای فتی — تو بغربت دیدۂ بس شہرہا
پس کدامین شہر ازانہا خوشتر است — گفت آن شہری کہ در وی دلبر است
ہر کجا باشد شہ مارا بساط — ہست صحرا گر بود سم الخیاط
ہر کجا یوسف رخی باشد چو ماہ — جنت است آن گرچہ باشد قعر چاہ
با تو دوزخ جنت است ای جانفزا — با تو زندان گلشن است اے دلربا
شد جہنم با تو رضوان و نعیم — بے تو شد ریحان و گل نار جحیم
ہر کجا تو با منے من خوشدلم — ور بود در قعر گورے منزلم
خوشتر از ہر دو جہان آنجا بود — کہ مرا با تو سر و سودا بود
پس دراز است این سخن در انتظار — عاشق صدر جہان شد اشکبار

کسی معشوق نے اپنے عاشق سے کہا کہ آپنے سفر مین بہت سے شہر دیکھے ہین اُن مین کونسا شہر سب سے اچھا ہے اُسنے جواب دیا کہ وہ شہر سب سے اچھا ہے کہ جسمین دلبر ہے۔ جہان کہیں ہمارے بادشاہ کی بساط ہو وہ اگر سوئی کا ناکا بھی ہو تب بھی وہ صحرا ہی ہے اور جہان کہین یوسف رخ اور ماہ تابان کی مثل حسین ہو وہ اگر قعر چاہ بھی ہو تب بھی وہ جنت ہے (یہ مقولہ یا تو اسی عاشق کا ہے اور مراد معشوق مجازی ہے اور یا مولانا کا مقولہ ہے اور مراد معشوق حقیقی ہے علیٰ ہذا اشعار آئندہ مین بھی ہر دو احتمال ہیں) تیرے ہوتے دوزخ بھی جنت ہے اور قید خانہ بھی گلشن ہے اور جہنم بھی مرغوب اور نعمت ہے اور تیرے بغیر گل و ریحان بھی آتش دوزخ ہے۔ جہاں تو میرے ساتھ ہو مین نہایت خوش ہون خواہ گور ہی مین میرا مسکن ہو۔ دونوں عالم سے میرے لئے وہ جگہ بہتر ہے جہان مجھے تجھسے واسطہ ہو۔ اب مولانا فرماتے ہین کہ یہ گفتگو تو بہت طویل ہے اسکو چھوڑو کیونکہ صدر جہان کا عاشق انتظار کرتے کرتے رونے لگا ہے اُسے اُسکے معشوق تک پھونچانا چاہئے۔

شرح شبیری

ایک معشوق کا عاشق سے دریافت کرنا کہ شہروں میں سے کونسا شہر بہتر ہے

گفت معشوقے بعاشق کاے فتی　　تو بغربت دیدۂ بس شہرہا

یعنی ایک معشوق نے عاشق سے کہا کہ ارے میاں تمنے سفر مین بہت سے شہر دیکھے ہین۔

پس کدامین شہر زانہا خوشتراست　　گفت آن شہرے کہ در وی دلبراست

یعنی پس کونسا شہر اُن مین زیادہ عمدہ ہے اُس عاشق نے کہا کہ وہ شہر جسمین کہ دلبر ہو۔

ہر کجا باشد شہ مارا بساط　　ہست صحرا گر بود سم الخیاط

یعنی جس جگہ کہ ہمارے بادشاہ کی بود وباش ہو وہ صحرا ہے اگرچہ سوئی کا ناکہ ہو یعنی اگرچہ وہ کتنی ہی تنگ وتاریک جگہ ہو مگر جب وہان محبوب ہو وہ بھی کشادہ اور فراخ صحرا معلوم ہوگا۔

ہر کجا یوسف رخے باشد چو ماہ　　جنت است آن ارچہ باشد قعر چاہ

یعنی جہان کہین ایک یوسف رخ مثل ماہ کے ہو وہ جنت ہے اگرچہ قعر چاہ ہو مطلب یہ کہ اگرچہ وہ کیسی ہی تکلیف دہ شئے ہو مگر جب محبوب دہان ہوگا تو اُسکی معیت کی وجہ سے ساری کلفت خوشی سے مبدل ہوجاویگی اور وہ ہی عاشق کہتا ہے کہ۔

با تو دوزخ جنت است ای جانفزا　　با تو زندان گلشن ست اے دلربا

یعنی اے جانفزا تیری ساتھ تو دوزخ جنت ہے اور اے دلربا تیری ساتھ زندان گلشن ہے۔

شد جہنم با تو رضوان ونعیم　　بے تو شد ریحان وگل نار جحیم

یعنی تیری ساتھ تو جہنم رضوان اور نعیم ہوگیا اور بے تیرے ریحان وگل نار جحیم ہوگیا ہے۔

ہر کجا تو با منی من خوشدلم　　ور بود در قعر گورے منزلم

یعنی تو جہان کہین میری ساتھ ہو مین خوشدل ہون۔ اگرچہ قعر گور مین میری منزل ہو۔

خوشتر از ہر دو جہاں آنجا بود　　کہ مرا با تو سر وسودا بود

یعنی وہ جگہ دونوں جہان سے خوشتر ہوتی ہے کہ مجھے تیری ساتھ راز داری اور خیال ہو حاصل یہ کہ عاشق نے کہا کہ اے محبوب اگر تو ساتھ ہے تو ساری کلفتین راحتیں ہین اور اگر تیری جدائی ہی تو ساری راحتین کلفتین ہین تو اسیطرح وہ غلام کہتا ہے کہ مجھے تو بس بخارا ہی پسند ہے اگرچہ مجھے وہاں جان کا خطرہ ہے مگر محبوب کی معیت تو حاصل ہوگی۔ آگے مولانا فرماتے ہین کہ

بس دراز ست این سخن از انتظار　　عاشق صدر جہان شد بیقرار

یعنی یہ بات تو بہت دراز ہے اور انتظار کی وجہ سے صبحِ جہان کا عاشق بیقرار ہو رہا ہے۔ مطلب یہ کہ اب وہ عاشق چونکہ بیقرار ہو رہا ہے لہٰذا ان باتوں کو ترک کر کے اُس کا قصہ بیان کرو۔ آگے لوگوں کا اسکو سمجھانے کا قصہ بیان فرماتے ہین کہ۔

شرح حبیبی

گفت او را ناصحے کاے بیخبر — عاقبت اندیش اگر داری ہنر

درنگر پس را بعقل و پیش را — ہمچو پروانہ مسوزان خویش را

چون بخارا می روی دیوانۂ — لائق زنجیر و زندان خانۂ

او ز تو آہن ہمی خاید ز خشم — او ہمی جوید ترا با بیست چشم

می کند او تیز از بہر تو کارد — او سگ قحط است و تو انبان آرد

چون رہیدی و خدایت راہ داد — سوئے زندان می روی چونت فتاد

بر تو گر دہ گون موکل آمدے — عقل بایستے کز ایشان کم زدے

چون موکل نیست بر تو ہیچکس — از چہ بستہ گشت بر تو پیش و پس

عشق پنہان کردہ بود او را اسیر — آن موکل را نمی دید آن نذیر

ہر موکل را موکل مختفے است — ورنہ او در بند سگ طبعی ز چیست

خشم شاہ عشق بر جانش نشست — بر عوانے و سیہ رُوئیش بست

می زند آنرا کہ ہین این را بزن — زان عوانان نہان افغان من

ہر کہ بینی در زیانے مے رود — گر چہ تنہا با عوانے مے رود

گر از و واقف بُدے افغان زدے — پیش آن سلطان سلطانان شدے

ریختی بر سر بہ پیش شاہ خاک	تا امان دیدے ز دیو سہمناک
میر دیدے خویش را اے کم ز مور	زان ندیدے آن موکل را تو کور
غرہ گشتی زین دروغین پر و بال	پر و بالے کو کشد سوئے وبال
پر سبک دارد رہ بالا کند	چون گل آلو شد گرانیہا کند
جہد کن پر را گل آلودہ مکن	لیک گوشت کر شد و پندم کہن

ایک نصیحت گرنے اُس سے کہا کہ بیوقوف اگر تجھ مین کچھ بھی لیاقت ہے تو نتیجہ کو سوچ اور عقل سے آگا پیچھا دیکھ پروانہ کی طرح دیدہ ودانستہ اپنے کو مت جلا۔ ارے تو بخارا کیون جاتا ہے تو پاگل ہوا ہے اور اس قابل ہے کہ تجھے پاگل خانہ بھیجدیا جاوے۔ وہ تجھپر نہایت ہی غضبناک ہے اور بہت ہوشیاری سے تیرا متلاشی ہے۔ وہ تیرے لئے چھری تیز کر رہا ہے اور تیری ضرر رسانی پر اس درجہ حریص ہے کہ اُس کی مثال بھوکے کتے کی ہے اور تو اُسکے لئے آٹے کا تھیلا ہے جبکہ خدانے تجھے اُسکے پنجے سے رہائی دی ہے تو تجھپر کیا مصیبت پڑی کہ تو اپنے پانون جیلخانہ جاتا ہی اگر دس طرح کے پہرہ تجھپر مسلط ہوتے تو بھی عقل کا یہ مقتضےٰ تھا کہ اُن سے بچتا۔ پھر جبکہ کوئی پہرہ بھی نہیں ہے تو پھر تیری اگاڑی پچھاڑی کیون بندھ گئی۔ اور تو کیونکر صدر جہان کے پاس حاضری کیلئے مجبور ہوگیا۔ اب مولانا فرماتے ہیں کہ یہ دھمکیان دینے والا اُس پہرہ دار کو نہیں دیکھتا اسلئے اُسے ملامت کر رہا ہے ورنہ واقع مین اسپر پہرہ دار مسلط ہے اور وہ عشق ہے پہرہ دار کچھہ ظاہری ہی نہین بلکہ خفیہ بھی ہین۔ اور ہر ظاہری پہرہ دار پر ایک خفیہ پہرہ دار مقرر ہے کیونکہ اگر ایسا نہ ہوتا تو یہ ظاہری پہرہ دار حرص اور ایذاء خلق مین کیون محبوس ہوتے۔ اصل بات یہ ہے کہ اُس حاکم کا غضب اُس کی جان پر مسلط ہے جو عشق پر بھی حکومت کرتا ہے اور اُسنے اُسکو پہرہ داری اور دن رات اپنا مُنہ کالا کرنے مین محبوس کر رکھا ہے جب سپاہی کسیکو مارتا ہے تو وجہ یہی ہے کہ وہ خفیہ پہرہ دار اُسے مار رہا ہے اور کہہ رہا ہے کہ اسے مار۔ اب مولانا فرماتے ہین کہ یہ خفیہ پہرہ دار بڑے سخت ہین ان سے خدا کی پناہ۔ یہ مضمون بطور جملہ معترضہ کے بیان کرکے پھر اصل مقصد کی

طرف عود کرتے ہین اور کہتے ہین کہ جسکو تم دیکھو کہ نقصان کی طرف جا رہا ہے گو بظاہر تنہا معلوم ہو مگر حقیقت مین کوئی خفیہ پہرہ دار اُسپر مسلط ہے اور وہ اسے لئے جا رہا ہے مگر یہ جانے والا اس سے واقف نہین ہے کیونکہ اگر واقف ہوتا تو فریاد کرتا اور شہنشاہ حقیقی کے دربار مین فریاد کرتا کہ اے اللہ مجھے اس پہرہ دار سے چھڑا اور خدا کے سامنے سر پر خاک ڈالتا جسکا نتیجہ یہ ہوتا کہ وہ اس خوفناک دیو کے پنجے سے چھوٹ جاتا اب ہم یہ دکھلاتے ہین کہ تم اُس خفیہ پہرہ دار کو کیون نہین دیکھتے اسکی وجہ یہ ہے کہ تمنے با وجود نہایت ضعیف ہونیکے اپنے کو خود مختار سمجھ رکھا ہے اور تم اس جھوٹے پر و باز (یعنی قدرت و اختیار) ضعیف سے جو کہ تمکو مصیبت مین پھنسانیوالے ہین دہوکہ کھائے ہوئے ہو۔ قاعدہ ہے کہ جب کسی جانور کے بازو ہلکے ہوتے ہین تو وہ اوپر اُڑتا ہے اور جب گارے مین لتھڑ جاتے ہین اُسوقت وہ بھاری ہوکر کاہل ہوجاتا ہے اور اوپر نہین اُڑ سکتا پس اسیطرح تمنے اپنے اُن ضعیف پر و بازو کو علائق ناسوتی مین پھنسا رکھا ہے اسلئے عروج روحانی سے محروم ہو پس اگر عروج روحانی چاہتے ہو تو کوشش کرو اور اپنے پرون کو گارے مین نہ سانو۔ مگر کیا کیجئے کہ تمہارے کان تو بہرے ہوگئے اور میری نصیحت پُرانی ہوگئی ہے۔

شرح شبیری

دوستوں کا اُسکو بخارا مین لوٹنے سے منع کرنا

گفت او را ناصحے کائے بیخبر   عاقبت اندیش اگر داری ہنر

یعنی ایک ناصح نے اُس سے کہا کہ اے بیخبر اگر تو کچھ ہنر رکھتا ہے تو انجام کو سوچ۔

در نگر پس را بعقل و پیش را   ہمچو پروانہ مسوزاں خویش را

یعنی عقل سے پس و پیش کو دیکھ لے اور پروانہ کی طرح اپنے کو جلا مت۔ یعنی بے سوچے سمجھے جانا ٹھیک نہین ذرا سوچ سمجھ لو کہ وہان جانیکا کیا انجام ہوگا۔

چون بخارا می روی دیوانۂ   لایق زنجیر و زندان خانۂ

یعنی تو بخارا کیون جاتا ہے کیا دیوانہ ہے تو خود زنجیر اور جیلخانہ کے لایق ہے یعنی تو جو بخارا جا رہا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ عقل مین کچھ فتور آگیا ہے۔ لہذا ضرور ہے کہ تجھے بند کرکے رکھین اسلئے کہ وہان

جا اگر بچ نہ سکے کہ تو اپنی جان کھو دیگا اور کیا ہوگا کیونکہ اُس کی یہ حالت ہے کہ۔

او ز تو آہن ہمی خاید ز خشم　　　او ہمی جوید ترا با بیست چشم

یعنی وہ تیری وجہ سے غصہ سے لوہا چباتا ہے اور وہ تجھے بیس آنکھوں سے ڈھونڈھ رہا ہے مطلب یہ کہ بس وہ تیرا منتظر ہی بیٹھا ہے اور مارے غصہ کے دانت پیستا ہے تو گیا اور اُسنے مروایا۔

می کند او تیز از بہر تو کارد　　　او سگ قحط است و تو انبان آرد

یعنی وہ تیرے لئے چھری تیز کر رہا ہے اور وہ قحط کا (بھوکا) کتا ہے اور تو آٹے کا ڈھیر ہے یعنی تم دونوں کی ایسی مثال ہے لہذا وہ تجھے دیکھتے ہی کھا جاویگا۔

چون رہیدی و خدایت راہ داد　　　سوئے زندان می روی چونت فتاد

یعنی جبکہ تو چھوٹ گیا اور خدا نے تجھے راہ دیدی تو (اب) زندان کی طرف جاتا ہے۔ تجھے کیا پڑا ہے یعنی سب نے کہا کہ تو بھاگ آیا اُسکے بندگران سے چھوٹ گیا اب خود وہان پھنسنے کو جا رہا ہے۔ تو بھلا تجھے ہو کیا گیا ہے۔ کیون پھر جاتا ہے بلکہ تیری تو یہ حالت ہونی چاہئے تھی کہ۔

بر تو گر دہ گون مؤکل آمدے　　　عقل بایستے کز ایشان کم زدے

یعنی تجھپر اگر دس قسم کے سپاہی آتے تو عقل کو بھی چاہئے کہ تو اُن سے کم مارتا۔ مطلب یہ کہ اگر تجھے پکڑنیکو سپاہی بھی آتے تب بھی عقل کا مقتضا تو یہ تھا کہ اُنکو بھی پتہ نہ دیتا اور اُن سے بھی الگ رہتا اور اب جبکہ کوئی سپاہی بھی نہین ہے پھر کیا ہو گیا کہ موت کے منہ مین جاتا ہے۔

چون مؤکل نیست بر تو ہیچ کس　　　از چہ بستہ گشتہ بر تو پیش و پس

یعنی جبکہ تجھپر کوئی موکل نہین ہے تو تجھپر پیش و پس کیون بستہ ہو گیا یعنی تجھے انجام کیون نہین سوجھتا تجھپر آخر کون زبردستی کر رہا ہے کہ تو وہان چل رہا ہے انجام کو سوچ کہ وہان جانا خطرہ ہی لہذا وہان مت جا۔ آگے مولانا فرماتے ہین کہ

عشق پنہان کردہ بود او را اسیر　　　آن موکل را نمی دید آن نذیر

یعنی عشق پوشیدہ نے اُسکو قید کر رکھا تھا تو وہ ڈرانیوالا اُس موکل کو نہ دیکھتا تھا یعنی وہ ملامت گر جو کہتا تھا کہ تجھپر کوئی موکل وغیرہ بھی مسلط نہین ہے پھر تو کیون اپنے کو ہلاکت مین ڈالتا ہے تو مولانا فرماتے ہین کہ اُسکے اوپر عشق نہفتہ مسلط تھا کہ وہ اسکو کشان کشان دیار محبوب کی طرف لے جا رہا تھا مگر اُس ملامت گر کو اُس موکل کی خبر نہ تھی وہ تو صرف ظاہر کو دیکھ رہا تھا کہ بظاہر اُسپر کوئی سپاہی وغیرہ مسلط نہین ہے آگے مولانا اور ترقی کر کے فرماتے ہین کہ۔

ہر موکل را موکل مختفی است　　　ورنہ او در بند سگ طبعی ز چیست

یعنی سپاہی کیلئے ایک پوشیدہ سپاہی ہے ورنہ وہ سگ طبعی کی قید مین کسلئے ہے یعنی یہ سپاہی وغیرہ جو ظلم کرتے ہیں تو یہ اسلئے ظلم کے اندر پھنسے ہوئے ہین کہ اُنپر ایک اور پوشیدہ سپاہی ہے جو کہ ان سے یہ کام لے رہا ہے ورنہ کون شخص اس خباثت کو اپنے لئے گوارا کرتا ہے یہ سارے اُس موکل نہفتہ کے تقاضے ہین۔

خشم شاہ عشق بر جانش نشست　　　بر عوانی و سیہ روئیش ببست

یعنی شاہ عشق کا غصہ اُس کی جان پر بیٹھ گیا تو اُسکو ظلم و سیہ روئی پر باندھ دیا یعنی خشم حق ظالم پر مسلط ہے پس اُسنے اُس سے ظلم کرا رکھا ہے اور اسنے اُسکو اس ظلم و سیہ روئی مین لگا رکھا ہے ورنہ اور کون شئے ہے کہ جو اسکو اس طرح کھینچ رہی ہے۔

می زند آنرا کہ ہین او را بزن　　　زان عوانان نہان افغان من

یعنی وہ اُس (ظالم) کو مارتا ہے کہ ہاں اُس (مظلوم) کو مار تو ان پوشیدہ سپاہیوں سے میرا افغان ہے۔ مطلب یہ کہ وہ پوشیدہ سپاہی تقاضا کرتا ہے کہ اسپر ظلم کر اسکو مار تب یہ ظالم کچھ کام کرتا ہے مولانا فرماتے ہین کہ اس پوشیدہ سپاہی سے اللہ بچاوے اور خدا اپناہ مین رکھے اسلئے کہ یہ ایک ایسی شے ہے کہ جو چاہے کرا لے۔ آگے فرماتے ہین کہ

ہر کہ بینی در زیانے می رود　　　گرچہ تنہا با عوانے می رود

یعنی تم جسکو دیکھو کہ کسی نقصان مین چل رہا ہے تو اگرچہ وہ تنہا ہے (مگر) ایک سپاہی کیساتھ جا رہا ہے یعنی اُس کی ساتھ ایک سپاہی ہے کہ جو اُسکے اندر تقاضا پیدا کر رہا ہے کہ اس کام کو کر ورنہ کون ایسا ہے کہ جو اپنے نقصان کا طالب ہوگا لہذا جب کسیکو دیکھو کہ وہ اپنے نقصان کے کام کا مرتکب ہوتا ہے تو سمجھ لو کہ اسپر ایک سپاہی پوشیدہ مسلط ہے کہ اُسکو کشاں کشاں اس طرف لا رہا ہے

گر ازو واقف شدے افغان زدے　　　پیش آن سلطان سلطانان شدے

یعنی اگر یہ شخص اُس سے واقف ہوتا تو فغان کرتا اور اُس سلطان سلطانان کے پاس جاتا یعنی اگر اُس ظالم کو یا نقصان کرنیوالیکو یہ خبر ہو جاتی کہ ایک سپاہی پوشیدہ مجھپر مسلط ہے

وہ مجھے لے جا رہا ہے تو اُس سے پناہ مانگتا اور حق تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو کر اُس سے بچتا مگر اُسکو
تو خبر ہی نہین ہے اور وہ اُسپر مسلّط ہے اور سوار ہے اور اگر اُسکو خبر ہوتی تو اُسکی یہ حالت ہو جاتی کہ

ریختے بر سر بہ پیش شاہ خاک ۔ تا اماں دیدے ز دیو سہمناک

یعنی بادشاہ (حق تعالیٰ) کے سامنے سر پر خاک ڈالتا تاکہ اُس دیو سہمناک سے امن دیکھتا
یعنی حق تعالیٰ کے سامنے تضرع و زاری کرتا تاکہ حق تعالیٰ اُس عوان مسلط سے اُسکو امن دیتے

میر دیدے خویش را ای کم ز مور ۔ زان ندیدے آن موکل را تو کور

یعنی اے چیونٹی سے کم تو نے اپنے کو امیر دیکھا اسلئے تجھ اندھے نے اُس موکل کو نہ دیکھا
یعنی تو نے چونکہ اپنے کو بڑا سمجھا ہے اور سمجھتا ہے کہ جب ہم اتنے بڑے ہین تو پھر کون مسلّط ہوگا
اسلئے تو نے اُس موکل کو نہیں دیکھا ورنہ اگر تو اپنی حقیقت اور اُس کی حالت کو دیکھتا تو ضرور تجھے
معلوم ہو جاتا کہ تیرے اوپر بھی کوئی ہے مگر تیری تو یہ حالت ہے کہ۔

غرہ گشتی زین دروغین پر و بال ۔ پر و بالے کو کشد سوی وبال

یعنی تو ان جھوٹے پر و بال پر مغرور ہو گیا ہے ایسے پر و بال جو کہ وبال کی طرف کھینچتے ہین یعنی تجھکو
جو قدرت حاصل ہو گئی ہے اور تھوڑا سا کام چل جاتا ہے بس اسپر مغرور ہو رہا ہے حالانکہ یہ
جھوٹے پر و بال ایسے ہین کہ جو تجھے وبال مین ڈال دینگے اور جال مین پھنسا دینگے۔ یہ تیری قدرت
تیرے کچھ کام نہ آویگی بلکہ اور مقید کر دیگی۔ اسلئے کہ۔

پر سبک دارد رہ بالا کند ۔ چون گل آلو شد گرانیہا کند

یعنی جو پرون کو ہلکا رکھتا ہے وہ راستہ اوپر کی طرف کو کرتا ہے اور جب (وہ پر) گل آلودہ ہو گئے
تو گرانیان کرتا ہے۔ مطلب یہ کہ دیکھو جب تک پر ہلکے رہین اُس وقت تک تو جانور اوپر کو اُڑتا ہے
مگر جبکہ اُسکے پرون میں مٹی لگ جاتی ہے تو اُسکے پر بھاری ہو جاتے ہین اور وہ اوپر کی جانب
کو اُڑ نہین سکتا تو اسی طرح جب تک انسان دنیا مین ملوث نہیں ہوتا اُس وقت تک تو وہ عالم
بالا کی طرف عروج کرتا ہے لیکن جب دنیا مین پھنس جاتا ہے تو پھر عالم بالا کی طرف عروج نہیں کر سکتا
ہے تو ہمارے قوی اور ہمارے پر و بال تو دنیا میں پھنسے ہوئے ہین اور اُس مین آلودہ ہو گئے ہین
اسلئے ہمارے یہ پر و بال تو سوائے اسکے کہ ہمیں قعر مذلت میں لیجا ڈالین اور کیا ہو گا۔ اب آگے

ارشاد فرماتے ہین کہ

جہد کن پر را اگل آلودہ مکن ۔ لیک گوشت کر شد و پندم کہن

یعنی کوشش کر اور پر کو گل آلودہ مت کر لیکن تیرے کان تو بہرے ہو گئے ہین اور میری نصیحت پرانی ہو گئی ہے یعنی اول تو فرماتے ہیں کہ کوشش کرو اور اس دنیا کے تعلقات سے الگ ہو کر اپنے قوی باطنیہ کو برباد مت کرو لیکن پھر فرماتے ہین کہ تو نصیحت کو کیا سنے گا جبکہ تیری یہ حالت ہے کہ تیرے کان تو بہرے ہین اور میری نصیحت پرانی ہو چکی ہے تو تو کیا سنے گا آگے پھر اس غلام کے قصہ کی طرف رجوع فرماتے ہین کہ

پند داد القصہ عاشق را بسے ۔ عاذل بے درد ہمچون ققنسے

یعنی القصہ وہ بے درد ققنس جیسا ملامت گر عاشق کو بہت نصیحت کرتا تھا یعنی اُس عاذل نے بہت سمجھایا کہ اے صدر جہان کے پاس جانا ہر گز مناسب نہین ہے اپنے کو خطرہ مین مت ڈالو آگے اُس عاشق کا جواب نقل فرماتے ہین کہ اُسنے اُس ملامت گر کی باتون کو سنکر یہ کہا کہ ۔

شرح حبیبی

گفت اے ناصح خمش کن چند پند ۔ پند کم دہ زانکہ بس سخت است بند

سخت تر شد بند من از پند تو ۔ عشق را نشناخت دانشمند تو

آنطرف کہ عشق می افزود درد ۔ بو حنیفہ شافعی درسے نکرد

تو مکن تہدیدم از کشتن کہ من ۔ تشنہ زارم بخون خویشتن

عاشقانرا ہر زمانے مردنیست ۔ مردن عشاق خود یک نوع نیست

او دو صد جان دارد از نور ہدی ۔ وان دو صد را می کند ہر دم فدا

ہر یکے جانرا ستاند دہ بہا ۔ از نبی خوان عشرۃ امثالہا

گر بریزد خون من آن دوست رو ۔ پائے کوبان جان برافشانم برو

آزمودم مرگ من در زندگیست	چون رهم زین زندگی پایندگیست
اقتلونی اقتلونی یا ثقات	ان فی قتلی حیاةً فی حیات
یا منیر الخدّ یا روح البقا	اجتذب قلبی وجد لی باللقا
لی حبیب حبه یشوی الحشا	لو یشاء یمشی علی عینی مشا
پارسی گو گرچه تازی خوشتر است	عشق را خود صد زبان دیگر است
بوی آن دلبر چو پرّان می شود	این زبانها جمله حیران می شود
بس کنم دلبر در آمد در خطاب	گوش شو والله اعلم بالصواب
چونکه عاشق توبه کرد اکنون بترس	کو چو عیاران کند بر دار درس
گرچه آن عاشق بخارا می رود	نی بدرس و نی باستا می رود
عاشقانرا شد مدرس حسن دوست	دفتر و درس و سبقشان روی اوست
خامش‌اند و نعرهٔ تکرارشان	می رود تا عرش و تخت یارشان
درسشان آشوب و چرخ و ولوله	نی زیادات ست و باب و سلسله
سلسلهٔ این قوم جعد مشکبار	مسئله دور ست اما دور یار
مسئله کیس ار بپرسد کس ترا	گو نگنجد گنج حق در کیسها
گر دم خلع و مبارا می رود	بد مبین ذکر بخارا می رود
ذکر هر چیزی دهد خاصیتی	زانکه دارد هر عرض ماهیتی
در بخارا در هنرها بالغی	چون بخواری رو نهی زو فارغی

آن بخاری غصۂ دانش نداشت	چشم بر خورشید بینش برگماشت
ہر کہ در خلوت بہ بینش یافت راہ	او ز دانشہا نجوید دستگاہ
با جمال جاں چو شد ہم کاسہ	باشدش ز اخبار دانش تاسہ
دید بر دانش بود غالب فزا	زین ہمی دنیا بچربد عامہ را
زانکہ دنیا را ہمی بینند عین	وان جہانے را ہمی دانند دین
باز رو سوئے حدیث آنخوان	کز غم صدر جہاں شد ناتوان

عاشق نے جواب دیا کہ اے ناصح آخر تو نصیحت کب تک کرتا رہے گا - تو مجھے نصیحت مت کر کیونکہ مین بہت بُری طرح مقید ہوں مجھے نصیحت فائدہ نہین دیسکتی - بلکہ میری بندش تیری نصیحت سے اور سخت ہو گئی - یہ ساری نصیحت اسلئے ہے کہ تو عشق کو نہین جانتا - اور تو تو کیا چیز ہے عشق کو تو تیرے فقہا بھی نہین جانتے جس طرف کہ عشق درد بڑہاتا ہے تیرے بڑے بڑے فقہائے جو اپنے وقت کے ابو حنیفہ اور شافعی ہین سبق نہیں پڑہا - تو مجھے مارے جانے سے نہ ڈرا کیونکہ مین خود اپنے خون کا پیاسا ہون - اب مولانا فرماتے ہین کہ عشاق مرنے سے کیا ڈرتے - وہ تو ہر وقت مرتے رہتے ہین تم اس سے تعجب نکرنا کہ ہر وقت کیونکر مرتے ہین اسلئے کہ عاشقوں کی موت ایک قسم کی نہین ہے وہ نور ہدایت کے سبب دو سو جانین رکھتے ہین اور دو سو کی دو سو ہر وقت قربان کرتے رہتے ہین لیکن یہ موتیں اُن کی بیفائدہ نہین ہین بلکہ ایک ایک جان کی دس دس گنی قیمت ملتی ہے چنانچہ قرآن شریف مین آیا ہے من جاء بالحسنة فلہ عشر امثالها اور حق سبحانہ پر جان قربان کرنے سے زیادہ کون سی نیکی ہو گی - اے ملامت گر تو جا اپنا کام کر - میرا محبوب حقیقی اگر مجھے مار بھی ڈالے تو بھی کچھ پرواہ نہیں - مین نہایت خوشی سے اُسپر جان قربان کرنیکو تیار ہون کیونکہ مین تجربہ کر چکا ہون کہ میرا زندہ رہنا میرے لئے موت ہے اور جبکہ مین اس زندگی سے چھوٹ جاؤن گا تو یہ میرے لئے بقائے دائم ہے پس اے معتمد لوگو تم

مجھے مار ڈالو۔ مجھے مار ڈالو کیونکہ میرے مارے جانے مین حیات در حیات یعنی حیات تام ہے
اب مولانا گفتگو کا رُخ بدل کر محبوب حقیقی کو خطاب فرماتے ہین اور کہتے ہین کہ اے روشن
رخسار اور روح البقاء تو میرے دلکو اپنی طرف جذب کر اور اپنا دیدار دکھا۔ اب پھر عنوان بدلتے
ہین اور کہتے ہین کہ میرا ایک محبوب ہے جو میرا دل وجگر بھونے دیتا ہے اور وہ مجھے اسقدر محبوب ہے
کہ اگر میری آنکھوں پر چلنا چاہے تو چل سکتا ہے۔ اب مولانا فرماتے ہین کہ گو عربی نہایت
نفیس زبان ہے مگر اسکو چھوڑ کر فارسی ہی زبان مین کلام کرو کیونکہ عربی کے سمجھنے والے بہت
کم ہین اور اگر مخاطبین کی رعایت مدنظر نہ ہوتی تو فارسی بھی ضروری نہ تھی کیونکہ عشق کی اور
بھی سیکڑون زبانیں ہین جبکہ محبوب حقیقی کی خوشبو مہکتی ہے تو ساری زبانین حیران ہوجاتی
ہین کیونکہ اس وقت عاشق ومعشوق مین راز ونیاز کی باتین ہوتی ہین اور الفاظ کو دخل نہین
ہوتا اچھا اب محبوب حقیقی خطاب فرماتے ہین اس گفتگو کو ختم کرکے اُسکو سننا چاہئے واللہ اعلم
بالصواب۔ اب مولانا پھر عاشق صدر جہان کی طرف رخ کرتے ہین اور فرماتے ہین کہ لوگ
اُسکو مرنے سے ڈراتے تھے لیکن اسکو یاد رکھنا چاہئے کہ جب عاشق نے ڈرنے سے توبہ کرلی
اور اسکو چھوڑ دیا تو پھر وہ سولی پر سبق پڑھتا ہے اور کسی کی بھی نہیں سنتا چنانچہ یہ ہی عاشق
کو بخارا جاتا ہے مگر سبق پڑھنے یا اُستاد کے پاس نہین جاتا۔ بلکہ وہ تو اپنی جان دینے جاتا ہے
اسکے بعد مولانا انتقال فرماتے ہیں اور کہتے ہین کہ عاشقوں کو حُسن یار سبق پڑھاتا ہے
اوران کی کتاب اور اُن کا سبق تو اُس کا چہرہ اور اُس کا دیدار ہے وہ زبان سے کچھ نہین کہتے
ہیں مگر اس سبق کے تکرار کی آواز عرش الٰہی وتخت ربانی تک جاتی ہے یعنی وہ دل ہی دل مین
اپنے محبوب اور اس کی خوبیوں کو یاد کرتے ہین جبکا علم خدا کو ہوتا ہے نیز ان کا سبق پریشانی
اور چکر اور جنبش وخروش ہے نہ کہ زیادات وباب وسلسلہ (یہ تینون کتابون کے
نام ہین) اُن کا سلسلہ تو زلف مشکین ہے اور ان کے یہاں بھی مسئلہ دور ہے مگر کوچہ محبوب کا
چکر۔ اگر تم عاشق حق سبحانہ ہو اور تم سے کوئی مسئلہ کیس پوچھے تو جواب دیدو کہ ہمارے یہاں تو
یہ صورت ہی ناممکن ہے کیونکہ ہمارا خزانہ تو خدا کا خزانہ ہے تھیلی میں سما ہی نہین سکتا لہٰذا ہمین
نہ اس مسئلہ کی ضرورت ہے اور نہ ہم جانتے ہین (مسئلہ کیس یہ ہے کہ کوئی شخص روپیوں کی

ایک تھیلی کسی کے سپرد کرے اور سپرد کرتے وقت روپے گنوائے نہین - اور جسوقت کہ وہ امانت واپس ہو تو اُسوقت نزاع ہو - مودع کہے کہ روپیہ زیادہ تھے مستودع کہے کہ صرف اتنے ہی تھے اس وقت اس کا فیصلہ کیونکر ہوگا -) اب مولانا اصطلاحات علمیہ کو بیان کرنے کی وجہ بیان فرماتے ہین اور کہتے ہین کہ اگر خلع او مبارأۃ (یعنی اصطلاحات علمیہ) کا ذکر آگیا تو اُسکو برا نہ سمجھو کیونکہ بخارا کا تذکرہ ہو رہا ہے اور ہر چیز کے ذکر مین ایک خاص اثر ہوتا ہے کیونکہ ہر شے کی ایک جدا گانہ ماہیت ہے جب ماہیت جدا گانہ ہے تو اثر بھی جدا گانہ ہوگا پس بخارا کے ذکر مین یہ اثر ہے کہ اُس سے اصطلاحات علمیہ کی طرف ذہن منتقل ہوتا ہے مولانا اس مضمون کو ختم کرکے دوسرا مضمون شروع کرتے ہین اور کہتے ہین کہ اگر بخارا مین جاکر تم علوم کے ماہر ہوگئے ہو تو جب ذلت عشق کی طرف رُخ کروگے تو سب علوم کو بھول جاؤگے اسی لئے اس بخاری کو علم کا خیال نہ تھا بلکہ اُس کی نظر تو آفتاب نظر پر تھی یعنی اُسکو تو صدر جہان کا خیال تھا جو کہ اُس کی نظر مین آفتاب معلوم ہوتا تھا اب مولانا انتقال فرماتے ہین اور کہتے ہین کہ جسکو خلوت مین دیدار حق سبحانہ میسر ہوگیا وہ علوم رسمیہ مین ماہر ہونا نہین چاہتا اور جو جمال محبوب یا جمال روح سے ہم پیالہ ہوا اُسکو علمی مضامین سے وحشت ہوتی ہے - کیونکہ لیس الخبر کالمعائنة یعنی دیکھنا خبر سے بڑھا ہوا ہے پھر اعلی کے ہوتے ہوئے ادنی کی کیا ضرورت ہے اور یہی وجہ ہے کہ عوام پر دنیا غالب ہے کیونکہ دنیا کا تو وہ مشاہدہ کرتے ہین اور اُس عالم کو قرض کی طرح سمجھتے ہین اور ظاہر ہے کہ نقد اُدھار سے بڑھکر ہے - لہذا اُن کی نظر مین دنیا آخرت سے بڑھکر ہے اچھا اُس جوان کے قصہ کی طرف منتقل ہونا چاہئے جو کہ صدر جہان کے غم مین کمزور ہوگیا ہے

شرح شبیری

مرد عاشق کا ملامت گروں اور نصیحت کرنیوالونکو جواب دینا

گفت اے ناصح خمش کن چند چند ۔۔۔ پند کم دہ زانکہ بس سخت ست بند

یعنی اُس (عاشق) نے کہا کہ اے ناصح خموش رہ کہانتک نصیحت کم کر دے سلسلے کہ

قید سخت ہی۔ مطلب یہ کہ اُسنے کہا کہ کہاں تک نصیحت کروگے۔ اب نصیحت مت کرو
اسلئے قید عشق سخت لگی ہوئی ہے اب اس کا چھوٹنا اور اس خیال کا جاتا رہنا ناممکن ہی
بلکہ

سخت تر شد بند من از پند تو　　　　عشق را نشناخت دانشمند تو

یعنی میری قید تمہاری نصیحت سے زیادہ ہوگئی اور تیرے دانشمند نے عشق کو پہچانا نہیں
ہے یعنی اُس عاشق نے کہا کہ اے عاذل تو عشق کو کیا جانے کہ اُسکی قید کیسی سخت ہوتی
ہے تیرے کہنے سے میری اور زیادہ ہوتی ہے للذا اپنی نصیحت کو بند کر کیونکہ

آنطرف کہ عشق می افزود درد　　　　بو حنیفہ و شافعی درسے نکرد

یعنی جس طرف کہ عشق درد کو بڑہاتا ہے (اُس طرف) ابو حنیفہ اور شافعی نے درس نہیں کیا
مطلب یہ ہے کہ عشق کی مقتضیات کی طرف تو ابو حنیفہ اور شافعی رح کو بھی توجہ نہیں ہوئی
اور وہ بھی نہیں جانتے کہ عشق کیا شے ہے پھر بھلا اے عاذل تو تو کیا جانے گا اور اُنکے
عشق کو نہ جاننے سے مراد یہ ہے کہ اُنپر عشق کا غلبہ نہ تھا اور مغلوبیت کی یہ حالت اُن پر
نہ تھی جو کہ مجھپر ہے لہٰذا اُنکو بھی اس مغلوبیت کی خبر نہیں ہے تو جب یہ بات ہے تو اے
عاذل سُن لے کہ۔

تو مکن تہدیدم از کشتن کہ من　　　　تشنہ زارم بخون خویشتن

یعنی مجھے مار ڈالے جانے سے ڈرا مت اسلئے کہ مین تو اپنے خون کا سخت پیاسا ہون
یعنی اُسنے کہا کہ مین تو مرنے کو پھرتا ہی ہون تو مجھے کیا ڈراتا ہے

عاشقانرا ہر زمانے مردنیست　　　　مردن عشاق خود یک نوع نیست

یعنی عاشقونکے لئے تو ہر دم ایک مرنا ہے اور عشاق کا مرنا ایک طرح کا نہیں ہے (بلکہ)

او دو صد جان دارد از جان ہدی　　　　وان دو صد را می کند ہر دم فدا

یعنی وہ (عاشق) جان ہدے سے دوسو جانیں رکھتا ہے اور اُن دوسو کو ہر دم فدا کرتا ہی
(جان ہُدی سے مُراد حق تعالیٰ) مطلب یہ کہ عاشق کیلئے تو ہر دم مرنا جینا ہی ہے اُسکے
لئے تو سیکڑون جانین ہوتی ہین کوئی عشوہ پہ فدا کرتا ہے کسیکو ناز و انداز پر غرض

ع ہر زمان از غیب جانے دیگرست - تو جب یہ حالت ہو تو اُسکو موت سے کیا ڈر ہو گا

ہر یکے جانرا ستاند دہ بہا　　　از نبی برخوان تو عشر امثالہا

یعنی ہر ایک جان کے دس بدلے لیتا ہے - قرآن سے تم عشر امثالہا پڑھو مطلب یہ کہ وہ عاشق ہر دم جان کے فدا کرنے کو تیار رہے اسلئے کہ وہ ایک جان کے بدلے مین دس جانین دیکھتا ہے کہ مل رہی ہین لہذا وہ خوشی سے جان کو فدا کرنیکے لئے تیار ہے

گر بریزد خون من آن دوست رو　　　پائے کوبان جان برافشانم برو

یعنی وہ دوست رو اگر میری خون ریزی کر دے تو مین پاؤن بجاتا ہوا اُسپر جان نثار کر دون گا مطلب یہ کہ اُسنے کہا کہ اگر وہ مجھے مار ڈالے تو مین بخوشی مرنیکو تیار ہون

آزمودم مرگ من در زندگی ست　　　چون رہم زین زندگی پایندگی ست

یعنی مین نے آزمالیا ہے کہ میری موت زندگی مین ہے اور جب مین اس زندگی سے چھوٹ جاؤن گا تو بقا ہے - یعنی اُسنے کہا کہ مین اگر زندہ رہتا ہون تو اس مین تو میری موت ہے کہ محبوب کی جُدائی سے بڑھکر اور کیا موت ہو گی اور اگر محبوب مجھے مار ڈالے تو میرے لئے زندگی جاودانی اور بقا حاصل ہو جاویگی - لہذا مین مرنیکو موجود ہون آگے جوش مین کہتا ہے کہ

اقتلونی اقتلونی یا ثقات　　　ان فی قتلی حیاۃً فی حیات

یعنی اے ثقات مجھے قتل کر دو قتل کر دو کہ میرے قتل کر دینے مین حیات در حیات ہے داصل مین یہ مقولہ منصور رح کا ہے کہ وہ کہا کرتے تھے ؎ اقتلونی یا ثقاتی - ان فی قتلی حیاتی مولانا نے اسکو دوسری بحر مین کر لیا ہے - غرضکہ اُسنے کہا کہ میری زندگی تو قتل ہو جانے مین ہی ہے اور کہتا ہے کہ -

یا منیر الخد یا روح البقا　　　اجتذب روحی وجدلی باللقا

یعنی اے روشن چہرہ والے اور اے روح باقی میری روح کو جذب کر لے اور وصل کو بخشش فرما یعنی میری روح کو اپنی طرف جذب کر کے اپنے وصل سے مجھے بہرہ یاب فرما -

لی حبیب حبہ یشوی الحشا　　　لو یشا یمشی علی عینی مشا

یعنی میرا ایک حبیب ہے کہ اُسکی محبت باطن کو بھونے دیتی ہے وہ اگر میری آنکھو نپر چلنا چاہی تو چلے (غرض وہ جوش و خروش میں اس طرح بیان کر رہا ہے اور مرنے کو موجود ہے اور بخارا کو واپس جانا چاہتا ہے) آگے مولانا فرماتے ہیں کہ۔

پارسی گو گرچہ تازی خوشترست عشق را خود صد زبان دیگرست

یعنی فارسی کہہ اگرچہ عربی اچھی ہے کہ عشق کو خود سو زبانین دوسری ہین (دو تین اشعار جو عربی مین کہے تو فرماتے ہین کہ عربی کو ترک کرو اسلئے کہ عشق کیلئے یہ ضروری نہین ہے کہ کوئی خاص زبان ہو بلکہ جس زبان مین بھی اُسکے دل کی حالت ادا ہو سکے وہی اُسکے لئے سب سے اچھی ہے تو عربی اگرچہ اچھی زبان ہی مگر چونکہ بہت سے لوگ سمجھہ نہ سکین گے اسلئے اسکو ترک کر دینا چاہئے) آگے فرماتے ہیں کہ۔

بوئے آن دلبر چو پران می شود این زبانہا جملہ حیران می شود

یعنی اُس دلبر کی بُو جب اُڑتی ہے یہ ساری زبانین حیران رہجاتی ہین۔ مطلب یہ کہ جب حق تعالیٰ کی عظمت اور شان کا ظہور ہوتا ہے اُسوقت تمام زبانین بند ہو جاتی ہین اور کوئی زبان بھی نہیں چلتی اسلئے کہ ؎ چو سلطان عزت علم بر کشد + جہان سر بجیب عدم در کشد۔ آگے فرماتے ہین کہ

بس کنم دلبر در آمد در خطاب گوش شو واللہ اعلم بالصواب

یعنی میں بس کرتا ہون کہ دلبر خطاب مین آیا ہے۔ کان ہوجا واللہ اعلم بالصواب۔ مطلب یہ کہ اپنے نفس کو مخاطب کر کے فرماتے ہین کہ اب حق تعالیٰ کلام فرماتے ہین لہذا ان باتون سے خاموشی اختیار کر کے اُن کی باتوں کو سنو۔ معلوم ہوتا ہے کہ بیان کرتے کرتے مولانا پر کچھ واردات ہونے لگے ہین اور کچھ مکشوف ہوا ہے اسلئے فرماتے ہین کہ اب وہ کلام فرماتے ہیں تو ہمہ تن گوش ہو کر سنو۔ اب یہان ایک طرح ہر بولی سے توبہ کی ہے کہ اب نہ بولین گے۔ لہذا آگے فرماتے ہین کہ۔

چونکہ عاشق توبہ کرد اکنون بترس کو چو عیاران کند بر دار درس

یعنی جبکہ عاشق نے توبہ کرلی تو اب ڈرو کہ وہ عیارون کی طرح دار پر درس کرے گا

مطلب یہ کہ اب جو وہ کلام سے توبہ کر چکا ہے اور ہمہ تن اُس طرف سُننے مین مشغول ہوا ہے تو اُسکو ایک گونہ اتحاد حاصل ہوگیا ہے۔ لہٰذا اب وہ منصور کی طرح دعوی اتحاد کرے گا اور اپنی جان دینے کو تیار ہو گا آگے پھر اُس عاشق بخاری کی کچھ حالت بیان فرماتے ہین کہ

گرچہ این عاشق بخارا می رود　　نے بدرس و نے باستا می رود

یعنی اگرچہ یہ عاشق بخارا جا رہا ہے (مگر) نہ درس کیلئے اور نہ کسی اُستاد کے پاس جاتا ہے۔ مطلب یہ کہ بخارا جو کہ دار العلم ہے اگرچہ یہ عاشق وہان جا رہا ہے لیکن کسی سے سبق پڑھنے کو یا کسی اُستاد کے پاس نہین جاتا بلکہ وہ تو وصل محبوب اور زیارت معشوق کے لئے چلا ہے اسلئے کہ۔

عاشقانرا شد مدرس حسن دوست　　دفتر و درس و سبق شان روی اوست

یعنی عاشقوں کا مدرس تو روئے دوست ہی۔ اور اُن کا دفتر اور درس اور سبق اُس محبوب کا چہرہ ہی (تو پھر اُنکو کتابوں کے درس کی کیا ضرورت ہے اُن کی تو یہ حالت ہو کہ)

خامش اند و نعرۂ تکرار شان　　می رود تا عرش و تخت یار شان

یعنی (یہ لوگ) خاموش ہین اور اُن کی تکرار کی آواز اُنکے یار کے عرش و تخت تک جا رہی ہے مطلب یہ کہ جسطرح کہ سبق کے بعد تکرار کرتے ہیں اسیطرح بعد دیدار یار کی اُن کا جوشش و خروشش ترقی پکڑتا ہے اور بظاہر خاموش رہتے ہین مگر اُس جوشش و خروشش کا نعرہ اور اُس کا اثر عرش و تخت حق تعالیٰ تک پھونچتا ہے۔

درس شان آشوب و چرخ و زلزلہ　　نے زیادات است و باب و سلسلہ

یعنی اُن کا درس آشوب ہی۔ اور رقص ہی اور زلزلہ ہی نہ کہ زیادات اور باب و سلسلہ ہی (زیادات باب و سلسلہ کتابوں کے نام ہین) مطلب یہ کہ اُن کا درس یہ ہے کہ یہ رقص کریں ناچیں لین کودیں۔ باقی ظاہرین کوئی کتاب وغیرہ ان کے درس میں نہیں ہی۔

سلسلہ این قوم جعد مشکبار　　مسئلہ دور است اما دور یار

یعنی اس قوم کا سلسلہ زلف مشکبار ہے اور مسئلہ دور ہے لیکن دور یار ہے مطلب یہ کہ جسطرح کہ علوم ظاہری مین ایک کتاب سلسلہ ہے اسیطرح ان عشاق کے یہان بھی

ایک سلسلہ ہے مگر وہ سلسلہ علوم ظاہر میں تو کتاب ہے اور یہاں زلف مسلسل ہے اور جیسا کہ علم ظاہر میں مسئلہ دور ہے۔ اسی طرح ان کے یہاں بھی ہے مگر اُس دور سے مراد دور یار ہے وہ دور منطقی نہیں ہے ~

مسئلہ کیس ار بپرسد کس ترا ۔ گو نگنجد گنج حق در کیسہا

یعنی اگر تم سے کوئی مسئلہ کیس پوچھے تو کہدو کہ اسرار حق کیسوں میں نہین سماتے۔ (مسئلہ کیس یہ ہے کہ کسی شخص نے کسی کے پاس ایک تھیلی میں بند کرکے کچھ روپے بغیر گنے اور مہر وغیرہ کئے ودیعت رکھے اور واپسی پر جب وہ تھیلی واپس لی تو کہا کہ اس میں سے روپے کم ہو گئے تو اب اُس امانت دار پر نہ ضمان آتا ہے اور نہ قسم) مطلب یہان یہ ہے کہ اگر تمسے علوم ظاہری میں سے کوئی مسائل وغیرہ پوچھے تو کہدو کہ ہم نہیں جانتے ہمین ان مسائل کے جاننے کی فرصت نہین ہے اور مسئلہ کیس کو صرف اس مناسبت سے لائے ہین کہ کہین اسرار حق کیسوں میں نہیں سماتے اب یہان کوئی شبہ کرتا ہے کہ جناب اور لوگون کو تو علوم ظاہر واصطلاحات وغیرہ کے جاننے سے منع کرتے ہین اور خود اُن اصطلاحات کو بیان کر رہے ہین مولانا اس کا جواب دیتے ہین کہ۔

گر دم خلع و مبارا می رود ۔ بدمبین ذکر بخارا می رود

یعنی اگر ذکر خلع و مبارا کا چلتا ہے تو اعتراض مت کرو کیونکہ ذکر بخارا کا چل رہا ہے (خلع و مبارا اصطلاحات ہین فقہ مین)

ذکر ہر چیزی دہد خاصیتے ۔ زانکہ دارد ہر صفت ماہیتے

یعنی ہر شئے کا ذکر ایک خاصیت دیتا ہے اسلئے کہ ہر صفت ایک ماہیت رکھتی ہے۔ مطلب یہ کہ اگرچہ ہم اصطلاحات علمیہ کا ذکر کر رہے ہین مگر اس کی وجہ سے ہمپر اعتراض مت کرو اسلئے کہ ہم بخارا کا ذکر کر رہے ہین اور ہر شئے کے ذکر مین کچھ خصوصیات ہوا کرتی ہین تو چونکہ بخارا معدن علوم ہے اسلئے اُسکے ذکر کے وقت اصطلاحات علمیہ کا ذکر کرنا کچھ مستبعد نہین ہے یہ ہمارے اُس قول کے منافی نہین ہے کہ عاشق کو بجز وصل یار اور روئے محبوب کے دیدار کے اور کوئی کام نہین ہوتا اسلئے کہ کام تو اسی سے ہے مگر صرف اُسکے

ذکر کی خصوصیت کی وجہ سے ان کا ذکر آگیا ہے آگے فرماتے ہین کہ

در بخارا در ہنرہا بالغے چون بخواری رو نہی زو فارغے

یعنی بخارا مین تم ہنروں مین منتہی ہو تو جب خواری مین منہ رکہو اُس سے فارغ ہو۔ مطلب یہ کہ اگرچہ علوم ظاہر مین تم لائق فائق اور ماہر ہو گئے مگر عبدیت حاصل کرنے مین تم اُس سے فارغ ہو جاؤگے اور پھر تمکو علوم ظاہر کے حاصل کرنے کی حاجت نہ ہو گی اور فرماتے ہین کہ۔

آن بخاری غصۂ دانش نداشت چشم بر خورشید بینش می گماشت

یعنی وہ بخاری فکر علم کی نہ رکہتا تھا (بلکہ) خورشید بینش پر آنکھ کو مقرر کرتا تھا۔ یعنی وہ جو بخارا کی طرف جا رہا تھا اس سے اُس کا مقصود کوئی تحصیل علوم ظاہرہ نہ تھا بلکہ صرف روئے محبوب کے دیکھنے کے لئے وہ جا رہا تھا اور اُسنے اپنے کو اسی لئے مقرر کر دیا تھا۔

ہر کہ در خلوت بہ بینش یافت راہ او ز دانشہا نجوید دستگاہ

یعنی جسنے کہ خلوت مین بینش کی طرف راہ پالی وہ دانشوں سے دستگاہ نہ ڈھونڈھیگا یعنی جسکو کہ مشاہدۂ محبوب میسر ہو گیا اُسکو ان علوم کی کیا حاجت ہو گی

با جمال جان چو شد ہم کاسۂ باشدش ز اخبار دانش تاسۂ

یعنی جمال جان کیساتھ جب وہ ہم کاسہ ہوا تو اُسکو علوم کی خبرون سے تاسہ ہو گا یعنی وہ شخص جسکو کہ دیدار نصیب ہو گیا ہو اُسکو ان علوم ظاہرہ سے یقیناً گھبراہٹ پیدا ہو گا۔ اور وہ اُن سے اُکتا دیگا اسلئے کہ اُسکے سامنے تو حقائق اشیاء منکشف ہونگی پھر اُسکو ان چیزون کی کیا ضرورت ہو گی۔

دید بر دانش بود غالب فرا زان ہمی دنیا بچربد عامہ را

یعنی دید دانش پر غالب ہوتی ہے اسلئے دنیا عوام پر غالب آجاتی ہے۔

زانکہ دنیا را ہمی بینند عین وان جہانے را ہمی دانند دین

یعنی اسلئے کہ دنیا کو تو آنکھ سے دیکھتے ہیں اور اس جہان کو قرض جانتے ہین مطلب یہ کہ فرماتے ہین کہ قاعدہ ہے کہ مشاہدہ علم سے زیادہ یقین دلانے والا ہوتا ہے اور

اُس کی مثال ایسی سمجھو جیسے کہ مثلاً دنیا عوام پر آخرت کے مقابلہ مین باوجود اس علم کے کہ دنیا بُری ہے اور آخرت اچھی ہے غالب آتی ہے تو اُسکی وجہ صرف یہی ہے کہ دنیا کو اور اُسکے عیش و آرام کو تو آنکھ سے دیکھا ہے اور آخرت کے خوب ہونیکا صرف علم ہے اُسکے خوب ہونیکو دیکھا نہین ہے لہذا دنیا آخرت پر غالب ہو جاتی ہے تو اسیطرح جسکو مشاہدہ جمال حق ہو گیا ہو اُسکو ان علوم ظاہری کی کیا ضرورت رہیگی آگے پھر اُس عاشق بخاری کی حکایت کی طرف رجوع فرماتے ہین کہ۔

بازرو سوئے حدیث آن جوان — کز غم صدر جہان شد ناتوان

یعنی پھر اُس جوان کے قصہ کی طرف چلو کہ وہ صدر جہان کے غم سے ناتوان ہو گیا ہے (آگے قصہ بیان فرماتے ہین کہ)

شرح حبیبی

رو نہاد آن عاشق خونناب ریز	دل تپان سوئے بخارا گرم و تیز
ریگ ہاموں پیش او ہمچوں حریر	آب جیحوں پیش او چوں آب گیر
آن بیابان پیش او چوں گلستان	می فتاد از خندہ او چوں گلستان
در سمرقند است قند اما لبش	از بخارا یافت دان شد مذہبش
اے بخارا عقل افزا بودۂ	لیکن از من عقل و دیں بربودۂ
بدر می جویم از انم چوں ہلال	صدر می جویم درین صف نعال
چوں سواد آن بخارا را بدید	در سواد غم بیاضے شد پدید
ساعتے اُفتاد بیہوش و دراز	عقل و پڑ ید در بستان راز
بر سر و رویش گلابے می زدند	از گلاب عشق او غافل بُدند

او گلستانے نہانے دیدہ بود	غارت عشقش ز خود ببریدہ بود
تو فسردہ در خور این دم نۂ	باشکر مقرون نئی گرچہ نۂ
رخت عقلت با تو ہست و عاقلی	کز جنود اکم ترو ہا غافلی
ایں سخن پایاں ندارد تیز ران	تا رود سوئے بخارا آن جوان

وہ خون رونے والا عاشق بیقرارانہ تیز رفتاری کیساتھ بخارا کی طرف چلا - صحرا کا ریت اُسکو یوں آرام دہ معلوم ہوتا تھا جیسے حریر - اور آب جیحون اُس کی نظر مین یون ہی بے حقیقت تھا جیسے ایک تالاب کا پانی جنگل مین اُسے ایسا ہی لطف آتا تھا جیسے اوروں کو باغ مین - اور مارے ہنسی کے لوٹا جاتا تھا اور پھول کی طرح ہنستا ہنستا چت گر پڑتا تھا - اصل مین تو قند سمر قند مین ہے لیکن اُس کا لب اُسکو بخارا مین پاتا تھا - اور اسی لئے بخارا ہی اس کا مقصد ہو گیا تھا - اور وہ کہتا جاتا تھا کہ اے بخارا تو عقل فزا ہے مگر میرے لئے تو عقل و دین رُبا ہو گیا - یعنی میری عقل بھی لیلی - اور میرا دین بھی لے لیا - چونکہ مین ایک چودھوین رات کے چاند کو تلاش کرتا ہون اسلئے میری کمر فرط غم سے ٹیڑھی ہو گئی ہے اور مین ہلال کی شکل بن گیا ہون - اور مین اس ذلت و خواری کی حالت مین صدر کا متلاشی ہون خیر جبکہ اُسنے بخارا کی مضافات کو دیکھا تو سیاہئ غم میں سپیدئ سرور نمودار ہوئی کچھ دیر تک بیہوش اور چت لیٹا رہا اور عقل اُس کی عالم غیب کو روانہ ہو گئی - اس حالت میں لوگ اُسکے سر اور مُنہ پر گلاب کے چھینٹے دیتے تھے - لیکن یہ لوگ اُسکے گلاب عشق سے غافل تھے اور وہ نہ سمجھتے تھے کہ اس گلاب کی بو اُس گلاب پر غالب نہین آسکتی اُسنے ایک مخفی گلستان دیکھا تھا - یعنی روئ جانان کا تصور کیا تھا اور عشق کی غارت گری نے اس کا خود اپنے سے بھی تعلق منقطع کر دیا تھا - پھر وہ اس گلاب سے کیا ہوش مین آتا - اب مولانا مضمون ارشادی کی طرف انتقال فرماتے ہین اور کہتے ہین کہ اے مخاطب تو سرد ہے اسلئے اس قابل نہین کہ احوال عشاق تیرے سامنے بیان کئے جائین - تیرے سامنے ان کا

بیان کرنا بھینس کے آگے بین بجانا ہے۔ تو اگرچہ صورۃً انسان ہے مگر وصف انسانی یعنی عشق الٰہی تجھ میں نہیں ہے اور چونکہ سامان عقل تیرے پاس ہے اور تو عاقل ہے یہی وجہ ہے کہ تو مشاہدہ عالم غیب سے محروم ہے۔ اگر تجھے یہ دولت حاصل کرنی ہے تو عقل کو خیرباد کہہ اور عشق حاصل کر خیر یہ گفتگو تو ختم نہین ہو سکتی اسلئے اسکو چھوڑ و اور جلدی کرو تا کہ وہ جوان بخارا پہونچ جاوے

شرح شبیری

اُس عاشق کا بخارا کی طرف متوجّہ ہونا

رو نہاد آن عاشق خونابہ ریز　　دل تپاں سوئے بخارا گرم و تیز

یعنی اُس عاشق اشک ریز نے دل تپان بخارا کی طرف گرم و تیز توجّہ کی یعنی خوب تیزی کیساتھ وہ بخارا کی طرف چلا۔

ریگ ہامون پیش او ہمچوں حریر　　آب جیحون پیش او چون آبگیر

یعنی جنگل کا ریت اُسکے آگے مثل حریر کے اور دریا کا پانی اُسکے آگے مثل تالاب کے پانی کے تھا

آں بیابان پیش او چون گلستان　　می فتاد از خندہ او چون گلستان

یعنی وہ بیابان اُسکے سامنے مثل گلستان کے تھا اور خندہ کی وجہ سے وہ مثل پھول لینے والے کے گرتا تھا یعنی جسطرح کہ پھول لینے والا شوق کی وجہ سے آگے کو گرتا ہے اور پھول کو توڑتا ہے اسی طرح یہ عاشق بخاری شوق وصل مین آگے کو گرا پڑتا تھا غرضکہ شوق مین تمام تکلیف دہ اشیاء اُسکے لئے مفرح اور آرام دہ ہو گئی تھین

در سمرقند است قند اما لبش　　از بخارا یافت وان شد مذہبش

یعنی قند سمرقند مین ہے لیکن اُسکے لبنے بخارا سے پائی اور وہ اُس کا مذہب ہو گیا یعنی اگرچہ قند سمرقند مین ہوتی ہے مگر اُسکو قند لب محبوب بخارا سے ملی تھی اور وہ اُس کا دین و ایمان بن گیا تھا آگے فرط شوق مین جو وہ بخارا کو خطاب کر کے کہہ رہا ہے اُسکے مقولہ کو نقل فرماتے ہین کہ

اے بخارا عقل افزا بودۂ　　لیک از من عقل و دین بربودۂ

یعنی اے بخارا تو تو عقل کا بڑھانیوالا تھا۔ لیکن مجھسے تو عقل و دین کو لے گیا ہے (چونکہ بخارا مین علوم کا چرچا تھا اسلئے کہتا ہے کہ سلے۔ بخارا تو تو عقل افزا تھا مگر تو نے میری عقل کو تو بیکار اور نکما کردیا۔ مجھے تو کسی کام کا نہ چھوڑا اور کہتا ہے کہ۔

بدر می جویم ازانم چون ہلال　　　صدر می جویم درین صف نعال

یعنی مین بدر کی تلاش مین ہون اسلئے ہلال کی طرح ہو رہا ہون اور صدر کو میں اس صف نعال مین تلاش کرتا ہون (غرضکہ وہ اسی طرح جوش و خروش مین افتان خیزان بخارا کی طرف جارہا تھا)

چون سوادِ آن بخارا را بدید　　　در سواد غم بیاضے شد پدید

یعنی جب اُس بخارا کی نشان کو دیکھا تو غم کی سیاہی مین (خوشی کی) ایک سپیدی ظاہر ہوئی۔ مطلب یہ کہ اُسکو دیکھکر ایک فرحت و سرور زیادہ ہوا۔ اُس فرط خوشی کی وجہ سے یہ حالت ہوئی کہ

ساعتے اُفتاد بے ہوش و دراز　　　عقل او پرّید در بستان راز

یعنی ایک گھڑی کیلئے بیہوش و دراز گر پڑا اور اُس کی عقل بستان راز مین اُڑ گئی۔ یعنی بیہوش ہوگیا اور اُس کی عقل اور ہوش و حواس سب رفو چکر ہو گئے اور اُس کی عقل راز و نیاز مین مشغول ہوگئی یعنی وہ بیہوش ہوکر عالم غیب کی طرف متوجہ ہوگیا۔

بر سر و رویش گلابے می زدند　　　از گلاب عشق او غافل بُدند

یعنی اُسکے سر اور منہ پر گلاب چھڑکتے تھے اور گلاب عشق سے وہ غافل تھے۔ یعنی اُسکو بیہوش دیکھکر لوگ اُسکے سر و رو پر گلاب چھڑکتے تھے اور گلاب عشق سے کہ وہ دیدار محبوب تھا غافل تھے وہ صرف ظاہری گلاب پاشی کرتے تھے مگر ظاہر ہے کہ اُس سے اُسکو کیا نفع ہوتا۔ اسلئے کہ

او گلستانے نہانے دیدہ بود　　　غارت عشقش ز خود ببریدہ بود

یعنی اُسنے ایک گلستان نہانی دیکھ لیا تھا۔ اور غارت عشق نے اسکو اپنے سے قطع کردیا تھا۔ مطلب یہ کہ اُسنے عالم غیب کی طرف توجہ کی تو عشق نے اُسکو اس قدر غافل کیا تھا کہ اُسے اپنی بھی خبر نہ رہی تھی۔ آگے مولانا فرماتے ہین کہ۔

تو فسردہ درخورِ این دم نۂ　　　با شکر مقرون نۂ گرچہ خود نۂ

یعنی تو افسردہ اس دم کے لائق نہیں ہے۔ شکر کیساتھ تو مقرون نہین ہے اگرچہ خود تو نے ہے

یعنی تو اس دم عشق کے لائق نہیں ہے اگرچہ ہے انسان۔ مگر انسان کامل نہیں ہے۔

رخت عقلت با تو ہست و عاقلے　　　ورجنود الم تر و ہا غافلے

یعنی رخت عقل تیرا تیری ہمراہ ہے اور تو عاقل ہے اور جنود الم تر وہا سے تو غافل ہے مطلب یہ کہ جب عقل تیری ساتھ ہے اور تو عاقل ہے تو تجھے اُس شکر کی کیا خبر تو تو اُس سے محض غافل اور بے خبر ہے۔ ہاں اپنے کو فنا کر اور اپنے سے بیخبر ہو تب تجھے اُس شکر عشق کی خبر ہو سکتی ہے۔ آگے پھر اُس عاشق کا قصہ شروع فرماتے ہیں کہ۔

این سخن پایان ندارد تیز ران　　　تا رود سوئے بخارا آن جوان

یعنی یہ سخن (عشق) تو انتہا نہیں رکھتی تو تیز چلو تاکہ بخارا کی طرف وہ جوان جاوے۔ یعنی ان باتوں کو چھوڑ کر اُسی کا قصہ بیان کرو۔ آگے اُسی کا قصہ ہے کہ

شرح حبیبی

اندر آمد در بخارا شادمان	شہر معشوق خود و دار الامان
ہمچو آن مستی کہ پرّد بر اثیر	مہ کنارش گیرد و گوید کہ گیر
ہر کہ دیدش در بخارا گفت خیز	پیش از پیدا شدن منشین گریز
کہ ترا می جوید آن شہ خشمگین	تا کشد از جان تو دہ سالہ کین
اللہ اللہ در میا در خون خویش	تکیہ کم کن بر دم و افسون خویش
شحنۂ صدر جہان بودے در اد	معتمد بودے مہندس اوستاد
ہم نشیں بودی و ہم محترم	گشتی از بہر گنا ہے متہم

عذر کردی وز جزا بگریختی	رستہ بودی باز چون آویختی
از بلا بگریختی با صد حیل	ابلہی آوردت اینجا یا اجل
ایکہ عقلت بر عطارد دق کند	عقل و عاقل را قضا احمق کند
نحس خرگوشے کہ باشد شیر جو	زیرکی و عقل و چالاکیت کو
ہست صد چندیں فسونہای قضا	گفت اذا جاء القضا ضاق الفضا
صد رہ و مخلص بود در چپ و راست	از قضا بستہ شود گر اژدہاست

جب اُسے ہوش آیا تو وہ خوش خوش بخارا مین آیا۔ جو کہ اُسکے معشوق کا شہر اور اُسکے لئے دار الامان تھا اُس کی خوشی کی یہ حالت تھی جیسے کہ عاشق الٰہی عروج روحانی سے فلک معنوی پر پہونچے۔ اور مطلوب حقیقی اُسکو آغوش رحمت مین لیکر کہے کہ ہان مجھے خوب آغوش مین لے۔ (یہ ہے توجیہ نسخہ "دستی" کی اور میرے نزدیک نسخہ "دو مرغے" سہو ناسخ ہے اور جو توجیہ اس کی کیگئی ہے یعنی عاشق چو مرغان خود را در معرض ہلاکت انداخت و بدار الامان محبوب رسید مانند مرغے کہ بسوئے کرہ ناری پرواز کند تا خود را بسوزد و ناگاہ ماہش در کنار کشد و گوید کہ مرا در بر گیر۔ انتہی + بے مزہ ہے کیونکہ بیت اول مین اول تو معرض ہلاکت مین پڑنے کا ذکر نہین۔ دوسرے جانور کا کرہ نار مین ہلاکت کیلئے جانا بے معنی ہے۔ پھر کرہ نار مین چاند کا اسکو آغوش مین لینا بے معنی۔ کیونکہ وہ فلک پر ہے نہ کہ کرہ نار مین نیز ماہ کے اسکو آغوش مین لینے سے اسکو مسرت ہونا کیا معنے۔ مگر یہ کہ مرغ سے خاص چکور مراد لیا جاوے۔ ان سب کے علاوہ تشبیہ اسلئے بھی مناسب نہیں کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عاشق مرنیکے لئے گیا تھا مگر یہ دولت اُسکو خلاف توقع حاصل ہوگئی حالانکہ اُس کا مقصود وصل محبوب تھا نہ کہ ہلاک ہونا۔ ہان اتنی بات ضرور تھی کہ وہ اُسپر تیار تھا اور سمجھتا تھا کہ اگر اُسنے مجھے مار بھی ڈالا تو بھی میرے لئے اس زندگی سے اچھا ہے و این ہذا من ذاک۔ علاوہ ازیں ابھی تو وہ بخارا مین پہونچا ہے

وصال تو ہوا بھی نہیں۔ پھر ابھی سے یہ تشبیہ کیسے ٹھیک ہے۔ غرضکہ یہ توجیہ ٹھیک نہین معلوم ہوتی
علامہ بحرالعلوم نے بھی اسپر اعتراض کیا ہے مگر ان کا اعتراض اس بناء پر ہے کہ اثیر کا اطلاق
کرۂ نار پر نہین آتا لیکن یہ اُن کا سہو ہے خود مولانا ہی نے اسکو بمعنے کرۂ نار استعمال کیا ہے
چنانچہ فرماتے ہین ؎ گرمی تن را ہمی خواند اثیر + کہ ز ناری راہ اصل خویش گیر۔
واللہ اعلم) جس نے کہ اُسے بخارا مین دیکھا ہی کہا کہ اُٹھ اور قبل اسکے کہ صدر جہان کو
اطلاع ہو بھاگ جا۔ اسلئے کہ وہ تجھکو بہت غصہ سے ڈھونڈ ہتا ہے اور مقصود یہ ہے
کہ دس برس کی عداوت نکالے پس خدا سے ڈر اور ہلاکت مین نہ پڑ اور تیرے دل نے جو
تجھے اطمینان رہائی دلایا ہے وہ محض افسون اور فریب ہے۔ اسپر بھروسہ نکر تو صدر جہان کا
کوتوال تھا اور اُسکے نزدیک بہت بڑا دانا اور معتمد اور مہندس کامل تھا۔ نیز تو اُس کا مشیر
بھی تھا وہ تیری عزت بھی بہت کرتا تھا مگر تو نے ان باتون کی قدر نہ کی اور گناہ مین متہم ہو گیا
اول تو تو نے یہ حماقت کی کہ بیوفائی کی اسکے بعد یہ ہوشیاری کی کہ تو بھاگ گیا اور سزا سے
بچ گیا۔ اب دوبارہ یہ حماقت کیون کرتا ہے کہ چھوٹ کر پھر پھندے مین پھنستا ہے سیکڑون
تدبیرون سے تو تو نے بلا سے نجات پائی تھی اب پھر بلا مین آ پھنسا۔ معلوم ہوتا ہے کہ یا
تو تو احمق ہے یا تیرے سر پر موت کھیل رہی ہے جو تو دوبارہ یہان آیا۔ ارے تیری عقل
تو عطارد پر اعتراض کرتی ہے جو کہ منشی فلک ہے پھر تجھے کیا ہو گیا۔ اصل بات یہ ہے کہ تقدیر
آلہی عقل اور عاقل دونون کو احمق کر دیتی ہے پس تیری تقدیر تجھے یہان لائی ہے۔ ارے
کمبخت دیکھ تو سہی وہ خرگوش نہایت منحوس ہے جو شیر کو تلاش کرے اور اپنے
پاؤن موت کے منہ مین جائے۔ پس تو صدر جہان کے پنجہ مین مرنے کیلئے کیون آ پھنسا
تیری دانائی اور عقل اور ہوشیاری کیا ہوئی تو اپنا بدیہی نقصان کیون نہین سمجھتا۔ اب
مولانا فرماتے ہین کہ یاد رکھو تقدیر آلہی کو ایسے سیکڑون منتر یاد ہین جن سے کہ وہ عقلا کی عقول
کو معطل کر دیتی ہے اور اُنکے حواس پر قبضہ کر لیتی ہے کسی نے کیا خوب کہا ہے اذا جاء
القضا ضاق الفضا۔ تو جب تقدیر آلہی آتی ہے تو میدان وسیع آدمی پر تنگ ہو جاتا ہے اور
بچنے کیلئے اُسکے سامنے دائیں بائین جانب سیکڑون ذرائع نجات اور رستے ہوتے ہین

لیکن اگر وہ اژدہا بھی ہے تب بھی وہ حرکت نہین کرسکتا اور وہین ہلاک ہوجاتا ہے۔

شرح شبیری

اُس عاشق لاابالی کا بخارا میں آنا اور دوستوں کا اُسکو ظاہر ہونیسے ڈرانا

اندر آمد در بخارا شادمان   شہر معشوق خود و دار الامان

یعنی وہ بخارا مین خوش خوش آیا۔ اپنے معشوق کے شہر اور دار الامان میں (آیا)

ہمچو آن مستی کہ پرد بر اثیر   مہ کنارش گیرد و گوید کہ گیر

یعنی مثل اُس مست کے کہ وہ کرۂ آسمان پر اُڑے اور ماہ اُس کی کنار پکڑے۔ اور کہے کہ لے۔ مطلب یہ ہے کہ وہ عاشق دیار محبوب مین پہونچکر اُس شخص کی طرح خوش ہوا کہ جیسے کوئی شخص آسمان پر اُڑے اور وہان پہونچنے کے بعد اُس کی یہ قدر دانی کی جاوے کہ چاند اُس سے کہے کہ تیرا جو مقصود ہے تو اُسکو لیلے تو بھلا وہ کسقدر خوش ہوگا۔ اسیطرح بلکہ اس سے بھی کہین زیادہ وہ عاشق خوش تھا۔

ہر کہ دیدش در بخارا گفت خیز   پیش از پیدا شدن منشین گریز

یعنی اُسکو بخارا مین جو کوئی دیکھتا کہتا کہ اُٹھ اور ظاہر ہونیسے پہلے بیٹھ مت بھاگ جا یعنی ہر شخص یہ صلاح دیتا کہ دیکھ ظاہر مت ہو پہلے ہی بھاگ جا یہان مت ٹھہر اسلئے کہ

کہ ترا می جوید آن شہ خشمگین   تا کشد از جان تو دہ سالہ کین

یعنی کیونکہ وہ بادشاہ خشمگین تجھے تلاش کررہا ہے تاکہ تیری جان سے دس برس کا کینہ نکالے یعنی وہ بہت ہی غصہ مین بھرا ہوا ہے تو سامنے گیا اور اُسنے تجھے ہلاک کیا۔

اللہ اللہ در میا در خون خویش   تکیہ کم کن بر دم و افسون خویش

یعنی اللہ سے ڈر اور اپنے خون مین مت آ اور اپنے دم و افسون پر بھروسہ کم کر۔ مطلب

یہ کہ اپنا خون خود مت کر۔ اور اُسپر بھروسہ مت کر کہ مین اُسکو پرچالون گا۔ وہ بیحد غصہ مین ہی لہذا یہی مناسب ہے کہ تو بھاگ جاوے

شحنۂ صدر جہان بودی و راد — معتمد بودی مہندس اوستاد

یعنی تو صدر جہان کا کوتوال تھا اور عقلمند تھا معتمد تھا اور انجنیر اور اُستاد تھا

ہم مشیرش بودی و ہم محترم — گشتی از یک جرم ہے متہم

یعنی تو اُس کا مشیر بھی تھا اور محترم بھی۔ اور تو ایک گناہ مین متہم ہو گیا۔

غدر کردی و ز جزا بگریختی — رستہ بودی باز چون آویختی

یعنی تو نے غدر کیا اور تو جزا سے بھاگ گیا تو تو چھوٹ گیا تھا تو پھر کیون لٹکتا ہے۔

از بلا بگریختی با صد حیل — ابلہی آوردت اینجا یا اجل

یعنی تو بلا سے سو حیلون کیساتھ بھاگا اب اس جگہ تجھے ابلہی لائی ہے یا موت لائی ہے۔
مطلب یہ کہ سب نے اُس سے کہا کہ تیرے اس قدر عہدے تھے ایسا تو معتمد تھا معتبر تھا پھر تجھ سے ایک خطا ہو گئی تو تو اُسکے بدلے سے بھاگ گیا کہ کہین تجھسے وہ بدلا نہ لیلے تو نے بڑی سخت بے وفائی کی کہ اگر وہ بدلا لے ہی لیتا تو کیا ہو جاتا۔ اور اگر بھاگ گیا تھا تو اب تجھے آنا نہ چاہئے تھا۔ بس اب روپوش ہوا تو ہوا اپنا کام کر اور چلدے۔ آگے مولانا فرماتے ہین کہ۔

ایکہ عقلت بر عطارد دق کند — عقل و عاقل را قضا احمق کند

یعنی اے وہ شخص کہ عقل تیری عطارد پر اعتراض کرے تو عقل و عاقل کو قضا احمق کر دیتی ہے
یعنی اے شخص جو کہ اسقدر عاقل ہے کہ عطارد پر اعتراض کرتا ہے مگر جب قضا آتی ہے تو وہ سبکو اندھا کر دیتی ہے اور کچھ بھی نہیں سوجھتا۔ تو اسیطرح تو اگرچہ عاقل تھا مگر اب جو قضا آئی ہی تو ساری عقل رفو چکر ہو گئی اور اب مرنے کو آیا ہے۔

نحس خرگوشے کہ باشد شیر جو — زیرکی و عقل و چالاکیت کو

یعنی منحوس ہی وہ خرگوش جو کہ شیر کا متلاشی ہو۔ تیری زیرکی اور عقل اور چالاکی کہان ہی یعنی سب لوگون نے کہا کہ تجھے کیا ہو گیا کہ کسی طرح مانتا ہی نہین اور اپنی موت کے درپے ہے۔ آگے فرماتے ہین کہ

ہست صد چندین فسونہائے قضا　　گفت اذا جاء القضا ضاق الفضا

یعنی ایسے سیکڑون قضا کے افسوں ہیں اور فرمایا ہے کہ جب قضا آئی تو فضا تنگ ہوتی ہے یعنی رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جب قضا آتی ہے تو ایک میدان وسیع بھی تنگ معلوم ہونے لگتا ہے تو اسی طرح جب قضا آتی ہے عقل وغیرہ سب بیکار ہو جاتی ہین -

صد رہ و مخلص بود از چپ و راست　　از قضا بستہ شود گر اژدہاست

یعنی سو راستے اور مخلص دائین بائین سے ہوتے ہین (مگر) قضا سے بستہ ہو جاتا ہی اگرچہ اژدہا ہے - یعنی اگرچہ کتنی ہی مخلص ہوں مگر جب قضا آتی ہے تو سارے راستے بند ہو جاتے ہین اور کہین نکلنے تک کو جگہ نہین ملتی - تو اسیطرح عاشق بخاری بھی ہے کہ اُس کی قضا آگئی ہے لہذا یہ مرنے کو پھرتا ہے - اگرچہ اُسکے بھاگنے کے سو حیلے ہین اور راستے ہین جب لوگون نے اُسکو ظاہر ہونے سے ملامت کی اور منع کیا تو وہ جواب دیتا ہے کہ

شرح حبیبی

گفت من مستسقیم آبم کشد　　گرچہ میدانم کہ ہم آبم کشد

ہیچ مستسقی نہ بگریزد ز آب　　گر دو صد بارش کند مات و خراب

گر بیاماسد مرا دست و شکم　　عشق آب از من نخواہد گشت کم

گویم آنگہ کہ بپرسند از بطون　　کاشکے بحرم روان بودی درون

خیک اشکم گو بدر از موج آب　　گر بمیرم ہست مرگم مستطاب

من بہر جائے کہ بینم آب جو　　رشکم آید بودمے من جائے او

دست چون دف و شکم ہمچون دہل　　طبل عشق آب میکوبم چو گل

گر بریزد خون من آن روح الامین　　جرعه جرعه خون خورم همچون زمین

چون زمین و چون جنین خونخواره‌ام　　تا که عاشق گشته‌ام این کاره‌ام

شب همی جوشم در آتش همچو دیگ　　روز تا شب خون خورم مانند ریگ

من پشیمانم که مکر انگیختم　　از مراد خشم او بگریختم

گو بران بر جان مستم خشم خویش　　عید قربان اوست عاشق گاومیش

گاو اگر خسپد و گر چیزی خورد　　بهر عید و ذبح او می پرورد

گاو موسی دان مرا جان دادهٔ　　جزو جزوم حشر هر آزادهٔ

گاو موسی بود قربان گشتهٔ　　کمترین جزوش حیات کشتهٔ

بر جهید آن کشته زآسیبش ز جا　　در خطاب اضربوه بعضها

یا کرامی اذبحوا هذا البقر　　ان اردتم حشر ارواح النظر

از جمادی مردم و نامی شدم　　وز نما مردم بحیوان سر زدم

مردم از حیوانی و آدم شدم　　پس چه ترسم کی ز مردن کم شدم

حملهٔ دیگر بمیرم از بشر　　تا بر آرم از ملایک بال و پر

وز ملک هم بایدم جستن ز جو　　کل شیء هالک الا وجهه

بار دیگر از ملک قربان شوم　　آنچه اندر وهم ناید آن شوم

پس عدم گردم عدم چون ارغنون　　گویدم کانا الیه راجعون

مرگ دان آن کاتفاق امت است　　کآب حیوانی نهان در ظلمت است

همچو نیلوفر برو زین طرف جو / همچو مستسقی حریص و مرگ جو

مرگ او آبست و او جویای آب / می خورد والله اعلم بالصواب

ای فسرده عاشق ننگیں نمد / کو ز بیم جان ز جانان می رمد

سوی تیغ عشقش ای ننگ زنان / صد هزاران جان نگر دستک زنان

جوی دیدی کوزه اندر جوی ریز / آب را از جوی کی باشد گریز

آب کوزه چون در آب جو شود / محو گردد در وی و چون او شود

وصف او فانی شود ذاتش بقا / زین سپس نی کم شود نی بدلقا

عاشق نے اُن کو جواب دیا کہ صاحبو مین تو مستسقی ہون۔ پانی مجھے کہینچتا ہے اگرچہ مین جانتا ہون کہ وہ پانی مجھے مارڈالے گا۔ آپ جانتے ہین کہ مستسقی پانی سے نہین بھاگتا اگرچہ وہ دوسو مرتبہ اُسکو شکست دیچکا اور برباد کرچکا ہو۔ اگر میرے ہاتھ اور میرا پیٹ ورم کرجائے تو بلا سے مجھسے تو پانی کا عشق کم نہ ہوگا۔ جب کوئی میری اندرونی حالت دریافت کریگا تو مین یہی کہونگا کہ کاش میرے اندر دریا بہتا ہوا در پانی کی موج سے اگر میرا پیٹ پہٹ جائے تو بلا سے اور اگر مین مرجاؤن تو یہ مرنا میرے لئے نہایت پسند ہے مین جہان کہین ندی کا پانی دیکھتا ہون مجھے رشک آتا ہے۔ اور مین کہتا ہون کہ کاش ندی مین ہوتا اور یہ پانی سارا میرے اندر ہوتا۔ میرا ہاتھ سُوج کر ڈہیڑا ہو گیا ہے اور میرا پیٹ پھول کر ڈھول ہو گیا ہے لیکن مین ہنوز عشق آب کا ڈھول بجا رہا ہون۔ اور مین پانی پر یون عاشق ہون جیسے اسپر پھول عاشق ہوتا ہے۔ تم یہ کہتے ہو کہ صدر جہان تجھے مارڈالیگا سو سنو اگر وہ روح الامین میرا خون گرائے تو مین زمین کی طرح لہو کے گھونٹ پینے پر آمادہ ہون اور مین زمین اور جنین کیطرح لہو کے گھونٹ پینے کا عادی ہون۔ اور جب سے عاشق ہوا ہون میرا یہی کام ہے۔ رات بہر سوز عشق سے ہانڈی کی طرح پکتا ہون اور دن بہر رات

تک ریت کی طرح اپنا خون پیتا ہون میں تو اسی سے نادم ہون کہ مین نے دہو کا کیون کیا
اور اُسکے مقصد اور غصے کیون بہا گا۔ وہ اگر میری جان پر اپنا غصّہ نکالے تو نکالنے دو
کیونکہ وہ عید قربان ہے اور عاشق بہیڑ۔ اُس کا کام ذبح ہی ہونا ہے۔ نیز عاشق گائے
ہوتا ہے۔ اور گائے کا کہانا اور سونا سب عید قربان ہی کیلئے ہے اور ذبح ہی کیلئے
وہ پالی جاتی ہے + اب مولانا فرماتے ہین کہ مین جو بحکم موتوا قبل ان تموتوا جیتے جی
ہی مرچکا ہون تو اس سے تم مجھے مُردہ نہ سمجھنا بلکہ مین ایسا مُردہ ہون کہ جیسے گاو موسی
جسکے اجزا مین خاصیت احیاء تھی پس میرا ایک ایک جزو ایسے لوگون کو زندہ کرنے کی
خاصیت رکہتا ہے جو شرف سعادت سے بہرہ ور ہین جسطرح کہ موسیٰ علیہ السلام کی گائے
قربان ہو گئی تھی اور اُسکے ادنیٰ جزو مین یہ خاصیت پیدا ہو گئی تھی کہ اسنے مُردہ کو زندہ کر دیا
تھا اور اضربوہ ببعضھا کا خطاب ہوتے ہی اور مارتے ہی اُسکے صدمہ سے مُردہ اپنی جگہ
سے اُٹھ کہڑا ہوا تھا۔ پس اے معزز حضرات تم اپنے گاو تن کو ضرور قربان کرو اگر تم چاہتے
ہو کہ حق بین روحین زندہ ہون تم ڈرو نہین کیونکہ مرنا ہرگز مضر نہین بلکہ سراسر مفید ہے
دیکھو مین اول جماد تھا جماد ہی سے مرا تو نامی ہوا اور نمائے فقط سے مرا تو حیوان ہوا اور حیوان
صرف سے مرا تو انسان ہوا۔ ایسی حالت مین مجھے مرنے کا کیا خوف ہو سکتا ہے پس تمکو
بھی نہ ڈرنا چاہئے اُسکے بعد انسانیت بحتہ سے مرون گا تو فرشتہ ہو کر پر و بازو نکالونگا
مگر ملکیت پر بھی مجھے قناعت نہ چاہئے بلکہ اُس ندی کو بھی طے کرنا چاہئے کیونکہ کل شئ
ھالك الا وجھه قرآن مین موجود ہے پس مین ملک ہو کر بھی ہلاک سے نہین بچ سکتا
لہذا مین ملکیت سے بھی مرون گا اور وہ ہو جاؤنگا جو وہم سے بھی باہر ہے یعنی مین فانی
محض ہو جاؤن گا۔ عدم بزبان حال ارغنون باجے کی طرح مجھسے کہہ رہا ہے اور مجھے
سنا رہا ہے کہ انا الیہ راجعون یعنی تم معدوم اور بالکل فنا ہو کر واصل بحق ہو جاؤگے پس
مین مٹ کر واصل و باقی بحق ہو جاؤن گا اور اس طرح ہلاکت سے بچ جاؤنگا پس تم
موت کو جسپر کہ عالم کا اتفاق ہے مضر نہ سمجھو بلکہ اُسکو ایک چشمۂ آب حیات سمجھو جو ظلمت
مین مخفی ہے۔ یعنی گو اُس سے وحشت ہوتی ہے مگر اُس مین خاصیت احیاء کی ہے۔ لہذا تم

موت کو اختیار کرو۔ اور اُس مین ڈوب کر یون پیدا ہو جیسے پانی سے نیلوفر اور اُسکے یون طالب ہو جیسے کہ مستسقی اُس کا شایق اور طالب ہوتا ہے کیونکہ پانی اُس کی موت ہی اور وہ پانی کا طالب ہے لہذا وہ فی الحقیقہ موت ہی کا طالب ہے۔ اور بنہایت رغبت و شوق سے اُسکو پی جاتا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔ اب مولانا مدعی عشق الٰہی کو خطاب فرماتے ہین اور کہتے ہین کہ اے جھوٹے عاشق جو کہ جان کے خوف سے محبوب حقیقی سے بھاگتا ہے اور جس کا وجود قابل ننگ ہے تو دیکھ تو سہی کسقدر جانین اُسکے تیغ عشق کے سامنے خوشی خوشی تالیان بجارہی ہین۔ پس تیری جان کیا انوکھی ہے کہ وہ اس سے بچتی ہے۔ ارے کمبخت نہر سامنے ہے اپنا لوٹا بھی اُسی مین ڈالدے۔ بھلا کہین پانی بھی نہر سے بھاگتا ہے۔ یعنی حق سبحانہ قریب ہین تو اُن سے اتصال معنوی پیدا کر کیونکہ تو پانی کی طرح فرع ہے اور حق سبحانہ ندی کی طرح اصل بھلا کہیں فرع اصل سے بھاگتی ہے۔ پس تو حق سبحانہ سے کیون بھاگتا ہے۔ یاد رکھہ کہ جب لوٹے کا پانی ندی کے پانی مین شامل ہوجاتا ہے تو اُس مین فنا ہو جاتا ہے اور اسی کی صفات اختیار کر لیتا ہے اور گو ذات باقی رہتی ہے مگر وصف فنا ہو جاتا ہے اور اسکے بعد نہ اُس کی ذات مین کمی آتی ہے نہ کسی صفت مین پس تو بھی جب حق سبحانہ سے اتصال معنوی پیدا کر لیگا تیری بھی یہی حالت ہو جاویگی کہ بقاء ذات کے ساتھ متخلق باخلاق ہو جاویگا اور فناء ذات و استحالہ صفات سے مصون و محفوظ ہو جاویگا۔

شرح شبیری

عاشق کا ملامت گرون اور ڈرانے والون کو جواب دینا

گفت مو مستسقیم آبم کشد   گرچہ می دانم کہ ہم آبم کُشد

یعنی اُسنے کہا کہ مین مستسقی ہون اور پانی مجھے کھینچ رہا ہے اگرچہ مین جانتا ہون کہ پانی ہی مجھے مار ڈالے گا مطلب یہ کہ اُسنے کہا کہ اُس طرف ہی سے کشش ہو رہی ہے جب تو مین جارہا ہون جس طرح کہ مستسقی جانتا ہے کہ پانی پینے ہی مین اس کی موت ہی

لیکن پھر پانی ہی پیتا ہے اور پانی اُسکو اپنی طرف کھینچتا ہے۔ اسیطرح مجھے صدر جہان
کھینچ رہا ہے اگرچہ وہ مجھے مار ہی ڈالے مگر مین نہ جاؤنگا اسلئے کہ۔

ہیچ مستسقی نہ بگریزد ز آب — گر دو صد بارش کند مات و خراب

یعنی کوئی مستسقی پانی سے بہاگتا نہیں ہے اگرچہ دوسو مرتبہ اُسکو مات و خراب کرے
مطلب یہ کہ اُسکو پانی کتنا ہی خراب کرے اور کتنا ہی اُسکو نقصان دے مگر مستسقی
پانی سے ہرگز بہاگ نہین سکتا۔ تو اسیطرح مین بھی صدر جہان سے بہاگ نہین سکتا۔

گر بیاماسد مرا دست و شکم — عشق آب از من نخواہد گشت کم

یعنی اگرچہ میرے دست و شکم آماس کر آوین (مگر) پانی کا عشق مجھہ سے کم نہ ہوگا

گویم آنگہ کہ بپرسند از بطون — کاشکے بحرم رواں بودے درون

یعنی مین اُس وقت کہون گا جبکہ بطون سے پوچہین گے کہ کاش کہ میرے اندر بحر رواں ہوتا
یعنی مستسقی کی تو یہ حالت ہے کہ وہ چاہتا ہے کہ دریا اُسکے اندر جاری ہو تو جب یہ
حالت ہے تو وہ پانی سے کس طرح بھاگ سکتا ہے اور مین مثل مستسقی کے ہون تو
مین بھی نہین بھاگ سکتا۔

خیک اشکم گو بدر از موج آب — گر بمیرم ہست مرگم مستطاب

یعنی میرے پیٹ کی مشک کو کہدو کہ موج آب سے پہٹ جا۔ اگر مین مرجاؤن تو میری موت
مبارک ہے یعنی مستسقی کی یہ حالت ہوتی ہے کہ وہ پانی کے عشق مین اپنی موت
کی بھی پرواہ نہین کرتا تو مجھے بھی کیا پرواہ ہوگی اور وہی مستسقی کہتا ہے کہ۔

من بہر جائے کہ بینم آب جو — شکم آید بودمے من جائے او

یعنی مین جس جگہ کہ ندی دیکہتا ہون مجھہ رشک آتا ہے کہ مین اُس کی جگہ ہوتا یعنی مستسقی
کو ندی کو دیکہکر رشک ہوتا ہے کہ کاش مین اس کی جگہ ہوتا تو پانی تو میرے اندر چلا کرتا
اگرچہ اُس کی یہ حالت ہوجاتی ہے کہ

دست چون دف و شکم چون دہل — طبل عشق آب می کوبم چو گل

یعنی ہاتھہ مثل دف کے اور شکم مثل دہل کے مین عشق آب کا طبل گل کی طرح بجاتا ہون

یعنی ہاتھ پیٹ وغیرہ سوج آئے ہین مگر عشق آب مین جوش ہے اُسے اپنی مضرت کی کچھ خبر نہین ہے تو اسی طرح یہ عاشق کہتا ہے کہ مجھے بھی اُسکے مار ڈالنے کی پرواہ نہین ہے اور کہتا ہے کہ۔

گر بریزد خونم آن روح الامین　　　جرعہ جرعہ خون خورم ہمچون زمین

یعنی اگر وہ روح الامین میرا خون گراوے تو مین زمین کی طرح گھونٹ گھونٹ کرکے خون پیلون (روح الامین سے مُراد وہی صدر جہان ہے) مطلب یہ کہ اگر وہ میرا خون کردے تو مین اُسکو اس طرح گوارا کرون جسطرح کہ زمین خون کو اپنے اندر لے لیتی ہے یعنی مجھے مطلق ناگواری نہ ہو۔

چون زمین و چون جنین خون خوارہ ام　　　تا کہ عاشق گشتہ ام این کارہ ام

یعنی زمین اور جنین کی طرح مین خون کہانے والا ہون اور جبکہ مین عاشق ہوا ہون اسی کام مین ہون یعنی جسطرح کہ جنین اور زمین خون کے کہانے والے اور خون کے پیاسے ہوتے ہین اسیطرح مین ہون کہ مین اپنے خون کا پیاسا ہون تو پھر مجھے مرنے سے کیا ڈر۔ اور کہتا ہے کہ۔

شب ہمی جوشم در آتش ہمچو دیگ　　　روز تا شب خون خورم مانند ریگ

یعنی مین رات کو آگ مین دیگ کی طرح جوش کرتا ہون اور دن سے رات تک مین ریگ کی طرح خون کہاتا ہون یعنی جس طرح ریت ہوتا ہے کہ اُسپر خون پڑا اور اُسنے جذب کیا بس یہ حالت میری ہے کہ رات دن خون جگر کہاتا ہون اور راتون کو دیگ کی طرح تپ ہجر سے جلتا ہون۔

من پشیمانم کہ مکر انگیختم　　　از مراد خشم او بگریختم

یعنی مین پشیمان ہون کہ مین نے مکر کیا اور اُسکے خشم کی مراد سے مین بھاگا یعنی اُسکے غصہ کی جو مراد تھی کہ مجھے قتل کردی مین اُس سے بہاگا۔ اسلئے مین سخت پشیمان ہون۔

گو بران بر جان مستم خشم خویش　　　عید قربان اوست عاشق گاومیش

یعنی کہدو کہ میری جان مست پر اپنا غصہ چلا وہ عید قربان ہے اور عاشق گاومیش ہے یعنی وہ عید قربان کی طرح ہے اور مین گاومیش ہون تو اُس سے کہدو کہ مجھے شوق سے قتل کرڈالی کچھ پرواہ نہین ہے اب یہان کوئی کہتا ہے کہ تو کہتا ہے کہ مین اپنے خون کا پیاسا ہون وہ شوق سے مار دے اسلئے کہ مین اُسکے ہجر مین بیقرار ہون حالانکہ دیکھتے ہین کہ تو کہاتا بھی ہے پیتا بھی ہے پھر یہ کیسی بیقراری ہے وہ اس کا جواب دیتا ہے کہ۔

گاؤ اگر خسپد و گر چیزے خورد — بہر عید و ذبح اوے پرورد

یعنی گائے اگر سووے اور اگر کوئی شئے کہاوے عید اور ذبح کے واسطے اُسکو پالتا ہے۔ مطلب یہ کہ وہ جو کچھ کہاتا پیتا ہے سوتا ہے سب اسلئے تاکہ خوب موٹا ہو اور قربانی مین کام آوی۔ تو بس اسیطرح مین بھی تیار ہو گیا ہون۔ اب اُس سے کہدو کہ مجھے قتل کر ڈالے اور کہتا ہے کہ

گاؤ موسیٰ دان مرا جان دادۂ — جزو جزوم حشر ہر آزادۂ

یعنی مجھے گاؤ موسے جانو کہ جو جان دادہ ہے اور میرا جزو جزو ہر آزاد کی حیات ہے (آزاد سے مُراد خود یہ متکلم ہے) مطلب یہ کہ وہ عاشق کہہ رہا ہے کہ مین گاؤ موسیٰ کی طرح ہون کہ جو جان دینے والی تھی۔ اسی طرح اگر مین مرجاؤن گا تو میرا ایک ایک جزو حیات ابدی بخشے گا اور اس کی موت سے حیات جاودانی نصیب ہو گی۔

گاؤ موسی بود قربان گشتۂ — کمترین جزوش حیات کشتۂ

یعنی گاؤ موسی قربان ہوئی ہوئی تھی اور کمترین جزو اُس کا ایک کشتہ کی حیات تھی۔

بر جہید آن کشتہ ز آسیبش ز جا — در خطاب اضربوہ بعضہا

یعنی وہ کشتہ اُس کی آسیب کی وجہ سے جگہ سے اُٹھ کھڑا ہوا خطاب اضربوہ بعضہا مین مطلب یہ کہ جب حکم اضربوہ بعضہا کا ہوا ہے تو اُسکے اثر کی وجہ سے وہ کشتہ اپنی جگہ سے اُٹھ کھڑا ہوا تو جب اُسکے قربان ہونے مین یہ اثر تھا کہ اُس کا ایک جزو حیاتِ مردہ ہو گیا تھا تو اگر مین مرون گا تو کیون نہ حیات نصیب ہو گی۔ آگے کہتا ہے کہ۔

یا کرامی اذبحوا ہذا البقر — ان اردتم حشر ارواح النظر

یعنی اے میرے کرام تم اس بقر کو ذبح کر دو۔ اگر تم ارواح نظر کی حیات چاہتے ہو (ارواح نظر سے بھی خود یہ عاشق ہی مُراد ہے) مطلب یہ کہ اگر تم میری حیات اصل چاہتے ہو اور چاہتے ہو کہ مین زندہ ہو جاؤن تو تم اس بقر تن کو ذبح کر دو کہ حیات جاودانی نصیب ہوا گی کہتا ہے کہ مرنے مین میرا کوئی نقصان نہین ہے بلکہ اور فائدہ اور ترقی ہے اس طرح کہ۔

از جمادی مردم و نامی شدم — وز نما مردم بحیوان سر زدم

یعنی مین جمادی سے مرا تو نامی ہو گیا اور نما سے مرا تو حیوانیت مین سر مارا۔

مردم از حیوانی و آدم شدم | پس چہ ترسم کے ز مردن کم شدم

یعنی مین حیوانیت سے مرا اور آدمی ہوگیا - تو مین کیا ڈروں مرنے سے مین کم کب ہوا -

حملۂ دیگر بمیرم از بشر | تا بر آرم از ملائک بال و پر

یعنی مین دوسری مرتبہ بشریت سے مرون یہانتک کہ مین ملائک سے بال و پر نکالون

وز ملک ہم بایدم جستن ز جو | کل شیئ ہالک الا وجہہ

یعنی اور ملکیت سے بھی مجھے طلب کی وجہ سے نکلنا چاہئے کہ کل چیزین سوائے اُس کی ذات کے ہالک ہین

بار دیگر از ملک قربان شوم | انچہ اندر وہم ناید آن شوم

یعنی پھر ملکیت سے مین فنا ہون گا تو جو شئے کہ وہم مین نہین آتی وہ ہو جاؤنگا - مطلب ان پانچ اشعار بالا کا یہ ہے کہ اول خاک جماد ہوتی ہے اُسکے بعد اُس سے نباتات وغیرہ بنتے ہین تو حالت جمادیت سے حالتِ نمو مین آئے اور حالت نمو سے پھر اُنکو حیوانات نے کھایا تو وہ حالت نمو سے حیوانیت میں آئے اور حیوان کو فنا کر کے انسان نے کھایا تو حیوانیت سے انسانیت مین آئے پھر انسانیت سے فنا حاصل ہوئی تو درجہ ملکوتی حاصل ہوا - اب جب اُس سے بھی فنا ہون گے تو پھر وہ اتحاد اصطلاحی حق تعالی کیساتھ میسر ہوگا تو دیکھو جمادیت سے مرتبہ اتحاد اصطلاحی تک پھونچے اور ہر پہلی حالت سے فنا ہوتے گئے اور اُسکے بعد کی اُس سے اچھی حالت ملتی رہی اور برابر ترقی کرتے رہے ہین تو جب فنا مین ہمیشہ ترقی ہوئی ہے تو اب فنا اور مرنے سے کیا ڈر ہو سکتا ہے اسیکو کہتے ہین کہ

پس عدم گردم عدم چوں ارغنون | گویدم کانا الیہ راجعون

یعنی پھر مین عدم ہون گا اور عدم ارغنوں کی طرح مجھ سے کہہ رہا ہے کہ انا الیہ راجعون - (ارغنون ایک باجے کا نام ہے) مطلب یہ کہ مین فنا اور معدوم ہوگیا اور عدم مجھے باجے کی طرح انا الیہ راجعون کہہ رہا ہے تو بس مین اُسی طرف رجوع ہوتا ہون اور کہتے ہین کہ

مرگ دان کان اتفاق امت ست | کاب حیوانے نہان در ظلمت ست

یعنی مرگ (اُسکو) جان جو کہ اتفاق امت کا ہے کہ آب حیوانی ظلمت مین ہے مطلب یہ کہ

لوگ جو کہتے ہین آب حیوانی ظلمت مین ہے تو اس ظلمت سے مراد موت ہی ہے کہ موت کے بعد حیات ابدی اور حیات جاودانی حاصل ہوتی ہے۔

ہمچو نیلوفر برو زین طرف جو ہمچو مستسقی حریص و مرگ جو

یعنی مثل نیلوفر کے ندی کے اُس طرف سے اُگ اور مثل مستسقی کے حریص (مرگ) اور مرگ کا متلاشی رہ (مشہور ہے کہ نیلوفر کا پھول سطح آب کا عاشق ہوتا ہے اور ہمیشہ پانی کے اوپر ہی رہتا ہے) مطلب یہ ہے کہ جسطرح کہ وہ سطح آب کا عاشق ہے کہ اُس سے الگ نہین ہوتا بلکہ سطح ہی کے اوپر رہتا ہے اسیطرح تمکو بھی چاہئے کہ بس طلب حق مین لگے رہو اور وہ بعد فناء نفس کے ملتا ہے تو بس اپنے کو فنا کردو اور فناء پر عاشق ہو جاؤ۔

مرگ او آبست و او جویائے آب می خورد و اللہ اعلم بالصواب

یعنی اُس (مستسقی) کی موت پانی ہے اور وہ پانی ہی کا متلاشی ہے پیتا ہے واللہ اعلم بالصواب۔ مطلب یہ کہ دیکھو مستسقی پانی ہی پر مرتا ہے اور پھر پانی ہی کی دُھن مین لگا رہتا ہے اسی طرح تم بھی عاشق حق ہو جاؤ اور اپنے کو فنا کرکے اس طرف متوجہ ہو جاؤ کہ اسی مین کچھ ملیگا اور یہی مقصود اصل حیات اور زندگی دنیا سے ہے آگے فرماتے ہین کہ

اے فسردہ عاشقِ ننگین نمد کو ز بیم جان ز جانان می رمد

یعنی اے افسردہ اور اے عاشق ننگین نمد کے کہ وہ خوف جان کی وجہ سے جانان سے بھاگتا ہی (ننگین نمد سے مراد تن انسانی ہے) مطلب یہ کہ اے وہ شخص کہ اپنے اس تن ظاہری پر عاشق ہو رہا ہے اور اسکے فنا ہونے کے ڈر کے مارے حق تعالی کی طلب سے بھاگتا ہے تو اس کو سُن لے کہ۔

سوئے تیغ عشقش ای ننگ زنان صد ہزاران جان نگر دستک زنان

یعنی اے ننگ زنان اُس کی تیغ عشق کی طرف لاکھون جانین تالیان بجاتی ہوئی دیکھ یعنی اگر اُسکے عشق مین تو فنا بھی ہو گیا تو کوئی جرم نہین ہے اسلئے کہ اس ایک جان کے بدلے مین لاکھون جانین ملین گی ہستی حق کے آگے اس اپنی ہستی کو فنا کردو تو تمکو حیات ابدی اور ہستی جاودانی میسر ہو گی۔

جوئے دیدے کوزہ اندر جو ریز　　　　آب را از جوئے کے باشد گریز

یعنی تونے ندی کو دیکھ لیا تو کوزہ کو ندی مین ڈال دے اور پانی کو ندی سے کب گریز ہوتا ہی (جو سے مراد ہستی حق اور کوزہ سے مراد ہستی انسانی) مطلب یہ کہ جب اُس کا وجود اور اُس کی ہستی پیش نظر ہوگئی تو اب اُس کی ہستی کے سامنے اپنی ہستی کو فنا کردے اور وہی اتحاد اصطلاحی حاصل کرلے اپنی ہستی کو بالکل مٹا دے اسلئے کہ جسطرح کہ پانی کو ندی سے گریز نہین ہے بلکہ آخر الامر وہین جاویگا اسی طرح اس ہستی کو ہستی حق سے کہین گریز نہین ہے تو پھر بچانے سے فائدہ کیا ہے۔

آب کوزہ چون در آب جو شود　　　　محو گردد در وے و چون او شود

یعنی کوزہ کا پانی جب ندی کے پانی مین جاوے تو وہ اس مین محو ہو جاوے اور اُسی کی طرح ہو جاوے۔

وصف او فانی شود ذاتش بقا　　　　زین سپس نے کم شود نے بد لقا

یعنی اُس کا وصف تو فانی ہو جاتا ہے اور ذات باقی ہوتی ہے اُسکے بعد نہ وہ کم ہوتا ہے اور نہ بد لقا ہوتا ہے۔ مطلب یہ کہ دیکھو اگر کوزہ کے پانی کو دریا مین ملادو تو وہ اُس مین ملکر بالکل یکساں ہو جاتا ہے اور اُسکے تمام اوصاف فانی ہو جاتے ہین لیکن اُس کی ذات باقی رہتی ہے کہ مثلاً اگر پہلے اُس مین دس کروڑ من پانی تھا تو اب ایک کوزہ اور دس کروڑ من پانی ہی پس اسی طرح حق تعالی کے وجود اور ذات کے سامنے ہستی انسانی کے تمام اوصاف فنا ہو جاتے ہین کوئی وصف اُس کا باقی نہین رہتا لیکن اُس کی ذات باقی ہوتی ہے اور جب وہ پانی دریا مین ملجاتا ہے تو پھر نہ کبھی سڑتا ہے نہ بگڑتا ہے ہمیشہ عمدہ رہتا ہے اسی طرح انسان کو جب مرتبہ فنا کا حاصل ہوگیا تو اب وہ کبھی مردود نہین ہوتا اُسپر ہلاکت نہین آتی بلکہ باعتبار اُس اتحاد کے وہ ہمیشہ موجود ہے یعنی ہمیشہ ہمیشہ کیلئے حق تعالی سے اُسکو تعلق ہے خواہ اُس کی یہ ہستی دنیا موجود ہو یا فنا ہو چکی ہو تو جب فنا مین یہ فوائد ہین کہ اُسکے بعد حیات ابدی حاصل ہوتی ہے تو کیون نہ فنا اختیار کیجاوے۔ یہانتک تو کچھ اُس عاشق کی زبان سے اور کچھ خود مولانا نے فناء کے فوائد بیان فرمائے اور اُس سے ثابت کردیا کہ اگر صدر جہان اُس غلام کو مار بھی ڈالی

تو کوئی حرج نہین ہے اسلئے کہ اس مین فائدے ہی فائدے ہین اور اسی کے ضمن مین مرتبۂ فنا کے حصول کی ترغیب دی کہ انسان کو چاہئے کہ فنا اختیار کرے اور حیات ابدی حاصل کرے آگے پھر اُسی عاشق کا قصہ بیان فرماتے ہین -

شرح حبیبی

خویش را بر نخل او آویختم	عذر آنرا که ازو بگریختم
ہمچو گوئے سجدہ کن برروی وسر	جانب آن صدر شد با چشم تر
بر رُخ چون زعفران اشک روان	رفت آن بیدل سوئے صدر جہان
ہم کفن ہم تیغ اندر دست او	چونکہ بود او عاشق و سرمست او
جملہ خلقان منتظر سر در ہوا	کش بسوزد یا بر آویزد ورا
این زمان این احمق یک لخت را	آن نماید کہ زمان بدبخت را
ہمچو پروانہ شرر را نور دید	احمقانہ در فتاد از جان برید
لیک شمع عشق چون آن شمع نیست	روشن اندر روشن اندر روشنیست
او بعکس شمعہائے آتشی است	می نماید آتش و جملہ خوشی است

یہان سے پھر مولانا جواب عاشق کی طرف عود کرتے ہین اور کہتے ہین کہ مین اس عذر مین کہ اُس سے بھاگا تھا اپنے کو اُس کی سولی پر لٹکا چکا ہون یعنی مرنیکے لئے تیار ہو گیا ہون اُنکو یہ جواب دیگر گیند کی طرح منہ اور سر سے سجدے کرتا ہوا اور روتا ہوا صدر جہاں کی جانب روانہ ہوا اسکے زعفران کی طرح زرد رخساروں پر آنسو بہ رہے تھے اس حالت سے وہ عاشق صدر جہان کے پاس گیا۔ نیز چونکہ اُس کا عاشق اُس کی محبت کے نشہ مین چور تھا اسلئے

ہاتھ مین کفن بھی تھا اور تلوار بھی تمام لوگ منتظر کھڑے ہوئے تھے کہ دیکھین اسکو جلاتا ہے یاسولی دیتا ہے اور دل مین کہہ رہے تھے کہ اس وقت صدر جہان اس الّو کیساتھ وہ کرے گا جو زمانہ ایک بدنصیب کیساتھ کیا کرتا ہے یعنی اسکو ملیا میٹ کرے گا۔ اس احمق نے پروانہ کی طرح آتشی شعلہ کو نور سمجھا اور دشمن کو دوست جانا لہذا اپنی حماقت سے اوندھے مُنہ گرا اور جان کھوئی۔ اب مولانا فرماتے ہین کہ یہ اُن کی غلطی ہے کہ اُنہون نے اس کی حالت کو پروانہ کی حالت پر قیاس کیا شمع عشق وہ شمع نہین ہے جو پروانون کو جلاتی ہے بلکہ یہ نور در نور غرضکہ سراسر نور ہے وہ آتشی شمعون کے بالکل برعکس ہے یہ صرف دیکھنے مین آگ ہے اور حقیقت مین سراپا خوشی اور راحت ہے۔

شرح شبیری

اُس عاشق کا معشوق کے پاس پھونچ جانا جبکہ اُسنے جان سے ہاتھ دھو لئے

خویش را بر نخل او آویختم — عذر آنرا کہ ازو بگریختم

یعنی (اُسنے عاذلون سے کہا کہ) مین نے اپنے کو اُسکے نخل پر لٹکا دیا ہے اُسکے عذر مین کہ مین اُس سے بھاگا۔ مطلب یہ کہ اُسنے کہا کہ مین چونکہ اُس کے پاس سے بھاگ گیا تھا لہذا اب اُس کی تلافی کیواسطے مین اُس کی دار پر لٹکنے کو تیار ہون۔

ہمچو گوئے سجدہ کن بر روئے وسر — جانب آن صدر شد با چشم تر

یعنی گیند کی طرح رو اور سر پر سجدہ کرتا ہوا اُس صدر کی طرف با چشم تر چلا۔

بر رُخ چون زعفران اشک روان — رفت آن بیدل سوئے صدر جہان

یعنی زعفران جیسے چہرہ پر اشک روان وہ بیدل صدر جہان کی طرف چلا۔ یعنی زعفران جیسے چہرہ پر آنسو بہ رہے تھے اور وہ صدر جہان کے پاس جا رہا تھا۔

ہم کفن ہم تیغ اندر دست او — چونکہ بود او عاشق و سرمست او

یعنی کفن بھی اور تیغ بھی اُسکے ہاتھ مین تھی کیونکہ وہ اُس کا عاشق اور سرمست تھا (پہلے قاعدہ تھا کہ جب کوئی بھاگا ہوا مجرم حاضر ہوتا تھا تو مع کفن اور تیغ کے حاضر ہوتا تھا جسکے یہ معنے ہوتے تھے کہ ہم حاضر ہین قتل کر ڈالو۔ اسی طرح یہ بھی معترف قصور مع کفن اور شمشیر کے حاضر ہوگیا۔

جملہ خلقان منتظر سر در ہوا — کش بسوزد یا بر آویزد ورا

یعنی تمام مخلوق منتظر سر در ہوا تھی کہ اُسکو جلاتا ہے یا اُسکو (دار پر) لٹکاتا ہے (سر در ہوا سے مراد غایت انتظار ہے) یعنی سب منتظر تھے کہ دیکھئے اب اس کی ساتھ کیا کرتا ہے اور یہ کہہ رہے تھے کہ

این زمان این احمق یک لخت را — آن نماید کہ زمان بدبخت را

یعنی اس وقت اس پورے احمق کو وہ دکھلادیگا جو کہ زمانہ بدبخت کو یعنی زمانہ بدبخت کو سختی دکھاتا ہے پس اسی طرح یہ صدر جہان اس احمق کیساتھ سختی کریگا اور احمق اسلئے کہا کہ باوجود اس کے کہ اُسکے پاس سے بھاگ چکا تھا اور پھر مرنے کیلئے آگیا۔

ہمچو پروانہ شرر را نور دید — احمقانہ در فتاد از جان برید

یعنی پروانہ کی طرح شرر کو نور دیکھا اور احمقوں کی طرح جا پڑا اور جان سے قطع کردیا۔ یعنی اُس عاشق نے صدر جہان کے پاس حاضر ہونیکو جو مثل شرر کے تھا نور سمجھا اور نور سمجھکر اُسکے اندر احمقون کی طرح جا پڑا مولانا فرماتے ہین کہ

لیک شمع عشق چون آن شمع نیست — روشن اندر روشن اندر روشنیست

یعنی لیکن شمع عشق اُس شمع کی طرح نہین ہے (وہ تو) روشن اندر روشن اندر روشن ہے

او بعکس شمعہائے آتشی است — می نماید آتش و جملہ خوشی است

یعنی برعکس شمعہائے آتشی کے ہے کہ دکھلائی آتش دیتی ہے اور بالکل خوشی ہی مطلب یہ کہ لوگ کہہ رہے تھے کہ پروانہ کی طرح اُسنے شرر کو نور سمجھا اور اُس مین آپڑا۔ مولانا فرماتے ہین کہ ارے عشق کی شمع وہ شمع نہین ہے کہ جو جلادے بلکہ یہ ظاہر مین تو آگ ہے لیکن باطن مین نور ہی نور ہے شمع ظاہری تو آتش ہوتی ہے مگر یہ آتش نہین ہے بلکہ یہ نور ہے اور یہ روشن در روشن ہے اس مین آکر اُس شمع جیسا جلنا نہین ہے اس کا جلنا

اور طرح کا ہی کہ اس مین جو جل گیا وہ ہمیشہ ٹھنڈا رہا- آگے اسپر ایک حکایت لاتے ہین خلاصہ جس کا یہ ہے کہ ایک مسجد مین کوئی طلسم تھا اور جو شخص رات کو اُس مسجد مین رہتا تھا اس کو خوفناک آوازین اسقدر سنائی دیتی تھین کہ وہ مرجاتا تھا تو لوگ رات کو اس مین رہتے نہ تھے ایک شخص آیا اور رات کو اُس نے اُس مین رہنے کا قصد کیا لوگون نے منع کیا اُسنے کہا کہ مین تو مرنے کو پھرتا ہون اور مین تو موت پر عاشق ہون مرجاؤنگا تو کچھ پرواہ نہیں ہے اور اُس نے کسی کی نہ مانی اور وہین سویا حسب معمول رات کو وہی آوازین سنائی دین اور معلوم ہوا کہ بڑا شور وغل ہے اور کوئی کہہ رہا ہے کہ آتا ہون آتا ہون اُسنے فوراً کہا کہ آجا مین بھی تیار ہون چونکہ اُس طلسم کے ٹوٹنے کی یہی سبیل تھی کہ کوئی یہ کہدے آجا مین تیار ہون لہذا اُسکے کہنے سے وہ طلسم ٹوٹ گیا اور بیشمار خزانہ اُسکے اندر سے نکلا تو دیکھو چونکہ یہ عاشق تھا اور مرنیکو تیار ہوگیا تھا تو اُسکو کسقدر خزانہ ملا حالانکہ ظاہر مین تو اُس کی ہلاکت معلوم ہوتی تھی مگر اصل مین وہ اُس کی ہلاکت نہ تھی بلکہ اُسکے لئے مفید اور نافع تھا- اسی طرح اس عاشق صدر جہاں کا آنا بھی مضر نہ تھا بلکہ نافع ہی تھا اب حکایت سنو-

شرح حبیبی

یک حکایت گوش کن ای نیک پے	مسجدے بُد بر کنارے شہر رے
ہیچکس در وے نخفتے شب زبیم	کہ نہ فرزندش شدی آنشب یتیم
ہر کہ در وے بیخبر چوں کور رفت	صبحدم چوں اختران در گور رفت
خویشتن را نیک ازین آگاہ کن	صبح آمد خواب را کوتاہ کن
ہر کسے گفتے کہ پریانند تند	اندران مہمان کشان با تیغ کند
آن دگر گفتے کہ سحرست و طلسم	کہ رصد باشد عدو جان و جسم

آن دگر گفتے کہ برنہ نقش فاش | بر درش کائے میہمان اینجا مباش
شب مخسپ اینجا اگر جان بایدت | ورنہ مرگ اینجا کمین بکشایدت
وان دگر گفتے کہ شب قفلے نہید | غافلے آید شمارہ کم دہید

اچھا ایک حکایت سنو جس سے تمکو مضمون بالا کی تصدیق ہو۔ شہر رے کے کنارہ پر ایک مسجد تھی رات کو اس مین کوئی شخص ایسا نہ سوتا تھا جو ڈر کر مر نہ جاتا ہو اور اُس رات کو اسکے بچے یتیم نہ ہو جاتے ہون جو شخص اُس مین ناواقفی سے اور اندہا دہند چلا جاتا ستارون کی طرح وہ بھی صبح کو قبر مین چلا جاتا تھا اب مولانا ضمناً ایک نصیحت فرماتے ہین اور کہتے ہین کہ تم کس غفلت مین ہو دیکھو ہوشیار ہو صبح پیری آپہونچی ہے اور قبر مین جانے والے ہو اس غفلت کو چھوڑو خواب سے بیدار ہو اور قبر مین جانے کے لئے تیار ہو جاؤ اس مضمون کو ختم کر کے پھر قصہ بیان کرتے ہین اور کہتے ہین کہ اس معاملہ مین لوگ چہ میگوئیان کیا کرتے تھے کوئی کہتا کہ معلوم ہوتا ہے کہ اس مین بڑی غضبناک پریان رہتی ہین جو کہ مہمان کو کند تلوار سے یعنی بڑی بے رحمی سے مارتی ہین دوسرا کہتا کہ یہان کوئی سحر اور طلسم ہے جو کہ اس کمینگاہ مین رہکر لوگون کو ضرر پہنچاتا ہے کیونکہ گہات مین رہنے والے جان و جسم کے دشمن ہوتے ہین۔ تیسرا کہتا کہ جو کچھ بھی ہو اب مناسب یہ ہے کہ دروازہ پر ایک صاف صاف اعلان اس مضمون کا لگا دیا جاوے کہ اے مسافر یہان نہ ٹھیرنا اور اگر تجھے جان درکار ہے تو رات کو یہان نہ سونا ورنہ موت کمینگاہ سے نکلکر تجھپر واقع ہو گی چوتھا کہتا کہ یہ بھی کافی نہین کیونکہ ممکن ہے کہ کوئی جاہل ہو یا اُس کی طرف التفات نہ کرے اسلئے اس مین قفل ڈالدو اور راستہ ہی بند کر دو۔

شرح شبیری

اُس مسجد کی حالت کو بیان کرنا جو کہ مہمان کش تھی اور اُس عاشق لاابالی موت کے شائق کا بیان جو کہ اُس مسجد مین رات کو مہمان ہوا

یک حکایت گوش کن اے نیک پے　　مسجدے بُد بر کنارے شہر رے

یعنی اے نیک پے ایک حکایت سنو کہ ایک...... مسجد شہر رے کے کنارہ پر تھی -

ہیچکس در وے نخفتے شب زبیم　　کہ نہ فرزندش شدے آنشب یتیم

یعنی کوئی شخص اُس میں رات کو خوف سے نہ سوتا کہ اُس کا لڑکا اُس رات کو یتیم نہ ہو جاتا یعنی جو اس میں رات کو سوتا وہی مر جاتا تھا -

ہر کہ در وے بیخبر چون کور رفت　　صبحدم چون اختران در گور رفت

یعنی جو کوئی اس میں اندھے کی طرح بیخبر چلا گیا صبح ہی کو ستاروں کی طرح گور میں گیا - یعنی جسطرح کہ ستارے صبح کو چُھپ جاتے ہیں اسیطرح وہ بھی صبح کو مر کر گور میں پوشیدہ ہو جاتا تھا آگے ایک شعر میں مولانا مضمون ارشادی فرماتے ہیں کہ -

خویشتن را نیک ازین آگاہ کن　　صبح آمد خواب را کوتاہ کن

یعنی اپنے کو اس سے اچھی طرح آگاہ کر صبح آگئی ہے نیند کو کم کر - یعنی اس حکایت میں آیا کہ صبح کے وقت وہ گور میں جاتا تھا اسی طرح تیری بھی صبح پیری آگئی ہے - اب ذرا ہوش سنبھال کہ گور میں جانیوالا ہے غفلت کو ایک طرف کر اور ہوشیار ہو جا - آگے پھر وہی حکایت ہے کہ -

ہر کسے گفتے کہ پریانند تند　　اندرون مہمان کشان با تیغ کند

یعنی ہر شخص کہتا کہ جنات سخت مہمان کو کُند تلوار سے مار ڈالنے والے ہیں -

وان دگر گفتے کہ سحرست و طلسم　　کہ رصد باشد عدو جان و جسم

یعنی وہ دوسرا کہتا کہ سحر و طلسم ہے کہ (جو ایسا) کمینگاہ ہو جاتا ہے (جو کہ) جان و جسم کا عدو ہو - یعنی کسی کا خیال تھا کہ اس میں جن رہتے ہیں اور کوئی کہتا کہ طلسم اور جادو ہے

آن دگر گفتے کہ بر نہ نقش فاش　　بر درش کائے میہمان اینجا مباش

یعنی وہ دوسرا کہتا کہ ایک اطلاع ظاہر اُسکے دروازہ پر رکھدو کہ اے مہمان اس جگہ مت رہ یعنی کوئی کہتا کہ یہاں ایک جلی قلم سے اطلاع لکھکر لگا دو کہ بھائی یہاں کوئی مت رہو اور لکھدو کہ -

شب مخسپ اینجا اگر جان بایدت　　ورنہ مرگ اینجا کمین بگشایدت

یعنی رات کو اس جگہ مت سو اگر تجھے جان چاہیئے ہے ورنہ موت اس جگہ تیری کمین کھولیگی یعنی کمینگاہ سے

نکلکر تجھے لیجاویگی۔

وان دگر گفتے کہ شب قفلے نہید غافلے کاید شمارہ کم دہید

یعنی وہ دوسرا کہتا کہ رات کو ایک قفل لگا دو اور جو غافل کہ آوے تم اُسکو راہ مت دو۔ یعنی کوئی کہتا کہ یہان ایک علان لگا دو تاکہ کسیکو دہوکا نہو۔ اور کوئی کہتا کہ قفل لگا دو اور اگر کوئی غافل آجاوے تو تم اُسکو جانے مت دو بلکہ روک دو۔

شرح جلبیی

تا یکے مہمان در آمد وقت شب	کو شنیدہ بود آن صیت عجب
از برائے آزمون مے آزمود	زانکہ بس مردانہ و جانباز بود
گفت کم گیرم سر و اشکنبہ	رفتہ گیر از گنج جان یک حبہ
صورت تن گو برو من کیستم	نقش کم ناید چو من باقیستم
چون نفخت بودم از لطف خدا	نفخ حق باشم ز نائے تن جدا
تا نیفتد بانگ نفخش این طرف	تا رہد آن گوہر از تنگین صدف
چون تمنوا الموت گفت ای صادقین	صادقم جان را برافشانم برین

غرض نوبت بایجار سید کہ ایک مہمان جسنے کہ یہ عجیب افواہ سنی تھی رات کے وقت آیا چونکہ وہ نہایت مرد اور جانباز تھا اسلئے اُس کی واقعیت کا امتحان کرنا چاہتا تھا اُسنے سوچا کہ مین سر اور او جہہ وغیرہ اعضائے جسمانی کی کچھہ پرواہ نہین کرتا اگر جائین بلا سے جائین زیادہ سے زیادہ یہ ہوگا کہ خزانہ جان مین سے ایک معمولی مقدار جاتی رہیگی سواس کی کچھہ پرواہ نہین صورت تن جائیگی بلا سے جلئے۔ مین کیا چیز ہون کچھہ صورت جسم نہین ہون کہ اسکے فنا ہونے سے مین بھی فنا ہو جاؤن بلکہ

میں باقی رہوں گا - اگر یہ نفس چلا جاوے بلا سے جاوے اگر میں سلامت ہوں تو صورتیں بہت چونکہ میری نسبت نفخت فیہ من روحی فرمایا گیا ہے اسلئے اس وقت میں خدا کی وہ پھونک ہوں گا جسکو اُسنے اپنی مہربانی سے اس جسم کی بانسری میں بھرا ہے اور جو کہ اب جسم کی بانسری سے الگ ہو گئی ہے پس میں اس بانسری سے جُدائی چاہتا ہوں تاکہ اُس کی نفخ کی آواز اس طرف یعنی اس بانسری میں نہ واقع ہو - اور تاکہ یہ موتی اس تنگ سیپ سے چھوٹ جاوے چونکہ حق سبحانہ نے فرمایا ہے کہ اگر تم سچے ہو تو موت کی آرزو کرو - (گو یہ خطاب یہود کو ہے مگر منشا کے لحاظ سے ہر مدعی محبت کو عام ہے اور میں صادق ہوں اسلئے اس حکم کی بنا پر جان دینے پر آمادہ ہوں -

شرح شبیری

ایک مہمان کا اُس مہمان کش مسجد میں آنا

تا یکے مہمان در آمد وقت شب　　　کہ شنیدہ بود آن صیت عجب

یعنی یہانتک کہ رات کے وقت ایک مہمان آیا کہ اُسنے اُس عجیب شہرت کو سنا تھا - یعنی وہ لوگ یہ رائیں لگا رہے تھے کہ ایک مہمان صاحب اُسی مسجد میں اُس کا یہ عجیب قصہ سنکر شب باشی کیلئے تشریف لائے

از برائے آزمودے آزمود　　　زانکہ بس مردانہ و جانباز بود

یعنی آزمایش کیلئے وہ آزماتا تھا اسلئے کہ بہت مردانہ اور جانباز تھا - یعنی چونکہ وہ جانباز اور مرد تھا اسلئے وہ آزمایش کیلئے اُس مسجد کی اس بات کو آزمانے آیا تھا -

گفت کم گیرم سر و اشکنبۂ　　　رفتہ گیر از گنج جان یک حبۂ

یعنی اُس مہمان نے کہا کہ میں سر اور اوجھ کو کم لیتا ہوں تو گنج جان سے ایک حبہ گیا ہوا فرض کر لے (سر و اشکنبہ سے مُراد تن) مطلب یہ کہ اُسنے کہا کہ مجھے اس تن کی ہلاکت کی پرواہ نہیں ہے اگر میرے گنج میں سے ایک حبہ یعنی تن کم ہی ہو گیا تو کیا ہو جاویگا میرا کوئی حرج نہیں -

صورت تن گو برو من کیستم　　　نقش کم نا بد چو من باقیستم

یعنی صورت تن کو کہدو کہ جاوے (کیونکہ) میں کون ہوں نقش کم نہیں آتا ہے جبکہ میں باقی ہوں

یعنی اُسنے کہا کہ اگر یہ صورت تن جاتی رہے اور یہ ہلاک ہوگئی تو کوئی غم نہین ہے اسلئے کہ مین یہ تن تھوڑا ہی ہون مین تو وہ جان اور روح ہون تو اگر مین یعنی روح باقی ہے تو نقش کی کیا کمی ہے اصل تو روح ہے اور وہ باقی رہے گی تو پھر مرنے سے کیا ڈر۔

چون نفخت بودم از لطف خدا — نفخ حق باشد ز نائے تن جدا

یعنی جبکہ مین لطف خدا سے نفخت تھا تو نفخ حق نائے تن سے جُدا ہوتا ہے۔

تا نیفتد بانگ نفخش این طرف — تا رہد آن گوہر از تنگین صدف

یعنی تاکہ اُس کی نفخ کی آواز اس طرف نہ پڑے اور تاکہ وہ گوہر تنگ صدف سے چھوٹ جاوے مطلب یہ ہے کہ میری اصل تو روح ہے اور اُس کی بابت حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ نفخت فیہ من روحی تو یہ تن اسلئے جُدا ہوتا ہے تاکہ حق تعالیٰ کا ارشاد نفخت الخ اس جسم ناسوتی پر واقع نہ ہو بلکہ روح پر واقع ہو لہذا اس تن سے یہ روح الگ ہوتی ہے اور دوسری مصلحت یہ ہے کہ یہ روح اس تن تنگ مین تنگ ہے اسلئے یہان سے چھوٹ کر بہ آرام سے بھی ہوجاوے گی۔

چون تمنوا الموت گفت ای صادقین — صادقم جان را برافشانم برین

یعنی جبکہ فرمایا ہے کہ اے صادقو موت کی تمنا کرو تو مین صادق ہون اور جان کو اُس پر افشان کرتا ہون مطلب یہ کہ اُسنے کہا کہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے تمنوا الموت ان کنتم صادقین تو بس مین صادق ہون اور تمنائے موت کرتا ہون اور مرتا ہون مجھے کچھ پرواہ نہین ہے

شرح حبیبی

قوم گفتندش کہ ہین اینجا مخسپ — تا نکوبد جانستانت ہمچو کسپ

کہ غریبی و نمیدانی تو حال — کاندرین جا ہر کہ خفت آمد زوال

اتفاقے نیست این ما بارہا — دیدہ ایم و جملہ اصحاب نہی

ہر کہ آن مسجد شبے مسکن شدش — نیم شب مرگ ہلاہل آمدش

از یکے تا پانصد این را دیده ام	نے بتقلید از کسے بشنیده ام
گفت الدین نصیحة آن رسول	آن نصیحت در لغت ضد غلول
این نصیحت راستے در دوستی	در غلول خائن و سگ پوستی
بے خیانت این نصیحت از وداد	می نمائیمت مگرد از عقل و داد

لوگون نے اُس سے کہا کہ آپ یہان نہ سوئین ایسا نہ ہو کہ وہ جان لیوا آپکو کہل کی طرح کوٹ ڈالے ہم یہ اسلئے کہتے ہین کہ آپ پردیسی ہیں یہاں کی حالت آپکو معلوم نہین اور آپ نہیں جانتے کہ جو یہان سویا اُسپر تباہی ضرور آئی اور یہ امر کوئی اتفاقی نہین ہے بلکہ ہمنے اور تمام عقلا نے یہ واقعات بارہا دیکھے ہین اور یہ نہین کہ تقلیداً کسی سے سن لیا ہو بلکہ بچشم خود ایک سے لیکر پانسو مرتبہ تک یہ واقعات دیکھے ہین اور اصل منشا ہماری اس گفتگو کا یہ ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مقتضائے دین خیر خواہی ہے اور خیر خواہی اپنے معنی لغوی کے لحاظ سے مخالف ہے خیانت کے اور ہمارا اطلاع نکرنا خیانت ہے لہذا اطلاع خیر خواہی ہوگی اور خیر خواہی ضروری ہے لہذا اطلاع ضروری ہوئی خیر خواہی یہی ہے کہ کسیکے ساتھ سچی دوستی اور ہمدردی کیجاوے اور اگر دہوکا کیا جاوے تو ایسا کرنے والا خائن اور سگ پوست ہوگا نہ کہ دوست اور خیر خواہ پس ہم یہ نصیحت تمکو محض دوستی سے اور بدون کسی خیانت کے کرتے ہین لہذا تمکو ماننا چاہئے اور مقتضائے عقل و انصاف سے نہ پہرنا چاہئے۔

شرح شبیری

اہل مسجد کا مہمان عاشق کو رات کو وہاں سونے سے ملامت کرنا

قوم گفتندش کہ ہین اینجا مخسپ | تانکوبد جانستانت ہمچو کسپ

یعنی قوم نے اُس سے کہا کہ ارے اس جگہ مت سونا کہ تیرا جان لینے والا تجہے کہل کی طرح کوٹ نہ دے۔

کہ غریبی و نمیدانی تو حال　　کاندرین جا ہر کہ خفت آمد زوال

یعنی کہ تو مسافر ہے اور حالت کو جانتا نہین ہے کہ اس جگہ جو کوئی سویا زوال آیا۔ یعنی لوگون نے کہا کہ بھائی تجھے خبر نہین ہے یہان جو سویا ہے اُس کی جان بچی نہین ہے یہان تو ہرگز مت سو

اتفاقی نیست این ما بار ہا　　دیدہ ایم و جملہ اصحاب نہی

یعنی یہ بات اتفاقی نہین ہے (بلکہ) ہمنے بار ہا دیکھا ہے اور سب اصحاب عقول نے (دیکھا ہے)

ہر کہ این مسجد شبے مسکن شدش　　نیم شب مرگ ہلاہل آمدش

یعنی یہ مسجد جس کی ایک رات کو مسکن ہوگئی ہے آدہی رات کو اُسے مرگ ہلاہل آیا ہے۔

از یکے تا پانصد این را دیدہ ایم　　نے بہ تقلید از کسے بشنیدہ ایم

یعنی ایک سے پانسو تک ہمنے اُسکو دیکھا ہے نہ کہ تقلیداً کسی سے سنا ہے یعنی سبنے کہا کہ میان ہمارا خود تجربہ ہے کہ جو یہان رات کو رہا وہ مارا گیا کسی سے سنی سنائی نہیں کہتے۔

گفت الدین النصیحۃ آن رسول　　آن نصیحت در لغت ضد غلول

یعنی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ الدین النصیحۃ اور وہ نصیحت لغت مین خیانت کی ضد ہے

این نصیحت راستی در دوستی　　در غلولی خائن و سگ پوستی

یعنی یہ نصیحت راستی ہے دوستی مین اور غلولی مین خائن اور سگ پوستی ہے مطلب یہ کہ حدیث مین جو الدین النصیحۃ آیا ہے تو وہ خیانت کی ضد ہے یعنی خیانت نکرو بلکہ نصیحت کرو تو وہ نصیحت تو دوستی اور راستی ہے اور خیانت مین خائن ہونا اور سگ پوست ہونا ہے۔

بے خیانت این نصیحت از وداد　　می نمائیمت مگرد از عقل و داد

یعنی بے خیانت کے یہ نصیحت دوستی کی وجہ سے ہم تجھے کر رہے ہین تو عقل و انصاف سے مت پھر یعنی سبنے کہا کہ دیکھ تجھے سمجھا رہے ہین سمجھ جا اور عقل کے خلاف کام مت کر کہ ایسی جگہ کہ جہان یقینی موت ہے تو جاتا ہے اُسکو سنکر اُسنے جواب دیا کہ

شرح حبیبی

گفت او اے ناصحان من بے ندم　　از جہان زندگی سیر آمدم

مبتلی ام زخم جو و زخم خواہ | عافیت کم جوئے از مبتلی براہ

مبتلی نے کو بود خود برگ جو | مبتلی ام لاابالی مرگ جو

مبتلم بے زخم ناساید تنم | عاشقم بر زخمہا برمی تنم

مبتلی نے کو بکف پول آورد | مبتلی چستے کزین پل بگذرد

آن نہ کو بر ہر دکانے می زند | بر جہد از کون و کانے بر زند

مرگ شیرین گشت و نقلم زین سرا | چون قفص ہشتن پریدن مرغ را

آن قفص کو ہست عین باغ در | مرغ می بیند گلستان و شجر

جوق مرغان از برون گرد قفص | خوش ہمی خوانند ز آزادی قصص

مرغ را اندر قفص زان سبزہ زار | نے خورش ماندست نے صبر و قرار

سر ز ہر سوراخ بیرون می کند | تا بود کاین بند از پا بر کند

چون دل و جانش چنین بیرون بود | آن قفص را در کشائی چون بود

نے چنان مرغ قفص در اندہان | گرد بر گردش بحلقہ گربگان

کے بود او را درین خوف و حزن | آرزوئے از قفص بیرون شدن

او ہمی خواہد کزین ناخوش حفص | صد قفص باشد بگرد این قفص

اُسنے کہا کہ اے ناصحو مین عالم زندگی سے سیر ہو چکا ہون اور اب مجھے نہ جینے کی ہوس ہے نہ آرزوئے مرگ سے پشیمان ہون مین اُس کاہل کی مثل ہون جو کہ اپنی کاہلی سے زخم کہائے

جاتا ہے اور بچتا نہین اسلئے گویا کہ وہ طالب زخم ہے پس جبکہ مین اُس کاہل کی مثل ہون اور کاہل سے طلب عافیت بیفائدہ ہے پس مجھے بھی طلب عافیت فضول ہے لہذا تم مجھسے بچنے کی درخواست مت کرو - کیونکہ جو سامان عافیت کی جستجو کرے وہ کاہل ہی نہین - اور مین کہہ چکا ہون کہ مین کاہل اور لاأبالی و طالب مرگ ہون پس مجھ مین اور طلب سامان عافیت مین منافات ہے اور چونکہ مین کاہل ہون اسلئے مجھے بدون زخم کے چین نہین آتا - اور چونکہ عاشق ہون اسلئے زخمون سے ہی تعلق رکھتا ہون اب مولانا فرماتے ہین کہ اس سے تم سمجھ سکتے ہو کہ کاہل وہ نہین جو طالب مال دنیا ہے بلکہ کاہل وہ چُست و چالاک شخص ہے جو اس پل سے گذر جائے اور دنیا پر لات مار دے اور کاہل وہ نہین جو طالب مال کیلئے دو کانون کو لپٹے اور حرص سے تجارت مین مشغول ہو بلکہ کاہل وہ ہے جو اس عالم سے تعلق قطع کر کے کان دولت (حق سبحانہ) سے وابستگی پیدا کرے یہانتک اس مضمون کو بیان کر کے پھر اُس مسافر کا مقولہ بیان کرتے ہین اور کہتے ہین کہ اُسنے کہا کہ میرے لئے تو مرنا اور اس جہان سے گذرنا یون مرغوب ہو گیا ہے جیسے کہ جانور کیلئے قفس سے چھوٹنا اور اُڑ جانا - اب مولانا پھر انتقال فرماتے ہین اور کہتے ہین کہ یاد رکھو کہ پنجرہ کے اندر جانورون کی دو حالتین ہوتی ہین ایک تو یہ کہ پنجرہ باغ مین کہا ہوا ہو اور پرندہ اُسکے سوراخون میں سے اپنی ہمجنس پرندون اور خوشنما درختون کو دیکھ رہا ہو اور حالت یہ ہو کہ پرندون کے جھنڈ کے جھنڈ پنجرہ کے گرد باہر کی جانب مزے سے آزادی کی حکایتین بیان کر رہے ہون - ایسی حالت مین وہ جانور اُس سبزہ زار کو دیکھکر کہانا پینا چھوڑ دیگا - اور آزادی کیلئے بیتاب ہو جائیگا اور بے قرار ہو کر ہر سوراخ سے سر باہر نکالیگا کہ کسی طرح اس قید سے چھوٹ جاؤن اب تم سوچو کہ جب اس جانور کا دل اور اُس کی جان یون باہر ہو تو اگر تم اس پنجرہ کا دروازہ کہولو تو مارے خوشی کے اُسکی کیا حالت ہو گی - دوسرے یہ کہ جانور مغموم و محزون ہو اور پنجرہ کے چارون طرف بلیان بیٹھی ہوئی ہون اُس کی حالت اُس مقدم الذکر جانور کی مثل نہو گی اور اُسکو اس رنج و غم کی حالت مین ہرگز رہائی کی آرزو نہو گی بلکہ وہ تو یہ چاہے گا کہ اس فی نفسہٖ نامرغوب مکان تنگ کی جنس سے اس پنجرہ کے گرد اور سو پنجرہ ہون پس یہی حالت اہل اللہ اور اہل دنیا کی ہے کہ اہل اللہ کو قید تن سے رہائی پانے کے

شرح شبیری

عاشق کا ناصحون اور ملامت گویون کو جواب دینا

گفت اوای ناصحان من بے ندم　　　از جہان زندگی سیر آمدم

یعنی اُس نے کہا کہ اے ناصحو مین بغیر کسی ندامت کے جہان زندگی سے سیر آگیا ہون یعنی مجھے اب زندگی کی ضرورت نہین ہے اور اب تو میرا دل جینے کو نہین چاہتا۔

منبلم بے زخم ناساید تنم　　　عاشقم بر زخمہا بر می تنم

یعنی مین کاہل ہون بے زخم کے میرا بدن آرام نہین پاتا۔ مین زخمون پر عاشق ہون اور اُن پہ تنتا ہون۔ مطلب یہ کہ قاعدہ ہے کہ جو کاہل ہوتے ہین وہ اکثر بدن دبواتے ہین اور کٹھواتے ہین تب اُنکو آرام ملتا ہے تو وہ کہتا ہے کہ مین تو کاہل ہون میرے بدن کو تو بے زخمون کے آرام نہین ملتا لہذا مین مرنے کو اور اپنے بدن کو زخم پہونچانے کو حاضر ہون۔

منبلے ام زخم جو و زخم خواہ　　　عافیت کم جوے از منبل براہ

یعنی مین کاہل ہون زخم جو اور زخم خواہ ہون تم کاہل سے راہ مین عافیت کم ڈہونڈہو یعنی جو کاہل ہوگا چلنے مین اُس کی عافیت اور خیریت سمجھو اسلئے کہ کاہل ہے وہ اپنے بچاو وغیرہ کی کوئی تدبیر نہ کرے گا اور کہتا ہے کہ

منبلے نے کو بود خود برگ جو　　　منبلے ام لاابالی مرگ جو

یعنی وہ کاہل نہین کہ جو خود برگ جو ہو (بلکہ مین ایک کاہل ہون بے پرواہ موت کا متلاشی یعنی مین ایسا کاہل نہین ہون کہ جو دوسروں سے مین یہ کہون کہ مجھے کچھ دو اور خود کچھ نکرون بلکہ مین ایسا کاہل ہون کہ اس دنیا سے بے پرواہ ہون اور موت کی تلاش مین ہون۔

منبلے نے کو بکف پول آورد　　　منبلے چستے کز ین پل بگذرد

یعنی وہ کاہل نہیں کہ جو ہاتھ مین پیسہ لاوے (بلکہ) وہ کاہل چست کہ اس پل سے گذر جاوے یعنی میں وہ کاہل ہون کہ جو اس ہستی دنیا سے گذرنے کو اور یہاں سے جانے کو ہر گھڑی اور ہر وقت تیار رہون۔

آن نہ کو بر ہر دو کانے می زند　　بل جہد از کون و بر کانے زند

یعنی وہ نہیں کہ جو ہر دو کان پر مارے بلکہ کون سے کود کر معدن پر مارے مطلب یہ کہ میں وہ نہیں ہون کہ ہر دو کان پر گداگری کرون اور بھیگ مانگون بلکہ مین ایسا کاہل ہون کہ اس ہستی سے گذر کر معدن حیات ابدی پر پہونچونگا -

مرگ شیرین گشت و نقلم زین سرا　　چون قفص ہشتن پریدن مرغ را

یعنی موت اور اس سرا سے منتقل ہونا مجھے شیرین ہو گیا ہے جیسے کہ قفس چھوڑنا اور اُڑنا جانور کو یعنی جسطرح کہ قفس کو چھوڑ کر جانور اُڑنے کا شایق ہوتا ہے اور اُڑجانا اُسکے لئے جیسا شیرین ہوتا ہے اسی طرح میرے لئے اس جہان سے چلا جانا شیرین اور لذیذ ہو گیا ہے

آن قفص کو ہست عین باغ در　　مرغ می بیند گلستان و شجر

یعنی وہ قفس جو کہ عین باغ مین ہو اور جانور باغ اور درخت دیکھ رہا ہے -

جوق مرغان از برون گرد قفص　　چون ہمی خوانند ز آزادی قصص

یعنی جانورون کے گروہ قفس کے باہر گرداگرد جب آزادی سے قصے پڑہین -

مرغ را اندر قفص زان سبزہ زار　　نے خورش ماندا ست نی صبر و قرار

یعنی (اُس) جانور کو قفس مین اُس سبزہ زار کی وجہ سے نہ کہانا رہا ہے اور نہ صبر و قرار رہا ہے (بلکہ اُس کی یہ حالت ہے کہ)

سر ز ہر سوراخ بیرون می کند　　تا بود کاین بند از پا بر کند

یعنی (قفس کے) ہر سوراخ سے سر باہر کرتا ہے تاکہ شاید کہ اس قید کو پاؤن سے نکالدے -

چون دل و جانش چنین بیرون بود　　آن قفص را در کشائی چون بود

یعنی جب اُس کا دل و جان اس طرح باہر ہووے تو (اگر) تو اُس قفس کا دروازہ کہولدے تو کیا ہووے مطلب "آن قفص کو ہست الخ" سے یہان تک کا یہ ہے کہ اُسنے جو کہا تھا کہ مجھے موت اور اس دنیا سے جانا ایسا شیرین ہے جیسے کہ جانور کو قفس سے چھوٹنا شیرین ہوا کرتا ہے اب ان اشعار مین جانور کے قفس سے چھوٹنے کا شیرین ہونا بیان فرماتے ہین کہ دیکھو جو جانور کہ اُس کا پنجرہ باغ مین رکہا ہو اور چارون طرف سے جانور بول رہے ہون تو وہ بے صبر ہو جاویگا - اور نہ اُسے

دانہ اچھا لگے گا نہ پانی بلکہ وہ پنجرہ کے ہر سوراخ سے سر باہر نکالے گا کہ کوئی تدبیر ایسی ہو کہ جس سے مین اس سے باہر نکل جاؤن اُس وقت اگر اُس کا پنجرہ کوئی کھولدے تو دیکھو اُسکو کسقدر مسرت ہوگی اسیطرح مین ہون کہ مین اپنے چارون طرف سے رحمت حق کو دیکھ رہا ہون جنت ہے، اُس مین میرے ہمجنس موجود ہین لہذا مجھے اس جہان سے جانیکا بہت ہی شوق ہے تو اس حالت مین اگر کوئی مجھے مار کر اس قفس حیات سے چھڑا دے تو اس سے زیادہ اور کیا بات مسرت اور خوشی کی ہوسکتی ہے اسی لئے مین موت کا سختی سے شائق ہون

نے چنان مرغ قفس در اندہان　　گرد بر گردش بحلقہ گربگان

یعنی نہ ایسا مرغ قفس کہ اندوہون مین (ہو) اور اُسکے گرداگرد حلقہ کئے ہوئے بلیان ہون

کے بود او را دران خوف وحزن　　آرزوئے از قفس بیرون شدن

یعنی اُسکو اُس خوف وحزن مین قفس سے نکلنے کی کب آرزو ہوگی (بلکہ)

او ہمی خواہد کزین ناخوش حفص　　صد قفس باشد بگرد این قفص

...... یعنی وہ یہ چاہتا ہے کہ اس ناخوش زنبیل سے سو قفس اس قفس کے گرد ہون مطلب یہ کہ اُسنے کہا کہ مین اُس مرغ کی طرح نہین ہون کہ جسکے پنجرہ کے گرد بلیان جمع ہون کہ ذرا سا اگر اُس کا پنجہ بھی باہر نکلا تو اُنہون نے پکڑلیا تو بیشک اُسکو قفس سے نکلنے کی تمنا نہ ہوگی بلکہ وہ تو یہ چاہے گا کہ اس پنجرہ کے گرد اور بہت سے پنجرے ہو جاوین تو اُسنے کہا کہ چونکہ مین ایسا نہین ہون بلکہ اُس مرغ کی طرح ہون جسکا ذکر اوپر آیا لہذا مین موت کا شائق ہون اور ان دونون مثالون مین مؤمنین اور کافرین کی حالت کی طرف بھی اشارہ ہے کہ مومنین تو موت کے شائق ہوتے ہین اسلئے کہ جنت کو اپنے چارون طرف دیکھتے ہین اور اپنے ہمجنسون کو دیکھتے ہین اور جو کافر ہین وہ موت سے متنفر ہوتے ہین اسلئے کہ اپنے چارون طرف عذاب ہی عذاب دیکھتے ہین (نعوذ باللہ منہ) آگے مولانا جالینوس کی حکایت لاتے ہین کہ وہ کہا کرتا تھا کہ بعد موت کے میرے اندر کچھ ذرا ذرا سی حیات رہے تاکہ مین اس جہان کو دیکھتا رہون تو وہ اسلئے کہتا تھا کہ اُسکو اُس جہان مین تو کچھ ملنے کی امید تھی نہین جو کچھ تھا وہ اُسی کو مایۂ حیات سمجھتا تھا لہذا تمنا کرتا تھا کہ میری یہ حیات باقی رہے تو اُس کی مثال اُس جانور کی سی ہوئی کہ جسکے قفس کے گرد بلیان ہون اور وہ نکلنا نہ چاہتا ہو۔ ایک حکایت سنو۔

شرح حبیبی

آنچنانکه گفت جالینوس راد ‌ ‌ ‌ از هوائے این جهان وازمراد
راضیم کز من بماند نیم جان ‌ ‌ ‌ که زکون استرے بینم جهان
گربه می بیند بگرد خود قطار ‌ ‌ ‌ مرغش آیس گشته بوداست ازمطار
یا عدم دیده است غیر این جهان ‌ ‌ ‌ در عدم نادیده او حشر نهان
چون جنین کش میکشد بیرون کرم ‌ ‌ ‌ می گریزد او پیش سوئے شکم
لطف رویش سوئے مصدر می کند ‌ ‌ ‌ او مقر در پشت مادر می کند
که اگر بیرون نهد زین شهر گام ‌ ‌ ‌ اے عجب دیگر نه بینم این مقام
یا درے بودے درین شهر وخم ‌ ‌ ‌ که نظاره کردمے اندر رحم
یا چو چشم سوزنے راهم بُدے ‌ ‌ ‌ که زبیرونم رحم دیده شدے
این چنین هم غافلست از عالمے ‌ ‌ ‌ همچو جالینوس او نامحرمے
او نداند کان رطوباتے که هست ‌ ‌ ‌ آن مدد از عالم بیرونے است
آنچنان که چار عنصر در جهان ‌ ‌ ‌ صد مدد دارد ز شهر لامکان
آب ودانه در قفس گر یافته است ‌ ‌ ‌ آن ز باغ وعرصهٔ در تافته است
جانهائے انبیا بینند باغ ‌ ‌ ‌ زین قفص در وقت نقلان و فراغ
پس ز جالینوس و عالم فارغ اند ‌ ‌ ‌ همچو مه اندر فلکها بازغ اند
ورز جالینوس این گفت افتریست ‌ ‌ ‌ پس جوابم بهر جالینوس نیست

این جواب آنکس آمد کاین بگفت
که نبودستش دلے با نور جفت

مرغ جانش موش شد سوراخ جو
چون شنید از گربگان او عرخو

زین سبب جانش وطن دید و قرار
اندرین سوراخ دنیا موش وار

هم درین سوراخ بنائی گرفت
در خور سوراخ دانائی گرفت

پیشہائے کہ مر اورا در مزید
اندرین سوراخ کار آید گزید

زانکہ دل برکند از بیرون شدن
بستہ شد راہ رہیدن از بدن

عنکبوت ار طبع عنقا داشتے
از لعابے خیمہ کے افراشتے

گربہ کردہ چنگ خود اندر قفص
نام چنگش صرع و سرسام و مغص

حصبہ و قولنج و مالیخولیا
سکتہ و سدّہ جذام و ماشرا

گربہ مرگست و مرض چنگال او
می زند بر مرغ و پر و بال او

گوشہ گوشہ می دود سوئے دوا
مرگ چون قاضی و رنجوری گوا

چون پیادہ قاضے آمد این گواہ
کہ ہمی خواند ترا تا حکم گاہ

مہلتے خواہی تو از وے در گریز
گر پذیرد شد و گرنہ گفت خیز

جستن مہلت دوا و چارہ ہا
کہ تنی بر خرقۂ تن پارہ ہا

عاقبت آید صباحے خصم وار
چند باشد مہلت آخر شرم دار

عذر خود از شہ بخواہ ای پر حسد
پیش از آنکہ آنچنان روزی رسد

وانکہ در ظلمت براند بارگی
برکند زان نور دل یکبارگی

می گریزد از گواہ و مقصدش	کان گواہ سوئے قضا میخواندش
ناگہان گیرند او را خوار و زار	کش کشان تا پیش قاضی شرمسار
زین گذر کن جانب آن شخص ران	کو بمسجد آمد آن شب میہمان

اُس کی حالت ایسی ہی ہوتی ہے جیسے کہ حکیم جالینوس نے اس جہان کی محبت اور اُسکے مقصود ہونیکی سبب کہا تھا کہ مین اسپر بھی راضی ہون کہ میری ذراسی ہی جان اس مین رہ جاوے یا یہ کہ ایک چھوٹا سا سوراخ میرے لئے ہو جس سے کہ مین مرنے کے بعد اس عالم کو دیکھ سکون بات کیا تھی جو وہ یہ کہتا تھا وجہ یہ تھی کہ وہ اپنے گرد بلیون کی قطار دیکھ رہا تھا یعنی عذاب الٰہی اُسکے پیش نظر تھا اور اُس کی روح جو ایک پرندہ کی مثل تھی اڑنے اور اس عذاب سے نجات پانے سے ناامید ہو چکی تھی یا یہ وجہ تھی کہ اس عالم کے علاوہ دوسرے عالم کو بالکل معدوم سمجھتا تھا اور عدم مین اُسکو مخفی حشر نظر نہ آتا تھا لہذا اُس کی ایسی حالت تھی جیسے کہ جنین کہ کرم حق اُسکو قید خانہ سے چھوڑا کر ایک وسیع عالم مین لانا چاہتا ہے مگر وہ اُسکو معدوم سمجھکر پیچھے کی جانب شکم کی طرف بھاگتا ہے عنایت حق اُسکو باہر لانا چاہتی ہے اور وہ پشت مادر ہی کو اپنا مستقر بنانا چاہتا ہے اور سمجھتا ہے کہ اگر اس شہر سے باہر مین نے قدم رکھا تو پھر مجھے یہ دلکش مقام دوبارہ نظر نہ آئیگا۔ پس یا تو مین اس شہر سے نکلون نہین اور اگر مجبوراً نکلنا ہو تو اس شہر مین کوئی دروازہ ہونا چاہئے جس سے کہ مین اس رحم کو دیکھکر جی خوش کر لیا کرون اور اگر دروازہ بھی نہو تو سوئی کے ناکہ ہی کی برابر کوئی راستہ ہو جس سے مین باہر سے رحم کو دیکھ سکون۔ پس یہ نامحرم جنین بھی یون ہی عالم دنیا سے ناواقف ہے جسطرح کہ جالینوس عالم آخرت سے وہ نہین جانتا کہ یہ رطوبات رحم جو اُسکے لئے مایۂ حیات ہین یہ بھی عالم بیرونی ہی سے حاصل ہوئی ہین جس کا وہ منکر ہے یا جسکو وہ ناپسند کرتا ہے جسطرح عالم دنیا مین چارون عنصرون کو شہر لامکان و عالم غیب سے جس کا جالینوس منکر تھا یا جسکو وہ ناپسند کرتا تھا سیکڑون امدادین پہونچتی ہین آب و دانہ جو اس جالینوس کو اس عالم مین ملتا ہے یہ اُسی باغ و میدان

غیب سے ظہور پذیر ہوا ہے پس رحم مین جنین کو یا دنیا مین جالینوس کو جو حیات حاصل ہے یہ
اُنہین عالمون کا صدقہ ہے جنکے وہ منکر یا کارہ ہین۔ اگر وہ معدوم ہوتے جیسا کہ اُن کا خیال ہے تو
خود یہ بھی نہ ہوتے۔ ارواح انبیاء چونکہ اُس باغ اور اس طمانینت کا جو کہ اُنکو وہان حاصل ہوگی
اس پنجرہ کو چھوڑنے اور اس سے انتقال کے وقت مشاہدہ کرتے ہین اسلئے وہ نہ جالینوس کی
پرواہ کرتے ہین اور نہ اس عالم کی بلکہ چاند کی طرح عالم بالا پر چمکتے ہین یہ گفتگو تو اُس وقت ہی جبکہ
واقع مین جالینوس نے ایسا کہا ہو جیسا کہ اُس کی طرف منسوب ہے اور اگر یہ قول اُسپر افترا ہے تو
میرا جواب جالینوس کو نہین ہے بلکہ اُسکو ہے جسنے ایسا کہا کیونکہ اُس کا دل نور معرفت سے منور
نہین ہے اور اُس کی جانکا پرندہ ایک چوہا ہے جو کہ بلی کی آواز سنکر سوراخ ڈھونڈھتا ہے اور
اسی سبب سے اُس کی جان نے چوہے کی طرح اس دنیا کو جو سوراخ کی طرح تنگ ہے وطن اور مستقر
بنا رکھا ہے اسی لئے وہ اس سوراخ مین عمارتین بناتا ہے اور اُسیکے موافق دانائی حاصل کرتا ہے
اور اسیلئے اُسنے اُن کامون کو اختیار کیا ہے جو اس سوراخ کے اندر ترقی حاصل کرنے مین کام
آئین کہ وہ سمجھ بیٹھا ہے کہ مجھے اس سوراخ سے باہر جانا نہین ہے اور بدن سے جُدائی کی ذرائع
مسدود ہین کیونکہ اگر وہ ایسا نہ سمجھتا اور عالم غیب کو اپنا وطن اصلی سمجھتا تو یہ سامان نہ کرتا۔ اور
مکڑی یعنی اہل دنیا مین اگر عنقا اہل اللہ کی خاصیت ہوتی ہے تو وہ کبھی لعاب یعنی ناپائیدار اور
کمزور اشیاء سے خیمہ نہ بناتے۔ کیونکہ بلی پنجرہ مین اپنے پنجے ڈال رہی ہے اور اسپر قابو پانے
کی کوشش کر رہی ہے پنجے سے کیا مُراد ہے۔ تَپ۔ سرسام۔ مروڑا۔ چیچک۔ قولنج۔ مالیخولیا
سکتہ۔ سدہ۔ جذام۔ ماشرا وغیرہ خلاصہ یہ کہ بلی موت ہے اور امراض اُسکے پنجے جسکو وہ
اُسکے پر و باز و پر مارتی ہے اور اُسکو پکڑنے کی کوشش کرتی ہے اور یہ کونہ کونہ دوا کیلئے
دوڑتا ہے اور اُس سے بچنے کی کوشش کرتا ہے یا یون کہو کہ مرض ایک قاضی ہے اور امراض
گواہ۔ اور یہ گواہ قاضی کے سپاہی کا کام دیتا ہے اور کہتا ہے کہ چلو قاضی صاحب تمکو
اپنے اجلاس مین طلب کرتے ہین۔ اب تم جان چُراتے ہو اور مہلت مانگتے ہو اگر اُسنے
مہلت دیدی تو وہ چلدیا۔ اور اگر مہلت ندی تو کہتا ہے کہ نہین تمکو ابھی حاضر ہونا پڑیگا۔ اور
زبردستی پکڑ لیجاتا ہے۔ مہلت مانگنے سے کیا مطلب ہے۔ دوائین تلاش کرنا اور خرقہ تن

مین پیوند لگانے کی کوشش کرتا پس جبکہ تم پے در پے مہلتین مانگتے ہو تو ایک روز وہ مخاصمانہ آتا ہے اور کہتا ہے کہ بھلے مانس تجھے شرم نہین آتی آخر مہلت کی کوئی حد بھی ہے اب مہلت نہین دیجا سکتی۔ میرے ساتھ چلو اور پکڑ کر لیجاتا ہے۔ اب مولانا فرماتے ہین کہ اسے کمبخت قبل اسکے کہ ایسا دن آئے کہ تجھے جان چھڑاتی پڑے اور بالآخر تجھے مجبورًا حاضر ہونا پڑے۔ حق سبحانہ سے معذرت کر کے اپنا قصور معاف کرائے اور اُسکے ساتھ تعلق پیدا کرے اور مہتدی ہو جا۔ کیونکہ جو شخص نور ہدایت حاصل کرلیتا ہے اُسکو قاضی موت سے کچھ خوف نہین ہوتا۔ اور نہ وہ جان چراتا ہے بلکہ بلانیکے ساتھ ہی اُسکے ساتھ ہو لیتا ہے اور جو شخص ظلمت ضلالت ہی مین گھورڑا چلاتا ہے اور ہدایت سے بالکل قطع تعلق کر لیتا ہے وہ اُس سپاہی اور اُسکے ارادہ سے بھاگتا ہے جو کہ اُسکو محکمۂ قاضی مین لیجانا چاہتا ہے مگر وہ اُس سے بچ نہین سکتا بلکہ اُسکو نہایت ذلت کے ساتھ ہی کھینچتے ہوئے قاضی کے پاس لیجاتے ہین اور وہ وہان نہایت شرمندگی کیساتھ جاتا ہے۔ اچھا اب اس قصّہ کو تو چھوڑو اور اُس شخص کی طرف رُخ کرو جو مسجد مین مہمان ہو کر آیا تھا۔

شرح شبیری

بیان اُس کا کہ جالینوس کا عشق حیات دنیا پر اسلئے تھا تاکہ وہ اسی عالم مین کام آوے اور اُسنے کوئی ہنر ایسا قبول نکیا تھا کہ اُس بازار مین کام آتا اور عوام سے ممتاز رہتا

آنچنانکہ گفت جالینوس راد — از ہوائے این جہان واز مراد

یعنی جیسا کہ جالینوس دانا نے اس جہان کی خواہش اور مراد کی وجہ سے کہا کہ

راضیم کز من بماند نیم جان — کہ ز کون استرے بینم جہان

یعنی مین راضی ہون کہ مجھسے آدھی جان رہ جاوے کہ مین خچر کی کون سے جہان کو دیکھون۔

یعنی وہ کہتا تھا کہ اول تو مین یہ چاہتا ہون کہ مین مرون ہی نہین اور اگر مرون تو خیر اسی پر راضی ہون کہ اس جہان کی طرف ذرا سا سوراخ مثل گوش سوزن کے رہجا دے کہ مین اُسکو دیکھ لیا کرون اور یہ میری پیش نظر رہے مولانا فرماتے ہین کہ یہ اس وجہ سے تمنا کرتا تھا کہ

گر ہمی بیند بگرد خود قطار مرغش آیس گشتہ بودست از مطار

یعنی وہ اپنے گرد بلیون کی قطار دیکھ رہا ہے اور اُس کا مرغ (روح) اُڑنے سے ناامید ہوگیا ہے۔ مطلب یہ کہ چونکہ اُسکو ترقی اور عروج مراتب عالیہ سے ناامیدی ہوچکی تھی اسلئے وہ تمنا کرتا تھا کہ اس جہان کو دیکھکر ہی مین دل خوش کر لیا کرون اسلئے کہ وہان تو عذاب ہی عذاب ہے کیونکہ کوئی عمل ایسا نہین ہے کہ کام آسکے لہذا اُس کی یہ تمنا تھی

یا عدم دیدست غیر این جہان در عدم نادیدہ او حشر نہان

یعنی یا اُسنے اس جہان کے علاوہ (سب کو) معدوم سمجھا ہے اور عدم مین اُسنے حشر نہان کو نہین دیکھا (مصرعہ ثانی مین عدم اضافی یعنی عالم غیب مراد ہے) مطلب یہ کہ یا تو اس تمنا کی وجہ یہ ہے کہ اپنے چارون طرف عتاب کو دیکھتا ہے اور یا یہ بات ہے کہ وہ بعد مرنیکے حیات کا اور ثمرات کے حصول کا قائل نہین ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ جو کچھ ہے بس یہ حیات دنیاوی ہی ہے اس مین جو مل رہے گا وہی ملیگا۔ لہذا تمنا کرتا ہے کہ اس مین سے کچھ باقی رہے تاکہ بعد موت بھی اس سے مسرور ہوا کرون بالکل بیکار اور معدوم نہ ہوجاؤن آگے مولانا جالینوس کی اس تمنا کی ایک مثال فرماتے ہین کہ وہ جو اس جہان سے نکلنا نہ چاہتا تھا اور اُس جہان مین جانا نہ چاہتا تھا اُسکی ایسی مثال ہے

چون جنین کش میکشد بیرون کرم می گریزد او سپس سوئے شکم

یعنی جیسے کہ جنین کہ اُسکو کرم باہر کھینچتا ہے اور وہ پیٹ کی طرف پیچھے کو بھاگتا ہے۔

لطف رویش سوئے مصدر میکند او مقر در پشت مادر می کند

یعنی لطف (حق) اُس کا منہ نکلنے کی طرف کرتا ہے اور وہ پشت مادر مین ٹھکانا کرتا ہے (اور سمجھتا ہے کہ) کہ اگر بیرون نہم زین شہر گام اے عجب دیگر نہ بینم این مقام

یعنی کہ اگر مین اس شہر سے قدم باہر رکھونگا تو اے پھر مین اس مقام کو نہ دیکھونگا (اور کہتا ہے کہ)

یا درے بودے درین شہر وخم ۔۔۔ تا نظارہ کردمے اندر رحم

یعنی اس شہر وسیع مین کوئی دروازہ ہوتا تاکہ مین رحم کے اندر نظارہ کیا کرتا (اور تمنا کرتا ہے کہ)

یا چو چشم سوزنے راہم بدے ۔۔۔ کہ زبیرون رحم دیدہ شدے

یعنی یا سوئی کے ناکہ کی برابر مجھے راستہ ہوتا کہ رحم کے باہر سے دیکھا جاتا ۔ مطلب یہ کہ دیکھو جنین کو جب حق تعالیٰ رحم سے باہر نکالنا چاہتے ہین تو وہ نکلتا نہین ہے بلکہ اُسی مین رہنا چاہتا ہے اور جب نکلنے ہی لگتا ہے تو تمنا کرتا ہے کہ افسوس ایسا شہر خوش پھر کہان دیکھنے کو ملیگا ۔ پس کوئی تدبیر ہوتی کہ مین اُسکے اندر دیکھ لیا کرتا خواہ کوئی ذرا سا سوراخ ہوتا کہ اُسکے اندر سے جہانک لیا کرتا لیکن ہر عاقل اس جنین کی اس حرکت کو اور اُس کی عقل کو نفرت کی نگاہ سے دیکھے گا تو اسی طرح جالینوس یا جو اُسکے مثل ہو جب دنیا مین رہنا چاہتا ہے اور آخرت مین جانے سے گبھراتا ہے ۔ اہل عقل و اولیاء کے نزدیک وہ بھی ایسا ہی قابل نفرت اور لائق مضحکہ ہے ۔ آگے اس جنین کی اس تمنا کی وجہ فرماتے ہین کہ ۔

این جنین ہم غافلست از عالمے ۔۔۔ ہمچو جالینوس او نامحرمے

یعنی یہ جنین بھی ایک عالم سے غافل ہے اور مثل جالینوس کے وہ نامحرم ہے یعنی جسطرح کہ جالینوس عالم غیب سے غافل ہو کر اس عالم دنیا مین رہنے کی تمنا کرتا تھا اسیطرح وہ بچہ بھی اس عالم دنیا سے غافل ہو کر رحم مین رہنے کی تمنا کرتا ہے ۔

او نداند کان رطوباتے کہ ہست ۔۔۔ آن مدد از عالم بیرونی است

یعنی وہ نہین جانتا کہ جو رطوبتین ہین وہ عالم بیرونی ہی سے مدد ہے یعنی جن چیزون پر رحم کی کہ یہ عاشق ہو رہا ہے اور اُنکو اپنا مایۂ حیات سمجھے ہوئے ہے اسے یہ خبر نہین کہ یہ اس عالم دنیا ہی سے مدد پہونچ کر پیدا ہوتی ہے اور اگر اس عالم مین آگیا تو اس سے لاکھون درجہ اچھی غذائین اسکو ملین گی

آنچنان کہ چار عنصر در جہان ۔۔۔ صد مدد دارد ز شہر لامکان

یعنی جیسا کہ چار عنصر جہان مین کہ شہر لامکان سے سو مدد رکھتے ہین ۔

آب و دانہ در قفس گر یافتہ است ۔۔۔ آن ز باغ و عرصۂ در یافتہ است

یعنی قفس مین اگر آب و دانہ پالیا ہے تو وہ باغ اور میدان سے پایا ہے مطلب یہ کہ دنیا مین جو چار

عناصر مین انکو عالم غیب سے مدد پہونچ رہی ہے اسلئے یہ خوشنما معلوم ہوتے ہین۔ ورنہ اگر اُس طرف سے مدد نہ ہو تو سب غارت ہو جاوین تو اس سے قیاس کرو کہ اُس جہان مین کیسی کچھ خوبیان اور خوشنمائیان ہون گی۔ لیکن جسطرح کہ جنین کو اُن خوبیون کی خبر نہین ہے اسیطرح اُس شخص کو جو دنیا مین منہمک ہے اُس عالم کی خبر نہین ہے تو وہان جاتا ہوا گھبراتا ہے۔

جانہائے انبیا بینند باغ　　　زین قفس در وقت نقلان فراغ

یعنی انبیاء علیہم السلام کی ارواح اس قفس (دنیا) مین سے منتقل و فارغ ہونیکے وقت باغ دیکھتے ہین۔ پس ز جالینوس و عالم فارغ اند　　　ہمچو ماہ اندر فلکہا بازغ اند

یعنی پس وہ حضرات جالینوس اور عالم سے فارغ ہین اور چاند کی طرح افلاک مین بازغ ہین۔ (جالینوس سے فارغ ہونا اُسکے مشرب سے فارغ ہونا) مطلب یہ کہ چونکہ ان حضرات انبیاء و اولیاء کی ارواح کو اس دنیا سے وہ عالم نظر آتا ہے جیسے کہ وہ جانور قفس مین سے باغ کو دیکھ رہا تھا تو یہ حضرات اُس عالم مین جانیکی آرزو کرتے ہین اور جالینوس کی طرح اس عالم مین رہنے کے متمنی نہین ہوتے اسلئے کہ یہ تو اُنکے نزدیک قفس ہے پھر اُس مین اُن کا دل کسطرح رہنے کو چاہے گا۔ حاصل یہ کہ جسکو اُس عالم مین جانے سے اُمید بہبودی اور فلاح کی ہو گی وہ تو اس عالم کو قفس سمجھکر یہان سے نکلنا چاہے گا اور جو اسکو ملجا و ماوا جانے گا وہ اسی مین لگا رہے گا اب چونکہ مولانا نے جالینوس کی یہ حکایت صرف سنی ہے کوئی یقین نہین ہے لہذا آگے احتیاط کی وجہ سے فرماتے ہین کہ

ور ز جالینوس این قول افتریست　　　پس جوابم بہر جالینوس نیست

یعنی اور اگر جالینوس سے یہ قول افترا ہے تو میرا جواب جالینوس کو نہین ہے۔ یعنی اگر کسی نے جالینوس کی طرف اس قول کو غلط منسوب کر دیا ہے تو پھر میرا روئے سخن اُس کی طرف نہ ہو گا (بلکہ)

این جواب آنکس آمد کاین بگفت　　　کہ نبودستش دلے با نور جفت

یعنی یہ اس شخص کا جواب ہو گا جسنے کہ یہ کہا کہ اُس کا دل نور کیساتھ قرین نہ تھا یعنی ہم یہ کہین گے کہ اُسکو نور قلب حاصل ہی نہ تھا لہذا ہم اُسی شخص کو خطاب کرینگے اور کہین گے کہ۔

مرغ جانش موش شد سوراخ جو　　　چون شنید از گربگان او عرِّ غوا

یعنی مرغ جان اُس کا موش ہو گیا ہے سوراخ کا ڈہونڈھنے والا تو جب اُسنے بلیون سے غر غر سنا

(غ غوا ـ تعبیر ہے بلی کی آواز کی جسکو اُردو مین غُر غُر کہتے ہین) مطلب یہ کہ جس کا یہ قول ہے اسکے مرغ جان نے جب وہان کے عذاب دیکھے تو چوہے کی طرح دبک رہا۔

زان سبب جانش وطن دید و قرار اندرین سوراخ دنیا موش دار

یعنی اسی سبب سے اُس کی جان نے وطن اور قرار چوہے کی طرح اس سوراخ دنیا ہی مین دیکھا

ہم درین سوراخ بنائے گرفت در خور سوراخ دانائے گرفت

یعنی اسی سوراخ مین معماری اختیار کی اور سوراخ ہی کے لائق دانائی اختیار کر لی۔

پیشہائے کہ مرا اورا در مزید اندرین سوراخ کار آید گزید

یعنی وہ پیشے کہ اُسکو زندگی بسر کرنے مین اس سوراخ مین کام آدین قبول کر لئے۔ مطلب یہ کہ چونکہ اُس قائل کا مرغ جان موش کی طرح ہو گیا ہے لہذا اس سوراخ دنیا مین اُسنے بود و باش اختیار کر لی ہے اسی کے لائق اُسکو عقل ہے اسی کے مناسب اُسنے گھر بنایا اور ایسے ہی پیشے اختیار کئے کہ جن سے اس دنیا مین راحت مل سکے اور یہ سب اسلئے ہے کہ

زانکہ دل بر کند از بیرون شدن بستہ شد راہ رہیدن از بدن

یعنی اسلئے کہ اُسنے باہر جانے سے دل اکھاڑ لیا ہے اور بدن سے چھوٹنے کی راہ بند ہو گئی ہے یعنی مدارج عالیہ پر پھونچنے کی اب صلاحیت نہین رہی ہے۔ سارے در بند ہو گئے اور اُسنے سمجھ لیا ہے کہ بس یہین رہنا ہے لہذا اسیکو ماوا و ملجا بنا لیا ہے آگے پست ہمتی کی وجہ سے ذلیل اشیاء کو اختیار کرنے کی نظیر بیان فرماتے ہین کہ۔

عنکبوت ار طبع عنقا داشتی از لعابے خیمہ کے افراشتی

یعنی لکڑی اگر طبیعت عنقا کی رکھتی تو ایک لعاب سے خیمہ کیون بلند کرتی ـ یعنی لعاب جیسی کمزور شئے سے گھر کیون بناتی اُس کا ایسے کمزور مقام کو اختیار کرنا صاف اُس کی پست ہمتی کی دلیل ہے۔ اسیطرح دنیادار کی چونکہ ہمت پست ہے اور عالی مراتب سے مایوس ہو چکا ہے لہذا وہ اس ذلیل و خوار دنیا کا غلام بنا ہوا ہے اوپر جو کہا تھا کہ اُس قائل کا مرغ جان مثل موش کے ہو گیا ہے اور اُسکے چارون طرف بلیات جان غرا رہی ہین ـ آگے پھر اُسی مضمون کی طرف رجوع ہے کہ۔

گربہ کردہ چنگ خود اندر قفص نام چنگش درد و سرسام و مغص

یعنی بلی اپنا پنجہ قفس میں ڈالے ہوئے ہے اور اُسکے پنجہ کا نام درد سر اور سرسام اور پیچش ہے

حصبۂ و قولنج و مالیخولیا سکتۂ و سل و جذام و ماشرا

یعنی چیچک ہے اور قولنج اور مالیخولیا ہے۔ سکتہ اور سل اور جذام اور ماشرا ہے (ماشرا ایک ورم ہوتا ہے جوکہ صفرا کی وجہ سے پیدا ہوجاتا ہے)۔

گربہ مرگست و مرض چنگال او می زند بر مرغ و پر و بال او

یعنی بلی تو موت ہے اور مرض اُسکے پنجے ہیں وہ مرغ (جان) اور اُسکے پر و بال پر مارتی ہے

گوشہ گوشہ می دود بہر دوا مرگ چون قاضی و رنجوری گوا

یعنی وہ (مرغ جان) علاج کیلئے کونہ کونہ دوڑتا ہے موت تو قاضی کی طرح ہے اور مرض گواہ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جس طرح کہ جس جانور کے پنجرہ کے چارطرف بلیاں ہوں اور وہ پنجے مارتی ہوں تو وہ جانور بھاگتا پھرتا ہے اسیطرح موت جو بلی کی طرح ہے وہ مرض کو تمپر مسلط کرتی ہے جوکہ اُس بلی کے پنجہ کیطرح ہے تو جب مرض آتا ہے تو دنیادار علاج کیلئے بھاگے پھرتے ہیں مگر موت اور مرض کی ایسی مثال ہے کہ جیسے قاضی اور اُس کا پیادہ ہوتا ہے کہ جب قاضی نے پیادہ کو بھیجا تو وہ تمکو پکڑ کرلے ہی جاویگا اگر تمنے اُس سے کہا سنا اور آج چھوڑ بھی دیا تو کل کو ضرور پکڑ کر لیجاویگا۔ اسی طرح اگر مرض سے آج بچ گئے اور قاضی موت صاحب کی خدمت میں آج حاضر نہ ہوئے تو اُسکے بعد وہ پکڑ کر لیجاویگا اور تمکو چھوڑنے والا نہیں ہے۔ تو جب اُس سے مفر نہیں ہے تو بہتر ہے کہ قبل اسکے کہ پکڑ کر جاؤ خود ہی حاضر ہوجاؤ اور معذرت کرلو آگے خود اُسیکو بیان فرماتے ہیں کہ۔

چون پیادہ قاضی آمد این گواہ کہ ہمی خواند ترا تا حکم گاہ

یعنی یہ گواہ مثل پیادہ قاضی کے ہے کہ وہ تمکو عدالت تک بلاتا ہے یعنی یہ گواہ موت کے یعنی مرض صرف گواہ ہی نہیں ہے بلکہ سپاہی بھی ہے یہ ضرور تمکو پکڑ لیجاویگا۔

مہلتے خواہی تو از وے در گریز گر پذیرد شد وگرنہ گفت خیز

یعنی تم اُس سے بھاگنے کیلئے مہلت چاہتے ہو اگر قبول کرلیا تو چلا گیا ورنہ اُسنے کہا کہ اُٹھ۔ یعنی تم اُس سپاہی سے مہلت مانگتے ہو تو اگر اُسنے مہلت کو قبول کرلیا تو خیر چھوڑ گیا ورنہ پھر اُسنے کہا کہ اُٹھو

اور یہ کہکر لیکر روانہ ہو گیا۔

جستن مہلت دوا و چارہا　　که زنی بر خرقۂ تن پارہا

یعنی مہلت کا تلاش کرنا دوا اور علاج ہین کہ تم خرقۂ تن پر پیوند لگاتے ہو یعنی تم جو علاج کرتے ہو یہ بحائے اسکے ہے کہ جیسے سپاہی سے مہلت مانگی تو خیر کبھی مہلت دیدیتا ہے مگر

عاقبت آید صبحے خصم وار　　چند باشد مہلت آخر شرم دار

یعنی آخر کار ایک صبح کو دشمن کی طرح آتا ہے (اور کہتا ہے کہ) آخر مہلت کہانتک ہوگی شرم کر یعنی وہ مہلت نہین دیتا اور تم جو مہلت مانگتے ہو یعنی علاجات کرتے ہو تو وہ کہتا ہے کہ ارے اب کبتک مہلت دین کچھ شرم کر کہ کتنی مرتبہ مہلتین لیچکا ہے بس اب تو چل۔ مولانا فرماتے ہین کہ

عذر خود از شہ بخواہ ای پر حسد　　پیش از انکہ آنچنان روزی رسد

یعنی اے پر حسد بادشاہ سے اپنا عذر اُس سے پہلے چاہ لے کہ ایسا دن پہونچے یعنی اس سے پہلے کہ تیری یہ گت بنے اور تجھے کشان کشان عدالت مین لیجاوین تو خود عذر خواہی کرلے کہ معاف ہو جاویگا۔ اور پھر ساری بلائین دور ہو جاوینگی۔

وانکہ در ظلمت براند بارگی　　برکند زان نور دل یکبارگی

یعنی اور جو شخص کہ گھوڑے کو ظلمت مین چلاتا ہے اور اُس نور سے ایکبارگی دل اکھاڑ لیتا ہے یعنی اُسکو وہ نور تو میسر نہین ہوتا اور وہ توبہ نہین کرتا بلکہ ہمیشہ ظلمت معصیت ہی مین رہتا ہے نعوذ باللہ

میگریزد از گواہ و مقصدش　　کان گواسوئے قضا میخواندش

یعنی وہ گواہ اور اُسکے مقصد سے بہاگتا ہے کہ وہ گواہ اُسکو قضا کی طرف بلاتا ہے۔ یعنی چونکہ وہ گواہ اور پیادہ اُسکو فیصلہ کرنے کے واسطے بلاتا ہے تو یہ اُس سے بھاگتا ہے کیونکہ اُس مین اسکی ساری قلعی کہلتی ہے آخر یہ انجام ہوتا ہے کہ

ناگہان گیرند اورا خوار و زار　　کش کشان تا پیش قاضی ہر مشار

یعنی ناگاہ اُسکو خوار و زار کرکے پکڑ لیتے ہین کھینچتے ہوئے قاضی کے سامنے مشار یعنی جب کہ خود اپنی خوشی سے نہین جاتا تو آخر کشان کشان لیجاتے ہین اور قاضی یعنی موت کے پاس لیجا کھڑا کرتے ہین اُس وقت سخت شرمندگی ہوتی ہے اسلیئے کہ ابتک بھاگتا ہی پھرتا تھا اب مولانا اس سے

انتقال فرماکر اُس مہمان کے قصہ کی طرف رجوع فرماتے ہین کہ۔

زین گذر کن جانب آن شخص ران ‏ ‏ ‏ کو بمسجد آمد آن شب میہمان

یعنی اس سے گذر کر اُس شخص کی طرف چلو جو کہ اُس رات کو مسجد مین مہمان آیا ہے۔ (اب آگے اُسی کا قصہ بیان فرماتے ہین کہ)

شرح جلیبی

قوم گفتندش مکن جلدی برو ‏ ‏ ‏ تا نگردد جامہ جانت گرو

آن ز دور آسان نماید بہ نگر ‏ ‏ ‏ کہ بآخر سخت باشد رہ گذر

بس کسا کاو بخت خود را از نخست ‏ ‏ ‏ وقت پیچاپیچ دستاویز جست

پیشتر از واقعہ آسان بود ‏ ‏ ‏ در دل مردم خیال نیک و بد

چون در آید اندرون کارزار ‏ ‏ ‏ آن زمان گردد بر آن کس کار زار

چون نہ شیرے ہین منہ پائے تو پیش ‏ ‏ ‏ کان اجل گرگست و جان تست میش

ور ز ابدالے و میشت شیر شد ‏ ‏ ‏ ایمن آ کہ مرگ تو سر زیر شد

کیست ابدال آنکہ او مبدل شود ‏ ‏ ‏ خمرش از تبدیل یزدان خل شود

لیک مستِ شیر گیرے و ز گمان ‏ ‏ ‏ شیر پنداری تو خود را ہین مران

گفت حق ز اہل نفاق نا سدید ‏ ‏ ‏ باسہم ما بینہم باس شدید

درمیان ہمدگر مردانہ اند ‏ ‏ ‏ در غزا چون عورتان خانہ اند

گفت پیغمبر سپہدار غیوب ‏ ‏ ‏ لا شجاعۃ یا فتی قبل الحروب

وقت لاف غزو مستان کف زنند / وقت جوش جنگ چون کفِ می فقد

وقت ذکر غزو شمشیرش دراز / وقت کر و فر تیغش چون پیاز

وقت اندیشۂ دل او غزو جو / پس بیک سوزن تہی شد خیک او

من عجب دارم ز جویائے صفا / کو رمد در وقت صیقل از جفا

عشق چون دعوی جفا دیدن گواه / چون گواہت نیست شد دعوی تباه

چون گواہت خواہد این قاضی مرنج / بوسه ده بر مار تا یابی تو گنج

آن جفا با تو نباشد اے پسر / بلکہ با وصف بدے اندر تو در

بر نمد چوبے کہ آنرا مرد زد / بر نمد آنرا نزد بر گرد زد

گر بزد مر اسپ را آن کینہ کش / آن نزد بر اسپ زد بر سکسکش

تا ز سکسک وارہد خوش پے شود / شیرہ را زندان کنی تا می شود

آن یکے میزد یتیمے را بقہر / قند بود آن لیک بنموده چو زہر

دید مردے آنچنانش زار زار / آمد و بگرفت زودش در کنار

گفت چندان آن یتیمک را زدی / چون نہ ترسیدی ز قہر ایزدی

گفت او را کے زدم اے جان دوست / من بر آن دیوی زدم کو اندروست

مادر ار گوید ترا مرگ تو باد / مرگ آن خو خواہد و مرگ فساد

آن گروہے کز ادب بگریختند / آب مردے و آب مردان ریختند

عاذلان شان از وغا وا راندند / تا چنین حیز و مخنث ماندند

لاف و غرّہ ژاژ خا را کم شنو ۔۔۔ با جنینہا در صف ہیجا مرو

زانکہ زادوکم خبالا گفت حق ۔۔۔ کز رفاق سست برگردان ورق

کہ گر ایشان با شما ہمرہ شوند ۔۔۔ غازیان بے مغز ہمچون کہ شوند

خویشتن را با شما ہم صف کنند ۔۔۔ پس گریزند و دل صف بشکنند

پس سپاہے اندکے بے این نفر ۔۔۔ بہ کہ با اہل نفاق آید حشر

ہست بادام کم خوش بیختہ ۔۔۔ بہ ز بسیاری بتلخ آمیختہ

تلخ و شیرین گر بصورت یک شئی اند ۔۔۔ نقص ازان اُفتاد کہ ہمدل نی اند

گبر ترسان دل بود کو از گمان ۔۔۔ می زید در شک ز حال آن جہان

می رود در رہ نداند منزلے ۔۔۔ گام ترسان می نہد اعمی دلے

چون نداند رہ مسافر چون رود ۔۔۔ با ترددہا و دل پر خون رود

ہر کہ گوید ہائے این سو راہ نیست ۔۔۔ او کند از بیم آنجا وقف و ایست

ور بداند رہ دل باہوش او ۔۔۔ کے رود ہر ہاؤ ہو در گوش او

پس مشو ہمراہ این اشتر دلان ۔۔۔ زانکہ وقت ضیق و بیم اند افلان

پس گریزند و ترا تنہا ہلند ۔۔۔ گرچہ اندر لاف سحر بابل اند

تو ز رعنایان مجو ہین کارزار ۔۔۔ تو ز طاؤسان مجو صید و شکار

طبع طاؤسیت وسواست کند ۔۔۔ دم دہد تا از مقامت بر کند

لوگوں نے کہا میاں جاؤ اور مسجد میں جانے میں جلدی نکرو تا کہ تمہارے جان کے کیڑے (یعنی تمہاری جان جو کہ مثل کیڑوں کے ہے) محبوس نہ ہو جائیں اس میں قیام کرنا دور ہی سے آسان

معلوم ہوتا ہے مگر خوب سمجھ لوکہ آخر مین یہ راستہ بہت دشوار گزار ہوگا بہت سے ایسے لوگ
ہین جو اپنے کو پہلے پھنسا دیتے ہین اور جب کشمکش مین پڑتے ہین تو سہارا ڈھونڈھتے ہین اور
چاہتے ہین کہ کوئی ہمکو اس بلا سے نکالے۔ واقعہ سے پہلے اس کا خیال خواہ اچھا ہو خواہ بُرا
نہایت آسان معلوم ہوتا ہے اور جب معرکہ کا سامنا ہوتا ہے اُسوقت اُنپر مصیبت پڑتی ہے
جبکہ تم شیر نہین ہو تو خبردار جنگ مین قدم نہ رکھو کیونکہ موت ایک بھیڑیا ہے اور تمہاری
جان بھیڑ پس موت کا اسیر قابو پالینا کچھ دشوار نہین ہان اگر تم کوئی ابدال ہو اور تمہاری
جان جو پیشتر بھیڑ کے مانند کمزور تھی اب شیر کی مانند قوی ہوگئی ہے تو اب تمکو کچھ اندیشہ نہین ہے
آب آجاؤ کیونکہ اب موت مغلوب ہے جانتے ہو کہ ابدال کون لوگ ہین یہ وہ لوگ ہین جن کی
کایا پلٹ ہوچکی ہے اور قلب ماہیت ہوکر شراب سے سرکہ بنگئے ہین۔ یعنی خدا نے اُنکو نجس العین
سے مظہر الذات بنادیا ہے لیکن ہمکو قرینہ سے معلوم ہوتا ہے کہ تم ابھی نیم مست یعنی ناقص ہوگو
تم اپنے زعم باطل مین اپنے کو شیر اور کامل سمجھتے ہو پس دیکھو تم وہان نہ جاؤ۔ دیکھو حق سبحانہ
نے بداطوار منافقین کی نسبت فرمایا ہے ؏ بینہم شدید۔ یعنی آپس مین تو خوب بہادر
ہین اور جب لڑائی مین آتے ہین تو ایسے بزدل ہوجاتے ہین جیسے گھرون کی مستورات۔ نیز
جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جنگ سے پہلے شجاعت ہرگز قابل اعتماد
نہین لوگ لڑائی سے پہلے تو مستون کی طرح پُرجوش ہوتے اور تالیان بجاتے ہین مگر جب جوش
اور لڑائی کا وقت آتا ہے اُسوقت جھاگ کی طرح بیٹھ جاتے ہین جب لڑائی کا تذکرہ ہوتا ہے اُس
وقت تو اُن کی تلوارین کھنچی ہوتی ہین اور جب کر و فر کا وقت ہوتا ہے اُسوقت وہ تلوارون کو لپیٹ کر
پیاز کی مانند کر لیتے ہین خیال جنگ کے وقت تو اُنکے دل مین لڑائی کی آرزو ہوتی ہے مگر جب
کوئی ذرا سا بھی زخم لگتا ہے اُس وقت اُن کا سارا جوش نکلجاتا ہے اور مشک کی طرح خالی ہوجاتے
ہین۔ پس اس سے تم اپنے جوش و خروش کا اندازہ کرلو اور سمجھ لو کہ یہ جب ہی تک ہے جبتک
کہ بلا کا سامنا نہین ہوا اور جب سامنا ہوگا سارے نشے ہرن ہوجائین گے اب ایک مضمون ارشادی
کی طرف انتقال فرماتے ہین اور کہتے ہین کہ مجھے سالکین خام پر تعجب ہوتا ہے کہ وہ صفا چاہتے ہین اور
جب صیقل ہوتی ہے اور اُسکے لئے اُنکو ریاضت و مجاہدات کرنے پڑتے ہین تو تکلیف سے بھاگتے ہین

اُن کو یاد رکھنا چاہئے کہ اُن کا عشق ایک دعویٰ ہے اور تحمل مشاق اس کا ثبوت پس جب تمہارے
پاس ثبوت نہ ہوگا تو لامحالہ دعویٰ خارج ہوگا پس جبکہ محبوب تمسے تمہارے دعوے عشق کا
ثبوت مانگے تو تمکو جزبز نہ ہونا چاہئے بلکہ مار تکالیف کو چوم چاٹ کر قبول کرنا چاہئے تاکہ گنج
وصل حاصل کرسکو اور یہ بھی واضح رہے کہ ان تکالیف سے مقصود تمکو تکلیف پھونچانا نہین ہے
بلکہ اُن سے اُن اوصاف کہ ذمیمہ کا ازالہ مقصود ہے جو تمہارے اندر ہین مثلاً جب کوئی شخص نمدہ
پر لکڑی مارتا ہے تو اُس سے اس نمدہ کو مارنا مقصود نہین ہوتا بلکہ گرد کو مارنا مقصود ہوتا ہے
یون ہی اگر کوئی جلے تن گھوڑے کو مارتا ہے تو وہ حقیقت مین گھوڑے کو نہین مارتا بلکہ اُس کی شرارت
کو مارنا مقصود ہوتا ہے تاکہ وہ شرارت کو چھوڑ کر خوش قدم ہوجاوے۔ نیز دیکھو تم شیرہ
کو قیدخانۂ خم مین قید کرتے ہو اس سے تمکو مقصود یہ ہوتا ہے کہ اُس کی صفت شیرہ بدل جاوے
اور وہ صفت مے اختیار کرلے ورنہ اُس کی ذات سے خصومت نہین ہوتی۔ علےٰ ہذا ایک شخص ایک یتیم
کو مار رہا تھا بیمار اگرچہ قند تھی مگر خود اسکو اور نیز دوسرے دیکھنے والون کو زہر معلوم ہوتی تھی چنانچہ
ایک شخص نے اُسکو اس خستہ حالت مین دیکھا تو آیا اور فوراً اُسکو گود مین اُٹھالیا اور مارنے
والے سے کہا کہ میان تمنے اس بیچارہ یتیم کو اسقدر مارا ہے تمہین خدا کا بھی خوف نہ آیا۔ اُسنے کہا
جناب مین نے اسے نہین مارا بلکہ اُس شیطان کو مارا ہے جو اسکے اندر حلول کئے ہوئے ہے
اور دیکھو مان اگر تمسے کہتی ہے کہ تو مرجاوے تو وہ تمہارا مرنا نہین چاہتی بلکہ اُس خصلت
بد کا مرنا چاہتی ہے جس سے اُسکو تکلیف ہوتی ہے اور اُس خرابی کا دفع ہونا چاہتی ہے جو تمہارے
اندر ہے پس یاد رکھو کہ جو لوگ ادب سے بھاگتے ہین وہ شجاعت کو دھبہ لگاتے ہین اور بہادرون
کو بھی بدنام کرتے ہین لوگ کبھی تو ادب سے خود اپنی کمزوری کے سبب بھاگئے ہین اور کبھی یہ ہوتا ہے
کہ ملامت گر اُن کو میدان جنگ بالنفس و شیطان سے بھگا دیتے ہین اور وہ ویسے کے ویسے
ہی حیز اور مخنث رہجاتے ہین جیسے کہ لوگ اُس مہمان کو بھگانا چاہتے ہین پس جبکہ نفس و شیطان
سے لڑنیکے لئے نکلو تو ایسے بیہودہ لوگون کی شیخیان اور بہادری کے جھوٹے لمبے چوڑے دعوی
دسنو اور نامردون کی ساتھ جنگ مین نہ جاؤ کیونکہ حق سبحانہ نے فرمایا ہے لو خرجوا فیکم ما
زادوکم الا خبالا۔ یعنی اگر بزدل منافقین تمہارے ساتھ جہاد مین جاتے تو اُن سے سوائے

نقصان کے نفع کچھ نہ ہوگا - اور مقصود یہ ہے کہ بزدل ہمراہیون سے بچو کیونکہ اگر یہ لوگ تمہاری ساتھ جائینگے تو غازیان شجاع بھی اُن کی سبب کاہ کی طرح بے حقیقت ہو جائینگے - یہ لوگ تمہارے ساتھ صف جنگ مین شریک ہونگے تو خود بھی بھاگین گے اور تمہاری صف کو بھی درہم برہم کر دینگے لہذا تھوڑی سی فوج جسمین یہ لوگ شامل نہون اس سے بہتر ہے کہ منافقین کے شامل ہونے سے جماعت کثیر ہو جاوے دیکھو عمدہ اور چیدہ بادام اگر تھوڑے ہون تو وہ اُن زیادہ بادامون سے اچھے ہین جن مین کڑوے بادامون کی آمیزش ہو - اب یہ دیکھو کہ بادام شیرین و تلخ باوجودیکہ صورت مین یکسان ہین پھر اُن مین تفاوت کیون ہے سو وجہ اسکی یہ ہے کہ صورت کے اتحاد کیساتھ سیرت یکسان نہین پس یہی فرق بہادرون اور بزدلون مین ہے اب اسکی وجہ سنو کہ اہل باطل کمزور اور بزدل کیون ہوتے ہین وجہ اسکی یہ ہے کہ چونکہ وہ مبتلائے گمان ہین اسلئے اُنکو عالم آخرت مین شک ہے اور وہ اسی شک مین زندگی بسر کرتے ہین وہ رستہ تو چلتے ہین مگر اُنکو منزل مقصود معلوم نہین پس اُنکو بچ بچ کر اور ڈرتے ڈرتے قدم رکھنا ضروری ہے کیونکہ جس طرح آنکھون کے اندھے پھونک پھونک کر قدم رکھتے ہیں یون ہی دل کے اندھے اور ناواقف بھی ڈرتے ڈرتے قدم رکھینگے دیکھو اگر کوئی مسافر رستہ نہ جانتا ہو تو وہ کیسے چلتا ہے اُس کی حالت یہ ہوتی ہے کہ طرح طرح کے ترددات اُسکو لاحق ہوتے ہین اور نہایت ملول ہوتا ہے اور جو شخص اُس سے کہتا ہے ارے اُدھر رستہ نہین ہے وہ ڈر کر وہین ٹھہر جاتا ہے اور اگر اُس کا ہوشیار دل رستہ سے واقف ہو تو وہ کسیکے شور و شر پر بھی کان نہ دہرے گا - پس تم ان کمزور اور بزدل لوگون کے ہمراہ نہ ہو کیونکہ یہ لوگ تنگی اور خوف کے وقت غائب ہو جانے والے ہین - پس یہ تو بھاگ جائین گے اور تمہین تنہا چھوڑ دینگے گو اُس وقت یہ جادو بھری تقریرون سے اپنی بہادری کا یقین دلاتے ہین تمکو نازنینون سے لڑائی کی توقع نہ رکھنی چاہیئے اور مورون سے حسد و شکار کا متوقع نہ رہنا چاہیئے دیکھو تمہاری طاؤس نما طبیعت تمہارے اندر طرح طرح کے خیال پیدا کرتی ہے اور تمہارے قدم اُکھاڑنے کیلئے فریب دیتی ہے پس تم اسکے دہوکے مین نہ آنا اور معرکہ سے نہ بھاگنا -

شرح شبیری

اہل مسجد کا مہمان کو ملامت کرنا تا کہ اُس مسجد مین نہ سووے

قوم گفتند ے مکن جلدی برو تا نگردد جامۂ و جانت گرو

یعنی لوگ کہتے کہ جلدی مت کر جا - تا کہ تیری جان اور کپڑے گرو نہ ہو جاوین یعنی کہین تو ہیکا نہ ہو رہے اور تیری جان یہین جاوے تو پہلے سے چلا جا -

آن زدور آسان نماید بہ نگر که بآخر سخت باشد رہ گذر

یعنی وہ دور سے آسان دکہائی دیتا ہے اچھی طرح دیکھ لے - کہ آخر مین راستہ سخت ہو جاویگا یعنی پھر نکلنا نہ ملیگا اور پھنس جاؤ گے - لہذا ذرا اچھی طرح سوچ سمجہ لو اور سب نے کہا کہ -

بس کسا کا و بخت خود را ز نخست وقت پیچا پیچ دستاویز جست

یعنی بہت سے آدمیون نے کہ اپنے کو پہلے تو لٹکا دیا اور پیچا پیچ کے وقت پناہ ڈہونڈی یعنی اول تو بے سوچے سمجھے پہنس پڑے اور جب آ بنی پڑی تو گہبرا کر پناہ گزین ہوتے پہرے

پیشتر از واقعہ آسان بود در دل مردم خیال نیک و بد

یعنی واقعہ سے پہلے تو آدمی کے دل مین نیک و بد کا خیال آسان ہوتا ہے (مگر)

چون در آید اندرون کارزار آن زمان گردد برآنکس کارزار

یعنی جب لڑائی مین آتا ہے تو اُس وقت اُس شخص پر کام خراب ہو جاتا ہے مطلب یہ کہ کام پڑنے سے پہلے تو انسان اُسکو آسان سمجھتا ہے اور اُس مین گُھس پڑتا ہے لیکن جب موقعہ آکر پڑتا ہے تو مصیبت پڑتی ہے لہذا اس مسجد مین سو رہنا ابھی تو آسان معلوم ہوتا ہے لیکن جب مصیبت پڑے گی اُس وقت حقیقت معلوم ہو گی لہذا ذرا سنبھل کر قدم رکھو تا کہ پھر پچتانا نہ پڑے - مولانا فرماتے ہین کہ -

چون نہ شیری ہین منہ تو پائی پیش کان اجل گرگست و جان تست میش

یعنی جب تو شیر نہین ہے تو تو قدم آگے مت رکھہ کیونکہ وہ اجل تو بہیڑیا ہے اور تیری جان میش ہے

مطلب یہ کہ جب تم انسان کامل نہین ہو اور تمہارے اندر قوت اسقدر نہین ہے کہ مصائب کو برداشت کرسکو تو پھر قدم آگے مت بڑھاؤ۔ اور بہت موت کی تمنا مت کرو اسلئے کہ وہان جاکر پھر کمبختی آویگی۔

ورز ابدالے و پیشت شیر شد　　ایمن آکہ گرگ تو سرزیر شد

یعنی اور اگر تو ابدال سے ہے اور تیرا میش شیر ہوگیا ہے تو تو بخوف آ کہ تیرا بھیڑیا مغلوب ہوگیا مطلب یہ کہ اگر تیرے اخلاق ذمیمہ اخلاق حمیدہ سے بدل گئے ہین اور تو ابدال مین سے ہوگیا ہے تو اب تو بیخوف ہوکر رہ اسلئے کہ تیرا گرگ نفس جو پھاڑنے والا تھا اب وہ مغلوب ہوگیا ہے۔ آگے فرماتے ہین کہ۔

کیست ابدال آنکہ او مبدل شود　　خمرش از تبدیل یزدان خل شود

یعنی ابدال کون ہے جو کہ مبدل ہوجاوے اور اُس کی خمر حق تعالے کے بدل دینے سے سرکہ ہوجاوے مطلب یہی کہ اُسکے اخلاق ذمیمہ مبدل بہ اخلاق حمیدہ ہوجاوین وہی ابدال مین سے ہے،،

لیک مستی شیر گیری و ز گمان　　شیر پنداری تو خود را ہین مران

یعنی لیکن تو نیم مست ہے اور گمان سے اپنے کو شیر سمجھے ہوئے ہے تو ہان چلا مت۔ مطلب یہ کہ تو صاحب حال ہے صاحب مقام نہین ہے یہ جوش و خروش غلبۂ حال کی وجہ سے ہے اور غلبۂ حال کی کیفیت معتبر نہین بلکہ کیفیت وہ معتبر ہے جو کہ صاحب مقام کی ہو لہذا تیرا یہ جوش قابل اعتبار نہین ہے اور تیرے اندر قوت ابھی پوری نہین آئی ہے لہذا ذرا سنبھل کے قدم رکھو کہ کہین قدم پھسل نہ جاوے۔

گفت حق ز اہل نفاق ناسدید　　بأسہم ما بینہم بأس شدید

یعنی منافقین ناموافق کے حق مین حق تعالے نے فرمایا ہے کہ اُن کی لڑائی آپس مین سخت لڑائی ہے مطلب یہ کہ دیکھو قرآن شریف مین ہے بأسہم بینہم شدید تحسبہم جمیعا وقلوبہم شتی۔ یعنی اُن کی آپس کی لڑائی تو بڑی سخت ہے اور آپ اُنکو متفق گمان فرماوینگے اور اُن کے قلوب پراگندہ ہین تو دیکھو منافقین مین چونکہ قوت نہ تھی اسلئے وہ ویسے تو بڑے

قوی معلوم ہوتے تھے لیکن جب موقعہ پڑتا تھا تو رہجاتے تھے۔

درمیان ہمہ گر مردانہ اند　　در غزا چون عورتان خانہ اند

یعنی آپس مین تو مردانہ ہین اور لڑائی مین گھر کی عورتون کی طرح ہین۔

گفت پیغمبر سپہدار غیوب　　لاشجاعة یافتی قبل الحروب

یعنی پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سپہدار غیب نے فرمایا ہے کہ اے جوان لڑائی سے پہلے شجاعة نہین ہے یعنی قبل سکے کہ موقعہ پڑے کوئی شجاعت کرے تو وہ قابل اعتبار نہین ہے اور منافقین کی یہ حالت ہے کہ

وقت لاف غزو مستان کف زنند　　وقت جوش و جنگ چون کف می فتند

یعنی لڑائی کی شیخی کے وقت مستون کی طرح تالیان بجاتے ہین اور جوش وجنگ کیوقت کف کی طرح گر پڑتے ہین مطلب یہ کہ جب لڑائی کی شیخی کا وقت آتا ہے تب تو خوب جوش وخروش کرتے ہین معلوم ہوتا ہے بڑے مرد ہین اور جب لڑائی کا وقت آتا ہے توبس جھاگ کی طرح گر پڑتے ہین گویا سارا ست نکل گیا۔

وقت ذکر غزو شمشیرش دراز　　وقت کر و فر تیغش چون پیاز

یعنی لڑائی کے ذکر کے وقت تو اُس کی شمشیر دراز ہوتی ہے اور خود لڑائی کے وقت اُسکی تیغ پیاز کی طرح (تہ شدہ) ہوتی ہے مطلب یہ کہ جب لڑائی کا ذکر ہو تب تو معلوم ہوتا ہے کہ بہت بڑے بہادر ہین کہ تلوار نیام سے باہر ہوئی جاتی ہے لیکن موقعہ پر میان کی تلوار لپٹی کی لپٹی رہجاتی ہے۔

وقت اندیشہ دل او زخم جو　　بس بیک سوزن تہی شد خیک او

یعنی سوچنے کے وقت تو اُس کا دل زخم جو ہے اور بس ایک سوئی سے اُسکی مشک خالی ہوگئی یعنی جب لڑائی کے سوچنے کا وقت آوے تب تو بہت زیادہ بہادر معلوم ہوتے ہین اور خوب خیالات پکاتے ہین کہ جو کہ خیالات بہادری کی ہوتے ہین لیکن جب موقعہ آتا ہے تو ایک سوئی کے لگنے ہی سے کام تمام ہوجاتا ہے اور ساری مشک خالی ہوجاتی ہے۔ آگے فرماتے ہین کہ

من عجب دارم ز جویای صفا　　کو رمد در وقت صیقل از جفا

یعنی میں صفا کے متلاشی سے تعجب کرتا ہوں کہ وہ صیقل کے وقت جفا سے بھاگتا ہے۔ مطلب یہ کہ فرماتے ہیں کہ مجھے تعجب ہوتا ہے کہ جو شخص طالب صفائی قلب ہو اور وہ مجاہدات سے بھاگے

عشق چون دعوی جفا دیدن گواہ　　چون گواہت نیست شد دعوی تباہ

یعنی عشق تو مثل دعوے کے ہے اور جفا دیکھنا گواہ ہے تو جب تمہارے پاس گواہ نہیں ہے تو دعوے خراب ہو گیا۔ مطلب یہ کہ عشق تو ایک دعوی ہے اور اُسپر گواہ تحمل اور صبر علے الشدائد ہے کہ جو مصیبت ہو اور جو بات اس راہ میں پیش آوے اسکو برداشت کرے پھر اگر تم صبر نہ کر سکے اور برداشت نکر سکے تو سارا دعوے وغیرہ ختم ہو گیا۔ اب کچھ بھی نہ رہا۔

چون گواہت خواہد این قاضی مرنج　　بوسہ دہ بر مار تا یابی تو گنج

یعنی یہ قاضی جب تجھسے گواہ طلب کرے تو رنجیدہ مت ہو (بلکہ) سانپ کو بوسہ دو تاکہ خزانہ ملے۔ مطلب یہ کہ اگر اس راہ میں مشکلات و مجاہدات پیش آویں تو اُنکو برداشت کرو اور رنجیدہ مت ہو بلکہ اُنکو شوق سے برداشت کرو تاکہ تمکو خزانہ علوم و معارف حاصل ہو آگے تسلی اور ہمت دلانے کیلئے ایک نیا مضمون فرماتے ہیں کہ

آن جفا با تو نباشد اے پسر　　بلکہ با وصف بدی اندر تو در

یعنی اے صاحبزادے وہ جفا تیری ساتھ نہیں ہے بلکہ (اُس) وصف کیساتھ ہے جو تیرے اندر ہے مطلب یہ کہ جو مجاہدات اور ریاضات جو تجھسے کرائے جاتے ہیں اور اسکی وجہ سے تمہارے اوپر بظاہر مشقت ہوتی ہے تو وہ مشقت تمپر نہیں ہے بلکہ اصل میں وہ محنت اور مشقت تمہارے اُن اخلاق سیئہ پر ہے جو کہ تمہارے اندر بھرے پڑے ہیں آگے اسکی مثالیں دیتے ہیں کہ

بر نمد چوبے کہ آنرا مرد زد　　بر نمد آنرا نہ زد بر گرد زد

یعنی نمدہ پر لکڑی جو کہ کسی مرد نے ماری تو وہ نمدہ پر نہیں ماری (بلکہ) گرد پر ماری۔ مطلب یہ کہ دیکھو نمدہ کو جھاڑتے ہیں جو لکڑی اُسپر مارتے ہیں تو بظاہر تو وہ لکڑی اُس نمدہ پر ماری مگر اصل میں اُس گرد پر ماری جو اُسکے اندر بھری پڑی ہے تاکہ وہ اُسکے اندر سے نکلجاوے اسیطرح یہ مجاہدات و ریاضات شاقہ

گر بزد مر اسپ را آن کینہ کش — آن نزد بر اسپ زد بر سکسکش

یعنی گھوڑے کو اُس کینہ کش نے مارا تو اُسنے گھوڑے پر نہین مارا (بلکہ) اُس کی بد رفتاری پر مارا ہے (اسلئے کہ)

تاز سکسک وا رہد خوش پے شود — شیرہ را زندان کنی تا می شود

یعنی تاکہ وہ بد رفتاری سے چھوٹ جاوے اور خوش قدم ہو جاوے اور شیرہ کو تم قید کرتے ہو تاکہ شراب بنجاوے مطلب یہ کہ تمنے جو گھوڑے کو مارا تو اسلئے تاکہ اُس کی چال درست ہو جاوے تو وہ مار اُسپر نہ تھی بلکہ اُس کی اُس بد رفتاری کی صفت پر تھی دوسرے مصرعہ مین دوسری مثال ہے کہ دیکھو تم شیرۂ انگور کو منکوں وغیرہ مین بند کرتے ہو تاکہ وہ پینے کے قابل شراب بنجاوے تو دیکھو اُسکو جو بند کیا گیا صرف اسلئے کہ اُسکے اندر جو خرابی تھی کہ وہ اُس قابل نہ تھی کہ کوئی اُسکو منہ لگاوے وہ خرابی جاتی رہی تو اسیطرح انسان مجاہدات اور ریاضات کرکے اخلاق ذمیمہ کو اپنے اندر سے دور کر دیتا ہے آگے ایک اور مثال ہے کہ۔

آن یکے میزد یتیمے را بقہر — قند بود آن لیک بنمودہ چو زہر

یعنی ایک شخص ایک یتیم کو غصہ سے مار رہا تھا تو (وہ مارنا) قند تھا (یعنی مفید تھا) لیکن بظاہر زہر معلوم ہوتا تھا۔

دید مردے آن چنانش زار زار — آمد و بگرفت از وے ش در کنار

یعنی ایک شخص نے اُسکو اس طرح زار زار دیکھا وہ آیا اور اُسکو جلدی سے بغل مین لے لیا

گفت چندان آن یتیمک را زدی — چون نہ ترسیدی ز قہر ایزدی

یعنی کہا کہ تو نے اتنا اُس ذرا سے یتیم کو مارا تو قہر حق تعالی سے کیون نہ ڈرا (تو اُس مارنے والے نے سنکر یہ جواب دیا کہ)۔

گفت او را کے زدم ای جان و دوست — من بر ان دیوے زدم کو اندر وست

یعنی اُسنے اُسکو کہا کہ اے جان دوست مین نے اُسکو کب مارا مین نے تو اُس دیو کو مارا ہے جو اُسکے اندر ہے۔ یعنی اُسنے کہا کہ اسکے اندر جو شیطان گھسا ہوا ہے مین تو اُسکو مار رہا ہون اس یتیم کو مار ہی کب رہا ہون آگے اور مثال ہے کہ۔

مادرار گوید ترا مرگ تو باد   مرگ آن خو خواہد و مرگ فساد

یعنی ماں اگر (بچہ کو) کہے کہ تیری موت آوے تو اُس خصلت کی موت چاہتی ہے اور مرگ فساد
کی یعنی وہ مرنیکو کہتی ہے تو اس مرنے سے اس خصلت بد کا زوال مراد ہوتا ہے تو جب یہ جفائین
اور یہ بلائین خود انسان پہ ہین ہی نہین بلکہ اُسکے اخلاق سیئہ پہ ہین تو پھر وہ ان سے کیون
گھبراتا ہے اوپر کہا تھا کہ من عجب دارم زجویائے جفا الخ آگے پھر اُسی کی طرف رجوع ہے کہ

آن گروہے کز ادب بگریختند   آب مردی و آب مردان ریختند

یعنی وہ گروہ کہ جو ادب سے بھاگے تو مردی کی اور مردون کی آبرو اُنھون نے گرائی مطلب یہ کہ جو لوگ
کہ مجاہدات اور ریاضات سے بھاگے تو آخر کار ایسے لوگون نے مردانگی اور مردون کی آبرو کھوئی ہے

عاذلان شان از وغا وا راندند   تا چنین حیز و مخنث ماندند

یعنی ناصحین نے اُنکو وغا سے باز رکھا یہانتک وہ ایسے حیز اور مخنث رہگئے مطلب یہ کہ لوگون نے
اُنکو سمجھایا مجاہدات و ریاضات سے ڈرایا تو یہ انکے کہنے مین آ گئے۔ اور مجاہدات و
ریاضات سے باز رہے اور نفس و شیطان کا مقابلہ نکیا تو آخر نامرد رہگئے اور انسان کامل اور
مرد نہ ہوسکے آگے یہ مضمون ارشاد فرماتے ہین کہ۔

لاف و غرہ ژاژ خا را کم شنو   با جبنہا در صف ہیجا مرو

یعنی بیہودہ گو کی شیخی اور غرہ کو مت سُن اور نامردون کی ساتھ لڑائی کی صف مین مت جا
(جبنہا سے مراد اہل جبنہا) مطلب یہ کہ جو لوگ کہ تمکو مجاہدات و ریاضات سے باز رکھتے ہین
اور ڈراتے ہین ان کی باتین ہرگز مت سنو کہ یہ تو ہمیشہ تمکو خرابی مین ڈالینگے اور اُن نامردون کی
ساتھ نفس و شیطان کے مقابلہ مین مت جاؤ اسلئے کہ اگر اُن کی ہمراہ ہونگے اور یہ بھاگین گے
تو تمہاری بھی ہمت ٹوٹ جاویگی۔ آگے اُس کی ایک دلیل قرآن شریف سے لاتے ہین کہ

زانکہ زادوکم خبالا گفت حق   کز رفیق سست برگردان ورق

یعنی اسلئے کہ حق تعالےٰ نے ما زادوکم الا خبالا (نہ زیادہ کرینگے تمکو مگر خرابی) فرمایا ہے (جس کا
حاصل یہ ہے کہ) رفیق سست سے ورق لوٹا دے مطلب یہ کہ حق تعالیٰ نے منافقین کی بابت
فرمایا ہے کہ اگر وہ جنگ مین تمہاری ہمراہ ہونگے تو چونکہ وہ خود نامرد ہین تمکو کم ہمت کردینگے

اور اپنی ساتھ تمکو بھی لے بھاگین گے لہذا ان کی ہمراہ مت رہو۔ اسی طرح اگر تم ان نامردون کی ساتھ رہوگے تو یہ تمکو نفس و شیطان کے مقابلہ سے باز رکہین گے اور نفس و شیطان تمپر غالب آجاوینگے۔ لہذا ایسے لوگون سے الگ رہنا ہی بہتر ہے۔

کہ گر ایشان با شما ہمراہ شوند　　غازیان بے مغز ہمچون کہ شوند

یعنی کہ اگر وہ لوگ تمہاری ہمراہ ہونگے تو غازی لوگ گہاس کی طرح بے مغز ہوجاوینگے یعنی جو کام کرنے والے ہین ان کی ساتھ ملکر وہ بھی بیکار ہوجاوینگے۔

خویشتن را با شما ہم صف کنند　　پس گریزند و دل صف بشکنند

یعنی اپنے کو تمہاری ساتھ ہم صف کرتے ہین پھر بہاگ جاتے ہین اور صف کا دل توڑ دیتے ہین (اسیطرح جو لوگ خود کم ہمت ہین وہ تمہاری ساتھ ملین گے اور ملکر تمکو بھی خراب کرینگے)

پس سپاہی اندکے بے این نفر　　بہ کہ با اہل نفاق آید حشر

یعنی لپس تھوڑے سے سپاہی بدون اس جماعت کے بہتر ہین کہ اہل نفاق ساتھ ایک جہمگھٹ آوے یعنی منافقین کے ساتھ ملکر جماعت کثیر ہوجانے سے بہتر ہے کہ تھوڑے ہون مگر ہون سارے باہمت اور مسلمان۔

ہست بادام کم خوش بیختہ　　بہ کہ بسیاری بتلخ آمیختہ

یعنی اچھے بادام کم بہتر ہین زیادہ ہونے سے جو تلخی کیساتھ ملے ہوئے ہون یعنی وہ بادام جو کہ زیادہ ہون اور ہون تلخ برے ہین اور جو شیرین ہون اور ہون تھوڑے وہ بہتر ہین اسیطرح جو لوگ کم ہمت ہون اور ہون بہت زیادہ وہ برے اور جو باہمت ہون اور ہون تہورے سے وہ اچھے ہین کہ وہی کچھ کام کرینگے۔

تلخ و شیرین گر بصورت یک شے اند　　نقص از ان افتاد کہ ہمدل نے اند

یعنی تلخ و شیرین اگرچہ صورت مین ایک شے ہین (لیکن) نقصان اس وجہ سے پڑا ہے کہ ہمدل نہین ہین۔

گبر ترسان دل بود کہ از گمان　　می زید در شک ز حال آن جہان

یعنی کافر ترسان دل ہوتا ہے کیونکہ وہ گمان کی وجہ سے اُس جہان کے حال سے شک مین ہے

می رود در رہ نداند منزلے گام ترسان می نہد اعمے دلے

یعنی راستہ میں چلتاہے اور منزل کو نہیں جانتا قدم کو اندہے دل والا ڈرتا ہوا رکہتا ہے۔

چون نداند رہ مسافر چون رود با تردد ہا و دل پرخون شود

یعنی جب مسافر رستہ کو نہ جانے تو کس طرح چلے تردد ون کی ساتھ اور دل پر خون ہوجاوے

ہر کہ گوید ہائے اینسو راہ نیست او کند از بیم آنجا وقف وایست

یعنی جو کوئی کہدے کہ ہائے اسطرف کو راستہ نہین ہے تو وہ خوف کی وجہ سے اُس جگہ توقف اور قیام کرتا ہے مطلب یہ کہ دیکہو کافر جو راہ چلتا ہے اور اس راہ دنیا کو طے کرتا ہے تو ڈرتا ہوا چلتا ہے اسلئے کہ اُسکو اُس جہان کے وجود ہی مین شک ہے اُس کی ایسی مثال ہے کہ جیسے کوئی مسافر راہ چلے اور راستہ جانتا نہ ہو تو جہان کسی نے کہدیا کہ ارے اُدھر راستہ نہین ہے تو چونکہ جانتا نہین ہے ڈر کے مارے وہین ٹہر جاوے گا اور اگر راہ کو جانتا تو وہ کسی کہنے والے کی پرواہ نکرتا بلکہ وہ بے کہٹکے قدم بڑہائے ہوئے چلا جاتا تو یہ ہر جگہ کہڑا ہو جاتا اور ٹہر جاتا اس کی دلیل ہے کہ یہ راستہ سے ناواقف ہے۔ اور رجما بالغیب ہی جارہا ہے۔

ور بداند رہ دل با ہوش او کے رود ہر ہائے وہو در گوش او

یعنی اور اگر راستہ کو اُس کا باہوش دل جانتا ہوتا تو ہر ہائے ہو ہر کب اُس کا کان جاتا یعنی اگر وہ راستہ سے واقف ہوتا تو وہ اس ہائے ہوی کرنے کو اور اس غل مچانے کو کب سنتا اُسکو خود یقین ہوتا کہ مین راستہ درست چل رہا ہون اب خواہ کوئی کتنا ہی ڈراوے وہ ڈرنے والا نہین ہے۔ بہت بے فکری سے راہ طے کریگا آگے فرماتے ہین کہ

پس مشو ہمراہ این اشتر دلان زانکہ وقت ضیق بیم اند آفلان

یعنی پس تم ان اشتر دلون (کم ہمتون) کیساتھ مت رہو اسلئے کہ خوف وضیق کے وقت یہ لوگ چھپ جانے والے ہین یعنی جب موقعہ آویگا تو یہ تمہارا ساتھ نہ دینگے لہذا تم ان کی ساتھ مت جاؤ کہ تمکو بھی غارت کرینگے۔

پس گریزند و ترا تنہا ہلند گرچہ اندر لاف سحر بابل اند

یعنی پس بہاگ جاوین گے اور مجہے تنہا چھوڑ دینگے اگرچہ شیخی مین سحر بابل ہین۔
مطلب یہ کہ اگرچہ شیخی بازی مین تو سحر بابل کی طرح مشہور ہین لیکن حقیقت مین
بالکل بزدل ہین۔

توز رعنایان مجو ہین کارزار　　　توز طاؤسان مجو صید و شکار

یعنی تو نازکون سے لڑائی کو مت تلاش کر اور تو مورون سے صید و شکار کو مت ڈہونڈہ
مطلب یہ کہ ان نازک دلون سے اور ان بزدلون سے تم مقابلہ اور صید و شکار کی امید
مت رکہو۔ اسلئے ان سے کچھ نہ ہوگا اور بلکہ تمکو بھی کہو دینگے۔

طبع طاؤسیت وسواست کند　　　دم دہد تا از مقامت بر کند

یعنی تیری طبع طاؤسی تجہے وسواس کرتی ہے اور دم دیتی ہے تاکہ جگہ سے تجہے اُکہاڑ دے
مطلب یہ کہ تمہاری طبیعت جو کہ کم ہمت ہے اور جو صید معانی مین کمزور ہے وہ تجہے وسوسہ
ڈالتی ہے اور مجاہدات و ریاضات سے ذرکی وجہ سے بچاتی ہے اور اُس کا نتیجہ یہ ہوگا
کہ تمکو تمہاری جگہ سے اُکہاڑ دیگی اور تم اس قابل بھی نہ رہوگے جتنے اب ہو۔ آگے غزوہ بدر کا
قصہ بیان فرماتے ہین کہ دیکھو جس طرح شیطان نے اول تو سب کفار کو آکر بہکایا اور
سب سے کہا کہ چلکر لڑو اور مین ضامن ہون کہ تمکو فتح ہوگی اور جب میدان مین پہونچا تو اُسکو
ملائکہ نظر آئے جو مدد کے لئے آئے تھے تو یہ وہان سے بہاگا جب لوگون نے اُس سے کہا
کہ اب بھاگتا کیون ہے تو بولا کہ انی اری مالا ترون کہ مین ایسی شے کو دیکھ رہا ہون جو
تمکو نظر نہین آتی۔ تو فرماتے ہین کہ جس طرح یہ شیطان وقت پر بہاگ گیا اور پہلے سے
بہت شیخی بگہار رہا تھا اسیطرح یاد رکہو کہ یہ لوگ جو کہ تمکو مجاہدات و ریاضات سے مانع
ہین یا خود کم ہمت ہین تمکو بیچ مین ہی چھوڑینگے اور ہرگز ہرگز تمہارا ساتھ نہ دین گے
اب حکایت سنئے۔

شرح حبیبی

ہمچو شیطان کز وساوس بر قریش	دم دمید و گفت گردارید جیش

تاکه در احمد بزلمیت افگنیم
بیخ و بنیاد رزمینش برکنیم

چونکه شیطان بود در شپه صد یکم
خواند افسون کانی جار لکم

چون سپه گرد آمدند از گفت او
کرد با ایشان بحیلت گفتگو

که بیارم من قبیله خویش را
تاکه در هیجا بود پشت شما

من شمارا عون و یاریها کنم
تا سپاه دشمنان تان بشکنم

چون قریش از گفت او حاضر شدند
هر دو لشکر در ملاقات آمدند

دید شیطان از ملایک اسپهی
سوی صف مومنان اندر رہی

آن جنوداً لم تروها صف زده
گشت جان او ز بیم آتشکده

پای خود وا پس کشیدن می گرفت
که همی بینم سپاهی بس شگفت

که اخاف الله مالی منه عون
اذهبوا انی اری مالا ترون

گفت حارث ای سراقه شکل هین
دی چرا تو می نگفتی این چنین

گفت ایندم من همی بینم حرب
گفت می بینی جعاشیش عرب

می نبینی غیر این لیک ای تو ننگ
آنزمان لاف بود این وقت جنگ

دی همی گفتی که پابندان شدم
که بودتان فتح و نصرت دمبدم

دی زعیم الجیش بودی ای لعین
وین زمان نامرد و ناچیز و مهین

تا بخوردیم آن دم تو و آمدیم
تو بتون رفتی و ما هیزم شدیم

چونکه حارث با سراقه گفت این
از عتابش خشمگین شد آن لعین

دست خود خشمین ز دست او کشید / چون ز گفت اوش درد دل رسید

سینه اش را کوفت شیطان گریخت / خون آن بیچارگان زین مکر ریخت

چونکه ویران کرد چندین عالمی / پس بگفت انی بریٔ منکم

کوفت اندر سینه واند اختنش / پس گریزان شد چو هیبت تاختنش

نفس و شیطان هر دو یک تن بوده اند / در دو صورت خویش را بنموده اند

چون فرشته و عقل کایشان یک بدند / بهر حکمتهاش دو صورت شدند

دشمنی داری چنین در سر خویش / مانع عقل ست و خصم جان و کیش

یک نفس حمله کند چون سوسمار / پس بسوراخی گریزد در فرار

در دل و سوراخها دارد کنون / سر ز هر سوراخ می آرد برون

نام پنهان گشتن دیو از نفوس / واندرون سوراخ رفتن شد خنوس

که خنوسش چون خنوس قنفذ است / چون سر قنفذ ورا آمد شد است

که خدا آن دیو را خناس خواند / کو سر آن خارپشتک را بماند

می نهان گردد سر آن خارپشت / دمبدم از بیم صیاد درشت

تا چو فرصت یافت سر آرد برون / زین چنین مکری شدش مارش زبون

گر نه نفس از اندرون راهت زدی / رهزنان را بر تو دستے کے بُدے

زان عوان مقتضی که شهوت است / دل اسیر حرص و آز و آفت است

زان عوان سر شدی دزد و تباه / تا عوانان را بقهر تست راه

در خبر بشنو تو این پند نکو / بین جنبیکم لکم اعدی عدو
طمطراق این عدو مشنو گریز / کو چو ابلیس است در لج و ستیز
بر تو او از بهر دنیا و نبرد / آن عذاب سرمدی را سهل کرد
چه عجب گر مرگ را آسان کند / او ز سحر خویش صد چندان کند
سحر کاهی را بصنعت که کند / باز کوهی را چو کاهی می تند
زشتها را نغز گرداند بفن / نغزها را زشت گرداند بظن
آدمی را خر نماید ساعتی / آدمی سازد خری را و آیتی
کار سحر انیست کو دم می زند / هر نفس قلب حقائق می کند
این چنین ساحر درون تست سیر / ان فی الوسواس سحراً مستتر
اندران عالم که هست این سحرها / ساحران هستند جادوی گشا
اندران صحرا که رست این زهر تر / نیز روئیدست تریاق ای پسر
گویدت تریاق از من جو سپر / که ز زهرم من بتو نزدیکتر
گفت او سحرست و ویرانی تو / گفت من سحرست و دفع سحر او
گفت پیغمبر که ان فی البیان / سحراً و حق گفت آن خوش پهلوان
لیک سحرے دفع سحر ساحران / مایه تریاک باشد در جهان
آن بیان اولیا و اصفیاست / کز همه اغراض نفسانی جداست
حاصل آن کز زهر نفس دون گریز / نوش کن تریاق مرشد چست تیز

این طلسم سحر نفس اندر شکن	سوئے گنج پیر کامل نقب زن
پس درازست این سوئے آغاز ران	جانب مہمان و مسجد باز ران

اوپر بیان کیا تھا کہ نامردوں کیساتھ شامت ہو کیونکہ یہ بھاگ جائینگے اور تمہیں تنہا چھوڑ جائینگے اسکو ایک واقعہ سے واضح کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تمہاری حالت ایسی ہوگی جیسے کہ شیطان نے قریش پر وساوس سے جادو کیا تھا اور کہا تھا کہ تم لشکر جمع کرو تاکہ احمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کو شکست دیں اور اُن کی بیخ و بنیاد صفحہ ہستی سے اکھیڑ ڈالیں۔ جبکہ شیطان فوج میں سردار ہوگیا تو اُسنے یہ منتر پھونکا کہ میں تمہارا معین و مددگار ہوں تم ہرگز نہ گھبراؤ اور نہایت اطمینان کے ساتھ تیاری کرو جب اُسکے کہنے سے فوجیں مجتمع ہوئیں تو اب اُسنے یہ جل کھیلا کہ میں اپنے قبیلے کو لاتا ہوں تاکہ لڑائی میں تمہارا مددگار رہو تم گھبراؤ مت میں تمہاری خوب مدد کروں گا حتے کہ تمہارے دشمنوں کی فوج کو کامل شکست دونگا جبکہ اس دم دلاسے سے قریش میدان جنگ میں آئے اور دونوں لشکر مقابل ہوئے تو شیطان نے دیکھا کہ ملائکہ کی فوج مسلمانوں کی صف کی طرف مدد کیلئے آرہی ہے اور غیر مبصر لشکر صف زدہ ہے یہ دیکھکر مارے خوف کے اُس کی جان آتشکدہ ہوگئی اور یہ کہتا ہوا اُلٹے پاؤں لوٹا کہ میں ایک عجیب لشکر دیکھ رہا ہوں اور میں خدا سے ڈرتا ہوں کیونکہ اُسکے مقابلے میں میرا کوئی مددگار نہیں اور میں اُس سے نہیں بچ سکتا۔ بس جاؤ میں تمہارا ساتھ نہیں دے سکتا کیونکہ میں وہ دیکھ رہا ہوں جو تم نہیں دیکھتے۔ اسپر حارث بن ہشام نے کہا کہ اے شبیہ سراقہ[ع۵] تو یہ تو بتا کہ کل تو نے یہ کیوں نہ کہدیا تھا کہ ہم مصیبت میں نہ پڑتے اب تو ہمکو پھنسا کر الگ ہوتا ہے اُسنے کہا کہ کل وہ تباہی میرے پیش نظر نہ تھی جو اب دیکھ رہا ہوں اُسنے کہا کہ ابھی تیرے سامنے کونسی فوج جرار ہے صرف چند فقراء عرب ہیں لیکن اصل بات یہ ہے کہ وہ شیخی کا وقت تھا اسلئے ڈینگیں مار رہا تھا اور اب لڑائی کا وقت ہے اسلئے بھاگتا ہے کل تو تو کہتا تھا کہ میں ذمّہ دار ہوں کہ تمکو فتح و نصرت ہوگی اور آج یوں جان چراتا ہے۔ نیز کل تو تو سپہ سالار بنا ہوا تھا اور اب نامرد حقیر اور بودا بنتا ہے۔ تیری شیخیوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہم دھوکے میں آکر میدان جنگ میں آگئے تو نے گوہ کھایا

ع۵ شبیہ سراقہ اسلئے کہا کہ شیطان دھوکا دینے کیلئے سراقہ کی شکل میں آیا تھا ۱۲۔

اور جھوٹے وعدے کئے اور ہمکو اُس کا خمیازہ بھگتنا پڑا۔ کہ ہم آتش جنگ کا ایندھن بن گئے (ھذا هو المراد و لا تلتفت الی ما قال ولی محمد یعنی چنانکہ کناس از گلخن سرگین آوارہ در آتش انداز د ان حمام می و باز می رود ہمچنین مارا آوردہ در آتش جنگ بہ سوختن دادہ انتہی فانہ لا یساعدہ عنوان البیان)

جب حارث نے سراقہ سے اُس قسم کی گفتگو کی تو وہ لعین اُس کی سرزنش سے غصہ ہو گیا اور غصہ سے اپنا ہاتھ اُسکے ہاتھ سے چھڑا لیا کیونکہ اُس کی گفتگو سے اُسکو سخت صدمہ پہونچا تھا وہ آپ تو اُسکے سینہ پر تھپڑ مار کر بھاگ گیا اور فریب سے ان بیچاروں کا خون کر گیا۔ اور جبکہ اتنے عالم کو ویران کر چکا تو کہا مجھے تمسے کچھ کام نہین اور سینہ پر ہاتھ مار کر حارث کو گرا گیا اور جبکہ ہیبت ملائک غالب ہوئی تو خود بھاگ گیا۔ اب سمجھو کہ نفس و شیطان دونون حقیقت کے لحاظ سے ایک ہین اور دو صورتون مین جلوہ گر ہوئے ہین اور اُن کی حالت ایسی ہے جیسے کہ فرشتہ و عقل کہ وہ بھی حقیقۃً ایک ہین اور بمقتضائے حکمت آلہیہ دو صورتون مین نمودار ہوئے پس جو حالت شیطان کی ہے وہی نفس کی بھی ہے جب یہ معلوم ہو گیا تو اب سمجھو کہ تمہارے اندر تمہارا ایک دشمن شیطان چھپا ہوا ہے جو کہ عقل کو اُسکے مقتضٰے سے روکتا ہے اور جان اور ایمان کا دشمن ہے کبھی تو وہ گوہ کی طرح حملہ کرتا ہے اور کبھی ڈر کر اور بھاگ کر سوراخ مین گہس جاتا ہے دل کے اندر اُسکے بہت سے سوراخ ہین اور وہ ہر سوراخ سے نمودار ہوتا ہے خلاصہ یہ کہ وہ نہایت بزدل ہے جبکہ وہ حریف کو کمزور پاتا ہے تو حملہ کرتا ہے اور جبکہ اُسکو قوی پاتا ہے تو چھپ جاتا ہے اور بزدلی کیساتھ مکار بھی ہے کہ مختلف سوراخون سے مختلف رنگون مین جلوہ نما ہوتا ہے کہ حریف کسی نہ کسی صورت سے دہوکہ کہا جاوے اسی بنا پر شیطان کے آدمیون سے چھپنے اور سوراخ مین گھس جانیکا نام خنوس ہوا کیونکہ خنوس کے معنے ہین چھپ جانا اور سوراخ مین گہس جانا پس چونکہ اُس کا سوراخ مین چلا جانا ایسا ہی ہے جیسا کہ ساہی کے سر کا اندر گہس جانا اور وہ بھی یون ہی کبھی اندر جاتا ہے اور کبھی باہر آتا ہے جسطرح کہ ساہی کا سر یہی وجہ ہے کہ خدا نے اُسکو خناس کہا کیونکہ اُس کا سر ساہی کے سر کے مشابہ ہے اسلئے کہ ساہی کا سر صیاد کے خوف سے اندر رہتا ہے تا آنکہ جب اُسکو موقعہ ملتا ہے تب وہ اپنا سر باہر نکالتی ہے اور اُسکے اس مکر سے سانپ بھی عاجز ہے پس یہی حالت شیطان کی ہے اور یہ معلوم ہو چکا ہے کہ نفس و شیطان حقیقۃً دونون ایک ہین یعنی مضل تام کے دو فرد ہین تو

نفس کی بھی یہی حالت ہوگی اب سمجھو کہ اصل دشمن تمہارا نفس ہے جو کچھ فساد ہیں سب اسیکا ہی کیونکہ اگر یہ اندر سے تمہارا راہ نہ مارتا تو رہزنون شیاطین الانس والجن کا تمپر قابو نہ چلتا یس تمہارے اندر جو خواہش نفسانی ہے وہی اصل پہرہ دار ہے جو برائیون کو چاہتا ہے اور اسی کے سبب دل حرص وطمع اور دیگر آفات مین قید ہے اسی مخفی سیاہی کے سبب سے تم چور اور تباہ ہوئے ہو جس کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ پولیس کے لوگون کو تمہاری سرکوبی کا موقع ملا ہے حدیث مین ملائکہ عذاب ۱۲ کیا اچھی نصیحت آئی ہے ان اعدی عدوك نفسك التی بین جنبیك یعنی سب سے بڑا دشمن تمہارا نفس ہے جو کہ تمہارے اندر موجود ہے پس تم اُس سے بھاگنا اور اُسکی ظاہری خوشنما باتون کو نہ سننا کیونکہ یہ بھی شیطان کی طرح لڑاکا اور جھگڑالو ہے۔ اسی کمبخت نے جب دنیا اور اپنی عادت کی وجہ سے تمپر عذاب ابدی کو آسان کر دیا ہے اور تم بے تکلف اُن کامون کو کرتے ہو جو تمہارے لئے عذاب ابدی کا باعث ہین اور یہ کمبخت کبھی حرام موت کو بھی آسان کر دیتا ہے اور اگر وہ ایسا کرے تو کچھ تعجب کی بات نہین کیونکہ وہ بڑا جادوگر ہے اور اپنے جادو سے ایسے ایسے سیکڑون شعبدے دکھلاتا ہے کیونکہ جادو کو حق سبحانہ نے بڑی قوت عطا کی ہے وہ تنکے کو پہاڑ اور پہاڑ کو تنکا بنا دیتا ہے برون کو اچھا اچھوں کو برا کر دیتا ہے کبھی آدمی کو گدھا بنا دیتا ہے اور کبھی گدھے کو آدمی بنا دیتا ہے جو کہ اس کی قوت کی ایک بہت بڑی دلیل ہے غرضیکہ جادو کا کام یہ ہے کہ وہ منتر پھونک کر ہر دم قلب حقائق کرتا رہتا ہے۔ اب تم سمجھو کہ ایسا کامل جادوگر تمہارے اندر موجود ہے اور وہ وساوس سے ہمیشہ جادو کرتا رہتا ہے لیکن یہ بھی یاد رہے کہ جہان یہ عظیم الشان جادو ہین وہین وہ جادوگر بھی ہین جو ان کا توڑ کرتے ہین اور جس جنگل مین یہ تر و تازہ زہر پیدا ہوا ہے وہین تریاق بھی پیدا ہوا ہے وہ تریاق کہتا ہے کہ جب تمپر زہر غلبہ کرنے تو مجھے سپر بناؤ کیونکہ مین زہر کی نسبت تمسے زیادہ قریب ہون نفس و شیطان کا منتر اگر جادو اور تمہاری بربادی کا سبب ہے تو میرا منتر وہ جادو ہے جو اُس جادو کا توڑ کرنے والا ہے اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ان من البیان لسحرا یعنی بعض بیان جادو ہوتے ہین اور واقعی آپنے نہایت بجا فرمایا ہے مگر یہ بھی یاد رکھو کہ جو جادو جادوگرون کے جادو کا توڑ ہو وہ حقیقت مین جادو نہین بلکہ وہ اُس زہر سحر کا تریاق ہے اب یہ سمجھو کہ وہ

بیان جو جادوگروں کے جادو کا توڑ ہو کون سا ہے سو وہ برگزیدہ اہل اللہ کا بیان ہے جسمیں اغراض نفسانیہ کا ذرہ بھر میل نہیں خلاصہ کلام یہ کہ تم نفس کے زہر سے بھاگو اور بہت جلد شیخ کا تریاق پیو اور نفس کے طلسم سحر کو توڑ و اور پیر کے خزانہ معارف میں سرنگ یا نقب لگا کر پہونچو۔ خیر یہ گفتگو تو بہت طویل ہے اب ابتداء کی طرف لوٹنا چاہئے اور مہمان اور مسجد کے قصہ کی طرف چلنا چاہئے۔ اور اسکو یہیں چھوڑ کر مسجد کو چلنا چاہئے اور مہمان کا قصہ اور واقعہ بیان کرنا چاہئے۔

شرح شبیری

شیطان کا قریش سے کہنا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے لڑو میں تمہاری مدد کروں گا اور اپنے قبیلہ کو مدد کیلئے بلاؤنگا پھر مقابلہ کے وقت اس کا بھاگنا

ہمچو شیطان کز وساوس بر قریش دم دمید و گفت گرد آرید جیش

یعنی شیطان کی طرح کہ اُسنے وساوس سے قریش پر دم پھونکا اور کہا کہ لشکر جمع کرلو

تاکہ در احمد ہزیمت افگنیم بیخ و بنیاد از زمینش بر کنیم

یعنی تاکہ احمد صلی اللہ علیہ وسلم میں ہم شکست ڈالدیں اور ان کی بیخ و بنیاد زمین سے اُکھاڑ دیں (نعوذ باللہ) یعنی اُسنے کہا کہ لشکر جمع کرلو تاکہ ہم محمد صلے اللہ علیہ وسلم کو شکست دیدیں اور (نعوذ باللہ) اُن کی بیخ و بنیاد کو دنیا سے اُجاڑ دیں۔

چونکہ شیطان در سپہ صد یکم خواند افسوں کہ انی جار لکم

یعنی جب شیطان لشکر میں ہوا سو میں ایک تو اُسنے افسون پڑھا کہ میں تمہارا مدد گار ہوں یعنی جبکہ منجملہ سپاہ کے شیطان بھی ہو گیا تو اُسنے سب سے کہا کہ میں تمہارا مددگار ہوں اور واضح رہے کہ مولانا خود بھی آگے فرماوینگے اور احادیث میں بھی ہے کہ شیطان سراقہ کی صورت میں بنکر آیا تھا اور اُسنے آکر ساری باتیں کہی تھیں لوگ سمجھے کہ سراقہ

ضامن ہوتا ہے اور یہ سراقہ خود بہت قوی تھا پھر اپنے قبیلہ کو بلا نیکا مدد کیلئے وعدہ کیا تو لوگ دہوکہ مین آگئے اور یہ نہ سمجھے کہ یہ بڑا شیطان ہے۔

چون سپہ گرد آمدند از گفت او　　　کرد با ایشان بحیلت گفتگو

یعنی جب لشکر اُسکے کہنے سے جمع ہوگیا تو اُس کی ساتھ حیلہ سے گفتگو کی (کہ)

کہ بیارم من قبیلہ خویش را　　　تا کہ در ہیجا شود پشت شما

یعنی کہ مین اپنے قبیلہ کو لاؤن گا تاکہ لڑائی مین وہ تمہارا مددگار ہو (اور کہا کہ)

من شما را عون و یاریہا کنم　　　تا سپاہ دشمنان تان بشکنم

یعنی مین تمہاری مدد اور مدد کرون گا تاکہ تمہارے دشمن کی سپاہ کو شکست دیدون۔

چون قریش از گفت او حاضر شدند　　　ہر دو لشکر در ملاقات آمدند

جب قریش اُسکے کہنے سے حاضر ہوئے اور دونون لشکر ملاقات مین آئے۔

دید شیطان از ملائک اسپہے　　　سوئے صف مومنان اندر رہے

یعنی شیطان نے فرشتون کا ایک لشکر مومنون کی صف کی طرف راہ مین دیکھا۔ یعنی اُسنے دیکھا کہ ایک لشکر فرشتون کا مسلمانون کی طرف اُنکی مدد کیلئے موجود ہے اور دیکھا کہ۔

آن جنودا لم تروہا صف زدہ　　　گشت جان او زبیم آتشکدہ

یعنی وہ لشکر کہ نہین دیکھتے تم اُسکو صف لگائے ہوئے ہے تو اُس کی جان خوف سے آتشکدہ ہوگئی یعنی آتشکدہ کی طرح اندر سے جلنے لگا اور سخت خوف اُسپر مسلط ہوا۔

پائے خود واپس کشیدہ می گرفت　　　کہ ہمی بینم سپاہے پس شگفت

یعنی اپنے پاؤن پیچھے کو ہٹانا شروع کئے (اور کہا) کہ مین ایک لشکر بہت عظیم دیکھتا ہون (اور کہا کہ)

کہ اخاف اللہ مالی منہ عون　　　اذہبوا انی اری مالا ترون

یعنی کہ مین اللہ سے ڈرتا ہون میری کوئی مدد نہین ہے تم جاؤ مین دیکھتا ہون وہ کہ تم نہین دیکھتے یعنی اسنے کہا کہ بھائی مین تو ایسی شئے کو دیکھ رہا ہون جو تمہین نظر نہین آتی یعنی فرشتے لہذا اب تم جاؤ مین تو جا نہین سکتا۔ اسلئے کہ مجھے خوف معلوم ہوتا ہے کیونکہ مر تو سکتا نہین قیامت کی عمر ہے

لیکن فرشتون کو اگر لڑائی مین ملجاتا تو سچ تو یہ ہے کہ گت تو خوب بنلتے۔

گفت حارث اے سراقہ شکل مین ... دے چرا تو می نگفتی این چنین

یعنی حارث نے کہا کہ ارے سراقہ شکل تو نے کل اس طرح کیون نہ کہا تھا۔ یعنی حارث نے کہا کہ اے سراقہ کمبخت تو نے کل کیون نہ کہا تھا کہ مین خاص موقعہ سے بھاگون گا اور سراقہ شکل مولانا نے اسلئے فرمایا کہ وہ تو شیطان تھا مگر حارث نے سراقہ ہی کہا تھا سراقہ شکل نہ کہا تھا غرضکہ اُسنے کہا کہ کمبخت اگر پہلے سے کہدیتا تو ہم کیون اس مصیبت مین آکر پھنستے تو جواب دیتا ہے کہ۔

گفت ایندم من ہمی بینم حرب ... گفت می بینی جعاشیش عرب

یعنی شیطان نے کہا کہ مین اس وقت سختی دیکھہ رہا ہون تو حارث نے کہا کہ تو عرب کے فقیرون کو دیکھتا ہے مطلب یہ کہ شیطان نے کہا کہ مجھے ایک لشکر عظیم معلوم ہوتا ہے اسلئے مین تو جاتا ہون تو حارث بولا کہ کمبخت تو جھوٹا ہے اسلئے کہ تو صرف عرب کے فقیرون کو سامنے دیکھہ رہا ہے لشکر عظیم کہان ہے باقی تیرا بھاگنا بزدلی کی وجہ سے ہے اور حارث نے کہا کہ

می نہ بینی غیر این لیک ای تو ننگ ... آن زمان لاف بود این وقت جنگ

یعنی ارے ڈاکو تو سوائے ان (گدایان عرب) کے اور کچھ نہین دیکھتا لیکن وہ تو شیخی کا وقت تھا اور یہ وقت لڑائی کا ہے۔ مطلب یہ کہ حارث نے کہا کہ کمبخت تو جو کہہ رہا ہے کہ مین ایک ایسا لشکر دیکھہ رہا ہون کہ جو تمکو نظر نہین آتا۔ یہ سب غلط ہے بلکہ تو اُن ہی لوگون کو دیکھہ رہا ہے جو سامنے کھڑے ہین مگر فرق یہ ہے کہ وہ وقت تو شیخی کا تھا تو نے کہدیا کہ مین مدد کرونگا اور اب جو لڑائی کا وقت آیا تو بھاگتا ہے۔

دے ہمی گفتی کہ پابندان شدم ... کہ بود تان فتح و نصرت دمبدم

یعنی تو کل کہتا تھا کہ مین ضامن ہوا ہون کہ دمبدم تمکو ہی فتح و نصرت ہوگی

دی زعیم الجیش بودی اے لعین ... وین زمان ناچیز و نامرد و مہین

یعنی ارے ملعون کل تو تو ضامن لشکر تھا اور اس وقت ناچیز اور نامرد اور ذلیل ہے۔

تا بخوردیم آن دم تو و آمدیم ... تو بتون رفتی و ما ہیزم شدیم

یعنی یہانتک کہ ہمنے وہ تیرا دم کہا لیا اور ہم آگئے تو اب تو تو حمام مین چلا گیا اور ہم ایندھن ہوگئے
یعنی ہم تیرے بہکانے مین آکر یہان چلے آئے تو اب تو چہوڑ چہاڑ کر اور ہمین اس بلا مین جہونک کر جاتا ہے اور بہاگتا ہے۔

چونکہ حارث با سراقہ گفت این　　　　از عتابش خشمگین شد آن لعین

یعنی جبکہ حارث نے سراقسے یہ کہا تو اُسکے عتاب سے وہ ملعون غصہ مین ہوگیا۔ یعنی جب حارث نے بُرا بہلا کہا تو اُس ملعون کو غصہ آگیا۔

دست خود خشمین ز دست او کشید　　　　چون ز گفت اوش درد دل رسید

یعنی اپنا ہاتھ غصہ مین اُسکے ہاتھ سے کہینچ لیا جبکہ اُسکے کہنے سے اُسکو درد دل پہونچا یعنی اُسکے بُرا بہلا کہنے سے جو دل دکہا تو اسکے ہاتھ سے اپنا ہاتھ چہڑا لیا۔

سینہ اش را کوفت شیطان و گریخت　　　　خون آن بیچارگان زین مکر ریخت

یعنی شیطان نے حارث کے سینہ کو کوٹا اور بہاگ گیا اور اُن بیچارون کا خون اس مکر سے ریختہ کیا یعنی ہاتھ چہڑا کر حارث کے سینہ پر ایک لات رسید کر کے چلدیا۔ اور اُن سکو بلا مین پھنسا کر اُن کا خون گرایا کہ قریب قریب سارے قتل ہوئے

چونکہ ویران کرد چندین عالم او　　　　پس بگفت انی بری منکم

یعنی جبکہ اُسنے اس قدر عالم کو ویران کردیا تو پہر کہا کہ مین تمسے بری ہون یعنی جب سبکو لا کر پھنسا چکا اور بلا مین ڈال چکا تو اب کہتا ہے کہ مین بری ہون مین تمہارا ساتھ نہین دیتا۔

کوفت اندر سینہ وانداختش　　　　پس گریزان شد چو ہیبت تافتش

یعنی اُسکے سینہ مین مارا اور اُسکو ڈالدیا پھر جب ہیبت اُسکو ہوئی تو بہاگ گیا۔ یعنی جب فرشتون کو دیکہا تو حارث کو دہکا دیکر خود چلدیا آگے مولانا فرماتے ہین کہ۔

نفس و شیطان ہر دو یک تن بودہ اند　　　　در دو صورت خویش را بنمودہ اند

یعنی نفس و شیطان دونون ایک تن ہین اور اپنے کو دو صورتون مین دکہلایا ہے۔ مطلب یہ کہ نفس انسانی اور شیطان دونون ایک ہی ہین صرف صورت مین فرق ہے ورنہ دونون ایک ہی ہین تو جسطرح کہ اس شیطان نے دہوکہ دیا اور وقت پر چہوڑ کر بہاگ گیا اسیطرح تمہارا نفس

بھی تمہارا ساتھ نہ دیگا۔ بلکہ چھوڑ کر الگ ہوجاویگا۔

چون فرشتہ و عقل کایشان یک بدند ۔ بہر حکمتہاش دو صورت شدند

یعنی جیسے کہ فرشتہ اور عقل کہ وہ ایک تھے اور حکمتون کیلئے وہ دو صورت ہوگئے اسیطرح نفس و شیطان بھی دونون ایک ہی ہین لیکن صرف صورتین مختلف ہین اور ایک ہونیکے دونون کے معنے یہ ہین کہ دونون کے مقتضیات و شہوات یکسان ہین آگے فرماتے ہین کہ

دشمنے داری چنین در سر خویش ۔ مانع عقل ست و خصم جان و کیش

یعنی تو ایک ایسا دشمن اپنے باطن مین رکھتا ہے جو کہ مانع عقل ہے اور جان و مذہب کا دشمن ہے

یک نفس حملہ کند چون سوسمار ۔ پس بسوراخے گریزد در فرار

یعنی ایک گھڑی کیلئے سوسمار کی طرح حملہ کرتا ہے پھر سوراخ مین بھاگ جاتا ہے۔

در دل او سوراخہا دارد کنون ۔ سر زہر سوراخ می آرد برون

یعنی دل مین وہ بہت سے سوراخ رکھتی ہے کہ اب ہر سوراخ سے سر باہر نکالتی ہے۔ (سوسمار کا قاعدہ ہے کہ یہ اپنے گھر کے بہت سے سوراخ بناتی ہے اگر ایک طرف سے کوئی مارتا ہے تو دوسری طرف سے نکل جاتی ہے اُدھر سے کوئی مارے تو اور طرف سے باہر ہوجاوے غرضکہ مار نہین کھاتی) تو فرماتے ہین کہ سوسمار کی طرح یہ نفس و شیطان بھی دل کے اندر بہت سے سوراخ رکھتے ہین وہ سوراخ طرق اضلال ہین کہ مختلف طریقون سے انسان کو بہکاتے ہین اور اگر ایک طرف سے گمراہ نہ کرسکے تو دوسرا طریقہ اختیار کرتے ہین غرضکہ قابو مین نہین آتے۔

نام پنہان گشتن دیو از نفوس ۔ واندران سوراخ رفتن شد خنوس

یعنی شیطان کے نفوس سے پوشیدہ ہونے کا اور اُس سوراخ مین چلے جانیکا نام خنوس ہوگیا۔

کہ خنوسش چون خنوس قنفذ ست ۔ چون سر قنفذ وراآمد شد است

یعنی کہ اُس کا پوشیدہ ہونا مثل سیہی کے پوشیدہ ہونیکے ہے جیسے کہ سیہی کا سر کہ اُسکے لئے آمد و شد ہے یعنی جسطرح کہ سیہی کہ وہ کبھی سر کو باہر نکالتی ہے اور کبھی اندر کرلیتی ہے اسیطرح نفس و شیطان کہ کبھی پوشیدہ ہوتے ہین اور کبھی ظاہر ہوتے ہین۔

کہ خدا آن دیو را خناس خواند کہ سر آن خارپشتک را بماند

یعنی کہ خدا نے اُس شیطان کو خناس کہا اسلئے کہ اُس خارپشت کے سر کے مشابہ ہوا مطلب یہ کہ حق تعالیٰ نے جو شیطان کو خناس کہا ہے تو اسلئے کہ اُسکی عادت ہے کہ کبھی پوشیدہ ہوتا ہے اور کبھی ظاہر تو اسی پوشیدگی کو خنوس کہدیا اور اس کی وجہ سے صاحب خنوس کو خناس فرما دیا۔

می نہان گردد سر آن خارپشت دمبدم از بیم صیاد درشت

یعنی اُس خارپشت (سیہی) کا سر دمبدم صیاد سخت کے خوف سے پوشیدہ ہوتا ہے یعنی جسطرح کہ وہ صیاد کے ڈر کے مارے اپنا سر چھپا لیتی ہے اسیطرح یہ حضرت شیطان بھی چھپتے پھرتے ہین۔

تا چو فرصت یافت سر آرد برون زین چنین مکرے شود مارش زبون

یعنی تاکہ جب فرصت پاوے تو سر باہر نکالے تو ایسے مکر سے اُس کا سانپ عاجز ہو جاتا ہے یعنی جب دیکھا کہ اب مین مغلوب ہونگا تو چھپ جاتا ہے اور جب خوف جاتا رہا تو اب پھر سر نکالتا ہے اس طریقہ سے اپنے ساتھی کو عاجز کر دیتا ہے کہ وہ اس کا کچھ نہین کر سکتا آگے فرماتے ہین کہ

گر نہ نفس از اندرون راہت زدے رہزنان را بر تو کے دستے بُدے

یعنی اگر اندر سے تیری راہ نفس نہ مارتا تو رہزنون کو تجھپر کب قدرت ہوتی مطلب یہ کہ انسان پر جو آفات آتی ہین یہ ساری اس کی نحوست ہے کہ یہ خود ارتکاب معاصی کرتا ہے ورنہ اگر یہ خود کچھ نکرے تو کوئی وبال اسپر نہ آوے

زان عوان مقتضی کہ شہوت است دل اسیر حرص و آز و آفت است

یعنی اُس سپاہی تقاضا گر کی وجہ سے جو کہ شہوت ہے دل حرص و آز اور آفت کا اسیر ہے

زان عوان سِتر شدی دزد و تباہ تا عوانان را بقہر تست راہ

یعنی اُس سپاہی کی وجہ سے تو بترا اور چور اور تباہ ہو گیا ہے یہانتک کہ سپاہیون کو تیرے قہر پر راستہ ہے۔ مطلب یہ کہ جبکہ تو اُس عوان شہوت و غضب کی وجہ سے

تباہ ہورہا ہے تو یہی وجہ ہے کہ تو ان آفات دنیاوی مین پھنس رہا ہے وہ باطنی عوان صورت ظاہر مین نمودار ہو جاتے ہین

در خبر بشنو تو این پند نکو بین جنبیکم لکم اعدا عدو

یعنی تم حدیث مین یہ عمدہ نصیحت سنو کہ درمیان دونون پہلودن تمہارے کے سب سے بڑا دشمن ہی یعنی حدیث مین ہے اعدی عدوک نفسک التی بین جنبیک تو کہتے ہین کہ سب سے زیادہ تمہارا دشمن یہی ہے اسی سے بچنا ضروری ہے بس جو یہ کہے اس کی سنناہی مت

طمطراق این عدو مشنو گریز کو چو ابلیس است در رنج و ستیز

یعنی اُس عدو کی طمطراق مت سنو اور بھاگ جاؤ کیونکہ وہ رنج و ستیز مین مثل ابلیس کے ہے یعنی جسطرح کہ ابلیس ہر گھڑی اور ہر وقت لڑنے اور رنج دینے کو تیار ہے اسیطرح یہ نفس بھی ہر گھڑی تکلیف پہونچانیکو تیار رہے لہذا خدا کے واسطے اس سے الگ رہو اور اُس کی مت سنو۔

بر تو او از بہر دنیا و نبرد آن عذاب سرمدی را سہل کرد

یعنی تجھپر اُسنے دنیا اور نبرد کے واسطے اُس عذاب ابدی کو سہل کر دیا ہے یعنی اُسنے صرف دنیا کے واسطے اُس عذاب ابدی کو تمہین سہل کر کے دکھا دیا اور تم کو اُس سے بیخوف کر دیا اور اسقدر جری کر دیا کہ برابر مرتکب معاصی کے ہوتے ہو اور کچھ خبر نہین

چہ عجب گر مرگ را آسان کند او ز سحر خویش صد چندان کند

یعنی کیا تعجب ہی اگر موت کو آسان کر دے وہ اپنے سحر سے ایسے سیکڑون کو کرتا ہے یعنی اُسنے موت کو تمپر آسان کر دیا اور اُس سے بیخوف کر دیا تو کچھ تعجب نہین اسلئے کہ اُس کی فسون گری تو اُس سے کہین زیادہ ہے آگے کچھ سحر کے آثار کو بیان فرماتے ہین

سحر کاہے را بصنعت کُہ کند باز کوہے را چو کاہے می تند

یعنی سحر کاریگری سے تنکے کو پہاڑ کر (کے دکہا) دیتا ہے اور پھر پہاڑ کو تنکے کیطرح کر (کے دکہا) دیتا ہے

زشتہا را نغز گرداند بفن نغز ہا را زشت گرداند بہ ظن

یعنی برائیوں کو (اپنے) فن سے بھلائیاں کر دیتا ہے اور بھلائیوں کو گمان میں زشت کر دیتا ہے

آدمی را خر نماید ساعتے	آدمی سازد خرے را زاینتے

یعنی آدمی کو ایک گھڑی کیلئے گدھا (کر) دکھاتا ہے اور گدھے ہے افسون سے آدمی بنا دیتا ہے

کار سحر انیست کو دم می زند	ہر نفس قلب حقائق می کند

یعنی سحر کا یہی کام ہے کہ وہ پھونکتا ہے تو ہر گھڑی تبدیل حقائق کر دیتا ہے (اور اچھی کو برا اور برے کو اچھا کر دکھاتا ہے)

این چنین ساحر درون تست سر	ان فی الوسواس سحرا مستتر

یعنی ایسا ہی ایک ساحر تیرے اندر پوشیدہ تحقیق وسواس میں ایک سحر مستتر ہے (مطلب یہ کہ جیسے کہ ہمنے اوپر آثار سحر بیان کئے ہین بس ایسا ہی ایک ساحر تیرے اندر بھی ہے جو کہ ایسا ہی سحر تجبیر کرتا رہتا ہے اور وہ ساحر نفس ہی اور سحر وساوس ہین کہ وساوس مین مبتلا ہو کر انسان کو حقائق اشیاء سے بے خبری ہو جاتی ہے - ایک یہان سننے والیکو ایک قسم کی یاس ہوتی ہے کہ جب خود ہمارے اندر ہی یہ بلا موجود ہے تو اب ہم اس سے کہان بچ سکتے ہین ابتو ضرور اُسکے ہاتھون تباہ ہونگے - لہذا آگے اسکے تسلیہ کیلئے فرماتے ہین کہ -

اندران عالم کہ ہست این سحر ہا	ساحران ہستند جادوئی گشا

یعنی اُس عالم مین کہ یہ سحر ہین بہت سے ساحر جادو کشا ہین - مطلب یہ کہ جہان یہ سحر کرنے والے اور گمراہ کنندگان ہین وہان اُس سحر کو کھولنے والے اور ہدایت کنندگان بھی موجود ہین اور وہ شیوخ کاملین ہین کہ وہ شیطان کے مکر دن کو پہچانکر اس کا توڑ کر دیتے ہین -

اندران صحرا کہ رست این زہر تر	نیز روئیدست تریاق ای پسر

یعنی جس صحرا مین کہ یہ زہر تر اُگا ہے (دہین) اے صاحبزادے تریاق بھی پیدا ہوا ہے

گوید ت تریاق از من جو سپر	کہ ز زہرم من بتو نزدیک تر

یعنی تریاق تجھسے (بزبان حال) کہہ رہا ہے کہ مجھ سے پناہ تلاش کر کہ مین زہر کی نسبت

تجھ سے زیادہ نزدیک ہوں۔ مطلب یہ کہ مرشدین کاملین بلا رہے ہیں کہ اے شیطان کے پھندے میں پھنسنے والو ادہر آؤ اور ہماری مدد سے اس ورطۂ ہلاکت سے نجات پاؤ اور میرے پاس آ جاؤ اسلئے کہ میں اُس گمراہ کنندہ اور شیطان کی نسبت تمسے زیادہ نزدیک ہوں۔

گفت او سحر ست و ویرانی تو   گفت من سحر ست و دفع سحر او

یعنی (وہ مرشدین فرمارہے ہیں کہ) اُس کا کہنا سحر ہے اور تیری ویرانی ہے اور میرا کہنا سحر ہے اور اُس سحر کا دفع ہے یعنی اُسکے اقوال تو ایسے ہیں کہ سحر ہیں لیکن اُس سحر سے تمکو بربادی اور ویرانی حاصل ہوتی ہے اور میرا کہنا بھی سحر ہے یعنی سریع التاثیر ہے لیکن یہ میرے اقوال اُس سحر کے دافع اور ہدایت کرنے والے ہیں

گفت پیغمبر کہ ان فی البیان   سحر او حق گفت آن خوش پہلوان

یعنی پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بیان میں سحر ہوتا ہے اور اُس اچھے پہلوان نے حق کہا ہے یعنی حدیث میں جو ان من البیان لسحرا آیا ہے یہ بالکل صحیح ہے کہ دیکھو اُن گمراہ کنندگان کے اقوال بھی سحر ہیں کہ بیحد سریع التاثیر ہیں اور ہدایت کنندگان کے اقوال بھی سحر ہی کی طرح سریع التاثیر ہیں لیکن مابین فرق یہ ہے کہ۔

لیک سحرے دفع سحر ساحران   مایۂ تریاک باشد در جہان

یعنی لیکن ایک سحر تو ساحروں کی سحر کا دافع ہے اور جہان میں مایۂ تریاق ہوتا ہے۔

آن بیان اولیاؤ اصفیاست   کز ہمہ اغراض نفسانی جُداست

یعنی وہ بیان اولیاء و اصفیاء کا ہے کہ تمام اغراض نفسانی سے جدا ہے مطلب یہ کہ کلام دو طرح کے ہوتے ہیں جو سحر کی طرح سریع التاثیر ہوتے ہیں ایک تو وہ جو ہلاک کرنیوالا راہ حق سے پھیرنے والا وہ تو کلام شیاطین و وساوس نفس ہے اور ایک وہ جو کہ ہدایت کرنے والا اور شیاطین کے سحر کو اور اُسکے اثر کو دفع کرنے والا وہ کلام اولیاء اللہ ہے کہ جو تمام اغراض نفسانیہ سے جُدا ہو چکے ہیں کہ اُن کے کلام میں ہدایت و رشد ہوتی ہے آگے ان سب کا حاصل فرماتے ہیں کہ۔

حاصل آن کز زہر نفس دون گریز نوش کن تریاق مرشد چست و تیز

یعنی حاصل یہ ہے کہ کمینہ کے زہر سے تو بھاگ اور مرشد کا تریاق چست و چالاک (ہو کر) نوش کر۔ یعنی اُس کی باتوں اور اُس کی ہدایتوں پر عمل کر اور نفس و شیطان کو دفع کر تاکہ تو کسی کام کا ہو۔

این طلسم سحر نفس اندر شکن سوئے گنج پیر کامل نقب زن

یعنی اس طلسم سحر نفس کو توڑ ڈال اور پیر کامل کے خزانہ کی طرف نقب لگا۔ یعنی اُس خزانہ شیخ کامل کو حاصل کر اور اس نفس و شیطان کے طلسم کو توڑ تاکہ رہائی پاکر اور گمراہی سے نکل کر راہِ ہدایت پر آجاؤ۔ آگے فرماتے ہیں کہ۔

بس دراز ست این سوئے آغاز ران جانب مہمان و مسجد باز ران

یعنی یہ (قصہ تو) بہت دراز ہے تم شروع کی طرف چلو۔ مہمان اور مسجد کی طرف کو واپس چلو۔ مطلب یہ کہ یہ مضمون نفس کے مکائد کا اور مرشد کی ترغیب کا تو بہت طویل ہے لہٰذا اُسکو یہین چھوڑ کر اب ذرا مہمان اور مسجد کا قصہ بیان کردو۔

زین گذر کن باز تا مسجد بیا قصہ مہمان بگو وان ماجرا

یعنی اس سے گذر کر اور پھر مسجد تک آ۔ قصہ مہمان کا کہہ اور وہ ماجرا یعنی اب اُس مسجد والے مہمان کے قصہ کو پورا کردو اور اُسے بیان کرو آگے اُسی کو فرماتے ہین کہ۔

شرح حبیبی

ہین مکن جلدی برو ای بوالکرم	مسجد و مارا مکن زین متہم
کہ بگوید دشمنے از دشمنے	آتشے در ماز ند فردا دنے
کہ بتا سایند او را ظالمے	بر بہانہ مسجد او بد ساملے

تا بہانہ قتل بر مسجد نہد
چونکہ بدنام ست مسجد او جہد

تہمتے بر ما منہ اے سخت جان
کہ نہ ایم ایمن ز مکر دشمنان

ہین برو جلدی مکن سودا میز
کہ نتان پیمود گردون را بگز

چون تو بسیاران بلا فیدہ ز بخت
ریش خود بر کندہ یک یک لخت لخت

ہین برو کوتاہ کن این قیل و قال
خویش و ما را در میفگن در وبال

اُنہون نے پھر کہا کہ آپ جائین اور جلدی نکرین اور ہمکو اور ہماری مسجد کو الزام قتل سے متہم نکرین ہمکو ڈر ہے کہ کوئی دشمن دشمنی سے یون نہ کہے کہ اور کوئی کمینہ ہمکو یون ضرر نہ پہونچائے کہ صاحب مارا تو ہے اسے کسی ظالم نے اور نام لے دیا مسجد کا اور اس بہانہ سے خود بچ گیا اور اسنے یہ جرأت اسلئے کی ہے کہ چونکہ مسجد بدنام ہے اسلئے اسکو مسجد کے سر تھوپدے اور خود کود کر الگ ہو جاوے۔ پس آپ بہادر سہی مگر ہمکو الزام سے بچائے اسلئے کہ ہم دشمنون کی شرارت سے مطمئن نہین ہین دیکھئے ہم کہتے ہین کہ آپ تشریف لیجائیے اور جلدی نہ کیجئے۔ اور خیال خام نہ پکائے کیونکہ مسجد مین رہکر بچ جانا یون ہی ناممکن ہے جیساکہ آسمان کو گز سے ناپنا اور یہ تو ناممکن ہے لہذا وہ بھی ناممکن ہے۔ آپ جیسے بہت سے آئے ہین اُنہون نے اپنی خوش اقبالی کی شیخیان ماری ہین لیکن نتیجہ یہی ہوا کہ وہ پچھتائے اور مارے غم کے اپنی ڈاڑھیان نوچ کر ایک ایک بال اُکھیڑ ڈالا۔ اچھا تو اب تشریف لیجائین اور زیادہ نہ کہین سنین نہ اپنے کو مصیبت مین ڈالین اور نہ ہمکو بلا مین پھنسائین۔

شرح شبیری

ملامت کرون کا مسجد کے مہمان کو مکرر نصیحت کرنا

ہین مکن جلدی برو اے بوالکرم　　مسجد و ما را مکن زین متہم

یعنی (اہل محلہ نے کہا کہ) ارے بھلے آدمی جلدی مت کر چلا جا ہمین اور مسجد کو اس سے متہم مت کر۔ یعنی اگر تو یہان ٹہیرا اور مارا گیا تو سب لوگ ہمپر الزام رکہین گے اور سمجہین گے کہ ان ہی لوگون نے مار ڈالا ہے تو تو ہمین کیون بدنام کرتا ہے۔

کہ بگوید دشمنے از دشمنی　　آتشے در ما زند فرداد نے

یعنی اگر کوئی دشمن دشمنی کی وجہ سے کہدے اور کل کو کوئی کمینہ ہمارے اندر آگ لگادے (اور یہ کہے کہ)

کہ بتا سا بند او را ظالمے　　بر بہانہ مسجد او بد سالمے

یعنی کہ گلا گہونٹ دیا ہے اس کا کسی ظالم نے اور مسجد کے بہانہ پر وہ بے فکر تھا

تا بہانہ قتل بر مسجد نہد　　چونکہ بدنام است مسجد او جہد

یعنی تاکہ قتل کا بہانہ مسجد پر رکہدے جبکہ مسجد بدنام ہے تو وہ (صاف) نکل جاوے۔ مطلب یہ کہ لوگون نے کہا کہ میان یہان سے چلدے ورنہ کوئی دشمن دشمنی کی وجہ سے ہمارے اوپر الزام لگادیگا۔ اور کہدیگا کہ میان ان ہی لوگون نے مار دیا ہے اور چونکہ مسجد بدنام ہے کہ یہان جو آتا ہے مر جاتا ہے۔ اسلئے مار کر اس مسجد کا نام لے دیا تو چونکہ ہمین اس الزام کا خوف ہے لہذا تو یہان سے روانہ ہو جا۔

تہمتے بر ما منہ اے سخت جان　　کہ نہ ایم ایمن ز مکر دشمنان

یعنی (اہل محلہ نے کہا کہ) ارے سخت جان ہمارے اوپر تہمت مت رکہہ کیونکہ ہم دشمنون کے مکر سے بیخوف نہین ہین۔ یعنی ان لوگون نے کہا کہ میان ہمارے اوپر تہمت مت رکہہ اسلئے کہ ہمین دشمنون کا بہت خوف ہے ممکن ہے کہ لوگ ہمپر تہمت لگادین اسلئے تو یہان سے روانہ ہی ہو جا۔

ہین برو جلدی مکن سودا مپز　　کہ نتان پیمود گردون را بگز

یعنی ارے جا جلدی مت کر سودا مت پکا کیونکہ آسمان کو گز سے کوئی ناپ نہین سکتا۔

مطلب یہ کہ جلدی مت کر سوچ سمجھکر کام کر اور ایسے تمام خیالات کو مت پکا اسلئے کہ یہ ایسا مشکل کام ہے جیسے کہ آسمان کی پیمایش کرنا اور آسمان کی پیمایش کوئی کر نہین نہین سکتا۔ لہذا تو بھی اس مسجد مین نہین رہ سکتا۔

چون تو لبیاران بلا فیدہ ز بخت ریش خود بر کندہ یک یک لخت لخت

یعنی تجھ جیسے بہتیرے جو کہ بخت کی وجہ سے سختی کہتے تھے اپنی ڈاڑھی کو ایک ایک کر کے اُکھاڑ دی مطلب یہ کہ یہان بہت لوگون نے بخت آزمائی کر لی ہے مگر کوئی بھی یہان سے بازی نہ لے سکا بلکہ ہمیشہ جو آیا تباہ و برباد ہی ہوا لہذا تو اس خیال مین مت پڑ اور چلا جا۔

ہین برو کوتاہ کن این قیل و قال خویش و ما را در میفگن در وبال

یعنی ارے جا اور اس کہنے سننے کو کم کر اور اپنے کو اور ہمین وبال مین مت ڈال مطلب یہ کہ سب نے کہا کہ بس ان باتون کو جانے دو اور ہمپر تو الزام مت لگاؤ اور اپنے کو ہلاکت مین مت ڈالو۔ بس تم یہان سے چلے ہی جاؤ جب اُسنے ان ملامت گرون کی یہ باتین اور نصیحتین سنین تو اُسنے جواب ذیل دیا۔

شرح حبیبی

گفت ای یاران ازان دیوان نیم که ز لا حول ضعیف آید پیم

کودکے کو حارث کشتے بدے طبلکے در دفع مرغان می زدے

تا رمیدے مرغ ازان طبلک ز کشت کشت از مرغان بد بیخوف گشت

چونکہ سلطان شاہ محمود کریم بر گذر زد آن طرف خیمہ عظیم

با سپاہے ہمچو استارہ اثیر انبہ و فیروز و صفدر ملک گیر

اشترے بُد کو بدے حمال کوس بختی بُد پیشرو ہمچون خروس

یانک کوس و طبل بر وے روز و شب / می زدند اندر رجوع و در طلب

اندران مزرع در آمد آن شتر / کودک آن طبلک بزد در حفظ بر

عاقلے گفتش مزن طبلک که او / پخته طبلست و با آن شست خو

پیش او چه بود تبوراک تو طفل / که کشد او طبل سلطان بیست کفل

عاشقم من کشتهٔ قربان لا / جان من نوبتگه طبل بلا

خود تبوراکست این تهدیدها / پیش آنچه دیده است این دیدها

اے حریفان من ازانها نیستم / کز خیالاتے درین ره بایستم

من چو اسمٰعیلیانم بے حذر / بل چو اسمٰعیل آزادم ز سر

فارغم از طمطراق و از ریا / قل تعالوا گفت جانم را بیا

اسنے جواب دیا کہ صاحبو میں شیطان نہیں ہون کہ لاحول سنکر میرا قدم سست ہو جاوے لہذا یہ تہدیدات اور دہمکیاں مجھے میرے ارادہ سے باز نہیں رکھ سکتیں میں تمکو ایک قصہ سناتا ہوں غور سے سنو ایک لڑکا جو کہ ایک کھیت کی رکھوالی کرتا تھا جانوروں کو ہٹانے کیلئے ڈھپڑی بجا دیتا تھا اُس سے جانور بھاگ جاتے تھے اور اس ذریعے سے کھیتی اُن سے مامون ہو جاتی تھی جبکہ سلطان محمودؒ نے اُس طرف کو گذرتے ہوئے ایک ستاروں کی مانند بیشمار اور فتحمند صف شکن ملک گیر لشکر کے ساتھ وہان قیام کیا تو اُس کا ایک نقارہ بردار اور جسطرح مرغ سب سے پہلے اُٹھتا ہے یوں سب سے آگے چلنے والا بختی اونٹ تھا اتفاقاً وہ اونٹ اُس کھیت میں جا گھسا اسپر لڑکے نے ڈھپڑی کو بغل میں لیکر اُسکو نکالنے کیلئے بجانا شروع کیا۔ کسی عقلمند نے اُس سے کہا کہ میاں صاحبزادے تم ڈھپڑی نہ بجاؤ کیونکہ یہ نقارہ بردار اونٹ اور اس آواز کے سننے کا عادی ہے یہ اس سے نہیں ڈر سکتا جبکہ یہ تمہاری ڈھپڑی جیسے

بیس گو نابڑا نقارہ اٹھاتا اور اُس کی آواز سنتا ہے تو تمہاری ڈہپری کیا چیز ہے۔ سو صاحبو مین عاشق اور فنا پر مٹا ہوا ہون میری جان مصائب کا نقار خانہ ہے پس جو بلا ئین مین نے ان آنکھون سے دیکھی ہین اُن کے سامنے یہ دہمکیان ایسی ہی ہین جیسے نقارہ محمود کے سامنے ڈہپڑی۔ نیز میری سامنے یہ دہمکیان ایسی ہی ہین جیسے رہگیر کیلئے خیالی صورتین پس ہین اُن لوگون مین سے نہین ہون جو خیالی صورتون سے متاثر ہوکر رستہ مین ٹہر جاؤن اور چلنا چھوڑ دون مین اسمعیل مشرب لوگون کی طرح بیخوف ہون بلکہ خود اسمعیل علیہ السلام کی طرح سر سے بے پرواہ ہون تم میری باتون کو شیخی سمجھتے ہو مگر مین تمکو یقین دلاتا ہون کہ نہ مجھے نمائشی باتون کی ضرورت ہے نہ دکھاوے کی حاجت بلکہ میری جان کو تو حکم قل تعالوا بلا رہا ہے اسلئے مین سر ہتیلی پر لئے پہرتا ہون۔

شرح شبیری

اُس مہمان کا اُنکو جواب دینا اور کہیت والے لڑکے کا اور اپنی کہیتی سے ڈہپڑی کی ذریعہ سے محمود غزنوی کے نقارہ بردار اونٹ کو ہٹانے کی مثل بیان کرنا

گفت ای یاران ازان دیوان نیم   کہ زلاحولے ضعیف آید پیم

یعنی اُسنے کہا کہ اے یارو مین اُن دیوانون سے نہین ہون کہ جو ایک لاحول سے میرا قدم ضعیف ہو جاوے یعنی اُسنے کہا کہ مین اُن لوگون سے نہین ہون کہ جو تمہاری باتون سے ڈر جاؤن اور میرا قدم شست ہو جاوے اور مین اس مسجد مین نہ ٹہیرون اسلئے کہ میری مثال تو ایسی ہے کہ۔

کودکے کو حارس کشتے بُدے   طبلکے در دفع مرغان می زدے

یعنی ایک لڑکا جو کہ نگہبان ایک کہیتی کا تھا جانورون کے دفع کرنیکے لئے ایک ڈہپڑی بجایا کرتا تھا

تا رمیدے مرغ ازان طبلک ز کشت   کشت ازان مرغان بد بیخوف گشت

یعنی یہانتک کہ جانور اُس ڈہپڑی کی وجہ سے کہیت سے بھاگ جاتے تو کہیتی بدجانورون کے بیخوف ہو گئی تھی۔

چونکہ سلطان شاہ محمود کریم　　بر گذر زد آن طرف خیمہ عظیم

یعنی جبکہ سلطان محمود شاہ کریم نے گذر گاہ پر اُس طرف خیمہ عظیم لگایا۔

با سپاہے ہمچو استارہ اثیر　　انبہ و فیروز و صفدر ملک گیر

یعنی ساتھ ایک لشکر کے جو مثل آسمان کے ستارون کی بیحد تھا اور کامیاب اور شجاع اور ملک گیر

یعنی اُس حالت مین محمود غزنوی اُس لڑکے کے کہیت کی طرف کو گذرا تو اُسنے اتفاقاً وہین ڈیرہ ڈال دیا۔

اشترے بُد کو بُدے حمال کوس　　بختی بد بیشرو ہمچو خروس

یعنی ایک اونٹ تھا جو کہ نقارہ بردار تھا ایک بختی تھا مرغ کی طرح آگے چلنے والا یعنی جس طرح کہ مرغ تمام جانورون میں سحر خیز ہوتا ہے اسیطرح وہ اونٹ بھی سب مین آگے چلنے والا تھا۔

بانگ کوس و طبل بر وے روز و شب　　می زدندے در رجوع و در طلب

یعنی کوچ کے روز طبل کی آواز اُسکے اوپر رات دن آنے جانے مین بجایا کرتے تھے۔

اندران مزرع در آمد آن شتر　　کودک آن طبلک بزد در حفظ بر

یعنی وہ اونٹ اُس کہیتی مین آگیا تو لڑکے نے اُس ڈہیڑیکو گیہون کی حفاظت کیلئے بجایا۔

عاقلے گفتش مزن طبلک کہ او　　بختی طبل است و با آن نشست خو

یعنی ایک عاقل نے اُس سے کہا کہ تو ڈہیڑیکو مت بجا اسلئے کہ وہ تو بختی ہے اور وہ اُس کا عادی ہے (آن شست خو اصل مین آن شس خوست تھا یعنی اُس طبل کیساتھ اُس کی عادت ہے تو پہر وہ اس ڈہیڑی سے کیا ڈریگا

پیش او چہ بود تبوراک تو طفل　　کہ کشد او طبل سلطان بیست کفل

یعنی اے لڑکے اُسکے آگے تیری ڈہیڑی کیا ہوگی کیونکہ وہ تو طبل سلطانی کو جو بیس گناہ کھینچتا ہے (تو وہ اس ذراسی ڈہیڑی سے کیا ڈریگا اب اُس مثل کو بیان کرکے وہ مہمان کہتا ہے کہ)

عاشقم من کشتۂ قربان لا　　جان من نوبتگہ طبل بلا

یعنی مین عاشق ہون مارا ہوا اور قربان فنا کا ہون اور میری جان طبل بلا کی نوبت گاہ ہے

خود تهور آن است این تهدیدہا پیش آنچہ دیدہ است این دیدہا

یعنی یہ تہدیدین خود اُن چیزون کے سامنے جنکو کہ ان آنکہون نے دیکہا ہے ڈہپیڑیان ہین مطلب یہ کہ جسطرح کہ وہ اونٹ طبل بردار تہا اس وجہ سے اُس ڈہپیڑی سے نہ ڈرتا تہا اسی طرح مین بہی بلاؤن کا برداشت کرنے والا ہون مجہپر سیکڑون بلائین نازل ہو چکی ہین تو پہر میرے سامنے تمہاری یہ دہمکیان کیا چل سکتی ہین یہ دہمکیان میرے آگے ایسی ہین جیسے کہ اُس اونٹ کے آگے وہ ڈہپیڑی اسلئے کہ مین نے تو اس سے کہین زیادہ بلائین برداشت کی ہین۔

ای حریفان من از آنہا نیستم کز خیالاتی درین رہ بیستم

یعنی لے دوستو مین اُن مین سے نہین ہون کہ خیالات کی بناء پر اِس راہ مین کہڑا ہو جاؤن۔ یعنی تم جو باتین کر رہے ہو یہ صرف خیالات ہین کہ یون ہوگا اس طرح ہوگا تو مین ایسا نہین کہ خیالات کی بناء پر ڈر جاؤن بلکہ

من چو اسمعیلیانم بے حذر بل چو اسمعیل آزادم ز سر

یعنی مین اسمعیلیون (ایک فرقہ کا نام ہے) کی طرح ہون بے خوف بلکہ اسمعیل کی طرح سر سے آزاد ہون یعنی مجہے مرجانے سے خوف نہین ہے مین تو مرنے کہبرتا ہون مین اپنے سر سے بالکل آزاد ہون۔

فارغم از طمطراق و از ریا قل تعالوا گفت جانم را بیا

یعنی مین شان وشوکت اور ریا سے فارغ ہون قل تعالوا نے میری جان کو کہا ہے کہ آ۔ یعنی مجہے شان وشوکت کی ضرورت نہین ہے جو شبہ ہو کہ مین یہ باتین اسلئے کر رہا ہون نہ مجہے ریا مقصود ہے بلکہ تعالوا کا جو خطاب ہو رہا ہے وہ خطاب مجہے بلا رہا ہے اور اُسی کی وجہ سے مین جان دینے پر دلیر ہون۔

آگے مولانا

فرماتے ہین کہ۔

شرح جیبی

گفت پیغمبر کہ جاد فی السلف بالعطیر من تیقن بالخلف
ہر کہ بیند مر عطارا صد عوض زود در بازد عطارا زین غرض
جملہ در بازار زان گشتند بند تا چو سود افتاد مال خود دہند
زر در انبانہا نشستہ منتظر تا کہ سود آید ببذل آید مصر
چون بہ بیند کالہ در ربح بیش سرد گردد عشقش از کالائی خویش
گرم زان ماندست با آن کو ندید کالہائے خویش را ربح ومزید
ہمچنین علم وہنرہا در حرف چون ندید افزون ازانہا در شرف
تا بہ از جان نیست جان باشد عزیز چون بہ آمد نام جان شد چیز لیز
لعبت مردہ بود جان طفل را تا نگشت او در بزرگی طفل را
این تصور وین تخیل لعبت است تا تو طفلی پس بدانت حاجت است
چون ز طفلی رست جان شد در وصال فارغ از حسن است وتصویر وخیال
نیست محرم تا بگویم بے نفاق تن زدم واللہ اعلم بالوفاق
مال وتن برف اندر یزان از فنا حق خریدارش کہ اللہ اشتری
برفہا زان از ثمن اولیستت کہ تو ئی در شک یقینے نیست
وین عجب ظنے ست در تو ای مہین کہ نمی پرد بہ بستان یقین
ہر گمان تشنہ یقین ست ای پسر می زند اندر تزائد بال وپر
چون رسد در علم پس پر پا شود مر یقین را علم او پویا شود
زانکہ ہست اندر طریق مفتتن علم کمتر از یقین وفوق ظن
علم جویائے یقین باشد بدان وان یقین جویائے دید ست وعیان
اندر الہٰکم بجو این را کنون از پس کلا پس لو تعلمون
می کشد دانش بہ بینش ای علیم گر یقین بودے بدیدندے جحیم
دید زائد از یقین بے امتہال آنچنان کز ظن ہمی زاید خیال
اندر الہٰکم بیان این بہ بین کہ شود علم الیقین عین الیقین

اب مولانا فرماتے ہیں (اور ممکن ہے کہ مقولہ عاشق ہی ہو) کہ کسی کو مذکورہ بالا بیان بعید نہ معلوم ہو کیونکہ جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے (کما ہو المنقول واللہ اعلم بصحۃ النقل) کہ جب کسی کو معاوضہ کا یقین ہوتا ہے وہ ابتدا ہی میں مال کے دینے میں دل کھول دیتا ہے اور یہ امر نہایت صحیح ہے چنانچہ لوگ بازاروں میں اسی لئے مقید ہیں کہ جب نفع ملے تو مال دے ڈالیں تھیلیوں میں سونا بھرے منتظر بیٹھے ہیں کہ نفع کا مال ملے تو زبردستی اسے کسی کے گلے منڈھ دیں پس جب ان لوگوں کو زیادہ نفع کا مال ملتا ہے تو اونکو اپنے مال کی محبت نہیں رہتی کیونکہ ان کو اپنے مال سے اسی لئے محبت ہے کہ نفع کا مال نہیں ملا ہے علی ہذا علم وہنر اور بیٹیوں سے بھی اسی لئے محبت ہے کہ ان سے زیادہ اشرف شئے اونکو نہیں ملی ورنہ جبکہ ایسی شئے مل جاوے تو کبھی محبت نہ رہے گی۔ پس جبکہ یہ اصول معلوم ہو گیا تو اب سمجھو کہ جان اسی وقت تک عزیز ہے جب تک اس سے زیادہ عزیز شئے نہیں ملتی اور جبکہ اوس سے بہتر کوئی شئے ملتی ہے تو پھر وہ عزیز نہیں رہتی بلکہ ایک حقیر شئے ہو جاتی ہے اس سے تو یہ معلوم ہوا کہ بہتر عوض کے مقابلہ میں جان حقیر چیز ہو جاتی ہے اب یوں سمجھو کہ کبھی آدمی اوس شئے کو جو حقیقۃً جان نہیں ہے جان سمجھ لیتا ہے اسلئے کہ وہ حقیقی جان کو نہیں دیکھتا۔ چنانچہ بچہ بے جان گڑیا کو اس وقت تک جان سمجھتا ہے جبتک وہ جوان نہیں ہوتا اور اوس کے اولاد نہیں ہوتی اور جبکہ اوسکے اولاد ہوتی ہے اور وہ جاندار گوڑیا کو دیکھتا ہے اوس وقت اوسکی نظر میں وہ گوڑیا کچھ بھی نہیں رہتی جب یہ امر ممہد ہو چکا تو اب سمجھو کہ دنیا وما فیہا جو کہ بمنزلہ ایک تصور وتخیل کے ہے واقع میں ایک بیجان کھلونا ہے اور جب تک کہ تم کامل العقل اور بالغ حقیقی نہیں ہوئے اوس وقت تک تم کو اُس کی ضرورت ہے پس جبکہ آدمی حقیقی بالغ ہو گیا اور وصل محبوب حقیقی نصیب ہو گیا تو پھر نہ اُسے حس کی ضرورت رہتی ہے نہ تصویر وخیال کی اور دنیا وما فیہا اوس کی نظر میں ہیچ ہو جاتی ہے چونکہ کوئی مُحرم نہیں ہے تاکہ میں اس مضمون کو صاف صاف بیان کرسکوں اسلئے اسی قدر بیان کرکے خاموشی اختیار کرتا ہوں اور کہتا ہوں کہ تفصیل وصال حق سبحانہ ہی خوب جانتے ہیں اور اس عنوان کو چھوڑ کر دوسرے عنوان سے سمجھاتا ہوں سنو مال اور تن برف ہیں جو کہ گھٹتے اور فنا ہوتے رہتے ہیں اور خدا اونکا خریدار ہے کیونکہ وہ فرماتا ہے اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ پس جو شخص کہ وصال حق سبحانہ سے کامیاب ہو گا یا دوسرے عنوان کی بنا پر یوں کہو کہ وہ اپنی جان کی اعلیٰ قیمت دیکھے گا اوس کی نظر میں جان کی کیا وقعت ہو سکتی ہے اور وہ اوسکے دے ڈالنے مین کیا پس وپیش کریگا۔ پس اب اس عاشق کے بیان میں کچھ بھی استبعاد نہ رہا۔ استبعاد کا منشا یہ ہے کہ تم اوسکی حالت کو اپنی حالت پر قیاس کرتے ہو اور سمجھتے ہو کہ جیسے ہم کو جان عزیز معلوم ہوتی ہے یوں ہی اوسکو

بھی ہونی چاہیئے مگر یہ قیاس مع لفارق ہے تمکو یہ برف اس قیمت کے مقابلہ میں اسلئے عزیز ہے کہ تم کو شک ہے اور یقین نہین ہے برخلاف اُسکے کہ اوسکو یقین ہے اور شک بھی عجیب قسم کا ہے کہ یقین تک پہونچنا ہی نہین چاہتا حالانکہ ہر شک کا قاعدہ ہے کہ وہ طالب یقین ہوتا ہے اور ترقی کرنے کیلئے پر پُرزے ہلاتا ہے پس جبکہ وہ علم تک پہونچتا ہے تو وہان نہین ٹہیرتا بلکہ سیدھا یقین تک پہونچتا ہے کیونکہ اس راہ مین علم پہلے پڑتا ہے اور یقین بعد کو ملتا ہے اسلئے کہ علم ظن اور یقین کے درمیان میں واقع ہے اسلئے اولاً وہ علم ہوتا ہے اور جب علم ہوجاتا ہے تو یقین کا طالب ہوتا ہے کیونکہ قاعدہ ہے کہ علم جویائے یقین ہے اور جب یقین تک پہونچ جاتا ہے تو وہاں بھی نہین ٹہیرتا۔ بلکہ حق الیقین تک پہونچتا ہے کیونکہ یقین طالب مشاہدہ و معائنہ ہوتا ہے اسکی تصدیق تم کو الھکم التکاثر میں کلا لو تعلمون علم الیقین لترون الجحیم ثم لترونها عین الیقین سے ہوگی اور معلوم ہوگا کہ علم سے مشاہدہ پیدا ہوتا ہے چنانچہ فرماتے ہیں کلا لو تعلمون علم الیقین لترون الجحیم ثم لترونها عین الیقین جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر کفار کو علم الیقین حاصل ہوجاتا تو وہ دوزخ کا مشاہدہ کرتے پس معلوم ہوا کہ علم یقینی سے مشاہدہ پیدا ہوتا ہے جس طرح کہ ظن سے خیال پیدا ہوتا ہے دیکھ لو الھکم میں صاف مذکور ہے کہ علم الیقین عین الیقین یعنی اصل اور حقیقی یقین جس کو اصطلاح میں حق الیقین کہتے ہیں ہو جاتا ہے (ف اس بیان میں ظن سے مراد جانب راجح نہین جو کہ مصطلح اہل معقول ہے بلکہ وہ علم مراد ہے جس میں طمانینت نہ ہو اور ہم نے جو اس کا ترجمہ شک کیا ہے اس سے بھی معنی اصطلاحی مراد نہیں بلکہ یہی معنی مراد ہیں اور علم سے علم تقلیدی مراد ہے فتنبہ لہ)۔

شرح شبیری

گفت پیغمبر کہ جادف السلف   بالعطیہ من تیقن بالخلف

یعنی پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے پہلے لوگون میں عطا کرنے مین اوس نے سخاوت کی ہے جس نے عوض کا یقین کرلیا۔ یعنی جس کو کہ جود و کرم کا بدلہ یعنی جنت کا یقین ہوگیا اوس نے جان لیا کہ اگر میں عطا کروں گا تو اوسکے بدلہ میں مجھے بیحد نعمتین ملین گی تو بس اوس نے خوب جود و کرم کیا۔

ہر کہ بیند مر عطا را صد عوض   زود در بازد عطا را زین غرض

یعنی جو شخص کہ عطا کے سو عوض دیکھ لیتا ہے وہ جلدی سے عطا کا دروازہ اس غرض کیلئے کھول دیتا ہے یعنی جسنے دیکھا کہ ایک دینے سے سو ملتے ہیں تو اوس نے فوراً دروازہ عطا کا کھولدیا کہ وہ اس نفع سے منتفع ہوسکے تو چونکہ اس شخص نے یہی سمجھ لیا تھا کہ اگر میں مارا ہی گیا تو شہید ہونگا اس لیئے وہ جان دینے کو تیار ہوگیا تھا اور آگے ختم

قصہ پر چند اشعار مولانا فرمادیں گے جس سے کہ معلوم ہوتا ہے کہ ان ساری باتوں سے امور ظاہر مراد ہی نہیں بلکہ جان دینے سے مراد مجاہدات وریاضات کرنا ہے اور وہ طلسم راہ حق کی مشکلات ہیں اور وہ خزانہ جو اوس طلسم مین تھا اوس سے مراد خزانہ علوم ومعارف ہے تواب تو مطلب بالکل ظاہر ہوگیا کہ اوس نے دیکھا کہ مجاہدات وریاضات کرنے سے بیحد فوائد ہیں لہذا وہ مجاہدات وریاضات پر تیار ہوگیا اور ان مجاہدات وریاضات مین اوس نے بلاؤن کے آنے کی اور جان کے جانے کی پرواہ نہ کی اور یہی وہ کہہ رہا ہے کہ مجھے پرواہ نہیں ہے اب چونکہ بیان کیا ہے کہ جو عطا کے عوض کو دیکھ لیتا ہے وہ پھر خوب عطا کرتا ہے تو آگے اس کی نظائر بیان فرماتے ہیں کہ

جملہ در بازار زان گشتند بند تا چو سود افتاد مال خود دہند

یعنی سارے لوگ بازار میں اسلیئے بند ہورہے ہیں کہ جب نفع پڑے تو اپنا مال دیدیں۔

زر دربا نہا نشستہ منتظر تا کہ سود آید بہ بذل آید مُصِر

یعنی روپیہ پیسہ تھیلیوں میں رکھے ہوئے اور منتظر بیٹھے ہوئے ہیں تاکہ نفع آوے اور کوئی اصرار کرنے والا خرچ میں آوے مطلب یہ کہ دیکھو بازار میں تاجر اپنے مال کو اور صراف روپیہ پیسہ کو لئے بیٹھے ہیں کہ اگر ہمکو نفع ملے تو اپنا مال دیدیں تو دیکھو نفع ملنے پر اور عوض کے حاصل ہوجانے پر اپنا مال دیدینے کو تیار ہیں۔

چون بہ بیند کالہ در ربح بیش سرد گردد عشقش از کالای خویش

یعنی جب (تاجر) اسباب کو نفع میں زیادہ دیکھتا ہے تو اوس کا عشق اپنے اسباب سے سرد ہوجاتا ہے مطلب یہ کہ جب اوس نے دیکھا کہ اگر اس مال کو دیدیا تو اوس کے بدلہ میں عوض زیادہ ملے گا تو اوس کے دل میں جو مال کی محبت تھی اب وہ جاتی رہی اور یہ اپنے مال کو دیدینے کو تیار ہوگیا۔

گرم زان ماندست با آن کو ندید کالہائے خویش را ربح ومزید

یعنی اوس اسباب کا شائق اسلیئے ہے کہ اوس نے اپنے اسباب کا نفع اور زیادہ ہونا نہیں دیکھا یعنی جسکو کہ خبر نہیں ہے کہ اس اسباب کے دینے سے یہ نفع ہوتا ہے وہ خود اوس اسباب ہی پر عاشق اور اوسی کا شائق بن بیٹھا ہے۔

ہمچنین علم وہنرہائے وحرف چون ندید افزون ازانہا در شرف

یعنی اسی طرح علم وہنر اور پیشے جب اون مین زیادتی کو نہ دیکھا شرف مین یعنی اسی طرح علم وہنر ہین کہ جب انسان اونمین کوئی زیادتی نہ دیکھے تو اونکو بھی خرچ نہین کرتا۔ اور جب اوسمین زیادتی معلوم ہوجاتی ہے تو پھر خرچ کرنیکو تیار ہوجاتا ہے

تا بہ از جان نیست جان باشد عزیز چون بہ آمد نام جان شد چیز لیز

یعنی جب تک کہ جان سے بہتر نہین ہے جان عزیز ہوتی ہے اور جب بہتر آیا تو جان کا نام ایک شے حقیر ہوگیا

مطلب یہ کہ جس وقت تک جان سے بہتر شے کوئی نہیں دیکھتا اوسوقت تک جان محبوب ہے اور جب اس سے بہتر شے مل گئی اب جان کی قدر بھی جاتی رہی۔

لعبت مردہ بود جان طفل را تا نگشت او لد بزرگی طفل زا

یعنی مردہ گوڑیا بچہ کی جان ہوتی ہے جب تک کہ وہ بزرگی میں بچہ کا جننے والا نہ ہو۔ یعنی جب تک کہ انسان عاقل نہیں ہوتا اوسوقت تک تو گوڑیونکو جو مردہ ہیں محبوب سمجھتا ہے اور جب عاقل بالغ ہوا اور خود اوس کے بچے پیدا ہون تو اب اوس کو اون مردہ گوڑیون سے محبت نہیں رہی کیونکہ اب اوسکو اوس سے بہتر چیز خود اوس کے بچے مل گئے۔

این تخیل وین تصور لعبت است تا تو طفلی پس بدانت حاجت است

یعنی یہ خیالات اور تصورات گوڑیان ہیں جب تک کہ تو بچہ ہے تجھے ان کی حاجت ہے (لیکن)

چون ز طفلی رست جان شد در وصال فارغ از حس است و تصویر و خیال

یعنی جب طفلی سے چھوٹا اور جان وصال میں ہوئی تو (اب جان) حس اور تصورات اور خیالات سے فارغ ہو گئے یعنی جب تم کو وصال حق میسر ہوا اور تم کو قرب نصیب ہوا جس سے عقل و ہوش سب درست ہو گئے تو اب تم اون جو اس سے بھی چھوٹ گئے اور تم کو ان تخیلات واہیہ کی ضرورت مندی آگے فرماتے ہین کہ۔

نیست محرم تا بگویم بے نفاق تن زدم واللہ اعلم بالوفاق

یعنی کوئی محرم نہیں ہے تاکہ میں بے نفاق کے بیان کرون تو چپ رہتا ہون واللہ اعلم بالوفاق مطلب یہ کہ کوئی ایسا محرم تو ہے نہیں جس سے صاف صاف بیان کروون اب تو صرف اشارات میں کہا جاتا ہے تو جب کوئی محرم نہیں ہے تو اب چپ رہنا ہی بہتر ہے اب یہان مضمون وصال و اتحاد کو تو بند کر دیا آگے دوسرا مضمون ارشاد فرماتے ہین کہ۔

مال و تن برف اند ریزان فنا حق خریدارش کہ اللہ اشتری

یعنی مال و تن برف ہین فنا کے گرائے ہوئے خریدار اوس کا حق ہے کہ اشتری مطلب یہ کہ مال و تن برف کی طرح فانی اور ہر وقت گھٹنے والے ہین اور اون کا خریدار حق تعالیٰ ہے کہ ارشاد ہے کہ ان اللہ اشتری من المؤمنین انفسھم واموالھم بان لھم الجنۃ۔

برفہا زان از ثمن اولیستت کہ توئی در شک یقینے نیستت

یعنی برف قیمت سے تجھے اس لئے بہتر ہے کہ تو شک مین ہے اور تجھے یقین نہیں ہے مطلب یہ کہ تو جو دنیا کے مال و اسباب پر جو ذاتی ہین ترجیح دے رہا ہے اور اوس کی جو قیمت حق تعالیٰ نے تجویز فرمائی ہے یعنی جنت اوس سے

تو ان کو بہتر سمجھتا ہے تو وجہ اسکی یہ ہے کہ تجھکو ابھی درجۂ یقین حاصل نہین ہوا تو ابھی تک شک مین ہے اگر یقین ہو جاتا تو ضرور تو اس فانی شئے کو ترک کرتا اور اوس باقی کو حاصل کرتا ۔

وین عجب ظنیست در تو اے مہین کہ نمی پرد بہ بستان یقین

یعنی اور تیرے اندر اے ذلیل یہ عجیب ظن ہے جو کہ بستان یقین تک اُڑتا ہی نہین یعنی عجب ظن ہے کہ جو اس کے بعد یقین حاصل ہی نہین ہوتا ورنہ

ہر گمان تشنۂ یقین ست ای پسر می زند اندر تزاید بال و پر

یعنی اے صاحبزادہ ہر گمان یقین کا طالب ہے اور زیادتی مین بال و پر مارتا ہے یعنی ہر گمان ترقی کرکے یقین تک پہونچنا چاہتا ہے

چون رسد در علم پس پر پا شود مر یقین را علم او پویا شود

یعنی جب (وہ شک) علم میں پہونچ جاتا ہے تو استوار ہو جاتا ہے اور یقین کیلئے اوس کا علم دوڑنے والا ہوتا ہے یعنی اول شک ہوتا ہے وہ شک ترقی کر کے علم تک پہونچ جاتا ہے پھر وہ علم چلکر اور دوڑکر یقین تک پہونچا دیتا ہے مگر تعجب ہے کہ تمہارا شک نہ علم بنتا ہے نہ یقین ورنہ ترتیب یہی ہے ۔

زانکہ ہست اندر طریق مفتتن علم کمتر از یقین و فوق ظن

یعنی اسلئے کہ طریق ممتحن مین علم یقین سے کم ہے اور ظن سے اوپر ہے ۔

علم جویای یقین باشد بدان وان یقین جویای دیدست و عیان

یعنی علم تو طالب یقین کا ہوتا ہے جان لو اور وہ یقین طالب دید کا اور معائنہ کا ہوتا ہے مطلب یہ کہ تمام مین یہی قاعدہ اور یہی ترتیب ہے لیکن تم ہمیشہ سے شک ہی میں ہو تمہارا یہ شک ختم ہی نہین ہوتا نہ تو علم بنتا ہے اور نہ یقین آگے اس ترتیب کی ایک دلیل قرآن شریف سے لاتے ہیں کہ

اندر الہکم بجواین را کنون از پس کلا پس لو تعلمون

یعنی الہکم مین اب تم اوس کو ڈھونڈو کلاّ کے پیچھے اور پیچھے لو تعلمون کے (از پس کلا سے مراد کلا سوف تعلمون ثم کلا سوف تعلمون ہے اور پس لو تعلمون سے مراد کلا لو تعلمون علم الیقین ہے) مطلب یہ ہے کہ الھکم التکاثر میں حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تم لوگ جو دنیا مین شک مین پڑے ہوئے ہو تو تم ضرور جان لوگے اور پھر ضرور جان لوگے (یہ ترجمہ ہے کلا سوف تعلمون الخ کا) تو اسلئے تو علم ثابت ہوا کہ تم کو دہشت وغیرہ مین شک ہے ان سب کا علم ہو جاویگا آگے فرماتے ہین کلا لو تعلمون علم الیقین اس سے بعد علم کے یقین معلوم ہوتا ہے کہ بعد شک کے تم کو علم ہوگا اوسکے بعد یقین ہو جاویگا تو شک کے بعد علم اور علم کے بعد یقین تو ثابت ہو گیا اب صرف یقین کے بعد معائنہ کا ثبوت رہا وہ بھی سورۃ مین مذکور ہے جس کو شعر ذیل مین بیان فرماتے ہین کہ

می کشد دانش بہ بینش ای علیم　　گر یقین بودے بدیدندے جحیم

یعنی اے علیم یقین رویت کی طرف کھینچتا ہے کہ اگر یقین ہوتا تو جحیم کو دیکھ لیتے۔ اگر یقین بودے بدیدندے جحیم ترجمہ ہے لترون الجحیم ثم لترونہا عین الیقین کا۔ مطلب یہ کہ پھر وہ یقین رویت کی طرف لیجاتا ہے اور اوس کے بعد معائنہ و رویت ہوجاتی ہے اور دلیل اسکی یہ ہے کہ ارشاد ہے کہ لترون الجحیم الخ یعنی اوس یقین کے بعد جو کہ حاصل ہوا ہے رویت و معائنہ حاصل ہوگا۔ پس قرآن شریف سے ثابت ہوگیا کہ ترتیب اسی طرح ہے کہ اول شک ہوتا ہے پھر علم ہوتا ہے پھر یقین پھر معائنہ و مشاہدہ ہوتا ہے لیکن فرماتے ہیں کہ تعجب ہے کہ تم لوگ ابھی تک شک ہی میں پڑے ہوئے ہو تم عروج کر کے ان مراتب تک پہونچتے ہی نہیں ہو بلکہ شک ہی میں پڑے ہوئے ہو حالانکہ۔

دید زاید از یقین بے امتہال　　آنچنان کز ظن ہمی زاید خیال

یعنی یقین سے تو مشاہدہ بے مہلت کے پیدا ہوتا ہے جیسے کہ ظن سے خیال پیدا ہوتا ہے (خیال سے مراد علم تقلیدی ہے) مطلب یہ کہ جس طرح کہ ظن و شک سے علم تقلیدی پیدا ہوجاتا ہے اور ظن کے بعد علم تقلیدی حاصل ہوجاتا ہے اسی طرح یقین سے مشاہدہ پیدا ہوجاتا ہے۔

اندر الہٰکم بیان این ببین　　کہ شود علم الیقین عین الیقین

یعنی اس کا بیان الہٰکم میں دیکھ لو کہ علم الیقین عین الیقین ہوجاتا ہے (جیسا کہ ابھی اوپر معلوم ہوا کہ یقین کے بعد مشاہدہ حاصل ہوتا ہے آگے وہ یہاں کہہ رہا ہے کہ۔

شرح حبیبی

از گمان و از یقین بالاترم	وز ملامت برنمی گردد سرم
چون دہانم خورد از حلوائے او	چشم روشن گشتم و بینائی او
پا نہم گستاخ چون خانہ روم	پا نہ لرزانم نہ کورانہ روم
آنچہ گل را گفت حق خندانش کرد	با دل من گفت صد چندانش کرد
آنچہ زد بر سرو قدش راست کرد	وانچہ از وے نرگس و نسرین بخورد
آنچہ نے را کرد شیرین جان و دل	آنچہ خاکی یافت زو نقش چگل
آنچہ ابرو را چنان طرار ساخت	چہرہ را گلگونہ و گلنار ساخت
مر زبان را داد صد افسونگری	وانکہ کان را داد زر جعفری
چون در زرادخانہ باز شد	غمزہائے چشم تیر انداز شد

بر دلم زد تیر و سودائیش کرد | عاشق شکر و شکرخائیش کرد
عاشق آنم کہ ہر آن آن اوست | عقل و جان جاندار یک جان اوست
من نہ لافم ور بلافم ہمچو آب | نیست در آتش کشی ام اضطراب
چون بدزدم چون حفیظ مخزن اوست | چون نباشم سخت رو پشت من اوست
ہر کہ از خورشید باشد پشت گرم | سخت رو باشد نہ بیم او را نہ شرم
ہمچو روے آفتاب بے حذر | گشت رویش خصم سوز پردہ در

اب مولانا مقولۂ عاشق کی طرف رجوع کرتے ہین اور کہتے ہین کہ اوسنے کہا کہ جب مجھے حق سبحانہ اپنی طرف بلاتے ہین اور میری جان کا ہزار گونہ بہتر بدلا دیتے ہین تو مین کیسے دلیر نہ ہون کیونکہ مین تمہاری طرح شبہ مین نہین پڑا ہون بلکہ مین تو علم الیقین سے بھی آگے بڑھ گیا ہون اور مقام مشاہدہ تک بھی پہونچ گیا ہون پس نہ مین تمہاری بات مان سکتا ہون اور نہ میرا خیال تمہاری ملامت سے بدل سکتا ہے چونکہ مین اوس کی شیرینی وصال کھا چکا ہون لہذا میری چشم بصیرت روشن ہو گئی ہے اور مین اوس کو پہچان گیا ہون اور معرفت و بینش حقیقت مین وہ چیز ہے جو ان تمام ہراسون کو دور کر دیتی ہے جن کا منشا وہم ہے۔ چنانچہ جب مین اپنے گھر جاتا ہون تو چونکہ مین اوس سے واقف ہوتا ہون لہذا بے خطر گھس جاتا ہون نہ میرے پاؤن مین لغزش ہوتی ہے اور نہ اندھون کی طرح ٹٹولتا چلتا ہون ایسی حالت مین مجھے کیا اندیشہ ہو سکتا ہے مین اون عنایات کو بیان نہین کر سکتا جو حق سبحانہ نے مجھ پر مبذول فرمائی ہین چنانچہ جو بات کہ حق سبحانہ نے گل سے کہی ہے جس سے وہ ہنس پڑا اسی قسم کی بات میرے دل سے کہی تو اوس کو پھول سے سیکڑون درجہ زیادہ شگفتہ کر دیا اور جس چیز کو مار کر اوس نے سرو کے قد کو سیدھا کیا ہے۔ اور جو کچھ نرگس ونسرین کھا کر تر و تازہ ہوئین۔ اور جس چیز نے کہ گنے کے جان و دل کو شیرین کیا اور جس سے کہ خاک کو صورت حسن عنایت ہوئی اور جس نے کہ ابرو کو اس قدر دلربا بنایا اور چہرہ کو گلگونہ اور گلنار بنایا اور زبان کو سیکڑون طرح کے سحر بیانی عطا کی اور جس نے کہ کان کو زر خالص عطا کیا اونہون نے جو آثار محمودہ میرے اندر پیدا کئے اونکو تو مین کیا ہی بیان کر سکتا ہون لہذا خاموشی ہی بہتر ہے مجملاً اتنا سنو کہ جب سلاح خانہ کا دروازہ کھلا اور غمزہاے چشم نے تیراندازی شروع کی تو میرے دل پر تیر مارا اور مجھے اوس کا دیوانہ بنا دیا اور اوس کی شیرینی اور شیرین بیانی کا عاشق کر دیا۔ پس مین تو اوس پر عاشق ہون کہ جملہ کمالات اوس کے لئے حاصل ہیں اور عقل و جان جو اسقدر کمالات رکھتی ہین اوسکی ایک جنبش لب (حکم کن) سے زندہ ہین مین شیخی نہین مارتا اور شیخی اگر مارون تو میری شیخی بیجا نہین بلکہ وہ ایسی ہے جیسے کہ پانی کے آگ کو بجھا دینے کے متعلق شیخی۔ پس جس طرح اوس کی یہ شیخی صحیح ہے یونہی میری شیخی بھی واقعی ہے میرا خزانہ کلام تو اوسی کے قبضہ مین ہے پس مین اس خزانہ سے چرا کر غلط باتین اپنی بابت

کیسے بیان کر سکتا ہون (یعنی حق سبحانہ چونکہ مجھے جھوٹ سے بچاتے ہین اسلیئے مین جھوٹ نہین بول سکتا ہذا ہو المراد ولا تلتفت الی ماقال المحشون) اور مین سچ بات کہنے مین دلیر کیون نہ ہون کیونکہ حق سبحانہ میرے مددگار ہین قاعدہ ہے کہ جبکا معاون آفتاب ہو وہ دلیر ہوگا نہ کسی سے ڈرے گا اور نہ شرم کریگا کیونکہ اس کی تصدیق کے لئے آفتاب موجود ہے لہذا آفتاب کے بیخوف چہرہ کے موافق اوسکا چہرہ بھی خصم سوز اور پردہ در ہوگا۔ پس جبکہ آفتاب حقیقی میرا معاون ہے تو میرے لئے شرمانے یا ڈرنے کی کونسی وجہ ہے۔ جو بات ہے صاف صاف کہتا ہون جس کو شک ہو آزمالے۔

شرح شبیری

از یقین واز گمان بالاترم وز ملامت بر نمی گردد سرم

یعنی یقین اور گمان سے مین بالاتر ہون اور ملامت کیوجہ سے میرا سر نہین پھرتا یعنی وہ کہتا ہے کہ مین صاحب حال ہون میرے ساتھ یہ ترتیب نہین ہے کہ اول شک ہو پھر علم ہو پھر یقین وغیرہ بلکہ مین صاحب حال ہون مجھے عوض کا یقین ہے کہ مین اگر جان دونگا تو مجھے ضرور اوس سے بہتر عوض ملے گا لہذا اب اس مین کوئی شک ڈالنے والا شک نہین ڈال سکتا۔

چون دہانم خورد از حلوائے او چشم روشن گشتم و بینائے او

یعنی جبکہ میرے مُنہ نے اوسکے حلوے سے کھایا ہے تو مین چشم روشن ہو گیا ہون اور اوس کا بینا ہو گیا ہون مطلب یہ کہ چونکہ مین چاشنی وصل چکھ چکا ہون لہذا اب میری آنکھ کھُل گئی ہے مجھے ہرگز شک نہین ہو سکتا۔

پا نہم گستاخ چون خانہ روم پا نہ لرزانم نہ کورانہ روم

یعنی مین بے تکلف چلتا ہون جبکہ گھر جاتا ہون نہ تو پاؤن کو لرزاتا ہون نہ اندھونکی طرح جاتا ہون یعنی دیکھو مجھے گھر جانے مین چونکہ کوئی شک وغیرہ نہین ہوتا بلکہ یقین ہوتا ہے اسلیئے مین بے تکلف چلا جاتا ہون تو اسیطرح چونکہ مجھے اسمین بھی یقین ہے کہ مجھے عوض اس جان سے بہتر ملیگا لہذا اسمین بھی بیباک ہون مجھے کچھ خوف نہین ہے

انچہ گل را گفت حق خندانش کرد بر دل من گفت صد چندانش کرد

یعنی جو کچھ کہ حق تعالیٰ نے گل کو کہا اور اوس کو خندان کر دیا میرے دلپر وہی کہا اور سو چند اوس کا کر دیا یعنی حق تعالےٰ نے جو تجلی کہ گل پر کی ہے کہ جس کیوجہ سے وہ خندان ہے وہی تجلی حق تعالےٰ نے مجھ پر کی ہے کہ جس کی وجہ سے مین بے فکر اور بیباک ہو گیا ہون اور جان دینے کو تیار ہون۔

انچہ زد بر سرو وقدش راست کرد وانچہ از وے نرگس ونسرین بخورد

یعنی جو شئے کہ سرد پر باری اور اوسکے قد کو راست کردیا اور جو شئے کہ اوس سے نرگس ونسرین نے کھائی۔

آنچہ نے را کرد شیرین جان و دل — وانچہ خاکی یافت زو نقش چگل

یعنی جس شئے نے کہ نئے کا جان و دل شیرین کردیا اور جس شئے سے کہ خاک نے نقش چگل پایا یعنی انسان نے جو کہ خاکی ہے حسن وجمال پایا۔

آنچہ ابرو را چنان طرار ساخت — چہرہ را گلگونہ و گلنار ساخت

یعنی جس شئے نے کہ ابرو کو ایسا طرار بنا دیا اور چہرہ کو گلگونہ اور گلنار کردیا۔

مر زبان را داد صد افسونگرے — وان کہ کان را داد زر جعفری

یعنی زبان کو اوس نے سوا افسونگری دین اور وہ کہ جس نے معدن کو خالص سونا دیا (زر جعفری خالص سونے کو کہتے ہین اس لئے کہ مشہور ہے کہ جعفر برمکی نے حکم دیا تھا کہ سونے کو خالص کرکے پھر سکہ لگایا جاوے اور آنچہ زد بر سر دے اس شعر تک سب مبتدا ہین جن کی خبرین محذوف ہین) مطلب یہ کہ جسنے کہ ان چیزونکو ایسا ایسا بنا دیا اوسی نے مجھے یہ ہمت اور یہ قوت عطا فرمائی ہے اور اوسی نے مجھے ایسا یقین کامل عطا فرمایا ہے آگے کہتے ہین کہ

چون در زرادخانہ باز شد — غمزہائے چشم تیر انداز شد

یعنی جبکہ سلاح خانہ کا دروازہ کھلا تو غمزہائے چشم تیرانداز ہوئے۔

بر دلم زد تیر و سودائیش کرد — عاشق شکر و شکرخائیش کرد

یعنی میرے دلپر تیر مارا اور اوسکو سودائی کردیا اور عاشق شکر اور شکرخائی کا اوس کو کردیا یعنی جب اوسکے عشق نے مجھپر اثر کیا اور میرے دلکو اپنا سودائی بنا لیا اور ان امور کا مین عاشق ہو گیا۔ اور کہتا ہے کہ

عاشق آنم کہ ہر آن آن اوست — عقل و جان جاندار یک مرجان اوست

یعنی مین اوس کا عاشق ہون کیونکہ ہر چیز اوسی کی ملک ہے عقل و جان اوس کی ایک لب کی جاندار ہین مطلب یہ کہ عقل وجان جو بھی ہین سب کو اوسی سے جان حاصل ہوتی ہے اور اوسی کی لب سے ان کی جان ہے کہ اوس ہی سے ان کو جان حاصل ہوئی ہے اور کہتا ہے کہ

من نہ لافم ور بلافم ہمچو آب — نیست در آتش کشی ام اضطراب

یعنی مین شیخی نہین کرتا اور اگر پانی کی طرح شیخی کرون تو میری آتش کشی مین کوئی شک نہین ہے مطلب یہ کہ اوسنے کہا کہ مین جو باتین کر رہا ہون یہ شیخی سے نہین ہین اور اگر شیخی کرون بھی تو میری شیخی بھی بجا اور درست ہوگی جیسے کہ پانی کہ اگر وہ شیخی کرے کہ مین آتش کش ہون تو اوس کی شیخی بجا ہے اس لئے کہ وہ ایسا ہے تو اسی طرح مین اگر کہون بھی تو بجا ہے اسلئے کہ مین ایسا ہون۔

چون بدزدم چون حفیظ مخزن اوست   چون نباشم سخت رو پشت من اوست

یعنی مین پوشیدہ کیون کرون جب کہ خزانہ کا محافظ وہ ہے اور مین دلیر کیون نہ ہون میری پناہ تو وہ ہے مطلب یہ کہ وہ کہتا ہے کہ ان اسرار کے پوشیدہ کرنے کی مجھے کیا ضرورت ہے اسلئے کہ محافظ تو حق تعالی ہین پھر اگر کسی کو معلوم بھی ہوگیا تب بھی کوئی چرا نہین سکتا اور جب میری پشت وپناہ وہ ہے پھر اگر مین دلیر ہون اور بیباکانہ گفت گو کرون تو کیا حرج ہے۔

ہر کہ از خورشید باشد پشت گرم   سخت رو باشد نہ بیم او را نہ شرم

یعنی جو شخص کہ خورشید سے پشت گرم ہو تو وہ دلیر ہوگا نہ اوس کو خوف ہوگا نہ شرم ہوگی مطلب یہ کہ جس کی پشت وپناہ خورشید ہو اوسکو پھر کیا شرم ہوگی اور کیا حجاب ہوگا وہ تو اپنا چہرہ سب کے آگے رکھے گا اسلئے کہ وہ جانتا ہے کہ میرے اندر سے کوئی کچھ کم کر ہی نہین سکتا۔

ہمچو روئے آفتاب بے حذر   گشت رویش خصم سوز و پردہ در

یعنی مثل روئے آفتاب کے بے کھٹکے اوس کا چہرہ خصم سوز اور پردہ در ہوگیا۔ یعنی جس کو کہ آفتاب سے حرارت اور روشنی پہونچ رہی ہو وہ تو آفتاب ہی کی طرح بیباک اور بیخوف ہوگا اوسے کس کی پرواہ ہوگی وہ اپنے جمال کو اپنے نور کو اپنی روشنی کو خوب ظاہر کریگا۔ تو اسی طرح چونکہ میرا پشت پناہ خدا ہے اس لئے مین بھی بے باک ہون اور کہتا ہے کہ۔

شرح حبیبی

ہر پیمبر سخت رو بُد در جہان	یک سوارہ کوفت بر جیش شہان
رو نگردانید از ترس و غمے	یک تنہ تنہا بزد بر عالمے
سنگ باشد سخت رو و چشم شوخ	او نترسد از جہان پر کلوخ
کان کلوخ از خشت زن یک لخت شد	سنگ از صنع خدائے سخت شد
گوسفندان گر برون اند از حساب	زانبہ شان کے بترسد آن قصاب
کلکم راع نبی چون راعی ست	خلق مانند رمہ او ساعی ست
از رمہ چوپان نترسد در نبرد	لیک شان حافظ بود از گرم و سرد
گر زند بانگے ز قہر او بر رمہ	دان ز مہر ست آنکہ دارد بر ہمہ

اب مولانا انتقال فرماتے ہین اور کہتے ہین کہ چونکہ ہر پیمبر جو دنیا مین آیا ہے موید من اللہ تھا اسی لئے وہ اس قدر

جبری تھا کہ اکیلے نے بادشاہوں کے لشکر پر حملہ کیا اور جو خوف یا جو غم اوس کے سامنے آیا کبھی اوس سے مُنہ نہین موڑا اور اکیلے نے تمام عالم پر حملہ کیا کیون نہ ہو وہ تو پتھر کی مثل جبری اور نڈر ہے جو کہ عالم بھر کے ڈھیلون سے نہین ڈرتا ڈرے کیونکر ڈھیلے مین جو قوت اور گھٹاؤ آیا ہے وہ اینٹین پاتھنے والے کی طرف سے اور پتھر کی سختی خداداد ہے علی ہذا عالم بھر مین جو جرأت ہے وہ نفس وشیطان کی طرف سے ہے اور نبی مین جو جرأت ہے وہ خدا کی طرف سے پھر نبی اُنسے کیونکر ڈر سکتا ہے یا یون سمجھو کہ نبی قصائی کی مثل ہے اور عالم گلہٴ گوسفندان کی مانند پس اگر بھیڑ بکریان بے انتہا بھی ہون تو قصائی تو اونکی کثرت سے نہین ڈرتا پس نبی عالم سے کیونکر ڈر سکتا ہے چونکہ نبی اور اہل عالم کے نسبت کا ذکر آگیا ہے اسلئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اونکی اصلی نسبت بیان کر دیجاوے تاکہ وہ شبہ دفع ہوجاوے جو کہ اونکی عارضی نسبت سے پیدا ہوگیا ہے کہ نبی مخلوق کو فنا کرنے کیلئے آتا ہے سو سنو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کلکم راع اس بنا پر نبی بالاولے اپنی امت کا راعی ہوگا اور مخلوق اوسکے لئے بمنزلہ گلہٴ گوسفندان کے ہوگی اور وہ اون کی بہبودی مین کوشان ہوگا پس اصلی تعلق نبی اور امت کا یہ ہے اور قصائی تو وہ اوس وقت بنتا ہے جبکہ بکریان سرکشی کرتی ہین اور کسی طرح نہین مانتین اور دوسرے بکریون کو اون سے ضرر پہونچنے کا اندیشہ ہوتا ہے اس نسبت سے بھی معلوم ہوگیا کہ نبی امت سے نہین ڈر سکتا کیونکہ چرواہا گلہ سے نہین ڈرتا بلکہ گرمی وسردی سے اونکی حفاظت کرتا ہے پس نبی بھی ان سے نہ ڈریگا بلکہ اونکا محافظ ہوگا اوس کی ظاہری سختی سے تم کو اوس کی بے مہری کا شبہ نہ ہونا چاہئے کیونکہ چرواہا اگر کبھی گلہ کو غصہ سے ڈانٹتا ہے تو اوس کا منشاء وہ شفقت ہوتی ہے جو کہ اوس کو سب پر ہے۔

شرح شبیری

ہر پیمبر سخت رو بد در جہان　　　یک سوارہ کوفت بر جیش شہان

یعنی جہان مین ہر پیمبر دلیر ہوا ہے کہ تنہا بادشاہون کے لشکر پر حملہ کیا ہے۔

رو نگردانید از ترس و غمے　　　یک تنہ تنہا بزد بر عالمے

یعنی خوف وغم کیوجہ سے مُنہ نہین پھیرا اکیلے نے تنہا ایک عالم پر حملہ کیا (یہ صرف اسی لئے کہ اونکی پشت پناہ اور اون کا مددگار خدا تھا) آگے پیغمبرون کے دلیر ہونے کی ایک مثال دیتے ہین کہ۔

سنگ باشد سخت رو وچشم شوخ　　　او نترسد از جہان پر کلوخ

یعنی پتھر دلیر اور شوخ چشم ہوتا ہے تو وہ ڈھیلے بھرے ہوئے جہان سے ڈرتا نہین۔ یعنی اگر سارا جہان ڈھیلون سے بھر جاوے تو پتھر کو مطلق پرواہ نہ ہوگی وہ بالکل بے فکر ہوگا کیونکہ۔

کان کلوخ از خشت زن یک لخت شد　　سنگ از صنع خدائے سخت شد

یعنی کیونکہ وہ ڈھیلا تو کمہار سے ایک جسم ہوا ہے اور پتھر خدا کے بنانے سے سخت ہوا ہے۔ (لہذا پتھر کے اندر قوت ہے اور ڈھیلے کے اندر قوت نہین ہے تو پتھر ڈھیلون سے ڈرتا نہین ہے اسی طرح چونکہ انبیا ؑ اولیا کو پناہ حق ہوتی ہے اسلیئے وہ بھی دلیر ہوتے ہین اور کسی سے ڈرتے نہین ہین) آگے دوسری مثال ہے کہ۔

گوسفندان گو برون از حد حساب　　زانبہی شان کے بترسد آن قصاب

یعنی بکریان اگرچہ حساب سے باہر ہین (مگر) اون کی زیادتی سے قصائی کب ڈرتا ہے۔ (تو اسی طرح اگرچہ مخالفین بیحد تھے مگر حضرات انبیا علیہم السلام اون کی زیادتی سے کب خوف کرتے تھے)

کلکم راعٍ نبی چون راعی است　　خلق مانند رمہ او ساعی است

یعنی سارے کے سارے تم راعی ہو اور نبی جب راعی ہے اور خلق مانند گلہ کے ہے اور وہ ساعی ہے مطلب یہ کہ دیکھو اول تو تم سب بھی راعی ہو اور نبی تو راعی ہین ہی اور دیگر مخلوق اونکے سامنے مثل گلۂ بکریون کے ہے تو بھلا کہین چرواہا بھی بکریون سے ڈرا ہے آگے خود ہی فرماتے ہین کہ

از رمہ چوپان نترسد در نبرد　　لیک شان حافظ بود از گرم و سرد

یعنی گلہ سے چرواہا مقابلہ مین ڈرتا نہین ہے لیکن اون کا گرم و سرد سے محافظ ہوتا ہے۔

گر زند بانگے ز قہر او بر رمہ　　آن ز مہرست آنکہ دارد بر ہمہ

یعنی اگر وہ غصہ سے گلہ پر کوئی آواز کسے تو وہ اوس محبت کی وجہ سے ہے جو کہ سب پر رکھتا ہے مطلب یہ کہ یہ حضرات اگر بظاہر سختی بھی کرتے ہین تو وہ فی الحقیقت سختی نہین ہوتی۔ بلکہ اصل مین وہ محض محبت کی وجہ سے کہتے ہین کہ اون کو شفقت ہوتی ہے کہ یہ لوگ کہین ہلاک نہ ہون اس کی ایسی مثال سمجھو کہ جیسے بکریون والا بکریونکو کھیت وغیرہ سے ہٹاتا ہے اور اگر نہین ہٹتین تو ڈنڈا رسید کرتا ہے تو اوس کا مارنا صرف اسلیئے ہے کہ کہین کھیت والا انکو جان ہی سے نہ مار ڈالے ورنہ اوس کو بکریون سے کوئی خوف وغیرہ نہین ہوتا۔ بلکہ وہ تو اونکا نگہبان ہوتا ہے اوس کا مارنا ہی محبت پر دلالت کرتا ہے آگے کہتا ہے کہ۔

شرح حبیبی

ہر زمان گوید بگوشم بخت نو	گر ترا غمگین کنم غمگین مشو
من ترا غمگین و گریان زان کنم	تا کت از چشم بدان پنہان کنم
تلخ گردانم ز غمہا خوئے تو	تا بگردد چشم بد از روئے تو

نے تو صیادی نہ جویائے منی — بندہ وا فگندۂ رائے منی
حیلہ اندیشی کہ در من در رسی — در فراق و جستن من بیکسی
چارہ مے جوید پئے من درد تو — می شنودم دوش آہ سرد تو
من توانم ہم کہ بے این انتظار — رہ دہم بنمایمت راہ گذار
تا ازین گرداب دوران وارہی — بر سر گنج وصالم پا نہی
لیک شیرینی و لذات مقر — ہست بر اندازۂ رنج سفر
ہرچہ آسان یافتی آسان دہی — در دمشکل یاب را بر جان نہی
آنگہ از شہر و ز خویشان برخوری — کز غریبی رنج و محنتہا بری
در بلا یار و مگردان اے جوان — بشنو این تمثیل و قدر خود بدان

مضمون استطرادی کو ختم کر کے پھر مولانا مقولۂ عاشق یعنی وہان کی طرف رجوع کرتے ہین اور کہتے ہین کہ اوسنے کہا کہ مین مصائب کے مقابلہ مین سخت اور جری کیون نہ ہون جبکہ خدا میرا مددگار ہے نیز وہ ہر وقت میری نئی خوش نصیبی کے سبب مجھ سے کہتا ہے کہ مین اگر تجھے کسی تکلیف مین مبتلا کر کے غمگین کرون تو تو غمگین نہ ہونا کیونکہ مین تجھے اسلئے غمگین کرتا ہون کہ تجھے نظر بد سے محفوظ رکھون مین تیری طبیعت کو غمون سے مکدر کرتا ہون اور مقصود یہ ہوتا ہے کہ تجھے نظر نہ لگے اچھا بتا کیا تو میرا طالب اور میرا خواستگار نہین ہے اور میرا مطیع اور میری رائے کا تسلیم کرنے والا نہین ہے جبکہ تو ایسا ہے تو تجھے میری رضا پر راضی رہنا چاہئے اور میری رضا یہ ہے کہ تو فراخ حوصلگی سے مصائب کے سامنے سینہ سپر رہے پس تجھے ایسا کرنا چاہیئے مین جانتا ہون کہ تو میرا قرب چاہتا ہے اور میری جدائی اور میری طلب مین تیری حالت زار ہے اور تیری تکلیف میرے قرب کے لئے تدبیر کی طالب ہے اور مین جانتا ہون کہ تو سخت تکلیف مین ہے چنانچہ مین کل تیری اوس آہ سرد کو سن رہا تھا جو تو میری جدائی مین کرتا تھا اور مین یہ بھی کر سکتا ہون کہ بدون انتظار کے تیرے لئے وصال کی سبیل پیدا کر دون اور تجھے اس تکلیف سے گذر جانیکا رستہ دکھلا دون تاکہ تو اس گردش کے بھنور سے نکلکر میرے خزانۂ وصال تک پہونچ جائے مگر مین اسلئے نہین کرتا کہ اوس وقت تجھے اس مین زیادہ لطف آئیگا کیونکہ منزل مقصود کی لذتین سفر کی مصیبتون کے اندازہ کے موافق ہوتی ہین جس قدر سفر مین کلفت ہوتی ہے اوسی قدر منزل پر پہونچکر راحت ہوتی ہے نیز بے مشقت ملجانے مین تم کو اس کی قدر نہ ہوگی کیونکہ جو چیز آسانی سے ملتی ہے اوس کے کھو دینے مین دریغ نہین ہوتا۔ اور جو چیز مشکل سے ملتی ہے اوس کا تم کو جان و دل سے درد ہوتا ہے نیز دیکھو تم اسی وقت اپنے شہر اور اپنے عزیزون کی ملاقات سے متمتع ہوتے ہو جبکہ مسافرت کی تکالیف اٹھاؤ پس معلوم ہوا کہ تکالیف کی ضرورت ہے اور ان سے تم کو منہ نہ موڑنا

چاہیئے چونکہ مجھکو یہ ہدایت ہے اسلئے مین تکالیف کا جرأت کے ساتھ مقابلہ کرتا ہون آگے مولانا فرماتے ہین کہ اے مخاطب جب تجھکو بلاؤن کی حقیقت معلوم ہو گئی تو تجھے ان سے منہ نہ موڑنا چاہیئے اچھا اب ایک مثال سن اور اوس سے اپنی حقیقت جان ۔

شرح شبیری

ہر زمان گوید بگوشم بخت نو　　　گر ترا غمگین کنم غمگین مشو

یعنی میرے کان مین ہر وقت بخت نو کہہ رہا ہے کہ اگر مین تجھے غمگین (بھی) کرون تو (بھی) تو غمگین مت ہو۔ یعنی اگر بظاہر اوس طرف سے کوئی بات ناگوار بھی پیش آجاوے تو بھی اوس سے رنجیدہ نہ ہونا چاہیئے اسلئے کہ اوس کے اندر لاکھون مصالح ہوتے ہین آگے اس ظاہری غم دینے کی مصلحت بتاتے ہین کہ ۔

من ترا غمگین و گریان زان کنم　　　تا کنت از چشم بدان پنہان کنم

یعنی مین تجھکو غمگین اور گریان اسلئے کرتا ہون کہ تجھے بدون کی آنکھ سے پوشیدہ کرون۔ یعنی وہ فرماتے ہین کہ مین جو تم کو مصیبت مین رکھتا ہون اور غم دیتا ہون تو یہ اسلئے تاکہ تم برے لوگونکی نظر بد سے محفوظ رہو۔ مین تم کو نظر بد سے بچانے کے لئے اس طرح رکھتا ہون اور فرماتے ہین کہ ۔

تلخ گردانم زغمہا خوئے تو　　　تا بگردد چشم بد از روئے تو

یعنی مین غمون سے تیری عادت کو تلخ رکھتا ہون تاکہ چشم بد تیرے رو سے پھر جاوے یعنی تاکہ تم کو نظر بد نہ لگے اسلئے مین تم کو غمون مین مبتلا رکھتا ہون ۔

نے تو صیادی و جویائے منی　　　بندۂ و افگندۂ رائے منی

یعنی نہ تو تو صیاد ہے اور نہ میرا جویا ہے (بلکہ) غلام اور میری رائے کا ڈالا ہوا ہے مطلب یہ کہ فرماتے ہین کہ تیرے اندر خود کوئی قابلیت نہین ہے یہ سب ہمارا عطیہ ہے کہ ہم تجھے عطا کر رہے ہین۔ ورنہ تو کیا تو طالب بنتا اور کیا صیاد ہوتا۔ بلکہ تیری تو یہ حالت ہے کہ

حیلہ اندیشی کہ در من در رسی　　　در فراق و جستن من بیکسی

یعنی تو حیلہ سوچتا ہے کہ میرے اندر پہونچے میرے فراق اور طلب مین تو بیکس ہے یعنی تو تو تدابیر وصال کرتا ہے مگر وصال اور فراق تیرے قبضہ مین نہین ہے بلکہ اس مین اگر ہماری مدد نہ ہو اور ہمارے طرف سے کشش نہ ہو اوس وقت تک کچھ نہین ہو سکتا۔ بلکہ یہ ہوتا ہے کہ

چارہ میجو بد پئے من درد تو　　　می شنودم دوش آہ سرد تو

یعنی تیرا اور میرے لئے چارہ ڈہونڈھتا ہے اور کل مین تیری آہ سرد کو سن رہا تھا یعنی ہوتا تو ہے سب ہماری جذب اور کشش ہی سے لیکن وہ کشش پیدا ہوتی ہے تیری طلب سے تو تیرا درد جو ہم کو طلب کرتا تھا اور ہم تیری آہ سرد کو سن رہے تھے تو ہم نے اپنی طرف جذب کر لیا ورنہ طالب خود واصل نہین ہوسکتا اب یہان ایک سوال پیدا ہوا کہ جب آپ ہی کے قبضہ مین وصول ہے تو پھر اس بھٹکانے سے کیا فائدہ ایک دفعہ ہی اپنے پاس کیون نہین بلا لیتے اور وصول ایک دفعہ ہی کیون حاصل نہیں ہوجاتا آگے اسکا جواب دیتے ہین کہ

من توانم ہم کہ بے این انتظار ره دہم بنمایمت راہ گذار

یعنی مین یہ بھی کر سکتا ہون کہ بغیر اس انتظار کے مین راہ دیدون اور رہگذار تم کو دکھلا دون۔

تا ازین گرداب دوران وارہی بر سر گنج وصالم پا نہی

یعنی یہان تک کہ اس گرداب دوران سے تو چھوٹ جاوے اور میرے وصال کے خزانہ پر پاؤن رکھے یعنی فرماتے ہین کہ یہ بھی ممکن تھا کہ تمکو کچھ بھی کرنا نہ پڑتا اور وصول حاصل ہوجاتا مگر انتظار مین یہ مصلحت تھی کہ۔

لیک شیرینی و لذات مقر ہست بر اندازۂ رنج سفر

یعنی لیکن قیام گاہ کی شیرینی اور لذات رنج وسفر کے موافق ہین مطلب یہ کہ قاعدہ ہے کہ اگر طویل اور سخت سفر ہوگا اوس کے بعد جو قیام ہوگا تو اوس قیام مین زیادہ لطف اور راحت اور آسایش ہوگی اور اگر سفر مختصر اور کوئی تکلیف بھی نہ ہوئی تو اوس کے بعد قیام کا لطف نہ ہوگا اس لئے کہ جیسا سفر ویسا حضر تو فرماتے ہین کہ ہم تم کو انتظار مین اور مشکلون مین اس وجہ سے رکھ رہے ہین کہ اوس کے بعد جو وصول ہو تو اس کے اندر مزید لطف ہو اور لذت بیحد زیادہ ہوجاوے۔

آنگہ از شہر و ز خویشان برخوری کز غریبی رنج و محنتہا بری

یعنی شہر اور اپنے لوگون سے اوس وقت تم پہل کھاؤ گے کہ سفر سے بہت سے تکالیف اور محنتین برداشت کی ہونگی یعنی اگر سفر کے اندر تم نے بہت ہی مشکلین برداشت کی ہین تب تو تم کو گھر پہونچکر اپنے لوگون سے ملکر لطف آوے گا ورنہ کچھ بھی لطف نہ آوے گا۔ تو اسی طرح اگر اس راہ مین تم کو کچھ مشکلین پڑین گی تب تم کو اوس کی قدر ہوگی ورنہ یہ ہوگا کہ۔

ہرچہ آسان یافتی آسان دہی درد مشکل یاب را بر جان نہی

یعنی جو شے کہ تم نے آسانی سے پالی اوس کو آسانی سے دیدوگے اور درد مشکل یاب کو جان پر رکھو گے یعنی جس امر کو کہ ذرا محنت و مشقت سے حاصل کیا ہوگا اوسکو تو جان کی برابر رکھو گے اور جو شے آسانی سے مل گئی ہے اوسکو تم بھی آسانی ہی سے اور سستی ہی دیدوگے تو اسلئے ذرا مشکلین اور بلائین تم پر ڈالی جارہی ہین لہذا تمکو چاہیئے کہ

وز بلا ہا رو مگردان اے جوان | بشنو این تمثیل و قدر خود بدان

یعنی اے جوان بلاؤن سے مُنہ مت پھیر اور اس تمثیل (ذیل) کو سن اور اپنی قدر جان - آگے ایک مثال بیان فرماتے ہین کہ ایک عورت چنے کو بھون رہی تھی تو اوس چنے نے عورت سے کہا کہ بھلا تو مجھے کیون آگ پر جلا رہی ہے اور کیون بلا مین مبتلا کر رہی ہے اوس عورت نے کہا کہ مجھے تجھ سے کوئی دشمنی نہین ہے بلکہ مین اسلئے تجھے آگ مین بھون رہی ہون تاکہ تو کھانے کے قابل ہو جاوے اور پھر جزو انسان بنکر تجھے عروج ہو - اور پھر اتحاد اصطلاحی حق کے ساتھ تجھے ہو جب اوس چنے نے یہ سُنا تو وہ جلنے بھننے پر راضی ہو گیا - تو فرماتے ہین کہ اسیطرح جو بلائین اور مجاہدات و ریاضات کی مشکلین تم پر پڑ رہی ہین وہ بھی سب اسلئے ہین تاکہ تم کام کے ہو جاؤ تو ان بلاؤن سے گھبراؤ مت اور پریشان مت ہو اسلئے کہ یہ بلائین ہی تم کو کام کا کر دین گی - اب مثال کو سُنو -

شرح حبیبی

در نخود بنگر کہ اندر دیگ چون | می جہد بالا چو شد ز آتش زبون
ہر زمانے مے بر آید وقت جوش | بر سر دیگ و بر آرد صد خروش
کہ چرا آتش بمن در می زنے | چون خریدی چون نگونم می کنی
می زند کفلیز کد بانو کہ نے | خوش بجوش و بر مجہ ز آتش کنے
زان نجوشانم کہ مکروہ منی | بلکہ تا گیرے تو ذوق و چاشنی
تا غذا گردی بیامیزی بجان | بہر خواری نیستت این امتحان
آب میخوردی بہ بستان سبز و تر | بہر این آتش بدست آن آب خور

چنے کو دیکھ کہ جب وہ آگ سے مغلوب ہوتا ہے تو ہانڈی سے کیسا کیسا اوچھلتا ہے کہ جب جوش ہوتا ہے نکلنے کیلیے ہانڈی کے مُنہ تک آجاتا ہے اور بیحد شور کرتا ہے اور کہتا ہے کہ تو مجھے آگ مین کیون جلاتی ہے اگر مجھے یون ہی تباہ کرنا تھا تو خریدا تھا کیون لیکن بی بی اوس کو ڈوئی سے دباتی ہے اور کہتی ہے کہ نہین تو پریشان مت ہو اچھی طرح پک جا اور آگ جلانے والی اور پکانے والے سے بھاگ مت مین تجھے اسلئے نہین پکاتی اور تکلیف دیتی کہ تو مجھے بُرا معلوم ہوتا ہے بلکہ مقصود یہ ہے کہ تو مزیدار ہو جاوے اور غذا بنکر جان کے ساتھ اتصال حاصل کرے یہ آزمایش ذلت کیلئے نہین ہے باغ مین جو تجھ کو پانی دے کر سر سبز کیا گیا تھا تو اسی دن کیلئے کیا تھا -

شرح شبیری

بلاؤن مین مومن کی اضطرابی اور بے صبری کی مثال چنے کے بھنتے وقت نکل کر بھاگنے اور عورت کے اوسکو روکنے کی ساتھ

در نخود بنگر کہ اندر دیگ چون ... مے جہد بالا چو شد ز آتش زبون

یعنی چنے مین دیکھ کہ دیگچی مین کس طرح کودتا ہے جبکہ آگ سے عاجز ہوتا ہے۔

ہر زمانے مے برآید وقت جوش ... بر سر دیگ و برآرد صد خروش

یعنی ہر گھڑی جوش کے وقت وہ دیگچی کے منہ پر نکل آتا ہے اور سو (جوش) و خروش نکالتا ہے (اور پکانے والی سے کہتا ہے کہ)

کہ چرا آتش بمن در می زنی ... چون خریدی چون نگونم مے کنی

یعنی کہ کیون میرے اندر آگ لگا رہی ہے جب تونے خرید اتو مجھے ذلیل کیون کرتی ہے (اسکو سنکر پکانیوالی یہ کرتی ہے کہ)

میزند کفلیز کد بانو کہ نے ... خوش بجوش و بر مجہ ز آتش کنے

یعنی بیگم صاحبہ کفگیر مارتی ہے کہ نہین خوب جوش کرا اور آگ کرنے والے سے بھاگ مت۔

زان نجوشانم کہ مکروہ منی ... بلکہ تا گیری تو ذوق و چاشنی

یعنی مین اسلیے جوش نہین دیتی کہ تو میرا مکروہ ہے بلکہ (اسلئے) تاکہ تو مزہ اور چاشنی حاصل کرلے۔

تا غذا گردی بیامیزی بجان ... بہر خواری نیستت این امتحان

یعنی تاکہ تو غذا ہو جاوے اور جان کے ساتھ ملجاوے اور تیرا یہ امتحان ذلت کی وجہ سے نہین ہے یعنی وہ کہتی ہے کہ مین جو تجھے پکارہی ہون تو اوس کی یہ وجہ نہین ہے کہ مین تجھے ذلیل و خوار سمجھتی ہون بلکہ اس لئے پکارہی ہون تاکہ تو غذائے انسانی بن جاوے۔

آب میخوردی بہ بستان سبز و تر ... بہر این آتش بدست آن آب خور

یعنی باغ مین تو سبز و تر پانی پیا کرتا تھا تو وہ پانی پینا اس آگ ہی کے لئے تھا یعنی تیرے اندر جو خوب پانی دیا گیا اور تیری سب طرح کی حفاظتین کی گئین وہ ساری اسی لئے تھین کہ ایک روز تو آگ پر رکھا جاوے اور پھر لذیذ و مزیدار ہو کر تجھے لوگ کھا دین تو جب تجھے اول ہی سے اسلئے پالا گیا ہے کہ تجھے آگ مین بھون کر کھا دین تو آج گھبرانے کے کیا معنے آگے مولانا فرماتے ہین کہ۔

شرح حبیبی

رحمتش سابق بدست از قہر آن ۔۔۔ تا ز رحمت گردد اہل امتحان
رحمتش بر قہر زان سابق شدہ است ۔۔۔ تا کہ سرمایہ وجود آید بدست
زانکہ بے لذت نروید لحم و پوست ۔۔۔ چون نروید چہ گدازد عشق دوست
زان تقاضا گر بیاید قہرہا ۔۔۔ تا کنی ایثار آن سرمایہ را
باز لطف آید براے عذر او ۔۔۔ کہ بکردی غسل و برجستی زجو

اب مولانا مضمون ارشادی کی طرف رُخ کرتے ہین اور فرماتے ہین کہ حق سبحانہ نے جو فرمایا ہے رحمتی سبقت غضبی تو اس رحمت کے غضب سے مقدم ہونے کا راز یہ ہے کہ رحمت سے آدمی صالح للامتحان ہوجاوے اور رحمت قہر پر اس لئے مقدم ہوئی ہے تاکہ سامان وجود ہاتھ آجائے کیونکہ قہر کی حالت مین نہ کہال پیدا ہوسکتی ہے نہ گوشت کیونکہ اس کے لئے لذت کی ضرورت ہے اور جب تک گوشت پوست پیدا نہ ہو اوس وقت تک عشق محبوب کسے گھلائیگا لہذا ضرورت ہوئی کہ اولاً رحمت ہو جب ابتداءً رحمت ہوئی اور گوشت پوست تیار ہوگیا اب بلائین آتی ہین اور تقاضا ہوتا ہے کہ جب تم مدعی عشق ہو تو یہ سامان لٹاؤ اور گھل گھل کر فنا ہو جب تم نے یہ کر لیا اوس وقت اوس کی معذرت مین پھر رحمت ہوتی ہے اور حکم ہوتا ہے کہ اب تم صفات ذمیمہ سے پاک ہوچکے اور ہمارے تمہارے درمیان جو ایک خلیج حائل تھی اوس سے تم پار ہوگئے اور ہمارے حریم قرب مین پہونچگئے ۔

شرح شبیری

رحمتش سابق بدست از قہر زان ۔۔۔ تا ز رحمت گردد اہل امتحان

یعنی رحمت حق تعالےٰ قہر سے اسی لئے سابق ہے تاکہ رحمت سے اہل امتحان (پیدا) ہون ۔

رحمتش بر قہر زان سابق شدہ است ۔۔۔ تا کہ سرمایہ وجود آید بدست

یعنی اوس کی رحمت قہر پر اس لئے سابق ہوئی ہے تاکہ سرمایۂ وجود ہاتھ مین آجاوے ۔

زانکہ بے لذت نروید لحم و پوست ۔۔۔ چون نروید چہ گدازد عشق دوست

یعنی اسلئے کہ بے لذت کے لحم و پوست پیدا نہین ہوتے اور جب پیدا ہی نہ ہون گے تو عشق دوست کس کو پگھلا دیگا مطلب یہ ہے کہ ارشاد حق ہے کہ سبقت رحمتی علیٰ غضبی تو اس سبقت رحمت کی ایک حکمت یہ بھی ہے کہ اول رحمت حق انسان کو پیدا کرتی ہے اوس کی پرورش کرتی ہے یہانتک کہ وہ بڑا اور قابل امتحان ہوجاتا

ہے اوس وقت اوس کو پھر حق تعالےٰ بلاؤن مین مبتلا فرماتے ہین اور پھر فنا کر دیتے ہین تو دیکھو اگر اول رحمت انسانکو نہ بناتی تو پھر فنا کس کو کرتی اور اول جو بنایا تھا اور رحمت کی تھی وہ اسی لئے تھی کہ پھر فنا کیا جاوے۔

زان تقاضا گر بیاید قہرہا تا کنی ایثار آن سرمایہ را

یعنی اوس تقاضا کر سے اگر (صورۃً) قہر آدین (تو وہ اسلئے ہین) تا کہ تم اوس سرمایہ (وجود) کو ایثار کر دو یعنی پیدا کرنے کے بعد جو صورۃً قہر آتے ہین وہ اس لئے ہوتے ہین تا کہ تم کو جو وہ سرمایہ وجود رحمت کیوجہ سے ملا ہے اوس کو اب فدا کر دو۔

باز لطف آید برائے عذر راؤ کہ بکردی غسل و بر جستی زجو

یعنی پھر لطف اوس کے عذر کیلئے آتا ہے کہ تو نے غسل کر لیا اور تو ندی سے کود گیا یعنی اول صورۃً قہر آتے ہین تا کہ اوس سرمایہ وجود کو تم ایثار کر دو اوس کے بعد پھر لطف آتا ہے اور عذر خواہی کرتا ہے کہ لو بس اب تم کامل ہو گئے اور اس نجاست وجود سے پاک ہو گئے ہو لہذا اب نکل آؤ تو بعد فنا کے بقا اور بعد ان صوری قہرون کے الطاف بیکران پیدا ہوتے ہین۔

شرح حبیبی

با نخود گوید چریدی در بہار	رنج مہمان تو شد نیکوش دار
تا کہ مہمان باز گردد شکر ساز	پیش شہ گوید ز ایثار تو باز
تا بجائے نعمت منعم رسد	جملہ نعمتہا برد بر تو حسد

ان اشعار کو محشین نے بی بی کا مقولہ قرار دیا ہے اور نخود سے معنی حقیقی مراد لئے ہین مگر مجھے الفاظ مجبور کرتے ہین کہ مین انکو بھی اشعار سابقہ کا ہی ضمیمہ قرار دون اور نخود سے مکلف مراد لون لہذا مین ایسا ہی کرتا ہون اگر کسی کو یہ پسند ہو کہ وہ اس کو بی بی کا مقولہ قرار دے تو وہ ایسا ہی کر لے حق سبحانہ مکلف سے فرماتے ہین کہ تو نے بہت مزے اڑائے ہین اب کچھ دنون کے لئے ہماری طرف سے رنج تمہارا مہمان ہوتا ہے پس تم اسکے خوب خاطر کرنا تا کہ یہ مہمان تمہارا شکر کرتا ہوا واپس لوٹے اور تمہاری سخاوت کی ہمارے سامنے خوب تعریف کرے اور اوس کا نتیجہ یہ ہو کہ بجائے اسکے کہ ہم تم پر انعام کرین خود ہی تم کو مل جائین اور ہمارے ایسا کرنے سے تم کو وہ شرف حاصل ہو کہ تمام نعمتون کو تم پر رشک آوے۔

شرح شبیری

با نخود گوید چریدی در بہار	رنج مہمان تو شد نیکوش دار

یعنی چنے سے کہتی ہے کہ تو نے (موسم) بہار مین (خوب) چرا ہے (اسیا) رنج تیرا مہمان ہوا ہے اوسکو اچھی طرح سے رکھ

تا کہ مہمان باز گردد شکر ساز   پیش شہ گوید ز ایثار تو باز

یعنی تا کہ مہمان شکر کرتا ہوا بادشاہ کے پاس لوٹے اور تیرے ایثار کو بیان کرے۔

تا بجائے نعمتت منعم رسد   جملہ نعمتہا برد بر تو حسد

یعنی تا کہ نعمت کی جگہ تم کو منعم پہونچے اور تمام نعمتین تم پر حسد لیجاوین۔ (نخود سے مراد انسان ہے) مطلب یہ ہے کہ فرماتے ہین کہ اے انسان تو نے خوب گل چھرے اڑائے ہین اب ذرا محنت اور بلائین اور رنج خداوندی تمہارے مہمان ہوئے ہین اون کو اچھی طرح رکھو اور اون کا اچھی طرح رکھنا یہی ہے کہ ان پر صبر کرو تو یہ اگر خوش گئے تو پھر یہ جا کر خدا سے کہین گے کہ ہم کو خوب اچھی طرح رکھا ہماری خوب خاطر کی اس کو سن کر حق تعالیٰ خوش ہون گے۔ اور بجائے اس کے کہ وہ نعمتین دیتے خود تشریف لے آوین گے اور وہ حالت ہوجاویگی کہ تمام نعمتین بھی تم پر حسد کرینگی کہ اوس کے پاس تو خود منعم ہی تشریف لے آئے۔ لہذا تم کو چاہئے کہ تم اون بلاؤن کو برداشت کرو اور صبر و شکر سے کام لو کہ اس طرح حق تعالیٰ کا قرب اور معیت تم کو حاصل ہوجاویگی اور حق تعالےٰ تم سے راضی رہین گے۔

شرح حبیبی

من خلیلم تو پسر پیش بچک   سر بنہ انی اراک اذبحک

سر بہ پیش قہر نہ دل بر قرار   تا ببرم حلقت اسمٰعیل وار

سر ببرم لیک این سر آن سریست   کز بریدہ گشتن و کشتن بریست

لیک مقصودم ازان تعلیم تست   اے مسلمان بایدت تسلیم جست

مندرجہ بالا اشعار کی طرح ان اشعار کے بھی دو محل ہین مگر مین ان کو بھی مقولۂ مولانا ہی قرار دینا بہتر سمجھتا ہون اس وقت حاصل اشعار یہ ہے کہ حق سبحانہ فرماتے ہین کہ میری مثال ایسی ہے جیسے خلیل اور تیری ایسی جیسے چھری کے سامنے اسمٰعیل پس میری رائے یہ ہے کہ مین تجھے ذبح کرون لہذا تم ہمارے کار و قہر ظاہری کے سامنے اطمینان قلب کیساتھ سر جھکا دو تا کہ اسمٰعیل کی طرح مین تمہارا گلا کاٹ دون اور سر الگ کردون لیکن یاد رکھو کہ یہ سر وہ سر ہے جو کٹ نہین سکتا۔ بلکہ کٹنے اور مرنے سے بری ہے پھر یہ جو مین نے کہا ہے کہ گلا کاٹ دون اور سر الگ کردون یہ تمہارے محاورہ مین تمہارے سمجھانے کے لئے کہا ہے کیونکہ تم اسے کٹنا اور مرنا سمجھتے ہو پس تم کو اطاعت کرنی چاہئے اور ہماری رضا پر راضی ہونا چاہئے۔

شرح شبیری

من خلیلم تو پسر پیش بچک　　　سر بنہ انی ارانی اذبحک

یعنی مین خلیل (کی طرح) ہون اور تو چھری کے سامنے لڑکا ہے تو تو سر رکھدے مین دیکھتا ہون کہ تجھے مین ذبح کرون مطلب یہ کہ تم کو ظاہری اورصوری تکالیف ہورہی ہین تو تم اون کو صبر وشکر سے برداشت کرلو تو اون کے برداشت کرنے سے تمہارے درجات ترقی پذیر ہوں گے جیسے کہ حضرت اسمٰعیل کے درجات تکلیف کو برداشت کرنے سے بلند ہو گئے تھے۔

سر بہ پیش قہر نہ دل برقرار　　　تا ببرم حلقت اسمٰعیل وار

یعنی قہر (صوری) کے آگے دل کو برقرار رکھکر سر رکھدے تاکہ مین اسمٰعیل کی طرح تیرا حلق کاٹ دون مطلب یہ کہ بظاہر جو تم کو تکلیف ہو رہی ہے یہ صرف صورۃً تکلیف ہے ورنہ حقیقت مین تمہارے مدارج عالیہ ہوتے ہین تو تم صبر وشکر کیساتھ راضی برضا ہو جاؤ جس سے کہ مین تم کو یہ تکالیف صوریہ پہونچا کر پاک وصاف کردون اور تمہارے درجے عالی ہوجاوین۔ اور کہتے ہین کہ۔

سر ببرم لیک این سر آن سریست　　　کز بریده گشتن وکشتن بریست

یعنی مین سر کاٹون لیکن یہ سر وہ سر ہے کہ کاٹے جانے اور مارے جانے سے بری ہے مطلب یہ کہ مرنا اور سر کٹ جانا تو ایک نقصان ہے لہذا کہتے ہین کہ مین بظاہر تو سر کاٹ رہا ہون اور تکلیف پہونچا رہا ہون لیکن اس سے کوئی کسی قسم کا نقصان نہ ہوگا بلکہ ان تکالیف سے نفع ہی ہوگا اور درجات عالی ہونگے آگے خود اسی کو فرماتے ہین کہ۔

لیک مقصودم ازان تعلیم تست　　　اے مسلمان بایدت تسلیم جست

یعنی لیکن اس سے میرا مقصود تیری تعلیم ہے تو اے مسلمان تم کو تسلیم ڈہونڈنا چاہئے۔ مطلب یہ کہ کہتے ہین کہ مین بظاہر تم کو تکالیف تو پہونچا رہا ہون مگر اس سے مجھے مقصود تکلیف دینا نہین ہے بلکہ مقصود اس سے تیری تعلیم ہے کہ اس ذریعہ سے تمہارے اخلاق درست ہونگے مراتب بڑہین گے تو تمکو چاہئے کہ تسلیم ورضا سے کام لو اور ہرگز ہرگز ان تکالیف سے گھبراؤ نہین

شرح حبیبی

اے نخود مے جوش اندر ابتلا　　　تا نہ ہستی و نہ خود ماند ترا

اندران بستان اگر خندیدۂ　　　تو گل بستان جان و دیدۂ

گر جدا از باغ آب وگل شدی　　　لقمہ گشتی و اندر احیا آمدی

شو غذا و قوت اندیشہا　　　شیر بودی شیر شو در بیشہا

اب بی بی کہتی ہے کہ اے چنے تو اس امتحان مین خوب جوش کھاتا کہ اس کا انجام یہ ہو کہ نہ تیری ہستی باقی رہے اور نہ خودی۔ (اس شعر مین یہ بھی احتمال ہے کہ اشعار ما قبل کے ساتھ مرتبط ہو اور نخود سے مراد متکلف ہو اور مقولہ کدبانو اندران بستان الخ سے شروع ہوا ہو وہذا ہو الراجح عندی) تو اس باغ مین اگر خوش وخرم رہا ہے تو یہ نہ سمجھنا کہ وہی باغ تیری اصلی جگہ ہے بلکہ تو تو حقیقۃً کھائے جانے کے لئے پیدا کیا گیا ہے اس لئے اصل مقام تیرا جان اور آنکھ ہے اور اصل مین تو اس باغ کا پھول ہے اور اگر تو باغ آب وگل سے جدا ہو گیا ہے تو اس کا غم نہ کرنا کیونکہ تو غذا بنے گا اور حیات حاصل ہو کر زندون مین شامل ہو گا پس تو انسانوں کی غذا اور افکار کی قوت کا ذریعہ بن اول تو شیر (دودھ) کی طرح بیجان تھا اب اُس جنگل کا شیر بن یعنی جسم مین جا کر حیات اور قوت حاصل کر۔

شرح شبیری

اے نخود میجوش اندر ابتلا تا نہ ہستی و نہ خود ماند ترا

یعنی اے چنے تو آزمایش مین جوش کرتا کہ تیرے لئے نہ ہستی رہے اور نہ خودی رہے مطلب یہ کہ امتحان سے بھاگ مت تاکہ ان مجاہدات وریاضات مین رہ کر تجھے درجہ فنا کا حاصل ہو جائے۔

اندر آن بستان اگر خندیدۂ تو گل بستان جان ودیدۂ

یعنی اوس باغ مین تو اگر ہنسا ہے تو (اب) تو جان و دیدہ کے باغ کا پھول ہے مطلب یہ کہ اگر تو اوس ہرے بھرے کھیت سے الگ ہو گیا ہے تو کوئی رنج کی بات نہین ہے اس لئے کہ وہ تو باغ ظاہری تھا اور اب تو تو باغ جان ودل مین آگیا ہے اور اجزاء انسانی بن گیا ہے پھر کیا غم ہے اور کیون ان مجاہدات سے گھبراتا ہے۔

گر جدا از باغ آب وگل شدی لقمہ گشتی و اندر احیا آمدی

یعنی اگرچہ آب وگل کے باغ سے تو جدا ہو گیا ہے مگر اب تو تو لقمہ ہو گیا ہے اور زندون مین آگیا ہے یعنی احیاء کا جزو بن گیا ہے اور تیرے اندر بھی حیات پیدا ہو گئی ہے۔

شو غذائے و قوت اندیشہا شیر بودی شیر شو در بیشہا

یعنی تو فکروں کی غذا اور قوت ہو جا تو (پہلے) شیر (خوار) تھا اب جنگلون مین شیر ہو جا۔ یعنی پہلے تو تو بالکل ضعیف تھا اور اب اجزاء انسانی مین داخل ہو کر تو قوی ہو جا۔ اور جس طرح جنگلون مین شیر قوی ہوتا ہے اسی طرح تو بھی قوی ہو جا۔ اور یہ سب حاصل جب ہو گا جب ان مجاہدات مین ثابت قدم رہے گا۔ اور ان سے گھبراوے گا نہین لہذا تجھے چاہئے کہ پریشان مت ہو۔

شرح حبیبی

از صفاتش رستۂ واللہ نخست	در صفاتش باز رو چالاک و چست
ز ابر و خورشید و ز گردون آمدی	پس شدی او صاف و گردون برشدی
آمدی در صورت باران و تاب	می روی اندر صفات مستطاب
جزو شمس و ابر و انجم بدی	نفس و فعل و قول و فکرتہا شدی

بیگم اوس چنے سے کہتی ہے کہ تو متغذی ہی کی صفات سے پیدا ہوا تھا کیونکہ اوسی نے تجھے جوتا بویا تھا اب تو اوسی کی صفات مین واپس چلا جا اور پھر اوسی کی صفت بنجا کیونکہ کل شے یرجع الی اصلہ۔ دیکھ تو اولاً ابر اور آفتاب اور آسمان سے آیا تھا کیونکہ ابر کے پانی نے سیراب کیا سورج نے گرمی پہونچائی اوضاع فلکیہ نے اپنا کام کیا تب تو بنا۔ لیکن جبکہ تو متغذی کی صفت بنجاویگا تو تجھے پہلے سے بھی زیادہ شرف حاصل ہوگا۔ اور تو انسان کے تابع ہوکر اشرف المخلوقات بنجاویگا۔ پس پہلے تو تیری یہ حالت تھی کہ بارش اور گرمی سے پیدا ہوا تھا اور اب تکلیف کی برکت سے یہ حالت ہوگی کہ تو عمدہ صفات مین شامل ہوگا اور اول تو تو آفتاب ابر اور ستارون کا جزو تھا اور اب ذات شریف انسانی اور اوس کا قول و فعل اور اوس کے خیالات بنے گا۔ بہ بین تفاوت رہ از کجاست تا بہ کجا اور یہ سب انہین تکالیف کی برکت ہے جن سے تو بھاگتا ہے۔

شرح شبیری

از صفاتش رستۂ واللہ نخست	در صفاتش باز رو چالاک و چست

یعنی تو تو اول سے اوسی کی صفات سے پیدا ہوا ہے تو اوسی کی صفات مین پھر چالاک و چست ہوکر چلا جا مطلب یہ ہے کہ تمام عالم انسان ہی کے لئے پیدا ہوا ہے اور تمام عالم مظہر ہے حق تعالیٰ کی صفات کا اور مظہر اتم صفات حق کا انسان ہے تو گویا ایک طرح سے یہ تمام عالم صفات انسانی کا بھی مظہر ہوئے تو فرماتے ہین کہ اے چنے تو تو اس انسان ہی کی صفات کا ایک مظہر ہے تو جب اول سے اوسی کی صفات کا مظہر ہے تو اب تجھے اوس کے اندر جانے سے کیون خوف معلوم ہوتا ہے۔ تجھے چاہئے کہ شوق و ذوق سے اوس کے اندر جانے کی اور اوس کا جز بننے کی خواہش کرے۔ اور اوسکا جزو اسی طرح بن سکتا ہے جب ان مجاہدات کو برداشت کرے، لہذا ان سے مت گھبرا۔ اسی طرح انسان کامل جب ہوسکتا ہے اور حق تعالیٰ کا مقرب اوس وقت ہوگا جبکہ مجاہدات و ریاضات سے گھبراوے نہین بلکہ صبر و شکر کیساتھ اوس کو برداشت کرے۔ تو پھر وہ مقرب حق ہو جاوے گا۔ اور پھر اوس کے افعال و اقوال تمام افعال و اقوال حق

ہی ہوں گے۔ آگے فرماتے ہیں کہ

جزو شمس و ابر و انجمہا بُدی نفس و فعل و قول و فکر تہا شدی

یعنی تو (پہلے) سورج اور ابر اور ستاروں کا جزو تھا (اور اب) نفس اور فعل اور قول اور افکار ہو گیا ہے مطلب یہ کہ کہتے ہین کہ لے چنے تو پہلے تو عناصر کا جزو تھا اور وہ تیرے اصول تھے اور اب انسان کا جزو بن کر تو افعال و اقوال وغیرہ ہو گیا ہے کیونکہ اوس کی صفات مین داخل ہو گیا۔ اور اوس کی یہی صفات ہین اور یہ سب اس مجاہدہ ہی سے حاصل ہوا ہے۔

ز ابر و خورشید و ز گردون آمدی پس شدی صاف و ز گردون برشدی

یعنی ابر اور خورشید اور گردون سے آیا ہے تو پھر صاف ہو گیا ہے تو اور گردون سے بڑھ گیا ہے۔ مطلب یہ کہ اول تو تو عناصر سے پیدا ہوا تھا لیکن پھر مجاہدات سے صفائی حاصل کر کے تو گردون سے بھی عالی ہو گیا ہے اور اوس سے بھی گذر گیا ہے۔

آمدی در صورت باران و تاب میروی اندر صفات مستطاب

یعنی تو بارش اور تابش (آفتاب) کی صورت مین آیا ہے اور (اب) صفات حق مین جا رہا ہے مطلب وہی کہ اول تو عناصر سے پیدا ہوا تھا اور اب صفات انسانی مین داخل ہو رہا ہے جو مظہر اتم حق تعالے کا ہے۔

شرح حبیبی

ہستئے حیوان شد از مرگ نبات	راست آمد اقتلونی یا ثقات
چون چنین بردیست مار البعد مات	راست آمد ان فی قتلی حیات
قول و فعل و صدق شد قوت ملک	تا بدین معرج شد سوئے فلک
آنچنان کان طمعہ شد قوت بشر	از جمادے برشد و شد جانور
این سخن را ترجمہ پہناورے	گفتہ آید در مقام دیگرے

اب مولانا انتقال فرماتے ہین اور کہتے ہین کہ اس سے معلوم ہوا کہ نبات مر کر حیوان بن گیا۔ پس اس سے منصور کے قول اقتلونی یا ثقات کا درست اور بجا ہونا ظاہر ہو گیا کیونکہ معلوم ہو گیا کہ موت ترقی کا ذریعہ ہے اور ترقی کے آرزو ہر ایک کرتا ہے اور جبکہ ہمکو موت کے بعد ایک اعلی حیات ملنے والی ہے تو اس کے قول ان فی قتلی حیات کی واقعیت بھی ظاہر ہو گئی۔ موت ترقی کا ذریعہ ہے اس کی تصدیق تم کو اس سے بھی ہو گی کہ اقوال و افعال اور صدق ؛ ؛ ملائک بنتے ہین اور اس طرح سے فنا ہوتے ہین۔ تو ان کو اس ذریعہ سے معراج

آسانی حاصل ہوتی ہے اور وہ جزو ملائک بنکر آسمان میں رہتے ہیں انکی یہ ترقی ایسی ہی ہے جیسے کہ غذائے جسمانی کی ترقی کہ وہ انسانوں کی غذا بن کر جاندار بنجاتی ہے اس گفتگو کی تفصیل بہت وسیع ہے جو یہاں نہیں آسکتی اس لئے کسی دوسرے مقام پر خدا نے چاہا تو بیان کیجاویگی ۔

شرح شبیری

ہستئے حیوان شد از مرگ نبات　　راست آمد اقتلونی یا ثقات

یعنی حیوان کی ہستی نبات کے مرنے سے ہوئی ہے تو اقتلونی یا ثقات درست آیا ہے مطلب یہ ہے کہ ایک شے کے فنا کے بعد ترقی ہوتا کوئی بعید نہیں ہے اسلئے کہ دیکھو اول تو نباتات ہوتے ہیں جب وہ فنا ہوکر اجزا انسانی بن جاتے ہیں تو دیکھو اونکو ترقی ہوتی ہے تو نباتیت سے حیوانیت میں داخل ہوجاتے ہیں تو منصور کا اقتلونی الخ کہنا صحیح ہے اسلئے کہ اون کا مطلب یہ تھا کہ مجھے مارڈالو تو میں فنا ہوکر ترقی کروں گا اور حیوانیت سے بھی آگے بڑھوں گا۔ آگے فرماتے ہیں کہ ۔

چون چنین بردیست ما را البعدیات　　راست آمد ان فی قتلی حیات

یعنی جبکہ فنا کے بعد ہمارے لئے ایسی بقا ہے تو یہ بات سچ ہے کہ میرے قتل میں حیات ہے یعنی منصور کا کہنا کہ ان فی قتلی الخ یہ بالکل صحیح ہے اسلئے کہ بعد فنا کے بقا حاصل ہوتی ہے۔ آگے فرماتے ہیں کہ ۔

فعل و قول و صدق شد قوت ملک　　تا بدین معراج شد سوئے فلک

یعنی فرشتہ کی غذا فعل و قول اور صدق ہوئی یہانتک کہ وہ اس معراج کی وجہ سے آسمان کی طرف چلا گیا۔ مطلب یہ کہ دیکھو فرشتہ نے جو اپنی غذا فعل و قول وغیرہ کو بنایا تو یہ اشیا اوس کی غذا ہونے کی وجہ سے فنا ہوگئیں اور اوس کے بعد اوس کو درجہ ملکیت کا حاصل ہوگیا۔ تو یہاں سے بھی وہی بقا بعد الفناء کا مسئلہ حل ہوا آگے تقریب فہم کیلئے اس کی ایک مثال فرماتے ہیں کہ ۔

آنچنان کان طعمہ شد قوت بشر　　از جمادی بر شد و شد جانور

یعنی جس طرح کہ وہ لقمہ انسان کی روزی ہوئی تو وہ جمادیت سے نکلا اور جانور ہوگیا۔ مطلب یہ کہ جس طرح کہ دیکھو انسان کی غذا جو لقمہ وغیرہ ہوئی تو وہ غذا بن کر فنا ہوگئی اور اوس فنا کے بعد وہ بشر ہوگیا اور وہی اجزا نباتی انسان بن گئے۔ اور نباتیت سے درجہ بشریت کا حاصل ہوگیا اب اس مضمون کو ختم فرمانا چاہتے ہیں لہذا فرماتے ہیں کہ ۔

این سخن را ترجمہ پہنا ورے　　گفتہ آید در حدیث دیگرے

یعنی اس بات کا پورا پورا بیان کسی دوسری جگہ بیان کیا جاوے گا - اب آگے ایک مضمون ارشادی بطور نتیجہ کے بیان فرماتے ہین کہ -

شرح حبیبی

کاروان دائم ز گردون میرسد | تا تجارت میکند وامیرود
پس بروشیرین وخوش با اختیار | نے بتلخی و کراہت دزد وار

اب مولانا مضمون سابق کے مناسب نصیحت فرماتے ہین اور کہتے ہین کہ دنیا مین تمہارا قیام عارضی ہے اور اصل وطن تمہارا عالم غیب ہے کیونکہ عالم غیب سے یہان قافلہ محض تجارت اور کسب اعمال کیلئے آیا ہے پس تم یہان دل نہ لگاؤ اور عالم غیب کو جانے کیلئے تیار رہو اور وہان خوش خوش اور اپنی خوشی سے جاؤ نہ کہ ناگواری اور نفرت اور رنج کے ساتھ کیونکہ جانا تو پڑے ہی گا پھر ناگواری وغیرہ بے سود ہے -

شرح شبیری

کاروان دائم ز گردون میرسد | تا تجارت میکند وامے رود

یعنی قافلہ ہمیشہ آسمان سے پہونچتا ہے یہان تک کہ تجارت کرتا ہے اور چلا جاتا ہے مطلب یہ ہے کہ روز و شب آمد و رفت اس عالم سے اوس عالم مین اور بالعکس ہو رہی ہے اور آخر جانا تو ضرور ہے ہی اس سے تو چارہ نہین لہذا تجھے چاہیئے کہ -

پس بروشیرین وخوش با اختیار | نے بہ تلخی و کراہت دزد وار

یعنی پس تو شیرین اور خوش (اپنے) اختیار سے چلا جا نہ کہ سختی اور کراہت سے چور کی طرح مطلب یہ کہ جب جانا ہی ہے تو پھر زبردستی پکڑے ہوئے جاؤ اس سے کیا فائدہ ہے بہتر ہے کہ خود اپنے اختیار ہی سے جاؤ -

شرح حبیبی

زان حدیث تلخ مے گویم ترا | تا ز تلخیہا فرو شویم ترا
زآب سرد انگور افسردہ رہد | سردی وافسردگی بیرون نہد
تو ز تلخی چونکہ دل پر خون شوی | پس ز تلخیہا ہمہ بیرون شوی
ہرکہ او اندر بلا صابر نشد | مقبل این درگہ فاخر نشد

فارغ آئی گر بتو ریزند خل | آن زمان شیرین شوی ہمچون عسل
سگ شکاری نیست او را طوق نیست | خام و ناجوشیدہ جز بے ذوق نیست

اب بی بی کہتی ہے کہ مین تم سے کڑوی کڑوی باتین اسلئے کرتی ہون کہ اس سے تیری ساری بدمزگی دور ہو جاوے اور یہ سرد مہری کی باتین اس لئے کہتی ہون کہ قاعدہ ہے کہ جب انگور مرجھا جاتا ہے تو اوسے سرد پانی مین ڈالتے ہین اوس سے وہ تر و تازہ ہو جاتا ہے اور سردی و افسردگی سے کود کر الگ ہو جاتا ہے پس جبکہ تو تلخی سے غمگین ہوگا تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ساری تلخیون سے الگ ہو جاویگا - اب مولانا فرماتے ہین کہ دیکھو جو بلاؤن پر صبر نہین کرتا جن مین تلخیٔ نصیحت بھی داخل ہے تو وہ ہرگز درگاہ عالی حق سبحانہ مین مقبول نہین ہوتا - پس اگر تم پر سرکہ ڈالین اور کوئی تکلیف پہونچائین تو تم کو بے فکر رہنا چاہیئے اور پریشان نہ ہونا چاہیئے جب تم ایسا کروگے تو شہد کی طرح شیرینی سے لبریز ہو جاؤگے دیکھو جو کتا شکاری نہین ہوتا اوسکے گلے مین طوق نہین ہوتا اور جو طعام کہ کچا اور غیر پختہ ہوتا ہے اوس مین مزہ نہین ہوتا علی ہذا جو شخص کہ مصائب مین مبتلا نہین ہوتا وہ اہل کمال نہین ہوتا لہذا بنا بر اغلب کمال کے لئے ابتلاء بالمصائب ضروری ہے پس طالب کمال کو بلاؤن سے پریشان نہ ہونا چاہیئے -

شرح شبیری

زان حدیث تلخ مے گویم ترا | تا ز تلخیہا فرو شویم ترا

یعنی مین اسی وجہ سے سخت مجھے کہہ رہا ہون تاکہ تجھے تلخیون سے دہو دون مطلب یہ کہ مین جو تجھے مجاہدات و ریاضات مین مشغول کر رہا ہون اور تجھ پر سختی کر رہا ہون اس کی یہی وجہ ہے کہ مین تجھے سختیون کا عادی کرتا ہون تاکہ تو پھر سختیون سے گھبراوے نہین آگے اس تلخی سے دوسری تلخی کے عادی ہونیکی مثال فرماتے ہین کہ

ز آب سرد انگور افسردہ رہد | سردی و افسردگی بیرون نہد

یعنی ٹھنڈے پانی سے افسردہ انگور پیدا ہوتا ہے تو سردی اور افسردگی کو باہر رکھ دیتا ہے مطلب یہ کہ دیکھو انگور ٹھنڈے پانی سے پیدا ہوتا ہے اور خود بھی افسردہ ہوتا ہے لیکن پھر جب اوس کو پکایا جاتا ہے اور درست کر کے اوس کی شراب بنائی جاتی ہے تو اوس کی ساری سردی وغیرہ جاتی رہتی ہے اور اوس کے اندر حرارت پیدا ہو جاتی ہے اور جوش و خروش آجاتا ہے -

تو ز تلخی چونکہ دل پرخون شوی | پس ز تلخیہا ہمہ بیرون شوی

یعنی جبکہ تلخی سے تو پراگندہ دل ہوتا ہے پس تلخیون سے بالکل باہر ہو جاوے گا -

فارغ آئی گر بتو ریزند خل آنزمان شیرین شوی ہمچون عسل

یعنی اگر تجھ پر سرکہ ڈالین (یعنی تجھ پر بلا ڈالین) تو تو فارغ رہ اوس وقت تو شہد کی طرح شیرین ہوگا یعنی اگر تو بلاؤن مین صابر رہے ہے تو تیری زندگی شیرین ہو جاوے آگے فرماتے ہین کہ

ہر کہ او اندر بلا صابر نشد مقبل این درگہ فاخر نشد

یعنی جو شخص کہ بلا مین صابر نہین ہوا وہ اس درگاہ فاخر کا مقبل نہین ہوا یعنی جس نے کہ صبر نہ کیا وہ اس درگاہ خداوندی مین مقبول نہین ہوسکتا ہے آگے بلا مین صابر نہونے والے کے مقبول نہونیکی ایک مثال فرماتے ہین کہ

سگ شکاری نیست او را طوق نیست خام و ناجوشیدہ جز بے ذوق نیست

یعنی کتا شکاری نہین ہوتا تو اوس کے طوق نہین ہوتا اور جو خام اور غیر پختہ ہے وہ سوائے بے ذوق کے نہین ہے مطلب یہ کہ دیکھو کتا جب شکاری ہوتا ہے اور بلاؤن مین مبتلا ہوتا ہے جب ہی اوس کے گلے مین پٹا ڈالتے ہین ورنہ ویسے ہی رہتا ہے اور کوئی شے جب تک خام رہتی ہے اوس وقت تک یون ہی بے ذوق رہتی ہے اور جب آگ مین پختہ ہو جاتی ہے تو اوس کے اندر مزہ پیدا ہو جاتا ہے آگے اس کو بیان فرماتے ہین کہ جب مومن کو بلا کی مصلحت معلوم ہو جاتی ہے تو وہ بہت آسانی سے صابر ہو جاتا ہے ۔

شرح حبیبی

آن نخود گفت ار چنین است ای ستی خوش بجوشم یاریم دہ راستی

تو درین جوشش چو معمار منی کفچلیزم زن کہ بس خوش میزنی

ہمچو پیلم بر سرم زن زخم و داغ تا نہ بینم خواب ہندوستان و باغ

تا کہ خود را در دہم در جوشش من تا رہے یابم درین آغوش من

زانکہ انسان در غنا طاغی شود ہمچو پیل خواب بین باغی شود

پیل چون در خواب بیند ہند را پیلبان را نشنود آرد دغا

خیر تو چنے نے بیگم کی نصیحت سن کر کہا کہ اگر یہی بات ہے تو مجھے خوب پکا اور میرے جزو انسان بننے پر اعانت کر تو اپنے فعل مین مصیب ہے اور اس پکانے مین میری مصلح ہے ہان خوب ڈوئیان مار کہ مجھے تیری مار بہت اچھی معلوم ہوتی ہے مین ہاتھی کی مثل ہون لہذا تیرے سر پر خوب آنکس لگا کہ مین ہندوستان یعنی اپنے وطن اصلی اور باغ کو خواب مین دیکھ کر مست اور سرکش نہ ہو جاؤن اور تا کہ خوب اچھی طرح اپنے کو پختہ کرلون تا کہ اس ذریعہ سے مین آغوش انسانیت مین چلا جاؤن اب سمجھو کہ یہی وجہ ہے کہ انسان کو مبتلائے مصائب کیا

جاتا ہے کیونکہ وہ بےفکری مین سرکش ہو جاتا ہے اور ہندوستان کو خواب مین دیکھنے والے ہاتھی کی طرح باغی ہو جاتا ہے قاعدہ ہے کہ جب ہاتھی ہندوستان کو خواب مین دیکھتا ہے تو ہاتھی بان کی بات نہین سُنتا اور مقابلہ کے لئے تیار ہو جاتا ہے یہی حالت انسان کی ہے کہ جب وہ نشہ راحت مین مست ہوتا ہے تو پھر کسی ناصح اور خیر خواہ کی بات نہین سُنتا لہذا مصائب کی ضرورت ہے تاکہ وہ سرکش نہ ہونے پائے۔

شرح شبیری

مومن کی جب وہ بلا پر واقف ہو جاوے صابر ہونیکی ایک مثال

آن نخود گفت ار چنین ست اے ستی   خوش بجوشم یاریم دہ راستی

یعنی اوس چنے نے کہا کہ اے بی بی اگر اس طرح ہے تو مین اچھی طرح جوش کھاتا ہون تو مجھے خوب اچھی طرح درست کر اور کہتا ہے کہ

تو درین جوشش چو معمار منی   کفچلیزم زن کہ بس خوش میزنی

یعنی اس جوش دینے مین تو مثل معمار میرے کے ہے تو کفگیر مار کہ تو خوب مار رہی ہے مطلب یہ کہ وہ کہتا ہے کہ جب یہ بات ہے تو اب تو تو اس جوش دینے مین مجھے سنوار رہی ہے تو پھر کیا ہے خوب جوش دے اور خوب چمچے میرے اندر مار تاکہ میری خوب اصلاح ہو اسی طرح جب مومن دیکھتا ہے کہ مرشد ان مجاہدات سے میری اصلاح کر رہا ہے تو وہ خوش ہوتا ہے اور کہتا ہے کہ خوب مجاہدات و ریاضات مین مجھے مشغول رکھ تاکہ میری خوب اصلاح ہو اور کہتا ہے کہ

ہمچو پیلم بر سرم زن زخم و داغ   تا نہ بینم خواب ہندوستان و باغ

یعنی ہاتھی کی طرح میرے سر پر زخم اور داغ لگا تاکہ مین ہندوستان اور باغ کا خواب نہ دیکھون یہ مشہور ہے کہ چونکہ ہاتھی ہندوستان کا جانور ہے تو اگر اس کو کسی اور ملک مین لیجاتے ہین اور یہ خواب مین ہندوستان کو دیکھ لیتا ہے تو اس قدر مست ہوتا ہے کہ پھر پیل بان وغیرہ کی کسی کی نہیں سُنتا تو اوس وقت اوس کے سر پر داغ لگاتے ہین جس سے یہ درست ہو جاتا ہے تو وہ کہتا ہے کہ مین بھی بہت زیادہ سرکش اور طاغی ہو گیا ہون اے مرشد مجھے بھی مجاہدات و ریاضات مین مبتلا کر تاکہ میرے اندر سے بھی یہ طغیان اور بغاوت نکل جاوے اور ناسوت کی طرف توجہ نہ رہے اور یہ حالت ہو جائے کہ

تاکہ خود را در دہم در جوش من   تا رہے یابم درین آغوش من

یعنی تاکہ مین اپنے کو جوش مین دیدون اور تاکہ مین اس آغوش مین رہائی پاؤن مطلب یہ کہ تو مجاہدات مین مجھے مشغول کر تاکہ مین اس کا عادی ہو جاؤن اور اے مرشد تیری آغوش مین رہ کر ان بلیات معاصے سے رہائی پاؤن

اور یہ طغیان میرے سر سے باہر ہو سا آگے اس کی وجہ بیان کرتے ہین کہ ہم جو مجاہدات مین مشغول کرنے کی تم سے درخواست کرتے ہین وہ اس وجہ سے ہے کہ

زانکہ انسان در غنا طاغی شود　　　ہمچو پیل خواب بین یاغی شود

یعنی اسلئے کہ انسان بے فکری مین باغی ہوجاتا ہے اور خواب دیکھنے والے ہاتھی کی طرح نافرمانی ہو جاتا ہے تو بس جب مجاہدات و ریاضات کریگا تو وہ بے فکری نہ رہیگی اور وہ بغاوت اور طغیان جاتا رہیگا

پیل چون در خواب بیند ہند را　　　پیل بان را نشنود آرد دغا

یعنی ہاتھی جب خواب مین ہند کو دیکھ لیتا ہے تو ہاتھی بان کی سُنتا نہین ہے اور سرکشی لاتا ہے (ہند سے مراد ناسوت ہے) مطلب یہ کہ جب انسان عالم ناسوت کیطرف توجہ کرتا ہے تو پھر مرشد کی طرف سے توجہ ہٹاتی ہے اور سرکش ہو جاتا ہے تو پھر مجاہدات کی ضرورت ہوتی ہے آگے پھر ادسی نخود اور کدبانو کا قصہ بطور تمثیل کے بیان فرماتے ہین

شرح حبیبی

آن ستی گویدورا کہ پیش ازین　　　من چو تو بودم زاجزائی زمین
چون بنوشیدم جہاد آذری　　　پس پذیرا گشتم و اندر خورے
مدتے جوشیدہ ام اندر زمن　　　مدتے دیگر درون دیگ تن
زین دو جوشش قوت حسہا شدم　　　روح گشتم پس ترا استا شدم
در جمادے گفتمے زان میروی　　　تا شوی علم و صفات معنوی
چون شدی تو روح پس بار دگر　　　جوش دیگر کن ز حیوانی گذر

اس کے بعد وہ عورت کہتی ہے کہ تجھی پر یہ مصیبت نہین ہے بلکہ اس سے پیشتر مین بھی تیری ہی مثل زمین کا جزو اور خاک تھی اسکے بعد مین نے بھی آتشی لباس پہنا اس سے مین مقبول طبائع اور قابل قبول ہوئی ہون ایک عرصہ تک مین نے بدن سے باہر تاؤ کھائے ہین اوس کے بعد بدن مین آئی تو وہان تاؤ کھائے ہین ان دو قسم کے تاؤن کے بعد مین صاحب حسہائے قوی ہوئی ہون ۔ اور جاندار بن کر تیری اوستادنی ہون ۔ جب مین جماد تھی اوس وقت مین اپنے دل مین کہتی تھی کہ تو اس لئے ترقی کر رہی ہے کہ ایک روز صاحب کمال انسان کا علم اور اوسکی صفت بنجاوے اب کہتی ہون کہ جب تو جاندار بن گئی تو پھر تاؤ کہا اور حیوانیت سے تجاوز کرکے کچھ اور بن جا۔

شرح شبیری

بی بی کا چنے سے معذرت کرنا اور اس کو جوش دینے کی حکمت کا بیان کرنا

آن ستی گویدو را کہ پیش ازین ‌‌‌ ‌ من چو تو بودم زاجزای زمین

یعنی وہ بی بی اس چنے سے کہتی ہے کہ اس سے پہلے مین تیری ہی طرح اجزائے زمین سے تھی۔ یعنی اوس نے کہا کہ جس طرح کہ تو اس وقت نباتات مین سے ہے اسی طرح پہلے مین بھی مجموعہ عناصر کا تھی۔

چون بنوشیدم جہاز آذری ‌ ‌ پس پذیرا گشتم و اندر خوری

یعنی جب مین نے آگ کا سامان پہنا تو مین مقبول اور لائق ہو گئی۔ (جہاز آذری سے وہ غذائین وغیرہ مراد ہین جو کہ انسان بعد آگ کے پختہ کر دینے کے کھاتا پیتا ہے اور پھر معدہ کے اندر جا کر وہ پکتی ہین) مطلب یہ ہوا کہ جب مین نے بھی محنتین کی ہین اور بہت سی مشکلین برداشت کی ہین اوس وقت اوس نباتیت سے نکلکر جامۂ انسانی مین آئی ہون ورنہ پہلے مین بھی نباتات ہی سے تھی۔

مدتے جوشیدہ ام اندر زمن ‌ ‌ مدتے دیگر درون دیگ تن

یعنی ایک مدت تک زمانہ مین مین نے جوش کیا ہے اور ایک دوسری مدت دیگ تن مین مطلب یہ کہ ایک مدت تک مجاہدات وغیرہ کئے ہین جب ایسی حالت ہو گئی ہے۔

زین دو جوشش قوت حسہا شدم ‌ ‌ روح گشتم پس ترا استا شدم

یعنی ان دونون جوشون سے مین قوت حواس ہو گئی اور روح ہو گئی پھر تیری اوستاد ہو گئی مطلب یہ کہ بہت مجاہدات تو ایسے کئے جو کہ بدن سے خارج تھے اور خارجی چیزون مین پخت دپز ہوتا رہا۔ اوس کے بعد کچھ دنکے لئے خود اپنے جسم کے تغیر تبدل مین رہی ہون تب یہ مرتبہ حاصل ہوا ہے کہ آج تیری مربی اور تیری اوستاد بنکر بیٹھی ہون۔

در جمادے گفتمے زان میروی ‌ ‌ تا شوی علم و صفات معنوی

یعنی جمادیت مین مین کہتی تھی کہ تو اس لئے جا رہا ہے تاکہ تو علم اور صفات معنوی بن جاوے یعنی بی بی کہتی ہے کہ تو جو جمادیت مین حرکت کر رہا تھا تو وہ اسلئے تھا کہ تو علم و صفات معنوی بنجاوے یعنی بشریت تجھکو حاصل ہو جاوے

چون شدی تو روح پس بار دگر ‌ ‌ جوش دیگر کن ز حیوانی گذر

یعنی جبکہ تو روح ہو گیا تو دوسری مرتبہ دوسرا جوش کر اور حیوانیت سے گذر جا۔ یعنی اول جمادیت سے حیوانیت اور بشریت کے مرتبہ کو پہونچا تھا اب دوسری حرکت کر تاکہ اس سے گذر کر تو مرتبہ اعلےٰ مین پہونچ جاوے اور مرتبہ ملکوتی تجھے حاصل ہو جاوے اب چونکہ ان باتون سے غلط فہمی ہو جانا ممکن تھا اسلئے فرماتے ہین کہ ۔

شرح حبیبی

از خدا میخواہ تا زین نکتہا　　در نہ لغزی و رسی در منتہے
زانکہ از قرآن بسے گمرہ شدند　　زان رسن قومے درون چہ شدند
مر رسن را نیست جُرمے اے عنود　　چون ترا سودائے سر بالا نبود
جانب آن عاشق بے خویش ران　　کہ دران مسجد چہ کرد از امتحان

اب چونکہ سامع کو غلط فہمی پیدا ہونے کا اندیشہ ہوا کہ مبادا کہین حق سبحانہ کے ساتھ اتحاد ذاتی نہ سمجھ جاوے اسلئے فرماتے ہین کہ خدا سے دعا کر کہ کہین ان نکتون سے تیری فہم لغزش نہ کھا جاوے اور تو اصل مقصد تک پہونچ جاوے کیونکہ میری مثنوی کا طرز بیان ایسا ہی ہے جیسے قرآن کا اور قرآن سے بھی بہت سے لوگ گمراہ ہو گئے ہین اور اسی رسی کو پکڑ کر لوگ کنوین مین اُتر گئے ہین تو یہ رسی کا قصور نہین بلکہ یہ تمہارا قصور ہے کہ تم اس کو پکڑ کر اوپر کو کیون نہ چلے نیچے کو کیون اُترے یعنی قواعد شرعیہ کا لحاظ کر کے تم نے اس سے معانی کیون نہ اخذ کئے اور تفسیر بالرائے مین کیون مبتلا ہو گئے پس یہی حالت مثنوی کی ہے اچھا اس مضمون کو ختم کرو اور اوس عاشق بیخود کی طرف چلو اور دیکھو کہ اس آزمایش مین مسجد مین جا کر اوس نے کیا کیا۔

شرح شبیری

از خدا می خواہ تا زین نکتہا　　در نہ لغزی و رسی در منتہے

یعنی خدا سے (توفیق) مانگ تاکہ ان نکتون سے تو پھسل نہ جاوے اور منتہا کو پہونچ جاوے۔

زانکہ از قرآن بسے گمرہ شدند　　زان رسن قومے درون چہ شدند

یعنی اسلئے کہ قرآن سے بہت گمراہ ہو چکے ہین اور اوس رسی سے ایک قوم کنوین مین چلی گئی ہے

مر رسن را نیست جُرمے اے عنود　　چون ترا سودائے سر بالا نبود

یعنی اے معاند رسی کی (اس مین) کوئی خطا نہین ہے جبکہ تجھے ہی اوپر اوبھرنے کا خیال نہ ہو مطلب یہ ہے کہ اگر کنوین مین ایک رسی لٹکی ہوئی ہو تو اوس کو پکڑ کر بعض تو ایسے لوگ ہون گے کہ وہ کنوین سے اوپر نکل آوین گے۔

اور بعض ایسے ہونگے کہ اوسی رسّی کے سہارے کنوین کے اندر چلے جاوین گے مگر اس مین رسّی کی کوئی خطا اور اوسمین کوئی کمی نہین ہے اسی طرح قرآن سے بعض نے تو ہدایت پائی اور بعض گمراہ ہوئے تو جب قرآن سے بھی لوگ گمراہ ہوئے ہین تو اگر مثنوی شریف سے گمراہ ہو جاوین تو کیا عجب ہے۔ اس لئے فرماتے ہین کہ خدا سے توفیق ہدایت کی دعا کرو کہین غلط فہمی نہ ہو جاوے اب آگے اوس مسجد کے مہمان کا قصہ بیان فرمانا شروع کرتے ہین فرماتے ہین

جانب آن عاشق بے خویش ران ۔ کہ دران مسجد چہ کرد از امتحان

یعنی (کلام کو) اوس عاشق بیخود کی طرف چلاؤ۔ کہ اوس نے امتحان سے اوس مسجد مین کیا کیا۔

شرح حبیبی

آن غریبِ شہر سر بالا طلب ۔ گفت مے خسپم درین مسجد بہ شب

مسجدا گر کربلائے من شوی ۔ کعبۂ حاجت روائے من شوی

ہین مرا بگذار اے بگزیدہ یار ۔ تا رسن بازی کنم منصور وار

گر شدید اندر نصیحت جبرئیل ۔ می نخواہد غوث در آتش خلیل

جبرئیلا رو کہ من افروختہ ۔ بہترم چون عود و عنبر سوختہ

جبرئیلا گرچہ یاری مے کنی ۔ چون برادر پاسداری میکنی

اے برادر من بر آذر چابکم ۔ من نہ آن جانم کہ گردم بیش و کم

جان حیوانی فزاید از علف ۔ آتشے بود و چو ہیزم شد تلف

گر نگشتے ہیزم او مثمر بُدے ۔ تا ابد معمور و ہم عامر بدے

باد سوزانست این آتش بدان ۔ پرتو آتش بود نے عین آن

عین آتش در اثیر آمد یقین ۔ پرتو و سایہ ویست اندر زمین

لاجرم پرتو نپاید ز اضطراب ۔ سوئے معدن باز میگردد شتاب

قامت تو بر قرار آمد بساز ۔ سایہ ات کوتہ دمے یکدم دراز

زانکہ در پرتو نیابد کس ثبات ۔ عکسہا واگشت سوئے امہات

ہان تو اوس مسافر نے جو کہ شہر غیب یعنی عالم بالا کا طالب تھا یہی کہا کہ کچھ ہو مین تو اسی مسجد مین رات کو سوؤنگا اے مسجد اگر تو میرے لئے کربلا کی طرح بھی محل مصائب ہو جاوے تو مین سمجھونگا کہ تو میرا کعبہ ہے جو کہ میرا کام بنانے والا ہے اچھا اے نصیحت گر اب تو مجھے چھوڑ تا کہ مین موت کے منہ مین جاؤن اور منصور کی طرح

سولی پر چڑھ کر تماشا کرون اگر آپ لوگ میرے لئے نصیحت مین جبرئیل کی مانند ہین تو مین خلیل کی مانند
آپ سے طالب مدد نہین اور اے اشباہ جبرئیل تم جاؤ کہ مین آتش بلا مین جلا ہوا ہی اچھا ہون
جس طرح کہ عود وعنبر جلا ہوا اچھا ہوتا ہے اور اے جبرئیل کے مشابہ لوگو تم اگرچہ میری مدد کرتے ہو اور
بھائیون کی طرح میرا خیال کرتے ہو لیکن بھائیو خیال رکھو کہ مین آتش بلا یا پر بہت خوب چل سکتا ہون
کیونکہ مین وہ جان نہین ہون جو کم وبیش ہوسکے کیونکہ وہ جان حیوانی ہے جو خوراک سے بڑھتی ہے
اور وہ آگ تھی لہذا ایندھن کی طرح تلف ہوگئی۔ (ف) اس شعر مین جان حیوانی کو آگ کہا گیا ہے اسکی
وجہ یہ ہے کہ جس طرح یہ آگ بوجہ اس کے کہ دیرپا نہین ہے بلکہ ہیزم کی طرح جو کہ آگ سے فنا ہو جاتی ہے
خود یہ آگ بھی فنا ہو جاتی ہے اسی طرح جان حیوانی بھی بوجہ اس کے کہ یہ اصلی جان نہین ہے اصلی جان
دوسری ہے تلف ہو جاتی ہے۔

اب مولانا مضمون ارشادی کی طرف انتقال فرماتے ہین اور کہتے ہین کہ اگر جان آتش شہوت وغضب کا ایندھن
نہ بنجاتی تو اس سے بہت عمدہ آثار پیدا ہوتے اور وہ ہمیشہ کیلئے خود بھی فیوض سے مالامال ہوتی اور دوسرون کو
بھی مالامال کرتی اب مولانا اوس آتش شہوت وغضب کا فانی اور ناقابل التفات ہونا اور اوس کی اصل یعنی
رب ذوالجلال کا باقی اور قابل توجہ ہونا بیان کرتے ہین مگر اوس کو آتش حسی کی تمثیل سے بیان کرتے ہین اور
کہتے ہین کہ دیکھو آتش متعارف واقعی آگ نہین ہے بلکہ اصالتاً ہوا ہے جو مشتعل ہو کر آگ بن گئی ہے اسلئے حقیقی
آگ کا پرتو ہے نہ کہ خود آگ بلکہ حقیقی آگ تو کرۂ نار مین ہے اور یہ زمین پر اوس کا ظل اور اوس کی شبیہ ہے
جبکہ یہ اصل آگ کا ظل ہوئی تو لازم ہے کہ اپنے کرہ کی طرف لوٹنے کیلئے بیچین ہو اور بالآخر نہ ٹھہر سکے اور بہت جلد
اپنے کرہ کی طرف لوٹ جائے تم اپنے قد ہی کو دیکھ لو کہ وہ اصل ہے اسلئے قائم اور برقرار رہتا ہے لیکن تمہارا
سایہ کبھی لمبا ہوتا ہے اور کبھی گھٹتا ہے اور بالآخر اپنی اصل کی طرف لوٹ جاتا ہے۔ اور خود فنا ہو جاتا ہے پس
چونکہ یہ قاعدہ عام ہے کہ ظل قائم نہین رہ سکتا۔ اسی لئے تمام ظلال وعکوس اپنی اصول کی طرف لوٹ جاتے اور خود
فنا ہو جاتے ہین جب یہ امر معلوم ہوگیا تو اب سمجھو کہ آتش شہوت وغضب جس پر تم عاشق ہو اور اپنی روح کو تم نے
اس کا ایندھن بنا دیا ہے وہ ایک ظل اور پرتو ہے حق سبحانہ کا جس کو ایک دن فنا ہونا اور اپنی اصل کی طرف لوٹ
جانا لازم ہے پس اس مین کیون دل پھنساتے ہو اصل ہی سے جی کیون نہین لگاتے جس کے لئے کبھی فنا نہین۔
(ف) یاد رکھو کہ جان حیوانی فزاید از علف" الخ مین جان حیوانی سے وہ روح مراد ہے جو صفات بہیمیہ سے
مغلوب ہو۔ خواہ اوس کی حقیقت بخارات لطیفہ ہون یا کچھ اور۔ اور اوس روح انسانی کو بھی شامل ہے
جو غلبۂ صفات بہیمیہ سے اپنے مزاج اصلی سے متغیر ہوگئی ہے۔

شرح شبیری

اوس مسجد والے مہمان کے قصہ کا بقیہ اور اس کے عزم کے ثبات وصدق کے بیان مین

آن غریبِ شہر سربالا طلب　　گفت می خسپم درین مسجد بہ شب

یعنی اوس مسافر شہر بالا کو طلب کرنے والے نے کہا کہ مین رات کو اسی مسجد مین سوتا ہون ۔ (چونکہ یہ شخص اہل دل معلوم ہوتا ہے اسلئے اس کو غریب شہر سر لکھدیا یعنی یہ باشندہ تو شہر سر کا تھا مگر یہان آکر ایک مسافر کی حیثیت رکھتا ہے) غرضکہ اوسنے کہا کہ مین تو رات کو اسی مسجد مین سوتا ہون ۔ خواہ کچھ بھی ہو آگے اوس مسجد کو مخاطب کرکے کہتا ہے کہ

مسجد اگر کربلائے من شوی　　کعبۂ حاجت روائے من شوی

یعنی اے مسجد اگر تو میری کربلا ہو جاوے تو میری لئے کعبۂ حاجت روا ہو جاوے یعنی کہتا ہے کہ اے مسجد اگر مین رات کو مرجاؤن اور تو اسکا سبب بنے تو یہ تو عین میری خوشی ہے اور یہی مقصود ہے تو گویا میری کعبہ حاجت روا ہوجاویگی اب آگے اوس ناصح کو مخاطب کرکے کہتا ہے کہ

ہین مرا بگذار اے بگزیدہ یار　　تا رسن بازی کنم منصوروار

یعنی اے برگزیدہ دوست ہان مجھے چھوڑ تا کہ مین منصور کی طرح رسن بازی کرون یعنی کہتا ہے کہ اے ناصح تو مجھے نصیحت مت کر مجھے اسی حالت مین چھوڑدے تا کہ مین مرنے کو تیار ہو جاؤن ۔

گر شدید اندر نصیحت جبرئیل　　می نخواہد غوث در آتش خلیل

یعنی اگر تم نصیحت مین جبرئیل ہو گئے تو خلیل کو آگ مین مدد نہین چاہئے (بلکہ وہ کہتے ہین کہ)

جبرئیلا رو کہ من افروختہ　　بہترم چون عود و عنبر سوختہ

یعنی اے جبرئیل جاؤ کہ مین بھڑکا ہوا اور عود و عنبر کی طرح جلا ہوا بہتر ہون (اور کہتے ہین کہ)

جبرئیلا گرچہ یاری میکنی　　چون برادر پاسداری میکنی

یعنی اے جبرئیل تم اگرچہ مدد کرتے ہو اور بھائی کی طرح حفاظت کرتے ہو (لیکن)

اے برادر من بر آذر چابکم　　من نہ آن جانم کہ گردم پیش وکم

یعنی اے بھائی مین آگ پر چست ہون اور مین وہ جان نہین ہون کہ جو کم و بیش ہون (اسلئے کہ)

جان حیوانی فزاید از علف آتشے بود او چو ہیزم شد تلف

یعنی روح حیوانی تو گھاس دانہ سے بڑھتی ہے اور وہ آگ ہی تھی جو کہ لکڑیوں کی طرح تلف ہو گئی۔

(ف) یہان جو جان حیوانی کو آگ سے تشبیہ دی ہے تفصیل اوسکی عنقریب اشعار آئندہ مین آتی ہے جسکا حاصل یہ ہوگا کہ جس طرح یہ آگ بوجہ اسکے کہ اصلی نہین ہے دیرپا نہین ہے بلکہ ہیزم کی طرح جو کہ آگ سے فنا ہو جاتی ہے خود یہ آگ بھی فنا ہو جاتی ہے اسی طرح جان حیوانی بھی بوجہ اسکے کہ یہ اصل جان نہین ہے اصلی جان دوسری ہی ہے تلف ہو جاتی ہے۔

گر نہ گشتے ہیزم او مثمر بُدے تا ابد معمور و ہم عامر بُدے

یعنی اگر وہ لکڑی ایندھن نہ ہو جاتی تو پھل والی ہوتی اور ہمیشہ کیلئے معمور اور عامر ہوتی۔ (یہان جبرئیل سے مثال اوس ناصح کو دی ہے اور خلیل سے مثال خود اپنے کو دی ہے) مطلب یہ ہے کہ اے ناصح اگرچہ تو مجھے نصیحت کرتا ہے اور اس طرح خیر خواہی کرتا ہے جس طرح کہ جبرئیل علیہ السلام حضرت خلیل اللہ علیہ السلام کے خیر خواہ تھے مگر مین بھی حضرت خلیل اللہ کی طرح ہون کہ جب اون سے حضرت جبرئیل علیہ السلام نے کہا کہ مین تمہاری مدد کو آؤن تو اوُنھون نے انکار کر دیا تھا اور فرمادیا تھا کہ اے جبرئیل اگرچہ تم خیر خواہ ہو لیکن مین بے تمہاری مدد کے جلا ہوا اچھا ہون اور یہ تو بالفرض ہے ورنہ اصل مین تو مین جلون گا بھی نہین اسلئے کہ روح حیوانی کو فنا ہے اور عناصر پر عناصر کا اثر ہوتا ہے لیکن میری روح تو عنصری نہین رہی بلکہ یہ تو ملکوتی ہو گئی ہے اس لئے یہ آگ اس پر اثر نہ کرے گی تو اسی طرح وہ یہان کہتا ہے کہ اول تو مین اس مسجد مین رہ کر مرونگا نہین اسلئے کہ مجھپر اس کا اثر نہوگا اور اگر ہو بھی گیا تو مین تو مرنے کو تیار ہون ہی پھر کیون مجھے نصیحت کرتے ہو آگے بھی حضرت خلیل اللہ کی زبانی حضرت جبرئیل علیہ السلام کا جواب فرماتے ہین کہ۔

با دسوزانست این آتش بدان پرتو آتش بود نے عین آن

یعنی یہ آگ جلنے والی ہوا ہے جان لے اور سایہ آگ کا ہوتا ہے نہ کہ اوس کا عین۔

عین آتش در اثیر آمد یقین پرتو و سایہ ویست اندر زمین

یعنی آگ کا عین تو کرۂ آتش ہی مین ہے یقیناً اور اوس کا پرتو اور سایہ زمین مین ہے۔

لاجرم پرتو نپاید ز اضطراب سوے معدن باز می گردد شتاب

یعنی آخر کار سایہ اضطراب کیوجہ سے ٹھہرتا نہین ہے (بلکہ) جلدی سے معدن کی طرف واپس چلا جاتا ہے مطلب یہ کہ وہ فرماتے ہین کہ جس طرح کہ یہ آگ جو دنیا مین ہے اوس آگ کا جو کرۂ آگ مین ہے سایہ ہے اسلئے فنا ہو جاتی ہے اور وہ اصلی آگ فنا نہین ہوتی۔ اسی طرح جو روح عنصری ہے وہ تو ایک دم سے فنا ہو جاتی ہے

اور جو روح ملکوتی ہے وہ فنا نہین ہوتی۔ آگے سایہ کے فنا ہونے اور اصل کے باقی رہنے کی ایک مثال فرماتے ہین

قامت تو برقرار آمد بساز　　سایہ ات کوتہ دمے یکدم دراز

یعنی تیرا قد تو موافقت سے برقرار آیا اور تیرا سایہ ایکدم چھوٹا ہے اور ایک دم دراز ہے۔

زانکہ در پرتو نیابد کس ثبات　　عکسہا واگشت سوئے امہات

یعنی اسلئے کہ سایہ مین کوئی شخص ثبات نہین پاتا اور عکوس اصول کی طرف لوٹ جاتے ہین مطلب یہ ہے کہ دیکھو تمہارا قد تو یکسان رہتا ہے اور سایہ چھوٹا بڑا ہوتا رہتا ہے اور پھر گھٹتے گھٹتے اصل قد کی طرف لوٹ آتا ہے تو بس اسی طرح روح عنصری ہے جو فنا ہو جاتی ہے ورنہ روح ملکوتی تو اپنی اصل کی طرف چلی جاتی ہے اب بیان فرماتے فرماتے مولانا رکتے ہین اور فرماتے ہین کہ۔

شرح حبیبی

ہین دہان بر بند فتنہ لب کشاد　　خشک آرا اللہ اعلم بالرشاد
فتنہ زاد و کرد عالم را خراب　　شرق و غرب افتاد اندر اضطراب
چون مراتب گردد لہا تنگ شد　　ہر یکے با دیگرے در جنگ شد
گفت و گو بسیار شد خامش شدم　　مسئلہ تسلیم کردم تن زدم
ور تو گوئی موجب فتنہ چہ بود　　باز گویم گوش کن چون غم فزود
پیش ازان کاین قصہ تا مخلص رسد　　دود و گندے آمد از اہل حسد
من نمی رنجم ازین لیک این لگد　　خاطر سادہ دلے را پے کند
خوش بیان کرد آن حکیم غزنوی　　بہر محجوبان مثال معنوی
کہ ز قرآن گر نہ بیند غیر قال　　وین عجب نبود ز اصحاب ضلال
کز شعاع آفتاب پر ز نور　　غیر گرمے می نہ یابد چشم کور
خربطے ناگاہ از خرخانۂ　　سر برون آورد چون طعانۂ
کاین سخن پست است یعنی مثنوی　　قصۂ پیغمبر ست و پیروی
نیست ذکر و بحث و اسرار بلند　　کہ دوانند اولیا زان سو سمند
از مقامات تبتل تا فنا　　پایہ پایہ تا ملاقات خدا
شرح و حد ہر مقام و منزلے　　کہ بہ پر زو بر پرد صاحب دلے

جملہ سرتاسر فسانست و فسون ‌ ‌ ‌ کودکانہ قصہ بیرون و درون

چون کتاب اللہ بیامد ہم بران ‌ ‌ ‌ این چنین طعنہ زدند آن کافران

کہ اساطیر است و افسانہ نثرند ‌ ‌ ‌ نیست تحقیقے و تعمیقے بلند

کودکان خورد فہمش می کنند ‌ ‌ ‌ نیست جز امر پسند و ناپسند

ذکر آدمؑ گندم و ابلیس و مار ‌ ‌ ‌ ذکر ہودؑ و باد و ابراہیمؑ و نار

ذکر نوحؑ و کشتی و طوفان تن ‌ ‌ ‌ ذکر کنعان و سر از خط تافتن

ذکر اسمعیلؑ و ذبح و جبرئیل ‌ ‌ ‌ ذکر قصد کعبہ و اصحاب فیل

ذکر یوسفؑ ذکر زلف پرخمش ‌ ‌ ‌ ذکر یعقوبؑ و زلیخا و غمش

ذکر بلقیس و سلیمانؑ و سبا ‌ ‌ ‌ ذکر داؤدؑ و زبور و اوریا

ذکر طالوت و شعیب و صوم او ‌ ‌ ‌ ذکر یونسؑ ذکر لوطؑ و قوم او

ذکر حمل مریمؑ و نخل و مخاض ‌ ‌ ‌ ذکر زکریاؑ و یحییٰؑ و ریاض

ذکر صالحؑ ناقہ و تقسیم آب ‌ ‌ ‌ ذکر ادریسؑ و مناجات و جواب

ذکر الیاسؑ و عزیر و موت او ‌ ‌ ‌ ذکر قارون و زمین رفتن فرو

ذکر ایوبؑ و صبورے در بلا ‌ ‌ ‌ ذکر اسرائیلیان در تیہ لا

ذکر موسیٰؑ و شجر طور و عصا ‌ ‌ ‌ خلع نعلین و خطابات و عطا

ذکر عیسیٰؑ و عروجش بر سما ‌ ‌ ‌ ذکر ذوالقرنین و خضر دار میا

ذکر فضل احمد و خلق عظیم ‌ ‌ ‌ کہ قمر از معجزاتش شد دو نیم

ظاہرست و ہر کسے پے مے برد ‌ ‌ ‌ کو بیانے کہ گم شود در وے خرد

گفت اگر آسان نماید این بتو ‌ ‌ ‌ این چنین یک سورہ گوای سخت گو

جنیان و انسیان و اہل کار ‌ ‌ ‌ گو یکے آیت ازین آسان بیار

مولانا کی مثنوی پر کچھ لوگوں نے اعتراضات شروع کیے تھے۔ پس جب مولانا اس مقام تک پہونچے ہیں، تو مولانا کو کسی طریقہ سے جس کا یہاں ذکر نہیں کیا گیا اُن اعتراضات کا علم ہوگیا۔ لہذا مولانا کے طبیعت پر ابتدا اگر کچھ افسردگی چھاگئی اور چاہا کہ اس کو یہیں ختم کر دیں اسلئے فرماتے ہیں کہ بس جی بند کرو فتنہ اوٹھ کھڑا ہوا ہے اور خاموش رہو شاید حق سبحانہ کے نزدیک اسکی تکمیل ٹھیک نہیں اور خدا ہی راستی سے زیادہ واقف ہے خاموشی کا سبب جیسا کہ پہلے بھی بیان کر دیا ہے یہ ہے کہ فتنہ پیدا ہوگیا ہے اور اوس نے عالم کو خراب کر دیا ہے اور اوسکے

سبب مشرق و مغرب میں ہل چل پڑ گئی ہے اور حقائق قلوب کے گرد تنگ ہو گئے یعنی وہ حقائق قلوب سے پوشیدہ ہو گئے تو ہر ایک دوسرے کے ساتھ برسر پیکار ہو گیا ہے چونکہ قیل و قال بہت ہونے لگی ہے لہذا میں بھی خاموش ہو گیا۔ اور راضی برضائے حق ہو کر چپ ہو بیٹھا۔ اب اگر تم یہ پوچھو کہ اس فتنہ کا سبب کیا تھا تو چونکہ مجھے اس واقعہ سے نہایت صدمہ ہوا ہے اسلئے وہ بھی کہے دیتا ہوں سنو بات یہ ہے کہ قبل اس کے کہ یہ قصہ جو زیر بیان ہے تمام ہو حاسدوں کی دلوں میں آگ لگ گئی اور اوسکا دھوان اور جڑ انڈ (یعنی اثر از قسم اعتراض وغیرہ) مجھے محسوس ہوئی سو مجھے (گو طبعاً ناگوار ہوا جیسا کہ پیشتر معلوم ہو چکا ہے مگر عقلاً) اس کا کچھ ملال نہیں (کیونکہ میں جانتا ہوں کہ میں اور میری مثنوی تو کیا ہیں قرآن کریم اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی یہ واقعات پیش آئے ہیں جیسا کہ آگے اس کی تفصیل آئے گی) لیکن خیال صرف اتنا ہے کہ ایسا نہ ہو کہ بھولے بھالے لوگ جو معاند نہیں ان کے دہوکہ میں آجاویں اور اون کو نقصان پہونچ جائے۔ ان معترضین کی تمثیل حکیم سنائی علیہ الرحمۃ نے نہایت خوب اور پر معنی بیان کی ہے اونھوں نے فرمایا ہے کہ اگر گمراہ لوگ قرآن کے صرف ظاہری مضامین کو دیکھیں اور اوسپر اعتراض کریں تو کوئی تعجب کی بات نہیں کیونکہ پُر نور آفتاب کی شعاعوں سے اندھے کو بجز گرمی کے اور کچھ حاصل نہیں ہوتا ہاں جو آنکھ والے ہیں اون کو اوس سے محسوسات دکھائی دیتے ہیں پس یہی حالت ان معترضین کی ہے کہ الفاظ مثنوی پر نظر کرتے ہیں اور اوس کے اسرار و دقائق کو نہیں دیکھ سکتے خیر اصل واقعہ یہ ہے کہ ایک گدھے نے خرخانہ سے طاعنانہ صورت میں سر نکالا اور کہا کہ یہ کلام یعنی مثنوی ایک گھٹیا کلام ہے کیونکہ اس میں پیغمبران علیہم السلام کے قصے اور اتباع کی ترغیب ہے۔ نہ کوئی دقیق بحث ہے نہ اسرار غامضہ ہیں جنکی طرف اہل اللہ اپنی عنان توجہ منعطف کریں اسمیں مقام انقطاع عن الخلق سے لیکر مقام فنا تک اور رفتہ رفتہ وصال حق سبحانہ تک کی بحث ہونی چاہیئے تھی اور ہر مقام کی تفصیل و تحدید ہونی چاہیئے تھی تاکہ ان امور پر مطلع ہو کر ارباب دل انسے ترقی روحانی حاصل کرتے مگر یہ تو سراسر افسانہ اور تلبیع ہے اور سراسر بچوں کی کہانیاں ہیں ہاں صاحبو تمہاری کچھ شکایت نہیں کیونکہ جب کتاب اللہ نازل ہوئی تھی تو اوس وقت جو تمہارے بھائی کفار موجود تھے اونہوں نے بھی قرآن پر اسی قسم کے طعن کئے تھے اور کہا تھا ان ہذا الا اساطیر الاولین یعنی یہ تو محض پرانے قصے ہیں نہ کوئی جدید تحقیق ہے نہ کوئی باریک بات ہے بلکہ موٹی موٹی باتیں ہیں جن کو بچے بھی سمجھتے ہیں نیز اس میں اور دھرا ہی کیا ہے۔ بجز اس کے کہ وہ ذکر ہے کہ یہ ہم کو پسند ہے وہ ناپسند۔ اور بجز اس کے کہ آدمؑ اور شیطان اور سانپ کا تذکرہ ہے اور ہود اور ہودؑ اور ابراہیمؑ اور آگ کا قصہ ہے۔ نوحؑ اور کشتی اور طوفان اور کنعان اور اوسکی نافرمانی کا واقعہ ہے۔ اسمعیلؑ اور اونکے ذبح کرنے اور جبرئیل کے دنبہ لانیکا ذکر ہے کعبہ اور اصحاب فیل

کا قصہ ہے یوسفؑ اور انکی زلف پرخم یعقوبؑ اور زلیخا اور اونکے غم کا بیان ہے بلقیس اور سلیمان اور شہر سبا کی تفصیل ہے داؤد زبور اور اوریا کا واقعہ ہے طالوت کا ذکر ہے شعیب اور اونکے روزہ کا قصہ ہے یونس کا ذکر ہے لوط اور انکی قوم کا واقعہ ہے مریم علیہا السلام کے حمل اور اونکے دردزہ کی تکلیف اور اونکے اس حالت مین درخت خرما سے تسکین حاصل کرنیکا مذکور ہے زکریا و یحییٰ کا تذکرہ ہے باغات کا بیان ہے صالح اور اونکی اونٹنی اور پانی کی تقسیم کا طریقہ مذکور ہے ادریس اور اونکی مناجات اور اوسکے جواب کا بیان ہے الیاس کا ذکر ہے عزیر اور اونکی موت کا بیان ہے قارون اور اوس کے زمین مین دھنس جانے کا قصہ ہے ایوب اور اونکے مصیبت مین صبر کرنے کا ذکر ہے اسرائیلیون کی وادی فنا مین سرگشتگی کا واقعہ ہے موسیٰ اور شجرہ۔ عصا و طور جوتیان اوتارنے اور حق سبحانہ سے ہمکلام ہونے اور توریت وغیرہ ملنے کا قصہ ہے۔ عیسیٰؑ اور اونکے آسمان پر چلے جانیکا ذکر ہے ذوالقرنین خضر اور ارمیا کے واقعات ہین احمدؐ کے اوصاف اور اون کے خلق عظیم کا بیان ہے اور یہ مذکور ہے کہ آپکے معجزات مین سے ایک یہ ہے کہ چاند کے دو ٹکڑے ہوگئے بس یہ ہین وہ باتین جو قرآن مین مذکور ہین اور جو کچھ بھی ہے وہ اس قدر ظاہر اور عام فہم ہے کہ ہر شخص زبان دان سمجھ لیتا ہے ایسے مضامین نہین جن مین عقل بھی خبط ہو جاوے۔ یہ تو اونکا اعتراض تھا مگر اب سنو کہ اسکا جواب کیا دیا گیا۔ سو فرمایا گیا کہ بہت اچھا اگر یہ ایسا ہی آسان کلام ہے جس کو بچے بھی سمجھ سکتے ہین اور اسلئے وہ تمہارے نزدیک محقر ہے تو ایسی ہی آسان تم بھی ایک سورۃ بنا دو تم تو کیا بناتے ہم تو یہان تک کہتے ہین کہ تمام جنات تمام انسان اور تمام وہ جو اس میدان کے مرد ہین ذرا سب کے سب کمیٹی ہی کر کے بقدر ایک آیۃ ہی ایسا آسان اور محقر کلام بنا دین۔

شرح شبیری

ہین دہان بربند فتنہ لب کشاد خشک آر اللہ اعلم بالرشاد

یعنی ہان منہ کو بند کرو کہ فتنہ نے لب کھولا خشک لاؤ واللہ اعلم بالرشاد۔ مطلب یہ ہے کہ فرماتے ہین کہ بس اب چپ رہو اسلئے کہ ایک فتنہ پیدا ہو گیا ہے اس فتنہ کی تفصیل آگے خود فرماوینگے۔

فتنہ زاد و کرد عالم را خراب شرق و غرب افتاد اندر اضطراب

یعنی فتنہ پیدا ہو گیا اور عالم کو خراب کر دیا۔ اور مشرق و غرب اضطراب مین پڑ گئے۔

چون مراتب گرد دلہا تنگ شد ہر یکے با دیگرے در جنگ شد

یعنی جبکہ حقایق قلوب کے گرد تنگ ہو گئے تو ہر ایک دوسرے کیساتھ جنگ مین ہو گیا۔ یعنی جب قلوب پر حقایق

پوشیدہ ہو گئے تو سب آپس مین لڑنے لگے اور کسی نے حقیقت کو نہ سمجھا۔

گفتگو بسیار شد خامش شدم مسئلہ تسلیم کردم تن زدم

یعنی گفتگو زیادہ ہو گئی ہے (لہذا) مین خاموش ہوتا ہون اور مسئلہ تسلیم (کا اختیار) کرتا ہون اور چپ ہو جاتا ہون یعنی چونکہ گفتگو زیادہ ہو چکی ہے اور فتنہ پیدا ہو گیا ہے تو بس اب چپ رہنا ہی مناسب ہے۔

ور تو گوئی موجب فتنہ چہ بود باز گویم گوش کن چون غم فزود

یعنی اور اگر تو کہے کہ فتنہ کا سبب کیا تھا تو مین بیان کرتا ہون سن جبکہ غم زیادہ ہو گیا۔ یعنی اب چونکہ غم زیادہ ہو گیا ہے لہذا اب مین اوس فتنہ کا بیان کرتا ہون لو سن لو۔

بداندیشون کے خیال کا ذکر

پیش ازان کاین قصہ تا مخلص رسد دود و گندی آمد از اہل حسد

یعنی پہلے اوس سے کہ یہ قصہ ختم تک پہونچے دہوان اور گندگی اہل حسد کی طرف سے آئی۔ یعنی اہل حسد نے قبل اس قصہ کے ختم کے اعتراض شروع کر دیا۔ اب کوئی کہتا ہے کہ اگر اعتراض کر ہی دیا تو آپ کو بُرا کیون معلوم ہوتا ہے صبر کیجیئے آگے اس کا جواب دیتے ہین کہ۔

من نمی رنجم ازین لیک این لگد خاطر سادہ دلے را پے کند

یعنی مین تو اس سے رنجیدہ نہین ہوتا لیکن یہ لات کسی سادہ دل کے دل کو خراب کریگی۔ مطلب یہ کہ مجھے تو ان اعتراضات کی پرواہ نہین ہے لیکن اس سے ڈر یہ ہے کہ کہین کوئی سادہ دل گمراہ نہ ہو جائے اور ان اعتراضات کو صحیح سمجھ کر مثنوی سے بددل نہ ہو جاوے اور ان مضامین کا دوسرا محمل نہ لے اسلیئے ہم چپ ہو گئے اب آگے اوس اعتراض کو اوٹھاتے ہین کہ یہ کوئی نئی بات نہین ہے بلکہ اس قسم کے اعتراضات تو ہمیشہ ہوتے ہی رہے ہین حتی کہ قرآن پر بھی لوگون نے اس قسم کے اعتراض کیئے ہین آگے حکیم غزنوی کے مقولہ سے اسی کو بیان فرماتے ہین کہ۔

خوش بیان کرد آن حکیم غزنوی بہر محجوبان مثال معنوی

یعنی اوس حکیم غزنوی نے محجوبین کیلئے ایک معنوی مثال خوب بیان کی ہے (وہ یہ کہ)

کہ ز قرآن گر نہ بیند غیر قال این عجب بنود ز اصحاب ضلال

یعنی کہ اگر سوائے قال کے قرآن سے کوئی بات نہ دیکھے تو یہ بات اصحاب ضلال سے عجب نہین ہے مطلب یہ کہ اگر گمراہ لوگ قرآن شریف سے صرف قال دیکھنے کے نفع کو سمجھین تو اس سے کیا ہوتا ہے قرآن شریف مین جو منافع ہین وہ تو ان لوگون کے نہ سمجھنے پر بھی موجود ہین۔

کز شعاع آفتاب پر ز نور غیر گرمی می نیابد چشم کور

یعنی آفتاب پر نور کی شعاع سے سوائے گرمی کے اندھا کچھ بھی نہین دیکھتا۔ (لیکن اوس کے نور مین کسی قسم کی کمی نہین آتی تو اسی طرح اگر مثنوی پر کوئی اعتراض کرے تو اس سے اوس کی خوبی مین کوئی فرق نہین آتا یہ ایک تمہید تھی آگے اوس فتنہ کا بیان فرماتے ہین کہ

خربطے ناگاہ از خرخانۂ سر برون آورد چون طعانۂ

یعنی ناگاہ ایک خربطہ نے ایک خرخانہ سے طعن کرنے والے کی طرح سر باہر نکالا اور وہ اعتراض یہ ہے کہ)

کاین سخن پست است یعنے مثنوی قصۂ پیغمبرست و پیروی

یعنی کہ یہ سخن پست ہے یعنی مثنوی اور قصہ پیغمبر کا اور پچھلے لوگون کا ہے۔

نیست ذکر و بحث و اسرار بلند کہ دوانند اولیا زان سو سمند

یعنی ذکر اور بحث اسرار کی نہین ہے کہ جو اولیا اوس طرف کو گھوڑا دوڑا دین۔

از مقامات تبتل تا فنا پایہ پایہ تا ملاقات خدا

یعنی مقامات انقطاع خلق سے فنا تک رتبۂ رتبۂ ملاقات خدا تک۔

شرح و حد ہر مقام و منزلے کہ بہ پر زو بر پرد صاحبدلے

یعنی ہر مقام اور ہر منزل کی شرح اور حد کہ پر سے کوئی صاحبدل اُڑ سکے مطلب یہ ہے کہ کسی معترض نے اعتراض یہ کیا کہ اس مثنوی مین صرف قصص اور پہلے لوگونکی حالات ہی ہین اور اسرار اور مقامات کی شرح نہین کی ہے اس مین تو چاہیئے تھا کہ تمام مراتب کو جدا جداگانہ ملاقات حق تک بیان کرتے چلے جاتے اسلئے کہ یہ تو تصوف کی کتاب ہے اس مین تو اسی قسم کی باتین ہونین اور اب اس کی یہ حالت ہے کہ۔

جملہ سر تا سر فسانست و فسون کودکانہ قصہ بیرون و درون

یعنی بالکل سارا افسانہ اور فسون ہی ہے اور بچون کی طرح اندر باہر کے قصے ہی ہین۔ اب مولانا اسبات کا ایک الزامی جواب دیتے ہین کہ۔

چون کتاب اللہ بیامد ہم بران این چنین طعنہ زدند آن کافران

یعنی قرآن شریف کی طرح چاہیئے کہ اوس پہ بھی اسی طرح اون کافرون نے طعنے کئے ہین۔ یعنی فرماتے ہین کہ مثنوی اگر ایسی ہوگئی ہے تو کچھ حرج نہین ہے اس لئے کہ قرآن بھی تو ایسا ہی ہے اور اوسپر بھی لوگون نے اسی قسم کے اعتراضات کئے ہین اور کہا ہے کہ۔

کہ اساطیر است و افسانہ نثرند نیست تحقیقے و تعمیقے بلند

یعنی کہ قصے اور پُرانے افسانے ہین کوئی بلند تحقیق اور تعمیق نہین ہے (بلکہ حالت یہ ہے کہ)

کودکان خورد فہمش می کنند ‌ ‌ ‌ ‌ نیست جز امر پسند و ناپسند

یعنی چھوٹے چھوٹے بچے اوس کو سمجھ لیتے ہین اور سوائے جائز اور ناجائز کے کچھ نہین ہے۔ یعنی اسرار و حقائق و دقائق نہین ہین بلکہ صرف یہی ہے کہ یہ جائز ہے اور یہ ناجائز لطیف باتین نہین ہین۔

ذکر آدم گندم و ابلیس و مار ‌ ‌ ‌ ‌ ذکر ہود و باد و ابراہیم و نار

یعنی آدمؑ اور گیہون اور ابلیس اور سانپ کا ذکر ہے اور ہودؑ اور ہوا اور ابراہیمؑ اور نار کا ذکر ہے۔

ذکر نوح و کشتی و طوفان تن ‌ ‌ ‌ ‌ ذکر کنعان و سر از خط تافتن

یعنی نوحؑ اور طوفان تن اور کشتی کا ذکر ہے اور کنعان کا اور اوس کے خط (مستقیم) سے سر پھیرنے کا ذکر ہے۔

ذکر یوسفؑ ذکر زلف پرخمش ‌ ‌ ‌ ‌ ذکر یعقوب و زلیخا و غمش

یعنی یوسفؑ اور اونکی زلف پرخم کا ذکر ہے اور یعقوب اور زلیخا اور اونکے غم کا ذکر ہے۔

ذکر اسمٰعیلؑ و ذبح جبرئیل ‌ ‌ ‌ ‌ ذکر قصہ کعبہ و اصحاب فیل

یعنی اسمٰعیلؑ اور جبرئیلؑ کے ذبح کا ذکر ہے اور کعبہ کے قصہ کا ذکر ہے اور اصحاب فیل کا ذکر ہے۔

ذکر بلقیس و سلیمان و سبا ‌ ‌ ‌ ‌ ذکر داؤد و زبور و اوریا

یعنی بلقیس اور سلیمانؑ اور سبا کا ذکر ہے اور داؤدؑ اور زبور اور اوریا کا ذکر ہے۔ (اوریا ایک شخص کا نام ہے جو داؤدؑ کا خادم تھا)۔

ذکر طالوت و شعیب و صوم او ‌ ‌ ‌ ‌ ذکر یونس ذکر لوط و قوم او

یعنی طالوت اور شعیب اور اونکے روزہ کا ذکر ہے اور یونس کا ذکر اور لوط اور اونکی قوم کا ذکر ہے۔

ذکر حمل مریمؑ و نخل و مخاض ‌ ‌ ‌ ‌ ذکر زکریا و یحییٰؑ و ریاض

یعنی مریمؑ کے حمل کا اور کھجور کا اور جائے درد زہ کا ذکر ہے اور زکریا اور یحیےٰؑ اور باغون کا ذکر ہے۔

ذکر صالح ناقہ و تقسیم آب ‌ ‌ ‌ ‌ ذکر ادریسؑ و مناجات و جواب

یعنی صالح اور ناقہ اور تقسیم آب کا ذکر ہے اور ادریسؑ اور مناجات اور جواب کا ذکر ہے۔

ذکر الیاسؑ و عزیر و موت او ‌ ‌ ‌ ‌ ذکر قارون و زمین رفتن فرو

یعنی الیاسؑ اور عزیر اور اونکی موت کا ذکر ہے اور قارون اور اوسکے زمین مین چلے جانے کا ذکر ہے۔

ذکر ایوبؑ و صبوری در بلا ‌ ‌ ‌ ‌ ذکر اسرائیلیان در تیہ لا

یعنی ایوبؑ کا اور اونکے بلا مین صبر کا ذکر ہے اور بنی اسرائیل کا ایک نامعلوم جنگل مین پھرنے کا ذکر ہے۔

ذکر موسیٰ و شجر طور و عصا خلع نعلین و خطابات و عطا

یعنی موسےٰ اور شجر کا اور طور کا اور عصا کا اور نعلین نکالنے کا اور خطابات اور عطا کا ذکر ہے۔

ظاہر است و ہر کسے پے میبرد کو بیان کہ گم شود دروے خرد

یعنی (یہ سب امور) ظاہر ہین اور ہر شخص سمجھ سکتا ہے اور وہ بیان کہان ہے کہ جس مین عقل گم ہو۔ مطلب یہ کہ کفار کہا کرتے تھے کہ یہ سب باتین تو ایسی آسان ہین کہ ادہر اودہر کے قصے جمع کردئے گئے ہین باقی اسرار وحقائق و دقائق کا کہین پتا بھی نہین ہے تو جیسے قرآن شریف پر اعتراض کیا جاتا تھا اسی طرح مثنوی پر بھی یہ اعتراض ہے تو پھر کیا نئی بات ہے آگے اونکے اس کہنے کا کہ آسان کلام ہے ایک الزامی جواب دیتے ہین کہ۔

گفت اگر آسان نماید این بتو این چنین یک سورہ گو اے سخت گو

یعنی حق تعالےٰ نے فرمایا کہ اگر یہ تجھے آسان معلوم ہوتا ہے تو اے سخت کلام ایسی ایک سورۃ ہی کہدے۔

جنیان و انسان و اہل کار گو یکے آیت ازین آسان بیار

یعنی جنات اور انسان اور اہل کار (سب کو) کہدو کہ ایک ہی آیت اس سے آسان لے آؤ۔ آگے اس امر کو بیان فرماتے ہین کہ قرآن شریف کے صرف الفاظ ہی نہین ہین بلکہ قرآن شریف کے اندر بہت سے بطون ہین جو کہ ظاہر نظر مین معلوم بھی نہین ہوتے اس کو ایک حدیث سے ثابت کرتے ہین اور بطور تفسیر حدیث کے بیان فرماتے ہین

شرح حبیبی

حرف قرآن را بدانکہ ظاہر ست زیر ظاہر باطنے بس قاہر ست

زیر آن باطن یکے بطن دگر خیرہ گردد اندرو فکر و نظر

زیر آن باطن یکے بطن سوم کہ درو گردد خردہا جملہ گم

بطن چارم از نبی خود کس ندید جز خدائے بے نظیر و بے ندید

ہم چنین تا ہفت بطن اے ذو الکرم می شمر تو زین حدیث معتصم

تو ز قرآن اے پسر ظاہر مبین دیو آدم را نہ بیند جز کہ طین

ظاہر قرآن چو شخص آدمی است کہ نقوشش ظاہر و جانش خفی است

مرد را صد سال عم و خال او یک سر موے نہ بیند حال او

مولانا یہان تک معترضین کا اعتراض اور اوس کا اجمالی جواب بیان کر کے اب تفصیلی جواب دیتے ہین اور فرماتے ہین کہ تمہارا یہ خیال غلط ہے کہ قرآن صرف آسان ہے کیونکہ قرآن کیلئے ایک معنی ظاہری ہین اور اوسکے تحت مین

ایک معنی باطنی ہین دگران ظاہری اور باطنی معنون مین تخالف نہین خوب سمجھ لو دہوکہ نہ کھانا) اور اس باطنی معنی کے تحت مین ایک اور معنی باطنی ہین جس مین عقول وافکار اہل ظاہر متحیر ہوجاتے ہین اور اس باطن کے تحت مین ایک تیسرا باطن ہے کہ اوس کے اندر تمام عقول حیران ہوجاتی ہین۔ الا ماشاء اللہ اور قرآن کا بطن چہارم تو خدائے وحدہٗ لاشریک کے سوا کسی نے دیکھا ہی نہین اسی طرح تم اس حدیث معتمد سے ساتون بطون کو گن جاؤ۔ (اشت مولانا کے اس مضمون سے یہ امر معلوم ہوگیا کہ کسی مخلوق کو تمام اشیاء کا علم نہین بلکہ یہ صفت حق سبحانہ کے ساتھ مختص ہے پس جن مضامین سے اہل اللہ کے احاطۂ علمی کا شبہ ہوتا تھا اون کی تشریح خود مولانا ہی کے مضمون سے ہوگئی۔ اور خود مولانا ہی نے اس شبہ کا ازالہ فرما دیا۔ اور اس سے اون لوگونکی غلطی بھی ظاہر ہوگئی جو ما من رطب ولا یابس الا فی کتاب مبین سے جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے علم ماکان ومایکون پر استدلال کرتے ہین کیونکہ اگر یہ امر تسلیم بھی کرلیا جاوے کہ کتاب مبین سے قرآن ہی مراد ہے اور یہ بھی مان لیا جاوے کہ یہ حصر حقیقی ہی ہے تب بھی ان کا مدعا ثابت نہین ہوتا کیونکہ تمام اشیاء مذکور بھی ہونگی تو ظہر مع بطون سبعہ مین مذکور ہونگی اور بطن چہارم و پنجم و ششم و ہفتم کا علم مختص بذات جل مجدہ ہے تو جو اشیاء ان بطون اربعہ مین مذکور ہے ان کا علم خدا کے سوا کسی کو نہ ہوگا۔ پس علم ماکان ومایکون پر استدلال باطل ہوگیا۔ اور نافی احاطہ تصریحات ونصوص مین تاویل کرنا اور بظاہر مثبت احاطہ مین تاویل نہ کرنا کھلی ہٹ دھرمی اور جدال صریح ہے واللہ اعلم وعلمہ اتم) پس اس مضمون سے ثابت ہوگیا کہ قرآن صرف آسان ہی نہین بلکہ دشوار بھی اتنا ہے کہ عقول عامہ تو درکنار عقول خاصہ کی رسائی بھی وہان تک نہین پس تم قرآن کے ظاہری کو نہ دیکھو بلکہ اسکے بطون پر نظر کرو۔ اسلئے کہ صرف ظاہر کو دیکھنا اور باطن پر نظر نہ کرنا سنت ہے ابلیس کی کہ وہ آدم مین صرف مٹی دیکھتا ہے اور اونکے کمالات علمیہ وعملیہ کو نہین دیکھتا اور بے دھڑک انا خیر منہ کہہ بیٹھتا ہے تمام ظاہر قرآن کو ایسا سمجھو جیسے کہ ظاہر آدمی کہ اوس کا تشکل ظاہر ہے اور روح مخفی یون ہی ظاہر قرآن کے لئے بھی باطن ہے جو کہ مخفی ہے اور جس طرح کہ آدمی کو اوس کے چچا ماموں وغیرہ سو برس تک دیکھتے ہین مگر اوس کے تمام حالات باطنی پر مطلع نہین ہوسکتے یہی حالت قرآن کی ہے کہ کوئی کتنی ہی جد و جہد کرے مگر اوس کے کل باطنی معانی پر اسکو کبھی اطلاع نہین ہوسکتی۔

شرح شبیری

حدیث ان للقران ظہرا وبطنا ولبطنہ بطنا الی سبعة

ابطن وفی روایۃ الی سبعین بطنا کی تفسیر

حرفِ قرآن را بدان کہ ظاہر است   زیر ظاہر باطنے بس قاہر است

یعنی حروف قرآن کو تو وہ جانو جو کہ ظاہر ہے (مگر) ظاہر کے نیچے ایک زبردست باطن ہے۔

زیر آن باطن یکے بطن دگر   خیرہ گردد اندرو فکر و نظر

یعنی اوس باطن کے نیچے اور دوسرا باطن ہے کہ اوس کے اندر نظر و فکر سب خیرہ ہوجاتی ہے۔ یعنی وہ ایسا باطن ہے کہ وہ ہر کس وناکس کی سمجھ مین بھی نہین آتا۔

زیر آن باطن یکے بطن سوم   کہ درو گردد خردہا جملہ گم

یعنی اوس باطن کے نیچے ایک تیسرا باطن ہے کہ اوس کے اندر تمام عقول گم ہوجاتے ہین۔

بطن چارم از نبی خود کس ندید   جز خدائے بے نظیر و بے ندید

یعنی چوتھا بطن قرآن شریف سے خود کسی شخص نے سوائے خدائے بے نظیر و بے شریک کے نہین دیکھا ہے۔

ہمچنین تا ہفت بطن اے ذوالکرم   می شمر تو زین حدیث معتصم

یعنی اسی طرح سات بطن تک اے ذوالکرم گن لے۔ اس حدیث معتصم سے یعنی اسی طرح ایک سے لے کر سات تک گنتے چلے جاؤ جیسا کہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے جو کہ سرخی مین ہے۔

تو ز قرآن اے پسر ظاہر مبین   دیو آدم را نہ بیند جز کہ طین

یعنی اے صاحبزادے تم قرآن سے صرف ظاہر کو مت دیکھو کہ شیطان آدمؑ کو سوائے مٹی کے کچھ نہین دیکھتا مطلب یہ کہ دیکھو جب شیطان کو سجدہ کیلئے کہا گیا ہے تو اوس نے یہی کہا ہے کہ یہ تو مٹی کے ہین مین ان کو کیون سجدہ کرون اور اون کے اندر جو کمالات تھے وہ اس کو دکھلائی نہین دئے تو اسی طرح تم بھی قرآن شریف کے صرف الفاظ کو مت دیکھو بلکہ اوس کے معانی اور بطون پر بھی غور کرو تا کہ اوس کی کچھ حقیقت معلوم ہو۔

ظاہر قرآن چو شخص آدمی است   کہ نقوشش ظاہر و جانش خفی است

یعنی قرآن شریف کا ظاہر آدمی کے جسم کی طرح ہے کہ اوس کے نقوش تو ظاہر ہین اور اوس کی جان خفی ہے۔

مرد را صد سال عم و خال او   یک سر موئے نہ بیند حال او

یعنی آدمی کو سو برس تک اوس کے چچا اور ماموں (دیکھتے ہین مگر) ایک بال برابر بھی اوس کے حال کو نہین دیکھتے مطلب یہ کہ دیکھو انسان کے جسم کو اوس کے رشتہ دار ہی برسون تک دیکھتے رہتے ہین مگر اوس کے اندرونی حالات کا پتہ بھی نہین چلتا۔ اسی طرح صرف قرآن شریف کے الفاظ سے اوس کے بطون اور اوس کے اسرار تک

رسائی نہین ہو سکتی۔ آگے اس کو بیان فرماتے ہین کہ انبیا و اولیاء جو غارون وغیرہ مین پوشیدہ رہتے ہین اس مین کیا مصلحت ہے۔ چونکہ یہان بیان کیا تھا کہ صرف جسم کو دیکھ لینے سے حقیقت کا پتہ نہین چلتا تو اب فرماتے ہین کہ اسی طرح اولیا وغیرہ کے پوشیدہ رہنے سے اوسکی اصل حقیقت اور وجہ معلوم نہین ہو سکتی۔

شرح حبیبی

آنکہ گویند اولیا در کہ بوند ۔۔۔ تا ز چشم مردمان پنہان شوند
پیش خلق ایشان فراز صد کہ اند ۔۔۔ گام خود بر چرخ ہفتم می نہند
پس چرا پنہان شود کہ جو بود ۔۔۔ کو ز صد دریا و کہ آنسو بود
حاجتش بنود بسوئے کہ گریخت ۔۔۔ کز پیش کرہ فلک صد لعل ریخت
چرخ گر دید و ندیدا و گرد جان ۔۔۔ تعزیت جامہ بپوشید آنزمان
گر بظاہر آن پری پنہان بود ۔۔۔ آدمی پنہان تر از پریان بود
نزد عاقل زان پری کو مضمرست ۔۔۔ آدمی صد بار خود پنہان ترست
آدمی نزدیک عاقل چون خفی است ۔۔۔ چون بود آدم کہ در غیب او صفی است
آدمی ہمچون عصائے موسیٰ است ۔۔۔ آدمی ہمچون فسون عیسیٰ است
در کف حق بہر داد و بہر زین ۔۔۔ قلب مؤمن ہست بین الاصبعین
ظاہرش چوبے ولیکن پیش او ۔۔۔ کون یک لقمہ چو بکشاید گلو
تو مبین زافسون عیسیٰ حرف و صوت ۔۔۔ آن مبین کز وے گریزان گشت موت
تو مبین زافسونش آن لہجات پست ۔۔۔ آن نگر کہ مردہ بر جست و نشست
تو مبین مر آن عصا را سہل یافت ۔۔۔ آن مبین کہ بحر اخضر را شگافت
تو ز دوری دیدۂ چتر سیاہ ۔۔۔ یکقدم پا پیش نہ بنگر سپاہ
تو ز دوری می نہ بینی جز کہ گرد ۔۔۔ اندکے پیش آ بہ بین در گرد مرد
دیدہ ہا را گرد او روشن کند ۔۔۔ کوہ ہا را مردی او بر کند
چون بر آمد موسیٰ از اقصائے دشت ۔۔۔ کوہ طور از مقدمش رقاص گشت
روئے داؤد از فرش تابان شدہ ۔۔۔ کوہ ہا اندر پیش نالان شدہ
کوہ با داؤد گشتہ ہمرہے ۔۔۔ ہر دو مطرب مست در عشق شہے

یا جبال اوّبی امر آمده … ہر دو ہم آواز دہم پرده شده
گفت داؤد اتو ہجرت دیده … بہر من از ہمدمان ببریده
اے غریب فرد بے مونس شده … آتش شوق از دلت شعلہ زده
مطربان خواہی و قوال وندیم … کوه ہا را پیش آرد آن قدیم
تاکہ قوالی و سرنائی کنند … جما پیشت باد پیمائی کنند
تابدانی نالہ چون کہ را رواست … بے لب و دندان ولی را نالہ ہاست
نغمہ اجزائے آن صافی جسد … ہر شئے درگوش حسش می رسد
ہمنشینان نشنوند او بشنود … ای خنک جان کو بغیبش بگرود
بنگرد در نفس خود صد گفتگو … ہمنشین او نبرده ہیچ بو
صد سوال وصد جواب اندر دلت … میرسد از لامکان تا منزلت
بشنوی تو نشنود زان گوشہا … گرچہ نزدیک تو آرد گوش را
گیرم اے کرخود تو آنرا بشنوی … چون مثالش دیده چون نگروی

اوپر مولانا نے بیان فرمایا تھا کہ آدمی کی باطنی حالت مخفی ہے اس کو مبنی قرار دیکر عوام کی غلط فہمی کو دور کرنا چاہتے ہیں اور فرماتے ہین کہ جو لوگ کہتے ہین کہ اولیاء پہاڑون مین رہتے ہین اور وجہ یہ ہے کہ لوگونکی نظروں سے مخفی رہیں یہ اونکی غلطی ہے اس لئے کہ وہ تو لوگونکے سامنے بھی سیکڑون پہاڑونسے پرے ہین۔ اور گویا کہ چرخ ہفتم پر ہین۔ اسلئے کہ لوگ اونکی باطنی حالت سے اونکے پیش نظر ہوتے ہوئے بھی واقف نہیں ہو سکتے جب اونکی یہ حالت ہے تو اون کو کیا ضرورت ہے کہ وہ چھپین اور پہاڑ دنکو ڈہونڈ ہین زیلونکہ وہ تو عوام کے لحاظ سے ایسے ہی ہین جیسے کوئی سیکڑون مندرون اور پہاڑون کے ادہر ہو پس اونکو اسکی ضرورت نہیں کہ وہ پہاڑون مین بھاگ کر جائین کیونکہ وہ تو اس قدر تیز رو ہین کہ اسپ فلک نے بھی اونکو پانے مین سیکڑون نعلین توڑ ڈالین آسمان اس قدر گھوما مگر وہ رخش کی گرد کو بھی نہ دیکھ سکا۔ اسلئے غم مین ماتمی لباس (سیاہی مائل) پہن لیا گو بظاہر پری مخفی ہے مگر آدمی پریون سے بھی زیادہ مخفی ہے جو شخص سمجھ رکھتا ہے وہ سمجھ سکتا ہے کہ آدمی مخفی پری سے گو نہ زیادہ مخفی ہے تو شاید اسکی وجہ یہ ہو کہ پری تو ظاہراً ہی مخفی ہے اور باطناً بھی مگر آدمی مین یہ کمال ہے کہ وہ باوجود ظاہر ہونے کے مخفی ہے مگر اس سے اچھا یہ ہے کہ یون کہا جاوے کہ جن کمالات کی قابلیت عام انسانون مین مضمر ہے اسکا عشر عشیر بھی پریون مین نہین اسلئے یہ زیادہ مخفی ہیں بہ نسبت اونکے) پس جبکہ عامی آدمی عاقل کے

نزدیک مخفی ہے تو اس سے تم سمجھ لو کہ انسان کامل کسقدر مخفی ہوگا جو کہ برگزیدہ عالم غیب ہے۔ نیز یاد رکھو کہ آدمی
عصائے موسےٰ کی مثل ہے یا یون کہو کہ افسون عیسیٰ کی مانند ہے مومن کا قلب زینت اور افاضہ فیوض کے لئے
حق سبحانہ وتعالیٰ کے ہاتھ مین یعنی اوسکی دو انگلیون کے درمیان ہے اس مین بیان ہے مضمون بالا کی علت کا
یعنی ایسا کیون ہے جواب یہ ہے کہ وجہ اسکی یہ ہے کہ انسان کامل باعتبار قلب کے اصبعین حق کے درمیان مین
ہے پس یہ سب کمالات اون اصبعین کی برکت ہے جس طرح عصائے موسےٰ ایک چوب تھی مگر ید موسوی کی برکت
سے اوس مین کیا کمال ظاہر ہوجاتا تھا چنانچہ آگے اسی مضمون کی تصریح ہے کہ عصائے موسیٰ ظاہر مین تو ایک لکڑی
ہے مگر جب وہ مُنہ کھولے تو عالم اوسکا ایک لقمہ ہے پس یہی حالت آدمی کی ہے کہ وہ صورت مین ایک خاک
کا پتلا ہے مگر اوس مین ایسے ایسے عجیب وغریب کمالات ہین کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے نیز افسون عیسیٰ بظاہر آواز
اور چند حروف کا مجموعہ ہے مگر تم اسے نہ دیکھو بلکہ اوس کے اوس کمال کو دیکھو کہ اوس سے موت ڈر کر بھاگتی ہے اور
تم اوس کی چپکے چپکے پڑھے جانے کو نہ دیکھو بلکہ اوس کے اوس کمال کو دیکھو کہ اوس سے مردہ کود کر بیٹھ جاتا ہے نیز تم
عصائے موسیٰ کی اس ظاہری حالت کو نہ دیکھو کہ سہل الوصول ہے بلکہ اوس کے اوس کمال کو دیکھو کہ اوس نے بحر اخضر
کے دو ٹکڑے کر ڈالے (علیٰ ہذا القیاس آدمی کے بھی ظاہر کو نہ دیکھو بلکہ اوس کی صفات باطنہ پر نظر کرو یون ہی قرآن کی
بھی ظاہری سہولت پر نظر مت کرو بلکہ اوس کی بواطن سبعہ کو دیکھو علیٰ ہذا مثنوی کی بھی ظاہری عنوان پر نظر نہ کرو بلکہ اون
حقائق کو دیکھو جو اوس مین مودع ہین) تمنے دور سے چتر سیاہ دیکھ لیا اور سمجھ لیا کہ بس چتر ہی ہے اور کچھ نہین مگر یہ
تمہاری غلطی ہے ذرا پاس آکر لشکر جرار کو دیکھو نیز تم کو دور سے صرف گرد دکھائی دیتی ہے مگر ذرا آگے بڑھو اور دیکھو
کہ اوس مین مرد بھی ہے اور مرد بھی ایسا جس کی گرد آنکھون کو روشن کرتی ہے اور اوس کی شجاعت پہاڑون کو اوکھیڑ ڈالتی
ہے دیکھو جب موسیٰ علیہ السلام بیتہ سے نکلے تھے تو اون کی آمد سے طور کو وجد ہوگیا تھا (واللہ اعلم بصحتہ) اور دیکھو
داؤد علیہ السلام کا چہرہ فر حق سبحانہ سے چمکا تو اون کے پیچھے پہاڑ روتے تھے پہاڑ داؤد علیہ السلام کے ہم آواز ہوئے
اور دونون نغمہ سرا ہوئے اور حکم ہوا یا جبال اوبی معہ اس بنا پر پہاڑ اون کے ساتھ ہم آواز اور ہم نغمہ ہوئے نیز حق سبحانہ
نے فرمایا کہ داؤد تم نے جدائی دیکھی ہے اور میرے لئے اپنے دوستون سے قطع تعلق کیا ہے اوسلئے بے کس تنہا اور بے
غمخوار تیرے دل مین آتش شوق شعلہ زن ہے اسلئے تجھکو مطربون اور قوالون اور ہمنشینون کی ضرورت ہے لہذا ہم
تیرے سامنے پہاڑون کو لاتے ہین تاکہ یہ قوالی کرین اور گائین بجائین اور سب کے سب تیرے نغمہ سرا ہون اور اس
ذریعہ سے تیری آتش شوق مین کچھ سکون ہو جب تم کو یہ امر معلوم ہوگیا تو تم کو اپنی نظر کو صرف صورت ظاہری انسانی ہی
تک محدود نہ رکھنا چاہیئے بلکہ اون کمالات کو بھی دیکھنا چاہئے اور اسی پر قرآن اور مثنوی کی حالت کو قیاس کرلینا
چاہیئے اب تم یہ سمجھو کہ جب پہاڑ نالے کر سکتے ہین حالانکہ اونکے نہ ہونٹ ہین اور نہ دانت۔ یون ہی قلوب اولیاء اللہ

بہی بلا ہونٹوں اور دانتوں کے نالہ کرتے ہین اوران مہذب الاجسام والقلوب حضرات کے اجزا کا نالہ ہر شب اونکے حسی کانون تک پہونچتا ہے اور وہ ان ہی کانون سے اوس کو سنتے ہین گو بوجہ عدم صفا کے اونکے پاس بیٹھنے والے نہین سنتے مگر وہ اپنی صفا کے سبب خود سنتے ہین پس چاہئیے کہ اونکی حالت مخفیہ کی تصدیق کیجاتے کیونکہ ایسے لوگ بہت خوش نصیب ہین یہ لوگ اپنے دلون کو سیکڑون طرح کی باتین کہتے سنتے ہین مگر اونکے پاس بیٹھنے والے کو اس کی ہوا بھی نہین لگتی مثلاً تمہارے دل اور تمہارے اس مکان مین عالم غیب سے سیکڑون سوال وجواب آتے ہین مگر تم خود اون کو سُنتے ہو لیکن اگرچہ دوسرے لوگ کان پاس لاکر اور خوب غور سے بھی سُننا چاہین مگر تاہم نہین سُن سکتے۔ پس لے بہرے ہمنے مانا کہ تجھے وہ آواز نہین سُنائی دیتی لیکن جب تیرے پاس اوس کی نظیر موجود ہے تو پھر اوس کے قبول کرنے مین تجھے کیون حجت ہے (تنبیہ "حرف قرآن رابدان کہ ظاہر ست" سے یہان تک مضمون استطرادی تھا اس کے بعد مقصد اصلی کیطرف عود فرماتے ہین اور کہتے ہین کہ اے سگ طاعن تو عوعو میکنی الخ۔

شرح شبیری

بیان اس کا کہ انبیاء واولیاء کا غارون مین جانا اپنے کو پوشیدہ کرنیکے واسطے نہین ہوتا بلکہ لوگونکو یہ بات بتلانیکے واسطے ہوتا ہے کہ دُنیا سے قطع تعلق کرنا چاہئیے

آنکہ گویند اولیاء در کُہ بوند　　　تاز چشم مردمان پنہان شوند

یعنی یہ جو کہتے ہین کہ اولیاء اللہ پہاڑون مین (اسلئے) ہوتے ہین تاکہ لوگونکی آنکھون سے پوشیدہ رہین۔

پیش خلق ایشان فراز صد کُہ اند　　　گام خود بر چرخ ہفتم می نہند

یعنی مخلوق کے سامنے وہ سو پہاڑونکی بلندی پر ہین اور اپنا قدم ساتوین آسمان پر رکھتے ہین۔ مطلب یہ ہے کہ لوگون مین جو مشہور ہے کہ اولیاء اللہ پہاڑون مین اسلئے رہتے ہین تاکہ پوشیدہ رہین تو یہ غلط ہے بلکہ وہ تو لوگون کے سامنے خوب بلندی پر ہوتے ہین کہ جس کا دل چاہے دیکھ لے اور معلوم کرلے۔

پس چرا پنہان شود کہ جو بود　　　کوز صد دریا و کہ آنسو بود

یعنی پھر وہ پوشیدہ اور پہاڑ کے متلاشی کیون ہونگے کہ وہ تو سو دریا اور کوہ سے اوس طرف ہین یعنی وہ تو ان سب دریاؤن اور کوہ سے بالا ہو چکے ہین اونکو ان تعلقات کی پرواہ نہین رہی ہے اور وہ اس کے محتاج نہین رہے ہین کہ اپنے کو پوشیدہ کرنے کیلئے پہاڑون مین چھپتے رہین۔

حاجتش نبود بسوئے کہ گریخت　　　کز پیش کرہ فلک صد نعل ریخت

یعنی اوس ولی کو پہاڑ کیطرف بھاگنے کی حاجت نہین ہوتی جس کے پیچھے کرہ فلک نے سو نعل گرادے۔ یعنی جن حضرات کی تہ کو فلک بھی باوجود کوشش کے نہ پہونچ سکا اونکو پہاڑون مین پوشیدہ ہونیکی بھلا کیا حاجت ہے۔

چرخ گردید و ندید او گرد جان　　　تعزیت جامہ بپوشید آن زمان

یعنی آسمان پھرا اور اوس نے (اونکی) جان کی گرد (بھی) نہ دیکھی۔ (تو) اوس وقت تعزیت کا کپڑہ پہن لیا (چونکہ پہلے جامہ تعزیت نیلا پہنتے تھے اسلئے چرخ کی نیلی رنگت کو جامہ تعزیت کہدیا) مطلب یہ ہے کہ جب چرخ نے انکی تہ کو پہونچنا چاہا اور پھر یہ نہ مل سکے تو آخر کار مجبور ہوکر جامہ تعزیت پہنکر بھٹک کر بیٹھ رہا۔ آگے ان حضرات کے حالات کے پوشیدہ ہونے کو دوسرے عنوان سے بیان فرماتے ہین کہ۔

گر بظاہر آن پری پنہان بود　　　آدمی پنہان تر از پریان بود

یعنی اگرچہ بظاہر جن پوشیدہ ہوتا ہے (لیکن) آدمی جنون سے بھی زیادہ پوشیدہ ہوتا ہے۔

نزد عاقل زان پری کہ مضمر است　　　آدمی صد بار خود پنہان تر است

یعنی عاقل کے نزدیک اوس جن سے جو کہ پوشیدہ ہے آدمی سو دفعہ خود پوشیدہ زیادہ ہے مطلب یہ ہے کہ دیکھو جنات بالکل پوشیدہ ہوتے ہین کہ کسی کو نظر نہین آتے مگر انسان اپنے حالات کے اعتبار سے اونسے بھی زیادہ پوشیدہ ہوتا ہے کہ اس کی اصلی حالت اور اندرونی حال کا پتہ چلنا بہت ہی مشکل قریب بمحال ہے اور یہ بات ایسی ہے کہ ہر انسان کو عام ہے تو جو اونمین بھی برگزیدہ اور ولی خدا ہین اونکے باطن کی حالت تو بھلا کس طرح معلوم ہوسکتی ہے آگے خود اسی کو فرماتے ہین کہ۔

آدمی نزدیک عاقل چون خفی است　　　چون بود آدم کہ در غیب او صفی است

یعنی عاقل کے نزدیک جب آدمی خفی ہے تو وہ آدم کس طرح ہونگے جو کہ غیب مین برگزیدہ ہین مطلب یہ کہ جب عوام الناس کے باطنی حالات کا پتہ نہین چلتا تو بھلا اولیاء اللہ اور انبیاء کے حالات کا تو کیا ہی پتہ چل سکتا ہے آگے انسان کے جسم کے ظاہر اور اوس کے حالات کے خفی ہونے کی ایک مثال فرماتے ہین کہ۔

اولیاء اللہ کی صورت اور اونکے کلام کی عصائے موسے اور فسون

عیسے علیہما السلام کی صورت سے تشبیہ

آدمی ہمچون عصائے موسے است   آدمی ہمچون فسون عیسے است

یعنی آدمی موسے علیہ السلام کے عصا کی طرح ہے اور آدمی عیسے علیہ السلام کے فسون کی طرح ہے۔

درکف حق بہر داد و بہر زین   قلب مومن ہست بین الاصبعین

یعنی حق تعالیٰ کے قبضہ مین واسطے داد کے اور زینت کے مومن کا قلب دو انگلیون کے درمیان مین ہے۔

ف اس شعر کی وجہ ربط شعر آئندہ کی تقریر مین آتی ہے۔

ظاہرش چوبے ولیکن پیش او   کون یک لقمہ چو بکشاید گلو

یعنی ظاہر مین تو ایک لکڑی ہے لیکن اوس کے آگے تمام دنیا ایک لقمہ ہے جو وہ گلو کو کھولے مطلب یہ کہ انسان بظاہر تو ایک مضغۂ لحم ہے اوس کے اندر کچھ بھی نہین ہے جس طرح کہ عصائے موسے صرف ایک لکڑی تھا لیکن جس طرح کہ وہ موسے کے ہاتھ مین آکر اژدہا جاندار بنجاتا تھا اسی طرح یہ قلب انسانی اصبعین حق مین رہ کر اس قدر باقوت و عظمت ہوجاتا ہے کہ پھر اس کے آگے کوئی ٹھہر نہین سکتا۔

تو مبین زافسون عیسے حرف وصوت   آن بہ بین کز وے گریزان گشت موت

یعنی تو افسون عیسوی سے صرف حرف وصوت ہی کو مت دیکھ (بلکہ) یہ دیکھ کہ اوس (افسون) سے موت بھاگ گئی۔ مطلب یہ کہ یہ بات صرف مت دیکھو کہ یہ تو صرف الفاظ ہین انکا پڑھنا کیا مشکل ہے اور اس سے عیسی علیہ السلام کی کیا فضیلت معلوم ہوئی تو بات یہ ہے کہ اوس مین غور کرنے کے بعد دیکھنے کی تو یہ بات ہے کہ اوس آواز سے موت بھاگ گئی مردے زندہ ہوگئے۔

تو مبین زافسونش آن لہجات پست   آن نگر کہ مردہ برجست ونشست

یعنی تم اونکے افسون سے اون پست لہجون کو مت دیکھو (بلکہ اوس کو دیکھو کہ مردہ کودکر بیٹھ گیا۔ مطلب یہ ہے کہ صرف اوس کی صورت ہی کو مت دیکھو بلکہ اوس کی اصلی حالت کو دیکھو۔

تو مبین مر آن عصا را سہل یافت   آن ببین کہ بحر اخضر را شگافت

یعنی تم اوس عصا کو سہل یاب مت دیکھو وہ دیکھو کہ اوس نے بحر اخضر کو پھاڑ دیا مطلب یہ کہ عصائے موسوی مین صرف اس بات کو مت دیکھو کہ یہ تو ایک لکڑی ہے اسکا ملنا تو بہت آسان ہو کہ ایک اس ساتھ کی لکڑی ہم بھی بنالین گے مگر یہ تو دیکھو کہ جو صفت اوس کے اندر ہے وہ تو تمہارے عصا مین نہین ہے بس یہی فرق اوس عصائے موسوی اور تمہارے عصا مین ہے کہ مثلاً اوس نے دریا کو پھاڑ دیا تھا اور راستہ بنا دیا تھا مگر تمہارا عصا اس کام کا نہین ہے۔

تو ز دوری دیدۂ چتر سیاہ　　یک قدم پا پیش نہ بنگر سپاہ

یعنی تونے دور سے چتر سیاہ کو دیکھ لیا ہے ایک قدم پاؤن آگے رکھو اور سپاہ کو دیکھ لے مطلب یہ کہ تم نے دور سے چتر کو دیکھا ہے تو تم سمجھے ہوئے ہو کہ بس یہ چیز ہی چہتر ہے اور کوئی چیز نہین ہے حالانکہ اوس کی ہمراہ فوج بھی تو ہے اگر تم آگے بڑہو گے تو اوس فوج کو بھی دیکھ لوگے بس اسی طرح اولیاء کی صرف صورت دیکھ کر تم نے سمجھ لیا ہے کہ جو ہے یہی ہے حالانکہ تم اگر آگے بڑہو اور دیکھو تو اوس وقت اونکی اصلی حقیقت معلوم ہو۔

تو ز دوری می نہ بینی غیر گرد　　اندکے پیش آ ببین در گرد مرد

یعنی تو دور سے سوائے گرد کے اور کچھ نہین دیکھتا تو تو تھوڑا سا آگے بڑھ تو گرد مین تو مرد کو دیکھیگا مطلب یہ کہ دور سے تو صرف گرد ہی معلوم ہو رہی ہے لیکن آگے بڑہو تو اُس مین سپاہی بھی نظر آوینگے۔ آگے انبیاء و اولیاء کے کچھ اور حالات بیان فرماتے ہین اور اوس کے ضمن مین آیت یاجبال اوبی الخ کی تفسیر بھی فرماتے ہین۔

حق تعالےٰ کے قول یاجبال اوبی معہ والطیر کی تفسیر

دیدہ ہا را گرد او روشن کند　　کوہ ہا را مردے او بر کند

یعنی اون (حضرات) کی گرد آنکھون کو روشن کرتی ہے اور پہاڑون کو اوس کی ایک پھونک اوکھاڑ دیتی ہے۔

چون بیامد موسےٰ از اقصائے دشت　　کوہ طور از مقدمش رقاص گشت

یعنی جب موسےٰ منتہائے جنگل سے تشریف لائے تو طور پہاڑ اون کے آنے کی وجہ سے ناچنے لگا یعنی خوشی مین وجد کرنے لگا۔

روئے داؤدؑ از فرش تابان شدہ　　کوہ ہا اندر پیش نالان شدہ

یعنی داؤدؑ کا چہرۂ مبارک حق تعالےٰ کے جلال سے تابان ہوا تھا تو پہاڑ اون کے پیچھے نالان ہوئے تھے مطلب یہ کہ دیکھو بظاہر تو یہ حضرات بھی صرف انسان ہی تھے لیکن چونکہ خدا سے ان کو تعلق ہو گیا ہے اس لئے انکی یہ حالت ہو گئی ہے کہ سب چیزین ان کے تابع ہو گئی ہین۔

کوہ با داؤدؑ گشتہ ہمرہے　　ہر دو مطرب مست در عشق شہے

یعنی پہاڑ داؤدؑ کا ساتھی ہوا کہ دونون مطرب عشق شاہ مین مست تھے۔ مطلب یہ کہ دیکھو ان حضرات کی وہ شان تھی کہ پہاڑ بھی اونکے ہمزبان ہو جاتے تھے اور اونکے ساتھ ذکر کرتے تھے اور یہ حالت تہی کہ۔

یاجبال اوبی امر آمدہ　　ہر دو ہم آواز و ہم پردہ شدہ

یعنی یاجبال اوبی حکم آیا تھا تو دونون ہم آواز اور ہم پردہ ہو رہے تھے مطلب یہ کہ دیکھو ان حضرات کی یہ شان

تہی کہ پہاڑونکو حکم دیا گیا تھا کہ انکے ساتھ ہمزبان رہو اور اگر کسی وقت ذکر سے انکو غفلت ہو جاوے تو تم یاد دلا دیا کرو گے
آگے ایک اور حالت بیان فرماتے ہین کہ

گفت داؤد اتو ہجرت دیدہٗ　　بہر من از ہمدمان ببریدہٗ

یعنی حق تعالےٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ اے داؤدؑ تم نے ہجر دیکھا ہا میرے واسطے تمنے ہمدمون سے قطع کر لیا ہے۔

اے غریب و فرد بے مونس شدہ　　آتش شوق از دلت شعلہ زدہ

یعنی اے غریب اور یکتا جو کہ بے مونس ہو گیا ہے اور شوق کی آگ تیرے دل سے شعلہ مار رہی ہے۔

مطربان خواہی و قوال و ندیم　　کوہ ہارا پیشت آرد آن قدیم

یعنی تم کو مطربونکی اور قوالونکی اور ندیم کی خواہش ہے تو وہ قدیم (حق تعالےٰ) تمہارے آگے پہاڑونکو لاتا ہے یعنی تمکو جو اسکی ضرورت ہے کہ ذکر و شغل مین کوئی تمہارا ساتھی ہو تو اوسکے لئے پہاڑونکو مقرر کیا جاتا ہے کہ وہ تمہارے ہمزبان رہین گے

تا کہ قوالی و سرنائی کنند　　تا بہ پیشت بادپیمائی کنند

یعنی تا کہ (وہ پہاڑ) قوالی اور خوش آوازی کرین اور تا کہ تمہارے سامنے نغمہ سرائی کرین تو ایک تو ان پہاڑون کی تسبیح مین مصلحت تہی کہ داؤدؑ کی ہمزبان ہو جاوین اور ایک یہ مصلحت تہی کہ۔

تا بدانی نالہ چون کہ را رواست　　بے لب و دندان ولی را نالہاست

یعنی تا کہ تم جان لو کہ جب نالہ پہاڑ کیلئے جائز ہے تو بے لب و دندان کے ولی کیلئے نالے ہین مطلب یہ کہ اس سے ایک بات مقصود تہی کہ تا کہ سب کو معلوم ہو جاوے کہ جب پہاڑ بہی بول سکتے ہین جن کے کہ نہ منہ ہے اور نہ زبان ہے تو اولیاء اللہ بہی بے زبان ہلائے صرف دل سے تسبیح و تہلیل کر سکتے ہین۔

نغمۂ اجزائے آن صافی جسد　　ہر شبے در گوش حسش می رسد

یعنی اوس صافی جسد کے اجزاء کے نغمے ہر رات کو اوس کے گوش حس مین پہونچتے ہین۔

ہمنشینان نشنوند او بشنود　　اے خنک جان کو بغیبش بگرود

یعنی ہمنشین لوگ تو سُنتے نہین اور وہ سُنتا ہے کیا اچہی ہے وہ جان جو کہ اوس کی طرف گرویدہ ہو۔ (اور اوسکی یہ حالت ہوتی ہے کہ)

بنگرد در نفس خود صد گفتگو　　ہمنشین او نبردہ ہیچ بو

یعنی وہ اپنے نفس مین سو گفتگو دیکھتا ہے اور اوس کا ہمنشین کسی قسم کی بو نہین لے گیا ہے یعنی وہ بہت سی گفتگوئین اپنے نفس مین سُنتا ہے اور اوس کے ہمنشین کو بالکل خبر بہی نہین ہوتی آگے اس کی ایک مثال دیتے ہین کہ۔

صد سوال و صد جواب اندر دلت　　می رسد از لامکان تا منزلت

یعنی سیکڑون سوال اور سیکڑون جواب تیرے دل مین لامکان سے تیرے گھر تک پہونچتے ہین۔

بشنوی تو نشنود زان گوشہا گر بہ نزدیک تو آرد گوش را

یعنی تم تو سُنتے ہو اور وہ اون کانون سے نہین سُنتا اگرچہ وہ کان کو تیرے پاس کو لے آوے (مولانا فرماتے ہین کہ)

گیرم اے کر خود تو آنرا نشنوی چون مثالش دیدۂ چون نگروی

یعنی اے بہرے مین نے فرض کیا کہ تو خود اون باتون کو نہین سُنتا (مگر) جب تو نے اوس کی مثال دیکھ لی تو کیون گرویدہ نہین ہوتا۔ مطلب یہ ہے کہ دیکھو بہت سے خیالات تمہارے دل مین پیدا ہوتے ہین اور سوال وجواب دلمین آتے ہین اور تم سب سُنتے ہو مگر تمہارے ہمنشین کو خبر بھی نہین ہوتی تو اگرچہ تم اولیا راللہ کی باتون کو سُن نہین سکتے مگر جب یہ ایک مثال موجود ہے اور خود تمہارے ساتھ بھی ایسا ہوتا ہے کہ ایک بات کو تم سنتے ہو اور تمہارا ہمنشین نہین سُنتا تو پھر اس مثال ہی سے سمجھو لو کہ ایسا ہوسکتا ہے آگے اوس طاعن مثنوی کا جواب دیتے ہین۔

شرح حبیبی

اے سگ طاعن تو عوعو میکنی	طعن قرآن را برون شو میکنی
این نہ آن شیرست کز وے جان بری	یا ز پنجہ قہر او ایمان بری
تا قیامت میزند قرآن ندا	اے گروہ جہل را گشتہ فدا
مر مرا افسانہ مے پنداشتید	تخم طعن و کافری می کاشتید
خود بدیدید آنکہ طعنہ مے زدید	کہ شما فانی و افسانہ بدید
من کلام حقم و قائم بذات	قوت جان جان و یاقوت زکات
نور خورشیدم فتادہ بر شما	لیک از خورشید ناگشتہ جدا
نک منم ینبوع آن آب حیات	تا رہانم عاشقان را زین ممات
گر چنان گرد آز تان نشگیختے	جرعۂ بر گورتان حق ریختے
نے بگیرم گفت و پند آن حکیم	دل نگردانم بہر طعن سقیم

او طعن کرنے والے کتے تو بھون بھون کرتا ہے۔ جا دور ہو۔ کمبخت تو قرآن پر اعتراض کرتا ہے کیونکہ جو اسلوب مثنوی مین اختیار کیا گیا ہے وہ ہی اسلوب قرآن کا ہے پس تیرا اس کو نقص سمجھنا گویا کہ قرآن کو ناقص کہنا ہے یاد رکھو میری مثنوی وہ شیر نہیں ہے جس کے پنجہ سے تیری جان سلامت رہ جاوے یا اوس کے پنجہ قہر سے تیرا ایمان محفوظ رہ جاوے کیونکہ اسپر اعتراض کرنا مستلزم ہے قرآن پر اعتراض کرنے کو اور قرآن پر اعتراض کرنا تو

سمجھ لے کیا ہے تو قرآن پر کیا اعتراض کرتا ہے یاد رکھ کہ وہ تو قیامت تک باواز بلند پکارتا رہے گا کہ اے فدائے جہل گروہ تم نے مجھے اساطیر الاولین سمجھا اور طعن وکفر کا بیج بویا مگر اے طاعنو تم نے دیکھ لیا کہ تم خود فانی وافسانہ تھے اور میں فانی نہیں ہوں کیونکہ میں کلام اللہ اور اوس کی ذات کے ساتھ قائم ہوں گو میرے لباس یعنی اصوات قارئین فانی ہیں اور میں غذائے روح کامل اور ایک یاقوت مزکی عن ادناس النقائص ہوں گو میں تمہارے پاس آیا ہوں مگر ذات حق سے جدا نہیں ہوں اسلئے میری مثال ایسی ہے جیسے آفتاب کا نور کہ وہ دنیا کو اپنے فیوض سے مستفید بھی کرتا ہے اور ذات خورشید سے جدا بھی نہیں دیکھو میں آب حیات کا ایک چشمہ ہوں اور اسلئے ہوں کہ عاشقان الٰہی کو موت روحانی سے بچاؤں اگر تمہاری حرص گرد اعتراض نہ اڑاتی تو ممکن تھا کہ حق سبحانہ میرا کچھ فیض تم کو بھی عطا فرماتے جس سے اگر تم کو حیات کامل حاصل نہ ہوتی تو بالکل مردہ بھی نہ رہتے۔ یہاں تک مولانا افسردہ خاطر تھے اور چاہتے تھے کہ سلسلہ مثنوی کو ختم کر دوں اب فرماتے ہیں کہ نہیں میں ایسا نہیں کرتا اور اس سلسلہ کو ختم نہیں کرتا بلکہ حکیم سنائی کے مقولہ اور اوسکی نصیحت کو اختیار کرتا ہوں اور بیہودہ ولایعنی اعتراضات پر کوئی توجہ نہیں کرتا۔ آگے اوس نصیحت کو ان الفاظ سے بیان فرماتے ہیں آنکہ فرمودہ است او اندر خطاب الخ

شرح شبیری

مثنوی پر اپنے فہم کی کمی کی وجہ سے طعن کرنیوالے کا جواب

اے سگ طاعن تو عو عو میکنی   طعن قرآن را برون شو میکنی

یعنی اے طعن کرنے والے کتے تو بھوں بھوں کرتا ہے اور قرآن کے طعن کو مخلص تلاش کرتا ہے۔

این نہ آن شیرست کز وے جان بری   یا ز پنجہ قہر او ایمان بری

یعنی یہ وہ شیر نہیں ہے کہ اوس سے تو جان بر ہو سکے یا اوس کے پنجہ قہر سے ایمان لیجاوے مطلب یہ ہے کہ اے طاعن تو جو مثنوی پر طعن کر رہا ہے اور وہ طعن بالکل طعن قرآن کے مثل ہے اور مثنوی کی حالت بالکل قرآن جیسی ہے اور قرآن پر طعن کرنے سے ظاہر ہے کہ ایمان کی سلامتی نہیں ہے تو بس مولانا فرماتے ہیں کہ مثنوی پر طعن کرنے سے بھی ایمان سلامت نہ رہے گا۔

تا قیامت می زند قرآن ندا   کاے گروہ جہل را گشتہ فدا

یعنی قیامت تک قرآن ندا کر رہا ہے کہ اے وہ گروہ جو کہ جہل پر فدا ہو رہا ہے۔

مر مرا افسانہ مے پنداشتید   تخم طعن و کافری مے کاشتید

یعنی مجھکو تم ایک افسانہ سمجھتے تھے اور طعن و کافری کا بیج بوتے تھے۔

خود بدیدید اے خسیسان زمن   کہ شما بودید افسانہ زمن

یعنی اے خسیسان زمن تم خود دیکھ لوگے کہ تم ہی افسانۂ زمن تھے۔

تا بدیدید اے کہ طعنہ می زدید   کہ شما فانی و افسانہ بدید

یعنی یہاں تک کہ اے لوگو جو کہ طعنے مارتے تھے دیکھ لوگے کہ تم ہی فانی اور افسانہ تھے اور میری تو یہ حالت ہے کہ۔

من کلام حقم و قائم بذات   قوت جان جان و یاقوت زکات

یعنی میں تو کلام حق ہوں اور قائم بذات (حق) ہوں اور جان جان کی روزی اور یاقوت پاکی کا ہوں مطلب یہ کہ وہ کلام پاک کہتا ہے کہ میں کلام نفسی کے درجہ میں فانی نہیں ہوں اور قائم بذات حق ہوں اب تم ہی دیکھ لوگے کون فانی اور افسانہ ہے

نور خورشیدم فتادہ بر شما   لیک از خورشید ناگشتہ جدا

یعنی میں نور خورشید ہوں جو کہ تم پر پڑا ہے لیکن خورشید سے جدا نہیں ہوا ہے مطلب یہ کہ میں نور خورشید ہوں کہ تم پر اپنا فیض اور اپنی روشنی ڈال رہا ہوں مگر خورشید سے بھی الگ نہیں ہوا بلکہ خورشید سے میرا تعلق باقی ہے اور میں خورشید کے ساتھ رہ کر تم کو فیض پہونچا رہا ہوں۔

نک منم ینبوع آں آب حیات   تا رہانم عاشقاں را زین ممات

یعنی یہ میں اوس آب حیات کا چشمہ ہوں تاکہ میں عاشقوں کو اس ممات سے چھڑاؤں مطلب یہ ہے کہ وہ قرآن کہتا ہے کہ میں آب حیات کا چشمہ ہوں کہ میں عشاق کو اس موت ابدی سے چھڑاتا ہوں۔

گر چناں گند آزتان ننگیختے   جرعۂ بر گورتان حق ریختے

یعنی اگر تمہاری حرص اس طرح گندگی نہ پھیلاتی تو ایک گھونٹ تمہاری گور پر حق تعالے ڈالتے مطلب یہ کہ اگر تم لوگ حرص و طمع کو نہ پھیلاتے تو حق تعالے اس کلام پاک میں سے تم کو بھی حصہ عنایت فرماتا مگر تم لوگ تو دنیا میں لگ گئے تو پھر اس کا فیض تم تک کب پہونچ سکتا تھا آگے مولانا فرماتے ہیں کہ

نے بگیرم گفت و پند آں کلیم   دل نگردانم بہر طعن سقیم

یعنی نہیں میں اوس حکیم کی بات اور پند کو اختیار کرتا ہوں اور ہر طعن سقیم کی وجہ سے دل نہیں پھیرتا

تا بیابد درد من از او دوا   فارغ آیم من ز ہر طعنے جدا

یعنی تاکہ میرا درد اوس سے دوا پاوے اور میں ہر اوس طعن سے فارغ اور جدا ہو جاؤں مطلب یہ کہ مولانا فرماتے ہیں کہ میں ان طعنوں کی وجہ سے رکونگا نہیں اور اسی طرح فیض دیتا رہونگا اور میں حکیم کی پند پر عمل کرونگا جس کو ذیل میں بیان کرتے ہیں۔ حکیم سے مراد حکیم غزنوی ہیں وہ ایک مثال بیان فرماتے ہیں۔

شرح حبیبی

آنکه فرموده است او اندر خطاب — کره و مادر همی خوردند آب
می شخولیدند هر دم آن سُتُر — بهر اسپان که هلا زین آب خور
آن شخولیدن بکره می رسید — سر همی برداشت وز خوردن رمید
مادرش پرسید کای کره چرا — می رمی هر ساعتی زین استقا
گفت کره می شخولند این گروه — ز اتفاق بانگ شان دارم شکوه
پس دلم می لرزد از جا میرود — ز اتفاق نعره خوفم می رسد
گفت مادر تا جهان بوده است این — کارافزایان بُدند اندر زمین
هین تو کار خویش کن ای ارجمند — زود کایشان ریش خود بر می کنند
وقت تنگ و میرود آب فراخ — پیش از آن کز هجر گردی شاخ شاخ
شهره کاریزی است پُر آب حیات — آب کش تا بر دمد از تو نبات
آب خضر از جوی نطق اولیا — میخوریم ای تشنهٔ غافل بیا
گر نه بینی آب کورانه بفن — سوی جو آور سبو در جوی زن
چون شنیدی کاندرین جو آب هست — کور را تقلید باید کار بست
جو فرو بر مشک آب اندیش را — تا گران بینی تو مشک خویش را
چون گران دیدی شوی تو مستدل — رَست از تقلید خشک آنگاه دل
گر نه بیند کور آب جو عیان — لیک داند چون سبو بیند گران
که ز جو اندر سبو آبی برفت — کین سبک بود و گران شد ز آب زفت
زانکه هر بادی مرا در می ربود — باد می نربایدم ثقلم فزود
مر سفیهان را رُباید هر هوا — زانکه نبود شان گرانی و قوی
کشتئی بی لنگر آمد مرد شر — که ز باد کژ نیابد او حذر
لنگر عقلست عاقل را امان — لنگری دریوزه کن از عاقلان
او مدد های خرد چون در ربود — از خزینهٔ دُرّ آن دریای جود
زین چنین امداد دل پُر فن شود — بجهد از دل چشم هم روشن شود

زانکه نور از دل برین دیده نشست | تا چو دل شد دیدهٔ تو عاطل ست
دل چو بر انوار عقلے بر زند | زان نصیبے ہم بدو دیده دہد
پس بدان کاب مبارک ز آسمان | وحی دلہا باشد و صدق بیان
ما چو آن کرّه ہم آب جو خوریم | سوئے آن وسواس طاعن ننگریم
پیرو پیغمبرانی ره سپر | طعنۂ خلقان ہمه بادی شمر
آن خداوندان که ره طے کرده اند | گوش با بانگ سگان کے کرده اند
باز گوکان پاکباز و شیر مرد | اندر آن مسجد چه بنمودش چه کرد

ہم کو اوس نصیحت کو اختیار کرنا چاہیئے جو اونہوں نے اثنائے گفتگو میں فرمائی ہے یعنی یہ کہ ایک گھوڑی کا بچہ اور ایک گھوڑی پانی پی رہے تھے سائیس لوگ پانی پلانے کیلئے سیٹیاں بجا رہے تھے جس سے اونکا مطلب یہ تھا کہ گھوڑے پانی پیو۔ اُن سیٹیوں کی آواز گھوڑی کے بچے تک بھی پہونچتی تھی اور وہ اس کو سنکر چونکتا اور پانی سے سر اوٹھا لیتا اور بھڑکتا تھا۔ آخر اوسکی ماں نے پوچھا کہ بچھیرے تو پانی کیوں نہیں پیتا اور ہر دم بھڑکتا کیوں ہے اس نے کہا کہ یہ لوگ سیٹیاں بجاتے ہیں اور مجھ پر انکی مجموعی آواز سے ایک خوف طاری ہوتا ہے اس لئے میرا دل کانپتا ہے اور دل ٹھکانے نہیں رہتا مجھے تو انکی مجموعی آواز سے خوف معلوم ہوتا ہے ماں نے کہا بیٹا جب سے دنیا پیدا ہوئی ہے اوسی وقت سے فضول حرکتیں کرنے والے اور کام بڑھانے والے لوگ بھی ہوتے رہے ہیں۔ پس تم ایسے لوگوں کی طرف التفات نہ کرو اور جلدی سے اپنا کام کر لو یہ لوگ تو لایعنی حرکتیں کرکے اپنا نقصان کر رہے ہیں دیکھو وقت تھوڑا ہے اور پانی بکثرت چلا جا رہا ہے پس تم قبل اس کے کہ آگی جدائی سے مغموم ہو خوب سیراب ہو لو یہ ایک آب حیات سے پُر اور مشہور کاریز ہے تم پانی پی لو تاکہ تم کو نما حاصل ہو یہ تو ایک واقعہ تھا قبل اس کے کہ ہم اس سے مناسب مقام نتیجہ نکالیں ایک ضروری اور استطرادی مضمون سن لو اہل اللہ کے کلام کی نہر سے آب حیات جاری ہے اور ہم اوس کو پیتے ہیں پس اے بے خبر پیاسے آ تو بھی پی لے۔ اگر تو اندھوں کی طرح پانی نہیں دیکھتا تو جبکہ تو نے سن لیا ہے کہ اس نہر میں پانی ہے اور اُس سے بہت سے تشنے سیراب ہوتے ہیں تو اوس نہر میں گھڑا لا کر ڈال یعنی اگر تجھے اُنکی کلام کی صفت حیات بخشی معلوم نہیں ہے تو سنکر ہی اپنے قلب کو خلوص کے ساتھ اوس کی طرف متوجہ کر کیونکہ اندھے کو دوسرے بیناؤں کی تقلید اور پیروی کرنی چاہیئے۔ اور یہ تیرا دل جو ایک مشک کی مانند ہے جس کو آب فیض کے ہونے میں شبہ ہے اُوس کو تو اس نہر میں ڈال یعنی اونکے کلام کی طرف خلوص سے توجہ کر تاکہ تو اپنی مشک کو پانی سے بھاری دیکھے یعنی اثر جدید کو اوس کے اندر محسوس کرے۔ جب تو اس مشک کو بھاری دیکھے گا اور اوس کے اندر نئی کیفیت محسوس

کریگا تو اوس وقت تیرا دل تقلید جامد سے نکل جاویگا اور دلیل سے تجھے اوس کا وجود معلوم ہو جاویگا کیونکہ اگر اندھا آنکھ سے نہر کا پانی نہیں دیکھتا تو نہ سہی مگر جب وہ اپنے گھڑے کو بھاری دیکھتا ہے تو اسے پانی کا وجود یقینی طور پر معلوم ہوتا ہے اور وہ سمجھ لیتا ہے کہ نہر سے گھڑے میں پانی آگیا۔ کیونکہ اول وہ ہلکا تھا اور اب وہ بہت سے پانی کے سبب بھاری ہو گیا ہے اسی طرح یہ شخص بھی سمجھ لے گا کہ مجھ میں ایک نئی بات پیدا ہو گئی ہے کیونکہ وہ سمجھے گا کہ اول مجھے ہر باد ہوا و ہوس اڑا لے جاتی تھی اور اب مجھے ہوا نہیں اڑا سکتی لہذا معلوم ہوا کہ اب مجھ میں گرانی بڑھ گئی ہے اب سمجھو کہ خفیف العقل لوگوں کو ہر باد ہوا و ہوس اُڑا لے جاتی ہے کیونکہ نہ ان میں گرانی ہوتی ہے نہ قوت ایسے برے لوگ جو کج رفتار ہوا سے محفوظ نہیں رہتے کشتی بے لنگر کے مانند ہوتے ہیں اور اہل عقل کی کشتی کو لنگر عقل تباہی سے بچاتا ہے اس لئے تم کو چاہئے کہ عقلاء سے اس لنگر کو حاصل کرو۔ پس جبکہ کوئی اس بحر سنی (عاقل) کے خزانہ دُر سے عقل کی پیہم امداد حاصل کریگا تو اس امداد سے اوسکے دل میں بھی ہوشیاری پیدا ہو جاویگی۔ اور وہ دل ہی تک محدود نہ رہیگی بلکہ اوس سے تجاوز کر کے آنکھوں تک بھی پہونچیگی اور آنکھوں کو بھی اوس سے فی الجملہ روشنی حاصل ہوگی۔ اور جو نقص آنکھوں میں دل کے نقص کے سبب تھا مثلاً عداوت کے سبب اچھے کا برُا دکھلائی دینا وغیرہ وہ دفع ہو جائے گا۔ یہ جو ہم نے کہا ہے کہ اوس کی ہوشیاری کا اثر آنکھوں تک بھی پہونچے گا اس کی وجہ یہ ہے کہ آنکھ میں جو نور آیا ہے وہ دل ہی کے سبب ہے دیکھو جب دل نہیں رہتا تو آنکھیں بھی بیکار ہو جاتی ہیں مثلاً حیات کا تعلق جب دل سے منقطع ہوتا ہے تو آنکھیں بھی کچھ نہیں دیکھ سکتیں یا یہ کہ جب دل تندرست نہیں رہتا اور اس میں حسد وغیرہ امراض پیدا ہو جاتے ہیں تو آنکھیں بھی ادراک اشیاء علیٰ ما ہی علیہ سے قاصر رہتی ہیں جبکہ دل کا تعلق آنکھ سے معلوم ہو گیا تو اوس کی روشنی سے اوس کی روشنی کے بڑھنے کا استبعاد جاتا رہا۔ اور ثابت ہو گیا کہ جب دل انوار عقلی سے متلبس ہوتا ہے تو اوس سے دونوں آنکھوں کو بھی حصہ ملتا ہے یہ تو استطرادی مضمون تھا اب ہم اس قصہ کا نتیجہ مقصودہ بیان کرتے ہیں سنو کہ آسمان کا پانی الہام قلب اور صدق بیان ہے پس ہم بھی اوس بچھیرے کی مانند یہ پانی پیتے ہیں اور طاعن کے وسواس کی طرف التفات نہیں کرتے پس اے سالک تو بیغمبر کا پیرو ہے لہذا لوگوں کے طعنوں کو ایک ہوا سمجھ۔ جو ادھر سے آتی ہے اور ادھر کو چلی جاتی ہے کیونکہ ہمیشہ سے سالکین کا یہی طریق رہا ہے کہ کتوں کی آوازوں کی طرف اونھوں نے التفات نہیں کیا ہے اچھا یہ قصہ تو ہو چکا اب یہ بیان کرو کہ اوس شیر اور بہادر آدمی نے کیا دیکھا اور کیا کیا۔

شرح شبیری

ایک بچھیرے کے پانی پینے سے بھاگنے کی مثل

آنکہ فرمودہ است او اندر خطاب   کرہ و مادر ہمے خوردند آب

یعنی وہ کہ اوس حکیم نے خطاب میں فرمایا ہے کہ ایک بچھیرا اور ماں پانی پی رہے تھے۔ یعنی اوس حکیم نے یہ حکایت بیان کی ہے کہ ایک بچھیرا اور اوس کی ماں دونوں پانی پی رہے تھے۔

می شخولیدند ہر دم آن نفر   بہر اسپاں کہ ہلا زین آب خور

یعنی وہ ایک جماعت ہر دم چلا رہی تھی گھوڑوں کے واسطے کہ اس آب خور سے بھاگو مطلب یہ کہ گھوڑے جو پانی پینے آتے تھے تو لوگ اونکو بھگانے کیلئے غل مچایا کرتے تھے۔

آن شخولیدن بکرہ می رسید   سر ہمی برداشت و زخوردی رمید

یعنی وہ چلانا بچھیرے کو پہونچتا تھا تو سر اوٹھاتا تھا اور خود بخود بھاگتا تھا یعنی وہ شور کو سنکر بدکا کرتا تھا۔

مادرش پرسید کاے کرہ چرا   می رمی ہر ساعتے زین استقا

یعنی اوسکی ماں نے پوچھا کہ اے بچھیرے تو ہر گھڑی پانی پینے سے بھاگتا کیوں ہے۔

گفت کرہ می شخولند آن گروہ   زاتفاق بانگ شان دارم شکوہ

یعنی بچھیرے نے کہا کہ وہ گروہ شور کرتے ہیں تو اونکی آواز کے اجتماع کیوجہ سے مجھے خوف معلوم ہوتا ہے۔

پس دلم می لرزد از جا می رود   زاتفاق نعرہ خوفم می رسد

یعنی پس میرا دل کانپتا ہے اور جگہ سے جاتا ہے اور آواز کے اتفاق سے مجھے خوف پہونچتا ہے یعنی یہ لوگ جو ایک دم سے شور کرتے ہیں اس سے مجھے ڈر لگتا ہے۔

گفت مادر تا جہان بودہ است این   کارافزایان بُدند اندر زمین

یعنی ماں نے کہا کہ جب سے کہ جہاں ہوا ہے ایسے بیہودہ لوگ زمین میں رہے ہیں۔

ہین تو کار خویش کن ای ارجمند   زود کایشان ریش خود بر می کنند

یعنی اے صاحبزادے تو اپنا کام کر اور یہ جلدی ہونے والا ہے کہ یہ لوگ اپنی ڈاڑھیاں اوکھاڑیں گے مطلب یہ کہ اوس نے کہا کہ ایسے لوگ ہمیشہ ہوئے ہیں آج کوئی نئی بات نہیں ہے تم اپنا کام کرو یہ خود پریشان و پشیمان ہو کر چُپ ہو جاوینگے بس اسی طرح مولانا فرماتے ہیں کہ میں ان طاعنوں کی پرواہ نہیں کرتا اور میں اپنا کام کرتا ہوں یہ

خود ہی اپنا ضرر کر رہے ہیں میرا اس میں کیا ہرج ہے۔

وقت تنگ و میرود آب فراخ — پیش ازان کز ہجر گردی شاخ شاخ

شہر کاریزی ست پر آب حیات — آب کش تا بر دمد از تو نبات

یعنی وقت تنگ ہے اور آب فراخ چل رہا ہے تو پہلے اس سے کہ تو ہجر کی وجہ سے شاخ شاخ ہو تو ایک سوت آب حیات سے بھرا ہوا ہے تو تو پانی کھینچ لے تاکہ تجھ سے نبات پیدا ہو مطلب یہ کہ زندگی دنیا کی تو کم ہے اور یہ دنیا جا رہی ہے اس کے اندر جو اعمال ہو سکیں وہ کر لو اور ان کو بجا لاؤ اس سے پہلے کہ تم اس جہان کو چھوڑو لہذا مثنوی کا لکھنا بھی ترک مت کرو بلکہ اوس کو لکھتے رہو اس میں اجر عظیم تم کو ملے گا۔

آب خضر از جوئے نطق اولیا — میخوریم اے تشنۂ غافل بیا

یعنی اولیاء اللہ کے کلام سے ہم آب خضر پی رہے ہیں تو اے تشنۂ غافل تو بھی آجا (آب خضر سے مراد آب حیات ہے اور اضافت بادنے ملابست ہے) مطلب یہ کہ اولیاء اللہ کے کلام سے ہم آب حیات پی رہے ہیں تو اے غافل تو بھی آجا اور تو بھی پی لے اب کوئی کہتا ہے کہ ہمیں تو آب حیات کہیں نظر نہیں آتا مولانا اسکا جواب فرماتے ہیں کہ

گر نہ بینی آب کورانہ بفن — سوئے جو آور سبو در جوئی زن

یعنی اگر تو پانی اندھوں کی طرح فن سے نہ دیکھے تو تو ندی کی طرف آ اور ندی میں گھڑے کو مار مطلب یہ فرماتے ہیں کہ اگر تم کو اولیاء اللہ کے کلام میں آب حیات دکھائی نہ دے تو تم اون کے پاس آکر اونکی صحبت اختیار تو کرو اوس کے بعد خود تم کو معلوم ہو جاویگا۔

چون شنیدی کاندرین جو آب ہست — کور را تقلید باید کار بست

یعنی جب تو نے سنا کہ اس ندی میں پانی ہے تو اندھے کو تقلید سے کام کرنا چاہئے۔

جو فرو بر مشک آب اندیش را — تا گران بینی تو مشک خویش را

یعنی پانی کی مشک کو تو ندی میں لیجا تاکہ تو اپنی مشک کو بھاری دیکھے۔

چون گران بینی شوی تو مستدل — رست از تقلید خشک آنگاہ دل

یعنی جب تو نے (مشک کو) گراں دیکھا تو تو مستدل ہو گیا اور اوس وقت تقلید خشک سے دل چھوٹ گیا مطلب یہ کہ جو اندھا ہو اور سنے کہ ندی میں پانی ہے تو اوس کو چاہئے کہ اپنی مشک کو لے جا کر دوسروں کے کہنے ہی سے ندی میں ڈالے تو جب وہ بھریگی اور بھاری ہوگی معلوم ہو جاویگا کہ پانی ضرور ہے اور پہلے تو مقلد تھے اب خود محقق ہو جاؤ گے تو اسی طرح جب کوئی کہتا ہے کہ اولیاء اللہ کے پاس آب حیات ہے تو اب تم کو چاہئے کہ اونکی صحبت اختیار کرو اور اپنے کو اون کے سپرد کر دو تو اول تو تم تقلیداً ہی اون کے پاس گئے تھے پھر خود تم کو معلوم ہو جاویگا کہ بے شک

ان حضرات کے پاس آب حیات تھا اور لوگ سچ کہتے تھے۔

گرنہ بیند کور آب جو عیان لیک داند چون سبو گردد گران

یعنی اگرچہ اندھا ندی کے پانی کو ظاہر طور پر نہ دیکھے لیکن جان لیتا ہے جبکہ گھڑا بھاری ہو جائے

کہ زجو اندر سبو آبے برفت کاین سبک بود و گران شد زآب زفت

یعنی کہ ندی سے گھڑے میں کچھ پانی گیا ہے کہ یہ ہلکا تھا اور (اب) بہت سے پانی کی وجہ سے بھاری ہو گیا ہے۔

زانکہ ہر بادے مرا درا می ربود بادمے نربایدم ثقلم فزود

یعنی اسلئے کہ ہر ہوا اوس کو لیجاتی تھی (اور اب) ہوا مجھے اڑاتی نہیں ہے تو میرا ثقل بڑھ گیا ہے مطلب یہ ہے کہ جو لوگ حقیقت سے اندھے ہیں اون کو اولیاء اللہ کے وہ انوار نظر تو آتے نہیں لیکن اگر وہ اوروں کے کہنے سے اونکی صحبت میں جانا شروع کر دیتے ہیں تو اوس سے اون کو فیض ہوتا ہے اوس وقت اون کو معلوم ہوتا ہے کہ بیشک انوار ان حضرات کی خدمت میں موجود ہیں اور جب وہ دیکھتے ہیں کہ پہلے ہر ہوا و ہوس ان کو دین سے الگ کر دیتے تھے اور اب بڑے سے بڑی شہوت و ہوا کا مقابلہ کر سکتے ہیں اور اب یہ ہلتے بھی نہیں تو معلوم ہوا کہ کوئی شئے اون حضرات کے اندر سے ان میں آئی ہے اور کوئی فیض اون حضرات سے اون کو بھی پہونچا ہے لہذا تم اگر اون حضرات کے انوار کو خود نہیں دیکھتے تو اوس سے یہ مت سمجھو کہ اون کے اندر کچھ ہے ہی نہیں بلکہ یوں سمجھو کہ تم اندھے ہو اور یہ سمجھکر تقلیداً اونکی خدمت میں حاضری شروع کر دو اوس کے بعد خود تم بھی وہی کہو گے جو کہ اور لوگ تم کو کہہ رہے تھے آگے مولانا فرماتے ہیں کہ۔

مر سفیہان را رباید ہر ہوا زانکہ نبود شان گرانی و قوی

یعنی بیوقوفونکو ہر ہوا و ہوس لے بھاگتی ہے اسلئے کہ اون کے اندر گرانی (ایمان) اور قوت نہیں ہوتی مطلب یہ کہ جو دیندار اور بزرگوں کے خدمت گذار نہیں ہیں وہ ذرا ذرا سی بات میں دین سے علیحدہ ہو جاتے ہیں اور تھوڑی سی خواہش نفسانی اون کے دین کو برباد کرنے کیلئے کافی ہے آگے اونکی ایک مثال فرماتے ہیں کہ۔

کشتئ بے لنگر آمد مرد شر کہ زباد کژ نیابد او حذر

یعنی شر کا آدمی بے لنگر کی کشتی ہوتا ہے کہ کج ہوا سے وہ حذر نہیں پاتی۔ مطلب یہ کہ جس طرح بے لنگر کی کشتی ہوتی ہے کہ ہر ہوا اوس کو درہم برہم کرنے کے واسطے کافی ہے اسی طرح جو شخص شر والا ہوتا ہے اوس کو بھی تھوڑی سی خواہش نفسانی دین سے اور راہ مستقیم سے ہٹانے کے لئے کافی ہے۔

لنگر عقل است عاقل را امان لنگرے دریوزہ کن از عاقلان

یعنی عاقل کو عقل کا لنگر امن ہے تو عاقلوں سے لنگر مانگ مطلب یہ کہ عاقل آدمی کے پاس عقل ایک ایسی شئے ہے

کہ وہ اونکو ڈانواں ڈول نہیں ہونے دیتی اور راہ مستقیم پہ لئے چلی جارہی ہے تو تو بھی عاقلوں سے اس عقل ہی کو سیکھ اور حاصل کر کہ یہی وہ شے ہے کہ انسان کو سیدھے رستہ پہ پہونچا سکتی ہے۔

او مدد ہائے خرد چون در ربود　　از خزینہ درّ آن دریائے جود

یعنی اوس نے جب خرد کی امداد اوس دریائے جود کی موتی کے خزانہ سے لے لی۔ (تو یہ ہوا کہ)

زین چنین امداد دل پر فن شود　　بجہد از دل چشم ہم روشن شود

یعنی ایسی امداد سے دل پر فن ہوجاتا ہے اور دل سے کودتا ہے تو آنکھ بھی روشن ہوجاتی ہے۔

زانکہ نور از دل برین دیدہ نشست　　تاچو دل شد دیدۂ تو عاطل است

یعنی اسلئے کہ نور دل ہی سے اس آنکھ پہ بیٹھا ہے یہانتک کہ جب دل جاتا رہا تو تمہاری آنکھ بیکار ہے (دریائے جود سے مراد عارف) مطلب یہ کہ جب کسی شخص نے عارف سے عقل سلیم لے لی اور دل اس عقل کی وجہ سے پر فن اور چست وچالاک ہوگیا تو اب اس دل میں سے اوس عقل سلیم نے جوش کیا اور اوسی نے آنکھ کو بھی روشن کر دیا اور اب آنکھ سے علوم و معارف نظر آنے لگے اسلئے کہ جب تک دل ہے اوسیوقت تک آنکھ بھی کام دیتی ہے اور جب دل نہ رہا تو آنکھ بھی بیکار ہوجاتی ہے۔ لہذا دل جب روشن ہوا اوسی وقت دل سے امداد آنکھ کو پہونچی کہ وہ دل کی تابع تھی۔

دل چو بر انوار عقلی پر بزد　　زان نصیبے ہم بدو دیدہ دہد

یعنی دل جب انوار عقلی پر پھیلاتا ہے تو اوس میں سے ایک حصہ دونوں آنکھوں کو بھی دیتا ہے مطلب یہ کہ جب انوار حق سے دل روشن ہوتا ہے تو اوسکی روشنی آنکھوں تک بھی پہونچتی ہے اور آنکھیں بھی روشن ہوجاتی ہیں

پس بدان کآب مبارک ز آسمان　　وحی دلہا باشد و صدق بیان

یعنی پس جان لو کہ آب مبارک آسمان سے قلوب کی وحی ہوتی ہے اور صدق بیان ہوتا ہے مطلب یہ کہ آسمان سے جو وحی اور الہامات اور انوار آرہے ہیں وہ گویا کہ پانی ہیں۔

ما چو آن کرّہ ہم آب جو خوریم　　سوئے آن وسواس طاعن ننگریم

یعنی ہم بھی اوس بچھیرے کی طرح آب جو پی رہے ہیں اور اوس طاعن کے وسواس کی طرف نہیں دیکھتے مطلب یہ کہ یہ انوار وغیرہ آسمان سے پانی کی طرح آرہے ہیں اور ہم اوس بچھیرے کی طرح اوس سے مستفیض ہو رہے ہیں تو اب ہم کو ان طاعنوں اور شور مچانے والوں کی نہ سننا چاہئے بلکہ کام میں لگنا چاہئے۔

پیرو پیغمبرانی رہ سپر　　طعنۂ خلقان ہمہ بادے شمر

یعنی تو پیغمبروں کا پیرو ہے تو راستہ چل اور مخلوق کے طعنوں کو ایک ہوا گن۔ مطلب یہ کہ اپنے نفس کو

خطاب فرماتے ہیں کہ تو تو پیغمبروں کا پیرو ہے تو تجھے چاہئے کہ اپنا راستہ لے اور کام کرے اور ان طاغوتوں کی نہ سنے اور اون کی وجہ سے اپنے کام میں حرج نہ کرے۔

آن خداوندان کہ رہ طے کردہ اند گوش با بانگ سگان کے کردہ اند

یعنی اون آقاؤں نے کہ راہ طے کی ہے کان کتوں کی آواز پر کب کئے ہیں مطلب یہ کہ جن لوگوں نے کہ کام کئے ہیں اونہوں نے طاغوتوں کے کہنے پر کب کان دہرا ہے اونھوں نے ہمیشہ اپنا کام کیا ہے اگر وہ اس طرف توجہ کرتے تو اونکا کام رہ جاتا اسی طرح اگر تم ان طاغوتوں کی طرف توجہ کروگے تو پھر کام نہ کرسکوگے لہذا اوس طرف توجہ نہ کرو اور کام کئے جاؤ۔

باز گو کان پاک باز و شیر مرد اندر آن مسجد چہ بیہودہ چہ کرد

یعنی پھر بیان کرو کہ اوس پاک باز شیر مرد نے اوس مسجد میں کیا نا پایا اور کیا کیا مطلب یہ کہ اب ان طاغوتوں کی باتیں تو سنو مت اور اوس شخص کا قصہ بیان کرو۔

شرح حبیبی

خفتہ در مسجد خود او را خواب کو مرد غرقہ گشتہ چون خسپد بجو

خواب مرغ و ماہیان باشد ہمی عاشقان را زیر غرقاب غمی

نیم شب آواز با ہولے رسید کایم آیم بر سرت ای مستفید

پنج کرت این چنین آواز سخت می رسید و دل ہمی شد لخت لخت

غرضکہ وہ مسجد میں سو رہا مگر اسے نیند کہاں کیونکہ وہ تو بحر الم میں ڈوبا ہوا تھا اور ڈوبتے والا شخص نہر کے اندر کیسے سو سکتا ہے عاشق تو بحر علم میں ڈوب کر یوں ہی خواب نہیں چاہتا جس طرح مرغ ہوا میں یا مچھلی پانی میں سوتا نہیں چاہتی (ہذا ما قیل واللہ اعلم) آدھی رات کے وقت ایک خوفناک آواز آئی کہ میں آتا ہوں تیری خبر لونگا پانچ مرتبہ ایسی ہی سخت آواز آئی اور خوف طبعی سے اوس کا دل پارہ پارہ ہوا جاتا تھا اس سے مولانا ایک مضمون ارشادی کی طرف انتقال فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ۔ تو چو عزم دین کنی با اجتہاد الخ

شرح شبیری

مہمان کش مسجد کے مہمان کے قصہ کا بقیہ

خفتہ در مسجد خود او را خواب کو — مرد غرقہ گشتہ چون خسپد بجو

یعنی وہ مسجد مین سویا ہوا تھا (مگر) اس کو خود نیند کہان ۔ ڈوبا ہوا آدمی ندی مین کس طرح سوئے مطلب یہ کہ وہ مسجد مین جا تو بیٹھا مگر اوس کو نیند کہان اوس کی ایسی مثال تھی جیسے کہ ڈوبا ہوا آدمی تو ڈوبے ہوئے آدمی کو نیند کب آیا کرتی ہے تو وہ جب اسقدر خوف وہراس مین مبتلا تھا اوسکو نیند کب آ سکتی تھی ۔

خواب مرغ و ماہیان باشد ہمی — عاشقان را زیر غرقاب غمی

یعنی پرند جانورون اور مچھلیون جیسی نیند عاشقون کو غم کے غرقاب کے نیچے ہوتی ہے ۔ مطلب یہ کہ جسطرح کہ اڑتا جانور اور مچھلی کو نیند نہین آتی بس یہی حال اوس عاشق کا ہوتا ہے جو کہ کسی غم کے اندر ڈوبا ہوا ہو کہ اوس کو بھی نیند نہیں آیا کرتی ۔ غرضیکہ وہ لیٹ تو گیا مگر اوس کی آنکھ تک نہ جھپکی ۔

نیم شب آواز باہولے شنید — کایم آیم بر سرت اے مستفید

یعنی آدھی رات کو ایک ہولناک آواز سُنی کہ اے فائدہ اُٹھانے والے مین سر پر آتا ہوں ۔ مطلب یہ کہ آدھی رات کو ایک ہولناک آواز یہ سُنائی دی کہ آتا ہون آتا ہون ۔

پنج کرت این چنین آواز سخت — می رسید و دل ہمی شد لخت لخت

یعنی پانچ مرتبہ ایسی ہی سخت آواز پہنچی اور دل ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا آگے مولانا ایک دوسرے مضمون کی طرف منتقل ہوتے ہین کہ جس طرح یہ آواز آرہی تھی کہ آتا ہون حالانکہ کوئی بھی نہ آتا تھا صرف ڈرانا ہی ڈرانا تھا جیسا آگے معلوم ہوگا اسی طرح جب انسان کوئی نیک کام کرنا چاہتا ہے تو اوس کو شیاطین اسی طرح ڈرایا کرتے ہین اور اوس کو کہتے ہین کہ اس کام کو مت کر لیکن وہ صرف ڈرانا ہی ڈرانا ہوتا ہے واقعیت کچھ نہین ہوتی ۔ یہ تو اجمال تھا اب اس کی تفصیل سنو اس کو مولانا ایک آیت کی تفسیر کے پیرایہ مین بیان فرماتے ہین ۔

شرح حبیبی

توچو عزم دین کنے با اجتہاد — دیو بانگت بر زند اندر نہاد

کہ مرو زان سو بیندیش ای غوی — کہ اسیر رنج درویشے شوی

بینوا گردی ز یاران وا بری — خوار گردی و پشیمانی خوری

تو ز بیم بانگ آن دیو لعین — وا گریزی در ضلالت از یقین

کہ ہلا فردا و پس فردا مراست — راہ دین پویم کہ مہلت پیش ماست

مرگ را بینی که وا ز چپ و راست ‏ می کشد ہمسایہ را تا بانگ خاست

باز عزم دین کنی از بیم جان ‏ مردہ سازی خویشتن را یک زمان

پس سلاح از علم سازی و حِکَم ‏ کہ من از خوفی نیارم پائے کم

باز بانگے بر زند بر تو ز مکر ‏ کہ بترس و باز گرد از تیغ فقر

باز بگریزی ز راہ روشنی ‏ آن سلاح علم و فن را افگنی

سالہا او را ببانگے بندۂ ‏ در چنین ظلمت نمد افگندۂ

ہیبت بانگ شیاطین خلق را ‏ بند کرد ست و گرفتہ حلق را

تا چنان نومید شد جان شان ز نور ‏ کہ درون کافران ز اہلِ قبور

این شکوہ بانگ آن ملعون بود ‏ ہیبت بانگ خدائے چون بود

ہیبت بانگ است بر کبک نجیب ‏ مر مگس را نیست زان ہیبت نصیب

زانکہ نبود باز صیّاد مگس ‏ عنکبوتان می مگس گیرند و بس

عنکبوت دیو بر چون تو ذباب ‏ کر و فر دارد نہ بر کبک و عقاب

بانگ دیوان گلہ بان اشقیاست ‏ بانگ سلطان پاسبان اولیاست

تا نیامیزد بہم بینا و کور ‏ قطرۂ از بحر خوش با بحر شور

جب تم دین کا ستعدی کے ساتھ پختہ ارادہ کرتے ہو تو یون ہی تمہاری باطن مین شیطان آواز دیتا ہے کہ خبردار اس طرف نہ جانا اور خوب سمجھ لینا کہ تو اس طرف چلکر رنج اور درویشی مین پھنس جاویگا (اشارۃ الی قولہ تعالے الشیطان یعدکم الفقر الخ) تو مفلس ہوجائیگا یار دوستون سے تعلقات منقطع ہو جائین گے ذلیل و پشیمان ہوگا تم شیطان کی اس آواز کو سن کر خوف کے سبب یقین کو چھوڑ کر گمراہی مین بھاگتے ہو اور کہتے ہو کہ کل اور پرسون تو ابھی ہی ہے ابھی تو بہت وقت پڑا ہے دین کے راستہ پر بھی چل لین گے اوس کے ساتھ تم دیکھتے ہو کہ وائین بائین موت پڑوسیون کو مار رہی ہے اور اون کے گھرون سے شور و شیون بلند ہو رہا ہے اسپر تم خائف ہو کر تہ دل سے پھر عزم دین کرتے ہو اور تھوڑی دیر کیلئے اپنے کو مردہ بنا لیتے ہو اس کے بعد تم علم و حکمت سے کام لیکر شیطان کا مقابلہ کرتے ہو اور ارادہ کرتے ہو کہ مین ڈر کر ہرگز کوشش نہ چھوڑونگا لیکن پھر وہ تم کو ڈانٹتا ہے اور کہتا ہے کہ ارے کمبخت ڈر اور تیغ فقر کے سامنے سے ہٹ جا اب تم اس سے پھر متاثر ہوتے ہو اور روشنی کے راستہ سے بھاگتے ہو اور علم و فن کے ہتھیار ڈالدیتے ہو غرضکہ برسون سے یون ہی تم شیطان کی آواز کے غلام ہو اور ظلمت ضلالت مین اقامت پذیر ہو بات یہ ہے کہ شیاطین کی آواز کی ہیبت نے خلق کو بالمستہ

کر رکھا ہے اور اونکا حلق بند کر رکھا ہے کہ نہ وہ راہ دین پر چل سکتے ہین اور نہ غذائے روحانی کھا سکتے ہین جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ نور ہدایت سے اونکی جان یون ناامید ہوگئی کہ جیسے مردہ کفار کی بھلائی سے سوچو تو سہی کہ جب شیطان کی آواز مین پرشوکت ہے تو خدا کی آواز مین کس قدر ہیبت ہوگی تم یہ شبہ نہ کرنا کہ اگر خدا کی آواز مین شیطان کی آواز سے زیادہ ہیبت ہوتی تو اوس کو اوسپر غالب آنا چاہئے تھا اور اوس کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ ہم شیطان کی آواز سے متاثر نہ ہوتے۔ حالانکہ اوس کے خلاف مشاہد ہے کیونکہ تم مین ہنوز اس سے متاثر ہونے کی قابلیت ہی نہین یہ وجہ ہے کہ تم اوس سے متاثر نہین ہوتے اور شیطان کی آواز سے متاثر ہوتے ہو۔ یہ نہین کہ اس مین ہیبت نہین دیکھو بداہتہ باز کی ہیبت مکڑی کی ہیبت سے زیادہ ہے مگر کبک یعنی چکور پر تو اوس کی ہیبت ہے لیکن مکھی پر اوس کا کچھ اثر نہین اور راز اسکا یہ ہے کہ باز مکھی کا شکار ہی نہین کرتا اور مکڑی چونکہ اس کا شکار کرتی ہے اسلئے اسکی ہیبت اس پر ہے یون ہی شیطان جو ایک مکڑی کی مانند ہے تجھ پر چونکہ ایک مکھی کی مانند ہے اکثر زون کرتا ہے اور تو اوس کی ہیبت سے متاثر ہوتا ہے مگر اہل اللہ جو کہ چکور اور عقاب کی مثل ہین ان پر اس کا کچھ بس نہین چلتا۔ کما قال اللہ تعالیٰ ان عبادی لیس لک علیہم سلطان بس یہ راز ہے کہ شیطان کی آواز اشقیا کو ہانکتی ہے اور پادشاہ حقیقی کی آواز اولیاء اللہ کو اور مقصود یہ ہے کہ انہے اور دیکھنے والے مخلوط نہ ہوجائین اور بحر شیرین کا قطرہ بحر شور مین نہ مل جائے یعنی اہل اللہ اور غیر اہل اللہ مین امتیاز رہے اور جو جس مرتبہ کے قابل ہے وہ اوسی مرتبہ پر رہے اپنی حد سے تجاوز نہ کرسکے۔

شرح شبیری

آیت واجلب علیہم بخیلک ورجلک کی تفسیر

تو چو عزم دین کنی با اجتہاد دیو بانگت بر زند اندر نہاد

یعنی تو جب دین کا قصد کوشش کے ساتھ کرتا ہے تو شیطان تیرے بدن مین آواز دیتا ہے کہ

کہ مرو زان سو بیندیش ای غوی کہ اسیر رنج و درویشی شوی

یعنی کہ اے گمراہ اوس طرف مت جا کیونکہ رنج اور درویشی مین قید ہوجاویگا۔

بے نوا گردی ز یاران وا بری خوار گردی و پشیمانی خوری

یعنی فقیر ہوجاویگا اور دوستون سے الگ ہوجاویگا اور ذلیل ہوجاویگا اور پشیمانی کھاویگا مطلب یہ کہ جب تو کوئی دین کا کام کرنا چاہتا ہے تو شیطان تجھے ڈراتا ہے اور کہتا ہے کہ اے مولوی ہوگا اور عسرتی

پڑہے گا تو مسجد کا مینڈھا ہو جاویگا نئی روشنی والین مین تیری قدر نہ رہے گی ذلیل و خوار پھریگا اور پھر پشیمان ہوگا لہذا تو مولوی مت بن اور دین کا کام مت کر جب وہ یون ڈراتا ہے تو یہ کہتا ہے کہ

تو ز بیم بانگ آن دیو لعین وا گریزی در ضلالت از یقین

یعنی تو اوس شیطان لعین کی آواز کے خوف سے یقین سے گراہی مین بھاگتا ہے یعنی دین کو چھوڑ کر دنیا مین اور گمراہی مین پھنس جاتا ہے اور سوچتا ہے کہ

کہ ہلا فردا و پس فردا مراست راہ دین پویم کہ مہلت پیش ماست

یعنی ارے کل پرسون (سب) میرے لئے ہے تو دین کی راہ مین دوڑ لونگا کہ مہلت ہمارے سامنے ہے مطلب یہ کہ تیری یہ حالت ہو جاتی ہے کہ سے ہر شبے گویم کہ فردا ترک این سودا کنم ؛ باز چون فردا شود امروز را فردا کنم ؛ غرضکہ یہ سمجھکر کہ ابھی تو جوان ہین عمر پڑی ہے دین کے کام بھی کر لین گے دین سے غافل ہو جاتے ہو۔ اوس کے بعد ایسا ہوتا ہے کہ۔

مرگ را بینی کہ از چپ و راست می کشد ہمسایہ را تا بانگ خاست

یعنی تو موت کو دیکھتا ہے کہ داہنے بائین سے ہمسایون کو کھینچ رہی ہے یہان تک کہ آواز اوٹھی مطلب یہ کہ اول تو دین سے غافل ہو جاتے ہو پھر جب دیکھتے ہو کہ لوگ مر رہے ہین اور جا رہے ہین اوس وقت ذرا ہوش ہوتا ہے۔

باز عزم دین کنی از بیم جان مردہ سازی خویشتن را یک زمان

یعنی پھر جان کے خوف سے دین کا قصد کرتے ہو اور اپنے آپ کو ایک زمانہ کیلئے مردہ بنا لیتے ہو یعنی کچھ دنون کیلئے مردہ کی طرح ہو جاتے ہو اور بہت ہی خشوع و خضوع سے کام لیتے ہو۔

پس سلاح از علم سازی و حکم کہ من از خوف نیارم پائے کم

یعنی پھر علم اور حکمت کے ہتھیار بناتے ہو (اور کہتے ہو) کہ مین خوف کی وجہ سے پاؤن کم نہ لاؤنگا یعنی کچھ دنون کے لئے ڈر پیدا ہو جاتا ہے اور اوس وقت کہتے ہو کہ اب کبھی دین مین قدم سست نہ کرونگا۔

باز بانگے بر زند بر تو ز مکر کہ بترس و باز گرد از تیغ فقر

یعنی شیطان پھر مکر سے آواز لگاتا ہے کہ ارے تیغ فقر سے ڈر اور واپس ہو جا مطلب یہ کہ جب تم ذرا دین کیطرف توجہ کرتے ہو وہ شیطان پھر تم کو فقر سے ڈراتا ہے حق تعالٰے خود فرماتے ہین کہ ان الشیطان یعدکم الفقر جب وہ پھر فقر سے ڈراتا ہے دین پر چلنے سے دنیا کا نقصان دکھاتا ہے تو پھر یہ ہوتا ہے کہ۔

باز بگریزی ز راہ روشنی آن سلاح علم و فن را بفگنی

یعنی پھر تو روشنی کی راہ سے بھاگتا ہے اور اوس علم و فن کے ہتھیار کو پھینک دیتا ہے مطلب یہ کہ وہ جو ہتھیار

علم وحکمت کے تیار کئے تھے اب اوس کے ڈرانے سے اون کو الگ پھینک پھانک اور پھر دین کو چھوڑ دیتے ہو مولانا فرماتے ہیں کہ۔

سالہا او را بہ بانگے بندۂ   در چنین ظلمت نمد افگندۂ

یعنی سالہا سال تک اوس کی آواز کے تم غلام ہو اور ایسی ظلمت میں تم نے نمدہ پھینک دیا ہے مطلب یہ کہ سالہا سال تک شیاطین کے تابع فرمان رہے ہو اور ظلمت دنیا اور کفر میں اپنے دین کو برباد کیا ہے۔

ہیبت بانگ شیاطین خلق را   بند کردست و گرفتہ حلق را

یعنی شیاطین کی آواز کی ہیبت نے مخلوق کو بند کر دیا ہے اور حلق کو پکڑ رکھا ہے۔

تا چنان نومید شد جانشان ز نور   کہ روان کافران ز اہل قبور

یعنی یہان تک کہ اونکی جان تو ایسی نا امید ہوگئی جیسے کہ قبر والے کافر نکی جان مطلب یہ کہ جو کفار مر چکے ہیں انکو چونکہ حقیقت منکشف ہوگئی ہے تو اون کو معلوم ہوگیا ہے کہ ہم کو اب نور حاصل نہین ہو سکتا اور اب بالکل مایوسی ہوگئی ہے پس اسی طرح جو لوگ کہ شیاطین کی آواز کو سُنتے ہین اور اوس پر عامل ہوتے ہیں وہ بھی نور سے اسی طرح نا امید ہو چکے ہیں کہ اونکو کسی درجہ مین امید رہی ہی نہین آگے مولانا فرماتے ہیں کہ

این شکوہ بانگ آن ملعون بود   ہیبت بانگ خدائی چون بود

یعنی یہ دبدبہ اوس ملعون کی آواز کا ہوتا ہے تو آواز خداوندی کی ہیبت کیسی ہوگی۔ یعنی اب دیکھ لو کہ اوس کی آواز کی اس قدر ہیبت ہے کہ سب اوس کے پیچھے پیچھے ہو لئے تو پھر جو آواز خداوندی ہے اوس کا دبدبہ تو کیا کچھ ہوگا اب یہاں یہ شبہ ہوا کہ جس طرح کہ اوس ملعون کی آواز کے دبدبہ نے ہم پر اثر کیا اگر آواز خداوندی میں زیادہ دبدبہ ہے تو وہ ہم پر کیوں اثر نہیں کرتی۔ اور ہم کو دین پر کیوں نہیں لگائے رہتی۔ مولانا اس شبہ کو آگے دفع فرماتے ہیں کہ۔

ہیبت باز است بر کبک نجیب   مر مگس را نیست زان ہیبت نصیب

یعنی نجیب چکور پر باز کی ہیبت ہوتی ہے اور مکھی کو اوس ہیبت مین سے کچھ بھی حصہ نہیں ہے۔

زانکہ نبود باز را صیاد مگس   عنکبوتان می مگس گیرند و بس

یعنی اس لئے کہ باز مکھی کا شکار کرنے والا نہیں ہوتا مکڑیاں مکھیون کو پکڑتی ہین اور بس مطلب یہ کہ دیکھو باز کا خوف کبک وغیرہ کے دل میں تو ہوتا ہے مگر مکھیوں کے دل میں بالکل بھی باز کا خوف نہیں ہوتا بلکہ مکھی کو مکڑی کا خوف ہوتا ہے تو اسی طرح تم چونکہ گناہوں کی وجہ سے ذلیل وحقیر ہو گئے ہو لہٰذا تم پر خوف حق طاری نہیں ہوتا بلکہ اوس شیطان کا جو کہ اسی مکڑی کیطرح حقیر ہے تم جیسے مکھیوں پر خوف طاری ہوتا ہے۔

عنکبوت دیو بر چون تو ذباب   کرو فر دارد نہ بر کبک و عقاب

یعنی شیطان کی بکری تجھ جیسی مکھی پر کرّ و فر رکھتی ہے نہ کہ کبک و عقاب پر یعنی شیاطین کی ہیبت تم جیسے ذلیل اور حقیر لوگون پر پڑ جاتی ہے اور فرمان بردار اور دیندار لوگون پر اوس ملعون کی ہیبت ہرگز بھی نہین پڑتی۔

بانگ دیوان گلہ بان اشقیاست　　　بانگ سلطان پاسبان اولیاست

یعنی شیاطین کی آواز شقی لوگون کی گلہ بان ہے اور سلطانی آواز اولیاء کرام کی پاسبان ہے یعنی شیاطین کی آواز پر چلنے والے تو اشقیا ہین اور آواز سلطانی پر چلنے والے اولیاء اللہ اور دیندار لوگ ہین اور یہ اسلئے کہ۔

تا نیامیزد بہم بینا و کور　　　قطرۂ از بحر خوش با بحر شور

یعنی تاکہ آپس مین اندھا اور سمکھا اور ایک قطرہ دریائے شیرین دریائے شور کے ساتھ نہ ملجاوے مطلب یہ کہ اگر سب لوگ ہر آواز پر چلا کرتے اور ہر آواز کا اثر ہر شخص پر ہوا کرتا تو پھر فرق ہی کیا رہتا یہ فرق اس لئے رکھا گیا ہے تاکہ شقی اور سعید مین فرق رہے اور آپس مین مل نہ سکین آگے پھر اوسی وہان مسجد کا قصہ بیان فرماتے ہین۔

شرح حبیبی

بشنوا کنون قصۂ آن بانگ سخت　　　کہ نرفت از جا بدان آن نیک بخت

گفت چون ترسم کہ ہست این طبل عید　　　تا دہل ترسد کہ زخم او را رسید

اے دہلہائے تہی بے قلوب　　　قسمتان از عید جان شد زخم چوب

شد قیامت عید و بے دینان دہل　　　ما چو اہل عید خندان ہمچو گل

بشنوا کنون این دہل چون بانگ زد　　　زینگ دولت ما چگونہ می پزد

چونکہ بشنود آن دہل آن مرد وید　　　گفت چون ترسد دلم از طبل عید

گفت با خود ہین ملرزان دل کزین　　　مرد جان بد دلان بے یقین

وقت آن آمد کہ حیدر وار من　　　ملک گیرم یا بپردازم بدن

بر جہید و بانگ بر زد کای کیا　　　حاضرم اینک اگر مردی بیا

در زمان بشکست ز آواز آن طلسم　　　زر ہمی ریزید ہر سو قسم قسم

ریخت زر چندان کہ ترسید آن پسر　　　تا نگیرد زر ز پری راہ در

پر شد آن مسجد ز زر ہر جایگاہ　　　مرد حیران شد ز نقد بے آلہ

بعد از ان بر خاست آن شیر عتید　　　تا سحرگہ زر بہ بیرون می کشید

دفن میکرد و ہمی آید بزر　　　با جوال و تو بر بار دگر

گنجہا بنہاد آں جانباز ازاں | کوری و ترسانئے دالیس خزاں
این زر ظاہر بخاطر آمدست | در دل ہر کور دوں زر پرست
کودکاں اسفیہا لہا را بشکنند | نام زر نہند و در دامن کنند
اندراں بازی چو گوئی نام زر | آں کند در خاطر کودک گذر
بل زر مضروب ضرب ایزدی | کو نگردد کاسد آمد سرمدی
آں زرے کیں زر ازاں زر تاب یافت | گوہری و تابندگی و آب یافت
آں زرے کہ دل ازو گردد غنی | غالب آید بر قمر در روشنی
شمع بود آں مسجد و پروانہ او | خویشتن در باخت آں پروانہ خو
سوخت پرش را و لیکن ساختش | بس مبارک آمد آں انداختش
ہمچو موسیٰ بود آں مسعود بخت | کاتشے دید او بسوئے آں درخت
چوں عنایتہا برو موفور بود | نار می پنداشت خود آں نور بود
مرد حق را چوں نہ بینی اے پسر | تو گماں داری برو نار بشر
تو ز خود می آئی و آں در تو است | نار و خار و ظن و باطل ایں سو است
او درخت موسیٰ است و پرضیا | نور خواں نارش مخواں باری بیا
نے قطام ایں جہاں تارے نمود | سالکاں رفتند آں خود نور بود
پس بدانکہ شمع دیں برمی شود | ایں نہ ہمچوں دیگر آتشہا بود
ایں نماید نور و سوزد یار را | و آں بصورت نار گل زوار را
ایں چو صیاد دلے سوزندۂ | واں گہ وصلت دل افروزندۂ
شکل شعلہ نور پاک ساز دار | حاضراں را نور و دوراں را چو نار
ایں سخن را نیست پایانے پدید | گو حدیث عاشق و صد حمید

اچھا تو اب اس سخت آواز کا قصہ سننا چاہیئے وہ یہ ہے کہ اس کو سن کر مہمان گو طبعاً خائف ہوا مگر ہوش وحواس قائم رہے اور اپنے دل میں کہا کہ یہ تو عید کا نقارہ ہے پھر میں کیوں ڈروں مجھے تو خوش ہونا چاہیئے۔ ہاں ڈھول کو ڈرنا چاہیئے کہ اس پر چوب پڑتی ہے یعنی اس سے اہل دنیا کو ڈرنا چاہیئے جو ڈھول کی طرح اندر سے خالی ہیں اور صفات کمال نہیں رکھتے کیونکہ یہ انہیں کو ضرر پہونچا سکتی ہے نہ کہ مجھے آگے مولانا انتقال فرماتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اے ڈھول کی طرح خالی اور قلب صافی نہ رکھنے والے لوگو یاد رکھو کہ جس طرح جسم

کے لئے عید ہے یون ہی روح کیلئے بھی عید ہے اور روح کی عید سے تمہارے حصہ مین بجز ڈنکے کی چوٹ کے
اور کچھ نہین یاد رکھو کہ عید روح قیامت ہے اور عید مین لوگ ڈھول اور ہم اہل اللہ عید والے اور گل
کی طرح خوش ہین خیر یہ استطرادی مضمون تو ختم ہو گیا اب سنو کہ جب اس ڈہل طلسم نے آواز دی تو وہ
ہانڈی جس کا شوربا دولت ہے کیسے پکتی ہے اور اس کا کیا نتیجہ نکلتا ہے سو بات یہ ہے کہ جب اس عارف نے
اوس ڈھول کی آواز سُنی تو اپنے دل مین کہا کہ یہ تو میرے لئے عید کا نقارہ ہے اور عید کے نقارہ سے میرا دل
کیونکر ڈر سکتا ہے اور یہ بھی کہا کہ اس سے تمہارا دل نہ کانپنا چاہیئے کیونکہ یہ تو بد باطن اور بے یقین لوگون کی
موت روحانی کا سبب ہے نہ کہ تمہاری موت کا بس اب وقت آ گیا ہے کہ یا تو مین حضرت علی کرم اللہ وجہہ
کی طرح ملک لے لون یا جسم کو روح سے خالی کر دون اور مر جاؤن یہ سوچکر وہ اوٹھا اور للکارا کہ او آواز دینے
والے مین موجود ہون اگر تو مرد ہے تو آ جا یہ کہنا تھا کہ وہ طلسم ٹوٹ گیا۔ اور ہر طرف طرح طرح کا سونا برسنا شروع
ہو گیا اور اس قدر برسا کہ اسے اندیشہ ہوا کہ سونے کی کثرت سے نکلنے کا دروازہ نہ بند ہو جاوے غرضکہ وہ مسجد
اوس سونے سے ہر جگہ سے بھر گئی اور وہ شخص اس قضائے الہی کو دیکھکر متحیر ہو گیا اسکے بعد وہ بہادر اوٹھا اور
صبح تک سونا ڈھوتا رہا ایک دفعہ لیجا کر دفن کر آتا تھا اور پھر دوبارہ توبرہ خرجین لیکر آتا تھا غرضکہ اس
جانباز نے برخلاف پیچھے ہٹنے والون کی کبری اور خوف کے اس طرح خزانہ قائم کر لئے معلوم ہوتا ہے کہ اندھے
اور پست ہمت زر پرست لوگون نے اس سے ظاہری سونا سمجھا اور یہ ان سے کچھ بعید نہین کیونکہ بچے ٹھیکرے
توڑتے ہین اور اس کا نام اشرفیان رکھکر دامن مین بھرتے ہین پس کھیل کے اندر جب اشرفی کا نام آتا
ہے تو بچے کے ذہن مین وہی ٹھیکرے آتے ہین پس یہی حالت ان زر پرستون کی ہے کہ جب یہ سونے کا نام سنتے
ہین تو اونکا ذہن زر ظاہر کیطرف منتقل ہوتا ہے ہماری مراد یہ سونا نہین بلکہ وہ اشرفیان مراد ہین جن کا سکہ
خدائی ہے اور جن کے کھرے ہونیکی خدا تصدیق کرتا ہے اور جو اوس کے یہان کارآمد ہین اور جو کہ کبھی کھوٹے
نہین ہو سکتین بلکہ ابد الآباد رائج ہین اور وہ اشرفیان مراد ہین جن سے اس سونے کو چمک حاصل ہوتی ہے
(غالباً تجلیات ربانی مراد ہین) اور جیسے کہ اون کو جوہر اور چمک۔ اور رونق حاصل ہوئی ہے اور وہ
اشرفیان مراد ہین جن سے کہ غنائے قلب حاصل ہوتی ہے اور جن کی روشنی چاند کی روشنی پر غالب آتی
ہے (اور مسجد سے مراد دین ہے اور ناصحین سے تقاضا ہائے نفسانی اور آواز سے آواز شیطانی
اور حاصل یہ کہ جب اوس نے تقاضائے نفسانی کی اطاعت نہ کی اور راہ دین پر استوار رہا تو شیطان
نے دھمکی دی اور اوس نے اوس کی مزاحمت کی تو دولت باطنی سے مالا مال ہو گیا واللہ اعلم) یا دوسرے
عنوان سے یون سمجھو کہ مسجد بمنزلہ شمع کے تھی اور یہ اوس کا پروانہ تھا یہ پروانہ خصلت شخص اوس کیلئے

اپنی جان پر کھیل گیا جس سے اوس کے پر جل گئے اور خواہشات نفسانی کا قلع قمع ہو گیا مگر اس سے اوسکو نقصان نہ پہونچا بلکہ اوس نے اوس کو بنا دیا اور اس کا اپنے کو اس خطرہ میں ڈالنا نہایت مبارک ہوا یا یوں کہو کہ وہ خوش قسمت موسے علیہ السلام کی مانند تھا کہ اونھوں نے درخت کی جانب آگ دیکھی تھی لیکن چونکہ حق سبحانہ کی عنایتیں اون پر بہت تھیں اس لئے وہ تو آگ سمجھتے تھے مگر وہ اونکے لئے نور تھی علیٰ ہذا یہ تو اس کو بظاہر مضر دیکھتا تھا مگر حقیقت میں وہ اس کے لئے مفید ثابت ہوئی اس مقام پر یہ نکتہ بھی قابل غور ہے کہ جب تم کسی اہل اللہ کو دیکھتے ہو تو اس کو آگ یعنی بشر محض مثل دیگر عوام سمجھتے ہو پس یہ تمہارا خیال اپنی اصل پر جاتا اور اوس کو اپنے اوپر قیاس کرنا ہے کیونکہ یہ بات خود تجھ میں موجود ہے نہ کہ اوس میں ناریت اور بشاریت اور ظن و باطل سب تیرے اندر موجود ہیں لہذا تو اس میں بھی سمجھتا ہے اس کو تم ایسا سمجھو جیسے شجر موسے جو کہ دیکھنے والے کو آگ معلوم ہوا اور واقع میں نور ہو لہذا اس کو تم نور کہو نہ کہ نار اور اس سے اتصال پیدا کر وتا کہ اس کی نورانیت تم پر منکشف ہو جاوے ایسا ہوتا ہے کہ ایک شے بظاہر نار اور مضر معلوم ہوتی ہے مگر حقیقت میں وہ نور اور سراسر مفید ہوتی ہے دیکھو ترک عالم ناسوت ایک آگ اور ناموافق معلوم ہوتی تھی مگر سالکین اس روش پر چلے تو ان کو معلوم ہو گیا کہ یہ نار نہیں بلکہ نور ہے جب یہ واقعہ معلوم ہو گیا تو ثابت ہو گیا کہ ہم نے جو کہا تھا کہ ؎ لیک شمع عشق چوں آں شمع نیست الخ بالکل صحیح ہے اور شمع دین (یعنی عشق) روشن ہوتی ہے تو یہ اور آگ کی طرح نہیں ہوتی کیونکہ اور آگیں تو نور دکھلائی دیتی ہیں مگر قریب آتے سے جلا دیتی ہیں اور یہ دور سے آگ معلوم ہوتی ہے اور واقع میں تماشائی کیلئے پھول ہوتی ہے یہ آگیں بظاہر موافق طبع ہیں مگر حقیقت میں جلانے والے اور برخلاف انکے شمع عشق اتصال کے وقت دلکو روشن کرنے والی ہے وہ بظاہر شعلہ کی مانند ہے اور حقیقت میں نور پاک اور موافق طبع ہے وہ پاس والوں کے لئے نور ہے اور دور والوں کے لئے آگ کی مثل خیر اس گفتگو کی تو کہیں انتہا ہی نہیں اچھا اب اس عاشق اور صدر جہاں کا قصہ بیان کرو۔

شرح شبیری

مسجد کے مہمان کو آدھی رات کو طلسم کی آواز آنا

بشنو اکنوں قصہ آں بانگ سخت ۔۔۔ کہ نرفت از جا بداں آں نیک بخت

یعنی اب اس سخت آواز کا قصہ سنو کہ وہ نیک بخت اس کی وجہ سے جگہ سے گیا نہیں یعنی جب وہ طلسم کی سخت

آواز آئی تو اوس کی وجہ سے وہ شخص اپنی جگہ سے ٹلا نہین بلکہ وہین جما رہا۔

گفت چون ترسم چو ہست آن طبل عید تا دہل ترسد کہ زخم او را رسید

یعنی وہ بولا کہ مین کیون ڈرون جبکہ وہ طبل عید ہے ڈہول ہی ڈرتا ہے کہ اوس کو زخم پہونچا یعنی اوس نے سوچا کہ مین تو مرنے کو پہرتا ہی ہون پہر مین ڈرون یہ تو میرے لئے طبل عید ہے آگے مولانا فرماتے ہین کہ۔

اے دہلہائے تہی و بے قلوب قسم تان از عید جان شد زخم چوب

یعنی اے خالی اور بے قلوب ڈہولو تمہارا حصہ جان کی عید مین سے زخم چوب ہے مطلب یہ کہ اے وہ لوگو تو کہ باطن سے خالی ہو اور تمہارے قلوب ناپاک ہین تو عید کے روز کے ڈہول تو تم بھی ہو مگر تمہاری قسمت مین لکڑیان لکہی ہین کہ لکڑیان پڑتی ہین اور پٹتے ہو آگے اوس عید کو اور اونکے دہل تہی ہونیکو بتاتے ہین کہ وہ کیا کیا ہین فرماتے ہین کہ۔

شد قیامت عید و بیدینان دہل ما چو اہل عید خندان ہمچو گل

یعنی قیامت تو عید ہے اور بے دین لوگ ڈہول ہین اور ہم اہل عید کیطرح گل کیطرح خوش ہین مطلب یہ کہ قیامت کے روز عید ہوگی لیکن دین دارون کے لئے تو خوشی ہوگی لہذا وہ تو گل کیطرح خوش ہونگے اور بیدین کیلئے رنج ہوگا اور وہ جس طرح کہ ڈہول عید مین پٹا کرتا ہے اسی طرح پٹے گا تو مطلب یہ کہ جو ڈہول کہ وہ باطن مین سے خالی ہو اوس کی تو گت بنتی ہے اور جو ڈہول کہ ٹھوس ہوتا ہے اوس کو کوئی بھی نہ مارے نہ اوسے بجاوے آگے فرماتے ہین کہ

بشنوا کنون این دہل چون بانگ زد دیگ دولت ما چگونہ می پزد

یعنی اب سنو کہ اس ڈہول نے جب آواز لگائی تو ہماری دولت کی آواز کس طرح پکتی ہے۔ یعنی وہ ڈہول خالی تو پٹنے ہی مین رہا مگر اب جو ہمارا دہل بولا تو اوس سے کیسے دولت حاصل ہوئی ہے لو سنو

چونکہ بشنود آن دہل آن مرد دید گفت چون ترسد دلم از طبل عید

یعنی جبکہ اوس دہل کو اوس آنکھ والے مرد نے سنا تو بولا کہ میرا دل عید کے طبل سے کیون ڈرے۔

گفت با خود ہین ملرزان دل کزین مرد جان بد دلان بے یقین

یعنی اپنے سے بولا کہ اے دل کو لرزا مت کہ اس سے تو بد دل اور بے یقین لوگونکی جان مری ہے مطلب یہ کہ اوسنے کہا کہ جو بد دل ہون اور بے یقین ہون اون کو اوس سے گزند پہونچ سکتا ہے اور مین ایسا ہون نہین لہذا مجھے گزند بھی نہین پہونچ سکتا۔ تو مین کیون ڈرون اور بولا کہ

وقت آن آمد کہ حیدر وار من ملک گیرم یا بپردازم بدن

یعنی وہ وقت آیا ہے کہ حیدرؓ کیطرح ملک لون یا بدن خالی کر دون یعنی وہ بولا کہ اب تو اس کا وقت آگیا یا تو یہ نہیں یا ہم نہین جب یہ ٹھان لی تو پہر ڈر کس کا۔

برجہید و بانگ برزد کائے کیا　　حاضرم اینک اگر مردی بیا

یعنی کود ا اور آواز دی کہ اے زیرک مین یہ موجود ہون اگر تو مرد ہے تو آجا۔ یعنی اوس کے جواب مین اوسنے کہا کہ تو آتا ہے تو مین بھی حاضر ہون لے آجا اس کے کہتے ہی یہ ہوا کہ

درزمان بشکست ز آواز آن طلسم　　زر ہمی ریزید ہر سو قسم قسم

یعنی اوسی وقت آواز سے وہ طلسم ٹوٹ گیا اور سونا ہر طرف قسم قسم گرنے لگا۔ مطلب یہ کہ اوس شخص نے جو کہا کہ ہان ہان مین حاضر ہون تو آجا اور اس طلسم کے ٹوٹنے کی یہی تدبیر تہی کہ کوئی دلیر ہو کر اوس کا مقابلہ کرے اور اوس وقت تک جو کوئی وہان آیا تھا وہ اُس کی ڈر کے مارے پہلے ہی مرجاتا تھا تو بس جب اوس نے دلیر ہو کر جواب دیا تو فوراً وہ طلسم ٹوٹ گیا اور اوس کے اندر جو سیم و زر تھا وہ گرنا شروع ہو گیا۔

ریخت چندان زر کہ ترسید آن پسر　　تا بگیرد زر ز پری راہ در

یعنی اسقدر سونا گرا کہ وہ لڑکا ڈرا کہ کہین سونا زیادتی کی وجہ سے دروازہ کی راہ نہ روک لے مطلب یہ کہ روپیہ پیسہ کی اس قدر زیادتی ہوئی کہ یہ شخص ڈرا کہین ساری مسجد اس روپیہ سے بھر جاوے تو مجھے دروازہ مین سے نکلنے کی بھی جگہ نہ رہے گی۔

پر شد آن مسجد ز زر ہر جائگاہ　　مرد حیران شد ز تقدیر اٰلہ

یعنی وہ مسجد سونے سے پوری بھر گئی اور یہ مرد خدا کی تقدیر سے حیران تھا یعنی یہ خدا کی قدرت کے تماشے دیکھ رہا تھا کہ اللہ تو نے یہ دولت مجھے عطا فرمائی جو کہ مرنکو تیار تھا۔

بعد ازان برخاست آن شیر عتید　　تا سحرگہ زر بہ بیرون می کشید

یعنی اوس کے بعد وہ شیر تیار اٹھا اور صبح تک روپیہ باہر کھینچتا تھا یعنی مسجد کے اندر سے صبح تک اوس کے صحن مین وہ روپیہ ڈھو ڈھو کر لایا۔

دفن میکرد و ہمی آمد بہ زر　　با جوال و توبرہ بار دگر

یعنی دفن کرتا تھا اور روپیہ کے پاس آتا تھا معہ گون اور توبرہ کے دوسری مرتبہ مطلب یہ کہ روپیہ کو صحن مسجد مین دفن کر کے پھر گون اور توبرہ لے کر آتا تھا کہ پھر بھر کر لیجاوے۔

گنجہا بنہاد آن جانباز ازان　　کوری و ترسائی واپس خزان

یعنی اوس جان باز نے اوس مین سے بہت سے خزانے اوٹھائے واپس ہٹنے والونکی ناکامی اور خوف پر مطلب یہ کہ جو لوگ کہ اوس خوف کیوجہ سے ہمت نہ کرتے تھے اور اوس مسجد مین نہ جاتے تھے اونکی خلاف اور ناکامی کے باوجود اوس نے بہت سے خزانے جمع کر لئے اور خوب روپیہ بھر لیا اور وہ خائف لوگ محروم ہی رہے۔

آگے مولانا اس حکایت سے ... اس کا اصلی مقصود بیان فرماتے ہین کہ اس قصہ سے مراد کیا ہے فرماتے ہین کہ

این زر ظاہر بجا طرآمد است　　در دل ہر کور دولن زر پرست

یعنی یہ ظاہری روپیہ دل مین ایا ہے ہر اندھے کمینے زرپرست کے مطلب یہ کہ مولانا فرماتے ہین کہ اس قصہ سے لوگ یہی سمجھے ہونگے کہ یہ ظاہری روپیہ پیسہ اوس کو مل گیا۔ اور جو بس ہی دولت مل گئی لیکن یہ بات نہین تھی اس لئے کہ یہ ظاہری روپیہ پیسہ تو اصل سونا چاندی ہے ہی نہین اس کی تو ایسی مثال ہے کہ

کودکان اسفالہا را بشکنند　　نام زر بنہند و در دامن کنند

یعنی بچے ٹھیکرون کو توڑتے ہین اور نام روپیہ رکھتے ہین اور دامن مین بھر لیتے ہین۔

اندران بازی چو گوئی نام زر　　آن کند در خاطر کودک گذر

یعنی اوس کھیل مین جب تم روپیہ کا نام لو تو بچہ کے دل مین وہی گذر جاویگا۔ تو بس جس طرح کہ وہ بچے روپیہ کے نام سے اون ٹھیکرون کو سمجھین گے اسی طرح دنیا دار لوگ روپیہ کے نام سے اس ظاہری روپیہ پیسہ ہی کو مراد لیتے ہین اور سمجھتے ہین کہ یہی روپیہ ملا ہوگا۔ مولانا فرماتے ہین کہ یہ روپیہ نہین ملا بلکہ

بل زر مضروب ضرب ایزدی　　کو نگردد کاسد آمد سرمدی

یعنی بلکہ روپیہ سکہ خداوندی کا سکہ زدہ کہ وہ کم نہین ہوتا سرمدی آیا ہے مطلب یہ کہ اوس کو وہ روپیہ ملا تھا کہ جس پر ضرب خداوندی لگی ہوئی تھی یعنی اوس کو دولت باطنی نصیب ہوئی تھی اور وہ اوس کو ملی تھی۔

آن زرے کاین زرازان زر تاب یافت　　گوہر و تابندگی و آب یافت

یعنی وہ زر کہ اس زر نے اوس سے تاب پائی گوہری اور چمک اور آب پائی یعنی اوس کو وہ زر ملا تھا کہ جس کی یہ شان تھی کہ اس دنیاوی سیم و زر نے بھی اوسی سے رونق پائی تھی۔ اور اوس کے اندر بھی تاب اوسی کی وجہ سے آئی ہے۔

آن زرے کہ دل ازو گردد غنی　　غالب آید بر قمر در روشنی

یعنی وہ زر کہ اوس سے دل غنی ہو اور روشنی مین قمر پر بھی غالب آجاوے اور یہ نشانی دولت باطنی ہی کی ہے تو معلوم ہوا کہ اوس کو دولت باطنی حاصل ہوئی تھی۔

شمع بود آن مسجد و پروانہ او　　خویشتن در باخت آن پروانہ خو

یعنی وہ مسجد شمع تھی اور وہ شخص پروانہ تھا تو اپنے کو اوس پروانہ کی خصلت والے نے ہار دیا مطلب یہ کہ چونکہ اول مین بھی وہ مسجد اوس کی مطلوب تھی اور آخر مین بھی اس لئے کہ اول جب اوس نے سنا تھا تو معلوم ہوا تھا کہ اس مین جو آتا ہے مرجاتا ہے تو اوس کا اوس وقت بھی مطلوب تھا اور وہ مرنے کو حاضر تھا اب آخر مین اوس کو دولت بے انتہا مل گئی اس بنا پر وہ مسجد اس کی مطلوب بن گئی۔

سوخت پرش را ولیکن ساختش — بس مبارک آمد آن انداختش

یعنی اوس کے پر کو جلا دیا لیکن اوس کو بنا دیا اور اوس کا وہ ڈالدینا بہت مبارک آیا۔ مطلب یہ کہ بظاہر تو وہ مسجد مین ہلاک ہونے گیا تھا اور مسجد اوس کے لئے بظاہر ہلاکت تھی مگر اصل مین مسجد نے اوس کو بنا دیا اور اوسکا کام چلا دیا اور وہ جو مسجد مین جاکر پڑ رہا تھا تو اوس کا یہ پڑ رہنا بیحد مبارک تھا کہ بس اسی نے اوس کا کام بنا دیا اور اوس کو بے انتہا دولت دلوادی۔

ہمچو موسے بود آن مسعود بخت — کاتشے دید او بسوے آن درخت

یعنی وہ نیک بخت موسے کی طرح تھا کہ اونھون نے اوس درخت کیطرف ایک آگ دیکھی تھی۔

چون عنایتہا برو موفور بود — نار می پنداشت آن خود نور بود

یعنی جب عنایتین اون پر بیحد تھین تو وہ آگ سمجھتے تھے اور وہ خود نور تھا مطلب یہ ہے کہ دیکھو جس طرح کہ موسے علیہ السلام نے آگ جلانے والی سمجھی اور وہ حالانکہ نور تھا اسی طرح اوس شخص نے بھی ہلاکت سمجھی حالانکہ وہی اوس کے لئے حیات ابدی اور سرمدی تھی۔

مرد حق را چون بہ بینی اے پسر — تو گمان داری برو نار بشر

یعنی اے لڑکے مرد حق کو جب تو دیکھتا ہے تو اوس پر تو نار بشر کا گمان کرتا ہے (نار بشر مین اضافت بیانیہ ہے) مطلب یہ کہ جب مرد حق کو دیکھتے ہو تو سمجھتے ہو کہ جس طرح اور بشر ہین ویسا ہی یہ ہے حالانکہ وہ سراسر نور ہو چکا ہے اور اوس کے اندر سے اوصاف بشریت کے مغلوب ہو چکتے ہین وہ صرف بشر نہین رہتا بلکہ بشر مع اوصاف ملک ہو جاتا ہے۔

تو ز خود می آئی و آن در تو است — نار و خار و ظن باطل این سو است

یعنی تو اپنے ہی مین سے آتا ہے اور وہ تیرے ہی اندر ہے نار اور خار اور ظن باطل اسی طرف ہے یعنی فرماتے ہین کہ یہ حضرات جو تم کو صرف بشر ہی نظر آتے ہین اور اونکی اصل حالت جو تم کو معلوم نہین ہوتی اوس کی وجہ یہ ہے کہ یہ تمام اوصاف بشری تمہاری ہی اندر ہین تو وہ صفات بشری جو تمہارے اندر ہین تمہین اونکے اندر بھی معلوم ہوتے ہین۔

او درخت موسی است و پر ضیا — نور خوان نارش مخوان باے بیا

یعنی وہ درخت موسوی ہین اور پر ضیا ہین نور کہو اونکو نار مت کہو بالے آ۔ مطلب یہ کہ اونکی مثال درخت موسے علیہ السلام جیسی ہے کہ جس طرح وہ دور سے نار معلوم ہوتا تھا لیکن اصل مین نور تھا اسی طرح یہ حضرات تمہین نار معلوم ہوتے ہین اور اون سے تم گھبراتے ہو مگر آؤ تو سہی ایک دفعہ اونکے پاس ہو تو جاؤ اوسکے بعد ہی کوئی راے قائم کرنا۔

نے قطام این جہان نارے نمود سالکان رفتند آں خود نور بود

یعنی کیا اس جہاں کا چھوڑنا آگ نہیں دکھائی دیا سالک لوگ چلے گئے تو وہ خود نور تھا مطلب یہ کہ دیکھو اس عالم سے جدائی شاق معلوم ہوتی تھی اور آگ کی طرح ناگوار معلوم ہوتی تھی مگر جب سالک لوگ چلے گئے تو اب وہاں پہونچکر معلوم ہوا کہ جس کو نار سمجھا تھا وہ تو سراسر نور ہی نور تھا تو اسی طرح انکو دور سے نار اور ناگوار سمجھ رکھا ہے جب قریب جاؤ گے تو اوس وقت معلوم ہوگا کہ سراسر نور ہی نور ہیں آگے اسپر تفریع فرماتے ہیں کہ

پس بدانکہ شمع دیں برمی شود ایں نہ ہمچوں دیگر آتشہا بود

یعنی پس جان لو کہ شمع دین کی بڑہتی ہے اور یہ دوسری آگونکی طرح نہیں ہوتی مطلب یہ کہ جب معلوم ہوا کہ دیں اور دیندار لوگ دور ہی سے برے اور ناگوار معلوم ہوتے ہیں اور قریب سے اور در اصل نور ہوتے ہیں تو پس شمع دین کی لو زیادہ ہوتی ہے تو اوس میں سوزش نہیں ہوتی ۔ بلکہ وہ محض نور ہی نور ہوتی ہے اور آتشوں کی طرح جلانے والی اور ناگوار نہیں ہوتی ۔

ایں بما ید نور وسوزد یار را واں بصورت نار وگل زوار را

یعنی یہ (دنیا) نور دکھائی دیتی ہے اور یار کو جلا دیتی ہے اور وہ (دین) صورت میں نار ہے اور زیارت کرنے والے کیلئے پھول ہے مطلب یہ ہے کہ دین بظاہر تو بہت مشکل شئے ہے کہ اوس کے مجاہدات و ریاضات بہت مشکل ہیں مگر اصل میں جب اوس کو دیکھو تو وہ بہت خوشگوار ہے اور یہ دنیا ظاہر میں تو نور ہے کہ خوب ٹیپ ٹاپ معلوم ہوتی ہے لیکن اصل میں نار ہے کہ ہلاک اور برباد کرنے والی ہے

ایں چو سازندہ ولے سوزندۂ واں گہ وصلت دل افروزندۂ

یعنی یہ سنوارنے والے کی طرح ایک جلانے والا ہے اور وہ وصل کے وقت دل کو روشن کرنے والا ہے یعنی دنیا ظاہر میں تو عیش کی جگہ ہے مگر اصل میں برباد کرنے والی ہے اور دیں جب اس سے وصل ہو تو دلکو روشن کر دینے والی شئے ہے ۔

شکل شعلہ نور پاک وساد وار حاضراں را نور ودوراں را چو نار

یعنی شکل تو شعلہ کی اور ہے پاک اور سنوارنے والا حاضروں کے لئے تو نور ہے اور دور والوں کی لئے نار کی طرح ہے

حاضراں از غائباں خوشحال تر غائباں را نیست توفیق خبر

یعنی حاضر لوگ غائبین سے زیادہ خوش حال ہیں اور غائبین کو خبر کی (بھی) توفیق نہیں ہے مطلب یہ کہ جو لوگ کاملان حضرات کے پاس رہنے والے ہیں وہ اُن لوگوں سے جو غائب ہیں زیادہ اچھے ہیں اگرچہ ظاہر میں مشقت میں ہوتے ہیں مگر اصل میں آرام میں ہوتے ہیں تو غرضکہ یہ جو اس جہان کیلئے مشقتیں اور موت کیلئے تیار ہونے کو کہا ہے

اس سے مراد مجاہدات و ریاضات ہیں اور اوس کو جو روپیہ پیسہ ملنے کو کہا ہے اس سے مراد دولت باطنی کا حصول ہے کہ وہ مجاہدات و ریاضات بظاہر تو مہلک تھے مگر اصل میں وہ اوس کے لئے نور اور حصول دولت کا باعث تھے اب آگے فرماتے ہیں کہ۔

این سخن را نیست پایانی پدید ‌ ‌ گو حدیث عاشق صدر حمید

یعنی اس گفتگو کی تو ظاہرا کہیں انتہا نہیں ہے تو عاشق اور صدر حمید کی بات کہو مطلب یہ کہ ان اسرار و حقائق کی تو بظاہر کہیں انتہا معلوم نہیں ہوتی یہ تو بے انتہا ہیں لہذا ان کے بیان کو چھوڑو اور اوس عاشق اور اوسکے معشوق اوس بادشاہ کا قصہ بیان کرو آگے اوسی کو فرماتے ہیں کہ۔

شرح حبیبی

آن بخاری نیز خود بر شمع زد ‌ ‌ گشته بود از عشق آسان آن کبد

آه سوزانش سوی گردون شده ‌ ‌ در دل صدر جهان مهر آمده

گفته با خود در سحرگه کای احد ‌ ‌ حال آن آواره ما چون بود

او گناهی کرد ما دیدیم لیک ‌ ‌ رحمت ما را نمی دانست نیک

خاطر مجرم ز ما ترسان شود ‌ ‌ لیک صد امید در ترسش بود

من بترسانم وقیح یاوه را ‌ ‌ آنکه ترسد من چه ترسانم ورا

بهر دیگ سرد آذر می رود ‌ ‌ نی بدان که جوششش از سر رود

ایمنان را من بترسانم بحلم ‌ ‌ خائفان را ترس بردارم زحلم

پاره دوزم پاره در موضع نهم ‌ ‌ هر کسی را شربت اندر خور دهم

هست سر مرد چون بیخ درخت ‌ ‌ زان بروید برگهاش از چوب سخت

در خور آن برگ رسته برگها ‌ ‌ در درخت و در نفوس و در نهی

بر فلک برهاست ز اشجار وفا ‌ ‌ اصلها ثابت و فرعه فی السما

چون بروست از عشق بر آسمان ‌ ‌ چون نروید در دل صدر جهان

موج می زد در دلش عفو گنه ‌ ‌ زانکه از دل تا دل آمد روزنه

که ز دل تا دل یقین روزن بود ‌ ‌ نی جدا و دور چون دو تن بود

متصل نبود سفال دو چراغ ‌ ‌ نور شان ممزوج باشد در مساغ

هیچ عاشق خود نباشد وصل جو — که نه معشوقش بود جویای او

لیک عشق عاشقان تن زه کند — عشق معشوقان خوش و فربه کند

چون درین دل برق مهر دوست جست — اندر آن دل دوستی میدان که هست

در دل تو مهر حق چون شد دوتو — هست حق را بیگمان مهرے بتو

هیچ بانگ کف زدن آید بدر — از یکے دست تو بے دست دگر

تشنه مینالد که اے آب گوار — آب مینالد که کو آن آب خوار

جذب آبست این عطش در جان ما — ما از آن او و او هم زان ما

حق بحکمت در قضا و در قدر — کرده ما را عاشقان همدگر

جمله اجزاے جهان زان حکم پیش — جفت جفت و عاشقان جفت خویش

هست هر جزوے بعالم جفت خواه — راست همچون کهربا و برگ کاه

آسمان گوید زمین را مرحبا — با توام چون آهن و آهن ربا

آسمان مرد و زمین زن در خرد — هرچه او انداخت این می پرورد

چون نماند گرمیش بفرستد او — چون نماند تری و نم بدهد او

برج خاکی خاک ارضی را مدد — برج آبے تریش اندر دمد

برج بادی ابر سوے او برد — تا بخارات وخم را بر کشد

برج آتش گرمیٔ خورشید ازو — همچو تابه سرخ ز آتش پشت رو

هست سرگردان فلک اندر زمن — همچو مردان گرد مکسب بهر زن

وین زمین کدبانوییها می کند — بر ولادات و رضاعش می تند

پس زمین و چرخ را دان هوشمند — چونکه کار هوشمندان می کنند

گر نه از هم هر دو دلبر می مزند — پس چرا چون جفت در هم میخزند

بے زمین کے گل بروید و ارغوان — پس چه زاید ز آب و تاب آسمان

بهر آن میل است در ماده بنر — تا بود تکمیل کار همدگر

میل اندر مرد و زن حق زان نهاد — تا بقا یابد جهان زین اتحاد

میل هر جزوے بجزوے هم نهد — ز اتحاد هر دو تولیدے جهد

شب چنین تا روز اندر اعتناق — مختلف در صورت اما اتفاق

روز و شب ظاہر دو ضد و دشمن اند
لیک ہر دو یک حقیقت می تنند

ہر یکے خواہان دگر را ہمچو خویش
از پئے تکمیل فعل و کار خویش

زانکہ بے شب دخل نبود طبع را
پس چہ اندر خرج آرد روزہا

خاک گوید خاک تن را باز گرد
ترک جان گو سوے ما آ ہمچو گرد

جنس مائی پیش ما اولے تری
بہ کہ زان تن وارہی زین سو پری

گوید آرے لیک من پابستہ ام
گرچہ ہمچون تو ز ہجران خستہ ام

تری تن را بجویند آبہا
کاے تری باز آ ز غربت سوئے ما

گرمئے تن را ہمی خواند اثیر
کہ ز نارے راہ اصل خویش گیر

ہست ہفتاد و دو علت در بدن
از کششہاے عناصر بے رسن

علت آید تا بدن را بگسلد
تا عناصر ہمدگر را وا ہلد

چار مرغ اند این عناصر بستہ پا
مرگ و رنجوری و علت پاگشا

پائے شان از ہمدگر چون باز کرد
مرغ ہر عنصر یقین پرواز کرد

جذبۂ این اصلہا و فرعہا
ہر دمے رنجے نہد در جسم ما

تا کہ این ترکیبہا را بر درد
مرغ ہر جزوے باصل خود پرد

حکمت حق مانع آید زین عجل
جمع شان دارد بصحت تا اجل

گوید اے اجزا اجل مشہود نیست
پر زدن پیش از اجلتان سود نیست

چونکہ ہر جزوے بجوید ارتفاق
چون بود جان غریب اندر فراق

گوید اے اجزائے پست فرشیم
غربت من تلخ تر من عرشیم

میل تن در سبزہ و آب روان
زان بود کہ اصل او آمد از آن

میل جان اندر حیات و در حی است
زانکہ جان لامکان اصل وے است

میل جان در حکمت ست و در علوم
میل تن در باغ و راغ ست و کروم

میل جان اندر ترقی و شرف
میل تن در کسب اسباب علف

میل و عشق آن شرف ہم سوئے جان
زین یحب را و یحبون را بدان

گر بگویم شرح این بیحد شود
مثنوی ہشتاد من کاغذ شود

حاصل آنکہ ہر کہ او طالب بود
جان مطلوبش برو راغب بود

آدمی حیوان نباتی و جماد
هر مرادی عاشق هر بی‌مراد

بی‌مرادان بر مرادی می‌تنند
وان مرادان جذب ایشان می‌کنند

لیک میل عاشقان لاغر کند
میل معشوقان خوش و بافر کند

عشق معشوقان دو رخ افروخته
عشق عاشق جان او را سوخته

کهربا عاشق بشکل بی‌نیاز
کاه می‌کوشد در آن راه دراز

این رها کن عشق آن تشنه‌دهان
تافت اندر سینهٔ صدر جهان

دود آن عشق و غم آتشکده
رفته در مخدوم او مشفق شده

لیک از ناموس و پوشش و آبرو
شرم می‌آید که واجوید ازو

رحمتش مشتاق آن مسکین شده
سلطنت زین لطف مانع آمده

عقل حیران کین عجب او را کشید
یا کشش زان سو بدین جانب رسید

ترک جلدی کن کزین ناواقفی
لب ببند الله اعلم بالخفی

لب ببندم هر دمی زینسان سخن
توبه آرم هر زمان صد بار من

کاین سخن را بعد ازین مدفون کنم
وان کشنده می‌کشد من چون کنم

کیست آن کت می‌کشد ای معتنی
آنکه می‌نگذاردت که دم زنی

صد عزیمت می‌کنی بهر سفر
می‌کشاند مر ترا جای دگر

زان بگرداند بهر سو آن لگام
تا خبر یابد ز فارس اسپ خام

اسپ زیرک سار زان نیکوپیست
کو همی داند که فارس بر ویست

او دلت را بر دو صد سودا ببست
بی‌مرادت کرد پس دل را شکست

چون شکست او بال آن رای نخست
چون نشد هستی بال اشکن درست

چون قضایت حبل تدبیرت شکست
چون نشد بر تو قضای او درست

عزمها و قصدها در ماجرا
گاه گاهی راست می‌آید ترا

تا بطمع آن دلت نیت کند
بار دیگر نیتت را بشکند

ور بکلی بی‌مرادت داشتی
دل شدی نومید امل کی کاشتی

ورنه کاریدی عمل از عورتیش
کی شدی پیدا بر و مقهوریش

عاقلان از بی‌مرادیهای خویش
با خبر گشتند از مولای خویش

بے مرادی شد قلاوز بہشت | حفت الجنۃ شنوائے خوش سرشت
چون مرادات ہمہ اشکستہ پاست | پس کسے باشد کہ کام او رواست
پس شدند اشکستہ پاش این صادقان | لیک کو خود آن شکست عاشقان
عاقلان اشکستہ اش از اضطرار | عاشقان اشکستہ با صد اختیار
عاقلانش بندگان بندی اند | عاشقانش شکری و قندی اند
ائیتیا کرہا مہار عاقلان | ائیتیا طوعا بہار بے دلان

ہان تو اوس بخاری نے بھی اپنے کو اوس جہان کی طرح شمع سے ٹکرایا تھا اور عشق کی بدولت اوس کی بھی تمام تکلیفین آسان ہوگئی تھین اوس کی آہ سوزان آسمان پر جاتی تھی بالآخر صدر جہان کے دل مین محبت پیدا ہوگئی اور اوس نے اپنے دل مین ایک مسیح کو کہا کہ اے اللہ ہمارے اوس آوارہ کا حال نہین معلوم کیا ہے اوس نے قصور کیا تھا اور ہمنے دیکھ لیا تھا جس سے وہ خوف زدہ ہوکر بھاگ گیا مگر وہ ہمارے رحم کو اچھی طرح نہ جانتا تھا گو مجرم کا دل ہم سے ڈرتا ہی مگر واقع یہ ہے اوس کے ڈر مین سیکڑون امیدین مخفی ہوتی ہین گو اوس کو ان کا احساس نہ ہو مین اوس کو ڈراتا ہون جو دیدہ دلیر اور لغو آفت ہو۔ اور جو خود ڈرے مین اوسے کیا ڈراتا آگ سرد ہانڈی کے لئے ہوتی ہے اور اوس کے لئے نہین ہوتی جس کا ابال سر سے تجاوز کر رہا ہے جو نڈر ہون مین اون کو غضب سے ڈراتا ہون اور جو ڈرتے ہون اون کے خوف کو حلم سے دور کرتا ہون مین تو پیوند لگانے والا ہون لہذا جہان جیسے پیوند کی ضرورت ہوتی ہے ویسا ہی لگاتا ہون۔ اور جہان ہمت نہین ہوتی وہان نہین لگاتا۔ اور مین ایک طبیب ہون کہ ہر ایک کو اوس کے مرض کے موافق شربت دیتا ہون آدمی کا باطن درخت کی جڑ سے مشابہ ہے اور اس جڑ سے مختلف قسم کے پتے نکلتے ہین اور پتے جڑ کے موافق ہوتے ہین۔ خواہ بیخ درخت ہو یا بیخ نفس یا بیخ عقل سو وفا ایک ایسا درخت ہے جس کے پھل آسمان پر ہین لہذا اوس کو یون کہنا چاہئے کہ اوس کی جڑ تو زمین مین ہے اور شاخ آسمان مین یعنی درخت وفا ایک عظیم الشان درخت ہے جس کے پھل و نتائج نہایت اعلیٰ ہین اور جبکہ عشق کا پھل آسمان مین پیدا ہوتا ہے تو صدر جہان کے دل مین کیون نہ پیدا ہوگا لہذا اوس کے دل مین عفو گناہ موجزن تھا کیونکہ دل کو دل سے راہ ہے اور ان مین آپس مین اتصال ہے اور وہ دو جسمونکی طرح ایک دوسرے سے دور اور جدا نہین ہوتے پس جبکہ وہ اوس کا جان نثار تھا تو یہ اوس کا دشمن جان کیونکر ہوسکتا تھا اتصال قلوب اور انفصال اجسام کو یون سمجھو جیسے دو چراغ آپس مین نہین ملتے مگر اون کا نور ممزوج ہوتا ہے۔ یہان تک ہمنے یہ بیان کیا تھا کہ صدر جہان کی محبت کا منشا غلام کی محبت تھی مگر یہ گفتگو بنا بر ظاہر تھی۔ اب ہم نظر گہرا و دقیق کر کے کہتے ہین کہ اس عاشق کی محبت خود صدر جہان کی محبت کا نتیجہ تھی کیونکہ کوئی عاشق اوس وقت تک طالب وصال نہین ہوسکتا جب تک کہ

اوس کا معشوق اوس کا طالب نہ ہو مگر دونون کے آثار مین فرق ہوتا ہے عشق عاشق تو جسم کو کمان بنا دیتا ہے اور
عشق محبوبان اون کے جسم کو موٹا تازہ کرتا ہے اس تفاوت اثر سے شبہ ہو جاتا ہے کہ معشوق کو محبت نہین ہوتی
پس جب کسی کے دل مین کسی کی محبت پیدا ہو تو یقین کر لینا چاہیئے کہ اوس کے دل مین بھی اوس کی محبت ہے
جب یہ اصول معلوم ہو گیا تو اس سے تم کو سلوک کا ایک نفیس مسئلہ بھی معلوم ہو گیا وہ یہ کہ جب تمہارے دل مین خدا
کی محبت بڑھے تو تم کو یقین ہونا چاہیئے کہ خدا کو بھی تم سے محبت ہے موٹی بات ہے کہ ایک ہاتھ سے تالی نہین بجتی
پس جبکہ اوس کو محبت ہے تو لازم ہے کہ اوس کو بھی ہو پس اگر پیاسا پانی کیلئے روتا ہے تو پانی بھی روتا ہے اور
کہتا ہے کہ پانی پینے والا کہان ہے یہ جو ہمارے اندر پیاس ہے یہ پانی ہی کا جذب ہے پس ہم پانی کے ہین اور
پانی ہمارا۔ اللہ جل جلالہ نے اپنی حکمت سے جو کہ قضا و قدر مین ہے ہم کو ایک دوسرے کا عاشق کر دیا ہے اور
تمام اجزاء عالم اوس حکم ازلی کی بنا پر جوڑا جوڑا اور اپنے جوڑے کے عاشق ہو گئے ہین عالم مین ہر جز دیقیناً
اپنے ہی جوڑے کا طالب ہے۔ جیسے کہربا اور برگ کاہ اسی بنا پر آسمان زمین کی آؤ بھگت کرتا ہے اور کہتا ہے
کہ میری اور تیری ایسی ہی مثال ہے جیسے مقناطیس اور لوہا ان مین بحکم عقل آسمان مرد ہے اور زمین عورت
کیونکہ جو وہ ڈالتا ہے یہ اوس کی پرورش کرتی ہے اور جبکہ گرمی نہین رہتی تو وہ بھیجتا ہے اور جب تری و نمی نہیں
رہتی تو وہ تری عطا کرتا ہے برج خاکی خاک کی مدد کرتا ہے برج آبی اوس کو تری عطا کرتا ہے برج بادی اوس کے
پاس ابر کو کھینچکر لاتا ہے اور پانی برساتا ہے تاکہ بخارات رد یہ نکل جاوین اور برج آتشی سو آفتاب کی گرمی اوسی کے
سبب ہے اور آفتاب کی رو و پشت اوس کی گرمی سے توے کی طرح سرخ رہتی ہے تو آفتاب سے جو حرارت زمین
کو حاصل ہوتی ہے وہ برج آتشی ہی کی ہے اسلیئے برج آتشی سے اوس کو حرارت پہونچتی ہے خلاصہ یہ کہ فلک
زمین کیلیئے یونہی سرگردان ہے جیسے مرد عورت کیلیئے کماتا ہے اور یہ زمین اوس کے لیئے بیگم کا کام دیتی ہے کہ
اوس کیلیئے بچے جنتی اور اوس کے بچون کو دودھ پلاتی ہے اسی سے تم سمجھ لو کہ آسمان و زمین بھی حس رکھتے ہین
کیونکہ ذوی العقول کے سے کام ان سے صادر ہوتے ہین جو کہ دلیل ہین اون کے حساس ہونیکی اگر یہ دونون دلبر
ایک دوسرے سے مستفیض نہین ہوتے تو میان بیوی کی طرح ایک دوسرے مین کیون گھسے ہوئے ہین اور خاوند
بیوی کے سے تعلقات ان مین کیون ہین دیکھو لو بلا زمین کے گل و ارغوان پیدا نہین ہوتے اور صرف آسمان کی
آب و تاب سے بدون زمین کے کوئی نتیجہ نہین پیدا ہوتا تو معلوم ہوا کہ آسمان زمین سے یون ہی مستفیض ہے جیسے
کہ زمین آسمان سے اور ان مین تعلقات زن و شوئی ہین آسمان خاوند ہے اور زمین بیوی اور ان نر و مادہ مین ایک
کو دوسری کی طرف اسلیئے رغبت ہے کہ ہر ایک کے کام کی دوسرے سے تکمیل ہو۔ اسی لیئے حق سبحانہ نے عورت
و مرد کے اندر بھی ایک دوسرے کی طرف رغبت رکھی ہے تاکہ اون کے اتحاد سے عالم وقت معلوم تک باقی رہے

پس اسی لئے اور اجزاء عالم میں بھی دوسرے اجزاء کیطرف میلان رکھا ہے کہ انکے اتحاد سے نتائج پیدا ہون
یون ہی رات بھی دن کے گلے لپٹی ہوئی ہے گو صورت میں مختلف ہیں کہ ایک آتی ہے تو دوسرا جاتا ہے اور وہ
آتا ہے تو یہ جاتی ہے مگر معنےً ان مین اتحاد و اتفاق ہے اور گو ہر دو بظاہر ایک دوسرے کے دشمن ہین۔ مگر
حقیقت مین ایک کو دوسرے سے تعلق ہے اور اپنے کام کی تکمیل کے لئے ہر ایک دوسرے کو یون ہی چاہتا
ہے جیسے اپنے کو چاہتے ہین کیونکہ دن کا کام ہے صرف کرنا اور صرف بدون آمدنی کے نہین ہوسکتا۔ اسلئے آمدنی
کیلئے رات کی ضرورت ہے زمین و آسمان عورت و مرد لیل و نہار کا ازدواج تو معلوم ہوگیا جس سے اشیا متخالف
مین ازدواج ثابت ہوا اب اشیاء متجانسہ کا ارتباط سنو۔ مٹی خاک جسم کو اپنی طرف کھینچتی ہے اور کہتی ہے کہ
میرے پاس چلی آ اور جان کو چھوڑ دے کیونکہ تو اوس کی ہمجنس نہیں ہے بلکہ ہماری جنس ہے اسلئے ہمارے
ہی پاس رہنا تیرے لئے بہتر ہے اسلئے بہتر ہے کہ تو جسم سے الگ ہوکر ہمارے پاس آجا وہ جواب دیتی ہے کہ یہ
آپ بجا فرماتی ہین مگر مین مقید ہون گو مین بھی صدمہ فراق سے نڈھال ہون مگر مجبور ہوں کچھ بن نہیں پڑتی پانی
جسم کی تری کے طالب ہین اور کہتے ہیں کہ اے تری تو اپنے اصلی وطن مین چلی آ اور مسافرت کو چھوڑ دے
کرۂ نار جسم کی گرمی کو اپنی طرف بلاتا ہے اور کہتا ہے کہ تو از جنس نار ہے اپنی اصل کی طرف آ۔ پس یہ جو کثرت
امراض جسم میں واقع ہوتے ہین اوس کی وجہ یہی عناصر کی معنوی کشش ہے۔ جس میں اس کو دخل نہیں اور مرض
اسی لئے آتا ہے تاکہ بدن کے اجزاء کو متفرق کردے اور عناصر کو اپنی اپنی اصل کی طرف چلتا کردے۔ پس یہ عناصر
ایسے ہیں جیسے چار جانور جن کے پاؤن باندھ دیئے گئے ہون اور امراض اون کے پاؤن کھولنے والے۔ جبکہ کوئی
مرض اون کے پاؤن کھولدیتا ہے تو مرغ ہر عنصر اپنے آشیانہ وحیز کی طرف اڑ جاتا ہے پس ان اصول و
فروع مین جو باہم تجاذب فطری ہے یہی تجاذب ہر وقت ہمارے اندر ایک نیا مرض پیدا کرتا ہے اور مقصد اوسکا
یہ ہوتا ہے کہ ان ترکیبون کو جدا کردے اور مرغ ہر جزو عنصری اپنی اصل کی طرف اڑ جاوے لیکن حکمت خداوندی
اون کو جلدی سے روک دیتی ہے اور اونکو ایک وقت معین تک صحت کے ذریعہ سے مجتمع رکھتی ہے وہ کہتا ہے
کہ اے اجزاء ابھی وقت نہین آیا۔ اور وقت سے پہلے پھڑ پھڑانا اور چھوٹنے کی کوشش کرنا بیکار ہے۔
جبکہ تم کو یہ معلوم ہوگیا کہ ہر جزو عنصری اپنی اصل کی مرافقت چاہتا ہے تو اس سے معلوم ہوگیا کہ اشیا متناسبہ
و متجانسہ میں بھی ارتباط ہے اور اوس سے تم یہ بھی اندازہ کرسکتے ہو کہ جب اجزاء غیر حساسہ بظاہر کی فراق میں
یہ حالت ہے تو جان جو ظاہراً وحقیقتہً ہر دو طرح حساس ہے مفارقت مین اوس کی کیا حالت ہوگی اور وہ اپنی
اصل کی طرف لوٹنے کی کس قدر شائق ہوگی وہ کہتی ہے اے میرے اجزاء ناسوتیہ سفلیہ مین عرشی ہون اور مجھے
یہ غربت نہایت ناگوار ہے دیکھو جسم سبزہ و آب روان کی طرف اسلئے مائل ہے کہ وہ اس کی اصل ہے تو

چونکہ لامکان وعالم غیب روح کی اصل ہے لہذا اوس کو اوس کی طرف میل ہوگا جو کہ عالم حیات بلکہ خود حی ہے نیز چونکہ جان خود حی ہے اسلئے اوس کو صفات احیا یعنی حکمت وعلوم کیطرف میل ہے اور جسم چونکہ خود بیجان ہے اسلئے اوسکو اشیا مردہ مثل باغ جنگل انگور وغیرہ کیطرف میلان ہے نیز چونکہ روح علوی الاصل ہے اسلئے اس کا میلان ترقی وشرف کیطرف ہے اور تن چونکہ سفلی الاصل ہے اسلئے اس کا میلان کھانے پینے کی طرف ہے اور جس طرح روح کو شرف کی طرف میلان ہے یونہی شرف کو روح کی طرف اسی سے تم یحبہم ویحبونہ کی حقیقت سمجھ سکتے ہو اگر مین اس مضمون تجاذب وازدواج کی تفصیل کرون تو کلام بہت دراز ہو جائے گا اور مثنوی کا وزن اسی من کا غذ ہو جاویگا۔ خلاصہ یہ کہ جو طالب ہوتا ہے تو اُس کے مطلوب کا دل بھی اوس کا خواہان ہوتا ہے خواہ آدمی ہو خواہ جانور۔ نبات ہو یا جماد غرض کہ ہر مطلوب اپنے طالب کا عاشق ہے عاشق اپنے معشوقون سے تعلق رکھتے ہین اور معشوق ان کو اپنی طرف کھینچتے ہین مگر فرق یہ ہے کہ عاشقون کا میلان تو اون کو دُبلا کرتا ہے اور معشوقون کا میلان اون کو شاندار بناتا ہے معشوقون کا عشق اون کے گالون کو فروغ حسن سے چمکاتا ہے اور عاشق کا عشق اوس کی جان کو جلاتا ہے۔ کہربا بھی عاشق ہے مگر صورۃً بے نیاز ہے اور گھاس بھی عاشق ہے مگر وہ راہ دراز کو قطع کر کے اپنے معشوق تک پہونچنا چاہتا ہے اچھا اس بحث کو چھوڑ واصل مطلب یہ ہے کہ اوس طالب صادق کا عشق صدر جہان کے سینہ مین چمکا اور اس عشق کے دہوئین اور اس آتش کدہ کے غم نے آقا کے دل مین سرایت کی اور وہ بھی مہربان ہو گیا مگر عز وشان وآبرو کے سبب سے اوس کو شرم آتی تھی کہ اوس کو ڈھونڈھے اوس کا رحم تو اوس مسکین کا مشتاق تھا مگر حکومت اس عنایت سے مانع ہوئی۔ عقل حیران اور متعجب ہے کہ اس عاشق نے اس کو کھینچا یا ادھر سے کشش ہوئی اور اوس نے اوسے کھینچا (اور محشین نے اس کی تشریح یون کی ہے کہ عقل حیران ہے کہ صدر جہان نے خود بخود اوس کو کھینچا ہے یا عاشق کی کشش صدر جہان تک پہونچی اوس کے دل مین اوس کی محبت پیدا ہوئی اور اس کشش کے ذریعہ سے اوس نے اوس عاشق کو کھینچا واللہ اعلم) اب مولانا فرماتے ہین کہ اے عقل اس راز کے معلوم کرنے مین جلدی نہ کر کیونکہ تو ابھی اس قابل نہین ہے اور خاموش رہ اور اوس کے علم کو خدا کے حوالہ کر دے اور کہدے کہ خدا ہی مخفیات اسرار کو خوب جانتا ہے مین ہر وقت ایسی باریک باتون کے اظہار سے خاموش رہنا چاہتا ہون اور ہر وقت سو مرتبہ توبہ کرتا ہون کہ اب ایسی باتون کو دفن کر دونگا۔ مگر کھینچنے والا کھینچتا ہے مین کیا کرون تم جانتے ہو کہ وہ کھینچنے والا کون ہے وہ وہی ہے جو تم کو کھینچتا ہے اور دم نہین مارنے دیتا۔ اچھا اب سمجھو کہ تم سفر دینی یا دنیوی کیلئے سو بار پختہ ارادہ کرتے ہو مگر وہ تم کو دوسری طرف کھینچ لیجاتا ہے اس مین کیا راز ہے اس ہر طرف باگ موڑنے مین راز یہ ہے کہ ناواقف گھوڑا اپنے سوار سے واقف ہو جاوے جو عقلمند گھوڑے ہین وہ ٹھیک اس لئے چلتے ہین کہ وہ جانتے ہین کہ شہسوار

ہماری پیٹھ پر سوار ہے پس ایسا کرنے سے تم بھی ہوشیار ہو جاؤ گے۔ لہذا اول لا اوس نے تمہارے دل کو سیکڑوں خیالات مین اٹکا دیا۔ پھر تم کو ناکام کرکے تمہارا دل توڑتا تاکہ اس سے اوس حاکم کا وجود اور متصرف فی الامور ہونا ثابت ہو جاوے چنانچہ ایسا ہی ہوا کیونکہ جبکہ اوس نے تمہارے ارادہ کا بازو توڑ دیا تو اس سے اس بازو شکن کا وجود کیون نہ ثابت ہوا ضرور ثابت ہوا اور جبکہ قضا نے تمہاری تدبیر کی رسی کو منقطع کر دیا تو تم پر اوس کی قضا کا تسلط کیون نہ ثابت ہوا ضرور ہوا پس یہ راز تھا تمہارے فسخ عزائم کا کہ تم کو معلوم ہو جاوے کہ ہم خود مختار نہین بلکہ محکوم ہین کسی حاکم بالادست کے اور اس ذریعہ سے تم نیک کردار بنجاؤ جب فسخ عزائم کی حکمت معلوم ہو گئی تو اونکی تنفیذ کا راز سمجھو کبھی کبھی تمہارے عزم اسلئے ٹھیک ہوتے ہین تاکہ اس سے تمہارے دل مین لالچ پیدا ہو اور تم اپنے کو فی الجملہ مختار سمجھکر نیت اعمال کرو اور پھر وہ تمہاری نیت کو توڑ دیتا ہے تاکہ تم کو اپنے ارادون کے پورے ہوتے رہنے سے اس پہلے علم سے ذہول نہ ہو جاوے اور تم اپنے کو خود مختار نہ سمجھ بیٹھو۔ اگر تم کو بالکل ناکام رکھتا تو تمہارا دل بالکل ناامید ہو جاتا اور کوئی آرزو بھی نہ پیدا ہوتی اور اگر وہ اجل کے خلو عن الفائدہ کے سبب تخم امل کو بوتا ہی نہین تو اسپر اس کی مغلوبیت کیسے ثابت ہوتی کیونکہ مغلوبیت تو فرع اوس کی ہے کہ موجود ہو اور کام نہ کر سکے اگر اس کا وجود ہی نہ ہوتا تو مغلوبیت کیونکر ہوتی پس عقلا اپنی مرادون اور سہم ناکامیون کے سبب خدا سے واقف ہو گئے اور اون کے لئے ناکامی رہبر ہوئے جنت ہو گئی چنانچہ فرمایا گیا ہے کہ حفت الجنۃ بالمکروہات۔ اور ناکامی بھی منجملہ مکروہات ہے لہذا وہ بھی فی الجملہ جنت مین پہونچانے والی ہے۔ ناکامی سے خدا کی واقفیت کا راز یہ ہے کہ جب سب کی مرادین شکستہ پا ہین تو اس سے اون کو معلوم ہوا کہ کوئی ایسا بھی ضرور ہے جس کے حسب منشا رکام ہوتا ہے اور وہ خدائے عزوجل ہے۔ لہذا وہ خدا کے قائل ہوئے اور جبکہ خدا کے قائل ہوئے تو لبفتوائے عقل اون کو اسکی اطاعت لازم ہوئی اور اس بنا پر اونھون نے اوس کی اطاعت کی لہذا جنت مین پہونچے یہ سب کچھ ہے مگر یہ شکست عاشقونکی شکست سے جداگانہ ہے عقلا نے اضطرارًا شکست مانی ہے اور عاشقون نے باختیار یعنی بخوشی شکست کھائی ہے اور اپنے کو اوس کا مطیع کر دیا ہے لہذا عقلا تو اوس کے قید کئے ہوئے غلام ہین اور عشاق شکر وقند کھلائے ہوئے عقلا کو تو انتیا کرہا۔ طاعت پر مجبور کرتا ہے اور عشاق کو ائتیا طوعًا اس طرف کھینچتا ہے۔

شرح شبیری

اوس عاشق کی ملاقات صدر جہان کی ساتھ

آن بخاری نیز خود بر شمع زد　　　گشته بود از عشق آسان آن کبد

یعنی اوس بخاری نے بھی اپنے کو شمع پر مارا اور عشق کیوجہ سے اوس کو وہ مصائب آسان ہو گئے تھے مطلب یہ کہ اوس بخاری نے بھی اپنے کو بظاہر مصائب مین پھنسا رکھا تھا مگر وہ مصائب اوس کے لئے عشق کیوجہ سے سب آسان ہو گئے تھین۔

آہ سوزانش سوئے گردون شدہ　　　در دل صدر جہان مہر آمدہ

یعنی اوس عاشق کی آہ سوزان آسمان کیطرف گئی ہوئی اور صدر جہان کے دل میں محبت آئی ہوئی۔

گفت با خود در سحرگاہ ای احد　　　حال آن آوارۂ ما چون بود

یعنی اپنے سے صبح کے وقت مین کہتا تھا کہ اے اللہ ہمارے اوس آوارہ کا کیا حال ہوگا۔

او گناہے کرد و ما دیدیم لیک　　　رحمت ما را نمی دانست نیک

یعنی اوس نے ایک گناہ کیا اور ہم نے دیکھ (بھی) لیا لیکن اوس نے ہماری رحمت کو اچھی طرح نہ جانا یعنے اوس نے اگر گناہ کیا تھا تو معاف کراتا اور سمجھتا کہ بڑے رحیم ہین معاف کر دین گے یہان سے چلا کیون گیا آگے ملانا انتقال فرماتے ہین کہ حق تعالےٰ بھی یہی فرماتے ہین کہ۔

خاطر مجرم ز ما ترسان شود　　　لیک صد امید در ترسش بود

یعنی مجرم کا دل ہم سے ترسان ہوتا ہے لیکن اوس کے خوف مین سوا امیدین ہوتی ہین مطلب یہ کہ مجرم ہم سے ڈرتا ہے مگر اوس خوف کی حالت مین بھی اوس کو بہت سی امیدین عفو کی ہم سے ہوتی ہین۔

من بترسانم وقیح دیادہ را　　　آنکہ ترسد من چہ ترسانم ورا

یعنی مین تو بے حیا اور گمراہ کو ڈراتا ہون اور جو کہ خود ڈر سے مین اوس کو کیا ڈراؤن مطلب یہ کہ حق تعالیٰ نے کہا کہ میں خود تو اوس کو ڈراؤن جو کہ خود نہ ڈرتا ہو اور جو خود ہی ڈرتا ہو اوس کو ڈرانے کی تو کوئی وجہ نہیں ہے آگے ایک مثال دیتے ہین کہ

بہر دیگ سرد آذر مے رود　　　نے بدان کہ جوشش از سر میرود

یعنی ٹھنڈی ہنڈیا کیلئے آگ جاتی ہے۔ نہ کہ اوس کے لئے جس کا جوش کہ سر سے گزر گیا ہو مطلب یہ کہ جو ہنڈیا کہ خود ہی اوبل رہی ہو اوس کو آگ کی کیا ضرورت ہے آگ کی ضرورت تو جب ہوگی جب ہنڈیا اوبل نہ رہی ہوگی تو اسی طرح خود ڈرانے کی تو جب ضرورت ہو جبکہ وہ پہلے سے خائف نہ ہو اور جب وہ پہلے سے خود خائف ہے پھر ڈرانے کے کیا معنی۔

ایمنانرا من بترسانم بعلم　　　خائفان را ترس بردارم بحلم

یعنی نڈر لوگون کو مین علم سے ڈراتا ہون اور ڈرنے والونکا حلم سے خوف اٹھا دیتا ہون۔ یعنی جو لوگ کہ بے خوف ہین

اونکو تو اس طرح خوف دلاتا ہون کہ دیکھو مین علیم بھی ہون مجھے سب باتون کا علم ہے اور جو خود ہی ڈر رہے ہین اونکو کہتا ہون کہ مین حلیم ہون تاکہ اونکا خوف کم ہو۔

پارہ دوزم پارہ در موضع نہم ہر کسے را شربت اندر خور دہم

یعنی مین پیوند سیتا ہون اور پیوند کو جگہ سے رکھتا ہون اور ہر شخص کو شربت اوس کے لائق دیتا ہون۔

ہست سر مرد چون بیخ درخت زان بروید برگہاش از چوب سخت

یعنی انسان کا باطن درخت کی جڑ کی طرح ہے کہ اوسی سے اوس کے پتے چوب سخت سے اُگتے ہین مطلب یہ کہ جس طرح کہ شاخ مین سے کہ وہ چوب سخت ہوتی ہے پتے نکلتے ہین اسی طرح انسان کا باطن بھی ایک جڑ ہے کہ اسپر بہت سے پتے وغیرہ نکل رہے ہین اور وہ پتے اوس کے احوال ہین۔ جوکہ اوسپر وقتاً فوقتاً طاری ہوتے ہین۔

در خور آن بیخ رستہ برگ ہا در درخت و در نفوس و در نُہا

یعنی اوسی جڑ کے لائق پتے اوگے ہوئے ہوتے ہین درخت مین اور نفوس مین اور عقول مین مطلب یہ کہ جس جیسا آدمی ہوتا ہے اوس کے ساتھ ویسا ہی عمل کیا جاتا ہے۔

بر فلک برہاست ز اشجار وفا اصلہا ثابت و فرعہ فی السما

یعنی فلک پر بہت سے پہل اشجار وفا کے ہین کہ اونکی جڑ تو قائم ہے اور اونکی شاخین آسمان مین ہین مطلب یہ کہ بہت سے افعال ایسے ہین کہ اونکے پھل پھول یعنی اونکا اثر تو آسمان پر ہوتا ہے اور وہ خود زمین مین قائم ہوتے ہین۔

چون برست از عشق بر بر آسمان چون نروید در دل صدر جہان

یعنی جبکہ عشق کیوجہ سے پہل آسمان پر اگ آیا تو صدر جہان کے دل مین کیون نہ اوگے گا۔ مطلب یہ کہ جب عشق کا اثر آسمان پر ہوتا ہے تو بھلا صدر جہان کے دل مین کیون نہ ہوتا ضرور ہوا۔

موج می زد در دلش عفو گنہ زانکہ از دل تا دل آمد روزنہ

یعنی اوس صدر جہان کے دل مین عفو گناہ موج مار رہا تھا اسلیئے کہ دل سے دل تک روزن ہوتا ہے مطلب یہ کہ صدر جہان کے دل مین یہ امر موج زن تھا کہ اوس کے گناہ کو معاف کر دیا جاوے کیونکہ مثل مشہور ہے کہ دل را بدل رہیست درین گنبد سپہر الخ تو اسی کے موافق اس عاشق کے قلب کا اثر صدر جہان کے قلب پر پڑا اور وہ بھی نرم ہوگیا۔

کہ ز دل تا دل یقین روزن بود نے جدا و دور چون دو تن بود

یعنی کہ دل سے دل تک یقیناً راہ ہوتی ہے دو جسمونکی طرح دور اور جدا ہوتے ہین مطلب یہ کہ قلوب مین آپس مین جو تعلق ہوتا ہے اوسکی وجہ سے ایک کے رنج اور تکلیف اور راحت اور خوشی کا اثر دوسرے پر بھی پڑجاتا ہے اور جسمونکی طرح نہین ہوتے کہ اون مین کوئی تعلق ہی نہین ہوتا آگے اوس کی ایک مثال دیتے ہین۔

متصل نبود سفال دو چراغ　　نور شان ممزوج باشد در مساغ

یعنی دو چراغوں کے ٹھیکرے متصل نہیں ہوتے (مگر) اونکا نور گذرگاہ مین ملا ہوا ہوتا ہے مطلب یہ کہ دیکھو دو چراغوں کی اجسام تو علیحدہ ہوتے ہین اور اونکا نور ایک دوسرے مین ملا ہوا ہوتا ہے کہ ہر ایک کے نور کو ممتاز نہیں کر سکتے اسی طرح اجسام علیحدہ ہوتے ہیں اور آپس میں اجسام میں بعد ہوتا ہے لیکن دل کو دل سے برابر راہ ہوتی ہے جب یہ معلوم ہو گیا تو آگے قاعدہ کلیہ بیان کرتے ہین۔

ہیچ عاشق خود نباشد وصل جو　　کہ نہ معشوقش بود جویائے او

یعنی کوئی عاشق خود وصل کا طالب نہین ہوتا جب تک کہ اوس کا معشوق اوس کا طالب نہ ہو (مگر فرق یہ ہوتا ہے)

لیک عشق عاشقان تن زہ کند　　عشق معشوقان خوش و فربہ کند

یعنی لیکن عاشقوں کا عشق تو بدن کو ضعیف کر دیتا ہے اور معشوق کا عشق خوش و فربہ کرتا ہے مطلب یہ کہ عاشقوں کے عشق مین تو چونکہ طلب زیادہ غالب ہوتی ہے اسلئے اونکا عشق اون کو ضعیف اور کمزور کر دیتا ہے اور معشوقوں کے عشق میں بھی طلب ہوتی ہے مگر ایک محبوبیت کی شان کو لئے ہوئے لہذا اون کے عشق کا اثر ظاہر نہین ہوتا۔

چون درین دل برق مہر دوست جست　　اندر آن دل دوستی میدان کہ ہست

یعنی جب اس دل (عاشق) مین دوست کی محبت کی بجلی چمکی تو جان لو کہ اوس دل (معشوق) مین محبت ہے مطلب یہ کہ اگر کوئی کسی پر عاشق ہو تو سمجھ لو کہ محبوب کو بھی اس کا خیال اور اوس کی محبت ہے۔

در دل تو مہر حق چون شد دو تو　　ہست حق را بیگمان مہرے بتو

یعنی جب تیرے دل مین حق تعالےٰ کی محبت زیادہ ہو تو یقیناً حق تعالےٰ کو تجھ سے ایک محبت ہے مطلب یہ کہ اوپر بیان کیا ہے کہ بے معشوق کے جذب کے عاشق کو طلب نہین ہو سکتی تو فرماتے ہین کہ اسی طرح اگر کسی کے قلب مین حق تعالےٰ کی محبت اور طلب پیدا ہو تو اوس کو اپنا کمال نہ سمجھے کیونکہ جو کچھ ہو رہا ہے یہ اوسی طرف کی کشش ہے اگر اوس طرف سے جذب نہ ہو تو نہ اوس مین طلب رہے اور نہ یہ محبت رہے یہ سب اوسی طرف کی کشش کا اثر ہے آگے صرف ایک قلب سے بغیر دوسرے کے متوجہ ہوئے عشق نہ ہو سکنے کی ایک مثال دیتے ہین۔

ہیچ بانگ کف زدن آید بدر　　از یکے دستے تو بے دستے دگر

یعنی کیا تالی بجانے کی آواز تمہارے ایک ہاتھ سے بے دوسرے ہاتھ کے نکلتی ہے مطلب یہ کہ دیکھو تالی ایک ہاتھ سے نہین بجا کرتی بلکہ دونون ہاتھوں کے ملنے سے آواز نکلتی ہے اسی طرح عشق بھی ایک طرف سے نہین ہوا کرتا بلکہ دونون طرف سے ہوتا ہے آگے اوسی کی چند مثالین دیتے ہین۔

تشنہ می نالد کہ اے آب گوار　　آب ہم نالد کہ کو آن آب خوار

یعنی پیاسا روتا ہے کہ اے پانی خوشگوار (تو کہاں ہے) تو پانی بھی (بزبان حال) روتا ہے کہ وہ پانی پینے والا کہاں ہے

جذب آبست این عطش در جان ما ‏ ‏ ‏ ‏ ما از آن او و او ہم زان ما

یعنی ہماری جان مین جو پیاس ہے یہ پانی کا جذب ہے ہم اوس کے ہین اور وہ بھی ہمارا ہے مطلب یہ کہ جس طرح ہم اوس کے طالب ہین وہ بھی ہمارا طالب ہے ورنہ سچ یہ ہے کہ اگر پیاسے نہ ہون تو پانی کو کون پوچھے تو اوس کی طرف سے بھی طلب اپنے اظہار کمال کیلئے ضروری ہوئی کہ اگر پیاسے ہونگے تو اوس کا یہ کمال کہ وہ سیراب کرنے والا ہے ظاہر ہوگا ورنہ کسی کو خبر بھی نہ ہوتی۔ آگے کلیۃً فرماتے ہین۔

حق بحکمت در قضا و در قدر ‏ ‏ ‏ ‏ کردہ ما را عاشقان ہمدگر

یعنی حق تعالے نے حکمت سے قضا و قدر مین ہمین ایک دوسرے کا عاشق کر دیا ہے۔

جملہ اجزاے جہان زان حکم پیش ‏ ‏ ‏ ‏ جفت جفت و عاشقان جفت خویش

یعنی تمام اجزاء جہان کے اوس حکم ازلی کیوجہ سے جوڑا جوڑا ہین اور اپنے جوڑے کے عاشق ہین مطلب یہ کہ دنیا مین ہر چیز کو دیکھ لو کہ وہ یقیناً کسی دوسری چیز کی طالب اور محتاج ہوگی آگے بھی اسی کو فرماتے ہین۔

ہست ہر جزوے بعالم جفت خواہ ‏ ‏ ‏ ‏ راست ہمچون کہربا و برگ کاہ

یعنی ہر ایک جزو عالم مین جوڑے کا طالب ہے ٹھیک جیسے کہ کہربا اور گھاس کا پتہ مطلب یہ کہ دنیا مین ہر چیز دوسری کی طالب ہے اور اوس کی مثال یہ ہے کہ جیسے کہربا گھاس کو کھینچتا ہے اور جذب کرتا ہے بس اسی طرح دنیا کی ہر چیز ایک دوسرے کو جذب کر رہی ہے آگے زمین اور آسمان کے ایک دوسرے کے طلب کرنیکو بیان کرتے ہین۔

آسمان گوید زمین را مرحبا ‏ ‏ ‏ ‏ با تو ام چون آہن و آہن ربا

یعنی آسمان زمین سے کہتا ہے کہ مرحبا مین تیرے ساتھ مثل لوہے اور لوہے کے اوچک لینے والے کے ہون مطلب یہ ہے کہ آسمان زمین سے بزبان حال کہتا ہے کہ میری اور تیری مثال لوہے اور مقناطیس جیسی ہے کہ اون مین بھی ہر ایک دوسرے کا طالب ہوتا ہے تو اسی طرح یہان بھی مین تیرا طالب اور محتاج ہون اور تو میری آگے۔ اون کے ایک دوسرے کے محتاج ہونے کی صورت بتلاتے ہین۔

آسمان مرد و زمین زن درخرد ‏ ‏ ‏ ‏ ہرچہ او انداخت این می پرورد

یعنی آسمان تو مرد ہے اور زمین سمجھنے مین عورت ہے جو کچھ وہ (آسمان) ڈالتا ہے یہ (زمین) پالتی ہے مطلب یہ کہ جس طرح مرد عورت کے رحم مین نطفہ ڈالدیتا ہے اور وہان پرورش پاکر جاندار بچہ ہوجاتا ہے اسی طرح آسمان پانی برساتا ہے دہوپ دیتا ہے سردی اور گرمی پہونچاتا ہے جس سے کہ زمین کے پھل پھول پرورش پاکر دیکھنے والونکی آنکھونکی ٹھنڈک ہوجاتے ہین تو دیکھئے کہ اگر آسمان نہ ہو تو زمین بیکار اور اگر زمین نہ ہو تو آسمان کی یہ داد و

وہش بیکار پس معلوم ہوگیا کہ جذب اور کشش اور طلب دونون طرف سے موجود ہے آگے اسی کو بیان فرماتے ہین۔

برج خاکی خاک ارضی را مدد برج آبی تریش اندر دمد

یعنی برج خاکی زمین کی خاک کیلئے مدد ہے اور برج آبی اوس کو تری دیتا ہے۔

برج بادی ابر سوئے او برد تا بخارات وخم را بر کشد

یعنی برج ہوائی اوسی (زمین) کیطرف ابر لیجاتا ہے تاکہ خراب بخارات کو کھینچ لے۔

برج آتش گرمئ خورشید ازو ہمچو تابہ سرخ ز آتش پشت رو

یعنی برج آتشی خورشید کی گرمی اوسی سے ہے اور توے کی طرح آگ کیوجہ سے پشت و روے سرخ ہے
مطلب یہ ہے کہ برج خاکی اور آبی اور بادی اور آتشی یہ سب آسمان مین ہی ہین تو اگر زمین کو تری کی ضرورت ہوتی ہے تو آسمان برج آبی کے ذریعہ سے تری پہونچاتا ہے اور اگر گرمی کی ضرورت ہوتی ہے تو برج آتشی سے بذریعہ آفتاب کے گرمی پہونچاتا ہے جس سے صاف ظاہر ہے کہ زمین کو اپنے پھلنے پھولنے میں آسمان کی سخت احتیاج ہے اور یہان پر بھی سمجھ لینا چاہئے کہ مولانا نے جو برج کے عمل بتلائے ہین اس سے مولانا یہ عقیدہ ہونا لازم نہیں آتا بلکہ مولانا نے علی المشہور منجمین کی اصطلاح سے اپنے مدعا کو ثابت کردیا ہے جس مین کوئی خرابی نہین کہ ایک تائید کے درجہ میں اونکی اصطلاحات کو بھی بیان کردیا گیا اگرچہ وہ محض ظنی ہین آگے آسمان کا طالب زمین ہونا بیان فرماتے ہین۔

ہست سرگردان فلک اندر زمن ہمچو مردان گرد مکسب بہر زن

یعنی آسمان زمانہ مین مثل اون مردونکے جو عورت کیلئے کمائی کے گرد پھرتے ہین سرگردان ہے۔

وین زمین کدبانوی ہا می کند بر ولادات و رضاعش می تند

یعنی اور یہ زمین بیگم پنا کرتی ہے اور پر ولادتون اور دودھ پلانے اوس (مولود) کے تیار رہتی ہے مطلب یہ کہ آسمان تو مردونکی طرح کمائی کرتا پھرتا ہے اور بچہ کی پرورش کیلئے جس چیز کی ضرورت ہوتی ہے اوس کو مہیا کردیتا ہے جیسا اوپر معلوم ہوا اور زمین بیوی کی طرح اوس مولود پھل پھول گھاس وغیرہ کو اپنے اندر رکھکر پرورش کرتی ہے آگے اس پر ایک تفریع فرماتے ہین۔

پس زمین وچرخ را دان ہوشمند چونکہ کار ہوشمندان می کنند

یعنی پس زمین و آسمان کو باشعور سمجھو جبکہ وہ شعور والون جیسا کام کرتے ہین مطلب یہ ہے کہ صوفیہ کہتے ہیں کہ ہر شئے مین ایک قسم کا شعور ہے جس سے کہ اوس کو اپنے مرتبہ کے موافق معرفت حق حاصل ہوتی ہے تو مولانا فرماتے ہین کہ ہمارے اس تمام بیان سے صوفیہ کا یہ مسئلہ ثابت ہوگیا کہ زمین و آسمان مین بھی شعور ہے۔

گر نہ از ہم این دو دلبر می مزند پس چرا چون جفت در ہم می خزند

یعنی اگر یہ دونون دلبر آپس مین نہین چوستے ہین تو کیون جوڑے کیطرح آپس مین گھستے ہین مطلب یہ کہ اگر یہ دونوں زمین و آسمان جو دو دلبر ونکی طرح ہیں ایک دوسرے سے محتاج بہ کو جذب نہین کرتے ہیں تو پھر کیا وجہ ہے کہ میاں بیوی کی طرح تعلقات رکھتے ہین۔

بے زمین کے گل بر دید ارغوان پس چہ زاید ز آب و تاب آسمان

یعنی بے زمین کے کب پھول اور ارغوان جمتے ہین اور آسمان کے پانی اور گرمی سے پھر کیا پیدا ہو گا۔ مطلب یہ کہ اگر زمین نہ ہو تو آسمان کا پانی اور اوس کی گرمی سب بیکار ہو جاوے کوئی پھول پھل جم ہی نہیں سکتا اور بے آسمان کے زمین بیکار رہے جیسا کہ ظاہر ہے آگے فرماتے ہیں۔

بہر آن میلست در مادہ زنر تا بود تکمیل کار ہمدگر

یعنی اسی واسطے مادہ مین نر کی طرف سے رغبت ہے تاکہ ایک دوسرے کے کام کی تکمیل ہو جاوے۔

میل اندر مرد و زن حق زان نہاد تا بقا یابد جہان زین اتحاد

یعنی حق تعالےٰ نے مرد و زن مین رغبت اسلیئے رکھدی تاکہ جہان اس اتحاد سے بقا پاوے۔

میل ہر جزوے بجزوے ہم نہد زاتحاد ہر دو تولیدے جہد

رغبت ہر ایک جزو کی دوسرے جزو سے بھی رکھی ہے کہ دونون کے اتحاد سے ایک ولادت نکلتی ہے۔

شب چنین تا روز اندر اعتناق مختلف در صورت اما اتفاق

یعنی رات کو اسی طرح دن تک لپٹے مین مختلف صورت مین لیکن (اصل مین) متفق۔

روز و شب ظاہر دو ضد و دشمن اند لیک ہر دو یک حقیقت می تنند

یعنی رات دن ظاہر اً دو ضد اور دشمن ہین لیکن دونون ایک حقیقت پر تنتے ہین مطلب یہ کہ رات دن ایسا ہوتا ہے کہ ظاہر مین جو دو چیزیں ضد اور دشمن ہین اون کے ملنے سے حقیقت واحدہ پیدا ہوتی ہے اور دونون کی حالت یہ ہوتی ہے کہ۔

ہر یکے خواہان دگر را ہمچو خویش از پئے تکمیل فعل و کار خویش

یعنی ہر ایک دوسرے کا اپنون کی طرح اپنے فعل اور کام کی تکمیل کے واسطے خواہان ہے۔

زانکہ بے شب دخل نبود طبع را پس چہ اندر خرج آرد روزہا

یعنی اسلیئے کہ بے رات کے طبیعت کو آمدنی نہین ہوتی پھر دن خرچ مین کیا لاوین گے مطلب یہ کہ رات کو چونکہ سکون ہوتا ہے اسلیئے طبیعت علوم وغیرہ کو جمع کر لیتی ہے جن کو دن مین خرچ کر دیتی ہے سو اگر رات نہ ہو تو آمدنی

بھی نہ ہو پھر دن مین خرچ کیا کرے پس معلوم ہوا کہ دن رات کا طالب ہے اور اگر دن نہ ہو رات کا خزانہ یون ہی جمع رہے لہذا رات بھی دن کی طالب ہے۔ آگے اس کو بیان فرماتے ہین کہ انسان کے اندر جو عناصر کا مجموعہ ہے وہ بھی ہر ایک اپنی اپنی جنس کا طالب ہے اور اوسی کو جذب کرتا ہے۔

ہر عنصر کا اپنی جنس کو جو کہ آدمی کی ترکیب مین مقید ہے جذب کرنا

خاک گوید خاک تن را باز گرد ترک جان گو سوے ما آ ہمچو گرد

یعنی (کرۂ) خاک بدن کی خاک سے کہتا ہے کہ لوٹ آ جان کو ترک کر اور ہماری طرف گرد کی طرح چلی آ مطلب یہ کہ انسان مین جو ایک عنصر خاک ہے اوسکو کرۂ خاک جذب کرتا ہے اور چاہتا ہے کہ یہ ہمارے اندر چلا آوے اور کہتا ہے کہ۔

جنس مائی پیش ما اولے تری بہ کہ زان تن وارہی واین سو پری

یعنی تو ہماری جنس ہے ہمارے ہی سامنے زیادہ بہتر ہے۔ بہتر ہے کہ اوس تن کو چھوڑے اور اس طرف اُڑے مطلب یہ کہ وہ کرہ بزبان حال کہہ رہا ہے کہ اے خاک تو تو مجھ مین سے ہے اون غیر جنسون مین کہان جا لگی اون کو چھوڑ کر میرے پاس چلی آ تو وہ کہتی ہے کہ۔

گوید آرے لیک من پا بستہ ام گرچہ ہمچون تو ز ہجران خستہ ام

یعنی وہ کہتی ہے کہ ہان لیکن مین پابند ہون اگرچہ تیری طرح جدائی سے زخمی ہو رہی ہون۔ مطلب یہ کہ یہ بدن انسانکی خاک بھی کہتی ہے کہ اے کرہ مین بھی تیری جدائی مین چین سے نہین ہون مگر کیا کرون ایسی مقید ہون کہ آ نہین سکتی تو دیکھئے کہ یہان بھی دونون ہی طرف سے طلب اور جذب ہے۔

تریئ تن را بجویند آبہا کاے تری باز آ ز غربت سوئے ما

یعنی تن کی تری کو پانی ڈھونڈھ رہے ہین (اور کہہ رہے ہین) کہ اے تری مسافرت سے ہماری طرف چلی آ مطلب یہ کہ بدن انسان مین جو ایک عنصر پانی کا ہے اوس کو کرۂ آب جذب کر رہا ہے۔

گرمئ تن را ہمی خواند اثیر کہ ز ناری راہ اصل خویش گیر

یعنی بدن کی گرمی کو کرۂ نار بلا رہا ہے کہ تو تو نار مین سے ہے اپنے اصل کی راہ اختیار کر۔

ہست ہفتاد و دو علت در بدن از کششہائے عناصر بے رسن

یعنی بدن مین بہتر بیماریان عناصر کی کششونکی وجہ سے جو کہ بے رسی کے ہین (بہتر سے مراد عدد نہین بلکہ صرف کثرت مراد ہے) مطلب یہ ہے کہ بیماریان جو آتی ہین وہ اس لئے آتی ہین کہ ہر عنصر اپنے اصل کی طرف جانا چاہتا ہے تو

اوس کشش کی وجہ سے بدن مریض ہو جاتا ہے۔

علت آید تا بدن را بگسلد   تا عناصر ہمدگر را وا ہلد

یعنی بیماری آتی ہے تاکہ بدن کو توڑ دے تاکہ عناصر ایک دوسرے کو چھوڑ دین (لیکن)

چار مرغ اند این عناصر بستہ پائے   مرگ و رنجوری و علت پاکشائے

یعنی یہ عناصر چار جانور پاؤن بندھے ہوئے ہین موت اور تکلیف بیماری پاؤن کے کھولنے والی ہے۔

پائے شان از ہمدگر چون باز کرد   مرغ ہر عنصر یقین پرواز کرد

یعنی پاؤن اونکا ایک دوسرے سے جب (موت نے) کھولدیا تو ہر عنصر کا جانور یقیناً اڑ گیا مطلب یہ ہے کہ انسان کے بدن مین جو چار عناصر ہین اونکی ایسی مثال ہے کہ جیسے مختلف مقامات کے چار جانور ہون کہ ایک دوسرے کا پاؤن آپس مین بندھا ہوا ہو کہ کوئی علیحدہ ہوکر نہ اوڑ سکے لیکن اگر کوئی اونکے پاؤن کی رسی کو کاٹ دے تو ہر جانور اپنی اپنی جگہ مین چلا جاویگا بس اسی طرح یہ عناصر بھی بدن انسانی کی رسی مین اس طرح بندھے ہوئے ہین کہ کوئی ایک دوسرے سے الگ ہوکر نہین جا سکتا لیکن اگر انسان کی موت آجاتی ہے تو یہ موت اونکی پاؤن کی کھولنے والی ہوتی ہے اور ہر ہر عنصر اپنی اپنی اصل مین جا ملتا ہے اور اون مین جو آپس مین ہر ایک کی اصل کشش کرتی ہے اور بدن جو مثل رسی کے ہے اوس کو توڑنا چاہتے ہین یہ بیماریان ہین اور اس رسی کا ٹوٹ جانا موت ہے

جذبۂ این اصلہا و فرعہا   ہر دمے رنجے نہد در جسم ما

یعنی ان اصلون اور فرعون کی کشش ہر دم ایک تکلیف ہمارے جسم مین رکھ دیتی ہے۔

تا کہ این ترکیبہا را بر درد   مرغ ہر جزوے باصل خود پرد

تاکہ ان ترکیبون کو توڑ ڈالے اور ہر جزو کا جانور اپنی اصل کی طرف اوڑ جاوے (مگر)

حکمت حق مانع آید زین عجل   جمع شان دارد بصحت تا اجل

یعنی حکمت حق کی اس جلدی کرنے سے مانع آتی ہے اور اون کو تندرستی کے ساتھ موت تک جمع رکھتی ہے۔

گوید اے اجزا اجل مشہود نیست   پر زدن پیش از اجل تان سود نیست

یعنی (وہ حکمت حق) کہتی ہے کہ اے اجزا موت حاضر نہین ہے اور موت سے پہلے پر مارنا تمہارے مفید نہین مطلب یہ کہ جب اصول اپنے فروع کو اپنی طرف کھینچتے ہین تو وہ فروع چاہتے ہین کہ جسم انسانی کی رسی کو توڑ کر ایک دفعہ اپنی اصل مین جا ملین اور اسی ارادہ ہی کا نام مرض ہے مگر چونکہ حکمت حق اون کو اس بدن کی قید مین کچھ روز اور رکھنا چاہتی ہے لہذا وہ اس رسی کو صحت کے ذریعہ سے پھر قوت دیتی ہے اور ان اجزا سے کہتی ہے کہ موت سے پہلے کوئی مرتا نہین تمہارے پاؤن کی کھولنے والی موت ہے اور اوس کا وقت مقرر ہے پھر

وقت سے پہلے ہاتھ پیر پیٹنا کیا فائدہ آگے مولانا دوسرے مضمون کی طرف منتقل ہوتے ہیں

چونکہ ہر جزوے بجوید ارتفاق چون بود جان غریب اندر فراق

یعنی جبکہ ہر چیز رفاقت کو ڈھونڈھتی ہے تو غریب جان فراق میں کس طرح ہوگی۔ مطلب یہ کہ عناصر جو کہ ناسوتی ہیں مگر اون کو اپنے اصول سے کچھ بعد ہوگیا ہے اپنی اصل کی طرف جانے کیلئے کس قدر کوشش کرتے ہیں تو روح جو کہ ملکوتی ہے اس ناسوت میں آکر کس درجہ پریشان ہوگی اور وہ اپنی اصل کی طرف کتنا جانا چاہتی ہوگی آگے اسی کو بیان کرتے ہیں

روح کا بھی عالم ارواح کی طرف منجذب ہونا

گوید اے اجزائے پست فرشیم غربت من تلخ تر من عرشیم

یعنی (جان) کہتی ہے کہ اے میرے پست اور فرشی اجزا میری غربت زیادہ تلخ ہے (کیونکہ) میں عرشی ہوں۔ مطلب یہ کہ جب اجزائے بدن اپنی اپنی اصلوں کی طرف جانا چاہتے ہیں تو روح کہتی ہے کہ اے تم تو ناسوتی ہو تم کو اپنے اصول سے اتنا بعد نہیں ہوا ہے جتنا کہ مجھے اپنی اصل سے ہے کیونکہ میں ملکوتی ہوں اور یہاں ناسوت میں آکر پھنس گئی ہوں اور ملکوت اور ناسوت میں جو بعد ہے وہ ظاہر ہے آگے فرماتے ہیں

میل تن در سبزہ وآب رواں زاں بود کہ اصل او آمد ازاں

یعنی بدن کی رغبت سبزہ اور آب رواں میں اس لئے ہوتی ہے کہ اوس کی اصل اوسی سے آئی ہے (سبزہ وآب رواں سے مطلق ناسوت مراد ہے)

میل جان اندر حیات و درحی است زانکہ جان لامکان اصل ویست

یعنی روح کی رغبت حیات اور حی میں ہے اسلئے کہ روح لامکانی اوس کی اصل ہے مطلب یہ ہے کہ صوفیہ اس روح کو جو بدن انسانی میں مقید ہے روح زجاجی کہتے ہیں اور اوس کی اصل ایک روح اعظم بتلاتے ہیں جس کا کہ یہ روح انسانی عکس اور پرتو ہے تو مولانا فرماتے ہیں کہ اس روح زجاجی کو ملکوت کی طرف اس لئے رغبت ہے کہ اوس کی اصل وہیں ہے اور روح اعظم کا اطلاق بعض اوقات صوفیہ ذات حق پر بھی کردیتے ہیں

میل جان در حکمت است و در علوم میل تن در باغ و راغ ست و کروم

یعنی روح کی رغبت تو حکمت و علوم میں ہے اور بدن کی رغبت باغ میں اور کھیتی میں اور انگوروں میں ہے (حکمت وعلوم سے مراد مطلق ملکوت ہے اور باغ و راغ سے مطلق ناسوت)۔

میل جان اندر ترقی و شرف میل تن در کسب اسباب علف

یعنی روح کی رغبت تو ترقی اور شرف مین ہوتی ہے اور بدن کی رغبت روزی کمانیکے اسباب مین ہوتی ہے۔

میل و عشق آن شرف ہم سوئے جان	زین یحب را و یحبون را بدان

یعنی رغبت اور عشق اوس شرف کا بھی جان کی طرف ہے اس سے یحب اور یحبون کو جان لو مطلب یہ کہ قرآن شریف مین حق تعالے مومنون کے بارہ مین فرماتے ہین یحبھم و یحبونہ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ محبت اور کشش اور جذب اور رغبت سبب دونون طرف سے ہوتے ہین آگے فرماتے ہین۔

گر بگویم شرح این بیحد شود	مثنوی ہشتاد من کاغذ شود

یعنی اگر اس کی شرح کہون تو بیحد ہوجاویگا اور مثنوی اسّی من کاغذ ہوجاوے (اسّی من سے صرف زیادتی مراد ہے)

حاصل آنکہ ہر کہ او طالب بود	جان مطلوبش برو راغب بود

یعنی حاصل یہ ہے کہ جو کوئی طالب ہوتا ہے اوس کے مطلوب کی جان اوس پر راغب ہوتی ہے۔

آدمی حیوان نباتے و جماد	ہر مرادے عاشقے ہر بے مراد

یعنی آدمی حیوان گھاس پھونس اور پتھر ہر ایک مطلوب ہر طالب کا عاشق ہے۔ (ہان فرق یہ ہے)

بے مرادان بر مرادے می تنند	وان مرادان جذب ایشان می کنند

یعنی عشاق تو مطلوبیت پر تنتے ہین اور وہ معشوق اون کو جذب کرتے ہین۔ مطلب یہ کہ عشاق تو اس کی کوشش کرتے ہین کہ مطلوب ملجاوے اور معشوق صرف کشش کرتے ہین تو عشاق مین شان طلب زیادہ ہوتی ہے اور معشوقون مین بے نیازی زیادہ ہوتی ہے جس کا اثر یہ ہوتا ہے۔

لیک میل عاشقان لاغر کند	میل معشوقان خوش و بافر کند

یعنی لیکن عاشقونکی رغبت تو (اونکو) لاغر کردیتی ہے اور معشوقون کا میلان (اونکو) خوش اور بادبدبہ کرتا ہے

عشق معشوقان دو رخ افروختہ	عشق عاشق جان او را سوختہ

یعنی معشوقونکا عشق تو (اون کے) دونون رخسارون کو چمکائے ہوئے ہوتا ہے اور عاشق کا عشق اوس کی جان کو جلائے ہوئے ہوتا ہے۔ (آگے اس کی ایک مثال دیتے ہین)

کہربا عاشق بشکل بے نیاز	کاہ مے کوشد در آن راہ دراز

یعنی کہربا عاشق ہے (مگر) بی نیازی کی شکل مین اور تنکا اوس راہ دراز مین کوشش کررہا ہے مطلب یہ ہے کہ اصل مین جذب اور کشش تو دیکھو کہربا ہی کی طرف سے ہے اور وہی چاہتا ہے کہ مین تنکے کو اپنے کنارہ مین لے لون لیکن خود دوڑ کر تنکے کے پاس نہین پہونچتا بلکہ اپنی کشش سے تنکے ہی کو اپنی طرف کھینچ لیتا ہے تو جو شخص تنکے کو کہربا کی طرف جاتے ہوئے دیکھتا ہے اور حقیقت سے ناواقف ہوتا ہے وہ سمجھتا ہے کہ تنکا

یہی کوشش کرکے کہربا کے پاس پہونچا اسی طرح سمجھو کہ اگر کہین کسی کے دل مین حق تعالیٰ کی محبت ذرہ بھر بھی پیدا ہوتی ہے تو یہ کشش اصل مین اوسی طرف سے ہے اس شخص کو اپنا کمال نہ سمجھنا چاہیئے آگے اوس عاشق صدر جہان کے قصہ کے طرف منتقل ہوتے ہین۔

این رہا کن عشق آن تشنہ دہان — تافت اندر سینۂ صدر جہان

یعنی اس کو چھوڑو کہ اوس پیاسے کا عشق صدر جہان کے سینہ مین چمک اوٹھا ہے مطلب یہ کہ اس بیان کو چھوڑو کیونکہ صدر جہان کے سینہ مین بھی اپنے عاشق کی طلب پیدا ہو گئی ہے تو اب اوسی کا قصہ بیان کرنا چاہتے ہین

دود آن عشق و غم آتشکدہ — رفتہ در مخدوم او مشفق شدہ

یعنی اوس عشق کا دہوان اور آتشکدہ کا غم اوس کے مخدوم مین گیا تو وہ مشفق ہو گیا مطلب یہ کہ اوس عاشق کے دل مین جو عشق کی آگ لگی ہوئی تہی جس سے کہ وہ آگ کا گھر ہو رہا تھا اوس کا اثر صدر جہان کے دل مین بھی گیا جس سے کہ اوس کو دوبارہ توجہ ہوئی۔

لیک از ناموس و پوشش و آبرو — شرم می آید کہ واجوید ازو

یعنی شرم اور عزت اور آبرو کی وجہ سے اوس کو شرم آتی تہی کہ اوس (عاشق) کو تلاش کرے۔

رحمتش مشتاق آن مسکین شدہ — سلطنت زین لطف مانع آمدہ

رحمت اوس کی تو اوس مسکین کی مشتاق ہو رہی تہی اور سلطنت اس لطف سے مانع آ رہی تہی مطلب یہ کہ صدر جہان اگر اپنے قلب کی حالت کی طرف نظر کرتا تھا جو کہ اب اوس عاشق کی محبت سے پُر تھا تو اوس کا مشتاق ہو جاتا تھا اور چاہتا تھا کہ اوس کو کہین نہ کہین سے ڈھونڈھ کر اپنے سامنے لاکھڑا کرے لیکن سلطنت کا دبدبہ اور رعب اوس کو مانع آتا تھا کہ لوگ کیا کہین گے کہ ایک غلام کی تلاش مین مارا مارا پھرتا ہے۔

عقل حیران کین عجب او را کشید — یا کشش زانسو بدین جانب رسید

یعنی عقل حیران تہی کہ یہ عجب ہے کہ یہ اوس کو کھینچ رہا ہے یا کشش اوس جانب سے اس طرف پہونچ رہی ہے۔ مطلب یہ کہ چونکہ کشش دونون طرف سے ہو رہی تہی اور دونون ایک دوسرے کو اپنی اپنی طرف کھینچ رہے تھے اور کشش دونون طرف سے کامل تہی تو اس کا پتہ نہ چلتا تھا کہ اصل کشش کس طرف سے ہے آگے مولانا عقل کو خطاب کرکے فرماتے ہین۔

ترک جلدی کن گزینن ناواقفی — لب بہ بند اللہ اعلم بالخفی

یعنی جلدی کو چھوڑ کیونکہ تو اس سے ناواقف ہے لب بند کر اللہ پوشیدہ بات کو زیادہ جاننے والا ہے مطلب یہ کہ عقل کو فرماتے ہین کہ تو اوس کے معلوم کرنے مین کہ کشش کس طرف سے ہے جلدی مت کر کیونکہ تو اس سے ناواقف

ہے تجھے اس کا پتہ چلنا مشکل ہے آگے مولانا فرماتے ہین۔

لب ببندم ہر دمے زین سان سخن توبہ آرم ہر زمان صد بار من

یعنی ہر دم ایسی باتون سے لب کو بند کر لیتا ہون اور ہر گھڑی سو دفعہ توبہ کرتا ہون (اس بات کی کہ)

کاین سخن را بعد ازین مدفون کنم آن کشندہ می کشد من چون کنم

یعنی کہ اس بات کو اس کے بعد دفن کر دونگا مگر وہ کھینچنے والا کھینچتا ہے مین کیا کرون مطلب یہ کہ مین نے تو بار ہا قصد کیا کہ اس قسم کی باتین جیسا کہ اوپر ذکر آیا ہے بیان نہ کیا کرون مگر قضا و قدر کی وجہ سے تقاضا ایسا ہوتا ہے کہ مجھے مجبور ہو کر بیان کرنا پڑتا ہے آگے فرماتے ہین۔

کیست آن کت می کشد اے معتنی آنکہ می نگذاردت کہ دم زنی

یعنی (کوئی پوچھتا ہے) کہ لے ذخیرہ کرنے والے وہ کون ہے کہ تجھے کھینچ رہا ہے (مولانا جواب دیتے ہین) وہ شخص ہے جو کہ تجھے نہین چھوڑتا کہ دم مارے مطلب یہ کہ کوئی پوچھتا ہے کہ وہ کون ہے کہ تمہین بیان کرنے پر مجبور کرتا ہے مولانا فرماتے ہین کہ وہ وہ ذات ہے کہ جو تمہین بولنے نہین دیتا اور اوس کی یہ شان ہے کہ

صد عزیمت می کنی بہر سفر می کشاند مر ترا جائے دگر

یعنی تم سفر کیلئے سیکڑون ارادے کرتے ہو (مگر) وہ تم کو دوسری جگہ کھینچ لیجاتا ہے آگے اس کی حکمت بیان فرماتے ہین۔

زان بگرداند بہر سو آن لگام تا خبر یابد ز فارس اسپ خام

یعنی وہ ہر طرف کو لگام اس لئے پھراتا ہے تاکہ نوآموز گھوڑا سوار کی خبر پائے مطلب یہ کہ جب نوآموز گھوڑے پر کوئی شہسوار سواری کرتا ہے تو اوس کے لگام کو کبھی اس طرف کرتا ہے اور کبھی اوس طرف کرتا ہے تاکہ وہ شرارت نہ کرے اور جان لے کہ کوئی شہسوار اوپر بیٹھا ہوا ہے بس اسی واسطے حق تعالیٰ ہمارے ارادون کو بدل اور توڑ دیتے ہین تاکہ ہم سمجھ لین کہ ہمارے اوپر کوئی زبردست اور قوی ہاتھ ہے کہ جو ہم سے بہت زیادہ با اختیار ہے۔

اسپ زیرک سار زان نیکو پیست کو ہمی داند کہ فارس بر ویست

ہوشیار گھوڑا اس لئے نیک قدر ہے کہ وہ جانتا ہے کہ اوس پر سوار ہے مطلب یہ کہ جن لوگون کو معلوم ہے کہ انکے اوپر زبردست ہاتھ بھی ہے تو اگر انکے ارادے وغیرہ ٹوٹ بھی جاتے ہین تب بھی اون کو رنج نہین ہوتا اس لئے کہ وہ جانتے ہین کہ ارادون کا توڑ دینا اوس با اختیار اور با حکمت ہاتھ کا کام ہے کہ جو علام الغیوب ہے۔

او دلت را برد و صد سودا ببست بے مرادت کرد پس دل را شکست

یعنی اوس نے تمہارے دل کو سیکڑون خیالون پر باندھ دیا اور پھر تم کو بے مراد کر کے دل توڑ دیا۔

چون شکست او بال آن رائے نخست　　چون نشد ہستی بال اشکن درست

یعنی جب اوس نے اوس پہلی رائے کے بازو کو توڑ دیا تو اوس بازو توڑنے والے کی ہستی کیون ثابت نہ ہوگی مطلب یہ کہ جب اوس نے تمہاری رائے کو بدل دیا اور تمہارے ارادہ کو توڑ دیا تو اسی سے اوس کی ہستی کا ثبوت ہو گیا۔

چون قضایش حبل تدبیرت شکست　　چون نشد بر تو قضائے او درست

یعنی جب اوس کی قضا نے تمہاری تدبیر کی رسی کو توڑ دیا تو اوس کی قضا تم پر کیونکر ثابت نہ ہوئی مطلب یہ کہ جب اوس نے اپنی قضا سے تمہاری تدبیر توڑ دی تو اسی سے معلوم ہو گیا کہ اوس کی قضا تم پر جاری ہے آگے اسی مضمون کو فرماتے ہین۔

قصدون اور ارادونکا توڑنا آدمی کو اسبات کی خبر کرنیکے واسطے ہے کہ مالک اور قاہر خدائے تعالیٰ ہی ہے اور کبھی کبھی انسان کے ارادہ کو فسخ نہ کرنا اس لئے ہے تاکہ اوسکی طبیعت ارادہ کرنیکی خوگر رہے اور پھر اُس کو تنبیہ ہوتی رہے

عزمہا و قصدہا در ماجرا　　گاہ گاہے راست می آید تُرا

ارادے اور قصد عالم مین کبھی کبھی تمہارے لئے ٹھیک ہو جاتے ہین مطلب یہ کہ کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ تم جو قصد کرتے ہو وہی ہو جاتا ہے۔

تا بہ طمع آن دلت نیت کند　　بار دیگر نیتت را بشکند

یعنی تاکہ اوس کے لالچ مین تمہارا دل ارادہ کرے تو دوسری مرتبہ حق تعالیٰ تمہارے ارادہ کو توڑ دے۔

در بکلی بے مرادت داشتے　　دل شدے نومید امل کے کاشتے

یعنی اور اگر بالکل تم کو بے مراد رکھتے تو دل نا امید ہو جاتا وہ امید کب بوتا۔

ور نہ کاریدے امل از عورتیش　　کے شدے پیدا برو مقہوریش

یعنی اور اگر اپنی کم نگاہی کیوجہ سے (جو امید کیا کرتا تھا اوس) امید (کو) نہ کرتا تو اوسپر اپنی مقہوری کب ظاہر ہوتی مطلب یہ کہ جب انسان کوئی ارادہ کرتا ہے تو حق تعالیٰ اوس کو پورا فرما دیتے ہین جس سے دل اوس کا بڑھتا ہے اور وہ دوبارہ

پھر قصد کرتا ہے اور دوسری مرتبہ میں اوس کے قصد کو توڑ دیتے ہیں تاکہ اوس کو حق تعالیٰ کی عظمت اور قوت کا مشاہدہ ہو جاوے اور یہ بھی ممکن تھا کہ کوئی قصد بھی پورا نہ ہوا کرتا جس سے کہ حق تعالیٰ کی قوت کا پوری طرح مشاہدہ ہو جاتا مگر اس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ وہ مایوس ہو کر قصد کرنا ہی چھوڑ دیتا تو اس عظمت اور جبروت کا اظہار نہ رہتا آگے فرماتے ہیں۔

عاقلان از بے مرادیہائے خویش　　باخبر گشتند از مولائے خویش

یعنی عاقل لوگ اپنی بے مرادیوں کی وجہ سے اپنے مولا سے باخبر ہوگئے مطلب یہ کہ جو لوگ عاقل تھے جب اونھوں نے اپنی بے مرادیاں دیکھیں تو اس سے حق تعالیٰ کی عظمت کی معرفت اون کو حاصل ہوئی جیسا کہ حدیث میں ہے عرفت ربی بفسخ العزائم۔

بے مرادی شد قلاؤز بہشت　　حفت الجنۃ شنو ای خوش سرشت

یعنی ناکامی بہشت کی رہبر ہوگئی اے نیک ذات حفت الجنۃ کو سُن مطلب یہ ہے کہ دیکھو حدیث میں ہے کہ حفت الجنۃ بالمکارہ (گھیر دی گئی ہے جنت تکلیفوں سے) تو قصد کرنے کے بعد ناکامی ہونے سے زیادہ اور کیا مکروہات ہونگی جو اوسپر راضی رہا وہ انشاء اللہ ضرور جنت میں جاویگا اس سے ناکامی کا رہبر جنت ہونا ظاہر ہے

چون مرادات ہمہ اشکستہ پاست　　پس کسے باشد کہ کام او رواست

یعنی جبکہ سب کی مرادیں شکستہ پا ہیں پس کوئی تو ہوگا کہ جس کا کام جاری ہے مطلب یہ کہ جب سب لوگوں کی امیدیں اور ارادے تو ایسے ہیں کہ اکثر ٹوٹ جاتے ہیں تو کوئی ذات یقیناً ایسی بھی ہے کہ جو ان ارادوں کو توڑنے والی ہے اور اوسکے کل ارادے پورے ہوتے ہیں۔

پس شدند اشکستہ پاش این صادقان　　لیک کو خود آن شکست عاشقان

یعنی اسلیے یہ صادق لوگ حق تعالیٰ کے شکستہ پا ہیں لیکن وہ عاشقوں کی شکست کہاں ہے (اسلیے کہ)

عاقلان اشکستہ اش از اضطرار　　عاشقان اشکستہ با صد اختیار

یعنی عاقل لوگ تو اوس کے شکستہ مجبوری سے ہیں اور عاشق لوگ سو اختیار کے ساتھ شکستہ ہیں مطلب یہ ہے کہ عقلاء تو اپنے ارادوں میں بوجہ مجبوری کے ناکام اور شکستہ پا ہوتے ہیں اور قصد کرتے ہیں اور توڑ دیا جاتا ہے اور جو عشاق ہیں اونہوں نے جب دیکھا کہ ہمارے ارادے بالکل دوسرے کے ہاتھ میں ہیں تو وہ اپنے اختیار سے بھی اوسی کے سپرد ہوگئے اور اپنے ارادوں کو اوسی کے سپرد کر دیا تو عقلاء اور عشاق دونوں شکستہ پا اور نامراد اور ناکام ہوئے مگر دونوں میں جو فرق ہے وہ ظاہر ہے۔

عاقلانش بندگان بندی اند　　عاشقانش شکری و قندی اند

یعنی عاقل لوگ اوس کے قید کردہ غلام ہین اور عاشق اون کے (غلام) شکری اور قندی ہین۔

انتیا کرہاً مہار عاقلان ۔ انتیا طوعاً مہار بیدلان

انتیا کرہا (یعنی آؤ تم مجبوراً) مہار عاقلونکی ہے اور انتیا طوعاً (یعنی آؤ خوشی سے) مہار عاشقونکی مطلب یہ ہے کہ جو عقلا ہین اور کارخانہ حق مین اپنی عقل کو دخل دیتے ہین اون کی بھی عقل کچھ نہین چلتی اور وہی ہوتا ہے جو حق تعالے چاہتے ہین مگر وہ اوس کو مجبوراً مانتے ہین اور جو عشاق ہین وہ جب اپنے ارادہ کے خلاف ارادہ حق دیکھتے ہین تو وہ راضی برضا ہو جاتے ہین اور جیسا کہ پہلے اپنے ارادہ پر خوش تھے اسی طرح اب ارادہ حق پر راضی اور خوش ہوتے ہین آگے ایک قصہ بیان کرتے ہین کہ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ کفار کو قید مین دیکھا جن کو مسلمان کشان کشان لا رہے تھے اون مین بعض وہ تھے کہ جو مسلمان ہونے والے تھے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے اون لوگون پر تعجب ہے کہ جو جنت کی طرف زنجیرون اور طوقون مین باندھ کر لائے جاتے ہین تو دیکھئے کہ وہ جنت کی طرف آنے پر راضی نہ تھے۔

شرح حبیبی

دید پیغمبر یکے جوق اسیر ۔ کہ ہمی بردند و ایشان در نفیر

دیدشان در بند آن آگاہ شیر ۔ می نظر کردند در وے زیر زیر

تا ہمی خائید ہر یک از غضب ۔ بر رسول صدق دندانہا و لب

زہرہ نے با آن غضب کہ دم زنند ۔ زانکہ در زنجیر قہر دہ من اند

می کشاندشان موکل سوئے شہر ۔ می برد از کافرستان شان بقہر

نے فدائے می ستاند نے زرے ۔ نے شفاعت می رسد از سرورے

رحمت عالم ہمی گویند و او ۔ عالمے را می برد حلق و گلو

با ہزار انکار می رفتند راہ ۔ زیر لب طعنہ زنان بر کار شاہ

چارہا کردیم و این جا چارہ نیست ۔ خود دل این مرد کم از خارہ نیست

ما ہزاران مرد کار الپ ارسلان ۔ با دو سہ عریان وسست و نیم جان

این چنین درماندہ ایم از کژ روی است ۔ یا ز اختر ہاست یا خود جادوی ست

بخت ما را بر درید آن بخت او ۔ تخت ما شد سرنگون از تخت او

کار او از جادوئے گر گشت زفت ۔ جادوئے کردیم ما ہم چون نرفت

از بتان و از خدا درخواستیم — که بکن ما را اگر ناراستیم

دانکه حق و راست است از ما و او — نصرتش ده نصرت او را بجو

این دعا بسیار کردیم و صلات — پیش لات و پیش عزی و منات

که اگر حق است او پیدا ش کن — گر نه باشد حق زبون ماش کن

چونکه وا دیدیم او منصور بود — ما همه ظلمت بدیم او نور بود

این جواب ماست کانچه خواستید — گشت پیدا که شما ناراستید

باز این اندیشه را از مکر خویش — کور می کردند رفع از ذکر خویش

این تفکر ما هم از ادبار رست — که صواب او شود در دل درست

خود چه شد گر غالب آمد چند بار — هر کسی را غالب آرد روزگار

ما هم از ایام بخت آور شدیم — بارها بر وی مظفر آمدیم

باز می گفتند اگرچه او شکست — چون شکست ما نبود آن زشت و پست

زانکه بخت نیک او در شکست — داد صد شادی پنهان زیر دست

کو با شکسته نمی مانست هیچ — که نه غم بودش در ان نی پیچ پیچ

چون نشان مؤمنان مغلوبی است — لیک در اشکست مؤمن خوبی است

گر تو مشک و عنبری را بشکنی — عالمی از فیح ریحان پر کنی

ور شکستی ناگهان سرگین خر — خانها پر گند گردد سر بسر

گه کند خود مشک با سرگین قیاس — آب را با بول و اطلس با پلاس

وقت برگشت حدیبیه رسول — در تفکر بود و غمگین و ملول

ناگهان اندر حق ختمع رسل — دولت انا فتحنا زد دهل

آمدش پیغام از دولت که رو — تو ز منع این ظفر غمگین مشو

کاندرین خواری بنقدت فتحهاست — نک فلان قلعه فلان بقعه تراست

بنگر آخر چونکه وا گردید تفت — بر قریظه بر نضیر از وی چه رفت

قلعها هم گرد آن دو بقعها — شد مسلم وز غنائم نفعها

ور نباشد آن تو بنگر کاین فریق — بر غم و رنجند مفتون و عشیق

زهر خواری را چو شکر میخورند — خار غم را چو اشتر میچرند

بهر عین غم نه از بهر فرج — این تسافل پیش ایشان چون درج
آنچنان شادند اندر قعر چاه — که همی ترسند از تخت و کلاه
در فقیری هر یکی صد شهریار — در خزان فاقه صد همچون بهار
هر کجا دلبر بود خورم همنشین — فوق گردونست نی زیر زمین
گفت پیغمبر که معراج مرا — نیست بر معراج یونس اجتبا
آن من بر چرخ و آن او نشیب — زانکه قرب حق برونست از حسیب
قرب نی بالا نه پستی رفتن است — قرب حق از جنس هستی رستن است
نیست را چه جای بالا است و زیر — نیست را نی زود و نی دور است و دیر
کارگاه گنج حق در نیستی است — غرهٔ هستی چه دانی نیست چیست
حاصل این اشکست ایشان ای کیا — می نماند هیچ با اشکست ما
آنچنان شاداند در ذل و تلف — همچو ما در وقت اقبال و شرف
برگ بی برگی همه اقطاع اوست — فقر و خواری افتخار ست و علو ست
آن یکی گفت ار چنان ست آن فرید — چون بخندید او چو ما را بسته دید
چونکه او مبدل شد است و شاد کیش — نیست زین زندان و زین آزاد کیش
پس بقهر دشمنان چون شاد شد — چون ازین فتح و ظفر پرباد شد
شاد شد جانش که بر شیران نر — یافت آسان نصرت و دست و ظفر
پس بدانستیم کو آزاد نیست — جز بدنیا دل خوش و دلشاد نیست
ورنه چون خندد که اهل آنجهان — بر بد و نیک اند مشفق مهربان
این همی گفتند در زیر زبان — آن اسیران با هم اندر بحث آن
تا موکل نشنود در ما جهر — این سخن در گوش آن سلطان رسد
گرچه نشنید آن موکل این سخن — رفت در گوشی که بد آن من لدن
بوی پیراهان یوسف را ندید — آنکه حافظ بود یعقوبش شنید
آن شیاطین بر عنان آسمان — نشنوند آن سر لوح غیب دان
آن محمد خفته و تکیه زده — آمده سر گرد او گردان شده
آن خورد حلوا که روزیش است باز — آن نه کانگشتان او باشد دراز

نجم ثاقب گشتہ حارث دیوران	کہ بہل دزدی زاحمد سرستان
اے رویدہ سوئے دکان از پگاہ	ہین بمسجد رو بجو رزق آلہ

یہان سے ایک قصہ شروع کرتے ہین جس کو مناسبت ہے اتیا طوعاً اور کرہا کے جزو ثانی سے تفصیل اوس کی یہ ہے کہ جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک جماعت کو مقید دیکھا کہ وہ روتے پیٹتے لیجائے جارہے ہین اور آپ نے اون قیدیوں کو دیکھا تو وہ آپ کو ترچھی نظرون سے دیکھتے جاتے تھے اور نتیجہ اوس کا یہ ہوتا تھا کہ ہر ایک مارے غصہ کے آپ پر دانت پیستا اور ہونٹ کاٹتا تھا مگر کسی کی یہ تاب نہیں تھی کہ باوجود اس قدر غصہ کے دم مار سکے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ زنجیر گران مین مقید ہین سپاہی اون کو کافرستان سے شہر اسلام کیطرف جبراً لئے جارہا ہے جو کہ نہ فدیہ لے سکتا ہے نہ رشوت اور نہ کسی سردار کی سفارش ہی ممکن ہے اس حالت میں وہ کہتے تھے کہ لوگ ان کو رحمۃ للعٰلمین کہتے ہین حالانکہ یہ لوگونکے گلے کاٹتے ہین غرضکہ نہایت ناگواری کے ساتھ وہ راستہ قطع کر رہے تھے اور چپکے چپکے جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے فعل پر طعنہ زنی کرتے جاتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم نے تدبیر کی مگر کچھ نہ بن پڑا علاوہ اسکے ایک نقص یہ بھی ہے کہ اس شخص کا دل بھی سنگ خارا سے کم سخت نہیں ہے ہم ہزار دل جنگجو اور بہادر شیر تھے لیکن ان چند ننگے اور کمزور اور ادھ موئے لوگوں کے مقابلہ مین یون عاجز ہو گئے اس کا سبب یا تو ہماری گمراہی ہے یا بدنصیبی یا ہم پر جادو کیا گیا ہے انکے طالع نے ہمارے طالع کو شکست دی اور ان کے تخت نے ہمارے تخت کو اولٹ دیا پھر کہتے تھے کہ اگر انکو جادو سے فتح ہوئی تھی تو ہم نے بھی تو جادو کیا تھا ہمارا جادو کیوں نہ چلا پھر کہتے تھے کہ بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ ہم نے خدا سے اور بتوں سے دعا کی تھی کہ اگر ہم باطل پر ہون تو ہمارے بیخ کنی کردی جاوے اور ہم مین اور اس مدعی نبوت میں جو حق پر ہو اوس کو فتح دیجاوے اور مدد کیجاوے یہ دعا ہم نے بہت کی تھی اور لات وعزیٰ ومنات کے سامنے بہت سے چڑھاوے بھی چڑھائے کہ اگر وہ حق پر ہے تو اوس کو فتح دیجاوے اور اگر باطل پر ہو تو اوس کو ہم سے مغلوب کیا جاوے اب جبکہ ہم نے دیکھا تو اون کو فتح ہوئی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہم باطل پر ہین اور وہ حق پر ہم سراسر ظلمت ضلالت ہین وہ سراپا نور ہدایت اور یہ جواب ہے اوس دعا کا جو ہم نے کی تھی اور اس سے ظاہر ہو گیا کہ ہم باطل پر ہین اوس کے بعد پھر اس خیال کو دل سے مٹاتے اور اوس کو اپنے حافظہ سے بھلاتے تھے اور کہتے تھے کہ نہین جی یہ بات نہین بلکہ یہ ہماری بدنصیبی ہے کہ ہم کو شکست ہوئی اور یہ خیال قائم ہو گیا کہ وہ حق پر ہے اگر وہ غالب آگیا تو کیا ہوا دو ایک مرتبہ تو زمانہ ہر کسی کو غالب کر دیتا ہے آخر ہم کو بھی تو زمانہ سے یہ خوش نصیبی حاصل ہوئی ہے کہ ہم بہت سی مرتبہ اس پر غالب آئے ہین پھر کہتے تھے کہ نہین جی یہ تو کچھ اور ہی بات ہے کیونکہ

اگرچہ اون کو بھی شکست ہوئی ہے مگر اون کی شکست ہماری شکست کیطرح بری اور پست نہین کیونکہ اون کی خوش قسمتی سے اون کو اس شکست مین بھی پوشیدہ خوشی حاصل ہوتی ہے اور اون کا عمدہ نصیب اون کو مٹھی مین چھپا کر سیکڑون خوشیان عطا کرتا ہے اور یہ یون معلوم ہوتا ہے کہ اونکی صورت سے شکست کھانا ظاہر نہین ہوتا اور شکست کھانے والوں کیصورت سے اُن کی صورت نہیں ملتی کیونکہ نہ اون کو غم ہوتا ہے نہ پیچ وتاب اب مولانا فرماتے ہین کہ چونکہ مومنین کی علامت ایک قسم کی مغلوبی ہے کہ وہ جھگڑالوؤں کے منہ نہیں لگتے اس لئے کبھی کبھی اون کو شکست ہو جاتی ہے لیکن ان کی اس شکست میں بھی ایک خوبی ہوتی ہے۔ اور اوس مین بھی منافع مضمر ہوتے ہیں برخلاف کفار کی شکست کے کہ اس میں سراسر برائی ہوتی ہے اس کو ایک مثال حسی سے یوں سمجھو کہ اگر تم مشک کو توڑو تو اوس کے ٹوٹنے میں خوبی ہے کہ عالم مہک اور خوشبو سے معطر ہو جاویگا اور اگر گدھے کی لید کو توڑو تو اس مین خرابی ہے کہ تمام گھرون مین اوس کی بدبو پھیل جائیگی پس مومن کی شکست مشک کی شکست کے مشابہ ہے اور کفار کی شکست گدھے کی لید کی مثل پھر مسلمانون کی شکست کو کفار کی شکست پر کون قیاس کرسکتا ہے کیونکہ ایسا قیاس کرنا شکست مشک کا شکست سرگین پر اور پانی کا پیشاب پر اور اطلس کا ٹاٹ پر قیاس کرنا ہے جو کہ کوئی عاقل نہیں کرسکتا۔ اب ہم ایک واقعہ سناتے ہین جس سے معلوم ہوگا کہ شکست مین مومنون کی مصلحت ہوتی ہے صلح حدیبیہ چونکہ بظاہر دب کر ہوئی تھی اس لئے جناب رسول اللہ کو گو فکر و رنج و ملال تھا آپ راہ ہی مین تھے کہ آپ کے حق مین دولت اِنَّا فتحنا لک فتحا مبینا الخ کا نقارہ بجا اور آپ کو حق سبحانہ کا پیغام پہونچا کہ آپ اس فتح کے روک لینے سے غمگین نہ ہوں (اس ظاہری ذلت میں بھی آپ کیلئے فتوح موجود ہیں لیجئے فلاں زمین آپکی ہے فلاں قلعہ آپ کا ہے اب دیکھ لیجئے کہ جب آپ لوٹے ہیں تو بنی قریظہ اور بنی نضیر پر کیا گذری اور اونھون نے کیسی شکست کھائی اور کیونکر ان کا ملک آپ کے قبضہ مین آیا (یہ تو مولانا کا بیان ہے مگر بنی نضیر اور قریظہ ... واقعہ سیر کے بیان پر صلح حدیبیہ سے مقدم ہوا ہے لہذا اس کو فتح خیبر و فتح مکہ وغیرہ پر محمول کیا جاویگا) ان دونوں ریاستوں کی گرد جو قلعے تھے وہ بھی آپ کو مل گئے اور مال غنیمت سے آپ کو بہت سے منافع حاصل ہوئے۔ اب ہم علی سبیل التنزل کہتے ہیں کہ اگر یہ بھی نہ ہوتا تب بھی اس جماعت کا کوئی ضرر نہین بلکہ پھر بھی انکا نفع ہے کیونکہ اس وقت ان کو غم ہوگا اور غم پر یہ لوگ عاشق ہین یہ لوگ زہر ذلت کو شکر کی طرح مزہ لے لیکر کھاتے ہین اور خار غم کو اونٹ کی طرح بے تکلف چباتے ہین اور انکو کوئی صدمہ نہین پہونچتا اور یہ حالت اونکی نفس غم کے لحاظ سے ہوتی ہے نہ اس لئے کہ وہ کسی خوشی کا ذریعہ ہے تاکہ اوس خوشی کے نہ ہونے سے غم بدمزہ ہو جاوے اور یہ پستی ہی اون کے لئے عروج ہوتی ہے۔ یہ لوگ کنوین کی تہ مین اس قدر خوش ہوتے ہین کہ تخت وتاج سے ڈرتے ہین ان مین کا ہر شخص فقیری مین بھی ایک

عظیم الشان بادشاہ ہوتا ہے اور خزان فاقہ ہی مین سیکڑون بہار کی مانند خندان ہوتا ہے اور راز اس کا یہ ہے کہ ان کا محبوب انکے ساتھ ہوتا ہے اور اس حالت میں ان کو اس سے زیادہ قرب ہوتا ہے اور جہان کہین کہ کسی کا محبوب اوس کے ساتھ ہم نشین ہوتا ہے وہ اس جگہ اوس کیلئے آسمان سے بھی اوپر ہوتی ہے نہ کہ زمین کے نیچے خواہ زمین کی تہ ہی کیون نہ ہو اس پر ایک حدیث یاد آگئی سنو جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے لا تفضلونی علی یونس بن متی یعنی میں معراج مین آسمان پر گیا تھا اور یونس قعر دریا مین شکم ماہی مین گئے تھے تو میری اس حالت کو ان کی اس حالت پر ترجیح نہ دو کیونکہ وہ اس سے زیادہ پسندیدہ نہین ہے کیونکہ قرب حق مدار فضیلت ہے اور وہ موقوف نہین ہے بلندی و پستی پر بلکہ وہ اس حساب سے باہر ہے وہ اوپر یا نیچے جانے سے حاصل نہین ہوتا بلکہ وہ قید ہستی سے چھوٹنے سے حاصل ہوتا ہے تو اس کا تفاوت تو بیشک مدار تفضیل ہو سکتا ہے مگر بلندی و پستی مدار نہین بن سکتی، کیونکہ فانی کیلئے تعلی و تسفل حسی دونون برابر ہین نہ اوس کے لحاظ سے جلدی کوئی شے ہے نہ دیر۔ نہ قرب حسی کوئی چیز ہے نہ بعد حسی۔
اب مولانا فرماتے ہین کہ خزانہ حق سبحانہ جہان بنتا ہے وہ فنا ہی ہے لہذا وہ فنا ہی سے حاصل ہوتا ہے تم چونکہ ہستی کے دھوکہ مین مبتلا ہو اس لئے تم نہیں سمجھ سکتے فنا کیا چیز ہے خیر تو اون قیدیون نے یہ کہا کہ ان لوگون کے شکست ہم لوگون کی شکست سے نہین ملتی کیونکہ یہ لوگ ذلت اور بربادی مین یون خوش ہوتے ہین جیسے ہم لوگ عروج و اقبال کے زمانہ مین سامان بے سامانی انکی جاگیر ہے فقر و ذلت ان کے لئے موجب فخر اور مثل علو ہے دوسرے نے یہ گفتگو سن کر کہا کہ یہ تمہارا بیان غلط ہے اگر وہ ایسا ہوتا تو ہم کو مقید دیکھکر ہنستا کیون کہ یہ حالت تو اون لوگون کی ہوتی ہے جو دنیا سے بالکل قطع تعلق کر لیتے ہین اور انکی کایا پلٹ ہو جاتی ہے اور دنیا کے قید خانے اور اوس کی آزادی سے اون کو مطلق خوشی نہین ہوتی پس اگر وہ ایسا ہوتا تو اس سے اس کو کیون خوشی ہوئی کہ اس نے اپنے دشمنوں کو مغلوب کر لیا اور اس فتح و ظفر سے وہ پھول کر کُپّا کیون ہو گیا۔ اور اس سے اوس کو کیون خوشی ہوئی کہ اوس نے ایسے بہادرون پر آسانی سے فتح پائی اس سے معلوم ہوا کہ وہ علائق دنیا سے آزاد نہین ہے اور دنیا ہی سے خوش ہوتا ہے ورنہ ہنستا کیون کیونکہ عالم علوی سے تعلق رکھنے والے اچھے بُرے سب لوگون پر شفیق و مہربان ہوتے ہین اون کو کسی کی تکلیف سے خوشی نہیں ہوتی وہ قیدی آپس مین یہ بحث اور گفتگو چپکے چپکے کر رہے تھے تاکہ سپاہی نہ سُن لے اور ہم پر حملہ کرے اور جا کر جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے کہدے خیر یہ مقصد تو اونکا حاصل ہو گیا کہ سپاہی نے یہ گفتگو نہ سُنی لیکن دوسرا مقصد کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ معلوم ہو یہ نہ حاصل ہوا اور اگرچہ اس سپاہی نے جو ان پر تعینات کیا گیا تھا یہ گفتگو نہ سُنی مگر جناب رسول اللہ کے گوش قلب مین جو کہ اون کو حق سبحانہ

کی طرف سے عطا ہوا تھا باعلام الٰہی یہ بات پہونچ گئی اور یہ امر کچھ بعید نہین دیکھو پیراہن یوسفی کا حامل اوس کی بو شبو نہ معلوم کر سکا مگر یعقوب علیہ السلام نے دور سے سونگھ لی شیاطین آسمان تک پہونچکر لوح محفوظ کی غیب کی باتین نہین سُن سکتے لیکن جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تکیہ لگائے سوئے ہوتے ہیں اور اسرار غیبیہ آپکے اونکے گرد گھومتے ہین۔ بات یہ ہے کہ حلوا اسی کو ملتا ہے جس کی روزی کشادہ ہوتی ہے۔ اوسے نہین ملتا جسکی اونگلیاں لمبی ہوں۔ لہذا شہاب ثاقب شیاطین کیلئے پہرہ دار ہوا کہ خبردار چوری مت کرو اگر اسرار کا شوق ہے تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کرو۔ اور اون سے حاصل کرو۔ اب مولانا نصیحت فرماتے ہین اور کہتے ہین کہ ارے تم جو طلب رزق کے لئے صبح سے محض دوکان پر جاتے ہو یہ ایسی ہی بے قاعدہ کوشش ہے جیسے کہ تحصیل اسرار کیلئے شیاطین کی اسے چھوڑ دو اور صحیح طریقہ اختیار کرو۔ یعنی مسجد مین جاکر خدا سے روزی مانگو اور جو طریقہ وہ بتائے اُس طریقہ سے حاصل کرو۔

شرح شبیری

پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا قیدیون کو دیکھکر مُسکرانا اور یہ فرمانا کہ مجھے اوس قوم پر تعجب ہے کہ جو جنت کی طرف زنجیرون کے ذریعہ سے کھینچے جاتے ہین

دید پیغمبر یکے جوق اسیر — کہ ہمی بردند ایشان در نفیر

یعنی پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک قیدیونکی جماعت کو دیکھا کہ (لوگ) اون کو لیجا رہے ہین اور وہ چلا رہے ہین۔

دید شان در بند آن آگاہ شیر — می نظر کردند در وے زیر زیر

دیکھا اونکو قید مین اوس خبردار شیر نے کہ وہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) مین نیچے ہی نیچے نظر کر رہے ہین۔

تا ہمی خائید ہر یک از غضب — بر رسول صدق دندان ہا و لب

یہانتک کہ ہر ایک غصہ کی وجہ سے سچے رسول پر دانتوں اور ہونٹوں کو چبا رہا تھا۔

زہرہ نے با آن غضب کہ دم زنند — زانکہ در زنجیر قہر دہ من اند

یعنی باوجود اوس غصہ کے یہ مجال نہین کہ دم مارسکین اسلئے کہ دس من کی زنجیر قہر مین تھے مطلب یہ کہ چونکہ بھاری

بھاری زنجیروں میں بندھے ہوئے تھے اسلئے باوجود غصہ آنیکے کچھ نہیں کر سکتے تھے۔

می کشاندشان موکل سوی شہر می برد از کافرستان شان بقہر

یعنی سپاہی اونکو شہر کی طرف کھینچ رہا تھا اور زبردستی اونکو کفرستان سے لیجا رہا تھا۔ (اور وہ کہہ رہے تھے)

نے فدائے می ستاندنے زرے نہ شفاعت میرسد از سرورے

یعنی نہ تو فدیہ لیتے ہیں اور نہ روپیہ نہ کسی سردار کی شفاعت پہونچتی ہے۔

رحمت عالم ہمی گویند او عالمے رامی برد حلق و گلو

لوگ اون کو رحمت عالم کہتے ہیں (حالانکہ) ایک عالم کا حلق اور گلا کاٹتے ہیں۔

باہزاران انکار می رفتند راہ زیر لب طعنہ زنان بر کار شاہ

یعنی ہزاروں انکار کے ساتھ راستہ چل رہے تھے اور شاہ (عالم) کے کام پر منہ ہی منہ میں طعنہ مار رہے تھے (اور کہتے تھے)

چارہا کردیم وا اینجا چارہ نیست خود دل این مرد کم از خارہ نیست

یعنی ہم (پہلے) بہت علاج کیا کرتے تھے اور اس جگہ علاج ہی نہیں اس شخص (حضور صلے اللہ علیہ وسلم) کا دل پتھر سے کم نہیں۔ مطلب یہ کہ اگر پہلے ہم کسی مصیبت میں پھنستے تھے تو کوئی نہ کوئی علاج کر لیا کرتے تھے مثلاً کسی سے سفارش کرائی یا روپیہ پیسہ دیدیا مگر یہاں کچھ بس چلتا ہی نہیں اور کہتے تھے۔

ماہزاران مرد کار الپ ارسلان با دو سہ عریان و سست و نیم جان

یعنی ہم ہزاروں کام کے آدمی شیران دلیر دو تین ننگوں اور سست اور نیم جانوں کے ساتھ۔

این چنین درماندہ ایم از کجرویست یا ز اختر ہاست یا خود جادوی ست

یعنی ایسے عاجز رہ گئے یہ کجروی کیوجہ سے ہے یا ستاروں کی وجہ سے ہے یا کوئی جادو ہے مطلب یہ کہ وہ اپنے مغلوب ہونے پر تعجب کرتے ہیں کہ ہم جیسے ہزاروں بہادر اور مرد کاران تھوڑے بھوکوں ننگوں سے کس طرح مغلوب ہو گئے اب یہ مغلوب ہونا یا تو ہماری کجروی کی وجہ سے ہے یا ان کا ستارہ غالب ہے اور ہمارا مغلوب اور یا اونھوں نے کوئی جادو کیا ہے جس سے کہ یہ ہوا۔

بخت ما را بر درید آن بخت او تخت ما شد سرنگون از تخت او

یعنی ہمارے بخت کو اوس کے بخت نے پھاڑ دیا اور ہمارا تخت اون کے تخت کی وجہ سے اوندھا ہو گیا (آگے پھر اس پر بھی تعجب کرتے ہیں۔

کار او از جادوئے گر گشت زفت جادوئے کردیم ما ہم چون نرفت

یعنی اونکا کام اگر جادو کیوجہ سے عظیم ہوگیا تو ہم نے بھی تو جادو کیا کیون نہین چلا۔

تفسیر اس آیت کی کہ اِن تَستَفتِحُوا فَقَد جَاءَ کُمُ الفَتحُ یعنی کفار کہتے تھے کہ اے اللہ ہم مین اور محمدؐ مین سے جو کوئی حق پر ہو اوسکی مدد فرما اور یہ بات اس وجہ سے کہتے تھے کہ وہ اپنے کو حق پر جانتے تھے اور اب جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم فتحمند ہوئے تو اون کو تعجب ہوا

از بتان و از خدا درخواستیم　　کہ بکن ما را اگر نا راستیم

یعنی (وہ کہتے تھے کہ) ہم نے بتون سے اور خدا سے درخواست کی تھی کہ ہم کو اوجاڑ اگر ہم ٹیڑھے ہین۔

وان کہ حق و راست است از ما و او　　نصرتش دہ نصرت او را بجو

یعنی جو ہم مین اور اون مین سے حق پر اور رسید ہا ہو اوس کو مدد دے اور اوس کی مدد ڈھونڈھ۔

این دعا بسیار کردیم و صلات　　پیش لات و پیش عزیٰ و منات

یہ دعا ہم نے بہت کی اور خیر خیرات سامنے لات کے اور عزیٰ کے اور منات کے

کہ اگر حق است او پیداش کن　　گر نباشد حق زبون ماش کن

کہ اگر وہ حق پر ہے تو اوس کو غالب کردے اور اگر نہ ہو تو اوس کو ہمارا مغلوب کردے۔

چونکہ وا دیدیم او منصور بود　　ما ہمہ ظلمت بُدیم او نور بود

جبکہ ہم نے دیکھا تو وہی فتحمند تھے۔ ہم بالکل اندھیر تھے اور وہ نور تھے۔

این جواب ماست کانچہ خواستید　　گشت پیدا کہ شما ناراستید

یعنی یہ ہمارا جواب ہے کہ جو کچھ تم چاہتے تھے ہو گیا کہ تم ٹیڑھے ہو (مولانا فرماتے ہین)۔

باز این اندیشہ را از فکر خویش　　کور میکردند دفع از ذکر خویش

یعنی پھر اس سوچ کو اپنے فکر سے اندھا اور اپنے ذکر سے دفع کر دیتے تھے مطلب یہ کہ جب اون کو یہ خیال ہوتا تھا کہ یہ اثر ہماری دعاؤن ہی کا ہے جس کا صریح مطلب یہ تھا کہ حضور مقبول صلی اللہ علیہ وسلم ہی حق پر ہین تو وہ اس بات کو پھر اپنے اوہین تو ہمات اور خیالات مین پڑ کر دفع کر دیتے تھے کیونکہ اگر یہ

خیال غالب ہو جاتا تو مسلمان ہی نہ ہو جاتے اور یوں کہنے لگا کرتے تھے۔

کاین تفکر ما ہم از ادبار رست — کہ صواب او شود در دل درست

یعنی کہ یہ فکر بھی ہمارے ادبار ہی سے پیدا ہوا ہے کہ اونکا حق پر ہونا ہمارے دل میں ثابت ہوا۔

خود چہ شد گر غالب آمد چندبار — ہر کسے را غالب آرد روزگار

خود کیا ہو گیا اگر وہ چندبار غالب آگئے (کیونکہ) زمانہ ہر شخص کو غالب کر دیتا ہے۔ مطلب اون کا یہ تھا کہ اس سے مومنین کا حق پر ہونا ثابت نہیں ہوتا۔

ما ہم از ایام بخت آور شدیم — بارہا بر روے مظفر آمدیم

یعنی ہم بھی ایام کی وجہ سے نصیبہ ور ہو چکے ہیں بارہا اوس پر فتحمند ہوئے ہیں مطلب یہ کہ وہ کہتے تھے کہ اگر یہ اس مرتبہ غالب ہی آگئے تو کیا ہوا ہم بھی تو اون پر بارہا غالب آچکے ہیں۔

باز می گفتند اگرچہ او شکست — چون شکست ما بنود آن زشت و پست

یعنی پھر کہتے تھے کہ اگرچہ اونھوں نے شکست پائی (لیکن) وہ ہماری شکست کی طرح بُری اور ذلیل نہیں تھی۔

زانکہ بخت نیک او را در شکست — داد صد شادی پنہان زیر دست

یعنی کیونکہ نیک نصیبہ نے اونکو شکست میں سیکڑون پوشیدہ خوشیان نیچے ہی نیچے دیدی ہیں۔

کو باشکستہ نمی مانست ہیچ — کہ نہ غم بودش دران نے پیچ پیچ

یعنی کہ وہ شکست کھائے ہوے کے بالکل مشابہ نہیں تھے کیونکہ اوس شکست میں نہ اونکو غم تھا نہ پریشانی۔

چون نشان مومنان مغلوبی است — لیک در اشکست مومن خوبی است

یعنی جب نشان مومنون کا مغلوبی ہے لیکن مومن کی شکست میں خوبی ہے مطلب یہ ہے کہ حدیث میں ہے کہ مومن جھگڑالو آدمی سے ایسا بھاگتا ہے جیسے بکری بھیڑیے سے تو دیکھئے مومن ہونے کی نشانی یہ ہوئی کہ وہ جھگڑوں سے بھاگے اور ڈرے اور اس شکست کھانے ہی میں اوسکی خوبی ہے آگے اسکی ایک مثال دیتے ہیں۔

گر تو مشک و عنبری را بشکنی — عالمے از فیح و ریحان پر کنی

یعنی اگر تم مشک و عنبر کو توڑ لو تو ایک عالم کو خوشبو کے پھیلنے سے پُر کر دو

ور شکستی ناگہان سرگین خر — خانہ ہا پر گند گردد سر بسر

یعنی اور اگر تو نے ناگہان گدھے کی لید توڑ دی تو تمام گھر بالکل گندہ ہو جاوینگے۔

کہ کند خود مشک با سرگین قیاس — آب را با بول اطلس با پلاس

یعنی گوبر کو مشک کے ساتھ کون قیاس کرتا ہے پانی کو پیشاب کے ساتھ اور اطلس کو ٹاٹ کے ساتھ

مطلب یہ ہے کہ مومنین کا شکست کھانا تو ایسا ہے جیسے کہ عنبر اور مشک کا ٹوٹنا کیونکہ شکست میں بھی انکے مراتب عالی ہوتے ہیں۔ اور کفار کا شکست کھانا ایسا ہے جیسا کہ پاخانہ کا کھل جانا کہ یہ لوگ شکست کی حالت میں خسر الدنیا و الآخرۃ کا مصداق ہو جاتے ہیں۔

بھید اس کا کہ واپس آنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حدیبیہ سے بے مراد ہو کر اور حق تعالیٰ کا اوسکو فتح فرمانا کہ اِنَّا فتحنا لک فتحا مبینا صورۃ میں شکست تھی اور اصل میں فتح تھی جیسا کہ مشک کا ٹوٹنا کہ بظاہر ٹوٹنا ہے اور معناً اوسکے فوائد اور کمالات کی تکمیل ہے

وقت برگشت حدیبیہ رسول ۔۔۔ در تفکر بود غمگین و ملول

یعنی رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم حدیبیہ سے لوٹنے کے وقت فکر میں تھے اور ملول تھے۔

ناگہان اندر حق شمع رسل ۔۔۔ دولت اِنَّا فتحنا زد دُہل

یعنی ناگاہ شمع رسل (یعنی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم) کے حق میں دولت اِنَّا فتحنا نے دُہل بجایا مطلب یہ کہ وہاں کی واپسی کے وقت سورۃ انا فتحنا نازل ہوئی۔

آمدش پیغام از دولت کہ رو ۔۔۔ تو ز منع این ظفر غمگین مشو

آیا اونکے پاس پیغام دربار سے کہ جاؤ تم اس فتح کے نہ ہونے سے غمگین نہ ہو۔

کاندرین خواری بقدرت فتحہاست ۔۔۔ نک فلان قلعہ فلان بقعہ تراست

یعنی کہ اس خواری میں قدرت میں بہت سی فتحیں ہیں وہ فلان قلعہ اور فلان زمین تمھارے لئے ہے مطلب یہ کہ ارشاد ہوا کہ اس ظاہری خواری سے رنجیدہ مت ہو اسلئے کہ تم کو دوسری جگہ فتح عظیم ہونے والی ہے

بنگر آخر چونکہ واگردید تفت ۔۔۔ بر قریظہ بر نضیر از وے چہ رفت

یعنی دیکھو تو آخر وہ جلدی سے جب واپس ہوئے قریظہ اور نضیر پر اونکی طرف سے کیا گذرا۔

قلعہا ہم گرد آن دو بقعہا ۔۔۔ شد مسلم وا ز غنائم نفعہا

اون دونوں زمینوں کے گرد قلعے بھی فتح ہو گئے اور غنیمتوں سے بہت سے نفعے مطلب یہ کہ حدیبیہ سے

لوٹنے کے بعد جو فتح کا وعدہ تھا وہ بنی قریظہ اور بنی نضیر کے مفتوح ہونے سے پورا ہوا۔ آگے مولانا فرماتے ہین

ورنہ باشد آن تو بنگر کاین فریق — برغم و رنجند مفتون و عشیق

یعنی اور اگر نہ ہو وہ (فتح) تو دیکھو کہ یہ فریق ہے کہ غم اور رنج پر فریفتہ اور عاشق ہین۔

زہر خواری را چو شکر میخورند — خار غمہا را چو اشتر میچرند

یعنی ذلت کے زہر کو شکر کی طرح کھاتے ہین اور غمون کے کانٹون کو اونٹ کی طرح چرتے ہین۔ مطلب یہ کہ مولانا فرماتے ہین کہ اگر وہ فتح وغیرہ نہ ہوتی تب بھی یہ حضرات خوش ہی تھے اسلئے کہ یہ ظاہری ذلت کو ذلت نہین سمجھتے تھے اور غمون سے گھبراتے نہین تھے تو پھر بھی شکست مین خوش ہی رہتے۔

بہر عین غم نہ از بہر فرج — این تسافل پیش ایشان چون درج

یعنی خاص غم ہی کیواسطے نہ کہ خوشی کے واسطے یہ پستی اونکے سامنے مثل مرتبون کے ہے۔ مطلب یہ ہے کہ حضرات جو اس خواری اور غمونکو برداشت کرتے تھے تو اس مین یہ نیت نہ ہوتی تھی کہ ان غمون کو اوٹھاوینگے تو خوشی حاصل ہوگی بلکہ وہ ان غمون کو غمون ہی کیلئے اٹھاتے تھے۔

آنچنان شادند اندر قعر چاہ — کہ ہمین ترسند از تخت و کلاہ

یعنی وہ کنوین کے گڑھے مین اس طرح خوش ہین کہ تخت و تاج سے ڈرتے ہین۔

در فقیری ہر یکے صد شہریار — در خزان فاقہ صد چون بہار

یعنی فقیری مین ہر ایک سو بادشاہ ہے اور سو فاقون کے خزان مین مثل بہار کے ہے مطلب یہ کہ فقر و فاقہ مین وہ اس قدر خوش ہین جتنا کہ سو بادشاہ اپنی اپنی سلطنت پر خوش ہوتے ہین اور یہ اسلئے ہے۔

ہر کجا دلبر بود خود ہمنشین — فوق گردونست نے زیر زمین

یعنی جس جگہ کہ دلبر اپنا ہمنشین ہو وہ آسمان کے اوپر ہے نہ کہ زمین کے نیچے مطلب یہ کہ اگر کسی کا محبوب و مطلوب کسی زمین کے گڑھے مین اوسکے پاس بیٹھا ہو تو وہ جگہ اوس کے لئے زیر زمین نہ ہوگی بلکہ وہ تو اوس کو آسمان سے بھی بلند پایہ اور عالی مرتبہ سمجھے گا پس اسی طرح چونکہ ان حضرات کو اس ظاہری ذلت و خواری مین بھی معیت حق حاصل تھی اسلئے وہ اوس کو ذلت نہ سمجھتے تھے بلکہ اونکے نزدیک یہی سلطنت اور بادشاہی تھی آگے مولانا ایک حدیث کی تفسیر فرماتے ہین کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مجھے یونس ابن متا پر فضیلت مت دو کیونکہ اگرچہ اون سے ایک خطاء اجتہادی ہوئی لیکن چونکہ وہان بھی معیت حق حاصل تھی تو یہ خطا بھی اون کے لئے موجب نقص نہین ہو سکتی۔ تو دیکھئے اس حدیث سے بھی معلوم ہو گیا کہ اگر قرب حق حاصل ہے تو ظاہری ذلت و خواری کا کچھ اعتبار نہین۔

تفسیر حدیث آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کہ لا تفضلونی علیٰ یونس ابن متا

گفت پیغمبر کہ معراج مرا نیست بر معراج یونس اجتبا

یعنی پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری معراج کو یونس علیہ السلام کی معراج پر کوئی بزرگی نہین۔

آنِ من بر چرخ و آنِ او نشیب زانکہ قرب حق برونست از حسیب

یعنی میرا معاملہ آسمان پر تھا اور اون کا معاملہ نشیب مین اسلئے کہ قرب حق کا حساب سے باہر ہے۔

قرب نے بالا و پستی رفتن است قرب حق از حبس ہستی رستن است

قرب نہ تو اوپر جانا ہے نہ نیچے جانا ہے قرب حق کا ہستی کی قید سے چھوٹنا ہے مطلب یہ کہ حق تعالیٰ کا قرب یہی نہین ہے کہ جو آسمان پر چڑھے وہ زیادہ مقرب۔ بلکہ اصل قرب درجۂ فنا کا حاصل ہونا ہے اس مین جو زیادہ بڑھا ہوا ہوگا وہی زیادہ مقرب ہوگا۔

نیست را چہ جائے بالا پست و زیر نیست را نے زود نے دور است و دیر

یعنی نیست کیلئے کیا اونچی جگہ اور کیا نیچی جگہ اور نیست کیلئے نہ جلدی ہے نہ دوری ہے نہ دیر ہے۔

کارگاہ گنج حق در نیستی است غرۂ ہستی چہ دانے نیست چیست

یعنی حق تعالےٰ کے کارخانہ کا خزانہ عدم مین ہے تو مغرور ہستی کا ہے تو کیا جانے کہ فنا کیا ہے مطلب یہ ہے کہ جب قرب کا مدار فنا پہ ٹھیرا اور مرتبۂ فنا مین نہ اونچائی ہے نہ نچائی نہ دیر ہے نہ جلدی اسلئے کہ وہان تمام باتین فنا ہو رہی ہین اس سے تو زیادہ قرب معلوم نہین ہوتا کہ کوئی زیادہ اوپر چلا گیا ہان اگر دوسرے دلائل سے افضلیت معلوم ہو اوس کو مانین گے یہان کوئی یہ شبہ نہ کرے کہ اس سے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مفضول ہونا معلوم ہوتا ہے کیونکہ حضور کی افضلیت پر تو دلائل قطعیہ قائم ہین بلکہ مقصود مقام کا یہ ہے کہ حضور کو دوسرے انبیاء پر اس طرح فضیلت نہ دیجاوے کہ جس سے دوسرے انبیاء کا نقص معلوم ہو آگے پھر اونہین قیدیون کا مقولہ ہے۔

حاصل این اشکست ایشان ای کیا می نماند ہیچ با اشکست ما

یعنی حاصل یہ کہ اے دانا ان لوگوں کی شکست ہماری شکست سے بالکل مشابہ نہین (کیونکہ)

آنچنان شاد اند در ذل و تلف ہمچو ما در وقت اقبال و شرف

یعنی یہ لوگ ذلت اور تلف ہونے مین ایسے خوش ہین جیسے کہ ہم اقبال اور شرف کے وقت مین۔

برگ بے برگی ہمہ اقطاع اوست فقر وخواری افتخارست وعلواست

یعنی تمام بے سامانی کا سامان اونکی جاگیرین ہین اور فقر اور خواری فخر ہے اور بڑائی ہے۔

آن یکے گفت ارچنان است آن فرید چون بخندید او چو ما را بستہ دید

یعنی اوس ایک نے کہا کہ اگر وہ یکتا ایسے ہین تو کیون ہنسے جب اونھون نے ہمین بندھا ہوا دیکھا۔

چونکہ او مبدل شد است وشاد یش نیست زین زندان وزین آزادیش

یعنی جبکہ وہ بدل چکے ہین اور اونکی خوشی اس قیدخانۂ (دنیا) اور اوس کی آزادی سے نہین ہے۔

پس بقہر دشمنان چون شاد شد چون ازین فتح وظفر پر باد شد

یعنی پھر دشمنون کی مقہور ہونے سے کیون خوش ہوئے اور اس فتح وظفر سے کیون پھول گئے (بلکہ بات یہ ہے)

شاد شد جانش کہ بر شیران نر یافت آسان نصرت وفتح وظفر

اونکی جان خوش ہوئی کہ شیران نر پر آسانی سے نصرت اور فتح اور ظفر پائی۔

پس بدانستیم کو آزاد نیست جز بدنیا دل خوش ودل شاد نیست

پس ہم نے جان لیا کہ وہ آزاد نہین سوائے دنیا کے دل خوش اور دل شاد نہین۔

ورنہ چون خندد کہ اہل آنجہان بر بد ونیک اند مشفق مہربان

یعنی ورنہ کیون ہنستے کہ اوس جہان والے تو بُرے اور اچھے سب پر مشفق اور مہربان ہین۔ مطلب یہ ہے کہ جب اون قیدیون مین سے ایک نے یہ کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس دنیا کی ذلت وخواری راحت وآرام کی کچھ پرواہ نہین ہے اور آخرت کے عیش وآرام کی بنا پر اس ذلت وخواری ہی مین خوش ہین تو اون مین سے ایک اور بولا کہ اگر یہ ایسے ہوتے تو ہم کو قید مین اور مصیبت مین دیکھ کر خوش نہوتے کیونکہ اوس جہان والونکو تو کسی کچھ غرض نہین ہوتی تو اون کے خوش ہونے سے معلوم ہوا کہ یہ دنیا دار ہین اور دنیا کے حاصل ہوجانے پر کہ اون کو اتنا مال ودولت مل گیا اور بڑے بڑے دلیرون پر آسانی سے فتح حاصل ہوگئی خوش ہین۔

این ہمی گفتند در زیر زبان آن اسیران باہم اندر بحث آن

یعنی وہ قیدی آپس مین اوس بحث مین یہ باتیں منہ ہی منہ مین (آہستہ) کہہ رہے تھے۔

تا موکل نشنود بر ما جہد این سخن در گوش آن سلطان نہد

تاکہ سپاہی نہ سن لے اور ہم پر کود ے اور اس بات کو اوس سلطان کے کان مین رکھدے۔

پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا طعن کرنے والونکی بات پر آگاہ ہو جانا

گرچہ نشنید آن موکل این سخن　　رفت در گوش کہ بد آن من لدن

یعنی اگرچہ اوس سپاہی نے اس بات کو نہ سُنا (مگر) اوس کان مین جو (حق تعالےٰ) کے نزدیک تھا پہونچ گئی۔ آگے مولانا اس معلوم ہو جانے کی چند نظیرین لاتے ہین۔

بوئے پیراہان یوسفؑ راندید　　آنکہ حافظ بود یعقوبش شنید

یعنی یوسف علیہ السلام کے پیراہن کی خوشبو کو اوس شخص نے جو کہ محافظ تھا نہ دیکھا اور یعقوب علیہ السلام نے سونگھ لیا۔

آن شیاطین بر عنان آسمان　　نشنوند آن سر لوح غیب دان

یعنی وہ شیاطین آسمان کی بلندی پر غیب کے جاننے والے کی لوح کے بھید کو نہین سن سکتے۔

آن محمدؐ خفتہ و تکیہ زدہ　　آمدہ سر گرد او گردان شدہ

یعنی وہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم سوئے ہوئے اور تکیہ لگائے ہوے اور اسرار اون کے گرد قربان ہوتے ہوئے آئے۔

آن خورد حلوا کہ روزیش است باز　　آن نہ کانگشتان او باشد دراز

یعنی حلوا وہ کھاتا ہے کہ جس کی روزی کشادہ ہو اور وہ نہین جس کی او نگلیین لمبی لمبی ہین مطلب یہ کہ کسی بات کا معلوم کرنا اور حاصل کر لینا اس پر موقوف نہین ہے کہ جو قریب ہو اوس کو ہی حاصل ہو جایا کرے بلکہ اکثر اوقات قریب والے کو پتا بھی نہین چلتا اور دوسرے کو دور ہی بیٹھے بیٹھے سب خبر ہو جاتی ہے۔

نجم ثاقب گشتہ حارث دیوران　　کہ بہل دزدی ز احمد سر ستان

یعنی چمکدار ستارہ نگہبان اور شیاطین کا بھگانے والا ہے کہ چوری کو چھوڑ اور محمد صلے اللہ علیہ وسلم سے اسرار کو لے مطلب یہ کہ شیاطین باوجودیکہ آسمان تک پہونچ جاتے ہین اون کو اسرار حق کی خبر نہین ہوتی اور حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کو دنیا ہی مین تمام اسرار کی اطلاع ہو جاتی ہے آگے مولانا فرماتے ہین۔

اے دویدہ سوئے دکان از پگاہ　　ہین بمسجد رو بجو رزق آلہ

اے دوڑتے ہوئے دوکان کی طرف صبح سے ہان مسجد مین جا اور رزق خداوندی کو ڈھونڈھ۔ مطلب یہ کہ مولانا خطاب کرتے ہین کہ اے لوگو یہ ضروری نہین ہے کہ دوکان پر جاکر تم کو رزق مل ہی جاوے بلکہ رزق رضائے خداوندی سے ملتا ہے اور خود رضا ہی اصل رزق ہے تو اوس کو تلاش کر۔

شرح حبیبی

بس رسول آن گفت شان را فهم کرد ـــ گفت آن خنده نبودم از نبرد
مرده اند ایشان و پوسیده فنا ـــ مرده کشتن نیست مردی پیش ما
خود کیند ایشان که مه گردد شگاف ـــ چونکه من پا بفشرم اندر مصاف
آنگهے کازاد بود و دید دمکین ـــ من شما را بسته می دیدم چنین
اے بنازیده بملک و خاندان ـــ نزد عاقل اشتری بر نردبان
نقش تن را تا فتاد از بام طشت ـــ پیش چشمم کل آت آت گشت
بنگرم در غوره می بینم عیان ـــ بنگرم در نیست شے بینم عیان
بنگرم سر عالمے بینم نہان ـــ آدم و حوا نرسته از جہان
من شما را وقت ذرات الست ـــ دیده ام پابسته و منکوس و پست
از حدوث آسمان بے عمد ـــ آنچه دانسته بدم افزون نشد
من شما را سرنگون می دیده ام ـــ پیش از ان کز آب و گل بالیده ام
نو ندیدم تا کنم شادی بدان ـــ این همی دیدم در ان اقبال تان
بسته قہر خفی وانگه چه قہر ـــ قند میخور دید در وے درج زہر
این چنین قندے پر از زہر از عدو ـــ خوش نبو شد جیت خند آید برو
با نشاط آن زہری کردید نوش ـــ مرگ تان خفیه گرفته ہر دو گوش
من نمی کردم غزا از بہر آن ـــ تا ظفر یابم فرو گیرم جہان
کاین جہان جیفه ست مردار و رخیص ـــ بر چنین مردار چون باشم حریص
سگ نیم تا پرچم مرده کنم ـــ عیسیم آیم که تا زنده اش کنم
زان همی کردم صفوف جنگ چاک ـــ تا رہانم من شما را از ہلاک
زان نمی برم گلوہاے بشر ـــ تا مرا باشد کر و فر و حشر
زان ہمی برم گلوئے چند تا ـــ زان گلوہا عالمے یابد رہا
گر شما پروانه وار از جہل خویش ـــ پیش آتش می کنید این جمله کیش
من ہمی رانم شما را ہمچو مست ـــ از در افتادن در آتش با دو دست

آنکه خود را فتحها پنداشتید | تخم منحوسی خودی کاشتید
یکدگر را جد جدے خواندید | سوے اژدرها فرس می راندید
قهر می کردید اندر عین قهر | خود شما مقهور قهر شیر دهر
دزد قهر خواجه کرد و زر کشید | او دران مشغول خود والی رسید
گر ز خواجه آن زمان بگریختے | کے بر و والی حشرا نگیختے
قاهری دزد مقهوریش بود | زانکه قهر او سر او را ربود
غالبی بر خواجه دام او شود | تا رسد والی وبستاند قود
ایکه تو بر خلق چیره گشتهٔ | در نبرد و غالبی آغشتهٔ
آن بقاصد منهزم کردستشان | تا ترا در حلقه می آرد کشان
هین عنان درکش پئے این منهزم | در مران تا تو نگردی منخرم
چون کشانندت بدین شیوه بدام | حمله بینی بعد ازان اندر زحام
عقل ازین غالب شدن کے گشت شاد | چون درین غالب شدن دیداو فساد
تیز چشم آمد خرد بینائے پیش | که خدایش سرمه کرد از کحل خویش
گفت پیغمبر که هستند از فنون | اهل جنت در خصومتها زبون
از کمال حزم و سوء الظن خویش | نے ز نقص و بد دلی وضعف کیش
در فره دادن شنیده در کمون | حکمت لولا رجال مؤمنون
دست کوتاهی ز کفار لعین | فرض شد بهر خلاص مؤمنین
قصهٔ عهد حدیبیه بخوان | کف ایدیکم تمامت زان بدان
نیز اندر غالبی هم خویش را | دیداو مغلوب دام کبریا
ما رمیت اذ رمیت آمد خطاب | گم شد او والله اعلم بالصواب
زان نمی خندم من از زنجیرتان | کے بگردم ناگهان شبگیرتان
زان همی خندم که با زنجیر و غل | می کشم تان سوے سروستان و گل
اے عجب کز آتش بے زینهار | بسته می آریم تان تا سبزه زار
از سوے دوزخ بزنجیر گران | می کشم تان تا بهشت جاودان
هر مقلد را درین ره نیک و بد | هم چنان بسته بحضرت می کشد

جملہ در زنجیر و بیم و ابتلا | میروند این رہ بغیر اولیا
می کشندش این رہ را بیگار وار | جز کسانی واقف از اسرار کار
جہد کن تا نور تو رخشان شود | تا سلوک و خدمتت آسان شود
کودکان را میبری مکتب بزور | زانکہ ہستند از فواید چشم کور
چون شود واقف بمکتب میدود | جانش از رفتن شگفتہ می شود
میرود کودک بمکتب پیچ پیچ | چون ندید از مزد کار خویش ہیچ
چون کند در کیسہ دانگے دستمزد | آنگہے بیخواب گردد شب چو دزد
جہد کن تا مزد طاعت در رسد | بر مطیعان آنگہت آید حسد
ائتیا کرہا مقلد گشتہ را | ائتیا طوعا صفا بسرشتہ را
این محب حق ز بہر علتے | وان دگر را بے غرض خود خلتے
این محب دایہ لیک از بہر شیر | وان دگر دلدادہ بہر این ستیر
طفل را از حسن او آگاہ نے | غیر شیر او را ازو دلخواہ نے
وان دگر خود عاشق دایہ بود | بے غرض در عشق یکرایہ بود
پس محب حق بامید و بترس | دفتر تقلید میخواند بدرس
وان محب حق ز بہر حق کجاست | کہ ز اغراض و ز علتہا جداست
گر چنین و گر چنان چون طالب است | جذب حق او را سوئے حق جاذب است
گر محب حق بود لغیرہ | کے ینال دائما حسن خیرہ
یا محب حق بود لعینہ | لاسواہ خائفا من بینہ
ہر دو را این جستجوہا زان سراست | این گرفتاری دل زان دلبراست

جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اونکی باتون کو بذریعہ وحی سمجھ لیا اور یہ جواب دیا کہ میرا ہنسنا جنگ کے سبب نہیں ہے کیونکہ کفار مردہ ہین اور فنائے روحانی نے اونکو گلا دیا ہے اور مرے کو مارنا ہمالے نزدیک کوئی بہادری نہیں ہے کہ ہم خوش ہوں یہ تو کیا بلا ہین میری تو یہ حالت ہے کہ اگر مین جنگ مین پاؤں جماؤں تو ماہتاب کا جگر شق ہو جاوے نیز جس وقت تم آزاد تھے اور اپنے مقام مین تم کو پوری قوت حاصل تھی میں اوسی وقت سے تم کو یوں ہی مقید دیکھتا تھا کیونکہ مین جانتا تھا کہ تم خدا کے مخالف ہو اور اوس سے جنگ کرنا چاہتے ہو اور خدا کے مقابلہ مین کوئی کامیاب نہین ہو سکتا لہذا ایک دن مقید ہونا

یا مارا جاتا یا اطاعت کرلینا ضرور ہے غرضکہ تمہاری مغلوبیت لازم ہے کسی عنوان سے ہو اے لوگو جوکہ اس حکومت اور خاندان پر مغرور ہو جوکہ یون ہی زائل ہونے والا ہے جیسے اونٹ کو سیڑھی پر قرار نہین ہوتا خوب سُن رکھو کہ جب سے کہ میرا نقش تن فنا ہوا ہے اوس وقت سے میرے نزدیک ہر وہ شے جو ہونے والی ہے اور جو تن کیوجہ سے محجوب تھی موجود اور پیش نظر ہوگی (تنبیہ طشت از بام افتادن کے معنی راز ظاہر ہونے اور مشہور ہونے کے لکھے ہین مگر یہ معنی بظاہر یہان درست نہین اسلئے ہمنے وہ معنی کئے ہین جو اوپر لکھے گئے خواہ ان معنی مین بھی یہ لفظ مستعمل ہو یا نہو عمی از استلزام معنی منقول اس معنی کو مستلزم ہون۔ واللہ اعلم) اب میرے علم کی وسعت کی یہ حالت ہے کہ خوشۂ انگور مین شراب کا مشاہدہ کرتا ہون اور عدم مین وجود کو دیکھتا ہون یہ تو میرے علم متعلق بمستقبلات کی حالت ہے اب سنو کہ جب مین عالم غیب پر نظر کرتا ہون تو اوس مین ایک عالم کو مخفی پاتا ہون اور دیکھتا ہون کہ ہنوز آدم وحوا کا بھی وجود نہین ہوا یعنی اس حالت کا نظارہ بھی میری پیش نظر ہے غرضکہ ماضی و مستقبل ہر دو کے متعلق میرا علم بہت وسیع ہے گو محدود ہے یہ تو میری موجودہ حالت ہے اب مین اس سے بھی ترقی کرکے دیکھتا ہون کہ جس وقت میثاق کے وقت انسان کو آدم علیہ السلام کی پشت سے چیونٹیونکی شکل مین نکالا گیا تھا مین نے اوسی وقت تم کو اجمالاً پابستہ اور اوندھے مُنہ اور پست دیکھ لیا تھا اور آسمانون کے وجود سے میرے اس علم مین کوئی ترقی نہین ہوئی جو مجھے پہلے تھا۔ ہان مگر اجمال و تفصیل کا فرق ہو سکتا ہے مثلاً مجھے یہ معلوم تھا کہ مجھکو نبی بنایا گیا ہے اور مجھکو دشمنون پر غلبہ دیا جاویگا پس اس واقعہ سے اس علم کا مصداق متعین ہو گیا اور اجمال کی تفصیل ہو گئی مگر کوئی معتد بہ جدید علم زائد نہین ہوا ہان تو مین کہتا ہون کہ مین قبل اس کے کہ آب وگل سے پرورش پاؤن اجمالاً تم کو مغلوب اور سرنگون دیکھ چکا تھا کوئی نئی بات نہین دیکھی کہ خوش ہوون مین تو تم کو بیشتر ہی دیکھ چکا تھا کہ تم قہر مخفی مین مقید ہو اور قہر بھی کیسا کچھ کہ تم قند کھاتے تھے اور اوس مین زہر ملا ہوا تھا کیونکہ یہ حالت زیادہ خطرناک ہے کہ اس مین تنبیہ ہو ہی نہین سکتی کیونکہ اگر کسی بدمزہ شے مین ملا ہو یا تنہا ہو تو اوس سے آدمی بچ سکتا ہے اور جو زہر مرغوب شے مین ملا ہوا ہو اوس سے بچنا نہایت دشوار ہے اب تم سمجھو کہ جب قند ایسی ہو کہ اوس مین دشمن نے زہر ملا دیا ہو اور کوئی اوس کو مزہ لیلے کر کھا رہا ہو تو اوس پر تم کو حسد ہو سکتا ہے ہرگز نہین پس تم خوش خوش زہر کھا رہے تھے اور موت تمہارے کان پکڑے ہوئے تھی اور مین دیکھ رہا تھا تو مجھے تمہاری حالت پر کیا رشک ہو سکتا تھا۔ مین نے اسلئے جہاد نہین کیا ہے کہ مین فاتح ہو کر دنیا بھر پر قبضہ کر لون کیونکہ یہ جہان مردار اور بہت کم قیمت ہے ایسے مردار پر مین کیا حرص کرتا مین کتا نہین کہ مردہ پر تسلط حاصل

کرون بلکہ مین عیسیٰ ہون اور میرا کام مردون کو زندہ کرنا ہے لہذا مین صفہائے جنگ کو اسلئے چیر تا پھاڑتا تھا کہ تمھین ہلاکت سے بچاؤن اور مین لوگونکے گلے اسلئے نہین کاٹتا کہ مجھے کوئی شان وشوکت حاصل ہو اور لاؤ لشکر میرے پاس ہو بلکہ مین اسلئے کاٹتا ہون کہ میرے ایسا کرنے سے مخلوق کے گلے بچ جائین اگر تم پروانہ کی طرح اپنی نادانی سے آگ کے سامنے اپنے پر کرتے ہو تو مین تم کو نہایت جرأت کے ساتھ دونون ہاتھون سے آگ مین گرنے سے بچاتا ہون اور یہ جو تم نے کہا ہے کہ ہم کو بھی فتحین حاصل ہوئی ہین سو جس کو تم اپنی فتح سمجھے ہو یہ فی الحقیقت فتحین نہین ہین بلکہ تم اپنی نحوست کا بیج بو رہے ہو تم آپس مین ایک دوسرے کو پوری کوشش سے بلاتے ہو اور اژدہے کے منہ مین جاتے ہو تم دوسرون کو مغلوب کرتے ہو مگر اس غلبہ مین خود تمہاری مغلوبی پنہان ہے اور شیر زمانہ تم کو مغلوب کر رہا ہے یہ امر بدون مثال کے آسانی سے سمجھ مین نہ آئیگا اسلئے ہم اس کو ایک مثال سے واضح کرتے ہین فرض کرو کہ ایک چور نے ایک امیر کو مغلوب کیا اور اشرفیان لے لین وہ ایسا کر ہی رہا تھا کہ اچانک سپرنٹنڈنٹ پولیس آگیا اور گرفتار کر لیا اب تم سمجھو کہ اس کا اوس امیر کو مغلوب کرنا خود اوس کی مغلوبی تھی یا نہین دیکھو اگر وہ پہلے ہی امیر سے بھاگتا اور اوسے نہ چھیڑتا تو یہ سپرنٹنڈنٹ پولیس اوس پر دوش کیون لاتا۔ پس معلوم ہوا کہ چور کا غلبہ فی الحقیقت اوس کی مغلوبی تھا اس لئے کہ اوس کی غلبہ ہی نے اوس کی گردن ماری ہے۔ جب تم کو یہ معلوم ہوگیا کہ چور کا غلبہ خود اوس کے لئے جال مین جاتا ہے اور اوس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ سپرنٹنڈنٹ پولیس بہو نچکر اوس سے قصاص لیتا ہے تو اب سمجھو کہ تم جو مخلوق پر لڑائی مین غالب ہوتے ہو اور تم کو غصہ سے انفصال ہوتا ہے تو یہ فعل حق سبحانہ قصداً کرتے ہین کہ اون کو تم سے شکست دلاتے ہین تاکہ تم کو پابستہ زنجیر کرکے کھینچین دیکھو اپنے گھوڑے کو روکنا اور ان بھاگنے والون کا تعاقب نہ کرنا تاکہ تم بے موت نہ مارے جاؤ کیونکہ اگر تم ایسا کروگے تو تم جال مین پھنس جاؤگے اور جب اس تدبیر سے تم کو جال مین پھنسا لیا جاویگا تو پھر تم پر جماعت کثیرہ کا دفعۃً حملہ ہوگا اور تم مارے جاؤگے اب تم سوچو کہ عقل ایسے غالب ہونے سے کیونکر خوش ہوسکتی ہے جبکہ وہ اس غلبہ مین اس قدر نقصان دیکھ رہی ہے۔ عقل پیش بین نہایت تیز نظر ہے کیونکہ حق سبحانہ نے اوس کی آنکھ مین اپنے نور کا سرمہ لگایا ہے اور اس سے وہ ابتدا ہی مین نتیجہ کو دیکھ لیتی ہے۔ اسی لئے جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے المومن یھرب من الخصام یعنی مومن جھگڑالو اور مجادل لوگون سے بھاگتے ہین کیونکہ یہ مغلوبی اونکی کمال حزم اور سوء الظن بنفس خود پر مبنی ہوتی ہے کہ ایسا نہ ہو کہ کہین نفس کی شرکت ہو جائے اور اپنی کمی اور کمزوری یا مذہب کی کمزوری کی بنا پر نہین ہوتے خیر یہ گفتگو تو

استطرادی تھی اب سنو کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شکست مین کیا راز تھا پس بعد از مغلوبیت جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے خفیہ طور پر (بذریعہ وحی) غلبہ کفار کی حکمت یہ سنی لولا رجال مومنون الخ جس کا حاصل یہ ہے کہ ہم نے تم کو جنگ سے اس لئے روکا ہے کہ کفار مکہ مین کچھ لوگ خفیہ طور پر ایمان رکھتے تھے اور اونکا تم کو علم نہ تھا پس بہت قریب ہے کہ لڑائی کی صورت مین تم اون کو نقصان پہونچا بیٹھتے اور اس سے ضرر دنیوی یا دینی لاحق ہوتا اس سے بچنے کیلئے ہم نے لڑائی نہ ہونے دی۔ خلاصہ یہ کہ مومنین کو بچانے کیلئے کفار پر دست درازی نہ کرنا فرض ہوا تھا اس کی تصدیق کے لئے قصہ حدیبیہ قرآن مین پڑھ جس کا تتمہ کف ایدیہم الخ ہے۔ پس اس مغلوبی مین بھی مسلمانون ہی کی فتح تھی کیونکہ مسلمان ضرر سے بچ گئے کفار کا اس مین کوئی فائدہ نہ تھا کہ وہ تو بالآخر مغلوب ہوئے ہی زیادہ سے زیادہ یہ مغلوبی کچھ دنون کے لئے ملتوی ہوگئی جو ان کے لئے محض بے سود تھی سو اس سے یہ ثابت ہوا کہ وہ مغلوب حق تھے نہ کہ مغلوب کفار۔ اور یہ بات اون کو غلبہ کی صورت مین بھی حاصل تھی چنانچہ فرمایا گیا ہے مَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ رَمٰی جس سے ثابت ہوا کہ جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم محض جارحہ حق سبحانہ تھے اور کرنے والا حق سبحانہ تھا پس ان کے لئے فتح و شکست دونون برابر ہیں نہ فتح ان کی شجاعت سے ہوئی نہ شکست انکی بزدلی سے پھر ان کو نہ فتح کی خوشی ہو سکتی ہے نہ شکست کا رنج وہ ہر حال مین راضی برضائے حق ہین جب حالت یہ تھی تو آپ نے فرمایا کہ مین فتح پر خوش نہین ہوتا اور اس لئے نہین ہنستا کہ میں نے دفعتہً تم پر حملہ کر کے گرفتار کر لیا بلکہ اسلئے ہنستا ہون کہ تم کو پابہ زنجیر باغ جنت کیطرف لیجایا جا رہا ہے اور میرے ہنسنے کا باعث یہ تعجب ہے کہ زبردستی تم کو آتش دوزخ سے بچا کر ابدی بہشت میں لیجا رہا ہون کہ تم مغلوب ہو کر ہی ایمان لے آؤ اور بہشت کے مستحق بن جاؤ اب مولانا فرماتے ہین کہ راہ امید بہشت و خوف دوزخ مین ہر مقلد کی یہی حالت ہے کہ اوس کو باندھ کر حق سبحانہ کیطرف لایا جاتا ہے یہ لوگ خوف و تکالیف دوزخ کی زنجیر دن میں بندھے ہوئے خدا کی طرف جاتے ہین بجز اولیا کے کہ وہ بخوشی جاتے ہین مقلدین اس راستہ کو نہایت ناگواری کے ساتھ طے کرتے ہین اور اہل اللہ جو کہ واقف راز ہین خوش خوش جاتے ہین جب یہ فرق معلوم ہوگیا تو اب تم کو چاہیئے کہ تم بھی مجاہدہ کر کے نور باطن حاصل کرو تاکہ یہ راہ روی اور اطاعت حق تم پر آسان ہو جاوے اور ناگوار نہ رہے۔ دیکھو تم بچون کو زبردستی مکتب مین لیجاتے ہو کیونکہ وہ اوس کے فوائد سے ناواقف ہوتے ہین لیکن جبکہ وہ واقف ہوجاتے ہین تو خود دوڑ دوڑ کر جاتے ہین اور مکتب مین جانے سے اون کو نہایت خوشی ہوتی ہے نیز جونکہ بچہ اپنی محنت کا صلہ نہین دیکھتا اسلئے نہایت پیچ و تاب کے ساتھ مکتب مین جاتا ہے اور جبکہ وہ اپنی محنت کے صلہ مین بٹوہ مین پیسے ڈالتا ہے تو

چور ونکی طرح رات بھر جاگتا ہے اور کہتا ہے کہ کب صبح ہو کہ میں مکتب میں جاؤں اور پیسہ کماؤں پس تم بھی کوشش کرو تاکہ تم کو بھی تمہاری اطاعت کا صلہ ملے اور اوس وقت تم کو اپنے سے زیادہ طاعت کرنے والوں پر رشک آئے یعنی بجائے کراہت کے نہایت رغبت پیدا ہو جاوے جب یہ معلوم ہو گیا کہ طائعین دو قسم کے ہیں۔ کچھ قسراً طاعت کرتے ہیں۔ خواہ وہ قاسر معاوضہ ہو یا کچھ اور اور کچھ طبعاً کرتے ہیں تو اس سے معلوم ہو گیا کہ ائیتا طوعاً او کرہاً۔ مین او تنویع و تقسیم کیلئے ہے نہ کہ شک و تشکیک کیلئے اور ائیتا کرہاً مقلدین کو خطاب ہے۔ اور ائیتا طوعاً صافی درون اور پاک باطن لوگون کو اہل اللہ خدا سے بدون غرض جر منفعت کے اور محض اسلئے کہ وہ اوس کا مستحق ہے محبت کرتے ہیں اور مقلدین اوس سے غرض سے محبت کرتے ہیں اوس کی ایسی مثال ہے جیسے کہ بچہ بھی دایہ سے محبت کرتا ہے اور اوس کا عاشق بھی مگر بچہ دودھ کیلئے اوس سے محبت کرتا ہے۔ مگر عاشق خود اوس کے کمال پر مفتون ہے بچہ کو اوس کے حسن سے واقفیت بھی نہیں ہوتی اور اوس سے اوس کو بجز دودھ کے اور کچھ مطلوب نہین ہوتا۔ اور دوسرا خود اوسی پر عاشق ہوتا ہے اور اوس کی اور کوئی غرض ہی نہین ہوتے پس جو لوگ خدا سے بطمع انعام ویا بخوف آلام محبت کرتے ہیں یہ کتاب تقلید کا سبق پڑھتے ہیں اور مقلدین ان کو اوس سے کیا نسبت جو خدا سے فدا ہونے کے سبب محبت کرتے ہین اور اغراض سے بالکل یکسو ہیں یہ ان مین باہمی فرق ہے لیکن واقع مین ولاحت حق خود ایک کمال ہے خواہ بطمع ہو یا بلا طمع گو ثانی اول سے اعلیٰ ہے پس خواہ ایسا ہو یا ویسا جبکہ وہ طالب ہے تو وہ مطلوب حق ہے اور حق سبحانہ نے اوس کو اپنی طرف کھینچا ہے اور اگر کوئی حق سبحانہ سے لغیرہ محبت کرے اور مقصد یہ ہو کہ اوس کا نفع اوس کو ہمیشہ پہنچے یا اوس سے لذاتہ لا لغیرہ محبت کرے اور اوس کی مفارقت سے ڈرنے کوئی صورت ہو دونوں کی طلب محمود ہے اور حق سبحانہ ہی کی طرف سے ہے اور اون کے دلکو اسی دلبر نے پھنسایا ہے لہذا دونوں محمود العاقبت اور سعید البخت ہیں (اللہم اجعلنا منہم)

شرح شبیری

رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا اون قیدیونکے دل کی بات کو معلوم کرلینا

پس رسول آن گفتِ شان را فہم کرد گفت آن خندہ بنودم از نبرد

یعنی پس رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اونکے اوس کہنے کو سمجھ لیا۔ اور فرمایا کہ میری وہ ہنسی لڑائی کے وجہ سے نہ تھی یعنی مین اس لئے نہین ہنسا تھا کہ مجھے اس لڑائی مین فتح ہو گئی اس لئے کہ یہ کچھ خوش ہونیکی بات ہی نہین کیونکہ

مردہ اندایشان و پوسیدہ فنا　　مردہ کشتن نیست مردی پیش ما

یعنی وہ لوگ تو مردہ ہین اور پوسیدہ اور فنا ہونے والے مردہ کو مار ڈالنا ہمارے نزدیک مردانگی نہین ہے۔

خود کیند ایشان کہ مہ گردد شگاف　　چونکہ من پا بفشرم اندر مصاف

یعنی خود وہ تو کیا ہین چاند پھٹ جاوے جبکہ مین لڑائی کے اندر پاؤن جماؤن مطلب یہ کہ بھلا مین تمھارے مغلوب ہونے سے تو کیا ہی خوش ہوتا کیونکہ میری تو وہ شان ہے کہ اگر مین لڑائی مین ایک قدم مارون تو چاند جیسا عظیم الجثہ بانور بھی ٹکڑے ٹکڑے ہو جاوے۔

اے کہ آزاد بودید و مکین　　من شمارا بستہ می دیدم چنین

یعنی جس وقت کہ تم آزاد اور اپنے اپنے بیٹھکا نون مین تھے مین تم کو اسی طرح بندھا ہوا دیکھ رہا تھا مطلب یہ کہ خوش اوس شئے پر ہوتے ہین کہ توقع کے خلاف خوشی کی بات ہو جاوے اور تمھارا قید ہونا اور یہ کہ تم میرے سامنے اس طرح بندھے ہوے آؤگے مجھے پہلے سے معلوم تھا تو پھر خوشی کی کیا بات تھی۔

اے بنازیدہ بملک و خاندان　　نزد عاقل اشترے بر نردبان

اے ملک اور خاندان پر اترائے ہوئے (یہ) عاقل کے نزدیک (مثل) ایک اونٹ کے ہے سیڑھی پر۔ مطلب یہ کہ دنیا کے ملک اور خاندان پر اترانا ایسا بے جوڑ ہے جیسے کہ اونٹ کا سیڑھی پر ہونا بے جوڑ ہے۔

نقش تن را تا فتاد از بام طشت　　پیش چشمم کل آت آت گشت

یعنی نقش تن کا طشت جب بام سے گرا تو میری آنکھ کے سامنے ہر آنے والی چیز آ گئی تھی۔ مطلب یہ کہ جب اس تن کا ظہور ہوا ہے اور یہ تمام عالم پیدا ہوا ہے مجھکو درجۂ روحانیت مین تمام ضروری باتونکا علم ہو گیا تھا۔

بنگرم در غورہ می بینم عیان　　بنگرم در نیست شئے بینم عیان

یعنی مین کچا انگور دیکھتا ہون تو شراب کو ظاہر طور پر دیکھ لیتا ہون اور نیست مین نظر کرتا ہون تو شئے دیکھ لیتا ہون ظاہر طور پر مطلب یہ کہ جو چیز ہونے والی ہوتی ہے تو قبل از وجود وہ مجھے مکشوف ہو جاتی ہے

بنگرم سر عالمے بینم نہان　　آدم و حوا نرستہ از جہان

یعنی مین پوشیدہ دیکھتا ہون تو ایک مخفی عالم کو دیکھتا ہون (اوس حال مین) کہ آدم و حوا علیہما السلام جہان سے پیدا نہ ہوئے تھے۔

من شمارا وقت ذرات الست　　دیدہ ام پا بستۂ و منکوس و پست

یعنی تم کو ذرات الست کے وقت سے پاؤن بندھے ہوے اور اوندھے ذلیل دیکھ رہا تھا۔

از حدوث آسمان بے عمد انچہ دانستہ بدم افزون نشد

یعنی آسمان بے ستون کے پیدا ہونے سے پہلے مین جو کچھ جانچ چکا تھا وہ زیادہ نہین ہوا مطلب یہ کہ عالم کی پیدایش سے پہلے ہی مجھے ضروری امور کا علم اجمالی ہو چکا تھا۔

من شمارا سرنگون می دیدہ ام پیش ازان کز آب وگل بالیدہ ام

یعنی مین تم کو اس سے پہلے کہ مین آب وگل سے پرورش پاؤن اوندھا دیکھ رہا تھا۔

نو ندیدم تا کنم شادی بدان این ہمی دیدم دران اقبال تان

یعنی مین نے کوئی نیا نہین دیکھا ہے جو مین اوس کی وجہ سے خوشی کرون اس کو مین تمھارے نصیبہ مین دیکھ رہا تھا

بستۂ قہر خفی وانگہ چہ قہر قند می خورد یدر دروے درج زہر

یعنی اس حال مین کہ قہر مخفی کے بستہ تھے اور کیسا کچھ قہر تم قند کھا رہے تھے اور اوس مین زہر داخل تھا مطلب یہ کہ تم مقہور حق تھے اور اوس مین عیش وعشرت کر رہے تھے حالانکہ وہ عیش وعشرت ہی تمھارے لئے سم قاتل تھا آگے ایک اس کی مثال دیتے ہین۔

این چنین قندے پر از زہر از عدو خوش بنوشد چیت حسد آید برو

یعنی اگر ایسے زہر کی بھری ہوئی قند دشمن کھاوے تو تمھین کیا اوس پر حسد آوے مطلب یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمھارا وہ عیش وآرام اصل مین زہر تھا اور تم اوس مین منہمک تھے تو اوس کی تو ایسی مثال ہے کہ ہمارا دشمن زہر ملی ہوئی قند کھانے لگے تو کیا ہمین اوسپر حسد آویگا کہ یہ قند اس کو نہ ملے اور ہمین مل جاوے اور کیا اوس قند کے ملجانے پر ہمین کوئی خوشی ہو سکتی ہے۔

با نشاط آن زہر می کردی بنوش مرگ تان خفیہ گرفتہ ہر دو گوش

یعنی عیش کے ساتھ تم وہ زہر پی رہے تھے اور موت خفیہ طور پر تمھارے دونون کان پکڑے ہوئی تھی (اور فرماتے ہین)۔

من نمی کردم غزا از بہر آن تا ظفر یابم فروگیرم جہان

یعنی مین لڑائی اس واسطے نہین کرتا تھا کہ فتح پاؤن اور ملک لیلون (کیونکہ)

کاین جہان جیفہ است و مردار و خسیس بر چنین مردار چون باشم حریص

یعنی کہ یہ جہان مردار اور ناپاک اور بے قیمت ہے تو ایسے مردار پر مین کیونکر حریص ہون (اسلئے کہ)

سگ نیم تا پرچم مردہ کنم عیسیم آیم کہ تا زندہ اشس کنم

یعنی مین کتا تو نہین کہ مردہ کی کھال اوکھاڑ دن عیسیٰ ہون مین آتا ہون تاکہ زندہ اوس کو کردون مطلب یہ کہ مجھے اس مردار دنیا کی کیا ضرورت تھی کہ جو مین اس کے لئے قتل وقتال کرتا بلکہ

زان ہمی کردم صفوف جنگ چاک تا رہانم مر شمارا از ہلاک

یعنی مین لڑائی کی صفون کو اس لئے چاک کر رہا تھا تاکہ تم کو ہلاکت سے چھڑاؤن۔

زان نمی برم گلوہائے بشر تا مرا باشد کروفر حشر

یعنی مین لوگون کے گلے اس لئے نہین کاٹتا تھا کہ میرے لئے کروفر اور انجام ہو جاوے (بلکہ)

زان ہمی برم گلوئے چند تا زان گلوہا عالمے یابد رہا

یعنی مین چند گلے اس واسطے کاٹ رہا تھا تاکہ اون گلون سے ایک عالم رہائی پاوے۔

گر شما پروانہ وار از جہل خویش پیش آتش می کیند این جملہ کیش

یعنی اگرچہ تم پروانہ کی طرح اپنے جہل کی وجہ سے آگ کے سامنے یہ تمام مذہب کر رہے تھے۔

من ہمی رانم شمارا ہمچو مست از در افتادن در آتش با دو دست

یعنی مین تم کو آگ مین گرنے سے دونون ہاتھون سے مست کی طرح ہٹا رہا ہون مطلب یہ کہ جس طرح مست کو بچایا کرتے ہین کہ اوسے خود کچھ خبر نہین ہوتی اسی طرح فرماتے ہین کہ مین تم کو بچا رہا ہون۔ امام بخاری نے ایک روایت نقل کی ہے۔ عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مثلی کمثل رجل استوقد نارا فلما اضاءت ما حولہا جعل الفراش وھذہ الدواب التی تقع فی النار یقعن فیہا وجعل یحجزھن و یغلبنہ فیقتحمن فیہا فانا آخذ بحجزکم عن النار وانتم تقتحمون۔ اسی روایت کے مضمون کو مولانا اس جگہ فرماتے ہین کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مین جو تم سے لڑتا تھا وہ ملک گیری کے لئے نہین بلکہ تم اپنے مذہب کی باتین کرتے آگ مین گھسے جاتے تھے اور مین تم کو اوس سے ہٹانا چاہتا ہون۔

آنکہ خود را فتح ہا پنداشتید تخم منحوسے خودی کاشتید

یعنی جس کو کہ تم اپنے لئے فتح سمجھتے تھے وہ تم اپنی منحوسی کا بیج بو رہے تھے۔

یک دگر را جد و جد می خواندید سوئے اژدرہا فرس می راندید

یعنی ایک دوسرے کو کوشش اور کوشش سے بلا رہے تھے اور اژدہا کی طرف گھوڑا چلا رہے تھے۔

قہر می کردید اندر عین قہر خود شما مقہور قہر شیر دہر

یعنی تم عین قہر مین ظلم کر رہے تھے خود تم شیر زمانہ کے قہر کے مقہور تھے مطلب یہ کہ تم خود قہر حق مین مبتلا تھے

اور او سپر ظلم کر رہے تھے آگے اس مضمون کو ایک مثال مین بیان فرماتے ہین۔

بیان اس کا کہ ظالم عین ظلم کرنے کے وقت مقہور ہے

دزد قہر خواجہ کرد و زر کشید　　او بدان مشغول خود والی رسید

یعنی چور نے خواجہ پر ظلم کیا اور روپیہ لے لیا وہ اسی مین مشغول تھا کہ حاکم خود پہونچ گیا۔

گر ز خواجہ آن زمان بگریختی　　کے بر د والی حشر انگیختی

یعنی اگر خواجہ سے اوس وقت بھاگ جاتا تو اوسپر حاکم کب مجمع کو ڈالتا۔

قاہری دزد مقہوریش بود　　زانکہ قہر او سر او در ربود

چور کا ظلم اوسی کی مغلوبیت ہوگئی اسلئے کہ اوسی کا قہر اوسکے سر کو لے گیا۔

غالبی بر خواجہ دام او شود　　تا رسد والی و بستاند قود

خواجہ پر غالب ہو جاتا اوسی (چور) کے لئے جال ہو جاتا ہے یہان تک کہ حاکم پہونچتا ہے اور بدلہ لیتا ہے۔ آگے مولانا فرماتے ہین۔

ایکہ تو بر خلق چیرہ گشتۂ　　در نبرد و در غالبی آغشتۂ

یعنی کہ شخص جو ایک مخلوق پر غالب ہو رہا ہے اور مقابلہ اور غالب ہونے میں ملا ہوا ہے تو

آن بقاصد منہزم کردست شان　　تا ترا در حلقہ می آرد کشان

یعنی اوس (حق تعالیٰ) نے قصداً اون (لوگون) کو پست کر دیا تاکہ تجھکو حلقہ مین کھینچتا ہوا لاوے مطلب یہ کہ حق تعالےٰ نے جو تجھے غالب اور اونکو مغلوب بنایا ہے اس سے مقصود یہ ہے کہ تو خوب ظلم کرلے تاکہ پھر تجھے ایکدم سے گرفتار کرلین لہٰذا تجھے چاہیئے۔

ہین عنان درکش پئے این منہزم　　در مران تا تو نگردی منخرم

یعنی ہان اس پست ہونے والے کے پیچھے سے باگ کھینچ لے (سواری کو) چلا مت تاکہ تو مقطوع نہ ہو جاوے مطلب یہ کہ ان مظلومون پر ظلم کرنا چھوڑ دے اسلئے کہ کہین ان پر ظلم کرنے سے تجھ پر وبال نہ آجائے۔

چون کشانندت بدین شیوہ مدام　　حملہ بینی بعد از ان اندر زحام

یعنی جب تجھکو قضا و قدر اس طریقہ سے جال میں کھینچ لین گے تو اوس کے بعد تو ازدحام کے اندر حملہ دیکھے گا۔

عقل ازین غالب شدن کے گشت شاد　　چون درین غالب شدن دید او فساد

یعنی عقل اس غالب ہونے سے کب خوش ہوئی جبکہ اس غالب ہونے مین اوس نے فساد دیکھا۔

تیز چشم آمد خرد بینائی پیش   کہ خدایش سرمہ کرد از کحل خویش

یعنی عقل انجام بین تیز چشم ہوتی ہے جبکہ خدائے تعالیٰ نے اوسکا سرمہ اپنے سرمہ سے کیا۔ مطلب یہ کہ جو عقل انجام بین ہے اور حق تعالیٰ نے اوسے بصیرت عطا فرمائی ہے وہ پہلے ہی دیکھ لیتی ہے کہ اس غالب ہونے میں بجز فساد کے کچھ نفع نہین لہذا اس سے وہ کبھی خوش نہین ہوتی۔

گفت پیغمبر کہ ہستند از فنون   اہل جنت در خصومتہا زبون

یعنی پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ فنون کی وجہ سے اہل جنت جھگڑون مین عاجز ہوتے ہین

از کمال حزم و سوء الظن خویش   نے ز نقص و بد دلی و ضعف کیش

اپنے کمال احتیاط اور برائی کے اندیشہ کیوجہ سے نہ کہ کمی اور بد دلی اور مذہب کے ضعیف ہونیکی وجہ سے مطلب یہ کہ حضور مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو نیک لوگ ہین وہ جھگڑوں میں ہمیشہ خود ہی مغلوب ہوجاتے ہین اور یہ مغلوب ہونا کسی نقصان اور بد دلی کی وجہ سے نہین ہوتا۔

در فرو دادن شنیدہ در کمون   حکمت لولا رجال مومنون

یعنی غلبہ دینے مین وہ پردہ ہی مین لولا رجال مومنون کی حکمت کو سُنے ہوئے تھے۔

دست کوتاہی ز کفار لعین   فرض شد بہر خلاص مومنین

کفار لعین سے ہاتھ روکنا مومنین کے چھٹکارہ کے واسطے فرض ہوا۔

قصۂ عہد حدیبیہ بخوان   کف ایدیکم تمام از آن بدان

حدیبیہ کے زمانہ کے قصہ کو پڑھ لے کف ایدیکم پورے کو اسی وجہ سے جان۔ مطلب یہ کہ اوپر کہا ہے کہ نیک لوگ جھگڑون مین ہمیشہ خود ہی مغلوب ہوجاتے ہین۔ اور یہ مغلوب ہونا کسی احتیاط کی وجہ سے ہوتا ہے اب یہان اوس کی ایک نظیر بیان کرتے ہین کہ دیکھو حُدیبیہ مین جو بظاہر مسلمان مغلوب ہوگئے اوسکی حکمت وہ تھی جو کہ آیت لولا رجال مومنون الایہ مین بیان کی گئی ہے کہ اگر مومنین مغلوب نہ ہوتے تو مکہ مین جو پوشیدہ ایمان والے مسلمان موجود تھے وہ بھی اس لڑائی مین مارے جاتے اور پھر مسلمانون پر اسکا وبال پڑتا۔ لہذا حق تعالیٰ نے دونون طرف سے ہاتھ رکوائے اور قتال نہ ہونے دیا تو دیکھئے کہ انکی مغلوبیت مین کس قدر عظیم الشان مصلحت تھی آگے فرماتے ہین۔

نیز اندر غالبی ہم خویش را   دید او مغلوب دام کبریا

یعنی غلبہ کی حالت مین بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے کو حق تعالیٰ کے جال کا مغلوب دیکھا (اسلئے کہ)

ما رمیت اذ رمیت آمد خطاب   گم شدہ او واللہ اعلم بالصواب

یعنی مارمیت اذرمیت کا خطاب آیا تو آپ فنا ہو گئے واللہ اعلم بالصواب مطلب یہ کہ جھگڑون مین تو اپنے کو مصلحت کی وجہ سے مغلوب کر ہی لیتے تھے مگر غلبہ کی حالت مین بھی وہ اپنے کو مغلوب ہی سمجھتے تھے جیسا کہ مارمیت اذرمیت سے صاف ظاہر ہے کہ حضور کی رمی کو حق تعالےٰ نے اپنی ہی رمی فرمایا جس سے کہ درجہ کمال فنا اور اتحاد اصطلاحی معلوم ہوتا ہے تو یہان بھی باوجودیکہ غلبہ تھا لیکن دست قدرت حق سے مغلوب ہی ہے آگے پھر حضور مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا قیدیون سے ارشاد ہے۔

زان نمی خندم من از زنجیر تان ۔ کے بگردم ناگہان شبگیر تان

یعنی مین تمھاری زنجیر پر اس وجہ سے نہین ہنستا کہ مین تمہارا ناگہان رات کا پکڑنے والا ہو گیا (بلکہ)

زان ہمی خندم کہ با زنجیر و غل ۔ می کشم تان سوے سروستان و گل

مین اسلیئے ہنستا ہون کہ قید و زنجیر کے ساتھ تم کو باغ اور پھول کی طرف کھینچ رہا ہون

اے عجب کز آتش بے زینہار ۔ بستہ می آریم تان تا سبزہ زار

تعجب ہے کہ بے پناہ آگ سے مین تم کو سبزہ زار کی طرف کھینچتا ہوا لا رہا ہون۔

از سوئے دوزخ بزنجیر گران ۔ می کشم تان تا بہشت جاودان

یعنی دوزخ کی طرف سے بھاری زنجیر کے ساتھ مین تم کو بہشت جاودانی کی طرف لا رہا ہون آگے مولانا فرماتے ہین۔

ہر مقلد را درین رہ نیک و بد ۔ ہم چنان بستہ بحضرت می کشد

یعنی ہر مقلد کو اس نیک (بہشت) اور بد (دوزخ) راستہ مین اسی طرح باندھے ہوئے بارگاہ باری تک کھینچ رہے ہین (مقلد سے مراد عوام ہین)۔

جملہ در زنجیر بیم و ابتلار ۔ می روند این رہ بغیر اولیار

یعنی سب خوف اور امتحان کی زنجیر مین یہ راہ چل رہے ہین سوائے اولیاء اللہ کے (کہ وہ اپنی رضا سے چل رہے ہین)۔

می کشند این راہ را بیگار وار ۔ جز کسانے واقف از اسرار کار

یعنی اس راستے کو (عوام) بیگار کی طرح کھینچ رہے ہین سوائے اون لوگون کے جو کام کے اسرار سے واقف ہین

جہد کن تا نور تو رخشان شود ۔ تا سلوک و خدمتت آسان شود

یعنی کوشش کر تا کہ تیرا نور روشن ہو جاوے اور تا کہ تجھکو سلوک اور خدمت آسان ہو جاوے آگے اس کی ایک مثال دیتے ہین۔

کودکان را میبری مکتب بزور　　　زانکه ہستند از فوائد چشم کور

یعنی بچون کو زبردستی مکتب لیجاتے ہو اسلئے کروہ فوائد (مکتب) سے اندھے ہین۔

چون شود واقف بمکتب می رود　　　جانش از رفتن شگفتہ می شود

یعنی جب (فوائد مکتب سے) واقف ہو جاتا ہے تو مکتب کی طرف دوڑتا ہے جان اوسکی (مکتب) جانے سے شگفتہ ہوتی ہے۔

میرود کودک بمکتب پیچ پیچ　　　چون ندید از مزد کار خویش ہیچ

یعنی بچہ مکتب مین گھبراتا ہوا جاتا ہے جبکہ وہ اپنے کام کی مزدوری ہی نہ دیکھے۔

چون کند در کیسہ دانگے دستمزد　　　انگہے بے خواب گردد ہمچو دزد

یعنی جب بٹوہ مین ایک پیسہ مزدوری کا رکھ لیتا ہے تو اُس وقت چور کی طرح رات کو بیخواب ہو جاتا ہے یعنی پھر تو شوق مکتب مین رات کو نیند بھی نہین آتی آگے مولانا فرماتے ہین۔

جہد کن تا مزد طاعت در رسد　　　بر مطیعان انگہان آید حسد

یعنی کوشش کرتا کہ طاعت کی مزدوری پہونچے اوس وقت تجھکو طاعت کرنے والون پر غبطہ ہو یعنی کوشش کرکے کچھ حاصل کر اوس وقت تجھے اپنے سے زیادہ لوگون پر غبطہ ہوگا اور چاہے گا کہ مین بھی ایسا ہی ہو جاؤن

ائیتا کرہاً مقلد گشتہ را　　　ائیتا طوعاً صفا بسرشتہ را

یعنی مقلد کیلئے تو ائیتا کرھاً ہے اور صفا سے ملے ہوئے کے لئے ائیتا طوعاً ہے۔

این محب حق ز بہر علتے　　　وان دگر را بے غرض خود خلتے

یہ (عوام) تو حق تعالیٰ کے محب کسی علت کیوجہ سے ہین اور اوس دوسرے (یعنی اولیاء) کو خود ایک دوستی ہے آگے اس کی ایک مثال دیتے ہین۔

این محب دایہ لیک از بہر شیر　　　وان دگر دلدادہ بہر این ستیر

یعنی یہ (بچہ) دایہ کا عاشق ہے لیکن دودھ کے واسطے اور وہ (زوج دایہ) اوس عورت کا دلدادہ ہے کیونکہ

طفل را از حسن او آگاہ نے　　　غیر شیرا و را از و دلخواہ نے

یعنی بچہ کو اوس کے حسن کی خبر نہین ہے اور سوائے دودھ کے اوس کو اوس سے کچھ مطلوب نہین ہے۔

وان دگر خود عاشق دایہ بود　　　بے غرض در عشق یک رایہ بود

اور وہ دوسرا (زوج دایہ) خود دایہ کا عاشق ہوتا ہے بغیر کسی غرض کے عشق مین ایک رائے والا ہوتا ہے آگے اسپر تفریع فرماتے ہین۔

پس محب حق بامید و بترس دفتر تقلید میخواند بدرس

پس جو خدا کا محب امید اور خوف کی وجہ سے ہے وہ سبق مین دفتر تقلید کو پڑھ رہا ہے۔

وان محب حق زبہر حق کجاست کہ زاغراض و ز علتہا جداست

یعنی وہ محب حق جو حق ہی کے واسطے ہو کہان ہے جو کہ غرضون اور علتون سے جُدا ہے۔

گر چنین و گر چنان چون طالب ست جذب حق او را سوئے حق جاذب ست

اگر اس طرح خواہ اوس طرح جب طالب ہے جذب حق اوسکے لئے حق کی طرف جاذب ہے۔ مطلب یہ کہ اوپر عوام کی محبِ حق کو باغرض بتلایا تھا اور بظاہر اوس کی کچھ مذمت کی تھی تو عوام کو اوس سے کچھ یاس ہوئے اوسکو دفع فرماتے ہین کہ غرض کے ساتھ بے غرضی کے ساتھ جس طرح بھی ہو جب طلب ہوگی تو اوس طرف سے کشش بھی ہوگی اور وہ کشش ایک دن مقصود تک پہونچا بھی دیگی لہذا اصل چیز طلب ہے۔ اوس کو پیدا کرنا چاہیئے۔

گر محب حق بود لغیرہ کے ینال دائما من خیرہ

یعنی اگر محب حق غیر حق کی وجہ سے ہوگا تو اوس کی خیر سے ہمیشہ کب پہونچتا ہے مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی بہشت وغیرہ ہی کی وجہ سے محب حق ہے تو اوس کو اس وقت تو بہشت مل ہی نہین ہی ہے اور محب اس وقت ہے تو یہ محب لغیرہ بھی ایک درجہ مین محب لعینہ ہوا۔

یا محب حق بود لعینہ لاسواہ خائفا من بینہ

یا محب حق خاص حق کے واسطے ہو اور حق کے سوائے کسی سے ڈرنے والا نہ ہو۔

ہر دو را این جستجو ہا زان سرست این گرفتاری دل زان دلبرست

دونون کی جستجو مین اوسی طرف سے ہین اور یہ دلکی گرفتاری اوس دلبری کی وجہ سے ہے۔

شرح حبیبی

آمدیم اینجا کہ در صدر جہان گر نبودے جذب آن عاشق نہان
ناشکیبا کے بُدے او از فراق کے دوان باز آمدی سوئے وثاق
میل معشوقان نہانست و ستیر میل عاشق با دو صد طبل و نفیر
یک حکایت ہست اینجا ز اعتبار لیک عاجز شد بخاری ز انتظار
ترک آن کردیم کو در جستجوست تا کہ پیش از مرگ بیند روئے دوست

تا رہد از مرگ یا بداد نجات ‏ زانکہ دید دوست ستت آب حیات

ہر کہ دید او نباشد دفع مرگ ‏ دوست نبود کہ نہ میوہ استش نہ برگ

کار آن کار ست ای مشتاق مست ‏ کاندران کار ار رسد مرگت خوشست

صد نشان صدق ایمان ای جوان ‏ آنکہ آید خوش ترا مرگ اندران

گر نشد ایمان تو ای جان چنین ‏ نیست کامل رو بجو اکمال دین

ہر کہ اندر کار تو شد مرگ دوست ‏ بر دل تو بے کراہت دوست اوست

چون کراہت رفت آن خود مرگ نیست ‏ صورت مرگ ست و نقلان کردنیست

چون کراہت رفت مردن نفع شد ‏ پس درست آمد کہ مردن دفع شد

دوست حق ست او کسے کش گفت او ‏ کہ توئی آنِ من و من آنِ تو

گوش دار اکنون کہ عاشق می رسد ‏ بستہ عشق او را حبل من مسد

جب سلسلہ گفتگو جذب محبوب تک پہونچا تو پھر ہم کو عاشق صدر جہان کا قصہ یاد آگیا اور ہم اس گفتگو سے اس مضمون تک پہونچ گئے کہ اگر صدر جہان مین اس عاشق کا جذب مخفی نہ ہوتا تو وہ فراق سے بے صبر نہ ہوتا اور دوڑا ہوا گھر واپس نہ آتا معشوقون مین بھی محبت ہوتی ہے جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہین مگر وہ مخفی ہوتے ہے اور عاشقون کی محبت بہ ہزار شور و شیون اور ڈنکے کی چوٹ ہوتی ہے اس مقام پر قیاس کے لیے ایک حکایت یاد آگئی لیکن ہم اوس کو اسلئے بیان نہین کرتے کہ بخاری انتظار کرتے کرتے مجبور ہو گیا ہے اور ہم نے اوسے اسلئے چھوڑ دیا کہ وہ صدر جہان سے ملنا چاہتا ہے اچھا ہے کہ مرنے سے پہلے وہ اپنے دوست سے مل لے اور اس طریقہ سے موت سے بچ جائے کیونکہ دیدار یار مین آب حیات کی طرح خاصیت احیا ہے اب مولانا یہان سے دوسرے مضمون کی طرف انتقال فرماتے ہین اور کہتے ہین کہ اگر دیدار یار مین موت کو دفع کرنیکی قدرت نہ ہو تو وہ دوست ہی نہین کیونکہ وہان آثار دوستی مفقود ہین اور یہ بات صرف حق سبحانہ ہی مین ہے کسی فانی مین نہین لہذا محبوب وہی ہے اور کوئی نہین دوست اور محبوب کے تو یہ شان ہے اور کرنے کے قابل وہ کام ہے کہ اگر اس حالت مین موت بھی آجاوے تو وہ بھی اچھی ہو اور یہ کام طلب حق سبحانہ ہے اسی لئے حق سبحانہ نے صدق ایمان کی علامت یہ قرار دی ہے کہ تم کو موت محبوب ہو کیونکہ اگر ایمان ایسا نہین تو ہنوز ناقص اور محتاج اکمال ہے اوس کو کامل کرنے کی ضرورت ہے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ محب صادق وہی سمجھا جاتا ہے جو دوست کیلئے جان سے بھی دریغ نہ کرے۔ چنانچہ جو لوگ تمھارے کام مین مرجانا پسند کرتے ہین تمھارے نزدیک سچے دوست وہی ہین اور اونھین سے تم کو خالص محبت ہے

اب یہ سمجھو کہ جب موت سے نفرت نہ رہی تو وہ موت ہی نہین بلکہ صورت موت ہے اور واقع مین ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونا۔ اور جبکہ نفرت نہ رہی تو موت سراسر نفع ہو جاتی ہے لہذا یہ کہنا صحیح ہے کہ موت دفع ہو گئی۔ پس دوست دو ہین اولاً اور حقیقۃً تو حق سبحانہ اور دنیا مین وہ شخص جو یون کہے کہ تو میرا اور مین تیرا اچھا اب سنو کہ عاشق عشق کے سبب موج کی رسی مین بندھا ہوا آتا ہے۔

شرح شبیری

معشوق کا عاشق کو اس طرح جذب کرنا کہ نہ عاشق کو اوس کا علم ہے اور نہ امید و وہم اور اس جذب سے سوائے خوف کے جو کہ ناامیدی کے ساتھ ملا ہوا ہوتا ہے مع ہمیشہ رہنے طلب کے کوئی اثر ظاہر نہین ہوتا

آمدیم اینجا کہ در صدر جہان　　گر نبودے جذب آن عاشق نہان

یعنی اس جگہ آ گئے ہم کہ اگر صدر جہان مین اوس عاشق کا جذب پوشیدہ نہ ہوتا۔

ناشکیبا کے بُدے او از فراق　　کے دوان باز آمدے سوی وثاق

یعنی وہ فراق کیوجہ سے بے صبر کب ہوتا اور گھر کی طرف دوڑتا ہوا واپس کیون آتا مطلب یہ کہ صدر جہان ہی کا جذب تھا کہ اوس کا عاشق دوڑتا ہوا اوسکے پاس چلا آیا ہان فرق اتنا تھا۔

میل معشوقان نہانست و ستیر　　میل عاشق با دو صد طبل و نفیر

یعنی معشوقون کا میلان تو پوشیدہ اور مستور ہے اور عاشقون کا عشق سیکڑون طبل اور غل و شور کے ساتھ ہے۔

یک حکایت ہست اینجا ز اعتبار　　لیک عاجز شد بخاری ز انتظار

یعنی ایک حکایت اس جگہ عبرت کے واسطے ہے لیکن بخاری انتظار کی وجہ سے عاجز ہو رہا ہے مطلب یہ کہ ہم اوس حکایت کو بیان کرتے مگر چونکہ اوس کو اپنے محبوب تک پہونچنے کا سخت انتظار ہے

صدر جہان ... (handwritten margin note)

اس لئے اوسی کے قصہ کو بیان کرتے ہین۔

ترک آن کردیم کو در جستجوست　　　تاکہ پیش از مرگ بیند روئے دوست

یعنی اوس حکایت کو ہم نے ترک کر دیا کیونکہ وہ (عاشق) جستجوئے (محبوب) مین ہے تاکہ مرنے سے پہلے وہ دوست کے چہرہ کو دیکھ لے۔

تا رہد از مرگ و یابد او نجات　　　زانکہ دید دوست است آب حیات

یعنی تا کہ وہ مرنے سے چھوٹ جاوے اور نجات پالے کیونکہ دیدار دوست آب حیات ہے۔

ہر کہ دید او نباشد دفع مرگ　　　دوست نبود کہ نہ میوہ است و نہ برگ

یعنی جو شخص کہ اوس کا دیدار موت کا دفعیہ نہ ہو وہ دوست نہین ہے کہ اوس کے اندر نہ میوہ ہے نہ پتا ہے مطلب یہ ہے کہ جو شخص کہ ایسا ہو کہ اوس کے دیدار سے موت نہ جاوے تو وہ اصل مین دوست ہی نہین کیونکہ حقیقت مین دوست حق تعالے ہین اور ظاہر ہے کہ جب اون کا دیدار ہو گیا تو فنا کا کہین نام نہین رہ سکتا پھر تو بقا ہی بقا ہے۔

کار آن کارست ای مشتاق مست　　　کاندران کار ار رسد مرگت خوش است

یعنی اے مشتاق مست کام تو وہ کام ہے کہ اوس کام مین تم کو موت آجاوے تو اچھا ہے یعنی اصلی کام تو وہ ہے کہ اگر اوس کو کرتے وقت انسان مر جاوے تو کوئی خوف اور ہراس نہ ہو۔

شد نشان صدق ایمان ای جوان　　　آنکہ آید خوش ترا مرگ اندران

یعنی اے جوان صدق ایمان کی نشانی وہ ہے کہ تجھے اوس کے اندر موت بھلی معلوم دے

گر نشد ایمان تو اے جان چنین　　　نیست کامل رو بجو اکمال دین

یعنی اور اگر نہین ہے اے جان ایمان تیرا ایسا تو کامل نہین ہے جا ایمان کا کامل ہونا ڈہونڈھ آگے اس کی ایک مثال ہے۔

ہر کہ اندر کار تو شد مرگ دوست　　　بر دل تو بے کراہت دوست اوست

یعنی جو شخص کہ تیرے کام مین موت کا دوست رکھنے والا ہو جاوے تو تمھارے دل پر بے کراہت کے دوست وہی ہے۔ مطلب یہ کہ اگر کوئی تمھارے کام مین مرنے تک کی پرواہ نہ کرے تو دیکھو تمھارا اصلی دوست وہی ہوگا تو اسی طرح اگر کوئی شخص راہ حق مین مرنے سے نہ گھبراوے تو وہ بھی یقیناً حق تعالے کا دوست اور محبوب ہو جاوے گا۔

چون کراہت رفت آن خود مرگ نیست　　　صورت مرگ است نقلان کردنیست

یعنی جب کراہت جاتی رہی وہ خود موت ہی نہ رہی صورت موت کی ہے اور ایک منتقل ہونا ہے۔

چون کراہت رفت مردن نفع شد	پس درست آمد کہ مردن دفع شد

یعنی جب کراہت جاتی رہی تو مرنا نافع ہوگیا پس درست آیا کہ مرنا دفع ہوگیا یعنی جب مرنے سے کراہت ہی نہ رہی بلکہ مرنے پر رضا ہوگئی تو وہ مرنا مرنا ہی نہ رہا۔

دوست حق است آن کسے کش گفت او	کہ توئی آن من و من آن تو

یعنی دوست حق کا ہے وہی کہ اوسکو حق نے کہدیا کہ تو میرا اور میں تیرا (اس سے مراد اتحاد اصطلاحی ہے)

گوش دار اکنون کہ عاشق میرسد	بستہ عشق او را بحبل من مسد

یعنی سنو کہ اب عاشق پہونچتا ہے عشق نے اوس کو کھجور کی رسی میں باندھ رکھا ہے مطلب یہ کہ عشق اوسکو کشاں کشاں محبوب تک لئے جا رہا ہے۔

شرح حبیبی

چون بدید او چہرۂ صدر جہان	گوئیا پرید شش از تن مرغ جان

ہمچو چوب خشک او فتاد آن تنش	سرد شد از فرق تا سر ناخنش

ہر چہ کردند از بخور و از گلاب	نے بجنبید و نیامد در خطاب

کار ناید در بخارا ہر بخور	جز کہ بوئے آن شہ با فر و نور

شاہ چون دید آن مزعفر روئے او	پس فرود آمد ز مرکب سوئے او

گفت عاشق دوست جوید تیز تفت	چونکہ معشوق آمد آن عاشق برفت

عاشق حقی و حق آنست کو	چون بیاید از تو نبود تار مو

صد چو تو فانی ست پیش آن نظر	عاشقی بر نفی خود خواجہ مگر

سایہ و عاشقی بر آفتاب	شمس آید سایہ لا گردد شتاب

چونکہ سر بر زد ز مشرق قرص خور	نے ستارہ ماند و نے شب اثر

از در دل چونکہ عشق آید درون	عقل رخت خویش انداز د برون

ہمچو شیر خورد با آہو دو چار	گشت آہو بے خبر افتاد زار

ہمچو زور پشہ پیش تند باد	فہم کن واللہ اعلم بالسداد

جب اوس نے صدر جہان کا چہرہ دیکھا تو ایسی حالت ہوگئی جیسا کہ اوس کی روح پرواز کر گئی ہو اور

خشک لکڑی کی طرح اوس کا جسم بے حس و حرکت ہوکر گر پڑا سر سے لیکر ناخن پا تک سرد ہوگیا بہت کچھ دہونیان دی گئین بہت گلاب چھڑکا گیا لیکن نہ اوس نے حرکت کی اور نہ بولا بات یہ ہے کہ بخارا مین اوس کے لئے کوئی چیز کار آمد نہین بجز صدر جہان کی بو کے یہی ہے جو اوس کو ہوش مین لا سکتی ہے جب بادشاہ نے اوسکا زرد چہرہ دیکھا تو سواری سے اوتر کے اوس کے پاس آیا اور نہایت افسوس سے کہا کہ عجیب حالت ہے عاشق اپنے محبوب کو بہت جانکاہی کے ساتھ ڈہونڈہتا ہے مگر جب وہ ملتا ہے تو یہ چل دیتا ہے اب تم کو اس سے سبق حاصل کرنا چاہیے دیکھو تم عاشق ہو لہذا تمھاری شان یہ ہونی چاہیے کہ اوسکے سامنے تمہاری ہستی بال برابر بھی نہ باقی رہنی چاہیے تو جو اوس محبوب حقیقی کا عاشق ہوتا ہے اس سے معلوم ہونا چاہیے کہ تو اپنی فنا پر عاشق ہے اور تو اپنے کو مٹانا چاہتا ہے کیونکہ جب وہ جلوہ نما ہوگا تو بال برابر بھی تیرا وجود باقی نہ رہیگا اسلیئے کہ اوس نظر کے سامنے تیری کوئی حقیقت نہین تم سے سیکڑون مٹ چکے ہین پس اگر یہ مقصود ہو تب تو اس راہ مین قدم رکھنا اور اگر خودی مطلوب ہو تو اس راہ مین تیرا کام نہین عاشق حق ہونیکی صورت مین تو ایک سایہ ہوگا جو کہ آفتاب کے عشق کا دم بھرتا ہے پس جب آفتاب آئے گا سایہ فوراً فنا ہوجائے گا ایک سایہ کیا جبکہ آفتاب نکلتا ہے تو نہ ستارے رہتے ہین نہ رات کا نشان باقی رہتا ہے ؎

چو سلطان عزت علم در کشد   جہان سر بجیب عدم در کشد

اسی طرح سمجھو کہ جب دروازۂ دل سے عشق آتا ہے تو عقل اپنا اسباب نکال کر دل کو اوس کے لئے خالی کر دیتی ہے عقل کی عشق کے سامنے ایسی مثال ہے جیسے ہرن کی شیر کے سامنے جب شیر ہرن کے سامنے آتا ہے تو ہرن بیہوش ہو کر گر جاتا ہے نیز عقل کی قوت کی عشق کے سامنے ایسی ہی مثال ہے جیسے مچھر کی قوت کی آندھی کے سامنے خوب سمجھ لو اور ٹھیک بات خدا کو معلوم ہے۔

شرح شبیری

بخاری عاشق کا صدر جہان کی خدمت مین پہونچنا

چون بدید او چہرۂ صدر جہان   گوئیا پرید ش از تن مرغ جان

یعنی جب اوس نے صدر جہان کا چہرہ دیکھا تو گویا کہ بدن سے اوس کا مرغ جان اوڑ گیا۔

ہمچو چوب خشک افتاد آن تنش   سرد شد از فرق تا سر ناخنش

یعنی ایک سوکھی لکڑی کی طرح اوس کا وہ تن گر گیا اور سر سے ناخن کے سرے تک سرد ہو گیا۔

ہر چہ کردند از بخور و از گلاب — نے بجنبید و نیامد در خطاب

جتنا کہ دہونے اور گلاب پاشی کی نہ ہلا نہ خطاب میں آیا (آگے مولانا فرماتے ہیں)۔

کار ناید در بخارا ہر بخور — جز کہ بوئے آن شہ با فر و نور

یعنی بخارا میں ہر دہونے کام نہیں دیتی سوائے اوس نور اور دبدبہ والے بادشاہ کی خوشبو کے۔

شاہ چون دید آن مزعفر روئے او — پس فرود آمد ز مرکب سوئے او

یعنی بادشاہ نے جب اوس کا وہ زعفرانی چہرہ دیکھا تو سواری سے اوس کے پاس اُتر آیا۔

گفت عاشق دوست جوید تیز تفت — چونکہ معشوق آمد آن عاشق برفت

یعنی کہنے لگا کہ عاشق محبوب کو جلدی جلدی ڈہونڈہتا ہے اور جبکہ محبوب آگیا تو عاشق چلدیا۔ مولانا فرماتے ہیں

عاشق حقی و حق آنست کو — چون بیاید از تو نبود تار مو

یعنی تو حق کا عاشق ہے اور حق وہ ہے کہ اگر وہ آوے تو تجھ میں سے ایک بال بھی باقی نہ رہے (بلکہ

صد چو تو فانی ست پیش آن نظر — عاشقی بر نفی خود خواجہ مگر

یعنی تجھ جیسے تو سیکڑوں اوس نظر کے سامنے فانی ہیں تو ارے میان تو اپنی فنا پر عاشق ہے یعنی تو نے جو اوس سے محبت کی ہے اور اوس کی محبت میں سیکڑوں تجھ جیسے فنا ہو چکے ہیں تو شاید تو اپنے فنا ہونے پر عاشق ہے اور اپنی فنا کو چاہتا ہے۔

سایۂ و عاشقی بر آفتاب — شمس آید سایہ لا گردد شتاب

یعنی تو سایہ ہے اور آفتاب پر عاشق ہے تو آفتاب آویگا تو سایہ معدوم ہو جاویگا جلدی سے (تو اسی طرح جب تم حق تعالےٰ پر عاشق ہو تو اوس کی تجلی کے ظہور کے وقت تم بھی اسی طرح فنا ہو جاؤ گے)

چونکہ سر بر زد ز مشرق قرص خور — نز ستارہ ماند نے از شب اثر

یعنی جبکہ خورشید کی ٹکیہ نے مشرق سے سر نکالا تو نہ ستارہ رہتا ہے اور نہ رات کا کچھ اثر رہتا ہے (اسی طرح

از در دل چونکہ عشق آید درون — عقل رخت خویش اندازد برون

یعنی جبکہ عشق دل کے دروازہ سے اندر آجاتا ہے تو عقل اپنا اسباب باہر ڈالدیتی ہے یعنی عقل رخصت ہو جاتی ہے آگے اس کی ایک مثال ہے۔

ہمچو شیر خورد با آہو دوچار — گشت آہو بے خبر افتاد زار

مثل اوس شیر کے جو کسی ہرن سے دوچار ہوا اور ہرن بے خبر ہو گیا اور کمزور ہو کر گر گیا مطلب یہ کہ اسی طرح

عشق کے آنے کے وقت عقل بھی کمزور ہو جاتی ہے آگے اسی کی ایک دوسری مثال ہے۔

ہمچو زور پشہ پیش تند باد — فہم کن واللہ اعلم بالرشاد

یعنی جیسے کہ تیز ہوا کے سامنے مچھر کا زور ہوتا ہے سمجھو اور اللہ تعالٰی زیادہ جاننے والے ہیں ٹھیک بات کو
مطلب یہ کہ جس طرح کہ تیز ہوا کے سامنے مچھر کی کچھ نہیں چلتی بس اسی طرح حضرت عشق کے سامنے بیچاری عقل کی کچھ نہیں چلتی۔ آگے مچھر کی ہوا کے سامنے نہ چلنے پر ایک حکایت بیان فرماتے ہیں کہ۔

شرح حبیبی

پشہ آمد از حدیقہ وز گیاہ — وز سلیمان گشت پشہ دادخواہ
کاے سلیمان معدلت می گستری — بر شیاطین آدمی زاد و پری
مرغ و ماہی در پناہ عدل تست — کیست آن گم گشتہ کش فضلت نجست
داد دہ ما را کہ بس زاریم ما — بے نصیب از باغ و گلزاریم ما
مشکلات ہر ضعیفے از تو حل — پشہ باشد در ضعیفی خود مثل
شہرہ ما در ضعف و اشکستہ پری — شہرہ تو در لطف و مسکین پروری
اے تو در اطباق قدرت منتہی — منتہی ما در کمی و گمرہی
داد دہ ما را ازین غم کن جدا — دست گیر اے دست تو دست خدا
پس سلیمان گفت اے انصاف جو — داد و انصاف از کہ می خواہی بگو
کیست آن ظالم کہ از باد بروت — ظلم کردست و خراشیدہ است روت
اے عجب در عہد ما ظالم کجاست — کو نہ اندر حبس و در زنجیر ماست
چونکہ ما زادیم ظلم آن روز مرد — پس بعہد ما کہ ظلمے پیش برد
چون بر آمد نور ظلمت نیست شد — ظلم را ظلمت بود اصل و عضد
نک شیاطین کسب و خدمت می کنند — دیگران بستہ باصفاد و ببند
اصل ظلم ظالمان از دیو بود — دیو در بند است استم چون نمود
ملک زان داد است ما را کن فکان — تا ننالد خلق سوئے آسمان
تا بالا بر نیاید دودہا — تا نگردد مضطرب چرخ و سہا
تا نہ لرزد عرش از نالہ یتیم — تا نگردد از ستم جانے سقیم

زاں نہادیم از ممالک مذہبے — تا نیاید بر فلک ہا یاربے
منگرائے مظلوم سوئے آسمان — کآسمانے شاہ داری در زمان
گفت پشہ داد من از دست باد — کو دو دست ظلم بر ما بر کشاد
ما ز ظلم او بہ تنگے اندریم — با لب بستہ از و خوں می خوریم
ظلم او برما صریح ست و عیاں — نیست ما را چارہ کردن جز بیان
داد ما و انصاف ما بستاں ازو — اے کریم عدل اکرام خو

جس قصہ کی طرف ہم نے اوپر اشارہ کیا ہے وہ یہ ہے کہ باغ اور گھاس وغیرہ میں سے مچھر آیا اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے اجلاس میں دعویٰ دائر کیا جس کی تفصیل یہ ہے اے سلیمان آپ شیاطین پر اور آدمیوں پر اور جن و پری پر سب پر انصاف پھیلاتے ہیں پرندے اور مچھلیاں بھی آپ کے پناہ عدل میں ہیں غرضکہ آپ کے انصاف کی وسعت کہاں تک بیان کروں اتنا کہنا کافی ہے کہ کوئی ایسا گمراہ نہیں جو آپ کے فضل کا طالب نہ ہو آپ ہمارا انصاف کریں ہم بہت تباہ حال ہیں ہم باغات سے متمتع نہیں ہو سکتے ہم کمزوری میں ضرب المثل ہیں اسلئے ہم خود کچھ نہیں کر سکتے ہماری مشکلات تو آپ ہی سے حل ہونگی کیونکہ ہر کمزور کی مشکل آپ ہی سے حل ہوتی ہے جس قدر ہم ضعف اور عجز میں مشہور ہیں اسی قدر آپ عنایت اور مسکین پروری میں مشہور ہیں آپ قدرت کے اعلےٰ مرتبہ پر ہیں اور ہم عجز کی انتہائی تہ میں آپ ہمارا انصاف فرمائیں اور ہمیں اس رنج سے چھڑائیں آپ کا ہاتھ گویا کہ خدا کا ہاتھ ہے آپ ہماری دستگیری فرمائیں پس سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ اے طالب انصاف مچھر تو کس سے انصاف چاہتا ہے بیان کر وہ کون ظالم ہے جس نے غرہ میں آکر تجھے ستایا ہے اور تیرا منہ نوچا ہے بڑے تعجب کی بات ہے کہ تجھ پر ظلم ہو کیونکہ ہمارے زمانہ میں کون ظالم ہے جو ظلم کرے جس قدر ظالم ہیں سب جیل خانہ میں محبوس ہیں جب ہم پیدا ہوئے تھے ظلم تو اسی روز مر چکا تھا اب کون ایسا پیدا ہو گیا کہ ہمارے ہوتے اس نے تجھ پر ظلم کیا ہو قاعدہ ہے کہ جب روشنی آتی ہے تو تاریکی زائل ہو جاتی ہے پس ہمارے نور عدل کے سامنے تاریکی کہاں اور جب تاریکی نہیں تو ظلم کیسا۔ کیونکہ ظلم کا منشا تو اندھیری ہے دیکھ لو کچھ شیاطین تو بیگار میں پکڑے ہوتے ہیں اور کام کر رہے ہیں اور جو باقی ہیں وہ بیڑیوں اور جیل خانوں میں مقید ہیں اور سنو جس قدر ظلم ہوتے تھے سب کا منشا ابلیس تھا سو وہ محبوس ہے پھر ظلم کیسے ہوا ہم کو تو خدائے قادر مطلق نے ملک اسی لئے دیا ہے کہ مخلوق ظلم سے رو کر حق سبحانہ سے فریاد نہ کرے اور ان کی آہوں کا دھواں آسمان پر نہ جائے تاکہ آسمان اور ستارے اس سے پریشان نہ ہوں اور یتیم کے رونے سے عرش نہ تھرائے اور

ستم سے کوئی جاندار دکھیا نہ ہو اسی لئے ہم نے ملک مین ایک امن دینے والا قانون مقرر کیا ہے تاکہ کوئی فریاد آسمان پر نہ جائے اور کہدیا گیا ہے کہ کوئی مظلوم آسمان کی طرف نہ دیکھے اس لئے کہ خدا کا خلیفہ زمین مین موجود ہے جو ہر قسم کے امن کا ذمہ دار ہے مچھر نے جواب دیا کہ مین ہوا کے ہاتھون فریاد کرتا ہون کیونکہ وہی ہاتھ دہو کر ہمارے پیچھے پڑی ہے ہم اوس کے ظلم سے بہت تنگ ہین اور ہونٹ سیئے ہوئے اپنا لہو پیتے ہین اوس کا ظلم ہم پر کھلا ہوا اور مشاہد ہے اور ہم اوس کا کوئی علاج نہین کر سکتے بجز اس کے کہ حضور کی خدمت مین رونا روئین آپ ہمارا اور اوس کا انصاف کیجئے اور اوس سے ہمارا بدلا لیجئے آپ کریم ہین عادل ہین اکرام آپ کی خصلت ہے۔

پس سلیمان گفت ای زیبا دوی	امر حق باید کہ از جان بشنوی
حق بمن گفتست ہان ای دادور	مشنو از خصمی تو بی خصم دگر
تا نیاید ہر دو خصم اندر حضور	حق نیاید پیش حاکم در ظہور
خصم تنہا گر بر آرد صد نفیر	ہان وہان بی خصم قول او مگیر
من نیارم روز فرمان تافتن	خصم خود را رو بیاور سوی من
گفت قول تست برہان درست	خصم من بادست و در حکم تست
بانگ زد آن شہ کہ ای باد صبا	پشہ افغان کرد از ظلمت بیا
ہین مقابل شو بخصمت روبرو	پاسخش گو و بکن دفع عدو
باد چون بشنید آمد تیز تیز	پشہ بگرفت آن زمان راہ گریز
پس سلیمان گفت ای پشہ کجا	باش تا بر ہر دو رانم من قضا
گفت ای شہ مرگ من از بود اوست	خود سیاہ این روز من از دود اوست
او چو آمد من کجا یابم قرار	کو بر آرد از نہاد من دمار
ہم چنین جویای درگاہ خدا	چون خدا آید شود جوینده لا
گرچہ آن وصلت بقا اندر بقاست	لیک ز اول آن بقا اندر فناست
سایہ ہایی کہ بود جویای نور	نیست گردد چون کند نورش ظہور
عقل کے ماند چو باشد سرده او	کل شیء ہالک الا وجہہ
ہالک آمد پیش وجہش ہست و نیست	ہستی اندر نیستی خود طرفہ ایست
اندرین محضر خردہا شد ز دست	چون قلم اینجا رسیدہ شد شکست

اس پر سلیمان علیہ السلام نے کہا کہ اے خوش کلام حق سبحانہ کے حکم کو دل سے سُننا چاہئے مجھ سے حق سبحانہ نے فرمایا ہے کہ تم کو ایک فریق کی بات بغیر دوسرے فریق کے نہ سُننی چاہئے کیونکہ جب تک مدعی اور مدعا علیہ سامنے نہ ہون حاکم پر حق ظاہر نہین ہو سکتا پس ایک فریق تنہا کتنا ہی چلاّئے دوسرے فریق کے بغیر اوس کی بات ہرگز نہ سُننا چونکہ مین حکم حق سے روگردانی نہین کر سکتا اسلئے تم اپنے مدعا علیہ کو میرے پاس لاؤ اوس نے کہا کہ آپ کا ارشاد نہایت درست ہے میرا مدعا علیہ ہوا ہے اور وہ آپکے حکم مین ہے آپ اوس کو بلا سکتے ہین اس پر حضرت سلیمان علیہ السلام نے آواز دی کہ اے باد صبا مچھر نے تیرے ظلم سے فریاد کی ہے تو جواب دہی کے لئے حاضر ہو - اور اپنے مدعی کے سامنے آ اوس کی بات کا جواب دے اور اوس کے دعوے کی تردید کر جب ہوا نے یہ حکم سُنا تو فوراً زناٹے کے ساتھ حاضر ہوئی اوس کے آتے ہی مچھر رفو چکر ہو گیا اوس پر حضرت سلیمان علیہ السلام نے کہا کہ اے مچھر کہان چلا ذرا ٹھہر تو مین تمھارا دونون کا فیصلہ کرون اوس نے کہا جناب یہ تو میری موت ہے - اور اسی کے دم مین سے میرا دن تاریک ہے جب وہ آئی تو مین کہان ٹھہر سکتا ہون کیونکہ وہ تو مجھے تباہ کر دیگی جب یہ معلوم ہو چکا تو جس طرح اس سے یہ سمجھ مین آتا ہے کہ عشق کے سامنے عقل نہین ٹہیر سکتی یون ہی اس سے یہ بھی سمجھ مین آتا ہے کہ طالب خدا اور خدائے تعالےٰ کی بھی یہی شان ہے کہ جب حق سبحانہ تجلی فرماتے ہین تو طالب نیست ہو جاتا ہے اگرچہ یہ وصل سراسر بقا ہے لیکن اس سے پہلے فنا ہونا ضروری ہے اور بقا اس فنا ہی مین ہے تجلی حق سبحانہ کے سامنے بندہ کا فنا ہو جانا ایسا ہی ہے جیسے کہ یہ طالب نور ہوا اور جب نور ظاہر ہووے تو وہ نیست ہو جاوے عقل اوس کی ایک ادنیٰ مخلوق ہے پس اوس کی تجلی کے سامنے وہ کیا ٹہیر سکتی ہے بات یہ ہے کہ بجز اوس کی ذات کے اور تمام اشیا مضمحل اور فانی ہین اور جتنے ہست یا نیست ہین اوس کی ذات کے سامنے سب ہالک ہین پس یہ عجیب طرفہ ماجرا ہے کہ ہستی نیستی جمع ہین اس معاملہ مین عقلین ہاتھ سے جاتی رہین اور کچھ سمجھ مین نہین آتا جب قلم یہان تک پہونچا تو ٹوٹ گیا اجتماع وجود و عدم کی صورت یہ ہے کہ وجود انکا عطائی ہے اور عدم اصلی پس ہر ممکن اپنے وجود عرضی کی حالت مین بھی بالنظر الی الذات معدوم ہے جیسے چاند کہ فی نفسہٖ تاریک ہے مگر آفتاب کی روشنی سے روشن - تو وہ ایک ہی حالت مین تاریک بھی ہے اور روشن بھی مگر چونکہ جہات مختلف ہین اس لئے اجتماع وجود و عدم اور نور و ظلمت جائز ہے) -

شرح شبیری

مچھر کا ہوا کے ہاتھ سے سلیمان علیہ السلام کے دربار میں انصاف چاہنا

پشہ آمد از حدیقہ وز گیاہ ... وز سلیمان گشت پشہ داد خواہ

یعنی ایک مچھر باغ اور گھاس میں سے آیا اور سلیمان علیہ السلام سے مچھر انصاف کا طالب ہوا۔

کائے سلیمان معدلت می گستری ... بر شیاطین و آدمی زاد و پری

کہ اے سلیمان تم انصاف کو شیاطین اور آدمی زاد اور جنات پر بچھاتے ہو۔

مرغ و ماہی در پناہ عدل تست ... کیست آن گم گشتہ کش فضلت نجست

یعنی پرندہ اور مچھلیں تمہارے عدل کی پناہ میں ہیں وہ کون گم گشتہ ہے جس کو آپ کے فضل نے نہیں تلاش کیا۔

داد دہ ما را کہ بس زاریم ما ... بے نصیب از باغ و گلزاریم ما

یعنی ہمارا انصاف کیجئے کہ ہم بہت ہی عاجز ہو چکے ہیں اور باغ اور گلزار سے بے نصیب ہوگئے ہیں

مشکلات ہر ضعیفے از تو حل ... پشہ باشد در ضعیفے خود مثل

یعنی ہر ضعیف کی مشکلیں آپ سے حل ہیں اور مچھر ضعف میں خود ضرب المثل ہوتا ہے۔

شہرہ ما در ضعف و اشکستہ پری ... شہرہ تو در لطف و مسکین پروری

یعنی ہم ضعف اور شکستہ پر ہونے میں مشہور ہیں اور آپ مہربانی اور مسکین کی پرورش کرنے میں مشہور ہیں۔

ائے تو در اطباق قدرت منتہی ... منتہی ما در کمے و گمرہی

یعنی اے وہ ذات کہ آپ قدرت کے مراتب میں پورے ہیں اور ہم کمی اور گمراہی میں پورے ہیں۔

داد دہ ما را ازین غم کن جدا ... دست گیر اے دست تو دست خدا

یعنی ہمارا انصاف کیجئے اور اس غم سے ہم کو جدا کیجئے اور دستگیری کیجئے اے وہ ذات کہ آپ کا ہاتھ خدا کا ہاتھ ہے۔

پس سلیمان گفت اے انصاف جو ... داد و انصاف از کہ می خواہی بگو

یعنی سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ اے انصاف کے طالب تو داد و انصاف کس سے چاہتا ہے بتا۔

کیست آن ظالم کہ از باد بروت ظلم کردست و خراشیدست روت

یعنی وہ ظالم کون ہے جس نے کہ تکبر کی وجہ سے ظلم کیا ہے اور تیرے چہرہ کو چھیل ڈالا ہے۔

اے عجب در عہد ما ظالم کجاست کو نہ اندر حبس و در زنجیر ماست

یعنی تعجب ہے کہ ہمارے زمانہ میں ایسا ظالم کہان ہے جو کہ ہماری قید اور ہماری زنجیر مین نہین۔

چونکہ ما زادیم ظلم آن روز مرد پس بعہد ما کہ ظلمے پیش برد

یعنی جس دن ہم پیدا ہوئے تھے اوس دن ظلم مرگیا تھا پھر ہمارے زمانہ مین کون ظلم کو آگے لایا۔

چون برآمد نور ظلمت نیست شد ظلم را ظلمت بود اصل و عضد

یعنی جب نور آگیا تو ظلمت فنا ہو گئی اور ظلم ظلمت کیلئے جڑ اور بازو ہوتی ہے (تو جب ظلمت نہ رہی تو ظلم کیسا)

تک شیاطین کسب و خدمت می کنند دیگران بستہ باصفاد و بند

یعنی کچھ جنات تو کمائی اور خدمت کرتے ہیں اور باقی زنجیروں اور قید مین بندھے ہوئے مین۔

اصل ظلم ظالمان از دیو بود دیو در بندست استم چون نمود

یعنی ظالمون کے جڑ تو شیاطین سے تھی اور شیاطین قید مین ہین تو ظلم کس طرح کیا۔

ملک زان دادست مارا کن فکان تا ننالد خلق سوئے آسمان

یعنی حق تعالے نے ہم کو اسلئے ملک دیا ہے تا کہ خلق آسمان کی طرف نہ رووے یعنی سب کی فریاد رسی ہمین سے ہو جاوے۔

تا بہ بالا بر نیاید دودہا تا نگردد مضطرب چرخ و سہا

یعنی تاکہ اوپر کو دھوین (فریاد کے) نہ آوین اور تاکہ آسمان اور سہا (نام ہے ایک ستارہ کا) مضطرب (فریاد کی وجہ سے) نہ ہوں۔

تا نہ لرزد عرش از نالۂ یتیم تا نگردد از ستم جانے سقیم

یعنی تاکہ یتیم کے نالہ سے عرش نہ ہلے اور تاکہ ستم سے کوئی جان بیمار نہ ہو۔

زان نہادیم از ممالک مذہبے تا نیاید بر فلک ہا یاربے

یعنی اسی واسطے ہم نے ملک رانی کے طریقے بتائے ہین تاکہ آسمانون پر کوئی فریاد نہ آوے۔

منگر اے مظلوم سوئے آسمان کآسمانے شاہ داری در زمان

یعنی اے مظلوم آسمان کی طرف مت دیکھ کیونکہ ایک آسمانی بادشاہ زمانہ مین تو رکھتا ہے۔

گفت پشہ داد من از دست باد کو دو دست ظلم بر ما برگشاد

یعنی مچھر نے کہا کہ میری فریاد ہوا کے ہاتھ سے ہے کہ اوس نے ظلم کے دونون ہاتھ مجھ پر کھولے ہین۔

ما ز ظلم او بہ تنگی اندریم　　با لب بستہ از و خون می خوریم

یعنی ہم اوس کے ظلم سے تنگی کے اندر ہین اور چپ چاپ اوس کی وجہ سے خون کھا رہے ہین۔

ظلم او بر ما صریحست و عیان　　نیست ما را چارہ کردن جز بیان

یعنی اوس کا ظلم ہم پر صریح اور ظاہر ہے اور ہمارے پاس سوائے بیان کر دینے کے کوئی علاج نہین ہے۔

داد ما انصاف ما بستان از و　　اے کریمے عادلے اکرام خو

یعنی ہماری فریاد اور انصاف اوس سے لے اے کریم منصف اکرام کی خصلت والے۔

سلیمان علیہ السلام کا مظلوم مچھر کو مدعا علیہ کے حاضر کرنے کیلئے حکم فرمانا

پس سلیمان گفت اے زیبا دوی　　امر حق باید کہ از جان بشنوی

پس سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ اے اچھے بھن بھناہٹ والے تجھے چاہئے کہ خدا کے حکم جان سے سُننے۔

حق بمن گفتست ہان اے دادور　　مشنو از خصمے تو بے خصم دگر

یعنی حق تعالے نے مجھ سے ارشاد فرمایا ہے کہ انصاف کے کرنے والے ایک فریق سے بغیر دوسرے فریق کے مت سُننا

تا نیاید ہر دو خصم اندر حضور　　حق نیاید پیش حاکم در ظہور

یعنی جب تک کہ دونون فریق سامنے نہ آوین حاکم کے سامنے حق ظاہر نہین ہوتا۔

خصم تنہا گر بر آرد صد نفیر　　ہان و ہان بے خصم قول او مگیر

یعنی تنہا ایک فریق اگرچہ سیکڑون شور و غل نکالے خبردار بے دوسرے فریق کے اوس کا قول مت قبول کرو۔

من نیارم رو ز فرمان تافتن　　خصم خود را رو بیا ور سوئے من

یعنی مین حکم (حق) سے منہ نہین پھیر سکتا۔ تو جا اور میری طرف اپنے مقابل کو لا۔

گفت قول تست برہان درست　　خصم من بادست و او در حکم تست

یعنی مچھر بولا کہ آپ کا فرمان ٹھیک دلیل ہے (مگر) میرے مقابل ہوا ہے اور وہ آپ کے حکم مین ہے۔

بانگ زد آن شہ کہ اے باد صبا　　پشہ افغان کرد از ظلمت بیا

یعنی اوس بادشاہ نے آواز دی کہ اے باد صبا مچھر نے تیرے ظلم کی وجہ سے فریاد کی ہے آ۔

ہین مقابل شو بخصمت روبرو — پاسخش گو و بکن دفع عدو

یعنی ہان اپنے دشمن کے آمنے سامنے ہوکر مقابل ہو اور اوس کا جواب دے کر دشمن کو دفع کر۔

باد چون بشنید آمد تیز تیز — پشہ بگرفت آن زمان راہ گریز

یعنی ہوانے جو سُنا تو وہ تیز تیز آئی تو مچھر نے اوس وقت بھاگنے کا راستہ لیا۔

پس سلیمان گفت اے پشہ کجا — باش تا بر ہر دو رانم من قضا

یعنی پس حضرت سلیمان ؑ نے فرمایا کہ اے مچھر کہان۔ ٹھیر د تا کہ مین دونون پر حکم چلاؤن۔

گفت اے شہ مرگ من از بود اوست — خود سیہ این روز من از دود اوست

مچھر نے کہا کہ اے بادشاہ میری موت اوسی کے ہونے سے تو ہے اور میرا یہ دن اوسی کے دہوین سے تو سیاہ ہے۔

او چو آمد من کجا یابم قرار — کو بر آرد از نہاد من دمار

یعنی جب وہ آگئی تو مین کہان قرار پا سکتا ہون کیونکہ وہی تو میرے جسم مین سے ہلاکی کو نکالتی ہے۔ (آگے مولانا فرماتے ہین)۔

ہم چنین جویای درگاہ خدا — چون خدا آید شود جوینده لا

یعنی اسی طرح درگاہ خداوندی کا طالب ہے کہ جب حق تعالےٰ ظہور فرماتے ہین تو طالب فنا ہو جاتا ہے۔

گرچہ آن وصلت بقا اندر بقاست — لیک ز اول آن بقا اندر فناست

اگرچہ وہ وصل (جس مین کہ یہ طالب فنا ہوگیا ہے) بقا اندر بقا ہے لیکن اول سے وہ بقا ہی فنا مین ہے۔ مطلب یہ کہ اگرچہ اس وصل حق کے بعد جس مین کہ یہ فنا ہو گیا ہے بقا ہی بقا ہے مگر یہ بقا بھی تو فنا ہی ہو کر حاصل ہوتی ہے لہذا فنا ہونا ضروری ہوا۔ آگے اوسی کی ایک مثال دیتے ہین۔

سایہ ہائے کہ بود جویائے نور — نیست گردد چون کند نورش ظہور

یعنی جو سائے کہ نور کے طالب ہوتے ہین جب اوس نور کا جوش ظہور کرتا ہے تو وہ فنا ہو جاتے ہین۔

عقل کے ماند چو باشد سردہ او — کل شیئ ہالک الا وجہہ

یعنی عقل کب رہے جب ظہور کرنے والا وہ ہو تمام چیزین ہلاک ہونے والی ہین مگر اوس کی ذات۔

ہالک آمد پیش وجہش ہست و نیست — ہستی اندر نیستی خود طرفہ ایست

یعنی اوس کی ذات کے سامنے تمام ہست و نیست ہلاک ہونے والے ہین اور نیستی مین ہستی ہونا خود ایک عجیب بات ہے مطلب یہ کہ جب اوس کے سامنے سب نیست ہین تو ان کو ہست کہنا ایک تعجب خیز امر ہے۔

اندرین محضر خردہا شد زدست　　چون قلم اینجا رسیدہ شد شکست

یعنی اس جگہ عقلیں ہاتھ سے جاتی رہیں اور جب قلم اس جگہ پہونچا تو ٹوٹ گیا۔ مطلب یہ کہ چونکہ یہاں عظمت وجلال حق کا بیان تھا لہٰذا اس جگہ پہونچکر قلم ٹوٹ گیا یعنی اس کی بابت کچھ نہ لکھ سکا لہٰذا اس مضمون کو یہیں تک چھوڑکر صدر جہان کا قصہ بیان کرتے ہین۔

شرح حبیبی

بازگردم جانب صدر جہان　　درنوازش عاشق خود را نہان

برگرفتش سر نہاد اندر کنار　　بر رخش می کرد اشک تر نثار

می کشید از بیہشے اش در بیان　　اندک اندک از کرم صدر جہان

بانگ زد در گوش او شہ کای گدا　　زر نثار آوردمت دامن کشا

جان تو کاندر فراقم می طپید　　چونکہ زنہارش رسیدم چون رمید

اے بدیدہ در فراقم گرم و سرد　　با خود آ از بے خودی و باز گرد

مرغ خانہ اشترے را بے خرد　　رسم مہمانش بخانہ می برد

چون بخانہ مرغ اشتر پا نہاد　　خانہ ویران گشت و سقف اندر فتاد

خانۂ مرغ ست عقل و ہوش ما　　ہوش صالح طالب ناقہ خدا

ناقہ چون سر کرد در آب و گلش　　نے گل آنجا ماند نی جان و دلش

کرد فضل عشق انسان را فضول　　زین فزون جوئے ظلوم ست و جہول

جاہل ست و اندرین مشکل شکار　　می کشد خرگوش شیرے در کنار

کے کنار اندر کشیدے شیر را　　گر بدانستی و دیدے شیر را

ظالم ست او بر خود و بر جان خود　　ظلم بین کز عدلہا گوے ببرد

جہل او مر علمہا را اوستاد　　ظلم او مر عدلہا را شد رشاد

دست او بگرفت کاین رفتہ دمش　　آنگہے آید کہ من دم بخشمش

چون بمن زندہ شود آن مردہ تن　　جان من باشد کہ رو آرد بمن

من کنم او را ازین جان محتشم　　جان کہ من بخشم ببیند بخششم

جان نامحرم نہ بیند روے دوست　　جز ہمان جان کاصل او از کوے اوست

در دم قصاب وار این دوست را | تا ہلد آن مغز نغز این پوست را
گفت اے جان رمیدہ از بلا | وصل را ما در کشائیم الصلا
اے خود ما بیخودی و مستیت | اے ز ہست ما ہمارہ ہستیت
با تو بے لب این زمان من نو بنو | رازہائے کہنہ می گویم شنو
زانکہ آن لبہا ازین دم می رمد | بر لب جوئے نہان بر می دمد
گوش بے گوشی درین دم برکشا | بہر راز یفعل اللہ ما یشاء
چون صلائے وصل بشنیدن گرفت | اندک اندک مردہ جنبیدن گرفت
نے کم از خاکست کز عشوہ صبا | سبزہ پوشد سر بر آرد از فنا
کم ز آب نطفہ بنود کز خطاب | یوسفان زایند رخ چون آفتاب
کم ز بادے نے کہ شد از امر کن | در رحم طاؤس و مرغ خوش سخن
کم ز نارے نیست کز امر سلام | گلستان شد بہر خلیل خوش کلام
کم ز چوبے نیست در دفع عدو | گشت اژدرہائے منکر زامر ہو
کم ز سنگ کوہ بنود کز ولاد | ناقۂ کان ناقہ ناقہ زاد زاد
زین ہمہ بگذر نہ آن مایہ عدم | عالمے زاد و بزاید دم بدم
بر جہید و بر طپید و شاد شاد | یکدو چرخے زد سجود اندر فتاد
بشکفید از امر او و شاد شد | در وصال از بند ہجر آزاد شد

اچھا اب ہم صدر جہان کی طرف لوٹتے ہین جو اپنے عاشق پر خفیہ طور پر عنایت کرنے مین مصروف تھا سو اوسنے اوس کو لیا اور اوسکا سر اپنی آغوش مین رکھ لیا۔ اور یاروں کی یہ حالت دیکھ کر رونے لگا سو وہ اوس کو اپنی عنایت سے رفتہ رفتہ بیہوشی سے ہوش مین لاکر گویائی مین لا رہا تھا۔ آخر کار اوس نے اوس کے کان مین کہا کہ دیکھ مین اشرفیان تیرے دینے کو لایا ہون تو دامن کھول یعنی تجھ پر وہ عنایات کرنے کو تیار ہون جن کا تو طالب ہے۔ تو ہوش مین آ کہان سے متمتع ہونے کے قابل بن تیری جان جو کہ میرے فراق مین بے قرار تھی اب جبکہ مین اوسکی مدد کیلیے پہونچ گیا کیون بھاگ گئی اے شخص جس نے میرے فراق مین ہر قسم کی تکلیفین اوٹھائی ہین تو ہوش مین آ اور حواس درست کر۔ اب مولانا فرماتے ہین کہ یہ تو صورت افسانہ تھی اب حقیقت افسانہ سنو اور اوسکے لیے اولاً بطور تمہید کے یہ سمجھو کہ مرغ خانہ حماقت سے ایک اونٹ کو مہمان کے طور پر اپنے گھر لاتا ہے پس جبکہ اونٹ اوس کے گھر مین پاؤن رکھتا ہے تو اوس کا گھر تباہ و برباد ہو جاتا ہے اور چھت بیٹھ جاتی ہے پس یہی حالت

اوس شخص کی ہے جو طالب خدا ہو اوس کی عقل ایک ڈربہ ہے مرغ کا اور حق سبحانہ اوس کے لحاظ سے ایسے ہین جیسے خانہ مرغ کے لحاظ سے اونٹ (یہ تمثیل محض تقریب فہم کیلئے ہے ورنہ ہر دو نسبتوں مین کوئی نسبت ہی نہین -) پس جب حق سبحانہ اوس کے وجود پر تجلی فرماتے ہین تو پھر نہ جسم باقی رہتا ہے نہ جان نہ دل ع

چو سلطان عزت علم در کشد جہان سر بجیب عدم در کشد

جب یہ معلوم ہو چکا تو اب سمجھو کہ عظمت عشق نے انسان کو بوالفضول بنا دیا کیونکہ یہ اس کا متحمل نہ تھا اور خواہ مخواہ اوسکے بار کو اپنے سر لے لیا اسی زیادہ طلبی کے سبب اوس نے ظلوم وجہول کا خطاب پایا - چنانچہ فرمایا گیا ہے - انا عرضنا الامانة علی السموات والارض فابین ان یحملنہا واشفقن منہا وحملہا الانسان انہ کان ظلوما جہولا واقعی وہ اس کٹھن شکار مین جاہل ہے اور ایسا ہے جیسا کہ ایک خرگوش شیر کو بغل مین لے اور خرگوش کا ایسا کرنا اوس کی جہالت ہے کیونکہ اگر وہ شیر کو جانتا اور دیکھتا ہوتا تو ہرگز اوسے بغل مین نہ لیتا اور جبکہ وہ کرتا ہے تو خود اپنے اوپر اور اپنی جان پر صریح ظلم کرتا ہے لیکن یہ ظلم ہزار عدلون پر سبقت رکھتا ہے اور یہ جہل ہزارون علون کا استاد اور یہ ظلم ہزارون عدلون کا راہ نما ہے خیر یہ استطرادی مضمون تو ختم ہوا اب قصہ سنو اوس نے اوس کا ہاتھ پکڑا اور اس خیال کہ اس مردہ مین اوس وقت جان آسے گی جبکہ مین اسے زندہ کرونگا اور جبکہ یہ مردہ میرے ذریعہ سے زندہ ہوگا تو گویا کہ میری جان میری طرف رُخ کرے گی - یعنی اوسکی زندگی میری زندگی ہوگی - مین اسے اس نئی جان سے جو مین دینے والا ہون معزز و ممتاز کرون گا اور وہ جان جو کہ مین اسے دون گا وہ میری بخشش کو دیکھے گی یہ جان جو اب تک تھی یہ نہین دیکھ سکتی کیونکہ یہ نامحرم ہے اور جان لا محرم دیدار یار کے قابل نہین - اوس کے قابل وہی ہے جو کوئے دوست سے ملی ہو - مین قصائی کی طرح اوس کے اندر پھونک بھر دون گا تا کہ اوس کا مغز پوست کو چھوڑ دے

اور پوست جاکر مغز ہی مغز رہ جاوے اوس کے بعد کہا کہ اے شخص جس کی جان بلا سے پرواز کر گئی ہے اب بلا کا وقت جاتا رہا اور ہم اعلان کرتے ہین کہ ہم نے وصل کا دروازہ تیرے لئے کھول دیا ہے تو آ اور اس سے متمتع ہو اور اے وہ شخص جس کی بیخودی اور مستی کا سبب ہمارا وجود ہے اور جس کی ہستی ہمیشہ ہماری ہستی سے وابستہ ہے مین اس وقت تجھ سے بدون تکلم راز کہنا چاہتا ہون تو سن کیونکہ وہ لب اور وہ زبان جس سے مین راز کہتا ہون اس تکلم ظاہری سے آبی ہین وہ تو باطنی نہر یعنی دل پر معنا مین کا القا کرتی ہے اچھا اب تو بھی وہ کان کھول جو حقیقت مین کان ہین اور وہ راز سن جلسے قدرت خدا ظاہر ہو جبکہ عاشق نے اعلان وصل سُننا شروع کیا تو آہستہ آہستہ حرکت شروع کی وہ

کیونکر نہ زندہ ہوجاوے آخر عاشق خاک سے توکم نہیں پس جبکہ خاک عشوۂ صبا سے زندہ اور سبز پوش ہوجاتی ہے تو اگر عاشق الطاف محبوب سے زندہ ہوجاوے تو کون سی تعجب کی بات ہے نیز وہ آب نطفہ سے توکم نہیں پھر جبکہ حکم کن سے اوس سے یوسف اور آفتاب رو پیدا ہوتے ہیں تو عاشق کی زندگی کیا حیرت انگیز ہے نیز وہ ہوا سے توکم نہیں کہ امر کن سے رحم میں مور اور خوش گفتار جانور بن جاتے تھے۔ (چونکہ پرندوں میں عنصر ہوائی غالب ہوتا ہے اسلئے مولانا نے مور کا مادہ ہوا قرار دیا واللہ اعلم) تو عاشق کیون نہ زندہ ہوجاوے نیز وہ آگ سے توکم نہیں کہ وہ یا نار کونی بردًا وسلامًا علیٰ ابراھیم سن کر خلیل کے لئے باغ بن جاتی ہے نیز وہ لکڑی سے توکم نہیں کہ وہ مدافعت فرعون کیلئے بحکم خداوندی اژدہائے مکروہ بن جاتی ہے نیز وہ پہاڑ کے پتھر سے توکم نہیں جس نے ایک اونٹنی جن دی جس سے ایک اور اونٹنی پیدا ہوئی اچھا سب کو چھوڑو آخر وہ عدم سے توکم نہیں جس سے ایک عالم پیدا ہوا اور برابر پیدا ہوتا رہتا ہے جبکہ یہ صورت ہے تو پھر عاشق کا زندہ ہوجانا کیا تعجب ہے۔ بالخصوص عاشق حق سبحانہ کا۔ خیر تو اوسنے حرکت کی اور اوٹھا اور تڑپا اور خوش ایک دو مرتبہ وجد میں گھوما اور پاؤن میں گر پڑا اوس کا چہرہ دیکھ کر بہت خوش ہوا اور پھول کی طرح کھل گیا اور وصال میں پہونچکر قید فراق سے چھوٹ گیا۔

شرح شبیری

معشوق کا اپنے بیہوش عاشق کو نوازنا تاکہ وہ ہوش میں آجاوے

باز گردم جانب صدر جہان　　　در نوازش عاشق خود را نہان

یعنی میں پھر صدر جہان کی طرف لوٹتا ہوں کہ اوس نے اپنے عاشق بیہوش کو نوازا۔

بر گرفتش سر نہاد اندر کنار　　　بر رخش می کرد اشک تر نثار

یعنی اوس کا سر لیکر گود میں رکھا اور اوس کے چہرہ پر تر آنسو نثار کئے۔

می کشید از بیہشی اشش در بیان　　　اندک اندک از کرم صدر جہان

یعنی صدر جہان اوس کو تھوڑا تھوڑا کرم کی وجہ سے بیہوشی سے بیان میں لا رہا تھا۔ یعنی چاہتا تھا کہ وہ بولے

بانگ زد در گوش او شہ کای گدا　　　زر نثار آوردمت دامن کشا

یعنی اوس بادشاہ نے اوس کے کان میں آواز دی کہ اے گدا میں تیرے پاس سونا نثار کرنے کیلئے لایا ہون دامن کھول (زر سے مراد صدر جہان کے الطاف وکرم ہیں)۔

جان تو کاندر فراقم می طپید چونکہ زہارش رسیدم چون رمید

یعنی تیری جان میرے فراق مین تڑپ رہی تھی تو جبکہ مین اوس کے پاس جلدی سے پہونچا کیون بھاگ گئی۔

اے بدیدہ در فراقم گرم و سرد باخود آ از بیخودی و باز گرد

یعنی اے میرے فراق مین گرم و سرد کو دیکھے ہوئے بیخودی سے خودی مین لوٹ آ۔ آگے ایک مثال دیتے ہین۔

مرغ خانہ اشترے را بیخرد رسم مہمانش بخانہ می برد

یعنی ایک خانگی مرغ ایک اونٹ کو بے عقلی کی وجہ سے اوس کی رسم مہمانی کی وجہ سے گھر لیجاتا ہے۔

چون بخانہ مرغ اشتر پا نہاد خانہ ویران گشت و سقف اندر فتاد

یعنی جب مرغ کے گھر مین اونٹ نے پاؤن رکھا تو گھر ویران ہو گیا اور چھت گر پڑی۔

خانہ مرغ ست عقل و ہوش ما ہوش صالح طالب ناقہ خدا

یعنی ہمارا عقل و ہوش مرغ کا گھر ہے اور نیک ہوش ناقۂ خدا کے طالب ہین۔ (ناقہ سے مراد عشق ہے)

ناقہ چون سر کرد در آب و گلش نے گل آنجا ماند نے جان و دلش

یعنی ناقہ نے جب ظہور کیا اوس (ہوش) کے آب و گل مین تو نہ اوس جگہ اوس کی مٹی رہی اور نہ اوس کا جان و دل رہا

جاہل ست او اندرین مشکل شکار می کشد خرگوش شیرے در کنار

یعنی اس مشکل شکار مین وہ جاہل ہے کہ خرگوش ایک شیر کو گود مین لیتا ہے۔

کے کنار اندر کشیدے شیر را گر بدانستے و دیدے شیر را

یعنی شیر کو کب گود مین لے سکتا تھا اگر شیر کو جانتا اور دیکھ لیتا۔

ظالم است او بر خود و بر جان خود ظلم بین کز عدلہا گو می برد

یعنی وہ اپنے اوپر اور اپنی جان پر ظالم ہے ظلم دیکھو کہ انصافون سے سبقت لے جا رہا ہے۔

جہل او مر علمہا را اوستاد ظلم او مر عدلہا را شد رشاد

یعنی اوس کا جہل علمون کا اوستاد ہے اور اوس کا ظلم انصافون کے لئے رہبر ہے مطلب یہ ہے کہ جو شخص عشق حق کو اپنے اوپر لیتا ہے وہ بظاہر گویا کہ اپنے اوپر ظلم کر رہا ہے کیونکہ جب عشق آویگا تو وہ اوس کو فنا اور نیست و نابود کر دیگا۔ اور اوس نے جاتنی بڑی چیز کو اپنے اوپر لے لیا ہے اوس کی وجہ یہ ہے کہ اوسکو عظمت و جلال حق کی پوری طرح خبر نہین لیکن اوس کا یہ ظاہری ظلم لاکھون انصافون سے بہتر ہے اور اوس کا یہ جہل لاکھون علمون سے برتر ہے آگے صدر جہان کا مقولہ ہے۔

دست او بگرفت کاین رفتہ دمش آنکہے آید کہ من دم بخشمش

یعنی صدر جہاں نے اوس کا ہاتھ پکڑا کہ اوس کا یہ سانس گیا ہوا اوس وقت آوے گا کہ میں اوس کو سانس بخشوں گا

چون بمن زندہ شود آں مردہ تن　　جان من باشد کہ رو آرد بمن

یعنی جب وہ مردہ تن میری وجہ سے زندہ ہوگا تو گویا کہ وہ میری جان ہوگی جو کہ میری طرف متوجہ ہوگی۔

من کنم اورا ازین جان محتشم　　جان کہ من بخشم بہ بیند بخششم

یعنی میں اوس کو اس جان سے باشوکت کروں گا اور جو جان کہ میں بخشوں گا وہ میری بخشش کو دیکھے گی مطلب یہ کہ اوس کے پہلے ہوش وحواس تو جاتے رہے اب جو ہوش میری وجہ سے آوینگے اوس سے یہ میری بخشش اور الطاف وکرم کو دیکھے گا بس اسی طرح جب حق تعالیٰ بندہ کو خود بصیرۃ عطا فرماتے ہیں تو بندہ اوسی بصیرۃ سے عظمت وجلال حق کا مشاہدہ کرتا ہے ورنہ اوس کے تو کوئی اس قابل کہاں۔

جان نامحرم نہ بیند روی دوست　　جز ہمان جان کاصل او ازکوی اوست

یعنی نامحرم جان محبوب کے چہرہ کو نہیں دیکھ سکتی سوائے اوس جان کے کہ اوس کی اصل اوسی کوچہ سے ہو۔

دردمم قصاب وار این دوست را　　تا ہلد آن مغز نغزش پوست را

یعنی میں قصاب کی طرح اس دوست کے اندر پھونکونگا تاکہ اوس کا وہ مغز عمدہ کھال کو چھوڑ دے مطلب یہ کہ قصاب کھال کے اندر پھونکا کرتے ہیں تاکہ جو جان باقی رہی ہے وہ بھی نکل جاوے تو اسی طرح وہ بھی کہتے ہیں کہ ہم اوسکے اندر روح پھونکتے ہیں تاکہ اوس کی یہ نفیس جان اس ناسوت کو چھوڑ کر ہماری طرف متوجہ ہو

گفت ای جان رمیدہ از بلا　　وصل را ما در کشادیم الصلا

یعنی فرماتے ہیں کہ اے جان جو کہ بلا کی وجہ سے بھاگی ہوئی ہے ہم نے وصل کے لئے دروازہ کھولدیا ہے آؤ مطلب یہ کہ فرماتے ہیں کہ اے وہ جان جو کہ ہمارے عشق میں مبتلا ہو کر اپنے کو کھو چکی ہے اب ہم نے وصل کیلئے دروازہ کھولدیا ہے آؤ وصل حاصل کرو۔

اے خود ما بیخودی و مستیت　　اے زہست ما ہمارہ ہستیت

اے وہ شخص کہ ہمارا وجود تیری بیخودی اور مستی ہے اور ہماری ہستی کی وجہ سے ہمیشہ تیری ہستی ہے۔

با تو بے لب این زمان من نو بنو　　رازہائے کہنہ می گویم شنو

یعنی تیرے ساتھ میں اس وقت بے لب کے نو بنو پرانے رازوں کو کہتا ہوں سُن۔

زانکہ آن لبہا ازین دم می رمد　　بر لب جوئے نہان بر می دمد

یعنی اس لئے کہ وہ لب اسی دم سے پیدا ہوتے ہیں اور پوشیدہ ندی کے کنارہ پر ظاہر ہوتے ہیں مطلب یہ کہ ہم تم سے اسی زبان ظاہری سے کچھ باتیں بیان کرتے ہیں اسکے ذریعہ سے تمہارے قلب پر علوم اور فنون ظاہر کرینگے

گوش بیگوشی درین دم برگشا   بهر راز یفعل الله ما یشاء

یعنی بے سُننے کے کان یفعل اللہ ما یشاء کے راز کے واسطے کھولو مطلب یہ کہ ان رازوں کے لئے یہ ظاہری کان بھی کافی نہیں ہیں ان کے لئے بھی گوش قلب کی ضرورت ہے۔

چوں صلائے وصل بشنیدن گرفت   اندک اندک مردہ جنبیدن گرفت

یعنی جب وصل کی آواز سُننا شروع کی تو مردہ نے تھوڑا تھوڑا ہلنا شروع کیا یعنی جب اس عاشق نے سُنا کہ وصل محبوب کا وقت قریب ہے تو اسکے ہوش و حواس کچھ درست ہوئے اور اُس نے ہلنا شروع کیا مولانا فرماتے ہیں

نے کم از خاکست کز عشوہ صبا   سبزہ پوشد سر بر آرد از فنا

یعنی وہ (عاشق) خاک سے تو کم نہیں ہے کہ (خاک نے) صبا کے عشوہ کیوجہ سے سبزہ پہن لیا۔

کم ز آبِ نطفہ نبود کز خطاب   یوسفان زایند رخ چوں آفتاب

یعنی وہ نطفہ کے پانی سے کم نہیں کہ خطاب (حق) کی وجہ سے یوسف پیدا ہوتے ہیں (جن کے) چہرے آفتاب کی طرح ہوتے ہیں۔

کم ز بادے نے کہ شد از امر کن   در رحم طاؤس و مرغ خوش سخن

یعنی وہ ہوا سے کم نہیں ہے کہ جو امر کن کی وجہ سے رحم کے اندر مور اور خوش آواز جانور ہو گئے۔

کم ز نارے نیست کز امر سلام   گلستان شد بر خلیل خوش کلام

یعنی وہ آگ سے تو کم نہیں ہے جو کہ امر حق کی وجہ سے خلیل خوش کلام پر گلستان ہو گئی تھی۔

کم ز چوبے نیست در دفع عدو   گشت اژدرہائے منکر ز امرِ ہو

یعنی لکڑی سے تو کم نہیں کہ وہ دشمن کے دفع کرنے میں ایک اژدہائے ہیبت ناک ہو گئی تھی۔

کم ز سنگ کوہ نبود کز ولاد   ناقہ کان ناقہ ناقہ زاد و زاد

یعنی پہاڑ کے پتھر سے تو کم نہیں ہے کہ ولادت کی وجہ سے اس نے ایک ایسی اونٹنی جنی کہ جس اونٹنی نے ایک اور بچہ جنا مطلب یہ کہ جب محبوب کی آواز سے اور اس کے حکم سے بیجان چیزوں میں جان پڑ جاتی ہے اور وہ جانداروں جیسا کام کرنے لگتی ہیں تو اگر اس شخص کو محبوب کی آواز سے ہوش آ گیا تو کیا تعجب ہے آگے مولانا فرماتے ہیں۔

زین ہمہ بگذر نہ آن مایہ عدم   عالمے زاد و بزاید دم بدم

یعنی ان سب کو چھوڑ دیا اوس مایہ عدم نے ایک عالم کو نہیں جنا ہے اور ہر گھڑی جن رہا ہے۔ مطلب یہ کہ ان چیزوں کے جاندار ہو جانے سے کیوں تعجب کرتے ہو جبکہ سارا عالم ہی عدم سے موجود ہوا ہے تو یہ بھی اسی عدم کی حالت میں موجود ہو گئے۔

بر جہید و بر طپید و شاد شاد — یکدو چرخے زد سجود اندر فتاد

یعنی کودا اور تڑپا خوش خوش۔ ایک چکر لگا کر سجدہ میں گر پڑا۔

بشکفید از روے او و شاد شد — در وصال از بند ہجر آزاد شد

یعنی اوس (صدر جہاں) کے چہرہ کی وجہ سے کھل گیا اور خوش ہو گیا اور وصال (کی حالت) میں جدائی کی قید سے آزاد ہو گیا۔

شرح حبیبی

گفت اے عنقائے حق جان را مطاف — شکر کہ باز آمدی زان کوہ قاف

اے سرافیل قیامت گاہ عشق — اے تو عشق عشق و اے دلخواہ عشق

اولین خلعت گر خواہی دادنم — گوش خواہی کہ نہی بر روزنم

گرچہ میدانی بصفوت حال من — بندہ پرور گوش کن اقوال من

صد ہزاران بار اے صدر فرید — ز آرزوے گوش تو ہوشم پرید

آن سمیعی تو و آن اصغائے تو — وان تبسمہائے جان افزائے تو

آن نیوشیدن کم و بیش مرا — عشوۂ جان بد اندیش مرا

قلبہائے من کہ آن معلوم تست — پس پذیرفتی تو چون نقد درست

بہر گستاخے و شوخ غرہ — حلمہا در پیش حلمت ذرہ

اولا بشنو کہ چون ماندم زشست — اول و آخر ز پیش من بجست

ثانیا بشنو الا صدر ودود — کہ بسے جستم ترا ثانی نبود

ثالثا تا از تو بیرون رفتہ ام — گوئیا ثالث ثلثہ گفتہ ام

رابعا چون سوخت ما را مزرعہ — می ندانم خامسہ از رابعہ

خامسا از ہجرت اے صدر جہان — از حواس خمسہ بودم در زیان

سادسا از شش جہت بے بوئے تو — گوئیا بارید بر من غم دو تو

ساعتی از تا من ندانم صنا له ام　　خون همی گرید فلک از ناله ام
هر کجا یابی تو خون بر خاکها　　پے بری باشد یقین از چشم ما
گفت من رعدست و این بانگ حنین　　زابر خواهد تا ببارد بر زمین
من میان گفت و گریه می تنم　　یا بگریم یا بگویم چون کنم
گر بگویم فوت میگردد بکا　　ور بگریم چون کنم شکر و ثنا
می فتد از دیده خون دل شها　　بین چه افتاده است از دیده مرا
این بگفت و دیده درشد آن نحیف　　که بر و بگریست هم دون هم شریف
از دلش چندان برآمد ہائے وہو　　حلقه کرد اہل بخارا گرد او
خیره گویان خیره گریاں خیره خند　　مرد و زن خورد و کلاں حیران شدند
شهر هم همرنگ او شد اشک ریز　　مرد و زن درہم شده چون رستخیز
آسمان می گفت آندم با زمین　　گر قیامت را ندیدستی ببین
عقل حیران کہ چه عشق ست و چه حال　　کہ فراق او عجب تر یا وصال
چرخ برخوانده قیامت نامه را　　تا مجره بر دریده جامه را

عاشق نے پاؤں سے اوٹھ کر کہا کہ اے نایاب زمانہ اور اے کعبۂ جان خدا کا شکر ہے کہ تو کوہ قاف فراق سے واپس آیا اور اے محشر عشق کے اسرافیل اور عشاق کو زندہ کرنے والے اور اے وہ شخص کہ جس پر عشق بھی عاشق ہے اور اے عشق کے مطلوب پہلا خلعت جو آپ مجھے عطا فرمائیں وہ یہ ہونا چاہئے کہ آپ میرے مُنہ سے کان لگائیں تاکہ میں الم فراق کو بیان کر کے دل کی بھڑاس نکالوں۔ گو آپ صفائی باطن سے میری حالت جانتے ہیں مگر میری زبان سے سُن لیجئے۔ سُنئے لاکھوں مرتبہ ایسا ہوا ہے کہ اس آرزو میں کہ آپ میری بات سُنیں میرے حواس باختہ ہو گئے ہیں آپ کا سُننا اور کان لگا کر متوجہ ہونا اور آپ کا جان افزا تبسم اور آپ کا میری معمولی سی معمولی بات کو سُننا جو محض میری جان بد اندیش کا دہوکہا تھا جس کے ذریعہ سے وہ آپ کو اپنی طرف متوجہ کرنا چاہتی تھی اور یہ کہ آپ نے میرے ان نقائص کو جو آپ کو معلوم ہیں بسا اوقات خوبیوں کی طرح قبول فرمایا ہے اور یہ کہ ایک گستاخ اور مغرور شوخ کیلئے۔ اور دون کے حلم آپ کے حلم کے مقابلہ میں ایک ذرہ ہیں یہ تمام باتیں مجھے اس درخواست پر جرأت دلاتی ہیں اچھا سُنئے اول تو یہ بات ہے کہ جب سے میں آپ کے جال سے نکلا ہوں مجھے آگے پیچھے کی کچھ خبر نہ رہی۔ دوم یہ کہ میں نے بہت کچھ ڈھونڈھا اور سر مارا مگر آپ کا ثانی نہ ملا۔ سوم یہ کہ

جب سے میں آپ کے پاس سے گیا ہوں میں ایسا ہوگیا تھا جیسا کہ کافر نصرانی کہ مطلوبیت میں آپ کا شریک ٹھیرایا۔ چہارم یہ کہ جب سے میری خرمن جان پر بجلی گری ہے اور آپ سے جدا ہوا ہوں مجھے کچھ خبر نہ رہی حتٰی کہ چوتھے اور پانچویں میں امتیاز نہ رہا۔ پنجم یہ کہ آپ کے ہجر میں میرے حواس خمسہ معطل ہو گئے۔ ششم یہ کہ بدوں آپ کے دیدار کے شش جہت سے مجھ پر غم کی موسلادھار بارش ہوتی تھی میں بالکل بے خبر تھا۔ اور مجھے ساتویں اور آٹھویں میں تمیز نہ تھی۔ میرے نالوں پر آسمان خون روتا تھا۔ جہاں کہیں آپ کو زمین پر خون ملے گا تو جبکہ آپ کھوج لگائیں گے تو یقیناً وہ میری آنکھ کا خون ثابت ہوگا۔ میری یہ گفتگو اور یہ آواز گریہ ناک رعد ہے جو ابر کو چاہتی ہے کہ زمین پر برسے یعنی مجھے اس بیان سے رونا آتا ہے اب میں گفتگو اور رونے کے درمیان پھنسا ہوا ہوں۔ گفتگو کروں یا روؤں کیا کروں اگر میں گفتگو کرتا ہوں تو روتا جاتا ہے اور اگر روؤں تو آپ کا شکر اور آپ کی تعریف کیونکر کروں میری آنکھوں سے خون دل بہتا ہے لیجئے دیکھیے یہ کیا اگرا یہ کہہ کر زار زار رونا شروع کیا اور یوں رویا کہ اوس کے رونے پر ادنٰی و اعلیٰ سب روتے تھے اور اوس کے دل سے اس قدر نالہ و فغاں نکلے کہ تمام اہل بخارا اوس کے گرد جمع ہو گئے زبان سے بے تکی باتیں کرتا تھا آنکھوں سے بے حد روتا تھا اور کبھی بے انتہا ہنستا تھا غرضیکہ عجیب حالت تھی جس کو دیکھ کر سب لوگ حیران تھے شہر کے لوگ بھی اوس کی طرح روتے تھے اور عورتیں اور مرد سب گڈمڈ ہو گئے تھے اور قیامت کی سی حالت ہوگئی تھی آسمان بزبان حال زمین سے کہہ رہا تھا کہ اگر تو نے قیامت نہیں دیکھی تو لے یہ دیکھ لے۔ عقل حیران تھی کہ اس کا عشق اور اس کی حالت کس قدر عجیب ہے۔ اور سوچتی تھی کہ اس کا فراق عجیب تر ہے یا وصال۔ آسمان قیامت نامہ پڑھ رہا تھا اور اوس کے ایک ایک واقعہ کو اس پر منطبق کر رہا تھا۔ یہاں تک کہ کہکشاں نے کپڑے پھاڑ ڈالے تھے۔

شرح شبیری

بیہوش عاشق کا ہوش میں آنا اور محبوب کی ثنا اور شکر کرنا

گفت اے عنقائے حق جانرا مطاف   شکر کہ باز آمدی زان کوہ قاف

یعنی عاشق نے کہا کہ اے حق کے عنقا اور جان کے طواف کی جگہ شکر ہے کہ آپ اوس (استغنا کے) کوہ قاف سے واپس آگئے۔ مطلب یہ کہ عاشق کہتا ہے کہ اے محبوب خدا کا شکر ہے تمہاری وہ حالت بے اعتنائی اور استغنا

کی گئی اور مجھ پر مہربان ہوئے۔

اے سرافیل قیامت گاہ عشق اے تو عشق عشق والے دلخواہ عشق

یعنی اے عشق کے قیامت گاہ کے اسرافیل اے وہ شخص کہ تم عشق کے معشوق ہو اور اے محبوب عشق۔

اول این خلعت کہ خواہی دادنم گوش خواہم کہ نہی بر روزنم

یعنی اول خلعت جو آپ مجھے دیں گے وہ یہ چاہتا ہوں کہ آپ میری بات پر کان رکھیں مطلب یہ ہے کہ وہ اپنے محبوب کو خطاب کر کے کہہ رہا ہے کہ اے وہ شخص جو کہ عشق کی قیامت کے وقت مردوں کو زندہ کرنے والا ہے میں چاہتا ہوں کہ سب سے اول انعام جو مجھ پر ہو وہ یہ ہو کہ آپ میری باتیں سن لیں۔

گرچہ میدانی بصفوت حال من بندہ پرور گوش کن اقوال من

یعنی اگرچہ آپ برگزیدگی کی وجہ سے میری حالت کو جانتے ہیں (مگر) اے بندہ پرور میری باتوں کو سن ہی لیجئے

صد ہزاران بار اے صدر فرید ز آرزوئے گوش تو ہوشم پرید

یعنی اے صدر یکتا لاکھوں دفعہ تیرے کان کی آرزو میں میرے ہوش اُڑ گئے ہیں۔ مطلب یہ کہ مجھے جُدائی میں جب تیرا میری باتوں کو سننا یاد آیا ہے تو میرے ہوش اُڑ گئے ہیں۔

آن سمیعے تو و آن اصغائے تو وان تبسمہائے جان افزائی تو

یعنی تیرا وہ سننا اور تیرا وہ کان لگانا اور وہ تیرے جان کے بڑھانے والے تبسم۔

آن نیوشیدن کم و بیش مرا عشوۂ جان بداندیش مرا

یعنی وہ میرے کم و بیش کو سننا اور میری جان بداندیش کے نکروں کو سننا۔

قلب ہائے من کہ آن معلوم تست بس پذیرفتی تو چون نقد درست

یعنی میرے ان کھوٹوں کو جو تجھے معلوم ہیں تو نے بہت مرتبہ مثل عمدہ کھرے کے قبول کیا ہے۔

بہر گستاخی و شوخ غرۂ حلمہا در پیش حلمت ذرۂ

یعنی گستاخی اور عاشق کی شوخی کے واسطے تمام حلم تیرے حلم کے سامنے ایک ذرہ ہیں۔ مطلب یہ کہ عاشق کی شوخی اور گستاخی کے برداشت کرنے کیلئے تمام حلم کافی نہیں ہیں مگر تیرے حلم نے اونکو بھی برداشت کیا ہے تو اور سب حلم تیرے حلم سے گھٹے ہوئے ہیں۔

اولاً بشنو کہ چون ماندم ز شست اول و آخر ز پیش من جہست

یعنی اول تو سُن کہ جب میں کمند (خدمت) سے جدا ہوا تو اول و آخر میرے آگے سے جاتا رہا۔ مطلب یہ کہ جب میں آپ کی خدمت سے جُدا ہوا ہوں مجھے اول و آخر کی کچھ خبر نہیں رہی۔

ثانیاً بشنو تو اے صدر ودود   کہ بسے جستم ترا ثانی نبود

یعنی اے صدر محبوب دوسری بات یہ سُن کہ میں نے بہت ڈھونڈھا مگر تیرا کوئی ثانی نہیں تھا۔

ثالثاً تا از تو بیرون رفتہ ام   گوئیا ثالث ثلثہ گفتہ ام

یعنی تیسرے یہ کہ جب سے تیرے پاس سے گیا ہوں گویا ثالث ثلثہ کہا ہے میں نے۔ مطلب یہ کہ چونکہ آپ میرے اصلی محبوب ہیں اور میں آپ سے جُدا ہو کر دوسری جگہ گیا تو ایسا ہو گیا جیسا کہ نصاریٰ محبوب حقیقی کو چھوڑ کر محبوبان مجازی کی طرف التفات کرتے ہیں۔

رابعاً چون سوخت مارا مزرعہ   می ندانم خامسہ از رابعہ

چوتھے یہ کہ جب ہماری (قرب) کی کھیتی جل گئی تو میں پانچویں کو چوتھے سے نہیں جانتا۔ مطلب یہ کہ جب آپ کا قرب جاتا رہا تو پھر مجھے اس قدر بیخودی نے گھیرا کہ مجھے چار و پانچ میں بھی امتیاز نہ رہا۔

خامساً در ہجرت اے صدر جہان   از حواس خمسہ بودم در زیان

اور پانچویں اے صدر جہاں تیری جُدائی میں حواس خمسہ سے نقصان میں تھا۔

سادساً از شش جہت بے روئے تو   گوئیا بارید بر من غم دو تو

یعنی چھٹے شش جہت سے بے چہرہ تیرے کے گویا کہ مجھ پر دوہرا غم برسا۔

سابع از ثامن ندانم ضالہ ام   خون ہمی گرید فلک از نالہ ام

یعنی ساتویں کو آٹھویں سے نہیں جانتا گمراہ ہوں اور فلک میرے نالہ کی وجہ سے خون روتا ہے مطلب یہ کہ میرے نالہ کا اثر آسمان تک پہونچا۔

ہر کجا یابی تو خون بر خاکہا   پے بری باشد یقین از چشم ما

یعنی جس جگہ کہ تو خاک پر خون پاویگا یقیناً ہماری آنکھ سے نشان لے جاوے گا۔ یعنی جہاں کہیں خون پڑا ہوا دیکھو گے تم کو معلوم ہو جاویگا کہ ہم ادہر ہی کو روتے ہوئے گئے ہیں۔

گفت من رعد ست این بانگ وحنیں   ز ابر خواہد تا ببارد بر زمین

یعنی میری باتیں اور یہ آوازیں رعد ہیں اور ابر سے چاہتی ہیں کہ زمین پر برسے مطلب یہ کہ جب میں باتیں کرتا ہوں تو مجھے رونا آتا ہے اور ان باتوں کا تقاضا ہوتا ہے کہ میں خوب روؤں۔

من میان گفت و گریہ می تنم   یا بگریم یا بگویم چون کنم

یعنی میں رونے اور گفتگو کرنے کے درمیان میں کھنچ رہا ہوں کہ روؤں یا باتیں کروں کیا کروں۔

گر بگویم فوت می گردد بکا   ور بگریم چون کنم شکر و ثنا

یعنی اگر باتیں کرتا ہوں تو رونا فوت ہوا جاتا ہے اور اگر روتا ہوں تو تعریف اور شکر کس طرح کروں۔

می فتد از دیدہ خون دل شہا | بین چہ افتادہ ست از دیدہ مرا

یعنی اے بادشاہ آنکھوں سے خون گر رہا ہے دیکھو میری آنکھوں سے کیا گرا ہے۔

این بگفت و گریہ در شد آن نحیف | کہ برو بگریست ہم دون ہم شریف

یعنی یہ کہا اور وہ نحیف رونے میں ہوا (اس طرح) کہ اوس پر کمینہ بھی روئے اور شریف بھی۔

از دلش چندان برآمد ہائے و ہو | حلقہ کرد اہل بخارا گرد او

یعنی اوسکے دل سے اس قدر ہائے وہو نکلی کہ اہل بخارا نے اوسکے گرد حلقہ لگا لیا۔

خیرہ گویان خیرہ گریاں خیرہ خند | مرد و زن خورد و کلاں حیران شدند

یعنی بے ڈھنگا کہنے والا اور بے ڈھنگا رونے والا اور بے ڈھنگا ہنسنے والا عورت و مرد چھوٹے اور بڑے حیران ہوئے

شہر ہم ہمرنگ او شد اشک ریز | مرد و زن در ہم شدہ چون رستخیز

یعنی تمام شہر بھی اوسی کی طرح رونے والا ہو گیا عورت اور مرد آپس میں قیامت کی طرح ملے ہوئے۔ مطلب یہ کہ جس طرح قیامت میں کسی کو ایک دوسرے کی خبر نہ ہو گی اسی طرح سب کے سب اوس کے دیکھنے میں لگے ہوئے تھے کسی کو ایک دوسرے کی خبر نہ تھی۔

آسمان می گفت آندم با زمین | گر قیامت را ندیدستی بہ بین

یعنی آسمان اسوقت زمین سے کہہ رہا تھا کہ اگر تم نے قیامت کو نہ دیکھا ہو تو دیکھ لو۔

عقل حیران کہ چہ عشق ست و چہ حال | کہ فراق او عجب تر یا وصال

یعنی عقل حیران تھی کیسا عشق ہے اور کیا حال ہے کہ فراق اوس کا زیادہ عجب ہے یا وصال مطلب یہ کہ عقل کہتی تھی کہ یہ فراق میں بھی روتا ہی پھرتا تھا اور وصل میں بھی رو رہا ہے تو کونسی حالت زیادہ عجب ہے

چرخ بر خواندہ قیامت نامہ را | تا مجرہ بر دریدہ جامہ را

یعنی آسمان قیامت نامہ کو پڑھ رہا تھا اور کہکشاں تک کپڑے پھاڑے ہوئے تھا (آگے مولانا فرماتے ہیں)۔

شرح حبیبی

با دو عالم عشق را بیگانگی ست | واندران ہفتاد و دو دیوانگی ست

سخت پنہانست و پیدا حیرتش | جان سلطانان جان در حسرتش

غیر ہفتاد و دو ملت کیش او | تخت شاہان تختہ بندی پیش او

مطرب عشق این زند وقت سماع ‌‌‌‌ بندگی بند و خداوندی صداع

پس چه باشد عشق دریای عدم ‌‌‌‌ در شکسته عقل را آنجا قدم

بندگی و سلطنت معلوم شد ‌‌‌‌ زین دو پرده عاشقی مکتوم شد

کاشکی هستی زبانی داشتی ‌‌‌‌ تا ز هستان پرده‌ها برداشتی

هر چه گوئی ای دم هستی ازان ‌‌‌‌ پردهٔ دیگر برو بستی بدان

آفت ادراک آن حالست و قال ‌‌‌‌ خون بخون شستن محالست و محال

من چو با سودائیانش محرمم ‌‌‌‌ روز و شب اندر قفس در می دمم

سخت مست و بیخود و آشفتهٔ ‌‌‌‌ دوش ای جان بر چه پهلو خفتهٔ

هان و هان هشدار بر ناری دمی ‌‌‌‌ اولا بر جه طلب کن محرمی

عاشق و مستی و بگشاده زبان ‌‌‌‌ الله الله اشتری بر نردبان

چون ز راز و ناز او گوید زبان ‌‌‌‌ یا جمیل الستر خواند آسمان

ستر چه در پنبه و پشم آذرست ‌‌‌‌ تو همی پوشیش او رسواترست

چون بکوشم تا سرش پنهان کنم ‌‌‌‌ سر بر آرد چون علم کاینک منم

رغم انفم گیردم او هر دو گوش ‌‌‌‌ کای مدمغ چونش می پوشی بپوش

گویمش رو گرچه بر جوشیدهٔ ‌‌‌‌ همچو جان پیدائی و پوشیدهٔ

گوید او محبوس خنبست این تنم ‌‌‌‌ چون می اندر بزم خنبک می زنم

گویمش زان پیش که گردی گرو ‌‌‌‌ تا نیاید آفت مستی برو

گوید از جام لطیف آشام من ‌‌‌‌ یار روزم تا نماز شام من

چون بیاید شام و دزدد جام من ‌‌‌‌ گویمش واده که تا مد شام من

زان عرب بنهاد نام می مدام ‌‌‌‌ زانکه سیری نیست میخور را مدام

(تنبیہ) ان اشعار کی تشریح میں حضرت مجدد الملۃ والدین کی ایک تحریر ہے جو کہ شرح شبیری میں درج ہے۔ مگر میں نے انکی شرح دوسرے عنوان سے کی ہے تا کہ اس عنوان سے بھی واقفیت ہو جاوے اور فائدہ تام ہو بس سنو کہ۔ یہاں سے مولانا صفات عشق بیان کرنا چاہتے ہیں اور کہتے ہیں عشق بھی عجیب چیز ہے کہ تمام دنیا سے نرالا ہے کہ اس کے آثار دیگر موجودات کے آثار سے نہیں ملتے۔ عالم میں اگر کسی میں ایک قسم کی دیوانگی ہو گی تو اس میں بہتر طرح کے جنون ہیں۔ ایک صفت اس کی یہ ہے کہ ذاتاً نہایت مخفی ہے مگر حیرت اس کی ظاہر ہے اور ایک وصف اس کا یہ ہے کہ انبیا و اولیا کو بھی باوجودیکہ وہ سلطانان جہان ہیں اوس کی تمنا ہے اور وہ اس سے مستغنی نہیں ایک بات اس میں یہ ہے کہ اوس کا

مسلک تمام مذاہب و مسالک سے جداگانہ ہے مثلاً تخت شاہی اوس کے نزدیک ایک قید ہے اور
اور کسی مسلک میں نہیں اگر ہو تو ضرور اس میں اس کی آمیزش ہوگی اور یہ اوس کا مقتضی ہوگا چونکہ اسکی
شان سب سے نرالی ہے اس لئے مطرب عشق (یعنی خود عشق) قوالی میں یہ راگ گاتا ہے یعنی بزبان
حال یہ کہتا ہے کہ تابعیت ایک قید ہے اور متبوعیت در دسری جب مطلق عشق کی یہ حالت ہے جسمیں
عشق مجازی بھی داخل ہے تو خاص بحر عالم غیب یعنی حق سبحانہ کا عشق کیا ہوگا اور اوس کی صفات مختصر
کس قدر عجیب ہوں گی سچ تو یہ ہے کہ اس کی حالت تک عقل کی رسائی ناممکن ہے اب مولانا اس کی
خفا کیوجہ بیان فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اصل وجہ خفا کی یہ ہے کہ لوگوں کو بندگی و سلطنت کا حال معلوم
ہوا لہذا کسی نے بندگی اختیار کی اور کسی نے سلطنت اور یہ پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ عشق کو ان دونوں
سے نفرت ہے ایک کو وہ قید کہتا ہے دوسرے کو در دسری تو وہ ان کے ساتھ جمع نہ ہو سکا لہذا مخفی رہا
اور یہ ہر دو اس کا حجاب بن گئیں کسی ہست اور یا خود کی تو کیا مجال ہے کہ وہ اوس کی حالت بیان
کر سکے کاش خود بیخودی کے زبان ہوتی۔ اور وہ خود اپنی حالت بیان کرتی جس کے سبب بیخود دل
اور بیخودی و عشق کی حالت معلوم ہوتی۔ رہا کلام جس کا منشا ہستی ہے اوس سے تو اوس کی حالت
پورے طور پر منکشف نہ ہوتی بلکہ اس سے اوس کی حالت پر ایک اور پردہ پڑ جاتا ہے اور قال اوس
حال کے منافی ہے اس لئے کہ ان کا تعلق ہستی سے ہے پس اوس چیز سے جو کہ ہستی سے تعلق رکھتی
ہے اوس حجاب کو دور کرنا جو کہ خود بھی ہستی سے تعلق رکھتا ہے یوں ہی ناممکن ہے جیسے خون کو خون
سے دھونا۔ ہاں میں چونکہ اوس کے سودائیوں کا محرم راز ہوں اس لئے اوس کی حالت سے واقف
ہوں اور رات دن اوس کی حقیقت کی سمجھانے کی لاطائل کوشش کرتا ہوں۔ مولانا جوش میں کہہ تو
گئے کہ میں راز عشق سے واقف ہوں مگر پھر اُن کو تنبیہ ہوا اسلئے فرماتے ہیں کہ تو نہایت مست
اور بیخود اور آشفتہ ہے بتا تو سہی تو رات کس کروٹ سویا تھا دیکھ خبردار ایک لفظ مُنہ سے مت
نکالنا ایسی ہی اگر ضرورت ہے تو اولاً کوئی محرم راز تلاش کر پھر جو جی میں آئے کہہ کچھ مضائقہ
نہیں تو عاشق اور مست ہوا اور تیری زبان کھُلی ہو کیس قدر عجیب اور بے جوڑ بات ہے بھائی ہم کو
تو اس سے یوں ہی حیرت ہوتی ہے جیسے اونٹ کے سیڑھی پر چڑھنے سے بھلا اس کے راز و نیاز
زبان کیونکر بیان کر سکتی ہے حالانکہ اس کی تستر کی آسمان تعریف کرتا ہے اور پکارتا ہے تو یا
جمیل الستر اور اے خوب پوشیدہ کہہ کر پکارتا ہے یہاں تک تو اخفائے راز عشق کی ضرورت
بیان کی تھی اب یہ ظاہر کرنا چاہتے ہیں کہ اگر بلا اختیار و بالاضطرار اس کے آثار ظاہر ہو جاویں تو

مضائقہ نہیں کیونکہ اس کا چھپنا قدرت سے باہر ہے کہ عشق و مشک را نتوان نہفتن اس کو یوں بیان فرماتے ہیں کہ اجی کیسا اخفا بھلا کہیں ممکن ہے کیونکہ اس کی تو ایسی مثال ہے جیسے آگ کو روئی یا اون سے چھپاؤ تو جس طرح کہ وہ اس سے نہ چھپے گی بلکہ اور ظاہر ہوگی یوں ہی تم چاہتے ہو کہ ہم اسے بالکلیہ چھپائیں مگر وہ اس سے اور ظاہر ہوتا ہے اب خطاب سے تکلم کی طرف التفات فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جب میں اس کو مخفی کرنے کی کوشش کرتا ہوں تو وہ جھنڈے کی طرح سر بلند کرتا ہے اور کہتا ہے لوگو دیکھ لو میں ہوں غرضیکہ وہ میرے منشاء کے خلاف میرے کان پکڑ کر بلاتا ہے اور کہتا ہے کہ بیہودہ تو مجھے چھپانا چاہتا ہے اچھا لے چھپا دیکھوں تو کیسا چھپانے والا ہے جب میں اس کا غصہ دیکھتا ہوں تو بمنت التجا کرتا ہوں اور کہتا ہوں کہ گو آپ غصہ میں ہیں اور جان کی طرح مخفی ہو کر بھی آپ ظاہر ہیں میں اس کا انکار نہیں کرتا اور نہ آپ کے ظہور کو میں روک سکتا ہوں مگر آپ تشریف لے جائیے اور خود اپنے کو مخفی کیجئے اس پر کہتا ہے کہ یہ میرے اختیار میں نہیں میں اگرچہ ارواح میں محبوس ہوں مگر نہ یہ حبس میرے ظہور کیلئے مانع ہے اور نہ عدم ظہور میرا اختیاری ہے پس میری مثال ایسی ہے جیسے شراب مٹکے میں محبوس ہو اور سر محفل تالیاں بجا رہی ہو اگر میں اس کو اس عنوان سے منع کرتا ہوں تو اس کا یہ جواب ملتا ہے جو تم سن چکے ہو اور اگر یوں کہتا ہوں کہ دیکھو یہ شیوہ اچھا نہیں ہے اس میں مصیبت میں پھنس جانے کا اندیشہ ہے کیونکہ جوش مستی میں میرے منہ سے نامناسب باتیں نکلیں گی اور لوگ دشمن ہو جائیں گے اور میرا ضرر خود آپ کا ضرر ہے اور میری دشمنی آپ کی دشمنی پس قبل اس کے کہ تم میری مستی کے سبب کسی مصیبت میں پھنسو بہتر یہ ہے کہ جا کر چھپ رہو تو جواب یہ ملتا ہے کہ تم ایک لطیف آشام شخص ہو تنگ ظرف اور کم ظرف نہیں ہو لہذا میں کسی تنگ ظرف اور کم حوصلہ شخص کے پیالے کی شراب نہیں بلکہ ایک نہایت نفیس پینے والے کی جام کی شراب ہوں۔ اس لئے مجھے اندیشہ نہیں کہ تم اول فول بکو گے لہذا میں نہ مخفی ہو سکتا ہوں اور نہ تم سے جدا ہو سکتا ہوں۔ میں تو صبح سے شام تک تمہارے ساتھ رہونگا یعنی میرا اور تمہارا تو زندگی بھر کا ساتھ ہے اور موت سے پہلے تمہیں نہیں چھوڑ سکتا غرضیکہ میں قوت سے بھی کام لیتا ہوں اور منتیں بھی کرتا ہوں۔ دھمکیاں بھی دیتا ہوں مگر عشق ہے کہ بدون ظاہر ہوئے نہیں رہتا ایسی حالت میں اگر افشائے راز ہو جاوے تو مجبوری ہے اب مولانا فرماتے ہیں کہ عشق کہتا ہے کہ میں شام تک تمہارے ساتھ رہونگا اور مرتے دم تک تمہارا ساتھ نہ چھوڑونگا میں کہتا ہوں کہ تیرا کبھی پیچھا نہ چھوڑونگا جب شام موت میرا پیالہ چرانے اور مجھے عشق سے جدا کرنے آئے گی تو میں کہونگا لا میرا پیالہ ابھی شام

نہیں ہوئی اور میرے مرنے کا وقت نہیں آیا کیونکہ عشاق کیلئے موت نہیں ہے

ہرگز نہ میرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق الخ

واقعی یہ شراب ایسی چیز ہے کہ اس سے کبھی جی نہیں بھرتا۔ یہ تو بڑی چیز ہے شراب محسوس سے بھی بادہ گسار سیر نہیں ہوتے اس لئے عرب نے شراب کو مدام کہا ہے کہ مے خوار اس سے کبھی سیر نہیں ہوتا۔

اب مولانا پھر اوصاف عشق کی طرف انتقال کرتے ہیں اور کہتے ہیں ہے

عشق جوشد بادۂ تحقیق را الخ

شرح شبیری

با دو عالم عشق را بیگانگی   اندرو ہفتاد و دو دیوانگی

یعنی عشق کو دونوں عالم سے بیگانگی ہے اوس کے اندر بہتر جنون ہیں بہتر سے مراد کثرت ہے یعنی بہت سے جنون ہیں۔ مطلب یہ کہ عشق کے خواص سب موجودات عالم سے نرالے ہیں اوس میں بے شمار جنون ہیں یہ بیان ہے اوس کے بعض خواص کا کہ دونوں عالم کے مصالح کا تو ہوش ہی اور یہاں بیہوشی ہے اور بیہوشی متعارف سے بھی یہ بیہوشی دوسری نوع کی ہے۔

سخت پنہانست و پیدا حیرتش   جان سلطانان جان در حسرتش

یعنی وہ بہت پوشیدہ ہے اور اوس کی حیرت ظاہر ہے اور جان کی بادشاہوں کی جان اوس کی تمنا میں ہے مطلب یہ کہ عشق میں جو حیرت ہوتی ہے وہ باعتبار اپنی کنہ کے عوام سے پنہاں ہے کیونکہ وہ ذوقی ہے اور عوام اوس ذوق سے خالی ہیں اور باعتبار بعض آثار کے ظاہر ہے چنانچہ ظاہر ہے اور شاہان جان یعنی انبیاء اور اولیاء اوس کے شوق میں ہیں پس حسرت مجازاً بمعنی تمنا کے ہے۔

غیر ہفتاد و دو ملت کیش او   تخت شاہان تختہ بندی پیش او

یعنی بہتر دینوں سے اوس کا مذہب جدا ہے اور بادشاہوں کا تخت اوس کے سامنے قید خانہ ہے مطلب یہ کہ تمام مذاہب سے الگ اس عشق کا مذہب ہے۔ مذاہب باطلہ سے الگ ہونا تو ظاہر ہے کیونکہ عشق امر حق ہے اور ممکن ہے کہ ہفتاد و دو سے مراد صرف مذاہب باطلہ ہی لئے جاویں اور اگر قطع نظر عدد سے تمام مذاہب لئے جاویں تو مذہب حق سے جدا ہونا اس طرح ہے کہ مذہب تو مکتسب اور عقلی ہے اور یہ موہوب اور حالی ہے اور تغایر دونوں کا ظاہر ہے اور عشق ایسی چیز ہے کہ بادشاہوں کا تخت و تاج اوس کے سامنے بجائے حبس کے یعنی کلفت دہ ہے۔

مطرب عشق این زند وقت سماع　　بندگی بند و خداوندی صداع

یعنی سماع کے وقت عشق کا مطرب یہ بجا رہا ہے کہ بندگی ایک قید ہے اور خداوندی درد سر ہے۔ مطلب یہ کہ سماع کے وقت مطرب حق بزبان حال عشق کی صفت میں یہ کہتا تھا کہ تابعیت تو ایک قید ہے اور متبوعیت درد سر ہے چنانچہ ظاہر ہے یعنی عشق دونوں سے ارفع ہے اور اوس میں دونوں سے آزادی ہے کیونکہ یہ دونوں فرع ہیں صحو و ہستی کے اور عشق میں فنا اور نیستی ہے۔

پس چہ باشد عشق دریائے عدم　　درشکستہ عقل را آنجا قدم

یعنی بس عشق کیا ہے ایک دریائے عدم ہے کہ اوس جگہ عقل کے قدم ٹوٹے ہوئے ہیں مطلب یہ کہ اس سے ثابت ہوا کہ عشق کیا چیز ہے وہ ایک دریائے فنا ہے دریا سے تشبیہ باعتبار محل غرق ہونے کے ہے اور جس طرح دریا میں کوئی عاقل قدم نہیں رکھ سکتا اس میں بھی عقل شکستہ قدم ہے اور اوس کی اوس میں رسائی نہیں چنانچہ فنا کا فوق العقل ہونا ظاہر ہے۔

بندگی و سلطنت معلوم شد　　زین دو پردہ عاشقی مکتوم شد

یعنی بندگی و سلطنت معلوم ہو گئی اور عاشقی ان دونوں پردوں سے پوشیدہ ہے مطلب یہ کہ اس تقریر بالا سے بندگی و تابعیت اور سلطنت و متبوعیت کا حال معلوم ہو چکا ان دونوں حجابوں سے عشق مکتوم ہے کہ وہاں دونوں کا گذر نہیں۔ اسی لئے ان دونوں کو حجاب کہدیا اور انھیں دونوں کی کیا تخصیص ہے جو علت ان دونوں کی رسائی نہ ہونے کی ہے یعنی ان دونوں کا فرع ہونا ہستی کیلئے اسی علت سے جتنی اشیاء وجودیہ ہیں سب کا عدم دخل معلوم ہو گیا اسی کو فرماتے ہیں۔

کاشکے ہستی زبانے داشتے　　تا ز ہستان پردہا برداشتے

یعنی کاش ہستی ایک زبان رکھتی تاکہ تمام موجودات سے پردوں کو اٹھا دیتی۔ مطلب یہ کہ بجائے اسکے کہ ہم بعض اشیاء وجودیہ کا بیان کر رہے ہیں کاش خود ہستی کے زبان ہوتی تو وہ اپنی حقیقت بیان کر کے تمام اشیاء کی حقیقت خاص اس امر میں بیان کر دیتی کہ عشق تک کسی کی رسائی نہیں آگے فرماتے ہیں۔

ہر چہ گوئی اے دم ہستی ازاں　　پردۂ دیگر برو بستی بداں

یعنی اے ہستی کے کلام تو اوس عشق سے جو کچھ بیان کرے تو اوس پر ایک دوسرا پردہ باندھ دیتا ہے جان لے۔ مطلب یہ ہے کہ اس ہستی کے زبان ہونے سے بھی حقیقت عشق کی منکشف نہ ہوتی پس بعنوان خطاب فرماتے ہیں کہ اے ہستی کے تکلم یعنی اے ہستی متکلم تو فرضاً عشق کے ادنیٰ خاص کو

کر وہاں کسی ہستی کا گذر نہیں جتنا بھی بیان کرے اس سے یہ ہوتا کہ تو اوس پر ایک اور حجاب ڈالدیتی یعنی یہ بیان خود ایک حجاب ہو جاتا اور حجاب میں عدم انکشاف ظاہر ہے اور یہ حجاب اس لئے ہو جاتا کہ۔

آفت ادراک آن قال است وحال　　خون بخون شستن محال است ومحال

یعنی ادراک کا مانع وہ قال اور حال ہے اور خون کا خون سے دہونا محال ہے مطلب یہ کہ ادراک عشق کی آفت یعنی مانع یہی دو چیزیں ہیں قال اور حال اور یہ بیان ہستی قال ہوتا اس لئے حجاب ہوتا چنانچہ قال کا مانع ہونا تو ظاہر ہے کہ عشق ایک حال ہے اور قال اوس کا مضاد اور حال سے مراد غیر حال عشق ہے جو عشق سے ادون ہے اور ظاہر ہے کہ ادنیٰ کا حصول ادراک اعلیٰ کیلئے کافی نہیں اور عکس کافی ہے اس لئے ایسا حال بھی مانع ہوگا۔ آگے ایک مثال ہے تکلم ہستی کے رافع حجاب ہو سکنے کی یعنی جس طرح خون کو خون سے نہیں زائل کر سکتے اسی طرح دوسرے حجب اس حجاب یعنی تکلم ہستی سے زائل نہ ہوتے آگے اسی قال کا کشف عشق کے لئے کافی نہ ہونا بیان کرتے ہیں کہ۔

من چو با سودائیانش محرمم　　روز وشب اندر قفس درمی دمم

یعنی میں جب عشق کے سودائیوں کا محرم ہوں تو رات دن پنجرہ میں پھونک رہا ہوں۔ مطلب یہ کہ میں بوجہ اتصاف عشق کے صرف اوس کے سودائیوں یعنی عشاق کا محرم ہوں اور مخاطبین سودائی عشق نہیں ہیں اس لئے اون کے سامنے قال سے اوس کی تحقیق کرنا ایسا ہے جیسا کہ قفس میں پھونک مارنا یعنی عبث ولاطائل آگے اس قال میں اپنا کسی قدر مغلوب ہونا اور باوجود اس مغلوبیت کے اس قال کے ترک کا مناسب ہونا بیان کرتے ہیں۔

سخت مست وبیخود وآشفتۂ　　دوش اے جان بر چہ پہلو خفتۂ

یعنی تیز اور مست اور بیخود اور پریشان ہو رہا ہے تو اے جان تو کل کس پہلو پر سویا ہے۔

ہان وہان ہشدار بر ناری دمے　　اولا بر جہ طلب کن محرمے

یعنی ہاں ہاں سنبھل کہ تو کوئی آواز نہ نکالے اولاً اوٹھ اور کوئی محرم تلاش کر۔ مطلب یہ ہے کہ اپنے نفس کو خطاب فرما رہے ہیں کہ تو بہت ہی تیز اور مست اور نہ بیخود وآشفتہ ہو رہا ہے اے جان یعنی اے نفس تو کس پہلو پر سویا تھا کہ تیرے ہوش درست نہیں ہوئے ہاں ہوش کو سنبھال اور اس قسم کی ایک بات بھی منہ سے مت نکال بلکہ اولاً اس بیہوشی سے نکل اور کسی محرم کو ڈہونڈھ پھر اوس سے کہنے کا مضائقہ نہیں اور علاوہ محرم نہ ہونے کے ایک اور مانع بھی اس قال کا پایا جاتا ہے۔ آگے اوس کا بیان ہے کہ۔

عاشق ومستی وبکشادہ زبان　　اللہ اللہ اشترے بر نردبان

یعنی عاشق اور مستی اور زبان کھلی ہوئی اللہ اللہ ایک اونٹ ہے سیڑھی پر مطلب یہ ہے کہ عاشق ہوکر اور مستی عشق لئے ہوئے اور پھر زبان کھولے ہوئے یہ اجتماع المنافیین ہے جیساکہ شتر کا نردبان پر ہونا عادۃً اجتماع المنافیین ہے آگے اوسی قال کا نامناسب ہونا دوسرے عنوان سے بیان کرتے ہیں کہ۔

چون زراز و ناز او گوید زبان　　یا جمیل الستر خواند آسمان

یعنی جبکہ عشق کے راز و ناز کو زبان بیان کرتی ہے تو آسمان یا جمیل الستر پڑھتا ہے مطلب یہ کہ جب عشق کے اسرار و اطوار زبان قال ظاہر کرتی ہے تو آسمان بھی جبکہ صعود عمل کے وقت اوس پر مطلع ہوتا ہے اس اظہار قال سے توحش کرتا ہے اور دعا کرتا ہے یا جمیل الستر استرہ یعنی اے ستار حسن الستر اس راز کو پوشیدہ کر دیجئے اور اس قائل کے قلب میں سکوت کا القا کر دیجئے یہاں تک مولانا نے حکیمانہ رائے دی ہے کہ اس کا اخفا کرنا چاہئے آگے آثار عشق کا آثار حکمت پر غلبہ ہو گیا ہے اوس غلبہ اور جوش میں کہتے ہیں کہ۔

ستر چہ در پشم و پنبہ آذر ست　　تا ہمی پوشیش او پیدا تر ست

یعنی چھپانا کیسا کہ اون اور روئی میں آگ ہے جتنا کہ تو اوس کو چھپاتا ہے وہ زیادہ ظاہر ہے۔

چون بکوشم تا سرش پنہان کنم　　سر بر آرد چون علم کانیک منم

جب میں کوشش کرتا ہوں کہ اوس کے بھید کو پوشیدہ کروں تو وہ علم کی طرح سر نکالتا ہے کہ یہ میں ہوں مطلب یہ کہ کیسا اخفا اس راز کی تو ایسی مثال ہے جیسے اون اور روئی میں آگ کہ اوس کے اندر مخفی کرنے سے زیادہ ظاہر ہو گی کہ پہلے تو اپنی ہی جگہ میں تھی روئی کے اندر رکھنے سے روئی کی چیز کو بھی گھیر لیا بلکہ اوس کے نواح کو بھی تو بہت ہی پھیل گئی اسی طرح جب میں کوشش کرتا ہوں کہ اوس کے راز کو مخفی کروں تو وہ پرچم بلند کی طرح ظاہر ہوتی ہے کہ دیکھو میں یہ ہوں مراد اس ظہور سے وہ ظہور نہیں جس کے اصدار سے اوپر منع کیا گیا ہے کہ وہ تو اثر ہے اظہار مکتسب کا بلکہ یہ دوسرا ظہور ہے جس کا اصدار حضرت حق سے ہوا ہے یعنی خود وجود واجب کا ظہور تکوینی مظاہر کونیہ میں اور اوس میں ایک قسم کا انتقال ہے یعنی گو میں عشق کا اخفا کرتا ہوں مگر خود ہی اوس کا اس طرح ظہور ہو رہا ہے کہ وجود حق ظاہر ہے اور چونکہ یہی ظہور وجود عشاق حق کی نظر میں ظہور اسرار عشق ہے اسلئے اس کا نام ظہور عشق رکھا گو عوام سے وہ اس حیثیت سے مستور ہے کہ عشاق کی نظر میں بھی وجود کا ظہور عین عشق ہے اس بناء پر اس مضمون کو بعنوان استدراک لایا گیا کہ کیا اخفا الخ اور جب میں کوشش کرتا ہوں الخ اور اسی مضمون کی آگے تاکید ہے کہ۔

رغم انفم گیر دم ناگاہ گوش　　کاے مدمغ چونشی می پوشی بپوش

یعنی کہ باوجود میری ناگواری کے وہ عشق ناگہاں میرے دونوں کان پکڑ کر کہتا ہے کہ اے پاگل تو اس کو کیوں کر چھپاویگا چھپا۔ مطلب یہ کہ وہ عشق علی رغم انفی میرے دونوں کان پکڑ کر کہتا ہے کہ مختل الدماغ تو راز عشق کو کیونکر مخفی کرتا ہے کہ مخفی کردہ مخفی ہو ہی نہیں سکتا جبکہ وجود واجب کا خود ظہور ہو چکا اور وہی راز عشق کا ظہور ہے اور اوس کو ظہور راز عشق کہنا ایسا ہے جیسا بعض اہل حال نے لکھا ہے کہ وحدۃ الوجود کا اخفا کیوں کیا جاوے جبکہ لا الہ الا اللہ کا وہ مدلول ہے اور لا الہ الا اللہ کا اعلان منائر اور منابر اور محاریب میں کیا جاتا ہے آگے ایک مکالمہ ہے جو اسی معنی پر مبنی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ مولانا بطون سر عشق کو راجح کہہ رہے ہیں و تو عاً بھی کہ باوجود ظہور کے پھر وہ باطن ہی ہے اور استدعاً بھی کہ محبوب حقیقی سے اوسی کی درخواست کرتے ہیں اور محبوب حقیقی اوس کے ظہور کو راجح کر رہا ہے اور درحقیقت یہ ظہور اور بطون دونوں مجتمع ہیں پس یہ محض عنواناً مکالمہ ہے معنوں میں مزاحمتہ نہیں اور مجموعہ کلامین سے یہ بتلانا ہے کہ اگر بصیرت ہو تو حق تعالیٰ کا ظہور وجود عشاق کی نظر میں عین مشہود ہے اور اگر بصیرت نہ ہو تو ہر شئے حجاب مقصود ہے وہ مکالمہ یہ ہے۔

گوئیمش رو گرچہ بر جوشیدۂ ہمچو جاں پیدائی و پوشیدۂ

یعنی میں اوس کو کہتا ہوں کہ جا اگرچہ تو اوبل رہا ہے لیکن جان کی طرح ظاہر اور پوشیدہ ہے تو مطلب یہ کہ میں اوس عشق سے کہتا ہوں کہ تو مجھ پر انکار کرتا ہے کہ تو مخفی نہیں کر سکتا تو میں یہ کہتا ہوں کہ تو ظاہر ہی نہیں ہو سکتا کیونکہ تو اگرچہ ظہور میں جوش کر رہا ہے لیکن روح کی طرح من وجہ ظاہر ہے اور من وجہ باطن تو ظہور تام تو تیرا نہ ہوا چنانچہ ظاہر ہے کہ وجود حق آثار سے ظاہر ہے مگر کنہ اوس کی نامعلوم پس پورا ظاہر نہ ہوا بلکہ غلبہ بطون ہی کو رہا۔

گو ید او محبوس خم ست این تنم چون مے اندر بزم خنبک میزنم

یعنی وہ کہتا ہے کہ میرا یہ بدن خم کے اندر قید ہو رہا ہے میں شراب کی طرح بزم کے اندر تالیاں بجا رہا ہوں مطلب یہ کہ وہ جواب میں کہتا ہے کہ میرے ظہور کو ترجیح ہے اس لئے کہ میں مشابہ مئے انگور کے ہوں جو مرتبہ بطون فی العنب سے نزول کر کے متلبس بالدن یعنی موضوع در خم ہو جاوے اور پھر بزم میں آ کر مستی اور تالیاں بجانے کا سبب بن جاوے جو صاف ظہور ہے اسی طرح بطون سے میرا تن بمعنی وجود یعنی ذات مجازاً مظاہر میں ظاہر ہو گیا اور محسن اس مجاز کا اعتبار ہے جانب مشبہ بہ کا کہ اوس کا تعین مصداق تن کا ظاہر ہے۔

گوئیمش زان پیش کہ گزدی گرو تا نیاید آفت مستی بر و

یعنی میں اوس سے کہتا ہوں کہ اس سے پہلے کہ تو گروی ہو (مستور ہو جا) تاکہ مستی کی آفت اوس پر نہ آوے۔ مطلب یہ کہ پھر میں اوس سے بطور استدعا کہتا ہوں کہ قبل اس کے کہ تو ادراک خلائق کا مرہون یعنی مدرک ہو جاوے اپنے کو با اخفائے ممکن مخفی کر لے پس عامل زان پیش کا مقدر ہے اور مخفی اسلئے کرے تاکہ اوس مدرک پر مستی کی آفت نہ آجاوے یعنی اندیشہ ہے کہ یہ ظہور وجود ظہور شہود تک کسی شخص کے اعتبار سے پہونچ جاوے اور وہ مغلوب السکر ہو کر آفت شطح میں مبتلا نہ ہو جاوے اسلئے اس ظہور کو مستور کر لے۔

گوید از جام لطیف آشام من　　یار روزم تا نماز شام من

یعنی کہتا ہے کہ ایک لطیف جام پینے کی وجہ سے میں دن کا یار ہوں اپنے نماز شام تک مطلب یہ کہ وہ جواب میں کہتا ہے کہ خواہ کچھ بھی ہو قیامت خاصہ یا عامہ تک تو یہ ظہور ضرور رہی رہیگا۔ الاول باعتبار کل واحد والثانی باعتبار المجموع اس کو اس عنوان سے فرماتے ہیں کہ مظاہر کے واسطہ سے جس کو جام لطیف آشام سے اس لئے تعبیر کیا کہ مئے کا ظہور بواسطہ جام کے ہوتا ہے کہ اوس میں وہ مے لطیف بھر بھر کر پیتے ہیں مجازاً آلۂ آشامیدن کو آشامندہ کہدیا۔ پس وہ جام مظہر ہوتا ہے مئے کا اسی طرح ان مظاہر کے واسطے سے تجلی وجود موجب سیرابئے طالبان تجلی ہوتی ہے غرض یہ کہ ان مظاہر کے واسطے سے نماز شام یعنی اختتام آجال تک تو میں نہار کا قرین یعنی متجلی اور ظاہر ضرور ہی رہوں گا پھر نفخ صور پر باطن محض ہو جاؤں گا اور تیری درخواست بھی پوری کر دوں گا گو پھر ظہور ثانیاً ہو جاوے مگر خیر ایک بار تو بطون محض ہو جاویگا یہاں مکالمہ ختم ہو گیا ہے اور محبوب ہی کی بات درخواست کنندہ کی ایک تسلی منظوری بہ میعاد معین پر غالب رہی۔ اب مولانا جوش عشق میں اس وعدۂ مذکورہ منظوری بطون کے متعلق کہتے ہیں کہ۔

چون بیاید شام و دزدد جام من　　گویمش وادہ کہ نامد شام من

یعنی جب شام آوے گی اور میرے جام کو چرا دیگی تو میں اس سے کہونگا کہ واپس دیدے کیونکہ میری شام نہیں آئی ہے۔ مطلب یہ کہ جب وہ شام موعود آوے گی اور میرے جام یعنی میری ہستی کو کہ ایک مظہر خاص ہے وہ شام نہان خانۂ عدم میں مخفی کرنا چاہیگی تو میں اوس شام سے کہوں گا کہ مہربانی کر کے میرا جام واپس دے کہاں لے چلی کیونکہ میری شام نہیں آئی یعنی تو ہر چند کہ شام ہے مگر تو میری شام نہیں ہے پس تیرا آنا میری شام کا آنا نہیں ہے میرا جام تو نہیں لے سکتی۔ مطلب یہ کہ میری قیامت فنا کے مرتبہ میں آچکی ہے اور اس فنا کے بعد بقائے سرمدی نصیب ہو چکی ہے اب میں استثنا الا من شاء اللہ

میں داخل ہوں حاصل یہ ہوا کہ یہ جو وعدہ بطون محض کا ہے یہ عام کے اعتبار سے ہے مجھ سے محبوب حقیقی مخفی نہ ہوگا کیونکہ سیری درخواست بھی اونھیں کے اعتبار سے تھی جن کے لئے ظہور محتمل ابتلا با آفت شطح تھا و لست منہم آگے ایک حسن تعلیل ہے کہ ۔

زان عرب بنہاد نام مے مدام　　زانکہ سیری نیست میخور را مدام

یعنی عرب نے شراب کا نام اسلئے مدام رکھا ہے کیونکہ شراب پینے والے کو کبھی سیری نہیں ہوتی مطلب یہ کہ میں اسلئے اوس سے اپنا جام واپس لے لونگا کہ اوس میں شراب تجلی دائمی ہوں کیونکہ شراب کو عربی میں مدام کہتے ہیں اسلئے کہ وہ چھوٹتی نہیں دائماً پی جاتی ہے پس اس کا مقتضیٰ بھی یہی ہے کہ میرا شرب کبھی منقطع نہ ہو ۔ اور عدم واپسی میں انقطاع لازم آتا ہے اسلئے بھی مجھکو واپس ملنا ضرور ہے یہاں مضمون مقصود مقام ختم ہوگیا آگے ان مضامین کے حسن پر نظر کرکے ایک تفریع فرماتے ہیں کہ ۔

شرح حبیبی

عشق جوشد بادۂ تحقیق را　　او بود ساقی نہاں صدیق را

چون بجوئے تو بتوفیق حسن　　بادہ آب جان بود ابریق تن

چون بیفزاید مئے توفیق را　　قوت مے بشکند ابریق را

آب گردد ساقی و ہم مست آب　　خود بگو واللہ اعلم بالصواب

پرتو ساقیست کاندر شیرہ رفت　　شیرہ بر جوشید و رقصاں گشت زفت

اندرین معنی بپرس آن خیرہ را　　کہ چناں کے دیدہ بودی شیرہ را

بے تفکر پیش ہر داننده ہست　　آنکہ با گردنده گرداننده ہست

منجملہ خصوصیات عشق کے ایک یہ خصوصیت ہے کہ وہ رحیق تحقیق کو جوش دیتا اور صدیقین یعنی اولیاء اللہ کاملین کو وہ شراب تحقیق خفیہ طور پر پلاکر اونکو محقق بناتا ہے اگر حق سبحانہ کی امداد اور توفیق خیر تمہارے شامل حال ہو اور تم اس شراب کو طلب کرو تو یہ شراب تمہاری روح کے لئے آب حیات کا کام دے اور جسم اوس کے لئے شیشہ بن جاوے ۔ یعنی تم بحیات روحانی زندہ ہو جاؤ اور یہ شراب تمہارے رگ و پے میں سرایت کر جاوے اور جبکہ حق سبحانہ مئے توفیق اضافہ فرمائیں اور مزید توفیق عطا فرماویں تو یہ شراب اپنی تیزی سے شیشہ جسم کو بالکل توڑ دے اور علائق جسمانیہ سے تمہارا تعلق بالکل منقطع ہو جاوے اوس وقت تمہاری یہ شان ہو کہ شراب اور ساقی اور مست سب ایک ہو جائیں یعنی ماسوے

اللہ نظر سے تمام غائب و فنا ہو جائیں اور تم فانی فی الحق ہو جاؤ بس اب کہہ دو کہ خدا خوب حقیقت حال سے واقف ہے اور اس مضمون کو ختم کرو اب ہم تمہیں ایک مفید بات بتلاتے ہیں وہ یہ کہ شراب میں یہ اثر ذاتی نہیں بلکہ پرتو ساقی و تصرف حق سبحانہ ہے کہ یوں جوشاں و رقصاں ہو گئی ہے جو لوگ تصرف حق سبحانہ کے منکر ہیں اون سے پوچھو کہ شراب کی حقیقت شیرہ ہی تو ہے پھر بتاؤ شیرہ میں تم نے کبھی یہ صفت دیکھی ہے جبکہ نہیں دیکھی تو ضرور یہ جدید پیدا ہوئی ہے لہذا یہ ایک اثر حادث ہے اور ہر جاننے والے کے نزدیک یہ امر بدیہی ہے کہ متصرف (بالفتح) کے لئے ایک متصرف (بالکسر) ہے اور ہر اثر کے لئے ایک موثر ضروری ہے پس وہ کون ہے وہ حق سبحانہ ہے کیونکہ اوسکے سوا جتنی چیزیں ہیں سب ان آثار کی طرح محتاج موثر ہیں اور اون کو خود ضرورت موثر ہے لہذا وہ کیا بالذات موثر ہو نگی پس ثابت ہوا کہ موثر بالذات حق سبحانہ ہی ہیں اب ایک واقعہ سنو جس سے اس کی تصدیق ہو کہ فاعل و موثر حقیقی صرف حق سبحانہ ہیں یکے جوانے بر زنے عاشق شدہ است الخ (ف۔ قصۂ آئندہ کے اس مدعا پر دلالت کی یہ وجہ ہے کہ عاشق اسباب متعارفہ للوصول الی المطلوب سے کامیاب نہ ہو سکا اور اسباب مضادہ سے کامیاب ہوا اس سے معلوم ہوا کہ کوئی اور ذات ہے جس کے قبضہ میں اسباب ہیں اور جو کہ اسباب و مسببات میں موثر ہے نیز دفتر چہارم میں معشوقہ لے حق سبحانہ کے تصرف کی بحث چھیڑی ہے۔

شرح شبیری

عشق جوشد بادۂ تحقیق را　　　او بود ساقی نہان صدیق را

یعنی عشق شراب تحقیق کو جوش دیتا ہے اور وہ صدیق کے لئے پوشیدہ ساقی ہوتا ہے مطلب یہ کہ ان مضامین حسنہ کا منشا عشق ہے اور وہ ایسی ہی چیز ہے کہ بادۂ تحقیق کو جوش میں لاتی ہے اور وہ عشق صدیقین یعنی اولیاء عارفین کیلئے ساقی اس شراب روحانی کا بن جاتا ہے۔

چون بجوئی تو بتوفیق حسن　　　بادہ آب جان بود ابریق تن

یعنی جب تو توفیق حسن کے ساتھ ڈھونڈھے گا تو شراب جان کیلئے پانی ہو جاوے گی اور بدن لوٹا ہو جاوے گا مطلب یہ کہ جب تو توفیق خیر و خلوص کے ساتھ اوس کا طالب بن جائے تو یہ شراب مذکور روح کے لئے آب حیات بخش بن جاتی ہے اور جسم اوس کا ابریق ہو جاتا ہے جس کے اندر شراب رہتی ہے اور جسم کا مُس آثار عشق ہونا ظاہر ہے۔

چون بیفزاید مئے توفیق را قوت مئے بشکند ابریق را

یعنی جب توفیق کی شراب کو بڑھاتا ہے تو شراب کی قوت لوٹے کو توڑ ڈالتی ہے مطلب یہ کہ پھر جب وہ عشق شراب توفیق کو زائد کر دیتا ہے یعنی آثار عشق کے زیادہ غلبہ کرتے ہیں تو شراب کا زور اس ابریق تن کو توڑ ڈالتا ہے یعنی آثار کثرت کے کہ مناسب تن کے ہیں مغلوب ہو جاتے ہیں اور آثار توحید کے غالب ہوتے ہیں۔

آب گردد ساقی و ہم مست آب خود بگو واللہ اعلم بالصواب

یعنی پانی ہی ساقی بھی ہو جاتا ہے اور مست بھی ہو جاتا ہے خود کہدو واللہ اعلم بالصواب۔ مطلب یہ کہ بس وہی پانی جیسا مشروب تھا وہ ساقی بھی ہو جاتا ہے اور مست آب یعنی شارب بھی ہو جاتا ہے یعنی تمائز مرتبہ التفات سے رخصت ہو جاتا ہے اور اگر حقیقت اوس کی سمجھ میں نہ آوے تو تم اللہ اعلم بالصواب کہدو انکار مت کرو۔

پر تو ساقی ست اندر شیرہ رفت شیرہ بر جوشید رقصاں گشت تفت

یعنی ساقی ہی کا سایہ ہے جو کہ شراب میں گیا شراب نے جوش کیا اور خوب ناچنے لگی مطلب یہ کہ یہ جو اس شیرہ یعنی شراب میں مستی آگئی یہ پرتو ساقی یعنی محبوب حقیقی کا ہے کہ اوس نے اوس میں یہ اثر دیا جس سے شیرہ جوشان اور رقصاں ہو گیا۔

اندرین معنی بپرس آن خیرہ را کہ چنین کے دیدہ بودی شیرہ را

یعنی اس معنی میں کوئی اوس بیہودہ سے پوچھے کہ اوس نے شیرہ کو ایسا کبھی دیکھا تھا مطلب یہ کہ جو لوگ اس عشق موہوب کے منکر ہیں عبد ہی کو خالق افعال کہتے ہیں کالفلاسفۃ والمعتزلۃ ایسے خیرہ و بیباک سے اس مضمون کے بارہ میں ذرا پوچھو تو کہ تو نے شیرہ کو ایسا مست کنندہ کب دیکھا تھا چنانچہ نفس محبت مکتسب مع الحق کے مدعی وہ بھی ہیں جو بوجہ ضعیف ہونے کے مشابہ شیرہ کے ہے مگر وہ دیکھیں کہ کیا اون کی اس محبت میں بھی یہ جوش اہل اللہ کی سی محبت کا ہے پھر اگر یہ موہوب من اللہ نہیں ہے بلکہ مکتسب ہے تو دوسرے مکتسب اوس کے برابر کیون نہیں آگے اس مضمون کی تعلیم کرتے ہیں کہ اسی تصرف پر کیا منحصر ہے سب تصرفات اوس خالق حقیقی ہی کی طرف سے ہیں بس فرماتے ہیں کہ۔

بے تفکر پیش ہر داننده است آنکہ با گردندہ گردانندہ است

یعنی بلا کسی سوچ کے ہر جاننے والے کے سامنے یہ بات ہے کہ ہر متحرک کے ساتھ محرک ہے مطلب یہ کہ بلا تفکر یعنی بداہتہً ہر ذی علم کے سامنے یہ بات ثابت ہے کہ ہر متحرک کے ساتھ کوئی نہ کوئی محرک ہوتا ہے اور

انتہا اوس کا عقلاً حضرت حق تک ہے پس وہی متصرف حقیقی ہوا آگے اس پر مولانا ایک حکایت لاتے ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک شخص ایک عورت پر عاشق تھا اور اوس کو جدائی میں ایک مدت گذر گئی تھی اتفاق سے ایک مرتبہ باغ میں اوس کی معشوقہ مل گئی تو وہ عاشق طالب وصل ہوا لیکن چونکہ وہ معشوقہ عفیفہ تھی اس لئے اوس نے بچنا چاہا تو عاشق نے کہا کہ یہاں کون ہے سوائے ہوا کے اور تو کوئی نظر نہیں آتا معشوقہ نے کہا کہ ارے باؤلے ہوا کو تو چلتے ہوئے دیکھا مگر یہ نہ دیکھا کہ اوس کا چلانے والا بھی ہے اور ہماری ساری حرکتوں کو وہ بھی دیکھ رہا ہے تو دیکھئے معلوم ہوا ہر متحرک کا محرک ضرور ہے چونکہ اس مقام کی تقریر حضرت قبلہ حکیم الامۃ دام ظلہم نے خود بھی تحریر فرمائی تھی لہذا اس کو بعینہ ذیل میں نقل کر دینا مناسب معلوم ہوا - وھوھذا - قولہ " باد و عالم عشق را بیگانگی " - الی قولہ " بے تفکر پیش ہر دانندہ ہست " حاصل اشعار کا یہ ہے کہ عشق کو دونوں عالم سے اجنبیت ہے یعنی اس کے خواص سب موجودات دو عالم سے نرالے ہیں اس میں بے شمار جنون ہیں یہ بیان ہے اسکے بعض خواص کا کہ دونوں عالم کے مصالح کا مبنی ہوش ہے اور یہاں بیہوشی ہے اور بیہوشی متعارف سے بھی یہ بیہوشی دوسری نوع کی ہے اور اس میں جو حیرت ہوتی ہے وہ باعتبار اپنے کنہ کے عام سے پنہاں ہے کیونکہ وہ ذوقی ہے عام اس ذوق سے خالی ہیں اور باعتبار بعض آثار کے ظاہر ہے چنانچہ ظاہر ہے اور شاہان جان یعنی انبیاؑ و اولیا اس کی تمنا اور شوق میں ہیں پس حسرت مجازاً بمعنی تمنا کے ہے اور تمام مذاہب سے الگ اس عشق کا مذہب ہے مذاہب باطلہ سے الگ ہونا تو ظاہر ہے کہ عشق امر حق ہے اور ممکن ہے کہ ہفتاد و دو سے مراد صرف مذاہب باطلہ ہی لئے جاویں اور اگر قطع نظر عدد سے عام مذاہب لئے جاویں تو مذہب حق سے جدا ہونا اس طرح ہے کہ مذہب تو مکتسب اور عقلی ہے اور یہ موہوب اور حالی ہے اور تغائر دونوں کا ظاہر ہے اور عشق ایسی چیز ہے کہ بادشاہوں کا تخت و تاج اس کے سامنے بجائے جلس کے یعنی تکلیف دہ ہے - سماع کے وقت مطرب حق بزبان حال عشق کی صفت میں یہ کہتا تھا کہ تابعیت تو ایک قید ہے اور متبوعیت درد سر ہے چنانچہ ظاہر ہے - یعنی عشق دونوں سے ارفع ہے اور اس میں دونوں سے آزادی ہے کیونکہ یہ دونوں نوع ہیں صحو و ہستی کے اور عشق میں فنا و نیستی ہے پس اس سے ثابت ہوا کہ عشق کیا چیز ہے ایک دریائے فنا ہے دریا سے تشبیہ باعتبار محل غرق ہونے کے ہے اور جس طرح دریا میں کوئی عاقل قدم نہیں رکھ سکتا اس میں بھی عقل شکستہ قدم ہے اور اوس کی اس میں رسائی نہیں چنانچہ فنا کا فوق العقل ہونا ظاہر ہے اور اس تقریر سے بندگی و تابعیت اور سلطنت و متبوعیت کا حال معلوم ہو چکا

ان دونوں حجابوں سے عشق مکتوم ہے کہ وہاں دونوں کا گذر نہیں اسی لئے ان دونوں کو حجاب کہدیا اور ان ہی دو کی کیا تخصیص ہے جو علت ان دونوں کی رسائی نہ ہونے کی ہے یعنی ان دونوں کا فرع ہونا ہستی کے لئے اسی علت سے جتنی اشیاء وجودیہ ہیں سب کا عدم دخل معلوم ہو گیا اسی کو فرماتے ہیں کہ بجائے اس کے کہ ہم بعض اشیاء وجودیہ کا بیان کر رہے ہیں کاش خود ہستی کی زبان ہوتی تو وہ اپنی حقیقت بیان کر کے تمام اشیاء کی حقیقت خاص اس امر میں بیان کر دیتی۔ کہ عشق تک کسی کی رسائی نہیں آگے فرماتے ہیں کہ اس سے بھی حقیقت عشق کی منکشف نہ ہوتی پس بعنوان خطاب فرماتے ہیں کہ اے ہستی کے تکلم یعنی اے ہستی متکلم تو فرضاً عشق کے اُن خواص کو کہ وہاں کسی ہستی کا گذر نہیں جتنا بھی بیان کرے اس سے یہ ہوتا کہ تو اس پر ایک حجاب اور ڈالدیتی۔ یعنی یہ بیان خود ایک حجاب ہو جاتا۔ اور حجاب میں عدم انکشاف ظاہر ہے اور یہ حجاب اس لئے ہو جاتا کہ ادراک عشق کی آفت یعنی مانع یہی دو چیزیں ہیں قال اور حال اور یہ بیان ہستی قال ہوتا اس لئے حجاب ہوتا چنانچہ قال کا مانع ہونا تو ظاہر ہے کہ عشق ایک حال ہے اور قال اس کا مضاد اور حال سے مراد غیر حال عشق ہے جو عشق سے ادون ہے۔ اور ظاہر ہے کہ ادنیٰ کا حصول ادراک اعلیٰ کے لئے کافی نہیں اور عکس کافی ہے اسلئے ایسا حال بھی مانع ہوگا آگے ایک مثال ہے تکلم ہستی کے رافع حجاب نہ ہو سکنے کی یعنی جس طرح خون کو خون سے نہیں زائل کر سکتے۔ اسی طرح دوسرے حجب اس حجاب یعنی تکلم ہستی سے زائل نہ ہوتے۔ آگے اسی قال کا کشف عشق کے لئے کافی نہ ہوتا بیان کرتے ہیں کہ میں بوجہ اتصاف بہ عشق کے صرف اس کے سودائیوں یعنی عشاق کا محرم ہوں اور مخاطبین سودائی عشق ہیں نہیں اس لئے اُن کے سامنے قال سے اس کی تحقیق کرنا ایسا ہے جیسا قفس میں پھونک مارنا یعنی عبث ولاطائل۔ آگے اس قال میں اپنا کسی قدر مغلوب ہونا اور باوجود اس مغلوبیت کے اس قال کے ترک کا مناسب ہونا بیان کرتے ہیں پس اپنے نفس کو خطاب فرماتے ہیں کہ تو بہت ہی تیز دست دیخود و آشفتہ ہو رہا ہے اے جان یعنی اے نفس تو کس پہلو پر سویا تھا کہ تیرے ہوش درست نہیں ہوتے ہاں ہوش کو سنبھال اور اس قسم کی ایک بات بھی منہ سے مت نکال بلکہ اولاً اس بیہوشی سے نکل اور کسی محرم کو ڈھونڈھ پھر اُس سے کہنے کا مضائقہ نہیں اور علاوہ محرم کے نہ ہونے کے ایک اور مانع بھی اس قال کا پایا جاتا ہے آگے اس کا بیان ہے کہ عاشق ہو کر اور مستی عشق لئے ہوئے اور پھر زبان کھولے ہوئے یہ اجتماع المتنافیین ہے جیسا شتر کا نردبان پر ہونا عادۃً اجتماع المتنافیین ہے۔ آگے اسی قال کا نامناسب ہونا اور دوسرے عنوان سے بیان کرتے ہیں کہ جب عشق کے اسرار و اطوار کو زبان قال ظاہر کرتی ہے تو آسمان بھی جبکہ صعود عمل کے وقت اس پر مطلع ہوتا ہے اس اظہار قال سے توحش کرتا ہے اور دعا کرتا

ہے ...... کریا جمیل الستر استرہ یعنی اے ستار حسن الستر اس راز کو پوشیدہ کر دیجئے اور اس قائل کے قلب میں سکوت کا القاء کر دیجئے یہاں تک مولانا نے حکیمانہ رائے دی ہے کہ اس کا اخفار کرنا چاہئے۔ آگے آثار عشق کا آثار حکمت پر غلبہ ہوگیا اس غلبہ و جوش میں کہتے ہیں کہ کیسا اخفار اس راز کی تو ایسی مثال ہے جیسے اون اور روئی میں آگ کہ اس کے اندر مخفی کرنے سے زیادہ ظاہر ہو گی کہ پہلے تو اپنی ہی جگہ میں تھی روئی کے اندر رکھنے سے روئی کے حیز کو بھی گھیر لیا بلکہ اُس کے نواح کو بھی تو بہت ہی پھیل گئی اسی طرح جب میں کوشش کرتا ہوں کہ اس کے راز کو مخفی کروں تو وہ پرچم بلند کیطرح ظاہر ہوتی ہے کہ دیکھو میں یہ ہوں مراد اس ظہور سے وہ ظہور نہیں جس کے اصدار سے اوپر منع کیا گیا ہے کہ وہ تو اثر ہے اظہار مکتسب کا بلکہ یہ دوسرا ظہور ہے جس کا اصدار حضرت حق سے ہوا ہے یعنی خود وجود واجب کا ظہور تکوینی مظاہر کونیہ میں اور اس میں ایک قسم کا استقال ہے یعنی گو میں عشق کا اخفار کروں مگر خود ہی اُس کا اس طرح ظہور ہو رہا ہے کہ وجود حق ظاہر ہے۔ اور چونکہ یہی ظہور وجود عشاق حق کی نظر میں ظہور اسرار عشق ہے اس لئے اس کا نام ظہور عشق رکھا گو عوام سے وہ اس حیثیت سے مستور ہے مگر عشاق کی نظر میں یہی وجود کا ظہور عین عشق کا ظہور ہے اس بنا پر اس مضمون کو بعنوان استدراک لایا گیا کہ کیسا اخفا الخ اور جب میں کوشش کرتا ہوں الخ اور اسی مضمون کی آگے تاکید ہے کہ وہ عشق علی رغم انفی میرے دونوں کان پکڑ کر کہتا ہے کہ مختل الدماغ تو راز عشق کو کیونکر مخفی کرتا ہے لے مخفی کر وہ مخفی ہو ہی نہیں سکتا جبکہ وجود واجب کا خود ظہور ہو چکا اور وہی راز عشق کا ظہور ہے۔ اور اس کو ظہور عشق کہنا ایسا ہے جیسا بعض اہل حال نے لکھا ہے کہ وحدۃ الوجود کا اخفار کیوں کیا جاوے جبکہ لا الہ الا اللہ کا وہ مدلول ہے اور لا الہ الا اللہ کا اعلان منائر اور منابر اور محاریب میں کیا جاتا ہے آگے ایک مکالمہ ہے جو اسی معنی پر مبنی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ مولانا بطون سر عشق کو راجح کہہ رہے ہیں وقوعاً بھی کہ با وجود ظہور کے پھر وہ باطن ہی ہے اور استدعاءً بھی کہ محبوب حقیقی سے اسی کی درخواست کرتے ہیں اور محبوب حقیقی اس کے ظہور کو راجح کر رہا ہے اور در حقیقت یہ ظہور و بطون دونوں مجتمع ہیں پس یہ محض عنواناً مکالمت ہے معنوں میں مزاحمت نہیں اور مجموعہ کلامین سے مقصود یہ بتلانا ہے کہ اگر بصیرت ہو تو حق تعالیٰ کا ظہور وجود عشاق کی نظر میں عین شہود ہے اور اگر بصیرت نہ ہو تو ہر شئے حجاب مقصود ہے وہ مکالمہ یہ ہے کہ میں اس عشق سے کہتا ہوں کہ تو جو مجھ پر انکار کرتا ہے کہ تو مخفی نہیں کر سکتا تو میں یہ کہتا ہوں کہ تو ظاہر بھی نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ تو اگرچہ ظہور میں جوش کر رہا ہے لیکن روح کی طرح من وجہٍ ظاہر ہے اور من وجہٍ باطن تو ظہور تام تو میسر نہ ہوا۔ چنانچہ ظاہر ہے کہ وجود حق

آثار سے ظاہر ہے مگر کنہ اس کی نامعلوم پس پورا ظاہر نہ ہوا۔ بلکہ غلبہ بطون ہی کو رہا وہ جواب میں کہتا ہے کہ میرے ظہور کو ترجیح ہے اس لئے کہ میں مشابہ مئے انگور کے ہوں جو مرتبہ بطون فی العنب سے نزول کر کے متلبس بالدن یعنی موضوع درخم ہو جاوے اور پھر بزم میں آکر مستی اور تالیاں بجانیکا سبب بن جاوے جو صاف ظہور ہے اسی طرح بطون سے میرا تن معنی وجود یعنی ذات مجازاً مظاہر میں ظاہر ہو گیا۔ اور محسن اس مجاز کا اعتبار ہے جانب مشبہ کا کہ اس کا تعین مصداق تن کا ظاہر ہے پھر میں اُس سے بطور استدعا کہتا ہوں کہ قبل اس کے کہ تو ادراک خلائق کا مرہون یعنی مدرک ہو جاوے اپنے کو باخفائے ممکن مخفی کر لے۔ پس عامل زان پیش کا مقدر ہے اور مخفی اس لئے کر لے تاکہ اُس مدرک پرستی کی آفت نہ آجاوے یعنی اندیشہ ہے کہ کبھی یہ ظہور وجود ظہور شہود تک کسی شخص کے اعتبار سے پہونچ جاوے اور وہ مغلوب السکر ہو کر آفت شطح میں مبتلا نہ ہو جاوے اس لئے اس ظہور کو مستور کر لے وہ جواب میں کہتا ہے کہ خواہ کچھ ہی ہو قیامت خاصہ یا عامہ تک تو یہ ظہور ضرور ہی رہے گا الاول باعتبار کل واحد والثانی باعتبار المجموع اس کو اس عنوان سے فرماتے ہیں کہ مظاہر کیوا سطہ سے جس کو جام لطیف آشام سے اس لئے تعبیر کیا کہ مئے کا ظہور بواسطہ جام کے ہوتا ہے کہ اُس میں وہ مئے لطیف بھر بھر کر پیتے ہیں مجازاً آلہ آشامیدن کو آشامندہ کہدیا پس وہ جام مظہر ہوتا ہے مئے کا اسی طرح ان مظاہر کے واسطہ سے تجلی وجود موجب سیرابی طالبان تجلی ہوتی ہے۔

غرض یہ کہ ان مظاہر کے واسطہ سے نماز شام یعنی اختتام آجال تک تو میں نہار کا قرین یعنی متجلی اور ظاہر ضرور ہی رہوں گا پھر نفخ صور پر باطن محض ہو جاؤنگا۔ اور تیری درخواست بھی پوری کردونگا گو پھر ظہور ثانیا ہو جاوے مگر خیر ایک بار تو بطون محض ہو جاویگا۔ یہاں مکالمہ ختم ہو گیا اور محبوب ہی کی بات درخواست کنندہ کی ایک تسلی منظوری بمیعاد معین پر غالب رہی۔ اب مولانا جوش عشق میں اس وعدۂ مذکورہ منظوری بطون کے متعلق کہتے ہیں کہ جب وہ شام موعود آوے گی اور میرے جام یعنی میری ہستی کو کہ ایک مظہر خاص ہے وہ شام نہان خانہ عدم میں مخفی کرنا چاہے گی تو میں اُس شام سے کہوں گا کہ مہربانی کر کے میرا جام واپس دے کہاں لے چلی کیونکہ میری شام نہیں آئی یعنی تو ہر چند کہ شام ہے مگر تو میری شام نہیں ہے پس تیرا آنا میری شام کا آنا نہیں ہے میرا جام تو نہیں لے سکتی مطلب یہ کہ میری قیامت فناء کے مرتبہ میں آچکی ہے اور اُس فنا کے بعد بقاء سرمدی نصیب ہو چکی ہے اب میں استثناء الامن شاء اللہ میں داخل ہوں۔ حاصل یہ ہوا کہ یہ جو وعدہ بطون محض کا ہے یہ عالم کے اعتبار سے ہے مجھ سے محبوب حقیقی مخفی نہ ہو گا کیونکہ میری درخواست بھی انھیں کے

اعتبار سے بھی جن کے لئے ظہور محتمل ابتلاء بآفت شلخ تھا دست منہم آگے ایک حسن التعلیل ہے کہ میں اس لئے
اُس سے اپنا جام واپس لے لونگا کہ اُس میں شراب تجلی دائمی پیوں کیونکہ شراب کو عربی میں مدام کہتے ہیں
کیونکہ وہ چھوٹتی نہیں۔ دائماً پی جاتی ہے پس اس کا مقتضا بھی یہی ہے کہ میرا شرب کبھی منقطع نہ ہو۔ اور
عدم واپسی میں انقطاع لازم آتا ہے اس لئے بھی واپس ملنا مجھکو ضرور ہے یہاں مضمون مقصود مقام
ختم ہوگیا آگے ان مضامین کے حسن پر نظر کرکے ایک تفریع فرماتے ہیں کہ ان مضامین حسنہ کا منشاء
عشق ہے اور عشق ایسی ہی چیز ہے کہ وہ بادۂ تحقیق کو جوش میں لاتی ہے اور وہ عشق صدیقین یعنی
اولیاء عارفین کے لئے ساقی اس شراب روحانی کا بن جاتا ہے۔ جب تو توفیق خیر و خلوص کی ساتھ اسکا
طالب بن جاوے تو یہ شراب مذکور روح کے لئے آب حیات بخش بن جاتی ہے اور جسم اس کا ابریق
ہوجاتا ہے جس کے اندر شراب رہتی ہے اور جسم کا محل آثار عشق ہونا ظاہر ہے۔ پھر جب وہ عشق شراب
توفیق کو زائد کردیتا ہے یعنی آثار عشق زیادہ غلبہ کرتے ہیں تو اُس شراب کا زور اس ابریق تن کو توڑ
ڈالتا ہے یعنی آثار کثرت کے کہ مناسب تن کے ہیں مغلوب ہوجاتے ہیں اور آثار توحید کے غالب ہوتے
ہیں۔ پس وہی پانی جیسا مشروب تھا وہ ساقی بھی ہوجاتا ہے اور مست آب یعنی شارب بھی ہوجاتا ہے
یعنی تمائز مرتبہ التفات سے رخصت ہوجاتا ہے اور اگر حقیقت اُس کی سمجھ میں نہ آوے تو تم اللہ اعلم بالصواب
کہدو۔ انکار مت کرو۔ اور یہ جو اس شیرہ یعنی شراب میں مستی آگئی یہ بھی تو ساقی یعنی محبوب حقیقی کا ہے کہ
اُس نے اس میں یہ اثر دیا اور یہ ظاہر ہے جس سے شیرہ جوشان اور رقصاں ہوگیا اور جو لوگ اس عشق موہوب
کے منکر ہیں عبد ہی کو خالق افعال کہتے ہیں کالفلاسفۃ والمعتزلۃ ایسے خیرہ و بے باک سے اس مضمون کے
بارہ میں ذرا پوچھو تو کہ تو نے شیرہ کو ایسا مست کنندہ کب دیکھا تھا چنانچہ نفس محبت مکتسب مع الحق
کے مدعی وہ بھی ہیں جو بوجہ ضعیف ہونے کے مشابہ شیرہ کے ہے۔ مگر وہ دیکھیں کہ کیا اُنکی اس محبت میں
بھی یہ جوش اہل اللہ کی سی محبت کا ہے پھر اگر یہ موہوب من اللہ نہیں ہے بلکہ مکتسب ہے تو دوسرے
مکتسب اس کی برابر کیوں نہیں آگے اسی مضمون کی تعمیم کرتے ہیں کہ ایک اسی تصرف پر کیا منحصر ہے
سب تصرفات اُسی خالق حقیقی کی طرف سے ہیں پس فرماتے ہیں کہ بلا تفکر یعنی بداہتہً ہر ذی علم کے سامنے
یہ بات ثابت ہے کہ ہر متحرک کے ساتھ کوئی نہ کوئی محرک ہوتا ہے اور انتہا اس کا عقلاً حضرت حق تک ہے
پس وہی متصرف حقیقی ہوا۔ انتہی۔

شرح حبیبی

یک جوانے بر زنے مجنون بدہ است — روز و شب بیخواب و بیخود آمدہ است
بیدل و شوریدہ ہم مجنون و مست — می ندادش روزگار وصل دست
بس شکنجہ کرد عشقش بر زمین — خود چرا دارد ز اول عشق کین
عشق از اول چرا خونی بود — تا گریزد آنکہ بیرونی بود
چون فرستادے رسولے پیش زن — آن رسول از رشک گشتے راہزن
ور بسوئے زن نبشتے کاتبش — نامہ را تصحیف خواندے نائبش
ور صبا را پیک کردے در وفا — از غبارے تیرہ گشتے آن صبا
رقعہ گر بر پر مرغے دوختے — پر مرغ از تف رقعہ سوختے
راہہائے چارہ را غیرت ببست — لشکر اندیشہ را رایت شکست
بود اول مونس غم انتظار — آخرش بشکست کہ ہم انتظار
گاہ گفتے کاین بلائے بے دوا است — گاہ گفتے نے حیات جان ما است
گاہ ہستی زو برآوردے سرے — گاہ او از نیستی خوردے برے
گاہ فریادش بگردون برشدے — گر خیال دلبرش ہمدم بدے
چونکہ بروے سرد گشتے این نہاد — جوشش کردے گرم چشمہ اتحاد
چونکہ با بے برگئے غربت بساخت — برگ بے برگی بسوے او بتاخت
خوشہہائے فکرتش بیگاہ شد — شہروان را رہنما چون ماہ شد
اے بسا طوطے گویائے خمش — اے بسا شیرین روان رو ترش
رو بگورستان دمی خامش نشین — آن خموشان سخنگو را ببین
لیک اگر یک رنگ بینی خاکشان — نیست یکسان حالت چالاکشان
شحم و لحم زندگان یکسان بود — آن یکے غمگین دگر شادان بود
تو چہ دانی تا نہ نوشی قالشان — زانکہ پنہان است بر تو حالشان
بشنوی از قال ہائے وہوئے را — کے بہ بینی حالت صد توئے را
نقش شان یکسان بضدہا متصف — خاک ہم یکسان روان شان مختلف

ہم چنین یکسان بود آواز ہا — آن یکے پُر درد وان پر ناز ہا
بانگ اسپان بشنوی اندر مصاف — بانگ مرغان بشنوی اندر مطاف
آن یکے از حقد دیگر زار تباط — آن یکے از رنج و دیگر از نشاط
ہر کہ دور از حالت ایشان بود — پیشش آن آوازہا یکسان بود
آن درختے جنبد از زخم تبر — وان درخت دیگر از باد سحر
بس غلط گفتم زدیگ مردہ ریگ — زانکہ سر پوشیدہ میجوشید دیگ
جوش و نوشش ہر کست گوید بیا — جوشش صدق و جوشش تزویر دریا
گر نداری دیدہ ہائے رہ شناس — رو دماغے دست آور بو شناس
آن دماغے کہ بران گلشن تند — چشم یعقوبان ہمو روشن کند
ہین بگو احوال آن خستہ جگر — کز بخاری دور ماندیم اے پسیر

ایک جوان ایک عورت پر دیوانہ ہوگیا تھا اور اس وجہ سے نہ رات دن کھاتا تھا اور نہ سوتا تھا وہ دل دادہ اور شوریدہ اور دیوانہ اور مست تھا مگر اوس کو زمانہ وصل میسر نہ آتا تھا عشق نے اوس کو بہت کچھ سزا دی تم پوچھوگے کہ اوس نے ایسا کیوں کیا وجہ یہ ہے کہ ابتداء میں عداوت ظاہر کرنا اوس کی عادت ہے اس پر تم سوال کروگے کہ اچھا ابتدا میں وہ خونی کیوں ہوتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ امتحان ہو جائے اور عاشق صادق اور بوالہوس میں تمیز ہو جاوے اور بیگانہ بھاگ جاوے غرض اوس کی یہ حالت تھی کہ جب وہ کوئی قاصد عورت کے پاس بھیجتا تو وہ رسول خود عاشق ہو جاتا اور رشک سے اوس کے حق میں نیش زنی کرتا اور اگر اوس کا منشی عورت کے پاس کوئی خط لکھتا تو عورت کا پیشکار اوس کو الٹ پلٹ پڑھ دیتا تاکہ اوسکے دل پر اثر نہ ہونے پائے اور اگر باد صبا کو قاصد بناتا تو وہ بھی غبار سے مکدر ہو جاتی اور اوس کا مدعا ظاہر نہ لاتی اگر کسی مرغ نامہ بر کے پر میں خط باندھ کر بھیجتا تو پر مرغ رقعہ کی حرارت سے جل جاتا غرضیکہ غیرت عشق نے امتحان کے لئے مقصد برآری کی تمام راہیں بند کر دیں اور لشکر فکر کے جھنڈے کو توڑ پھوڑ کر اوس کو شکست دیدی یعنی کوئی تدبیر اوس کی سمجھ میں نہ آتی تھی ابتداءً مونس غم انتظار تھا مگر اب وہ بھی درہم برہم ہوگیا کون درہم برہم ہوگیا وہ انتظار جو اوس کو سنبھالے ہوئے تھا پس وہ عجیب ضیق میں مبتلا تھا کبھی کہتا تھا کہ کیا بلائے بے درماں پیچھے لگ گئی کبھی کہتا تھا نہیں جی بلائے بے درماں کیوں ہے یہ تو ہمارے جان کی لئے زندگی ہے کبھی ہستی غلبہ کرتی تھی اور خواہشات کا ہجوم ہوتا تھا کبھی فنا سے متمتع ہوتا اور رضائے محبوب پر راضی ہوتا اور اپنی خواہشات کو اوسکے تابع کر دیتا کبھی اتنا چلاتا کہ شور و فریاد آسمان تک

پہونچتا اور کبھی خیال سے تسکین حاصل کرتا اور شور و شیون موقوف کرتا جبکہ اپنا وجود اوسے بے مزہ معلوم ہوتا تو چشمۂ اتحاد کو سخت جوش ہوتا اور فنافی المحبوب کا طالب ہوتا۔ الحاصل جبکہ اوس نے بے سامانی غربت سے میل کیا تو سامان بے سامانی اوس کو حاصل ہوگیا۔ اوس کی فکر کی خوشی خاشاک خیالات بیہودہ سے صاف ہوگئے اور خیالات حسنہ رہ گئے۔ اس طریقہ سے وہ ناواقفوں اور عشق سے نامحرموں کا ہادی ہوگیا اور اون کے لئے ایک بہتر نمونہ بن گیا۔ اب مولانا مضمون ارشادی کیطرف انتقال فرماتے ہیں اور اہل اللہ اور مدعیان ولایت میں تمیز کرنے کی ضرورت اور اوس کا طریقہ بیان فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ لوگوں کی حالتیں مختلف ہیں بعض تو بظاہر طوطی کی طرح بولتے ہیں مگر باطن میں خاموش ہیں بظاہر خوش ہیں مگر باطن میں غموں کا انبار لگا ہوا ہے اور بہت سے ایسے ہیں کہ بظاہر مکدر ہیں مگر دل میں خوش وخرم ہیں نیز تم قبرستان میں جاؤ اور تھوڑی دیر تک خاموش بیٹھو اور اوس شہر خموشان کے رہنے والوں کو دیکھو گو بظاہر تم کو سب یکساں معلوم ہوں گے مگر سب کی حالت یکساں نہیں ہے اور دیکھو زندوں کی چربی اور گوشت وغیرہ یکساں ہے لیکن باہم فرق ہے ایک خوش ہے دوسرا رنجیدہ تم کو اون کی اصلی حالت نہیں معلوم ہوسکتی جب تک کہ تم اون کی گفتگو نہ سنو کیونکہ اون کی حالت تم سے پوشیدہ ہے جو بدون ظاہر کئے معلوم نہیں ہوسکتی اب ہم ترقی کرکے کہتے ہیں کہ گفتگو سے بھی صحیح صحیح حالت نہیں معلوم ہوسکتی کیونکہ اوس سے تو صرف آواز معلوم ہوتی ہے حالت مخفیہ کا حال اوس سے یقینی طور پر کیسے معلوم ہوسکتا ہے اور سنو صورتیں اور ہماری تصویریں یکساں ہیں مگر اوصاف متضاد ہیں ہماری خاک بھی یکساں ہے لیکن ارواح مختلف ہیں علیٰ ہذا آوازیں نفس صورت میں یکساں ہیں لیکن باہم اختلاف بھی ہے ایک پُردرد ہے تو دوسری ناز بھری دیکھو تم جنگ میں گھوڑوں کی آوازیں بھی سُنتے ہو اور اُڑتے ہیں جانوروں کی بھی تو آواز ہونے میں تو دونوں یکساں ہیں مگر گھوڑوں کی آوازیں کینہ سے ناشی ہیں در جانوروں کی آپس کے ارتباط اور میل سے اور گھوڑوں کی آوازیں رنج سے ناشی ہیں اور جانوروں کی خوشی سے مگر جو شخص اون کی حالت سے ناواقف ہے وہ تمیز نہیں کرسکتا۔ اوس کے نزدیک ہر دو آوازیں برابر ہیں اور سنو ایک درخت کلہاڑے کے صدمہ سے ہلتا ہے اور دوسرا باد سحری سے پس باوجودیکہ ہلنے میں دونوں یکساں ہیں مگر ہر دو حرکتوں میں زمین آسمان کا فرق ہے چونکہ اتحاد صورت کے ساتھ اختلاف اوصاف ہوتا ہے اور اوصاف مخفی ہوتے ہیں اسلئے مجھے اجسام سے بہت کچھ دھوکے ہوئے ہیں کیونکہ سرپوش ڈھکی ہوئی ہانڈی پکتی ہے کیا معلوم اوس میں کیا چیز پک رہی ہے دیکھو لوگوں کا ظاہری جوش وخروش تم کو اپنی طرف بلائے گا۔ مگر اس میں بعض جوش صادق ہوگا اور بعض جوش فریب اور دکھاوا۔ اوسوقت

تم کو لغزش ہو جانے کا بہت بڑا احتمال ہے پس اول تو تم کو چشم باطنی سے کام لینا چاہئے اور اگر پہچاننے والی آنکھیں نہ ہوں تو کوئی دماغ حاصل کرنا چاہئے جو ہر ایک کی بو کو پہچانتا ہو یعنی وہ دماغ جو گلشن عشق یا گلشن محبوب حقیقی سے تعلق رکھتا ہو اور عشاق کے آنکھوں کو روشن کرتا ہو خواہ اس طرح کہ تم خود اپنے کو ایسا بنا لو یا اس طرح کہ شیخ کا دامن پکڑو (والاول اظہر) اچھا اب اُس عاشق خستہ جگر کی حالت بیان کرنی چاہئے کیونکہ بخاری کا قصہ تو بہت دور چلا گیا۔

شرح شبیری

اوس عاشق دراز ہجر اور بسیار امتحان کی حکایت

یک جوانے بر زنے مجنون بُدست روز و شب بیخواب و بیخور آمدست

یعنی ایک جوان ایک عورت پر دیوانہ ہو گیا تھا رات دن بیخواب اور بے کھانے کے تھا۔

بیدل و شوریدہ ہم مجنون و مست می ندادش روزگار وصل دست

یعنی بیدل اور پریشان اور مجنون اور مست زمانہ وصل کا اوس کو اپنا ہاتھ نہ دیتا تھا۔

بس شکنجہ کرد عشقش بر زمین خود چرا دارد ز اول عشق کین

یعنی عشق نے اوس کو زمین پر بہت کھینچا تھا (مولانا بطور سوال کے فرماتے ہیں) کہ عشق اول ہی کیوں کینہ رکھتا ہے۔

عشق از اول چرا خونی بود تا گریزد آنکہ بیرونی بود

یعنی عشق اول ہی سے کیوں خونی ہوتا ہے (خود ہی جواب دیتے ہیں) تا کہ جو شخص باہر کا ہے بھاگ جاوے۔ مطلب یہ کہ عشق اول ہی سے جو سختیاں شروع کر دیتا ہے اوس میں یہ مصلحت ہے کہ جو عاشق صادق ہے وہ تو باوجود ان سختیوں کے بھی کہیں نہیں جاویگا اور جو عاشق صادق نہیں وہ گھبرا کر نکل بھاگیگا

چون فرستادے رسولے پیش زن آن رسول از رشک گشتی راہزن

یعنی اگر عورت کے پاس کوئی قاصد بھیجتا تو وہ قاصد رشک کی وجہ سے راہزن ہو جاتا مطلب یہ کہ قاصد صاحب خود عاشق ہو جاتے تھے۔

ور بسوئے زن نبشتی کاتبش نامہ را تصحیف خواندی نائبش

یعنی اور اگر عاشق کا منشی عورت کی طرف (اُس عاشق کی طرف سے) کچھ لکھتا تو اوس عورت کا نائب

اوس کو بگاڑ کر پڑھنا۔

ور صبا را پیک کردے در وفا　　　　از غبار سے تیرہ گشتی آن صبا

یعنی اور اگر صبا کو وفا میں قاصد بناتا تو وہ صبا کسی غبار کی وجہ سے تاریک ہو جاتی۔

رقعہ گر بر پر مرغے دوختی　　　　پر مرغ از تف رقعہ سوختی

یعنی اور اگر کسی جانور کے پر میں کوئی رقعہ سی دیتا تو رقعہ کی گرمی کی وجہ سے جانور کا پر جل جاتا۔

راہہا ئے چارہ را غیرت ببست　　　　لشکر اندیشہ را رایت شکست

یعنی تدبیر کے رستوں کو غیرت (عشق) نے باندھ دیا اور اندیشہ کے لشکر کا جھنڈا توڑ دیا۔ مطلب یہ کہ اب وہاں تک وہم کی بھی رسائی نہ تھی اور کوئی تدبیر وصل وہم میں بھی نہ آتی تھی۔

بود اول مونس غم انتظار　　　　آخرش بشکست کہ ہم انتظار

یعنی اول تو انتظار (محبوب) غم کا انیس تھا (لیکن) آخر اوس کو بھی توڑ دیا کیونکہ انتظار کہاں تک۔

گاہ گفتی کاین بلائے بے دواست　　　　گاہ گفتی نے حیات جان ماست

یعنی کبھی کہتا کہ یہ بلائے بے درماں ہے اور کبھی کہتا کہ نہیں میری جان کے لئے زندگی ہے۔

گاہ ہستی زو بر آوردی سرے　　　　گاہ او از نیستی خوردی برے

یعنی کبھی تو ہستی اوس میں سے سر نکالتی اور کبھی نیستی سے وہ پھل کھاتا مطلب یہ کہ کبھی تو یاد محبوب میں بالکل فنا ہو جاتا اور کبھی اوس کو اپنے بھی ہوش و حواس رہتے۔

گاہ فریادش بگردوں بر شدی　　　　گہ خیال دلبرش ہمدم بدی

یعنی کبھی تو اوس کی فریاد آسمان تک پہونچتی اور کبھی دلبر کا خیال اوس کا ساتھی ہوتا۔

چونکہ بر وے سرد گشتے این نہاد　　　　جوش کردے گرم چشمہ اتحاد

یعنی جبکہ اوس کے اوپر یہ ذات ٹھنڈی ہو جاتی تو اتحاد کا تیز چشمہ جوش کرتا۔ مطلب یہ کہ اگر کبھی جوش عشق کم ہو جاتا تو محبوب سے وصل کا جوش ہوتا۔

چونکہ با بی برگے غربت بساخت　　　　برگ بے برگی بسوئی او بتاخت

یعنی جبکہ غربت کی بے سامانی کے ساتھ موافقت کی تو بے سامانی کا سامان اوس کی طرف دوڑا۔

خوشہائے فکرتش بیگاہ شد　　　　شب رواں را رہنما چوں ماہ شد

یعنی اوس کی فکر کی خوشی صاف ہوگئی رات کے چلنے والوں کی لئے چاند کی طرح رہنما ہو گیا۔ مطلب یہ کہ چونکہ راتوں کو جاگتا تھا اور اکثر عشاق رات کو نہیں سوتے تو اوس کا عشق اس قدر بڑھ گیا تھا کہ یہ

اور عشاق کو بھی عشق کے راستے بتلاتا تھا۔

اے بسا طوطئے گویائے خمش | اے بسا شیرین روان روترش

یعنی بہت سی طوطیاں (حقیقت میں) بولنے والی ہیں اور (ظاہر میں) خاموش ہیں اور بہت سے شیرین جان (مگر) روترش ہیں مطلب یہ کہ بہت سے ایسے لوگ ہیں کہ وہ بظاہر خاموش رہتے ہیں لیکن اون کی یہ خاموشی ہی بولنا ہے اس لئے کہ انکی حالت ہی سے اون کی باتیں معلوم ہوتی ہیں آگے اس کے ایک مثال دیتے ہیں

رو بگورستان دمے خامش نشین | آن خموشان سخن گو را ببین

یعنی قبرستان میں جا اور ایک دم چپکا بیٹھ اور اون میں باتیں کرنے والے خاموش لوگوں کو دیکھ۔

لیک اگر یکرنگ بینی خاک شان | نیست یکسان حالت چالاک شان

لیکن اگر تم اون کی خاک یکساں دیکھو تو اون کی چستی کی حالت یکساں نہیں ہے۔ مطلب یہ کہ اگر تم اوپر سے قبر کو سب کی یکساں دیکھو تو اون کے اندرونی حالت تو یکساں نہیں ہے اوس سے عبرت حاصل کرو اوس کی ایسی مثال ہے۔

لحم و شحم زندگان یکسان بود | آن یکے غمگین دگر شادان بود

یعنی گوشت پوست زندوں کا یکساں ہوتا ہے مگر ایک غمگین اور دوسرا خوش ہوتا ہے۔

تو چہ دانی تا نہ نوشی قال شان | زانکہ پنہانست بر تو حال شان

یعنی تو کیا جانے جب تک کہ تو اون کی باتیں نہ سنے اسلئے کہ تجھ پہ اون کا حال تو پوشیدہ ہی ہے۔

بشنوی از قال ہائے وہوے را | کے بہ بینی حالت صد توے را

یعنی باتوں میں تم ہائے وہو کو سن لے مگر سو تہ کی حالت کو کب دیکھے گا۔

نقش ما یکسان بضدہا متصف | خاک ہم یکساں روان شان مختلف

یعنی نقش ہمارے یکساں ہیں اور اضداد کیساتھ متصف ہیں خاک بھی یکساں ہیں اور جان اونکی مختلف ہے (خاک سے مراد ظاہر بدن ہے)۔

ہم چنیں یکساں بود آوازہا | آن یکے پر درد و آن پر نازہا

یعنی اسی طرح آوازیں یکساں ہوتی ہیں اور وہ ایک درد سے بھری ہوئی ہوتی ہے اور وہ دوسری ناز ونسے بھری ہوئی۔

بانگ اسپان بشنوے اندر مصاف | بانگ مرغان بشنوے اندر مطاف

یعنی گھوڑوں کی آواز لڑائی میں سنتے ہو اور پرواز میں جانوروں کی آواز سنتے ہو۔

آن یکے از حقد و دیگر ز ارتباط | آن یکے از رنج دیگر از نشاط

یعنی وہ ایک کینہ کیوجہ سے ہوتی ہے اور دوسری اُلفت کیوجہ سے اور وہ ایک رنج کیوجہ سے اور دوسری خوشی کیوجہ سے۔

ہر کہ دور از حالت ایشان بود پیشش آن آوازہا یکسان بود

یعنی جو کوئی کہ اونکی حالت سے دور ہوتا ہے تو اوس کے سامنے وہ سب آوازیں یکساں ہی ہوتی ہیں۔

آن درختے جنبد از زخم تبر وان درخت دیگر از باد سحر

یعنی وہ ایک درخت کلہاڑی کے زخم سے ہلتا ہے اور وہ دوسرا درخت صبح کی ہوا کی وجہ سے ہلتا ہے۔

بس غلط گشتم ز دیگ مردہ ریگ زانکہ سر پوشیدہ می جوشید دیگ

یعنی ایک بیکار دیگ کی وجہ سے بہت غلط ہو گیا میں اس لئے کہ ہنڈیا ڈھکی ہوئی جوش کر رہی تھی مطلب یہ کہ بہت لوگوں کے ظاہری بدن کو دیکھ کر دہوکہ ہو چکا ہے کیونکہ اندر کی حالت کا تو کچھ پتا نہیں چلا بس دہوکہ کھا گئے۔

جوش و نوش ہر کست گوید بیا جوش صدق و جوشش تزویر و ریا

یعنی جوش اور نوش ہر شخص کا تجھکو کہتا ہے کہ آ صدق کا جوش دہوکا اور ریا کا جوش یعنی ہر کس و ناکس اپنی طرف کھینچتا ہے۔

گر نداری دیدہائے روشناس رو دماغے دست آور بو شناس

یعنی اگر تو پہچاننے والی آنکھ نہیں رکھتا تو جا کوئی دماغ بو کا پہچاننے والا لا۔

آن دماغے کہ بران گلشن تند چشم یعقوبان ہم او روشن کند

یعنی ایسا دماغ جو اوس گلشن پر تنے اور یعقوبوں (یعنی عاشقوں) کی آنکھ کو بھی روشن کرے مطلب یہ کہ ایسے دماغ کو تلاش کر جو محبوب کا بھی پتہ دے اور تمہاری آنکھ بھی روشن کر دے۔

ہین بگو احوال آن خستہ جگر کز بخاری دور ماندیم اے پسر

یعنی ہاں اوس خستہ جگر کا حال بیان کر دکیونکہ اے صاحبزادے ہم بخاری سے تو دور ہو گئے یعنی بخاری کا قصہ تو دور گیا اب اسی کو بیان کر لو۔

شرح حبیبی

کان جوان در جستجو بُد ہفت سال از خیال وصل گشتہ چون خیال

سایۂ حق بر سر بندہ بود عاقبت جویندہ یابندہ بود

چون ز چاہے می کنی ہر روز خاک عاقبت اندر رسی در آب پاک

جمله دانند این اگر تو نگروی هرچه می کاریش روزی بدروی
سنگ بر آهن زدی آتش بجست این بباشد ورنه باشد نادرست
آنکه روزی نیستش بخت و نجات ننگرد عقلش مگر در نادرات
کان فلان کس کشت کرد و بر نداشت وان صدف برد و صدف گوهر نداشت
بلعم باعور و ابلیس لعین سود نامدشان عبادتها و دین
صد هزاران انبیا و رهروان ناید اندر خاطر آن بدگمان
این دو را گیرد که تاریکی دهد در دلش ادبار جز این کے نهد
بس کسا که نان خورد دلشاد او مرگ او گردد بگیرد در گلو
پس تو اے ادبار رو هم نان مخور تا نیفتی همچو او در شور و شر
صد هزاران خلق نانها می خورند زور می یابند و جان می پرورند
تو بدان نادر کجا افتادهٔ گر نه محرومی و ابله زادهٔ
این جهان پر آفتاب و نور ماه تو بهشته سر فرو برده بچاه
که اگر حق است پس کو روشنی سر ز چه بردار بنگر اے دنی
جمله عالم شرق و غرب آن نور یافت تا تو در چاهی نخواهد بر تو تافت
چه رها کن رو بایوان و کروم کم ستیز اینجا بدان کاللج شوم
هین مگو کاینک فلانے کشت کرد در فلان سال و ملخ کشتش بخورد
پس چرا کارم که اینجا خوف هست پس چرا افشانم این گندم ز دست
هین مکن استیزه رو در کار کن با توکل کشت کن بشنو سخن
هر که استیزه کند بر سر فتد آن چنان کو بر نخیزد تا ابد
وانکه او نگذاشت کشت و کار را پر کند کوری تو انبار را
زین زبان بگذر زمانی باز ران جانب احوال آن عاشق جوان
چون درے می کوفت او از سلوتے عاقبت دریافت روزی خلوتے
جست از بیم عسس او شب بباغ یار خود را یافت با شمع و چراغ
گفت سازنده سبب را آن نفس اے خدا تو رحمتے کن بر عسس
ناشناسا تو سببها کردهٔ از در دوزخ بهشتم بردهٔ

بهر آن کردی سبب این کار را | تا ندارم خوار من یک خار را
در شکست پائے بخشد حق پرے | هم ز قعر چاه بکشاید درے
هر چه آن بر تو کراهیت بود | چون حقیقت بنگری رحمت بود
تو مبین که بر درختی یا بچاه | تو مرا بین که منم مفتاح راه
گر تو خواهی باقی این گفتگو | اے اخی در دفتر چارم بجو

ہاں تو بات یہ ہے کہ وہ جوان سات سال تک کوشش کرتا رہا۔ حتی کہ وصال کی دھن میں سراپا خیال بن گیا یا یوں کہو کہ بہت لاغر ہو گیا لیکن سایۂ رحمت حق سبحانہ بندہ کے سر پر ہے اس لئے طالب صادق محروم نہیں رہتا انجام کار اوس کا مطلوب اوسے مل ہی جاتا ہے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جب تم کسی دروازہ کو کھٹ کھٹاؤ گے تو کبھی نہ کبھی اوس میں سے آدمی جو تمہارا مطلوب ہے ضرور نکلے گا اب میں کہتا ہوں کہ جبکہ تم کسی کے کوچہ میں بیٹھو گے تو کبھی نہ کبھی ضرور وہ شخص تمہیں ملیگا علی ہذا جب کسی کنوئیں کے تھوڑی تھوڑی مٹی نکالتے رہو گے تو انجام کار تم صاف پانی تک پہونچ جاؤ گے یہ امر سب جانتے ہیں تم نہ مانو تو اور بات ہے کہ جب آدمی کوئی کوشش کرتا ہے تو اوس کا ثمرہ اسے ضرور ملتا ہے دیکھو جب پتھر لوہے پر مارا جاوے گا تو آگ نکلے گی یہ ضرور ہوتا ہے اور اگر کسی عارض کے سبب ایسا نہ ہو تو یہ ایک اتفاقی امر ہے لیکن جس شخص کی قسمت میں خوش قسمتی اور بلا سے خلاصی نہیں ہوتی اوس کی عقل ہمیشہ اتفاقیات پر نظر کرتی ہے اور وہ کہتا ہے کہ دیکھو فلاں شخص نے بویا تھا مگر کچھ بھی نتیجہ نہ نکلا اور فلاں شخص مصیبت اوٹھا کر دریا میں سے سیپ لایا۔ مگر خالی نکلی۔ بلعم باعور اور ابلیس نے کس قدر عبادت کی مگر اون کی دینداری اور عبادت نے اون کو کچھ بھی فائدہ نہ دیا اس منحوس کے خیال میں لاکھوں انبیاء و سالکین کی تو حالت نہیں آتی ہاں ان دونوں کو پکڑے ہوئے ہے جو ظلمت پیدا کرنے والے ہیں بات یہ ہے کہ یہ بدبخت ہے اور بدبختی کا نتیجہ یہ ہونا ہی چاہیئے اس سے کوئی کہے کہ احمق بہت سے ایسے لوگ بھی تو ہیں کہ جو خوش خوش کھاتے ہیں مگر وہ کھانا اون کے لئے سبب موت ہو جاتا ہے اور گلے میں پھنس جاتا ہے پس منحوس تو روٹی ہی مت کھاتا کہ تو بھی اون کی طرح خرابی میں نہ پڑ جاوے ارے بھلے مانس جس طرح لاکھوں آدمی روٹی کھاتے ہیں اور قوت جسمانی و روحانی حاصل کرتے ہیں یوں ہی کوشش کرنے والے کامیاب بھی تو ہوتے ہیں اور جس طرح بعض کھانے والے مرتے ہیں۔ یوں ہی بعض کوشش کرنے والے بھی محروم رہتے ہیں پس اگر تو محروم اور احمق کا بچہ نہیں ہے تو ان دو میں کہاں جا پڑا ان کو چھوڑ اور کامیابوں پر نظر کر اور جبکہ تو انہیں دونوں پر نظر کرے گا تو مردود

تو محروم اور گدھے کا بچہ ہے تیری علامت یہ ہے کہ عالم دھوپ اور چاندنی سے پٹا ہے مگر تو ان کو چھوڑ کر کنوئیں
کے اندر سر جھکا کر بیٹھ گیا ہے اس پر کہتا ہے کہ اگر فی الواقع چاند اور سورج نکلے ہوئے ہیں تو روشنی کہاں
ہے ارے پاجی کنوئیں سے سر باہر نکال اور دیکھ لے کہ تمام عالم نے مشرق سے لیکر مغرب تک روشنی حاصل
کر رکھی ہے اور جب تک تو کنوئیں میں ہے اوس وقت تک تو تجھ پر روشنی نہیں پڑ سکتی کنواں چھوڑ
محلات اور باغات میں جا وہاں تجھے روشنی ملے گی تو کج بحثی مت کر کیونکہ کج بحثی نحوست کی علامت ہے۔
دیکھ تو یہ نہ کہہ کہ فلاں نے فلاں سال کھیتی کی تھی مگر کچھ بھی حاصل نہ ہوا اور اوس کی ساری کھیتی ٹڈیاں کھا گئیں
پس میں کیسے کھیتی کروں اور کیوں گیہوں بکھیروں دیکھ ہم کہتے ہیں کہ کج بحثی مت کر جا کام کر کہنا مان اور خدا
کے بھروسے کھیتی کر انشاء اللہ اوس کا اچھا پھل ملے گا یاد رکھ جو کج بحثی کرتا ہے یوں سر کے بل گرتا ہے
کہ قیامت تک اوٹھنا نصیب نہیں ہوتا اور جو بوتا جوتتا ہے اور توہمات باطلہ کی بنا پر اوسے نہیں چھوڑتا
نہیں وہ تیری آنکھوں میں خاک جھونک کر غلہ کے انبار لیجاتا ہے خلاصہ یہ کہ اعمال صالحہ میں کوشش
کرو اور نتیجہ کو پیش نظر نہ رکھو بلکہ اون کو خود مطلوب سمجھو نتیجہ ضرور ملے گا انشاء اللہ تعالیٰ اچھا اسے
کچھ دیر کیلئے چھوڑو اور اس جوان عاشق کی قصہ کی طرف لوٹو اوس نے کوشش نہ چھوڑی چنانچہ
ایک روز وہ بے خطر دروازہ کھٹ کھٹا رہا تھا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اوسے خلوت میسر ہوگئی۔ تفصیل
اوس کی یہ ہے کہ کوتوال آ رہا تھا اوس کے خوف سے وہ بھاگا اور ایک باغ میں گھس گیا۔ وہاں
جا کر دیکھا کہ اوس کا محبوب شمع و چراغ سمیت موجود ہے اوس وقت اوس نے مسبب الاسباب سے کہا
کہ اے اللہ تو اس کوتوال پر رحمت کر تیری بڑی شان ہے کہ تو نے اُن اشیاء کو سبب بنا دیا جن پر میرا
گمان بھی نہیں تھا اور دوزخ سے نکال کر بہشت میں لے آیا تو نے ان کو اس لئے اس کام کا سبب بنایا
کہ میں کانٹے کو بھی حقیر نہ سمجھوں۔ اور سمجھوں کہ اس میں بڑی حکمتیں ہیں گو مجھے معلوم نہیں جس طرح کہ میں نہ جانتا
تھا کہ کوتوال وغیرہ وصال کا سبب بن جائیں گے مگر وہ سبب بن گئے واقعی اوس کی بڑی قدرت ہے
کہ وہ ایک ضد کو دوسری ضد کا سبب بنا دیتا ہے چنانچہ شکست پاسے پر کا کام لیتا ہے اور کنوئیں کی تہ
میں رہائی کا راستہ پیدا کر دیتا ہے اب تم سمجھو کہ جو اشخاص تم کو مکروہ اور ناخوش معلوم ہوتے ہیں اون کی
اگر حقیقت معلوم کرو گے تو وہ رحمت ثابت ہوں گے حق سبحانہ فرماتے ہیں کہ جب تم کو میری قدرت
معلوم ہوگئی تو اسباب ظاہرہ کو مطمح نظر نہ بناؤ۔ اور یہ نہ دیکھو کہ تم درخت پر ہو یا کنوئیں میں بلکہ کوشش
کئے جاؤ اور مجھ پر نظر رکھو کیونکہ حلال مشکلات تو میں ہوں۔ اور میرے نزدیک کنواں اور درخت سب
برابر ہیں اب مولانا فرماتے ہیں کہ یہاں تک دفتر سوم ختم ہوا اگر پورا قصہ دیکھنا ہو تو دفتر چہارم میں

تلاش کرو۔ الحمد للہ علی اتمام ہٰذا الشرح للسفر الثالث من المثنوی المعنوی

شرح شبیری

عاشق کا معشوق کو پا لینا اور بیان اس کا کہ ڈھونڈھنے والا پانے والا ہوتا ہے کہ من طلب شیئاً وجد وجد

حضور مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے صحیح فرمایا ہے

کان جوان در جستجو بد ہفت سال　　از خیال وصل گشتہ چون خیال

یعنی وہ جوان سات برس تک تلاش میں رہا۔ اور وصل کے خیال کی وجہ سے خیال کی طرح ہو گیا تھا۔

سایۂ حق بر سر بندہ بود　　عاقبت جوئندہ یابندہ بود

یعنی حق تعالیٰ کا سایہ بندہ کے اوپر ہوتا ہے اور طالب انجام کار پانے والا ہوتا ہے۔

گفت پیغمبر کہ چون کوبی درے　　عاقبت زان در برون آید سرے

یعنی پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جب تم کسی دروازہ کو کوٹو گے آخر اوس دروازہ سے ایک سر نکلیگا

چون نشینی بر سر کوئے کسے　　عاقبت بینی تو ہم روئے کسے

یعنی جب تو کسی شخص کے کوچہ پر بیٹھ جاوے تو آخر کار تو کسی نہ کسی کا منہ دیکھے گا۔

چون ز چاہے می کنی ہر روز خاک　　عاقبت اندر رسی در آب پاک

یعنی جب تم ایک کنوئیں سے ہر روز مٹی نکالو گے تو آخر کار پاک پانی پر پہونچ جاؤ گے۔

جملہ دانند این اگر تو نگروی　　ہر چہ می کاریش روزے بدروی

یعنی سب جانتے ہیں اگر چہ تو یقین نہ کرے کہ جو کچھ کہ تو بووے گا اوس کو ایک دن کاٹے گا۔

سنگ بر آہن زدی آتش بجست　　این بہ باشد ورنہ باشد نادرست

یعنی پتھر کو لوہے پر مارے تو آگ پیدا ہو گی۔ یہ بات اکثر ہوتی ہے اور اگر نہ ہو تو نادر ہے۔

آنکہ روزی نیست از بخت ونجات　　ننگرد عقلش مگر در نادرات

یعنی جس شخص کی روزی اور بخت اور نجات نہ ہو اوس کی عقل بجز نادرات کے اور کسی چیز کو نہیں دیکھتی۔

کان فلان کس کشت کرد و بر نداشت وان صدف برد و صدف گوہر نداشت

یعنی کہ فلان شخص نے کھیتی کی اور پھل نہ اوٹھایا اور فلان شخص سیپی لے گیا اور سیپی موتی نہیں رکھتی تھی۔

بلعم باعور و ابلیس لعین سود نامد شان عبادتہا و دین

یعنی بلعم باعور اور ابلیس ملعون کو اون کی عبادتیں اور دین نافع نہ ہوئے۔

صد ہزاران انبیا و رہروان ناید اندر خاطر آن بدگمان

یعنی لاکھوں انبیا اور سالکین اوس بد گمان کے دل میں نہیں آتے۔

این دو را گیرد کہ تاریکی دہد در دلش ادبار جز این کے نہد

یعنی ان دونوں (بلعم باعور اور شیطان) کو لیتا ہے تاکہ تاریکی دین ادبار اوس کے دل میں سوائے اس کے کب رکھتا ہے مطلب یہ ہے کہ جو کم نصیب ہوتا ہے اور جس کی قسمت میں کچھ نہیں ہوتا۔ اوس کی نظر اون لوگوں پر ہوتی ہے جن کو کہ مجاہدات اور ریاضات سے کچھ نفع اتفاقاً نہیں ہوا تو وہ شخص ایسے لوگوں کو نظیر میں پیش کر کے کہا کرتا ہے کہ میاں فلاں نے کیا تھا آخر کو کیا نفع ہوا بجز اسکے کہ مردود ہو گئے۔ حالانکہ اون دو ایک مردودین کے علاوہ لاکھوں ایسے ہوئے ہیں کہ جن کا انہیں مجاہدات و ریاضات سے کام چل گیا ہے مگر یہ شخص اون کو نہیں دیکھتا۔ اور اس طریقہ سے شیطان اوس کی رہزنی کرتا ہے اور کام نہیں کرنے دیتا۔

بس کسا کہ نان خورد دلشاد او مرگ او گردد بگیرد در گلو

یعنی بہت سے لوگ دل خوش ہو کر روٹی کھاتے ہیں اون کے لئے موت ہو جاتی ہے اور گلے میں اٹک جاتی ہے

پس تو اے ادبار رو ہم نان مخور تا نیفتی ہمچو او در شور و شر

پس اے مدبر تو روٹی بھی مت کھا تاکہ کہیں اوس کی طرح شور و شر میں نہ پڑ جاوے۔ (مگر یہاں تو یوں کہنے لگتے ہو کہ)۔

صد ہزاران خلق نانہا میخورند زور می یابند و جان می پرورند

یعنی لاکھوں مخلوق روٹی کھاتی ہے زور پاتے ہیں اور جان کو پالتے ہیں۔

تو بدان نادر کجا افتادۂ گر نہ محرومی و ابلہ زادۂ

یعنی تو اوس اتفاقی بات پر کہاں پڑا ہوا ہے اگر تو محروم و ابلہ زادہ نہیں ہے۔

این جہان پُر آفتاب و نور ماہ تو بہشتہ سر فرو بردہ بچاہ

یعنی یہ جہان آفتاب اور چاند کے نور (یعنی اولیاء اللہ) سے بھرا ہوا ہے اور تو اپنے سر کو کنوئیں کے

اندر نیچے کو ڈالے ہوئے ہے (اور کہہ رہا ہے کہ)۔

کہ اگر حق ست پس کو روشنی　　سر ز چاہ بر دار بنگر اے دنی

یعنی کہ اگر سچ ہے تو روشنی کہاں ہے (مولانا فرماتے ہیں) اے کمینے کنوئیں سے سر اوٹھا اور دیکھ

جملہ عالم شرق و غرب آن نور یافت　　تا تو در چاہی نخواہد بر تو تافت

یعنی تمام عالم مشرق اور مغرب نے اوس نور کو پالیا لیکن تو جب تک کنوئیں میں ہے وہ تجھ پہ نہ چمکے گا۔

چہ رہا کن رو بایوان و کروم　　کم ستیز این جا بدان کالج شوم

یعنی کنوئیں کو چھوڑ اور محلوں اور انگوروں میں جا اس جگہ کم لڑ کیوں کہ جھگڑا کرنا منحوس ہے۔ مطلب یہ کہ اولیاء اللہ کے انوار سے تمام عالم بھرا ہوا ہے اور تمام لوگ اوس سے مستفید ہو رہے ہیں اگر تم دنیا میں لگے ہوئے ہو اور اگر تم سے کوئی اوس نور کو بیان کرتا ہے کہ اوس نے چار دانگ عالم کو احاطہ کر رکھا ہے تو تم دنیا ہی میں لگے ہوئے کہتے ہو کہ اگر یہ بات ٹھیک ہے تو وہ نور ہم کو کیوں نہیں نظر آتا تو اوس کی تو ایسی مثال ہے کہ جیسے کنوئیں میں منہ لٹکا کر پوچھو کہ آفتاب کہاں ہے تو میاں کنوئیں سے سر نکالو اور پھر دیکھو اسی طرح تم دنیا کو ترک کرو تب اون کے انوار نظر آویں۔

ہین مگو کانیک فلانے کشت کرد　　در فلان سال و ملخ کشتش بخورد

یعنی ہاں یوں مت کہو کہ فلاں شخص نے فلاں سال میں کھیتی کی تھی اور اوس کی کھیتی کو ٹڈیاں کھا گئیں (لہذا)

پس چرا کارم کہ اینجا خوف ہست　　پس چرا افشانم این گندم ز دست

یعنی پھر میں کیوں بوؤں یہاں تو خوف ہے اور اس گیہوں کو ہاتھ سے کیوں ڈالوں۔

ہیں مکن استیزہ رو رو کار کن　　با توکل کشت کن بشنو سخن

یعنی ہاں لڑائی مت کر جا جا کام کر توکل کے ساتھ کھیتی کر بات سن مطلب یہ کہ خدا پر بھروسہ کر کے کام میں لگو اس کو مت دیکھو فلان واصل ہو گیا تھا اور فلان نہیں ہوا اور اپنے مرشد سے الجھو مت کیونکہ

ہر کہ استیزہ کند بر سر فتد　　آن چنان کو بر نخیزد تا ابد

یعنی جو شخص کہ جھگڑا کرتا ہے وہ ایسا سر کے بل گرتا ہے کہ ہمیشہ کو نہیں اوٹھتا۔

و انکہ او نگذاشت کشت و کار را　　پر کند کوری تو انبار را

یعنی جس شخص نے کھیتی کو اور بونے کو نہ چھوڑا وہ باوجود تیری محرومی کے انبار کو پُر کرنے گا مطلب

یہ کہ جو شخص کام میں لگا رہیگا وہ آخر مقصود تک پہونچ ہی جاوے گا۔

زین بیان بگذر زمانے بازراں جانب احوال آن عاشق جوان

یعنی اس بیان کو تھوڑی دیر کیلئے چھوڑ دو اور پھر اوس عاشق جوان کی طرف چلاؤ۔

چون درے می کوفت او از سلوتے عاقبت دریافت روزے خلوتے

جبکہ وہ تسلی سے ایک ہی دروازہ کو کوٹ رہا تھا تو آخر کار خلوت پالی۔

جست از بیم عسس او شب بباغ یار خود را یافت باشمع وچراغ

یعنی کوتوال کے خوف سے رات کو وہ باغ میں کودا تو اپنے یار کو مع شمع اور چراغ کے پایا۔

گفت سازندہ سبب را آن نفس اے خدا تو رحمتے کن بر عسس

یعنی اسباب کے بنانے والے سے اوس وقت کہنے لگا کہ اے خدا تو کوتوال پر رحمت کیجیو۔

ناشناسا تو سبب ہا کردۂ از در دوزخ بہشتم بردۂ

یعنی آپ نے اسباب نامعلوم کئے ہیں اور دوزخ (ہجر) کے دروازہ سے مجھ کو بہشت (وصل) میں لے گئے ہیں آپ۔

بہر آن کردی سبب این کار را تا ندارم خوار من یک خار را

یعنی اس کام کو آپ نے اس لئے سبب کیا ہے تاکہ میں ایک کانٹے کو بھی ذلیل نہ رکھوں مطلب یہ کہ کوتوال کو جو میں ظالم اور ذلیل سمجھتا تھا آپ نے اوسی کو میرے لئے خوشی کا سبب بنا دیا تو یہ اس لئے کہ تاکہ میں چھوٹے سی چھوٹی چیز کو بھی ذلیل نہ سمجھوں کیونکہ۔

در شکست پائے بخشد حق پرے ہم ز قعر چاہ بکشاید درے

یعنی پاؤں کے ٹوٹنے میں حق تعالے پر بخشدیتے ہیں اور کنوئیں کے گڑھے میں بھی ایک دروازہ کھولدیتے ہیں۔

ہر کہ او بر تو کراہیت بود چون حقیقت بنگری رحمت بود

یعنی جو چیز کہ تم پر مکروہ ہو جب تم حقیقت دیکھو تو وہی رحمت ہووے (آگے مقولہ حق تعالے کا ہے)۔

تو مبین کہ بر درختی یا بچاہ تو مرا بین کہ منم مفتاح راہ

یعنی تو یہ مت دیکھ کہ درخت پر ہے یا کنوئیں میں تو مجھکو دیکھ کہ میں مفتاح راہ ہوں۔ مطلب یہ کہ اس کو مت دیکھ کہ تجھکو مجاہدات وریاضات سے نفع ہوا ہے یا نہیں بلکہ تجھے چاہیئے کہ مجھ

بھروسہ رکھے۔ آگے مولانا فرماتے ہیں۔

گر تو خواہی باقیٔ این گفتگو اے اخی در دفتر چہارم بجو

یعنی اے بھائی اگر تم اسباب کا بقیہ چاہتے ہو تو چوتھے دفتر میں ڈھونڈھو یعنی اس حکایت کو ہم نے دفتر چہارم میں پورا کیا ہے۔

الحمدللہ کہ کلید مثنوی دفتر ثالث کا ربع رابع اختتام کو پہونچا

والحمد للہ علیٰ ذالک

۲۳ ذی قعدہ ۱۳۳۴ھ یوم جمعہ

عارف باللہ حضرت مولانا جلال الدین رُومی رحمۃ اللہ علیہ کی نادرِ روزگار،

اور معرکہ آرا کتاب "مثنوی معنوی" کی جامع اور لاجواب شرح

کلیدِ مثنوی

حکیمُ الاُمّت مجددالملت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی نوراللہ مرقدہٗ

13

یہ وہ مقبول خاص و عام کتاب ہے کہ خواندہ ناخواندہ سب ہی اس سے دلچسپی لیتے ہیں مگر مضامین عالیہ ہونے کی وجہ سے مطالب سمجھنے میں بڑی دقت پیش آتی ہے اور بعض اوقات نوبت الحاد و زندقہ تک پہنچ جاتی ہے، حضرت حکیمُ الاُمّت نے اشعارِ مثنوی کو واضح کر کے اور مسائل تصوف کو عام فہم بنا کر نہایت خوبی سے سمجھا دیا ہے حقیقت یہ ہے کہ اِس سے معتبر اور شریعت و طریقت کا پاس و ادب رکھ کر مضامین کو حل کرنے والی کوئی اور شرح نہیں لکھی گئی

ادارہ تالیفاتِ اشرفیہ

بیرون بوہڑ گیٹ
ملتان

کلید مثنوی

عارف باللہ حضرت مولانا جلال الدین رُومی رحمۃ اللہ علیہ کی نادر روزگار
اور معرکہ آراء کتاب "مثنوی معنوی" کی جامع اور لاجواب اُردو شرح

کلیدِ مثنوی

از:

حکیم الامۃ مجدد الملۃ حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہ

جلد ۱۳

یہ وہ مقبول خاص و عام کتاب ہے کہ خواندہ، ناخواندہ سب ہی اس سے دلچسپی لیتے ہیں۔ مگر مضامین عالیہ ہونے کی وجہ سے مطالب سمجھنے میں بڑی دقت پیش آتی ہے اور بعض اوقات نوبت الحاد و زندقہ تک پہنچ جاتی ہے۔ حضرت حکیم الامت نے اشعارِ مثنوی کو واضح کر کے اور مسائل تصوف کو عام فہم بنا کر نہایت خوبی سے سمجھا دیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس سے معتبر اور شریعت و طریقت کا پاس ادب رکھ کر مضامین کو حل کرنیوالی اور کوئی شرح نہیں لکھی گئی۔

ادارہ تالیفاتِ اشرفیہ
بیرون بوہڑ گیٹ • مُلتان

ربع اول از دفتر رابع

قال تعالیٰ کما ارسلنا فیکم رسولا منکم یتلوا علیکم آیاتنا ویزکیکم ویعلمکم الکتاب والحکمۃ ویعلمکم ما لم تکونوا تعلمون

چوں در کریمہ صدر قولہ یتلوا ویعلمکم الکتاب بر فضل علم نظم معنی وقولہ یزکیکم بر شرف علم کلام و عقائد وعلم سلوک وقولہ والحکمۃ بر مزیت علم اسرار وعلم اصول دال بالتصریح بیان کشتہ از آن جزو لزون تصوف کہ مشتمل بر سلوک و اسرار ست از علم دین نیک عیان ست باتفاق اہل مذاق مثنوی از کتب این فن خاص شان ست لاکن از اغلاقش محتاج تبیان ست بنا علیہ این شرح اردو کہ معنونش را

کلید مثنوی

عنوان ست و این ربع اول از دفتر رابع ازان ست (بالفاظ وعبارت (مولوی) شبیر علی و مولوی حبیب احمد سلمہما اللہ کہ ہر یکے از ایشان برائے صاحب معانی یعنی حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب دام ظلہم بمنزلہ لسان و ترجمان ست) در و اصل متن را چناں حل کردہ کہ نہایت امکان سنت و مسائل را بطورے تقریر نمودہ کہ ہم موافق تحقیق اہل اتقان و ہم مطابق حدیث و قرآن ست و اشکالات و اغلاط را بطرزے دور ساختہ کہ مورث اطمینان اذہان ست و بجا بجا ملفوظات سیدنا الحاج محمد امداد اللہ کہ مطرب آذان و منشط اذہان ست ہم در و شرح درج

حسب فرمائش

محمد شبیر علی مالک اشرف المطابع تھانہ بھون ضلع مظفر نگر طبع شد

بقیہ ربع اول از دفتر رابع کلید مثنوی،

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

شرح حبیبی

معالجہ کردن برادر دباغ۔ دباغ را خفیہ بیوے سرگیں

خلق را می راند از وے آنجواں	تا علاجش را نہ بینند آں کساں
سر بگوشش برد ہمچو راز گو	پس نہاد آں چرک بر بینی او
کو بکف سرگیں سگ سائیدہ بود	دارو مغز پلیداں دیدہ بود
چونکہ بوے آں حدث را در کشید	مغز رنجیدش بوی ناخوش را شنید
ساعتے شد مردہ جنبیدن گرفت	خلق گفتند ایں فسونے بد شگفت
کایں بخواند افسوں بگوش او دمید	مردہ بود افسوں بفریادش رسید
جنبش اہل فساد آں سو بود	کہ زنا و غمزۂ وابرو بود
ہر کرا مشک نصیحت سود نیست	جز بدیں بوے بدش بہبود نیست
مشرکاں را زاں نجس خواندہ ست حق	کاندروں پشک زادند از سبق
کرم کو زادست از سرگین ابد	می نگرداند بعنبر خوے خود

عــــہ دفتر رابع کے شروع سے یہانتک رسالہ القاسم دیوبند میں شائع ہوا ہے ۱۲ مدیر

چون نزد بروے نثار رش نور — او ہمہ جسم است نے جان چون قشور
وز ز رش نور حق قسمیش داد — ہا ہمچو رسم مصر سرگیں مرغ زاد
لیک نے مرغ خسیس خانگی — بلکہ مرغ دانش و فرزانگی
تو بداں مانی کزاں نوری تہی — زانکہ بینی بر پلیدے می نہی
از فراقت زرد شد رخسار و رو — برگ زردی میوۂ ناپختہ تو
دیگ ز آتش شد سیاہ و دود خام — گوشت از سختی چنیں ماندست خام
ہشت سالت جوش دادم از فراق — کم نشد یک ذرہ خامیت از نفاق
خامی و ہرگز نخواہی پخت تو — گو ہزاراں بار جوشی از عتو
غورۂ تو سنگ بستہ از سقام — غورہا اکنوں مویزند و تو خام

ہاں تو وہ شخص لوگوں کو ہٹاتا تھا تاکہ وہ لوگ اسکے علاج کو نہ دیکھیں۔ جب ہٹا چکا۔ تو اسکے کان سے یوں منہ ملایا جیسے کوئی راز کہتا ہو اور اس طرح وہ گوہ اسکی ناک سے لگا دیا۔ کیونکہ اس نے ہاتھ سے کتے کا گوہ ملا تھا جسمیں اسکی بو آگئی تھی۔ اور ملا تھا اسلئے۔ کہ اسکو علم تھا کہ گندے دماغ والوں کا علاج یہی ہے۔ بس جبکہ اس نے گوہ کی بو کھینچی۔ تو اسکے مرے دماغ نے اس بدبو کو سونگھا۔ تھوڑی دیر میں اس مردہ نے حرکت شروع کی۔ لوگوں کو اس سے نہایت تعجب ہوا۔ اور انھوں نے کہا۔ کہ یہ تو عجیب منتر تھا۔ کہ اس نے وہ منتر پڑھ کر اسکے کان میں پھونکا پس حالانکہ وہ مردہ تھا۔ مگر منتر نے اسکی فریاد سن لی۔ اور اسے جلا دیا۔ پس اس سے تم سمجھو۔ کہ خراب لوگوں کی حرکت بھی اسی طرح کی ہوتی ہے۔ کیونکہ وہ ناز و غمزہ اور ابرو سے ہوتی ہے جو کہ مذموم ہیں۔ اور جسکو مشک نصیحت مفید نہیں ہوتا۔ اسکو بجز بوے بدمعاصی کے فائدہ نہیں ہوتا نیز مشرکین کو حق سبحانہ نے اس لئے نجس کہا ہے کہ وہ پیشتر ہی سے گندگی کفر میں پیدا ہوے ہیں اور اسی سے مانوس ہیں۔ یہی وجہ ہے۔ کہ وہ عنبر ہدایت کے خوگر نہیں ہوتے کیونکہ جو کیڑا گوبر میں پیدا ہوتا ہے۔ وہ کبھی عنبر کا عادی نہیں ہوتا۔ چونکہ انپر اس نور کی چھینٹ

نہیں پڑی - جو کہ ابتدائے خلقت میں مخلوق پر چھڑکا گیا تھا - اسلئے وہ سراسر جسم ہیں اور ان میں
جان بالکل نہیں (جان کی نفی اس لئے کی گئی ہے - کہ وہ اپنے مقتضیات سے خالی ہے پس
گویا کہ وہ معدوم ہی ہے) لہذا ان کی ایسی مثال ہے جیسے چھلکے - کہ ان میں فضلہ ہی فضلہ
ہوتا ہے - اور جوہر بالکل نہیں ہوتا - اور صورت ہی صورت ہوتی ہے یعنی بالکل نہیں ہوتے
ہاں اگر حق سبحانہ نے اُن کو نور کی چھینٹوں کا کوئی حصہ عطا کیا ہے تو وہ باوجود کفر میں پیدا ہونے
کے ہدایت پاتے ہیں اور ان کی مثال ایسی ہے جیسے اہل مصر کے رسم کی بنا پر گوبر سے مرغ
پیدا ہو - (اہل مصر کا قاعدہ تھا - کہ انڈوں کو گوبر میں دبا دیتے تھے - اور کچھ خاص شرائط کے
ساتھ - اسکی حرارت سے بچے نکل آتے تھے - اس رسم کی طرف اشارہ ہے) مگر گوبر سے تو ذلیل اور
خانگی مرغ پیدا ہوتا ہے - یہ ویسے نہیں ہوتے - بلکہ یہ دانش و فرزانگی کا مرغ یعنی ہدایت یافتہ
انسان ہوتے ہیں - خلاصہ یہ کہ کفر میں پیدا ہونے والے دو قسم کے ہیں شقی ازلی اور سعید ازلی
اشقیا کی ایسی مثال ہے جیسے جعل اور سعدا کی ایسی مثال ہے جیسے مرغ جو کہ مصر کی رسم کے
مطابق گوبر میں پیدا ہوا ہو - یہ مضمون تو استطرادی تھا - ایک نو کہ معشوقہ اپنے عاشق سے
کہتی ہے - کہ تو چونکہ نور ہدایت سے جو مخلوق پر ابتدا ر خلقت میں چھڑکا گیا تھا - خالی ہے کیونکہ
میں دیکھتی ہوں - کہ تو گوہ پر ناک رکھتا ہے - اور معاصی کی طرف میلان رکھتا ہے اور اسلئے تو اُس
دبلغ کے مشابہ ہے - باوجودیکہ رنج فراق سے تیرے رخسار اور چہرہ سب زرد گئے ہیں - مگر ہنوز
تو زرد پتے - اور کچے میوے سے مشابہ ہے - یعنی تجھ میں کمال کی استعداد ہی نہیں - یا ہی مگر
ہنوز اسکا ظہور نہیں ہوا (زرد پتے سے اشارہ عدم استعداد کمال کی طرف ہے - کیونکہ جو پتا
خزاں سے زرد ہو جاتا ہے - پھر ہرا نہیں ہوتا - اور میوۂ ناپختہ سے عدم ظہور کمال مع وجود
الاستعداد کی طرف اشارہ ہے) ہانڈی تو آگ سے کالی اور دھوئیں کے رنگ ہوگئی - مگر
گوشت ہنوز کچا ہے - یعنی جسم پر تو بہت کچھ اثر ہوا - مگر روح پر کچھ اثر نہ ہوا - میں نے تجھے آتش
فراق سے آٹھ سال تک جوش دیا - مگر تیری نفاق کے سبب تیری خامی میں ذرہ برابر کمی نہیں
آئی - اور تو کچا کا کچا ہی رہا - معلوم ہوتا ہے - کہ تو کبھی نہ پکے گا - اگرچہ ہزاروں مرتبہ جوش کھاوے
کیونکہ کچے انگور تو - مویز ہو گئے - اور ناقصین کامل بن گئے - مگر تو کچا کا کچا ہی رہا - اس سے معلوم ہوا

کہ تو اپنے مرض کے سبب کچا اور بھٹرا ہوا انگور ہے جسمیں پختگی کی قابلیت ہی نہیں۔

شرح شبیری

برادر دباغ کا اپنے بھائی کا علاج خفیہ طور پر سرگین سگ سے کرنا

خلق رامی راند از وے آں جواں   تا علاجش را نہ بینند آں کساں

یعنی وہ جوان لوگوں کو اسکے پاس سے ہٹاتا تھا تاکہ وہ لوگ اُس کے علاج کو دیکھ نہ لیں۔

سر بگوشش برد ہمچوں راز گو   پس نہاد آں چرک بر بینی او

یعنی اُسکے کان کے پاس راز گو کی طرح سر لیگیا پھر اُس گوہ کو اُس کی ناک پر رکھ دیا۔

کو بکف سرگین سگ سائیدہ بود   دارو مغز پلید اں دیدہ بود

یعنی کہ اس نے ہاتھ میں سرگین سگ مل رکھا تھا۔ اور پلیدوں کی مغز کی دوا کو دیکھے ہوئے تھا

چونکہ بوئے آں حدث را واکشید   مغز زشتش بوی ناخوش را سزید

یعنی جبکہ اُس دباغ نے اُس ناپاکی کو کھینچا تو اُس کا مغز زشت ناخوش بو کے لائق تھا (نتیجہ یہ ہوا کہ)

ساعتے شد مرد جنبیدن گرفت   خلق گفتند ایں فسونے بد شگفت

یعنی ایک گھڑی ہوئی کہ اس مرد نے ہلنا شروع کیا لوگوں نے کہا کہ یہ تو ایک عجیب فسوں تھا۔

کایں بخواند افسوں بگوش او دمید   مردہ بود افسوں بفریادش رسید

یعنی کہ اس نے افسوں پڑھا اور اسکے کان میں پھونکدیا تو وہ مردہ تھا تو افسوں اسکی فریاد کو پہنچ گیا۔ یعنی افسوں نے اُسپر اثر کیا اور وہ اچھا ہو گیا۔ آگے مولانا انتقال فرماتے ہیں کہ۔

جنبش اہل فساد آں سو بود   کہ زناز و غمزۂ وابرو بود

یعنی اہل فساد کی جنبش اُس طرف ہوتی ہے جو کہ ناز اور غمزہ اور ابرو سے ہو۔ مطلب یہ کہ جوحسن کہ ناز و غمزہ و ابرو سے ہوتا ہے اہل فساد تو اس طرف مائل ہوتے ہیں اور جو لوگ اہل صلاح ہوتے ہیں وہ جمال حقیقی باری تعالیٰ کے شیدائی ہوتے ہیں۔

ہر کرا مشک نصیحت سود نیست   لاجرم با بوئے بد خو کرد نیست

یعنی جسکو مشک نصیحت کا نفع نہیں ہے وہ یقیناً بوئے بد کی ساتھ خو کرتا ہے۔ مطلب کہ جس شخص
کو کہ نصیحت فائدہ نہیں کرتی۔ وہ یقیناً بوئے بد میں رہیگا اور اسکو ہرگز نفع نہیں ہو سکتا۔ ہمیشہ
گمراہی میں رہے گا۔

مشرکان را زان نجس خوانده است حق — کاندرون پشک زادند از سبق

یعنی مشرکوں کو حق تعالیٰ نے اسی لئے نجس کہا ہے کہ وہ نجاست ہی کے اندر ازل سے پیدا ہوئے ہیں۔

کرم کو زادست از سرگین بد — می نگرداند بعنبر خوئے خود

یعنی جو کیڑا کہ سرگین بد میں پیدا ہوا ہے وہ عنبر سے اپنی عادت کو بدل نہیں سکتا۔ یعنی وہ
کرم عنبر شیم نہیں بن سکتا جبکہ کہ نشو و نما گوہ ہی میں ہوا ہو۔

چون نزد بروے نثار رش نور — او ہمہ جسم است نے جان چون قشور

یعنی جب اسپر رش نور کے نثار نے مارا نہیں تو وہ بالکل جسم ہی جسم ہے۔ نہ کہ جان ہے مثل چھلکوں
کے مطلب کہ حدیث میں ہے کہ ان اللہ خلق الخلق فی ظلمۃ فرش علیہم نورہ فمن اصاب
منہ اھتدیٰ ومن اخطاء ضل او کما قال تو جسپر وہ نور پہونچا ہے وہ تو مہتدی ہو گیا اور
چونکہ ان کفار و مشرکین کو وہ نور نہیں پہونچا اور اس نور سے یہ محروم رہے ہیں لہذا انکو ہدایت
نہیں ہوئی۔ اور یہ گمراہ ہو گئے۔

ور زرش نور حق قسمیش داد — ہمچو رسم مصر سرگین مرغ زاد

یعنی اور اگر رش نور میں سے حق تعالیٰ نے اسکو کوئی حصہ دیا تو مصر کی رسم کی طرح سرگین نے
مرغ جنا۔ (مصر میں رسم ہے کہ سرگین میں انڈا دبا دیتے ہیں تو اسکی گرمی سے بچہ نکل آتا ہے) مطلب یہ کہ
کفار وغیرہ پر چونکہ وہ نور پہونچا نہیں ہے اسلئے وہ تو گمراہ ہی رہے۔ اور جن لوگوں کو اس نور میں سے
حصہ ملگیا ہے وہ مہتدی ہو گئے ہیں۔ اور ایسا ہے کہ جیسے سرگین میں سے بچہ نکل آوے۔ کہ ایک
ناپاک شے میں سے پاکیزہ شے پیدا ہو گئی ہے اسی طرح وہ ظلمت میں سے نورانی شکل کا انسان پیدا ہو گیا

لیک نے مرغ خسیس خانگی — بلکہ مرغ دانش و فرزانگی

یعنی لیکن نہ کہ مرغ خسیس خانگی بلکہ مرغ عقل اور فرزانگی کا۔ یعنی وہ جو بیضہ میں سے بچہ نکلا ہے
تو وہ بچہ مرغ خانگی کا خسیس اور پلید نہیں ہے بلکہ یہ تو بہت زیادہ پاک اور صاف شے ہے اور یہ

شخص تو بڑا دانا اور عاقل اور فرزانہ ہے آگے اُس معشوقہ کا مقولہ ہے کہ وہ کہتی ہے کہ۔

تو بداں مانی کزاں نورے تہی — زانکہ بینی بر پلیدے می نہی

یعنی تو اُسکے مشابہ ہے کیونکہ اُس نور سے تو خالی ہے اسلئے کہ تو ناک پلیدی پر رکھتا ہے مطلب یہ کہ اس عاشق کو کہہ رہی ہے۔ کہ جسطرح کہ وہ دباغ تھا کہ اُسکو پلیدی کے سونگھنے سے ہوش آگیا ایسا ہی تو ہے اور وجہ اسکی یہ ہے کہ تو اُس نورِ حق سے خالی ہے لہذا تیرے پاس پاکی آتی ہی نہیں اور دلیل اسکی یہ ہے کہ جیسا وہ ناپاکی سے اچھا ہو گیا اور اُس نے ناپاکی کو پسند کیا اسی طرح تو بھی خباثت اور ناپاکی ہی کو پسند کرتا ہے۔

از فراقت زرد شد رخسار و رو — برگ زردی میوهٔ ناپختہ تو

یعنی فراق کی وجہ سے تیرا رخسار و رو زرد ہو گیا تو تو برگ زرد ہے اور تو میوهٔ ناپختہ ہے مطلب یہ کہ میوہ زرد ہو کر پک جاتا ہے اور پتا زرد ہو کر خشک ہو جاتا ہے تو تو بھی زرد جو ہو رہا ہے یہ زردی میوہ جیسی زردی نہیں ہے بلکہ یہ زردی پتے کی سی ہے کہ جو دلیل نقص کی ہے۔ آگے ایک مثال دیتی ہے کہ۔

دیگ ز آتش شد سیاہ و دود خام — گوشت از سختی چنیں ماند است خام

یعنی ہنڈیا تو آگ سے سیاہ اور دھوئیں کی رنگت کی ہو گئی اور گوشت سختی کی وجہ سے ویسا ہی کچا رہا ہوا ہے۔ مطلب یہ کہ تیرا چہرہ تو زرد ہو گیا اور رنگت بھی تیری بدل گئی مگر کمبخت تیرا دل اسی طرح گناہوں میں مبتلا ہے۔

ہشت سالت جوش دادم در فراق — کم نشد یک ذرہ خامیت از نفاق

یعنی آٹھ برس تک میں نے تجھے فراق میں جوش دیا ہے۔ (مگر) تیری خامی نفاق کی وجہ سے کم نہیں ہوئی۔

خامی و ہرگز نہ خواہی پخت تو — گر ہزاراں بار جوشی اے عتو

یعنی تو خام ہے اور تو ہرگز نہ پکے گا۔ اگرچہ تو اے سرکش ہزار بار بھی جوش کرے۔

غورهٔ تو سنگ بستہ از سقام — غورہا اکنوں مویز ند و تو خام

یعنی تو انگور کچا ٹھہرا ہوا ہے۔ امراض (باطنی) کی وجہ سے اور غورے تو اب مویز ہو گئے اور تو کچا ہے یعنی اور سب تیرے ساتھ کے تو درست ہو گئے اور تو ویسا کا ویسا ہی ہے۔ اس سے

معلوم ہوا کہ تیری اصلاح نہ ہوگی آگے وہ عاشق اپنی اس حرکت کی عذر خواہی کرتا ہے کہ۔

شرح حبیبی

گفت عاشق امتحاں کردم مگیر — تا ببینم تو حریفی یا ستیر

من ہمی دانستمت بے امتحاں — لیک کے باشد خبر ہمچوں عیاں

آفتابی نام تو مشہور و فاش — چہ زیانست ار بکردم ابتلاش

انبیا را امتحاں کردہ عدات — تا شدہ ظاہر از ایشاں معجزات

تو منی من خویشتن را امتحاں — میکنم ہر روز در سود و زیاں

امتحاں چشم خود کردم بنور — اے کہ چشم بد ز چشمانِ تو دور

ایں جہاں ہمچوں خرابہ ست و تو گنج — گر تفحص کردم از گنجت مرنج

زاں چنیں بے خردگی کردم گزاف — تا زنم با دشمناں ہر بار لاف

تا زبانم چوں ترا نامے نہد — چشم ازیں دیدہ گواہیہا دہد

گر شدم در راہ حرمت راہزن — آمدم اے مہ بشمشیر و کفن

جز بشمشیر خود اے شاہم مکش — بیش ازیں از دوری اے ماہم مکش

جز بدست خود مبرم پا و سر — کہ ازیں دستم نہ از دست دگر

از جدائی باز میرانی سخن — ہر چہ خواہی کن ولیکن ایں مکن

در سخن آباد ایں دم راہ شد — گفت امکاں نیست چوں بیگاہ شد

پوستہا گفتیم و مغز آمد دفیں — گر بمانیم ایں نماند ہمچنیں

گر خطائے آمد از ما در وجود — چشم می داریم در عفو اے ودود

امتحاں کردم مرا معذور دار چوں ز فعل خویش گشتم شرمسار

عاشق نے جواب دیا کہ آپ مجھپر مواخذہ نکریں میں نے امتحان کیا تھا۔ کہ دیکھوں آپ اس فعل میں میری موافقت کرنیوالی ہیں یا عفیفہ گو یہ امر کہ آپ پارسا ہیں مجھے پہلے سے بھی معلوم تھا لیکن لیس الخبر کالمعائینۃ یعنی سنی سنائی بات مشاہدہ کی برابر نہیں ہوتی۔ اس لئے میں نے چاہا کہ مشاہدہ کر لوں آپ آفتاب عصمت ہیں اور آپکا نام عفت میں مشہور و معروف ہے پس اگر میں نے اس بات کی آزمایش کر لی تو کیا گناہ ہوا۔ دشمنوں نے انبیا کا امتحان کیا ہے جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ ان سے معجزات کا ظہور ہوا۔ نیز آپ اور میں ایک ہیں اور میں اپنا ہر روز نفع و نقصان میں امتحان کرتا رہتا ہوں پس آپکا امتحان کوئی بیجا بات نہیں علی ہذا آپ میری آنکھ ہیں اور اے خوش چشم خدا کرے آپ کی آنکھوں کو نظر نہ لگے میں اپنی آنکھ کا نور سے امتحان کرتا ہوں تو آپکا امتحان کوئی قابل تعجب بات نہیں۔ نیز جہاں ایک ویرانہ ہے اور آپ خزانہ کمالات پس اگر میں نے آپکا خزانہ کمالات تلاش کیا تو کوئی خفا ہونیکی بات نہیں نیز میں نے بیہودگی سے یہ حماقت اسلئے کی ہے کہ مخالفین کے مقابلہ میں ہر مرتبہ آپکی پارسائی کا بے تکلف دعوی کر سکوں اور تاکہ جب میری زبان پر بھلائی کے ساتھ آپکا نام آئے تو آنکھ اس امر مشاہد کی گواہی دے۔ اچھا اگر میں نے آپ کی آبرو ریزی کی ہے تو میں سزائے موت کیلئے موجود ہوں اگر آپ مجھے مارنا چاہتی ہیں تو اپنی ہی تلوار سے مارئیے اور اس سے زیادہ مجھے صدمۂ فراق سے ہلاک نہ کیجئے۔ آپ میرے پاؤں اور سر اپنی ہی تلوار سے کاٹئے کیونکہ میں آپ کا غلام ہوں نہ کہ کسی دوسرے کا دیکھئے آپ پھر جدائی کا نام لیتی ہیں آپ جو چاہیں کریں مگر یہ نہ کریں دیکھئے مجھے اسوقت گفتگو کا موقعہ ملا ہے۔ اور جب نا وقت ہو جاوے گا اسوقت کچھ نہ کہہ سکونگا اسلئے یہ مختصر گذارش ہے۔ اور جو کچھ عرض کیا ہے یہ اس کے مقابلہ میں جو ہنوز نہیں کہہ سکا منزلہ پوست کے ہے اور مغز ہنوز مدفون ہے۔ اور یہ بھی اسلئے کہا ہے کہ ہم تو رہیں گے مگر یہ صورت حال نہ رہے گی۔ پس اگر اس ملاقات میں مجھسے کوئی خطا ہوئی ہو تو مجھکو آپ سے معافی کی امید ہے۔ میں نے جو کچھ کہا تھا وہ امتحاناً تھا۔ اب جبکہ میں اپنی اس حرکت پر نادم ہوں تو مجھے معذور رکھئے اور معاف کیجئے۔

شرح شبیری

عاشق کا اپنے گناہ کی عذر خواہی کرنا تلبیس اور روپوشی کے ساتھ اور معشوقہ کا اس تلبیس کو سمجھ لینا

گفت عاشق امتحاں کردم مگیر تا بہ بینم تو حریفی یا ستیر

یعنی عاشق نے کہا کہ میں نے امتحان کیا تھا مجھ سے گرفت مت کر تا کہ میں دیکھ لوں کہ تو حریف ہے یا مستورہ ہے مطلب یہ کہ عاشق نے کہا کہ میں نے تجھے آزمایا تھا۔ کہ آیا تو عفیفہ ہے یا نہیں لہذا اب معلوم ہو گیا تو بے شک عفیفہ ہے۔ تو اس امتحان میں مجھے گرفت مت کر اب یہاں وہ معشوقہ کہہ سکتی ہے کہ کیا تو مجھے پہلے سے عفیفہ نہ جانتا تھا کیا مجھے اوباش سمجھتا تھا۔ تو اسکا جواب بطور دفع دخل مقدر کے دیتا ہے کہ

من ہمی دانستمت بے امتحاں لیک کے باشد خبر ہمچوں عیاں

یعنی میں تجھے بے امتحان ہی جانتا تھا لیکن خبر معائنہ کے مثل کب ہوتی ہے۔ یعنی لیس الخبر کالمعاینۃ پہلے تو صرف خبر ہی تھی اور اب دیکھ لیا۔ تو انہیں تو یوں بعید ہوا۔

آفتابی نام تو مشہور و فاش چہ زیانستت ار بکردم ابتلاش

یعنی تو تو آفتاب ہے۔ اور تیرا نام مشہور ہے۔ اور ظاہر ہے تو میں نے کیا نقصان کیا اگر اسکا امتحان کر لیا۔ مطلب یہ کہ اگر آفتاب کا کوئی امتحان کرے تو آفتاب کا اسمیں کیا ضرر ہے۔ تو اسیطرح تو تو آفتاب ہے۔ اگر میں نے تیرا امتحان کر ہی لیا تو اسمیں تیرا کیا ضرر ہوا۔

تو منی من خویشتن را امتحاں میکنم ہر روز در سود و زیاں

یعنی تو تو میرا عین ہے۔ اور میں اپنا امتحان بھی ہر روز بے نفع نقصان کے کرتا ہوں یعنی میری تیری تو حالت من تو شدم تو من شدی الخ کی ہو گئی ہے۔ تو اگر میں نے تیرا امتحان کیا تو گویا اپنا امتحان کیا پھر اپنا تو میں روزمرہ امتحان کرتا ہوں اسمیں حرج ہی کیا ہے۔

انبیا را امتحان کردہ عدات . تا شدہ ظاہر ازایشان معجزات

یعنی دشمنوں نے انبیا علیہم السلام کا امتحان کیا ہے۔ یہانتک کہ اُن سے معجزات ظاہر ہوئے مطلب یہ کہ امتحان میں نقصان تو کیا ہوتا بلکہ نفع ہے اسلئے کہ دیکھو اس امتحان سے تمھاری عفت ظاہر ہو گئی انبیاء کا کفار نے امتحان کیا تو اُن سے معجزات ظاہر ہوئے۔ علی ہذا امتحان میں تو نفع ہی ہے۔

امتحاں چشم خود کردم بنور . اے کہ چشم بد ز چشماں تو دور

یعنی میں نے اپنی آنکھ کا امتحان نور سے کیا ہے اے وہ کہ چشم بد تیری آنکھوں سے دور ہو۔ مطلب یہ کہ تم تو میری آنکھ ہو میں نے تمھارا امتحان کیا گویا کہ اپنی آنکھ کا امتحان کیا ہے کہ دیکھوں اسمیں نور ہے کہ نہیں تو اسمیں تو نور پہلے سے تھا اب امتحاں سے اور خوب ظاہر ہو گیا۔

ایں جہاں ہمچوں خرابہ است و تو گنج . گر تفحص کردم از گنجت مرنج

یعنی یہ جہاں تو مثل ویرانہ کے ہے اور تو خزانہ ہے تو اگر میں نے تیرے خزانہ میں سے تفحص کیا تو خفا مت ہو (اسلئے کہ اگر میں تفحص کرونگا تو معلوم ہوگا کہ اسمیں یہ جوہر ہیں)

زاں چنیں بے خردگی کردم گزاف . تا کنم با دشمناں ہر بار لاف

یعنی ایسی بے عقلی سے جو میں نے بیہودگی کی تو اسلئے کہ دشمنوں میں ہر بار شیخی کر سکوں مطلب یہ کہ میں نے امتحان کیا تو صرف اسلئے کیا تاکہ لوگوں میں مجھے کہنے کا موقعہ ملے کہ میں نے خود آزما دیکھا ہے میں وثوق سے کہتا ہوں کہ وہ عفیفہ ہے۔ اور اگر میں نے دیکھ نہ لیا ہوتا تو پھر تو صرف انداز اور تخمین ہی سے تمکو عفیف کہہ سکتا تھا۔ اور اسلئے کیا ہے کہ۔

تا زبانم چوں ترا نامے نہد . چشم از دیدہ گواہی ہا دھد

یعنی تاکہ میری زباں جب تیرا نام لے تو آنکھ دیکھے ہوئے کی گواہی دے۔ یعنی اگر زباں سے تیری تعریف کروں تو آنکھ کہے بیشک صحیح کہتا ہے ہم نے بھی دیکھا ہے۔

گر شدم در راہ حرمت راہزن . آمدم اے مہ بشمشیر و کفن

یعنی اگر میں راہ ادب میں رہزن ہو گیا ہوں تو اے ماہ میں مع شمشیر و کفن کے آیا ہوں۔ پہلے قاعدہ تھا کہ اگر مجرم خود جرم کا اقرار کرتا ہوا حاضر ہوتا تھا تو شمشیر و کفن بھی ساتھ لاتا تھا

اور بزبان حال کہتا تھا کہ ع قتل کرڈالو ہمیں یا جرم الفت بخشدو + لوکھڑے ہیں ہاتھ باندھے ہم تمہارے سامنے۔ اور یہ اسلئے کہتے تھے تاکہ آقا کو یا معشوق کو جسکا وہ مجرم ہے رحم آجاوے تو اسی طرح یہ کہتا ہے کہ اگر میں نے بے ادبی کی ہے تو اچھا تو میں حاضر ہوں جو سزا چاہو دے لیکن ایک شرط ہے وہ یہ کہ۔

جز بشمشیر خود اے شاہم مکش   پیش ازیں از دوری اے ماہم مکش

یعنی اپنی شمشیر کے سوا اور کسی سے مجھکو مت مارا و راس سے پہلے اے ماہ مجھے دوری سے مت مار مطلب یہ کہ اگر سزادو تو اپنے ہاتھ سے ہی دینا تاکہ یہ حالت ہو کہ ع سر بوقت ذبح اپنا اُسکے زیر پائے ہے + کیا نصیب اللہ اکبر لوٹنے کی جائے ہے۔ اور دوسری شرط یہ ہے کہ سزا کے پہلے پہلے دوری میں مت رکھنا بلکہ اپنے ہی پاس رکھنا تاکہ اخیر وقت میں تو تمھاری دیدار سے مشرف ہوں اسی کو دوسرے عنوان سے کہتا ہے کہ۔

جز بدست خود مبرم پاؤ سر   کہ ازیں دستم نہ از دست دگر

یعنی اپنے ہاتھ کے سوا میرے ہاتھ پاؤں مت کاٹنا۔ کیونکہ میں اسی ہاتھ کا ہوں نہ کہ دوسرے ہاتھ کا یعنی میں اسی ہاتھ کا پلا ہوا ہوں تو آج تمنا یہ ہے کہ اسی ہاتھ سے ذبح ہو جاؤں اور کہتا ہے کہ۔

از جدائی باز می رانی سخن ،   ہر چہ خواہی کن ولیکن ایں مکن

یعنی جدائی کی بات کو پھر چلاتی ہو تو جو چاہے کرو مگر یہ نہ کرو۔ مطلب یہ کہ تم پھر جدائی کو کہتی ہو کہ میں جدا کردونگی تو للہ اسکا تو نام بھی نہ لو اور جو چاہے سزا دیلو مگر اسکا نام نہ لو۔

در سخن آباد ایندم راہ شد   گفت امکان نیست چون بیگاہ شد

یعنی سخن آباد میں اسوقت میری راہ ہوگئی ہے۔ (لیکن) کہنا ممکن نہیں ہے جب بیوقت ہوگیا۔ مطلب یہ کہ وقت تو باتیں کرنیکا ہے مگر کیا کہیں کہنے کا وقت نہیں رہا۔ لہذا چپ ہی رہتے ہیں۔

پوستہا گفتیم و مغز آمد و فیں   گر بمانیم ایں نماند ہمچنیں ،

یعنی اوپر اوپر کی باتیں ہم نے کہی ہیں اور اصل باتیں مدفون ہیں اگر ہم رہے تو یہ اس طرح

نہ رہے گا۔ مطلب یہ کہ ہم نے جو باتیں کی ہیں وہ صرف پوست ہیں باقی اصل باتیں ابھی بیان نہیں کی ہیں۔ اور پھر اگرچہ ہم تو رہیں گے مگر وقت ایسا نہ رہے گا۔

گر خطائے آمد از مادر وجود　　چشم میداریم در عفو اے ودود

یعنی اگر کوئی خطا ہم سے وجود میں آئی ہے تو اے صاحب لوذت ہم عفو کی امید رکھتے ہیں

امتحاں کردم مرا معذور دار　　چوں ز فعل خویش گشتم شرمسار

یعنی میں نے امتحان کیا (مگر) مجھے معذور رکھ جبکہ میں اپنے فعل سے (خود) شرمندہ ہوں یعنی میں تو اپنے فعل پر خود مقر ہو کر شرمندہ ہوں لہذا مجھے معذور سمجھو اور معاف کر دو۔ آگے وہ معشوقہ اس کی تلبیس کو رد کرتی ہے۔

شرح حبیبی

در جوابش بر کشاد آں ماہ لب　　کہ سوئے مار وز سوئے تست شب

حیلہ ہائے تیرہ اندر داوری　　پیش بینایاں چرا می آوری

ہر چہ در دل داری از مکر و رموز　　پیش ما رسوا و پیدا ہمچو روز

گر بپوشیمش ز بندہ پروری　　تو چرا بیرو نے از حد می بری

از پدر آموز کآدم در گناہ　　خود فرود آمد بسوے پائیگاہ

چوں بدید آں عالم الاسرار را　　بر دو پا استاد استغفار را

بر سر خاکستر اندہ نشست　　وز بہانہ شاخ تا شاخے نجست

ربنا انا ظلمنا گفت و بس　　چونکہ جانداراں بدید از پیش و پس

دیدہ جانداراں نہاں ہمچو جاں　　دور باش ہر یکے تا آسماں

کہ ہلا پیش سلیماں مور باش　　تا نہ بشگافد ترا ایں دور باش

جز مقام راستی یکدم مایست
هیچ لا الا مر در را چوں چشم نیست

کور اگر از پند پالوده شود
هر دمے او باز آلوده شود

آدما تو نیستی کور از نظر
لیک اذا جاء القضاء عمی البصر

عمرها باید بنا در گاه گاه
تا که بینا از قضا افتد بچاه

کور را خود ایں قضا همراه اوست
که مرا او را اوفتادن طبع و خوست

در حدث افتد نداند بوئے چیست
از من است ایں بوئے یا آلودگی ست

ور کسے بروے کند مشکے نثار
هم ز خود داند نه از احسان یار

پس دو چشم روشن صاحب نظر
بهتر از صد مادر است و صد پدر

خاصه چشم دل که آں هفتاد توست
پیش چشم حس کی خوشه چیں اوست

اے دریغا رهزناں بنشسته اند
صد گره زیر زبانم بسته اند

پائے بسته چوں رود خوش راهوار
بس گراں بندیست ایں معذور دار

ایں سخن اشکسته می آید دلا
کایں سخن در است و غیرت آسیا

در اگرچه خرد و اشکسته شود
توتیائے دیدهٔ خسته شود

اے در از اشکست خود بر سر مزن
کز شکستن روشنی خواهی شدن

همچنیں اشکسته بسته گفتنی است
حق کند آخر درستش کو غنی است

گندم ار بشکست و از هم در شکست
بر دکاں آمد که تک ناں درست

تو هم اے عاشق چو جرمت گشت فاش
آب و روغن ترک کن اشکسته باش

آنکه فرزندان خاص آدمند
نفخهٔ انا ظلمنا می دمند

حاجت خود عرض کن حجت مجو — ہمچو ابلیس لعین سخت رو

سخت روئے گرد او شد عیب پوش — در ستیز و سخت روئے تو بکوش

آں ابوجہل از پیمبرؐ معجزے — خواست ہمچوں کینہ ور ترک غزے

معجزہ جست از نبیؐ بوجہل سگ — دیدہ نفزود ش ازاں الا کہ شک

لیک آں صدیق حق معجز نخواست — گفت ایں رو خود نگوید غیر راست

کے رسد ہمچوں توئی را کز منی — امتحاں ہمچو من یارے کنی

معشوقہ نے اسکے جواب کیلئے تکلم شروع کیا اور کہا کہ ہماری طرف دن ہے اور تیری طرف رات۔ یعنی ہم پر نور بصیرت سے حقیقت منکشف ہے اور تو اپنی ظلمت قلب کے سبب اس ہمارے ادراک کا ادراک نہیں کر سکتا۔ پس تو اہل بصیرت کے سامنے اپنی برارت کیلئے تاریک عذر کیوں پیش کرتا ہے۔ تیرے دل میں جو جو مکر اور راز ہیں ہم پر سب روز روشن کی طرح ظاہر ہیں اگر ہم انکو بندہ پروری سے چھپا دیں اور تجھپر انکا اظہار نہ کریں تو تو کیوں اسقدر بے شرمی اختیار کرتا ہی اور کیوں بیہودہ عذر کرتا ہے۔ تجھے اپنے باپ آدم علیہ السّلام سے سبق لینا چاہیئے۔ کہ وہ گناہ کرکے عجز و انکسار پر اُتر آئے۔ اور جبکہ انھوں نے حق سبحانہ کی عظمت و جلال پر نظر کی تو فوراً استغفار کیلئے کھڑے ہو گئے۔ اور غم کی بھوبل پر بیٹھ گئے۔ اور بہانہ کیلئے ایک ٹہنی سے دوسری ٹہنی پر نہیں گئے۔ یعنی عذر ہائے بیہودہ نہیں کئے اور جبکہ انھوں نے ملائکہ کو دیکھا جو کہ بوجہ طاعت و معرفت حق کے کامل جاندار کہلانے کے مستحق ہیں تو انھوں نے صرف ربنا ظلمنا انفسنا وان لم تغفر لنا وترحمنا لنکونن من الخاسرین فرمایا۔ اور کوئی عذر نہیں کیا۔ یعنی انھوں نے ان ذوی الارواح کو جو کہ جان کی طرح مخفی ہیں اس حال میں دیکھا کہ وہ آسمان تک اونچے نیزے لئے ہوئے ہیں اور کہتے ہیں کہ خبردار سلیمان (حق سبحانہ) کے سامنے چیونٹی (عاجز متمسکن) ہو تاکہ یہ نیزے تجھیں نہ چھید دیں خلاصہ یہ کہ انھوں نے دیکھا کہ فرشتے عظمت حق کو بزبان حال یا بزبان قال ظاہر کر رہے ہیں اور بصورت عدم عجز و تمسکن سزا کی دہمکی دے رہے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ سوائے

محل راستی کے اور کہیں مت کھڑے ہو۔ اور صرف راستی اختیار کرو۔ اور کجرو نہ بنو اور چشم حق بین سے کام لو۔ کیونکہ انسان کا خادم آنکھ کی برابر کوئی نہیں۔ یہ بڑے کام کی چیز ہے دیکھو اندھا چونکہ آنکھیں نہیں رکھتا اسلیئے اگر وہ نصیحت سے کبھی صاف بھی ہو جاتا ہے تو پھر مسخ جاتا ہے آپ کی چشم بصیرت بحمد اللہ صحیح و سالم ہے اور آپ اندھے نہیں ہیں اسلیئے آپکو آنکھ سے کام لینا چاہیئے اور تذلل و تمسکن اختیار کرنا چاہیئے رہی یہ بات کہ جب آپکی چشم حق بین صحیح و سالم ہے تو پھر آپ سے لغزش کیوں ہوئی اسکا جواب یہ ہے کہ قضاء الٰہی کی مزاحمت نہیں کیجا سکتی۔ اسلیئے جب حکم خداوندی کسی امر کی نسبت ہوتا ہے تو آنکھ اپنا کام نہیں کرسکتی۔ پس چونکہ خدا کو یہی منظور تھا جسمیں بہت سی مصلحتیں تھیں اسلیئے ایسا ہو گیا۔ اسکے لیئے تو بہت بڑے زمانہ کی ضرورت ہے کہ اتفاقاً بینا آدمی کوئیں میں گر پڑے مگر اندھے کے یہ قضا ساتھ رہتی ہے اور وہ گرنے کیلیئے ہر وقت تیار رہتا ہے کیونکہ اُسکی تو سرشت اور خصلت ہی اسطرح کی واقع ہوئی ہے۔ ایک بات اندھے میں اور ہوتی ہے وہ یہ کہ اگر وہ پاخانہ یعنی گندگی معصیت میں گرتا ہے تو اُسے معلوم نہیں ہوتا کہ یہ کس چیز کی بو ہے۔ میری ہے یا اُسکا منشا ر پاخانہ یعنی کوئی امر خارجی ہے۔ اور اگر کوئی اس پر مشک نثار کرتا ہے یعنی عمدہ حالات اُسکے اندر پیدا کرتا ہے تو سمجھتا ہے کہ یہ بو میری ہی ہے اور یار کا احسان نہیں سمجھتا یعنی برائیونکو تو اپنی طرف منسوب کرنے میں اسے تردد ہوتا ہے مگر بھلائی کو اپنی ہی طرف منسوب کرتا ہے پس اس بیان سے معلوم ہوا کہ صاحب نظر کی دو روشن آنکھیں سو ماں باپ سے بہتر ہیں کیونکہ انکی بدولت وہ آلودگی سے محفوظ رہ سکتا ہے۔ مگر ماں باپ اسے نہیں بچا سکتے بالخصوص چشم قلب جو کہ اس چشم حس کے مقابلہ میں جو چشم قلب کی خوشہ چین ہے ستر گونہ بڑھی ہوئی ہے وہ تو بالاولیٰ سو ماں باپ (واعظوں اور نصیحت گردوں) سے بڑھی ہوئی ہوگی۔ ہائے افسوس ڈکیت (نااہل) بیٹھے ہوئے ہیں جنھوں نے میری زبان بند کر دی ہے کہ میں انکی حضرت کے خوف سے زیادہ نہیں کہہ سکتا۔ تم سمجھو تو سہی جسکے پاؤں میں سے بندھے ہوں وہ عمدہ چال کیونکر چل سکتا ہے پس میری بیڑی نہایت زبردست ہے۔ میں کیونکر چل سکتا ہوں اسلیئے مجھے معذور رکھو۔ اے دل یہ بات ناقص اور ٹوٹی پھوٹی ہے اور وجہ یہ ہے کہ یہ بات ایک موتی ہے اور غیرت حق چلکی۔ وہ اسکو سیپ میں دیتی ہے تاکہ نااہلوں تک نہ پہونچے۔ لیکن یہ ٹوٹی پھوٹی

بات بھی فائدہ سے خالی نہیں۔ دیکھو اگر موتی ٹوٹتا بھی ہے تب بھی مریض کی آنکھ کا سرمہ بنتا ہی ہے پس اے شکستہ موتی تو اپنی شکست سے سر نہ پیٹ کیونکہ اسوقت تو آنکھ کی روشنی بنے گا پس یوں ہی یہ ٹوٹی پھوٹی بات بھی جو کہ پورا مطلب نہیں ادا کرتی کہنے کے قابل ہے کیونکہ حق سبحانہ غنی ہیں اُن کے نزدیک کسی ٹوٹی پھوٹی بات کو کامل کر دینا کوئی بڑی بات نہیں۔ وہ اسکو ٹھیک کر دینگے۔ اور وہ ہی کام دینگے جو کامل اور پوری بات دیتی۔ دیکھو گیہوں اگر ٹوٹ جاوے اور چور چور ہو جاوے تو کچھ نقصان نہیں ہوتا۔ کیونکہ دوکان پر آیا اور روٹی بنا۔ پس اے عاشق جبکہ تیرا جرم ظاہر ہو چکا تو تو فضول مت بک اور شکستگی اور عجز وانکسار اختیار کر۔ کیونکہ جو آدم علیہ السلام کے خاص بیٹے ہیں وہ اپنے قصور ربنا ظلمنا کا شور مچاتے ہیں اور اپنے قصور کا اعتراف کرتے ہیں اچھا تو اپنا مطلب کہہ اور یوں جھگڑ مت جیسے بیحیا ابلیس نے مناظرہ شروع کر دیا تھا اگر اُسکی بیحیائی نے اسکے زعم میں اسکے عیب کو چھپا لیا تو چھپائے مگر تو عناداً اور بیحیائی کی کوشش نہ کر دیکھو ابوجہل نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یوں معاندانہ معجزہ کی درخواست کی تھی جیسے کوئی کینہ ور ترک غزہو (غز ایک قسم ہے ترکوں کی) اور اُس کتے ابوجہل نے پیمبر صلے اللہ علیہ وسلم سے معجزہ چاہا تھا اور اس نے دیکھ بھی لیا۔ مگر اس سے اسے کچھ فائدہ نہوا بجز اسکے کہ اور شک بڑھا لیکن صدیق حق نے کوئی معجزہ نہیں چاہا بلکہ یہ کہا کہ جھوٹے کی صورت ایسی نہیں ہوتی پس تجھ سے عی عشق کو کب حق حاصل ہے کہ تکبر سے مجھسے دوست اور محبوب کا امتحان کرے۔

شرح شبیری

معشوق کا عاشق کے عذر اور اسکی تلبیس کو رد کرنا،

در جوابش بر کشاد آں ماہ لب　　کہ سوئے ما روز و سوئے تست شب

یعنی اُس عاشق کے جواب میں اُس ماہ نے لب کھولے کہ ہماری طرف تو روز ہے اور تیری طرف شب ہے مطلب یہ کہ میرے پاس حیلہ اور تدبیر سے کام نہیں چلتا تو تدابیر باطلہ کرتا ہے۔ مگر ان سکو مردود سمجھتی ہوں اور میرے آگے یہ سب مکر و فریب کھلم کھلا معلوم ہو رہا ہے۔

حیلہ ہائے تیرہ اندر داوری　　پیش بینایاں چرا می آوری

یعنی تاریک حیلے معاملہ میں بینا لوگوں کے سامنے تو کیوں لا رہا ہے۔

ہر چہ در دل داری از مکر و رموز　　پیش ما رسوا و پیدا ہمچو روز

یعنی تو جو کچھ مکر اور رموز دل میں رکھتا ہے وہ سب ہمارے نزدیک دن کی طرح ظاہر ہیں۔

گر بپوشیمش ز بندہ پروری　　تو چرا بیروئی از حد می بری

یعنی اگر ہم اسکو بندہ پروری کی بنا پر چھپائیں تو تو کیوں بے شرمی کو حد سے لیجاتا ہے یعنی اب جو ہم نے اسکو پوشیدہ کر لیا ہے تو مکر و فریب کر کے اب تو کیوں بے شرم اور بیحیا بنتا ہے۔

از پدر آموز کادم در گناہ　　خوش فرود آمد بسوئے پایگاہ

یعنی باپ سے سیکھ کہ آدم گناہ میں تواضع کیطرف بالکل اتر آئے یعنی دیکھو انھوں نے کس طرح جرم کا اقرار کر لیا۔

چوں بدید آں عالم الاسرار را　　ہر دو پا استاد استغفار را

یعنی جب انھوں نے اس عالم الاسرار کو دیکھا تو دونوں پاؤں پر استغفار کیلئے کھڑے ہو گئے۔

بر سر خاکستر اندہ نشست　　وز بہانہ شاخ تا شاخے نجست

یعنی غم کی خاک پر بیٹھ گئے اور بہانہ سے ایک شاخ سے دوسری شاخ تک نہ کودے یعنی انھوں نے بہانے نہیں کئے بلکہ گناہ کا اعتراف کر لیا۔ اور بیحد غمگین ہوئے۔

ربنا انا ظلمنا گفت و بس　　چونکہ جانداراں بدید از پیش و پس

یعنی صرف ربنا ظلمنا ہی کہا جبکہ آگے پیچھے سے جانداروں (ملائکہ) کو دیکھا مطلب یہ کہ جب ملائکہ کو دیکھا کہ وہ کوئی حیلہ و بہانہ نہیں کرتے تو ایک تو انکی طبیعت کے اندر بہانہ نہ تھا اور پھر انکو دیکھ کر اور بھی بہانہ نہیں کیا بلکہ گناہ کا اعتراف کر لیا۔ اور ربنا ظلمنا ہی کہا جس سے اعتراف ذنب ظاہر ہے۔

دیدہ جانداران پنہاں ہمچو جان　　دورباش ہر یکے تا آسماں

یعنی جانداروں کو دیکھا جو کہ جان کی طرح پوشیدہ تھے کہ ہر ایک کی دورباش آسمان تک تھی۔

کہ ہلا پیش سلیماں ہور باش　　تا نہ بشگافد ترا ایں دورباش

یعنی کہ خبردار سلیمان کے سامنے چیونٹی رہ تاکہ تجھے یہ دورباش چیرنہ دے۔ (دورباش اُس نیزہ کو کہتے ہیں کہ جسکی دو شاخیں ہوتی ہیں۔ اور وہ بادشاہوں کی سواری کے آگے نقیب لیکر چلتا ہے اور دورباش کی آواز لگاتا ہے۔ تاکہ لوگ ہٹ جاویں اور اگر کوئی نہ ہٹے تو وہ نیزہ سے اُسکو زخمی کردیتے ہیں) مطلب یہ ہے کہ ملائکہ کی تسبیح و تہلیل اور اُنکی صفائی اس قدر تھی کہ اُنکا تہلیل و تقدیس کا نیزہ اجازت نہ دیتا تھا کہ کوئی مکر و فریب کرے اور جو وہاں مکر و فریب کرے وہ مارا جاوے تو ایک تو آدم علیہ السلام کا خود مکر و فریب سے متنفر ہونا دوسرے پھر یہ موانع تو انھوں نے بالکل مکر و فریب نہ کیا۔ بلکہ مقر ذنب ہو گئے۔ تو بس اسی طرح وہ لڑکی کہتی ہے کہ تو بھی اقرار کر لے۔ اور مکر و فریب مت کر۔ اور وہ فرشتے یوں کہتے تھے کہ۔

جز مقام راستی یکدم مایست ہیچ لالا مر دراچون چشم نیست

یعنی سوائے مقام راستی کے اور کہیں مت کھڑے ہو۔ (کیونکہ) انسان کیلئے کوئی خادم آنکھ جیسا نہیں ہے۔ مطلب یہ کہ فرشتے کہتے تھے کہ اے آدم راستی ہی میں رہنا راستی کے علاوہ اور کوئی مقام بہتر نہیں ہے۔ اور تم تو خود بینا ہو اور تمھارے تو آنکھیں ہیں تو یاد رکھو کہ آنکھ سے بہتر اور خیر خواہ کوئی خادم نہیں ہے۔ اس سے کام لو اور راستی کو دیکھکر اُسکو اختیار کرو۔

کور اگر از پند پالودہ شود ہر دمے او باز آلودہ شود

یعنی اندھا اگر نصیحت سے صاف ہو جاوے تو وہ ہر دم پھر آلودہ ہو جاتا ہے اسلئے کہ اُوسے راستہ نظر ہی نہیں آتا۔ وہ کہیں سے کہیں پھر جا پڑیگا۔ اگر ایک دفعہ تم نے اُسکا ہاتھ پکڑ کر درست کر بھی دیا تو وہ پھر کسی طرف کو چل دیگا۔

آدما تو نیستی کور از نظر لیک اذا جاء القضا عمی البصر

یعنی اے آدم تم تو نظر سے کور نہیں ہو لیکن جب قضا آتی ہے تو بصر اندھی ہو جاتی ہے۔ مطلب یہ وہ فرشتے کہتے ہیں کہ اندھا تو آلودہ ہو جاتا ہے مگر اے آدم آپ تو بینا ہیں آپ راہِ راستی کو خود دیکھ لیجئے۔ اب یہاں شبہ ہوا کہ جب خود بینا ہیں تو پھر اسکی کیا وجہ ہے کہ پہلے کیوں غلطی ہوئی اور کیوں لغزش ہوئی اُسکا جواب دیتے ہیں کہ بات یہ ہے کہ بینا تو تھے لیکن قضا کے سامنے کسیکی پیش نہیں جاتی۔ چونکہ تقدیر حق اسی طرح تھی کہ یہ اس طرح کریں اور انکو اس طرح دنیا میں بھیجا جاوے

اب اس امر کا اتفاقاً ہو جانا بیان فرماتے ہیں کہ۔

عمرہا باید بنادر گاہ گاہ تاکہ بینا از قضا افتد بچاہ

یعنی بہت سی عمروں کی ضرورت ہے کہ نادراً کبھی کبھار کوئی بینا قضا کی وجہ سے کنوئیں میں گرے مطلب یہ کہ ایسا بہت ہی کم ہوتا ہے کہ کوئی بینا ہو لیکن غلبۂ قضا کی وجہ سے اس سے لغزش ہو ورنہ اکثر غلطی تو اسی وجہ سے ہوتی ہے کہ یہ شخص خود ہی اندھا ہوتا ہے آگے فرماتے ہیں کہ اس اندھے کا بھی لغزش میں پڑنا قضا ہی کی وجہ سے ہے لیکن کچھ اسکی بھی اسمیں شرکت ہوتی ہے فرماتے ہیں کہ۔

کور را خود ایں قضا ہمراہ اوست کہ مر او را او فتادن طبع و خوست

یعنی اندھے کے خود یہ قضا ہمراہ ہے کہ اسکا گرنا طبعی اور عادی ہے۔ مطلب یہ کہ اندھے کی بابت یہ بھی تو قضا میں لکھا ہے کہ یہ لغزش کریگا اور اسکی لغزش خود اسکی ہی طرف سے ہوگی۔ اور اسکی طبیعت میں داخل ہوگی۔ تو گرا تو قضا کی وجہ سے مگر خود بھی شریک رہا۔ اب آگے اس دل کے اندھے کی مثال ظاہری اندھے کی حالت سے بیان فرماتے ہیں کہ۔

در حدث افتد نداند بوئے چیست از من است ایں بوئے یا آلودگیست

یعنی ناپاکی میں گر جاتا ہے اور اسے خبر نہیں ہوتی۔ کہ کس شئے کی بو ہے اور یہ بو میرے اندر سے ہے یا (اس) آلودگی کی وجہ سے ہے۔

ور کسے بروے کند مشکے نثار ہم زخود داند نہ از احسان یار

یعنی اور اگر کوئی اسپر مشک نثار کر دے تو وہ بھی اپنے ہی اندر سے جانے نہ کہ یار کا احسان۔ مطلب یہ کہ اگر گناہوں اور نافرمانیوں میں مبتلا ہو تو اسے خبر نہو کہ میری کیا حالت ہے اور میں کس ناپاکی میں مبتلا ہوں۔ اور اگر کوئی نعمت حق تعالیٰ کیطرف سے اسپر فائض ہو تو بھی اسکو خبر نہو بلکہ ان کمالات کو اپنی طرف سے اور اپنے اندر سے سمجھیگا۔ چونکہ ظاہر ہے کہ سخت مضر ہے تو دیکھو ایک تو قضا کی وجہ سے گرا اور دوسرے اسوجہ سے کہ اسکو اسقدر غلط فہمیاں ہو رہی تھیں آگے فرماتے ہیں کہ۔

پس دو چشم روشن صاحب نظر بہتر از صد مادر ست و صد پدر

یعنی پس صاحب نظر کی دو روشن آنکھیں سیکڑوں ماؤں اور باپوں سے بہتر ہیں یعنی اس صاحب نظر کی تربیت کرنے کیلئے اور اسکو راہ راست پر لانے کیلئے اسکی یہ دونوں آنکھیں بہت مفید ہیں اور ان سے زیادہ رہنما ہیں۔

خاصہ چشم دل کہ آں ہفتاد تو است　　پیش چشم حس کہ خوشہ چین او ست

یعنی خاصکر دل کی آنکھ کہ وہ چشم حس کے سامنے جو کہ اسکی خوشہ چین ہے ستر تہیں ہیں مطلب یہ کہ جب چشم دل روشن ہو تو پھر تو کیا کہنا ہے کیونکہ وہ تو اس چشم حس سے روشنی میں کہیں زیادہ اور بڑھی ہوئی ہے۔ تو وہ تو خوب تربیت کریگی اب یہاں تک قضا کی حالت اور اس سے انسان کا مجبور ہونا بیان کیا تھا آگے اس بیان کو بند کرتے ہیں اور اسکے بند کرنے کا عذر بیان کرتے ہیں کہ۔

اے دریغا رہزنان بنشستہ اند　　صد گرہ زیر زبانم بستہ اند

یعنی افسوس ہے کہ سیکڑوں ڈاکو بیٹھے ہیں اور میری زبان کے نیچے انھوں نے سیکڑوں گرہیں لگا دی ہیں مطلب یہ کہ بہت سے لوگ ایسے ہیں کہ جو اس بیان کو سنکر جبری ہو جاویں گے اور انسان کو مجبور محض خیال کریں گے تو ایسے لوگوں نے مجھے بیان سے روک دیا ہے اور میری زبان کو بند کر دیا ہے۔ کہ میں اب زیادہ بیان نہیں کر سکتا۔ آگے فرماتے ہیں کہ۔

پای بستہ چوں رود بس راہوار　　بس گراں بندیست ایں معذور دار

یعنی پاؤں بندھا ہوا راہوار کس طرح چلے۔ یہ تو بہت بھاری قید ہے۔ تو معذور رکھو مطلب یہ کہ مجھے جو خیال آگیا ہے کہ اس سے لوگ گمراہ ہو جاویں یہ ایک ایسا خیال ہے کہ جس نے میرے قلم کے پاؤں باندھ دئے ہیں۔ تو اگر میں نہ بیان کر سکوں اور اس مضمون کو ناقص چھوڑ دوں تو مجھے معذور سمجھنا آگے اس مضمون کے ناقص ہونے ہی میں اسکی خوبی کو ایک مثال سے واضح فرماتے ہیں کہ۔

ایں سخن اشکستہ می آید دلا　　کایں سخن در ست و غیرت آسیا

یعنی اے دل یہ بات ناقص ہی آتی ہے۔ کیونکہ یہ بات تو موتی ہے اور غیرت (حق) چکی ہے۔ مطلب یہ کہ یہ بات تو موتی کی طرح ہے اور غیرت حق چکی ہے۔ جب ہم اسکو بیان کرنا چاہتے

ہیں تو غیرت حق اسکو توڑ دیتی ہے اور آگے نہیں چلنے دیتی۔ لہذا یہ ناقص ہی رہجاتا ہے لیکن یہ سمجھ لو کہ۔

دُر اگرچہ خرد و اشکستہ شود — توتیائے دیدہ خستہ شود

یعنی موتی اگر شکستہ اور ریزہ ریزہ ہو جاوے تو کسی خستہ کی آنکھ کا سرمہ ہو جاتا ہے۔ مطلب یہ کہ دیکھو موتی اگر ٹوٹتا نہیں ہے تو وہ کسی کام کا نہیں ہوتا۔ اور جب ٹوٹ جاتا ہے تو وہ سرمہ میں پڑکر آنکھ میں جگہ لیتا ہے۔ لہذا اسی طرح اس مضمون کا بھی شکستہ اور ناقص ہی رہنا مناسب ہے۔ یہ اسی حالتمیں مفید ہے اور اسی حالت میں راہنما ہے آگے اس مضمون کو خطاب کرکے فرماتے ہیں کہ۔

اے دُر از اشکست خود بر سر مزن — کز شکستن روشنی خواہی شدن

یعنی اے موتی اپنے ٹوٹنے کی وجہ سے پریشان مت ہو کہ ٹوٹنے کی وجہ سے تو روشنی ہو جاویگا۔ مطلب یہ کہ اس نقص ہی کیحالت میں تم کامل اور راہنما ہو گے۔

ہمچنیں اشکستہ بستہ گفتنی است — حق کند آخر درستش کو غنی است

یعنی اسی طرح ناقص اور بند ہا ہوا قابل کہنے کے ہے حق تعالیٰ اسکو درست کر دینگے کیونکہ وہ غنی ہیں مطلب یہ کہ اس مضمون کو اسی طرح ناقص ہی بیان کرنا چاہئے حق تعالیٰ ایک دن حال پیدا فرماویں گے تو اسوقت اسکی اصل حقیقت معلوم ہو جاویگی۔ اور حق تعالیٰ اسکو درست کرکے دکھلا دینگے آگے اور مثال بیان فرماتے ہیں کہ۔

گندم ار بشکست و ز ہم در شکست — بر دکان آمد کہ نک نان درست

یعنی گیہوں اگر ٹوٹ گیا اور ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا تو اب دکان پر آگیا کہ یہ عمدہ روٹی ہے مطلب یہ کہ دیکھو گیہوں بعد ٹوٹنے ہی کے کام آتا ہے بس ایسا ہی یہ مضمون بھی اسی طرح مفید ہے آگے اس معشوقہ کا مقولہ ہے وہ اپنے عاشق سے کہتی ہے کہ۔

تو ہم اے عاشق چو جرمت گشت فاش — آب و روغن ترک کن اشکستہ باش

یعنی اے عاشق جب تیرا جرم ظاہر ہو گیا تو تو بھی تلبیس کو چھوڑ اور شکستہ ہو جا۔ مطلب یہ کہ وہ کہتی ہے کہ اب مکر و حیلہ مت کرو کیونکہ تمھاری شرارت ظاہر ہو گئی ہے لہذا اب صاف صاف

کہدو اور مکر وحیلہ کو چھوڑ دو اور کہنے لگی کہ۔

آنکہ فرزنداں خاص آدم اند　　نوحۂ اناظلمنا می دمند

یعنی جو لوگ کہ آدمؑ کے اولاد خاص ہیں وہ اناظلمنا کا نوحہ کرتے ہیں یعنی جو لوگ کہ نیک ہیں وہ اپنی خطا کا اعتراف جلدی ہی کر لیتے ہیں۔ لہذا اے عاشق تو بھی یہ کر کہ۔

حاجت خود عرض کن حجت مجو　　ہمچو ابلیس لعین سخت رو

یعنی اپنی حاجت کو بیان کر دے اور ابلیس بیحیا کی طرح حجت مت کر۔ مطلب یہ کہ اس نے کہا کہ جو تیرے دل میں ہے اسکو صاف صاف بیان کر دے اور حجت مت کر۔

آں ابوجہل از پیمبر معجزے　　خواست ہمچوں کینہ ور ترک غزے

یعنی اس ابوجہل نے پیمبر صلے اللہ علیہ وسلم سے ایک معجزہ طلب کیا ایک ترک غز کینہ ور کی طرح۔

معجزہ جست از نبیؐ بوجہل سگ　　دید لیکن زوش ازاں الا کہ شک

یعنی ابوجہل کتے نے نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے معجزہ طلب کیا اور اس نے اسکی بصیرت نہیں بڑھائی سوائے شک کے۔

لیک آں صدیق حق معجز نخواست　　گفت ایں رو خود نگوید غیر راست

یعنی لیکن اس صدیق حق نے معجزہ نہیں مانگا اور کہا کہ یہ منہ سوائے سچ کے کچھ نہیں کہتا مطلب یہ کہ دیکھو ابوجہل نے حجت کی اور معجزہ وغیرہ طلب کیا اور انکار کیا تو آخر اسکی بصیرت میں کچھ زیادتی نہوئی بلکہ اور اندھا پن ہی زیادہ ہوا اور حضرت صدیق اکبرؓ نے جو حجت نہیں کی بلکہ بے حجت کے مان لیا اور ایمان لے آئے لہذا دیکھئے انکا درجہ کس درجہ کو پہونچا۔ اسی طرح اے عاشق تجھے بھی حیلہ وحجت نکرنی چاہیئے بلکہ صاف صاف کہدینا چاہیئے اور مولانا نے جو۔ ایں رو خود نگوید غیر راست۔ کو حضرت صدیق اکبر کا مقولہ کہا ہے اس سے کوئی یہ شبہ نکرے کہ یہ مقولہ تو حضرت عبداللہ بن سلامؓ کا ہے پھر انکا مقولہ کیسے ہو سکتا ہے تو سمجھ لو کہ یہ روایت بالمعنی کے قبیل سے ہے کہ اگرچہ حضرت صدیق اکبر نے یہ الفاظ نفرمائے مگر برتاؤ ایسا کیا جیسا کہ ان الفاظ کا قائل کرتا تو گویا کہ یہ الفاظ ہی فرمائے اس معنی کر انکا مقولہ کہدینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ آگے اسی معشوقہ کا مقولہ ہے کہتی ہے کہ۔

کے رسد ہمچوں توئی را کز منی | امتحاں ہمچو من یارے کنی

یعنی تجھ جیسے (مدعی عشق) کو یہ کب زیبا ہے کہ تکبر سے مجھ جیسے معشوقہ کا امتحان کرے مطلب یہ کہ تو جو میرا امتحان کرتا ہے اور مجھ سے حجت کرتا ہے تجھے یہ ہرگز زیبا نہیں ہے۔ لہذا صاف صاف بات کر۔

شرح حبیبی

مرتضےٰ را گفت روزے یک عنود | کو ز تعظیم خدا آگہ بنود
بر سرِ بامی و قصرے بس بلند | حفظ حق را واقفے اے ہوشمند
گفت آرے او حفیظ است و غنی | ہستی ما را ز طفلی و منی
گفت خود را اندر افگن ہیں ز بام | اعتمادے کن بحفظ حق تمام
تا یقیں گردد مرا ایقان تو | و اعتقاد خوب با برہان تو
پس امیرش گفت خامش کن برو | تا نگردد جانت زیں جرأت گرو
کے رسد مر بندہ را کو با خدا | آزمایش پیش آرد ز ابتلا
بندہ را کے زہرہ باشد کز فضول | امتحان حق کند اے کیج و گول
آں خدا را می رسد کو امتحاں | پیش آرد ہر دمے با بندگاں
تا بما ما را نماید آشکار | کہ چہ داریم از عقیدہ در سرار

ہیچ آدم گفت حق را کہ ترا　　امتحاں کردم دریں جرم وخطا

تا بہ بینم غایت حلمت شہا　　وہ کرا باشد مجال ایں کرا

عقل تو از بسکہ آمد خیرہ سر　　ہست عذرت از گناہ تو بتر

آنکہ او افراشت سقف آسماں　　تو چہ دانی کردن او را امتحاں

اے ندانستہ تو شر و خیر را　　امتحان خود را کن آنگہ غیر را

امتحاں خود چو کردی اے فلاں　　فارغ آئی ز امتحان دیگراں

چوں بدانستی کہ شکر دانۂ　　پس بدانی کاہل شکر خانۂ

پس بداں بے امتحانے کہ الٰہ　　شکرے نفرستدت ناجایگاہ

ایں بداں بے امتحان از علم شاہ　　چوں شکر نفرستدت در پایگاہ

ہیچ عاقل افگند در ثمیں　　در میان مستراح پر چمیں

زانکہ گندم را حکیم آگہے　　ہیچ نفرستد بانبار کہے

شیخ را کہ پیشوا و رہبر است　　گر مریدے امتحاں کرد او خر است

امتحانش گر کنی در راہ دیں　　ہم تو گردی ممتحن اے بے یقیں

جرأت و جہلت شود عریاں و فاش　　او برہنہ کے شود زیں افتتاش

گر بباید ذرہ سنجد کوہ را ۔ بر درد زاں کہ ترازوش ای فتی

کز قیاس خود ترازو می تند ۔ مرد حق را در ترازو می کند

چوں نگنجد او بمیزان خرد ۔ پس ترازوے خرد را بر درد

امتحاں ہمچوں تصرف داں درو ۔ تو تصرف بر چناں شاہی مجو

چوں تصرف کرد خواہد نقشہا ۔ بر چناں نقاش بہر ابتلا

امتحانے گر بدانست و بدید ۔ نے کہ ہم نقاش آں بر وے کشید

چہ قدر باشد خود ایں صورت کہ بست ۔ پیش صورتہا کہ در علم ویست

وسوسہ ایں امتحاں چوں آمدت ۔ بخت بد داں کامد و گردن زدت

چوں چنیں وسواس دیدی زود زود ۔ با خدا گرد و درآ اندر سجود

سجدہ گہ را تر کن از اشک رواں ۔ کاے خدایا وارہانم زیں گماں

آں زماں کت امتحاں مطلوب شد ۔ مسجد دین تو پر خروب شد

ہیں چو وسواس آمدت در امتحاں ۔ باز گرد و روبحق آر آں زماں

تا نگہدارد ترا آں ممتحن ۔ از گمان و امتحاں انس و جن

اے ضیاء الحق حسام الدین بیا ۔ قصۂ داؤد برگو و بنا

محبوبہ نے کہا تھا "کے رسد ہمچوں تو ے را کز منی + امتحاں ہمچو من یارے کنی"۔ اسپر مولانا مضمون ارشادی بیان فرماتے ہیں جسکا حاصل یہ ہے کہ آدمی کو خود اپنا امتحاں کرنا چاہیے نہ کہ

کسی اور کا کیونکہ یہ نہایت بُری بات ہے۔ اور برائی کی مقدار ممتحن اور ممتحن کے مراتب کے لحاظ سے ہے چنانچہ حق سبحانہ کا امتحان نہایت مذموم ہے۔ اور شیخ کا امتحان اس سے کم۔ وغیرہ وغیرہ یہ حاصل تھا اب تفصیل سنو حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے کسی معاند اور مخالف نے جو کہ عظمت خداوندی سے واقف نہ تھا۔ ایک نہایت عالیشان مکان کی چھت پر یہ سوال کیا۔ کہ میں خدا کے حافظ ہونیکو نہیں مانتا مگر آپ اُسکے حافظ ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں تو کیا آپ اُسکو دل سے ایسا جانتے ہیں یا محض آپکا زبانی دعویٰ ہے۔ اور دل سے آپ بھی نہیں مانتے۔ انھوں نے فرمایا کہ ہاں ہم تصدیق کرتے ہیں کہ وہ غنی ہے اور باوجود غنی ہونے کے بچپن اور وقت وجود سے ہماری ہستی کا محافظ ہے۔ اس نے کہا اچھا تو آپ اپنے کو کوٹھے سے گرا دیجئے اور خدا کی حفاظت پر کامل بھروسہ رکھئے۔ تاکہ مجھے معلوم ہو جاوے کہ آپ واقعہ میں اسکا یقین رکھتے ہیں اور آپ لوگوں کا محض زبانی دعویٰ نہیں ہے۔ اور مجھے آپکا عمدہ اور مدلل اعتقاد متیقن ہو جاوے اور اس سے مجھے معلوم ہو جاوے کہ خدا حافظ ہے کیونکہ اب تک تو میں یہ سمجھتا ہوں کہ خود آپ لوگ بھی خدا کو حافظ نہیں جانتے۔ بلکہ یہ آپ لوگوں کا اختراع ہے اور جبکہ آپ گرینگے تو مجھے معلوم ہو جاویگا کہ آپ لوگ دل سے اسکے معتقد ہیں اور اس سے میں سمجھ لونگا کہ خدا حافظ ہے۔ گو یہ علم موجب یقین نہ ہو سکے مگر موجب طمانیت ضرور ہوگا۔ کیونکہ اس سے اتنا معلوم ہوگا کہ آپ کے اس اعتقاد کا کوئی منشا ہے جو کہ معمولی نہیں ہے نیز آپ کے گرنے کے بعد دو حالتیں ہونگی یا تو آپ محفوظ رہیں گے یا نہ رہیں اگر آپ محفوظ رہے تو میں سمجھ لونگا کہ آپکا دعویٰ سچا ہے اور اگر محفوظ نہ رہے تو سمجھونگا کہ جھوٹا ہے یہ تقریر تھی اعتراض کی اب سمجھو کہ اس سوال میں دو احتمال ہیں یا تو مقصود یہ ہو کہ حضرت علی کو اُبھار کر کوٹھے سے گرا دیا جاوے۔ تاکہ اُنکا خاتمہ ہو جاوے۔ اور یہ اسکی ملمع کاری ہو۔ دوسرا یہ کہ اس سے تحقیق حق مقصود ہو بہر صورت اسکے دو جواب ہیں ایک عام دوسرا خاص خاص جواب تو یہ ہے کہ اولاً خدا کا حافظ ہونا یا اسکے حافظ ہونیکا ہمارا معتقد ہونا۔ اسکو مستلزم نہیں کہ ہم کوٹھے سے گریں کیونکہ ہم سے اُسکا وعدہ نہیں کیا گیا کہ تم کوٹھے سے گروگے تو ہم بچالیں گے بلکہ ایسا کرنے کی ممانعت کیگئی ہے۔ نیز اُسکے حفیظ ہونے کے یہ معنی بھی نہیں کہ وہ ہر حالت میں حفاظت کرتا ہے اور کبھی ہلاک ہونے ہی نہیں دیتا۔ اس جواب کے اندر دو احتمال ہیں یا تو

خود امیر المومنین ہی نے غیر ضروری سمجھا ہو اور جواب عام کو کافی سمجھا ہو۔ یا یہ کہ مولانا نے غیر متعلق بالمقام سمجھکر ترک کر دیا ہو۔ عام جواب یہ ہے کہ میرے گرانے اور میرے اعتقاد کے جانچنے سے تمھارا مقصود خدا کا امتحان کرنا ہے۔ کہ وہ حافظ ہے یا نہیں۔ اور خدا کی امتحان کا تمکو کوئی حق نہیں اس جواب کو مولانا بیان فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ امیر المومنین نے فرمایا کہ چپ رہ اور جا ایسا نہو کہ اس گستاخی کی سزا میں تیری جان محبوس قہر الٰہی ہو جاوے تو خدا کا امتحان لیتا ہے بندہ کو کیا حق ہے کہ امتحان کیلئے کوئی صورت امتحان خدا کے سامنے پیش کرے۔ اور او بیوقوف احمق بندہ کی کیا طاقت ہے کہ بیہودگی سے خدا کا امتحان کرے ہاں خدا کو حق حاصل ہے کہ ہر وقت امتحان کی ایک نئی صورت بندہ کے سامنے پیش کرے نہ اسلئے کہ خود کوئی علم غیر حاصل حاصل کرے بلکہ اسلئے کہ ہم پر ظاہر ہو جاوے کہ ہمارا مخفی عقیدہ اُسکی نسبت کیا ہے۔ تو غور تو کر کہ جب آدم علیہ السلام سے لغزش ہوئی اور اسپر وہ معتوب بعتاب شفقت ہوئے تو کیا اسوقت اونھوں نے یہ کیا تھا کہ میں نے اس قصور سے آپکا امتحان کیا تھا کہ مجھے معلوم ہو جاوے۔ کہ آپ کس درجہ حلیم ہیں تو بہ توبہ کسکی مجال ہے کہ ایسا کرے تیری عقل نہایت مختل ہے اور تیرا عذر امتحان جرم گستاخی سے بدتر ہے۔ بھلا جس نے اپنے کمال علم و حکمت و قدرت سے سقف آسمان کو بلند کیا ہے۔ اسکے امتحان کرنے کا تجھے کیا سلیقہ۔ اب یہاں سے مولانا انتقال فرماتے ہیں اور خطاب کو عام کر کے کہتے ہیں کہ اے مخاطب جاہل جو کہ نہایت قلیل علم رکھتا ہے اور جو کہ شر و خیر سے بخوبی واقف نہیں ہے پہلے اپنا امتحان کرے جب تجھے معلوم ہو جاوے کہ تجھ میں کوئی نقص نہیں جو کہ ناممکن ہے اسوقت کسی اور کا امتحان کر میں سچ کہتا ہوں کہ جب تو اپنا امتحان کریگا تو تجھے اسی سے فرصت نہ ہوگی اور دوسروں کے امتحان سے بیفکر ہو جائیگا جب تو نے اپنا امتحان کر لیا اور تجھے معلوم ہو گیا کہ میں شکر کا دانہ اور کامل ہوں تو اس سے تجھے یہ بھی معلوم ہو جائیگا کہ میں شکر خانہ اور مقام کریم میں رہنے کے قابل ہوں پس بدون امتحان کے تجھے یہ جان لینا چاہیئے کہ جب تو شکر ہے تو خدا تجھے بے جگہ نہ بھیجے گا۔ اور حق سبحانہ کے علم کامل کی بنا پر بدون امتحان کے یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ جب تو سر ہے تو وہ تجھے پاؤں کی جگہ نہ بھیجیگا کیونکہ خدا علیم و حکیم ہے۔ اور کسی عاقل کا یہ شیوہ نہیں ہے کہ وہ قیمتی موتی کو گوہ

سے بھرے ہوئے پاخانہ میں ڈالدے۔ نیز اسلئے کہ کوئی حکیم دانا گیہوں کو کبھی بھوسے کی انبار میں نہیں ڈالتا۔ پس خلاصہ یہ کہ جب تمہیں حق سبحانہ کے حسن معاملہ کو معلوم کرنا ہو تو خدا کا امتحان نکرو بلکہ خود اپنے کو دیکھ لو۔ کہ تم اچھے ہو یا نہیں۔ اگر تم اچھے ہو تو تمکو یقین رکھنا چاہئے کہ ہم سے اچھا ہی معاملہ کیا جاویگا۔ اور اگر اچھے نہیں ہو تو اچھے ہونے کی کوشش کرو۔ اب تو کہ جسطرح حق سبحانہ کا امتحان بندہ کو زیبا نہیں یوں ہی شیخ بنا لینے کے بعد شیخ کا امتحان بھی مرید کو مناسب نہیں۔ اگر کوئی مرید اپنے شیخ کا جسکو وہ اپنا پیشوا اور رہبر سمجھ چکا ہے امتحان کرے تو وہ نہایت احمق ہے۔ اگر تو دین کے رستہ میں اپنے شیخ کا امتحان کریگا تو یہ اُسکا امتحان نہوگا بلکہ اس سے خود تیرا امتحان ہو جاویگا کیونکہ اس سے تیری گستاخی اور جہالت ظاہر ہوگی اس تفتیش سے اُسکی حالت کا پتہ نہیں چل سکتا۔ کیونکہ اگر ذرہ پہاڑ کو تولنے آوے تو اس سے پہاڑ تو نہ تل سکیگا۔ ہاں اُس پہاڑ سے خود اُسکی ترازو پھٹ جاویگی۔ پس یہی حالت اس مرید کی ہے کیونکہ یہ اپنے قیاس کو ترازو بناتا ہے۔ اور ایک اللہ والے کو اس ترازو میں رکھتا ہے پس جبکہ وہ اسکی عقل کی ترازو میں نہ سما سکیگا تو لامحالہ اُسکی عقل کی ترازو پھٹ جائیگی۔ پس اے مرید تو سمجھ لے کہ شیخ کا امتحان کرنا اسپر ایک قسم کا تصرف کرنا ہے اور تجھے نہیں چاہئے کہ ایسے بادشاہ پر تصرف کرے بلکہ خود اپنے کو اسکا تختہ مشق تصرف بنانا چاہئے۔ پس جبکہ مرید کو شیخ کے امتحان کا مجاز نہیں۔ تو مخلوقات امتحان کیلئے ایسے خالق کامل پر کیونکر تصرف کر سکیں گے جسکے تصرف سے اُنکی کوئی چیز باہر نہیں۔ چنانچہ اگر انھوں نے امتحان کی کوئی صورت تجویز کی اور سمجھی ہے یہ بھی اسی کا تصرف ہے اور یہ تصویر بھی اُسی نے بنائی ہے۔ ورنہ امتحان کرنا تو درکنار خود صورت امتحان بھی ان کے ذہن میں نہ آتی یہ تصویریں جو اس نے بنائی ہیں اور یہ مخلوقات جو اُس نے پیدا کی ہیں انکی تو اُسکی ان صورتوں کے سامنے جو اس کے علم میں ہیں اور جن پر وہ قادر ہیں کوئی بھی حقیقت نہیں بلکہ وہ تو ان سے کہیں زیادہ عمدہ صورتیں بنانے پر قادر ہے۔ پس جسکی یہ شان ہو اُسکے امتحان کا کسی کو کیا مجاز ہے۔ لہذا اگر کبھی اسکے امتحان کا وسوسہ آئے تو سمجھ لینا چاہئے کہ کھوٹے دن آگئے اور موت کا وقت آگیا۔ کیونکہ جب چیونٹی کے موت کے وقت آتے ہیں تو اسکے پر نکلتے ہیں اس سے بچنے کی صورت ہے

کہ جب بار بار یہ وسوسہ آئے تو خدا کی طرف متوجہ ہو اور سجدہ میں جاؤ۔ اور اتنا روؤ کہ سجدہ گاہ تر ہو جاوے۔ اور کہو کہ اے اللہ تو مجھے اس خیال سے نجات دے۔ یاد رکھو کہ جب تمہیں امتحان کی خواہش ہوئی اسی وقت سمجھ لینا چاہیئے کہ ہماری دین کی مسجد میں خروب گھاس پیدا ہو گیا ہے جسکی خاصیت یہ ہے کہ جس مکان میں وہ پیدا ہوتا ہے اسے ویران کر دیتا ہے یعنی تمھاری دین کی بربادی کا سامان ہو گیا ہے۔ پس جبکہ تمھیں امتحان کا وسوسہ آوے فوراً توبہ کرو۔ اور حق سبحانہ کی طرف متوجہ ہو۔ تاکہ وہ مستحق امتحان تمہیں اس وسوسہ ذریہ شیاطین انس وجن کے اس امتحان سے بچا وے جنمیں تم مبتلا ہو گئے ہو۔ یا آئندہ مبتلا ہونیکا اندیشہ ہے کیونکہ یہ وسوسہ بھی شیطانی ہے۔ جو کہ خود بھی امتحان ہے اور دروازہ ہے دیگر امتحانوں کا یہ گفتگو تو ختم ہوئی۔ پس اے ضیاء الحق حسام الدین آپ تشریف لائیں اور چونکہ اوپر گیاہ خروب کا تذکرہ آگیا ہے اسلئے داؤد علیہ السلام کا قصہ اور بنائے بیت المقدس کا واقعہ بیان فرمائے جسمیں خروب کی تاثیر کا بیان ہے۔

چوں درآمد عزم داودی بہ تنگ | کہ بسازد مسجد اقصےٰ بسنگ

نیست در تقدیر ما آنکہ تو ایں | مسجد اقصےٰ برآرے اے گزیں

گفت جرمم چیست اے دانائے راز | کہ مرا گوئی کہ مسجد را مساز

گفت بے جرمے تو خونہا کردۂ | خون مظلوماں بگردن بردۂ

کہ ز آواز تو خلقے بے شمار | جاں بدادند و شدند آنرا شکار

خون بے رفت است برآواز تو | بر صدائے خوب جان پرداز تو

گفت مغلوب تو بودم مست تو | دست من بربستہ بود از دست تو

نے کہ ہر مغلوب شد مرحوم بود | نے کہ المغلوب کالمعدوم بود

گفت اے مغلوب معدومیت کو — جز بہ نسبت نیست معدوم الفتو

اینچنیں معدوم کو از خویش رفت — بہترین ہستہا افتاد زفت

او بہ نسبت با صفات حق فناست — در حقیقت در فنا او را بقاست

جملہ ارواح در تدبیر اوست — جملہ اشباح ہم تاثیر اوست

آنکہ او مغلوب اندر لطف ماست — نیست مضطر بلکہ مختار ولاست

منتہائے اختیار آنست خود — کاختیارش گردد اینجا مفتقد

اختیارش گر نبودی چاشنی — کے بگشتے آخر او محو از منی

در جہاں گر لقمہ و گر شربت است — لذت او فرع محو لذت است

گرچہ از لذات بے تاثیر شد — لذتے بود او و لذت گیر شد

ہر کہ او مغلوب شد مرحوم گشت — در بحار رحمتش معدوم گشت

نے چناں معدوم کز اہل وجود — ہیچ بروے چیرہ اندر گاہ جود

بلکہ وائے گشت موجودات را — بے گمان و بے نفاق و بے ریا

بے مثال و بے مکاں و بے نشاں — بے زبان و بے چنین و بے چناں

بے شکال و بے سوال و بے جواب — دم مزن واللہ اعلم بالصواب

جبکہ داؤد علیہ السلام مسجد اقصےٰ بناتے بناتے دق ہو گئے اور وہ ہر دفعہ گر پڑتی تھی تو آپ نے سوچا کہ اب کے پختہ اور پتھر کی بنانی چاہیئے۔ اسوقت حق سبحانہ کی طرف سے وحی آئی۔ کہ

آپ اس خیال کو چھوڑ دیجئے۔ اسلئے کہ یہ عمارت تمھاری ہاتھ سے نہ بن سکے گی۔ کیونکہ ہمنے یہ امر مقدر بھی نہیں کیا۔ کہ یہ مکان تمھارے ہاتھ سے بنجاوے۔ اسپر انھوں نے عرض کیا کہ میرا کیا قصور ہے جو میں اس شرف سے محروم کیا جاتا ہوں۔ اور مجھسے کہا جاتا ہی کہ تو مسجد نہ بنا۔ اسپر حکم ہوا کہ تم نے بے قصور بہت سے خون کئے ہیں اور ان مظلوموں کا خون اپنی گردن پر لیا ہے۔ اور وجہ اسکی یہ ہے کہ بہت سی مخلوق نے تمھاری آواز سے جان دیدی ہے اور وہ اسکا شکار ہوگئی ہے۔ اور تمھاری آواز اور تمھاری جان لیوا صدا کے سبب بہت سے خون ہوئے ہیں اوھوں نے معذرت کی کہ میں تو آپکا مغلوب اور آپکا مست تھا اور میرا اختیار آپ کے اختیار سے وابستہ تھا اور جو کوئی آپکا مغلوب ہو اُسکو مرحوم ہونا چاہیئے نہ کہ مقہور کیونکہ مغلوب تو بمنزلہ معدوم کے ہے میری فہم ناقص تو یہی حکم کرتی ہے اب آپ میری غلطی کو ظاہر فرمادیں اسپر حکم ہوا کہ تم مغلوب ضرور ہو۔ مگر معدوم یا مثل معدوم نہیں ہو کہ تمھارے افعال قابل تعرض ہی نہ رہیں تم کو ایسی بات نہ کہنی چاہیئے کیونکہ تمھاری معدومیت اضافی ہے نہ کہ حقیقی اور ایسا معدوم جو اپنے کو مرضیات حق میں فنا کرچکا ہو حقیقی معدوم کہلانے کا مستحق نہیں بلکہ وہ تو دیگر موجودات میں بہتر اور اعلی درجہ کا موجود ہے اور دیگر موجودات اسکے مقابلہ میں معدوم ہیں۔ پس جبکہ دیگر موجودات کے افعال قابل تعرض ہیں تو تم اپنے کو معدوم بتا کر کیسے بری الذمہ ہوتے ہو۔ سنو وہ معدوم جو خودی کو فنا کرچکا ہے گو ہمارے صفات کے مقابلہ میں معدوم ہے لیکن حقیقت میں اسکے لئے اس فنا میں بھی ایک اعلیٰ درجہ کی بقا ہے۔ کیونکہ ارواح اُسکے زیر تصرف اور تمام اجسام اُسکے زیر قدرت ہیں (جیسا عنقریب اسکی شرح آتی ہے) اسلئے جو شخص ہمارے لطف میں مغلوب ہے وہ حقیقت میں مضطر نہیں بلکہ مختار ہے جسکو وہ اختیار ہماری دوستی سے ملا ہے اسکو وہ اضطرار سمجھتا ہے یہ اسکی غلطی ہے بلکہ یہ اسکا انتہائی اختیار ہے کہ اُسکا اختیار ہمارے اختیار میں محو ہوجاوے۔ اسلئے کہ پہلے تو صرف اسی کا اختیار تھا اب ہمارا اختیار بھی اسکا معاون ہوگیا۔ اور جسطرح وہ اپنے اختیار سے کام لیتا تھا۔ قریب قریب اسیطرح اب وہ ہماری اختیار سے کام لیتا ہے۔ اور یہی وہ اختیار ہے جسکی لذت نے اُسے اپنی خودی کے مٹانے پر مجبور

کیا ہے کیونکہ اگر اسے اس اختیار کی چاٹ نہ ہوتی۔ تو بھلا کہیں وہ خودی کو مٹا سکتا تھا۔ ہم نے کہا ہے کہ فنائے اختیار ہی کمال اختیار ہے۔ اور اسکی چاٹ نے اُسے فنائے اختیار پر مجبور کیا ہے۔ شاید یہ مضمون آسانی سے تمھاری سمجھ میں نہ آسکے اسلئے ہم اسکو ایک حسی مثال سے ظاہر کرتے ہیں دیکھو دنیا میں جتنی کھانے پینے کی چیزیں ہیں سب کی لذت کاملہ انکی لذت ناقصہ کے مٹا دینے پر متفرع ہے۔ اسلئے کہ لذت حسیہ کے دو درجہ ہیں ایک لذت مع الاحساس یہاں دوسری وہ لذت جسمیں لذت کا بھی احساس نہ رہے۔ لذت اول ناقصہ ہے اور لذت ثانیہ کاملہ جسکو مولانا نے محو لذت سے تعبیر فرمایا ہے۔ اور لذت ثانیہ اسی وقت حاصل ہوتی ہے جبکہ پہلی قسم کی لذت نہ رہے پس جبکہ وہ لذات ناقصہ کو فنا کرتا ہے تو اگرچہ وہ لذات ناقصہ سے غیر متاثر ہوتا ہے مگر اس سے یہی اسے لذت حاصل ہوتی اور مزہ ملتا ہے۔ اور اسی مزہ کے حاصل کرنے کیلئے وہ لذات ناقصہ کو فنا کرتا ہے۔ اب دونوں باتیں آسانی سے سمجھ میں آسکتی ہیں۔ یہ بھی کہ فنائے اختیار اختیار کامل ہے۔ اور یہ بھی کہ وہ اختیار کامل ہی کے لذات کیلئے اختیار ناقص کو فنا کرتا ہے یہ سچ ہے کہ جو شخص مغلوب حق ہو جاتا ہے مرحوم ہو جاتا ہے۔ اور اسکے بحار رحمت میں فنا ہو جاتا ہے لیکن وہ ایسا معدوم نہیں ہوتا۔ کہ کوئی موجود غیر فانی تصرف میں اسپر غالب آجائے بلکہ یہ شخص ایک اعتبار سے تمام موجودات پر حاکم ہوتا ہے کیونکہ موجودات کے حاکم حقیقی کیساتھ اسے اتحاد عرفی ہوتا ہے اور وہ لو اقسم علی اللہ لابرہ کا مصداق ہو جاتا ہے اسلئے اُسکی یہ حالت ہو جاتی ہے جیسے وہ خود حاکم ہو اور اسوقت اُسکی یہ حالت ہوتی ہے کہ نہ اسے شک ہوتا ہے نہ اسمیں نفاق ہوتا ہے اور نہ ریا ہوتی ہے اور صفات ربانیہ کے غلبہ سے اُسکی یہ حالت ہوتی ہے جیسے بے مثال اور بے مکان اور بے نشان اور بے زبان اور بے کیف ہو نہ اسکو کوئی اشکال ہوتا ہے اور نہ سوال وجواب کی ضرورت ہوتی ہے۔ کیونکہ اسپر حقائق مکشوف ہوتے ہیں۔ اور یہ نفی اشکال وسوال وجواب اضافی ہے ورنہ خود حضرت داؤد کو ہی اشکال ہوا اور سوال و جواب کی ضرورت ہوئی۔ اچھا اب خاموش رہو۔ ہم جسقدر سمجھے تھے وہ بیان کر دیا اور امر صواب کو خدا ہی خوب جانتا ہے۔

اس مقام پر بعض امور تحقیق طلب ہیں اسلئے انکی تحقیق کیجاتی ہے۔ اول یہ کہ مغلوبیۃ اور فنائے
اختیار سے کیا مراد ہے۔ سو اسکا مطلب اختیار عبد کا غالب احوال میں مرضی حق سبحانہ کے تابع
ہو جانا ہے نہ کہ اسکا فی نفسہ معدوم ہو جانا اور نہ تمام احوال میں اسکا تابع ہونا۔ کیونکہ پہلی صورت
میں جبر لازم آئیگا اور دوسری صورت میں لازم ہوگا کہ اہل اللہ سے لغزش ہی نہو۔ وکلاھما
باطل۔ دوسرے مقام ارواح و اجسام پر حکومت۔ اور ان میں تصرف اور ان کے زیر تدبیر و
قدرت اللہ داخل ہونے سے کیا مراد ہے۔ سو اسکے یہ معنی تو نہیں ہو سکتے کہ وہ حقیقۃً تمام ارواح
و اجسام میں اپنے اختیار سے تصرف کرتے ہیں کیونکہ یہ شرک جلی ہے۔ بلکہ معنی یہ ہیں کہ ان کا
اختیار گو فی نفسہ اختیار محدود اور متناہی اور دیگر انسانوں کے مماثل ہوتا ہے۔ لیکن اختیار الٰہی
انکا معاون ہو جاتا ہے۔ اور جس چیز کو وہ چاہتے ہیں بشرطیکہ کسی حکمت الٰہیہ کے معارض نہو
وہ شے انکے چاہنے اور اپنے اختیار ناقص کو کام میں لانے سے باختیار خداوندی وجود میں
آجاتی ہے جیسے شق قمر کا یہ کام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتی قدرت سے باہر تھا ہاں اسقدر
انکے اختیار میں تھا کہ وہ اس فعل کو چاہیں اور اپنے اختیار کو جسقدر بھی ہے کام میں لائیں۔
چنانچہ آپ کے اختیار میں اتنا تھا کہ آپ اسے حکم کریں اسلئے آپنے انگلی کے اشارہ سے حکم کیا
اور قدرت الٰہیہ نے اسکی تکمیل کردی۔ اور اسکے دو ٹکڑے ہوگئے۔ اس بنا پر اگر مجازاً یوں کہا
جاوے کہ چاند آپ کے اختیار میں ہے اور آپ کے تحت و تصرف میں ہے وغیرہ وغیرہ تو بتاویل
مذکور بجا ہے۔ اسی مضمون کو مولانا نے دفتر ثالث میں ما رمیت اذ رمیت کی شرح میں
بذیل سرخی جمع و تفریق میان نفی و اثبات یک چیز از روئے نسبت و اختلاف جہت واضح
طور پر بیان کیا ہے۔ چنانچہ فرمایا ہے ما رمیت اذ رمیت از نسبت است + نفی اثبات است
ہر دو مثبت است + آن تو افگندی چو بر دست تو بود + تو نیفگندی کہ قوت حق نمود + زور آدم زادہ
را حدے بود + مشت خاک اشکست لشکر کے شود + مشت مشت تست افگندن زماست + زین
دو نسبت نفی و اثباتش رواست + تیسری بات یہ ہے کہ لوگوں کا نہ مرنا حضرت داؤد علیہ السلام
کے اختیار میں تھا پھر ان کے مرجانے پر آپکو عتاب کیوں ہوا۔ اسکا جواب یہ ہے کہ اہل اللہ جو حال
اپنے اوپر طاری کرنا چاہیں کر سکتے ہیں اسلئے انکو چاہیئے تھا کہ عوام کے مجمع میں اپنا اوپر

ایسا حال طاری نکرتے۔ جسکے پرتو کے قلوب عوام متحمل نہیں ہو سکتے تاکہ وہ ہلاکت سے بچ جاتے۔ لیکن انکو اس طرف التفات نہوا۔ اور وہ ہلاک ہوگئے۔ اسلئے تنبیہ فرمائی گئی ہے تاکہ اس امر کا لحاظ رکھیں۔

شرح شبیری

ایک یہودی کا علی رضہ سے کہنا کہ اگر حفاظت حق پر اعتماد ہے تو اس کھڑکی ہی سے گر پڑو۔ اور حضرت علی رضہ کا اسکو جواب دینا

مرتضیٰ را گفت روزے یک عنود کو ز تعظیم خدا آگہ نبود،

یعنی مرتضیٰ رضہ کو ایکروز ایک عنود نے جو کہ خدا کی تعظیم سے آگاہ نہیں تھا کہا کہ

بر سر بامی و قصرے بس بلند حفظ حق را واقفی اے ہوشمند

یعنی اے عاقل ایک بہت اونچے کوٹھے اور محل کے اوپر تم حفاظت حق کے معتقد ہو؟

گفت آرے او حفیظ است و غنی ہستئ ما را ز طفلی و منی

یعنی حضرت علی رضہ نے فرمایا کہ ہاں وہ ہماری ہستی کا بچپن سے اور وجود کے وقت سے محافظ ہے اور غنی ہے۔

گفت خود را اندر افگن ہیں ز بام اعتمادے کن بہ حفظ حق تمام

یعنی اُس یہودی نے کہا کہ اپنے کو کوٹھے سے پھینک دو اور حفاظت حق پر پورا بھروسہ کرو۔

تا یقیں گردد مرا ایقان تو واعتقاد خوب با برہان تو

یعنی تاکہ مجھے آپ کے یقین ہونیکا اور آپ کے اچھے اور مدلل اعتقاد کا یقین ہو جاوے

پس امیرش گفت خامش کن برو تا نگردد جانت زیں جرأت گرو

یعنی پس امیر رضہ نے فرمایا کہ ارے چپکا چلا جا کہیں اس جرأت کی وجہ سے تیری جان گرو نہو جاوے اس سئے کہ۔

کے رسد مر بندہ را کو با خدا — آزمایش پیش آرد ز ابتلا

یعنی بندہ کو کب لائق ہے کہ خدا کی ساتھ امتحان کے طور پر آزمایش کو آگے لاوے۔

بندہ را کے زہرہ باشد کز فضول — امتحان حق کند اے گیج گول

یعنی ارے بیوقوف بندہ کی کیا مجال ہے کہ فضول حق تعالیٰ کا امتحان کرے۔

آں خدا را می رسد کو امتحاں — پیش آرد ہر دمے با بندگاں

یعنی اُس خدا کو لائق ہے کہ وہ ہر دم بندوں کے ساتھ امتحان کو سامنے لاوے۔

تا بما ما را نماید آشکار — کہ چہ داریم از عقیدہ در سرار

یعنی تاکہ ہمارے میں سے ہمکو ظاہر طور پر دکھلاوے۔ جو کہ ہم عقیدہ پوشیدگی میں رکھتے ہیں مطلب یہ کہ بندہ کی مجال نہیں ہے کہ وہ امتحان حق تعالیٰ کا کر سکے۔ بلکہ خدا کو حق ہے کہ وہ ہمارا امتحان کرے۔ اور ہماری حالت کو اس امتحان سے ہمپر ظاہر کردے۔ کہ تمھارا عقیدہ ضعیف ہے یا قوی ہے۔ اور کیا حالت ہے باقی بندونکی کیا مجال ہے اور ان کو کیا مناسب ہے کہ وہ امتحان حق کریں۔

ہیچ آدم گفت حق را کہ ترا — امتحاں کردم دریں جرم و خطا

یعنی کیا کسی آدمی نے حق تعالیٰ سے کہا ہے کہ میں نے آپکا (نعوذ باللہ) اس جرم و خطا میں امتحان کیا ہے۔

تا بہ بینم غایت حلمت شہا — وہ کرا باشد مجال ایں کرا

یعنی تاکہ اے بادشاہ میں آپ کے حلم کو دیکھوں ارے بھلا کسکو اسکی مجال ہے۔ مطلب یہ کہ بھلا کوئی آدمی خدا سے کہنے لگے کہ میں نے آپکا امتحان اسلئے کیا تھا تاکہ مجھے معلوم ہو جاوے۔ کہ آپ کسقدر حلیم ہیں تو بھلا کسطرح کسی کو اسکی مجال ہو سکتی ہے نعوذ باللہ منہ۔

عقل تو از بسکہ آمد خیرہ سر — ہست عذرت از گناہ تو بتر

یعنی تیری عقل بہت ہی خیرہ سر ہے۔ اور تیرا عذر گناہ سے بھی بدتر ہے مطلب یہ کہ اگر تم ایسا کرو اور نعوذ باللہ امتحان حق کرنے لگو تو سمجھ لو کہ تمھاری سخت بیہودگی ہے اور اگر اسکے بعد تم اسکا عذر یہ بیان کرو کہ میں نے آزمایش حلم کیلئے کیا تھا تو سمجھ لو کہ یہ عذر گناہ بدتر

از گناہ کا مضمون ہوجاویگا۔

آنکہ او افراشت سقف آسماں　　　توچہ دانی کردن اورا امتحاں

یعنی جس نے کہ آسمان کی چھت کو بلند کیا ہے تو اسکا امتحان کرنا کیا جانتے۔

اے ندانستہ تو شر و خیر را　　　امتحاں خود کن انگہ غیر را

یعنی ای وہ شخص کہ جو (اپنے) خیر و شر کو نہیں جانتا۔ تو اپنا امتحان تو کر اسوقت کسی دوسریکا امتحان کرنا۔

امتحاں خود چو کردی ای فلاں　　　فارغ آئی ز امتحانِ دیگراں

یعنی اے فلاں جب تو نے اپنا امتحان کرلیا ہے تب تو دوسرے لوگوں کے امتحان سے فارغ آویگا۔ مطلب یہ کہ پہلے اپنی حالت کی تو خبر لے لو اسکے بعد ہی کسی دوسریکا امتحان کرنا

چوں بدانستی کہ شکر دانۂ　　　پس بدانی کاہل شکر خانۂ

یعنی جب تو نے جان لیا کہ تو شکر دانہ ہے تو پھر جانے گا کہ شکر خانہ کے لوگوں میں سے ہے۔ مطلب یہ کہ جب تجھے معلوم ہوجاویگا کہ تو اچھا ہے اور جنتی ہے اسوقت تجھے کچھ کہنا زیبا ہے اور یہ معلوم ہوگا بعد مرنے کے لہذا اس سے پہلے کسی اور کا امتحان کرنا کسقدر سخت نادانی ہے جبکہ خود ہی خبر نہیں ہے کہ ہم کس حال میں ہیں اچھے یا برے۔

پس بداں بے امتحانے کہ آلہ　　　شکرے نفرستدت تا جایگاہ

یعنی بس جان لو کہ بے امتحان کے حق تعالی تمھاری جگہ پر شکر نہ بھیجیں گے۔

ایں بداں بے امتحاں از علم شاہ　　　چوں سرے نفرستدت تا پایگاہ

یعنی اسکو جان لو کہ علم شاہ میں سے بے امتحان کے کوئی بھید مقام تک نہ بھیجیں گے۔ مطلب یہ کہ بے امتحان کے حق تعالی کے علم سے تم کو کوئی سر پہونچ نہیں سکتا بلکہ ہمیشہ امتحان ہوگا

ہیچ عاقل افگند درِّ ثمیں　　　در میاں مستراح پر چمیں

یعنی کیا کوئی عاقل قیمتی موتی کو میلا بھرے ہوئے بیت الخلاء میں ڈال دے گا۔

زانکہ گندم را حکیم آگہے　　　ہیچ نفرستد با نبارِ کہے

یعنی اسلئے کہ گیہوں کو کوئی حکیم آگاہ کسی گھاس کے ڈھیر میں تو نہ بھیجے گا۔ مطلب یہ کہ دیکھو

کوئی شخص موتی کو پاخانہ میں نہیں ڈال دیتا۔ بلکہ خوب سوچ سمجھکر اور دیکھ بھال کر ڈالتا اور رکھتا ہے علی ہذا کوئی شخص گیہونکو گھاس میں نہیں پھینکدیتا۔ تو بس اسی طرح حق تعالیٰ بھی تمھارا امتحان کرینگے۔ اور بعد امتحان کے اسرار و معارف تمکو بخشیں گے لیکن تمکو کوئی حق نہیں ہے کہ حق تعالیٰ کا امتحان کرو۔ اسلئے کہ تم بندے اور وہ خدا ہے۔ اور تم اُسکو کیا شے بخشوگے جو تم امتحان کرنے بیٹھو۔ آگے فرماتے ہیں کہ۔

شیخ را کہ پیشوا و رہبر است | گر مریدے امتحان کرد او خر است

یعنی شیخ کا جو کہ پیشوا اور رہبر ہے اگر کوئی مرید امتحان کرے تو وہ گدھا ہے۔

امتحانش گر کنی در راہ دیں | ہم تو گردی ممتحن اے بے یقیں

یعنی اُس (شیخ) کا امتحان تم راہ دین میں کرو تو خود تم ہی ممتحن ہو جاؤگے۔ اے بے یقین۔ مطلب یہ کہ اگر شیخ کا امتحان مرید دین میں کرنے لگے تو خود اس مرید ہی کا امتحان ہو جاوے۔ اور اس ہی کی قلعی کھلجاوے اسلئے کہ خود ممتحن کیلئے بھی تو عالم ہونا ضروری ہے۔ اور تم ایسے ہو نہیں۔ اور اُس شیخ کے پایہ کے نہیں ہو تو آخر ذلیل و خوار ہوگے اور کیا ہوگا۔

جرأت و جہلت شود عریان و فاش | او برہنہ کے شود زیں اقتباس

یعنی جرأت اور جہل تیرا ظاہر اور فاش ہو جاویگا۔ اور وہ اس جستجو سے کب برہنہ ہوگا۔ یعنی اس امتحان سے اُسکا تو کوئی ضرر نہو گا مگر تمھارا جہل سبکو معلوم ہو ہی جاویگا۔

گر بیاید ذرہ سنجد کوہ را | بر درد زاں کہ ترازوش ای فتیٰ

یعنی اگر ذرہ آوے کہ پہاڑ کو تولے۔ تو اے جواں اُس پہاڑ سے اُس ذرہ کی ترازو ٹوٹ جاویگی کیونکہ

کز قیاس خود ترازو می تند | مرد حق را در ترازو می کند

یعنی اسلئے کہ اپنی لائق ہی ترازو بناویگا اور مرد حق کو ترازو میں کریگا۔

چوں نگنجد او بمیزان خرد | پس ترازوئے خرد را بر درد

یعنی جب وہ عقل کی ترازو میں نہ سماوے تو وہ عقل کی ترازو کو توڑ دیگا۔ مطلب یہ کہ شیخ کی امتحان کی ایسی مثال ہے کہ جیسے کوئی ذرہ ایک پہاڑ کو تولنا چاہے تو ظاہر ہے کہ جیسا خود ذرہ ہے اسی طرح کی ترازو بھی ہوگی یعنی کمزور اور لچر ہوگی تو پہاڑ اسکو ایکدم میں توڑ دیگا۔ اسیطرح مرید

جب امتحان شیخ کریگا تو اُسکا آلہ امتحان بھی ایسا ہی ہوگا۔ جیسا وہ خود ہے۔ لہٰذا اُس شیخ کے آگے اگر اُسکا آلۂ امتحان ٹوٹ پھوٹ جاویگا۔

امتحاں ہمچوں تصرف داں درو   تو تصرف برچناں شاہے مجو

یعنی امتحان مثل تصرف کے اُسمیں جانو تو تم ایسے بادشاہ پر تصرف مت ڈھونڈو۔ مطلب یہ کہ کسی کا امتحان کرنا تو اُسکے اندر تصرف کرنا ہے تو بھلا ایسے شاہ زمین و زمان پر تصرف کرنے کی جرأت کرنا سخت نالائقی ہے ایسا خیال کبھی مت کرنا۔ کیونکہ۔

چوں تصرف کرد خواہد نقشہا   برچناں نقاش بہرِ ابتلا

یعنی جب تصرف کریگا تو اُسکو بہت سے نقوش کی ایسے نقاش پر امتحان کے واسطے ضرورت ہوگی۔ مطلب یہ کہ تصرف کیلئے ضرورت ہوتی ہے اس امر کی کہ اس سے پہلے سے بہت سے نقوش ایسے ہوں جن سے اندازہ ہوسکے کہ آیا یہ امتحان میں ٹھیک ہے یا غلط ہے تو بھلا حق تعالیٰ کے امتحان کیلئے کون سے نقوش آدینگے بلکہ اصل تو یہ ہے کہ۔

امتحانے گر بدانست و بدید   نے کہ ہم نقاش آں بروے کشید

یعنی اگر کوئی امتحان اسلئے جانا ہے اور دیکھا ہے تو کیا اُسی نقاش نے اسپر نہیں بنایا۔ مطلب یہ کہ جو امتحان یہ کر رہا ہے اسکو بھی تو حق تعالیٰ ہی نے اسے بتایا ہے ورنہ اسکو کہاں خبر تھی۔ اور اگر اسکو پیدا نہ فرماتے تو یہ امتحان کے قابل ہی کہاں سے ہوتے۔ اور اگر اسکے ذہن میں امتحان کی یہ صورت نہ ڈالتے تو یہ کہاں سے اسکو پیدا کر لیتے۔ لہٰذا اسی سے اندازہ کر لو کہ۔

چہ قدر باشد خود ایں صورت کہ بست   پیش صورتہا کہ در علم ویست

یعنی اس شخص نے جو صورت باندھی ہے۔ یہ ان صورتوں کے آگے جو حق تعالیٰ کے علم میں ہیں کیا قدر رکھتی ہے۔ مطلب یہ کہ اُسکے علم کے آگے اسکا یہ خیال امتحان کیا حیثیت رکھتا ہے اُسکے علم میں ایسے ایسے غیر متناہی صورتیں ہیں اُسکے امتحان کا خیال کرنا بھی کیسی نادانی اور کیسی حماقت ہے آگے بطور نصیحت کے فرماتے ہیں کہ۔

وسوسۂ ایں امتحاں چوں آیدت   بخت بد داں کامد و گردن زدت

یعنی اس امتحان کا وسوسہ تجھے آوے تو اُسکو بدبختی سمجھو کہ اُسنے تمھاری گردن ماری ہے۔

چون چنین وسواس دیدے زود زو با خدا گردو در آ اندر سجود

یعنی جب تو ایسا وسوسہ دیکھے تو جلدی سے خدا کی طرف متوجہ ہوجا۔ اور سجدہ میں آجا۔

سجدہ گہ را ترکن از اشک رواں کاے خدایا وارہانم زین گماں

یعنی سجدہ کی جگہ کو آنسوؤں سے تر کردو۔ (اور دعا کرو) کہ اے خدا مجھے اس خیال سے بچالے۔

آن زماں کت امتحان مطلوب شد مسجد دین تو پر خروب شد

یعنی جسوقت کہ تجھے یہ امتحان مطلوب ہوا تیرے دین کی مسجد اسوقت خروب سے پر ہو گئی (خروب ایک گھاس ہے۔ وہ جہاں اوگتا ہے۔ زمین خراب کردیتا ہے) تو کہتے ہیں کہ جب تجھے ایسا خیال آیا کہ تو امتحان حق کرے تو سمجھ لے کہ تیرا دین خراب ہوگیا۔

ہیں چو وسواس آمدت در امتحاں باز گردو رو بحق آر آن زماں

یعنی ارے جب تجھے امتحان کے وسوسے آئیں تو تو حق تعالیٰ کیطرف متوجہ ہوا ور منہ حق تعالیٰ کی طرف موڑ۔

تا نگہدارد ترا آں ممتحن از گمان امتحان انس و جن

یعنی تاکہ وہ امتحان کرنے والا تجھے انسان اور جن کے وساوس امتحان سے بچائے یعنی جن اور انسان جو امتحان حق کے وسوسے ڈالتے ہیں اس سے حق تعالیٰ تمکو بچالیں ۔ اور اپنی حفاظت میں رکھیں چونکہ اوپر کہا تھا کہ اگر تم امتحان حق کروگے تو تمھارے دین کی مسجد یعنی دین پر خروب ہوجاویگا یعنی دین خراب ہوجاویگا۔ پس اس مناسبت سے آگے داؤد علیہ السلام کا مسجد اقصےٰ کو بنانے کا قصد کرنے کا اور پھر اس مسجد کا خراب ہوجانا اور اسمیں خروب کا اوگنا غرضکہ صرف اس مناسبت سے آگے اس قصہ کو اول سے بیان فرماتے ہیں اسیکو فرماتے ہیں کہ۔

اے ضیاء الحق حسام الدین بیا قصۂ داؤد بر گو و بنا

یعنی اے ضیاء الحق حسام الدین آؤ اور داؤد علیہ السلام اور تعمیر مسجد کا قصہ بیان کرو۔ مطلب یہ کہ داؤد علیہ السلام کے مسجد اقصےٰ کے بنانے کا قصہ بیان کرو کہ کس طرح وہ بنانا چاہتے تھے۔ اور وہ خراب ہوہو جاتی تھی آگے قصہ بیان فرماتے ہیں سنئے۔

مسجد اقصےٰ کا قصہ اور اسمیں خروب گئی کا اور سلیمان علیہ السلام سے پہلے داؤد علیہ السّلام کا مسجد کی بنانیکا قصد کرنا اور اُسکا موقوف رہنا

چوں درآمد عزم داؤدی بہ تنگ　　کہ بسازد مسجد اقصےٰ بہ سنگ

یعنی جب داؤد علیہ السّلام کا قصد تنگ ہوگیا۔ کہ وہ مسجد اقصےٰ کو پتھر سے بناویں۔ مطلب یہ کہ داؤد علیہ السّلام یہ قصد کرتے تھے کہ مسجد اقصےٰ کو پتھر کی عمارت سے پوری کردیں لیکن جب وہ بناتے تھے اسمیں سے کچھ نہ کچھ خراب ہوجاتا تھا۔ اور وہ پوری نہوتی تھی۔ تو وہ قصد کرتے کرتے تنگ ہوگئے اور مسجد پوری نہوئی۔

وحی کردش حق کہ ترک این بخواں　　کہ ز دستت برنیاید ایں مکاں

یعنی حق تعالیٰ نے داؤد علیہ السّلام کی طرف وحی فرمائی کہ تم اسکو چھوڑ دو کہ تمھارے ہاتھ سے یہ مکان پورا نہ ہوگا۔

نیست در تقدیر ما آنکہ تو ایں　　مسجد اقصےٰ برآری اے گزیں

یعنی اے برگزیدہ ہماری تقدیر میں یہ بات نہیں ہے۔ کہ تم اس مسجد اقصےٰ کو پورا کرو۔ مطلب یہ کہ حق تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے جو امور مقدر کر رکھے ہیں اُن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اس مسجد اقصےٰ کو تم پورا نہیں کرسکتے۔ اور یہ تمھارے ہاتھوں پوری نہوگی۔

گفت جرمم چیست اے دانائے راز　　کہ مرا گوئی کہ مسجد را مساز

یعنی داؤد علیہ السّلام نے عرض کیا کہ اے دانائے راز میری کیا خطا ہے کہ جو آپ مجھسے (تکوینًا) فرماتے ہیں کہ مسجد کو مت بنا۔ مطلب یہ کہ جب مسجد اُن کے ہاتھوں پوری نہوئی اور جب وہ بناتے تھے جب ہی کوئی خرابی اسمیں واقع ہوجاتی تھی۔ اگرچہ حق تعالیٰ نے اس سے قبل اُنکو صراحۃً ممانعت نہیں کی تھی کہ تم نہ بناؤ اور نہ اسکی اطلاع کی تھی کہ تقدیر حق میں طرح ہے کہ یہ مسجد تمھارے ہاتھوں پوری نہوگی۔ لیکن اُنکا یہ فرمانا کہ آپ مجھے منع فرماتے ہیں اس معنی کر ہے کہ آپ تکوینًا منع کررہے ہیں کہ میں بناتا ہوں اور آپ بننے نہیں دیتے تو آخر میرا کیا جرم ہے

جسکی وجہ سے یہ بات ہو رہی ہے۔ اور اب یہ معلوم ہو ہی گیا کہ میری تقدیر میں اسکو پورا کرنا ہے ہی نہیں۔ تو اسپر ارشاد ہوا کہ۔

گفت بی جرمے تو خونہا کردۂ　　خون مظلوماں بگردن بردۂ

یعنی ارشاد حق ہوا کہ تم نے بلا کسی جرم کے بہت سے خون کئے ہیں اور مظلوموں کے خون کو تم نے گردن پر لیا ہے۔

کہ ز آواز تو خلقے بے شمار　　جاں بدادند و شدند آنرا شکار

یعنی کہ تمھاری آواز سے ایک بیشمار خلقت نے جان دیدی ہے۔ اور اُس آواز کے شکار ہو گئے ہیں۔

خوں بسے رفتست بر آواز تو　　بر صدائے خوب جاں پرواز تو

یعنی تمھاری آواز پر بہت سے خون چلے ہیں تمھاری آواز خوب جان کی خالی کر دینے والی ہے۔ مطلب یہ کہ جب حضرت داؤد علیہ السلام نے عرض کیا کہ یا الٰہی میری کیا خطا ہے جو یہ مسجد میرے ہاتھوں پوری نہو گی تو اسپر ارشاد ہوا کہ تمھاری یہ خطا ہے کہ تمھاری جو آواز اچھی ہے اس سے بہت سے لوگ مرے ہیں بس اسوجہ سے تمھارے ہاتھوں یہ کام پورا نہو گا۔ مورخین نے لکھا ہے کہ جب حضرت داؤد علیہ السلام زبور کی تلاوت فرماتے تھے تو اسقدر لوگوں پر گریہ طاری ہوتا تھا کہ لوگ روتے روتے مرجاتے تھے۔ اور آپکی مجلس میں سے کئی کئی جنازے ایک ساتھ اٹھا کرتے تھے۔ تو ارشاد حق ہوا کہ تمھارا یہ جرم ہے کہ تم نے بہت سے بیخطا لوگوں کا خون کیا ہے۔ اب یہاں یہ سمجھ لو کہ اس سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ اس لوگوں کے مرجانے سے حضرت داؤد علیہ السلام نعوذ باللہ گنہگار ہوتے تھے اور ان لوگوں کے خون ان کی گردن پر رہتے تھے ہرگز نہیں حاشا وکلا۔ بلکہ بات یہ ہے کہ بعض امور میں تکوینًا علاقہ ہوتا ہے کہ اگر ایسا ہو گا تو اسپر یہ اثر مرتب ہو گا۔ خواہ فاعل گنہگار ہو یا اسکو ثواب ملے جو بھی لیکن تکوینًا بعض اشیاء میں علاقہ ہوتا ہے تو اسی طرح یہاں بھی حضرت داؤد علیہ السلام کی آواز سے لوگوں کے مرجانے کو تکوینًا اس سے علاقہ تھا۔ کہ یہ تعمیر مسجد اقصےٰ نکر سکیں گے باقی اُنکو ذرہ برابر بھی اسکا گناہ نہوتا تھا۔ کہ کیوں یہ خون ہوئے خوب سمجھ لو۔ بس اُس

علاقہ تکوینی ہی کیوجہ سے وہ مسجدہ بنتی تھی اور اسکو جرم کہدینا صرف ظاہر اہے ورنہ اصل جرم ہرگز نہیں ہے۔ خوب سمجھ لو۔ اسکو سنکر حضرت داؤد علیہ السلام عرض کرتے ہیں کہ۔

گفت مغلوب تو بودم مست تو　　دست من بربستہ بود از دست تو

یعنی داؤد علیہ السلام نے عرض کیا کہ میں تو آپکا مغلوب اور آپکا مست تھا اور میرے ہاتھ تو آپ کے ہاتھ سے بندھے ہوئے تھے۔ مطلب یہ کہ انھوں نے عرض کیا کہ یا الٰہی اسمیں میرا کیا جرم ہے میں تو بالکل بے اختیار تھا تمام افعال سب آپ ہی صادر کراتے ہیں اسمیں میرا کیا اختیار تھا اور عرض کیا کہ۔

نے کہ ہر مغلوب شہ مرحوم بود　　نے کہ المغلوب کالمعدوم بود

یعنی کیا یہ بات نہیں ہے کہ مغلوب شہ مرحوم ہوتا ہے اور کیا یہ بات نہیں ہے مغلوب مثل معدوم کے ہوتا ہے۔ مطلب یہ کہ انھوں نے عرض کیا کہ جو شخص کسی کا تابع محض اور مغلوب ہے وہ تو قابل رحم ہوتا ہے۔ اور جو شخص مغلوب ہوتا ہے وہ تو معدوم کی طرح ہوتا ہے اسکا تو بذاتہ کوئی اختیار ہوتا ہی نہیں۔ تو پھر میری اسمیں کیا خطا ہے آگے اسکا جواب ہے جسکو اجمالاً حضرت والا دام ظلہم نے خود اپنے قلم سے تحریر فرماکر عطا فرمایا ہے اول اسکو بعینہٖ درج کرتا ہوں اسکے بعد ایک ایک شعر کا مطلب انشاء اللہ عرض کرونگا۔ وھو ھذا۔ " گفت اے مغلوب الخ یہاں سے جواب ہے سوال داؤد علیہ السلام کا کہ میں اس امر میں غیر مختار ہوں اور یہاں ایک نفس جواب ہے ایک ترقی فی الجواب ہے۔ پس نفس جواب تو یہ ہے کہ تم غیر مختار نہیں ہو بلکہ اس طرح مختار ہو کہ تلاوت بکیفیت خاص (کہ ایسے آثار کے ترتب کے انعدام کا قصد نہیں کیا) تمھارا فعل اختیاری ہے۔ اور اس سے یہ ہلاک ناشی ہوا۔ تو نظراً الی تقرب داؤد علیہ السلام یہ امر خلاف اولی ہوا۔ تم اسپر بھی قادر تھے کہ انعدام مذکور کا قصد کرتے تو یہ آثار مترتب نہوتے۔ تو ایسا کیوں نہ کیا۔ یہ تو نفس جواب ہو گیا۔ دوسرا ترقی فی الجواب ہے وہ یہ کہ تم ایسے مختار ہو کہ اوروں سے بھی زیادہ ہو اسطرح کہ تم فانی ہو اور فانی فی الحق بوجہ اتصاف بصفات الحق اختیار میں بھی اوروں سے اکمل ہے پس اشعار ایں چنیں معدوم کو از خویش رفت الخ اسی ترقی جواب کی تقریر ہیں اور چونکہ ترقی فی الجواب نفس جواب کو بھی مستلزم ہے

اسلئے نفس جواب کی مستقل تقریر کی ضرورت نہوئی انتہیٰ بلفظہ اب اس اجمال کو اشعار سے سمجھ لو۔ ارشاد ہوتا ہے کہ۔

گفت ای مغلوب معدومیت کو　　جز بہ نسبت نیست معدوم ایضتوا

یعنی ارشاد حق ہوا کہ اے مغلوب تیری معدومی کہاں ہے بجز معدوم نسبی کے نہیں ہے چپ رہو۔ مطلب یہ ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کے عرض کرنے پر یہ ارشاد حق ہوا کہ تم مغلوب سہی لیکن اس سے عدم اختیار تو لازم نہیں آتا اسلئے کہ وہ جو عدم اختیار ہے وہ تو امر نسبی ہے کیونکہ انسان کی جو صفات ہیں وہ مظہر ہیں صفات حق کا تو اختیار انسانی بھی مظہر ہے اختیار حق کا سو اگر اس مظہریت کی نسبت سے دیکھو گے کہ باعتبار ظاہر کے اس مظہر میں کیا نسبت ہے اسوقت تو وہ مغلوب ہونگے اور فانی کہلائیں گے اور اگر قطع نظر اس مظہریت کے دیکھا جاوے تو اختیار موجود ہے کہ انسان جو کام کرتا ہے اپنے اختیار سے کرتا ہے لہذا اسپر جرم بھی قائم ہوتا ہے اور اس اختیار ہی کی بدولت اسکو انعامات بھی ملتے ہیں تو اب یہاں بھی حضرت داؤد علیہ السلام کے اختیار میں یہ بات تھی کہ اپنی اس کیفیت کو روک لیتے۔ کہ جس سے یہ آثار مرتب نہوتے۔ اسلئے کہ تجربہ ہے کہ اگر کوئی صاحب حال کسی امر کو بیان کرے تو اسکی تین صورتیں ہوتی ہیں ایک تو یہ کہ وہ اس بیان کے وقت اس امر کا قصد بھی کرے کہ سامعین پر اس کا فلاں اثر مرتب ہو تو اس قصد سے جسکو کہ تصرف کہتے ہیں وہ اثر سامعین پر ہو جاتا ہے اگرچہ عارفین کاملین نے اس امر کو پسند نہیں کیا اسلئے کہ اسکے اندر بھی ایک استقلال اور خود مختاری جیسی شان ہے کہ یہ خود متصرف بنتے ہیں تو کاملین اور عارفین اسکو بھی پسند نہیں فرماتے۔ کہ ہم اپنے اتنے نام کے تصرف اور اختیار کو بھی ظاہر کریں جیسا کہ ایک بزرگ کا ارشاد ہے کہ العارف لاھمۃ لہ۔ کہ عارف کو ہمت نہیں رہتی۔ اور ہمت سے مراد تصرف ہے یعنی عارف تصرف نہیں کیا کرتے۔ اسلئے کہ وہ اپنے کو اس درجہ کا سمجھتے ہی نہیں جو وہ تصرف کریں لہذا اگرچہ یہ کاملین کے نزدیک محمود نہیں لیکن اگر کوئی صاحب حال اس قسم کا تصرف کرنا چاہے تو اسکا اثر ضرور ہوتا ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ نہ قصد تصرف ہو اور نہ کف ہو بلکہ طبیعت کو آزاد چھوڑ دیا جاوے کہ خواہ اثر مرتب ہو یا

نہ ہو اسمیں بھی اثر ہوتا ہے تیسری صورت یہ ہے کہ یہ قصد کرے کہ اثر نہ ہو اس صورت میں ہرگز اثر نہیں ہو سکتا۔ اسکی تائید میں ایک قصہ حضرت حکیم الامۃ دام ظلہم کا جسکو راقم نے خود حضرت حکیم الامۃ دام ظلہم سے ہی سُنا ہے عرض کرتا ہے۔ وہ یہ کہ فرمایا کہ ایک مرتبہ کانپور میں محرم کے زمانہ میں بعض لوگوں کی یہ رائے ہوئی کہ آجکل جو سنی اکثر مرثیوں میں جاکر شریک ہوتے ہیں اور مجلس میں شریک ہوتے ہیں اسکی زیادہ وجہ یہ ہے کہ وہاں انکو حصے ملتے ہیں ورنہ اور کوئی غرض نہیں ہوتی اسلئے اگر یہاں بھی ایسا انتظام ہو جاوے کہ بطور وعظ کے بیان ہو جایا کرے جس سے لوگونکو احکام بھی معلوم ہوں گے اور وہاں جانے سے بھی رکیں گے غرض کہ اسکے لئے ایک مکان تجویز ہوا۔ اور اسمیں حضرت حکیم الامۃ نے بیان حضرت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات سے لیکر بالترتیب آخیر تک سب کی وفات کا ایک ایک دن کیا تو ان بیانوں میں لوگوں کی یہ حالت ہوئی کہ ماہی بے آب کی طرح لوٹے جاتے تھے آخر ایکروز وہ ہوا کہ حضرت امام حسینؓ کی وفات کے بیان کا نمبر آیا۔ اسروز اکثر سنی اور تمام شیعی حضرات خوب اہتمام کرکے آئے تھے۔ کہ آج خوب روویں گے اور ماتم کریں گے لیکن حضرت حکیم الامۃ کو اسکا پہلے سے خیال تھا لہٰذا اسکا یہ انتظام فرمایا کہ بیان کے وقت یہ قصد فرمایا کہ کسی کو رونا نہ آوے اور اس بیان کا کسی پر اثر نہ ہو۔ بس یہ قصد کرکے حضرت شہید کربلاؑ کی شہادت کا کل قصہ بیان فرما گئے اور کسی ایک شخص کا ایک آنسو بھی نہ گرا۔ حالانکہ بہت ہی کوشش بھی کی مُنہ بھی بنایا لیکن آنسو نہ نکل سکا بعد وعظ ہر شخص کو حیرت تھی کہ آج نہ معلوم کیا کر دیا ہے کہ باوجود اہتمام کے کوئی بھی نہ رو سکا۔ تو وجہ یہی تھی کہ روز تو طبیعت کو آزاد چھوڑ دیا جاتا تھا اور آج کف اثر کا قصد کیا بس اثر نہ ہوا۔ اب سمجھو کہ حضرت داؤد علیہ السلام پر جو جرم قائم کیا گیا اسکی بھی یہی وجہ تھی۔ کہ اگرچہ انکا یہ فعل غیر اختیاری تھا اور وہ مجبور تھے کیونکہ تمام افعال ان کے تابع تھے لیکن یہ چونکہ ابو الوقت اور ابو الحال تھے کہ نبی تھے اگر یہ قصد فرما لیتے کہ میری اس کیفیت کا اثر دوسرے پر نہ ہو تو ہرگز اثر نہ ہوتا اور وہ لوگ جو مر جاتے تھے نہ مرتے تو بس ان کے اختیار کو اسقدر دخل ہوا کہ انھوں نے اس کیفیت کے روکنے کا کیوں قصد نہ کیا۔ اگر قصد کف اثر کرتے تو ممکن نہ تھا کہ اثر ہو جاتا۔ جیسا کہ ابھی حضرت حکیم الامۃ

کے قصہ سے معلوم ہوا بھلا جب اس زمانہ میں بعض اولیاء اسپر قادر ہیں تو جو کہ انبیا تھے وہ تو بدرجہ اولیٰ بلکہ اس سے بھی کہیں اور اول درجہ سے قادر تھے کہ اسکو روک لیتے اور اگرچہ باوجود اس نہ روکنے کے بھی کوئی اسمیں گنہگار نہیں ہے۔ مثلاً کسی کامل پر یہ کیفیت ہو اور وہ اسکو نہ روکے اور طبیعت کو آزاد رہنے دے اور اُس سے کوئی مرجاوے۔ تو اُسکو اس کا کوئی گناہ نہیں ہے۔ لیکن حضرت داؤد علیہ السّلام پر اس لیئے جرم قائم ہوا کہ کسی نے کہا ہے کہ حسنات الابرار سیئات المقربین۔ حضرت داؤد علیہ السّلام چونکہ نبی تھے اسلیئے ان کہا گیا کہ تمکو کیوں اس طرف توجہ نہوئی۔ اور کیوں اسقدر جانوں کو ہلاک کیا۔ خوب سمجھ لو اب یہاں ایک اشکال اور بھی ہوتا ہے کہ جس معنی کر حضرت داؤد علیہ السّلام کو فانی کہا گیا اور کاملین کو کہا جاتا ہے کہ وہ مظہر ہیں صفات حق کے اور ظاہر مظہر کے آگے فانی ہی ہوتا ہے۔ تو اس طرح تو تمام عالم فانی ہی ہے۔ تمام عوام وخواص سب فانی ہیں پھر کاملین ہی کو کیوں اس لقب سے ملقب کیا جاتا ہے تو بات یہ ہے کہ مابہ الفرق صرف اسقدر ہے کہ جو عوام ہیں وہ تو اس کا مشاہدہ نہیں کرتے اگرچہ وہ مظہر ہیں لیکن انکو خبر نہیں اور وہ دیکھتے نہیں۔ اور کاملین دیکھتے ہیں اور مشاہدہ کرتے ہیں لہذا ان کاملین کو فانی کہا جاتا ہے۔ اور انکو نہیں کہا جاتا فافھم یہانتک تو اُس نفس جواب کا ذکر تھا جسکو حضرت حکیم الامتہ کی تقریر میں اجمالاً آپ حضرات سُن آئے ہیں آگے اس جواب سے ترقی کرکے دوسرا جواب ارشاد ہوتا ہے جسکا اجمال تو پہلے سُن آئے ہیں آگے تفصیل سنیئے ارشاد ہوتا ہے کہ۔

این چنین معدوم کو از خویش رفت　　　بہترین ہستہا افتاد و زفت

یعنی ایسا معدوم جو کہ اپنے سے جاتا رہا۔ وہ تو سب موجودین سے بہتر اور قوی واقع ہوا۔

او بہ نسبت با صفات حق فناست　　　در حقیقت در فنا او را بقا ست

یعنی وہ صفات حق کی نسبت کر تو فنا ہے اور حقیقت میں فنا میں اسکو بقا ہے یہ مطلب ہے کہ جس شخص نے کہ اپنی صفات کو صفات حق کا مظہر دیکھ لیا اور اسمیں انکو گم کر دیا اسکی صفات تو اور موجودات کی صفات سے بہت زیادہ قوی ہونگی۔ اسلیئے کہ وہ اپنی صفات کیلیئے ایک بہت بڑی زبردست قوت پاتا ہے کہ وہ جانتا ہے کہ میری جسقدر بھی صفات ہیں وہ اس قادر

مطلق کی صفات کا ظل ہیں جو کہ اکمل بجمیع صفات الکمال ہے پھر جب اُسکو اسقدر بڑی پشت و پناہ ملتی ہے تو اُسکو جسقدر قوت بھی ہو کم ہے تو بس جب کسی نے اپنے اختیار کو اختیار حق کے تابع اور اُسمیں فنا مشاہدہ کر لیا۔ تو وہ تو اور سب سے زیادہ مختار اور صاحب اختیار ہو گا اور اُسکا اختیار تو سب سے قوی ہو گا۔ لہذا حضرت داؤد علیہ السلام سے ارشاد ہوتا ہے کہ جب تم نے اپنے اختیار کو اختیار حق میں فنا کر ڈالا تو تم تو اور زیادہ مختار ہوئے نہ کہ غیر مختار ہوئے پھر تمھارا کہنا کہ میں بے اختیار تھا کیسے ٹھیک ہو سکتا ہے۔ اُسکی قدرت اور اُس کے اختیار کی تو یہ حالت ہو جاتی ہے کہ

جملہ ارواح در تدبیر اوست　　جملہ اشباح در تاثیر اوست

یعنی تمام ارواح اُسکی تدبیر میں [illegible] اور تمام [illegible] اُسکی تاثیر میں ہیں مطلب یہ کہ وہ اسقدر قوی ہو جاتا ہے کہ اگر تمام ارواح کی تدبیر اُسکے متعلق کر دی جاوے تو وہ سب کی تدبیر اُسکے اور پھر اُس تدبیر روحانی سے اجسام پر بھی آثار مرتب ہوں مثلاً اُس نے روح میں کوئی تدبیر کی اُس سے خشوع پیدا ہوا تو جسم پر بھی خشوع کا اثر ہونے لگا۔ تو وہ موثر فی الاجسام و مدبر فی الارواح ہو جاتا ہے لہذا حاصل ارشاد ہوتا ہے کہ۔

آنکہ او مغلوب اندر لطف ماست　　نیست مضطر بلکہ مختار ولاست

یعنی جو شخص کہ ہمارے لطف میں مغلوب ہو گیا وہ مضطر نہیں ہے بلکہ مختار ہے دوستی کا۔ مطلب یہ کہ ارشاد حق ہوتا ہے کہ جس نے اپنے اختیار کو ہمارے اختیار میں فانی مشاہدہ کر لیا وہ اس قرب کی وجہ سے اور زیادہ مختار ہو گیا۔ وہ غیر مختار ہرگز نہیں ہے۔

منتہائے اختیار آنست خود　　کاختیارش گردد اینجا مفتقد

یعنی اختیار کا انتہائی درجہ خود یہ ہے کہ اُس (مختار) کا مختار اسجگہ (یعنی اختیار حق کے آگے) گم ہو جاوے۔ مطلب یہ کہ جسکا اختیار مختار حقیقی کے آگے فنا اور گم ہو گیا اُسکو تو پورا اختیار اور اسکا انتہائی درجہ طلبہ ہو گیا آگے فرماتے ہیں کہ۔

اختیارش گر نبودے چاشنی　　کے بگشتے آخر او محو از منی

یعنی اگر اختیار حق اُسکی چاشنی نہ ہوتی تو وہ ہستی سے محو کیوں ہوتا مطلب یہ کہ اگر اوسے

اختیار حق کا مشاہدہ نہ ہوگیا ہوتا تو وہ اپنی ہستی اور اپنے اختیار کو کیوں زائل کرتا اس سے خود معلوم ہوتا ہے کہ اسکو کوئی ایسی لذت ملی ہے کہ جس سے اس نے اپنی ہستی کو بھی خیرباد کہدیا اور وہ اسمیں ہی محو ہوگیا۔ اور ضرور اسکو اسکے اختیار سے زیادہ کوئی اختیار حاصل ہوا ہے جس سے کہ وہ اپنے اختیار کو مٹا چکا۔ آگے فرماتے ہیں کہ۔

درجہاں گر لقمۂ وگر شربت است　　لذت او فرع محو لذت است

یعنی جہاں میں اگر کوئی لقمہ اور کوئی شربت ہے تو وہ اس محو لذت ہی کی لذت ہے مطلب یہ کہ انکو جہان میں جس شے میں بھی لطف آتا ہے اور لذت ملتی ہے وہ اسی وجہ سے ملتی ہے کہ پہلے لذات کو مٹا چکے ہیں۔

گرچہ از لذات بی تاثیر شد　　لذتے بود او و لذت گیر شد

یعنی اگرچہ لذات سے بے تاثیر ہوگیا (لیکن) اسکی ایک لذت تھی جسکا وہ لذت گیر ہوا ہے مطلب یہ کہ اگرچہ بظاہر اس نے تمام لذات کو فنا کیا ہے لیکن اسکو ایک لذت ایسی ملگئی ہے کہ اس مجموعہ لذات میں بھی وہ لذت نہ تھی جو اس ایک میں ہے۔ اسلئے اس نے ان سبکو ترک کرکے ایک لذت کو لے لیا آگے فرماتے ہیں کہ۔

ہر کہ او مغلوب شد مرحوم گشت　　در بحار رحمتش معدوم گشت

یعنی جو شخص کہ مغلوب ہوا وہ مرحوم ہوا اور حق تعالی کے بحار رحمت میں معدوم ہوا۔

نے چناں معدوم کز ایل وجود　　ہیچ بر وے چیرہ اندر گاہ جود

یعنی نہ ایسا معدوم کہ موجودات میں سے کوئی اسپر وجود میں غالب آجاوے۔

بلکہ والی گشت موجودات را　　بے گمان و بی نفاق و بے ریا

یعنی بلکہ وہ تمام موجودات کا حاکم ہوگیا۔ بے شک و شبہ کے اور بے ظاہرداری کے۔ مطلب یہ کہ اسکا وجود تو تمام موجودات سے اکمل و اعلی ہوگا جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا نہ اسمیں کوئی شبہ ہے نہ اسمیں کوئی ظاہرداری ہے بلکہ نفس الامر یہی ہے اور اسکی شان بحیثیت مظہر حق ہونے کے یہ ہوتی ہے کہ

بے مثال و بے نشان و بی مکاں　　بے زمان و بی چنین و بی چناں

یعنی بے مثال اور بے نشان و مکان اور بے زمان اور بے کیف ہوتا ہے۔

بے اشکال و بی سوال و بی جواب دم مزن واللہ اعلم بالصواب

یعنی بے اشکال کے اور بے سوال کے اور بے جواب کے بس چپ رہو واللہ اعلم بالصواب مطلب یہ کہ وہ درجۂ مظہریت میں بے مثالی وغیرہ وغیرہ سب ہی کچھ ہوتا ہے۔ نہ اسمیں کوئی اشکال ہے نہ اسپر کوئی سوال و جواب ہے بلکہ حقیقت یہی ہے بس آگے چپ رہو خدا کو خبر ہے کہ کیا بات ہے۔ پوری طرح بیان نہیں کر سکتے۔ لہذا واللہ اعلم بالصواب۔ آگے مولانا حق تعالیٰ کا داؤد علیہ السلام کو تسلی فرمانا اور اسکے آگے ارواح انبیاء و اولیاء اللہ کا باعتبار صفات کے متحد ہونا بیان فرماتے ہیں۔

شرح حبیبی

پس خطاب آمد بداؤدؑ از خدا	کاے گزیں پیغمبر نیکو لقا
دل مدار اندر تفکر زیں خبر	رہ مدہ در خود ملال و غم مخور
گرچہ بر ناید بجہد و زور تو	لیک مسجد را بر آرد پور تو
گرچہ بر ناید بجہدت ایں مقام	لیک پور تو کند او را تمام
کردۂ او کردۂ تست اے حکیم	مومنا نرا اتصالے داں قدیم
مومناں معدود لیک ایماں یکے	جسم شاں معدود لیکن جاں یکے
غیر فہم و جاں کہ در گاؤ خرست	آدمی را عقل و جان دیگر است

باز غیر عقل و جان آدمی — هست جانی در ولی و در نبی

جان حیوانی ندارد اتحاد — تو مجو این اتحاد از روح باد

گر خورد این نان نگردد سیر آن — در کشد بار این نگردد آن گران

بلکه این شادی کند از مرگ او — از حسد میرد چو بیند برگ او

جان گرگان و سگان هر یک جداست — متحد جانهای شیران خداست

جمع گفتم جانهاشان من باسم — کان یکی جان صد بود نسبت به جسم

همچو آن یک نور خورشید سما — صد بود نسبت بصحن خانها

لیک یک باشد همه انوارشان — چونکه برگیری تو دیوار از میان

چون نماند جانها را قاعده — مومنان باشند نفس واحده

فرق و اشکالات آید زین مقال — زانکه نبود مثل باشد این مثال

فرقها بیحد بود از شخص شیر — تا به شخص آدمی زاد دلیر

لیک در وقت مثال ای خوش نظر — اتحاد از روی جانبازی نگر

کان دلیر آخر مثال شیر بود — نیست مثل شیر در جمله حدود

متحد نفسی ندارد این سرا — تا که مثلی وانمایم مر ترا

هم مثال ناقصی دست آورم — تا ز حیرانی خرد را واخرم

شب بهر خانه چراغی می نهند — تا بنور آن ز ظلمت می رهند

آن چراغ این تن بود نورش چو جان — هست محتاج فتیل این و آن

وان فتیله پنج دارد از حواس — جملگی بر خواب و خور دارد اساس

بے خور و بے خواب نزید نیم دم — با خور و با خواب نزید نیز ہم

بے فتیل و روغنش نبود بقا — با فتیل و روغن او ہم بیوفا

زانکه نور علتی اش مرگ جو است — چوں زید که روز روشن مرگ اوست

جمله حسہائے بشر ہم بے بقاست — زانکه پیش نور روز حشر لاست

نور حس و جان بابایان ما — نیست کلّی فانی و لا چوں گیا

لیک مانند ستاره و ماہتاب — جمله محو اند از شعاع آفتاب

آنچنانکه سوز و درد زخم کیک — محو گردد چوں در آید مار لیک

آب ذکر حق و زنبور این زماں — ہست یاد ایں فلاں و آں فلاں

دم بخور در آب ذکر و صبر کن — تا رہی از فکر و وسواس کہن

بعد ازاں تو طبع آں آب صفا — خود بگیری جملگی سر تا بپا

آنچناں کز آب آں زنبور شر — می گریزد از تو ہم گیرد حذر

بعد ازاں خواہی تو دور از آب باش — که بسر ہم طبع آبے خواجه تاش

پس کسانے کز جہاں بگذشته اند — لا نیند و در صفات آغشته اند

در صفات حق صفات جمله شاں — ہمچو اختر پیش آں خور بے نشاں

گر ز قرآں نقل خواہی اے حروں — خواں جمیع ہم لدینا محضروں

محضروں معدوم نبود نیک بیں — تا بقاے روحہا دانی یقیں

روح محجوب از بقایش در عذاب — روح واصل در بقا پاک از حجاب

زیں چراغ حس حیوان المراد — گفتمت ہاں تا نجوئی اتحاد

روح خود را متصل کن اے فلاں ‖ زود با ارواح قدس سالکاں
صد چراغت ار مرند ار بیستند ‖ پس جدا اند و یگانه نیستند
زاں همه جنگ اند ایں اصحاب ما ‖ جنگ کس نشنید اندر انبیا
زانکه نور انبیا خورشید بود ‖ نور حس ما چراغ و شمع و دود
یک بمیرد یک بماند تا بروز ‖ یک بود پژمرده دیگر با فروز
جان حیوانے بود مے از غذے ‖ هم بمیرد او بهر نیک و بدے
گر بمیرد ایں چراغ و طے شود ‖ خانه همسایه مظلم کے شود
نور آں خانه چو بے ایں هم بپاست ‖ پس چراغ حس هر خانه جداست
ایں مثال جان حیوانی بود ‖ نے مثال جان ربانی بود
باز از هندوئے شب چوں ماه زاد ‖ در سر هر روزنے نورے فتاد
نور آں صد خانه را تو یک شمر ‖ که نماند نور ایں بے آں دگر
تا بود خورشید تاباں بر افق ‖ هست در هر خانه نور او قنق
باز چوں خورشید جاں آفل شود ‖ نور جمله خانه‌ها زائل شود
ایں مثال نور آمد مثل نے ‖ مر ترا هادی عدو را رهزنے
بر مثال عنکبوت آں زشت خو ‖ پردهای گنده را بر بافد او
از لعاب خویش پرده نور کرد ‖ دیده ادراک خود را کور کرد
گردن اسپ ار بگیرد برخورد ‖ ور بگیرد پاش بستاند لگد
کم نشیں بر اسپ توسن بے لگام ‖ عقل و دین را پیشوا کن والسلام

کاندریں رہ صبر و شق النفس است	اندریں آہنگ منگر سست و پست
با سلیمانؑ نبی نیکخو،	باز گرد و قصۂ مسجد بگو

خطاب مذکورہ بالا کے بعد حضرت داؤد علیہ السلام کو یوں خطاب ہوا کہ اے نیک لقا اور برگزیدہ پیغمبر آپ اس خبر سے فکر میں نہ پڑیئے اور اپنے اندر ملال کو راہ نہ دیجئے اور غمگین نہ ہوجیئے۔ اگرچہ یہ مسجد آپ کی کوشش اور قوت سے تیار نہ ہوگی لیکن آپ کے صاحبزادے سلیمان اسکو تیار کریں گے اور یہ مقام عبادت اگرچہ آپ کی کوشش سے نہ بنے گا لیکن آپکے فرزند ارجمند اسکو مکمل کریں گے۔ اور انکا فعل آپ ہی کا فعل ہے اور آپکو سمجھنا چاہیئے کہ مومنین میں آپسمیں ایک اتصال و اتحاد ہے جسکی بنا پر ایک کا فعل دوسرے کا کہا جاسکتا ہے اسلئے کہ مومن گو متعدد ہیں لیکن انکا ایمان ایک ہی ہے کیونکہ متعلق سب کے ایمان کا ایک ہے۔ اور گو انکے اجسام متعدد ہیں لیکن جان سب کی ایک ہے اسپر کوئی یہ شبہ نکرے کہ جان ہیں تو جاندار سب برابر ہیں پس اگر جان ایک ہے تو سب جانداروں کی ایک ہے۔ اور اگر متعدد ہے تو سبکی متعدد ہے۔ یہ کیا کہ مومنین کی جان ایک ہے اوروں کی نہیں۔ کیونکہ سب جانداروں کو یکساں سمجھنا ہی غلط ہے۔ چنانچہ جانوروں کی جان اور ہے اور عوام کی فہم و جان اور انبیا و اولیا کی جان اور جبکہ یہ مضمون آگے اشارۃً معلوم ہوچکا تو اب سنو کہ ہم نے تین قسم کی جانیں بتلائی ہیں جنکے سبب جانداروں میں ایک کو دوسرے سے امتیاز ہے۔ ان تینوں میں سے جانوروں کی جان تو ہمارے مقصود سے کوئی تعلق نہیں رکھتی۔ اسلئے ہم اسکو ذکر بھی نہیں کرتے رہیں دو باقی سو ان میں سے جان انبیاء و اولیاء جسکو ہم جان ربانی کہتے ہیں اس کا بیان تو ہمارا مقصد اصلی ہے اسلئے اسے بیان کرتے ہیں اور جان عوام جسکو ہم کبھی بوجہ غلبہ صفات بہیمیہ کے جان حیوانی کہتے ہیں اور کبھی بوجہ اسکے روح حیوانی مصطلح اہل طب کے ساتھ اقتضا میں مشابہت رکھنے کے روح باد کہتے ہیں اسکا بیان ہم کو اصالۃً مقصود نہیں لیکن چونکہ وہ روح انبیا و اولیاء کی ضد ہے۔ والاشیاء تعرف باضدادہا۔ اسلئے اسکو بھی بیان کیے دیتے ہیں

جب یہ مضمون تمہیدی سن چکے تو اب سنو کہ جان عوام جسکو ہم جان حیوانی کہتے ہیں اُنمیں
تو اتحاد یعنی توافق اغراض نہیں اور تم کو یہ اتحاد اس روح میں ڈھونڈھنا بھی نہ چاہیے
کیونکہ وہ مشابہ ہے اُس روح کے جو ہوا ہے۔ جسکا مقتضا تضاد و تزاحم ہے۔ ایسی جان
والوں میں اتحاد ہونیکی علامت یہ ہے کہ اگر ایک روٹی کھاتا ہے تو اس سے دوسرے کا
پیٹ نہیں بھرتا۔ اور اگر ایک بوجھ کھینچتا ہے تو دوسرے پر اسکا بوجھ نہیں ہوتا یعنی اُنمیں
ایک کی راحت سے دوسرے کو راحت اور ایک کی تکلیف سے دوسرے کو تکلیف نہیں ہوتی۔
بلکہ ایک کو دوسرے کی موت سے خوشی ہوتی ہے۔ اور جب وہ دوسرے کا ساز و سامان دیکھتا
ہے تو حسد سے جل مرتا ہے پس ثابت ہوا کہ ان گرگ و سگ سیرتونکی جانیں علیحدہ علیحدہ
ہیں برخلاف اسکے شیران خدا یعنی اہل اللہ کی جانیں متحد ہیں۔ کوئی یہ شبہ نکرے کہ جب
آپ اہل اللہ کیلئے ارواح بصیغہ جمع استعمال کرتے ہیں تو اتحاد کہاں رہا اسلئے کہ میں نے
لفظوں میں اسے اسلئے جمع کہا ہے کہ ارواح متعلق ہیں اجسام سے اور اجسام امزجہ وغیرہ
کے لحاظ سے متعدد ہیں تو اُن کے تعدد سے ارواح میں بھی گونہ اختلاف و تعدد آگیا۔ کہ
کسی میں رحم غالب ہے کسی میں غصہ وغیرہ وغیرہ۔ اور اجسام کے لحاظ سے ایک جان
بنگئی جیسے آفتاب کا نور آنگنوں کے لحاظ سے متعدد و متکثر ہے۔ لیکن اگر تم دیواروں کو
درمیان سے الگ کردو تو اس سرے اُس سرے تک ایک نور ہے۔ علی ہذا ارواح کاملین
میں بھی تعدد اجسام کے لحاظ سے ہی مگر جب ان جانونکی کرسی یعنی جسم نرہے تو مومن
سب کے سب ایک جان ہیں۔ (ف) جمع گفتم سے چوں نماند تک اشعار کی ایک اور توجیہ
بھی ہو سکتی ہے وہ یہ کہ میں نے لفظوں میں اسے اسلئے جمع کہا ہے کہ اُنکا تعلق اجسام متعدد
الذوات کے ساتھ ہے اس تعدد کی وجہ سے ان میں کثرت پیدا ہوگئی ہے جسطرح سے کہ
نور خورشید صحنوں کے لحاظ سے متکثر ہے مگر جب تم دیواریں الگ کردو۔ تو وہ سب
ایک ہو جاتے ہیں جب یہ امر تم کو معلوم ہوگیا تو اب ہم تم کو اس اتحاد کا منشا بتاتے ہیں
سنو قاعدہ یہ ہے کہ جب ارواح کی کرسی یعنی جسم فنا ہو جاتا ہے اور صفات بہیمہ اس سے
دور ہو جاتے ہیں تو سب لوگ مومن کامل اور ایک جان ہو جاتے ہیں۔ خلاصہ یہ کہ ارواح

ہیں جو اجسام کے لحاظ سے تعدد آیا ہے اسکا منشا یا تو تکثر ذوات اجسام ہے یا اختلاف
صفات باطنہ در امر جہ بہر دو تقدیر چوں نماند جانہا را قاعدہ سے مراد یا تو تطبیق مثال
یا ممثل لہ ہے یا بیان ہیں لم اتحاد - یہ چار توجیہیں ہوگئیں جنمیں سے ہم نے دو توجیہیں
لکھی ہیں اور دو کو اس اجمال میں ظاہر کرکے تفصیل کو ناظرین کیلئے چھوڑ دیا ہے) اس
گفتگو سے ناظرین کے ذہن میں مختلف وجوہ فرق درمیان مثال و ممثل لہ اور متعدد اشکالات
پیدا ہونگے - مثلاً یہ کہ اتحاد و تعدد ارواح کی تمثیل تعدد و اتحاد نور شمس سے صحیح نہیں - کیونکہ نور
شمس بلحاظ محل کے قابل انقسام ہے برخلاف ارواح کے نیز ارواح میں اتحاد بمعنی توافق اغراض
ہے برخلاف انوار صحن خانہا کے وغیرہ وغیرہ - اور وجہ اشکالات و فروق یہ ہے کہ یہ مثال
ہے مثل نہیں - اور مشبہ و مشبہ بہ میں علاوہ وجہ شبہ کے دوسری وجوہ سے فرق ہوتا ہی
چنانچہ شیر اور بہادر آدمی میں بکثرت وجوہ فرق ہیں لیکن شیر اور بہادر آدمی میں اتحاد تم کو
شجاعت کی جہت سے دیکھنا چاہیئے - نہ کہ تمام حیثیتوں سے کیونکہ شجاع شیر کی مثال ہے
اور تمام امور میں اُسکے مثل نہیں - اسلیئے وجوہ فرق ہونا لازم ہے - علیٰ ہذا نور بھی ارواح کی
مثال ہے نہ مثل اسلیے آپمیں بھی وجوہ فرق ہوتی ہیں - اس نکتہ کو ذہن میں رکھنا چاہیئے
تاکہ تم دام اشکالات و فروق سے محفوظ رہو - کیا کہوں مجبور ہوں کہ دنیا میں کوئی ایسا محسوس
ہی نہیں جو یوں متحد ہو جیسے ارواح - تاکہ بجائے مثال کے تمہیں مثل دکھلا سکوں اسلیئے
مثال اختیار کیگئی - یہ تو اتحاد ارواح کاملین کی تمثیل تھی اب تعدد ارواح عوام کیلئے بھی
ایک ناقص مثال حاصل کرتا ہوں - تاکہ ناظرین کی عقل کو تحیر سے بچا لوں - اچھا سنو -
رات کے وقت ہر گھر میں ایک چراغ رکھتے ہیں تاکہ اُسکی روشنی کے سبب تاریکی سے نجات
پاویں - جب یہ امر معلوم ہوگیا تو اب تم چراغ کو تو بمنزلہ جسم کے سمجھو اور اُسکے نور کو مثل روح
حیوانی یعنی جان عوام کے پس جسطرح روشنی ہر مکان کی جداگانہ ہے یوں ہی روح حیوانی
بمعنی مذکور بھی علیحدہ ہے کیونکہ بوجہ غلبۂ صفات بہیمیہ کے اسکا مقتضے جداگانہ ہے - یہ
تو تمثیل تھی اب مناسب ہے کہ ہم ارواح حیوانی کے اُس وصف کو بھی استطراداً بیان کردیں
جسمیں وہ چراغ کے مشارک ہے یعنی عدم بقا سو سنو کہ یہ چراغ تن مختلف قسم کے فتیلوں کا

محتاج ہے اور وہ مختلف قسم کے فتیلہ حواس خمسہ ہیں اس چراغ تن کا دار و مدار روغن خواب
وخور وغیرہ پر ہے۔ اور بے خواب وخور کے ذرا سی دیر بھی نہیں جی سکتا۔ بلکہ ہم تو کہتے ہیں
کہ خواب وخور کے ساتھ بھی نہیں جی سکتا۔ اور بے فتیلہ وروغن تو باقی رہتا ہی نہیں یا فتیلہ
وروغن بھی وفا نہیں کرتا اور وجہ اسکی یہ ہے کہ اس چراغ کا نور مریض (روح حیوانی سقیم)
حالاًطالب موت ہے۔ اسلئے زندہ نہیں رہ سکتا۔ اور زندہ رہ کیسے سکتا ہے۔ روز روشن
یعنی روح ربانی یا تجلیات ربانیہ اسکے لئے موت ہے۔ اور جسطرح طلوع روز روشن سے چراغ
کا نور فنا اور مضمحل ہو جاتا ہے یوں پر تو روح انسانی یا تجلیات ربانیہ سے روح حیوانی من
حیث روح حیوانی فنا ہو جاتی ہے یعنی اسکی صفات بہیمیہ جن سے وہ حیوانی کہلاتی
تھی زائل ہو جاتے ہیں اور جسطرح روح حیوانی فانی ہے یوں ہی تمام حواس بشریہ بھی باقی
رہنے والے نہیں۔ بلکہ نور روز حشر کے سامنے فانی ہیں اور جبکہ تجلیات ربانیہ یا روح کامل
کا پرتو ان پر پڑتا ہے تو اُنکی بھی کایا پلٹ ہو جاتی ہے یعنی نفس کے تسلط سے نکلکر روح کے
تابع ہو جاتے ہیں۔ (**ف**) نور روز حشر میں چند احتمالات ہیں اول یہ کہ وہ نور جو روز حشر میں
علی وجہ الکمال ظاہر ہوگا۔ اسمیں دو احتمال ہیں یا تو تجلیات مراد ہوں۔ یا نور روح انسانی
دوسرے وہ نور جو قائم بروز حشر ہے۔ اسوقت روز حشر سے استعارہ ہوگا تجلیات سے یا
روح کامل سے کیونکہ جسطرح روز حشر مُردونکو زندہ اور زندونکو مردہ کرتا ہے۔ یوں ہی یہ بھی
مبقے ومفنی ارواح وحواس ہیں۔ واللہ اعلم) اور یہ ہم نے نور حس وجان کو بے بقا کہا ہے
اس سے تمکو اُنکے فنائے محض کا شبہ نہونا چاہیئے۔ کیونکہ ہمارا نور حس وجان حیوانی ناپائدار
گھاس کیطرح فانی مطلق نہیں۔ بلکہ وہ فنائے مصطلح کی حالتمیں چاند تارونکی طرح تجلیات حق
سبحانہ یا نور روح کامل میں محو ہو جاتا ہے جسطرح کہ بچھو کے ڈنک کی سوزش اور تکلیف اسوقت
محو ہو جاتی ہے جبکہ سانپ تمھاری طرف آتا ہے یا کوئی شخص شہد کی مکھیوں کے خوف سے
پانی میں غوطہ لگاتا ہے جسکا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ ان مکھیوں کے ڈنک سے بچ جاتا ہے۔
اور مکھیاں اُسکے اوپر اسلئے گھومتی رہتی ہیں کہ جب وہ نکلے تو اُسے نہ چھوڑیں۔ اور فوراً
ڈنک لگائیں اس تمثیل میں مقصود صرف پانی میں غوطہ لگانا ہے کہ اس سے اُسکو فنائے مطلق

حاصل نہیں ہوتی۔ بلکہ فنائے اضافی یعنی محویت حاصل ہو جاتی ہے۔ اور زنبوروں کا خوف
اور انکا اس تک نہ پہونچ سکنا یہ بیان واقعہ ہے اور تمہید ہے۔ ایک مضمون ارشادی
کی جسکو مولانا یوں بیان فرماتے ہیں کہ تم جانتے ہو کہ پانی کیا چیز ہے اور زنبور کیا سنو
پانی ذکر حق ہے اور زنبور انتشار افکار و خیالات۔ پس اگر تمکو ان مکھیوں سے نجات پانی ہے
تو اس پانی میں گھسکر دم گھونٹ لو۔ تاکہ تمکو افکار و وساوس کہنہ سے نجات ملے۔ ایک
عرصہ تک تمکو ایسا کرنا ہوگا۔ اسکے بعد اس صفات پانی کی خاصیت تمھارے اندر
پیدا ہو جائیگی۔ کیونکہ وہ آب ذکر تمھارے رگ و ریشہ میں سرایت کر جاویگا اور جسطرح
وہ مکھیاں پانی سے بھاگتی تھیں یوں ہی خود تم سے بھاگنے لگیں گی جسوقت تمہاری
یہ حالت ہو جاویگی۔ اسوقت اگر تم چاہو تو آب ذکر ظاہر سے الگ بھی ہو سکتے ہو۔ کیونکہ
اسوقت حقیقت میں تم پانی کے ہم طبع ہو گئے ہو۔ یہانتک اس مضمون استطرادی کو بیان
فرماکر پھر ماسبق کیطرف عود کرتے ہیں۔ اور فرماتے ہیں کہ ہم نے عه اول روح کو فانی کہا تھا اسکے
بعد اسکے فنا کے معنی بتائے کہ یہ فنا بمعنی محویت ہے نہ کہ بمعنی انعدام محض اسپر تم یہ شبہ نکرنا
کہ ہم دیکھتے ہیں کہ روح معدوم ہو جاتی ہے کیونکہ بہت سے آدمی پیدا ہوئے اور مر گئے۔
پھر کیسے کہا جاتا ہے کہ روح باقی ہے کیونکہ اول تو ہماری گفتگو اس فنا و بقا سے متعلق نہ
تھی جو تم سمجھے ہو بلکہ ہماری گفتگو فنا و بقائے مصطلح میں تھی۔ لیکن ہمیں اس جواب کی ضرورت
نہیں اسلئے ہم اسی معنی کی بنا پر جواب دیتے ہیں جو تم سمجھے ہو سنو بہت سے لوگ جو اس جہان
سے گذر گئے ہیں وہ فانی مطلق نہیں ہیں بلکہ حق سبحانہ کی صفات جلالیہ و جمالیہ میں مخلوط
ہیں اور انکی صفات صفات حق ہیں ملکر یوں ہی بے نشان ہو گئی ہیں جسطرح آفتاب کے سامنے
ستارے۔ یہ ایک دعویٰ ہے جسکے لئے دلیل کی ضرورت ہے اور سب سے بڑی دلیل قرآن ہے
پس اگر قرآن سے اسکا ثبوت چاہتے ہو تو ہم اسکے لئے بھی تیار ہیں سنو حق سبحانہ فرماتے ہیں
ان کل لما جمیع لدینا محضرون اور یہ بیان ہے حالت بعد الموت کا یعنی موت کے بعد

عه ربط ابیات بس کسانیکہ الخ کی دوسری تقریر یہ ہے کہ ابتک تو ہم نے فنا اصطلاحی میں بقا ثابت کی تھی۔ اب ہم ترقی کرکے کہتے ہیں
کہ فنا متعارف کی حالت میں بھی وہ فانی مطلق نہیں ہے بلکہ من وجہ باقی ہے الخ وہذا اخصر واوضح واوجہ ۱۲ منہ

سب کے سب ہمارے سامنے حاضر کئے گئے ہیں۔ پس جنکو محضرون فرمایا گیا ہے وہ معدوم نہ ہونگے کیونکہ محضرون معدوم نہیں ہوسکتے۔ اس مضمون کو غور سے سمجھ لوتا کہ تمام ارواح کی بقا یقینی طور پر معلوم ہوجاوے۔ اور تم سمجھ لوکہ ارواح تمام باقی ہیں مگر اس بقا کے نتائج مختلف ہیں چنانچہ محجوبین کی ارواح تو اپنی بقا کے سبب مبتلائے عذاب اور صفات جلالیہ میں محو ہیں۔ اور ارواح واصلین اپنی بقا کی حالت میں حجاب سے پاک اور صفات جمالیہ میں محو ہیں۔ جب یہ مضمون استطرادی ختم ہوچکا تو اب سنو کہ میں نے اس چراغ حس حیوانی کی حالت بیان کردی ہے جبردار تم اسمیں اتحاد کو نہ ڈھونڈھنا۔ اگر تمہیں ضرورت ہے کہ تمھاری ارواح حیوانیہ میں اتحاد ہو تو اسکی صورت یہ ہے کہ تم اپنی ارواح کو ارواح سالکان کے ساتھ ملاؤ تاکہ انکی حیوانیت فنا ہو اور انسانیت پیدا ہو۔ اور اسوقت وہ ارواح انسانیہ بنکر آپسمیں متحد ہوجائیں اور جب تک یہ بات نہو اور جسم باقی رہے ایسی حالتمیں اگر تمھارے چراغ سو دفعہ مریں اور مرکر پھر زندہ ہوں ناممکن ہی کہ تمھیں اتحاد ہو وہ جدا ہی رہیں گے اور متحد نہونگے چونکہ ہمارے لوگوں میں حیوانیت وجسمانیت موجود ہے اسی لئے وہ سراپا جنگ وجدل ہیں ورنہ انبیاء کو تو کسی نے بھی آپسمیں لڑتے نہیں سنا اور وجہ اسکی یہی تھی کہ انکی ارواح مثل نور خورشید کے متحد تھیں اور ہمارے اور ہمارے حس وجان کا نور مثل چراغ وشمع اور دھوئیں کے متعدد ہے اسی لئے یہ حالت ہے کہ ایک گل ہوتا ہے اور دوسرا دن تک باقی رہتا ہے ایک ٹمٹماتا ہے اور دوسرا خوب مشتعل ہے نیز چونکہ جان حیوانی کا مدار حیات اسکی غذا پر ہے اور اسلیئے وہ غذا نہ ملنے سے اور دیگر اسباب مختلفہ سے مر بھی جاتی ہے پس اگر اس بنا پر یہ چراغ کسی وقت گل اور ختم ہوجائے تو اس سے پڑوسی کے گھر میں اندھیرا نہوگا اور وہ اسی طرح روشن رہے گا پس امر ظاہر ہے کہ ایک گھر کا نور دوسرے گھر کے بغیر بھی قائم ہے تو ثابت ہوا کہ ہر گھر کا چراغ اور ہر جسم کی روح جدا ہے۔ یہ حالت جان حیوانی ہی کی ہوسکتی ہے اور جان ربانی کی یہ حالت نہیں ہوسکتی۔ اسکی حالت اسکے برخلاف ہے جیساکہ ہم بیان کرچکے ہیں وہ حالت تو ارواح ربانیہ کی آپس کے لحاظ سے تھی اب ہم دوسروں کے اعتبار سے انکی

حالت بیان کرتے ہیں سنو۔ مگر اول اتنا سمجھ لو کہ جب شب تاریک میں چاند نکلتا ہی تو بشرائط مخصوصہ ہر روزن میں اسکا نور پہونچتا ہے مگر اس سیکڑوں گھروں کے نور کو تمکو ایک ہی سمجھنا چاہیئے۔ اور تکثر کا شبہ نکرنا چاہیئے کیونکہ ایک گھر کا نور بدون دوسرے گھر کے نور کے نہیں رہ سکتا ہے۔ اور یہ صریح دلیل ہے اتحاد کی جب یہ امر معلوم ہو چکا تو اب سمجھو کہ بالکل یہی حالت خورشید روح ربانی کی ہے۔ کہ جب تک وہ سرگرم افاضہ رہتی ہے اسوقت تک بشرائط مخصوصہ ہر خانۂ جان میں انکا نور فیض پہونچتا ہے۔ اور جب یہ خورشید جان ربانی غروب ہو جاتا ہے یعنی افاضہ اسکا بند ہو جاتا ہے تو تمام خانہا جان سے نور سلب ہو جاتا ہے جیسا کہ قرب قیامت میں واقع ہوگا۔ کہ کوئی اللہ کا نام لینے والا نہ رہے گا بس دنیا میں جسقدر نور ہدایت ہے سب ارواح ربانیہ کا پرتو ہے یہ مثال نور ماہتاب بھی نور روح ربانی کی مثال ہے مثل نہیں یہ مثال متبعین وحی کیلئے ہادی ہے اور غیر متبع وحی کیلئے رہزن کیونکہ وہ اسکو مثل سمجھکر نور روح کے لئے وہی امور ثابت کریگا۔ جو نور ماہتاب کیلئے ہیں اور مکڑی کی طرح اپنے اوہام سے موٹے اور دبیز پردہ تیار کریگا جسطرح مکڑی نے اپنے لعاب سے ایک پردہ حاجب نور بنا لیا۔ اور اپنے نور بین آنکھ کو اندھا کر لیا۔ ہم پھر کہتے ہیں کہ اگر وہ گھوڑے کی گردن پکڑیگا تو اسکی سواری سے منتفع ہوگا اور اگر پاؤں پکڑے گا تو لات کھائیگا۔ یعنی اگر اس مثال کو صحیح طور پر سمجھا تو اسکا فائدہ ہے ورنہ نقصان دیکھو سرکش گھوڑے پر بے لگام نہ بیٹھو یعنی ان مضامین عالیہ میں بے سامان حفاظت کے خوض نہ کرو بلکہ عقل و دین کو پیشوا کرو۔ یہ ہے سامان حفاظت اور اس راہ یعنی عقل و دین کو پیشوا بنانے کو معمولی بات نہ سمجھو کیونکہ اسکے لئے ضرورت ہی صبر کی اور صبر اس راہ میں نہایت ہی تکلیف دہ اور ناگوار خاطر ہے۔ اچھا اب اس مضمون کو ختم کرو۔ اور بیان کرو۔ کہ مسجد کا سلیمان علیہ السلام کیساتھ کیا واقعہ ہوا

چون سلیمان کرد آغاز بنا	پاک چون کعبہ ہمایون چون منے
در بنایش دیدہ می شد کر و فر	نے فسردہ چون بناہائے دگر

در بنا ہر سنگ کز کہ می شکست   فاش سیروا بی ہمیں گفت از نخست

ہمچو از آب و گل آدم کدہ   نور زاں کہ پار ہا تاباں شدہ

سنگ بے حمّال آئندہ شدہ   واں در و دیوار ہا زندہ شدہ

حق ہمی گوید کہ دیوار بہشت   نیست چوں دیوار ہا بیجان و زشت

چوں در و دیوار تن با آگہی است   زندہ باشد خانہ چوں شاہنشہی است

ہم درخت و میوہ ہم آب زلال   با بہشتی در حدیث و در مقال

زانکہ جنت را نہ ز آلت بستہ اند   بلکہ از اعمال و نیت بستہ اند

این بنا ز آب و گل مردہ بدست   آں بنا از طاعت زندہ شدہ است

این باصل خویش ماند پر خلل   واں باصل خود کہ علم ست و عمل

ہم سریر و قصر و ہم تاج و ثیاب   با بہشتی در سوال و در جواب

فرش بے فراش پیچیدہ شدہ   خانہ بے کناس روبیدہ شدہ

تخت او سیّار بے حمّال شد   حلقہ و در مطرب و قوال شد

خانۂ دل بیں ز غم ژولیدہ شد   بے کناس از توبہ روبیدہ شد

ہست در دل زندگی دار الخلود   در زبانم چوں نمی آید چہ سود

چونکہ گشت آں مسجد اقصیٰ تمام   ز اہتمامات سلیمان و السّلام

چوں سلیمان در شدے ہر بامداد   مسجد اندر بہر ارشاد عباد

پند دادے کہ بگفت و لحن و ساز   گہ بفعل اعنے رکوع یا نماز

پند فعل خلق را جذّاب تر   کہ رسد در جاں بر ما گوش کر

در چشم تاثیر آں محکم بود		واندراں وہم امیدے کم بود

جب سلیمان نے اس مسجد کی تعمیر شروع کی جو کعبہ کیطرح پاک اور جنت کی طرح مبارک تھی تو اسکی تعمیر میں اہل دل کو ایک عجیب معنوی شان وشوکت محسوس ہوتی تھی۔ اور وہ دیگر عمارتوں کی طرح افسردہ نہ تھی تعمیر کے متعلق جو پتھر کہ پہاڑ سے ٹوٹتا تھا صاف طور پر کہتا تھا کہ پہلے مجھے لیچلو۔ اور جس طرح اس خمیر سے جو جسم آدم علیہ السلام کیلئے تیار کیا گیا تھا ایک نور چمکتا تھا یوں ہی ان پہاڑ کے ٹکڑوں سے بھی نور چمکتا تھا گویا پتھر بے لانے والوں کے چلے آرہے تھے اور در ودیوار انوار وبرکات سے جو کہ حیات معنوی ہیں زندہ تھے۔ غرض ایک عجیب شان تھی۔ جب گفتگو حیات دیوارہائے مسجد تک منجر ہوئی تو اب مولانا اس سے حیات جنت کی طرف انتقال فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ حق سبحانہ فرماتے ہیں کہ جنت کی دیواریں دردیوار کی طرح بیجان اور مری نہیں ہیں بلکہ وہ زندہ ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں ان الدار الآخرۃ لھی الحیوان اس سے تمکو تعجب ہوگا مگر ہم تمہاری استعجاب کو یوں زائل کرتے ہیں کہ دیوارہائے جسم باوجود خانۂ روح ہونیکے بااحساس ہیں تو وہ گھر بھی زندہ ہوگا جسکا تعلق شہنشاہ حقیقی سے ہے۔ پس ثابت ہوا کہ دیوارہائے جنت زندہ ہیں اور صرف دیواریں ہی زندہ نہیں بلکہ درخت ہائے جنت اسکے میوے اور اسکا شیریں پانی سب زندہ ہیں۔ اور جنتیوں کے ساتھ ہم کلام ہونگے اور راز اسکا یہ ہے کہ بہشت سامان معروف سے جو کہ مردہ ہے نہیں بنی ہے بلکہ لوگوں کے اعمال ونیت سے بنی ہے اور عمارات دنیویہ تو آب وگل بے جان سے بنی ہیں اور عمارت جنت طاعت الٰہی سے بنی ہے۔ جو کہ زندہ ہے اسلئے عمارات دنیویہ اپنی ممثل اصل کے مشابہ ہیں اور عمارت جنت اپنی اصل سے جو کہ علم وعمل ہیں لہٰذا تخت۔ محل۔ تاج اور کپڑے وغیرہ سب کے سب جنتیوں سے ہم کلام ہونگے۔ اور سوال وجواب کریں گے اور فرش بے فراش کے لپٹ جاویگا مکان بے جھاڑو دینے والے کے صاف ہوجاویگا۔ اور اہل بہشت کا تخت بلا اٹھانے والوں کے چلدیگا۔ اور زنجیر دروازہ گائیں بجائیں گے تمکو شاید خیال ہو کہ مکان بے صاف کرنے والے کے کیونکر صاف ہوجائیگا اسلئے ہم اسکو ایک نظیر سے سمجھاتے ہیں

دیکھو خانۂ دل غم سے پریشان ہوتا ہے لیکن بلا جھاڑو دینے والے کے محض توبہ سے صاف ہوجاتا ہے۔ اس سے تمکو معلوم ہوا ہوگا کہ دل کو جنت سے مشابہت ہے سو یہ سچ ہے اور اسمیں جنت کی سی زندگی ہے میری زبان سے یہ مضمون پوری طرح ادا نہیں ہوتا۔ پھر اسکو طول دینے سے کیا حاصل۔ اسلئے اتنے پر اکتفا کرتا ہوں۔

(ف) اس مضمون میں مولانا نے طاعت کو زندہ کہا ہے اسکی وجہ یہ ہے کہ یہ اثر اور خاصہ حیات ہے اسلئے گویا کہ وہ زندہ ہی ہے۔ نیز مولانا نے فرمایا ہے کہ جنت اعمال صالحہ سے بنی ہے اور اعمال صالحہ اسکی اصل ہیں اسکی دو توجیہیں ہوسکتی ہیں۔ اول یہ کہ اجزائے جنت حقیقۃً اعمال ہی ہیں مگر اختلاف اتحاد وجود سے ان کے آثار اور خصوصیات مثل جوہریت وعرضیت وغیرہ میں اختلاف ہے۔ دوم یہ کہ جنت اعمال سے بنا بر نسبت بنی ہے۔ اور چونکہ اعمال سبب بنائے جنت ہیں اسلئے گویا کہ وہ ہی اسکی اصل ہیں واللہ اعلم۔

اب مولانا پھر مضمون سابق کی طرف عود فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جب مسجد اقصیٰ سلیمان علیہ السلام کے اہتمام سے تمام اور مکمل ہوگئی تو جبکہ حضرت سلیمان علیہ السلام اسمیں ہر صبح کے وقت لوگوں کو ہدایت کرتے اور انکو وعظ و نصیحت فرمانے جاتے تو کبھی الفاظ و عبادات سے نصیحت فرماتے اور کبھی فعل یعنی رکوع و نماز وغیرہ سے غرضکہ جیسا حالت اور موقع کے مناسب ہوتا تھا اسی طرح نصیحت فرماتے تھے۔ اب تمکو جاننا چاہیئے کہ فعلی نصیحت مخلوق کو زیادہ کھینچتی ہے کیونکہ قولی تو صرف سننے والوں ہی کے کان میں پہونچتی ہے۔ اور فعلی کان والوں اور بہروں دونوں کو پہونچتی ہے۔ نیز اسمیں تحکم کا وہم نہیں ہوتا۔ لہذا متبعین پر اسکا اثر زیادہ ہوتا ہے۔

شرح شبیری

شرح (حدیث) انما المومنون اخوۃ اور (قول) العلما کنفس واحدۃ کی خاصکر اتحاد داؤد علیہ السلام و سلیمان علیہ السلام اور تمام

انبیاء کا کہ اگر ایک کا منکر ہو تو سب کا انکار لازم ہے جیسے کہ
بہت سے مکانات اس طرح ہوں کہ اگر ایک کو گرایا جاوے
تو اور سب بھی گر پڑیں اسی طرح سب انبیاء میں بھی اتحاد ہے
کہ اگر ایک کا انکار کیا تو سب کا انکار لازم ہے جیسا کہ قرآن شریف
میں ہے لانفرق بین احد من رسلہ - اور عاقل کو تو اشارہ ہی
کافی ہے لیکن یہاں تو قرآن شریف میں صراحۃً ہی بیان
فرما دیا ہے

اس سرخی کے ذیل میں مولانا کو چونکہ اتحاد ارواح کا بیان مقصود ہے اسلئے مولانا نے
اُسکے مناسب حدیث اور قول اور آیت لکھدی ہیں - اب آگے قصہ بیان کرتے ہیں
اور اُسی سے اتحاد ارواح کو ثابت فرماویں گے فرماتے ہیں کہ

پس خطاب آمد بداؤد از خدا   کائے گزیں پیغمبر نیکو لقا

یعنی پھر حق تعالیٰ کیطرف سے داؤد علیہ السلام کی طرف خطاب آیا - کہ اے پیغمبر
مقبول نیک خصلت -

دل مدار اندر تفکر زین خبر   رہ مدہ در دل ملال و غم مخور

یعنی اس (مسجد نہ بنا سکنے کی) خبر سے دلکو فکر مند مت کرو - اور دل میں ملال مت
آنے دو - اور غم مت کھاؤ (کیونکہ) -

گرچہ بر ناید بجہد و زور تو   لیک مسجد را بر آرد پور تو

یعنی اگرچہ تمھاری کوشش اور زور سے یہ پوری نہو گی لیکن مسجد کو آپکے صاحبزادے
صاحب اوسکو پورا فرماویں گے -

گرچہ بر ناید بجہد تا این مقام   لیک پور تو کند آنرا تمام

یعنی اگرچہ تمھاری کوشش سے یہ مقام پورا نہو گا لیکن تمھارے صاحبزادے اسکو
پورا کردیں گے -

کردۂ او کردۂ تست ائے حکیم   مومناں را اتصالے دان قدیم

یعنی اے حلیم اُسکا کیا ہوا تمھارا ہی کیا ہوا ہے۔ اور مومنین کیلئے ایک قدیمی اتصال جانو۔ مطلب یہ کہ حق تعالیٰ نے فرمایا کہ اے داؤد (علیہ السّلام) تم اس سے غمگین مت ہو کہ مسجد تم نہ بنا سکے اسلئے کہ تم سے نہ بنی تو تمھارے صاحبزادے اسکو بناویں گے اور انکا بنانا گویا تمھارا ہی بنانا ہے لہذا غم مت کرو۔ اور شعر دع کردہ او الخ کا مصرعہ ثانیہ یعنی مومناں را اتصالے الخ سے قول مولانا کا ہے۔ کہ فرماتے ہیں کہ مومنین میں قدیم سے ایک اتصال ہے جس سے کہ آپسمیں تعلق ہے اور اس تعلق ہی کی بناء پر یہ کہا گیا کہ انکا کرنا گویا کہ آپ ہی کا کرنا ہے۔ اور یہاں قدیم سے قدم اضافی مراد ہے قدم حقیقی مراد نہیں ہے۔ اسلئے کہ ارواح باعتبار اجسام کے قدیم ہی ہیں اگرچہ خود بھی حادث ہوں۔ آگے مولانا بہت دور تک اس اتحاد ارواح ہی کو بیان فرماتے ہیں یہ بات تو یہاں بتلا ہی دی ہے کہ مومنین کاملین کی ارواح میں ایک اتحاد پہلے سے چلا آتا ہے اب آگے فرماتے ہیں کہ

مومناں معدود لیک ایماں یکے　　　جسم شاں معدود لیکن جاں یکے

یعنی مومنین بہت سے ہیں لیک ایمان ایک ہے اون کے اجسام مختلف ہیں لیکن جان ایک ہے مطلب یہ ہے کہ دیکھو مومنین جسقدر ہیں وہ خواہ کامل ہوں یا غیر کامل وہ باعتبار اجسام کے تو معدود اور مختلف ہیں لیکن انکا ایمان متحد بالنوع ہے علی ہذا اُن کے اجسام میں تعدد ہے لیکن اُنکی جان ایک ہے یعنی متحد بالنوع ہے۔ ایمان اور جان میں اتحاد نوعی موجود ہے جسکو ہر شخص تسلیم کرتا ہے آگے فرماتے ہیں کہ۔

غیر فہم و جان کہ در گاؤ و خرست　　　آدمی را عقل و جان دیگر است

یعنی علاوہ فہم اور جان کے جو کہ گاؤ خر میں ہے آدمی کیلئے عقل اور جان دوسری ہے مطلب یہ کہ دیکھو حیوانات میں تو صرف روح حیوانی مع اپنی صفات کے ہے اور انسان میں روح حیوانی مع الصفات اور اسکے علاوہ ایک روح انسانی بھی ہے۔ جو کہ اس روح حیوانی کے علاوہ ہے۔ اور اس بیان میں مولانا نے جہاں جان اور روح کا اطلاق کیا ہے اُس سے صفات و کمالات روح مراد لئے ہیں جیساکہ اس شعر میں مولانا نے فہم و

جان اور عقل و جان سے اسکی طرف اشارہ کردیا۔ کہ صرف جان مراد نہیں ہے بلکہ جان کے ساتھ فہم جوکہ صفت جان میں سے ہے مراد ہے۔ اور حضرت حکیم الامتہ نے بھی اسکا اپنی تحریر میں باین الفاظ ارشاد فرمایا ہے کہ "یہاں روح سے مراد متعارف روح نہیں ہے الخ تو بس روح سے مراد صفات روح ہوئے۔ تو مقصود مولانا کا یہ ہوا کہ ایک تو وہ کمالات ہیں جو کہ حیوانات میں ہیں مثل اکل و شرب وغیرہ کے۔ جو کہ انکی روح کا مقتضا ہے اور ایک وہ کمالات ہیں جو کہ انسان کی روح میں پائے جاتے ہیں۔ وہ اسکے مقتضیات ہیں آگے فرماتے ہیں کہ۔

باز غیر عقل و جان آدمی　　　ہست جانے در نبی و در ولی

یعنی پھر علاوہ عقل اور روح انسانی کے ایک جان نبی اور ولی میں ہے۔ مطلب یہ کہ جو صفات روح انسانی کی اندر ہوتی ہیں اور جو اسکے مقتضیات ہیں ان کے علاوہ انبیاء و اولیاء میں کچھ اور کمالات بھی ہیں جنکی وجہ سے وہ ان دیگر انسانوں سے ممتاز ہیں آگے فرماتے ہیں کہ۔

جان حیوانی ندارد اتحاد　　　تو مجو ایں اتحاد از روح باد

یعنی جان حیوانی اتحاد نہیں رکھتی تم اس اتحاد کو روح بادی میں مت تلاش کرو۔ مطلب یہ کہ روح حیوانی جو کہ ایک بخار لطیف ہے اسمیں تم اور کمالات کو مت تلاش کرو۔ کہ جسکی وجہ سے یہ اتحاد ان میں ہے کہ ان کے اغراض و مقاصد باہم متحد ہیں ان اغراض کا اتحاد اسی وجہ سے ہے کہ ان کے اندر ایسے کمالات ہیں جو اس امر کو مقتضی ہیں اور روح بادی یعنی حیوانی میں وہ کمالات نہیں ہیں جنکی وجہ سے انکی اغراض میں اور ان کے مقاصد میں تغایر و تزاحم ہے بس اسکو مولانا نے اتحاد روح سے تعبیر فرمایا ہے تو گویا کہ یہ کہا جاویگا کہ اس سے مراد اتحاد عرفی ہے آگے اسکے تائیدات بیان فرماتے ہیں کہ۔

گر خورد ایں نان نگردد سیر آں　　　ور کشد بار ایں نگردد آں گراں

یعنی اگر یہ روٹی کھاوے تو وہ سیر نہیں ہوتی اور اگر یہ بار کھینچے تو وہ گراں نہیں ہوتی مطلب یہ ہے کہ اس روح بادی اور حیوانی میں تو اس درجہ تخالف اور تزاحم ہے اور انکے اغراض

اسقدر متفاوت ہیں کہ ایک پر اگر کلفت ہے تو دوسرے کو پرواہ نہیں ہے اور اگر اسکو راحت ہے تو دوسرے کو کوئی خوشی نہیں ہے آگے اس سے بھی ترقی کرکے فرماتے ہیں کہ۔

بلکہ این شادی کند از مرگ او   وز حسد میرد چو بیند برگ او

یعنی بلکہ اسکے مرنے سے یہ خوشی کرتی ہے اور اگر اسکا ساز و سامان دیکھے تو حسد سے مری جاتی ہے مطلب یہ کہ انکا تخالف اور تضاد تو اسدرجہ بڑھا ہوا ہے کہ ایک کی راحت کو دوسرا دیکھ نہیں سکتا۔ اگر ایک راحت میں ہے تو دوسرے کو رنج ہے ہاں اگر اسکو تکلیف ہو تو وہ خوش ہیں اور جو اولیاء اللہ ہیں انکو دوسرے کی تکلیف سے تکلیف اور اسکی راحت سے راحت ہوتی ہے۔ تو اسکی وجہ وہی کمال ہے کہ اس کمال نے انکی اغراض کو متحد کر دیا ہے اور اس وجہ سے انمیں تخالف اور تضاد نہیں ہوتا آگے فرماتے ہیں کہ۔

جان گرگان و سگان ہر یک جداست   متحد جانہائے شیران خداست

یعنی بھیڑیوں اور کتوں کی ہر ایک کی جان جدا ہے۔ اور شیران خدا کی جانیں سب متحد ہیں (اتحاد سے وہی اتحاد اغراض مراد ہے) مطلب یہ کہ شیروں کی ارواح سب متحد بالنوع ہوتی ہیں اور کتوں اور بھیڑیوں کی ارواح مختلف ہوتی ہیں لہذا غیر مقبولین جو کہ کتوں وغیرہ کی طرح ہیں انکی ارواح میں تو تخالف ہے اور اولیاء اللہ جو کہ مانند شیروں کے ہیں انکی ارواح میں اتحاد ہے یہاں بظاہر ایک شبہ واقع ہوتا ہے آگے اسکا جواب فرماتے ہیں شبہ یہ ہوا کہ جب اولیاء کی ارواح متحد ہیں تو پھر تم نے انکو جمع سے کیوں تعبیر کیا۔ کہ یوں کہا کہ "متحد جانہائے شیراں خدا" تو جانہائے کیوں کہا۔ جان کیوں نہ کہا آگے اسی کا جواب دیتے ہیں کہ

جمع گفتم جانہاشان من باسم   کان یکے جان صد بود نسبت بجسم

یعنی میں نے انکی جانوں کو نام کے اعتبار سے جمع کہدیا کہ وہ ایک جان بہ نسبت جسم کے سو ہوتی ہے۔ مطلب یہ کہ چونکہ وہ جان جو کہ متحد فی النوع ہے باعتبار تشخصات کے مختلف و متعدد ہوتی ہے اسلئے ظاہر کے اعتبار سے میں نے جمع کہدیا ورنہ اصل میں تو متحد ہی ہیں اور ان کے اغراض و مقاصد بالکل متحد ہی ہیں آگے اسکی کہ اصل میں ایک ہو اور ظاہر میں متعدد ہوں ایک مثال دیتے ہیں کہ۔

ہمچو آں یک نور خورشید سما صد بود نسبت بصحن خانہا۔

یعنی اُس آسمان والے ایک خورشید کیطرح کہ وہ گھروں کے صحنوں کی نسبت سے سیکڑوں ہوتے ہیں مطلب یہ کہ دیکھو نور خورشید حالانکہ ایک ہی ہے اور اسمیں تعدد نہیں ہے لیکن چونکہ مختلف امکنہ میں پڑتا ہے اور ان امکنہ کے تعدد صور کی وجہ سے اسمیں تعدد آگیا ہے لیکن حقیقت میں وہ واحد ہے۔ اور اسکے اندر اتحاد ہی ہے بس اسی طرح اگرچہ تشخصات جسمانیہ مختلف ہوں اور ان تشخصات کی وجہ سے تعدد آجاوے لیکن روح اصل میں متحد بالنوع ہے اسکے اندر ان تشخصات کے تعدد سے کوئی تعدد نہیں آگیا خوب سمجھ لو اسی کو آگے خود بیان فرماتے ہیں کہ

لیک یک باشد ہمہ انوارشاں چونکہ برگیری تو دیوار از میاں

یعنی لیکن ان سب کے انوار ایک ہی ہوتے ہیں جبکہ تم دیوار کو درمیاں سے ہٹا لو مطلب یہ کہ نور میں جو تعدد پیدا ہوا ہے تو ان امکنہ کی وجہ سے اور ان حجابات کیوجہ سے ہوگیا ہے ورنہ اگر ان مکانوں کو الگ کردو اور حجابات ہٹا دو تو تمام نور پھر ایک ہے اسمیں کوئی بھی فرق نہیں ہے۔

چوں نماند خانہا را قاعدہ مومناں باشند نفس واحدہ

یعنی جب گھرونکی بنیاد نہ رہے تو مومنین سب نفس واحدہ ہوجاویں مطلب یہ کہ اجسام نہ رہیں اور تشخصات زائل ہوجاویں تو تمام مومنین باعتبار صفات واغراض ایک ہوجاویں اور کوئی فرق باہمی نہو آگے فرماتے ہیں کہ۔

فرق واشکالات آید زیں مقال لیک نبود مثل ایں باشد مثال

یعنی اس کہنے سے بہت سے فرق اور اشکالات واقع ہوتے ہیں لیکن یہ مثل نہیں ہے یہ مثال ہے مطلب یہ ہے کہ ہم نے جو کمالات کے اتحاد عرفی اور تعدد تشخصی کو آفتاب کے اتحاد اور تعدد سے مثال دی ہے اس سے لوگونکو شبہ ہوگا کہ جسطرح آفتاب میں اتحاد حقیقی ہے اسی طرح کمالات میں بھی اتحاد حقیقی ہے اور جسطرح آفتاب کے یہ سب اجزاء تحلیلیہ ہیں اسی طرح انسان کے بھی یہ سب اجزاء تحلیلیہ ہوں تو فرماتے ہیں کہ یہ نہیں ہے اسلئے

کہ کمال تو کوئی مرکب شئے نہیں ہے جس سے اجزاء تحلیلیہ نکل سکیں بلکہ یہ توہم نے مثال کے طور پر کہدیا ہے جسمیں مشبہ اور مشبہ بہ کا من کل الوجوہ متحد ہونا ضروری نہیں بلکہ اگر کسی ایک صفت میں بھی اتحاد ہے تو اس سے تشبیہ دے سکتے ہیں ہاں مثل میں یہ بات ہے کہ جب یہ کہا جاوے کہ فلاں شئے فلاں کے مثل (بکسر المیم) ہے اسوقت اسکا من کل الوجوہ مثل ہونا ضروری ہے تو یہ مثال ہے مثل نہیں ہے خوب سمجھ لو۔ اس مقام کی تقریر بھی حضرت قبلہ حکیم الامۃ دام ظلہم نے خود تحریر فرما کر عنایت فرمائی ہے۔ جسکو ذیل میں ہدیۂ ناظرین کرتا ہوں۔ وھو ھذا۔

قولہ فرق و اشکالات الخ۔ اشکال یہ ہے کہ نور خورشید تو واحد بالشخص ہے۔ اور اسکے یہ قطعات اسکے اجزاء تحلیلیہ ہیں بخلاف کمال مقبولین کے کہ وہ واحد بالشخص ہیں اور نہ اسکے افراد اسکے اجزاء تحلیلیہ ہیں۔ جواب یہ ہے کہ یہ مثال ہے مماثل نہیں وجہ تشبیہ مطلق عدم تخالف ہے گو ایک جگہ اسکا تحقق وحدۃ شخصیہ کے ضمن میں ہو اور دوسری جگہ اتحاد اغراض میں انتہی بلفظہ۔ آگے ایک اور مثال سے اس امر کو بتلاتے ہیں کہ دیکھو مثال میں من کل الوجوہ مشابہت ضروری نہیں فرماتے ہیں کہ۔

فرقہا بیحد بود از شخص شیر · تا بہ شخص آدمی زاد دلیر

یعنی شیر کے جسم میں اور آدمی زاد دلیر کے جسم میں بیحد فرق ہوتے ہیں۔

لیک در وقت مثال ای خوش نظر · اتحاد از روئے جانبازی نگر

یعنی لیکن اے خوش نظر مثال کے وقت اتحاد جانبازی کی حیثیت سے دیکھو۔

کان دلیر آخر مثال شیر بود · نیست مثل شیر در جملہ حدود

یعنی کہ وہ دلیر آخر شیر کی مماثل تھا نہ کہ تمام حدود میں اسکے مثل تھا مطلب یہ ہے دیکھو بولتے ہیں کہ فلاں شخص تو بالکل شیر ہے۔ حالانکہ کہاں شیر اور کہاں آدمی زمین و آسمان کا فرق مگر بولتے ہیں تو مراد صرف یہ ہوتی ہے کہ وہ دلیری میں شیر کی طرح ہے باقی صفات مثل درندگی وغیرہ میں یا صورت میں اسکے مثل نہیں ہے تو اسی طرح یہاں بھی مثال ہے کہ آپس کے تخالف اور تضاد کو مثال دینا منظور ہے۔ اگرچہ اور

تمام صفات میں تشابہ نہیں ہے خوب سمجھ لو۔ آگے فرماتے ہیں کہ۔

متحد نقشے ندارد ایں سرا　　تا کہ مثلے وانمایم من ترا

یعنی یہ عالم کوئی نقش متحد نہیں رکھتا تاکہ میں تمکو کوئی مثل دکھلادوں۔ مطلب یہ کہ اس جہان میں کوئی ایسی شے نہیں ہے کہ جو بالکل اسی کی طرح اور اسکی مثل ہو اور میں تمکو اسکو کہدوں کہ اُن قلوب کاملین میں کمالات کی وجہ سے ایسا اتحاد ہے جیسا کہ فلاں شے میں ہے لہذا اُسکا اتحاد مثالوں ہی سے بیان کیا جاویگا۔ لیکن۔

ہم مثال ناقصے دست آورم　　تا ز حیرانی خرد را وا خرم

یعنی ایک ناقص مثال ہی لاتا ہوں تاکہ عقل کو حیرانی سے چھڑاؤں۔ مطلب یہ کہ اُس اتحاد کی کوئی شے مماثل تو ہے نہیں اسلئے ایک مثال ہے جو کہ اسکے سامنے بالکل ناقص ہے بیان کرتا ہوں۔ کہ اس سے تمھاری عقل کی حیرانی کچھ تو کم ہو۔ اور تم کچھ سمجھو تو آگے روح حیوانی کی مثال بیان کرتے ہیں کہ۔

شب بہر خانہ چراغے می نہند　　تا بنور آں ز ظلمت وارہند

یعنی رات کو ہر گھر میں ایک چراغ رکھتے ہیں تاکہ اسکے نور کی وجہ سے اندھیرے سے چھوٹیں۔

آں چراغ ایں تن بود نورش چو جاں　　ہست محتاج فتیل ایں و آں

یعنی وہ چراغ تو یہ بدن ہے اور اُسکا نور جان کی طرح ہے اور وہ اِسکے اور اُس کے فتیلہ کا محتاج ہے۔ مطلب یہ ہے کہ دیکھو رات کو ہر گھر میں چراغ جلاتے ہیں تاکہ روشنی ہو لیکن وہ چراغ اسکا محتاج ہوتا ہے کہ اُسمیں بتی ہو تیل ہو۔ تب وہ جلتا ہے اور نور دیتا ہے۔ ورنہ گل ہو جاتا ہے۔ تو اسی طرح روح حیوانی جو کہ حقیقت میں ایک بخار لطیف ہے جب تک اُسکو کھانا پینا ملتا رہے اسوقت تک تو رہتی ہے اور جہاں یہ بند ہوا اور وہ فنا ہوئی۔

واں فتیلہ پنج دارد از حواس　　جملگی بر خواب و خور دارد اساس

یعنی وہ حواس کی پانچ بتیاں رکھتی ہے جو کہ سب کے سب خواب و خور پر بنیاد رکھتی ہیں۔

مطلب یہ کہ جسطرح کہ چراغ ہوتے ہیں کہ ہر ایک خودغرض ہوتا ہے اسکو دوسرے کی پرواہ نہیں ہوتی ہے اسی طرح روح حیوانی کی اغراض علیحدہ علیحدہ ہیں ہر ایک ڈیڑھ اینٹ کی مسجد الگ بنائے ہوئے ہے، ایک کی غرض کچھ ہے اور دوسرے کی کچھ ہے چونکہ اوپر چراغوں اور روح حیوانی کے دو وصف بیان کئے تھے ایک تو انکا محتاج اسباب ہونا اور دوسرا انکا عدم بقار تو اگرچہ یہاں مقصود تو وصف اول ہے لیکن صفت ثانی یعنی عدم بقار کو بھی استطراداً بیان فرمانے لگے اصل مقصود مقام تو یہاں ختم ہوگیا آگے مضمون استطرادی ہے۔

بیخور و بے خواب نزید نیم دم　　　با خور و با خواب نزید نیز ہم

یعنی بے خواب و خور کے تو ایک گھڑی بھی زندہ نہیں رہ سکتی (لیکن) خواب و خور کے ساتھ بھی (ہمیشہ کیلئے) زندہ نہیں رہ سکتی (خواب و خور سے مراد ستہ ضروریہ) مطلب یہ کہ ان چیزوں کے نہونے سے تو وہ فنا ہو ہی جاتی ہے لیکن باوجود ان اشیاء کے ہونے کے بھی اسکو بقار ابدی نہیں ہے۔ بلکہ جب بھی فانی ہی ہے۔ جیسا کہ۔

بے فتیلہ و روغنش نبود بقا　　　با فتیلہ و روغن او ہم بیوفا

یعنی بے فتیلہ اور تیل کے اسکو بقا نہیں ہے اور مع فتیلہ اور تیل کے بھی وہ بیوفا ہے مطلب یہ کہ جیسا کہ چراغ کہ اگر اسمیں تیل بتی ہو تب بھی وہ ایک وقت مقرر کے بعد گل کردیا جاتا ہے اور فنا ہوجاتا ہے اور اگر تیل بتی نہو تب تو اسکو بقا ہے ہی نہیں۔

زانکہ نور علتی اش مرگ جواست　　　چوں زید کہ روز روشن مرگ اوست

یعنی اسلئے کہ نور ضعیف اسکا موت کا متلاشی ہے تو وہ کیونکر جئے کہ روز روشن اسکی موت ہے مطلب یہ کہ چراغ کا نور جو کہ ایک نور ضعیف ہے وہ بھلا کس طرح زندہ رہ سکتا ہے جبکہ روز روشن آویگا تو اسکو تو عادۃً موت آہی جاویگی اور وہ فنا کرہی دیا جاویگا۔ بھلا وہ نور ضعیف اس نور روز کے آگے کب ٹھیر سکتا ہے۔

جملہ حسہائے بشر ہم بے بقاست　　　زانکہ پیش نور روز حشر لاست

یعنی تمام حواس بشری بھی بے بقا ہیں اسلئے کہ روز حشر کے نور کے آگے سب فانی ہیں

مطلب یہ کہ روح حیوانی کو بقار ابدی نہیں ہے۔ بلکہ وہ فانی ہے کیونکہ قیامت کی روز تو جو عذاب وثواب ہوگا وہ نسمہ پر ہوگا۔ اسلئے اوس روح حیوانی کی حاجت نہ رہی اور جیسے کہ چراغ کی قریب صبح حاجت نہیں رہتی اسلئے اسکو پہلے ہی گل کر دیتے ہیں بس اسی طرح روح حیوانی کو بھی حشر بپا ہونے سے پہلے ہی یعنی موت کیساتھ ہی فنا کر دیتے ہیں کیونکہ وہاں اسکا کوئی کام ہی نہیں ہے۔ پھر اسکو اسوقت کیلئے کیوں رکھا جاوے اب یہاں چونکہ روح حیوانی کے عدم بقار کو استطرادًا بیان کیا تھا تو آگے اسی مناسبت سے روح انسانی کے بقا کو بھی استطرادًا بیان فرماتے ہیں کہ

نور حس و جان ناپایان ما　　نیست کلی فانی ولا چوں گیا

یعنی ہمارا نور حس اور جان ابدی بالکلیہ فانی اور نیست گھاس کی طرح نہیں ہے مطلب یہ ہے کہ جس طرح کہ روح حیوانی موت سے فنا ہو جاتی ہے روح انسانی موت سے فنا نہیں ہوتی۔ بلکہ اسکو بقار ابدی حاصل ہے جیسا کہ اکثر صوفیہ اور بعض علمار ظاہر اس طرف گئے ہیں کہ خلق الانسان للابد یعنی انسان ابدی ہے ہاں ازلی ابدی نہیں ہے۔ بلکہ صرف ابدی ہے اسمیں کوئی استحالہ لازم نہیں آتا تو روح انسانی کو موت سے فنا نہیں۔ یہاں یہ شبہ ہوا کہ اگر روح انسانی موت سے فنا نہیں ہوتی اسکے آثار دنیا میں کیوں ظاہر نہیں ہوتے۔ تو جواب اسکا یہ ہے کہ چونکہ روح انسانی خواہ وہ کافر کی ہو یا مومن کی (کیونکہ روح انسانی سب میں ہوتی ہے) موت کے بعد تجلیات جمالیہ سے (جبکہ وہ روح مومن ہو) اور تجلیات جلالیہ سے (جبکہ وہ روح کافر ہو) مغلوب ہو جاتی ہے اسلئے اسکے آثار دنیا میں سے مٹ جاتے ہیں اور آثار ظاہر نہیں ہوتے۔ آگے تین مثالوں سے اسی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ فرماتے ہیں کہ۔

لیک مانند ستارہ و آفتاب　　جملہ محو اند از شعاع آفتاب

یعنی لیکن ستارہ اور آفتاب کی طرح کہ سب شعاع آفتاب کی وجہ سے محو ہوتے ہیں مطلب یہ ہے کہ جسطرح کہ ستارے آفتاب کے نکلنے کے وقت منطمس ہو جاتے ہیں۔ کہ ان کے آثار مثل نور وغیرہ کے کچھ باقی نہیں رہتے۔ اسی طرح روح انسانی کے آثار بھی موت کے بعد

منطمس ہو جاتے ہیں اور دوسری اشیا رکا (یعنی تجلیات کا) غلبہ اسپر ہو جاتا ہے تو وہ مثل فانی کی معلوم ہوتی ہے اسی کی ایک دوسری مثال دیتے ہیں کہ۔

آنچنانکہ سوز و درد و زخم کیک — محو گردد چوں در آید مار الیک

یعنی جسطرح کہ درد اور سوزش پسو کے زخم کی محو ہو جاتی ہے جبکہ تمھاری طرف سانپ آوے مطلب یہ کہ ایک شخص کے پسو نے کاٹ لیا تھا اسکی تکلیف ہو رہی تھی اور اسمیں درد اور جلن ہو رہی تھی کہ اسی شخص کے سانپ نے کاٹ لیا۔ تو اب باوجودیکہ پسو کے کاٹنے کی بھی تکلیف تو ہے لیکن اس سانپ کے کاٹے کے سامنے وہ اسقدر ہیچ ہے کہ گویا نہیں ہے اسی طرح روح انسانی بوجہ غلبہ تجلیات کے باوجود موجود ہونیکے اسقدر مغلوب ہوتی ہے گویا کہ بالکلیہ فانی ہے آگے تیسری مثال دیتے ہیں کہ۔

آنچنانکہ عور اندر آب جست — تا در آب از زخم زنبوراں برست

یعنی جسطرح کوئی ننگا پانی میں کود اتھا تاکہ پانی میں بھڑوں کے زخم سے چھوٹا مطلب یہ کہ کوئی شخص پانی میں کود جاوے تو حالانکہ وہ موجود ہے لیکن بظاہر معدوم ہی یہی حالت روح انسانی کی بعد الموت ہو جاتی ہے۔ اصل مقصود مثال تو یہاں ختم ہو گیا آگے استطرادًا تتمیم مثال کیلئے دوسرے مصرعہ میں فرماتے ہیں کہ کوئی کودتا ہے تو اسلئے کودا کرتا ہے بس اس وجہ سے مصرعہ ثانی میں اسکی حالت کو بیان فرمانے لگے۔

می کند زنبور بر بالا طواف — چوں بر آرد سر ندارندش معاف

یعنی بھڑیں اوپر گھوم رہی ہیں جوں ہی وہ سر نکالے تو اسکو معاف نہ رکھیں گی مطلب یہ کہ کسی برہنہ کو بھڑیں لپٹ گئیں تو وہ ان کے ڈر کے مارے پانی میں کود جاوے تاکہ ان کے کاٹنے سے چھوٹے تو وہ بھڑیں اوپر ہی گھومتی رہتی ہیں اور اس نے ذرا سر ابھارا اور انھوں نے ڈنک لگایا۔ اس سے مولانا کا ذہن ایک مضمون ارشادی کی طرف منتقل ہو گیا۔ آگے اسی کو بیان فرماتے ہیں۔

آب ذکر حق و زنبور این زماں — ہست یاد این فلان و آن فلاں

یعنی پانی تو ذکر حق ہے اور زنبور اسوقت اسکی اور اس کی یاد ہے مطلب یہ کہ جسطرح کہ پانی بنے

اُس شخص کو زنبوروں سے بچالیا اسی طرح اگر تو ذکر حق شروع کردیگا تو وہ ذکر حق تجھے وساوس وخیالات شیطانی سے بچالیگا۔ اسی کو خود فرماتے ہیں کہ۔

دم بخور در آب ذکر و صبر کن تا رہی از فکر و وسواس کہن

یعنی آب ذکر میں غوطہ لگا اور صبر کرتا کہ تو فکر اور وساوس کہنہ سے چھوٹ جاوے مطلب یہ کہ ادہر اودہر کے قصوں کو چھوڑ کر تم ذکر حق میں مشغول ہوجاؤ۔ تو پھر تم وساوس سے بچ جاؤ گے

بعد ازاں تو طبع آں آب صفا خود بگیری جملگی سر تا بپا

یعنی اُسکے بعد تو اُس آب صاف کی طبیعت خود سرتاپا نے لوگے۔ مطلب یہ کہ پھر جب ذکر تمھارے اندر سرایت کرجاویگا تو تم کو پھر اس ذکر متعارف کی ضرورت بھی نہ رہے گی بلکہ تمھارے اندر ایک ایسی بات پیدا ہوجاوے گی اور ذکر اس طرح سرایت کرجاویگا کہ اس ذکر متعارف کی تمکو ضرورت نہ رہے گی جیساکہ کاملین میں مشاہد ہے کہ بعد کمال انکو کثرت ذکر کی ضرورت نہیں رہتی۔ بلکہ یہ حالت ہوجاتی ہے۔

آنچناں کز آب آں زنبور شر می گریزد از تو ہم گیرد حذر

یعنی جس طرح کہ وہ زنبور شر پانی سے بھاگتی ہے تجھسے بھی پرہیز کریگی۔ مطلب یہ ہے کہ جب تم ذکر حق میں مشغول ہوگے اور اسمیں لگ جاؤگے تو پھر تم خود متصف بہ صفات حق ہوجاؤگے۔ اور تمھاری شان بی یسمع اور بی یبصر کی ہوجاویگی اور جسطرح کہ شیطان ذکر حق سے بھاگتا تھا خود ...... تمھاری ذات سے بھاگنے لگے گا جیساکہ حدیث میں ہے کہ ان الشیطان یفر من ظل عمر (ح) یعنی حضرت عمر رض کے سایہ سے شیطان بھاگتا ہے تو اسکی وجہ صرف یہی ہے کہ انکو وہ درجۂ کمال حاصل ہوگیا تھا جسکی وجہ سے وہ متصف بصفات حق ہوگئے تھے۔ اور شیطان خود انکی ذات سے بھاگنے لگا تھا۔ آگے فرماتے ہیں کہ

بعد ازاں خواہی تو دور از آب باش کہ بسر ہم طبع آبی خواجہ تاش

یعنی اسکے بعد اگر تو چاہے تو پانی سے دور رہ کیونکہ باطن میں تو تو بھی ہم طبع آب ہے۔ اے خواجہ تاش۔ مطلب یہ کہ جب یہ حالت ہوجاوے اور ذکر رگ وپے میں سرایت کرجاوے تو اسکے بعد اگر چاہو تو ذکر متعارف کو ترک کردو تب بھی کوئی حرج نہیں ہے خود تمھاری ذات سے

وہی ہوگا جو کہ ذکر سے ہوتا تھا۔ یعنی شیطان بھاگنے لگے گا آگے پھر عود ہے روح انسانی کے بقا کے مضمون کیطرف فرماتے ہیں کہ۔

بس کسانے کز جہاں بگذشتہ اند　　　لانیند و در صفات آغشتہ اند

یعنی بہت سے لوگ جو کہ اس جہاں سے گذر گئے ہیں معدوم نہیں ہیں (بلکہ) صفات میں ملگئے ہیں۔

در صفات حق صفات جملہ شاں　　　ہمچو اختر پیش آں خور بے نشاں

یعنی صفات حق میں اُن سبکی صفات ستارہ کی طرح اُس خورشید کے سامنے بے نشان ہیں۔ مطلب یہ کہ جو حضرات بظاہر دنیا سے گذر گئے ہیں وہ معدوم نہیں ہیں بلکہ اُنپر صفات حق کا غلبہ ہوگیا ہے اور وہ اسمیں مغلوب ہوگئے ہیں کہ اُن کے آثار ظاہر دنیا میں نہیں رہے۔ ورنہ وہ معدوم نہیں بلکہ موجود ہیں جیسا کہ خورشید کے نور کے آگے نور اختر کالعدم ہوتا ہے۔ اسی مضمون کو اس سے پہلے بھی بیان فرما چکے ہیں یہانتک تو کشف کے ذریعہ سے اسکو بیان فرمایا تھا آگے ایک نقلی دلیل اسکی لاتے ہیں کہ۔

گرز قرآں نقل خواہی اے حروں　　　خواں جمیع ہم لدینا محضروں

یعنی اے سرکش اگر قرآن سے نقل کی ضرورت ہو تو ہم لدینا محضرون کو پڑھ لو۔

محضروں معدوم نبود نیک بیں　　　تا بقائے روحہا دانی یقیں

یعنی جو معدوم ہوتے ہیں وہ محضرون نہیں ہوتے۔ خوب دیکھ لو تاکہ ارواح کے بقا کو یقیناً جان لو۔ مطلب یہ ہے کہ اگر تم کو دلیل نقلی کی ضرورت ہو تو دیکھو قرآن شریف میں ہے کہ جمیع لدینا محضرون کہ سب ہمارے پاس جمع ہونگے تو بھلا جو معدوم ہوتے ہیں وہ حاضر کیسے ہو سکتے ہیں اسلئے معلوم ہوا کہ اُنکی ارواح معدوم نہیں جب تو وہاں حاضر ہونگے۔ مگر چونکہ روح انسانی کفار و مسلمین سب میں ہوتی ہے اور سب کی ارواح تجلیات میں مغلوب ہیں صرف فرق اسقدر ہے کہ کفار کی ارواح پر تجلیات جلالیہ ہونگی اور مومنین کی ارواح پر تجلیات جمالیہ ہونگے اسلئے مولانا نے آگے روح کی قسمیں لیں اور دونوں کے احکام بیان فرماتے ہیں کہ۔

روح محجوب از بقایش در عذاب　　روح واصل در بقا پاک از حجاب

یعنی روح محجوب (کافر) تو اپنی بقا کی وجہ سے حجاب میں ہے اور روح واصل بقا میں حجاب سے پاک ہے مطلب یہ کہ کفار کی ارواح انسانیہ بھی باقی ہیں اور مومنین کی بھی لیکن کفار کی ارواح اُس بقا ہی کی وجہ سے عذاب بھگت رہی ہیں اور مومنین کی ارواح اُس بقا ہی کی وجہ سے عیش میں ہیں آگے اصل مقصود یعنی روح حیوانی کے عدم اتحاد کی طرف عود ہے فرماتے ہیں کہ۔

زیں چراغ حس حیوان المراد　　گفتمت ہاں تا نجوئی اتحاد

یعنی الحاصل اس حس حیوانی کے چراغ سے میں نے تم سے کہدیا کہ تم اتحاد کے متلاشی مت رہنا مطلب یہ کہ میں نے تمکو بتا دیا ہے کہ تم ہرگز ہرگز روح حیوانی میں اتحاد کے امید پر مت رہنا انمیں ہرگز اتحاد نہو گا۔ بس جب یہ بات ہے تو آگے اسپر تفریع فرماتے ہیں کہ

روح خود را متصل کن اے فلاں　　زود با ارواح قدس سالکاں

یعنی اے شخص اپنی روح کو جلدی سے سالکین کی ارواح مقدسہ کیساتھ متصل کردے مطلب یہ کہ تم اپنی روح انسانی کو جو کہ بوجہ اتباع روح حیوانی کے روح حیوانی ہی کے حکم میں ہو رہی ہے کاملین کی روح کیساتھ متصل کردو۔ تاکہ وہ بھی سالکین کی روح کے اوصاف کیساتھ متصف ہوجاوے۔ آگے پھر روح حیوانی کی مثال کی تقریر فرماتے ہیں کہ

صد چراغت ار مرند ار بیستند　　پس جدا اند و یگانہ نیستند

یعنی سو چراغ اگر مریں اور اگر قائم ہوں تو وہ جدا ہیں اور ایک نہیں ہیں مطلب یہ کہ اگر تمہارے سیکڑوں چراغ ہوں وہ خواہ گل ہوں اور خواہ جلتے رہیں وہ سارے کی سارے جُدا ہی ہیں ایک تو نہیں ہیں۔ بس اسی طرح سے ارواح حیوانیہ خواہ وہ زندہ رہیں یا مرجاویں اُنمیں اتحاد نہیں ہوسکتا۔

زاں ہمہ جنگند ایں اصحاب ما　　جنگ کس نشنید اندر انبیا

یعنی اسی لئے ہمارے سارے لوگ لڑائی میں ہیں اور کسی نے انبیاء علیہ السلام میں لڑائی نہیں سنی۔

زانکہ نور انبیا خورشید بود　　نور حس ما چراغ و شمع و دود

یعنی اسلیئے کہ انبیا علیہ السلام کا نور تو خورشید تھا اور ہمارا نور حس چراغ اور شمع اور دود تھا مطلب یہ کہ اسی عدم اتحاد کی وجہ سے غیر کاملین اور غیر مقبولین میں ہمیشہ اختلاف رہتا ہے اور ہمیشہ لڑتے ہی رہتے ہیں لیکن انبیا میں کبھی لڑائی نہیں ہوتی۔ کیونکہ انکی مثال تو خورشید جیسی ہے۔ کہ اُسکا نور متحد ہے۔ اسمیں اختلاف نہیں ہے اور ہمارا نور چراغ جیسا ہے کہ جسمیں بالکل اختلاف ہے جیسا کہ خود فرماتے ہیں کہ۔

یک بمیرد یک بماند تا بروز　　یک بود پژمردہ دیگر با فروز

یعنی ایک مرتا ہے اور ایک دن تک رہتا ہے اور ایک پژمردہ ہوتا ہے اور دوسرا بارونق رہتا ہے۔ مطلب یہ کہ چراغوں کے اختلاف کی اور تزاحم کی یہ حالت ہے کہ ایک روشن ہے ایک گل ہے ایک ٹمٹما رہا ہے ایک بالکل گل ہوگیا ہے لیکن شمس میں یہ بات نہیں ہے بلکہ اُسکا نور ہمیشہ اور ہر جگہ یکساں ہے اگر ہے تو سب جگہ ہے اور اگر نہیں ہے تو کہیں بھی نہیں ہے۔

جان حیوانی بود حی از غذے　　ہم بمیرد او بہر نیک و بدے

یعنی جان حیوانی تو کھانے سے زندہ رہتی ہے اور وہ ہر ایک نیک و بد سے مر بھی جاتی ہے مطلب یہ کہ یہ سب تو خود غرض ہیں ہر ایک کا کھانا پینا اور غذا الگ ہے جیسا کہ چراغوں میں سبکی غذا اور تیل بتی الگ الگ ہے۔ اور یہ حالت ہے کہ۔

گر بمیرد این چراغ و طے شود　　خانہ ہمسایہ مظلم کے شود

یعنی اگر یہ چراغ مر جاوے اور طے ہو جاوے تو ہمسایہ کا گھر اندھیرا کب ہوتا ہے مطلب یہ کہ اگر ایک گل ہو گیا تو دوسرا روشن ہے انمیں بوجہ تزاحم کے یہ تو ہے نہیں کہ ایک گل ہو تو دوسرا ابھی گل ہی ہو جاوے۔

نور آن خانہ چو بے این ہم بپاست　　پس چراغ حس ہر خانہ جداست

یعنی اُس گھر کا نور جو بے اسکے بھی موجود ہے تو چراغ حس ہر گھر کا جُدا ہے مطلب یہ کہ جب باوجود ایک کے گل ہو جانے کے بھی دوسریکا نور موجود ہے تو معلوم ہوا کہ ہر گھر کا

چراغ الگ الگ ہے۔ اور ہر ایک کے نور میں تزاحم ہے۔ آگے فرماتے ہیں کہ۔

این مثال جان حیوانی بود　　　　نے مثال جان ربانی بود

یعنی یہ جان حیوانی کی مثال ہوتی ہے نہ کہ جان ربانی کی مثال ہوتی ہے۔ مطلب یہ کہ یہ چراغ کی مثال جان حیوانی کی مثال ہے ورنہ جان ربانی ایسی نہیں ہوتی بلکہ اسمیں تو اتحاد ہوتا ہے۔ جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے۔ آگے ایک اور مثال اس اتحاد کی دیتے ہیں کہ۔

باز از ہندوے شب چوں ماہ زاد　　　　بر سر ہر روزنے نورے فتاد

یعنی پھر ہندوئے شب سے جو چاند پیدا ہوا تو ہر روزن پر ایک نور پڑا۔ (رات کو بوجہ تاریکی کے ہندو کہدیتے ہیں) مطلب یہ کہ لو پھر اور ایک بات سنو کہ جب رات کو چاند نکلا تو اُسکا نور ہر جگہ پر پڑا۔

نور آں صد خانہ را تو یک شمر　　　　کہ نماند نور ایں بے آن دگر

یعنی اُس سو گھروں کے نور کو تم ایک ہی گنو کیونکہ اسکا نور اُسکے بغیر نہیں رہتا۔ مطلب یہ کہ چاند کا نور جو سب چیز و پر پڑا ہے اور وہ بظاہر کئی نور معلوم ہوتے ہیں تم اُن کو کئی مت جانو بلکہ وہ غایت اتحاد کی وجہ سے ایک ہی نور ہے۔ جسکی دلیل یہ ہی کہ اگر ایک جگہ کا نور جاتا رہے تو فوراً دوسری جگہ کا بھی جاتا رہتا ہے۔ جس سے صاف معلوم ہو گیا کہ یہ سب ایک ہی تھے۔ اس مثال کا بھی حاصل وہی ہے جو اوپر گذرا آگے پھر اُسی مثال خورشید کو پھر بیان فرماتے ہیں کہ۔

تا بود خورشید تاباں بر افق　　　　ہست در ہر خانہ نور او قنق

یعنی جب تک کہ خورشید تاباں افق پر ہوتا ہے اُسکا نور ہر گھر میں مہمان ہوتا ہے یعنی ہر جگہ اُسکا نور یکساں پڑتا ہے آگے تتمیم مثال کیلئے اسکو بیان کرتے ہیں کہ جسطرح طلوع نور کے وقت اتحاد ہے اسی طرح اُسکے غروب میں بھی اتحاد ہے کہ جب غروب ہوتا ہے تو اسوقت بھی سب جگہ ہی سے غروب ہو جاتا ہے۔ یہ مضمون محض استطراداً و تتمیماً للمثال بیان فرماتے ہیں۔

باز چوں خورشید جاں آفل شود — نور جملہ خانہا زائل شود

یعنی پھر جب خورشید جاں غروب ہو جاتا ہے نور تمام گھرونکا زائل ہو جاتا ہے (اس سے پہلے چونکہ جاں کو خورشید سے مثال دی تھی تو اب خورشید کو جان سے مثال دیدی کہ جب تشابہ دونوں طرف سے ہے تو ظاہر ہے کہ خورشید جاں کی طرح تو جان خورشید کی طرح ہوگی تو یہاں غایت تشابہ کی وجہ سے خورشید کو جان سے تشبیہ دیدی) مطلب یہ کہ وہ خورشید جو کہ جان کی طرح ہے جب غروب ہو جاتا ہے تو ایکدم سے سب گھروں میں سے نور جاتا رہتا ہے اب یہاں فلسفی شخص کو یہ شبہ ہو سکتا تھا کہ جب جان کو خورشید سے مثال دی اور خورشید منور بالذات ہے اور مستقل ہے تو روح بھی مستقل ہوئی اور قدیم ہوئی جیسا کہ اُسکا مذہب ہے تو اس سے اُسکو سہارا مل سکتا تھا آگے اُسکا رد فرماتے ہیں کہ۔

ایں مثال نور آید مثل نے — مر ترا ہادی عدو را رہزنے

یعنی یہ نور کی مثال ہے مثل نہیں ہے اور تمھارے لئے تو ہادی ہے اور عدو کیلئے رہزن ہے مطلب یہ کہ یہ مثل تو ہے نہیں صرف مثال ہے جو شخص کہ تابع وحی ہے اُسکے لئے تو ہادی ہے کہ اسکو صرف مثال سمجھکر روح کو حادث بالذات والزمان سمجھے گا اور جو دشمن دین اور غیر تابع وحی ہے وہ اسکو مثل سمجھکر اس سے روح کو قدیم سمجھیگا اور گمراہ ہوگا۔ اس دشمن دین کی یہ حالت ہے کہ۔

بر مثال عنکبوت آں زشت خو — پردہاے گندہ را بر بافد او

یعنی مکڑی کی طرح وہ زشت خو گندے پردے بن رہا ہے۔ مطلب یہ کہ جس طرح کہ مکڑی اپنے لعاب سے جالا بناتی ہے کہ وہ بیحد کمزور اور گندہ ہوتا ہے اسی طرح یہ فلسفی گندی باتیں کہہ رہا ہے۔ اور وحی کا معارضہ کر رہا ہے۔

از لعاب خویش پردہ نور کرد — پردۂ ادراک خود را کور کرد

یعنی اپنے لعاب سے نور کا پردہ بنا لیا اور اپنے ادراک کے پردہ کو اندھا کر لیا۔ مطلب یہ کہ فلسفہ میں پڑکر اور وحی کا معارضہ کرکے اپنی بصیرت کو مٹا لیا۔ اور بالکل اندھا ہو گیا کہ اب اسکو حقیقت نظر ہی نہیں آتی۔ اور اتباع وحی نہ ہونے کی وجہ سے اسکی ایسی مثال ہو کہ

گردن اسپ ار بگیرد برخورد ور بگیرد پاش بستاند لگد

یعنی اگر گھوڑے کی گردن پکڑے تو وہ گھوڑا کھا جاوے۔ اور اگر اُسکا پاؤں پکڑے تو لات مطلب یہ کہ اگر کوئی شخص گھوڑے پر بے لگام کے سوار ہونے لگے تو اگر منہ کی طرف جاوے تو وہ کاٹتا ہے اور اگر پاؤں کی طرف جاوے تو وہ لات مارتا ہے غرضکہ بوجہ لگام نہونیکے اُسکو کسی طرف سے امن نہیں ملتا۔ تو اسی طرح چونکہ فلسفی کے پاس شریعت کی باگ نہیں ہے لہذا وہ جس مضمون کو بیان کرتا ہے اگر اُسکی نفی کرتا ہے تب بھی ٹھوکر کھاتا ہے اور اگر کسی کا اثبات کرتا ہے تب بھی راس نہیں آتا۔ غرضکہ ساری خرابی شریعت کا اتباع نہونے کی وجہ سے ہی ہے۔ اسلئے مولانا آگے فرماتے ہیں کہ۔

کم نشیں بر اسپ توسن بے لگام عقل و دین را پیشوا کن والسلام

یعنی سرکش گھوڑے پر بے لگام کے کم بیٹھو اور عقل و دین کو پیشوا بناؤ والسلام۔ مطلب یہ کہ علوم عالیہ ایک سرکش گھوڑے کی طرح ہیں اور شریعت انکے لئے لگام ہے کہ انکو حدود میں رکھتی ہے۔ تو تم انکو بے اتباع کے بیان مت کرو۔ اور دین کو عقل کے ساتھ ملاکر پیشوا بناؤ اسلئے کہ اگر صرف عقل ہے تب تو گمراہ ہونا ظاہر ہی ہے کہ ہدایت دین ہی سے ہے لیکن اگر صرف دین ہے عقل نہیں ہے تب بھی گمراہی ظاہر ہے اسلئے کہ دین کو سمجھنے کیلئے آخر عقل ہی کی ضرورت ہے۔ لہذا دونوں کی ضرورت ہے۔ والسلام۔ اب یہاں کسیکو یہ شبہ ہو سکتا تھا کہ پھر دین تو بیحد آسان چیز ہوئی اسکا حصول کیا مشکل ہے تو اگرچہ یہ امر بالکل درست ہے لیکن اس سے کوئی دین کو ہلکا سمجھنے لگتا۔ اسلئے آگے مولانا فرماتے ہیں کہ۔

اندریں آہنگ منگر سست و پست کاندریں رہ صبر و شق انفس است

یعنی اس راہ کو سست و پست مت دیکھو کہ اسمیں صبر و شق انفس ہے مطلب یہ کہ اسکو اسقدر ہلکا بھی نہ سمجھا جاوے کہ کچھ کیا ہی نہ جاوے بلکہ اسمیں بہت مجاہدات و ریاضات کرنے پڑتے ہیں اُن مجاہدات کے بعد برکات وحی فائض ہوتے ہیں اور پھر کچھ ملتا ہے۔ راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ اس سُرخی میں شعر کردهٔ او کردهٔ شست اے حکیم۔ الخ سے اس شعر یعنی اندریں آہنگ الخ تک کے اشعار میں جو مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ نے مضامین بیان فرمائے ہیں وہ

مضامین بھی غامض ہیں اور پھر دوسری بات یہ ہے کہ مضامین ہیں اشبیہی کہیں کہیں ربط ذرا مشکل ہے۔ اسلئے حضرت قبلہ حکیم الامۃ دام ظلہم نے اس مقام کے متعلق اپنے قلم سے بھی تقریر تحریر فرمائی ہے۔ لہٰذا ذیل میں اسکا درج کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ وہو ہٰذا۔ قولہ "گردہ او گردہ نشست الخ" قولہ مومنان الخ مراد یہ کہ اُن کے ایمان کامل کا سب کا مقتضا ایک ہے لگے اسکی لم ہے کہ انکا جسم گو ایک ہے لیکن انکی روح انسانی بحیثیت اپنے مطلوب کے ایک ہے یعنی اُن سب ارواح کا مطلوب ایک ہے۔ اور وہ مطلوب مقتضا ہے اُنکے ایمان کامل کا پس یہ کہنا صحیح ہوا ایک ایمان یکے۔ آگے بتلاتے ہیں کہ وہ ارواح جن سب کا مطلوب ایک ہے ارواح حیوانیہ نہیں ہیں جنکا مطلوب اکل و شرب و لذات حسیہ ہیں بلکہ ان ارواح حیوانیہ کے علاوہ انسان میں ایک اور روح ہے اور اس حکم اتحاد مطلوب کا محکوم علیہ وہ روح ہے مگر نہ مطلقاً بلکہ جبکہ اپنے مقتضائے اصلی پر باقی رہے روح حیوانی کے تابع نہو جاوے۔ اور یہ مقتضا چونکہ انبیاء و اولیاء میں جو کہ کامل الایمان ہیں اقوی و اکمل ہے۔ آگے اسی کو فرماتے ہیں "باز غیر عقل و جان الخ" پس یہ تغایر باعتبار ذات کے نہیں کیونکہ مقبولین میں روح انسانی کے علاوہ کوئی اور روح زائد نہیں ہے بلکہ تغائر باعتبار وصف خاص کے ہے یعنی اُنکی ارواح میں وصف ایمانی و عرفانی مقتضی اتحاد مطلوب عامہ سے بڑھا ہوا ہے۔ آگے ارواح حیوانیہ کے عدم اتحاد کا ذکر ہے کہ ان سب کا مطلوب مختلف ہے اسلئے انمیں تزاحم و تمانع ہوتا ہے آگے بطور حاصل کے مجموعہ حکمین یعنی مقبولین میں بحیثیت مذکورہ اتحاد اور غیر مقبولین میں عدم اتحاد کو اس شعر میں فرماتے ہیں "جان گرگان و سگان الخ" اس شبہ کو رفع فرماتے ہیں کہ جب وہ سب متحد ہیں تو انکو صیغہ جمع سے کیوں تعبیر کرتے ہو۔ جواب یہ ہے کہ وہ اتحاد بالاغراض ہے ورنہ بالتشخص تو انمیں تعدد ہی ہے کہ ہر جسم کے ساتھ جدا روح انسانی متعلق ہے اور اس اختلاف احکام جسمیہ کے وجہ سے باوجود اتحاد غرض کے طرق تحصیل غرض میں انمیں بھی اختلاف ہے۔ آگے اتحاد مذکور کی مثال ہے۔ ہمچو آں یک نور خورشید الخ کہ اس مثال میں بھی من وجہٍ تعدد من وجہٍ اتحاد ہے۔ اور جسطرح یہاں دیواروں کے اٹھنے سے ایک ہی نور ہو جاتا ہے اسیطرح وہاں جب احکام جسمیہ مرتفع ہو جاویں گے

خصوصیات طرق زائل ہو کر غرض میں اتحاد محض رہ جاویگا۔ اسی لئے تو اس حکم میں مومنین کی تخصیص فرمائی۔ پس یہاں بھی صرف ارواح کاملین کا متحد بالغرض ہونا مذکور ہوا ہی۔ اب ظاہراً اس مثال سے یہ اشکال لازم آتا تھا کہ مثال میں تو سب قطعات نوریہ اجزا ہیں نور واحد بالتشخص کے اور ارواح متعددہ اجزا نہیں ہیں روح واحد بالتشخص کے جواب اسکا ظاہر ہے کہ یہ مثال ہے مثل نہیں۔ اتحاد من جہۃ دونوں میں مشترک ہے گو وجہ اتحاد مختلف ہو وہذا قولہ فرق واشکالات الخ یعنی دونوں میں واقع میں فرق ہے اور وہی فرق بنا رہی اشکالات کی آگے عذر فرماتے ہیں کہ اتحاد مبعوث عنہ کیساتھ کوئی محل بجز قلوب مومنین کے متصف نہیں۔ اسلئے مثال میں کسی مثل کو پیش نہیں کر سکا۔ اور یہ حکم بہت ظاہر ہے۔ اسلئے کہ اتحاد فی الغرض المحمود موقوف ہے علم اور قصد و نزاہت پر اور بعض مخلوقات کونیہ میں علم نہیں بعض میں قصد نہیں بعض میں نزاہت نہیں اور ملائکہ اس عالم کے کائنات نہیں ان سب کا جامع اس دنیا میں صرف اہل ایمان کامل ہیں وہذا ہو قولہ متحد نقشے الخ یعنی ایں سرا دنیا اندر خود نقشے یعنی مخلوقے ندارد۔ کہ موصوف باتحاد مذکور باشد بجز قلوب مومنین کاملین۔ آگے فرماتے ہیں کہ ایک مثال ناقص ارواح حیوانیہ کے عدم الاتحاد کی بھی لاتا ہوں اور ناقص ہونا اسکا بھی ظاہر ہے کہ انوار سرج میں تزاحم تو نہیں حسب اغراض عوام میں تزاحم ہے اور ہر چند کہ عوام میں بھی ارواح انسانیہ ہیں مگر چونکہ وہ تابع ہو گئیں ارواح حیوانیہ کے مطلوبیت لذات میں اسلئے ان عوام کے اعتبار سے یہاں احکام ارواح حیوانیہ کے بیان فرمائے۔ ان اشعار میں شب بہر خانہ الخ اور جملگی بر خواب و خور میں اشارہ کر دیا انکی علت تزاحم کی طرف کہ وہ طالب ہیں لذات حسیہ کی جنمیں تزاحم ہوتا ہی بس اصل مضمون مقصود مقام یہاں ختم ہوا اور اس مثال میں دو وصف متحقق ہیں ایک احتیاج الی الاسباب والآلات دوسرے عدم بقار اور گو وجہ تشبیہ وصف اول ہے لیکن تبعاً وصف ثانی کی تطبیق بھی بیان فرمانے لگے اس شعر سے بے خور و بے خواب الخ اور عدم بقار روح حیوانی کا ظاہر ہے کہ مرنے کے ساتھ ہی فنا ہو جاتی ہے اور جملہ روز روشن مرگ اوست کے معنی یہ ہیں کہ عادۃً نگل کر دیا جاتا ہے۔ اور جملہ زانکہ پیش نور روز حشر لاست کے معنی یہ ہیں کہ

اُس روح حیوانی کے فنا روقت الموت کی حکمت یہ ہے کہ جسطرح دنکو چراغ بیکار ہوجاتا ہے
اسی طرح یہ روز حشر میں بیکار ہوتی۔ اسلئے کہ جزا وسزا انسان کی اُسکے نسمہ پر ہوگی نہ کہ روح
حیوانی پر بخلاف احکام دنیویہ کے کہ احتیاج الی المعیشۃ کے سبب اُسکی حاجت تھی پس تالم
وتنعم میں وہ بھی شریک تھی۔ اسلئے اُسکا بقار بعد الموت بے فائدہ تھا اسلئے وہ فنا کردیگئی
اور چونکہ استطراداً روح حیوانی کے عدم بقار کا ذکر کیا۔ اسلئے استطراداً ہی روح انسانی کے
بقا کا بھی ذکر فرماتے ہیں۔ اس شعر سے نور حسن وجان الخ یعنی وہ موت سے فنا نہیں ہوتی پھر
جو اُسکے آثار دنیا میں ظاہر نہیں ہوتے اُسکی وجہ یہ ہے کہ بعد الموت بوجہ مفارقت مادہ ہیولانیہ
کے جو کہ قبول تجلیات سے مانع تھا اس نے تجلیات حق کو زیادہ قبول کیا خواہ تجلیات
جمالیہ جیسے اہل ایمان پر خواہ تجلیات جلالیہ جیسے اہل کفر پر پس اُن تجلیات سے مغلوب
ہوکر اُسکے آثار عالم دنیا سے منطمس ہوگئے۔ وھذا قولہ لیک مانند ستارہ الخ وقولہ
آنچناں کہ سوز الخ وقولہ آنچنانکہ عور اندر آب جست الخ اور وجہ شبہ صرف مصرعہ اول میں
تام ہوگئی باقی مصرعہ ثانیہ اور شعر ثانی محض تتمیم ہے حالت مشبہ بہ کی جسکو اس تشبیہ میں کچھ
دخل نہیں۔ مگر اس تتمیم سے مولانا کا ذہن منتقل ہوگیا۔ ایک مضمون ارشادی کی طرف جسکو اس
شعر سے ارشاد فرمایا ہے آب ذکر حق وز نبور الخ جسکا حاصل یہ ہے کہ مانع وساوس سے ذکر حق
ہے تو اسمیں مستغرق ہوجا جب یہ خو بسری ہوجاوے پھر اگر ذکر متعارف بھی نہو تب بھی
ضرر نہیں چنانچہ کاملین میں ظاہراً ذکر کی تقلیل کا مشاہدہ ہوتا ہے۔ یہ مضمون ارشادی خواجہ
تاش تک ختم ہوگیا آگے پھر عود ہے مضمون سابق بقار ارواح انسانیہ کی طرف بس کسانئے الخ
یعنی گو ظاہراً فانی ہیں مگر باقی ہیں اور صفات حق سے مراد عام ہے جلالیہ وجمالیہ سے چنانچہ
اسی عموم کی بنا پر آگے اسکی دو قسمیں فرمائیں۔ روح محجوب الخ پس از علیہ ہے نہ کہ صلہ محجوب کا
آگے زین چراغ الخ میں پھر مقصود یعنی تزاحم ارواح حیوانیہ کی طرف عود ہے۔ آگے روح خود
را الخ میں گویا ماقبل پر تفریع ہے کہ جب روح حیوانی کا عدم اتحاد اور روح انسانی کا اتحاد
ثابت ہوچکا تو اپنی روح کو کہ بوجہ اتباع روح حیوانی کے بحکم روح حیوانی کے ہوگئی ہے۔
ارواح کاملین کے ساتھ متصل یعنی ان کے تابع کردے کہ وہ بھی اُن ہی کے ارواح کسا صاف

کے ساتھ متصف ہو جاوے آگے صد چراغمت الخ سے این مثال جان حیوانی الخ تک یہ
تقریر ہے مثال مذکور بالا روح حیوانی کی اسی حکم عدم اتحاد کی توضیح کیلئے یہانتک مثالیں
ختم ہو گئیں اتحاد ارواح انسانیہ کی بھی کہ وہ مثال تھی آفتاب کی اور عدم اتحاد ارواح
حیوانیہ کی بھی کہ وہ مثال تھی چراغ کی آگے باز از ہندوئے شب الخ میں دوسری مثال
اسی اتحاد کی فرماتے ہیں پس باز بمعنی ثم تراخی فی المذکور کیلئے نہیں بلکہ تراخی فی الذکر
کیلئے ہے یعنی ایک مثال تو میں اوپر دیکھا چکا پھر اسکے بعد دوسری مثال سنو جسکا حاصل بھی وہی ہے
اور شاید نکتہ اس دوسری مثال میں یہ ہو کہ مولانا نے اتحاد کا حکم دو محل میں کیا ہے ارواح انبیا
میں اور ارواح اولیا میں پس محل اول کیلئے مثال خورشید کی ہو اور محل ثانی کیلئے مثال ماہتاب
کی ماہتاب کی مثال تصریح رد علی الفلسفی کیلئے ہو کہ جسطرح نور قمر حادث زمانی ہے اسی طرح وجود روح
حادث زمانی ہے۔ آگے مثال مذکور کی تتمیم ہے۔ کیونکہ اوپر اتحاد میں محض طلوع کا اعتبار کیا گیا ہے
اور پورا اتحاد جب ثابت ہوتا ہے کہ غروب کی حالتمیں بھی اتحاد ہو اسلئے تابود خورشید او رباز
چوں خورشید میں دونوں کے مجموعہ کی تقریر فرمادی بعض خورشید جان سے مراد یہی خورشید اور اُسکی صفت
جان کی طرف باعتبار ادنی ملابست کے ہے کہ جان اُسکا مشبہ ہے۔ آگے این مثال نور آمد الخ میں
رد ہے فلسفی کا کہ شاید وہ اس تشبیہ روح بالشمس سے تائید سمجھنے لگے قدم روح کی جو کہ اُسکا مذہب ہے
پس اجمالاً رد فرماتے ہیں کہ اول تو یہ مثل نہیں مثال ہے اور ظاہراً مولانا نے اسی پر اکتفا فرمایا مگر
آگے جواب کی طرف بھی اشارہ فرمایا۔ یعنی پھر مثل ہونے سے بھی خود وہ مثل ہی حادث ہے ذاتاً
و زماناً جسکی دلیل اگر عقلی کسی کی نزدیک کافی نہو تو وحی تو کافی ہے۔ جسکے مقابلہ میں اُس فلسفی کے
خیالات مثال تار عنکبوت کے ہیں جو اسکے لئے نور حقیقت سے حجاب ہے۔ اور اس فلسفی کی یہ
حالت ہے جیسے کوئی شخص گھوڑے پر بدون لگام کے جو کہ اُسکو حد کے اندر رکھتی ہے سوار ہونے
لگے کہ اگر اُسکا سر پکڑتا ہے تو وہ کاٹتا ہے اور اگر پاؤں پکڑتا ہے تو لات مارتا ہے۔ اسی طرح اُسکی
حالت ہے کہ بدون قید شرع کے جو کہ عقل متوسط کو حد کے اندر رکھتی ہے اگر الٰہیات کی تحقیق کرتا
ہے تب گمراہ ہوتا ہے اور اگر طبعیات کی تحقیق کرتا ہے تب بھی گمراہ ہوتا ہے آگے وصیت فرماتے
ہیں کہ بدون وحی کے مرکب علوم پر سوار مست ہو جبکہ وحی کو جسکا صحیح ادراک عقل سلیم سے ہوتا ہے

(کیونکہ بدون اسکے تو وحی میں بھی افراط تفریط کرنے لگتا ہے) اپنا متبوع بناؤ اور آگے اُن لوگوں کی اصلاح فرماتے ہیں جو اتباع وحی کا کرتے ہیں مگر ظاہر پرستی و اقتصار علی الصورت کے سبب اُسکو سرسری سمجھتے ہیں پس فرماتے ہیں کہ اسپر سستی اور پستی سے نظر مت کرو کیونکہ اسمیں مشقت کی بھی ضرورت ہے۔ عملاً بھی حالاً بھی اور وہ مشقت مجاہدہ نفس ہے۔ اس سے حقیقت وحی کی ظاہر ہوتی ہے اور برکات وحی کے فائض ہوتے ہیں۔ کتبہ اشرف علی ۲۲ ربیع الثانی ۱۳۳۵ھ

آگے مولانا پھر قصہ مسجد کی طرف رجوع فرماتے ہیں کہ۔

باز گردد قصہ مسجد بگو — با سلیمان نبی نیکخو

یعنی پھر لوٹو اور مسجد کا قصہ سلیمان نبی علیہ السلام نیکخو کے ساتھ بیان کرو۔ مطلب یہ کہ اوپر جو کہا تھا کہ ارشاد حق ہوا کہ اے داؤد (علیہ السلام) تم سے یہ مسجد نہ بنے گی تمھارا بیٹا اسکو پورا کرے گا تو اب فرماتے ہیں کہ اُنکی ساتھ اُس مسجد کا کیا قصہ ہوا ذرا بیان تو کرو۔ آگے قصے

مسجد اقصیٰ کی تعمیر کے قصہ کا بقیہ اور سلیمان علیہ السلام کا اوسکو بنانا اور ان کو غیب سے امداد پہونچنا

چون سلیمان کرد آغاز بنا — پاک چون کعبہ ہمایون چون منیٰ

یعنی سلیمان علیہ السلام نے تعمیر شروع کی جو کہ کعبہ کی طرح پاک تھی اور منیٰ کیطرح مبارک تھی

در بنایش دیدہ می شد کر و فر — نے فسردہ چون بناہائے دگر

یعنی اُسکی تعمیر میں (غیب سے) ایک شان و شوکت دیکھی جاتی تھی (اور وہ) دوسری تعمیرات کی طرح افسردہ نہ تھی۔

در بنا ہر سنگ کز کہ می شکست — فاش سیروا بی ہمیگفت از نخست

یعنی تعمیر میں جو پتھر کہ پہاڑ سے ٹوٹتا تو ظاہر طور پر پہلے ہی کہتا تھا کہ مجھے لیچلو۔ مطلب یہ کہ اسقدر مستعدی سے کام ہو رہا تھا کہ یوں معلوم ہوتا تھا کہ پتھر کہتا ہے کہ مجھے جلدی سے لیچلو اور لگاؤ

ہمچو از آب و گل آدم کدہ — نور زاں کہ بارہا تابان شدہ

یعنی آب و گل آدم کدہ کی طرح اُن پہاڑ کے ٹکڑوں سے نور چمک رہا تھا۔ (آب و گل آدم کدہ سے مراد قالب سلیمان علیہ السلام کہ وہ بھی تو آب و گل ہی سے مرکب تھا) مطلب یہ کہ جیسا کہ نور حضرت سلیمان علیہ السلام کی ذات والاصفات سے ظاہر ہوتا تھا اسی طرح اُن پتھروں میں سے نور چمک رہا تھا یعنی ایک برکت اور نورانیت ظاہر ہو رہی تھی۔ اور مستعدی کار کی یہ حالت تھی کہ۔

سنگہائے حمّال آئندہ شدہ وان در و دیوار ہا زندہ شدہ

یعنی پتھر بے حمّال کے آنیوالا ہو رہا تھا اور وہ در و دیوار زندہ ہو رہا تھا مطلب یہ کہ اسقدر مستعدی سے کام ہو رہا تھا۔ کہ یوں معلوم ہوتا تھا گویا کہ تمام چیزیں زندہ ہیں اور خودبخود اُٹھ اُٹھ کر چلی آرہی ہیں۔ آگے اسکی دیوارونکو جنت کی دیواروں سے مثال دیتے ہیں کہ

حق ہمی گوید کہ دیوار بہشت نیست چون دیوار ہا بیجان درشت

یعنی حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ بہشت کی دیواریں دیگر دیواروں کی طرح بیجان اور زشت نہیں ہیں یہ اشارہ ہے آیت ان الدار الآخرۃ لھی الحیوان کی طرف مطلب یہ ہے کہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جنت کی دیواریں زندہ ہیں اور وہ بیجان نہیں ہیں جیسا کہ اس آیت ان الدار الآخرۃ الخ سے معلوم ہے اب یہاں جو علماء ظاہر ہیں وہ تو اسمیں مضاف محذوف مانتے ہیں اور حیوان کو مصدر کہتے ہیں اور تقدیر عبارت یہ نکالتے ہیں کہ ان الدار الآخرۃ لھی دار الحیات لیکن صوفیا اہل کشف یہ فرماتے ہیں کہ نہیں تاویل کی کوئی ضرورت نہیں۔ کیونکہ جنت اور دوزخ ذی حیات ہیں اور انمیں روح موجود ہے تو اسکے یہی معنی ہیں کہ دار الآخرۃ ایک حیوان ذی روح ہے۔ اور چونکہ اسکی تکذیب کی کوئی دلیل شرعی نہیں ہے اور یہ حضرات اپنا مشاہدہ بیان فرماتے ہیں تو مان لینے میں کوئی حرج بھی نہیں ہے۔ بلکہ بعض صوفیہ نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ انھوں نے پوری جہنم کی سیر کشف کے ذریعہ سے کی تو اسکو ایک بہت بڑا اژدہا پایا۔ کہ جسکے مُنہ بھی ہے دُم بھی ہے۔ غرضکہ پورے اژدہے کی شکل ہے۔ (اللھم احفظنا) اور اسکے اندر یہ سب عذاب جمع کردیے گئے ہیں۔

اور اگر ان حضرات کے اس قول کو مان لیا جاوے تو پھر بہت سی احادیث اور آیات تاویل سے بچ جاویں گی۔ اسلئے کہ دیکھئے حدیث میں آیا ہے کہ قیامت کے روز دوزخ کو فرشتے کھینچتے ہوئے لاویں گے اور اُسکی لگامیں پڑی ہونگی اور وہ پھنکارتا ہوا اور چیختا ہوا آویگا اب جو شخص کہ اسکی حیات کا قائل نہیں ہے وہ تو اسمیں تاویل کرلیگا جیسا کہ علماء ظاہر کرتے ہیں لیکن جو شخص کہ اسکی حیات کا قائل ہے اُسکو تاویل کی ضرورت ہی نہیں بلکہ وہ کہے گا کہ وہ ایک جاندار شے ہے جسمیں ان امور کا پایا جانا کوئی مشکل نہیں ہے غرضکہ جب وہ حضرات اپنا مشاہدہ بیان فرماتے ہیں اور کوئی دلیل شرعی انکار کی نہیں اور فائدہ یہ ہے کہ تمام نصوص اسکی وجہ سے تاویل سے بچتی ہیں تو پھر کیا حرج ہے اور کیوں نہ اس قول کو مان لیا جاوے۔ تو مولانا فرماتے ہیں کہ جسطرح کہ بہشت کی در و دیوار میں ایک حیات ہے اسی طرح اُس مسجد اقصےٰ کی در و دیوار میں بھی حیات تھی۔ آگے چند دلائل امتناعی بیان فرماتے ہیں کہ

چوں در و دیوار تن با آگہی است ۔۔۔ زندہ باشد خانہ چوں شاہنشہی است

یعنی جبکہ بدن کی در و دیوار باخبر ہیں تو وہ گھر تو ضرور زندہ ہوگا۔ جو کہ شاہنشاہی ہے مطلب یہ کہ جسم جو کہ مثل در و دیوار ہی کے ہے جبکہ تجلی روح کی وجہ سے ہی زندہ اور باخبر ہو گیا ہے۔ تو جس گھر پر کہ تجلی حق ہوتی ہو وہ کیوں زندہ نہ ہوگا اسکے زندہ ہونے میں کیا خرابی ہے خوب ہی مضمون ہے سبحان اللہ آگے اُسکی حیات ہی کی تائید فرماتے ہیں کہ

ہم درخت و میوہ ہم آب زلال ۔۔۔ با بہشتی در حدیث و در مقال

یعنی درخت اور میوے اور پانی بہشتی سے سب حدیث و مقال میں ہوں گے یعنی جنت کا میوہ اور پانی اور درخت سب کے سب جنتی سے خوب باتیں کریں گے کوئی کہے گا مجھے کھالے کوئی کہیگا مجھے پیلے غرضکہ عجیب لطف ہوگا اللھم ارزقنا اللھم ارزقنا

آگے ان چیزوں کے باتیں کرنے کی حکمت بیان فرماتے ہیں کہ۔

زانکہ جنت را نہ زالت بستہ اند ۔۔۔ بلکہ از اعمال و نیت بستہ اند

یعنی اسلئے کہ جنت کو آلات سے نہیں بنایا بلکہ تمھارے دین کے اعمال سے بنایا ہے

مطلب یہ ہی کہ ان سب اشیاء میں حیات اسلئے ہوگی کہ یہ آلات سے بنے نہیں جو کہ مردہ ہوتے تو اُن سے جو چیزیں بنتیں وہ بھی مردہ ہی ہوتیں بلکہ یہ تو اعمال صالحہ سے تمام اشیاء تیار ہوئی ہیں اور اعمال صالحہ میں حیات ہے لہٰذا ان سب میں بھی حیات ہی جیسا کہ حدیث میں ہے۔ کہ الجنۃ قیعان دغراسہا العمل الصالح یعنی جنت ایک چٹیل میدان ہے اور اُسکے پودے اعمال صالحہ ہیں یہاں اسکے متعلق تین قول ہیں ایک مردود ایک غیر مقبول ایک مقبول۔ مردود تو قول معتزلہ کا ہے کہ وہ یہ کہتے ہیں کہ جنت و دوزخ موجود نہیں ہیں بلکہ قیامت کے روز جزا و سزا کے وقت پیدا کردی جاویں گی۔ یہ تو آیات و احادیث کے بالکل مخالف ہے لہٰذا مردود دوسرا قول شیخ اکبر کا ہے وہ یہ فرماتے ہیں کہ جنت موجود ہے لیکن مع ساز و سامان کے اسوقت موجود نہیں ہے بلکہ ویسے ہی ایک میدان ہے جوں جوں آدمی عمل کرتا ہے ویسے ہی ویسے اسمیں چیزیں اور ساز و سامان بنتے چلے جاتے ہیں یہ قول حدیث بالا کے تو بالکل مطابق ہے لیکن دیگر نصوص میں اسکی وجہ سے تاویل کرنی پڑے گی لہٰذا صرف ایک میں تاویل کر لینا اہون ہے اسقدر احادیث و آیات میں تاویل کرنے سے دوسرے یہ کہ یہ قول قریب قریب معتزلہ کے قول کے ہے کہ ایک قسم کی نفی جنت کی لازم آتی ہے۔ لہٰذا یہ بھی غیر مقبول ہوا۔ تیسرا قول جمہور اہل سنت والجماعت کا ہے وہ یہ ہی کہ جنت مع ساز و سامان کے اسوقت موجود ہے اور انسان جوں جوں عمل کرتا ہے وہ ساز و سامان اسکے مقرر ہوتے جاتے ہیں کہ مثلاً یہ نہر اسکے فلاں عمل کی وجہ سے ہے۔ اور یہ درخت اسکے فلاں عمل کی بدولت ہے۔ علیٰ ہذا القیاس۔ غرضیکہ تعیین تو بعد میں ہوتی ہے اور موجود پہلے سے ہی اسلئے کہ حق تعالیٰ کو معلوم تھا کہ فلاں فلاں شخص فلاں فلاں کام کرینگے اسلئے اسکے مناسب حق تعالیٰ نے وہاں اشیاء پیدا کردیں اور اُن اعمال کی صورت مثالیہ جو کہ علم حق میں پہلے سے تھی ظاہر فرما دی اسمیں نہ کوئی استحالہ ہے اور نہ کسی حدیث وغیرہ میں تاویل کی ضرورت ہوتی ہے رہا اعراض کا مبدل بجواہر ہوجانا اسکی تحقیق دفتر دوم میں بادشاہ کے دو غلاموں کے امتحان لینے کے قصہ میں خوب

ہو چکی ہے اور اسکے متعلق خود حضرت قبلہ حکیم الامتہ مدظلہم نے ایک رسالہ لکھا ہے جسکا نام ارضی الاقوال فی عرض الاعمال ہے جو کہ مکتوبات میں طبع ہو گیا ہے قابل ملاحظہ ہے۔ غرضکہ اسمیں تو کوئی استحالہ ہے نہیں بس اب سب سے بہتر یہی قول ہوا اور اسپر مولانا کے ارشاد کا یہ مطلب ہوا کہ چونکہ وہ سب اشیا تمہارے اعمال کی وجہ سے بنائی گئی ہیں اور وہ ان ہی اعمال کی صور مثالیہ ہیں اسلئے انکے اندر حیات ہے اور سچ یہ ہے کہ اس حیات کے منکرین کی گردن ایجاد گراموفوں نے توڑ دی ہے کہ بیجان شے اور اس طرح بولتی ہے۔ بھلا کون چیز ہے جو باتیں کرتی ہے حیرت ہی حیرت ہے جب انسان نے بعض پرزوں کی ایک خاص ترکیب کے ذریعہ سے باذن حق ایسی شے ایجاد کرلی ہے جو کہ باتیں کرتی ہے اگرچہ اسکو شعور نہیں ہے تو کیا حق تعالیٰ کو اسقدر قدرت نہیں ہے کہ وہ ایسی چیزوں میں ایسی قوت پیدا کردے۔ کہ وہ باتیں بھی کریں اور انہیں شعور ہو تعالی اللہ عن ذلک علوا کبیرا۔ آگے فرماتے ہیں کہ۔

ایں بنا از آب و گل مردہ بدست   واں بنا از طاعت زندہ شدست

یعنی یہ تعمیر (دنیاوی) تو آب گل مردہ سے ہوئی ہے اور وہ تعمیر طاعت زندہ سے ہوئی ہے۔ (لہذا)

ایں باصل خویش ماند پرخلل   واں باصل خود کہ علم است و عمل

یعنی یہ اپنی اصل پرخلل کے مشابہ ہے۔ اور وہ اپنی اصل کے جو کہ علم و عمل ہے مطلب یہ کہ یہ تعمیر دنیا تو اپنی اصل کی طرح مردہ ہے یعنی گارے مٹی کی طرح جو کہ اسکی اصل ہے یہ بھی مردہ ہے اور وہ تعمیر جنت اپنی اصل یعنی اعمال کی طرح زندہ اور ذی حیات ہے خوب سمجھ لو۔ آگے فرماتے ہیں کہ۔

ہم سریر و قصر و ہم تاج و ثیاب   با بہشتی در سوال و در جواب

یعنی تخت بھی اور محل بھی اور تاج اور کپڑے سب بہشتی سے سوال و جواب میں ہونگے۔ (اور یہ حالت ہوگی کہ)۔

فرش بے فراش پیچیدہ شدہ   خانہ بے کناس روبیدہ شدہ

یعنی بے فراش کے فرش لپٹا ہوا ہے۔ اور بے جھاڑو دینے والے کے گھر صاف ہوا

تخت او سیار بے حمال شد حلقہ و در مطرب و قوال شد

یعنی اس عاشق کا تخت بے حمال کے چلنے والا ہو گیا اور کنڈی اور دروازہ سب قوال ہوئے (غرضکہ جو چاہا وہ ہو گیا کسی ظاہری سبب کی وہاں ضرورت نہ رہیگی بس دل میں آیا ہو گیا) آگے دفع استبعاد فرماتے ہیں کہ۔

خانۂ دل بین زغم ژولیدہ شد بے کناس از توبہ روبیدہ شد

یعنی خانۂ دل کو دیکھو کہ غم سے پریشان ہوتا ہے اور بے صاف کرنیوالے کے توبہ سے صاف ہو جاتا ہے۔ مطلب یہ کہ دل میں گناہونکی وجہ سے ایک پریشانی ہوتی ہے لیکن جہاں توبہ کی اور دل صاف ہوا۔ بھلا کوئی وہاں جھاڑو لیکر صاف کرنے گیا تھا۔ تو بس جسطرح یہ صاف ہو جاتا ہے اسی طرح حق تعالی وہاں بھی سب اشیاء کو بے اسباب ظاہری کے مہیا فرما دیں تو کیا عجب ہے۔ آگے فرماتے ہیں کہ۔

ہست در دل زندگی دار الخلود در زبانم چوں نمی آید چہ سود

یعنی دل میں آخرت کی زندگی ہے (لیکن) جب بیان نہیں ہو سکتا تو پھر کیا فائدہ۔ مطلب یہ کہ دل کی حیات مشابہ ہے حیات اخروی کے کہ دیکھو جس طرح وہاں بے کناس کے صفائی ہو جاتی ہے یہاں بھی ہو جاتی ہے لیکن جب اسکو کماحقہ بیان ہی نہیں کر سکتے تو پھر کیا فائدہ ہے لہذا چپ رہتے ہیں آگے مسجد اقصے کا قصہ بیان فرماتے ہیں کہ۔

چونکہ گشت آں مسجد اقصے تمام زاہتمامات سلیمان و السلام

یعنی جبکہ مسجد اقصے سلیمان علیہ السلام کے اہتمام سے پوری ہو گئی والسلام۔

چوں سلیماں در شدے ہر بامداد مسجد اندر بہر ارشاد عباد

یعنی جب سلیمان علیہ السلام ہر صبح کو مسجد میں بندوں کی ہدایت کیلئے تشریف لیجاتے۔

پند دادی گہ بگفت و لحن و ساز گہ بفعل اعنی رکوع با نماز

یعنی کبھی تو باتوں اور لحن و ساز سے نصیحت فرماتے اور کبھی فعل سے یعنی رکوع سے مع نماز کے مطلب یہ کہ کبھی قولاً نصیحت فرماتے اور کبھی فعلاً کہ نیک کام کر کے دکھلاتے۔

آگے مولانا فرماتے ہیں کہ۔

پند فعلی خلق را جذاب تر　　　که رسد در جان ہر باگوش و کر

یعنی نصیحت فعلی تو مخلوق کو بہت کھینچتی ہے اسلئے کہ ہر سننے والے اور بہرے کے کان میں پہونچتی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ پند قولی سے پند فعلی کو مولانا ترجیح دیتے ہیں اس لئے کہ پند قولی میں کوئی سنتا ہے کوئی نہیں سنتا اور فعلی میں تو ہر شخص دیکھ سن سکتا ہے پھر یہ ہے کہ جب یہ دیکھیں گے کہ ہمارا مرشد اور شیخ یہ کام کرتا ہے تو پھر تو ضرور کریں گے بخلاف قول کے کہ اسمیں بعض اوقات بعض جگہ اسقدر اثر نہیں ہوتا اور دوسری حکمت اور مصلحت پند فعلی میں یہ ہے کہ۔

اندراں وہم امیری کم بود　　　در حشم تاثیر آں محکم بود

یعنی اسمیں حکومت کا وہم کم ہوتا ہے اور لوگوں میں اسکی تاثیر مضبوط ہوتی ہے مطلب یہ کہ پند قولی میں تو ایک قسم کی حکومت سی ہوتی ہے۔ کہ یہ بیٹھے ہوئے کہہ رہے ہیں اور سب سن رہے ہیں ایک قسم کی حکومت ظاہر ہے۔ اور پند فعلی میں یہ بات نہیں ہے بلکہ اسمیں تو یہ ہے کہ ایک کام کر رہے ہیں نہ کوئی حکومت ہے اور نہ کچھ ہے اور اسکا اثر اس قولی سے موثر زیادہ ہوتا ہے لہذا اسی کو ترجیح ہوئی خوب سمجھ لو۔ آگے اپنے اس قول کی تائید میں کہ پند قولی سے پند فعلی زیادہ نافع ہے حضرت عثمان رض کا قصہ بیان فرماتے ہیں کہ انھوں نے جب وہ خطبہ پڑھنے کھڑے ہوئے تھے اور خطبہ نہ پڑھ سکتے تھے تو یہ فرمایا تھا کہ اے لوگو تمکو امام قوال کی ضرورت نہیں ہے بلکہ امام فعال کی ضرورت ہے تو دیکھو انھوں نے بہ نسبت قول کے فعل کو زیادہ موثر فرمایا اب قصہ سنو۔

شرح حبیبی

قصۂ عثمان رض کہ بر ممبر رفت	چوں خلافت یافت بشتابید تفت
ممبر مہتر کہ سہ پایہ بدست	رفت بوبکر رض و دوم پایہ نشست

بر سوم پایہ عمر در دور خویش / از برای حرمت اسلام و کیش

دور عثمانؓ آمد و بالای تخت / بر شد و بنشست آن محمود بخت

پس سوالش کرد شخصے بوالفضول / کان دو ننشستند بر جای رسولؐ

پس تو چون جستی از ایشان برتری / چون برتبت تو از ایشان کمتری

گفت اگر پایہ سوم را بسپرم / وہم آید کہ مثال عمرم

در دوم پایہ شوم من جای جو / گوئیم مثل ابوبکر است او

ہست این بالا مقامِ مصطفیٰ / وہم مثلے نیست با آن شہ مرا

بعد ازان بر جای خطبہ آن ودود / تا بقرب عصر لب خاموش بود

زہرہ نے کس را کہ گوید ہین بخوان / یا برون آید ز مسجد آن زمان

ہیبتے بنشستہ بُد بر خاص و عام / پر شد از نور خدا آن صحن و بام

ہر کہ بینا ناظر نورش بدے / کور زان خورشید ہم گرم آمدے

پس ز گرمی فہم کردے چشم کور / کہ برآمد آفتاب بے فتور

لیک این گرمی کشاید دیدہ را / تا ببیند عین ہر بشنیدہ را

گرمیش را ضجرتے و حالتے / زان تبش دل را گشادی فسحتے

کور چون شد گرم از نور قدم / از فرح گوید کہ من بینا شدم

سخت خوش مستے ولے ای بوالحسن / پارۂ راہ است تا بینا شدن

این نصیب کور باشد ز آفتاب / صد چنین واللہ اعلم بالصواب

وانکہ او آن نور را بینا بود / شرح او کے کار بوسینا بود

گر شود صد تو کہ باشد ایں زباں | کہ بجنباند بکف پردہ عیاں

واے بروے گر بساید پردہ را | تیغ اللہی کند دستش جدا

دست چہ بود خود سرش را بر کند | آں سرے کہ جہل شرہا می کند

ایں بتقدیر سخن گفتم ترا | ورنہ خود دستش کجا و آں کجا

خالہ را خایہ بُدے خالو شدے | ایں بتقدیر است یعنی گر بُدے

از زباں تا چشم کو پاک از شک است | صد ہزاراں سال گویم اندک است

ہیں مشو نومید نور از آسماں | حق چو خواہد میرسد در یک زماں

صد اثر در کانہا از اختراں | میرساند قدرتش در ہر زماں

اختر گردوں ظلم را ناسخ است | اختر حق در صفاتش راسخ است

چرخ پانصد سالہ راہ اے مستعیں | در اثر نزدیک آمد با زمیں

سہ ہزاراں سال و پانصد تا زحل | دمبدم خاصیتش آرد عمل

در ہمش آرد چو سایہ در ایاب | طول سایہ چیست پیش آفتاب

وز نفوس پاک اختر وش مدد | سوئے اخترہائے گردوں میرسد

ظاہر آں اختراں قوام ما | باطن ما گشتہ قوّام سما

حضرت عثمان رض کا قصہ ہے کہ وہ ممبر پر گئے اور جبکہ اُنکو خلافت ملی جلدی سے ممبر پر پہونچے جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا ممبر تین درجہ کا تھا۔ ابوبکر رض جب اس ممبر پر گئے تھے تو دوسرے درجہ پر بیٹھے تھے۔ اور حضرت عمر رض اپنے زمانہ میں دین و مذہب کی تعظیم کیلئے تیسرے درجہ پر بیٹھے تھے اب زمانہ حضرت عثمان رض کی خلافت کا آیا تو یہ اوپر چڑھکر بیٹھ گئے اسپر کسی خواہ مخواہ نے سوال کیا کہ وہ دونوں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی جگہ بیٹھے نہ تھے پس جبکہ تم

مرتبہ میں ان سے کمتر ہو تو تم نے ان پر تفوق کیوں چاہا۔ انھوں نے جواب دیا کہ اگر تیسرے درجہ پر بیٹھتا ہوں تو کسی کو وہم ہو سکتا ہے کہ میں عمر کی مثل ہوں اور اگر دوسرے درجہ پر بیٹھتا ہوں تو تم لوگوں کو شبہ ہو سکتا ہے کہ یہ ابو بکر کی مثل ہے اور سب سے اوپر جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا مقام ہے اور جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کیساتھ میری مماثلت کا کسی کو شبہ نہیں ہو سکتا۔ اسکے بعد خطبہ کی جگہ پر قریب عصر تک یعنی بہت دیر تک خاموش کھڑے رہے۔ اور کچھ زبان سے نہیں فرمایا۔ مگر کسی کی یہ مجال نہ تھی کہ کہے کہ پڑھو یا خود مسجد سے چلا جاوے۔ خاص و عام پر ایک ہیبت بیٹھی ہوئی تھی اور انوار خداوندی سے مسجد نیچے سے اوپر تک بھری ہوئی تھی جو لوگ چشم بصیرت رکھتے تھے وہ تو ان انوار کو دیکھتے ہی تھے اور جو اندھے تھے وہ بھی اس آفتاب سے گرم تھے یعنی تھوڑا بہت اثر ان پر بھی تھا پس ان اندھوں کو اس گرمی سے معلوم ہوتا تھا کہ آفتاب انوار حق طالع ہے۔ ہمارے اس بیان سے گرمی انوار حق کی مشابہت گرمی آفتاب سے مفہوم ہوتی ہے لیکن تم انکو یکساں نہ سمجھ جانا۔ بلکہ ان میں آپس میں بہت بڑا فرق ہے۔ چنانچہ گرمی انوار حق ایک مرتبہ خاص پر پہونچکر آنکھ کھولدیتی ہے یہاں تک کہ مسموعات اسکو مشاہد ہونے لگتے ہیں برخلاف گرمی آفتاب کے کہ وہ مضر بصر ہے نیز آفتاب کی گرمی میں ایک دل تنگی اور حالت تشویش ہے۔ برخلاف گرمی خداوندی کے کہ اس سے دل میں فراخی اور وسعت پیدا ہوتی ہے۔ اس مقام پر ہم مبتدین سلوک کی غلطی پر تنبیہ کرنا ضروری سمجھتے ہیں تاکہ وہ دھوکے سے محفوظ رہیں وہ حقیقت میں اندھے ہوتے ہیں اور جب انکو ذرا سی گرمی نور حق سبحانہ کی پہونچتی ہی تو وہ خوش ہو کر کہتے ہیں کہ ہم تو بینا ہو گئے۔ انکو واضح رہے کہ وہ بہت مست ہو گئے ہیں مگر یہ مستی انکی بیوقت ہے۔ اسلئے کہ بینا ہونے تک مسافت کا ایک بہت بڑا حصہ باقی ہے جسکا قطع ہونا ضروری ہے۔ اور ہنوز قطع نہیں ہوا۔ آفتاب حق کی اتنی گرمی بلکہ اس سے سو گونہ زیادہ تو اندھوں کو بھی ملجاتی ہے۔ پس اس ہی اپنی بینائی پر استدلال بیجا ہی یاد رکھو کہ جو لوگ اس نور کے دیکھنے والے ہیں وہ کچھ اور ہی چیز ہیں انکی حالت کی تشریح تو

ابوعلی سینا بھی نہیں کرسکتا۔ بلکہ اگر وہ سو گونی ترقی کرجاوے اسوقت بھی وہ کون ہوتا ہے کہ معائنہ ومشاہدہ کے سراپردہ کو ہاتھ سے ہلا سکے۔ یعنی اُنکی حالت کی تشریح تو مشاہدہ پر موقوف ہے اور وہ مشاہدہ کے قریب تک نہیں پھٹک سکتا۔ کیونکہ اگر وہ اس پردہ کو ہاتھ بھی لگائے تو اسکے لئے بہت بڑی خرابی ہے کہ تیغ خداوندی اسکا ہاتھ کاٹ ڈالے گی۔ ہاتھ تو کیا چیز ہے خود اسکا سر اڑا دیگی یعنی وہ سر جسکو جہالت نے مجموعہ شر در بنا رکھا ہے۔ اور یہ جو میں نے کہا ہے کہ وہ اس پردہ کو ہاتھ لگائے تو تیغ خداوندی اُسکا ہاتھ کاٹ ڈالے۔ یہ میں نے بنا بر فرض وتقدیر کہا ہے ورنہ کہاں وہ سراپردہ اور کہاں اسکا ہاتھ۔ اور یہ مضمون ایسا ہی کہ کہتے ہیں کہ اگر خالہ کے اعضائے تناسل ہو تو ماموں ہو جاوے سو یہ محض بنا بر فرض ہے۔ نہ کہ بنا بر احتمال یعنی اگر بالفرض ایسا ہو تو یہ ہو۔ پس خلاصہ یہ ہے کہ زبانی دعووں میں اور اس آنکھ کے حاصل ہونے میں جو شک سے پاک ہو اگر ہزاروں برس کی مسافت کیوں نہو تو بھی کم ہے۔ لیکن اس سے تمکو نا امید نہونا چاہئے اور یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ جب یہ مسافت اتنی بڑی ہے تو قطع کیونکر ہو سکتی ہے اسلئے کہ اگر خدا چاہیں تو منٹوں بلکہ سکنڈوں میں طے ہو سکتی ہے چنانچہ جب حق سبحانہ چاہتے ہیں تو ذرا سی دیر میں نور آسمان سے زمین تک پہونچ جاتا ہے (حالانکہ زمین وآسمان میں پانسو برس کا فصل ہے) اور دیکھو قدرت خداوندی ستارونکے سیکڑوں اثر ذرا سی دیر میں معادن تک پہونچا دیتی ہے۔ اور دیکھو آسمان کے ستارے ظلمت محسوسہ کو مٹا دیتے ہیں تو اختر حق سبحانہ تو اپنی صفات میں پختہ ہو وہ کیوں تاریکی وظلمت باطنی کو ذرا سی دیر میں نہیں مٹا سکتا۔ اور دیکھو آسمان جو زمین سے پانسو برس کی مسافت پر واقع ہے اثر میں زمین سے قریب ہے نیز زحل جو کہ زمین سے تین ہزار پانسو برس کی مسافت پر واقع ہے ذرا سی دیر میں زمین میں اپنے آثار وخواص پیدا کردیتا ہے اور جبکہ اسکی حکومت کا زمانہ ختم ہوتا ہے تو وہ اپنی واپسی کے وقت سایہ کی طرح ان آثار کو درہم برہم کردیتا ہے نیز آفتاب کے سامنے طول سایہ کی کوئی بھی حقیقت نہیں۔ جب وہ طلوع ہوتا ہے تو تمام سائے کو لپیٹ کے رکھدیتا ہے۔ ان واقعات سے معلوم ہوا کہ ستاروں کے سامنے طول مسافت کوئی چیز نہیں اور آفتاب کے سامنے درازی سایہ بے حقیقت ہے

ایک حالت تو ستاروں کی یہ تھی اب ذرا انکی دوسری حالت سن لو وہ یہ کہ اہل اللہ کے نفوس قدسیہ جو کہ فیض رسانی میں ستاروں کے مانند ہیں خود اُن ستاروں کو مدد پہونچتی ہے۔ اور گو بظاہر یہ ستارے ہم پر حاکم ہیں لیکن حقیقت میں ہم ان پر حاکم ہیں۔ اور اس فیض رسانی اور حکومت کی تفصیل یہ ہی کہ انکا وجود اور ان کے کمالات انسان کے وجود اور انکے کمالات کے تابع ہے۔ کیونکہ مقصود تخلیق انسان ہے اور تمام عالم اسکے لئے پیدا کیا گیا ہے اور نوع انسان میں مقصود تخلیق اہل اللہ ہیں۔ اسلئے ستارونکا وجود اور اُن کے کمالات اہل اللہ کے وجود اور کمالات کے تابع ہونگے اور یہی مراد ہے۔ ایصال فیض و حکومت سے جیسا کہ مولانا کے کلام کے بیان سے معلوم ہوتا ہے واللہ اعلم۔ جب یہ دونوں باتیں معلوم ہوگئیں تو اب تم سمجھ سکتے ہو کہ جب طول مسافت ستاروں کے لئے احداث آثار و خواص سے اور طول سایہ آفتاب کیلئے اسکے ازالہ سے مانع نہیں تو طول مسافت و راشتداد ظلمت باطنی اہل اللہ کیلئے افاضہ سے کیونکر مانع ہو سکتی ہے۔ وہ تو ستاروں سے بھی زیادہ قوی ہیں پھر نا امیدی کی کون سی وجہ ہے۔

شرح شبّیری

عثمانؓ کی خلافت کا آغاز اور ان کا خطبہ اس بیان میں کہ ناصح فعّال بہتر ہے ناصح قوال سے

قصۂ عثمانؓ کہ بر ممبر رفت ۔۔۔ چون خلافت یافت بشتابید تفت

یعنی عثمانؓ کا قصہ ہے کہ وہ ممبر پر تشریف لیگئے جبکہ خلافت پائی تو جلدی سے دوڑے۔

ممبر مہتر کہ سہ پایہ بدست ۔۔۔ رفت بوبکرؓ دوم پایہ نشست

یعنی ممبر سردار (دو عالم صلے اللہ علیہ وسلم) کا تین سیڑھی کا تھا تو ابوبکرؓ تشریف لیگئے اور دوسری سیڑھی پر بیٹھے۔

برسوم پایہ عمر در دور خویش　　از برائے حرمت اسلام و کیش

یعنی تیسری سیڑھی پر عمرؓ اپنے زمانہ میں اسلام اور مذہب کی عزت کے واسطے (بیٹھے)

دور عثمان آمد و بالائے تخت　　بر شد و بنشست آں مسعود بخت

یعنی عثمانؓ کا زمانہ آیا تو وہ نیکبخت (یعنی عثمانؓ) تخت پر بیٹھ گئے۔

پس سوالش کرد مردے بوالفضول　　کاں دو ننشستند بر جائے رسول

یعنی تب ایک فضول شخص نے اُن سے سوال کیا کہ وہ دونوں تو رسول (صلے اللہ علیہ وسلم) کی جگہ پر نہیں بیٹھے۔

پس تو چوں جستی از ایشاں برتری　　چوں برتبت تو از ایشاں کمتری

یعنی پھر آپ کیوں اوپر چڑھے ہے کیا تم اُن سے برتر ہو۔ جبکہ تم اُن سے رتبہ میں کمتر ہو مطلب یہ کہ رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم کا ممبر تین سیڑھیوں کا تھا۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو خود اوپر کی سیڑھی پر کھڑے ہو کر خطبہ پڑھا کرتے تھے آپ کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ دوسری سیڑھی پر کھڑے ہوا کرتے تھے اور حضرت عمرؓ تیسری سیڑھی پر جب حضرت عثمانؓ کا زمانہ آیا تو آپ اوپر والی سیڑھی پر جسپر کہ حضور مقبول صلی اللہ علیہ وسلم تشریف رکھتے تھے بیٹھے اسپر ایک شخص نے سوال کیا کہ حضرت یہ کیا بات ہے کہ آپ اُن دونوں حضرات سے رتبہ میں تو کم ہیں اور پھر بیٹھے ہیں اُن دونوں سے بلند مرتبہ پر یعنی حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی جگہ پر آپ کھڑے ہوئے ہیں اسکی کیا وجہ ہے۔ اسکو سنکر حضرت حضرت عثمانؓ نے خوب ہی جواب فرمایا۔

گفت اگر پایہ سوم را بسپرم　　وہم آید کہ مثال عمرم

یعنی آپنے فرمایا کہ اگر تیسری سیڑھی پر میں بیٹھوں تو یہ وہم ہوگا کہ حضرت عمر کی برابر ہوں۔

ور دوم پایہ شوم من جائے جو　　گوئیم مثل ابوبکر است او

یعنی اگر دوسری سیڑھی کا متلاشی ہوں تو تم مجھے کہوگے کہ وہ ابوبکر کی طرح ہے۔

ہست ایں بالا مقام مصطفےٰ　　وہم مثلے نیست با آں شہ مرا

یعنی یہ مقام بالا مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کا ہے تو اس شہ (کونین صلی اللہ علیہ وسلم) کی ساتھ میری مماثلت کا شبہ نہیں ہے۔ مطلب یہ کہ حضرت عثمانؓ نے یہ جواب دیا کہ

میاں اگر میں دوسری سیڑھی پر بیٹھوں تو سب لوگ یہ سمجھیں گے کہ یہ حضرت ابو بکرؓ کی برابری کا دعویٰ کرتے ہیں اور اگر تیسری پر بیٹھتا ہوں تو حضرت عمرؓ کی برابری کا شبہ ہوتا ہے اور میں ہوں ان دونوں سے کم تو اب میں نے ایسی جگہ لی یعنی خود حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی جگہ لی ہے کہ جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی برابری کا کسی کو بھی شبہ نہیں ہو سکتا۔ لہذا میں یہاں بیٹھا ہوں۔ آگے مولانا فرماتے ہیں کہ

بعد ازاں بر جائے خطبہ آں ودود — تا بقرب عصر لب خاموش بود

یعنی اس (گفتگو) کے بعد بجائے خطبہ کے وہ مہربان قریب عصر تک خاموش رہے (اور بوجہ ہیبت کے یہ حالت تھی کہ)

زہرہ نے کس را کہ گوید ہین بخواں — یا بروں آید ز مسجد آں زماں

یعنی نہ تو کسی کی اتنی مجال کہ ان سے عرض کرے کہ پڑھیے یا اسوقت مسجد سے باہر چلا آوے

ہیبتے بنشستہ بد بر خاص و عام — پر شد از نور خدا آں صحن و بام

یعنی ہر خاص و عام پر ایک ہیبت بیٹھی ہوئی تھی اور تمام صحن اور کوٹھا نور حق سے بھر گیا تھا

ہر کہ بینا ناظر نورش بدے — کور زاں خورشید ہم گرم آمدے

یعنی جو شخص کہ بینا تھا وہ تو ان کے نور کا دیکھنے والا تھا اور اندھا بھی اس خورشید سے گرم ہو جاتا تھا۔ مطلب یہ کہ جو صاحب بصیرت تھے وہ تو بھلا انوار حق کا مشاہدہ اسوقت کر ہی رہے تھے لیکن جو اندھے تھے اور صاحب بصیرت نہ تھے انکو بھی کچھ اثر ہو جاتا تھا اور ایک حرارت انکو بھی پہونچ ہی جاتی تھی۔ اور کچھ نہ کچھ اثر انکو بھی ہو ہی جاتا تھا۔ آگے اسکی ایک مثال حسیات میں دیتے ہیں کہ۔

بس ز گرمی فہم کردے چشم کور — کہ برآمد آفتابے بے فتور

یعنی صرف گرمی سے اندھے کی آنکھ سمجھ لیتی کہ ایک آفتاب بے فتور کے نکل آیا۔ مطلب یہ کہ اندھے کو آفتاب کا نکلنا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسکو حرارت محسوس ہوئی معلوم ہوا کہ دھوپ نکلی ہوئی ہے۔ ورنہ نور آفتاب سے تو وہ محروم ہی ہے۔ اسی طرح جو لوگ صاحب بصیرت نہیں ہیں انکو بھی جب کوئی اثر اور ایک پھریری سی آتی ہے تب وہ سمجھ لیتے ہیں

کہ ہاں کوئی وارد ہو رہا ہے ورنہ کچھ بھی خبر نہیں ہوتی۔ ہاں ان دونوں گرمیوں میں ایک فرق بھی ہے اُسکو بیان فرماتے ہیں کہ۔

لیک ایں گرمی کشاید دیدہ را　　تا بہ بیند عین ہر شنیدہ را

یعنی لیکن یہ گرمی تو آنکھ کو کھولدیتی ہے کہ ہر سُنی ہوئی شے کی حقیقت کو دیکھ لیتا ہے

گرمیش را ضجرتے و حالتے　　زاں تپش دل را کشادے فسحتے

یعنی اُسکی گرمی میں ایک تنگی اور ایک حالت ہے اور اس تپش میں دلکو کشادگی اور وسعت ہے۔ مطلب یہ کہ اس آفتاب ظاہر کی گرمی اور اُس گرمی آفتاب عشق الٰہی میں ایک فرق ہے وہ یہ کہ اس آفتاب ظاہر کی گرمی سے تو آدمی کا دل گھٹنے لگتا ہے اور کچھ دیر میں انسان اس سے پریشان ہو جاتا ہے اور تنگی ہونے لگتی ہے اور اُس آفتاب حقیقی کی گرمی کا یہ خاصہ ہے کہ اُس سے دل میں کشادگی اور وسعت ہوتی ہے اور اُس سے بصیرت اور زیادہ ہوتی ہے۔ کہ آخر کار انجام یہ ہوتا ہے کہ جو سنا کرتے تھے اُن کا مشاہدہ کر لیتے ہیں آنکھیں دل کی کھلجاتی ہیں اور قلب میں نورانیت پیدا ہو جاتی ہے اور آخر میں وہ تجلیات حق کا مشاہدہ کرنے لگتا ہے۔ بصیرت تو آخر میں جاکر ہوتی ہے لیکن بعضے اوچھے لوگ جنکو کچھ حاصل ہو جاتا ہے وہ اسی کو مقصود سمجھکر اُسپر اترانے لگتے ہیں لہذا آگے ایسے لوگوں کی غلطی بتاتے ہیں کہ۔

کور چوں شد گرم از نور قدم　　از فرح گوید کہ من بینا شدم

یعنی اندھا جب نور قدیم سے گرم ہو جاتا ہے تو اکڑ کی وجہ سے کہتا ہے کہ میں بینا ہو گیا۔ مطلب یہ کہ مبتدی کو جہاں ذراسی گرمی دل میں ہوئی اور وہ سمجھے کہ ہم ولی ہو گئے صرف کیفیات و حالات کو مقصود سمجھ لیتے ہیں مولانا اسکا جواب ارشاد فرماتے ہیں کہ۔

سخت خوش مستی ولے اے بوالحسن　　پارہٴ راہ است تا بینا شدن

یعنی اے بو الحسن تم خوب مست ہو لیکن بہت راستہ ہے بینا ہونے تک۔ مطلب یہ کہ میاں ہم نے مانا کہ تمھارے اندر بہت کچھ شورش ہے اور بہت کچھ مستی بھائی صاحب بصیرت حاصل ہونے میں ابھی بہت دیر ہے۔ ابھی سے تم دعویٰ بصیرت کا کرنے لگے تو ہنوز دلی دور است

اور تمہارے اندر جو ایک جوش اور گرمی پیدا ہوگئی ہے یہ کوئی بڑی بات نہیں ہے۔ اسلئے کہ۔

این نصیب کور باشد ز آفتاب   صد چنیں واللہ اعلم بالصواب

یعنی یہ تو آفتاب سے اندھے کا حصہ ہوتا ہے (بلکہ) ایسا سو واللہ اعلم بالصواب مطلب یہ کہ جیسی ایک حرارت اور ایک جوش تمکو حاصل ہوگیا ہے ایسی حرارت تو اس آفتاب ظاہر سے اندھے کو بھی حاصل ہوجاتی ہے کہ وہ بھی گرم ہوجاتا ہے اور اسکو بھی حرارت معلوم ہوتی ہے۔

وانکہ او آں نور را بینا بود   شرح او کے کار بو سینا بود

یعنی اور جو شخص کہ اس نور کا دیکھنے والا ہو اسکی (حالت کی) شرح بوعلی ابن سینا کا کام کب ہے۔ مطلب یہ کہ جو شخص صاحب بصیرت ہے اسکی حالت کو تو بوعلی ابن سینا باوجود اتنے بڑے حکیم ہونے کے بھی بیان نہیں کرسکتا۔

گر شود صد تو کہ باشد این زماں   کہ بجنباند بکف پردہ عیاں

یعنی اگر سوگنا ہو جاوے وہ کون ہوتا ہے جو اسوقت ہاتھ سے معائنہ کے پردہ کو ہلادے۔ مطلب یہ کہ بوعلی ابن سینا کون چیز ہے جو اس معائنہ تک اسکی رسائی ہوسکے اس معائنہ پر جو پردہ اور حجاب پڑا ہوا ہے اس تک اسکے ہاتھ کی رسائی بھی نہیں ہوسکتی۔ بھلا اس پردہ کو ہٹانا اور اسکو الگ کر دینا تو درکنار یعنی حجاب کو مرتفع کرکے معائنہ کرلینا تو درکنار اسکے قرب وجوار تک بھی رسائی نہیں ہوسکتی۔ کیونکہ وہ صاحب قال ہے اور یہانتک رسائی صاحب حال کی ہوسکتی ہے۔ تو بھلا جب اسکو حال میسر ہی نہیں تو وہ کسطرح مشاہدہ کرسکتا ہے۔

وائے بر وے گر بساید پردہ را   تیغ اللّٰہی کند دستش جدا

یعنی اسپر افسوس ہے اگر وہ پردہ کو چھووے تو تیغ حق اسکے ہاتھ کو جدا کر دیگی۔ مطلب یہ کہ اگر وہ ان امور میں دخل دینے لگے اور اپنی رائے سے حجاب کو مرتفع کرنے لگے تو اسپر افسوس آتا ہے اسلئے کہ غیرت حق اسکو الگ کر دیگی۔ اور وہاں تک اسکی رسائی نہ ہوسکے گی۔ اور اسکی محنت رائگاں ہی رہے گی۔

دست چہ بود خود سرش را بر کند　　آں سرے کہ جہل سرہا می کند

یعنی ہاتھ کیا ہے اُسکے سر کو اوکھاڑ دیں گے وہ سر جو کہ بہت سے سروں کا جہل کرتا ہے مطلب یہ کہ بھلا اُسکے ہاتھ کو الگ کر دینا تو در کنار خود اسکی ذات ہی کو علیحدہ کر دیا جاویگا۔ اور اسکو وہاں سے ہٹا دیا جاویگا۔ اور وہ بالکل ہی تباہ ہو جاویگا۔ کیونکہ جب عقل سے ان معاملات میں دخل دیا ہے ہمیشہ گمراہی ہی بڑہے گی اور بعض حکماء جو منصف مزاج ہیں اس امر کے مقر ہو گئے ہیں کہ عقول متوسطہ ان امور کے سمجھنے سے قاصر ہیں۔ آگے مولانا فرماتے ہیں کہ۔

ایں بتقدیر سخن گفتم ترا　　ورنہ خود دستش کجا و آں کجا

یعنی یہ جو میں نے تجھ سے کہا بالفرض ہے ورنہ خود اسکا ہاتھ کہاں اور وہ معائنہ کہاں۔ مطلب یہ کہ میں نے جو کہا ہے کہ وہ اگر اس تک پہونچے تو ہلاک ہوگا یہ بفرض والمحال ہے ورنہ بھلا کہاں وہ اور کہاں معائنہ وہ تو ہرگز ہرگز بھی معائنہ نہیں کرسکتا۔ اسکی وہاں تک رسائی ہو ہی نہیں سکتی۔ آگے ایک مشہور مثل کو بطور نظیر کے لاتے ہیں کہ۔

خالہ را خایہ بدے خالو شدے　　ایں بتقدیر است یعنی گر بدے

یعنی خالہ کے اگر خایہ ہوتا تو وہ ماموں ہو جاتیں تو یہ بالتقدیر ہے کہ اگر ہوتا۔ مطلب یہ ہے کہ یہ سب جملے شرطیہ ہیں جنمیں کہ ترتب جزا منحصر ہے وجود شرط پر اگر شرط ہی نہ پائی جاویگی تو جزا ہی مرتب نہوگی۔ خوب سمجھ لو۔ آگے فرماتے ہیں کہ۔

از زباں تا چشم کو پاک از شکست　　صد ہزاراں سال گویم اندک است

یعنی زباں سے چشم تک جو کہ شکست سے پاک ہے اگر لاکھوں برس بھی بیاں کروں تو کم ہے۔ مطلب یہ کہ صرف زبان سے کہنے میں اور دیکھنے میں جسقدر فرق ہے اگر اُس فرق کو لاکھوں برس بھی بیان کروں تب بھی کم ہے اسلئے کہ قال اور حال میں تو بہت بون بعید ہے جیسا کہ ظاہر ہے تو صرف الفاظ سے جو ایک سرسراہٹ محسوس ہو گئی اُس سے اترا گئے اور بڑے مست بننے لگو۔ اس سے کچھ ہوتا ہوتا نہیں اب یہاں اُسکو سنکر کوئی شاید نا امید ہو جاتا کہ جب یہ راہ اسقدر کٹھن ہے تو ہم بھلا کہاں وہاں تک پہونچ سکتے ہیں۔ آگے اس نا امیدی کو زائل فرماتے ہیں کہ۔

ہین مشو نومید نور از آسمان　　حق چو خواہد میرسد در یک زمان

یعنی ہاں نا امید مت ہو کیونکہ آسمان ہی نورِ حق تعالیٰ جب چاہتے ہیں تو ایک گھڑی میں پہونچ جاتا ہے۔

صد اثر در کانہا از اختراں　　میرساند قدرتش در ہر زماں

یعنی معدنوں میں سیکڑوں اثر ستاروں سے اُسکی قدرت ہر گھڑی پہونچاتی ہے۔

اختر گردوں ظلم را ناسخ است　　اختر حق در صفاتش راسخ است

یعنی آسمان کے ستارے ظلمتوں کیلئے ناسخ ہیں اور اخترِ حق اپنی صفات میں راسخ ہے۔

چرخ پانصد سالہ راہ ای مستعین　　در اثر نزدیک آمد با زمین

یعنی پانسو برس کے رستہ والا آسمان اے مستعین اثر میں زمین سے نزدیک ہے۔

سہ ہزاراں سال و پانصد تا زحل　　دمبدم خاصیتش آرد عمل

یعنی ساڑھے تین ہزار سال (کا راستہ) زحل تک (ہے) اور دمبدم اُسکی خاصیت عمل کرتی ہے مطلب ان سب اشعار کا "ہین مشو نومید" سے یہانتک یہ ہے کہ نا امید مت ہو کیونکہ حق تعالیٰ جب چاہتے ہیں تو نور کو ایکدم میں ہزاروں برس کی راہ سے پہونچا دیتے ہیں دیکھو آفتاب کا نور کسقدر جلدی زمین تک پہونچا دیتے ہیں۔ اور آج کل کی تحقیق کے مطابق یہ مضمون بہت ہی صحیح ہے اسلئے کہ آجکل جو رفتار نور کی بتائی جاتی ہے وہ تو بیحد تیز ہے شاید ایک سکنڈ میں کئی ہزار میل یا کئی لاکھ میل کی رفتار ہے اور دیکھو آسمان کا اثر جو کہ زمین سے کسقدر دور ہے زمین تک برابر پہونچتا ہے تو اگر حق تعالیٰ باوجود بعد مسافت کے تم کو وہاں تک پہونچا دیں تو کیا عجیب ہے۔ نا امید ہونیکی کونسی بات ہے۔

درہمش آرد چو سایہ در ایاب　　طول سایہ چیست پیش آفتاب

یعنی اُس زحل کو سایہ کی طرح بازگشت کے وقت درہم کر دیتا ہے۔ اور آفتاب کے آگے طول سایہ کیا شے ہے مطلب یہ کہ دیکھو زحل جسکا اثر ساڑھے تین ہزار میل سے زمین تک آتا ہے آفتاب کے نکلنے کے وقت سب درہم برہم ہو جاتا ہے اور اسکا کوئی اثر بھی نہیں رہتا اور آفتاب کے آگے اُسکا مٹا رہنا کیا مشکل بات ہے۔

اٹھا دینا اور مقصود تک پہونچا دینا کیا مشکل بات ہے پھر کیوں نا امید ہوتے ہو۔ آگے فرماتے ہیں کہ

در نفوس پاک اختروش مدد — سوئے اخترہائے گردوں میرسد

یعنی نفوس پاک سے ستارونکی طرح مدد ستارہائے گردوں کی طرف پہونچتی ہے مطلب کہ جو حضرات ایسے ہیں کہ جنکے نفوس پاک ہیں یعنی بزرگان دین انکا فیض اور اثر آسمان کے ستاروں تک پہونچتا ہے یعنی انکی بقا بھی ان ہی کے فیض سے ہے اسلئے کہ اصل مقصود تو وجود دنیا سے ایسے ہی حضرات کا وجود باجود ہے تو دیکھو انکا اثر جب زمین سے آسمان کیطرف پہونچتا ہے تو اگر ان حضرات کے فیض سے تم بھی مستفیض ہو جاؤ تو کیا عجب ہے آگے فرماتے ہیں کہ

ظاہر آں اختراں قوام ما — باطن ما گشتہ قوام سما

یعنی ظاہر میں تو ستارے ہمارے قوام ہیں اور باطن ہمارا آسمان کیلئے قوام ہے مطلب یہ کہ ظاہر میں تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ ستاروں سے ہمارا وجود قائم ہے لیکن اصل میں اور باطن میں ہماری وجہ سے ستاروں کا وجود ہے اسلئے کہ اصل مقصود تو عالم سے انسان ہی ہے اگر یہ نہوتا تو کچھ بھی نہوتا۔ لہذا یہ کہنا کہ باطن میں ہم ستاروں کے قوام ہیں بالکل درست ہے آگے مولانا اسی کو بیان فرماتے ہیں کہ انسان ظاہر میں تابع ہے لیکن حقیقت میں اور اصل میں یہی خود مقصود ہے اور سب اسکی فروع ہیں۔

شرح حبیبی

پس بصورت عالم صغریٰ توئی	پس بمعنی عالم کبریٰ توئی
ظاہر آں شاخ اصل میوہ است	باطناً بہر ثمر شد شاخ ہست
گر نبودے میل و امید ثمر	کے نشاندے باغباں بیخ شجر
پس بمعنی آں ثمر از میوہ زاد	گر بصورت از شجر بودش ولاد

مصطفے زیں گفت کادم وانبیا — خلف من باشند در زیر لوا

بهر ایں فرموده است آں ذوفنون — رمز نحن السابقون الاولون

گر بصورت من ز آدم زاده ام — من بمعنی جد جد افتاده ام

گر برائے من بدش سجده ملک — از پئے من رفت بر هفتم فلک

پس ز من زائید در معنی پدر — پس ز میوه زاد در معنی شجر

اول فکر آخر آمد در عمل — خاصه فکرے کو بود وصف ازل

حاصل اندر یک زماں از آسماں — می رود می آید اے در کارواں

نیست بر ایں کارواں ایں ره دراز — کے مفازه زفت آید با مفاز

دل بکعبه می رود در هر زماں — جسم طبع دل بگیرد ز امتناں

ایں دراز و کوتهی مر جسم راست — چه دراز و کوته آنجا که خداست

چوں خدا مر جسم را تبدیل کرد — رفتنش بے فرسخ و بے میل کرد

صد امید ست ایں زماں بردار گام — عاشقانه اے فتے خل الکلام

گرچه پیله چشم بر هم میزنی — در سفینه خفته ره میکنی

جبکہ تم کو معلوم ہو گیا کہ گو بظاہر ستارہ ہمارے مربی ہیں مگر حقیقت میں ہم اُن کے مربی ہیں تو اس سے تمکو یہ نتیجہ نکالنا چاہیئے۔ کہ اگرچہ ظاہر میں تم عالم صغیر ہو۔ مگر باطن میں عالم اکبر ہو۔ عالم صغیر ہونے کا یہ سبب ہے کہ تمام اجزار عالم ایک ایک اسم یا صفت الٰہی کے مظاہر ہیں اور انسان تمام اسمار و صفات کا مظہر ہے اور عالم اکبر ہونیکی وجہ یہ ہے کہ مقصود تخلیق ہونے کے سبب تمام عالم سے مرتبہ میں فائق اور رتبہ میں سب سے مقدم ہے۔ اب مولانا

"ظاہر آں اختراں قوام ما" باطن ما گشتہ قوام سما" کو موجہ کرتے ہیں۔ اور فرماتے ہیں کہ ہم نے جو کہا ہے کہ بظاہر ستارے ہمارے مقوم ہیں لیکن حقیقت میں ہمارا باطن آسمان کا مقوم ہے۔ کچھ بعید نہیں ہے کیونکہ اسکے نظائر موجود ہیں۔ دیکھو بظاہر شاخ میوہ کی اصل ہے۔ مگر حقیقت میں میوہ اسکی اصل ہے کیونکہ وہ میوہ ہی کے لئے کتم عدم سے منصۂ وجود پر جلوہ گر ہوتی ہے۔ چنانچہ اگر باغبان کو میوہ کی رغبت اور اسکی امید نہ ہوتی تو کہیں وہ درخت لگاتا۔ ہرگز نہیں پس ثابت ہوا کہ حقیقت میں درخت میوہ سے پیدا ہوا ہے اگرچہ ظاہر میں میوہ درخت سے پیدا ہوا ہے اور ظاہر میں گو درخت مقوم میوہ ہے مگر باطن میں میوہ مقوم شجر ہے اس نظیر سے وہ استبعاد مندفع ہو گیا۔ جو نظر مطلع کیلئے ہمارے کلام میں تھا۔ اب فائدہ زائد کے طور پر سنو کہ اس تفصیل سے تمکو معلوم ہو گیا کہ اسی لئے جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ آدم اور جملہ انبیا قیامت میں جھنڈے کے نیچے میرے پیچھے ہونگے۔ اسلئے کہ جسطرح تمام عالم کے مقابلہ میں مقصود بالتخلیق انسان ہے اور تمام عالم اسکے تابع اور انسانوں میں مقصود بالتخلیق اہل اللہ ہیں اور تمام انسان ان کے تابع یوں ہی اہل اللہ میں مقصود بالتخلیق جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ہیں اور بقیہ اہل اللہ ان کے تابع پس نشأۃ اخریٰ جو محل ظہور حقائق ہے اسمیں یہ حقیقت لباس صورت پہنے گی اور یہ مقصودیت و تقدم اس شکل میں ظاہر ہوگا۔ اور اسی لئے آپنے فرمایا ہے کہ نحن الاٰخرون (فی النشأۃ الاولیٰ) والسابقون (فی النشأۃ الاخریٰ) اور اس لئے گویا کہ آپنے فرمایا ہے کہ گو میں بظاہر آدم علیہ السلام کا بیٹا ہوں لیکن حقیقت میں اُن کے دادا کا دادا ہوں۔ کیونکہ جسطرح دادا کا دادا پوتے کے پوتے کی خلقت کا سبب ہوتا ہی یونہی میں بھی تخلیق آدم کا سبب ہوں اور جسطرح جد جد کا زمانہ پوتے کے پوتے سے بہت مقدم ہوتا ہے یوں ہی رتبہ اور مقصودیت میں میں آدم علیہ السلام سے کہیں مقدم ہوں کیونکہ اُن کو فرشتوں کا سجدہ میری ہی وجہ سے تھا۔ اور میرے ہی لئے وہ ساتویں آسمان پر جنت میں گئے تھے۔ اسلئے کہ انکا وجود ہی میرے سبب سے تھا پس وہ کمالات جو تابع وجود ہیں وہ تو بالاولی میرے سبب سے ہونگے لہذا یہ ثابت ہو گیا کہ حقیقت میں میرے جد امجد مجھسے پیدا ہوئے

اور حقیقت میں درخت میوہ سے پیدا ہوا اور کیوں نہ ہو قاعدہ کلیہ ہے کہ اول فکر کی ہوئی
چیز فعل میں پیچھے آیا کرتی ہے بالخصوص وہ فکر کی ہوئی چیز یعنی محل تفکر و متصور و معلوم
کہ وصف ازلی ہو وہ تو بالاولی مقدم ہوگی (حضرت مجدد الملۃ والدین نے اس مضمون
کی تشریح کو قلمبند فرما کر دیا تھا اسکو بجنسہ نقل کر دینا کافی معلوم ہوتا ہے۔ فرمایا ہی خصوص
اسلئے کہا کہ ایک تو اسکا غایت مقصودہ ہونا مقتضی ہے۔ اسکے تقدم کو پھر اسکا وصف ازلی
ہونا جسکے لئے تقدم علی غیر الازلی لازم ہے۔ یہ دوسرا مقتضی ہے اسکے تقدم کو جیسے جناب
رسول اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک کہ بحیثیت اپنے منشار تعین کے جسکو حقیقت محمدیہ
کہتے ہیں وصف ازلی ہے باری تعالیٰ کا۔ جسکا حاصل (اس بنا پر کہ اگر کسی شے پر کوئی
حکم کسی حیثیت خاصہ سے کیا جاوے۔ تو درحقیقت محکوم علیہ اس حکم کا وہ حیثیت ہوتی
ہے) یہ ہے کہ وہ حقیقت محمدیہ وصف ہے باری تعالیٰ کا۔ کیونکہ یہ اصطلاح میں تعبیر ہے
صفات باری تعالیٰ کے درجۂ اجمال کا۔ اور یہ ایسا ازلی ہے کہ غیر ازلی پر تو مقدم ہی ہی
دوسرے ازلیات پر بھی جو منا شی تعینات ہیں دوسرا کو ان سے ایک گونہ مقدم ہے اور
یہ منا شی صفات کا درجہ تفصیلی ہے جسکو اعیان ثابتہ کہتے ہیں اور حقیقت آدمیہ بھی اسکا
تفصیلی ہے۔ اور یہ تقدم بالزمان نہیں مگر بالذات و بالطبع ہے۔ پس حقیقت محمدیہ کا حقیقت
آدمیہ سے متقدم ہونا بھی ذات محمدیہ کا تقدم ہے۔ ذات آدمیہ وغیرہ پر بحیثیت مذکورہ اور
آپ کے لئے حقیقت محمدیہ کا منشار تعین ہونا خود یہ علامت ہے آپ کی مقصودیت کی
پس وہی حاصل نکلا کہ آپ کی مقصودیت سبب ہے تقدم کا اور اس مقصودیت کی چونکہ ایک
خاص توجیہ تھی اسلئے اسکو خاصہ فکرے الخ کے عنوان سے تعبیر کیا احقر کہتا ہے کہ اس تقریر
کے بعد جی چاہتا تھا کہ کوئی سہل توجیہ ہوتی تو خوب تھا عشار کی نماز میں ذہن میں ایک
دوسری تقریر آئی وہ یہ کہ آپ کے تقدم کی ایک وجہ تو وہی مقصودیت بنابر اس قاعدہ
کے کہ اول فکر آخر آمد در عمل ہے اور دوسری خاص وجہ یہ ہے کہ آپ ایسے متعلق فکر یعنی
معلوم ہیں کہ آپ صاحب وصف ازلی ہیں مبالغۃ آپ پر وصف ازلی کو محمول کر دیا۔
جیسا زید عدل ہیں اور ازلی سے مراد عرفی خاص نہیں بلکہ مراد معنی عرفی عام ہیں جو اکثر

شعراء کے استعمال میں آئے ہیں یعنی مطلق اولیت متفاوتہ کما قال النظامی ؎ محمدؐ کازل تا ابد ہر چہ ہست۔ بآرائش نام او نقش بست۔ اور حسب مضمون حدیث اول ما خلق اللہ نوری آپ معلول اول وجود خارجی میں بھی ہیں پس معنی یہ ہوئے کہ مقصود وجود ذہنی میں تو مقدم ہوتا ہے ہی اور آپ تو وجود خارجی میں بھی سب سے مقدم ہیں۔ گو مرتبۂ روح میں بھی جسم میں نہیں وھذا اسھل واللہ اعلم انتھی تقریرہ الشریف) یہاں تک اس ضمنی مضمون کو ختم کر کے پھر مضمون سابق کی طرف رجوع فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ خلاصہ یہ کہ آسمان سے انوار و خواص کے قافلے دمبدم زمین پر پہونچتے رہتے ہیں اور باوجودیکہ دونوں میں بہت فاصلہ ہے مگر میر قافلہ کے حق میں یہ راستہ کچھ بھی دراز نہیں علیٰ ہذا مقصود کی مقابلہ میں وسعت میدان کوئی چیز نہیں ہوتی۔ پھر درازی مسافت سلوک پر نظر کر کے تم کیوں مایوس ہوتے ہو اور سنو دیکھو دل ہر وقت کعبہ میں پہونچ سکتا ہے پس حق سبحانہ تمہاری جسم میں بھی اپنی عنایت سے قلب کی صفت پیدا کر دینگے اور تمکو ذرا سی دیر میں وصول الی اللہ حاصل ہو جاویگا یہ طول مسافت و قصر مسافت تو جسمانیات کیلئے ہے۔ اور جہاں خدا ہی ہاں طول و قصر مسافت کو کیا تعلق وہ تو سیر معنوی ہے پس جب حق سبحانہ تمہارے جسم پر روحانیت کو غالب کر دیں گے تو اسوقت تمھاری سیر الی اللہ روحانی ہوگی۔ اور اسمیں فرسخ اور میلوں کو کچھ بھی دخل نہوگا۔ لہذا ابھی تمھارے لئے سیکڑوں امیدیں ہیں۔ تم عاشقانہ قدم بڑھاؤ اور قیل و قال کو چھوڑو اس صورت میں اگرچہ تم آنکھ بند کئے ہوئے سو رہے ہو یا یں معنی کہ تمہاری ذاتی سعی بمنزلہ سونے کے ہے لیکن تم کشتی میں سو رہے ہو۔ اور رستہ طے کر رہے ہو تفصیل اسکی حسب ذیل ہے۔

تفسیر حدیث مثل امتی کمثل سفینۃ نوح من تمسک بہا نجا و من تخلف عنہا غرق،

بہر ایں فرمود پیغمبر کہ من	ہمچو کشتی ام بطوفان زمن

ما و اصحابیم چون کشتی نوح — هر که دست اندر زند یابد فتوح
چونکه با شیخی تو دور از زشتیئے — روز و شب سیارے و در کشتئے
در پناه جان جان بخشی قوی — کشتی اندر خفتۂ رہ میروی
مگسل از پیغمبر ایام خویش — تکیه کم کن بر فن و بر گام خویش
گرچه شیری چون روی ره بی دلیل — همچو روبه در ضلالی و ذلیل
هین مپر الا که با پرهائے شیخ — تا بہ بینی عون لشکرهائے شیخ
یک زمانے موج لطفش بال تست — آتش قهرے ولے حمّال تست
قهر او را ضد لطفش کم شمر — اتحاد هر دو بین اندر اثر
یک زمان چون خاک سبزت می کند — یک زمان پُر باد و گبزت می کند
جسم عارف را دهد وصف جماد — تا برو روید گل و نسرین شاد
لیک او بیند نه بیند غیر او — جز بمغز پاک ندهد خلد بو
مغز را خالی کن از انکار یار — تا که ریحان یابی از گلزار یار
تا بیابی بوئے خلد از یار من — چون محمد بوئے رحمٰن از یمن
در صف معراجیان گر بیستے — چون براقت بر کشاید نیستے
نے چو معراج زمینے تا قمر — بلکه چون معراج کلکے تا شکر
نے چو معراج بخارے تا سما — بلکه معراج جنینے تا نهے
خوش براقے گشت خنگ نیستی — سوئے هستی آردت گر نیستی
کوه و دریاها سمش بس میکند — تا جهان حس را پس میکند

پا بکش در کشتی و میرو رواں	چوں سوئے معشوق جان جاں رواں
دست نے و پائے نے رو تا قدم	ہمچناں کہ تافت جانہا از عدم
بر دریدے در سخن پردہ قیاس	گر نبودے سمع سامع را نعاس
اے فلک بر گفت او گوہر ببار	از جہان او جہاں تا شرم دار
گر بباری گوہرت شش تا شود	جامدت گوئندہ و بینا شود
پس نثارے کردہ باشی بہر خود	چونکہ ہر سرمایہ تو صد شود
ہمچو آں ہدیہ کہ بلقیس از سبا	بر سلیماں می فرستادے کیا

اسی لئے جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میں زمانہ کے طوفان میں مثل ایک کشتی کے ہوں اور میری اور میرے متعلقین کی ایسی مثال ہے جیسی کشتی نوح کہ جو اسکو تھام لیگا دولت سے کامیابی حاصل ہو جاویگی۔ جب یہ امر معلوم ہو چکا تو اب سمجھو کہ متعلقین جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں شیخ کامل بھی ہے پس جبکہ تم شیخ کیساتھ اور اسکا دامن پکڑے ہوئے ہو اور اسکا اتباع کئے ہوے ہو تو تم برائی سے دور ہو۔ اور رات دن قطع منازل الی اللہ کر رہے ہو اور کشتی میں سوار ہو اور ایک جان جہاں کی پناہ میں ہو جو کہ جان بخش ہے۔ اور اس کشتی میں سوئے ہوئے رستہ قطع کر رہے ہو دیکھو شیخ وقت گویا کہ اپنے وقت کا پیغمبر ہے پس تم اس سے قطع تعلق نکرنا۔ اور اپنے علم و عمل پر بھروسہ نکرنا۔ دیکھو اگرچہ تم شیر ہو مگر جب بے رہنما کے رستہ طے کروگے تو لومڑی کی طرح گمراہ اور ذلیل ہوگے۔ دیکھو ہم پھر کہتے ہیں کہ شیخ ہی کے پروں سے اڑنا اور اسی کی اعانت سے رستہ طے کرنا۔ تاکہ تمکو شیخ کی فوج سے مدد ملے۔ اور وہ اپنی دعا اور توجہ اور تجربات سے تمھاری اعانت کرے۔ جب تم شیخ کا دامن پکڑ لوگے اسوقت کبھی تو اسکی مہربانی کی موج تمھا[illegible] ساز ہوگی اور کبھی اسکے آتش قہر تمکو لا دکر منزل مقصود کی طرف لیجائیگی۔ یعنی کبھی وہ نرمی سے کام لیگا کبھی گرمی سے اور یہ دونوں باتیں تمھارے لئے ذریعہ قطع

منازل ہیں پس تمکو سختی سے گھبرانا نہ چاہیئے۔ اور اسکے قہر کو اسکے لطف کی ضد نہ سمجھنا چاہیئے۔ بلکہ نتیجہ میں دونوں کو متحد اور یکساں سمجھنا چاہیئے۔ وہ کبھی تمکو اپنی تربیت خاص سے مثل خاک مگر سرسبز کریگا۔ اور کبھی تمکو بشارات وغیرہ سے پھلا ویگا۔ اور موٹے کریگا وہ جسم سالک کو مٹی کر دیتا ہے تاکہ اسمیں گل ونسرین حالات باطنیہ پیدا ہوں مگر اُن کو وہ ہی دیکھیگا۔ دوسرا نہ دیکھیگا۔ اسلئے کہ ہر چیز کے احساس کیلئے ایک خاص قابلیت کی ضرورت ہے چنانچہ بہشت کی خوشبو پاک ہی دماغوں کو آسکتی ہے نہ کہ گندہ دماغوں کو اس سے اس امر کی ضرورت بھی ثابت ہوئی کہ تم اپنے دماغوں کو انکار شیخ سے پاک کرو تاکہ تم اسکے گلزار کمالات سے ریحاں فیوض حاصل کر سکو۔ اور تاکہ تمکو اسمیں سے جنت کی خوشبو یوں ہی آسکے جسطرح کہ جانب یمن سے جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو حق سبحانہ کی خوشبو آئی تھی۔ جیسا کہ آپنے فرمایا ہے انی لاجد نفس الرحمن من قبل الیمن دیکھو اگر تم ارباب معراج روحانی یعنی اہل اللہ کی صف میں کھڑے ہو گے۔ اور اپنے کو مٹا دو گے تو یہ فنائے خودی براق کی طرح تمہارے پر کھولدے گی اور تم نہایت سرعت کیساتھ عروج روحانی کرو گے۔ یہ معراج ایسے نہ ہو گی جیسے خاکیوں کی معراج چاند تک بلکہ یہ معراج معنوی اور صنعی ہو گی جیسے گنے کی معراج شکر تک۔ اور یہ معراج ایسی نہ ہو گی جیسے بخارات کی معراج آسمان تک بلکہ ایسی معراج ہو گی جیسے بے عقل بچے کی عقل تک۔ دیکھو اسپ فنا نہایت اعلیٰ درجہ کا براق ہے کیونکہ اگر تم نیست ہو تو یہ تمکو جانب وجود لے آتا ہے اور تمکو اس قابل کر دیتا ہے کہ تمکو موجود کہا جاسکے اسکا سم پہاڑوں اور دریاؤں سے مس کرتا ہے اور یہانتک تیز رفتار ہوتا ہے کہ جہان محسوس کو پیچھے چھوڑ دیتا ہے اور عالم غیب تک پہونچا دیتا ہے پس تمکو چاہیئے کہ کشتی میں سوار ہو کر چلے چلو جسطرح معشوق جان کی طرف جاتی ہے۔ اور بے دست وپا عالم حدوث سے ملک قدم تک پہونچو۔ جسطرح کہ بے دست وپا جانیں عدم سے وجود میں آئی تھیں شیخ کی تو یہ حالت ہے کہ اگر سننے والے کا کان اونگتا نہ ہوتا یعنی وہ سننے کے قابل ہوتا۔ تو وہ اپنی گفتگو سے عقل کا پردہ چاک کر دیتا مگر کیا کیجئے کہ کوئی کہ کوئی سننے والا ہی نہیں پس اے فلک اس خوش گفتار کی گفتگو پر موتی برسا۔

اور اے جہان جیسی اُسکے جہاں قلب ہے شرم کر کہ تیری وسعت اور تیرے عجائبات اصلی وسعت اور اُسکے عجائبات کو نہیں پہونچ سکتے۔ دیکھ اگر تو موتی برسائیگا تو اس سے تیری موتی چھوٹے ہو جائیں گے۔ اور یہ تیرے جمادات بولنے والے اور دیکھنے والے ہو جائیں گے۔ اسلیئے یہ تیری بکھیر خود اپنے فائدہ کیلئے ہوگی نہ کہ شیخ کیلئے کیونکہ اس سے تیرے موتی سو گنے ہو جائینگے جسطرح کہ بلقیس نے ملک سبا سے سلیمان علیہ السلام کے پاس ہدیہ بھیجا تھا جس سے خود اسی کو فائدہ ہوا تھا تفصیل اسکی حسب ذیل ہے۔

بلقیس کا شہر سبا سے سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں ہدیہ بھیجنا۔

ہدیۂ بلقیس چل اشتر بدست — بار آنہا جملہ خشت زر بدست

چوں بصحرائی سلیمانی رسید — فرش آنرا جملہ زر پختہ دید

بر سر زر تا چہل منزل براند — تا کہ زر را در نظر آبے نماند

بارہا گفتند زر را وا بریم — سوئے مخزن ما چہ بیگار اندریم

عرصۂ کش خاک زر دہ دہی است — زر بہدیہ بردن آنجا ابلہی است

اے ببردہ عقل ہدیہ تا آلہ — عقل آنجا کمتر است از خاک راہ

چوں کساد ہدیہ آنجا شد پدید — شرمساری شان ہمی واپس کشید

باز گفتند از کساد و از روا — چیست بر ما بندہ فرمانیم ما

گر زر و گر خاک ما را بردنی است — امر فرماندہ بجا آوردنی است

گر بفرمایند کیں واپس برید — ہم بفرمان تحفہ را باز آورید

امر و فرمان الٰہی باید شنید　　تا بدانجا ہدیہ را باید کشید

خوش روان گشتند با ہدیہ روان　　تا بہ تخت آن سلیمان جہان

خندہ آمد چون سلیمان آن بدید　　کز شما من کے طلب کردم مزید

من نمی‌گویم مرا ہدیہ دہید　　بلکہ گفتم لائق ہدیہ شوید

کہ مرا از غیب نادر ہدیہ ہاست　　کہ بشر آن را نیارد نیز خواست

می پرستید اخترے کو زر کند　　رو بدو آرید کو اختر کند

می پرستید آفتاب چرخ را　　خوار کردہ جان عالی نرخ را

آفتاب از امر حق طباخ ماست　　ابلہی باشد کہ گوئیم او خداست

آفتابت گر بگیرد چون کنی　　آن سیاہی زو تو چون بیرون کنی

نے بدرگاہ خدا آرے صداع　　کیں سیاہی را ببر وادہ شعاع

گر کشندت نیم شب خورشید کو　　تا بنالے یا امان خواہی ازو

حادثات اغلب بشب واقع شود　　واں زمان معبود تو غائب بود

سوئے حق گر راستانہ خم شوی　　وا رہی از اختران محرم شوی

چون شوی محرم کشایم با تو لب　　تا ببینی آفتابے نیم شب

جز روان پاک او را شرق نے　　در طلوعش روز و شب را فرق نے

روز آن باشد کہ او شارق شود　　شب نماند شب چو او بارق شود

چون نماید ذرہ پیش آفتاب　　خور چنان باشد دران انوار و تاب

آفتابے را کہ رخشان می شود　　دیدہ پیشش کند و حیران می شود

ہمچو ذرہ بینیش در نور عرش | پیش نور بیحد موفور عرش
خوار و مسکین بینی او را بیقرار | دیدہ را فوت شدہ از کردگار
کیمیائے کہ از ویک ماثرے | بر دخان افتاد و گشت آں اخترے
نادر اکسیرے کہ از وے نیم تاب | بر ظلامے زد بگردش آفتاب
بوالعجب مینا گرے کز یک عمل | بست چندیں خاصیت برزحل
باقی اختر ہا و گوہر ہائے جاں | ہم بریں مقیاس اے طالب بداں
دیدۂ حسے زبون آفتاب | دیدۂ ربانئے جوی و بیاب
تا زبوں گردد بہ پیش آں نظر | شعشعات آفتاب باشرر
کاں نظر نورے و ایں نارے بود | نار پیش نور بس تارے بود

بلقیس کا ہدیہ چالیس اونٹ تھے۔ اور ان پر سونے کی اینٹیں لدی ہوئی تھیں جب قاصدین سلیمان علیہ السلام کے جنگل میں پہنچتے ہیں تو انھوں نے دیکھا کہ اس جنگل میں پختہ سونے کا فرش لگا ہوا ہے الغرض وہ چالیس منزل تک سونے کے فرش پر چلے یہاں تک کہ اپنے سونیکی اُنکی نظر میں کوئی وقعت نہ رہی۔ بہت دفعہ انھوں نے اپنے دل میں کہا کہ ہم کیا لغو اور فضول حرکت کر رہے ہیں ہمکو چاہئے کہ ہم سونیکو اُسکے خزانہ میں واپس لیجائیں۔ کیونکہ وہ میدان جسکی خاک زر خالص ہے وہاں سونا ہدیہ میں لیجانا سراسر حماقت ہے۔ اب مولانا فرماتے ہیں کہ اس سے تمکو سمجھنا چاہئے کہ جو لوگ عقل کو خدا کے پاس ہدیہ لیجاتے ہیں اُنکی سراسر غلطی ہے۔ کیونکہ عقل کی وہاں اتنی بھی وقعت نہیں جتنی کہ رستہ کی گرد کی۔ عقل کو ہدیہ لیجانے سے مراد یہ ہے کہ آدمی اپنی عقل کو پیشوا بنا کر اُسکے ذریعہ سے اتباع خداوندی کرے۔ اور رسول کو نہ مانے جیسے کفار کرتے ہیں۔ یا رسول کو تو مانے مگر عملاً اُسکا اتباع نکرے بلکہ اپنی عقل یا وقت کا تبع رہے جیسا کہ مسلمان اہل دنیا کا شیوہ ہے یہ مضمون استطرادی تھا آگے پھر قصہ کی طرف عود ہے

اور فرماتے ہیں کہ جب وہاں اس ہدیہ کا ناقص ہونا ظاہر ہو گیا تو شرمندگی اُنکو پیچھے ہٹاتی تھی۔ مگر وہ پھر کہتے تھے کہ جی کھرے کھوٹے کا ہمپر کیا الزام ہے ہم تو مطیع حکم ہیں خواہ ہمیں سونا لیجانا پڑے خواہ مٹی۔ یہ تو حکم حاکم ہے۔ اسکو تو ماننا ہی پڑیگا۔ ہاں اگر خود سلیمان علیہ السلام کا حکم ہو کہ اس تحفہ کو واپس لیجاؤ تو اس حکم کے ذریعہ سے ضرور واپس لے آؤ غرضکہ حکم کو سننا چاہیئے۔ اور ہدیہ کو وہاں تک لیجانا چاہیئے غرضکہ وہ اپنے دل میں یہ امر طے کر کے خوش خوش ہدیہ کو سلیمان علیہ السلام کے تخت تک لیگئے جب سلیمان علیہ السلام نے ہدیہ کا ملاحظہ فرمایا تو ہنسے اور فرمایا کہ صاحبو میں نے آپ لوگوں سے دولت کب مانگی تھی میں یہ نہیں کہتا کہ مجھے ہدیہ دو بلکہ میں تو یہ کہتا ہوں کہ تم اپنے کو میسر ہدایا و تحف معنویہ کے قابل بنا لو۔ اسلئے کہ مجھے غیب سے عجیب و غریب ہدیے ملتے ہیں جنکو آدمی بوجہ اپنی ناواقفیت کے خدا سے مانگ بھی نہیں سکتا۔ اور میں چاہتا ہوں کہ انمیں سے کچھ تمھیں بھی دوں۔ مگر اسکے لئے اسلام شرط ہے اسلئے تم سے اسلام کی درخواست کرتا ہوں۔ دیکھو تم اس ستارے یعنی آفتاب کو پوجتے ہو جو سونا بناتا ہے لیکن یہ تمھاری سخت نادانی ہے تمکو اسکی طرف متوجہ ہونا چاہیئے جو اس ستارے کو بناتا ہے اور تم آفتاب آسمان کو پوجتے ہو اسی سے تم نے اپنی بیش بہا جانو نکو ذلیل کر رکھا ہے کیونکہ یہ آفتاب تو بحکم خداوندی ہمارا باورچی ہے کہ ہمارے لئے سامان معیشت تیار کرتا ہے ایسی حالتمیں سراسر حماقت ہے کہ ہم کہیں کہ وہ خدا ہے ذرا غور تو کرو اگر تمھارا آفتاب گہن میں آجاوے تو تم کیا کرو۔ اور اسکی سیاہی اس سے کیونکر الگ کرو۔ کیا یہ ہی نہو گا کہ تم حق سبحانہ کی درگاہ میں اپنی تکلیف ظاہر کرو گے کہو گے کہ اے اللہ کہ اس سیاہی کو کھو دے اور ہمیں روشنی دے نیز اگر تمھیں کوئی آدھی رات کے وقت مارنا چاہے تو بتاؤ کہ اسوقت آفتاب کہاں ہے تاکہ تم اسکے سامنے رو دو یا اس سے امان چاہو اکثر حادثات رات ہی کو واقع ہوتے ہیں اور اسوقت تمھارا معبود غائب ہوتا ہے پس ایسے معبود کو چھوڑنا چاہیئے اور تدبیر اسکی یہ ہے کہ خلوص کے ساتھ حق سبحانہ کی طرف جھک جاؤ۔ اگر تم صدق دل سے خدا کی طرف جھکو گے تو ستارونکی غلامی سے چھوٹکر محرم راز خداوندی ہو جاؤ گے۔ اور جب تم خدا کے محرم ہو جاؤ گے اسوقت میں تم سے اسرار کی

باتیں کہونگا تاکہ تم آدھی رات کو بھی آفتاب دیکھ سکو وہ آفتاب اس آفتاب حسّی کی طرح نہیں ہے کیونکہ اُسکی مشرق روح پاک ہے اور اسکی مشرق عالم اجسام نیز اُسکے طلوع میں رات دن کا فرق نہیں۔ برخلاف اس آفتاب کے بلکہ میں تو کہتا ہوں کہ حقیقی دن یہی ہے کہ مشرق جان سے اسکا طلوع ہو۔ اور جبکہ وہ روشن ہوتا ہے اسوقت اس رات کا اثر فنا ہوجاتا ہے اور یہ ابصار سے فی الجملہ مانع نہیں رہتی (جیساکہ ہم آئندہ بیان کرینگے) اسلئے یوں کہا جاسکتا ہے کہ اُسکی روشنی کے وقت رات رات نہیں رہتی۔ اور اُسکی یہ شان ہے کہ اس آفتاب کے سامنے جو حالت ذرہ کی ہوتی ہے وہی حالت اس آفتاب کی اُسکے انوار اور اُسکی روشنی میں ہوتی ہے۔ جو آفتاب حسی کہ چمکتا ہے اور اسکے سامنے آنکھ معطل اور متحیر ہوجاتی ہے نور عرش اور اسکے بےحد و نہایت نور کے سامنے اسکو تم ذرہ کی مانند دیکھوگے اور اسکو تم ذلیل اور عاجز اور ناپائدار دیکھوگے۔ اور تمھاری آنکھوں کیلئے خدا کی طرف سے ایک عجیب قوت حاصل ہوجائیگی کہ یہ آفتاب انکو معطل نہ کرسکیگا وہ تو وہ کیمیا ہے کہ اسکا ایک معمولی اثر دھوئیں پر پڑا تو وہ ستارہ بنگیا۔ اور وہ تو وہ عجیب اکسیر ہے کہ اُسکی معمولی سی چمک اندھیرے پر پڑی تو وہ آفتاب بنگیا اور وہ تو ایک عجیب مینا گر ہے کہ ایک حلم کن سے زحل کے اندر بہت سی خاصیتیں پیدا کردیں۔ اور باقی ستاروں اور جانوں کی مانند موتیونکو بھی اسی پر قیاس کرلو۔ کہ سب کو چمک اسی کی ذرا سی چمک سے حاصل ہوئی ہے۔ دیکھو یہ حسی آنکھ کام کی نہیں اسلئے کہ یہ تو آفتاب سے مغلوب ہوجاتی ہے۔ اسلئے دیدۂ ربانی یعنی چشم بصیرت ڈھونڈھو اور حاصل کرو۔ تاکہ اسکی نظر کے سامنے اس مشتعل آفتاب کی چمک دمک مغلوب ہوجاوے۔ کیونکہ وہ نظر تو نوری ہے اور آفتاب ناری اور آگ نور کے سامنے نہایت تاریک ہے ہم نے اوپر کہا تھا شب نماند شب چو او بارق شود۔ اب اسکی تائید میں ایک حکایت سنو۔

شرح شبیری

بیان میں اسکے کہ حکماء کہتے ہیں کہ آدمی عالم صغیر ہے

اور صوفیہ کہتے ہیں کہ آدمی عالم کبیر ہے اس لئے کہ حکماء کا علم تو صرف صورت انسان پر ہے اور صوفیہ کا علم حقیقت انسان پر ہے

حکماء تو انسان کو عالم اصغر اسلئے کہتے ہیں کہ انسان میں تمام عالم کی اشیاء کے نمونے ہیں لہذا عالم دنیا تو عالم اکبر ہے اور انسان اُسکے مقابلہ میں بوجہ نمونہ ہونے کے عالم اصغر ہے۔ اور صوفیہ اسکی حقیقت کو سمجھتے ہیں اسلئے انسان ہی کو عالم اکبر کہتے ہیں اسکی دو تقریریں ہیں ایک تو یہی جو کہ مولانا نے کی ہے کہ چونکہ مقصود وجود انسان ہی ہے اس معنی کر یہ عالم اکبر ہے کہ یہی مقصود ہے اور ایک دوسری تقریر اسکی یہ ہوسکتی ہے کہ چونکہ دنیا کی تمام اشیاء مظاہر ہیں اسماء حق جل شانہ کی اور انسان ان میں مظہر اتم ہے اسلئے یہ کبیر ہوا اور سب اسکے آگے صغیر ہوئے۔ یہ تو حل تھا سرخی کا اب اشعار کا حل لیجئے۔ فرماتے ہیں کہ۔

پس بصورت عالم اصغر توئی   پس بمعنی عالم اکبر توئی

یعنی پس (اے انسان) صورت میں تو تو عالم اصغر ہے۔ اور حقیقت میں تو عالم اکبر ہے (آگے اسکی ایک مثال دیتے ہیں کہ)

ظاہرا آں شاخ اصل میوہ است   باطنا بہر ثمر شد شاخ ہست

یعنی ظاہر میں تو شاخ میوہ کی اصل ہے (لیکن) حقیقت میں پھل ہی کیلئے شاخ موجود ہوئی ہے

گر نبودے میل و امید ثمر   کے نشاندی باغبان بیخ شجر

یعنی اگر رغبت اور امید پھل کی نہوتی تو باغباں درخت کی جڑ کب بٹھاتا یعنی وہ درخت ہی نہ لگاتا

پس بمعنی آں شجر از میوہ زاد   گر بصورت از شجر بودش ولاد

یعنی پس حقیقت میں وہ درخت میوہ سے پیدا ہوا ہے اگرچہ صورت میں اسکی ولادت درخت سے ہے مطلب یہ کہ اگرچہ ظاہر میں درخت سبب ہے وجود پھل کا لیکن حقیقت کے اعتبار سے اگر دیکھا جاوے تو پھل ہی وجود درخت کا سبب ہے۔ کیونکہ مقصود پھل ہی ہے۔ تو درجہ مقصودیت میں

پھل ہی اصل ہوا۔ اسی طرح درجۂ مقصودیت میں تمام عالم کی اصل انسان ہوا۔ آگے ایک اور دلیل اسکی مقصودیت کی لاتے ہیں کہ۔

مصطفےٰ زیں گفت کآدم و انبیا خلف من باشند در زیر لوا

یعنی مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی وجہ سے فرمایا ہے کہ آدم اور دیگر انبیا علیہم السلام جھنڈے کے نیچے میرے پیچھے ہونگے۔

بہر ایں فرمودہ است آں ذو فنون رمز نحن الآخرون السابقون

یعنی اسلئے اُس ذوفنون صلی اللہ علیہ وسلم نے نحن الآخرون السابقون کا اشارہ ارشاد فرمایا ہے۔ مطلب یہ کہ چونکہ شے مقصود ہی اصل الشے ہوتی ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمام انسانوں میں مقصودیت میں بڑھے ہوئے ہیں کہ اگر حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی پیدائش نہوتی تو پھر نہ حضرت انسان ہوتے اور نہ اور کچھ ہوتا۔ اسی لئے آپنے فرمایا کہ تمام انبیا قیامت کے روز میرے جھنڈے کے نیچے ہوں گے کیونکہ مقصود تو وجود عالم سے آپ ہی ہیں تو آپ سبکی اصل اور سب کے سردار ہوئے اور اسی لئے آپنے فرمایا ہے کہ ہم آئے تو آخر میں لیکن بوجہ مقصودیت کے سب سے اول ہیں اور فرمایا کہ۔

گر بصورت من ز آدم زادہ ام من بمعنی جد جد افتادہ ام

یعنی اگرچہ میں صورت میں آدم علیہ السلام سے پیدا ہوا ہوں لیکن حقیقت میں اصل الاصل ہوں یعنی مقصود کے اعتبار سے میں خود آدم علیہ السلام کی بھی اصل ہوں۔ اگرچہ بظاہر اُنکی اولاد میں ہوں۔ لیکن مقصود وجود آدم علیہ السلام سے میں ہی ہوں۔

کز برائے من بدش سجدہ ملک وز پے من رفت بر ہفتم فلک

یعنی کہ میری ہی وجہ سے اُنکو فرشتوں کا سجدہ ہوا ہے اور میری ہی بدولت وہ ساتویں آسمان پر تشریف لیگئے۔ مطلب یہ کہ چونکہ اُنمیں میرا نور تھا اسلئے فرشتوں نے اُنکو سجدہ کیا اور میری ہی برکت سے وہ جنت میں داخل ہوئے۔ جوکہ ساتویں آسمانپر ہے غرض کہ تمام کمالات میری ہی بدولت حاصل ہوئے۔ اور یہ روایت بالمعنی ہے باقی صوفیا اسکے قائل ہیں ہی کہ تمام انبیا کے کمالات فرع ہیں کمالات نبوی صلے اللہ علیہ وسلم کی رہی اسکی دلیلیں وہ اپنے مقامات

میں موجود ہیں جسکا دل چاہے دیکھ لے۔ آگے فرماتے ہیں کہ۔

پس زمن زائید در معنی پدر　　پس ز میوہ زاد در معنی شجر

یعنی پس حقیقت میں باپ مجھ سے پیدا ہوئے اور حقیقت میں میوہ ہی سے درخت پیدا ہوا ہے۔ مطلب یہ کہ بوجہ مقصودیت کے میں آدم علیہ السلام کا بھی اصل ہوں اور میوہ درخت کی اصل ہے جیسا کہ اوپر بیان ہوا ہے۔ آگے ارشاد ہے کہ۔

اول فکر آخر آمد در عمل　　خاصہ فکرے کو بود وصف ازل

یعنی اول فکر عمل میں آخر آتا ہے خاصکر وہ فکر جو کہ وصف ازل ہو۔ مطلب یہ کہ دیکھو تم کسی شے کو اول سوچتے ہو کہ مثلاً ہم تخت بناویں گے تو سب سے پہلے اُس سے جو مقصود ہے یعنی جلوس کو سوچتے ہو کہ ہم اُس پر بیٹھا کریں گے تو یہاں درجہ فکر میں تو وہ متفکر (بفتح الکاف) سب سے اول ہے لیکن وجود میں سب سے آخر میں ہے اسلئے کہ جب پورا تخت بنجاویگا اور تیار ہوجاویگا تو یہ غایت او مقصود یعنی جلوس سب کے بعد وجود میں آویگی دوسرے مصرعہ میں فرماتے ہیں کہ خاصکر وہ شے جو کہ ازلی ہو وہ تو بہ نسبت دیگر اشیاء کے زیادہ مقدم ہوگی تو اسی طرح حضور صلے اللہ علیہ وسلم اگرچہ وجود میں سب سے آخر میں آئے لیکن اس درجہ فکر میں سب سے مقدم ہیں اسکی توضیح کیلئے اول ایک مقدمہ سمجھو کہ یہ تو سب مانتے ہیں کہ وجود کے دو مرتبے ہیں ایک واجب دوسرا ممکن آگے صوفیہ انمیں بھی مراتب مانتے ہیں انہیں سے وجود واجب کے لئے تین مرتبہ کہتے ہیں جن کا لقب انکی اصطلاح میں احدیت اور وحدۃ اور واحدیت ہے احدیت تو ذات بحث کو کہتے ہیں جسکو غیب الغیب اور باطن محض وغیرہ کے القاب سے بھی تعبیر کرتے ہیں یہ درجہ تو ذات کا ہے دوسرا درجہ ہے وحدۃ یہ درجہ ہے صفات اجمالیہ کا اسکو انکی اصطلاح میں حقیقت محمدیہ بھی کہتے ہیں تیسرا درجہ ہے واحدیت۔ یہ درجہ ہے صفات تفصیلیہ کا جسکو اعیان ثابتہ اور حقیقت آدم بھی کہتے ہیں اور یہ ظاہر ہے کہ یہ تینوں درجہ ازلی ابدی ہیں اور انمیں آپسمیں ایک دوسرے پر تقدم تاخر بھی ہے اور چونکہ انسان صفات حق کا مظہر ہے اور حضور مقبول صلی اللہ علیہ وسلم اُن سب سے مظہریت میں اکمل واتم ہیں کہ تمام صفات کمال حضور صلے اللہ علیہ وسلم میں موجود ہیں۔

اسی لئے اُس درجۂ صفات اجمالی کو حقیقت محمدیہ کے لقب سے تعبیر کیا جاتا ہے لہذا اُس درجہ میں یعنی درجۂ صفت اجمالی میں حضور مقدم ہوئے دیگر موجودات سے اسلئے کہ باقی موجودات تو درجۂ واحدیت میں ہیں جسکو درجۂ صفات تفصیلی اور اعیان ثابتہ اور حقیقت آدم بھی کہا جاتا ہے اور یہ معلوم ہے کہ اگر کسی شے پر کوئی حکم کسی حیثیت کے اعتبار سے کیا جاتا ہے تو اصل میں محکوم علیہ وہ حیثیت ہوتی ہے اُس شے کی ذات محکوم علیہ نہیں ہوتی۔ تو جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تقدم کا حکم بہ حیثیت آپ کے درجۂ صفات اجمالی میں ہونے کے کیا گیا ہے تو ظاہر ہے کہ اصل میں محکوم علیہ وہ درجۂ صفات اجمالی حق تعالی کا ہوا جسکو اصطلاح میں حقیقت محمدیہ بھی کہتے ہیں اور یہاں تقدم کو مجازاً خود ذات سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کردیا۔ ورنہ اصل میں یہ ہے کہ وہ درجۂ صفات اجمالی درجۂ صفات تفصیلی سے مقدم ہے اور یہ سب صوفیہ کے نزدیک مسلم ہے اور نہ اسمیں استحالہ ہے اسلئے کہ وہ دونوں درجے صفات حق ہی کے ہیں انکو اگر وصف ازل سے تعبیر کردیا تو کیا عجب ہے، خوب سمجھ لو۔ آگے وہ تقریر نقل کیجاتی ہے جسکو خود حکیم الامۃ دام ظلہم نے اپنے قلم مبارک سے اس مقام کے حل میں تحریر فرمایا ہے۔ وہو ہذا۔

مقصود کے تقدم کو بیان فرماتے ہیں کہ قاعدہ کلیہ ہے کہ اول فکر کی ہوئی چیز عمل یعنی کام میں پیچھے آیا کرتی ہے اور اس کلیہ میں سے بالخصوص وہ فکر کی ہوئی چیز یعنی محل تفکر و متصور و معلوم جو وصف ازلی ہو خصوصاً اسلئے کہا کہ ایک تو اُسکا غایت مقصود ہونا مقتضی ہے اسکے تقدم کو پھر اُسکا وصف ازلی ہونا جسکے لئے تقدم علی غیر الازلی لازم ہے یہ دوسرا مقتضی ہے اسکے تقدم کو جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک کہ بحیثیت اپنے منشا تعین کے جسکو حقیقت محمدیہ کہتے ہیں وصف ازلی ہے باری تعالی کا جسکا حاصل (اس بنا پر کہ اگر کسی شے پر کوئی حکم کسی حیثیت خاصہ سے کیا جاوے تو درحقیقت محکوم علیہ اس حکم کا وہ حیثیت ہوتی ہے) یہ ہے کہ وہ حقیقت محمدیہ وصف ہے باری تعالی کا۔ کیونکہ یہ اصطلاح میں لقب ہے صفات باری تعالی کے درجہ اجمال کا اور یہ ایسا ازلی ہے کہ غیر ازلی پر تو مقدم ہے ہی دوسرے ازلیات پر بھی جو منشا

تعینات ہیں دوسرے اکوان کے ایک گونہ مقدم ہے۔ اور یہ مناشی صفات کا درجہ تفصیلی ہے جسکو اعیان ثابتہ کہتے ہیں اور حقیقت آدمیہ بھی اُسکا لقب ہے۔ اور یہ تقدم بالزمان نہیں مگر بالذات و بالطبع ہے پس حقیقت محمدیہ کا حقیقت آدمیہ سے متقدم ہونا مجازاً ذات محمدیہ کا تقدم ہے ذات آدم وغیرہ پر بحیثیت مذکورہ اور آپکے لئے حقیقت محمدیہ کا منشا تعین ہونا خود یہ علامت ہے آپکی مقصودیۃ کی پس وہی حاصل نکلا کہ آپکی مقصودیت سبب ہے تقدم کا اور اس مقصودیت کی چونکہ ایک خاص توجیہ تھی اسلئے خاصہ فکر ہے الخ کے عنوان سے تعبیر کیا۔ احقر کہتا ہے کہ اس تقریر کے بعد بھی جی چاہتا تھا کہ کوئی سہل توجیہ ہوتی تو خوب تھا عشار کی نماز میں ذہن ایک دوسری تقریر آئی وہ یہ کہ آپکے تقدم کی ایک وجہ تو وہی مقصودیت بنا بر اُس قاعدہ کے کہ اول فکر آخر آمد در عمل اور دوسری خاص وجہ یہ بھی کہ آپ ایسے متعلق فکر یعنی معلوم ہیں کہ آپ صاحب وصف ازلی ہیں مبالغۃً آپ پر لفظ وصف کو محمول کردیا جیسا زید عدل ہیں اور ازل سے مراد معنی عرفی خاص نہیں بلکہ معنی عرفی عام ہیں جو اکثر شعرا کے استعمال میں آتا ہے یعنی مطلق اولیت متقادمہ کما قال النظامی رحمہ ؎ محمد کازل تا ابد ہرچہ ہست + بآرایش نام او نقش بست + اور حسب مضمون حدیث اول ماخلق اللہ نوری آپ معلول اول وجود خارجی میں بھی ہیں پس معنی یہ ہوئے کہ مقصود در وجود ذہنی میں تو تقدم ہوتا ہی ہے اور آپ تو وجود خارجی میں بھی سب سے مقدم ہیں گو مرتبہ روح میں سہی جسم میں نہ سہی۔ وھذا اسھل واللہ اعلم۔

آگے مولانا پھر اوپر کے مضمون کیطرف رجوع فرماتے ہیں کہ اوپر جو کہا تھا کہ اگر حق تعالے چاہیں تو ایک دم میں باوجود بعد مسافت کے فیض تم تک پہونچادیں درمیان میں تبعاً اسقدر بیان ہوگیا تھا آگے پھر اُسی کو بیان فرماتے ہیں کہ۔

حاصل اندر یکزماں از آسماں　　　می رود می آید ایدر کارواں

یعنی حاصل یہ ہے کہ ایک گھڑی میں آسمان سے قافلہ اب جارہا ہے۔ اور آرہا ہے مطلب یہ کہ اسوقت بھی سیکڑوں لاکھوں فیوض و برکات حق جل شانہ کی طرف نازل ہورہے ہیں۔

نیست بر این کارواں این رہ دراز　　　کے مفازہ زفت آید با مفاز

یعنی اس قافلہ پر یہ راہ دراز نہیں اور میدان مقصود کے آگے سب بڑا معلوم ہوتا ہے مطلب
یہ کہ برابر لوگ فیوض لے رہے ہیں اور فیوض اودھر سے آرہے ہیں اس قافلہ پر یہ راہ دراز
نہیں ہے اسلئے کہ جسقدر مقصود عظیم ہوتا ہے اسی قدر اسکے درمیان جو مسافت ہے وہ بعید ہوتا ہے وہ کم معلوم ہوتا ہے تو چونکہ یہ
مقصود ایک عظیم الشان مقصود ہے اسلئے انکو درمیان جو راہ حائل ہے وہ کچھ بھی نہیں ہے۔ آگے تقریب فہم کیلئے فرماتے ہیں کہ

دل بکعبہ میرود در ہر زماں　　　جسم طبع دل بگیر دز امتناں

یعنی دل کعبہ میں ہر گھڑی جاتا ہے تو جسم دل کی طبیعت احسان حق کی وجہ سے لیتا ہے
مطلب یہ کہ دیکھو جب چاہو دل کعبہ میں پہنچ جاتا ہے یعنی کعبہ کا تصور دل میں آجاتا ہے
تو اسی طرح اگر حق تعالیٰ کے فضل و کرم سے جسم میں خاصیت روح کی پیدا ہو جاوے
تو کیا عجب ہے کہ۔

ایں دراز و کوتہی مر جسم راست　　　چہ دراز و کوتہ آنجا کہ خداست

یعنی یہ دراز و کوتہی جسم کیلئے ہے اور کیا دراز اور کیا کوتہ اُس جگہ جہاں کہ خدا ہے۔ مطلب یہ کہ
تمہارے جسم کے آگے معلوم ہوتا ہے کہ مسافت بعید ہے پہونچنا مشکل ہے لیکن حق تعالیٰ
کو پہونچا دینا تو کچھ مشکل نہیں۔ پھر بُعد مسافت سے کیوں گھبراتے ہو۔

چوں خدا مر جسم را تبدیل کرد　　　رفتنش بے فرسخ و بے میل کرد

یعنی جب خدا نے جسم کو تبدیل فرمایا تو اُسکا چلنا بے فرسخ اور بے میل کے کردیا۔ مطلب
یہ کہ جب حق تعالیٰ چاہتے ہیں تو عروج روحانی ہونے لگتا ہے جسمیں کہ قطع مسافت
ظاہری کی ضرورت نہیں ہوتی۔ بلکہ ویسے ہی کہیں سے کہیں پہونچ جاتے ہیں جیسا کہ ظاہر ہے
کہ عروج روحانی میں مسافت حسی کے قطع کی قطعاً ضرورت نہیں ہوتی۔ آگے فرماتے ہیں کہ

صد امید ست ایں زماں بردار گام　　　عاشقانہ اے فتے خل الکلام

یعنی اسوقت اے جوان سیکڑوں امیدیں ہیں قدم عاشقوں کی طرح اُٹھاؤ اور کلام ترک
کرو۔ مطلب یہ کہ اسوقت فیوض و برکات نازل ہو رہے ہیں اسوقت قدم بڑھاؤ اور چالوس
باتیں چھوڑ دو جیسا کہ فرماتے ہیں کہ ؎ قدم باید اندر طریقت نہ دم + کہ اصلے ندارد دم
بے قدم + آگے فرماتے ہیں کہ۔

گرچہ پلہ چشم برہم میزنی ۔ در سفینہ خفتہ رہ می کنی

یعنی اگرچہ تم نے آنکھ کی پلک بند کر رکھی ہے (مگر) کشتی میں سوئے ہوئے راستہ چل رہے ہو مطلب یہ کہ دیکھو اگر تم کشتی میں سوار ہو تو اگر اسمیں تم سو بھی جاؤ تب بھی سو رہے ہو اور چل رہے ہو۔ اسی طرح مرشد اور شیخ جو کہ کشتی کی طرح ہے اگر تم اُسکے سایہ میں آجاؤ اور اسکی تربیت میں ہو تو تم بلا محنت شاقہ کے آرام اور راحت کیساتھ مقصود تک پہونچ جاؤ گے زیادہ مشکل نہ کرنی پڑیگی۔ ہاں کچھ نہ کچھ کام تو ضروری کرنا پڑیگا جیسا کہ کشتی میں بھی کم از کم بیٹھنا تو پڑتا ہی ہے۔ اسی طرح کچھ نہ کچھ تو ضرور کام کرنا پڑے ہی گا۔ ہاں اُسکی تربیت میں آکر محنت شاقہ سے بچ جاؤ گے یہاں جو کشتی کی مثال دی ہے آگے اس سے مراد مرشد ہونا بتلاتے ہیں۔

تفسیر حدیث مثل اہل بیتی کمثل سفینۃ نوح من تمسک بہا نجا ومن تخلف عنہا غرق ،

بہر ایں فرمود پیغمبر کہ من ۔ ہمچو کشتی ام بطوفان زمن

یعنی کہ حضور مقبول صلے اللہ علیہ وسلم نے اسی لئے فرمایا ہے کہ میں طوفان زمانہ میں کشتی کی طرح ہوں۔ مطلب یہ کہ چونکہ مرشد کی مثال کشتی کی سی ہے اسی لئے حضور مقبول صلے اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنی مثال کشتی جیسی فرمائی ہے۔ فرمایا ہے کہ حوادث زمانہ کے طوفان میں میری مثال کشتی جیسی ہے۔ کہ میں سب سے بچا کر صحیح و سالم نکال لیجاتا ہوں۔

ما و اصحابیم چوں کشتی نوح ۔ ہر کہ دست اندر زند یابد فتوح

یعنی (فرمایا ہے کہ) ہم اور ہمارے اصحاب کشتی نوح کی طرح ہیں جو شخص اتباع کرے وہ فلاح پاوے۔ آگے مولانا فرماتے ہیں کہ

چونکہ با شیخے تو دور از زشتئے ۔ روز و شب سیاری و در کشتئے

یعنی جبکہ تو شیخ کیساتھ ہے تو تو زشتی سے دور ہے اور تو رات دن چل رہا ہے اور

کشتی میں ہے۔

در پناہ جان جان بخشی شوی ۔۔۔ کشتی اندر خفتۂ رہ میروی

یعنی تو جان بخشنے والے کی جان کی پناہ میں ہوگا۔ اور کشتی میں سوئے ہوئے راستہ چلوگے مطلب یہ ہے کہ اگر تم شیخ کے متبع ہوئے اور وہ تمھارا راہبر ہوگا تو پھر تمکو کوئی گزند نہیں پہونچ سکتا۔ اور تم شیطان کے تمام شرارتوں سے محفوظ رہوگے اور تمھاری ایسی مثال ہوگی کہ گویا کشتی کے اندر سو رہے ہو۔ کہ ساکن اور متحرک ایک ہی زمانہ میں ہو بظاہر تو ایک جگہ بیٹھے ہو اور ایک ہی حالت میں ہو مگر شیخ کے اتباع اور معیت کی وجہ سے عروج باطنی اور سیر حقیقی تم کو حاصل ہوگی جیساکہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو ہمارا اتباع کرے وہ فلاح پاوے جب رسول اور نائبان رسول کے اتباع سے فلاح حاصل ہوتا ہے تو اب فرماتے ہیں کہ۔

مگسلی از پیغمبر ایام خویش ۔۔۔ تکیہ کم کن بر فن و بر گام خویش

یعنی تم اپنے زمانہ کے پیغمبر سے قطع تعلق مت کرو اور اپنے علم و عمل پر بھروسہ کم کرو مطلب یہ کہ جب فلاح اور ترقی وغیرہ سب اتباع رسول یا اتباع نائبان رسول ہی پر موقوف ہے تو تم اپنے زمانہ کے پیغمبر سے قطع تعلق مت کرو اور وہ تمھارے زمانہ کے پیغمبر وہی تمھارے زمانہ کے اولیاء اللہ اور مشائخ متبع سنت ہی ہیں لہذا تم کو چاہیئے کہ انکا اتباع کرو۔ اور اپنے علم و عمل پر مغرور مت ہو کہ جب تک کوئی راہبر نہو اپنا علم ابتدا میں کچھ کام نہیں دیتا ہاں پھر تم جب راہ پر لگ جاوگے اسوقت پھر تم خود مقتدا ہوگے اور دوسرے لوگ تمھارا اتباع کریں گے اور تمھارے راہ پر لگنے سے پہلے تو تم خواہ کتنے ہی بڑے عالم باعمل ہو اس راہ میں تم مقصود تک نہیں پہونچ سکتے۔ اگرچہ وہ خود فی نفسہ ہی مقصود ہے مگر اس راہ کا مقصود بے راہبر کے ہرگز میسر نہیں ہو سکتا۔ جیساکہ ظاہر ہے آگے اسی کو فرماتے ہیں کہ۔

گرچہ شیری چوں روی رہ بے دلیل ۔۔۔ ہمچو روبہ در ضلالی و ذلیل

یعنی اگرچہ تم شیر ہو مگر جبکہ بے راہبر کے رستہ چلوگے تو لومڑی کی طرح گمراہی میں رہوگے اور ذلیل ہوگے مطلب یہ کہ تم علم و عمل میں خواہ کتنے ہی کامل ہو لیکن اگر تمھارا کوئی راہبر

نہیں ہے تو یاد رکھو کہ وہ ساری قوت بیکار ہے۔ تم بالکل کمزور اور رسوا ہو گے وہ علم و عمل اس راہ میں کوئی زیادہ کارآمد نہوگا۔ جب یہ بات ہے تو آگے پھر اسی کی تاکید فرماتے ہیں کہ۔

ہیں مپرالا کہ با پرہائے شیخ　　تا ببینی عون لشکرہائے شیخ

یعنی ہاں بے شیخ کے پروں کے مت اڑو تاکہ تم شیخ کے لشکروں کی مدد دیکھو مطلب یہ کہ تم بے معیت شیخ کے طریق طے مت کرو بلکہ اُسکی مدد سے طریق طے کرو گے تو اسوقت تمکو اُسکی برکت اور فوائد معلوم ہونگے یہاں تک صحبت شیخ اور معیت شیخ کی ترغیب دیکر آگے اس طریق کا معاملہ بیان فرماتے ہیں کہ۔

یک زمانے موج لطفش بال تست　　آتش قہرش دمے حمال تست

یعنی ایک زمانہ تو اُسکی موج لطف تمھارے لئے بال ہے۔ اور ایک دم میں اُسکا قہر تمھارا حمال ہے

قہر او را ضد لطفش کم شمر　　اتحاد ہر دو بیں اندر اثر

یعنی اُسکے قہر کو اُسکے لطف کی ضد کم گنو اور اثر میں دونوں کا اتحاد دیکھو مطلب یہ ہے کہ شیخ کا معاملہ کبھی تو تمھارے ساتھ درشتی کا ہوتا ہے اور کبھی نرمی کا مگر اثر میں اور فائدہ پہونچانے میں دونوں یکساں ہیں بلکہ اکثر درشتی ہی زیادہ نافع دیکھی گئی ہے۔ لہذا اُسکی سختی سے مکدر ہونا اور اُس سے ناگواری ہونا بہت ہی نامناسب ہے۔ اور طریق سے محروم رکھنے والی شے ہے اُسکے سامنے تو وہ حالت ہو کہ ؂ زندہ کنی عطائے تو ور بکشی فدائے تو ✦ دل شدہ مبتلائے تو ہر چہ کنی رضائے تو ہر حالت میں وہ تمھاری تربیت کر رہا ہے۔ اور اُس سے اُسکا کوئی نفع نہیں ہے وہ یہ سب درشتی اور نرمی وغیرہ تمھارے ہی فائدہ کیلئے کرتا ہے۔ بلکہ اس درشتی میں اکثر اوقات خود اُسکو بھی کو دقت ہوتی ہے مگر صرف تمھارے نفع کیلئے وہ اس کوفت کو برداشت کرتا ہے۔ افسوس ہے تمھارے حال پر کہ وہ تو تمھارے واسطے مشقت برداشت کرے۔ اور تمھیں نفع پہونچانا چاہے اور اُسمیں خود اُسکا کوئی نفع نہو مگر باوجودیکہ تمھارا نفع ہی نفع ہے تم اُسکو ناگوار سمجھو اور رنجیدہ ہو۔ اُسکی درشتی اور نرمی کی یہ حالت ہوتی ہے کہ۔

یکزماں چوں خاک سبزت میکند　　یکزماں پر باد و گبرت میکند

یعنی ایک وقت میں تو وہ تجھے خاک سبز کرتا ہے اور ایک وقت میں پر باد اور بڑا تجھے کر دیتا ہے

مطلب یہ کہ کبھی تو نرمی کر کے تجھے سبزہ کی طرح خوش و خرم کر دیتا ہے۔ اور کبھی درشتی کر کے تجھے مراتب عالیہ پر پہونچا دیتا ہے۔ اور اسکی یہ شان ہے کہ۔

جسم عارف را دہد وصف جماد   تا بروروید گل و نسرین شاد

یعنی جسم عارف کو وہ جماد کی صفت دیتا ہی یہانتک کہ اُسپر پھول اور نسرین خوش اوگتے ہیں۔ مطلب یہ کہ وہ شیخ سالک کے جسم کو جمادات کی سی خاصیت دیدیتا ہے کہ اُنپر کبھی بارش ہوتی ہے جو کہ نرمی کے مشابہ ہے اور کبھی تیز دھوپ پڑتی ہے جو درشتی کے مشابہ ہے ان دونوں سے ملکر اُسپر کیسے کیسے پھول اوگتے ہیں اسی طرح شیخ کی نرمی اور سختی دونوں سے ملکر ہی کام بنتا ہے۔ اور علوم و معارف جب ہی وارد ہوتے ہیں جبکہ دونوں حالتوں کو برداشت کیا جاوے ورنہ کورے کے کورے ہی رہ جاؤگے اب یہاں شبہ ہوا کہ ہم نے تو کسی جسم عارف میں کوئی پھول وغیرہ لگے ہوئے نہیں دیکھے وہ تو بیچارے یونہی ٹوٹی پھوٹی حالت میں ہوتے ہیں پھر یہ کہنا کہ اُسکو وصف جماد دیتا ہے اور اُسمیں پھول لگتے ہیں کہاں صحیح ہوا۔ آگے مولانا اسکا جواب دیتے ہیں کہ۔

لیک او بلبیند نہ بیند غیر او   جز بمغز پاک ندہد خلد بو

یعنی لیکن وہی دیکھتا ہے اُسکے سوا اور کوئی نہیں دیکھتا۔ اور سوائے مغز پاک کے (اور کسی کو) خلد بو نہیں دیتی۔ مطلب یہ کہ جسم عارف کے گل و نسرین اُس شیخ ہی کو نظر آتے ہیں اُسکے علاوہ اور کسی کو نظر نہیں آتے۔ کیونکہ ظاہر ہے کہ وہ تمام پھول حسی تو ہوتے نہیں معنوی ہوتے ہیں لہذا اُسکو وہی دیکھ سکتا ہے جسکی آنکھ حقیقت شناس ہو جیسے کہ بہشت کی خوشبو اُسی کو آویگی جسکا دماغ پہلے سے اچھا ہوگا۔ اور سڑے ہوئے دماغ والے کو یعنی کفار کو جنت کی ہوا بھی نہ لگے گی۔ لہذا ہر شخص کو وہ گل و نسرین دکھائی نہیں دے سکتے۔ آگے اُنکے دیکھ سکنے کی تدبیر بتاتے ہیں کہ

مغز را خالی کن از انکار یار   تا کہ ریحاں یابد از گلزار یار

یعنی مغز کو یار کے انکار سے خالی کرلے تاکہ یار کے گلزار سے خوشبو پاوے مطلب یہ کہ تمہارے دماغ میں جو اولیاء اللہ کی طرف سے انکار بھرا ہوا ہے اس انکار کو نکال دو

خواہ اعتقاد بھی نہو امتحان ہی مقصود ہو مگر انکار اور بغض نہو اسوقت تمکو اس باغ حقیقی کی خوشبو آویگی اور اُن گل و نسرین کو تم بھی دیکھہ سکو گے۔ آگے بھی یہی فرماتے ہیں کہ

تا بیابے بوئے خلد از یار من — چوں محمدؐ بوئے رحمٰن از یمن

یعنی تاکہ تم میرے یار سے بوئے خلد کو پاؤ جیسے کہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم نے رحمٰن کی بو یمن سے پائے۔ مطلب یہ کہ تم اس انکار اور عناد کو نکال ڈالو اسوقت تمکو اس گل و نسرین حقیقی کی خوشبو معلوم ہوگی اور اسوقت تمکو شیوخ کی برکات کا مشاہدہ ہوگا۔ جیسے کہ حضور مقبول صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ الایمان یمان الخ کہ ایمان یمن میں ہوگا۔ اور یمن کے لوگ زیادہ ایماندار ہونگے۔ تو جسطرح حضور مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو اُدھر سے آثار ایمان معلوم ہوئے تھے اسی طرح اگر تم انکار سے دماغ کو خالی کرلوگے تو تم کو بھی برکات کا مشاہدہ ہونے لگے گا۔

در صف معراجیاں گر بیستی — چوں براقت برکشاید نیستی

یعنی معراجیوں کی صف میں اگر تو کھڑا ہو تو جب تیرا براق پر کھولے تو تو نیست ہو۔ مطلب یہ کہ اگر تم ان حضرات کی خدمت میں رہو تو انکی صحبت کا یہ اثر ہوگا کہ ایکدن تم کو بھی عروج روحانی حاصل ہوگا۔ اور تم کو درجہ فنا حاصل ہوجاویگا۔

نے چو معراج زمینے تا قمر — بلکہ چوں معراج کلکے تا شکر

یعنی نہ مثل معراج یک زمین سے قمر تک بلکہ مثل معراج ایک کلک کے شکر تک۔ مطلب یہ کہ تمکو جو عروج ہوگا اور تمھارے جو مراتب عالی ہونگے تو وہ کوئی حسّی شے نہیں ہے کہ یہاں سے اُٹھکر وہاں چلے گئے یا اڑنے لگے کہ اُڑے اور آسمان پر پہونچ گئے۔ بلکہ وہ عروج روحانی ہوگا جسکی کیفیت کچھ اس مثال سے معلوم ہوگی کہ دیکھو شکر کی نے اولاً ایک لکڑی ہوتی ہے اُسکے بعد اُسکو ترقی ہوتی ہے اور وہ شکر ہو جاتی ہے تو وہ رہی تو اپنی جگہ مگر اُسکو ترقی ہوگئی یعنی وہ ترقی کیفاً ہوگی کہ ایک حالت سے دوسری حالت بدلجاویگی۔ ورنہ کوئی سیڑھی لگاکر آسمان کو تھوڑا ہی چڑھنا ہے۔ آگے بھی یہی مضمون ہے فرماتے ہیں کہ

نے چو معراج دخانی تا سما — بل چو معراج جنینے تا نہا

یعنی نہ مثل معراج ایک دھویں کے آسمان تک بلکہ مثل معراج ایک جنین کے عقل تک مطلب یہ کہ وہ معراج ایسی ہوگی جیسے کہ دھواں آسمان کو چڑھا کرتا ہے بلکہ اسکی مثال ایسی سمجھو جیسے کہ ایک بچہ ہوتا ہے کہ وہ دنیا ہی میں رہکر عاقل و کامل ہو جاتا ہے تو اسکو حسّاً تو کہیں عروج نہیں ہو مگر ظاہر ہے کہ اسکو اپنی اُس پہلی حالت سے عروج ہوا ہے اور ترقی کر کے آج وہ اس درجہ کو پہونچ گیا ہے۔ اسی طرح اگر تم مرشد کے ساتھ رہوگے اور اُسکے کہنے سے مجاہدات و ریاضات کرتے رہوگے تو ایکدن تم بھی کامل ہو جاؤ گے۔

خوش براقے گشت خنگ نیستی　　سوئے ہستی آردت گر نیستی

یعنی نیستی کا گھوڑا ایک اچھا براق ہے کہ تجھے ہستی کی طرف لاویگا۔ اگر تو نیست ہوگا مطلب یہ کہ فنا ایک ایسی شے ہے کہ اسکو حاصل کر نیکے بعد انسان کو بہت جلد عروج روحانی ہوتا ہے اور اسکے ذریعہ سے بہت جلد مقصود تک وصول ہو جاتا ہے لہذا چاہیئے کہ شیخ کی رائے میں اپنی رائے کو بالکل فنا کر دو۔

کوہ و دریا ہا سمش مس میکند　　تا جہان حس را پس میکند

یعنی اُس گھوڑے کے سم پہاڑ اور دریا کو مس کرتے ہیں تاکہ جہان حس کو پیچھے کر دے مطلب یہ کہ فنا حاصل ہو نیکے بعد یہ ہوتا ہے کہ تمام مراتب عالیہ حاصل ہوتے چلے جاتے ہیں اور یہ جہاں بے قدر ہوجاتا ہے پھر اسکی طرف التفات نہیں رہتا۔ یہانتک تو اسکی تعلیم کی تھی کہ شیخ کی تعلیم سے اعمال و مجاہدات و ریاضات کرو اور درجہ فنا حاصل کرلو اور اسکے غصہ وغیرہ کو برداشت کرو تو تم کو مقصود بہت جلد حاصل ہو جاویگا۔ آگے وصول کا دوسرا طریق بتاتے ہیں کہ

پا بکش در کشتی و می رو رواں　　چوں سوئے معشوق جان جانِ رواں

یعنی پاکشتی میں بیٹھ لو اور روانہ ہو جاؤ جسطرح کہ جان معشوق جان کیطرف روانہ ہوتی ہے مطلب یہ کہ اگر مجاہدات و ریاضات نہیں کر سکتے تو خیر شیخ کی صحبت تو اختیار کرو۔ اسکو تو مت چھوڑو کہ انشاء اللہ ایک دن اس سے بھی کام بنجاویگا۔ لیکن اجتناب عن المعاصی تو ہر حال میں ضروری ہے پھر اگر اور ذکر و شغل متعارف نہ بھی کرے تب بھی اکثر وصول ہو ہی جاتا ہے تیری یہ حالت ہو جاوے گی کہ۔

دست نی و پائے نے رو تا قدم آنچنانکہ تاخت جانہا از عدم

یعنی نہ ہاتھ ہیں اور نہ پاؤں ہیں اور قدم تک چلے جاؤ جسطرح کہ جانیں عدم سے آئی ہیں مطلب یہ کہ جسطرح کہ عدم سے جانیں وجود میں آگئی ہیں اور انکو کوئی حرکت حسی نہیں ہوئی اسی طرح تمکو بھی کوئی حرکت حسانہ کرنی پڑے گی اور تم واصل الی الحق ہوجاؤ گے یہاں آکر مولانا کو خیال آیا کہ سامعین کی توجہ ان مضامین کی طرف پوری نہیں ہے اسلئے مولانا کو آمد مضامین بند ہوگئی آگے اسی کو فرماتے ہیں کہ۔

بر دریدے در سخن پردہ قیاس گر نبودے سمع سامع را نعاس

یعنی بیان میں پردہ قیاس کو پھاڑ دیتا اگر سامع کی سمع کو اونگھ نہ ہوتی۔ مطلب یہ کہ اگر سامعین اکتا نہ جاتے۔ اور ان مضامین کے سننے کا انکو شوق ہوتا۔ تو میں ان مضامین کو بعید قیاس بیان کرتا مگر اب چونکہ سامعین اکتا گئے ہیں اسلئے اب آگے بیان نہیں کرتا۔ آگے شیخ کیلئے دعا فرماتے ہیں کہ۔

اے فلک بر گفت او گوہر ببار از جہان او جہانا شرم دار

یعنی اے آسمان انکی گفتگو پر موتی برسا اور اے جہان اُسکے جہان سے شرم کر مطلب یہ کہ اے آسمان شیخ کے کلام پر خوب گوہر باری کر اسلئے کہ وہ مضامین اسی قابل ہیں اور اے جہان اُسکے جہان باطن سے شرم کر کہ اُسکا وہ جہان باطن تجھسے بڑھا ہوا ہے۔

گر بباری گوہرت شش تا شود جامدت گوئندہ و بینا شود

یعنی اگر تو گوہر برساوے تو وہ چھ گنے ہو جاویں اور تیرا جامد گوئندہ اور بینا ہو جاوے

پس نثار کردہ باشی بہر خود چونکہ ہر سرمایۂ تو صد شود

یعنی پس تو اپنے ہی لئے نثار کریگا۔ جبکہ تیرا سرمایہ سو گنا ہو جاویگا۔ مطلب یہ کہ ہم نے جو اوپر کہا ہے کہ اے فلک اُن کی باتوں پر گہر باری کر تو اس میں کچھ کمی نہ آوے گی بلکہ اُن کے فیض سے وہ گوہر اور بڑھ جاویں گے اسی طرح اگر تم اپنے کو فنا کر دوگے اور شیخ کے بالکل تابع اور مطیع ہو جاؤ گے۔ تو اسمیں شیخ کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ بلکہ کچھ تمھارا ہی فائدہ ہوگا۔ کہ اُسکی برکت سے تمھاری ہر حالت قوی اور استعداد زیادہ ہو جاویگی۔ تو اس

فنا میں بھی تمھارا ہی فائدہ ہے۔ اسکا کوئی نفع نہیں ہے آگے اسکو اس ہدیہ بلقیس سے مثال دیتے ہیں اور یہاں سے انتقال ہے قصہ بلقیس کیطرف فرماتے ہیں کہ۔

ہمچو آں ہدیہ کہ بلقیس از سبا   بر سلیماں می فرستاد اے کیا

یعنی اے زیرک جسطرح کہ بلقیس ہدیہ سبا سے سلیمان علیہ السلام کے پاس بھیجتی تھی۔ مطلب یہ کہ جس طرح کہ بلقیس نے سلیمان علیہ السلام کو جو ہدیہ بھیجا تھا تو اسمیں اسی کا فائدہ تھا اسی طرح اگر تم مجاہدات و ریاضات و اطاعت شیخ کروگے تو اس سے تمھارا ہی فائدہ ہے شیخ کا کوئی نفع نہیں ہے۔ آگے بلقیس کا سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں ہدیہ روانہ کرنے کا قصہ بیان فرماتے ہیں۔

بلقیس کا شہر سبا سے سلیمان علیہ السلام کی خدمتمیں ہدیہ بھیجنا

ہدیہ بلقیس چل اشتر بدست   بار آنہا جملہ خشت زر بدست

یعنی بلقیس کا ہدیہ چالیس اونٹ تھے کہ ان سب پر سونے کی اینٹیں لدی ہوئی تھیں مطلب یہ کہ حضرت بلقیس نے سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں چالیس اونٹ سونیکی اینٹوں کے بھر کر روانہ کئے تھے۔

چوں بصحرائے سلیمانی رسید   فرش آنرا جملہ زر پختہ دید

یعنی وہ (ہدیہ) سلیمانی جنگل میں پہونچا تو اسکا سارا فرش خالص سونے کا دیکھا۔

بر سر زر تا چہل منزل براند   تا کہ زر را در نظر آبے نماند

یعنی سونے پر چالیس منزل تک چلے یہانتک کہ سونے کی نظر میں کوئی قدر نہ رہی مطلب یہ کہ جو سفیر وغیرہ کہ ہدیہ لیکر آئے تھے جب وہ سلیمان علیہ السلام کے جنگل میں پہونچے تو انھوں نے دیکھا کہ وہاں کا تمام فرش سونے کا ہے اور جنگل بھر میں سونے ہی کا فرش لگا ہوا ہے حتی کہ چالیس منزل تک وہ لوگ اس سونے ہی کے فرش پر چلتے رہے مورخین نے لکھا ہے کہ جب قاصد بلقیس کی خبر حضرت سلیمان علیہ السلام کو ہوئی ہے اور معلوم ہوا کہ وہ خشت زر ہدیہ میں لارہے ہیں تو انھوں نے حکم دیا کہ تمام جنگل میں

سونے کا فرش لگا دیا جاوے تاکہ اُنکو اپنے ہدیہ کی قدر معلوم ہوجاوے۔ اور اُن کے قلب میں عظمت بیٹھ جاوے۔ لہذا ایسا ہی ہوا اور اب جو اُن لوگوں نے یہ حالت دیکھی تو اونکی نگاہ میں سونا ایک بیقدر چیز ہوگئی۔ اور اب اُنکو وہ خشت زر ہدیہ میں لے جاتے ہوئے شرم آنے لگی۔ اور آپسمیں یوں گفتگو ہونے لگی۔

بارہا گفتند زر را وا بریم　　سوئے مخزن ما چہ بیکار اندریم

یعنی بارہا یوں کہا کہ سونے کو ہم خزانہ میں واپس لیجاویں کہ ہم کیسے بیکار کام کیں ہیں۔

عرصۂ کش خاک زر دہ دہی است　　زر بہدیہ بردن آنجا ابلہی است

یعنی جس میدان کی کہ خاک خالص سونا ہو سونا وہاں ہدیہ میں لیجانا بیوقوفی ہے۔ مطلب یہ کہ جب اُنھوں نے یہ حالت دیکھی تو آپسمیں کہنے لگے کہ میاں ان سونیکی اینٹوں کو جو تم ہدیہ میں لے جا رہے ہو واپس لیجاکر اپنے خزانہ ہی میں رکھ لو۔ اسلئے کہ جہاں کے جنگل کی خاک سونے کی ہو وہاں یہ اینٹیں ہدیہ میں لیجانا سراسر حماقت ہے۔ لہذا بیکار کام کرنے سے کیا فائدہ چلو واپس لیچلیں۔ آگے مولانا فرماتے ہیں کہ۔

اے بردہ عقل ہدیہ تا آلہ　　عقل آنجا کمتر ست از خاک راہ

یعنی اے وہ شخص کہ حق تعالیٰ کے آگے اپنی عقل کو ہدیہ میں لے گیا ہے عقل اُسجگہ خاک راہ سے بھی کم ہے۔ مطلب یہ کہ تم جو اپنی عقل کو اور ان اعمال وغیرہ کو حق تعالیٰ کے سامنے پیش کرنے کو لے چلے ہو تو یہ سمجھ لو کہ تمھاری یہ عقل وہاں خاک راہ سے بھی کم ہے اور بالکل بیقدر ہے۔ تو جسطرح ان لوگونکو اپنے ہدیہ سے ندامت ہوئی تھی اسی طرح تمکو بھی وہاں اسے لیجاکر ندامت ہی اٹھانا پڑیگی یہ ایک جملہ معترضہ کے طور پر بیان فرماکر آگے پھر اُن قاصدوں کی گفتگو بیان فرماتے ہیں۔

چوں کساد ہدیہ آنجا شد پدید　　شرمساری شان ہمی واپس کشید

یعنی جب ہدیہ کا کھوٹ اُسجگہ ظاہر ہوگیا تو انکو شرمساری واپس ہٹاتی تھی مطلب یہ کہ جب اُنکو معلوم ہوگیا کہ سونا تو یہاں بالکل بیقدر شے ہے اور اسکی تو یہاں کچھ پوچھ ہی نہیں ہے تو یہ حالت تھی کہ شرمندگی کی مارے انکا قدم آگے نہ اٹھتا تھا۔ اور وہ چاہتے تھے کہ واپس لیکر چلے جاویں۔ مگر

باز گفتند از کساد و از روا　　چیست بر ما بندہ فرمانیم ما

یعنی پھر کہتے کہ ہمیں کھوٹے کھرے سے کیا مطلب ہم تو حکم کے بندے ہیں۔

گر زر و گر خاک مارا بردنی است　　امر فرماندہ بجا آوردنی است

یعنی خواہ سونا ہو خواہ مٹی ہو ہمیں تو لیجانا ہے اور حاکم کا حکم بجالانا ہے۔

گر بفرمایند کہ واپس برید　　ہم بفرمان تحفہ را باز آورید

یعنی اگر فرمادیں گے کہ واپس لیجاؤ تو حکم ہی کی وجہ سے تحفہ کو واپس لے آئیو۔

امر و فرمان راہمی باید شنید　　تا بد انجا ہدیہ را باید کشید

یعنی امر و فرمان کو سننا چاہیئے۔ اور وہاں تک ہدیہ کو لیجانا چاہیئے۔ مطلب یہ کہ اول تو اس سونے کے فرش والے جنگل کو دیکھ کر انکو بیحد شرمندگی ہوئی۔ اور چاہا کہ سب ہدیہ وغیرہ لیکر واپس چلو بھلا یہاں یہ ہدیہ پیش کرنا کونسی عقل کی بات ہے۔ مگر یہ خیال ہوا کہ میاں ہم تو حکم کے بندے ہیں ہمیں کیا حاکم کا حکم ہے کہ اسکو وہاں تک پہونچا دو بس اُن کے حکم کی وجہ سے ہم وہاں لئے جاتے ہیں پھر اگر وہاں بیقدر ہو گیا اور وہ قبول نہ فرمادیں گے اور حکم واپسی کا دینگے تو اُن کے یعنی حضرت سلیمان علیہ السلام کے حکم سے واپس لے آویں گے غرض ہر حالت میں ہمیں تو حکم کی تعمیل ضروری ہے۔ یہاں تک تو بلقیس کے حکم کی تعمیل ہے کہ اس ہدیہ کو لیجا کر پیش کردیں پھر اگر وہ واپس کریں تو واپس لے آنا اُن کے حکم کی تعمیل ہوگی بس یہ سوچ کر ہدیہ لیکر روانہ ہو گئے اسی کو فرماتے ہیں کہ۔

پس رواں گشتند ہدیہ آوراں　　تا بہ تخت آں سلیمان جہاں

یعنی پس ہدیہ لانے والے تخت سلیمان جہان کی طرف روانہ ہوئے۔ مطلب یہ کہ یہ سوچ کر کہ ہم تو بندۂ فرمان ہیں وہ ہدیہ لیکر روانہ ہو گئے۔

خندہ اش آمد چوں سلیمان آں بدید　　کز شما من کے طلب کردم مزید

یعنی جب سلیمان علیہ السلام نے اس ہدیہ کو دیکھا تو آپ کو ہنسی آئی (اور فرمایا) کہ میں نے تم سے زیادتی کو کب طلب کیا تھا (اور فرمایا کہ)

من نمی گویم مرا ہدیہ دہید　　بلکہ گفتم لائق ہدیہ شوید

یعنی میں نے یہ تو نہ کہا تھا کہ مجھے ہدیہ دو۔ بلکہ میں نے تو یہ کہا تھا کہ تم ہدیہ (دینے) کے لائق ہو جاؤ۔

که مرا از غیب نادر ہدیہ ہاست　　که بشر آنرا نیارد نیز خواست

یعنی کہ میرے پاس غیب سے عجیب عجیب ہدیے ہیں کہ بشر اُنکو مانگ بھی نہیں سکتا۔ مطلب یہ کہ حضرت سلیمان علیہ السّلام نے جب اُس ہدیہ کو دیکھا تو آپ ہنسے اور فرمایا کہ میں نے تم سے یہ کب کہا تھا کہ تم مجھے مال و دولت اور ہدیے دو بلکہ میرا مقصود تو یہ تھا کہ تم مجھ سے فیضیاب ہو کر اس قابل ہو جاؤ کہ ہدیہ دے سکو اسلئے کہ تم ابھی تک تو نجاست شرک کے سبب سے اس قابل ہی نہیں ہو کہ ہدیہ بھی دے سکو لہٰذا اول تم اس قابل ہو جاؤ پھر دیکھا جاویگا مجھے ابھی ہدیہ کی ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ میرے پاس تو عالم غیب کے ایسے ایسے علوم و معارف موجود ہیں کہ اور کسی کے پاس ہونا تو درکنار اُن کی کوئی درخواست بھی نہیں کر سکتا کیونکہ اُن تک تو کسی کا وہم بھی نہیں پہونچتا لہٰذا ان ہدیوں کی مجھے ضرورت نہیں ہے۔ بلکہ میں خود تمھیں کو فیضیاب کر دوں۔

می پرستید اخترے کو زر کند　　رو باو آرید کو اختر کند

یعنی تم ایک ستارہ کو پوجتے ہو جو سونا بناتا ہے ارے ادھر توجہ کرو جو ستارہ کو بناتا ہے۔ مطلب یہ کہ تم جو شمس پرستی کرتے ہو تو صرف اُسکے ظاہر افعال کو دیکھ کر کہ تمکو اُسمیں قدرت کا شبہ ہو گیا اسلئے اُسکی پرستش کرنے لگے ہو۔ لیکن تمکو چاہیئے کہ اُس ذات کی طرف متوجہ ہو جو خود اُس ستارہ کو پیدا کرتا ہے۔ یعنی حق تعالیٰ کی طرف توجہ کرو اور ان ستاروں کی عبادت کو ترک کرو۔

می پرستید آفتاب چرخ را　　خوار کردہ جان عالی نرخ را

یعنی تم آفتاب چرخ کو اپنی جان عالی نرخ کو ذلیل و خوار کر کے پوجتے ہو۔ مطلب یہ کہ تمھاری روح جو کہ بہت عالی مرتبہ اور گراں قیمت ہے اُسکو اس آفتاب چرخ کی عبادت میں لگا کر تم نے ذلیل و خوار کر رکھا ہے۔ اور اسکی بھی قدر کھو رکھی ہے کیونکہ آفتاب کی تو صرف اتنی قدر اور اسقدر مرتبہ ہے کہ۔

آفتاب از امر حق طباخ ماست   ابلہی باشد کہ گوییم او خداست

یعنی آفتاب امر حق کی وجہ سے ہمارا طباخ ہے تو (سراسر) بیوقوفی ہے کہ ہم اسکو خدا کہیں۔ مطلب یہ کہ آفتاب تو مثل ایک ملازم کے ہے جو حکم حق کی وجہ سے ہمکو گرمی پہونچا رہا ہے ورنہ فی حد ذاتہ اسکو مستقلاً کوئی قدرت نہیں پھر جو چیز کہ ایک نوکر کی حیثیت رکھتی ہو اسکو خدا کہنا سراسر حماقت نہیں تو کیا ہے۔

آفتابت گر بگیرد چوں کنی   آں سیاہی زو تو چوں بیروں کنی

یعنی اگر حق تعالیٰ تیرے آفتاب کو لے لیں تو تو کیا کرے۔ اور اس سیاہی کو اس سے کس طرح الگ کرے۔

نے بدرگاہ خدا آری صداع   کیں سیاہی را ببر وادہ شعاع

یعنی کیا درگاہ حق میں زاری کو نہ لاوے کہ اس سیاہی کو دور کر دے اور شعاع عنایت فرما۔ مطلب یہ کہ دیکھو اگر حق تعالیٰ اس سورج کو منکسف فرما دیں اور اسکی روشنی کو سلب فرما لیں تو اسوقت تم ہی بتاؤ کہ کس طرح اسکے اندر روشنی پہونچاؤ بس اسوقت تو تم بھی اللہ تعالیٰ ہی سے کہو کہ اے اللہ اسکو روشن کر دے جیسا کہ مشاہد ہے کہ جب کوئی مصیبت آتی ہے تو اسوقت ہر شخص کو خواہ وہ مشرک ہو یا موحد خدا ہی یاد آتا ہے تو پھر جب مصیبت میں یاد کرتے ہو تو ہر حالت میں اسی کو کیوں یاد نہیں رکھتے۔ آگے اور اسکا عجز بیان فرماتے ہیں کہ

گر کشندت نیم شب خورشید کو   تا بنالی یا اماں خواہی ازو

یعنی اگر تجھے آدھی رات کو قتل کرنے لگیں تو بتا کہ خورشید کہاں ہے۔ تاکہ تو (اسکے آگے) رو لے یا اس سے امن چاہے۔

حادثات اکثر بہ شب واقع شود   واں زماں معبود تو غائب بود

یعنی حادثے اکثر رات ہی کو واقع ہوتے ہیں اور اسوقت تیرا معبود غائب ہوتا ہے مطلب یہ کہ دیکھو اگر رات کو کوئی حادثہ پیش آجاوے۔ اور اکثر ایسا ہی ہوتا ہے کہ حادثات رات ہی کو پیش آتے ہیں تو اسوقت آپکے معبود صاحب غائب ہوتے ہیں پھر بتاؤ کس سے مدد چاہو گے اور معبود کو مدد کیلئے کہاں سے بلاؤ گے تو پھر ایسے کو معبود ہی کیوں بنایا

جاوے جو غائب ہو۔ اسکو کیوں معبود نہ بنایا جاوے جو ہر وقت حاضر و ناظر ہو۔ اور ہر گھڑی مددگار ہو۔

سوئے حق گر راستانہ خم شوی — وا رہی از اختران محرم شوی

یعنی حق تعالیٰ کی طرف اگر راستوں کی طرح تو خم ہو تو ستاروں سے چھوٹ جاوے اور محرم ہو جاوے

چوں شوی محرم کشایم با تو لب — تا بہ بینی آفتاب نیم شب

یعنی جب تم محرم ہو جاؤ گے تو میں تم سے لب کھولونگا۔ یہاں تک کہ تم آدھی رات کے آفتاب کو دیکھ لوگے مطلب یہ کہ تم متوجہ بحق ہو تو تم ان سب چیزوں سے چھوٹ کر محرم اسرار حق ہو جاؤ اسوقت میں تم سے علوم و معارف و اسرار کو ظاہر کروں تو تم کو مشاہدہ جمال باری ہو جو کہ رات دن درخشاں ہے۔ مگر۔

جز رواں پاک او را شرق نے — در طلوعش روز و شب را فرق نے

یعنی سوائے جان پاک کے اسکا شرق نہیں ہے اور اسکے طلوع میں روز و شب کا فرق نہیں ہے مطلب یہ کہ اسکی تجلی ارواح مقدسہ اور جانہائے پاک انبیا و اولیا ہی پر ہوتی ہے۔ اور اسکے لئے یہ لازمی نہیں ہے کہ دن ہو تو اسکی تجلی ہو ورنہ نہو۔ بلکہ وہ تو ہر وقت جلوہ افگن ہے مگر اسکی تجلی کو صرف انبیاء و اولیاء اللہ ہی مشاہدہ کر سکتے ہیں۔ لہذا اگر تم بھی ایسے ہو جاؤ تو تم پر بھی وہ تجلی ہو جاوے گی اسکی تو یہ شان ہے کہ۔

روز آں باشد کہ او شارق شود — شب نماند شب چو او بارق شود

یعنی دن وہی ہے کہ وہ نکلا ہوا ہو اور رات رات نہ رہے جب وہ چمکے مطلب یہ دن تو اصل میں وہی ہے جبکہ اسکی تجلی ہو ورنہ بے اسکی تجلی کے دن دن نہیں ہے اور اگر اسکی تجلی رات میں ہو تو رات مظلم نہ رہے بلکہ وہ بھی منور ہو جاوے۔

چوں نماید ذرہ پیش آفتاب — ہمچناں باشد دراں انوار و تاب

یعنی جسطرح کہ آفتاب کے سامنے ذرہ (بیقدر) ہوتا ہے آفتاب ان انوار اور چمک کے آگے ایسا ہی ہوتا ہے۔

آفتابے را کہ رخشاں می شود — دیدہ پیشش کند و حیران می شود

یعنی جو آفتاب کہ چمکتا ہے اسکی نگاہ اسکے آگے کند اور حیران ہوتی ہے۔

ہمچو ذرہ بینیش در نور عرش — پیش نور بحد موفور عرش

یعنی نور عرش ہیں اور عرش کے نور بے نہایت کے آگے اسکو ذرہ کی طرح دیکھو گے۔

خوار و مسکیں بینی او را بیقرار — دیدہ را قوت شدہ از کردگار

یعنی اسکو خوار اور مسکین اور بیقرار دیکھو گے (جبکہ) آنکھ کو حق تعالیٰ کی طرف سے قوت ہو جاویگی مطلب یہ ہے کہ اس نور کے آگے اس آفتاب ظاہر کی جسکی کہ اسے اہل سیا تم عبادت کرتے ہو ایسی مثال ہے جیسی کہ اسکے سامنے ایک ذرہ ہو کہ اس ذرہ کی چمک اس آفتاب ظاہر کی چمک کے آگے بالکل بیقدر ہے اسی طرح جب تمکو حق تعالیٰ بصیرت عطا فرمادیں گے اسوقت تمکو اس آفتاب ظاہر کی حقیقت معلوم ہو جاویگی۔ آگے اس قوت حق کی حالت بیان فرماتے ہیں کہ

کیمیائے کہ از و یک ماثری — بر دخان افتاد و گشت آں اختری

یعنی ایک ایسی کیمیا ہے کہ اسکا ایک اثر دھویں پر پڑا تو وہ ایک ستارہ ہو گیا۔

نادر اکسیرے کہ از وے نیم تاب — بر ظلامے زد بکردش آفتاب

یعنی ایک عجیب اکسیر ہے کہ اسکی آدھی چمک ظلمت پر پڑی تو اسکو آفتاب کر دیا۔

بو العجب میناگری کز یک عمل — بست چندیں خاصیتہا بر زحل

یعنی عجیب کاریگری ہے کہ ایک عمل سے زحل پر اسقدر خاصیتیں باندھ دی ہیں۔

باقی اخترہا و گوہرہائے جاں — ہم بریں مقیاس اے طالب بداں

یعنی اے طالب باقی ستاروں اور گوہرہائے جان کو اسی قیاس پر سمجھ لو یعنی جسطرح ہم نے بتایا ہے کہ اسکی تجلی سے آفتاب میں نور آیا زحل میں کیا کیا خاصیتیں پیدا ہو گئیں تو اسی طرح تم اور چیزوں کو بھی دیکھ لو کہ کس کس پر کیا اثر ہوا ہے۔ تو جسکی یہ قدرت اور یہ شان ہے وہ اگر تمھاری روح پر تجلی کریگا تو اسکو کسقدر کامل کر دیگا ظاہر ہے آگے فرماتے ہیں کہ۔

دیدۂ حسی زبون آفتاب — دیدۂ ربانی جوئی و بیاب

یعنی دیدۂ حسی تو آفتاب سے عاجز ہے تو تو دیدۂ ربانی کو تلاش کر اور پالے مطلب یہ کہ

تیری یہ ظاہری آنکھ اس آفتاب ظاہر کے آگے عاجز اور بیکار ہو جاتی ہے مگر جبکہ تم چشم حق بین حاصل کر لوگے تو اسوقت تمھاری نگاہ اس سے عاجز نہ ہوگی۔ اور پھر تمکو ان انوار و تجلیات کا مشاہدہ ہوگا جنکے آگے یہ آفتاب بالکل ہیچ ہے اور اسکا نور کچھ بھی نہیں ہے اور جب تم دیدۂ ربانی حاصل کر لوگے تو یہ ہوگا کہ۔

تا زبوں گردد بہ پیش آں نظر — شعشعات آفتاب با شرر

یعنی تاکہ اس نظر کے آگے آفتاب باشرر کی شعاعیں ہیچ ہو جاویں۔

کاں نظر نورے و ایں نارے بود — نار پیش نور بس تارے بود

یعنی کیونکہ وہ نظر ایک نور ہے اور یہ ایک نار ہے تو نار نور کے آگے تو بالکل تاریک ہوتی ہے مطلب یہ کہ جب تم دیدۂ ربانی حاصل کر لوگے تو پھر اس آفتاب ظاہر کی شعاعیں بالکل ہیچ ہو جاویں گی اور اس آنکھ کے نور کے آگے انکا نور کچھ بھی نہ رہے گا کیونکہ اس آنکھ میں تو نور حق ہوگا۔ اور یہ آفتاب ایک آگ ہے تو ظاہر ہے کہ آگ نور کے آگے تو بالکل ظلمت ہی ہوگی لہذا تمکو چاہئے کہ نور بصیرت حاصل کرو۔ آگے ایک حکایت بیان فرماتے ہیں کہ ایک بزرگ تھے انکی یہ کرامت تھی کہ اندھیرات میں بھی دن کی طرح دکھائی دیتا تھا۔ تو یہ کرامت ان میں اس نور ہی کی بدولت پیدا ہوئی تھی کہ جسوقت یہ آفتاب جو کہ ناری ہے غروب ہو جاتا تھا اسوقت بھی انکا نور درخشاں و تاباں رہتا تھا جس سے صاف معلوم ہو گیا کہ اس نور سے وہ نور بدرجہا افضل ہے۔

شرح حبیبی

شیخ عبد اللہ مغربی قدس سرہ کی کرامت اور نور کا قصہ

گفت عبد اللہ شیخ مغربی	شصت سال از شب ندیدم من شبی
من ندیدم ظلمتے در شصت سال	نے بروز و نے بشب از اعتدال

صوفیان گفتند صدق قال او — شب ہمی رفتیم در دنبال او

در بیابانہائے پُر از خار گو — او رچو ماہ بدر مارا پیش رو

روئے پس ناکردہ می گفتے بشب — ہیں گو آمد میل کن در سوئے چپ

باز گفتے بعد یکدم سوئے راست — میل کن زیرا کہ خارے پیش پاست

روز گشتے پائے بوسش گشتہ ما — زانکہ بودش پاک از گل ہر دو پا

روز گشتے پاش را ما پائے بوس — گشتہ پاہایش چو پاہائے عروس

نے ز خاک و نے ز گل بروے اثر — نز خراش خار و آسیب حجر

مغربی را مشرقی کردہ خدائے — کردہ مغرب را چو مشرق نور زائے

نور ایں شمس شموس فارس است — روز خاص و عام را او حارس است

چوں نباشد حارس آں نور مجید — کہ ہزاراں آفتاب آرد پدید

تو بنور او ہمی رو در اماں — در میان اژدہا و کژدماں

پیش پیشت می رود آں نور پاک — می کند ہر رہزنے را چاک چاک

یوم لا یخزی النبی را راست داں — نور یسعیٰ بین ایدیہم بخواں

گرچہ گردد در قیامت آں فزوں — از خدا اینجا بخواہید آزموں

کو بہ بخشد ہم بہ میغ و ہم بماغ — نور جاں واللہ اعلم بالبلاغ

ایک مرتبہ شیخ عبداللہ مغربی قدس سرہٗ نے بیان فرمایا کہ ہم نے ساٹھ برس سے رات کے اندر رات کی صفت نہیں دیکھی - اور بوجہ رات دن کے یکساں ہونیکے اس ساٹھ برس کے

عرصہ میں نہ کبھی دنکو تاریکی دیکھی نہ رات کو دیگر صوفیوں نے اُن کے اس بیان کی تصدیق کی اور کہا کہ یہ بالکل صحیح ہے کہ ہم رات کو انکے پیچھے پیچھے گڑھوں اور کانٹوں والے میدانوں میں کو جایا کرتے تھے اور وہ چودہویں رات کے چاند کی طرح ہمارے آگے آگے ہوتے تھے اور رات کے وقت بدون منہ موڑے کہدیتے تھے کہ دیکھو تمھارے سامنے گڑھا آگیا ہے ذرا بائیں جانب کو ہوجاؤ۔ پھر کہتے کہ دیکھو تمھارے پاؤں کے سامنے کانٹا ہے۔ ذرا دائیں کو ہوجاؤ دن ہوتا تو ہم قدمبوسی حاصل کرتے کیونکہ انکے دونوں پاؤں مٹی سے پاک تھے یعنی عالم سفلی سے وہ بے تعلق ہوچکے تھے اور ان کی پابوسی کیساتھ دن ہوتا یعنی دن ہو جو کہ آپکے قدم جو منا ہو (اسمیں اشارہ ہے ان کے کمال عظمت اور انکے پاؤں کی کمال صفائی کی طرف) تو اُن کے پاؤں دولہنوں کے پاؤں کی طرح صاف ہوتے تھے۔ نہ تو انپر مٹی کا اثر ہوتا تھا نہ گارے کا۔ نہ اسمیں کانٹے کی خراش ہوتی تھی اور نہ پتھر کا صدمہ۔ حق سبحانہ کی قدرت دیکھو کہ اُسنے مغربی کو مشرقی کردیا تھا یعنی ایک مغرب کے رہنے والے کو مطلع انوار بنا دیا تھا۔ اور ملک مغرب کو مشرق کی طرح نور زا بنا دیا تھا۔ (یہ استغراب بنا بر ظاہر عنوان ہی ورنہ حقیقت میں استغراب کی کوئی وجہ نہیں) اسی شہسوار میدان عرفان اور شمس شموس کا نور ہے۔ کہ خاص و عام کے دن کا محافظ ہے۔ (یا تو اسکے یہ معنی ہیں کہ روز متعارف کے نور کا محافظ ہے یا یہ کہ انہیں جو لوگ محفوظ ہوتے ہیں وہ اسی نور کی حفاظت کا اثر ہے) اور وہ نور بزرگ کیونکر نہ محافظ ہو وہ تو خدا کا وہ نور ہے جو کہ ہزاروں آفتاب پیدا کرتا ہے پھر اسکا روز خاص و عام کا محافظ ہونا کونسی بڑی بات ہے۔ پس جبکہ یہ نور محافظ ہے تو تم شیخ مذکور کے اس نور کو مقتدا بناؤ اور اسمیں اژدہے اور بچھوؤں کے درمیان مامون چلے جاؤ (ف نور شیخ مذکور سے مراد نور ہر کامل ہے۔ کیونکہ وہ نور بالذات حق سبحانہ کا نور ہے جو ہر ایک کامل کو نصیب ہوتا ہے اسلئے جو نور شیخ عبداللہ کے پاس ہے وہی نور اور اہل اللہ کے پاس بھی ہے۔ پس کسی کامل کی روشنی میں چلنا شیخ مذکور ہی کی روشنی میں چلنا ہے) یہ نور تمھارے آگے آگے چلے گا۔ اور ہر رہزن کو پارہ پارہ کردیگا۔ تم یوم لا یخزی اللہ النبی والذین آمنوا معہ نورھم یسعی بین ایدیھم کو صحیح سمجھو اور پڑھو تاکہ تمہیں ہمارے

بیان کی تصدیق ہو گو یہ نور قیامت میں تو بہت ہی زیادہ ہو گا مگر تم دنیا میں بھی اس سے اسکا نمونہ مانگو۔ اسلئے کہ وہ بہت دینے والا ہے کہ ابر اور کھرے تک کو نور جان عطا فرماتا ہے۔ پس اگر تم اس سے باقاعدہ طلب کروگے تو تم کو دینے میں دریغ نہ کریگا۔ واللہ اعلم بحقیقۃ ما بلغنا۔

شرح شبیری

شیخ عبداللہ مغربی قدس سرہٗ کی کرامت اور نور کا قصّہ

گفت عبداللہ شیخ مغربی　　شصت سال از شب ندیدم من شبی

یعنی حضرت عبداللہ مغربی قدس سرہٗ نے فرمایا ہی کہ ساٹھ برس ہیں تے رات سے رات ہونا نہیں دیکھا۔ مطلب یہ کہ رات میں جو ایک صفت ہی رات ہونا جسکا مقتضا ہے تاریکی میں نے ساٹھ سال سے اسکو نہیں دیکھا یعنی ساٹھ سال سے رات کو اندھیرا معلوم ہی نہیں ہوا۔ بلکہ رات کو بھی روشنی اور نورانیت ہی معلوم ہوتی ہے۔

من ندیدم ظلمتے در شصت سال　　نے بروز و نے بشب از اعتدال

یعنی میں نے ساٹھ برس میں کوئی ظلمت دیکھی ہی نہیں نہ دنکو نہ رات کو اعتدال کیوجہ سے۔ یعنی چونکہ میرے اندر اعتدال پیدا ہو گیا ہے اسوجہ سے مجھے ظلمت نظر ہی نہیں آتی۔ نہ دنکو نہ رات کو بلکہ مجھے ہمیشہ نور ہی نور معلوم ہوتا ہے۔

صوفیان گفتند صدق قال او　　شب ہمی رفتیم در دنبال او

یعنی صوفیوں نے ان کے قول کی تصدیق فرمائی۔ کہ رات کو ہم اون کے پیچھے چلے یعنی دیگر صوفیہ نے بھی جو اُن کے زمانہ میں تھے ان کے اس قول کی تصدیق کی اور اسکی تصدیق میں ایکمرتبہ کا قصہ بیان کیا کہ ایک دفعہ رات کو ہم اُن کے پیچھے پیچھے چلے۔

در بیابانہائے پُر از خار و گو　　او چو ماہ بدر ما را پیشرو

یعنی کانٹوں اور گڑھوں سے بھرے ہوئے بیابانوں میں وہ چودھویں رات کے چاند کیطرح

ہمارے رہنما تھے۔

روئے پس ناکردہ میگفت او بہ شب ... ہیں گو آمد میل کن در بر چپ

یعنی بے منہ پھیرے ہوئے وہ رات کو کہدیتے تھے کہ ارے گڑھا آگیا بائیں کو بچو۔ مطلب یہ کہ سیدھے چلے جارہے تھے اور جہاں کوئی گڑھا وغیرہ آتا تو بے تکلف بتادیتے کہ ادہر کو بچو۔ انکو دیکھنے میں اہتمام کی ضرورت ہوتی تھی۔

باز گفتے بعد یکدم سوئے راست ... میل کن زیرا کہ خارے پیش پاست

یعنی پھر ایکدم کے بعد فرماتے کہ داہنے کو بچو اسلئے کہ ایک کانٹا پاؤں کے سامنے ہے

روز گشتے پائے بوسش گشتہ ما ... زانکہ بودش پاک از گل ہر دو پا

یعنی دن ہوا تو ہم اُن کے پائے بوس ہوتے اسلئے کہ اُن کے دونوں پاؤں مٹی (وغیرہ) سے صاف ہوتے تھے۔

روز گشتے پاش را مایلے بوس ... گشتہ پاہایش چو پاہائے عروس

یعنی دن ہوا تو انکی قدمبوسی کرتے ساور انکے پاؤں دولہن کی پاؤنکی طرح ہوتے تھے (کیونکہ)

نے ز خاک و نے ز گل بر وے اثر ... نے ز خراش خار و آسیب حجر

یعنی نہ خاک کا اور مٹی گارے کا انپر کوئی اثر ہوتا ساور نہ کوئی کانٹے کا خراش ہوتا اور نہ پتھر کی رگڑ ہوتی۔

مغربی را مشرقی کردہ خدا ... کردہ مغرب را چو مشرق نور زا

یعنی مغربی کو حق تعالیٰ نے مشرقی کردیا تھا اور مغرب کو مشرق کی طرح نور کا بڑھانیوالا کردیا تھا۔ مطلب یہ کہ حضرت مغربی رضؓ کو بوجہ نور عطا فرمادینے کے ایسا کردیا تھا گویا کہ آپ مشرقی ہیں کیونکہ مشرق ہی سے تو نور پیدا ہوتا ہے اور مغرب میں تو اور غروب ہوجاتا ہے لیکن یہ باوجود مغربی ہونیکے نورانی تھے اور انکا جو شہر تھا مغرب بوجہ ان کے نور کے وہ گویا کہ مشرق ہو رہا تھا۔

نور این شمس شموس فارس است ... روز خاص و عام را او حارس است

یعنی اس شمس الشموس کا نور جو کہ فارس ہے خاص و عام کے دن کیلئے نگہبان ہے۔ مطلب کہ

یہی نور حق جو کہ بزرگوں میں ہوتا ہے اس نور ظاہر کا بھی نگہبان ہے۔ ورنہ اگر وہ نور نہ ہو تو یہ نور ظاہر بھی نہیں رہ سکتا۔

چوں نباشد حارس آں نور مجید ٭ کہ ہزاران آفتاب آرد پدید

یعنی اگر وہ نور بزرگ نگہبان نہ ہو تو ہزاروں آفتابوں کو کون ظاہر کرے۔ مطلب یہ کہ اگر وہ نور حق نہ ہو تو ان حضرت آفتاب ہی میں کہاں سے نور پیدا ہو سکتا ہے آگے فرماتے ہیں کہ

تو بنور او ہمی رو در اماں ٭ درمیان اژدہا و کژدماں

یعنی تم اُن کے نور سے امن میں ہو کر اژدہوں اور بچھوؤں میں چلو (اژدہاؤں اور بچھوؤں سے مراد شیاطین ہیں) مطلب یہ کہ نور حق کو حاصل کر کے تم شیاطین کی شر سے بیفکر ہو کر راستہ قطع کرو۔ اور بیفکر رہو۔ اس نور کے حصول کے بعد تم کو پھر شیطان نہ ستاویگا۔ جیسا کہ خود ارشاد حق ہے انہ لیس لہ سلطان علی الذین اٰمنوا وعلی ربھم یتوکلون کہ اُسکا قابو مومنین کاملین پر نہیں چلتا۔ بلکہ یہ حالت ہو جاویگی۔

پیش پیش می رود آں نور پاک ٭ میکند ہر رہزنے را چاک چاک

یعنی وہ نور پاک تمھارے آگے آگے چلتا ہے۔ اور ہر رہزن کا قلع قمع کر دیتا ہے۔ آگے اس قول پر قرآن شریف سے استشہاد لاتے ہیں اور پھر اُس پر جو ایک اعتراض پڑتا تھا اُسکو دفع فرماویں گے۔ فرماتے ہیں کہ۔

یوم لا یخزی النبی را راست داں ٭ نور یسعی بین ایدیہم بخواں

یعنی (آیت) یوم لا یخزی اللہ النبی الخ کو سچ جانو اور نورھم یسعی بین ایدیھم کو پڑھو۔ مطلب یہ کہ دیکھو قرآن شریف میں ہے یوم لا یخزی اللہ النبی والذین اٰمنوا معہ نورھم یسعی بین ایدیھم وبایمانھم جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ قیامت میں مومنین اور انبیا کا نور اُن کے آگے آگے چلیگا۔ جیسا کہ ہم نے ابھی کہا ہے اسپر یہ شبہ ہوتا ہے کہ اچھا اگر یہ مان بھی لیا جاوے تو پھر یہ بات تو قیامت میں حاصل ہوگی دنیا میں تو یہ بات نہ ہوئی۔ آگے اسکا جواب دیتے ہیں کہ۔

گرچہ گردد در قیامت آں فزوں ٭ از خدا اینجا بخواہید آزموں

یعنی اگرچہ قیامت میں وہ زیادہ ہو جاویگا (لیکن) حق تعالیٰ سے تم اسجگہ نمونہ طلب کرو مطلب یہ کہ قیامت میں جو نور ہوگا وہ یہیں کا نور ہوگا صرف اتنا ہوگا کہ وہاں یہ نور زیادہ ہو جاویگا اور بڑھ جاویگا۔ لیکن نمونہ کے طور پر وہ نور ہوگا دنیا ہی میں۔ تو جیسا بعد زیادتی کے وہ آگے آگے چلیگا۔ یہاں تھوڑے ہونیکی حالت میں ہی اگر چلے تو کیا عجب ہے

کو بہ بخشد ہم بہ میغ و ہم بماغ ۔ نور جان واللہ اعلم بالبلاغ

یعنی کہ حق تعالیٰ ابر کو اور دہویں کو نور جان بخشتے ہیں واللہ اعلم بالبلاغ مطلب یہ کہ حق تعالیٰ سے تم نور جان کی درخواست کرو کہ وہ تم کو عطا فرماویں کیونکہ وہ تو ابر کو اور دہویں تک کو اسکے مناسب جو نور ہے عطا فرماتے ہیں تو پھر تم کو تو کیوں عطا نہ ہوگا۔ آگے پھر حضرت سلیمان علیہ السلام اور قاصدان بلقیس رضی اللہ عنہا کا قصہ بیان فرماتے ہیں

شرح حبیبی

سلیمان علیہ السلام کا بلقیس کے قاصدوں کو مع اس ہدیہ کے واپس فرما دینا اور ان کو دعوت ایمان دینا اور شمس پرستی کے ترک کی ہدایت کرنا

باز گردید اے رسولان خجل	زر شمارا دل بما آرید دل
ایں زر من بر سر آں زر نہید	کوری تن فرج استر را دہید
فرج استر لائق حلقہ زر است	روے عاشق روے زرد و صفر است
کہ نظر گاہ خداوند ست آن	کہ نظر انداز خورشید ست کان
کو نظر گاہ شعاع آفتاب	کو نظر گاہ خداوند لباب

از گرفت من ز جاں اسپر کنید ۔۔۔ گرچہ اکنوں ہم گرفتار منید

مرغ فتنہ دانہ بر بام است او ۔۔۔ پر کشادہ بستۂ دام است او

چوں بدانہ داد او دل را بجاں ۔۔۔ ناگرفتہ مر ورا بگرفتہ داں

آں نظر کہ سوے دانہ می کند ۔۔۔ آں گرہ داں کو بپا بر میزند

دانہ گوید گر تو مے دزدی نظر ۔۔۔ من ہمی دزدم ز تو صبر و مقر

چوں کشایندان نظر ایں سو ترا ۔۔۔ پس مداں از خویشتن غافل مرا

چوں کشیدت آں نظر اندر پیم ۔۔۔ پس بدانی کز تو من غافل نیم

حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ اے شرمائے ہوئے قاصدو تم واپس ہو جاؤ۔ سونا تمہیں کو نصیب ہو ہمیں اسکی ضرورت نہیں ہمارے پاس تو دل لاؤ اور ہمارا زر کمال اس زر قلب پر رکھو۔ اور اس سبب کوری تن کو خچری کی فرج کو دو۔ کیونکہ خچری کی فرج ہی حلقہ زر کے قابل ہے۔ عاشق کی دولت اور اسکا سونا تو روئے زرد ہے (ف فرج استر لائق حلقہ زر ست کی تفصیل یہ ہے کہ خچری کو اگر حمل رہجاتا ہے تو بچہ ہونے کے وقت وہ اکثر ہلاک ہو جاتی ہے۔ اسلئے جفتی سے روکنے کیلئے اسکے مقام مخصوص میں سونیکا حلقہ ڈالدیتے ہیں پس مولانا نے اس واقعہ کی طرف اشارہ کیا ہے) زر روئے زرد اور زر کانی میں یہ فرق شرف و خست اسلئے ہے کہ زر روئے زرد محل نظر رحمت خداوندی ہے۔ اور زر کانی محل نظر خورشید متعارف۔ پھر بھلا کجا محل نظر شعاع آفتاب اور کجا محل نظر حق سبحانہ دونوں میں تفاوت عظیم ہے اچھا اب تم جاؤ اور کہدو کہ میری گرفت کیلئے جان کو سپر بناؤ۔ اگرچہ تم ابھی میرے پنجہ میں ہو مگر تمھیں ابھی تک اسکا احساس نہیں۔ اسلئے اب میں وہ پکڑ پکڑ ونگا جسکو تم بھی سمجھ لو یہ جو میں نے کہا ہے کہ تم اب بھی میرے گرفتار ہو یہ ایسا ہے جیسا کہ ایک پرند کو ٹھے پر ہو مگر دانہائے دام کو للچائی ہوئی نظروں سے دیکھ رہا ہو۔ یہ جانور گو کوٹھے پر ہے مگر پروں کے کھلے ہونیکی حالت میں بھی وہ جال میں پھنسا ہوا ہے کیونکہ جب اس نے دانہائے دام میں دل

پھنسا لیا تو اسکو عدم اسیری کی حالت میں ہی پھنسا ہوا سمجھنا چاہئے۔ اور جب وہ دانہ پر نظر ڈالتا ہے تو اسکو سمجھنا چاہئے کہ وہ اپنے پاؤں میں ایک گرہ دیتا ہے۔ اور دانہ اس سے کہتا ہے کہ اگر تو مجھے دزدیدہ نظر سے دیکھتا ہے تو کیا مضائقہ ہے میں بھی تیرا صبر و قرار چرا رہا ہوں۔ اور جبکہ تیری نظر نے تجھے اسطرف کھینچا ہے تو مجھے بھی تو اپنے سے غافل نہ سمجھ اور جبکہ اس نظر نے تجھے میری طرف کھینچا ہے تو تجھے سمجھنا چاہئے کہ میں تجھ سے غافل نہیں ہوں خلاصہ یہ کہ تم ان مبادی میں گرفتار ہو جنکی بنا پر بشرط عدم ترک میری گرفت ضرور تم پر واقع ہوگی اسلئے یہ کہدینا کچھ بعید نہیں کہ تم ہنوز میرے گرفتار ہو۔ اب ہم مضمون بالا کے مناسب ایک حکایت سناتے ہیں سنو۔

شرح شبیری

سلیمان علیہ السلام کا بلقیس کے قاصدوں کو مع اس ہدیہ کے واپس فرمادینا اور اُن کو دعوت ایمان دینا اور شمس پرستی کے ترک کی ہدایت کرنا

باز گردید اے رسولاں خجل　　زر شمارا دل بما آرید دل

یعنی (حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ) اے قاصدان شرمندہ سونا تمھارے ہی لئے ہے ہمارے پاس تو دل لاؤ دل۔ مطلب یہ کہ آپنے فرمایا کہ اے قاصدو جو کہ سونا لاکر بھی شرمندہ ہوئے ہو اس سونے کو تم واپس لیجاؤ اور میرے پاس تو تم دل لاؤ صاف ستھرا خالص سونے کی طرح۔ اسکی میرے یہاں قدر ہے اور اس سونیکی تو یہاں کچھ بھی قدر نہیں ہے جیسا کہ تم نے خود مشاہدہ کرلیا۔

ایں زر من برسر آں زر نہید　　کوری تن فرج استر را دہید

یعنی میرا یہ سونا اس سونے پر رکھو اور یہ کوری تن فرج استر کو دو۔ (یہاں زر من سے مراد

معرفت الٰہی ہے اور آں زر سے مراد اولیا کا دل ہی) مطلب یہ کہ میرے پاس جو معرفت حق ہے اور محبت الٰہی ہے۔ اسکو لیجا کر اپنے قلوب میں رکھو۔ تو اس سے تمہارا دل بھی خالص اور پاک ہو جاویگا۔ اور یہ سونا جو کہ بدن کی ظلمت کا سبب ہے تم خچر کی فرج میں لگادو یہ ایک قصہ طلب بات ہے وہ یہ کہ یہ تو معلوم ہے کہ خچر گدھے اور گھوڑی کی جفتی سے ہوتا ہے۔ لیکن خچر ونمیں انمیں توالد تناسل باوجود نر و مادہ دونوں ہونے کے نہیں ہوتا اسکی وجہ یہ لکھی ہے کہ اگر خچری کو حمل رہے تو وہ ہلاک ہو جاتی ہے اسلئے جفتی نہیں کراتے لیکن چونکہ خچر کو شہوت ہوتی ہے اور وہ ممکن ہے کہ کوئی ناشایستہ حرکت کر بیٹھے اسلئے فرج خچری میں ایک حلقہ لوہے کا ڈالدیتے ہیں کہ پھر حضرت خچر کچھ کارروائی کر ہی نہ سکیں۔ لیکن جو رئیس ہوتے ہیں وہ بجائے لوہے کے حلقے کے سونے کا حلقہ ڈالتے ہیں اسلئے کہ وہ رئیس صاحب کی خچری ہے تو اسکے وہاں بھی حلقہ زر ہی ہونا چاہیئے اسلئے حضرت سلیمان علیہ السلام فرماتے ہیں کہ سونیکو لیجا کر خچری کی فلاں جگہ دیدو۔ باقی میرے پاس تو دل کو خالص اور درست کرکے لاؤ خوب اچھی طرح سمجھ لینا چاہیئے آگے فرماتے ہیں کہ۔

فرج استر لائق حلقہ زر است　　　زر عاشق روئے زرد و اصفر است

یعنی (اس) سونیکی لائق تو خچر کا فرج ہے اور عاشق کا سونا تو زرد رو ہوتا ہے مطلب یہ کہ عاشق حق کے نزدیک تو سونا یہ ہے کہ وہ عشق حق میں سوکھ کر زرد ہو گیا ہو۔ اور وہ زرد چہرہ ہی اسکے لئے سونا ہے۔ باقی ظاہری سونا تو بس اسی میں دینے کے قابل ہے۔ اوپر اس ظاہری سونے کا بیکار ہونا اور دل کا کارآمد ہونا بیان فرمایا ہے تو آگے ان دونوں باتونکی وجہ بیان فرماتے ہیں کہ۔

کہ نظرگاہ خداوند است آں　　　کہ نظر انداز خورشید است کان

یعنی (دل تو اسلئے کارآمد ہے) کہ وہ حق تعالیٰ کی نظرگاہ ہے (اور یہ زر ظاہر اسلئے بیکار ہے) کہ معدن تو خورشید کی نظرگاہ ہے (لہذا)

کو نظرگاہ شعاع آفتاب　　　کو نظرگاہ خداوند لباب

یعنی کہاں تو شعاع آفتاب کا نظرگاہ اور کہاں خداوند لباب کی نظرگاہ مطلب یہ کہ دل ہم

تجلی حق ہوتی ہے اور اس سونے ظاہر یہ تجلی آفتاب ظاہر ہوتی ہے۔ کیونکہ معادن میں شعاع آفتاب ہی سے سونا وغیرہ بنتا ہے تو بھلا کہاں تو شعاع آفتاب کا فیض اور کہاں حق جل وعلاشانہ کا فیض ظاہر ہے کہ ان دونوں میں کوئی نسبت ہی نہیں۔ تو جو شے اسکی نظرگاہ ہوگی وہ یقیناً کارآمد ہوگی۔ اور جو اس آفتاب ظاہر کی نظرگاہ ہوگی وہ اسکے آگے بالکل بیکار محض ہوگی خوب سمجھ لو۔ آگے حضرت سلیمان علیہ السلام اُن قاصدوں سے فرماتے ہیں کہ۔

از گرفت من ز جاں اسپر کنید ‏ ‏ ‏ ‏ گرچہ اکنوں ہم گرفتار منید

یعنی میری پکڑ سے جان کو سپر کرلو۔ اگرچہ اب بھی تم میرے گرفتار ہو۔ مطلب یہ کہ تم اس کفرو شرک سے باز آجاؤ اور اپنی جان کو بچالو ورنہ پھر میں تمکو گرفتار کرلونگا۔ اور اگرچہ اسوقت بھی میرے نزدیک تو حقیقت میں تم گرفتار ہی ہو۔ اسلئے کہ تم حرص وہوا میں گرفتار ہو۔ تو اگرچہ بظاہر چھوٹے پھر رہے ہو لیکن دراصل تم قید ہی ہو۔ آگے اس قید ہونیکی ایک مثال دیتے ہیں کہ۔

مرغ فتنہ دانہ بر بام است او ‏ ‏ ‏ ‏ پر کشادہ بستہ دام است او

یعنی جو مرغ مفتوں دانہ کا ہے (اگرچہ) وہ پر کھولے ہوئے کھٹے پر ہے۔ (لیکن) وہ بستہ دام ہے مطلب یہ کہ جو جانور کہ کوٹھے پر بیٹھا ہوا ہے اور اسکو دانہ کی لالچ آرہی ہے کہ میں اسکو کھالوں تو اگرچہ وہ اسوقت پر کھولے ہوئے بیٹھا ہوا ہے لیکن جو حضرات کہ صاحب بصیرت ہیں اُن کے نزدیک اسوقت بھی وہ قید ہی ہے۔ اسلئے کہ آخرکار اُسکی یہ حرص اسکو قید کرکے چھوڑے گی۔

چوں بدانہ داد او دل را بجاں ‏ ‏ ‏ ‏ ناگرفتہ مر ورا بگرفتہ داں

یعنی جب اُس نے شوق سے دل دانہ کو دیدیا تو بے پکڑے ہوئے اُسکو پکڑا ہوا جانو۔

آں نظر کہ سوئے دانہ می کند ‏ ‏ ‏ ‏ آں گرہ داں کو بپا بر می زند

یعنی وہ جو نظر کہ دانہ پر کرتا ہے اسکو گرہ جانو جو کہ وہ پاؤں میں لگا رہا ہے مطلب یہ کہ وہ جو حرص وہوا کی وجہ سے دانہ کی طرف دیکھ رہا ہے تو وہ گویا کہ ہر نظر کرنے میں پاؤں پر جال کی ایک گرہ لگالیتا ہے اسلئے کہ یہی نظر انجام میں اُسکے لئے گرہ لگنے کا سبب ہوجاویگی۔

دانہ گوید گر تو می دزدی نظر من ہمی دزدم ز تو صبر و مقر

یعنی دانہ کہتا ہے کہ اگر تو دزدیدہ نگاہی کرتا ہے تو میں بھی تجھسے صبر اور قرار کو چرا رہا ہوں یعنی دانہ بزبان حال کہہ رہا ہے کہ تو جو مجھے دیکھ دیکھ کر خوش ہو رہا ہے اور دزدیدہ نگاہی کر رہا ہے تو میں بھی ایک شے تیرے اندر سے چوری کر رہا ہوں یعنی تیرے صبر و قرار کو میں چپکے چپکے چرا رہا ہوں کہ وہ تیرے اندر سے کم ہو رہا ہے۔

چوں کشاید آں نظر ایں سو ترا پس بداں از خویشتن غافل مرا

یعنی جب اس نظر نے تجھے اسطرف کھینچا ہے تو تجھے بھی اپنے سے غافل مت جان تو مطلب یہ کہ جب اس نظر نے تجھے مجھ تک پہونچا دیا ہے تو میں بھی تجھ سے غافل نہیں ہوں بلکہ اور تجھے کھینچ رہا ہوں۔ کہ تجھے اپنے اندر پکڑوں۔

چوں کشید آں نظر اندر پیم پس بدانی کز تو من غافل نیم

یعنی جب وہ نظر تجھے میرے پیچھے کھینچ لیگی تو تو جان لیگا کہ میں تجھسے غافل نہیں ہوں مطلب یہ کہ اسوقت تو تو آزاد معلوم ہو رہا ہے لیکن جب یہ نظر تجھے مجھ تک کھینچ لادیگی اور تو پھنس جاویگا تب تجھے خبر ہوگی کہ میں بھی تیری تاک میں تھا۔ اور تجھسے غافل نہیں تھا۔ اور تو اس نظر سے کچھ اپنا ہی نقصان کر رہا تھا میرا کوئی حرج اس سے نہیں تھا آگے اسپر ایک حکایت لاتے ہیں جسکا خلاصہ یہ ہے کہ ایک شخص کو مٹی کھانیکی عادت تھی وہ دوکاندار کے پاس شکر خریدنے گیا اس دوکاندار کے باٹ ملتانی مٹی کے تھے اس گلخوار نے ان باٹوں میں سے توڑ توڑ کر کھانا شروع کر دیا۔ اور یہ چاہا کہ یہ دوکاندار نہ دیکھے تاکہ میں خوب کھالوں اور دل میں سمجھا کہ میں اسکی اتنی مٹی کھا گیا تو اسکا نقصان ہوا۔ اور دوکاندار نے جب دیکھا تو وہ اور بھی غافل ہو گیا اور شکر لانے میں اس نے اور بھی دیر کی اس نے سوچا کہ یہ تو میرا حرج سمجھ رہا ہے حالانکہ اسمیں خود اسی کا حرج ہے کہ جتنا باٹ یہ کھا جاویگا اسی قدر شکر اسکو کم ملیگی تو اسی طرح وہ جانور تو سمجھتا ہے کہ میں اس دانہ کو کھا جاؤنگا اور اسکو نیست و نابود کر دونگا لیکن وہ دانہ بزبان حال کہہ رہا ہے کہ تو میرا کیا حرج کریگا میں ہی تجھے قید بلا میں پھنسا دونگا خوب سمجھ لو آگے حکایت سنو۔

شرح حبیبی

ایک عطار کا کہ اسکے ترازو کے باٹ سر دھونے کی مٹی (ملتانی) کے تھے اور ایک خریدار کا جسکو مٹی کھانیکی عادت تھی اُس مٹی میں سے تولنے کے وقت چوری کرنے کا قصہ

پیش عطارے یکے گلخوار رفت — تا خرد ابلوج و قند خاص و زفت

پس بر عطار طرار دو دل — موضع سنگ ترازو بود گل

گفت عطار اے جواں ابلوج من — ہست نیکو بے تکلف بے سخن

لیک گل سنگ ترازوئے من است — گر ترا میل شکر بخرید نست

گفت ہستم در مہمے قند جو — سنگ میزان ہر چہ خواہی باش گو

گفت با خود پیش آنکہ گل خور است — سنگ چہ بود گل ز شکر بہتر است

ہمچو آں دلال کو گفت اے پسر — نو عروسے یافتم بس خوب فر

سخت زیبا لیک ہم یک چیز ہست — کان ستیزہ دختر حلوا گر ست

گفت بہتر اینچنیں خود گر بود — دختر او چرب و شیریں تر بود

گر نداری سنگ و سنگت از گل است — ایں بہ و بہ گل مرا میوہ دل است

اندراں کفہ ترازو ز اعتداد — او بجائے سنگ آں گل را نہاد

پس برائے کفہ دیگر بدست — ہم بقدر آں شکر را می شکست

چوں نبودش تیشۂ او دیر ماند ۔۔۔ مشتری را منتظر آنجا نشاند

رویش آنسو بود و گل خور ناشگفت ۔۔۔ گل ازو پوشیدہ دزدیدن گرفت

ترس ترساں کہ نیاید ناگہاں ۔۔۔ چشم او بر من فتد از امتحاں

دید عطار آن و خود مشغول کرد ۔۔۔ کہ فزوں تر دزد ہیں اے روے زرد

گر بدزدی از گل من می بری ۔۔۔ رو کہ ہم از پہلوئے خود میخوری

تو ہمی ترسی ز من لیک از خری ۔۔۔ من ہمی ترسم کہ تو کمتر خوری

گرچہ مشغولم چناں احمق نیم ۔۔۔ کہ شکر افزوں کشی تو از پیم

چوں بہ بینی مر شکر را آزمود ۔۔۔ پس بدانی احمق و غافل کہ بود

مرغ ازاں دانہ نظر خوش میکند ۔۔۔ دانہ ہم از دور راہش میزند

گر زنائے چشم حظے مے بری ۔۔۔ نے کباب از پہلوئے خود میخوری

ایں نظر از دور چوں تیرست و سم ۔۔۔ عشقت افزوں می شود صبر تو کم

مال دنیا دام مرغان ضعیف ۔۔۔ ملک عقبےٰ دام مرغان شریف

تا بدیں ملکے کہ او دامی ست ژرف ۔۔۔ در شکار آیند مرغان شگرف

من سلیمان می نخواہم ملک تاں ۔۔۔ بلکہ من برہانم از ہر ہلک تاں

کایں زماں ہستید خود مملوک ملک ۔۔۔ مالک الملک آنکہ او بجہید ز ہلک

باژگونہ اے اسیر ایں جہاں ۔۔۔ نام خود کردی امیر ایں جہاں

اے تو بندہ ایں جہاں محبوس جان ۔۔۔ چند گوئی خویش را خواجہ جہاں

ایک مٹی کھانے والا ایک دوکاندار کے پاس اسلئے گیا کہ قند خالص اور زیادہ سستی خریدے

اُس چالاک اور منافق دوکاندار کے پاس باٹ کے بجائے مٹی تھی۔ جب اُسنے شکر مانگی تو
اُس دوکاندار نے کہا کہ میرے پاس شکر تو نہایت اعلیٰ ہے اور سوائے اس بیان میں کوئی
تصنع ہے اور نہ قیل و قال کی گنجایش مگر میرے باٹ مٹی کے ہیں اگر تمھیں خریدنے کی خواہش ہو
تو خرید لو۔ اس نے جواب دیا کہ مجھے تو ایک ضروری کام کیلئے قند کی تلاش ہے باٹوں سے کچھ بحث
نہیں کیسے ہی ہوں اور دل میں کہا کہ مٹی کھانے والے کے نزدیک پتھر کیا بلا ہے مٹی شکر سے
بہتر ہے اور یہ ایسا ہے جیسا کہ ایک لالہ نے کہا تھا کہ جناب دلہن تو ایک بڑے ٹھٹے کی ملکی ہے
اور بہت ہی نفیس ہے لیکن ایک بات ہے وہ یہ کہ حلوائی کی لڑکی ہے۔ اُس نے کہا ایسا ہے تو
اور بھی اچھا ہے کیونکہ اسکی لڑکی زیادہ چکنی چپڑی اور مزہ کی ہوگی۔ بس اگر تمھارے پاس پتھر کے
باٹ نہیں بلکہ تمھارے باٹ مٹی کے ہیں تو یہ تو بہت ہی اچھا ہے کیونکہ مٹی تو میرے دل کا
مرغوب میوہ ہے الغرض اُس نے ترازو کے پلڑے میں بجائے باٹ کے بقدر یہ مٹی رکھدی اور
اوسی کی مقدار میں ہاتھ سے شکر توڑنے لگا۔ چونکہ اسکے پاس تیشہ نہ تھا اسلئے دیر لگ گئی اور
مشتری کو حالت انتظار میں وہیں بیٹھے رہنے دیا۔ اُسکا منہ دوسری طرف تھا۔ اسلئے مٹی کھانے
والے بے صبر نے مٹی چرانا شروع کی لیکن ڈرتا جاتا تھا۔ کہ مبادا دوکاندار کی نظر مجھ پر پڑ جاوے
دوکاندار نے دیکھا اور اپنے کو اور مشغول و غافل کر لیا۔ اور دل میں کہتا جاتا تھا کہ ہاں او بیشرم
خوب چرا سا اگر تو میری مٹی چرا لیجاویگا تو جا چرا لیجا۔ میرا کیا جاویگا۔ تو اپنا ہی گوشت کھا رہا ہے
اسلئے کہ جتنا باٹ کم ہوگا۔ اتنی ہی شکر کم ہو جاویگی تو مجھسے ڈرتا ہے۔ مگر یہ تیرا گدھا پن ہے کیونکہ
مجھے تو اسکا خوف ہے کہ تو کم نہ کھاوے میں اگرچہ مشغول ہوں لیکن اتنا بیوقوف نہیں ہوں کہ تو
میری مٹی بھی کھا جاوے اور مجھسے شکر بھی زیادہ لیجاوے۔ جب تو شکر کو بنظر امتحان دیکھے گا
کہ یہ پوری ہے یا کم اسوقت تجھے معلوم ہوگا۔ کہ احمق اور غافل کون تھا اسی طرح وہ جانور تو دانہ
کو دیکھکر آنکھیں ٹھنڈی کرتا ہے لیکن دانہ دور ہی سے اسکی زہر نی کرتا ہے۔ اس سے تم سمجھو کہ
اگر تم آنکھ کی زنا کا لطف اُڑا رہے ہو۔ تو کیا یہ اپنے ہی پہلو کے کباب نہیں کھا رہے ہو ضرور ایسا
ہی ہے۔ یاد رکھو کہ دور سے دیکھنا تیر اور زہر کی مثل ہے کیونکہ اس سے تمھارا عشق زیادہ ہوتا ہے
اور صبر و قرار ــــ ہے ۔ تو یہ التذاذ خود اپنے ضرر سے التذاذ ہے خوب یاد رکھو نیز سمجھو کہ مال دنیا

تو کمزور جانوروں کا جال ہے۔ اور ملک عقبیٰ اعلےٰ درجہ کے پرندوں کا۔ اور یہ دام ملک عقبیٰ اسلئے قائم کیا گیا ہے۔ تاکہ اس زبردست جال میں عجیب و غریب جانور پھنسیں برخلاف اسکے دام مال دنیا معمولی جانوروں کے پھانسنے کیلئے ہی تو چونکہ میں سلیمان ہوں اسلئے دام مال دنیا کی طرف رخ نہیں کرتا۔ اور تمہارا ملک لینا نہیں چاہتا بلکہ میں تو تمہیں اس جال سے چھڑا کر ہلاکت سے بچانا چاہتا ہوں اسلئے کہ اسوقت تم ملک کے مملوک ہو اور مالک الملک نہیں ہو۔ مالک الملک وہ ہے جو ہلاکت سے بچ جاوے۔ مگر تم نہیں سمجھتے۔ اور تمنے اس جہان کا قیدی ہوکر اپنا نام برعکس واقعہ امیر ملک رکھ لیا۔ ارے تو تو اس جہان کا غلام ہے۔ اور تیری جان اسمیں محبوس ہے پھر تو اپنے کو اس جہان کا افسر کہتا ہے بڑے شرم کی بات ہے۔

شرح شبّیری

ایک عطار کا کہ اسکی ترازو کے باٹ سردھونیکی مٹی (ملتانی) کے تھے اور ایک خریدار کا جسکو مٹی کھانیکی عادت تھی اس مٹی میں سے تولنے کے وقت چوری کرنے کا قصہ،

پیش عطارے یکے گلخوار رفت　　تا خرد ابلوج و قند خاص زفت

یعنی ایک عطار کے پاس ایک گلخوار گیا۔ تاکہ شکر اور قند بالکل خالص خریدے۔

پس بر عطار طرار دو دل　　موضع سنگ ترازو بود گل

یعنی ہوشیار عطار دودلے کے پاس ترازو کے باٹوں کی جگہ مٹی تھی۔

گفت عطار اے جوان ابلوج من　　ہست نیکو بے تکلف بے سخن

یعنی عطار نے کہا کہ اے جوان میری شکر بالکل عمدہ ہے۔ بلا کسی تکلف کے اور بات کے

مطلب یہ کہ اسمیں کچھ کہنے سننے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ قند خالص ہے۔

لیک گل سنگ ترازوئے من است گر ترا میل شکر بخریدن است

یعنی لیکن میری ترازو کے باٹ مٹی ہے۔ اگر تجھے شکر خریدنے کی رغبت ہے (تو خرید لے)
مطلب یہ کہ اس نے کہا کہ میری شکر تو بالکل خالص ہے اسمیں کوئی کھوٹ نہیں ہے۔ مگر میری ترازو کے باٹ مٹی کے ہیں اگر تجھے خریدنا ہے تو ان سے تولکر دونگا۔ تیرا جی چاہے تو خرید لے۔ یہاں جزا محذوف ہے۔ یعنی اگر میل خریدن شکر است پس بخر۔

گفت ہستم در مہمے قند جو سنگ میزان ہر چہ خواہی باش گو

یعنی اس گلخوار نے کہا کہ میں ایک ضرورت میں شکر کا متلاشی ہوں تو ترازو کے باٹ جو کچھ ہوں رہنے دے۔

گفت با خود پیش آنکہ گل خور است سنگ چہ بود گل ز شکر بہتر است

یعنی اس نے اپنے سے کہا کہ جو شخص کہ گلخوار ہوتا ہے اسکے لئے پتھر کیا ہوتا ہے مٹی شکر سے بہتر ہے۔ مطلب یہ کہ اس عطار سے تو یہ کہا کہ میاں مجھے تو شکر کی ضرورت ہے تیرے باٹ خواہ مٹی کے ہوں یا کسی کے تو مجھے شکر دیدے۔ اور دل میں کہنے لگا کہ سب سے لئے جسے کہ مٹی کھانے کی عادت ہے مٹی شکر سے بھی بہتر ہے تو اگر لوہے کے باٹ ہوتے تو انکو تو کھا نہیں سکتے تھے۔ اور اس مٹی کو تو کھا سکتا ہوں اور مجھے خوب مزہ ملیگا۔ اسلئے باٹ ترازو کے مٹی ہی کے ہونا بہتر ہے۔ آگے مولانا اسی قبیل سے ایک اور قصہ بیان فرماتے ہیں۔

ہمچو آں دلالہ کو گفت اے پسر نو عروسی یافتم من خوب فر

یعنی جیسے کہ اس دلالہ نے کہا کہ اے لڑکے کہ میں نے ایک نئی دلھن خوب عمدہ پائی ہے

سخت زیبا لیک ہم یک چیز ہست کان ستیرہ دختر حلوا گر ست

یعنی بہت ہی عمدہ ہے لیکن ایک بات ہے کہ وہ مستورہ حلوائی کی لڑکی ہے۔

گفت بہتر ایں چنیں خود گر بود دختر او چرب و شیریں تر بود

یعنی اس جوان نے کہا کہ ایسا ہو تو بہتر ہے کہ اسکی لڑکی تو خوب چرب و شیریں ہوگی مطلب یہ کہ ایک شخص نے کسی دلالہ سے کہا کہ کہیں سے ایک لڑکی لاؤ نکاح کیلئے تو اس دلالہ نے کہا

کہ ایک لڑکی ہے تو سہی لیکن ایک خرابی یہ ہے کہ حلوائی کی لڑکی ہے تو اُس شخص نے کہا کہ یہ تو اور بھی عمدہ بات ہے اسلئے کہ حلوائی کی لڑکی تو خوب عمدہ اور نفیس ہوگی۔ تو اسیطرح اُس گلخوار نے کہا کہ اگر تیرے باٹ لوہے کے نہیں ہیں تو یہ تو اور بھی عمدہ بات ہے اسلئے کہ مجھے خوب مٹی کھانی ملیگی۔ جو مجھے بیحد مرغوب ہے آگے وہ گلخوار ہی کہتا ہے کہ۔

گر نداری سنگ و سنگت از گل است　　این بہ و بہ گل مرا میوہ دل است

یعنی اگر تو باٹ نہیں رکھتا اور تیرے باٹ مٹی کے ہیں تو یہ تو بہتر اور اچھا ہے کیونکہ مٹی میرے دل کی میوہ ہے۔

اندران کفہ ترازو ز اعتداد　　او بجائے سنگ آن گل را نہاد

یعنی اُس ترازو کے پلڑے میں وزن کیلئے اُس (عطار) نے بجائے باٹ کی وہ مٹی ہی رکھی۔

پس برائے کفۂ دیگر بدست　　ہم بقدر آن شکر را می شکست

یعنی پھر دوسرے پلڑے کیلئے وہ ہاتھ سے بقدر اُسکے شکر توڑ رہا تھا مطلب یہ کہ ایک پلڑے میں تو اس نے وہ باٹ رکھے اور دوسرے پلڑے کیلئے بقدر اُس باٹ کے وہ شکر توڑنے لگا تاکہ تولے۔

چون نبودش تیشۂ او دیر ماند　　مشتری را منتظر آنجا نشاند

یعنی چونکہ اُسکے پاس کوئی ہتوڑا (توڑنے کی چیز) نہ تھا تو وہ دیر تک ٹھیرا اور خریدار کو اُسجگہ منتظر بٹھا دیا۔ مطلب یہ کہ چونکہ کوئی شے شکر توڑنے کی ایسی نہ تھی جس سے جلدی سے اُسے توڑ لیتا اور ہاتھ سے توڑنے میں دیر لگی تو خریدار کو تو وہیں باہر بٹھا دیا اور خود شکر توڑنے لگا۔

رویش آنسو بود گلخور ناشگفت　　گل ازو پوشیدہ دزدیدن گرفت

یعنی اُس عطار کا منہ تو اُس طرف کو تھا اور گلخوار نالائق نے اُس سے چھپا کر مٹی کھانی شروع کردی

ترس ترسان کہ نباید ناگہان　　چشم او بر من فتد از امتحان

یعنی ڈرتے ڈرتے کہ وہ ناگاہ آنہ جاوے۔ اُسکی آنکھ امتحان سے مجھپر پڑنہ جاوے مطلب یہ کہ مٹی کھا رہا تھا اور ڈر رہا تھا کہیں دوکاندار دیکھ نہ لے کہ یہ میرا باٹ کھائے جاتا ہے۔

دید عطار آن و خود مشغول کرد   کہ فزوں تر دزد ہیں اے روئے زرد

یعنی عطار نے اسکو دیکھا اور اپنے کو مشغول کر لیا۔ کہ ہاں اے شرمندہ خوب زیادہ چرالے۔ (کیونکہ) ۔

گر بدزدی از گل من می بری   رو کہ ہم از پہلوئے خود میخوری

یعنی اگر تو چرا رہا ہے تو میری مٹی میں سے لیجا رہا ہے (مگر) تو اپنے ہی پہلو سے کھا رہا ہے

تو ہمی ترسی ز من لیک از خری   من ہمی ترسم کہ تو کمتر خوری

یعنی تو مجھسے ڈر رہا ہے لیکن گدہے پن کی وجہ سے اور میں تجھسے ڈر رہا ہوں کہ کہیں تو کم نہ کھاوے۔

گرچہ مشغولم چناں احمق نیم   کہ شکر افزوں کشی تو از پیم

یعنی میں اگرچہ مشغول ہوں لیکن ایسا احمق نہیں ہوں کہ تو مجھ سے شکر زیادہ لے لے۔

چوں بہ بینی مر شکر را ز آزمود   پس بدانی احمق و عاقل کہ بود

یعنی جب تو شکر کو جانچنے کیلئے دیکھے گا تو جانے گا کہ احمق اور عاقل کون تھا مطلب یہ کہ عطار تو شکر توڑنے میں لگا رہا اور ان گلخوار صاحب نے مٹی میں سے چرا چرا کر کھانا شروع کر دیا۔ اور ڈر رہا تھا کہ کہیں دوکاندار مجھے کھاتے ہوئے دیکھ نہ لے اور عطار نے اسکو کھاتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ تو اس نے شکر توڑنے میں اور بھی دیر لگا دی۔ تا کہ یہ اچھی طرح کھالے اسلئے کہ جسقدر یہ کھالیگا اسی قدر میری شکر کم جاویگی۔ کیونکہ باٹ کم ہو جاویگا۔ اور باٹ تو میں اور بنا لونگا۔ اور وہ دل میں کہہ رہا تھا کہ میاں تو میرا نقصان نہیں کرتا۔ کچھ اپنا ہی نقصان کر رہا ہے۔ تو مجھے اسوقت احمق سمجھ رہا ہے اور سمجھتا ہے کہ میں ہوشیار ہوں کہ اسکو خبر بھی نہوئی اور میں اسکی اتنی مٹی کھا گیا مگر یاد رکھنا کہ جسوقت گھر جا کر شکر تو لوگے اور کم ہوگی اسوقت تمکو معلوم ہو جاویگا کہ کون احمق اور عاقل تھا آگے پھر اسی مرغ و دانہ کی مثال کی طرف عود ہے فرماتے ہیں کہ

مرغ ازاں دانہ نظر خوش میکند   دانہ ہم از دور راہش میزند

یعنی جانور اس دانہ سے نظر کو خوش کرتا ہے اور دانہ بھی دور سے اسکی راہزنی کرتا ہے مطلب یہ کہ مرغ تو اس دانہ کو دیکھکر خوش ہو رہا ہے کہ میں اسکو کھا جاؤنگا اور وہ

دانہ کہہ رہا ہے کہ ای مرغ تو مجھے جسقدر دیکھتا ہے اپنا نقصان کرتا ہے اسلئے کہ جسقدر دیکھتا ہے اسی قدر تیری حرص بڑھتی ہے اور اسی قدر جلد تجھکو میں قید کرا دونگا۔ آگے مولانا ایک مضمون ارشادی فرماتے ہیں کہ۔

گر ز نائے چشم حظے میبری ٭ نے کباب از پہلوے خود میخوری

یعنی اگر تو آنکھ کی تلی سے حظ لے رہا ہے تو کیا تو اپنے پہلو سے کباب نہیں کھا رہا ہے (نے کباب استفہام انکاری ہے)

این نظر از دور چون تیر است و سم ٭ عشقت افزون می شود صبر تو کم

یعنی یہ نظر دور سے مثل تیر کے اور زہر کے ہے اور عشق تیرا بڑھتا ہے۔ اور صبر تیرا کم ہوتا ہے مطلب یہ کہ اگر تم کسی کی طرف بدنگاہی کر رہے ہو اور تمکو اس سے حظ ہو رہا ہے اور تم اس سے خوش ہو رہے ہو تو یاد رکھو کہ یہ بدنگاہی کرنا خود اپنے کباب کھانا ہے۔ اسلئے کہ ایکدن اسکا پھل برا ملیگا۔ اور یہ نگاہ ایک تیر کی طرح ہے کہ اسکا تیر لگا اچھا ہوتا ہی نہیں۔ جیسا کہ کسی کا قول ہے النظر سہم من سہام ابلیس اور کسی نے خوب کہا ہے کہ ؎

درون سینہ من زخم بے نشاں زدہ ٭ بحیرتم کہ عجب تیر بے کماں زدہ

غرضکہ نگاہ ایسی بری بلا ہے کہ اس سے بیحد خرابیاں واقع ہوتی ہیں لوگ ناجائز محبت کرتے ہیں اور یہ سوچتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہم پیٹ بھر کر دیکھ لیں تو پھر دل سے اسکا خیال جاتا رہیگا حالانکہ اس دیکھنے سے اور خیال زیادہ ہوتا ہے کم نہیں ہوتا۔ جسکا اثر بعد کو معلوم ہوتا ہے۔ پس اسکا علاج تو صرف یہ ہے کہ محبوب سے جسماً نظراً تصوراً ہر طرح علیحدگی اختیار کرے جب کہیں یہ مرض جاتا ہے۔ آگے فرماتے ہیں کہ۔

مال دنیا دام مرغان ضعیف ٭ ملک عقبیٰ دام مرغان شریف

یعنی دنیا کا مال تو مرغان ضعیف کا جال ہے اور آخرت کا ملک شریف جانوروں کا جال ہے

تا بدیں ملکے کہ او دامی است ژرف ٭ در شکار آیند مرغان شگرف

یعنی یہاں تک کہ اس ملک میں جو کہ ایک عظیم جال ہے۔ شکار میں بڑے بڑے جانور آویں مطلب یہ کہ یہ دنیا کا مال و متاع تو کمزور لوگوں کا جال ہے جسمیں یہ لوگ پھنس جاتے ہیں اور

آخرت کا جال اولیاء اللہ کیلئے ہے ۔ کہ اسمیں بڑے بڑے جانور عظیم الشان آکر پھنستے ہیں اور شکار ہوتے ہیں ۔ آگے حضرت سلیمان علیہ السلام کے مقولے طرف عود ہی فرماتے ہیں کہ

من سلیمان می نخواہم ملک تان　　بلکہ من برہانم از ہر ہلک تان

یعنی میں تو سلیمان ہوں میں تمھارا ملک نہیں چاہتا بلکہ میں ہر ہلاکت سے تمکو چھڑاتا ہوں

کاین زمان ہستید خود مملوک ملک　　مالک الملک آنکہ او بجہد ز ہلک

یعنی اسوقت تو تم ملک کے بندے ہو رہے ہو اور ملک کا مالک تو وہ ہے جو ہلاکت سے چھوٹے مطلب یہ کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ مجھے تمھارے ملک کی ضرورت نہیں ہے بلکہ میرا تو مقصود یہ ہے کہ تم ہلاکت سے بچ جاؤ ۔ اور عذاب سے چھوٹ جاؤ ۔ اور اسوقت تو تم بندۂ ملک و زر ہو رہے ہو اور اگر میرا اتباع کروگے اسوقت مالک الملک ہو گے اسلئے کہ اسوقت تو معرض ہلاکت میں ہو اور جو شخص کہ معرض ہلاکت میں ہو اسکو مالک ملک کون کہیگا ۔ وہ تو بندگان ملک سے بھی کمتر ہے ۔ آگے مولانا فرماتے ہیں کہ

باز گونہ ای اسیر این جہاں　　نام خود کردی امیر این جہاں

یعنی بالعکس اسے قیدی اس جہان کے تونے اپنا نام اس جہان کا امیر کر رکھا ہی

ای تو بندۂ این جہان محبوس جاں　　چند گوئی خویش را خواجہ جہاں

یعنی ای وہ شخص جو کہ اس جہانکا غلام اور محبوس جان ہے اپنے کو جہان کا آقا کہانتک کہیگا یعنی اسے شخص جسکی جان بند سیم و زر میں قید ہے اور وہ خود اس جہان کا قیدی ہو رہا ہے کب تک اپنے کو آقا اور خواجہ کہتا رہے گا ۔ ارے اب تو تو غلامان غلام اس جہان کا ہے جیسا کہ ظاہر ہے ۔ آگے پھر حضرت سلیمان علیہ السلام کا ان قاصدوں کو مع ہدیہ کے واپس فرما دینے کا قصہ بیان فرماتے ہیں ۔

شرح حبیبی

سلیمان علیہ السلام کا ان قاصدوں کی دلداری کرنا

اور اُن کے دل سے وحشت کو دفع کرنا اور ہدیہ قبول نہ کرنے کا عذر فرمانا

ای رسولان من فرستم تان رسول
رد من بهتر شما را از قبول

پیش بلقیس آنچه دیدید از عجب
باز گوئید از بیابان ذهب

که چهل منزل بروئے زر بدید
وز چنین هدیه خجل چون می شدید

تا بداند که بزر طامع نه ایم
ما زر از زر آفرین آورده ایم

آنکه گر خواهد همه خاک زمین
سر بسر زر گردد و دُرّ ثمین

حق برائے آن کند ای زرگزین
روز محشر این زمین را نقره گین

فارغیم از زر که ما بس پرفنیم
خاکیان را سر بسر زرین کنیم

از شما کے کدیه زر میکنیم
ما شما را کیمیاگر میکنیم

ترک آن گیرید گر ملک سباست
که بروں آب و گل بس ملکهاست

تخته بندست آنکه تختش خوانده
صدر پنداری و بر در مانده

پادشاهی نیستت بر ریش خود
پادشاهی چون کنی بر نیک و بد

بے مراد تو شود ریشت سفید
شرم دار از ریش خود اے کژ امید

مالک الملک است هر کش سر نهد
بے جهان خاک صد ملکش دهد

لیک ذوق سجده پیش خدا
خوشتر آید از دو صد دولت ترا

پس بنالی که نخواهم ملکها
ملک آن سجده مسلّم کن مرا

بادشاہان جہان از بدرگی ۔ بو نبردند از شراب بندگی

ورنہ ادہم وار سرگردان و دنگ ۔ ملک را برہم زدندے بی درنگ

لیک حق بہر ثبات این جہان ۔ مہرشان بنہاد بر چشم و دہان

تا شود شیرین بر ایشان تخت و تاج ۔ کہ ستانیم از جہانداران خراج

از خراج ار جمع آری زر چو ریگ ۔ آخر آن از تو بماند مردہ ریگ

ہمرہ جانت نگردد ملک و زر ۔ زر بدہ سرمہ ستان بہر نظر

تا بہ بینی کاین جہان چاہیست تنگ ۔ یوسفانہ آن رسن آری بچنگ

تا بگوید چون ز چاہ آئی ببام ۔ جان کہ یا بشری لنا ہذا غلام

ہست در چہ انعکاسات نظر ۔ کمترین آنکہ نماید سنگ زر

وقت بازی کودکان را ز اختلال ۔ می نماید آن خزفہا زرّ و مال

عارفانش کیمیاگر گشتہ اند ۔ تا کہ شد کانہا بر ایشان نثرند

اسکے بعد حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ اے قاصدو میں تمہیں قاصد بنا کر بھیجتا ہوں۔ اور اس ہدیہ کو واپس کرتا ہوں۔ اور یہ میرا واپس کر دینا تمہارے لئے اسکے لے لینے سے بہتر ہے کیونکہ اس ہدیہ کا مقصد یہ ہے کہ میں تم پر فوج کشی سے رک جاؤں اور تمہارے ساتھ مصالحت کر لوں پس اگر میں اسکو لیکر تمہارے ساتھ مصالحت کر لوں تو اسکا نتیجہ یہ ہوگا کہ تم گمراہ رہوگے اور اگر میں نہ لوں اور مصالحت نہ کروں تو ممکن ہے کہ تم دین حق قبول کر لو۔ اسلئے اسکی واپسی ہی بہتر ہے۔ پس تم جاؤ اور جو کچھ تم نے بیابان زر کی کیفیت عجیبہ مشاہدہ کی ہے اسکو بلقیس سے کہدینا۔ اور کہدینا کہ ہم چالیس منزل تک سونے پر چلے ہیں اور سونے کی اس کثرت کو دیکھکر ہمکو اپنے ہدیہ سے نہایت شرمندگی

ہوتی تھی۔ تاکہ اوسے معلوم ہو جاوے۔ کہ ہمکو سونیکی طمع نہیں ہے۔ کیونکہ ہمکو سونے کی پیدا
کرنے والے نے سونا دے رکھا ہے۔ اور وہ پیدا کرنے والا وہ ہے کہ اگر چاہے زمین کی تمام
مٹی سونا اور بیش بہا موتی بنجاوے۔ اب مولانا فرماتے ہیں کہ قیامت میں حق سبحانہ
اس زمین کو اسی لئے روپہلی بنائیں گے تاکہ یہ ظاہر ہو جاوے کہ انکو سونے کی ضرورت
نہیں۔ کیونکہ وہ بہت کامل القدرۃ والعلم ہیں۔ اور خاکیونکو سونا بنا دیتے ہیں پس انکو
تم سے سونا مانگنا مقصود نہیں کیونکہ وہ تو ایسے کامل القدرۃ ہیں کہ خود تمکو کیمیا گر بنا دیتے
ہیں۔ کہ تم سونا بنا سکو۔ پس جو اتنا قادر ہو وہ کسی سے سونا کیا مانگے گا۔ اس مضمون کو
ختم کر کے پھر سلیمان علیہ السلام کا سلسلہ گفتگو شروع کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ
انھوں نے کہا کہ اگر ملک سبا کا سا زرخیز ملک تمھارے قبضہ میں ہے تو بھی تم اُسے
چھوڑ دو کیونکہ عالم ناسوت سے باہر عجیب عجیب اور بہت سے ملک ہیں ان پر قبضہ کرنا
چاہئے اب مولانا مضمون ارشادی کی طرف انتقال فرماتے ہیں۔ دیکھو جسے تم تخت
کہتے ہو یہ ٹکٹکی ہے نہ کہ تخت سا اور تم اپنے کو صدر کہتے ہو حالانکہ ہنوز در پر پڑے ہوئے ہو
دولت سرا میں تمھاری رسائی ہی نہیں۔ تم غور تو کرو کہ تمکو اپنی ڈاڑھی پر تو بادشاہت
ہے ہی نہیں پھر تم اچھی بُری اشیا پر کیا حکومت کروگے۔ ڈاڑھی پر حکومت نہ ہونیکی
دلیل یہ ہے کہ بلا تمھاری خواہش کے تمھاری ڈاڑھی سفید ہو جاتی ہے۔ پس تمکو اپنی
اس ڈاڑھی سے شرمانا چاہئے کہ اس غیر محکوم ڈاڑھی پر دعویٰ سلطنت زیب نہیں دیتا۔
مالک الملک وہ ہے جو اپنا سر اطاعت جھکاوے کیونکہ ایسے شخص کو حق سبحانہ سیکڑوں
ملک یعنی اس جہان خاکی کے سوا عطا فرما دیتے ہیں لیکن خدا کے سامنے سجدہ کرنے کی لذت
ایسی عجیب و غریب ہے کہ وہ تمکو سیکڑوں دولتوں سے اچھی معلوم ہوگی۔ اور تم روؤ گے اور
کہوگے کہ ای اللہ ہمیں ملکونکی ضرورت نہیں ہمیں تو تو ملک سجدہ عطا فرماوے۔ ان دنیا کے
بادشاہوں کو انکی شرارت کی وجہ سے عالم طاعت کا احساس نہیں ہوا ورنہ ابراہیم بن
ادہم کی طرح متحیر اور سرگرداں ہو کر فوراً سلطنت کو الٹ پلٹ کر دیتے لیکن انکو جو اس کا
احساس نہیں اسکی وجہ یہ ہے کہ حق سبحانہ نے اس جہان کے قائم رکھنے کیلئے انکے منہ

اور آنکھوں پر مہر کر دی ہے۔ تاکہ بدیں خیال انکے لئے یہ تخت و تاج لذیذ ہو جاوے۔ کہ ہم بادشاہوں سے خراج لیں گے مگر انکو معلوم ہونا چاہیے کہ اگر رعیت کے برابر بھی زر خراج جمع کر لو تو بھی تم اسے بطور ترکہ کے چھوڑ جاؤ گے۔ اور اس ملک و زر کو اپنی جان کے ساتھ نہ لیجاؤ گے پس تم کو چاہیے کہ اس دولت کو دیکر اپنی چشم باطن کیلئے سرمہ خرید لو۔ تاکہ تمہیں معلوم ہو جاوے کہ یہ جہاں ایک تاریک کنواں ہے۔ اور تاکہ تم اس سے نکلنے کیلئے یوسفؑ کی طرح حبل اللہ المتین کو پکڑ لو جسکا نتیجہ یہ ہو کہ جب تم کنویں کی تہ سے اسکی من پر آ و تو تمہاری جان فرط مسرت سے یہ کہے یابشری ہذا غلام یعنی ارے بڑی خوشی کی بات ہے کہ لڑکا ملگیا۔ دیکھو اس کنویں میں عام کنوؤنکی طرح الٹا دکھائی دیتا ہے اور ادنی بات یہ ہے کہ پتھر سونا معلوم ہوتا ہے شاید یہ مضمون تمہاری سمجھ میں نہ آئے۔ اس لئے ہم تمہیں ایک نظیر مشاہد سے سمجھاتے ہیں دیکھو کھیل کے وقت لڑکونکو اپنے نقصان عقل کے سبب ٹھیکرے سونا اور مال معلوم ہوتے ہیں۔ پس یہی تمہاری حالت ہے۔ برخلاف عارفان حق کے کہ وہ کیمیاگر ہیں۔ جسکا نتیجہ یہ ہے کہ انکے نزدیک سونے کی کانیں بھی بے حقیقت ہیں اب ایک حکایت بیان کرتے ہیں جس سے عرفا کی کیمیا گری معلوم ہو۔ اور تم جانلو کہ انکو تبدیل صفات و احوال اجساد و ارواح میں مہارت تامہ حاصل ہے۔

شرح شبّیری

سلیمان علیہ السلام کا ان قاصدونکی دلداری کرنا اور انکے دل سے وحشت کو دفع کرنا اور ہدیہ قبول نہ کرنیکا عذر فرمانا

اے رسولان می فرستم تان رسول | ردمن بہتر شما را از قبول

یعنی (حضرت سلیمانؑ نے فرمایا کہ) اے قاصدو میں تمکو قاصد بنا کر بھیجتا ہوں اور

میرا رد کردینا تمہارے لئے قبول کر لینے سے بہتر ہے (اسلئے کہ اگر ہدیہ قبول کرونگا تو تم قاصدان بلقیس ہی رہوگے اور اب تم قاصدان سلیمان علیہ السلام ہوگئے ہو اور قاصدان بلقیس سے قاصدان سلیمانؑ ہونا ظاہر ہے کہ اچھا ہے غرضکہ اب تم قاصد بنکر میری جانب سے بلقیس کے پاس جاؤ)

پیش بلقیس انچہ دیدید از عجب | باز گوئید از بیابان ذہب

یعنی بلقیس کے آگے وہ عجیب چیزیں جو تمنے دیکھی ہیں بیان کرو۔ اور سونے کے جنگل (کے قصہ) کو بیان کرو۔

کہ چہل منزل بروئے زر بدید | وز چنیں ہدیہ خجل چوں می شوید

یعنی کہ چالیس منزل تک تم سونے پر چلے تھے۔ اور ایسے ہدیہ سے تم کس طرح شرمندہ ہوئے تھے۔ مطلب یہ کہ یہاں کا اسکے سامنے پورا قصہ بیان کردینا۔ تاکہ۔

تا بداند کہ بزر طامع نہ ایم | ما زر از زر آفریں آوردہ ایم

یعنی تاکہ وہ جان لے کہ ہم لالچی نہیں ہیں اور ہم سونا سونا پیدا کرنے والے کے پاس سے لائے ہیں (جسکی کہ یہ شان ہے کہ)

آنکہ گر خواہد ہمہ خاک زمین | سربسر زر گردد و دُرِّ ثمیں

یعنی وہ ذات کہ اگر چاہے تو زمین کی تمام خاک سربسر سونا ہو جاوے۔ اور قیمتی موتی ہو جاوے (تو بھلا جسکا تعلق ایسی ذات سے ہوگا اسکو سونے چاندی جواہرات کی کیا کمی ہوگی) آگے فرماتے ہیں کہ

حق برائے آں کند اے زر گزیں | روز محشر ایں زمین را نقرگیں

یعنی اے سونیکے قبول کرنے والے حق تعالیٰ اسی (بات کے ظاہر کرنے کے) لئے محشر کے روز اس زمین کو چاندی کی کردیں گے۔ (تاکہ معلوم ہوجائے کہ)۔

فارغیم از زر کہ ما بس پُرفنیم | خاکیاں را سربسر زریں کنیم

یعنی ہم سونے سے فارغ ہیں اور ہم بہت پُرفن ہیں کہ خاک والوں کو سربسر سونے کا کردیں۔ مطلب یہ کہ حق تعالیٰ اسی بات کے ظاہر کرنے کیلئے تاکہ معلوم ہوجاوے کہ

انکو اس سونے چاندی کی ضرورت نہیں ہے۔ قیامت میں زمین کو چاندی کی کر دینگے جس سے معلوم ہو جاویگا کہ اس سونے چاندی کی وہاں کچھ بھی قدر نہیں تھی۔ آگے پھر حضرت سلیمان علیہ السلام فرماتے ہیں کہ۔

از شما کے کدیۂ زر می کنیم ... ما شمارا کیمیا گر می کنیم

یعنی ہم تم سے سونے کا سوال کب کرتے ہیں ہم تو تم کو کیمیا گر بنائے دیتے ہیں مطلب یہ کہ حضرت نے فرمایا کہ یہ ظاہری سونا ہم تم سے نہیں مانگتے۔ بلکہ ہم تو تمکو ایسا بنادینگے کہ تم اصلی اور حقیقی کیمیا خود بنانے لگوگے۔ تو بھلا جو دوسرونکو کیمیا گر بنا دے۔ وہ اس ظاہری سونے کو لیکر کیا کریگا اور فرمایا کہ۔

ترک آں گیر ید گر ملک سباست ... کہ بروں آب و گل بس ملکہا ست

یعنی اسکو چھوڑدو اگرچہ وہ ملک سبا ہے کہ آب و گل سے باہر بہت سے ملک ہیں مطلب یہ کہ اس ملک ظاہر کو ترک کرو تو تمکو حقیقی ملک ملیگا۔

تختہ بند است آنکہ تختش خواندۂ ... صدر پنداری و بر در ماندۂ

یعنی جسکو تو تخت سمجھ رہا ہے (حقیقت میں) وہ تختہ بندی ہے اور تم (اپنے کو) صدر سمجھ رہے ہو (حالانکہ) دروازہ ہی پر رہ رہے ہو (تختہ بندی کہتے ہیں اس عقوبت کو کہ ہاتھ پیر ایک تختہ میں باندھکر پھر بیت لگاتے ہیں) مطلب یہ کہ جسکو تم تخت کہہ رہے ہو وہ حقیقت میں وہ عقوبت تختہ بندی ہے اسلئے کہ تم اسمیں بالکل مجبور ہو رہے ہو جسطرح وہ شخص مجبور ہوتا ہے۔

بادشاہی نیستت بر ریش خود ... بادشاہی چوں کنی بر نیک و بد

یعنی تمکو اپنی ڈاڑہی پر تو قدرت ہے ہی نہیں تو بھلا بری بھلے پر تم کیا بادشاہی کروگے۔

بے مراد تو شود ریشت سفید ... شرم دار از ریش خود ای کژ امید

یعنی بے تیرے ارادہ کے تیری ڈاڑہی سفید ہو جاتی ہے۔ تو اسے کج امید والے اپنی ڈاڑہی سے شرم کر۔ مطلب یہ کہ تم اپنے کو بہت زبردست بادشاہ اور حاکم سمجھتے ہو۔ بھلا تمکو اپنی ڈاڑہی پر تو قدرت ہے ہی نہیں کہ تم چاہتے ہو کہ سفید نہوا اور وہ سفید ہو جاتی ہے۔ تو

بھلا اپنی ڈاڑھی سے ہی شرم کر۔ کہ وہی تیرے قابو میں نہیں آتی۔ اور تو کیا کوئی تیرے زیر قدرت ہوگا۔

مالک الملک است ہرکش سر نہد ۔۔۔ بے جہاں خاک صد ملکش دہد

یعنی وہ مالک الملک ہے جو شخص کہ اسکے آگے سر رکھے بے جہاں خاکی کے اسکو سیکڑوں ملک دے۔ مطلب یہ کہ وہ تو ایسا مالک الملک ہے کہ جو اسکی اطاعت کرے وہ اس دنیا کی ملکوں کے علاوہ باطنی ملک اسکو سیکڑوں عطا فرمادے۔ یہاں یہ شبہ ہوا کہ ہم نے تو جتنے مقبولان حق دیکھے فقر و فاقہ ہی میں دیکھے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ اسکو ممالک دنیا کے علاوہ اور ملک ملیں گے یعنی یہ بھی ملیں گے تو آگے اسکا جواب دیتے ہیں کہ۔

لیک ذوق سجدۂ پیش خدا ۔۔۔ خوشتر آید از دو صد دولت ترا

یعنی لیک ایک سجدہ کا مزہ خدا کے آگے تیرے لئے دو سو ملکوں سے بہتر معلوم ہوگا۔

پس بنالی کہ نخواہم ملکہا ۔۔۔ ملک آں سجدہ مسلم کن مرا

یعنی پس تو رو دیگا کہ میں ملکوں کو نہیں چاہتا۔ مجھے اس سجدہ کا ملک سپرد فرمادیا جاوے۔ مطلب یہ کہ جو خدا کے بندے ہیں اور مقبولاں حق ہیں انکو جو طاعت حق میں لطف حاصل ہوا ہے۔ اور اسکا جو ذوق انکو نصیب ہو گیا ہے اسلئے ان ممالک دنیا کی انکو پرواہ نہیں رہی۔ اور اگر یہ ممالک انکو ملتے بھی ہیں تو وہ دعا کرتے ہیں کہ اے اللہ بس وہ ذوق طاعت عطا فرمادے اور جاہ و حشم دنیا کی ہمیں ضرورت نہیں ہے۔ اسلئے وہ فقر و فاقہ میں رہتے ہیں

پادشاہاں جہاں از بدرگی ۔۔۔ بو نہ بردند از شراب بندگی

یعنی بادشاہان دنیا بدرگی کی وجہ سے شراب بندگی کی بو نہیں لیگئے یعنی انکو اس ذوق طاعت کی ہوا بھی نہیں لگی اسلئے وہ اس جہان دنیا میں خوش ہیں۔

ورنہ ادہم وار سرگرداں و دنگ ۔۔۔ ملک را برہم زدندے بے درنگ

یعنی ورنہ (ابن) ادہم کی طرح سرگردان اور دنگ (ہوکر) ملک کو بلا توقف درہم برہم کردیتے۔

لیک حق بہر ثبات ایں جہاں ۔۔۔ مہر شاں بنہاد بر چشم و دہاں

یعنی لیکن حق تعالیٰ نے اس جہاں کے قیام کیلئے انکی آنکھ اور منہ پر مہر لگادی ہے۔

تا شود شیریں بر ایشاں تخت و تاج　　　　کہ ستانیم از جہاں داراں خراج

یعنی تاکہ اُنپر تخت و تاج شیریں ہوجاوے۔ کہ ہم بادشاہوں سے خراج لے رہے ہیں مطلب یہ کہ ان بادشاہان دنیا کو اس ذوق طاعت کی ہوا بھی نہیں لگی ورنہ اگر انکو ذوق طاعت نصیب ہوجاتا۔ تو یہ بھی حضرت ابراہیم ابن ادہم کی طرح تمام ملک و مال کو چھوڑ چھاڑ کر الگ ہوجاتے مگر حق تعالیٰ نے ان لوگونکی آنکھوں اور منہ پر مُہر لگادی ہے۔ کہ وہ ذوق طاعت اور اُسکے برکات کو نہ چکھہ سکتے ہیں اور نہ دیکھہ سکتے ہیں اور اس مہر لگادینے میں حکمت یہ تھی کہ یہ لوگ اسمیں مشغول ہوں اور خوش ہوں کہ ہم بڑے بڑے بادشاہوں سے خراج لے رہے ہیں تو ہم بہت بڑے بادشاہ ہوئے اور اسمیں خوش رہکر دنیا کے انتظامات خوب اچھی طرح انجام دیں۔ جیسا کہ کسی کا قول ہے۔ لولا الحمقاء لخربت الدنیا آگے مولانا فرماتے ہیں کہ

از خراج ار جمع آری زر چو ریگ　　　　آخر آں از تو بماند مردہ ریگ

یعنی خراج کے ذریعہ سے اگر تم نے ریت کی طرح سونا جمع کرلیا تو آخر کار وہ تجھ سے میراث رہجاویگا

ہمرہ جانت نگردد ملک و زر　　　　زر بدہ سرمہ ستاں بہر نظر

یعنی تیری جانکی ہمرہ ملک و زر نہ جاویگا تو سونا دیدے اور نظر کیلئے سرمہ لے لے۔

تا ببینی کایں جہاں چاہیست تنگ　　　　یوسفانہ آں رسن آری بچنگ

یعنی تاکہ تم دیکھہ لو کہ یہ جہاں ایک تنگ کنواں ہے اور یوسف علیہ السلام کی طرح اس رسی کو تم چنگل میں لاؤ۔ مطلب یہ کہ اگر تم نے لوگوں سے روپیہ لیلے کر جمع کر بھی لیا۔ تو انجام کار یہ ہوتا ہے کہ تم مرجاؤگے اور وہ مال میراث کے طور پر چھوڑ جاؤگے۔ لہذا تمہیں چاہئے کہ اس زر دنیا کو چھوڑ کر وہ بات حاصل کرو کہ جس سے حقیقت منکشف ہوجاوے اور تم اس دنیا کی حقیقت کو دیکھہ لو کہ یہ ایک کنویں کی طرح تنگ و تاریک جگہ ہے۔ اور پھر اس کو اس جگہ دیکھہ کر یوسف علیہ السلام کی طرح اس سے پریشان ہو کر طاعت حق کی رسی پکڑ کر اس سے باہر نکل جاؤ اور تم کو بصیرت حاصل ہوجاوے۔

تا بگوید چوں ز چاہ آئی ببام　　　　جاں کہ یا بشریٰ لنا ہذا غلام

یعنی تاکہ جب تم کنویں سے باہر نکلو تو جان کہے کہ یا بشری ہذا غلام مطلب یہ کہ تم

بصیرت حاصل ہوگی اور تم اس دنیا کے علائق سے چھوٹ جاؤ گے تو تمھاری روح خوش ہوگی۔ اور اُسکو اس دنیا سے چھٹکارا ملکر بیحد فرحت ہوگی آگے فرماتے ہیں کہ۔

ہست در چہ انعکاسات نظر کمترین آنکہ نماید سنگ زر

یعنی کنویں میں نظر کے انعکاسات ہیں اور سب سے کم یہ ہے کہ پتھر سونا معلوم ہوتے ہیں مطلب یہ ہے کہ جسطرح کہ کنویں میں جس شے کو دیکھو الٹی ہی نظر آتی ہے۔ مثلاً اسمیں کوئی جھانکے تو اُسکا منہ نیچے ہے اور سر اوپر مگر کنویں میں الٹا نظر آتا ہے۔ علیٰ ہذا آسمان اوپر ہے اور اسمیں نیچے نظر آتا ہے تو اسی طرح اس دنیا میں بھی حقائق پوشیدہ ہیں اور تمام اشیا اُلٹی نظر آتی ہیں کہ جو غیر مقصود ہے وہ مقصود نظر آتا ہے اور جو مقصود ہے وہ غیر مقصود معلوم ہوتا ہے آگے اسکے ایک مثال دیتے ہیں کہ۔

وقت بازی کودکا نراز اختلال می نماید آں خزفہا زر و مال

یعنی کھیل کے وقت بچونکو بوجہ خلل کے وہ ٹھیکرے سونا اور مال معلوم ہوتا ہے مطلب یہ کہ بچے جب کھیلتے ہیں تو ٹھیکروں کے روپے پیسے بنالیتے ہیں اور پھر اُنپر لڑتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ ہمارا روپیہ ہے یہ ہمارے پیسے ہیں تو اسی طرح دنیا کے مال و زر کے واسطے لوگ اپنی جانیں برباد کرتے ہیں۔ حالانکہ حقیقت میں وہ اُن ٹھیکرونکی برابر بھی قدر نہیں رکھتے جیسا کہ اس دنیا کے عقلا بھی ان بچونکو بیوقوف سمجھتے ہیں اسلئے کہ یہ ان ٹھیکرونکو زر و پیسہ سمجھے ہوئے ہیں اسی طرح حضرات اہل اللہ تمھارے اس ظاہری سونے چاندی کو فضول اور تمھارے اسمیں انہماک کو بیوقوفی خیال کرتے ہیں۔ آگے اسی کو فرماتے ہیں کہ۔

عارفانش کیمیا گر گشتہ اند تا کہ شد کانہا بر ایشان ننگ و ند

یعنی عارفان حق کیمیا گر ہوئے ہیں یہانتک کہ معادن اُن کے نزدیک حقیر و ذلیل ہوگئے ہیں۔ مطلب یہ کہ حضرات اہل اللہ کیمیا گر ہیں کہ تبدیل ماہیت کرتے ہیں اور حقیقی دولت سے مالامال کردیتے ہیں تو اُن کے نزدیک یہ معادن دنیا بالکل ہیچ اور فضول معلوم ہوتے ہیں اور وہ حضرات ان چیزوں کو بالکل ہی بیکار خیال کرتے ہیں چونکہ بیان کیا ہے کہ حضرات اہل اللہ کیمیا گر ہیں کہ تبدیل ماہیت کردیتے ہیں آگے

اسی کے مناسب ایک حکایت لاتے ہیں جسکا خلاصہ یہ ہے کہ ایک شخص نے خواب میں اولیاء اللہ کو دیکھا تو عرض کیا کہ کوئی تدبیر ایسی بتایئے کہ بے کسب کے روزی ملجایا کرے چونکہ کسب کرنے سے عبادت میں خلل واقع ہوتا ہے تو انھوں نے فرمایا کہ یہ پہاڑی پھل کھالیا کرو۔ اور وہ پھل سب کڑوے ہوتے تھے لیکن اُن کے فرمانے کے بعد سے سارے پھل شیریں اور خوشگوار ہوگئے تو دیکھو اُن حضرات کی توجہ سے اُنکی تلخی مبدل بہ شیرینی ہوگئی اب حکایت سنو۔

شرح حبیبی

ایک شخص کا مشایخ کی جماعت کو خواب میں دیکھنا اور اُن سے روزی حلال کی بے کسب کے درخواست کرنا کیونکہ کسب کی وجہ سے عبادت میں کمی آتی تھی اور اُن حضرات کا ارشاد فرمانا کہ پہاڑی میوے جو تلخ و ترش تھے کھایا کرو اور اُس شخص پر اُن حضرات کے ارشاد فرمادینے کی وجہ سے سب میووں کا شیریں ہوجانا،

آں یکے درویش گفت اندر سمر	خضریانرا من بدیدم خواب در
گفتم ایشانرا کہ روزئے حلال	از کجا نوشم کہ نبود آں وبال
مرمرا سوئے کہستان راندند	میوہ ہازاں بیشہ می افشاندند

که خدا شیریں بکرد آں میوہ را / در دہاں تو بہمتہائے ما

ہیں بخور پاک و حلال و بے حسیب / بے صداع و نقل بالا و نشیب

پس مرا زاں رزق نطقے رو نمود / ذوق گفت من خردہا می ربود

گفتم ایں فتنہ است اے رب جہاں / بخششے دہ از ہمہ خلقاں نہاں

شد سخن از من دل خوش یافتم / چوں انار از ذوق می بشگافتم

گفتم از چیزے نباشد در بہشت / غیر ایں شادی کہ دارم در سرشت

ہیچ نعمت آرزو ناید دگر / زیں نپردازم بجز زو نیشکر

ماندہ بود از کسب یک دو حبہ ام / دوختہ در آستین جبہ ام

درویش (مذکور) کا یہ نیت کرنا کہ کچھ پیسے اس لکڑہارے کو دیدوں جبکہ مجھے روزی حلال میسر ہوگئی ہے اور اس لکڑہارے کا اس بات سے رنجیدہ ہونا،

آں یکے درویش ہیزم میکشید / خستہ و ماندہ ز بیشہ در رسید

پس بگفتم من ز روزی فارغم / زیں سپس از بہر رزقم نیست غم

میوۂ مکروہ بر من خوش شدہ است / رزق خاصے جسم را آمد بدست

چونکہ من فارغ شدستم از گلو / حبۂ چند است ایں بدہم بدو

بدہم ایں زر را بدیں تکلیف کش / تا دو سہ روزک شود از قوت خوش

خود ضمیرم را ہمی دانست او / زانکہ شمعش داشت نور از شمع ہو

بود پیشش سر ہر اندیشۂ / چوں چراغے در درون شیشۂ

هیچ پنہاں می نشد از وے ضمیر | بود بر مضمون دلہا او خبیر

پس ہمی ہنکید با خود زیر لب | در جواب فکرتم آں بوالعجب

که چنیں اندیشئے از بہر ملوک | کیف تلقی الرزق ان لم یرزقوک

من نمی کردم سخن را فہم لیک | بر دلم می زد عتابش نیک نیک

سوئے من آمد بہیبت ہمچو شیر | تنگ ہیزم را نہاد از پشت زیر

پر تو حالے که او ہیزم نہاد | لرزه بر ہفت عضو من فتاد

گفت یارب گر ترا خاصان حق اند | که مبارک دعوت و فرخ پے اند

لطف تو خواہم که میناگر شود | ایں زماں ایں تنگ ہیزم زر شود

در زماں دیدم که زر شد ہیزمش | ہمچو آتش بر زمیں می تافت خوش

من دراں بیخود شدم تا دیر گه | چونکه با خویش آمدم من از وله

بعد ازاں گفت ای خدا گر آں کبار | بس غیور اند و گریزاں ز اشتہار

باز ایں را بند ہیزم ساز زود | بے توقف ہم براں حالے که بود

در زماں ہیزم شد آں اغصان زر | مست شد در کار او عقل و نظر

بعد ازاں برداشت ہیزم را و رفت | سوئے شہر از پیش من او تیز و تفت

خواستم تا در پے آں شہ روم | پرسم از وے مشکلات و بشنوم

بستہ کرد آں ہیبت او مر مرا | پیش خاصاں ره نباشد عامه را

ور کسے را ره شود گو سر فشاں | کاں بود از رحمت و از جذب شاں

پس غنیمت دار آں توفیق را | چوں بیابے صحبت صدیق را

نے چو آں ابلہ کہ یابد قرب شاہ ۔ سہل و آساں در فتد آں دم ز راہ

چوں ز قربانی دہندش بیشتر ۔ پس بگوید راں گاؤ ست ایں مگر

نیست ایں از راں گاؤ ای مفتری ۔ راں گاؤ ت مے نماید از خری

بذل شاہان است ایں بے رشوتے ۔ بخشش محض است ایں از رحمتے

سلیمان علیہ السلام کا قاصدوں کو واپس جانے اور بلقیس کی ہجرت کی حرص دلانا

ہمچنانکہ شہ سلیماں در نبرد ۔ جذب فیل و لشکر بلقیس کرد

کہ بیائید اے عزیزان زود زود ۔ کہ بر آمد موجہا از بحر جود

سوئے ساحل می فشاند بے خطر ۔ جوش موجش ہر زمانے صد گہر

الصلا گفتیم اے اہل رشاد ۔ کایں زماں رضواں در جنت کشاد

پس سلیمانؑ گفت اے پیکان روید ۔ سوئے بلقیس و بدیں دیں بگروید

پس بگوئیدش بیا اینجا تمام ۔ زود کان اللہ یدعوا الی السلام

ہیں بیا اے طالب دولت شتاب ۔ کہ فتوح ست ایں زمان و فتح باب

اے کہ تو طالب نۂ تو ہم بیا ۔ تا طلب یابے ازاں یار وفا

ملک برہم زن تو ادہم وار زود ۔ تا بیابے ہمچو او ملک خلود

ایک فقیر نے اثنائے گفتگو میں بیان کیا کہ میں نے خضر علیہ السلام کی طرح کچھ اصحاب خدمت اہل اللہ کو خواب میں دیکھا اور میں نے ان سے سوال کیا کہ روزی حلال جو کہ وبال جان نہو میں کہاں سے کھاؤں اسپر وہ مجھے پہاڑوں میں لیگئے اور ایک بن میں سے کچھ میوے گرائے۔ اور کہا کہ خدائے تعالیٰ نے ہماری دعاؤں کی برکت سے تمہاری

منہ میں ان میوونکو شیریں کردیا۔ (ایک کیمیاگری تو یہ ہوئی) تم انہیں کھاؤ کہ یہ حلال اور بیحساب ہیں۔ نہ انکی تحصیل میں کوئی درد سر اور نہ انتقال مکانی کہ اوپر جاؤ اور نیچے آؤ۔ (مراد نفی مشقت کسب ہے) یہ خواب دیکھکر میں نے وہ میوے کھانے شروع کئے اور اس رزق حلال کے کھانے سے مجھ میں وہ قوت گویائی پیدا ہوگئی کہ میری گفتگو کی لذت عقلونکو کھوئے دیتی تھی (دوسری کیمیاگری یہ ہوئی) یہ دیکھکر میں نے حق سبحانہ سے دعا کی کہ اے اللہ یہ تو میرے لئے فتنہ کا سبب ہے۔ آپ مجھے ایسا عطیہ فرمائیں۔ جس کی کسی کو خبر نہو۔ سو میری یہ دعا مقبول ہوئی اور وہ گویائی مجھسے جاتی رہی (تیسری کیمیاگری یہ ہوئی) مگر اسکے عوض قلب پاکیزہ مجھے عطا ہوا۔ (چوتھی کیمیاگری یہ ہوئی) جسکی لذت سے میں انار کی طرح کھلتا تھا اور کہتا تھا کہ بہشت میں سوائے اس خوشی کے جو کہ میری طبیعت میں ہے اگر اور کوئی چیز نہو تو مجھے اور کسی نعمت کی آرزو نہو اور اگر لذائذ جسمانیہ بھی وہاں ہوں تو میں اسے چھوڑکر ان میں کبھی مشغول نہوں۔ یہ قصہ تو ہوچکا اب تو کہ میرے پاس میری کمائی کے کچھ دام باقی تھے۔ جو میرے جبہ کی آستین میں سلے ہوئے تھے۔ اتفاقاً ایک فقیر لکڑیاں لئے ہوئے بن سے تھکا ماندہ آرہا تھا اسکی حالت دیکھکر میں نے اپنے جی میں کہا کہ میں تو رزق کیطرف سے بیفکر ہوں یہ کچھ دام ہیں میں اسے دیدوں اور اس بیچارے تکلیف برداشت کرنے والے فقیر کے حوالہ کردوں تاکہ دو تین روز کیلئے یہ غذا سے خوش ہوجاوے وہ میرے خیال کو جانتا تھا کیونکہ اسکی شمع میں شمع الٰہی کا نور تھا۔ جیسا حدیث شریف میں آیا ہے اتقوا فراسۃ المؤمنین فانہ ینظر بنور اللّٰہ اور اسلئے خیال باطنی اسکے لئے ایسا تھا جیسا فانوس کے اندر چراغ کہ جسطرح فانوس مانع رویت چراغ نہیں ہوتا۔ یوں ہی قلب بھی مانع ادراک خیال نہ تھا اور کوئی خیال اس سے پوشیدہ نہ رہتا تھا۔ کیونکہ وہ تمام دلونکے خیالات پر مطلع تھا۔ (مقصود صرف اظہار کثرت کشف ہی اور استغراق عرفی ہے نہ کہ حقیقی فتنبہ لہ) پس میرے اس خیال کو معلوم کرکے وہ حیرت انگیز فقیر میرے خیال کے جواب میں منہ ہی منہ میں کچھ کہتا

تھا میں سمجھتا ہوں کہ وہ یہ کہتا تھا کہ ہیں بادشاہوں کی نسبت تیرا یہ خیال ہے۔ بتا تو سہی اگر یہ لوگ تجھے رزق نہ دیں تو تو کہاں سے رزق پائے۔ (مقصود یہ ہے کہ تجھے جو رزق حلال ملا ہے جسکے بھروسے پر تو یہ سخاوت کرنا چاہتا ہے وہ تو ہماری ہی برکت سے ملا ہے پھر تو ہم کو بھوکا سمجھتا ہے۔ اور یہ معنی نہیں ہیں کہ دنیا بھر کو رزق یہ ہی لوگ دیتے ہیں) میں اسکی بات کو سمجھتا نہ تھا مگر انکا عتاب میرے دل پر نہایت گہرا اثر کرتا تھا الغرض وہ شیر کی طرح میری طرف آیا اور لکڑیوں کے گٹھے کو کمر سے نیچے رکھدیا اُس نے جو ایک خاص کیفیت سے اس گٹھے کو رکھا۔ اسکے پرتو سے میرے تمام جسم میں لرزہ پیدا ہو گیا اس نے لکڑیاں رکھکر دعا کی اور کہا کہ اے اللہ اگر تیرے خاص بندے زندہ ہیں جو کہ مبارک دعا اور فرخ قدم ہیں تو میں چاہتا ہوں کہ آپکی عنایت کاریگری کرے۔ اور اسی وقت یہ لکڑیاں سونا ہو جائیں میں نے دیکھا کہ فوراً وہ لکڑیاں سونا ہو گئیں (یہ پانچویں کیمیاگری ہے) اور آگ کی طرح زمین پر پڑی دہک رہی تھیں اس واقعہ سے کچھ دیر تو میں بیخود رہا۔ اسکے بعد مجھے ہوش آیا۔ پس جبکہ مجھے ہوش آیا تو اس نے کہا کہ اے اللہ اگر وہ تیرے بزرگ بندے بیحد غیرت مند اور شہرت سے بھاگنے والے ہیں تو پھر تو انکو فوراً ویسی ہی لکڑیاں کردے جیسی تھیں۔ اس دعا کے بعد وہ سونے کی سریاں فوراً لکڑیاں ہو گئیں (یہ چھٹی کیمیاگری ہوئی) اُن کے اس کام سے عقل و فکر بیخود تھے۔ کہ اے اللہ یہ معمولی شخص اور اسکے اندر یہ جوہر بھرا ہوا ہے اسکے بعد اُس نے لکڑیاں اٹھائیں اور میرے آگے آگے شہر کی جانب تیز چال سے چلدیا میں نے بہت چاہا کہ اسکے پیچھے جاؤں اور اپنی مشکلات کو اسکے سامنے پیش کروں اور جواب سنوں۔ لیکن اسکی ہیبت نے مجھے باندھ دیا۔ کہیں قدم ہی نہ اٹھا سکا اور چلتا کیونکر عوام تو خواص تک پہونچ ہی نہیں سکتے۔ اور اگر کوئی پہونچ جاوے تو اس سے کہو کہ ارے خوشی سے جھوم کہ یہ انکی رحمت اور انکا جذب ہے۔ اور جبکہ کسی صدیق کی صحبت نصیب ہو جاوے تو اس توفیق کو غنیمت سمجھ۔ اور اس احمق کی طرح نہ ہو جسکو آسانی سے قرب شاہ میسر ہو جاوے۔ اور وہ اسکی قدر نہ کرے۔ اور راہ راست سے

ہٹ جاوی۔ اور حیلہ اسکو قربانی میں سے زیادہ حصہ دیں تو وہ اسکی قدر نکرے اور کہے کہ یہ ہے ہی کیا یہ تو گائے کی ران ہے۔ ارے مفتری یہ گاے کی ران نہیں ہے بلکہ تجھے تیری حماقت کے سبب گائے کی ران معلوم ہوتی ہے۔ یہ عطیہ شاہی ہے جو کہ بے رشوت تجھے ملا ہے اور فرط کرم سے عطائے خالص ہے۔ تو صورت کو دیکھتا ہے حقیقت کو نہیں دیکھتا۔ اور یہ ایسی ہی بخشش ہے جیسے سلیمان علیہ السّلام نے محض براہ کرم بلقیس اور اسکے لشکر پر کی تھی۔ کہ انہیں کھینچ لیا تھا۔ اور کہا تھا کہ جلدی آؤ کہ بحر سخاوت میں موجیں اٹھ رہی ہیں اور ہر موج ساحل پر بے کھٹکے سیکڑوں موتی پھینک رہی ہے اب مولانا جوش میں آکر بنا بر استحضار واقعہ فرماتے ہیں کہ طالبیں ہدایت کو اعلان عام ہے کہ وہ آئیں اور جنت میں داخل ہوں۔ کیونکہ اسوقت رضوان نے دروازہ بہشت کھول رکھا ہے۔ اور ہر شخص کو اندر جانیکی عام اجازت ہے۔ اور یہ ممکن ہے کہ حضرت سلیمان ہی کا مقولہ ہو مگر خلاف ذوق ہے۔ خیر تو سلیمان علیہ السّلام نے فرمایا کہ ای قاصدو بلقیس کے پاس جاؤ اور اس دین حق کو قبول کر لو۔ اور اس سے کہدو کہ بہت جلد ہمارے پاس آجاؤ کہ اللہ جل جلالہ سلامتی کیساتھ بلا رہے ہیں۔ اب مولانا پھر جوش میں آتے ہیں اور بنا برعلی التحضار الواقعہ فرماتے ہیں۔ اے طالب دولت دیکھ جلد آکہ اسوقت دولت مفت مل رہی ہے۔ اور خزانہ کا دروازہ کھلا ہوا ہے۔ اور کچھ طالبوں ہی کی تخصیص نہیں بلکہ غیر طالبونکو بھی بلایا جاتا ہے۔ تاکہ اس یار وفادار (حق سبحانہ) کی طرف سے تمہیں طلب نصیب ہو اور ملک و سلطنت کو ابراھیم بن ادہم کی طرح فوراً درہم برہم کر دے۔ تاکہ تم کو انکی طرح ملک باقی الی الابد نصیب ہو۔ اب سلطان ابراھیم بن ادہم کے ترک سلطنت کا واقعہ بیان فرماتے ہیں

شرح شبیری

ایک شخص کا مشائخ کی جماعت کو خواب میں دیکھنا اور ان سے روزی حلال بے کسب کے درخواست کرنا کیونکہ کسب کیوجہ سے

عبادت میں کمی آتی تھی اور اُن حضرات کا ارشاد فرمانا کہ پہاڑی میوے جو تلخ و ترش تھے کھایا کرو اور اس شخص پر اُن حضرت کے ارشاد فرمادینے کی وجہ سے سب میووں کا شیریں ہو جانا،

آں یکے درویش گفت اندر سمر خضریانرا من بدیدم خواب در

یعنی ایک درویش نے باتوں میں یہ بیان کیا کہ میں نے اولیاء اللہ کو خواب میں دیکھا ہے (اولیاء اللہ کو بوجہ اُن کے رہبر اور رہنما ہونیکے خضریاں کہدیا ہے)

گفتم ایشانرا کہ روزی حلال از کجا نوشم کہ نبود آں وبال

یعنی میں نے اُن سے عرض کیا حلال روزی میں کہاں سے کھاؤں جو وبال (جان) نہو۔

مرمرا سوئے کہستاں راندند میوہا زاں بیشہ می افشاندند

یعنی مجھے کوہستان کی طرف لے چلے اور میوے اُس جنگل کے جھاڑنے لگے (اور یہ دعا فرمائی کہ)

کہ خدا شیریں بگرداں میوہ را در دہاں تو بہمتہائے ما

یعنی کہ حق تعالیٰ میووںکو تیرے منہ میں شیریں کردے ہماری دعاؤں سے مطلب یہ کہ خواب میں پہاڑی میوے اونھوں نے جھاڑے اور یہ دعا کی کہ خداوند کریم ان میووںکو تیرے منہ میں شیریں بناوے کیونکہ وہ سب میوے تلخ تھے۔ اور اس دعا کی بعد یہ فرمایا کہ

ہیں بخور پاک و حلال و بے حسیب بے صداع نقل و بالا و نشیب

یعنی ہاں پاک اور حلال اور بے حساب کھا۔ بلا دردسری اور اوپر نیچے چڑھنے اوترنے کے مطلب یہ کہ چونکہ اس شخص نے دعا کی تھی کہ ایسی حلال روزی ملے کہ کچھ کرنا نہ پڑے تو اُن بزرگوں نے ارشاد فرمایا کہ بس یہ میوے جو حلال و پاک ہیں کھالیا کرو اور

یہیں پہاڑ ہی میں عبادت کیا کرو تو تم کو نہ کہیں جانا پڑے نہ آنا پڑے۔ آرام سے کھایا کرو۔ یہانتک تو جواب تھا آگے فرماتے ہیں کہ۔

پس مرا زاں رزق نطقے رونمود ذوق نطق من خردہا در ربود

یعنی پس مجھے اوس رزق سے ایک ایسی گویائی نے منہ دکھلایا کہ میرے نطق کا ذوق عقلوں کو ربودہ کرتا تھا۔ مطلب یہ کہ اُن میووں کے کھانے سے انکی گفتگو میں ایسی دلربائی پیدا ہو گئی کہ جو سنتا بس فریفتہ ہو جاتا۔ اور ظاہر ہے کہ اسمیں بیحد شہرت ہوتی ہے۔ تو اسپر انھوں نے دعا کی کہ

گفتم ایں فتنہ است اے رب جہاں بخششے دہ از ہمہ خلقاں نہاں

یعنی میں نے دعا کی کہ اے پروردگا عالم یہ تو فتنہ ہے کوئی بخشش تمام مخلوق سے پوشیدہ عطا فرمایئے۔ مطلب یہ کہ انھوں نے عرض کیا کہ اے اللہ یہ تو فتنہ ہو گیا کہ لوگ بڑا ماننے لگے ہیں آپ اس سے بچا کر کوئی کمال ایسا عطا فرمایئے کہ جسمیں کسیکو خبر ہو اور نہ شہرت ہو بس اس دعا کے بعد یہ ہوا کہ۔

شد سخن از من دل خوش یافتم چوں انار از ذوق می بشگافتم

یعنی کلام تو مجھسے جاتا رہا اور ایک خوش دل میں نے پالیا۔ کہ انار کی طرح لذت سے میں پھٹا پڑتا تھا۔

گفتم از چیزے نباشد در بہشت غیر ایں شادی کہ دارم در سرشت

یعنی میں کہا کرتا تھا کہ اگر کوئی چیز بہشت میں سوائے اس خوشی کے جسکو میں خمیر میں رکھتا ہوں نہو

ہیچ نعمت آرزو ناید دگر زیں نپردازم بجوز و نیشکر

یعنی کسی دوسری نعمت کی آرزو نہ آویگی اور اسکو چھوڑ کر جوز و نیشکر میں مشغول نہوں مطلب یہ کہ اُس فرحت کی جو مجھے اُس نطق کے ازالہ کے بعد حاصل ہوئی تھی یہ کیفیت تھی کہ میں پھٹا پڑتا تھا اور کہا کرتا تھا کہ میاں جنت میں اگر کوئی نعمت بھی سوائے اسکے نہو بس فرحت اور سرور ملجاوے تو بھائی ہم تو اور کسی نعمت کی بھی آرزو نہ کریں بس اسی میں مگن اور خوش رہیں۔ تو دیکھئے ان بزرگوں کی برکت سے جنکو انھوں نے خواب میں دیکھا کیسی تبدیل ہوئی

ماہیت ہو گئی کہ تلخ شے شیریں ہو گئی۔ اور یہاں چونکہ اس امر کو بیان کیا ہے کہ یہ شہرت سے بچے اور انھوں نے دعا کی کہ اے اللہ مجھے اس شہرت سے نجات دے۔ جو انکو اس وعظ وغیرہ کی سبب سے ہو گئی تھی تو آگے ایک اور قصہ ان ہی بزرگ کا ایک اور بزرگ کیساتھ بیان فرماتے ہیں جس سے اس تبدیل ماہیت کی بھی تائید ہوتی ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھی شہرت سے بچتے تھے۔ اور گھبراتے تھے۔ آگے قصہ بیان فرماتے ہیں کہ۔

درویش (مذکور) کا یہ نیت کرنا کہ کچھ پیسے اس لکڑہاری کو دیدوں جبکہ مجھی روزی حلال میسّر ہو گئی ہی اور اُس لکڑہاری کا اسبات سے رنجیدہ ہونا،

ماندہ بود از کسب یکدو حبہ ام   دوختہ در آستین جبہ ام

یعنی کسب میں سے میرے پاس دو ایک حبہ میرے جبہ کی آستین میں سلے ہوئے رہ گئے تھے مطلب یہ کہ وہی مذکور شخص جنکے لئے پہاڑی میوی شیریں ہو گئے تھے فرماتے ہیں کہ میرے جبہ کی آستین میں پہلے جو میں کسب کیا کرتا تھا اُمیں سے دو چار پیسے سلے ہوئے رہ گئے تھے اور میں نے یہ دیکھا کہ۔

آں یکے درویش ہیزم می کشید   خستہ و ماندہ ز بیشہ در رسید

یعنی ایک غریب آدمی جو لکڑیاں ڈھویا کرتا تھا کاماندہ جنگل سے پہونچا۔

پس بگفتم من ز روزی فارغم   زیں سپس از بہر رزقم نیست غم

یعنی پس میں نے (دل میں) کہا کہ میں تو روزی سے فارغ ہوں اور اس (قصہ) کے بعد مجھے رزق کا کوئی غم نہیں۔ (کیونکہ)

میوۂ مکروہ بر من خوش شدہ است   رزق خاصے جسم را آمد بدست

یعنی ناگوار میوی میرے لئے خوشگوار ہو گئے ہیں اور جسم کیلئے ایک خاص رزق ہاتھ میں آگیا ہے۔

چونکہ من فارغ شدستم از گلو   حبۂ چند است من بدہم بدو

یعنی جب میں گلے سے فارغ ہو گیا ہوں تو یہ چند پیسے ہیں اسی کو دیدوں۔

بدہم ایں زر را بدیں تکلیف کش — تا دو سہ روزک بود از قوت خوش

یعنی اس زر کو اس تکلیف کھینچنے والے کو دیدوں تاکہ دو تین روز کیلئے وہ روزی سے خوش ہوجاوے۔ مطلب یہ کہ یہ جارہے تھے تو ایک لکڑہارے کو دیکھا کہ بیچارہ جنگل سے آیا ہے لکڑیاں سر پر ہیں اور بہت ہی تھکا ماندہ ہے انھوں نے سوچا کہ اب مجھے تو روزی کی فکر ہے ہی نہیں مجھے تو بیفکری سے روزی ملجاتی ہے۔ اس غریب پر سخت مصیبت سے گذرتی ہے لاؤ وہ پیسے اسکو ہی دیدیں انھوں نے دل میں یہ سوچا اور وہ صاحب کشف تھے اُنکو انکا یہ خیال معلوم ہوگیا اسی کو آگے فرماتے ہیں کہ۔

خود ضمیرم را ہمی دانست او — زانکہ شمعش داشت نور از شمع ہو

یعنی خود وہ میرے دل کی بات کو جانتے تھے اسلئے کہ انکی شمع شمع ہو سے نور رکھتی تھی یعنی چونکہ اُنکو نور باطن نصیب تھا اسلئے انھوں نے میرے ما فی الضمیر کو معلوم کرلیا۔ اور انکی ایسی حالت تھی کہ۔

بود پیشش سر ہر اندیشۂ — چوں چراغے در درون شیشۂ

یعنی اُنکے آگے ہر خیال کا بھید مثل چراغ کے تھا جو کہ شیشہ میں ہو۔ مطلب یہ کہ جسطرح کہ چراغ لال ٹین میں رکھا ہوا باوجود اندر ہونیکے باہر سے نظر آتا ہے اسیطرح اُنکو دلکی باتیں باوجود اُنکے اندر ہونیکے معلوم ہوجایا کرتی تھیں۔

ہیچ پنہاں می نشد از وے ضمیر — بود بر مضمون دلہا او خبیر

یعنی اُسپر کوئی پوشیدہ بات چھپی نہیں تھی۔ اور وہ قلوب کے مضمون پر واقف تھے مطلب یہ کہ اُنکا کشف بہت ہی بڑھا ہوا تھا لہذا انھوں نے انکے اس خیال کو بھی معلوم کرلیا۔ اور پھر یہ ہوا کہ

پس ہمی سنکید با خود زیر لب — در جواب فکرتم آں بو العجب

یعنی پس وہ بوالعجب آپ ہی آپ زیر لب چپکے چپکے میرے خیال کے جواب میں کچھ کہنے لگے (سنکیدن زیر لب آہستہ سخن گفتن بوجہیکہ دیگر نشنود) اور وہ یہ فرمارہے تھے کہ۔

کہ چنیں اندیشی از بہر ملوک — کیف تلقی الرزق ان لم یرزقوک

یعنی کہ بادشاہوں کے لئے ایسی بات سوچتا ہے اگر وہ تجھے رزق نہ دیں تو تجھے رزق کسطرح ملے

مطلب یہ کہ انھوں نے فرمایا کہ ایسی باتیں ایسے لوگوں کیلئے (یعنی ہمارے لئے) سوچتے ہو جو کہ بادشاہ (باطن) ہیں بلکہ یہاں تک ہے کہ تم کو بھی رزق ان ہی کی برکت سے ملتا ہے اور تمکو رزق ملنے کے بھی وہی سبب ہیں۔ تو بھلا جب تم کو بھی اُن ہی کی بدولت رزق ملتا ہے تو تم کس منہ سے کہتے ہو کہ ہم انکو دیدیں اور ان لم یرزقوک میں اضافت سبب کیطرف ہے کیونکہ دنیا میں جو نعمتیں ہوتی ہیں یہ بزرگوں کی اور اولیاء اللہ کی بدولت ہی تو ہوتی ہیں اگرچہ انکو خبر بھی نہو کہ ہم سے فلاں فیض تمکو پہنچ رہا ہے۔ جیساکہ سورج کو خبر بھی نہیں ہوتی کہ میرا نور کس کس جگہ پڑ رہا ہے لیکن نور ہے کہ سب کو منور کر رہا ہے۔ اسی طرح حضرات اولیاء اللہ کو اگرچہ بعض اوقات خبر بھی نہیں ہوتی۔ کہ ہم سے یہ فیض ہوا ہے۔ لیکن بہت سے فیوض اُن ہی کی برکت سے پہنچتے ہیں تو یہ مثلاً اسلئے سبب رزق ہیں کہ انکی وجہ سے رزق دیا جا رہا ہے لیکن خود رزاق نہیں ہیں اسی لئے کہا گیا کہ اضافت سبب کی طرف ہے۔ خوب سمجھ لو آگے فرماتے ہیں کہ۔

من نمی کردم سخن را فہم لیک　　　بر دلم میزد عتابش نیک نیک

یعنی میں بات کو سمجھتا نہ تھا لیکن میرے دل پر انکا عتاب خوب خوب اثر کر رہا تھا۔

سوے من آمد بہیبت ہمچو شیر　　　تنگ ہیزم را نہاد از پشت زیر

یعنی میری طرف ہیبت کیساتھ شیر کی طرح آئے اور لکڑیوں کے گٹھے کو کمر سے نیچے رکھدیا۔ مطلب یہ کہ اول تو کچھ منہ ہی منہ میں کہتے رہے اور اسکے بعد گٹھا سر پر سے نیچے رکھکر انکی طرف آئے تو اب یہ کہتے ہیں کہ۔

پرتو حالے کہ او ہیزم نہاد　　　لرزہ بر ہفت عضو من فتاد

یعنی اُس حالت کے اثر سے جس سے کہ اونھوں نے لکڑیاں رکھی تھیں میرے ساتوں اعضاء میں لرزہ پڑ گیا۔ مطلب یہ کہ انھوں نے جو لکڑیاں جوش میں سر سے اتاریں تو اسوقت ان پر جو حالت تھی اُسکے اثر سے میں کانپ اٹھا۔ اسکے بعد انھوں نے یہ دعا کی کہ۔

گفت یارب گر ترا خاصان ہی اند　　　کہ مبارک دعوت و فرخ پے اند

یعنی اُن لکڑہاری صاحب نے دعا کی کہ اے اللہ اگر آپکے خاص لوگ (اولیاء) زندہ ہیں

جوکہ مبارک دعا اور مبارک قدم ہیں۔

لطف تو خواہم کہ مینا گر شود — این زمان این تنگ ہیزم زر شود

یعنی میں چاہتا ہوں کہ آپکا لطف کیمیا گر ہو اور یہ لکڑیوں کا گٹھا سونا ہو جاوے۔ مطلب یہ کہ انھوں نے دعا کی کہ ای اللہ اگر تیرے اولیا موجود اور زندہ ہیں جو کہ مقبول الدعوات اور مبارک قدم ہیں تو میرا دل چاہتا ہے کہ انکی برکت سے اس لکڑیوں کے گٹھر کو سونیکے گٹھر سے بدل دیجئے۔ اوران سبکو سونا کر دیجئے۔ آگے یہ پہاڑی فقیر صاحب کہتے ہیں کہ۔

در زمان دیدم کہ زر شد ہیزمش — ہمچو آتش بر زمین می تافت خوش

یعنی میں نے اسی وقت دیکھا کہ انکی لکڑیاں سونا ہو گئیں اور آگ کی طرح زمین پر (رکھی ہوئی) چمک رہی تھیں۔

من در آن بیخود شدم تا دیر گہ — چونکہ با خویش آمدم من از ولہ

یعنی میں اسمیں دیر تک بیخود رہگیا اور جب میں حیرانی سے آپے میں آیا (تو یہ ہوا کہ)

بعد از آن گفت ای خدا گر آن کبار — بس غیورند و گریزان ز اشتہار

یعنی اسکے بعد انھوں نے عرض کیا کہ ای خدا اگر وہ حضرات بہت غیور ہیں اور مشہور ہونے سے بھاگتے ہیں۔

بار آن را نیز ہیزم ساز زود — بے توقف ہم بر آن حالے کہ بود

یعنی پھر اسکو جلدی سے لکڑیوں کی گٹھری بلا توقف کے اسی حالت پر جسپر کہ تھی بنا دیجئے۔ مطلب یہ کہ اول جو انھوں نے دعا کی تو انکی لکڑیاں ساری سونے کی ہو گئیں اسکو دیکھکر ان پہاڑی صاحب کو سخت حیرت ہوئی۔ اور یہ کچھ دیر کیلئے عالم بیخودی میں آ گئے خیر جب انکو اس حالت سے افاقہ ہوا اور کچھ انکو ہوش آیا تو انھوں نے سنا کہ وہ یہ فرما رہے ہیں کہ اے اللہ اگر تیرے خاص بندے شہرت سے بھاگتے ہیں اور انکو مشہور ہونے سے غیرت آتی ہے تو آپ ان لکڑیوں کو جو کہ سونیکی ہو گئی ہیں پھر لکڑیاں ہی بنا دیجئے کیونکہ اگر یہ اسی طرح رہیں گی تو لوگ دیکھیں گے کہ یہ انکی دعا سے سونے کی ہو گئی ہیں۔ تو وہ مجھے بزرگ ماننے لگیں

انکا یہ دعا کرنا تھا کہ وہ پھر لکڑیاں ہو گئیں اسی کو فرماتے ہیں کہ۔

در زماں ہیزم شد آں اغصان تر　　　مست شد در کار او عقل و نظر

یعنی وہ سونیکی شاخیں اسی وقت لکڑیاں ہو گئیں اور اُن کے کام میں عقل و نظر مست تھے یعنی یہ بات نہ تو کچھ سمجھ میں ہی آتی تھی اور نہ ان آنکھوں سے کچھ دکھائی دیتا تھا بس حیرت ہی حیرت تھی۔

بعد ازاں برداشت ہیزم را و رفت　　　سوئے شہر از پیش من او تیز و تفت

یعنی اسکے بعد انھوں نے لکڑیاں اٹھائیں اور شہر کی طرف میرے سامنے سے تیز اور جلدی سے چلدیئے۔

خواستم تا در پئے آں شہ روم　　　پرسم از وے مشکلات و بشنوم

یعنی میں نے چاہا کہ ان شاہ صاحب کے پیچھے چلوں اور ان سے مشکلات (طریق) پوچھوں اور سنوں

بستہ کرد آں ہیبت او مر مرا　　　پیش خاصاں رہ نباشد عامہ را

یعنی انکی ہیبت نے مجھے بستہ کر دیا (مولانا فرماتے ہیں کہ) خاصان حق کے آگے عوام کو راہ نہیں ہوتی۔ مطلب یہ کہ جب دوبارہ انھوں نے دعا کی کہ اے اللہ انکو پھر لکڑیاں بنا دے تو وہ پھر لکڑیاں ہو گئیں۔ بس انکو لیکر شہر کی طرف کو روانہ ہو گئے تاکہ انکو فروخت کریں دیکھئے اس قصہ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضرات اولیاء اللہ کا فقر اختیاری ہوتا ہے اضطراری نہیں ہوتا بھلا دیکھئے کہ اگر اس لکڑیوں کے گٹھر کو جو سونا ہو گیا تھا یہ خرچ کرتے اور کام میں لاتے تو کیا شے مانع تھی اور کس مزہ کی زندگی کہ جب خرچ کم ہوا فوراً لکڑیاں جمع کیں اور سونا بنا لیا کیا کوئی کیمیا گر کر سکتا ہے۔ لیکن ایسا نہیں کیا۔ بلکہ وہی لکڑیاں لیکر بازار کو چلدیئے۔ اب وہاں جا کر انکو فروخت کریں گے جھگڑا کریں گے لڑیں گے اسکے بعد فروخت کر کے پھر اسکو کام میں لاوینگے یہی تو سنت ہے۔ کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم سے ارشاد خداوندی ہوا کہ احد کو سونا بنا دیا جاوے تو آپ نے یہی فرمایا کہ نہیں یا اللہ بس یہ چاہتا ہوں کہ ایک روز پیٹ بھر کر ملے تو شکر کروں اور ایکروز فاقہ ہو تو صبر کروں غرضکہ وہ لکڑیاں اٹھا کر چلدیئے تو انھوں نے چاہا کہ انکے ساتھ ہو لوں۔ کہ ایسا بزرگ پھر کب ملتا ہے ان سے سلوک کے

متعلق جو مشکلات پیش آرہی ہیں انکو حل کروں یہ ارادہ کرکے انھوں نے چلنے کا قصد کیا ہی تھا کہ انکی ہیبت کی وجہ سے انکا قدم ہی آگے کو نہ اوٹھ سکا اور یہ وہیں دیکھتے کے دیکھتے رہگئے۔ مولانا فرماتے ہیں کہ بھلا خاصان خدا کے آگے عوام لوگ کیا چل سکتے ہیں عوام کو حضرات اولیاء اللہ تک رسائی ہونا ظاہر ہے کہ سخت مشکل ہے۔ کیونکہ وہ شاہان باطن ہیں ایک فقیر کو بادشاہوں تک رسائی ظاہر ہے کہ مشکل ہے۔ آگے فرماتے ہیں کہ۔

ور کسے راره شود گوشہ فشاں کان شود از رحمت و از جذب شاں

یعنی اور اگر کسی کو رسائی ہو جاوی تو کہد کہ سر قربان کردے۔ کیونکہ وہ انکی رحمت اور انکے جذب سے ہوا ہے۔

پس غنیمت دار آں توفیق را چوں بیابی صحبت صدیق را

یعنی اس توفیق کو غنیمت سمجھو جبکہ کسی صدیق کی صحبت تم کو ملجاوے۔

نے چو آں ابلہ کہ یابد قرب شاہ سہل و آساں در فتد آندم ز راہ

یعنی اُس بیوقوف کیطرح نہو جاوی کہ جس نے قرب شاہی آسانی سے پالیا تو اسوقت راستہ ہی میں پڑ جاوے۔

چوں ز قربانی دہندش بیشتر پس بگوید راں گاو است ایں مگر

یعنی جب اُسکو قربانی میں سے بہت سا دیں تو یوں کہے کہ شاید گائے کی ایک ران ہے (مولانا فرماتے ہیں کہ)

نیست ایں از گاو راں ای مفتری راں گاو ت می نماید از خری

یعنی ای بہتان لگانیوالے یہ ران گاؤ سے نہیں ہے تجھے گدھے پن سے ران گاؤ معلوم ہوتی ہے

بذل شاہان است ایں بے رشوتے بخشش محض است ایں از رحمتے

یعنی یہ تو بلا کسی رشوت کے بادشاہوں کی عطا ہے اور رحمت کی وجہ سے بخشش محض ہی مطلب یہ ہے کہ مولانا فرماتے ہیں کہ اول تو کسی کو حضرات اولیاء اللہ تک رسائی نہیں ہوتی یہ حضرات کسی کو منہ نہیں لگاتے۔ اور اگر کسی کو رسائی ہو جاوے اور وہ حضرات کسی پر عنایت فرماویں تو اسکو چاہیئے کہ بس اپنے کو قربان کردے۔ اور انکی صحبت میں رٹ جاوے۔ اور فنا ہو جاوے۔ اور اُس بیوقوف کیطرح نہو جاوے جسکو کہ آسانی سے قرب شاہی نصیب ہوگیا تھا اور وہ وہیں مچل گیا اور راستہ ہی میں بیٹھ گیا کہ اب مجھے کوشش کرنیکی کیا ضرورت ہے میں تو بڑے

درجہ کا آدمی ہوگیا۔ اور پھر اگر اُسکو عطائے شاہی ہوئی اور اُسکو کچھ عنایت ہو (ران گاؤ بطور مثال کے ہے معنی یہی کہ اُسکو کچھ ملا) تو اُسکو بوجہ تاکے حقیر سمجھنے لگا اور کہنے لگا کہ صرف فلاں چیز ملی ہے اور ملا ہی کیا ہے اسی طرح اگر حضرات اہل اللہ کچھ توجہ و عنایت فرماویں تو اُسپر اترادے نہیں اور اُسکو اپنے کئے کا ثمرہ نہ سمجھے بلکہ صرف عنایت ہی عنایت سمجھے کہ خدا کی رحمت ہے کہ اُن کے قلوب کو میری طرف باوجود میرے نالائق ہونیکے اسطرح متوجہ فرما دیا اور اُن حضرات کا شکریہ ادا کرے کہ وہ اسکی طرف توجہ فرماتے ہیں اور تھوڑی توجہ کو بھی بہت جانے۔ اور حق تعالیٰ کا پھر اُنکا شکریہ ادا کرے۔ کہ ارشاد ہے کہ ان شکرتم لازیدنکم کیونکہ وہ جو کچھ عنایت و نوازش و توجہ فرماتے ہیں تمہیں اُنکی تو کوئی ذاتی غرض ہے ہی نہیں بلکہ محض عنایت و نوازش ہے کہ وہ توجہ فرماتے ہیں۔ تم نے اُنکو کونسا فائدہ پہونچایا ہے کہ جسکی عوض میں وہ تمہارے اوپر عنایت فرماتے ہیں اور اگر کوئی صاحب نذرانہ وغیرہ دیکر خوش ہوتے ہیں کہ ہم نے فلاں بزرگ کی اسقدر خدمت کی اسلئے وہ متوجہ ہیں تو ذرا خود انصاف کرو اور گریبان میں منہ ڈالکر دیکھو کہ کیا تم دل سے اُس خدمت اور دینے کو عوض سمجھتے ہو اور کیا وہ اُنکی ان توجہات کا بدلا ہو سکتا ہے۔ ہرگز نہیں۔ وہ جو کچھ بھی کریں اُنکی عنایت ہے اور بہت ہے۔ اور تم جتنا بھی کرو تمہارا فرض منصبی ہے اور کم ہے خوب کہا ہے کہ ؎

منت منہ کہ خدمت سلطان ہمی کنی　　　منت شناس ازو کہ بخدمت بداشتت

خبر بھی ہے کہ اُنکو تم لوگوں سے ملنے میں اور تم سے اختلاط کرنے میں کیسی کچھ کلفت ہوتی ہے کچھ تھوڑا سا اندازہ اُنکی کلفت کا اس مثال سے ہوجاویگا کہ مثلاً کسی کا محبوب ہے اور وہ اُسکو دیکھ رہا تھا اور وہ اُسکے دیدار میں محو تھا کہ محبوب نے یہ حکم دیا کہ دیکھو اس طرف جو ہمارا ایک غلام حبشی بیٹھا ہے اسکو دیکھو تو اگرچہ اسوقت اُس محب کی توجہ اس غلام کی طرف بالمجبوری ہے اور اُسکے حکم سے ہی ہے اور وہ جانتا ہے کہ جب میں نے محبوب کا کہا مانا ہے تو اُسکو میرے اوپر عنایت بھی زیادہ ہوجاویگی لیکن پھر بھی کوئی اُسکے دل سے پوچھے کہ اُسپر کیا گذری ہے کیا وہ اس حالت کو اُس حالت سے افضل جانے گا جسمیں کہ وہ مشاہدۂ محبوب میں مشغول تھا۔ ہرگز نہیں اسکو اسمیں سخت سے سخت کوفت ہورہی ہے لیکن صرف اسلئے کہ حکم ہے اس طرف

متوجہ ہو رہا ہے۔ اسی طرح جو اولیاء اللہ ایسے ہیں کہ جنکے سپرد تربیت خلق کر دیگئی ہے وہ خلق کی طرف متوجہ ہیں۔ اور حکم حق بجالا رہے ہیں اور ذرا چون وچرا نہیں کرتے بظاہر خوش بھی معلوم ہوتے ہیں لیکن اگر اُنکے دل سے پوچھو تو وہ یہی کہیں گے کہ اگرچہ اسوقت بوجہ حکم محبوب کے یہی حالت افضل ہے اور ہم اسی میں لگے ہوئے ہیں اور اسی پر راضی ہیں لیکن طبعی طور پر یہی چاہتے ہیں کہ بس ہم ہوں اور جمال محبوب ہو۔ اور کہیں گے کہ اگرچہ یہ ہی واسطہ ہیں مشاہدہ حق کے لیکن ؎ شرکت غم بھی نہیں چاہتی غیرت میری + غیر کی ہوکے رہے یا شب فرقت میری

بس اب اس سے اندازہ کرلو کہ ایسا شخص جو اسطرح متوجہ کردیا گیا ہو اُسکی ذرا سی توجہ بھی غنیمت ہے۔ ہمکو تو اُسکی ذرا سی توجہ کو بھی غنیمت سمجھنا چاہیئے۔ اور اسکو چاہیئے کہ وہ حق تعالیٰ کے حکم پوری طرح بجالاوے۔ اور وہ بجالاتے ہیں لیکن ہم کو اُن سے اسکا متوقع رہنا کہ وہ ہماری خوشامد کریں اور ہماری قدر ومنزلت کریں سخت سے سخت بیوقوفی ہے غرضکہ اُن تک اگر رسائی ہو جاوے۔ تو اسکو غنیمت سمجھے اور پھر اُسکے حقوق حتی الوسع ادا کرے اور اس رسائی کو اور اپنی طلب کو اُن ہی کا جذب سمجھے اور اُن ہی کی برکت خیال کرے ورنہ اگر وہ جذب نکریں تو سچ یہ ہے کہ اُسکے اندر طلب بھی باقی نہ رہے جیسا کہ بزرگوں کے قصوں سے صاف ظاہر ہے بوجہ تطویل کے مضمون کو بیان نہیں کیا گیا ہے بیحد مشہور ہیں آگے مولانا یہ بیان فرماتے ہیں کہ دیکھو جسطرح کہ سلیمان علیہ السّلام نے بلقیس کو اور اُن کے لشکر کو دعوت اسلام دی تھی اور انکو بلایا تھا تو وہ مسلمان ہو گئے تو یہ انکا اسلام کیطرف میلان صرف حضرت سلیمان علیہ السّلام کی توجہ کی برکت سے تھا۔ کہ اُنھوں نے چاہا کہ وہ مسلمان ہو جاویں۔ ورنہ اگر انکا دل نہ چاہتا تو وہ اسلام ہی نہ لاتے اور انکو اسطرف توجہ ہی نہوتی خوب سمجھ لو۔

سلیمان علیہ السلام کا قاصدوں کو واپس جانے اور بلقیس کے ہجرت کی حرص دلانا،

ہمچنانکہ شہ سلیمان در نبرد — جذب خیل ولشکر بلقیس کرد

یعنی جسطرح کہ شاہ سلیمان علیہ السّلام نے مقابلہ کے وقت بلقیس کے خیل ولشکر کو جذب کیا اور فرمایا کہ

کہ بیائید ای عزیزان زود زود　　کہ بر آمد موجہا از بحر جود

یعنی کہ اے عزیزو جلدی جلدی آؤ کہ جود حق کے دریا میں سے موجیں نکل رہی ہیں۔

سوے ساحل می فشاند بیخطر　　جوش موجش ہر زمانے صد گہر

یعنی ساحل کی طرف بلا کسی خطرہ کے اسکی موج کا جوش ہر گھڑی سیکڑوں موتی ڈال رہا ہے مطلب یہ کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ اے لوگو جلدی دوڑو کہ اسوقت موج رحمت جوش میں ہے اور فیوض و برکات نازل ہو رہے ہیں لہذا جلدی سے آکر ان فیوض سے دامن بھر لو۔

الصلا گفتیم اے اہل رشاد　　کایں زماں رضواں در جنت کشاد

یعنی اے اہل رشاد ہم نے منادی کر دی ہے کہ اسوقت رضوان نے جنت کا دروازہ کھول دیا ہے مطلب یہ کہ اسوقت فیوض و برکات نازل ہو رہے ہیں چلو اور لوٹو۔

پس سلیمان گفت ای پیکاں روید　　سوئ بلقیس و بدین دین بگروید

یعنی پھر سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ اے قاصدو بلقیس کیطرف لوٹ جاؤ اور اس دین کی طرف گرویدہ کرو۔

پس بگوئیدش بیا اینجا تمام　　زود کان اللہ یدعو با السلام

یعنی پھر اس سے کہو کہ یہاں جلدی سے بالکل آجاوے۔ کہ اللہ تعالیٰ سلامتی کی طرف بلا رہے ہیں (کان اللہ یدعو اصل میں کہ ان اللہ یدعو تھا۔ ہمزہ کو قرأت میں گرا دیا گیا ہے) آگے مولانا فرماتے ہیں کہ۔

ہیں بیا ای طالب دولت شتاب　　کہ فتوح است ایں زمان و فتح باب

یعنی کہ ہاں ای دولت کے طالب جلدی سے آجا کہ اسوقت فتوح ہیں اور فتح باب ہے۔ مطلب یہ کہ طالب سے فرماتے ہیں کہ یہاں آجاؤ اسوقت فیوض و برکات سے مالا مال ہو جاؤ جسطرح کہ سلیمان علیہ السلام اپنے زمانہ میں بلا رہے ہیں تمہارے زمانہ میں بھی تمہارے لئے سلیمان موجود ہیں اُنکے پاس جاؤ اور مالامال ہو جاؤ۔ اور اپنے مطلوب حاصل کر لو۔ یہ تو طالب کو ارشاد تھا آگے غیر طالب کو خطاب ہے کہ۔

اے کہ تو طالب نۂ تو ہم بیا　　تا طلب یابی ازاں یار وفا

یعنی ای وہ شخص جو کہ طالب نہیں ہے۔ تو بھی آجا۔ تاکہ تو اُس یار وفا سے طلب پاوے۔ مطلب یہ کہ مولانا جوش میں فرماتے ہیں کہ میاں جو طالب ہیں وہ آویں گے تو اُن کو اُنکا مطلوب ملجاویگا اور جو طالب نہیں ہیں وہ بھی آجاویں کہ ان حضرات کے فیض صحبت سے اُن میں طلب پیدا ہوجاویگی۔ غرضکہ طالب ہو تو مقصود کے حصول کیلئے آجاؤ اور اگر طلب ہی نہیں ہے تو طلب پیدا کرنے کیلئے آجاؤ ہاں ایک کام ہر حالت میں تمکو کرنا ہوگا وہ یہ کہ۔

ملک برہم زن تو ادہم وار زود　　تا بیابی ہمچو او ملک خلود

یعنی ابن ادہم رضی کی طرح ملک کو جلدی درہم برہم کردو تاکہ تم اُنکی طرح ملک خلود پاؤ۔ مطلب یہ کہ جسطرح کہ حضرت ابراہیم ابن ادہم نے حصول مقصود کیلئے ملک کو جو کہ مانع طریق تھا چھوڑ دیا تھا تب اُن کو مقصود ملا تھا بس اسی طرح تم بھی موانع کو مرتفع کردو۔ اور اسکے بعد آجاؤ پھر اُن دونوں حالات مذکورہ میں سے جو حالت بھی ہوگی وہ درست ہوجاویگی چونکہ حضرت ابراہیم ابن ادہم رضی کا ذکر آگیا تو آگے اُن کے ترک سلطنت کے قصہ کو بیان فرماتے ہیں کہ۔

شرح حبیبی

ابراہیم بن ادہم کی ہجرت اور ملک خراسان کو چھوڑ دینے کا سبب

خفتہ بود آن شہ شبانہ بر سریر	حارسان بر بام اندر دار و گیر
قصد شہ از حارسان آنہم نبود	کہ کنند زان دفع دزدان و رنود
او ہمی دانست کان کو عادل ست	فارغست از واقعہ ایمن دل است
عدل باشد پاسبان کامہا	نے بہ شب چوبک زنان بر بامہا
لیک بد مقصودش از بانگ رباب	ہمچو مشتاقان خیال آن خطاب
نالہ سرنا و تہدید دہل	چیزکے ماند بدان ناقور کل

پس حکیماں گفتہ اند ایں لحنہا — از دوار چرخ بگرفتیم ما

بانگ گردشہائے چرخ است اینکہ خلق — می سرایندش بطنبور و بحلق

مومناں گویند کآثار بہشت — نغز گرداند ہر آواز زشت

ما ہمہ اجزائے آدم بودہ ایم — در بہشت آں لحنہا بشنودہ ایم

گرچہ بر ما ریخت آب و گل شکے — یاد ما آید ازانہا اندکے

لیک چوں آمیخت با خاک کرب — کے دہند ایں زیر و ایں بم آں طرب

آب چوں آمیخت با بول و کمیز — گشت ز آمیزش مزاجش تلخ و تیز

چیزکے از آب ہستش در جسد — بول ازاں رو آتشے را میکشد

گر نجس شد آب ایں طبعش بماند — کآتش غم را بطبع خود نشاند

پس غذائے عاشقاں آمد سماع — کہ درو باشد خیال اجتماع

قوتے گیرد خیالات ضمیر — بلکہ صورت گردد از بانگ صفیر

آتش عشق از نواہا گشت تیز — آنچنانکہ آتش آں جوز ریز

حضرت ابراہیمؒ بن ادہم رات کو اپنے تخت پر سو رہے تھے اور کوٹھے پر پہرہ دار اپنا فرض منصبی انجام دے رہے تھے۔ لیکن بادشاہ کا مقصود اس پہرہ کے قائم کرنے سے یہ نہ تھا کہ چوروں اور بدمعاشوں کو روکا جاوے۔ کیونکہ وہ جانتے تھے کہ جو شخص عادل ہوگا اُسکو کسی واردات کا کھٹکا نہ ہوگا۔ اور وہ اُسکی طرف سے بے فکر ہوگا۔ کیونکہ عدل ہی لوگوں کے مقاصد کا پہرہ ہے اور نہ کہ کوٹھے پر بیٹھکر باجا بجانے والے بلکہ مقصود ان پاسبانوں کے مقرر کرنے اور انکے باجا بجانے سے عشاق کی طرح اس خطاب ازلی کی یاد آتی جو کہ سبب بقائے عالم ہے۔ اور جو کہ ارواح کو اُس وقت سنایا گیا تھا جبکہ اُنکو قوالب انسانی میں داخل ہونیکا حکم ہوا تھا۔ تاکہ وہ اُسکی لذت میں مست

ہوکر انمیں داخل ہوجائیں اور متوحش نہوں۔ کیونکہ سرنا اور ڈھول کی آواز کسیقدر اس صور کلی یعنی خطاب ربانی سے جو کہ سبب بقائے عالم ہے کسیقدر ملتی ہے۔ جبکہ سلسلہ گفتگو بیان نغمات تک منجر ہوگیا تو اب مناسب معلوم ہوتا ہے کہ انکی اصل کو بیان کردیا جاوے پس سنو کہ اسکی اصل میں اختلاف ہے۔ حکما کہتے ہیں کہ یہ راگ ہم نے گردشہائے فلکیہ اور انکی آوازوں سے اخذ کئے ہیں اور یہ جو لوگ طنبور وغیرہ باجوں میں اور حلق سے گاتے ہیں یہ افلاک کی گردشونکی آوازیں ہیں۔ اور ان کے مقابلہ میں مومن کہتے ہیں کہ بہشت کی آثار نے ان آوازوں کو دلکش کر رکھا ہے۔ اور ہر بری آواز کو اچھا بنا دیا ہے تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ ہم سب اجزائے آدم تھے۔ اور لکنے ضمن کے بین بین ہم نے یہ راگ بضمن خطاب مذکور سنتے ہیں پس جو دلکشی ہماری آوازوں میں ہے وہ اسی خطاب اور انہیں نغمات کے سبب ہے۔ شاید تم کو شبہ ہو کہ جب یہ نغمات ہمارے سنے ہوئے ہیں تو پھر ہمیں یاد کیوں نہیں آتے اور ان سے ہم کو لذت تامہ کیوں نہیں حاصل ہوتی جیسے عالم ارواح میں ہوتی تھی اسکی وجہ یہ ہے کہ غلبۂ ناسوتیت نے ہمیں شک اور جہل میں مبتلا کردیا ہے۔ اسلئے ہمکو کچھ کچھ یاد آتے ہیں اور پورے طور پر یاد نہیں آتے۔ اور ہم کو لذت تامہ نصیب نہیں ہوتی ہے۔ لیکن چونکہ وہ آوازیں غم کی مٹی سے مخلوط ہیں اسلئے ہمکو زیر و بم وغیرہ کی آوازوں سے وہ نشاط نہیں ہوتا۔ جو ان سے پہلے ہوتا تھا۔ اس مضمون کو ہم ایک حسی مثال سے سمجھاتے ہیں دیکھو جب پانی پیشاب کیساتھ مخلوط ہوجاتا ہے تو اسکے ساتھ آمیز ہوجاتے سے اسمیں تلخی اور تیزی آجاتی ہے اور اپنی اصلی حالت پر نہیں رہتا۔ مگر اسکی ساتھ ہی چونکہ جسم کے اندر کسی قدر پانی موجود ہے اسلئے پیشاب آگ کو بجھا دیتا ہے۔ پس گو وہ آب نغمات ناپاک ہوگیا ہے اور اپنی صرافت اور محوضت پر باقی نہیں ہے مگر اسکے بعض خواص و آثار موجود ہیں اور اسی لئے وہ آتش غم کو اپنی طبیعت اصلیہ سے بجھا دیتا ہے۔ جب تم کو یہ معلوم ہوگیا کہ یہ نغمات خطاب ربانی سے ملتے ہیں تو اب تم سمجھو کہ یہی وجہ ہے کہ عاشقان ربانی کی غذا سماع ہے۔ کیونکہ اسکو سنکر اجتماع و قرب سابق کا خیال اور اسکی طرف توجہ ہوتی ہے۔ اور اس سے اس تصور و خیال کو قوت ہوتی ہے بلکہ ایک وقت میں انہیں آوازونکی بدولت وہ خیال و تصور صورت

پہنچاتا ہے یعنی قرب حق حاصل ہو جاتا ہے۔ کیونکہ نغمات سے آتش عشق تیز ہوتی ہے جس طرح پانی میں اخروٹ ڈالنے والے کے طلب کو پانی کی آواز سے ترقی ہوتی ہے۔ اور یہ طلب موصل الی المطلوب ہو جاتی ہے۔ (ف) اس مقام پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ جواز و عدم جواز سماع کے متعلق ایک مختصر بحث لکھ دیجاوے۔ تاکہ مولانا کے اشعار سے کسی کو غلط فہمی نہ ہو سو اصل مقصود سے پیشتر چند مقدمات کا سمجھ لینا ضروری ہے۔ تاکہ مقصود کے سمجھنے میں آسانی ہو مقدمہ اولی حرمت اشیاء دو قسم کی ہے اول لذات الاشیاء دوم للعوارض الخارجیۃ۔ مقدمہ ثانیہ اشیاء محرمہ للعوارض الخارجیۃ کی حالتیں مختلف ہیں کبھی تو انکی یہ حالت ہوتی ہے کہ عوارض خارجیہ غالب احوال میں انکے ساتھ رہتی ہیں اور انفکاک انکا نادر و قلیل ہوتا ہے۔ اور کبھی یہ حالت ہوتی ہے کہ مصاحبت عوارض نادر ہوتی ہے۔ اور انفکاک غالب ہوتا ہے پس پہلی قسم کی اشیاء کے متعلق حکم عام حرمت کا ہوتا ہے۔ اور مواضع شاذہ کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے جیسے اختلاط با غیر محارم کہ یہ مفضی الی الزنا ہونیکے سبب حرام ہے۔ اور اسکا ہر فرد مفضی الی الزنا نہیں مگر چونکہ افضا اغلب ہے اسلئے حکم عام حرمت کا ہے۔ اور دوسری قسم میں حکم اصلی حلت ہوتا ہے اور وہ خاص عورتیں حرام ہوتی ہیں جنمیں عوارض محرمہ موجود ہوں۔ جیسے اختلاط با محارم کہ یہ بھی بعض احوال میں مفضی الی الزنا ہو جاتا ہے۔ مگر اغلب عدم افضا ہے اسلئے اسوقت تک جائز ہے جب تک ابتلاء کا اندیشہ نہ ہو۔ مقدمہ ثالثہ خطاء اجتہادی یا غلبۂ حال سے معصیت پر حکم معصیت مترتب نہیں ہوتا۔ ان مقدمات کے بعد جاننا چاہیئے کہ غنا و مزامیر محرم لذواتہا نہیں بلکہ یہ عوارض خارجیہ حرام ہیں اور یہ مشاہد ہے کہ انمیں فساد اغلب ہے اور صلاح شاذ علاوہ مشاہدہ کے۔ اتنی بات خود مولانا کو بھی تسلیم ہے۔ کیونکہ وہ لوگ جنمیں فساد کا اندیشہ نہیں۔ اہل اللہ اور نفوس قدسیہ ہی ہو سکتے ہیں اور ایسے حضرات کی ندرت کو خود مولانا قبول فرماتے ہیں۔ چنانچہ ایک دوسرے مقام پر کہتے ہیں ؎

اتصالے بے تکیف بے قیاس — ہست رب الناس را با جان ناس

لیک گفتم ناس من نسناس نے — ناس غیر جان جاں اشناس نے

ناس مردم باشد و کو مردمی　　　توسر مردم ندیدستی دمی

پس یہ دونوں بحکم مقدمہ ثانیہ علی الاطلاق محرم ہونگے۔ اور منفعتیں بتلانے والوں سے کہا جاویگا۔ کہ فیھما اثم کبیر و منافع للناس و اثمھما اکبر من نفعھما اور جن لوگوں کا سماع خود اُن کے لئے مفضی الی الفساد نہیں اُنکے سماع کو گو اسلئے معصیت نہ کہا جاوے کہ انکے لئے مفضی الی الفساد ہے۔ لیکن انکے اس فعل کو اسلئے ضرور معصیت کہا جاویگا کیونکہ انھوں نے ایک قانون عام شرعی کی خلاف ورزی کی جیسا کہ وبا کے زمانہ میں امرود بیچنے کی اسلئے ممانعت کیجاتی ہے کہ لوگ ضرر سے محفوظ رہیں لیکن اگر کوئی شخص امرود بیچے اور کھانے والوں کو نقصان نہ پہونچے تب بھی بیچنے والا مجرم ہے۔ کیونکہ اس نے قانون کی مخالفت کی۔ نیز اسلئے بھی اسے معصیت کہا جاویگا کہ گو خود انکے لئے مفضی الی الفساد نہیں مگر انکا یہ فعل دوسروں کیلئے مفضی الی الفساد ہے۔ لیکن چونکہ ہم مقدمہ ثالثہ میں بتلا چکے ہیں کہ خطاء اجتہادی و غلبۂ حال کے سبب معصیت پر اثر معصیت مرتب نہیں ہوتا اسلئے ایسے لوگوں پر علی الاطلاق ملامت نہ کی جاویگی بلکہ اگر وہ مجتہد ہیں تو چونکہ مسئلہ مجتہد فیہ ہے اسلئے انکو مجتہد مخطی کہا جاویگا۔ اور وہ اس خطاء پر بھی ایک ثواب کے مستحق ہونگے۔ اور اگر مغلوب الحال ہیں تو غلبۂ حال انکا عذر ہوگا۔ اور اسلئے وہ قابل ملامت نہ ہونگے۔ اور اگر اہل ہونیکے ساتھ مجتہدین مجوزین کے مقلد ہیں تو انکا عذر تقلید ہے۔ اور اگر یہ تینوں صورتیں نہیں تو متبع ہوئے اور عاصی نہیں۔ اس تفصیل سے معلوم ہوگیا کہ غنا و مزامیر علی الاطلاق حرام ہیں مگر جن اہل اللہ سے اسکی تجویز یا اسکا ارتکاب منقول ہے وہ یا تو خطاء اجتہادی کی وجہ سے معذور ہیں۔ یا تقلید مجتہد کے باعث یا غلبۂ حال کے سبب۔ اسلئے نہ ان پر ملامت کیجاویگی نہ انکی علی الاطلاق تقلید کیجاویگی ہاں اگر کوئی شخص اسکا اہل بھی ہو اور ان شرائط کا پابند بھی ہو جو مجوزین نے جواز کیلئے قائم کی ہیں اور وہ مجوزین کو مصیب بھی سمجھتا ہو تو اسکے لئے گنجائش ہے مگر پھر بھی ترک مناسب ہے۔ کیونکہ اول تو یہ ہی کچھ ضرور نہیں کہ جو اپنے کو اہل سمجھے وہ اہل ہی ہو کیا بعید ہے کہ تسویل نفس ہو۔ پھر اہل ہونیکے ساتھ یہ فعل فی نفسہ جائز نہیں بعض عوارض کے سبب مواخذہ نہونا شے دیگر ہے اور اگر جائز بھی ہو تو وصول اسپر موقوف نہیں۔

پھر کیا ضرور ہے کہ بلا ضرورت آدمی خطرہ میں پڑے ہمارے اس بیان سے یہ شبہ بھی مندفع ہوگیا کہ اگر یہ فعل حرام ہوتا تو بعض اہل اللہ کیلئے موجب ترقی کیوں ہوتا۔ حالانکہ انکے لئے موجب ترقی ہے۔ جیسا کہ مولانا کے کلام سے ظاہر ہے۔ اور وجہ اندفاع یہ ہے کہ انکے حق میں یہ فعل بوجہ خطاء اجتہادی یا غلبۂ حال یا تقلید مجتہد کے حکم میں غیر معصیت کے ہے۔ اب کوئی شبہ نہیں

شرح شبیری

ابراہیمؒ بن ادہم کی ہجرت اور ملک خراسان کو چھوڑ دینے کا سبب

خفتہ بود آں شہ شبانہ بر سریر | حارساں بر بام اندر دار و گیر

یعنی وہ بادشاہ رات کو تخت پر سو رہے تھے۔ اور چوکیدار کوٹھے پر پکڑ دھکڑ میں تھے یعنی چوکیدار پہرہ دے رہے تھے اور حضرت ابراہیم بن ادہمؒ سو رہے تھے۔ آگے مولانا فرماتے ہیں کہ

قصد شہ از حارساں آنہم نبود | کہ کنند زاں دفع دزداں در رنود

یعنی بادشاہ کا قصد چوکیداروں سے یہ نہیں تھا کہ اُن کے ذریعہ سے چوروں اور رندوں کو دفع کرے (کیونکہ)۔

او ہمی دانست کاں کو عادل است | فارغ است از واقعہ امین دل است

یعنی کہ وہ جانتے تھے کہ جو شخص کہ عادل ہے وہ کسی واقعہ ہونے سے بیفکر ہے اور بیخوف دل والا ہے

عدل باشد پاسبان کامہا | نے بہ شب چوبک زناں بر بامہا

یعنی مقاصد کا پاسبان عدل ہوتا ہے نہ کہ رات کو کوٹھے پر نقارہ بجانے والے مطلب یہ کہ انسان کے مقاصد کو پورا کرنے والا اور انمیں رکاوٹ نہ پیدا کرنے والا تو عدل ہے ورنہ چوکیدار جو رات کو نقارہ بجاتے ہیں ان سے کیا پاسبانی ہوسکتی ہے۔ غرضکہ حضرت ابراہیم بن ادہم کو اسمیں تو پورا توکل تھا اور وہ جانتے تھے کہ مجھے کوئی گزند نہیں پہونچا سکتا۔ تو پاسبانوں اور نقاروں وغیرہ سے مقصود نگہبانی تو تھی نہیں۔

لیک بد مقصودش از بانگ رباب | ہمچو مشتاقاں خیال آں خطاب

یعنی لیکن مقصود اونکا باجے کی آواز سے مشتاقوں کی طرح اُس خطاب کا خیال تھا مطلب یہ کہ روز ازل میں جو تمام ارواح سے خطاب کیا گیا تھا اسمیں چونکہ لذت تھی اور وہی لذت اسمیں بھی آتی تھی کہ جب نفیری یا دہل بجتا تھا تو اُنکو وہ آوازیں وہاں کی یاد آجاتی تھیں بس اس لئے تمام پاسبانوں کو جمع کر رکھا تھا کہ انکے ذریعہ سے یہ آوازیں سننے میں آتی ہیں آگے فرماتے ہیں کہ

نالۂ سُرنائے و تہدید دہل　　چیزکے ماند بداں ناقور کل

یعنی بانسلی کا نالہ اور ڈھول کی آواز کچھ کچھ اُس ناقور کل کے مشابہ ہے مطلب یہ کہ یہاں کی یہ آوازیں چونکہ اُن آوازوں کے مشابہ تھیں جنکو کہ عالم غیب میں سُنا تھا اسلئے روح کو انکی طرف کشش ہوتی ہے آگے اسپر تفریع فرماتے ہیں کہ

پس حکیماں گفتہ اند ایں لحنہا　　از دوار چرخ بگرفتیم ما

یعنی پس حکیموں نے کہا ہے کہ ہم نے ان لحنوں کو آسمان کے چکروں سے لیا ہے۔

بانگ گردشہائے چرخ است اینکہ خلق　　می سرایندش بطنبور و بحلق

یعنی آسمان کی گردشوں کی آواز ہے جسکو کہ خلق طنبور اور حلق سے گاتے ہیں مطلب یہ کہ اوپر جو کہا ہے کہ یہ آوازیں وہ ہیں جنکو روز ازل میں روح نے سنا ہے اسلئے ان سے مانوس ہے یہاں اسپر تفریع فرماتے ہیں کہ دیکھئے حکماء اشراقیین نے کہا ہے کہ جسقدر راگ ہیں یہ سب دوار چرخ سے لیا ہے یعنی آسمان جو چلتا ہے تو اسمیں بجد سریلی آوازیں پیدا ہوتی ہیں۔ انکو کسی حکیم نے جو کہ اشراقیین میں سے تھا اور فن موسیقی کا موجد ہے۔ اپنے کشف کے ذریعہ سے معلوم کرکے دنیا میں انکی مشابہ باجے اور راگنی نکالدیں۔ تو دیکھئے حکماء بھی اسکے قائل ہیں کہ یہ آوازیں عالم غیب ہی کی ہیں۔ اب چونکہ انکی نگاہ ظاہر تک پہونچی انھوں نے انکو دوار چرخ کی آوازیں بتلایا اور صرف یہیں تک انکی رسائی ہوئی اور جو کامل ہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ۔

مومناں گویند کآثار بہشت　　نغز گردانید ہر آواز زشت

یعنی مومنین کاملین فرماتے ہیں کہ بہشت کے آثار نے ہر بُری آواز کو اچھا بنادیا ہے مطلب یہ کہ کاملین یہ فرماتے ہیں کہ یہ سب چیزیں جنت میں ہیں اور اُن کے آثار دنیا میں آئے تو اُن آثار کی بدولت دنیا کی آوازیں وغیرہ بھی عمدہ اور دلفریب ہوگئیں تو حکماء آسمان کی آواز بتاتے ہیں

اور مومنین کاملین جنت کی آوازیں بتاتے ہیں غرضکہ ہیں دونوں صورت میں وہیں کی آوازیں اسی لئے روح ان سے مانوس ہے۔ آگے یہی فرماتے ہیں کہ۔

ما ہمہ اجزائے آدم بودہ ایم　　　در بہشت آن لحنہا بشنودہ ایم

یعنی ہم سب آدمؑ کے اجزا تھے تو ہم سب نے بہشت میں وہ آوازیں سُنی ہیں۔

گرچہ برما ریخت آب و گل شکے　　　یاد ماں آید از انہا اندکے

یعنی اگرچہ ہم پر آب و گل نے ایک شک ڈالدیا ہے۔ (لیکن) ہمکو انمیں سے کچھ یاد آتا ہی مطلب یہ کہ ہم نے چونکہ اُن آوازوں کو سُنا ہے اسلئے ہماری روح اُن سے مانوس ہے۔ اور اگرچہ بوجہ تعلق ناسوت کے اُس اثر میں کمی ہوگئی ہے۔ لیکن آخر کچھ کچھ تو یاد آہی جاتا ہے۔ جیسا کہ بعض بزرگوں نے تو یہاں تک بیان کیا ہے کہ ہمیں وہ آواز جو ازل میں عہد لیا گیا تھا کہ الست بربکم اب تک آرہی ہے۔ اسی کو حضرت شیخ شیرازیؒ فرماتے ہیں کہ ؎

الست از ازل ہمچناں شاں بگوش　　　بفریاد قالوا بلیٰ در خروش

غرضکہ وہ فرماتے ہیں کہ وہ آواز بلند ہے۔ کہ اب تک آرہی ہے۔ لیکن بوجہ غلبۂ ناسوت کے ہر شخص کو سنائی نہیں دیتی۔ تو بعض مرتبہ یہاں کی آوازیں سنکر اُس طرف توجہ ہوجاتی ہے۔ اور اس آواز کی طرف التفات ہوجاتا ہے۔ تو اُس سے متلذذ ہوتے ہیں اور ظاہر میں لوگ سمجھتے ہیں کہ یہ اس آواز سے خوش ہورہے ہیں۔ غرضکہ اُنکو انمیں لذت آتی ہے اگرچہ بوجہ تعلق ناسوت کے وہ لذت اصلی تو نہیں آتی۔ لیکن پھر بھی کچھ نہ کچھ اثر اُسی کا ہے۔ آگے اسی کو فرماتے ہیں کہ۔

لیک چوں آمیخت با خاک کرب　　　کے دہد ایں زیر وایں بم آں طرب

یعنی لیکن جب خاک اور کرب میں ملگیا ہے۔ تو یہ زیر و بم وہ طرب کب دیتی ہیں مطلب یہ کہ بوجہ تعلق ناسوت کے وہ لذت جو اصل ہے وہ تو بھلا کہاں آسکتی ہے لیکن خیر کچھ تھوڑی بہت لذت آہی جاتی ہے۔ آگے اسکی ایک مثال دیتے ہیں کہ۔

آب چوں آمیخت با بول و کمیز　　　گشت ز آمیزش مزاجش تلخ و تیز

یعنی پانی جب پیشاب اور گندگی میں ملگیا تو اُسکے ملنے کی وجہ سے تلخ و تیز ہوگیا ہی (لیکن)

چیزکے از آب ہستش در جسد بول زاں رو آتشے را می کشد

یعنی کچھ پانی میں سے اُسکے جسم میں باقی ہے۔ اسی لئے بول آگ کو بجھا دیتا ہے۔

گر نجس شد آب ایں طبعش بماند کاتش غم را بالطبع خود نشاند

یعنی اگرچہ پانی نجس ہوگیا (لیکن) اُسکی یہ طبیعت باقی رہگئی۔ کہ آتش غم کو اپنی طبیعت سے اُس نے بجھا دیا مطلب یہ کہ دیکھو پانی پیشاب میں ملکر گندہ ہوگیا ہے۔ اور اُسکو پانی نہیں کہا جاتا۔ اور اگر کہا جاتا ہے تو نجس اور خراب اور اب اُسمیں وہ لذت اور شیرینیت نہیں رہی لیکن ایک اثر ماہیت کا اُسمیں اب بھی موجود ہے۔ کہ وہ آگ کو بجھا دیتا ہے۔ تو دیکھیئے اُسمیں ماہیت کا ایک اثر باقی ہے اسی طرح اگرچہ دنیا میں ہماری روح پر غلبہ ناسوت کا ہوگیا ہی لیکن پھر بھی ایک اثر وہاں کا باقی ہے کہ اُسکی وجہ سے کچھ لذت آجاتی ہے۔ آگے مولانا گویا کہ سماع کے متعلق فیصلہ فرماتے ہیں کہ

پس غذائے عاشقاں آمد سماع کہ درو باشد خیال اجتماع

یعنی پس عاشقوں کی غذا سماع آئی ہے۔ کہ اُسمیں اجتماع کا خیال ہوتا ہے۔

قوتے گیرد خیالات ضمیر بلکہ صورت گردد از بانگ و صفیر

یعنی خیالات دل کو ایک قوت حاصل ہوتی ہے۔ بلکہ بانگ و صفیر سے صورت ہو جاتی ہے

آتش عشق از نواہا گشت تیز ہمچنانکہ آتش آں جوز ریز

یعنی عشق کی آگ انکی آوازوں سے تیز ہو جاتی ہے جیسا کہ اُس اخروٹ ڈالنے والے کی آگ مطلب یہ ہی کہ مولانا فرماتے ہیں کہ سماع عشاق کی غذا ہے کیونکہ اُنکی توجہ سماع کے ذریعہ سے حق تعالیٰ کی طرف اور آخرت کی چیزوں کی طرف ہو جاتی ہے اور اس سے اُن کے خیالات قلبی کو قوت ہوتی ہے۔ اور آگ عشق حق کی انکی دل میں بھڑکتی ہے۔ تو اُنکو اس سے فائدہ ہوتا ہے پس یہ گویا کہ فیصلہ ہے سماع کے متعلق۔ اسلئے کہ ہر شخص اپنی اپنی حالت کا اندازہ کرلے۔ اور موازنہ کرلے۔ کہ آیا سماع سے اُسکی یہ حالت ہوتی ہے۔ یا خواہشات نفسانی میں ترقی ہوتی ہے اگر اول صورت ہے تو اُسکو ملامت نہو گی اگرچہ جائز بھی نہ کہا جاویگا۔ لیکن بوجہ مجبور ہونیکے ملامت نہوگی۔ اور جسکو صورت ثانی پیش آتی ہے اُسکو یقیناً

ملامت ہو گی۔ اور قطعی حرام ہے بلکہ صورت اول میں تو فائدہ ہوتا ہے اور ثانی صورت میں ظاہر ہے کہ ضرر بلکہ ہلاکت ہے خوب سمجھ لو۔ آگے ایک حکایت لاتے ہیں جسکی کہ مثال دی ہو کہ ہمچنانکہ آتش آں جوز ریز۔ خلاصہ حکایت کا یہ ہے کہ ایک شخص کو پیاس لگ رہی تھی اور پانی ایک گہرے گڑھے میں تھا۔ جہاں یہ پہونچ نہ سکتا تھا۔ تو اُس نے یہ کیا کہ ایک اخروٹ کے درخت پر چڑھکر اُسکو ہلایا۔ تو اُسمیں سے جو اخروٹ پانی میں گرتے اور پانی کی آواز اُسکے کان میں آتی اور بلبلے دیکھتا تو یہ خوش ہوتا۔ اسی طرح جو شخص کہ اول پیاس لگا چکا ہو اور وہ سماع سنے اُسکو مجبور کہکر ملامت نہ کریں گے خوب سمجھ لو۔ آگے اُس جوز ریز کی حکایت سنو۔

شرح حبیبی

اُس پیاسے کی حکایت کہ درخت اخروٹ پر سے اخروٹ پانی میں ڈالتا تھا جو کہ گڑھے میں تھا اور اخروٹ کے گرنے سے جو آواز پانی میں ہوتی تھی اسکو سنکر خوش ہوتا تھا

در تغوے بود آب آں تشنہ راند	بر درخت جوز جوزے می فشاند
می فتاد از جوز بن جوز اندر آب	بانگ می آمد ہمی دید او حباب
عاقلے گفتش کہ بگذار اے فتا	جوز با خود تشنگی آرد ترا
بیشتر در آب می افتد ثمر	آب در پستی است از تو دور تر
بیشتر در آب می افتد ببین	می برد آبش ترا چہ سود ازیں

تا تو از بالا فرو آئی بہ زیر — آب جوزت بردہ باشد اے دلیر

گفت قصدم زین فشاندن جوز نیست — تیز تر بنگر برین ظاہر مایست

قصد من آنست کاید بانگ آب — ہم بہ بینم بر سر آب این حباب

تشنہ را خود شغل چہ بود در جہاں — گرد پائے حوض گشتن جاوداں

گرد جوئے و گرد آب و بانگ آب — ہمچو حاجی طائف کعبہ صواب

ہمچناں مقصود من زین مثنوی — اے ضیاء الحق حسام الدین توئی

مثنوی اندر اصول و ابتدا — جملہ بہر تُست و بر تُست انتہا

التجا بر تست و بر امداد تو — تکیہ بر اشفاق و بر اسعاد تو

مثنوی اندر اصول و در فروع — میکند زیر لوائے تو رجوع

مثنوی در استوا و در اقول — جملہ آن تُست و کردستی قبول

در قبول تُست عز و مقبلے — زانکہ شاہ جان و سلطان ولے

در قبول آرند شاہاں نیک و بد — چون قبول آرند نبود ہیچ رد

چون نہالے کاشتی آبش بدہ — چون کشادش دادہ بکشا گرہ

قصدم از الفاظ او راز تو است — قصدم از انشاش آواز تو است

پیش من آوازت آواز خدا است — عاشق از معشوق حاشا کے جدا است

اتصالے بے تکیف بے قیاس — ہست رب الناس را با جان ناس

لیک گفتم ناس من نسناس نے — ناس غیر جان جاں اشناس نے

ناس مردم باشد و کو مردمی — تو سر مردم ندیدستی دمی

مار ہست اژدر ہست خوانندٔ	لیک جسمی در تجزی مانندٔ
ملک جسمت را چو بلقیس اے غنی	ترک کن بہر سلیمان نبی
میکنم لاحول نے از گفت خویش	بلکہ از وسواس آں اندیشہ کیش
کو خیالے میکند در گفت من	در دل از وسواس و انکارات و ظن
میکنم لاحول یعنی چارہ نیست	چوں ترا در دل بضدم گفتنی است
چونکہ گفت من گرفتت در گلو	من خمش کردم تو آں خود بگو

قصہ ایک نے بجانے والے کا کہ نے بجانے کیوقت اُسکی ریح صادر ہوئی تو اُس نے نے کو زمین پر رکھدیا کہ اگر تو اچھی آواز نکال سکتی ہے تو تو ہی بول لے

آں یکے نائے کہ خوش نے میزدست	ناگہاں از مقعدش بادے بجست
نائے را بر کوں نہاد او کہ ز من	گر تو بہتر میزنی بستاں بزن

اوپر ہم نے کہا تھا "ہمچنانکہ آتش آں جوز ریز" اسمیں ایک قصہ کیطرف اشارہ تھا۔ اب ہم وہ قصہ بیان کرتے ہیں۔ سنو ایک گڑھے میں پانی تھا اور اُسکے قریب ایک اخروٹ کا درخت کھڑا تھا۔ ایک پیاسا اُس درخت پر چڑھا اور اخروٹ گرانے لگا۔ اس اخروٹ کے درخت سے اخروٹ ٹوٹ ٹوٹ کر پانی میں گرتے تھے۔ انکے گرنے سے پانی میں سے ایک آواز نکلتی تھی جسکو وہ سنتا تھا۔ اور بلبلے اُٹھتے تھے جسکو وہ دیکھتا تھا۔ ایک عاقل نے اُسکی یہ حرکت دیکھی۔ اور کہا کہ یہ کیا حرکت کر رہا ہے اسے چھوڑ دے اس سے تو تجھے اور پیاس لگے گی رہا اخروٹ نکالنا ہاتھ آنا سو اسکی یہ حالت ہے کہ اکثر اخروٹ پانی میں

جا رہے ہیں۔ اور پانی بہت گہرائی میں اور تجھ سے بہت دور ہے۔ اسلئے وہ تیرے ہاتھ نہیں آسکتے۔ تو دیکھ لے کہ زیادہ حصہ انکا پانی میں گر رہا ہے۔ اور پانی انکو اپنے اندر لے رہا ہے پس تجھے اس سے کیا فائدہ ہے جب تک تو نیچے اترےگا اتنے میں پانی تیرے اخروٹوں کو ہضم کر جاویگا۔ ف اس مقام پر ایک نسخہ آب جویش ہے مگر ہم نے نسخہ آب جوزت اختیار کیا ہے۔ کیونکہ اشعار بالا سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ آب جو نہ تھا بلکہ آب نعول تھا) اس نے کہا کہ میرا مقصود اخروٹوں کے گرانے سے اخروٹ نہیں ہیں تم کو میرے فعل میں نظر غائر کرنی چاہیئے۔ اور نظر کو صرف ظاہر ہی تک محدود نہ رکھنا چاہیئے۔ میرا مقصود یہ ہے کہ پانی کی آواز آئے۔ اور نیز یہ کہ میں بلبلے اٹھتے دیکھوں پیاسے کو دنیا میں اور کیا کام ہے بجز اسکے کہ پانی حوض کے گرد پھرتا رہے۔ اور ندی اور پانی کے بانی اور پانی کی آواز کے گرد پھرتا رہے جیسے حاجی کعبہ کا طواف کرتا ہے۔ یہ قصہ تو ختم ہوا آپ پھر لانا حسام الدین کو خطاب فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جسطرح اس پیاسے کا مقصود پانی اور اسکی آواز کا سننا اور اسکے بلبلونکا دیکھنا تھا یوں ہی اے ضیاء الحق حسام الدین اس مثنوی سے میرا مقصود تم ہو۔ اور یہ مثنوی جڑ اور ابتدا سے سب تمہارے ہی لئے ہے اور تمہیں پر اسکی انتہا ہے اسکی تکمیل کی تمہیں سے اور تمہاری ہی امداد سے التجا رہے۔ اور تمہاری عنایتوں اور تمہاری ہی اعانت پر بھروسہ ہے۔ مثنوی اپنے مضامین اصلیہ اور تبعیہ سب میں آپ ہی کے جھنڈے کیطرف راجع ہے یہ آفتاب مثنوی اپنے انتہائے کمال اور انتہائے نقصان غرضکہ ہر حالت میں آپ ہی کا ہے۔ اور آپ ہی نے اسے کرم سے قبول فرمایا ہے۔ اسلئے یہ اسکے لئے موجب عزت وخوش اقبالی ہے۔ کیونکہ آپکا کسی شے کو قبول کر لینا اس امر مقبول کیلئے موجب عزت اور خوش اقبالی ہے۔ اسلئے کہ آپ شاہ جان اور سلطان دل ہیں آپکا اسکو قبول فرمالینا کوئی تعجب کی بات نہیں کیونکہ بادشاہ لوگ اچھی بری ہر چیز کو قبول کر لیتے ہیں اور اچھی کیساتھ بری کا میں نے محاورہ کے طور پر ذکر کر دیا ہے ورنہ جو چیز بادشاہوں کے یہاں مقبول ہو جاوے وہ بری کیوں ہونے لگی تھی۔ جبکہ مثنوی کا یہ پودا آپنے لگایا ہے تو آپ اسکو پانی بھی دیں۔ اور

جبکہ آپنے اسکو شروع کیا ہے تو جو مشکلات اسکی تکمیل میں ہیں انکو حل ہی کیجئے کیونکہ میرا مقصود در مصنف
اس کے الفاظ سے آپکا راز بیان کرنا ہے۔ کیونکہ اسکے الفاظ مصنف کے کمال پر دال ہیں اور
اسکے فی الحقیقت آپ ہیں ہیں تو ایک آڑ ہوں۔ ویدل علیہ قولہ فی مفتح ھذا السفر الرابع
اے ضیاء الحق حسام الدین توئی الی قولہ مثنوی را چو تو مبدا بودہ الخ وقولہ مفتح السفر الثالث
اے ضیاء الحق حسام الدین بیا الی البیت الثانی وقولہ فی مفتح السفر الثانی چو ضیاء الحق
حسام الدین عنان الی البیت الثالث اور اسکے انشار سے میرا مطلوب آپکی آواز ہے جسکو میں
آپکے القائے مضامین کے وقت اپنے گوش دل سے سنتا ہوں ولا تلتفت الی ما قال
المحشون۔ کیونکہ میرے نزدیک آپکی آواز خدا کی آواز ہے۔ اسلئے کہ آپ عاشق الٰہی ہیں اور
عاشق و معشوق میں ایک ایسا تعلق خاص ہوتا ہے جسکی بنا پر ایک کا فعل دوسرے کی
طرف نسبت کیا جاسکے۔ نیز حق سبحانہ کو آدمیوں کے ساتھ ایک ارتباط و تعلق خاص ہے
جو بے کیف ہے اور جسکی کنہ کو عقل بشری ادراک نہیں کر سکتی۔ اس بنا پر بھی یہ کہنا صحیح ہے
کہ آپکی آواز خدا کی آواز ہے۔ لیکن تم یہ شبہ نکرنا کہ اس سے تو لازم آتا ہے کہ زید و عمر و کی آواز
کو بھی خدا کی آواز کہا جاسکے۔ کیونکہ میں نے آدمی کہا ہے نہ کہ بن مانس۔ اور آدمی عارف حق
ہی ہوتا ہے زید و عمر و تو بن مانس ہیں اور میرے الفاظ اتصالے بے تکیف بے قیاس ہست
رب الناس را با جان ناس ہیں۔ اور ناس آدمی کو کہتے ہیں سو آدمی کہاں ہیں اور تو تو آدمی
کی دم ہے۔ تو نے آدمی کا سر کہاں دیکھا ہے۔ باوجودیکہ تو نے ما رمیت اذ رمیت ولکن
اللہ رمی پڑھا ہے۔ مگر چونکہ تو جسم ہے اور روحانیت سے تجھے لگاؤ نہیں اسلئے تو اس اتحاد کی
حقیقت نہیں سمجھ سکتا اور لزوم تجزی پر تقدیر اتحاد کے شبہ میں پھنسکر رہ گیا ہے حالانکہ یہ وہ
اتحاد نہیں جو مستلزم تجزی حق سبحانہ ہو اگر تجھے اس اتحاد کو معلوم کرنا ہے تو اسے کو دلیع
اپنے جسم کو نائب سلیمان نبی یعنی شیخ کی خاطر چھوڑ دے اور اسے فنا کردے اسوقت ذوقاً
تجھے یہ اتحاد معلوم ہو جاویگا۔ اور تیرے شکوک زائل ہو جائیں گے۔ صاحبو میں نے جو اسوقت
لاحول پڑھی ہے یہ میں نے اپنی گفتگو پر نہیں پڑھی کیونکہ وہ تو بالکل صحیح ہے بلکہ عادی دروس
معترض کے وسوسۂ شیطانی پر پڑھی ہے۔ کہ وہ وساوس شیطانیہ اور انکار اور گمان باطل کے

سبب میری گفتگو کے متعلق خیال فاسد دل میں لاتا ہے اور میرے لاحول پڑھنے کا مطلب یہ ہے کہ اے معترض جب تو نے میری گفتگو کا مطلب میرے مقصود کے خلاف سمجھ لیا۔ تو اب میں کیا کر سکتا ہوں۔ اچھا جبکہ میری بات تیرے گلے میں پھنس کر رہ گئی اور دل میں نہیں بیٹھی۔ تو میں چپ ہوتا ہوں تو اپنی کہہ اور میرا یہ کہنا ایسا ہے جیسا کہ ایک شخص نہایت عمدہ بانسری بجا رہا تھا دفعۃً اسکا گوز نکل گیا۔ تو اس نے بانسری کو اپنے پائخانہ کی مقام پر رکھکر کہا کہ تو مجھے نہیں بجانے دیتی نہ سہی اگر تو مجھسے اچھا بجا سکتی ہے تو تو ہی بجا۔

شرح شبّیری

اُس پیاسے کی حکایت کہ درخت اخروٹ پر سے اخروٹ پانی میں ڈالتا تھا جو کہ گڑھے میں تھا اور اخروٹ کی گرنے سے جو آواز پانی میں ہوتی تھی اُسکو سُنکر خوش ہوتا تھا۔

در تغوے بود آب آں تشنہ راند　　بر درخت جوز جوزی می فشاند

یعنی کہ ایک گڑھے میں پانی تھا تو وہ پیاسا اخروٹ کے درخت پر چڑھکر اخروٹ جھاڑنے لگا

می فتاد از جوز بن جوز اندر آب　　بانگ می آمد ہمی دید او حباب

یعنی اخروٹ کے درخت سے اخروٹ پانی میں گرتے تھے تو آواز آتی تھی اور وہ (پیاسا) بلبلے دیکھتا تھا۔

عاقلے گفتش کہ بگذار اے فتا　　جوزہا خود تشنگی آرد ترا

یعنی ایک عاقل نے اُس سے کہا کہ اے جوان چھوڑ کیونکہ اخروٹ تو تیرے لئے پیاس زیادہ لاوینگے مطلب یہ کہ تو جو درخت کو ہلا رہا ہے اسمیں جو محنت ہوتی ہے اس سے تو پیاس اور بڑھیگی کم کب ہوگی۔ پھر کیا فائدہ ہے اور اگر ان اخروٹوں ہی کو کھا کر پیاس کم کرتا تو یہ بھی نہیں ہو سکتا کیونکہ

بیشتر در آب می افتد ثمر — آب در پستی است از تو دور تر

یعنی زیادہ تر پھل تو پانی میں گرتے ہیں اور پانی تجھسے پستی میں بہت دور ہے۔

بیشتر در آب می افتد ببین — می برد آبش ترا چہ سود ازین

یعنی دیکھئے زیادہ تر پانی میں گر رہے ہیں دریا انکو لیجا رہا ہے تو تجھے اس سے کیا فائدہ

تا تو از بالا فرود آئی بزیر — آب جویش بردہ باشد ای دلیر

یعنی جب تک کہ تو اوپر سے نیچے کو آویگا ندی کا پانی اسکو لے گیا ہوگا۔ اے دلیر۔ مطلب یہ کہ اس عاقل نے کہا کہ زیادہ تر اخروٹ پانی میں گر رہے ہیں اور پانی انکو بہائے لئے جا رہا ہے جب تک تو نیچے اتریگا انکو پانی کہیں سے کہیں بہا لیجاویگا۔ پھر تجھے اس محنت سے کیا فائدہ ہو رہا ہے آگے اسکا جواب ہے کہ۔

گفت قصدم زین فشاندن جوز نیست — تیز تر بنگر بدین ظاہر مایست

یعنی اس پیاسے نے کہا کہ میرا مقصد اس جھاڑنے سے اخروٹ نہیں ہیں ذرا غور کرو ظاہر پر مت قایم ہو۔

قصد من آنست کاید بانگ آب — ہم ببینم بر سر آب آں حباب

یعنی میرا قصد یہ ہے کہ پانی کی آواز آوے اور میں پانی کے اوپر بلبلے دیکھوں یعنی اس نے کہا کہ میاں میری ظاہری حالت سے استدلال مت کرو۔ بلکہ میرے مقصود اصلی کو دیکھو کہ کیا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ میں پیاسا ہوں اخروٹ گرنے سے جو مجھے پانی کی آواز آتی ہے اور مجھے اسپر بلبلے نظر آتے ہیں اس سے مجھے فرحت ہوتی ہے۔ اور مجھے اس حالتمیں بھی بہت غنیمت معلوم ہوتا ہے۔ کہ مجھے خیر آواز محبوب تو آرہی ہے اگرچہ میری رسائی وہاں تک نہیں ہے آگے فرماتے ہیں کہ۔

تشنہ را خود شغل چہ بود در جہاں — گرد پای حوض گشتن جاوداں

یعنی دنیا میں پیاسے کا کام ہی کیا ہوتا ہے (صرف) حوض کے گرداگرد ہمیشہ پھرنا

گرد جو و گرد آب و بانگ آب — ہمچو حاجی طائف کعبہ صواب

یعنی ندی کے اور پانی کے اور پانی کی آواز کے گرد پھرنا جیسے کہ حاجی کعبہ اصلی کا طائف

ہوتا ہے مطلب یہ کہ جو پیاسا ہو اسکا تو یہ کام ہونا چاہیئے کہ اگر پانی تک رسائی نہو تو اسکے ظروف کے گرداگرد پھرتا ہی رہے اسی طرح طالب حق کو اگر رسائی نہو تو اسکی طلب میں تو لگا رہے چھوڑے نہیں آخر ایک روز رسائی بھی ہو ہی جاوے گی۔ آگے مولانا فرماتے ہیں کہ۔ ہمچناں مقصود من زیں مثنوی اے ضیاء الحق حسام الدین توئی

یعنی اسی طرح اس مثنوی سے میرا مقصود اے ضیاء الحق حسام الدین آپ ہی ہیں۔

مثنوی در استواؤ در افول جملہ آں تست و کردستی قبول

یعنی مثنوی شروع میں اور ختم میں بالکل آپ ہی کی ہے اور آپنے اسکو قبول فرمالیا ہے،

التجا بر تست و بر امداد تو تکیہ بر اشفاق و بر اسعاد تو

یعنی آپ ہی سے التجا ہے اور آپ ہی کی امداد ہے اور آپ ہی کی شفقتوں اور مسعود کرنے پر بھروسہ ہے۔

مثنوی اندر اصول و فروع می کند زیر لوائے تو رجوع

یعنی مثنوی اصول و فروع میں (سب میں) آپ ہی کی جھنڈے کے نیچے رجوع کرتی ہے +

مثنوی اندر اصول وابتدا جملہ بہر تست و بر تست انتہا

یعنی مثنوی ابتدا میں اور انتہا میں بالکل آپ ہی کیلئے ہے۔ اور آپ ہی پر ختم ہے (اصل چونکہ جڑ کو کہتے ہیں اور وہ آخر میں ہوتی ہے اسلئے اس سے انتہا مراد ہوئی)۔

در قبول تست عزو مقبلے زانکہ شاہ جان و سلطان دلی

یعنی آپکے قبول کر لینے میں عزت اور خوش نصیبی ہے اسلئے کہ آپ شاہ جان و سلطان دل ہیں۔

در قبول آرند شاہان نیک و بد چوں قبول آرند نبود ہیچ رد

یعنی بادشاہ لوگ ہر نیک و بد کو قبول فرمالیتے ہیں اور جب وہ قبول فرمالیں تو پھر کوئی مردودیت نہیں رہتی۔

چوں نہالے کاشتی آبش بدہ چوں کشادش دادۂ بکشا گرہ

یعنی جب آپنے ایک پودا لگایا ہے تو اسکو پانی بھی دیجیئے اور جب آپ نے اسکو کشادگی دی ہے تو گرہ بھی کھولئے یعنی اگر کوئی رکاوٹ پیدا ہو تو اسکو بھی زائل کیجیئے جب کہ آپنے

اسکو شروع کر دیا ہے۔

قصدم از الفاظ او راز تو است　　قصدم از انشاش آواز تو است

یعنی اسکے الفاظ سے مجھے آپکا راز مقصود ہے۔ اور اسکے لکھوانے سے مجھے آپکی آواز مقصود ہے۔ مطلب یہ کہ اسمیں جو میں نے الفاظ میں اولیاء اللہ کے حالات بیان کئے ہیں اور اسرار حقائق بیان کئے ہیں ان سے میرا مقصود آپ کے راز کا اظہار ہے کہ یہ سب کمالات آپکے اندر موجود ہیں اور اسکے لکھوانے سے صرف یہ مقصود ہے کہ آپ یہ کہدیں کہ خوب لکھا بس یہ آواز آجانا اور آپکا یہ فرما دینا ہی میرا مقصود ہے آگے جو تعمیر فرماتے ہیں کہ۔

پیش من آوازت آواز خداست　　عاشق از معشوق حاشا کی جداست

یعنی میرے آگے آپکی آواز خدائے تعالیٰ کی آواز ہے۔ خدا نہ کرے عاشق معشوق سے جدا کب ہے مطلب یہ کہ چونکہ آپکی شان بی یسمع بی یبصر کی ہوگئی ہے تو آپ کا تعریف کر دینا اور اس مثنوی کو اچھا کہدینا گویا کہ حق تعالیٰ کا تعریف کر دینا ہے۔ اسلئے میں جو کچھ لکھوا رہا ہوں اور جو الفاظ میں بول رہا ہوں اس سے صرف مجھے یہی مقصود ہے کہ آپ اسکے متعلق کچھ فرما دیں دوسرے مصرعہ میں فرماتے ہیں کہ بھلا عاشق معشوق سے جدا کب ہوتا ہے۔ انمیں تو ایک ایسا علاقہ ہوتا ہے کہ اسکی وجہ سے وہ دونوں گویا ایک ہی ہو جاتے ہیں اسی طرح چونکہ حق تعالیٰ محبوب ہیں اور تم محب حق ہو لہذا تمہارے اور حق تعالیٰ کے درمیان میں بھی ایک ایسا علاقہ ہے کہ اسکو یگانگت اور وحدت اصطلاحی سے تعبیر کر سکتے ہیں آگے اس اتحاد کا اتحاد لغوی ہونا بلکہ اتحاد اصطلاحی ہونا خود بیان فرماتے ہیں کہ۔

اتصالے بے تکیف بے قیاس　　ہست رب الناس را با جان ناس

یعنی ایک اتصال بلا کیف اور بے قیاس رب الناس کو لوگوں کی جان کیساتھ ہے مطلب یہ کہ حق تعالیٰ کو ارواح عباد کیساتھ ایک ایسا اتصال ہے کہ جسکی کیفیت کو بیان کرنا ممکن نہیں۔ وہ ایک بالکل بے کیف تعلق ہے جسکو الفاظ سے تعبیر کرنا ممکن نہیں ہے

لہذا وہی اتحاد اصطلاحی ہوگا۔ نہ کہ اتحاد لغوی۔ اب یہاں یہ شبہ ہوا کہ شاید وہ فیض ہر شخص کیساتھ عام ہوگا آگے اس شبہ کو دفع فرماتے ہیں کہ۔

لیک گفتم ناس من نسناس نے ناس غیر جان جاں اشناس نے

یعنی لیکن میں نے آدمی کہا ہے بن مانس نہیں (کہا) ہے اور آدمی بجز جان جان کے پہچاننے والے کے نہیں ہے۔ مطلب یہ کہ ہم نے جو کہا ہے کہ آدمی کیساتھ حق تعالیٰ کو ایک بے کیف تعلق ہے وہ آدمیوں کیلئے کہا ہے کہ جو آدمی ہیں۔ انکی جان کیساتھ حق تعالیٰ کو تعلق ہے۔ اور انسان وہی ہے جسکو معرفت حاصل ہو۔ کیونکہ جو عارف نہیں ہے اسکی تو صرف صورت آدمی کی ہوتی ہے حقیقت انسان اسکے اندر نہیں ہوتی۔ تو وہ تو مثل بن مانس کے ہے اور وہ انسان نہیں ہے۔ لہذا تعلق جو ہوگا وہ عارفین کاملین کیساتھ ہوگا عوام عباد کیساتھ وہ تعلق نہیں ہے ہاں خالقیت کا تعلق تو سب کے ساتھ ہے بحث اس خاص بے کیف تعلق میں ہے تو وہ تعلق صرف عارفین ہی سے ہوتا ہے جیسا کہ ظاہر ہے آگے بھی اسی کی توضیح فرماتے ہیں کہ

ناس مردم باشد و کو مردمی تو سر مردم ندیدستی دمی

یعنی ناس تو آدمی ہوتے ہیں اور آدمیت کہاں ہے تو نے آدمی کا سر نہیں دیکھا تو تو دم ہے مطلب یہ کہ ہم نے جو ناس کہا ہے تو اس سے آدمی مراد ہیں اور جنکو تم آدمی کہتے ہو۔ یہ آدمی ہی نہیں ہیں اسلئے کہ ان کے اندر آدمیت تو ہے ہی نہیں لہذا آدمی سے مراد وہ آدمی ہے جسمیں آدمیت بھی ہو۔ اور ایسے حضرات اولیاء اللہ ہی ہیں۔ اور چونکہ تم اس ظاہر جسم ہی میں پھنسے ہوئے ہو۔ اسلئے تم اس شخص ہی کو آدمی کہتے ہو جسکی صورت آدمی جیسی ہو۔ اور حقیقت انسان کو تم نہیں دیکھتے تو تم بمنزلہ دم کے ہو۔ کہ جسے کچھ بھی تمیز نہیں ہوتی۔ آگے فرماتے ہیں کہ

ما رمیت اذ رمیت خواندۂ لیک جسمی در تجزی ماندۂ

یعنی تو نے مارمیت اذ رمیت پڑھا ہے لیکن تو جسم والا ہے تو تجزی میں رہا ہوا ہے مطلب یہ کہ دیکھو قرآن شریف میں ارشاد حق ہے کہ مارمیت اذ رمیت ولکن

اللہ رمی حالانکہ ظاہرا حضور مقبول صلے اللہ علیہ وسلم ہی نے رمی فرمائی تھی اور اس رمی کو حق تعالیٰ اپنی طرف منسوب فرماتے ہیں جس سے کہ ایک تعلق حق تعالیٰ کو حضور صلے اللہ علیہ وسلم کیساتھ صاف طور پر معلوم ہوتا ہے اب جبکہ معلوم ہوا کہ وہ تعلق حق اس جسم ظاہری سے نہیں ہوتا بلکہ وہ تعلق بے کیف اور روحانی ہوتا ہے اسی لئے فرماتے ہیں کہ۔

ملک جسمت را چو بلقیس اے غنی ترک کن بہر سلیمان نبی

یعنی اے غنی اپنے ملک جسم کو بلقیس کی طرح سلیمان نبی علیہ السلام کیلئے چھوڑ دے مطلب یہ کہ جسطرح کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی خدمت کیلئے بلقیس نے اپنا ظاہری ملک ترک کر دیا تھا اور پھر اسکو دولت باطنی حاصل ہو گئی تھی اسی طرح تم بھی اپنے اس ظاہری جسم کے مقتضیات پر عمل مت کرو اسکو ترک کرو تب تمکو عروج روحانی حاصل ہوگا۔ انھوں نے خدمت سلیمان علیہ السلام کیلئے ترک کیا تھا تو تم اپنے شیخ کی خدمت کیلئے ترک کر دو۔ کہ وہ بھی تمہارے لئے مثل سلیمان علیہ السلام ہی کے ہیں۔ اب یہاں مولانا کو معترض کا خیال آ گیا تو وہ فرماتے ہیں کہ

می کنم لاحول نے از گفت خویش بلکہ از وسواس آں اندیشہ کیش

یعنی میں لاحول پڑھتا ہوں (مگر) اپنے قول پر نہیں بلکہ اس وہمی کے وسوسوں کی وجہ سے

کو خیالے می کند در گفت من + در دل از وسواس و انکارات و ظن

یعنی کہ وہ میرے قول میں اپنے دل کے اندر وساوس اور انکار اور ظن کا خیال (باطل) کرتا ہے مطلب یہ کہ وہ معترض جو میرے قول میں وسوسے کر رہا ہے اور اس قول کا انکار کر رہا ہے کہ یہ جو جسم کے ترک کو کہتے ہیں یہ غلط ہے۔ تو میں اسکے ان گمانوں پر لاحول پڑھتا ہوں

می کنم لاحول یعنی چارہ نیست چوں ترا در دل بضدم گفتنے است

یعنی کہ میں لاحول پڑھتا ہوں یعنی کوئی علاج نہیں ہے۔ جبکہ تجھے میری ضد میں کچھ کہنا ہے۔

چونکہ گفت من گرفتت در گلو من خمش گردم تو آں خود بگو

یعنی جبکہ میرا قول تیرے حلق میں اٹکتا ہے تو میں خاموش ہوتا ہوں تو اپنی بات ہی کہہ لے مطلب یہ کہ میں جو لاحول پڑھتا ہوں تو اس لاحول کے معنی یہ ہیں کہ اے معترض جب تجھے مجھسے ضد ہے تو پھر اسکا تو کوئی علاج ہی نہیں کیونکہ اگر اعتراض سے مقصود کوئی اصلاح ہوتی

یا احقاق حق مقصود ہوتا تب تو آسان تھا کہ تجھے سمجھا دیتا مگر اب جو تجھے مجھ سے صرف ضد ہی ہے تو تو کسی طرح مان ہی نہیں سکتا۔ لہذا اب میں ہی چپ ہوا جاتا ہوں تو اپنی ہی کہہ لے۔ آگے اس پر کہ میں چپ ہوتا ہوں تو اپنی ہی کہہ لے ایک حکایت لاتے ہیں۔

قصہ ایک نے بجانیوالے کا کہ نے بجانے کے وقت اسکی ریح صادر ہوئی تو اس نے نے کو کون پر رکھدیا کہ اگر تو اچھی آواز نکال سکتی ہے تو تو ہی بول لے

آں یکے نائی کہ خوش نے میزدست   ناگہاں از مقعدش بادے بجست

یعنی ایک نے بجانیوالا جو کہ اچھی نے بجا رہا تھا اچانک اسکی ریح صادر ہو گئی۔

نائے را بر کون نہاد او کہ زمن   گر تو بہتر میزنی بستان بزن

یعنی اس بجانے والے نے نے کو کون پر رکھدیا (اور اس سے کہا) کہ اگر مجھ سے اچھی تو بجا سکے تو تو ہی بجالے (تو اسی طرح مولانا فرماتے ہیں کہ اے معترض جو کہ کون کی طرح ہے اگر تو مجھ سے اچھا کلام کر سکتا ہے تو تو ہی بول لے میں چپ ہوا جاتا ہوں) آگے مولانا تعلیم فرماتے ہیں کہ ان معترضین اور بے ادبوں کی باتوں کا تحمل کرنا چاہیے۔

شرح حبیبی

ہر بے ادب کی باتوں کا تحمل کرنا اور نرمی اختیار کرنیکا بیان

اے مسلمان خود ادب اندر طلب	نیست الا حمل از ہر بے ادب
ہر کرا بینی شکایت میکند	کاں فلاں کس راست طبع و خوئے بد
ایں شکایت گو بدانکہ بد خوے است	کہ مر آں بد خوے را او بد گوے است

زانکه خوشخو آں بود کو در خمول / باشد از بدخو و بدطبعاں حمول

لیک در شیخ آں گله زامر خداست / نے پے خشم و ممارات و ہواست

آں شکایت نیست ہست اصلاح جاں / چوں شکایت کردن پیغمبراں

ناحمولے انبیا از امر داں / ورنه حمال است بد را حلم شاں

طبع را کشتند در حمل بدی / ناحمولے گر بود ہست ایزدی

اے سلیماں درمیان زاغ و باز / حلم حق شو باہمه مرغاں بساز

بلبل بسیار گو را پر مکن / باز را و کبک را برہم مزن

اے دو صد بلقیس حلمت را زبوں / کاہد قومی انہم لا یعلمون

اوپر مولانا ایک معترض پر خفا ہوئے تھے اس سے کسی کو نفسانیت کا شبہ ہو سکتا تھا اسلئے اب تحمل و عدم تحمل کی تحقیق فرماتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ طالب حق و سالک کیلئے ادب طلب یہی ہے کہ ہر بے ادب کی بات کا تحمل کرے اور جسکو تم دیکھو کہ کسی کی شکایت کرتا ہے اور کہتا ہے کہ فلاں شخص کی طینت و خصلت بری ہے۔ اسکی یہ شکایت بتلاتی ہے کہ ہنوز یہ خود بدخو ہے۔ کہ اس بدخو کو برا کہتا ہے اسلئے کہ خوشخو وہ ہوتا ہے جو گوشۂ گمنامی میں پڑا ہوا بدخو اور بدخصلت لوگوں کی زیادتیوں کو برداشت کرے لیکن مشائخ مصلحین کی شکایتوں کو اس قبیل سے نہ سمجھنا چاہئے۔ کیونکہ وہ بحکم خدا ہیں غصہ اور جھگڑے اور خواہش نفسانی کی بنا پر نہیں ہیں اور گو وہ بظاہر شکایت معلوم ہوں مگر حقیقت میں شکایت نہیں ہیں بلکہ اصلاح و تربیت روح ہے جیسی کہ پیغمبروں کی شکایتیں۔ تم انبیا کے عدم تحمل کو بحکم حق سمجھو۔ ورنہ فی نفسہ انکا حلم ہر برائی کا تحمل ہے۔ انھوں نے برائیوں کے تحمل کے باب میں اپنے نفس کو بالکل مار رکھا ہے پس اگر ایسی حالت میں عدم تحمل ظاہر ہو تو وہ بحکم حق ہوگا اس تحقیق کے بعد مولانا ضیاء الحق حسام الدین کو خطاب فرماتے ہیں اور وجہ اس خطاب کی یہ ہے کہ مولانا مثنوی کو ان ہی کی طرف نسبت کرتے ہیں پس شعر

طاعن گویا کہ انہیں پر طعن ہے۔ اور مولانا نے جو مثنوی میں اسپر ناخوشی کا اظہار کیا ہے وہ گویا کہ انہیں کا عتاب ہے۔ اسلئے فرماتے ہیں کہ اے سلیمان وقت کووں اور بازوں کے اندر آپ حلم حق کو کام فرمائیں اور سب جانوروں سے میل رکھیں۔ اور بلبل فضول گو کے پر نہ اکھاڑیں اور باز اور کباب سبکو مخلوط نکریں آپکے حلم کے سیکڑوں شخص جو بلقیس کی طرح گمراہ ہیں زیر بار ہیں پس آپ حلم کو کام فرماویں اور یہ فرمائیں کہ اے اللہ تو میری قوم کو ہدایت کر یہ جانتے نہیں۔ خلاصہ یہ کہ اوپر مولانا نے معترض پر عتاب فرمایا تھا اور کہا تھا کہ اچھا میں چپ ہوتا ہوں تو ہی کہہ۔ اور مولانا چونکہ مثنوی کو حسام الدین کی طرف منسوب کرتے ہیں اسلئے یہ عتاب گویا کہ انہیں کا عتاب تھا۔ اسپر مولانا انکے غصہ کو فرو کرنا چاہتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ آپ خفا نہوں حلم حق سے کام لیں۔ آپ ان جاہلوں کی باتوں کی طرف التفات نفرماویں سبکے سب سمجھ ہی ہیں۔ اگر یہ جاہل نہ سمجھیں نہ سہی دوسرے لوگ سمجھیں گے۔ آپ ان نااہلوں کے سبب اہلوں کو محروم نفرمائیے اور سلسلہ گفتگو کو جاری رکھئے اور ان نااہلوں کے لئے بھی حق سبحانہ سے دعائے ہدایت فرمائیے۔ ھذا ھو المراد۔ وما قال البعض من انہ خطاب لسلیمان علیہ السلام وتوطیۃ للرجوع الی القصہ کما ھو داب مولانا والقول بان الخطاب لحسام الدین او لکل سالک تکلف وذھول عن داب مولانا اہ شطط وذھول منہ عن داب مولانا وقع مثل ھذا فی السفر الثالث تحت عنوان آداب المستمعین والمریدین عند فیض الحکمۃ من لسان الشیخ کما قال ؎ بر ملولان این مکرر کردنست نزد من عمرے مکرر بردنست + لیک با بی رغبتیہائے ضمیر + صدقہ سلطان بفیشان وا مگیر +

اسپ خود را اے رسول آسماں | در ملولان منگر واندر جہاں

شرح شبیری

ہر بے ادب کی باتوں کا تحمل کرنا اور نرمی اختیار کرنے کا بیان

اے مسلماں خود ادب اندر طلب | نیست الاحمل از ہر بے ادب

یعنی اے طالب طلب میں ادب یہی ہے کہ ہر بے ادب (کی گستاخیوں کا) تحمل کیا جاوے۔
مطلب یہ کہ طریق طلب میں تحمل اور بردباری کرنا ہی اس طریق کا ادب ہے۔

ہر کہ را بینی شکایت میکند کان فلان کس راست طبع و خوئے بد

یعنی جسکو کہ تو دیکھے کہ شکایت کرتا ہے کہ وہ فلاں شخص کی طبع اور خوئے بد ہے

این شکایت گو بدانکہ بدخو یست کہ مر آں بدخوئے را او بدگو یست

یعنی کہ یہ شکایت کہہ رہی ہے کہ وہ بدخو ہے کہ اس بدخو کا یہ بدگو ہے۔

زانکہ خوشخو آں بود کو در خمول باشد از بدخوئے و بدطبعان حمول

یعنی اسلئے کہ خوشخو تو وہ ہوتا ہے جو کہ خلوت گزینی میں بدخوا و ربدطبعوں کا تحمل کرنیوالا ہو
مطلب یہ کہ اگر کوئی شخص کسیکی بدخوئی اور بدطبعی کی شکایت کرے تو سمجھ لو کہ یہ شاکی جیسا
بھی بدخو ہیں اسلئے کہ اگر خوشخو ہوتے تو یہ اس بدخو کا تحمل کرتے اب جو یہ شکایت کرتے پھرتے
ہیں یہ شکایت خود صاف بتا رہی ہے کہ یہ خود بدخوا و ربد طبع ہے۔ کیونکہ خوشخو تو کہتے اسی
کو ہیں جو بدخو لوگوں کی تکالیف پر تحمل کرے۔ اب یہاں شبہ پڑتا ہے کہ جب خوشخوئی تحمل ہی ہے
تو یہ جو شیوخ اپنے مریدین کو تنبیہ فرماتے ہیں اور انکی گستاخیوں پر تحمل نہیں کرتے اس سے
تو یہ سارے کے سارے بدخو ثابت ہوتے ہیں حالانکہ یہ مانی ہوئی بات ہے کہ ان کے رذائل
کا ازالہ ہو چکا ہے اور شیخ کامل بدخو نہیں ہو سکتا۔ پھر ان کے اس تحمل نہ کرنے کی کیا وجہ ہے
آگے اسکی وجہ بیان فرماتے ہیں کہ۔

لیک در شیخ آں گلہ زامر خداست نے پئے خشم و ممارات و ہواست

یعنی لیکن شیخ میں وہ گلہ امر خدا کی وجہ سے ہے۔ نہ کہ غصہ اور دشمنی اور خواہش نفسانی
کی وجہ سے ہے۔

آں شکایت نیست ہست اصلاح جاں چوں شکایت کردن پیغمبراں

یعنی وہ شکایت نہیں ہے وہ جان کی اصلاح ہے۔ جیسے کہ انبیا علیہم السلام کی شکایت کرنا

ناحمولے انبیا از امر داں ورنہ حمال است بد را حلم شاں

یعنی انبیا علیہم السلام کا بردباری نہ کرنا حکم حق سے جانو۔ ورنہ بد کیلئے تو انکا حلم حمال ہی ہے

طبع را کشتند در حمل بدی ناحمولی گر بود ہست ایزدی

یعنی بدی کے تحمل کرنے میں انھوں نے طبیعت کو مار ڈالا ہے اور بردباری نکرنا اگر ہے تو وہ اللہ کے واسطے ہے۔ مطلب یہ کہ شیوخ کاملین اگر کبھی سختی کرتے ہیں اور تنبیہ فرماتے ہیں تو اُنکا مقصود صرف اصلاح ہوتی ہے۔ اُنکو طالب سے کوئی غرض نفسانی یا کوئی دشمنی وغیرہ نہیں ہوتی۔ بلکہ چونکہ طالب نے اصلاح کیلئے اپنے کو سپرد کر دیا ہے۔ اور حق تعالیٰ کا حکم ہے کہ اگر کوئی اصلاح کیلئے اپنے کو سپرد کرے تو اسکو اسکی لغزشوں پر متنبہ کرو تو اگر وہ متنبہ نکریں تو خائن ٹھیریں۔ اسلئے وہ طالب کو متنبہ فرماتے ہیں۔ اب اگر کہا جاوے کہ لغزش پر مطلع کرنے کیلئے نرمی بھی تو ہو سکتی ہے کہ سمجھا دیا جاوے تو یہ بات تجربہ سے معلوم ہو گئی ہے کہ بغیر سختی کے کوئی مانتا نہیں اس امر کو شیخ خود سمجھ سکتا ہے کہ کسکو نرمی نافع ہوگی اور کسکو سختی نافع ہے۔ اسلئے وہ ہر شخص سے اُسکی مناسب برتاؤ کرتا ہے اگر شیخ کا فہم اسکے لئے بھی کافی نہیں سمجھا جاتا۔ تو اسکے ہاتھ میں ہاتھ ہی کیوں دیا۔ اور اسکو مصلح ہی کیوں بنایا۔ ہاں جو شخص طالب نہو۔ اور اپنے کو اصلاح کیلئے سپرد نکرے۔ اسکی تمام گستاخیوں کو یہ حضرات سہتے ہیں اور اُس سے کچھ بھی نہیں کہتے جیسے کہ حضرات انبیا علیہم السلام تھے۔ کہ مخالفین کی ایذائیں تمام سہتے تھے۔ اور جو محب اور مطیع ہونے کا دعویٰ کرتے تھے اُنکی ذراسی بات بھی ناگوار ہوتی تھی جیسا کہ خود حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ کفار نے تو حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو پتھروں سے زخمی کر کر دیا۔ اور کیا کیا تکالیف روحانی اور جسمانی پہونچائیں مگر کبھی اُن پر خفا نہیں ہوئے بلکہ اُنکی اصلاح ہی کی دعا فرماتے رہے۔ اور ایکمرتبہ مسجد میں قبلہ کیجانب والی دیوار پر کسی کی کھنکار پڑی تھی تو حضور کا چہرۂ مبارک سرخ ہو گیا۔ کیونکہ جانتے تھے کہ یہ حرکت کسی ایسے کی ہے کہ جو دوستی اور اطاعت کا دعویٰ کرتا ہے۔ تو بس اسی طرح جب ان حضرات کے سامنے بھی کوئی طلب کا دعویٰ کریگا تو جو اسکے آداب اور حقوق ہیں اُنکو بھی بجالانا پڑیگا۔ اور اگر تم ان حضرات کی خوش اخلاقی دیکھنا چاہتے ہو تو اپنے کو طالب مت بتاؤ۔ بلکہ کہدو کہ حضرت ہم طالب نہیں ہیں ہمیں اپنی اصلاح کی ضرورت نہیں ہے بس پھر دیکھو کہ یہ حضرات کیسے خوش اخلاق ہوتے ہیں۔ تو اگر طلب ہے تو پھر ان حضرات کی ذراسی سختی سے گھبرا مت جاؤ

بلکہ اسکو سہنا چاہیے۔ یہانتک تو شیخ کی سختی کو تحمل کرنیکی مریدوں کو تعلیم فرمائی۔ آگے شیخ صاحب کی خدمت میں عرض ہے کہ۔

اے سلیماں درمیان زاغ و باز　　حلم حق شو با ہمہ مرغان بساز

یعنی اے سلیمان کوّے اور باز کے درمیان میں حلم حق ہوجا۔ اور تمام جانوروں کی ساتھ موافقت رکھ۔

بلبل بسیار گو را پر مکن　　باز را و کبک را بر ہم مزن

یعنی بلبل بسیار گوکے پر مت اکھاڑ اور باز اور کبک کو پٹک مت۔

اے دو صد بلقیس حلمت را زبون　　اہد قومے انہم لایعلمون

یعنی اے وہ کہ دو سو بلقیس آپکے حلم کے (آگے) عاجز ہیں۔ (آپ تو یہ فرمائیے کہ) اے اللہ ہدایت دے میری قوم کو کہ وہ جانتے نہیں۔ مطلب یہ کہ اے شیخ ان اپنے اچھے برے مریدوں میں حلم حق ہوکر رہو اور ایسے تنک مزاج مت بنجاؤ کہ ذرا ذرا سی بات پر بگڑنے لگو بلکہ تمہیں بھی چاہیے کہ تحمل اور درگذر سے کام لو اور انکی اصلاح تنبیہ وغیرہ سے بھی کرو اور حق تعالیٰ سے دعا بھی کرو۔ غرضکہ مریدوں کو تعلیم ہے کہ شیخ کی سختی کی برداشت کرو اور شیخ سے عرض ہے کہ حضرت ان پر زیادہ سختی نہ فرمایا کیجئے کچھ نرمی سے بھی کام لیا کیجئے اور ان کی گستاخیوں پر تحمل فرمایا کیجئے۔ آگے پھر وہی بلقیس کا قصہ بیان فرماتے ہیں۔

شرح حبیبی

سلیمان علیہ السلام کا بلقیس کو دھمکی دینا کہ شرک پر اصرار مت کرو اور امتحان کیلئے ہجرت کرنیمیں دیر مت لگاؤ

ہیں بیا بلقیس ورنہ بد شود	لشکرت خصمت شود مرتد شود
پردہ دار تو درت را برکند	جان تو با تو بجان خصمی کند

جمله ذرات زمین و آسمان ⁂ لشکر حق اند گاه امتحان

باد را دیدی که با عاد آنچه کرد ⁂ آب را دیدی که در طوفان چه کرد

آنچه بر فرعون زد آن بحر کین ⁂ وانچه با قارون نمودست این زمین

وانچه آن بابیل با آن پیل کرد ⁂ وانچه پشه کلهٔ نمرود خورد

وانکه سنگ انداخت داودی بدست ⁂ گشت صد پاره و لشکر شکست

سنگ می بارید بر اعدای لوط ⁂ تا که در آب سیه خوردند غوط

گر بگویم از جمادات جهان ⁂ عاقلانه یاری پیغمبران

مثنوی چندان شود که چل شتر ⁂ گر کشد عاجز شود از بار پر

دست بر کافر گواهی می دهد ⁂ لشکر حق می شود سر می نهد

ای نموده ضد حق در فعل و درس ⁂ در میان لشکر اوئی بترس

جزو جزوت لشکر حق در وفاق ⁂ مر ترا اکنون مطیع اند از نفاق

گر بگوید چشم را کو را فشار ⁂ درد چشم از تو برآرد صد دمار

ور بدندان گوید او بنما وبال ⁂ پس ببینی تو ز دندان گوشمال

باز کن طب را بخوان باب العلل ⁂ تا ببینی لشکر تن را عمل

چونکه جان جان هر چیزی ویست ⁂ دشمنی با جان جان آسان کی است

خود رها کن لشکر دیو و پری ⁂ کز میان جان کنندم صفدری

ملک را بگذار بلقیس از نخست ⁂ چون مرا یابی همه ملک آن تست

خود بدانی چون بر من آمدی ⁂ که تو بی من نقش گرمابه بدی

نقش اگر خود نقش سلطان یا غنی است | صورت است آں جان خود بی چاشنی است
زینت او از برائے دیگراں | باز کردہ بیہدہ چشم و دہاں
اے تو در بیگار خود را باختہ | دیگراں را تو ز خود نشناختہ
تو بہر صورت کہ آئی بیستی | کہ منم ایں واللہ آں تو نیستی
یکزماں تنہا بمانی تو ز خلق | در غم و اندیشہ مانی تا بحلق
ایں تو کے باشی کہ تو آں اوحدی | کہ خوش و زیبا و سرمست خودی
مرغ خویشی صید خویشی دام خویش | صدر خویشی فرش خویشی بام خویش
جوہر آں باشد کہ قائم با خود است | واں عرض باشد کہ فرع او شد است
گر تو آدم زادۂ چوں او نشیں | جملۂ ذرات را در خود بہ بیں
چیست اندر خم کہ اندر نہر نیست | چیست اندر خانہ کاندر شہر نیست
ایں جہاں خم است و دل چوں جوئے آب | ایں جہاں حجرہ است دل شہر عجاب

سلیمان علیہ السلام کا بلقیس پر ظاہر کرنا کہ تمھارے ایمان لانے میں میرا کوشش کرنا محض اللہ واسطے ہے کسی خود غرضی کی وجہ سے نہیں ہے۔ مجھے نہ تمھارے ملک کی حاجت نہ تمھارے حسن وغیرہ کی اور جب تمھاری چشم باطن کھل جاویگی تو تمکو یہ بات خود ہی معلوم ہو جاویگی

ہیں بیا کہ من رسولم دعوتے | چوں اجل شہوت کشم نے شہوتے

ور بود شہوت اسیر شہو تم — نے اسیر شہوت و روئے بتم

بت شکن بود ست اصل اصل ما — چوں خلیل حق و جملہ انبیا

گر در آیم از رہے در بتکدہ — بت سجود آرد ببا در معبدہ

احمد و بوجہل در بتخانہ رفت — زیں شدن تا آں شدن فرقیست زفت

ایں در آمد سر نہند اورا بتاں — آں در آید سر نہد چوں امتاں

ایں جہاں شہوتی بتخانہ ایست — انبیا و کافراں را لانہ ایست

لیک شہوت بندۂ پاکاں بود — زر نسوزد زانکہ نقد کاں بود

کافراں قلب اند و پاکاں ہمچو زر — اندریں بوتہ در اند ایں دو نفر

قلب چوں آمد سیہ شد در زماں — زر در آمد شد زری او عیاں

دست و پا انداخت اندر بوتہ زر — در رخ آتش ہمی خندد چو خور

جسم ما روپوش باشد در جہاں — ما چو دریا زیر ایں کہ در نہاں

شاہ دیں را منگر اے نادان طین — کیں نظر کرد ست ابلیس لعین

کے تواں اندود ایں خورشید را — با کف گل تو بگو آخر مرا

گر بریزی خاک و صد خاکسترش — بر سر نورا و بر آید بر سرش

کہہ کہ باشد کہ بپوشد روئے آب — طین کہ باشد کہ بپوشد آفتاب

خیز بلقیسا چو ادہم شاہ وار — دود از یں ملک دو سہ روزہ بر آر

باز گو احوال ابراہیم زود — ترک ملکش را بگو موجب چہ بود

اب مولانا پھر سلسلۂ گفتگوئے حضرت سلیمان علیہ السلام کو شروع کرتے ہیں۔ اور

فرماتے ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے قاصدوں سے فرمایا کہ بلقیس سے کہدینا
کہ دیکھ بلقیس اگر تو اپنا بھلا چاہتی ہے تو مطیعانہ ہماری حضور میں حاضر ہو۔ ورنہ تیرے
حق میں برا ہوگا۔ اور تو اپنے لشکر پر مغرور نہونا۔ کیونکہ خود یہ تیرا لشکر ہی تیرا دشمن ہو جائیگا
اور تجھسے پھر جاویگا اور جو اسوقت تیرا محافظ پردہ ہے وہ پردہ تو کیا خود تیرے سر در کو اکھاڑ
ڈالیگا۔ بلکہ خود تیری جان پوری کوشش سے تیری ساتھ دشمنی کریگی۔ اب مولانا فرماتے
ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا یہ ارشاد بالکل صحیح ہے۔ کیونکہ امتحان کے وقت زمین
و آسمان کے تمام ذرات حق سبحانہ کی فوج ہوتے ہیں تو نے دیکھا ہی ہے کہ ہوا نے قوم
عاد کے ساتھ کیا کیا اور تجھے معلوم ہی ہے کہ پانی نے طوفان نوح کے زمانہ میں کیا کیا۔
اور کینہ ور رود نیل نے فرعون کو جو صدمہ پہونچایا اور زمین نے قارون کیساتھ جو معاملہ
کیا اور ابابیل نے ہاتھی کیساتھ جو سلوک کیا اور یہ کہ مچھر نے نمرود کا دماغ کھالیا تھا۔
اور یہ کہ داؤد علیہ السلام نے ہاتھ کی امداد سے پتھر پھینکا تو وہ ریزہ ریزہ ہوگیا۔ اور لشکر
جالوت کو شکست دیدی۔ اور یہ کہ لوط علیہ السلام کے دشمنوں پر پتھر برسے۔ یہانتک
کہ وہ سب کے سب ہلاک ہوگئے یہ تمام واقعات تجھے معلوم ہی ہیں اور بہت سے واقعات
ہیں جنکو میں بیان نہیں کرتا۔ اگر میں جمادات کے ان تمام کارناموں کو بیان کروں جو
انھوں نے عقلا کی طرح پیغمبروں کی اعانت میں کئے ہیں۔ تو مثنوی اسقدر دراز ہو جاوے
کہ چالیس اونٹ اگر اسے کھینچنا چاہیں تو اسکے بھاری بوجھ کے سبب اسکے کھینچنے سے
عاجز ہو جائیں اسلئے میں اسے چھوڑ کر کہتا ہوں۔ کہ قیامت میں کافروں کے ہاتھ ان کے
خلاف شہادت دیں گے اور حق سبحانہ کے مطیع ہونگے اور اسکا لشکر بنیں گے پس تم جو اقوال
وافعال میں حق سبحانہ کی مخالفت کرتے ہو تم کو یاد رکھنا چاہیئے کہ تم اسکی فوج میں گھرے
ہوئے ہو۔ لہذا تم کو ڈرنا چاہیئے اور مخالفت سے باز رہنا چاہیئے تمھارا ایک ایک جزو
حق سبحانہ کا لشکر اور اسکے ساتھ متفق ہے اور تیری اطاعت محض منافقانہ یعنی ظاہری ہے
چنانچہ اگر وہ آنکھ کو حکم دیدے کہ ذرا اسکا کوبچ تو نکال دے تو تیری آنکھ کا درد تجھے ہلکان
کرڈالے اور اگر وہ دانت کو حکم دیدے کہ ذرا اسے سزا تو دے تو تو دیکھے گا کہ تیرا دانت تیری

گوشمالی کریگا۔ ذرا الکتب طبیہ کو کھولو۔ اور فن معالجات کو پڑھو تا کہ تم کو معلوم ہو کہ لشکر تن جسکو تم اپنا سمجھ رہے ہو تمھارے ساتھ کیا کیا کرتا ہے پس تم عبرت حاصل کرو اور حق سبحانہ کی مخالفت کو چھوڑو۔ دیکھو تمام اشیاء کا وجود و بقا حق سبحانہ کے ہی ذریعے سے ہے اسلئے انکو ہر چیز کی جان کی جان کہا جا سکتا ہے اور جبکہ وہ ہر چیز کی جان ہے تو اسکی مخالفت نہایت خطرناک ہے۔ کیونکہ جان جان کی مخالفت کوئی معمولی بات نہیں۔ یہاں تک مولانا اپنا بیان ختم کرکے پھر حضرت سلیمان علیہ السلام کی گفتگو کا سلسلہ شروع کرتے ہیں اور فرماتے ہیں انھوں نے بلقیس کو بواسطہ رسولوں خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ میرے پاس جو دیووں اور پریوں کا لشکر ہے وہ تو الگ رہا خود تیری جان ہی کے اندر سے وہ باتیں پیدا ہونگی جو تیری فوجی خدمت انجام دیتے ہوئے اپنی شجاعت دکھلائیں گی پس اے بلقیس قبل اسکے کہ میری طرف سے تجھپر فوج کشی ہو تو خود ہی ملک چھوڑ دے اور میرے پاس آجا جب میں تیرا ہو جاؤنگا تو تمام ملک تیرا ہی ہے۔ جب تو میرے پاس آجائیگی تو تجھے خود معلوم ہو جائیگا کہ میرے بدوں تو محض تصویر حمام تھی۔ اس مقام پر چونکہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے بلقیس کو بوجہ اسکے محجوب ہونیکے تصویر کہا ہے اب مولانا تصویر کی حالت بیان کرتے ہیں اور اسمیں دو فائدے ہیں ایک تو یہ کہ بلقیس کو تصویر کہنے کی وجہ ظاہر ہو جائے۔ دوسرا یہ کہ آئندہ مضمون ارشادی کیلئے بطور مقدمہ کے کام آئے اور فرماتے ہیں کہ تصویر خواہ بادشاہ کی ہو یا دولتمند کی وہ محض صورت ہی صورت ہے اور لذت جان اسے حاصل نہیں ہوتی اسکی زینت محض دوسروں کیلئے ہوتی ہے۔ اور اسکی آنکھوں اور منہ کا کھلا ہونا اسکے حق میں محض فضول ہوتا ہے جب تصویر کی حالت جو بطور مقدمہ کے تھی بیان کر چکے تو اب مضمون ارشادی کو بیان کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اے وہ محجوب جس نے تصویر کی طرح اپنے کو بیگار کیلئے وقف کر رکھا ہے۔ اور خود میں اور غیر میں تمیز نہیں کرتا اور اسلئے دوسروں کے کاموں کو اپنا ہی کام سمجھتا ہے۔ تیری یہ حالت ہے کہ تو جس صورت یعنی غیر مطلوب چیز تک پہونچتا ہے وہیں ٹھہر جاتا ہے۔ اور اسی میں پھنسکر رہجاتا ہے اور سمجھتا ہے کہ یہ صورت میری غیر نہیں ہے بلکہ میری عین ہے۔ اور اسمیں اشتغال خود اپنے میں

اشتغال ہے - اور اسکا کام خود میرا کام ہے - یہ تیری غلطی ہے واللہ تو وہ نہیں ہے - اور نہ
اسمیں اشتغال خود اپنے میں اشتغال اور نہ اسکا کام خود تیرا کام ہے نیز اگر تو کبھی مخلوق سے
الگ بھی ہوتا ہے جس سے بظاہر یہ مفہوم ہوتا ہے - کہ تو مشغول مع الغیر نہیں بلکہ مشتغل
باخود ہے تو اسوقت بھی تو مشغول مع الغیر ہی ہوتا ہے - اور ہموم و افکار لایعنی میں
گلے تک ڈوبا ہوتا ہے - پس تو ایسی حالت میں بھی دوسروں کے کام سے خالی نہیں حالانکہ
تو اپنے کو ہموم و افکار کا عین سمجھتا ہے اور تو ان میں اشتغال کو اشتغال باخود سمجھتا ہے
پس یہ تیری غلطی ہے - کہ تو آپکو انکا عین سمجھتا ہے - تو انکا عین ہرگز نہیں بلکہ تو تو وہ یکتا ہے
جو نہایت پاکیزہ اور دلکش اور قابل مطلوبیت ہے نہ کہ لائق طالبیت مطلوبات دنیہ
اور تو اصالۃً اپنا عاشق ہے - نہ کہ مطلوبات خسیسہ کا اور تو اپنا ہی جانور ہے - اپنا ہی شکار
ہے اپنا ہی جال ہے - اپنا ہی مقام صدر ہے - اپنا ہی فرش ہے - اپنا ہی بام ہے غرض
کہ تجھے جو تعلق ہے وہ خود اپنی ہی ذات سے ہے - پھر تو دوسروں کا بیگاری کیوں بن رہا ہے
ان سے تجھے واسطہ کیا - تو تو جوہر ہے اور جوہر وہ ہوتا ہے جو اپنی ذات سے قائم ہو - اور اپنے
وجود میں دوسروں کا تابع نہو پھر تو نے اپنے وجود کو دوسروں کا تابع کیوں بنا رکھا ہے
اور جو کسی جوہر کے تابع ہو وہ تو عرض ہوتی ہے - اور تو عرض ہے نہیں - تو یہ تابعیت کیسی
اگر تو حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد اور الولد سر لابیہ کا مصداق ہے - تو انکی طرح متبوع و مطلوب
ہو کر بیٹھ - اسکا نتیجہ یہ ہوگا کہ تو اپنی جامعیت کے سبب ایک اعتبار سے عالم صغیر اور
دوسرے لحاظ سے عالم اکبر ہونیکے باعث (جسکی تفصیل پیشتر گذر چکی ہے) تمام ذرات عالم کا
خود اپنے اندر مشاہدہ کرلیگا - جبکہ وہ سب خود تیرے اندر موجود ہیں تو انکو اپنے سے باہر ڈھونڈنے
اور انمیں منہمک ہو کر اپنے کو بھول جانے کی کونسی وجہ ہے - بتلا تو سہی کہ مٹکے میں وہ کیا چیز ہے جو
نہر میں نہیں اور گھر میں وہ کونسی شے ہے جو شہر میں نہیں ہے - جبکہ ایسی کوئی چیز نہیں تو اب سمجھ لے
کہ تمام عالم بمنزلہ ایک مٹکے کی ہے - اور قلب انسانی مثل ندی کے - اور یہ تمام جہان بمنزلہ حجرہ کے
ہے - اور دل ایک حیرت انگیز شہر ہے - تو دل کو چھوڑ کر عالم میں مشغول ہونا سراسر حماقت ہے
اس مضمون کو یہاں ختم کر کے پھر حضرت سلیمان علیہ السلام کی گفتگو کا سلسلہ شروع کرتے ہیں

اور کہتے ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنے سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ اے بلقیس تو آجا
اور یہ نہ سمجھنا کہ میں کسی غرض نفسانی کیلئے بلاتا ہوں اسلئے کہ میں رسول مبلغ اور موت کیطرح
شہوات کُش یعنی اُسکے ناجائز اقتضارات کو فنا کرنے والا ہوں۔ نہ کہ پابند شہوت! اور اگر
مجھمیں نفس شہوت موجود ہو تو کچھ مضائقہ نہیں کیونکہ میں اُسکا حاکم ہوں اور اسیر شہوت
و روئے بتان و حسینان نہیں ہوں میں اسیر روئے بتاں کیونکر ہوسکتا ہوں ہماری بزرگ نسبی
تو بُت شکنی ہوتی آئی ہے۔ نہ کہ بت پرستی۔ چنانچہ ہمارے جد امجد حضرت ابراہیم خلیل اللہ
اور نیز تمام انبیا بُت شکن تھے۔ اور میں بت پرست کیسے ہوسکتا ہوں جبکہ خود بتوں کی
ہمارے سامنے یہ حالت ہوتی ہے کہ اگر ہم کبھی کسی ضرورت سے بتخانہ میں جا پہونچتے ہیں
تو عبادت خانہ میں وہ خود ہمیں سجدہ کرتے ہیں اب مولانا انتقال فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ
دیکھو کہ جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم بھی بتخانہ میں تشریف لیگئے تھے اور ابو جہل بھی
گیا تھا۔ لیکن آپ کے جانے اور اُسکے جانے میں بہت فرق تھا آپ تشریف لیجاتے ہیں
تو خود بت سجدہ کرتے ہیں اور ابو جہل جاتا ہے تو بندوں کی طرح خود انکو سجدہ کرتا ہے جب
یہ تمہیدی مضمون معلوم ہوگیا تو اب سمجھو کہ یہ شہوات سے بھرا ہوا عالم ایک بتخانہ ہے جسمیں انبیا
بھی رہتے ہیں اور کفار بھی مگر دونوں میں فرق ہے۔ شہوت اہل اللہ کی غلام ہوتی ہے۔ اور وہ
اس سے متضرر نہیں ہوتے جسطرح کہ سونا کانی اور اصلی ہوتا ہے آگ میں نہیں جلتا ہاں کفار
اس سے متضرر ہوتے ہیں اسلئے کہ کفار تو کھوٹے سونیکی مانند ہیں اور انبیا زرِ خالص کی مثل
اور دونوں اس جہان شہوتی کی کھٹائی میں موجود ہیں کھوٹا سونا تو اسمیں پڑتے ہی سیاہ
ہوجاتا ہے اور خالص سونا اسمیں پڑتا ہے تو اس سے اُسکا خلوص اور بے میل ہونا ظاہر
ہوجاتا ہے۔ یعنی شہوت فی نفسہ کوئی بری چیز نہیں بلکہ ایک آلۂ امتحان ہے جس سے ناقصین
کا نقصان اور کاملین کا کمال ظاہر ہوتا ہے۔ زرِ خالص کھٹائی میں پڑتا ہے اور آگ کے
سامنے آفتاب کی طرح ہنستا ہے یعنی آگ اُسکے لئے مفید ہے مضر نہیں۔ برخلاف زرِ قلب کے
علیٰ ہذا شہوت اہل اللہ کیلئے مفید اور موجب ظہور کمال مستور ہے۔ نہ کہ کفار کی طرح مضر و
مظہر نقصان۔ اب پھر حضرت سلیمان علیہ السلام کا مقولہ بیان فرماتے ہیں اور کہتے ہیں

کہ انھوں نے اپنے سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ میری اس طلب سے شہوت پرستی کا توہم ہو سکتا ہے کیونکہ بظاہر مجھ میں اور شہوت پرستوں میں کوئی فرق نہیں مگر میں بتلائے دیتا ہوں کہ حقیقت میں ہم لوگوں اور شہوت پرستوں میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ اور یہ جسم ظاہر جو منشأ توہم تماثل ہے محض اس حقیقت کا پردہ ہے۔ ورنہ ہماری حقیقت سے اس سے کوئی تعلق نہیں اسلئے ہماری ایسی مثال ہے جیسے دریا خس و خاشاک میں چھپا ہوا ہو۔ کہ بظاہر وہ جنگل معلوم ہوتا ہے مگر پاؤں رکھنے کے بعد حقیقت حال معلوم ہو جائیگی اسکو بیان کر کے مولانا پھر انتقال فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ احمقو اہل اللہ کو محض مٹی نہ سمجھو۔ اور ان ھذا الا بشر مثلنا نہ کہو۔ کیونکہ ابلیس نے حضرت آدم کو ایسا سمجھا تھا سو اسکا نتیجہ تمکو معلوم ہو گیا۔ اور ہے آئندہ ہو جاویگا۔ تیرا انکو مٹی کہنا آفتاب پر خاک ڈالنا اور پانی کی سطح کو ایک تنکے سے چھپانا ہے بھلا تو مجھے بتا تو سہی کیا آفتاب کو خاک آلود۔ کیا جا سکتا ہے۔ ہر گز نہیں بلکہ اگر کوئی آفتاب پر خاک ڈالے اور اہل اللہ کو مٹی کہے تو وہ اس پھینکنے والے ہی کے سر پر پڑیگی۔ اور اس مٹی کہنے سے خود اس کہنے والے ہی کا مٹی ہونا ظاہر ہوگا۔ اور ایک گھاس کے تنکے کی کیا حقیقت ہے۔ کہ وہ سطح آب کو چھپائے۔ علیٰ ہذا مٹی کی کیا حقیقت ہے کہ وہ آفتاب کو چھپالے۔ اچھا بلقیس اب تم شاہ ابراہیم بن ادہم کی طرح اٹھو اور ملک ناپائدار کو مٹاؤ۔ اچھا اب ابراہیم بن ادہم کی حالت بیان کرنی چاہئے۔ اور بتلانا چاہئے کہ اُن کے ترک سلطنت کا کیا سبب ہے۔

شرح شبّیری

سلیمان علیہ السّلام کا بلقیس کو دھمکی دینا کہ شرک پر اصرار مت کرو اور امتحان کیلئے ہجرت کر نیمیں دیر مت لگاؤ

ہیں بیا بلقیس ورنہ بد شود لشکرت خصمت شود مرتد شود

یعنی ہاں اے بلقیس (مطیع ہو کر) آجاؤ ورنہ بُرا ہو گا تمھارا ہی لشکر تمہارا دشمن اور باغی ہو جاویگا

پردہ دار تو درت را بر کند　　جاں تو با تو بجاں خصمی کند

یعنی تیرا پردہ دار ہی تیرے در کو اکھاڑیگا اور تیری جان ہی تیری ساتھ دل و جان سے دشمنی کرے گی۔ مطلب یہ کہ یا تو مسلمان ہو کر آجاؤ ورنہ یہ تمہارا لشکر اور لشکری بلکہ خود تمھاری جان اور روح ہی تمھاری دشمن ہو جاویں گی۔ کیونکہ

جملہ ذرات زمین و آسماں　　لشکر حق اند گاہِ امتحاں

یعنی زمین و آسمان کے تمام ذرات امتحان کے وقت میں حق تعالیٰ کے لشکر ہیں۔ مطلب یہ کہ آسمان و زمین میں جسقدر بھی چیزیں ہیں یہ تو ظاہر ہے کہ سب فرمان حق کے مطیع ہیں اور ادہر سے جو حکم ہو گا اُسی کے اندر یہ سب چیزیں لگ جاوینگی تو اگر تم حکم حق کو نہ مانو گی تو حق تعالےٰ ان سب چیزوں کو جو اب تمہاری دوست اور محافظ ہیں تمہارے دشمن بنا دیں گے لہذا تم جلد مسلمان ہو کر حاضر ہو۔ آگے ان اشیاء کے حکم حق کے تابع ہونیکی اور اسکی کہ حکم حق کے بعد ان چیزوں نے اپنے اُن دوستوں کو جنکی یہ پرورش کیا کرتی تھیں کس طرح ہلاک کیا ہے۔ چند نظائر بیان فرماتے ہیں۔

بادرا دیدی کہ با عاد آں چہ کرد　　آب را دیدی کہ در طوفاں چہ کرد

یعنی تم نے ہوا کو دیکھا کہ اُس نے عاد کے ساتھ کیا کیا۔ اور پانی نے طوفان میں (قوم نوح کے ساتھ) کیا کیا۔

انچہ بر فرعون زد آں بحر کیں　　وانچہ با قاروں نمود ستا ایں زمیں

یعنی (تم نے دیکھا) جو کچھ کہ اُس بحر کینہ نے فرعون کے ساتھ کیا۔ اور جو کچھ کہ اس زمین نے قارون کے ساتھ کیا۔

وانچہ آں بابیل با آں پیل کرد　　وانچہ پشہ کلہ نمرود خورد

یعنی اور جو کچھ کہ اُس ابابیل نے ہاتھی کے ساتھ کیا اور جو کچھ کہ مچھر نے نمرود کے کلہ کیساتھ کیا۔

وانکہ سنگ انداخت داؤدے بدست　　گشت سہ پارہ و لشکر شکست

یعنی اور وہ کہ پتھر ایک داؤد نے ہاتھ سے پھینکا تو وہ تین سو ٹکڑے ہو گیا۔ اور لشکر (جالوت)

کو شکست دی۔

سنگ می بارید بر اعدائے لوط　　تاکہ در آب سیہ خوردند غوط

یعنی لوط علیہ السلام کے دشمنوں پر پتھر برسے یہاں تک کہ انھوں نے آب سیہ میں غوطے کھائے یعنی ہلاک ہو گئے۔ مطلب یہ کہ دیکھو ہوا پانی جو کہ زندگی کو قائم رکھنے والی چیزیں ہیں اُنھوں نے حکم حق سے قوم عاد و قوم فرعون کو ہلاک کیا ابابیل ایک جانور حقیر نے ہاتھی جیسے عظیم الشان جانور کو حکم حق سے ہلاک کیا۔ علیٰ ہذا جسقدر زمین و آسمان میں چیزیں ہیں سب ہی سب حکم حق کی تابع ہیں اسی کو فرماتے ہیں کہ۔

گر بگویم از جمادات جہاں　　عاقلانہ یاری پیغمبراں

یعنی اگر میں جمادات جہاں کا پیغمبروں کی عاقلونکی طرح مدد کرنا بیان کروں۔

مثنوی چنداں شود کہ چل شتر　　گر کشد عاجز شود از بار پُر

یعنی مثنوی اسقدر (بڑی) ہو جاوے کہ چالیس اونٹ اگر کھینچیں تو بار برداری سے عاجز ہو جاویں۔ مطلب یہ کہ اگر میں اسکو بیان کروں کہ جمادات نے انبیا علیہم السلام کی تابعداری کیسی عقلاء کی طرح کی ہے اور کس طرح حکم کی وجہ سے اُنکے فرمانبردار رہے ہیں تو یہ مضمون اسقدر زیادہ ہو جاوے کہ پھر مثنوی کو چالیس اونٹ بھی نہ اٹھا سکیں یعنی بیحد نظائر اسکے موجود ہیں کہ جو چیزیں کہ دوست اور ممد حیات تھیں وہی انبیاء علیہم السلام کے حکم سے جو کہ نائب حق تھے مہلک ہو گئیں۔ اور اونھوں نے اپنے دوستوں ہی کو ہلاک و برباد کیا۔ آگے اور نظائر بیان فرماتے ہیں کہ۔

دست بر کافر گواہی می دہد　　لشکر حق می شود سر می نہد

یعنی ہاتھ کافر پر گواہی دیتا ہے حق تعالیٰ کا لشکر ہوتا ہے اور اطاعت کرتا ہے۔ مطلب یہ کہ دیکھو قیامت میں انسان کے ہاتھ پاؤں جو بڑے دوست ہیں حکم حق ہی کی وجہ سے اسکے خلاف گواہی دیں گے اور جسطرح حکم حق ہوگا وہ اُسی طرح اطاعت کریں گے۔ آگے مولانا فرماتے ہیں کہ۔

اے نمودہ ضد حق در فعل و درس　　در میان لشکر اوئی بترس

یعنی اے شخص کہ فعل و قول میں حق تعالیٰ کے خلاف کرتا ہے اور تو اسکے لشکر کے درمیان میں ہے ڈرتا رہ۔

جزو جزوت لشکر حق در وفاق　　　مر ترا اکنون مطیع انداز نفاق

یعنی تیرا جزو جزو حق تعالیٰ کا لشکر ہے۔ موافقت میں اور اب نفاق سے تیرے مطیع ہو رہے ہیں۔ مطلب یہ کہ اے شخص تو جو حق تعالیٰ کے خلاف کر رہا ہے کہ کام بھی اسکی مرضی کے خلاف اور باتیں بھی ویسی ہی تو ذرا ڈرتا رہو اسلئے کہ تیرے ہاتھ پاؤں آنکھ ناک غرض سارے اعضا حق تعالیٰ کے لشکر ہیں۔ اور اصل میں اُسی کے تابع ہیں صرف حکم کی وجہ سے وہ بظاہر منافقوں کی طرح تمہارے مطیع ہو رہے ہیں تو اگر حکم حق ہوگا تو یہ سارے کے سارے تیرے مخالف ہو جاویں گے اور تیرے ہلاک کرنیکے لئے یہی کافی ہونگے آگے ان اعضاء کا حق تعالیٰ کے حکم سے اس صاحب اعضا ہی کو گزند پہونچانیکی نظائر بیان فرماتے ہیں

گر بگوید چشم را کو را فشار　　　درد چشم از تو بر آرد صد دمار

یعنی اگر حق تعالیٰ آنکھ کو حکم دے کہ اسکو (صاحب چشم کو) ذرا سزا دے تو درد چشم تیرے اندر سے سو دماغ نکال لے۔

گر بدندان گوید او بنما وبال　　　پس ببینی تو ز دندان گوشمال

یعنی اگر دانتوں کو حکم دے کہ تم وبال دکھلاؤ تو تو دانتوں سے گوشمالی دیکھے۔

باز کن طب را بخوان باب العلل　　　تا ببینی لشکر تن را عمل

یعنی طب (کی کتاب) کھولکر باب العلل پڑھو تاکہ تم لشکر تن کا عمل دیکھو۔ مطلب یہ کہ دیکھو اگر حق تعالیٰ آنکھ کو تمہاری گوشمالی کا حکم دے یا دانتوں کو مثلاً تو یہی چیزیں تمہاری گوشمالی کیلئے کافی ہیں مثلاً درد چشم و درد دنداں وغیرہ تمکو درست کردے۔ علیٰ ہذا ذرا طب کی کتاب میں باب العلل کو اٹھا کر دیکھو تو تم کو معلوم ہو کہ یہ تمہارے اعضا کسطرح تابع فرمان حق ہیں اور جو اب تمہارے دوست معلوم ہوتے ہیں وہی تمہارے دشمن ہو جاوینگے تو اسی لئے حضرت سلیمان علیہ السلام نے بلقیس کو لکھا کہ تم مسلمان ہو کر آجاؤ۔ ورنہ یہ

تمہارا سارا لشکر جو کہ تمہارا محافظ ہے یہی تمکو ہلاک کر دیگا۔ آگے فرماتے ہیں کہ۔

چونکہ جان جاں ہر چیزی ویست　　دشمنی با جان جاں آسان کے است

یعنی جبکہ ہر چیز کی جان جاں وہی حق تعالیٰ ہیں تو جان جاں کے ساتھ دشمنی کب آسان ہے

خود رہا کن لشکر دیو و پری　　کز میان جان کنندم صفدری

یعنی لشکر دیو و پری کو چھوڑو کہ وہ تیری جانکی اندر سے پہلوانی کرتے ہیں مطلب یہ کہ حق تعالیٰ ہی مالک ہیں اور وہی ہر چیز کے روح الروح اور جان جاں ہیں تو پھر ان اسباب ظاہری کو ترک کر دو۔ تب تم کو قوت اور عروج روحانی نصیب ہوگا۔ آگے پھر حضرت سلیمان علیہ السلام کا قول بلقیس کو خطاب کر کے ہے۔ فرماتے ہیں کہ۔

ملک را بگذار بلقیس از نخست　　چوں مرا یابے ہمہ ملک آں تست

یعنی اے بلقیس ملک کو پہلے سے چھوڑ دے جب تو مجھے پالے گی تو تمام ملک تیری ہی ملک ہے

خود بدانی چوں بر من آمدی　　کہ تو بے من نقش گرما بہ بدی

یعنی تو خود جان لیگی جب میرے پاس آویگی کہ تو بے میرے نقش حمام تھی۔

نقش اگر خود نقش سلطان غنی است　　صورت است از جان خود بے چاشنی است

یعنی نقش اگرچہ بادشاہ اور امیر ہی کا نقش ہو (مگر) صورت ہے اور اپنی جان سے بے ذوق ہے

زینت او از برائے دیگراں　　باز کردہ بیہدہ چشم و دہاں

یعنی اسکی زینت دوسروں کے لئے ہے۔ اور وہ خود فضول منہ اور آنکھ کھولے ہوئے ہے مطلب یہ کہ حضرت سلیمان علیہ السلام فرماتے ہیں کہ اے بلقیس تم اس ظاہری ملک کو ترک کر کے میرے پاس چلی آؤ۔ تو تم کو وہ ملک باطنی ملے کہ تم خود کہدو کہ پہلا ملک ظاہری صرف ایک نقش بدیوار کی طرح تھا۔ کہ وہ اوروں کے لئے تو فرحت بخش ہوتا ہے مگر اپنی زیب و زینت سے اسکو کچھ فائدہ نہیں ہوتا۔ اسی طرح تمہارا یہ سب ملک و مال دوسرونکے لئے تو مفید ہے مگر تمکو اس سے کوئی نفع حقیقی نہیں ہے۔ ہاں دوسرونکی خدمت خوب ہو رہی ہے۔ تو تمکو چاہئے کہ اس سے نکلکر ایک ایسا ملک حاصل کرو کہ جس سے تمکو بھی نفع ہو۔ آگے مولانا اسی مضمون کو بیان فرماتے ہیں کہ۔

اے تو در بیگار خود را باختہ دیگراں را تو ز خود نشناختہ

یعنی اے وہ شخص کہ تو بیگار میں اپنے کو ہارے ہوئے ہے اور دوسروں کو اپنے سے (ممتاز کرکے) پہچانتا نہیں مطلب یہ کہ تو نے جو اپنے آپ کو دوسروں کی خدمت میں کھپا رکھا ہے اور اپنے میں اور دوسروں میں امتیاز نہیں کرتا کہ تیرا کیا کام تھا اور دوسرونکا کیا کام تھا اور تیری یہ حالت ہے کہ۔

تو بہر صورت کہ آئی بیستی کہ منم ایں واللہ آں تو نیستی

یعنی تو جس صورت میں آتا ہے کھڑا ہو جاتا ہے۔ کہ میں یہی ہوں۔ حالانکہ خدا کی قسم تو وہ نہیں ہے۔ مطلب یہ کہ تیری جو حالت ہے کہ تو دوسروں کی خدمت میں لگا ہوا ہے اور تعلقات مع الخلق میں پھنسا ہوا ہے تو اسکو تو اپنی اصلی حالت جانتا ہے۔ حالانکہ وہ تیری اصلی حالت نہیں ہے کیونکہ۔

یکزماں تنہا بمانی تو ز خلق در غم و اندیشہ مانی تا بحلق

یعنی تو ایک زمانہ کیلئے مخلوق سے تنہا رہتا ہے تو حلق تک غم و اندیشہ میں ہو جاتا ہے مطلب یہ کہ دیکھو اصلی حالت وہ ہوتی ہے جو خلوت اور جلوت ہر حالت میں یکساں رہے۔ اور تم اگر کبھی ایک ممتد زمانہ تک خلق سے الگ رہتے ہو تو گھبراتے ہو اور پریشان ہوتے ہو جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ تمھاری اصلی حالت یہ نہ تھی بلکہ حالت اصلیہ کوئی اور ہے اور یہ تعلقات مع الخلق تمھاری اصلی حالت نہیں ہے۔ اسی کو فرماتے ہیں کہ۔

ایں تو کی باشی کہ تو آں اوحدی کہ خوش و زیبا و سرمست خودی

یعنی تو یہ کب ہے کیونکہ تو تو وہ یگانہ ہے کہ خود ہی سرمست اور زیبا اور خوش ہے مطلب یہ کہ یہ تعلقات مع الخلق تیری اصلی حالت کب ہے۔ کیونکہ تو تو اپنی اصلی حالت کے اعتبار سے ایسا بے تعلق اور یگانہ روزگار ہے کہ تجھے اوروں کی طرف التفات کی حاجت ہی نہ ہوتی۔ خود اپنے ہی اندر خوش و خرم رہتا۔ اور اپنے ہی نقش و نگار کو دیکھا کرتا۔ اسلئے کہ۔

مرغ خویشی صید خویشی دام خویش صدر خویشی فرش خویشی بام خویش

یعنی تو خود ہی مرغ ہے اور خود ہی شکار ہے۔ اور خود ہی دام ہے اور خود ہی صدر ہے اور خود ہی

فرش ہے۔ اور خود ہی بام ہے۔ مطلب یہ کہ اور چیزیں جنکے محتاج ہیں تو وہ یگانہ ہے۔ کہ تجھے انکی ضرورت نہیں ہے بلکہ اُن ساری چیزوں کے قائم مقام تو ہی ہے اسلئے کہ۔

جوہر آں باشد کہ قائم با خودست　　　واں عرض باشد کہ فرع او شدست

یعنی جوہر تو وہ ہوتا ہے جو کہ قائم بنفسہ ہو اور وہ عرض ہوتا ہے جو کہ اسکی فرع ہوتا ہے مطلب یہ کہ تو تو جوہر ہے اور جوہر قائم بنفسہ ہوتا ہے۔ اور عرض پر اسکو شرف حاصل ہوتا ہے۔ کہ وہ عرض اپنے قیام میں دوسروں کا محتاج ہوتا ہے۔ لہذا تجھے چاہیئے کہ تو اپنے قیام میں دوسروں کا محتاج نہ رہے۔ اور اُن ہی کی خدمت کو اپنا شیوہ نہ بنالے۔ بلکہ خود اپنے لئے بھی کچھ کام کرنا چاہیئے۔ اور جسطرح جوہر کو عرض پر شرف حاصل ہوتا ہے۔ اسی طرح تمکو بھی سب سے اشرف رہنا چاہیئے۔ اور وہ اشرفیت حاصل ہوسکتی ہے۔ ترک تعلقات سے لہذا ان تعلقات کا ترک چاہیئے

گر تو آدم زادۂ چوں او نشیں　　　جملہ ذرات را در خود بہ بیں

یعنی اگر تو آدم زادہ ہے تو انکی طرح بیٹھ اور تمام ذرات کو اپنے اندر مشاہدہ کر مطلب یہ کہ اگر تو آدم علیہ السلام کا وارث ہے تو تجھے چاہیئے کہ اُن ہی کی طرح رہے۔ کہ جس طرح وہ تمام تجلیات اسماء و صفات کے جامع تھے اور ساری چیزوں کی تجلی خود ہی اُن ہی کی اندر موجود تھی اور اصل وہی تھی۔ باقی سب انکی فروع تھے۔ اسی طرح تو بھی تعلق خلق کو ترک کرکے اُس اصالت کو اختیار کر۔ اور تمام اکوان کو خود اپنے ہی اندر مشاہدہ کر اگلے شعر کے دو مصرعوں میں اس کی دو مثالیں دیتے ہیں کہ۔

چیست اندر خم کہ اندر نہر نیست　　　چیست اندر خانہ کاندر شہر نیست

یعنی مٹکے میں کیا شے ہے جو نہر میں نہیں ہے۔ اور گھر میں کیا ہے جو شہر میں نہیں ہے مطلب یہ کہ دیکھو مٹکے کے اندر جو شراب یا پانی وغیرہ آیا ہے تو ندی ہی میں سے آیا ہے۔ تو ظاہر ہے کہ ندی میں اول پانی موجود ہوگا۔ اسکے بعد تو مٹکے میں آیا علی ہذا جو شے گھر میں ہوگی وہ شہر میں ضرور ہوگی اس لئے کہ خود گھر ہی شہر میں ہے تو اسی طرح انسان جو جامع ہے تمام تجلیات کا اُس کے اندر تمام اشیاء ہوں گی اور تمام اسماء و صفات کی تجلی اسکے اندر موجود ہوگی۔ اور وہ سب سے اشرف اور اصل ہوگا۔ اسکو مشاہدہ کیلئے کسی دوسری شے کی احتیاج نہ ہوگی۔ بلکہ وہ خود اپنے

ہی اندر مطالعہ کر سکتا ہے۔ آگے ان دونوں مثالوں کی تطبیق خود بیان فرماتے ہیں کہ۔

ایں جہاں خم است و دل چوں جوئے آب   ایں جہاں حجرہ است و دل شہر عجاب

یعنی یہ جہاں تو خم ہے۔ اور دل پانی کی ندی کی طرح ہے۔ اور یہ جہاں حجرہ ہے اور دل ایک شہر عجاب ہے۔ مطلب یہ کہ اوپر جو مثال دی ہے اسمیں جو خم ہے اس سے مراد تو یہ جہان ہے کہ اسکے اندر سب اکوان موجود ہیں اور چونکہ قلب انسان جامع ہے تمام تجلیات کا اسلئے وہ نہر کی طرح ہے۔ علی ہذا یہ جہاں تو حجرہ کی طرح ہے اور قلب انسان جامعیت میں شہر کی طرح ہے غرض یہ کہ انسان جو جامع ہے اسکو دوسروں کا محتاج نہونا چاہیئے اور تعلقات مع الخلق میں احتیاج ظاہر ہے۔ لہذا ان تعلقات کو ترک کرنا چاہیئے۔ خوب سمجھ لو چونکہ اس مقام کے متعلق خود حضرت والا دام ظلہم نے اپنے قلم سے بھی تحریر فرمایا تھا لہذا اسکو بھی ناظرین کے حفظ کیلئے ذیل میں بجنسہ درج کرتا ہوں۔ "قولہ اے تو در بیگار خود را باختہ الخ تو نے بیگار میں (یعنی ایسے کاموں میں جو محض دوسروں کی خدمت ہے اور اپنا اسمیں نفع نہیں مثل مثال مذکور شعر بالا کہ نقش حمام محض دوسروں کیلئے ہے اسکا کوئی نفع نہیں) اپنے کو کھپا رکھا ہے دوسروں میں اور اپنے میں کچھ امتیاز نہیں کی۔ (جس سے یہ سمجھتا کہ میں یہ اپنا کام کر رہا ہوں یا محض دوسروں کا ہے اور ان فضول مشاغل سے) تیری یہ حالت ہے کہ تو جس صورت (یعنی جس حالت میں) آتا ہے (اور مشغول ہوتا ہے) اسی میں قائم ہو جاتا ہے (یعنی اسی کو اپنی اصلی حالت سمجھنے لگتا ہے) کہ بس میں ایسا ہی ہوں۔ (یعنی اسی کام کیلئے ہوں) حالانکہ واللہ تو ویسا نہیں ہے (بلکہ تیری اصلی حالت دوسری ہے اور یہی وجہ ہے کہ) اگر تو کسی وقت ممتد تک خلق سے تنہا ہوتا ہے تو پریشانی میں سر تا سر غرق ہو جاتا ہے (حالانکہ اصلی حالت وہ ہے جو کسی وقت مفارق نہو نہ تنہائی میں نہ غیر تنہائی میں اور اصلی حالت میں پریشانی ہوتی نہیں۔ اور یہاں ظاہر ہے کہ پریشانی ان تعلقات مع الخلق کی مفارقت سے ہوئی تو معلوم ہوا کہ وہ تعلقات اصلی حالت نہیں اسی کو فرماتے ہیں کہ) پس تو اس حالت کا (تعلقات مع الخلق کا) کب ہے (یعنی یہ تیری اصلی حالت کب ہے) کیونکہ تو تو (باعتبار حالت اصلیہ کے) وہ یگانہ (اور خلق سے بے تعلق) ہے کہ اپنی ہی آپ میں خوش

اور زیبا اور سر مست ہے۔ اور جن امور کے دوسرے لوگ طالب ہیں مرغ ہوا صید ہوا دام ہوا۔ صدر ہوا فرش ہوا بام ہوا۔ تو یہ سب کچھ خود ہی ہے۔ (یعنی ان سب سے مستغنی و آزاد ہے اور وجہ اسکی یہ ہے کہ تو جوہریت میں دوسرے جواہر سے اشرف ہے اور) جوہر کی شان قیام بنفسہ اور عرض کی شان فرعیۃ للجوہر فی التقوم ہے۔ (پس تیری اشرفیت فی الجوہریت کا مقتضا یہ ہے کہ تجھ میں اصالت کی شان غالب ہونا چاہیئے اور وہ ترک تعلق مع الخلق میں ہے اور فرعیت کی شان نہ ہونا چاہیئے جو کہ تعلق مع الخلق میں ہے اور) اگر تو (اس اشرفیت فی الجوہریت میں) آدم علیہ السلام کا وارث ہے (جو خلیفۃ اللہ تھے) تو انکی طرح خلیفہ ہو کر رہ اور سب اکوان کو اپنے اندر مطالعہ کر۔ (کہ تو کسی کی طرف محتاج نہ رہے اور یہ باعتبار جامعیت تجلیات اُن اسمار و صفات کے ہے جنکے مظاہر وہ اکوان ہیں آگے اسی کی دو مثالیں ہیں شعر چیست الخ میں اور ان دونوں کی تطبیق ہے شعر اینجہان الخ میں باعتبار اسی جامعیت تجلیات اسمار و صفات کے)، آگے پھر حضرت سلیمان علیہ السلام کا بلقیس کو دعوت کا قصہ ہے۔

سلیمان علیہ السلام کا بلقیس پر ظاہر کرنا کہ تمہاری ایمان لانے میں میرا کوشش کرنا محض اللہ واسطے ہے کسی خود غرضی کی وجہ سے نہیں ہے مجھے نہ تمہارے ملک کی حاجت نہ تمہارے حسن وغیرہ کی۔ اور جب تمہاری چشم باطن کھلجاویگی تو تمکو یہ بات خود ہی معلوم ہو جاوے گی،

ہیں بیا کہ من رسول دعوتی　　چون اجل شہوت کشم نے شہوتی

یعنی ہاں (اے بلقیس) آجا کہ میں دعوت دینے والا رسول ہوں اور میں تو اجل کی طرح شہوت کش ہوں شہوتی نہیں ہوں۔ مطلب یہ کہ میرا تمکو دعوت اسلام کرنا خدانخواستہ کسی شہوت وغیرہ کی وجہ سے نہیں ہے محض لوجہ اللہ ہے۔ کیونکہ میں رسول ہوں اور شہوت کش ہوں

شہوتی نہیں ہوں لہذا تمہارے اسلام میں میری کوئی غرض نہیں ہے۔

ور بود شہوت امیر شہوتم نے اسیر شہوت و روئے بتم

یعنی اور اگر شہوت ہو بھی تو میں تو شہوت پر حاکم ہوں نہ کہ شہوت اور روئے بت کا محکوم ہوں مطلب یہ کہ اگر کہا جاوے کہ خدا نکردہ نام دتو نہ تھے شہوت تو تھی پھر یہ کہنا چون اجل شہوت کشم کیسے صحیح ہوا تو فرماتے ہیں کہ اگر ظاہراً شہوت ہے تو میں اس سے مغلوب نہیں ہوں بلکہ میں تو اس پر حاکم ہوں اور وہ میری محکوم ہے۔ لہذا وہ بے موقعہ ہرگز صرف نہیں ہوسکتی۔ تو تمہاری دعوت اسلام میں شہوت وغیرہ کو خدا نکردہ کوئی دخل نہیں ہے۔

بت شکن بود ست اصل اصل ما چون خلیل حق و جملہ انبیا

یعنی ہمارے آباؤ اجداد تو بت شکن تھے جیسے کہ خلیل حق اور سارے انبیا علیہ السلام۔

گر در آیم از رہے در بتکدہ بت سجود آرد بماد ر معبدہ

یعنی اگر میں کسی راہ سے بتکدہ میں آجاؤں تو عبادت خانہ میں بت ہمارے آگے سجدہ کریں مطلب یہ کہ ہم اور ہمارے آباؤ اجداد تو بت شکن تھے اور ہماری تو یہ شان ہے کہ اگر ہم بتکدہ میں چلے جاویں تو تمام بت سجدہ میں گر جاویں۔ جیسا کہ بعض انبیا کیلئے ہوا بھی ہے مثلاً خود ہمارے حضور مقبول صلے اللہ علیہ وسلم کیلئے یہی ہوا تھا کہ بتوں نے سجدہ کیا۔ غرضکہ انبیا کی تو وہ شان ہے کہ بت انکے تابع فرمان ہوتے ہیں پھر یہ حضرات روئے بت کے فریفتہ اور اسکے تابع کیسے ہوسکتے ہیں۔ لہذا بلقیس کو دعوت اسلام کرنے میں کوئی شائبہ نفسانی نہ تھا۔

احمدؐ و بوجہل در بتخانہ رفت زاں شدن تا آں شدن فرقے است زفت

یعنی احمد صلے اللہ علیہ وسلم اور ابوجہل (دونوں) بتخانہ میں گئے (مگر) اس جانے میں اور اُس جانے میں ایک فرق عظیم ہے (اور وہ یہ فرق ہے کہ)

ایں در آید سر نہند اورا بتاں آں در آید سر نہد چون امتاں

یعنی یہ (حضور مقبول صلے اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو ان کیلئے بتوں نے سر رکھا اور وہ (ابوجہل) آیا تو وہ (بتوں کے آگے) تابعداروں کی طرح سر رکھے۔

اینجہاں شہوتی بتخانہ ایست　　　انبیا و کافراں را لانہ ایست

یعنی یہ جہان شہوتی ایک بتخانہ ہے کہ انبیا اور کافروں (سب) کا گھر ہے۔

لیک شہوت بندۂ پاکاں بود　　　زر نسوزد زانکہ نقد کان بود

یعنی لیکن شہوت پاک لوگوں کی تو غلام ہوتی ہے اور سونا جلا نہیں کرتا۔ اسلئے کہ نقد ہوتا ہے مطلب یہ ہے کہ دیکھو احمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوجہل دونوں بتخانہ میں گئے ہیں مگر دیکھو حضور مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو تو خود بتوں نے سجدہ کیا ہے اور ابوجہل نے خود ان بتوں کو ہی سجدہ کیا ہے۔ اسی طرح یہ دنیا پر شہوت ایک بتخانہ کی طرح ہے اس میں انبیا بھی آئے ہیں اور کفار بھی آئے ہیں مگر انبیا تو شہوت پر غالب رہے ہیں اور کفار شہوت سے مغلوب ہو گئے ہیں کیونکہ وہ حضرات تو سونے کی طرح تھے تو سونا بھٹی میں جلا نہیں کرتا اسی طرح وہ حضرات بھی آتش شہوت سے مغلوب نہیں ہوئے تو اسی طرح سلیمان علیہ السلام فرماتے ہیں کہ میں شہوت پر غالب ہوں لہٰذا اس دعوت میں کوئی شائبہ بھی نفسانی نہیں ہے۔ آگے بھی اسی فرق کو ایک اور مثال سے بیان فرماتے ہیں کہ۔

کافراں قلب اند و پاکاں ہمچو زر　　　اندریں بوتہ درند ایں دو نفر

یعنی کافر کھوٹے ہیں اور پاک لوگ مثل سونے کے ہیں اور اس بھٹی (دنیا) میں یہ دونوں فرقے ہیں

قلب چوں آمد سیہ شد در زماں　　　زر در آمد شد زری او عیاں

یعنی کھوٹا تو جب آیا تو اسی وقت سیاہ ہو گیا۔ اور سونا آیا تو اُسکا سونا ہونا اور ظاہر ہو گیا۔

دست و پا انداخت اندر بوتہ زر　　　در رخ آتش ہمی خندد چو خور

یعنی سونے نے بھٹی میں ہاتھ پاؤں ڈالدئے تو آگ کے اندر آفتاب کی طرح ہنس رہا ہے مطلب یہ کہ اس دنیا میں کفار اور انبیاء علیہم السلام دونوں فرقے آئے ہیں اور رہے ہیں مگر فرق اتنا مقصد ہے کہ کفار تو یہاں آکر اور بھی ہلاک و برباد ہوئے اور انبیاء علیہم السلام کے اور مدارج عالی ہوگئے ان دونوں کی مثال ایسی ہے کہ جیسے کھوٹا سونا ہو اور خالص سونا ہو۔ تو جب دونوں کو بھٹی میں ڈالوگے تو کھوٹا تو وہاں سے سیاہ ہو کر نکلے گا اور سونا اور صاف اور عمدہ ہو جاویگا۔ اور اُسکی زری اور بھی صاف طور پر ظاہر اور معلوم ہوگی تو اسی طرح حضرات انبیا علیہم السلام (اور مومنین) جب دنیا میں آئے اور انھوں نے اپنے رذائل کو جلایا تو اُن کے مدارج عالی ہوگئے

اور کفار آئے تو انھوں نے ان رذائل میں اور زیادہ انہماک کیا لہذا وہ خراب و برباد ہوئے تو انبیاء علیہم السلام کے ظاہری جسم کو دیکھکر دوسروں پر انکو قیاس کرنا سخت غلطی ہے آگے خود حضرت سلیمان علیہ السلام ہی کی زبانی اس مضمون کو بیان فرماتے ہیں کہ۔

جسم ما روپوش ما شد در جہاں ۔۔۔ ما چو دریا زیر ایں کہ در نہاں

یعنی ہمارا جسم دنیا میں روپوش ہوتا ہے۔ اور ہم دریا کی طرح اس (جسم کے) خس و خاشاک کے نیچے پوشیدگی میں ہیں۔ مطلب یہ کہ ہماری اصل حالت اس جسم کے اندر پوشیدہ ہو رہی ہے کہ اس جسم کو دیکھکر لوگ ہمکو دوسرے انسانوں کی طرح سمجھتے ہیں اور ہماری اصلی حالت اور کمالات پر نظر نہیں کرتے۔ جیسے کہ خس و خاشاک کے نیچے دریا کا پانی ہوتا ہے۔ کہ اوپر تو صرف خس و خاشاک نظر آتا ہے اور اندر پانی ہوتا ہے اسی طرح حضرات انبیاء علیہم السلام بظاہر تو صرف ایک جسم نظر آتے ہیں جیسے کہ اور سارے اجسام ہیں اور ان کے کمالات عوام کی نظروں سے پوشیدہ ہوتے ہیں تو حضرت سلیمان علیہ السلام کے حضرت بلقیس کو بلانے سے بظاہر شبہ کسی شائبہ نفس کا ہوتا ہے کیونکہ دوسرے لوگوں میں یہ بات پائی جاتی ہے تو ان میں بھی وہی شبہ ہو سکتا ہے مگر اوپر مثالوں اور فرق بیان کرنے سے صاف طور پر معلوم ہو گیا کہ ان حضرات میں شائبہ نفسانیت کا نہیں ہوتا۔ آگے مولانا فرماتے ہیں کہ۔

شاہ دیں را منگر اے نادان بطین ۔۔۔ کیں نظر کرد ست ابلیس لعین

یعنی اے نادان شاہ دین کو مٹی سے مت دیکھ کہ ابلیس لعین نے یہی نظر کی تھی۔ مطلب یہ کہ اے نادان حضرات انبیاء و اولیاء اللہ کے صرف جسم ظاہری ہی کو مت دیکھو کہ جیسے ہمارے ہاتھ پاؤں ہیں ان کے بھی ہیں اور جیسے ہم کھاتے پیتے ہیں اسی طرح یہ بھی ہیں لہذا جیسے ہم ویسے ہی یہ۔ اور پھر یہ سمجھ کر ان سے استفادہ نہ کرسکو لہذا یاد رکھو کہ ابلیس نے بھی آدم علیہ السلام سے یہی دیکھا تھا کہ ایک جسم خاکی ہیں ان کے کمالات پر نظر نہ کی تو نتیجہ یہ ہوا کہ ابدالآباد کیلئے ملعون و مردود ہو گیا لہذا تمکو چاہیئے کہ ان کے اس جسم ظاہر کو دیکھکر ان کے کمالات کا انکار نہ کرو کیونکہ۔

کے تواں اندود ایں خورشید را ۔۔۔ باکفے گل تو بگو آخر مرا

یعنی بھلا مجھے بتاؤ تو کہ ایک مٹھی مٹی (جسم) سے اس خورشید (کمالات) کو کب چھپا سکتے ہیں

گر بریزی خاک و صد خاکسترش ٭ بر سر نور او برآید بر سرش

یعنی اگر نور پر سیکڑوں خاک اور خاکستر تو ڈالدے تو وہ خاک ڈالنے والے کے سر پر آویگی

کہ کہ باشد کہ بپوشد روئے آب ٭ طین کہ باشد کہ بپوشد آفتاب

یعنی خس و خاشاک کون ہیں کہ روئے آب کو چھپالیں اور مٹی کون ہے کہ آفتاب کو چھپالے۔ مطلب یہ ہے کہ ان حضرات کے کمالات تو آفتاب کی طرح ہیں تو بھلا کہیں ایک مٹھی خاک ڈالنے سے آفتاب کا نور مٹ سکتا ہے۔ تو اسی طرح اس جسم خاکی کے ساتھ متلبس ہونے سے انکے کمالات بھی ہرگز مٹ نہیں سکتے۔ بھلا یہ جسم تو ذرا سا حجاب ہے۔ تم اگر سیکڑوں حجاب اس جیسے اُن کے کمالات پر ڈال دو تب تو وہ پوشیدہ نہیں ہو سکتے۔ وہ تو ظاہر ہوں ہی گے ہاں یہ اور بات ہے کہ وہ ایک مٹھی خاک تمہاری آنکھوں کے لئے حجاب ہو جاوے۔ اور تم اُن کے کمالات کو نہ دیکھ سکو ورنہ خود اُن کے کمالات میں اس سے کوئی کمی نہیں آتی۔ خوب سمجھ لو۔ پس اس جسم ظاہر کو دیکھکر اُن کے فیوض سے محروم نہ رہو اور انکو اپنے اوپر قیاس مت کرو آگے مولانا پھر حضرت بلقیس کو خطاب کر کے فرماتے ہیں کہ۔

خیز بلقیسا چو ادہم شاہ وار ٭ دود از یں ملک دو سہ روزہ برار

یعنی اے بلقیس ادہم شاہ کی طرح اُٹھو اور اس دو تین دن کے ملک سے دہواں نکالو مطلب یہ کہ جسطرح کہ حضرت ابراہیم ابن ادہم رح نے ترک سلطنت کر دی تہی تم بھی اس ملک و مال کو آگ لگاؤ اور چھوڑ دو یہاں سے حضرت ابراہیم ابن ادہم رح کے قصہ کی طرف رجوع ہے جو کہ سرخی "سبب ہجرت الخ" میں شروع کیا تھا اور یہاں ادہم سے مراد وہی ہیں صرف والد کا نام لے دیا ہے کیونکہ شعر میں اُنکا پورا نام نہ آسکتا تھا آگے خود بھی حضرت ابراہیم کا نام لیتے ہیں

باز گو احوال ابراہیم زود ٭ ترک ملکش را بگو موجب چہ بود

یعنی حضرت ابراہیم رح کا حال جلدی سے بیان کرو۔ کہ اُن کے ترک سلطنت کا سبب کیا تھا۔ آگے قصہ بیان فرماتے ہیں۔

شرح حبیبی

ابراہیم ابن ادہم رحمۃ اللہ تعالیٰ کے قصہ کا بقیہ

بر سر تختے شنید آں نیکنام ❊ طقطقے و ہائے و ہوئے شب ز بام

گامہائے تند بر بام سرا ❊ گفت با خود اینچنیں زہرہ کرا

بانگ زد بر روزن قصر او کہ کیست ❊ ایں نباشد آدمی ماناپریست

سر فرو کردند قومے بو العجب ❊ ما ہمی گردیم شب بہر طلب

ہیں چہ می جوئید گفتند اشتراں ❊ گفت اشتر بام بر کہ جست ہاں

پس بگفتندش کہ تو بر تخت و جاہ ❊ چوں ہمی جوئی ملاقات الٰہ

خود ہماں بُد دیگر او را کس ندید ❊ چوں پری از آدمی شد ناپدید

معنیش پنہاں و او در پیش خلق ❊ خلق کے بینند غیر ریش و دلق

چوں ز چشم خویش و خلقاں دور شد ❊ ہمچو عنقا در جہاں مشہور شد

جان سیمرغے کہ آمد سوئے قاف ❊ جملہ عالم ازو لافند لاف

چوں رسید اندر سبا ایں نور شرق ❊ غلغلے افتاد در بلقیس و خلق

روحہائے مردہ جملہ پر زدند ❊ مردگان از گور تن سر بر زدند

یکدگر را مژدہ می دادند ہاں ❊ نک ندائے می رسد از آسماں

زاں ندا اینہا ہمی گردند گبز ❊ شاخ و برگ دل ہمی گردند سبز

از سلیمان آن نفس چوں نفخ صور | مردگاں را وا رہانید از قبور
مر ترا بادا سعادت بعد ازیں | ایں گذشت اللہ اعلم بالیقیں

ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ کی سلطنت کو چھوڑنے کی وجہ یہ ہے کہ انھوں نے رات کے وقت تخت پر لیٹے ہوئے کوٹھے پر لوگوں کی آہٹ اور شور وغل کی آواز محسوس کی اور محلسرا کے کوٹھے پر تیز قدموں کی آواز سنی یہ واقعہ دیکھکر اپنے دل میں کہا یہ کسکی مجال ہے کہ قصر شاہی پہ حرکت کرے۔ اور روشندان سے للکارا کہ کون ہے۔ اور خیال کیا کہ آدمی تو معلوم نہیں ہوتے ضرور پریاں ہیں۔ اور کہا کہ تم کیا ڈھونڈ رہے ہو انھوں نے کہا کہ اونٹ تلاش کرتے ہیں۔ یہ سنکر انھوں نے کہا کہ کوئی اونٹ کو کوٹھے پر بھی ڈھونڈھتا ہے اسپر انھوں نے کہا کہ آپ تخت اور حکومت پر قائم رہکر وصال خداوندی کیسے ڈھونڈ رہے ہیں یہ وجہ تھی کہ انھوں نے ملک کو چھوڑ دیا۔ اور پھر اونکو اس ملک میں کسی نے نہیں دیکھا نیز وہ اسقدر عالی رتبہ پر پہونچ گئے کہ مجوبین سے یوں غائب ہو گئے جیسے آدمی کی نظر سے پری۔ ان کے حقیقت وکمالات باطنی مخفی تھے۔ اور انکی صورت فی الجملہ مخلوق کے سامنے تھی اور ہونا بھی یہی چاہیے تھا کیونکہ عام لوگ تو ڈاڑھی اور گدڑی یعنی صورت ہی کو دیکھتے ہیں وہ حقیقت اور کمالات باطنی کو کیا دیکھ سکتے ہیں خیر تو جبکہ انھوں نے خود بینی کو ترک کر دیا اور مخلوق سے کنارہ کشی اختیار کی۔ تو اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ عنقا کی طرح جہان بھر میں مشہور ہو گئے اور ہونا بھی چاہیے تھا۔ کیونکہ عزلت میں یہ خاص اثر ہے۔ کہ اس سے گوشہ نشین مشہور ہو جاتا ہے سیمرغ کو دیکھ لو۔ کہ وہ کوہ قاف میں ہو پہنچ گیا تو اسکی بابت دنیا میں کیا کیا چہ میگوئیاں ہو رہی ہیں۔ اس قصہ کو ختم کرکے مولانا پھر قصہ سلیمان وبلقیس کی طرف عود فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جب مشرق ہدایت کا نور یعنی پیغام سلیمان علیہ السلام ملک سبا میں پہونچا تو بلقیس اور دیگر اہل ملک کے اندر ایک عجیب شورش پیدا ہو گئی۔ جلتی مردہ روحیں تھیں سب پر پرزے جھاڑ کر ہدایت کیلئے تیار ہو گئیں۔ اور ان مردہ روحوں نے قبرتن سے سر باہر نکالا۔ اور آپسمیں ایک دوسرے کو بشارت دیتے تھے اور کہتے

تھے کہ یونداے آسمانی پہونچگئی۔ اب مولانا فرماتے ہیں کہ پیام سلیمانی سے اہل سبا کی یہ حالت کیوں نہوتی۔ یہ تو وہ مبارک آواز ہے جس سے لوگوں کے ایمان بڑھتے ہیں اور شاخ وبرگ دل سرسبز ہوتے ہیں۔ غرضکہ سلیمان علیہ السلام کی اس گفتگو نے نفخ صور کیطرح ارواح مردہ کو قبور اجسام سے نکال دیا۔ خیر اب اللہ تمھیں نیکی دے۔ یہ قصہ تو گذر گیا یہ واقعہ جسطرح ہمیں معلوم تھا ہم نے بیان کر دیا۔ اور یقینی بات خدا ہی جانتا ہے کہ کہاں تک صحیح ہے یہ اسلئے فرمایا کہ نص قطعی سے تو اجمالی طور پر واقعہ ثابت ہے رہی تفصیل مذکور سو اسکا ثبوت کسی قطعی دلیل سے نہیں۔ بلکہ میرے نزدیک تو کسی ظنی دلیل سے بھی نہیں۔ ہاں اگر مولانا نے یا الہام بیان فرمایا ہے اُسوقت اسکا ثبوت ظنی طور پر ہو جاویگا۔

شرح شبیری

ابراہیم ابن ادھم رحمہ اللہ تعالیٰ کے قصہ کا بقیہ

بر سر تختے شنید آں نیکنام طقطقے وہاے وہوئے شب زبام

یعنی تخت پر (لیٹے ہوئے) اُس نیکنام نے کوٹھے پر رات کیوقت کھٹ پٹ اور شور وغل سُنا۔

گامہاے تند بر بام سرا گفت باخود ایں چنیں زہرہ کرا

یعنی گھر کے کوٹھے پر بہت زور سے قدم (رکھتے) تو اپنے (دل) سے کہنے لگے کہ اتنی مجال کسکی ہے مطلب یہ کہ ایک مرتبہ رات کو حضرت ابراہیمؒ چھپر کھٹ شاہی پر سو رہے تھے تو انھوں نے چھت پر کسی کے پاؤں کی آواز سُنی کہ خوب زور زور سے کھٹ پٹ کرتا چھت پر پھر رہا ہے۔ تو انھوں نے اپنے دل میں کہا کہ ارے یہ کون ہے اور کسکی ہمت ہے کہ میں بادشاہ وقت ہوں اور پھر یہ رات کو اس طرح بے دھڑک چھت پر پھر رہا ہے

بانگ زد بر روزن قصر او کہ کیست ایں نباشد آدمی مانا پریست

یعنی انھوں نے محل کی کھڑکی میں سے آواز دی کہ کون ہے۔ یہ آدمی تو ہے نہیں شاید جن ہے

مطلب یہ کہ انکے جب خود سمجھ میں نہ آیا تو انھوں نے کھڑکی سے سر لٹکا کر آواز دی کہ یہ رات کو کون کھٹ پٹ کرتا پھرتا ہے۔ آدمی تو ہے نہیں اسلئے کہ آدمی کی تو اتنی مجال ہو ہی نہیں سکتی معلوم ہوتا ہے جنات ہیں جو اس طرح بے دھڑک پھر رہے ہیں۔

سر فرو کردند قومے بو العجب ما ہمی گردیم شب بہرِ طلب

یعنی ایک عجیب قوم (فرشتوں) نے سر لٹکایا۔ (اور کہا کہ) ہم رات کو تلاش میں پھر رہے ہیں (تو حضرت ابراہیمؒ نے پوچھا کہ)

ہیں چہ می جوئید گفتند اشتراں گفت اشتر بام بر کہ جست ہاں

یعنی ارے کیا تلاش کر رہے ہو تو وہ بولے کہ اونٹ (ڈھونڈھ رہے ہیں) تو حضرت ابراہیمؒ نے فرمایا کہ ارے اونٹ کو کوٹھے پر کس نے ڈھونڈا ہے مطلب یہ کہ جب انھوں نے پوچھا تو ایک عجیب قسم کے لوگوں نے سر لٹکایا اور جھانک کر کہا کہ ہم ایک چیز کی تلاش میں پھر رہے ہیں انھوں نے پوچھا کیا ڈھونڈھ رہے ہو انھوں نے کہا کہ اونٹ تلاش کر رہے ہیں تو حضرت ابراہیمؒ نے فرمایا کہ بھلا اونٹ کو کوئی کوٹھے پر بھی ڈھونڈھا کرتا ہے وہ یہاں کہاں مل سکتا ہے۔ بالکل بے جوڑ بات ہے اسکو سنکر وہ بولے کہ

پس بگفتندش کہ تو بر تخت و جاہ چوں ہمی جوئی ملاقات اِلٰہ

یعنی تب انھوں نے اُن سے کہا کہ تم جاہ کے تخت پر حق تعالیٰ کا وصل کس طرح تلاش کرتے ہو مطلب یہ کہ اُن فرشتوں نے کہا کہ اگر ہمارا اس جگہ اونٹ تلاش کرنا بے جوڑ ہے تو اسی طرح تمہارا تخت و تاج اور مال و دولت میں رہکر خدا کی تلاش کرنا ایسا ہی بے جوڑ ہے۔ کیونکہ حضرت ابراہیمؒ کو جیسی طلب تھی وہ طلب بے شک تخت و تاج میں رہکر پوری نہ ہو سکتی تھی ورنہ بہت سے بزرگان دین صاحب نسبت حضرات مالدار و شاہان دین و دنیا دونوں ہوئے ہیں مگر یہاں مطلب یہ تھا کہ طلب ابراہیمی تخت پر نہ ہو سکتی تھی اس لئے کہ اُسکے لئے ضرورت ہے یکسوئی کی اور تخت و تاج میں رہکر یکسوئی ہو نہیں سکتی۔ لہذا انھوں نے کہا تمہاری طلب تو ایسی اور پھر تخت و تاج میں رہنا یہ دونوں باتیں ایسی ہی بے جوڑ ہیں جیسا کہ یہاں اونٹ کا تلاش کرنا بس یہ سننا تھا کہ حضرت ابراہیم کے قلب پر چوٹ لگی

اور سب تخت و تاج کو خیرباد کہکر یکسو ہو گئے۔ بس یہ سبب تھا ترک ملک کا اسی کو فرماتے ہیں کہ

خود ہماں بُد دیگر او را کس ندید　　چوں پری از آدمی شد ناپدید

یعنی بس وہی تھا پھر کسی نے انکو نہ دیکھا پری کی طرح آدمی سے پوشیدہ ہو گئے۔ مطلب یہ کہ بس اسوقت تو وہ اُس حالت میں تھے جبکہ اُن ملائکہ نے اُن سے کلام کیا تھا مگر اُسکے بعد پھر اُنکو کسی نے اُس حالت شاہی میں نہ دیکھا بلکہ فوراً چھوڑ کر الگ ہو گئے۔ اس شعر میں چونکہ کہا ہے "دیگر او را کس ندید" تو اس سے شبہ ہوتا ہے کہ شاید وہ کہیں جا کر چھپ گئے۔ تو آگے اسکے معنی بیان فرماتے ہیں کہ

معنیش پنہاں و او در پیش خلق　　خلق کے بینند غیر ریش و دلق

یعنی معنی اُنکے پوشیدہ تھے اور وہ خلق کے سامنے تھے اور خلق سوائے ڈاڑھی اور گدڑی کے اور کیا دیکھتے ہیں۔ مطلب یہ کہ اُنکے کمالات جو کہ اُنکی حقیقت تھی وہ تو پوشیدہ ہو گئے صرف اُنکا جسم سب کے سامنے تھا تو پوشیدہ ہونے کے یہ معنی ہیں کہ پہلے تو اُنکے کمالات یعنی انتظام ملک وغیرہ سب کو معلوم تھے مگر اس حالت کے بعد پھر اُنکے کمالات کی لوگونکو خبر نہوئی۔ اور پھر اُنکی یہ حالت ہو گئی کہ۔

چوں ز چشم خویش و خلقاں دور شد　　ہمچو عنقا در جہاں مشہور شد

یعنی جبکہ اپنوں اور مخلوق کی آنکھ سے وہ دور ہو گئے تو عنقا کی طرح جہاں میں مشہور ہو گئے مطلب یہ کہ جب سب سے الگ ہو کر خلوت نشین ہو گئے کیونکہ اُنکے کمالات کیلئے اسکی ہی تو ضرورت ہی تب وہ بہ نسبت پہلے کے اور زیادہ مشہور ہو گئے۔ کہ دیکھو اُنکے علاوہ اور سیکڑوں بادشاہ گذر چکے ہیں۔ مگر جسطرح اُنکا نام نامی لیا جاتا ہے اور کسی کا بھی نہیں تو یہ اُسی عزلت اور علیحدگی کی برکت ہے۔

جان سیمرغے کہ آمد سوی قاف　　جملہ عالم از و لافند و لاف

یعنی سیمرغ کی جان جو کہ قاف کی طرف آئی تو سارا عالم اُس سے شیخی مارتا ہے مطلب یہ کہ دیکھو سیمرغ جو قاف میں جا چھپا ہے تو سب لوگ اُسکا ذکر کرتے ہیں اور اُسیکو کسقدر عظیم الشان اور ایک شے عجیب سب نے مان رکھاہے اور جو جانور سب کے سامنے ہر وقت

رہتے ہیں انکو کوئی پوچھتا بھی نہیں بس اسی طرح وہ بھی پوشیدہ ہوکر اور زیادہ مشہور ہوئے غرضکہ انھوں نے تخت و تاج کو ترک کیا تب انکو وصل حق حاصل ہوا اور انکی طلب پوری ہوئی تو اسی نئے حضرت سلیمان علیہ السلام بلقیس کو فرماتے ہیں کہ اس ظاہری ملک ومال کو ترک کرو۔ تب تمکو دولت باطنی حاصل ہوسکتی ہے۔ آگے اونہیں کا قصہ ہے فرماتے ہیں کہ۔

چوں رسید اندر سبا ایں نور شرق غلغلے افتاد در بلقیس و خلق

یعنی جب یہ نور مشرق (یعنی پیام سلیمانی) سبا میں پہونچا تو بلقیس میں اور لوگوں میں ایک شور مچ گیا۔

روحہائے مردہ جملہ پر زدند مردگان از گور تن سر بر زدند

یعنی سارے مردہ روحیں پھڑ پھڑا اوٹھیں اور مردوں نے گورتن سے سر نکالا۔

یکدگر را مژدہ می دادند ہاں نک ندائی می رسید از آسماں

یعنی ایک دوسرے کو مبارکبادیں دیتے تھے کہ ہاں یہ ندا آسمان سے پہونچ رہی ہے

زاں ندا دینہا ہمی گردند گبز شاخ و برگ دل ہمی گردند سبز

یعنی اس ندا سے دین قوی ہوتے ہیں اور دلکی شاخ اور پتے سبز ہوتے ہیں مطلب یہ کہ جب پیام سلیمانی ملک سبا میں پہونچا تو وہاں پر ہر شخص کو بیحد فرحت ہوئی۔ اور سب لوگ خوش ہوہوکر ایک دوسرے کو مبارکباد دیتے تھے۔ کہ میاں اب دولت باطنی میسر ہونے والی ہے۔ اور جسقدر روحیں مردہ ہورہی تھیں سب کی سب زندہ اور خوش و خورم ہوگئیں یعنی سارے کے سارے مسلمان ہوگئے۔ اور حیات روحانی سب کو میسر ہوگئی

از سلیماں آں نفس چوں نفخ صور مردگاں را وارہانید از قبور

یعنی سلیمان علیہ السلام کا وہ پیام نفخ صور کیطرح تھا۔ کہ مردونکو قبور سے چھوڑا دیا۔ مطلب یہ کہ جسطرح نفخ صور سے مردہ زندہ ہوجاویں گے۔ اور قبور سے نکل کھڑے ہونگے اسی طرح حضرت سلیمان علیہ السلام کے پیام سے سب لوگوں کو حیات روحانی میسر ہوگئی۔ آگے مولانا صاحب طالب کو دعا دیکر اس قصہ کو ختم فرماتے ہیں۔

مر ترا بادا سعادت بعد ازیں　　　این گذشت اللہ اعلم بالیقین

یعنی (اسے مخاطب) تجھے سعادت حاصل ہو اسکے بعد یہ گذر گیا واللہ اعلم بالیقین۔ مطلب یہ کہ تو بھائی خدا تمھارا بھلا کرے حضرت سلیمان علیہ السلام کے پیام کا قصہ تو ختم ہوا اب آگے حقیقت امر کی اللہ ہی کو خبر ہے آگے اُن لوگوں کا قصہ اور حالت کے بیان کو پورا فرماتے ہیں کہ پیام پہونچنے کے بعد انکی کیا حالت ہوئی۔

شرح حبیبی

اہل سبا کے قصہ کا اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی بلقیس کو دعوت کرنے کا بقیہ کہ اس پیام سے ہر شخص نے اپنی استعداد کے موافق مشکلات دین حل کیں اور اسکا بیان کہ ہر جانور کو اُسکی ہمجنس کی آواز سے شکار کیا جاتا ہے

قصہ گویم از صبا مشتاق وار　　　چوں صبا آمد بسوئے لالہ زار

لاقت الاشباح یوم وصلہا　　　عادت الاولاد صوب اصلہا

امۃ العشق خفی فی امم　　　مثل جود حولہ یوم السقم

ذلۃ الارواح من اشباحہا　　　عزۃ الاشباح من ارواحہا

ایہا العشاق السقیا لکم　　　انتم الباقون والبقیا لکم

ایہا السالون قوموا واعشقوا　　　ذاک ریح یوسف فاستنشقوا

منطق الطیر سلیمانی بیا　　　بانگ ہر مرغے کہ آید می سرا

چوں بمرغانت فرستاد ست حق	لحن ہر مرغے بدادستت سبق
مرغ جبری را زبان جبر گو	مرغ پر اشکستہ را از صبر گو
مرغ صابر را تو خوش دار و معاف	مرغ عنقا را بخوان اوصاف قاف
مر کبوتر را حذر فرما ز باز	باز را از حلم گو و احتراز
وان خفاشے را کہ ماند او بینوا	می کنش با نور جفت و آشنا
کبک جنگی را بیاموزاں تو صلح	مر خروس انرا نما اشراط صبح
ہمچنیں میرو ز ہدہد تا عقاب	رو نما واللہ اعلم بالصواب

اب میں مشتاقانہ سبا کا قصہ بیان کرتا ہوں سنو جبکہ صبا ئے پیغام سلیمانی لالہ زار سبا میں آئی تو اجسام کو جو ہنوز فراق ارواح میں مبتلا تھے۔ روز وصال نصیب ہو گیا اور فروع اپنی اصول کی طرف لوٹ گئیں یعنی اجسام غلبہ روحانیت سے ارواح بنگئے۔ یہ جماعت عشق کی جماعت تھی جو ہنوز مخفی تھی سنو کہ جماعت عشاق دیگر جماعتوں میں یوں ہی مخفی ہوتی ہے جیسے سخاوت مرض کی ملامت میں یعنی جیسے لوگ سخی کو جنوں و خبط مالیخولیا اور سفہ میں مبتلا بتلاتے ہیں اور اسلئے وہ سخاوت انکی نظر سے مخفی ہو جاتی ہے۔ یوں ہی عشاق بھی غیر عشاق میں مخفی ہوتے ہیں۔ اور دیکھنے والے انکو بھی غیر عشاق ہی سمجھتے ہیں یہ تو جملہ معترضہ تھا اچھا اب سنو کہ اہل سبا کے اختفا کا سبب کیا تھا۔ اسکا سبب تھا کہ ان پر جسمانیت غالب تھی اور روحانیت مغلوب۔ اور قاعدہ ہے کہ ارواح کی ذلت غلبہ اجسام سے ہی اور اجسام کی عزت غلبہ ارواح سے۔ تو چونکہ اُن کے اجسام اُنکی ارواح پر غالب تھے۔ اسلئے ارواح ذلیل اور دبی ہوئی تھیں۔ اور انکے آثار ظاہر نہ تھے۔ اسلئے وہ مخفی تھے۔ اب ارواح کا غلبہ ہوا۔ اور اجسام نے بھی ارواح کی خاصیت قبول کر لی۔ اور اسلئے انکو بھی عزت حاصل ہو گئی۔ لہذا ظاہر ہو گئے ہاں اے جماعت عشاق علی العموم یا بالخصوص اہل سبا تم سرسبز و شاداب رہو تمہیں باقی رہنے والے ہو۔ اور بقا تمہارے ہی لئے ہے (پہلی صورت میں حصر حقیقی ہے اور دوسری صورت میں

اضافی - اور اے عشق سے بیخبر اگر تم اپنی بقا چاہتے ہو تو تم بھی اٹھو - اور عاشق ہو جاؤ دیکھو یوسف کی بو موجود ہے اسے سونگھو یعنی پیغام سلیمانی تمہارے پاس پہونچا ہے تم اسے سمجھو اور محبوب حقیقی کا پتہ چلاؤ اور ہاں اے منطق الطیر سلیمانی تو بھی آ - اور چونکہ حق سبحانہ نے تمکو جانوروں کے پاس بھیجا ہے اور اسلئے تجھے ہر جانور کی زبان سکھلادی ہے یعنی تجھکو ناقصین کی تربیت کیلئے بھیجا ہے اور اسلئے تربیت کی طرق تعلیم فرمائے ہیں - اس لئے جو جانور تیرے پاس آئے اس سے اسکے مناسب بولی بول یعنی اسکی اصلاح کا وہی طریق اختیار کر جو اسکے لئے مناسب ہو معتقد جبر جانور کو جبر کا نقصان بتلا - اور پرشکستہ جانور کو صبر کی ہدایت کر یعنی معتقد اختیار ناقص کو صبر عن المعاصی کی ہدایت کر اور جو جانور کہ صابر ہو اس سے کچھ تعرض نکر یعنی جو شخص گناہوں سے پرہیز کرتا ہے اسکو کچھ کہنے سننے کی ضرورت نہیں کیونکہ وہ تو خود ہی صحیح رستہ پر چل رہا ہے اور جو لوگ عنقا صفت اور عالم غیب سے تعلق رکھنے والے ہیں ان سے عالم غیب کے متعلق گفتگو کر - اور کبوتروں کو باز سے بچا - اور باز کو حلم اور احتراز از کبوتر انکی ہدایت کیجئے یعنی مظلوموں اور کمزوروں کو ظالموں اور زبردستوں سے بچا اور ظالموں و جابروں کو ہدایت کر کہ وہ حلم کو کام میں لائیں اور کمزوروں کو نہ ستائیں - اور جو خفاش دولت نور سے محروم ہے اسکو نور کے ساتھ ملا - اور اسے اس سے آشنا کر یعنی محجوبین کو معرفت حق سے بہرہ ور کر - اور لڑنے والے چکور کو صلح سکھلا اور مرغوں کو علامات صبح سے آگاہ کر یعنی اہل حق کو جو بتلائے رد و قدح لا یعنی ہیں انکو ہدایت کر کہ وہ اس خرافات کو ترک کریں اور اپنے گرانمایہ وقت کی قدر کریں اور جو لوگ ہدایت سے مناسبت رکھتے ہیں انکو ہدایت کر غرضکہ چھوٹے سے لیکر بڑے تک اور ادنی سے لیکر اعلی تک کی اسکے حال کے مناسب تربیت کر اور راہ حق دکھلا تم الکلام واللہ اعلم بالصواب -

شرح شبیری

اہل سبا کے قصہ کا اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی

بلقیس کو دعوت کرنے کا بقیہ کہ اُس پیام سے ہر شخص نے اپنی استعداد کے موافق مشکلات دین حل کیں اور اسکا بیان کہ ہر جانور کو اُس کے ہمجنس کی آواز سے شکار کیا جاتا ہے،

قصہ گویم از سبا مشتاق وار ۔۔۔ چوں صبا آمد بسوئے لالہ زار

یعنی میں سبا کا قصہ مشتاق کی طرح بیان کرتا ہوں کہ جب باد صبا لالہ زار کی طرف آئی۔

لاقت الاشباح یوم وصلھا ۔۔۔ عادت الاولاد صوب اصلھا

یعنی احسام نے اپنے وصل کے دن سے ملاقات کی اور اولاد اپنی اصل کیطرف لوٹ آئی، مطلب یہ کہ جب وہ پیام سلیمانی سبا میں پہونچا تو تمام اجسام پر احکام روح کا غلبہ ہو گیا اور سب لوگ اپنی اصلی حالت کی طرف لوٹ گئے یعنی سارے کے سارے مومن ہو گئے۔

امت العشق خفی فی الامم ۔۔۔ مثل جود حولہ لوم السقم

یعنی عشق کا گروہ اور امتوں کے درمیان میں مخفی ہے جیسے کہ بارش کا دن کہ اسکے گرد مصیبت کے دن ہوں مطلب یہ کہ عاشق لوگ اوروں میں اس طرح چھپے ہوئے ہوتے ہیں جیسے کہ بارش کا دن ہوتا ہے۔ کہ اُسکے گرد تو مصیبت کے ایام ہوتے ہیں اور بیچ میں وہ ہوتا ہے اسی طرح عشاق بھی بیچ میں ہوتے ہیں۔ اور چاروں طرف اور لوگ ہوتے ہیں اور یہ لوگ ان ہی میں مخفی ہوتے ہیں جیسے کہ یہ اہل سبا تھے عشاق اور دوسرے آدمیوں کی طرح۔ مگر ان میں اور اُن میں حقیقۃً بجید فرق تھا اور فرماتے ہیں کہ۔

ذلۃ الارواح من اشباحھا ۔۔۔ عزۃ الاشباح من ارواحھا

یعنی ارواح کی ذلت تو اجسام کی وجہ سے ہوتی ہے اور اجسام کی عزت ارواح سے ہوتی ہے مطلب یہ کہ اگر روح پر غلبہ احکام جسم کا ہوا تو وہ روح تو ذلیل و خوار ہو گی اور اگر جسم پر غلبہ روح کا ہو گیا تو یہ اُس جسم کی عزت افزائی ہے۔ آگے اہل سبا کو خطاب کر کے فرماتے ہیں اور مراد خطاب طالبین کو ہے۔ فرماتے ہیں کہ۔

ایھا العشاق السقیا لکم انتم الباقون البقیا لکم

یعنی اے عشاق تمہارے لئے سیرابی ہے تم ہی باقی ہو اور بقا تمہارے ہی لئے ہے،

ایھا السابون قوموا واعشقوا ذاک ریح یوسف فاستنشقوا

یعنی ای افسردہ لوگو کھڑے ہو اور عاشق ہو جاؤ۔ یہ ریح یوسف ہے سونگھ لو۔ مطلب یہ کہ اے اہل سبا اور اے طالبین یہ پیام سلیمانی اور افادات شیخ تم تک پہونچے ہیں لہذا کھڑے ہو جاؤ۔ اور عاشق ہو جاؤ کیونکہ یہ ریح یوسف کی طرح بصیرت بخشنے والا ہے۔ لہذا اسکو حاصل کرو۔ اور اسکی طرف متوجہ ہو۔ یہ تو خطاب تھا طالبین کو کہ تم طلب میں کوشش کرو۔ آگے منطق الطیر سلیمانی کو مخاطب کر کے شیخ سے عرض کرتے ہیں کہ۔

منطق الطیر سلیمانے بیا بانگ ہر مرغے کہ آید می سرا

یعنی اے سلیمان علیہ السلام کی منطق الطیر آ اور جو جانور آوے اسکی آواز گا۔ (منطق الطیر سے مراد مطلق کلام و افادات)۔

چوں بمرغانت فرستادست حق سخن ہر مرغے بدادستت سبق

یعنی جب تمکو حق تعالیٰ نے جانوروں کی طرف بھیجا ہے اور ہر جانور کی آواز تمکو سکھائی ہے (مرغان سے مراد طالبین)۔

مرغ جبری را زبان جبر گو مرغ پراشکستہ را از صبر گو

یعنی مرغ جبری کو زبان جبر (محمود) سے تعلیم کرو۔ اور مرغ پراشکستہ کو صبر کی تعلیم کرو،

مرغ صابر را تو خوش دار و معاف مرغ عنقا را بخواں اوصاف قاف

یعنی مرغ صابر کو تم خوش اور معاف رکھو اور مرغ عنقا سے قاف کے اوصاف بیان کرو۔

مر کبوتر را حذر فرما ز باز باز را از حلم گوئی و احتراز

یعنی کبوتر کو باز سے بچنے کی تعلیم کرو اور باز کو حلم کی اور بچانے کی تعلیم کرو۔

واں خفاشے را کہ ماند او بینوا می کنش با نور جفت و آشنا

یعنی اُس خفاش کو جو کہ بے نوا رہگئی ہے نور کے ساتھ جفت و آشنا کر دو۔

کبک جنگی را بیاموزاں تو صلح مر خروسا ترا نما اشراط صبح

یعنی اڑنے والے کبک کو صلح سکھلاؤ اور مرغو نکو صبح کی علامتیں سکھلاؤ۔

ہمچنیں میرو نہ ہدہد تا عقاب   رہ نما واللہ اعلم بالصواب

یعنی اسی طرح ہدہد (کم عقل) سے عقاب (عاقل) تک راہ دکھلاتے ہوئے چلے چلو واللہ اعلم بالصواب۔ مطلب یہ ہے کہ اے شیخ جو کہ فیض رسانی میں مثل سلیمان علیہ السلام کے ہو تم کو حق تعالیٰ نے ہر شخص کی تعلیم کی استعداد دی ہے اور تم ہر کس و ناکس کی تعلیم کر سکتے ہو تو تم کو چاہیئے کہ ہر شخص کو اسکی استعداد کے موافق تعلیم کرو۔ یہ نہیں کہ ذراسی بات پر بگڑ بیٹھو۔ یا ہر شخص کو ایک لکڑی ہانکنا شروع کر دو۔ اور سب کو اپنے درجہ پر کھینچو نہیں بلکہ خود اُن کے مرتبہ پر نزول کر کے انکی استعداد کے موافق سبکو تعلیم کرو غرضکہ طالبین کو توجہ دلائی کہ تم طلب کرو۔ اور شیوخ سے انکی تعلیم کے واسطے عرض کیا کہ جس سے کام بنجاوے اور وصل حق میسر ہو جاوے۔ آگے حضرت بلقیس کے اسلام لے آنے اور ملک و مال کو ترک کر دینے کا قصہ بیان فرماتے ہیں۔

شرح حبیبی

بلقیس کا ملک و مال سے بوجہ شوق ایمان کے آزاد اور مست ہو جانا اور تمام ملک سے اسکا التفات منقطع ہو جانا مگر تخت سے

چوں سلیمان سوئے مرغان سبا	یک صفیرے کرد و بست آں جملہ را
جز مگر مرغے کہ بد بے جان و پر	یا چو ماہی گنگ بود از اصل و کر
نے غلط گفتم کہ کر گر سر نہد	پیش وحی کبریا سمعش دہد
چونکہ بلقیس از دل و جان عزم کرد	بر زمان رفتہ ہم افسوس خورد

ترک مال و ملک کرد او آنچناں، | کہ ترک نام و ننگ آں عاشقاں
آں غلاماں و کنیزاں بناز | پیش چشمش ہمچو پوسیدہ پیاز
باغہا و قصرہا و آب رود | پیش چشم از عشق گلخن می نمود
عشق در ہنگام استیلا و خشم | زشت گرداند لطیفاں را بچشم
مرزمرد را نماید گندنا | غیرت عشق ایں بود معنے لا،
لا الہ الا ہو اینست اے پناہ | کہ نماید مہ ترا دیگ سیاہ
ہیچ مال و ہیچ مخزن ہیچ رخت | مے دریغش نامد الا جز کہ تخت
پس سلیماں در دلش آگاہ شد | کز دل او تا دل او راہ بد
آں کسے کو بانگ موران بشنود | ہم ز دوراں سر دوراں بشنود
آنکہ گوید راز قالت نملہ | ہم بداند راز ایں طاق کہن
دید از دورش کہ آں تسلیم کیش، | تلخش آمد فرقت آں تخت خویش
گر بگویم آں سبب گردد دراز، | کہ چرا بودش بتخت آں عشق و ساز
گرچہ ایں کلک و قلم خود بیحسے است | نیست جنس کاتب او را مونسے است
ہمچنیں ہر آلت پیشہ وری | ہست بیجان مونسے ہر جانوری
آلت ہر پیشہ کارے ہمچناں | ہست بیجان لیک مونس شد بجاں
ایں سبب را من معین گفتمے | گر نبودے چشم فہمت را نمے
از بزرگی تخت کز حد می فزود | نقل کردن ہیچ نوع امکان نبود
خردہ کارے بود تفریقش خطر | ہمچو اوصال بدن با یکدگر

پس سلیمان گفت گرچه فی الاخیر | سرد خواهد شد برو تاج و سریر
چون ز وحدت جان برون آرد سری | جسم را با فر او بنود فری
چون بر آید گوهر از قعر بحار | بنگری اندر کف و خاشاک و خار
سر بر آرد آفتاب با شرر | دُم عقرب را که سازد مستقر
لیک خود با اینهمه بر نقد حال | جست باید تخت او را انتقال
تا نگردد خسته هنگام لقا | کودکانه حاجتش گردد روا
هست بر ما سهل و او را بس عزیز | تا بود بر خوان حوران دیو نیز
عبرت جانش شود آن تخت ناز | همچو دلق و چارقی پیش ایاز
تا بداند در چه بود او مبتلا | از کجاها در رسید او تا کجا
خاک را و نطفه را و مضغه را | پیش چشم ما همی دارد خدا
کز کجا آوردمت ای بدنیت | که ازان آمد همی خفرقیت
تو بدان عاشق بدی در دور آن | منکر این فضل بودی آن زمان
این کرم چون دفع آن انکار تست | که میان خاک میکردی نخست
حجت انکار شد انشار تو | از دوا بدتر شد این بیمار تو
خاک را تصویر این کار از کجا | نطفه را خصمی و انکار از کجا
چون در آن دم بیدل و بی سر بدی | فکرت و انکار را منکر بدی
از جمادی چونکه انکارت برست | هم ازین انکار حشرت شد درست
پس مثال تو چو آن حلقه زنیست | کز درونش خواجه گوید خواجه نیست

حلقہ زن زین نیست در یابد کہ ہست / پس ز حلقہ بر ندارد ہیچ دست

پس ہم انکارت مبیں میکند، / کز جماد او حشر صد فن میکند

چند صنعت رفت اے انکار تا، / آب و گل انکار زاد از ہل اتیٰ،

آب و گل میگفت خود انکار نیست / بانگ میزد بے خبر کاخبار نیست

من بگویم شرح این از صد طریق / لیک خاطر لغزد از گفت دقیق

شرح آنرا لب بہ بستم اے کیا، / بہر نقل تخت بلقیس از سبا

سلیمان علیہ السلام کا بلقیس کے تخت کو سبا سے منگانیکی تدبیر کرنا

پس سلیمان گفت با لشکر عیاں / تخت او را حاضر آرید این زماں

گفت عفریتے کہ تختش را بفن / حاضر آرم تا تو زیں مجلس شدن

گفت آصف من باسم اعظمش، / حاضر آرم پیش تو در یکدمش،

گرچہ عفریت استاد سحر بود / لیک آں از نفخ آصف رو نمود

حاضر آمد تخت بلقیس آنزماں / لیک ز آصف نہ ز فن عفریتیاں

گفت حمد اللہ بریں و صد چنیں / کہ بدیدستم ز رب العالمیں

پس نظر کرد آں سلیماں سوئے تخت / گفت آرے گول گیری اے درخت

پیش چوب و پیش سنگ نقش کند، / اے بسا گولاں کہ سرہا می نہند،

ساجد و مسجود از جاں بے خبر / دیدہ از جان جنبشے و اندک اثر

دیدہ در وقتیکہ شد حیران و دنگ / کہ سخن گفت و اشارت کرد سنگ

نزدِ خدمت چوں بنا موضع بباخت	شیر سنگی را شقی شیرے شناخت
از کرم شیر حقیقی کرد جود	استخوانے سوئے سگ انداخت زود
گفت گرچہ نسبت آں سگ بر قوام	لیک ما را استخواں لطفیست عام

جبکہ سلیمان علیہ السلام نے جانوروں کیلئے انکے مناسب ایک بولی بولی یعنی اہل سبا کو ایک مناسب حال پیغام بھیجا تو اُن سبکو قید اور منقاد کر لیا۔ بجز اُس جانور کے جو بیجان و بے پر تھا۔ یا مچھلی کی طرح خلقۃً بہرہ گونگا تھا یعنی فطرۃً ہی اسمیں استعداد و قابلیت ایمان نہ تھی۔ (مراد اس سے اظہار کمال ضعف استعداد ہے نہ کہ نفی مطلق استعداد کیونکہ یہ امر کل مولود یولد علی الفطرۃ کے خلاف ہے) اُسکو فائدہ نہوا۔ اور وہ اتباع سے محروم رہا۔ چونکہ مولانا کے اس کلام سے گونہ ایہام اس امر کا بھی ہوتا تھا۔ کہ آواز وحی ایسے لوگوں کی ہدایت سے قاصر ہے اسلئے اُسکو دفع فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ نہیں میں نے غلط کہا اور میرے کلام سے یہ امر جو متوہم ہوتا ہے کہ آواز وحی الٰہی قاصر ہے یہ غلط ہے کیونکہ اسمیں تو اتنی قوت ہے کہ اگر بہرہ یعنی قریب قریب فاقد الاستعداد شخص بھی اسے سُنے تو نور وحی الٰہی اسکے لئے بھی شمع ہدایت روشن کر دے پس قصور سراسر عبد کیطرف سے ہے۔ نہ کہ وحی کی جانب سے یہ تو جملہ معترضہ تھا اصل مطلب یہ ہے کہ بلقیس مسلمان ہو گئی اور اُس نے سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہونے کا صدق دل سے پختہ ارادہ کر لیا۔ اور جبکہ اُسکے دل میں اسلام نے گھر کر لیا۔ اور اسکا حاضری کا ارادہ پختہ ہو گیا۔ تو اُسکو اپنے گذشتہ زمانہ کے ضائع ہونے پر افسوس ہوا۔ کہ میرا اتنا وقت کیوں برباد ہو گیا۔ اور کیوں میں اتنے دنوں تک اس دولت سے محروم رہی اور اُس نے دولت و سلطنت کو یوں خیرباد کہدیا جس طرح عشاق نام و ننگ کو کہدیتے ہیں۔ خدمتگار غلام اور ناز و انداز والی لونڈیاں اسکی نظر میں اسد رجہ بے وقعت ہو گئی تھیں جیسی بے وقعت پیاز۔ باغات و قصور شاہی اور نہروں کا پانی سب کے سب عشق کی گرمی سے بہار معلوم ہوتے تھے۔ اور یہ امر کچھ بھی تعجب خیز نہیں اسلئے کہ عشق کا تو قاعدہ یہی ہے کہ جب وہ مسلط اور غضبناک ہوتا ہے تو اچھی چیز بُری

عاشق کی نظر میں بری ہو جاتی ہیں۔ چنانچہ غیرت عشق زمرد کو گندنا دکھلاتی ہے۔ یعنی عاشق کو غیرت آتی ہے کہ محبوب کی خوبی کے سامنے کسی اور چیز کو بھی خوب سمجھے۔ اور اس کی طلب کے ساتھ کوئی اور چیز بھی مطلوب ہو۔ اور فنائی المحبوب کے یہی معنی ہیں۔ اب مولانا انتقال فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تا لا الہ الا ہو کے معنی بھی یہی ہیں کہ مثلاً چاند تمہیں کالی ہانڈی معلوم ہو۔ تفصیل اسکی یہ ہے کہ اسمیں تمام کائنات معبودیت کا سلب ہے۔ اور صرف ایک ذات کے لئے اسکا اثبات ہے تو حاصل یہ ہوا کہ معبود صرف ذات واحد ہے۔ اور کوئی نہیں۔ اور معبودیت و استجماع جملہ اوصاف کمال و محبوبیت حقیقۃ و کاملۃ آپسمیں متلازم ہیں پس لا الہ الا ہو کے التزامی معنی یہ ہوئے کہ کوئی محبوب حقیقی و کامل نہیں بجز ذات واحد کے لہذا اُسیکو محبوب بنانا چاہئے۔ اور جب وہ محبوب ہو گیا تو اسکے ماسوا جتنی چیزیں ہیں سب کو اُسکے سامنے محتقر اور عاری عن الکمال سمجھنا چاہئے کیونکہ مقتضائے عشق یہی ہے۔ پس جبکہ یہ کیفیت پیدا ہو گئی تو لامحالہ عاشق چاند کو کالی ہانڈی سمجھے گا۔ و ہذا ہو المدعی۔ اس مضمون استطرادی کو بیان فرما کر پھر مضمون سابق کے طرف عود فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ کوئی مال کوئی خزانہ کوئی سامان ایسا نہ تھا جسکا اسے افسوس ہو بجز تخت کے کہ اسکو اسکا افسوس ضرور تھا پس سلیمان علیہ السلام کو انکے خیال پر اطلاع ہو گئی (چونکہ بادی النظر میں یہ امر قابل انکار تھا اسلئے مولانا اسکی وجہ بیان کرتے ہیں اور کہتے ہیں) کیونکہ جبکہ بلقیس کے قلب کو حضرت سلیمان علیہ السلام سے تعلق تھا تو حضرت سلیمان علیہ السلام کو بھی ان سے محبت تھی اور عادت اللہ جاری ہے کہ ایسی صورت میں علی تفاوت مراتب التعلق ایک کے قلب کی حالت کا پرتو دوسرے کے قلب پر پڑا کرتے ہیں۔ اسلئے دونوں کے دلونکے درمیان ایک راستا تھا جس سے ایک کے دل کا اثر دوسرے تک پہونچ سکتا تھا نیز جسکے قوی مدرکہ اتنے قوی ہونگے کہ وہ چیونٹی کی گفتگو سنلے وہ دور والوں کے اسرار قلبیہ بھی معلوم کر سکے گا بوجہ اس ادراک کے اختیاری ہونے کے ہر وقت اور جب چاہے ایسا نکر سکے اور جو گفتگو ہو کہ جو کہ ایک مخفی بات تھی جان لیگا وہ آسمانوں کے مخفی اسرار کو بھی جان سکیگا۔ کیونکہ منشا دونوں کا

نور الٰہی و قوت الٰہیہ ہے جسکے نزدیک دونوں یکساں ہیں مگر چونکہ ان سے حواس عادیہ کی طرح کام لینے کا اختیار عطا نہیں کیا گیا۔ اسلئے یہ ادراک انکے اختیار میں نہیں فاندفع الشکوک والاوہام باسرہا۔ القصہ انھوں نے ایک مسافت بعیدہ سے یہ امر معلوم کر لیا کہ مطیع و منقاد بلقیس کو اپنے تخت کی جُدائی ناگوار ہے رہا یہ امر کہ اسکو اس تخت سے کیوں عشق اور موافقت تھی سو اگر میں اسکی تفصیلی وجہ بیان کرتا ہوں تو گفتگو طویل ہوئی جاتی ہے۔ مگر مختصر اور اجمالا کچھ بیان کرتا ہوں سنو اگرچہ قلم جماد محض ہے مگر کاتب کو اس سے ایک خاص انس ہوتا ہے علیٰ ہذا ہر پیشہ ور کے آلات اپنے بیجان ہونیکی حالت میں جانداروں کے مونس ہیں۔ اور جو شخص جو کام کرتا ہے اُسکا آلہ بیجان ہوتا ہے۔ لیکن وہ اسکا مونس جان ہوتا ہے علیٰ ہذا بلقیس کا تخت اسکا آلہ تھا اسلئے قدرۃً اسکو بھی اس سے انس ہونا چاہیے تھا۔ یہ تو میں نے مجملا اور ایک کلیہ کے طور پر بیان کر دیا ہے اور میں اسکو متعین اور مشخص کر کے بھی بیان کر دیتا۔ اگر تیری چشم فہم میں ڈھلکے کا مرض نہوتا یعنی وہ کمزور نہوتی۔ مگر کیا کیجئے کہ وہ کمزور ہے اسلئے مجھے اندیشہ ہے کہ تو نہ سمجھ سکے یا غلط سمجھ جائے اسلئے ترک کرتا ہوں۔ اور قصہ بیان کرتا ہوں۔ چونکہ تخت بہت بڑا تھا اسلئے اُس کے بڑے ہونیکے سبب اُسکو سلیمان علیہ السلام کے پاس لیجانا کسی طرح ممکن نہ تھا اور چونکہ اسمیں بہت باریک کام ہو رہا تھا اسلئے اجزا الگ الگ کرنے میں بھی خطرہ تھا جیسے انسان کے آپس کے جوڑ کہ اُن کے جدا کرنے میں سخت خطرہ ہے۔ کیونکہ وہ ایک اُستاد کامل کے جوڑے ہوئے ہیں پس اگر اُنکو الگ الگ کر دیا جاوے تو پھر اُنکا اس طرح جوڑنا ناممکن ہو جاوے۔ ان واقعات پر غور کر کے حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ اگرچہ انجام یہ ہوگا کہ بلقیس کو تخت و تاج کی بالکل محبت نہ رہے گی کیونکہ جب جان دریائے وحدت میں غرق اور فنا فی اللہ ہو کر نکلتی اور بقا باللہ حاصل کرتی ہے تو اسکی عظمت کے مقابلہ میں کوئی چیز وقیع نہیں ہوتی۔ اسلئے وہ کسی چیز پر بھی نظر نہیں کرتے۔ اسلئے کہ قاعدہ ہے کہ اگر سمندر میں سے موتی نکل آئے تو پھر آدمی خس و خاشاک کیطرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتا۔ نیز جبکہ آفتاب مشتعل طلوع ہوتا ہے تو اسوقت دم عقرب پر کوئی اعتماد نہیں کرتا۔ کیونکہ آفتاب کے

سامنے دم عقرب کی کیا حقیقت ہے (دم عقرب سے وہ ستارے مراد ہیں جو مجموعہ عقرب میں دم عقرب کی صورت پر مجتمع ہیں اور یہی مراد ہے صاحب منہج قوی کی۔ نہ کہ کژدم معروف کی دم جیسا کہ بعض محشین نے سمجھا ہے۔ واللہ اعلم) لیکن باانیہمہ فی الحال یہی مناسب ہے کہ اسکے تخت کو یہاں منگایا جاوے، تاکہ ہماری ملاقات کے وقت اسکو تخت کے چھوٹنے کا ملال نہو اور اسکی طفلانہ خواہش پوری ہو جانی چاہیئے۔ کیونکہ گو وہ ہمارے نزدیک محقر ہے مگر اسے بیحد عزیز ہے نیز تاکہ خوردوں کے دستر خوان پر دلو بھی موجود رہے اور وہ تخت اسکی جان کیلئے موجب عبرت ہو جسطرح کہ ایاز کی گدڑی اور اسکے جوتے اسلئے اسکے پاس تھے کہ اسے معلوم رہے کہ میں کہاں سے کہاں پہونچ گیا ہوں اور پہلے کیا تھا اور اب کیا ہو گیا ہوں (اور اس سے اسمیں شکر پیدا ہو نہ کہ غرور اور گھمنڈ) حق سبحانہ نے خاک اور نطفہ اور مضغہ کو اسی لیے ہمارے سامنے رکھا ہے تاکہ ہمیں جتلائے کہ میں نے تمہیں ایسے کونسے عمدہ تغیر سے پیدا کیا ہے جس سے تمہارے اندر یہ پاجی پن تکبر و غرور وغیرہ پیدا ہو جس زمانہ میں تو نطفہ اور مضغہ تھا اسوقت تو بزبان حال ہمارے اس کمال کا منکر تھا کہ ہم ایک چیز کو دوسری شے سے پیدا کر سکتے ہیں اور چونکہ ہمارا یہ فضل یعنی تمکو جماد سے انسان بنانا تمہارے اس انکار کو رد کرتا ہے جو کہ تم ابتدا رخاک ہونیکی حالت میں کرتے تھے۔ اسلئے اب تمکو حشر اجساد سے انکار نہونا چاہیئے تھا مگر تم پر اسکا الٹا اثر ہوا اور ہمارا تمکو حیات بخشنا خود تمہارے لئے انکار کی دلیل بنگیا (اور تم نے کہا کہ حشر اجساد ناممکن ہے کیونکہ جسم میں سے وہ استعداد فنا ہو گئی ہے جسکے بنا پر نفس کو اس سے تعلق تھا یا وہ مجتمع تھا اور نفس کے تعلق اور جسم کے اجتماع کا فنا ہو جانا دلیل ہے اسکے انعدام کی۔ پس جبکہ اسمیں استعداد تعلق نفس و اجتماع اجزاء نہیں رہے تو جسم کیونکر بن سکتا ہے اور نفس اس سے کیونکر متعلق ہو سکتا ہے) اور جو چیز واقع میں تمہارے لئے دوا تھی اس سے تمہارے مرض کو ترقی ہو گئی۔ تم اتنا تو سوچو کہ خاک کے پتلے کیلئے اس فعل (حیات و استعداد وغیرہ) کو کس نے متصور کیا ہے۔ اور وہ کون ہے جسنے اسے حیات یا استعداد وغیرہ دی ہے۔ اور نطفہ یعنی انسان کے اندر مخاصمت اور انکار کس نے پیدا کیا ہے۔ وہ ہمیں تو ہیں۔ پھر اگر ہم دوبارہ بھی حیات دیدیں تو کیا تعجب کی بات ہے۔ آخر استعداد

اولی ہی تو ہمیں نے پیدا کی تھی پھر کیا ہم دوبارہ استعداد پیدا نہیں کر سکتے۔ دیکھو جب تمکو دل اور فہم نہ ملا تھا اسوقت تم فکر اور انکار کے بھی منکر تھے۔ اب چونکہ جمادیت سے تمھارے اندر انکار پیدا ہو گیا ہے اسلئے خود تمھارا یہ انکار حشر ہی اسکا اقرار ہو گیا۔ کیونکہ اس سے ثابت ہوا کہ تمھارا انکار بالکل لغو ہے۔ اور تم ہر ایسی چیز کا انکار کر بیٹھتے ہو۔ جو فی نفسہ ممکن ہوتی ہے اور اس تک تمھاری رسائی نہیں ہوتی چنانچہ حالت جمادیت میں تم فکر و انکار کے منکر تھے ہی۔ اور اب انکو آنکھوں سے دیکھ لیا نیز تمھارا مٹی ہو کر دوبارہ زندہ ہونا ایسا ہی ہے جیسا جماد سے انکار کا پیدا ہونا۔ تو جبکہ ہم اسپر قادر ہیں تو اسپر قادر کیوں نہ ہونگے۔ لہذا تمھاری مثال ایسی ہو گئی جیسے ایک شخص زنجیر کھٹکھٹائے اور مالک مکان اندر سے بولے کہ مالک گھر نہیں ہے کیونکہ یہ انکار اسکا خود اقرار ہے اور زنجیر کھٹکھٹانے والا اس انکار ہی سے اقرار سمجھ جاوے اسکی بات نہ مانے گا۔ اور زنجیر کھٹکھٹاتا رہے گا پس اسی طرح تمھارا انکار خود ثابت کرتا ہے کہ حق سبحانہ جمادات میں سیکڑوں کمالات پیدا کر سکتے ہیں اے منکر ذرا غور تو کر کہ جسوقت تک خاک و آب یعنی مٹی کے پتلے نے ہل اتی سے انکار کیا ہے اسوقت تک خاک کے اندر کیا کیا کاریگریاں ہو چکی ہیں کہ اول مٹی کو غذا بنایا اور غذا کو بتقلیب احوال خون بنایا اور خون کو منی بنایا۔ منی کو علقہ بنایا علقہ کو مضغہ بنایا مضغہ کو جسم انسانی بنایا پھر اسمیں روح پھونکی پھر اسکو قابل فہم بنایا۔ اسوقت سورۃ ھل اتی کا انکار کیا۔ جو اولاً بطور تمہید کے اسکے ابتدائی حالت کو ظاہر کرتی ہے اور اسکے بعد اسکے محشوریت جسمانیہ کو بتلاتی ہے غرضکہ مجموعۂ آب و گل (انسان ناقص) اپنے انکار کی حالتمیں کہتا ہے کہ یہ انکار نہیں ہے اور تغافل اپنے عین اس خبر دینے کی حالتمیں بندائے جہودی کہہ رہا ہے کہ یہ خبر دینا نہیں ہے بلکہ سراسر جھوٹ ہے۔ میں اس مضمون کو سو طرح بیان کر سکتا ہوں لیکن اندیشہ ہے کہ باریک بات سے افہام کو لغزش نہ ہو جاوے۔ اسلئے اسکی شرح سے خاموش رہا۔ تاکہ سبا سے بلقیس کا تخت لے آؤں۔ سنو امر مذکورہ بالا کو سوچکر سلیمان علیہ السلام نے لشکر کو حکم دیا کہ اسکے تخت کو فوراً حاضر کرو۔ ایک جن نے کہا کہ میں اسکے تخت کو اپنے کمال سے آپکی مجلس کے برخاست ہونے سے پہلے حاضر کر سکتا ہوں یہ سنکر آصف بن برخیا نے کہا کہ

میں اسم اعظم کے ذریعہ سے اسے آنًا حاضر کئے دیتا ہوں۔ اگرچہ وہ عضریت ہی جادو کا استاد تھا مگر اس خدمت کے انجام کا شرف آصف کی قسمت میں تھا اسلئے یہ خدمت اسی کے دم سے ظہور میں آئی اور فی الفور بلقیس کا تخت حاضر ہوگیا۔ مگر عضریتیوں کے ہنر سے نہیں بلکہ آصف کے کمال سے۔ یہ دیکھکر حضرت سلیمان علیہ السّلام نے جوش مسرت میں فرمایا کہ میں رب العالمین کے اس انعام پر اور ایسے اور سیکڑوں انعاموں پر جو اسکی جانب سے مجھپر ہوئے ہیں اسکی تعریف کرتا ہوں۔ یہ فرماکر تخت کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ ای جزو درخت بے شک تو احمقوں کا پھانسنے والا ہے۔ اب مولانا فرماتے ہیں کہ اری بہت سے احمق ہیں جو لکڑیوں اور تراشیدہ پتھروں کے سامنے سجدہ کرتے ہیں یہ ساجد و مسجود جان کو تو جانتے ہی نہیں کہ کیا چیز ہے۔ ہاں کچھ اثر اسکا ان میں موجود ہے جیسے حرکت وغیرہ۔ چنانچہ جب ساجد کبھی اپنے کسی معاملہ میں پریشان اور متحیر ہوکر تھونکی طرف متوجہ ہوتا ہے اور اُن سے اعانت چاہتا ہے تو ان میں گویائی یا اشارہ دیکھ لیتا ہے اور وجہ یہ ہے کہ جب اس نے اپنی خدمت کو بے محل صرف کیا اور اس بدبخت نے پتھر کے شیر کو حقیقی شیر سمجھ لیا یعنی غیر قادر کو قادر جان لیا تو حق سبحانہ کے سخاوت نے اپنی عنایت سے اسے شیر حقیقی کر دیا یعنی اسپر قادر کے آثار مرتب کر دیئے جیسے گویائی یا حرکت یا مقصود کا حاصل ہونا۔ اور اس کتے کے سامنے ہڈی ڈالدی اور فرمایا کہ اگرچہ یہ کتا ٹھیک اور وفادار نہیں لیکن ہڈی ڈالدینا ہمارا کرم عام ہے۔ اسمیں مطیع و غیر مطیع کی تخصیص نہیں ہم سب کے مقاصد کو پورا کرتے ہیں اب مولانا ایک قصہ بیان فرماتے ہیں جس سے دیده از جان جنبشے واندک اثری کی تائید ہو اور کہتے ہیں۔

شرح شبیری

بلقیس کا ملک و مال سے بوجہ شوق ایمان کے آزاد ہونا

ہو جانا۔ اور تمام ملک ہی اُسکا التفات منقطع ہو جانا مگر تخت سے

چوں سلیماں سوئے مرغان سبا یک صفیری کرد و بست آں جملہ را

یعنی جبکہ سلیمان علیہ السلام نے سبا کے جانوروں کی طرف ایک آواز کی تو اُن سبکو باندھ لیا

جز مگر مرغے کہ بد بیجان و پر یا چو ماہی گنگ بد از اصل کر

یعنی مگر سوائے اُس مرغ کے جو کہ بیجان و پر تھا یا مچھلی کی طرح اصل ہی سے گونگا اور بہرہ تھا

مطلب یہ کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے جو دعوت اسلام فرمائی اور اہل سبا کو اپنی طرف بلایا تو تمام اہل سبا اسطرف متوجہ ہو گئے اور سب نے اُسکو قبول کیا لیکن جو لوگ ایسے تھے کہ گویا کہ اصل سے استعداد تھی ہی نہیں تو ایسے لوگوں نے اُسکو قبول نہیں کیا اسلئے کہ ایسے لوگ جو بالکل ہی بہرے گونگے ہوں وہ کیا ہدایت پا سکتے ہیں اور یہ جو کہا ہے کہ " یا چو ماہی گنگ بُد از اصل و کر" اس سے شبہ پڑتا ہے کہ جب انہیں اصل فطرت سے استعداد تھی ہی نہیں تو وہ تو مکلف ہی نہ تھے اسی شبہ کو شرح میں گویا کے لفظ سے دور کیا گیا ہے کہ اُنکی استعداد ایسی ضعیف ہو گئی تھی کہ گویا کہ اصل سے تھی ہی نہیں پھر اُنکو ہدایت کیسے ہوتی۔ آگے اس مضمون سے اضراب فرماتے ہیں کہ۔

نے غلط گفتم کہ کر گر سر نہد پیش وحی کبریا سمعش دہد

یعنی نہیں میں نے غلط کہا بلکہ اگر بہرا وحی کبریا کے آگے سر رکھدے تو اُسکو وہ کان دے

مطلب یہ کہ فرماتے ہیں کہ میں نے جو کہدیا کہ چونکہ وہ لوگ گنگ و کر تھے اسلئے اُنکو کسطرح ہدایت ہو سکتی تھی تو یہ میں نے غلط کہا ہے۔ اسلئے کہ اگر کوئی ضعیف الاستعداد اطاعت حق کرے اور اپنی طرف سے کوشش کرے تو حق تعالیٰ اُسکی مدد فرماتے ہیں اور اُسکی استعداد میں قوت پیدا فرمادیتے ہیں۔ کہ جس سے وہ قوی الاستعداد ہو جاتا ہے خیر غرضکہ اکثر اہل سبا نے دعوت کو قبول کیا۔

چونکہ بلقیس از دل و جاں عزم کرد بر زماں رفتہ ہم افسوس خورد

یعنی جبکہ بلقیس نے بدل و جان (ایمان لانے کا) قصد کر دیا اور گذشتہ زمانہ (کفر) پر

افسوس ہی کیا۔

ترک مال و جان کرد او آنچناں　　　که بترک نام و ننگ آں عاشقاں

یعنی انھوں نے مال و جاہ کو اس طرح ترک کر دیا جسطرح کہ وہ عاشقان (حق) نام و ننگ کو ترک کر دیتے ہیں۔ مطلب یہ کہ جسطرح کہ عشاق حق کو نام و ننگ کی پرواہ نہیں ہوتی بس اطاعت حق کرتے ہیں خواہ نام ہو یا نہو اور خواہ ظاہری ننگ و ناموس کے خلاف ہو یا موافق۔ بس اسی طرح انھوں نے بھی یک لخت تمام مال و دولت کو ترک کر دیا اور ایمان لانیکا قصد کر دیا۔

آں غلامان و کنیزان بناز　　　پیش چشمش ہمچو پوسیدہ پیاز

یعنی وہ نازنین غلام اور باندیاں اُس کی آنکھ میں سڑے ہوئے پیاز کی طرح ہو گئے،

باغہا و قصرہا و آب رود　　　پیش چشم از عشق گلخن می نمود

یعنی باغات اور محلات اور نہر کا پانی اُنکی آنکھ کے آگے عشق (حق) کی وجہ سے بھاڑ دکھائی دیتے تھے۔ مطلب یہ کہ تمام چیزیں ہیچ اور بے وقعت دکھائی دیتی تھیں اور سب چیزوں سے عشق حق کی وجہ سے نفرت ہو گئی تھی۔ آگے مولانا فرماتے ہیں کہ۔

عشق در ہنگام استیلا و خشم　　　زشت گرداند لطیفا نرا بچشم،

یعنی عشق غلبہ اور غصہ کے وقت میں تمام (ظاہری) لطیفوں کو آنکھ میں بُرا کر دیتا ہے مطلب یہ کہ جب عشق کا غلبہ ہوتا ہے تو چیزیں کہ بظاہر بہت عمدہ اور لطیف تھیں اب وہ بھی بُری اور گندی نظر آنے لگتی ہیں اور اُن سے دلچسپی نہیں رہتی۔ اور یہ حالت ہو جاتی ہے کہ۔

ہر زمرد را نماید گندنا　　　غیرت عشق ایں بود معنی لا

یعنی زمرد کو غیرت عشق گندنا دکھلاتی ہے اور یہ ہوتے ہیں فنا کے معنی۔ مطلب یہ کہ فنا کے یہ معنی ہیں کہ تمام چیزیں بجز ذات حق کے اور عشق حق کے بالکل ہیچ اور فانی نظر آویں کہ گویا کہ ہیں ہی نہیں۔ اور جب عشق کا غلبہ ہوتا ہے تو پھر یہی حالت ہو جاتی ہے کہ تمام چیزیں بالکل ہیچ اور بے وقعت دکھلائی دیتی ہیں۔

لا الہ الا ہو اینست اے پناہ　　　کہ نماید مہ ترا دیگ سیاہ

یعنی اے پناہ گزیں لا الہ الا ہو یہی ہے کہ چاند تمکو ایک دیگ سیاہ دکھلائی دے مطلب یہ کہ فنا کے معنی جو کہ حاصل ہے لا الہ الا ہو کا یہی ہیں کہ تمام چیزیں بے وقعت اور ہیچ معلوم ہوں۔ مثلاً چاند ہے کیسا چمکدار اور خوبصورت ہے لیکن اس عاشق کی نظر میں اسکی ہی کوئی وقعت نہو۔ اور یہ واقعہ ہے کہ اس ذات پاک کے سامنے اسکی درحقیقت کوئی بھی وقعت نہیں ہے۔ آگے پھر قصہ بیان فرماتے ہیں کہ۔

ہیچ مال و ہیچ مخزن ہیچ رخت　　می دریغش نامد الا جز کہ تخت

یعنی کسی مال و کسی خزانہ کا اور کسی اسباب کا اسکو افسوس نہ آتا تھا لیکن تخت کا۔ مطلب یہ کہ بلقیس کو کسی شے کے چھوڑنے کا قلق نہ تھا ہاں رہ رہکر تخت کے چھوڑنے کا خیال آتا تھا کہ یہ رہجاویگا۔ اور اب مجھے نہ ملیگا کیونکہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس تو نیازمندانہ اور غلامانہ حاضر ہو رہی تھیں تو انکو یہی خیال تھا کہ اب انکا قبضہ اسپر جاویگا تو اور چیزوں کا تو انکو افسوس نہوتا تھا ہاں ایک تخت کا افسوس ہوتا تھا کہ افسوس یہ ہاتھ سے نکل جاویگا۔

پس سلیمان از دلش آگاہ شد　　کز دل و تا دل او براہ شد

یعنی پس سلیمان علیہ السلام ان کے دل سے آگاہ ہوگئے۔ کیونکہ ان کے دل سے ان کے دل تک راہ تھی۔ مطلب یہ کہ چونکہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے قلب سے ان کے قلب تک راہ تھی کیونکہ وہ صاحب وحی تھے اسلئے انکو حضرت بلقیس کے مافی الضمیر کی خبر ہوگئی۔ آگے اس خبر ہوجانے میں جو ایک استبعاد تھا اسکو دور فرماتے ہیں کہ۔

آں کسے کو بانگ موراں بشنود　　ہم ز دوراں سر دوراں بشنود

یعنی جو شخص کہ چیونٹیوں کی آواز سنلے وہ دوروں سے دوروں کی آواز بھی سن لیتا ہے۔

آنکہ گوید راز قالت نملۃ　　ہم بداند راز ایں طاق کہن

یعنی جو شخص کہ قالت نملۃ کے راز کو بیان کردے اور اس پرانے طاق (آسمان) کا راز بھی بیان کردے (تو اسکو کسی کی مافی الضمیر کا معلوم کرلینا کیا مشکل ہے)

دید از دورش کہ آں تسلیم کیش　　تلخش آمد فرقت آں تخت خویش

یعنی حضرت سلیمان علیہ السّلام نے اُنکو دور سے دیکھا کہ اُس تسلیم کیش کو اپنے تخت کی فرقت ناگوار معلوم ہوئی ہے۔ مطلب یہ کہ حضرت سلیمان علیہ السّلام کو معلوم ہو گیا کہ اُنکو تخت کا چھوڑنا ناگوار ہوا ہے اب آگے مولانا فرماتے ہیں کہ۔

گر بگویم آں سبب گردد دراز　　　کہ چرا بودش بہ تخت آں عشق و ساز

یعنی اگر میں اُس سبب کو بیان کروں تو وہ دراز ہو جاوے۔ کہ اُنکو تخت سے وہ عشق و ساز کیوں تھا مطلب یہ کہ اگر میں اسکا سبب بیان کروں کہ اُنکو تخت سے محبت کیوں تھی اسلئے کہ ہر شئے کو اپنے ہم جنس سے تعلق اور اُنس ہوتا ہے اور تخت اُنکا ہمجنس تھا نہیں تو ان کو اس سے محبت کیوں تھی۔ تو یہ بیان بہت طویل ہو جاوے اسلئے میں بیان نہیں کرتا لیکن آگے دو مثالیں دیکر اُس سبب کی طرف اشارہ کر دیا فرماتے ہیں کہ۔

گرچہ ایں کلک و قلم خود بیحس است　　　نیست جنس کاتب او را مونس است

یعنی اگرچہ یہ کلک اور قلم خود ایک بے حس ہے اور جنس کاتب نہیں ہے (لیکن) اسکا مونس ہے۔

ہمچنیں ہر آلت پیشہ ورے　　　ہست بیجاں مونس ہر جانورے

یعنی اسی طرح پیشہ ور کا ہر آلہ بیجان ہے (لیکن) ہر جاندار کا مونس ہے مطلب یہ کہ دیکھو قلم جو کہ بیجان ہے اور آلہ پیشہ ور جو کہ بیجان ہے لیکن اس سے جاندار ونکو یعنی کاتبونکو اور پیشہ وروں کو اُنس اور محبت ہوتی ہے۔ تو باوجود غیر جنس ہونیکے اُس سے تعلق اور محبت ہے تو بس اسمیں بھی کوئی تعجب کی بات نہیں۔ کہ اُنکو باوجود غیر جنس ہونے کے اُس تخت سے اُنس اور محبت تھی یہاں مولانا نے سبب کی طرف بھی اشارہ فرما دیا۔ اور وہ یہ کہ آلات سے پیشہ ور کو یا قلم سے کاتب کو اُنس کیوں ہوتا ہے۔ اسی لئے کہ وہ اُسکے نفع کا سبب ہوتے ہیں اور اُن سے اُسکو نفع ہوتا ہے۔ تو اُس نفع کی وجہ سے اُنکو اُن چیزوں سے اُنس ہوتا ہے۔ تو اسی طرح چونکہ حضرت بلقیس کیلئے یہ تخت نفع کا سبب تھا یعنی اُنکو اُس سے جاہ میسر ہوتی تھی۔ اور اس تخت ہی کی بدولت وہ بادشاہ کہلاتی تھیں۔ تو اس نفع کے فوت کے سبب سے اُنکو قلق ہوتا تھا۔ کہ یہ نفع جاتا رہیگا اور یہ جاہ مفقود ہو جاویگی۔ یہ سبب اُس تخت سے اُنس کا تھا۔

اور مبتدی کیلئے تو ایسا ہونا کہ اسکو کسی شے سے باوجود حصول نسبت کے تعلق اور انس رہے کوئی تعجب کی بات ہی نہیں اسلئے کہ بعض منتہیوں کو بھی ایسا ہوتا ہے۔ کہ کسی کو کپڑہ کا شوق ہے مثلاً کسی کو باغ ہی کا شوق ہے کسی کو پھولوں کا شوق ہے علی ہذا تو یہ بھی نقص کی علامت ہے کہ کیوں اتنا تعلق بھی غیر اللہ سے باقی ہے اور تعلق اسکو کہتے ہیں کہ ان چیزوں کا اہتمام کیا جاوے اور ان میں کچھ انہماک ہو کہ مثلاً کسی کو پھولوں کا شوق ہے تو اب انہیں بیج منگوائے جارہے ہیں لوگوں سے فرمائشیں ہوتی ہیں یہ تو اہتمام ہے اور اگر کسی عمدہ شے کو دیکھ کر دل خوش ہو تو یہ اس میں داخل نہیں اور اسکو تعلق مع غیر اللہ نہ کہا جاویگا۔ غرضکہ انکو اس تخت سے باوجود حصول نسبت مع اللہ کے تعلق باقی تھا آگے جب انکو اور ترقی ہوئی تو انکو اس سے بھی تعلق نہیں رہا لیکن پہلے پہلے ضرور اس سے تعلق تھا آگے مولانا فرماتے ہیں کہ۔

این سبب را من معین گفتمے　　　　گر نبودے چشم فہمت را نمے

یعنی میں اس سبب کو معین کرکے بتلا دیتا اگر تیری چشم فہم میں نم نہوتا۔ مطلب یہ کہ اگر تمھارے فہم میں کجی نہوتی تو میں اس تعلق مع السریر کو معین کرکے بیان کر دیتا اور بتلا دیتا۔ کہ یہ سبب تھا۔ مگر چونکہ تمھارا فہم درست نہیں۔ اسلئے ممکن ہو کہ کچھ اور سمجھ جاؤ لہذا میں نے اسکو نہیں بتلایا۔ اور وہ سبب یہ تھا کہ چونکہ انسان مظہر ہے صفات حق کا اور منجملہ صفات کے قدرت اور استیلاء اور غلبہ بھی ہے اور انسان اسکا بھی مظہر ہے تو انسان کا دل چاہا کرتا ہے۔ کہ اسکو بھی ہر شے پر غلبہ ہو اور ہر شے اسکے احاطہ قدرت میں ہو جاوے حتیٰ کہ یہ اول کسی شے پر غلبہ کی کوشش کرتا ہے اور جب اسپر قدرت اسکو نہیں ہوتی تو پھر صرف استیلاء علمی ہی کو غنیمت جانتا ہے۔ اور صرف اسکے علم ہو جانے ہی پر اکتفا کرتا ہے۔ کہ مثلاً ہمکو کلکتہ کا علم ہے بمبئی کا علم ہے علی ہذا اور یہ قطب شمالی وغیرہ کی تلاش بھی اسی کی فرع ہے کہ صرف یہ چاہتے ہیں کہ ہم کو استیلاء علمی ہو جاوے۔ کہ یہ فخر ہوگا کہ ہمارا علم اسقدر چیزوں کو احاطہ کئے ہوئے ہے۔ اور اسکے جو اسباب ہوتے ہیں اس سے انسان کو محبت اور انس ہوتا ہے تو اسی طرح بلقیس کیلئے چونکہ تخت موجب جاہ اور سبب غلبہ تھا اسلئے انکو اس سے انس اور محبت تھی خوب

سمجھ لو۔ اب یہاں یہ شبہ ہوتا ہے کہ جب انکو اسقدر تعلق تھا تو اُسکو ساتھ ہی رکھ لیا ہوتا۔ مولانا اسکا جواب دیتے ہیں کہ۔

از بزرگی تخت کز حد می فزود نقل کردن ہیچ نوع امکاں نبود

یعنی تخت کی بڑائی کی وجہ سے جو کہ حد سے بڑھ گئی تھی کسیطرح منتقل کرنا ممکن نہ تھا۔ مطلب یہ کہ وہ اسقدر بڑا تھا کہ اُسکو کہیں اُٹھاکر لیجانا ممکن ہی نہ تھا اب یہ شبہ ہوتا ہے کہ اُسکے ٹکڑے کرکے لپیٹ کر ساتھ رکھ لیا جاتا تو اسکا جواب آگے دیتے ہیں کہ۔

خوردہ کاری بود تفریقش خطر ہمچو اوصال بدن با یکدگر

یعنی میناکاری ایسی تھی کہ اُسکا جدا کرنا خطرناک تھا جیسی کہ بدن کے جوڑ ایک دوسرے کے ساتھ مطلب یہ کہ جسطرح کہ انسان کے بدن کے جوڑ ہیں کہ انکو ایک دوسرے سے الگ نہیں کرسکتے ہیں اور اگر کریں تو انسان نہ رہے اسی طرح اُس تخت میں میناکاری اس طرح ہو رہی تھی کہ اگر اُسکو الگ الگ کرکے طے کیا جاتا تو وہ خراب ہو جاتا۔ لہذا اُسکو لپیٹ کر بھی ساتھ رکھنا ممکن نہ تھا۔

پس سلیماں گفت گرچہ فی الاخیر سرد خواہد شد برو تاج و سریر

یعنی پس سلیمان علیہ السّلام نے فرمایا کہ اگرچہ اخیر میں اُنپر تاج و تخت (سب) سرد ہو جاویگا (جزا اس اگرچہ کی تین شعر بعد شعر ● لیک خود با این ہمہ الخ ہے اور بیچ میں مولانا بطور جملہ معترضہ کے ایک مضمون فرماتے ہیں مطلب یہ ہے کہ اگرچہ اخیر میں جب انکو حلاوت ایمان پوری میسر ہو جاویگی اسوقت تو انکا دل تخت وغیرہ سے سب سے پھر جاویگا۔ اور سب چیزیں ہیچ معلوم ہونگی لیکن اسوقت خیر انکی خاطر سے اس تخت کو منگا دیا جاوے تاکہ ایمان لانیکے وقت اُن کے دل میں کسی شے کے فوت ہو جانیکا افسوس نہو اور ایمان بالکل پختہ ہو کہ اُنکو کوئی شے مخل نہو۔ ورنہ شاید یہ خیال ہو کہ افسوس ایمان لانے سے تخت چھوٹ گیا۔ تو اُنکی اس مصلحت پر نظر کرکے تخت کے منگانیکی تجویز فرمائی یہ مطلب اُس شعر کیساتھ ملاکر سمجھا دیا گیا تاکہ آسانی ہو اب اُس جملہ معترضہ کو سمجھ لو) فرماتے ہیں کہ۔

چوں ز وحدت جاں برون آرد سرے جسم را با فر او نبود فرے

یعنی جب وحدت سے کوئی جان سر باہر نکالے تو جسم کو اسکے فرکیساتھ کوئی فرنہو گا۔ مطلب یہ کہ جب کسی پر وحدت کا غلبہ ہوگا اور کوئی شخص وحدت میں سے سر نکالیگا اور اسپر توحید کا غلبہ ہوگا تو اسکو عزت روحانی کے مقابلہ میں عزت جسمانی کی کوئی پرواہ نہ رہے گی۔ آگے اسکی مثال دیتے ہیں کہ۔

چوں برآید گوہر از قعر بحار ننگری اندر کف و خاشاک و خار

یعنی جب دریا کے قعر میں سے موتی نکل آوے تو تم جھاگ میں اور خاشاک و خار میں نظر نکروگے۔ مطلب یہ کہ دیکھو اگر تم موتی کی تلاش میں غوطہ لگاؤ تو دریا کے اندر جانے سے تمھارے ہاتھ میں کبھی کف دریا آجاویگا اور کبھی خاشاک و خار آجاویگا اور تم اسی کو دریا سے نکالکر باہر لاؤگے لیکن یہ جب ہی تک ہے جب تک موتی نہیں ملا۔ اور جب موتی ملگیا تو پھر ان خس و خاشاک میں کبھی بھی نظر نکروگے۔ بلکہ موتی کو لیکر گھر کا راستہ لوگے۔ اسی طرح جب تک توحید کا غلبہ جان پر نہیں ہوا ہے اسی وقت تک جسم کی آرایش میں ہو اور جسم سے تعلق ہے۔ اور جب اسکا غلبہ ہوجاویگا پھر اس جسم کو کون پوچھے گا۔ آگے دوسری مثال دیتے ہیں کہ۔

سر برآرد آفتاب با شرر دم عقرب را کہ سازد مستقر

یعنی آفتاب با شرر (جب) سر نکالے تو عقرب (ستارہ) کی دُم کو کون مستقر بنا دے گا مطلب یہ کہ عقرب جو ستارہ ہے اول تورات کے وقت لوگ اسی کی چمک کو دیکھ رہے تھے۔ اور اسی کو بہت بڑی شے سمجھ رہے تھے۔ لیکن جب آفتاب عالمتاب نکل آیا پھر اس بیچارہ عقرب کو کون پوچھتا ہے اسی طرح بعد غلبۂ توحید کے اس جسم کی طرف بالکل التفات نہیں رہتا۔ تو اسی طرح حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ اگرچہ اخیر میں غلبۂ توحید کے وقت انکو اتنا بھی تعلق نہ رہے گا لیکن۔

لیک خود با اینہمہ در نقد حال جست باید تخت او را انتقال

یعنی لیکن باوجود اس سب کے اسی وقت اسکے تخت کے منتقل کرنے کی تدبیر کرنی چاہیئے،

تا نگردد خستہ ہنگام لقا کودکانہ حاجتش گردد روا

یعنی تاکہ ملاقات کے وقت وہ خستہ نہو۔ اور بچونکی سی اُسکی حاجت روائی ہوجاوے مطلب یہ کہ جسطرح کہ بچوں کی ضدیں پوری کیا کرتے ہیں اسی طرح اُسکی حاجت روائی بھی ہوجاوے۔

ہست بر ما سہل و او را بس عزیز   تا بود بر خوان حوراں دیو نیز

یعنی ہمارے اوپر تو ایک حقیر شے ہے اور اُسکے لئے بہت محبوب ہے۔ تاکہ حوروں کے خوان پر ایک دیو بھی ہو۔ مطلب یہ کہ اگرچہ تخت ہمارے نزدیک تو بالکل حقیر ہے ہی مگر اُسکو محبوب ہے تو اُسکی مہمانی ہیں جو ہم اُسکو دولت باطنی جوکہ حوروں کی طرح ہے دینگے۔ تو خیر اُس کیلئے اُسکا تخت بھی جو دولت ظاہری ہے اور دیو کی طرح ہے وہ بھی اُسکو دیدیں گے حوروں کی ساتھ ایک شیطان بھی سہی اس سے فی الحال تو یہ فائدہ ہوگا کہ ایمان لانے کے وقت اُسکو کوئی افسوس اپنے ایمان لانے پر نہوگا۔ اور ایک فائدہ آئندہ کیلئے یہ ہوگا کہ

عبرت جانش بود آں تخت باز   ہمچو دلق و چارقے پیش ایاز

یعنی پھر وہ تخت اُسکی جان کیلئے عبرت ہوگا جیسے کہ گدڑی اور جوتیاں ایاز کے آگے، مطلب یہ کہ جسطرح کہ ایاز نے اپنی جوتیاں اور گدڑی جوکہ اول دفعہ وہ پہن کر محمود غزنوی کے سامنے آیا تھا رکھ رکھی تھیں اور اُنکو دیکھ دیکھ کر روزمرہ کہا کرتا تھا کہ اے نفس تو تو وہ ہے جوکہ اس گدڑی کو پہنے ہوئے تھا اور یہ جوتیاں تیرے پاؤں میں تھیں آج جو یہ دولت اور مال اور عزت و حرمت تجھے نصیب ہوا ہے یہ سب محمود کا طفیل ہے دیکھ نمکحرامی مت کرنا۔ دیکھ بیوفائی غداری مت کرنا۔ تو وہ جوتیاں اور گدڑی اُسکے لئے عبرت ہوگئی تھیں اسی طرح اس بلقیس کو جب دولت باطنی ملیگی تو اس تخت سے یہ نفع ہوگا کہ یہ اسکو دیکھیگی اور کہے گی کہ اے نفس تو تو ایسا تھا کہ اس تخت پر ریجھا کرتا تھا اور اسپر جان دے دیتا تھا آج جو تجھے یہ نعمت ملی ہے یہ سب فضل حق ہے اُسکا شکر یہ ادا کر اُسکی اطاعت کر نمکحرامی مت کر۔ تو اس تخت کے منگانے ت بعد میں یہ نفع ہوگا۔ غرضکہ اُس تخت کے منگالینے میں ہر طرح بلقیس کا دینی فائدہ ہے کہ اب تو اسکو ایمان پر افسوس نہوگا اور بعد ایمان اور حصول دولت باطنی کے یہ فائدہ ہوگا کہ۔

تا بداند در چہ بود آں مبتلاء — از کجا ہا در رسید او تا کجا

یعنی تاکہ وہ جان لے کہ وہ کس چیز میں مبتلا تھی اور کہاں سے وہ کہاں تک پہونچ گئی (تو اس سے یہ فائدہ ہوگا کہ اپنی اصلیت اسکے پیش نظر رہیگی) آگے مولانا آخیر سرخی تک اس مضمون کو بیان فرماتے ہیں کہ اسی طرح حق تعالیٰ نے انسان کی اصل یعنی نطفہ کو اور آب و گل کو سب کو اسکے سامنے رکھا ہے کہ یہ دیکھے کہ میری یہ اصل تھی اور پھر اسکو عبرت ہو۔ کہ میں کیا تھا اور کیا ہوگیا۔ تو اس سب کو فضل رب سمجھ کر انکار حق نکرے فرماتے ہیں کہ۔

خاک را و نطفہ را و مضغہ را — پیش چشم ما ہمی دارد خدا

یعنی خاک کو اور نطفہ کو اور مضغہ کو ہماری آنکھ کے سامنے اسی لئے حق تعالیٰ رکھتے ہیں،

از کجا آوردمت اے بدنیت — کہ ازاں آید ہمی خفریقیت

یعنی کہ اے بدنیت میں تجھے کہاں سے لایا ہوں کہ تجھے اس سے شرم معلوم ہوتی ہے،

تو بداں عاشق بدی در دور آں — منکر ایں فضل بودی آں زماں

یعنی اُس زمانہ میں اُس (حالت) کا عاشق تھا اور (زبان حال) اس فضل کا اسوقت منکر تھا۔

ایں کرم چوں دفع آں انکار تست — کہ میاں خاک میکردی نخست

یعنی یہ کرم جب اُس انکار کا دفع ہے جو کہ تو خاک کے درمیاں (ہونیکی حالت میں) پہلے کیا کرتا تھا

حجت انکار شد انشار تو — از دوا بدتر شد ایں بیمار تو

یعنی تیرا زندہ کرنا انکار کی حجت ہوگیا اور دوا سے تیرا یہ بیمار بدتر ہوگیا۔ (ورنہ) ۔

خاک را تصویر ایں کار از کجا — نطفہ را خصمی و انکار از کجا

یعنی خاک کو اس کام کی تصویر کہاں سے آئی۔ اور نطفہ میں جھگڑا کرنا اور انکار کہاں سے آیا۔

چوں دراں دم بیدل و بے سر بدی — فکرت و انکار را منکر بدی

یعنی جیسا کہ اُس دم تو بے دل اور بے سر کے تھا اور فکر اور انکار کا تو منکر تھا۔

از جمادی چونکہ انکارت برست — ہم ازیں انکار حشرت شد درست

یعنی جمادی سے جبکہ تیرا انکار پیدا ہوا تو اسی انکار سے تیرا حشر درست ہوگیا مطلب یہ ہے کہ دیکھو حق تعالیٰ نے نطفہ کو اور مضغہ وغیرہ کو جس سے کہ ترکیب انسان ہوئی ہے انسان کی

آنکھوں کے سامنے رکھا ہے تاکہ یہ ان اشیاء کو دیکھے کہ میری اصل یہ ہے جسکو دیکھ کر بھی اب شرم آتی ہے۔ اور اب جو یہ فضل ہوا ہے کہ نطفہ سے انسان بنگیا اور اب دگل سے ایک عاقل بنگیا۔ اسکا بھی تو بزبان حال اسوقت انکار تھا بلکہ اس انکار کا بھی جو کہ ایک فعل ہے انکار تھا اسلئے کہ اسوقت تو جو حالت تھی اسی کو غنیمت جانتے تھے اور اسی میں محو تھے۔ لیکن پھر جو تمنے ترقی کی اور جس انکار کا کہ انکار تھا وہ پیدا ہوا تو اس انکار کے پیدا ہونے سے تم جھوٹے ہوگئے اور ثابت ہوگیا کہ تمھارا وہ انکار بالکل غلط اور بیہودہ تھا کہ اس انکار کے زندہ ہونے سے اور وجود میں آنے سے ہی وہ انکار غلط ہوگیا۔ تو اب تمھارا انکار حشر کہ کہتے ہو کہ بھلا اب مرنے کے بعد کسطرح زندہ ہونگے اس حیات سے باطل ہو جاوےگا اور تمھاری یہ حیات ثابت کر رہی ہے کہ تمھارا انکار حشر غلط ہے۔ اسلئے کہ تم نے جو اول اس حیات کا انکار کیا تھا بلکہ اس انکار کا بھی جو کہ اسوقت کر رہے ہو انکار کیا تھا کیونکہ یہ بھی تو شعبہ ہے حیات کا اور وہ سب غلط ہوا تو ثابت ہوگیا کہ تمھارا اس حیات خردی کا انکار بھی جو تم اس حالتمیں کر رہے ہو غلط ہے کیونکہ تمھارا انکار ہی اس پہلے انکار کو غلط کر رہا ہے کہ تم اس فعل انکار کا انکار کرتے تھے۔ تو اسی طرح یہ انکار حشر ہی خود اقرار حشر ہے۔ اور اسی سے حشر ثابت ہوتا ہے خوب سمجھ لو۔ آگے اسکی مثال دیتے ہیں۔

پس مثال تو چو آں حلقہ زنیست کز درونش خواجہ گوید خواجہ نیست

یعنی بس تیری مثال ایسی ہے جیسے کہ کوئی حلقہ زن ہو کہ اسکو خواجہ کہدے کہ خواجہ نہیں ہے

حلقہ زن زیں نیست دریابد کہ ہست پس ز حلقہ بر ندارد ہیچ دست

یعنی کنڈی بجانے والا اس نیست ہی سے سمجھ لیگا کہ ہے تو کنڈی سے بالکل ہاتھ نہ اٹھاویگا مطلب یہ کہ تمھارے اس انکار کی ایسی مثال ہے کہ جیسے کہ ایک شخص نے کسی کو پکارنے کیلئے دروازہ پر کنڈی بجائی کہ میاں فلاں صاحب ہیں تو وہ فلاں ہی فرماتے ہیں کہ میں تو ہوں نہیں تو انکا یہ کہنا کہ میں نہیں ہوں خود اقرار ہے اس امر کا کہ میں ہوں۔ تو دیکھئے ہے انکار لیکن یہ انکار ہی اقرار ہے۔ تو اسی طرح انسان کا انکار بھی خود اقرار ہے کیونکہ یہ انکار بھی تو جب ہی پیدا ہوا ہے جبکہ وہ انکار غلط ہو چکا ہے۔ اسی کو فرماتی ہیں کہ

پس ہم انکارت مبیں می کند کز جماد او حشر صد فن میکند

یعنی بس تیرا انکار ہی ظاہر کر رہا ہے کہ جماد سے وہ سو طرح حشر کرتا ہے۔

چند صنعت رفت ای انکار تا آب و گل انکار زاد از ہل اتے

یعنی اے شخص کسقدر صنعتیں ہو چکی ہیں تو انکار کب تک ہوگا۔ اور آب و گل سے انکار آب و گل پیدا ہوا (ہل اتے سے مراد پورا مضمون یعنی وہ حالت جو ہل اتے میں مذکور ہے) مطلب یہ کہ تمھارا یہ انکار ہی بتلا رہا ہے کہ حق تعالیٰ کو سیکڑوں طرح پیدا فرمانے کی قدرت ہے۔ کیونکہ کسقدر صنعتیں ہوئی ہیں تب یہ انکار پیدا ہوا ہے۔ تو اب کہاں تک انکار کروگے۔ تمھارا خود یہ انکار اقرار ہے۔ اور اسی سے حشر ثابت ہوتا ہے۔

آب و گل میگفت خود انکار نیست بانگ میزد بیخبر کاخبار نیست

یعنی آب و گل کہہ رہا تھا کہ (فعل) انکار نہیں ہے اور بے خبر آواز دے رہا تھا کہ (فعل) خبر دینا نہیں ہے۔ مطلب یہ کہ آب و گل کی حالت یہ کہہ رہی تھی کہ انکار و اخبار جو کہ شعبے ہیں حیات کے یہ سب نہیں ہیں اور انکا وجود نہیں ہے لیکن ہر وجود انکار ہی اقرار ہو گیا اور وہ انکار غلط ہو گیا خوب سمجھ لو۔ آگے فرماتے ہیں کہ۔

من بگویم شرح این را صد طریق لیک خاطر لغزد از گفت دقیق

یعنی میں اسکی شرح سو طریق سے کہتا لیکن دل باریک بات کے کہنے سے لغزش کرتا ہے مطلب یہ ہے کہ میں اسکی بہت سے طریق پیش کرتا کہ خود انکار ہی اقرار ہے لیکن باریک باتوں کے کہنے سے جی ڈرتا ہے کہ کہیں گمراہی نہ پھیلے اسلئے ان مثالوں میں ایک مثال یہ بھی ہوتی کہ دیکھو یہ بت پرست جو بت پرستی کرتے ہیں تو اصل میں بت پرستی نہیں کرتے بلکہ خدا پرستی ہی کرتے ہیں کیونکہ جو امور کہ یہ بتوں میں ثابت کرتے ہیں وہ اصل میں اور حقیقت میں بتوں میں نہیں ہیں بلکہ خدا تعالیٰ میں ہیں تو انکا یہ کہنا کہ ہم ان بتوں کی عبادت اس صفت کی وجہ سے کرتے ہیں اصل میں یہ کہنا ہے کہ ہم حق تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں اسلئے جب وہ اس صفت کی وجہ سے عبادت کرتے ہیں اور وہ صفت ہے حق تعالیٰ میں تو عبادت حق تعالیٰ ہی کی کرتے ہیں تو انکا عبادت حق سے انکار خود اقرار ہے۔ لیکن اس سے کوئی کج فہم بت پرستوں کو حق پر نہ سمجھے

اور اُنکو خدا پرست نہ سمجھے اس لئے کہ یہاں تو اُنکے فعل سے حق پرستی لازم آگئی اُنھوں نے تو حق پرستی کا التزام نہیں کیا۔ بلکہ اُن کے فعل سے حق پرستی لازم آگئی تو انسان پر جو لازم آجاوے معتبر نہیں ہے بلکہ وہ ایمان معتبر ہے جسکا التزام خود فاعل نے کیا ہو۔ اسلئے فرماتے ہیں کہ بس زیادہ نہیں کہتا شاید لوگ گمراہ ہو جاویں آگے فرماتے ہیں کہ۔

شرح آنرا لب ببستم اے کیا ۔۔۔ بھر نقل تخت بلقیس از سبا

یعنی اے زیرک میں نے اسکی شرح سے لب کو بلقیس کا تخت سبا سے منتقل کرنے کیلئے بند کر لیا یعنی اب اسکا قصہ بیان کرتا ہوں۔ اور اسکی شرح کو چھوڑتا ہوں آگے بیان نہیں کرتا۔ آگے اُس تخت کے منگانے کا قصہ ہے۔

سلیمان علیہ السلام کا بلقیس کے تخت کو سبا سے منگانے کی تدبیر کرنا

پس سلیمان گفت با لشکر عیاں ۔۔۔ تخت او را حاضر آرید این زماں

یعنی پس سلیمان علیہ السلام نے لشکر سے عیاناً فرمایا کہ اُس (بلقیس) کے تخت کو اسی وقت حاضر لاؤ۔

گفت عفریتے کہ تختش را بفن ۔۔۔ حاضر آرم تا تو زیں مجلس شدن

یعنی ایک زبردست جن نے کہا کہ اُسکے تخت کو فن کے ذریعہ سے میں آپکے اس مجلس سے اٹھنے تک حاضر لاؤنگا یعنی اُس نے کہا کہ میں جادو کے ذریعہ سے آپ کے اس مجلس سے اٹھنے سے پہلے تخت کو حاضر کر دونگا۔

گفت آصف من باسم اعظمش ۔۔۔ حاضر آرم پیش تو در یکدمش

یعنی آصف (وزیر حضرت سلیمان علیہ السلام) نے کہا کہ میں اُسکو اسم اعظم کے ذریعہ سے آپکے سامنے ایک دم میں لاتا ہوں۔

گرچہ عفریت اوستاد سحر بود ۔۔۔ لیک آں از نفخ آصف رو نمود

یعنی اگرچہ وہ عفریت جادو میں اُستاد تھا لیکن وہ تخت آصف کی پھونک سے ظاہر ہوا،

حاضر آمد تخت بلقیس آں زماں ۔۔۔ لیک ز آصف نز فن عفریتیاں

یعنی بلقیس کا تخت اسی وقت حاضر ہو گیا لیکن آصف کی وجہ سے نہ کہ جنون کے فن کی وجہ سے

گفت حمداللہ بریں و صد چنیں — کہ بدیدستم ز رب العالمین

یعنی سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ خدا کا شکر ہے اس پر اور ایسی سیکڑوں (اُن نعمتوں) پر جو کہ میں نے اللہ تعالیٰ سے دیکھی ہیں۔

پس نظر کرد آں سلیمان سوئے تخت — گفت آرے گول گیری ای درخت

یعنی پھر سلیمان علیہ السلام نے اُس تخت کی طرف دیکھا اور فرمایا کہ ہاں اسے درخت تو بیوقوفوں کا گرفتار کرنے والا ہے (چونکہ وہ تخت لکڑی ہی کا تھا اسلئے اُسکو درخت کہدیا مطلب یہ تھا کہ تو ہی ہے کہ جسکے اندر پھنس کر اور تجھے محبت کرکے بیوقوفان دنیا حق تعالیٰ سے غافل ہو جاتے ہیں) آگے مولانا فرماتے ہیں کہ

پیش چوب و پیش سنگ نقش کند — ای بسا گولاں کہ سرہا می نہند

یعنی لکڑی اور پتھروں منقش کے آگے بہت سے بیوقوف ایسے ہیں کہ سر رکھتے ہیں یعنی اُنکی عبادت کرتے ہیں۔

ساجد و مسجود از جان بیخبر — دیدہ از جان جنبشے واندک اثر

یعنی ساجد و مسجود (دونوں) جان (حقیقی حق تعالیٰ) سے بیخبر ہیں جان (روح) کا کچھ اثر اور ایک جنبش دیکھی ہے مطلب یہ کہ جن پتھروں اور درختوں وغیرہ کی عبادت کرتے ہیں اُن میں اپنے خیال کے مطابق کچھ جان کا اثر دیکھا کہ مثلاً انھوں نے باتیں کی یا کوئی جنبش کی بس اس پر لٹو ہو گئے۔ اور اُس جان حقیقی حق تعالیٰ سے غافل ہو گئے اسی کو فرماتے ہیں کہ

دیدہ در وقتیکہ شد حیران و دنگ — کہ سخن گفت و اشارت کرد سنگ

یعنی ایک ایسے وقتمیں دیکھا جبکہ وہ حیران اور دنگ ہو گیا کہ پتھر نے بات کی اور اشارہ کیا مطلب یہ کہ اگر کوئی بات کبھی کبھار معلوم ہوئی کہ مثلاً کوئی شیطان پتھر میں سے بول پڑا۔ یا اُس نے کچھ اشارہ کر دیا تو بس یہ اُسپر لٹو ہو گئے اور سمجھے کہ بس یہی سب کچھ ہے۔

نرد خدمت را چو نا موضع بباخت — شیر سنگی را شقی شیرے شناخت

یعنی خدمت کی نرد کو جب بے جگہ کھیلا تو کمبخت نے سنگی شیر کو شیر سمجھ گیا۔

از کرم شیر حقیقی کرد جود
استخوانے سوئے سگ انداخت زود

یعنی کرم کی وجہ سے شیر حقیقی نے بخشش فرمائی اور ایک ہڈی جلدی سے کتے کیطرف ڈالدی

گفت گر چہ نیست آں سگ زیں قوام
لیک مارا استخوان لطفیست عام

یعنی فرمایا کہ اگرچہ وہ کتا راہ راست پر نہیں ہے لیکن ہمارے لئے تو ہڈی دینا ایک لطف عام ہے مطلب یہ کہ جب اس نے عبادت کو اسکے غیر محل میں استعمال کیا اور سر دوسروں کے آگے جھکا دیا۔ تو اسکا یہ وبال ہوا کہ اسکی آنکھیں حقیقت سے اندھی ہوگئیں اور وہ اس غیر محل ہی میں لگا رہا۔ اور حقیقت سے غافل رہا۔ اسکی ایسی مثال ہوگئی کہ جیسے ایک اصلی شیر بہت سی ہڈیاں اور گوشت لئے بیٹھا ہے۔ اور تقسیم کر رہا ہے اور سامنے ہی دیوار پر ایک شیر کی تصویر بن رہی ہے۔ سب آتے ہیں اور اس شیر اصلی کے پاس سے ہڈی یا گوشت لیجاتے ہیں لیکن ایک کتا آیا اور وہ اس شیر کی تصویر کو شیر اصلی سمجھ کر اسکی خوشامد کرنے لگا اور اس سے خوراک مانگنے لگا جب شیر اصلی نے اسکو اسطرح دیکھا تو اس نے ایک ہڈی اسکی طرف بھی پھینک دی کہ خیر ہمارا لطف تو عام ہے اگرچہ یہ اسطرف متوجہ ہے لیکن ہم تو اپنے لطف کو بند نہ کریں ہم تو اسکو روزی دے ہی دیں مگر بیوقوف کتا یہ سمجھا کہ یہ ہڈی اس تصویر نے دی ہے یہ سمجھکر اور بھی اسکی خوشامد میں لگ گیا۔ پس اسی طرح حق تعالےٰ سے تمام عالم کو ہر طرح کا فیض ہو رہا ہے اور تمام عالم کو ہر شے اسی سے ملتی ہے لیکن بیوقوف مشرک نے کسی پتھر وغیرہ میں سے کوئی آواز سن لی یا اور کوئی بات دیکھ لی۔ جو کہ کسی شیطان کا تصرف تھا۔ پس یہ اس بت ہی کا ہو رہا۔ اور اسی میں لگ گیا اور ساری حاجات اسی سے مانگنے لگا جب فیاض حقیقی یعنی حق تعالیٰ نے اسکو اسطرف متوجہ دیکھا تو اس نے جو حاجت مانگی وہ اسکی پوری کردی۔ تاکہ اس کمبخت کو مدت العمر اس طرف آنا ہی نصیب نہو بقول شخصے

ع بگذار تا بمیرد در رنج خود پرستی۔ لیکن یہاں در رنج بت پرستی مناسب ہے۔ غرضکہ اس نے سمجھا کہ یہ شے اس بت نے دی ہے اور اس نے یہ سمجھکر خوب اسی کی پرستش شروع کردی اور معبود حقیقی سے اعراض کیا۔ حالانکہ وہ تصرف بت کا عارضی اور شیطانی دھندا تھا۔ جیسا کہ اظہر من الشمس ہے۔ کمبخت نے اسقدر قدرت عامہ کو تو دیکھا نہیں کہ تمام عالم کس نے بنایا

کس نے یہ ساری نعمتیں دی ہیں ہمیں ایک عجیب شے دیکھکر ہمیں لگ گیا نعوذ باللہ منہ آگے حضرت حلیمہؓ کا قصہ بیان فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور مقبول صلے اللہ علیہ وسلم اُن کے پاس سے زمانہ بچپن میں گم ہوگئے تھے اور وہ پریشان تھیں تو اسوقت ایک بوڑھا شخص آیا اور انکو عزی بت کے پاس لیگیا کہ اُنکا پتہ بتلادیگا اور اکثر وہ اسطرح بتلادیا کرتا تھا تو یہ تصرف شیطانی تھا کہ وہ بت بولتا تھا۔ اوپر سے اُس حکایت کو بھی ربط ہے کہ دیکھو اس حکایت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بت کچھ حرکت وغیرہ کرتے تھے۔ اور اُن میں سے آوازیں وغیرہ آتی تھیں جسکی وجہ سے وہ لوگ اُن کے معتقد تھے۔ اب حکایت سنو۔

شرح حبیبی

حضرت حلیمہ سعدیہؓ کا بتوں سے مدد چاہنے کا قصہ جبکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بعد دودھ چھڑانے کے گم کیا تھا اور بتوں کا کانپنا اور سجدہ میں حضور کا نام سنکر گر پڑنا ؛

قصۂ راز حلیمہ گویمت | تا زداید داستان او غمت
مصطفٰی را چوں ز شیر او باز کرد | بر کفش برداشت چوں ریحان و ورد
می گریزانیدش از ہر نیک و بد | تا سپارد آں شہنشہ را بجد
چوں ہمی آورد امانت راز بیم | شد بکعبہ و آمد او اندر حطیم
از ہوا بشنید بانگے کاے حطیم | یافت بر تو آفتابے بس عظیم
اے حطیم امروز آید بر تو زود | صد ہزاراں نور از خورشید جود

اے حلیمہ امروز آرد در تو رخت	محتشم شاہے کہ پیک او ست بخت
اے حلیمہ امروز بیشک از نوی	منزل جانہائے بالائی شوی
جاں پاکاں طُلب و طلب جوق و جوق	آیدت از ہر نواحے مست شوق
گشتہ حیراں آں حلیمہ زاں صدا	نے کسے در پیش و نے سوے قفا
شش جہت خالی ز صورت وین ندا	شد پیاپے آں ندا را جاں فدا
مصطفےٰ را بر زمین بنہاد او	تا کند آں بانگ خوش را جستجو
چشم می انداخت آندم سو بسو	کہ کجا ہست آں شہ اسرار گو
کایں چنیں بانگ بلند از چپ و راست	می رسد یا رب رسانندہ کجاست
چوں ندید او خیرہ و نومید شد	جسم لرزاں ہمچو شاخ بید شد
باز آمد سوئے آں طفل رشید	مصطفےٰ را بر مکاں خود ندید
حیرت اندر حیرت آمد بر دلش	گشت بس تاریک از غم منزلش
سوئے منزلہا دوید و بانگ داشت	کہ کہ بر دردانہ ام غارت گماشت
مکیاں گفتند ما را علم نیست	ما ندانستیم کانجا کودکیست
ریخت چنداں اشک کرد از پس فغاں	کہ از و گریاں شدند آں دیگراں
سینہ کوباں آنچناں بگریست خوش	کاختراں گریاں شدند از گریہ اش

حکایت اُس بڈھے کی کہ جس نے حضرت حلیمہؓ کو بتوں سے مدد چاہنے کیلئے ہدایت کی

پیر مردے پیشش آمد با عصا	کاے حلیمہ چہ فتاد آخر ترا

که چنین آتش ز دل افروختی ... وین جگرها را ز ماتم سوختی

گفت احمد را رضیعم معتمد ... پس بیاوردم که بسپارم بجد

چوں رسیدم در حطیم آوازها ... می رسید و می شنیدم از هوا

من چو آں الحان شنیدم از هوا ... طفل را بنهادم آنجا زاں صدا

تا ببینم ایں ندا آواز کیست ... که ندائی بس لطیف و بس شهی است

نہ ز کسے دیدم بگرد خود نشاں ... نہ ندا می منقطع شد یکزماں

چونکه واگشتم ز حیرتهائے دل ... طفل را آنجا ندیدم وائے دل

گفتش اے فرزند تو انده مدار ... که نمایم مر ترا یک شہریار

که بگوید گر بخواهد حال طفل ... او بداند منزل و ترحال طفل

پس حلیمه گفت اے جانم فدا ... مر ترا اے شیخ خوب خوش لقا

ہیں مرا بنمائے آں شاہ نظر ... کش بود از حال طفل من خبر

برد او را پیش عزیٰ کایں صنم ... ہست در اخبار غیبی مغتنم

ما ہزاراں گم شده زو یافتیم ... چوں بخدمت سوئے او بشتافتیم

پیر کرد او را سجود و گفت زود ... اے خداوند عرب وائے بحر جود

گفت اے عزیٰ تو بس اکرامها ... کردهٔ تا رسته ایم از دامها

بر عرب حق ست از اکرام تو ... فرض گشته تا عرب شد رام تو

ایں حلیمه سعدے از امید تو ... آمد اندر ظل شاخ بید تو

که ازو فرزند طفلے گم شده است ... نام آں کودک محمد آمده است

چوں محمد گفت آں جملہ بتاں
سرنگوں گشتند ساجد آں زماں

کہ بروا اے پیر اینچہ جستجو است
آں محمد راکہ عزل ما در و ست

مانگوں و سنگسار انیم ازو
ماکساد و بے عیار انیم ازو

آں خیالاتے کہ دیدندے زما
وقت فترت گاہ گاہ اہل ہوا

گم شود چوں بارگاہ او رسید
آب آمد مرتیمم را دریدہ

دور شو اے پیر فتنہ کم فروز
ہیں زرشک احمدی ما را مسوز

دور شو بہر خدا اے پیر تو
تا نسوزے ز آتش تقدیر تو

اینچہ دم اژدہا افشردن است
ہیچ دانی چہ خبر آوردن است

زیں خبر خوں شد دل دریا و کاں
زیں خبر لرزاں شود ہفت آسماں

اب ہم حلیمہ سعدیہ دایۂ جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے اس راز کا واقعہ بیان کرتے ہیں جو اُن پر منکشف ہوا تھا تاکہ اسکے بیان سے تمھارا رنج وغم دور ہو۔ وہ واقعہ یہ ہے کہ جب انھوں نے جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا دودھ چھڑایا تو واقعہ شق صدر سے خوف زدہ ہوکر ہر وقت انکو ریحان وگلاب کی طرح ہتیلی پر رکھنے لگیں یعنی پیش نظر رکھا کرتی تھیں تاکہ کوئی اور حادثہ پیش نہ آجاوے۔ اور ہر بھلائی برائی سے انہیں بچاتی تھیں۔ (مبالغہ ہے کمال حفاظت میں) تاکہ صحیح وسالم انکو انکے جدامجد کو سونپ دیں پس جبکہ ان پر خوف ضرر غالب ہوا اور وہ انکو اس اندیشہ ضرر سے کعبہ میں لائیں اور حطیم میں داخل ہوئیں تو ہوا میں سے انھوں نے یہ ندا سنی اے حطیم آج تجھپر ایک جلیل القدر آفتاب طلوع ہوا ہے۔ اور اے حطیم آج تجھپر اس خورشید سخا کی جانب سے ہزاروں انوار برکات فائض ہونگے اور اے حطیم آج تجھمیں ایسے باحشمت بادشاہ نے نزول اجلال فرمایا ہے جنکا قاصد تیری جانب خوش اقبالی ہے یعنی وہ اپنے نزول اجلال سے پہلے تیری جانب خوش اقبالی کو بھیج چکے ہیں اور تجھے خوش اقبال و نصیبہ ور

کر چکے ہیں۔ اور اے حطیم آج نئے سر سے تو منزل ملائکہ رحمت بنے گی۔ اور آج ارواح طیبہ (ملائکہ) جماعت در جماعت و گروہ در گروہ مست شوق ہو کر ہر طرف سے تیری طرف آئیں گی۔ اس ندا کو سنکر حلیمہ حیران ہو گئی کیونکہ نہ کوئی آگے دکھلائی دیتا تھا اور نہ پیچھے غرضکہ جہات ستہ میں بولنے والے کی صورت نہ دکھلائی دیتی تھی۔ مگر یہ آواز سے جانہائے مشتاقان قربان ہوں۔ برابر آرہی تھی انھوں نے جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو زمین پر بٹھلا دیا۔ تاکہ اس اچھی آواز کو تلاش کریں کہ یہ کسکی آواز ہے اور کہاں سے آرہی ہے پس وہ بٹھلا کر تلاش میں گئیں۔ اور ہر طرف نظریں دوڑاتی تھیں۔ تاکہ معلوم ہو کہ یہ اسرار بیان کرنے والا کہاں ہے۔ اور متحیر ہو کر دل میں کہتی تھیں کہ دائیں بائیں سے اسقدر بلند آوازیں آرہی ہیں مگر اے اللہ انکا پہونچانے والا کہاں ہے۔ الغرض جب انھوں نے بولنے والے کو نہ دیکھا تو بہت پریشاں ہو گئیں اور ان پر مایوسی طاری ہو گئی۔ اور ہیبت سے جسم بید کی طرح کانپنے لگا بالآخر وہ اس مہتدی بچہ کی طرف لوٹیں مگر انکو اسجگہ نہ پایا جہاں انکو بٹھلایا تھا۔ اس سے انکو اور بھی تحیر ہوا اور مارے غم کے وہ مقام انکی نظر میں تاریک ہو گیا۔ وہ گھر گھر تلاش کرتی تھیں اور کہتی تھیں کہ میرا موتی کس نے لوٹ لیا۔ اور میرا بچہ کس نے اٹھا لیا۔ مگر اہل مکہ نے کہا کہ ہم کو کچھ خبر نہیں اور ہم یہ بھی نہیں جانتے کہ جہاں تو بتلاتی ہے وہاں کوئی لڑکا تھا۔ یہ جواب سنکر بہت روئیں۔ اور بہت کچھ آہ وزاری کی کہ ان کے رونے کو دیکھکر اور لوگ بھی رو پڑے۔ اور غم سے چھاتی کوٹتے ہوئے اسقدر روئیں کہ انکے رونے سے ستارے بھی رونے لگے (مبالغہ ہے حقیقت مقصود نہیں) آخرش ایک بڈھا لاٹھی لئے ہوئے انکے سامنے آیا۔ اور کہا کہ اے حلیمہ بتا تو سہی تجھپر کیا مصیبت پڑی کہ تو نے اپنے دل کی آتش غم کو اسقدر مشتعل کیا ہے۔ اور دوسروں کے کلیجوں کو شور و شیون سے جلا ڈالا ہے انھوں نے کہا کہ میں محمد کی معتمد دایہ ہوں اور میں انکو اسلئے لائی تھی کہ ان کے دادا کو سونپ دوں جب میں حطیم میں پہونچتی ہوں۔ تو غیب سے آوازیں آنے لگیں اور میں انکو سنتی تھی جب میں نے غیب سے وہ آوازیں سنیں تو انکی وجہ سے میں نے اس بچہ کو بٹھلا دیا۔ تاکہ میں دیکھوں کہ کسکی آواز ہے کیونکہ یہ تو بہت ہی پاکیزہ اور مرغوب ہے۔ مگر میں نے نہ تو کسی کو اپنے آس پاس دیکھا اور نہ آواز ہی بند ہوئی اسلئے

ہیں متحیر ہو کر لوٹ آئی جب لوٹی ہوں تو میں نے بچہ کو نہ پایا۔ یہ سنکر بڑے میاں نے کہا کہ بیٹا تم رنج نکرو کیونکہ میں تمکو ایک ایسا بادشاہ دکھلاؤنگا اگر وہ چاہے گا تو بچہ کی مفصل حالت بیان کر دیگا۔ کیونکہ بچہ کا ٹھکانہ اور اسکی روانگی کی کیفیت اُسے خوب معلوم ہے۔ یہ سنکر حلیمہ نے کہا کہ اسے شیخ خوش لقا میری جان تجھپر قربان ایسے واقف کار بادشاہ کو جسکو میرے بچہ کی حال کی خبر ہو مجھے ضرور دکھلا پس وہ انکو عزیٰ کے پاس لیگیا۔ اور کہا کہ یہ غیب کی خبریں دیتی ہیں بہت غنیمت ہے جبکہ ہم اسکی خدمت میں حاضر ہوئے تو ہم نے بہت سے گم شدہ لوگوں کو اسکے سبب پالیا ہے۔ یہ کہکر اُس نے اُس بت کو سجدہ کیا اور سلسلہ کلام کو یوں شروع کیا۔ اسے خداوند عرب اور اسے بحر جود اور اسے عزیٰ آپنے ہم لوگوں پر بہت سے انعامات کئے ہیں جنکا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ دامہائے بلا آپھوٹ گئے ہیں۔ عرب پر آپکی تعظیم کا حق ہے اور وہ انپر فرض ہو گیا ہے یہاں تک کہ اُسی حق کے اداکیلئے عرب آپکے مطیع ہو گئے ہیں۔ یہ حلیمہ سعدیہ امیدوار ہو کر آپ کے بید عاطفت کے سایہ میں آئی ہے۔ کیونکہ اسکا ایک بچہ گم ہو گیا ہے۔ اور اسکا نام محمدؐ ہے جب اُس نے لفظ محمدؐ کہا تو اسکو سنتے ہی سارے بت اوندھے گر گئے اور سربسجود ہو گئے اور کہا کہ اسے بڈھے تو چلا جا تو ہم سے اس محمدؐ کا کیا پتہ لگانا چاہتا ہے جو ہم کو معزول کر دیگا۔ اور ہماری حکومت کو عرب سے اٹھا دیگا۔ ہم انکے ہاتھوں سرنگوں ہیں اور انکے ذریعہ سے ہماری بے رونقی ہو جاویگی۔ اور ہم محض نکمے ہو جاوینگے۔ اور جو کرشمے کہ فترت وجاہلیت کے زمانہ میں لوگ کبھی کبھی ہم سے دیکھ لیتے تھے۔ انکے دور حکومت میں وہ سب فنا ہو جائیں گے واقعی بات ہے آب آمد تیمم برخاست۔ (یہ مولانا کا مقولہ بطور جملہ معترضہ کے ہے) ہاں اسے بڈھے دور ہو اور آتش فتنہ کو نہ بھڑکا۔ اور محمدؐ کے رشک سے ہمیں مت جلا اور اسے بڈھے میاں تو یہاں سے چلا جا۔ ایسا نہو کہ آتش تقدیر الٰہی تجھے بھونک ڈالے۔ کیونکہ تیرے اس فعل سے ظاہر ہے کہ تو ہمکو محمدؐ سے بڑھکر سمجھتا ہے۔ ارے ناداں اژدہے کی دم کیوں مروڑتا ہے اور فتنہ کیوں برپا کرتا ہے تجھے معلوم ہے کہ تو یہ کیا خبر لایا ہے اس خبر غیب سے تو دریا اور کان کا دل خون ہوتا ہے۔ اور اس خبر سے تو سات آسمان کانپتے ہیں۔

پس عصا انداخت آں پیر کہن	چوں شنید از سنگہا پیر ایں سخن

پس ز لرزہ و خوف و بیم آں ندے | پیر دندانہا بہم برمی زدے
ہمچناں کاندر زمستاں مرد عور | او ہمی لرزید و می گفت اے ثبور
چوں دراں حالت بدید آں پیر را | زاں عجب گم کرد زن تدبیر را
گفت پیر اگرچہ من در محنتم | حیرت اندر حیرت اندر حیرتم
ساعتے بادم خطیبے می کند | ساعتے سنگم ادیبے می کند
باد با حرفم سخنہا می دہد | سنگ کوہم فہم اشیا می دہد
گاہ طفلم را ربودہ غیبیاں، | غیبیان سبز پوش آسماں
از کہ نالم با کہ گویم ایں گلہ | من شدم سودائے اکنوں صد دلہ
غیرتش از شرح غیبم لب ببست | اینقدر گویم کہ طفلم گم شدہ است
گر بگویم چیز دیگر من کنوں، | خلق بندندم بزنجیر جنوں
گفت پیرش کاے حلیمہ شاد باش | سجدۂ شکر آر و رو را کم خراش
تو مخور غم کہ نگردد یاوہ او | بلکہ عالم یاوہ گردد اندرو
ہر زماں از رشک و غیرت پیش و پس | صد ہزاراں پاسبانستش حرس
آں ندیدی کاں بتاں ذو فنون | چوں شدند از نام طفلت سرنگوں
ایں عجب قرنے است بر روئے زمیں | پیر گشتم من ندیدم جنس ایں
زیں رسالت سنگہا چوں نالہ داشت | تا چہ خواہد بر گنہگاراں گماشت
سنگ بے جرم است در معبودیش | تو نہ مضطر کہ بندہ بودیش
آنکہ مضطر اینچنیں ترساں شدہ است | تا کہ بر مجرم چرا خواہند بست

جب پتھروں سے بڑھیا نے یہ بات سُنی تو اُسکے ہاتھ سے لاٹھی چھوٹ گئی اور اس آواز کی ہیبت و خوف اور خوف کے سبب لرزے سے اُسکی حالت یہ تھی کہ دانت بجتے تھے اور وہ یوں کانپتا تھا۔ جیسے جاڑے میں کوئی ننگا کانپتا ہوا اور ہائے رے بربادی ہائے رے تباہی پکار رہا تھا۔ جب حلیمہ نے بڑھیے کو اس حالت میں دیکھا تو اس حیرت انگیز واقعہ سے اُس کے ہوش اور بھی جاتے رہے۔ اور اسکی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ مجھے کیا کرنا چاہیے بالآخر اُس نے کہا کہ بڑے میاں گو میں سخت تکلیف میں ہوں لیکن ان ہیم عجیب واقعات سے میں نہایت ہی متحیر ہوں کبھی تو ہوا مجھسے ہمکلام ہوتی ہے۔ اور کبھی پتھر مجھے تادیب کرتے ہیں اور کبھی ہوا اصاف الفاظ میں مجھسے باتیں کرتی ہے۔ کبھی پہاڑ کے پتھر مجھے مضامین سمجھاتے ہیں۔ کبھی آسمانی سبز پوش فرشتے میرے بچہ کو اٹھا لیجاتے ہیں اب میں کس کے آگے روؤں اور کس سے شکایت کروں۔ میں تو ان حیرت انگیز واقعات سے دیوانہ ہوگئی ہوں غیرت خداوندی نے اُن امور غیبیہ کے بیان سے میرے ہونٹ سی دیے ہیں جنکو میں نے دیکھا ہے اسلئے میں کچھ نہیں کہتی۔ اور صرف اتنا کہتی ہوں کہ میرا بچہ گم ہوگیا۔ اور اگر میں کچھ اور کہتی ہوں تو لوگ مجھپر دیوانگی کا الزام لگا کر ابھی زنجیروں میں باندھ دیں گے اس لئے خاموشی ہی بہتر ہے۔ یہ سُنکر بڑے میاں نے کہا کہ اے حلیمہ خوش ہو اور سجدۂ شکر بجالا اور منہ کو مت نوچ اور غم نہ کھا۔ کیونکہ وہ گم نہ ہوگا۔ بلکہ ایک عالم اسمیں گم ہوجائیگا یعنی وہ سب پر غالب ہوگا۔ رشک و غیرت خداوندی کے سبب ہر وقت اسکے آگے پیچھے سیکڑوں نگہبان اور محافظ ہیں۔ کیا تو نے نہیں دیکھا کہ یہ بُت تیرے بچہ کا نام سنتے ہی سرنگوں ہوگئے۔ مگر جبکہ حق سبحانہ کے نزدیک وہ اتنے معزز ہیں تو ان پر کوئی شخص دسترس اور قابو کیونکر پا سکتا ہے۔ روئے زمین پر یہ عجیب زمانہ اور وقت ہے کہ میں بڈھا ہوگیا مگر ایسا زمانہ کبھی نہیں دیکھا۔ اب مولانا انتقال فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تمکو معلوم ہو چکا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خبر سنتے ہی بُت چلا اٹھے۔ تو جبکہ اس خبر سے پتھروں کی یہ حالت ہوئی کہ وہ چلا اٹھے تو تم سمجھ سکتے ہو کہ گنہگاروں کو اُنکی جرمونکی کیا کچھ سزا ملیگی۔ پتھر تو اپنی معبودیت میں پھر بھی بے قصور ہیں۔ مگر بندہ تو ان کی

پرستش میں مضطر اور مجبور نہیں۔ تو جبکہ مضطر اور مجبور کو اسقدر خوف ہو۔ تو سمجھ لینا چاہئے کہ باختیار آپ کی مخالفت کرنے والونپر کیا عقوبت واقع کیجاویگی۔

قد تم الربع الاوّل من الدفتر الرابع من المثنوی ولله الحمد

شرح شبیریؔ

حضرت حلیمہ سعدیہؓ کا بتوں سے مدد چاہنے کا قصہ جبکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بعد دودھ چھڑانیکے گم کیا تھا اور بتوں کا کانپنا اور سجدہ میں حضور کا نام سنکر گر پڑنا،

قصۂ راز حلیمہ گویمت ۔۔۔ تا زداید داستاں او غمت

یعنی میں راز حلیمہ کے قصہ کو تم سے بیان کرتا ہوں تاکہ اُنکا داستان تمہارے غم کو صاف کردے۔ یعنی ذکر نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے تمہارا غم دور ہو۔ لہذا میں حضرت حلیمہ کا قصہ بیان کرتا ہوں اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے قصہ سے مسلمان کا غم دور ہونا ظاہر ہے

مصطفےٰ را چوں ز شیر او باز کرد ۔۔۔ بر کفش برداشت چوں ریحاں و ورد

یعنی مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کو جب انھوں نے دودھ سے الگ کیا۔ تو انکو ریحان و ورد کی طرح گود میں اٹھایا (بوجہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لطافت و نزاکت کے ریحان و ورد سے آپکو تشبیہ دی)

می گریزانیدش از ہر نیک و بد ۔۔۔ تا سپارد آں شہنشہ را بجد

یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر نیک و بد سے بچاتی تھیں۔ تاکہ اُس شہنشاہ کو اُنکے دادا صاحب کو سپرد کریں (چونکہ حضرت حلیمہ طائف میں رہتی تھیں اسلئے بعد دودھ چھڑانے

کے حضرت کو مکہ میں حضرت عبد المطلب کو سپرد کرنے لائی تھیں)۔

چوں ہمی آورد امانت را زبیم　　شد بکعبہ و آمد او اندر حطیم

یعنی جب وہ امانت کو خوف کی وجہ سے لا رہی تھیں تو کعبہ میں گئیں اور حطیم کے اندر آئیں مطلب یہ کہ چونکہ وہ شق صدر کے قصہ کی وجہ سے ڈر گئی تھیں تو اس ڈر کی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جو کہ انکے پاس امانت تھے لا رہی تھیں اور اہل عرب کا قاعدہ تھا کہ جب مکہ آتے تو اول زیارت کعبہ شریف سے مشرف ہوتے۔ تو جب وہ آپکو لیکر آئیں تو وہ بھی اول کعبہ کی زیارت کو تشریف لائیں۔ اور حطیم میں تشریف لیگئیں۔

از ہوا بشنید بانگے کاے حطیم　　تافت بر تو آفتابے بس عظیم

یعنی ہوا میں سے ایک آواز سنی کہ اے حطیم تیرے اوپر ایک بہت عظیم الشان آفتاب چمکا ہے۔ (اور یہ سنا کہ)

اے حطیم امروز آید بر تو زود　　صد ہزاراں نور از خورشید جود

یعنی اے حطیم آج تیرے اوپر جلد لاکھوں نور خورشید کرم سے آویں گے۔

اے حطیم امروز آرد در تو رخت　　محتشم شاہے کہ پیک اوست بخت

یعنی اے حطیم آج تیرے اندر ایک ایسے با حشمت بادشاہ جنکا قاصد نصیب ہے تیرے اندر اسباب لائے ہیں۔

اے حطیم امروز بے شک از نوی　　منزل جانہائے بالامی شوی

یعنی اے حطیم آج بے شک تازگی کی وجہ سے تو ارواح قدسیہ کی منزل ہو رہا ہے۔

جان پاکاں طلب طلب جوق جوق　　آیدت از ہر نواحی مست شوق

یعنی ارواح قدسیہ گروہ گروہ اور جوق جوق تیرے پاس ہر طرف سے مست شوق ہو کر آ رہی ہیں،

گشتہ حیراں آں حلیمہ زاں صدا　　نے کسے در پیش نے سوئے قفا

یعنی وہ حلیمہ اس آواز سے حیران ہوئیں کہ نہ تو کوئی شخص آگے ہے اور نہ پیچھے ہے۔

شش جہت خالی ز صورت ویں ندا　　شد پیاپے آں ندا را جان فدا

یعنی شش جہت صورت سے تو خالی ہیں اور یہ آواز پے درپے آ رہی ہے (مولانا فرماتی ہیں کہ) اس آواز

کے اوپر جان فدا ہے یعنی حضرت حلیمہ کو یہ تعجب تھا کہ کوئی صورت آدمی وغیرہ کی تو ہے نہیں
اور یہ آواز آرہی ہے۔ تو کہاں سے اور کسکی ہے۔

مصطفیٰ را بر زمیں بنہاد او ۔۔۔ تا کند آں بانگ خوش را جستجو

یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تو انھوں نے زمین پر رکھدیا تاکہ اس آواز خوش کو تلاش کریں،

چشم می انداخت آں دم سو بسو ۔۔۔ کہ کجا ایست آں شہ اسرار گو

یعنی وہ آنکھ کو ہر طرف ڈالتی تھیں کہ وہ بادشاہ اسرار کا کہنے والا کہاں ہے۔ (اور فرما رہی تھیں کہ)،

کایں چنیں بانگ بلند از چپ و راست ۔۔۔ می رسد یا رب رسانندہ کجاست

یعنی ایسی بلند آواز داہنے اور بائیں سے پہونچ رہی ہے اے اللہ پہونچانے والا کہاں ہے،

چوں ندید او خیرہ و نومید شد ۔۔۔ جسم لرزاں ہمچو شاخ بید شد

یعنی جب انھوں نے (کسی کو) نہ دیکھا تو وہ حیران اور ناامید ہوگئیں (اور خوف کی وجہ سے)
جسم شاخ بید کی طرح لرزنے لگا +

باز آمد سوئے آں طفل رشید ۔۔۔ مصطفیٰ را بر مکاں خود ندید

یعنی پھر اس طفل رشید کی طرف واپس آئیں تو مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اپنی جگہ پر نہ دیکھا،

حیرت اندر حیرت آمد بر دلش ۔۔۔ گشت بس تاریک از غم منزلش

یعنی ان کے دل پر حیرت در حیرت آئی اور غم کی وجہ سے انکی جگہ بالکل تاریک ہوگئی۔

سوئے منزلہا دوید و بانگ داشت ۔۔۔ کہ کہ بر دُر دانہ ام غارت گماشت

یعنی گھروں کی طرف دوڑیں اور آوازیں دیں کہ کس نے میرے موتی پر لوٹ مقرر کی یعنی میرے لال کو کس نے لیلیا

مکیاں گفتند ما را علم نیست ۔۔۔ ما ندانستیم کایں جا کودکیست

یعنی مکہ والوں نے کہا کہ ہمیں تو خبر نہیں ہم تو یہ (بھی) نہیں جانتے کہ اس جگہ کوئی بچہ ہے +

ریخت چنداں اشک و کرد او بس فغاں + کہ از و گریاں شدند آں دیگراں،

یعنی اتنے آنسو گرائے اور اسقدر فریاد کی کہ ان کی وجہ سے وہ دوسرے لوگ رونے لگے،

سینہ کوباں آنچناں بگریست خوش ۔۔۔ کاختراں گریاں شدند از گریہ اش

یعنی وہ سینہ کوٹ کر اسقدر روئیں کہ ستارے انکے رونے کی وجہ سے رونے لگے۔ (مبالغہ ہے بیان گریہ میں)

حکایت اس بڈھے کی کہ جس نے حضرت حلیمہؓ کو بتوں سے مدد چاہنے کیلئے ہدایت کی

پیر مردے پیشش آمد با عصا گاے حلیمہ چہ فتاد آخر ترا

یعنی ایک بڈھا مع لاٹھی کے انکے آگے آیا (اور بولا) کہ اے حلیمہ تیرے اوپر کیا افتاد پڑی، (یہ بڈھا کسی بتخانہ کا مجاور تھا)۔

کہ چنیں آتش ز دل افروختی، وین جگرہا را ز ماتم سوختی

یعنی کہ تو ایسی آگ دل سے بھڑکا رہی ہے اور ان (لوگوں کے) جگروں کو ماتم کی وجہ سے جلا رکھا ہے،

گفت احمدؐ را رضیعم معتمد، می بیاوردم کہ بسپارم بجد

یعنی کہ حضرت حلیمہ نے فرمایا کہ (یہ سب) احمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کیلئے (ہے جو کہ) میرے رضیع معتمد تھے میں انکو لائی تھی تاکہ (ان کے) دادا کو سپرد کردوں۔ (رضیعم معتمد بدل ہے احمدؐ سے یعنی وہ احمدؐ جو کہ میرے رضیع معتمد تھے۔ ان کیلئے رو رہی ہوں)۔

چوں رسیدم در حطیم آوازہا می رسید و می شنیدم از ہوا

یعنی جب میں حطیم میں پہونچی تو بہت سی آوازیں مجھے ہوا میں سے پہونچ رہی تھیں اور میں سن رہی تھی،

من چو آں الحاں شنیدم از ہوا طفل را بنہادم آنجا زاں صدا

یعنی میں نے جب وہ آواز ہوا میں سے سنی تو بچہ کو میں نے اسی جگہ اس آواز کی وجہ سے رکھدیا

تا بہ بینم ایں ندا آواز کیست کہ ندائے بس لطیف و بس شہی است

یعنی تاکہ میں دیکھلوں کہ یہ آواز کسکی ہے، کہ ایک بہت ہی لطیف اور مرغوب آواز ہے،

نز کسے دیدم بگرد خود نشاں نہ ندا می منقطع شد یکزماں

یعنی میں نے نہ تو اپنے گرد کسی کا نشان دیکھا (اور جو دہو کہ کا شبہ ہوتا تو یہ بھی نہ تھا اسلئے کہ) نہ وہ آواز ایک گھڑی کیلئے منقطع ہوئی تھی۔

چونکہ واگشتم ز حیرتہائے دل طفل را آنجا ندیدم وائے دل

یعنی جب میں دل کی حیرتوں کی وجہ سے واپس ہوئی تو میں نے اسجگہ طفل کو نہ دیکھا افسوس ہے

گفتش اے فرزند تو اندہ مدار کہ نمایم من ترا ایک شہریار،

یعنی اُس بڈھے نے اُن سے کہا کہ بیٹا تو غم مت کر کیونکہ میں تجھے ایک شہریار دکھاتا ہوں۔

کہ بگوید گر بخواہد حال طفل — او بداند منزل و ترحال طفل

یعنی کہ وہ اگر چاہے گا تو بچہ کا حال بتلا دیگا۔ وہ بچہ کی جگہ اور اُسکے چلنے جانیکو جانتا ہے (چونکہ بڈھے کو معلوم تھا کہ وہ بت کبھی بھی نہیں بتلا سکتا۔ اسلئے خبیث کہتا ہے کہ اگر چاہیگا تو بتلا دیگا کہ اگر نہ بتلاوے تو معلوم ہو کہ اسوقت مرضی نہیں)۔

پس حلیمہ گفت ای جانم فدا — مر ترا اے شیخ خوب و خوش ندا

یعنی پس حلیمہؓ نے فرمایا کہ اے اچھے بڈھے خوش آواز تجھپر میری جان فدا ہو،

ہیں مرا بنمائے آں شاہ نظر — کش بود از حال طفل من خبر

یعنی ہاں مجھے اُس شاہ نظر کو دکھلاو جسکو کہ میرے بچہ کے حال کی خبر ہو۔ (چونکہ حضرت حلیمہ اُس وقت تو مسلمان نہ تھیں بلکہ عرب ہی کے عقائد کے مطابق تھیں اسلئے اُنھوں نے اگر بت کے پاس جانے کیلئے آمادگی ظاہر کی تو کیا تعجب ہے۔ اسجگہ بعض محشیوں کا یہ اعتراض کرنا کہ بھلا حضرت حلیمہ بتوں کے پاس کیوں گئیں جبکہ وہ حضور کی مرضعہ تھیں اور پھر اس اعتراض کا جواب دینا محض تکلف ہی ہے سیدھی بات یہی ہے کہ اسوقت تک بوجہ مسلمان نہونیکے اُن کے وہی عقائد تھے ہاں بعد میں وہ ایمان لائی ہیں اُن پر اُس حالت میں اعتراض کرنا فضول ہے۔ خیر غرضکہ انھوں نے اُس بڈھے سے کہا کہ ہاں مجھے اُس بت کے پاس لے چل)۔

برد او را پیش عزیٰ کایں صنم — ہست در اخبار غیبی مغتنم

یعنی وہ بڈھا انکو عزیٰ کے سامنے لیگیا (اور بولا) کہ یہ بت غیب کی خبروں میں غنیمت ہے مطلب یہ کہ وہ عزیٰ کے آگے لیگیا اور بولا کہ بس یہ بت ہے جو کہ غیب کی خبریں دیا کرتا ہے اور اس بارہ میں یہ غنیمت ہے۔ یہاں ایک یہ شبہ ہوتا ہے کہ عزیٰ اول تو مکہ میں نہ تھا بلکہ قبیلہ غطفان میں تھا پھر وہ اصلی بت پتھر کا نہ تھا بلکہ ایک درخت تھا جسکو بعد میں حضرت خالد بن ولید نے جڑ سے اکھڑوا دیا تھا۔ اور جب وہ اکھڑ چکا تھا تو اُسکے اندر سے ایک عورت سرخ کپڑے پہنے ہوئے پریشان نکلکر بھاگی تھی۔ اُسکو حضرت خالد بن ولید نے تلوار سے مار دیا تھا اور وہ کوئی جن وغیرہ تھا جو کہ بولا کرتا تھا۔ تو پھر مکہ میں جب وہ تھا نہیں تو وہ

بڈھا حضرت حلیمہ کو اُسکے پاس کسطرح لیگیا۔ جواب یہ ہے کہ ممکن ہے کہ مکہ میں اُسکا کوئی نائب پتھر کا بنالیا ہو اور اُسکا نام بھی عزیٰ رکھ لیا ہو۔ اور بوجہ مشابہت اسمی کے اُس درخت والے جن کا اثر اسمیں بھی ہو۔ غرضکہ یہ اکثر باتیں بتلادیا کرتا تھا۔ تو بڈھا اونکو اس کے پاس لایا اور بولا کہ۔

ما ہزاراں گم شدہ زو یافتیم ۔۔۔ چوں بخدمت سوئے او بشتافتیم

یعنی ہم نے ہزاروں گم شدہ اسکی وجہ سے پائے ہیں جبکہ خدمت میں اُسکی طرف دوڑے ہیں۔

پیر کرد او را سجود و گفت زود ۔۔۔ اے خداوند عرب اے بحر جود

یعنی بڈھے نے اُسکو سجدہ کیا اور جلدی سے کہا کہ اے عرب کے آقا اور دریا کرم کے،

گفت اے عزیٰ تو بس اکرام ہا ۔۔۔ کردہ تا رستہ ایم از دام ہا،

یعنی اُس بڈھے نے کہا کہ اے عزیٰ تو نے بہت سے اکرام کئے ہیں یہانتک کہ ہم جال سے چھوٹ گئے ہیں،

بر عرب حق است از اکرام تو، ۔۔۔ فرض گشتہ تا عرب شد رام تو

یعنی عرب کے اوپر بوجہ تیرے اکرام کے تیرا حق ہے (اور وہ حق) فرض ہو گیا ہے۔ یہانتک عرب تیرا مطیع ہو گیا ہے۔

ایں حلیمہ سعدی از امید تو ۔۔۔ آمد اندر ظل شاخ بید تو،

یعنی یہ حلیمہ سعدی تیری امید پر تیری شاخ بید کے سایہ میں آئی ہے (مولانا کا ظل شاخ بید فرمانا لطف سے خالی نہیں)

کہ از و فرزند طفلے گم شدہ است ۔۔۔ نام آں کودک محمدؐ آمدہ است

یعنی کہ اس کا ایک بچہ گم ہو گیا ہے۔ اور اس بچہ کا نام محمدؐ (صلے اللہ علیہ وسلم) ہے،

چوں محمدؐ گفت آں حملہ بتاں ۔۔۔ سرنگوں گشتند ساجد آں زماں

یعنی جب اُس بڈھے نے محمدؐ (صلے اللہ علیہ وسلم) کہا تو وہ سارے بت اُسیوقت سجدہ میں اوندھے ہو گئے۔ (اور بولے کہ)

کہ بروائے پیر ایں چہ جستجو است ۔۔۔ آں محمدؐ را کہ عزل ما ازو است

یعنی کہ ارے بڈھے جا یہ کیا اُس محمدؐ (صلے اللہ علیہ وسلم) کی تلاش ہے جن سے کہ ہماری معزولی ہوگی،

ما نگون و سنگسار انیم ازو — ما کساد و بے عیار انیم ازو

یعنی ہم انکی وجہ سے اوندھے اور سنگسار ہیں اور ہم اُن کی وجہ سے کھوٹے اور بے عیار ہیں

آں خیالاتے کہ دیدندے زما — وقت فترت گاہ گاہ اہل ہوا

یعنی وہ خیالات جو کہ اہل ہوا ہم سے زمانہ فترت میں کبھی کبھی دیکھ لیا کرتے تھے۔ (فترت حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضور مقبول صلے اللہ علیہ وسلم کے درمیان کا زمانہ)

گم شود چوں بارگاہ او رسید — آب آمد مر تیمم را درید

یعنی گم ہو جاویں گے جبکہ اُنکی بارگاہ پہونچے۔ کہ آب آمد تیمم برخاست۔ (اور بولے کہ)

دور شو اے پیر فتنہ کم فروز — ہیں ز رشک احمدی ما را مسوز

یعنی کہا رے بڈھے دور ہو فتنہ کم زدشن کر ہمکو رشک احمدی سے مت جلا (یعنی بعد میں تو ہم تباہ ہو دیں ہی گے مگر ابھی سے نام مبارک لے لیکر ہمکو کیوں تباہ کئے دیتا ہے۔

دور شو بہر خدا اے پیر تو — تا نہ سوزی ز آتش تقدیر تو

یعنی کہ ارے بڈھے خدا کے واسطے دور ہو جا کہیں آتش تقدیر سے تو جل نہ جاوے۔

اینچہ دمِ اژدہا افشردن است — ہیچ دانی چہ خبر آوردن است

یعنی یہ کیا اژدہا کی دم ہلانا ہے۔ اور تو کچھ جانتا ہے کہ یہ کیا خبر لانا ہے یعنی ارے تجھے خبر بھی ہے کہ تو کیسی بات کہہ رہا ہے جو ہم سب کی ہلاکت ہے بس تو اب یہاں سے چلدے ورنہ تو بھی تباہ ہو جاویگا۔

زیں خبر خوں شد دل دریا و کاں — زیں خبر لرزاں شود ہفت آسماں

یعنی اس خبر کی وجہ سے دریا اور معادن کا دل خون ہو گیا اور اس خبر سے ساتوں آسمان کانپ اٹھے ہیں۔

چوں شنید از سنگہا پیر ایں سخن — پس عصا انداخت آں پیر کہن

یعنی جب بڈھے نے پتھروں میں سے یہ بات سنی تو اس پرانے بڈھے نے لکڑی کو پھینکدیا

پس ز لرزہ و خوف و بیم آں تلے — پیر دندانہا بہم بر می زدے

یعنی پھر لرزہ اور خوف اور اُس آواز کے ڈر کی وجہ سے بڈھے کے دانت بجنے لگے۔

آنچناں کاندر زمستاں مرد عور — او ہمی لرزید و میگفت اے ثبور

یعنی جسطرح کہ جاڑے میں ننگا آدمی (کانپتا ہے اسی طرح) وہ بڈھا کانپ رہا تھا اور کہہ رہا تھا اے ہلاکت۔

چوں در آں حالت بدید آں پیر را — زاں عجب گم کرد زن تدبیر را

یعنی جب اُس بڈھے کو اُس حالت میں دیکھا تو اس تعجب کی وجہ سے وہ عورت (یعنی حلیمہؓ) تدبیر بھول گئیں یعنی اُس بڈھے کی اسحالت کو دیکھکر وہ ساری باتیں بھول بھال گئیں۔

گفت پیر اگرچہ من در محنتم — حیرت اندر حیرت اندر حیرتم

یعنی حضرت حلیمہ رضؓ نے فرمایا کہ ارے بڈھے اگرچہ میں غم میں ہوں (لیکن) حیرت در حیرت در حیرت میں ہوں یعنی اُنھوں نے فرمایا کہ ارے بڈھے اگرچہ ان کے گم ہوجانیکا مجھے غم ہے لیکن اسکے ساتھ ہی میں نے جو باتیں اس سے پہلے بھی دیکھی ہیں اُن سے مجھے حیرت در حیرت ہے اور وہ بعض باتیں یہ ہیں کہ۔

ساعتے باد م خطیبے می کند — ساعتے سنگم ادیبے می کند

یعنی کبھی تو ہوا مجھے نصیحت کرتی ہے اور کبھی پتھر مجھکو ادب دیتا ہے (اور یہ بزبان حال نہیں بلکہ)

باد با حرفم سخنہا می دہد — سنگ و کوہم فہم اشیا می دہد

یعنی ہوا مع حروف کے مجھسے باتیں کرتی ہے۔ اور پتھر اور پہاڑ مجھے چیزوں کا فہم دیتے ہیں یعنی مجھے بتلاتے ہیں اور سمجھاتے ہیں۔

گاہ طفلم را ربودہ غیبیاں — غیبیاں سبز پوش آسماں

یعنی کبھی میرے بچہ کو غیبی لوگ لے بھاگتے ہیں اور غیبی (بھی) سبز پوش آسمان کے یعنی آسمان سے سبز پوش لوگ آتے ہیں اور میرے بچہ کو اڑا لیجاتے ہیں اس سے مراد فرشتے ہیں کیونکہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ رضاعت میں حضرت حلیمہ سعدیہؓ کو فرشتے دکھلائی دیا کرتے تھے۔ اور فرماتی ہیں کہ۔

از کہ نالم باکہ گویم ایں گلہ　　　من شدم سودائی اکنوں صد دلہ

یعنی میں کس سے روؤں اور کس سے اس شکایت کو بیان کروں۔ میں تو سودائی اور سو دل والی ہو گئی یعنی پریشان ہو گئی ہوں۔ اور خیالات مختلف آتے ہیں دل ایک ٹھکانے پر رہتا نہیں۔ آگے فرماتی ہیں۔

غیرتش از شرح غیبم لب ببست　　　اینقدر گویم کہ طفلم گم شدہ است

یعنی اُسکی غیرت نے غیب کی شرح سے میرے لب کو بند کر لیا۔ (بس) اتنا کہتی ہوں کہ میرا بچہ کھو گیا ہے بطلب یہ کہ مجھے غیرت آتی ہے۔ کہ کہیں میرے بچہ کو نظر نہ لگ جاوے لہذا میں اب اُن کے حالات مزید بیان نہیں کرتی۔ اتنا ہی کہتی ہوں کہ میرا بچہ کھو گیا ہے اور کچھ نہیں کہتی۔

گر بگویم چیز دیگر من کنوں　　　خلق بندندم بہ زنجیر جنوں

یعنی اگر میں ایک اور بات کہدوں تو ابھی لوگ مجھے زنجیر جنوں میں باندھ لیں مطلب یہ کہ انھوں نے فرمایا کہ اگر میں ایک اور بات ظاہر کردوں جسکا مجھے احتمال یا یقین ہے تو لوگ ابھی مجھے مجنوں کہنے لگیں گے اسلئے اُسکو میں ظاہر ہی نہیں کرتی اور وہ بات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا احتمال یا یقین تھا یعنی انھوں نے کہا کہ اگر میں اس امر کو ظاہر کردوں کہ مجھے شبہ یا یقین ہے کہ یہ نبی ہیں تو لوگ مجھے مجنون کہیں۔ لہذا اب کچھ نہیں کہتی۔ اتنا کہتی ہوں کہ میرا بچہ کھو گیا ہے۔

گفت پیرش کای حلیمہ شاد باش　　　سجدۂ شکر آر و رو اکم خراش،

یعنی بڈھے نے اُن سے کہا کہ اے حلیمہ خوش رہ سجدۂ شکر بجالا اور منہ کم نوچ (یعنی غم مت کر)

تو مخور غم کہ نہ گم گردد یاوہ او　　　بلکہ عالم یاوہ گردد اندرو

یعنی تو غم مت کھا کیونکہ وہ گم نہوں گے بلکہ تمام عالم اُن کے اندر گم ہوگا یعنی اُنکا تابع ہوگا

ہر زماں از رشک غیرت پیش و پس　　　صد ہزاراں پاسبانست و حرس

یعنی ہر گھڑی رشک و غیرت (حق) کی وجہ سے (اُنکے) آگے پیچھے لاکھوں پاسبان اور نگہبان ہیں

آں ندیدی کان بتان ذو فنوں　　　چوں شدند از نام طفلت سرنگوں

یعنی تو نے یہ نہیں دیکھا کہ یہ بتاں ذوفنون تیرے بچہ کے نام سے کیسے اوندھے ہو گئے (تو اس سے معلوم ہو گیا کہ وہ بہت بڑے رتبہ کے ہیں انکو کوئی گزند نہیں پہونچ سکتا ہے تم اطمینان سے یہ ہو غم سست کرو۔ بھاید ہا عقلمند آگے کہتا ہے کہ)۔

ایں عجب قرنے است بروئے زمیں پیر گشتم من ندیدم جنس ایں

یعنی یہ ایک عجب زمانہ ہے روئے زمیں پر میں تو بڈھا ہو گیا میں نے اس قسم کا زمانہ دیکھا نہیں۔ آگے مولانا فرماتے ہیں کہ۔

زیں رسالت سنگہا چوں نالہ داشت تا چہ خواہد بر گنہگاران گماشت

یعنی اس رسالت سے جب پتھروں نے نالہ رکھا تو گناہگاروں (یعنی بت پرستوں) پر کیا کچھ مقرر ہوگا۔

سنگ بے جرم است در معبودیش تو نۂ مضطر کہ بندہ بودیش

یعنی پتھر تو اپنی معبودی میں بے جرم ہے (مگر) تو تو مضطر نہیں ہے کہ تو اُسکا بندہ ہو رہا ہے۔

آنکہ مضطر ایچنیں ترساں شدہ است تا کہ بر مجرم چہا خواہند بست

یعنی وہ کہ مضطر ایسے (اُس سے) ڈرتے ہیں مجرم پر وہ کس طرح باندھیں گے مطلب یہ کہ اس رسالت اور نبوت کا پتھر وں پر جب یہ اثر ہوا کہ وہ اوندھے ہو گئے اور گر پڑے حالانکہ معبود ہونے میں انکی کچھ بھی خطا نہیں وہ بالکل بے جرم و خطا ہیں کیونکہ وہ تو اسمیں مضطر ہیں لیکن یہ بت پرست تو مضطر نہیں اور یہ تو مجرم ہیں تو جب اُن بتوں پر ایسا اثر پڑا تو یہ جو بت پرست ہیں انکی تو کیا کچھ گت بنے گی نعوذ باللہ منہ آگے انکی خبر عبدالمطلب کو ہو جانیکا قصہ بیان فرماتے ہیں

قد تم الربع الاول من الدفتر الرابع

من المثنوی فللہ الحمد

عارف باللہ حضرت مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ کی نادر روزگار،
اور معرکہ آرا کتاب "مثنوی معنوی" کی جامع اور لاجواب شرح

کلیدِ مثنوی

حکیم الاُمّت مجدد الملت حضرت مولانا محمّد اشرف علی تھانوی نوراللہ مرقدہٗ

14

یہ وہ مقبول خاص و عام کتاب ہے کہ خواندہ ناخواندہ سب ہی اس سے دلچسپی لیتے ہیں مگر مضامین عالیہ ہونے کی وجہ سے مطالب سمجھنے میں بڑی دقت پیش آتی ہے اور بعض اوقات نوبت الحاد و زندقہ تک پہنچ جاتی ہے، حضرت حکیم الاُمّت نے اشعارِ مثنوی کو واضح کر کے اور مسائل تصوّف کو عام فہم بنا کر نہایت خوبی سے سمجھا دیا ہے حقیقت یہ ہے کہ اِس سے معتبر اور شریعت و طریقت کا پاس و ادب رکھ کر مضامین کو حل کرنے والی کوئی اور شرح نہیں لکھی گئی

اِدارۂ تالیفاتِ اشرفیہ
بیرون بوہڑ گیٹ
ملتان

عارف باللہ حضرت مولانا جلال الدین رُومی رحمۃ اللہ علیہ کی نادر روزگار
اور معرکہ آرا کتاب مثنوی معنوی کی جامع اور لاجواب اُردو شرح

کلیدِ مثنوی

از:

حکیم الامۃ مجدد الملۃ حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی نوراللہ مرقدہ

جلد ۱۴

یہ وہ مقبول خاص و عام کتاب ہے کہ خواندہ، ناخواندہ سب ہی اس سے دلچسپی لیتے ہیں۔ مگر مضامین عالیہ ہونے کی وجہ سے مطالب سمجھنے میں بڑی دقت پیش آتی ہے اور بعض اوقات نوبت الحاد و زندقہ تک پہنچ جاتی ہے۔ حضرت حکیم الامت نے اشعارِ مثنوی کو واضح کر کے اور مسائل تصوف کو عام فہم بنا کر نہایت خوبی سے سمجھا دیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس سے معتبر اور شریعت و طریقت کا پاس ادب رکھ کر مضامین کو حل کرنیوالی اور کوئی شرح نہیں لکھی گئی

ادارۂ تالیفاتِ اشرفیہ
بیرون بوہڑ گیٹ • مُلتان

قال تعالی کما ارسلنا فیکم رسولا منکم یتلوا علیکم اٰیٰتنا ویزکیکم ویعلمکم الکتٰب والحکمة ویعلمکم ما لم تکونوا تعلمون

چوں در کریمہ صدر قولہ یتلوا ویعلمکم الکتٰب بر فضل علم نظم و معنی و قولہ یزکیکم بر شرف علم کلام عقائد و علم سلوک و قولہ والحکمة بر فضیلت علم اسرار و علم اصول دال با وضع بیان ست و ازاں جملہ فن تصوف کہ مشتمل بر سلوک و اسرار ست از علم دین نہایت عیان ست و باتفاق اہل مذاق مثنوی در کتب این فن خاص شان ست لاکن از اغلاقش محتاج بتبیان ست بنا علیہ این شرح اردو کہ معنونش را

کلید مثنوی

عنوان ست و این ربع ثانی از دفتر رابع ازاں ست (بالفاظ و عبارت (مولوی) شبیر علی و مولوی حبیب احمد سلمہما اللہ کہ ہر یکے ازایشاں برائے صاحب معانی یعنی حکیم الامة حضرت مولانا اشرف علی صاحب دام ظلہم) بمنزلہ لسان و ترجمان ست درو اصل متن را چناں حل کردہ کہ نہایت ملکان ست و مسائل را بطوری تقریر نمودہ کہ ہم موافق تحقیق اہل ایقان و ہم مطابق حدیث و قرآن ست بجا اشکالات و اغلاط را بطرزی دور ساختہ کہ مورث اطمینان اذہان ست و جا بجا ملفوظات سید الحاج محمد امداد اللہ کہ مطرب آذان و منشط اذہان ست ہم درطاوش سبزہ

حسب فرمایش

محمد شبیر علی مالک اشرف المطابع تھانہ بھون ضلع مظفر نگر طبع شد

الربع الثانی من الدفتر الرابع من المثنوی

شرح حبیبی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مصطفیٰ صلے اللہ علیہ وسلم کے گم ہو جانے کی خبر عبد المطلب کو ہونا اور انکا شہر کے گرد تلاش کرنا اور در کعبہ پر رونا اور حق تعالیٰ سے انکو طلب کرنا

چوں خبر یابید جدّ مصطفیٰ	از حلیمہ وز فغانش بر ملا
وز چناں بانگ بلند و نعرہا	کہ بمیلے میرسد از وے صدا
زود عبد المطلب دانست چیست	دست بر سینہ ہمی زد می گریست
آمد از غم بر در کعبہ بسوز	کاے خبیر از سر شب وز راز روز
خویشتن را من نمی بینم فنے	تا بود ہمراز تو ہمچوں منے
خویشتن را من نمی بینم ہنر	تا شوم مقبول ایں مسعود در
یا سر و سجدہ مرا قدرے بود	یا باشکم دو لبے خنداں شود
لیک در سیمائے آں دریتیم	دیدہ ام آثار لطفت اے کریم

که نمی ماند بما گرچه زماست
ما همه مسیم و احمد کیمیاست

آن عجایبها که من دیدم درو
من ندیدم بر ولی ز بر عدو

آنچه فضل تو درین طفلیش زاد
کس نشان ندهد بصد ساله جهاد

چون یقین دیدم عنایتهائے تو
بر وے او دُرّیست از دریائے تو

من همون را می شفیع آرم بتو
حال او اے حال دان با ما بگو

از درون کعبه آمد بانگ زود
که هم اکنون رخ بتو خواهد نمود

با دو صد اقبال او محفوظ ماست
با دو صد طلب ملک محفوظ ماست

ظاهرش را شهرهٔ گیهان کنیم
باطنش را از همه پنهان کنیم

زر کان بود آب و گل ما زرگریم
گه کنش خلخال و گه خاتم بریم

گه حمائلهائے شمشیرش کنیم
گاه بند گردن شیرش کنیم

گه ترنج تخت برسازیم ازو
گاه تاج فرقهائے ملک جو

عشقها داریم با این خاک ما
زانکه افتادست در قعدهٔ رضا

گه چنین شاهے ازو پیدا کنیم
گه هم او را پیش شه شیدا کنیم

صد هزاران عاشق و معشوق ازو
در فغان و در نفیر و جستجو

کار ما این است برکوری آن
کو بکار ما ندارد میل جان

این فضیلت خاک را زان رو دهیم
زانکه نعمت پیش بے برگان نهیم

زانکه دارد خاک شکل اغبری،
وز درون دارد صفات انوری،

ظاهرش با باطنش گشته بجنگ
باطنش چون گوهر و ظاهر چو سنگ

ظاہرش گوید کہ ما اینیم و بس — باطنش گوید نکو بین پیش و پس

ظاہرش منکر کہ باطن ہیچ نیست — باطنش گوید کہ بنمائیم بایست

ظاہرش با باطنش در چالش اند — لاجرم زین صبر نصرت می‌کشند

زین ترش رو خاک صورتہا کنیم — خندهٔ پنہانش را پیدا کنیم

زانکہ ظاہر خاک اندوہ و بکاست — در درونش صد ہزاران خندہاست

کاشف السریم و کار ما ہمین — کاین نہانہا را بر آریم از کمین

گرچہ دزد از منکری تن میزند — شحنہ آن از عصر پیدا میکند

فضلہا دزدیدہ اند این خاکہا — تا مقر آریمشان از ابتلا

پس عجب فرزند کو را بودہ است — لیک احمد بر ہمہ افزودہ است

شد زمین و آسمان خندان و شاد — کاینچنین شاہے ز ما دو جفت زاد

شد زمین چون آسمان از شادیش — خاک چون سوسن شدہ ز آزادیش

ظاہرت با باطنت ای خاک خوش — چونکہ در جنگ اند و اندر کشمکش

ہر کہ با خود بہر حق باشد بجنگ — تا بود معنیش خصم بو و رنگ

ظلمتش با نور او شد در قتال — آفتاب جانش را نبود زوال

ہر کہ کوشد بہر ما در امتحان — پشت زیر پایش آرد آسمان

ظاہرت از تیرگی افغان کنان — باطن تو گلستان در گلستان

قاصدا چون صوفیان رو ترش — تا نیامیزند با ہر نورکش

عارفان رو ترش چون خارپشت — عیش پنہان کردہ در خار درشت

بلغ پنہاں گرد باغ آں خارفاش ۔ کائے عدو رو از یں در بدور باش

خار پشتا خار حارس کردہ ۔ سر چو صوفی در گریباں بردہ

تا کسے در چار دانگ عیش تو ۔ کم شود زیں گلرخان خار خو

طفل تو گرچہ کہ کودک خو بدست ۔ ہر دو عالم خود طفیل او بدست

ما جہانے را بدو زندہ کنیم ۔ چرخ را در خدمتش بندہ کنیم

جب جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے جدامجد کو حلیمہ اور اسکی کھلم کھلا آہ و زاری کا واقعہ اور ان کے اس شور وشیون کا حال معلوم ہوا جسکی صدا میل بھر جاتی تھی۔ تو عبدالمطلب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے جدامجد نے اسکی وجہ معلوم کرلی۔ اور سینہ کوبی اور گریہ وبکا شروع کی اور اس غم کے سبب جلے ہوئے دل سے کعبہ کے دروازہ پر آئے۔ اور کہا کہ اے اسرار شب و روز سے واقف میں اپنے اندر کوئی ایسا ہنر نہیں دیکھتا جس سے میں آپکا ہمراز ہوسکوں اور آپ مجھے اپنے اسرار پر مطلع کردیں نیز میں اپنے اندر کوئی ایسی بات نہیں دیکھتا جس سے کہ میں آپ کے اس باسعادت در کا مقبول ہوسکوں یا میرے سر اور سجدہ کی آپ کے یہاں کوئی وقعت ہوسکے۔ یا میرے آنسوؤں سے مجھے خوشی حاصل ہو یعنی میں رو دھو کر اپنا مقصد دلی حاصل کرلوں۔ مگر میں نے اس دُرِ یتیم احمد مصطفے کے چہرہ اور بشرہ میں آپ کے الطاف کا مشاہدہ کیا ہے۔ کیونکہ گو وہ ہمارا بچہ ہے مگر وہ ہم سے بالکل الگ ہے۔ اور وہ ہم میں نہیں ملتا اور ہمارے اور اسکی ایسی مثال ہے جیسے تانبا اور اکسیر۔ کہ ہم تانبا ہیں اور وہ اکسیر نیز میں نے جو عجائبات اسکے اندر مشاہدہ کئے ہیں وہ عجائبات نہ میں نے کسی دوست میں دیکھے نہ دشمن میں۔ اسلئے میں کہتا ہوں کہ وہ آپکا مورد الطاف ہے۔ اور مورد الطاف بھی ایسا ویسا نہیں بلکہ نہایت اعلےٰ۔ کیونکہ جن لوگوں نے سیکڑوں برس مجاہدے اور ریاضتیں کی ہیں انپر بھی آپکا وہ فضل نہیں ہے جو اسکو اسکے بچپن ہی میں نصیب ہوا ہے۔ پس جبکہ میں نے یقینی طور پر اسپر آپ کی عنایتیں دیکھی ہیں اور میں نے

سمجھ لیا کہ وہ آپ کے بحر کمال کا ایک موتی ہے۔ اسلئے میں انہیں کو اپنا شفاشی بناتا ہوں
اور کہتا ہوں کہ اے واقف حال آپ ہمسے انکی حالت بیان کر دیجئے۔ اسپر خانہ کعبہ کے
اندر سے فوراً آواز آئی کہ وہ ابھی ابھی اپنے دیدار سے تمہیں مشرف کریں گے تم گھبراؤ نہیں
انکو ہم نے بدرجۂ کمال خوش اقبالی عطاکی ہے۔ اور وہ فرشتوں کے بجید جماعت کے ساتھ
محفوظ ہیں ہم انکو ضائع ہونے دیں گے۔ بلکہ ان کے ظاہر کو تمام دنیا میں مشہور کریں گے
گو ان گے باطن کو جیسا کہ وہ ہے سب سے مخفی رکھیں گے۔ یاد رکھو کہ آپ وگل تو مثل سونے کے
ہے اور ہم مثل سنار کے۔ اسلئے کبھی تو ہم اس سے پازیب بناتے ہیں اور کبھی انگوٹھی اور
کبھی اسکو حمائل شمشیر بناتے ہیں اور کبھی اس سے شیر کی گردن کا طوق تیار کرتے ہیں اور کبھی اس سے تخت کا تیج
بناتے ہیں اور کبھی سلاطین کے سر کا تاج غرض کہ ہم اس سے بحسب اقتضائے حکمت متفاوت الکمال اشیا تیار کرتے ہیں
اور منشا اسکا یہ ہے کہ ہمکو اس خاک سے بہت محبت ہے اور محبت کی وجہ یہ ہے کہ اس نے صفت رضا و تسلیم اختیار
کی ہے اس لئے ہم اسمیں تصرف کرتے رہتے ہیں۔ اور اسکو مختلف صورتوں میں دیکھنا چاہتے ہیں
کبھی تو ہم اس سے بادشاہ بناتے ہیں اور کبھی اس سے بادشاہ کا عاشق تیار کرتے ہیں،
علیٰ ہذا ہم نے اس سے سیکڑوں عاشق و معشوق بناتے ہیں جو کہ ایک دوسرے کے لئے
نالہ و فریاد کرتے اور اسکے طالب ہیں ہمارا یہ کام ہے گو اس شخص کو ناپسند ہو جو ہمارے
فعل کے ساتھ محبت نہیں رکھتا۔ اور بوجہ مصالح سے ناواقف ہونے کے اسپر اعتراض کرتا
اور یہ فضیلت ہم نے خاک کو اسلئے دی ہے کہ وہ بے سر و سامان اور متذلل اور متمسکن تھی
اور ہمارا قاعدہ ہے کہ ہم بے سر و سامان اور متذللین اور متمسکنین ہی کو نعمت دیتے ہیں
نیز اسکی شکل اغبر اور خاکی ہے اور اسکے اندر روشن صفات بھرے پڑے ہیں۔ اور اس کا
ظاہر باطن کیساتھ مصروف پیکار ہے۔ کیونکہ اسکا باطن تو ایسا ہے جیسا موتی۔ اور
ظاہر ایسا جیسا پتھر۔ پس چونکہ ان میں تضاد ہے اسلئے وہ مصروف پیکار ہیں۔ اور اسکا
ظاہر کہتا ہے کہ ہم صرف یہ ہی ہیں یعنی ہم میں کوئی کمال نہیں اور باطن کہتا ہے کہ کیا کہتا ہے غور سے
آگا پیچھا دیکھ کے کہہ اور اسکا ظاہر باطن کا منکر ہے اور کہتا ہے کہ باطن کچھ نہیں اور باطن
کہتا ہے کہ ٹھیر میں تجھے اپنا وجود دکھلاتا ہوں غرضکہ اسکا ظاہر و باطن دونوں متضاد ہیں

اسلئے لامحالہ دونوں صبر سے متنفر ہیں۔ اور جنگ کو ختم نہیں کرتے۔ اسلئے اس ترشرو خاک کے متضمن کمالات ہونیکے سبب ہم اس سے مختلف صورتیں بناتے ہیں اور اس کے خندۂ پنہانی کو ظاہر کرتے ہیں۔ خاک کو ہم نے ترشرو اور اسکے خندہ کو پنہاں اس لئے کہا کہ وہ ظاہر میں تو روتی صورت اور کمال سے معرا معلوم ہوتی ہے مگر اسکے باطن میں ہزاروں شگفتگیاں اور کمالات بھرے پڑے ہیں پس ہم چونکہ کاشف اسرار ہیں اور ہمارا کام ہی یہ ہے کہ اشیاء مخفیہ و استعدادات کافیہ کو ظاہر کریں اور چور کا قاعدہ ہے کہ منکر ہو کر مال مسروقہ کے اظہار سے خاموشی اختیار کرتا ہے۔ مگر کوتوال اسے دبا کر اس سے وہ مال اگلواتا ہے اور اس خاک نے بھی سیکڑوں کمالات چورا رکھیں ہیں اسلئے ہم اسکو تکلیف دیکر وہ چوریاں اگلواتے ہیں۔ اور مختلف الکمال اشیاء پیدا کرتے ہیں۔ اس بنا پر گو خاک سے عجیب عجیب بچے پیدا ہوتے ہیں مگر ان سب میں تمھارے بچے احمد نہایت ہی عجیب اور سب سے فائق ہیں جب یہ پیدا ہوئے ہیں تو زمین و آسمان کو بیحد خوشی ہوئی۔ کہ ہم میاں بیوی سے ایسا بچہ پیدا ہوا۔ اور انکی ولادت کی خوشی سے زمین آسمان ہوگئی اور اس کی ازادی و حریت و شرف کو دیکھکر خاک سوسن بنگئی (یہاں سے دوسرے مضمون کی طرف انتقال کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ) اے خاک چونکہ تیرا ظاہر و باطن آپسمیں مصروف پیکار اور متزاحم ہیں اسلئے تیرے جو بچے تیری صفت اپنے اندر رکھیں گے اور وہ رضائے حق سبحانہ کیلئے اپنے نفس سے جنگ کریں گے تاکہ انکا باطن نور و رنگ (صورت) کا مخالف ہو جاوے۔ تو ان کی ظلمت اس جنگ میں نور کے ساتھ یعنی نور کے تابع اور اسکے موافق ہو جاویگی۔ اور ان کے آفتاب جانکو کبھی زوال نہوگا۔ کیونکہ قاعدہ ہے کہ جب کوئی حالت امتحان میں ہمارے لئے کوشش کرتا ہے۔ تو ہم اسکو اسقدر عالی رتبہ کر دیتے ہیں کہ آسمان سے فائق ہو جاتا ہے اور گویا کہ آسمان اسکے قدموں کے نیچے آجاتا ہے۔ اب پھر دوسرے مضمون کی طرف انتقال کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ اے خاک گو تیرا ظاہر تیرگی کے سبب روتا ہے مگر تیرا باطن مختلف قسم کی شگفتگیوں سے باغ باغ ہے۔ اور یہ تخالف بہ مصلحت ہے اسلئے یوں کہنا چاہیئے کہ قصہ کے ہے جسطرح کہ صوفی لوگ باوجود باطن میں ہزاروں شگفتگیاں

رکھتے کے رنجیدہ اور روتی صورت بنائے ہوتے ہیں تاکہ عوام ان سے اختلاط نکریں کیونکہ ان کے اختلاط میں زوال نور ہے۔ اور یہ عارف جو بظاہر مغموم و محزون ہیں ایسے ہیں جیسے ساہی کہ کانٹوں میں چین کرتی ہے۔ اور اندر باغ چھپا ہوا ہے۔ اور باغ کے چاروں طرف کانٹے لگے ہیں۔ جسکا مقصد یہ ہے کہ اے مردود دشمن اس در سے دور رہ یاں اپنے ساہی ہم جانتے ہیں کہ تو نے باغ عیش کا کانٹوں کو محافظ بنایا ہے۔ اور صوفی کیطرح گریبان میں منہ ڈال رکھا ہے اور مقصد یہ ہے کہ ان گلرخاں خار خصلت اور ظاہر یا اچھے اور باطن میں برے لوگوں میں سے کوئی شخص تیرے عالم عیش میں نہ جا سکے۔ اور حسد سے تجھے گزند نہ پہونچا سکے۔ اس مضمون کو ختم کرکے پھر مضمون سابق کی طرف عود کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اے عبد المطلب اگرچہ تمہارا بچہ بظاہر بچونکی سی حالت رکھتا ہے مگر وہ ہمیں اتنا عزیز ہے کہ تمام عالم کی خلقت ان ہی کی سبب سے ہے۔ اسلئے ہم اسکی حفاظت کرینگے اور اسکو یہ شرف عطا کرینگے کہ اسکے ذریعہ سے ہم ایک عالم کو حیات روحانی عطا فرماوینگے۔ اور آسمان کو اسکا خادم اور غلام بناوینگے تم اطمینان رکھو۔

شرح شبیری

مصطفٰی صلے اللہ علیہ وسلم کے گم ہو جانے کی خبر عبد المطلب کو ہونا اور ان کا شہر کے گرد تلاش کرنا اور در کعبہ پر رونا اور حق تعالیٰ سے ان کو طلب کرنا

چوں خبر یابید جد مصطفٰے ۔۔۔ از حلیمہ وز فغانش بر ملا

یعنی جبکہ مصطفٰے صلے اللہ علیہ وسلم کے دادا صاحب نے حلیمہ کی اور انکے فغاں برملا کی خبر پائی۔

وز چناں بانگ بلند و نعرہا ۔۔۔ کہ بمیلے میرسید از وے صدا

یعنی اور ایسی بلند آواز کی اور نعروں کی خبر پائی) جنکی کہ آواز ایک میل تک پہونچ رہی تھی

مطلب یہ کہ حضرت حلیمہ رضؓ جو بہت زیادہ آہ و فغاں کر رہی تھیں اسکی خبر عبد المطلب کو پہونچی کہ (حضور مقبول) محمدؐ (مصطفیٰ صلے اللہ علیہ وسلم) کہیں گم ہو گئے ہیں اسوجہ سے یہ اسقدر رو رہی ہیں۔

زود عبد المطلب دانست چیست　　　　دست بر سینہ ہمی زد میگریست

یعنی حضرت عبد المطلب نے جلدی سے جان لیا کہ کیا بات ہے تو سینہ پر ہاتھ مارنے لگے اور رونے لگے۔

آمد از غم بر در کعبہ بسوز　　　　کای خبیر از سر شب و روز

یعنی غم کی وجہ سے درِ کعبہ پر سوز کے ساتھ تشریف لائے۔ (اور عرض کیا) کہ اے شب و روز کے بھیدوں کے خبر دار۔

خویشتن را می نمی بینم فنے　　　　تا بود ہمراز تو ہمچوں منے

یعنی میں اپنے اندر تو کوئی ایسا کمال نہیں دیکھتا کہ مجھ جیسا شخص آپکا ہمراز بنے۔

خویشتن را من نمی بینم ہنر　　　　تا شوم مقبول ایں مسعود در

یعنی اپنے لئے میں ایسا کوئی ہنر نہیں پاتا کہ میں اس مبارک دروازہ کا مقبول ہوں۔

یا سر و سجدہ مرا قدرے بود　　　　یا با شکم دولتے خنداں شود

یعنی یا یہ کہ میرے سر اور سجدہ کی کوئی قدر ہو یا میرے اشک سے کوئی دولت خنداں ہو۔

لیک در سیمائے آں در یتیم　　　　دیدہ ام آثار لطفت ای کریم

یعنی لیکن اے کریم اس درِ یتیم کی پیشانی میں میں نے آپکے لطف کے آثار دیکھے ہیں +

کہ نمی ماند بما گرچہ ز ماست　　　　ما ہمہ مسیم و احمدؐ کیمیاست

یعنی وہ اگرچہ ہمارے میں سے ہی ہیں (مگر) ہم جیسے نہیں ہیں کہ ہم سارے مس ہیں اور احمدؐ (صلے اللہ علیہ وسلم) کیمیا ہیں +

آں عجائبہا کہ من دیدم درو　　　　من ندیدم در ولی و بر عدو

یعنی جو عجائبات کہ میں نے اُن کے اندر دیکھے ہیں نہ کسی دوست ولی دیکھی اور نہ کسی دشمن میں +

آنچہ فضل تو دریں طفلیش داد　　　　کس نشاں ندہد بصد سالہ جہاد

یعنی جو چیز کہ تیرے فضل نے اس بچپن میں انکو عطا فرمائی ہے کوئی شخص سو برس کے مجاہدہ میں اُسکا نشان نہیں پا سکتا +

چوں یقیں دیدم عنایتہائے تو — بروے او دریست از دریائے تو

یعنی جب میں نے یقیناً آپ کی عنایتیں اُنپر دیکھ لیں کہ وہ آپکے دریا کے ایک موتی ہیں +

من ہموں را می شفیع آرم بتو — حال وا ے حال دان با ما بگو

یعنی میں اُن ہی کو آپ کے آگے شفیع لاتا ہوں۔ کہ اے حال کے جاننے والے اُنکا حال ہمکو بتلا دیجئے۔ مطلب یہ ہے کہ جب حضرت عبد المطلب کو حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے گم ہونکی خبر ہوئی تو آپ در کعبہ پر پہونچے۔ اور اسطرح جناب باری میں دعا کرنا شروع کی کہ اے اللہ میرے اندر تو کوئی ایسا کمال اور ہنر ہے نہیں۔ کہ جسکی بدولت میں یہ عرض کروں کہ اسکی وجہ سے مجھے آپ اپنا ہمراز بنا لیجئے۔ اور امور غیبیہ سے مطلع فرما دیجئے۔ یا یہ ہو کہ میرے سجدے اور گریہ وزاری اس قابل ہوں کہ اُنکی اسقدر قدر کیجاوے کہ ان کے بدلہ میں کوئی دولت مجھے نصیب ہو یہ تو کوئی بات بھی نہیں ہے۔ لیکن چونکہ خود محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) میں ہمنے ایسے امور مشاہدہ کئے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ آپکا خاص فضل اُن پر ہے اور اگرچہ وہ ہمارے اندر سے ہیں اور ہم میں سے ہی پیدا ہوئے ہیں۔ لیکن اُن کے کمالات ایسے ایسے ظاہر ہوتے ہیں کہ وہ ہمارے بالکل مشابہ نہیں ہیں۔ ہمنے اُن کے اندر ایسے ایسے کمالات مشاہدہ کئے ہیں۔ کہ آج تک۔ نہ کسی دوست میں وہ کمالات دیکھے۔ اور نہ کسی دشمن میں اُنکو تو وہ کمالات آپکے فضل وکرم سے عطا ہوئے ہیں۔ کہ کوئی اگر سو برس تک مجاہدہ کرے تب بھی اسکو حاصل نہیں ہو سکتے۔ غرض کہ اُن کے ان کمالات کی وجہ سے ہمیں یقین ہو گیا ہے کہ اُنپر جناب کا خاص فضل وعنایت ہے۔ اور آپکے دریائے کرم وبحر لطف کے موتی ہیں۔ لہذا اگرچہ ہم تو اس قابل نہ تھے کہ آپ ہمکو کسی پوشیدہ بات کی اطلاع فرماتے۔ اور ہمکو اپنا رازدار بناتے مگر اب ہم اُن ہی کو یعنی محمد صلے اللہ علیہ وسلم ہی کو آپکی خدمت میں شفیع لاتے ہیں کہ اے اللہ ہمکو اس امر کی خبر اُنکی برکت سے فرما دیجئے کہ وہ کہاں ہیں اور کس حال میں ہیں اُن کی حالت کی ہمیں خبر کر دیجئے بس جب یہ دعا حضرت عبد المطلب نے در کعبہ پر کی تو کعبہ کے اندر سے اُنکو

ہاتف کی ندا آئی جسکو آگے مولانا بیان فرماتے ہیں کہ۔

از درون کعبہ آمد بانگ زود ۔۔۔ کہ باکنون رخ بتو خواہد نمود

یعنی کعبہ کے اندر سے جلدی سے آواز آئی کہ وہ تمکو ابھی مُنہ دکھلا دیں گے۔ مطلب یہ کہ حضرت عبدالمطلب کی دعا پر یہ جواب ملا کہ وہ تمکو ابھی تھوڑی دیر میں ملجا دیں گے گھبراؤ مت۔ کیونکہ

با دو صد اقبال او محظوظ ماست ۔۔۔ با دو صد طلب ملک محفوظ ماست

یعنی دو سو اقبالوں کے ساتھ وہ ہمارے محظوظ ہیں اور دو سو گروہ فرشتہ کیساتھ وہ ہمارے محفوظ ہیں (دو سو سے مراد مطلق کثرت) مطلب یہ کہ تم گھبراؤ مت وہ ہماری حفاظت میں ہیں۔

ظاہرش را شہرۂ کیہان کنیم ۔۔۔ باطنش را از ہمہ پنہاں کنیم

یعنی اُن کے ظاہر کو تو ہم جہان میں مشہور کر دیں گے اور اُن کے باطن کو سب سے پوشیدہ کریں گے مطلب یہ کہ اُن کے ظاہر کو تو ہم تمام عالم میں مشہور کریں گے کہ سب اُنکو جانیں گے اُن کے باطن کی پوری طرح کسی کو خبر نہو گی۔ اُن کے باطنی کمالات تک پوری طرح کسی کی رسائی نہو گی۔

زر کان بود آب و گل ما زرگریم ۔۔۔ گہ کنیمش خلخال و گہ خاتم بریم

یعنی معدن کا سونا آب و گل ہے اور ہم زرگر ہیں کبھی اسکو خلخال اور کبھی انگوٹھی بناتے ہیں +

گہ حمائلہائے شمشیرش کنیم ۔۔۔ گاہ بند گردن شیرش کنیم

یعنی کبھی اُسکو تلوار کی حمائل بناتے ہیں اور کبھی اُسکو شیر کی گردن کا بند بناتے ہیں +

گہ ترنج تخت بر سازیم ازو ۔۔۔ گاہ تاج فرقہائے ملک جو

یعنی کبھی اُس سے تخت کا ترنج بناتے ہیں اور کبھی اُس سے ملک جو لوگوں کے سروں کا تاج بناتے ہیں۔ مطلب یہ کہ ارشاد حق ہوا کہ دیکھو سونا ہوتا ہے اُسکی اصل تو آب و گل ہی ہوتی ہے لیکن کبھی سونار اُس سے پازیب بناتا ہے کبھی انگوٹھی کبھی تلوار کی حمائل بناتا ہے اور شیر کی گردن کا پٹہ غرض کہ مختلف چیزیں اچھی بری اُس سے بنتی ہیں اسی طرح انسان بھی آب و گل ہے اسمیں سے ہم کبھی کیسے بناتے ہیں اور کبھی کیسے بناتے ہیں کوئی اچھا تو کوئی بُرا یہ اشارہ ہے حدیث کیطرف حدیث میں ہے الناس معادن الذھب والفضۃ الخ غرضکہ اس خاک سے مختلف صورتیں اور انسان بنتے ہیں آگے ارشاد ہوتا ہے کہ۔

عشقہا داریم بااین خاک ما — زانکہ افتادست در قعدہ رضا

یعنی ہم اس خاک سے محبتیں رکھتے ہیں اسلئے کہ یہ قعدۂ رضا میں پڑی ہوئی ہے۔ مطلب یہ کہ ارشاد حق ہوا کہ ہمکو اس خاک سے محبت ہے کیونکہ متواضعانہ پڑی ہوئی ہے۔ اور جو تواضع کرتا ہے اس سے ہمکو محبت ہوتی ہے۔ لہذا اس سے بھی محبت ہے (جیسا کہ حدیث میں ہے کہ من تواضع للہ رفعہ اللہ) اور اس محبت کا اثر یہ ہے۔

گہ چنیں شاہے ازو پیدا کنیم — گہ ہم او را پیش شہ شیدا کنیم

یعنی کبھی تو ہم ایسے بادشاہ اسمیں سے پیدا کرتے ہیں اور کبھی اسکو اس بادشاہ کا شیدا کرتے ہیں۔ مطلب یہ کہ کبھی اسی خاک میں سے حضور مقبول صلے اللہ علیہ وسلم جیسے شاہنشاہ پیدا ہوتے ہیں اور کبھی اسی خاک کے بنے ہوئے لوگ اس شاہنشاہ پر شیدا و والہ ہوتے ہیں جیسے کہ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین۔ اور ارشاد ہوا کہ۔

صد ہزاران عاشق و معشوق ازو — در فغان و در نفیر و جستجو

یعنی لاکھوں عاشق اور معشوق اسی میں سے ہیں کہ فغاں اور نفیر اور جستجو میں ہیں مطلب یہ کہ دیکھو لاکھوں عاشق و معشوق اسی خاک سے بنے ہیں کہ کوئی رو رہا ہے کوئی کسی کی تلاش میں ہے۔ غرضکہ ہر کس بخیال خویش خبطے دارد۔

کار ما اینست بر کوری آں — کو بکار ما ندارد میل جاں

یعنی ہمارا یہی کام ہے باوجود اس شخص کی ناگواری کے جو کہ ہمارے کام میں جان ہی رغبت نہ رکھے۔ یعنی اگر کسی کو یہ امور پسند نہوں اور وہ انکو اچھا نہ سمجھے تب بھی اسکی باوجود ناگواری کے اس طرح پیدا فرماتے ہیں کوری آں کے معنی عربی میں علی رغمہ کی ہیں اور ارشاد ہے کہ

ایں فضیلت خاک را زاں رو دہیم — زانکہ نعمت پیش بے برگاں نہیم

یعنی ہم خاک کو یہ فضیلت اسلئے دیتے ہیں کہ ہم نعمت کو بے سامانوں کے آگے رکھا کرتے ہیں

زانکہ دارد خاک شکل اغبری — وز دروں دارد صفات انوری

یعنی اسلئے کہ خاک ایک شکل غبار آلودہ رکھتی ہے اور اندر سے صفات انوری رکھتی ہے۔ مطلب یہ کہ ارشاد ہوا کہ ہمارا قاعدہ ہے کہ ہم نعمت ایسے لوگوں کو دیا کرتے ہیں کہ جنکا کوئی

ظاہری وسیلہ اور اُن کے پاس کوئی ظاہری سامان نہو۔ تو خاک چونکہ بالکل متواضعانہ پڑی ہے اپنی شکل کو اس نے غبار آلودہ بنا رکھا ہے اسلئے ہم اسپر نعمتیں کرتے ہیں۔ اور اسکی صورت تو غبار آلود ہے لیکن اسکا باطن منور اور روشن ہے۔ اور چونکہ ظاہر و باطن اسکا آپسمیں مختلف ہے اس لئے یہ ہوتا ہے کہ۔

ظاہرش با باطنش گشتہ بجنگ باطنش چوں گوہر و ظاہر چو سنگ

یعنی اُسکا ظاہر باطن کیساتھ لڑائی میں ہے اور اسکا باطن مثل گوہر کے ہے اور ظاہر پتھر کیطرح ہے

ظاہرش گوید کہ ما اینیم و بس باطنش گوید نکو بیں پیش و پس

یعنی ظاہر خاک تو کہتا ہے کہ ہم یہی ہیں (جو نظر آتا ہے) اور بس۔ اور باطن خاک کہتا ہے کہ اچھی طرح آگے پیچھے دیکھ۔ مطلب یہ کہ ظاہر خاک تو کہتا ہے کہ میرے اندر کوئی کمالات نہیں ہیں میں تو بس یہی ہوں جو نظر آرہا ہوں لیکن باطن خاک کہہ رہا ہے کہ ذرا اچھی طرح دیکھو تو تمکو معلوم ہوگا کہ کیسے کیسے کمالات میرے اندر موجود ہیں۔

ظاہرش منکر کہ باطن ہیچ نیست باطنش گوید کہ بنمائیم بایست

یعنی ظاہر خاک تو منکر ہے کہ باطن کوئی چیز نہیں ہے اور باطن خاک کہہ رہا ہے کہ ارے ٹھہر میں تجھے دکھلاؤں۔

ظاہرش با باطنش در چالش اند لاجرم زیں صبر نصرت میکشند

یعنی ظاہر خاک باطن خاک کیساتھ لڑائی میں ہیں تو آخر کار اس سے صبر اور مدد کھینچتے ہیں مطلب یہ کہ ظاہر اور باطن میں جو اختلاف اور لڑائی ہو رہی ہے اسکا یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ کبھی ظاہر کو غلبہ ہوجاتا ہے اور اُسکو مدد پہونچ جاتی ہے۔ اور کبھی باطن کو یعنی کبھی آثار ظاہر کے غالب ہوجاتے ہیں اور کہیں آثار باطن کے غالب ہوجاتے ہیں +

زیں ترش رو خاک صورتہا کنیم خندۂ پنہانش را پیدا کنیم

یعنی اس ترش رو خاک سے ہم بہت سی صورتیں بناتے ہیں کہ اسکے خندۂ پنہاں کو ظاہر کرتے ہیں +

زانکہ ظاہر خاک اندوہ و بکاست در درونش صد ہزاراں خندہ ہاست

یعنی اسلئے کہ ظاہر خاک تو اندوہ و بکا ہے۔ اور اسکے باطن میں ہزاروں خندے ہیں +

کاشف السریم کار ما ہمیں / کایں نہانہا را بر آریم از کمیں

یعنی ہم کاشف السر ہیں ہمارا یہی کام ہے۔ کہ ان پوشیدہ اشیاء کو کمیں سے نکالیں مطلب یہ ہے کہ ارشاد حق ہوتا ہے کہ یہ خاک جسکی صورت کہ ترش رو اور غبار آلودہ ہے اس سے ہم صورتیں بناتے ہیں اور اُن کے اندر ایسے ایسے کمالات ہوتے ہیں کہ جس سے اس خاک کے کمالات باطنی کا پتہ لگتا ہے۔ کیونکہ یہ خاک ظاہر میں تو ترش رو اور غبار آلودہی ہے لیکن اسکے اندر بڑے بڑے کمالات بھرے ہوئے ہیں تو ہم کاشف اسرار ہیں لہذا اس کے کمالات کو بھی ظاہر کر دیتے ہیں۔ آگے ان کمالات کے ظاہر کرنے کی ایک مثال دیتے ہیں اور پھر اُس مثال کی تطبیق بیان فرمادیں گے۔ فرماتے ہیں کہ۔

گرچہ دزد از منکری تن میزند / شحنۂ آں از عصر پیدا کند

یعنی اگرچہ چور منکری کی وجہ سے چپ رہتا ہے (لیکن) کوتوال اسکو دبانے سے ظاہر کر لیتا ہے۔

فضلہا دزدیدہ اند ایں خاکہا / ما مقر آریم شان از ابتلا

یعنی ان خاکوں نے بہت سی فضیلتیں چورا رکھی ہیں تو ہم امتحان کی وجہ سے انکو اقرار کراتے ہیں۔ مطلب یہ کہ دیکھو جب چور چوری کر لیتا ہے تو اُسکا اقرار نہیں کیا کرتا۔ بلکہ صاف انکار کرتا ہے۔ کہ میں نے تو نہیں چورایا۔ مگر کوتوال صاحب مار پیٹ کر اُس سے اقرار کرا ہی لیتے ہیں۔ اسی طرح اس خاک نے بہت سی فضیلتیں چورا رکھی ہیں۔ اور انکو یہ ظاہر نہیں ہونے دیتی۔ تو جب ہم اُن کمالات کو ظاہر کرانا چاہتے ہیں تو اسکو کوٹ چھیٹ کر اس سے ظاہر کرا ہی لیتے ہیں اور وہ اس طرح کہ اسکی صورتیں بناتے ہیں اور اُن سے وہ کمالات ظاہر ہوتے ہیں آگے ارشاد ہے کہ۔

بس عجب فرزند کورا بودہ است / لیک احمد بر ہمہ افزودہ است

یعنی بہت سے عجیب بچے اُسکے ہوئے ہیں لیکن احمد صلے اللہ علیہ وسلم سب پر سبقت لیگئے ہیں

شد زمین و آسمان خنداں و شاد / کہ چنیں شاہے ز ما دو جفت زاد

یعنی زمین و آسمان خنداں اور خوش ہوئے کہ ایسے شہنشاہ ہم دونوں سے پیدا ہوئے

شد زمین چون آسمان از شادیش　　خاک چون سوسن شد از آزادیش

یعنی زمین اپنی خوشی کی وجہ سے آسمان کی طرح ہو گئی۔ اور خاک اپنی آزادی کی وجہ سے سوسن کی طرح ہو گئی (سوسن چونکہ موسم بہار و خزاں میں دونوں میں سرسبز ہی رہتا ہے اسلئے اس کو آزاد کہتے ہیں۔ کہ یہ قید بہار و خزاں سے آزاد ہے) مطلب یہ کہ اس خاک سے بہت سے باکمال اور عجیب عجیب لوگ جو کہ مثل اسکے ابناء کے ہیں پیدا ہوئے ہیں۔ مگر محمد صلے اللہ علیہ وسلم ایسے باکمال پیدا ہوئے ہیں کہ یہ سب پر فوقیت لیگئے ہیں اور آنکی پیدایش پر زمین و آسمان اور خاک کو جسنے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا جسم عنصری بنا ہے ناز ہے کہ اللہ اکبر ایسا عظیم الشان بادشاہ ہم سے بنا ہے اور ہم سے پیدا ہوا ہے زمین اپنی رفعت میں آسمان کی طرح ہو رہی ہے اور خاک الگ خوش ہوتی پھر رہی ہے۔ آگے خطاب حق خاک کو ہوتا ہے کہ +

ظاہرت با باطنت ای خاک خوش　　چونکہ در جنگند و اندر کشمکش

یعنی اے خاک خوش تیرا ظاہر باطن کے ساتھ جبکہ جنگ میں اور کشمکش میں ہے +

ہر کہ با خود بہر حق باشد بجنگ　　تا شود معنیش خصم بو و رنگ

یعنی جو شخص کہ اپنی ساتھ خدا کے واسطے لڑائی میں ہو یہانتک اسکا باطن بو و رنگ کا دشمن ہو جاوے

ظلمتش با نور او شد در قتال　　آفتاب جانش را نبود زوال

یعنی اسکی ظلمت اسکے نور کی ساتھ قتال میں ہے اور اسکے آفتاب جاں کو زوال نہیں ہوتا (مصرعہ «چونکہ در جنگند و اندر کشمکش»، میں جو چونکہ ہے اسکی جزا محذوف ہے۔ تقدیر اسکی یہ ہے کہ چونکہ ظاہرت با باطنت در جنگند پس ابناء تو یعنی آدمیاں نیز در جنگند۔ اور اگلا شعر یعنی «ہر کہ با خود بہر حق»، الخ دلیل جزا ہے جو قائم مقام جزا ہو گئی ہے۔ فافہم) مطلب یہ ہے کہ اے خاک تیرا ظاہر و باطن جو نکہ مختلف ہیں اور خلاف میں ہیں لہذا انسان جو کہ تجھ سے بنا ہے وہ بھی مختلف ہے۔ اور جنگ میں ہے۔ لیکن ان میں سے جو شخص کہ اپنے نفس سے خدا کے واسطے لڑتا ہے اور لڑتے لڑتے اسکے باطن کو ظاہر پر غلبہ ہو جاتا ہے اور اسکا باطن بو و رنگ یعنی ظاہر کا دشمن ہو جاتا ہے۔ تو پھر یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ اسکی ظلمت یعنی اسکا نفس بھی اسکے نور کے ساتھ یعنی روح کے ساتھ ملکر کام کرنے لگتا ہے۔ پھر اسکے آفتاب جان کو زوال

نہیں ہوتا۔ جیساکہ بزرگوں نے لکھا ہے کہ نفس امارہ نفس لوامہ یا مطمئنہ ہوجاتا ہے تو وہ بھی روح کے تابع ہوکر اسی جیسے کام کرتا ہے۔ غرضنکہ پھر ایسے شخص کا نور روح کبھی کم نہیں ہوتا بلکہ یہ حالت ہوتی ہے کہ۔

ہرکہ گوشد بہر ما در امتحاں　　پشت زیر پاش آرد آسماں

یعنی جو شخص کہ ہمارے واسطے امتحان میں ہوا تو اسکو ایسی رفعت ہوتی ہے کہ آسمان اپنی پشت اسکے پاؤں کے نیچے رکھدیتا ہے یعنی اسکے مرتبہ کے آگے آسماں کا رتبہ بھی کوئی شے نہیں ہے۔ اور اسکی یہ حالت ہوتی ہے کہ۔

ظاہرش از تیرگی افغاں کناں　　باطن او گلستاں در گلستاں

یعنی اسکا ظاہر تو تاریکی کی وجہ سے فریاد کرنے والا ہوتا ہے۔ اور اسکا باطن گلستان در گلستان ہے

قاصداً چوں صوفیاں روئے ترش　　تا نیا میزند با ہر نور کش

یعنی قصداً مثل صوفیان رو ترش کے تاکہ ہر نور کش کے ساتھ نہ ملجاویں مطلب یہ ہے کہ وہ حضرات اپنی ظاہری حالت کو خراب قصداً رکھتے ہیں ورنہ باطن میں تو باغ وبہار ہے۔ کہ بجید وبحیاب عیش میں ہوتے ہیں جیسے کہ صوفی ہوتے ہیں کہ بہت ہی رو ترش ہوتے ہیں اور تیز مزاج ہوتے ہیں لیکن باطن میں ان کے کمالات بھرے ہوئے ہوتے ہیں۔ اور مصلحت اسمیں یہ ہوتی ہے۔ کہ ان کی تیز مزاجی سے لوگ ان کے پاس نہیں آتے اور وہ آرام اور راحت سے رہتے ہیں۔ اور ان کا ضرر نہیں ہوتا۔ لیکن مبتدی اپنے ضرر کے خوف سے لوگوں سے بچنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور جو منتہی ہے اسکو اپنے ضرر کی وجہ سے لوگوں سے بچنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ لیکن اسکی ترشی اور تیزی اصلاح کی وجہ سے ہوتی ہے۔ تاکہ لوگونکی اصلاح کرے تو غرضنیکہ انکی ترشی وغیرہ سب اختیاری ہوتی ہے ورنہ باطن میں وہ بالکل خوش وخورم ہوتے ہیں۔ آگے اسکی ایک مثال دیتے ہیں کہ۔

عارفاں رو ترش چوں خارپشت　　عیش پنہاں کردہ در خار درشت

یعنی عارفان رو ترش سیہی کی طرح ہیں کہ وہ سخت کانٹوں میں عیش پوشیدہ کررہے ہیں مطلب یہ کہ ان حضرات کی ایسی مثال ہے کہ جیسے سیہی ہوتی ہے کہ اسکی ظاہر جسم پر تو کانٹے ہوتے ہیں

کہ اسکے ذریعہ سے وہ لوگوں کے ضرر سے بچتی ہے لیکن اُن کانٹوں کے اندر وہ بالکل خوش وخورم اور عیش سے ہے۔ اسی طرح یہ حضرات بظاہر تورو ترش ہیں لیکن باطن میں خوش وخرم اور آرام سے ہیں۔ آگے ایک اور مثال اسی کی دیتے ہیں کہ۔

باغ پنہاں گرد باغ آں خار فاش　　کای عدو ز اں دور زیں در دور باش

یعنی باغ تو پوشیدہ ہے۔ اور گرد باغ کے وہ کانٹے ظاہر ہیں (اور مصلحت اُن کانٹوں میں یہ ہے) کہ اے دشمن مردود اس دروازہ سے دور رہ (تو اسی طرح یہ حضرات سختی کرکے غیر طالبین کے ضرر سے بچتے ہیں) چونکہ یہاں عارفین کو خار پشت سے تشبیہ دی تھی تو آگے خود اُس خار پشت کو خطاب کرکے اُن عارفین کی حالت بیان فرماتے ہیں۔

خار پشتا خار حارس کردۂ　　سر چو صوفی در گریباں بردۂ

یعنی اے سیہی تونے کانٹوں کو محافظ بنایا ہے اور سر کو صوفی کی طرح تو گریباں میں لیجاتی ہے (چونکہ سیہی بھی مثل کچھوے کے اپنا سر کانٹوں کے اندر کرلیتی ہے۔ اسلئے فرمایا کہ ان کانٹوں کو تونے نگہبان بناکر اپنا سر صوفی کی طرح اندر کرلیا ہے۔ یہ سب اسلئے ہے کہ

تا کسے در چار ز انگ عیش تو　　گم شود زیں گلرخاں خار خو

یعنی تا کہ کوئی شخص تیرے کامل عیش میں گم ہوجاوے ان گلرخاں خارخو کی وجہ سے مطلب یہ کہ اے خار پشت تونے یہ اسلئے کر رکھا ہے تاکہ لوگوں کو تیری ظاہر حالت دیکھکر تیرے باطنی عیش کا پتہ نہ لگے اور وہ اور چیزوں کو جو کہ ظاہری عیش میں ہیں دیکھکر تجھے خراب اور نکما سمجھکر چھوڑ دیں اور پھر تو آرام سے رہے اسی طرح جو عارفین ہیں وہ اپنی ظاہری حالت ایسی بناتے ہیں کہ جس سے لوگ اُنکو ذلیل وخوار سمجھکر چھوڑ دیں۔ اور دنیا داروں کے عیش کو عیش سمجھکر اُن کے عیش باطن کا اُنکو پتہ بھی نہ لگے۔ اور پھر یہ حضرات آرام وآسائش سے رہیں۔ خوب سمجھ لو۔ آگے حضرت عبد المطلب کو خطاب ارشاد ہوتا ہے کہ۔

طفل تو گرچہ کہ کودک خو بدست　　ہر دو عالم خود طفیل او بدست

یعنی آپکے صاحبزادے اگرچہ کودک خو ہیں (لیکن اُنکی شان یہ ہے کہ) دونوں عالم خود اُن کے طفیلی ہیں یعنی اگرچہ وہ ابھی بچہ ہیں اور بچوں کی طرح ان کے اندر کھیل کود وغیرہ ہے

لیکن اُنکی شان ایسی ہے جسکا کہ ظہور آئندہ ہوگا۔ کہ دونوں عالم اُنکا طفیلی ہے۔ اور اُنکی یہ شان ہے کہ۔

ما جہانے را بدو زندہ کنیم — چرخ را در خدمتش بندہ کنیم

یعنی ہم ایک جہان کو اُنکی بدولت زندہ کریں گے اور آسمان کو اُنکی خدمت کیلئے غلام بنادیں گے (آگے پھر حضرت عبدالمطلب کا حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی حالت کو پوچھنے کا قصہ بیان فرماتے ہیں)۔

شرح حبیبی

حضرت عبدالمطلب کا مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کی جگہ کو دریافت کرنا کہ آپ کہاں ہیں اور کعبہ کے اندر سے جواب آنا

گفت عبدالمطلب کایں دم کجاست — اے علیم السر نشاں دہ راہ راست

از درون کعبہ آوازش رسید — گفت اے جوئندۂ طفل رشید

ہاتفش گفتا مخور غم کایں زماں — باتو زاں شاہ جہاں بدہم نشاں

در فلاں وادی است زیر آں درخت — پس رواں شد زود پیر نیکبخت

در رکاب او امیران قریش — زانکہ جدش بود زاعیان قریش

تا بہ پشت آدمش اسلافش ہمہ — مہتران رزم و بزم و ملحمہ

ایں نسب خود پوست او را بودہ است — کز شہنشاہان مہہ پالودہ است

مغز او خود از نسب دور ست و پاک — نیست جنسش از سمک کس تا سماک

نورِ حق را کس نجوید زاد و بود	خلعتِ حق را چہ حاجت تار و پود
کمترین خلعت کہ بدہد در ثواب	بر فزاید بر طرازِ آفتاب

اسپر عبد المطلب نے عرض کی کہ اسوقت وہ کہاں ہے آپ دانائے راز ہیں مجھے سید ہا رستہ بتلا دیجئے اسکے جواب میں کعبہ کے اندر سے آواز آئی اور ہاتف نے کہا کہ اے اُس مہتدی لڑکے کے تلاش کرنے والے تو غمگین نہو میں ابھی تجھے اُس بچہ کا پتہ بتلاتا ہوں پس سن لے کہ وہ فلاں وادی میں فلاں درخت کے نیچے ہے۔ یہ سُنکر عبد المطلب فوراً روانہ ہوگئے اور سرداران قریش انکی ہمرکاب تھے کیونکہ عبد المطلب حضور کے دادا سرداران قریش سے تھے اور کچھ یہی سردار نہ تھے بلکہ آدم علیہ السلام تک جتنے آپ کے اجداد تھے سب سرداران رزم و بزم و معرکہ آرائی تھے اور یہ بات آپ کے لئے کوئی بہت بڑی فخر کی چیز نہیں کیونکہ نسب تو آپکے لئے پوست ہے اسلئے کہ آپ تو مغز اور حقیقی بادشاہ ہیں یعنی انبیا میں سے ہیں جنکا کمال حقیقی اوصاف ذاتیہ ہیں نہ کہ صفات اضافیہ رہا آپکا مغز اور وہ شئے جو آپکا حقیقی کمال ہے اسکو نسب سے کوئی واسطہ ہی نہیں۔ کیونکہ اسکی جنس سے تو زمین سے آسمان تک کوئی شئے نہیں جس سے اسکا نسب ثابت ہوسکے کیونکہ وہ نورِ حق ہے اور نورِ حق سبحانہ کیلئے سلسلۂ ولادت و وجود نہیں تلاش کیا جا سکتا۔ اور وہ خلعت حق سبحانہ ہے۔ اور خلعت حق سبحانہ کیلئے تانے بانے کی ضرورت نہیں بہت معمولی خلعت اسکا جو وہ معاوضہ میں عطا کرتا ہے آفتاب سے فائق ہے پس جبکہ آفتاب جو ایک ادنی شئے ہے نسب سے منزہ ہے تو وہ خلعت تو بالاولی منزہ ہوگا۔

شرح شبیری

حضرت عبد المطلب کا مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی

جگہ کو دریافت کرنا کہ آپ کہاں ہیں اور کعبہ کے اندر سے جواب آنا

گفت عبدالمطلب کاینم کجاست ‌‌ ‌ اے علیم السر نشان دہ راہ راست

یعنی حضرت عبدالمطلب نے عرض کیا کہ وہ اسوقت کہاں ہیں اے عالم الاسرار مجھے راہ راست کا نشان بتا دیجئے۔

از درون کعبہ آواز ش رسید ‌‌ ‌ گفت ای جوئندہ طفل رشید

یعنی کعبہ کے اندر سے اُنکو آواز پہونچی کہ اے طفل رشید کے تلاش کرنے والے،

ہاتفش گفتا مخور غم کاین زماں ‌‌ ‌ با تو زاں شاہ جہاں برہم نشاں

یعنی ہاتف نے اُن سے کہا کہ تم اسوقت غم مت کھاؤ کیونکہ میں تمکو اُن شاہ جہاں کا پتہ دیتا ہوں۔

در فلاں وادی است زیر آں درخت ‌‌ ‌ پس رواں شد زود پیر نیکبخت

یعنی فلاں نشیب میں اُس درخت کے نیچے ہیں پس (اسکو سنکر) وہ پیر نیکبخت (حضرت عبدالمطلب) روانہ ہوگئے۔

در رکاب او امیران قریش ‌‌ ‌ زانکہ جدش بود ز اعیان قریش

یعنی حضرت عبدالمطلب کے ہمراہی تمام سرداران قریش ہولئے اسلئے کہ آپ کے دادا صاحب سرداران قریش میں سے تھے (تو جب وہ اپنے پوتے کو تلاش کرنے چلے تو اور سب بھی ہمراہ ہولئے آگے مولانا فرماتے ہیں کہ)۔

تا بہ پشت آدمؑ اسلافش ہمہ ‌‌ ‌ مہتران رزم و بزم و ملحمہ

یعنی آدم علیہ السلام تک آپ کے تمام بزرگ رزم کے اور بزم کے اور لڑائیوں کے سردار تھے یعنی حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے تمام آباؤ اجداد سب باکمال اور سردار ہوئے ہیں اور سردار بھی ہر جگہ کے رزم کے بزم کے ہر طرح پر سردار ہی تھے آگے فرماتے ہیں کہ

این نسب خود پوست او را بودہ است کز شہنشاہان مہین آلودہ است

یعنی یہ نسب خود آپکا پوست ہے جوکہ بڑے بڑے بادشاہوں سے چھنٹا ہوا ہے۔

مغز او خود از نسب دور ست و پاک نیست جنسش از سماک کس تا سماک

یعنی آپکا اصل خود نسب سے دور اور پاک ہے۔ اور آپکی جنس کوئی شخص سماک سے سماک تک نہیں ہے یعنی نسب تو آپکا بجائے پوست کے باقی آپکی جو اصل ہے جو آپکے اندر اصل چیز ہے اسکا مماثل تو بھلا سماک سے سماک تک کوئی ہے ہی نہیں۔ لیکن نسب میں بھی کوئی آپکا شریک نہ تھا۔

نور حق را کس نجوید زاد و بود خلعت حق را چہ حاجت تار و پود

یعنی نور حق کیلئے کوئی زاد و بود تلاش نہیں کرتا۔ اور خلعت حق کیلئے تانے بانے کی کیا ضرورت ہے۔ مطلب یہ کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا مغز اور اصل تو نور حق تھا تو اس کی کوئی اصل اور اسکے آبا و اجداد تھوڑا ہی تھے اسکے لئے تو کسی تانے بانے کی یا اصل وغیرہ کی ضرورت نہیں۔ اسکی تو یہ شان ہے کہ۔

کمترین خلعت کہ بدہد در ثواب برفزاید بر طراز آفتاب

یعنی سب سے گھٹیا خلعت جوکہ حق تعالی ثواب میں بخشیں وہ آفتاب کے نقش و نگار سے بڑھ جاوے (تو بھلا پھر نور حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی شان کا تو کیا ٹھکانہ ہے۔ خوب سمجھ لو) آگے پھر مولانا حضرت سلیمان علیہ السلام کے بلقیس کو دعوت دینے کے قصہ کا بقیہ بیان فرماتے ہیں۔

شرح حبیبی

سلیمان علیہ السلام کے بلقیس کو دعوت ایمان دینے کے قصہ کا بقیہ

خیز بلقیسا بیا و ملک بین	بر لب دریائے یزداں در بچین

خواہرانت ساکن چرخ سنی ۔ تو بمردارے چہ سلطانی کنی
خیز بلقیسا بیا دولت نگر ۔ جاوداں از دولت ہا بر بخور
خواہرانت راز بخششہائے راد ۔ ہیچ میدانی کہ آں سلطاں چہ داد
خیز بلقیسا بیا در بحر جود ۔ ہر دمے بردار بے سرمایہ سود
خواہرانت جملہ در عیش و طرب ۔ برتو چوں خوش گشتہ ایں رنج و تعب
خیز بلقیسا سعادت یار شو ۔ از ہمہ ملک سبا بیزار شو
تو ز شادی چوں گدائے طبل زن ۔ کہ منم شاہ و رئیس گولخن

مثل آدمی کے دنیا پر قناعت کر لینے اور طلب دنیا میں حرص کرنے کی اور دوست روحانیوں سے جو کہ اسکی ہمجنس ہیں اور آواز لگا رہے ہیں کہ یالیت قومی یعلمون غفلت کرنا

آں سگے در کو گدائے کور دید ۔ حملہ می آورد و دلقش می درید
گفتہ ایم ایں را و لے بار دگر ۔ شد مکرر بہر تاکید خبر
کور گفتش آخر آں یاراں تو ۔ برکہ اند ایندم شکار و صید جو
قوم تو در کوہ می گیرند گور ۔ در میان کوئے میگیری تو کور

اب مولانا پھر قصہ بلقیس کی طرف عود کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ سلیمان علیہ السلام نے قاصدوں کی معرفت بلقیس سے کہا کہ بلقیس اٹھو۔ اور میرے پاس آکر ملک دیکھو

جب تم میرے پاس آؤ گی اسوقت تمہیں معلوم ہوگا۔ کہ سلطنت اسے کہتے ہیں تم آؤ
اور ساحل بحر جود خداوندی پر کھڑے ہو کر دُر ہائے کمالات باطنی چنو اور انہیں حاصل
کرو۔ دیکھو تو سہی تمہاری دوسری بہنیں مشرف باسلام ہو کر دونشین یعنی رفیع المنزلت
ہوگئی ہیں۔ تم بھی ویسی ہی ہو جاؤ۔ اس مردار دنیا پر کیا حکومت کرتی ہو۔ حکومت تم نے
ابھی تک دیکھی بھی نہیں۔ اٹھو اور میرے پاس آؤ اور دولت دیکھو اور صرف دیکھو ہی
نہیں بلکہ ہمیشہ ہمیشہ کیلئے اُس دولت باطنی سے منتفع ہو۔ تم جانتی ہو کہ تمہاری بہنوں کو
حق سبحانہ نے کیسے کیسے گرانمایہ عطیہ عطا کئے ہیں تم بھی آؤ اور اس بحر جود میں غوطہ زن ہو
اور ہر وقت بدون پونجی کے نفع اٹھاؤ جو کہ نہایت قابل قدر ہے کیونکہ یہ سراسر عطیہ ہمت
شاہی ہے۔ برخلاف منافع دنیویہ کے کہ انمیں معاوضہ کی شان ہے۔ تمہاری بہنیں
تو سب کی سب دولت باطنی کے مزے اڑا رہی اور چین کر رہی ہیں۔ تمہیں یہ رنج و تعب
سلطنت دنیاوی کیوں بھا گیا ہے۔ بس بلقیس اٹھو خوش قسمتی کی دوست بنو اور اسے
طلب کرو۔ اور ملک سبا سے بیزار ہو۔ اور اُسے چھوڑ دو۔ تم فقیر کی طرح خوشی سے نقارہ
بجا رہی ہو۔ اور کہہ رہی ہو کہ میں بادشاہ ہوں یعنی بھاڑ کا سردار ہوں۔ بھلا یہ بھی کوئی
فخر کی بات ہے۔ (فقیر سے تشبیہ دینے کی وجہ یہ ہے کہ وہ بھی اپنے کو شاہ کہتا ہے،
حالانکہ واقع میں محتاج اور بھاڑ جھونکنے کے قابل ہوتا ہے۔ اور بلقیس بھی اپنے کو شاہ
کہتی تھی۔ حالانکہ دولت و ملک حقیقی سے بالکل خالی تھی۔ اور دنیا کا بھاڑ جھونک رہی تھی)
تمہاری مثال موجودہ حالت میں ایسی ہے جیسا کہ وہ پست ہمت کتا جس نے ایک اندھے
فقیر کو دیکھکر اُسپر حملہ کیا اور اُسکی گدڑی پھاڑ ڈالی۔ کیونکہ جسطرح وہ ایک ناچیز اور حقیر
شکار پر قناعت کرتا ہے یوں ہی تم بھی دنیائے مردار پر قناعت کئے ہوئے ہو۔ کتے
کا واقعہ گو دوسرے دفتر میں بیان ہو چکا ہے۔ مگر اس مقام پر اسکو مکرر بیان کیا جاتا ہے
تاکہ مضمون بالا کو تقویت ہو۔ تتمہ اس قصہ کا یہ ہے کہ جب اُس کتے نے اندھے فقیر کی
گدڑی پھاڑی تو اس نے کہا کہ تیرے یار تو پہاڑ پر شکار تلاش کر رہے ہیں اور تیرے ہمجنس
تو پہاڑ میں گورخر پکڑ رہے ہیں مگر تو اتنا پست ہمت ہے کہ گلی میں بیچارے اندھے کو

پکڑ دتا ہے اس مضمون کو ختم کر کے اب مولانا دوسرے مضمون مناسب کی طرف انتقال کرتے ہیں اور فرماتے ہیں!-

ترک این تزویر کن ای شیخ نفور — آب شورے جمع کردہ چند کور

کین مریدان من و من آب شور — میخورند از من ہمی گردند کور

آب خود شیرین کن از بحر لدن — آب بدرا دام این کوران مکن

خیز شیران خدا بین گور گیر — تو چو سگ چونی بزرقے کور گیر

گور چہ از صید غیر دوست دور — حملہ شیر و شیر گیر و ست نور

در نظارہ صید و صیادے شدہ — کردہ ترک صید مردہ در دلہ

ہمچو مرغ مردہ شان بگرفتہ یار — تا کند او جنس ایشان را شکار

مرغ مردہ مضطر اندر وصل و بین — خواندہ القلب بین الاصبعین

مرغ مردہ اش را ہر آن کو شد شکار — چون ببیند شد شکار شہریار

ہر کہ او زین مرغ مردہ سر بتافت — دست آن صیاد را ہرگز نیافت

گویدا و منگر بمردارے من — عشق شہ بین در نگہداری من

من نہ مردارم مرا شہ کشتہ است — صورت من شبہ مردہ گشتہ است

جنبشم زین پیش بود از بال و پر — جنبشم اکنون ز دست دادگر

جنبش فانیم بیرون شد ز پوست — جنبش باقیست اکنون چون از وست

ہر کہ کج جنبد بہ پیش جنبشم — گرچہ سیمرغ ست از ش می کشم

ہین مرا مردہ بہ بین گر زندۂ
مردہ زندہ کرد عیسیٰ از کرم
کے بمانم مردہ در قبضِ خدا
عیسیم لیکن ہر آنکو یافت جاں
شد ز عیسیٰ زندہ لیکن باز مرد
من عصایم در کفِ موسیٰ خویش
بر مسلمانان پل دریا شوم
ایں عصا را اے پسر تنہا مبیں
موج طوفان ہم عصا بد کو ز درد
ہم عصا بد باد بر اعدائے ہود
ہم عصائے بود پشہ در نبرد
گر عصاہائے خدا را بشمرم
لیک زیں شیریں گیاہے زہر مند
گر نباشد جاہِ فرعون و سری
فربہش کن انگہش کش اے قصاب
گر نبودے خصم و دشمن در جہاں
دوزخ آں خشم ست بے خصم اے فلاں

در کفِ شاہم نگر گو بندۂ
من بکفِ خالقِ عیسیٰ درم
بر کفِ عیسیٰ مدار ایں ہم روا
از دمِ من او بماند جاوداں
شاد آنکو جاں بدیں عیسیٰ سپرد
موسیم پنہاں و من پیدا بہ پیش
باز بر فرعون اژدرہا شوم
کہ عصا بے کفِ حق نبود چنیں
طنطنہ جادو پرستاں را بخورد
کہ برآرد از بقیہ عاد دود
کو برآرد از سرِ نمرود گرد
زرق ایں فرعونیاں را بر درم
ترک کن تا چند روزے می چرند
از کجا یابد جہنم پرورے[ف]
زانکہ بے برگند در دوزخ کلاب
پس بمردے خشم اندر مردماں
کے زید میرد ز نورِ مؤمناں

[ف] پرورے مخفف پرواری ہے اور پرواری اُس جانور کو کہتے ہیں جو ایک ایسے بالاخانہ پر رکھا جاتا ہے جسمیں چاروں طرف ہوا کے لئے کھڑکیاں ہوتی ہیں تاکہ وہ اسمیں رہکر خوب موٹا ہو۔ قالہ محمد افضل ۱۲ +

دوزخ آں خشم است و خصمے بایدش | تا زید ورنہ رحیمے بکشدش

گر بماندے لطف بے قہر و بدے | پس کمال پادشاہی کے شدے

ریشخندے کردہ اند آں منکراں | بر مثلہا و بیان ذاکراں

تو اگر خواہی بکن ہم ریشخند | چند خواہی زیست اے مردار چند

شاد باشید اے محبان در نیاز | برہمیں در کہ شود امروز باز

ہر حویجے باشدش کردے دگر | در میاں باغ از سیر و کبر

ہر یکے با جنس خود در کرد خود | از برائے پختگی نم می خورد

تو کہ کرد زعفرانی زعفران | باش و آمیزش مکن با دیگراں

آب میخور زعفرانا تا رسی | زعفرانی اندراں حلوا رسی

تو مکن در کرد شلغم پوز خویش | کہ نگردد با تو او ہم طبع و کیش

تو بکردے او بکردے مودعہ | زانکہ ارض اللہ آمد واسعہ

خاصہ آں ارضے کہ از پہناوری | در سفر گم می شود دیو و پری

اندراں بحر و بیابان و جبال | منقطع می گردد اوہام و خیال

ایں بیاباں در بیاباں نہانے او | ہمچو اندر بحر پر یکتائے مو

آب استادہ کہ سیرستش نہاں | تازہ تر خوشتر ز جوہائے رواں

کو درون خویش چوں جان رواں | سیر نہاں دارد و پائے رواں

مستمع خفتہ است کوتہ کن خطاب | اے خطیب ایں نقش کم زن بر آب

اے شیخ متنفر عن الخلق اور گوشہ نشین تو اس دہوکہ بازی کو چھوڑ کیونکہ تو کامل

اور قابل تربیت نہیں بلکہ آب شور ہے جس نے چند اندھوں کو جمع کر رکھا ہے۔ اور بزبان حال کہتا ہے کہ یہ میرے مرید ہیں اور میں کھاری پانی ہوں اور یہ لوگ مجھ میں سے پانی پیتے ہیں اور اندھے ہو جاتے ہیں یعنی میں نامقدس ہوں اور میری تربیت مضر ہے اور میں انکی تربیت کر کے انکو ضرر پہونچاتا ہوں۔ ارے تو کھاری پانی کیوں بنا ہوا ہے۔ اپنے پانی کو بحر حق سبحانہ سے متصل کر کے شیریں بنا لے یعنی مقدس ومقرب حق سبحانہ ہو کر اپنی تربیت کو مفید بنالے۔ اور اس برے پانی یا نوعی تقدس کو ان اندھوں کا جال نہ بنا تو اوٹھ اور دیکھ کہ شیران خدا یعنی اہل اللہ کو دیکھ کہ وہ گورخروں کو پھانستے اور اہل لوگوں کو مرید کرتے ہیں۔ تو مکر سے کتے کی طرح اندھے لوگوں کو کیوں پھانستا ہے۔ میں نے انکو گورخروں کا پھانسنے والا بنا بر ظاہر کہدیا ہے ورنہ وہ اپنے دوست حق سبحانہ کے علاوہ کسی کا بھی شکار نہیں کرتے۔ اسلئے وہ سراسر شیر یعنی باہمت اور شیرگیر یعنی حق سبحانہ سے تعلق پیدا کرنے والے اور اسکے نور سے مسرت ہیں انھوں نے شکار کی مشاہدہ اور اپنے بادشاہ کے ساتھ تعلق پیدا کرنے کی مصروفیت میں اور ونکا شکار کرنا بالکل چھوڑ دیا ہے۔ اور تحیر فی ذات وصفات وافعال حق سبحانہ کے سبب مانند مردہ ہو گئے ہیں۔ اور ہم نے جو اوپر کہا ہے کہ وہ گورخر ونکا شکار کرتے ہیں اسکی حقیقت یہ ہے کہ وہ اپنے لئے نہیں کرتے۔ بلکہ حق سبحانہ کیلئے کرتے ہیں اسلئے یوں کہا جاویگا کہ جسطرح شکاری مرے ہوئے جانور کی کھال میں بھس بھر کے اسکے پیچھے بیٹھ کر جانور کی بولی بولتا ہے تاکہ اسکے ہمجنس اسکو اپنا ہمجنس سمجھکر جال میں آپھنسیں یوں ہی حق سبحانہ نے انکو بکر مردہ رکھا ہے۔ تاکہ ان کے ذریعہ سے ان کے ہمجنسوں کو پھانسیں پس یہ لوگ مثل مرغ مردہ ہیں اور وصل و ہجر یعنی بسط وقبض دونوں حالتوں میں مغلوب حق سبحانہ ہیں۔ چنانچہ تونے پڑھا ہی ہے کہ قلب العبد بین اصبعی الرحمٰن اور گو یہ صفت سب میں مشترک ہے مگر اوروں میں اور اہل اللہ میں یہ فرق ہے کہ اہل اللہ میں یہ صفت علی وجہ الکمال پائی جاتی ہے۔ کیونکہ انکا اختیار بھی تابع ہے مرضی حق

سبحانہ کے۔ برخلاف اوروں کے کہ ان میں یہ بات نہیں۔ اسلئے یہ لوگ اسکے پورے مصداق ہیں لہذا یہ حدیث انکی مردگی کیلئے دلیل ہو جاویگی۔ نہ کہ اوروں کی مردگی کیلئے۔ یہانتک یہ امر ثابت ہوا کہ وہ اصالۃً خدا سے وابستگی رکھتے ہیں۔ اور دوسروں سے تعلق انکو خدا کیلئے ہے۔ تاکہ وہ انکو خدا تک پہونچا دیں اسلئے گویا کہ وہ آلہ ہیں حق سبحانہ کے اپنے بندونکو اپنا بنانیکا۔ جب یہ امر معلوم ہو گیا تو اب سمجھو کہ جو شخص اللہ جل جلالہٗ کے ان مردہ جانوروں کا شکار ہو گیا اور ان کی قبضہ میں آگیا جب وہ دیکھیگا تو اپنے کو حق سبحانہ سے وابستہ پائیگا۔ اور جو اس مردہ جانور سے سرکشی کریگا وہ حق سبحانہ تک کبھی واصل نہیں ہو سکتا۔ وہ کہتا ہے کہ اے شخص تو میری مردگی کو نہ دیکھ بلکہ یہ دیکھ کہ حق سبحانہ کو مجھسے کیسی محبت ہے۔ کہ مجھے اپنی نظر میں رکھتے ہیں .... میں مردہ نہیں ہوں۔ بلکہ قتیل حق سبحانہ ہوں ولا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ امواتا بل احیاء عند ربھم بلکہ صرف میرا جسم مشابہ مردہ کے ہو گیا ہے۔ کیونکہ میری حرکات اولاً اپنے بال و پر یعنی اختیار سے تھیں۔ اور اب میری حرکات حق سبحانہ کے دست رضا سے ہیں اور میری حرکات فانیہ صورت سے نکل گئی ہیں۔ اور اب جو حرکات ہیں وہ حرکات باقیہ ہیں کیونکہ وہ حق سبحانہ کی جانب سے ہیں۔ پس جو شخص میری حرکات کے سامنے غلط حرکت کریگا وہ بڑے سے بڑا کیوں نہو میں اُسے مار ڈالوں گا یعنی اسکی موت معنوی کا سبب بنجاؤنگا۔ دیکھ اگر تو زندہ حقیقی ہے اور حسن باطنی رکھتا ہے تو مجھے مردہ نہ سمجھ بلکہ اگر تو عبد کامل ہے تو مجھے قبضہ قدرت حق سبحانہ میں سمجھ اور اس سے جان لے کہ میں مردہ نہیں ہوں۔ کیونکہ حضرت عیسٰی علیہ السلام کے ہاتھ میں اگر مردہ زندہ ہو جاتا تھا میں تو خالق عیسٰیؑ کے ہاتھ میں ہوں۔ پس میں قبضہ خدا میں رہکر کیسے مردہ رہسکتا ہوں۔ یہ بات (یعنی ہاتھ میں اگر مردہ رہنا) تو حضرت عیسٰیؑ کے حق میں بھی جائز نہ رکھنی چاہیئے۔ چہ جائیکہ حق سبحانہ کے حق میں۔ اور میں صرف زندہ ہی نہیں ہوں۔ بلکہ عیسٰیؑ کی طرح زندہ کن بھی ہوں۔ لیکن ایک اعتبار سے مجھے حضرت

عیسےٰ پر تفوق ہے۔ گو فضل کلی انہیں کو ہے۔ اور بعض اعتبارات سے تفوق کی وجہ یہ ہے کہ جو میرے تصرف سے زندہ ہوتا ہے وہ ابدی ہوتا ہے۔ اور جو بعض مردہ حضرت عیسیٰؑ سے زندہ ہوتے تھے وہ گو زندہ ہو جاتے تھے مگر پھر مرجاتے تھے اور ان کے فضل کلی کی وجہ یہ ہے کہ میں تو صرف ایک ہی قسم کی حیات بخشتا ہوں یعنی حیات روحانی وجاودانی اور وہ دونوں قسم کی حیات بخشتے تھے۔ روحانی وجاودانی بھی اور جسمانی فانی بھی۔ نیز وہ جو حیات جاودانی بخشتے تھے وہ اس حیات سے اکمل ہوتی تھی۔ جو میں بخشتا ہوں۔ اسلئے فضل کلی انہیں کو ہے۔ فاندفع الاشکال۔ اب مولانا فرماتے ہیں کہ مسرور ہے وہ شخص جو اپنی جان ایسے عیسیٰ کے سپرد کردے اور اس سے حیات ابدی حاصل کرلے۔ فتبین ان المصرع الاول من بیت شد ز عیسےٰ زندہ الخ تتمۃ للبیت السابق و مقولۃ للولی والمصرع الثانی مقولۃ لمولانا الرومی ولا تغتر بما قال المحشون فانھم لم یصلوا الی المقصود۔ نیز میں اپنے موسیٰ کے ہاتھ میں عصا ہوں مگر میرا موسیٰ چھپا ہوا ہے اور میں لوگوں کے سامنے ظاہر ہوں تو چونکہ میں عصائے موسیٰ ہوں اسلئے میں مسلمانوں کیلئے ذریعہ نجات ہوں۔ اور گمراہوں کے حق میں سبب ہلاک روحانی۔ تم اس عصا کو تنہا نہ سمجھنا کیونکہ ناممکن ہے۔ کہ بدون دست حق سبحانہ کے عصا میں یہ خاصیت ہو۔ یاد رکھو کہ ایک میں ہی عصائے حق سبحانہ نہیں ہوں بلکہ اور بھی ہیں۔ چنانچہ موج طوفان نیل بھی عصائے حق سبحانہ تھی جو موسیٰ علیہ السلام کی ہمدردی کے سبب جادو پرست آل فرعون کے اکڑفوں کو نگل گئی تھی۔ نیز ہمنشان ہود علیہ السلام پر ہوا خدائی لاٹھی تھی۔ جس نے قوم عاد کے بخیے کھینچے لوگونکو ملیامیٹ کردیا تھا۔ نیز مچھر بھی عصائے حق سبحانہ تھا جس نے نمرود کا صفایا کردیا تھا علی ہذا اور بھی بہت سے عصا ہیں۔ جنکو اگر میں بیان کروں۔ تو ان موافقین فرعون یعنی دہوکہ باز مشائخ یا مطلق اہل دنیا کے مکروں کے ٹکڑے اڑادوں۔ اور وہ چار و ناچار انقیاد و اطاعت حق اختیار کریں۔ لیکن میں مجبور نہیں کرنا چاہتا اور کہتا ہوں کہ

انہیں چھوڑ دینا چاہئے تاکہ یہ لوگ اس شیریں مگر زہر آلود گھاس کو کچھ روز کھالیں۔ دیکھو اگر جاہ فرعون وامثال آں اور انکی سرداری نہو تو دوزخ کو فربہ جانور کھانے کیلئے کہاں سے ملے پس معلوم ہوا کہ اشرار کی اور انکی برائیوں میں ترقی کی بھی اس لئے ضرورت ہے کہ انکو یہ غذا کھا کر موٹا ہوتے دیا جاوے۔ اور اسکے بعد مار اجاوے کیونکہ دوزخ کے کتے (سانپ بچھو وغیرہ) بہت بے سروسامان ہیں اور انکو غذا کی بہت ضرورت ہے۔ نیز تم سمجھو کہ اگر مخالف اور دشمن دنیا میں نہوتے۔ تو غصہ بالکل فنا ہو جاتا۔ اور قوائے غضبیہ بالکل بیکار ہو جاتے۔ کیونکہ قاعدہ ہے کہ جن قوی سے کام نہیں لیا جاتا۔ وہ بیکار ہو جاتے ہیں جب یہ امر معلوم ہو چکا۔ تو اب سمجھو کہ دوزخ بھی ایک غصہ ہے۔ اسلئے اسکو ضرورت ہے دشمنوں کی جو اسکو باقی رکھ سکیں ورنہ بدون دشمنوں کے وہ زندہ نہیں رہ سکتی بلکہ نور مومنین اسے فنا کر دیگا۔ اور دوزخ ایک غضب و قہر حق سبحانہ ہے۔ اسکو ضرورت ہے دشمنونکی تاکہ وہ زندہ رہ سکے۔ ورنہ رحم اُسے فنا کر دیگا۔ اسپر یہ سوال ہو سکتا ہے۔ کہ خود غصہ کے بقاہی کی کیا ضرورت ہے کہ اُسکی بقا کیلئے دشمنونکی ضرورت ہو۔ سو اسکا جواب یہ ہے کہ اگر صرف لطف ہی لطف رہتا اور قہر اور اسکو باقی رکھنے والے اشرار نہوتے تو کمال بادشاہی کیونکر ہوتا۔ کیونکہ لطف و قہر دو لوازم کمال شاہی سے ہیں اور راز اسکا یہ ہے کہ بادشاہی کامل مقتضی ہے قدرت کاملہ کو اور قہر و محل قہر نہونیکی صورت میں حق سبحانہ لطف میں مجبور ہوتے۔ اور جبر منافی قدرت و اختیار ہے اور عدم قدرت و اختیار منافی کمال سلطنت ہے۔ اسلئے ثابت ہوا کہ کمال سلطنت کیلئے ضرورت ہے قہر و محل قہر کی وھذا ھوالمدعی۔ تم ہماری ان تمثیلوں پر ہنسو گے۔ مگر تمہارا ہنسنا کچھ نیا ہوگا کیونکہ واعظین ومشیرین انبیا وغیرہ انبیا کی تمثیلوں اور ان کے وعظوں سے یوں ہی تمسخر کیا گیا ہے اب اگر چاہو تم بھی ہنس لو آخر کب تک جیو گے۔ ایکدن ضرور مرو گے بس بعد مردن اس ہنسی کا نتیجہ تمہیں معلوم ہو جاویگا۔ بر خلاف انکے اے مخلصین تم اپنی طاعت و تسلیم میں اسی دروازۂ اہل اللہ پر خوش رہو۔ اور اس تمسخر میں انکے

ساتھ شریک نہو۔ کیونکہ یہ عنقریب کھلنے والا ہے۔ اور اسکے ذریعہ سے حضرت حق
سبحانہ تک تمہاری رسائی ہونے والی ہے۔ یہ میں اسلئے کہتا ہوں کہ قاعدہ ہے
کہ ہر مسالہ لہسن و کبر وغیرہ باغ میں الگ کیاری میں ہوتا ہے۔ اور ہر ایک اپنی کیاری
میں اپنے ہمجنس کے ساتھ پختگی کیلئے سیرابی حاصل کرتاہے۔ پس چونکہ تم زعفران ہو اسلئے
زعفران ہی رہو۔ اور اغیار کے ساتھ اختلاط نکرو۔ اور چونکہ تم زعفران ہو اسلئے اپنی
کیاری میں سیراب ہوتے رہو یہانتک کہ تم پختہ ہو جاؤ۔ اور حلوے میں پہونچ جاؤ
یعنی وہ غرض حاصل ہو جاوے جسکے لئے تم پیدا کئے گئے ہو۔ تم شلغموں کی کیاری
میں منہ نہ ڈالو اور اغیار کے ساتھ اختلاط نکرو۔ کیونکہ وہ تمہارے ہم مشرب اور
ہم مزاج نہیں ہو سکتے۔ تم اور وہ الگ الگ کیاریوں میں لگے ہوئے اور مختلف
استعدادات و صفات کے ساتھ اسلئے موصوف ہو کہ یہ زمین استعدادات و
صفات نہایت وسیع ہے اور اسمیں تخالف و تفارق کی بہت کچھ گنجایش ہے
یہ زمین استعدادات و صفات تو وسیع ہی ہے۔ اس سے زیادہ وہ زمین وسیع ہے
جسکے وسعت کے سبب دیو و پری حالت سفر میں گم ہو جاتے ہیں یعنی باطن عارف
اسکے سمندر اور جنگل اور پہاڑ اتنے عالیشان ہیں کہ اوہام و خیالات بھی انکو طے نہیں
کر سکتے۔ یہ بیابان معروف اُن بیابانوں کے اندر ایسا ہے جیسے بھرے ہوئے سمندر
میں ایک بال گو وہ عارف بوجہ عدم ظہور سیر باطنی کے ایک ٹھیرا ہوا پانی معلوم
ہوتاہے مگر حقیقت میں یہ بظاہر ٹھیرا ہوا پانی جسکی سیر مخفی ہے ان متعارف انہار
جاریہ سے زیادہ تازہ اور زیادہ اچھاہے۔ کیونکہ وہ اپنے اندر مخفی سیر اور چلتے ہوئے
پاؤں رکھتاہے جسطرح روح طبعی مخفی حرکت رکھتی ہے۔ اب مولانا فرماتے ہیں کہ سننے
والا سو رہاہے اور سننے کیلئے تیار نہیں ہے اسلئے گفتگو کو ختم کرو۔ اور پانی پر نقش نہ
بناؤ یعنی فضول کوشش کو چھوڑ دو۔

شرح شبیری

سلیمان علیہ السلام کی بلقیس کو دعوت ایمان دینے کے قصہ کا بقیہ

خیز بلقیسا بیا و ملک بیں — بر لب دریای یزداں دُر بچیں

یعنی اے بلقیس اٹھ آ اور ملک (اصلی) کو دیکھ اور دریائے حق کے کنارے پر موتی چن (یہ خطاب حضرت سلیمان علیہ السلام کی طرف سے ہو یا مولاناؒ کی طرف سے غرضکہ فرماتے ہیں کہ اے بلقیس آ ملک حقیقی دیکھ اور دولت باطن سے مالا مال ہو)۔

خواہرانت ساکن چرخ سنی — تو بمرداری چہ سلطانی کنی

یعنی تیری بہنیں (مومنات) آسمان روشن پر مقیم ہیں تو کیا ایک مردار (دنیا) پر بادشاہی کر رہی ہے۔

خیز بلقیسا بیا دولت نگر — جاوداں از دولت ما بر بخور

یعنی اے بلقیس اٹھ اور آ دولت (باطنی) دیکھ اور ہماری دولت (باطنی) سے ہمیشہ پھل کھا

خواہرانت راز بخششہای راد — ہیچ میدانی کہ آں سلطاں چہ داد

یعنی تیری (مومنات) بہنوں کو عظیم الشان بخششوں سے تجھے کچھ خبر ہے کہ اس سلطان (حقیقی) نے کیا دیا۔

خیز بلقیسا بیا در بحر جود — ہر دمے بردار بے سرمایہ سود

یعنی اے بلقیس اٹھ اور بحر جود میں آ اور بے سرمایہ کے نفع حاصل کر (ہمارے پاس مایہ نہ ہونا ظاہر ہے اسلئے کہ ہماری عبادتیں وغیرہ سب بیکار ہیں جو کچھ ملتا ہے اسکا فضل وکرم ہے۔ لہذا فرمایا کہ بلا کسی سرمایہ کے نفع لیتی رہو)۔

خواہرانت جملہ در عیش و طرب — بر تو چوں خوش گشت ایں رنج و تعب

یعنی تیری (مومنات) بہنیں ساری عیش و طرب میں ہیں۔ تو یہ (دنیا کا) رنج و تعب تجھے کس طرح اچھا ہو گیا یعنی تو اس دنیا کی ظاہری عیش میں ہے جو کہ حقیقت میں سراسر رنج و تعب ہے کہاں پھنس رہی ہو۔ تیری مومن بہنیں تو اصل عیش میں ہیں تو بھی اسی کو حاصل کر۔

خیز بلقیسا سعادت یار شو	وز ہمہ ملک سبا بیزار شو

یعنی اے بلقیس اُٹھ اور سعادت کی ساتھی ہو جا۔ اور تمام ملک سبا سے بیزار ہو جا +

تو ز شادی چوں گدائے طبل زن	کہ ہمم شاہ و رئیس گولخن

یعنی تو خوشی سے اس گدائے طبل زن کی مثل ہے (جو کہ کہتا ہو) کہ میں کوڑی کا بادشاہ اور رئیس ہوں۔ مطلب یہ کہ اگر کوئی فقیر ایک طبل بھی بجاتا پھرے اور کہے کہ میں کوڑی کا بادشاہ ہوں اور رئیس ہوں تو اسکو کوئی بھی رئیس اور امیر نہ کہیگا۔ اسی طرح تو اس دنیا کی بادشاہ اور رئیس بنتی ہے جو کہ اس کوڑی سے بھی زیادہ پلید ہے۔ اور گندی ہے لہذا اسکو ترک کر اور دولت اصلی اور حقیقی کو لے۔ آگے ایک مثل اسی مضمون کی کہ دنیا کو ترک کرنا اور آخرت کو لینا چاہیئے۔ بیان فرماتے ہیں +

مثل آدمی کے دنیا پر قناعت کر لینے اور طلب دنیا میں حرص کرنے کی اور دوست روحانیوں سے جو کہ اسکے ہمجنس ہیں اور آواز لگا رہے ہیں کہ یا لیت قومی یعلمون غفلت کرنا

آں سگے در کو گدائے کور دید	حملہ می آورد و دلقش می درید

یعنی اس ایک کتے نے گلی میں ایک اندھا فقیر دیکھا تو حملہ آور ہوا اور گدڑی اسکی پھاڑ دی (مولانا فرماتے ہیں کہ) +

گفتہ ایم ایں راوے بار دگر	شد مکرر بہر تاکید خبر

یعنی ہم اس (قصہ) کو کہہ چکے ہیں۔ لیکن دوسری مرتبہ خبر کی تاکید کیلئے مکرر ہو گیا ہے مطلب یہ کہ ہم اس قصہ کو اگرچہ اس سے قبل بھی بیان کر چکے ہیں لیکن یہاں بھی مکرر بیان کرتے ہیں تاکہ تکرار بیان سے اور مزید تاکید ہو جاوے۔ آگے پھر قصہ ہے +

کور گفتش آخر آں یاران تو	بر کہہ اندا یندم شکار و صید جو

یعنی اندھے نے کہا کہ آخر تیرے گروہ یار پہاڑ پر اس دم شکار کے متلاشی ہیں +

قوم تو در کوہ میگیرند گور　　　　در میان کوی میگیری تو کور

یعنی تیری قوم پہاڑ میں گورخر پکڑ رہی ہے اور تو گلی میں اندہے کو پکڑ رہا ہے۔ مطلب یہ کہ ایک کتے نے ایک اندہے کو گلی میں دیکھا تو اسپر حملہ آور ہوا اور اسکی گدڑی پھاڑ ڈالی تو اندہے نے کہا کہ اے کتے تیرے دوسرے ساتھی تو پہاڑ میں شکار گورخر کا کر رہے ہیں اور تو گلیوں میں کور یعنی اندہے کو پکڑتا پھرتا ہے۔ بس یہاں مثل ختم ہوگئی۔ اور اس مثل کی تطبیق یہ ہے کہ اسی طرح دنیا دار لوگ تو دنیا کے پیچھے جو کہ اندہے کی طرح ہے پڑے ہوئے ہیں اور جو عارفین کہ انکی جنس سے ہیں وہ علوم و معارف کا شکار کر رہے ہیں۔ اور آخرت کو لے رہے ہیں۔ جو کہ مثل گورخر کے ہے۔ آگے فرماتے ہیں کہ۔

ترک ایں تزویر کن شیخ نفور　　　　آب شوری جمع کردہ چند کور

یعنی اے شیخ نفور (عن الخلق) اس مکاری کو چھوڑ کہ تو آب شور ہے اور چند اندہوں کو جمع کئے ہوئے ہے۔ مطلب یہ کہ اے مکار شیخ جو کہ بظاہر لوگوں کے بہکانے کے واسطے چند اندہونکو گرد جمع کئے ہوئے بیٹھا ہے۔ اور انکو بہکا رہا ہے اس مکاری کو ترک کر اور اپنے کو کامل مت ظاہر کر۔ اسلئے کہ تو آب شور کی طرح ہے۔ تو کامل نہیں ہے۔ اور تو اس قابل نہیں ہے کہ تو لوگوں کو فیض پہونچا وے۔ اور تشنگان آب ہدایت کی پیاس بجھاوے بلکہ تو تو بزبان حال کہہ رہا ہے کہ۔

کایں مریدان من و من آب شور　　　　میخورند از من همی گردند کور

یعنی کہ میرے یہ مرید ہیں اور میں آب شور ہوں یہ مجھ میں سے پیتے ہیں اور اندہے ہوئے ہیں۔ مطلب یہ کہ تمہاری حالت جس سے کہ دنیا میں گمراہی پھیل رہی ہے اور لوگ بگڑ رہے ہیں یہ بتا رہی ہے اور بزبان حال کہہ رہی ہے کہ جو مجھ سے فیض لیگا وہ اندہا ہو جاویگا۔ اور اسکو باطنی بصیرت حاصل ہو ہی نہیں سکتی۔ آگے مولانا ایسے شیوخ کو نصیحت فرماتے ہیں کہ۔

آب خود شیریں کن از بحر لدن　　　　آب بدرا دام ایں کوران مکن

یعنی اپنے پانی کو حق تعالیٰ کے پاس سے شیریں کر لے اور برے پانی کو اندہوں کا جال

مت بنا۔ مطلب یہ کہ اے شیخ مکار اپنے اس مکر و تزویر سے عالم کو تباہ و خراب مت کر بلکہ اہل اللہ کے واسطے سے تعلق مع اللہ پیدا کر جس سے کہ دنیا میں ہدایت پھیلے *

خیز شیران خدا بیں گور گیر   تو چو سگ چونی بتزویر گور گیر

یعنی اُٹھ گور پکڑنے والے شیران خدا کو دیکھ تو کتے کی طرح مکر سے اندھے کو پکڑنے والا کیوں ہے (شیران خدا سے مراد عارفین اور گور خر سے طالبان حق اور کور سے مراد اہل ہوا) مطلب یہ کہ اے شیخ مکار اُٹھ اور دیکھ کہ کسطرح عارفین اور اولیاء اللہ طالبان حق کا شکار کرتے ہیں اور کسطرح اُنکو فیوض سے مالا مال کرتے ہیں۔ اُنکو دیکھ کر تو بھی اُن سے فیض حاصل کر۔ کہ تو بھی طالبان حق کو ہدایت کر سکے تو کہاں ان ہوا پرستوں کے کنوؤں کو مکر سے پھانس رہا ہے۔ اور دھوکا دیرہا ہے۔ آگے ترقی کرکے فرماتے ہیں کہ۔

گور چہ از صید غیر دوست دور   جملہ شیر و شیر گیر و مست نور

یعنی گور کیا چیز ہے وہ تو دوست کے علاوہ شکار کرنے سے بھی دور ہیں اور سب کے سب شیر اور شیر گیر ہیں اور مست نور ہیں۔ مطلب یہ کہ اُن حضرات عارفین کی تو یہ شان ہے کہ وہ طالبین ہی تاک نہیں رہتے کہ انھیں کو اپنا گرویدہ کرتے ہوں اور انکی طلب میں رہتے ہوں نہیں وہ حضرات تو دوست یعنی حق تعالیٰ کے علاوہ اور کسی چیز کے طالب اصلی ہوتے ہی نہیں وہ تو بس ایک ذات حق ہی کی طلب میں لگے رہتے ہیں اور چونکہ وہ مظہر ہیں صفات حق کے اسلئے وہ متصف بصفات حق ہی ہیں اور اُسی کی طلب میں لگے ہوئے ہیں اور اُسی کے نور میں مست ہیں اُنکو بالذات تو طلب حق تعالیٰ ہی کی ہوتی ہے۔ اور اس طلب میں اور کسی کو وہ شریک نہیں کرتے۔ اور انکی یہ شان ہے کہ۔

در نظارہ صید و صیادئے شہ   کردہ ترک صید و مردہ در ولہ

یعنی شکار کے اور شاہ کو شکار کرنے کے نظارہ میں شکار کو چھوڑے ہوئے ہیں اور حیرانی میں مردہ ہیں مطلب یہ کہ طالب حق ہیں وہ اور سب کو چھوڑے ہوئے ہیں اور بس اُسکی طلب میں منہمک اور اوسی میں مشغول ہیں۔

ہمچو مرغ مردہ شان بگرفتہ یار   تا کند او جنس ایشان را شکار

یعنی مرغ مردہ کی طرح اُنکو یا ر پکڑے ہوئے ہے. تاکہ اُسکی جنس کو شکار کرے۔ مطلب یہ کہ جسطرح کہ قاعدہ ہے کہ شکاری لوگ جس جانور کا شکار کرنا چاہتے ہیں اول اُنہیں سے ایک کو پکڑ کر اُسکی کھال نکال کر اُسمیں بھوسہ وغیرہ بھر کر اُسکو جال پر بٹھا کر اُس کے پیچھے سے اُسی جیسی بولی بولتے ہیں تو اُسکے ہمجنس کہتے ہیں کہ یہ ہمارا ہمجنس بیٹھا ہوا بول رہا ہے جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہاں کوئی خوف نہیں ہے بس یہ سمجھکر اور سب جانور بھی آجاتے ہیں اور جال میں پھنس جاتے ہیں۔ تو اسی طرح حق تعالیٰ نے ان عارفین کو جو کہ عشق حق میں مردہ ہو رہے ہیں دوسرے لوگوں کے اپنی طرف بلانے کیلئے آلہ بنا رکھا ہے۔ کہ جب اور لوگ دیکھتے ہیں کہ ایک انسان یہ کام یعنی ذکر اللہ اور طلب حق کر رہا ہے تو وہ بھی اکثر اُسمیں لگجاتے ہیں تو ان حضرات کی تین شانیں ہوئیں ایک تو یہ کہ خود صیادِ حق ہیں کہ اُسی کی طلب میں رہتے ہیں اور دوسرے صید حق بھی ہیں اسلئے کہ حق تعالیٰ کے قبضہ میں اور اُسکی قدرت میں ہیں اور اُسکو انھوں نے اپنی ذات بالکل سونپ دی ہے اور اسی کے ہو رہے ہیں جیسے کہ شکار شکاری کے ہاتھ میں ہو جاتا ہے۔ تیسرے یہ کہ آلۂ اصطیاد بھی ہیں کہ حق تعالیٰ اُن کے ذریعے سے اور لوگوں کا شکار کرتے ہیں کہ اور لوگ ان کے ذریعہ سے اللہ والے بنتے ہیں اور ان حضرات کی یہ حالت ہے کہ۔

مرغ مردہ مضطر اندر وصل و بین   خواندۂ القلب بین الاصبعین

یعنی مرغ مردہ وصل و فراق (دونوں حالتوں) میں مضطر ہے اور تونے پڑھا ہے، القلب بین الاصبعین۔ مرغ مردہ سے مراد وہی عارفین۔ مطلب یہ کہ عارفین اور طالبین حق وصل و فراق یعنی بسط و قبض دونوں حالتوں میں مضطر ہی رہتا ہے۔ اُسکو کسی وقت چین نہیں ہوتا۔ اسلئے کہ یہ تو حدیث میں تم نے پڑھا ہی ہے۔ قلب المومن بین الاصبعین من اصابع الرحمٰن تو بس جسطرح وہ چاہتے ہیں اُس کو رد و بدل کر دیتے ہیں اور جسطرح چاہتے ہیں اُسکو پھیر دیتے ہیں غرضکہ یہ ہر حالتمیں طلب میں لگے رہتے ہیں۔ آگے دوسرے غیر طالبین کو ترغیب دیتے ہیں کہ۔

مرغ مردہ آش را ہر آنکو شد شکار　　چوں بہ بیند شد شکار شہریار

یعنی جو شخص اُسکے مرغ مردہ کا شکار ہو گیا وہ جب دیکھیگا تو وہ یہ دیکھیگا کہ وہ شہریار کا شکار ہو گیا ہی مطلب یہ کہ جو شخص کہ اولیاء اللہ کا تابع اور مطیع ہو جاویگا۔ اُسکو جب بصیرت حاصل ہو جاویگی اور اُسکی آنکھیں کھلیں گی تو وہ دیکھیگا کہ۔ آہا میں تو اتنے دنوں تک اطاعت حق ہی میں رہا ہوں اور مجھے جو اولیاء اللہ کا قرب نصیب ہوا یہ تو عین قرب حق تھا اسوقت سب کچھ معلوم ہو جاویگا جیسا کہ جب صیاد اُس مرغ مردہ کے ذریعہ سے شکار کرتا ہے تو اول جو جانور آتے ہیں اس مرغ مردہ ہی کے پاس آتے ہیں لیکن جب صیاد ہاتھ ڈالتا ہے اسوقت معلوم ہوتا ہے کہ آہا ہم تو ایک بڑے زبردست بادشاہ کے ہاتھ میں شکار ہوئے ہیں ہم تو اس مرغ مردہ کے پاس آئے تھے مگر اسکا قرب عین قرب شاہ ہو گیا۔ آگے فرماتے ہیں کہ

ہر کہ او زیں مرغ مردہ سر بتافت　　دست آں صیاد را ہرگز نیافت

یعنی جس نے کہ اُس مرغ مردہ سے سرتابی کی اُس نے اُس صیاد کے ہاتھ کو ہرگز نہیں پایا مطلب یہ کہ جو شخص کہ اولیاء اللہ کی اطاعت نکرے اور ان سے سرکشی کرے اور ان کے قرب سے بھاگے تو نتیجہ یہ ہوگا کہ اسکو ہرگز قرب حق نصیب نہیں ہو سکتا۔ اور وہ ہمیشہ محروم ہی رہیگا۔ انکی تو یہ حالت ہوتی ہے کہ وہ بزبان حال فرماتے ہیں کہ

گو مدا و منگر بمرداری من　　عشق شہ بیں در نگہداری من

یعنی وہ کہتا ہے کہ میری مرداری کو مت دیکھ میرے تعلق میں عشق شاہ کو دیکھ۔ مطلب یہ کہ وہ حضرات بزبان حال فرما رہے ہیں کہ میاں ہماری ظاہری ذلت و خواری کو مت دیکھو۔ اور یہ مت سمجھو کہ یہ تو ذلیل و خوار لوگ ہیں ان سے تعلق نہ پیدا کرنا چاہیے اسلئے کہ تم ہمارے تعلق میں دیکھو گے کہ تم کو عشق شاہی نصیب ہوگا۔ اور تمکو تعلق مع اللہ پیدا ہو جاویگا۔ اور فرماتے ہیں کہ۔

من نہ مردارم مرا شہ کشتہ است　　صورت من شبہ مردہ گشتہ است

یعنی میں مردار نہیں ہوں مجھے بادشاہ نے مارا ہے ہاں میری صورت مردہ کے مشابہ

ہوگئی ہے۔ مطلب یہ کہ وہ فرماتے ہیں کہ ہم حقیقت میں ذلیل و خوار نہیں بلکہ ہم فانی فی الحق ہو گئے جسکی وجہ سے ہمکو اس جسم ظاہر کے بناؤ سنگار کی پرواہ نہیں رہی۔ اسوجہ سے ہم ظاہر ذلیل و خوار معلوم ہوتے ہیں ورنہ باطن میں ہمارے سامنے بادشاہ کی بھی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ اسی مضمون کو حضرت حاجی صاحبؒ فرماتے ہیں کہ ؎

اگرچہ بے خود و مستم ولے ہشیار میگردم | بباطن شاہ کونینم بظاہر خوار میگردم

آگے مولانا فرماتے ہیں کہ۔

جنبشم زیں پیش بود از باد و پرہ | جنبشم اکنوں ز دست دادگر

یعنی میری حرکت اس سے پہلے تو باد و پرہ سے تھی اور اب میری حرکت دادگر کے ہاتھ سے ہوتی ہے۔ مطلب یہ کہ اس سے قبل تو میں خواہشات نفسانی کے مطابق حرکت کیا کرتا تھا لیکن اب چونکہ میں فانی ہوگیا ہوں۔ اب میری تمام حرکات و سکون اُس طرف سے ہوگئے ہیں اور میرا ارادہ اُسکے ارادہ میں فنا ہوگیا ہے

جنبش فانیم بیروں شد ز پوست | جنبش باقیست اکنوں چوں از وست

یعنی میری جنبش فانی تو پوست سے باہر ہوگئی۔ اور اب جنبش باقی ہے جبکہ اُس سے ہے۔ مطلب یہ کہ میری حرکت فانی ہو چکی ہے اور اب وہ حالت ہے کہ میری تمام حرکات و سکون سب باقی ہیں اسلئے کہ تمام افعال میرے اُسی طرف سے ہیں حتی کہ میرا ارادہ اُسکے ارادہ میں فنا ہو چکا لہذا میرے تمام افعال باقی ہیں کوئی فانی نہیں ہے

ہر کہ کج جنبد بہ پیش جنبشم | گرچہ سیمرغ ست زارش می کشم

یعنی جو شخص کہ میری حرکت کے سامنے کج حرکت کرے تو اگرچہ وہ سیمرغ ہو میں اسکو زار کرکے ماردوں۔ مطلب یہ کہ وہ حضرات بزبان حال فرماتے ہیں کہ جو شخص کہ میری اطاعت نہ کرے وہ گویا کہ اطاعت حق نہیں کرتا۔ تو وہ خواہ کتنا ہی قوی کیوں نہ ہو ضرور ذلیل و خوار و تباہ ہوگا۔

ہیں مرا مردہ مبیں گر زندۂ | در کف شاہم نگر گر بندۂ

یعنی ہاں اگر تو زندہ ہے تو مجھے مردہ مت جان مجھے کف شاہ میں دیکھ اگر تو بندہ ہے

مطلب یہ کہ تجھکو حیات باطنی حاصل ہے تو تو مجھے مردہ مت سمجھ۔ اسلئے کہ میں باطن میں ان ظاہری زندوں سے بھی زیادہ ہوں اور اگر تو بندہ حق ہے تو یہ سمجھ کہ جو بندہ ہوتا ہے وہ تو کسی دوسرے کے قبضہ میں ہی ہوتا ہے تو اسی طرح میں قبضہ حق میں ہوں۔ مجھے مردہ مت سمجھو۔

مردہ زندہ کرد عیسیٰ از کرم　　　من بکف خالق عیسیٰ درم

یعنی عیسیٰ علیہ السلام نے کرم کی وجہ سے مردہ کو زندہ کیا۔ اور میں تو عیسیٰ علیہ السلام کے خالق کے ہاتھ میں ہوں۔

کے بمانم مردہ در قبضۂ خدا　　　بر کف عیسیٰ مدار ایں ہم روا

یعنی میں قبضہ حق میں کس طرح مردہ رہونگا۔ یہ تو عیسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ پر جائز مت رکھو۔ مطلب یہ کہ دیکھو عیسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ میں جو مردہ آجاتا تھا وہ زندہ ہوجاتا تھا۔ تو میں تو خالق عیسیٰ کے قبضہ میں اور اسکے ہاتھ میں ہوں پھر کیا عیسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ میں آکر تو زندہ ہوجاوے۔ اور خالق عیسیٰ کے ہاتھ میں آکر مردہ ہی رہے۔ بھلا یہ کیسے ہوسکتا ہے۔ یہ بات تو عیسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ میں سمجھنا بھی روا نہیں ہے۔ کہ کوئی مردہ ان کے قبضہ میں آوے۔ اور مردہ ہی رہے۔ تو بھلا خالق عیسیٰ کے واسطے یہ سمجھنا کس طرح جائز ہوگا۔ آگے ترقی فرما کر ان حضرات کا مقولہ بیان فرماتے ہیں کہ

عیسیم لیکن ہر آنکو یافت جاں　　　از دم من ماند او پایندہ جاوداں

یعنی میں عیسیٰ ہوں لیکن جو شخص کہ میرے ہاتھ سے جان پاوے وہ ہمیشہ رہیگا۔

شد ز عیسیٰ زندہ لیکن باز مرد　　　شاد آں کو جان بدیں عیسیٰ سپرد

یعنی عیسیٰ علیہ السلام سے زندہ ہوا۔ لیکن پھر مر گیا۔ اور خوش ہے وہ جس نے کہ جان اس عیسیٰ کو سپرد کر دی۔ مطلب یہ کہ وہ حضرات فرماتے ہیں کہ ہم چونکہ فانی فی الحق ہوگئے اور ہماری صفات صفات حق ہیں اسلئے ہماری حالت بوجہ فنا فی الحق کے یہ ہوگئی ہے کہ جو شخص اس طرح زندہ ہوا ہے۔ اسکو دوام نصیب ہوا ہے۔ اور جسکو حیات روحانی نصیب ہوئی ہے وہ ہمیشہ زندہ رہا ہے۔ بخلاف اُن مردوں کے جنکو کہ حضرت عیسیٰ

علیہ السلام سے حیات ظاہری حاصل ہوئی تھی۔ کہ وہ آخر ایک روز فنا ہو گئے۔ ہاں جن لوگوں کو عیسیٰ علیہ السلام سے بھی حیات باطنی نصیب ہوئی تھی اسمیں انکو بھی دوام اور ہمیشگی ہی رہی۔ صرف فرق اُن لوگوں میں ہے کہ جنکو وہاں تو حیات ظاہری ملی اور یہاں حیات باطنی فرق اُن میں یہ ہے کہ وہاں بوجہ حیات ظاہری کے وہ ایک دن فنا ہو گئے۔ اور یہ حیات باطنی تھی اسکو دوام رہا۔ اور فرماتے ہیں کہ جس نے اس عیسیٰ کو یعنی فانی فی الحق کو اپنی جان سپرد کر دی اُسکو حیات باطنی نصیب ہو گئی۔ اور اُسکو دوام و ہمیشگی نصیب ہوئی۔ اسمیں خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی آگئے۔ کہ وہ بھی فانی فی الحق تھے۔ تو اُن سے بھی جسکو حیات باطنی نصیب ہوئی اُسکو دوام رہا خوب سمجھ لو۔ یہاں یہ شبہ نہو کہ عیسیٰ علیہ السلام سے اولیاء اللہ کو فضیلت دے رہے ہیں۔ کیونکہ جس امر سے فضیلت کا شبہ ہوتا ہے وہ امر تو عیسیٰ علیہ السلام میں بھی موجود ہے اور انکا بھی فعل اُنکے دوسرے فعل سے افضل ہے۔ یعنی حیات باطنی عطا فرمانا حیات ظاہری عطا فرمانے سے بدرجہا افضل ہے۔ پس تو جب وہ بھی اسمیں داخل ہوئے تو پھر فضیلت کیسے ہو سکتی ہے آگے ایک دوسری تشبیہ دیتے ہیں کہ

من عصایم در کفِ موسیٰ خویش ، موسیم پنہان و من پیدا بہ پیش ،

یعنی میں اپنے موسیٰ کے ہاتھ میں عصا ہوں۔ میرا موسیٰ تو پوشیدہ ہے اور میں سامنے ظاہر ہوں۔

بر مسلمانان پُل دریا شوم ، باز بر فرعون اژدرہا شوم

یعنی مسلمانوں پر میں دریا کا پُل ہو جاتا ہوں اور پھر فرعون پر اژدہا ہو جاتا ہوں مطلب یہ کہ وہی فانی فی الحق کہتا ہے کہ میں عصائے موسیٰ کی طرح دست حق میں ہوں کہ وہ جسطرح بوجہ موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ میں ہونے کے کبھی تو مسلمانوں کیلئے پل دریا کا بنجاتا تھا اور کبھی فرعون کیلئے اژدہا ہو جاتا تھا۔ اسی طرح حق تعالیٰ مجھسے مختلف کام لیتے ہیں میں صفات حق کا مظہر ہوں کبھی مجھسے صفت جمال ظاہر ہوتی ہے اور کبھی صفت جلال ظاہر ہوتی ہے آگے مولانا فرماتے ہیں کہ۔

صفت جلال ظاہر ہوتی ہے آگے مولانا فرماتے ہیں کہ۔

این عصا را اے پسر تنہا مبیں　　　　کہ عصا بی کف حق نبود چنین

یعنی اے صاحبزادے اس عصا کو تنہا مت دیکھو۔ کہ عصا بدون کف حق کے ایسا نہیں ہوتا۔ (عصا سے مراد اولیاء اللہ ہیں) مطلب یہ کہ ان اولیاء اللہ کو تنہا مت سمجھو بلکہ خوب سمجھ لو کہ یہ کسی اور کے ہاتھ میں ہیں۔ جو کہ انکو حرکت دیرہا ہے اور اُس حرکت کی وجہ سے ان میں یہ قوت آرہی ہے اور وہ محرک حق تعالیٰ ہیں اسی کے ہاتھ میں ہونے کی وجہ سے انمیں اسقدر قوت آگئی ہے۔ آگے دیگر اشیاء کو جن سے کہ کافروں کو شکست ہوئی عصا سے تشبیہ دیتے ہیں کہ۔

موج طوفان ہم عصا بُد کو زدرد　　　　طنطنہ جادو پرستان را بخورد

یعنی موج طوفان بھی عصا ہی تھی۔ کہ جس نے درد سے جادو پرستوں (یعنی فرعونیوں) کے کروفر کو کھالیا۔

ہم عصا بُد باد بر اعدائے ہود　　　　کہ برآورد از بقیہ عاد دود

یعنی ہوا بھی جو کہ ہود کے دشمنوں پر تھی عصا ہی تھی کہ جس نے عاد کے بقیہ میں سے دھواں نکالا یعنی اُس ہوا نے بقیہ عاد کو ہلاک کیا وہ بھی ایک عصا ہی تھا۔

ہم عصائے بود پشہ در نبرد　　　　کو برآورد از سر نمرود گرد

یعنی وہ مچھر مقابلہ کے وقت میں جس نے کہ نمرود کے سر سے گرد نکالی۔ ایک عصا ہی تھا، مطلب یہ کہ وہ چیزیں جن سے کہ اعدائے حق ہلاک ہوئے ہیں وہ عصائے حق ہی کے مشابہ ہیں۔ آگے فرماتے ہیں کہ۔

گر عصا ہائے خدا را بشمرم　　　　زرق این فرعونیان را بردرم

یعنی اگر حق تعالیٰ کے عصاؤں کو میں گنوں تو ان فرعونیوں کے مکر کو پھاڑ ڈالوں گا، مطلب یہ ہے کہ اگر میں اُن تمام چیزوں کو بیان کردوں جن سے کہ اعدائے الٰہی ہلاک ہوئے ہیں تو اسوقت ایک ایسا تصرف ہوگا کہ جس سے یہ سارے کے سارے مضطر ہو کر منقاد ہو جاویں۔ جیسا کہ قرآن شریف میں بھی ارشاد ہے کہ ولو شئنا لآتینا کل نفس

ھدیٰ ھا الخ یعنی اگر ہم چاہیں تو سب کفار بالاضطرار مسلمان ہوجاویں لیکن ایسا بہت سی مصلحتوں سے نہیں کیا جاتا۔ اسی طرح مولانا فرماتے ہیں کہ اگر اولیاء اللہ چاہیں کہ ایسا تصرف کریں کہ سارے مضطر ہو کر مطیع ہوجاویں لیکن ایسا تصرف اس لئے نہیں کرتے کہ۔

لیک این شیریں گیاہے زہرمند ترک کن تا چند روزے میچرند

یعنی لیکن چھوڑ دے تاکہ اس زہریلی میٹھی گھاس میں چند روز چرلیں۔ مطلب یہ کہ ان کو اس طرح مضطر کر دینا مناسب نہیں ہے۔ لہذا انکو ابھی رہنے دو تاکہ کچھ روز اور دنیا سے تمتع حاصل کرلیں اور اس تمتع سے یہ فائدہ ہوگا کہ۔

گر نباشد جاہ و فرعون سری از کجا یابد جہنم پروری

یعنی اگر جاہ فرعونی اور سرداری نہو تو جہنم کہاں سے پرورش پاوے۔ مطلب یہ کہ اگر ایسے لوگ نہوں تو جہنم کی کہاں سے پرورش ہو اور حق تعالیٰ کی صفت قہر کیسے ظہور کرے لہذا چاہئے کہ خوب انکو مزے اڑا لینے دو اسکے بعد پھر ان کفار کو لقمۂ جہنم کیا جاویگا۔ اسی کو فرماتے ہیں کہ

فربہش کن انگہش کش اے قصاب زانکہ بے برگند در دوزخ کلاب

یعنی اے قصاب اسکو موٹا کرکے اسوقت کاٹ اسلئے کہ دوزخ کے کتے بھوکے ہو رہے ہیں۔ مطلب یہ کہ ان کفار کو خوب تمتعات دنیوی میں منہمک کرکے موٹا تازہ کرلو تاکہ دوزخ کے کتے جو کہ بھوکے ہو رہے ہیں خوب پیٹ بھر کر کھائیں۔ کیونکہ اگر یہ لوگ نہ ہونگے تو دوزخ کو بھی قیام نہوگا اور وہ بھی ہلاک ہوجاویگی۔ آگے اسکی ایک نظیر بیان فرماتے ہیں کہ۔

گر نبودی خشم و دشمن در جہاں پس بمردے خشم اندر مرد ماں

یعنی اگر دنیا میں غصہ اور دشمن نہوتا تو لوگوں میں غصہ مر جاتا۔ مطلب یہ کہ دیکھو اگر دنیا میں کوئی دشمن نہوتا اور کوئی غصہ آور شے نہوتی تو لوگوں میں غصہ ہی نہ رہتا۔ اور یہ مادہ ہی اُن کے اندر سے مر جاتا۔ جیسا کہ اطبا نے لکھا ہے کہ اگر بہت روز تک کوئی شخص محروم رہے تو اسکی قوت ضعیف ہوجاتی ہے۔ پس اسی طرح اگر غصہ آور کوئی شے اور دشمن دنیا میں نہوتے تو یہ قوت غضبیہ لوگوں میں سے بالکل زائل ہوجاتی۔ پس اسی طرح سمجھو کہ۔

دوزخ آن خشم است و بی خصم ای فلاں ، کے زید میرد ز نور مومناں ،

یعنی دوزخ وہ غصہ ہے اور بے دشمن کے اے فلاں کب زندہ رہتا ہے۔ وہ تو مومنین کے نور سے مرجاتا ہے۔ مطلب یہ کہ دیکھو دوزخ بھی ایک قہر ہے اور خشم حق کا مظہر ہے۔ تو اگر یہ دشمنان حق دنیا میں نہوں گے تو وہ بھی نہ رہیگا۔ اور ٹھنڈا ہوجاویگا۔ جیسا کہ قیامت میں جب مومنین اسپر سے گذریں گے تو وہ کہیگا کہ جزیا مومن فان نورك اطفأ ناری تو دیکھئے چونکہ وہ دشمن نہیں ہے اسلئے اسکے گذرنے سے اسکی آگ بجھنے لگے گی۔ اور وہ ہلاک ہونے لگے گا تو ان کفار کے وجود میں یہ مصلحت ہے کہ ان کے ہونے سے دوزخ کو قیام رہتا ہے۔ آگے فرماتے ہیں کہ۔

دوزخ آن خشم است و خصمی بایدش ، تا زید ورنہ رحیمی بکشدش

یعنی دوزخ وہی غصہ ہے اور اسکو دشمنی کی ضرورت ہے۔ تاکہ وہ زندہ رہے۔ ورنہ رحیمی اسکو ہلاک کردے گی (جیسا کہ اوپر بیان ہوا) آگے فرماتے ہیں کہ۔

گر بماندی لطف بی قہر و بدے ، پس کمال پادشاہی کی شدے

یعنی اگر لطف بے قہر اور بد کے رہتا تو بادشاہی کا کمال کب ہوتا۔ مطلب یہ کہ اگر بدون قہر اور محل قہر یعنی بدوں کے صرف لطف ہی لطف ہوتا تو صفات الٰہیہ کا پورا پورا ظہور نہو سکتا۔ اسلئے دوزخ کی بھی ضرورت ہوئی۔ چونکہ یہاں چند مثالیں بیان فرمائی ہیں تو آگے فرماتے ہیں کہ۔

ریشخندے کردہ اند آں منکراں ، بر مثلہا و بیان ذاکراں

یعنی اُن منکروں نے ذاکریں کی مثالوں اور بیان پر تمسخر کیا ہے۔

تو اگر خواہی بکن ہم ریشخند ، چند خواہی زیست اے مردار چند

یعنی اگر تو چاہے تو تو بھی تمسخر کرلے (لیکن) اے مردار کتنا جئیگا۔ کتنا۔ مطلب یہ کہ پہلے لوگوں نے بیانوں پر جو انھوں نے دین کے بارہ میں کئے ہیں پہلے منکرین نے بھی تمسخر کیا ہے تو اے منکر اگر تیرا دل چاہے تو تو بھی میری مثالوں وغیرہ پر تمسخر کرلے لیکن آخر ایکدن مرنا ہے اے نالائق ہمیشہ تو تجھے زندہ رہنا ہے ہی نہیں آخر ایک دن مرنا ہے

تب تجھے معلوم ہو جاویگا۔ کہ اس مسخر کا کیا نتیجہ ہوا۔ یہ خطاب تو منکرین کو تھا آگے محبین کو خطاب فرماتے ہیں کہ

شاد باشید ای محبان در نیاز ۔۔۔ بر ہمیں در کہ شود امروز باز

یعنی اے محبو تم نیاز میں خوش رہو اسی در پر جو کہ آج کھلیگا۔ یعنی اے محبو تم در حق پر خوش خورم رہو وہ دروازہ آجکل ہی میں کھلنے والا ہے اسوقت تم دولتوں سے مالامال ہو جاؤگے۔ تم الگ ہو اور وہ منکرین الگ ہیں انکو انکے لائق جزا ملیگی اور تم کو تمھارے لائق بدلا ملیگا۔ آگے اس ہر ایک کی علیحدگی کو بیان فرماتے ہیں کہ

ہر حو یچے باشدش کردے دگر ۔۔۔ درمیان باغ از سیر و گبر

یعنی ہر مصالح کیلئے ایک الگ کیاری باغ میں ہوتی ہے۔ لہسن کی اور گبر کی۔ (گبر ایک دوا کا نام ہے جو کہ خراسان میں ہوتی ہے) مطلب یہ کہ دیکھو لہسن کی کیاری الگ ہے اور گبر کی الگ علی ہذا ہر شے الگ الگ ہی ہے۔

ہر یکے با جنس خود در کرد خود ۔۔۔ از برائے پختگی نم می خورد

یعنی ہر ایک اپنی جنس کے ساتھ اپنی مناسب کیاری میں پختگی کیلئے پانی پی رہی ہے یعنی پرورش پا رہی ہے۔

تو کہ کرد زعفرانی زعفران ۔۔۔ باش و آمیزش مکن با دیگراں

یعنی تو کہ زعفران کی کیاری ہے زعفران رہ۔ اور دوسروں کی ساتھ میل مت کر۔

آب میخور زعفرانا تا رسی ۔۔۔ زعفرانی اندراں حلوا رسی

یعنی پانی پی اے زعفران تاکہ تو پختہ ہو جاوے۔ (اگر) تو زعفران ہے تو اس حلوہ میں تو پہونچ جاوے گی۔

تو مکن در کرد شلغم پوز خویش ۔۔۔ کہ نگردد با تو او ہم طبع و کیش

یعنی تو شلغم کی کیاری میں اپنا منہ مت کر کہ وہ تیرا ہم طبع اور ہم مذہب نہوگا۔ مطلب یہ کہ اے زعفران تو اپنی کیاری میں رہ اور شلغم اپنی کیاری میں رہیگا۔ تو اس شلغم کی کیاری میں یہ سمجھ کر کہ شاید وہ بھی خوشبودار ہو جاوے مت جا۔ اسلئے کہ وہ تو خوشبودار

نہو گا تو بھی خراب ہو جاویگی اسی طرح صحبت بد کا اثر جلدی ہوتا ہے لہذا اس سے بچنا ضروری ہے۔ آگے فرماتے ہیں کہ۔

تو یکی دے او یکی دے مود عہ زانکہ ارض اللہ آمد واسعہ

یعنی تو ایک کیاری میں اور وہ ایک کیاری میں لگے ہوئے ہیں۔ اسلئے اللہ تعالٰی کی زمین تو وسیع ہے۔ مطلب یہ کہ وہ اپنی حالت میں خوش ہے تم اپنی حالت میں خوش رہو تمکو اُسکے پاس یا اُسکو تمھارے پاس جانیکی کیا ضرورت ہے۔ حق تعالٰی کی زمین تو وسیع ہے اُسمیں تنگی تو نہیں۔ جو ایک کو دوسرے کے مکان میں گھسنے کی ضرورت ہو لہذا صحبت بد سے محترز رہنا چاہئے۔ آگے فرماتے ہیں کہ۔

خاصہ آں ارضے کہ از پہناوری در سفر گم می شود دیو و پری

یعنی خاصکر وہ زمین جو کہ فراخی کی وجہ سے (اتنی ہے) کہ سفر میں دیو و جن گم ہو جاویں،

اندراں بحر و بیابان و جبال منقطع میگردد اوہام و خیال

یعنی اُن دریاؤں اور بیابانوں اور پہاڑوں میں اوہام اور خیال منقطع ہو جاتے ہیں،

ایں بیاباں در بیاباں ہائے او ہمچو اندر بحر ہر یک تائے مو

یعنی یہ بیاباں (ظاہری) اُسکے بیابانوں میں (ایسے ہیں) جیسے کہ بھرے ہوئے دریا میں ایک عدد بال۔ مطلب یہ کہ اس جہان کی یہ زمین بھی اسقدر وسیع ہے کہ اسمیں بھی ضرورت نہیں ہے کہ ایک دوسرے کے مکان میں گھستا پھرے۔ اور خاصکر وہ باطن کی زمین تو اسقدر فراخ ہے کہ اُسکے آگے یہ بیابان اور یہ زمین ایسے ہیں جیسے کہ بھرے ہوئے دریا میں ایک بال ہوتا ہے اُنکی فراخی کی یہ حالت ہے کہ جنات اور دیو بھی اُنکا سفر کرتے کرتے گم ہو جاتے ہیں اور اوہام و خیال بھی وہاں تک نہیں پہونچ سکتے جنکی سیر بے حد تیز اور طویل ہوتی ہے۔ تو پھر اُن میں اسکی کیا ضرورت ہے۔ کہ ایک دوسرے کے مکان میں جاوے۔ اور ایک کو دوسرے کی حاجت ہو آگے فرماتے ہیں کہ۔

آب استادہ کہ سیرستش نہاں تازہ تر خوشتر ز جوہائے رواں

یعنی ٹھہرا ہوا پانی جسکی کہ روانی پوشیدہ ہے زیادہ تازہ ہے اور چلنے والی ندیوں سے

زیادہ خوشتر ہے۔

کز دروں خویش چوں جان و رواں ۔۔۔ سیر پنہاں دارد و پائے رواں

یعنی اپنے اندر سے مثل جان اور روح کے وہ پوشیدہ سیر رکھتا ہے۔ اور پاؤں چلنے والا رکھتا ہے مطلب یہ کہ جو اہل اللہ کہ بظاہر ذلیل و خوار معلوم ہوتے ہیں وہ ایسے ہیں جیسے اوپر سے ٹھہرا ہوا پانی ہو اور اسکی دہار اندر ہی اندر چل رہی ہو اور یہ ظاہر دنیا دار ایسے ہیں جیسے کہ چلتا ہوا پانی ہوتا ہے۔ تو جسطرح وہ چلتا ہوا پانی خوب اچھا معلوم ہوتا ہے اسی طرح یہ امراء بظاہر خوب خوش خورم معلوم ہوتے ہیں اور وہ حضرات ظاہر میں تو بالکل ذلیل معلوم ہوتے ہیں لیکن وہ اندر ہی اندر خوش ہیں اور اُنکو وہ دولت ملی ہے کہ پھولے نہیں سماتے۔ آگے فرماتے ہیں کہ۔

مستمع خفتہ است کوتہ کن خطاب ۔۔۔ ای خطیب این نقش را کم زن بر آب

یعنی سننے والا سو رہا ہے تو اے خطیب تو خطاب کو کم کر دے اور اس نقش کو پانی پر مت مار (خطیب سے مراد خود مولانا ہی ہیں) مطلب یہ کہ فرماتے ہیں کہ سننے والے کی توجہ ان باتوں کے سننے کی طرف نہیں ہے لہذا اب آگے بیان مت کرو اور ان باتوں کو فضول مت بیان کرو۔ کیونکہ اس حالت میں انکا بیان کرنا بالکل نقش بر آب زدن ہے لہذا چپ ہی رہنا چاہئے آگے پھر سلیمان علیہ السلام اور بلقیس کا قصہ بیان فرماتے ہیں کہ۔

شرح حبیبی

سلیمان علیہ السلام کا بلقیس کو دعوت دینے کا باقی قصہ اور فرمایا کہ وقت غنیمت ہے،

خیز بلقیسا کہ بازار یست تیز	زین حسیسان کساد افگن گریز
خیز بلقیسا کنوں با اختیار	پیش ازانکہ مرگ آرد گیرودار

خیز بلقیسا بیا پیش اجل — در نگر شاہی و ملک بے دغل،
خیز بلقیسا بجاہ خود مناز — اندریں درگہ بناز آور نہ ناز
خیز بلقیسا وستہ با قضا — ورنہ مرگ آید کشد گوشش ترا
بعد ازاں گوشت کشد مرگ آنچناں — کہ چو دزد آئی بشحنہ جاں کناں
زیں خراں تا چند باشی نعل دزد — گر ہمی دزدی بیا و لعل دزد
خواہرانت یافتہ ملک خلود — تو گرفتہ ملکت کور و کبود
اے خنک آنجاں کزیں ملکت بجست — کہ اجل ایں ملک را ویراں گرست
خیز بلقیسا بیا بارے ببیں — ملکت شاہان و سلطانان دیں
شستہ در باطن میان گلستاں — ظاہر آحادے میان دوستاں
بوستاں با او رواں ہر جا رود، — لیک آں از خلق پنہاں می شود
میوہا لابہ کناں کز من بچر — آب حیوان آمدہ کز من بخور
طوف میکن بر فلک بے پر و بال — ہمچو خورشید و چو بدر و چوں ہلال
چوں رواں باشی رواں و پائے نہ — میخوری صد لوت و لقمہ خائے نہ
نے نہنگ غم زند بر کشتیت — نے پدید آید ز مردن زشتیت
ہم تو شاہ و ہم تو لشکر ہم تو تخت — ہم تو نیکو بخت باشی ہم تو بخت
گر تو نیکو بختی و سلطان رفت — بخت غیر تست روزے بخت رفت
تو بماندی چوں گدایاں بینوا — دولت خود ہم تو باش اے مجتبیٰ
چوں تو باشی بخت خود اے معنوی — پس تو کہ بختی ز خود کے گم شوی،

تو زخود کے گم شوی اے خوشخصال چونکہ عین تو ترا شد ملک و مال

اب مولانا پھر دعوت بلقیس کی طرف رجوع فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ بلقیس اٹھو۔ کیونکہ اسوقت ہدایت کی گرم بازاری ہے۔ اور ان بخیل لوگوں سے بھاگو جو اسکی سرد بازاری چاہتے ہیں۔ دیکھو تم ابھی قبل اسکے کہ موت پیچھا پکڑ لو کرتی ہوئی آئے باختیار خود اٹھو اور اے بلقیس تم موت سے پہلے ہی اٹھکر میری طرف آؤ۔ اور اصلی سلطنت اور بے دہوکہ ملک کا مشاہدہ کرو۔ اور اے بلقیس تم اٹھو اور اپنے منصب پر ناز نکرو ہماری جناب میں عجز و نیاز سے کام چلتا ہے۔ نہ کہ ناز سے اسلئے ناز نکرو بلکہ عجز اختیار کرو اور اے بلقیس تم اٹھو اور میری مخالفت نکرو کیونکہ میری مخالفت کرنا تقدیر الٰہی سے جنگ کرنا ہے پس تم میری مخالفت کرکے تقدیر الٰہی سے جنگ نکرو۔ ورنہ موت آکر تمہارے کان کھینچے گی اور تمھاری مخالفت کے بعد موت تمھارے یوں کان کھینچے گی کہ تم یوں مرتے کھیٹتے آؤ گے جیسے چور کوتوال کے پاس۔ دیکھو تم کب تک ان گدھوں اہل دنیا کی جوتیاں چراتے رہوگے اور ان کے فوائد خسیسہ سے متمتع ہوتی رہوگی اگر چرانا ہی ہے اور تمتع ہی مقصود ہے تو لعل چراؤ اور کمالات باطنیہ سے متمتع ہو۔ دیکھو تمھاری بہنوں نے ہمیشہ رہنے والی سلطنت حاصل کی ہے۔ اور تم ایسی حکومت ناقص کو اختیار کئے ہوئے ہو۔ ارے بڑی مبارک ہے وہ جان جو اس حکومت سے علیحدگی اختیار کرلے۔ کیونکہ موت اس سلطنت کو تباہ کردینے والی ہے اور اسکے پاس اسکے سوا کوئی اور سرمایہ ہے نہیں۔ تو لامحالہ وہ مفلس و قلاش ہو جاویگی اور جبکہ اس نے ابتداءً ہی اس ملک کو چھوڑ دیا اور سرمایۂ ابدی حاصل کرلیا تو وہ ہمیشہ کیلئے اس افلاس سے مامون ہو جاویگی اچھا بلقیس اٹھو اور آکر دیکھو کہ اصلی بادشاہوں اور دین کے سلاطین کی حکومت کیسی پرلطف ہے۔ یہ لوگ باطن میں چمن میں بیٹھے ہوئے مسرور و شاد ہیں اور بظاہر دوستوں کے درمیان معمولی افراد معلوم ہوتے ہیں اور انکا باغ اور باغوں کی طرح نہیں کہ وہ جدا ہو سکے۔ بلکہ انکا باغ جہاں یہ جاتی ہیں انکے ساتھ ہوتا ہے مگر وہ باغ عام مخلوق سے پوشیدہ ہے اسلئے وہ اسکے منکر ہیں نیز ان کے باغ اور دوسروں کے باغ میں ایک یہ فرق ہے کہ اور لوگ اپنے باغ میں میووں وغیرہ کے

طالب ہوتے ہیں تب وہ ان کے ہاتھ آتے ہیں اور ان کے بلاغ کی یہ حالت ہے کہ میوے خود خوشامد کرتے ہیں کہ ہمیں کھاؤ۔ اور آب حیات کہتا ہے کہ مجھے پیو یعنی مواہب و عطایائے الٰہی ان پر بے طلب فائض ہوتے ہیں پس گویا کہ وہ انکی خوشامد کرتے ہیں۔ ہاں اے بلقیس تم اس حکومت کو اختیار کرو اور پھر بدون متعارف پروں اور بازوؤں کے آفتاب اور بدر و ہلال کی طرح آسمان پر گھومو اور اسوقت تمھاری سیر ایسی ہوگی جیسے جان کی اور پاؤں نہونگے اور تمہیں سیکڑوں قسم کی غذائیں ملیں گی اور تم انہیں کھاؤ گی مگر منہ نہوگا۔ خلاصہ یہ کہ تمھاری سیر روحانی ہوگی جسمیں پاؤں درکار نہوں گے اور غذا معنوی ہوگی جسکے لئے منہ کی ضرورت نہوگی اور اسوقت غم کا ناکا تمھاری کشتی سے نہ ٹکرائیگا۔ اور نہ موت سے تمھاری برائی ظاہر ہوگی یعنی تم کو کوئی غم نہوگا۔ اور چونکہ تم برائیوں سے پاک ہوجاؤ گی خواہ عدم اکتساب خطیئات کے سبب خواہ مغفرت خداوندی کے باعث اسلئے تمھاری برائی موت سے ظاہر نہوگی۔ اور اسوقت خود تم ہی بادشاہ ہوگی اور خود ہی لشکر اور خود ہی تخت اور خود ہی خوش اقبال ہوگی۔ اور خود ہی خوش اقبالی یعنی اسوقت تم کو کسی چیز کی پرواہ نہوگی بلکہ صرف اپنی ذات سے تعلق ہوگا۔ اور خوش اقبالی تمھارے لئے لازم غیر منفک اور بمنزلہ عین کے ہوگی۔ اور یہ اعلیٰ درجہ کی خوش اقبالی ہے کیونکہ اگر تم دنیا کے لحاظ سے خوش اقبال اور عظیم الشان بادشاہ ہو تو اسوقت خوش اقبالی تمھارے لئے لازم نہوگی اسلئے کہ وہ ایک وقت میں جدا ہوجاویگی۔ اور تم فقیروں کی طرح بے سر و سامان رہجاؤ گی پس تمکو چاہئے کہ اپنی دولت خود بنو اور جبکہ اپنی خوش اقبالی خود تم ہوجاؤ گی تو اسوقت چونکہ تم خود خوش اقبالی ہوگئی ہو اسلئے بدبخت نہیں ہوسکتیں کیونکہ خود اپنے سے گم نہیں ہوسکتیں اور جبکہ اپنا ملک و مال خود آپ ہوجاوگی تو تم کبھی مفلس نہیں ہوسکتیں۔ کیونکہ خود اپنے سے گم نہیں ہوسکتیں۔

شرح شبیری

سلیمان علیہ السلام کا بلقیس کو دعوت دینے کا باقی قصہ اور فرمانا کہ وقت غنیمت ہے

خیز بلقیسا کہ بازار یست تیز ، زیں خسیسان کساد افگن گریز

یعنی اے بلقیس اٹھ کہ ایک بارونق بازار ہے اوران کھوٹ ڈالنے والے خسیسوں سے بھاگ۔ مطلب یہ کہ دنیا اور دنیاداروں سے الگ ہوکر آخرت کی طرف متوجہ ہوکہ اسوقت تو وقت ہے اور اعمال آخرت کی گرم بازاری ہو رہی ہے۔

خیز بلقیسا کنوں با اختیار، پیش ازانکہ مرگ آرد گیرودار

یعنی اب اے بلقیس با اختیار اس سے پہلے کہ موت دار وگیر لادے اٹھ۔ مطلب یہ کہ اے بلقیس آخرت کی طرف موت سے پہلے پہلے چلی آؤ کہ اگر موت آگئی تو پھر اختیار نہ رہیگا۔ اور وہ آنا معتبر نہ ہوگا اب اپنے اختیار سے ادھر آجاؤ۔

خیز بلقیسا بیا پیش از اجل، درنگر شاہی و ملک بی دغل

یعنی اے بلقیس اٹھ اور موت سے پہلے آجا اور بے کھوٹ بادشاہی اور ملک دیکھ۔ مطلب یہ کہ موت کے آنے سے پہلے پہلے اس طرف متوجہ ہو اور مسلمان ہو جاؤ اور پھر دیکھو کہ کیسا ملک اور کیسی بے دغل بادشاہی میسر ہوتی ہے کہ وہ ملک و بادشاہی جاودانی ہوگی۔

خیز بلقیسا بجاہ خود منناز، اندریں درگہ نیاز آور نہ ناز

یعنی اے بلقیس اٹھ اپنے مرتبہ پر ناز مت کر۔ کہ اس درگاہ میں تو نیاز لا نہ کہ ناز۔ مطلب یہ کہ اپنے اس ظاہری حشم خدم پر ناز مت کرو درگاہ حق میں نیازمندی سے حاضر ہو جاؤ۔

خیز بلقیسا و مستہ با قضا، ورنہ مرگ آید کشد گوش ترا

یعنی اے بلقیس اٹھ اور قضا کے ساتھ لڑ مت ورنہ موت آوے گی اور تیرے کان کھینچے گی مطلب یہ کہ اب اپنی خوشی سے چلی آؤ ورنہ پھر موت تو کشاں کشاں راہ حق کی طرف لا ہی ڈالے گی۔

بعد ازاں گوشت کشد مرگ آنچناں، کہ چو دزد آئی بشحنہ جاں کناں

یعنی اسکے بعد تو موت تیرے کان اس طرح کھینچے گے کہ تو چور کی طرح کوتوال کے پاس جانکنی کرتی ہوئی۔ آدے گی۔ مطلب یہ کہ اگر اب اطاعت قبول کروگی تو وہ اطاعت مقبول ہوگی اور اس پر تو ثمرہ مرتب ہوگا ورنہ پھر اگر اس اختیار کے بعد تم آئیں بھی تو اس طرح آؤگی کہ موت تم کو کشاں کشاں درگاہ حق میں اس طرح جا کھڑا کرے گی۔ جیسے کہ چور کو کوتوال کے آگے پکڑ لاتے ہیں کہ وہ جانا نہیں چاہتا مگر زبردستی لیجاتے ہیں۔ پھر اسکی خوب خبر لیجاتی ہے ورنہ اگر کوئی شخص خود کوتوال کی ملاقات

کے اشتیاق ہیں اسکے پاس آجاوے تو اسکی خوب عزت وحرمت ہوتی ہے۔ پس اگر تم اپنے اختیار سے مطیع بنگئیں تب تو خیر ورنہ پھر آخر کو کشاں کشاں لائی جاؤگی۔ اور اس وقت چوروں کی طرح حاضر ہوگی۔

زیں خراں تا چند باشی نعل دزد　　گر ہمی دزدی بیا و لعل دزد

یعنی ان گدھوں سے کب تک نعل کی چورانے والی رہوگی اگر چوری ہی کرنی ہو تو آؤ اور لعل چراؤ مطلب یہ کہ ان اہل دنیا سے اس ظاہری مال ودولت کو جو کہ نعل خر کی طرح ہے کب تک حاصل کرتی رہوگی۔ اب اگر تم دولت باطنی لو جو کہ لعل کی طرح ہے۔

خواہرانت یافتہ ملک خلود　　تو گرفتہ مملکت کور و کبود،

یعنی تیری (مومنات) بہنوں نے ملک ابدی پالیا ہے اور تو ملک کور وکبود لئے ہوئے ہے۔

اے خنک آنجاں کزیں ملکت بجست　　کہ اجل ایں ملک را ویراں گرست

یعنی اچھی ہے وہ جان جو کہ اس ملک سے نکل گئی کیونکہ موت اس ملک کو ویران کرنے والی ہے مطلب یہ کہ چونکہ موت اس دنیا کی تمام اشیاء کو ہم سے چھڑانے والی ہے تو وہی شخص اچھا ہے کہ اسکو ترک کرے۔ اور دولت اخروی کو حاصل کرے۔

خیز بلقیسا بیا بارے بہ بیں　　مملکت شاہان و سلطانان دیں

یعنی اے بلقیس اٹھ اور آ اور دین کے بادشاہوں اور سلاطین کا ملک دیکھ۔

شستہ در باطن میان گلستاں　　ظاہر آحادے میان دوستاں

یعنی باطن میں تو گلستاں کے درمیان بیٹھے ہوئے ہیں اور ظاہر میں دوستوں کے درمیان ایک ہیں۔

بوستاں با اورواں ہر جا رود　　لیک آں از خلق پنہاں می شود

یعنی باغ ان کی ہمراہ ہے جہاں وہ جاتے ہیں لیکن وہ باغ خلق سے پوشیدہ ہوتا ہے مطلب یہ کہ فرماتے ہیں کہ اے بلقیس تم اپنے اس ملک وجاہ پر ناز کررہی ہو۔ یہاں آؤ اور شاہان سلاطین دین یعنی اہل اللہ کے ملک کو دیکھو کہ وہ بظاہر تو دوسرے لوگوں کی طرح معلوم ہوتے ہیں اور ان میں کوئی مابہ الامتیاز نہیں ہے۔ لیکن باطن میں وہ باغ وبہار میں ہیں۔ اور ظاہری باغ وبہار کی تو یہ حالت ہے کہ وہ ہر جگہ اپنے مالک کے ساتھ ساتھ نہیں پھرتا۔ بلکہ وہ ایک ہی جگہ

رہتا ہے۔ مگر ان حضرات کے باغ و بہار کی یہ حالت ہے کہ جہاں یہ جاتے ہیں وہیں ان کیساتھ وہ بھی جاتا ہے۔ جیسا کہ خود قرآن شریف میں ہے کہ نورا یمشی بہ فی الناس کہ حق تعالیٰ اسکے لئے ایک نور ایسا کر دیتے ہیں کہ وہ اس نور کو لئے ہوئے لوگوں میں پھرا کرتا ہے اور وہ نور ہی اسکا باغ و بہار ہے مگر مخلوق اس باغ کو دیکھ نہیں سکتی۔ وہ لوگوں سے پوشیدہ ہی ہوتا ہے اور ان حضرات کی یہ شان ہوتی ہے کہ

میوہا لابہ کناں از من بچر ۔۔۔ آب حیواں آمدہ کز من بخور

یعنی میوے خوشامد کرتے ہیں کہ ہم میں سے کھالو اور آب حیوان آتا ہے کہ مجھ میں سے پی لو آگے مولانا فرماتے ہیں کہ۔

طوف میکن بر فلک بے پر و بال ۔۔۔ ہمچو خورشید و چو بدر و چوں ہلال

یعنی آسمان پر بے بال و پر کے خورشید اور بدر و ہلال کی طرح طواف کرو۔ مطلب یہ کہ جب یہ حالت ہے حضرات اولیاء اللہ کی تو اے بلقیس تم بھی ایسی ہی ہو جاؤ پھر تم بلا کسی ظاہری بال و پر کے آسمانوں پر عروج کرنا۔ اور ملاء اعلیٰ کی سیر کرنا۔

چوں رواں باشی رواں و پائے نہ ۔۔۔ میخوری صد لوت و لقمہ خائے نہ

یعنی جان کیطرح تم رواں ہو گی اور پاؤں نہ ہونگے اور سیکڑوں غذائیں کھاؤ گی اور لقمہ چبانے والی نہو گی۔ مطلب یہ کہ اُن باطنی غذاؤں اور ان تمیزوں کیلئے نہ ان پاؤں کی ضرورت ہے نہ اس طرح لقمہ چبانے کی ضرورت ہو گی۔ اور یہ شان ہو جاویگی۔

نے نہنگ غم زند بر کشتیت ۔۔۔ نے پدید آید ز مردن زشتیت

یعنی نہ غم کا نہنگ تمہاری کشتی پر حملہ کریگا اور نہ مرنے سے تمکو زشتی ظاہر ہو گی۔ مطلب یہ کہ جب یہ حالت ہو جاویگی تو تمکو حیات ابدی میسر ہو جاویگی پھر ظاہری اسباب تمکو گزند نہ پہونچا سکینگے اور اس ظاہری موت سے تمکو کوئی نقصان نہو گا۔

ہم تو شاہ و ہم تو لشکر ہم تو تخت ۔۔۔ ہم تو نیکو بخت باشی ہم تو بخت

یعنی تو ہی بادشاہ ہو گی اور تو ہی لشکر ہو گی۔ اور تو ہی تخت ہو گی اور تو ہی نیکبخت ہو گی اور بخت بھی تو ہی ہو گی۔

گر تو نیکو بختی و سلطان زفت — بخت غیر تست روزے بخت رفت

یعنی اگر تو نیکبخت اور عظیم الشان ہی ہوگا تو (آخر) بخت تیرا غیر ہے۔ تو ایک دن بخت چلا جائیگا۔

تو بمانی چون گدایان بے نوا — دولت خود ہم تو باش ای مجتبیٰ

یعنی تو فقیروں کی طرح بے سامان رہجاویگا۔ تو اے برگزیدہ تو اپنی دولت خود ہو جا +

چون تو باشی بخت خود ای معنوی — تو کہ بختی پس ز خود کے گم شوی

یعنی جب تو اے معنوی اپنا بخت ہو جاویگا تو تو کہ بخت ہوگا اپنے سے کب گم ہوگا +

تو ز خود کے گم شوی ای خوشخصال — چونکہ عین تو ترا شد ملک و مال

یعنی اے خوشخصال تو اپنے سے کب گم ہو سکتا ہے جبکہ تیرا ملک و مال خود تیری ذات ہوگئی مطلب یہ کہ حضرت سلیمان علیہ السلام جو بلقیس کو دعوت اسلام فرما رہے تھے اسی میں فرماتے ہیں کہ اے بلقیس اس ظاہری ملک و مال کو چھوڑ اور باطنی دولت کو حاصل کر اس سے یہ سب ملک و مال اور حشم خدم خود تیرے اندر پیدا ہو جاویں گے اور پھر تجھے اس ظاہری ٹیپ ٹاپ کی ضرورت نہ رہے گی اور اس دولت ظاہری کے ہوتے ہوئے تو تو صرف نیکبخت ہے لیکن بخت اور تو ایک نہیں ہیں بلکہ بخت تجھ سے ایک مباین شے ہے لیکن اگر تو اسلام قبول کر کے دولت باطنی حاصل کرے گی تو بخت خود تیرا عین ذات ہو جاویگا اور اب اس حالت میں تو اگر نصیب اور بخت ساتھ نہ دے اور جاتا رہے تو تو مفلس کی مفلس رہجاویگی۔ مگر اس حالت میں چونکہ بخت تیری عین ذات ہو جاویگا اسلئے وہ تجھسے علیحدہ ہو ہی نہ سکے گا۔ اور پھر کبھی اس دولت کو زوال نہوگا۔ آگے پھر مسجد اقصےٰ کے بنانے کے قصہ کا بقیہ بیان فرماتے ہیں

شرح حبیبی

مسجد اقصےٰ کو حق تعالیٰ کی وحی کی تعلیم کے مطابق سلیمان علیہ السلام کی عمارت کرنیکے قصہ کا بقیہ اور عمارت میں دیو و پری

کا اور فرشتوں کا مدد کرنا،

بعد ازاں آمدند از پیش تخت ۔ بر سلیمان آں نبی نیک بخت
اے سلیمان مسجد اقصٰے بساز ۔ لشکر بلقیس آمد در نماز
چونکہ او بنیاد آں مسجد نہاد ۔ جن و انس آمد بدن در کار داد
یک گروہ از عشق و قومے بے مراد ۔ ہمچنانکہ در رہ طاعت عباد
خلق دیوانند و شہوت سلسلہ ۔ می کشدشان سوئے دکان و غلہ
ہست ایں زنجیر از خوف و ولہ ۔ تو مبیں ایں خلق را بے سلسلہ
ہست ایں بند و کمند آں خوفشاں ۔ نیستند ایں خلق بے بند نہاں
می کشاندشاں سوئے کسب و شکار ۔ می کشاندشاں سوئے کان و بحار
می کشاندشاں سوئے نیک و بد ۔ گفت حق فی جیدہا حبل المسد
قد جعلنا الحبل فی اعناقہم ۔ واتخذنا الحبل من اخلاقہم
لیس من مستقذر و مستنقہ ۔ قط الا طائرہ فی عنقہ
حرص تو در کار بد چوں آتش است ۔ اخگر از رنگ خوش آتش خوش است
آں سیاہی فحم در آتش نہاں ۔ چونکہ آتش شد سیاہی شد عیاں
اخگر از حرص تو شد فحم سیاہ ۔ حرص چوں شد ماند آں فحم تباہ
آں زماں آں فحم اخگر می نمود ۔ آں نہ حسن کار نار حرص بود
حرص کارت را بیارائیدہ بود ۔ حرص رفت و ماند کار تو کبود
غورہ را کہ بیارائید غول ۔ پختہ پندارد کسے کو ہست گول
آزمایشش چوں نماید جان او ۔ کند گردد ز آزموں دنداں او

از ہوس آں دام دانہ می نمود / ہمکس غول حرص و آں خود دام بود

حرص اندر کار دین و خیر جو / چوں نماند حرص ماند نغز او

خیرہا نغزند نہ از عکس غیر / تاب حرص ار رفت ماند تاب خیر

تاب حرص از کار دنیا چوں برفت / فحم باشد ماندہ از اخگر بہ تفت

کودکاں را حرص می آرد غرار / تا شود از ذوق دل دامن سوار

چوں ز کودک رفت آں حرص بدش / بر دگر اطفال خندہ آیدش

کہ چہ می کردم چہ می دیدم دریں / خل ز عکس حرص بنمود انگبیں

آں بناے انبیا بے حرص بود / زاں چناں پیوستہ رونقہا فزود

اے بسا مسجد برآوردہ کرام / لیک نبود مسجد اقصاش نام

کعبہ راکش ہر دمے عزے فزود / آں ز اخلاصات ابراہیم بود

فضل آں مسجد ز خاک و سنگ نیست / لیک در بناش حرص و جنگ نیست

نے کتب شاں چوں کتاب دیگراں / نے مساجد شاں نہ کسب و خانماں

نے ادب شاں نے غضب شاں نے نکال / نے نعاس و نے قیاس و نے مقال

ہر یکے را دادہ حق در مرتبت / صد ہزاراں حشمت و ہم مکرمت

ہر یکے شاں را یکے فر دگر / مرغ جاں شاں طائر از پرے دگر

دل ہمی لرزد ز ذکر حال شاں / قبلۂ افعال ما افعال شاں

مرغ شاں را بیضہا زریں بدست / نیم شب جان شاں سحرگہ بیں شدست

ہر چہ گویم من بجاں نیکوئی قوم / نقص گفتم گشتہ ناقص گوئے قوم

مسجد اقصےٰ بسازید اے کرام ۔ کہ سلیمانؑ باز آمد والسّلام

ور ازیں دیوان و پریان سرکشند ۔ جملہ را املاک در چنبر کشند

دیو یکدم کژ رود از مکر و زرق ۔ تازیانہ آیدش بر سر چو برق

چوں سلیمان شو کہ تا دیوان تو ۔ سنگ برند از پے ایوان تو

چوں سلیمان باش بے وسواس و ریو ۔ تا ترا فرمان برد جنی و دیو

خاتم تو ایں دلست ہوشدار ۔ تا نگردد دیو را خاتم شکار

پس سلیمانی کند بر تو مدام ۔ دیو با خاتم حذر کن والسّلام

آں سلیمانے دلا منسوخ نیست ۔ در سر و سرت سلیمانے کنی است

دیو ہم وقتے سلیمانی کند ۔ لیک ہر جولاہہ اطلس کے تند

دست جنباند چو دست او ولیک ۔ در میان ہر دو شان فرقیست نیک

در میان ایں حدیث معنوی ۔ یک حکایت بشنو اندر مثنوی

یعنی جب سلیمان علیہ السّلام دعوت بلقیس سے فارغ ہو چکے تو حق سبحانہ کی طرف سے انکو حکم ہوا کہ آپ مسجد اقصےٰ بنائیے لشکر بلقیس عنقریب نماز کو آتا ہے اسکے لئے ایک وسیع مسجد کی ضرورت ہوگی۔ اس حکم کے سنتے ہی تعمیر مسجد کا کام شروع کردیا گیا۔ اور جبکہ مسجد کی نیو کھدی گئی ہے۔ تو جن و انس خدمت کیلئے حاضر تھے۔ ایک گروہ کی خدمت شوق سے تھی اور دوسرے کی بقسر و جبر۔ اور بالکل ایسی حالت تھی جیسے انسانوں کی حالت طاعت حق سبحانہ کے باب میں۔ کہ کچھ لوگ بخوشی مطیع ہیں اور کچھ بادل ناخواستہ اور کچھ انہیں دیووں کی تخصیص نہیں بلکہ جتنی مخلوق ہے تمام مثل ان دیووں کے ہے اور خواہش ان کے لئے زنجیر ہے اور وہ زنجیر ان کو دوکان اور عملہ کی طرف کھینچتی ہے اور یہ زنجیر خوف و فریفتگی کی ہے پس اس مخلوق کو بے زنجیر نہ سمجھنا بلکہ یوں کہئے کہ وہ بند اور کمند صرف خوف ہے اور

فریفتگی کا مآل بھی خوف ہی ہے۔ کیونکہ آدمی جس چیز پر فریفتہ ہوتا ہے اُسکو عدم طلب کی
صورت میں فوت مطلوب کا خوف ہوتا ہے۔ اسلئے وہ اسے طلب کرتا ہے۔ خیر کچھ ہو خواہ
خوف اور عشق دونوں کو زنجیر کہا جاوے۔ یا عشق کو بھی خوف ہی کی طرف راجع کیا جاوے
بہر حال مخلوق زنجیر مخفی سے خالی نہیں اور یہ مخفی زنجیر اُنکو قسب اور شکار اور کانوں اور ہمندونکی
طرف کھینچتی ہے اور کچھ انہیں کی تخصیص نہیں۔ بلکہ ہر بھلائی اور برائی کی طرف یہ ہی زنجیر کھینچتی
ہے اسی کو حق سبحانہ نے حبل من مسد کہا ہے۔ چنانچہ فرمایا ہے۔ حمالۃ الحطب فی
جیدھا حبل من مسد اور حاصل اسکا یہ ہے کہ ہم نے لوگوں کی گردنوں میں رسی ڈال رکھی ہے
اور اسی رسی کو ہم نے اُن کے اخلاق سے بنایا ہے اور کوئی ناپاک یا پاک ایسا نہیں جسکی
گردن میں یہ رسی نہو۔ بلکہ سب کی گردنوں میں ہے۔ یہاں سے مولانا مضمون ارشادی کیطرف
انتقال فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ لوگو تمہاری حرص تمھیں برے کاموں کی طرف کھینچتی ہے اور
وہ بمنزلہ آگ کے ہے اور قاعدہ ہے کہ انگارہ آگ کے عمدہ رنگ کے سبب اچھا معلوم ہوتا ہے
اور کوئلہ کی سیاہی اس آگ میں چھپی ہوتی ہے۔ اور جبکہ آگ فنا ہو جاتی ہے تو وہ سیاہی
ظاہر ہو جاتی ہے۔ علی ہذا معصیت جو بمنزلہ سیاہ کوئلہ کے ہے تمہاری آتش حرص سے انگارہ
کی طرح خوشنما ہو جاتی ہے۔ اور جب قضائے وطر کے بعد حرص کا خاتمہ ہوتا ہے تو وہ فعل سیاہ
کوئلہ کی طرح مکروہ نظر آنے لگتا ہے۔ اور اسوقت جو یہ انگارے کی طرح خوشنما معلوم ہوتا تھا یہ
اُس فعل کی خوبی نہ تھی بلکہ آتش حرص تھی۔ اور اس حرص نے تمہارے کام کو مزین کر رکھا تھا
اب حرص جاتی رہی اور تمہارا کام اپنی اصلی صورت پر آگیا۔ اور مکروہ معلوم ہونے لگا نیز
معصیت ایک کچا پھل ہے جسکو شیطان نے اپنے جادو سے خوشنما اور پختہ ظاہر کیا ہے پس
احمق لوگ اُسے پختہ سمجھ جاتے ہیں۔ مگر جب وہ اسے کھاتے ہیں تو اس امتحان سے انکے دانت
کھٹے ہو جاتے ہیں اور اسکی خامی ان پر ظاہر ہو جاتی ہے۔ نیز حرص کے سبب یہ دام معصیت
دانہ مرغوب معلوم ہوتا ہے۔ اور وہ حرص کے شیطان کا عکس ہے۔ ورنہ حقیقت میں وہ جال ہے
جب یہ امر معلوم ہو گیا اور مطابقۃً یا التزاماً یہ ظاہر ہو گیا کہ حرص کی یہ خاصیت ہے۔ کہ
وہ مطلوبات کو مزین کر دیتی ہے خواہ وہ فی نفسہ برے ہوں یا اچھے۔ اور جب حرص فنا ہو جاتی ہے

تو وہ زینت عارضہ جاتی رہتی ہے مگر حسن ذاتی یا قبح ذاتی قائم رہتا ہے توتمکو چاہئے کہ دین کی
اور اچھے کاموں کی حرص کرو کیونکہ جب حرص فنا ہو جاویگی اسوقت بھی وہ اچھا ہی رہیگا۔ کیونکہ
افعال حسنہ کا حسن عکس غیر ہی سے نہیں۔ بلکہ وہ اپنی ذات سے بھی حسن ہیں اسلئے اگر حرص
کی چمک جاتی بھی رہے تو مضائقہ نہیں۔ خود اس فعل حسن کی چمک قائم رہے گی۔ اور برخلاف
انکے اگر دنیوی کاموں سے حرص کی روشنی جاتی رہے تو ان میں کوئی چمک نہ رہے گی۔ اور
اسکی ایسی مثال ہوگی جیسے روشن انگارے میں سے آگ فنا ہو کر کوئلہ رہجائے بچوں کو حرص دہوکہ
میں ڈالتی ہے یہانتک کہ وہ نہایت شوق سے دامن پر سوار ہوتے ہیں اور اسے گھوڑا سمجھتے
ہیں مگر جب بچہ سے وہ بری حرص حصول قوت عقلیہ کے سبب زائل ہو جاتی ہے۔ تو اوسے
دوسرے بچوں پر ہنسی آتی ہے اور وہ خود بھی منفعل ہوتا ہے اور دل میں سوچتا ہے کہ میں کیا حماقت
کرتا تھا۔ اور اسمیں کیا خوبی دیکھتا تھا۔ اب مولانا فرماتے ہیں کہ کچھ بھی خوبی نہ تھی۔ حرص کا
کرشمہ تھا کہ اسکے عکس نے سرکہ کو شہد ظاہر کر رکھا تھا۔ جبکہ بیان بالا سے یہ امر معلوم ہو گیا کہ
سب لوگ خواہ ناپاک ہوں یا پاک پابند زنجیر حرص ہیں۔ اور حرص دو قسم کی ہے۔ ایک وہ
حرص جو افعال دنیویہ سے متعلق اور قابل ترک و مذموم ہے۔ اور دوسری وہ حرص جو افعال
دینیہ سے متعلق اور واجب التحصیل و محمود ہے۔ تو اب سمجھو کہ انبیا کی تعمیروں میں حرص مذموم
نہ تھی اسی لئے ان میں رونقیں بڑہتی رہیں۔ دیکھو بہت سے بڑے لوگوں نے مسجدیں بنائی
ہیں۔ مگر کسی میں وہ بات نہیں۔ جو مسجد اقصےٰ میں ہے۔ جسکے دوسری مسجدوں میں ہونے سے
انکو مسجد اقصےٰ کہا جاسکتا۔ اور دیکھو کعبہ کوئی عالیشان و باشان و شوکت ظاہری عمارت
نہیں مگر پھر بھی اسکی عزت ہر دم ترقی پر ہے۔ یہ کیا بات ہے صرف یہ کہ ابراہیم علیہ السلام جو اسکے
بانی ہیں انکو اسکے بنانے سے کوئی دنیوی و نفسانی غرض نہ تھی بلکہ محض رضائے حق مطلوب
تھی۔ پس سلیمان علیہ السلام کی مسجد کو جو شرف حاصل ہوا ہے اسکا منشا مٹی اور پتھر نہیں
کیونکہ وہ تو اور مسجدوں میں بھی موجود ہیں۔ بلکہ اسکا منشا یہ ہے کہ اسکے بانی میں اغراض نفسانیہ
مثلاً حرص مذموم و مخالفت مذمومہ نہ تھیں۔ اور ہوتی کیونکر۔ ان حضرات کی شان ہی جدا ہے
اور کوئی بات انکی عوام سے ملتی ہی نہیں۔ پھر ان میں وہ صفات کیونکر ہوں جو عوام میں ہیں

دیکھو نہ انکی کتابیں اور ونکی کتابوں کی سی ہیں نہ انکی مسجدیں انکی سی ہیں نہ انکی کمائی ویسی ہے نہ خاندان ان جیسا ہے۔ اور نہ انکا ادب اور ونکا سا ہے۔ نہ غضب نہ سزا نہ انکی نیند نہ انکی عقل اور نہ انکی گفتگو وغیرہ انکی سی ہیں۔ نیز ایک وجہ انکی عام مخلوق سے ممتاز ہونے کی یہ بھی ہے۔ کہ سیکڑوں شان وشوکتیں اور سیکڑوں شرف انکو حق سبحانہ کی طرف سے ملے ہیں۔ جو انکے سوا اور کسی کو نہیں ملے۔ اور جسطرح انکو من حیث المجموع عام مخلوق سے امتیاز ہے یوں ہی وہ آپسمیں بھی ایک دوسرے سے ممتاز ہیں۔ چنانچہ ہر ایک کی شان نرالی ہے اور ہر ایک کا مرغ جان ایک نئے پر سے پرواز کرتا ہے یعنی ہر ایک کے عروج کے طرق وذرائع جداگانہ ہیں انکی حالت کو تفصیل وار بیان کرتے ہوئے جی ڈرتا ہے۔ کہ مبادا لغزش ہو جاوے۔ اس لئے صرف اتنا کہتا ہوں کہ سب ہمارے پیشوا اور مقتدا ہیں ان کے افعال ہمارے افعال کا قبلہ ہیں۔ اور ان کے مرغ جان سے سونے کے انڈے یعنی نتائج عالیہ وآثار غالیہ پیدا ہوتے ہیں اور انکی جان اپنے نور کے سبب آدھی رات کے وقت صبح معنوی کا مشاہدہ کرتی ہے میں نے انکے بیان احوال میں اجمال اسلئے بھی اختیار کیا ہے کہ میں جسقدر ان کے اوصاف حسنہ بیان کرونگا۔ یہ انکی گونہ تحقیر ہوگی اور میں انکی تحقیر کرنے والا ہونگا۔ کیونکہ انکے اوصاف تک میری رسائی ہی نہیں۔ پس میں جو اوصاف بیان کرونگا وہ ان کے اوصاف واقعیہ علی ماہی علیہ نہوں گے بلکہ ان سے گھٹے ہونگے۔ خیر یہ مضمون استطرادی تو ہو چکا اب تم آئے معرز معمار مسجد اقصٰے بناؤ۔ کہ سلیمان علیہ السلام پھر تشریف لے آئے ہیں مقصود یہ ہے کہ ہم نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے ذکر کی طرف پھر انتقال کیا ہے اسلئے عمارت مسجد اقصٰی کا قصہ بیان کرنا چاہیے اچھا سنو مسجد اقصٰی بن رہی ہے اور دیو وپری جن وانس کام میں مصروف ہیں اور اگر کوئی دیو یا پری سرکشی کرتا ہے تو تمام سرکشی کرنے والوں کو فرشتے مقید کر دیتے ہیں۔ اور اگر کوئی دیو مکر وفریب سے ذرا ٹیڑھا چلتا ہے تو اسکے سر پر بجلی کی طرح سرعت کیساتھ تازیانہ پڑتا ہے۔ اس شان سے وہ مسجد تیار ہو رہی ہے۔ اب مولانا پھر مضمون ارشادی کیطرف انتقال فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تم بھی سلیمان عم کی طرح ہو جاؤ تاکہ تمہارے دیو یعنی قوائے بہیمیہ تمہارے قصر کیلئے سنگ تراشی کریں یعنی احکام قصر دینی میں تمہیں مدد دیں اور تم

سلیمانؑ کی طرح وسواس و مکر سے خالی ہو جاؤ۔ تاکہ جنات اور دیو تمھارے بھی تابع ہو جاویں تمھاری انگوٹھی تمھارا دل ہے۔ اسکا بہت خیال رکھنا۔ ایسا نہو کہ یہ انگوٹھی شیطان کے قبضہ میں پہونچ جاوے۔ اور وہ اس انگوٹھی پر قابض ہو کر تم پر حکومت کرنے لگے یاد رکھو کہ یہ سلیمانی منسوخ اور ختم نہیں ہوئی۔ بلکہ تمھارے باطن میں ایک حکمران یعنی روح موجود ہے مگر اسباب حکومت کی ضرورت ہے۔ شاید تم کو خیال ہو کہ سلیمانی تو کوئی قابل تحصیل چیز نہیں اسلئے کہ شیطان بھی سلیمانی کرتا ہے۔ سو اسکا جواب یہ ہے کہ یہ خیال تمھارا صحیح ہے اور بعض اوقات شیطان بھی سلیمانی کرتا ہے۔ یاد رکھو کہ ہر جولاہہ اطلس نہیں بنا سکتا گا رہا بننے والا جولاہہ بھی اطلس بننے والے کی طرح ہاتھ ہلاتا ہے۔ مگر دونوں میں زمین و آسمان کا تفاوت ہے یوں ہی شیطان بھی سلیمانی کرتا ہے۔ مگر روح کی سلیمانی چیز ہی اور ہے۔ وہ سلیمانی شیطان کو کب نصیب ہو سکتی ہے۔ اسلئے سلیمانی ضرور قابل تحصیل ہے۔ یہاں ہم نے تشابہ صوری اور فرق معنوی کا بیان کیا ہے اب ہم تمھیں اسکے مناسب ایک حکایت سناتے ہیں تاکہ یہ بیان تم پر خوب واضح ہو جاوے۔

شرح شبیری

مسجد اقصےٰ کو حق تعالیٰ کی وحی کی تعلیم کے مطابق سلیمان علیہ السلام کے عمارت کرنے کے قصہ کا بقیہ اور عمارت میں دیو و پری کا اور فرشتوں کا مدد کرنا

بعد ازاں آمد ندا از پیش تخت ۔۔۔ بر سلیماں آں نبی نیکبخت

یعنی اس کے بعد تخت کے آگے سے ان سلیمان علیہ السلام نبی نیکبخت پر آواز آئی یعنی کہ ان کے پاس وحی آئی کہ

کائے سلیمان مسجد اقصےٰ بساز ۔۔۔ لشکر بلقیس آمد در نماز

یعنی کہ اے سلیمان (علیہ السلام) مسجد اقصےٰ بناؤ۔ (کیونکہ) بلقیس کا شکر نماز میں آیا۔ مطلب یہ کہ یہ وحی آئی کہ اے سلیمان (علیہ السلام) اب چونکہ بلقیس کا لشکر مسلمان ہو کر آرہا ہے تو اب مسجد اقصےٰ کی ضرورت ہو گی اسکو بنالو۔

چونکہ او بنیاد آں مسجد نہاد　　جن و انس آمد بدن در کار داد

یعنی جب انھوں نے اُس مسجد کی بنیاد رکھی تو جن اور انسان آئے اور بدن کام میں دیا مطلب یہ کہ آدمی اور جنات سب کام میں لگ گئے اور مسجد بنانے میں مشغول ہو گئے،

یک گروہ از عشق و قومے بیمراد　　ہمچناں کہ در رہ طاعت عباد

یعنی ایک گروہ تو عشق کی وجہ سے اور ایک قوم بلا (اپنے) قصد کے جیسا کہ راہ طاعت میں بندے ہوتے ہیں۔ مطلب یہ کہ جو لوگ کہ مسجد اقصےٰ بنا رہے تھے اُن میں سے کچھ تو ایسے تھے جو اپنی خوشی سے اور رغبت سے کام کر رہے تھے کہ ثواب سمجھتے تھے۔ اور بہت سے سرکش اور نافرمان جنات اور دیو ایسے تھے کہ زبردستی کام میں لگادیئے گئے تھے لہذا کام کر رہے تھے جسطرح کہ طاعت حق میں بہت سے لوگ تو ایسے ہیں کہ خوشی ورغبت سے طاعت کرتے ہیں اور بہت سے ایسے ہیں کہ اُنکو کام میں لگادیا گیا ہے اور حکم تکوینی اُن کیلئے ہے بس وہ اُسکی وجہ سے کام میں لگے ہوئے ہیں۔ آگے اسی حکم تکوینی کی وجہ سے کام میں لگے رہنے کو بیان فرماتے ہیں کہ۔

خلق دیو انند و شہوت سلسلہ　　میکشد شاں سوئے دکان و غلہ

یعنی مخلوق دیو ہیں اور شہوت زنجیر ہے کہ اُنکو دکان اور غلہ کی طرف کھینچتی ہے مطلب یہ کہ بہت سے لوگ ایسے ہیں جیسے شیاطین متمردین ہوتے ہیں کہ اُنکو پکڑ کرا ور زنجیر میں باندھ کر کام میں لگادیا جاتا ہے تو وہ کام میں لگجاتے ہیں اسی طرح بہت سے لوگ ایسے ہیں کہ حق تعالیٰ نے خواہشات نفسانیہ کو اُن کے لئے زنجیر بنا رکھا ہے کہ جب وہ خواہش ہوتی ہے تو مجبوراً وہ اُس کام میں لگجاتے ہیں کوئی تجارت کا کام کر رہا ہے۔ کوئی کھیتی باڑی کر رہا ہے غرضکہ ہر شخص اپنے اپنے کام میں مشغول ہے۔ آگے اسی کو فرماتے ہیں کہ۔

ہست ایں زنجیر از خوف و ولہ　　تو مبیں ایں خلق را بی سلسلہ

یعنی یہ زنجیر خوف اور شوق کی ہے تو اس مخلوق کو بے زنجیر کے مت جان۔

ہست این بند و کمند آن خوف شان　　نیستند این خلق بی بند نہان

یعنی یہ بند اور کمند اُن کا خوف ہے اور یہ مخلوق بے قید پوشیدہ کے نہیں ہے (اور اس قید کا یہ حال ہے کہ)۔

می کشاند شان سوئے کسب و شکار　　می کشاند شان سوئے کان و بحار

یعنی اُن کو کسب و شکار کی طرف کھینچتی ہے اور کانوں کی طرف اور دریاؤں کی طرف کھینچتی ہے

می کشاند شان بسوئے نیک و بد　　گفت حق فی جیدہا حبل المسد

یعنی اُن کو برے بھلے کی طرف کھینچتی ہے۔ حق تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ کہ اُسکی گردن میں رسی ہے لیف خرما کی۔ (جسکا مطلب یہ ہے کہ)۔

قد جعلنا الحبل فی اعناقھم　　واتخذنا الحبل من اخلاقھم

یعنی ہم نے رسیاں انکی گردنوں میں ڈال رکھی ہیں اور رسیونکو انکے اخلاق سے بنایا ہے

لیس من مستقذر مستنقذ　　قط الا طائرہ فی عنقہ

یعنی کوئی برا کام کرنے والا اور بھلا کرنے والا ہرگز نہیں ہے۔ مگر اُسکا نامہ اعمال اُس کی گردن میں ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ہر شخص ایک ایک زنجیر میں قید ہے کہ وہ زنجیر کشاں کشاں اُسکو اُسی کام کی طرف لیجاتی ہے جسکے لئے وہ پیدا کیا گیا ہے۔ اب بعض لوگوں کے لئے تو وہ زنجیر شوق ہے اور اُن کو ایک شئے کا شوق ہو جاتا ہے اُس شوق کی وجہ سے اُس کام کو کرتے ہیں اور بعض لوگوں کو کوئی خوف وغیرہ ہوتا ہے۔ اس خوف کی وجہ سے وہ کام کرتے ہیں غرضکہ کوئی شوق میں قید ہے اور کوئی خوف میں ہر شخص ایک قید پوشیدہ میں ہے۔ کہ اس سے نکل نہیں سکتا۔ اب وہ قید کسی کو کمائی کی طرف لیجا رہی ہے۔ تو وہ اُسمیں لگا ہی کوئی شکار ہی میں مشغول ہے۔ کوئی معادن معدنیات کی تلاش میں ہے اور کوئی دریا سے موتیوں کو ڈھونڈھ رہا ہے غرضکہ ہر شخص نیک و بد کی طرف کھنچا چلا آ رہا ہے خود ارشاد حق ہے فی جیدہا حبل من مسد اگرچہ قرآن شریف میں خاص قصہ ہے لیکن مولانا اُسکو اسپر مطابق فرماتے ہیں کہ [illegible] ہی کی گردن میں [illegible]۔ اور وہ رسی اُن کے اخلاق ہی سے بنی ہے۔ اگر اخلاق

حسنہ ہیں تو وہ رسی بھی اچھی ہے اور اسکے کام بھی نیک ہوتے ہیں۔ اور اگر اخلاق بُرے ہیں تو اسپر ویسا ہی ثمرہ مرتب ہوتا ہے اور بعض من ستقذر الخ میں ایک قاعدہ کلیہ بتاتے ہیں کہ جو کوئی ہے خواہ نیکو کار ہو یا بدکار ہو ہر شخص کا نامۂ اعمال اسکی ساتھ ہے۔ وہ جیسا بھی ہے اسکے افعال ویسے ہی ہوتے ہیں جس سے اسکی حالت کا اندازہ ہو جاتا ہے۔ آگے اسکی کیفیت بیان فرماتے ہیں کہ۔

حرص تو در کار بد چوں آتش است　　　اخگر از رنگ خوش آتش خوش است

یعنی تمہاری حرص بُرے کاموں میں آگ کی طرح ہے اور چنگاری آگ کے عمدہ رنگ کی وجہ سے خوبصورت معلوم ہوتی ہے۔

آں سیاہی فحم در آتش نہاں　　　چونکہ آتش شد سیاہی شد عیاں

یعنی وہ کوئلہ کی سیاہی آگ میں پوشیدہ ہوتی ہے جبکہ آگ جاتی رہی تو سیاہی ظاہر ہوگئی

اخگر از حرص تو شد فحم سیاہ　　　حرص چوں شد ماند آں فحم تباہ

یعنی تمہاری حرص کی وجہ سے سیاہ کوئلہ چنگاری معلوم ہونے لگا اور جب حرص جاتی رہی تو وہ کوئلہ تباہ رہ گیا۔ مطلب یہ کہ بُرے کاموں کی جو تمکو حرص ہوتی ہے اسکی مثال آگ جیسی ہے۔ کہ جس طرح کالا کوئلہ آگ کی وجہ سے خوشنما اور عمدہ معلوم ہونے لگتا ہے اسی طرح حرص کی وجہ سے بُرے کام اچھے معلوم ہونے لگتے ہیں اور انسان اُن بُری کاموں کی رغبت کرنے لگتا ہے۔ پھر جس طرح کہ آگ کے بجھ جانے سے وہ کوئلہ کالا کا کالا ہی رہجاتا ہے اسی طرح جب وہ خواہش پوری ہو جاتی ہے اسوقت اس کام کی برائی نظر آتی ہے اسی کو فرماتے ہیں کہ۔

آں زماں آں فحم اخگر می نمود　　　آں نہ حسن کار نار حرص بود

یعنی اسوقت وہ کوئلہ چنگاری معلوم ہوتا تھا تو وہ کام کی عمدگی نہ تھی وہ حرص کی آگ تھی۔

حرص کارت را بیارائیدہ بود　　　حرص رفت و ماند کار تو کبود

یعنی حرص نے تیرے کام کو سنوار رکھا تھا حرص جاتی رہی تو تیرا کام خراب رہگیا مطلب یہ کہ جسطرح کہ کوئلہ آگ کی وجہ سے خوش رنگ معلوم ہوتا ہے اور جب آگ بجھ جاتی ہے

تو وہ کالا کالا دیجاتا ہے اسی طرح حرص کی وجہ سے برا کام اچھا معلوم ہونے لگا پھر جب
حرص جاتی رہی تو اس کی برائی معلوم ہوئی اس حرص نے اس کام کی صورت کو سنوار
رکھا تھا وہ اس کام کا حسن ذاتی نہ تھا۔ آگے اسی کی دوسری مثال دیتے ہیں کہ۔

غورہ را کہ نیک آراید غول — پختہ پندارد کسے کو ہست گول

یعنی جس انگور کو کہ بھوت نے سنوار رکھا ہو اسکو بیوقوف آدمی پختہ جانتا ہے +

آزمائش چوں نماید جان او — کند گردد زآزمون دندان او

یعنی جب اسکی جان آزمائش کرتی ہے تو اس آزمائش کی وجہ سے اس کے دانت کند ہو جاتے
ہیں۔ مطلب یہ کہ کچے انگور کی صورت کچھ پختہ کی سی ہو گئی تو بیوقوف آدمی اسکو پختہ سمجھنے لگا
یعنی جب اسے چکھا تو تمام دانت کھٹے ہو گئے اور اسکی اصلی حالت معلوم ہو گئی بس یہی حال ہے
برے کاموں میں حرص کا۔ آگے اسی کی تیسری مثال ہے کہ

از ہوس آں دام دانہ می نمود — عکس غول حرص آں فخ دام بود

یعنی حرص کی وجہ سے وہ جال دانہ دکھائی دیتا تھا (حالانکہ) حرص کے بھوت کا عکس وہ
خود جال تھا۔ مطلب یہ کہ حرص کی وجہ سے جال دانہ دکھائی دیتا تھا۔ اور یوں معلوم ہوتا تھا
کہ یہ دانہ پڑا ہوا ہے لیکن جب حرص جاتی رہی تب ہوش آیا اور جال نظر آیا۔ آگے نصیحت فرماتے ہیں کہ

حرص اندر کار دین و خیر جو — چوں نماند حرص ماند نغز او

یعنی کار خیر میں اور دین کے کام میں حرص ڈھونڈھو کہ جب حرص نہ رہیگی تو وہ خالص و اچھا ہوگا

خیرہا نغزند نہ از عکس غیر — تاب حرص ار رفت ماند تاب خیر

یعنی اچھے کام خود عمدہ ہیں کسی دوسرے کے عکس سے نہیں حرص کی روشنی جاتی رہی تو اچھے
کام کی روشنی باقی رہتی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ کار خیر میں اور کار دیں میں حرص کرو تو پھر اگر حرص
نے جو اسکو چمکا رکھا تھا وہ بات نہ بھی رہے تب بھی خود کار خیر ہی ایسا عمدہ اور حسین شئے ہے
کہ اسکی خوبی جو باقی رہے گی وہی بہت ہو گی۔ اگر دین کے کام سے وہ عمدگی جو شوق کی وجہ سے
پیدا ہوئی تھی زائل بھی ہو جاوے یعنی وہ شوق جاتا بھی رہے تب بھی چونکہ کار خیر خود بذات
خود خیر ہے اسلئے وہ عمدہ ہی رہیگا۔ بخلاف کار دنیا کے کہ اسکی یہ حالت ہے کہ۔

تاب حرص از کار دنیا چوں برفت　　فحم باشد ماندہ از اخگر بہ تفت

یعنی حرص کی چمک اگر کار دنیا سے جاتی رہے تو فوراً چنگاری سے کوئلہ رہجاویگا مطلب یہ کہ اگر دنیا کے کام سے وہ شوق اور حرص جاتا رہا تو پھر بُرا کا بُرا رہجاویگا۔ اسلئے کہ اُسکی ذات میں تو کوئی اچھائی تھی ہی نہیں۔ وہ عمدگی اور حسن تو اُس حرص ہی کا تھا۔ آگے اسکی ایک مثال دیتے ہیں کہ۔

کودکانرا حرص می آرد غرار　　تاشوند از ذوق دل دامن سوار

یعنی بچونکو حرص دہوکہ دیتی ہے یہانتک کہ وہ دل کے شوق سے دامن پر سوار ہوتے ہیں

چوں ز کودک رفت آں حرص بدش　　بر دگر اطفال خنداں آیدش

یعنی جب بچہ سے وہ اسکی حرص بد جاتی رہی تو دوسرے بچوں پر اُس کو ہنسی آتی ہے۔

کہ چہ میکردم چہ می دیدم دریں　　خل ز عکس حرص بنمود انگبیں

یعنی کہ میں کیا کیا کرتا تھا اور میں اسمیں کیا بات دیکھا کرتا تھا حرص کے عکس کیوجہ سے سرکہ شہد معلوم ہوتا تھا مطلب یہ کہ بچوں کو بچپن میں حرص ہوتی ہے گھوڑے پر چڑہنے کی اور اصلی گھوڑے پر چڑھ نہیں سکتے تو کہیں اپنے دامن کا گھوڑا بنالیا کہیں لکڑیکو بنالیا پھر جب بڑے ہو جاتے ہیں اور دوسرے بچونکو اس طرح کرتے دیکھتے ہیں تو ان حضرت کو اور زیادہ ہنسی آتی ہے۔ اور یہ سوچتے ہیں کہ بھلا میں یہ کام کیوں کیا کرتا تھا۔ اور اسمیں کونسا نفع مجھے معلوم ہوتا تھا تو چونکہ اب وہ حرص تو جاتی رہی اسلئے اُسکی بُرائی محسوس ہوئی ورنہ اُسوقت اُس حرص کی وجہ سے کچھ بھی نظر نہ آتا تھا۔ غرضکہ اہل دنیا کے کاموں میں جو رونق وغیرہ ہوتی ہے وہ تو اس شوق و حرص تک ہوتی ہے۔ اور پھر وہی بُرا کا بُرا لیکن اللہ والوں کے کاموں میں رونق ذاتی ہوتی ہے۔ لہذا وہ زائل نہیں ہوتی۔ آگے اسی کو فرماتے ہیں کہ۔

آں بنائے انبیا بے حرص بود　　زاں چنیں پیوستہ رونقہا فزود

یعنی انبیاء علیہم السلام کی وہ عمارت (چونکہ) بے حرص کے تھی اسلئے ہمیشہ اسی طرح رونقیں بڑھتی تھیں۔

اے بسا مسجد برآوردہ کرام　　لیک نبود مسجد اقصاش نام

یعنی بہت سی مسجدیں ہیں کہ بڑے بڑے لوگوں نے بنائی ہیں لیکن انکا نام مسجد اقصےٰ نہیں ہے
مطلب یہ کہ چونکہ انبیا اور اولیاء اللہ کے کاموں میں حرص وغیرہ کو دخل نہیں ہوتا اسلئے
وہ ہمیشہ با رونق رہتے ہیں اور اہل دنیا کے کاموں میں چونکہ حرص و ہوا کو دخل ہوتا ہے
اسلئے ان میں وہ رونق نہیں ہوتی۔ اور اسکا مشاہدہ جسکا دل چاہے جس زمانہ میں چاہے
کرلے۔ خود مولانا ہی فرماتے ہیں کہ بہت سی مسجدیں بڑے بڑے امراء نے اور بادشاہوں نے
بنائیں لیکن ان کا آج کوئی نام ہی نہیں جانتا اور ایک مسجد اقصےٰ جسکو نبی علیہ السلام نے
بنایا ہے کہ اسکا نام تمام عالم میں مشہور ہے۔ اور رہے گا۔ اسی طرح اس زمانہ میں دیکھ لو
کہ ایک تو وہ مدارس اور مساجد ہیں جو کہ غربا کے پیسہ سے بنی ہیں وہ کسقدر مقبول و مشہور ہیں
اور ایک وہ ہیں جنہیں صرف امراء ہی کا روپیہ لگا ہے۔ کہ ان میں کوئی خیر و برکت ہی نہیں آگے
فرماتے ہیں کہ۔

کعبہ را کش ہر زماں عزی فزود　　　آں ز اخلاصات ابراہیم بود

یعنی کعبہ کی جو ہر گھڑی عزت زیادہ ہوتی ہے یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اخلاص
کی وجہ سے ہے۔

فضل آں مسجد ز خاک و سنگ نیست　　　لیک در بناش حرص و جنگ نیست

یعنی اس مسجد کی فضیلت خاک اور پتھر کی وجہ سے نہیں ہے۔ لیکن (وجہ یہ ہے کہ) اسکے
بنانے والے میں حرص و لڑائی نہیں ہے۔ مطلب یہ کہ کعبہ شریف کی فضیلت اسوجہ سے
نہیں ہے کہ اسکی عمارت کچھ عمدہ ہے اسلئے کہ ظاہری عمارت تو اسکی بالکل سادہ ہے اور لاکھوں
مسجدیں اس سے بدرجہا خوبصورت بنی ہوئی ہیں اسکی فضیلت تو صرف اسوجہ سے ہے
کہ اس کے بانی کے اندر اخلاص ہی اخلاص تھا کوئی حرص وغیرہ نہ تھی۔ ان حضرات
کی یہ شان ہوتی ہے کہ۔

نے کتبشاں چوں کتاب دیگراں　　　نے مساجد شان نہ کسب و خانماں

یعنی انکی کتابیں دوسرے لوگوں کی کتابوں کی طرح نہیں ہیں۔ اور نہ انکی مسجدیں ویسی نہ
کمائی نہ گھر بار۔

نے ادب شان نے غضب شان نے نکال ... نے نعاس و نے قیاس و نے مقال

یعنی نہ اُنکا ادب ایسا نہ اُنکا غصہ نہ اُنکی سزا نہ نیند اور نہ قیاس و نہ گفتگو مطلب یہ کہ اُنکی ہر شے دوسرے لوگوں سے نرالی ہے۔ اور جدا ہے۔ اور اُسکو ایک خاص امتیاز حاصل ہے

ہر یکے را دادہ حق در مرتبت ... صد ہزاران حشمت و ہم مکرمت

یعنی حق تعالیٰ نے مرتبہ میں ہر ایک کو لاکھوں حشمتیں اور عزتیں عطا فرمائی ہیں۔

ہر یکے شان را یکے فر دگر ... مرغ جان شان طائر از پر دگر

یعنی ہر ایک کو اُن میں سے ایک دوسری عزت ہے اور اُنکا مرغ جان ایک دوسرے ہی پر سے اُڑنے والا ہے مطلب یہ کہ اُنکا عروج و نزول سب نرالا ہے اور ہر شے کو دوسرے لوگوں کے کاموں سے امتیاز حاصل ہے چونکہ ادب کا غلبہ ہوا تو آگے فرماتے ہیں کہ۔

دل ہمی لرزد ز ذکر حال شان ... قبلۂ افعال ما افعال شان

یعنی اُن کے حال کے ذکر سے دل کانپتا ہے (بس یہ سمجھو کہ) اُن کے افعال ہمارے افعال کے قبلہ ہیں مطلب یہ کہ اس مقابلۃً بیان کرنے سے دل کانپتا ہے اور خوف معلوم ہوتا ہے۔ کہ کہیں بے ادبی نہ ہو کہ ہم اپنے افعال اور اُن کے افعال میں تناسب بیان کریں حاشا و کلا بس اتنا سمجھ لو کہ اُن کے افعال ہمارے افعال کے قبلہ ہیں اس سے زیادہ اور کچھ بیان کرنے میں خوف سوء ادبی ہے۔

مرغ شان را بیضہ ز زریں بد است ... نیم شب جان شان سحرگہ بین شد است

یعنی اُن کے مرغ کے بیضے سونے کے ہیں اور آدھی رات کو اُن کی جان سحر دیکھنے والی ہوتی ہے یعنی اُن کی روح کے افعال بھی اور طرح کے ہیں جنکو اور لوگوں کے افعال سے کوئی نسبت ہی نہیں ہے وہ حضرات اپنی چشم باطن سے اندھیری رات میں نور کا مشاہدہ کرتے ہیں کیونکہ یہ ظلمت ظاہری اُن کے مشاہدے میں مخل نہیں ہو۔ آگے فرماتے ہیں کہ۔

ہر چہ گویم من بجان نیکوئی قوم ... نقص گفتم گشتہ ناقص گوئی قوم

یعنی میں قوم (انبیاء و اولیاء) کی جسقدر بھلائیاں بیان کرونگا وہ کم ہی کرونگا اور میں قوم کیلئے ناقص کہنے والا ہونگا مطلب یہ کہ میں ان حضرات کے جسقدر اوصاف بھی بیان

کروں گا وہ ان کے اوصاف واقعیہ کے سامنے کم ہی ہونگے اور ہیں ہمیشہ ناقص گو ہی رہونگا۔ لہذا جسقدر بیان کئے ہیں یہ بھی ناقص ہی ہیں تو ان ہی پر اکتفا کرنا چاہیئے آگے ایک عام خطاب فرماتے ہیں کہ

مسجد اقصٰے بسازید اے کرام　　　که سلیمان باز آمد والسلام

یعنی اے کرمو مسجد اقصٰے کو بناؤ کہ سلیمان علیہ السلام پھر آئے والسّلام۔ مطلب یہ کہ اے لوگو تم بھی اپنی مسجد اقصٰے یعنی دل کو درست کرو اور اسکو بناؤ کہ تمہارے زمانہ میں بھی ایک سلیمان یعنی مرشد موجود ہیں لہذا تم بھی اُن سے اپنی مسجد اقصٰے کو درست کرالو اور اُن کی تعلیم کے موافق بنالو۔

ور ازیں دیوان و پریاں سرکشند　　　جملہ را املاک در زنجیر کشند

یعنی اور اگر اس سے دیو و جنات سرکشی کریں تو سبکو فرشتے طوق میں کھینچیں گے مطلب یہ کہ اگر نفس اس طرف تمکو نہ آنے دے اور جنات و دیو کی طرح مسجد اقصٰے کو بنانے سے انکار اور سرکشی کرے تو تم اسکو اسکے سپرد کر دو وہ اسکو قابو میں لے آویگا۔

دیو یکدم کژ رود از مکر و زرق　　　تازیانہ آیدش بر سر چو برق

یعنی دیو ایکدم کو مکر و فریب سے کجروی کرے تو اسکے سر پر بجلی کی طرح کوڑا آئیگا۔ مطلب یہ کہ پھر یہ حالت ہوجاویگی کہ جب ذرا نفس سرکشی کریگا اسی وقت اسکو سزا ملجاویگی یہاں تو یہ فرمایا تھا کہ سلیمان یعنی مرشد کے سپرد اپنے کو کر دو آگے ترقی فرماتے ہیں کہ

چوں سلیمان شو کہ تا دیوان تو　　　سنگ بُرند از پے ایوان تو

یعنی سلیمان علیہ السّلام کی طرح ہوجاؤ تاکہ تمھارے شیاطین تمھارے محل کیلئے پتھر تراشیں۔ مطلب یہ کہ تم خود مرشد کی طرح کامل ہوجاؤ۔ تو پھر یہ نفس و شیطان تمھارے رام ہوجاویں گے اور پھر یہی تمھارے کام آویں گے اور تہذیب میں یہ بھی مدد دیں گے جیسا کہ سلیمان علیہ السّلام کو مسجد بنانے میں جنات اور دیو مدد دے رہے تھے۔

چوں سلیمان باش بے وسواس و ریو　　　تا ترا فرمان برد جنی و دیو

یعنی سلیمان علیہ السّلام کی طرح بے وسواس اور شک کے ہوجا تاکہ جن اور دیو سب تیری

تابعداری اور فرماں برداری کریں۔

خاتم تو ایں دل است و ہوشدار   تانگردد دیو را خاتم شکار

یعنی تمہاری انگوٹھی یہ دل ہے ہوشیار رہنا کہیں یہ انگوٹھی کسی دیو کی شکار نہ بنجاوے۔

پس سلیمانی کند بر تو مدام   دیو با خاتم حذر کن و السلام

یعنی پھر دیو مع انگوٹھی کے تجھ پر ہمیشہ سلیمانی کرے ذرا بچنا رہ والسّلام مطلب یہ کہ اوپر فرمایا تھا کہ سلیمانؑ کی طرح ہو جا تاکہ سب دیو و پری تیرے کہنے میں ہو جاویں اور سب تیری تابعداری کریں آگے بربنا مشہور فرماتے ہیں کہ دیکھو جس طرح سلیمان علیہ السّلام کی انگوٹھی ایک دیو نے لے لی تھی اور وہ سلیمان بن بیٹھا تھا اسی طرح کہیں اس نفس و شیطان کا قابو تمہارے دل پر جو کہ اس انگوٹھی کی طرح ہے نہ چلجاوے۔ اور پھر یہ تم پر قابو یافتہ ہو جاوے۔ لہذا ذرا بچتے ہی رہنا والسّلام اور یہ ضروری نہیں ہے کہ مولانا اس انگوٹھی کے قصہ کو صحیح ہی مانتے ہوں غالب یہ ہے کہ قصہ کو تو غلط ہی مانتے ہیں مگر بربنا مشہور فرمادیا ہے۔ اور اوپر دل کو تشبیہ مسجد اقصٰے سے دی تھی اور یہاں خاتم سے تشبیہ دی ہے تو اسمیں کوئی حرج نہیں ہے دونوں سے تشبیہ ہو سکتی ہے غرضکہ ان نفس و شیطان کو مرشد کے ذریعہ سے قابو میں لاکر خود ان پر حاکم بنو اور ان کے مکائد سے بچتے رہو۔ آگے فرماتے ہیں کہ۔

آں سلیمانی دلا منسوخ نیست   در سر و سرت سلیمانی کنے ست

یعنی اے دل وہ سلیمانی منسوخ نہیں ہے۔ بلکہ تیرے اندر ایک سلیمانی کرنے والا موجود ہے۔ مطلب یہ کہ خود تمہارے ہی اندر ایک ایسی شے ہے کہ وہ مثل سلیمان کے ہے یعنی روح کہ وہ اس نفس کے سامنے ایسی ہی ہے جیسے کہ سلیمان دیو کے مقابلہ میں۔ لہذا اس سے کام لو۔ اور مرشد کامل کو تلاش کرو آگے شیوخ مزورین سے بچاتے ہیں کہ۔

دیو ہم وقتے سلیمانی کند   لیک ہر جولاہہ اطلس کے تند

یعنی دیو بھی ایک وقت سلیمانی کرتا ہے۔ لیکن ہر جولاہہ اطلس کب بنتا ہے۔

دست جنباند چو دست او ولیک   درمیاں ہر دوشاں فرقیست نیک

یعنی وہ اسی کی طرح ہاتھ ہلاتا ہے لیکن دونوں کے درمیان میں ایک بہت بڑا فرق ہے مطلب یہ کہ بعض مرتبہ دہوکہ بازبھی مرشدی کرنے لگتے ہیں۔ لیکن ان کے دہوکہ میں مت آجانا اس لئے کہ دیکھو ایک جولاہہ اطلس بنتا ہے اور ایک گاڑہا بنتا ہے دونوں کے ہاتھ یکساں ہی چلتے ہیں مگر ایک نے بنا اطلس اور ایک نے بنا گاڑہا۔ کتنا بڑا فرق ہے۔ بس اسی طرح ایک جھوٹا ہو اور ایک سچا ان میں بھی ایک فرق عظیم ہے۔ لہذا جھوٹوں اور مکاروں سے بچنا ضروری ہو اور اسکی پہچان اپنے مقامات پر موجود ہے آگے فرماتے ہیں کہ۔

دربیان این حدیث شاعنوی یک حکایت بشنو اندر مثنوی

یعنی اس باطنی بات کے بیان میں ایک حکایت مثنوی میں سنو۔ مطلب یہ کہ ہم نے جو اوپر کہا ہے کہ شیوخ مزورین و شیوخ صادقین میں بہت بڑا فرق ہوتا ہے مزورین سے بچو اور صادقین کو تلاش کرو اسکے بیان میں ایک حکایت دو وزیروں کی لاتے ہیں جسکا خلاصہ یہ ہے کہ ایک شاعر ایک بادشاہ کے یہاں قصیدہ لکھکر لے گیا۔ اور سنایا تو بادشاہ نے اپنے وزیر حسن نامی سے کہا کہ اسکو ایکہزار اشرفیاں دیدو تو وزیر حسن نے کہا کہ حضور یہ تو بہت کم ہیں کم از کم دس ہزار اشرفیاں تو دیجئے غرضکہ اسکو دس ہزار اشرفیاں دیدیں۔ جب وہ خرچ ہو چکیں تو وہ شاعر پھر قصیدہ لکھکر لایا۔ اور یہاں اس وزیر کا انتقال ہو چکا تھا۔ اسکی جگہ ایک دوسرا وزیر تھا اور اسکا نام بھی حسن ہی تھا۔ جب اس شاعر نے قصیدہ سنایا تو بادشاہ نے حسب معمول ایکہزار اشرفیاں انعام دینے کا حکم دیا۔ تو یہ دوسرے وزیر صاحب بولے کہ حضور یہ بہت زیادہ ہے اسقدر دینے کی کیا ضرورت ہی بادشاہ نے کہا کہ میں نے اسکو پہلے بھی ایکہزار دینے کو کہا تھا اور وزیر نے دس ہزار دلوائی تھیں تو اب ایکہزار سے کیا کم ہو۔ وزیر بولا کہ آپ اس کام کو میرے سپرد کر دیجئے میں اسکو نمٹا دونگا۔ بادشاہ نے منظور کر لیا۔ وزیر نے اس شاعر کو اسقدر ٹلایا کہ پریشان ہو گیا۔ اور مایوس ہو گیا۔ اسوقت اس نے اسکو پچیس اشرفیاں دیدیں شاعر نے ان ہی کو غنیمت جانا اور پوچھا کہ اسکا کیا نام ہے معلوم ہوا کہ اسکا بھی نام حسن ہی ہے تو اس نے کہا کہ اس حسن میں اور اس حسن میں زمین آسمان کا فرق ہو۔ تو دیکھو جس طرح وہ بھی وزیر تھا یہ بھی وزیر اسکا نام بھی حسن تھا اسکا نام بھی حسن ہی تھا مگر وہ کسقدر سخی اور فائدہ پہونچانے والا

تھا اور یہ کسقدر کنجوس اور ضرر پہونچانے والا تھا۔ اسی طرح شیوخ مزورین وصادقین میں فرق ہوتا ہے خوب سمجھلو اب حکایت سنو۔

شرح حبیبی

ایک شاعر کو بادشاہ کے صلہ دینے اور وزیر حسن نامی کے اُس صلہ کو زیادہ کرنے کا قصہ

شاعرے آورد شعرے پیش شاہ
برامید خلعت واکرام وجاہ

شاہ مکرم بود فرمودش ہزار
از زر سرخ وکرامات ونثار

پس وزیرش گفت کایں اندک بود
دہ ہزارش ہدیہ دہ تا وارود

از چو او شاعر پس از تو بحر دست
دہ ہزارے کہ بگفتم او کم است

قصہ گفت آں شاہ را او فلسفہ
تا برآمد عشر خرمن از کفہ

دہ ہزارش داد و خلعت درخورش
خانہ شکر و ثنا گشت آں سرش

پس تفحص کرد کایں سعی کہ بود
شاہ را اہلیت من کہ نمود

پس بگفتندش فلاں الدیں وزیر
آں حسن نام وحسن خلق وضمیر

در ثنائے او یکے شعرے دراز
بر نوشت و سوئے خانہ رفت باز

بے زبان و لب ہماں نعمائے شاہ
مدح شہ میکرد و خلعتہائے شاہ

بعد سالے چند بہر رزق وگشت
شاعر از فقر و عوز محتاج گشت

گفت وقت فقر و تنگی دو دست	جستجوئے آزمودہ بہتر است
در گہے را کازمودم از کرم	حاجت نو را ہمان جانب برم

ایک شاعر بامید خلعت واعزاز واکرام ایک بادشاہ کی حضور میں ایک قصیدہ لایا، بادشاہ چونکہ اہل کمال کا قدردان تھا اسلئے اس نے حکم دیا کہ انکو ایک ہزار اشرفیاں دیدی جائیں اور انکی خوب تعظیم وتکریم کیجائے اور ان پر بکھیر بھی کیجاوے۔ وزیر نے کہا کہ یہ عطیہ بہت تھوڑا ہے دس ہزار دیجئے تاکہ یہ خوش واپس جاوے۔ اس جیسے شاعر اور آپ جیسے سخی کی نسبت سے یہ دس ہزار بھی جو میں نے کہے ہیں کم ہیں القصہ اس فلسفہ کے باہر حاکم نے بادشاہ سے اسکے متعلق یہانتک گفتگو کی کہ خرمن کا عشر گھونڈروں میں سے بھی نکال آیا یعنی بادشاہ نے اسکا پورا پورا حق ادا کر دیا۔ اور حکم دیدیا کہ دس ہزار اشرفیاں اور ان کے مناسب خلعت انکو دیدیا جاوے اس سے شاعر نے بادشاہ کی بہت کچھ ثنا وصفت کی۔ اور اسکا سر گویا کہ بادشاہ کی ثنا وصفت کا گھر ہو گیا۔ اس کے بعد اس نے تفتیش کی کہ یہ کسکی کوشش تھی اور میری قابلیت بادشاہ پر کسنے ظاہر کی تھی لوگوں نے کہا کہ فلاں وزیر نے جنکا نام بھی حسن ہے اور خلق بھی اچھا ہے اور طبیعت بھی اچھی ہے اسپر اس نے ایک طویل قصیدہ وزیر کی تعریف میں بھی لکھا۔ اور گھر واپس ہو گیا۔ جب وہ واپس ہوا ہے تو بادشاہ کی عطا کی ہوئی نعمتیں اور خلعتیں بزبان حال بادشاہ کی تعریف کر رہی تھیں چند سال کے بعد فقر وفاقہ کے سبب اسکو پھر رزق اور اسکے لئے سفر کرنے کی ضرورت ہوئی۔ اسوقت اس نے دل میں کہا کہ محتاجی اور تنگدستی کے وقت اسی کی جستجو بہتر ہے جسکو ایکمرتبہ آزما چکے ہیں اور جس درگاہ کو میں ایکمرتبہ آزما چکا ہوں بہتر ہے کہ اس نئی ضرورت کو بھی اسی کی طرف لیجاؤں۔

معنی اللہ گفت آن سیبویہ	یولہون فی الحوائج ہم لدیہ
گفت الہنا فی حوائجنا الیک	والتمسناہا وجدناہا الیک

صد ہزاران عاقلاں در وقت درد
جملہ نالاں پیش آں دیان فرد

ہیچ دیوانہ فلیوسے ایں کند
بر بخیلے عاجزے کدیہ تنند

گر ندیدندے ہزاراں بار بیش
عاقلاں جان کی کشیدندش بہ پیش

بلکہ جملہ ماہیاں در موجہا
جملۂ پرندگان بر اوجہا

بلکہ جملہ موجہا بازی کناں
ذوق و شوقش راعیاں اندر عیاں

پیل و گرگ و شیر دروا شکار نیز
اژدہائے زفت مور و مار نیز

بلکہ خاک و باد و آب و ہم شرار
مایہ زو یابند ہم دے ہم بہار

ہر دمش لابہ کند ہم آسماں
کہ فرو مگذارم اے حق یکزماں

استن من عصمت و حفظ تو است
جملہ مطوی بیمین آں دو دست

ویں زمیں گوید کہ دارم بر قرار
ایکہ بر آبم کہ تو دستی سوار

جملگاں کیسہ ازو بر دوختند
دادن حاجت ازو آموختند

ہر نبیے زو بر آوردہ برات
استعینوا منہ صبرا او الصلوۃ

ہیں ازو خواہید نے از غیر او
آب در یم جو مجو در خشک جو

ور بخواہی از دگر ہم او دہد
بر کف میلش سخا ہم او نہد

آنکہ معرض را از زر قاروں نہد
رو بدو آری بطاعت چوں کند

اب مولانا انتقال فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ لفظ اللہ کے معنی سیبویہ نے یہ بیان کئے ہیں کہ لوگ اسکی طرف اپنی ضروریات میں مضطر ہوتے ہیں اور اس نے کہا ہے کہ اسکا مطلب یہ ہے کہ اے ذات پاک ہم اپنی ضروریات میں تیری طرف گھبرا کر آتے ہیں اور تجھسے اُن کو طلب کرتے ہیں اور تیرے پاس انکو پاتے ہیں پس یہ نام ہی اسکے ملجا و ماوی ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ علاوہ

اسکے سیکڑوں اور ہزاروں عاقل تکلیف کے وقت اُسکی طرف رجوع کرتے ہیں۔ اور کوئی مجنون اور پاگل ہی نہیں کرتا۔ کہ کسی بخیل اور عاجز سے بھیک مانگے پس ثابت ہوا کہ وہ جواد کریم اور قادر مختار ہے۔ کیونکہ اگر عقلا ہزاروں مرتبہ سے بھی زیادہ اُس کے عطایا و انعامات کو نہ دیکھ لیتے تو کاہے کو اپنے کو اسکے سامنے طلب حاجت کیلئے لیجاتے۔ اور کچھ عقلا ہی پر منحصر نہیں بلکہ موجوں میں رہنے والی تمام مچھلیاں اور ہوا پر اُڑنے والے تمام پرندے بلکہ وہ تمام موجیں جو کہ اُسی کے ذوق شوق میں نہایت کھلم کھلا کھیل رہی ہیں نیز ہاتھی بھیڑیئے شیر شکاری بڑے بڑے اژدہے چھوٹی چھوٹی چیونٹیاں سانپ بلکہ خاک ہوا پانی آگ بھی سب کے سب اسی سے سامان بقا و وجود پاتے ہیں اور اسی کی طرف سے ان پر تکلیف خزاں آتی ہے اور اسی کی جانب سے بہار عیش۔ نیز یہ بلند اور عالیشان آسمان بھی ہر وقت متضرع رہتا ہے۔ کہ آپ میری امداد تھوڑی دیر کیلئے بھی نہ روکئے میرا ستون آپ کی حفاظت اور بچاؤ ہی ہے۔ کیونکہ آپ کے دست قدرت میں لپٹا ہوا ہوں۔ اور زمین کہتی ہے کہ اے وہ ذات جس نے مجھے پانی پر قائم کیا ہے آپ مجھے قایم رکھئے نیز تمام لوگوں نے تھیلیاں اُسی سے دولت لیکر سی ہیں اور دوسرونکی ضروریات کا پورا کرنا اسی سے سیکھا ہے اور ہر نبی اُسکی طرف سے یہ حکم لایا ہے کہ صبر و صلاۃ کے ذریعہ سے اس سے مدد چاہو ان وجوہ کی بنا پر تم کو جو کچھ مانگنا ہو حق سبحانہ ہی سے مانگو نہ کہ کسی اور سے اور پانی کو سمندر میں تلاش کرو نہ کہ سوکھی ندی میں۔ سمندر حق سبحانہ ہیں اور سوکھی ندیاں اور لوگ۔ کیونکہ وہ مالک الذات والصفات ہیں۔ ان کے پاس جو کچھ ہے سب عطائی ہے تو جو خود اُس کے محتاج ہیں تم اُن کو اپنا محتاج الیہ کیوں بناتے ہو۔ دیکھو اگر تم اوروں سے مانگوگے بھی تب بھی وہی دیگا کیونکہ اُس سخاوت کی خواہش و رغبت وہی تو پیدا کرتا ہے پس معلوم ہوا کہ غیر اُسکے مشیت کے بغیر تمھارے ساتھ کچھ سلوک نہیں کرسکتا۔ پس تم کو چاہئے کہ اس واسطہ کو درمیان سے اُڑا دو اور براہ راست اُس سے مانگو شاید تم کو خیال ہو کہ وہ دیگا نہیں مگر تم سوچو کہ جو اعراض کرنے والے کو ردیہ دیکر قارون بنا دیتا ہے وہ اسوقت جبکہ تم اسکی طرف مطیعانہ متوجہ ہوگے تمھارے ساتھ کیا کچھ سلوک نہ کریگا۔

بار دیگر شاعر از سودائے داد　　رو بسوئے آں شہ محسن نہاد

ہدیۂ شاعر چہ باشد شعر نو　　پیش محسن آرد و بنہد گرو

محسناں با صد عطا و جود و بر　　زر نہادہ شاعراں را منتظر

پیش آں شعرے بہ از صد تنگ شعر　　خاصہ شاعر کو گہر آرد ز قعر

آدمی اول حریص ناں بود　　زانکہ قوت ناں ستون جاں بود

سوئے کسب و سوئے غصب و صد حیل　　جاں نہادہ بر کف از حرص و امل

چوں بنادر گشت مستغنی ز ناں　　عاشق نام است و مدح شاعراں

تا کہ اصل و نسل او را بر دہند　　در میان فضل او منبر نہند

تا کہ کر و فر و زر بخشی او　　ہمچو عنبر بو دہد در گفتگو

خلق ما بر صورت خود کرد حق　　وصف ما از وصف او گیرد سبق

چونکہ آں خلاق شکر و حمد جوست　　آدمی را مدح جوئی نیز خوست

خاصہ مرد حق کہ در فضل ست چست　　پر شود زاں باد چوں خیک درست

ور نباشد اہل زاں باد دروغ　　خیک بدریدہ است کے گیرد فروغ

ایں مثل از خود نگفتم ای رفیق　　سرسری مشنو چو اہلی و صدیق

ایں پیمبر گفت چوں بشنید قدح　　کہ چرا فربہ شود احمد بہ مدح

رفت شاعر سوئے آں شاہ و ببرد　　شعر اندر شکر احساں کاں نمرد

محسناں مردند و احساں ہا بماند　　اے خنک آں را کہ ایں مرکب براند

ظالماں مردند و ماند آں ظلمہا　　وائے جانے کو کند مکر و دغا

گفت پیغمبر خنک آں را کہ او | شد ز دنیا ماند ازو فعل نکو

مرد محسن لیک احسانش نمرد | نزد یزداں دین و احساں نیست خورد

نام نیک او ز فعل نیک داں | پس نمردست او یقین بنگر عیاں

وائے آنکو مرد و عصیانش نمرد | تا نہ پنداری بمرگ او جان ببرد

ایں رہا کن زانکہ شاعر بر گذر | دام دارست و قوی محتاج زر

برد شاعر شعر سوئے شہریار | بر امید بخشش و احسان یار

نازنیں شعرے پُر از دُرّ درست | بر امید و بوئے اکرام نخست

شاہ ہم بر خوے خود گفتش ہزار | چوں چنیں بد عادت آں شہریار

لیکن ایں بار آں وزیر پُر ز جود | بر براق عز ز دنیا رفتہ بود

بر مقام او وزیر نو رئیس | گشتہ لیکن سخت بے رحم و خسیس

گفت اے شہ خرجہا داریم ما | شاعرے را نبود ایں بخشش سزا

من بربع عشر ایں اے مغتنم | مرد شاعر را خوش و راضی کنم

خلق گفتندش کہ او از بیش بیست | دہ ہزارے زیں دلاور بردہ است

بعد شکر کلک خائی چوں کند | بعد سلطانی گدائی چوں کند

گفت بفشارم ورا اندر فشار | تا شود زار و نزار از انتظار

آنگہ از خاکش دہم از راہ من | دار باید ہمچو گلبرگ از چمن

ایں من بگذار کاستادم دریں | گر تقاضا گر بود ہم آتشیں

از ثریا گر بہ بُرّد تا ثرے | نرم گردد چوں بہ بیند او مرا

گفت سلطانش ببر فرمان تراست ‌ ‌ لیک شادش کن کہ نیکوگوئے ماست

گفت او را و دو صد چوں او گدا ‌ ‌ تو بمن بگذار و فارغ شو شہا

جنس او را و چو او صد ہزار ‌ ‌ تو رہا کن با من و بر من گذار

پس فگندش صاحب اندر انتظار ‌ ‌ شد زمستان و دے و آمد بہار

شاعرش چندانکہ حاجت می نمود ‌ ‌ صاحبش در وعدہ حیلہ می فزود

شاعر اندر انتظارش پیر شد ‌ ‌ بس زبونِ این غم و تدبیر شد

گفت اگر زر نہ کہ دشنامم دہی ‌ ‌ تا رہد جانم ترا باشم رہی

انتظارم کشت بارے گو برو ‌ ‌ تا رہد این جانِ مسکیں از گرو

بعد ازانش داد ربع عشر آں ‌ ‌ ماند شاعر اندر اندیشہ گراں

کاں چناں نقد و چناں بسیار بود ‌ ‌ این کہ دیر اشگفت دستہ خار بود

پس بگفتندش کہ آں دستور راد ‌ ‌ رفت از دنیا خدا مزدش دہاد

کہ مضاعف زو ہمی شد آں عطا ‌ ‌ کم ہمی افتاد در بخشش خطا

این زماں او رفت و احسان را ببرد ‌ ‌ او بمرد الحق و لے احسان نمرد

رفت از ما صاحب راد و رشید ‌ ‌ صاحب سلاخ درویشان رسید

رو بگیر این را و زینجا شب گریز ‌ ‌ تا نگیرد با تو این صاحب ستیز

ما بصد حیلت ازو این ہدیہ را ‌ ‌ بستدیم اے بے خبر از جہدہا

او بدیشان کرد و گفت اے مشفقاں ‌ ‌ از کجا آمد بگوئید این عواں

چیست نام این وزیر جامہ کن ‌ ‌ قوم گفتندش کہ نامش ہم حسن،

گفت یا رب تا م آں و نام ایں	چوں یکے آمد دریغ اے رب دیں
آں حسن تا می کہ از یک کلک او	صد وزیر صاحب آمد چو دجو
ایں حسن کز ریش زشتا ایں حسن	می تواں بافید اے جان صد رسن
بر چنیں صاحب چو شاہ اصغا کند	شاہ و ملکش را ابد رسوا کند

خیر تو وہ شاعر بخیال بخشش اس محسن بادشاہ کی طرف چلا اور اپنے مناسب پیشکش کیلئے ہدیہ لیچلا اور شاعروں کا ہدیہ اسکے سوا کیا ہو سکتا ہے کہ وہ نیا قصیدہ کہیں اور محسن کے پاس لاکر اسکے گرو رکھدیں یعنی اسکے ذریعہ سے جر منفعت کریں اسلئے اس نے بھی ایسا ہی کیا اُدہر تو شاعروں کی یہ حالت ہے کہ وہ قصیدہ لکھکر جر منفعت کرتے ہیں۔ اُدہر محسنونکی یہ حالت ہے کہ سیکڑوں عطاؤں اور سخاوتوں اور احسانوں کی راہ سے انھوں نے دولت رکھ چھوڑی ہے۔ اور شاعروں کے منتظر ہیں۔ اور شعر کے اتنے قدر دان ہیں کہ انکے نزدیک ایک شعر پشمینہ کے سو گٹھوں سے زیادہ باوقعت ہے بالخصوص وہ شاعر جو پتال مضامین لاتا ہو۔ اس کے شعر کا تو کہنا ہی کیا ہے۔ راز اس قدر دانی کا یہ ہے کہ آدمی کو سب سے پہلے روٹی کی خواہش ہوتی ہے۔ کیونکہ غذا روح کی بقا کا ذریعہ ہے اسلئے وہ کمائی اور غصب اور دیگر سو تدبیروں کے لئے حرص و امید کے سبب جان ہتیلی پر لئے ہوتا ہے۔ اور انکی تحصیل کے لئے انتہائی کوشش کرتا ہے۔ مگر جبکہ وہ اتفاقاً روٹی کی طرف سے بیفکر ہو جاتا ہے تو اسوقت وہ نام و نمود اور شاعروں پر عاشق ہوتا ہے تاکہ وہ لوگ اسکے آبا و اجداد اور اسکی اولاد کو اپنی تعریف سے نفع پہونچادیں۔ اور اسکے اظہار فضل کیلئے ممبر قایم کریں۔ تاکہ انکی شان و شوکت اور زر بخشی انکی گفتگو سے عنبر کی بو کی طرح منتشر ہو اور اس خواہش کا راز یہ ہے کہ اللہ جل شانہ نے ہمیں اپنی صفت پر پیدا کیا ہے اور ہماری صفات اسکی صفات کے ظلال و عکوس اور ان سے مستفید ہیں پس چونکہ حق سبحانہ اپنے بندوں سے طالب حمد و ثنا ہیں اسلئے آدمی بھی خواہاں مدح ہے۔ بالخصوص اہل اللہ جو کہ فضل میں کامل ہیں وہ تو تعریف سے یوں پھول جاتے ہیں جیسے صحیح سالم مشک ہوا سے اور یہ اثر طبعی و اقتضائے سلامت و

لطافت حس ہوتا ہے۔ نہ کہ از روے افتخار و خود بینی اور برخلاف ان کے جو لوگ مدح کے
اہل نہیں ہیں وہ اس جھوٹی تعریف سے معتد بہ اثر قبول نہیں کرتے کیونکہ اُن کی مثال
ایسی ہے جیسے پھٹی ہوئی مشاک کہ وہ ہوا سے پھول نہیں سکتی۔ یہ صحیح و سالم مشاک اور پھٹی
ہوئی مشاک کی تمثیل میں نے اپنی طرف سے نہیں دی ہے۔ اسلئے اگر تو اہل اور صاحب ہوش
ہے تو اسکو معمولی نہ سمجھنا بلکہ یہ تمثیل آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اُسوقت بیان فرمائی
ہے جبکہ آپنے کسیکا یہ طعن سنا تھا کہ احمد اگر رسول ہیں تو اپنی تعریف سے کیوں خوش ہوتے
هذا هو المراد والمحشون خبطوا فی تقریر المقام حیث قالوا المشار الیہ فی قولہ
این مثل الخ قولہ ان اللہ خلق آدم علی صورتہ و قالوا یفهم منہ ان الحدیث
ورد فی جواب طعن الطاعن لانہ لیس فی الحدیث ما یدل علی ما فهموا ولا فی
کلام مولانا بل ظاهر کلامہ قدس سرہ یاباہ اباء ظاهرا فان قلت التمثیل
لم یثبت من رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فکیف یقال انہ قال رسول اللہ
صلے اللہ علیہ وسلم قلنا هکذا لم یثبت ان حدیث ان اللہ خلق آدم علی صورتہ
ورد فی جواب الطعن فاستویا فی عدم صحۃ النقل وما قلنا مرجح بظاهر کلام مولانا
فتعین هو۔ لکونہ مرادا۔ فافهم۔ القصہ وہ شاعر بادشاہ کے پاس گیا۔ اور اُس کے
پاس ایک قصیدہ اس احسان سابق کے شکریہ میں لے گیا جو کہ مرا نہ تھا۔ بلکہ اُسکے آثار موجود
تھے۔ اور چونکہ کسی شے کے آثار کا باقی رہجانا حکماً اسی شے کا بقا ہے اسلئے گو محسن مرجاتے ہیں
مگر انکا احسان نہیں مرتا۔ ارے بڑی چین ہے اسکے لئے جو یہ گھوڑا دوڑاے یعنی احسان کرے
علی ہذا ظالم مرجاتے ہیں اور اُن کے ظلم باقی رہجاتے ہیں اور خرابی ہے اُس شخص کیلئے جو مکر اور
دغا کرتا ہے۔ دیکھو پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ چین ہے اُسکے لئے جو خود دنیا سے
چلا جاوے۔ اور کوئی اچھا کام اپنی یادگار چھوڑ جاوے۔ غرض محسن مرجاتا ہے۔ مگر اسکا احسان
نہیں مرتا کیونکہ خدا کے نزدیک دین اور احسان کوئی معمولی شے نہیں ہیں کہ وہ انہیں ضائع
ہونے دے۔ لہذا وہ انکو باقی رکھتا ہے اور فعل نیک کے نہ مرنے کی دلیل یہ ہے کہ نیکنامی
اثر ہے فعل نیک کا۔ اور نیکنامی موجود ہے۔ تو یقیناً ثابت ہوا کہ فعل نیک مرا نہیں۔ تم اسکا

مشاہدہ کر سکتے ہو اور خرابی ہے اسکے لئے جو مر جائے اور اسکے گناہ نہ مریں ایسے شخص کو تم ہرگز نہ سمجھنا کہ وہ مر کر بچ گیا - توبہ توبہ بھلا کہیں بچ سکتا ہے - وہ تو اور پھنس گیا کیونکہ اسوقت وہ اسکا خمیازہ بھگتے گا - اچھا اب اس ذکر کو چھوڑو اسلئے کہ شاعر راہ میں اور قرضدار ہے - اور روپیہ کی اسکو شدید ضرورت ہے لہذا اسکو بادشاہ تک پہونچانا چاہئے خیر تو وہ شاعر بامید عطا و اکرام و احسان گذشتہ ایک نازک قصیدہ جو دُرِ ناسفتہ سے لبریز تھا بادشاہ کی حضور میں لیگیا - اور بادشاہ نے بھی حسب عادت اسکو ہزار اشرفیاں دیدینے کا حکم دیدیا - کیونکہ اسکی عادت یہی تھی کہ وہ ہزار ہی دیتا تھا مگر اس مرتبہ وہ سخاوت سے لبالب وزیر براق عزت پر سوار ہوکر دنیا سے رخصت ہو چکا تھا - اور اسکی جگہ ایک نیا وزیر حاکم ہوگیا تھا مگر یہ وزیر سخت بخیل اور بے رحم تھا - اس نے بادشاہ سے کہا کہ حضور ہم کو بہت کام ایسے کرنے ہیں جنمیں خرچ کی ضرورت ہوگی - اسلئے ایک شاعر کو اتنا دیدینا مناسب نہیں میں اس رقم کے چالیسویں حصہ پر رضامند اور خوشنود کردونگا - اسپر لوگوں نے کہا کہ یہ شخص اس سے پیشتر بادشاہ سے دس ہزار اشرفیاں لیجا چکا ہے - اب یہ شکر کے بعد بانس کیسے چابیگا - اور بادشاہی کے بعد گدائی کیونکر کریگا یعنی اتنے بڑے عطیہ کے بعد اس قلیل رقم پر کیونکر رضامند ہوگا - اس نے کہا کہ میں اسے خوب دباؤنگا تاکہ وہ انتظار سے مجبور ہو جاوے - اسوقت اگر میں اسے رستہ کی مٹی بھی اٹھا کر دیدونگا تو وہ اسکو ایسا سمجھیگا جیسا کہ باغ میں سے پھول کی پتی ملگئی - حضور آپ اسکو میرے حوالہ کردیں وہ تقاضا کرنے میں آتش کا پرکالہ ہی کیوں نہو میں خود اس سے سمجھ لونگا - اگر وہ ثریا سے ثریٰ تک اور آسمان سے زمین تک بھی اڑیگا تب بھی جبکہ وہ مجھے دیکھیگا تو فوراً نرم ہو جاویگا بادشاہ نے کہا کہ اچھا جاؤ تم جانو مگر اُسے خوش کردینا - کیونکہ وہ ہمارا ستایش گر ہے اس نے کہا کہ آپ اسکو اور اُس جیسے سیکڑوں بھک منگوں کو مجھپر چھوڑ دیجئے - اور آپ مطمئن رہئے - بلکہ اسیونکو اور ایسے تین لاکھ کو آپ میرے حوالہ کردیجئے اور مجھپر چھوڑ دیجئے میں آپ دیکھ لونگا - آپ بالکل خاطر جمع رکھئے وہ یہ کہکر آیا اور آکر اسے انتظار میں ڈالدیا - گرمیاں بھی گذر گئیں خزاں کا زمانہ بھی ختم ہوگیا اور بہار کا زمانہ آگیا مگر ہنوز روزِ اول - شاعر اس کو

جسقدر اپنی ضرورت دکھلاتا تھا وزیر وعدوں میں اتنی ہی چالاکی کرتا تھا غرض وہ بیچارہ
انتظار میں پڑا ہوا گیا۔ اور فکر و تدبیر سے بہت زچ ہو گیا۔ بالآخر اس نے کہا کہ اگر روپیہ
نہیں دیتے تو گالی ہی دیجیے کچھ تو دیجیے۔ تاکہ میری جان اس بلا سے چھوٹ جاوے
اگر آپ ایسا کریں تو میں آپکا عمر بھر غلام رہونگا۔ اس انتظار نے تو مجھے مار ڈالا۔ آپ
اتنا ہی کہہ دیجیے کہ جا ہم کچھ نہ دیں گے تاکہ مجھ بیچارہ کی جان تو اس قید سے چھوٹ جاوے
میں اور ہی کوئی ٹھکانہ ڈھونڈھوں اسکے بعد اس نے اس رقم کا چالیسواں حصہ اسکے
حوالہ کیا۔ یہ دیکھکر شاعر کو بہت سوچ ہوئی کہ پہلی قسم تو فوراً ہی ملگئی تھی اور اسقدر
زیادہ تھی اور یہ بھول دیر میں کھلا مگر مٹھی بھر کانٹے نکلے اسمیں بھید کیا ہے۔ لوگوں نے
کہا کہ پہلا وزیر خدا اسکو جزا دے دنیا سے سدھار گیا ہے۔ جسکے سبب سے وہ بخشش دہ چند
ہو گئی تھی۔ اور جسکے سبب بخشش میں غلطی واقع نہوتی تھی نہ بلحاظ مقدار کے اور نہ باعتبار
زمان کے اب وہ وزیر رخصت ہو گیا اور احسان کو بھی اپنے ساتھ ہی لیتا گیا۔ اسلئے
یہ صورت پیش آئی۔ دیکھو وہ وزیر تو ضرور مر گیا ہے مگر اسکا احسان نہیں مرا۔ اور اسی طرح
اسکی نیکنامی باقی ہے جو ثبوت ہے اسکے احسان کے زندہ ہونیکا۔ ہاں تو انھوں نے کہا کہ ہمارا حکیم
اور صحیح الافعال وزیر تو رخصت ہو گیا اور اسکی جگہ یہ فقیروں کی کھال نوچنے والا آ پہونچا
اچھا جو یہ دے تم اس سے لیلو اور رات ہی کو روانہ ہو جاؤ۔ ایسا نہو کہ یہ تمہارا دشمن ہو جاوے
کہ اس نے ہمارے عطیہ کی قدر نہیں کی۔ ہم نے سو تدبیروں سے اس سے یہ رقم نکالی ہے
آپکو تو خبر نہیں کہ ہم نے کیا کیا کارروائیاں کی ہیں۔ یہ سنکر وہ لوگوں کی طرف متوجہ ہوا
اور کہا کہ یہ ظالم کہاں سے آمرا اور اس کٹر کھسوٹ وزیر کا نام کیا ہے۔ لوگوں نے کہا کہ اسکا
نام بھی حسن ہے۔ اس نے کہا کہ اے اللہ اسکا نام ایک کیسے ہو گیا۔ یہ تو بڑے افسوس کی
بات ہے وہ تو وہ حسن تھا کہ اسکے قلم کی ایک حرکت سے سیکڑوں وزیر خواہاں سخاوت
تھے اور یہ وہ حسن ہے کہ اسکی بڑی ڈاڑھی سے سیکڑوں رسیاں بنائی جا سکتی ہیں کیونکہ
یہ اسی قابل ہے۔ اگر بادشاہ سلامت ایسے وزیر کی بات سنیں گے تو بادشاہ کو بھی اور اسکے
ملک کو بھی ہمیشہ کیلئے بدنام کر دیگا۔ چنانچہ فرعون نے ہامان کی بات سنی تو دیکھو اسکا

کیا انجام ہوا تفصیل اس اجمال کی یہ ہے۔

بادشاہ کی مروت کے فاسد کرنے میں اس وزیر کی بدرائی کا ہامان وزیر فرعون کے مشابہ ہونا

چنداں فرعون می شد نرم و رام ۔۔ چوں شنیدی او ز موسیٰ آں کلام

چوں بہ ہاماں کہ وزیرش بود او ۔۔ مشورت کردے کہ کینش بود خو

چو بہ ہامان مشورت کردے ز آں ۔۔ مانعش گشتے مدام آں سخت جاں

پس بگفتے تاکنوں بودی خدیو ۔۔ بندہ گردی ژندہ پوشی را بریو

ہمچو سنگ منجنیقے آمدے ۔۔ آں سخن بر شیشہ خانہ او زدے

ہرچہ صد روز آں کلیم خوش خطاب ۔۔ ساختے در یکدم او کردے خراب

عقل تو مغلوب دستور ہواست ۔۔ در وجودت رہزن راہ خداست

ناصحے ربانئے پندت دہد ۔۔ آں سخن را او بفن طرحے نہد

کایں نہ برجاست ہیں از جا مشو ۔۔ نیست چنداں با خود آ شیدا مشو

وائے آں شہ کہ وزیرش ایں بود ۔۔ جائے ہر دو دوزخ پر کیں بود

شاد آں شاہے کہ اورا دستگیر ۔۔ باشد اندر کار چوں آصف وزیر

شاہ عادل چوں قریں او شود ۔۔ نام او نور علیٰ نور ایں بود

چوں سلیماں شاہ و چوں آصف وزیر ۔۔ نور بر نورست و عنبر بر عبیر

شاہ فرعون و چو ہامانش وزیر ۔۔ ہر دو را نبود ز بدبختی گزیر

پس بود ظلمات بعض فوق بعض	نے خرد یار و نہ دولت روز عرض
من ندیدم جز شقاوت در لئام	گر تو دیدستے رساں از من سلام
ہمچوں جاں باشد شہ و صاحب عقل	عقل فاسد روح را آرد بہ نقل
آں فرشتہ عقل چوں ہاروت شد	سحر آموز دو صد طاغوت شد
عقل جزوی را وزیر خود مگیر	عقل کل را ساز اے سلطاں وزیر
مر ہوا را تو وزیر خود مساز	کہ برآید جان پاکت از نماز
کیں ہوا پر حرص و حالے بیں بود	عقل را اندیشہ یوم الدین بود
عقل را دو دیدہ در پایاں کار	بہر آں گل می کشد آں رنج خار
کہ نہ فرساید نہ ریزد در خزاں	باد ہر خرطوم اخشم دور ازاں
در چہ عقلت ہست با عقل دگر	یار باش و مشورت کن اے پدر
با دو عقل از بس بلاہا وارہی	پائے خود بر اوج گردونہا نہی

فرعون جب موسیٰ علیہ السّلام کی گفتگو سنتا تھا تو کسیقدر نرم اور منقاد ہوتا تھا مگر جب ہامان کینہ خصلت سے مشورہ کرتا تو ہمیشہ اسکو روکتا اور کہتا کہ ابتک آپ خدا تھے اور اب اس گدڑے والے کے مکر کے سبب اسکے غلام ہو جاؤگے۔ کیا یہ آپکو گوارا ہے یہ بات سنگ منجنیق کی طرح آتی اور اس کے قصد و ارادہ کے شیش محل سے ٹکرا کر اُسے چکنا چور کر دیتی اور جو عمارت موسیٰ علیہ السّلام سو دن میں بناتے وہ ایکدم میں گرا دیتا مولانا اب انتقال فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ فرعون کی طرح تمہاری عقل بھی خواہش نفسانی سے مغلوب ہے اور تمہارے وجود میں بھی ایک راہ خدا کا رہزن موجود ہے چنانچہ جب کوئی ناصح ربانی تمہیں نصیحت کرتا ہے تو وہ اسبات کو چالاکی سے اڑا دیتا ہے اور کہتا ہے

کہ یہ بات مناسب نہیں تم کو اپنی جگہ سے ہلنا نہ چاہئے اور یہ بات کوئی قابل فخر نہیں ہے۔ تمکو ہوش میں آنا چاہئے۔ اور اسپر فریفتہ ہونا چاہئے۔ افسوس ہے اُس بادشاہ پر جسکا وزیر ایسا ہو۔ ایسے دونوں کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ اور مزہ میں اُس بادشاہ کے اُس کا معین المہام آصف سا وزیر ہو۔ جبکہ عادل بادشاہ کو ایسا وزیر ملجاوے۔ تو وہ نور علی نور کے خطاب کا مستحق ہے۔ اور جبکہ سلیمان سا بادشاہ ہو اور آصف سا وزیر ہو تو یوں کہئے کہ نورٌ علیٰ نور اور عبیر بر عنبر ہے۔ اور اگر فرعون سا بادشاہ اور ہامان سا وزیر ہو تو لامحالہ دونوں بدبخت ہونگے۔ اور ظلمات بعضہا فوق بعض کا مصداق بنیں گے۔ نہ عقل اُنکی معین ہوگی اور نہ قیامت میں دولت اُن کے کام آویگی بات یہ ہے کہ پاجیوں کے اندر تو بدبختی ہی ہوتی ہے میں نے تو اُن کے اندر بجز شقاوت کے اور کچھ دیکھا نہیں۔ اگر تم نے دیکھا ہو تو ہمارا ابھی سلام کہدینا۔ دیکھو بادشاہ جان کے مانند ہوتا ہے اور وزیر عقل کی مثل۔ اور عقل فاسد کا قاعدہ ہے کہ وہ جان کو اسکے اصلی مرکز سے ہٹا دیتی ہے۔ اور یہ عقل جو اصالۃً ملکوتی صفت ہے جب مثل ہاروت بنکر بگڑ جاتی ہے تو جان تو کیا سیکڑوں شیطانوں کی اُستاد بنجاتی ہے۔ اور اُن کو گمراہی کے افسوں سکھاتی ہے۔ پس تم عقل معاش کو اپنا وزیر نہ بنانا بلکہ عقل کل اور عقل معاد کو اپنا مشیر و صلاح کار بنانا اور تم خواہش نفسانی کو اپنا وزیر نہ بنانا کیونکہ اگر تم اسے وزیر بنا دوگے تو تمہاری جان پاک طاعت خداوندی سے نکل جاوے گی کیونکہ ہوائے نفسانی حریص ہے یہ توقتی مصلحت کو دیکھتی ہے اور وہی مشورہ دیتی ہے جسمیں مصلحت وقت ہو برخلاف عقل معاد کے کہ اسکو روز جزا کا خیال رہتا ہے اور عقل معاد انجام کو دیکھنے والی آنکھیں رکھتی ہے اور اس گل کیلئے تکلیف خار برداشت کرتی ہے۔ جو نہ فرسودہ ہوگا اور نہ خزاں سے کریگا بلکہ ابداً قایم رہیگا خدا کرے کہ اسکی وہ بو کسی نااہل کو نصیب نہو۔ اور فاقد حس شم کی ناک کا سانس جو اسکی بو کو لیکر قوت شامہ تک پہونچاوے اُسکی بو سے دور رہے۔ اب تک ہم نے عقل معاد کو مشیر بنانیکا مشورہ دیا ہے۔ مگر اسوقت ایک اور مفید مشورہ بھی دیتے ہیں وہ یہ کہ اگرچہ تمکو عقل معاد ہو اور تم نے اس عقل معاد کو اپنا مشیر بنالیا ہے مگر عقل شیخ کے ساتھ بھی تعلق رکھو اور اس سے بھی مشورہ کرو اں دو عقلوں کے ذریعہ سے

تم بہت سی بلاؤں سے بچ جاؤ گے اور اتنے رفیع المنزلۃ ہوگے کہ ساتویں آسمان سے اونچے ہوگے ہاں تو ہم نے اوپر کہا تھا کہ کبھی دیو بھی سلیمانی کرتا ہے مگر اسکی سلیمانی اور سلیمان کی سلیمانی میں بہت بڑا فرق ہوتا ہے۔ اب ہم اسی مضمون کو بیان کرنا چاہتے ہیں سنو۔

شرح شبیری

ایک شاعر کو بادشاہ کے صلہ دینے اور وزیر حسن نامی کے اس صلہ کو زیادہ کرنے کا قصہ

شاعرے آورد شعرے پیش شاہ — بر امید خلعت و اکرام و جاہ

یعنی ایک شاعر بادشاہ کے سامنے خلعت و اکرام اور جاہ کی امید پر ایک قصیدہ لایا

شاہ مکرم بود فرمودش ہزار — از زر سرخ و کرامات و نثار

یعنی بادشاہ سخی تھا تو اس نے اس کیلئے ایک ہزار اشرفیاں اور انعامات کا حکم دیا

پس وزیرش گفت کایں اندک بود — دہ ہزارش ہدیہ دہ تا وا رود

یعنی اسپر وزیر شاہ نے کہا کہ یہ تو کم ہے اسکو دس ہزار ہدیہ دیجئے تاکہ چلا جاوے۔ یعنی خوش ہوکر جاوے۔

از چو او شاعر پس از تو بحر دست — دہ ہزارے کہ بگفتم اندک است

یعنی اس جیسے شاعر کیلئے اور تجھ جیسے بادشاہ سخی سے دس ہزار جو میں نے کہے یہ بھی تھوڑے ہیں

قصہ گفت آں شاہ را و فلسفہ — تا بر آمد عشر خرمن از کفہ

یعنی اس نے بادشاہ سے قصہ بیان کیا اور مصلحت بتائی یہاں تک کہ بچے ہوئے اناج میں سے بھی خرمن کا عشر نکال لیا۔ مطلب یہ کہ اگر کوئی شخص بچے ہوئے اناج میں سے بھی جو کہ بالکل بیکار رہ گیا ہے عشر نکال دے تو اسکو یہ سمجھنا چاہیئے کہ اس نے پورا پورا حق ادا کر دیا۔ اسلئے کہ ایسی شئے میں سے بھی عشر نکالدیا تو اسی طرح اس وزیر نے اسکو جو انعام دیا وہ

اسقدر دیا کہ اسکا پورا پورا حق ادا کر دیا۔

دہ ہزارش دادہ خلعت درخورش　　خانۂ شکر و ثنا گشت آں سرش

یعنی دس ہزار (اشرفیاں) دیں اور اسکے مناسب خلعت دیا تو اس شاعر کا سر شکر و ثنا کا گھر ہو گیا۔ مطلب یہ کہ اس انعام کو لیکر وہ شاعر بہت ہی مشکور ہوا۔

پس تفحص کرد کایں سعی کہ بود　　شاہ را اہلیتِ من کہ نمود

یعنی پھر اس نے جستجو کی کہ یہ کوشش کسکی تھی اور بادشاہ کو میری اہلیت کس نے ظاہر کر دی۔

پس بگفتندش فلان الدین وزیر　　آں حسن نام و حسن خلق و ضمیر

یعنی لوگوں نے اس سے کہا کہ فلان الدین جو وزیر ہے وہ حسن نامی ہے اور اچھے اخلاق والا اور اچھے دل والا ہے۔ مطلب یہ کہ لوگوں نے بتلایا کہ فلاں وزیر ہے اس نے یہ کوشش کی،

در ثنائے او یکے شعر دراز　　بر نوشت و سوئے خانہ رفت باز

یعنی اس شاعر نے اس وزیر کی تعریف میں ایک لمبا چوڑا قصیدہ لکھا اور گھر کو واپس چلا گیا

بے زبان و لب ہماں نعمائے شاہ　　مدح شہ میکرد و خلعتہائے شاہ

یعنی وہ بادشاہ کے انعامات اور خلعتیں بے زبان و لب کے بادشاہ کی مدح کر رہی تھیں مطلب یہ کہ بادشاہ نے جو انعامات کئے تھے اور خلعتیں دی تھیں وہ بزبان حال بادشاہ کی مدح و ثنا کر رہی تھیں۔

بعد سالے چند بہر رزق گشت　　شاعر از فقر و عوز محتاج گشت

یعنی بعد چند سال کے رزق اور سفر کے واسطے فقر و تنگدستی کی وجہ سے شاعر محتاج ہوا۔ مطلب یہ کہ بعد چند سال کے جب وہ سب روپیہ پیسہ اسکے پاس ختم ہو گیا تو اسکو رزق کی ضرورت ہوئی۔ اور اس رزق کی طلب کیلئے اسکو سفر کی بھی ضرورت ہوئی غرضکہ دوبارہ سفر کر کے بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوا جسکا قصہ آگے بیان کرتے ہیں۔

شاعر کا بعد چند سال کے اسی انعام کی امید پر پھر آنا اور بادشاہ کا اپنے قاعدہ کے مطابق ہزار دینار کا حکم دینا اور ایک نئے

وزیر حسن نامی کا کہنا کہ یہ بہت زیادہ ہے اور ہمیں بہت سے خرچ درپیش ہیں اور خزانہ خالی ہے لہذا میں اسکو دسویں حصہ پر راضی کردوں گا*

گفت وقت فقر و تنگی دو دست جستجوئے آزمودہ بہتر است

یعنی اس شاعر نے (دل میں) کہا کہ فقر اور دونوں ہاتھ کی تنگی کے وقت میں آزمائے ہوئے کی تلاش کرنا بہتر ہے۔ مطلب یہ کہ جب اسکے پاس کچھ نہ رہا۔ تو اس نے سوچا کہ میاں جسکو ایک مرتبہ آزما چکے ہیں وہیں چلنا چاہیئے وہیں سے کچھ اور ملیگا۔ اور سوچا کہ

درگہے را کازمودم از کرم حاجت نو را ہماں جانب برم

یعنی جس درگاہ کو کہ میں نے کرم میں آزمالیا ہے نئی حاجت کو بھی اسی جانب کو لیجاؤں یعنی جس دروازہ پر ایک دفعہ انعام مل چکا ہے اور جس در کو ایک مرتبہ آزما چکا ہوں اب پھر وہیں چلنا بہتر ہے۔ چونکہ یہاں اس شاعر نے یہ سوچا تھا کہ جہاں سے ایک مرتبہ مل چکا ہو اب بھی وہیں چلو اور اسی طرف متوجہ ہو تو اس سے مولانا کا ذہن دوسری طرف منتقل ہو گیا۔ کہ بس اسی طرح چونکہ حق تعالیٰ سے انعامات وعطائیں بار بار مل چکی ہیں لہذا اب بھی اسیطرف توجہ کرتے ہیں اور اُن ہی سے طلب کرتے ہیں کہ تمام عمر کا آزمایا ہوا دروازہ ہے اسی کو فرماتے ہیں

معنیٔ اللہ گفت آں سیبویہ یولہون فی الحوائج ہم لدیہ

یعنی اس سیبویہ نے لفظ اللہ کے یہ معنی کہے کہ حاجتوں میں اسکی طرف ہی متوجہ ہوتے ہیں۔

گفت الہنا فی حوائجنا الیک والتمسناہا وجدناہا الیک

یعنی کہ کہا کہ ہم اپنی حاجتوں میں آپ کی طرف متوجہ ہوئے اور ہم نے اُن حاجتوں کو تلاش کیا تو آپ کے پاس پایا۔ مطلب یہ ہے کہ دیکھو لفظ اللہ کی اصل سیبویہ نے اَلٰہٌ اِلٰہٌ دو کہی ہے اور یہ تعلیل بیان کی ہے کہ ہاء اوّل اور ہمزہ دوم کو حذف کردیا اور لام کو لام میں ادغام کردیا۔ اور یا کو الف سے بدل لیا لفظ اللہ ہوگیا) اور اَلٰہٌ اصل میں وَلٰہٌ تھا جسکے معنی ہیں

سرگشتہ اور فریفتہ ہوا تو لفظ اللہ کے معنی ہوئے کہ اُسکی طرف سرگشتہ اور فریفتہ ہوا تو دیکھئے حق تعالیٰ کی طرف توجہ اسلئے کہ اُن سے پہلے ہی تمام عمر انعامات دیکھے ہیں ہر شخص متوجہ ہوتا ہے اور یوں کہا کرتے ہیں کہ الھنا الیک فی حوائجنا یعنی ہم اپنی حاجتوں میں آپکی طرف راغب و متوجہ ہوئے۔

صد ہزاران عاقل اندر وقت درد　　جملہ نالان پیش آں دیان فرد

یعنی لاکھوں عاقل لوگ درد کے وقت میں رہتے سب اُس حاکم یکتا کے آگے روتے ہیں

ہیچ دیوانہ فلیوے ایں کند　　بر بخیلے عاجزے کدیہ تند

یعنی کوئی دیوانہ ایسی بیہودگی کرتا ہے کہ کسی بخیل عاجز پر سوال کو تنے۔

گر ندیدندے ہزاران بار بیش　　عاقلان جاں کے کشیدندش پیش

یعنی اگر لاکھوں بار مزید عطا کو نہ دیکھ چکے ہوتے تو عاقل لوگ اُسکے سامنے کب جان کھینچتے۔ مطلب یہ کہ دیکھو مصیبت کے وقت بڑے بڑے عقلاء و فلاسفر اسی کو پکالتے ہیں اور اسی سے التجا کرتے ہیں۔ تو اگر اُسکی طرف سے عطا نہوتی اور تمام عمر اُسکی طرف سے انعامات نہ ہوا کرتے بلکہ نعوذ باللہ وہ بخیل یا عاجز ہوتا تو پھر تو کوئی بیوقوف سے بیوقوف بھی کبھی اُس سے التجا نکرتا اور کبھی اُسکی طرف کوئی بھی متوجہ ہوتا۔ یہ سارے عقلاء جو اُسکی طرف متوجہ ہیں اُسکی یہی وجہ ہے کہ پہلے لاکھوں انعامات آنپر ہو چکے ہیں لہذا جب کوئی مصیبت کا وقت ہوتا ہے سب اُسی ایک واحد یکتا ہی کو پکارتے ہیں آگے ترقی کر کے فرماتے ہیں کہ۔

بلکہ جملہ ماہیاں در موجہا　　جملہ پرندگان بر اوجہا

یعنی بلکہ تمام مچھلیاں موجوں میں اور تمام اڑنے والے جانور بلندیوں میں۔

بلکہ جملہ موجہا بازی کناں،　　ذوق و شوقش العیان اندر عیاں

یعنی بلکہ تمام موجیں کھیل کرتی ہوئی اُس کے ذوق و شوق کو بالکل پوری طرح ظاہر کر رہی ہیں

پیل و گرگ و شیر و اشکار نیز　　اژدہائے زفت و مور و مار نیز

یعنی ہاتھی اور بھیڑیئے اور شیر اور شکار بھی اور بڑے بھاری اژدہا اور سانپ اور چیونٹیاں بھی

بلکہ خاک و باد و آب و ہم شرار　　مایہ زو یابند ہم دے ہم بہار

یعنی بلکہ خاک اور ہوا اور پانی اور آگ بھی اُسی سے پونجی پاتے ہیں خزاں بھی اور بہار بھی۔

ہر دمش لابہ کند این آسمان — کہ فرو مگذارم ای حق یک زمان

یعنی کہ یہ آسمان ہر دم اُسکی خوشامد کرتا ہے کہ اے حق تعالیٰ ایک گھڑی کو مجھے چھوڑ نے نہیں (اور عرض کرتا ہے کہ)۔

استن من عصمت و حفظ تو است — جملہ مطوی یمین آن دو دست

یعنی میرا استون آپ کی حفاظت اور بچاؤ ہی ہے تمام چیزیں اُن دونوں ہاتھوں کی قوت میں لپٹی ہوئی ہیں یعنی تمام موجودات تحت قدرت میں ہیں جیسا کہ ظاہر ہو یا ہر ہوا اور فرماتے ہیں کہ

وین زمین گوید کہ دارم برقرار — ایکہ بر آبم تو کردستی سوار

یعنی اور یہ زمین کہتی ہے کہ اے وہ ذات جس نے کہ مجھے پانی پر سوار کیا ہو مجھے برقرار رکھنا

جملگان کیسہ از و بر دوختند — دادن حاجت از و آموختند

یعنی سب نے اُسی سے تھیلی سی ہے اور حاجت کا دینا اُسی سے سیکھا ہے یعنی دنیا میں جو ایک شے دوسری کی حاجت روائی کرتی ہے یہ سب اُسی سے سیکھا ہے کہ اُس نے ان سبکو عطا کی ہے۔ اور پھر یہ سب اورونکو اُسی کے حکم سے نفع پہونچا رہے ہیں۔

ہر نبئے زو بر آورده برات — استعینوا منہ صبرًا والصّلوٰۃ

یعنی ہر نبی اُسکے پاس سے حکم لایا ہے کہ اُس سے صبر اور نماز کے ساتھ مدد چاہو مطلب یہ کہ سب انبیا یہی حکم لائے ہیں کہ حق تعالیٰ سے بذریعہ صبر و صلوٰۃ کے مدد چاہو اور اُسی سے امداد و حاجت روائی کو طلب کرو۔

ہین از و خواہید نے از غیر او — آب در یم جو مجو در خشک جو

یعنی ہاں اُسی سے مانگو اُسکے غیر سے مت مانگو اور پانی کو دریا میں تلاش کرو خشک ندی میں مت تلاش کرو یعنی اپنی حوائج کو اُسی کے آگے پیش کرو دوسروں کے آگے پیش کرنا فضول ہے اسلئے کہ دوسروں کے پاس رکھا ہی کیا ہے۔ اور اُن کو قدرت ہی کس شے کی ہے۔ جو وہ دینگے لہذا اُسی سے طلب کرو جو دے بھی سکے۔ اُسکے سوا اور تو سب ایسے ہیں جیسے خشک ندی ہوتی ہے کہ اگر اُسمیں سے کوئی پانی لینے لگے تو کیا پانی ملجاویگا۔ اسی طرح اگر اس کے سوا کسی اور سے حوائج

طلب کروگے توکیا وہ حاجت پوری کردیں گے ہرگز نہیں پھر طلب کرنا فضول اور حماقت ہے۔ آگے ترقی کرکے فرماتے ہیں کہ۔

ور بخواہی از دگر ہم او دہد　　بر کف میلش سخا ہم او نہد

یعنی اگر کسی دوسرے سے طلب کروگے تب بھی وہی دیں گے اسکے میلان کے ہاتھ پر سخاوت کو وہی رکھیں گے مطلب یہ کہ اگر تم نے کسی اور کے آگے ہاتھ پھیلایا بھی تب بھی تو وہی عطا کرینگے ظاہر میں یہ دینے والا ہے ورنہ اصل میں تو یہ ایک واسطہ اور ذریعہ ہے۔ کہ حق تعالیٰ نے اس ذریعہ سے تمکو دلوادیا سو رنہ اصل میں عطا کرنے والے وہی ہیں تو پھر اصل ہی کی طرف رجوع کرو واسطوں کی طرف کیوں رجوع کرتے ہو۔

آنکہ معرض را ز زر قاروں کند　　رو بدو آری بطاعت چوں کند

یعنی وہ ذات کہ اعراض کرنے والوں کو روپیہ سے قارون کردیتے ہیں تو اسی کی طرف طاعت کیساتھ متوجہ ہو تو کیا کچھ کریں گے مطلب یہ کہ انکی تو وہ شان ہے کہ قارون جیسے نافرمان اور سرکش کو بھی کسقدر مال و دولت عطا فرمائی تھی کہ جسکی انتہا نہیں ہے تو اگر تم اسکی اطاعت کروگے اور اطاعت کیساتھ اس طرف متوجہ ہوگے تو پھر تمکو وہ کیا کچھ نہ دیگا۔ لیکن یہاں یہ شبہ نہو کہ جو مطیعین ہیں وہ تو اکثر مفلس و قلاش ہی ہوتے ہیں تو پھر یہ کہنا کہاں صحیح ہے۔ بات یہ ہے کہ یہ اعتراض اسلئے واقع ہوا کہ تم نے یہ خیال کرلیا کہ جو ہم نے طلب کیا اور جسوقت طلب کیا اسی وقت ملے۔ تب تو ملا ورنہ نہیں یہ غلط ہے کیونکہ دد او مصلحت تو از تو بہتر داند" حق تعالیٰ ہی ان مصلحتوں کو خوب اچھی طرح جانتے ہیں وہ وہی کرتے ہیں جو ہمارے لئے مناسب ہوتا ہے۔ لہذا یہ سمجھنا سخت غلطی ہے اگر دولت ظاہری نہ ملی تو کیا دولت باطنی کچھ کم ہے صرف دعا ہی کا جو ثواب ہے وہی کیا کم ہے خوب سمجھ لو۔ آگے اس شاعر کے قصہ کی طرف رجوع ہے فرماتے ہیں کہ۔

بار دیگر شاعر از سودائے داد　　رو بسوئے آں شہ محسن نہاد

یعنی دوسری مرتبہ اس شاعر نے انعام کے خیال سے اس بادشاہ محسن کیطرف توجہ کی یعنی دوبارہ وہاں چلا۔

ہدیۂ شاعر چہ باشد شعر نو پیش محسن آرد و بنہد گرو

یعنی شاعر کا ہدیہ ہی کیا ہوتا ہے نئے شعر جنکو کہ (اپنے) محسن کے آگے لاتا ہے اور گروی رکھ دیتا ہے یعنی محسن کے پاس اُسکے انعام کے بدلہ میں گروی کر دیتا ہے۔ کہ وہ اُن اشعار نو کے بدلہ میں اُسکو انعام دیتا ہے غرضکہ وہ اور نئے اشعار ہدیہ میں بھیج لیگیا۔

محسناں با صد عطاء و جود و بر زر نہادہ شاعران را منتظر

یعنی سخی لوگ سیکڑوں عطاؤں اور سخاوت اور احسان سے سونے کو شاعروں کا منتظر رکھتے ہیں مطلب یہ کہ شاعر لوگ تو ہدیہ میں شعر پیش کرتے ہیں اور جو سخی ہوتے ہیں وہ انکے لئے روپیہ رکھے رکھتے ہیں اور منتظر رہتے ہیں کہ کب کوئی شاعر آوے اور ہم اُنکو انعام دینگے

پیش شان شعری با ز صد تنگ شعر خاصہ شاعر کو گہر آرد ز قعر

یعنی اُن سخیوں کے آگے ایک شعر ابریشم کی سو گٹھریوں سے اچھا ہوتا ہے۔ خاصکر وہ شاعر جو کہ گہرے میں سے موتی لاوے مطلب یہ کہ اُن سخیوں کے نزدیک ایک عمدہ شعر سیکڑوں من ابریشم سے بھی عمدہ اور برتر ہوتا ہے۔ اور ایک شعر کے آگے وہ انعام میں بہت کچھ دے گذرتے ہیں۔ خاصکر جو شاعر دقیق مضامین بیان کرے اُسکی تو اور بھی زیادہ قدر ہوتی ہے۔

آدمی اول حریص نان بود زانکہ قوت نان ستون جان بود

یعنی آدمی اول روٹی کا حریص ہوتا ہے۔ اسلئے کہ روٹی کی غذا جان کے لئے ستون ہوتی ہے،

سوئے کسب و سوئے غصب و صد حیل جان نہادہ بر کف از حرص و امل

یعنی کمانے کی طرف اور غصب کیطرف اور سیکڑوں حیلوں کی طرف جان کو ہتیلی پر امید و حرص کی وجہ سے رکھے ہوئے ہی مطلب یہ کہ انسان اول تو یہ چاہتا ہے کہ کہیں پیٹ بھر روٹی ملجاوے اسکے لئے سیکڑوں تدابیر کرتا ہے اور اپنی جان کو ہتیلی پر رکھکر خطرات کا مقابلہ کرکے اسکو حاصل کرلیتا ہے

چوں بنادر گشت مستغنی ز ناں عاشق نام ست و مدح شاعراں

یعنی جب اتفاقاً روٹی سے بیفکر ہوگیا تو نام کا اور شاعروں کی مدح کا عاشق ہوتا ہے +

تا کہ اصل و نسل او را بر دہند در بیان فضل او منبر نہند

یعنی تاکہ اُسکی اصل اور نسل کو پھل دیں اور اس کے فضل کے بیان میں ممبر رکھیں +

تاکہ کر و فرّ زر بخشی او ہمچو عنبر بو دہد در گفتگو

یعنی تاکہ اسکی شوکت اور دبدبہ اور انعام بخشی عنبر کی طرح گفتگو میں بو دے مطلب یہ کہ اول انسان مال و دولت روٹی کپڑے کا متلاشی ہوتا ہے اور اسکو سخت سخت مصیبتیں بھر کر حاصل کرلیتا ہے۔ پھر جب یہ اسکو حاصل ہوجاتا ہے تو اسکو اسکی ضرورت ہوتی ہے کہ کوئی میری تعریف کرے اور میرے باپ دادا اور اولاد کی مدح سرائی کرے تو میں اسکو انعام و اکرام دوں تو میری سخاوت اور امارت سبکو معلوم ہوجاوے۔ اور پھر لوگ میری خوب مدح سرائی کریں۔ غرضکہ جب کسی کے پاس مال و دولت یا کوئی کمال ہوتا ہے تو وہ چاہتا ہے کہ لوگ اسکی تعریف کریں اور اسکو دیکھیں اسلئے امرا بھی اپنی تعریف کے مشتاق ہوتے ہیں آگے اسکی وجہ اصلی بیان فرماتے ہیں کہ۔

خلق ما بر صورت خود کرد حق وصف ما از وصف او گیرد سبق

یعنی حق تعالیٰ نے ہمکو اپنی صورت (صفت) پر پیدا فرمایا ہے تو ہمارے اوصاف اس کے اوصاف سے سبق لیتے ہیں۔

چونکہ آں خلاق مدح و شکر جواست آدمی را مدح جوئی نیز خواست

یعنی جبکہ وہ خالق مدح اور شکر کا خواہاں ہے تو آدمی کو بھی مدح کے ڈھونڈھنے کی خصلت ہے مطلب یہ ہے کہ مولانا فرماتے ہیں کہ انسان جو مدح کا خواہاں ہوتا ہے اسکی وجہ یہ ہے کہ انسان کو حق تعالیٰ نے اپنی صفات کا مظہر بنایا ہے اور حق تعالیٰ بندہ کی حمد و شکر کرنے سے بیحد خوش ہوتے ہیں جیسا کہ حدیث و قرآن سے جابجا ثابت ہے اس لئے انسان بھی اپنی تعریف سنکر بوجہ مظہر حق ہونے کے خوش ہوتا ہے۔

خاصہ مرد حق کہ در فضل است چُست پر شود زاں باد چوں خیک درست

یعنی خاصکر وہ مرد حق جو کہ فضل میں چُست ہے وہ اس ہوا سے درست مشک کی طرح بھر جاتا ہے مطلب یہ کہ یوں تو ہر انسان اپنی مدح سرائی سے خوش ہوتا ہے مگر جو شخص کہ مرد حق ہوتا ہے وہ اس سے بہ نسبت دوسروں کے زیادہ خوش ہوتا ہے۔ اسلئے کہ وہ جانتا ہے کہ یہ تعریف صانع کی ہے میری تعریف ہے ہی نہیں۔ لہذا اسکو اس سے بہت سے فائدے ہوتے ہیں اور وہ یہ جلکم

اوروں کی نسبت زیادہ خوش ہوتا ہے۔

ور نباشد اہل زاں باد دروغ　　خیک بدریدست کے گیرد فروغ

یعنی اور اگر اہل نہو تو اُس جھوٹی ہوا سے پھٹی ہوئی مشک ہے کب فروغ پا سکتی ہے مطلب یہ کہ اگر وہ شخص اہل اللہ میں سے نہیں ہے بلکہ عوام میں سے ہے تو اُسکی مثال پھٹی ہوئی مشک کی سی ہے کہ جسطرح اُسکو ہوا سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ اور اُسمیں کوئی ترقی نہیں ہوتی۔ اسی طرح اُسکو بھی کوئی فائدہ نہیں ہوتا آگے ایک مضمون بیان کرکے اسکو ثابت فرماتے ہیں کہ۔

ایں مثال از خود نگفتم اے رفیق　　سرسری مشنو چو اہلی و مضیق

یعنی اے رفیق میں نے یہ مثال اپنی طرف سے نہیں دی تو تو اگر اہل ہے اور ہوشمند ہے تو اسکو سرسری طور پر مت سن۔

ایں پیمبر گفت چوں بشنید قدح　　کہ چرا فربہ شود احمد بہ مدح

یعنی یہ بات پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمائی تھی جبکہ یہ اعتراض سنا کہ احمد (صلے اللہ علیہ وسلم) مدح سے پھولتے کیوں ہیں مطلب یہ ہے کہ ہم نے جو پھٹی ہوئی اور سالم مشک کی مثال دی ہے یہ مثال اپنی طرف سے نہیں دی۔ بلکہ جب کفار نے حضور مقبول صلے اللہ علیہ وسلم پر اعتراض کیا تھا کہ اگر یہ نبی ہیں تو اپنی تعریف پر خوش کیوں ہوتے ہیں۔ اسپر حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے یہی مثال دی تھی۔ یہ حدیث ممکن ہے کہ مولانا کی نظر سے کہیں گذری ہو یا کسی حدیث کی روایت بالمعنی فرمائی ہو ورنہ یہ حدیث کہیں اپنی نظر سے نہیں گذری غرضکہ مولانا کا مقصود یہ ہے کہ اہل اللہ بوجہ اسکے کہ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ مصنوع کی تعریف عین صانع کی تعریف ہے، مدح سے زیادہ خوش ہوتے ہیں اور جو اہل اللہ نہیں ہیں وہ بوجہ منظور ہونے کے خوش تو ہوتے ہیں مگر اُن کو خوشی کم ہوتی ہے اسلئے کہ اُن کی نظر دوسری طرف تو نہیں ہوتی۔ آگے پھر اُسی شاعر کا قصہ ہے کہ۔

رفت شاعر سوئے آں شاہ و ببرد　　شعر اندر شکر احسان کاں نمرد

یعنی شاعر اُس بادشاہ کے پاس گیا اور احسان (سابق) کے شکریہ میں ایک قصیدہ لکھ لیگیا کیونکہ وہ (احسان) مرا نہ تھا۔ مطلب یہ کہ اُس پہلے انعام واکرام کے شکریہ میں ایک قصیدہ

لشکر دوبارہ پیش کرنیکے لئے لیگیا - مولانا فرماتے ہیں کہ

محسناں مردند و احساں ہا بماند ۔ اے خنک آنرا کہ ایں مرکب براند

یعنی احسان کرنے والے تو مر گئے اور احسان رہ گئے - اچھا ہے وہ جس نے کہ یہ (احسان کا) مرکب چلایا -

ظالماں مردند و ماند آں ظلمہا ۔ وائے جانے کو کند مکر و دغا

یعنی ظالم لوگ تو مر گئے اور ظلم باقی رہ گئے تو اس جان پر افسوس ہے جو کہ مکر و دغا کرے - مطلب یہ کہ محسن اور ظالم سب مر جاتے ہیں اور دونوں کا نام باقی رہتا ہے - مگر خوشا نصیب اس کے جس نے لوگوں پر احسان کئے اور اسکا نام احسان کے ساتھ باقی رہا اور نہایت بدنصیب ہے وہ جسکا نام ظلم سے باقی رہا - آگے اس مضمون کو حدیث سے ثابت فرماتے ہیں کہ -

گفت پیغمبر خنک آنرا کہ او ۔ شد ز دنیا ماند ازو فعل نکو

یعنی پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ وہ شخص اچھا ہے جو دنیا سے گذر گیا اور اس سے اچھے کام رہ گئے -

مرد محسن لیک احسانش نمرد ۔ نزد یزداں دین و احساں نیست خرد

یعنی محسن تو مر گیا لیکن اسکا احسان نہیں مرا - خدائے تعالیٰ کے نزدیک دین و احسان چھوٹے نہیں ہیں - مطلب یہ کہ احسان کرنا خواہ قلیل ہو اور دین کی بات کرنا خواہ بظاہر چھوٹی ہی سی ہو خدا کے نزدیک بہت بڑی قدر کی چیزیں ہیں انکو حقیر جانکر ترک مت کرو - کہ یہ بظاہر چھوٹی ہیں مگر اجر کے اعتبار سے بہت زیادہ ہیں -

نام نیک او ز فعل نیک داں ۔ پس نمردست او یقیں بگریاں

یعنی اس (محسن) کا نام اس کام (نیک) ہی کی بدولت جانو تو خوب جان لو کہ وہ (نیک کام یعنی احسان) مرا نہیں ہے - مطلب یہ کہ دیکھو محسن کی نیکنامی اس احسان ہی کی بدولت ہے کہ آج محسن موجود نہیں ہے مگر اسکا نام ہے اور نام ہے اس احسان کی بدولت - لہذا معلوم ہوا کہ وہ احسان بھی باقی ہے - آگے ظالم کے ظلم کے باقی رہنے کو بیان فرماتے ہیں کہ -

وائے آنکو مرد و عصیانش نمرد ۔ تا نہ پنداری بمرگ او جان ببرد

یعنی افسوس ہے اسپر جو کہ مرگیا اور اُس کے عصیان نہ مرے تم یہ ہرگز مت سمجھنا کہ وہ موت سے جان (بچا) لے گیا۔ مطلب یہ کہ جو ظالم تھا وہ مرگیا اُسکے ظلم کا نام باقی ہے۔ کہ فلاں نے یہ ظلم کیا فلاں ظلم کیا تو دیکھو اُسکے وہ ظلم بھی باقی ہیں اور اُنپر آثار مرتب ہو رہے ہیں اس مرجانے سے وہ چھوٹا نہیں بلکہ اور زیادہ مبتلا ہوگیا۔ غرضکہ محسن اور ظالم دونوں کا نام باقی رہتا ہے جس سے صاف معلوم ہوتا ہے۔ کہ وہ احسان و ظلم بھی باقی رہتا ہے تو چونکہ اُس شاعر پر جو احسان ہوا تھا وہ بھی باقی تھا اسلئے یہ اُسکے شکریہ میں ایک قصیدہ لکھکر لے گیا۔ آگے اُسی کا قصہ ہے فرماتے ہیں کہ۔

ایں رہا کن زانکہ شاعر بر گذر — دام دار ست و قوی محتاج زر

یعنی اس (احسان و ظلم کے بیان) کو چھوڑو کہ وہ شاعر راستہ میں قرضدار اور روپیہ کا بہت محتاج ہے۔ مطلب یہ کہ اُس شاعر کا قصہ جلدی سے بیان کر دو اور اُسکو بادشاہ تک پہونچا دو۔ تاکہ اُسکو روپئے ملجاویں۔

برد شاعر شعر سوئے شہریار — بر امید بخشش و احسان پار

یعنی شاعر بادشاہ کے پاس پارسال کے احسان و بخشش کی امید پر قصیدہ لے گیا۔

نازنین شعری پر از دُرّ درست — بر امید و بوئے اکرام نخست

یعنی ایک نازک قصیدہ جو کہ دُر نا سفتہ سے پر تھا پہلے اکرام کی امید اور توقع پر (لے گیا)

شاہ ہم بر خوئے خود گفتش ہزار — چون چنیں بد عادت آں شہریار

یعنی بادشاہ نے بھی اپنی عادت کے موافق اُسکو ہزار (روپیہ دینے کو) کہا چونکہ اُس بادشاہ کی عادت تھی۔ مطلب یہ کہ بادشاہ کی چونکہ عادت تھی کہ وہ شاعروں کو ایکہزار روپیہ انعام دیا کرتا تھا اسلئے اس نے عادت کے موافق کہا کہ ایکہزار روپیہ اس شاعر کو دیدو۔

لیک ایں بار آں وزیر پر ز جود — بر براق عز ز دنیا رفتہ بود

یعنی لیکن اس مرتبہ وہ سخی وزیر عزت کے براق پر دنیا سے جا چکا تھا مطلب یہ کہ اس پہلے سخی وزیر کا انتقال ہو چکا تھا اور۔

بر مقام او وزیر نو رئیس — گشتہ لیکن سخت بی رحم و خسیس

یعنی اُس وزیر کی جگہ پر ایک نیا وزیر حاکم ہوا تھا لیکن نہایت بے رحم اور خسیس تھا یعنی وہ وزیر سخی تو مر چکا تھا اور ایک دوسرا وزیر اسکی جگہ حاکم ہو گیا تھا۔ مگر یہ دوسرا وزیر بیحد بخیل تھا لہذا اُس نے یہ سنکر کہ اس شاعر کو ایکہزار روپیہ دیدو یہ کہا کہ۔

گفت ای شہ خرجہا داریم ما ‏ ‏ ‏ شاعری را نبود این بخشش سزا

یعنی بولا کہ اے بادشاہ ہمکو بہت سے خرچوں کی ضرورت ہے تو ایک شاعر کیلئے یہ بخشش لایق نہیں ہے۔ مطلب یہ کہ ہمکو بہت سے اخراجات درپیش ہیں اور روپیہ کم ہے ایک شاعر کو جو کسی مصرف کا نہیں ہے اور ملکی کام کچھ بھی نہیں کر سکتا اسقدر انعام دینا ٹھیک نہیں ہے۔

من بربع عشر این ای مغتنم ‏ ‏ ‏ مرد شاعر را خوش و راضی کنم

یعنی حضور میں اس انعام کے چالیسویں حصہ پر شاعر کو خوش اور راضی کر دونگا۔ یعنی اُس وزیر نے کہا کہ اسکو میرے سپرد کر دیجئے میں بجائے ایکہزار کے اس کو کل پچیس ۲۵ روپیہ دیکر خوش کر دونگا۔

خلق گفتندش کہ او از پیش دست ‏ ‏ ‏ دہ ہزاری زین دلاور بردہ است

یعنی لوگوں نے اس وزیر سے کہا کہ وہ شاعر پہلے ظل اللہ سے دس ہزار لے چکا ہے +

بعد شکر کلک خائی چون کند ‏ ‏ ‏ بعد سلطانی گدائی چون کند

یعنی شکر کھانے کے بعد کلک کس طرح کھاوے۔ اور بادشاہی کے بعد گدائی کسطرح کرے۔ مطلب یہ کہ لوگوں نے اس وزیر سے کہا کہ میاں پہلے اس شاعر کو حضور سے ایک قصیدہ پر دس ہزار انعام مل چکا ہے اور اب کل پچیس روپیہ پر کس طرح خوش ہو جاویگا کیوں اسکا حق تلف کرتے ہو۔ اسکو سنکر آگے وہ وزیر کہتا ہے کہ۔

گفت بفشارم ورا اندر فشار ‏ ‏ ‏ تا شود زار و نزار از انتظار

یعنی اُس وزیر نے کہا کہ میں اسکو دباؤنگا یہانتک کہ وہ انتظار میں زار و نزار ہو جاویگا۔

آنگہ از خاکش دہم از راہ من ‏ ‏ ‏ وار باید ہمچو گلبرگ از چمن

یعنی اسوقت اگر میں اسکو خاک راہ (بھی) دیدونگا تو (وہ اسکو اسطرح) لیجاویگا جسطرح کہ چمن سے گلبرگ کو۔ مطلب یہ کہ اُس نے کہا کہ میں اُسکو اسقدر ٹالکر دونگا کہ اسکے بعد اسکو

جو کچھ بھی ملجاویگا وہی غنیمت معلوم ہوگا اور کہتا ہے کہ۔

این بمن بگذار کاستادم دریں — گر تقاضا گر بود ہم آتشیں

یعنی (اے بادشاہ) اس امر کو میرے سپرد کر دیجئے کہ میں اسمیں استاد ہوں اگرچہ تقاضا گر آتش کا پرکالا ہو۔ مطلب یہ کہ تقاضا کرنے والا خواہ کتنا ہی سخت ہو مگر میں اسکو اسقدر شاہی سے ٹلاؤنگا کہ وہ بہت تھوڑے پر قانع ہو جاویگا۔ اور کہتا ہے کہ۔

از ثریا گر بہ پرد تا ثرے — نرم گردد چوں بہ بیند او مرا

یعنی اگرچہ ثریا سے ثریٰ تک اڑے وہ نرم ہو جاویگا جب مجھے دیکھیگا۔ مطلب یہ کہ اگرچہ وہ تقاضا اسقدر تیز ہو کہ زمین سے آسمان تک اسکی تیزی پہونچتی ہو مگر جب وہ مجھے اور میری تیزی کو دیکھے گا تدبیر سے آگے اسے بھی نرم ہی ہونا پڑیگا۔ آگے بادشاہ جواب دیتا ہے کہ۔

گفت سلطانش بروفرماں تراست — لیک شادش کن کہ نیکوگوی ماست

یعنی بادشاہ نے اس سے کہا کہ جا تجھے اختیار ہے لیکن اسکو خوش کر دیجیو کہ ہمارا مداح ہے مطلب یہ کہ بادشاہ نے کہا کہ اچھا میں نے تجھے اختیار دیا جو تیرا دل چاہے اسکو دیدے اور جسطرح چاہے کہ مگر ہاں اسقدر اور کہتا ہوں کہ جہانتک ہوسکے اسکو خوش کر دینا اسلئے کہ وہ ہمارا نام لیوا ہے۔ بددل ہو کر نہ جاوے۔ بادشاہ کی اس بات کو سنکر آپ فرماتے ہیں کہ۔

گفت اورا و دو صد چوں او گدا — تو بمن بگذار و فارغ شو شہا

یعنی اس وزیر نے کہا کہ اسکو اور اس جیسے دو سو اور فقیروں کو حضور میری سپرد کر کے بفکر ہو جایا کریں

جنس او را و چو او سہ صد ہزار — تو رہا کن با من و بر من گذار

یعنی اسکو اور اس جیسے لاکھوں کو آپ میرے سپرد کر کے الگ ہو جایا کیجے۔ مطلب یہ کہ اس وزیر نے کہا کہ حضور ایسونکو میرے سپرد فرماکر بفکر ہو جایا کریں میں ایسے لاکھونکو نبٹا دیا کرونگا اب چونکہ شاہی حکم تو مل ہی چکا تھا بس اب اس نے اپنی تدبیر شروع کر دی۔

بس فگندش صاحب اندر انتظار — شد زمستان و دے و آمد بہار

یعنی پس وزیر نے اسکو انتظار میں ڈالا (یہاں تک کہ) جاڑے اور دے کا مہینہ گذر گیا۔ اور (موسم) بہار آگئی۔ مطلب یہ کہ جب شاعر کو بھی معلوم ہو گیا کہ انعام وزیر صاحب سے ملیگا

تو اس نے ان سے عرض کرنا شروع کیا انھوں نے اسکو ٹلانا شروع کیا کبھی کہدیا کل آنا وہ آیا تو مخفی ہو گئے ملتے ہی نہیں ملے بھی تو پھر ٹالدیا غرضکہ کم از کم ایک ششماہی تو اسیطرح گذر گئی

شاعرش چندانکہ حاجت مے نمود | صاحبش در وعدہ حیلہ می فزود

یعنی شاعر جتنا اس سے حاجت ظاہر کرتا وزیر اس سے حیلہ میں زیادتی کرتا تھا مطلب یہ شاعر جتنا تقاضا کرے اسیقدر اور ہر صبح وہ وزیر حیلے کرتا تھا۔

شاعر اندر انتظارش پیر شد | پس زبون این غم و تدبیر شد

یعنی شاعر اسکے انتظار میں بڈھا ہو گیا اور غم و تدبیر سے عاجز ہو گیا۔ مطلب یہ کہ انتظار کرتے کرتے ایک مدت مدید گذر گئی مگر اس بندۂ خدا نے نہ دینا تھا نہ دیا تو شاعر نے آخر ایک دن جھلا کر کہا کہ۔

گفت اگر زر نہ کہ دشنامم دہی | تا رہد جانم ترا باشم رہی

یعنی اگر روپیہ نہیں تو مجھے گالی دیدے تاکہ میری جان چھوٹے میں تمھارا غلام ہوں مطلب یہ کہ میاں اگر انعام دینا نہیں ہے تو یہی کہدو کہ ہم نہ دیں گے کہ تمھارے اس کہنے سے کچھ آوے ہی گا یعنی وہ الفاظ برے بھلے جو مجھے کہو گے چلو دہی ملجاوینگے تو مجھے اس انتظار کی کوفت تو نہ ہوگی مجھے اس سے چھٹکارا ہو جاویگا۔ اور مجھپر آپکا بڑا احسان ہوگا۔ کہ مجھے ایک طرف کردو کہ الیاس احدی الراحتین۔

انتظارم کشت بارے گو برو | تا رہد این جان مسکین از گرو

یعنی مجھے تو انتظار نے مارڈالا ذرا یوں ہی کہدے کہ جا تاکہ میری جان مسکین گروی ہونے سے چھوٹے یعنی میں جو ہمیں کا ہو رہا نہ گھر جاسکوں امید انعام میں اور نہ یہاں انعام ملے تو اس سے تو اگر انکار کر دے تو چلو جان ایک طرف تو ہو۔

بعد از انش داد ربع عشر آں | ماند شاعر اندر اندیشہ گراں

یعنی اسکے بعد اسکو اس (انعام موعود) کا چالیسواں حصہ دیدیا تو شاعر ایک گہری سوچ میں رہگیا (اور کہنے لگا کہ)

کانچناں نقد و چناں بسیار بود | اینکہ دیر اشگفت دستہ خار بود

یعنی کہ وہ ایسا نقد اور اسقدر زیادہ تھا اور یہ کہ دیر میں کھلا ایک کانٹونکا دستہ تھا مطلب یہ کہ چونکہ امراء کے یہاں انعام وغیرہ ملازمین وغیرہ کی معرفت دلایا جاتا ہے اسلئے اُس وزیر اول نے بھی اور اس نے بھی اسکو انعام دلوا دیا۔ مگر شاعر نے شاید دونوں میں سے کسی کو دیکھا نہ تھا اور لوگوں سے جنکی رسائی وہاں تک تھی تقاضے کیا کرتا ہوگا۔ اب وہ ان پچیس روپیہ کو دیکھکر حیران رہگیا۔ کہ میاں پہلے تو اتنا اتنا ملا تھا اور جلدی ملگیا تھا۔ اور ایسے جو دیر ہو رہی تھی تو میں تو سمجھتا تھا کہ اب کے اور زیادہ ملیگا۔ مگر یہاں تو کچھ بھی نہ ملا۔ آخر اسکا سبب کیا ہے یہ سُنکر لوگوں نے اُس سے کہا کہ۔

پس بگفتندش کہ آں دستور راد	رفت از دنیا خدا مزدش دہاد

یعنی لوگوں نے اس شاعر سے کہا کہ وہ جوانمرد سخی دنیا سے چلا گیا خدا اسکو جزائے خیر دے۔

کہ مضاعف زو ہمی شد آں عطا	کم ہمی افتاد در بخشش خطا

یعنی اسی کی وجہ سے وہ انعام دوگنا ہوا تھا اور بخشش میں خطا کم واقع ہوتی تھی۔

ایں زماں او رفت و احساں را نبرد	او بمرد الحق ولے احساں نمرد

یعنی اُسوقت وہ تو چلا گیا اور احسان کو نہیں لے گیا وہ تو ضرور مر گیا لیکن احسان نہیں مرا۔

رفت از ما صاحب را دو رشید	صاحب سلاخ درویشاں رسید

یعنی ہمارے پاس سے بخشش والا اور نیکبخت چلا گیا اور فقیر و نکی کھال کھینچنے والا آپہونچا مطلب یہ کہ لوگوں نے اس شاعر سے کہا کہ بھائی پہلے جو تو آیا تھا تو ایک وزیر بڑا سخی اور نیکبخت تھا اب اُسکا تو انتقال ہوگیا مگر اُسکے احسان لوگوں پر اب بھی موجود ہیں وہ تو مر گیا مگر احسان نہیں مرے اور اب یہ دوسرا وزیر کنجوس آگیا ہے اب تو جو ملجاوے غنیمت جان اور بولے کہ۔

رو بگیر ایں را و زینجا شب گریز	تا نگیرد با تو ایں صاحب ستیز

یعنی جا اسکو لے اور راتوں رات بھاگ جا تاکہ یہ وزیر تجھسے جھگڑا نہ کرے۔

ما بصد حیلت از و ایں ہدیہ را	بستدیم اے بے خبر ز جہد ہا

یعنی ہم نے سیکڑوں حیلوں سے اس انعام کو اس سے لے لیا ہے۔ اے ہماری کوشش سے

بیخبر یعنی اُن لوگوں نے کہا کہ میاں بڑی کوششوں سے اور کہہ سنکر تو یہ انعام بھی تجھے دلوادیا تجھے کیا خبر کیسی کیسی مشکلوں سے وصول کیا ہے بس اسی کو غنیمت سمجھ اور لیکر بھاگ جا ورنہ ممکن ہے کہ وہ تجھسے اسکو بھی چھین لے۔

رو بدیشاں کرد و گفت اے مشفقاں ۔۔۔ از کجا آمد بگوئید اے عواں

یعنی اُس شاعر نے انکی طرف توجہ کی اور بولا کہ یارو یہ وزیر کہاں سے آیا ہے ذرا بتاؤ تو۔

چیست نام ایں وزیر جامہ کن ۔۔۔ قوم گفتندش کہ نامش ہم حسن

یعنی اس کفن کھسوٹ وزیر کا نام کیا ہے کہا کہ اسکا نام بھی حسن ہی ہے۔ مطلب یہ کہ لوگوں سے اُس شاعر نے پوچھا کہ میاں یہ ظالم وزیر کہاں سے آمرا اور اسکا نام کیا ہے تو لوگوں نے کہا کہ میاں یہ اُسی کا ہمنام ہے یعنی اُسکا بھی نام حسن تھا اور اسکا بھی نام حسن ہی ہے تو وہ کہتا ہے کہ

گفت یارب نام آں و نام ایں ۔۔۔ چوں یکے آمد دریغ اے رب دیں

یعنی اُس شاعر نے کہا اے اللہ اُسکا نام اور اسکا نام کیونکر ایک ہوگیا ہے۔ اے اللہ افسوس ہے۔ مطلب یہ کہ اے اللہ اسکا افسوس ہے کہ اس جیسا بدبخت کنجوس اُس کا ہمنام کس طرح ہوگیا۔

آں حسن نامی کہ از یک کلک او ۔۔۔ صد وزیر و صاحب آمد جود جو

یعنی وہ ایک حسن نام والا (تو ایسا تھا) کہ اُسکے قلم سے سیکڑوں امیر و وزیر سخاوت کے متلاشی آتے تھے۔

ایں حسن کز ریش زشت ایں حسن ۔۔۔ می تواں بافید اے جاں صد رسن

یعنی یہ حسن اس حسن کی بری ڈاڑھی سے ایجان سیکڑوں رسیاں بن سکتی ہیں مطلب یہ کہ ایک تو وہ حسن تھا کہ اُسکے دست نگر سیکڑوں امیر و وزیر تھے اور ایک یہ لمڈاڑھیا حسن ہے کہ ڈاڑھی تو اسقدر لمبی کہ چاہئے رسی بانٹ لو اور حرکتیں ایسی نالائق۔ اور کہتا ہے کہ

بر چنیں صاحب چو شہ صغا کند ۔۔۔ شاہ و ملکش را ابد رسوا کند

یعنی ایسے وزیر کی جب بادشاہ سُنے تو بادشاہ کو اور اُسکے ملک کو ہمیشہ رسوا کرے مطلب یہ کہ اگر ایسوں کی بادشاہ سنیں گے تو کمبخت بادشاہ کو اور اُسکے ملک کو سبکو بدنام

کردیگا۔ اسلئے کہ یہ کنجوسی کریگا اور وہ منسوب ہوگی بادشاہ کی طرف۔ تو دیکھو اوپر جو مولانا نے فرمایا تھا کہ "درمیانِ ہر دو شان فرقیست نیک" وہ ثابت ہوگیا۔ کہ دیکھو اس حسن میں اور اس حسن میں کسقدر فرق تھا حالانکہ نام دونوں کے ایک ہی تھے۔ یہاں چونکہ کہا ہے کہ نالائق وزیر کے قول پر عمل کرنے سے بادشاہ بھی بدنام ہوتے ہیں تو آگے اس وزیر کو ہامان وزیر فرعون سے اور اس بادشاہ کو فرعون سے تشبیہ دیتے ہیں کہ دیکھو جس طرح اس بادشاہ نے اس وزیر کا کہا مانا تو یہ بدنام ہوا اسی طرح فرعون نے جو ہامان کا کہا مانا تو وہ بھی خراب و برباد ہوا

بادشاہ کی مروت کے فاسد کرنے میں اس وزیر کی بدرائی کا ہامان وزیر فرعون کے مشابہ ہونا

چند آں فرعون می شد نرم و رام چوں شنیدی او زموسیٰ آں کلام

یعنی فرعون اکثر نرم اور مطیع ہوجایا کرتا تھا جبکہ وہ موسیٰ علیہ السلام کے اس کلام کو سنتا۔

آں کلامیکہ بدادے سنگ شیر از خوشی آں کلام بے نظیر

یعنی وہ کلام کہ اس کلام بے نظیر کی عمدگی کی وجہ سے پتھر بھی دودھ دینے لگے مطلب یہ کہ جس کلام کی یہ شان ہے کہ اسکو سنکر پتھر بھی نرم ہوجاوے اور اسمیں سے بھی دودھ نکل آوے یعنی کلام حق تو اسکو سنکر فرعون تو اکثر نرم ہوجاتا تھا اور ظاہر نظر میں اسکی حالت ہی یوں معلوم ہوتا تھا کہ مسلمان ہوجاویگا مگر۔

چوں بہ ہاماں کہ وزیرش بود او مشورت کردی کہ کینش بود خو

یعنی جب ہامان سے جو کہ اسکا وزیر تھا اور جسکی خصلت کینہ وری تھی مشورہ کرتا۔

چوں بہ ہامان مشورت کردے ورا مانعش گشتے مدام آں سخت جاں

یعنی جب اسمیں ہامان سے مشورہ کرتا تو وہ سخت جان ہمیشہ اسکو مانع ہوا کرتا (اسطرح کہ یوں کہتا کہ)۔

پس بگفتے تاکنوں بودی خدیو بندہ گردی ژندہ پوشے را بریو

یعنی پس اس سے کہتا کہ اب تک تو بادشاہ تھا اور (پھر) ایک کمبل پوش کا دہوکہ سے غلام بنیگا یعنی اسے یوں سمجھاتا کہ میاں اب تک تو تم بادشاہ ہو اور اگر انکی مان لوگے تو پھر ان کے تیرے غلام ہوجاؤگے

اور تم تابع ہو جاؤ گے اور تابع بھی کسی بھلے آدمی کے نہیں ایک کمبل پوش فقیر کے تابع ہو گے بڑے شرم کی بات ہے۔

آں سخن بر شیشہ خانہ او زدے ہمچو سنگ منجنیقے آمدے

یعنی وہ بات ایک گوپھیے کے پتھر کی طرح آتی اور اس فرعون کے شیشہ خانہ (دل) پر لگتی۔

ہرچہ صد روز آں حکیم خوش خطاب ساختے دریکدم او کردے خراب

یعنی کہ وہ حکیم خوش خطاب سو دن میں جو بناتے وہ ایکدم میں اُسکو خراب کر دیتا۔ مطلب یہ موسیٰ علیہ السّلام جو پند و نصائح کر کے ایک مدت میں اُسکو کچھ راہ پر لاتے وہ کمبخت ہامان ایکدم میں سارا بنا بنایا گھر بگاڑ دیتا۔ اسلئے کہ وہ تو یہ سمجھاتا تھا کہ ساری عزت اور جاہ برباد ہو جاوگی بس اسکا تصور اُسکو اُن ساری باتوں سے پھیر دیتا تھا اور اس طرح اُس وزیر کا کہنا ماننا فرعون کو خراب و برباد کرتا تھا۔ آگے مولانا خود انسان کے اندر ایک وزیر بتاتے ہیں کہ جسکا کہنا ماننے کی وجہ سے یہ حضرت انسان بھی خراب ہو رہے ہیں فرماتے ہیں کہ۔

عقل تو مغلوب دستور ہوا ست در وجودت رہزن راہ خدا ست

یعنی تمھاری عقل وزیر خواہش نفسانی کے تابع ہو رہی ہے (اور وہی وزیر یعنی خواہش نفسانی تیرے وجود میں راہ خدا کے رہزن ہے۔

ناصحے ربانئے پندت دہد آں سخن را او بفن طرحے نہد

یعنی کوئی اللہ والا ناصح تجھے نصیحت کرتا ہے تو اُس بات کو وہ وزیر (خواہش نفسانی) ایک طرف رکھ دیتا ہے۔

کایں نہ برجا یست ہیں از جا مشو نیست چنداں با خود آ شیدا مشو

یعنی کہ یہ ٹھیک نہیں ہے ہاں جگہ سے مت جا۔ (یہ بات) اتنی نہیں ہے ہوش میں آ فریفتہ نہ ہو۔ مطلب یہ کہ تیری عقل پر خواہش نفسانی جو کہ وزیر کی طرح ہے غالب ہو رہی ہے اور اسکا غلبہ اس حد تک پہونچ گیا ہے کہ اگر اب کوئی اللہ والا تم کو نصیحت کرتا ہے تو وہ خواہش نفسانی تمکو اس طرح بہکا دیتی ہے کہ میاں یہ بات تو ٹھیک نہیں ہے اسمیں عزت و آبرو کا نقصان ہے۔ مال کا نقصان ہے اسلئے اس ناصح کی نہ سننا چاہئے اور کہتا ہے کہ یہ بات اسقدر اہم تو ہے نہیں مگر اس نے

فضول بھی اسکو اسقدر اہم بنا دیا ہے لہذا تم کو چاہیئے کہ اسکی پرواہ نکرو۔ اور اپنی حالت پر قایم رہو۔ نہیں اسکے فریب میں آکر اور اسیر شیدا ہو کر اسکی مان مت لینا۔ اس طرح تمکو بہکا کر راہ حق سے روکتا ہے۔ تو دیکھو تمھاری عقل جو بادشاہ کی طرح نفس پر حاکم ہونا چاہیئے تھی وہ اس سے مغلوب ہو گئی ہے کہ اسکو بہکا کر راہ حق سے دور کر دیتی ہے آگے مولانا فرماتے ہیں کہ

وائے آن شہ کہ وزیرش این بود　　جائے ہر دو دوزخ پر کین بود

یعنی اس بادشاہ پر افسوس ہے کہ اسکا یہ وزیر ہو دونوں کی جگہ دوزخ پر کین ہوتی ہے یعنی جس بادشاہ کا وزیر ایسا بد ہو اس بادشاہ کی حالت بھی قابل افسوس ہے کہ دونوں دوزخ میں جاویں گے۔

شاد آن شاہے کہ اورا دستگیر　　باشد اندر کار چون آصف وزیر

یعنی وہ بادشاہ خوش نصیب ہے کہ اسکا دستگیر کام میں آصف وزیر کی طرح ہو۔

شاہ عادل چون قرین او شود　　نام او نور علی نور این بود

یعنی جب اس وزیر کا ساتھی عادل بادشاہ ہو تو اسکا نام نور علی نور ہو۔

چو سلیمان شاہ چون آصف وزیر　　نور بر نور ست عنبر بر عبیر

یعنی سلیمان علیہ السلام جیسا بادشاہ ہو اور آصف جیسا وزیر ہو تو نور علی نور ہے اور عنبر پر عبیر ہے مطلب یہ کہ دیکھو سلیمان علیہ السلام تو بادشاہ عادل تھے ہی مگر چونکہ انکے وزیر آصف رضی اللہ عنہ بھی کامل تھے ملک کا انتظام خوب ہوا اور دونوں ملکر نور علی نور کے مصداق ہو گئے

شاہ فرعون و چو ہامانش وزیر　　ہر دو را نبود ز بدبختی گزیر

یعنی فرعون تو بادشاہ اور ہامان جیسا وزیر ہو تو دونوں کو بدبختی سے چارہ نہو۔

پس بود ظلمات بعضی فوق بعض　　نے خرد یار و نہ دولت روز عرض

یعنی پس (مصداق) ظلمات بعضہا فوق بعض کے ہوں گے اور قیامت کے دن نہ عقل ساتھی ہوگی اور نہ دولت۔ مطلب یہ کہ دیکھو اگر فرعون جیسا بادشاہ اور ہامان جیسا وزیر ہو تو پھر دونوں کے دونوں بدبخت اور مصداق ظلمات بعضہا فوق بعض کے ہونگے مولانا فرماتے ہیں کہ۔

من ندیدم جز شقاوت در لئام گر تو دیدستی رسان از من سلام

یعنی میں نے تو لئیموں میں سوائے شقاوت کے دیکھا نہیں (اے مخاطب) اگر تو نے دیکھا تو میرا سلام کہدینا۔ مطلب یہ کہ میاں جتنے تو لئیموں میں جنمیں سے بعض کا ابھی ذکر ہوا ہے شقاوت ہی دیکھی۔ اور ان لوگوں کو شقی ہی دیکھا اور انمیں سعادت کا تو کہیں نام بھی نہ پایا اور اگر تم نے کہیں ان لئیموں میں سوائے شقاوت کے اور کچھ بھی دیکھا ہو تو ذرا اس سے ہمارا سلام بھی کہدینا اس کہنے سے براہ مذاق یہ بتلانا مقصود ہے کہ میاں اسکے سوا اور کوئی بات ان میں ہوتی ہی نہیں۔ آگے فرماتے ہیں کہ۔

ہمچو جاں باشد شہ و صاحب چو عقل عقل فاسد روح را آرد بہ نقل

یعنی بادشاہ تو جان کی مثل ہوتا ہے اور وزیر عقل کی طرح تو عقل فاسد تو روح کو (صلاحیت سے) منتقل کر ہی دیگی۔ مطلب یہ کہ بادشاہ و وزیر کی مثال روح اور عقل جیسی ہے۔ تو جسطرح عقل فاسد روح کو بھی خراب کر دیتی ہے۔ اسی طرح وزیر بد بادشاہ کو بدبخت اور بدنام کر دیتا ہے اور تمہارا نفس وزیر ہے اور عقل بادشاہ کی طرح۔ تو اس وزیر بد کو بادشاہ پر غالب مت آنے دو۔ اور اسکے کہنے پر مت چلو ورنہ پچھتاؤگے آگے اسکی ایک نظیر بیان فرماتے ہیں کہ۔

آں فرشتہ عقل چوں ہاروت شد سحر آموز دو صد طاغوت شد

یعنی وہ فرشتہ عقل جب ہاروت ہو گیا تو دو سو شیطانوں کیلئے سحر سکھانیوالا ہو گیا۔ مطلب یہ کہ دیکھو ہاروت ماروت جو فرشتے تھے اور عقل کی طرح پاک و صاف تھے جب ان پر خواہش نفسانی غالب ہوئی تو آخر جو ان کا حشر ہوا معلوم ہے۔ اور وہی فرشتے سحر سکھانیوالے ہو گئے جو کہ صریح کفر تھا غرض جو ہوا اس خواہش نفسانی کے غلبہ ہی کی وجہ سے ہوا اور اس سے قبل بھی عرض کر دیا گیا ہے اور اب بھی عرض کیا جاتا ہے کہ ہاروت ماروت کا قصہ مولانا نے جہاں نقل کیا ہے بناءً علی المشہور نقل کیا ہے۔ ورنہ اصل میں یہ قصہ محض غلط ہے اسکی کوئی بھی اصل نہیں۔ جب یہ معلوم ہو گیا کہ خواہش نفسانی کے غلبہ سے یہ خرابی آتی ہے تو آگے نصیحت فرماتے ہیں کہ۔

عقل جزوی را وزیر خود مگیر عقل کل را ساز اے سلطاں وزیر

یعنی اے سلطان عقل جزوی کو اپنا وزیر مت بنا عقل کلی کو وزیر بناؤ۔

مر ہوا را تو وزیر خود مساز　　　　که بر آید جان پاکت از نماز

یعنی خواہش نفسانی کو اپنا وزیر مت بنا۔ کہ تیری جان پاک نماز سے نکل آوے۔ مطلب یہ کہ تم عقل جزوی کے تابع مت ہو جسکا نام کہ نفس ہے۔ بلکہ عقل کل جو کہ واقعی عقل ہے اُسکا کہا مانو ورنہ اگر تم خواہش نفسانی کے تابع ہو گئے تو پھر طاعات سے تم گھبرانے لگوگے اور طاعت میں ہرگز دل نہ لگے گا۔ اور ظاہر ہے کہ طاعات سے بھاگنا محرومی قسمت کی دلیل ہے لہذا اس نفس کے تابع مت ہو۔ اور اس نفس کی طاعت سے اُکتانیکی وجہ یہ ہے کہ۔

کایں ہوا پر حرص و حالی بین بود　　　　عقل را اندیشہ یوم الدین بود

یعنی کہ یہ خواہش نفسانی تو پر حرص اور عاجل کی دیکھنے والی ہوتی ہے۔ اور عقل کو قیامت کی فکر ہوتی ہے۔

عقل را دو دیدہ در پایان کار　　　　بہر آں گل میکشد او رنج خار

یعنی عقل کی دونوں آنکھیں تو انجام کار میں ہیں تو وہ اس پھول کیلئے کانٹوں کی تکلیف برداشت کرتی ہے۔

کہ نہ فرساید نہ ریزد در خزاں　　　　باد ہر خرطوم اخشم دور ازاں

یعنی وہ پھول خزاں میں نہ گھسے اور نہ گرے ہر اخشم کی ناک کی ہوا اُس سے دور ہو۔ (اخشم کہتے ہیں اُس شخص کو جسکی قوت شامہ معطل ہو جاوے) مطلب یہ کہ چونکہ نفس کی نظر تو نفع عاجل پر ہوتی ہے اور وہ دنیا ہی کے کاموں میں ملتا ہے۔ اسلئے وہ طاعات سے جو آخرت کے کام ہیں گھبراتا ہے۔ اور عقل کی نظر انجام کار پر ہوتی ہے۔ اسلئے وہ اسمیں لگی رہتی ہے۔ اور اُس گل آخرت کیلئے دنیا کے خار مصیبت کو برداشت کرتی ہے۔ اور وہ پھول ایسا ہوتا ہے کہ اُسکو کبھی زوال نہیں ہے۔ بلکہ باقی ہے۔ فانی نہیں ہے۔ لہذا جو لوگ کہ کور باطن ہیں اور دنیا والے ہیں خدا کرے انکو اس پھول کی خوشبو ہی نہ پہونچے اور یہ منکرین اسی طرح محروم القسمت ہی رہیں۔ یہانتک تو خود سالک کو تعلیم ہے کہ تم نفس کا اتباع مت کرو اور عقل کا اتباع کرو۔ آگے فرماتے ہیں کہ اگرچہ تم کو خود بھی عقل ہوگا اُسکو بھی کافی مت جانو بلکہ مرشد کے اتباع

سے اسمیں مدد لو۔ اور مرشد سے اسکی اصلاح کر لو۔ فرماتے ہیں کہ۔

ورچہ عقلت ہست با عقل دگر ۔۔۔ یار باش و مشورت کن اے پدر

یعنی اور اگرچہ تم کو عقل ہو (مگر) دوسری عقل کیساتھ یار رہ اور اے بابا مشورہ کر لیا کرو +

با دو عقل از بس بلاہا وا رہی ۔۔۔ پائے خود بر اوج گردونہا نہی

یعنی دو عقلوں سے تو بہت سی بلاؤں سے چھوٹ جاویگا اور اپنا پاؤں آسمان کی بلندی پر رکھیگا۔ مطلب یہ کہ اگرچہ تم کو خود عقل ہو مگر تم یہ کرو کہ مرشد کا اتباع کرو کہ اب تو ایک صرف تمھاری ہی عقل ہے اور پھر دو عقل ملجاویں گی ایک تمھاری اور ایک مرشد کی تو اسوقت دو آدمی ملکر بلاؤں کا مقابلہ اچھی طرح کر سکو گے۔ لہذا نفس کو چھوڑ کر مرشد کے اتباع سے اپنی عقل کو درست کر لو تو پھر نور علیٰ نور کے مصداق ہو جاؤ گے۔ اوپر مولانا نے فرمایا تھا کہ "دیو ہم وقتی سلیمانی کند" اور پھر اسیر اُن دونوں فریروں کی جن دونوں کا نام حسن تھا حکایت لائے تھے پھر اسکی مناسبت سے یہ مضمون کہ عقل کا اتباع کرو بیان کیا اب پھر اسی کی طرف رجوع ہے وہاں کہا تھا کہ ع پس سلیمانی کند بر تو مدام + دیو با خاتم حذر کن والسّلام۔ تو آگے اسکا قصہ جو مشہور ہے کہ ایک دیو نے خاتم چرالی تھی اور پھر سلطنت کرنے لگا تھا بیان فرماتے ہیں اور یہ قصہ مولانا بنا بر علی المشہور بیان فرماتے ہیں ورنہ یہ قصہ بھی مثل قصہ ہاروت ماروت کے محض غلط ہے۔ مولانا تمثیل کیلئے بنا بر علی المشہور بیان فرماتے ہیں۔

شرح حبیبی

دیو کا سلیمان علیہ السلام کی جگہ بیٹھ جانا اور سلیمان علیہ السلام کی کاموں میں نقل کرنا اور دیو میں اور سلیمان علیہ السلام میں فرق کا ظاہر ہونا اور دیو کا اپنا نام سلیمان بن داؤد رکھنا

دیو گر خود را سلیمان نام کرد ۔۔۔ ملک برد و مملکت را رام کرد

صورت کار سلیمان دیدہ بود ‏ ‏ صورت اندر سر دیوے می نمود

خلق گفتند این سلیمان بے صفاست ‏ ‏ از سلیمان تا سلیمان فرقہاست

او چو بیدار است این ہمچون وسن ‏ ‏ ہمچنانکہ آن حسن تا این حسن

دیو می گفتے کہ حق بر شکل من ‏ ‏ صورتے کردہ است خوش بر اہرمن

دیو را حق صورت من دادہ است ‏ ‏ تا نیندازد شما را او بہ شست

گر پدید آید بدعوے زینہار ‏ ‏ صورت او را ندارید اعتبار

دیوشان از مکر این می گفت لیک ‏ ‏ می نمود آن عکس بر دلہائے نیک

نیست بازے با ممیز خاصہ او ‏ ‏ کہ بود تمییز و عقلش غیب گو

ہیچ سحر و ہیچ تلبیس و دغل ‏ ‏ می نہ بندد پردہ بر اہل دول

پس ہمی گفتند با خود در جواب ‏ ‏ بازگونہ میروی اے کج خطاب

بازگونہ رفت خواہی ہمچنین ‏ ‏ سوئے دوزخ اسفل اندر سافلین

او اگر معزول گشتست و فقیر ‏ ‏ ہست در پیشانیش بدر منیر

تو اگر انگشتری را بردۂ ‏ ‏ دوزخی چون زمہریر افسردۂ

ما ببوش و عارض و طاق و طرنب ‏ ‏ سر کجا خود ہمی ننہیم سنب

ور بغفلت ما نہیم او را جبین ‏ ‏ پنجۂ مانع بر آید از زمین

کہ منہ این سر مر این سر زیر را ‏ ‏ ہین مکن سجدہ مر این ادبیر را

کردمے من شرح این بس جانفزا ‏ ‏ گر نبودے غیرت و رشک خدا

ہم قناعت کن تو بپذیر این قدر ‏ ‏ تا بگویم شرح این وقتے دگر

تام خود کردہ سلیمان نبے	روے پوشے میکند بر ہر صبے
در گذر از صورت و از نام خیز	از لقب و ز نام در معنے گریز
پس بپرس از خلق و از افعال او	در میان خلق و فعل او را بجو
کار بر کس نیست ہیں در کش زمام	مسجد اقصا بساز و کن تمام
شد تمام القصہ مسجد بے فتور	بد سلیمان زائر و مسجد مزور

ایک دیو انگشتری سلیمان علیہ السلام پر قابض ہو کر اور سلیمان ؑ کی شکل بنا کر تخت پر قابض ہو گیا تھا اس نے گو اپنا نام سلیمان مشہور کیا اور ملک بھی حاصل کر لیا اور سلطنت کو بھی مسخر کر لیا۔ لیکن اس نے سلیمان علیہ السلام کے افعال کی صرف صورت دیکھی تھی اس لئے اُسی کی نقل کرتا تھا اور معنی سے واقف نہ تھا لہذا اسکی صورت میں دیویت کا راز ظاہر تھا جسکو اہل بصیرت لوگ تاڑ گئے تھے اور کہتے تھے کہ یہ سلیمان تو بے صفا ہے اور اُس سلیمان میں جو ہمنے پہلے دیکھا تھا اور اس سلیمان میں بہت بڑا فرق ہے وہ مثل بیداری کے تھے یہ مثل نیند کے ہے اب مولانا فرماتے ہیں کہ ان دونوں سلیمانوں میں واقعی یوں بعد تھا جیسا کہ حسن نام دونوں وزیروں میں جنکا قصہ ہم اوپر بیان کر آئے ہیں خیر یہ تو جملہ معترضہ تھا اب سنو کہ وہ دیو پیش بندی کیلئے کہتا تھا کہ حق سبحانہ نے میری شکل ایک دیو کو بھی پہنا دی ہے اور اسکو میری سی صورت عطا کی ہے۔ تم دہوکہ نہ کھانا۔ مبادا وہ تمہیں جال میں پھانس لے اگر وہ اگر سلیمان کا دعویٰ دار ہو تو تم ہرگز اسکی بات کا اعتبار نہ کرنا وہ دیو گو مکر سے ان سے یہ باتیں کرتا تھا۔ مگر اہل بصیرت پر اسکا الٹا اثر پڑتا تھا اور وہ اسکو خلاف واقع سمجھتے تھے اہل بصیرت و تمیز کو دہوکا دینا کھیل نہیں ہے بالخصوص وہ ضمیر جسکی تمیز و عقل راز غیب بیان کرتی ہو۔ اور کوئی منتر کوئی تلبیس اور کوئی فریب ارباب دولت باطنیہ کیلئے پردہ بنکر حقیقت حال کو نہیں چھپا سکتا۔ الانا در ایس وہ لوگ اسکے جواب میں اپنے دل میں کہتے تھے کہ او غلط گو تو الٹا چل رہا ہے۔ پس تو یوں ہی دوزخ میں اسفل السافلین میں اوندھا گریگا وہ

اگر معزول ہو گیا ہے یا مفلس ہو گیا ہے اور تو نے اسکے تخت حکومت پر قبضہ کر لیا ہے تو
کیا مضائقہ ہے۔ اسکی پیشانی میں ایک نور روشن ہے جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ سلیمان
اصلی وہی ہے۔ اور تو سلیمان نقلی ہے۔ تو نے اگر انگشتری لیلی اور اسکے ذریعہ سے بظاہر سلیمان
بن بیٹھا ہے تو تیری ایسی مثال ہے جیسے کوئی چیز بظاہر دوزخ ہو اور بباطن زمہریر کی طرح سرد۔
ہم لوگ تیری شان و شوکت اور سپاہ اور طمطراق کی بناء پر سر تو کیا پاؤں بھی نہ رکھیں گے۔
اور اگر بھول چوک سے ہم اسکے سامنے پیشانی رکھ بھی دیں تو زمین سے ایک ہاتھ نکلے گا جو ہمکو اس سے
مانع ہوگا یعنی تائید غیبی ہمکو اس سے روکے گی۔ اور کہیگی کہ تو اسکے سامنے سر نہ رکھنا اور اس بدبخت
کے سامنے سجدہ نکرنا۔ میں اس مضمون کی نہایت نفیس شرح کرتا اور بتاتا کہ حق کی تائید انکے لئے
کیونکہ ہوتی ہے اور حق سبحانہ کا انکے ساتھ کیا معاملہ ہے بشرطیکہ حق سبحانہ کی غیرت اور اسکے
رشک کا خوف نہوتا۔ کیونکہ وہ اسرار ہیں اور ان کے اظہار سے حق سبحانہ کو غیرت آتی ہے لہذا
تو اسی پر قناعت کر اور اتنی ہی کو قبول کرلے۔ تاکہ میں اسکی شرح کسی دوسرے وقت کر سکوں۔
خیر یہ مضمون تو استطرادی تھا اب میں اصل قصہ کی طرف عود کرتا ہوں۔ اور کہتا ہوں کہ اس نے
اپنا نام سلیمان نبی رکھ لیا تھا۔ مگر لونڈوں سے ہی اپنے کو چھپا سکتا تھا۔ نہ کہ اہل بصیرت سے
بس جبکہ تم کو معلوم ہو گیا کہ دیو نے گو صورت سلیمان بنالی تھی مگر معنی سلیمان کے نہونے سے وہ
سلیمان نہو گیا تھا لہذا تم صورت اور نام کو چھوڑو کہ وہ بالکل بے سود ہے۔ اور لقب اور نام کو
چھوڑ کر معنی کو دیکھو۔ اور مخلوق سے آدمی کے اخلاق و افعال ہیں اسے ڈھونڈھو۔ مگر یہ ہر شخص کا
کام نہیں ہے ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء اچھا اب قصہ ختم کرنا چاہئے اور مسجد اقصیٰ بنانا
اور اسکو تیار کرنا چاہئے۔ غرض کہ وہ مکمل ہو گئی اور سلیمان اسکے زائر تھے اور مسجد انکی غرور واللہ اعلم

شرح شبیری

دیو کا سلیمان علیہ السلام کی جگہ بیٹھ جانا اور سلیمان علیہ السلام کی کاموں میں نقل کرنا اور دیو میں اور سلیمان علیہ السلام میں

فرق کا ظاہر ہونا اور دیو کا اپنا نام سلیمان بن داؤد رکھنا۔

دیو گر خود را سلیمان نام کرد ملک برد و مملکت را رام کرد

یعنی دیو نے اگر اپنا نام سلیمان کرلیا اور ملک لیگیا۔ اور رعایا کو مطیع کرلیا۔ (تو اس سے کہیں وہ خود سلیمان تھوڑا ہی بنگیا اسی طرح اگر مکار لوگ شیوخ کی صورت بناویں تو کہیں شیوخ تھوڑا ہی ہو سکتے ہیں)۔

صورت کار سلیمان دیدہ بود صورت اندر سر دیوی می نمود

یعنی اس نے سلیمان علیہ السلام کے کام کی صورت دیکھی تھی تو صورت کے اندر دیو ہونیکا راز دکھا رہا تھا۔ مطلب یہ کہ اس نے چونکہ سلیمان علیہ السلام کو کام کرتے دیکھا تھا تو اسی طرح اس نے بھی کام شروع کردئے مگر اسکی صورت سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ یہ سلیمان نہیں ہیں دیو ہے

خلق گفتند این سلیمان بے صفاست از سلیمان تا سلیمان فرقہاست

یعنی لوگوں نے کہا کہ یہ سلیمان بے صفا ہیں اور سلیمان سلیمان میں بہت فرق ہیں مطلب یہ کہ لوگ سب کے سب اس خاتم کی وجہ سے اس دیو کے تابع تو ہوگئے تھے مگر کہتے تھے کہ وہ سلیمان تو باصفا ہیں اور یہ بے صفا ہے اور انمیں اور اُن میں تو بہت فرق ہے وہ سلیمان اصل ہیں اور یہ کمبخت دھوکہ دیرہا ہے۔

او چو بیدار یست این ہمچون وسن ہمچنانکہ آن حسن تا این حسن

یعنی وہ (سلیمان اصل) تو بیداری کی طرح ہیں اور یہ اونگھ کی طرح ہے۔ جیسا کہ وہ حسن اس حسن تک۔ مطلب یہ کہ انکی مثال تو بیداری جیسی ہے کہ انکی صحبت میں انوار و برکات کا مشاہدہ ہوتا ہے اور اس نام کے سلیمان کی مثال اونگھ جیسی ہے کہ کچھ نور وغیرہ نہیں ہے۔ اور ان دونوں میں ایسا ہی فرق ہے جیسا کہ ان دونوں حسنین وزیروں میں تھا۔

دیو می گفتے کہ حق بر شکل من صورتے کردہ ست خوش بر اہرمن

یعنی وہ دیو کہتا کہ حق تعالیٰ نے میری ہمشکل ایک دیو کو کردیا ہے۔

دیو را حق صورت من دادہ ست تا نیفتد از دشمار او بشست

یعنی حق تعالیٰ نے دیو کو میری ہمشکل کر دیا تو دیکھو کہیں وہ تمکو جال میں نہ ڈالدے مطلب یہ کہ چونکہ حضرت سلیمان علیہ السّلام سے بقول مشہور سلطنت چھین گئی تھی مگر وہ خود موجود تو تھے تو اُس دیو سے کوئی کہہ سکتا تھا کہ تو سلیمان کہاں ہے سلیمان تو وہ ہیں اس شبہ کو دور کرنے کیلئے کہا کرتا تھا کہ دیکھو حق تعالیٰ نے آزمائش کیلئے میری ہمشکل ایک دیو کو کردیا ہے اور وہ دعویٰ سلیمانی کرتا ہے تم اُسکے پھندہ میں مت پھنس جانا اور کہتا تھا کہ۔

گر پدید آید بدعوے زینہار صورت او را مدار ید اعتبار

یعنی اگر دعوے کرے تو اُسکی صورت کا ہرگز اعتبار مت کرنا مطلب یہ کہ یہ دیو کہا کرتا تھا کہ دیکھو ایک دیو کو حق تعالیٰ نے تمہارے امتحان کیلئے میری صورت کا بنا دیا ہے تو اگر وہ دعویٰ سلیمانی کرے تو اُسکا تم اعتبار مت کرنا۔ اور جنکو وہ دیو کہا کرتا تھا وہ خود سلیمان علیہ السّلام ہی تھے جو بقول مشہور بوجہ انگشتری کے پاس نہونیکے سلطنت پر قابض نہ رہے تھے۔ آگے فرماتے ہیں کہ۔

دیو شان از مکر ایں می گفت لیک می نمود آں عکس بر دلہائے نیک

یعنی دیو اُنکو مکر سے یہ کہتا تھا لیکن وہ عکس نیک دلوں پر دکھائی دیتا تھا۔

نیست بازی با ممیز خاصہ او کہ بود تمیز عقلش غیب گو

یعنی ممیز کیساتھ بازی نہیں ہے خاصکر اُسکی ساتھ جسکی تمیز عقل غیب گو ہو۔

ہیچ سحر و ہیچ تلبیس و دغل می نہ بندد پردہ بر اہل دل

یعنی کوئی سحر اور کوئی تلبیس اور دہوکہ اہل باطن پر پردہ نہیں باندہتے مطلب یہ کہ وہ دیو سارق خاتم اپنے ماتحتوں سے جواب اُس کے زیر نگیں تھے یہ باتیں کہا کرتا۔ تو جو اہل باطن تھے اُنکو صاف معلوم ہوتا تھا کہ یہ غلط ہے اور یہ سلیمان اصل نہیں ہے کیونکہ وہ اہل باطن تھے اور جو اہل باطن ہوتے ہیں اُن کے قلب پر حقیقت کا عکس پڑجاتا ہے وہ صاف سمجھ رہے تھے کہ یہ جھوٹا ہے لہذا کہا کرتے تھے کہ۔

پس ہمی گفتند با خود در جواب بازگونہ میروی اے کج خطاب

یعنی پس وہ دل میں جواباً کہا کرتے تھے کہ اے کج خطاب تو الٹا چل رہا ہے۔

باز گونہ رفت خواہی ہمچنیں سوئے دوزخ اسفل اندر سافلیں

یعنی تو اسی طرح اوندہا دوزخ کی طرف اسفل السافلین میں جاوے گا۔

او اگر معزول گشت است و فقیر ہست در پیشانیش بدر منیر

یعنی وہ اگر معزول ہو گئے ہیں اور فقیر اُن کی پیشانی میں بدر منیر ہے۔

تو اگر انگشتری را بُردہ دوزخی چوں زمہریر افسردہ

یعنی تو نے اگر انگشتری کو لے لیا ہے تو تو دوزخ ہے زمہریر کی طرح ٹھٹھر رہا ہے۔

ما بہ بوش و عارض و طاق و طرنب سر کجا کہ خود ہمی نہ نہیم سنب

یعنی عارضی کرّ و فر اور دہوم دہام پر خود سر تو کیا ہم سُم بھی نہیں رکھتے۔ مطلب یہ کہ وہ لوگ اگرچہ اس انگشتری کی وجہ سے بقول مشہور اُس دیو کے تابع ہو گئے تھے مگر دلمیں اُس کے جواب میں کہا کرتے تھے کہ ارے کمبخت تو دوزخی ہے تو بھلا سلیمان کہاں سے ہو سکتا ہے تیرے اندر صاف طور پر علامت کذب کی ظاہر ہو رہی ہے۔ اور جو سلیمان اصل میں وہ اگرچہ بظاہر معزول ہو گئے ہیں مگر پھر بھی اُن کے اندر علامت صدق کی موجود ہے۔ اور ہم تیری اس ظاہری دہوم دہام کے دہوکہ میں ہرگز نہ آویں گے اور کہتے ہیں کہ۔

در بغفلت ما نہیم او را جبیں پنجۂ مانع بر آید از زمیں

یعنی اور اگر غفلت سے ہم اُسکے آگے ماتھا رکھدیں تو ہم کو زمین سے ایک پنجہ مانع ہو جاتا ہے

کہ منہ آں سر مرایں سرزیر را ہیں مکن سجدہ مرایں ادبیر را

یعنی کہ اس کمینہ کے آگے وہ سر مت رکھو اور اس مدبر کو سجدہ مت کرو۔ مطلب یہ کہ اگر ہم دہوکہ سے اُن کے مطیع ہونے بھی لگیں تو دست غیب مانع ہوتا ہے اور ہمکو اُس کاذب کی اطاعت سے روکدیتا ہے۔ تو اسی طرح مکار شیوخ شیوخ صادقین کو برا بھلا کہتے ہیں اور اپنی اطاعت کرانا چاہتے ہیں مگر جو طالب صادق ہوتے ہیں انکی غیب سے مدد ہوتی ہے اور وہ اُن کاذبین سے محفوظ رہتے ہیں آگے مولانا فرماتے ہیں کہ۔

کردمے من شرح ایں بس جانفزا گر نبودی غیرت و رشک خدا

یعنی میں اسکی شرح بہت عمدہ (طریقہ سے) کرتا اگر حق تعالیٰ کی غیرت اور رشک نہوتا۔

ہم قناعت کن تو بپذیر ایں قدر　　تا بگویم شرح ایں وقت دگر

یعنی بس قناعت کر اور اسی قدر کو قبول کرلے۔ تاکہ میں اسکی شرح دوسرے وقت کروں مطلب یہ کہ ان مزورین کی حالت اور ان کے کذب کو خوب اچھی طرح بیان کرتا مگر غیرت حق مجھے بیان نہیں کرنے دیتی۔ کہ ؎ بامدعی مگوئید اسرار عشق و مستی + بگذار تا بمیرد در رنج خود پرستی۔ لہذا اب میں چپ رہتا ہوں۔ اور اسرار کو بیان نہیں کرتا اور فرماتے ہیں کہ۔

نام خود کردہ سلیمانِ نبی　　روئے پوشی میکند بر ہر صبی

یعنی اپنا نام سلیمان کئے ہوئے ہے۔ اور ہر بچہ کے سامنے رو پوشی کرتا ہے۔

در گذر از صورت و از نام خیز　　از لقب وز نام در معنی گریز

یعنی صورت سے گزر جا اور نام سے اٹھ لقب اور نام سے معنی میں بھاگ۔

پس بپرس از خلق واز افعال او　　در میان خلق و فعل او را بجو

یعنی پھر اسکے خلق و افعال سے پوچھو خلق اور فعل کے درمیان میں اسکو تلاش کرو مطلب یہ کہ صرف صوفی اور درویش کی صورت دیکھکر اسکے معتقد نہ ہو جاؤ بلکہ صورت کو چھوڑ کر اسکی حقیقت پر نظر کرو۔ اور صفت درویشی جسمیں ہو اس سے فیض حاصل کرو۔ صورت کو چھوڑ کر اسکے حالات باطنی اور افعال ظاہری کی تحقیق کرو کہ کیسے ہیں اگر یہ دونوں اچھے ہوں تو وہ اچھا ہے اور اگر یہ اچھے نہیں صرف صورت ہی صورت درویشوں کی ہے تو اسکا ہرگز اعتبار مت کرو۔

کار ہر کس نیست ایں در کش زمام　　مسجد اقصٰے بساز و کن تمام

یعنی ہر شخص کا کام نہیں ہے ہاں لگام کھینچ اور مسجد اقصٰے کو بناؤ اور پورا کرو مطلب یہ کہ شیخ بننا ہر شخص کا کام نہیں ہے اسکو خوب سمجھ لو۔ اور اب اس بیان کو ختم کر کے مسجد اقصٰے کے پورا ہونے کے قصہ کو بیان کرو آگے اسی کا قصہ ہے۔

شد تمام القصہ مسجد بے فتور　　بد سلیمان زائر و مسجد مزور

یعنی القصہ مسجد بے فتور پوری ہو گئی سلیمان تو زیارت کرنے والے تھے اور مسجد زیارت گاہ تھی مطلب یہ کہ مسجد اقصٰے جب پوری ہو گئی تو سلیمان علیہ السلام اسکی زیارت کو تشریف لیجایا کرتے تھے تو وہ زائر تھے اور مسجد انکی زیارت گاہ تھی۔ آگے اسکی پورا ہونیکے بعد کا قصہ بیان فرماتے ہیں۔

شرح حبیبی

سلیمان علیہ السلام کا ہر روز مسجد اقصیٰ میں اسکے پورا ہونیکے بعد عبادت اور عابدین و معتکفین کو وعظ سنانے کیلئے آنا اور مسجد میں قاقیر کا اگنا اور انحضرت علیہ السلام سے باتیں کرنا

چون سلیمان نبی شاہ انام — ساخت مسجد را و فارغ شد تمام

ہر صباح اور او ظیفہ ایں بُدے — کامدے در مسجد اقصیٰ شدے

نو گیاہے رستہ دیدے اندرو — پس بگفتے نام و نفع خود بگو

تو چہ دارو ئے چہ نامت چہ است — تو زیاں بر کہ و نفعت بر کہ است

پس بگفتے ہر گیاہے فعل و نام — کہ من آنرا جانم و ایں را حمام

من مر ایں را زہرم و آنرا شکر — نام من اینست بر لوح قدر

پس سلیماں با حکیماں زاں گیا — شرح کردے نفع و ضرش اے کیا

پس طبیباں از سلیماں زاں گیا — عالم و دانا شدند و مقتدا

تا کتب ہائے طبیبی ساختند — جسم را از رنج مے پرداختند

ایں نجوم و طب وحی انبیاست — عقل و حس را سوئے بے سوره کجاست

عقل جزوی عقل استخراج نیست — جز پذیرائے فن و محتاج نیست

قابل تعلیم و فہم ست این خرد ۔۔۔ لیک صاحب وحی تعلیمش دہد

جملہ حرفتہا یقین از وحی بود ۔۔۔ اول او لیک عقل آنرا فزود

ہیچ حرفت را ببین کاین عقل ما ۔۔۔ تاند آموختن بے اوستا

گرچہ اندر مکر مو اشگاف بُد ۔۔۔ ہیچ پیشہ رام بے اُستا نشد

دانش پیشہ ازین عقل ار بدے ۔۔۔ پیشۂ بے اوستا حاصل شدے

قابیل کا کوّے سے گور کنی کے پیشہ کو سیکھنا قبل اس کے کہ دنیا میں گور کنی کا پیشہ تھا

کندن گورے کہ کمتر پیشہ بود ۔۔۔ کے ز فکر و حیلہ و اندیشہ بود

گر بُدے این فہم مر قابیل را ۔۔۔ کے نہادے بر سر او ہابیل را

کہ کجا غائب کنم این کشتہ را ۔۔۔ این بخون و خاک در آغشتہ را

دید زاغے زاغ مردہ در دہاں ۔۔۔ بر گرفتہ تیز می آمد پراں

از ہوا زیر آمد و شد او بفن ۔۔۔ از پئے تعلیم او را گور کن

پس بچنگال از زمین انگیخت گرد ۔۔۔ زود زاغ مردہ را در گور کرد

دفن کردش پس بپوشیدش بخاک ۔۔۔ زاغ از الہام حق بد علمناک

گفت قابیل آہ شہ بر عقل من ۔۔۔ کہ بود زاغے ز من افزوں بفن

جبکہ سلیمان علیہ السلام مسجد بنا چکے اور اس سے بالکل فراغت ہوگئی تو آپکا معمول یہ رہا کہ ہر صبح کو آتے اور مسجد اقصےٰ میں داخل ہوتے۔ اور جب اندر جاتے تو اسمیں ایک نیا گھاس اگا ہوا دیکھتے۔ آپ اُس سے فرماتے کہ تو کیا دوا اور کیا چیز ہے اور تیرا نام کیا ہے اور تو کسکی لئے مضر ہے اور کسکے لئے مفید پس ہر گھاس اپنا فعل اور نام بیان کرتا۔ اور بتلاتا کہ میں اسکے لئے حیات بخش ہوں اور اسکے لئے مہلک اور اسکے لئے زہر ہوں اور اسکے لئے شکر اور لوح قضا و قدر پر میرا یہ نام ثبت ہے۔ اسکا بیان سُنکر حضرت سلیمان حکما سے بیان فرماتے۔ اور اسکا نفع اور نقصان بتلاتے۔ پس طبیب لوگ حضرت سلیمان سے سیکھ کر بوٹیوں کے خواص سے واقف ہوگئے۔ یہانتک کہ انھوں نے کتب طبیہ مرتب کر دیں اور جسم سے امراض دور کرنے لگے اب سنو کہ یہ علم نجوم و علم طب وغیرہ سب ابتداءً باعلام خداوندی انبیا کو معلوم ہوئے ہیں ورنہ عقل ناقص انسانی اور اسکی حس اس شئے تک کہاں جا سکتی ہے۔ جو کسی جہت ہی میں نہو۔ ہم نے انکو بے جہت اسواسطے کہا کہ یہ علوم غیبیہ و اسرار الٰہیہ ہیں اور عقل جزوی و ناقص سے ان تک رسائی کی اسلئے نفی کی کہ اسمیں حق سبحانہ نے یہ قوت نہیں رکھی ہے کہ وہ اُسکے خزانۂ غیب سے کوئی شئے نکال لے۔ بلکہ اسمیں تو صرف یہ قوت رکھی ہے کہ وہ علوم کو جو اسپر فائض کئے جائیں قبول کرے۔ اسلئے وہ معلم اور مفید کی سراسر محتاج ہے۔ اور یہ عقل قابل تعلیم و فہم ضرور ہے مگر اس شرط سے کہ کوئی صاحب وحی والہام جو براہ راست حق سبحانہ سے علوم حاصل کرتا ہو اسکو تعلیم دے۔ اسلئے یہ یقینی بات ہے کہ تمام پیشہ اور فن ابتداءً وحی سے ماخوذ ہیں۔ ہاں عقل نے انہیں ترقی دی ہے۔ اور علوم قدیمہ کی مدد سے انمیں علوم جدیدہ کا اضافہ کیا ہے۔ اچھا تم غور کرو کہ ہماری عقول کسی پیشہ اور فن کو بھی بدون اُستاد کے سیکھ سکتی ہیں ہرگز نہیں۔ پس یہ بڑی دلیل ہے اسبات کی کہ ہماری عقول میں قوت استخراج نہیں۔ اور اگرچہ کسی کی عقل کتنی ہی بال کی کھال نکالنے والی کیوں نہو مگر کوئی فن بدون اُستاد کے قابو میں نہیں آتا۔ پس اگر عقل ہی علوم و فنون کا منبع ہوتی تو ضرور کوئی فن کسی کی عقل کو بدون اُستاد کے حاصل ہو جاتا۔ مگر مشاہدہ اسکے خلاف ہے اس سے ثابت ہوا کہ تمام علوم ابتداءً وحی سے ماخوذ ہیں اور انکا منبع عقل نہیں۔ دیکھو گورکنی ایک نہایت معمولی کام ہے یہ بھی غور و خوض اور تدبیر

عقل سے نہیں نکلا۔ اور نہ عقل اسکے ایجاد پر قادر تھی کیونکہ اگر قابیل کی عقل اس تک پہونچ جاتی اور وہ سمجھ جاتا تو وہ ہابیل کی نعش کو سر پر لئے ہوئے یہ نہ سوچتا کہ میں اس مقتول اور خاک و خون میں آلودہ کو کہاں چھپاؤں۔ بالآخر حق سبحانہ نے کوے پر اس علم کو فائض کیا اور قابیل نے دیکھا کہ وہ دوسرے کوے کو منہ میں لئے ہوئے تیزی کے ساتھ اُڑتا آرہا ہے۔ اور جب وہ ان کے قریب پہونچ گیا تو اوپر سے نیچے آیا اور انکی تعلیم کیلئے وہ اپنی ہنرمندی سے قبر کھودنے لگا۔ اور اول اس نے پنجہ سے مٹی کھودی اسکے بعد اُس مردہ کوے کو اُس قبر میں داخل اور دفن کیا اسکے بعد اُسے مٹی سے چھپا دیا۔ کیونکہ اُسکو یہ ہنر بالہام خداوندی معلوم ہو چکا تھا یہ دیکھکر قابیل نے کہا کہ تف ہے میری اس عقل پر کیونکہ مجھ سے تو کوا ہی زیادہ ہنرمند ہے۔

(**ف**) اس مقام پر اس امر پر تنبیہ کر دینا ضروری ہے کہ مولانا نے علم نجوم کو بھی علم الٰہی اور علم انبیاء قرار دیا ہے۔ اس سے کسی کو دھوکہ نہ ہونا چاہئے اور یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ علم نجوم پر اعتماد اور اسکی حقیقت کا اعتقاد جائز ہے کیونکہ اس سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ یہ نجوم جو اسوقت مروج ہے یہ ہی بعینہٖ علم الٰہی ہے۔ ممکن ہے کہ جسطرح یہ آسمان سے اترا تھا اُس طرح نہو۔ بلکہ اسمیں تغیر و تبدل ہوگیا ہو اور وہ قواعد صحیحہ اغلاط کے ساتھ مخلوط ہو کر بے اعتبار ہوگئے ہوں اور صرف احتمال ہی نہیں بلکہ واقعہ ہے جسکا مشاہدہ شاہد ہے۔ کیونکہ سیکڑوں خبریں منجمین کی غلط ثابت ہوتی ہیں۔ اور اگر کچھ صحیح بھی ہوتی ہیں تو ان میں صحت اتفاقی کا احتمال ہے اسلئے اسکی صحت قابل اعتماد نہیں اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ ہم کو اُسپر اعتماد کرنے سے شریعت نے منع کیا ہے۔ اسلئے وہ ہرگز قابل اعتماد نہیں۔

عقل کل را گفت مازاغ البصر	عقل جزوی می کند ہر سو نظر
عقل مازاغ ست نور خاصگاں	عقل زاغ استاد گور مردگاں
جان کہ او دنبالہ زاغان پرد	زاغ او را سوئے گورستان برد
ہیں مرو اندر پئے نفس چو زاغ	کو بگورستان برد نے سوئے باغ

گر روی رو در پئے عنقائے دل | سوئے قاف و مسجد اقصائے دل

تو گیاہی ہر دم از سودائے تو | می دمد در مسجد اقصائے تو

تو سلیماں وار داد او بدہ | پے براز وے پائے رو بروے منہ

زانکہ خاک ایں زمین با ثبات | باز گوید با تو انواع نبات

در زمین گر نیشکر ور خود نے است | ترجمان ہر زمین نبت وے است

پس زمین دل کہ نبتش فکر بود | فکرہا اسرار دلہا را نمود

در سخن کش بینم اندر انجمن | صد ہزاران گل بروید در چمن

در سخن کش یابم آں دم زن بمزد | می گریزد نکتہا از دل چو دزد

مستمع چوں نیست خاموشی بہ است | نکتہ از نا اہل گر پوشی بہ است

جنبش ہر کس بسوئے جاذب است | جذب صادق نے چو جذب کاذب است

میروی گہ گمرہ و گہ در رشد | رشتہ پیدا نے وآں کت می کشد

اشترے کوری مہار تو رہین | تو کشش می بین مہارت را مبین

گر شدے محسوس جذاب مہار | پس نماندے ایں جہاں دار الفرار

گبر دیدے کو پئے سگ میرود | سخرۂ دیو سیہ او مے شود

در پئے او کے شدے ہمچوں اسیر | پائے خود را در کشیدے طفل و پیر

در پئے او کے شدے مانند حیز | پائے خود را واکشیدے گبر نیز

گاؤ گر واقف ز قصابان بدے | کے پئے ایشان بداں دکان شدے

یا بخوردی از کف ایشان سبوس — یا بدادی شیرشان از چاپلوس

ور بخوردی کے علف ہضمش شدے — گر ز مقصود علف واقف بُدے

پس ستون این جہاں خود غفلت است — چیست دولت کاین دوادو با لت است

اولش دودو بآخر لت بخور — جز درین ویرانہ نبود مرگ خر

تو بجد کارے کہ بگرفتے بدست — عیبش این دم بر تو پوشیدہ شدہ است

زاں ہمی تانی بدادن تن بکار — کہ بپوشید از تو عیبش کردگار

ہمچنیں ہر فکر کہ گرمے دراں — عیب آں فکرت شدہ است از تو نہاں

بر تو گر پیدا شدے زاں عیب و شین — زو رمیدے جانت بعد المشرقین

حال کاخر زو پشیماں می شوی — گر شود ایں حالت اول کے دوی

پس بپوشید اول آں بر جان ما — تا کنیم آں کار بر وفق قضا

چوں قضا آورد حکم خود پدید — چشم وا گشت و پشیمانی رسید

ویں پشیمانی قضائے دیگر است — ایں پشیمانی بہل حق را پرست

ور کنی عادت پشیماں خور شوی — زیں پشیمانے پشیماں تر شوی

نیم عمرت در پریشانی شود — نیم دیگر در پشیمانی رود

ترک ایں فکر و پشیمانی بگو — حال و یار و کار نیکوتر بجو

ور نداری کار نیکوتر بدست — پس پشیمانیت بر فوت چہ است

گر ہمی دانی رہ نیکو پرست — ور نہ دانی چوں بدانی کان بدست

بد ندانی چوں ندانے نیک را ‌ ‌ ‌ ضد را از ضد تواں دید اے فتے

چوں ز ترک فکر ایں عاجز شدی ‌ ‌ ‌ از گنہ آنگاہ ہم عاجز بدی

چوں بُدی عاجز پشیمانی ز چیست ‌ ‌ ‌ عاجزی را باز جو کز جذب کیست

عاجزے بے قادرے اندر جہاں ‌ ‌ ‌ کس ندیدست و نباشد ایں بداں

ہمچنیں ہر آرزو کہ مے بری ‌ ‌ ‌ تو ز عیب آں حجابے اندری

ور نمودے علت آں آرزو، ‌ ‌ ‌ خود رمیدے جانِ تو از جستجو،

گر نمودے عیب آں کار او ترا ‌ ‌ ‌ کس نبردے کشکشاں آنسو ترا

واں دگر کارے کزاں ہستی نفور ‌ ‌ ‌ زاں بود کہ عیبش آمد در ظہور

اے خدائے رازداں خوش سخن، ‌ ‌ ‌ عیب کار بد ز ما پنہاں مکن

عیب کار نیک را منما بما ‌ ‌ ‌ تا نگردیم از روش سرد و ہبا

اور چونکہ عقل زاغ یعنی کوے کی عقل کا تذکرہ آیا تھا اس مناسبت سے اب مولانا عقل زاغ یعنی چور بہور حریص اور ادہر ادہر بھٹکنے والی عقل کا بیان کرتے ہیں۔ جو ضد ہے عقل مازاغ یعنی صرف مقصود پر نظر رکھنے والی عقل و بضدہا تتبین الاشیاء اسلئے عقل مازاغ کا بیان بھی کرتے ہیں پس مولانا فرماتے ہیں کہ حق سبحانہ نے عقلِ کامل و عقل معاد کی نسبت فرمایا ہے، مازاغ البصر وما طغیٰ یعنی عقل کل کی نظر صرف مقصود پر ہوتی ہے۔ اور اس مقصود سے تجاوز نہیں کرتی۔ برخلاف اسکے عقل جزوی و عقل ناقص ہر طرف دیکھتی اور ادہر ادہر بھٹکتی ہے۔ جب یہ معلوم ہو گیا تو اب سمجھو کہ عقل مازاغ کا مصداق تو نور اہل اللہ ہے کہ وہ صرف مطلوب بین ہے اور عقل زاغ وہ ہے جو مردوں کے لئے قبریں کھودنا سکھلاوے یعنی محقر اور دنیاوی امور میں مصروف ہو۔ (چونکہ عقل زاغ دو احتمال رکھتی ہے اول یہ کہ یعنی

عقل زائغ ہو۔ دوسرا یہ کہ بمعنی عقل غراب ہو۔ لہذا مولانا نے معنی اول مراد لیکر اس کو عقل نازاغ کا مقابل بنایا۔ اور معنی ثانی کے ایہام کے لحاظ سے استاد گور مردگان استعمال کیا۔ اور مضمون مابعد بھی اسی ایہام کے لحاظ سے ہی) دیکھو جو شخص کووں کی پیروی کریگا اسکو کوے قبرستان میں لیجائیں گے کیونکہ انکا مرجع وہی ہے اسلئے کہ وہاں انکو انکی غذا ملتی ہے جب یہ معلوم ہو گیا تو اب سنو کہ سب سے بڑا کوا نفس ہے اسکے پیچھے ہرگز نہ جانا کیونکہ یہ لامحالہ تمہیں ہلاکت کی جگہ لیجاویگا۔ اور راحت کی جگہ کبھی نہ لیجاویگا ہاں اگر تمہیں چلنا ہے تو عنقائے دل کے پیچھے پیچھے عالم غیب کی طرف چلو۔ جو اس عنقا کا مقام ہونیکی جہت سے مثل کوہ قاف کے ہے۔ اور اس سلیمان کا مرجع ہونیکے لحاظ سے مثل مسجد اقصیٰ کے۔ یاد رکھو کہ جسطرح عالم غیب مسجد اقصیٰ دل ہو یوں ہی دل خود تیرے لئے مسجد اقصیٰ ہے اور تیری اس مسجد اقصیٰ میں ہر دم تیرے خیال کا ایک نیا گھاس اُگتا ہے۔ پس تو سلیمان علیہ السلام کی طرح اسکا پورا حق ادا کر۔ اور تحقیق کر کہ وہ خیال کیا ہے اور اسکی خاصیت کیا ہے اور اس تحقیق پر کاربند ہو۔ اگر برا ہو اسکے ازالہ کی تدبیر کر۔ اچھا ہو تو اسکو لیلے۔ اور اسکو پامال اور نظر انداز مت کر ہم نے جو کہا ہے کہ تحقیق کر اور اسے نظر انداز مت کر اسکی وجہ یہ ہے کہ اس زمین متعارف کی حالت اسکے رنگ برنگ کی بوٹیوں سے معلوم ہوتی ہے۔ اور اسکے ترجمان اسکے نباتات ہوتے ہیں خواہ وہ گنے ہوں یا بانس یعنی اچھے ہوں یا برے جب تمہیں یہ مقدمہ معلوم ہو گیا تو اب سمجھو کہ اسی طرح دل کے افکار و خیالات جو اس زمین کیلئے نباتات ہیں اسکے اسرار بیان کرتے ہیں اور بتلاتے ہیں کہ اچھا ہے یا برا پس تم افکار و خیالات کی تحقیق کرو تاکہ اسکے ذریعہ سے تمہیں اپنے دل کی حالت معلوم ہو۔ اچھا اب میں اس بیان کو ختم کرتا ہوں اور وجہ اسکی یہ ہے کہ میرا قاعدہ ہے کہ اگر مجمع میں کوئی محرک کلام ہوتا ہے جو بات کو کھینچتا ہے تو میں چمن میں ہزاروں پھول کھلا دیتا ہوں۔ اور نہایت عمدہ اور دلکش باتیں کرتا ہوں اور اگر محرک و جاذب سخن کوئی نااہل ہوتا ہے تو میرے دل سے نکتے چور کی طرح بھاگ جاتے ہیں پس چونکہ یہاں کوئی سننے والا نہیں ہے اسلئے خاموشی ہی بہتر ہے اور نااہلوں سے دقیق باتوں کا چھپانا ہی اچھا ہے۔ میں نے جو کہا ہے کہ یہاں کوئی سننے والا نہیں ہے اسکی دلیل یہ ہے کہ میں خاموش ہو گیا۔ کیونکہ یہ قاعدہ ہے کہ جاذب صادق کی طرف ہر شخص کو حرکت ہوتی ہے اور جذب

صادق جذب کاذب کی مثل نہیں ہے۔ جو بدون کھینچے چھوڑ دے۔ پس ثابت ہوا کہ سامعین میں جذب صادق نہیں اور وہ سننے کے اہل نہیں۔ چونکہ مولانا نے فرمایا ہے کہ جاذب کی طرف ہر ایک کو حرکت ہوتی ہے اسلئے اب اسکے مناسب مضمون کی طرف انتقال فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تو جو کبھی غلط اور کبھی صحیح چال چلتا ہے یہ بھی ایک جاذب کے جذب کا اثر ہے۔ مگر ڈوری کھینچنے والا محسوس نہیں اسلئے تو اس ڈوری اور جاذب کا منکر ہے یاد رکھ کہ تو ایک اندھا اونٹ ہے اور تیری مہار دوسرے کے قبضہ میں ہے پس تو مہار کو نہ دیکھ کیونکہ تو اپنے اندھے پن کے سبب اُسے دیکھ نہیں سکتا۔ بلکہ کشش کو دیکھ اور سمجھ کہ ضرور میری ڈوری کسی کے ہاتھ میں ہے۔ اب رہی یہ بات کہ وہ ڈوری کھینچنے والا دکھائی کیوں نہیں دیتا سو اسکی وجہ یہ ہے کہ اگر وہ محسوس ہوتا تو پھر دنیا دھوکہ کا گھر کاہے کو رہتا اور کوئی دھوکہ کاہے کو کھاتا۔ اور معنی امتحان کیونکر متحقق ہوتے مثلاً اگر کافر یہ دیکھتا کہ میری باگ ایک کتے کے قبضہ میں ہے اور میں اسکے پیچھے جا رہا ہوں اور شیطان کا مسخر ہوں تو بھلا وہ قیدیوں کی طرح اسکے پیچھے پیچھے کیسے چلتا۔ ایسی حالت میں ہر شخص بچہ بوڑھا جوان سب کے سب رک جاتے۔ اور کافر بھی رک جاتا اور اسکے پیچھے نامردوں کی طرح کبھی نہ چلتا۔ علی ہذا اگر گائے کو قصائیوں کی حالت معلوم ہوتی تو وہ کہیں انکے پیچھے پیچھے انکی دوکان پر جاتی سیا اُن کے ہاتھ سے بھوسی کھاتی یا اُن کے چمکارنے سے انہیں دودھ دیتی۔ ہرگز نہیں۔ اور اگر وہ چارہ کھا لیتی تو اگر اسے اس چارہ کا مقصد معلوم ہوتا تو اسے کہیں یہ چارہ ہضم ہو سکتا تھا کبھی نہیں۔ پس ثابت ہوا کہ یہ جہان غفلت ہی سے قائم ہے اگر آج حقائق منکشف ہو جائیں تو آج ہی سارا کارخانہ درہم برہم ہو جاوے۔ دیکھو اسوقت جو اکثر لوگ طالب دولت ہیں اگر انکو دولت کی حقیقت معلوم ہو جائے تو پھر کوئی اسکا نام لے ہرگز نہیں۔ کیونکہ اسکی حقیقت یہ ہے کہ اسکے ابتدا میں دوڑ دھوپ ہے اور آخر میں لات پس دولت کا حاصل یہ ہے کہ ابتدا میں دوڑ دھوپ کرو اور آخر میں لات کھاؤ یعنی دنیا میں اسکی تحصیل کیلئے پریشان ہوں اور آخرت میں اسکا خمیازہ بھگتو۔ ایسی حالت میں اس ویرانہ میں کوئی گدہا ہی جان دے سکتا ہے یعنی اسکی تحصیل میں کوئی بیوقوف ہی پھنس سکتا ہے۔ جو اسکی حالت سے واقف نہو ورنہ جاننے والا تو کبھی بھی ایسا نکریگا۔ اور برتقدیر انکشاف حقائق کے کوئی گدہا

اور موقوف ہوتا ہی نہیں اسلئے اسکی تحصیل میں کوئی مرتا کھپتا ہی نہیں۔ پس وہ نتائج جو اسکے
اشتغال پر مرتب ہوتے ہیں اسوقت وہ بھی مرتب نہ ہوتے۔ اسی پر اور چیزوں کو قیاس کر لو مثلاً
تم نے جس کام کو اسوقت ہاتھ میں لے رکھا ہے اسکا عیب تم سے پوشیدہ ہے اور چونکہ حق سبحانہ
نے اس کام کے عیب کو تم سے پوشیدہ کر رکھا ہے اسی وجہ سے تم اپنے کو اس کام کے حوالہ کر سکے
ہو۔ یہ تو کام کے متعلق گفتگو تھی اسی پر خیال کو قیاس کر لو اور سمجھ لو کہ جس خیال میں تم منہمک ہو
اسکا عیب تم سے مخفی ہے۔ لیکن اگر اسکا عیب اور اسکی برائی تم پر ظاہر ہو جاتی تو تم اس سے
کوسوں دور بھاگتے۔ نیز جس حالت سے تم آخر میں پشیمان ہوتے ہو۔ پس اگر یہ حالت تمھاری
جواب ہے پہلے ہوتی اور تم ابتدا ہی میں اسکی برائی سے واقف ہو جاتے جیسے کہ اب ہو تو تم اسکے
لئے جدوجہد کیسے کرتے۔ اس وجہ سے حق سبحانہ نے اولاً اسکو ہم سے چھپایا تاکہ تقدیر الٰہی
کے موافق ہم اس کام کو کر لیں اور جبکہ قضاء الٰہی اپنا کام کر چکی تو اب آنکھ کھلی۔ اور پشیمانی
پہونچی۔ ایک قضا تو یہ تھی کہ تم وہ کام باختیار خود کرو دوسری قضا یہ ہے کہ اب تم باختیار
خود پشیمان ہو۔ اب مولانا نصیحت فرماتے ہیں کہ اب یہ پشیمانی جسمیں مشغول ہو کہ اسکی وجہ سے
اور اچھے کاموں میں جی نہیں لگاتے۔ فضول ہے۔ اسکو چھوڑو اور حق سبحانہ کی عبادت کرو۔
اور اسمیں مشغول ہو پشیمانی میں مشغول ہونیکا کچھ نتیجہ نہیں۔ بلکہ سراسر مضر ہے۔ کیونکہ اگر تم اسکو
عادت بنالو اور پشیمانی کے عادی ہو جاؤ تو اس پشیمانی سے اور زیادہ پشیمان ہوگے۔ کیونکہ آدھی
عمر تو تمھاری پریشانی اور معاصی کیلئے سرگردانی میں ضائع ہوئی۔ اور آدھی پشیمانی میں۔ تو
ساری عمر مفت ضائع ہو گئی اور سامان آخرت تمھارے پاس کچھ بھی نہ رہا۔ پس تم اس
فکر و پشیمانی ممتد کو چھوڑ دو اور معصیت سے باقاعدہ توبہ و استغفار کر کے اچھی حالت اچھے
یار اور اچھے کام کی طلب میں لگ جاؤ۔ اگر تم کہو کہ ہمیں کوئی اچھا کام کرنا ہی نہیں اور ہمیں کسی
کام کے اچھا ہونے کا علم ہی نہیں تو پھر پشیمانی تمہیں کس چیز کے ضائع ہونے پر ہے۔ کیونکہ اس
پشیمانی کے معنی تو یہ ہیں کہ میں نے برا کام کیا برا کیا۔ اگر اچھا کام کرتا تو اچھا ہوتا۔ پس جبکہ تم
کو اچھا کام کرنا ہی نہیں اور تم اسے جانتے ہی نہیں تو اسکے کیا معنی کہ میں نے اسکے بجائے فلاں
اچھا کام کیوں نہ کیا۔ پس اگر تم جانتے ہو کہ فلاں رستہ اچھا ہے تو اسمیں لگ جاؤ اور اگر تم کسی رستہ

اور کسی بات کو بھی اچھا نہیں سمجھتے تو اس کام کو جس پر تم پشیماں ہو برا کیسے سمجھتے ہو۔ نیز اگر تم اچھا کو نہیں جانتے تو لازم ہے کہ برے کو بھی نہ جانو۔ کیونکہ برے کو جاننے کی صورت میں اچھے کام کا جاننا ضروری ہے کیونکہ ایک ضد سے دوسری ضد ضرور معلوم ہوتی ہے۔ مثلاً تم جانتے ہو کہ ظلم بری شئے ہے تو لازم ہے کہ تمہیں اسکا علم ہو۔ کہ عدل اچھی چیز ہے والالازم باطل فالملزوم مثلہ اسپر اگر تم یہ کہو کہ میں ترک پشیمانی پر قادر نہیں تو ہم کہتے ہیں کہ جس معنی کر تم ترک پشیمانی سے عاجز ہو اسی معنی کر تم گناہ سے بھی عاجز تھے اور جبکہ ترک گناہ سے عاجز تھے تو اب ندامت کیسی۔ پس ثابت ہوا کہ یہ عجز عارضی منافی اختیار اصلی نہیں۔ اب تمکو چاہئے کہ اس عجز کا مبنی تلاش کرو اور اول اسکا قلع قمع کرو۔ تاکہ یہ عجز عارضی مرتفع ہو۔ خوب سمجھ لو کہ یہ عجز جو ہمارے زیر بحث ہے اور جسکو تم عذر قرار دے رہے ہو نہ بدوں قدرت کے کسی نے دیکھا ہے اور نہ ہو سکتا ہے۔ بلکہ یہ عجز مجتمع مع القدرۃ ومنفی عن الاختیار ہے پس یہ ہرگز عذر نہیں ہو سکتا خیر یہ بحث تو استطرادی تھی اب ہم پھر مضمون سابق کو بیان کرتے ہیں سنو تم جو آرزو کرتے ہو اسکی وجہ یہ ہے کہ تم پر اسکا عیب ظاہر نہیں۔ اور اگر اس تمنی کا نقص تمہیں معلوم ہوتا تو تم خود اسکی طلب سے بھاگتے اور کبھی اسکی طلب کا نام نہ لیتے۔ اور اگر اس کام کا عیب تمہیں معلوم ہوتا تو تم خود تو کیا اس کام کو کرتے کسی کی زبردستی سے بھی نہ کرتے۔ اور جس کام سے تمہیں نفرت ہے اسکی وجہ یہ ہی ہے کہ اسکا عیب ظاہر ہو گیا ہے اس گفتگو کو اس جگہ ختم کر کے مولانا مناجات میں مشغول ہوتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اے عالم اسرار و خوش کلام خدا تو ہمارے کاموں کی برائیوں کو ہم پر ظاہر کر دے اور انکو ہم سے مت چھپا تاکہ ہم ان سے مجتنب رہیں اور ہمارے اچھے کاموں کے عیوب ہم پر ظاہر نہ کر تاکہ ہم انکو رد کر کے دل سرد اور محقر نہ بنیں اب مولانا پھر قصہ سلیمان علیہ السلام کی طرف عود فرماتے ہیں اور کہتے ہیں۔

ہم بر آں عادت سلیماں سنی	رفت در مسجد میان روشنی
قاعدہ ہر روز را می جست شاہ	کہ بہ بیند مسجد اندر نو گیاہ
دل بہ بیند سر بدان چشم صفی	آں حشائیش کہ شد از عامہ خفی

قصّہ ایک صوفی کا کہ باغ کے اندر مراقبہ میں مشغول تھا تو اس کے دوستوں نے کہا کہ سر اٹھا کر باغ اور خوشبوؤں کی سیر کر کہ قرآن میں آیا ہے انظروا الیٰ آثار رحمۃ اللہ

صوفیے در باغ از بہر گشاد ❊ صوفیانہ روئے بر زانو نہاد

پس فرو رفت او بخود اندر نغول ❊ شد ملول از صورت خوابش فضول

کہ چہ خسپی آخر اندر رز نگر ❊ این درختان بین و آثار خضر

امر حق بشنو کہ گفت است انظروا ❊ سوئے این آثار رحمت آر رو

گفت آثارش دلست ای بوالہوس ❊ آن برون آثار آثارست و بس

باغہا و سبزہا در عین جان ❊ بر برون عکسش چو در آب روان

آن خیال باغ باشد اندر آب ❊ کہ کند از لطف آب آن اضطراب

باغہا و میوہا اندر دل است ❊ عکس لطف آن برین آب و گل است

گر نبودے عکس آن سرو سرور ❊ پس نخواندے ایزدش دار الغرور

این غرور آنست یعنی آن خیال ❊ ہست از عکس دل و جان رجال

جملہ مغروران برین عکس آمدہ ❊ بر گمان کاین بود جنت کدہ

می گریزند از اصول باغہا ❊ بر خیالے میکنند این لاغہا

چونکہ خواب غفلت آید شان بسر ❊ راست بینند و چہ سودست از نظر

پس بگورستان غریو افتاد و آہ ❊ تا قیامت زین غلط وا حسرتاہ

اے خنک آنکس کہ پیش از مرگ مُرد	یعنی او از اصل ایں رز بوئے برد

سلیمان علیہ السلام کا مسجد اقصیٰ کے گوشہ میں خروب کے اگنے سے غمگین ہونا جبکہ خروب نے اپنی خاصیت بیان کی ❊

ہمچنیں روزے سلیمان از قضا	شد بعادت مسجد اندر اے فتے
نو گیاہے دید اندر گوشۂ	رستہ بروے دانہ ہمچوں خوشۂ
دید بس نادر گیاہے سبز و تر	می ربود آن سبزیش نور از بصر
پس سلامش کرد در حال آن حشیش	او جوابش گفت و بشگفت از خوشش
گفت نامت چیست برگو بے دہاں	گفت خروبست اے شاہ جہاں
گفت اندر تو چہ خاصیت بود	گفت من رستم مکان ویراں شود
من کہ خروبم خراب منزلم	ہادم بنیاد ایں آب و گلم
پس سلیمان آن زماں دانست زود	کہ اجل آمد سفر خواہم نمود
گفت تا من ہستم ایں مسجد یقیں	در خلل ناید ز آفات زمیں
تا کہ من باشم وجود من بود	مسجد اقصیٰ مخلل کے شود
پس خرابے مسجد ما بیگماں	نبود الا بعد مرگ ما بداں
مسجدست آں دل کہ جسمش ساجدست	یار بد خروب ہر جا مسجد است
یار بد چوں رست در تو مہر او	ہیں ازو بگریز و کم کن گفتگو
برکن از بیخش کہ گر سر بر زند	مر ترا و مسجدت را بر کند

عاشقا خروب تو آمد کژشی | همچو طفلاں سوئے کژ چوں می غژی

خویش را نادان و مجرم گو بترس | تا نذزدد واز تو آں استاد درس

چوں بگوئی جاہلم تعلیم دہ | اینچنیں انصاف از ناموس بہ

از پدر آموز اے روشن جبیں، | ربنا گفت و ظلمنا پیش ازیں

نے بہانہ کرد و نے تزویر ساخت | نے لوائے مکر و حیلہ برفراخت

باز آں ابلیس بحث آغاز کرد | کہ بدم من سرخ رو کردیم زرد

رنگ رنگ تست صباغم توئی | اصل جرم و آفت و داغم توئی

ہیں بخواں رب بما اغویتنی | تا نگردی جبری و کژ کم تنی

بر درخت جبر تا کے برجہی | اختیار خویش را یکسو نہی

ہمچو آں ابلیس و ذریات او | با خدا در جنگ اندر گفتگو

چوں بود اکراہ با چندیں خوشی | کہ تو در عصیاں ہمی دامن کشی

آنچناں خوش کس رود در مکرہے | کس چناں رقصاں رود در گمرہے

بیست مردہ جنگ می کردی دراں | چوں ہمی دادند پندت دیگراں

کہ صواب اینست و راہ اینست و بس | کہ زند طعنہ مرا جز ہیچکس،

کے چنیں گوید کسے کو مکرہ است | چوں چنیں جنگد کسے کو بے رہ است

ہرچہ نفست خواست داری اختیار | ہرچہ عقلت خواست آری اضطرار

داند آنکو نیکبخت و محرم است | زیرکی ز ابلیس و عشق از آدم است

زیرکی آمد سباحت در بحار | کم رہد غرق است او پایان کار

بل سباحت را رہا کن کبر و کیں | نیست جیحوں نیست جو دریاست ایں
وانگہاں دریائے ژرف بے پناہ | در رباید ہفت دریا را چو کاہ
عشق چوں کشتی بود بہر خواص | کم بود آفت بود اغلب خلاص
زیرکی بفروش و حیرانی بخر | زیرکی ظن است و حیرانی نظر
عقل قرباں کن بہ پیش مصطفیٰ | حسبی اللہ گو کہ اللہ ام کفیٰ
ہمچوں کنعاں سرز کشتی وا مکش | کہ غرورش داد نفس زیرکش
کہ برآیم بر سر کوہ مشید | منت نوحم چرا باید کشید
چوں رہی از منتش اے بے رشد | کہ خدا ہم منت او مے کشد
چوں نباشد منتش بر جانِ ما | چونکہ شکر و منتش گوید خدا
تو چہ دانی اے غرارہ پر حسد | منت او را خدا ہم مے کشد
کاشکے او آشنا ناموختے | تا طمع در نوح و کشتی دوختے
کاش چوں طفل از حیل جاہل بدے | تا چو طفلاں چنگ در مادر زدے
یا بعلم نقل کم بودے ملے | علم وحی دل ربودی از ولے
با چنیں نورے چو پیش آری کتاب | جان وحی آسائے تو آرد عتاب
چوں تیمم با وجود آب داں | علم نقلے با دم قطب زماں
خویش ابلہ کن تبع مے رو سپس | رستگی زیں ابلہی یابی و بس
اکثر اہل الجنۃ البلہ اے پدر | بہر ایں گفتست سلطان البشر
زیرکی چوں کبر باد انگیز تست | ابلہی شو تا بماند دیں درست

ابلہی نے کو بمسخرگی دوتوست ۔۔۔ ابلہی نے کز شقاوت مال جوست

ابلہی کو والہ و حیراں ہوست ۔۔۔ باشد اندر گردن او طوق دوست

ابلہانند آں زنان دست بر ۔۔۔ از کف ابلہ در رُخ یوسف نظر

عقل را قرباں کن اندر عشق دوست ۔۔۔ عقلہا بارے ازاں سویست کوست

عقلہا آنسو فرستادہ عقول ۔۔۔ ماندہ ایں سو آنکہ گول است و فضول

زیں سر از حیرت گرایں عقلت رود ۔۔۔ ہر سر مویت سر و عقلے شود

نیست آنسو رنج فکرت بر دماغ ۔۔۔ کز دماغ و عقل روید دشت و باغ

سوئے دشت از دشت نکتہ بشنوی ۔۔۔ سوئے باغ آئی شود نخلت روی

اندریں رہ ترک کن طاق و طرنب ۔۔۔ تا قلاوزت بجنبد تو مجنب

ہر کہ او بے سر بجنبد دم بود ۔۔۔ جنبشش چوں جنبش کژدم بود

کژ رو و شب کور و زشت و زہرناک ۔۔۔ پیشہٴ او خستن اجسام پاک

سر بکوب آنرا کہ سرّش ایں بود ۔۔۔ خلق و خوئے مستمرّش ایں بود

خود صلاح اوست ایں سر کوفتن ۔۔۔ تا رہد جاں ریزہ اش زیں شوم تن

واستاں از دست دیوانہ سلاح ۔۔۔ تا ز تو راضی شود عدل و صلاح

چوں سلاحش ہست و عقلش نے بہ بند ۔۔۔ دست او را ور نہ آرد صد گزند

بیان اسکا کہ بدگو ہر کو علم و مال و جاہ حاصل ہونا اُسکے لئے باعث رسوائی ہے اور ایسا ہے جیسے ڈاکو کے

ہاتھ میں تلوار دیدی جاوے،

بدگہر را علم و فن آموختن ‏ ‏ ‏ دادن تیغ بدست راہزن

تیغ دادن در کف زنگی مست ‏ ‏ ‏ بہ کہ آمد علم ناکس را بدست

علم و مال و منصب و جاہ و قراں ‏ ‏ ‏ فتنہ آمد در کف بدگوہراں

پس غزا زیں فرض شد بر مؤمناں ‏ ‏ ‏ تا ستانند از کف مجنوں سناں

جان او مجنوں تنش شمشیر او ‏ ‏ ‏ واستاں شمشیر را زیں زشت خو

آنچہ منصب میکند با جاہلاں ‏ ‏ ‏ از فضیحت کے کند صد ارسلاں

عیب او مخفی است چوں آلت بیافت ‏ ‏ ‏ مارش از سوراخ بر صحرا شتافت

جملہ صحرا مار و کژدم پر شود ‏ ‏ ‏ چونکہ جاہل شاہ حکم مر بود

مال و منصب ناکسے کارد بدست ‏ ‏ ‏ طالب رسوائی خویش او شدہ است

یا کند بخل و عطاہا کم دہد ‏ ‏ ‏ یا سخا آرد بنا موضع نہد

شاہ را در خانۂ بیذق نہد ‏ ‏ ‏ اینچنیں باشد عطا کاحمق دہد

حکم چوں در دست گمراہے فتاد ‏ ‏ ‏ جاہ پندارید و در چاہے فتاد

رہ نمیداند قلاوزی کند ‏ ‏ ‏ جان زشت او جہاں سوزی کند

طفل راہ فقر چوں پیری گرفت ‏ ‏ ‏ پیروانرا غول او بیری گرفت

کہ بیا تا ماہ بنمایم ترا ‏ ‏ ‏ ماہ را ہرگز ندید آں بے ضیا،

چوں نمائی چوں ندیدستی بعمر ‏ ‏ ‏ عکس مہ در خواب ہم اے خام غمر

عاقلاں سرہا کشیدہ در گلیم	احمقاں سرور شدستند و زبیم

غرضکہ سلیمان علیہ السلام ایک روز حسب معمول روشنی صبح میں مسجد اقصیٰ میں تشریف لیگئے اور ہر روز کے قاعدہ سے آپ اسکے متلاشی تھے کہ کوئی نئی بوٹی نظر آئے۔ اب مولانا یہاں سے عارف کی حالت کی طرف انتقال فرماتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ جسطرح سلیمان علیہ السلام مسجد اقصیٰ میں انواع واقسام کی بوٹیاں مشاہدہ کرتے تھے یوں ہی قلب عارف اپنی برگزیدہ آنکھ سے پوشیدہ طور پر وہ بوٹیاں مشاہدہ کرتا ہے جو عوام سے مخفی ہیں۔ یعنی احوال باطنیہ وواردات غیبیہ چنانچہ ایک صوفی نے باغ کے اندر تفریح کیلئے حسب عادت صوفیاں گھٹنوں پر سر رکھ لیا اور اپنی حالت میں یوں مشغول ہوگیا۔ جیسے کوئی نہایت گہرے گڑھے میں اتر جاتا ہے۔ اس کے اس سونے کی سی حالت کو دیکھکر ایک بیہودہ شخص دل تنگ ہوا اور کہا کہ میاں سوتے کیا ہو ذرا انگوروں کو دیکھو اور درخت وغیرہ جو رحمت الٰہیہ یعنی باران رحمت کے سرسبز و شاداب آثار ہیں انکا مشاہدہ کرو۔ اور حق سبحانہ کے حکم کی تعمیل کرو کیونکہ اس نے فرمایا ہے انظروا الیٰ آثار رحمۃ اللہ یعنی آثار رحمت خداوندی کی طرف متوجہ ہوکر انکو دیکھو۔ یہ سنکر اس صوفی نے جواب دیا کہ آثار رحمۃ اللہ کا ابتداءً و بالذات مصداق دل مع مافیہ ہے اور یہ آثار جو عالم میں ہیں وہ ان آثار کے آثار اور بواسطہ قلب انکا مصداق ہیں کیونکہ اصلی باغ اور سبزے تو جان میں ہیں۔ اور عالم میں جو باغ اور سبزے ہیں یہ انکا عکس ہیں۔ جسطرح کہ پانی میں ظاہری باغوں اور سبزوں کا عکس ہوتا ہے۔ دیکھو جو باغات و سبزے پانی کی لطافت کے سبب اسمیں متحرک ہوتے ہیں وہ اصلی باغ اور سبزے نہیں ہوتے۔ بلکہ انکا عکس ہوتے ہیں۔ علیٰ ہذا جو باغ اور سبزے دل کے اندر ہوتے ہیں انکی پاکیزگی کا عکس اس آب وگل پر پڑگیا ہے۔ اسلئے یہ خوشنما اور دلکش ہیں کیونکہ اگر یہ عالم مثلاً سرور اہل اللہ کا جو کہ ان کے باغ کیلئے مثل سرو کے ہے عکس نہوتا تو حق سبحانہ اسکو دار الغرور یعنی دہوکہ کا گھر نفرماتے اسلئے کہ وہ دہوکہ جسکی بنا پر اسکو دار الغرور کہا گیا ہے یہی ہے کہ یہ اشیاء عالم جو درحقیقت بے حقیقت ہیں اہل اللہ کے دل وجان کا عکس ہیں پس اگر یہ تباہی غلط ہے تو اسکو دار الغرور کہنا ہی صحیح نہیں جب یہ ثابت

ہو گیا کہ یہ عالم دار الغرور ہے اور دار الغرور ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس عالم کی اشیار
قلوب اہل اللہ کے احوال کا عکس ہیں مگر دیکھنے میں اشیار واقعیہ معلوم ہوتے ہیں تو اب
سمجھو کہ جتنے لوگ دھوکہ میں پڑے ہوئے ہیں وہ ان عکوس ہی کو اصول سمجھتے ہیں اور
اسی کو جنت کدہ سمجھکر اُسے لپٹے ہوئے اور اُسی کو مطمح نظر بنائے ہوئے ہیں اور جو لوگ
ان باغوں کا مبدا ہیں یعنی اہل اللہ ان سے بھاگتے ہیں اور جو چیزیں کہ عکوس ہیں اُن
میں فضول مصروف ہیں لیکن جب اُنکی خواب غفلت ختم ہوگی اُسوقت اُنکو حقیقت حال
معلوم ہوگی مگر اُسوقت یہ معلوم ہونا محض بے سود ہوگا۔ کیونکہ علم سے مقصود عمل ہے اور
عمل کا وقت اُسوقت نکل چکا ہوگا۔ اسلئے اس غلطی کے سبب قیامت تک تمام قبرستان
میں ایک شور اور واویلا مچی ہوگی۔ جسکا ہم کو سخت افسوس ہے۔ اے خوشا اُسکے لئے جو
مرنے سے پہلے ہی مر گیا یعنی جو بات کہ وہ مرنے کے بعد معلوم کرتا وہ زندگی ہی میں معلوم
کرلی۔ اور ان انگوروں وغیرہ کی اصل اور حقیقت اُسے معلوم ہو گئی۔ (**ف** تفصیل
اس مقام کی یہ ہے کہ تمام عالم مظہر اسمار وصفات آلہیہ ہے اور انسان کے علاوہ جتنی چیزیں
ہیں سب کسی نہ کسی اسم وصفت کا مظہر ہیں اور انسان تمام اسمار وصفات کا مظہر ہے اسلئے
انسان اکمل ہوگا بہ نسبت تمام عالم کے اور انسانوں میں اہل اللہ مظہر اتم واکمل ہیں
اسلئے وہ بہ نسبت اور انسانوں کے اکمل ہوں گے پس جبکہ اہل اللہ سب سے اکمل ہیں
اسلئے وہی مقصود ہونگے کیونکہ بنار مقصودیت کمال ہے۔ اور جب وہ مقصود ہونگے
تو وہی متبوع ہونگے اور دیگر اشیار تابع اور جبکہ وہ متبوع ہونگے اور دیگر اشیار تابع تو وہ
مشابہ حقیقت ہوں گے اور دیگر اشیار شبیہ ظلال وعکوس اس لئے مولانا نے ان کو
اصول وحقائق قرار دیا اور دوسروں کو ظلال وعکوس اور ان مختلف عنوانوں سے ظاہر
کیا۔ کبھی دل کو اصل کہا کبھی جان کو اور کبھی احوال قلب وغیرہ کو۔ پس مولانا کے ظاہر بیان
سے کسی کو شبہ نہ ہونا چاہیئے اور اس عالم کو واقع میں خیال اور ایسا عکس نہ سمجھنا چاہیئے
جیسا کہ درختوں کا سایہ پانی میں ہوتا ہے) اب مولانا پھر قصۂ سلیمان علیہ السلام کی طرف عود
کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ جسطرح وہ ہر روز مسجد اقصےٰ میں جایا کرتے تھے یوں ہی حسب

معمول ایک روز اُس مسجد میں گئے۔ اور ایک کونہ میں ایک نئی بوٹی اُگی ہوئی دیکھی جسپر خوشۂ انگور کی طرح دانہ لگے ہوئے تھے اور اُنھوں نے ایک عجیب اور سرسبز بوٹی دیکھی جسکی سبزی اپنی عمدگی کے سبب آنکھ سے نور اچکتی تھی پس اس بوٹے نے فوراً حضرت سلیمان علیہ السلام کو سلام کیا اُنھوں نے اسکے سلام کا جواب دیا اور اسکی خوبی کو دیکھکر کھلگئے پھر فرمایا کہ اے بوٹی تو بتا کہ تیرا نام کیا ہے اُس نے عرض کیا کہ میرا نام خروب ہے اسپر اُنھوں نے دریافت فرمایا کہ تجھ میں کیا خاصیت ہے اُس نے عرض کیا کہ جہاں میں پیدا ہوتی ہوں وہ مقام ویران ہوجاتا ہے چونکہ میرا نام خروب ہے اسلئے میں اپنے مقام روئیدگی کی ویرانی کا سبب اور اسکے آب وگل کی بنیاد کو ڈہا دینے والی ہوں۔ یہ سنکر حضرت سلیمان علیہ السلام فوراً سمجھ گئے کہ میرے انتقال کا وقت آگیا ہے اور اب میں دار البقار کو رحلت کرنے والا ہوں۔ کیونکہ اُنھوں نے اپنے دل میں کہا کہ اس مسجد کا ویران ہونا تو یقینی ہے اور جب تک میں ہوں اُسوقت تک یہ یقیناً ویران نہوگی اور آفات ارضیہ سے اسکی عمارت میں کوئی خلل واقع نہوگا۔ اور جب تک میں ہوں اور میرا وجود ہے اسوقت تک مسجد اقصٰی میں کوئی خرابی نہیں آسکتی اسلئے ضرور ہے کہ میں انتقال کرجاؤں اور مسجد اقصٰے کی ویرانی میرے بعد ہو۔ اب مولانا یہاں سے دوسرے مضمون مناسب کی طرف انتقال فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ دل ایک مسجد ہے کیونکہ جسم اسکا مطیع ومنقاد ہے اور وہ اسکے لیے بمنزلہ قبلہ کے ہے اور جہاں کہیں یہ مسجد ہو یار بد اسکے لئے بمنزلہ خروب کے ہے جو اسکو ویران کرنے والا ہے۔ پس جب کسی یار بد کی محبت تمہارے دل میں پیدا ہو تمکو اس سے بھاگنا اور احتراز کرنا چاہئے اور کچھ چون وچرانہ کرنی چاہئے اور اس خروب کی جڑ اکھیڑ ڈالنا چاہئے کیونکہ جب وہ ظاہر ہوگا تو تمکو اور تمہاری مسجد کو جڑ سے اکھیڑ ڈالیگا یعنی تمکو خسران ابدی میں مبتلا کردیگا۔ جو بمنزلہ فنا وموت وویرانے کے ہے۔ جب مولانا نے یہ نصیحت فرمائی تو گویا کہ اس شخص کی طرف سے عدم ترک یار بد کیلئے طرح طرح کے عذر وحیلہ پیش ہوئے جیسا کہ ایسے مواقع پر ہوا کرتا ہے جسکی طرف مولانا نے کم کن گفتگو سے اشارہ کیا۔ اسلئے اب مولانا ان اعذار کا قلع قمع فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اے اس یار بد کے عاشق اور اسکو نہ چھوڑنے کیلئے طرح طرح کے حیلہ بہانے کرنے والے یہ تیری کجروی یعنی نصیحت

کو نہ ماننا اور طرح طرح کے حیلہ بہانہ کرنا تیرے لئے دوسرا خروٹ ہے۔ پس تو کجی کی طرف بچوں کی طرح گھٹنوں کے بل کیوں جاتا ہے اسے اپنے کو جاہل بنانے اور اپنے جرم کا اقرار کر اور اس ڈر کہ استاد اور ناصح مشفق تجھ سے سبق نصیحت و تعلیم چھپانے اور تجھے خود تیرے حوالہ کر دے۔ جب تم یہ کہو گے کہ میں ناواقف ہوں آپ مجھے تعلیم دیجئے تو یہ انصاف تمہارے اقرار جہل کی عار سے بہتر ہوگا تم اپنے باپ سے سبق حاصل کرو۔ کہ جب ان سے لغزش ہوگئی تو انھوں نے اپنے جرم کا صاف طور پر اقرار کیا۔ اور کہا کہ ربنا ظلمنا انفسنا وان لم تغفر لنا وترحمنا لنکونن من الخاسرین اور کوئی بہانہ اور کوئی تلبیس نہیں کی اور کوئی فریب کوئی حیلہ نہیں کیا۔ حضرت آدم علیہ السلام نے تو یہ کیا برخلاف اسکے ابلیس نے اپنے جرم پر بحث شروع کر دی۔ اور کہا کہ میں تو سرخرو تھا آپ ہی نے مجھے زرد رو کیا پس میرا رنگ آپ ہی کا بخشا ہوا ہے اور میرے رنگنے والے آپ ہی ہیں اور میرے جرم کا منشا اور میری اس تکلیف کا سبب آپ ہی ہیں۔ میں ان مضامین کو ابلیس کی طرف اپنی طرف سے منسوب نہیں کرتا بلکہ اسکا یہ بیان خود کلام اللہ میں موجود ہے چنانچہ حق سبحانہ فرماتے ہیں قال فبما اغویتنی لاقعدن لهم صراطك المستقيم یعنی چونکہ آپ نے مجھے گمراہ کیا ہے اسلئے میں یہ کرونگا کہ لوگوں کی رہزنی کیلئے آپ کے صراط مستقیم پر بیٹھ جاؤنگا اسمیں اس نے صاف طور پر اپنی گمراہی کا الزام حق سبحانہ پر رکھا ہے۔ پس خبردار تم شیطان کی تقلید کر کے جبری نہ بننا اور کجروی نہ اختیار کرنا۔ دیکھو تم اچھلکر درخت جبر پر کیسے تک چڑھتے ہو گے اور اختیار کو کب تک چھوڑتے رہو گے بجائے کہ تم ابلیس اور اسکی ذریت کیطرح سے خدا سے جنگ اور مباحثہ کرتے ہو۔ ذرا تم سوچو تو سہی کہ اسقدر خوشی کے ساتھ جس سے تم گناہ پر مستعد ہوتے ہو۔ اکراہ اور جبر کیونکر جمع ہو سکتا ہے۔ اور غور تو کرو کہ جو شخص کسی فعل پر مجبور کیا گیا ہو۔ وہ اسکی طرف کہیں اس خوشی کیساتھ دوڑتا ہے جس خوشی کیساتھ تم دوڑتے ہو۔ اور کوئی گمراہی میں زبردستی سے یوں ذوق و شوق سے بھی جاتا ہے جسطرح تم جاتے ہو جبکہ یہ نہیں تو تم کیسے کہتے ہو۔ کہ ہم مجبور ہیں اور سنو جب تمکو کوئی نصیحت کرتا ہے تو تم ان سے یوں لڑتے ہو جیسے بیس آدمی لڑتے ہوں اور کہتے ہو کہ بیشک وہی ہے اور راہ راست صرف یہی ہے۔ ایسی حالت میں

جو مجھ پر طعنہ کرے وہ نالائق اور نااہل ہے۔ کیا اب بھی تم یہی کہوگے کہ میں مجبور ہوں۔ مکرہ ہوں اور بجبر و زبردستی اس کام کو کرتا ہوں۔ بھلا کہیں وہ شخص بھی ایسی باتیں کرتا ہے۔ جو فی الحقیقت مکرہ ہو۔ اور جو اپنی دانست میں غلط رستہ پر چل رہا ہو۔ وہ کیسے یوں کہہ سکتا ہے ہرگز نہیں پس معلوم ہوا کہ تم مکرہ نہیں ہو۔ اور نہ اپنی روش کو غلط سمجھتے ہو اصل بات یہ ہے کہ جس چیز کو تمہارا نفس چاہے۔ اسمیں تو تم بالکل مختار ہو۔ اور اسوقت تمہیں کوئی عذر و حیلہ نہیں سوجھتا اور عدم قدرت کا وہم بھی نہیں ہوتا۔ اسلئے جھٹ پٹ اُس کام کو کر لیتے ہو اور جس بات کا تمہاری عقل حکم کرے اُسی میں تم اضطرار و جبر کا عذر لا کھڑا کرتے ہو۔ یہ کونسی انصاف کی بات ہے۔ دیکھو جو شخص سعادتمند اور عارف حق سبحانہ ہے وہ جانتا ہے اور اگر تم بھی ایسے ہو تو تم بھی جانو کہ ذکاوت محض صفت ابلیس ہے اور عشق صفت آدم کیونکہ شیطان نے خدا کے سامنے اپنی عقل سے کام لیا اور مناظرہ شروع کر دیا۔ اور آدم علیہ السلام نے کچھ بھی چوں و چرا نہ کی اور اپنے جرم کا اقرار کر لیا۔ اور یاد رکھو محض عقل سے کام لینا سمندروں میں تیرنا ہے۔ اور سمندروں میں تیرنے والا آخر میں ضرور ڈوبتا ہے۔ پس تم اس پیراکی اور عقل محض غیر مشوب بعشق حق سے کام لینے کو چھوڑ دو اور تکبر اور مخالفت محققین کو خیرباد کہو۔ کیونکہ معرفت و طاعت حق سبحانہ کوئی جیحون یا معمولی ندی نہیں ہے۔ جسے تم تیر کر پار کر جاؤ۔ بلکہ یہ ایک سمندر ہے۔ اور سمندر بھی ایسا ویسا نہیں بلکہ اتنا گہرا اور ایسا بے پایاں کہ ساتوں سمندروں کو تنکے کی طرح اڑا لیجائے۔ پس اس سمندر میں عقل سے تیرنے والے کے ہاتھ پاؤں لامحالہ تھک جائیں گے اور وہ ڈوب جاویگا۔ اس دریا کے پار کرنے کا آلہ تو عشق ہے اسمیں ہلاکت نادر اور اغلب نجات ہے پس تم ذکاوت کو دے ڈالو اور اسکے بجائے حیرت عشق لیلو۔ کیونکہ زیرکی تو ایک ظن ہے جسمیں صحت و غلطی دونوں کا احتمال ہے۔ پس اگر ظن صحیح ہو گیا تو خیر اور اگر غلط ہو گیا تو مر گئے۔ برخلاف حیرت عشق کے کہ وہ بمنزلہ مشاہدہ کے ہے جسمیں غلطی نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ اسمیں تو اطاعت محض اور تسلیم صرف ہوتی ہے۔ پھر غلطی کیونکر ہو سکتی ہے۔ پس تو جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم یا کسی برگزیدہ و مقبول حق کے سامنے اپنی عقل کو قربان کر دے۔ اور اسے بالکل چھوڑ دے اور

کہدے کہ مجھے تیری ضرورت نہیں بلکہ مجھے صرف خدا کافی ہے بس تو وہی کرونگا اور وہی مانونگا
جو وہ کہیگا اور تیری طاعت نہ کرونگا - اور یاد رکھ جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور انکے
جانشینوں کی اطاعت تیرے لئے بمنزلہ کشتی کے ہی جو تجھے اس بحر نا پیدا کنار سے پار کرکے
حق سبحانہ تک پہونچا یگی - بس تو اس کنعان کی طرح اس کشتی سے سرتابی نکرنا - جسکو اُسکے
نفس زیرک نے دہوکھا دیا تھا - اور اس نے کہا تھا کہ میں اس مضبوط پہاڑ پر چڑھکر طوفان
سے بچ سکتا ہوں - پھر میں نوح کا احسان کیوں لوں - اس سے کوئی کہے کہ احمق تو اُن کے
احسان سے کیوں بچتا ہے جنکے کارناموں کی حق سبحانہ بھی قدر کرتے ہیں - بس جبکہ حق سبحانہ
سے بے نیاز اُن کے افعال کی قدر کرتے ہیں اور اُنکی وقعت کرتے ہیں تو ہم اُنکا احسان کیوں
نہ لیں - اور دہوکے میں پڑے ہوے حاسد تجھے اُنکا رتبہ کیا معلوم وہ تو وہ ہیں جنکے افعال
کو حق سبحانہ بھی وقعت کی نظر سے دیکھتے ہیں - ساری وجہ اس غرور اور گھمنڈ کی یہ تھی کہ وہ
تیرنا جانتا تھا - بس اے کاش وہ تیرنا نہ جانتا تاکہ وہ نوح اور اُنکی کشتی کا خواہاں ہوتا - اور
اس ذریعۂ ہلاکت سے نجات پاتا - اور جسطرح کہ کنعان کو اپنے تیرنے پر ناز تھا یوں ہی اس
مزاحم اہل اللہ کو اپنی زیرکی اور چالاکی اور علم رسمی پر ناز ہے بس اے کاش وہ بچہ کی طرح تدابیر
سے ناواقف ہوتا اور جسطرح بچہ اپنے بچنے کیلئے کوئی تدبیر نہیں کرتا بلکہ ماں کو لپٹتا ہے یوں ہی
یہ بھی اہل اللہ کو پکڑتا - یا وہ علم رسمی سے پُر نہوتا بلکہ علم الہامی اہل اللہ سے حاصل کرتا - اس سے
کوئی کہے کہ ارے احمق تو جو ایسے نور وحی والہام کے مقابلہ میں کتب عقلیہ کو پیش کرتا ہے اور
ان سے اسکو رد کرتا ہے اس سے تیری روح جو وحی سے مانوس ہے غصہ ور ناخوش ہوتی ہے گو
تجھے اسکا احساس نہیں ہوتا - یا ہوتا ہے مگر تو اسکی پرواہ نہیں کرتا تجھے یاد رکھنا چاہئے کہ علوم
ومقالات اہل اللہ کے سامنے علوم نقلی ایسے ہیں جیسے پانی کے سامنے تیمم کہ ہرگز نہیں ٹھہرسکتے
اور کچھ بھی مقابلہ نہیں کرسکتے - بس تو اپنے کو بیوقوف اور انجان بنالے - اور شیخ کے پیچھے پیچھے چلا
چل تیری نجات کا ذریعہ یہی ہے - اور تو اس سے نجات پاسکتا ہے - اور کسی چیز سے نہیں - اسلئے
جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اہل جنت میں زیادہ لوگ وہ ہونگے جو بے عقل
ہونگے - دیکھو چونکہ یہ ذکاوت تمھارے بھلانے والے تکبر کا سبب ہے اسلئے تم اسے چھوڑو اور بیعقل

بنجاؤ تاکہ تمہارا دین بنا رہے بے عقل سے ہماری مراد وہ بے عقل نہیں جو مسخرہ پن پر جھکا ہوا اور مائل ہوا اور نہ وہ بے عقل مراد ہے جو اپنی بدبختی سے طالب زر ہو بلکہ وہ بے عقل مراد ہے جسکی عقل پر عشق الٰہی غالب آگیا ہو اور اسلئے وہ حیرت عشق میں مبتلا ہو - اور اُسکی گردن میں محبت حق سبحانہ کا طوق پڑا ہوا ہو - کہ وہ جو کام کرتا ہو رضائے محبوب کیلئے کرتا ہو - اور ایسا بے عقل مراد ہے جیسے زنان مصر تھیں کہ ہاتھ سے بیخبر تھیں - مگر یوسف کے چہرہ پر نظر تھی اور اس سے بیخبر نہ تھیں - پس جسطرح زنان مصر نے یوسف کے عشق میں اپنی عقل کھو دی تھی یوں ہی تم حق سبحانہ کے عشق میں اپنی عقل کو قربان کر دو - آخر تم کو دریغ کیوں ہے عقل کچھ تمہاری بنائی ہوئی نہیں تمہاری ملک نہیں بلکہ جہاں حق سبحانہ ہیں وہیں سے تمہارے پاس آئی ہے - پھر اسکے لئے اسکو قربان کر دینے میں تامل کیوں ہے - جو لوگ سراپا عقل تھے وہ تو اپنی عقلوں کو بھیج چکے اور انکو حق سبحانہ پر قربان کر چکے یعنی انکو حق سبحانہ کے تابع کر چکے - اور جو بیوقوف اور احمق تھے وہ یوں ہی رہگئے - شاید تم کو اپنی عقل کے قربان کرنے میں اس لئے تکلف ہو کہ ہمکو نقصان ہوگا اور ہم بیوقوف اور بے عقل رہجائیں گے سو تمہارا یہ خیال ہی غلط ہے - کیونکہ اگر حیرت عشق کے سبب تمہارے سر سے یہ عقل جاتی رہے گی تو اسکے عوض تمہارا بال بال سراور عقل بنجائیگا یعنی تم عقل کل و عقل کامل بنجاؤ گے - اور یہ عقل ایسی ہوگی کہ اسکے قبول کے بعد دماغ کو سوچ اور فکر کا تعب برداشت نکرنا پڑیگا - کیونکہ اسوقت جنگل اور باغ وغیرہ جنکے متعلق تم اب دماغ سوزی کرتے ہو دماغ اور عقل سے خود بخود پیدا ہوں گے یعنی اُسوقت انکا علم وہبی ہوگا - جو کہ بدون اعمال فکر خود بخود تمکو حاصل ہوگا - برخلاف موجودہ حالت کے کہ اسوقت انکا علم کسبی ہے جسکے لئے دماغ سوزی کی ضرورت ہے - بلکہ اگر اسوقت تم جنگل میں جاؤ گے تو خود جنگل تم سے حقائق و معارف بیان کریگا - اور اگر باغ میں جاؤ گے تو وہاں بھی تمہاری روح کا نخل چشمہائے معارف سے سیراب ہوگا پس تم اس راہ میں شان و شوکت چھوڑ دو - اور جب تک تمہارا رہنما و مرشد حرکت نکرے اُسوقت تک تم حرکت نکرو - اور بالکل اُسکے تابع ہو جاؤ - دیکھو شیخ بمنزلہ سر کے ہے اور جو شخص بدون سر کے حرکت کرتا ہے وہ نامعقول ہوتا ہے اور اُسکی حرکت ایسی ہوتی ہے جیسے بچھو کی حرکت چنانچہ وہ کجرو اور اندھا اور بُرا اور زہر سے پُر ہوتا ہے اور اسکا کام مقدس لوگوں کا زخمی کرنا ہوتا ہے

پس ایسے شخص کا جسکی اندرونی حالت اور اسکی دائمی خو و خصلت یہ ہو سر کچل ڈالنا چاہئے کیونکہ اسکی بہتری اس سر کچلنے ہی میں ہے۔ تاکہ اسکی یہ ضعیف جان اس بدبخت جسم سے رہائی پائے اور جو کچھ ایمان کا حصہ اسمیں موجود ہے وہ محفوظ رہے۔ ورنہ اسکے بقا میں اسکے زوال کا بھی خطرہ ہے۔ وہ ایک دیوانہ ہے اور اسکا جسم اسکے ہاتھ میں ہتیار ہے پس تم کو دیوانہ کے ہاتھ سے ہتیار لے لینا چاہئے تاکہ عدل و صلاح تم سے خوش ہو۔ اور جب کہ اسکے پاس ہتیار ہے اور عقل اسکو ہے نہیں تو اسکو مقید کر دینا چاہئے۔ ورنہ سیکڑوں کو نقصان پہونچاویگا۔ علی ہذا علم و فن ایک تلوار ہے اور بدطینت شخص رہزن۔ پس بدطینت آدمی کو علم و ہنر سکھلانا گویا ڈکیت کے ہاتھ میں تلوار دینا ہے۔ بلکہ میں تو کہتا ہوں کہ زنگی مست کے ہاتھ میں تلوار دینا اچھا ہے بہ نسبت اسکے کہ کسی نالائق اور نااہل کے ہاتھ میں آجاوے (اسکی دو وجہ ہیں۔ اول تو یہ کہ زنگی مست کا ضرر حیات جسمانی تک محدود رہیگا۔ اور حیات روحانی پر اسکا کچھ اثر نہو گا۔ برخلاف نااہل عالم کے کہ اسکا زہریلا اثر حیات روحانی پر پڑیگا۔ اور حیات روحانی کو جو صدمہ پہونچیگا وہ زیادہ برا ہے بہ نسبت اس صدمہ کے جو حیات جسمانی کو پہونچے۔ دوم زنگی مست تو دو چار ہی کو نقصان پہونچاویگا۔ اور یہ شخص ہزاروں بلکہ لاکھوں کو) اور یہ بات کچھ علم ہی کے ساتھ خاص نہیں۔ بلکہ علم اور جاہ و منصب و مال اور طالع مندی سب کے سب بدطینت لوگوں کے ہاتھ میں آکر موجب فتنہ ہو جاتے ہیں۔ جہاد جو مسلمانوں پر فرض ہوا ہے۔ اسکی وجہ یہی ہے کہ یہ لوگ جہاد کر کے دیوانوں سے نیزہ وغیرہ چھین لیں۔ کیونکہ انکی جان دیوانہ ہے۔ اور جسم تلوار۔ پس ان بدخصلت دیوانوں سے اس تلوار کا چھیننا ضروری ہے۔ کیونکہ انھوں نے اپنے کو تو نقصان پہونچایا ہی ہے ایسا نہو کہ دوسروں کو بھی ضرر پہونچائیں۔ یاد رکھو کہ جو گت جاہ و منصب جاہلوں اور نااہلوں کی بناتا ہے اور جو ضرر وہ انہیں پہونچاتا ہے۔ سو شیر بھی وہ گت نہیں بنا سکتے۔ اور وہ نقصان نہیں پہونچا سکتے۔ اسلئے کہ انکا عیب بے سرو سامانی کی حالت میں مخفی ہوتا ہے لیکن جبکہ انکو سامان ملجاتا ہے تو انکا سانپ (نفس) جو سوراخ میں گھسا ہوا تھا نکل پڑتا ہے اور جنگل میں دوڑ جاتا ہے جہاں انکو ضرر رسانی کا خوب موقع ملتا ہے۔ یعنی پہلے تو بے سرو سامانی اسکے لئے مانع تھی اب سامان حاصل ہونے کے بعد اسکو ایذا رسانی کا خوب موقع ملتا ہے اور جبکہ جاہل اور نااہل

علم قطعی کا مالک ہو جاتا ہے تو تمام جنگل سانپوں اور بچھوؤں سے بھر جاتا ہے۔ کیونکہ وہ بحکم الناس علی دین ملوکہم تمام رعایا کو اپنے رنگ میں رنگ لیتا ہے۔ پس جو شخص نااہل ہو کر مال اور منصب حاصل کرنا چاہے وہ حقیقۃً اپنی رسوائی چاہتا اور اپنی تباہی کا خواستگار ہے۔ کیونکہ اسکا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ یا تو بخل کریگا۔ اور عطیہ نہ دیگا۔ یا سخاوت بے موقع کریگا۔ اور بادشاہ کو پیادہ کے خانہ میں رکھیگا۔ یعنی مراتب کا لحاظ نہ رکھیگا اسلئے کہ وہ احمق ہے اور احمقوں کی بخششیں اسی قسم کی ہوتی ہیں، اور جب وہ ایسا کریگا تو اسکے لئے فضیحت و رسوائی لازم ہے۔ یاد رکھو کہ جب حکومت کسی غلط رو کے ہاتھ لگجاتی ہے تو وہ اسکے لئے سراسر مرض ہوتی ہے وہ تو اسے جاہ سمجھتا ہے اور جانتا ہے کہ میں صاحب جاہ ہو گیا۔ مگر حقیقت میں وہ کنوئیں میں گر جاتا ہے یہ شخص ایسا ہوتا ہے جیسے کہ کوئی رستہ نہ جانتا ہو اور رہبری کرتا ہو اور اسکی بری جان بجائے اصلاح عالم کے جہانسوز اور مفسد عالم ہوتی ہے۔ علی ہذا جو شخص راہ سلوک میں ہنوز طفل مکتب ہو اور پیر بن بیٹھے تو سمجھ لو کہ اسکے مریدوں کو بدبختی کے بھوت نے پکڑ لیا۔ وہ لوگوں سے کہتا ہے کہ آؤ تمہیں چاند دکھلاؤں۔ حالانکہ اس بے نور نے خود بھی کہیں چاند نہیں دیکھا اس سے کوئی کہے کہ ارے احمق جب تو نے خود اپنی تمام عمر میں پانی میں بھی چاند کا عکس نہیں دیکھا تو تو دوسروں کو کیا چاند دکھائیگا۔ خلاصہ یہ کہ وہ مدعی ایصال الی الحق ہے حالانکہ وہ خود واصل نہیں اسلئے یہ دعویٰ غلط ہے۔ ایسے لوگوں کی سرداری و پیشوائی کی اور مضرتیں تو تھیں ہی مگر بڑا نقصان یہ ہوا کہ جب یہ احمق لوگ سردار اور مقتدا و پیشوا بن بیٹھے تو ایسی حالت میں عقلاء کو دعویٰ سرداری و پیشوائی کرتے ہوئے شرم آئی اور وہ ناچار ہو کر چادر میں منہ لپیٹ کر پڑ رہے۔

شرح شبیری

سلیمان علیہ السلام کا ہر روز مسجد اقصےٰ میں اسکے پورا ہونیکے بعد عبادت اور عابدین و معتکفین کو وعظ سنانے کیلئے آنا

اور مسجد میں عقاقیر کا اُگنا اور آنحضرت علیہ السّلام سے باتیں کرنا

چوں سلیمان نبی شاہِ انام ساخت مسجد را و فارغ شد تمام

یعنی جب سلیمان علیہ السلام نے جو مخلوق کے بادشاہ تھے مسجد کو بنا لیا اور بالکل فارغ ہو گئے۔

ہر صباح از اوظیفہ ایں بُدے کامدے در مسجد اقصے شدے

یعنی روزانہ انکی یہ عادت تھی کہ آکر مسجد اقصےٰ میں تشریف لیجاتے۔

ہر گیاہے رستہ دیدے اندرو پس بگفتے نام و نفعے خود بگو

یعنی جو گھاس کہ اسمیں اُگا ہوا دیکھتے تو (اس سے) فرماتے کہ اپنا نام اور نفع بیان کر۔

تو چہ داروئی چہ نامت چیست تو زیاں بر کہ و نفعت بر کیست

یعنی تو کیا دوا ہے اور تو کیا ہے اور تیرا نام کیا ہے تو کسکے لئے نقصان ہے اور تیرا نفع کسکے لئے ہے۔

پس بگفتے ہر گیاہے فعل و نام کہ من آنرا جانم و ایں را حمام

یعنی پس ہر گھاس اپنا اثر اور نام بتا دیتا کہ میں فلاں کیلئے تو باعث زندگی ہوں اور اسکے لئے موت ہوں۔

من مراین را زہرم و آنرا شکر نام من ایں است بر لوح قدر

یعنی میں اسکے لئے تو زہر ہوں اور اسکے لئے شکر ہوں اور میرا نام قضا و قدر میں یہ ہے،
یعنی وہ گھاس اپنا نام اور نفع و ضرر سب اُن سے بیان کر دیا کرتا تھا۔

پس سلیماں با حکیماں زاں گیا شرح کردے نفع و ضرش زاں گیا

یعنی پس سلیمان علیہ السلام حکیموں سے اس گھاس کے نفع و ضرر کو مشرح بیان فرما دیتے،

پس طبیباں از سلیماں زاں گیا عالم و دانا شدند و مقتدا

یعنی پس طبیب سلیمان علیہ السّلام کی وجہ سے اُس گھاس (کے نفع و ضرر) سے عالم و دانا و مقتدا ہو جاتے یعنی اُن سے سیکھ کر بڑے بڑے حکیم و دانا بنجایا کرتے تھے۔

تا کتبہائے طبیبے ساختند جسم را از رنج می پرداختند

یعنی یہاں تک کہ اُنھوں نے طب کی کتابیں بنائیں اور جسم کو تکالیف سے خالی کرنے لگے

آگے مولانا فرماتے ہیں کہ۔

این نجوم و طب وحی انبیاست　　عقل و حس را سوئے بیسو رہ کجاست

یعنی یہ نجوم اور طب انبیا کی وحی ہیں عقل اور حس کو لا امکان کی طرف راہ کب ہے مطلب یہ کہ
اور نجوم دونوں انبیا کو وحی کے ذریعہ سے بتائے گئے ہیں طب کیلئے تو ابھی حضرت سلیمان
علیہ السلام کا بتانا بیان ہوا اور ممکن ہے کہ نجوم بھی کسی نبی پر نازل ہوئی ہو ورنہ عقل کی رسائی
عالم بالا میں اس طرح کس طرح ہو سکتی ہے۔ کہ وہاں کے حالات پر مطلع ہو جب اسکو اسقدر قدرت
نہیں ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ ضرور یہ ادھر ہی سے بتلائی گئی ہے۔ اور کچھ بعید بھی نہیں اسلئے
کہ یہ دونوں علوم مستقل ہیں مگر ہاں طب کے اصول تو ابھی مدون ہیں اسلئے اسکا اعتبار کرنا
تو جائز ہے مگر چونکہ نجوم کے اصول مدون نہیں رہے اور مدون نہ رہنے کی دلیل اسمیں خلاف اصول
شرع کے ہونا ہے۔ کیونکہ جب کسی نبی پر نازل ہوئی ہوگی تو اصول میں تو سب انبیاء متفق ہی
ہیں لہذا اسمیں بھی اصول شرع کے موافق اصول کا ہونا ضروری تھا اور جب اسمیں اسکے خلاف
امور ہیں تو ضرور اسکے اصول مدون نہیں ہے لہذا اسکے اوپر اعتبار نہ کرنا چاہئے۔ خوب سمجھ لو۔ آگے بھی
مولانا ان دونوں چیزوں کا وحی سے معلوم ہونا بیان فرماتے ہیں کہ۔

عقل جزوی عقل استخراج نیست　　جز پذیرائے فن و محتاج نیست

یعنی عقل ناقص عقل استخراج نہیں ہے سوائے فن کے قبول کر لینے کے اور محتاج کے نہیں ہے۔

قابل تعلیم و فہم ست این خرد　　لیک صاحب وحی تعلیمش دہد

یعنی یہ خرد تعلیم و فہم کے تو قابل ہے لیکن صاحب وحی اسکو تعلیم دیتا ہے مطلب یہ کہ عقل
حیوانی جو کہ عقل ناقص ہے اسمیں اسکی تو قابلیت ہے کہ اسکو تعلیم کیا جاوے تو یہ تعلیم کو قبول
کر لے اور سمجھ لے۔ مگر یہ خود عالم بالا کے امور کو استخراج نہیں کر سکتی۔ ہاں جو انبیا سمجھاتے ہیں اور
بتاتے ہیں اسکو سمجھ ضرور لیتی ہے جب یہ بات ہے تو یہ دونوں علوم مذکورہ بھی اس نے خود استخراج
نہیں کئے بلکہ صاحب وحی نے بتا دئے۔ اور اس نے سمجھ لئے اور انہیں پر کیا خاص ہے بلکہ

جملہ حرفتہا یقین از وحی بود　　اول او لیک عقل آنرا فزود

یعنی تمام پیشے کا شروع وحی سے تھا۔ لیکن عقل نے اسکو بڑھا لیا۔ مطلب یہ کہ اول تو ہر پیشہ کی تعلیم

یعنی اسکے اصول تو اول وحی سے معلوم ہوئے۔ مگر اس عقل نے اسمیں ترقی دی لیکن اصول کو آسنے خود معلوم نہیں کیا۔ آگے مولانا اسکی ایک دلیل بیان فرماتے ہیں کہ۔

ہیچ حرفت را ببیں کایں عقل ما — تاندا آموختن بے اوستا

یعنی کسی پیشہ کو دیکھ لو کہ یہ ہماری عقل کیا بے اوستاد کے سیکھ سکتی ہے۔

گرچہ اندر مکر موئے اشگاف بد — ہیچ پیشہ رام بے اُستا نشد

یعنی اگرچہ مکر میں بال کی کھال نکالنے والا ہو (مگر) کوئی پیشہ بے استاد کے رام نہیں ہوا۔

دانش پیشہ ازیں عقل ار بدے — پیشہ بے اوستا حاصل شدے

یعنی پیشہ کا جاننا اس عقل سے اگر ہوتا تو کوئی پیشہ تو بے اُستاد کے حاصل ہو جاتا۔ مطلب یہ کہ کسی پیشہ کو دیکھ لو کہ یہ ہماری عقل بے اُستاد کے اسکو سیکھ نہیں سکتی۔ اگرچہ ویسے کتنا ہی سمجھدار اور چالاک ہو۔ مگر بے استاد کے کبھی بھی نہیں سیکھ سکتی۔ تو اگر یہ عقل ایجاد حرفت میں کافی ہوتی تو بے اُستاد کے خود کوئی پیشہ تو سیکھ سکتی۔ جب اس ظاہری استاد کی حاجت فروع کے سیکھنے میں ہوتی ہے تو اصول کے سیکھنے کیلئے تو بدرجۂ اولیٰ استاد کی ضرورت ہے۔ پس معلوم ہوا کہ ضروریہ علوم ثابت بالوحی ہی ہیں۔ آگے قابیل کا ہابیل کو قتل کرکے گورکنی کا پیشہ ایک کوّے سے سیکھنے کا قصہ بیان فرماتے ہیں کہ دیکھو ایک لاش کو کہیں چھپا دینا کوئی بڑا باریک کام نہ تھا مگر قابیل اس عقل سے اسکو بھی نہ سمجھ سکا تو بھلا علوم عالیہ تو اس عقل سے کس طرح بے بتائے معلوم ہو سکتے ہیں خوب سمجھ لو۔ اب حکایت سنو۔

قابیل کا کوّے سے گورکنی کے پیشہ کو سیکھنا قبل اس کے کہ دنیا میں گورکنی کا پیشہ تھا۔

کندن گورے کہ کمتر پیشہ بود — کے ز فکر حیلہ و اندیشہ بود

یعنی ایک قبر کھودنا جو کہ بہت ہی کم درجہ کا پیشہ تھا کب حیلہ و اندیشہ کی فکر سے تھا۔

گر بُدے ایں فہم مر قابیل را — کے نہادے بر سر او ہابیل را

یعنی اگر قابیل کو یہ سمجھ ہوتی تو ہابیل کو سر پر کیب رکھتا (اور یہ کیوں سوچتا پھرتا کہ)

کہ کجا غائب کنم ایں کشتہ را ‌ ‌ ‌ ‌ ایں بخون وخاک در آغشتہ را

یعنی اس مقتول اور خاک وخون میں لتھڑے ہوئے کو کہاں چھپاؤں۔ مطلب یہ کہ دیکھو قبر کھودنا ایک بہت ہی ذلیل اور آسان کام تھا مگر قابیل اپنی اس عقل جزوی سے اسکو نہ جان سکا اور ہابیل کی لاش کو سر پر رکھے پھرتا تھا کہ اسے کہاں چھپاؤں۔

دید زاغے زاغ مردہ در دہاں ‌ ‌ ‌ ‌ برگرفتہ تیز مے آمد براں

یعنی ایک کوے کو دیکھا کہ ایک مردہ کو اپنے منہ میں پکڑے ہوئے تیزی سے اڑتا ہوا چلا آرہا ہے

از ہوا زیر آمد و شد او بفن ‌ ‌ ‌ ‌ از پئے تعلیم او را گور کن

یعنی وہ کوا ہوا سے نیچے آیا اور فن سے وہ قابیل کی تعلیم کیلئے قبر کھودنے لگا۔

پس بچنگال از زمیں انگیخت گرد ‌ ‌ ‌ ‌ زود زاغ مردہ را در گور کرد

یعنی پس اس نے پنجہ سے زمین کی گرد اٹھائی اور جلدی سے مردہ کوے کو قبر میں کیا۔

دفن کردش پس بپوشیدش بخاک ‌ ‌ ‌ ‌ زاغ از الہام حق بد علمناک

یعنی اسکو دفن کیا اور پھر اسکو خاک سے چھپا دیا کوا الہام حق کی وجہ سے علم والا تھا مطلب یہ کہ جب وہ ہابیل کی لاش کو کندھے پر رکھے ہوئے پھر رہا تھا تو حق تعالیٰ نے اسکی تعلیم کیلئے ایک کوے کو بھیجا۔ کہ وہ ایک مردہ کوے کو لایا اور پنجہ سے زمین کھود کر اس مردہ کوے کو دبا دیا اب کوئی کہے کہ بھلا کوے کو کہاں سے خبر ہوئی تو فرماتے ہیں کہ کوے کے قلب میں حق تعالیٰ نے ڈالدیا تھا اور وہ اس الہام حق سے عالم گورکنی تھا۔

گفت قابیل آہ شد بر عقل من ‌ ‌ ‌ ‌ کہ بود زاغے ز من افزوں بفن

یعنی قابیل نے کہا کہ افسوس میری عقل پر تف ہو کہ ایک کوا علم میں مجھ سے زیادہ ہو غرضکہ ایک ادنیٰ کام کیلئے بھی اسی کی ضرورت ہوئی کہ کوئی عالم غیب ہی سے آکر بتادے تو پس ثابت ہوگیا کہ اصول تمام حرفت کے وحی سے ہی معلوم ہوئے ہیں۔ آگے فرماتے ہیں کہ

عقل کل را گفت ما زاغ البصر ‌ ‌ ‌ ‌ عقل جزوی میکند ہر سو نظر

یعنی عقل کل کو تو ما زاغ البصر فرمایا ہے۔ اور عقل جزوی ہر طرف نظر کرتی ہے۔ مطلب یہ کہ دیکھو

عقل کل کی نسبت تو فرمایا گیا ہے کہ مازاغ البصر وما طغیٰ اور عقل جزوی تو ہر طرف نظر کرتی ہے
اور اسکو ہر گھڑی ایک نئی طرف نگاہ ہوتی ہے اور اسی طرح گمراہ رہتی ہے۔ اور فرماتے ہیں کہ

عقل مازاغ است نور خاصگان   عقل زاغ استاد گور مردگان

یعنی مازاغ والی عقل تو خواص کا نور ہے اور عقل زاغ مردوں کے گور کی استاد ہے۔ مطلب یہ کہ
جس عقل کی نسبت مازاغ البصر وما طغیٰ آیا ہے وہ تو نور خواص ہے کہ یہ آیت بھی حضور
صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں ہے تو مازاغ والی عقل تو خواص کی عقل ہے جسکو غیب سے امداد
ہوتی ہے۔ اور ہماری عقل زاغ کی طرح ہے کہ جسطرح اس زاغ نے قابیل کو گورکنی سکھائی تھی اسطرح
یہ ہماری عقل ہمکو معاش کے ذرائع بہت سکھاتی ہے۔ اور حقیقت کی طرف خود اس بیچاری
ہی کی رسائی نہیں ہے تو دوسروں کو یہ کیا سکھا سکے گی آگے فرماتے ہیں کہ۔

جان کہ او دنبالہ زاغان پرد   زاغ اورا سوئے گورستان برد

یعنی جو جان کہ وہ کووں کے پیچھے اڑے تو کوا تو اسکو گورستان میں لیجاویگا۔

ہیں مرو اندر پئے نفس چو زاغ   کو بگورستان برد نے سوئے باغ

یعنی ہاں کوے جیسے نفس کے پیچھے مت جاؤ۔ کہ وہ تم کو گورستان میں لیجاویگا۔ نہ کہ باغ
میں مطلب یہ کہ جو روح کہ نفس کی تابع ہو جاوے وہ حقیقت شناس ہو ہی نہیں سکتی۔
کیونکہ دیکھو قابیل کو کوے نے بجز گورکنی کے اور کیا سکھایا۔ اسی طرح یہ نفس بجز معاش
کے اور کیا سکھا سکتا ہے یہ باغ غیب کی طرف ہرگز نہ لیجاویگا۔ لہذا اسکے تابع ہو کر مت چاہئے۔

گر روی رو در پئے عنقائے دل   سوئے قاف و مسجد اقصائے دل

یعنی اگر چلتے ہو تو عنقائے دل کے پیچھے چلو۔ قاف کی طرف اور مسجد اقصائے دل کی طرف
مطلب یہ کہ اگر چلنا ہی ہے تو زاغ نفس کو ترک کرو۔ اور عنقائے دل کے تابع ہو تو وہ عنقا تمکو
قاف عالم غیب کی طرف لیجاویگا اور اسوقت تم دل کی مسجد اقصےٰ میں پہونچ جاؤگے اور دل کے
باغ و بہار تک تمہاری رسائی ہو جاویگی اور پھر یہ ہوگا کہ۔

نوگیاہے ہر دم از سودائے تو   می دمد در مسجد اقصائے تو

یعنی ہر دم ایک نیا گھاس تمہارے فکر سے تمہارے مسجد اقصا میں اگے گا۔

تو سلیمان وار داد او بدہ　　　　پے برازوی پائے رد بروی منہ

یعنی تو سلیمان علیہ السّلام کی طرح اُسکی داد دے اور اسکے تابع ہو جا رد کا پاؤں اُسپر مت رکھ مطلب یہ کہ اگر تم دل کے تابع ہو گے جو کہ مسجد اقصےٰ کی طرح پاک و صاف ہے تو اُسمیں تمھاری خیالات کا ایک باغ وبہار لگیگا نئے نئے پودے روز پیدا ہوا کریں گے اب تمکو چاہیئے کہ جسطرح سلیمان علیہ السّلام ہر ہر پودے سے اُسکے خواص وغیرہ دریافت کرتے تھے اور پھر دوسرے لوگوں کو بتاتے تھے۔ تو جو مضر ہوتا تھا اُس سے بچتے تھے اور مفید کو حاصل کرتے تھے۔ اسی طرح تم بھی دل کے افکار میں غور کرو۔ اور جو مضر ہو اُسکو ترک کرکے مفید کو حاصل کرو اور اُسکا اتباع کرو۔ اور اُنکو پائمال مت کیئے دو کہ اُنکی طرف التفات ہی نکرو اور وہ پیدا ہو ہوکر یوں ہی ختم ہو جایا کریں کیونکہ۔

زانکہ خاک ایں زمین با ثبات　　　　باز گوید با تو ز انواع نبات

یعنی اسلئے کہ خاک اس زمین با ثبات کی تجھسے انواع نباتات کو بیان کرتی ہے۔

در زمین گر نیشکر ور خود نے است　　　　ترجماں ہر زمیں نبت وی است

یعنی زمین میں اگر نیشکر ہے اور اگر خود نے ہی تو ہر زمین کا ترجمان اسی کا گھاس ہے۔

پس زمین دل کہ نبتش فکر بود　　　　فکرہا اسرار دلہا را نمود

یعنی پس زمین دل کی کہ اُسکا گھاس فکر تھا افکار قلوب کے اسرار کو دکھاتا ہے مطلب یہ کہ دیکھو زمین میں جو پودے اوگتے ہیں تو اُنکے اوگنے سے اُس زمین کی حالت معلوم ہوتی ہے کہ اس زمین میں کس قسم کی قابلیت ہے اگر اُسمیں نیشکر اوگی ہے تو وہ زمین قابل ہے اور اگر بانس اوگے ہیں تو معلوم ہو گیا کہ ناقص القابلیت ہے۔ تو اسی طرح دل جو زمین کی طرح ہے اور اسکے پودے ہیں افکار تو اگر افکار اچھے ہیں تو قلب بھی اچھا ہے ورنہ وہ بھی بُرا ہے۔ لہذا ان افکار میں غور کرکے اُنکی حالت کو معلوم کرو۔ اور اُنکو اس طرح ضائع مت ہونے دو خوب سمجھ لو۔ آگے مولانا فرماتے ہیں کہ

گر سخن کش یابم اندر انجمن　　　　صد ہزاران گل بروید در چمن

یعنی اگر میں مجلس میں سننے والے کو دیکھ لوں تو میں چمن میں لاکھوں پھول اُگاؤں۔

ور سخن کش یابم آندم زن بمرد   می گریزد نکتہا از دل چو دزد

یعنی اور اگر سننے والا اُسوقت کوئی بھڑوا ہو تو نکات دل سے چور کی طرح بھاگتے ہیں

مستمع چوں نیست خاموشی بہ است   نکتہ از نا اہل گر پوشی بہ است

یعنی سننے والا جب نہیں ہو تو خاموشی بہتر ہے اور نکات کو اگر نا اہل سے تو چھپالے تو بہتر ہے مطلب یہ کہ چونکہ سننے والے نا اہل ہیں تو اب نکات بیان نہیں ہوتے۔ ورنہ اگر کوئی اہل سننے والا ہوتا تو لاکھوں نکات بیان کرتا۔ مگر ابتو ان نکات سے خاموشی بہتر ہے کیونکہ

۵ با مدعی مگوئید اسرار عشق و مستی   بگذار تا بمیرد در رنج خود پرستی

چونکہ یہاں مستمعین کی دو حالتیں بیان کی ہیں ایک اہل ہیں ایک نا اہل ہیں تو آگے اس مضمون کو بیان فرمانے لگتے ہیں کہ۔

جنبش ہر کس بسوئے جاذب است   جذب صادق نے چو جذب کاذب است

یعنی ہر شخص کی جنبش ایک جاذب کی طرف ہے تو جذب صادق جذب کاذب کی طرح نہیں ہے مطلب یہ کہ ہر شخص ایک جاذب کی طرف منجذب ہوتا ہے مگر جذب صادق اور جذب کاذب میں زمین و آسمان کا فرق ہوتا ہے۔ جیسا کہ ظاہر ہے اور فرماتے ہیں کہ۔

می روی کہ گمرہ و گہ در رشد   رشتہ پیدا نے و آں کت میکشد

یعنی تو کبھی تو گمراہ چل رہا ہے اور کبھی ہدایت میں تو تا گا ظاہر نہیں ہے اور نہ وہ جو کہ تجھے کھینچ رہا ہے

اشتر کورے مہار تو رہیں   تو کشش می بین مہارت را مبیں

یعنی تو ایک اندھا اونٹ ہے اور تیری مہار (کسی کے ہاتھ میں) گروی ہے تو تو کشش کو دیکھ اپنی مہار کو مت دیکھ۔ مطلب یہ کہ تم کبھی تو مہتدی ہوتے ہو اور کبھی گمراہ۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ تمکو ایک جذاب جذب کر رہا ہے اور تم ۵

رشتہ در گردنم افگندہ دوست   می برد ہر جا کہ خاطر خواہ اوست

کا مصداق ہو رہے ہو مگر ظاہر میں نہ وہ جذاب نظر آتا ہے اور نہ وہ رشتہ کیونکہ تم ابھی ایک اندھے اونٹ کی طرح ہو جسکی مہار کسی کے ہاتھ میں ہو۔ لہذا تم کو چاہئے کہ اس ساربان کی معرفت حاصل کرو کہ کون ہے پھر اگر وہ جذاب شر ہے تو اس سے بچو اور اگر جذاب نیک ہے تو اسکے

پیچھے پیچھے راہ پر لگے ہوئے چلے جاؤ۔ اب یہاں کوئی کہتا ہے کہ اگر وہ جذاب نظر آجایا کرتا تو سب لوگ ہدایت پر ہو جایا کرتے اس پوشیدہ رہنے میں کیا مصلحت ہے آگے اس پوشیدگی کی مصلحت بیان فرماتے ہیں کہ۔

گر شدے محسوس جذاب مہار　　　پس نماندے این جہاں دار الغرار

یعنی اگر مہار کا کھینچنے والا محسوس ہوتا تو یہ جہان دار الامتحان نہ رہتا۔

گبر دیدے کو پئے سگ میرود　　　سخرۂ دیو ستنبہ می شود

یعنی کافر دیکھ لیتا کہ وہ ایک کتے کے پیچھے چل رہا ہے اور ایک دیو خبیث کا مسخرہ بن رہا ہے

در پئے او کے شدے ہمچوں اسیر　　　پائے خود را واکشیدے طفل و پیر

یعنی اسکے پیچھے قیدی کی طرح کب ہوتا۔ اپنے پاؤں کو ہر بچہ اور بڈھا کھینچتا۔

در پئے او کے شدے مانند حیز　　　پائے خود را واکشیدے گبر نیز

یعنی اسکے پیچھے نامرد کی طرح کب رہتا کافر بھی اپنا پاؤں کھینچ لیتا مطلب یہ کہ اگر جذاب ظاہر ہوا کرتا اور جذاب خیر و شر معلوم ہو جایا کرتا تو کفار کفار نہ رہتے۔ بلکہ سارے مسلمان ہو جاتے۔ اور

ع در کارخانۂ عشق از کفر ناگزیر ست　　　آتش کرا بسوزد گر بولہب نباشد

لہذا اس دنیا میں کافر کا وجود ضروری ہوا اسلئے جذاب کی پوشیدگی ہی ضروری ہے ورنہ تمام عالم کا کارخانہ درہم برہم ہو جاوے کارخانۂ عالم کا قیام ہی اس پوشیدگی سے ہے آگے اسکی اور نظائر بیان فرماتے ہیں کہ۔

گاؤ اگر واقف ز قصابان بدے　　　کے پئے ایشان بدان دکان شدے

یعنی گائے اگر قصائیوں سے واقف ہوتی تو ان کے پیچھے دکان میں کب جاتی۔

یا بخوردے از کف ایشان سبوس　　　یا بدادے شیرشان از چاپلوس

یعنی یا انکے ہاتھ سے بھوسا کھاتی یا انکو چاپلوسی کی وجہ سے دودھ دیتی۔

ور بخوردے کے علف ہضمش شدے　　　گر ز مقصود علف واقف شدے

یعنی اور اگر گھاس کھا بھی لیتی تو اسکو ہضم کب ہوتا۔ اگر گھاس کے مقصود سے واقف ہوتی مطلب یہ ہے کہ دیکھو گائے کو اگر خبر ہوتی کہ قصائی مجھے ذبح کیلئے لیجا رہا ہے اور یہ گھاس وغیرہ سب کاٹنے

کیلئے کھلا رہا ہے تو نہ تو وہ اسکی ہمراہ جاتی اور نہ اسکے ہاتھ سے گھاس وغیرہ کھاتی۔ اور اگر کھا بھی لیتی
تو وہ کھایا ہوا اسکو ہضم نہوتا۔ اور وہ اسی فکر میں رہتی اور گھل گھل کر تباہ ہوجاتی۔

پس ستون این جہان خود غفلت است　　چیست دولت کاین دوادو با لت است

یعنی پس اس جہان کا ستون خود غفلت ہی دولت کیا ہی بھاگ دوڑ مع لات کے مطلب
یہ کہ غفلت ہی کی وجہ سے اس جہان کا قیام ہے ورنہ سب کارخانہ درہم برہم ہوجاوے اسلئے
کہ دیکھو لوگ مال و دولت پر مرے جاتے ہیں اور اصل اس دولت کی یہ ہے کہ اسمیں ایک تو دَو یعنی
بھاگنے کی ہے اور ایک ہی لت یعنی لات کے تو مطلب یہ ہے کہ جسکی پاس دولت ہے وہ بھاگ
دوڑ کرتا ہے اور مصیبت بھرتا ہے اور آخر میں لات کھاتا ہے یعنی محروم اس جہان سے چلا جاتا
ہے تو بھلا ایسی شئے کو کون قبول کرتا اور کون اسکی رغبت کرتا اگر اس جہان میں غفلت نہوتی
یہ ساری خواہش اس ہی کی وجہ سے تو ہے اور اسی سے نظام عالم قائم ہے آگے دولت کے
معنی خود واضح طور پر فرماتے ہیں کہ

اولش دودو بآخر لت بخور　　جز درین ویرانہ نبود مرگ خر

یعنی اسکے اول میں بھاگ بھاگ اور آخر میں لات کھا۔ اس ویرانہ میں سوائے مرگ خر کے اور کچھ
نہیں ہے مطلب یہ کہ بس اس ویرانہ دنیا میں بجز مصیبت کے اور کچھ حاصل نہیں ہے۔ مگر غفلت
کی وجہ سے سب اسی میں لگے ہوئے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ۔

تو بجد کارے کہ بگرفتی بدست　　عیبش این دم بر تو پوشیدہ شدست

یعنی تو نے جو ایک کام کوشش سے حاصل کیا ہے تو اسکا عیب اسوقت تجھپر پوشیدہ ہوگیا ہے۔

زان ہمی تانی بدادن تن بکار　　کہ بپوشید از تو عیبش کردگار

یعنی تو کام میں اسلئے تن دے سکتا ہے کہ اسکے عیب کو حق تعالیٰ نے تجھسے چھپا دیا ہے۔
مطلب یہ کہ تم جس دنیا کے کام میں لگ رہے ہو اور اسمیں کوشش کر رہے ہو اسکی وجہ یہی ہے
کہ تم کو اس کام کے عیوب پر نظر نہیں ہے۔ ورنہ اگر عیوب پر نظر ہوجاوے تو تم دنیا کے کوئی کام نکر سکو
یہ سارا غفلت ہی کا ظہور ہے۔

ہمچنین ہر فکر کہ گرمی دران　　عیب آن فکرت شدست از تو نہان

یعنی اسی طرح جو فکر کہ تو اسمیں سرگرم ہے اُسکی فکر کا عیب تجھسے پوشیدہ ہو رہا ہے۔

بر تو گر پیدا شدے زاں عیب شین   زو رمیدے جان بعد المشرقین

یعنی اگر تجھ پر اُسکا عیب اور بُرائی ظاہر ہو جاتی تو تیری جان اُس سے بمقدار بعد مشرق و مغرب کے دور بھاگتی۔

حال کاخر زو پشیماں می شوی   گر شود ایں حالت اول کے دوی

یعنی جو حال کہ اُس سے تو پشیمان ہو رہا ہے اگر تیرا یہ حال اول ہوتا تو تو دوڑتا ہی کیوں۔

پس بپوشید اول آں بر جان ما   تا کنیم آں کار بر وفق قضا

یعنی پس حق تعالیٰ نے اول اُسکو ہماری جان پر پوشیدہ کر دیا۔ تاکہ ہم اُس کام کو قضا کے موافق کریں

چوں قضا آورد حکم خود پدید   چشم وا گشت و پشیمانی رسید

یعنی جب قضا اپنا حکم ظاہر لائی تو آنکھ کھلگئی اور پشیمانی پہونچ گئی۔ مطلب یہ کہ تم دنیا کا جو کام کرتے ہو اُسکے عیوب سب تم پر اول پوشیدہ ہوتے ہیں اور تم کو کچھ خبر نہیں ہوتی۔ کہ اسمیں کیا کیا خرابی ہے۔ کیونکہ تمھاری تقدیر میں تو یہ تھا کہ تم یہ کام کروگے اور اگر اُسکی بُرائیوں کا تم کو علم ہو جاتا تو تم اُس کام سے کوسوں دور بھاگتے لہذا تم پر اُسکے عیوب کو پوشیدہ کر دیا تو اول وہ کام تم کر لیتے ہو اُسکے بعد جب وہ مضر ہوتا ہے تو پشیمان ہوتے ہو اور اسوقت آنکھ کھلتی ہے اور چونکہ تمام کاموں میں منافع اور مضار دونوں ہیں لہذا سارے دنیا کے کام ایسے ہی ہیں کہ اگر اُن کے انجام کی خبر ہو جاوے تو سب اُنکو چھوڑ بیٹھیں لہذا قضا و قدر نے اُن سب عیوب کو پوشیدہ ہی رکھا ہے۔ آگے ایک مضمون ارشادی فرماتے ہیں کہ۔

ایں پشیمانے قضای دیگر است   ایں پشیمانی بہل حق را پرست

یعنی یہ پشیمانی (بھی) ایک دوسری قضا ہے تو اس پشیمانی کو چھوڑ اور حق کی پرستش کر۔

ور کنی عادت پشیمان خور شوی   زاں پشیمانی پشیمان تر شوی

یعنی اور اگر تم عادت کر لوگے اور پشیمانی خور ہو جاؤگے تو اس پشیمانی سے اور زیادہ پشیمان ہوگے۔

نیم عمرت در پریشانی رود   نیم دیگر در پشیمانی رود

یعنی تمھاری آدھی عمر تو پریشانی میں گئی اور باقی ماندہ آدھی پشیمانی میں گئی۔

ترک ایں فکر و پشیمانی بگو حال و یار و کار نیکو تر بجو

یعنی اس فکر اور پشیمانی کو ترک کرو اور اچھا حال اور اچھا یار اور اچھا کام تلاش کرو۔

ور نداری کار نیکو تر بدست پس پشیمانیت بر فوت چہ است

یعنی اور اگر اچھا کام تمھارے پاس نہیں ہے تو تمھاری پشیمانی کس چیز کی فوت پر ہے۔

گر ہمی دانی رہ نیکو پرست ورنہ ندانی چوں بدانی کایں بدست

یعنی اگر تم راہ نیک کو جانتے ہو تو اتباع کرو اور اگر نہیں جانتے تو یہ کسطرح جانتے ہو کہ یہ بُرا ہی

بد ندانی چوں ندانی نیک را ضد را از ضد تواں دید اے فتی

یعنی تو بد کو نہ جانے گا جبکہ تو نیک کو نہ جانے گا اے جوان ضد کو ضد سے دیکھ سکتے ہیں

مطلب یہ ہے کہ میاں تم جواب بُرے کام پر پچھتا رہے ہو اور افسوس کر رہے ان افسوس سے کیا ہوتا ہے کیونکہ کچھ عمر تو بُرے کاموں میں گذری اور کچھ اب اُن پر افسوس میں گذار رہے ہو تو بھلا بتاؤ تو کام کا وقت کونسا آویگا۔ لہذا تم کو چاہیئے کہ بس بُرے کام سے توبہ و استغفار کرکے کام میں لگجاؤ تاکہ منزل تک پہونچو ورنہ ساری عمر جہاں تھے وہیں رہوگے بُرے کام کو چھوڑا ہے تو بعد توبہ کے اب اسکی پشیمانی کو بھی ترک کرو اور نیک کام یعنی یاد حق میں مشغول ہو اور اگر تم کہو کہ ہم نیک کام جانتے ہی نہیں تو کس طرح کریں جواب یہ ہے کہ تم کس بات پر پچھتا رہے ہو۔ ظاہر ہے کہ یہی پچھتاتا ہے کہ فلاں کام ہم نے بُرا کیا اگر یہ نکرتے فلاں کام اچھا کرتے تو اچھا ہوتا تو بھلا تم کو پشیمان ہونے کیلئے تو اچھے کام کا علم ہوگیا مگر اسکی بجا آوری کیلئے اسکا علم نہیں ہے تعجب کی بات ہے۔ لہذا تمکو چاہیئے کہ بد کو چھوڑ کر نیک کام میں لگو اسلئے کہ جب بُرے کو جان لیا تو پھر نیک کا علم نہونا تو ایک عجیب بات ہے۔ اسلئے کہ الاشیاء تعرف باضدادہا ایک چیز یعنی کار بد تو معلوم اور دوسری شئے یعنی کار نیک کا علم نہو ہو نہیں سکتا۔ لہذا ثابت ہوا کہ کار نیک کو بھی جانتے ہو۔ لہذا اسمیں لگ جاؤ اور اس کار بد اور پشیمانی بد کو ترک کرو اب اگر کوئی کہے کہ صاحب ہم تو اس پشیمانی کے خیال کے ترک سے عاجز ہیں اور ہم سے یہ چھوٹتا ہی نہیں تو آگے اسکا جواب دیتے ہیں کہ۔

چوں ز ترک فکر ایں عاجز شدی از گناہ آگاہ ہم عاجز بدی

یعنی جب اس فعل کی ترک سے عاجز ہو تو پھر تو گناہ سے بھی تم عاجز تھے۔

چوں بدی عاجز پشیمانی ز چیست　　عاجزی را باز جو کز جذب کیست

یعنی جب تم عاجز تھے تو پشیمانی کس چیز کی وجہ سے ہے تو عاجزی کو تلاش کرو کہ کس کے جذب کی وجہ سے ہے مطلب یہ ہے کہ تم جو کہتے ہو کہ ہمکو تو پشیمانی ہوتی ہے اور اس خیال کے دفع پر ہم قادر نہیں ہیں۔ تو جواب یہ ہے کہ اچھا گناہ جب تم نے کیا تھا اسوقت بھی تو اس کے ترک پر تم قادر نہ تھے بلکہ اسکے فعل پر عاجز تھے جب یہ بات ہے تو پھر اسپر اب پچھتاتے کیوں ہو معلوم ہوا کہ نہیں تمکو قدرت حاصل ہے مگر خود ہی نہیں چھوڑتے تھے تو اسی طرح یہاں بھی قدرت تو ہے مگر اغواء شیطانی کی وجہ سے تم اسمیں لگ رہے ہو۔ کیونکہ۔

عاجزی بے قادری اندر جہاں　　کس ندیدست و نباشد این بداں

یعنی عاجزی بے قادری کے جہاں میں کسی نے نہیں دیکھی اور نہ ہوتی ہے اسکو جان لو۔ مطلب یہ کہ جب تم کہتے ہو کہ ہم فلاں کام سے عاجز ہیں اس کہنے کے معنی یہی ہیں کہ کسی درجہ میں ہم کو قدرت بھی ہے ورنہ اگر تمکو قدرت بالکل نہو تو تمپر عاجز کا اطلاق نہوگا جیسے کہ اگر رات نہو تو دن دن نہ رہے دن جو دن ہے بہ سبب رات ہی کے ہے۔ لہذا جب عجز ہے تو ضرور ہے کہ قدرت بھی ہے۔ اور جب قدرت ہے تو بس پشیمانی کو ترک کر کے کام میں لگو۔ آگے فرماتے ہیں کہ۔

ہمچنیں ہر آرزو کہ مے بری　　تو ز عیب آں حجابے اندری

یعنی اسی طرح جو آرزو تو کرے تو اس کے عیب سے تو ایک حجاب میں ہے۔

ور نمودی علت آں آرزو　　خود رمیدی جان تو از جستجو

یعنی اور اگر اس آرزو کا عیب دکھائی دیتا تب تو تیری جان خود جستجو سے بھاگتی۔

گر نمودے عیب آں کار او ترا　　کس نبردے کش کشاں آنسو ترا

یعنی اگر اس کام کا عیب حق تعالی تجھے دکھلا دیتے۔ تو تجھے کوئی کشاں کشاں اسطرف نہ لیجاتا

واں دگر کارے کزاں ہستی نفور　　زاں بود کہ عیبش آمد در ظہور

یعنی اور جس کام سے تم متنفر ہو رہے ہو یہ اسلئے ہے کہ اسکا عیب ظاہر ہو گیا ہے مطلب یہ ہے

کہ غرض جس فکر اور آرزو میں اور دنیا کے جس کام میں تم لگے ہوئے ہو اُسکی وجہ یہی ہے کہ اُس کے عیب کی تمکو اطلاع نہیں ہے اگر عیب کی اطلاع ہو جاوے تو اُس سے کوسوں دور بھاگنے لگو اور دیکھو جس کام کے عیوب تمکو معلوم ہو جاتے ہیں اُس سے تم خود نفرت کرنے لگتے ہو۔ تو بس دنیا کے کام میں لگنا اور بُرے کام کو اختیار کرنا غفلت ہی کی وجہ سے ہے۔ اگر غفلت نہ رہے اور حق تعالیٰ چشم بصیرت عطا فرماوے تو پھر یہ بات نہو۔ لہذا آگے حق تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ

اے خدائے رازداں خوش سخن ۔۔۔ عیب کار بد زما پنہاں مکن

یعنی اے خدائے رازداں خوش سخن بُرے کام کا عیب ہمپر پوشیدہ مت فرمایئے۔

عیب کار نیک را منما بما ۔۔۔ تا نگردیم از روش سرد و ہبا

یعنی نیک کام کے عیوب ہمکو دکھایئے مت تاکہ ہم اسکے رد کی وجہ سے سرد اور فضول ہو جاویں مطلب یہ کہ اے اللہ بُرے کاموں کے عیوب تو ہمکو دکھلا دے کہ ہم ان سے بچیں اور نیک کاموں کے عیوب جو ہمارا نفس تراشتا ہے مثلاً سود نہ لینا جو نیک کام ہے اُسمیں نفس عدم ترقی کا عیب بتلاتا ہے ان عیوب کو ہم سے چھپائے رکھیئے تاکہ ہم ان کاموں میں رغبت کریں یہانتک یہ مضمون کہ ہر کام کے اصول وحی سے معلوم ہوئے ہیں مع اپنے متعلقات کے ثابت ہو گیا تو اب پھر اُسی قصۂ سلیمان کی طرف رجوع فرماتے ہیں کہ وہ اُن نباتات سے خاصیت دریافت کر کے اطبار کو بتلا دیا کرتے تھے۔

ہم براں عادت سلیمان سنی ۔۔۔ رفت در مسجد میان روشنی،

یعنی اُسی عادت کے موافق حضرت سلیمان بزرگ (صبح کے وقت) روشنی میں تشریف لے گئے۔

قاعدہ ہر روز را می جست شاہ ۔۔۔ کہ بہ بیند مسجد اندر نو گیاہ

یعنی ہر روز کے قاعدہ کے موافق شاہ (دین) تلاش کر رہے تھے کہ مسجد میں کوئی نیا گھاس دیکھیں۔ آگے مولانا انتقال فرماتے ہیں کہ جس طرح سلیمان علیہ السلام مسجد اقصیٰ میں نیا گھاس اور نئی بوٹی تلاش کرتے تھے اسی طرح عارفین کاملین قلب میں نئے نئے واردات غیبیہ کا مشاہدہ فرماتے ہیں اور وہ اسمیں لگے رہتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ۔

دل بہ بیند سر بداں چشم صفی ۔۔۔ آں حشایش کہ شد از عامہ خفی

یعنی دل پوشیدہ طور پر اُس چشم برگزیدہ سے اُن اشیوں کو دیکھتا ہے جو عوام سے پوشیدہ ہیں (اور وہ علوم و معارف واردات ہیں) کہ وہ ظاہر میں تو ایک ویرانہ میں ہے مگر باطن میں وہ ایک باغ کا مشاہدہ کر رہا ہے اور اس ظاہری باغ و بہار سے اسکو کوئی غرض نہیں ہوتی۔ آگے اس پر ایک حکایت لاتے ہیں۔

قصہ ایک صوفی کا کہ باغ کے اندر مراقبہ میں مشغول تھا تو اسکے دوستوں نے کہا کہ سر اُٹھا کر باغ اور خوشبوؤں کی سیر کر کہ قرآن میں آیا ہے انظروا الیٰ اثار رحمتہ اللہ

صوفئے در باغ از بہر کشاد ‏ ‏ ‏ صوفیانہ روئے بر زانو نہاد

یعنی ایک صوفی نے باغ میں تفریح کے لئے صوفیوں کی طرح منہ گھٹنے پر رکھا۔

پس فرو رفت او بخود اندر نغول ‏ ‏ ‏ شد ملول از صورت خوابش فضول

یعنی پس وہ اپنے اندر ایک گہرے گڑھے میں چلا گیا تو اسکی نیند جیسی صورت سے بیکار شخص پریشان ہوا۔ (اور بولا کہ)

کہ چہ خسپی آخر اندر رز نگر ‏ ‏ ‏ ایں درختاں بین و آثار خضر

یعنی سو کیا رہا ہے ذرا انگور میں دیکھ ان درختوں کو دیکھ اور سبزی کے آثار کو دیکھ۔

امر حق بشنو کہ گفت است انظروا ‏ ‏ ‏ سوئے ایں آثار رحمت آر رو

یعنی حکم حق کو سن کہ فرمایا کہ دیکھو اور ان رحمت (بارش) کے آثار کی طرف توجہ کر۔ مطلب یہ کہ ایک صوفی باغ میں جا کر سر جھکا کر مراقب ہو گیا تو اسکے ساتھیوں نے کہا کہ میاں کیا سر جھکا کر بیٹھے ہو ذرا سر اٹھاؤ اور انگور درخت پھول پھلواری دیکھو کیونکہ خود حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ انظروا الیٰ اثار رحمتہ اللہ تو رحمت سے مراد بارش ہے۔ یہ درخت جو بارش کے آثار ہیں انہیں غور کرو اور ان کے حسن کو دیکھو اور فرحت حاصل کرو اسکو سنکر وہ صوفی صاحب جواب دیتے ہیں کہ۔

گفت آثارش دل است اے بوالہوس ‏ ‏ ‏ آں بروں آثار آثار است و بس

یعنی صوفی نے کہا کہ اے بوالہوس اس (کی رحمت) کے آثار تو دل (مع مافیہ) ہے اور وہ باہر صرف آثار کے آثار ہیں۔

باغہا و سبزہا در عین جاں　　　بر بروں عکسش چو در آب رواں

یعنی باغات اور سبزے جان میں ہیں اور باہر انکا عکس ہے جیسے کہ چلتے ہوئے پانی میں (باغات وغیرہ کا عکس ہوا کرتا ہے)۔

آں خیال باغ باشد اندر آب　　　کہ کند از لطف آب آں اضطراب

یعنی پانی میں وہ باغ کا خیال ہوتا ہے جو کہ پانی کی لطافت کی وجہ سے اضطراب کرتا ہے +

باغہا و میوہا اندر دل است　　　عکس لطف او بریں آب و گل است

یعنی میوے اور باغات تو دل میں ہیں اور اُس (دل) کی لطافت کا عکس آب و گل پر ہے۔ مطلب یہ کہ اُن صوفی صاحب نے جواب دیا کہ میاں تم کو خبر تو ہے نہیں اصل باغ و بہار اور میوے تو قلب مومن میں ہیں اور اصل ہیں وہی آثار رحمۃ اللہ ہیں اور جو میوے وغیرہ ظاہر میں نظر آتے ہیں یہ تو دل کے ثمرات کے جو کہ آثار اصلی ہیں رحمت کے آثار ہیں۔ انکی ایسی مثال ہے کہ جیسے باغات کا عکس پانی میں پڑا کرتا ہے پانی کی لطافت کی وجہ سے وہ درخت وغیرہ متحرک اور سرسبز و شاداب معلوم ہوتے ہیں مگر ظاہر ہے کہ وہ اصل درخت اور میوے نہیں ہیں بلکہ وہ اُن اصلی میوونکا عکس ہیں۔ جو باغ میں لگ رہے ہیں تو اگر کوئی اُس پانی والے باغ کا گرویدہ ہو جاوے اور اس اصل باغ کو چھوڑ دے۔ تو ظاہر ہے کہ محرومی کے سوا اسکے ہاتھ کیا آویگا تو اسی طرح باغ و بہار اصل تو دل میں ہے اور یہ ظاہری باغ و بہار دل کے باغ و بہار کی ایسے ہی عکوس ہیں جیسے اس ظاہری باغ و بہار کا عکس پانی میں پڑ رہا تھا آگے وہ صوفی صاحب اسکی دلیل بیان کرتے ہیں کہ۔

گر نبودی عکس آں سرو سرور　　　پس نخواندے ایزدش دار الغرور

یعنی اگر (یہ جہاں) اُس سرور کے سرو کا عکس نہوتا تو حق تعالیٰ اسکو دہوکہ کا گھر نہ فرماتے۔ حاصل دلیل کا یہ ہے کہ اگر قلوب اہل اللہ کا جسمیں بہت سے درخت اور میوے لگ رہے ہیں مثلاً اُن کے قلوب کا سرور جو کہ اُن کے باغ قلب کیلئے بمنزلہ سرو کے ہے یہ جہاں عکس نہوتا تو اسکو حق تعالیٰ دہوکہ کا گھر نہ فرماتے اور یہ دہوکہ کا گھر نہوتا کیونکہ دہوکہ تو یہی ہے کہ ایک غیر حقیقی شئے کو حقیقی سمجھا جاوے۔ تو چونکہ

لوگوں نے ان عکوس کو اصل سمجھ لیا تھا اسلئے حق تعالیٰ نے اسکو دار الغرور کہا کہ جو باغ و بہار اور جو آثار اصل ہیں انکو چھوڑ کر لوگ دہوکہ میں پڑگئے ہیں اور غیر اصل باغ و بہار کو اصل سمجھ لیا ہے جب دار الغرور ہوا تو بس ان اشیاء کا عکس ہونا ہی ثابت ہوگیا آگے خود بھی فرماتے ہیں کہ۔

ایں غرور آنست یعنی آں خیال ہست از عکس دل و جان رجال

یعنی یہ دہوکہ وہ ہے یعنی کہ وہ خیال مردان حق کی دل وجان کا عکس ہے۔ مطلب یہ کہ دہوکہ یہی ہے کہ لوگوں کو جو ان اشیاء کا خیال ہے اور انکو جو اشیاء واقعیہ سمجھتے ہیں یہ حقیقت میں عکوس ہیں اور اصل اشیاء وہ ہیں جو قلب مومن میں ہیں لہذا سراسر دہوکہ ہونا ثابت ہوگیا جب اس عالم کا دہوکہ کا گھر ہونا ثابت ہوگیا تو آگے فرماتے ہیں کہ۔

جملہ مغروراں بریں عکس آمدہ بر گمانے کایں بود جنت کدہ

یعنی تمام لوگ اسی عکس پر دہوکہ میں آگئے ہیں ایک گمان پر کہ یہ جنت ہے۔

می گریزند از اصول باغہا بر خیالے می کنند ایں لاغہا

یعنی یہ باغات اصلیہ سے بھاگے ہیں اور ایک خیال پر یہ کھیل کر رہے ہیں۔

چونکہ خواب غفلت آید شاں بسر راست بینند و چہ سود ست از نظر

یعنی جب انکی خواب غفلت ختم ہوگی تو ٹھیک چیز کو دیکھ لیں گے اور (اب) دیکھنے سے کیا فائدہ

پس بگورستان غریو افتاد و آہ تا قیامت زیں غلط واحسرتاہ

یعنی پھر گورستان میں شور اٹھتا ہے اور افسوس اور قیامت تک اس غلطی کیوجہ سے حسرت (ہوتی ہے)

اے خنک آنکس کہ پیش از مرگ مرد یعنی او از اصل ایں رز بوئے برد

یعنی کیا ہی اچھا ہے وہ شخص جو کہ مرنے سے پہلے مرگیا یعنی وہ اس انگور کی حقیقت سے بو لے گیا مطلب یہ ہے کہ دنیا میں جتنے آدمی اس عالم کی باغ و بہار پر جان دئے ہوئے ہیں اور اسمیں لگے ہوئے ہیں یہ سارے کے سارے دہوکہ میں پڑے ہوئے ہیں۔ اور ان ہی کو اصل باغ و بہار سمجھ کر حقیقی باغ و بہار سے دور بھاگے جارہے ہیں اور اسکو حاصل نہیں کرتے نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جب زندگی جو کہ خواب غفلت کی مانند ہے ایک روز ختم ہوگی جب انکی آنکھیں کھلیں گی مگر جب آنکھ کھلنے ہی سے کیا فائدہ اب کیا ہو پچھتانے سے جب چڑیاں چگ گئیں کھیت۔ غرضکہ پھر اسی حسرت و افسوس میں

قیامت تک رہیں گے اور اس سے کوئی فائدہ نہوگا۔ بس سب سے اچھا وہ ہے کہ جس نے اس جہان کی تمام اشیاء کو ہیچ سمجھا۔ اور ان سب سے قطع تعلق کرکے الگ ہوگیا۔ اور جو دوسروں نے مرنے کے بعد دیکھا اسکو اس نے ابھی سمجھ لیا۔ اور اسپر کاربند ہوگیا۔ اور ان چیزوں میں دل نہ لگایا۔ مقصود مولانا کا اس سے یہ ہے کہ یہ تو ظاہر ہے کہ تمام عالم صفات حق کا مظہر ہے اور انسان مظہر اتم ہے اور یہی ایجاد سے مقصود ہے اور پھر انسان کامل پھر اکمل ہے مقصودیت میں یہی اکمل ہے لہذا یہ مقصود ہوئے اور عالم کی تمام اشیاء تابع ہوئیں۔ جنکو مولانا نے عکس سے تعبیر فرمایا ہے تو مطلب یہ ہوا کہ انسان کامل جسکی وجہ سے انسان کامل ہوا ہے تمکو وہ باتیں حاصل کرنا چاہئیں اور ان ظلال وعکوس کو ترک کرنا چاہئے اور دل نہ لگانا چاہئے اب آگے پھر مولانا سلیمان علیہ السّلام کے قصہ کیطرف رجوع فرماتے ہیں

سلیمان علیہ السّلام کا مسجد اقصٰے کے گوشہ میں خروب کے اُگنے سے غمگین ہونا جبکہ خروب نے اپنی خاصیت بیان کی

ہمچنیں روزی سلیمان از قضا ۔۔۔ شد بعادت مسجد اندر ای فتے

یعنی اُسی طرح حسب عادت سلیمان علیہ السّلام قضا کی وجہ سے مسجد میں تشریف لیگئے ای جوان۔

نو گیاہے دید اندر گوشہ ۔۔۔ رستہ بروے دانہ ہمچوں خوشہ

یعنی ایک گوشہ میں ایک نیا گھاس دیکھا جسپر خوشہ کی طرح دانے لگ رہے تھے۔

دید بس نادر گیاہے سبز و تر ۔۔۔ می ربود آں سبزیش نور از بصر

یعنی ایک عجیب گھاس سبز اور تر و تازہ دیکھا کہ اُسکی سبزی آنکھ سے نور کو اچکے لیتی تھی یعنی بہت ہی سرسبز تھا۔

پس سلامش کرد درحال آں حشیش ۔۔۔ او جوابش گفت و بشگفت از خوشیش

یعنی اُس گھاس نے سلیمان علیہ السلام کو فوراً سلام کیا تو سلیمان علیہ السّلام نے اُسکا جواب دیا اور اُسکی تر و تازگی کی وجہ سے خوش ہوئے۔

گفت نامت چیست برگو بے دہاں ۔۔۔ گفت خروب است اے شاہ جہاں

یعنی آپ نے فرمایا کہ ہاں تیرا نام کیا ہے بتا تو اُس نے کہا کہ اے شاہِ جہاں (میرا نام) خروب ہے۔

گفت اندر تو چہ خاصیت بود　　گفت من رستم مکاں ویراں شود

یعنی آپ نے فرمایا کہ تیری خاصیت کیا ہے تو اُس نے کہا کہ میں اُگا اور مکان ویران ہوا۔

من کہ خروبم خراب منزلم　　ہادمِ بنیادِ ایں آب و گلم

یعنی کہ میں خروب ہوں (باعث) گھر کی ویرانی کا ہوں اور اس آب و گل کی بنیاد کا گرا دینے والا ہوں

پس سلیماں آں زماں دانست زود　　کہ اجل آمد سفر خواہد نمود

یعنی پس سلیمان علیہ السلام نے فوراً جان لیا کہ موت آگئی (اب) میں (اس جہان سے) سفر کرونگا (کیونکہ)

گفت تا من ہستم ایں مسجد یقیں　　در خلل ناید ز آفاتِ زمیں

یعنی (دل میں) کہا کہ جب تک میں ہوں یہ مسجد یقیناً آفاتِ زمین سے خلل پذیر نہ ہوگی۔

تاکہ من باشم وجودِ من بود　　مسجدِ اقصےٰ مخلل کے شود

یعنی جب تک میں ہوں اور میرا وجود ہے مسجد اقصےٰ خلل پذیر کب ہوگی۔

پس خرابِ مسجدِ ما بے گماں　　نبود الا بعد مرگ ما بداں

یعنی پس ہماری مسجد کی خرابی بے شک ہماری موت کے بعد کے علاوہ نہ ہوگی۔ مطلب یہ کہ جب خروب نے اپنی خاصیت ویرانی منزل بتائی اور اُگا تھا مسجد اقصےٰ میں تو معلوم ہوا کہ یہ مسجد ویران ہونے والی ہے اور حضرت سلیمان علیہ السلام یہ بھی جانتے تھے کہ میری زندگی میں یہ خراب ہوگی نہیں۔ بلکہ میرے بعد ہی اُجڑے گی لہذا اسکے اُجڑنے کا وقت آنا میری موت کا آنا ہے لہذا اسی سے انھوں نے سمجھا کہ اب سفرِ آخرت قریب آگیا ہے۔ آگے مولانا اس مضمون سے انتقال فرما کر فرماتے ہیں کہ

مسجد است ایں دل کہ جسمش ساجد است　　یارِ بد خروب ہر جا مسجد است

یعنی یہ دل مسجد ہے کہ جسم اُسکا ساجد (مطیع) ہے اور جہاں کہیں مسجد ہے یارِ بد خروب ہے +

یارِ بد چوں است در تو مہرِ او　　ہیں ازو بگریز کم کن گفتگو

یعنی جب یارِ بد کی محبت تیرے دل میں اُگی تو اُس سے بھاگ اور گفتگو کو کم کر۔ (یعنی حیلہ بہانے بہت سے مت کرو بلکہ جو کہتے ہیں مان لو)۔

برکن از بیخش کہ گر سر بر زند　　مر ترا و مسجدت را بر کند

یعنی اُسکو جڑ سے اکھاڑ ڈال کہ اگر بڑھ گیا تو تجھے اور تیری مسجد کو (دونوں کو) برباد کر دیگا۔ مطلب یہ ہی کہ جسطرح وہاں مسجد اقصےٰ تھی اُسکے بمنزلہ تمھارا دل ہے۔ اور تمھارا بدن جو دل کا مطیع ہے بجائے ساحۃ فی المسجد کے ہے اور جسطرح وہاں خروب جما تھا اسی طرح تمھارے قلب میں یاران بد کی محبت جمتی ہی سو اگر خیریت چاہتے ہو تو اس خروب یعنی یار بد کی محبت کو جڑ سے اکھاڑ پھینکو کہ ابھی تو ذرا سی ہے اسقدر مضر نہیں ہے لیکن اگر کہیں ترقی کر گئی اور تمھارے اندر جڑ پکڑ گئی تو یہ یاد رکھنا کہ تمھارے دل کو جو بجائے مسجد کے ہے اور تمھارے بدن کو جو بمنزلہ ساحد کے ہے برباد و تباہ کر کے چھوڑیگی کیونکہ یاران بد سے جسمانی و روحانی دونوں طرح کے نقصان پہونچتے ہیں جیساکہ ظاہر ہے۔ اب یہاں مولانا نے جو نصیحت کی تو مخاطب کی طرف سے مولانا کو انکار کا شبہ ہوا جیساکہ اوپر کے شعر "یار بد چوں است در تو" "ہیں کم کن گفتگو" سے اسطرف اشارہ بھی کر دیا ہے کہ میاں بہت بہانے مت کرو جو کہتے ہیں سن لو۔ مگر اسکے ماننے میں اُسکی طرف سے جو حیلے ہوے جیساکہ قاعدہ ہے کہ ناصح مشفق کی بات کو سُنکر اکثر لوگ حیلے تراشا کرتے ہیں اسلئے مولانا آگے اسکو مخاطب فرماکر فرماتے ہیں کہ۔

عاشقا خروب تو آمد کژی ٭ ہمچو طفلاں سوئے کژ چوں می غژی

یعنی اے عاشق (یار بد) تیرا (دوسرا) خروب کجی ہے تو بچوں کی طرح کجی کیطرف کس طرح جا رہا ہے۔ مطلب یہ کہ اے یار بد کے عاشق تیرے لئے ایک تو وہ یار بد خود خروب کی طرح ہے اور دوسرا خروب تیری یہ کجی ہے کہ تو ناصح مشفق کی نصیحت کو نہیں سُنتا اور حیلے و بہانے کرتا ہے ان حیلوں اور بہانوں کو ترک کر تجھے تو یہ چاہیے کہ۔

خویش را ناداں و مجرم گو بترس ٭ تا نه دزد از تو آں استاد درس

یعنی اپنے نادان اور مجرم ہونیکا اقرار کرلے اور ڈرتا رہ کہ کہیں وہ استاد تجھسے درس کو لے نہ لے۔

چوں بگوئی جاہلم تعلیم دہ ٭ ایں چنیں انصاف از ناموس بہ

یعنی جب تو کہیگا کہ میں جاہل ہوں تعلیم دیجیے تو ایسا انصاف ہمارے سے بہتر ہے۔ مطلب یہ کہ میاں ان حیلوں کو تو ترک کرو اور اپنے جہل کا اور مجرم ہونیکا اعتراف کر کے اُس سے تعلیم کی اور نصیحت کی درخواست کرو۔ ورنہ اگر ایسا نہ کیا تو خوف ہے کہ کہیں وہ ناصح تمکو نصیحت کرنا چھوڑ نہ دے اور

پھر تم مدت العمر بھٹکتے ہی پھرو - تمکو جو اعتراف جرم اور جہل سے عار آتی ہے اس عار سے وہ اقرار بدرجہا اولی اور بہتر ہے -

از پدر آموز اے روشن جبیں ربنا گفت و ظلمنا پیش ازیں

یعنی اے روشن پیشانی والے باپ سے سیکھ کہ انھوں نے اس سے پہلے ہی ربنا ظلمنا انفسنا الخ کہا تھا

نے بہانہ کرد و نے تزویر ساخت نے لوائے مکر و حیلت بر فراخت

یعنی نہ بہانہ کیا اور نہ دہوکا کیا نہ مکر اور حیلہ کا جھنڈا بلند کیا۔ مطلب یہ کہ میاں اپنے باپ حضرت آدم علیہ السلام کی روش پر چلو کہ دیکھو جب ان سے لغزش ہوگئی تو کوئی تاویل وغیرہ انھوں نہیں کی بلکہ فوراً اعتراف کر لیا - اور ربنا ظلمنا انفسنا الخ عرض کر دیا پھر جو اُسپر نتیجہ ہوا وہ ظاہر ہے کہ اُن کے مراتب عالی ہوئے - اور وہ جیسے مقبول حق تھے ویسے ہی رہے اور مدارج عالی ہو گئے۔

باز آں ابلیس بحث آغاز کرد کہ بدم من سرخ رو کردیم زرد

یعنی پھر اُس ابلیس نے بحث شروع کی کہ (اے اللہ) میں تو سرخرو تھا آپنے ہی تو مجھے زرد (رو) کیا

رنگ رنگ تست صباغم توئی اصل جرم و آفت داغم توئی

یعنی (یہ) رنگ آپ ہی کا رنگ ہے اور میرے رنگنے والے تو آپ ہی ہیں میرے جرم کا منشا اور میرے داغ کی آفت تو آپ ہی ہیں۔

ہیں بخواں رب بما اغویتنی تا نگردی جبری و کژ کم تنی

یعنی ہاں رب بما اغویتنی کو پڑھ تاکہ تو جبری نہو جاوے - اور کجی کو کم کرتے۔ مطلب یہ کہ دیکھو حضرت آدم علیہ السلام کے اعتراف کا اثر بلندی مدارج ہوا اور شیطان نے جو بحث شروع کر دی اور حق تعالی ہی پر الزام لگانے لگا کہ میں کیا کروں میری اسمیں کیا خطا ہے آپ ہی نے مجھے گمراہ کیا ورنہ میں ہرگز گمراہ " اور میری جو حالت ہے یہ آپ ہی نے کی ہے ورنہ میں تو اچھا خاصہ تھا تو اُسکا نتیجہ دیکھ لو کہ مردودیت ابدی ہوا کہ ابدالآباد کیلئے ملعون ہو گیا - مولانا فرماتے ہیں کہ میری باتیں شیطان کی اپنی طرف سے بیان نہیں کرتا بلکہ قرآن شریف سے بیان کرتا ہوں تم آیت قال فبما اغویتنی لاقعدن لھم الخ کو پڑھلو تمکو خود معلوم ہو جاویگا کہ آیا اُس نے یہ باتیں کیں یا نہیں اسکو پڑھکر اور اسکی حالت اور آدم علیہ السلام کی حالت کو دیکھکر اب تمکو چاہئے کہ جبری نہ بنو

اور سمجھ لو کہ یار بد سے بچنا تمھارے اختیار میں ہے اور جسقدر تم عذر پیش کرتے ہو یہ سارے تمھارے حیلے ہیں اور سب مکر ہیں انکو چھوڑ دو اور اعتراف جرم کر کے ناصح مشفق کی نصیحت کو سنو اور یاران بد سے اجتناب کرو آگے فرماتے ہیں کہ۔

بر در خست جبر تا کے بر جہی اختیار خویش را یک سو نہی

یعنی درخت جبر پر کب تک کودتے رہوگے اور اپنے اختیار کو (کب تک) ایک طرف رکھتے رہوگے

ہمچو آں ابلیس و ذریات او با خدا در جنگ و اندر گفتگو

یعنی اس ابلیس اور اسکے ذریات کی طرح خدا سے جنگ میں اور گفتگو میں (کب تک رہوگے) مطلب یہ کہ جبر کے قائل ہو کر کب تک اپنا تبریہ اور انکار خطا کرتے رہوگے اور کب تک یہ حیلے بہانے شیطان کی طرح کروگے اب تو اعتراف کر کے رجوع بھی ہونا چاہیئے کیونکہ ثابت ہوگیا کہ جبر محض نہیں ہے۔ بلکہ اختیار بھی ہے آگے بھی اسی کو ثابت فرماتے ہیں کہ۔

چوں بود اکراہ با چندیں خوشی کہ تو در عصیاں ہمی دامن کشی

یعنی باوجود اسقدر خوشی کے کہ تو عصیان میں دامن کھینچتا ہے اکراہ کس طرح ہوسکتا ہے۔

آنچناں خوش کس رود در مکرہی کس چناں رقصاں رود در گمرہی

یعنی اس طرح خوش کوئی زبردستی میں دوڑتا ہے اور کوئی اس طرح گمراہی میں جھیلنا کودنا جاتا ہے

بیست مردہ جنگ میکردی دراں کت ہمی داد ند پند آں دیگراں

یعنی بیس آدمیوں کی برابر تو جنگ کرتا ہے اسمیں کہ وہ دوسرے تجھے نصیحت کرتے ہیں (اور کہتا ہے کہ)

کہ صواب ایں است و راہ ایں است و بس کہ زند طعنہ مرا جز ہیچ کس

یعنی کہ ٹھیک یہی ہے اور راہ (درست) یہی ہے اور بس اور سوائے ذلیل لوگوں کے مجھے کون طعنہ کریگا مطلب یہ کہ تم جو گناہ کرتے ہو تو دیکھو کیسے اپنی خوشی سے کرتے ہو اور کیسے ناچتے کودتے ہو بھلا جس شخص سے زبردستی کام لیا جاتا ہے وہ بھی کہیں اس طرح خوش خوش اس کام کو کیا کرتا ہے اگر اکراہ ہوتا تو تم تو بہت ہی پژمردہ ہوتے اور اس گناہ کے وقت پریشان ہوتے۔ اور اگر ذرا سا سہارا اسکے ترک کا ملتا تو اسکو غنیمت جانتے بخلاف اسکے تمھاری تو یہ حالت ہے کہ اگر کوئی تمکو نصیحت کرتا ہے اور کہتا ہے کہ اسکو ترک کردو یہ بری بات ہے تو تم اس سے لڑنے کو موجود ہوجاتے ہو اور ثابت کرنے لگتے ہو کہ نہیں یہی

درست ہے اور ثابت بھی ایسے ویسے نہیں بلکہ اسقدر زور شور سے ثابت کرتے ہو کہ جیسے وہ ناصح ایک ہے اور اسکے مقابلہ میں بیس آدمی رد کیلئے ہوں اور کہتے ہو کہ میاں جو احمق ہیں وہ اسکو برا بتاتے ہیں ورنہ اصل میں راہ صواب یہی ہے تو بھلا کوئی مکرہ بھی اس طرح کیا کرتا ہے تمھاری اس حالت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ تم اس گناہ کو خود اپنے اختیار سے کرتے ہو۔ اور نیک کاموں میں جبری بنجاتے ہو مولانا فرماتے ہیں کہ۔

کے چنیں گوید کسے کو مکرہ است کے چنیں جنگد کسے کو گمرہ است

یعنی بھلا جسپر زبردستی کیگئی ہو وہ اس طرح کب کہتا ہے اور جو (اپنے کو) گمراہ (سمجھتا) ہو وہ کہیں اس طرح لڑا بھی کرتا ہے۔ مطلب یہ کہ جس سے زبردستی کام لیا جاتا ہے بھلا وہ اُس کام پر اس طرح اڑتا بھی ہے ہرگز نہیں بلکہ وہ تو اپنی جان چھڑا کر بھاگنا چاہتا ہے اور خلاصی کے بہانے تلاش کیا کرتا ہے تو تمھارے اس کہنے سے اور جھگڑنے سے صاف معلوم ہو گیا کہ تم پر کوئی زبردستی نہیں بلکہ تم اپنی خوشی سے سارے کام کرتے ہو۔ بس بات ہے تو یہ ہے کہ۔

ہر چہ نفست خواست داری اختیار ہر چہ عقلت خواست آری اضطرار

یعنی جس بات کو تیرا نفس چاہتا ہے اسمیں تو تم اختیار رکھتے ہو اور جسکو تمھاری عقل چاہتی ہے اسمیں تم اضطرار کو لاتے ہو یعنی مقتضیات نفس میں تو سارے کام اختیار سے کرتے ہو اور اگر کوئی نیک کام کو کہتا ہے جو مقتضا ہے عقل کا تو اسمیں یہ کہدیتے ہو کہ ہم کر ہی نہیں سکتے۔ کیونکہ خدا کو منظور نہیں ہے اور اسکی مشیت کے خلاف ہم کچھ کر نہیں سکتے۔ لہذا یہ نیک کام کرنا ہمارے اختیار سے خارج ہے مولانا فرماتے ہیں کہ۔

داند آنکو نیکبخت و محرم است زیرکی ز ابلیس و عشق از آدم است

یعنی جو شخص کہ دانا اور محرم (اسرار) ہے وہ جانتا ہے کہ چالاکی کرنا تو ابلیس کا کام ہے اور عشق آدم علیہ السلام کا کام ہے۔ مطلب یہ کہ زیرکی جسمیں اپنی عقل اور سمجھ کو درمیان میں لانا اور حق تعالیٰ سے معارضہ کرنا اور نعوذ باللہ اپنے گناہوں کا الزام حق تعالیٰ پر رکھنا اور اعتراف نکرنا اور جبر کے قائل ہونا یہ سب داخل ہیں یہ تو کام شیطان کا ہے کہ وہی اسطرح کہا کرتا تھا اور عشق جسمیں اطاعت محضہ ہوتی ہے آدم علیہ السلام کا کام ہے بس اب تم خود فیصلہ کر لو کہ کونسا قابل حصول ہے اور کون

قابل ترک خدا کے لئے اس زیرکی کو ترک کرو اور اطاعت اور اعتراف ذنوب اختیار کرلو اور جبر کو چھوڑ دو۔ آگے زیرکی کی ایک مثال فرماتے ہیں کہ

زیرکی آمد سباحت در بحار کم رہد غرق است او پایان کار

یعنی زیرکی سمندر میں تیرنا ہے تو (سمندر میں تیرنے والا) کم چھوٹتا ہے وہ آخر کار غرق (ہی ہوتا) ہے

ہل سباحت را رہا کن کبر و کیں نیست جیحون نیست جو دریاست ایں

یعنی تیراکی کو چھوڑ اور کبر و کینہ کو ترک کر یہ کوئی ندی نالہ نہیں ہے سمندر ہے۔

وانگہاں دریائے ژرف و بے پناہ در رباید ہفت دریا را چو کاہ

یعنی اور وہ بھی ایک دریائے عمیق بے پناہ کہ سات دریا کو تنکے کی طرح بہا لیجاوے۔

عشق چوں کشتی بود بہر خواص کم بود آفت بود اغلب خلاص

یعنی خواص کیلئے عشق کشتی کی طرح ہے تو آفت کم ہوتی ہے اکثر خلاص ہی ہو جاتا ہے۔ مطلب یہ کہ احکام حق کے سامنے زیرکی سے کام لینا ایسا ہے جیسا کہ سمندر میں تیرنا اور سمندر بھی ایسا ویسا ندی نالہ جیسا نہیں بلکہ اسقدر بڑا کہ اگر سات سمندر بھی اُسکے اندر آجاویں تو کہیں پتہ نہ چلے تو ظاہر ہے کہ ایسے دریا کا تیرنے والا کنارہ کو نہیں لگ سکتا آخر ایکروز اسی میں غرق ہو کر ہلاک ہوگا۔ اسی طرح اس زیرکی کو اختیار کرنے والا ایکدن ہلاک ہوگا اور روسیاہ ہو کر دربار حق سے نکالا جاویگا (اللھم احفظنا) لہذا تم کو چاہیئے کہ اسکو ترک کرکے عشق و طاعت کو اختیار کرو جسکی مثال کشتی جیسی ہے۔ آمین منہ بکرم آرام سے اس سمندر کو عبور کر سکوگے۔ اپنی عقل کو بالائے طاق رکھو اور بس اطاعت محضہ اختیار کرو۔ اسی کو فرماتے ہیں کہ۔

زیرکی بفروش و حیرانی بخر زیرکی ظن است و حیرانی نظر

یعنی زیرکی کو فروخت کرکے حیرانی کو خرید کے زیرکی تو ظن ہے اور حیرانی حقیقت ہے۔

عقل قرباں کن بہ پیش مصطفےٰ حسبی اللہ گو کہ اللہم کفے

یعنی عقل کو مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کے سامنے قربان کردے اور حسبی اللہ کہدے اور (کہدے) کہ اللہ مجھے کافی ہے مطلب یہ کہ اپنی عقل کو جو صرف اکل کے کام کی ہے اور اس زیرکی کو الگ کرکے حیرانی اور عشق کو خرید لے اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم اور اُن کے جانشینوں کے سامنے

سر اطاعت خم کرکے اپنی رائے اور عقل وغیرہ سب کو فنا کر دے اور خدا پر بھروسہ کرکے اُن حضرات کا اتباع کرو بس یہ ہے طریق اسی سے منزل تک رسائی ہوگی ورنہ عمر بھر بھٹکو گے اور راہ کا کہیں پتہ نہ ملے گا۔

ہمچو کنعان سر ز کشتی وا مکش　　　　که غرورش داد نفس زیرکش

یعنی کنعان (پسر نوح علیہ السّلام) کی طرح کشتی سے علیحدگی مت اختیار کر کہ اُسکو تو اُسکے نفس زیرک نے دہوکا دیا تھا۔

که بر آیم بر سر کوہ مشید　　　　منت نوحم چرا باید کشید

یعنی کہ میں کسی بلند پہاڑ پر چڑہ جاؤنگا میں نوحؑ کا احسان کیوں کھینچوں۔ مطلب یہ کہ دیکھو جس طرح کہ کنعان پسر نوح علیہ السّلام نے کشتی نوح سے علیحدگی اختیار کی تہی اور اُسکے نفس نے اُسکو اسطرح بہکایا تھا کہ میاں کیوں اُنکا احسان لیا یہ پانی بھلا کہاں تک بڑہے گا میں کسی بلند پہاڑ پر چڑھکر بچ جاؤنگا۔ جب اُس نے اپنی زیرکی اور عقل سے کام لیا اور اُسپر عمل کیا تو آخر جو نتیجہ ہوا اسکو معلوم ہے اسی طرح تم بھی اس کشتی عشق سے الگ ہو کر ناصحان مشفق اور جانشینان رسول کا اتباع کرتے ہوئے عار سمجھتے ہو اور اُن کے احسان سے بچتے ہو تو آخر اس طوفان بلا میں تمھارا بھی وہی حشر ہوگا مولانا فرماتے ہیں کہ۔

چوں رہی از منتش اے بی رشد　　　　که خدا ہم منت او می کشد

یعنی اور اے گمراہ تو بھلا اُن کے احسان سے کس طرح چھوٹ سکتا ہے جبکہ حق تعالیٰ بھی اُنکے احسان مند (قدرداں) ہیں۔

چوں نباشد منتش بر جان ما　　　　چونکه شکر و منتش گوید خدا

یعنی ہماری جان پر اُنکا احسان کس طرح نہیں ہے جبکہ اُنکا شکر اور احسان حق تعالیٰ فرماتے ہیں۔

تو چه دانی اے غرارہ پر حسد　　　　منت او را خدا ہم می کشد

یعنی اے مغرور حاسد تو کیا جانے کہ اُنکی قدر حق تعالیٰ بھی فرماتے ہیں مطلب یہ کہ مولانا اُس کنعان کو مخاطب کرکے فرماتے ہیں کہ میاں تم تو کیا ہو جو اُن کے احسان سے بچتے ہو اور اُن سے عار کرتے ہو اُنکی تو وہ شان ہے کہ حق تعالیٰ بھی اُنکی قدر و منزلت کرتے ہیں جیسا کہ انبیا علیہم السّلام

کی بابت ہزارہا جگہ خود قرآن شریف میں موجود ہے تو بھلا تم تو کس کھیت کے بتھوے ہو تمہاری تو وہاں پوچھ بھی نہیں۔ تو اسی طرح اے مخاطب تو جو اولیا اللہ جانشینان انبیا سے عار کرتا ہے اور انکا بار احسان سر پر لینا نہیں چاہتا اس سے کیا ہوتا ہے حق تعالیٰ ان کے قدر دان ہیں اور انکی قدر وہ فرماتے ہیں لہذا تیرا احسان نہ ماننے سے انکا کوئی ضرر نہیں ہے سراسر تیرا ہی ضرر ہے کہ تو ہلاک ہوگا اور خسران ابدی میں جا پڑیگا۔ اور فرماتے ہیں کہ۔

کاشکے او آشنا ناموختے تا طمع در نوح و کشتی دوختے

یعنی کاش وہ تیرنا نہ سیکھتا تاکہ نوح اور کشتی میں حرص کرتا۔

کاش چوں طفل از حیل جاہل بدے تا چو طفلاں چنگ در مادر زدے

یعنی کاش وہ بچوں کی طرح حیلوں سے جاہل ہوتا تاکہ بچوں کی طرح ماں میں چنگل مارتا۔

یا بعلم نقل کم بودی ملی علم وحی دل ربودے از ولی

یعنی یا علم نقل سے کم تونگر ہوتا کسی ولی سے وحی دل کا علم اڑا لیتا۔

چوں تیمم با وجود آب داں علم نقلی با دم قطب زماں

یعنی قطب زماں کے ہوتے ہوئے علم نقلی کو (ایسا سمجھو جیسے کہ) پانی کے ہوتے ہوئے تیمم مطلب یہ کہ کاش اگر کنعاں شنا وری نہ سیکھتا اور اس سے جاہل ہی رہتا تو اچھا تھا کہ اس جہل سے بچ تو جاتا اب تو اس تیرنے ہی کے گھمنڈ پر اس نے یہ جرأت کی کہ کشتی میں نہ بیٹھا۔ اور کاش تمام علموں سے بچوں کی طرح جاہل ہوتا تو جسطرح بچہ ماں کو لپٹا کرتا ہے اسی طرح وہ کشتی کی طرف توجہ کرتا اور اس جہل اور بے دست و پائی سے بچ جاتا اور خیر اگر علم ہی ہوتا تو یہ علم نقلی تو نہ ہوتا بلکہ علم وحی ہوتا کہ کسی کا اتباع کرتا اور ہلاکت سے بچتا اسی طرح اے مخاطب اگر تو جاہل ہوتا اور تجھے یہ سارے حیلے حوالے نہ آتے اور تو مجبور ہوتا تو اس علم سے اچھا تھا کہ پھر اپنے اوپر گھمنڈ تو نہ ہوتا کہ ہم بھی ہیں پانچویں سواروں میں اسوقت تجھکو کسی کا اتباع کرتے ہوئے عار نہ ہوتی۔ آج جو یہ عار آرہی ہے یہ اسی علم کی بدولت تو ہے کہ تو اپنے کو مولوی اور علامہ سمجھے ہوئے ہے اور دوسروں کو جاہل اور حقیر جانتا ہے جو کہ طریق کا سب سے بڑا راہزن ہے علم وحی کے سامنے اس علم کی مثال ایسی ہے جیسے وضو اور تیمم اگر کوئی شخص پانی ہوتے ہوئے تیمم کر کے نماز ادا کرے تو ظاہر ہے کہ اسکی نماز ادا نہیں ہو سکتی۔ اسی طرح اس

علم وحی کے ہوتے ہوئے اس علم سے کام لوگے تو آخر سوائے ہلاکت کے مقصود تک ہرگز نہیں پہونچ سکتے ہاں اگر علم وحی نہوتا تو اسوقت بیشک یہی علم کام دیتا مگر علم وحی کے موجود ہوتے ہوئے تو یہ بالکل بیکار محض ہے لہذا اس علم کو اور اپنے دعوے ولویت وغیرہ کو چھوڑ کر یہ کرو کہ۔

خویش ابلہ کن تبع می رو پس رستگی زیں ابلہی یابی وبس

یعنی اپنے کو بیوقوف بنالے اور تابع ہوکر پیچھے چلا چل تصرف اس ابلہی ہی کی وجہ سے چھٹکارا پاویگا مطلب یہ کہ اپنے اس دعوے کو چھوڑ دو اور اپنی رائے کو فنا کرکے مرشد کامل اور جانشین نبی کا اتباع کرکے راہ چلتے رہو کہ اس ترک علم ہی سے اور اس بیوقوفی ہی سے تمکو منزل مقصود تک رسائی ہوگی اور آفتوں سے چھٹکارا ملیگا۔

باچنین نورے چو پیش آری کتاب جان وحی آسای تو آرد عتاب

یعنی جب تو باوجود ایسے نور کے کتاب کو سامنے لاتا ہے تو تیری جان وحی سے آرام پانے والی عتاب لاتی ہے۔ مطلب یہ کہ جب نور علم وحی کے ہوتے ہوئے تم کتب عقلیہ پر عمل کرنا چاہتے ہو تو تمھاری جان جو علم وحی سے مانوس ہے پریشان ہوتی ہے اور گھبراتی ہے۔ لیکن بعض مرتبہ تو احساس ہوتا ہے مگر تم پرواہ نہیں کرتے۔ اور اسکی طرف التفات نہیں کرتے۔ اسلئے آخر ایک روز یہ پریشانی بھی مضمحل ہوجاتی ہے اور پھر غفلت کا پردہ اس درجہ بڑھجاتا ہے کہ پھر اسکا احساس بھی نہیں رہتا اور پھر آخر ہلاکت ہوتی ہے۔ لہذا اپنی اس زیرکی کو آگ دو اور اسکے مقابلہ میں جو ابلہی ہے اسکو اختیار کرو کیونکہ۔

اکثر اہل الجنۃ البلہ اے پدر بہر ایں گفت است سلطان البشر

یعنی اے باوا اسی واسطے سلطان بشر نے اکثر اہل جنۃ کو بلہ فرمایا ہے۔ مطلب یہ کہ دیکھو حدیث میں بھی تو ہے۔ اہل الجنۃ بلہٗ تو اگر تم نے اس ابلہی کو اختیار کرلیا تب تو تم بھی اہل جنت میں سے ہوجاؤگے اور اگر تم نے اسکو اختیار نہ کیا بلکہ اپنی زیرکی ہی میں رہے تو پھر جو نتیجہ ہے وہ ظاہر ہے۔

زیرکی چوں کبر باد انگیز تست ابلہے شو تا بماند دین درست

یعنی زیرکی تکبر کی طرح تمھاری پھلانے والی ہے تو تو ابلہ ہوجا تاکہ دین درست رہے۔ مطلب یہ کہ دیکھو کبر تو تمکو بھی معلوم ہے کہ راہزن طریق ہے۔ اور یہ تمھاری زیرکی بھی کبر ہی کی طرح ہے۔ لہذا اس سے بھی بچو تاکہ دین درست رہے ورنہ دین کی خیر نہیں ہے۔ آگے مولانا فرماتے ہیں کہ اگر تم کو یہ شبہ ہو کہ بھلا

عقل جیسی شئے بھی کہیں برباد کرنیکے قابل اور کھو دینے کے قابل شئے ہے اور ابلہی بھی کہیں قابل حصول ہے تو سن لو کہ تم جسکو ابلہی سمجھے ہو ہماری مراد وہ نہیں ہے ہماری مراد ابلہی سے وہ ہے کہ جسکے حاصل ہونے سے تم صاحب اسرار اور عاقل کامل ہو جاؤ گے اور عقل کے کھونے سے مراد اس عقل ناقص کا کھونا ہے کہ اسکو کھو کر کامل کو حاصل کرو اسی کو فرماتے ہیں کہ۔

ابلہی نے کو بمسخرگی دوتو ست ابلہی نے کز شقاوت مال جوست

یعنی وہ ابلہی نہیں جو کہ مسخرہ پن کے ساتھ ہو اور وہ ابلہی نہیں جو کہ شقاوت کی وجہ سے طالب مال ہو بلکہ

ابلہی کو والہ و حیران ہوست باشد اندر گردن او طوق دوست

یعنی وہ ابلہی جو کہ حق تعالیٰ کی شیدا اور حیران ہو اور اسکی گردن میں دوست کا طوق پڑا ہوا ہو۔

ابلہانند آں زنان دست بر از کف ابلہ در رخ یوسف نظر

یعنی وہ ہاتھ کاٹنے والی عورتیں بیوقوف ہی تھیں کہ ہاتھ سے تو بیخبر تھیں اور رخ یوسف میں نظر تھی۔ مطلب یہ کہ ابلہ سے ہماری مراد وہ ابلہ نہیں جو مسخرہ پن کرتے پھرتے ہیں اور باولے ہوتے ہیں۔ بلکہ ابلہ اور بے عقل سے وہ مراد ہے جسکی عقل پر عشق حق غالب ہو گیا ہو اور وہ اسکے عشق میں حیران اور سرگرداں ہو گیا ہو اور ایسی بیوقوفی مراد ہے جیسی کہ زنان مصر کو مشاہدہ جمال یوسفی کے وقت ہوئی تھی کہ انکو اپنے ہاتھ کی تو خبر رہی نہیں صرف مشاہدۂ جمال یوسف میں غرق ہو گئیں۔ اسی طرح ابلہ سے وہ مراد ہے کہ اپنی تو خبر نہ رہے اور مشاہدۂ جمال حق میں مصروف ہو جاوے۔ جب معلوم ہو گیا کہ بے عقل وابلہ سے یہ مراد ہے تو اب بے عقل ہونے میں کوئی حرج نہیں ہے اسلئے فرماتے ہیں کہ۔

عقل را قربان کن اندر عشق دوست عقلہا باری ازاں سویست کوست

یعنی عشق دوست میں عقل کو قربان کردے۔ (کیونکہ عقلیں تو آخر اسی طرف سے ہیں جس طرف سے وہ ہے۔ مطلب یہ کہ عشق حق میں اس عقل ناقص کو قربان کردو۔ اور اسپر عشق حق کو غالب کرلو۔ کیونکہ آخر یہ عقل بھی تو حق تعالیٰ ہی کے پاس سے آئی ہے اور اسی نے تو دی ہے پھر مالک کے عشق میں اسکو قربان کرتے ہوئے تمکو دریغ کیوں آتا ہے۔ تم کوئی مالک نہیں ہو۔ کچھ نہیں میاں جہاں سے آئی تھی وہیں تو جارہی ہے پھر مرے کیوں جلتے ہو۔

عقلہا آنسو فرستادہ عقول ماندہ ایں سو کہ نہ گولست و فضول

یعنی عاقلوں نے تو عقلوں کو اُس طرف بھیج دیا ہے اور جو بیوقوف اور فضول ہے وہ اسی طرف رہ گیا ہے۔ مطلب یہ کہ جو عاقل تھے اُنھوں نے اپنی عقلوں کو عشق میں قربان کر دیا ہے اور جدھر سے آئی تھیں اُدھر ہی کو روانہ کر دیا ہے اور جو بیوقوف تھے وہ ویسے کے ویسے ہی رہ گئے کیونکہ وہاں تو یہ حالت ہے کہ

زیں سر از حیرت گر ایں عقلت رود　　　　ہر سر مویت سر و عقلے شود

یعنی اس سر سے حیرت (عشق) کی وجہ سے اگر تیری عقل جاتی رہے تو تیرا ہر سر مو ایک سر اور عقل ہو جاوے۔ مطلب یہ کہ اگر اُس عشق کی وجہ سے تمھاری یہ عقل جاتی رہے اور عشق غالب ہو جاوے تب تو تمھارا ہر ہر بال ایک مستقل عقل ہو جاوے اور اس ناقص کے فنا ہونے سے عقل کامل تمکو ملجاوے۔ اسی لئے جو سمجھدار تھے اُنھوں نے اس ناقص کو فنا کر کے کامل کو لے لیا۔ اور جو نا سمجھ تھے وہ ویسے کے ویسے ہی رہے اور وہاں کی تو یہ شان ہے کہ

نیست آنسو رنج و فکرت بر دماغ　　　　کز دماغ و عقل روید دشت و باغ

یعنی اُس طرف دماغ پر فکر اور تکلیف نہیں ہے کیونکہ دماغ اور عقل سے تو دشت و باغ اُگتے ہیں۔

سوئے دشت از دشت نکتہ بشنوی　　　　سوئے باغ آئی شود نخلت روی

یعنی جنگل کی طرف (جاوے تو) جنگل سے تو نکات سنے اور باغ کی طرف آوے تو تیرا نخل سرسبز ہو جاوے۔ مطلب یہ کہ وہ عقل کامل میسر ہو جاویگی تو پھر دماغ پر افکار کا بار نہ رہیگا۔ کہ اب اس عقل کے ہوتے ہوئے تو علوم وغیرہ کو سوچتے ہو اور محنت کرتے ہو تب حاصل ہوتے ہیں اور پھر سب علوم وہبی ہونگے کسی سوچ بچار کی ضرورت ہی نہوگی۔ اور اب تو دشت و باغ میں جا کر بہار کا مشاہدہ کرتے ہو اور ان میں غور کرنے سے سمجھ میں آتا ہے اور جب وہ عقل کامل میسر ہو جاویگی تو پھر تو خود دشت و باغ تم سے اسرار کو بیان کرنے لگیں گے۔ اور خود تمھاری عقل و دماغ میں دشت و باغ ہوں گے کہ اُن ہی کا مشاہدہ کرتے رہو گے پس جب یہ حالت ہے تو تم کو چاہئے کہ۔

اندریں رہ ترک کن طاق و طرب　　　　تا قلاؤوزت نجنبد تو مجنب

یعنی اس راہ میں ترک بھڑک کو چھوڑ دو اور جب تک تیرا رہبر نہ ملے تو مت ہل۔

ہر کہ او بے سر نجنبد دم بود　　　　جنبشش چون جنبش کژدم بود

یعنی جو بے سر کے ہے وہ دم ہوتی ہے اور اُسکی جنبش مثل جنبش کژدم کے ہوتی ہے۔ کہ وہ

کژ رو ست و کور و زشت و زہرناک　　پیشۂ او خستن جانہائی پاک

یعنی کجرو ہے اور اندہا برا اور زہر کا بہرا ہوا ہے اُسکی عادت پاک جانوں کو زخمی کرنا ہے۔

سر بکوب آنرا کہ سرش این بود　　خلق و خوی مستمرش این بود

یعنی اُسکا سر کوٹ دے کہ اُسکا سر اسی لائق ہے۔ اُس کا خلق و خو ہمیشہ یہی ہے۔

خود صلاح اوست این سر کوفتن　　تا رہد جاں ریزہ اش زیں شوم تن

یعنی خود اُسکی بہلائی یہ سر کوٹنا ہی ہے تا کہ اُسکی باقی ماندہ جاں اس منحوس تن سے چھوٹ جاوے مطلب یہ ہے کہ راہ حق میں اپنے دعووں کو اور عزت و ناموس کو جسکی وجہ سے اتباع سے عار آتی ہے چھوڑ دو اور شیخ کامل کا ایسا اتباع کرو کہ بے اُسکی حرکت کے تمکو حرکت بھی نہو۔ کیونکہ تمھارے لئے وہ بجائے سر کے ہے سو اگر سر نہو صرف دُم ہی دُم ہو تو ظاہر ہے کہ بیکار ہے اسی طرح اگر شیخ نہو اور اسکا اتباع نہو تو دُم کی طرح بیکار اور نالائق ہوگے اور جسطرح بچھو کجرو اور اندہا اور بُرا ہوتا ہے۔ اور ہمیشہ اچھے لوگونکو ستاتا ہے اسی طرح بے اتباع مرشد کے تم بھی کجرو اور اندھے ہوگے اور تم سے بھی مقبولان الٰہی کو تکلیف ہونگی پھر اُس بچھو کو اگر مار ڈالو تو اُسکے لئے یہی اچھا ہے کہ وہ اس نیش زنی سے چھوٹ جاویگا۔ اسی طرح اگر تم اپنے اندر سے اُن دعووں اور خصلتوں کو نکال ڈالوگے جو بچھو کی طرح ہیں اور اُنکا سر کچل دوگے تو خیر جو کچھ ایمان باقی رہگیا ہے وہ تو بچ جاویگا۔ اور تم مقبولان الٰہی کو ستانے سے تو باز رہوگے لہذا ان باتوں کیلئے بہتر یہی ہے کہ انکو ترک کیا جاوے اور فنا کر دیا جاوے تا کہ ایمان کی سلامتی ہو خوب سمجھ لو۔ اور فرماتے ہیں کہ۔

وا ستان از دست دیوانہ سلاح　　تا ز تو راضی شود عدل و صلاح

یعنی دیوانہ کے ہاتھ سے ہتیار لیلو۔ تا کہ تم سے انصاف اور بہلائی راضی ہو۔

چوں سلاحش ہست عقلش نے بہ بند　　دست او را ورنہ آرد صد گزند

یعنی جب اُس کے پاس ہتیار تو ہیں اور عقل ہے نہیں تو اُسکے ہاتھ باندھ دو ورنہ سیکڑوں گزند پہونچاویگا۔ مطلب یہ کہ تمھارے نفس کے پاس یہ علم وغیرہ جسکا وہ دعویٰ کر رہا ہے ایسے ہیں جیسے کسی دیوانہ کے ہاتھ میں ہتیار ہوں تو جب اُسکو عقل تو ہے نہیں اور ہتیار ہیں تو ظاہر ہے کہ وہ جو کچھ نکرے کم ہے لہذا اُسکے ہاتھ سے ہتیار لیلو۔ اسی طرح اس نفس سرکس کے دعوے علم وغیرہ کو

برباد کردو اور مٹا دو اس طرح کہ اسکو ذلیل کر کے کسی محقق کا اتباع کرو کہ اُس سے کام بنجاوے گا غرضکہ اپنی رائے کو آگ لگا دو اور اتباع شیخ کامل شروع کرو بس راستہ صاف ہے۔ ورنہ اگر اپنی رائے سے کام لیا تو پھر ایسے قعر میں گرو گے کہ کہیں پتہ بھی نہ چلے گا حضرت حافظ رح اسی کو فرماتے ہیں

؎ عقل خود درائی خود در عالم رندی نیست　　کفر ست دریں مذہب خود بینی و خود رائی

بس اس راہ میں جو ہوتا ہے اتباع سے ہوتا ہے۔ ورنہ ساری عمر بھٹکتے پھرو کچھ ہاتھ پلے نہیں پڑتا اسی کو فرماتے ہیں کہ ؎ بے قلاوز اندریں صحرا مرو + چونکہ یہاں فرمایا تھا کہ دیوانہ کے ہاتھ سے ہتیار لیلو ورنہ وہ خود ہی ہلاک ہوگا اور دوسروں کو بھی ہلاک کریگا۔ تو آگے اسی مناسبت سے بیان فرماتے ہیں کہ اسی طرح بدگوہر کو علم و مال و جاہ کا حاصل ہونا ایسا ہے جیساکہ راہزن کے ہاتھ میں تلوار دیدینا۔

بیان اس کا کہ بدگوہر کو علم و مال وجاہ حاصل ہونا اس کے لئے باعث رسوائی ہے اور ایسا ہے جیسے کہ ڈاکو کے ہاتھ میں تلوار دیدی جاوے

بدگہر را علم و فن آموختن　　دادن تیغے بدست راہزن

یعنی نالائق کو علم وفن سکھانا راہزن کے ہاتھ میں ایک تلوار دیدینا ہے۔

تیغ دادن در کف زنگی مست　　بہ کہ آید علم ناکس را بدست

یعنی زنگی مست کے ہاتھ میں تلوار دیدینا بہتر ہے اس سے کہ نااہل کو علم حاصل ہو جاوے۔ (کیونکہ وہ تلوار کو لیکر تن ہی کو زخمی کریگا اور یہ علم سیکھ کر تو روح اور ایمان کی خبر لیگا (اللّٰھم احفظنا

علم وجاہ و منصب و مال و قراں　　فتنہ آمد در کف بدگوہراں

یعنی علم اور جاہ اور منصب اور مال اور شوکت بدگوہروں کے ہاتھ میں فتنہ ہے (قراں کہتے ہیں ستاروں کے جمع ہونیکو اور چونکہ نجومی کواکب سعد کے اجتماع سے انکی شوکت وجاہ پر استدلال کرتے ہیں اسلئے مجازاً قراں کا اطلاق شوکت وجاہ پر کر دیا گیا) مطلب یہ کہ مال وجاہ وغیرہ کا حصول نااہل

کیلئے فتنہ ہے۔

پس غزا زین فرض شد بر مومناں　　تا ستانند از کف مجنوں سناں

یعنی پس اسی لئے مومنین پر لڑائی فرض ہوئی تاکہ مجنون کے ہاتھ سے بھالا لے لیں۔ (آگے خود اس کی شرح فرماتے ہیں کہ)

جان او مجنون تنش شمشیر او　　وا ستان شمشیر را زین زشت خو

یعنی اُسکی جان تو مجنون ہے اور اُسکا تن تلوار ہے تو اس زشت خو سے تلوار کو لیلے مطلب یہ کہ مومنین پر جو جہاد فرض ہوا ہے اُسکی وجہ یہی ہے تاکہ ان کے بدنوں کو اُنکی جانوں سے خالی کردیں کیونکہ اُنکی جانوں کی مثال تو مجنون جیسی ہے اور تن شمشیر کی طرح ہے سو اگر شمشیر نہ رہیگی تو یہ خود بھی ضرر سے بچ جاویگا۔ اور دوسرے بھی اسکے ضرر سے بچ جاویں گے۔

انچہ منصب میکند با جاہلاں　　از فضیحت کے کند صد ار ہلاں

یعنی منصب جتنا جاہل کو رسوا کر سکتا ہے سو شیر بھی نہیں کر سکتے۔ مطلب یہ کہ جب جاہل کو کوئی منصب اور جاہ نصیب ہوجاتا ہے تو وہ اُسکے عیوب کو اس طرح ظاہر کردیتا ہے کہ اگر بڑے سے بڑا کوئی زبردست ہو وہ بھی اُسکو اسطرح رسوا اور ذلیل نہیں کر سکتا۔ کیونکہ۔

عیب او مخفی ست چوں آلت بیافت　　مارش از سوراخ بر صحرا شتافت

یعنی اُسکا عیب پوشیدہ ہے اور جب آلہ پالیا اور اسکا سانپ سوراخ سے جنگل میں دوڑا۔

جملہ صحرا مار و کژدم پُر شود　　چونکہ جاہل شاہ حکم مر شود

یعنی تمام جنگل سانپ بچھوؤں سے پُر ہو جاتا ہے جبکہ جاہل حکم قطعی کا مالک ہو جاتا ہے۔ مطلب یہ کہ جاہل کا عیب اول تو پوشیدہ تھا کسی کو خبر نہ تھی کہ یہ ضرر رساں ہے یا نفع رساں جب اُسکو قوت اور شوکت میسر ہوگئی اور اُس نے ضرر رسانی شروع کی تب سب کو اُسکا عیب معلوم ہوجاتا ہے اور سب لوگ اُسکی حالت کو جان لیتے ہیں اور پھر جو خصلت کہ دبی پڑی تھی اور جسکا ظہور ضرر رسانی نہیں ہوتا تھا آج منصب ملنے سے اُسکا خوب ظہور ہورہا ہے۔ اور تمام عالم اُسکی وجہ سے ایسا ہوگیا ہے جیسے سارے جہان میں مار و کژدم بھر گئے ہیں جسطرح وہ سب ضرر رساں ہونگے اسی طرح یہ حضرت بھی اس منصب و جاہ کی بدولت ضرر رساں ہورہے ہیں اور فرماتے ہیں کہ۔

چوں قلم در دست غداری بود   لاجرم منصور بر دارے بود

یعنی جب قلم کسی غدار کے ہاتھ میں ہو تو ضرور منصور دار پر ہوگا۔ مطلب یہ کہ جب نا اہلوں کے ہاتھ حکومت ہوگی تو ایسے ہی ایسے واقعات ہونگے۔ جیسے کہ حضرت منصور دار پر کھینچ دیئے گئے اگر کوئی اہل ہوتا تو اُن کی حالت کو عذر سمجھ کر چھوڑ دیتا بلکہ اور تعظیم و تکریم کرتا مگر نا اہلوں کی وجہ سے اُن پر یہ گذری آگے فرماتے ہیں کہ۔

مال و منصب ناکسے کارد بدست   طالب رسوائی خویش او شدہ است

یعنی مال و منصب جو کوئی نا اہل ہاتھ میں لاوے وہ اپنی رسوائی کا خود طالب ہوا ہے (کیونکہ)

یا کند بخل و عطاہا کم دہد   یا سخا آرد بنا موضع نہد

یعنی یا تو بخل کریگا اور عطائیں کم دیگا اور یا سخا کریگا تو بے جگہ رکھے گا۔

شاہ را در خانۂ بیذق نہد   اینچنیں باشد عطا کاحمق دہد

یعنی شاہ کو پیادہ کے خانہ میں رکھدیگا اور جو عطا کہ احمق کرتا ہے وہ تو ایسی ہی ہوتی ہے۔ مطلب یہ کہ اگر کوئی جاہل اور نا اہل مال و منصب کے حصول کی کوشش میں ہو تو سمجھ لو کہ یہ خود ہی اپنی رسوائی کے درپے ہے اسلئے کہ جب مال و منصب ہاتھ لگجاویگا تو دو ہی صورتیں ہیں یا تو بخل کریگا یا سخاوت اگر بخل کیا تب تو بدنامی اور رسوائی ظاہر ہے۔ اور اگر سخاوت کی تب بھی رسوائی ہی ہوگی اسلئے کہ جب خود نا اہل ہے اسکو اہل و نا اہل میں بھی تمیز نہ ہوگی تو نا اہلوں کو بھر دیگا اور جو عطا کے اہل ہونگے وہ محروم رہجاویں گے۔ اور ایسی مثال ہوجاویگی جیسے شطرنج میں کوئی پیادہ کے خانہ میں شاہ اور بالعکس رکھدے۔ بس اسی طرح وہ نا اہل عطائیں اُلٹی اُلٹی کریگا

حکم چوں در دست گمراہی فتاد   جاہ پنداریدو در چاہے فتاد

یعنی حکم جب کسی گمراہ کے ہاتھ میں پڑگیا تو تم تو جاہ سمجھے ہوا اور وہ چاہ (کنوئیں) میں گرگیا۔ مطلب یہ کہ نا اہل کو جب حکومت ملی تو تمکو تو خیال ہے کہ اسکو جاہ و منصب حاصل ہوا مگر سچ پوچھو تو وہ بجائے جاہ کے چاہ ذلت میں گرپڑا۔ اور اسکی ایسی مثال ہے کہ۔

رہ نمیداند قلاؤزی کند   جان زشت او جہاں سوزی کند

یعنی راہ تو جانتا نہیں اور رہبری کرتا ہے تو اُسکی جان زشت جہانسوزی کر رہی ہے۔ مطلب کہ

جب کوئی خود راستہ نہ جانے اور دوسروں کی رہبری کرنے لگے تو ظاہر ہے کہ وہ قصداصلاح کرتا ہے کہ لوگوں کو راستہ دکھا رہا ہے مگر اصل میں وہ اور فساد برپا کر رہا ہے اور ایک عالم کو اس نے آتش ضلالت سے جلا رکھا ہے یہ تو اسکا بیان تھا جو نااہل صاحب جاہ ومنصب ظاہری ہو آگے نااہلوں کے رہبر باطنی ہونے کی خرابیاں فرماتے ہیں۔

طفل راہ فقر چوں پیری گرفت پیروانرا غول ادبیری گرفت

یعنی راہ فقر کا طفل جب پیری کرنے لگے تو اسکا بھوت معتقدین کو آچمٹے۔ مطلب یہ کہ جب راہ سلوک کا طفل مکتب اور ناداں پیر اور مقتدا بن بیٹھے تو بس سمجھ لو کہ جو اسکے معتقدین ہیں انکا تو سب کا ناس ہو گیا گویا کہ انکو تو بھوت نے آدبوچا۔ اور وہ پیر تو یہ کہہ رہا ہے کہ۔

کہ بیا تا ماہ بنمایم ترا ماہ را ہرگز ندید آں بے ضیا

یعنی کہ آ میں تجھے چاند دکھلاؤں اور چاند کو اس بے نور نے خود کبھی نہیں دیکھا مطلب یہ کہ وہ معتقدین کو پکار رہا ہے کہ آؤ میں تمکو ماہ ہدایت دکھلا دوں مگر اس اندھے نے خود تو کبھی چاند کو دیکھا ہی نہیں اور ونکو تو کیا دکھاویگا بجز اسکے کہ اور گمراہ کریگا اور نہ معلوم کسکو چاند بتادیگا مولانا فرماتے ہیں کہ۔

چوں نمائی چوں ندیدستی بعمر عکس مہ در آب ہم اے خام غمر

یعنی ارے لونڈے تو کیا دکھاویگا جبکہ تو نے خود عمر بھر چاند کے عکس کو پانی میں بھی نہیں دیکھا مطلب یہ کہ میاں اس راہ میں دودن کے صاحبزادے ہو۔ بھلا جب تم نے اس چاند کا کوئی اثر تک نہیں دیکھا تو اوروں کو چاند تو کیا دکھا سکتے۔ حاصل یہ کہ۔ او خویشتن گم است کرا رہبری کند۔ لہذا ایسے لوگوں سے بچنا ضروری ہے۔ اور شیخ کامل کی تلاش (جسکی علامتیں بارہا بتادی گئی ہیں) کرنی چاہئے۔ آگے فرماتے ہیں کہ۔

احمقاں سرور شدستند و زبیم عاقلاں سرہا کشیدہ در گلیم

یعنی احمق لوگ تو سردار ہو گئے تو عاقلوں نے خوف کی وجہ سے سر ونکو کمبل میں کر لیا مطلب یہ کہ جب نااہل سردار ہو گئے تو اہل اللہ نے اپنے کو چھپا لیا۔ اور منہ چھپا کر بیٹھ گئے کہ اب چونکہ دنیا نااہلوں سے بھر گئی ہے اسلئے اپنے کمالات کو ظاہر کرتے ہوئے انکو غیرت آتی ہے کہ نااہلوں کے آگے کیا اظہار

کمال کیا جاوے۔ آگے اسپر مولانا سورہ مزمل کے ایک معنی بیان فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ نے حضور کو مزمل کیوں فرمایا۔ ایک معنی تو وہی ہیں جو اسکا شان نزول ہے مگر مولانا یہاں دوسرے معنی بیان فرماتے ہیں جو کہ قواعد شرعیہ کے بھی خلاف نہیں۔ اور اس تفسیر کے مخالف بھی نہیں۔ بلکہ مطلب مولانا کا یہ ہے کہ ایک معنی یہ بھی ہوسکتے ہیں جس سے تفسیر بالرائے کا شبہ ہرگز نہیں ہوسکتا۔ اسلئے کہ مولانا کو ان معنی کا انکار نہیں ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ جسطرح قاعدہ ہے کہ نااہلوں کے سردار ہوجانے کے وقت اہل اللہ منہ چھپا لیتے ہیں اور اپنے کمالات کو ظاہر نہیں کرتے اسی طرح حضور مقبول صلے اللہ علیہ وسلم نے جو اسوقت کمبل اوڑھ لیا تھا اور منہ چھپا کر لیٹ رہے تھے اسمیں اسطرف بھی اشارہ ہوسکتا ہے کہ چونکہ کفار کا غلبہ تھا اسلئے حضور نے منہ لپیٹ لیا لہذا حق تعالیٰ نے فرمایا کہ اے کمبل والے اٹھو الی آخرہ۔ اب اشعار سے سمجھو۔

شرح حبیبی

آیت شریف یا ایھا المزمل کی تفسیر کا بیان

خواند مزمل نبی را زین سبب	کہ بروں آ از گلیم اے بوالہرب
سر مکش اندر گلیم و رو مپوش	کہ جہاں جسمے ست سرگرداں تو ہوش
ہین مشو پنہاں ز ننگ مدعی	کہ تو داری شمع وحی شعشعی
ہین قم اللیل کہ شمعی اے ہمام	شمع دائم شب بود اندر قیام
بے فروغت روز روشن ہم شب است	بے پناہت شیر اسیر ارنب است
باش کشتیبان درین بحر صفا	کہ تو نوح ثانئے اے مصطفےٰ
رہ شناسے می بباید بالباب	ہر رہے را خاصہ اندر راہ آب
خیز و بنگر کارواں رہ زدہ	ہر طرف غول است کشتیباں شدہ

خضر وقتی غوث ہر کشتی توئی | ہمچو روح اللہ مکن تنہا روی

پیش این جمعی چو شمع آسمان | انقطاع و خلوت آری را بمان

وقت خلوت نیست اندر جمع آ | اے ہدی چون کوہ قاف و تو ہما

بدر بر صدر فلک شد شب رواں | سیر را نگذارد از بانگ سگاں

طاعنان ہمچوں سگان بر بدر تو | بانگ میدارند سوئے صدر تو

این سگان کرند ز امر انصتوا | از سفہ وعوع کناں بر بدر تو

ہین بمگذار اے شفا رنجور را | تو ز خشم کر عصائے کور را

نے تو گفتی قاعد اعمے براہ | صد ثواب و اجر یابد از آلہ

ہر کہ او چل گام کورے را کشد | گشت آمرزیدہ و یابد رشد

پس بکش تو زین جہاں بیقرار | جوق کوران را قطار اندر قطار

کار ہادی این بود تو ہادئے | ماتم آخر زماں را شادئے

ہین رواں کن اے امام المتقین | وین خیال اندیشگان را تا یقین

ہر کہ در مکر تو دارد دل گرو | گردنش را من زنم تو شاد رو

بر سر کوریش کوریہا نہم | او شکر پندارد و زہرش دہم

عقلہا از نور من افروختند | مکرہا از مکر من آموختند

چیست خود آلاچق آں ترکماں | پیش پائے نرہ پیلاں جہاں

آں چراغ او بہ پیش صرصرم | خود چہ باشد اے مہین پیغمبرم

خیز در دم تو بصور سہمناک | تا ہزاران مردہ بر روید ز خاک

چونتو اسرافیل وقتے راست خیز ، رستخیزے ساز پیش رستخیز

ہر کہ گوید کو قیامت اے صنم ، خویش بنما کہ قیامت نک منم

درنگر اے سائل محنت زدہ ، زیں قیامت صد جہاں قائم شدہ

ورنہ باشد اہل دین ذکر و قنوت ، پس جواب الاحمق اے سلطان سکوت

ز آسمان حق سکوت آید جواب ، چوں بود جانا دعا نامستجاب

اے دریغا وقت خرمنگاہ شد ، لیک روز از بخت ما بیگاہ شد

وقت تنگ است و قضائے ایں کلام ، تنگ می آید برو عمر دوام

نیزہ بازی اندریں کوہائے تنگ ، نیزہ بازاں را ہمی آرد بہ تنگ

وقت تنگ و خاطر و فہم عوام ، تنگ تر صد رہ ز وقت است ای غلام

چوں جواب احمق آمد خامشی ، ایں درازی در سخن چوں می کشی

از کمال رحمت و موج کرم ، می دہد ہر شورہ را باران و نم

چونکہ احمقوں کا ظہور اور انکی گرم بازاری عقلاء کے اختفا اور ان کی چادر میں منہ لپیٹ لینے کا سبب ہوتا ہے اسی لئے جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے احمقوں کی ترقی دیکھکر چادر میں منہ لپیٹ لیا تھا اسی بنا پر حق سبحانہ نے آپکو مزمل کہکر خطاب فرمایا۔ اور کہا کہ آپ کمبل میں سے باہر نکلئے اور کمبل میں منہ نہ لپیٹئے۔ اور اپنا مُنہ نہ چھپائیے کیونکہ تمام جہاں ایک گشتہ جسم ہے اور آپ اسکے لئے بمنزلہ ہوش کے۔ ایسی حالتمیں آپکا چھپنا مناسب نہیں دیکھئے آپ مدعیان باطل کی شرم سے مخفی نہ ہو جیئے کیونکہ آپ کے پاس وحی روشن کی شمع ہے۔ جو ظلمت جہل کو دور کرکے ان مدعیوں کی قلعی کھولدے گی اور انکی گرم بازاری کو کساد بازاری سے بدلدیگی۔ اچھا تو اب توقف نہ کیجئے اور اس ضلالت کی شب دیجور میں اُٹھئے کیونکہ آپ خود بھی ایک شمع ہدایت ہیں۔ اور شمع کا قاعدہ ہے کہ وہ رات بھر کھڑی رہتی ہے۔ جب تک آپ تخت ہدایت پر جلوہ افروز نہوں گے اُسوقت تک نہ عالم

روشنی مل سکتی ہے اور صالح الاستعداد لوگ جو کہ بمنزلہ شیر کے ہیں گمراہوں کے پنجہ سے چھوٹیں گے جو کہ بمنزلہ خرگوش کے ہیں کیونکہ بدون آپکی روشنی کے ظلمت جہل کی وجہ سے جسکو لوگ دن کہتے ہیں وہ بھی رات ہی ہے اور بدون آپکی پناہ کے شیر یعنی صالح الاستعداد لوگ خرگوشوں یعنی گمراہوں اور مدعیوں کے پنجہ سے نہیں چھوٹ سکتے اور اے مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم چونکہ آپ نوح ثانی ہیں اسلئے آپ بحر معرفت کے جو کہ صاف ہے کشتیبان ہوجئے اور لوگوں کو انہیں ڈوبنے سے بچائیے کیونکہ یہ لوگ بدون آپکے نہیں بچ سکتے۔ اسلئے کہ اول تو ہر رستہ کے طے کرنے کیلئے ایک عاقل واقف راہ کی ضرورت ہے پھر بالخصوص جو راستہ پانی کا ہو وہاں تو اور بھی زیادہ ضرورت ہے۔ کیونکہ خشکی میں تو کچھ نشانات وامتیازات ہوتے بھی ہیں اور سمندر تو بالکل یکساں ہوتا ہے اسلئے وہاں نہایت ماہر کشتیبان کی ضرورت ہے اچھا اب آپ اٹھئے اور دیکھئے کہ ایک قافلہ عظیم بھٹکا ہوا ہے اور ہر طرف غول دریائے کشتیباں بنے ہوئے ہیں جو اُن کو ڈبونا چاہتے ہیں پس آپ انکی دستگیری فرمائیے۔ اور انہیں ورطۂ ہلاکت سے بچائیے۔ دیکھئے آپ اپنے وقت کے خضر اور ہر کشتی کے کشتیبان ہیں۔ پس آپ عیسیٰ علیہ السلام کی طرح خلق سے تعلق منقطع نہ کیجئے۔ بلکہ ان میں ملئے اور انکی دستگیری کیجئے اور اس جماعت کے سامنے دوسری شمع آسمانی یعنی آفتاب کی طرح بے تعلقی اور خلوت گزینی کو چھوڑ دیئے۔ اور ان کو اپنے نور سے ہدایت کیجئے اور اے وہ ذات جسکے لئے ہدایت بمنزلہ کوہ قاف کے ہے اور جو خود بمنزلہ ہما کے یہ وقت خلوت کا نہیں ہے اسلئے خلوت کو چھوڑیئے۔ اور انجمن میں تشریف لائیے۔ اور ملامت ملامتگراں کی کچھ پرواہ نہ کیجئے۔ دیکھئے چودھویں رات کا چاند آسمان پر چلتا ہے اور کتے بھونکتے ہیں مگر وہ انکی کچھ بھی پرواہ نہیں کرتا اور انکی وجہ سے اپنی چال نہیں چھوڑتا۔ پس آپ پر جو کہ ہدایت میں چودھویں رات کے چاند کی مانند ہیں طعن کرنے والے لوگ بھی کتوں کی مانند ہیں اور آپ کے رتبۂ عالی پر بھونکتے ہیں اور چونکہ یہ کتے حکم انصتوا کو نہیں سنتے اسلئے آپ پر جو کہ مثل بدر ہیں بھوں بھوں کرتے ہیں پس آپ بھی اُن کے بھونکنے سے اپنی روش نہ چھوڑیئے اور اے شفائے مریض القلوب آپ ان طاعنوں کی ناخوشی کے خیال سے اندھوں کی لاٹھی یعنی اعانت نہ چھوڑیئے جو حکم انصتوا سے بہرے ہیں دیکھئے خود آپکا ارشاد ہے کہ جو اندھے کی رہبری کرے اسکو حق سبحانہ بہت سا ثواب دیں گے اور جو اندھے کو پکڑ کر چالیس قدم تک لیجائے

حق سبحانہ اسے ہدایت عطا فرماویں گے۔ اور بخشدیں گے۔ پس خود آپ ان دل کے اندھوں کی اعانت ترک نہ کیجئے۔ کیونکہ یہ بہ نسبت ظاہری اندھوں کے زیادہ اعانت کے مستحق ہیں۔ اور اندھوں کی بے انتہا جماعت کو اس جہان ناپائیدار سے نکالئے۔ اور عالم غیب تک پہونچایئے۔ کیونکہ آپ ہادی کامل ہیں اور ہادی کا کام ہی یہ ہے۔ نیز آپ اس آخر زمانہ کے ماتم کیلئے بمنزلہ خوشی کے ہیں۔ پس اس ماتم کو زائل کیجئے اور یہ لوگ جو مبتلائے خیال باطل ہیں انکو حد یقین تک پہونچایئے ہم آپ کو اطمینان دلاتے ہیں۔ کہ جو کوئی آپ سے چال کرنے کی فکر میں دل کو پھنسائیگا۔ خود ہم اُنکی گردن ماردیں گے اور آپ پر اُنکی مدافعت کا بوجھ نہ ڈالیں گے آپ خوش خوش اپنا کام کئے جایئے ہم یہ کریں گے کہ کچھ تو وہ اندھا پہلے ہی سے ہے۔ اب ہم اُسے اور اندھا کر دیں گے اور جس کام کو وہ اپنے لئے مفید سمجھے گا اُسے ہم اُسکے لئے مضر بنادینگے۔ کیونکہ یہ عقلیں جو لوگوں کو حاصل ہیں جن سے وہ منفعت اور مضرت میں تمیز کرتے ہیں وہ ہمارے ہی روشن کرتے سے تو روشن ہیں۔ اور جو تدبیریں کہ وہ جانتے ہیں وہ ہمیں نے تو سکھائی ہیں ایسی حالتمیں کوئی بڑی بات نہیں کہ ہم اُنکی عقلوں کو نور سے معرا کر دیں۔ اور اُنکی مفید تدبیرونکو اُنکے لئے مضر بنادیں۔ انکی عقل و تدبیر کی ہمارے علم و تدبیر کے سامنے ایسی مثال ہے جیسے ترکمانوں کے کمبل کے خیموں کی ہاتھی کے پاؤں کے سامنے۔ پس جسطرح ہاتھی کے پاؤں کے سامنے ان خیموں کی کوئی حقیقت نہیں۔ یوں ہی ہمارے علم و تدبیر کے سامنے انکی عقلوں اور تدبیروں کی بھی کوئی حقیقت نہیں۔ نیز اُنکی عقل و تدبیر ہمارے علم و تدبیر کے سامنے ایسی ہے جیسے چراغ آندھی کے سامنے۔ پس جسطرح چراغ کی آندھی کے سامنے کوئی وقعت نہیں یونہی ان کی عقلیں اور تدبیریں ہمارے علم و تدبیر کے سامنے بے وقعت ہیں۔ اچھا تو اب اُٹھئے اور توحید کا ایک خوفناک صور پھونکئے تاکہ ہزاروں روحانی مردہ زندۂ جاوید ہو جائیں چونکہ آپ اسرافیل وقت ہیں لہذا اٹھئے اور قیامت معروف کے علاوہ ایک روحانی قیامت قائم کیجئے۔ اور جو شخص کہے کہ قیامت کیا چیز ہے اُس سے کہدیجئے کہ دیکھ قیامت میں ہوں۔ اور اے مصیبت زدہ سائل تو دیکھ لے کہ اس قیامت سے سیکڑوں روحانی عالم موجود ہو گئے ہیں پس جبکہ قیامت کی ایک نظیر موجود ہے تو تجھے دوسری نظیر سے کیوں انکار ہے اور اگر وہ اس وعظ کا اہل اور قابل اطاعت نہو تو اس کا جواب بھی ہے کہ سکوت اختیار کیا جاوے۔ کیونکہ احمقوں کا جواب سکوت ہی ہے واقعی بات ہے

کہ احمقوں کا جواب سکوت ہے کیونکہ جب دعا غیر مقبول ہوتی ہے تو اُسکی وجہ یہی ہوتی ہے کہ داعی احمق ہوتا ہے کہ خلاف حکمت حق سبحانہ دعا مانگتا ہے اسلئے اُدھر سے سکوت جواب ہوتا ہے اب کھلیاں کا وقت آیا ہے یعنی اسکا وقت آیا ہے کہ یہ بیان کیا جاوے کہ آپ نے اس حکم کی تعمیل میں کیا کارنامے کئے اور ان کے کیا کیا نتائج برآمد ہوئے مگر افسوس کہ وقت نہیں رہا۔ جسقدر وقت باقی ہے وہ نہایت تنگ ہے اور وسعت کلام اتنی ٹیڑھی ہوئی ہے کہ عمر دوام بھی اسکے لئے کم ہے۔ اسلئے اسکے بیان سے معذوری ہے۔ قاعدہ ہے کہ تنگ خندقوں میں نیزہ بازی نیزہ بازوں کو مجبور کردیتی ہے بس میں اس قلیل وقت کی خندق میں اپنی جوانمردی کے کیا جوہر دکھا سکتا ہوں۔ خیر وقت تو تنگ تھا ہی اس سے بڑھکر مصیبت یہ ہے کہ عوام کی طبیعت اور اُنکی فہم وقت سے بھی سوگونہ زیادہ تنگ ہے ایسی حالت میں اور بھی مجبوری ہے۔ اب مولانا اپنی تقریر پر سوال قائم کرکے اسکا جواب دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر کوئی کہے کہ جب آپکو تسلیم ہے کہ احمق کا جواب سکوت ہے تو یہ اتنی طویل مثنوی آپ کیوں کہہ رہے ہیں تو اسکا جواب یہ ہے کہ یہ امر حق سبحانہ ہے اور انکا قاعدہ ہے کہ وہ اپنے کمال رحمت اور موج کرم کے سبب ہر شورہ زمین پر بارش برساتے اور اُسے تر کرتے ہیں خواہ خود اُسکی ناقابلیت کی وجہ سے اسمیں سبزہ نہ پیدا ہو۔ مگر وہ اپنی طرف سے محروم نہیں کرتے اب جواب الاحمق سکوت کی تائید میں ایک قصہ نقل فرماتے ہیں اور کہتے ہیں۔

شرح شبیری

آیت شریفہ یاایھا المزمل کی تفسیر کا بیان،

خواند مزمل نبی را زیں سبب کہ بروں آراز گلیم اے بوالہرب

یعنی حق تعالیٰ نے نبی کو مزمل اس سبب سے فرمایا کہ اے بوالہرب کمبل سے باہر آؤ۔ (بوالہرب کے لغوی معنی بھاگنے کا باپ یعنی بھاگنے والا اور یہاں مراد بے تعلق) مطلب یہ کہ اے وہ کہ آپ لوگوں سے الگ ہوکر کمبل میں پوشیدہ ہوگئے ہیں اور اپنے کو چھپا لیا ہے باہر تشریف لائیے۔

سر مکش اندر گلیم و رومپوش کہ جہاں جسمی است سرگرداں توہوش

یعنی کیل میں تو سرمت کھینچ اور منہ کو مت چھپا کہ جہاں ایک جسم سرگرداں ہے اور آپ ہوش ہیں۔
مطلب یہ کہ سارا جہاں ایک بھٹکے ہوئے جسم کی طرح ہے اور آپ اُسکے لئے مثل ہوش اور عقل کے
ہیں تو اگر آپ ان سے الگ ہوجاویں گے تو یہ تو تباہ و برباد ہوجاویں گے لہذا ان سے الگ مت ہوجئے۔

ہین مشو پنہاں ز ننگ مدعی ٭ کہ تو داری شمع وحی شعشعی

یعنی آپ مدعی کے شرم سے ہرگز پوشیدہ نہ ہوجئے کیونکہ آپ تو وحی کی ایک شمع روشن رکھتے ہیں

ہین قم اللیل کہ شمعی اے ہمام ٭ شمع دائم شب بود اندر قیام

یعنی ہاں رات کو کھڑے ہوا کیجئے اے بزرگ کیونکہ شمع تو تمام رات کھڑی ہی رہتی ہے مطلب یہ کہ
ان مدعیان کفر و ضلال کی وجہ سے آپ اپنا منہ نہ چھپایئے اور الگ نہ ہوجئے اسلئے کہ آپکے پاس تو
وحی کی شمع روشن ہے۔ اور شمع کا قاعدہ ہے کہ رات بھر کھڑی ہوکر محفل میں سبکے سامنے سب پر نور
افگنی کرتی ہے پھر آپ کیوں چھپتے ہیں آپ بھی اٹھئے اور لوگوں پر نور ہدایت ڈالئے۔ اور آپ کی تو
وہ شان ہے کہ۔

بے فروغت روز روشن ہم شب است ٭ بے پناہت شیر اسیر ارنب است

یعنی بے آپ کے نور کے روز روشن بھی رات ہے۔ اور بے آپکی پناہ کے شیر خرگوش کا قیدی ہے مطلب
یہ کہ آپ کی تو وہ شان ہے کہ اگر دن میں جو بظاہر روشن ہے آپکا نور نہو تو وہ اصل میں رات کی طرح ہے
کیونکہ رات میں تو صرف ظاہری تاریکی ہوتی ہے اور اس دن میں تو تاریکی باطنی ہے۔ لہذا آپ اپنا
نور لوگوں پر ڈالئے تاکہ اس شب مظلم سے نکلیں۔ اسلئے آپکو شمع سے اوپر تشبیہ دی ہے کہ یہ جو ضلالت
کی شب ہے اسمیں آپ نور افگنی کیجئے اور یہ کفار خواہ کیسے ہی زبردست ہیں مگر جو آپ کی پناہ میں نہیں ہے
وہ ہر وقت خطرہ میں ہے۔ اور بہت ذرا سی بات سے وہ تباہ و برباد ہوسکتا ہے اور شیطان انکی راہ
ایک ادنی بہانہ سے مار سکتا ہے۔ لہذا ان کیلئے پناہ ہوجئے اور انکو شمع ہدایت دکھایئے۔

باش کشتیباں دریں بحر صفا ٭ کہ تو نوح ثانئے اے مصطفیٰ

یعنی بحر صفا میں آپ کشتیباں ہوجایئے کیونکہ اے مصطفیٰ صلے اللہ علیہ وسلم آپ تو نوح ثانی ہیں۔

رہ شناسے می بباید باللباب ٭ ہر رہے را خاصہ اندر راہ آب

یعنی (اول تو) ہر راستہ کیلئے ایک رہ شناس عاقل کی ضرورت ہے۔ اور خاصکر راہ آب میں۔

(تو بہت ہی ضروری ہے) مطلب یہ کہ اس دریا میں کشتیبان ہوکر لوگونکو کشتی ہدایت میں بٹھاکر نکال لیجائیے کیونکہ آپ تو نوح ہیں اسلئے آپکا کام لوگونکو ہلاکت سے بچانا ہونا چاہیئے۔ اور دیکھئے اول تو ہر راہ میں رہبر کی ضرورت ہوتی ہے مگر خیر راہ خشک میں تو انسان علامات وغیرہ سے بے راہبر کے بھی کچھ چل سکتا ہے لیکن دریا میں تو بے ماہر کشتیبان کے چل ہی نہیں سکتا۔ لہذا۔

خیز وبنگر کاروان رہ زدہ ہر طرف غول است کشتیبان شدہ

یعنی اٹھئے اور بھٹکے ہوئے قافلہ کو دیکھئے کہ ہر طرف بھوت کشتیبان ہورہے ہیں۔ مطلب یہ کہ آپ اٹھکر دیکھئے تو سہی ایک قافلہ بھٹکا ہوا پھر رہا ہے اور تمام شیاطین کشتیباں ہورہے ہیں اور اس قافلہ کو اور زیادہ بہکا رہے ہیں آپ اسکی مدد فرمایئے اور اسکو ان شیاطین کے ہاتھ سے بچایئے اس لئے کہ۔

خضر وقتی غوث ہر کشتی توئی ہمچو روح اللہ مکن تنہا روئی

یعنی آپ خضر وقت ہیں اور ہر کشتی کے مددگار آپ ہی ہیں تو آپ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرح تنہا روی مت کیجئے۔ مطلب یہ کہ جسطرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام سب لوگوں سے قطع تعلق کئے ہوئے رہتے تھے اور الگ رہتے تھے اس طرح آپ نہ رہئے۔ اسلئے کہ ہر کشتی کیلئے مددگار اور رہنما تو آپ ہی ہیں پھر اگر آپ ہی الگ رہیں گے تو کشتی کی خیریت تو معلوم۔

پیش ایں جمعے چو شمع آسماں انقطاع وخلوت آری را بماں

یعنی اس جماعت کے سامنے شمع آسمان کی طرح انقطاع اور خلوت آری کو ترک کردیجئے۔ مطلب یہ کہ جس طرح آفتاب الگ الگ رہتا ہے اسطرح آپ الگ نہ رہئے بلکہ سب میں مل جلکر انکو چاہ ضلالت سے نکالکر نور ہدایت تک پہونچایئے۔

وقت خلوت نیست اندر جمع آ اے ہدیٰ چوں کوہ قاف وتو ہما

یعنی خلوت کا وقت نہیں ہے۔ مجمع میں آیئے اے وہ ذات کہ ہدایت مثل کوہ قاف کے ہے اور آپ ہما ہیں۔ مطلب یہ کہ جسطرح ہما کوہ قاف میں رہتا ہے اور اسکا نشیمن وہی ہے اسی طرح آپ صاحب ہدایت ہیں اور آپ کی جگہ ہدایت ہی ہے لہذا آپ اگر چھپ جاویں گے تو ہدایت بھی تو آپ کیساتھ ہی چھپ جاویگی پھر یہ لوگ مہتدی کسطرح ہوسکتے ہیں۔

بدر بر صدر فلک شد شب رواں | سیر اگذارد از بانگ سگاں

یعنی چاند آسمان کی بلندی پر رات کو چلتا ہے اور کتوں کی آواز سے چلنے کو چھوڑتا نہیں۔

طاعناں ہمچوں سگاں بر بدر تو | بانگ می دارند سوئے صدر تو

یعنی طاعن لوگ کتوں کی طرح ہیں آپ کے بدر پر اور آپ کے مرتبہ کی طرف آواز کر رہے ہیں۔

ہیں سگاں کرند زامر الصنتوا | از سفہ وعوع کناں بر بدر تو

یعنی یہ کتے امر الصنتوا (چپ رہو) سے بہرے ہیں اور بیوقوفی کی وجہ سے آپکے بدر پر بھوں بھوں کر رہے ہیں۔

ہیں بمگذار اے شفا رنجور را | تو زخشم کر عصائے کور را

یعنی ہاں اے وہ ذات کہ مریض کیلئے آپ شفا ہیں۔ بہرے پر غصہ کی وجہ سے اندھے کی لاٹھی کو مت چھوڑیئے۔ مطلب یہ کہ دیکھئے چاند رات کو نکلتا ہے اور کتے اسکی طرف منہ کر کر کے بھونکتے ہیں گویا کہ اسپر خفگی کا اظہار کر رہے ہیں مگر وہ انکی اس بیہودہ حرکت سے اپنی چال کو بند نہیں کرتا۔ بلکہ برابر نور افگنی کرتا رہتا ہے پس یہ طاعن تو کتوں کی طرح ہیں اور آپ بدر ہیں اور انکے طعن کتوں کی بھوں بھوں کی طرح ہیں اور انکو اسکی خبر نہیں کہ حق تعالیٰ نے آپ کے سامنے رہتے ہوئے الصنتوا کا حکم فرمایا ہے۔ جو کہ لا ترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی سے صاف ظاہر ہے۔ یہ اس حکم سے بہرے ہیں لہذا آپ ان بہروں کی وجہ سے اندھوں کی دستگیری سے تو دست بردار نہو جیئے۔ اس بیچارہ نے کیا خطا کی ہے۔ آپ اسکو سنبھالئے۔ اور چاہ ضلالت میں گرنے سے بچایئے۔

نے تو گفتی قائد اعمیٰ براہ | صد ثواب و اجر یابد از الٰہ

یعنی کیا آپنے یہ نہیں فرمایا ہے کہ اندھے کا راستہ بتانیوالا حق تعالیٰ سے سیکڑوں اجر پاوے گا (اور فرمایا ہے کہ)

ہر کہ او چل گام کورے را کشد | گشت آمرزیدہ و یابد رشد

یعنی جو شخص کہ کسی اندھے کو چالیس قدم تک کھینچے تو وہ بخشا گیا اور ہدایت پاوے گا۔

پس بکش تو زیں جہاں بے قرار | جوق کوراں را قطار اندر قطار

یعنی پس آپ اس جہان بے ثبات سے اندھوں کے گروہوں کو قطار در قطار کھینچئے مطلب یہ کہ

دیکھئے آپنے خود فرمایا ہے کہ جو شخص ایک اندہے کو چالیس قدم تک لیجاوے اُسکو بیحد ثواب ملتا ہے اور حق تعالیٰ اُسکی مغفرت فرماویں گے تو اب آپ بھی ان کوران باطن کو جوجوق جوق ہیں لیجلیے اور راہ پر لگا دیجئے پھر دیکھئے آپ کے بھی درجے کیسے بلند ہونگے۔

کار ہادی این بود تو ہادئی، ماتم آخر زمان را شادئی

یعنی ہادی کا کام تو یہی ہوتا ہے اور آپ ہادی ہیں اور آخر زمانہ کے ماتم کیلئے آپ شادی ہیں مطلب یہ کہ آپ ہادی ہیں اور ہادی کا کام یہی ہوتا ہے کہ وہ راستہ دکھادے لہذا آپ بھی اُٹھئے اور سبکو راہ حق دکھا دیجئے آپکی تو وہ شان ہے کہ جب آخر زمانہ میں فتن اور ماتم ہونگے اُسوقت کیلئے خوشی اور راہ حق آپ ہی کی راہ پر چلنا ہے۔ لہذا۔

ہین روان کن ای امام المتقین این خیال اندیشگان را تا یقین

یعنی ہاں اے امام المتقین ان خیال کے سوچنے والوں کو یقین تک روانہ فرما دیجئے مطلب یہ کہ یہ لوگ جو تخیلات میں پھنسے ہوئے ہیں انکو درجہ یقین تک پہونچا دیجئے اور اس گمراہی سے نکال لیجئے۔

ہر کہ در مکر تو دارد دل گرو گردنش را من زنم تو شاد رو

یعنی جو شخص آپ کے مکر میں دل گرو کریگا میں اُسکی گردن مار دونگا۔ آپ خوش خوش چلئے۔

بر سر کوری کور ہا نہم او شکر پندارد و زہرش دہم

یعنی اُسکی کوری پر اور کوریں رکھدونگا وہ شکر سمجھے گا اور میں اُسکو زہر دونگا۔

عقلہا از نور من افروختند مکرہا از مکر من آموختند

یعنی انھوں نے عقلوں کو میرے ہی نور سے روشن کیا ہے اور مکروں کو میری ہی مکر سے سیکھا ہے

چیست خود آلاجق این ترکماں پیش پای نرہ پیلان جہاں

یعنی ان ترکونکا ذرا سا ڈیرہ دنیا کے نرہاتھیوں کے پاؤں کے آگے کیا (حیثیت رکھتا) ہے

آن چراغ او بہ پیش صرصرم خود چہ باشد اے مہین پیغمبرم

یعنی اُسکا وہ چراغ میری آندہی کے آگے اے میرے بزرگ پیغمبر خود کیا حیثیت رکھتا ہے مطلب یہ کہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اے میرے پیغمبر آپ اُٹھئے اور نور ہدایت کو پھیلائیے۔ اور جو آپ کے مخالف اور طاعنین ہیں اُن سے کچھ خوف نہ کیجئے اُنکو تو میں سمجھ لونگا اور اُنکی گردن زنی تو میں کردونگا۔

آپ خوش خوش کام میں لگے رہیئے۔ جیسا کہ ارشاد ہے واللہ یعصمک من الناس اور ارشاد ہے کہ میں انکو اس طرح گمراہ کرونگا کہ یہ اسکو ہدایت سمجھیں گے اور وہ گمراہی ہوگی۔ اور پھر گمراہی برابر بڑھتی ہی چلی جاویگی۔ کیونکہ ان کے تمام مکر اور انکی عقول کو میں نے ہی تو پیدا کیا ہے اور ان کو میں نے ہی تو عطا فرمائی ہیں پھر میرے آگے انکی کیا چل سکتی ہے۔ انکی عقول اور مکر میرے آگے ایسے ہیں جیسے ایک سست ہاتھی کے پیر تلے ذرا سا ڈیرہ۔ یا آندھی کے آگے ٹمٹماتا چراغ تو بھلا یہ چیزیں ان کے آگے کب ٹھیر سکتی ہیں اسی طرح آپ اُن سے بیفکر رہیں انکو تو میں نمٹ لونگا۔ بس آپ تو اُٹھیئے اور ہدایت پھیلایئے۔ فرماتے ہیں کہ۔

خیز در دم تو بصور سہمناک تا ہزاران مردہ بر وید ز خاک

یعنی آپ اٹھیئے اور صور سہمناک میں پھونک دیجئے تاکہ ہزاروں مردے خاک سے اُگ آویں۔ مطلب یہ کہ آپ ہدایت کو پھیلا کر مردہ دلوں کو حیات جاودانی مرحمت فرمایئے۔

چون تو اسرافیل وقتی راست خیز رستخیزے ساز پیش از رستخیز

یعنی جبکہ آپ اسرافیل وقت ہیں تو بس اُٹھیئے اور قیامت سے پہلے ایک قیامت برپا کر دیجئے۔ مطلب یہ کہ ایکمرتبہ اس طرح ہل چل مچا دیجئے گویا کہ قیامت کے پہلے ہی ایک قیامت قایم فرما دیجئے

ہر کہ گوید کو قیامت اے صنم خویش بنما کہ قیامت نک منم

یعنی جو کوئی کہے کہ میاں قیامت کہاں ہے تو اپنے کو دکھلا دیجئے کہ یہ میں قیامت ہوں۔

در نگر اے سائل محنت زدہ زیں قیامت صد جہان قائم شدہ

یعنی اے سائل محنت زدہ دیکھ لے کہ اس قیامت سے سو جہان قائم ہوئے ہیں مطلب یہ کہ اگر کوئی شخص کہے کہ میاں قیامت کہاں ہے قیامت میں تو اول تمام جہاں فنا ہوگا پھر سارے جہان کا وجود ہوگا اور حضور کے زمانہ میں تو یہ نہیں ہے تو حق تعالی کا ارشاد ہے کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ اُس شخص سے فرما دیجئے کہ میں ہی تو قیامت ہوں کہ اول سارا جہاں مردہ تھا اور اب اس ہدایت کی قیامت سے سیکڑوں جہاں پیدا ہوئے ہیں اور سبکو حیات روحانی ملگئی ہے یہ تو جب ہے جبکہ سائل اہل ہو اور اگر نا اہل ہو تو آگے اُسکا جواب بھی بتاتے ہیں کہ۔

ور نہ باشد اہل ایں ذکر و قنوت پس جواب الاحمق اے سلطان سکوت

یعنی اور اگر وہ اس ذکر اور قنوت کا اہل نہو تو اے سلطان (دین) احمق کا جواب سکوت ہے

ز آسمان حق سکوت آید جواب چوں بود جاناں دعا نا مستجاب

یعنی آسمان حق سے سکوت جواب آتا ہے جبکہ اے پیارے دعا نامقبول ہوتی ہے مطلب یہ کہ دیکھو جب کوئی دعا استجابت کے اہل نہیں ہوتی تو آسمان سے بھی سکوت ہی جواب میں آتا ہے یعنی اسپر کوئی اثر مرتب نہیں ہوتا تو بس اگر کوئی نااہل یہ سوال کرے تو اسکو جواب دینے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ باشد خموشی پر عمل فرمایئے۔ اب آگے مولانا فرماتے ہیں کہ

اے دریغا وقت خرمنگاہ شد لیک روز از بخت ما بیگاہ شد

یعنی افسوس کہ کھلیان کا وقت ہوگیا لیکن دن ہماری قسمت سے بیوقت ہوگیا۔ مطلب یہ کہ اب جبکہ ارشاد حق کے بعد آپ کام کیلئے اٹھے اور آپ نے کام کئے تو ان کے بیان کا وقت آیا تھا مگر افسوس کہ وقت تنگ ہے اسلئے بیان سے معذور ہیں۔

وقت تنگ است و فضای ایں کلام تنگ می آید برو عمر دوام

یعنی وقت تو تنگ ہے اور اس کلام کے (یعنی حضور مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے شان کے بیان کے) میدان کی یہ حالت ہے کہ اسپر عمر جاودانی بھی تنگ ہے۔

نیزہ بازی اندریں کوہای تنگ نیزہ بازاں را ہمی آرد بہ تنگ

یعنی ان تنگ گڑھوں میں نیزہ بازی کرنا نیزہ بازوں کو بھی تنگ کرتی ہے۔ مطلب یہ کہ حضور مقبول صلے اللہ علیہ وسلم کی شان اور آپ کے کارنامے بیان کرنے کیلئے تو عمر جاودانی بھی کافی نہیں ہے۔ چہ جائیکہ ہماری چند روزہ عمر کا یہ تو ایسا ہے جیسا تنگ گڑھوں میں نیزہ بازی کرنا کہ وہاں بجز اسکے کہ نیزہ باز لوگ بھی تنگ ہوں اور کیا ہوسکتا ہے۔ اسی طرح بیان شان حضور صلے اللہ علیہ وسلم میں بڑے بڑے بیان کرنے والے تنگ ہوجاتے ہیں اور کوئی بیان نہیں کرتا۔ ایک تو یہ عذر ہے اور دوسرا عذر یہ کہ۔

وقت تنگ و خاطر و فہم عوام تنگ تر صد رہ ز وقت است اے غلام

یعنی وقت تو تنگ ہی ہی اور عوام کا قلب اور فہم سو حصہ وقت سے زیادہ تنگ ہے اے صاحبزادے مطلب یہ کہ وقت تو تنگ ہے ہی مگر عوام کے عقول اور انکے فہم بھی ناقص ہی ہیں ایک دوسرا عذر بیان کرنے سے یہ ہے اب یہاں کوئی کہتا ہے کہ حضرت آپ یہ بھی کہتے جاتے ہیں کہ سننے والے احمق ہیں اور

نا اہل ہیں اسلئے ہم بیان نہیں کرتے اور بیان کو طول بھی دیتے جاتے ہیں اسکا جواب ایک سوال خود ہی قائم کرکے دیتے ہیں کہ۔

چوں جواب احمق آمد خامشی　　　این درازی در سخن چوں می کشی

یعنی جب جواب احمق کا خاموشی ہے تو کلام میں اسقدر درازی کیوں کھینچ رہے ہو یعنی جب جواب الاحمق سکوت تسلیم تو اب یہ طول کلام کیا۔کہ تمام مثنوی لکھ ڈالی اور آگے کو لکھ رہے ہو آگے اسکی وجہ فرماتے ہیں کہ۔

از کمال رحمت و موج کرم　　　می دہد ہر شورہ را باران و نم

یعنی کمال رحمت اور موج کرم کی وجہ سے کہ وہ ہر شورہ کو بارش اور تری دیتا ہے مطلب یہ کہ میرا یہ لکھنا حکم حق سے ہے چونکہ حق تعالیٰ کی رحمت بہت وسیع ہے کہ وہ ہر شور زمین میں بھی بارش دیتے ہیں اگرچہ وہ نا اہل ہی ہے مگر اُن کی طرف سے دریغ نہیں ہوتا۔اسی طرح اگرچہ سامعین اس کے اہل نہوں مگر مجھے حکم بیان ہے کہ بیان پہونچاؤ ان ہی میں منتفع بھی ہوں گے۔اسلئے یہ سارا طول ہو رہا ہے۔اب آگے جواب الاحمق سکوت پر ایک قصہ بیان فرماتے ہیں۔

شرح حبیبی

بیان میں اس کے کہ جواب نہ دینا بھی ایک جواب ہے اور اثبات میں اس کے کہ احمق کا بھی جواب سکوت ہی ہے اور ان دونوں باتوں کی شرح قصۂ ذیل میں آتی ہے،

بادشاہے بود او را بندۂ　　　مردہ عقلے بود و شہوت زندۂ

خردہائے خدمتش بگذاشتے　　　بدسگالیدے نکو پنداشتے

گفت شاہنشہ جراتش کم کنید　　　ور بجنگد نامش از خط بر زنید،

عقل او کم بود و حرص او فزوں	چوں جرا کم دید شد تند و حروں
عقل بودی گرد خود کردے طواف	تا بدیدے جرم خود گشتے معاف
چوں خرے پابستہ تندد از خری	ہر دو پایش بستہ گردد بر سری
پس بگوید خر کہ یک بندم بس است	خود بداں کاں دو ز فعل آں خس است
گر بدیدے سر بند آں چشم کور	بند بر دستش نہ بستندے بزور
ورز جرم ہست پا آگہ بدے	خود ز بند دست و پا ایمن شدے
ورنہ تندیدی ز بند آں بو الفضول	او نہ خر بودے شدے شیر فحول

ایک بادشاہ تھا اور اسکا ایک نوکر تھا جسکی عقل مردہ تھی اور نفس زندہ معمولی معمولی خدمتوں یا دقائق خدمت کو نظر انداز کرتا تھا۔ وہ کرتا تھا برا اور سمجھتا تھا کہ میں اچھا کر رہا ہوں۔ یہ دیکھکر بادشاہ نے حکم دیا کہ اسکا تنزل کر دیا جاوے۔ اور وظیفہ گھٹا دیا جاوے۔ اور اگر یہ کچھ چون و چرا کرے تو اسکا نام کاٹ دیا جاوے چنانچہ اسپر عمل کیا گیا۔ پس چونکہ اسکی عقل کم تھی اور حرص زیادہ اسلئے جب وظیفہ کم ہوا تو بہت جز بز ہوا لیکن اگر اسے عقل ہوتی تو وہ اپنے کو ٹٹولتا تاکہ اُسے اپنا قصور معلوم ہوتا۔ اور وہ اس جرم کا اعتراف کرتا جس سے اسکا قصور معاف ہو جاتا۔ اسکی مثال ایسی تھی جیسے کسی گدہے کا ایک پاؤں بندھا ہوا ہو اور وہ شرارت کرے جسکا نتیجہ یہ ہو کہ اُسکے دونوں پاؤں بندھ جائیں اسپر وہ یہ کہیگا کہ میرے لئے ایک ہی بیڑی کافی ہے۔ دو کیوں ڈالدی گئیں لیکن تمکو سمجھنا چاہیئے کہ یہ دونوں بیڑیاں اسی کی شرارت کا نتیجہ ہیں اگر اُسے ایک بیڑی کی وجہ معلوم ہوتی۔ تو دوسری بیڑی اُسکے پاؤں میں زبردستی نہ ڈالی جاتی۔ اور اگر وہ اپنے اس جرم کو جانتا جسکی بنا پر اُسکا پاؤں باندھا گیا ہے تو اپنے ہاتھ اور پاؤں دونوں کے بندھنے سے بے کھٹکے ہو جاتا کیونکہ جب اُسکا ایک پاؤں باندھا گیا تھا اسوقت اگر وہ سمجھتا کہ یہ میری شرارت کا نتیجہ ہے اور یہ سمجھکر پھر شرارت نکرتا تو دوسرا پاؤں نہ باندھا جاتا۔ بلکہ پہلا بندھا ہوا پاؤں بھی کھولدیا جاتا۔ اور اگر وہ شرارت نکرتا تو وہ گدھا نہوتا۔ بلکہ بہادر شیر یعنی عالی حوصلہ ہوتا۔

شرح شبیری

بیان میں اس کے کہ جواب نہ دینا بھی ایک جواب ہے اور اثبات میں اس کے کہ احمق کا بھی جواب سکوت ہی ہے اور ان دونوں باتوں کی شرح قصۂ ذیل میں آتی ہے ❖

بادشاہے بود او را بندۂ　　مردہ عقلے بود شہوت زندۂ

یعنی ایک بادشاہ کا ایک غلام تھا مردہ عقل والا اور زندہ شہوت والا تھا۔ مطلب یہ کہ عقل تو کہیں اسکے پاس بھی نہ پھٹکی تھی ہاں شہوات نفسانیہ سے پر تھا اور اسکی یہ حالت تھی کہ۔

خردہائے خدمتش بگذاشتے　　بد سگالیدے نکو پنداشتے

یعنی اس بادشاہ کی چھوٹی چھوٹی خدمتیں چھوڑ دیتا برا سوچتا اور اچھا جانتا مطلب یہ کہ اسکے جو کام سپرد تھے ان میں سے ذرا ذرا سے کاموں کو بھی انجام نہ دیتا اکثر چھوڑ دیا کرتا تھا اور ہمیشہ برے کام کرتا اور اسپر طرہ یہ کہ ان کو اچھا بھی سمجھتا۔

گفت شاہنشہ جرایش کم کنید　　ور بجنگد نامش از خط بر زنید

یعنی بادشاہ نے حکم دیا کہ اسکا وظیفہ کم کر دو اور اگر لڑے تو اسکا نام دفتر سے کاٹ دو۔ مطلب یہ کہ اسکی یہ حالت دیکھکر بادشاہ سمجھ گیا کہ کھانے کو جو مل رہا ہے اسلئے مستا گیا ہے۔ لہذا حکم دیا کہ اسکی روٹی کم کر دو اور اگر اسپر کچھ حیل حجت کرے تو سرے سے نام ہی کاٹ دو اور بالکل ہی وظیفہ بند کر دو۔

عقل او کم بود و حرص او فزوں　　چوں جرا کم دید شد تند و حروں

یعنی اسکی عقل تو کم تھی اور حرص زیادہ تھی تو جب وظیفہ کم دیا تیز اور غمگین ہوا۔ مطلب یہ کہ میاں کو عقل تو تھی نہیں جب حکم شاہ سے وظیفہ ہوا کم تو بجائے اسکے کہ اپنی کوتاہی پر نظر کر کے اسکی اصلاح کرتا آپ اور زیادہ تیز ہوئے اور بگڑے۔ مولانا فرماتے ہیں کہ۔

عقل بودی گرد خود کردی طواف　　تا بدیدے جرم خود گشتے معاف

یعنی عقل ہوتی تو اپنے گرد طواف کرتا تاکہ اپنے جرم کو دیکھتا اور معاف ہو جاتا۔ مطلب یہ کہ اگر اسکو عقل ہوتی تو وظیفہ کم ہونے سے اپنی کوتاہیوں پر نظر ہوتی۔ اور اپنے جرموں کو دیکھکر انکا تدارک کرتا تو بادشاہ کے یہاں سے معافی ملجاتی مگر اس نے بجائے اسکے اور بگڑنا اور لڑنا شروع کر دیا۔ مولانا اسکی ایک مثال فرماتے ہیں کہ۔

چوں خرے پابستہ تند از خری ہر دو پایش بستہ گردد بر سری

یعنی جب کوئی گدہا ایک پاؤں بندھا ہوا گدہے پن سے شرارت کرنے لگے تو اوپر سے اسکے دونوں پاؤں بھی بستہ ہو جاتے ہیں۔

پس بگوید خر کہ یک بندم بس است خود بداں کاں دو ز فعل آں خس است

یعنی پھر وہ گدہا کہیگا کہ مجھے تو ایک ہی بند کافی تھا تو تم خود جان لو کہ وہ دونوں اس کمینہ ہی کے فعل کی وجہ سے ہیں۔

گر بدیدے سر بند آں چشم کور بند بر دستش نہ بستندی بزور

یعنی اگر وہ اندہا (پہلے) بند کا بھید دیکھتا تو اسکے ہاتھ پر زور سے نہ باندہتے۔

ور ز جرم بند پا آگہ بدے خود ز بند دست و پا ایمن شدے

یعنی اور اگر بند پا کے جرم سے آگاہ ہوتا تو خود دست و پا کے بند سے بےخوف ہو جاتا۔

ور نہ تندیدی ز بند آں لج الفضول او نہ خر بودی شدے شیر فحول

یعنی اور اگر وہ بیہودہ قید میں شرارت نہ کرتا تو وہ گدہا ہی نہوتا۔ وہ تو شیر نر ہوتا۔ مطلب یہ کہ دیکھو اس غلام کی ایسی مثال ہے جیسے کہ کسی نے ایک گدہے کو گلے میں رسی ڈالکر باندہ رکھا تھا۔ اس گدہے نے تو دنا پھاندنا شروع کیا تو اس مالک نے اسکے پچھاڑی بھی لگادی۔ تو دیکھو اگر وہ یہ سمجھتا کہ میری اگاڑی بھی اسی لئے لگی ہے تاکہ میں شرارت نکروں اور یہ سمجھکر وہ شرارت سے باز رہتا تو پچھاڑی لگنے کی نوبت نہ آتی تو اسی طرح اگر یہ غلام پہلے سے کام کرتا رہتا تو یہ نوبت کی وظیفہ کی کیوں آتی اور اگر آگئی تھی اور اب بھی سوچ لیتا اور جرم کو معلوم کر کے اسکی صفائی کی فکر میں لگتا تو بھی خیر تھی مگر مولانا فرماتے ہیں کہ اگر وہ گدہا یہ باتیں سوچ سمجھ لیتا تو وہ گدہا ہی کیوں ہوتا اسی طرح یہ غلام اگر اتنی باتیں سمجھ لیتا تو بیوقوف ہی کیوں کہا جاتا۔ پھر تو بڑا عاقل اور بلند حوصلہ ہوتا چونکہ مولانا

نے اوپر بیان فرمایا ہے کہ اُس گدہے نے ایسا کیا تو اپنے آپ ہی قیود کو اپنے اوپر بڑہاتا چلا گیا اور اگر ایسا نکرتا تو وہ گدہا گدہا نہ رہتا بلکہ بشر کی طرح ہو جاتا آگے اسکی مناسبت سے مخلوق حساب کی تقسیم بیان فرماتے ہیں جسکی تفصیل یہ ہے کہ حق تعالی نے ایک مخلوق تو محض علم و عقل وغیرہ خوبیوں سے بنائی کہ اُن میں رذائل تھے ہی نہیں۔ وہ تو فرشتے ہیں۔ اور دوسری مخلوق محض رذائل سے بنی جسمیں علم و عقل کا نام نہیں وہ حیوانات ہیں۔ تیسری مخلوق میں ان دونوں کو ترکیب دیدیا کہ کچھ اُن میں عقل وغیرہ ہے اور کچھ رذائل ہیں وہ انسان ہے پھر اس انسان کی تین حالتیں ہیں جسکو قرآن شریف میں بھی بیان کیا گیا ہے کہ کنتم ازواجا ثلثہ فاصحاب المیمنۃ ما اصحاب المیمنہ واصحاب المشئمۃ ما اصحاب المشئمۃ والسابقون السابقون اولئک المقربون ایک تو وہ ہیں کہ اُن میں اوصاف حمیدہ کا غلبہ ہے اور رذائل بالکل ہی مغلوب ہیں ایسے حضرات تو سابقون اولون میں داخل ہیں جیسے حضرات انبیاء علیہم السلام یا اُنکے سچے جانشین دوسرے وہ کہ اُن میں رذائل ہی کا غلبہ ہے اوصاف حمیدہ ہیں ہی نہیں وہ اصحاب شمہ میں داخل ہیں جیسے کہ کفار تیسرے وہ لوگ ہیں کہ ؎

گہے بر طارم اعلیٰ نشینند   گہے بر پشت پائے خود نہ بینند

کہ کبھی اُن میں غلبہ رذائل کا ہے اور کبھی اوصاف حمیدہ کا ایسے حضرات اصحاب میمنہ میں داخل ہیں جیسے عوام مسلمین تو دیکھو جو اصحاب شمہ ہیں یہ اگر اپنی حالت میں غور کرتے اور سمجھتے کہ کسو جہ سے ہم کفر میں مبتلا ہیں تو وہ ایسے کیوں رہتے بلکہ انسان کامل ہو جاتے مگر اب تو جیسے گدہے تھے ویسے ہی رہے خوب سمجھ لو۔ اب اشعار سے سمجھ لو۔ مولانا اس مضمون کو ایک حدیث کی تفسیر کے پیرایہ میں بیان فرماتے ہیں اور اس حدیث کی صحت اور عدم صحت کی بابتہ علم نہیں ناظرین خود تحقیق فرمالیں۔ ہاں مضمون بالکل صحیح ہے۔

شرح حبیبی

بیان تفسیر میں اس حدیث نبوی کے کہ اللہ تعالیٰ نے ملائکہ

کو پیدا فرمایا اور ان میں عقل کو مرکب فرمایا اور بہائم کو پیدا فرمایا تو ان میں شہوت کو رکھا اور انسان کو پیدا کیا اور اسمیں عقل و شہوت دونوں کو رکھا پس جسکی عقل شہوت پر غالب ہو گئی وہ تو مرتبہ ملائکہ سے بھی بڑھ گیا اور جسکی شہوت عقل پر غالب ہو گئی وہ بہائم سے بھی بدتر ہو گیا

در حدیث آمد کہ یزداں مجید، خلق عالم را سہ گونہ آفرید
یک گرہ را جملہ علم و عقل و جود، آں فرشتہ است و نداند جز سجود
نیست اندر عنصرش حرص و ہوا، نور مطلق زندہ از عشق خدا
یک گروہے دیگر از دانش تہی، ہمچو حیواں از علف در فربہی
او نہ بیند جز کہ اصطبل و علف، از شقاوت غافل است و از شرف
آں سوم ہست آدمی زاد و بشر، از فرشتہ نیمی و نیمے ز خر
نیم خر خود مائل سفلی بود، نیم دیگر مائل علوی بود
تا کدامین غالب آید در نبرد، زیں دوگانہ تا کدامین برد نرد
عقل گر غالب بود ویں شد فزوں، از ملائک ایں بشر در آزموں
شہوت از غالب شود ویں کمتر است، از بہائم ایں بشر زاں ابتر است
آں دو قوم آسودہ از جنگ و حراب، ویں بشر با دو مخالف در عذاب

وین بشر ہم ز امتحان قسمت شدند　　آدمی شکل اند و سہ امت شدند

یک گروہ مستغرق مطلق شدہ　　ہمچو عیسیٰ با ملک ملحق شدہ

نقش آدم لیک معنی جبرئیل　　رستہ از خشم و ہوا و قال و قیل

از ریاضت رستہ وز زہد و جہاد　　گوئیا از آدمی او خود نزاد،

قسم دیگر با خران ملحق شدند　　خشم محض و شہوت مطلق شدند

وصف جبریلی در ایشان بود رفت　　تنگ بود آن خانہ و آن وصف زفت

مردہ گردد شخص کو بیجان شود　　خر شود چون جان او بے آن شود

زاغ گردد چوں پئے زاغان رود　　جسم گردد جان او بیجان شود

زانکہ جانے کان ندارد ہست پست　　این سخن حق است و صوفی گفتہ است

او ز حیوانہا فزون تر جان کند　　در جہان باریک کاریہا کند

مکر و تلبیسے کہ او تاند تنید　　وز حیوانے دگر ناید پدید،

جامہائے زرکشی را بافتن،　　دُرہا از قعر دریا یافتن،

خردہ کاریہائے علم ہندسہ　　یا نجوم و علم طب و فلسفہ

کہ تعلق با ہمین دنیستیش　　رہ بہفتم آسمان بر نیستیش

این ہمہ علم بنائے آخر است　　کہ عماد بود گاو و اشتر است

بہر استبقائے حیوان چند روز،　　نام آن کردند این گیجان رموز،

علم راہ حق و علم منزلش　　صاحب دل داند آن را با دلش

پس درین ترکیب حیوان لطیف　　آفرید و کرد با دانش الیف

تام کالانعام کرد آں قوم را | زانکہ نسبت کو بیقظہ نوم را

روح حیوانی ندارد غیر نوم | حسہائے منعکس دارند قوم

یقظہ آمد نوم حیوانی نماند | انعکاس حس خود از لوح خواند

ہمچو حس آنکہ خواب آنزا بود | چوں شد او بیدار عکس او نمود

لاجرم اسفل بود از سافلیں | ترک او کن لا احب الآفلیں

زانکہ استعداد تبدیل و نبرد | بودش از پستی و آں را فوت کرد

باز حیواں را چو استعداد نیست | عذر او اندر بہیمی روشنیست

زو چو استعداد شد کان رہبریست | ہر غذائے کو خورد مغز خراست

گر بلا درخورد او افیوں شود | سکتہ و بے عقلیش افزوں شود

ماند یک قسم دگر اندر جہاد | نیم حیواں نیم حے با رشاد

روز و شب در جنگ اندر کشمکش | کردہ چالش اولش با آخرش

ہمچو مجنوں در تنازع با شتر | گہ شتر چربید و گہ مجنوں جر

ہمچو مجنوں اند و چوں ناقہ اش یقیں | می کشند آں پیش ایں و اپس بکیں،

اوپر چونکہ تقسیم حیوانات کی طرف اشارہ فرمایا تھا اور کہا تھا " ورنہ تندید سے زہنداں بوالفضول + اونہ خر بودے شدے شیر فحول + اس مناسبت سے اقسام مخلوقات حساسہ کی تفصیل فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ حدیث شریف میں وارد ہوا ہے کہ حق سبحانہ نے مخلوق کو تین طرح کا پیدا کیا ہے، ایک جماعت کو تو سراپا علم و عقل اور سخی فی الطاعۃ بنایا ہے یہ جماعت تو جماعت ملائکہ ہے اور یہ سوائے طاعت و انقیاد کے اور کچھ جانتے ہی نہیں اور انکی سرشت میں حرص و ہوا کو مطلق دخل نہیں بلکہ یہ سراسر نور ہیں اور محض محبت الٰہیہ سے زندہ ہیں۔ ایک دوسری جماعت ہے جو عقل سے

بالکل بے بہرہ ہے جیسے جانور کہ چارہ کھا کھا کر موٹے ہوتے رہتے ہیں۔ اور بجز رہنے کی جگہ اور کھانے کی چیز کے وہ اور کسی شے کو دیکھتے ہی نہیں۔ نہ وہ یہ جانتے ہیں کہ بدبختی کیا چیز ہے اور نہ یہ کہ شرف کیا شے ہے۔ تیسری قسم انسان ہیں جو کہ نصف فرشتہ اور نصف حیوان ہیں یعنی ان میں روحانیت اور جسمیت دونوں جمع ہیں انکا نصف حصہ عالم ناسوت کی طرف مائل ہے یعنی اُن کے جسم اور دوسرا نصف عالم بالا کی طرف متوجہ ہے یعنی ارواح اب مولانا فرماتے ہیں کہ اسکے دونوں حصوں میں بوجہ تخالف تقضات کے جنگ ہے۔ دیکھئے ان دونوں میں کون غالب ہوتا ہے۔ اور کون بازی جیتتا ہے اگر عقل غالب ہوجاوے جو کہ روح کی معاون ہے تب تو یوں کہئے کہ وہ اس عالم ابتلا میں فرشتوں سے بھی سبقت لیگیا اور اگر شہوت غالب ہوجاوے جو جسم کی معین ہے تب وہ چوپاؤں سے بھی کم ہے کیونکہ وہ تمامتر ہی خراب ہے۔ (ف جنات کو بیان نہیں کیا اسلئے کہ وہ بھی انسانوں ہی کے حکم میں ہیں) الحاصل مخلوقات کی تین قسمیں ہیں۔ ملائکہ حیوانات انسان حقیقۃً یا حکماً سو ان میں سے ملائکہ اور حیوانات تو جنگ اور قتال سے بیفکر ہیں۔ مگر آدمی دو مخالف قوتوں عقل و شہوت کے سبب مصیبت میں گرفتار ہے۔ پھر آدمی بھی امتحان کے اعتبار سے منقسم ہو گئے گو سب کے سب صورۃً آدمی ہیں مگر باعتبار اوصاف کے تین جماعتیں ہیں ایک جماعت تو مشاہدۂ جمال حق سبحانہ میں مستغرق اور عیسیٰ علیہ السلام کی طرح فرشتوں کے ساتھ ملحق ہیں (عیسیٰ علیہ السّلام کی تخصیص اس سے کیگئی کہ ان کو لحوق بملائکہ میں ایک خاص امتیاز ہے۔ کیونکہ وہ مع جسم بہ تبدیل خصائص جسمانیہ مثل بول و غائط آسمان پر ساکن ہیں) یہ لوگ انسان صورت ہیں مگر صفات ملکیہ رکھتے ہیں اور بیجا غصہ اور خواہش نفسانی اور دیگر رذیلیات سے چھوٹ گئے ہیں اب انکو اس ریاضت اور زہد اور مجاہدہ کی ضرورت نہیں ہے جو اخلاق ذمیمہ کے ازالہ کے لئے کئے جاتے ہیں۔ بلکہ وہ کچھ عبادات وغیرہ کرتے ہیں محض امتثالاً للامر یا شکراً للنعمۃ کرتے ہیں۔ اسلئے اُن کی حالت یہ ہوگئی ہے کہ گویا وہ آدمی بھی نہیں دوسری جماعت حیوانات کیساتھ ملحق اور سراپا غضب و شہوت ہے اُن میں اوصاف ملکیہ تھے مگر قریب قریب معدوم ہوگئے کیونکہ مکان تنگ تھا۔ اور اوصاف عظیم الشان تھے۔ یعنی یہ لوگ کم حوصلہ اور پست ہمت تھے جو ان اوصاف کو اپنے اندر باقی نہ رکھ سکے۔ اور معاصی کا ارتکاب کرتے کرتے رفتہ رفتہ انہیں زائل کر دیا اور اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ موت معنوی میں مبتلا ہوگئے کیونکہ وہ اوصاف بمنزلہ روح کے تھے۔ اسلئے

انکا زوال جان کا نکلنا ہوا - اور قاعدہ ہے کہ جو شخص بیجان ہو جاتا ہے مردہ ہو جاتا ہے - نیز وہ ان
اوصاف کے زوال کے سبب آدمی سے جانور ہو گئے کیونکہ جب یہ اوصاف جاتے رہتے ہیں جو کہ
مدار انسانیت ہیں تو ضرور ہے کہ آدمی جانور ہو جاوے نیز انھوں نے زاغ خصلتوں کا اتباع کیا
تو یہ بھی زاغ خصلت حریص و مکار و مردار خوار ہو گئے اسلئے کہ جب کوئی زاغ خصلتوں کی پیروی
کریگا تو خواہ مخواہ زاغ خصلت ہو جائیگا - نیز اُن کی روح گویا کہ جسم بنگئی کیونکہ جب جانکی جان
نکلجاوے اور وہ اوصاف اس سے علیحدہ ہو جائیں جو اسکے لئے بمنزلہ جان کے تھے تو لامحالہ وہ حکم
جسم حاصل کر لیگی کیونکہ اس کے علو مرتبت کا سبب تو یہی اوصاف تھے - اور جب یہ اوصاف نہ رہے
تو وہ محقر اور مثل جسم ہوگی تم کو میرے اس بیان میں بالکل شبہ نہ کرنا چاہیئے کیونکہ یہ بالکل سچی بات ہے
اور عرفا و ارباب باطن جن پر حقائق اشیا منکشف ہوتی ہیں - ایسا ہی کہتے ہیں - غرض کہ وہ شخص ان
صفات کے زوال سے جانور ہو جاتا ہے بلکہ وہ جانوروں سے زیادہ مصیبت میں مبتلا ہوتا ہے کیونکہ
وہ دنیا میں نہایت منہمک ہوتا ہے اور ایسے دقیق کام کرتا ہے جو اور جانور نہیں کرتے چنانچہ جو مکر اور تلبیس
وہ کرتا ہے اسکا ظہور کسی جانور سے نہیں ہو سکتا - یا مثلاً زری کے کپڑے بنانا اور دریا میں سے موتی
نکالنا یا علم ہندسہ میں دقیقہ سنجیاں - یا علم نجوم طب اور فلسفہ میں نازک خیالیاں یہ باتیں
ایسی ہیں جنکو کوئی اور جانور نہیں کر سکتا - ....
اور ان سب باتوں کی وجہ یہ ہے کہ اسکو اسی عالم ناسوت سے تعلق ہے - اور عالم غیب سے اسے کوئی
واسطہ نہیں - اسلئے ان ہی باتوں کو کمال سمجھتا ہے اور انہیں میں پھنسا ہوا ہے پس ضرور ہے
کہ وہ جانوروں سے بدتر ہو - کیونکہ صرف انہماک فی الناسوت تو دونوں میں مشترک ہے کمی بیشی کا
تفاوت ہے اور اسکا انہماک زیادہ ہے - اسلئے یہ بدتر ہوگا - یہ تمام علوم صلاح دنیا سے متعلق ہیں جو
مدار ہے جانور صفت لوگوں کی بقا کا - اور جو کہ ان جانوروں کی چند روز باقی رکھنے کیلئے ہیں مگر یہ احمق
لوگ انہیں رموز اور اسرار کے لقب سے ملقب کرتے ہیں اور ان پر فخر کرتے ہیں - وجہ اسکی یہ ہے کہ یہ لوگ
یہ علوم دنیا ہی جانتے ہیں اور وہ علوم نہیں جانتے جن سے خدا کا رستہ اور اسکی منازل معلوم ہوں -
اور جو کہ فی الحقیقۃ اسرار اور رموز ہیں اسلئے وہ ان علوم دنیویہ ہی کو اسرار اور رموز جانتے ہیں یہ علوم
تو صاحب دل یا دوسرے الفاظ میں یوں کہو کہ اسکا دل جانتا ہے پس ایسے لوگوں کو انسان نہ کہنا

چاہیئے بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ حق سبحانہ نے ترکیب وساخت انسانی میں ایک پاکیزہ جانور پیدا کیا اور اسکو عقل دنیا سے مالوف کیا۔ چنانچہ اُس نے لوگوں کو چوپایوں کے مانند کہا بھی ہے۔ کیونکہ انکی حالت مشابہ نیند کے ہے اور حقیقی انسانوں کی حالت مشابہ بیداری کے پس دونوں کی صفات میں بہت فرق ہوا اسلئے انکو حقیقۃً انسان نہیں کہا جا سکتا۔ گو بصورت انسان ہیں یاد رکھو کہ روح حیوانی بالکل سوتی ہے اور اسے کچھ بھی بیداری حاصل نہیں۔ اور چونکہ اہل دنیا کی ارواح انسانیہ بھی غلبہ روح حیوانی سے ارواح حیوانیہ ہی بنگئی ہیں اسلئے اُن کے حواس معکوس ہوگئے۔ اور انکی حالت ایسی ہوگئی جیسے کوئی سوتا ہو۔ اور سوتے میں اشیاء کو خلاف واقع مشاہدہ کرے۔ لہذا وہ مرغوبات کو قابل نفرت اور قابل نفرت کو مرغوب سمجھتے ہیں سگر جب بیداری معرفت حاصل ہوجاتی ہے اسوقت یہ خواب حیوانی نہیں رہتی۔ اور آدمی اپنے حواس کا انعکاس یوں مشاہدہ کرتا ہے جیسے وہ شخص جو سوجاوے اور بیداری کے بعد اپنے حواس کو معکوس پائے (پس انعکاس حس برلوح جان ندن سے مراد مطلق مشاہدہ انعکاس ہے۔ نہ کہ لوح محفوظ یا لوح دل پر منقش ہونا۔ کما فہم المحشون واللہ اعلم) پس جبکہ اہل دنیا کی یہ حالت ہے جواب تک مذکور ہوئی تو وہ لامحالہ اسفل سافلین وارذل الاراذل ورفانی ہونگے۔ لہذا تم کو انکو چھوڑ دینا چاہیئے۔ اور لا احب الآفلین کہنا چاہیئے یعنی میں فانیوں سے دل نہیں لگاتا۔ ان کے اسفل سافلین وارذل الاراذل ہونیکا منشاء یہ ہے کہ ان کے اندر اپنے کو پستی سے متغیر کرنے اور خواہشات نفسانیہ سے مقابلہ کرنے کی استعداد وقابلیت تھی سگر انھوں نے اسے کھو دیا۔ برخلاف حیوانات کے کہ چونکہ ان میں ابتدا ہی سے یہ استعداد نہ تھی اسلئے انکا عذر بہیمیت کے بارہ میں صاف اور واضح ہے۔ اب سنو کہ جب تک یہ استعداد باقی ہے اور مضمحل ہوکر بمنزلہ معدوم کے نہیں ہوئی اسی وقت تک غذائے روحانی مفید ہے ورنہ جب یہ استعداد جاتی رہی اسوقت اسکو جو غذائے ہدایت ملیگی مفید ہونیکے بجائے مضر ہوگی (اسی بنا پر حق سبحانہ منافقین کے حق میں فرماتے ہیں فی قلوبھم مرض فزادھم اللہ مرضا) اور اگر اسکے معنوی بے حسی اور بے عقلی کے ازالہ کیلئے کوئی تدبیر کیجائیگی تو اور بے حسی اور بے عقلی ہوگی پس اسکی مثال ایسی ہوگی جیسے کوئی سکتہ اور بے عقلی کو دور کرنے کیلئے بھلاوا کھلادے اور وہ اسکے لئے افیون کا کام کرے۔ اور سکتہ اور بے حسی بڑھا دے۔ دو قسمیں تو ہوچکیں اب ایک قسم رہگئی اور وہ وہ ہے جو نصف

جانور ہو اور نصف زندہ یعنی اسمیں اخلاق حمیدہ و ذمیمہ دونوں ہوں۔ اور رات دن ان میں آپس میں جنگ اور کھینچا تانی ہوں۔ اور ایک دوسرے کے ساتھ مصروف پیکار ہو جیسے مجنوں اور اسکے ناقہ کی حالت تھی کہ ان میں آپس میں کشمکش تھی اور کبھی اونٹنی مجنون پر غالب آجاتی تھی اور کبھی مجنوں اونٹنی پر غالب آجاتا تھا۔ فی الواقع ان دونوں کی حالت ایسی ہی ہے جیسے مجنوں اور اسکی ناقہ کی کہ مجنون اسے کھینچتا تھا اور ناقہ اسے پیچھے کھینچتی تھی قدرے تفصیل اسکی حسب ذیل ہے۔

شرح شبیری

بیان تفسیر میں اس حدیث نبوی صلعم کی کہ اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کو پیدا فرمایا اور ان میں عقل کو مرکب فرمایا اور بہائم کو پیدا فرمایا تو ان میں شہوت کو رکھا اور انسان کو پیدا کیا اور اسمیں عقل و شہوت دونوں کو رکھا پس جسکی عقل شہوت پر غالب ہوگئی وہ تو مرتبہ میں ملائکہ سے بھی بڑھ گیا۔ اور جسکی شہوت عقل پر غالب ہوگئی وہ بہائم سے بھی بدتر ہوگیا

در حدیث آمد کہ یزداں مجید خلق عالم راسہ گونہ آفرید

یعنی حدیث میں ہے کہ خدائے بزرگ نے عالم کی مخلوقات (حساسلہ) کو تین قسم پر پیدا فرمایا۔

یک گرہ را جملہ علم و عقل وجود او فرشتہ است و نداند جز سجود

یعنی ایک گروہ کو تو محض علم اور عقل و رجود اکی ساتھ پیدا کیا) وہ تو فرشتے ہیں کہ سوائے عبادت کے اور کچھ جانتے ہی نہیں۔

نیست اندر عنصرش حرص و ہوا نور مطلق زندہ از عشق خدا

یعنی اُنکی پیدائش میں حرص و ہوا وغیرہ ہے ہی نہیں وہ نور مطلق ہیں اور عشق خدا سے زندہ ہیں

مطلب یہ کہ بس یہ گروہ تو نور محض ہے رذائل کا ان میں پتہ ہی نہیں۔

یک گروہ دیگر از دانش تہی ہمچو حیوان از علف در فربہی

یعنی ایک دوسرا گروہ جو کہ عقل سے بالکل خالی ہے جیسے کہ حیوانات کہ گھاس سے موٹے ہو رہے ہیں

او نہ بیند جز کہ اصطبل و علف از شقاوت غافل است و از شرف

یعنی وہ سوائے اصطبل کے اور گھاس کے کچھ نہیں دیکھتا شقاوت سے بھی غافل ہے اور شرف سے بھی مطلب یہ کہ اس قسم کو یعنی حیوانات کو بس کھانے کو ملجاوے اور کھڑے ہونیکی جگہ ہو پھر انکو نہ شقاوت کی پرواہ اور نہ بلند مرتبگی کی خواہش غرض ان میں اوصاف حمیدہ کا نام نہیں۔

آں سوم ہست آدمی زادہ بشر از فرشتہ نیمی و نیمے زخر

یعنی وہ تیسرا حضرت انسان ہیں کہ آدہا تو فرشتہ میں سے اور آدہا گدہے میں ہے۔

نیم خر خود مائل سفلی بود نیم دیگر مائل علوی بود

یعنی آدہا گدہے والا تو اسفل کی طرف مائل ہوتا ہے اور دوسرا آدہا اوپر کی طرف مائل ہوتا ہے مطلب یہ کہ تیسری قسم حضرت انسان ہیں کہ یہ ایک معجون مرکب ہیں ان میں اوصاف حمیدہ بھی ہیں اور رذیلہ بھی ہیں اوصاف حمیدہ تو انکو عالم بالا کی طرف کھینچ رہے ہیں۔ اور رذائل اسفل میں لئے جاتے ہیں۔ بس اب دیکھنا یہ ہے کہ۔

تا کدامین غالب آید در نبرد زیں دوگانہ تا کدامین برد نرد

یعنی مقابلہ میں کون غالب آتا ہے اور ان دونوں میں کون بازی لیجاتا ہے۔

عقل گر غالب شود پس شد فزوں از ملائک ایں بشر در آزموں

یعنی اگر عقل غالب ہوگئی تب تو یہ انسان امتحان میں ملائکہ سے بھی بڑھ گیا۔

شہوت ار غالب شود پس کمتر است از بہائم ایں بشر زاں کابتر است

یعنی اگر شہوت غالب ہو جاوے تو بس یہ انسان بہائم سے (بھی) گیا گذرا ہے اسی وجہ سے ابتر ہے مطلب یہ کہ اب دیکھنا یہ ہے کہ ان دو صفتوں میں سے کونسی صفت کا غلبہ ہے اگر اوصاف حمیدہ کا غلبہ ہے تب تو یہ حضرت ملائکہ سے بھی برتر ہیں اسلئے کہ ان میں تو تقاضا مخالف کا ہے نہیں لہذا انکا بچنا محل تعجب نہیں جیسا کہ انمیں ہے کہ تقاضا خلاف کا موجود اور پھر بچ رہا ہے۔ اور اگر کہیں شہوت

غالب ہوگئی تو پس پھر حیوانات سے بھی بدتر اور گیا گذرا ہو گیا۔ اسلئے کہ حیوانات میں تو داعیہ خیر کا ہی نہیں تو اُن کا میلان شر کی طرف زیادہ بعید نہیں ہے۔ جیسا کہ ان حضرت کا میلان بعید ہے۔ اسلئے کہ باوجود داعیہ خیر کے پھر اُدہر جھکا جاتا ہے۔ غرضکہ۔

آں دو قوم آسودہ از جنگ و حراب | وین بشر با دو مخالف در عذاب

یعنی وہ دونوں قومیں تو لڑائی جھگڑے سے فارغ ہیں اور یہ بشر دو مخالف کی ساتھ ہونیکی وجہ سے عذاب میں ہے۔ مطلب یہ کہ اُن دونوں کی تو چونکہ ایک حالت ہے بُری یا بھلی تو وہ آرام سے ہیں ایک ایک حالت میں لگا ہوا ہے۔ اور ایک ایک ہیں مگر یہ حضرت انسان عجب کشمکش میں کبھی داعیہ خیر اپنی طرف بلا رہا ہے تو اُدہر شر کا تقاضا تھو کے دے دیکر اُبھار رہا ہے غرض ٥

دوگونہ رنج و عذابست جان مجنوں را | بلائے فرقت لیلےٰ و صحبت لیلےٰ

یہ تین قسمیں تو کل مخلوق حساس کی ہوگئیں۔ آگے ان میں سے حضرت انسان کی تین قسمیں بیان فرماتے ہیں جنکو قرآن شریف میں اصحاب میمنہ اور اصحاب مشئمہ اور سابقون کے لقب سے ذکر کیا گیا جیسا کہ اوپر شرح میں بیان کیا گیا ہے۔ اب مولانا فرماتے ہیں کہ۔

وین بشر ہم ز امتحان قسمت شدند | آدمی شکل اند و سہ امت شدند

یعنی اور یہ بشر بھی امتحان کی وجہ سے تین قسم ہوگئے آدمی کی شکل ہیں اور تین طرح کے ہوگئے۔ مطلب یہ کہ پھر انسان بوجہ امتحان کے جو حق تعالیٰ سے ہوا اور جسکی وجہ سے اس دنیا دار الابتلار میں پہونچ گئے ہیں تین قسم کے ہوگئے شکل تو ایک ہی ہے یعنی سارے انسان ہی ہیں مگر اوصاف سب کے علیحدہ علیحدہ ہیں۔ آگے خود بیان فرماتے ہیں کہ۔

یک گرہ مستغرق مطلق شدہ | ہمچو عیسیٰ با ملک ملحق شدہ

یعنی ایک گروہ تو بالکل مستغرق ہوگیا۔ اور مثل عیسیٰ علیہ السلام کی طرح فرشتوں میں جا ملا۔ چونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بہت ہی دنیا سے بے تعلق اور زاہد تھے۔ کہ مکان وغیرہ کچھ بھی نہ بنایا جس سے کوئی ظاہری تعلق بھی دنیا سے نہ تھا ورنہ یوں تو سارے ہی انبیا دنیا سے بے تعلق ہوتے ہیں مگر انکی بے تعلقی بالکل ہی ظاہر تھی۔ اسلئے ان سے تشبیہ دی۔ اور چونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام مع جسم عنصری کے فرشتوں کی ساتھ رہتے ہیں اسلئے با ملک ملحق شدہ فرمایا مطلب یہ کہ بس ایک

گروہ تو ایسا ہے کہ وہ بس یاد حق میں ہر وقت مستغرق ہے اور کسی شئے سے اُسے تعلق ہی نہیں ہے

نقش آدم لیک معنی جبرئیل　　　رستہ از خشم و ہوا و قال قیل

یعنی صورت تو آدم علیہ السّلام کی لیکن باطن جبرئیل علیہ السّلام جیسا غصہ سے اور خواہش نفسانی سے اور قال وقیل سے چھوٹے ہوئے۔

از ریاضت رستہ وز زہد و جہاد　　　گوئیا از آدمی او خود نزاد

یعنی ریاضت سے اور زہد سے اور مجاہدہ سے چھوٹے ہوئے ہیں گویا کہ وہ آدمی سے پیدا ہی نہیں ہوئے مطلب یہ کہ ایک گروہ کی تو یہ حالت ہے کہ بس ان میں اخلاق حمیدہ ہی حمیدہ ہیں رذائل کا پتہ ہی نہیں ہر وقت فرشتوں کی طرح سوائے عبادت کے اور کوئی کام ہی نہیں رہا۔ تمام رذائل سے ایسے پاک وصاف ہیں کہ اب انکو ازالہ رذائل کیلئے ریاضت و مجاہدہ کی بھی ضرورت نہیں رہی۔ ہاں احکام شرعیہ کو امتثالاً للامر بجالاتے ہیں مگر اُن مجاہدات کی ضرورت جو ازالہ رذائل کیلئے ہوتے ہیں انکو نہیں رہی۔ اس سے جاہل صوفی یہ نہ سمجھ لیں کہ انکا وہ مرتبہ ہو گیا کہ جہاں وہ احکام شرعیہ کے بھی مکلف نہیں رہے۔ یہ درجہ تو جنون کی حالت میں ہوتا ہے۔ اور وہ حضرات تو ایسے عاقل ہیں کہ اور سب کی عقل بھی اُن ہی کے فیض سے ہے لہذا وہ تمام احکام شرعیہ کے مکلف ہوتے ہیں۔ ہاں انکو بوجہ رذائل کے زائل ہو جانے کے اُن مجاہدات خاصّہ کی حاجت نہیں رہتی خوب سمجھ لو۔ تو ایک قسم تو یہ ہوئی یہ تو السابقون السابقون اولٰئک المقربون کے مصداق ہیں آگے دوسری قسم بیان فرماتے ہیں کہ

قسم دیگر با خراں ملحق شدند　　　خشم محض و شہوت مطلق شدند

یعنی دوسری قسم گدھوں کے ساتھ ملحق ہو گئے ہیں کہ محض غصہ اور شہوت مطلقہ ہو گئے ہیں۔

وصف جبریلی در ایشان بود رفت　　　تنگ بود آں خانہ و آں وصف زفت

یعنی وصف جبریلی ان میں تھا (مگر) جاتا رہا۔ وہ گھر تنگ تھا اور وہ وصف عظیم الشان تھا مطلب یہ کہ دوسرے گروہ لوگ جو بہائم میں جا ملے ہیں اور جنمیں سوائے رذائل کے اخلاق حمیدہ کا پتہ نہیں ہے۔ تو ان میں بھی استعداد خیر کی تھی جو کہ وصف جبریلی کے مشابہ تھی مگر انکی بداعمالیوں کی بدولت وہ استعداد مضمحل ہو کر کالعدم ہو گئی۔ آگے ایک نظیر بیان فرماتے ہیں کہ۔

مردہ گردد شخص چوں بیجاں شود　　خر شود چوں جان او بے آں شود

یعنی آدمی جب بیجان ہوجاتا ہے تو مردہ ہوجاتا ہے۔ اور جب اُسکی جان بے اُس (وصف جبرئیلی) کے ہوجاتی ہے تو وہ گدھا ہوجاتا ہے۔ مطلب یہ کہ دیکھو جب جسم میں سے روح نکلگئی تو جسم مردہ اور بیکار ہوجاتا ہے اسی طرح اگر روح میں سے اوصاف کمال نکلجاویں تو وہ روح بھی بیکار ہوجاتی ہے۔

زاغ گردد چوں پے زاغاں رود　　جسم گردد جان چو او بیجاں شود

یعنی کوا ہوجاتا ہے اگر کوے کے پیچھے چلے اور روح جسم ہوجاتی ہے جبکہ بے روح ہو۔ مطلب یہ کہ روح میں اگر روح الروح یعنی اوصاف کمال نہوں تو وہ روح روح نہیں رہی بلکہ وہ بھی جسم کی طرح محجوب اور ظلمانی ہوگئی جیسے کہ اگر کوئی جانور کوؤں کے پیچھے رہے تو اُسکے اندر بھی ان ہی جیسے اوصاف آجاوینگے اسی طرح جب روح تابع جسم کے ہوگئی تو اُسکے اندر بھی اوصاف جسم کے آگئے اور وہ بھی محجوب ہوگئی اور فرماتے ہیں کہ

زانکہ جانے کاں ندارد ہست پست　　ایں سخن حق است صوفی گفتہ است

یعنی اسلئے کہ جو جان کہ وہ (اوصاف کمال) نہ رکھے پست ہے اور یہ بات حق ہے صوفیہ نے ارشاد فرمائی ہے مطلب یہ کہ مولانا فرماتے ہیں کہ تم اس قول کو صرف میرا ہی قول مت سمجھنا اور یہ سمجھکر اسکو غیر قابل عمل مت ٹھہرا دینا بلکہ خوب سمجھ لو کہ یہ صوفیہ کرام کا قول ہے جو کہ تمام حقائق اشیاء پر مطلع ہوتے ہیں لہذا بالکل سچا اور مطابق للواقع قول ہے۔ تو وہ انسان انسان نہیں رہتا جانوروں کی طرح ہوجاتا ہے بلکہ اسی کو فرماتے ہیں کہ۔

او ز حیوانہا فزوں تر جاں کند　　در جہاں باریک کاریہا کند

یعنی وہ حیوانات سے زیادہ جان کنی میں ہوتا ہے اور جہان میں بہت سے باریک کام کرتا ہے۔ مطلب یہ کہ وہ حیوان کی طرح ہوجاتا ہے مگر حیوان کو اتنی مصیبت نہیں ہوتی جتنی کہ اسکو ہوتی ہے اسلئے کہ حیوان کو تو صرف اصطبل اور علف کی حاجت ہے بس پھر مگن ہیں اور یہ حضرت انسان دنیا میں بیحد منہمک رہتے ہیں اور جسقدر ملجاوے۔ اُس سے زائد ہی کی حرص میں ہر وقت لگے رہتے ہیں اور ایسے ایسے کام کرتے ہیں جو بیچارے حیوان کے کبھی خواب میں بھی نہیں آتے آگے انکی تفصیل خود فرماتے ہیں کہ

مکر و تلبیسے کہ او تاند تنید　　آں ز حیواناتے دگر ناید پدید

یعنی جو مکر اور تلبیس کہ انسان کر سکتا ہے وہ کسی دوسرے حیوان سے ظاہر نہیں ہو سکتی مطلب یہ کہ کسب دنیا دنیا کیلئے جو جو حیل یہ کر سکتا ہے اور کرتا ہے اور کسی حیوان سے تھوڑا ہی ہو سکتے ہیں۔ آگے انکی کچھ تفصیل بیان فرماتے ہیں کہ

جامہائے زرکشی را بافتن — دُرّہا از قعرِ دریا یافتن

یعنی زری کے کپڑے بننا اور موتی دریا کے قعر سے پانا۔

خردہ کاریہائے علم ہندسہ — یا نجوم و علم طب و فلسفہ

یعنی علم ہندسہ کی باریکیاں یا علم نجوم یا علم طب یا فلسفہ مطلب یہ کہ دیکھو کیسے کیسے زری کے کپڑے بنتا ہے اور قعر دریا میں سے موتی نکالکر لاتا ہے۔ یہ سارے دھندے دنیا ہی کیلئے کرتا ہے علی ہذا علم ہندسہ کی باریکیوں میں غور کرنا علم طب و نجوم وغیرہ میں غور کرنا یہ سارے کام صرف کسب دنیا ہی کیلئے کرتا ہے جیسا کہ ظاہر ہے اور یہ کام حیوانات کر نہیں سکتے۔ تو انکا انہماک دنیا میں اس سے پھر بھی بہت کم ہوا لہذا اس حالت میں وہ اس سے اچھے ہیں اور یہ ان سے بھی گیا گذرا ہوا ہے۔ اور یہ ساری باتیں اسلئے ہیں کہ

کان تعلق با ہمیں دنیستش — رہ بہفتم آسماں بر نیستش،

یعنی کہ وہ تعلق اسکو اس دنیا ہی سے ہے اور ساتویں آسمان پر اسکو راستہ نہیں ہے مطلب یہ کہ انکے دنیا میں انہماک کی وجہ یہ ہے کہ انھوں نے علوم عالم غیب کو کبھی دیکھا نہیں آنکھ کھولکر دنیا ہی کو دیکھا۔ اور اسی کے علوم کو اسرار و معارف سمجھے حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ

ایں ہمہ علم بنائے آخر است — کہ عماد بود گاؤ و اشتر است

یعنی یہ تمام علم آخور کی بنا ہے جو کہ گائے اونٹ وغیرہ کے زندگی کا عماد ہے۔

بہر استبقائے حیوان چند روز — نام آں کردند ایں گیجاں رموز

یعنی حیوان کی چند روزہ زندگی کے واسطے انکا نام ان بیوقوفوں نے رموز رکھ لیا ہے۔ مطلب یہ کہ یہ علوم جنکا اوپر بیان ہوا ہے۔ یہ تو صرف بقائے حیوانی کیلئے ہیں جسطرح کہ آخور ہوتی ہے کہ جانوروں کے کھانے کیلئے بنادی جاتی ہے۔ گویا کہ انکی مدار حیات وہی ہوتی ہے بس اسی طرح یہ علوم حیوانی بقا کیلئے معین ہیں اب ان بیوقوفوں نے انکا نام رموز اور علوم رکھ لیا ہے اگر انکو حقیقی علوم کی ہوا بھی

نگاہ جاتی تو انکی آنکھیں کھلجاتیں مگر افسوس کہ اس سے یہ بالکل ہی بے بہرہ ہیں

علم راہ حق و علم منزلش　　　صاحب دل داند آنرا یا دلش

یعنی راہ حق کا علم اور اُسکی منزل کا صاحب دل جانتا ہے یا اُسکا دل جانتا ہے۔ مطلب یہ کہ اسرار رموز حقیقی کو تو حضرات اولیاء اللہ اور اہل دل ہی خوب جانتے ہیں ورنہ یہ دنیا دار تو اپنے ان ہی علوم ظاہری کو علوم حقیقی سمجھکر ان میں لگے ہوئے ہیں۔

پس دریں ترکیب حیوان لطیف　　　آفرید و کرد با دانش الیف

یعنی پس اس ترکیب میں حیوان لطیف کو پیدا فرمایا اور اُسکو عقل کے ساتھ مالوف کر دیا مطلب یہ کہ علوم حقیقیہ کو اصل میں تو دل ہی جانتا ہے۔ مگر حق تعالیٰ نے اُس دل کو اس ترکیب حیوانی میں پیدا فرمایا ہے۔ کہ انکی بھی صورت تو دیگر انسانوں جیسی ہی ہے مگر باطن میں وہ سب سے جدا ہیں تو انکو اس صورت میں پیدا فرماکر عاقل اور صاحب اسرار بنایا ہے لہذا علوم حقیقیہ ان ہی حضرات کو ملے ہیں۔ اور انسان اصل اور انسان کامل یہی حضرات ہیں ورنہ دنیا دار لوگوں پر چونکہ صفت حیوانیت غالب ہوگئی ہے اور انکی روح بھی اُسکے تابع ہوگئی ہے اسلئے اُنکی تو صرف صورت انسانی ہے اور اصل میں بالکل حیوانوں ہی کی طرح ہیں اسی کو فرماتے ہیں کہ۔

نام کالانعام کرد آن قوم را　　　زانکہ نسبت کو بہ یقظہ نوم را

یعنی حق تعالیٰ نے اُس قوم کا نام کالانعام رکھا ہے اسلئے کہ نیند کو بیداری سے کیا نسبت۔

روح حیوانی ندارد غیر نوم　　　حسہائے منعکس دارند قوم

یعنی روح حیوانی تو سوائے نوم کے اور کچھ نہیں رکھتی۔ اور قوم اُلٹے حواس رکھتی ہے۔ مطلب یہ کہ حق تعالیٰ نے اسی وجہ سے کہ ان پر صفت حیوانیت کا غلبہ ہے انکو جانوروں کی مثل فرمایا ہے جیسا کہ قرآن شریف میں ہے کالانعام بل ھم اضل اسلئے کہ ان کی مثال تو نیند جیسی ہے اور حضرات اولیاء اللہ کی مثال بیداری جیسی ہے تو بھلا نیند اور بیداری میں کیا نسبت دونوں میں ظاہر اور باطن فرق ہے۔ بس اسی طرح اُن حضرات کی حالت میں اور انکی حالت میں فرق ہے اور بوجہ غلبہ حیوانیت کے ان کے حواس بھی تو معکوس ہی ہوگئے۔ کہ یہ غیر حقیقی کو حقیقی سمجھنے لگے ہیں جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے کہ علوم اصلیہ کو تو چھوڑ رکھا ہے۔ اور علوم دنیا کو جو صرف بقائے روح حیوانی

کا سبب ہیں اور علوم حقیقیہ کی انکو ہوا بھی نہیں لگی انکو لیکر ان میں منہمک ہو رہے ہیں مگر انکی بھی یہ حالت جب ہی تک ہے جب تک کہ انکو وہ بیداری معرفت حاصل نہو اور جب وہ حاصل ہو جاوے اُسوقت پھر یہ بھی انسان کامل ہیں۔ اسی کو فرماتے ہیں کہ۔

یقظہ آمد نوم حیوانی نماند　　انعکاس حس خود از لوح خواند

یعنی بیداری آئی تو حیوانی نہیں رہی اور اپنے انعکاس حس کو لوح سے پڑھ لیا مطلب یہ کہ جب بیداری معرفت حاصل ہو جاتی ہے تو نوم حیوانی زائل ہو جاتی ہے۔ اور اُسوقت بالکل ظاہر طور پر اپنے حواس کا الٹا اور برعکس ہونا معلوم ہو جاتا ہے اور اُسوقت آنکھ کھلتی ہے کہ ابتک جسمیں لگے ہوئے تھے وہ حقیقت سے کوسوں دور تھا۔ آگے اسکو ظاہری نوم سے مثال دیتے ہیں کہ۔

ہمچو حس آنکہ خواب او را ربود　　چوں شد او بیدار عکسش رو نمود

یعنی جیسے کہ حس اُس شخص کی کہ جسکو نیند لگ گئی ہو جب وہ بیدار ہوا تو عکس نے اسکو منہ دکھایا مطلب یہ کہ دیکھو انسان نیند میں ہوتا ہے اور اُسکو اُسمیں کیسے کیسے عجائبات کا مشاہدہ ہوتا ہے اور کیسے اچھے اچھے خواب نظر آتے ہیں مگر دیکھو کہ جب آنکھ کھلتی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ جن اشیاء کو کہ ابتک اصلی اور حقیقی سمجھ رہے تھے یعنی خواب کی باتیں وہ تو بالکل غیر واقعی تھیں۔ تو اسی طرح جب اس نوم باطن سے آنکھ کھلے گی تب معلوم ہوگا کہ وہ جو کہ دیکھا خواب تھا اور جو سنا افسانہ تھا۔ جب اس شخص کی یہ حالت ہے تو فرماتے ہیں کہ۔

لاجرم اسفل بود از سافلیں　　ترک او کن لا احب الآفلیں

یعنی بالضرور وہ اسفل السافلین سے ہوگا۔ تو تو اسکو (یہ کہتا ہوا) ترک کر دیگا کہ میں فانی اشیاء سے تعلق نہیں رکھتا۔

زانکہ استعداد تبدیل و نبرد　　بودش از پستی و آں را فوت کرد

یعنی اسلئے کہ اُسکو پستی سے بچنے کی اور تبدیل کی استعداد تھی اُس نے اسکو فوت کر دیا۔

باز حیوان را چو استعداد نیست　　عذر او اندر بہیمی روشنے است

یعنی پھر حیوان کو جو استعداد نہیں ہے تو اُسکا عذر بہیمیت میں روشن ہے۔

تو چو استعداد شد کان رہبر است ہر غذائی کو خورد مغز خر است

یعنی اس سے جب استعداد فوت ہوگئی جو کہ رہبر تھی تو جو غذا کہ وہ کھاوے مغز خر ہے۔

گر بلادر خورد او افیون شود سکتہ و بے عقلیش افزون شود

یعنی وہ اگر بھلاواں کھاوے تو افیون ہوجاوے اور سکتہ اسکا اور بے عقلی زیادہ ہو۔ مطلب یہ کہ چونکہ اسکو اس پستی سے نکلنے کی اور عالم غیب کی طرف توجہ کرنے کی استعداد موجود تھی جسکو خود اس نے اپنے ہاتھوں خراب کرلیا ہے اسلئے یہ اسفل السافلین ہیں سے اور بدتر از حیوان ہوگیا جیسے پستی کی طرف توجہ کی تو اسفل ہیں ہونا تو ظاہر ہے اور بدتر از حیوان اسلئے ہے کہ حیوان ہیں تو اسکی استعداد ہی نہ تھی اور وہ تو ان امور کا مکلف ہی نہ تھا اسلئے اسپر کوئی ملامت نہیں ہوسکتی بخلاف اسکے کہ یہ کرسکتا تھا اور نہ کیا۔ پس اب جبکہ اس نے استعداد کو فوت کردیا تو یہ حالت ہوگئی کہ اگر کوئی بھلا کام بھی کرتا ہے وہ بھی برا ہی ہوجاتا ہے۔ مثلاً نماز پڑھی اسمیں ریا ہوئی علی ہذا اور سیکڑوں باتیں۔ اسکی ایسی مثال ہوگئی کہ جیسے کسی کو بھلاواں کھلاؤ جو کہ بیہوش کو باہوش کردیتا ہے مگر اس شخص کیلئے وہ افیون کا کام دے کہ بیہوشی کو اور ترقی دیدے۔ تو جب اسکی توجہ اسفل اور فانی اشیاء کی طرف ہے تو تم کو چاہیئے کہ اس سے الگ رہو اور اشیاء فانی سے تعلق نہ پیدا کرو۔ خوب سمجھ لو۔ یہاں تک دو کا بیان تو ہوچکا۔ ایک تو سابقون کا اور دوسرا اصحاب شمہ کا اب آگے تیسری قسم اصحاب یمین کا بیان فرماتے ہیں کہ۔

ماند یک قسم دگر در اجتہاد نیم حیوان نیم حے بارشاد

یعنی ایک قسم بیان کرنے میں اور رہگئی ہے جو کہ آدہی تو حیوان ہے اور آدہی زندہ باہدایت ہے۔ اور انکی یہ حالت ہے کہ۔

روز و شب در جنگ و اندر کشمکش کردہ چالش اولش با آخرش

یعنی رات دن لڑائی میں اور کشمکش میں ہیں اور انکا اول انکے آخر کی ساتھ جھگڑا کئے ہوئے ہے۔ مطلب یہ کہ ایک اور قسم یہ ہے کہ انمیں دونوں طرف میلان ہے عالم غیب کی طرف بھی اور دنیا کی طرف بھی۔ تو کبھی تو اسکا غلبہ ہوجاتا ہے اور کبھی اسکا۔ بس اسی طرح ساری عمر کشمکش ہی میں گذر جاتی ہے بخلاف ان دو کے کہ ایک کو صرف میلان الی الخیر تھا اور دوسرے کو الی الشر بس ایکا کام

میں لگے رہتے تھے اور انکو ہر وقت ایک سودہاں پورا ہوتا ہے یہ لوگ صحابت یمین ہیں آگے انکی اس حالت کی ایک مثال قصۂ مجنوں سے بیان فرماتے ہیں۔

شرح حبیبی

عقل کا نفس سے جھگڑنا جیسے کہ مجنون اونٹنی سے جھگڑ رہا تھا کہ مجنون کا میلان تو حُرہ (لیلیٰ) کی طرف تھا اور اونٹنی کا میلان کرہ (بچھیرے) کی طرف تھا جیسا کہ مجنوں نے کہا ہے کہ ہوائے ناقتی خلفی و قدامی الھویٰ + فانی وایاھا لمختلفان

میل مجنوں پیش آں لیلیٰ رواں ✽ میل ناقہ پس پئے کرہ اش دواں

یکدم ار مجنوں زخود غافل بدے ✽ ناقہ گردیدے و واپس آمدے

عشق و سودا چونکہ پر بودش بدن ✽ می نبودش چارہ از بیخود شدن

آنکہ او باشد مراقب عقل بود ✽ عقل را سودائے لیلےٰ در ربود

لیک ناقہ بس مراقب بود و چست ✽ چوں بدیدے او مہار خویش سست

فہم کردے زو کہ غافل گشت و دنگ ✽ رہ سپس کردے بکرہ بیدرنگ

چوں بخود باز آمدے دیدے زجا ✽ کو سپس رفتہ است بس فرسنگہا

در سہ روزہ رہ بدیں احوالہا ✽ ماند مجنوں در تردد سالہا

گفت اے ناقہ چو ہر دو عاشقیم ✽ ما دو ضد بس ہمرہ نالائقیم

نیستت بر وفق من مهر و مهار / کرد باید از تو صحبت اختیار

این دو همره یکدگر را راهزن / گمره آن جان کو فرو ناید ز تن،

جان ز هجر عرش اندر فاقهٔ / تن ز عشق خاربن چون ناقهٔ

جان گشاید سوی بالا بالها / در زده تن در زمین چنگالها

تا تو باشی با من اے مرده وطن / پس ز لیلی دور ماند جان من

روزگارم رفت زین گون حالها / همچو تیه و قوم موسیٰ سالها

خطوتینی بود این ره تا وصال / مانده ام در ره ز شستت شصت سال

راه نزدیک و بماندم سخت دیر / سیر گشتم زین سواری سیر سیر

سرنگون خود را ز اشتر در فکند / گفت سوزیدم ز غم تا چند چند،

تنگ شد بر وے بیابان فراخ / خویشتن افکند اندر سنگلاخ

آنچنان افکند خود را سخت زیر / که مخلخل گشت جسم آن دلیر

چون چنان افکند خود را سوئے پست / از قضا آن لحظه پایش هم شکست

پائے را بر بست و گفتا گو شوم / در خم چوگانش غلطان می روم

زین کند نفرین حکیم خوش دهن، / بر سوارے کو فرو ناید ز تن

عشق مولیٰ کے کم از لیلیٰ بود / گوئے گشتن بهر او اولیٰ بود

گوئے شو میگرد بر پہلوئے صدق / غلط غلطان در خم چوگان عشق

کاین سفر زین پس بود جذب خدا / وان سفر بر ناقه باشد سیر ما

اینچنین سیریست مستثنیٰ ز جنس / کان فزود از اجتهاد جن و انس

اینچنیں جذبے است نے ہر جذب عام	کہ نہادش فضل احمد والسلام
قصہ کوتہ کن برائے آں غلام	کہ سوئے شہ بر نبشت است او پیام

مجنوں اونٹنی کی کشمکش کا واقعہ یہ ہے کہ مجنون ناقہ پر سوار ہو کر لیلے کے پاس جا رہا تھا اور اونٹنی نئی بیائی ہوئی تھی۔ پس مجنون تو لیلی کی طرف جانا چاہتا تھا اور اونٹنی اپنے بچہ کی طرف جانا چاہتی تھی۔ پس اگر ذرا سی دیر کے لئے بھی مجنوں اسکی طرف سے اپنی توجہ ہٹا لیتا تھا۔ تو اونٹنی فوراً گھوم جاتی اور پیچھے لوٹ جاتی تھی۔ غفلت کی وجہ یہ تھی کہ مجنون کے رگ و پے میں لیلی کا عشق اور اسکی محبت کا جنون سمایا ہوا تھا۔ اسلئے یہ ناممکن تھا کہ وہ اسکی طرف سے توجہ نہ ہٹائے کیونکہ نگرانی کرنے والی عقل ہے اور عقل کو لیلی کی محبت کا جنون کھو چکا تھا۔ تو نگرانی کیسے ہو سکتی تھی۔ لہذا غفلت لازم تھی مجنون کی تو یہ حالت تھی مگر ناقہ کی حالت اسلئے خلاف تھی کیونکہ وہ نہایت چوکنی اور مستعد تھی اسلئے جب وہ اپنی مہار کو سست پاتی تو سمجھ جاتی۔ کہ وہ غافل اور بیخبر ہو گیا ہے پس وہ فوراً مڑتی اور اپنے بچہ کی طرف رخ کرتی تھی۔ جب مجنون کو ہوش آتا تھا تو دیکھتا تھا کہ اونٹنی اس مقام سے جہاں وہ پہونچ چکی تھی کوسوں پیچھے نکل گئی ہے غرض کہ ان باتوں کے سبب تین روز کے رستہ میں مجنون کو برس ہو گئے۔ پس اس نے مجبور ہو کر کہا کہ اے ناقہ میں لیلی پر عاشق ہوں اور تو اپنے بچہ پر اسلئے ہم دونوں میں تضاد ہے۔ اور ہم دونوں اس قابل نہیں ہیں کہ ایک دوسرے کیساتھ رہیں اور چونکہ تیری محبت اور اطاعت میرے موافق نہیں ہے اسلئے تجھ سے جدائی لازم ہے۔ اب مولانا اس قصہ کو یہاں چھوڑتے ہیں اور انتقال فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ مجنوں اور اسکے ناقہ کی طرح جسم اور جان بھی دو بے جوڑ سا تھی اور ایک دوسرے کے لئے راہزن ہیں۔ اس لئے وہ جان گرفتہ تیہ ضلالت ہوتی ہے جو ناقہ تن سے اتر جائے اور جسم کو نہ چھوڑ دے۔ جسم سے مراد بدن نہیں بلکہ نفس ہے) ان دونوں کے بے جوڑ اور ایک دوسرے کے لئے راہزن ہونیکی وجہ یہ ہے کہ جان تو عالم بالا کی مفارقت میں مر رہی ہے۔ اور جسم کانٹوں کے درخت یعنی دنیا کی محبت میں اونٹنی کی طرح اسکا مزاحم ہے اور جان تو عالم علوی کی طرف پرواز کرنا چاہتی ہے اور جسم عالم ناسوت میں پنجے گڑوئے ہوئے ہے اور اسے چھوڑنا ہی نہیں چاہتا۔ اس مضمون کو ختم کر کے مولانا پھر قصہ

مجنوں کی طرف عود فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ مجنوں نے ناقہ سے کہا کہ اے عاشق وطن اونٹنی جب تک تو میری ساتھ رہیگی اسوقت تک میری جان لیلےٰ سے دور رہیگی۔ تیری اس قسم کی حرکتوں سے میرا وقت برباد ہوگیا۔ اور میری اور اس دشت کی وہ حالت ہوئی جو وادی تیہ اور قوم موسیٰ کی برسوں رہی تھی چنانچہ یہ رستہ وصال تک صرف دو قدم تھا مگر میں اس راہ اور تیرے پھندے میں برسوں سے پھنسا ہوا ہوں رستہ نزدیک ہے مگر مجھے بہت دیر ہوگئی بس میرا تو ایسی سواری سے جی بھر گیا۔ اور مجھے اسکی ضرورت نہیں۔ یہ کہکر اس نے اپنے کو اونٹنی پر سے اوندھے منہ گرا دیا۔ اور کہا کہ میں تو غم سے جل گیا آخر کوئی حد بھی ہو کہاں تک چلوں غرض کہ اسپر وہ کشادہ بیابان تنگ ہوگیا۔ اور اس نے اپنے کو اس پتھریلی زمین پھینکدیا۔ اور اس سختی سے پٹکا کہ اس کا جسم پارہ پارہ ہوگیا جبکہ اس نے اپنے کو اس سختی کے ساتھ نیچے گرایا تو تقدیر الٰہی سے اسکا پاؤں بھی ٹوٹ گیا۔ مگر اس نے ہمت نہیں ہاری اور اپنے پاؤں کو باندھا اور کہا کہ میں اسکے چوگان کیلئے گیند ہوجاونگا۔ اور لڑھکتا ہوا جاؤنگا غرض وہاں تک ضرور پہونچونگا۔ اب مولانا انتقال فرماتے ہیں اور کہتے ہیں شیخ سنائی اسی لئے اس سوار کو ملامت کرتے ہیں جو جسم سے نیچے نہیں اترتا یعنی خواہشات نفسانیہ کو نہیں چھوڑتا۔ کیونکہ جب مجنون کی عشق لیلیٰ میں یہ حالت ہو کہ اس نے اونٹنی کو مانع وصال سمجھکر چھوڑدیا اور اس تک وصول کیلئے اپنی مقدور بھر سعی کی۔ تو عشق حق سبحانہ عشق لیلیٰ سے کم نہیں کہ اسکے لئے سواری جسم کو نہ چھوڑا جاوے۔ بلکہ یہ تو اس سے بدرجہا بڑھکر ہے۔ لہذا اس کیلئے گیند بنجانا اس سے کہیں اولیٰ ہے پس تمکو چاہئے کہ گیند بنجاؤ اور چوگان عشق حق سے پہلو کے صدق پر لڑھکتے ہوئے اسکی طرف چلو اسلئے کہ ناقہ تن پر سوار رہکر سعی خود ہماری رفتار ہے اور اس سواری سے اترکر اور ہوائے نفسانی سے قطع تعلق کرکے چلنا جذب خداوندی ہے اور ایسی رفتار جنس رفتار سے بالکل جداگانہ ہے۔ کیونکہ یہ کوشش وسعی انسان و جن سے بالاتر ہے (خلاصہ یہ کہ اس اعلیٰ سیر کے حصول کی کوشش کرنی چاہئے۔ کیونکہ یہ عجیب رفتار ہے اور انسان وغیرہ کی اختیاری سیر سے اسے کوئی نسبت نہیں۔ گو یہ سیر فی نفسہ اختیاری نہیں مگر اسکے مبادی اختیاری ہیں لہذا انکو اختیار کرنا چاہئے) اور ایسی سیر اثر ہے حق سبحانہ کے جذبۂ خاص کا اور اس جذب عام کے مماثل نہیں ہے۔ جسکو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عنایت نے عام لوگوں کیلئے قائم کیا

مراد اس سے شریعت ہے جسکا تعلق افعال اختیاریہ سے ہے اور چونکہ افعال اختیاریہ کا صدور بھی بتوفیق الٰہی ہی ہے اسلئے اسکو بھی جذب کہا ہے۔ مگر یہ جذب عام ہے کیونکہ اسکا تعلق خواص اور عوام دونوں سے ہے۔ برخلاف اس جذب خاص کے جسکا تعلق صرف خواص سے ہے۔ اچھا اب اس غلام کی خاطر اس قصہ کو مختصر کرو کیونکہ اس نے بادشاہ کی حضور میں عرضی لکھی ہے جسکی تفصیل حسب ذیل ہے۔

شرح شبیری

عقل کا نفس سے جھگڑنا جیسے کہ مجنون اونٹنی سے جھگڑ رہا تھا کہ مجنون کا میلان تو حرہ (لیلیٰ) کی طرف تھا اور اونٹنی کا میلان اثرہ (بچھیرے) کی طرف تھا جیسا کہ مجنون نے کہا ہے کہ ہوائے

ناقتی خلفی وقدامی الھوی + فانی وایاھا لمختلفان

ہمچو مجنون در تنازع با شتر　　گہ شتر چربید و گہ مجنون حُر

یعنی جیسے کہ مجنوں اونٹ سے جھگڑے میں تھا کہ کبھی اونٹ غالب آجاتا تھا اور کبھی مجنون آزاد

ہمچو مجنون اند و چون ناقہ اش یقین　　می کشد آن پیش و این واپس بکین

یعنی یہ لوگ یقیناً مجنون اور اسکی ناقہ کی طرح ہیں کہ وہ (مجنون) تو آگے کو کھینچ رہا ہے اور یہ (ناقہ) کینہ سے پیچھے کو۔ مطلب یہ کہ ان اصحاب کی ایسی مثال ہے کہ جیسے مجنون اور ناقہ کی کہ میاں مجنون ناقہ پر سوار ہو کر دیدار لیلےٰ کیلئے چلے۔ اور ناقہ کا بچہ گھر چھوڑتے چلے۔ اور خود تھے مدہوش جب تک ہوش رہا اسوقت تک تو اسے دیار محبوب کی طرف کو ہانکتے رہے اور جب ذرا بیہوشی طاری ہوئی اور مہار ڈھیلی ہوئی ناقہ سمجھ گئی کہ اب غافل ہیں وہ اپنے بچہ کی طرف چلدیتی پھر انکو ہوش آتا یہ پھر پھیرتے اور آگے کو چلاتے۔ مگر پھر غافل پا کر وہ بچہ کی طرف کو چلدیتی تو اسیطرح یہ حضرات ہیں کہ انکا روحانی میلان تو عالم بالا کی طرف ہے اور نفسانی میلان دنیا کی طرف

لہٰذا وہ ادہر کھینچتا ہے اور روح اُدہر بلاتی ہے تو یہ بیچارے اسی کشمکش میں رہتے ہیں اور اس سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ اس مصیبت میں انکو فائدہ ہی کیا ہے ان سے وہ اصحاب تمہ ہی اچھے کہ چین سے تو ہیں۔ مگر خوب سمجھ لو کہ انکو جیسی مصیبت ہے ویسا ہی انکا اجر بھی تو دوہرا ہے ایک تو نیک کام کا دوسرا اس مصیبت اور خلاف نفس کرنیکا۔ آگے مجنوں کا قصہ بیان فرماتے ہیں۔

میل مجنوں پیش آں لیلیٰ رواں — میل ناقہ پس پئے کرّہ اش دواں

یعنی مجنوں کا میلان تو آگے کو لیلیٰ کی طرف کو رواں تھا اور ناقہ کا میلان پیچھے کو اپنے بچھیری کی طرف دوڑ رہا تھا۔

یکدم از مجنوں ز خود غافل بُدے — ناقہ گردیدے و واپس آمدے

یعنی مجنوں اگر ایک دم کیلئے بیخود ہوجاتا تو ناقہ لوٹکر واپس آجاتی۔

عشق و سودا چونکہ پُر بودش بدن — می نبودش چارہ از بیخود شدن

یعنی عشق اور سودا جب اُسکا بدن اُچاک رہے تھے تو اُسکو بیخود ہونے سے چارہ نہیں تھا۔ مطلب یہ کہ بوجہ عشق و سودا کے جب وہ بیخود ہوجاتا اور ناقہ کو ہانکنے سے غافل ہوجاتا تو ناقہ صاحب واپس گھر کو چل دیتیں۔

آنکہ او باشد مراقب عقل بود — عقل را سودائے لیلیٰ در ربود

یعنی جو کہ نگہداشت کرنیوالی تھی وہ تو عقل تھی اور عقل کو لیلیٰ کا خیال بیجاتا تھا۔

لیک ناقہ بس مراقب بود و چُست — چوں بدیدے او مہار خویش سُست

یعنی لیکن ناقہ بھی بہت ہوشیار اور چُست تھی تو جب وہ اپنی مہار کو ڈھیلی دیکھتی۔

فہم کردے زو کہ غافل گشت و دنگ — رو سپس کردے بکرہ بیدرنگ

یعنی جلدی سے سمجھ جاتی کہ غافل اور ہوگیا ہے تو جلدی سے پیچھے کو بچہ کی طرف مُنہ کرلیتی۔ مطلب یہ کہ مجنوں کو جو ہوشیار رکھتی تھی اور ناقہ کو جو ہنکاتی تہی وہ عقل تھی مگر جب عقل کو سودائے عشق بیجاتا اور یہ بیہوش رہجاتا تو ناقہ کی مہار ڈھیلی ہوجاتی وہ ایسی ہوشیار تھی کہ جہاں مُہار ڈھیلی ہوئی اور سمجھی کہ اب یہ غافل ہے بس فوراً پیچھے کو منہ کیا اور اپنے بچہ کے پاس جا پہونچی۔

چوں بخود باز آمدے دیدے ز جا — کو سپس رفتہ است بس فرسنگہا

یعنی جب مجنون ہوش میں آتا تو دیکھتا کہ ناقہ تو راستہ سے کوسوں پیچھے چلی گئی۔

در سہ روزہ رہ بدین احوالہا ماند مجنون در تردد سالہا

یعنی تین دن کی راہ میں اس طرح لوٹا پھیری میں مجنون کئی برس تک رہا۔ مطلب یہ کہ اسطرح ہوتا رہا کہ مجنون ناقہ کو آگے لیجاتا اور وہ پیچھے لوٹ جاتی تو مجنون اور لیلی کے مکان میں تین دن کا فاصلہ تھا۔ مگر اس لوٹا پھیری میں ایک مدت ہو گئی۔ اور دیار حبیب تک پہونچنا نصیب نہوا۔

گفت اے ناقہ چو ہر دو عاشقیم ما دو ضد پس ہمرہ نالائقیم

یعنی مجنون نے کہا کہ اے ناقہ جب ہم دونوں عاشق ہیں تو ہم دو ضد کا نامناسب ہمراہ ہے مطلب یہ کہ مجنون نے ناقہ سے کہا کہ اری ناقہ تو بھی ایک شئے پر عاشق ہے اور میں بھی عاشق ہوں تیرا معشوق پیچھے اور میرا آگے تو ہم دونوں آپس میں ضدین ہوئے تو ہمارا ساتھ رہنا بالکل نامناسب ہے ہمارا ساتھ تو ہو ہی نہیں سکتا۔ کیونکہ۔

نیستت بر وفق من مہر و مہار کرد باید از تو عزلت اختیار

یعنی تجھکو میرے موافق محبت اور مہار نہیں ہے تو تجھسے علیحدگی اختیار کرنی چاہئے مطلب یہ کہ مجنوں نے کہا کہ اے ناقہ تیرا عشق میرے موافق نہیں ہے اور نہ تیری مہار میری موافق ہے کیونکہ تو چاہتی ہے کہ تیری مہار پیچھے کو رہے اور میں چاہتا ہوں کہ آگے کو رہے تو معلوم ہوا کہ میرا تیرا ساتھ نہ نبھے گا لہذا اب تجھسے علیحدہ ہو کر اپنے محبوب کو تلاش کرنا چاہئے آگے مولانا فرماتے ہیں کہ۔

این دو ہمرہ یکدگر را راہزن گمرہ آنجان کو فرو ناید ز تن

یعنی یہ دونوں ہمراہ (بھی) ایک دوسرے کے لئے راہزن ہیں اور وہ جان گمراہ ہے جو بدن سے نیچے نہ آوے۔

جان ز ہجر عرش اندر فاقہ تن ز عشق خاربن چون ناقہ

یعنی روح تو عرش کے ہجر کی وجہ سے فاقہ میں ہے۔ اور بدن کانٹوں کے درخت کے عشق میں ناقہ کی طرح ہے۔

جان گشاید سوے بالا بالہا در زدہ تن در زمین چنگالہا

یعنی جان تو عالم بالا کی طرف پروں کو کھول رہی ہے اور بدن نے زمین میں پنجے گاڑ رکھے ہیں مطلب

یہ ہے کہ روح تو بوجہ عشق عالم بالا کے مجنون کی طرح ہے اور تن بوجہ عشق عالم ناسوت کے ناقہ کیطرح ہے تو یہ دونوں بھی ایک دوسرے کے ساتھ ہوکر رہزنی کررہے ہیں کہ نہ تو بدن ہی کے مقتضیات پوری طرح حاصل ہو سکتے ہیں اور نہ روح کے۔ تو وہ روح ہمیشہ گمراہ رہیگی۔ اور مقصود تک نہ پہونچ سکے گی جہاں بدن سے اُترنا آوے اور اس سے اترنا یہی ہے کہ اسکے مقتضیات پر عمل نہ کیا جاوے۔ کیونکہ اگر اسکی مانی گئی تو روح تو عالم بالا کی طرف جانا چاہے گی اور یہ اس دنیا ہی میں رہنا چاہے گا۔ پھر بھلا دونو میل کس طرح ہو سکتا ہے۔ دونوں کے دونوں رستہ ہی میں رہیں گے۔ لہذا مقتضیات تن کو ترک کرکے مقتضیات روح کو پورا کرو۔ تو کام چلے آگے پھر قصۂ مجنوں ہے۔ مجنون ناقہ سے کہتا ہے کہ۔

تا تو باشی با من اے مردہ وطن ۔۔۔ بس ز لیلیٰ دور ماند جان من

یعنی اے مردہ وطن تو جب تک میری ساتھ رہیگی میری جان لیلیٰ سے دور ہی رہے گی۔

روزگارم رفت زینگون حالہا ۔۔۔ ہمچو تیہ و قوم موسیٰ سالہا

یعنی میرا زمانہ اسی حال میں گذر گیا جیسے کہ تیہ اور قوم موسیٰ برسوں۔ مطلب یہ کہ اے ناقہ تو جب تک میری ساتھ ہے مجھکو دیدار لیلیٰ نصیب نہیں ہو سکتا۔ اور جس طرح کہ وادی تیہ میں قوم موسیٰ علیہ السلام برسوں سرگشتہ پھری تھی اسی طرح میرا بھی بہت سا وقت اسی جنگل میں پھرتے ہوئے گذر گیا۔

خطوتینے بود این رہ تا وصال ۔۔۔ ماندہ ام در رہ ز شستت شصت سال

یعنی وصال تک یہ راستہ چند قدم کا تھا اور میں تیرے جال کی وجہ سے ساٹھ برس تک راہ ہی میں رہ گیا ہوں۔ مطلب کہ تیرے اس جال میں پھنسکر وہ راستہ جو کہ بہت ہی ذرا سا تھا اب تک قطع نہیں ہوا ہے۔ اور ایک مدت اسی میں گذر گئی۔

راہ نزدیک و بماندم سخت دیر ۔۔۔ سیر گشتم زیں سواری سیر سیر

یعنی راستہ نزدیک ہی تھا اور میں بہت زیادہ مدت تک اسمیں رہگیا ہوں تو میں اس سواری سے سیر ہو گیا سیر۔ مطلب یہ کہ اگر یہ سواری نہ ہوتی تو اب تک وصل محبوب ہو بھی جاتا اس کمبخت سواری ہی کی بدولت مجھے اسقدر عرصہ لگا ہے۔ لہذا میں ایسی سواری ہی سے باز آیا مجھے ضرورت نہیں۔ بس اتنا کہا اور۔

سرنگوں خود را ز اشتر در فگند ۔۔۔ گفت سوزیدم ز غم تا چند چند

یعنی اپنے کو اونٹ سے منہ کے بل ڈالدیا۔ اور بولا کہ میں غم سے جلگیا (اب) کبتک (اسی طرح رہوں)

تنگ شد بروئے بیاباں فراخ　　خویشتن افگند اندر سنگلاخ

یعنی اسپر بیاباں فراخ تنگ ہوگیا او اس نے اپنے کو پتھریلی زمین میں پھینکدیا۔ مطلب یہ کہ جلدی کی وجہ سے اس نے اس فراخ جنگل کو بھی اپنے لئے تنگ سمجھا کہ کہیں ایسی جگہ جاکر اترتا جہاں چوٹ نہ آتی بلکہ اس نے پتھریلی زمین میں اپنے کو گرادیا۔

آنچناں افگند خود را سخت زیر　　کہ مخلخل گشت جسم آں دلیر

یعنی اس نے اپنے کو اس زور سے نیچے گرایا کہ اس دلیر کا جسم مخلخل ہوگیا یعنی ہڈیاں ٹوٹ گئیں اور وہ کھال میں ایسی ہوگئیں جیسے کہ خالی تھیلے میں کوئی شئے بھر دیجاوے اور وہ شئے ہلا کرتی ہے غرضکہ بے سوچے سمجھے گرہی پڑا جس سے چوٹ بیحد آئی۔

ہمچناں افگند خود را سوئے پست　　از قضا آں لحظہ پایش ہم شکست

یعنی اس نے اس طرح اپنے کو نیچے کی طرف گرایا کہ قضائے الٰہی سے اسوقت اسکا پانوں بھی ٹوٹ گیا (مگر اس نے ہمت نہیں ہاری بلکہ)۔

پائے را بربست وگفتا گو شوم　　در خم چوگانش غلطاں می روم

یعنی اس نے پاؤں کو باندھا اور بولا کہ میں گیند ہوتا ہوں اور اسکے بلے کے خم میں لڑھکر جاؤں گا یعنی اسکی محبت میں لڑھکتا ہوا جاؤنگا غرضکہ جسطرح ہوسکے گا پہونچونگا۔ اب آگے مولانا انتقال فرماتے ہیں کہ

زیں کند نفریں حکیم خوش دہن　　بر سوارے کو فرو ناید ز تن

یعنی ایسی وجہ سے حکیم خوش دہن اس سوار پر نفریں کرتے ہیں جو بدن سے نیچے نہ اترے (حکیم خوش دہن سے مراد حکیم ثنائی ہیں)

عشق مولیٰ کے کم از لیلیٰ بود　　گوئے گشتن بہر او اولیٰ بود

یعنی مولیٰ کا عشق لیلیٰ کے عشق سے کب کم ہوتا ہے۔ (بلکہ) اسکے لئے گیند ہوجانا تو زیادہ مناسب ہوتا ہے

گوئے شو می گرد بر پہلوئے صدق　　غلط غلطاں در خم چوگان عشق

یعنی گیند ہوجا اور پہلوئے صدق پر چوگان عشق کے بلے کے خم میں لڑھکتا رہ۔

کایں سفر زیں پس بود جذب خدا　　　واں سفر بر ناقہ باشد سیر ما

یعنی کہ یہ سفر ہے اور اسکے بعد حق تعالیٰ کا جذب ہوگا اور وہ سفر ہمارا ناقہ پر چلنا ہے۔

ایں چنیں سیریست مستثنیٰ ز جنس　　　کاں فزود از اجتہاد جن و انس

یعنی ایسی چال جنس کی چال سے مستثنیٰ ہے کہ وہ جن و انس کی کوشش سے بڑھ گئی۔

ایں چنیں جذبیست نے ہر جذب عام　　　کہ نہادش فضل احمد والسلام

یعنی ایسا جذب ہے نہ کہ ہر جذب عام کہ اسکو فضل احمد صلے اللہ علیہ وسلم نے رکھا ہے۔ والسلام مطلب یہ کہ چونکہ عشاق کا یہ حال ہوتا ہے کہ وہ ہمت نہیں ہارتے اور محبوب کے وصل میں جسطرح ہو سکتا ہے کوشش کرتے ہیں۔ اور موانع کو مرتفع فرماتے ہیں اسی لئے حضرت حکیم ثنائی ؒ نے فرمایا کہ عاشق حق ہو کر اگر کوئی مقتضیات تن کو ترک نکرے اور اس مانع کو دفع کر کے مجنوں کیطرح ہمت نکرے۔ تو ضرور قابل ملامت ہے اسلئے کہ عشق مولیٰ کم تو نہیں بلکہ زائد ہی ہے پھر اسکے عشق میں تو وہ ہمت نہ ہارے اور عشق حق میں عاشق حق ہمت ہار دے حیف صد حیف ہرگز ہمت نہ ہارو بلکہ چلتے رہو۔ تو اسطرح ایک دن ادھر سے جذب ہو جاویگا۔ اور تمھارا کام بنجاویگا۔ اور پھر جو سیر الی اللہ تمکو حاصل ہوگی وہ وہ سیر ہوگی جو تمھارے اور ظاہری ہمجنسوں کی چال کی طرح نہوگی بلکہ وہ وہ سیر ہوگی جسکو فضل سے تعبیر کیا جاتا ہے وہ ایسی ہوگی کہ اگر تمام جن و انس ملکر بھی کوشش کریں تو اسکو حاصل نہیں کر سکتے لہذا ان موانع کو مرتفع کر کے کام میں لگنا چاہئے۔ تاکہ ادھر سے جذب ہو اور دیدار حبیب میسر ہو جاوے۔ آگے اس غلام کے قصہ کی طرف رجوع ہے فرماتے ہیں کہ۔

قصہ کوتہ کن برائے آں غلام　　　کہ سوئے شہ برنبشت است و پیام

یعنی (اس) قصہ کو اس غلام کی خاطر مختصر کر دو۔ کہ اس نے بادشاہ کو پیام لکھا ہے یعنی اس بیان کو ختم کر کے اس غلام کا قصہ بیان کرو اس نے ایک رقعہ بادشاہ کو لکھا ہے ذرا اسکا بیان کرو کہ اس نے اسمیں کیا لکھا ہے آگے قصہ بیان فرماتے ہیں۔

شرح حبیبی

غلام کا وظیفہ کی کمی کی شکایت بادشاہ کو لکھنے کا قصہ

رقعۂ پر جنگ و پر ہستی مکن ۔ می فرستد پیش شاہ نازنیں

کالبد نامہ است اندر وے نگر ۔ ہست لائق شاہ را آنگہ ببر

گوشۂ رو نامہ را بکشا بخواں ۔ بیں کہ حرفش ہست در خورد شہاں

گر نباشد در خور آنرا پارہ کن ۔ نامۂ دیگر نویس و چارہ کن

لیک فتح نامۂ تن زپ مداں ۔ ورنہ ہر کس سر دل دیدے عیاں

نامہ بکشادن چہ دشوار ست وصعب ۔ کار مرداں ست نے طفلاں لعب

جملہ بر فہرست قانع گشتہ ایم ۔ زانکہ در حرص و ہوا آغشتہ ایم

باشد آں فہرست دامے عامہ را ۔ تا چناں دانند متن نامہ را

باز کن سر نامہ را گردن متاب ۔ زیں سخن واللہ اعلم بالصواب

ہست آں عنواں چو اقرار زباں ۔ متن نامہ سینہ را کن امتحاں

کہ موافق ہست با اقرار تو ۔ تا منافق وار نبود کار تو

چوں جوالے بس گرانے می بری ۔ زاں نبایدکم کہ در وے بنگری

کہ چہ داری در جوال از تلخ و خوش ۔ گر ہمی ارزد کشیدن را بکش

ورنہ خالی کن جوالت راز سنگ ۔ باز خر خود را ازیں بیگار و ننگ

در جوال آں کن کہ می باید کشید ۔ سوئے سلطانان و شاہاں رشید

زشت نبود کایں جوال پر زریگ ۔ می کشی و باشد آں ہم مردہ ریگ

چوں نمی تانی کہ پر لعلش کنی ۔ ہم تہی بہتر کہ ہمجنس تنی

اب وہ ایک درخواست بادشاہ کے حضور میں پیش کرتا ہے جو مخالفت اور خود بینی او رضدادت

سے یہ ہے یہانتک بیان فرماکر اب مولانا مضمون ارشادی کی طرف انتقال فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جس طرح وہ غلام بادشاہ کی حضور میں رقعہ بھیجتا ہے یوں ہی تم بھی شہنشاہ حقیقی کے حضور میں ایک رقعہ لیجا رہے ہو اور وہ رقعہ قلب ہے۔ بس اول تم کو دیکھ لینا چاہیئے کہ وہ اس شہنشاہ کے حضور میں پیش کرنیکے قابل بھی ہے یا نہیں اسکے بعد لیجانا چاہیئے۔ پس تم گوشۂ خلوت میں جاؤ۔ اور اس رقعہ کو پڑھو اور دیکھو کہ اسکے الفاظ بادشاہوں کے مناسب ہیں یا نہیں یعنی اپنے دل کا مطالعہ کرو اور دیکھو کہ اسکے صفات اس قابل ہیں کہ وہ مقبول و پسندیدۂ حق سبحانہ ہوں یا نہیں۔ پس اگر وہ بادشاہوں کے حضور میں پیش کرنیکے قابل نہو تو اسے چاک کر دو اور دوسرا رقعہ لکھو۔ یعنی اگر اسمیں صفات ذمیمہ ہوں تو انہیں فنا کرو۔ اور صفات حمیدہ پیدا کرو۔ لیکن واضح رہے کہ اس خط کو کھولنا اور اسکے مضمون پر مطلع ہونا آسان کام نہیں ہے یعنی قلب کی حالت کو کماہی جان لینا ہر شخص کا کام نہیں ہے۔ ورنہ ہر شخص اسرار قلب کو معلوم کر لیتا۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے بلکہ اسکا کھولنا اور اسکے مضمون و اسرار پر مطلع ہونا نہایت مشکل اور کٹھن ہے۔ اور اہل اللہ کا کام ہے جو دیدۂ بصیرت رکھتے ہیں کھیلنے والے بچوں کا کام نہیں کیونکہ صفات ذمیمہ اور حمیدہ میں بہت سے التباسات ہوتے ہیں جن کے سبب ناواقف لوگ دھوکہ کھا جاتے ہیں۔ اور صفات ذمیمہ کو حمیدہ سمجھ جاتے ہیں۔ پس اسکے لئے ضرورت ہے ایک ماہر فن شیخ کی جو اسکی حالت تمکو بتلائے عام لوگونکی تو یہ حالت ہے کہ وہ فہرست یعنی اعمال ظاہرہ پر قانع ہیں کیونکہ وہ حرص و ہوا میں گرفتار ہیں جو مانع ہے اصلاح قلب سے اور یہ فہرست اعمال ظاہری ان کیلئے پھندا ہو گئی ہے جسکا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ وہ حالت قلب سے بالکل ناواقف ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ہمارا دل بھی ایسا ہی ہے جیسے ہمارے افعال جب یہ حالت ہے تو ضرور اس خط کو کھولنا چاہیئے اور اس بات سے اعراض نکرنا چاہیئے۔ اور اس کھولنے کا طریق وہ ہے جو اوپر بیان ہو چکا یعنی شیخ کے سامنے پیش کرنا تاکہ وہ پڑھکر بتلائے ورنہ تم خود نہیں کھولکر پڑھ سکتے۔ یاد رکھو کہ اقرار زبان وغیرہ اصل مقصود نہیں ہیں بلکہ یہ تو اس مقصود کی فہرست اور عنوان ہیں اسلئے مقصود کو معلوم کرنا چاہیئے اور دیکھنا چاہیئے کہ حالت قلبیہ اقرار زبانی وغیرہ کے موافق ہے یا نہیں تاکہ تمھارا معاملہ منافقین کا سا نہو اور تم یقولون بافواھھم مالیس فی قلوبھم کا مصداق نہ ہو۔ اب ہم اسی مضمون کو دوسرے

عنوان سے بیان کرتے ہیں تاکہ خوب ذہن نشین ہو جاوے۔ اچھا سنو تمھارا دل ایک گون ہے جسکو تم شہنشاہ کی حضور میں ہدیہ لیجا رہے ہو اب جبکہ تم یہ بھاری گون بادشاہ کی حضور میں لیجا رہے ہو تو اور کچھ نہیں تو اتنا تو ضرور ہی ہونا چاہیئے کہ تم اسے دیکھلو کہ اس گون میں کیا چیز ہے۔ آیا کڑوی اور ناپسندیدہ ہے یا خوش مزہ اور پسندیدہ پھر اگر لیجانے کے قابل ہو تو لیجاؤ۔ ورنہ اپنی گون کو ان نکمے اینٹ پتھروں سے خالی کرو اور اپنے کو اس بیگار اور شرمناک حرکت سے بچاؤ اور بجائے اسکے گون میں وہ شے بھرو جسکو بادشاہوں کے پاس لیجانا مناسب ہے۔ تم خیال کرو کیا یہ بری بات نہیں ہے کہ تم اس ریت بھری گون کو بادشاہ کے حضور میں لیجا رہے ہو اور ریت بھی کیسا کہ نہایت بے وقعت ضرور بُری بات ہے۔ پس تم ایسا ہرگز نکرو خلاصہ یہ کہ تمھارا دل ایک گون ہے جسکو تم حق سبحانہ کے پاس ہدیہ لیجا رہے ہو اور اسکے صفات وہ اسباب ہے جو اسمیں بھرا ہوا ہے پس تم کو دیکھنا چاہیئے کہ اسمیں صفات حمیدہ ہیں یا ذمیمہ۔ اگر حمیدہ ہوں تو بہتر ہے اور اگر ذمیمہ ہیں تو انکا لیجانا ہرگز مناسب نہیں پس انکو دور کرنا چاہیئے اور انکے بجائے عمدہ صفات پیدا کرنا چاہئیں۔ اچھا اگر تم سے یہ نہیں ہو سکتا کہ اسکو عمدہ صفات سے پُر کرو جو بمنزلہ لعل کے ہیں تو خالی ہی رکھو کیونکہ اسکے ان صفات رذیلہ سے پُر ہونے سے جو کہ از قسم صفات جسمانیہ ہوں یہ بہتر ہے کہ وہ بالکل خالی ہو کہ نہ اسمیں صفات حمیدہ ہوں نہ ذمیمہ۔ (ف اس تقریر پر تینی میں یائے نسبت ہے اور موصوف اسکا صفات ہے)۔

شرح شبیری

غلام کا وظیفہ کی کمی کی شکایت بادشاہ کو لکھنے کا قصہ

رقعۂ پر جنگ و پر ہستی و کیں　　　می فرستد پیش شاہ نازنیں

یعنی ایک رقعہ لڑائی اور دعوی اور کینہ سے بھرا ہوا (وہ غلام) بادشاہ نازنین کے پاس بھیجتا ہے مطلب یہ کہ اس غلام نے ایک رقعہ جو کہ بہت ہی کینہ اور شکوہ و شکایت سے بھرا ہوا تھا بادشاہ کے پاس بھیجا۔ آگے مولانا انتقال فرماتے ہیں کہ۔

کالبد نامہ است اندر وے نگر ۔ ہست لائق شاہ را آنگہ ببر

یعنی جسم ایک خط ہے اسکے اندر دیکھ لے کہ بادشاہ کے لائق (بھی) ہے؟ پھر لیجانا جسم سے مراد اخلاق جسمانی۔ مطلب یہ کہ تمھارے جو یہ اخلاق جسمانی ہیں یہ بھی ایک خط کے مشابہ ہیں اور تم انکو شاہ شاہاں کے آگے پیش کرنیکے لئے لیجارہے ہو۔ تو پہلے دیکھ لو کہ آیا بادشاہ کی خدمت میں پیش کرنے کی قابل بھی ہیں یا نہیں۔ اگر قابل ہوں تو لیجاؤ ورنہ کیوں شرمندگی اٹھاتے ہو آگے اس نامہ کے دیکھنے کا اور امتحان کرنے کا طریق بیان فرماتے ہیں کہ

گوشۂ رو نامہ را بکشا بخواں ۔ بیں کہ حرفش ہست در خورد شہاں

یعنی ایک کونہ میں جا اور نامہ کو کھولکر پڑھ اور دیکھ کہ اسکے الفاظ بادشاہوں کے لائق ہیں؟ مطلب یہ کہ خط اچھی طرح جب سمجھ میں آیا کرتا ہے کہ جب اسکو علیحدگی میں بیٹھکر اسکو غور سے دیکھا جاوے اسی طرح تم اس نامۂ اخلاق جسمانی کو علیحدگی میں یعنی خلوت میں جاکر دیکھو اور انکے اندر غور کرو۔ اور دیکھو کہ یہ اس شاہنشاہ کی خدمتمیں پیش کرنے کی قابل ہیں یا نہیں۔

گر نباشد در خور آنرا پارہ کن ۔ نامۂ دیگر نویس و چارہ کن،

یعنی اگر لائق نہو تو اسکو پھاڑ ڈال اور دوسرا خط لکھ اور علاج کر۔ مطلب یہ کہ اگر تمھارے اخلاق اس قابل نہوں اور وہ بادشاہ کی خدمت میں پیش ہونے کے قابل نہوں تو انکو زائل کرو اور انکی جگہ اخلاق حمیدہ پیدا کرو۔ اور پھر ان اخلاق حمیدہ کو لیکر جاؤ۔ آگے فرماتے ہیں کہ۔

لیک فتح نامۂ تن زپ مداں ۔ ورنہ ہر کس سر دل دیدے عیاں

یعنی لیکن نامۂ تن کا کھولنا آسان مت جانو ورنہ ہر شخص دل کا بھید ظاہر طور پر دیکھ لیا کرتا۔

نامہ بکشادن چہ دشوار ست و صعب ۔ کار مردان است نے طفلان لعب

یعنی خط کو کھولنا کتنا ہی (یعنی بہت زیادہ) دشوار اور سخت ہے (یہ) کام مردوں کا ہے نہ کہ کھیل لڑکوں کا۔ مطلب یہ کہ اس نامۂ اخلاق کو دیکھنا اور اسکا امتحان کرنا کوئی آسان بات نہیں ہے بہت دشوار کام ہے ورنہ اگر آسان ہوتا تو ہر شخص اپنی حالت باطنی کو دیکھ لیا کرتا مگر یہ تو بڑے مردان کار کا کام ہے کوئی لڑکوں کا کھیل نہیں ہے لہذا چاہئے کہ جب اسکی ضرورت پڑے اور اخلاق کو امتحان کرو تو کسی شیخ مبصر سے مشورہ کرو اور اس سے پوچھکر کام کرو۔ آگے فرماتے ہیں کہ۔

جملہ بر فہرست قانع گشتہ ایم زانکہ در حرص و ہوا آغشتہ ایم

یعنی ہم سب کے سب فہرست پر قانع ہوگئے ہیں اسلئے کہ حرص و ہوا میں ملے ہوئے ہیں (فہرست سے مراد اعمال ظاہرہ ہیں کہ جسطرح فہرست مضامین کتاب کی ایک مجمل اطلاع ہو جاتی ہے۔ اسی طرح اعمال ظاہرہ سے کچھ تھوڑی سی خبر اخلاق کی ہو جاتی ہے باقی جو امور کہ پوشیدہ ہیں اور جو انکی حقیقت ہے اسکی اطلاع نہیں ہوتی) مطلب یہ کہ ہم لوگ اعمال ظاہرہ پر قانع ہوگئے ہیں اور انکی حقیقت پر نظر نہیں کرتے اسی لئے ہمکو اپنے اعمال کی اور اخلاق کی حقیقت معلوم نہیں ہوتی۔ وہ اعمال بظاہر بہت عمدہ ہیں مگر جب انکی اصلیت اور حقیقت پر نظر کیجاتی ہے تب حقیقت کھلتی ہے اور اعمال ظاہرہ پر قناعت کی وجہ صرف یہ ہے کہ ہم لوگ حرص و ہوا میں لگے ہوئے ہیں اسلئے ہمکو حقیقت کی خبر نہیں ہوتی۔

باشد آں فہرست دامے عامہ را تا چناں دانند متن نامہ را

یعنی وہ فہرست عوام کیلئے ایک جال ہوتی ہے یہانتک کہ وہ خط کے متن کو اسی طرح جانتے ہیں مطلب یہ کہ فہرست میں جو سرنامہ اور سرخیاں عمدہ عمدہ لکھ رکھی ہیں اس سے عوام کو دھوکہ ہوتا ہے کہ یہ کتاب بہت عمدہ ہے مگر مضمون کو جب دیکھا جاوے تو حقیقت کھلتی ہے۔ اسی طرح ظاہر اعمال تو بہت ہی عمدہ ہیں نماز بھی ہے روزہ بھی ہے تمام باتیں ہیں۔ لیکن جب حقیقت میں نظر کی تو کسی میں ریا ہے اور کسی میں عجب و کبر ہے۔ مگر عوام دھوکہ میں آجاتے ہیں اور وہ ظاہر اعمال ہی کو دیکھکر معتقد ہو جاتے ہیں آگے فرماتے ہیں کہ

باز کن سرنامہ را گردن متاب زیں سخن واللہ اعلم بالصواب

یعنی سرنامہ کو پڑھو اور اس بات سے گردن تابی مت کرو۔ واللہ اعلم بالصواب۔ مطلب یہ کہ اپنے اخلاق کا امتحان پیش کرنے سے قبل کرلو۔ پھر پیش کردو اور اس ہمارے قول سے گردن تابی مت کرو اور نصیحت مانو۔ آگے حقیقت کی خدا کو خبر ہے آگے اس جانچ کی ترکیب بتاتے ہیں کہ

ہست آں عنواں چو اقرار زباں متن نامہ سینہ را کن امتحاں

کہ موافق ہست با اقرار تو تا منافق وار نبود کار تو

یعنی کہ وہ عنوان اقرار زبان کی طرح ہے۔ تو سینہ کے نامہ کے متن کا امتحان کر کہ وہ تیرے اقرار کے موافق ہے؟ تاکہ تیرا کام منافقوں کی طرح نہو۔ مطلب یہ کہ تم جو زبان سے اطاعت حق کا اقرار کر رہے ہو تو اب دیکھنا یہ ہے کہ آیا وہ اقرار تمھارے قلب کے مطابق ہے یا نہیں اور وہ اقرار صرف زبان ہی سے ہے یا دل سے بھی ہے۔ پس اگر زبان اور دل کی ایک حالت ہے تب تو امتحان صحیح ہوا اور اگر دونوں میں اختلاف ہے اور اقرار لسانی قلب کے موافق نہیں ہے تو تم امتحان میں خام ہوئے اور تم پھر اپنی حالت کو درست کرو۔ آگے اسی کی ایک مثال دیتے ہیں کہ

چوں جوالے بس گرانے می بری — زاں نباید کم کہ در وے بنگری

یعنی جبکہ تم ایک بہت بھاری گون لیجا رہے ہو تو اس سے تو کم نہونا چاہیئے کہ تم اسکے اندر دیکھ لو

کہ چہ داری در جوال از تلخ و خوش — گر ہمی ارزد کشیدن را بکش،

یعنی کہ تو گون میں کیا رکھتا ہے تلخ اور عمدہ سے اگر کھینچنے کے لائق ہو تو کھینچو۔

ورنہ خالی کن جوالت را ز سنگ — باز خر خود را ازیں بیگار و ننگ

یعنی ورنہ اپنی گون کو پتھروں سے خالی کر لو پھر اپنے کو اس بیگار سے اور شرم سے چھڑا لو۔

در جوال آں کن کہ می باید کشید — سوئے سلطانان و شاہان رشید

یعنی گون میں وہ چیز کر کہ جو بادشاہوں اور سلطانوں کی طرف لیجانے کے قابل ہو۔

زشت نبود کایں جوال پر ز ریگ — می کشی و باشد آں ہم مردہ ریگ

یعنی کیا یہ بُرا نہیں ہے کہ یہ گون ریت سے بھری ہو۔ تم لیجا رہے اور وہ بھی مال میراثی ہو۔

چوں نمی تانی کہ پر لعلش کنی — ہم تہی بہتر کہ ہم جنس تنی

یعنی اگر تم اسکو لعل سے پُر نہیں کر سکتے تو جنس تن سے ہونے سے خالی ہونا بہتر ہے (کہ ہم جنس تنی میں کہ بمعنی از اور تنی میں یا نسبت کی ہے۔ عبارت یوں ہو گی کہ چوں پر لعلش نمی توانی کردن پس او از اشیاء ہجنس تن خالی بہتر است) مطلب یہ کہ اگر تم کوئی گون بھر کر بادشاہ کی خدمت میں پیش کرنے کیلئے چلے تو کم از کم یہ تو چاہیئے کہ اسکو کھولکر دیکھو کہ اسکے اندر کیا ہے اگر وہ شے بادشاہوں کے پاس لیجانیکی ہو تو لیجاؤ ورنہ اگر اینٹ پتھر ہی بھرے ہوئے ہوں تو اس بیگار سے اور شرمندگی اٹھانے سے کیا فائدہ بہتر ہے کہ گون خالی کر دو اور کچھ بھی نہ لیجاؤ کہ

ان اینٹ پتھروں کے لیجانے سے تو یہ بہتر ہے کہ کچھ بھی نہ لیجاؤ۔ اسی طرح اگر تمھارے اخلاق اس قابل نہیں کہ وہ درگاہ خداوندی میں پیش ہوسکیں یعنی اخلاق ذمیمہ ہوں تو اول تو یہ کرو کہ ان کو زائل کرکے اخلاق حمیدہ پیدا کرو اور اگر یہ نہ کرسکو تو بس پھر بالکل خالی ہوجاؤ کہ نہ ذمیمہ ہوں نہ حمیدہ ہوں۔ اور وہ اس طرح ہوسکتا ہے کہ اخلاق ذمیمہ کو تو دور کرو دو مگر ابھی اخلاق حمیدہ راسخ نہ ہوں تو یہی مرتبہ تم کو حاصل ہوجاویگا۔ لہذا چاہیئے کہ اول دیکھ لو اور امتحان کرلو اور پیش کرو آگے اسی پر ایک حکایت لاتے ہیں۔

شرح حبیبی

حکایت ایک بڑے بھاری دستار والے عالم کی اور اُس پگڑی کو ایک اُچکّے کے اچک لینے کی اور اُن عالم صاحب کے کہنے کی اوّل اسکو کھولکر دیکھ پھر لیجائیو

یک فقیہے ژندہا بر چیدہ بود — در عمامہ خویش در پیچیدہ بود
تا شود زفت و نماید آں عظیم — چوں درآمد سوئے محفل در حطیم
ژندہا از جامہا پیراستہ — ظاہر دستار ازاں آراستہ
ظاہر دستار چوں حلۂ بہشت — چوں منافق اندروں رسوا و زشت
پارہ پارہ دلق و پنبہ و پوستین — در درونِ آں عمامہ بُد دفین
روئے سوئے مدرسہ کردہ صبوح — تا بدیں ناموس یابد او فتوح
در رہ تاریک مردے جامہ کن — منتظر استادہ بود از بہر فن

در ربود او از سرش دستار را | پس دواں شد تا بسازد کار را
پس فقیہش بانگ برزد کاے پسر | باز کن دستار را آنگہ ببر
اینچنیں کہ چار پرہ مے پری | باز کن آں ہدیہ را کہ می بری
باز کن آنرا بدست خود بمال | آنگہاں خواہی ببر کردم حلال
چونکہ بازش کرد آنکو می گریخت | صد ہزاراں ژندہ اندر رہ بریخت
زاں عمامہ رفت نا بایست او | ماند یک گز کہنۂ در دست او
برزمین زد خرقہ را کای بے عیار | زیں دغل ما را برآوردے زکار
اینچہ مکر ست وچہ تزویرست وشید | کہ فگندی مر مرا در قید صید
شرم ناید مر ترا زیں ژندہا | از دغل بفگندیم اے پر دغا
گفت بنمودم دغل لیکن ترا | از نصیحت باز گفتم ماجرا

اوپر چونکہ مولانا نے عوام کے اپنے ظاہری اعمال کی درستی سے اپنی صلاح قلب پر استدلال کرنیکا ذکر فرمایا تھا اسکے بعد اس استدلال کی غلطی ظاہر فرماکر ہدایت فرمائی تھی کہ خود دل کو دیکھنا چاہئے کہ وہ کیسا ہے اس مناسبت سے یہ حکایت بیان فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ایک فقیہ نے بہت سے چیتھڑے جمع کر کے اپنے عمامہ میں لپیٹ رکھے تھے تاکہ وہ بڑا ہو جائے اور جب وہ حطیم میں آئے تو شاندار معلوم ہو اندرونی حالت تو یہ تھی مگر ظاہر دستار کو اعلیٰ قسم کے کپڑوں کے ٹکڑوں سے آراستہ کر رکھا تھا اس بنا پر ظاہر دستار کی تو ایسی حالت تھی جیسے جگہ بہشت ہو اور باطن میں ایسا برا تھا جیسا منافق کیونکہ اسمیں گدڑی روئی اور پوستین کے ٹکڑے مخفی تھے۔ غرض کہ وہ یہ دستار سر پر رکھکر مدرسہ کو چلا۔ تاکہ ظاہری ٹیپ ٹاپ کی بدولت ان کے کچھ ہاتھ لگے رستہ میں اندھیرا تھا اور اسمیں ایک اچکا کھڑا ہوا تھا کہ وہ آئے تو میں چالاکی سے اسکا عمامہ لے اڑوں جب یہ پہونچے تو اس نے فوراً اُن کے سر سے عمامہ اتارا۔ اور لے اڑا۔ تاکہ

اس سے اپنا کام نکالے جب وہ لیکر چلدیا تو اس فقیہہ نے آواز دی کہ میاں ذرا اسے کھولکر دیکھ لو پھر لیجاؤ تم یوں ہوا کے گھوڑے پر سوار جا رہے ہو ذرا اس ہدیہ کو جسکو تم لئے جا رہے ہو کھولکر تو دیکھ لو میرے کہنے سے ذرا اسے کھولو اور ہاتھ سے ملکر دیکھو پھر اگر تمہارا جی چاہے تو لیجاؤ میری طرف سے اجازت ہے جوں ہی اُس بھاگنے والے نے کھولا اسکے کھولتے ہی سیکڑوں چیتھڑے اسمیں سے رستہ میں نکل پڑے اور اسکے اتنے بڑے نازیبا عمامہ میں سے صرف ایک گز پرانا کپڑا اسکے ہاتھ میں رہ گیا۔ اُس نے اُس کپڑے کو زمین پر پٹک دیا اور کہا کہ او نکمے تو نے مجھے اس فریب سے اور کام سے بھی کھویا ارے یہ کیسا مکر اور دھوکہ اور فریب تھا کہ تو نے مجھے اس شکار کا مقید کیا یعنی اس عمامہ کے اڑانے کی فکر میں ڈالا او دغا باز تجھے شرم نہیں آتی کہ یہ چیتھڑے جمع کر کے تو نے فریب سے مجھے شکست دی۔ اُس نے کہا یہ ضرور ہے کہ میں تیرے دھوکہ کا باعث ہوا۔ مگر خیر خواہی سے تجھسے اسکی کچی حالت بھی بیان کر دی۔ اب یہاں سے ایک مضمون ارشادی کی طرف انتقال فرماتے ہیں اور کہتے ہیں۔

شرح شبیری

حکایت ایک بڑے بھاری دستار والے عالم کی اور اُس پگڑی کو ایک اُچکّے کے اُچک لینے کی اور اُن عالم صاحب کے کہنے کی اول اسکو کھولکر دیکھ پھر لیجائیو

یک فقیہے ژندہا برچیدہ بود　　در عمامہ خویش بر پیچیدہ بود

یعنی ایک فقیہہ نے بہت سے چیتھڑے چن لئے تھے اور اپنے عمامہ میں لپیٹ لئے تھے۔

تا شود زفت و نماید آں عظیم　　چوں در آید سوے محفل حطیم

یعنی تاکہ وہ عمامہ ڈبل ہو جاوے اور وہ بڑا دکھائی دے جبکہ وہ محفل کی طرف مجمع میں آوے مطلب یہ کہ بہت سے چیتھڑے وغیرہ جمع کر کے پگڑی میں بھر لئے تھے تاکہ عمامہ بڑا سا ہو جاوے اور جب مجمع میں جاویں تو معلوم ہو کہ بہت بڑا عمامہ ہے تو یہ مولوی بھی خوب بڑھیا ہی ہوں گے۔

ژندہا از جامہ ہا پیراستہ ‏ ظاہر دستار از آں آراستہ

یعنی چیتھڑوں کو کپڑوں سے سنوارے ہوئے اور پگڑی کے ظاہر کو اُس سے سنوارے ہوئے یعنی اُن چیتھڑوں کے اوپر سے ایک کپڑا لپیٹ کر سب کو خوبصورت اور عمدہ بنا رکھا تھا۔

ظاہر دستار چوں حلۂ بہشت ‏ چوں منافق اندروں رسوا و زشت

یعنی پگڑی اوپر سے تو بہشت کے حلہ کی مانند تھی اور باطن منافق کی طرح رسوا اور برا تھا۔

پارہ پارہ دلق و پنبہ و پوستین ‏ در دروں آں عمامہ مدفین

یعنی گدڑی اور روئی کے اور پوستین کے ٹکڑے ٹکڑے اس عمامہ کے اندر مدفون تھے۔

روئے سوئے مدرسہ کردہ صبوح ‏ تا بدیں ناموس یابد او فتوح

یعنی صبح کو مدرسہ کا قصد کئے ہوئے تھا تاکہ اس عزت سے کچھ فتوحات پاوے یعنی اس پگڑی کی عزت سے وہاں تنخواہ وغیرہ ملتی ہوگی صاحب منصب کو ظاہری عزت کی بھی ضرورت ہوتی ہے لہذا یہ بھی اسی لئے صبح ہی مدرسہ کو چلے جا رہے تھے تاکہ تنخواہ وغیرہ جو کچھ ملنا ہو ملے۔

در رہ تاریک مردے جامہ کن ‏ منتظر استادہ بود از بہر فن

یعنی راہ تاریک میں ایک آدمی اُچکا کام کیلئے منتظر کھڑا ہوا تھا یعنی کسی تاریک راہ میں کوئی اُچکا بھی کھڑا تھا کہ کوئی اِدھر کو آوے تو میں اُس سے کچھ اُچک لوں۔

در ربود او از سرش دستار را ‏ پس دواں شد تا بسازد کار را

یعنی وہ اُن عالم کے سر پر سے پگڑی کو اُچک کر بھاگا تاکہ کام بناوے مطلب یہ کہ وہ اُچکا جو تاک میں کھڑا تھا جب یہ اُسکے مقابل پہونچے تو انکی پگڑی کو اُس نے اُچک لیا اور پھر لیکر بھاگا تاکہ کچھ کام چلا دے کیونکہ اوپر سے تو وہ پگڑی بہت خوبصورت تھی اُس نے سمجھا کہ خوب قیمتی ہے لہذا اُچک کر لے بھاگا۔

پس فقیہش بانگ برزد کائے پسر ‏ باز کن دستار را آنگہ ببر

یعنی عالم نے اُسکو آواز دی کہ اے صاحبزادے پگڑی کو کھول لے اسوقت لیجائیو۔

اینچنیں کہ چار پرہ مے پری ‏ باز کن آں ہدیہ را کہ می بری

یعنی تو جو اسطرح چار پروں سے اڑا جا رہا ہے جس ہدیہ کو تو لیجا رہا ہے ذرا کھولکر تو دیکھ لے۔

باز کن آنرا بدست خود بمال انگہاں خواہی ببر کردم حلال

یعنی اُسکو کہول لے اور ہاتھ سے ٹٹول لے اُسوقت تو اگر چاہے تو لیجا۔ میں نے مباح کی۔ مطلب یہ کہ جب وہ اُچکا لیکر پگڑی کو بہاگا تو عالم صاحب نے کہا کہ میاں ذرا اسکو کہول کر دیکھ لے پھر بھی اگر تیری کام کی ہو اور تجہے پسند آوے تو لیجانا میں نے معاف کی مگر تو دیکھ تو لے کہ یہ کیا نور بہری ہے۔

چونکہ بازش کرد آنکو میگریخت صد ہزارش ژندہ اندر رہ بریخت

یعنی جب اُس شخص نے جو کہ بہاگ رہا تھا اُسکو کہولا تو لاکھوں چیتھڑے راہ میں گر پڑے۔

زاں عمامہ زفت نابایست او ماند یک گز کہنہ در دستِ او

یعنی اُسکے ڈبل نالائق عمامہ میں سے ایک گز پُرانا کپڑا اُسکے ہاتھ میں رہگیا۔ مطلب یہ کہ جب اُسکو کہولا تو سارے چیتھڑے تو بکھر گئے اور وہ کپڑا جو اُس پر لپٹا ہوا تھا ایک آدہ گز کا ٹکڑا اُس اُچکے کے ہاتھ میں رہگیا

بر زمین زد خرقہ را کاے بے عیار زین دغل ما را برآوردی زکار

یعنی اُس نے اس کپڑہ کو زمین پر دے مارا اور بولا کہ اے مکار تو نے اس دہوکہ سے ہمیں کام سے نکالا مطلب یہ کہ جب اُسکی یہ حالت دیکھی تو بہت خفا ہوا اور بولا کہ اے مکار تو نے مجہے ان چیتھڑوں کو بھر کر دہوکہا دیا۔ اور میں کہیں اور جاکر کچھ مال اُچکتا تو نے مجہے اُس سے بھی رکہا۔

اینچہ مکر ست وچہ تزویر ست شید کہ فگندی مر مرا در قید صید

یعنی یہ کیا مکر اور دہوکا اور دغابازی ہے کہ تو نے مجہے شکار کی قید میں ڈالا۔ یعنی میں نے تجہے شکار کیا تھا مگر تیری اس مکاری نے مجہی کو قید میں ڈال دیا کہ اب میں خود ہی پچتا رہا ہوں۔

شرم ناید مر ترا زیں ژندہا از دغل بفگندیم اے پُر دغا

یعنی تجہے ان گدڑوں سے شرم نہیں آتی تو نے مجہے دہوکہ میں ڈالا اے مکار۔ مطلب یہ کہ اب وہ اُچکے صاحب خفا ہو رہے ہیں کہ ارے مکار تو نے اسکے اندر گودڑ بھر کر مجہے دہوکہ دیا اور مجہے دوسرے کام سے بھی رکہا اسکو سنکر وہ عالم صاحب جواب دیتے ہین کہ۔

گفت بنمودم دغل لیکن ترا از نصیحت باز گفتم ماجرا

یعنی اُس عالم نے کہا کہ لیکن میں نے مکر کو خیر خواہی سے تجہے بتا دیا اور اصلی بات کہدی۔ مطلب یہ کہ ان عالم صاحب نے کہا کہ اگرچہ اُس سے تجہے دہوکا ہوا مگر میں نے پھر تجہے بتا تو دیا اور آگاہ تو کر دیا۔

بڑا افسوس لوگوں پر ہے کہ دھوکہ دیتے ہیں اور پھر اطلاع بھی نہیں کرتے کہ یہ دھوکہ ہے۔ آگے مولانا فرماتے ہیں کہ تم لوگ کسی کے بتانے پر مت رہو بلکہ خود عبرت حاصل کرو کیونکہ تمام چیزیں اپنے تغیرات میں تم کو ہوشیار کر رہی ہیں تم اس کون و فساد سے سبق لو۔

شرح حبیبی

دنیا کا اہل دنیا کو بزبان حال نصیحت کرنا اور وفا کے طالبوں کو اپنی بیوفائی کو دکھلانا اور اپنی برائی کو بتلانا

ہمچنین دنیا اگرچہ خوش شگفت — عیب خود را بانگ زد با جملہ گفت

اندریں کون و فساد اے اوستاد — آن دغل کون و نصیحت آن فساد

کون میگوید بیا من خوش پیم — وان فسادش گفت رو من لاشیم

اے ز خوبے بہاراں لب گزاں — بنگر آں سردی و زردی خزاں

روز دیدے طلعت خورشید خوب — مرگ او را یاد کن وقت غروب

بدر را دیدی بریں خوش چارطاق — حسرتش را ہم بہ بیں اندر محاق

کودکے از حسن شد مولائے خلق — بعد پیری شد خرف رسوائے خلق

گر تن سیمیں تنان کرد ت شکار — بعد پیری بیں تن چوں پنبہ زار

اے بدیدہ لوتہائے چرب خیز — فضلۂ آنرا بہ بیں در آب ریز

مر خبث را گو کہ آں خوبیت کو — آن فریب و حسن و مرغوبیت کو

بر طبق کو عشوهٔ و نرمی و خوت | بر سبد کو جلوهٔ و نغزی و بوت
گو بیا و آں دانه بدمن دام آں | چوں شدی تو صید شد دانه نهاں
بس انامل رشک اُستاداں شده | در صناعت عاقبت لرزاں شده
نرگس چشم خماری همچو جان | آخر اعمش بیں و آب از وے چکان
حیدرے کاندر صف شیران رود | آخر او مغلوب موشے می شود
طبع تیز دوربیں محترف | چوں خبر پیرش به بیں آخر خرف
زلف وجعد مشکبار عقل بر | آخر او دُم زشت پیر خر
خوش به بیں کونش ز اول با گشاد | وآخر آن رُسوائیش بین و فساد
زانکه او بنمود پیدا دام را | پیش تو بر کند سبلت خام را
پس مگو دنیا بتزویرم فریفت | ورنه عقل من ز دامش می شگیفت
طوق زرین و حمائل بیں هله | غل و زنجیرے شده است و سلسله
همچنیں هر جزو عالم می شمر | اول و آخر در آرش در نظر
هر که آخر بیں تر او مسعود تر | هر که آخر بین تر او مطرود تر
روئے هر یک چوں مه فاخر ببیں | چونکه اول دیده شد آخر ببین
تا نباشی همچو ابلیس اعورے | نیم بیند نیم نے چون ابترے
دید طین آدم و دینش ندید | اینجهان دید آنجهاں بینش ندید

فضل مرداں بر زناں اے بوشجاع — نیست بہر قوت و کسب و ضیاع

ورنہ شیر و پیل را بر آدمے — فضل بودے بہر قوت اے عمی

فضل مردان بر زن اے حالے پرست — زان بود کہ مرد پایاں بین ترست

مرد کارند عاقبت بینی خم ست — او ز اہل عاقبت چون زن کم است

از جہاں دو بانگ می آید بضد — تا کدامی را تو باشی مستعد

آن یکے بانگش نشور اتقیا — واں دگر بانگش فریب اشقیا

بانگ خار و بانگ اشگوفہ شنو — بعد ازان شو بانگ خارش را گرو

من شگوفہ خارم اے فخر کبار — گل بریزد من بمانم شاخ خار

بانگ اشگوفہ اش کہ اینک گلفروش — بانگ خار او کہ سوئے ما بکوش

ایں پذیرفتی بماندے زاں دگر — کہ محب از ضد محجوب است کر

آن یکے بانگ اینکہ اینک حاضرم — بانگ دیگر بنگر اندر آخرم

حاضری ام ہست چوں مکر و کمیں — نقش آخر ز آئینہ اول بہ بیں

چون یکے زیں دو جواں اندر شدی — آن دگر را ضد و نادرخور شدی

اے خنک آنکو ز اول آن شنید — کش عقول و مسمع مردان شنید

خانہ خالی یافت جا نرا او گرفت — غیر آنش کژ نماید یا شگفت

کوزۂ نو کو بہ خود بوئے کشید — آن خبث را آب نتواند برید

در جہاں ہر چیز چیزے می کشد — کفر کافر را و مرشد را رشد

کہربا ہم ہست و مقناطیس ہست — تا تو آہن یا کہی آئی بہ شست
بُرد مقناطیس ار تو آہنے — ور کہی بر کہربا بر می تنی
آن یکے چون نیست با اخیار یار — لاجرم شد پہلوئے فجار جار
آن یکے را صحبت خار اختیار — لاجرم شد پہلوئے ہر خار خوار
ہست موسیٰ پیش قبطی بس ذمیم — ہست ہامان پیش سبطی بس رجیم
جان ہامان جاذب قبطی شدہ — جان موسیٰ جاذب سبطی شدہ
معدۂ خر کہ کشد در اجتذاب — معدۂ آدم جذوب گندم آب
گر تو نشناسی کسے را از ظلام — بنگر اورا کوش سازیدست امام
زانکہ ہر کرہ پئے مادر رود — تا بدان جنسیتش پیدا شود
آدمی را شیر از سینہ رسد — شیر خر از نیم زیرینہ بود

بیان اس امر کا کہ عارف کو غذا نور حق سے ملتی ہے جیسا کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ارشاد نبوی ہے کہ ابیت عند ربی یطعمنی و یسقینی کہ میں اپنے رب کے پاس رات گذارتا ہوں تو وہ مجھے کھلاتے پلاتے ہیں اور قول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کہ بھوک خدا کا کھانا ہے کہ اُس سے صدیقین کے ابدان زندہ رہتے ہیں یعنی بھوک میں اللہ کا کھانا پھونچتا ہے۔

عدل قسّام ست و قسمت کردنی است — این عجب کہ جبر نے و ظلم نیست
جبر بودے کے پشیمانی بدے — ظلم بودے کے نگہبانی بدے
روز آخر شد سبق فردا بود — راز ما را روز کے گنجا بود
حاصل آنکہ در دخول و در ایاب — درنگر واللہ اعلم بالصواب

جس طرح اس فقیہ نے ایک جہت سے اُس اُچکے کو دھوکہ میں ڈالا تھا اور ایک جہت سے اُسے آگاہ کیا تھا یوں ہی دنیا بھی ہے کہ اگرچہ وہ اپنی خوبی سے دہوکہ دیتی ہے مگر اپنے عیوب کو باواز بلند لوگوں سے بیان بھی کرتی ہے۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ دنیا کی دو حالتیں ہیں۔ ایک بننا جسکو کون کھتے ہیں۔ دوسرے بگڑنا جسے فساد کھتے ہیں تو اس کا بناؤ تو دہوکا ہے اور بگاڑ نصیحت۔ چنانچہ اس کا بناؤ تو کہتا ہے کہ میں اچھا ہوں۔ تم میری طرف راغب ہو اور بگاڑ کہتا ہے کہ میں کچھہ بھی نہیں ہوں تم اس طرف کیوں متوجہ ہوتے ہو۔ جاؤ اپنا کام کرو۔ اب مولانا فرماتے ہیں کہ جو شخص خوبی بہار پر مٹا ہوا ہے اس سے کہدو کہ اے وہ شخص جو خوبی بہار کو دیکھکر فرط لذت سے ہونٹ کاٹتا ہے تو دہوکا نہ کہا بلکہ سردی کے زمانہ اور موسم خزاں کی زردی کو بھی پیش نظر رکہہ اور سمجھہ کہ یہ حالت ہمیشہ نہ رہے گی بلکہ محض چند روزہ ہے علیٰ ہذا جو لوگ حُسن آفتاب یا ماہتاب پر فریفتہ ہیں اُن سے کہدو کہ تم خوشنما آفتاب کے عمدہ شکل کو دیکھتے ہو۔ مگر تم کو اسکی موت کو بھی یاد رکھنا چاہئے جو غروب کے وقت اُسے حاصل ہوگی۔ یا تم نے اس خوشنما آسمان پر چودہویں رات کے چاندکو تو دیکھ لیا لیکن تم کو اسکے اس حسرت کو بھی دیکھنا چاہئے جو اُسکو آفتاب کے ساتھ اجتماع کی حالت میں بہ نے زوال نور پر ہوگی اور جو لوگ لڑکوں کے حُسن پر مائل ہیں ان کو واضح ہو کہ ایک لڑکا جو اپنے حُسن کے سبب مخلوق کا آقا اور حاکم بنا ہوا ہے۔ بڑھاپے کیوقت اُس کی یہ گت بنے گی کہ اُسکے حواس درست نہ رہیں گے۔ اور یہی مخلوق اُسکو بے قدر سمجھے گی۔ پس اگر تم کو ان سیم تن بتوں کے تن سیمین نے پھانس لیا ہے تو تم کو اسکے آخری حالت پر غور کرنی چاہئے اور سوچنا چاہئے کہ یہ حسن بالکل ناپائیدار ہے۔ اور بڑھاپے کے بعد اس کی یہ حالت ہوگی کہ وہ روئی کا کھیت معلوم ہوگا۔ اور جو شخص عمدہ غذاؤں پر فریفتہ ہے اس سے کہدو کہ اے وہ شخص جو مرغن غذاؤں کو مطمح نظر بنائے ہوئے ہے تو ذرا اُٹھ اور پاخانہ جاکر ذرا ان کا فضلہ دیکھ اور اس پاخانہ سے کہہ کہ وہ تیری خوبی اور فریب اور حسن اور مرغوبی جو پہلے تھی اب کہاں ہے اور طباق میں جو تیرا ناز اور نرمی او[ر] خاص سرشت تھی یا تُو کرے میں جو تیرا جلوہ اور نفاست اور بو تھی اب کہاں ہے۔ اس کا تجھے وہ یہ جواب دیگا کہ وہ حُسن وخوبی ایک دانہ تھی اور میں ایک جال تھا اور مقصود تیرا پھانسنا تھا۔ جب تو پھنس گیا تو وہ دانہ پردہ عدم میں مستور ہوگا۔ جب یہ حالت ہے تو کیا یہ مناسب ہے کہ عمدہ

غذاؤں کو مطمح نظر نبایا جاوے ہرگز نہیں۔ اور دیکھو بہت سی ایسی اُنگلیاں جنپر کاریگری میں استادوں کو رشک ہوتا تھا ان کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ کانپنے لگیں اور کچھ بھی کام نہ دے سکیں علی ہذا بہت سی نشیلی آنکھیں جو نرگس کے مشابہ اور جان کی طرح محبوب تھیں دیکھ لو کہ وہ چُندھی ہوگئیں اور ان سے پانی جاری ہوگیا نیز وہ بہادر جو شیروں کی صف میں گھس جانے والے ہیں ضعف سے اُن کی یہ حالت ہوجاتی ہے کہ کمزور انہیں دبا لیتے ہیں نیز ایک پیشہ ور کی تیز اور دوربین طبیعت کی یہ حالت ہوتی ہے کہ بڈھے گدہے کی طرح مسلوب الحواس ہوجاتی ہے ایضاً مشکبار اور عقل چھین لینے والے زلف وگیسو آخر میں بڈھے گدہے کی دم ہوجاتے ہیں۔ اب تم خوب غور کرو کہ ابتدا ان زلفوں اور گیسوؤں وغیرہ کا بناؤ نہایت خوشس آیندہ ہے اور انجام ان کا بگاڑ اور خرابی ہے پس چونکہ دنیا تم کو اپنا جال دکھا چکی ہے اور سینکڑوں ناقصوں کی تمہارے سامنے موچھیں اُکھیڑ چکی یعنی ان کو ذلیل وخوار کرچکی ہے۔ لہذا اب تم یہ نہ کہنا کہ مجھے دنیا نے اپنے مکر سے دہوکا دے لیا ورنہ میری عقل اسکے جال میں نہ آتی کیونکہ جب وہ اپنی حالت ظاہر کرچکی ہے تو پھر دہوکا کیسا۔ خیر یہ تو جملہ معترضہ تھا اب ہم مضمون سابق کی تکمیل کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ دیکھو لوگوں کو طوق زریں اور بدہیاں اچھی معلوم ہوتی ہیں۔ مگر انجام ان کا یہ ہے کہ طوق وزنجیر ہوجاتے ہیں چنانچہ حق سبحانہ فرماتے ہیں سیطوقون مابخلوا بہ یوم القیمۃ قصہ کوتاہ تم دنیا کی ایک ایک چیز کو فرداً فرداً گن جاؤ اور انکے ابتدا وانتہا پر نظر کرو۔ ہر ایک کا انجام تمہیں فساد ہی پاوے گا۔ پس جو لوگ آخرت کو دیکھتے ہیں وہ سعادتمند ہیں اور جو لوگ دنیا پر نظر کرتے ہیں اور آخرت سے غافل ہیں وہ مردود ہیں۔ پس تم دنیا کی ہر مرغوب چیز کا منہ ایسا سمجھو جیسے چاند کا لہذا تم اوّل ہی پر قناعت نکرو بلکہ اُسکے آخر کو بھی دیکھو یعنی جسطرح چاند کا ایک حصہ منور ہوتا ہے اور دوسرا تاریک یوں ہی مرغوبات دنیویہ کی بھی ابتدا دلکشی ہے مگر آخر خراب۔ پس تم صرف اول ہی پر قناعت نکرو بلکہ آخر کو بھی دیکھو تاکہ تم ابلیس کی طرح کانے نہو۔ کیونکہ اُسکی یہی حالت ہے کہ وہ آدہا حصہ دیکھتا ہے اور آدہے کو نہیں دیکھتا۔ چنانچہ اُس نے آدم علیہ السلام کی مٹی تو دیکھی اور دین نہ دیکھا اور انا خیر منہ خلقتنی من نار وخلقتہ من طین کہدیا اور اس نے اُن کی ناسوتیت تو دیکھی مگر اُنکو غیب میں نہ دیکھا۔ دیکھو مردوں کو جو عورتوں پر فضیلت ہے وہ اس وجہ سے

نہیں ہے کہ ان میں قوت زیادہ ہے یا یہ ان سے زیادہ کما سکتے ہیں اور جائداد پیدا کر سکتے ہیں ورنہ قوت کے اعتبار سے تو ہاتھی اور شیر کو انسان سے افضل ہونا چاہئے تھا بلکہ مردوں کو عورتوں پر اس لحاظ سے فضیلت ہے کہ مرد بہ نسبت عورتوں کے زیادہ انجام بین ہوتے ہیں پس جو مرد عاقبت بینی میں ناقص ہیں وہ عاقبت بین لوگوں سے یوں ہی کم ہوں گے جیسے عورتیں مردوں سے۔ الحاصل دنیا سے دو مختلف آوازیں نکلتی ہیں دیکھئے تم کس کو سنتے اور کسپر کاربند ہونے کیلئے مستعد ہوتے ہو اُن دونوں میں سے ایک آواز کی خاصیت تو یہ ہے کہ پرہیزگار اُس سے زندہ ہوتے ہیں اور دوسری آواز سے بدبخت لوگ فریب کھاتے ہیں اور یہ دو آوازیں شگوفوں اور کانٹوں یعنی مطلوبات و مهروب عنہا کی آوازیں ہیں۔ پس تم شگوفہ اور خار دونوں کی آوازیں سنو اسکے بعد خار کی آواز کے تابع ہو جاؤ اور شگوفہ کی آواز کو چھوڑ دو۔ خار تو کہتا ہے کہ خبردار پھول کے پاس نہ پھٹکنا کیونکہ یہ بیوفا ہے اور تھوڑے عرصہ میں گر جائیگا اور میں کانٹوں کی شاخ رہجاؤنگا۔ اور شگوفہ کہتا ہے کہ دیکھ یہ گلفروش موجود ہے تو مجھے خرید لے مگر کانٹا روکتا ہے اور کہتا ہے کہ دیکھ ہماری طرف رُخ نہ کرنا کیونکہ تجھے میں تو مطلوب نہیں بلکہ پھول مطلوب ہے اور پھول تھوڑے عرصہ میں فنا ہو جاویگا اور میں رہجاؤنگا پس تجھے خواہ مخواہ حسرت ہوگی پس یہ دو آوازیں مختلف ہیں جن میں سے صرف تم ایک کو قبول کر سکتے ہو اب اگر تم نے شگوفہ کی آواز کو قبول کر لیا تو کانٹے کی آواز کے قبول کرنے سے رہگئے اور اگر کانٹے کی آواز قبول کرلی تو شگوفہ کی آواز قبول کرنے سے رہگئے۔ کیونکہ جو آواز تم کو محبوب ہوگی دوسری آواز اُسکی ضد ہوگی اور قاعدہ ہے کہ محب اپنے محبوب کی ضد سے بہرا ہوتا ہے لہذا وہ نتیجہ لازم ہے جو بیان کیا گیا ہے جب یہ صورت ہے تو تم کو اُس آواز کو قبول کرنا چاہئے جو مفید ہے اور ہم بتلا چکے ہیں کہ وہ کانٹے کی آواز ہے لہذا اُسیکو قبول کرنا چاہئے۔ اب ہم اسی مضمون کو دوسرے عنوان سے بیان کرتے ہیں تاکہ خوب ذہن نشین ہو جاوے۔ سنو ہم نے بیان کیا ہے کہ اشیاء دنیویہ کی دو آوازیں ہیں ایک تو یہ کہ میں موجود ہوں اور میری موجودہ حالت لایق قبول ہے اسلئے مجھے قبول کر لو۔ اور دوسری آواز یہ ہے کہ میری موجودہ حالت سے دھوکہ نہ کھاؤ بلکہ میرے نتیجہ اور انجام کو دیکھو۔ اور چونکہ میرا انجام اچھا نہیں ہے اسلئے مجھے قبول نہ کرو۔ میری موجودہ حالت مثل ایک فریب اور گھات کے ہے لہذا تم کو مجھ سے بچتے رہنا چاہئے۔ اور میرے نتیجہ کی صورت کو میری ابتداء کے آئینہ میں دیکھنا چاہئے

یہ تو اشیاء دنیویہ کی دو حالتیں تھیں۔ اب سمجھو کہ ابتدا و انتہا کی یہ آوازیں بمنزلہ دو گون کے ہیں پس تم جس گون میں داخل ہو جاؤ گے دوسرے کے خلاف اور اسکے ناقابل ہو جاوگے۔ پس تمکو چاہیئے کہ ان میں سے ایک کو خوب سمجھکر اختیار کرو اور ہم تمکو بتلاتے ہیں کہ بڑے مزہ میں اسکے جس نے ابتدا ہی میں وہ آواز یعنی آواز انجام سن لی جسکو اہل اللہ کی عقول اور کانوں نے سنا ہے اور اس آواز نے خانۂ دل کو اپنے مزاحم سے خالی پاکر اسمیں گذر کیا اور اسکی ضد اسکو نازیبا اور عجیب معلوم ہونے لگی۔ پس تمکو اسی آواز کو سننا چاہیئے اور اسی گون میں داخل ہونا چاہیئے۔ دیکھو اگر تم اس آواز کو ابتداءً نہ سنوگے اور اسکی ضد کو دل میں جگہ دوگے تو اسکا نکلنا نہایت دشوار ہوگا کیونکہ قاعدہ ہے کہ جب نیا لوٹا پیشاب کو اپنے اندر جذب کر لیتا ہے۔ تو اس ناپاکی کو پانی اس سے جدا نہیں کر سکتا۔ بلکہ اسکے لئے ضرورت ہوتی ہے کہ اسے آگ میں ڈالا جاوے۔ اس بنا پر اس کے دور کرنے کیلئے تمکو بھی مجاہدات شاقہ کی ضرورت ہوگی چونکہ یہاں کوزہ کے پیشاب کو جذب کرنیکا ذکر آگیا اسلئے اب مولانا جذب کی بحث کیطرف انتقال فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ بیان بالا سے تمکو معلوم ہوا کہ کوزہ پیشاب کو جذب کرتا ہے مگر یہ امر کچھ کوزہ ہی کے ساتھ مختص نہیں بلکہ عالم کی تمام اشیاء میں تجاذب ہے اور عالم میں ہر چیز اپنے مناسب دوسری چیز کو کھینچتی ہے۔ چنانچہ کفر کافر کو کھینچتا ہے اور ہدایت مہتدی کو وہکذا القیاس جب یہ معلوم ہو چکا تو اب سمجھو کہ عالم میں کہربا بھی ہے اور مقناطیس بھی یعنی اچھے اور برے دونوں کے جاذب موجود ہیں اور مقصود اسکا یہ ہے کہ آدمی خواہ گھاس اور تنکا ہو یا لوہا اور قسی القلب۔ بہر حال پھندے میں پھنس جاوے۔ پس اگر وہ لوہا ہوگا تو مقناطیس اسے کھینچ لیگا۔ اور اگر گھاس ہوگا تو کہربا کو لپٹ جاویگا چنانچہ دیکھ لو جو شخص کہ اچھے لوگوں کا دوست نہیں وہ بدکاروں کا ہمنشین ہے اور جو شخص کہ کانٹوں یعنی برے لوگوں کی صحبت اختیار کرتا ہے وہ انہیں ذلیل کانٹوں کے پہلو میں جاکر بیٹھتا ہے اور اہل اللہ کے پاس نہیں جاتا برخلاف اسکے جو لوگ فجار سے متنفر ہیں وہ اہل اللہ کی صحبت اختیار کرتے ہیں وہ انکے ندیم اور جلیس ہیں غرض کہ جذب و انجذاب سے کوئی خالی نہیں بلکہ ہر ایک اپنے ہم جنس کو جاذب اور اسکی طرف منجذب ہے۔ نیز موسیٰ علیہ السلام قبطی کی نظر میں مذموم ہیں اسلئے وہ ان سے گریزاں ہے اور ہامان سبطی کی نظر میں نہایت مردود ہے اسلئے وہ اس سے گریزاں ہے اور ہامان

قبطی کو اپنی طرف کھینچتا ہے اور موسیٰ علیہ السلام سبطی کو اپنی جانب کھینچتے ہیں۔ علیٰ ہذا معدہ خر گھاس کو اپنی طرف کھینچتا ہے اور معدۂ انسان گیہوؤں کے عرق کو غرض کہ ہر چیز اپنی مجانس کو جاذب اور متضاد کو دافع ہے۔ جب یہ امر معلوم ہو گیا تو اب ہم تم کو ایک نہایت مفید اصول بتلاتے ہیں خوب غور سے سنو۔ وہ اصول یہ ہے کہ اگر تم کو اپنی تیرہ درونی کے سبب کسی کی حالت نہ معلوم ہو تو یہ دیکھو کہ وہ کسکی طرف مائل ہے۔ اور اس نے کسکو اپنا پیشوا بنا رکھا ہے پس اگر اس نے کسی اچھے کو پیشوا بنا رکھا ہے تو سمجھو کہ وہ طبیعت سلیم رکھتا ہے۔ اور اگر اس نے کسی بُرے کو پیشوا بنایا ہے تو سمجھو کہ فاسد المزاج ہے اور وجہ اسکی یہ ہے کہ قاعدہ ہے کہ بچہ اپنی ماں کے پیچھے چلتا ہے جسکا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اسکی جنس معلوم ہو جاتی ہے اس سے معلوم ہوا کہ پیروی دلیل مجانست ہے پس ہمارا دعویٰ ثابت ہے نیز آدمی چونکہ شریف ہے اسلئے اسکو غذا بھی مقام شریف یعنی سینہ سے ملتی ہے۔ اور گدہا چونکہ خسیس ہے اسلئے اسکو غذا بھی مقام خسیس یعنی نصف اسفل سے ملتی ہے یہ بھی ثبوت ہی ہمارے دعوے کا کیونکہ اس سے ثابت ہے کہ انجذاب ہر شے کا اپنے مجانس اور مناسب کی طرف ہوتا ہے اور ہر شے اپنے مناسب کو جاذب ہے اب سمجھو کہ یہ عجیب بات ہے کہ باوجود اختلاف و تفاوت اغذیہ کے نہ جبر ہے اور نہ ظلم۔ بلکہ تقسیم کرنے والے کا سراسر عدل اور اسکی منصفانہ تقسیم ہے۔ کیونکہ اگر جبر ہوتا تو مغتذی کو تفویت غذا پر ندامت کیوں ہوتی پس یہ ندامت خود دلیل ہے اسکی کہ وہ خود اسکا طالب ہے اور اگر ظلم ہوتا تو حفاظت چہ معنی دارد۔ کیونکہ ظلم مقتضی ہے ترک حفاظت کو پس حفاظت کیسی اچھا اب دن ختم ہو گیا آگے کل سنیئے ہمارے اسرار ایسے کہاں ہیں جو ایک دن میں ختم ہو جائیں۔ خلاصہ تمام گفتگو کا یہ ہے کہ تم کو چاہیئے کہ جس چیز کو تم اختیار کرو اور جسکو چھوڑو اسکے نتیجہ کو دیکھ لو۔ واللہ اعلم بالصواب۔

شرح شبیری

دنیا کا اہل دنیا کو بزبان حال نصیحت کرنا اور وفا کے طالبوں کو اپنی بیوفائی دکھلانا اور اپنی برائی کو بتلانا +

ہمچنیں دنیا اگرچہ خوش شگفت — عیب خود را بانگ زد باجملہ گفت

یعنی اسی طرح دنیا نے اگرچہ خوب عمدہ معلوم ہوتی ہے اپنے عیوب کو باآواز دہل سب سے کہدیا مطلب یہ کہ اگرچہ ظاہر دنیا سے دہوکہ ہوتا ہے اور اسکی ظاہری حالت ایسی ہے کہ اسپر انسان فریفتہ ہوجاتا ہے مگر اُس نے اپنی حالت سے اپنے عیوب اور فنا کو بالکل ظاہر کردیا ہے۔

اندریں کون و فساد اے اُستاد — آں دغل کون و نصیحت واں فساد

یعنی اے استاد اس وجود و عدم کے اندر وہ دہوکہ تو وجود ہے اور فساد کو نصیحت جانو۔ مطلب کہ دنیا میں جو تغیرات وجود اور عدم کے ہورہے ہیں ان تغیرات ہی سے دنیا نصیحت کررہی ہے کہ اسمیں وجود بمنزلہ اس دہوکہ کے ہے کہ اُس سے آدمی فریب کہا جاتا ہے اور اسکا عدم بجائے نصیحت کے ہے کہ اسوقت اُس شے کی اصل حالت معلوم ہوتی ہے اور اسکی ناپائداری اور فنا آنکھ کے سامنے آکر اسکی اصلیت کو ظاہر کردیتا ہے۔

کون میگوید بیا من خوش پیم — واں فسادش گفت رَو من لاشیم

یعنی وجود تو کہتا ہے کہ آ میں خوش قدم ہوں اور وہ اسکا فساد کہتا ہے کہ جا میں لاشے ہوں مطلب یہ کہ وجود شے تو انسان کو اُسپر فریفتہ کردیتا ہے مگر پھر اُسکا بگڑنا۔ اور اسکا عدم اُسکے لاشے ہونیکو بتلاتا ہے اور وجود کا تقاضا تو اُسکی طرف میلان ہے مگر عدم اُسکی طرف سے نفرت کو پیدا کرتا ہے جس طرح کہ اُس بکر مٹی کا ظاہر تو خوش رنگ اور دلربا تھا مگر وہ اندر سے جو نور بھری نکلی اُسکو سب ناظرین ملاحظہ فرما ہی آئے ہیں پس دنیا بھی ظاہر میں بہت ہی دلفریب ہے مگر آخر میں جب اُسکی اصلی حالت دکھلائی دیتی ہے اسوقت اُس سے بالکل ہی نفرت ہوجاتی ہے آگے اسی کی مثالیں دیتے ہیں کہ۔

اے ز خوبی بہاراں لب گزاں — بنگر آں سردی و زردی خزاں

یعنی اے وہ شخص جو کہ بہار کی خوبی کی وجہ سے لب کو کاٹ رہا ہے خزاں کی سردی اور زردی کو دیکھ مطلب یہ کہ اول باغ میں بہار کی موسم میں سب پودے کسقدر خوشرنگ معلوم ہوتے تھے مگر انجام کار دیکھو کہ خزاں میں کسقدر برے ہوگئے ہیں۔

روز دیدی طلعت خورشید خوب — مرگ او را یاد کن وقت غروب

یعنی دن کے وقت تو نے خورشید خوب کی چمک دیکھی ہے تو اُسکی موت کو غروب کے وقت یاد کر۔

مطلب یہ کہ دیکھو آفتاب ذنکو کسقدر خوبصورت ہوتا ہے مگر دیکھ لو آخر شام کو ہم سے غروب و فنا ہو جاتا ہے۔

بدر را دیدی برین خوش چار طاق　　حسرتش را ہم بہ بین اندر محاق

یعنی تم نے بدر کو اس خوبصورت آسمان پر دیکھا ہے تو حالت محاق میں اسکی حسرت کو بھی دیکھ مطلب یہ کہ دیکھو چاند بدر ہونیکی حالت میں آسمان پر کسقدر خوبصورت معلوم ہوتا ہے مگر آخر دلوں میں جبکہ گھٹنا شروع ہو جاتا ہے اسکی کیا حالت ہو جاتی ہے کہ جسم بھی کم ہو جاتا ہے نور بھی کم ہو جاتا ہے تو دیکھو باوجود اس حسن و خوبی کے انجام یہ ہوا (چار طاق بڑے خیمہ کو کہتے ہیں اسلئے کہ اسکے چاروں طرف دروازے ہوتے ہیں اور چونکہ جو خیمہ بڑا ہوتا ہے وہ عادۃً بلند بھی ہوتا ہے لہذا آسمان کو چار طاق کہنے لگے ہیں) آگے اور مثال ہے کہ۔

کودکے از حسن شد مولائے خلق　　بعد پیری شد خرف رسوائے خلق

یعنی ایک لڑکا حسن کی وجہ سے لوگوں کا آقا ہو گیا اور بڑھاپے کے بعد بڈھا خرانٹ لوگوں میں رسوا ہو گیا۔ مطلب یہ کہ دیکھو ایک لڑکا بچپن میں حسن و خوبی کی وجہ سے تمام لوگوں کو اپنے اوپر فریفتہ کئے ہوئے ہوتا ہے مگر انجام کار یہ ہوتا ہے کہ بڈھا ہو جاتا ہے اور پھر کوئی بھی نہیں پوچھتا بلکہ اور نفرت کرتے ہیں۔

گر تن سیمیں بتاں کردت شکار　　بعد پیری بین تنے چوں پنبہ زار

یعنی اگر بتوں کے بدن سیمیں نے تجھے شکار بنایا ہے تو بڑھاپے کے بعد دیکھ کہ ایک بدن روئی کے ڈھیر کی طرح ہے۔

اے بدیدہ لوتہائے چرب خیز　　فضلۂ آنرا بہ بین در آبریز

یعنی اے وہ شخص جس نے کہ عمدہ عمدہ غذاؤں کو دیکھا ہے اٹھ ان کے فضلہ کو طہارت خانہ میں دیکھ (کہ کیسا عمدہ ہے)۔

مر خبث را گو کہ آں خوبیت کو　　آں فریب و حسن و مرغوبیت کو

یعنی نجاست سے کہہ کہ وہ تیری خوبی کہاں ہے اور وہ فریفتگی اور حسن اور مرغوبی تیری کہاں ہے۔

بر طبق کو عشوہ و نرمی و خوت　　بر سبد کو جلوہ و لغزی و بوت

یعنی طبق کے اوپر والا تیرا عشوہ اور نرمی اور خصلت کہاں ہے اور ٹوکرے کے اوپر والا جلوہ اور عمدگی اور خوشبو تیری کہاں ہے۔ مطلب یہ کہ طہارت خانہ میں جو اس عمدہ عمدہ غذا کا فضلہ پڑا ہے اس سے ذرا جاکر پوچھو تو کہ وہ جو تیری عمدگی اور دلفریبی طبق اور ٹوکرے میں رکھے ہوئے ہونے کے وقت تھی وہ اب کہاں گئی۔ اور کیا ہوئی تو وہ جواب دیگا کہ۔

گویداو آں دانہ بد من دام آں ۔۔۔ چوں شدی تو صید شد دانہ نہاں

یعنی وہ کہتا ہے کہ وہ (حسن و خوبی) تو دانہ تھا اور میں اسکا جال تھا جب تو شکار ہوگیا تو دانہ پوشیدہ ہوگیا۔ مطلب یہ کہ وہ کہتا ہے کہ ارے میاں مقصود تو تم کو اس گندگی میں پھنسانا تھا اس پھنسانے کیلئے وہ حسن و خوبی پیدا کر دیگئی تھی جس طرح کہ شکار کیلئے جال میں دانہ ڈالدیا کرتے ہیں تو جب شکار آجاتا ہے تو دانہ تو اٹھا لیتے ہیں اور جال رہجاتا ہے۔ بس اسی طرح وہ حسن و خوبی تو جاتی رہی اور میں جو بمنزلہ جال کے تھا رہگیا ہوں۔ آگے اسی کی اور مثال ہے کہ۔

بس انامل رشک استاداں شدہ ۔۔۔ در صناعت عاقبت لرزاں شدہ

یعنی بہت سی انگلیاں صنعت میں رشک استادونکی ہیں اور انجام کار لرزاں ہوگئی ہیں یعنی دیکھو بہت سی انگلیاں ایسی ہوتی ہیں کہ وہ ایسی ایسی صنعتیں کرتی ہیں کہ بڑے بڑے استاد نہیں کرسکتے مگر آخر پھر بیکار ہو جاتی ہیں۔

نرگس چشم خماری ہمچو جاں ۔۔۔ آخر اعمش بین و آب از وے چکاں

یعنی خمار والی جان جیسی آنکھ کی نرگس کو آخر میں چندھا دیکھو کہ اس سے پانی ٹپک رہا ہے۔ مطلب یہ کہ دیکھو وہ آنکھ جو کہ نرگس کی طرح تھی اور سیکڑوں کی جان کی برابر تھی اور مخمور رہا کرتی تھی آج چندھی ہوگئی ہے۔ آنکھیں سے پانی چل رہا ہے خراب ہوگئی ہے۔ (اللھم احفظنا اللھم عافنا)۔

حیدرے کاندر صف شیراں رود ۔۔۔ آخر او مغلوب موشے می شود

یعنی وہ دلاور کہ جو شیروں کی صف میں چلا جاوے آخر وہ ایک چوہے سے مغلوب ہو جاتا ہے یعنی ضعیفی میں کمزور سے کمزور شے سے مغلوب ہو جاتا ہے۔

طبع تیز و دوربین و محترف ۔۔۔ چوں خر پیرش بہ بیں آخر خرف

یعنی طبیعت تیز اور دوربیں اور حرفہ والی کو دیکھو اور آخر کار اسکو بڈھے گدہے کی طرح خرانٹ دیکھو

یعنی ایسے تیز طباع لوگ جو مشہور زمانہ ہیں آخر کار ایک روز بڈہے گدہے کی طرح خرانٹ ہو جاتے ہیں

زلف و جعد مشکبار عقل بر آخر او دم زشت پیر خر

یعنی زلف اور گھونگر والے مشکبار عقل کو اڑانیوالے بال آخر میں بڈہے گدہے کی خراب دم ہو جاتی ہے

یعنی ایسے ایسے خوبصورت بال آخر میں گدہے کی دم کی طرح بچے کھسے ہوئے ہو جاتے ہیں۔

خوش بہ بیں کونش زاول باکشاد وآخر آں رسوائیش بین و فساد

یعنی اول اسکے وجود کو جو کہ باکشادگی ہے دیکہو اور آخر میں اسکی رسوائی اور فساد کو دیکھو +

زانکہ او بنمود پیدا دام را پیش تو بر کند سبلت خام را

یعنی چونکہ اس نے جال کو ظاہر کر دکھلایا ہے اور تیرے آگے ہی خام (آدمی) کی مونچھ اکھاڑی ہے

پس مگو دنیا بہ تزویرم فریفت ورنہ عقل من زدامش می شگیفت

یعنی پس یہ مت کہو کہ دنیا نے حیلہ بہانہ سے مجھے فریفتہ کر لیا ورنہ میری عقل تو اسکے جال سے صبر کرتی تھی۔ مطلب یہ کہ دیکھو ان مثالوں سے معلوم ہو گیا کہ دنیا نے اپنی حالت کو بالکل صاف طور پر ظاہر کر رکھا ہے تو اب تم یہ مت کہو کہ ہمکو دنیا نے فریفتہ کر رکھا ہے اور ہم مجبوراً اسکی طرف کھنچے جا رہے ہیں۔ کیونکہ اس نے تو صاف صاف حالت کو ظاہر کر دیا ہے۔ پھر کیوں دہوکہ میں آتے ہو آگے فرماتے ہیں کہ۔

طوق زرین و حمائل بیں ہلہ غل و زنجیرے شدست و سلسلہ

یعنی ہاں ذرا سونے کے ہار و حمائل کو دیکھو کہ طوق و زنجیر ہو گئے ہیں اور سلسلہ مطلب یہ کہ یہ دنیا کی عمدہ عمدہ اشیاء آخر میں دیکھو کہ یہی طوق و زنجیر ہو جاتی ہیں۔

ہمچنیں ہر جزو عالم مے شمر اول و آخر در آرش در نظر

یعنی اسی طرح عالم کے ہر ہر جزو کو گن لو۔ اور اس کے اول و آخر کو نظر میں لاؤ +

ہر کہ آخر بیں تر او مسعود تر ہر کہ آخر بیں تر او مطرود تر

یعنی جو شخص کہ آخر بیں زیادہ ہے وہ نیکبخت زیادہ ہے اور جو آخور بیں زیادہ ہے وہ مردود زیادہ ہے یعنی جو شخص کہ انجام کار دیکھنے والا ہے وہ تو مسعود ہے اور جو انجام بین نہیں ہے وہ مطرود و مردود ہے۔

رخ ہر یک چوں مہ فاخر ببیں　　چونکہ اول دیدہ شد آخر ببیں

یعنی ہر ایک کے چہرہ کو مہ فاخر کی طرح دیکھو اور جبکہ اول دیکھا گیا تو آخر کو بھی دیکھو۔ مطلب یہ کہ ایک چہرہ جو چاند جیسا تھا اُسکو اُس حسن وخوبی کے وقت میں تو دیکھا ہی تھا اب اُسکے انجام کو بھی ذرا ملاحظہ کرلو۔

تا نباشی ہمچو ابلیس اعوری　　نیم بیند نیم نے چوں ابتری

یعنی تاکہ تو شیطان کی طرح کانا نہو کہ آدھی چیز کو دیکھے اور آدھی کو ابتر کی طرح نہ دیکھے۔

دید طین آدم و دینش ندید　　اینجہان دید آنجہان بینش ندید

یعنی ابلیس نے آدم علیہ السلام کی مٹی کو دیکھا اور ان کے دین کو نہیں دیکھا۔ اس جہان کو تو دیکھا اور اُس جہان کے دیکھنے والے کو نہیں دیکھا۔ مطلب یہ کہ جب تم کسی شے کے اول کو دیکھو تو اُسکے انجام کو بھی دیکھو تاکہ تم ابلیس کی طرح نہو جاؤ۔ کہ اُس نے آدم علیہ السلام میں صرف مٹی ہی دیکھی کہ یوں کہا کہ خلقتہ من طین اور انکے کمالات پر نظر نہیں کی کہ اُنمیں دو چیزیں تھیں ایک تو یہ جسم جو کہ اس جہان والا تھا اور ایک شے ایسی تھی کہ وہ اُس جہان کو دیکھنے والی تھی تو شیطان نے اُسکو نہیں دیکھا۔ آدھی چیز کو دیکھا اور آدھی کو نہیں دیکھا تو اگر تم بھی اول کو دیکھوگے اور انجام کو نہ دیکھوگے تو تم بھی اُسی کی مثل ہو جاؤگے۔ آگے فرماتے ہیں کہ انجام بینی ایسی شے ہے کہ اسی کی بدولت مردوں کو عورتوں پر فضیلت دیگئی ہے فرماتے ہیں کہ

فضل مردان بر زنان اے بوشجاع　　نیست بہر قوت و کسب و ضیاع

یعنی اے بوشجاع مردونکو عورتوں پر جو فضیلت ہے وہ قوت اور کمائی اور کنبہ کی وجہ سے نہیں ہے۔

ورنہ شیر و پیل را بر آدمی　　فضل بودے بہر قوت اے عمی

یعنی ورنہ شیر اور ہاتھی کو آدمی پر قوت کی وجہ سے فضیلت ہوتی اے چچا۔

فضل مردان بر زن اے حالی پرست　　زان بود کہ مرد پایان بین تر است

یعنی مردوں کی فضیلت عورتوں پر اے حال پرست اسلئے ہے کہ مرد انجام بیں ہے۔

مرد کاندر عاقبت بینی خم است　　او ز اہل عاقبت چون زن کم است

یعنی مرد جو کہ انجام بینی میں ٹیڑھا ہے وہ اہل عاقبت سے عورت کی طرح کم ہے۔ مطلب یہ کہ کوئی شخص

مردوں کو جو عورتوں پر فضیلت ہے وہ اسی انجام بینی کی وجہ سے ہے ورنہ اگر قوت کی وجہ سے ہوتی تو آدمی پر ہاتھی گھوڑے وغیرہ کو فضیلت ہوتی حالانکہ نہیں ہے پس معلوم ہوا کہ فضیلت اس انجام بینی ہی کی وجہ سے ہے آگے فرماتے ہیں کہ۔

از جہاں دو بانگ می آید بضد ۔۔۔ تا کدامی را تو باشی مستعد

یعنی جہان میں دو ضدیں آوازیں آتی ہیں تاکہ (دیکھا جاوے کہ) تو کسکے لئے مستعد ہوتا ہے۔

آں یکے بانگش نشور اتقیا ۔۔۔ دین دگر بانگش فریب اشقیا

یعنی اسکی وہ ایک آواز تو متقیوں کا نشور ہے اور یہ دوسری اسکی آواز شقی لوگوں کا فریب ہے مطلب یہ کہ دنیا میں ضدیں بزبان حال اپنی حالت کے متعلق بیان کر رہی ہیں۔ ایک تو وہ آواز ہے کہ اس سے متقیوں کی ارواح کو تازگی ہوتی ہے اور وہ جو دوسری آواز ہے وہ بدبخت لوگوں کو فریب دینے والی ہے تو اب یہ دیکھا جاتا ہے کہ تم کسکے لئے مستعد ہوتے ہو۔ اور کسکو طلب کرتے ہو۔

بانگ خار و بانگ اشگوفہ شنو ۔۔۔ بعد ازاں شو بانگ خارش را گرو

یعنی کانٹے کی آواز اور گلدستہ کی آواز سنو اور اسکے بعد اسکے خار کی آواز کا گروی ہو جا۔ مطلب یہ کہ تم دنیا میں برے بھلے سب کی حالت کو دیکھ رہے ہو گل وخار کی حالت کو بھی دیکھ رہے ہو۔ تو تم حالتیں تو دونوں کی دیکھو مگر پھر آخر کی آواز کے تابع ہو جاؤ کہ انجام کار وہی رہجاویگا اور گل تو فانی ہے اسکا اول تو خوشرنگ ہے مگر آخر اسکو بقا نہیں ہے۔ اور خار کی جو حالت ہے وہ مستقل ہے آگے اسی کو فرماتے ہیں کہ۔

من شگوفہ خارم اے فخر کبار ۔۔۔ گل بریزد من بمانم شاخ خار

یعنی (خار کہتا ہے کہ) اے فخر کبار میں گلدستہ کا خار ہوں پھول تو گر جاویگا اور میں شاخ خار رہجاؤنگا (شگوفہ خار میں اضافت مقلوبی ہے) مطلب یہ کہ خار کہتا ہے کہ اے لوگو میں پھولوں کا خار ہوں تو یہ پھول تو گر گرا جاویں گے اور انجام کار میں ہی رہجاؤنگا لہذا اسی سے دل لگانا چاہیئے۔

بانگ اشگوفہ اش کہ اینک گلفروش ۔۔۔ بانگ خار او کہ سوئے ما مکوش

یعنی اسکے گلدستہ کی آواز یہ ہے کہ یہ گلفروش ہے اور اسکے خار کی آواز ہے کہ ہماری طرف کو مت کوشش کرو۔ مطلب یہ کہ پھول تو اپنی خوشنمائی اور خوشرنگی کی طرف بلا رہا ہے اور کانٹا کہہ رہا ہے

کہ ذرا ہماری طرف مت آنا۔

این پذیرفتی بماندی زاں دگر کہ محب از ضد محبوب است کر

یعنی تو نے اسکو قبول کرلیا تو اُس دوسرے سے رہگیا کہ محب محبوب کی ضد سے بہرا ہوتا ہی مطلب یہ کہ دو آوازیں ضدین کی آرہی ہیں بس اگر تم نے ایک کو قبول کرلیا تو دوسرا تم سے چھوٹ جاویگا اور تمکو اُس دوسرے کی اصلی حالت معلوم نہوگی حبک الشی یعمی و یصم۔

آں یکے بانگ این کہ اینک حاضرم بانگ دیگر بنگر اندر آخرم

یعنی ایک آواز تو یہ ہے کہ میں یہ حاضر ہوں اور دوسری آواز یہ ہے کہ میرے انجام میں دیکھ مطلب یہ کہ عالم میں جو ضدین کی آوازیں آرہی ہیں تو ایک تو اپنے اس وجود موجود کی طرف ہی اشارہ کررہی ہے اور کہہ رہی ہے کہ جو ہے بس یہی ہے اور دوسری شے انجام کی طرف اشارہ کرتی ہے اور کہتی ہے کہ۔

حاضری ام ہست چوں مکر و کمیں نقش آخر ز آئینہ اول بہ بیں

یعنی کہ میری حاضری تو مکر و کمین کی طرح ہے نقش آخر کو آئینہ اول سے دیکھلے مطلب یہ کہ وہ شئے کہہ رہی ہے کہ میرا یہ وجود تو اسوقت مکر و کمین ہے کہ گھات میں ہے ایک دم آہی پڑے گی لہذا اسی وقت انجام کو دیکھ لو تو اچھی بات ہے۔

چوں یکے زیں دو جوال اندر شدی آں دگر را ضد و نادر خور شدی

یعنی جبکہ ان دو گونوں میں سے تو ایک کے اندر چلا گیا تو اُس دوسری ضد کے تو نامناسب ہوگیا مطلب یہ کہ ان ضدین میں سے اگر تم نے ایک کو لے لیا تو پھر دوسری سے تمکو مناسبت نہ رہے گی بلکہ جسکو اختیار کرلیا ہے اُسی کے ہو رہو گے جیسا کہ ظاہر ہے۔

اے خنک آنکو ز اول آں شنید کش عقول و مسمع مرداں شنید

یعنی اچھا ہے وہ شخص جس نے کہ اول شے کو سن لیا جسکو کہ مردوں کے کان اور عقلیں سنتی ہیں۔

خانہ خالی یافت جا را او گرفت غیر آنش کژ نماید یا شگفت

یعنی گھر کو خالی پایا تو اُس نے جگہ کو لے لیا اور اسکے علاوہ کج دکھائی دیتا ہے۔ یا عجیب مطلب یہ کہ جبکہ ایکمرتبہ قلب خالی تھا تو اُسمیں ایک شے نے جگہ پکڑ لی اور وہ ایک شئے اُسمیں جانشین ہوگئی

تواب اسکے علاوہ جو شے بھی ہے وہ کج معلوم ہوتی ہے۔ اگر پہلے اچھی شے نے جگہ پکڑ لی تو دوسری بُری چیزیں بُری معلوم ہوتی ہیں اور اگر بُری شے نے جگہ پکڑ لی تو اچھی چیزیں بُری معلوم ہونے لگیں گی۔ آگے اسکی ایک مثال دیتے ہیں کہ۔

کوزۂ نو کو بخود بوے کشید　　آں خبث را آب نتواند برید

یعنی نیا کوزہ جس نے کہ اپنے اندر پیشاب کو کھینچ لیا اُس ناپاکی کو پانی قطع نہیں کر سکتا۔ مطلب یہ کہ اگر کسی نئے سکورہ کو پیشاب میں ڈالدو اور وہ پیشاب اُسکے اندر خوب بس جاوے پھر اسکو نکالو تو خواہ کتنا ہی دھویا جاوے اُسکے اندر سے وہ بدبو وغیرہ زائل نہوگی اسی طرح اگر قلب میں کوئی بُری شے جاگزیں ہوگئی تو وہ بھی نہیں نکلتی اور اسی طرح ان دونوں میں انکا عکس سمجھ لیا جاوے۔ آگے فرماتے ہیں کہ۔

در جہاں ہر چیز چیزے می کشد　　کفر کافر را و مرشد را رشد

یعنی دنیا میں ہر چیز ایک چیز کو کشش کرتی ہے کفر تو کافر کو کھینچتا ہے اور ہدایت والے کو ہدایت مطلب یہ کہ دنیا میں ہر شے اپنے مناسب کو جذب کرتی ہے کفر کافر کو اپنی طرف کھینچتا ہے اور ہدایت مومن اور ہدایت والے کو کشش کرتی ہے (مرشد بفتح سوم اسم مفعول)۔

در جہاں ہر چیز چیزے جذب کرد　　گرم گرمی را کشید و سرد سرد

یعنی جہاں میں ہر چیز نے ایک چیز کو جذب کیا گرم نے گرمی کو کھینچا اور سرد نے سردی کو۔

کہربا ہم ہست و مقناطیس ہست　　تا تو آہن یا کہی آئی بہ شست

یعنی کہربا بھی ہے اور مقناطیس بھی ہے تاکہ (دیکھا جاوے کہ) تو لوہا ہے یا کاہ ہے۔ کہ جال میں آوے گا۔

بُرد مقناطیس ار تو آہنی　　ور کہی بر کہربا بر می تنی،

یعنی اگر تو لوہا ہے تو مقناطیس لے گیا۔ اور اگر تو گھاس ہے تو تو کہربا پر تنتا ہے۔ مطلب یہ کہ دنیا میں دیکھو مقناطیس بھی ہے کہربا بھی ہر ایک اپنے مناسب کو کشش کرتا ہے۔ اسی طرح دنیا میں نیک و بد سب ہیں ہر ایک اپنے مناسب کی طرف کھنچ رہا ہے اور اُسی کے پاس جا رہا ہے

آں یکے چوں نیست با اخیار یار　　لاجرم شد پہلوئے فجار جار

یعنی وہ ایک جو کہ نیکوں کا ساتھی نہیں ہے آخر کار وہ فاجروں کے پہلو کا پڑوسی ہوا۔

آں یکے را صحبت خار اختیار لاجرم شد پہلوئے ہر خار خوار

یعنی اُس ایک کیلئے کانٹے کی صحبت اختیار ہوئی تو آخر کار ہر ذلیل کانٹے کے پہلو میں ہوا۔
یعنی اگر کسی کو بدوں کی صحبت میسر آئی تو وہ اُسی میں خوش ہے اور نیکوں سے وہ بچتا ہے اور اسی طرح اسکا عکس۔

ہست موسیٰ پیش قبطی بس ذمیم ہست ہامان پیش سبطی بس رجیم

یعنی فرعونیوں کے سامنے تو موسیٰ علیہ السّلام بہت مذموم ہیں اور موسیٰؑ والوں کے آگے ہامان قابل رجم ہے۔

جان ہامان جاذب قبطی شدہ جان موسیٰ جاذب سبطی شدہ

یعنی ہامان کی جان قبطی کیلئے جاذب ہوئی اور موسیٰ علیہ السّلام کی جان سبطی کیلئے جاذب ہوئی۔

معدۂ خر کہ کشد در اجتذاب معدۂ آدم جذوب گندم آب

یعنی گدہے کا معدہ جذب میں گھاس کو کھینچتا ہے اور آدمی کا معدہ گیہوں اور پانی کا جذب کرنے والا ہے۔(گندم آب بحذف عاطف)۔

گر تو نشناسی کسے را از ظلام بنگر او را کوش سازید ست امام

یعنی اگر تو کسی کو ظلمتوں کی وجہ سے پہچان نہ سکے تو اُس شخص کو دیکھ جس نے اُسکو امام بنا رکھا ہے مطلب یہ کہ جب معلوم ہوا کہ نیک نیکوں کی طرف جاتا ہے اور بد بدوں کی طرف تو اگر تم کسی کامل کو بوجہ ظلمتوں کے جو تمہارے قلب پر پڑی ہوئی ہیں نہ پہچان سکو تو تم یہ کرو کہ اُسکے تابعین کو دیکھو کہ اُن میں سے اکثر کی کیا حالت ہے جو اکثر کی حالت ہو بس وہی اس متبوع کی حالت سمجھو۔ آگے اسکی وجہ بیان کرتے ہیں کہ۔

زانکہ ہر کرہ پئے مادر رود تا بداں جنسیتش پیدا شود

یعنی اسلئے کہ ہر بچہ ماں کے پیچھے جاتا ہے یہانتک کہ اُسکی جنسیت اُس سے ظاہر ہو جاتی ہے۔ مطلب یہ کہ دیکھو ہر بچہ اپنی ماں کے پیچھے ہو لیتا ہے اور اُسی کے پیچھے چلتا ہے کیونکہ اُسکی ہمجنس وہی ہے تو اسی طرح جو نیک ہیں اُنکے توابع بھی نیک ہی ہونگے۔ اور اسی مناسبت کی نظیر لاتے ہیں کہ۔

آدمی را شیر از سینہ رسد   شیر خر از نیم زیر ینہ رسد

یعنی آدمی کو تو دودھ سینہ میں سے پہونچتا ہے۔ اور گدہے کو نیچے کے آدہے جسم میں سے پہونچتا ہے مطلب یہ کہ دیکھو انسان اشرف المخلوقات ہے لہذا اسکا دودھ تو سینہ میں سے آتا ہے۔ اور گدہا جو ارذل ہے اسکو جسم زیرینہ میں سے ملتا ہے یہ بھی مناسبت پر دال ہے۔ آگے اسی مضمون بالا کے متعلق ایک سرخی لکھتے ہیں اس سرخی سے مقصود اسی مضمون کی تائید ہے۔ اور وہ اوپر ہی کے متعلق ہے۔ اسکے آگے جو اشعار ہیں انکا مضمون اس سرخی سے نہیں ملتا بلکہ وہ بھی اسی مضمون بالا ہی سے متعلق ہیں۔ اگرچہ اس سے قبل کبھی مولانا نے ایسا کیا نہیں کہ سرخی کو ماقبل کے متعلق کیا ہو بلکہ حسب عادت مصنفین سرخی مابعد ہی کے متعلق ہوتی ہے۔ لیکن یہاں ایسا ہی معلوم ہوتا ہے کیونکہ سرخی سے اگلے اشعار میں سرخی کے مضمون سے کوئی ربط سمجھ میں نہیں آتا۔ اگر کسی صاحب کو کوئی اور توجیہ اس سے بہتر سرخی کو مابعد کے متعلق کرنے کی سمجھ میں آوے تو وہ اضافہ فرمادیں۔

بیان اس امر کا کہ عارف کو غذا نور حق سے ملتی ہے جیسا کہ اس سے ہی معلوم ہوتا ہے کہ ارشاد نبوی ہے کہ ابیت عند ربی یطعمنی ویسقین کہ میں اپنے رب کے پاس رات گذارتا ہوں تو وہ مجھے کھلاتے پلاتے ہیں اور قول رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا کہ بھوک خدا کا کھانا ہے کہ اس سے صدیقین کے ابدان زندہ رہتے ہیں یعنی بھوک میں اللہ کا کھانا پہونچتا ہے

مطلب اسکا یہ ہے کہ اوپر جو بیان ہوا ہے وہ اس امر کا ہے ہر شے کو اپنے مناسب غذا ملتی ہے

عارف کو نورِ حق کی غذا ملتی ہے۔ جیسا کہ دونوں حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے اور چونکہ اوپر ذکر تھا کہ "آدمی را شیر از سینہ رسد" الخ پس اسی کے مناسب فرماتے ہیں کہ عارف کی غذا نورِ حق ہے اور اس کے یہی مناسب ہے آگے اشعار میں بھی یہی مضمون ہے۔

عدل قسام است و قسمت کردنیست ۔ اے عجب کہ جبر نے و ظلم نیست

یعنی عدل تقسیم کرنے والا ہے اور ایسا تقسیم کرتا ہے کہ تعجب ہے کہ نہ جبر ہے اور نہ ظلم ہے۔ مطلب یہ کہ دیکھو عدل نے ہر شئے کو اسکے مناسب چیز دی ہے اور پھر عجب یہ کہ نہ جبر ہے نہ ظلم ہے۔ اپنے اختیار سے کوئی اچھی چیز کو لیتا ہے اور کوئی بری شئے کو لیتا ہے چونکہ یہاں ممکن تھا کہ کسی کو یہ شبہ ہوتا کہ تمہیں کیا خبر شاید جبر و ظلم ہی ہو اس شبہ کو کس خوبی سے رفع فرماتے ہیں کہ

جبر بودے کے پشیمانی بدے ۔ ظلم بودے کے نگہبانی بدے

یعنی جبر ہوتا تو پشیمانی کب ہوتی اور ظلم ہوتا تو نگہبانی کب ہوتی۔ مطلب یہ کہ اگر جبر ہوتا اور کچھ اختیار نہ ہوتا تو پھر مافات پر پشیمانی کیوں ہوتی۔ کہ افسوس یہ کیوں کیا انسان سمجھتا کہ میں تو مجبور محض تھا میں کیا کروں جو ایسا ہو گیا۔ پس اس پشیمان ہونے ہی سے معلوم ہوا کہ جبر نہیں بلکہ اختیار ہے کیونکہ دیکھو اگر کسی کے ہاتھ میں رعشہ ہو اور وہ کسی بڑے آدمی کے آگے ہلے تو کچھ پشیمانی نہیں ہوتی کیونکہ جانتا ہے کہ اسکے ہلنے میں میں مجبور ہوں اور ایک یہ کہ خود کسی بڑے آدمی کے آگے کھڑا ہو کر ہاتھ ہلانے لگے تو پھر پشیمان ہوگا۔ کہ میں نے ایسا کیوں کیا بڑی بے ادبی ہوئی پس اس پشیمان ہونے اور نہ ہونے سے معلوم ہوا کہ اول میں مجبور تھا۔ اور دوسرے میں اختیار سے کیا۔ اسی طرح جب اپنے کاموں پر پشیمانی ہوتی ہے تو پھر جبر محض کہاں ہے۔ علیٰ ہذا اگر ظلم ہوتا تو حق تعالیٰ نگہبانی کیوں فرماتے کہیں فرشتے مقرر ہیں اور کہیں اعضا نگہبانی کیلئے دئے ہیں اس سے صاف ظاہر ہے کہ ظلم بھی نہیں ہے بس نہ ظلم ہے اور نہ جبر ہے بلکہ ہر شئے کو اسکے مناسب ہی شئے دیگئی ہے خوب سمجھ لو۔ آگے فرماتے ہیں کہ۔

روز آخر شد سبق فردا شود ۔ راز ما را روز کے گنجا شود

یعنی دن آخر ہو گیا سبق کل کو ہوگا اور ہمارے راز کیلئے دن کب گنجائش والا ہوتا ہے مطلب یہ کہ یہ بیان بہت طویل ہے دن اس بیان کیلئے کافی نہیں ہیں۔ لہذا اسکو ترک کرو۔ پھر دیکھا

جاویگا کبھی بیان کرینگے آگے ان سبکا ماحصل بیان کرتے ہیں کہ۔

حاصل آنکہ در دخول و در ایاب — در نگر واللہ اعلم بالصواب

یعنی حاصل یہ ہے کہ آنے میں اور جاتے میں غور کرو واللہ اعلم بالصواب مطلب یہ کہ ہر شے کے وجود و عدم میں غور کرو۔ اور اس سے عبرت حاصل کرو۔ باقی ٹھیک بات کی اللہ کو خبر ہے آگے مولانا پھر دنیا دارونکو خطاب فرماتے ہیں۔

شرح حبیبی

دنیا پر مغرور ہونیوالوں کو اور نفس کے گرفتارونکو خطاب

اے بکردہ اعتماد و استقے — بردم و برجا پلوسی فاسقے

قبہ برساختستی از حباب — آخر آں خیمہ است بس واہی طناب

رزق چوں برق است اندر نور آں — راہ نتوانند دیدن رہرواں

اینجہاں و اہل او بیحاصل اند — ہر دو اندر بیوفائی یکدل اند

زادۂ دنیا چو دنیا بیوفاست — گرچہ رو آرد بتو آں روقفاست

اہل آں عالم چو آں عالم زبر — تا ابد در عہد و پیماں مستمر

محو دو پیغمبر بہم کے ضد شدند — معجزات از ہمدگر کے بستدند

کے شود پژمردہ میوہ آں جہاں — شادی عقبےٰ نگردد اندہاں

نفس بے عہدست زاں او کشتنی است — او دنی و قبلہ گاہ آں دنی است

نفسہا را لائق است ایں انجمن — مردہ را در خور بود گور و کفن

نفس اگرچہ زیرک است و خورده‌دان / قبله‌اش دنیا است او را مرده دان

آب وحی حق بدین مرده رسید / شد ز خاک مرده زنده پدید

تا نیاید وحی تو غره مباش / تو بدان گلگونهٔ طال بقاش

بانگ و صیتے جو کہ آن خامل نشد / تاب خورشیدے کہ آن آفل نشد

آن هنرهائے دقیق و قال و قیل / قوم فرعون اند اجل چون آب نیل

رونق و طاق و طرنب و سحر شان / گرچہ خلقان را کشد گردن کشان

سحرهائے ساحران دان جملہ را / مرگ چوبے دان کہ آن شد اژدها

جادوئیها را همہ یک لقمہ کرد / یک جهان پر شب بد آن را صبح خورد

نور از آن خوردن نشد افزون و بیش / بل همانست کو بوده است پیش

در اثر افزون شد و در ذات نے / ذات را افزونی و آفات نے

حق ز ایجاد جهان افزون نشد / آنچہ اول آن نبود اکنون نشد

لیک افزون شد اثر ز ایجاد خلق / در میان این دو افزونیست فرق

شد فزونی اثر اظهار او / تا پدید آید صفات و کار او

هست افزونی هر ذاتی دلیل / کو بود حادث بعلتها علیل

نکتہ شد باریک اینجا اے رفیق / لیک بشنو تو مقالات دقیق

چونکہ مولانا ترک دنیا کی ترغیب دے رہے تھے اور بیچ میں تقسیم طعام و جذب و انجذاب کی بحث استطرادًا آگئی تھی۔ اسلئے اس سے فارغ ہو کر پھر مضمون سابق کی طرف عود کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اے وہ شخص جو اہل دنیا کی مکر اور اُنکی چکنی چپڑی باتوں پر پورا بھروسہ کئے ہوئے ہے یاد رکھ کہ تو نے اپنے لئے بلبلہ کا خیمہ بنایا ہے۔ اور یہ خیمہ آخر میں نہایت کمزور ثابت ہوگا۔ کیونکہ یہ

چاپلوسی محض فریب ہے اور فریب یوں ہی بے سود ہوتا ہے جیسے برق کہ گو وہ روشن ہوتی ہے مگر اس
سے چلنے والوں کو رستہ نہیں معلوم ہو سکتا۔ تجھے جاننا چاہیئے کہ یہ عالم ناسوت اور اسکے وابستگان
کسی مصرف کے نہیں اور دونوں بیوفائی میں متفق ہیں اور ابناء دنیا یوں ہی بیوفا ہیں جیسے خود دنیا ہے
پس وہ تیری طرف متوجہ بھی ہوں تو بھی اس توجہ کو اعراض سمجھنا چاہیئے۔ کیونکہ یہ محض چند روزہ ہے
اور انجام اسکا اعراض ہے برخلاف اہل دنیا کے اہل عقبیٰ اپنی نیکی سے عقبیٰ کی طرح اپنے عہد و پیمان
پر ثابت قدم ہیں اور کبھی بیوفائی نہیں کرتے اہل عقبیٰ کی وفاداری کا ثبوت تو یہ ہے کہ دو پیغمبر
آپس میں کبھی مخالف نہیں ہوتے۔ اور انھوں نے کبھی ایسا نہیں کیا کہ ایک نے دوسرے کا معجزہ
چھینا ہو۔ برخلاف اہل دنیا کے کہ وہ ایک دوسرے کی دولت کے درپئے رہتے ہیں۔ اور عقبیٰ
کی وفاداری کا ثبوت یہ ہے کہ اس جہاں کے میوے پژمردہ نہیں ہوتے۔ اور اسکی خوشی مبدل بہ
غم نہیں ہوتی۔ برخلاف دنیا کے کہ اسکے میووں اور اسکی خوشی میں یہ بات نہیں۔ پس تم دنیا اور
اہل دنیا کو چھوڑو اور عقبیٰ اور اہل عقبیٰ سے تعلق پیدا کرو اور یاد رکھو کہ نفس بھی بدعہد اور بیوفا ہے
اسلئے یہ بھی مارنے کے قابل ہے۔ پس تم اسے بھی مار دو اور اس سے وابستگی نہ پیدا کرو۔ کیونکہ یہ خود بھی
خسیس ہے اور اسکا مطمح نظر یعنی دنیا بھی خسیس ہے اسلئے شرفا کو اس سے تعلق رکھنا اور اسکی اطاعت کرنا ہرگز مناسب نہیں اور ہاں
اسکے مطمح نظر یعنی دنیا سے تعلق رکھنا زیبا ہے۔ کیونکہ یہ محفل تو انہیں لوگوں کے مناسب ہے جو بغلبۂ
نفس سراپا نفس ہو گئے ہیں کیونکہ وہ مردہ ہیں اور یہ انکے لئے بمنزلہ گور و کفن کے ہے۔ اور گور و کفن
مردہ کے مناسب ہے۔ نہ کہ زندہ کے یاد رکھو کہ نفس کتنا ہی دانا اور باریک بین ہو لیکن چونکہ اسکا مطمح
نظر دنیا ہے اسلئے وہ مردہ ہی ہے ہاں جبکہ وحی حق کا آب حیات اس تک پہونچتا ہے اور وہ مرجع
نور الہام حق بنتا ہے اسوقت یہ مردہ مٹی سے زندہ ہو کر نکلتا ہے۔ لیکن جب تک حق سبحانہ کی طرف سے
وحی نہ آئے یعنی وہ محل انوار و الہامات نہ بنے اسوقت تک لوگوں کے اس کہنے سے کہ اس شخص کی
بقا اور اسکا وجود بہت دنوں سے ہے دھوکہ نہ کھانا چاہیئے۔ اور ان لوگوں کے اسکی طرف وجود
اور بقا کو منسوب کرنے سے اسے زندہ نہ سمجھنا چاہیئے اسلئے کہ یہ حیات ظاہری محض ایک یا دو دن ہے
جو عنقریب فنا ہونے والا ہے۔ جسکے فنا ہونیکے بعد یہ شہرت بھی فنا ہو جائیگی۔ (پس گلگونہ طال
بقائش میں اضافت بادنے ملابست ہے اور حاصل گلگونہ کہ منشار قولہم طال بقارہٗ ہے۔ اور

طال بقارہ جملہ خبریہ ہے نہ کہ دعائیہ واللہ اعلم) پس تمکو وہ شہرت طلب کرنی چاہیئے جو کبھی مضمحل نہ ہوگی
اور وہ اسی وقت حاصل ہوگی جبکہ حیات ابدی حاصل ہو لہذا حیات ابدی حاصل کرنی چاہیئے۔ جو
نور حق کے حصول سے حاصل ہوتی ہے۔ پس تم کو اس آفتاب کی روشنی حاصل کرنی چاہیئے جو کبھی غروب
نہ ہوگا۔ اور اسوجہ سے وہ روشنی بھی دائم رہیگی۔ تاکہ تم کو حیات دائم حاصل ہو اب ہم تمکو ان اشیاء
دنیویہ کی حقیقت بتلاتے ہیں جو ملتا ہیں تمھارے دنیا کے ساتھ وابستگی کا سو سنو کہ وہ نازک پیشہ
اور تحقیق علوم دنیویہ وغیرہ ہیں۔ نازک پیشوں اور تحقیقات علمیہ کی حقیقت یہ ہے کہ وہ بمنزلہ قوم
فرعون کے ہیں اور موت آب نیل کی طرح انکو فنا کر دینے والی ہے اور ٹیپ ٹاپ اور شان و شوکت
اور انکا افسوں یہ سب گو لوگ انکو خواہی نخواہی اپنی طرف مائل کرتے ہیں۔ لیکن ان سب کی مثال ایسی ہے
جیسے ساحران فرعون کی جادوگریاں۔ اور موت ایک لاٹھی ہے جو اژدہا بنکر ان سب جادوگریوں کو
کھا جاتی ہے۔ اور اسکے ان سبکو نگل جانیکی ایسی مثال ہوتی ہے جیسے ایک جہاں تاریکی شب سے پر ہو۔
اور صبح اُس تمام تاریکی کو کھا جاوے۔ اب یہاں ہم تم کو ایک فائدہ زائد بتلانا چاہتے ہیں وہ یہ کہ گو نور
اس تمام تاریکی کو کھا جاتا ہے جو تمام عالم کو پُر کئے ہوئے تھی مگر نور میں اس کھانے سے کچھ بھی زیادتی نہیں
ہوتی بلکہ وہ اُسی طرح رہتا ہے۔ جیسا کہ پہلے تھا اسکے اثر میں تو زیادتی ہوتی ہے مگر اسکی ذات میں کچھ
زیادتی نہیں ہوتی۔ کیونکہ نفس ذات قابل زیادت و نقص نہیں اگر کسی امر خارج کے سبب ذات میں اضافہ
ہو تو وہ دوسری بات ہے دیکھو عالم کے پیدا کرنے سے حق سبحانہ کے اندر کوئی اضافہ نہیں ہوا اور جو وہ
پہلے نہ تھے اس ایجاد سے وہ نہ ہوگئے۔ مگر ایجاد عالم سے اثر میں بیشک زیادتی ہوئی۔ لیکن اثر ذات
کی زیادتی اور چیز ہے اور نفس ذات کی زیادتی اور شئے ان دونوں میں بہت فرق ہے۔ پس ایجاد عالم
سے نفس ذات حق سبحانہ میں تو کوئی زیادتی نہ ہوئی۔ ہاں اسکے اثر میں زیادتی ہوئی۔ اور وہ زیادتی
اثر اس ذات کا ظہور ہے۔ کہ ایجاد عالم سے افعال و صفات ظاہر ہوئیں۔ اور ظہور افعال و صفات
ظہور ذات ہے۔ ذات واجب سے ہم نے زیادتی کی اس لئے نفی کی کہ قبول زیادت کی صورت میں
اسکا حادث ہونا لازم آئیگا۔ اسلئے کہ ہر ذات کی زیادتی دلیل ہے اسکی کہ وہ حادث اور معلول علل ہے
کیونکہ افزونی ذات بجنتہ کے یہ معنی ہیں کہ اسکا کوئی جز پہلے معدوم ہوا اور پھر موجود ہو جاوے۔ پس یہ
جز لامحالہ حادث ہوگا اور جب ایک جز حادث ہوا تو کل بھی ضرور حادث ہوگا۔ نیز لازم ہے کہ وہ ذات

قبل اس جزو کے ناقص ہوا اور نقصان منافی ہے وجوب کے اسلئے لازم ہے کہ جسقدر ذوات پہلے موجود تھی وہ بھی حادث ہوا اور چونکہ ہر حادث معلول ہے اسلئے لازم ہے کہ وہ بھی معلول ہو۔ یہ ایک باریک بات ہے اور کچھ ضروری بھی نہیں اسلئے اسکو چھوڑ دینا چاہئے۔ اور دیگر باریک اور مفید مضامین سننے چاہئیں **ف** واضح ہو کہ "ذات را" افزونے وآفات نے" ایک حکم عام ہے جو شامل ہے واجب وممکن دونوںکو اور یہ ایک دلیل مستقل سے ثابت ہے جسکو مولانا نے کسی وجہ سے بیان نہیں فرمایا۔ اور قبول زیادت سے لزوم حدوث یہ دلیل مختص ہے۔ ذات واجب تعالیٰ کیساتھ اور ذوات ممکنہ کی عدم قبول زیادت سے اسے کوئی تعلق نہیں۔ بلکہ انکا عدم قبول زیادت دوسری دلیل سے ثابت ہے جسکو مولانا نے بیان نہیں فرمایا۔ اسکو خوب سمجھ لینا چاہئے۔ اور دھوکہ نہ کھانا چاہئے۔

شرح شبیری

دنیا پر مغرور ہونیوالوں کو اور نفس کے گرفتاروں کو خطاب

اے بکردہ اعتماد واثقی ۔ بردم و برچاپلوسی فاسقی

یعنی اے وہ شخص جو کہ ایک فاسق کے دھوکہ اور چاپلوسی پر مضبوط بھروسہ کئے ہوئے ہے۔

قبۂ بر ساختستی از حباب ۔ آخر آں خیمہ است بس واہی طناب

یعنی تو نے ایک قبہ بلبلے کا بنایا ہے آخر کار وہ خیمہ بہت ہی کمزور طنابوں پر ہے۔ مطلب یہ کہ اے شخص تو نے جو دنیا دار فاسق وفاجر کی باتوں پر بھروسہ کر رکھا ہے یہ اعتماد بالکل ایسا ہی ہے جیسے کوئی بلبلہ کا خیمہ بناوے تو ظاہر ہے کہ وہ خیمہ بہت ہی کمزور اور واہی ہوگا۔ اسی طرح تمھارا یہ اعتماد بھی واہی اور بے بنیاد ہے۔

زرق چوں برق است اندر نور آں + راہ نتوانند دیدن رہرواں

یعنی مکر بجلی کی طرح ہے کہ اسکے نور میں راہ چلنے والے راہ نہیں چل سکتے۔ مطلب یہ کہ اس دنیا کا مکر وفریب ایسا ہے جیسا کہ بجلی کی چمک کہ بجلی کی چمک میں جسطرح کوئی راہرو راہ نہیں چل سکتا۔ اسی طرح اس مکر وفریب کے ذریعہ سے راہ حق طے نہیں ہو سکتی۔

این جہان و اہل او بے حاصل اند — ہر دو اند بیوفائی یک دل اند

یعنی یہ جہان اور اسکے اہل سب بیحاصل ہیں اور دونوں بیوفائی میں ایک دل ہیں یعنی دنیا اور اہل دنیا سب کے سب بیوفا ہیں اور دونوں کی حالت یکساں ہے۔

زادۂ دنیا چو دنیا بیوفاست — گرچہ رو آرد بتو آں رو قفاست

یعنی دنیا دار دنیا ہی کی طرح بیوفا ہے اگرچہ وہ تیری طرف منہ لاوے وہ منہ گدّی ہی ہے مطلب یہ کہ جس طرح دنیا بیوفا ہے اسی طرح اہل دنیا بھی بیوفا ہیں اور اگرچہ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس دنیا میں راہ راست پر چل رہے ہیں مگر جو دنیا میں راہ راست دکھلائی دیتی ہے وہ اصل میں اور حقیقت میں کج ہوتی ہے۔

اہل آں عالم چو آں عالم زبر — تا ابد در عہد و پیماں مستمر

یعنی اس عالم والے اس عالم ہی کی نیکی کی وجہ سے ہمیشہ تک عہد و پیماں میں مستمر ہیں۔ مطلب یہ کہ اس جہان والے بیوفا نہیں ہوتے بلکہ وہ اپنے عہد و پیماں میں پختہ ہوتے ہیں ان کو کسی سے حسد یا بیوفائی وغیرہ نہیں ہوتا۔ آگے اسکے نظائر فرماتے ہیں کہ۔

خود دو پیغمبر بہم کے ضد شدند — معجزات ہمدگر کے بستدند

یعنی دو پیغمبر کب آپس میں ضد ہوتے ہیں اور ایک دوسرے کے معجزات کو کب لیا۔ مطلب یہ کہ دیکھو پیغمبر جو اس جہان والے ہیں آنکو آپس میں ضد نہیں ہوتی۔ اور ایک دوسرے کے معجزات پر حسد نہیں ہوتا کہ ایک یوں سمجھے کہ میں دوسرے کے معجزے لیلوں بلکہ ہر شخص دوسرے کی خوشی کو اپنی خوشی پر مقدم اور دوسرے کی راحت کو اپنی راحت پر مقدم سمجھتا ہے جیسا کہ ظاہر ہے۔

کے شود پژمردہ میوہ آنجہاں — شادی عقبیٰ نگردد اندہاں

یعنی اس جہان کے میوے پژمردہ کب ہوتے ہیں اور آخرت کی شادی غم کب ہوتی ہے مطلب یہ کہ طاعات سے جو ثمرات ملتے ہیں وہ کبھی پژمردہ نہیں ہوتے۔ علی ہذا وہاں کی خوشی کو غم زائل نہیں کر سکتا۔ بلکہ ہمیشہ خوشی ہی رہتی ہے۔

نفس بے عہد است زاں رو کشتنی است — او دنی و قبلہ گاہ او دنی است

یعنی نفس بیوفا ہے اسلئے قابل مار ڈالنے کے ہے۔ وہ کمینہ ہے اور اسکا قبلہ گاہ (یعنی دنیا) بھی کمینہ ہی ہے

نفس ہا را لائق است این انجمن　　مردہ را در خور بود گور و کفن

یعنی نفوس کیلئے یہی انجمن (یعنی دنیا) لائق ہے کہ گور و کفن مردہ ہی کے مناسب ہوا کرتا ہے۔ مطلب یہ کہ جس طرح کہ گور و کفن مردہ ہی کے مناسب ہے کہ زندہ کو کوئی گور و کفن نہیں دیتا اسی طرح یہ دنیا بھی نفس ہی کے مناسب ہے۔ روح کا مسکن یہ نہیں ہے۔

نفس اگر چہ زیرک است و خورده داں　　قبلہ اش دنیا است او را مرده داں

یعنی نفس اگرچہ ہوشیار اور باریک باتوں کا جاننے والا ہو (لیکن) اسکا قبلہ (چونکہ) دنیا ہی ہے اسکو مردہ ہی جانو۔ مطلب یہ کہ نفس اگرچہ کتنا ہی ہوشیار اور چالاک ہو مگر چونکہ اسکا قبلہ و کعبہ دنیا ہے اسلئے وہ بمنزلہ مردہ ہی کے ہے۔ اسکی زیرکی اور ہوشیاری کو زندگی نہ کہیں گے کیونکہ اسکو حیات اصلی حاصل نہیں ہے تو وہ بمنزلہ مردہ ہی کے ہے۔ آگے بعض نفوس کو مستثنیٰ فرماتے ہیں کہ۔

آبِ وحیِ حق بدیں مردہ رسید　　شد ز خاکِ مردۂ زندہ پدید

یعنی وحی حق کا پانی جو اس مردہ کو پہونچا تو خاک مردہ سے زندہ ظاہر ہو گیا۔ مطلب یہ کہ اگر اس نفس کو وحی حق کا پانی ملگیا تو وہ بھی زندہ ہو گیا اور اسکو حیات ابدی حاصل ہو گئی۔

تا نیاید وحی زو غرہ مباش　　تو بداں گلگونۂ طال بقاش

یعنی جب تک کہ حق تعالیٰ کی طرف سے وحی نہ آوے تو اس طال بقاش کے پوڈر سے مغرور مت ہو۔ (طال بقاش سے مراد نفس دعا ہی) مطلب یہ کہ لوگ جو تم کو دعائیں دیتے ہیں اور تمھاری تعریفیں کہتے ہیں تم اس سے مغرور مت ہو جانا بلکہ اپنی حالت کو وحی حق کے مطابق کرو۔ اگر اس کے مطابق ہے تو ٹھیک ہے اور اگر مطابق نہیں ہے تو بہتر نہیں ہے انکی تعریفوں سے مغرور مت ہو بلکہ

بانگ و صیتے جو کہ آں خامل نشد　　تاب خورشیدے کہ آں آفل نشد

یعنی وہ آوازہ اور ذکر خیر ڈھونڈھو جو گمنام نہ ہو اور اس خورشید کی چمک (ڈھونڈھو) جو کہ غروب نہ ہو۔ مطلب یہ کہ وہ اصلی حالات تلاش کرو جنکو زوال نہ ہو۔ اور وہ ظاہر ہے کہ احوال باطن ہی ہیں آگے اضداد دنیا کی ایک مثال دیتے ہیں کہ۔

آں ہنرہائے دقیق و قال و قیل　　قوم فرعون اند اجل چوں آب نیل

یعنی دنیا کے دقیق ہنر اور قال و قیل قوم فرعون ہیں اور موت آب نیل کی طرح ہے۔ مطلب یہ کہ

دنیا کے بڑے بڑے دقیق ہنروں کی مثال قوم فرعون جیسی ہے کہ گمراہ و گمراہ کن ہیں اور ان کیلئے موت آب نیل کی طرح ہے کہ جس آب نیل نے ان سبکو ہلاک کر دیا تھا اسی طرح موت ان سبکو ہلاک کر دیتی ہے یہاں ایک تاریخی فائدہ بھی معلوم کرنا چاہئے کہ بظاہر آب نیل سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قوم فرعون دریائے نیل میں غرق ہوئے ہیں حالانکہ ایسا نہیں ہے کیونکہ نیل تو مصر کے بالکل کنارہ ہی پر تھا اور فرعون نے بنی اسرائیل کو مصر سے بہت آگے نکلکر پایا ہے پھر قرآن شریف میں لفظ یم وغیرہ ہے جسکے معنی دریا کے نہیں ہیں بلکہ فرعون سمندر میں غرق ہوا ہے اور اسکو آب نیل اسلئے کہا کہ قاعدہ ہے کہ جب پانی گہرا ہوتا ہے تو اسکا رنگ نیلا معلوم ہوا کرتا ہے اور اگر بہت ہی زیادہ گہرا ہو تو رنگ سیاہ معلوم ہوا کرتا ہے تو چونکہ جہاں یہ غرق ہوا ہے اسکا رنگ نیلا تھا اسلئے مولانا نے اور ایک جگہ شیخ سعدیؒ نے بھی آب نیل سے اسکو تعبیر کیا ہے۔ خوب سمجھ لو۔ چونکہ یہاں دنیا کے کاموں کو قوم فرعون سے مثال دی ہے اسلئے آگے فرماتے ہیں کہ

رونق و طاق و طرب سحر شاں ... گرچہ خلقاں را کشد گردن کشاں

یعنی ان کے جادو کی رونق اور ترق بھرک اگرچہ مخلوق کو گردن کشاں کھینچ رہی ہیں۔ (مگر)

سحر ہائے ساحراں داں جملہ را ... مرگ چوبے داں کہ آں شد اژدہا

یعنی سبکو جادوگروں کا جادو جانو اور موت ایک لکڑی ہے جو کہ اژدہا ہو گئی۔

جادوئیہا را ہمہ یک لقمہ کرد ... یک جہاں پر شب بد آں را صبح خورد

یعنی تمام جادوؤں کو ایک لقمہ کر گیا ایک جہاں پر شب تھا اسکو صبح کھا گئی۔ مطلب یہ کہ چونکہ یہ کام قوم فرعون کی طرح ہے تو انکی چمک دمک کو دیکھکر تم ان پر فریفتہ مست ہو جانا۔ بلکہ انکو صرف جادوگر نکا جادو سمجھو کہ انھوں نے نظر بندی کر رکھی ہے اسوجہ سے یہ اشیاء ذیشان اور پر رونق معلوم ہوتی ہیں ورنہ جسطرح وہ لاٹھی اژدہا بنکر سبکو ہضم کر گئی تھی اسی طرح موت ان سب چیزوں کو فنا کر دیگی۔ اور اسکے بعد پھر کوئی چیز باقی نہ رہے گی۔ اور پھر ایسی مثال ہو جاویگی جیسے کہ رات کے بعد صبح آوے تو رات کا کہیں نام و نشان نہیں رہتا ایک دم غائب ہو جاتی ہے اسی طرح موت سے یہ سب چیزیں فنا ہو جاتی ہیں آگے ایک فائدہ استطراداً بیان فرماتے ہیں کہ۔

نور از آں خورشید افزوں گشت بیش ... بل ہماں سانست کو بودہ است پیش

یعنی نور اُس کھا لینے سے زیادہ نہیں ہوا بلکہ اتنا ہی ہے جتنا کہ پہلے تھا۔

در اثر افزوں شد و در ذات نے ۔۔۔ ذات را افزونی و آفات نے

یعنی اثر میں زیادتی ہوئی ذات میں نہیں ہوئی ذات کیلئے زیادتی کمی نہیں ہوتی۔ مطلب یہ ہے کہ نور نے جو صبح کو کھا لیا یا اژدہا نے اُن سانپوں کو کھا لیا اس کھا لینے سے ان چیزوں میں کوئی زیادتی نہیں ہوئی اسلئے کہ منطق کا مسئلہ ہے کہ لا تشکیک فی الماھیات تو ذات میں زیادتی کمی نہیں ہوتی بلکہ زیادتی کمی صفات میں ہوا کرتی ہے۔ ذات من حیث الذات میں کوئی زیادتی کمی نہیں ہوتی یہ تو کل ذوات کیلئے تھا کہ کسی میں زیادتی کمی نہیں ہوتی۔ آگے خاص ذات حق کی نسبت فرماتے ہیں کہ۔

حق ز ایجاد جہاں افزوں نشد ۔۔۔ انچہ اول آں نبود اکنوں نشد

یعنی حق تعالیٰ ایجاد جہان سے زیادہ نہیں ہوئے جو وہ اول نہیں تھے اب نہیں ہوئے +

لیک افزوں شد اثر ز ایجاد خلق ۔۔۔ در میاں ایں دو افزونیست فرق

یعنی لیکن ایجاد خلق سے اثر میں زیادتی ہو گئی ہے اور ان دونوں زیادتیوں میں بہت فرق ہے۔ مطلب یہ کہ حق تعالیٰ نے تمام عالم کو پیدا کیا اس سے ذات حق میں (نعوذ باللہ) کوئی زیادتی نہیں ہوئی۔ اور کوئی بات اس ایجاد خلق سے ذات حق میں اُیسی پیدا نہیں ہو گئی کہ جو پہلے نہ تھی۔ بلکہ الآن کما کان اُسکی ذات میں کوئی زیادتی یا کمی ممکن ہی نہیں جیسا کہ ظاہر ہے۔ ہاں ایجاد خلق سے اثر ظاہر ہوا یعنی صفات حق کا ظہور ہو گیا۔ جیسا کہ اظہر ہے اور ظہور اثر و صفات میں اور زیادتی فی الذات میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ کہاں وہ کہاں یہ اور چونکہ یہاں کہا تھا کہ لیک افزوں شد اثر تو آگے خود ہی افزونی اثر کے معنی بیان فرماتے ہیں کہ۔

ہست افزونی اثر اظہار او ۔۔۔ تا پدید آید صفات و کار او

یعنی اثر کی زیادتی اُسکا اظہار ہے تا کہ اُسکی صفات اور کام ظاہر ہوں۔ مطلب یہ ہے کہ افزونی اثر مراد اظہار اثر ہے تا کہ اُس اظہار سے صفات حق ظاہر ہوں جیسا کہ ارشاد ہے۔ کنت کنزا مخفیا فاحببت ان اعرف فخلقت الخلق تو دیکھئے ایجاد خلق سے مقصود معرفت تھی کہ عالم کو دیکھکر استدلال وجود صانع پر کریں اور پھر معرفت حاصل ہو۔ آگے فرماتے ہیں کہ

ہست افزونی ہر ذات دلیل کو بود حادث بعلتہا علیل

یعنی ہر ذات کی زیادتی دلیل ہے کہ وہ حادث ہے اور علتوں کے ساتھ علیل ہے۔ مطلب یہ کہ ذات میں جو تغیر تبدل ہوتا ہے یہ تغیر تبدل اس امر پر دال ہے کہ وہ ذات حادث ہے اور معلل بعلت ہے۔ جب تو اسمیں یہ تغیر تبدل ہو رہا ہے ورنہ ذات حق جو کہ قدیم ہے اسمیں یہ تغیر وغیرہ کچھ بھی نہیں ہوتا۔ جیسا کہ ظاہر ہے چونکہ یہ مضامین مشکلہ دقیقہ ہو گئے تھے اسلئے آگے فرماتے ہیں کہ

نکتہ شد باریک اینجا اے رفیق لیک بشنو تو مقالات دقیق

یعنی اسجگہ اے ساتھی نکتے باریک ہو گئے۔ لیکن تو باریک باتوں کو سن۔ مطلب یہ کہ یہ باتیں تو بہت باریک ہیں کہ سمجھ میں نہیں آتیں تم انکو تو چھوڑو اور دوسرے نازک اور لطیف مضامین سنو۔ جو سمجھ میں ہی آویں۔ آگے آیت فاوجس فی نفسہ خیفۃ موسیٰ کی تفسیر کرتے ہوئے موسیٰ علیہ السلام کا قصہ بیان فرماتے ہیں جسکا حاصل یہ ہے کہ جب حق آیا تو باطل مٹ گیا اور اسکا ربط اوپر کے مضمون سے ہے کہ اوپر بیان کیا تھا کہ امور دنیا امور آخرت کے آگے بالکل ہیچ ہیں چونکہ مولانا کا ذہن اس مضمون کی طرف منتقل ہوا تھا اسی لئے فرمایا تھا کہ یہ باتیں بہت باریک ہو گئی ہیں انکو چھوڑ کر اور نازک اور لطیف باتیں سنو ان سے وہی ترجیح الآخرۃ علی الدنیا کا مضمون بیان کرنا تھا اور اسی کے مناسب آگے مضمون ہے۔

شرح حبیبی

آیت فاوجس فی نفسہ خیفۃ موسیٰ قلنا لاتخف الخ کی تفسیر

گفت موسیٰ سحر ہم حیران کنی است چوں کنم کایں خلق را تمیز نیست

گفت حق تمیز را پیدا کنم عقل بے تمیز را بینا کنم

چونکہ معجزہات را ظاہر کنم عقل را در دیدنش فاخر کنم

دیدہ بخشم عقل بے تمیز را کور سازم جاہل ناچیز را

گرچہ چون دریا برآورند کف — موسیا تو غالب آئی لاتخف

بود اندر عہد خود سحر افتخار — چون عصا شد مار آنہا گشت عار

ہر کسے را دعوے حسن و نمک — سنگ مرگ آمد نمکہا را محک

سحر رفت و معجزه موسیٰ گذشت — ہر دو را از بام بود افتاد طشت

بانگ طشت سحر جز لعنت نماند — بانگ طشت دین بجز رفعت نماند

چون محک پنہان شده است از مرد و زن — در صف آ ای قلب اکنون لاف زن

وقت لافستت محک چون غائب است — می برندت از عزیزے دست دست

ہر دست عزی و نازے درفزود — چون محک آمد چرا گشتے کبود

قلب می گوید ز نخوت ہر دمم — اے زر خالص من از تو کے کمم

زر ہمی گوید بلے اے خواجہ تاش — لیک می آید محک آماده باش

مرگ تن ہدیہ است بر اصحاب راز — زر خالص را چہ نقصان است گاز

قلب اگر در خویش آخر بین بدے — آن سیہ کآخر شد او اول شدے

چون شدے اول سیہ اندر لقا — دور بودے از نفاق و از شقا

کیمیائے فضل را طالب بدے — عقل او بر زرق او غالب بدے

چون شکستہ دل شدے از حال خویش — جابر اشکستگان دیدے بہ پیش

عاقبت را دید او اشکستہ شد — از شکستہ بند در دم بستہ شد

فضل مسہا را سوئے اکسیر راند — آن زر اندود از کرم محروم ماند

اے زر اندوده مکن دعویٰ بہ بین — کہ نماند مشتریت اعمیٰ چنیں،

نور محشر جسم شان بینا کند	چشم بندی ترا رسوا کند
بنگر آنہا را کہ آخر دیدہ اند	حسرت جانہا و رشک دیدہ اند
منگر آنہا را کہ حالے دیدہ اند	سر فاسد ز اصل سر بریدہ اند
پیش حالے بیں کہ در جہل است و شک	صبح صادق صبح کاذب ہر دو یک
صبح کاذب صد ہزاراں کارواں	داد بر باد ہلاکت اے جواں
صبح صادق را طلب کن اے عزیز	تا ز صدق او شوی صاحب تمیز
نیست نقدے کش غلط انداز نیست	وائے آں جاں کش محک و گاز نیست
باز او سوئے غلام و کتبش	کہ سوی شہ می نویسد نامہ خوش

چونکہ اوپر عصائے موسیٰ کے سحر ہائے فرعون کو نگل جانے کا ذکر تھا اس مناسبت سے مولانا مضمون ذیل تحریر فرماتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام نے حق سبحانہ سے عرض کیا کہ اے اللہ جادو بھی دنگ کر دینے والی شے ہے جسطرح کہ معجزہ۔ پس ایسی حالتمیں میں نہایت پریشان ہوں کہ کیا کروں جس سے لوگوں کو معجزہ اور جادو میں تمیز ہو جاوے۔ کیونکہ ان لوگوں میں قوت ممیزہ نہیں ہے جو دونوں میں امتیاز کر سکتی ہے۔ اسکے جواب میں حق سبحانہ نے فرمایا کہ میں تمیز کو پیدا کر دونگا اور انکی غیر ممیز عقول کو بینا کر دونگا تاکہ یہ معجزہ اور جادو میں امتیاز کر سکیں اور جبکہ میں آپ کے معجزے ظاہر کرونگا تو اسکے ساتھ عقول کو ان کے دیکھنے کا فخر بھی بخشونگا۔ اور یہ عقول غیر ممیزہ کو چشم بصیرت عطا کرونگا۔ لیکن یہ حکم کلی نہیں بلکہ اکثری ہے کیونکہ معاندوں کو بینا نکرونگا بلکہ ان کو اور اندھا کر دونگا۔ پس آپ مطمئن رہیں اور کچھ خوف نکریں کیونکہ اگر یہ لوگ دریا کی طرح جوش زن ہیں مگر غالب آپ ہی ہوں گے جس سے معجزہ اور سحر کا فرق اہل بصیرت کے نزدیک واضح ہو جاویگا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور باوجودیکہ جادو اسوقت نہایت قابل فخر چیز تھا مگر جب لاٹھی اژدہا بنی تو وہ سب کا سب بجائے موجب افتخار ہونے کے موجب ننگ و عار ہو گیا۔ اب سمجھو کہ دنیا میں ہر شخص اپنی حسن و خوبی معنوی کا مدعی ہے۔ لیکن موت کی کسوٹی انکی تمام ادعائی محاسن کی قلعی کھولدینے والی ہے کو

لوگوں کے ادعائی محاسن صورت میں محاسن حقیقیہ کے مشابہ ہوں۔ مگر دونوں میں بہت فرق ہے دیکھو سحر فرعونی اور معجزہ موسیٰ متشابہ تھے مگر دونوں میں بہت فرق تھا چنانچہ جادو بھی فنا ہو گیا اور معجزہ موسیٰ بھی گذر گیا۔ اور بام ہستی سے ہر ایک کا طشت گرا یعنی دونوں نے شہرت حاصل کی مگر باوجود اس تشابہ و اشتراک کے دونوں میں ایک بڑا مابہ الامتیاز یہ ہے کہ طشت سحر کی آواز تو لعنت اور پھٹکار ہی اور طشت دین کی آواز رفعت و منزلت رہی غرض کہ ایک نے اپنا برا اثر چھوڑا اور ایک نے اچھا۔ پس اس تفاوت آثار سے تفاوت حقائق ہر دو بخوبی معلوم ہو سکتا ہے اب مولانا غیبت سے خطاب کی طرف التفات فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ او کھوٹے سونے یعنی مدعی حسن و کمال موت کی کسوٹی ہنوز مخفی ہے اسلئے تو کھروں کی صف میں کھڑا ہو کر خوب شیخیاں بگھار لے۔ چونکہ ابھی کسوٹی سامنے نہیں ہے۔ اسلئے ابھی وقت ہے۔ کہ تو شیخیاں مارلے اور لوگ تیری قدر کر کے تجھے ہاتھوں ہاتھ لیجائیں۔ اور ہر وقت تیری عزت اور ناز بڑھتا رہے۔ لیکن جب کسوٹی آئیگی اسوقت پوچھا جاویگا کہ آپ تو کھرے ہونیکے مدعی تھے اب سیاہ کیوں ہوگئے۔ اصلی سونا کہتا ہے کہ کھوٹا سونا مجھ سے ہر دم کہتا ہے کہ زر خالص میں تجھ سے کب کم ہوں۔ تم پوچھو گے کہ خالص سونا اسکا کیا جواب دیتا ہے پس میں کہتا ہوں کہ اسکا وہ یہ جواب دیتا ہے کہ بجا ارشاد ہے۔ لیکن کسوٹی آتی ہے ذرا اسپر کسے جانے کیلئے تیار رہیئے۔ اسوقت آپکو اپنے دعویٰ کی حقیقت معلوم ہوگی۔ غرض کہ موت ناقصین کیلئے مضر ہے کیونکہ انکے نقصان کو ظاہر کرتی ہے برخلاف کمل اہل اللہ کے کہ ان کیلئے ہدیہ کی طرح نافع ہے۔ اور جسطرح سونے کو قینچی سے کچھ نقصان نہیں ہوتا بلکہ فائدہ ہوتا ہے کہ اسکا کمال ظاہر ہوتا ہے یوں ہی اہل اللہ کو موت سے ضرر نہیں ہوتا بلکہ نفع پہنچتا ہے اس کھوٹے سونے (مدعی کمال) نے سخت غلطی کی کہ انجام کو نہ سوچا۔ اگر وہ اپنے انجام کو دیکھتا تو وہ بجائے آخر میں سیاہ ہونیکے اول ہی سیاہ ہو جاتا یعنی جو کھوٹ اسکا موت کے بعد ظاہر ہوا ہے اسکو اول ہی ظاہر کر دیتا — اور جب وہ اپنا کھوٹ اول ہی ظاہر کر دیتا تو نفاق اور محرومی سے دور رہتا۔ اور فضل حق سبحانہ کا طالب ہوتا۔ جو کیمیا کی طرح قلب ماہیت کرنیوالا ہے اور اسکی عقل اسکے مکر پر غالب ہوتی اور جب وہ اپنی حالت کی خرابی کو دیکھکر شکستہ دل ہوتا۔ تو وہ اپنے سامنے کوئی کوٹو ٹکا جوڑنے والا دیکھتا یعنی کوئی شیخ اسے ملتا اور اسکی اصلاح کرتا۔ جو شخص انجام بین ہوتا ہے وہ شکستگی اور عجز و نیاز اختیار کرتا ہے اور ایسی حالتیں عادت اللہ جاری ہے کہ

کوئی ٹوٹنے کا درست کرنے والا یعنی شیخ کامل اسے ملتا ہے۔ جو اسکی اصلاح کرتا ہے لہٰذا وہ شیخ اسے بھی ملتا اور اسکی حالت درست کر دیتا۔ کرم حق سبحانہ تانبے کی مانند ناقصین اور مظہر نقصان ہی کو شیخ کامل تک پہونچاتا ہے۔ جو کہ بمنزلہ کیمیا کے ہے اور وہ ناقصین جو اس تانبے کی طرح جسپر سونے کا جھول پھرا ہوا ہے مظہر کمال ہیں۔ وہ اس عنایت سے محروم رہتے ہیں۔ پس اے سونیکے جھول والے تانبے کی طرح ناقص مظہر کمال تو یاد رکھ کہ تیرے خریدار اور قدردان ہمیشہ یوں ہی اندھے نہ رہیں گے جس طرح کہ وہ اب ہیں۔ بلکہ نور محشر انکی آنکھیں روشن کریگا۔ اور تیری نظر بندی کی قلعی کھولے گا۔ اسلئے تو اپنی اس روش کو چھوڑ اور اُن لوگوں پر نظر کر جنھوں نے نتیجہ پر نظر کی ہے اور اس سبب سے ارواح کیلئے موجب حسرت اور آنکھوں کیلئے موجب رشک ہو گئے ہیں۔ اور اُنپر نظر مت کر جنھوں نے حالت موجودہ ہی پر نظر کی ہے۔ اور عقل معاش کا تعلق عقل معاد سے منقطع کر دیا ہے۔ اسلئے جو لوگ حالت موجودہ ہی پر نظر کرتے ہیں وہ جہل اور شک میں مبتلا ہیں۔ اُن کے نزدیک صبح صادق اور صبح کاذب دونوں یکساں ہیں یعنی حق و باطل مشابہ بحق میں انکو کوئی امتیاز نہیں پس ایسوں کی تقلید کرنے والے کی بھی یہی حالت ہوگی۔ اور وہ صبح کاذب کو صبح صادق سمجھ جاویگا یعنی باطل مشابہ بحق کو حق سمجھ جاویگا جسکا انجام ہلاکت ہوگا۔ یاد رکھو کہ صبح کاذب نے ہزاروں قافلوں کو برباد کر دیا ہے اور باطل مشابہ حق سے دھوکہ کھا کر لاکھوں آدمی تباہ ہو چکے ہیں پس تم اس سے دھوکہ نہ کھانا اور باطل کو حق نہ سمجھنا۔ بلکہ اصلی حق کو طلب کرنا۔ تاکہ اسکی اصلیت کی سبب تم حق کے راشد ہو جاؤ دیکھو جو نقد بھی ہے اسکے لئے اسکا ایک شبیہ بھی ہے جو لوگوں کو اپنے ظاہر سے دھوکہ دیتا ہے اور ہر حق کے مقابلہ میں ایک باطل بھی ہے جو صورت میں اسکے مشابہ ہے پس ایسی حالتیں سخت ضرورت ہے قوت ممیزہ کی اور بڑی خرابی ہے اسکے لئے جسکے پاس قوت ممیزہ کی کسوٹی اور قینچی نہو۔ کیونکہ وہ ضرور دھوکا کھا جاویگا۔ اچھا اب غلام اور اسکی تحریر کی طرف لوٹنا چاہیئے۔ اچھا سنو کہ اب وہ بادشاہ کو ایک نہایت اعلیٰ درجہ کی عرضی لکھ رہا ہے یہانتک بیان فرما کر مولانا کو پھر جوش ہوتا ہے اور اس قصہ کو چھوڑ کر پھر مدعیان باطل کی خبر لیتے ہیں۔

شرح شبیری

آیت فاوجس فی نفسہ خیفۃ موسیٰ قلنا لا تخف الخ کی تفسیر

گفت موسیٰ سحر ہم حیران کنی است   چوں کنم کایں خلق را تمیز نیست

یعنی موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ جادو بھی ایک حیران کن چیز ہے تو میں کیونکر کروں کہ مخلوق کو تمیز نہیں ہے مطلب یہ کہ جب موسیٰ علیہ السلام نے جادوگروں سے مقابلہ کیا تو وہ کہنے لگے کہ ای اللہ لوگوں کو تمیز تو ہے نہیں اور جسطرح معجزہ ایک حیران کن شے ہے اسی طرح سحر بھی ایک عجیب چیز ہے۔ تو یہ لوگ دونوں کو ایک سمجھیں گے تو اب میں کیا کروں۔ اور کس طرح ان لوگوں کے سامنے معجزہ اور سحر میں فرق دکھلاؤں اسپر ارشاد حق ہوتا ہے کہ۔

گفت حق تمیز را پیدا کنم   عقل بے تمیز را بینا کنم

یعنی حق تعالیٰ نے فرمایا کہ میں تمیز کو پیدا کر دونگا اور بے تمیز کی عقل کو بینا کر دوں گا۔

چونکہ معجزات را ظاہر کنم   عقل را در دیدنش فاخر کنم

یعنی میں جب آپ کے معجزات کو ظاہر کرونگا تو عقل کو ان کے دیکھنے کیلئے فخر والی کر دونگا۔

دیدہ بخشم عقل بے تمیز را   کور سازم جاہل ناچیز را

یعنی میں عقل بے تمیز کو آنکھ بخشدونگا اور جاہل بے قدر کو اندھا بنادونگا مطلب یہ کہ حکم حق ہوا کہ اے موسیٰ (علیہ السلام) میں جب آپکے معجزات کو ظاہر کرونگا تو ان کو جادو سے الگ کرنے اور تمیز دینے کیلئے لوگوں کی عقول کو درست اور بینا کر دونگا۔ کہ وہ ان میں فرق کرنیں گے۔ ہاں جو بالکل ہی جاہل ہوگا۔ اور وہ اپنی اصلاح چاہے ہی گا نہیں جیسا ہمکو پہلے سے علم ہے تو اس کو ہم ہدایت نہ کریں گے بلکہ اور زیادہ اندھا بنادیں گے اور ارشاد ہے کہ۔

گرچہ چوں دریا برآوردند کف   موسیا تو غالب آئی لاتخف

یعنی اگرچہ یہ لوگ دریا کی طرح جھاگ لائے ہیں (مگر) اے موسیٰ تم ہی غالب آؤگے ڈرو مت۔ مطلب یہ کہ اگرچہ یہ ساحرین بے انتہا ہیں مگر ان سب پر تم اکیلے غالب آجاؤگے لہذا کوئی خوف کی بات نہیں ہے

بود اندر عہد خود سحر افتخار   چوں عصا شد مار آنہا گشت عار

یعنی جادو اپنے زمانہ میں قابل فخر تھا (مگر) جب عصا سانپ ہوا تو وہ سب (سحر) قابل عار ہوگئے یعنی اسکے آگے سب بیقدر اور فضول ہوگئے۔

ہر کسے را دعوی حسن و نمک   سنگ مرگ آمد نمکہا را محک

یعنی ہر شخص کو حسن و نمک کا دعویٰ ہے اور موت کا بحران نمکوں کیلئے کسوٹی ہے۔ مطلب یہ کہ ہر شخص اپنے حسن و نمک پر فخر کرتا ہے مگر جب موت آتی ہے اسوقت سب کی حالت کھلجاتی ہے۔ کہ کون حسین و نمکین ہے اور کون نہیں ہے۔ تو موت سب کے لئے کسوٹی کی طرح ہے۔

سحر رفت و معجزۂ موسیٰ گذشت ہر دو را از بام بود افتاد طشت

یعنی سحر گیا اور موسیٰ علیہ السّلام کا معجزہ گذر گیا اور دونوں کا طشت کوٹھے پر سے گر چکا تھا۔ یعنی دونوں مشہور ہو چکے تھے۔

بانگ طشت سحر جز لعنت نماند بانگ طشت دین بجز رفعت نماند

یعنی جادو کے طشت کی آواز تو بجز لعنت کے نہیں رہی اور دین کے طشت کی آواز بجز رفعت کے نہیں رہی۔ مطلب یہ کہ دونوں مشہور ہوئے مگر جادو کی شہرت کا یہ نتیجہ ہوا کہ اسپر اور زیادہ لعنت ہوئی اور معجزۂ موسوی کا یہ نتیجہ ہوا کہ آج تک دین کی رفعت ہو رہی ہے۔ اور مرتبہ بڑھتا چلا جا رہا ہے تو دیکھو کہ اب دونوں کے فنا ہونیکے بعد موت کی کسوٹی نے دونوں کی اصلی حالت کو ظاہر کر دیا۔ آگے مولانا مدعیان کمال کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں کہ۔

چوں محک پنہاں شد است از مرد و زن در صف آ ای قلب اکنوں لاف زن

یعنی جب مرد و زن سب سے کسوٹی پوشیدہ ہو گئی ہے تو اے کھوٹے صف میں آ اور اب شیخی بگھار۔

وقت لافستت محک چوں غائب است می برندت از عزیزی دست دست

یعنی جبکہ کسوٹی غائب ہے تو تیری شیخی کا وقت ہے کہ لوگ تجھے عزت سے ہاتھوں ہاتھ لیجا رہے ہیں۔

ہر دمت عزے و نازے در فزود چوں محک آمد چرا گشتی کبود

یعنی ہر دم تیری عزت اور ناز بڑھ رہا تھا جب کسوٹی آگئی تو تو زرد کیوں ہو گیا۔ (چونکہ موت کو اوپر کسوٹی سے تشبیہ دی تھی تو یہاں مدعی کمال کو زر قلب سے تشبیہ دی ہے اور کامل حقیقی کو زر خالص سے) مطلب یہ کہ مولانا خطاب فرماتے ہیں کہ اے مدعی کمال ابھی موت جو تیری قلعی کھولدیگی ظاہر نہیں ہوئی اور ابھی تجھ تک نہیں پہونچی تو ایسے وقت میں تو خوب شیخی بگھارلے کہ اس وقت تو لوگ تجھے خوب عزت کی نظر سے دیکھیں گے اور ہاتھوں ہاتھ لیجاویں گے اسوقت تو یہ حالت ہوگی۔ پھر خطاب فرماتے ہیں کہ میاں کھوٹے کچھ روز ہوئے تو تمھاری عزت و ناز بڑھتا چلا جا رہا تھا اور تم خوب سر خرو رہتے تھے

اب جو کسوٹی مرگ آئی تو تم زرد اور بے عزت کیوں ہوگئے ہو یعنی وہ تمہارا سارا کمال کہاں جاتا رہا حقیقت کھلتے ہی سارے کمالات دیکھے تو سراسر عیوب تھے۔ آگے کاملین اصلی کا مقولہ بزبان زر خالص نقل فرماتے ہیں کہ۔

قلب می گوید ز نخوت ہر دمم — اے زر خالص من از تو کے کمم

یعنی کھوٹا مجھ سے نخوت کی وجہ سے ہر دم کہہ رہا ہے کہ اے زر خالص میں تجھ سے کب کم ہوں۔ مطلب یہ کہ مدعیان کمال کاملین کی برابری کا دعویٰ کرتے ہیں تو۔

زر ہمی گوید بلے اے خواجہ تاش — لیک می آید محک آمادہ باش

یعنی زر خالص کہتا ہے کہ ہاں بھائی (ٹھیک ہے) لیکن کسوٹی آتی ہے (کسے جانے کیلئے) آمادہ رہنا۔ مطلب یہ کہ کاملین انکے جواب میں یہ فرماتے ہیں کہ ہاں بھائی تم میری بالکل برابر بلکہ مجھسے بڑھے ہی ہوئے ہو مگر کسوٹی آنے والی ہے اسوقت سب کی حقیقت کھلجاویگی تو ذرا تیار رہنا تاکہ کسوٹی پر رکھے جانے سے تمہارے کمالات خوب خوب ظاہر ہوں۔ مولانا فرماتے ہیں کہ۔

مرگ تن ہدیہ ست بر اصحاب راز — زر خالص را چہ نقصان ست گاز

یعنی بدن کی موت اصحاب راز کیلئے تو ہدیہ ہے۔ زر خالص کو قینچی سے کیا نقصان۔ مطلب یہ کہ ظاہری تن کی موت اولیاء اللہ کیلئے بطور ہدیہ کے ہے۔ تو بھلا ہدیہ سے کسی کو نقصان بھی پہونچا ہے انکی مثال زر خالص جیسی ہے جیسا کہ ابھی معلوم ہوا۔ تو بھلا زر خالص کو اگر کاٹ دیا جاوے تو کیا اسمیں کوئی نقصان آویگا۔ ہرگز نہیں بلکہ اس سے تو اور بھی اسکا کمال ظاہر ہوگا۔ کہ اوپر سے گرد وغیرہ بیٹھ گئی تھی اسلئے وہ چمک باقی نہ رہی تھی اور اب اندر سے چمکتا دمکتا نکل آیا۔ اسی طرح اس تن ظاہر کے ملنے کی وجہ سے کاملین کے نور روحانی پر ایک حجاب پڑگیا تھا اور گرد بیٹھ گئی تھی موت کے بعد انکے کمالات ظاہر ہوئے اور وہ نور روحانی چمکا۔ بخلاف کھوٹے سونے کے کہ اگر اسکو کاٹا جاوے تو اندر سے سیاہ نکلے گا اسلئے کہ اسکی ٹیپ ٹاپ تو اوپر ہی اوپر سے ہے اندر تو جیسے ہیں سب جانتے ہیں اسی طرح مدعیان کاذب بھی اول تو اپنے دعاوے باطلہ سے اپنے بازار کمال کو خوب رونق دیتے ہیں مگر جب موت آتی ہے اسوقت تمام کمالات زائل ہوکر اندر سے سیاہ باطن نکل آتے ہیں والعیاذ باللہ اللھم احفظنا منہ آگے فرماتے ہیں کہ۔

قلب اگر در خویش آخر بین بُدے　　آں سیہ کاخر شد او اول شدے

یعنی کھوٹا اگر اپنی حالت میں آخر بین ہوتا تو جو سیاہ کہ آخر میں ہوا ہے اول ہو جاتا۔

چوں شدے اول سیہ اندر لقا　　دور بودے از نفاق و از شقا

یعنی جب اول ہی لقا میں سیاہ ہو جاتا تو نفاق اور شقاوت سے دور ہو جاتا۔

کیمیائے فضل را طالب بدے　　عقل او بر زرق او غالب بدے

یعنی کیمیائے فضل کا طالب ہوتا تو اسکی عقل اسکے مکر پر غالب ہوتی۔ مطلب یہ کہ یہ مدعیان کاذب اگر اول ہی اپنے انجام میں نظر کرتے اور یہ جانتے کہ یہ ہمارا کمال ظاہری ایکدن کھلے گا اور پھر سب میں رسوائی ہوگی اور یہ سیاہی باطن ایکدن رنگ لانے والی ہے تو وہ اول ہی مجاہدات و ریاضات کر کے اپنے دعوے کمالات کو فنا کر دیتا تو آج اس نفاق و شقاوت سے چھوٹ کیمیائے فضل کا طالب ہوتا۔ تو فضل ہو جاتا اور مکر پر عقل غالب ہو جاتی۔ جیسا کہ زرخالص اول آگ میں پڑتا ہے تو اسپر جو میل کچیل مٹی وغیرہ لگجاتی ہے وہ سب الگ ہو کر اندر سے چمکتا ہوا سونا نکل آتا ہے اسی طرح کاملین اول میں مجاہدات و ریاضات سے رذائل نفس کو دور فرماتے ہیں جو کہ مٹی وغیرہ کی طرح تھے تب وہ آج کامل ہوتے ہیں اور ان پر فضل حق مبذول ہوتا ہے مگر چونکہ اس مدعی کاذب نے ایسا نہیں کیا لہذا یہ کورے کے کورے ہی رہے۔

چوں شکستہ دل شدے از حال خویش　　جابرا شکستگاں دیدے بہ پیش

یعنی اگر اپنے حال پر شکستہ دل ہوتا تو شکستہ دلوں کے جوڑنے والے کو سامنے دیکھتا مطلب یہ کہ اگر یہ کھوٹا شکستگی اختیار کرتا اور دعوے کو چھوڑتا تو حق تعالیٰ کسی شیخ کامل کو جو شکستہ دلوں کے جوڑنے والا ہوتا اسکے لئے ہدایت کیلئے بھیجدیتے۔ اور آج یہ بھی کامل اہل ہوتا۔ مولانا فرماتے ہیں کہ۔

عاقبت را دید او اشکستہ شد　　از شکستہ بند در دم بستہ شد

یعنی جس نے کہ انجام پر نظر کی وہ تو شکستہ ہو گیا بند شکستگی سے فوراً بستہ ہوا۔ مطلب یہ کہ جس نے انجام بینی اور شکستگی اختیار کر کے دعوے کو ترک کر دیا تو اسکا یہ نتیجہ ہوا کہ آج وہ شکستگی سے چھوٹ گیا اور شیخ کامل نے آکر اسکو بھی کامل بنا دیا۔

فضل مس ہارا سوئے اکسیر راند　　آں زراند ود از کرم محروم ماند

یعنی فضل نے تانبوں کو اکسیر کی طرف چلایا۔ اور جھول والا کرم سے محروم رہا۔ مطلب یہ کہ جو اپنے کو ناقص کہہ رہے تھے اور دعوے کمال نہ کر رہے تھے فضل حق نے انکو تو شیوخ کے پاس پہونچا دیا۔ جو اکسیر کی طرح تھے اور یہ تانبے کی طرح تھے لہذا اکسیر سے ملنے سے یہ بھی سونا ہوگئے اور جو اول ہی سے مدعیان کمال تھے وہ ویسے کے ویسے ہی رہے اسلئے کہ جب وہ اول ہی سے مدعی کمال ہیں پھر ان کو کامل بنانے کی کوئی حاجت نہ سمجھی گئی مگر چونکہ اصل میں تو کامل نہ تھے لہذا فضل حق سے محروم رہے اور کوئی شیخ کامل نہ مل سکا جیسے کہ جھول چڑھا ہوا تانبا ہوتا ہے کہ اسکو سونا سمجھکر کوئی اکسیر کے پاس نہیں لیجاتا کیونکہ سمجھتے ہیں کہ یہ تو خود ہی سونا ہے مگر ایکدن وہ جھول بھی اتر جاتا ہے اور تانبا کا تانبا رہجاتا ہے لہذا خدا کیلئے دعوے کو ترک کرو اور انکساری اور تواضع اور شکستگی اختیار کرو کہ فضل وکرم تم پر مبذول ہو۔ اسی کو فرماتے ہیں کہ۔

اے زر اندودہ مکن دعوے بہ بیں ۔۔۔ کہ نماند مشتریت اعمے چنیں

یعنی اے سونیکے جھول والے دیکھ دعوی مت کر کیونکہ تیرے خریدار اسی طرح اندھے نہ رہیں گے بلکہ

نور محشر چشم شان بینا کند ۔۔۔ چشم بندی ترا رسوا کند

یعنی نور محشر انکی آنکھ کو بینا کر دیگا اور تیری نظر بندی کو رسوا کر دیگا۔ مطلب یہ کہ اے مدعی کاذب آج تو ان لوگوں کو بہکا کر اپنے کمالات کا معتقد بنالے مگر یاد رکھ کہ ایکدن انکی آنکھ بھی کھلنے والی ہے اور قیامت کے روز اصل حالات منکشف ہونے والے ہیں اس روز تیری اس نظر بندی کی حقیقت اور تیرا یہ دعویٰ کاذب انکو معلوم ہوگا تو بہت فضیحۃ ہوگا۔ اور سب کے سامنے رسوائی ہوگی لہذا تم اول ہی سے اپنے انجام کو سوچکر ترک دعویٰ کردو۔ کیونکہ انجام بینی میں بڑے بڑے فائدے ہیں اسی کو فرماتے ہیں کہ۔

بنگر آنہا نرا کہ آخر دیدہ اند ۔۔۔ حسرت جانہا و رشک دیدہ اند

یعنی آخر بین لوگوں کو دیکھو کہ وہ جانوں کے محسود اور آنکھوں کیلئے قابل رشک ہیں۔ مطلب یہ کہ دیکھو جو حضرات انجام بین ہیں انکو دیکھو کہ اس انجام بینی کی بدولت آج محسود ارواح مقدسہ اور قابل رشک ہو گئے ہیں تو اگر تم بھی انجام بین ہوگے تمکو بھی یہ مرتبہ حاصل ہو جاویگا۔

منگر آنہا را کہ حالے دیدہ اند ۔۔۔ سر فاسد ز اصل سر بریدہ اند

یعنی اُن لوگوں کو مت دیکھو جنھوں نے کہ موجودہ حالت ہی پر نظر کی ہے اور سر فاسد کو اصلی سیر سے قطع کرلیا ہے مطلب یہ کہ جو لوگ حالت موجودہ کو دیکھنے والے ہیں اور اُنھوں نے اُس عالم سے قطع تعلق کرلیا ہے اور دنیا ہی میں منہمک ہو گئے ہیں اُنکو مت دیکھو اور اُن جیسے مت بنو اسلئے کہ۔

پیش حالے بین کہ در جہل است و شک　　صبح صادق صبح کاذب ہر دو یک

یعنی دیکھو موجودہ حالت کو دیکھنے والے کے سامنے جو کہ جہل و شک میں مبتلا ہے صبح صادق اور صبح کاذب دونوں ایک ہیں (حالانکہ)

صبح کاذب صد ہزاراں کارواں　　داد بر باد ہلاکت اے جواں

یعنی اے جوان صبح کاذب نے لاکھوں قافلے برباد کرکے ہلاک کرڈالے (صبح صادق سے مراد حق اور کاذب سے باطل) مطلب یہ کہ جو شخص انجام بین نہیں ہے اور اُسکی نظر صرف موجودہ حالت ہی پر ہے اُسکے نزدیک حق و باطل دونوں ایک ہی ہیں۔ اُسکو دونوں میں کچھ بھی تمیز نہیں ہوتی، حالانکہ ظاہر ہے کہ باطل نے لاکھوں کو گمراہ کیا ہے جیسے کہ صبح کاذب کو اگر کوئی قافلہ صبح صادق سمجھکر چل کھڑا ہو تو رہزن اُسکو لوٹ لیتے ہیں۔ اور ہلاک ہوجاتا ہے اسی طرح باطل نے لاکھوں کو برباد کیا ہے تو اسکی خطا یہ ہے کہ ان دونوں میں یہ فرق و تمیز نہیں کرتا۔ اور اگر خود تمیز نہیں تھی تو کسی ایسے کی تلاش کرتا جسکو تمیز ہوتی۔ تو وہ تمکو بھی باتمیز کر دیتا۔ لہذا اب جسطرح ہوسکے حق کو طلب کرو۔ اور باطل کو ترک کرو۔ اسی کو فرماتے ہیں کہ۔

صبح صادق را طلب کن اے عزیز　　تا ز صدق او شوی صاحب تمیز

یعنی اے عزیز صبح صادق کو طلب کر تاکہ اُسکے صدق کی بدولت تو صاحب تمیز ہو جاوے۔ مطلب یہ کہ جب حق کو تلاش کرو گے تو اُسکی برکت سے تمھارے باطن میں ایک نور پیدا ہوگا اور وہ نور تمکو حق تک رہنما ہو جاویگا۔ اور جو چیزیں کہ باطل بصورت حق ہیں اُنکو پہچان سکو گے ورنہ اگر وہ نور باطن حاصل نہوگا تو اُنکی پہچان ہونا بہت مشکل ہے اسی کو فرماتے ہیں کہ۔

نیست نقدے کش غلط انداز نیست　　وائے آں جاں کش محک و گاز نیست

یعنی کوئی نقد ایسا نہیں ہے کہ اسکا کوئی غلط انداز نہو تو اُس جان پر افسوس ہے جسکے پاس کسوٹی اور قینچی نہو مطلب یہ کہ ہر کھرے کی صورت میں کھوٹے اور حق کی صورت میں باطل ہر جگہ موجود رہتے ہیں

پس ضرورت اسکی ہے کہ اُن میں پہچان ہو اور شناخت کر کے باطل کو چھوڑا جاوے اور حق کو لیا جاوے مگر وہ شخص بڑا قابل حسرت ہو کہ جسکو اسکی پہچان کی کسوٹی یعنی نور باطن حاصل نہو لہذا اول وہ نور حاصل کرو۔ اور وہ حاصل ہوتا ہے اہل نور کی خدمت سے لہذا کسی شیخ کامل کو تلاش کر کے اُسکے قدموں میں جا پڑو تاکہ تمکو وہ نور باطن حاصل ہو جاوے اور تم بھی صاحب نور اور صاحب تمیز ہو جاؤ۔ آگے اُس غلام کے قصہ کی طرف رجوع فرماتے ہیں کہ۔

باز رو سوئے غلام و کتبتش | کو سوئے شہ می نویسد نامہ خوش

یعنی پھر غلام اور اسکے خط (کے قصہ) کی طرف چلو۔ کہ وہ بادشاہ کو ایک خط خوش لکھ رہا ہی (خوش کہدینا بطور طعن کے ہے) مطلب یہ کہ اُسکے قصہ کو بیان کرو۔ اتنا لکھکر مولانا کو پھر جوش ہوا اور اوپر جو مدعی کے دعوے کی خرابی بیان فرمائی ہے آگے بھی اسکو زجر کے طور پر فرماتے ہیں کہ میاں اس دعوے کو ترک کرو ورنہ ہلاک ہو جاؤ گے ابھی اُس غلام کا قصہ رہگیا جوش میں اس مضمون کو بیان فرمانے لگے ہیں۔

شرح حبیبی

مدعی کو دعوی کرنے سے روکنا اور انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام کے اتباع کا حکم کرنا

بو مسیلم گفت من خود احمدم | دین احمد را بفن برہم زدم
بو مسیلم را بگو کم کن بطر | غرۂ اوّل مشو آخر نگر
ایں قلاوزی مکن از حرص جمع | پس روئے کن تا رود در پیش شمع
شمع مقصد را نماید ہمچو ماہ | کایں طرف دانہ است یا خود دامگاہ
گر نخواہی ورنہ خواہی با چراغ | دیدہ گردد نقش باز و نقش زاغ

گرچہ این زاغاں دغل افروختند ، بانگ بازاں سفید آموختند

بانگ ہدہد گر بیاموزد قطا ، راز ہدہد کو و پیغام سبا ،

بانگ بر رستہ ز بر بستہ بداں ، تاج شاہاں را ز تاج ہدہداں

حرف درویشاں و نکتہ عارفاں ، بستہ اند این بے حیایان بر زباں

ہر ہلاک امت پیشیں کہ بود ، زانکہ چندل را گماں بردند عود

بود شاں تمیز کاں مظہر کند ، لیک حرص و آز کور و کر کند

کوری کوراں ز رحمت دور نیست ، کوری حرص ست کاں معذور نیست

چار میخ شہ ز رحمت دور نے ، چار میخ حاسدی مغفور نے

ماہیا آخر نکو بنگر بہ شست ، بدگلوئے چشم آخر بینت بست

با دو دیدہ اول و آخر بہ بیں ، ہیں مباش اعور چو ابلیس لعیں

اعور آں باشد کہ حالے دید و بس ، چوں بہائم بے خبر از پیش و پس

چوں دو چشم گاؤ در جرم تلف ، ہمچو یک چشم است کش نبود شرف

نصف قیمت ارزد آں دو چشم او ، کہ دو چشمش راست مسند چشم تو

ور کنی یک چشم آدم زادۂ ، نصف قیمت لازم است از جادۂ

زانکہ چشم آدمی تنہا بخود ، بے دو چشم یار کارے میکند ،

چشم خر چوں اولش بے آخر ست ، گر دو چشمش ہست حکمش اعور ست

این سخن پایاں ندارد آں خفیف ، می نویسد رقعہ در طمع رغیف

مسیلمہ کذاب نے کہا تھا کہ میں خود احمد یعنی انکی طرح متبوع ہوں مجھے اُن کے اتباع کی ضرورت

نہیں اور میں نے دین احمد کو تباہ کر دیا۔ اور بہت سے لوگوں کو اس سے مرتد کر دیا ہے۔ مگر اس سے کہدو کہ اکر ملمت اور ابتدا پر مت پھول انجام کو دیکھ یہ تیری تلبیس قائم رہنے والی نہیں ہے۔ دین احمد صلے اللہ علیہ وسلم تو عروج ہی پاویگا۔ مگر تو خود برباد ہو جائیگا۔ تو جماعت بڑہانیکے لئے رہنما بن بلکہ تو پیچھے چل تاکہ شمع نبوت تیرے آگے آگے چلے اس سے تو بیخطر ہو جاویگا۔ اور رستہ کے مہالک سے بے تکلف محفوظ رہیگا۔ کیونکہ شمع کی خاصیت ہے کہ وہ چاند کی طرح خود بخود مقصد کو واضح کرتی ہے اور بتلاتی ہے کہ اس طرف دانہ ہے یا جال لگا ہوا ہے یعنی نفع ہے یا ضرر اور چراغ کی خاصیت ہے کہ اسکے ہوتے ہوئے چار و ناچار باز اور کوے میں امتیاز ہوتا ہے علیٰ ہذا مدعیان کمال کو چاہیئے کہ وہ شیخ کا اتباع کریں اور اُنکی ہمسری نکریں اس سے اُن کو فائدہ یہ ہوگا کہ استعداد کے بُرے نتائج سے محفوظ رہیں گے اور بدون کاوش کے نفع و ضرر اور خیر و شر پر مطلع ہونگے اب مدعیان باطل کی قلعی کھولتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اگرچہ ان کوؤں کی طرح حریص مدعیان کمال نے مکر کو رونق دی ہے اور سفید بازوں کی مانند اہل اللہ کی بولی سیکھ کر حقائق و معارف بگھارتے ہیں مگر اس سے وہ اہل اللہ نہیں ہو سکتے کیونکہ ان میں وہ صفات نہیں جو اہل اللہ میں ہوتی ہیں دیکھو اگر مرغ سنگخوار ہدہد کی بولی سیکھ لے تو اس سے وہ ہدہد نہیں ہو سکتا کیونکہ اسکے پاس وہ راز سلیمان کہاں ہے جسکا وہ حامل تھا یعنی وہ پیغام سبا کہاں ہے پس تمکو پابند دام ہوا و ہوس اور اُس سے آزاد لوگونکی آوازوں اور تاج شاہی اور تاج ہدہد میں فرق کرنا چاہیئے اور اشتراک اصوات وتیجان فی بعض الصفات سے دہوکا نہ کھانا چاہیئے دیکھو ان کے پاس کچھ بھی باطنی دولت نہیں بلکہ صرف اتنی بات ہے کہ ان بیحیاؤں نے فقراء و عرفا کے ملفوظات اور نکتے رٹ رکھے ہیں۔ ہم تمکو ان سے بچنے کی اسلئے ترغیب دیتے ہیں کہ ایسے لوگوں کے دہوکے میں آجانا نہایت خطرناک ہے پہلی امتیں جسقدر ہلاک ہوئی ہیں اسی وجہ سے ہوئی ہیں کہ انھوں نے پتھروں کو عود یعنی نااہلوں کو اہل سمجھ لیا اور انکا اتباع شروع کر دیا۔ تمکو شاید شبہ ہو کہ جب یہ جرم غلط فہمی سے کیا گیا تو ہلاک کیوں ہوئے۔ اسکا جواب یہ ہے کہ وہ معذور نہ تھے کیونکہ انکو فطرۃً اسقدر قوت ممیزہ عطا ہوئی تھی کہ وہ انبیا کے کمالات اور مدعیان کمال کے فریب کو ظاہر کر دیتی مگر حرص جاہ و مال وغیرہ کی خاصیت ہے کہ وہ اندھا اور بہرا بنا دیتی

ہے نہ حق کو دیکھنے دیتی ہے۔ اور نہ سُننے دیتی ہے۔ اس نے انکو اندھا اور بہرا بنا رکھا تھا اسلئے وہ عفو کے مستحق نہ تھے کیونکہ جو لوگ فطرۃً قوت ممیزہ اور بصیرت نہیں رکھتے۔ وہ بیشک رحمت کے مستحق ہیں مگر جو اندھا پن حرص سے پیدا ہو ایسا اندھا پن عذر نہیں۔ اور حق سبحانہ کا شکنجہ یعنی فطرۃً قوت ممیزہ کی کمی تو رحمت حق سے دور نہیں ہے۔ لیکن حسد کا شکنجہ جسمیں آدمی باختیار خود پھنستا ہے مستحق معافی نہیں ہے۔ اری مچھلی (مکلف) تو ذرا کانٹے کو بھی غور سے دیکھ لے اور سمجھ لے کہ یہ غذا جسکے حاصل کرنے کیلئے تو جا رہی ہے تیری جان لیکر رہیگی مگر تو دیکھے کیونکر تیری انجام بین آنکھ کو تو تیرے چٹورپن نے بند کر رکھا ہے۔ تو اسے چھوڑ اور دونوں آنکھیں کھول تو وہ حالت موجودہ اور انجام دونوں کو دیکھ۔ اور ابلیس ملعون کی طرح کانی نہ بن۔ جو شخص صرف موجودہ حالت پر نظر کرتا ہے اور جانوروں کی طرح آگے پیچھے کی خبر نہیں رکھتا وہ کانا ہے جیسے ابلیس اور اسکے متبعین۔ دیکھو چونکہ بیل کی دو آنکھیں حق وجوب ضمان تلف میں مثل آدمی کے ایک آنکھ کے ہیں (نقلہ القہستانی عن فخر القضاۃ کذا فی الشامیۃ) کیونکہ انہیں شرف استعداد حاصل نہیں جو کہ آدمی کی آنکھ کو ہے اسلئے اُنکی دونوں آنکھوں کا معاوضہ اُنکی قیمت کا نصف ہے۔ کیونکہ اُنکی دونوں آنکھیں راہ بینی میں مستقل نہیں جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں بلکہ اُنکا اعتماد آدمی کی آنکھ پر ہے اور وہ محتاج ہیں آدمی کی آنکھ کے (اور ہذا التعلیل صاحب الہدایۃ لوجوب ربع القیمۃ فی فقأ عین واحدۃ للبقرۃ والحمار ونحوہما وقال لانہ انما یمکن اقامۃ العمل بہا باربعۃ اعین وعینا ہا وعینا المستعمل فکانہا ذوات اعین اربعۃ فیجب الربع بفوات احدہما ومقتضے ہذا التعلیل ان یجب فی العینین نصف القیمۃ کما قال بہ فخر القضاۃ فیمکن ان یکون مولانا رضی اللہ عنہ سلک ہذا المسلک او رجحہ باجتہادہ) اور اگر آدمی کی ایک آنکھ پھوڑ دیجاوے تو بحکم شریعت ایک آنکھ کا معاوضہ نصف قیمت (یعنی دیت) ہوگا کیونکہ آدمی کی آنکھ مستقل بنفسہ ہے۔ اور بدون معاون کی آنکھوں کے کام کرتی ہے نیز جانوروں کی آنکھیں حالت موجودہ کو دیکھتی ہیں اور انجام کو نہیں دیکھتیں برخلاف آدمی کے اسلئے اُنکی دونوں آنکھیں مثل ایک آنکھ کے ہیں۔ اور وہ دو آنکھوں کے باوجود بھی حکم میں کانے کے ہیں (یہ ایک نکتہ ہے نہ کہ علت اسلئے اسکا اطراد ضروری نہیں اب یہ شبہ نہیں ہو سکتا کہ اس تعلیل کا مقتضا تو یہ ہے کہ سب جانوروں کا حکم ایک سا ہو۔ حالانکہ ایسا نہیں) خلاصہ یہ کہ

گائے بیل اور گدہے کیلئے صرف دو ظاہری آنکھیں ہیں جو انسان کی بمنزلہ ایک ظاہری آنکھ کے ہیں اسلئے وہ انسان کے مقابلہ میں کانے ہیں اور انسان کیلئے دو ظاہری آنکھیں ہیں اور ایک چشم باطنی ہے پس چونکہ اسکی دونوں ظاہری آنکھیں آپسمیں تو مقصد میں متحد ہیں اور چشم باطن کے مخالف کیونکہ وہ دونوں اول ہیں اور چشم باطن آخر ہیں۔ اسلئے اسکی دونوں ظاہری آنکھیں حکم میں ایک آنکھ کے ہیں اور دوسری آنکھ اسکی چشم باطن ہے۔ پس جسکی چشم باطن کو رہے وہ کانا ہوگا اُس شخص کے مقابلہ میں جسکی دونوں آنکھیں ظاہری و باطنی سالم ہیں۔ خیر یہ گفتگو تو ختم ہی ہوگی اب سنو کہ وہ خفیف الحرکۃ غلام رومی کی طبع میں عرضی لکھتا ہے۔

شرح شبّیری

مدعی کو دعویٰ کرنے سے روکنا اور انبیا علیہم السّلام اور اولیار کرام کے اتباع کا حکم کرنا

بوسیلم گفت من خود احمدم　　　دین احمد را بفن برہم زدم

یعنی بوسیلم نے کہا کہ میں خود احمد (صلے اللہ علیہ وسلم کی طرح) ہوں اور میں نے دین احمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو چالاکی سے درہم برہم کر دیا ہے۔ مطلب یہ کہ دیکھو مسیلمہ کذاب نے دعویٰ نبوت کیا اور کہا کہ میں خود پیغمبر ہوں مجھے کسی کی اتباع کی حاجت نہیں ہے اور خاصکر اُس دین کا اتباع کو کیا کرونگا جسکو میں نے چالاکی سے بہت سا ضرر پہونچایا ہے کہ اُدہر سے لوگوں کو بہکا بہکا کر مرتد کر دیا ہے مولانا فرماتے ہیں کہ۔

بوسیلم را بگو کم کن بطر　　　غرۂ اول مشو آخر نگر

یعنی مسیلمہ کذاب سے کہدو کہ اکڑ مت موجودہ حالت پر مغرور مت ہو انجام کو دیکھ۔

ہین قلاوزی مکن از حرص جمع　　　پس روے کن تا رود در پیش شمع

یعنی ہاں جماعت کی بڑھانے کی حرص سے رہبری مت کر اتباع اختیار کر تا کہ شمع آگے آگے چلے۔

شمع مقصد را نماید ہمچو ماہ　　　کایں طرف دانہ است یا خود دامگاہ

یعنی شمع چاند کی طرح مقصود کو دکھلا دیتی ہے کہ اس طرف دانہ ہے یا جال ہے۔

گر بخواہی ور نخواہی با چراغ　　　دیدہ گردد نقش باز و نقش زاغ

یعنی خواہ تم چاہو یا نہ چاہو چراغ کے ساتھ تو باز کا نقش اور کوے کا نقش ظاہر ہو ہی جاویگا مطلب یہ کہ مولانا فرماتے ہیں کہ او مسیلم جو اتباع احمد صلے اللہ علیہ وسلم سے عار کرتا ہے اس کو کہہ دو کہ اے تو اس حالت موجودہ کو مت دیکھ بلکہ انجام پر نظر کر کہ اسوقت تو بیشک تیری قدر ہو رہی ہے اور تیرا بازار خوب گرم ہے مگر انجام کار جو نتیجہ ہوگا وہ ظاہر ہے کہ دین احمد صلے اللہ علیہ وسلم کو عروج اور ترقی ہوگی اور تجھے ذلت و خواری ہوگی لہٰذا انجام کو سوچ کر اس حرص سے کہ کچھ لوگ اتباع کر لیں گے تو خوب تعریفیں ہوا کریں گی اور ہم بھی بڑے لوگوں میں شمار ہونے لگیں گے متبوع مت بن کہ اسمیں بڑی بڑی خرابیاں ہیں تو تو اتباع اختیار کر لے تاکہ شمع ہدایت تیرے آگے آگے ہو۔ اور تو اسکا اتباع کرتا ہوا حق و باطل کو اور نافع و مضر کو دیکھتا ہوا چلا جاوے جیسے کہ شمع ہوتی ہے کہ جب آگے شمع چلتی ہے تو رستہ صاف معلوم ہو جاتا ہے اور ہر چیز متمیز ہوتی ہے تو رستہ کو پہچانکر چلتے ہیں اسی طرح اس شمع ہدایت کے اتباع سے تم بھی بخوف و خطر راہ حق طے کر سکوگے اور حق و باطل میں تمیز ہو جاویگی او مسیلمہ سے مراد یہاں مولانا کی مطلق مدعی کاذب ہے تو مقصود مولانا کا یہ ہے کہ اے مدعی کمال اپنے شیخ سے الگ ہو کر مستقلاً اس راہ میں قدم مت رکھو اور ابھی متبوع مت بنے جاؤ۔ بلکہ کچھ روز تابع بن لو اسکے بعد خود ہی متبوع بنجاؤ گے پھر تو تم بچو گے اور لوگ تمکو بڑا مانیں گے اور بے اتباع کے تو یوں ہی رہوگے۔ حضرت حافظ رح اسی کو فرماتے ہیں

در مکتب حقائق پیش ادیب عشق　　　ہاں اے پسر بکوش کہ روزی پدر شوی

مگر ہاں یہ یاد رہے کہ اگر اتباع اس نیت سے ہوا کہ ہم بڑے بنجاویں تب بھی نہ ہوگا بس اتباع محض ہو کہ جس سے مقصود رضائے حق ہو اور کوئی مقصود نہو اور یہ مذہب ہو کہ

فراق و وصل چہ باشد رضائے دوست طلب　　　کہ حیف باشد ازو غیر او تمنائے

بس اتباع شیخ سے مقصود یہی ہو کہ یہ اللہ والے ہیں ان کے اتباع سے خدا راضی ہوگا جب یہ نیت خالص ہوگی بس ایک وہ دن آویگا کہ تم کامل بنجاؤ گے اور لوگ خود بخود تمہارا اتباع کرینگے اور پھر تم سچے صاحب کمال ہوگے چونکہ مصرع دیدہ گردد نقش باز و نقش زاغ میں حق کو باز سے اور

باطل کو زاغ سے تشبیہ دی ہے تو آگے اہل حق اور اہل باطل کو بھی ان ہی باز و زاغ سے تشبیہ دیکر اہل باطل کی قلعی کھولتے ہیں کہ۔

گرچہ ایں زاغان زغل افروختند — بانگ بازان سپید آموختند

یعنی اگرچہ ان کووں نے کھوٹ کو روشن کیا ہے اور سپید بازونکی آواز انھوں نے سیکھ لی ہے (مگر)

بانگ ہدہد گر بیاموزد قطا — راز ہدہد کو و پیغام سبا

یعنی اگر قطا ہدہد کی آواز سیکھ لے تو ہدہد والا راز اور سبا کا پیام کہاں ہے۔ (قطا ایک جانور سنگخوار ہوتا ہے) مطلب یہ کہ اگرچہ ان مدعیان کاذب نے کاملین کی باتیں سیکھ لی ہیں اور انکے ملفوظات یاد کر کے لوگوں کو بہکاتے ہیں کہ اُن باتوں کو سنکر اِن کو بھی بزرگ سمجھا جاتا ہے مگر تم یوں تو دیکھو کہ ان کے پاس صرف زبانی جمع خرچ ہی ہے یا کچھ باطن میں بھی رکھتے ہیں اسکی ایسی مثال سمجھو کہ اگر ہدہد کی بولی کی قطا جو سنگخوار جانور ہے نقل اتارے اور اسی طرح بولنے لگے تو اس بولنے سے اُسکو ہدہد نہ سمجھنا چاہیئے۔ بلکہ یہ دیکھو کہ اسکو پیام سلیمانی بھی یاد ہے یا نہیں جو اُنھوں نے سبا میں بھیجا تھا پس اگر وہ یاد نہیں ہے تو معلوم ہوگیا کہ یہ ہدہد نہیں۔ اسی طرح اگر اُن صاحب ملفوظات میں کچھ باطنی کمال بھی ہو جو پیام سلیمانی کی مشابہ ہے تب تو انکو اہل اللہ سمجھو۔ ورنہ سمجھ لو کہ مدعی کاذب ہے۔ اور اس سے الگ رہو۔ اور یہ بات کہ اُن میں کمال باطنی بھی ہے یا نہیں۔ خود ان کے پاس بیٹھنے سے اور ان کے پاس رہنے والونکی حالت کو دیکھنے سے صاف معلوم ہو جاویگا۔ پس تم کو چاہیئے کہ۔

بانگ بر رستہ ز بر بستہ بداں — تاج شاہان را ز تاج ہدہداں

یعنی چھوٹے ہوئے کی آواز میں اور بندھے ہوئے کی آواز میں اور تاج شاہی اور تاج ہدہد میں تمیز کرو۔ مطلب یہ کہ دیکھو جو شخص ہوا و ہوس کا قیدی ہے اور جو اُس سے چھوٹا ہوا ہے دونوں کی حالت میں فرق کرو اور پہچانو کہ یہ کیسا ہے علیٰ ہذا ہدہد کا بھی تاج ہوتا ہے اور شاہی تاج بھی ہوتا ہے مگر دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ اسی طرح کاملین و مدعیان کاذب میں بالکل ظاہر فرق ہے جو اوپر بھی بیان ہوا۔ اور بارہا پہلے بھی بیان ہو چکا ہے لہذا ان دونوں میں تمیز پیدا کرو اور حق و باطل کو متمیز کر کے حق کی طرف چلو آگے فرماتے ہیں کہ ہم جو تمکو منع کرتے ہیں اسکی وجہ یہ ہے کہ۔

حرف درویشان و نکتہ عارفاں بستہ اند این بیحیایاں بر زباں

یعنی درویشوں کے ملفوظات اور عارفین کے نکتے ان بیحیاوں نے زبانیر باندھ رکھے ہیں۔

ہر ہلاک امت پیشین کہ بود زانکہ چندل را گماں بردند عود

یعنی ہر پہلی امت ہلاک جو ہوئی ہے اسی لئے کہ انھوں نے پتھر کو عود سمجھ لیا مطلب یہ کہ دیکھو ان مدعیان کاذب نے بزرگوں کے ملفوظات اور نکات یاد کر لئے ہیں جس سے یہ بھی کاملین معلوم ہوتے ہیں مگر تم ان میں اور کاملین اصلی میں امتیاز کرو اور انکو ترک کر کے کاملین اصلی کا اتباع کرو۔ اسلئے کہ پہلی امتیں جسقدر ہلاک ہوئی ہیں۔ وہ اسی لئے ہلاک ہوئی ہیں کہ انھوں نے حق و باطل میں نافع اور مضر میں امتیاز نہ کیا۔ تو اگر تم بھی امتیاز نکرو گے تو کہیں تم بھی ہلاک نہو جاؤ اسلئے ہم تمکو روکتے ہیں اور ان کاذبین کے اتباع سے منع کرتے ہیں اب یہاں یہ شبہ ہوا کہ جب ان پہلی امتونکو دھوکہ ہوا اور وہ سمجھ ہی نہ سکے تو انکو معذور سمجھنا چاہئے تھا اور معذور سمجھکر انکو ہلاک نہ کیا جاتا آگے اسکا جواب دیتے ہیں کہ۔

بودشان تمیز کان مظہر کند لیک حرص و آز کور و کر کند

یعنی انکو تمیز تھی جو ظاہر کر دیتی لیکن حرص اور لالچ اندھا اور بہرا کر دیتی ہے۔

کوری کوراں ز رحمت دور نیست کوری حرص است کان معذور نیست

یعنی اندھوں کی کوری تو رحمت سے دور نہیں ہے۔ اور جو کوری کہ معذور نہیں ہے وہ کوری حرص ہے مطلب یہ کہ ان لوگوں کو فطرۃً تمیز بین الحق والباطل کی استعداد تھی مگر انھوں نے اس استعداد کو خود خراب کر لیا۔ اور حرص و ہوا میں پھنسکر بالکل اندھے اور بہرے بنگئے کہ نہ تو خود دیکھ سکے اور جو کسی دوسرے نے جیسے انبیا علیہم السلام نے دکھانا چاہا تو ان کے کلام کو سن بھی نہ سکے تو چونکہ اس کوری کو انھوں نے خود اپنے ہاتھوں لیا ہے لہذا یہ معذور نہیں ہو سکے اور اسکی مثال ظاہر میں دیکھ لو کہ اگر کوئی شخص قدرۃً اندھا ہو جاوے اسپر تو لوگونکو ترس آتا ہے اور ہر شخص اسکو ضرر سے بچانیکی فکر میں ہوتا ہے مگر جو کسی کو حرص کی وجہ سے اندھونکی طرح اپنے ضرر میں جاتے دیکھتے ہیں تو اسپر کسی کو رحم نہیں آتا بلکہ اور غصہ آتا ہے تو ایسے ہی اگر ان کو حق تعالیٰ کی طرف سے فطرۃً بھی استعداد قبول حق اور تمیز بین الحق والباطل کی عطا نہ ہوتی تب تو معذور سمجھے جا سکتے تھے مگر اب تو خود ان ہی کی خطا ہے۔ پھر خود کردہ را علاجے نیست۔ اور

ایک مثال ہے کہ۔

چار میخ شہ ز رحمت دور نے   چار میخ حاسدے مغفور نے

یعنی شاہی عقوبت تو رحمت سے دور نہیں ہے اور حاسدی کی عقوبت معاف کیگئی نہیں ہے مطلب یہ کہ دیکھو اگر کوئی شخص عقوبت شاہی میں مبتلا ہو اور اسکی وجہ سے اسکو تکلیف ہو تو سبکو اسپر رحم آتا ہے اور اگر کوئی شخص حاسد ہو اور حسد کی وجہ سے اسکو تکلیف ہو تو کسی کو بھی رحم نہیں آتا۔ بلکہ اور غصہ آتا ہے اسی طرح اگر کسی شخص کو حق تعالیٰ ہی کی طرف سے استعداد نہ ملتی وہ تو معذور ہو سکتا تھا مگر ان لوگوں نے تو خود اس استعداد کو خراب کیا ہے لہذا بجائے معذور ہونے کے مجرم قرار دئے جائیں گے اور فرماتے ہیں کہ

ماہیا آخر نکو بنگر بہ شست   بدگلوئی چشم آخر بینت بست

یعنی اے مچھلی تو آخر شست کو اچھی طرح دیکھ بدگلوئی نے تیری چشم انجام بین کو بند کر دیا ہے۔ (ماہی سے مراد انسان مکلف ہے) مطلب یہ کہ اے انسان مکلف تو جس کام میں لگ رہا ہے اسکو غور سے دیکھ اور سمجھ کہ اسکا انجام کیا ہے۔ کمبخت تیری حرص نے تجھے اندھا کر دیا ہے اسلئے تجھے جال نظر نہیں آتا لہذا آنکھ کھول اور جال کو دیکھکر اس سے بچ اسی کو فرماتے ہیں کہ

با دو دیدہ اول و آخر بہ بیں   ہیں مباش اعور چو ابلیس لعیں

یعنی دونوں آنکھوں سے اول اور آخر کو دیکھ ہاں ابلیس لعین کی طرح کانا مت بن۔

اعور آں باشد کہ حالے دید و بس   چوں بہائم بیخبر از پیش و پس

یعنی کانا تو وہی ہوتا ہے جس نے کہ صرف موجودہ حالت کو دیکھا اور جانوروں کی طرح آگے پیچھے سے بیخبر ہے

چوں دو چشم گاؤ در جرم تلف   ہمچو یک چشم ست کش نبود شرف

یعنی جیسے کہ بیل کی دونوں آنکھیں تلف کے جرم میں بجائے ایک آنکھ کے ہیں کیونکہ اسکو شرف نہیں ہوتا

نصف قیمت ارزد آں دو چشم او   کہ دو چشمش راست مسند چشم تو

یعنی اسکی وہ دونوں آنکھیں نصف قیمت کی برابر ہوتی ہیں کیونکہ اسکی دونوں آنکھوں کیلئے سہارا تیری آنکھ ہے۔

ور کنی یک چشم آدم زادہٗ — نصف قیمت لازم است از جادہٗ

یعنی اور اگر تو کسی آدمی کی آنکھ پھوڑ دے تو شریعت سے نصف قیمت لازم آوے۔

زانکہ چشم آدمی تنہا بخود — بے دو چشم یار کارے می کند

یعنی اسلئے کہ آدمی کی آنکھ خود مستقلاً بے ساتھی کی دو آنکھوں کے کام کرتی ہے۔

چشم خر چوں اولش بے آخر است — گر دو چشمش ہست حکمش اعور است

یعنی گدھے کی آنکھ جب اسکا اول بے آخر کے ہے تو اگر اسکی دونوں آنکھیں ہوں (تب بھی) وہ حکماً کانا ہی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اے انسان مکلف اپنی دونوں آنکھیں ظاہری اور باطنی کھولو۔ اور موجودہ حالت اور انجام کار دونوں پر نظر کرو۔ ابلیس کی طرح کانے مت ہو جاؤ۔ کیونکہ کانا وہ ہے کہ جو صرف حالت موجودہ پر نظر کرے۔ اور انجام کو نہ دیکھے تو چونکہ ابلیس نے آدم علیہ السلام میں صرف آب و گل پر نظر کی اور اُن کے مرتبہ پر نظر نہ کی اسلئے وہ بھی کانا ہی ہوا لہذا تم ایسے کانے مت بنو بلکہ دونوں آنکھوں سے دیکھکر انجام پر بھی نظر کرو۔ اور دوسری مثال ہے کہ دیکھو بہائم جو کہ انجام بینی سے بےخبر ہوتے ہیں وہ بھی کانے ہی ہیں دلیل اسکی یہ ہے کہ مسئلہ ہے کہ اگر کوئی شخص گائے بیل کی دونوں آنکھیں پھوڑ دے تو نصف دیت لازم آتی ہے اور انسان کی ایک آنکھ پھوڑ دے تب بھی نصف دیت لازم آتی ہے تو اسکی دونوں آنکھیں اسکی ایک آنکھ کی برابر ہوئیں اور وجہ اسکی یہ ہے کہ وہ اپنی دونوں آنکھوں سے بھی بے مرد انسان کے کام نہیں لے سکتا۔ اور انجام کو سوچ کر راستہ نہیں چل سکتا۔ بلکہ جدھر منہ اُٹھیگا چلدیگا۔ لہذا اسکی دونوں آنکھیں بمنزلہ ایک کے ہوئیں۔ اور بجائے دوسری آنکھ کے چشم انسان اسکی ساتھ ہے۔ تو بس اسی طرح جب انسان بھی انجام بینی کو ترک کردے اور صرف حالت موجودہ ہی کو دیکھے تو وہ بہائم کی طرح ہوا اور بہائم باوجود دو آنکھیں ہونے کے کانے ثابت ہو چکے ہیں لہذا اس حالت میں انسان بھی کانا ہی ہوگا تو تمکو چاہئے کہ ایسے کانے نہ بنو بلکہ دونوں آنکھیں کھولکر انجام پر نظر کرو اور حق و باطل میں تمیز کرو۔ اور مولانا نے جو گائے بیل کی آنکھوں میں نصف دیت کی دلیل بیان کی ہے یہ علت نہیں ہے بلکہ محض ایک نکتہ ہے تو بس اب حاصل یہ ہوا کہ تمکو چاہئے کہ انجام بینی اختیار کرکے اپنی حالت میں غور کرو اور پھر حق کو حاصل کرکے باطل پر لات مارو۔ اور حق حاصل ہوتا ہے کسی محقق شیخ کامل کے اتباع سے لہذا اتباع شیخ کرو۔ کہ اسی سے کام بنے گا خوب سمجھ لو۔ آگے پھر قصہ

غلام کی طرف رجوع ہے فرماتے ہیں کہ۔

این سخن پایان ندارد آن خفیف — می نویسد رقعہ در طمع رغیف

یعنی اس بیان کی تو کہیں انتہا نہیں ہے اور وہ خفیف الحرکات روٹی کی حرص میں خط لکھ رہا ہے مطلب یہ کہ یہ بیان تو ختم نہو گا سلسلہ چلتا ہی رہیگا اور اسکا قصہ رہجا ویگا لہٰذا ہم اول اسکے قصہ کو بیان کرتے ہیں۔ آگے قصہ بیان فرماتے ہیں۔

شرح حبیبی

غلام کے وظیفہ کے بارہ میں رقعہ لکھنے کا بقیہ،

رفت پیش از نامہ پیش مطبخی — کاے بخیل از مطبخ شاہ سخی

دور ازو وز ہمت او کاینقدر — از جرے ام آیدش اندر نظر

گفت بہر مصلحت فرمودہ است — نے برائے بخل و نے تنگی دست

گفت دہلیز یست واللہ این سخن — پیش شہ خاکست ہم زر کہن

مطبخی دہ گونہ حجت بر فراشت — او ہمہ رد کرد از حرصے کہ داشت

چون جرے کم آمدش در وقت چاشت — زو بسے تشنیع و او سودے نداشت

گفت قاصد می کنید اینہا شما — گفت نے کہ بندہ فرمانیم ما

این مگیر از فرع این از اصل گیر — بر کمان کم زن کہ از بازوست تیر

ما رمیت اذ رمیت ابتلا است — بر نبی کم نہ گنہ کان از خدا است

آب از سر تیرہ است اے خیرہ چشم — پیشتر بنگر یکے بکشائے چشم

شد ز خشم و غم درون رقعہ — سوئے شہ بنوشت خشمیں رقعہ

اندراں رقعہ ثنائے شاہ گفت — گوہر جود و ثنائے شاہ سفت

کائے ز بحر و ابر افزوں کف تو — در قضائے حاجت حاجات جو

زانکہ ابر انچہ دھد گریاں دہد — کف تو خنداں پیاپے خواں نہد

ظاہر رقعہ اگرچہ مدح بود — بوئے خشم از مدح اثرہا می نمود

زاں ہمہ کار تو بے نور ست و زشت — کہ تو دوری دور از نور سرشت

رونق کار خساں کاسد شود — ہمچو میوہ تازہ ز و فاسد شود

رونق دنیا برآرد ز و کساد — زانکہ ہست از عالم کون و فساد

خوش نگردد از مدیحے سینہا — چونکہ در مداح باشد کینہا

اے دل از کین و کراہت پاک شو — وانگہاں الحمد خواں چالاک شو

بر زباں الحمد و اکراہ درون — از زباں تلبیس باشد یا فسوں

وانگہاں گفتہ خدا کہ ننگرم — من بظاہر من بباطن ناظرم

قبل اسکے کہ وہ درخواست لکھے داروغہ مطبخ کے پاس گیا اور کہا کہ اے وہ شخص جو بادشاہ کی باورچیخانہ کے متعلق بخل کرتا ہے حاشا کہ بادشاہ اور اسکی ہمت عالی ایسی ہوں کہ انکی نظر میں میری ذرا سی خوراک آئے اور وہ اسکے کم کرنیکا حکم دیں بس ضرور یہ خود آپکی کارروائی ہے اس نے جواب دیا کہ یہ صحیح ہے کہ بادشاہ کی نظر میں اسکی کچھ وقعت نہیں مگر اس نے مصلحۃً یہ حکم دیا ہے نہ کہ بخل یا تنگدستی کے سبب۔ اس نے کہا کہ یہ محض آپ کی بناوٹ ہے بادشاہ کے نزدیک تو سونا بھی خاک کی برابر ہے وہ ہرگز ایسا حکم نہیں دے سکتا داروغہ مطبخ نے متعدد دلائل پیش کئے مگر اس نے اپنی حرص کے

سبب ایک کو بھی تسلیم نہ کیا۔ اور سبکو رد کر دیا جب چاشت کے وقت اُسکو خوراک کم ملی تو
اُس نے اُسوقت بھی بہت برا بھلا کہا۔ مگر اسکا بھی کچھ نتیجہ نہ نکلا۔ اس نے کہا کہ آپ لوگ بقصد و
ارادہ خود ایسا کرتے ہیں داروغہ نے جواب دیا کہ نہیں بلکہ ہمکو حکم ملا ہے۔ اور ہم اُسکی تعمیل کرتے ہیں
اسکو آپ ہم متبعین کا قصور نہ سمجھیں۔ بلکہ اسکا منشا اصل بادشاہ ہیں اور ہمکو ملامت نہ کیجئے بلکہ جو کچھ
کہنا ہو بادشاہ کو کہئے ہماری تو ایسی مثال ہے جیسے تیر اور بادشاہ کی ایسی جیسے بازو۔ پس تیر کو نہ
مارے کیونکہ یہ تو بازو کا مقصور ہے۔ اب مولانا فرماتے ہیں کہ رمی جو ما رمیت اذ رمیت میں
جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر کے ان سے سلب کیگئی یہ ایک آزمائش ہے
کہ دیکھیں کون اسکو جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف سے سمجھتا ہے اور کون خدا کی
طرف سے۔ پس ہمکو اس رمی میں جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا قصور نہ بتلانا چاہئے جس طرح
اس غلام نے داروغہ مطبخ کو قصوروار ٹھیرایا ہے۔ کیونکہ یہ فعل خدا کی طرف سے ہے جس طرح کہ غلام کا
وظیفہ بند کرنا بادشاہ کی طرف سے تھا اور یہ پانی اپنے منبع ہی سے گدلا نکلا ہے آمیں نہر کا قصور نہیں
پس اپنی نظر کو نہر ہی تک محدود نہ رکھنا چاہئے بلکہ ذرا آنکھ کھولنی چاہئے۔ اور نظر کو آگے بڑہانا چاہئے
اس مضمون استطرادی کو ختم کر کے مولانا پھر قصہ کی طرف عود فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جب اس نے
داروغہ مطبخ کی یہ گفتگو سنی تو غم و غصہ میں بھرا ہوا رہ گیا اور بادشاہ کو ایک غضب آلود رقعہ
لکھا۔ اس رقعہ میں اولاً اُس نے بادشاہ کی تعریف کی اور بادشاہ کی تعریف اور اُسکے سخاوت کے
موتی پروئے۔ اور لکھا کہ اے وہ بادشاہ جسکا ہاتھ طالب حاجت کی حاجت برآری میں سمندر
اور ابر سے بڑھا ہوا ہی کیونکہ ابر جو کچھ دیتا ہی رو کر دیتا ہے اور آپکا ہاتھ ہنستا ہوا ہمیشہ خوان نعمت سامنے رکھتا ہے
غلام کا مقولہ تو ختم ہو گیا اب مولانا فرماتے ہیں کہ بظاہر یہ رقعہ سراپا تعریف تھا۔ مگر اس تعریف سے
غصہ کے آثار ظاہر ہوتے تھے اس مضمون سے مولانا مضمون ارشادی کی طرف انتقال فرماتے ہیں
اور کہتے ہیں کہ تمھارے کام اسی لئے بے رونق اور بُرے ہیں کہ تم نور باطن سے بہت دور اور ذلیل
ہو اور قاعدہ ہے کہ ذلیل اور بے نور لوگوں کے افعال کی رونق بہت جلد بے رونقی سے مبدل ہو جاتی
ہے جسطرح کہ تازہ میوہ بہت جلد بگڑ جاتا ہے کیونکہ جسطرح اس میوہ کے اندر مادہ فساد موجود ہوتا ہی
اور آخر میں اپنا رنگ لاتا ہے یوں ہی ان میں بھی مادۂ فساد موجود ہوتا ہے اور اپنا اثر دکھلاتا ہی علی ہذا

رونق دنیا بھی بہت جلد مبدل بہ بے رونقی ہو جاتی ہے کیونکہ وہ عالم کون و فساد ہے اور ایک روز اُس کا بگڑنا لازم ہے۔ اب مولانا پھر مضمون سابق کی طرف عود فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ گو وہ رقعہ بظاہر تعریف تھا لیکن چونکہ منشاء اسکا غصہ تھا اسلئے اُس سے بادشاہ کو کوئی خوشی حاصل نہ ہو سکتی تھی۔ کیونکہ قاعدہ ہے کہ جب تعریف کرنے والے کے دل میں عداوت ہو تو اُس تعریف سے جی خوش نہیں ہو سکتا اب پھر انتقال فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جب یہ اصول معلوم ہو گیا تو اے دل اول تجھے اُس کینہ اور نفرت کو دور کرنا چاہیئے جو تجھے حق سبحانہ اور اسکے افعال سے ہے اُسکے بعد الحمد پڑھ اور جو بات ہو ورنہ زبان پر تو الحمد ہو اور دل میں نفرت تو یہ تو یا زبان کا دھوکہ دینا ہے یا اسکا منتر ہے جسکا حق سبحانہ پر کوئی اثر نہیں ہو سکتا بالخصوص ایسی حالت میں جبکہ وہ کہہ بھی چکا ہے کہ ہم ظاہر کو نہیں دیکھتے بلکہ دلکو دیکھتے ہیں اوپر ہم نے کہا تھا کہ محض زبانی تعریف جب تک وہ دل سے نہ نکلے کوئی شئے نہیں۔ اس مضمون کے مناسب اب ہم ایک حکایت سناتے ہیں۔

شرح شبیری

غلام کے وظیفہ کے بارہ میں رقعہ لکھنے کا بقیہ

رفت پیش از نامہ پیش مطبخی ⁂ کاے بخیل از مطبخ شاہ سخی

یعنی وہ غلام رقعہ (بھیجنے) سے پہلے داروغہ باورچیخانہ کے پاس گیا (اور اُس سے بولا) کہ اے شاہ سخی کے مطبخ میں بخیل۔

دور از و وز ہمت او کاینقدر ⁂ از جرے ام آیدش اندر نظر

یعنی اُس (بادشاہ) سے اُسکی ہمت سے یہ امر بہت بعید ہے کہ میرے وظیفہ میں سے اتنی سی چیز اُسکی نظر میں آوے۔ مطلب یہ کہ اُس غلام نے داروغہ مطبخ سے جاکر کہا کہ ارے یہ سارا تیرا فساد ہے تو ہی بخل کرتا ہے اور تو نے بے حکم شاہی میرا وظیفہ کم کیا ہے ورنہ بادشاہ سلامت سے تو یہ بہت ہی بعید ہے کہ وہ اتنی ذرا سی بات کی طرف نظر کریں کیونکہ کھانے میں انتہائی بات ہے کہ چار پانچ روپیہ صرف ہوتے ہونگے پھر بادشاہ کو اور چار پانچ روپیہ کی پرواہ ہو ہو نہیں سکتا ضرور اسمیں کچھ تیری سازش ہے۔

گفت بہر مصلحت فرمودہ است نے برائے بخل و نے تنگی دست

یعنی داروغہ مطبخ نے کہا کہ مصلحت کی وجہ سے (ایسا) حکم دیا ہے۔ نہ بخل و نہ تنگدستی کی وجہ سے

گفت دہلیز یست و اللہ این سخن پیش شہ خاکست ہم زر کہن

یعنی غلام بولا کہ یہ بات تو واللہ ایک سطحی بات ہے (کیونکہ) بادشاہ کے آگے تو خالص سونا بھی خاک ہے۔ مطلب یہ کہ اس غلام نے کہا کہ میاں مصلحت کا ہونا اور اس وجہ سے میرے وظیفہ میں کمی کرنا یہ تو ایک فضول بات ہے بھلا بادشاہ کو جسکے آگے خزانوں کی بھی کوئی قدر نہیں وہ اتنی ذراسی بات پر نظر کرے سمجھ میں نہیں آتا۔ ضرور اسمیں تمھاری شرارت ہے۔

مطبخی دہ گونہ حجت بر فراشت او ہمہ رد کرد از حرصے کہ داشت

یعنی داروغہ مطبخ نے دس طرح پر حجت پیش کی اس نے سب کو رد کر دیا اس حرص کی وجہ سے جو کہ رکھتا تھا۔ مطلب یہ کہ داروغہ مطبخ نے ہر چند چاہا کہ کسی طرح یہ سمجھ جاوے اور مجھپر الزام نہ رکھے مگر بھلا وہ سمجھنے والا کب تھا اس نے ایک نہ مانی اور داروغہ ہی کی شرارت بتاتا رہا۔

چون جرے کم آمدش در وقت چاشت زد بسے تشنیع و او سودے نداشت

یعنی جب چاشت کے وقت اسکا ناشتہ کم آیا تو بہت برا بھلا کہا (مگر) کوئی فائدہ نہوا۔ مطلب یہ کہ چونکہ وہ لوگ تو مامور تھے اسلئے اسکے برا بھلا کہنے سے وہ خلاف ورزی حکم کی نہ کر سکے اور برابر کھانا کم ہی دیتے رہے سو جب چاشت کے وقت ناشتہ ہی اسکو کم ملا تو بہت برا بھلا کہا اور بولا کہ۔

گفت قاصد می کنید اینہا شما گفت نے کہ بندہ فرمانیم ما

یعنی وہ غلام کہنے لگا کہ تم لوگ یہ باتیں قصداً کرتے ہو تو داروغہ نے کہا کہ نہیں ہم تو حکم کے تابع ہیں

این مگیر از فرع این از اصل گیر بر کمان کم زن کہ از بازو ست تیر

یعنی اسکو فرع سے مت سمجھو اسکو اصل سے سمجھو کمان پر (طعن) مت مارو کہ تیر بازو سے ہی ہے مطلب یہ کہ ہماری اور بادشاہ کی مثال تو فرع اور اصل یا کمان اور بازو جیسی ہے۔ تو اس کمی کو تم فرع سے یعنی ہماری طرف سے مت سمجھو بلکہ یہ جانو کہ حکم شاہی اسی طرح ہے دیکھو اگر کسی شخص کے تیر لگے اور وہ اس لگنے کا الزام کمان پر رکھے اور اس سے لڑنے لگے تو اسکی سخت غلطی ہے بلکہ تیر جو چلا ہے وہ تو بازو کی وجہ سے چلا ہے لہذا بازو سے کہو جو کہنا ہے اسی طرح خود بادشاہ سے جا کر عرض کرو

ہمارے کیوں سر ہوتے ہو یہاں جو کہا ہے کہ "این مگیر از فرع الخ" آگے اس سے مولانا انتقال فرماتے ہیں کہ۔

ما رمیت اذ رمیت ابتلا است ‌ ‌ ‌ بر نبیؐ کم نہ گنہ کاں از خدا است

یعنی ما رمیت اذ رمیت امتحان ہے نبی صلے اللہ علیہ وسلم پر الزام مت رکھو کیونکہ وہ تو خدا کی طرف سے ہے مطلب یہ کہ حضورؐ نے جو رمی فرمائی تھی اور وہ تمام لشکر کفار میں پہونچ گئی تھی یہ ایک امتحان تھا کہ دیکھیں کون تو حق تعالیٰ کی طرف سے اسکو سمجھتا ہے اور کون رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرتا ہے تو اس رمی کے اصلی رامی تو حق تعالیٰ ہی ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو محض ایک واسطہ تھے جیسا کہ ظاہر ہے خود ارشاد ہے کہ ما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمیٰ غرضکہ جو کام ہو اسمیں نظر حق تعالیٰ کی طرف ہونی چاہیئے۔ کہ وہی اصل ہیں مخلوق کی طرف جو کہ فرع ہے ہرگز نظر مت کرو۔

آب از سر تیرہ است اے خیرہ چشم ‌ ‌ ‌ پیشتر بنگر یکے بکشائے چشم

یعنی پانی منبع ہی سے خراب ہے اے خیرہ چشم تو منبع کو دیکھ ذرا آنکھ کھول۔ مطلب یہ کہ نالوں میں جو پانی آرہا ہے یہ ایک منبع سے آرہا ہے اور چونکہ وہیں سے گدلا ہے اسلئے ان نالوں میں بھی گدلا ہی ہے پانی کے گدلا ہونے میں نالوں کا کوئی قصور نہیں ہے لہذا جو کام بھی ہو اسمیں نظر کو فروع سے آگے بڑھا کر اصل و مبدا پر نظر کرنی چاہیئے۔ اسی طرح یہاں داروغہ نے کہا کہ ہم تو بندۂ فرمان ہیں ہمکو تو جیسا حکم ملا ہے ویسا کرتے ہیں اس حکم کے ذمہ دار تو حضور بادشاہ سلامت ہیں جو کچھ الزام وغیرہ اگر آسکتا ہے تو ان ہی پر آسکتا ہے ہم تو بالکل بری الذمہ ہیں غرضکہ جب اُس غلام نے داروغہ کی یہ باتیں سنیں تو بہت جھلایا اور اُس جھنجلاہٹ میں یہ کہا کہ۔

شد ز خشم و غم دروں بقعۂ ‌ ‌ ‌ سوئے شہ بنوشت خشمیں رقعۂ

یعنی غصہ اور غم کی وجہ سے ایک کوٹھڑی کے اندر گیا اور بادشاہ کو ایک غصہ کا بھرا ہوا رقعہ لکھا۔

اندراں رقعہ ثنائے شاہ گفت ‌ ‌ ‌ گوہر جود و ثنائے شاہ سُفت

یعنی اُس رقعہ میں بادشاہ کی تعریف لکھی اور بادشاہ کے جود و سخا کے موتی پروئے۔

کائے ز بحر و ابر افزوں کف تو ‌ ‌ ‌ در قضائے حاجت حاجات جو

یعنی کہ اے وہ ذات کہ بحر و ابر سے محتاجوں کی حاجت پوری کرنے میں آپکا ہاتھ زیادہ ہے۔

زانکہ ابر انچہ دہد گریاں دہد ‌ ‌ ‌ کف تو خنداں پیاپے خواں دہد

یعنی اسلئے کہ ابر تو جو دیتا ہے روتا ہوا دیتا ہے اور آپکا ہاتھ ہنستا ہوا پے در پے خواں (نعمت) دیتا ہے۔

ظاہر رقعہ اگرچہ مدح بود بوئے خشم از مدح اثرہا می نمود

یعنی رقعہ ظاہر اتو مدح تھا۔ مگر غصہ کی بو مدح سے بہت سے آثار دکھلا رہی تھی۔ مطلب یہ کہ ایاز کی باتوں سے جھلا کر اپنی کوٹھری میں جہاں رہتا تھا گیا اور وہاں جاکر بادشاہ کو ایک بہت ہی جلا بھنا پرچہ لکھا۔ مگر اول اسمیں القاب و آداب لکھے اور بادشاہ کی تعریفیں کیں اور خوب ہی خوشامدانہ القاب و آداب لکھے مگر اُس مدح میں سے بھی بوئے خشم آرہی تھی اور صاف معلوم ہورہا تھا کہ یہ مدح اور القاب ہرگز دل سے نہیں ہیں بلکہ ان میں غصہ اور حسد وغیرہ پنہاں ہیں کیونکہ کاتب کے مافی الضمیر کا اثر مکتوب میں ضرور آتا ہے۔ جیساکہ مشاہدہ ہے آگے مولانا انتقال فرماتے ہیں کہ۔

زاں ہمہ کار توبے نورست و زشت کہ تو دوری دوراز نور سرشت

یعنی تیرے سارے کام اسی لئے بے نور اور برے ہیں کہ تو نور ازلی سے بعید دور ہے۔ مطلب یہ کہ چونکہ تمھارے قلب میں نور نہیں ہے اور تمام کدورات سے تمھارا قلب بھرا ہوا ہے اسلئے تمھارے سارے کام مکدر اور بے نور ہی ہوتے ہیں۔ خواہ تم کتنا ہی اخلاص ظاہر کرو مگر تمھاری اندرونی حالت اور کدورت صاف تمھارے اعمال سے ظاہر ہوتی ہے۔

رونق کار خساں کاسد شود ہمچو میوہ تازہ زو فاسد شود

یعنی کمینوں کے کام کی رونق بے نور ہوتی ہے جیسے کہ میوہ تازہ کہ جلدی ہی بگڑ جاتا ہے۔

رونق دنیا برآرد زو کساد زانکہ ہست از عالم کون و فساد

یعنی دنیا کی رونق اسلئے بے نوری کو نکالتی ہے کہ وہ عالم کون و فساد سے ہوتی ہے۔ مطلب یہ کہ غیر مخلصین کے اعمال بالکل بے رونق اور بے نور ہوتے ہیں کیونکہ ان میں اول ہی سے اخلاص نہیں ہوتا جو بجائے خود ایک بہت بڑا فساد ہے اور اسی سے ساری خرابیاں واقع ہوتی ہیں جیسے کہ تازہ میوہ ہوتا ہے کہ بوجہ مادۂ فساد ہونے کے جلدی ہی بگڑ جاتا ہے اسی طرح بوجہ اخلاص نہ ہونے کے ان اعمال میں بھی رونق نہیں ہوتی اور بالکل بے نور ہوتے ہیں اور کام کرنے میں صاف معلوم ہوتا ہے کہ بالکل ہی اخلاص کا نام نہیں ہے۔ اسی لئے فرماتے ہیں کہ۔

خوش نگردد از مدیح سینہا — چونکہ در مداح باشد کینہا

یعنی اُس تعریف سے سینے خوش نہیں ہوتے جبکہ مداح میں کینے بھرے ہوں مطلب یہ کہ دیکھو جس طرح اخلاص اور عدم اخلاص کا پتہ لگجاتا ہے اور جو کام دل سے کیا جاوے اور جو بے دلی سے کیا جاوے اُنمیں امتیاز ہوجاتا ہے بس اسی طرح اگر کوئی کینہ ور بظاہر مدح بھی کرنے لگے تو اس مدح سے ممدوح کا قلب خوش نہیں ہوتا۔ کیونکہ اُن کینوں کا اثر صاف اُس مدح میں معلوم ہوتا ہے آگے فرماتے ہیں کہ۔

اے دل از کین و کراہت پاک شو — وانگہاں الحمد خواں چالاک شو

یعنی ارے دل (پہلے) کینوں سے اور کراہت سے تو پاک ہوجا اُسوقت الحمد پڑھ اور چالاک ہو۔

بر زباں الحمد و اکراہ دروں — از زباں تلبیس باشد یا فسوں

یعنی زباں پر الحمد اور دل میں اکراہ یا تو زباں سے دہوکہ دینا ہے یا کوئی فنوں ہے مطلب یہ کہ مولانا مدّاح اور قاری قرآن کو خطاب فرماتے ہیں کہ میاں تم جو الحمد پڑھ رہے ہو اور تمھارا دل اندر سے گھبرا رہا ہے اور دل نہیں چاہتا تو ایسے وقت الحمد پڑہنے سے بجائے ثواب کے شاید اور الٹا عذاب ہو تو اول اس اکراہ وغیرہ کو قلب سے صاف کرو اور قلب کو ان رذائل سے پاک کرو پھر الحمد پڑہو تب وہ کام کی ہوگی ورنہ صرف زباں سے پڑہنا تو ایسا ہے کہ جیسے کوئی کسی کو دہوکا دیتا ہے یا کوئی عمل وغیرہ پڑہا کرتے ہیں کہ اسوقت حمد حق منظور نہیں ہوتی بلکہ صرف اُسکا وہ خاص اثر جو عمل سے مقصود ہے منظور ہوتا ہے مگر اسوقت تو تم تلاوت کر رہے ہو اور مقصود حمد حق ہے پھر جب دل میں تو اکراہ بھرا ہوا ہے تو وہ حمد کہاں رہی صرف زبانی جمع خرچ ہوگیا لہذا الحمد پڑہتے ہو تو دل سے پڑہو اور جی لگا کر تاکہ کارآمد بھی ہو۔ کیونکہ حق تعالیٰ تو دلکو دیکھتے ہیں اُن کے یہاں صرف ظاہر کا عمل معتبر نہیں ہے۔ اسی کو فرماتے ہیں کہ۔

وانگہاں گفتہ خدا کہ ننگرم — من بظاہر من بباطن ناظرم

یعنی اور پھر حق تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ میں ظاہر کو نہیں دیکھتا میں باطن کو دیکھتا ہوں مطلب یہ کہ اول تو خود بھی حق تعالیٰ کے سامنے ایسا کرنا عقل سلیم کے خلاف ہے کیونکہ خدا کی ساتھ دہوکہ بازیکو تو کوئی بھی اچھا نہیں کہہ سکتا۔ اور پھر اوپر سے ایک اور بات یہ ہے کہ حق تعالیٰ ظاہر کو دیکھتے نہیں صرف باطن پر نظر فرماتے ہیں اور تمھارے باطن کی یہ حالت ہے کہ اسمیں اخلاص کا کہیں نام و نشان نہیں ہے صرف زبان ہی سے کلمات حمد نکل رہے ہیں تو بتاؤ کہ پھر بھلا کس طرح تمھارا عمل قبول ہو سکتا ہے جبکہ خود تمھارا عمل ہی

تھالے عدم اخلاص کی گواہی دے رہا ہے تو اسیطرح اس غلام نے جو رقعہ لکھا اور اسمیں شروع میں بادشاہ کی تعریفیں کیں اسنے صاف اسکی ناگواری اور غصہ ٹپک رہا تھا۔ آگے ایک حکایت لاتے ہیں جسکا خلاصہ یہ ہے کہ ایک شخص عراق گیا جب وطن واپس آیا تو بہت بری حالت ہو رہی تھی پھٹے کپڑے ٹوٹے ہوئے جوتے غرض ایک عجیب ہیئت کذائی سے وطن تشریف لائے تو دوستوں نے عزیز و اقارب نے سفر کے حالات دریافت کئے تو آپ فرمانے لگے کہ وہاں جب میں پہونچا تو میں مقرب شاہی ہو گیا۔ اور میری بادشاہ نے بیحد تعظیم و تکریم کی اور بیحد انعامات دئے اور خلعتیں بہت مرحمت کیں مگر اسکی ظاہری حالت اسکے کذب پر پوری طرح دلالت کر رہی تھی اور معلوم ہو رہا تھا کہ یہ ساری باتیں غلط ہیں تو جسطرح اسکی حالت بالکل صاف طور پر اسکے کذب پر دلالت کر رہی تھی اسی طرح غیر مخلص کی حمد بھی اسکے عدم اخلاص پر پوری طرح دلالت کرتی ہے اور صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ تمام حمد و نعت دل سے نہیں ہے۔ لہٰذا زبان کی ساتھ دل کو بھی شریک کرنا ضروری ہے تاکہ وہ عمل مقبول ہو سکے خوب سمجھ لو آگے حکایت بیان فرماتے ہیں۔

شرح حبیبی

حکایت اس مداح کی کہ عزت کیلئے وہ ممدوح کی تعریف کر رہا تھا اور کدورت قلبی کی بو باتوں سے صاف آ رہی تھی اور اسکے پھٹے ہوئے کپڑوں سے صاف معلوم ہوتا تھا کہ یہ ساری مدح جھوٹی ہے اور صرف شیخی ہے

آں یکے با دلق آمد از عراق	باز پرسیدند یاراں از فراق
گفت آرے بد فراق الا سفر	بود بر من بس مبارک مژدہ ور
کہ خلیفہ دادہ دہ خلعت مرا	کہ قرینش باد صد مدح و ثنا

شکرہا و حمدہا برمی شمرد — تا کہ شکر از حد و اندازہ ببرد

پس بگفتندش کہ احوال نژند — بر دروغ تو گواہی می دہند

تن برہنہ سر برہنہ سوختہ — شکر را دزدیدہ یا آموختہ

کو نشان شکر و حمد میر تو — بر سر و بر پائے بے توقیر تو

گر زبانت مدح آن شہ می تند — ہفت اندامت شکایت میکند

در سخائے آن شہ و سلطان جود — مر ترا کفشے و شلوارے نبود

گفت من ایثار کردم آنچہ داد — میر تقصیرے نکرد از افتقاد

بستدم جملہ عطاہا از امیر — بخش کردم بر یتیم و بر فقیر

مال دادم بستدم عمر دراز — در جزا زیرا کہ بودم پاکباز

پس بگفتندش مبارک مال رفت — چیست اندر باطنت این دود نفت

صد کراہت در درون تو چو خار — کے بود اندہ نشان ابتشار

کو نشان عشق و آثار رضا — گر درست است آنچہ گفتی ماضی

خود گرفتم مال گم شد میل کو — سیل اگر بگذشت جائے سیل کو

چشم تو گر بد سیاہ و جانفزا — گر نماند او جانفزا ازرق چرا

کو نشان پاکبازی اے ترش — بوئے لاف کژ ہمی آید خمش

صد نشان باشد درون ایثار را — صد علامت ہست نیکوکار را

مال در ایثار اگر گردد تلف — در درون صد زندگی آید خلف

در زمین حق زراعت کردنے — تخمہائے پاک وانگہ دخل نے

گر نگردد ریع جاں یکدانہ صد ۔ صحن ارض اللہ واسع کے بود

اصل ارض اللہ قلب عارفست ۔ لامکانست و ندارد فوق و پست

گر نروید خوشہ از روضات ہو ۔ پس چہ واسع باشد ارض اللہ بگو

چونکہ ایں ارض فنا بے ریع نیست ۔ چوں بود ارض اللہ مستوسع است

ریع آنرا نے حد و نے عد بود ۔ کمترین دانہ دہد ہفصد بود

حمد گفتی کو نشان حامدوں ۔ نے برونت ہست اثر نے اندروں

حمد عارف مر خدا را راست است ۔ کہ گواہ حمد او شد پا و دست

از چہ تاریک جسمش بر کشید ۔ وز تک زنداں دنیااش خرید

اطلس تقوے و نور مؤتلف ۔ آیت حمدست او را بر کتف

وارہیدہ از جہان عاریہ ۔ ساکن گلزار و عین جاریہ

بر سریر سر عالی ہمتش ۔ مجلس و جا و مقام و رتبتش

مقعد صدقیکہ صدیقاں درو ۔ جملہ سرسبزند و شاد و تازہ رو

حمد شاں چوں حمد گلشن از بہار ۔ صد نشانے دارد و صد گیر و دار

بر بہارش چشمہ و نخل و گیاہ ۔ واں گلستان و نگارستاں گواہ

شاہد شاہد ہزاراں ہر طرف ۔ در گواہی ہمچو گوہر بر صدف

بوئے سر بد بیاید از دمت ۔ از سر و رو تابد اے لافی غمت

بوشناسانند حاذق در مصاف ۔ تو بجلدی ہائے ہو کم کن گزاف

تو ملاف از مشک کاں بوئے پیاز ۔ از دم تو می کند مکشوف راز

گل شکر خوردم همی گوئی و بو — می زند از سیر که یاوه مگو
هست دل مانندهٔ خانه کلاں — خانهٔ دل را نہاں ہمسایگاں
از شگاف روزن و دیوارها — مطلع گردند بر اسرارها
از شگافے که ندارد هیچ وہم — صاحب خانه ندارد هیچ فہم
از نبی برخواں که دیو و قوم او — می برانداز حال انسی خفیه بو
از رہے که انس ازاں آگاه نیست — زانکه زیں محسوس وزیں اشباه نیست
درمیان ناقداں زرقے متن — با محک ای قلب دوں لافے مزن
مر محک را ره بود در نقد و قلب — که خدایش کرد امیر جسم و قلب
چوں شیاطین با غلیظیہائے خویش — واقف اند از سرما و فکر و کیش
مسلکے دارند دزدیده درون — ما ز دزدیہائے ایشان سرنگوں
دمبدم خبط و زیاں شاں میرسد — رنج می بینند زاں جان و جسد
دمبدم خبط و زیانے می کنند — صاحب نقب و شگاف و روزنند
پس چرا جانہائے روشن در جہاں — بیخبر باشند از حال نہاں
در سرایت کمتر از دیوان شدند — روحہا که خیمه بر گردوں زدند
دیو دزدانه سوئے گردوں رود — از شہاب محرق او مطعون شود
سرنگوں از چرخ زیرا فتد چناں — که شقی در جنگ از زخم سناں
آں ز رشک روحہائے دلپسند — از فلک شاں سرنگوں می افگنند
تو اگر شلی و لنگ و کور و کر — ایں گماں بر روحہائے مه سبر

شرم دار و لاف کم زن جان مکن	کہ بسے جاسوس ہست آں سوئے تن

یعنی ایک دلق پوش عراق سے آیا۔ دوستوں نے زمانہ مفارقت کی حالت پوچھی اس نے کہا کہ جدائی تو بیشک تھی مگر یہ سفر میرے لئے نہایت مبارک اور خوشخبری والا تھا کیونکہ بادشاہ نے مجھے دس خلعت دئے ہیں خدا اوسے مدح و ثنا سے مقترن رکھے غرض کہ اس نے اسکا شکر کیا۔ اور تعریفیں کیں یہاں تک کہ اس نے شکر اور تعریفوں کو حد سے بڑہا دیا۔ لوگوں نے کہا کہ آپ تو اسقدر شکر اور تعریفیں کرتے ہیں مگر آپکی تباہ حالت جھوٹ پر گواہی دیتی ہے کیونکہ بدن پر تمہارے کپڑا نہیں سر پہ تمہارے ٹوپی تک نہیں جلے بھنے ہوئے ہو ایسی حالتمیں یہ شکر یا تو تم نے کسی سے چرایا ہے یا سیکھا ہے ذرا آپ اپنے سر پر یا پاؤں پر اپنے آقا کی شکر اور تعریف کی نشانی تو دکھائے کہاں ہے۔ اگر تمھاری زبان بادشاہ کی تعریف کرتی ہے تو تمھارا کل جسم اُسکی بزبان حال شکایت کرتا ہے۔ تعجب کی بات ہے کہ اتنا سخی اور کریم بادشاہ تم پر سخاوت کرے اور نہ تمھارے پاؤں میں جوتہ ہے اور نہ ٹانگوں میں ازار۔ پس معلوم ہوا کہ آپکا بیان محض غلط ہے اس نے جواب دیا کہ میری خستگی کا باعث یہ ہے کہ جو کچھ مجھے ملا تھا میں دوسروں کو دے چکا ہوں بادشاہ نے اپنی عنایت سے دینے میں کمی نہیں کی ہے بلکہ میں نے بادشاہ سے لیکر یتیموں اور فقیروں کو بانٹ دیا ہے اور میں نے مال دیکر اُسکے معاوضہ میں عمر ابدلی ہے کیونکہ میں ایک پارسا شخص ہوں لہذا یہی میرے لئے زیبا ہے۔ لوگوں نے کہا کہ مال کا جانا تو مبارک ہو مگر یہ تو فرمایئے کہ آپکے اندر یہ غم کا تیر اور گرم دہواں کیسا ہے آپ کے دل میں کانٹے کی طرح کھٹکنے والی سیکڑوں ناخوشیاں ہیں اور ایثار کیلئے بشاشت لازم ہے اور غم بشاشت کی نشانی ہو نہیں سکتا تو کیسے کہا جاوے کہ آپ کو خوشی ہے اور جب خوشی نہیں تو کیسے مانا جاوے۔ کہ آپنے وہ تمام مال تقسیم کر دیا۔ جو کچھ آپ نے گذشتہ واقعہ کی نسبت بیان کیا ہے اگر وہ فی الحقیقت صحیح ہے تو عشق و رضا جو کہ منشاء پاکبازی ہیں اُنکی نشانی اور اثر دکھلایئے کہاں ہے مال کو تو میں نے مان لیا کہ وہ تقسیم کرنے سے گم ہو گیا۔ مگر محبت الٰہی جو اسکا منشاء ہے وہ کہاں ہے اور اگر سیلاب گذر گیا ہے تو اُسکا مقام کہاں ہے جس سے سیلاب کا پتہ چل سکے اور اگر تمھاری آنکھ سیاہ اور جانفزا تھی اور اب وہ جانفزا نہ رہی تو نہ سہی لیکن یہ تو بتاؤ کہ یہ کنجی کیوں ہے غرض کہ جب کسی شے کی بابت کوئی دعویٰ کیا جاتا ہے ایسی حالت میں اگر اس شے کے آثار و نشانات نہ موجود ہوں یا اُسکی ضد کے نشانات موجود ہیں

تو وہ قابل تسلیم نہیں ہوتا۔ پس آپ دکھلائیے کہ پاکبازی کی آپ کے اندر کون سی نشانی ہے پس بے
خاموش رہیے۔ آپ کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ غلط ڈینگیں مارتے ہیں جناب آپ نے دو دعوے
کئے ہیں ایک ایثار کا اور ایک پاکبازی کا۔ ایثار کی بھی سیکڑوں علامتیں ہیں اور پارسائی کی بھی اور
ان دونوں کی نشانیوں میں سے آپ میں کوئی نشانی بھی نہیں پائی جاتی۔ پھر آپ کے دعووں کو
سچا کیونکر مان لیا جاوے۔ سنیئے اگر ایثار کرنے میں مال ضائع ہوتا ہے تو باطن میں سیکڑوں قسم
کی زندگیاں اسکی جگہ پیدا ہو جاتی ہیں یعنی سیکڑوں ایسے کمالات باطنی حاصل ہوتے ہیں جنمیں سے
ہر ایک کو ایک حیات مستقل کہا جا سکتا ہے بھلا خدا کی زمین میں کوئی عمدہ بیج بوئے اور پیداوار نہ ہو
اسکے معنی کیا ہیں جو کھیتی جان میں کیجاتی ہے اور اسمیں نیکیوں کا بیج بویا جاتا ہے اگر اسمیں ایک دانہ
کے سو دانے اور ایک نیکی کے سو ثمرے نہوں تو پھر خدا کی زمین وسیع کیونکر ہوگی (ف اسمیں اشارہ
ہے آیۃ کریمہ وارض اللہ واسعۃ کی طرف۔ گو اس آیۃ میں نہ زمین سے مراد روح یا دل ہے اور
نہ وسعت سے وسعت معنوی۔ بلکہ یہاں تو ظاہری ہی معنی مراد ہیں۔ مگر مولانا نے اعتبار کے طور
پر ارض سے قلب یا روح مراد لی اور وسعت سے کثرت انبات) یہانتک تو سائلوں کی گفتگو تھی
اب مولانا انتقال فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ زمین معروف تو خدا کی زمین ہی ہے اسمیں تو کلام ہی
نہیں مگر اصل خدا کی زمین قلب عارف ہے جو اس متعارف زمین سے جداگانہ ہے کیونکہ یہ مکان ہے
وہ لامکان اور اسمیں بلندی و پستی ہے اسمیں بلندی و پستی نہیں۔ پس جبکہ یہ معلوم ہو گیا کہ اصل
خدا کی زمین قلب عارف ہے تو لازم ہے کہ اسکے باغات یعنی صفات محمودہ حق سبحانہ کے باغات
ہوں۔ پس اگر خدا کے ان باغوں میں خوشنمائے ثمرات محمودہ نہ پیدا ہوں تو تمھیں بتاؤ خدا کی زمین
وسیع کیسے ہوگی۔ حالانکہ اسکو زمین کی بہ نسبت زیادہ واسع ہونا چاہیئے۔ کیونکہ حق سبحانہ اپنی زمین
کو واسع فرما رہے ہیں اور ہم بتلا چکے ہیں کہ یہ زمین ارض اللہ ہی ہے مگر اصل ارض اللہ قلب عارف ہے تو وہ بالاولیٰ واسع
ہوگی۔ اور جبکہ یہ ارض فانی بیخبر نہیں تو خدا کی زمین جو اس سے زیادہ وسیع ہے بنجر کیسے ہوگی جب
یہ معلوم ہو گیا تو اب سمجھو کہ اسکی پیداوار بے انتہا اور بے شمار ہے اور معمولی دانۂ نیکی بوؤ تو اسکے سات
سو ثمرات محمودہ پیدا ہوتے ہیں لیکن شرط یہ ہے کہ دانہ اچھا اور جمنے کے قابل ہو۔ جب یہ معلوم ہو گیا
کہ جب دل میں نیکی کا بیج بویا جاتا ہے تو اس سے سیکڑوں ثمرات محمودہ روح و قلب کے اندر پیدا ہوتے

ہیں۔ تو اے ناقص ہم تجھ سے پوچھتے ہیں کہ تو خدا کی تعریف تو کرتا ہے مگر حامدین کی نشانی
یعنی آثار محمودہ تجھ میں کہاں ہیں۔ ہم تو دیکھتے ہیں کہ نہ تیرے دل میں کوئی اثر ہے نہ ظاہر میں
پس معلوم ہوا کہ تیری تعریف کا بیج اچھا نہیں۔ اور وہ تعریف باقاعدہ نہیں۔ برخلاف عرفا کے کہ
یہ جو کچھ خدا کی تعریف کہتے ہیں وہ باقاعدہ ہوتی ہے کیونکہ ان کے اجزاء بدن انکی تعریف کی باقاعدہ
ہونے کی گواہی دیتے ہیں۔ اسلئے کہ وہ تعریف انکے جسم کو اندھیرے کنوئیں سے نکالتی ہے۔ اور اس
دنیا کے جیلخانہ سے رہائی دیتی ہے۔ اور تقوی اور اس نور کا اطلس جو کہ انکی ساتھ مجتمع اور ان کے
رگ و ریشہ میں مخلوط ہو کر ان کے ظاہر جسم پر ظاہر ہوتا ہے۔ ان کے شانہ پر ان کے حمد کی علامت
ہوتا ہے یعنی انکی دنیا سے بے تعلقی۔ ہوا و ہوس سے تجرد۔ تقوی اللہ اور نور حق سبحانہ یہ سب دلائل
ہیں ان کے خلوص حمد کے۔ یہ لوگ اس جہان فانی سے آزاد اور گلزار معارف و حقائق اور ان کے
جاری چشموں میں رہتے ہیں اور انکی نشستگاہ اور جگہ اور مقام اور رتبہ قلب عالی ہمت کے تحت
پر ہوتے ہیں یعنی یہ قلب کے بادشاہ ہوتے ہیں اور اسپر انکا تسلط ہوتا ہے اور انکا مقام وہ اعلیٰ
مقام ہوتا ہے جسمیں صدیق لوگ سرسبز اور شادکام اور ہشاش بشاش رہتے ہیں (ف) قولہ مقعد صدق فیکہ الخ
مقعد صدق کے اندر ولی محمد نے دو احتمال بیان کئے ہیں اول یہ کہ خبر ہو منقش کی جو بیت سابق
میں واقع ہے۔ دوسرے یہ کہ صفت ہو سریر کی احتمال اول تو ایک درجہ میں صحیح ہے۔ مگر احتمال ثانی
غلط ہے۔ کیونکہ اگر مقعد صدق سریر کی صفت ہوگا تو لازم آئیگا کہ اسم ظرف صفت ہو حالانکہ
ایسا نہیں ہو سکتا۔ ہاں بدل یا بیان ہو سکتا ہے مگر اسوقت یہ خرابی ہے کہ تقدیر عبارت یہ ہوگی
بر مقعد صدقیکہ صدیقان در وشاد اند و لا یخفی سخافتہ۔ میرے نزدیک مقعد صدق خبر ہے
مبتدا محذوف کی اسے مقعداو مقعد صدقیست کہ الخ فتدبر) انکی حمد خدا ایسی ہوتی ہے جیسے گلشن
کی حمد خدا بہار کے ذریعہ سے کہ اسکی سیکڑوں نشانیاں اور شان و شوکت موجود ہیں کیونکہ اسکی
بہار پر جو کہ اسکی حمد ہے چشمے۔ درخت۔ نباتات پھولوں کے تختے اور مرزبان باغیچہ گواہ ہیں اور صرف
یہی نہیں کہ اسکی حمد پر گواہی موجود ہوں بلکہ ان گواہوں کے گواہ بھی ہیں اور وہ گواہوں کے گواہ
ہر طرف سیکڑوں بلبلیں ہیں یعنی یہ سب اپنی گواہی میں ایسی ہی سچی ہیں جیسے موتی صدف پر
گواہی دیتے ہیں (ف) اس تقریر سے معلوم ہوا کہ شاہد شاہد ترکیب اضافی ہے نہ کہ توصیفی اور

شاہد ثانی کے معنی گواہ کے ہیں۔ نہ کہ حاضر یا مشاہدہ کرنے والا محبوب۔ اور ہزاران بمعنی عندلیبان ہے نہ کہ عدد (کما فعل المحشون) یہاں تک عارفین کی حالت بیان کر کے پھر گفتگو کا رخ بدلتے ہیں اور مدعی ناقص کو خطاب کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ اے شیخیاں مارنے والے مدعی گو تیری حالت ظاہری عرفا کے مشابہ ہے مگر تیری گفتگو سے تیری بد باطنی کی بو آتی ہے۔ اور تیرے چہرہ سے تیرا غم جھلکتا ہے تو یہ نہ سمجھنا کہ میں اپنی گفتگو سے سب کو دھوکا دے لونگا۔ کیونکہ اس معرکہ میں ایسے ماہر لوگ بھی موجود ہیں جو بو کو پہچانتے ہیں پس جلدی سے فضول ہائے وہو مت کر اور جوش و خروش مت دکھلا۔ اور تو مشک کھانے کا دعوےٰ نہ کر کیونکہ تیری سانس سے تیری اندرونی حالت معلوم ہوتی ہے تو مدعی کہ میں نے گلقند کھائی ہے۔ مگر تیرے منہ سے لسن کی بدبو آرہی ہے جو کہتی ہے کہ تو فضول بکواس مت کر تو یاد رکھ کہ دل کی ایسی مثال ہے جیسے ایک بڑی حویلی ہو۔ اور اس حویلی کے پاس کچھ پڑوسی رہتے ہیں جو کہ سوراخوں میں سے اور دیواروں پر سے اسکی اندرونی حالت معلوم کر لیتے ہیں۔ اور اس شگاف سے مطلع ہوتے ہیں جسکا کسی کو خیال بھی نہیں ہوتا اور صاحب خانہ اسکو سمجھتا بھی نہیں دیکھو قرآن میں مذکور ہے کہ ابلیس اور اسکی ذریات آدمی کی مخفی حالت کو خفیہ طور پر معلوم کر لیتے ہیں اور اس راہ سے معلوم کرتے ہیں جسکا آدمی کو پتہ بھی نہیں ہوتا۔ کیونکہ وہ رستہ از قبیل محسوسات بحواس ظاہرہ و از قبیل اجسام نہیں ہوتا۔ جسکے احساس کا یہ عادی ہے جب یہ معلوم ہوگیا تو اب ہم کہتے ہیں کہ تم مبصرین کے درمیان رہکر فریب مت کرو۔ کیونکہ وہ فریب چلنے والا نہیں ہے۔ اور اے کھوٹے سونے تو کسوٹی کے سامنے شیخی نہ مار کیونکہ یہ کسوٹی کھرے کھوٹے دونوں کی حالت کو جان لیتی ہے کیونکہ خدا نے اسکو جسم اور دل دونوں کا حاکم بنایا ہے کیونکہ جب شیاطین باوجود اپنی کثافت یا خباثت کے آدمی کے اسرار اور افکار وغیرہ معلوم کر لیتے ہیں اور باطن میں ان کے لئے ایک چور گلی بنی ہوئی ہے جس سے وہ چوری کرتے ہیں اور ہم انکی چوری سے مغلوب و معکوس ہیں اور ہمکو ان سے ہر دم ایک نیا جنون اور نقصان پہونچتا ہے اور ہمارے اجسام و ارواح کو ان سے ہر دم تکلیف پہونچ رہی ہے اور ہر وقت وہ ہمکو ایک نیا جنون دیتے اور نیا نقصان پہونچاتے ہیں کیونکہ ان کیلئے ہمارے ارواح و اجسام میں ایک مخفی نقب لگی ہوئی ہے اور مخفی روزن کھلا ہوا ہے جس سے وہ یہ کارروائیاں کر سکتے ہیں۔ تو ارواح نورانیہ ہماری حالت مخفیہ سے کیونکر ناواقف رہ سکتی ہیں اگر ایسا ہو تو لازم ہوگا کہ جو ارواح گردوں نشیں ہیں اور

راز ہائے آسمانی کے جاننے والے ہیں وہ شیاطین سے بھی کم ہو جاویں حالانکہ وہ ہرگز ان سے کم نہیں اور دلیل اسکی یہ ہے کہ شیاطین آسمان پر جاتے ہیں تو وہ جلا دینے والے شہاب سے مارے جاتے ہیں جس سے وہ زمین پر یوں اوندھے منہ گرتے ہیں جیسے ایک بدبخت جنگ میں انکا زخم کھا کر گرے۔ اور فرشتے انکو ان ارواح طیبہ دمر غوبہ کے رشک کے سبب گراتے ہیں۔ کیونکہ اس سے انکو غیرت ہوتی ہے کہ جو اسرار حصہ ہیں ارواح طیبہ کا ان میں شیاطین بھی شریک ہوں جب انکی یہ حالت ہے تو پھر وہ کیونکر شیاطین سے کم ہو سکتے ہیں ہم نے مانا کہ تو لنگڑا لنجا اور اندھا اور بہرا ہے اور تجھے باطن سے کچھ واقفیت نہیں۔ اور تو اسمیں گھس نہیں سکتا مگر تجھے عالی مرتبہ ارواح پر ایسا گمان نکرنا چاہئے اور شرم کرنی چاہئے اور ان کے سامنے شیخی نہ مارنی چاہئے۔ اور ظاہر کو آراستہ کر کے فضول زحمت میں نہ پڑنا چاہئے۔ کیونکہ بہت سے ایسے لوگ ہیں جو جسم کے اندر کے حالات کے جاننے والے ہیں (ف) واضح ہو کہ مولانا نے جو عرفا کے جاسیس القلوب ہونیکا دعویٰ کیا ہے اور اسپر اس طرح استدلال کیا ہے کہ شیاطین جب اسرار قلوب پر مطلع ہو جاتے ہیں تو اہل اللہ کیوں نہ ہونگے اس سے مقصود محض دفع استبعاد اہل اللہ کی اطلاع یابی سے اور یہ مقصود نہیں کہ جس طرح شیاطین کو بوجہ ایک خاص غرض یعنی امتحان عباد کے اختیار دیا گیا ہے کہ جب چاہیں مطلع ہو جائیں یوں ہی اہل اللہ کو بھی اختیار ہے کیونکہ اہل فن کا مسلم مسئلہ ہے کہ کشف اہل اللہ اختیاری نہیں بلکہ جسوقت حق سبحانہ چاہتے ہیں اسوقت انکو مطلع کر دیتے ہیں۔ اور جسکو چاہتے ہیں اُسے مطلع کرتے ہیں۔ بس نہ کشف حالات کے لحاظ سے عام ہے اور نہ افراد کے لحاظ سے یعنی نہ یہ ہی ہے کہ ہر کسی کو کشف ہو۔ اور نہ یہ ہی کہ جسے کشف ہو اُسے ہر حالتیں ہو اگر تم کو ہمارے اس بیان کی تائید خود مولانا ہی کے کلام سے مطلوب ہو۔ تو سنو دفتر سوم میں مولانا نے دقوقی کا قصہ لکھا ہے اسمیں بیان کیا ہے کہ دقوقی نے اہل کشتی کیلئے اثنار نماز میں دعا کی مقتدین کو جو عارفین کامل تھے اتنا تو مکشوف ہو گیا کہ کسی نے دعا کی ہے مگر یہ کسی کو معلوم نہوا کہ دعا کرنے والا کون ہے چنانچہ نماز کے بعد اُنھوں نے آپسمیں گفتگو کی اور ایک نے دوسرے سے پوچھا کہ تم نے دعا کی تھی اُن سب نے انکار کیا اُسوقت اُنھوں نے سمجھا کہ دعا کرنے والے دقوقی ہیں نیز دقوقی کو اتنا بھی معلوم نہوا کہ یہ کون لوگ ہیں علی ہذا مثنوی کے تتبع سے اور بھی اسکے نظائر ملیں گے پس ناظر مثنوی کو چاہئے کہ مولانا کے ظاہر کلام سے دھوکہ نہ کھاوے۔ کیونکہ کبھی اُن کے

کلام سے وہ معنی مفہوم ہوتے ہیں جو انکی مراد نہیں ہوتی۔ ایسے مقام پر قواعد شرعیہ اور اصول اصل فن اور خود مولانا کے دوسرے کلام کو پیش نظر رکھکر معنی سمجھے ورنہ گمراہی کا اندیشہ ہے۔

شرح شبیری

حکایت اُس مداح کی کہ عزت کے لئے وہ ممدوح کی تعریف کر رہا تھا اور کدورت قلبی کی بو باتوں سے صاف آ رہی تھی اسکے پھٹے ہوئے کپڑوں صاف معلوم ہوتا تھا کہ یہ ساری مدح جھوٹی ہے اور صرف شیخی ہے

آں یکے با دلق آمد از عراق ‎ ‎ باز پرسیدند یاران از فراق

یعنی وہ ایک شخص گدڑی باز عراق سے واپس آیا تو دوستوں نے (زمانہ) فراق کے حالات دریافت کئے یعنی لوگوں نے پوچھا کہو جی سفر میں کیا کیا گذری کس کس طرح رہے۔

گفت آرے بد فراق الا سفر ‎ ‎ بود بر من بس مبارک مژدہ ور

یعنی کہنے لگا کہ ہاں فراق تو تھا مگر سفر میرے لئے تو بڑا مبارک خوشخبری والا تھا۔ مطلب یہ کہ آپنے جواب دیا کہ سفر میں صرف ایک امر تو شاق تھا کہ سب سے جدائی تھی بس اسکا تو غم رہتا تھا ورنہ یہ سفر تو میرے لئے بڑا مبارک سفر تھا اسلئے کہ۔

کہ خلیفہ دادہ دہ خلعت مرا ‎ ‎ کہ قرینش باد صد مدح و ثنا

یعنی کہ خلیفہ نے مجھے دسیوں خلعتیں عطا فرمائیں سیکڑوں مدح و ثنا اُسکی ساتھی رہے۔

شکر ہا و حمد ہا برمے شمرد ‎ ‎ تا کہ شکر از حد و اندازہ ببرد

یعنی شکر یے اور تعریفیں کرتا رہا یہانتک کہ شکر کو حد اور اندازہ سے گذار دیا۔ مطلب یہ کہ کہنے لگا کہ میں جو عراق میں پہونچا تو خلیفہ نے مجھے دسیوں تو خلعتیں عطا فرمائیں اور مزید انعامات عطا کئے اور بڑی عزت و منزلت کی اور وہ ایسے ہیں اور ایسے ہیں غرض حد سے زیادہ خلیفہ کی تعریف شروع

کردی۔ کہ اُس نے مجھے یوں انعام دئے اور یوں خلعتیں عطا کیں۔

پس بگفتندش کہ احوال نژند　　بر دروغ تو گواہی می دہند

یعنی اسپر لوگوں نے اُس سے کہا کہ گدڑی کی حالت تو تیری جھوٹ پر گواہی دے رہی ہے۔

تن برہنہ سر برہنہ سوختہ　　شکر را دزدیدہ یا آموختہ

یعنی بدن ننگا سر ننگا جلا بھنا تو شکر تو چرا لیا ہے یا سیکھ لیا ہے۔

کو نشان شکر و حمد میر تو،　　بر سر و بر پائے بے توقیر تو،

یعنی تیرے سر اور پائے بے توقیر پر تیرے ممدوح اور حمد کا نشان کہاں ہے۔

گر زبانت حمد آں شہ می تند　　ہفت اندام ت شکایت میکند

یعنی اگر تیری زبان اُس بادشاہ کی حمد کرتی ہے تو تیرے ساتوں اعضا تیرے جسم کی شکایت کرتے ہیں۔

در سخائے آں شہ و سلطان جود　　مر ترا کفشے و شلوارے نبود

یعنی اُس بادشاہ اور سلطان جود کی سخا میں تیرے لئے ایک جوتہ اور ایک پاجامہ نہیں تھا۔ مطلب یہ کہ اُنکی باتیں سنکر لوگوں نے کہا کہ میاں تمھاری حالت تو کہ سر ننگے پاؤں وہاں سے آئے ہو تم کو جھوٹا ثابت کر رہی ہے کیونکہ جیسے تم اپنے ممدوح کی تعریف کر رہے ہو اسکا اثر بھی تو کچھ تمھارے اعضا پر ہونا چاہئے کہ عمدہ عمدہ لباس ہوتے ان خلعتوں میں سے کوئی خلعت پہنے ہوئے ہوتے اب تو تیری زبان تو تعریف کر رہی ہے مگر اور سارے اعضا انکار کر رہے ہیں بھلا ایسا بھی کیا تھا کہ خزانہ شاہی میں تیرے لئے ایک جوڑا جوتہ اور ایک پائجامہ نہیں تھا کہ جو تجھے دیدیتے۔ اور تو اُنکو پہن لیتا۔ تو چیتھڑے لگا کر یہاں نہ آتا مطلب یہ کہ وہاں تو یہ سب چیزیں ہیں مگر حضرت بادشاہ تک تمھاری رسائی ہی نہیں ہوئی ہے اور یہ تمھارے سارے شکر ہے اور حمد لیسے ہیں جیسے کہ تم نے سبق پڑھ لیا ہے کہ بس آموختہ سا پڑھ دیا ورنہ حقیقت اُنکی کچھ بھی نہیں اسکو سنکر وہ بات بنا تا ہے!

گفت من ایثار کردم انچہ داد　　میر تقصیرے نکرد از افتقاد

یعنی کہنے لگا کہ جو کچھ بادشاہ سلامت نے عطا کیا تھا میں نے سب لٹا دیا ورنہ بادشاہ نے خبر گیری میں کمی نہیں کی۔

بستدم جملہ عطاہا از امیر — بخش کردم بر یتیم و بر فقیر

یعنی میں نے تمام انعامات بادشاہ سے تو لے لئے (مگر) یتیموں اور فقیروں کو بخش دئے۔

مال دادم بستدم عمر دراز — در جزا زیرا کہ بودم پاکباز

یعنی میں نے مال تو دیدیا اور بدلے میں عمر دراز لے لی۔ کیونکہ میں ایک پاکباز شخص تھا۔ مطلب یہ کہ اُن لوگوں کی باتیں سنکر بولے کہ ہاں بے شک مجھپر اسکو کوئی اثر نہیں رہا اور میری یہ حالت ہوگئی مگر اس سے یہ نہیں لازم آتا کہ بادشاہ نے انعامات نہیں کئے بلکہ بادشاہ نے تو انعامات کئے تھے مگر چونکہ میں بھی خود سخی تھا (بلکہ بادشاہ سے بھی زیادہ سخی تھے) اسلئے بادشاہ سے لیکر میں نے فقیروں مسکینوں کو بخشدئے۔ اپنے پاس نہیں رکھے اور بجائے مال و زر کے اُن سے دعا لے لیں۔ کہ جب اُنکو مال ملا تو اُنھوں نے درازی عمر و ترقی درجات کی دعائیں دیں اُسکو سنکر اُن لوگوں نے جواب دیا کہ۔

پس بگفتندش مبارک مال رفت — چیست اندر باطنت این دود و تفت

یعنی پھر اُس سے لوگوں نے کہا کہ مبارک ہو کہ مال گیا (مگر) آپ کے باطن میں یہ تیز دھواں کیا ہے

صد کراہت در درون تو چو خار — کے بود اندہ نشان ابتشار

یعنی سیکڑوں کراہتیں تیرے اندر کانٹے کی طرح بھری ہوئی ہیں تو غم بشاشت کی نشانی کب ہوتا ہے

کو نشان عشق و ایثار و رضا — گر درست است آنچہ گفتی ماضی

یعنی عشق اور ایثار اور رضا کی نشانی کہاں ہے۔ اگر جو تم ماضی (قصہ) کو بیان کر رہی ہو وہ سچ ہے

خود گرفتم مال گم شد میل کو — سیل اگر بگذشت جای سیل کو

یعنی میں نے مان لیا کہ مال جاتا ہے (مگر) میل کہاں ہے سیل اگر گذر گیا تو جائے سیل کہاں ہے۔

چشم تو گر بد سیاہ و جانفزا — گر نماند او جانفزا ازرق چرا

یعنی اگر تیری آنکھ سیاہ اور جانفزا تھی اگر جانفزا نہیں رہی تو کرنجی کیوں ہوگئی۔

کو نشان پاکبازی اے ترش — بوے لاف کژ ہمی آید خمش

یعنی اے ترش (رو) پاکبازی کی نشانی کہاں ہے بس چپ رہ فضول سخنی کی بو آرہی ہے۔

صد نشان باشد درون ایثار را — صد علامت ہست نیکوکار را

یعنی ایثار کے لئے تو قلب میں سیکڑوں نشانیاں ہوتی ہیں اور نیکوکار کے لئے سو علامتیں ہوتی ہیں۔

مال در ایثار گر گردد تلف　　در درون صد زندگی آید خلف

یعنی مال اگر ایثار میں تلف ہو جاوے تو بدلے میں سیکڑوں زندگی باطن میں آجاتی ہیں۔

در زمین حق زراعت کردنے　　تخمہائے پاک و آنگہ دخل نے

یعنی حق تعالیٰ کی زمین میں زراعت کرنا اور تخم عمدہ اور آمدنی نہو (محال ہے)۔

گر نگردد زرع جاں یکدانہ صد　　صحن ارض اللہ واسع کے بود

یعنی اگر روحانی کھیتی میں ایکدانہ کے سو دانے نہوں۔ تو حق تعالیٰ کی زمین کا صحن واسع کب ہو مطلب یہ کہ جب اُس نے بہت شیخی بگھاری کہ مجھے یوں خلعت وغیرہ ملی تھیں مگر میں چونکہ ایک سخی شخص تھا میں نے سب تقسیم کردیں اسلئے میرے پاس کچھ نہ رہا۔ اور میں مفلس کا مفلس ہی رہگیا۔ تو لوگوں نے اُس سے کہا کہ میاں اس طرح مال کا خرچ کردینا اور خیرات کردینا تو مبارک ہو اور خداوند کریم ہمیشہ اسکی توفیق دے مگر یہ تو بتاؤ کہ یہ خیرات کرکے اور کسی کو چیز دیکر تو دل میں خوشی اور بشاشت ہوتی ہے اور ایثار و خیرات سے تو حب حق قلب میں جاگزیں ہوتی ہے۔ اور اگرچہ مال پاس نہیں ہوتا مگر فرحت ایسی ہوتی ہے کہ وہ مال کی موجودگی میں بھی شاید نہوتی۔ اسلئے خدا کی راہ میں خرچ کرنا تو قرب حق اور حب حق کو زیادہ کرتا ہے پھر اسکے سامنے مال و دولت ظاہری کیا چیز ہیں حب دل میں حب حق ہو اسکی فرحت بیحد ہوتی ہے۔ تو ہم نے مانا کہ مال تو نہ رہا مگر ایثار کا جو اثر فرحت ہے وہ تو ہوتا جیسے کہ مثلاً کسی جگہ پانی کی رو آوے تو پھر اگر وہاں رو موجود نہ رہے مگر اُسکا نشان اور اثر تو موجود رہتا ہے علیٰ ہذا اگر مثلاً جوانی میں کسی کی آنکھ بہت ہی دلربا اور نفیس ہو اور بڑھاپے میں وہ دلربائی آہیں نہ رہے تو یہ بھی تو نہیں کہ کرنجی ہو جاوے ہاں وہ دلربائی نہ سہی وہ ادائیں نہ سہی مگر پتلی سیاہ تو رہے اسی طرح مال نہیں رہا تو اسکا اثر تو رہے اسلئے کہ مشاہد ہے کہ اگر کسی کو احسان کے طور پر مال دیا جاتا ہے معطی کو بیحد فرحت ہوتی ہے پھر تجھے غم کیوں ہے معلوم ہوتا ہے کہ ساری باتیں تیری شیخی پر مبنی ہیں نہ تجھے کچھ ملا ہے اور نہ تو نے کسی کو کچھ دیا ہے۔ بھلا خدا کی زمین میں کوئی زراعت کرے اور بیج بھی عمدہ ہو اور پھر اُس سے آمدنی نہو اور ایک دانہ کے سو دانے نہوں کب ممکن ہے حق تعالیٰ فرماتے ہیں وارض اللہ واسعۃ جسکے معنی اعتبار کے طور پر یہ بھی ہوسکتے ہیں کہ

ارض سے مراد قلب مومن لیا جاوے تو بھلا قلب میں کھیتی کیجاوے کہ ایثار اور سخاوت کیجاوے اور اعمال حسنہ اسمیں تخم ہوں اور پھر اسکا اثر نہو کیسے مان لیا جاوے کیونکہ وہ تو ارض واسعہ ہے پھر اسمیں تو ایک ایک دانہ کے سوسو اگنا ضروری ہیں اور تیرے اندر سو تو سو ایک بھی موجود نہیں لہذا بس چپ رہو اور بیہودہ مت بکو کہ فضول ہے معلوم ہوگیا کہ آپ کی ساری باتیں غلط ہیں تو دیکھو جسطرح اسکی باتوں سے اور بادشاہ کی تعریف کرنے سے بس صاف معلوم ہوتا تھا کہ یہ جھوٹا ہے اسی طرح اگر حمد حق کیجاوے اور قلب میں کراہت بھری ہوئی ہو تو اسکا بھی کوئی اثر معتد بہ نہیں ہوتا اگرچہ بیکار وہ بھی نہو۔ مگر پوری پوری کارآمد نہیں ہے جیسا کہ ظاہر ہے آگے مولانا انتقال فرماتے ہیں کہ

اصل ارض اللہ قلب عارف ست　　　لامکانست و ندارد فوق و پست

یعنی اصل خدا کی زمین تو عارف کا قلب ہے جو لامکانی ہے اور اوپر نیچے نہیں رکھتا۔ (قلب سے مراد یہ قلب صنوبری نہیں ہے بلکہ وہ مراد ہے جو لطائف میں سے ہے تو)۔

گر نروید خوشہ از روضات ہو　　　پس چہ واسع باشد ارض اللہ بگو

یعنی اگر غیب کے باغوں میں سے خوشہ نہ اُگے اللہ کی زمین بتاؤ تو کیا واسع ہوئی مطلب یہ کہ حق تعالیٰ نے فرمایا ہے وارض اللہ واسعۃ اور اصل خدا کی زمین قلب عارف ہے جو لامکانی ہے تو اگر اسمیں خوشے نہ جمیں اور غیب کے باغوں سے اسمیں پھل نہ لگیں تو بھلا پھر خدا کی زمین واسع کہاں ہوئی اور حق تعالیٰ واسع فرماتے ہیں تو معلوم ہوا کہ اگر اسمیں کوئی کھیتی کریگا تو ضرور اسمیں آمدنی ہوگی اور پھل پھول لگیں گے اسلئے کہ۔

چونکہ این ارض فنا بے ریع نیست　　　چون بود ارض اللہ آن متوسع است

یعنی جبکہ یہ زمین فانی بے پیداوار کے نہیں ہے تو وہ خدا کی زمین جو وسیع ہے کیونکہ (بے پیداوار کے) ہوگی۔ (بلکہ)

ریع آنرا نے حدو نے عد بود　　　کمترین دانہ دھد ہفصد بود

یعنی اسکی آمدنی کی نہ کوئی حد ہے اور نہ گنتی ہے گھٹیا سے گھٹیا دانہ دے اور سات سو ہو جاویں مطلب یہ کہ جب اس زمین فانی میں کاشت کرنے سے آمدنی ہوتی ہے اور ایک ایک دانہ سے

بہت سے دانے اُگتے ہیں تو بھلا زمین حق یعنی قلب میں کوئی کاشت کرے اور اعمال صالحہ کا بیج ڈالے اور پھر آمدنی نہ غیر ممکن ہے ضرور آمدنی ہوگی بلکہ اُسکی آمدنی تو ایسی ہوگی کہ جسکی کچھ تھاہ ہی نہیں بے انتہا آمدنی ہے جو عمل صالح کہ بادی النظر میں چھوٹا سا معلوم ہوتا ہے جزا کے اعتبار سے بہت بڑا ہے ہاں اخلاص ضروری ہے اگر اخلاص نہیں ہے تب تو شرط ہی موجود نہیں اور اذا فات الشرط فات المشروط۔ تو عدم اخلاص کے وقت میں اگر نہ ملے تو تعجب نہیں ہے آگے غیر مخلصین کو خطاب فرماتے ہیں کہ۔

حمد گفتی کو نشان حامدوں ۔۔۔ نے برونت ہست اثر نے اندروں

یعنی (اے غیر مخلص) تو نے حمد (حق) کہی تو حمد کرنے والوں کی نشانی کہاں ہے نہ تو تیرے ظاہر پر اثر ہے اور نہ باطن میں مطلب یہ کہ اے مخلص تو حمد حق کر رہا ہے مگر اُسکا اثر نہ تو تیرے ظاہر اعضاء پر ہے کہ اُن کے افعال موافق حکم حق کے ہوتے اور نہ باطن میں اُسکا اثر ہے کہ تقوی وغیرہ ہوتا غرضکہ جب اثر نہیں ہے تو معلوم ہوا کہ تیرے تخم ہی میں خرابی تھی اور وہ خرابی عدم اخلاص تھی اسی وجہ سے اس تخم سے پیداوار نہیں ہوئی۔ آگے عارف اور مخلص کی حمد کی حالت کو بیان فرماتے ہیں کہ۔

حمد عارف مر خدا را راست است ۔۔۔ کہ گواہ حمد او شد پا و دست

یعنی عارف کی حمد حق درست ہے کہ اُسکی حمد کے ہاتھ پاؤں گواہ ہیں۔

از چہ تاریک جسمش بر کشید ۔۔۔ وز تنگ زندان دنیااش خرید

یعنی اُس حمد نے اُس عارف کے جسم کو چاہ تاریک سے نکالا اور زندان دنیا سے اُسکو خرید لیا۔

اطلس تقوی و نور موتلف ۔۔۔ آیت حمد ست او را بر کتف

یعنی تقوی کا اطلس اور نور مجتمع اُسکی حمد کی نشانی ہیں کندھے پر۔

وارہیدہ از جہاں عاریہ ۔۔۔ ساکن گلزار و عین جاریہ

یعنی وہ عارف جہان مستعار سے چھوٹا ہوا ہے اور گلزار اور چشمہ جاریکا رہنے والا ہے۔

بر سریر سر عالی ہمتش ۔۔۔ مجلس و جا و مقام و رتبتش

یعنی اُسکی مجلس اور جگہ اور مقام اور رتبہ اُسکے عالی ہمت قلب کے تخت پر ہوتی ہیں۔

مقعد صدق کہ صدیقان درو ۔۔۔ جملہ سر سبز ند و شاد و تازہ رو

یعنی وہ مقعد صدق کہ اسمیں صدیقین سارے سرسبز اور شاداور تازہ رو رہتے ہیں۔

حمد شان چون حمد گلشن از بہار　　　　صد نشانے دارد و صد گیرودار

یعنی انکی حمد ایسی ہے جیسی کہ گلشن کی حمد بہار کے ذریعہ سے کہ سو نشانیاں رکھتی ہے اور سو شور و غل

بر بہارش چشمہ و نخل و گیاہ　　　　وان گلستان و نگارستان گواہ

یعنی اسکی بہار پر چشمہ اور نخل اور گھاس اور وہ گلستان اور نگارستان گواہ ہیں۔

شاہد شاہد ہزاران ہر طرف　　　　در گواہی ہمچو گوہر بر صدف

یعنی گواہ کے گواہ بلبلیں ہر طرف ہیں جو گواہی میں مثل گوہر کے ہیں صدف پر مطلب یہ کہ جو عارفین و مخلصین ہوتے ہیں وہ جو حمد حق کرتے ہیں تو انکی حمد کی نشانیاں صاف طور پر پائی جاتی ہیں مثلاً انکے اعضا ظاہری سے مرضی حق کے مطابق افعال کا صدور اور دنیا سے الگ رہنا تقوے کا حاصل ہونا اس دنیا رفانی سے قطع تعلق کر کے جہان باقی اور گلزار معارف میں قیام کرنا اور انکا رتبہ اور جگہ اور قیام قلب کے تخت پر ہونا یعنی قلب پر انکا حاکم ہونا اور مقعد صدق میں جو کہ صدیقین کی جگہ ہے انکی جگہ ہونا تو یہ ساری باتیں انکی حمد کے بار آور اور مثمر ہونے پر ایسے گواہ ہیں جیسے کہ گلشن کی حمد پر بہار گواہ ہوتی ہے کہ اسمیں چشموں کا چلنا نخل و گیاہ کا جمنا پھول پھلواری اگنا بتا رہا ہے کہ گلشن حمد میں مشغول ہے اور پھر ان گواہوں پر گواہ بلبلیں ہیں کہ اُن کے چہچہاتے سے معلوم ہوتا ہے پھول کھل رہے جب تو یہ بھی بول رہی ہیں غرضنکہ عرفا اور مخلصین کی حمد بار آور ہوتی ہے اور اسپر جزا مرتب ہوتی ہے کہ جسکا اثر ظاہر میں بھی صاف معلوم ہوتا ہے آگے پھر ان لوگوں کا قول نقل کرتے ہیں کہ جب اُس شیخی باز نے شاہ عراق کے اکرام وغیرہ کا حال بہت زیادہ بیان کیا اور انکی حالت سے اسکا کذب معلوم ہو رہا تھا جیسا کہ اوپر بیان ہوا ہے تو اب وہ لوگ اُس سے پھر کہتے ہیں کہ۔

بوے سر بد بیاید از دمت　　　　از سر و رو تابد ای لافی غمت

یعنی ارے شیخی باز تیری باتوں سے سر بد کی بو آ رہی ہے اور تیرے سر اور منہ سے تیرا غم چمک رہا ہے

بوشناسانند حاذق در مصاف　　　　تو بجلدی ہای و ہو کم کن گزاف

یعنی صف میں کامل بو کے پہچاننے والے موجود ہیں تو تو جلدی سے ہائے وہو اور شیخی مت کر مطلب یہ کہ لوگوں نے

کہا کہ میاں کیوں فضول شیخی بھگارتے ہو تمھاری حالت سے صریح معلوم ہو رہا ہے کہ تم جھوٹ بول رہے ہو اور تمھارے اندر غم والم بھرا پڑا ہے شاید تمھارا یہ خیال ہوگا کہ میں سب کو بھکا لونگا۔ تو سمجھ لو کہ اس مجمع میں عقلاء ایسے لیسے موجود ہیں کہ جو تمھاری حالت کو خوب پہچان سکتے ہیں تو انھوں نے پہچان لیا ہے کہ تم جھوٹے ہو اور بولے کہ۔

تو ملاف از مشک کان بوئے پیاز   از دم تو می کند مکشوف راز

یعنی تو مشک سے شیخی مت مار کہ پیاز کی بو تیرے سانس سے راز کو کھول رہی ہے یعنی تو جو کہہ رہا ہے کہ میں نے مشک کھائی ہے یہ کہنا تیرا فضول ہے اسلئے کہ سانس کے ساتھ جو منہ میں سے پیاز کی بد بو چلی آرہی ہے وہ تمکو کاذب بتا رہی ہے۔

گل شکر خوردم ہمی گوئی و بو   می زند از سیر کہ یاوہ مگو

یعنی تو کہتا ہے کہ میں نے گل شکر کھائی ہے اور بو سرکہ کی آرہی ہے تو بس بک بک مت کر مطلب یہ کہ اے شیخی باز تو جو کہہ رہا ہے کہ میں نے حمد حق کی ہے اور اسمیں اخلاص تھا اور یوں عبادت کرتا ہوں وغیرہ وغیرہ تو سمجھ لے کہ عرفا ایسے بھی موجود ہیں جو تیری چالاکیوں کو خوب جانتے ہیں اور وہ فوراً تیری باتوں ہی سے سمجھ لیتے ہیں کہ تو جھوٹا ہے اسلئے کہ اگر تو حمد حق کرتا تو کیا اسکا کوئی اثر بھی تیرے اندر موجود نہوتا اسکے اثرات جو اوپر بیان کئے گئے ہیں تقوی وغیرہ کا ہونا جب یہ نہیں ہیں تو معلوم ہوا کہ تیری حمد کام ہی کی نہ تھی جسکو عرفا نے پہچان لیا آگے اسی کو فرماتے ہیں کہ۔

ہست دل مانندہ خانہ کلاں   خانہ دل را نہاں ہمسایگاں

یعنی دل ایک بڑے گھر کی طرح ہے اور خانۂ دل کے ہمسائے پوشیدہ ہیں۔

از شکاف و روزن و دیوارہا   مطلع گردند بر اسرارہا

یعنی دیواروں سے اور شگاف سے اور روزن سے اسرار پر مطلع ہو جاتے ہیں۔

از شکافے کہ ندارد ہیچ وہم   صاحب خانہ ندارد ہیچ سہم

یعنی ایسے شگاف سے کہ گھر والے کو وہم اور خوف بھی نہیں ہوتا مطلب یہ کہ دل ایک بڑے گھر کی طرح ہے اور اسکے ہمسائے پوشیدہ ہیں یعنی اہل اللہ کہ بظاہر تو الگ ہیں مگر جسطرح کہ ہمسایہ کو صاحب خانہ کے اکثر حالات کی خبر ہو جاتی ہے اسی طرح ان حضرات کو بھی اسرار قلوب پر بعض مرتبہ آگاہی خدا

کے آگاہ کر دینے سے ہو جاتی ہے اور ہمسایہ جو صاحب خانہ کے حالات کو دیکھتا ہے تو کسی روزن وغیرہ ہی سے دیکھتا ہے اسی طرح ان کے دیکھنے کیلئے بھی روزن ہیں مگر وہ روزن ایسے ہیں کہ انکی کسی کو خبر نہیں ہوتی یہ حضرات ان روزنوں کے ذریعہ سے اس طرح اسرار قلوب پر مطلع ہو جاتے ہیں کہ خود صاحب خانہ کو بھی خبر نہیں ہوتی۔ کہ کدھر سے کس نے میرے گھر میں جھانک لیا اسی لئے کہا ہے کہ ؎ پیش اہل دل نگہدارید دل + تا نباشید از گمان بد خجل۔ اور حدیث میں ہے کہ اتقوا فراسۃ المؤمن فانہ ینظر بنور اللہ او کما قال آگے اسکی تائید کیلئے فرماتے ہیں کہ

از نبی برخواں کہ دیو و قوم او ۔۔۔ می برند از حال انسی خفیہ بو

یعنی قرآن شریف سے پڑھو کہ شیطان اور اسکی قوم انسان کی حالت ہی چپکے ہی پوپہچاتے ہیں۔

از رہے کہ انس از آں آگاہ نیست ۔۔۔ زانکہ زیں محسوس و زیں اشباہ نیست

یعنی اس راہ سے کہ انسان اس سے آگاہ نہیں ہے اسلئے کہ وہ راہ ان محسوسات میں سے اور ان امثال سے نہیں ہے۔ مطلب یہ کہ دیکھو قرآن شریف میں حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ۔ انہ یراکم ھو وقبیلہ من حیث لاترونھم تو جب شیاطین اس طرح اسرار قلوب پر مطلع ہو جاتے ہیں کہ انسان کو خبر بھی نہیں ہوتی تو اگر عارفین اور مقبولان حق کو حق تعالیٰ کے اطلاع کر دینے سے اطلاع ہو جاوے تو کیا عجیب ہے لہذا اے مدعی کاذب سمجھے چاہیئے کہ۔

درمیان ناقداں زرقی متن ۔۔۔ با محک ای قلب دوں لافی مزن

یعنی پرکھنے والوں کے درمیان میں مکر کو مت تن اور اے کمینے کھوٹے کسوٹی کے آگے شیخی مت مار کیونکہ

مر محک را راہ بود در نقد و قلب ۔۔۔ کہ خدایش کرد امیر جسم و قلب

یعنی کسوٹی (عارف) کو کھرے کھوٹے میں راہ ہوتی ہے کہ خدا نے اسکو جسم و قلب کا امیر بنایا ہے مطلب یہ کہ کاملین کے سامنے شیخی مارنا بالکل فضول ہے اسلئے کہ یہ کھرے کھوٹے کو خوب پہچانتے ہیں تمہاری فضول کی باتوں سے اور شیخی سے انکو دھوکہ نہیں ہو سکتا۔ یہ پہچان لیں گے اور پھر مفت میں تمہاری رسوائی ہوگی لہذا جو سچی بات ہے اور اصلی حالت ہے اسی کو ان حضرات کے سامنے پیش کر دو۔ مکر و تلبیس سے کام مت لو۔ کہ ان کے آگے کچھ نہ چلے گی۔

چوں شیاطین با غلیظہای خویش ۔۔۔ واقف اند از سر ما و فکر و کیش

یعنی جبکہ شیاطین باوجود اپنی غلیظی کے ہمارے اسرار و افکار اور مذہب پر واقف ہوتے ہیں۔

مسلکے دارند دزدیدہ دروں ۔ ما ز دزد یہائے ایشاں سرنگوں

یعنی وہ اندر ہی اندر پوشیدہ ایک راستہ رکھتے ہیں کہ ہم انکی چوریوں کی وجہ سے سرنگوں ہوتے ہیں

دمبدم خبط و زیاں شاں میرسد ۔ رنج مے بینند زاں جان و جسد

یعنی ہر گھڑی انکا نقصان اور خبط پہونچ رہا ہے کہ اسکی وجہ سے جسم و روح رنج دیکھتے ہیں۔

دمبدم خبط و زیانے می کنند ۔ صاحب نقب و شگاف و روزنند

یعنی ہر گھڑی ایک خبط اور نقصان کرتے ہیں۔ کہ وہ صاحب نقب و شگاف و روزن ہیں۔

پس چرا جانہائے روشن در جہاں ۔ بے خبر باشند از حال نہاں

یعنی پھر ارواح روشن جہاں میں حال نہاں سے کیوں بیخبر ہوں گے۔

در سرایت کمتر از دیواں شدند ۔ روحہا کہ خیمہ بر گردوں زدند

یعنی وہ ارواح جو کہ آسمان پر خیمہ لگا دیں وہ سرایت میں شیاطین سے کم ہو گئیں۔ مطلب یہ کہ دیکھو ابھی اوپر قرآن شریف سے معلوم ہو چکا ہے کہ شیاطین اسرار قلوب پر آگاہ ہوتے ہیں اور اس طرح انکو اسرار کی خبر ہو جاتی ہے کہ حضرت انسان کو ان کے خبر ہونے کی بھی خبر نہیں ہوتی اور پھر اس خبر ہونے سے انسان کو کیسے کیسے نقصان پہونچتے ہیں۔ کہ نقصان روحانی بھی ہوتے ہیں اور جسمانی بھی ہوتے ہیں تو بھلا جب شیاطین مطلع ہو سکیں تو وہ ارواح مقدسہ جو منور بنور اللہ ہیں کیوں مطلع نہوں گی ضرور مطلع ہو سکتی ہیں۔ اگرچہ کسی خاص وجہ سے مطلع نہوں لیکن اطلاع ہو جانا بعید نہیں ہے مطلع ہو سکتے ہیں۔ لہذا اسکا یہ اثر ضروری ہے کہ ان کے آگے تلبیس مت کرو کہ ممکن ہے کہ تمھارے ان حالات کو انکو حق تعالیٰ مطلع فرما دیں تو اسوقت تمھاری کیسی بے عزتی ہو گی لہذا تم پہلے سے کیوں نہ سچ بولو اس سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ حضرات اولیاء اللہ عالم الغیب ہوتے ہیں اور مولانا اسکے قائل ہیں حاشا و کلا بلکہ مطلب صرف اسقدر ہے کہ ان حضرات میں حق تعالیٰ نے استعداد ایسی رکھی ہے کہ یہ مطلع ہو سکتے ہیں۔ اور مطلع بھی حق تعالیٰ کے مطلع کرنے سے ہونگے تو اسکا یہ اثر کہ کسی امر میں تلبیس نہ کرے ضروری ہے اسلئے کہ یہ تو خبر نہیں ہے کہ فلاں امر میں تو مطلع ہو جاویں گے اور فلاں میں نہیں۔ بلکہ ہر امر میں وجود و عدم مساوی درجہ میں ہیں لہذا ہر بات میں خوف کرتا رہے اور بچتا رہے خوب سمجھ لو۔ آگے فرماتے ہیں کہ

دیو دزدانہ سوئے گردوں شود — از شہاب محرق او مطعون شود

یعنی دیو چور کی طرح آسمان کی طرف جاتا ہے تو شہاب جلا دینے والے سے وہ مارا جاتا ہے۔

سرنگوں از چرخ زیر افتد چناں — کہ شقی در جنگ از زخم سناں

یعنی وہ شیطان آسمان سے ایسا اوندھا نیچے کو گرتا ہے جیسا کہ کافر لڑائی میں بھالے کے زخم سے۔

آں ز رشک روحہائے دلپسند — از فلک شاں سرنگوں می افگنند

یعنی وہ روحہائے دلپسند کی غیرت کی وجہ سے انکو فلک سے سرنگوں پھینک دیتے ہیں۔ مطلب یہ کہ شیاطین جب آسمان پر چوری کرنے جاتے ہیں تو انکو وہاں سے مار کر گرا دیا جاتا ہے۔ یہ اسی لئے کہ ملائک کو غیرت آتی ہے کہ جو اسرار کہ ارواح مقدسہ کا حصہ ہیں وہ ان اشقیا کو کیوں دیا جاوے۔ لہٰذا وہ سرنگوں نیچے کو پھینک دیتے ہیں۔ تو پھر جب باوجود اسقدر شقاوت کے اور اس طرح پھینکے جانیکے بھی یہ مطلع ہو جاتے ہیں۔ تو ارواح مقدسہ کیوں مطلع نہ ہوسکیں گی خوب سمجھ لو کہ یہاں مولانا کو صرف یہ مقصود ہے کہ حضرات اہل اللہ اسرار قلوب پر مطلع ہو سکتے ہیں۔ باقی یہ کہ آیا ہر وقت یا ہر شخص مطلع ہو سکتا ہے یہ ہرگز مقصود نہیں ہے اسلئے کہ خود مولانا کے کلام سے جابجا معلوم ہوتا ہے کہ وہ اسکے قائل نہیں ہیں اور پھر شریعت بھی اسکے قائل ہونیکی اجازت نہیں دیتی۔ لہٰذا یہ ہرگز مقصود نہیں کہ جسطرح شیاطین مطلع ہو جاتے ہیں اسی طرح یہ حضرات بھی مطلع ہو جاتے ہیں اور انکا کشف بھی اختیاری ہے۔ بلکہ تشبیہ صرف اس امر میں ہے کہ یہ بھی مطلع ہو سکتے ہیں جبکہ اور جسکو خداوند تعالیٰ مطلع فرما دے خوب سمجھ لو پہلے بھی لکھا گیا ہے اور یہاں پھر لکھا جاتا ہے کہ مثنوی شریف سے تصوف کے مسائل نکالنا سخت غلطی ہے اس سے مسائل ثابت نہیں ہوتے بلکہ اسکے دیکھنے والے کو چاہئے کہ اول مسائل تصوف کے محققین سے معلوم کرے اسکے بعد مثنوی کو ان پر منطبق کر دے۔ سب سے اول شریعت ہے کہ جو امر اسکے خلاف ہوگا اگر اسکی کوئی تاویل نہ ہو سکے گی تو اسکو چھوڑ دیں گے اور شریعت کو لیں گے اسی طرح اگر کہیں اسمیں فن کے خلاف کوئی بات ہوگی تو اسکے مضمون کو فن کے مسائل پر منطبق کیا جاویگا اور اسمیں تاویل کیجاویگی اور یہاں تو تاویل بھی کرنے کی ضرورت نہیں ہے اسلئے کہ مولانا کا یہ مقصود ہرگز نہیں ہے کیونکہ وہ یہ تو نہیں فرماتے کہ تمام اسرار پر مطلع ہو جاتے ہیں اور ہر وقت مطلع ہو جاتے ہیں اور سب اہل اللہ مطلع ہو جاتے ہیں بلکہ وہ تو صرف اسقدر فرماتے ہیں کہ اہل اللہ اسرار پر مطلع ہو جاتے

ہیں لہذا ان کے سامنے تلبیس مت کرو یہاں استبعاد ہوا کہ وہ کسطرح مطلع ہو جاتے ہیں تو اس استبعاد کو اسطرح دور فرمایا کہ یہاں جب شیاطین تک مطلع ہو جاتے ہیں تو اگر اہل اللہ بھی مطلع ہو جاویں تو کیا عجیب ہے تو اس سے ظاہر ہے کہ کسی بات سے بھی یہ نہیں نکلتا کہ مولانا اہل اللہ میں سے کسی کے بھی عالم غیب ہونے کے قائل ہیں خوب سمجھ لو۔ دہوکا نہو آگے فرماتے ہیں کہ۔

تو اگر شلی و لنگ و کور و کر	این گمان بر روحِ علی مہ مبر

یعنی تو اگر لنگڑا لنجا بہرا اندہا ہے تو ارواح مقدسہ پر یہ گمان مت لیجا۔

شرم دار و لاف کم زن جان مکن	کہ بسے جاسوس ہست آنسوئے تن

یعنی شرم کر اور شیخی مت مار اور جان کنی مت کر کہ بہت سے جاسوس تن سے اس طرف ہیں مطلب یہ کہ اگر تمکو اسرار پر اطلاع نہیں ہوتی اور تم اس سے بالکل بے بہرہ ہو تو اولیاء اللہ کو اپنا جیسا کیوں سمجھتے ہو کہ جیسے ہمیں معلوم نہیں ہو سکتا انکو بھی معلوم نہو گا ؎ کار پاکان را قیاس از خود مگیر۔ تجھے چاہیے کہ ان کے آگے شیخی نہ مارے اور شرم کرے اور اس معلوم ہو جانے میں استبعاد ہی کیا ہے دیکھو طبیبان ظاہری جسم کے اندرونی حالات کو صرف نبض دیکھکر یا صورت دیکھکر معلوم کر لیتے ہیں تو جب انکو جسم کے حالات معلوم ہو جاتے ہیں تو اگر ان حضرات کو قلب کے حالات معلوم ہو جاویں تو کیا عجب ہے خوب سمجھ لو آگے اسی کو بیان فرماتے ہیں۔

شرح حبیبی

طبیبان روحانی کا امراض دل کو مرید کی علامات سے معلوم کر لینا یہ کسی بات کو یا رنگ چشم وغیرہ کے دل کی راہ سے کہ وہ حضرات قلوب کے جاسوس ہیں تو انکی خدمت میں صدق کے ساتھ مجانست کرو

این طبیبان بدن دانشور اند	بر سقام تو ز تو واقف تر اند
تا ز قارورہ ہمی بینند حال	کہ ندانی تو ازان رو اعتلال

ہم ز نبض و ہم ز رنگ و ہم ز دم	بو برند از تو بہر گونہ سقم
پس طبیبان الٰہی در جہاں	چوں ندانند از تو بے گفت دہاں
ہم ز نبضت ہم ز چشمت ہم ز رنگ	صد سقم بینند در تو بیدرنگ
ایں طبیبان نو آموزند خود	کہ بدیں آیات شاں حاجت بود
کاملاں از دور نامت بشنوند	تا بقعر تار و پودت در روند
بلکہ پیش از زادن تو سالہا	دیدہ باشندت ترا با حالہا
حال تو دانند یک یک مو بمو	زانکہ پر بودند از اسرار ہو

اب ہم تمہیں مضمون بالا دوسرے عنوان سے سمجھاتے ہیں سنو یہ طبیبان ظاہری صرف اہل علم ہیں اس پر انکی یہ حالت ہے کہ تمھارے مرض سے تم سے زیادہ واقف ہیں کہ وہ لوگ قارورہ سے حالت معلوم کر لیتے ہیں۔ اور تم سے زیادہ واقف اسلئے ہیں کہ تم اپنے مرض کو اس جہت سے معلوم نہیں کر سکتے نیز یہ لوگ نبض سے رنگ سے سانس سے تمھارے ہر قسم کے مرض کا پتہ لگا لیتے ہیں پس جب ان اطبار کی یہ حالت ہے تو طبیبان روحانی تمہاری حالت بدون بیان کئے کیوں نہ معلوم کر لیں گے یہ لوگ بھی تمھاری نبض سے آنکھ سے رنگ سے یعنی علامت و آثار ظاہرہ سے تمھارے سیکڑوں قسم کے امراض کو فوراً معلوم کر لیتے ہیں اور یہ حالت تو کشف کے لحاظ سے معمولی درجہ کے طبیبان روحانی کی ہے کہ انکو علامت و آثار کی ضرورت ہے اور جو کشف میں کامل ہیں اُنکی تو یہ حالت ہے کہ تمھارا نام سنکر تمھارا کچا چٹھا معلوم کر لیتے ہیں بلکہ تمھاری پیدائش سے برسوں پہلے سے تم کو تمھارے احوال کیساتھ متصف دیکھتے ہیں اور تمھاری ذرا ذرا حالت جان لیتے ہیں کیونکہ وہ اسرار الٰہیہ سے پُر ہوتے ہیں۔ (**ف** مولانا کے اس کلام کو بھی ان کے کلام سابق کے مطابق سمجھنا چاہئے اور دھوکا نہ کھانا چاہئے)۔

شرح شبیری

طبیبان روحانی کا امراض دل کو مرید کی علامات سے معلوم کرلینا بے کسی بات کے یا رنگ چشم وغیرہ کے دل کی راہ سے کہ وہ حضرات قلوب کے جاسوس ہیں تو انکی خدمت میں صدق کیساتھ مجانست کرو

این طبیبان بدن دانشوراند　　بر سقام تو ز تو واقف تراند

یعنی یہ طبیبان بدن عقلا ہیں کہ تیری بیماریوں پر تجھ سے زیادہ واقف ہیں۔

تا ز قارورہ ہمی بینند حال　　کہ ندانی تو ازاں رو اعتلال

یعنی یہانتک کہ قارورہ سے حال کو دیکھ لیتے ہیں کہ تو اس طرح بیماری کو نہیں جانتا۔

ہم ز رنگ و ہم ز نبض و ہم ز دم　　بو برند از تو بصد گونہ سقم

یعنی رنگ سے بھی اور نبض سے بھی اور سانس سے بھی سیکڑوں قسم کی بیماریوں کو معلوم کر لیتے ہیں

پس طبیبان الٰہی در جہاں　　چون ندانند از تو اسرار نہاں

یعنی پس طبیبان الٰہی جہاں میں تیرے اسرار نہانی کو کیوں نہ جانیں گے مطلب یہ کہ جب طبیبان ظاہری تمہارا صرف قارورہ دیکھکر یا نبض دیکھ کر تمہاری اندرونی حالت تک بتا دیتے ہیں جسکی خود تمکو بھی اکثر خبر نہیں ہوتی کہ ہمکو فلاں مرض ہے اور وہ صرف قارورہ سے بتا دیتے ہیں تو جو طبیبان الٰہی اولیاء اللہ اور عرفا ہیں کیا وہ تمہارے اسرار نہانی پر مطلع نہیں ہو سکتے۔ ہو سکتے ہیں لیکن بعض مرتبہ کسی مصلحت خداوندی کے سبب مطلع نہیں ہوتے ورنہ ان میں استعداد اسکی ضرور ہے۔

ہم ز نبضت ہم ز چشمت ہم ز رنگ　　صد سقم بینند از تو بید رنگ

یعنی تیری نبض سے اور تیری آنکھ اور رنگ سے (طبیبان ظاہری) سیکڑوں مرض فوراً دیکھ لیتے ہیں۔

این طبیبان نوآموزند خود، کہ بدین آیات شان حاجت بود

یعنی یہ طبیب خود نو آموز ہیں کہ انکو ان علامات کی حاجت ہوتی ہے (ورنہ) -

کاملان از دور نامت بشنوند تا بقعر تار و پودت در روند

یعنی کاملین تو دور سے تیرا نام سن لیں تو تمھاری اندرونی حالت تک پہونچ جاتے ہیں -

بلکہ پیش از زادن تو سالہا، دیدہ باشندت ترا با حالہا

یعنی بلکہ تمھاری پیدائش سے برسوں پہلے تجھے معہ تیرے احوال کے دیکھے ہوئے ہوتے ہیں -

حال تو دانند یک یک مو بمو زانکہ پر بودند از اسرار ہو

یعنی تیرا حال ایک ایک ذرا ذرا جانتے ہیں اسلئے کہ اسرار حق سے پر ہوتے ہیں مطلب یہ کہ طبیبان ظاہری جو ان اولیاء اللہ کے آگے بالکل نو آموز و طفل مکتب ہیں جب یہ لوگ صرف نبض وغیرہ دیکھکر اور چہرہ کا رنگ دیکھکر اسرار اندرونی اور امراض اندرونی کو معلوم کر لیتے ہیں تو جو کاملین ہیں وہ تو اسرار پر کیوں نہ مطلع ہونگے انکی تو یہ شان ہوتی ہے کہ بے کسی علامت نبض وغیرہ کے صرف نام سُنکر معلوم کر لیتے ہیں کہ یہ شخص ایسا ہے اور اسکے اخلاق باطنی ایسے ہیں جیساکہ بزرگوں کے قصص سے معلوم بھی ہوتا ہے کہ بعض بزرگوں نے صرف نام سُنکر اخلاق بتادیئے ہیں بلکہ نام سُننا تو الگ رہا بعض حضرات تو ایسے ہوئے ہیں کہ اُنھوں نے پیدائش سے پہلے ہی سب حالات بتا دیئے ہیں نام بھی صورت شکل بھی اخلاق بھی حالات بھی تو دیکھو بعض مرتبہ بعض بزرگوں کا کشف اسدرجہ بڑھ گیا ہے کہ انکو پیدائش سے قبل ہی تمام حالات کی اطلاع ہو گئی اور یہاں بھی تقریر بالا ہی سمجھ لینی چاہیئے کہ یہ کشف نہ ہر وقت ہوتا ہے اور نہ ہر کسی کو ہوتا ہے اور نہ ہر بات کا ہوتا ہے بلکہ جسکو خدا تعالیٰ چاہیں جسوقت چاہیں جسقدر چاہیں مطلع فرمادیں خوب سمجھ لو آگے مولانا حضرت بایزید رہ کا حضرت ابو الحسن خرقانی رہ کی نسبت کشف کا قصہ بیان فرماتے ہیں یہاں جو کہا ہے کہ بلکہ پیش از زادن تو سالہا الخ اسی پر یہ قصہ لاتے ہیں کہ دیکھو حضرت بایزید بسطامی رح نے حضرت ابو الحسن خرقانی رہ کی پیدائش سے سالہا سال قبل انکی پیدائش کی خبر دی تھی اور ان کے حالات بھی بتلائے تھے کہ وہ ایسے ہونگے اور ایک ان ہی کا کیا سیکڑوں قصے ہوئے ہیں کہ بزرگوں نے پیدائش سے قبل بتادیا ہے کہ اس طرح فلاں شخص ہوگا کیونکہ ان حضرات کو

کہیں سے خود اطلاع تو نہیں ہوتی بلکہ حق تعالیٰ کے اطلاع کرنے سے اطلاع ہوتی ہے تو پس حق تعالیٰ کو جب کل علم ہے تو اسمیں سے وہ جسقدر علم چاہیں ان حضرات کو عنایت کردیں اسمیں استبعاد اور استحالہ ہی کیا ہے خوب سمجھ لو اب قصہ سنو۔

شرح حبیبی

حضرت بایزید رح کا حضرت ابوالحسن خرقانی رح کی پیدایش کی کئی سال قبل خوشخبری دینا اور اُن کی صورت اور اخلاق کا پتہ بھی بتلانا اور آپ کے صدق کے معلوم کرنے کیلئے مورخین کا تاریخ وغیرہ لکھ لینا

آں شنیدی داستان بایزید ۔ کو ز حال بوالحسن پیشیں چہ دید

روزے آں سلطان تقوی می گذشت ۔ با مریدان جانب صحرا و دشت

بوئے خوش آمد مر او را ناگہاں ۔ در سواد رے ز سوئے خارقاں

ہم بدانجا نالہ مشتاق کرد ۔ بوئے را از باد استنشاق کرد

بوئے خوش را عاشقانہ می کشید ۔ جان او از باد بادہ می چشید

کوزۂ کو از یخ آبہ پر بود ۔ چوں عرق بر ظاہرش پیدا شود

آں ز سردی باد آبے گشتہ است ۔ از دروں کوزہ نم بیروں نہ جست

باد بو آور مر او را آب گشت ۔ آب ہم او را شراب ناب گشت

چوں درو آثار مستی شد پدید ۔ یک مرید او را ازاں دم بر رسید

چوں بہ پرسیدش کہ ایں احوال خوش،
کہ بروں است از حساب پنج و شش

گاہ سرخ و گاہ زرد و گہ سپید
می شود رویت چہ حالست و نوید

می کشی بو و لطاہر نسبت گل
بیشک از غیب ست و از گلزار کل

اے تو کام جان ہر خود کامۂ
ہر دم از غیبت پیام و نامۂ

ہر دمے یعقوب وار از یوسفے،
می رسد اندر مشام تو شفے

قطرۂ بر ریز بر ما زاں سبو،
شمۂ زاں گلستاں با ما بگو

خو نداریم اے جمال مہتری،
کہ لب ما خشک و تو تنہا خوری

اے فلک پیمائے چست و چست خیز
زانچہ خوردی جرعۂ بر ما بریز

میر مجلس نیست در دوراں دگر
جز تو اے شہ در حریفان در نگر

کے تواں نوشید ایں مے زیر دست
مے یقیں مر مرد را رسوا گرست

بوئے را پوشیدہ و مکنوں کند
چشم مست خویشتن را چوں کند

خود نہ آں بو نیست ایں کاندر جہاں
صد ہزاراں پردہ اش دارد نہاں

پر شد از تیزی او صحرا و دشت
دشت چہ کہ نہ فلک ہم در گذشت

ایں سر خم را بہ کہگل در مگیر
کایں برہنہ نیست خود پوشش پذیر

لطف کن اے راز داں راز گو
آنچہ بازت صید کردش باز گو

گفت بوئے بو العجب آمد بمن
ہمچنانکہ مر نبی را از یمن

کہ محمد گفت بر دست صبا
از یمن می آیدم بوئے خدا

بوئے رامیں میرسد از جان ویس
بوئے رحمان میرسد ہم از اویس

از اویس و از قرن بوئے عجب	مر نبی را مست کرد و پر طرب
چوں اویس از خویش فانی گشتہ بود	آں زمینے آسمانے گشتہ بود
آں ہلیلہ پروریدہ در شکر	چاشنی تلخیش نبود دگر
آں ہلیلہ رستہ از ما و منی	نقش دارد از ہلیلہ طعم نے
آں کسے کز خود بکلی درگذشت	ایں منی و مائی خود در نوشت
ایں سخن پایاں ندارد باز گرد	تا کہ گفت از وحی غیب آں شیر مرد

کیا تم نے شیخ بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کا قصہ سنا ہے کہ انھوں نے شیخ ابوالحسن خرقانی کی ولادت سے پہلے انکا کیا حال دیکھا تھا اگر نہیں سنا تو اب سنو۔ واقعہ یہ ہے کہ سلطان تقوی بایزید علیہ الرحمۃ ایک مرتبہ اپنے مریدوں کے ساتھ جنگل کو جارہے تھے اتفاقاً انکو رے کے علاقہ میں خارقان کی جانب سے ایک نہایت عمدہ خوشبو آئی اسکو سونگھتے ہی انھوں نے ایک مشتاقانہ نالہ کیا اور ہوا میں سے خوشبو کو سونگھنا شروع کیا۔ وہ اس بو کو عاشقوں کی طرح سونگھتے تھے۔ اور آپکی جان ہوا میں سے شراب الٰہی پی رہی تھی۔ تم کو شاید تعجب ہو کہ ہوا میں سے شراب الٰہی پینا چہ معنی دارد اسلئے ہم اس استبعاد کو دور کرتے ہیں سنو جس لوٹے میں برف کا پانی بھرا ہو اُسکے اوپر کچھ قطرات پسینہ کی طرح نمودار ہوجاتے ہیں۔ انکو جانتے ہو یہ کیا ہیں۔ سنو برف کی سردی سے وہ ہوا جو لوٹے کو محیط تھی پانی ہوگئی ہے یہ اسکے قطرات ہیں اور یہ نہیں ہے کہ لوٹے کی تری باہر آگئی ہو پس جب ہوا سردی پاکر پانی بن سکتی ہے تو ہم کہتے ہیں کہ جو ہوا خوشبو کی حامل تھی وہ پانی ہوگئی پس وہ پانی ایک خاص کیفیت سرور پیدا کرنے کے اعتبار سے شراب کا کام دیتا تھا اب کچھ استبعاد نہ رہا۔ خیر تو جبکہ ان کے اندر مستی ذوق و شوق پیدا ہوئی تو ایک مرید خدمت میں پہونچ گیا اور پہونچکر دریافت کیا کہ یہ آپکی عمدہ حالت جو کہ حواس پنجگانہ اور جہات ستہ سے بالاتر ہے اور جسکے اثر سے آپکا چہرہ کبھی سرخ ہوتا ہے اور کبھی زرد کبھی سفید۔ کیا حالت اور کیا خوشخبری ہے (ف) ایں احوال خوش مبتدا ہے اور کہ برون ست الخ اسکی صفت اولی اور گاہ سرخ الخ بحذف عاطف صفت ثانیہ ہے اور چہ حالت الخ خبر ہے مبتدا

کی) آپ بو سونگھتے ہیں اور بظاہر یہاں کوئی پھول یا کوئی اور خوشبو دار شے بھی نہیں تو یقیناً یہ خوشبو غیبی اور اسی گلزار کی ہے جو اصل ہے تمام گلزاروں کی اور جسکو گلزار کل کہنا چاہئے پس ہی وہ شخص جو ہر عاشق کی جان کا مقصود ہے اور جسکے پاس ہر دم غیب سے ایک نیا پیام اور نیا رقعہ پہونچتا ہے یعنی جو ہر دم حق سبحانہ سے تلقی فیض کرتا ہے اور جسکی مشام جان میں یعقوب کی طرح ایک عجیب و غریب یوسف یعنی مطلوب حقیقی کی بو پہونچکر موجب شفائے امراض روحانیہ ہوتی ہے۔ آپ جس سبو سے شراب پی رہے ہیں اسکا کوئی قطرہ ہم پر بھی ڈال دیجئے۔ اور اس گلستان کی کچھ حالت ہم سے بھی بیان فرما دیجئے کیونکہ اے سرداری کے شان و شوکت والے ہم اسکے عادی نہیں ہیں کہ ہم پیاسے ہوں اور آپ تنہا یہ شراب پئیں بلکہ ہمیشہ سے آپ ہمیں شریک کرتے آئے ہیں لہذا اب بھی شریک کیجئے۔ ہاں اے تیزی کے ساتھ اپنے عروج روحانی سے فلک کو طے کرنے والے آپ جلد اٹھیں اور جو شراب آپنے پی ہے اسکا ایک گھونٹ ہمپر بھی ڈالدیں! اس زمانہ میں آپ کا ساکوئی اس بزم شراب کا مہتمم نہیں ہے۔ پس اے بادشاہ آپ ہم بادہ خواروں پر بھی نظر عنایت کیجئے آپ ہم سے چھپانے کی کوشش کرتے ہیں مگر شراب کو کوئی چھپا نہیں سکتا۔ بلکہ شراب آدمی کو یقیناً مشہور کردیتی ہے۔ فرض کرو کہ اگر شرابخوار بو چھپا بھی لے اور پوشیدہ بھی کرلے لیکن اپنی چشم مست کو کیا کریگا وہ تو ظاہر کرہی دے گی۔ آپ ہم سے چھپانے کی ناحق کوشش کرتے ہیں یہ تو وہ بو نہیں ہے جسے ہزاروں پردے بھی چھپا سکیں کیونکہ اسکی تیزی ہی دشت و بیابان پر ہیں۔ دشت و بیابان کیا چیز ہیں بلکہ یوں کہئے کہ فلک نہم سے تجاوز کرگئی ہے پس آپ اس خم کے منہ پر گارا نہ لگائے کیونکہ یہ برہنہ لباس ہیں چھپنے کے قابل نہیں ہے آپ خواہ اسے کتنے ہی لباس پہنائیں مگر یہ ننگی ہی رہے گی یعنی خواہ آپ اسے کتنا ہی چھپائیں مگر ظاہر ہی ہو گی پس اے محرم راز خداوندی اور اپنی تحقیق سے راز بیان کرنے والے جس راز کو آپ کے شہباز روح نے شکار کیا ہے اُسکو ہم سے بیان فرما دیجئے۔ بایزید علیہ الرحمۃ نے اس درخواست کے جواب میں فرمایا کہ مجھے یوں ہی ایک عجیب خوشبو آئی ہے جسطرح کہ جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو یمن کی جانب سے چنانچہ آپ نے فرمایا تھا کہ بذریعہ صبا کے مجھے یمن سے حق سبحانہ کی بو آئی ہے۔ بات یہ ہے کہ جسطرح رامین کی بو ویس سے آتی تھی یوں ہی حق سبحانہ کی بو اویس سے

آتی تھی اور اس عجیب بو نے جو اویس اور اُن کے وطن قرن سے آتی تھی۔ روح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مست اور پرجوش کر دیا تھا اور اویس سے بو آنے کی وجہ یہ ہے کہ انھوں نے اپنے کو ذات حق میں فنا کر دیا تھا (جسطرح کہ ویس نے جو اول رامین کی معشوقہ تھی رامین پر عاشق ہو کر اپنے کو فنا کر دیا تھا) اور چونکہ وہ فانی ہو چکے تھے اسلئے وہ زمینی یعنی غیر حق سبحانہ سے آسمانی یعنی متحد مع الحق ہو گئے تھے۔ شاید اس انقلاب کے سمجھنے میں تمھیں کچھ دقت ہوا سلئے ہم ایک محسوس مثال سے سمجھاتے ہیں جب ہلیلہ کو شکر میں مربی کر لیا جاتا ہے تو اسکی صفت رذیلہ یعنی تلخی دور ہو جاتی ہے اور شیرینی کی صفت شریف اسمیں سرایت کر جاتی ہے۔ اسوقت وہ ہلیلہ جو صفت ہلیلویت سے الگ ہو چکی ہے صورۃً ہلیلہ ہوتی ہے۔ مگر مزہ ہلیلہ کا اسمیں نہیں ہوتا۔ پس یونہی جو آدمی اپنے کو فنا کر دیتا ہے اور خودی کو چھوڑ دیتا ہے تو وہ بایں معنی اپنی حقیقت سے خارج ہو کر حق سبحانہ کے ساتھ متحد ہو جاتا ہے کہ گو اسکی صورت باقی رہتی ہے مگر صفات رذیلہ اس سے دور ہو جاتی ہیں جو منشا تھیں حق سبحانہ سے مغایرت کا اور وہ متخلق باخلاق اللہ ہو جاتا ہے یہ حقیقت ہے اس انقلاب کی اور یہ معنی ہیں فنا فی اللہ اور اتحاد مع اللہ کے۔ اچھا یہ گفتگو تو کبھی ختم ہی نہ ہوگی۔ اب لوٹنا چاہئے اور دیکھنا چاہئے کہ اُس بہادر نے الہام غیبی کے متعلق کیا بیان کیا

شرح شبیری

حضرت بایزید کا حضرت ابوالحسن خرقانیؒ کی پیدائش کی کئی سال قبل خوشخبری دینا اور انکی صورت اور اخلاق کا پتہ بھی بتلانا اور آپکے صدق معلوم کرنے کے لئے مورخین کا تاریخ وغیرہ لکھ لینا

آں شنیدی داستان بایزید　　　کو زحال بوالحسن پیشیں چہ دید

یعنی تم نے وہ بایزید کا قصہ بھی سنا ہے۔ کہ انھوں نے حضرت ابوالحسن کے حالات پہلے ہی

کیا دیکھ لئے تھے (یہاں ایک سوال کرکے کہ جس سے مخاطب کو توجہ قصہ کی طرف ہوجاوے آگے قصہ کی طرف ہوجاوے آگے قصہ بیان فرماتے ہیں کہ)

روزے آں سلطان تقوی می گذشت — بامریداں جانب صحرا و دشت

یعنی ایک دن وہ سلطان تقوٰی مریدوں کی ساتھ جنگل میں جارہے تھے۔

بوئے خوش آمد مراورا ناگہاں — در سواد رے ز سوی خارقاں

یعنی اُنکو اچانک رے کے علاقہ میں خارقان کی جانب سے ایک نہایت عمدہ خوشبو آئی۔

ہم بدانجا نالہ مشتاق کرد — بوے را از باد استنشاق کرد

یعنی اُنھوں نے اسی جگہ ایک مشتاقانہ نالہ کیا۔ اور خوشبو کو ہوا سے سونگھا۔

بوئے خوش را عاشقانہ می کشید — جاں او از بادہ باده می چشید

یعنی (اس) عمدہ خوشبو کو عاشقوں کی طرح کھینچ رہے تھے۔ اور اُنکی جاں ہوا سے شراب چکھ رہی تھی مطلب یہ کہ ایکمرتبہ حضرت بایزید بسطامیؒ جنگل میں مریدونکی ساتھ جارہے تھے۔ کہ یکایک اُنکو خارقان کی طرف سے ایک خوشبو نفیس آئی بس اُسکو سونگھ کر اُنکی یہ حالت ہوئی کہ جیسا کوئی کسی کا مشتاق لقا ہوتا ہے اور اس اشتیاق میں نالہ و فغاں کیا کرتا ہے ایسے ہی وہ بھی نالہ و فریاد کرنے لگے اور جیسا کوئی عاشق محبوب کی خوشبو کو سونگھا کرتا ہے اسی طرح وہ اُسکو خوب زور زور سے سونگھتے تھے۔ اور اس سونگھنے سے اُنکی روح اس طرح مست ہوتی تھی جیسے کہ شراب پیکر انسان مست ہوجاتا ہے ایسا معلوم ہوتا تھا گویا کہ اس ہوا میں شراب ہے جسکو حضرت بایزیدؒ پی رہے ہیں۔ اور مست ہو رہے ہیں۔ اب یہاں شبہ ہوا کہ بھلا تم جو کہتے ہو کہ جان او از باد بادہ می چشید تو بھلا کہیں ہوا میں بھی شراب ہوئی ہے آگے ایک مثال سے اسکا جواب دیتے ہیں کہ

کوزۂ کو از یخ آبہ پر بود — چوں عرق بر ظاہرش پیدا شود

یعنی جو برتن کہ برف کے پانی سے بھرا ہو تو اُسکے اوپر کس طرح پسینہ ظاہر ہوتا ہے۔

آں ز سردی باد آبے گشتہ است — از دروں کوزہ نم بیروں نہ جست

یعنی وہ سردی کی وجہ سے ہوا پانی ہوگئی ہے۔ برتن کے اندر سے نمی باہر نہیں آئی۔

باد بو آور مرا و را آب گشت — آب ہم او را شراب ناب گشت

یعنی خوشبو لانے والی ہوا اُن کیلئے پانی ہوگئی تھی۔ اور پانی ہی اُن کیلئے شراب ناب ہوگیا تھا مطلب یہ کہ دیکھو اگر کسی لوٹے وغیرہ میں برف کا پانی رکھا ہو تو اُس برتن کے اوپر پسینہ سا آجاتا ہے تو وہ پسینہ کیا ہوتا ہے اُس لوٹے کے پاس جو ہوا تھی وہ سردی کی وجہ سے پانی ہوگئی ہے وہ پسینہ سا معلوم ہونے لگتا ہے تو جسطرح یہاں ہوا پانی ہوگئی اسی طرح اگر وہ ہوا جسمیں سے انکو خوشبو آرہی تھی اُن کیلئے قدرت حق سے پانی ہوگئی ہو اور پھر اس پانی میں شراب جیسی مستی آگئی ہو تو تعجب ہی کیا ہے لہٰذا ہمارا یہ کہنا کہ جان او از باد بادہ می چشید بالکل درست ہوگیا۔ غرضکہ حضرت بایزیدؒ اس خوشبو کو سونگھ سونگھ کر مست ہو رہے تھے اور خوش ہو رہے تھے۔

چوں درو آثار مستی شد پدید　　　یک مرید او را ازاں دم بر رسید

یعنی جب انمیں مستی کے آثار ظاہر ہونے لگے تو انکا ایک مرید اُسی وقت پہونچا۔

چوں بہ پرسیدش کہ ایں احوالِ خوش　　　کہ بروں است از حسابِ پنج و شش

یعنی پوچھا کہ یہ عمدہ احوال جو کہ حواس خمسہ سے اور شش جہات سے باہر ہیں۔

گاہ سرخ و گاہ زرد و گہ سپید　　　می شود رویت چہ حالست و نوید

یعنی آپکا چہرہ کبھی تو سرخ اور کبھی زرد اور کبھی سفید ہوتا ہے یہ کیا حال ہے اور کیا خبر ہے یعنی آپکی اس حالتمیں ایک مرید بھی اُن کے پاس جا پہونچا اور اُس نے اس حالت کو دیکھکر عرض کیا کہ حضرت یہ احوال خوش جو اسباب طبعیہ سے باہر ہیں اور جنکی وجہ سے آپکے چہرہ کا رنگ تک متغیر ہو رہا ہے آخر کیا حالات ہیں اور کیا بات ہے جسکی وجہ سے آپکی یہ حالت ہو رہی ہے اور عرض کیا کہ۔

می کشی بو و بظاہر نیست گل　　　بیشک از غیب است و از گلزارِ کل

یعنی آپ خوشبو سونگھ رہے ہیں اور ظاہر میں کوئی پھول وغیرہ نہیں ہے تو ضرور گلزار غیب سے کوئی پھول ہے۔ مطلب یہ کہ آپ جو خوشبو سونگھ رہے ہیں تو ظاہر میں تو کوئی پھول وغیرہ ہے نہیں معلوم ہوتا ہے کہ گلزار غیب میں سے آپ کو خوشبو آرہی ہے اور وہاں کے پھولونکو سونگھ رہے ہیں اور عرض کیا کہ۔

اے تو کامِ جانِ ہر خود کامۂ　　　ہر دم از غیبت پیام و نامۂ

یعنی اے وہ ذات کہ ہر طالب کے آپ مقصود ہیں اور آپکے پاس غیب سے ہر دم پیام و نامہ آتے ہیں

ہر دمے یعقوب وار از یوسفے | می رسد اندر مشام تو سفے

یعنی ہر دم یعقوب علیہ السلام کی طرح ایک یوسف سے تمھاری قوت شامہ میں ایک خوشبو آتی ہے۔

قطرۂ بر ریز بر ما زاں سبو | شمۂ زاں گلستاں با ما بگو

یعنی ایک قطرہ اس گھڑے میں سے ہم پر ڈالیئے اور اس گلستان کا کچھ (حال) ہم سے بیان کیجئے۔

خو نداریم اے جمال مہتری | کہ لب ما خشک و تو تنہا خوری

یعنی ہم اسکے عادی نہیں ہیں اے زینت سرداری کے کہ ہمارے لب خشک ہوں اور آپ اکیلے ہی اکیلے کھاویں۔

اے فلک پیمائے چست و چست خیز | زانچہ خوردی جرعۂ بر ما بریز

یعنی اے فلک کے جلدی سے ناپنے والے اٹھنے اور جو کچھ آپنے کھایا ہے اسمیں کا ایک گھونٹ ہم پر ڈالئے۔ مطلب یہ کہ اس مریدنے عرض کیا کہ حضرت آپکی تو وہ شان ہے کہ طالبین کے آپ ہی مقصود ہیں اور غیب سے آپکو ہر دم نامہ و پیام آتے رہتے ہیں اور ہر دم آپکو فیوض و برکات غیب سے پہونچتے ہیں اور ہم لوگ اسکے عادی نہیں ہیں کہ آپکو تو وہ فیوض ملیں اور ہم محروم رہیں بلکہ جناب کی عادت ہی کہ ہمکو بھی اسمیں سے عطا ہوتے ہیں تو بس اسوقت بھی جو فیوض و برکات آپ پر فائض ہو رہے ہیں اسمیں سے کچھ تھوڑا بہت حصہ تو غریبوں کو بھی عنایت ہو۔ کیونکہ آپ کی تو وہ شان ہے کہ۔

میر مجلس نیست در دوران دگر | جز تو اے شہ در حریفاں در نگر

یعنی اے شاہ (دین) سوا آپ کے دنیا میں کوئی دوسرا میر مجلس نہیں ہے تو ذرا ساتھیوں میں نظر فرمائیے۔ مطلب یہ کہ حضرت ہمارے لئے تو اب جہان میں کوئی کامل ہی نہیں ہے کہ اگر آپ سے نہ ملیگا تو اسی سے لیلیں گے اسلئے آپ ہی سے مناسبت ہے لہذا آپ ہی عنایت کیجئے اور عرض کیا کہ

کے تواں نوشید ایں مے زیر دست | مے یقیں مر فرار سوا گر ست

یعنی اس شراب کو چھپا کر کب پی سکتے ہیں شراب تو انسان کو یقیناً رسوا کرنے والی ہے۔

بوئے را پوشیدہ و مکنوں کند | چشم مست خویشتن را چوں کند

یعنی بو کو پوشیدہ اور مکنون کر لیگا (مگر) اپنی چشم مست کو کیا کریگا۔ مطلب یہ کہ اس مریدنے عرض کیا کہ حضرت یہ شراب عشق حق ایسی تو ہے نہیں کہ جسکو آپ پی لیں اور کسی کو خبر نہ ہو۔ کیونکہ شراب

تو پینے والے کو رسوا کرہی دیتی ہے۔ کیونکہ اگر اسکی بو کو منہ صاف کرکرا کے چھپا لیا مگر آنکھوں میں جو مستی بھری ہوئی اور قدم قدم پر جو گرے جاتے ہیں اسکو کہاں سے چھپاؤ گے علی ہذا ہم نے مانا کہ آپ نے اس شراب حب حق کو کسی سے بیان نہ کیا کہ ہم پر کیا حالات ہیں مگر جو آثار کہ ظاہر و باہر ہیں انکو کہاں سے چھپائیے گا اور شراب ظاہری کی بو تو چھپ بھی سکتی ہے اسکو تو صرف آثار ہی سے معلوم کریں گے مگر یہ تو وہ شراب ہے کہ اسکی تو بو بھی نہیں چھپتی بو سے بھی اور آثار سے بھی معلوم ہو ہی جاتا ہے اسکو فرماتے ہیں کہ۔

خود نہ آن بوئیست این کاندر جہان　　　صد ہزاران پردہ اش دارد نہان

یعنی یہ بو وہ نہیں ہے کہ دنیا میں اسکو لاکھوں پردے بھی چھپا سکیں۔ (بلکہ اسکی تو یہ حالت ہے کہ)

پر شد از تیزی او صحرا و دشت　　　دشت چہ کز نہ فلک ہم در گذشت

یعنی اسکی تیزی سے جنگل و میدان پر ہو گئے ہیں۔ اور جنگل تو کیا تو آسمانوں سے نکل گئی۔

این سر خم را بہ کہگل در مگیر　　　کاین برہنہ نیست خود پوشش پذیر

یعنی اس مٹکے کے سر کو کہگل سے مت بند کرو کہ یہ برہنہ کپڑے کو قبول کرنے والا نہیں ہے۔ مطلب یہ کہ حضرت یہ وہ شراب نہیں ہے کہ جسکی کسی شئے کو بھی آپ چھپا سکیں اسکے تو آثار بھی اور بو بھی سب ظاہر ہو رہے ہیں۔ اور صاف معلوم ہو گیا کہ اسوقت کوئی خاص حالت ہے، اور خاص واردات جناب پر ہو رہے ہیں اسکو پوشیدہ کرنے کی آپ کوشش نکریں کہ یہ چھپنے والی چیز نہیں ہے لہذا آپ خدا کیلئے

لطف کن اے رازداں راز گو　　　انچہ بازت صید کردش باز گو

یعنی اے راز (حق) کے جاننے والے مہربانی فرما کر راز کو بیان کر دیجئے اور آپکے باز نے جو شئے شکار کی ہے اسکو بتا دیجئے۔ مطلب یہ کہ عالم غیب سے جو فیوض آپکو ملے ہیں جنھوں نے کہ آپکو مست کر دیا ہے وہ ہمکو بھی بتا دیجئے کہ ہم بھی تو سنیں اور فیضیاب ہوں جب اس مرید نے اسقدر اصرار کیا تو حضرت بایزید رحمۃ نے فرمایا کہ۔

گفت بوئے بو العجب آمد بمن　　　ہمچنانکہ مر نبی را از یمن

یعنی حضرت بایزید رحمۃ نے فرمایا کہ ایک عجیب خوشبو مجھے آئی جیسی کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کو یمن سے آئی تھی۔

که محمد گفت بر دست صبا از یمن می آیدم بوئے خدا

یعنی کہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ صبا کی معرفت مجھے یمن سے بوئے حق آرہی ہے مطلب یہ کہ حضرت نے جواب دیا کہ مجھے ایک عجیب طرح کی خوشبو آئی ہے جیسے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو آئی تھی کہ آپ نے فرمایا تھا کہ مجھے یمن کی طرف سے بوئے رحمٰن آرہی ہے۔ اسکو مسلم نے روایت کیا ہے۔ تو جیسی خوشبو حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو آئی تھی ویسی ہی مجھے ایک خوشبو آرہی ہے۔ آگے مولانا فرماتے ہیں کہ۔

بوئے رامین میرسد از جان ویس بوئے رحمٰن میرسد ہم از اویس

یعنی ویس کی جان سے رامین کی بو آرہی تھی اور اویس سے بھی بوئے رحمٰن آرہی تھی یعنی اویس رضؓ سے اور (اُن کے شہر) قرن سے ایک عجیب بو نے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کو مست اور پرطرب کر دیا

....

........(رامین ایک عاشق کا نام ہے اور ویس معشوقہ کا نام مؤرخین نے لکھا ہے کہ اول رامین ویس پر عاشق ہو گیا تھا پھر جب ویس نے رامین کو دیکھا تو وہ بھی عاشق ہو گئی اسی لئے فرمایا ہے کہ بوئے رامین میرسد از جان ویس کیونکہ وہ بھی تو عاشق ہو گئی تھی) مطلب یہ کہ جسطرح کہ رامین کے جذب الفت کا اثر ویس میں ہوا تھا کہ اُسمیں سے رامین کے عشق کی خوشبو آنے لگی اور پھر وہ بھی عاشق ہو گئی۔ ایسے ہی حضرت اویس قرنیؓ کی حب حق کی خوشبو حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو اُن کے شہر کی طرف سے آئی تھی آگے حضرت اویس قرنی رضؓ کی خوشبو آنیکی وجہ بیان فرماتے ہیں کہ۔

چوں ویس از خویش فانی گشتہ بود آں زمینی آسمانی گشتہ بود

یعنی جبکہ حضرت اویسؓ اپنے سے فانی ہو گئے تھے تو وہ زمینی آسمانی ہو گئے تھے مطلب یہ کہ چونکہ حضرت اویس قرنی رضؓ حب حق میں بالکل فنا ہو چکے تھے اور اپنے تمام ارادوں وغیرہ کو فنا کر چکے تھے اور عین مصطلحہ باری تعالیٰ کے ہو گئے تھے اس سے وہ بھی عالم بالا ہی میں سے ہو گئے تھے اور اس فنا کی وجہ سے اُن میں سے بوئے حق آئی کہ وہ عین مصطلحہ ہو گئے تھے آگے اسکی ایک مثال بیان فرماتے ہیں کہ

آں ہلیلہ پروریدہ در شکر چاشنی تلخیش نبود دگر

یعنی وہ ہلیلہ جو شکر میں مربی بنالی جاوے اُسکی تلخی کا مزہ پھر نہیں ہوتا۔

آں ہلیلہ رستہ از ما و منے ۔۔۔ نقش دارد از ہلیلہ طعم نے

یعنی وہ ہلیلہ اپنے وجود سے چھوٹ جاتا ہے تو ہلیلہ کی صورت تو رکھتا ہے مگر مزا نہیں۔ (اسی طرح)

آں کسے کز خود بکلی در گذشت ۔۔۔ ایں منی و مائی خود در نوشت

یعنی جو شخص کہ بالکل اپنے سے گذر گیا اپنی اس ہستی کو اس نے لپیٹ دیا۔ مطلب یہ کہ دیکھو ہلیلہ اول کیسا کڑوا ہوتا ہے مگر جب اسکو شکر میں ڈالکر اسکا مربی بناتے ہیں تو اسکی وہ تلخی کافور ہو جاتی ہے اور بوجہ شکر کے عین ہو جانے کے وہ بھی شیریں ہو جاتا ہے تو بس اسی طرح جو شخص کہ اپنی مرضیات کو اور ارادوں کو حق تعالیٰ کے ارادوں میں فنا کر دیتا ہے اور عین مصطلحہ ہو جاتا ہے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

اس میں بھی۔ ۔ ۔ وہ اور دوسرے آثار پیدا ہو جاتے ہیں تو بس حضرت اویس چونکہ فانی ہو چکے تھے اسلئے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو ان میں سے بوئے حق آئی۔ آگے فرماتے ہیں کہ۔

ایں سخن پایاں ندارد باز گرد ۔۔۔ تا کہ گفت از وحی غیب آں شیر مرد

یعنی اس مضمون کی تو کہیں انتہا نہیں ہے اب تم واپس ہو کر یہ بیان کرو کہ الہام غیب سے اس شیر مرد نے کیا بیان کیا۔ مطلب یہ کہ عین مصطلحہ کا بیان اور فنا کا بیان کرنے کی تو کہیں انتہا نہیں ہے لہذا اس مضمون کو تو یہیں چھوڑ و اب حضرت بایزید کا قصہ بیان کرو کہ آگے انھوں نے الہام غیب میں سے کیا کیا باتیں بیان فرمائیں۔

شرح حبیبی

جواب سلطان بایزید قدس سرہ کا معنی میں قول رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کہ انی لاجد نفس الرحمن من قبل الیمن (او کما قال)

گفت زیں سو بوئے یارے میرسد ۔۔۔ کاندریں دہ شہریارے میرسد

بعد چندیں سال میزاید شہے ۔۔۔ میزند بر آسمانہا خرگہے

روئیش از گلزار حق گلگوں بود
از من او اندر مقام افزوں بود

چیست نامش گفت نامش بو الحسن
حلیہ اش وا گفت ز ابرو تا ذقن

قد او و رنگ او و شکل او
یک بیک وا گفت از گیسو و رو

حلیہائے روح او را ہم نمود
از صفات و از طریق و جائے بود

حلیہ تن ہمچو تن عاریت است
دل بر آں کم نہ کہ آں یک ساعت است

حلیہ روح طبیعی ہم فناست
حلیہ آں جاں طلب کاں بر سماست

جسم او ہمچوں چراغے بر زمیں
نور او بالائے سقف ہفتمیں

آں شعاع آفتاب اندر وثاق
قرص او اندر جہاں چار طاق

نقش گل در زیر بینی بہر لاغ
بوئے گل بر سقف و ایوان و باغ

مرد خفتہ در عدن دیدہ فرق
عکس آں بر جسم افتادہ عرق

پیرہن در مصر رہن یک حریص
پر شدہ کنعاں ز بوئے آں قمیص

بر نبشتند آں زماں تاریخ را
از کباب آراستند آں سیخ را

چوں رسید آں وقت و آں تاریخ راست
زاں زمیں آں شاہ پیدا گشت و خاست

غرض تو بایزید علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ اس طرف میرے محبوب (حق سبحانہ) کی بو آتی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس گاؤں میں ایک جلیل القدر ولی اللہ پیدا ہونے والے ہیں اتنے سال کے بعد ایک بزرگ پیدا ہونگے اور آسمان پر خیمہ زن ہوں گے یعنی نہایت عالی مرتبت ہوں گے اور انکا چہرہ گلزار حق سبحانہ سے گلگوں ہوگا۔ اور مجھ سے مقام میں بڑھکر ہونگے کسی نے پوچھا کہ انکا نام کیا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ ابو الحسن نام بتلا کر آپ نے ابرو سے ٹھوڑی تک پورا حلیہ بھی بیان کردیا۔ اور ان کے رخسار۔ رنگ۔ شکل۔ گیسو اور چہرہ کی تفصیلی کیفیت بیان کردی۔ اور ایسی ہی

اکتفا نہیں کیا بلکہ انکی روح کا علیہ بھی تبلا دیا یعنی اسکے صفات اور اسکا مسلک اور مقام بھی بیان کردیا۔ یہاں سے مولانا انتقال فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمارے اس بیان سے معلوم ہوا کہ نقشہ دو قسم کے ہوتے ہیں ایک جسم کا نقشہ دوسرا روح کا نقشہ پس تم سمجھو کہ جسطرح جسم چند روزہ ہے یوں ہی اسکا نقشہ (حسن وغیرہ) بھی چند روزہ ہے پس اس سے دل نہ لگاؤ کیونکہ یہ تھوڑی دیر کا مہمان ہے اور روحیں دو قسم کی ہیں ایک روح حیوانی دوسری روح انسانی سو روح حیوانی کا نقشہ بھی فانی ہے اس سے بھی دل نہ لگانا چاہئے۔ ہاں اُس روح انسانی کا حلیہ باقی ہے جو آسمان پر ہے اور جسکو عالم بالا سے تعلق ہے لہذا اس جان کا حلیہ مطلوب ہونا چاہئے۔ خیر یہ مضمون تو استطرادی تھا اب سنو کہ بایزید علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ ابو الحسن کا جسم تو چراغ کی طرح زمین پر ہوگا۔ اور اسکا نور ساتویں آسمان سے اوپر اس مضمون کو ہم دیگر چند مثالوں سے سمجھاتے ہیں سنو قرص آفتاب آسمان پر ہوتی ہے مگر اسکی شعاعیں لوگوں کے گھروں میں۔ نیز صورت گل ناک سے نیچے ہوتی ہے مگر بو باغ میں ہوتی ہے۔ اسی طرح ایک شخص سوتا ہوتا ہے اور عدن میں وہ ایک خوفناک منظر دیکھتا ہے مگر اسکے جسم پر پسینہ آجاتا ہے اور دیکھو پیرہن یوسفی مصر میں ایک شخص کے قبضہ میں تھا مگر کنعاں آپکی بو سے مالامال تھا ان تمام مثالوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ذات شئے کہیں اور ہو اور اسکا اثر کہیں اور یہ ممکن بلکہ واقع ہے۔ پس یہی حالت ابو الحسن کی ہوگی کہ گو وہ خود زمین پر ہونگے مگر اُن کے انوار عالم بالا پر ہونگے۔ خیر تو جب انھوں نے انکی تفصیل حال بیان کردی تو لوگوں نے اُن کی تاریخ ولادت لکھ لی۔ جو شیخ کی زبان سے سنی تھی۔ پس جب وہ وقت اور تاریخ آئی تو اسی سرزمین سے جس سے شیخ نے انکا پیدا ہونا بیان کیا تھا شیخ ابو الحسن ظاہر ہوئے۔

شرح شبیری

جواب سلطان بایزید قدس سرہ کا معنی ہیں قول رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کہ انی لاجد نفس الرحمٰن

من قبل الیمن را و کما قال)

گفت زیں سو بوئے یارے میرسد — کاندریں دہ شہریارے میرسد

یعنی حضرت بایزیدؒ نے فرمایا کہ اس طرف سے ایک یار کی بو آرہی ہے کہ اس گانوں میں ایک بادشاہ آویگا۔

بعد چندیں سال میزاید شہے — میزند بر آسمانہا خرگہے

یعنی اتنے سال کے بعد ایک شاہ صاحب پیدا ہونگے جو کہ آسمانوں پر جائے قیام بنا دینگے

رویش از گلزار حق گلگوں بود — از من او اندر مقام افزوں بود

یعنی انکا چہرہ گلزار حق سے گلگوں ہوگا۔ اور رتبہ میں وہ مجھ سے بھی زیادہ ہونگے مطلب یہ کہ حضرت بایزید بسطامیؒ نے فرمایا کہ یہاں اس گاؤں میں سے یعنی خارقان میں سے ایک دوست کی خوشبو آرہی ہے اور مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس گاؤں میں اتنے برس کے بعد ایک شاہ دین پیدا ہوگا جو کہ عالم بالا میں اپنی جائے قیام بناویگا یعنی بہت بڑے بزرگ ہونگے جنکے چہرہ پر نور حق ظاہر ہوگا۔ انکا مرتبہ اور مقام میرے مرتبہ اور مقام سے بھی عالی ہوگا۔

چیست نامش گفت نامش بوالحسن — حلیہ اش واگفت ز ابرو تا ذقن

یعنی (مریدنے عرض کیا کہ) انکا اسم گرامی کیا ہے تو حضرت بایزیدؒ نے فرمایا کہ انکا نام نامی ابوالحسن ہے۔ اور حضرت بایزیدؒ نے ان کا حلیہ ابرو اور ٹھوڑی تک بیان کردیا۔ (ز ابرو تا ذقن سے مراد یہ کہ تمام حلیہ ذرا ذرا کرکے بیان فرمادیا)۔

قد او و رنگ او و شکل او — یک بیک واگفت از گیسو و رو

یعنی انکا رخسار اور انکا رنگ اور انکی شکل ایک ایک کرکے ان کے گیسو اور رو کی حالت بیان فرمادی

حلیہائے روح او را ہم نمود — از صفات و از طریق و جائے بود

یعنی انکی روح کا حلیہ بھی دکھلایا صفات سے اور طریقہ سے اور جگہ سے اور بود و باش سے مطلب یہ کہ انکے بدن کا سارا حلیہ بیان فرمایا کہ ایسے رخسار ہونگے ایسی آنکھ ناک ہوگی ایسے گیسو ہوں گے علی ہذا اور انکی روح کا حلیہ بھی بیان فرمایا کہ ان میں اسقدر قوت روحانی ہوگی فلاں مرتبہ ولایت

وغیرہ پر انکا مقام ہوگا غرض سارے حلیے بیان فرمادئے آگے مولانا فرماتے ہیں کہ

حلیۂ تن ہمچو تن عاریت است　　دل بر آں کم نہ کہ آں یک ساعت است

یعنی تن کا حلیہ تو تن کیطرح عاریتی ہے اوسپر دل کو کم رکھ کہ وہ تو ایک گھڑی کا ہے۔

حلیۂ روح طبیعی ہم فناست　　حلیۂ آں جاں طلب کاں بر سماست

یعنی روح طبعی کا حلیہ بھی فانی ہے اُس روح کا حلیہ طلب کرو جو آسمان پر ہے۔ مطلب یہ کہ تم نے جو اُن کے حلیۂ تن کو سنا ہے اور اُنکی روح طبعی کے حلیے سنکر خوش ہو رہے ہو اسی میں مست لگجانا کہ یہ تو فانی چیزیں ہیں اُس روح مجرد کا حلیہ دیکھو کہ جو باقی ہے جسکا مرتبہ عالی اور مقام عالم بالا اور عالم غیب ہے غرض کہ ان اشیاء فانی میں مست لگو عالم غیب اور عالم بالا کی طرف متوجہ ہو آگے پھر اُن ہی کا قصہ بیان فرماتے ہیں کہ۔

جسم او ہمچوں چراغے بر زمیں　　نور او بالائے سقف ہفتمیں

یعنی اُنکا جسم تو چراغ کی طرح زمین پر ہوگا مگر اُنکا نور ساتویں چھت کے اوپر ہوگا۔ مطلب یہ کہ اُنکا جسم ظاہری تو زمین پر ہوگا مگر اُنکا نور باطن ساتویں آسمان سے بھی بالا ہوگا۔ جیساکہ چراغ ہوتا ہے کہ وہ تو ایک جگہ رکھا رہتا ہے مگر اُسکا نور تمام مکان کو روشن کئے ہوتا ہے۔ آگے اور اسی کے نظائر بیان فرماتے ہیں کہ۔

آں شعاع آفتاب اندر وثاق　　قرص او اندر جہان چار طاق

یعنی وہ آفتاب کی شعاع تو گھر میں ہے اور اُسکی ٹکیہ جہان چار طاق میں ہے (جہان چار طاق سے مراد آسمان) مطلب یہ کہ دیکھو آفتاب کا نور تو کسقدر پھیلا ہوا ہوتا ہے مگر اُسکا جسم ایک جگہ ہی ہوتا ہے۔

نقش گل در زیر بینی بہر لاغ　　بوئے گل بر سقف و ایوان و باغ

یعنی پھول کا نقش تو ناک کے نیچے ہوتا ہے اور پھول کی خوشبو محل و باغ کی چھت پر ہوتی ہے۔

مرد خفتہ در عدن دیدہ فرق　　عکس آں بر جسم افتادہ عرق

یعنی انسان عدن میں سوتا ہوا ہوتا ہے تو خوف دیکھتا ہے اُسکا عکس اُسکے جسم پر پسینہ آجاتا ہے

پیرہن در مصر رہن یک حریص　　پر شدہ کنعان ز بوئے آں قمیص

یعنی مصر میں لباس (یوسفی) ایک حریص (برادر یوسفؑ) کے پاس تھا اور اس کرتہ کی خوشبو سے کنعان بھرا ہوا تھا۔ مطلب یہ کہ دیکھو آفتاب کا جسم ایک جگہ ہے اور نور تمام عالم میں پھیلا ہوا ہے علیٰ ہذا پھول کو ناک کے نیچے رکھکر سونگھتے ہیں اور اسکی خوشبو دماغ کے اعلیٰ حصہ تک پہونچتی ہے اور لیجئے ایک شخص سو رہا ہے اور خواب میں کوئی خوفناک واقعہ دیکھتا ہے تو جسم پر اس کے پسینہ آجاتا ہے۔ حالانکہ ظاہر جسم پر کوئی خوف وغیرہ نہیں ہے مگر خواب کا یہ اثر ہوتا ہے اور سنئے کہ پیراہن یوسفی ابھی مصر میں برادران یوسف علیہ السلام کو یوسف علیہ السلام نے عنایت ہی کیا تھا مگر اسکی خوشبو کنعان میں پہونچ گئی اسی طرح حضرت ابوالحسن خرقانیؒ کا جسم اگرچہ خاک پر اور اس دنیا رفانی میں ہوگا مگر انکا نور روحانی ساتوں آسمان سے بھی بلند ہوگا غرض کہ انکی پوری حالت کو بیان فرمادیا۔

بر نوشتند آن زمان تاریخ را　　　از کباب آراستند آں سیخ را

یعنی لوگوں نے اسی وقت تاریخ لکھ لی۔ اور کباب سے اس سیخ کو سنوار لیا۔ (سیخ را از کباب آراستن ایک کار را بانجام رسانیدن) مطلب یہ کہ انھوں نے اسی وقت تاریخ وغیرہ لکھ لی اور کام بالکل ٹھیک کرلیا کہ کوئی کسر باقی نہ رہی تاریخ سنہ حلیہ حالات واقعات وغیرہ جو بیان کئے تھے سب لکھکر رکھ لئے۔

چوں رسید آں وقت و آں تاریخ راست　　　زاں زمین آں شاہ پیدا گشت خاست

یعنی جب ٹھیک وہ وقت اور تاریخ پہونچی تو اس زمین سے وہ شاہ (دین) پیدا ہوئے اور اٹھے مطلب یہ کہ جب وہ تاریخ جسکو حضرت بایزیدؒ نے لکھوایا تھا پہونچی تو حضرت ابوالحسن خرقانیؒ پیدا ہوگئے۔ آگے اُن کی پیدائش کے قصہ کو بیان فرماتے ہیں۔

شرح حبیبی

حضرت بایزیدؒ کی وفات کے بعد حضرت ابوالحسن خرقانیؒ کا پیدا ہونا

زادہ شد آں شاہ و نرد ملک باخت　　　از عدم پیدا شد و مرکب بتافت

از پس آں سالہا آمد پدید	بوالحسن بعد از وفات بایزید
جملہ خوہائے او ز امساک وجود	آنچناں آمد کہ آں شہ گفتہ بود
لوح محفوظ است او را پیشوا	از چہ محفوظ است محفوظ از خطا
نے نجوم است و نہ رمل است و نہ خواب	وحی حق واللہ اعلم بالصواب
از پئے روپوش عامہ در بیاں	وحی دل گویند آنرا صوفیاں
وحی دل گیرش کہ منظرگاہ اوست	چوں خطا باشد کہ دل آگاہ اوست
مومنا ینظر بنور اللہ شدی	از خطا و سہو ایمن آمدی
ایں سخن پایاں ندارد و انجواں	از کم اجرائے ناں شد ناتواں

وہ پیدا ہوئے اور پیدا ہو کر سلطان طریقت ہو گئے وہ عدم سے وجود میں آئے اور موجود ہو کر راہ سلوک کو طے کرنا شروع کر دیا وہ بایزید علیہ الرحمہ کی وفات کے بھی چند سال بعد پیدا ہوئے مگر جو صفات شیخ نے بیان کی تھیں کہ ان میں اپنے محل پر بخل ہو گا جو محمود ہے اور اپنے موقع پر سخاوت ہو گی وہ سب اسی طرح ظاہر ہوئیں جس طرح انھوں نے بیان کی تھیں اور کیوں نہ ہوتیں وہ تو لوح محفوظ کے مطالعہ سے کہہ رہے تھے اور لوح محفوظ کو محفوظ اسی لئے کہا جاتا ہے کہ اسمیں غلطی نہیں ہو سکتی۔ تو انکا بیان کیونکر غلط ہو سکتا تھا اور انکا بیان وحی حق سبحانہ پر مبنی تھا نہ کہ نجوم یا رمل یا خواب پر پھر غلطی کیسے ہو سکتی تھی اس مقام پر ہم تمھیں ایک باریک بات پر مطلع کرتے ہیں وہ یہ کہ کشف والہام بھی وحی ہے مگر عوام سے مخفی رکھنے کیلئے صوفیہ اسکو مطلق استعمال نہیں کرتے بلکہ وحی دل کہتے ہیں تاکہ عوام دھوکہ میں نہ پڑ جائیں اور اس سے وہ وحی نہ سمجھ جائیں جو مخصوص ہے انبیا کے ساتھ اور اہل اللہ کو نبی نہ سمجھ بیٹھیں یا ان سے بدظن نہ ہو جائیں۔ خیر تم اسے اس دل کی وحی مانو جو محل نظر حق سبحانہ ہے اور مطلق وحی نہ کہو۔ مگر اس سے اصل مقصود پر کچھ اثر نہیں پڑتا کیونکہ اسوقت بھی یہ یقینی ہی رہے گی کیونکہ وہ قلب عارف باللہ ہے اور صاحب قلب مومن ہے اور مومن ناظر بنور اللہ اور نظر بنور اللہ خطا و سہو سے مامون ہے اسلئے عارف خطا

سہو سے مامون ہے پھر غلطی کیونکر ہو سکتی ہے (**ف** تفصیل اس مقام کی یہ ہے کہ یقینیت وعدم یقینیت کشف والہام غیر نبی اہل فن کے درمیان مختلف فیہ ہے کچھ لوگ انہیں یقینی کہتے نہیں اور کچھ لوگ یقینیت کا انکار کرتے ہیں۔ مولانا کی تحقیق مسلک اول کے موافق ہے اور وہ بھی یقینیت کا دعویٰ کرتے ہیں اس [illegible] پر وہ کہتے ہیں کہ کشف والہام بھی حقیقۃ اقسام ہیں وحی کے۔ اسلئے ان پر وحی کا اطلاق فی نفسہ صحیح ہے۔ مگر صوفیہ لوگوں کو غلطی سے بچانے کیلئے اسکو مطلق استعمال نہیں کرتے۔ اور وحی دل کہتے ہیں جس سے وحی انبیاء اور وحی اہل اللہ میں تغایر نوعی مفہوم ہوتا ہے اور اہل اللہ پر دعویٰ نبوت کا شبہ نہیں ہوتا اسکے بعد فرماتے ہیں کہ اچھا تم اسکو مطلق وحی نہ کہو بلکہ وحی دل ہی مانو۔ مگر یقینیت اسکی اسوقت بھی ہاتھ سے نہیں جاتی کیونکہ قلب عارف باللہ ہے اور صاحب قلب مومن اور مومن ناظر بنور اللہ اور نظر بنور اللہ میں خطا وسہو واقع نہیں ہو سکتے تو ہمارا مدعا ثابت ہے یہ تو حاصل ہے اس کلام کا اب ہم اس شبہ کو دفع کرنا مناسب سمجھتے ہیں جو سالکین مسلک یقینیت کشف والہام پر وارد ہوتا ہے ان پر شبہ یہ ہوتا ہے کہ اس صورت میں انکا نبی ہونا لازم آئیگا۔ اور لازم ہے کہ ان کے الہام وکشف کا منکر کافر ہو جواب اسکا یہ ہے کہ الہام وکشف کا یقینی ہونا اور انکا وحی حق ہونا نبوت کو مستلزم نہیں ہے نبوت ایک خاص منصب ہے پس یہ ضروری نہیں کہ جسکو کشف والہام یقینی ہو اسکو یہ خاص منصب بھی عطا ہو۔ مثلاً بادشاہ اپنے وزیر سے بھی خطاب کرتا ہے اور ایک خادم سے بھی اور باوجودیکہ وہ خطاب دونوں کیلئے قطعی ہوتا ہے مگر اس سے وہ خادم وزیر نہیں ہو جاتا۔ اور اس الہام وکشف کا منکر کافر اسلئے نہیں ہوتا کہ ان کے یقینیت کسی دلیل قطعی سے ثابت نہیں۔ چنانچہ مولانا نے جو دلیل بیان فرمائی ہے وہ بھی خطابی ہے نہ کہ برہانی۔ نیز خود ان قائلین کے فہم میں بھی نفس الامر میں غلطی کا احتمال موجود ہے اسلئے نہ دوسرے لوگ کشف والہام اہل اللہ کے انکار سے نفس الامر میں کافر ہو سکتے ہیں اور نہ قائلین بہ یقینیت کشف والہام کے نزدیک اور نہ وہ لوگ خود اپنے کشف والہام کے انکار سے کافر ہو سکتے ہیں) خیر یہ گفتگو تو ختم ہو گئی اور وہ جوان روٹی کی کمی سے کمزور ہو گیا ہے اسلئے اس گفتگو کو چھوڑ کر اسکی خبر لینی چاہئے (**ف** واضح ہو کہ این سخن پایاں ندارد الخ نسخہ موجودہ میں سرخی آئندہ کے تحت میں تین شعروں کے بعد واقع ہوا

لیکن چونکہ مضمون کے لحاظ سے اسکا اس مقام پر ہونا مناسب نہیں تھا اسلئے اس مقام پر نقل کیا گیاہے واللہ اعلم باسرارہ خلص عبادہ)۔

شرح شبیری

حضرت بایزیدؒ کی وفات کے بعد حضرت ابوالحسن خرقانی کا پیدا ہونا

زادہ شد آں شاہ نرد ملک باخت ‌‌‌‌ از عدم پیدا شد و مرکب بتاخت

یعنی وہ شاہ (دین) پیدا ہوئے اور ملک کی بازی کھیلی عدم سے پیدا ہو کر مرکب کو چلایا مطلب یہ کہ حضرت پیدا ہوئے اور ملک دین کے بادشاہ ہوئے یعنی شیخ طریقت ہوئے۔

از پس آں سالہا آمد پدید ‌‌‌‌ بوالحسن بعد از وفات بایزید

یعنی ان برسوں کے بعد (جنکو حضرت بایزید نے فرمایا تھا) حضرت ابوالحسنؒ بعد وفات حضرت بایزیدؒ کے ظاہر ہوئے یعنی حضرت بایزیدؒ کی وفات کے اسی قدر مدت بعد جتنی کہ وہ بتلا گئے تھے حضرت ابوالحسنؒ پیدا ہوئے۔

جملہ خوہائے او ز امساک و جود ‌‌‌‌ آنچناں آمد کہ آں شہ گفتہ بود

یعنی ان کی تمام خصلتیں سخاوت کی اور امساک کی اس طرح آئیں جیسی کہ اس شاہ (دین) نے بتائی تھیں اب یہاں کسی کو شبہ ہو سکتا تھا کہ انھوں نے اس طرح کیسے بتا دیا اس شبہ کو زائل فرماتے ہیں کہ۔

لوح محفوظ است او را پیشوا ‌‌‌‌ از چہ محفوظ است محفوظ از خطا

یعنی لوح محفوظ ان کی پیشوا تھی اور محفوظ کس شے سے تھی خطا سے محفوظ تھی۔

نے نجوم ست و نہ رمل ست و نہ خواب ‌‌‌‌ وحی حق واللہ اعلم بالصواب

یعنی نہ کوئی نجوم تھا اور نہ رمل تھا اور نہ خواب تھا (بلکہ) الہام حق تھا واللہ اعلم بالصواب مطلب یہ کہ انھوں نے ان کے قصہ کو نہ تو کسی رمل سے نہ نجوم سے نہ خواب وغیرہ کسی شے سے معلوم کیا تھا۔ بلکہ لوح محفوظ پر سے حق تعالیٰ نے ان کو بذریعہ الہام کے بتا دیا تھا۔ اسلئے انکو معلوم

ہو گیا تھا۔ اور مصرعہ از چہ محفوظ الخ جملہ معترضہ کے طور پر ہے کہ لوح محفوظ کو لوح محفوظ کیوں کہتے ہیں فرماتے ہیں کہ وہ خطا سے چونکہ محفوظ ہے اسلئے لوح محفوظ کہتے ہیں۔ غرض الہام حق انکو معلوم ہو گیا تھا۔ باقی اگر اور کوئی بات ہو اسکو اللہ جانتے ہیں تو جسقدر معلوم تھا بیان کر دیا آگے مولانا فرماتے ہیں کہ۔

از پئے روپوش عامہ در بیان　　　وحی دل گویند آنرا صوفیاں

یعنی عوام کے بتلانے کیلئے بیان میں صوفیہ اسکو وحی دل کہہ دیتے ہیں۔

وحی دل گیرش کہ منظر گاہ اوست　　　چوں خطا باشد کہ دل آگاہ اوست

یعنی اسکے دل کی لینے والی وحی جو اسکی منظر گاہ ہے کیونکر غلط ہو سکتی ہے کہ دل اس سے آگاہ ہے

مومنا ینظر بنور اللہ شدی　　　از خطا و سہو ایمن آمدی

یعنی اے مومن تو ینظر بنور اللہ ہو گیا ہے اور خطا اور سہو سے بیخوف ہو گیا ہے مطلب یہ کہ اس الہام حق کو عوام کے سمجھانے کیلئے حضرات صوفیہ الہام قلب کہدیتے ہیں ورنہ اصل میں یہ الہام حق ہی ہوتا ہے جسمیں کہ اگر کوئی مانع اور عارض نہو تو خطا نہیں ہو سکتی اور سہو نہیں ہو سکتا ہاں عارض کے ہوتے ہوئے اگر خطا و سہو ہو وہ اور بات ہے ورنہ اسمیں خطا و سہو ہرگز نہیں ہوتا اسکی بالکل ایسی مثال ہے جیسے حواس ظاہری کہ آنکھ دیکھتی ہے اور اگر کوئی عارض اور مانع نہو تو عادت یہ ہے کہ اسکے دیکھنے میں خطا نہیں ہوتی لیکن اسمیں بھی عارض ہو تو خطا ہو جاتی ہے مگر اس خطا کے ہو جانے سے کوئی اسکے ادراکات کو غیر یقینی نہیں کہتا۔ بلکہ ادراکات یقینی ہی ہیں اور اس کا غلط ہو جانا عارض کے سبب سے کہا جاویگا۔ اسی طرح ان حواس باطن میں بھی ہے کہ اگر عارض پیش نہ آوے تو بے شک ان میں غلطی نہیں ہوتی اسی لئے بعض صوفیہ نے انکے ادراکات کو یقینی قرار دیا ہے مگر محققین صوفیہ انکے ادراکات کو ظنی ہی کہتے ہیں کہ ان پر یقین کر کے کسی سے بدگمان ہو جانا یا کسی پر تہمت لگا دینا جائز نہیں فرماتے۔ خوب سمجھ لو۔ آگے اس غلام کے وظیفہ کم ہو جانے کے قصہ کی طرف رجوع فرماتے ہیں اور اسی کے ذیل میں یہ مضمون بھی بیان فرماویں گے کہ حضرات اہل اللہ کا وظیفہ اور انکا کھانا دل و جان سے ہوتا ہے اور ان کی اصل غذا غیب سے ہوتی ہے۔

شرح حبیبی

اُس غلام کے وظیفہ کے کم ہو جانے کی حکایت کی طرف رجوع اور بیان اسکا کہ صوفی کے دل وجان کا وظیفہ حق تعالیٰ کے کھانے سے ہوتا ہے

صوفیے از فقر چوں در غم شود — عین فقرش دایہ و مطعم شود

زانکہ جنت از مکارہ رستہ است — رحم قسم عاجز و اشکستہ است

آنکہ سرہا بشکند او از علو — رحم حق و خلق ناید سوئے او

شاد آں صوفی کہ رزقش کم شود — آں شبہ در گردد او یم شود

زاں جرائے خاص ہر کہ آگاہ شد — او سزائے قرب و اجرے گاہ شد

زاں جرائے روح چوں نقصاں شود — جانش از نقصاں او لرزاں شود

پس بداند کہ خطائے رفتہ است — کہ سمن زار رضا شگفتہ است

ہمچناں کاں شخص از نقصان کشت — رقعہ سوئے صاحب خرمن نوشت

رقعہ اش بردند پیش میر داد — خواند او رقعہ جوابے وا نداد

گفت او را نیست الا درد قوت — پس جواب احمق اولیٰ تر سکوت

نیستش درد فراق و وصل ہیچ — بند فرع است او نجوید اصل ہیچ

احمق است و مردہ ما و منے — کز غم فرعش فراغ اصل نے

وہ غلام تو روٹی کی کمی سے ناتواں ہوگیا تھا مگر صوفیہ کرام کی حالت اسکے خلاف ہے کیونکہ صوفی فقر و فاقہ کی وجہ سے مغموم ہوتا ہے تو اُسکا یہ فقر و فاقہ ہی اُسکا مربی اور اسکے لئے غذائے روحانی کا سبب بنجاتے ہیں۔ کیونکہ قاعدہ ہے کہ جنت عیش و راحت تکالیف ہی سے پیدا ہوتی ہے اور رحم عاجز اور مسکین ہی کا حصہ ہے اور جو لوگ کہ سرکش ہیں اور اپنی سرکشی سے لوگوں کے سر پھوڑتے ہیں اُن پر نہ خدا کو رحم آتا ہے اور نہ مخلوق کو بس مزہ یہ ہے وہ صوفی جسکا رزق کم ہو جاوے۔ اور اس کمی رزق کے سبب وہ بوتھ سے موتی اور قطرہ سے دریا یعنی ناقص سے کامل ہو جاوے۔ یاد رکھو کہ یہ کمی رزق وہ وظیفہ ہے کہ جو اسکی خاصیت اور اثر سے واقف ہو جاتا ہے وہ مستحق قرب الٰہی اور محل ثواب ہو جاتا ہے اور جب اسکے اس وظیفہ روحانی میں کمی ہو جاتی ہے اور اسکو روٹی زیادہ ملنے لگتی ہے تو اسکی جان کانپ جاتی ہے اور سمجھتا ہے کہ ضرور مجھسے کوئی قصور ہوا ہے جسکے سبب خوشنودی کا چمن زار نہیں کھلا ہے اور مجھپر یہ عتاب ہوا ہے اور اس رزق کے اجراء کی یوں ہی درخواست کرتا ہے جسطرح اس غلام نے اپنے رزق کے کم ہونے کے سبب بادشاہ کو رقعہ لکھا تھا اب اس غلام کے قصہ کی طرف عود کرتے ہیں سنو جب اُس نے بادشاہ کو رقعہ لکھا تو لوگ اُسکا رقعہ بادشاہ کے پاس لیگئے اُس نے رقعہ لیکر پڑھا اور خاموش ہو رہا۔ اور یہ کہا کہ اسکو تو صرف روٹی کا غم ہے اسلئے یہ احمق ہے اور احمق کا جواب خاموشی ہی بہتر ہے اسکو فراق اور انقطاع وصل کا کچھ بھی خیال نہیں۔ اور یہ فرع میں الجھا ہوا ہے اور اصل کا طالب نہیں اسلئے یہ احمق ہے۔ اور خودی سے مردہ ہے کیونکہ یہ فرع میں ایسا منہمک ہے کہ اصل کی طلب کی اسے فرصت ہی نہیں۔

آسمانہا و زمیں یک سیب داں	کز درخت قدرت حق شد عیاں
تو چو کرمے درمیان سیب در	وز درخت و باغبانی بیخبر
آں یکے کرمے دگر در سیب ہم	لیک جانش از بروں صاحب علم
جنبش او واشگافد سیب را	بر نتابد سیب آں آسیب را
بر دریدہ جنبش او پردہا	صورتش کرم است معنی اژدہا

آتشے کاول ز آہن می جہد ، او قدم بس سست بیروں می نہد
دایہ اش پنبہ است اول لیک اخیر ، میرساند شعلہا را تا اثیر
مرد اول بستہٴ خواب و خورست ، آخر الامر از ملائک برتر است
در پناہ پنبہ و کبریتہا ، شعلہٴ و نورش بر آید تا سہا
عالم تاریک روشن میکند ، کندہٴ آہن بسوزن می کند
گرچہ آتش تیز ہم جسمانی است ، نے ز روح است و نہ از روحانی است
جسم را نبود ازاں عز بہرہٴ ، جسم پیش بحر جاں چوں قطرہٴ
جسم از جاں روز افزوں می شود ، چوں رود جاں جسم بیں چوں می شود
حد جسمت یک دو گز خود بیش نیست ، جاں تو تا آسماں جولاں کنیست
تا بہ بغداد و سمرقند اے ہمام ، روح را اندر تصور نیم گام
دو درم سنگ است پیہ چشم تاں ، نور جسمش تا عنان آسماں
نور بے ایں چشم می بیند بخواب ، چشم بے ایں نور چہ بود جز خراب
جاں ز ریش و سبلت تن فارغ است ، لیک تن بیجان بود مردار و پست
بازنامہ روح حیوانی است ایں ، پیش تر رو روح انسانی بہ بیں
بگذر از انسان و ہم از قال و قیل ، تا لب دریائے جاں جبرئیل
بعد ازانت جان احمد لب گزد ، جبرئیل از بیم تو واپس خزد
گوید ار آیم بقدر یک کماں ، من بسوئے تو بسوزم در زماں
ایں بیاباں خود ندارد پا و سر ، بے جواب نامہ خستہ است آں پسر

اوپر چونکہ بیان کیا تھا کہ وہ غلام فرع میں منہمک ہے اور اصل کی خبر نہیں اس مناسبت سے فرماتے ہیں کہ عالم کو ایک سیب سمجھو جو کہ درخت قدرت حق سبحانہ سے پیدا ہوا ہے اور آدمی کو اسکے اندر ایک کیڑا تصور کرو۔ اب سمجھو کہ یہ کیڑے دو قسم کے ہیں ایک تو وہ ہیں جو ہمہ تن اس سیب (عالم) میں ہی مشغول ہیں اور انکو درخت (قدرت حق سبحانہ) اور باغبان (حق سبحانہ) کی کچھ بھی خبر نہیں۔ اور دوسرے وہ ہیں جو ہیں تو سیب کے اندر مگر انکی جان کو سیب سے باہر یعنی عالم غیب میں نہایت شان و شوکت حاصل ہے اور وہ اسقدر عالی حوصلہ ہیں کہ انکی حرکت سیب کو پھاڑے دیتی ہے اور سیب اسکے صدمہ کو دفع نہیں کر سکتا۔ بالآخر اسکی حرکت تمام پردوں کو پھاڑ ڈالتی ہے۔ اور وہ باہر نکل آتا ہے۔ ایسا کیڑا اگرچہ صورت میں کیڑا ہے مگر ہمت و قوت کے لحاظ سے اژدہا ہے دیکھو جسطرح آگ جبکہ لوہے سے نکلتی ہے تو کمزور نکلتی ہے اور اولاً روئی اسکی تربیت کرتی ہے مگر آخر میں اپنے شعلوں کو آسمان تک پہونچا دیتی ہے یونہی آدمی بھی ابتدائً خواب و خور میں محبوس ہوتا ہے اور رفتہ رفتہ ترقی کر کے آخر میں فرشتوں سے بڑھ جاتا ہے اور روئی اور گندھک (یعنی مشائخ) کی حمایت و تربیت میں اسکا شعلہ اور نور آسمان تک پہونچتا ہے اور اس عالم تاریک سے ظلمت جہل و ضلالت کو دور کر کے اسکو نور ہدایت سے منور کر دیتا ہے اور وہ کام کرتا ہے جو قیاس سے باہر ہیں گویا کہ لوہے کے ستون کو سوئی سے اکھیڑ ڈالتا ہے۔ اب سمجھو کہ روح سے جسم کو کیا نسبت ہے۔ سنو آگ اگرچہ ایک جسمانی شے ہے نہ روح ہے اور نہ روحانی مگر جو شان و شوکت اسکو حاصل ہے وہ بدن کو نہیں۔ تو اسکو روح سے کیا نسبت ہو سکتی ہے اسکے سامنے تو اسکی ایسی مثال ہے جیسے سمندر کے سامنے ایک قطرہ۔ نیز جسم کو جان سے ترقی ہوتی ہے اور جب جان نکل جاتی ہے تو دیکھو اسکی کیا حالت ہوتی ہے برخلاف روح کے کہ وہ جسم کی اسدرجہ محتاج نہیں ہے اور دیکھو جسم زیادہ سے زیادہ ایک دو گز کا ہوتا ہے لیکن اسکی روح زمین سے آسمان تک جولانی کرتی ہے اور بغداد اور سمرقند تک کی مسافت اسکے لئے بمنزلہ نصف قدم کے ہے اور دیکھو تمہاری آنکھ کی چربی زیادہ سے زیادہ ۵ ماشے کی ہوگی لیکن اسکی روح کا نور آسمان تک پہونچتا ہے پھر اس نور کو آنکھ کی ضرورت نہیں کیونکہ

وہ خواب میں اشیاء کا احساس بدون آنکھ کے کرتا ہے۔ برخلاف آنکھ کے کہ اگر نور نہو کسی کام کی بھی نہیں اور سنو جان کو جسم کی ڈاڑھی مونچھ اور شان وشوکت کی کچھ حاجت نہیں برخلاف جسم کے کہ وہ بدون جان کے مردہ اور محقر ہے یہ ڈاڑھی مونچھ وغیرہ اگر ساز وسامان ہے تو روح حیوانی کا اور روح انسانی کو اس سے کوئی تعلق نہیں ہیں جبکہ روح کا تفوق جسم پر ان وجوہ سے ثابت ہوگیا تو تم کو جسم کی فکر میں نہ پڑا رہنا چاہئے۔ بلکہ اسکو چھوڑکر روح انسانی کو مطمح نظر بنانا چاہئے اسی کی اصلاح کی فکر ہونی چاہئے اور اسی کی تربیت کی اور انسانیت اور قیل وقال سے ترقی کرکے جان جبرئیلی تک پہونچنا چاہئے یعنی کمالات جبرئیلی حاصل کرنی چاہئیں جب تم اس مرتبہ پر پہونچ جاؤگے تو اسوقت تم کو روح محمد صلی اللہ علیہ وسلم پیار کریگی وہ اس مرتبہ پر پہونچادیگی کہ جبرئیل تم سے خوف کرینگے اور تمھاری معیت فی السیر المعنوی سے دست بردار ہوجاویں گے اور فرماویں گے کہ اگر میں تمھاری ساتھ ایک کمان کی برابر آگے چلوں تو تجلی حق سبحانہ مجھے فوراً جلادیگی کیونکہ میری ترقی کے مدارج یہاں ختم ہوگئے ہیں اور اس مقام سے آگے بڑھنے کی مجھ میں استعداد نہیں۔ اچھا اس بیان کی نہ تو ابتدا ہے نہ انتہاء اسے چھوڑنا چاہئے کیونکہ وہ غلام بدون جواب کے بہت پریشان ہے۔

شرح شبیری

اس غلام کے وظیفہ کے کم ہوجانے کی حکایت کیطرف رجوع اور بیان اسکا کہ صوفی کے دل وجان کا وظیفہ حق تعالی کے کھانے سے ہوتا ہے

صوفیے از فقر چوں در غم شود　　عین فقرش دایہ و مطعم شود

یعنی صوفی فقر سے کیوں غم میں ہو اسلئے کہ عین فقر اسکے لئے مربی اور کھانا کھلانیوالا ہوتا ہے

زانکہ جنت از مکارہ رستہ است　　رحم قسم عاجز اشکستہ است

یعنی چونکہ جنت ناگوار چیزوں سے بنی ہے تو رحم عاجز اور شکستہ حال کا حصہ ہوتا ہے۔

آنکہ سرہا بشکند او از غلو — رحم حق و خلق ناید سوئے او

یعنی جو شخص کہ سر کو غلو کی وجہ سے توڑے تو حق تعالیٰ کا اور مخلوق کا رحم اسکی طرف نہیں آتا
مطلب یہ کہ اہل اللہ کو فقر سے اور دنیا کی کمی سے کچھ غم نہیں ہوتا بلکہ وہ فقر وغیرہ میں خوش رہتے
ہیں کیونکہ حدیث میں ہے کہ حفت الجنۃ بالمکارہ کہ جنت کے چاروں طرف ناگوار اشیاء کی
باڑ لگی ہوئی ہے کہ جو جنت میں جاوے اول ناگواریوں کو برداشت کرے تو جنت میں جانے
کیلئے ان اشیاء کا گوارا کرنا شرط ہوا تو اہل اللہ کو دنیا کی کمی سے کیوں غم ہوگا۔ وہ تو جانتا ہے کہ
اسکی کمی سے خدا کے یہاں کی نعمتیں نصیب ہونگی لہذا یہ کمی اسکے لئے موجب فرح ہوتی ہے اور بجائے
اس دنیوی فرحت کے یہ فرحت اسکو بیحد خوش کن ہوتی ہے مگر یہ تو اسکے لئے ہے جو اللہ والا ہو
اور جسمیں یہ صفت نہو اسکو تو بس یہ دنیا ہی کی نعمتیں مایۂ زندگی ہوں گی۔ اور ان ہی کے پیچھے
جان دیگا۔ جیسا کہ وہ غلام تھا کہ ذرا سے وظیفہ کی کمی سے گھبرا گیا اور بادشاہ کو شکایت لکھی
آگے اسی کے قصہ کو بیان فرماتے ہیں کہ۔

ایں سخن پایاں ندارد وآں جواں — از کم اجرائے ناں شد ناتواں

یعنی یہ مضمون تو انتہا نہیں رکھتا اور وہ جوان وظیفہ کی کمی کی وجہ سے ناتواں ہو رہا ہے مطلب یہ کہ
اس مضمون کی اور اولیاء اللہ کے طعام غیب سے کھانے کے مضمون کی تو کہیں انتہا نہیں ہے اسکو
ترک کرو کہ وہ غلام وظیفہ کی کمی کی وجہ سے مرا جا رہا ہے اسکا قصہ بیان کرو۔ اتنا فرما کر آگے پھر
وہی مضمون ارشاد فرماتے ہیں کہ۔

شاد آں صوفی کہ رزقش کم شود — آں شبہ دُر گردد و او یم شود

یعنی کیا اچھا ہے وہ صوفی کہ اسکا رزق کم ہو تو وہ پوتھ موتی ہو جاوے اور وہ شخص دریا ہو جاوے
مطلب یہ کہ وہ اہل اللہ کیسے اچھے ہیں کہ انکا اگر رزق دنیوی کم بھی ہو جاتا ہے تو انکو کوئی غم نہیں
ہوتا بلکہ انکی وہ حالت جو مشابہ پوتھ کے تھی جو ایک سب سے ادنیٰ درجہ کی قسم موتیوں میں سے ہے
مشابہ دُرّ اعلیٰ قسم کے موتی کے ہو جاتی ہے اور یہ شخص بوجہ اسکے کہ اسکے اندر وہ صفت ہوتی ہے
دریا کے مشابہ ہو جاتا ہے کہ جیسے دریا میں موتی ہوتا ہے غرض کہ اس دنیوی رزق کی کمی سے اسکے

مراتب اور عالی ہوتے ہیں کیونکہ یہ شخص ان پر صبر کرتا ہے انکا حق ادا کرتا ہے اسکے درجے بڑھتے ہیں اور اسکے بدلہ میں رزق حقیقی اور رزق ابدی عالم غیب کا اور قرب حق تعالی کا نصیب ہوتا ہے اور پھر یہ حالت ہوتی ہے کہ۔

زاں جرائے خاص ہر کہ آگاہ شد　　او سزائے قرب و اجری گاہ شد

یعنی اُس خاص وظیفہ سے جو آگاہ ہوا وہ قرب (حق) کے لائق اور وظیفہ ملنے کی جگہ کے لائق ہوگیا۔ مطلب یہ کہ جو اس حق تعالی کے جرا سے آگاہ ہوگیا اور جسکو وہ ملگئی اُسکو تو قرب حق نصیب ہوگیا اور عالم غیب میں اُسکا مقام ہوجاتا ہے۔

زاں جرائے روح چوں نقصاں شود　　جانش از نقصان او لرزاں شود

یعنی اُس روحانی وظیفہ میں سے اگر کم ہوجاوے تو اُسکی جان اسکی کمی کی وجہ سے کانپ اٹھتی ہے

پس بداند کہ خطائی رفتہ است　　کہ سمن زار رضا نشگفتہ است

یعنی وہ سمجھتا ہے کہ کوئی خطا ہوئی ہے کہ رضائے (حق) کا گلزار شگفتہ نہیں ہے۔ مطلب یہ کہ جب کسی شخص کو روحانی وظیفہ ملجاتا ہے اور اسکی وجہ سے اُسکو قرب نصیب ہوجاتا ہے پھر اگر اسمیں ذراسی بھی کمی آتی ہے تو یہ شخص کانپ اُٹھتا ہے اور سمجھتا ہے کہ ضرور مجھ سے کوئی خطا ایسی سرزد ہوئی ہے کہ جسکی وجہ سے اسمیں کمی آئی بس یہ سمجھکر اپنی خطا کی معافی میں لگتا ہے اور اسکا تدارک کرتا ہے اسی کو ایک دوسری جگہ فرماتے ہیں کہ ؎ بر دل سالک ہزاراں غم شود + گر زباغ دل خلالے کم بود۔

ہمچناں کاں شخص از نقصان کشت　　رقعہ سوئے صاحب خرمن نوشت

یعنی اسیطرح اُس شخص نے وظیفہ کی کمی کی وجہ سے صاحب خرمن کو رقعہ لکھا تھا۔ مطلب یہ کہ جسطرح یہ شخص روحانی وظیفہ کی کمی کی وجہ سے کانپ جاتا ہے اور اپنی خطا پر نادم ہوتا ہے اسی طرح اُس غلام نے بھی بادشاہ کو رقعہ لکھا جسمیں اپنی حالت کا اظہار تھا اگرچہ وہ پشیمانی اور اپنی غلطی کا مشاہدہ اسکو نہ تھا مگر خیر اوہ ہر توجہ کرنے میں اُس صوفی اور لعنت والے کے مشابہ ہوگیا آگے اُسکے قصہ کی طرف رجوع فرما کر اُسکو ختم فرماتے ہیں کہ۔

رقعہ اش بردند پیش میر داد　　خواند او رقعہ جوابے وانداد

یعنی اُس کا رقعہ امیر سخی کے آگے لیگئے تو اُس نے رقعہ کو پڑہا اور کوئی جواب نہیں دیا۔

گفت او را نیست الا درد قوت پس جواب احمق اولیٰ تر سکوت

یعنی کہنے لگا کہ اسکو سوائے روزی کے غم کے اور کچھ نہیں ہے تو احمق کے جواب میں سکوت بہتر ہے۔ مطلب یہ کہ جب اُس نے رقعہ لکھا تو اُس کا رقعہ لوگ بادشاہ کی خدمت میں لیگئے بادشاہ نے رقعہ کو پڑھکر اُسکو تو کوئی جواب نہیں دیا ہاں اور لوگوں سے فرمایا کہ میاں دیکھو اسکو سوائے اپنی تنخواہ کے غم کے اور کوئی فکر ہی نہیں اسکو اسکا غم نہیں کہ ہم اس سے خفا ہیں عتاب شاہی کا خوف نہیں ذرا سی کمی روٹی میں آگئی تو مرا جاتا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بالکل بیوقوف اور احمق ہے۔ لہذا جواب الاحمق سکوت جواب جاہلاں باشد خموشی یہی بہتر ہے کہ اس نامعقول کو جواب ہی نہ دیا جاوے۔ اسی لئے کوئی جواب اُسکو نہیں دیا گیا۔ اور بادشاہ نے کہا کہ۔

نیستش درد فراق و وصل ہیچ بند فرع است و نجوید اصل ہیچ

یعنی اُسکو (ہمارے) فراق و وصل کا بالکل غم نہیں فرع میں لگا ہوا ہے اصل کو تلاش نہیں کرتا۔

احمق است و مردہ ما و منے کز غم فرعش فراغ اصل نے

یعنی احمق ہے اور اپنی خودی میں مرا ہوا ہے کہ فرع کے غم کی وجہ سے اُسکو اصل کی فراغت ہی نہیں۔ مطلب یہ کہ بادشاہ نے کہا کہ اس نالائق کو یہ فکر نہیں کہ مجھپر عتاب شاہی ہو رہا ہی اسکی فکر کروں جو اصل ہے اگر بادشاہ راضی ہیں تو سب کچھ موجود ہے ورنہ کچھ بھی نہیں۔ مگر یہ اسقدر احمق ہے کہ فرع میں ایسا لگ گیا کہ اصل کی اسے خبر ہی نہ رہی اور اسکو اتنی فرصت ہی نہیں جو اصل کی طرف توجہ کرے یہ ساری باتیں اسکو مقتضی ہیں کہ اسکو جواب نہ دیا جاوے۔ مولانا نے اس قصہ کو اسپر شروع فرمایا تھا کہ حضور مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف کو میں اور بیان کرتا مگر چونکہ عوام کا فہم کم ہے اسلئے میں اور بیان نہیں کرتا احمقوں کے سامنے تو چپ رہنا ہی بہتر ہے آگے یہ قصہ شروع فرمایا تھا یہاں آکر مولانا کا مقصود قصہ سے حاصل ہو گیا کہ بے شک احمق کا جواب سکوت ہی ہے۔ آگے اسکا جو قصہ آویگا وہ تتمیم قصہ ہوگا۔ اور دیگر فوائد اسمیں ہونگے .... یہ مقصود یہانتک ختم ہوا چونکہ یہاں فرمایا ہے کہ وہ غلام فرع میں لگا ہوا تھا

اور اصل سے غافل تھا۔ اسپر آگے ایک مضمون بیان فرماتے ہیں کہ اہل دنیا بھی اصل کو چھوڑ کر فروع میں لگے ہوئے ہیں۔ اصل یعنی حق تعالیٰ کیطرف تو توجہ کرتے نہیں اس دنیا میں جو فرع ہے منہمک ہو رہے ہیں اسکو ایک مثال دیکر بیان فرماتے ہیں کہ۔

آسمانہا و زمیں یک سیب داں — کہ درخت قدرت حق شد عیاں

یعنی آسمانوں کو اور زمین کو ایک سیب (کی طرح) جانو جو کہ قدرت حق کے درخت سے ظاہر ہوا ہے۔

تو چو کرمے درمیان سیب در — وز درخت و باغبانے بیخبر

یعنی تو ایک کیڑے کی طرح سیب کے اندر ہے اور درخت اور باغبان سے بیخبر ہے۔

آں یکے کرمے دگر در سیب ہم — لیک جانش از بروں صاحب علم

یعنی ایک دوسرا کیڑا بھی سیب کے اندر ہی ہے لیکن اسکی جان باہر سے صاحب علم ہے۔

جنبش او واشگافد سیب را — بر نتابد سیب آں آسیب را

یعنی اسکی جنبش سیب کو پھاڑ ڈالے اور سیب اس قوت کی برداشت نہیں لا سکتا۔

بر دریدہ جنبش او پردہا — صورتش کرم است و معنی اژدہا

یعنی اسکی جنبش نے پردوں کو پھاڑ دیا ہے۔ اسکی صورت تو کیڑے کی ہے اور حقیقۃً ایک اژدہا ہے مطلب یہ کہ اس دنیا کی اور تمھاری اسمیں انہماک کی اور غفلت عن الحق کی اور اہل اللہ کے اس سے الگ رہنے کی اور تعلق مع الحق کی ایسی مثال ہے کہ جیسے ایک سیب ہے جو کسی باغبان کے لگائے ہوئے درخت میں سے گرا ہے اسمیں دو کیڑے ہیں ایک کی تو یہ حالت ہو کہ اسکو باہر کی کچھ خبر نہیں بس وہ اپنا عالم اور مقصود سب کچھ اس سیب ہی کو سمجھے ہوئے ہے۔ نہ اسے یہ خبر کہ یہ سیب کسی درخت پر سے گرا ہے تو وہ درخت کیسا ہے اور نہ اسے یہ خبر کہ وہ درخت کسی کے لگانے سے لگا ہے تو اس لگانے والے کی تلاش ضروری ہے غرض اسکو سوائے سیب کے اور کسی کی خبر نہیں اور دوسرا کیڑا بھی صورت میں تو ویسا ہی اور اسی کا ہمجنس ہے مگر حالت اسکی یہ ہے کہ وہ درخت سیب سے واقف ہے اور اس درخت کے لگانے والے سے بھی اپنی استعداد کے موافق واقف ہے۔ اور اسی وجہ سے اسکی یہ حالت ہے کہ اگر وہ ذرا سی جنبش بھی کرے تو سیب وغیرہ سب ہلاک ہو جاویں۔ اور اسکی جنبش کی برداشت نہ کر سکیں۔ یہ قوت اسمیں درخت سیب

اور اسکے لگانے والے کی واقفیت ہی کی بدولت پیدا ہوئی ہے۔ بس اسی طرح یہ دنیا ایک سیب ہے اور اسکا درخت قدرت حق ہے اور اُس درخت کا لگانے والا یعنی قدرت کا جاری کرنے والا حق تعالیٰ جل شانہ ہے اور اہل دنیا اور اہل اللہ دو کیڑوں کے مانند ہیں تو اہل دنیا نے تو صرف اس سیب ہی کو ماوی و ملجا قرار دے رکھا ہے اور اسی میں منہمک ہو کر اصل کو یعنی حق تعالیٰ کو چھوڑ رکھا ہے جسکا کہ یہ سارا کرشمہ ہے ورنہ اگر وہ درخت نہ لگاتا یعنی قدرت کو ظاہر نہ فرماتے تو یہ سیب ہی کہاں سے لگتا غرض وہ تو اصل سے غافل اور فرع میں لگا ہوا ہے اور حضرات اہل اللہ رہتے تو ہیں اسی دنیا میں مگر انھوں نے قدرت حق کا بھی مشاہدہ کیا ہے اور بقدر اپنی طاقت کے معرفت حق بھی حاصل کی ہے۔ اُسکی بدولت آج اُن کی یہ شان ہے کہ تمام زمین و آسمان اُنکی ایک حرکت کی تاب نہیں لا سکتے۔ بلکہ خود ان زمین و آسمان کا وجود ہی اُنکی بدولت ہے۔ تو انھوں نے اصل کو لیا ہے اور فروع کو ترک کیا۔ اُسکی برکت دیکھ لو یہ ہے کہ وہ ان فروع کو ترک کرتے ہیں اور یہ اور ان کو لپٹی جاتی ہیں۔ اور جو خود ان فروع ہی کی طرف رغبت کرتے ہیں اُنکو اصل تو بوجہ اُنکی غفلت کے ملتی ہی نہیں مگر جنکی طرف توجہ کی تھی یعنی فروع وہ بھی ڈھنگ سے نہیں ملتیں۔ بس لا الی ھؤلاء ولا الی ھؤلاء کے مصداق ہو جاتے ہیں اسی طرح اگر یہ غلام بادشاہ کو راضی کر لیتا تو ساری چیزیں اسکی تھیں کہ اُسکی رضا ہی اصل تھی مگر یہ فروع میں لگ گیا اور روٹی کے کم ہو جانے کے غم میں مرنے لگا تو اُسکا نتیجہ یہ ہوا کہ عتاب شاہی سے بھی رہائی نہ ہوئی اور جسکی طلب میں لگا تھا وہ مقصود بھی پورا نہ ہوا لہذا چاہیئے کہ فروع کو ترک کرکے اور انہماک دنیا سے الگ ہو کر متوجہ بحق ہو اور حق تعالیٰ کو راضی کر لو کہ پھر سب کچھ تمھارا ہے چونکہ بیان کیا تھا کہ دونوں کرم صورةً ایک سے ہوتے ہیں مگر معنیً ایک اُن میں سے اژدہا ہوتا ہے جس سے مقصود یہ تھا کہ حضرات اہل اللہ ظاہر صورت تو مثل دیگر انسان کے ہوتے ہیں مگر قوت روحانی کے اعتبار سے ان سے بڑھے ہوئے ہوتے ہیں آگے اسی کو ایک اور مثال سے واضح فرماتے ہیں کہ۔

آتشے کاول ز آہن می جہد او قدم بس سست بیروں می نہد

یعنی جو آگ کہ اول لوہے سے نکلتی ہے وہ بہت ہی سست قدم باہر رکھتی ہے۔

دایہ اش پنبہ است اول لیک اخیر میرساند شعلہ ہا را تا اثیر

یعنی اسکی مربی اول تو روئی ہوتی ہے مگر آخر میں وہ (اپنے) شعلوں کو آسمان تک پہونچاتی ہے
مطلب یہ کہ دیکھو کہ جب چقماق کو لوہے پر مارتے ہیں تو اس سے کسقدر ضعیف اور ذراسی چنگاری
نکلتی ہے اس چنگاری کو روئی میں رکھ لیتے ہیں تو وہ روئی اسکو بڑھاتی ہے اور پالتی ہے یہانتک
کہ پھر اسی ذراسی چنگاری کے شعلے آسمان تک پہونچتے ہیں اور کسی کے روکے رُک نہیں سکتے
بس اسی طرح سمجھو کہ۔

مرد اول بستۂ خواب و خور است　　آخر الامر از ملائک برتر است

یعنی انسان اول خواب و خور کا مقید ہوتا ہے اور آخر میں فرشتوں سے بھی بڑھجاتا ہے۔

در پناہ پنبہ و کبریتہا　　شعلہ و نورش برآید تا سُہا

یعنی روئی کی اور گندھک کی پناہ میں اسکا شعلہ اور نور سہا تک پہونچ جاتا ہے۔

عالم تاریک روشن میکند　　کندۂ آہن بسوزن میکند

یعنی عالم تاریک کو روشن کردیتا ہے اور ایک لوہے کے ستون کو سوئی سے کھودتا ہے مطلب
یہ کہ جسطرح وہ آگ روئی اور گندھک کی پرورش کرنے سے بڑھگئی تھی اسی طرح انسان اول مقید
خواب و خور کا ہوتا ہے اور دنیا ہی میں لگا ہوا ہوتا ہے مگر شیوخ اسکی تربیت کرتے ہیں اور
اسکی روح کی پرورش کرتے ہیں اسکے بعد اسکی یہ حالت ہوجاتی ہے کہ وہی شخص قرب حق میں ملائک
سے بھی بڑھجاتا ہے اور ایک عالم اسکے نور سے روشن ہوتا ہے اور انسان ہوکر جو کہ ایک بہت ہی
ضعیف شے ہے بڑے بڑے کام کرتا ہے جیسا کہ کوئی لوہے کے ستون میں سوئی سے سوراخ کرے
تو بالکل خلاف قیاس بات ہے اسی طرح وہ بھی ایسے ایسے کام کرتا ہے کہ گمان میں بھی نہیں آسکتے
جیسے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام کا اسکا مصداق ہونا ظاہر ہے اور حضرات اولیاء اللہ سے بھی ایسے
ایسے کام ہونا مشاہد ہیں غرض کہ تربیت کے بعد حضرت انسان ہی جو بالکل ضعیف اور کمزور
تھے ایسے ہوجاتے ہیں کہ پھر انکا ہم پلہ کوئی نہیں رہتا۔ حالانکہ انکا جسم بالکل اور لوگوں کی طرح
ہوتا ہے صرف انکو روحانی ترقی ہوتی ہے کہ اسکی برکت سے آج ان میں اسقدر قوت آجاتی ہے۔
اسی لئے آگے روح اور جسم میں جو نسبت ہے اسکو بیان فرماتے ہیں۔ تاکہ جسم کی تربیت کے انہماک
سے الگ ہوکر روح کی تربیت کریں فرماتے ہیں کہ۔

گرچہ آتش تیز ہم جسمانی است　　نے ز روح است و نہ از روحانی است

یعنی اگرچہ تیز آگ بھی جسمانی ہے نہ روح سے ہے اور نہ روحانی سے ہے۔ (مگر)۔

جسم را نبود ازاں عز بہرۂ　　جسم پیش بحر جاں چوں قطرۂ

یعنی جسم کو اُس عزت سے کوئی حصہ نہیں ہوتا۔ اور جسم بحرِ جان کے آگے ایک قطرہ کی طرح ہوتا ہے مطلب یہ کہ دیکھو آگ بھی ایک جسم ہی ہے کوئی روح وغیرہ نہیں ہے مگر اُسکو جو عروج اور قوت اور عزت حاصل ہے جسم انسانی کو اتنی بھی قوت نہیں ہے بالکل ہی کمزور واقع ہوا ہے اور روح کے مقابلہ میں بالکل ایسا ہے جیسا کہ دریا کے آگے قطرہ پھر اس جسم کی پرورش میں لگنا اور روح کو ویسے ہی چھوڑ دینا کسقدر سخت غلطی ہے حالانکہ۔

جسم از جان روز افزوں می شود　　چوں رود جاں جسم بیں چوں می شود

یعنی جسم جان ہی سے بڑھتا ہے اور جب جان جاتی رہتی ہے تو جسم کو دیکھو کہ کس طرح ہو جاتا ہے مطلب یہ کہ جسم کی ترقی روح ہی سے ہے اگر روح نہ ہو تو جسم بھی بیکار محض ہے مگر تم ہو کہ اس اصل شے ہی کو چھوڑے ہوئے ہو اور اس جسم کی آرائش و زینت میں لگ رہے ہو سخت افسوس ہے اور ضعف جسم ہی کو بیان فرماتے ہیں کہ۔

حد جسمت یکدو گز خود بیش نیست　　جانِ تو تا آسمان جولان کنیست

یعنی تمھارے جسم کی مقدار ایک دو گز سے زیادہ نہیں ہے اور تمھاری جان آسمان تک جولانی کرنے والی ہے۔

تا بہ بغداد و سمرقند اے ہمام　　روح را اندر تصور نیم گام

یعنی اجی حضرت بغداد اور سمرقند تک روح کیلئے تصور میں آدھا قدم ہے مطلب یہ کہ دیکھو تمھارا جسم تو زیادہ سے زیادہ ایک دو گز کا ہوتا ہے۔ تو زمین سے ایک دو گز تک اُسکا عروج ہے بخلاف روح کے کہ اسکا عروج آسمانوں تک ہے دیکھو تصور اشیاء بذریعہ روح کے ہی ہوتا ہے پھر لاکھوں کوس کا تصور ایک ذراسی دیر میں ہو جاتا ہے اور روح ایک آدھے قدم میں لاکھوں کوس پہونچ جاتی ہے اور جسم کو ہرگز یہ قدرت نہیں اور سنو کہ۔

دو درم سنگ است پیہ چشم تاں　　نور روشن تا عنان آسمان

یعنی تمہاری آنکھ کی چربی دو درم کی برابر وزنی ہوگی اور اسکی روح کا نور آسمان تک ہے۔

نور بے این چشم می بیند بخواب چشم بے این نور چہ بود جز خراب

یعنی نور تو بے اس آنکھ کے بھی خواب میں دیکھ لیتا ہے اور آنکھ بے اس نور کے سوائے خراب کے اور کیا ہے۔ مطلب یہ کہ دیکھو تمہاری آنکھ کی چربی جو کہ جسم ہے چار پانچ ماشہ کی ہوگی مگر اسکی روح کا نور دیکھو کہاں کہاں تک پہونچ رہا ہے تو وہ جسم ضعیف اور روح قوی ہوئی۔ پھر اگر لو کہ اچھا وہ نور روح کسی درجہ میں اس جسم کا محتاج ہے اسکو بھی دیکھلو کہ خواب میں وہ نور روح بے اس آنکھ کے اشیاء کا ادراک کرتا ہے تو جس درجہ میں یہ اس نور روح کی محتاج ہوئی وہ نور اسکا محتاج نہیں ہے۔ اور اگر یہ نور نہو تو آنکھ بیکار محض ہے اور سنو کہ۔

جان ز ریش و سبلت تن فارغ است لیک تن بیجان بود مردار و پست

یعنی جان بدن کی ڈاڑھی مونچھ سے فارغ ہے۔ لیکن تن بیجان کے مردار اور ذلیل ہوتا ہے۔ مطلب یہ کہ جان کو بدن کی ضرورت نہیں اور جو چیزیں بدن کو زینت دینے والی ہیں ان کی روح کو ضرورت نہیں ہے مگر جان نہو تو بدن بالکل بیکار ہوتا ہے اور ساری زینت و آرایش کی چیزیں موجود مگر ایک روح کے نہونے سے وہ ساری چیزیں بیکار ہیں۔ تو معلوم ہوا کہ جسم و روح میں جسم فرع ہے اور روح اصل ہے

بار نامہ روح حیوانی است این پیشتر رو روح انسانی ببین

یعنی یہ تو روح حیوانی کا ساز و سامان ہے آگے چلکر روح انسانی کو دیکھو۔ مطلب یہ کہ یہ جسقدر باتیں ہم نے بیان کی ہیں یہ تو ساری روح حیوانی اور روح طبی کی ہیں کہ اسکو جسم پر اس طرح فوقیت ہے پھر آگے چلکر ذرا روح انسانی کو دیکھو اور اسکی تربیت کسی شیخ کامل سے کراؤ تاکہ تم انسان کامل بنجاؤ اس جسم کی آرایش و آسایش کو چھوڑو۔ اور روح انسانی کی تربیت کرو۔

بگذر از انسان و ہم از قال و قیل تا لب دریای جان جبرئیل

یعنی انسان سے اور قیل و قال سے بھی گذر کر دریائے جان جبرئیل علیہ السلام کے کنارہ تک پہونچو۔

بعد از انت جان احمد لب گزد جبرئیل از بیم تو واپس خزد

یعنی اسکے بعد احمد صلے اللہ علیہ وسلم کی جان تمکو بوسہ دیگی اور جبرئیل علیہ السلام تمہارے خوف سے واپس ہٹیں گے۔

گوید ار آیم بقدر یک کماں   من بسوئے تو بسوزم در زماں

یعنی جبرئیل علیہ السلام کہیں گے کہ اگر میں بقدر ایک کمان کے تمہاری طرف آوں تو فوراً جل جاؤں مطلب یہ کہ پھر روح انسانی کی تربیت کر کے تم ترقی کرو اور مرتبہ جبرئیل تک پہونچو اسوقت تمکو روح پرفتوح حضرت رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم کی تربیت کرے گی اور اس تربیت سے تمہارا مرتبہ اسدرجہ کو پہونچ جاویگا۔ یہانتک ملائکہ کی بھی رسائی نہیں جسطرح کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک انسان تھے کہ انما انا بشر مثلکم ارشاد حق ہے مگر چونکہ آپنے ترقی فرمائی تھی اسلئے آپکو ایک درجہ ایسا ملا کہ جہاں جبرئیل علیہ السلام کو بھی یہی کہتے بنا ۵ اگر یک سر موئے برتر پرم + فروغ تجلی بسوزد پرم + تو اسی طرح تمہارا مرتبہ بھی ملائکہ سے بڑھ جاویگا اور تم کو بھی قرب حق نصیب ہوگا غرض کہ ان فروع کو ترک کرو اور اصول کو حاصل کرو آگے پھر اسی غلام کے قصہ کی طرف رجوع فرماتے ہیں کہ۔

ایں بیاباں خود ندارد پا و سر   بے جواب نامہ خستہ است آں پسر

یعنی یہ بیاباں تو نہ ابتدا رکھتا ہے نہ انتہا اور بے جواب خط کے وہ صاحبزادے صاحب ملول ہو رہے ہیں مطلب یہ کہ میاں ارواح اور انکی تربیت کا حال بیان کرنے کی تو کہیں انتہا نہیں۔ اور وہ غلام بادشاہ کے پاس سے جواب نہ آنیکی وجہ سے گھبرا رہا ہے لہذا اس مضموں کو یہیں تک بیان کر کے کہ بقدر کافی بیان ہوگیا ہے اس غلام کا قصہ بیان کرو۔

شرح حبیبی

غلام کا بادشاہ کی طرف سے جواب پرچہ نہ جانے کی وجہ سے پریشان ہونا

چوں جواب نامہ نامد خیرہ گشت   وز غم او آب صافی تیرہ گشت

نے قرارش ماند و نے خواب اندر جنوں	روز و شب بُد در تفکر سرنگوں
کای عجب چونم نداد آں شہ جواب	یا خیانت کرد رقعہ بر ز تاب
رقعہ پنہاں کرد و ننمود او بشاہ	کو منافق بود و آبے زیر کاہ
رقعۂ دیگر نویسم ز آزموں	دیگرے جویم رسولے ذوفنوں
بر امیر و مطبخی و نامہ بر	عیب بنہادہ ز جہل آں بیخبر
ہیچ گرد خود نمی گردد کہ من	کژ روی کردم چو اندر دین شمن

جب اُسکے خط کا جواب نہ آیا تو متحیر ہوا اور غم سے اسکی آنکھوں کے سامنے یہ اندھیرا چھایا کہ صاف پانی مکدر معلوم ہونے لگا۔ نہ اسکو چین تھا نہ نیند اور جنون سے رات دن متفکر رہتا تھا اور سوچتا تھا کہ تعجب ہے بادشاہ نے جواب کیوں نہ دیا پھر کہتا تھا کہ شاید غصہ سے نامہ بر نے خیانت کی ہو۔ اور رقعہ کو چھپا لیا ہو۔ اور بادشاہ کو نہ دکھلایا ہو اس وجہ سے کہ وہ منافق اور مکار تھا اچھا اب امتحان کیلئے دوسرا رقعہ لکھتا ہوں اور کوئی اور ہوشیار نامہ بر تلاش کرتا ہوں۔ اب مولانا فرماتے ہیں کہ اس احمق کو دیکھو کہ اپنی حماقت سے کبھی بادشاہ پر عیب لگاتا ہے کبھی داروغہ مطبخ پر کبھی نامہ بر اور اپنی خبر نہیں لیتا اور نہیں سمجھتا کہ میں نے دنیاوی لحاظ سے ٹیڑھی چال چلی تھی جیسے بت پرست دین کے اعتبار سے ٹیڑھی چال چلتا ہے اور یہ جو کچھ ہو رہا ہے اسی کا نتیجہ ہے اب ہم اس موقعہ پر تمہیں ایک عبرت خیز قصہ سناتے ہیں۔

شرح شبّیری

غلام کا بادشاہ کی طرف سے جواب پرچہ نہ جانیکی وجہ سے پریشان ہونا

چوں جواب نامہ نامد خیرہ گشت	وز غم او آب صافی تیرہ گشت

یعنی جب پرچہ کا جواب نہ آیا پریشان ہوا اور اسکے غم کیوجہ سے آب صافی سیاہ ہوگیا مطلب یہ کہ اسکے جواب کی فکر میں اسکا عیش مکدر ہوگیا۔

نے قرارش ماند نے خواب از جنوں　　روز و شب بُد در تفکر سرنگوں

یعنی پگلے پن سے نہ اسکو چین رہی اور نہ نیند رہی رات دن سوچ میں سرنگوں رہتا تھا (اور وہ سوچ یہ تھی کہ)۔

کائی عجب چونم نداد آں شہ جواب　　یا خیانت کرد رقعہ بر زتاب

یعنی کہ تعجب ہے کہ بادشاہ نے جواب نہیں دیا (پھر خیال ہوتا کہ) یا نامہ بر نے حسد کیوجہ سے خیانت کی ہے

رقعہ پنہاں کرد و ننمود او بشاہ　　کو منافق بود و آبے زیر کاہ

یعنی اس نامہ بر نے پرچہ چھپا لیا ہو اور بادشاہ کی حضور میں پیش نہ کیا ہو کیونکہ وہ منافق اور چاہ خس پوش (مکار) تھا یعنی کبھی بادشاہ کے جواب نہ دینے پر تعجب ہوتا پھر خیال ہوتا کہ بادشاہ تو ضرور جواب دیتا اس پرچہ لیجانے والے نے معلوم ہوتا ہے پرچہ ہی پیش نہیں کیا۔ پھر خیال کرتا کہ

رقعۂ دیگر نویسم ز آزموں　　دیگرے جویم رسولے ذوفنوں

یعنی امتحاناً ایک دوسرا پرچہ لکھوں اور ایک دوسرا ہوشیار قاصد تلاش کروں۔ مطلب یہ کہ پھر یوں سوچتا کہ اچھا میں دوسرا پرچہ لکھکر ایک اور قاصد کے ہاتھ بھیجوں تو معلوم ہو جائیگا کہ اگر اب جواب دیدیا تو اس نامہ بر نے پرچہ ہی نہ پہونچایا تھا اور اگر اب بھی جواب نہ دیا تو معلوم ہوگا کہ بادشاہ کو جواب دینا ہی منظور نہیں ہے امتحان ہی ہو جائیگا۔ مولانا فرماتے ہیں کہ۔

بر امیر و مطبخی نامہ بر　　عیب بنہادہ ز جہل آں بے خبر

یعنی بادشاہ پر اور داروغہ مطبخ پر اور قاصد پر وہ بیخبر جہالت سے عیب لگا رہا تھا۔

ہیچ گرد خود نمی گردد کہ من　　کژ روی کردم چو اندر دیں شمن

یعنی اپنے گرد بالکل نہیں پھرتا کہ میں نے ہی کجروی کی ہے جیسے کہ دین میں بت پرست (کجروی کرتا ہے) مطلب یہ کہ وہ سب کو الزام لگا رہا تھا کہ داروغہ نے خود بے حکم شاہی روٹی کم کردی اور نامہ بر نے پرچہ نہیں پہونچایا اور بادشاہ نے جواب نہیں دیا۔ غرض کہ ساری دنیا ملزم تھی مگر کمبخت خود اپنے اندر کی حالت کو نہ دیکھتا تھا کہ میں ہی کجی کر رہا ہوں۔ اور یہ ساری میری ہی خطا ہے آگے

ایک عجیب قصہ بیان فرماتے ہیں جسکا خلاصہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ ہوا جو تخت سلیمانی کو اڑایا کرتی تھی ٹیڑھی چلی حضرت سلیمان علیہ السلام نے اسکو کجروی سے روکا تو اس نے جواب دیا کہ حضرت آپ بھی کجروی نکریں اگر آپ کجروی کرتے ہیں تو مجھسے کیوں شکایت کرتے ہیں پھر تاج ٹیڑھا ہوگیا۔ اسکو بار بار سیدھا کرتے تھے مگر وہ ٹیڑھا ہی ہوجاتا تھا اس سے جو کہا تو اس نے بھی وہی جواب دیا جو ہوا نے دیا تھا اسپر حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنے باطن کی طرف نگاہ کی تو ایک ایسا خیال دل میں پایا جو انکے شایان شان نہ تھا۔ اگرچہ واقعہ میں خدانخواستہ گناہ نہ تھا مگر حسنات الابرار سیئات المقربین کا مصداق تھا۔ پس حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس وسوسہ کو قلب سے نکال دیا فوراً سب چیزیں درست ہوگئیں تو مولانا فرماتے ہیں کہ دیکھو حضرت سلیمان علیہ السلام نے خود اپنے اندر نظر کی تو اسکا یہ نتیجہ ہوا کہ اپنی اندرونی حالت پر خبر پاکر اسکو دفع کردیا۔ اور سب کام بن گیا اسی طرح اس غلام کو چاہیئے تھا بلکہ ہر انسان کو چاہیئے کہ جب کوئی آفت آوے اپنے اندر نظر کرکے اپنی حالت کو دریافت کرلے حق تعالیٰ اس مصیبت کو بھی اکثر دور فرما دیتے ہیں مولانا ہی ایک دوسری جگہ اس مضمون کو فرماتے ہیں کہ ؎ غم چو بینی زود استغفار کن ٭ غم بامر خالق آمد کار کن۔ غرضیکہ جب کوئی امر کسی کی طرف سے پیش آوے انسان خود اپنی حالتمیں غور کرکے اپنی باطنی حالت کو درست کرلے سو انشاء اللہ وہ مصیبت بھی جاتی رہے گی اور اگر بظاہر وہ مصیبت نہ بھی ٹلے تو یاد رکھو کہ اس طریقہ سے مصیبت مصیبت نہ رہے گی کیونکہ مصیبت جو مصیبت ہوتی ہے وہ قلب کی پریشانی کی وجہ سے ہوتی ہے اور اگر مصیبت میں بھی قلب مطمئن رہے تو وہ مصیبت ہی نہیں رہتی بلکہ اسمیں بھی ایک قسم کی راحت ہوتی ہے۔ اور یہ امر مشاہدہ سے معلوم ہوسکتا ہے کہ اگر مصیبت کے وقت کسی وجہ سے قلب کو اطمینان ہو تو وہ مصیبت مصیبت ہی نہیں رہتی اسکی ایسی مثال سمجھو کہ ایک شخص کے زخم میں جراح شفیق نشتر لگا رہا ہے اور اس مریض کو اطمینان ہے کہ اسکے بعد مجھے صحت حاصل ہوجاویگی تو طبعی کلفت کی تو اور بات ہے اسکا تو انکار نہیں اور نہ وہ مصیبت ہے باقی اس اطمینان کی وجہ سے وہ نشتر لگانا اس مریض کیلئے مصیبت نہوگا بلکہ سبب راحت ہے کیونکہ اسکو ایک اطمینان حاصل ہے بخلاف اس شخص کے کہ وہ زخمی ہے اور اسکے پھوڑے میں ایک دشمن نے آکر چھری ماردی تو اسوقت بھی وہ زخم کٹ گیا اور پہلے شخص کا زخم بھی کٹا ہی تھا مگر اسکو اس کٹنے سے فرحت و راحت

ہوئی تھی اور یہ دوسرا اس کشتہ سے مصیبت میں مبتلا ہو گیا۔ بس فرق صرف اطمینان اور غیر اطمینان کا ہے خوب سمجھ لو لہذا جب کوئی مصیبت آوے پس متوجہ بحق ہو جاؤ کہ اسکے بعد وہ مصیبت انشاء اللہ مبدل بہ راحت ہو جاویگی اسی لئے کہتے ہیں کہ اہل اللہ پر مصیبت نہیں آتی اسکے یہی معنی ہیں کہ ان پر جو جسمانی تکالیف اور ظاہری مصائب آتے ہیں ان میں چونکہ ان کو تعلق حق کی وجہ سے اطمینان ہوتا ہے لہذا ان کیلئے وہ مصیبت نہیں ہوتی ہاں طبعی اثر ضرور ہوتا ہے سو وہ مصیبت نہیں ہے جیسا کہ ابھی بیان کیا گیا ہے مضمون دور چلا گیا مقصود یہ ہے کہ جب کوئی ایذا کسی سے دیکھو یا کوئی مصیبت آوے پس متوجہ بحق ہو جاؤ اور اپنی کوتاہیوں سے استغفار کرو۔ اور انکا تدارک کر دو کہ پھر انشاء اللہ اس سے چھوٹ جاؤ گے جیسا کہ اس حکایت سلیمانی سے معلوم ہوتا ہے اب حکایت سنو۔

شرح حبیبی

ہوا کا تخت سلیمانی ٹیڑھا چلنا بسبب حضرت سلیمان علیہ السلام کی لغزش کے

باد بر تخت سلیمان رفت کژ
پس سلیمان گفت بادا کژ مغژ

باد ہم گفت اے سلیمان کژ مرو
ور روے کژ از کژم خشمیں مشو

ایں ترازو بہر ایں بنہاد حق
تا رود انصاف ما را در سبق

از ترازو کم کنی من کم کنم
تا تو با من روشنی من روشنم

ہمچنیں تاج سلیمان میل کرد
روز روشن را بر او چوں لیل کرد

گفت تاجا کژ مشو بر فرق من
آفتابا گم مشو از شرق من

راست میکرد او بدست آں تاج را
باز کژ می شد بر و تاج اے فتی

ہشت بارش راست کرد و گشت کژ
گفت تاجا چیست آخر کژ مغژ

گفت اگر صد رہ کنی تو راست من
کژ شوم چوں کژ روی اے مؤتمن

پس سلیمان اندرونہ راست کرد	دل براں شہوت کہ بودش گشت سرد
بعد ازاں تاجش ہماندم راست شد	آنچنانکہ تاج را می خواست شد
بعد ازاں کژ ہمی کرد او بقصد	تاج او می گشت تارک جو بقصد
ہشت کرت کژ نہاد آں مہترش	راست می شد تاج بر فرق سرش
شاہ گفتا ای تاج چو نیست این زماں	کژ کنم تو راست گردی زامتحاں
تاج ناطق گشت اے شہ ناز کن	چوں فشاندے پر ز گل پرواز کن
نیست دستورے کزین من بگذرم	پردہائے غیب این بر ہم درم
بر دہانم نہ تو دست خود ببند	مر دہانم راز گفت ناپسند
پس ترا ہر غم کہ پیش آید ز درد	بر کسے تہمت منہ بر خویش گرد
ظن مبر بر دیگرے اے دوست کام	آں مکن کہ می سگالید آں غلام
گاہ جنگش با رسول و مطبخی	گاہ خشمش با شہنشاہ سخی
ہمچو فرعونے کہ موسیٰ ہشتہ بود	طفلگان خلق را سر می برود
آں عدو در خانۂ آں کوردل	او شدہ اطفال را گردن گسل
تو ہم از بیروں بدی با دیگراں	و اندروں خوش گشتہ با نفس گراں
خود عدوت اوست قندش میدہی	و ز بیروں تہمت بہر کس می نہی
ہمچو فرعونے تو کور و کوردل	با عدو خوش بے گناہاں را اذل
چند فرعونا کشی بے جرم را	می نوازی مر تن پر غرم را
عقل او بر عقل شاہاں می فزود	حکم حق بے عقل و کورش کردہ بود

مُہر حق بر چشم و بر گوش خرد	گر فلاطونست حیوانش کند
حکم حق بر لوح می آید پدید	آنچنانکہ حکم غیبی بایزید

ایکمرتبہ ہوا سلیمان علیہ السلام کے تخت پر ٹیڑہی چلی تو آپنے فرمایا کہ اے ہوا ٹیڑہی مت چل ہوا نے جواب دیا کہ اے سلیمان آپ بھی اپنی روش کو ٹھیک رکھئے اور اگر آپ اپنی روش ٹھیک نکریں تو میری کجروی کی بھی شکایت نکریں- اب مولانا فرماتے ہیں کہ حق سبحانہ نے یہ میزان مجازات اسلئے قائم کی ہے تاکہ ہمارے لئے انصاف جاری رہے اور فرمایا ہے کہ اگر تم اس ترازو میں کمی کروگے تو جسقدر تم کمی کروگے اتنی ہی ہم کمی کردیں گے- اور جب تک تم ہم سے صاف رہوگے ہم تم سے صاف رہیں گے- علی ہذا ایک مرتبہ سلیمان علیہ السلام کا تاج ٹیڑہا ہوگیا اور غم نے روز روشن کو انکے لئے رات کردیا- انھوں نے حکم دیا کہ اے تاج تو میرے سر پر ٹیڑہا مت ہو اور اے آفتاب راستی تو میری مشرق سے غروب مت ہو یہ کہکر انھوں نے اُسے سیدہا کیا مگر وہ پھر ٹیڑہا ہوگیا- پس یہ تو اُسے سیدہا کرتے تھے اور وہ ٹیڑہا ہو جاتا تھا- غرض کہ آٹھ مرتبہ انھوں نے اُسے سیدہا کیا مگر وہ ہر مرتبہ ٹیڑہا ہوگیا- بالآخر انھوں نے پھر کہا کہ آخر کیا بات ہے جو تو ٹیڑہا ہو جاتا ہے- اب ٹیڑہا ہونا تاج نے جواب دیا کہ حضور والا جبکہ آپ ٹیڑہے چلیں گے تو اگر آپ سو مرتبہ سیدہا کریں گے تو میں ٹیڑہا ہو جاؤنگا- اسپر سلیمان علیہ السلام نے اپنے باطن کو درست کیا- اور جو فی نفسہ مباح مگر آنکی شان کے خلاف خواہش انکو تھی اس سے انکا دل سرد ہوگیا- اسکے بعد فوراً ہی تاج سیدہا ہوگیا- اور جس طرح چاہتے تھے اس طرح ہوگیا- اسکے بعد اسکی یہ حالت تہی کہ وہ بقصد اُسے ٹیڑہا کرتے تھے مگر وہ سیدہا ہی ہو جاتا تھا- غرضکہ آٹھ مرتبہ اُسے ٹیڑہا کیا مگر ہر مرتبہ وہ انکے سر پر سیدہا ہوگیا- سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ اے تاج کیا بات ہے کہ میں امتحاناً تجھے ٹیڑہا کرتا ہوں اور تو سیدہا ہو جاتا ہے- تاج نے کہا کہ اسوقت حضور والا کو ناز کا حق حاصل ہے آپ جسقدر چاہیں ناز کریں- اور جبکہ آپ اپنے روحانی پروں سے مٹی علیحدہ کر چکے ہیں تو جسطرح چاہیں اُڑیں اب مولانا فرماتے ہیں کہ مجھے اجازت نہیں ہے کہ میں اس سے آگے بڑہوں- اور اسرار بیان کرکے پردہائے غیب کو چاک کروں اے اللہ تو میرے منہ پر ہاتھ رکھدے اور میرے منہ کو اس گفتگو سے روکدے جو تجھے ناپسند ہو- یعنی اگر میں

غلطی سے کوئی ایسی بات کہنے لگوں جو تیری مرضی کے خلاف ہو تو مجھے باز رہنے کی توفیق دے۔ اور میری اس خواہش میں مزاحمت کر۔ یہ فرما کر اب مضمون ارشادی کی طرف انتقال فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جب تمہیں یہ واقعہ معلوم ہو گیا تو اب تمکو جس تکلیف سے کوئی رنج پہونچے تو اپنے اوپر نظر کرو۔ اور دوسروں کو الزام نہ دو۔ کیونکہ حق سبحانہ فرماتے ہیں کہ ما اصابکم من مصیبۃ فبما کسبت ایدیکم اور دوسروں پر بدگمانی نکرو جسطرح کہ وہ غلام کرتا تھا کہ کبھی قاصد سے لڑتا تھا کبھی داروغہ باورچیخانہ سے اور کبھی بادشاہ پر غضبناک ہوتا تھا دیکھو جس طرح کہ فرعون نے موسٰی علیہ السلام کو تو گھر میں چھوڑ رکھا تھا اور دوسرے بچوں کے گلے کاٹتا تھا دشمن تو اس بے بصیر کے گھر میں موجود تھا اور دوسرے بچونکی گردنیں توڑتا تھا۔ یوں ہی تم بھی دوسروں کی ساتھ تو بدسلوکی کرتے ہو اور نفس سے خوش ہو جو تمہارا اصلی دشمن ہے۔ دشمن تو تمہارا وہ ہے اسے تو تم اسکے مرغوبات عطا کرتے ہو اور باہر ہر شخص پر الزام لگاتے ہو۔ کہ اُس نے میری ساتھ یہ کیا وہ کیا۔ بس تم فرعون کی طرح اندہے اور بے بصیرت ہو کہ دشمن سے خوش ہو اور بیگناہونکی تذلیل اور توہین کرتے ہو غرض سے کوئی کہے کہ ظالم تو بیگناہونکو کب تک ماریگا اور کب تک اپنے قصور وار جسم کی خاطر کریگا تو اس بے انصافی کو چھوڑ اور جو تیرا حقیقی دشمن ہے یعنی نفس اسے مار۔ اب مولانا فرماتے ہیں کہ فرعون جو یہ حرکت کرتا تھا تو وہ دیوانہ نہ تھا بلکہ اُسکی عقل اور بادشاہونکی عقل سے بڑھی ہوئی تھی مگر تقدیر الٰہی نے اُسے اندھا اور پاگل بنا رکھا تھا۔ اور اسکے دل پر مہر خدا لگی ہوئی تھی اور مہر حق کا قاعدہ ہے کہ جب یہ آنکھوں اور کانوں اور عقل پر لگجاتی ہے تو افلاطون سے عاقل کو بھی جانور بنا دیتی ہے (اللھم احفظنا منہ) اور حکم الٰہی ظاہر ہو کر رہتا ہے جسطرح کہ بایزید علیہ الرحمہ کا حکم غیبی ظاہر ہوا۔

شرح شبیری

ہوا کا تخت سلیمانی پر کج چلنا بسبب حضرت سلیمان علیہ السلام کی لغزش کے

لغزش سے میں ابھی عرض کر چکا ہوں کہ یہ مراد ہے کہ وہ ان کے شایاں شان نہ تھی کوئی معصیت نہ تھی خوب سمجھ لو۔

باد بر تخت سلیمان رفت کژ　　پس سلیمان گفت بادا کژ مغژ

یعنی ہوا تخت سلیمانی پر کج چلی تو سلیمان علیہ السّلام نے فرمایا کہ اے ہوا کج مت چل۔

باد ہم گفت ای سلیمان کژ مرو　　ور روی کژ از کژم خشمیں مشو

یعنی ہوا نے بھی کہا کہ اے سلیمان (علیک السلام) آپ بھی کج نہ چلئے اور اگر آپ کج چلتے ہیں تو میری کجی سے خفا نہ ہوجئے۔ مطلب یہ کہ ہوا ایکمرتبہ تخت سلیمانی کو اڑاتے وقت ٹیڑھی چلنے لگی تو سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ اری ہوا کج کیوں چلتی ہے تو ہوا نے جواب دیا کہ حضرت آپنے کیوں کجروی اختیار کررکھی ہے۔ آپ بھی اسکو ترک کیجئے ورنہ میری کجی سے خفا کیوں ہوتے ہیں اور کہنے لگی کہ۔

ایں ترازو بہر ایں بنہاد حق　　تا رود انصاف ما را در سبق

یعنی حق تعالیٰ نے یہ ترازو اسی لئے رکھی ہے تاکہ سبقت میں ہمارا انصاف چلتے مطلب یہ کہ مکافات ومجازات کی جو حق تعالیٰ نے ترازو دنیا میں رکھی ہے یہ اسی لئے ہے تاکہ جو شخص جیسا کرے ویسا بھرے اور انصاف سے سب کام ہوتے رہیں۔ اور حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ۔

از ترازو کم کنی من کم کنم　　تا تو با من روشنی من روشنم

یعنی اگر تم ترازو سے کم کروگے میں بھی کم کرونگا اور جب تک تم میری ساتھ روشن ہو میں تم سے روشن ہوں مطلب یہ کہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اگر تم میرے کام کرنے میں اور میری طاعت میں کمی کروگے میں بھی تمھارے کام کرنے میں اور تمکو بدلا دینے میں کمی کرونگا۔ اسی لئے اے سلیمان علیہ السلام چونکہ آپکے قلب میں ایک ایسی بات ہے جو آپ کی شان کے لائق نہیں ہے اسلئے حق تعالیٰ نے مجھے بھی ٹیڑھا کردیا ہے۔ یہ تو ہوا کا قصہ ہوا آگے تاج کا قصہ فرماتے ہیں کہ

ہمچنیں تاج سلیماں میل کرد　　روز روشن را برو چوں لیل کرد

یعنی اسی طرح تاج سلیمانی ٹیڑھا ہوگیا تو روز روشن کو ان پر رات کی طرح کردیا۔ مطلب یہ کہ ایک مرتبہ اسی طرح تاج کج ہوگیا تو اس وجہ سے انکا عیش مکدر ہوگیا اور انہیں فکر ہوئی کہ کیا بات ہے۔

گفت تاجا کژ مشو بر فرق من　　آفتابا گم مشو از شرق من

یعنی آپ نے ارشاد فرمایا کہ اے تاج میرے سر پر کج مت ہو اور اے آفتاب میرے مشرق سے

گم ست ہو۔ مطلب یہ کہ آپ نے تاج کو حکم دیا کہ تو میرے سر پر ٹیڑھا مت ہوا جا اور اے راستی تو مجھے گم مت ہو بلکہ میرے پاس رہ راستی کو آفتاب سے تشبیہ دیدی مگر یہ حالت تھی کہ۔

راست می کرد او بدست آں تاج را باز کج می شد برو تاج اے فتیٰ

یعنی آپ اُس تاج کو ہاتھ سے سیدھا فرماتے تھے مگر اے میاں وہ تاج پھر ٹیڑھا ہو جاتا تھا۔

ہشت بارش راست کرد و گشت کژ گفت تاجا چیست آخر کژ مغژ

یعنی آپ نے اُسکو آٹھ مرتبہ سیدھا کیا مگر وہ ٹیڑھا ہو گیا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ اے تاج آخر بات کیا ہے کج مت ہو مطلب یہ کہ آپ بار بار اسکو سیدھا کرتے تھے مگر وہ ٹیڑھا ہی ہو جاتا تھا تو حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ میاں کج مت ہو آخر تو جو کج ہوتا ہے اُسکی وجہ کیا ہے اسکو سنکر وہ تاج جواب دیتا ہے کہ۔

گفت اگر صد رہ کنی تو راست من کژ شوم چوں کژ روی اے موتمن

یعنی تاج نے کہا کہ اگر تم مجھے سو مرتبہ بھی سیدھا کرو گے تو میں کج ہو جاؤنگا جبکہ آپ کج چلیں گے اے امانت دار مطلب یہ کہ اُس نے کہا کہ حضرت جب تک آپکی اندرونی کجی نہ جاویگی اسوقت تک اگر آپ مجھے سو مرتبہ بھی سیدھا کریں گے میں کج ہی ہو جاؤنگا یہ سُنکر حضرت سلیمان علیہ السّلام کو فکر ہوئی اور انھوں نے باطن میں غور کیا اسی کو فرماتے ہیں کہ۔

پس سلیمان اندرونہ راست کرد دل براں شہوت کہ بودش گشت سرد

یعنی پس سلیمان علیہ السلام نے باطنی حالت کو درست کیا تو جس خواہش پر کہ انکا دل تھا سرد ہو گیا مطلب یہ کہ اُنھوں نے اپنے باطن میں جو نظر کی تو ایک خواہش جو اُن کے خلاف شان تھی اُس کو انھوں نے درست کر لیا اور اُس سے دست بردار ہو گئے اور دل سے اُسکا خیال نکال دیا پس اُسکا یہ اثر ہوا کہ۔

بعد ازاں تاجش ہماندم راست شد آنچنانکہ تاج را میخواست شد

یعنی اُسکے بعد انکا تاج فوراً سیدھا ہو گیا اور جسطرح کہ آپ تاج کو چاہتے تھے (اُسی طرح) ہو گیا۔

بعد ازانش کژ ہمی کرد او بقصد تاج او مے گشت تارک جو بقصد

یعنی اُسکے بعد اُسکو آپ قصداً کج کرتے تھے (مگر) آپکا تاج سر کا متلاشی قصداً ہو جاتا تھا مطلب یہ

بعد اس وسوسہ کے نکل جانے کے پھر یہ حالت تھی کہ آپ تاج کو کج کرتے تھے۔ مگر وہ پھر سر پر سیدھا رکھا جاتا تھا اور ٹیڑھا نہ رہتا تھا۔

ہشت کرت کژ بکرد آں مہترش — راست می شد تاج بر فرق سرش

یعنی اُن حضرت نے اُسکو آٹھ ہی مرتبہ کج رکھا (مگر) تاج اُن کے سر کی مانگ پر سیدھا ہی ہو جاتا تھا مطلب یہ کہ جس طرح بار بار وہ سیدھا کر رہے تھے اور وہ ٹیڑھا ہو جاتا تھا اسی طرح آپ نے پھر اُسکو بار بار ٹیڑھا رکھکر دیکھا مگر اب وہ باوجود ٹیڑھا رکھنے کے سیدھا ہو جاتا تھا۔

شاہ گفت ای تاج چونست ایں زماں — کژ کنم تو راست گردی ز امتحاں

یعنی حضرت نے فرمایا کہ اے تاج اسوقت کیا (بات) ہے کہ میں تو کج کرتا ہوں اور تو آزمائش کے لئے سیدھا ہوتا ہے۔

تاج ناطق گشت کای شہ ناز کن — چوں فشاندی پر ز گل پرواز کن

یعنی تاج گویا ہوا کہ حضرت اب ناز کیجئے اور جب آپ نے پروں کو مٹی سے صاف کر لیا تو پرواز کیجئے مطلب یہ کہ جب باوجود ٹیڑھا کرنے کے وہ تاج سیدھا ہو جاتا تھا تو حضرت سلیمان علیہ السّلام نے دریافت فرمایا کہ میاں یہ کیا بات ہے کہ میں تو تجھے ٹیڑھا رکھ رہا ہوں اور تو اب سیدھا ہو جاتا ہے اس پر تاج حکم حق سے گویا ہوا کہ حضرت اب وہ وقت ہے کہ جسقدر آپ ناز کریں بجا ہے۔ اسلئے کہ اب وہ حالت تو جاتی رہی ہے جسکی وجہ سے یہ کجی ہمارے اندر پیدا ہوئی تھی اب تو پھر آپ کی وہی شان موجود ہے لہذا اب آپ عروج کیجئے۔ اور ترقی فرمائیے اب آپ کی وہی حالت پہلی ہو گئی ہے لہذا اب کوئی فکر کی بات نہیں ہے تو دیکھو! ایک ذرا سی بات جو فی نفسہ مباح تھی مگر شان نبوی کے شایاں نہ تھی اسلئے تمام چیزیں اُن سے بدل گئیں پھر جو انھوں نے اپنے اندر نگاہ کی اور اسکا تدارک کر کے متوجہ بحق ہوئے تو پھر ساری چیزیں تابع ہو گئیں ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ جبھی وزیر اگھوڑا سواری دینے میں سرکشی کرتا ہے یا گھر کے لوگ میرے کام میں سستی کرتے ہیں تو میں سمجھ لیتا ہوں کہ ضرور مجھ سے کوئی حق تعالیٰ کی نافرمانی ہوئی ہے پھر جو غور کرتا ہوں تو ایسا ہی ہوتا ہے جب اُس سے توبہ کر لیتا ہوں تو پھر ساری چیزیں تابع ہو جاتی ہیں لہذا چاہیئے کہ جب کوئی امر ناگوار پیش آوے فوراً اپنے نفس کی حالت کا تدارک کر کے متوجہ بحق ہو جاوے خوب سمجھ لو۔ چونکہ مولانا نے یہاں یہ فرمایا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام سے ایک لغزش جو انکی شان

کے مناسب بھی ہو گئی تھی اس لئے یہ سارا قصہ ہوا مگر اس لغزش کو بتلایا نہیں کہ کیا تھی اسلئے آگے فرماتے ہیں کہ۔

نیست دستورے کزیں من بگذرم ۔ پردہائے غیب ایں برہم درم

یعنی مجھے اجازت نہیں ہے کہ میں اس سے آگے بڑھوں اور اسکے پردہائے غیب کو پھاڑوں مطلب کہ آگے اس بیان کرنے کی کہ وہ کیا بات تھی مجھے اجازت نہیں ہے اسلئے کہ انبیا علیہم السلام کا واقعہ ہے اسمیں اجازت حق نہیں ہے کہ اس سے زیادہ کہا جاوے۔ لہٰذا ہم اسیقدر بتاتے ہیں آگے حق تعالیٰ سے دعا فرماتے ہیں کہ

بر دہانم نہ تو دست خود بہ بند ۔ مر دہانم راز گفت ناپسند

یعنی اے اللہ میرے منہ پر آپ اپنا ہاتھ رکھ لیجئے۔ اور میرے منہ کو ناپسندیدہ گفتگو سے بند کر دیجئے مطلب یہ کہ اے اللہ جو بات کہ آپ کے نزدیک ناپسندیدہ ہو اگر کہیں وہ میرے منہ سے نکلنے لگے تو آپ کوئی بند تکوینی ایسا لگا دیجئے کہ میں اسکو بیان ہی نہ کر سکوں اب آگے مولانا تفریع فرماتے ہیں کہ اے مخاطب جب تمکو یہ معلوم ہو گیا کہ اکثر آفات خود ہمارے نفس کے اعمال ہی کی بدولت پیدا ہوتی ہیں اور اکثر مصائب توجہ بحق سے دفع ہو جاتے ہیں تو اب تمکو چاہئے کہ۔

پس ترا ہر غم کہ پیش آید ز درد ۔ بر کسے تہمت منہ بر خویش گرد

یعنی پس تم کو جو غم کہ تکلیف کی وجہ سے پیش آوے تو کسی پر تہمت مت رکھو اپنے ہی اوپر پھرو۔

ظن مبر بر دیگرے اے دوستکام ۔ آں مکن کہ می سگالید آں غلام

یعنی کسی پر بدگمانی مت کرو اے طالب وہ مت کرو جو وہ غلام سوچ رہا تھا۔

گاہ جنگش با رسول و مطبخی ۔ گاہ خشمش با شہنشاہ سخی

یعنی کبھی تو اسکی لڑائی قاصد سے اور کبھی داروغہ سے اور کبھی شاہ سخی پر غصہ ہوتا تھا مطلب یہ کہ جو مصیبت بھی پیش آوے اسمیں اوروں کو الزام مت دو کہ تو نے کیا اور تیری وجہ سے ہوا بلکہ خود اپنی حالتیں غور کرو کہ ہم نے خدا کی کونسی نافرمانی کی ہے جسکی یہ سزا ملی ہے اور اس غلام کی طرح مت بنو کہ جسطرح اپنی خطا کو تو دیکھتا نہ تھا اور لوگوں پر الزام رکھتا تھا کہ اس نے یہ کیا اس نے وہ کیا حالانکہ ساری خطا خود اسی کی تھی ورنہ اگر خود اپنے اندر غور نہ کرو گے اور دوسروں کو الزام دیتے رہو گے تو تمہاری مثال

فرعون جیسی ہو جاوے گی کہ اس نے اپنے گھر کے اندر کی تو خبر نہ لی کہ موسیٰ علیہ السّلام کو خود ہی اپنے ہی گھر میں پال رہا ہوں اور دوسرے لوگوں پر الزام رکھتا تھا کہ یہ لوگ میرے دشمن کو پالتے ہیں اور اسی وجہ سے اُن پر ظلم کرتا تھا اسی کو فرماتے ہیں کہ۔

ہمچو فرعونے کہ موسیٰ ہشتہ بود طفلگان خلق را سر مے ربود

یعنی جیسے کہ فرعون نے موسیٰ علیہ السّلام کو تو چھوڑ رکھا تھا اور ساری دنیا کے بچوں کے سر لیتا تھا۔

آں عدو در خانۂ آں کور دل او شدہ اطفال را گردن گسل

یعنی وہ دشمن (موسیٰ علیہ السّلام) تو اُس کور دل کے گھر میں (موجود تھے) اور وہ (دوسرے) بچوں کی گردن توڑتا تھا۔

تو ہم از بیروں بدی با دیگراں واندروں خوش گشتہ با نفس گراں

یعنی تو بھی باہر دوسروں کی ساتھ بُرا ہے اور اندر سے نفس گراں کی ساتھ خوش ہو رہا ہے۔

خود عدوت اوست قندش مے دہی وز بروں تہمت بہر کس مے نہی

یعنی تیرا دشمن خود (وہ) نفس ہی ہے تو اسکو شکر دے رہا ہے اور باہر سے ہر شخص پر تہمت رکھ رہا ہے

ہمچو فرعونے تو کور و کور دل با عدو خوش بیگناہاں را اذل

یعنی تو فرعون کی طرح اندہا اور کور دل ہے کہ دشمن کی ساتھ خوش ہے اور بیگناہوں کو ذلیل کرنیوالا ہے

مطلب یہ کہ دیکھو جیسے فرعون نے خود اپنے دشمن کو یعنی حضرت موسیٰ علیہ السّلام کو اپنے گھر میں پال رکھا تھا اور اُنکی پرورش کر رہا تھا اور دوسرے لوگوں کے بچونکو قتل کرتا تھا اسی طرح اے طالب تیری حالت ہے کہ تو نے اپنے نفس کو تو خوب کھلا پلا کر پھلا رکھا ہے اور اسکو خوب پال رہا ہے اسکی حرکتوں پر اسکو بالکل بھی سرزنش نہیں کرتا بلکہ دوسروں پر الزام لگاتا ہے کہ تو نے یہ کیا اور تو نے مجھے اس مصیبت میں پھنسایا حالانکہ جسقدر نقصانات ہیں وہ سارے تیرے نفس سے تجھے پہونچ رہے ہیں اور اس حالت میں تو بالکل فرعون کی طرح ہے آگے فرعون کو خطاب کرکے سالک کو سناتے ہیں کہ۔

چند فرعونا کشی بے جرم را می نوازی ایں تن پر غرم را

یعنی اے فرعون بیجرموں کو کب تک قتل کریگا اور اس تن کو جو تاوانوں سے بھرا ہوا ہے کب تک نوازیگا

مطلب یہ کہ میاں کب تک اوروں کو الزام دیتے رہوگے اور اس نفس کو جسکے ذمہ لاکھوں تاوان ہیں اور

سیکڑوں الزام اسپر عائد ہیں کب تک بغل میں لئے پرورش کرتے رہو گے چونکہ یہاں اس حالت کو حالت فرعون سے تشبیہ دی تھی اسلئے آگے فرماتے ہیں کہ۔

عقل او بر عقل شاہان می فزود — حکم حق بے عقل و کورش کردہ بود

یعنی اسکی عقل بادشاہوں کی عقل سے (بھی) زائد تھی (مگر) حکم حق نے اسکو بے عقل و اندھا کر رکھا تھا۔

مُہرِ حق بر چشم و بر گوش و خرد — گر فلاطونست حیوانش کند

یعنی حق تعالیٰ کی مہر آنکھ پر اور کان پر اور عقل پر اگر افلاطون ہو تو اسکو حیوان کر دیتی ہے مطلب یہ کہ دیکھو فرعون جو اسقدر عاقل تھا کہ کوئی دوسرا اسکے مقابل کا عاقل نہ تھا تمام شاہان وقت سے زیادہ اسکو عقل تھی مگر اس معاملہ میں آکر ایسا بے عقل ہو گیا تھا کہ اپنے دشمن کو خود پال رہا ہے اور خبر نہیں۔ وجہ اسکی یہ تھی کہ حق تعالیٰ نے اسکے دل پر مہر فرما دی تھی کہ جسکی وجہ سے اُسے اچھے بُرے کی بالکل بھی تمیز نہ رہی تھی اور بالکل اندھا ہو گیا تھا اور وہ تو وہ حق تعالیٰ تو جسکے قلب پر مہر فرما دیں افلاطون بھی ہو تو جانور کی طرح بیعقل اور ناسمجھ ہو جاتا ہے اللھم احفظنا ربنا لا تزغ قلوبنا بعد اذ ھدیتنا وھب لنا من لدنک رحمۃ انک انت الوھاب غرضکہ تم کو چاہیئے کہ اوروں پر الزام نہ رکھو بلکہ خود اپنے نفس کی حالت کا تدارک کرو۔

حکم حق بر لوح مے آید پدید — انچنانکہ حکم غیبی بایزید

یعنی حق تعالیٰ کا حکم لوح پر اس طرح ظاہر ہوتا ہے جیسا کہ حضرت بایزیدؒ کا حکم غیب مطلب یہ کہ جس طرح کہ حق تعالیٰ نے ایک اپنا حکم حضرت بایزیدؒ کی زبانی ظاہر فرمایا اور وہ اُسی طرح ہوا جس طرح کہ انھوں نے فرمایا تھا سر موفرق نہوا اسی طرح حق تعالیٰ کے تمام احکام بالکل صاف طور پر اور پورے پورے ظاہر ہوتے ہیں اور اسی لئے فرعون بھی موسیٰ علیہ السلام کو نہ پہچان سکا کیونکہ حکم حق یہی تھا کہ وہ نہ پہچان سکے آگے حضرت بایزیدؒ اور حضرت ابوالحسنؒ کا قصہ بیان فرماتے ہیں کہ۔

شرح حبیبی

حضرت ابوالحسنؒ کا حضرت بایزیدؒ کی پیشین گوئی کو سُننا

آنچناں آمد کہ او فرمودہ بود ۔۔۔ بوالحسن از مرداں آنرا شنود

کہ حسن باشد مرید و امتم ۔۔۔ درس گیرد ہر صباح از تربتم

ہر صباحے آید و خواند سبق ۔۔۔ بر سر خاکم شود پیر بحق

گفت من ہم نیز خوابش دیدہ ام ۔۔۔ وز رواں شیخ ایں بشنیدہ ام

ہر صباحے تیز رفتے بے فتور ۔۔۔ بر سر گورش نشستے با حضور

ہر صباحے رو نہادے سوئے گور ۔۔۔ ایستادے تا ضحے اندر حضور

تا مثال شیخ پیشش آمدے ۔۔۔ یا کہ بے گفتے شکالش حل شدے

تا یکے روزے بیامد با سعود ۔۔۔ گورہا را برف نو پوشیدہ بود

توئے بر تو برفہا ہمچوں علم ۔۔۔ قبہ قبہ دید و شد جانش بغم

بانگش آمد از حظیرہ شیخ حے ۔۔۔ ہا انا ادعوک کے تسعے الی

ہیں بیا ایں سو بر آوازم شتاب ۔۔۔ عالم ار برف است رو از من متاب

حال او زاں روز شد خوب و پدید ۔۔۔ آں عجائب را کہ اول می شنید

باز باید گشت سوئے آں غلام ۔۔۔ کرد باید آں حکایت را تمام

اوپر مولانا نے فرمایا تھا "آنچناں کہ حکم غیبی بایزید" اس مناسبت سے پھر قصہ بایزید رحمۃ اللہ کی طرف عود کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہی ہوا جو انھوں نے کہا تھا اور ابوالحسن نے بھی لوگوں سے اس قصہ کو سنا کہ شیخ نے فرمایا تھا کہ ابوالحسن پیدا ہوں گے اور ہمارے مرید اور ہماری جماعت کے آدمی ہوں گے اور ہماری قبر سے ہر روز تعلیم حاصل کریں گے۔ وہ ہر روز ہماری قبر پر آکر سبق لیں گے۔ اور بالآخر شیخ باخدا

ہوں گے۔ یہ سنکر انھوں نے فرمایا کہ میں نے بھی انکو خواب میں دیکھا ہے اور شیخ کی روح سے یہ بھی سنا ہے جو تم کہتے ہو۔ القصہ وہ ہر صبح کو قبر پر بلا ناغہ جاتے اور قبر کے پاس با حضور قلب بیٹھ جاتے اور ہر صبح کو کو قبر کی طرف جاتے اور دن چڑھے تک انکی حضور میں کھڑے رہتے۔ یہانتک کہ شیخ کی صورت مثالیہ انکے سامنے آتی۔ اور تعلیم دیتی۔ یا بدون گفتگو ہی کے انکی مشکلیں حل ہوجاتیں۔ یعنی افاضہ کی صورتیں مختلف تھیں کبھی بتوسط صورت مثالیہ افاضہ ہوتا تھا اور کبھی بلا توسط یہ ہی طریقہ جاری رہا۔ یہانتک کہ وہ ایک روز بہت سے خوش نصیبوں کی ساتھ متلبس آئے اور قبروں کو تازہ برف سے چھپا ہوا پایا اور دیکھا کہ پہاڑ کی مثل برف کے تودے لگے ہوئے ہیں۔ یہ دیکھکر انکی جان غمگین ہوگئی کیونکہ شیخ کی قبر انکو معلوم نہو سکی کہ آخر شیخ زندہ بحیات روحانی کے مقبرہ سے آواز آئی کہ ارے میں تجھے بلاتا ہوں تاکہ تو میری طرف چلا آئے۔ تو میری آواز پر چلا آ اور دنیا اگر برف ہو جاوی تو تو مجھسے نہ پھر اس روز سے انکی حالت اچھی ہوگئی اور انھوں نے وہ عجائب دیکھے نئے جنکو پہلے سنا کرتے تھے۔ اچھا اب اس غلام کی طرف لوٹنا چاہیے۔ اور اس حکایت کو پورا کرنا چاہیے۔

شرح شبیری

حضرت ابو الحسنؒ کا حضرت بایزید کی پیشین گوئی کو سننا

ہمچناں آمد کہ او فرمودہ بود　　بو الحسنؒ از مردماں آنرا شنود

یعنی جس طرح کہ حضرت بایزیدؒ نے فرمایا تھا اُسی طرح ہوا اور حضرت ابو الحسنؒ نے لوگوں سے اسکو سنا (کہ حضرت بایزیدؒ نے فرمایا تھا کہ)

کہ حسن باشد مرید و اُمتم　　درس گیرد ہر صباح از تربتم

یعنی کہ حضرت حسن میرے مرید اور تابع ہونگے اور میری قبر سے ہر روز فیض لیا کریں گے۔

ہر صباحے آید و خواند سبق　　بر سر خاکم شود پیر بحق

یعنی ہر روز آکر فیض حاصل کریں گے اور میری خاک پر وہ ایک باخدا پیر ہوں گے۔ مطلب یہ کہ جب حضرت ابو الحسنؒ خرقانی پیدا ہوئے تو انھوں نے لوگوں سے سنا کہ حضرت بایزیدؒ یہ فرما گئے تھے کہ ابو الحسنؒ

پیدا ہوں گے اور میری قبر سے فیض حاصل کیا کریں گے اور اسی طرح قبر ہی سے مستفیض ہوتے ہوتے ایکروز بڑے پایہ کے بزرگ اور شیخ طریقت ہو جاویں گے اسکو سنکر حضرت ابوالحسن رح نے فرمایا کہ۔

گفت من ہم نیز خوابش دیدہ ام　　وز روان شیخ این بشنیدہ ام

یعنی حضرت ابوالحسن رح نے فرمایا کہ میں نے بھی اُن کو خواب میں دیکھا ہے اور حضرت شیخ کی روح سے میں نے یہی سنا ہے۔ مطلب یہ کہ حضرت ابوالحسن رح نے فرمایا کہ ہاں میں نے بھی خواب دیکھا ہے کہ حضرت بایزید رح مجھسے فرما رہے ہیں کہ ہماری قبر پر آکر فیض حاصل کرو تو دیکھو جسطرح حضرت بایزید رح نے فرمایا تھا کہ وہ پیدا ہوں گے اسی طرح سب ہوا۔ آگے حضرت ابوالحسن رح کی حالت بیان فرماتے ہیں کہ جب انھوں نے لوگوں سے سُنا اور خود بھی خواب میں دیکھا تو اُنکی یہ حالت تھی کہ۔

ہر صباحے تیز رفتے بے فتور　　بر سر گورش نشستے با حضور

یعنی بلاناغہ روزانہ جلدی سے تشریف لیجاتے اور ان کی قبر پر متوجہ ہو کر بیٹھتے۔

ہر صباحے رو نہادے سوئے گور　　ایستادے تا ضحے اندر حضور

یعنی ہر روز قبر کی طرف جاتے اور چاشت کے وقت تک حضور میں کھڑے رہتے۔

تا مثال شیخ پیشش آمدے　　ما کہ بے گفتے شکالش حل شدے

یعنی یہانتک کہ شیخ کی صورت مثالیہ اُن کے سامنے آتی اور بے گفتگو کے اُن کے اشکالات حل ہو جاتے۔ مطلب یہ کہ اُنکا یہ معمول ہو گیا کہ روزانہ بلاناغہ قبر پر تشریف لیجاتے اور وہاں دن چڑھے تک مراقب رہتے اسکے بعد شیخ کی صورت مثالیہ اُن کے سامنے آتی اور اُسوقت بلا گفتگو ظاہر کے اُنکو فیض ہوتا۔ اور جسقدر انکو طریق میں اشکالات ہوتے سب بلا بولے چالے صورت دیکھ لینے سے ہی حل ہو جاتے۔ بس یہ حالت تھی کہ ۵ اے لقائے تو جواب ہر سوال + از تو مشکل حل شود بے قیل و قال۔ غرضکہ اسی طرح وہ فیض حاصل کرتے رہے یہانتک کہ ایکدن یہ ہوا کہ۔

تا یکے روزے بیامد با سعود　　گور ہا را برف نو پوشیدہ بود

یعنی یہان تک کہ ایکدن حضرت ابوسعود رح تشریف لائے تو تمام قبروں کو تازہ برف سے ڈھکے ہوئے پایا۔

توئے بر تو برفہا ہمچون علم　　قبہ قبہ دید و شد جانش بغم

یعنی برف کے تودے کے تودے جھنڈوں کی طرح قبہ قبہ دیکھے۔ تو اُنکی جان غمگین ہوئی۔ مطلب یہ کہ

ایک دن جو تشریف لیگئے تو دیکھا کہ تمام قبروں پر برف جم رہا ہے اب جو ساری قبریں یکساں ہوگییں تو شیخ کی قبر کو پہچان نہ سکے اب انکو بڑی فکر ہوئی اور غم ہوا کہ اب کس طرح فیض حاصل کروں قبر ہی کا پتہ نہیں یہ اسی فکر و غم میں تھے کہ۔

بانگش آمد از حظیرۂ شیخ حی ہا انا ادعوک کے تسعیٰ الی

یعنی شیخ زندہ کے مقبرہ سے اُن کو آواز آئی ارے میں تمکو بلا رہا ہوں تاکہ تم میری طرف آؤ۔ (اور آواز آئی کہ)

ہین بیا این سو بر آوازم شتاب عالم ار برف است روی از من متاب

یعنی ہاں اسطرف آؤ میری آواز پر دوڑو اگر تمام عالم پر از برف ہوجاوے تم مجھسے روگردانی مت کرو مطلب یہ کہ جب یہ حیرت میں تھے اور سوچ رہے تھے کہ شیخ کی قبر کونسی ہے عین اسی حالتمیں انکو حضرت شیخ کے مقبرہ میں سے آواز آئی وہ شیخ جو کہ حیات روحانی سے زندہ تھے انھوں نے آواز دی کہ میاں اگر تمام عالم میں برف ہی برف ہوا اور سارا عالم ظاہر میں یکساں ہوجاوے تو تمکو کیا پرواہ ہے تم نور بصیرت سے میری قبر کو پہچانکر اسکے پاس آجاؤ اور مجھسے فیض حاصل کرو اب تم میری آواز پر چلے آؤ کہ میری قبر تک پہونچ جاؤگے بس اس آواز کو سننا تھا کہ انکی حالت ہی بدلگئی اسی کو فرماتے ہیں کہ۔

حال او زان روز شد خوب و پدید آن عجائب را کہ اول می شنید

یعنی ان کی حالت اسی روز سے اچھی ہوگئی اور انھوں نے ان عجائب کو دیکھ لیا جنکو کہ اول سنتے تھے مطلب یہ کہ اُس روز کچھ ایسا فیض تھا کہ جس سے انکو وہ نور بصیرت حاصل ہوا کہ جو باتیں ابتک شیخ سے سنا کرتے تھے آج خود انکی آنکھوں کے سامنے موجود تھیں اور یہ خود اُن باتوں کو دیکھ رہے تھے یعنی بس اسی روز سے کامل ہوگئے۔ آگے اُس غلام کے قصہ کی طرف رجوع فرماکر اسکو پورا ہی فرماتے ہیں کہ۔

باز باید گشت سوئے آن غلام کرد باید آن حکایت را تمام

یعنی پھر اُس غلام کی طرف واپس ہونا چاہیئے۔ اور اُس حکایت کو پورا کردینا چاہیئے (آگے حکایت کو پورا فرماتے ہیں)۔

شرح حبیبی

اس غلام کا دوسرا رقعہ لکھنا جبکہ پہلے کا جواب نہ آیا

نامۂ دیگر نوشت آں بدگماں
پر ز تشنیع و نفیر و پُر فغاں

کہ یکے رقعہ نوشتم پیش شاہ
اے عجب آنجا رسید و یافت راہ

آں دگر را خواند ہم آں خوب خد
ہم نداد او را جواب و تن بزد

خشک می آورد او را شہریار
او مکرر کرد رقعہ پنج بار

گفت حاجب آخر او بندہ شماست
گر جوابش بر نویسی ہم رواست

از شہی تو چہ کم گردد اگر
بر غلام و بندہ اندازی نظر

گفت ایں سہل است اما احمق است
مرد احمق زشت و مردود حق است

گرچہ آمرزم گناہ و زلتش
ہم کند در من سرایت علتش

صد کس از گرگیں ہمہ گرگیں شوند
خاصہ ایں کژ خبیث عقل بند

گر کم عقلے مبادا گبر را
شومیش بے آب دارد ابر را

نم نبارد ابر از شومے او
شہر شد ویرانہ از بومی او

خیر تو اس بدگمان نے دوسرا رقعہ لکھا جو کہ طعن و تشنیع اور نالہ وزاری سے لبریز تھا اور یہ لکھا کہ اس سے پیشتر بھی میں نے ایک رقعہ لکھا تھا لیکن یقین ہے کہ وہ حضور تک نہیں پہونچا اگر پہونچ گیا ہو تو سخت حیرت ہے کہ جواب کیوں نہیں ملا۔ یہ رقعہ لکھکر اُس نے دوسرے نامہ بر کو بلایا۔ اُس نے

اسکا بھی جواب نہ دیا۔ اس نے پانچ رقعے یکے بعد دیگرے لکھے مگر بادشاہ اس سے رکھائی ہی برتتے رہے۔ دربان نے عرض کیا کہ آخر تو وہ حضور کا غلام ہی ہے اگر آپ جواب لکھدیں تو کیا مضائقہ ہے۔ اور اگر حضور اپنے غلام پر نظر عنایت فرمادیں تو حضور کے مرتبۂ عالی میں کیا کمی آجائیگی۔ بادشاہ نے کہا کہ بات تو کچھ بھی نہیں مگر وہ احمق ہے اب مولانا فرماتے ہیں کہ احمق برا شخص اور مردود حق سبحانہ ہے (یہ مصرع جملہ معترضہ ہے اور بادشاہ کا مقولہ نہیں کیونکہ یہ شخص بدیں معنی احمق تھا کہ بادشاہ سے غافل و روٹی کی فکر میں تھا اور مردود حق وہ احمق ہے جو خدا سے غافل اور دنیا میں منہمک ہو۔ ہاں اگر یوں کہا جاوے کہ یہ احمق ہے اسلئے کہ شاکر نعمت نہیں۔ اور جو بندہ نکا شکر نہ کرے وہ خدا کا شکر نہیں کر سکتا۔ اسلئے یہ احمق اور مردود حق ہے تو گنجایش ہے واللہ اعلم۔ اسکے بعد مولانا بادشاہ کی گفتگو کا سلسلہ شروع کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اس نے کہا کہ) اگر میں اسکا قصور اور اسکی لغزش معاف کرتا ہوں اور پھر اسکو مقرب بناتا ہوں تو اسکی حماقت مجھ میں اثر کر جائیگی کیونکہ ایک خارشتی اونٹ سبکو خارشتی کر دیتا ہے لہذا اس سے بچنا چاہیئے۔ اب مولانا فرماتے ہیں کہ خاصکر یہ خبیث مرض خارش احمقی جو کہ عقل کو قید کر دیتا ہے یہ تو بالاولی خارشتی بنا دیگا اور اس سے تو بالاولی بچنا چاہیئے۔ یہ حماقت کی کھجلی تو وہ بلا ہے کہ خدا کافر کو بھی نہ دے۔ اسکی نحوست سے ابر کا پانی خشک ہو جاتا ہے اور اسکی نحوست سے ابر سے پانی نہیں برستا اور اسکے اوپن سے شہر ور ملک ویران ہو جاتے ہیں۔ دیکھو احمقوں ہی کی کھجلی کی وجہ سے طوفان نوح نے دنیا کو اجاڑ دیا تھا

شرح شبیری

اس غلام کا دوسرا رقعہ لکھنا جبکہ پہلے کا جواب نہ آیا

نامۂ دیگر نوشت آں بدگماں   پر ز تشنیع و نفیر و پر فغاں

یعنی اس بدگمان نے ایک دوسرا پرچہ لکھا جو کہ طعن و تشنیع سے اور نالہ و زاری سے بھرا ہوا تھا (اور اسمیں یہ لکھا کہ)

کہ یکے رقعہ نوشتم پیش شاہ   اے عجب آنجا رسید و یافت راہ

یعنی میں نے ایک رقعہ حضور شاہی میں (پہلے بھی) لکھا تھا (مگر) تعجب ہے کہ وہ وہاں پہونچا اور اس نے راہ پائی (لیکن جواب نہیں ملا) مطلب یہ کہ آپ نے لکھا کہ حضور میں ایک رقعہ اس سے قبل بھی لکھ چکا ہوں اور یقین ہے کہ وہ ضرور پہونچا ہوگا مگر تعجب ہے جواب سے محروم ہوں۔

آں دگر را خواند ہم آں خوب خد ہم نداد اور اجواب و تن بزد

یعنی اُس خوب خد نے اُس دوسرے کو بھی پڑھ لیا اور جواب نہ دیا (بلکہ) چپ ہو رہا۔

خشک می آورد او را شہریار او مکرر کرد رقعہ پنج بار

یعنی بادشاہ اُسکو سکھا رہا تھا اور اُس نے پانچ مرتبہ رقعہ بھیجا۔ مطلب یہ کہ اُس بادشاہ نے اُس دوسرے رقعہ کو بھی پڑھکر رکھدیا اور چپ ہو رہا اُس غلام نے یکے بعد دیگرے پانچ رقعے بھیجے مگر بادشاہ نے بھی جواب ہی نہ دیا۔ یوں ہی انتظار میں اُسکو سکھاتا رہا۔

گفت حاجب آخر او بندہ شماست گر جوابش بر نویسی ہم رواست

یعنی دربان نے عرض کیا کہ آخر وہ غلام شاہی ہی ہے اگر آپ اُسکا جواب لکھ دیں تو کچھ حرج تو نہیں ہے۔

از شہی تو چہ کم گردد اگر بر غلام و بندہ اندازی نظر

یعنی آپ کی بادشاہت میں سے کیا کم ہو جاویگا۔ اگر آپ اپنے غلام اور سیوک پر نظر ڈالدیں گے مطلب کہ خادم خاص نے عرض کیا کہ حضور اگر اسکے رقعہ کا جواب دیدیں تو کیا حرج ہے آخر تو حضور کا غلام ہی ہے خواہ وظیفہ پورا نہ کیا جاوے۔ مگر جواب تو دیدیا جاوے اسپر بادشاہ نے جواب دیا کہ

گفت ایں سہل است اما احمق است مرد احمق زشت و مردود حق است

یعنی بادشاہ نے کہا کہ یہ تو آسان بات ہے لیکن وہ احمق ہے اور احمق آدمی بُرا اور حق تعالیٰ کے نزدیک مردود ہے مطلب یہ کہ بادشاہ نے کہا کہ یہ بات تو کچھ بھی نہیں ذراسی بات ہے مگر وہ ہر احمق۔ مولانا دوسرے مصرعہ میں فرماتے ہیں کہ احمق آدمی تو خدا کے نزدیک بھی مردود ہوتا ہے کیونکہ جو احمق ہوگا۔ وہ حق تعالیٰ کو چھوڑکر غیر میں لگے گا۔ تو ظاہر ہے کہ مردود ہوگا۔ غرض کہ بادشاہ نے کہا کہ وہ ہے احمق اور

گرچہ آمرزم گناہ و زلتش ہم کند در من سرایت علتش

یعنی اگرچہ میں اسکی خطا اور لغزش کو معاف کر دوں (مگر) اسکی بیماری مجھ میں سرایت کر جاوے گی
مطلب یہ کہ یہ بہت آسان بات ہے کہ میں اسکی خطا معاف کر کے پھر اسکو مقرب بنا لوں مگر
مجھے خوف ہے کہ اسکی یہ حماقت کہیں میرے اندر سرایت نہ کر جاوے اسلئے کہ۔

صد کس از گرگیں ہمہ گرگیں شوند خاصہ ایں گر خبیث عقل بند

یعنی ایک خارشتی سے سو آدمی سارے خارشتی ہو جاتے ہیں۔ خاصکر یہ خبیث خارشت جو عقل
کو بند کر دینے والی ہے۔ مطلب یہ کہ بادشاہ نے کہا کہ دیکھو ایک آدمی خارشتی آجاوے تو اگر وہاں
اور سو تندرست ہوں گے سب اس ایک کی وجہ سے خارشتی ہو جاویں گے۔ اسی طرح مجھے خوف ہے
کہ اسکی یہ حماقت کہیں مجھے نہ لگ جاوے مولانا دوسرے مصرعہ میں فرماتے ہیں کہ وہ خارشت ظاہری
تو لگتی ہی ہے مگر خاصکر یہ خارشت بے عقلی کی تو بہت ہی جلدی لگتی ہے اس سے تو بہت ہی
بچنا چاہئے اور فرماتے ہیں کہ۔

گر کم عقلے مباد اگبر را شومیش بے آب دارد ابر را

یعنی کم عقلی کی خارشت تو خدا کرے کافر کو بھی نہ ہو کہ اسکی نحوست ابر کو بھی خشک کر دیتی ہے۔

نم نبارد ابر از شومے او شہر شد ویرانہ از بومی او

یعنی ابر سے پانی اسکی نحوست کی وجہ سے نہیں برستا اور اسکی نحوست سے شہر ویرانہ ہو جاتا ہے
مطلب یہ کہ یہ حماقت کی خارشت تو خدا کسی دشمن کو بھی نہ دے کیونکہ اسکی وہ نحوست ہے کہ
ابر میں پانی نہ رہے اور آبادیاں ویران ہو جاویں اب کوئی کہتا ہے کہ بھلا آبادیاں ویران کہاں
ہوتی ہیں تو آگے اسکی ایک نظیر بیان فرماتے ہیں کہ۔

از گر اں احمقاں طوفاں نوح کرد ویراں عالمے را در فضوح

یعنی ان احمقوں کی خارشت سے طوفان نوح آیا کہ اس نے ایک عالم کو رسوائی میں تباہ کر دیا
مطلب یہ کہ قوم نوح کی حماقت ہی کی بدولت تو طوفان آیا کہ اس نے ایک عالم کو برباد اور تباہ
کر دیا۔ تو دیکھو اس حماقت ہی نے شہروں کو برباد کیا یا نہیں۔ آگے حضور صلی اللہ
علیہ وسلم کا عاقل کی تعریف فرمانا۔ اور احمق کی برائی فرمانیکو
بیان فرماتے ہیں

شرح حبیبی

پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا عاقل کی تعریف کرنا اور احمق کی برائی کرنا

گفت پیغمبر کہ احمق ہر کہ ہست ۔۔۔ او عدوِ ما و غول رہزن است

ہر کہ او عاقل بود او جان ماست ۔۔۔ روح او و ریح او ریحان ماست

عقل دشنامم دہد من راضیم ۔۔۔ زانکہ فیضے دارد از فیاضیم

نبود آں دشنام او بے فائدہ ۔۔۔ نبود آں مہمانیش بے مائدہ

احمق ار حلوا نہد اندر لبم ۔۔۔ من ازاں حلوائے او اندر تبم

ایں یقیں داں گر لطیف و روشنی ۔۔۔ نیست بوس کون خر را چاشنی

سبلتت گندہ کند بے فائدہ ۔۔۔ جامہ از دیگش سیہ بے مائدہ

مائدہ عقلست نے نان و کباب ۔۔۔ نور عقلست اے پسر جان را شراب

نیست غیر نور آدم را خورش، ۔۔۔ از خبر آں جاں نیابد پرورش،

زیں خورشہا اندک اندک باز بر ۔۔۔ کایں غذائے خر بود نے آں حُر

تا غذائے اصل را قابل شوی ۔۔۔ لقمہائے نور را آکل شوی

عکس آں نورست کایں ناں ناں شدہ ۔۔۔ فیض آں جانست کایں جاں جاں شدہ

چوں خوری یکبار از ماکول نور ۔۔۔ خاک ریزی بر سر نان تنور

عقل شید اشد چہ خوانی ترہاست ۔۔۔ راہ پیدا شد چہ پائے بے ثبات

عقل دو عقل است اول مکسبی
که درآموزی چو در مکتب صبی

از کتاب و اوستاد و فکر و ذکر
از معانی وز علوم خوب و بکر

عقل تو افزوں شود بر دیگراں
لیک تو باشی ز حفظ آں گراں

لوح حافظ باشی اندر دور و گشت
لوح محفوظ است کوزیں در گذشت

عقل دیگر بخشش یزداں بود
چشمۂ آں در میان جاں بود

چوں ز سینہ آب دانش جوش کرد
نے شود گندہ نہ دیرینہ نہ زرد

در رہ نبعش بود بستہ چہ غم
کو ہمی جوشد ز خانہ دمبدم

عقل تحصیلی مثال جوئیہا
کاں رود در خانۂ از کوئیہا

راہ آبش بستہ شد شد بینوا
تشنہ ماندہ زار و با صد ابتلا

از دروں خویشتن جو چشمہ را
تا رہی از منت ہر ناسزا

جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص احمق ہو وہ ہمارا دشمن اور شیطان مضل ہے اور جو عاقل ہو وہ ہمارا پیارا ہے اسکی بو ہمارے لئے شراب کیطرح سرور پیدا کرنیوالی ہے عاقل اگر بالفرض محال مجھے گالی بھی دے تو میں اس سے بھی خوش ہوں۔ کیونکہ وہ میرے فیض سے مستفیض ہے اسلئے اسکی گالی میں بھی کوئی مصلحت ہوگی اور یہ دعوت اسکی بدوں کھانے کے نہیں ہوگی۔ اور احمق اگر مجھے حلوا بھی کھلائے تو مجھے حلوے سے بھی بخار چڑھتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ عاقل کی ظاہری مضرت میں بھی نفع ہے اور احمق کے ظاہری نفع میں بھی نقصان ہے احمق کی نفع ظاہری سے خوش ہونا ایسا ہے جیسا کہ بوسۂ کون خر سے استلذاذ اور اگر تم پاک طبع اور صاف باطن ہو تو سمجھ لو کہ بوسۂ کون خر میں کوئی لذت نہیں۔ بلکہ فضول تمہاری مونچھیں نجاست آلود ہوتی ہیں۔ اور اس دیگ سے تمہارے کپڑے ہی سیاہ ہوتے ہیں۔ کھانا نہیں ملتا۔ پس یہی حالت احمق کی ہے

کہ اس سے فائدہ نہیں ہوتا۔ بلکہ نقصان ہوتا ہے۔ ہمارے قول مع جامہ از دیگش سیہ بے مائدہ کو دیکھکر شاید کوئی سطحی نظر والا یوں کہے کہ احمق تو لوگوں کو خوب کھلاتے پلاتے ہیں۔ پھر آپکا یہ قول کیونکر صحیح ہو اسلئے ہم اسکا جواب دیتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ جناب روٹی اور کباب وغیرہ غذا نہیں ہے اصل غذا تو عقل ہے اور جان کی شراب تو نور عقل ہے نہ کہ اشربہ متعارفہ پس اگر یہ ملے بھی تو کیا ہوا۔ کیونکہ آدمی کی غذا تو نور عقل ہی ہے اور وہ اسی سے پرورش پاتا ہے نہ کہ کسی اور شے سے۔ پس روٹی وکباب وغیرہ کا ملنا غذا کا ملنا نہو گا۔ اب مولانا فرماتے ہیں کہ جب تمھیں معلوم ہو گیا۔ کہ آدمی کا کھانا پینا عقل اور نور عقل ہے تو ان حسی غذاؤں کو رفتہ رفتہ کم کرو۔ کیونکہ یہ انسانوں کی غذائیں نہیں ہیں۔ بلکہ یہ تو جانوروں کی غذائیں ہیں۔ تاکہ تم اصلی غذا کے قابل ہو جاؤ اور نور کے لقمے کھانے لگو دیکھو روٹی جو روٹی ہوتی ہے یہ بھی اسی نور کا پر تو ہے اور یہ روٹی جو جانکی طرح مرغوب ہوتی ہے یہ بھی اسی نور کا فیض ہے جو کہ بمنزلہ جان کے ہے تم ابتک اس غذا کی اسلئے قدر کرتے ہو کہ تم نے وہ غذا نہیں کھائی۔ لیکن اگر ایکمرتبہ نور کا لقمہ کھا لو تو تم تنوری پر خاک ڈالدو اور کہو کہ اب مجھپر عقل عاشق ہو گئی ہے تو کیا چکنی چپڑی باتیں بناکر مجھے دھوکھا دیتی ہے اور مجھے رستہ ملگیا ہے اب میرے سامنے تجھ کمزور پاؤں کی کیا حقیقت ہے۔ لیکن اس مقام پر تم کو یہ بھی سمجھ لینا چاہئے کہ یہ تعریف مطلق عقل کی نہیں ہے بلکہ عقلیں دو قسم کی ہیں ایک تو کسبی جسکو تم مدارس ہیں بچوں کی طرح حاصل کرتے ہو۔ پس کتاب سے استاد سے غور وخوض سے اچھوتے اور نادر مضامین، اور علوم سے تمکو اوروں سے زیادہ عقل حاصل ہو جاتی ہے لیکن تم کو اسکا محفوظ رکھنا مشکل ہوتا ہے (کیونکہ اگر وہ اسباب نہ رہیں جن سے یہ عقل حاصل ہوئی ہے تو وہ بھی نہ رہیگی اسلئے ان اسباب کے محفوظ رکھنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور انکا محفوظ رکھنا دشوار ہے اسلئے عقل کا محفوظ رکھنا بھی مشکل ہوتا ہے) اور اسوقت تم لوح حافظ ہوتے ہو اور وہ لوح نہیں ہوتی جسکے علوم کا خدا حافظ ہے۔ کیونکہ لوح محفوظ وہ ہے جسنے ان علوم کو چھوڑ دیا ہو۔ بایں معنی کہ انکو درجۂ مقصودیت میں نہ رکھا ہو۔ خواہ دوسرے مقصد کے حاصل کرنے کیلئے ان میں مشغول ہو جیسے علوم شرعیہ کہ اہل اللہ ان میں طلب رضائے حق سبحانہ کے لئے مشغول رہتے ہیں۔ ایک عقل تو یہ تھی دوسری عقل وہ ہے جو موہوب من اللہ ہو۔ اور اسکا چشمہ روح کے اندر ہو۔ اسکی حالت یہ ہے کہ جب سینہ سے یہ چشمہ علوم جوش زن ہوتا ہے تو اسمیں کوئی تغیر نہیں آتا۔ نہ وہ سڑتا ہے نہ کہنہ ہوتا ہے

نہ زرد ہوتا ہے۔ اور اگر دیگر علوم کے حصول کے ذرائع بند ہو جائیں تو اسے کچھ فکر نہیں ہوتی۔ کیونکہ علوم کا چشمہ تو خود اسکے گھر میں موجود ہے جو ہر وقت ابلتا رہتا ہے۔ جب دونوں عقلوں کی تفصیل معلوم ہو گئی تو اب سمجھو کہ وہ تعریف عقل کسبی کی نہ تھی بلکہ عقل وہبی کی تھی عقل کسبی تو ایسی ہے جیسے ندیاں جو گھروں میں خارجی گڑھوں سے آتی ہیں۔ اب اگر آمد کا رستہ بند ہو جاوے تو گھر بے سامان رہجاتا ہے اور پیاسا سخت خستہ اور سیکڑوں پریشانیوں میں مبتلا رہجاتا ہے۔ برخلاف عقل وہبی کے کہ چونکہ اسکا چشمہ خود اپنے ہی اندر سے نکلتا ہے اسلئے وہ مسدود نہیں ہو سکتا۔ پس تم اس چشمہ کو اپنے اندر تلاش کرو۔ تاکہ ان نالائقوں کے احسان سے بچ جاؤ۔ جن کا تم کو عقل کسبی کی تحصیل کیلئے ممنون ہونا پڑتا ہے اب مولانا دوسرے عنوان سے عقل کی فضیلت بیان فرماتے ہیں۔

ایک شخص کا ایک شخص سے مشورہ کرنا اور اس مشیر کا مستشیر سے کہنا کہ کسی اور سے مشورہ کر کیونکہ میں تیرا دشمن ہوں،

مشورت می کرد شخصے با کسے ۔ کز تردد وارہد وز محبسے

گفت اے خوشنام غیر من بجوے ۔ ماجرائے مشورت با ما مگوے

من عدوم مر ترا با من مپیچ ۔ نبود از راۓ عدو پیروز ہیچ

رو کسے جو کہ ترا او ہست دوست ۔ دوست بہر دوست لاشک خیر جوست

من عدوم چارہ نبود کز منی ۔ کژ روم با تو نمایم دشمنی

حارسی از گرگ جستن شرط نیست ۔ جستن از غیر محل نا جستنے است

من ترا بے ہیچ شکے دشمنم ۔ من ترا کے رہ نمایم رہزنم

ہر کہ باشد ہمنشیں دوستاں ۔ ہست در گلخن میان بوستاں

ہر کہ با دشمن نشیند در زمن،
ہست او در بوستان در گولخن

دوست را مازار از ما گوش منت
تا نگردد دوست خصم و دشمنت

خیر کن با خلق بہر ایزدت
یا برائے راحت جان خودت

تا ہمہ را دوست بینی در نظر
در دلت ناید ز کین ناخوش صور

چونکہ کردی دشمنی پرہیز کن
مشورت با یار مہر انگیز کن

گفت من دانم ترا اے بوالحسن
کہ توئی دیرینہ دشمن وار من،

لیک مردے عاقلے و معنوی
عقل تو بگذاردت کہ کجروی

طبع خواہد تا کشد از خصم کین
عقل بر نفس ست بند آہنین

آید و منعش کند وا داردش
عقل چون شحنہ است در نیک و بدش

عقل ایمانی چو شحنۂ عادلست
پاسبان و حاکم شہر دلست

ہمچو گربہ باشد او بیدار ہوش
دزد در سوراخ ماند ہمچو موش

در ہر آنجا کہ برآرد موش دست
نیست گربہ ور بود او مردہ است

گربۂ چہ شیر شیر افگن بود
عقل ایمانی کہ اندر تن بود

غرۂ او حاکم درندگان
نعرۂ او مانع چرندگان

شہر پر دزد ست و پر جامہ کنے
خواہ شحنہ باش گو و خواہ نے

عقل در تن حاکم ایمان بود
کہ ز بیمش نفس در زندان بود

عقل عقل و جان جان اے جان توئی
عقل و جان عقل را سلطان توئی

کل موجودات در فرمان تست	عقل کل سرگشتہ و حیران تست

ایک شخص دوسرے شخص سے اسلئے مشورہ کرنا چاہتا تھا کہ تردد اور اسکی قید سے آزاد ہو جاوے اس نے کہا کہ آپ مشورہ کا قصہ مجھ سے نہ کہیں بلکہ کسی اور سے مشورہ کریں میں تمہارا دشمن ہوں مجھے نہ لپٹو۔ کیونکہ دشمن کی رائے سے کوئی کامیابی نہیں ہو سکتی اور اسے تلاش کرو جو تمہارا دوست ہو کیونکہ دوست بیشک دوست کا خیر خواہ ہوتا ہے نہ کہ دشمن میں دشمن ہوں اسلئے میں مجبور ہونگا کہ نفسانیت سے غلط روش اختیار کروں اور تم سے دشمنی کروں بھیڑیئے کو چوپان بنانا نامناسب ہے اور بے موقع کسی شے کو تلاش کرنا بمنزلہ نہ تلاش کرنے کے ہے اسمیں کوئی شبہ نہیں کہ میں تمہارا دشمن ہوں پس میں تو تمہارا رہزن ہوں رہنما کیسے ہو سکتا ہوں۔ اب میں تم کو ایک مفید نصیحت کرتا ہوں سنو۔ قاعدہ ہے کہ جو شخص دوستوں میں ہوتا ہے وہ تکلیف میں بھی راحت میں ہوتا ہے اور جو دشمنوں میں پھنسا ہوا ہے وہ راحت میں بھی تکلیف میں ہے جب یہ معلوم ہو گیا تو اب تمکو چاہیئے کہ اول تو غرض نفسانی سے دوست کو تکلیف نہ پہونچاؤ تاکہ وہ تمہارا دشمن نہ ہو جاوے۔ اور جہاں تک ہو سکے لوگوں کی ساتھ احسان کرو۔ خواہ خدا کیلئے خواہ خود اپنی راحت کیلئے۔ اسکا نتیجہ یہ ہوگا کہ سب تمہیں دوست نظر آئیں گے۔ اور کسی کی دشمنی کے ناخوش خیالات تمہارے دل میں نہ آئیں گے۔ لیکن جبکہ تم ایسا نکرو اور لوگوں سے دشمنی پیدا کر لو تو اب تمہارا فرض ہے کہ دوستوں سے مشورہ کرو اور دشمن سے بچو۔ یہ سنکر اس نے جواب دیا کہ یہ میں بھی جانتا ہوں کہ آپ میرے پرانے دشمن ہیں مگر اسکے ساتھ ہی میں یہ بھی جانتا ہوں کہ آپ عاقل اور حقیقت شناس ہیں۔ اسلئے اگر تم غلط روی کرنا بھی چاہو گے تو تمہاری عقل مانع ہو گی۔ اب مولانا فرماتے ہیں کہ نفس چاہتا ہے کہ دشمن سے دشمنی نکالے۔ لیکن عقل اسکے لئے ایک سخت مزاحم ہے وہ اگر اسے روکتی اور اس فعل سے باز رکھتی ہے کیونکہ وہ بھلائی برائی میں بمنزلہ کوتوال کے ہے جسکا کام شریروں کو شرارت سے روکنا ہے۔ ہم اس مضمون کو کسیقدر وضاحت کیساتھ بیان کرنا چاہتے ہیں۔ سنو عقل سے مراد ہماری وہ عقل ہے جو منور بنور ایمان ہو۔ اور کوتوال سے مراد منصف کوتوال ہے تو حاصل یہ ہوا کہ عقل ایمانی ایک منصف کوتوال ہے جو کہ شہر قلب کا حاکم اور اسکا محافظ ہے اور یہ کوتوال بلی کیطرح چوکنا

رہتا ہے اسلئے چور (نفس) اسکے سامنے چوہے کی طرح بل میں گھسا رہتا ہے پس اگر کسی جگہ یہ چوہا (نفس) دست درازی کرے اور شورش کرے تو سمجھ لو کہ وہاں بلی (عقل ایمانی) نہیں ہے یا ہے مگر وہ ہے۔ ہم نے عقل ایمانی کو جو کہ انسان کے اندر ہے بلی کہا ہے مگر اسکے سامنے بلی کی کیا حقیقت ہے وہ تو ایک شیر ہے اور شیر بھی ایسا جو اور شیروں پر غالب ہے اسکی غرش درندوں (قوی غضبیہ) پر حاکم ہے اور اسکا نعرہ چرندوں (قوائے شہوانیہ) کو چرنے سے روکنے والا ہے۔ لیکن اے سالک تو ہمارے اس بیان سے دھوکھا نہ کھانا اور یاد رکھنا کہ خواہ اس شہر باطن میں کوتوال عقل ایمانی ہو یا نہو۔ یہ شہر چوروں اور کپڑے اُتارنے والوں سے ہر حالت میں بھرا ہوتا ہے اور ان سے خالی نہیں ہوتا۔ ہاں اتنی بات ہی کہ عقل سلطان ایمان کی طرف سے جسم میں حاکم ہوتی ہے جس کے خوف سے نفس محبوس ہوتا ہے۔ مگر مرتا نہیں اسلئے ان چوروں سے کبھی غافل نہونا چاہئے۔ کیونکہ کبھی کبھی غفلت کے سبب چور جیلخانہ میں سے نکلجاتے ہیں اور نکلکر نقصان پہونچاتے ہیں۔ اب مولانا مناجات فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اے اللہ عقل بھی بدون تیری اعانت کے کچھ نہیں کرسکتی۔ اور نہ روح ہی کچھ کرسکتی ہے پس تو عقل کی عقل اور روح کی روح ہے یعنی مخلوق کی عقول اور انکی ارواح پر تو حاکم ہے اور عقل کل یعنی عقل ایمانی بھی تیری عظمت و جلال کے سامنے سرگشتہ اور متحیر ہے خلاصہ یہ ہے کہ تمام مخلوقات تیری ہی محکوم ہیں۔ تو جو چاہتا ہے وہ ہوتا ہے۔

تم النصف الاول من السفر الرابع للکتاب واللہ اعلم بالصواب

شرح شبیری

پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا عاقل کی تعریف کرنا اور احمق کی برائی کرنا،

گفت پیغمبر کہ احمق ہر کہ است — او عدو ما و غول رہزن است

یعنی پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص احمق ہے وہ ہمارا دشمن اور شیطان راہزن ہے،

ہر کہ او عاقل بود او جان ماست — روح او و ریح او ریحان ماست

یعنی جو شخص کہ عاقل ہے وہ ہمارا پیارا ہے اسکی روح و ریح ہماری لئے خوشبو ہے مطلب یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ احمق تو شیطان اور ہمارا دشمن ہے اور عاقل ہمارا دوست ہے۔ اور وہ ہماری لئے

موجب فرحت ہے یہ مضمون احادیث کے مضامین سے تو نکلتا ہے ورنہ حدیث میں یہ الفاظ کہیں نظر سے نہیں گذرے اور فرماتے ہیں کہ

عقل دشنامم دہد من راضیم — زانکہ فیضے دارد از فیاضیم

یعنی عاقل مجھے بُرا کہے تب بھی میں راضی ہوں اسلئے کہ وہ میری فیاضی میں سے ایک فیض رکھتا ہے

نبود آں دشنام او بے فائدہ — نبود آں مہمانیش بے مائدہ

یعنی اسکا وہ بُرا کہنا بھی بے مصلحت کے نہوگا۔ اور اسکی وہ مہمانی بھی بے مائدہ کے نہوگی مطلب یہ کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اگر عاقل آدمی بظاہر کوئی کلمہ خلاف ادب بھی کہدیگا تب بھی مجھے وہ ناگوار نہوگا اسلئے کہ اسمیں بھی مصلحت ہوتی ہے جیسے کہ حضرات اہل اللہ کے بعض کلمات ظاہر میں خلاف ادب میں مگر انکی حقیقت ادب محض ہے اسی کو فرماتے ہیں کہ ؎ گفتگوئے عاشقاں در کار رب + جوشش عشق است نے ترک ادب۔ تو دیکھو چونکہ عاقل اگر بظاہر بے ادبی بھی کرے تو وہ بھی ناگوار نہیں ہوتی جبکہ اُسکا عاقل ہونا مسلّم ہو جاوے اور وجہ اسکی یہ فرماتے ہیں کہ چونکہ وہ ہمارے فیض سے مستفیض ہوتا ہے اسلئے وہ جو کلمہ بظاہر خلاف بھی کہتا ہے وہ بھی حقیقت میں ادب ہی ہوتا ہے اور اسمیں بھی کوئی مصلحت ہوتی ہے جیساکہ حضرات اہل اللہ کے تذکروں سے صاف معلوم ہوتا ہے خوب سمجھ لو۔ یہ تو عاقل کیجانب ہوئی

احمق ار حلوا نہد اندر لبم — من ازاں حلوائے او اندر تبم

یعنی (اور فرمایا کہ) احمق آدمی اگر حلوا کھلادے تو میں اُس کے حلوے کی وجہ سے بخار میں ہوں مطلب یہ کہ اگر احمق تعریف بھی کرے تو اُسکی تعریف بھی قابل اعتبار نہیں جیساکہ سب جانتے ہیں کہ جاہل کی تعریف سے بھی اللہ بچاوے تو دیکھو احمق تعریف بھی کرتا ہے اور ادب بھی کرے تو وہ بھی الٹا ہی ہوتا ہے آگے احمق کے ادب اور تعریف کی مثال دیتے ہیں کہ

ایں یقیں داں گر لطیف و روشنی — نیست بوس کون خر را چاشنی

یعنی اگر تم نفیس الطبع اور روشن ضمیر ہو تو یقین جانو کہ کون خر کے بوسہ دینے میں کوئی مزا نہیں ہے (بلکہ) -

سبلتت گندہ کند بے فائدہ — جامہ از دیگش سیہ بے مائدہ

یعنی تیری موچھونکو فضول گندی کر دیگی (تو اسی طرح) اُس (احمق) کی ہنڈیا سے کپڑے ہی سیاہ ہونگے بے کھانے کے مطلب یہ کہ میاں دیکھو اگر کوئی گدہی کی کون کا بوسہ لے تو کیا حاصل ہوگا۔ بس سمجھ لو کہ کیا مزا آویگا۔ (لاحول ولاقوۃ الا باللہ) فرماتے ہیں کہ تمھاری موچھیں خراب ہو جاویں گی۔ اور تو کچھ مزا آویگا نہیں تو بس اسی طرح جاہل کے ادب سے بھی کچھ بھی حاصل نہوگا اُس کے ادب سے جو ہنڈیا کی طرح

کچھ راحت تو جو کھانے کی طرح سے ملیگی نہیں بجز کلفت کے جو ہنڈیا کی سیاہی کی طرح ہے غرض کہ کوئی حاصل نہوگا چونکہ یہاں کہا تھا کہ جاہل کا ادب بے مائدہ ہے تو کسی حریص کو شبہ ہوا کہ عاقل کے ادب میں خوب پلاؤ زردے ملتے ہونگے اسلئے آگے مائدہ سے مراد متعین فرماتے ہیں کہ۔

مائدہ عقلست نے نان وکباب　　نورِ عقلست اے پسر جان را شراب

یعنی مائدہ سے مراد عقل ہے نہ کہ کباب اور روٹی اور اے صاحبزادے نور عقل کا جان کیلئے بمنزلہ پانی کے ہے مطلب کہ مائدہ سے مراد تو عقل ہے اور اسکا نور بمنزلہ پانی کے ہے تو مطلب یہ ہے کہ احمق کا ادب بے فائدہ اور بے عقلی سے ہوگا اور اسکا تکلیف دہ ہونا ظاہر ہے آگے فرماتے ہیں کہ۔

نیست غیر نور آدم را خورش　　از جز آں جانے نیابد پرورش

یعنی انسان کے لئے تو سوائے نور عقل کے اور کوئی غذا ہی نہیں سکے علاوہ اور کسی شے سے روح پرورش نہیں پاتی مطلب یہ کہ انسان کیلئے اصلی غذا جو کہ اسکی روح کو تر و تازہ رکھتی ہے وہ غذا نور عقل ہی ہے کہ اسکی روح اس سے تر و تازہ رہتی ہے روحانی غذا یہی ہے اور غذائے ظاہری تو خود فانی ہے۔ باقی غذا جو ہمیشہ کام آویگی وہی قابل اعتبار ہے غذائے روحانی ہی ہے بس جب اصل غذا یہ ہے تو فرماتے ہیں کہ۔

زیں خورشہا اندک اندک باز بر　　کایں غذائے خر بود نے آن حر

یعنی ان (دنیوی) غذاؤں سے رفتہ رفتہ قطع تعلق کرو۔ کہ یہ تو گدہوں کی غذا ہے نہ آزاد انسان کی۔

تا غذائے اصل را قابل شوی،　　لقمہائے نور را آکل شوی،

یعنی تاکہ تم اصلی غذا کے قابل ہو جاؤ اور نور کے لقموں کے کھانے والے ہو جاؤ۔ مطلب یہ کہ ان لذات دنیویہ میں انہماک کو آہستہ آہستہ ترک کردو کیونکہ اسمیں انہماک کرنا اور اسی کو مقصود سمجھ لینا تو حیوانات کا کام ہے انسان کی اصلی غذا تو نور ہے لہذا تم جب اسمیں انہماک کو ترک کردوگے تو تم اس نور کے قابل ہو جاؤگے اور اس لائق ہو جاؤگے کہ وہ نور تم کو مل سکے اور تم اس سے فیض حاصل کرسکو اور فرماتے ہیں کہ۔

عکس آں نورست کایں نان ناں شدہ است　　فیض آں جانست کایں جاں جاں شدہ است

یعنی یہ روٹی جو روٹی ہوئی ہے یہ اسی نور کا عکس ہے۔ اور یہ جان جو جان ہوئی ہے یہ اسی جان کا پرتو ہے مطلب یہ کہ یہاں لذات دنیویہ جو لذیذ معلوم ہو رہی ہیں یہ اسی نور کا عکس ہے۔ ورنہ ان میں مقبولیت ذاتی نہیں ہے اور یہ روح طبی جو روح بنی ہے یہ اسی اصل کا سایہ ہے جو اسپر پڑا ہے ورنہ نہ یہ روح اصلی ہے اور نہ یہ لذات اصلی لذات ہیں جیسا کہ ظاہر ہے۔ لہذا ان میں انہماک کو ترک کر کے انکو حاصل کرو تو پھر یہ ہوگا کہ۔

چوں خوری یکبار از ماکول نور　　خاک ریزی بر سر نان تنور

یعنی جب تم ایک مرتبہ غذائے نوریں سے کہالوگے تو تنور کی روٹی پر خاک ڈالدوگے مطلب یہ کہ اگر ایک مرتبہ بھی اُس اصل غذا کا تو پھر تو تم ان لذات دنیا پر لات ماردوگے اور یہ تمھاری نظر میں بالکل ہیچ ہوجاوینگی۔ اور بزبان حال ان لذات دنیویہ سے تم یہ کہوگے کہ۔

عقل شیدا شد چہ خوانی ترہات　　راہ پیدا شد چہ یابی بے ثبات

یعنی عقل شیدا ہوچکی ہے (اے لذات دنیا) اب تم کیا بیہودہ بکتی ہو اور راستہ ظاہر ہوچکا ہے ابتو اسے بے ثبات کیا قائم ہوتی ہے۔ مطلب یہ کہ تم کو جب اسکا چسکا پڑجاویگا اور ایکمرتبہ مزا چکھ لوگے تو پھر تو ان لذات کو کہوگے کہ اب تو ہم کو راستہ ملگیا ہے اور ہمیں اصل شے ملگئی اب اپنی اس ملمع سازی کو الگ ہی رکھو پھر تو اگر کوئی تم سے کہے بھی کہ اسمیں لگو تب بھی انکار ہی کردگے۔ بس ایکدفعہ مزا چکھ لو پھر دیکھو کیا لطیف رہتے ہیں۔ آگے مولانا فرماتے ہیں کہ

عقل دو عقل است اول مکسبی　　کہ در آموزی چو در مکتب صبی

یعنی عقل کی دو قسمیں ہیں ایک تو عقل مکتسب جسکو کہ تم مکتب میں بچہ کی طرح سیکھتے ہو۔

از کتاب و استاد و فکر و ذکر　　از معانی و ز علوم خوب و بکر

یعنی کتاب سے اور استاد سے اور یاد کرنے سے اور سوچنے سے اور نئے اور عمدہ معانی اور علوم سے۔

عقل تو افزوں شود بر دیگراں　　لیک تو باشی ز حفظ آں گراں

یعنی تمھاری عقل دوسرے لوگوں پر زیادہ ہوجاتی ہے۔ لیکن تم اُسکی حفاظت سے مصیبت میں رہتے ہو۔

لوح حافظ باشی اندر دور گست　　لوح محفوظ است کوزیں در گذشت

یعنی تو ایک حفاظت کرنیوالی تختی (کیطرح) چلنے پھرنے میں رہتا ہے اور لوح محفوظ وہ ہے جو اس سے گذر گیا۔

عقل دیگر بخشش یزداں بود　　چشمۂ آں درمیان جاں بود

یعنی دوسری عقل وہبی ہوتی ہے کہ اسکا چشمہ جان کے اندر ہوتا ہے۔

چوں ز سینہ آب دانش جوش کرد　　نے شود گندہ نہ دیرینہ نہ زرد

یعنی جب سینہ میں سے پانی نے اور عقل نے جوش کیا تو نہ تو وہ گندہ ہوا اور نہ پرانا ہوا اور نہ خراب ہوا

ور رہ نبعش بود بستہ چہ غم　　کو ہمی جوشد ز خانہ دمبدم

یعنی اگر اُسکے اُبلنے کے راستہ بند ہوجاویں تو کیا غم ہے کیونکہ وہ تو گھر میں ہی سے ہر گھڑی جوش مار رہا ہے

عقل تحصیلی مثال جویہا　　کاں رود در خانۂ از کویہا

یعنی عقل مکتسب تو اُن ندیوں کی مثل ہے جو کسی گڑھے میں سے گھروں میں جارہی ہوں۔

راہ آبش بستہ شد شد بینوا　　تشنہ ماندہ زار و باصد ابتلا

یعنی اسکے پانی کا رستہ بند ہوگیا تو وہ مفلس اور پیاسی اور خراب اور بے نوا رہگئی۔

از درون خویشتن جو چشمہ را　　تا رہی از منت ہر ناسزا

یعنی اپنے اندر سے چشمہ کو تلاش کرتا کہ ہر نالائق کی خوشامد سے چھوٹ جاوے۔ مطلب یہ کہ مولانا فرماتے ہیں کہ عقل کی جو ہمنے مدح کی ہے اور عاقل کی تعریف خود حضورؐ نے بھی کی ہو تو سمجھ لو کہ عقل کی بھی دو قسمیں ہیں ایک تو عقل کسبی اور ایک عقل وہبی عقل کسبی تو وہ ہے جو کہ کتابیں پڑھنے سے مولوی صاحب سے سبق پڑھکر مکتب میں قاعدہ یاد کرکے مطالب و معانی کو سوچ کر حاصل کیجاوے۔ اور پھر دو بہر اس مشقت اور محنت سے بڑہا جاوے کہ لوگ کہیں کہ فلاں مولوی صاحب اچھے ہیں اور انکی استعداد اچھی ہے وغیرہ ذالک تو یہ شخص تو لوح حافظ ہے کہ اسکا جو علم ہے اسکا خود حافظ ہو کہ کتابیں دیکھتے رہو اور ونکو پڑہاتے رہو تب تو یہ موجود ہی اور علم ہے ورنہ اگر ذرا اسکی حفاظت سے غافل ہوئے اور یہ روانہ ہوا۔ تو اسکی حفاظت کی وجہ سے تو انسان کو بڑی بڑی دقتیں اٹھانا پڑتی ہیں تب یہ رہتا ہو اور اسی سے وہ عقل کسبی بھی رہتی ہے اور جب یہ جاتا رہا تو وہ بھی روانہ ہوگئی۔ دوسری عقل وہبی ہو جو کہ بذریعہ علوم وہبیہ کے حاصل ہوتی ہے کہ حق تعالیٰ کی عطا ہوتی ہے اور کسب وغیرہ کو اسمیں مطلق دخل نہیں ہوتا۔ اسکی یہ حالت ہے کہ ہردم قلب کے اندر سے چشمہ کی طرح ابلتے رہتے ہیں اور اگر ظاہری ذرائع تحصیل علوم کے مفقود بھی ہوجاویں تب بھی وہ علوم وہبیہ زائل نہیں ہوتے اور انکی وجہ سے جو عقل حاصل ہوئی تھی وہ بھی زائل نہیں ہوتی بلکہ ہردم اسمیں تو ترقی ہی ہوتی رہتی ہے۔ علم مکتسب اور عقل مکتسب کی تو ایسی مثال ہے کہ جیسے ایک ندی میں سے نالہ وغیرہ کاٹکر پانی لایا جاوے سو اگر اس ندی اور نالہ کے درمیان میں کوئی حائل آجاوے اور وہ نالہ جسمیں سے پانی آتا تھا بند ہوجاوے تو وہ نالہ خشک رہجاوے۔ اور پانی کا اسمیں ایک قطرہ بھی نہ رہے اسی طرح اگر علوم ظاہری کے تحصیل کے ظاہری ذرائع بند ہوجاویں تو یہ بھی روانہ ہوجاوے اور عقل وہبی اور علم وہبی کی کی مثال چشمہ جیسی ہے کہ جو زمین میں سے ابل رہا ہو اسکا پانی نہ کبھی ختم ہوتا ہے اور نہ خراب ہوتا ہے اگر اسکو پڑہانے والے میسر نہوں اور کتب بینی کا وقت نہ ملے تب بھی اسمیں کمی نہیں آتی۔ کیونکہ نہ وہ ظاہری ذرائع سے حاصل ہوا وہ نہ ان کے مفقود ہونے سے وہ گم ہوسکتا ہے لہذا اب تم کو چاہئے کہ کوشش کرکے اس عقل وہبی اور علم وہبی کو حاصل کرو اور وہ حاصل ہوتا ہے ذکر اللہ سے اور صحبت شیخ سے لہذا کسی شیخ کامل محقق متبع سنت کی صحبت اختیار کرو۔ اور اس سے فیض حاصل کرکے ان علوم کو حاصل کرو تاکہ پھر ہمیشہ خوش و خورم رہو اور حیات ابدی اور غذائے روحانی تمکو ملجاوے خوب سمجھ لو۔ اوپر عقل کی مدح اور بے عقلی

کی مذمت کی ہے۔ تو آگے ایک عاقل شخص کا قصہ بیان فرماتے ہیں جس سے عقل کی خوبی کا اندازہ ہوتا ہے

ایک شخص کا ایک شخص سے مشورہ کرنا اور اُس مشیر کا مستشیر سے کہنا کہ کسی اور سے مشورہ کر کیونکہ میں تیرا دشمن ہوں،

مشورت میکرد شخصے باکسے　　کز تردد وارہد وز محبسے

یعنی ایک شخص دوسرے سے مشورہ کرتا تھا تاکہ تردد اور قید (فکر) سے چھوٹ جاوے۔

گفت اے خوشنام غیر من بجوئے　　ماجرائے مشورت با او بگوئے

یعنی اُس مشیر نے کہا کہ اے اچھے نام والے میرے سوا کسی کو ڈھونڈھ اور مشورہ کا قصہ اس سے بیان کر

من عدوم مر ترا با من مپیچ　　نبود از رائے عدو فیروز ہیچ

یعنی میں تیرا دشمن ہوں میری ساتھ مت لپٹ (کیونکہ) دشمن کی رائے سے کوئی فلاح نہیں ہوتا۔

رو کسے جو کہ ترا او ہست دوست　　دوست بہر دوست لاشک خیر جوست

یعنی جا اُس شخص کو تلاش کر جو کہ تیرا دوست ہو (کیونکہ) دوست دوست کا بیشک خیر خواہ ہوتا ہے،

من عدوم چارہ نبود کز منی　　کژ روم با تو نمایم دشمنی،

یعنی میں تو دشمن ہوں تو مجھسے کچھ بعید نہیں ہو کہ نفسانیت کی وجہ سے تیری ساتھ کجروی اور دشمنی کروں

حارسی از گرگ جستن شرط نیست　　جستن از غیر محل ناجستنے است

یعنی بھیڑیئے سے نگہبانی کو تلاش کرنا مناسب نہیں ہو اور غیر محل سے ڈھونڈھنا (گویا کہ) نہ ڈھونڈھنا ہی مطلب یہ کہ اُس نے کہا کہ تم اگر یہ چاہو کہ گرگ پاسبانی کرے تو اُس سے یہ امید رکھنا بالکل فضول ہے۔ اسی طرح جس چیز کا جو محل ہے اُسکے علاوہ اور کہیں سے اُسکو طلب کرنا ایسا ہے کہ گویا بالکل تلاش ہی نہیں کیا۔ تو چونکہ میں تیرا دشمن ہوں میں تیرے لئے محل خیر خواہی نہیں ہوں مجھسے خیر خواہی کا امیدوار ہونا سخت غلطی ہے اور اُس نے کہا کہ۔

من ترا بے ہیچ شکے دشمنم　　من ترا کے رہ نمایم رہزنم

یعنی میں تیرا بلا شبہ و شک دشمن ہوں میں تجھے راہ کب دکھلاؤنگا میں تو رہزنی کروں گا۔ آگے مولانا فرماتے ہیں کہ۔

ہر کہ باشد ہمنشین دوستاں　　ہست در گلخن میان بوستاں

یعنی جو شخص کہ دوستوں کا ہمنشیں ہو وہ بہار میں باغ کے اندر ہے مطلب یہ کہ جو دوستوں میں بیٹھنے والا اور انکا ہمنشیں ہے وہ اگر بظاہر کلفت میں بھی ہے تب بھی اُسکو اطمینان باطن ایسا حاصل ہے کہ گویا کہ وہ باغ میں موجود ہے۔

ہر کہ با دشمن نشیند در زمن　　ہست او در بوستاں در گولخن

یعنی جو شخص کہ زمانہ میں دشمن کے ساتھ بیٹھے وہ باغ میں ہوتے ہوئے بھاڑ میں ہے۔ مطلب یہ کہ جس کے ہمنشیں اسکے دشمن ہوں اُسکو بظاہر اگر اطمینان بھی حاصل ہو تب بھی وہ گویا کہ مصیبت ہی میں ہے۔ آگے نصیحت فرماتے ہیں کہ۔

دوست را مازار از ما و منت　　تا نگردد دوست خصم و دشمنت

یعنی دوست کو بوجہ کبر و منی کے ستا و مت تاکہ دوست تمہارا انقابل اور دشمن نہو جاوے۔

خیر کن با خلق بہر ایزدت　　یا برائے راحت جان خودت

یعنی مخلوق کے ساتھ اپنے خدا کے واسطے بھلائی کر یا اپنی جان کی راحت کیلئے کر۔

تا ہمہ را دوست بینی در نظر　　در دلت ناید ز کیں ناخوش صور

یعنی تاکہ تو نظر میں سبکو دوست دیکھے اور تیرے دل میں کینہ کی وجہ سے کوئی بری صورت نہ آوے۔ مطلب یہ کہ لوگوں کی ساتھ بھلائی کرو یا تو یہ سمجھکر کہ ثواب ملیگا اور خدا راضی ہوگا یا یہ سمجھکر کہ اگر ہم بھلائی کریں گے تو لوگ ہمارے دوست رہیں گے اور ہمیں راحت رہے گی غرض ہر طرح بھلائی کرنا ضروری ہے پھر جب بھلائی کروگے تو سب کے سب تمکو دوست ہی دوست نظر آویں گے اور کوئی بھی دشمن نہ رہے گا۔

چونکہ کردی دشمنی پرہیز کن　　مشورت با یار مہر انگیز کن

یعنی جبکہ تو نے دشمنی کرلی تو بچ اور مشورہ کسی محبت والے دوست سے کر (ان سب باتوں کو سنکر وہ مستشیر بولا کہ)

گفت من دانم ترا اے بوالحسن　　کہ توئی دیرینہ دشمن دار من

یعنی اس مستشیر نے کہا کہ اے بوالحسن میں جانتا ہوں کہ تو مجھکو پرانا دشمن رکھنے والا ہے۔

لیک مردے عاقلی و معنوی　　عقل تو نگذاردت کہ کجروی

یعنی لیکن تو ایک عاقل اور صاحب باطن آدمی ہے تو عقل تجھے نہیں چھوڑتی ہے کہ تو کج چلے۔

طبع خواہد تا کشد از خصم کیں　　عقل بر نفس است بند آہنیں

یعنی طبیعت چاہتی ہے کہ مقابل سے کینہ نکالے (مگر) عقل نفس پر ایک قید سخت ہے۔

آید و منعش کند وادارد ش، عقل چوں شحنہ است در نیک و بدش

یعنی آتی ہے اور اسکو روکتی ہے اور باز رکھتی ہے اور عقل نفس کے نیک و بد میں کوتوال کی طرح ہے۔ مطلب یہ کہ اُس مستشیر نے کہا کہ یہ تو مجھے معلوم ہے کہ تو میرا ایک مدت سے دشمن ہے مگر ساتھ ہی اسکے یہ بھی جانتا ہوں کہ تو ایک عاقل شخص ہے طبعی تقاضا تو تجھے بھی ضرر رسانی کا ہوتا ہے مگر تیری عقل اُس تقاضا پر نفس کو عمل نہیں کرنے دیتی اور روک لیتی ہے لہذا اگر تو مجھے مشورہ دیگا تو باوجود دشمن ہونے کے اسمیں کوئی ایسی بات عمداً نہیں کہہ سکتا جو مجھے ضرر رساں ہو تیری عقل جو نفس پر حاکم ہے وہ تجھے ہرگز ایسا نہ کرنے دیگی۔ قصہ تو ختم ہوا اب آگے مولانا فرماتے ہیں کہ۔

عقل ایمانی چو شحنہ عادل است، پاسبان و حاکم شہر دل است

یعنی عقل ایمانی عادل کوتوال کی طرح ہے کہ شہر دل کی حاکم اور پاسبان ہے۔

ہمچو گربہ باشد او بیدار ہوش، دزد در سوراخ ماند ہمچو موش

یعنی بلی کی طرح وہ بیدار ہوش رہتی ہے اور چور چوہے کی طرح سوراخ میں رہتا ہے۔ مطلب یہ کہ عقل ایمانی دل کی حاکم اور اسکو بُری باتوں سے روکنے والی ہے جیساکہ حاکم عادل ہوتا ہے کہ وہ سبکو بُرے کاموں سے باز رکھتا ہے اور اسکی مثال ایسی ہے جیسے کہ بلی۔ جسطرح بلی کے ڈر کے مارے چوہے نہیں نکلتے بلکہ سوراخ کے اندر ہی گھُسے رہتے ہیں اسی طرح عقل ایمانی کے ہوتے ہوئے ملکات ذمیمہ سب مضمحل اور مثل فانی کے ہوجاتے ہیں اور اُن میں کوئی زور نہیں رہتا۔

در ہر آنجا کہ برآرد موش دست، نیست گربہ در بود او مردہ است

یعنی جسجگہ کہ چوہے ہاتھ نکالیں تو (معلوم ہوا کہ وہاں) بلی نہیں ہے اور اگر ہے تو وہ مردہ ہے مطلب یہ کہ جہاں دیکھو کہ اخلاق ذمیمہ کا غلبہ ہے وہاں سمجھ لو کہ یا تو عقل ایمانی اور نور ایمانی بالکل ہی نہیں ہے اور اگر ہوگی بھی تو سمجھ لو کہ بالکل مردہ اور مضمحل اور کمزور ہے کہ جسکا کوئی اثر ہی نہیں ہے۔ یہاں تو عقل ایمانی کو گربہ سے تشبیہ دی تھی آگے ترقی کرکے فرماتے ہیں کہ۔

گربہ چہ شیر شیر افگن بود، عقل ایمانی کہ اندر تن بود

یعنی بلی کیا وہ تو شیر شیر کو پچھاڑنے والی ہوتی ہے وہ عقل ایمانی جو کہ بدن کے اندر ہو۔ مطلب یہ کہ اگر انسان کے اندر عقل ایمانی اور نور ایمانی ہو تو اُسکی تو مثال شیر جیسی ہے اور شیر بھی ایسا قوی کہ جو شیروں کو پچھاڑ دے تو عقل ایمانی اور نور ایمانی کے آگے بڑے بڑے رذیلہ کی بھی کوئی حقیقت نہیں ہے اُن کے

ہوتے ہوئے ان چیزوں کا تو کہیں پتہ ہی نہیں رہتا۔ اور اسکی یہ حالت ہوتی ہے کہ۔

غرۂ او حاکم درندگاں　　　　نعرۂ او مانع چرندگاں

یعنی اسکی غراہٹ درندوں کی حاکم ہوتی ہے اور اسکا نعرہ چرندوں کو روکنے والا ہوتا ہے (درندگان سے مراد قوئ غضبیہ ہیں اور چرندگان سے مراد قوی شہویہ ہیں) مطلب یہ کہ اُس عقل ایمانی کی یہ شان ہوتی ہے کہ اُسکے آگے نہ قوئ غضبیہ کا زور چلتا ہے اور نہ قوئ شہویہ کوئی چیز رہتے ہیں بلکہ سب مضمحل الوجود اور فانی ہوجاتے ہیں۔

شہر پر دزدست و پر جامہ کنے　　　　خواہ شحنہ باش گو و خواہ نے

یعنی شہر چوروں اور اچکوں سے بھرا ہوا ہے خواہ کوتوال ہو اور خواہ نہو۔ مطلب یہ کہ اخلاق ذمیمہ ہر شخص کے اندر موجود ہیں خواہ نور ایمانی اور عقل ایمانی اُسکے اندر ہو یا نہو۔ ہاں اسقدر فرق ہے کہ اگر نور عقل ایمانی ہوگا تو وہ اخلاق ذمیمہ سب دبے رہیں گے اور اگر نہوگا تو شور کریں گے ورنہ کوئی اس سے خالی نہیں ہے۔

عقل در تن حاکم ایماں بود　　　　کہ ز بیمش نفس در زنداں بود

یعنی عقل بدن میں حاکم ایمانی ہوتا ہے کہ اُسکے خوف کی وجہ سے نفس قیدخانہ میں ہوتا ہے۔ مطلب یہ کہ اگر عقل ہے تو پھر نفس کا قابو اور زور نہیں چل سکتا۔ بالکل مغلوب اور مضمحل رہتا ہے اب چونکہ عقل کی تعریف کی تھی اور نفس کشی کیلئے عقل کی ضرورت تھی اور بدون اذن و مدد حق کے ہل نہیں سکتی تو اب آگے مضطر ہوکر مناجات کرنے لگے کہ۔

عقل عقل و جان جاں اے جان توئی　　　　عقل و جان خلق را سلطان توئی

یعنی اے جان عقل العقل اور روح الروح آپ ہی ہیں اور مخلوق کی عقل اور جان کے آپ ہی سلطان ہیں۔

عقل کل سرگشتہ و حیران تست　　　　کل موجودات در فرمان تست

یعنی عقل کل آپ ہی کی سرگشتہ اور حیران ہے اور کل موجودات آپ ہی کے حکم میں ہیں مطلب یہ کہ اے الٰہ العالمین آپ ہی عقل العقل ہیں اور آپ ہی روح الروح ہیں آپکے آگے یہ تمام عقول اور مخلوقات بالکل ہیچ ہیں آپ کی مدد سے کچھ ہو سکتا ہے ورنہ ہم تو بالکل بیکار اور محض فضول ہیں آپ مدد فرمایئے اور عقل ایمانی نصیب فرمایئے تاکہ یہ نفس سرکش کچھ زیر ہو والسلام۔

تمام شد ربع ثانی از کلید مثنوی دفتر چہارم

فالحمد للہ ثم الحمد للہ

احقر شبیر علی عفی عنہ تقبل اللہ منہ

عارف باللہ حضرت مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ کی نادر روزگار،
اور معرکہ آرا کتاب "مثنوی معنوی" کی جامع اور لاجواب شرح

کلیدِ مثنوی

حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہ

15

یہ وہ مقبول خاص و عام کتاب ہے کہ خواندہ ناخواندہ سب ہی اس سے دلچسپی لیتے ہیں مگر مضامین عالیہ ہونے کی وجہ سے مطالب سمجھنے میں بڑی دقت پیش آتی ہے اور بعض اوقات نوبت الحاد و زندقہ تک پہنچ جاتی ہے، حضرت حکیم الامت نے اشعارِ مثنوی کو واضح کر کے اور مسائل تصوف کو عام فہم بنا کر نہایت خوبی سے سمجھا دیا ہے حقیقت یہ ہے کہ اس سے معتبر اور شریعت و طریقت کا پاس و ادب رکھ کر مضامین کو حل کرنے والی کوئی اور شرح نہیں لکھی گئی

ادارۂ تالیفاتِ اشرفیہ
بیرون بوہڑ گیٹ
ملتان

عارف باللہ حضرت مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ کی نادر روزگار
اور معرکہ آراء کتاب مثنوی معنوی کی جامع اور لاجواب اُردو شرح

کلیدِ مثنوی

از:

حکیم الامۃ مجدد الملۃ حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہ

جلد ۱۵

یہ وہ مقبول خاص و عام کتاب ہے کہ خواندہ، ناخواندہ سب ہی اس سے دلچسپی لیتے ہیں۔ مگر مضامین عالیہ ہونے کی وجہ سے مطالب سمجھنے میں بڑی دقت پیش آتی ہے اور بعض اوقات نوبت الحاد و زندقہ تک پہنچ جاتی ہے۔ حضرت حکیم الامت نے اشعار مثنوی کو واضح کر کے اور مسائل تصوف کو عام فہم بنا کر نہایت خوبی سے سمجھا دیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس سے معتبر اور شریعت و طریقت کا پاس ادب رکھ کر مضامین کو حل کرنیوالی اور کوئی شرح نہیں لکھی گئی۔

ادارہ تالیفاتِ اشرفیہ
بیرون بوہڑ گیٹ • ملتان

ربع ثالث دفتر رابع

قال تعالیٰ کما ارسلنا فیکم رسولا منکم یتلوا علیکم اٰیٰتنا ویزکیکم ویعلمکم الکتٰب والحکمۃ ویعلمکم ما لم تکونوا تعلمون

چوں در کریمۂ صدر قولہ یتلوا ویعلمکم الکتٰب بر فضل علم نظم و معنی و قولہ یزکیکم بر شرف علم کلام و عقائد و علم سلوک و قولہ والحکمۃ بر مزیت علم اسرار و علم اصول دال باد ضع بیان رسیدہ ازاں خبر و بودن تصوف کہ مشتمل بر سلوک و اسرار است از علم دین نیک عیاں ست و باتفاق اہل مذاق مثنوی را در کتب ایں فن خاص شان ست لاکن از اغلاقش محتاج تبیان ست بنا بر علیہ ایں شرح اردو کہ معنونش را

کلید مثنوی

عنوان ست ایں ربع ثالث از دفتر رابع ازاں ست (بالفاظ و عبارت (مولوی) شبیر علی و مولوی حبیب احمد سلمہا اللہ کہ ہر یکے از ایشان برائے صاحب معانی یعنی حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب دام ظلہم بمنزلہ لسان و ترجمان ست) در اصل متن را چناں حل کردہ کہ نہایت امکان ست و مسائل را بطورے تقریر نمودہ کہ ہم موافق تحقیق اہل اتقان و ہم مطابق حدیث و قرآن ست و اشکالات و اغلاط را بطرزے دور ساختہ کہ مورث اطمینان و امان و جابجا ملفوظات سیدنا الحاج محمد امداد اللہ رحمہ کہ مطرب آذان و منشط اذہان ست ہم در و بیش مطابق نمودہ

حسب فرمایش

محمد شبیر علی مالک اشرف المطابع تھانہ بھون ضلع مظفر نگر با طبع رسید

کلید مثنوی ربع ثالث شرح دفتر چہارم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شرح حبیبی

امیر گردانیدن رسول علیہ السلام جوان ہذیلی را بر سریہ کہ دراں پیران وجنگ آزمودگان بودند،

یک سریہ می فرستادے رسول ۔۔۔ بہر جنگ کافر و دفع فضول

یک جوانے را گزیدا و از ہذیل ۔۔۔ میر لشکر کردش و سالار خیل

اصل لشکر بیگماں سرور بود ۔۔۔ قوم بے سرور تن بے سر بود

ایں ہمہ کہ مردۂ و پژمردۂ ۔۔۔ زاں بود کہ ترک سرور کردۂ

از کسل وز بخل وز ما و منی ۔۔۔ می کشی سر خویش را اے سر کنی

ہمچو استورے کہ بگریزد ز بار ۔۔۔ او سر خود گیرد اندر کوہسار

صاحبش در پے دواں کائے خیرہ سر ۔۔۔ ہر طرف گرگیست اندر قصد خر

عـہ یہ ربع ثالث کلید مثنوی دفتر چہارم کا شرح شبیری سے خالی ہے اسی طرح ربع رابع بھی سو ان دونوں ربع میں صرف شرح حبیبی ہے اسی طرح دفتر پنجم کا ربع ثانی وثالث ورابع۔ اسکا صرف ربع اول دونوں شرحوں پر مشتمل ہے جسکی وجہ یہ ہوئی کہ دفتر چہارم کے ربع ثالث ورابع کے اور اسی طرح دفتر پنجم کے ربع ثانی وثالث ورابع کے درس کا اتفاق نہیں ہوا چنانچہ یہ امر تمہید کلید مثنوی دفتر خامس کے ایک منہیہ سے اجمالاً ظاہر ہے اور شرح شبیری درس ہی کے تابع تھی اسی بناء پر تناسب حجم کے لحاظ سے میں مہتمان طبع کو مشورہ دیتا ہوں کہ چہارم کے ان دونوں ربع کو اور اسی طرح پنجم کے ربع ثانی وثالث کو یکجا طبع کرنا مناسب ہے اور پنجم کے ربع رابع کی ساتھ احقر کے رسالہ المفتاح المعنوی کو جسمیں بعض دفاتر کے بعض مقامات کا حل ہے یکجا کر کے طبع کرنا مناسب ہے فقط اشرف علی عفی عنہ

گر ز چشم ایں زماں غائب شوی ، | پیشت آید ہر طرف گرگ قوی
استخوانت را نخاید چوں شکر | کہ نہ بینی زندگانی را دگر
آں مگیر آخر بمانی از علف | آتش از بے ہیزمے گردد تلف
ہیں بمگریز از تصرف کردنم | وز گرانباری کہ جان تو منم
تو ستوری ہم کہ نفست غالب است | حکم غالب را بود اے خود پرست
خر نخواندت اسپ خواندت ذوالجلال | اسپ تازی را عرب گوید تعال
میر آخر بود حق را مصطفےٰ | بہر استوران نفس پر جفا
قل تعالوا گفت از جذب کرم | تا ریاضت تاں دہم من رائضم
نفسہا را تا مروض کردہ ام | زیں ستوراں بس لگدہا خوردہ ام
ہر کجا باشد ریاضت بارہٗ | از لگدہائش نباشد چارہٗ
لاجرم اغلب بلا بر انبیا است | کہ ریاضت دادن خاماں بلا است
سکسکا نید از دمم یرغا روید | تا یوا اشش و مرکب سلطان شوید
قل تعالوا قل تعالوا گفت حق | اے ستوران ملول اندر سبق
قل تعالوا قل تعالوا گفت رب | اے ستوران رمیدہ از ادب
قل تعالوا قل تعالوا گفت حے | اے ستوران فسردہ رگ و پے
گر نیایند اے نبی غمگیں مشو | زاں دو بے تمکیں تو پر از کیں مشو
گوش بعضے زیں تعالوہا کر است | ہر ستورے را صطبلے دیگر است
منہزم گردند بعضے زیں ندا | ہست ہر اسپے طویلہ او جدا

منقبض گردند بعضے زین قفص — زانکہ ہر مرغے جدا دارد قفص

خود ملایک نیز ناہمتا بدند — زین سبب بر آسمان صف صف شدند

کودکان گرچہ بیک مکتب درند — در سبق ہر یک زیک بالاترند

مشرقی و مغربی را حسہا ست — منصب دیدار حس چشم راست

صد ہزاران گوشہا گر صف زنند — جملہ محتاجان چشم روشن اند

باز صف گوشہا را منصبے — در سماع جان و اخبار بنے

صد ہزاران چشم را آں راہ نیست — ہیچ چشمے از سماع آگاہ نیست

ہمچنیں ہر حس یکے یک می شمر — ہر یکے معزول زان کار دگر

پنج حس ظاہر و پنج اندروں — در صف اند اندر قیام الصافون

ہر کسے کو از صف دیں سرکش است — میرود سوئے صفے کان ناخوش است

تو ز گفتار تعالوا کم مکن — کیمیائے بس شگرفست ایں سخن

گر کسے گردد ز گفتارت نفیر — کیمیا را ہیچ از وے وا مگیر

ایں زمان گر بست نفس ساحرش — گفت تو سودش کند در آخرش

قل تعالوا قل تعالوا اے غلام — ہیں کہ ان اللہ یدعوا الی السلام

خواجہ باز آ از منی و از سری — سروری جو کم طلب کن سروری

اوپر سے مولانا فضیلت عقل بیان فرما رہے تھے۔ اس بیان سے بھی یہی مقصود ہے جب مقصود کلام معلوم ہو گیا تو اب حل کلام سنو۔ مولانا فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کفار کی سرکوبی اور انکی بیہودگی دفع کرنے کیلئے ایک دستہ فوج روانہ فرمانا چاہتے تھے اسکی سری کیلئے آپ نے قبیلہ ہذیل کے ایک جوان کو منتخب کیا اور اسکو اس لشکر کا افسر اور اس گروہ کا سردار

مقرر فرمایا اور سردار مقرر کرنے کی وجہ یہ تھی کہ لشکر کی قوت کا مدار افسر ہی پر ہوتا ہے اور جو جماعت بے سردار ہو وہ ایسی ہے جیسے بے سر کا جسم جو کسی کام کا نہیں ہوتا۔ یہاں سے مولانا مضمون ارشادی کی طرف انتقال فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اے مخاطب کا ئنامن کان تو جو مردہ اور پژمردہ ہے اسکی وجہ یہی ہے کہ تو کسی سردار کا ماتحت اور کسی شیخ کا دامن تھامے ہوئے نہیں ہے بلکہ کاہلی اور بخل اور نفسانیت کے سبب سرکشی کرتا ہے اور خود اپنے کو اپنا ہی یا دوسروں کا بھی سردار بناتا ہے (یعنی تیری خودسری کا منشا تین امور ہیں اول کاہلی کیونکہ کسی کا مطیع ہو کر کام کرنا پڑیگا۔ جو کہ عدم اطاعت کی حالت میں نہیں کرنا پڑتا۔ دوم بخل کیونکہ اطاعت کی صورت میں مطلوبات خسیسہ کو چھوڑنا پڑیگا جنکو عدم اطاعت کی صورت میں نہیں چھوڑنا پڑتا۔ تیسری خودی کیونکہ اطاعت کی صورت میں اپنے کو مٹانا پڑیگا جو کہ عدم اطاعت کی صورت میں نہیں کرنا پڑتا) پس تیری ایسی مثال ہے جیسے ایک گھوڑا بوجھ کے خوف سے پہاڑوں میں بھاگ جاوے اور خودسر ہو جاوے اور اسکا مالک اسکے پیچھے دوڑتا ہو اور کہتا ہو کہ اے دیوانہ پہاڑوں میں ہر طرف بھیڑیئے ہیں۔ جو تجھے گدہوں کے فکر میں ہیں پس اگر تو اسوقت میری نظر سے غائب ہو جاویگا تو ہر طرف تجھے ایک مضبوط بھیڑیئے کا سامنا ہوگا اور وہ تجھے شکر کی طرح سے یوں مزہ لے لیکر کھاویگا کہ پھر تجھے زندگی کی صورت نظر نہ آئیگی اگر یہ بھی نہو تو کم سے کم یہ تو ہوگا کہ تجھے چارہ نہ ملے گا اور تو بدون غذا کے مرجاویگا۔ جیسے بے ایندہن کے آگ فنا ہو جاتی ہے۔ دیکھ تو میرے تصرف کرنے سے اور بوجھ کی گرانی سے نہ بھاگ۔ کیونکہ میں تیری جان کا محافظ ہوں۔ اسلئے گویا کہ تیری جان ہوں اور میرا تصرف تیرے اندر ایسا ہے جیسا جان کا تصرف جسم میں اسلئے مجھسے بھاگنا گویا کہ اپنی جان سے بھاگنا ہے۔ پس تو بھی ایک گھوڑا ہے کیونکہ تیرا نفس تجھ پر غالب ہے جو کہ سرکشی اور قابلیت تربیت و اصلاح میں گھوڑے کے مشابہ ہے اور حکم غالب پر ہوتا ہے اسلئے تو گھوڑا ہی ہے۔ ہمنے تجھے گھوڑا کہا اور گدہا نہیں کہا اسکی وجہ یہ ہے کہ حق سبحانہ نے تجھے گدہا نہیں کہا بلکہ گھوڑا کہا ہے (اور منشا اسکا وہی ہے جو ہم بیان کر چکے ہیں کہ گھوڑا گو سرکش ہوتا ہے مگر قابل تربیت و اصلاح ہوتا ہے برخلاف گدہے کے) رہی یہ بات کہ حق سبحانہ نے تجھے گھوڑا کیسے کہا ہے اسکی وجہ یہ ہے کہ عرب جب عربی گھوڑے کو بلاتے ہیں تو کہتے ہیں تعال تعال اور حق سبحانہ نے جب تجھکو بلایا ہے تو لفظ تعال استعمال کیا ہے۔ اور چونکہ جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اسکی

طرف سے ان گھوڑوں یعنی نفوس ظالمہ کے سدھانے کیلئے سردار مقرر کئے گئے ہیں اسلئے اس نے جذب کے سبب جسکا منشا فضل محض ہے ان سے فرمایا ہے کہ اپنے گھوڑوں سے کہدو تعالوا اتل ماحرم علیکم جسکا حاصل یہ ہے کہ تم میری طرف آؤ تاکہ میں تمہیں سدھاؤں کیونکہ میں تمھارا سدھانے والا ہوں چونکہ جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو ان گھوڑونکی سدھانے کی خدمت تفویض ہوئی تھی اسلئے آپنے انہیں جہاںتکہ ممکن سدھایا اور یہ فرمایا کہ جسوقت سے میں نے اصلاح نفوس اور انکو شایستہ کرنیکی خدمت انجام دینی شروع کی ہے اسوقت سے اسوقت تک میں ان گھوڑونکی بہت سی لاتیں کھاچکا ہوں اور ایسا ہونا بھی چاہئے تھا کیونکہ قاعدہ ہے کہ جہاں کہیں زیر تربیت گھوڑا ہوتا ہے اسکی لاتیں کھانی ہی پڑتی ہیں (ف ریاضت بارہ بمعنی بارہ ریاضت۔ اے اسپیکہ مروض کردہ میشود پس بارہ بمعنی اسپ ہے اور اضافت مقلوبی بادنی ملابست ہے۔ اور محشین نے بارہ کے معنی خود خصلت یا دوست یا طرز و روش کیلئے ہیں اے کسیکہ دوست ریاضت کردن یا خود خصلت اور ریاضت کردن یا طرز و روش اور یاضت کردن باشد واللہ اعلم) یہی وجہ ہے کہ زیادہ مصیبت انبیا کو ہے کیونکہ انکو ناقصین کے شایستہ کرنے کی خدمت سپرد ہوتی ہے اور ناقصین کو شائستہ کرنا ایک مصیبت ہی نیز آپنے فرمایا ہے کہ اے گھوڑو تم بے راہ ہو آؤ مجھسے تعلیم حاصل کرو۔ تاکہ اول تم رہوار ہو جاؤ اور اسکے بعد شاہی سواری کے لائق ہو جاؤ یعنی اسوقت تم گمراہ ہو۔ میری تعلیم سے اول تم مطلق مومن یا مومن کامل ہو گے اسکے بعد تم مومن کامل یا اکمل ہو جاؤ گے (ف تشقیق اختلاف احوال پر مبنی ہے اور مرکب سلطان عطف تفسیری ہے یواش کیلئے) اے سبقت الی العاقبۃ سے دل تنگ گھوڑو سا اور اے شایستگی سے بھاگے ہوئے گھوڑو اور اے رگ و پے سے کھڑے ہوئے گھوڑو میں تمھیں اسلئے بلاتا ہوں کہ حق سبحانہ نے مجھے حکم دیا ہے اور فرمایا ہے کہ تم ان سے کہو کہ آؤ اور شایستگی سیکھو۔ لیکن اسکے ساتھ ہی یہ بھی فرمادیا ہے کہ اگر یہ نہ آئیں تو آپ رنج نکریں اور ان چند بیہودہ لوگوں کے نہ آنے سے مکدر نہوں اور یہ نہ آنے والے تین قسم کے لوگ ہیں۔ کچھ تو بہرے ہیں اسلئے وہ سنتے ہی نہیں اور کچھ سنتے ہیں مگر سنکر بھاگتے ہیں اور کچھ ایسے ہیں جو بھاگتے تو نہیں مگر منقبض ہوتے ہیں اور بشاشت کے ساتھ آپ کی دعوت کو قبول نہیں کرتے۔ (میرے نزدیک بہرے لوگ تو وہ ہیں جو نہ آپ کی موافقت کرتے ہیں اور نہ مخالفت اور بھاگنے والے وہ ہیں

جو مزاحمت کرتے ہیں اور منقبض وہ لوگ ہیں جو کسی غرض دنیوی سے آپکی دعوت کو قبول فرماتے ہیں) اور وجہ اس اختلاف کی یہ ہے کہ ان گھوڑوں میں سے ہر ایک کیلئے جدا اصطبل ہے اور ان جانوروں میں سے ہر ایک کیلئے علیحدہ پنجرہ ہے یعنی ہر ایک کیلئے ایک جداگانہ حالت مقدر ہے جسپر وہ باختیار خود قائم رہیگا۔ اور اس سے آگے نہ بڑھیگا۔ اور یہ اختلاف احوال کچھ انسانوں ہی کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ فرشتے بھی سب یکساں نہیں ہیں۔ اسی سبب سے ان کے مراتب میں بھی اختلاف ہے۔ کہ کچھ اگلی صف میں ہیں اور کچھ اس سے پچھلی میں وھکذا۔ ہم اس مضمون کو ایک مثال حسی سے ثابت کرتے ہیں۔ دیکھو لڑکے ایک مکتب میں ہوتے ہیں اور سب تحصیل علم میں مشغول ہوتے ہیں اور اپنی مقدور بھر اسمیں کمی نہیں کرتے۔ مگر سبق میں پھر بھی ایک دوسرے سے آگے پیچھے ہوتے ہیں اسکی وجہ نقصان وکمال استعداد فطری ہی ہے۔ علی ہذا تمام اہل مشرق و مغرب مستعد حواس رکھتے ہیں مگر دیکھنا آنکھ ہی کا کام ہے۔ چنانچہ اگر لاکھوں کان بھی مجتمع ہو جاویں تو یہ کام نہ دے سکیں گے۔ اور اسمیں آنکھ ہی کے محتاج رہیں گے۔ علی ہذا کانوں کی صف کا استماع حال و اخبار قرآنیہ کے بارہ میں ایک خاص منصب ہے جس تک لاکھوں آنکھوں کی رسائی نہیں کیونکہ دیکھ سننا نہیں جانتی پس تم اسی طرح ایک ایک حس کو گن جاؤ اور اُسکو دوسری حس کی کام سے معزول سمجھو غرض کہ پانچ حواس ظاہری ہیں اور پانچ باطنی اور سب کے سب ایک ایک صف میں صف بستہ کھڑے ہیں یہ تفاوت و اختلاف کیوں ہے محض اختلاف استعدادات کے سبب بس یہی حالت لوگوں کی ہے اور وہ مختلف صفوں میں کھڑے ہیں اور اپنی صف کے علاوہ دوسری صف سے کوئی واسطہ نہیں رکھتے اسی لئے جو شخص صف اہل دین سے برگشتہ ہے وہ اسی صف میں جائیگا جو اچھی نہیں ہے یعنی صف اہل دنیا میں مگر تم بلانے میں کمی نکرو اور آؤ آؤ کہے جاؤ کہ یہ کلام عجیب کیمیا اثر ہے۔ پس اگر تا بناز ناقصین) آپکے اس قول سے بھاگے تو آپ اس کیمیا اثر کلام سے اس سے دریغ نکریں کیونکہ گو اسکا نفس جادو گر اسوقت بھرا ہے لیکن ایک وقت میں اسے فائدہ دیگا خواہ اسکے بعض افراد ہی کو دے مگر دیگا ضرور۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ اسکے کسی فرد کو بھی مفید نہو) پس آپ انہیں ہدایت کی طرف بلائے دیکھئے ہم انہیں سلامتی کے ساتھ بلاتے ہیں اسلئے آپ بھی ہمارا اتباع کیجئے۔ اب مولانا فرماتے ہیں کہ اے شخص جب تجھے یہ مضمون معلوم ہو گیا تو

تخودی اور سرداری سے باز آ اور سرداری طلب مت کر بلکہ کوئی سردار ڈھونڈھ اور اسکا اتباع کر خیر یہ مضمون تو استطرادی تھا اب اصل قصہ سنو۔

اعتراض کردن معترضے بر رسول ﷺ را امیر گردانیدن ہذیلی

چون پیمبر سرورے کرد از ہذیل　　از برائے لشکر منصور خیل

بوالفضولے از حسد طاقت نداشت　　اعتراض ولا نسلم بر فراشت

خلق را بنگر کہ چون ظلمانی اند　　در متاع فانیے چون فانی اند

از تکبر جملہ اندر تفرقہ　　مردہ از جان زندہ اندر مخرقہ

این عجب کہ جان بزندان اندر است　　وانگہے مفتاح زندانش بدست

پائے تا سر غرق سرگین ایچنان　　میزند بر دامنش جوئے روان

دائما پہلو بہ پہلو بیقرار　　پہلوئے آرامگاہ و پشت دار

نور پنہانست جست و جو گواہ　　گر گزاف دل نمی جوید پناہ

گر نبودے حبس دنیا را مناص　　نے بدے وحشت نہ دل جستے خلاص

وحشتت ہمچون موکل مے کشد　　کہ بجو اے ضال منہاج رشد

ہست منہاج و نہاں در مکمن است　　یافتش رہن گزافہ جستن است

تفرقہ جویائے جمع اندر کمین　　تو درین طالب رخ مطلوب بین

مردگان باغ بر جستہ ز بن　　کان دہندت زندگی را فہم کن

چشم این زندانیان ہر دم بدر　　کے بدے گر نیستے کس مژدہ ور

صد ہزار آلودگان آب جو　　کے بدندے گر نبودے آب جو

بر زمین پہلوت را آرام نیست ‌‌ ‌ زانکہ در خانہ لحاف و بستر نیست

بے مقر گاہے نباشد بیقرار ‌ ‌ بے خمار اشکن نباشد این خمار

گفت نے نے یا رسول اللہ مکن ‌ ‌ سرور لشکر مگر شیخ کہن

یا رسول اللہ جوان ارشیر زاد ‌ ‌ غیر مرد پیر سر لشکر مباد

ہم تو گفتستے و گفت تو گوا ‌ ‌ پیر باید پیر باید پیشوا

یا رسول اللہ درین لشکر نگر ‌ ‌ ہست چندین پیر و از وے پیشتر

زین درخت آن برگ زردش را مبین ‌ ‌ سیبہائے پختۂ او را بچین

برگہائے زرد او خود کے تہی است ‌ ‌ این نشان پختگی و کاملی است

برگ زرد ریش و آن موی سپید ‌ ‌ بہر عقل پختہ می آرد نوید

برگہائے نورسیدہ سبز فام ‌ ‌ شد نشان آنکہ آن میوہ است خام

برگ بے برگی نشان عارفی است ‌ ‌ زردی از سرخروئی صیرفی است

آنکہ او گل عارضست و نو خط است ‌ ‌ او بمکتب گاہ مخبر نو خط است

حرفہائے خط او کژ مژ بود ‌ ‌ ہر من عقل اگر تن می دود

پائے پیر از سرعت ار چہ باز ماند ‌ ‌ یافت عقل او دو پر بر اوج راند

گر مثل خواہی بجعفر در نگر ‌ ‌ داد حق بر جائے دست و پاش پر

گر نہ اسرار سخن بوئے بری ‌ ‌ من سخن گویم چو زر جعفری

بگذر از زر کاین سخن شد محتجب ‌ ‌ ہمچو سیماب این دلم شد مضطرب

زاندرونم صد خموشی خوش نفس ‌ ‌ دست بر لب می زند یعنی کہ بس

خامشی بحر است و گفتن ہمچو جو — بحر میجوید ترا جو را مجو

از اشارتہائے دریا سر متاب — فہم کن واللہ اعلم بالصواب

ہمچنیں پیوستہ کرد آں بے ادب — پیش پیغمبر سخن زاں سرو لب

دست مے دادش سخن او بیخبر — کہ خبر ہرزہ بود پیش نظر

ایں خبرہا از نظرہا نائب است — بہر حاضر نیست بہر غائب است

ہر کہ او اندر نظر موصول شد — ایں خبرہا پیش او معزول شد

چونکہ با معشوق گشتی ہمنشیں — دفع کن دلالگان را بعد ازیں

ہر کہ از طفلی گذشت و مرد شد — نامہ و دلالہ بروے سرد شد

نامہ خواند از پئے تعلیم را — حرف گوید از پئے تفہیم را

پیش بینایاں خبر گفتن خطا است — کایں دلیل غفلت و نقصان ما ست

پیش بینا شد خموشی نفع تو — بہر ایں آمد خطاب انصتوا

گر بفرماید بگو برگوئے خوش — لیک اندک گو دراز اندر مکش

دربفرماید کہ اندر کش دراز — ہمچناں شیریں بگو با امر ساز

ہمچناں کہ من دریں زیبا فسوں — با ضیاء الحق حسام الدین کنوں

چونکہ کوتہ می کنم من از رشد — او بصد نوعم بگفتن می کشد

اے حسام الدین ضیاء ذو الجلال — چونکہ می بینی چہ میجوئی مقال

ایں مگر باشد ز حب مشتہی — اسقنی خمرا و قل لی انہا

بر دہاں تست ایندم جام او — گوش میگوید کہ قسم گوش کو

غرض کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ہذیلی کو اپنے مظفر و منصور لشکر کا سپہ سالار بنایا
تو ایک بیہودہ کو مارے حسد کے تاب نہ رہی اور اس نے آپ کی مزاحمت اور سرکشی کا جھنڈا بلند
کیا یہاں سے مولانا مضمون ارشادی کی طرف انتقال فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ لوگونکو کہ چونکہ
یہ بے نور ہیں اسلئے ایک فانی سامان (جاہ) پر کیسے مٹے ہوئے ہیں۔ یہ لوگ تکبر کے سبب سے پس
ایک دوسرے سے جدا ہیں اور ہر شخص اپنے نفع کا خواہاں ہے اور دوسرے کے فائدہ کو نہیں دیکھ سکتا
اور جو حقیقت میں جان ہے یعنی ہدایت اس سے انہیں موت آتی ہے اور جو آگ انہیں جلا کر
خاک کر دینے والی ہے یعنی ضلالت اہمیں یہ لوگ زندہ اور خوش و خرم ہیں اب مولانا فرماتے
ہیں کہ تعجب ہے کہ اس جیلخانہ کی کنجی ان کے قبضہ میں ہے مگر یہ اس جیلخانہ ضلالت میں محبوس ہیں
اور ہدایت کی ندی ان سے ملی ہوئی چل رہی ہے مگر یہ نجاست ضلالت میں سرتاپا غرق ہیں اور
بےچینی سے کروٹیں بدلتے ہیں حالانکہ آرامگاہ اور گاؤ تکیہ ان کے پاس موجود ہے۔ کیونکہ نور ہدایت
جو کہ آرام گاہ ہے فی نفسہ موجود اور تیسیر الحصول ہے مگر مخفی ہے اور دلیل اسکے وجود کی اسکی جستجو
طلب قلب ہے کیونکہ اگر دل کا مزاج فاسد نہ ہو گیا ہو بلکہ ضرور کوئی ایسی شئے ہے جو اسکو اس
تکلیف سے بچا سکتی ہے کیونکہ اگر اس قید سے رہائی کی کوئی صورت نہوتی تو نہ دل اس سے متوحش
ہوتا اور نہ چھوٹنے کی خواہش کرتا۔ پس ثابت ہوا کہ کوئی ایسی شئے ضرور ہے جو اسے اس قید سے
چھوڑا سکتی ہے اور وہ راہ ہدایت ہے اور یہ تیری وحشت تجھپر حق سبحانہ کی طرف سے مسلط کیگئی
ہے تاکہ تقاضا کرے کہ اے گمراہ راہ ہدایت تلاش کر۔ بس یہ راہ ضرور موجود ہے مگر مخفی ہے اور
اسکے پانے کا طریقہ یہ ہے کہ اسکی جستجو ڈھونڈھنا شروع کر دیا جاوے اس طرح وہ ضرور ملجاویگا۔

گرچہ رخنہ نیست عالم را پدید   خیرہ یوسف وار می باید دوید

تمہارا توحش طالب جمعیت ہے پس تمکو اس طالب (توحش) میں اسکے (مطلوب جمعیت)
کا مشاہدہ کرنا چاہئے۔ اور اسکے وجود سے اسکے وجود پر استدلال کرنا چاہئے۔ نیز باغ کے خشک درخت
جڑوں سے پھوٹکر کہتے ہیں کہ تم اس سے زندگی عطا کرنے والے کا پتہ چلاؤ۔ کیونکہ کوئے حیات بخش
تھا تو ہم زندہ ہوئے ورنہ ہم زندہ کیونکر ہو سکتے تھے۔ اسی طرح توقع رہائی وجود رہائی پر دلالت

کرتی ہے۔ کیونکہ اگر رہائی کا وجود ہی نہوتا اور رہائی کی خوشخبری دینے والے کے آنے کی امید ہی نہوتی تو بھلا کہیں قیدیوں کی آنکھیں دروازہ کو لگی ہوئیں کبھی نہیں۔ پس معلوم ہوا کہ دل کی توقع دلالت کی دلیل ہے۔ اسکے وجود کی اور اسکی توقع کی دلیل اسکی بیچینی ہے کیونکہ جب تک کسی شئے کی توقع نہیں ہوتی اسوقت تک اسکے لئے بے چینی بھی نہیں ہوتی۔ چنانچہ تمکو زمین میں چین اسی لئے نہیں آتا کہ تمھارے گھر میں لحاف اور بستر موجود ہے اور تمھیں ان سے تمتع کی امید ہے ورنہ تمھاری یہ حالت نہوتی۔ کیونکہ کوئی شخص بدون آرام وہ شئے کے توقع کے بیقرار نہیں ہوتا۔ اور یہ تث بدون اسکے آثار کے امید کے نہیں ہوتا خیر یہ مضمون تو استطرادی تھا اب ہم پھر مضمون سابق کی طرف عود کرتے ہیں سنو۔ اس نے کہا ہرگز ایسا نہونا چاہیئے اور کسی سن رسیدہ شخص کے سوا آپ کسی کو سپہ سالار نہ بنائیں یا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اگر جوان شیر کا بچہ بھی ہو تب بھی سپہ سالار بوڑھا ہی ہونا چاہیئے ہیں اپنے بیان کی تائید میں خود حضورؐ ہی کا ارشاد پیش کرتا ہوں حضور نے فرمایا ہے کہ مقتدا بوڑھا ہونا چاہیئے پس آپ اس لشکر کو ملاحظہ فرمایئے اسمیں اتنے بوڑھے لوگ موجود ہیں ان میں سے جسکو حضورؐ چاہیں سپہ سالار بنا دیں۔ آپ ان درختوں کے زرد پتے نہ دیکھئے بلکہ ان کے پختہ سیبوں سے منتفع ہوجیئے نیز ان کے زرد پتے بھی میرے دعوے پر دلالت سے خالی نہیں ہیں کیونکہ یہ دلیل ہیں انکی پختگی اور کمال کی یعنی انکی ڈاڑھی اور سر کے سفید بال انکی عقول کی پختگی کی دلیل ہیں برخلاف اسکے سبز رنگ اور نئے پتے یعنی سیاہ بال اور خط نو دلیل ہے اسبات کی کہ میوہ عقل خام ہے اور گو وہ بے ثمر سامان ہیں کیونکہ ان میں لطافت وغیرہ کچھ نہیں مگر انکا یہ سامان بے سامانی ہے ان کے عاقل و عارف باحوال امور ہونے کی علامت ہے اور گو ان کے پتے زرد ہیں مگر یہ زردی خود حضورؐ کی سرخروئی کا سبب ہے جسطرح کہ سونے کی زردی صراف کی سرخروئی کا سبب ہوتی ہے کیونکہ وہ شاہد ہے اسکے تبصر اور تنقید کے صواب ہونے پر ۱ **ف** ولی محمد نے برگ بے برگی کو انتقال قرار دیا ہے اور مطلب کی تقریر یوں کی ہے "عارف کامل آنست کہ از ہمہ رنگہا بیرنگ بود و ہیچ وصفے و کمالے مقید نباشد چنانچہ گفتہ اند کہ بعضے بصفات چوں توکل و تسلیم و عشق و محبت نشان ندارند و بعضے بے نشان اند و کمال در بے نشانی است اھ" لیکن ہیں اس مضمون کو نہیں

سمجھ سکا، مع ھذا دوسرے مصرع کی تقریر نہیں کی اور نہ اسکا پہلے مصرع کے ساتھ ربط بتلایا)
اور جو لوگ گلرخسار ہیں اور ابھی سبزہ آغاز ہوا ہے وہ واقفیت اور دانش کے لحاظ سے طفل مکتب
اور نو آموز ہے اس کے حروف (تدابیر) ٹیڑھے ویڑھے ہوں گے اور اگرچہ اسکا جسم دوڑا کرتا ہے مگر
اسکی عقل اپاہج ہے اور کچھ کام نہیں کر سکتی اور بڈھے کے پاؤں تو ضرور رہجاتے ہیں اور وہ
بخوبی حرکت نہیں کر سکتا۔ لیکن ان کے معاوضہ میں اسکی عقل کو دو پر ملجاتے ہیں اور وہ بلند
پرواز ہو جاتی ہے۔ اب مولانا فرماتے ہیں اگر تم اسکی نظیر چاہتے ہو تو جعفر بن ابی طالب رضؓ کو دیکھو
کہ جب غزوہ موتہ میں اُن کے ہاتھ پاؤں کٹ گئے اور وہ شہید ہو گئے تو حق سبحانہ نے جنت
میں اُن کو انکے ہاتھ پاؤں کے معاوضہ میں پر عطا فرمائے (ف پاؤں کٹنے کا ثبوت نہیں ہے
غالباً مولانا نے پاؤں کو استطراداً اور عرف کے طور پر ذکر کر دیا ہے واللہ اعلم) اگر تم کچھ بھی رمز
شناس ہو تو میں تم سے ایسی کھری کھری باتیں بیان کروں جیسا کہ سونا جو جعفر بن یحییٰ برمکی
کی طرف منسوب ہے۔ اچھا اس زر جعفری کی کھری بات کو چھوڑو کیونکہ وہ میری زبان پر آکر پھر
دل میں چھپ گئی اور میرا دل قصد اظہار اسرار الٰہیہ سے پارہ کی طرح مضطرب ہو گیا اور بہت سے
خوش کلام تقاضائے خموشی میرے منہ پر ہاتھ رکھتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ آگے نہ بولنا اب مولانا
خود اپنے کو مخاطب کر کے کہتے ہیں کہ دیکھ خاموشی ایک دریا ہے اور تکلم اسکی ندی (کیونکہ تکلم خاموشی
سے یوں ہی پیدا ہوتا ہے جسطرح دریا سے ندی۔ کیونکہ خاموشی کی حالت میں گویائی کا ذخیرہ جمع ہوتا ہے
اسکے بعد تکلم کی نوبت آتی ہے) اور جبکہ خود بحر تیرا طالب ہے تو تو ندی کا طالب نہ ہو۔ اور اس بحر خاموشی
کے اشاروں سے سرکشی مت کر اور گفتگو کو ختم کر۔ خیر یہ مضمون تو استطرادی تھا اب اصل قصہ سنو
وہ بے ادب جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے برابر ایسی ہی باتیں کرتا رہا۔ اور یہ باتیں برابر
اسکی زبان سے نکلتی رہیں۔ مگر اسے یہ خبر نہ تھی کہ آپ حقائق کا مشاہدہ فرما رہے تھے اور مشاہدہ کے
مقابلہ میں خبر محض فضول ہے خبریں تو مشاہدہ کے قائم مقام ہیں۔ اور حاضر کیلئے نہیں بلکہ غائب
کیلئے ہیں۔ اور جو شخص مشاہدہ تک پہونچ جاتا ہے اسکے سامنے خبریں اپنے منصب سے علیحدہ ہو جاتی
ہیں۔ کیونکہ انکا منصب تو ناواقف کو واقف کرنا ہے اور وہ خود واقف ہے اُسے یہ کیا واقف کر سکتی
ہیں نیز مخبر عنہ کی ایسی مثال ہے جیسے معشوق اور خبر کی ایسی مثال ہے جیسے دلالہ۔ پس جبکہ تم معشوق

کے ساتھ ہمنشیں ہو تو کٹنیوں کو الگ کر دو کیونکہ اب وہ بیکار ہیں یعنی جب تم مشاہدہ حاصل کر لو تو خبروں کو چھوڑ دو۔ اس لئے کہ اسوقت وہ کچھ کارآمد نہیں ہیں۔ نیز جو شخص بچپن سے گذر کر مرد ہو جاتا ہے نامہ اور دلالہ اُسکی نظر میں بے وقعت ہو جاتے ہیں کیونکہ محبوب اس سے خود ملتے ہیں اور اسے وسائط کی ضرورت نہیں ہوتی چنانچہ مولانا فرماتے ہیں ؎

دارد وئے مردی کن و انگہ بجو، تا بروں آیند صد گون خوبرو

نیز جو شخص نامہ پڑھتا ہے وہ تحصیل علم کیلئے پڑھتا ہے۔ اور جو شخص بات کہتا ہے وہ سمجھانے کیلئے کہتا ہے پس اگر علم و فہم کا مضمون پیشتر سے حاصل ہو تو لامحالہ وہ نامہ اور سخن فضول ہونگے پس یہی حالت خبر اور مشاہدہ کی ہے ان وجوہ سے حقائق کے مشاہدہ کرنے والوں کے سامنے خبریں بیان کرنا بڑی غلطی ہے کیونکہ یہ ہماری غفلت اور نقصان کی دلیل ہے۔ بلکہ مشاہدہ کرنے والوں کے سامنے تو چپ ہی رہنے میں فائدہ ہے اسی لئے حق سبحانہ نے فرمایا ہے کہ اذا قرئ القرآن فاستمعوا لہ وانصتوا لعلکم ترحمون ۔ وجہ استدلال بآیۂ کریمہ یہ ہے کہ مقصود امر یہ ہے کہ جب ہمارے رسول تبلیغ کریں تو تم لوگ چپکے رہوا ور سنو کیونکہ واقف کا منصب بولنا ہے اور ناواقف کا منصب سننا اور صاحب نظر واقف ہوتا ہے اور غیر صاحب نظر اسکے مقابلہ میں ناواقف لہذا بولنا صاحب نظر کا کام ہوگا اور دوسروں کا کام سننا اور خاموش رہنا وہوالمدعی ہاں اگر بیتا خود حکم دے تو بولو لیکن اسوقت بھی زیادہ گفتگو نکرو بلکہ مختصر کلام کرو لیکن اگر وہ تطویل کلام کا بھی حکم دے تو اسکی تعمیل کرو۔ اور خوب بیان کرو جیسا کہ ضیاء الحق حسام الدین کے ساتھ میرا معاملہ ہے۔ کیونکہ جب میں اپنی سلامتی طبع کی بناپر گفتگو کو مختصر کرنا چاہتا ہوں تو وہ مجھے سیکڑوں طرح سے تطویل کلام پر مجبور کرتے ہیں اور میں تطویل کلام کرتا ہی اب حسام الدین کو خطاب فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ آپ جو مجھے کلام پر مجبور کرتے ہیں اسکی وجہ کیا ہے کیونکہ آپ تو حقائق کا مشاہدہ فرماتے ہیں پھر کلام کی آپ کو کیا ضرورت ہے ہاں میں سمجھا معلوم ہوتا ہے کہ مطلوب کی محبت اسکا منشا ہے اور یہ ایسا ہے کسی شاعر نے کہا کما سقنی خمرا وقل لی انہا الخمر یعنی مجھے شراب پلا بھی اور یہ بھی کہہ کہ شراب کا پیالہ تیرے منہ لگا ہوا ہے کیونکہ کان کہتے ہیں کہ ہمارا حصہ کہاں ہے۔ میں کہتا ہوں کہ تیرا حصہ گرمی شراب

اور گرمی شراب تجھ تک بھی پہونچے گی تو وہ کہتا ہے کہ میں صرف اتنی ہی پر قناعت نہیں کرتا بلکہ میں تو اپنا مخصوص حصہ یعنی سماع ذکر محبوب لینا چاہتا ہوں (ف ۱) مولانا نے وصول مطلوب کے بعد وسائل کو بیکار قرار دیا ہے بعض ناقصین مدعیان کو ایسے مضامین سے دھوکہ ہو گیا ہے اور انھوں نے ان مضامین سے نتیجہ نکالا ہے کہ اہل اللہ سے تکالیف شرعیہ ساقط ہو جاتی ہیں۔ اور اتباع انبیاء کی ان کو حاجت نہیں رہتی۔ کیونکہ یہ نامہ ودلالہ کی طرح وسائل ہیں اور وصول الی المطلوب کے بعد وسائل ناقابل التفات ہو جاتے ہیں۔ اسلئے اس غلطی کا دفع کرنا ضروری ہے۔ تکالیف شرعیہ وطاعت انبیا کو نامہ ودلالہ کی طرح وسائل غیر مقصودہ سمجھنا سخت غلطی ہے بلکہ یہ خود مقصود ہیں اور وسائل ہونے کی جہت ان میں اسقدر مضمحل ہے کہ گویا کہ ہے ہی نہیں۔ تفصیل اسکی یہ ہے کہ استحضار وطاعت مطلوب عین مطلوب ہے۔ اور تکالیف شرعیہ مطلوب حقیقی کے احکام ہیں پس ان پر کار بند ہونا بعینہٖ استحضار وطاعت مطلوب ہوگا جو کہ عین مطلوب ہے۔ رہی یہ بات کہ یہ وسائل قرب ہیں۔ سو وسیلہ ہونا ایسا ہی ہے جیسا کہ ایک مطلوب دوسرے مطلوب کا وسیلہ ہو جاوے۔ مثلاً معشوق کی باتیں سننا ایک مقصود ہے اسکو دیکھنا دوسرا مطلوب ہے۔ اور ہمنشینی ان دونوں کا وسیلہ ہے۔ مگر فی نفسہ مقصود بھی ہے اور چونکہ اطاعت انبیا بھی تکلیف شرعی ہے کیونکہ حق سبحانہ اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول الخ فرماتے ہیں لہذا وہ بھی عین مقصود ہوگی اور وسیلہ ہونے کے سبب محتمل السقوط نہ ہوگی پس خلاصہ یہ ہے کہ ایسے مضامین سے سقوط تکالیف شرعیہ پر جنہیں اطاعت انبیا بھی داخل ہے استدلال صحیح نہیں بلکہ ان سے بعض احوال ومواجید غیر مقصودہ کے ناقابل التفات ہونے پر استدلال ہو سکتا ہے اور یہ استدلال بیشک صحیح ہے واللہ اعلم (ف ۲) پیش بینا یاں خبر گفتن خطاست الخ سے مولانا کا مقصود تعلیم ادب مع الشیخ ہے اور یہ بتلانا مقصود ہے کہ شیخ کے ساتھ مرید کو کیا برتاؤ کرنا چاہیے۔

جواب گفتن پیغمبر آں اعتراض کنندہ را

در حضور مصطفائے قند خو	چوں زحد برد آں عرب آں گفتگو
آں شہ والنجم وسلطان عبس	لب گزید آں سرود م راگفت بس

دست می زد بہر نعش بردہان
چند گوئی پیش دانائے نہان

پیش بینا بردہ سرگین خشک
کہ بجز این را بجائے ناف مشک

بعر را اے گندہ مغز و گندہ مخ
زیر بینی بنہی و گوئی کہ بخ

نخ اخے برداشتے ای کج و کاج
تا کہ کالائے بدت باید رواج

اخ اخے برداشتی ای خشک مغز
تا نمائی پشاک دوں را مشک نغز

تا فریبی آن مشام پاک را
آن چرندہ گلشن افلاک را

حلم او خود را اگرچہ گول ساخت
خویشتن را اندکے باید شناخت

دیگ را گر باز ماند امشب دہن
گربہ را ہم شرم باید داشتن

خویشتن گر خفتہ کرد آن خوب فر
سخت بیدار است دستارش مبر

چند گوئی اے لجوج بے صفا
این فسون دیو پیش مصطفا

صد ہزاران حلم دارند این گروہ
ہر یکے حلمے ازانہا صد چو کوہ

حلم شان بیدار را ابلہ کند
زیرک صد چشم را اکمہ کند

حلم شان ہمچو شراب خوب و نغز
نغز نغزک می رود بالائے مغز

مست را بین زان شراب پر شگفت
ہمچو فرزین مست و کژ رفتن گرفت

مرد برنا زان شراب زود گیر
درمیان راہ مے افتد چو پیر

خاصہ این بادہ کہ از خم بلی است
نے مئے کہ مستی او یک شبی است

آنکہ آن اصحاب کہف از نقل و نقل
صد و نہ سال گم کردند عقل

زان زنان مصر جامے خوردہ اند
دستہا را خشر خشر کردہ اند

ساحران ہم سکر موسیٰ داشتند	دار را دلدار مے پنداشتند
جعفر طیار زاں مے بود مست	زاں گرو مے کرد بیخود پا و دست

جبکہ جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی حضور میں اس عرب نے گفتگو کو حد سے زیادہ بڑھا دیا تو اس شہ والنجم اور سلطان عبس نے دانتوں کے تلے ہونٹ دبالیا جسمیں اشارہ تھا کہ بس گفتگو کو ختم کرو۔ نیز آپ نے اسکے روکنے کیلئے اپنے منہ پر ہاتھ رکھا اب مولانا کو اُسکی گستاخی پر غصہ آتا ہے اور اُسے مخاطب کرکے فرماتے ہیں کہ آخر تو واقف اسرار کے سامنے کب تک بولے جاویگا۔ بس چپ رہ تو ایک صاحب بصیرت کے سامنے خشک مینگنی لایا ہے اور کہتا ہے کہ یہ مشک ہے اسے خرید لو اور اے گندہ مغز۔ تو مینگنی کو ناک سے لگا کر چھینکتا ہے تاکہ یہ تیرا برا سودا مشک کے دہوکے میں نکل جاوے آخر تو ایک مشام صحیح کو اور گلشن افلاک یعنی باغ غیبی کے گل و ریحان چرنے والے کو کب تک دہوکہا دیگا۔ خلاصہ یہ کہ تیری باتیں واقع میں اچھی نہیں ہیں مگر تو انہیں ایک عمدہ عنوان سے بیان کرکے دہوکا دیتا اور تلبیس کرنا چاہتا ہے لیکن جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم صاحب بصیرت ہیں وہ تیرے دہوکہ کو سمجھتے ہیں اسلئے لا دہوکہا نہ کہاویں گے پس تو ان کو دہوکہا دینے کی کوشش نکر اور اگر انھوں نے اپنے کو حلم سے بھولا بنالیا ہے اور تجھپر ظاہر نہیں کرتے کہ ہم تیری چالاکیوں کو سمجھتے ہیں تو تجھے یہ نہ چاہیئے کہ یوں بیباکانہ اور فریب آمیز گفتگو کرے۔ بلکہ اپنے کو سمجھنا چاہیئے اور جاننا چاہیئے کہ ان کے سامنے میری کیا حیثیت اور میرا کیا فرض ہے اگر ہانڈی کا منہ کھلا ہوا ہے تو بلی کو شرم کرنی چاہیئے اور بیباکانہ اسمیں منہ نہ ڈالدینا چاہیئے اور اگر انھوں نے اپنے کو سوتا بنالیا ہے تو اس سے دہوکہا کر اُن کی پگڑی نہ اتارنی چاہیئے کیونکہ وہ بالکل جاگتے ہیں اور وہاں نیند کا نام بھی نہیں ہے بس تو اے تیرہ باطن جھگڑالو جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر شیطانی منتر پھونک کر انکو شیشے میں اتارنے کی کب تک کوشش کرتا رہیگا۔ بس ختم کر اور یہ نہ سمجھ کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری بناوٹ کو سمجھتے نہیں وہ ضرور سمجھتے ہیں مگر اپنے حلم سے تجھپر ظاہر نہیں کرتے کیونکہ یہ حضرات نہایت حلیم ہوتے ہیں اور لاکھوں ایسے حلم رکھتے ہیں جنمیں کا ہر حلم سو پہاڑوں سے زیادہ

باوقار اور غیر متزلزل ہے اور اس درجہ حلیم ہوتے ہیں کہ انکا حلم ایک بیدار مغز کو احمق بنا دیتا ہی اور اعلیٰ درجہ کے مردم شناس کو مادر زاد اندھا کر دیتا ہے یعنی یہ لوگ اسقدر حلیم ہوتے ہیں کہ بڑے بڑے عقلا کو ان کے بھولے پن کا یقین ہو جاتا ہے اور وہ نہیں سمجھ سکتے کہ یہ فی الواقع بھولے نہیں ہیں بلکہ غایت حلم سے انھوں نے اپنے کو بھولا بنا رکھا ہے اس لئے ان کا حلم دوسروں کے حق میں ایسا ہوتا ہے جیسی اعلیٰ درجہ کی شراب معروف جو رفتہ رفتہ دماغ میں اپنا اثر کرتی ہے دیکھو جو شخص اس شراب متعارف سے مست ہوتا ہے اُسکی یہ حالت ہوتی ہے کہ وہ اس عجیب شراب کے اثر سے فرازین کی طرح مست ہو جاتا ہے اور ٹیڑھی چال چلتا ہے اور ایک جوان آدمی اس تیز شراب سے بڈھوں کی طرح راستہ میں گر جاتا ہے۔ پس جبکہ عام شراب یہ حالت کر دیتی ہے تو خاصکر وہ شراب جسکا خم نبی ہو (یعنی شراب کمالات نبویہ خواہ وہ کمالات ظاہری ہوں جیسے حسن یوسف وغیرہ یا باطنی جیسے حلم وغیرہ) اور وہ عام شراب نہ ہو جسکی مستی صرف ایک رات رہتی ہے۔ اسکی مستی کا تو کہنا ہی کیا ہے وہ وہ شراب ہے جسکو پیکر اصحاب کہف کھانے پینے چلنے پھرنے وغیرہ سے تین سو نو برس تک بیخبر رہے تھے۔ اور اس شراب کا ایک جام زنان مصر نے پی لیا تھا تو ہاتھوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا تھا اور ساحرون نے موسیٰ علیہ السلام کے کمالات کی شراب پی تھی تو اتنے مست ہوئے تھے کہ سولی انکی نظروں میں محبوب ہو گئی تھی اور جعفر طیار شراب کمالات مصطفوی سے مست تھے تو انھوں نے اپنے ہاتھ پاؤں کٹوا دئے تھے۔ اور کفار کے پاس انکو محبوس کر دیا تھا (ف) ہماری اس تقریر سے ظاہر ہو گیا کہ مولانا کا کلام اول سے آخر تک متسق النظام ہے اور اُن تکلفات کی حاجت نہیں جو محشین نے مغز سخن تک نہ پہونچنے کے سبب کئے ہیں (تنبیہ) زنان مصر بادہ حسن یوسفؑ سے مست تھیں مگر وہ حسن بازاری حسن نہ تھا بلکہ کمالات نبوۃ میں سے تھا کیونکہ اول تو خود حسن ظاہری ہی خوارق میں سے تھا۔ دوسرے کمالات باطنیہ نے اُسے اور بھی دلکش بنا دیا تھا اور انکی حالت ایسی تھی جیسے حافظ شیرازی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں ؎ روئے خوب ست وکمال ہنر و دامن پاک + لاجرم ہمت پاکان دو عالم با اوست + پس اب زنان مصر کے بادۂ خم نبی سے مست ہونے پر کوئی شبہ نہ رہا واللہ اعلم)۔

قصۂ سبحانی ما اعظم شانی گفتن بایزید و اعتراض مریدان و جواب او مر ایشانرا نہ بطریق جواب زبان بلکہ از راہ عیان

با مریداں آں فقیر محتشم ‏ ‏ ‏ ‏ بایزید آمد کہ نک یزداں منم

گفت مستانہ عیاں آں ذوفنون ‏ ‏ ‏ ‏ لا الٰہ الا انا ہا فاعبدون

چوں گذشت آں حال گفتندش صباح ‏ ‏ ‏ ‏ تو چنیں گفتی و ایں نبود صلاح

گفت ایں بار ار کنم ایں مشغلہ ‏ ‏ ‏ ‏ کاردہا در من زنید آندم ہلہ

حق منزہ از تن و من با تنم ‏ ‏ ‏ ‏ چوں چنیں گویم ببایدکشتنم

چوں وصیت کرد آں آزاد مرد ‏ ‏ ‏ ‏ ہر مریدے کاردے آمادہ کرد

مست گشت او باز از استغراق رفت ‏ ‏ ‏ ‏ آں وصیتہاش از خاطر برفت

عشق آمد عقل او آوارہ شد ‏ ‏ ‏ ‏ صبح آمد شمع او بیچارہ شد

عقل چوں شحنہ است چوں سلطاں رسید ‏ ‏ ‏ ‏ شحنۂ بیچارہ در کنجے خزید

عقل سایہ حق بود حق آفتاب ‏ ‏ ‏ ‏ سایہ را با آفتاب او چہ تاب

چوں پری غالب شود بر آدمی ‏ ‏ ‏ ‏ گم شود از مرد وصف مردمی

ہرچہ گوید آں پری گفتہ بود ‏ ‏ ‏ ‏ زیں سری زاں سری گفتہ بود

چوں پری را ایں دم و قانون بود ‏ ‏ ‏ ‏ کردگار آں پری خود چوں بود

روئے او رفتہ پری خود او شدہ
ترک بے الہام تازی گو شدہ

چوں بخود آید نداند یک لغت
چوں پری را ہست ایں ذات و صفت

پس خداوند پری و آدمی
از پری کے باشدش آخر کمی

شیرگیر از شیر کے ترسد بگو
شرح رہ از کور کے پرسد بگو

شیرگیر ار خون نرہ شیر خورد
تو بگوئی او نکرد آں بادہ کرد

در سخن پرداز دار از راز کہن
تو بگوئی بادہ گفتست ایں سخن

بادہ را مے بود ایں شر و شور
نور حق را نیست آں فرہنگ و زور

کہ ترا از تو بکل خالی کند
تو شوی پست او سخن عالی کند

گرچہ قرآں از لب پیغمبر است
ہر کہ گوید حق نگفت آں کافر است

چوں ہمائے بیخودی پرواز کرد
آں سخن را بایزید آغاز کرد

عقل را سیل تحیر در ربود
زاں قوی تر گفت کاول گفتہ بود

نیست اندر جبہ ام الا خدا
چند جوئی بر زمین و بر سما

آں مریداں جملہ دیوانہ شدند
کاردہا بر جسم پاکش می زدند

ہر یکے چوں ملحداں گرد کوہ
کارد میزد پیر خود را بے ستوہ

ہر کہ اندر شیخ تیغے مے خلید
بازگونہ از تن خود می درید

یک اثر نے بر تن آں ذوفنوں
واں مریداں خستہ و غرقاب خوں

ہر کہ او سوئے گلویش زخم برد
حلق خود ببریدہ دید و زار مرد

وانکه اورا زخم اندر سینه زد ‏ ‏ سینه‌اش بشگافت شد مرده ابد

وانکه آگه بود زاں صاحبقراں ‏ ‏ دل نداد ش که زند زخم گراں

نیم دانش دست او را بسته کرد ‏ ‏ جان ببرد الا که خود را خسته کرد

روز گشت و آں مریداں کاسته ‏ ‏ نوحها از جاں شان برخاسته

پیش او آمد هزاراں مرد و زن ‏ ‏ کاے دو عالم درج در یک پیرهن

ایں تن تو گر تن مردم بدے ‏ ‏ چوں تن مردم ز خنجر گم شدے

باخودی یا بیخودی دوچار زو ‏ ‏ باخود اندر دیدهٔ خود خار زو

اے زده بر بیخوداں تو ذوالفقار ‏ ‏ بر تن خود می زنی آں هوشدار

زانکه بیخود فانی ست و ایمن است ‏ ‏ تا ابد در ایمنی او ساکن است

نقش او فانی و او شد آئینه ‏ ‏ غیر نقش روے غیر آنجائے نه

گر کنی تف سوئے روئے خود کنی ‏ ‏ ور زنی بر آئینه بر خود زنی

ور به بینی روئے زشت آنهم توئی ‏ ‏ ور به بینی عیسیٰ مریم توئی

او نه اینست و نه آں او ساده است ‏ ‏ نقش تو در پیش تو بنهاده است

چوں رسید اینجا سخن لب در ببست ‏ ‏ چوں رسید اینجا قلم درهم شکست

لب ببند ار چه فصاحت دست داد ‏ ‏ دم مزن والله اعلم بالرشاد

بر کنار بامی اے مست مدام ‏ ‏ پست بنشیں یا فرود آ والسلام

هر زمانیکه شدی تو کامراں ‏ ‏ آں دم خوش را کنار بام داں

هر زمان خوش هراسان باش تو ❊ همچو گنجشک خفیه کن نے فاش تو
تا نیاید بر دلا ناگه بلا ❊ ترس ترسان او دران مکمن بلا
ترس جان در وقت شادی از زوال ❊ زان کنار بام غیب است ارتحال
گر نمی بینی کنار بام راز ❊ روح می بیند که هستش اهتزاز
هر نکالے ناگهان کان آمده است ❊ بر کنار کنگره شادی بدست
جز کنار بام خود نبود سقوط ❊ اعتبار از قوم نوح و قوم لوط
اعتبارے گیر تا یابی صفا ❊ از درون انبیا و اولیا

مولانا مضمون بالا کی مناسبت سے جسمیں مستی بادۂ خم بنی کا ذکر تھا بایزید بسطامی قدس سرہٗ کے سُکر کا تذکرہ فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ایک روز اس باشوکت فقیر بایزید نے اپنے مریدوں سے کہا کہ میں خدا ہوں اور فرط مستی میں انھوں نے صاف طور پر فرمایا کہ دیکھو خدا میں ہی ہوں پس تم میری عبادت کرو (یہ تحصل ہے اُن کے الفاظ کا اور اصل الفاظ اُن کے سبحانی ما اعظم شانی تھے) خیر جب یہ حالت گذر گئی تو مریدوں نے صبح کے وقت کہا آپ ایسا فرماتے تھے اور یہ ٹھیک نہیں ہے (اس سے اس زمانہ کے صوفیہ کا مذاق معلوم ہوسکتا ہے کہ کسقدر تبع شریعت تھے) یہ سُنکر انھوں نے فرمایا کہ اگر اب کے میں ایسے الفاظ کہوں تو تم میرے چھریاں مارنا اور مجھے مار ڈالنا۔ واقعی میری یہ حرکت نہایت بری ہے بھلا کجا میں اور کجا حق سبحانہ میں مجسم ہوں اور خدا جسم سے منزہ یہ کھلی دلیل ہے میرے دعوے کے بطلان کی پس اگر میں اب کے یہ دعویٰ کروں تو مجھے فوراً مار ڈالنا چاہیئے۔ (چہ منصف بزرگان دین بودہ اند۔ صوفیہ حال غور کرنے کا مقام ہے) پس جبکہ اُنھوں نے یہ ہدایت فرمادی تو مریدوں نے چھریاں تیار رکھیں اسکے بعد وہ استغراق و بیخودی سے دوبارہ مست ہوگئے اور بہت مست ہوئے اور وہ ہدایتیں سب بھول گئے کیونکہ عشق کا غلبہ ہوا تو عقل کھوئی گئی اور صبح عشق کے سامنے شمع عقل غلو

ہوگئی اور کیوں نہو بات یہ ہے کہ عقل بمنزلہ کوتوال کے ہے اور عشق بمنزلہ بادشاہ کے اور
قاعدہ ہے کہ جب بادشاہ آتا ہے تو کوتوال کونوں میں چھپتا پھرتا ہے اسلئے عقل کیلئے اختفا
لازم تھا۔ نیز عقل حق سبحانہ کیلئے مثل سایہ ہے اور حق سبحانہ اسکے لئے مثل آفتاب ہیں۔
کیونکہ جسطرح سایہ کے وجود میں آفتاب کو دخل ہے بایں معنی کہ اسکی بقا موقوف ہے احتجاب
شمس پر یوں ہی عقل کی بقا بھی موقوف ہے احتجاب حق سبحانہ پر کما یدل علیہ قولہ صلی اللہ
علیہ وسلم حجابہ النور لو کشفہ لاحرقت سبحات وجہہ ما انتھی الیہ بصرہ من خلقہ
پس جبکہ عقل مثل سایہ کے ہے اور حق سبحانہ اُسکے لئے مثل آفتاب کے۔ تو تجلیات ربانیہ
کے سامنے عقل کی بقا ناممکن ہے کیونکہ سایہ کی کیا تاب ہے کہ آفتاب کے سامنے باقی رہ
سکے (ھذا ما افاد شیخنا و مولانا مجد د الملۃ والدین فاضت انھار فیضہ
دللہ درہٗ) یہانتک مولانا نے شیخ رحمہ اللہ سے ان الفاظ کے صادر ہونے کا عذر بیان کیا
تھا۔ اب ترقی فرماتے ہیں اور یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ وہ اُن کے الفاظ کے قائل ہی نہ تھے
اور قائل انکے فی الحقیقت حق سبحانہ تھے اور حضرت شیخ ایسے تھے جیسے فونوگراف ہوتا ہے
چنانچہ فرماتے ہیں دیکھو جب آدمی پر جن چڑھجاتا ہے تو اُس سے آدمیت کی صفت جاتی
رہتی ہے اور اسوقت جو افعال اس سے صادر ہوتے ہیں وہ اس آدمی کے نہیں ہوتے بلکہ
اُس جن کے ہوتے ہیں اور جو کچھ وہ کہتا ہے وہ حقیقت میں وہ نہیں کہتا بلکہ جن کہتا ہے چنانچہ
وہ عالم شہادت و عالم غیب دونوں کی باتیں کرتا ہے جو یہ نہیں کر سکتا۔ پس جب جن میں یہ
قوت اور اسکا یہ قاعدہ ہے کہ جب وہ سوار ہوتا ہے تو آدمی کو کالعدم کر دیتا ہے تو حق سبحانہ
جو کہ خالق جن و پری ہیں اُنکی کیا حالت ہوگی اور ان کے متجلی ہونے کے وقت آدمی اپنی حالت
پر کیونکر قائم رہ سکتا ہے۔ اور اُن افعال کو جو اسوقت اُس سے صادر ہوں کیسے اُسکی طرف
منسوب کیا جا سکتا ہے۔ دیکھو جب جن کا غلبہ ہوتا ہے آدمی سے آدمیت جاتی رہتی ہے
اور وہ جن ہو جاتا ہے چنانچہ ایک ترکی بدون الہام کے عربی بولنے لگتا ہے اور یہ صاف دلیل
ہے اسبات کی کہ وہ ترک ترک نہیں رہا۔ بلکہ جن ہو گیا۔ کیونکہ جب وہ ہوش میں آتا ہے تو ایک
لفظ بھی نہیں جانتا ہوتا۔ پس اگر یہ ترک بھی عربی بولتا ہوتا تو اب کیوں نہ بولتا تو معلوم ہوا کہ

اسوقت وہ ترک نہ رہا تھا بلکہ جن ہو گیا تھا اسکے یہ معنی نہیں کہ اسکی حقیقت بدلگئی تھی بلکہ یہ مطلب ہے کہ وہ اپنی حالت پر باقی نہ رہا تھا بلکہ افعال کے صدور میں جن کا آلہ ہو گیا تھا) پس جبکہ پری کی ایسی ذات ہے اور اسکی یہ صفت ہے جو ابھی بیان کیگئی تو رب الجنۃ والناس جنات سے کیسے کم ہو سکتا ہے اور وہ اپنی تجلی سے آدمی کو معطل اور اپنے افعال کا آلہ کیوں نہیں بنا سکتا۔ اب ہم اس مضمون کو ایک اور عنوان سے سمجھاتے ہیں۔ سنو دیکھو مست شیر سے نہیں ڈرتا اسکی وجہ کیا ہے وہ ہی نشہ پس یہ نہ ڈرنا منسوب ہو گا نشہ کی طرف نہ کہ اُس شخص کی طرف۔ علی ہٰذا اندھے سے کوئی رستہ نہیں پوچھتا بلکہ بینا سے پوچھتا ہے حالانکہ دونوں میں کچھ فرق نہیں بجز بینائی وعدم بینائی کے تو معلوم ہوا کہ سوال سائل ذات سے نہیں ہے بلکہ صفت بینائی سے ہے گو بظاہر اس شخص سے ہے۔ نیز اگر کوئی شیر نر کو مار ڈالے تو تم کہتے ہو کہ یہ اسکا فعل نہیں بلکہ شراب کا فعل ہے اور اگر وہ اپنے پرائے راز بیان کرنا شروع کرتا ہے جیسا کہ مستوں کا قاعدہ ہے کہ نشہ کی حالتمیں دل کا بھید کہدیتے ہیں تو تم کہتے ہو کہ یہ شخص باتیں نہیں کرتا بلکہ شراب کہہ رہی ہے پس جبکہ شراب میں یہ شور وشر ہے تو نور حق سبحانہ میں اتنی دانائی اور قوت کیوں نہ ہوگی کہ تجھ کو تجھ سے خالی اور معطل کر دے خود اونچے درجہ کی باتیں کرے جیسے سبحانی ما اعظم شانی وغیرہ شاید تمکو شبہ ہو کہ گو منشا اسکے صدور کا حق سبحانہ ہوں مگر جبکہ انکا صدور انکی زبان سے ہے تو اسکو حق سبحانہ کا کلام کیونکر کہہ سکتے ہیں اسلئے اسکا جواب یہ ہے کہ پھر قرآن کا ظہور بھی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے ہوا ہے اسکو بھی کلام اللہ کہو۔ حالانکہ اگر کوئی یہ کہے کہ یہ خدا کا کلام نہیں تو وہ کافر ہو جاتا ہے پس ان الفاظ کا ظہور شیخ کی زبان سے ان کے حق سبحانہ کی طرف نسبت کرنے سے کیسے مانع ہو جاویگا۔ خیر تو جبکہ ہمائے بیخودی اپنے آشیانہ سے اڑکر بایزید علیہ الرحمۃ کے سر پر بیٹھا یعنی آخری ہوئی تو انہوں نے پھر وہی باتیں کرنی شروع کیں اور چونکہ انکی عقل کو حیرت عشق کا سیلاب بہالے گیا تھا اسلئے پہلے سے زیادہ زور سے کہیں اور کہا کہ میرے جبہ میں بجز خدا کے اور کوئی نہیں پس تم خدا کو اس جبہ میں ڈھونڈھو زمین و آسمان میں کہاں تک ڈھونڈھو گے یہ سنکر تمام مرید دیوانہ ہو گئے اور انکے جسم پاک پر چھریاں مارنے لگے اور ہر ایک اپنے پیر کے یوں بے خوف چھرے مارتا تھا جیسے گرد کوہ (نام پہاڑ) کے بددین

بے دردی کے ساتھ مسلمانوں پر چھری چلاتے ہیں مگر جو شخص شیخ کے جسم میں تلوار وغیرہ جبھوتا تھا وہ اُلٹا اپنا ہی جسم پھاڑتا تھا بایزیدؒ کے جسم پر کچھ اثر نہ ہوتا تھا اور مرید زخمی اور خون میں شرابور ہو رہے تھے۔ اور جس نے اُن کے گلے پر زخم لگانا چاہا اُس نے اپنا ہی گلا کاٹ لیا اور مر گیا۔ اور جس نے اُن کے سینہ میں زخم لگایا خود اسکا سینہ چاک ہو گیا۔ اور مردہ ابدی ہو گیا۔ اور جو لوگ اس اقبال مند سے واقف تھے اُن کے دل نے گوارا نہ کیا کہ کوئی کاری زخم لگائیں بلکہ صرف خفیف زخموں پر اکتفا کیا اُنکی ادھوری عقل نے اُنکے ہاتھ کو باندھ دیا اسلئے اُنکی جان تو بچگئی مگر اپنے کو زخمی کر لیا۔ (ادھوری عقل اسواسطے کہا کہ عقل کامل کا مقتضا تو یہ تھا کہ بالکل تعرض نہ کرتے اور انہیں غیر مکلف سمجھکر معذور قرار دیتے اور نرا جنون یہ تھا کہ کاری زخم لگاتے۔ مگر اُنھوں نے بین بین ایک روش اختیار کی اسلئے نہ وہ پورے عاقل تھے اور نہ پورے دیوانے) القصہ دن ہوا اور غم سے گھلے ہوئے مریدوں کی جان سے گریہ وزاری کا شور بلند تھا۔ اسی حالت میں ہزاروں آدمی ٹوٹ پڑے اور اُنہوں نے یوں خطاب کیا کہ اے مجمع کمالات آج معلوم ہوا کہ آپ عام آدمیوں کا سا جسم نہیں رکھتے اسلئے کہ اگر آپکا جسم عام آدمیوں کا سا ہوتا تو اوروں کی طرح آپکا جسم بھی خنجر سے معدوم ہو جاتا اب مولانا فرماتے ہیں کہ جبکہ کوئی ہوشیار کسی مست سے بھڑتا ہے تو وہ اپنی آنکھ میں کانٹا چبھوتا اور اپنے کو ضرر پہونچاتا ہے بس اے وہ شخص جو سرمستان بادۂ عشق الٰہی پر تلوار چلاتا ہے یاد رکھ کہ یہ تلوار تو خود اپنے مارتا ہے کیونکہ بدمست تو فانی فی اللہ ہے اسلئے وہ لوگوں کے ضرر سے محفوظ اور ہمیشہ بیخوفی میں سکونت پذیر ہے اسکی ہستی فنا ہو چکی ہے اور اب وہ آئینہ بنگیا ہے۔ پس جو کچھ تجھے دکھلائی دیتا ہے وہ خود تیری تصویر ہے اور کچھ نہیں پس اگر تو تھونک ماریگا تو خود اپنے اوپر ماریگا اور اگر آئینہ کو ماریگا تو خود اپنے کو ماریگا۔ اور اگر اسکو برا سمجھے گا تو اپنی ہی تصویر کو برا سمجھے گا اور اگر عیسٰی و مریم کی مثل سمجھے گا تو وہ بھی خود تو ہی ہوگا۔ کیونکہ وہ ان نقوش برائی و بھلائی سے سادہ ہے جنکا تجھے احساس ہوتا ہے۔ اور جو نقش برا یا بھلا اسمیں تجھے دکھلائی دیتا ہے وہ خود تیری تصویر ہے جسکو اُس نے تیرے سامنے پیش کر دیا ہے۔ رہی اسکی ذاتی خوبی سو وہ تیرے احاطۂ ادراک سے خارج ہے (ف جاننا چاہئے کہ مریدوں کے حملوں کا خود ان پر منعکس ہو جانا یہ جناب

شیخ کی کرامت تھی اور حق سبحانہ کی جانب سے تنبیہ تھی اس امر پر کہ اہل اللہ کو نقصان پہونچانے سے انکا ضرر نہیں ہوتا بلکہ خود ضرر پہونچانے والے کا ضرر ہوتا ہے اور اس واقعہ سے اس امر معنوی کو حسی کر کے دکھلانا مقصود تھا اور یہ مقصود نہیں کہ اہل اللہ کو جسمانی ضرر پہونچ ہی نہیں سکتا۔ کیونکہ یہ تو نصوص قطعیہ اور اخبار متواترہ کے خلاف ہے (جب گفتگو یہاں تک پہونچگئی تو منہ بند ہو گیا اور جب قلم یہانتک پہونچ گیا تو ٹوٹ گیا۔ اور یہ اشارہ تھا اس امر کی طرف کہ گو تم کو فصاحت حاصل ہے مگر منہ بند کرو اور دم نہ مارو کیونکہ اسرار الٰہیہ کا افشا مناسب نہیں واللہ اعلم بالصواب۔ چونکہ مولانا شیخ ہیں اسلئے اب تربیت سالک کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ گو شیخ بایزید سے سکر اور غلبۂ حال میں وہ کلمات صادر ہوئے جنکا صدور بالاختیار جائز نہیں مگر تم دھوکہ نہ کھانا اور انکی تقلید نہ کرنا اور تمکو اگر قدرے ذوق وشوق و مستی حاصل ہو۔ تو خوشی میں آپے سے باہر نہ ہو جانا اور شطحیات وغیرہ زبان سے نہ نکالنے لگنا۔ دیکھ تو لب بام پر ہے۔ پس اسحالت میں تجھے نہایت احتیاط رکھنی چاہیئے۔ اور یا تو منڈیر سے نیچے بیٹھنا چاہیئے یا کوٹھے پر سے اتر آنا چاہیئے ان ہی دو صورتوں میں سلامتی ہے ورنہ گر پڑنے کا اندیشہ ہے خلاصہ یہ کہ سالک کے لئے دو صورتیں حفاظت کی ہیں۔ تو ذوق و مستی کی حالت میں احتیاط تام رکھے اور کوئی ایسی بات نکرے جو نازیبا ہو اور اسمیں کے اختیار کو دخل ہو۔ اور یا اس طریق ہی کو چھوڑ دے اور عامیانہ اسلام پر قناعت کرے کیونکہ اسمیں تو منادہی کا خطرہ ہے اور سلوک میں بے احتیاطی کا انجام کفر ہے اسی لئے کسی بزرگ نے فرمایا ہے انتم تخشون المعصیۃ ونحن نخشی الکفر۔ دیکھو جب تمکو دولت باطنی حاصل ہو جاوے تو اس عمدہ حالت کو لب بام سمجھو اور اس عمدہ وقت کی طرف سے ہر وقت کھٹکتے رہو۔ کہ ایسا نہو یہ زائل ہو جاوے۔ اور خزانہ کی طرح اسے مخفی رکھو اور اسرار الٰہیہ کو شطحیات سے ظاہر نکرو تاکہ تمھاری محبت حق سبحانہ پر کوئی آفت نہ آجاوے اور تم مردود ہو جاؤ اس خطرہ کے مقام میں تمہیں ڈرتے ڈرتے چلنا چاہیئے اور اپنی زبان اور دیگر افعال کی سخت حفاظت کرنی چاہیئے یہ تمھارا خوشی کے وقت اسکے زوال سے ڈرنا اور اسکی حفاظت کی امکانی تدبیر کرنا یہ اس مخفی لب بام سے الگ ہونا ہے۔ تم یہ کہنا کہ ہمکو تو کنارہ بام نظر نہیں آتا

تو بچین کیونکر اسلئے کہ یہ مسلم ہے کہ تم اُس مخفی بام کے کنارہ کو نہیں دیکھتے مگر تمھاری روح دیکھتی ہے اور خوشی اسی کو حاصل ہے اسلئے اسی کو دیکھنے کی ضرورت ہے اور اسی کے بچنے کی ہم تمھیں اس لئے متنبہ کرتے ہیں کہ خوشی بہت خطرناک چیز ہے اور جب یہ حاصل ہوتی ہے تو آدمی سے انجام بینی کی صفت جاتی رہتی ہے دیکھ لو جتنی پہلے امتیں غارت ہوئی ہیں سب اسی لئے غارت ہوئیں ہیں کہ وہ خوشی کو لب بام پر کھڑی تھیں اور کنار بام پر سے آدمی ضرور گرتا ہی اگر باور نہو تو قوم نوح اور قوم لوط کی حالت کو دیکھ لو اور ان سے عبرت پکڑو اور ضرور عبرت پکڑو تاکہ انبیا و اولیا کے قلوب صافیہ سے صفائی کا کچھ حصہ تمکو بھی ملجاوے۔ اب مولانا پھر اصل قصہ کی طرف عود فرماتے ہیں اور کہتے ہیں۔

سبب فصاحت و بسیار گوئی آں فضول در رسول

پرتو مستی بے حد نبی	چوں بزد ہم مست و خوش گشت آں غبی
لاجرم بسیار گو شد از نشاط	مست ادب بگذاشت آمد در خباط
نے ہمہ جا بیخودی شر میکند	بے ادب را بے ادب تر میکند
گر بود عاقل نکو فر می شود	ور بود بدخوئے بدتر مے شود
بر لبیب آید لباب کاس او	ور غبی کم گردد استیناس او
بیخود از مے باادب گردد تمام	باخود از مے باادب گردد مدام
لیک اغلب چوں بدند و ناپسند	بر ہمہ مے را محرم کردہ اند
حکم غالب راست چوں اغلب بدند	تیغ را از دست رہزن بستدند

منشا اسکی گستاخی کا یہ تھا کہ جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی مستی کا پرتو اسپر پڑا تو وہ بھی مست ہوگیا اسلئے لامحالہ اس نے فرط نشاط سے بکواس شروع کردی اور ادب کو چھوڑ دیا اور لڑکھڑانے لگا اسپر کوئی یہ شبہ نکرے کہ اس سے معلوم ہوا کہ مستی بُری چیز ہے اور جب بری چیز ہے تو انبیاء و اولیا

کو کیوں ہوتی ہے اسلئے کہ مستی خود بُری چیز نہیں اور وہ ہر جگہ بُرا اثر پیدا نہیں کرتی۔ بلکہ جو طبعًا بے ادب ہوتا ہے اُسکی اس صفت کو خوب ظاہر کر دیتی ہے پس اگر کوئی عاقل ہو تو اُسکو بہت اچھا بنا دیتی ہے اور اگر کوئی بدخصلت ہو تو اُسکی بدخوئی ظاہر کر دیتی ہے۔ اور اسکے ساغر کا جوہر اور صفت اعلیٰ دانا ہی کو ملتا ہے اور وہ کودن سے وحشت کرتی ہے اسلئے اسکو اپنا جوہر نہیں دیتی اور یہ شراب باطنی ایسی ہی ہے جیسے شراب ظاہری چنانچہ جو بے نفس اور شائستہ و مہذب ہوتے ہیں وہ اس سے اور شائستہ ہو جاتے ہیں اور جو شریر اور اوباش ہوتے ہیں وہ ہمیشہ بیہودہ ہو جاتے ہیں اسپر کوئی یہ شبہ نکرے کہ شائستہ لوگوں کیلئے شراب پینا جائز ہونا چاہئے کیونکہ ان کے پینے میں کوئی مفسدہ نہیں کیونکہ عام حالت یہ ہے کہ لوگ بُرے اور نامرضی الاخلاق ہیں۔ اس لئے شریعت نے حرمت کے قانون کو عام کر دیا۔ اور مہذب اور غیر مہذب سب کیلئے ناجائز کر دیا کیونکہ اعتبار اکثر کا ہوتا ہے اور اکثر لوگ بُرے ہیں اسلئے ان ڈکیتوں کے ہاتھ سے یہ تلوار لیلی گئی اور شراب کو ان کیلئے ناجائز کیا گیا۔ اور اچھے لوگ چونکہ کم تھے والنادر کالمعدوم اسلئے قانون کو عام رکھا گیا اور کسی کو مستثنیٰ نہیں کیا گیا۔ **ف** بیخود از مے الخ اور بر ہمہ مے را محرم کردہ اند میں علامہ بحرالعلوم نے مے عشق و مستی عشق مراد لی ہے اور اسکے حرام کرنے کے معنی یہ بتلائے ہیں کہ صوفیا اسے نقص اور عیب سمجھتے ہیں۔ لیکن صاحب ذوق سلیم جانتا ہے کہ یہ بیان بالکل خلاف تحقیق ہے اور وجہ اسکی یہ ہے کہ مستی عشق کے اندر چار احتمال ہیں یا تو خود عشق مراد ہو یا اسکا سرور یا وہ بیخودی جو شطحیات سے خالی ہو۔ یا وہ بیخودی جس سے شطحیات صادر ہوں۔ اول و ثانی تو یقینًا مراد نہیں ہو سکتے رہے ثالث و رابع سو وہ بھی مراد نہیں ہو سکتے کیونکہ مولانا مے کو حرام بتا رہے ہیں اور بیخودی خواہ اس سے شطحیات صادر ہوں یا نہوں مے نہیں بلکہ اثر مے ہے دوسرے گو سکر باضافت فی الصحو نقص ہو لیکن وہ بھی کمال ہے نہ کہ عیب لہذا اسے عیب کہنا ٹھیک نہیں۔ تیسرے محرم کردہ اند بمعنی عیب میگویند ایک ایسا استعمال ہے جس سے معنی مقصود کی طرف ذہن منتقل نہیں ہو سکتا پھر وجہ اسکی مولانا نے یہ بیان کی ہے کہ اغلب بد و ناپسند ہستند اور قلت و کثرت اس شراب کے پینے والوں میں دیکھی جائیگی۔ نہ کہ مجموعہ شاربین و غیر شاربین میں اور شراب عشق کے پینے والے اہل اللہ ہی ہیں پس انکی نسبت یہ کہنا کہ اغلب بد و ناپسند ہستند کیسے صحیح ہو سکتا ہے اور انکو شریر کیسے کہا جا سکتا ہے

وان تاملت فی سیاق الکلام ظہر لك وجہ آخر فتامل۔ **ف ۲** شراب ظاہری کی حرمت سے کسی کو شراب باطنی کی حرمت کا شبہ نہ ہونا چاہیئے کیونکہ اسکے پینے والے کل مہذب ہوتے ہیں۔

بیان کردن رسول علیہ السلام سبب تفضیل و اختیار کردن آن جوان را بر پیران کار دیدہ کار آزمودہ

گفت پیغمبر کہ اے ظاہر نگر ۔۔۔ تو مبین او را جوان و بے ہنر

اے بسا ریش سیاہ و مرد پیر ۔۔۔ اے بسا ریش سفید و دل چو قیر

عقل او را آزمودم بارہا ۔۔۔ کرد پیری آن جوان در کارہا

پیر پیر عقل باشد اے پسر ۔۔۔ نے سفیدی موئے اندر ریش و سر

از بلیس او پیرتر خود کے بود ۔۔۔ چونکہ عقلش نیست او لاشے بود

طفل گیرش چون بود صاحب کمال ۔۔۔ پیر باشد در ہنر آن خوشخصال

طفل گیرش چون بود عیسی نفس، ۔۔۔ پاک باشد از غرور و از ہوس،

آن سفیدی مو دلیل پختگی است ۔۔۔ پیش چشم بستہ کش کوتہ گی است

آن مقلد چون نداند جز دلیل، ۔۔۔ در علامت جوید او دایم سبیل

بہر او گفتیم این تدبیر را ۔۔۔ چونکہ خواہی کرد بگزین پیر را

لیک پیر عقل نے پیر سن ۔۔۔ مے ندانی ممتحن از ممتحن،

آنکہ او از پردۂ تقلید جست ۔۔۔ او بنور حق ببیند ہر چہ ہست

نور پاکش بے دلیل و بے بیان ۔۔۔ پوست بشگافد در آید در میان

پیش ظاہر بین چہ قلب و چہ سرہ — او چہ داند چیست اندر قوصرہ

اے بسا زر سیہ کردہ بدود — تا رہد از دست ہر دزد حسود

اے بسا مس بیندودہ بزر — تا فروشد آن بعقل مختصر

تا کہ باطن بین جملہ کشوریم — دل بہ بینیم و بظاہر ننگریم

قاضیانے کہ بظاہر می تنند — حکم بر اشکال ظاہر می کنند

چون شہادت گفت و ایمانش نمود — حکم او مومن کنند این قوم زود

بس منافق کاندرین ظاہر گریخت — خون صد مومن بہ پنہانے بریخت

جہد کن تا پیر عقل و دین شوی — تا چو عقل کل تو باطن بین شوی

از عدم چون عقل زیبا رو گشاد — خلعتش داد و ہزاران نام داد

کمترین زان نامہائے خوش نفس — اینکہ نبود ہیچ او محتاج کس،

گر بصورت وا نماید عقل رو — تیرہ باشد روز پیش نور او

در مثال احمقی پیدا شود — ظلمت شب پیش او روشن بود

کو ز شب مظلم تر و تاری ترست — لیک خفاش شقی ظلمت خرست

اندک اندک خوے کن با نور روز — ورنہ خفاشے بمانی بے فروز

عاشق ہر جا شکال و مشکلے است — دشمن ہر جا چراغ مقبلے است

ظلمت اشکال ازان جوید دلش — تا کہ افزون تر نماید حاصلش،

تا ترا مشغول آن مشکل کند — وز نہاد زشت خود غافل کند،

جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے ظاہر بین تو اسکو جوان اور بے ہنر نہ سمجھ کیونکہ ایسا بہت ہوتا ہے کہ ڈاڑھی سیاہ ہوتی ہے اور آدمی بڈھا ہوتا ہے اور ایسا بھی بہت ہوتا ہے کہ ڈاڑھی سفید ہوتی ہے اور دل قیر کی طرح سیاہ ہوتا ہے اور نور باطن حاصل نہیں ہوتا ہے جو کمال عقل کا سبب ہے۔ پس ڈاڑھی کی سفیدی اور سیاہی نقصان وکمال عقل کی دلیل نہیں ہو سکتی۔ میں نے اس جوان کو بارہا آزمایا ہے اور دیکھا ہے کہ اس نے بہت سے کاموں میں بوڑھا پن کیا ہے تو جو معمر شخص کو پسند کرتا ہے یہ تیری غلطی ہے کیونکہ یہ قاعدہ کلیہ نہیں ہے اور ہر معمر کارآمد اور مفید نہیں ہوتا دیکھ لے ابلیس سب سے زیادہ معمر ہے اور کوئی اس سے زیادہ معمر نہیں ہو سکتا مگر چونکہ عاقل نہیں اسلئے کسی کام کا بھی نہیں پس معلوم ہوا کہ فی نفسہ معمر ہونا کوئی چیز نہیں بلکہ عاقل ہونے کی ضرورت ہے تو اس ہذلی کو جوان کہتا ہے ہم کہتے ہیں کہ یہ جوان بھی نہ سہی بلکہ بچہ سہی لیکن چونکہ صاحب کمال ہے اسلئے وصف وکمال کے لحاظ سے بڈھا ہے اور اگر یہ بچہ بھی ہو تو چونکہ مسیح دم ہے اسلئے غرور اور ہوا وہوس سے پاک ہوگا اور یہ عین عقل ہے لہذا عاقل ہوگا پس ثابت ہوا کہ ڈاڑھی کی سفیدی کوئی چیز نہیں ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ یہ اس شخص کیلئے جسکی آنکھیں بند ہوں اور جو کہ دوربیں نہ ہو کمال کی دلیل ہے اور چونکہ ایسا شخص مقلد ہے اور مقلد کا سہارا رہ نمائی ہے اسلئے اُسے ہمیشہ علامت کی ضرورت ہوتی ہے اسکے لئے ہم نے کہا تھا کہ جب تمکو پیشوا کرنا ہو تو بڈھے کو کرو مگر مراد ہماری پیر عقل ہے نہ کہ پیر سال لیکن مقلد کو ناقص اور کامل میں امتیاز نہیں ہوتا اسلئے اُس کے واسطے تو یہی ہے کہ وہ معمر کو اختیار کرے کیونکہ پختگی عقل کا بصیرت سے تو اسکو جوان کی نسبت علم ہے نہ بڈھے کی رہی علامت پختگی سو وہ بڈھے میں موجود ہے نہ کہ جوانمیں اسلئے اُسکے لحاظ بڈھے کو ترجیح ہے اور جو لوگ حجاب تقلید سے نکلکر محقق وصاحب بصیرت ہو گئے ہیں وہ حق سبحانہ کے نور سے جو کہ انکو حاصل ہے امر واقعی کو معلوم کر لیتے ہیں انکے لئے علامت کی ضرورت نہیں کیونکہ نور حق سبحانہ کی یہ خاصیت ہے کہ وہ بدون دلیل اور بیان کے کھال کے اندر گھس کر باطنی حالت معلوم کر لیتا ہے۔ برخلاف ظاہر بین کے کہ اسکے نزدیک کھوٹا اور کھرا دونوں برابر ہیں وہ کیا جانے کہ بھید جسم کے اندر کیا ہے اسلئے اُسکے واسطے دلیل وعلامت کی ضرورت ہے دیکھو بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ کسی مصلحت سے آدمی کے ظاہر وباطن میں مخالفت ہوتی ہے کبھی باطن اچھا ہوتا ہے

اور ظاہر برا اور اسکی مثال تو یہی ہوتی ہے جیسے کوئی شخص سونے کو چوروں سے بچانے کے لئے دھوئیں میں رنگ لے۔ اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ظاہر اچھا ہوتا ہے اور باطن برا اسکی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص تانبے پر سونے کا ملمع کر دے تاکہ وہ اسکو کسی کم عقل کے ہاتھ بیچ دے پس ہم لوگ جو تمام عالم کی باطنی حالت باعلام الٰہی جان سکتے ہیں دل کو دیکھتے ہیں اور ظاہر کو نہیں دیکھتے۔ اب مولانا فرماتے ہیں کہ قضاۃ چونکہ باطنی حالت کے معلوم کرنے سے عاجز ہیں اسلئے ظاہر کو دیکھتے ہیں۔ اور شکل ظاہری پر حکم لگاتے ہیں۔ چنانچہ جب کسی نے کلمۂ شہادت پڑھلیا اور اپنا ایمان ظاہر کر دیا تو اسپر مومن کا حکم کرتے ہیں اور اسکو ظاہر و باطن میں مسلمان سمجھتے ہیں اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ بہت سے ایسے منافقوں نے جو کسی مصلحت دنیوی کے بنا پر ظاہر کفر سے بھاگ کر ظاہراً اسلام میں داخل ہو گئے ہیں مخفی طور پر سیکڑوں مسلمانوں کا خون کر دیا ہے خواہ انہیں قتل کر کے خواہ اُن کو دین سے برگشتہ کر کے۔ جیسا کہ عبداللہ بن سبا اور اسکے متبعین نے کیا بس تم کوشش کرو کہ شیخ عقل و دین ہو جاؤ۔ تاکہ اہل اللہ کی طرح باطن بین ہو جاؤ۔ اور منافقین کے ضرر سے محفوظ ہو جاؤ۔ دیکھو جب عقل جمیل پردۂ غیب سے جلوہ نما ہوتی ہے تو آدمی کو معزز و ممتاز کرتی اور اُسے نہایت نامور کر دیتی ہے معمولی حالت اسکی یہ ہوتی ہے کہ وہ شخص بینا ہو جاتا ہے اور اندھوں کی طرح دوسروں کا محتاج نہیں ہوتا عقل کی تو یہ شان ہے کہ اگر وہ متشکل اور ظاہر ہو تو اسکے نور کے مقابلہ میں روز روشن تاریک معلوم ہو اور حمقی اور بے عقلی کی حالت یہ ہے کہ اگر اسکی صورت ظاہر ہو تو تاریکی شب اُسکے سامنے منور معلوم ہو کیونکہ وہ رات سے بھی زیادہ تاریک اور مظلم ہے۔ شاید کوئی سوال کرے کہ پھر آدمی اُسے کیوں پسند کرتے ہیں اور اسے کیوں نہیں چھوڑنا چاہتے۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ خفاش ہیں اور بدبخت خفاش ظلمت خواہ ہی ہوتا ہے اور ظلمت ہی اُسکی غذا ہوتی ہے پھر اسے کیسے چھوڑے اب فرماتے ہیں کہ اے خفاش صفت تو نور عقل سے جو کہ نور روز سے مشابہ ہے رفتہ رفتہ مناسبت پیدا کر لے ورنہ تو خفاش صفت ہی رہیگا۔ اور جہاں کوئی اشکال اور مشکل ہوگی تو اسی کا عاشق رہیگا۔ اور جہاں چراغ ولایت ہوگا تو اسکا دشمن ہوگا کیونکہ اشکال و مشکل میں تو ظلمت جہل ہے۔ اور تو ظلمت کا عاشق ہے اسلئے تو اشکال کا عاشق ہوگا۔ اور چراغ ولایت میں روشنی علم ہے اور تو روشنی کا

دشمن ہے اسلیئے اس چراغ سے متنفر ہوگا۔ خلاصہ یہ کہ تو استدلالیات ہی میں گرفتار رہیگا اور کشفیات سے تجھے بے مناسبتی رہیگی۔ اب ہم تم کو اسکا راز بتلاتے ہیں کہ وہ ظلمت اشکال پر کیوں عاشق ہے سنو اسکا دل ظلمت اشکال کا اسلیئے طالب ہے کہ اسکو اسکا مایۂ علم وعقل زیادہ معلوم ہو کیونکہ جب وہ کسی بات میں اشکال یا اسکا جواب پیدا کریگا تو لوگ سمجھیں گے کہ بڑا عاقل اور فہیم ہے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ تم کو سوال وجواب میں الجھا کر اپنی سرشت بد سے غافل کردے اور تم اسکی باطنی حالت میں غور نہ کر سکو۔

علامت عاقل تمام ونیم عاقل ومرد تمام ونیم مرد وعلامت شقی مغرور لاشئے

عاقل آں باشد کہ او با مشعلہ است
او دلیل وپیشوائے قافلہ است

پیرو نور خود ست آں پیش رو
تابع خویش است آں بیخویش رو

مومن خویش است وایمان آورید
ہم بداں نورے کہ جانش زاں چرید

دیگرے کہ نیم عاقل آمد او
عاقلے را دیدۂ خود داند او

دست در وے زد چو کور اندر دلیل
تا بدو بینا شد وچست وجلیل

واں خرے کز عقل جو سنگے نداشت
خود نبودش عقل وعاقل را گذاشت

رہ نداند نے قلیل ونے کثیر
می نجوید ہم نذیر وہم بشیر

غرقہ اندر غفلت ودر قال وقیل
ننگش آید آمدن خلف دلیل

می رود اندر بیاباں دراز
گاہ لنگاں آیس وگاہے تباز

شمع نے تا پیشوائے خود کند
نیم شمعے نے کہ نورے گد کند

نیست عقلش تا دم زندہ زند
نیم عقلے نے کہ خود مردہ کند

مردۂ آں عاقل آید او تمام	تا برآید از نشیب خود بہام
عقل کامل نیست خود را مردہ کن	در پناہ عاقلے زندہ سخن
زندہ نے تا ہمدم عیسےٰ بود	مردہ نے تا دمگہ عیسےٰ بود
زندہ نے و مردہ نے لاشے بود	غورہ باشد نے عنب نے مے بود
غورۂ کز غورگی در نگذرد	سنگ بست فخام و ترش و رد بود
جان کورش گام ہر سو می نہد	عاقبت نجہد و لے برمی جہد
سود ندہد بر جہیدن آں زماں	زانکہ نازل شد بلا از آسماں

یہاں سے مولانا عاقل کامل اور عاقل ناقص اور احمق کی حالت بیان فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ عاقل کی ایسی مثال ہے جیسے کوئی مشعل لئے ہوئے ہو کیونکہ وہ اپنا رہبر خود ہوتا ہے اور دوسروں کا مقتدا اور پیشوا ہوتا ہے اور دوسرے لوگ اسکے سہارے پر چلتے ہیں یہ میشیر و خود اپنے نور کا پیرو ہوتا ہے اور یہ خودی کو چھوڑ کر چلنے والا خود اپنا تابع ہوتا ہے اسلئے گویا کہ وہ خود اپنے او پر ایمان لاتا اور اسی نور پر ایمان رکھتا ہے جس سے اسکی جان متغذی ہے (یہ شان اصالۃً تو انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام کی ہے اور اُنکے توسط سے اولیا راللہ کو بھی اسکا ایک معتدبہ حصہ حاصل ہو جاتا ہے اسلئے وہ بھی ان ہی کیساتھ ملحق ہیں اور چونکہ انبیا کی طرح اولیا اپنے او پر ایمان نہیں رکھتے بلکہ انکا ایمان انبیا ہی پر ہوتا ہے اسلئے ہم نے مومن خویش ست الخ کو حقیقت پر محمول نہیں کیا بلکہ تشبیہ پر محمول کیا۔ اور مقصود یہ ہے کہ انکو استقلالی شان حاصل ہوتی ہے جیسے مومن بنفسہ کو ہوتی ہے مگر علی تفاوت درجات کمال العقل۔ پس انبیا کو استقلال اتم و اکمل حاصل ہوگا اور اولیا کو اس سے کم اور جبکہ یہ معلوم ہو گیا کہ مومن خویش ست سے بیان استقلال مقصود ہے نہ کہ معنی حقیقی تو معنی حقیقی سے سکوت ہوگا اور یہ شبہ نہ واقع ہوگا کہ اس سے لازم ہے کہ یا تو انبیا بھی مومن بنفسہ ہوں یا اولیا بھی مومن بنفسہ ہوں کیونکہ عاقل دونوں ہیں اور دونوں کو مومن

خویش است کہا ہے پس اگر مومن خویش است الخ کے یہ معنی ہیں کہ وہ حقیقۃً اپنے اوپر ایمان رکھتے ہیں تو لازم ہے کہ اولیا بھی مومن بالنفسہم ہوں اور اگر یہ معنی ہیں کہ وہ مجازاً اپنے اوپر ایمان رکھتے ہیں تو لازم کہ انبیا بھی مومن بالنفسہم نہوں اور محصل دفع شبہ یہ ہو کہ اسکے معنی یہ ہیں کہ وہ عملی تفاوت درجات الاستقلال مستقل ہیں جیسے کہ مومن بنفسہٖ مستقل ہوتا ہے گو دونوں استقلالوں میں فی الجملہ فرق بھی ہے کہ اول کیلئے اتمیت لازم نہیں اور دوسرے کے لئے لازم ہے۔ رہی یہ بات کہ وہ حقیقۃً کسپر ایمان رکھتے ہیں اس سے کوئی بحث نہیں خواہ اپنے اوپر ایمان رکھتے ہوں یا دوسرے پر اب شبہ نہ رہا۔ خود اپنے اوپر ایمان لانے کی ایک مختصر اور واضح توجیہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ انبیا کا اپنے اوپر ایمان ....

.... لانا تو ظاہر ہے رہے اولیا سو انکا ایمان انبیا پر ہے اور مولانا نے ارواح انسانیہ کا اتحاد ثابت کیا ہے جسکی تفصیل گذر چکی تو انکا انبیا پر ایمان لانا اتحاد کی بنا پر گویا کہ خود اپنے ہی اوپر ایمان لانا ہے) اور دوسرا شخص جو نیم عاقل ہے اُسکی حالت یہ ہے کہ وہ عاقل کو اپنی آنکھ جانتا ہے اور اسکے سہارے پر چلتا ہے اور اسکو یوں پکڑ لیتا ہے جیسے اندھا اپنے رہبر کو پکڑ لیتا ہے جسکا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ اسکی بینائی سے بینا ہو جاتا ہے۔ اور تیز رو اور بڑا شخص ہو جاتا ہے اور تیسرا شخص وہ ہے جو احمق ہو اور عقل بالکل نہ رکھتا ہو اور باوجود ذاتی عقل نہونے کے عاقل کو بھی چھوڑ دیتا ہو اسکی حالت یہ ہے کہ وہ بالکل راستہ نہیں جانتا اور اُس بشیر و نذیر (شیخ) کو نہیں ڈھونڈھتا۔ جو اُسکو منافع سے مطلع کرے اور مضار سے ڈرائے بلکہ وہ غفلت اور فضولیات میں منہمک ہوتا ہے اُسکو شرم آتی ہے کہ کسی رہبر کے پیچھے چلے اسکی یہ حالت ہوتی ہے کہ وہ مسافت طویلہ راہ خدا میں کبھی تو لنگڑا اور مایوس چلتا ہے اور کبھی دوڑکر یعنی وہ خود رائی سے اُسکو طے کرنا چاہتا ہے پس کبھی تو بے قاعدہ چلتا ہے اور کبھی باقاعدہ نہ اسکے پاس شمع عقل کامل ہوتی ہے کہ اُسے پیشوا بنائے اور نہ نیم شمع یعنی نیم عقل کہ وہ صاحب شمع یعنی شیخ عاقل کو رہبر بنائے اور اس سے نور حاصل کرے۔ اور نہ تو اُسکو عقل کامل ہوتی ہے کہ وہ زندوں کی سی پھونک مارے اور عیسے علیہ السلام کیطرح روحانی مردوں کو زندہ کر دے۔ اور نہ عقل ناقص ہوتی ہے کہ اپنے کو مردہ کر لے اور شیخ عاقل کے سامنے

اپنے کو کامل مردہ بنالے تاکہ وہ حضیض ناسوت سے اوج ملکوت تک پہونچ جاوے پس اگر تمکو عقل کامل حاصل نہو تو اپنے کو ایک زندہ سخن عاقل کی پناہ میں مردہ کر لو خیر یہ مضمون تو جملہ معترضہ کے طور پر تھا اب ہم احمق کی حالت بیان کرتے ہیں سنو وہ نہ تو زندہ بحیات روحانی ہے کہ اسکی پھونک میں بھی دم عیسے کا اثر ہو اور وہ روحانی مردوںکو جلا سکے اور نہ مردہ ہی ہے کہ کوئی عیسے نفس شیخ کامل اُسے پھونک مار کر زندہ کر دے۔ اور وہ اُسکی پھونک کا محل بنجاوے۔ (پھونک سے مراد فیض تعلیم وصحبت ہے) غرضکہ نہ وہ زندہ ہے اور نہ مردہ بلکہ محض ہیچ ہے۔ اور وہ ایک کچا انگور ہے نہ پختہ ہے جو مے یعنی کامل بن سکے اور نہ خود مے یعنی کامل ہے اور قاعدہ ہے کہ جو کچا انگور ایسا ہو کہ وہ اپنے غورہ پن کو نہ چھوڑے تو وہ ٹھٹھرا ہوا اور کچا اور کھٹا اور نکما پھینکنے کی قابل ہوتا ہے لہذا یہ احمق بھی محض نکما ہے۔ نیز اُسکی یہ حالت ہے کہ وہ اٹکل پچو ہر طرف چلتا ہے مگر وہ اس دام ضلالت سے نکل نہیں سکتا۔ ہاں کودتا پھاندتا بہت ہی مگر اسوقت اسکا یہ کودنا پھاندنا کچھ کام نہیں آتا کیونکہ آسمان سے بلا نازل ہو چکی ہے یعنی وہ بلائے حماقت میں گرفتار ہوتا ہی (گو یہ بلائے احمقی اختیاری ہے مگر اسکو آسمان سے نازل ہونے والا اسلئے کہا گیا کہ قضائے آسمانی کو بھی اسمیں گونہ دخل ہے)۔

قصۂ آبگیر و صیادان و آں سہ ماہی یکے عاقل و یکے نیم عاقل و یکے مغرور ابلہ بے عقل و عاقبت ایشان

قصۂ آں آبگیر ست اے عنود	کہ درو سہ ماہی اشگرف بود
در کلیلہ خواندہ باشی لیک آں	قشر افسانہ بود ویں مغز جاں
چند صیادے سوئے آں آبگیر	برگذشتند و بدیدند آں ضمیر
پس شتابیدند تا دام آورند	ماہیان واقف شدند و ہوشمند

آنکہ عاقل بود عزم راہ کرد	عزم راہ مشکل ناخواہ کرد
گفت با آنہا ندارم مشورت	کہ یقین سستم کنند از مقدرت
مہر زاد و بود بر جان شان تند	کاہلی و جہل شان بر من زنند
مشورت را زندۂ باید نکو	کہ ترا زندہ کند آن زندہ کو
اے مسافر با مسافر رائے زن	زانکہ پایت لنگ دارد رائے زن
از دم حب الوطن بگذر مایست	کہ وطن آن سوست جان این سوئی نیست
گر وطن خواہی گذر آن سوئے شط	این حدیث راست را کم خوان غلط

چونکہ اوپر نزول بلائے آسمانی کے وقت سعی کا بیکار ہونا بیان فرمایا تھا اسلئے اب اسکے مناسب ایک قصہ بیان فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ایک تالاب کا قصہ ہے کہ اسمیں تین عجیب مچھلیاں تھیں تم نے اس قصہ کو کلیلہ دمنہ میں پڑھا ہوگا لیکن وہ قصہ کا پوست ہے جس عنوان سے ہم بیان کرتے ہیں وہ مغز جان ہے اسلئے اس مقام پر اسکا ذکر لغو نہیں ہے پس تم اسے غور سے سنو اور کلیلہ دمنہ میں پڑھ لینے کی بنا پر بے توجہی نکرو۔ خیر قصہ یہ ہے کہ چند شکاری اس تالاب کی طرف آنکلے اور اسکے پانی میں مخفی مچھلیونکو دیکھا۔ یہ دیکھکر وہ جال لینے دوڑے۔ مچھلیاں انکے اس ارادہ پر مطلع اور خبردار ہوگئیں پس ان میں جو مچھلی عاقل تھی اُس نے تو وہاں سے چلدینے کا پختہ ارادہ کر لیا یعنی اس رستہ کا قصد کر لیا جو کٹھن تھا اور جسپر چلنے کی خواہش نہوتی تھی اور دل میں کہا کہ میں ان مچھلیوں سے اس معاملہ میں مشورہ نہیں کرتی کیونکہ یہ امر یقینی ہے کہ یہ مجھے اپنی مقدور بھر ڈھل مل کرینگی۔ اور پیدائش وسکونت کی محبت انکے دل میں اثر کریگی۔ اور وہ مجھے سفر سے مانع ہونگی۔ اسکا نتیجہ یہ ہوگا کہ انکی کاہلی اور جہالت کا اثر مجھپر پڑیگا۔ اب مولانا انتقالی فرماتے اور در مضمون ارشادی بیان فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ مشورہ کیلئے زندہ دل اور اچھے شخص کی ضرورت ہے جو کہ تمہیں زندہ کر دے اسکے بعد فرماتے ہیں کہ ایسے لوگ کہاں ہیں یعنی بہت کم ہیں اور عام حالت تو

خراب ہی ہے۔ خیر تم چونکہ عالم ناسوت سے عالم ملکوت کا سفر کرنا چاہتے ہو اسلئے ایسے ہی لوگوں سے مشورہ کرو کیونکہ جو لوگ عورتوں کی طرح خانۂ ناسوت میں محبوس ہیں اُنکی رائے تمھاری پاؤں توڑ دیگی یعنی اس سے مانع ہوگی۔ دیکھو تم حب الوطن من الایمان کے فریب میں نہ آجانا اور عالم ناسوت کو وطن سمجھکر اسمیں نہ رہ پڑنا۔ بلکہ اس سے گذر جانا۔ کیونکہ وطن اصلی تو عالم غیب ہے۔ کیونکہ تمھاری حقیقت روح ہے اور روح ناسوتی نہیں ہے پس اگر وطن مطلوب ہے تو دریائے ناسوت کے اُس پار پہونچ جاؤ اور اس صحیح حدیث حب الوطن من الایمان کو غلط مت پڑھو یعنی اسکو عالم ناسوت پر محمول نکرو۔

سرّ حدیث حب الوطن من الایمان

در وضو ہر عضو را وردے جدا	آمدہ است اندر خبر بہر دعا
چونکہ استنشاق بینی می کنی	بوئے جنت خواہ از رب غنی
تا ترا آں بو کشد سوئے جناں	بوئے گل باشد دلیل گلستاں
چونکہ استنجا کنی در دو سخن	ایں بود یارب تو زینم پاک کن
دست من اینجا رسید ایں را بشست	دستم اندر شستن جانست سست
اے ز تو کس گشتہ جان ناکساں	دست فضل تست در جانہا رساں
حد من ایں بود کردم من لئیم	زاں سوئے حد را نقی کن اے کریم
از حدث شستم خدایا پوست را	از حوادث تو بشو ایں دوست را

حکایت آں شخص کہ بوقت استنجا گفت اللّٰھم ارحنی رائحۃ الجنۃ بجائے اللّٰھم اجعلنی من التوابین واجعلنی

من المتطہرین کہ وِرد استنجا ست ایں را در وقت استنشاق خواند عزیزے گفت سوراخ دعا گم کردہ

آں یکے در وقت استنجا بگفت — کہ مرا با بوئے جنت دار جفت

گفت شخصے خوب ورد آوردہ — لیک سوراخ دعا گم کردہ

ایں دعا چوں وِرد بینی بود چوں — وِرد بینی را تو آوردی بکوں

رائحہ جنت ز بینی یافت حُر — رائحہ جنت کے آید از دبر

اے تواضع بردہ پیش ابلہاں — وے تکبر کردہ تو پیش شہاں

آں تکبر بر خساں خوب ست و چست — ہیں مرو معکوس عکسش بند تست

از پے سوراخ بینی رست گل — بو وظیفہ بینی آمد از عتل

بوئے گل بہر مشام ست اے دلیر — جائے آں بو نیست ایں سوراخ زیر

کے ازیں جا بوئے خلد آید ترا — بو ز موضع جو اگر باید ترا

ہمچنیں حب الوطن باشد درست — تو وطن بشناس اے خواجہ نخست

چونکہ اوپر حدیث حب الوطن من الایمان کے غیر محل سے متعلق کرنے کی ممانعت کی تھی اور محل سے متعلق کرنے کی ترغیب دی تھی اسلئے اب اس مضمون کو ایک قصہ سے واضح فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اولاً یہ سمجھ لو کہ وضو میں ہر عضو کیلئے ایک جداگانہ وظیفہ دعا کیلئے .... حدیث میں آیا ہے چنانچہ حکم ہے کہ جب تم ناک میں پانی دو تو حق سبحانہ سے بوئے جنت کی درخواست کرو اور کہو اللّٰھم ارحنی من رائحۃ الجنۃ۔ تاکہ حق سبحانہ تمکو جنت کی بو سنگھا دیں اور وہ بو تمہیں جنت میں لیجاوے کیونکہ قاعدہ ہے کہ بوئے گل گلستاں کی طرف رہبر ہوتی ہے۔ اسی طرح بوئے جنت کیطرف

راہنمائی کرے گی اور حکم ہے کہ جب استنجا کرو تو تمہارا وظیفہ اور کلام یہ ہونا چاہئے کہ اے اللہ تو مجھے نجاست سے پاک کر۔ میرا ہاتھ تو یہیں تک پہونچتا ہے سو اس نے اس مقام کو دھو ڈالا لیکن میرا ہاتھ میری جان کو دھونے سے عاجز ہے پس اے وہ ذات جو نالائقوں کو لائق بناتی ہے۔ تیرا دست قدرت جانوں تک پہونچتا ہے پس تو میری جان کو پاک کردے مجھ نالائق کی رسائی تو یہیں تک تھی اسلئے میں نے اسی کو پاک کرلیا۔ پس اس مقام سے ادھر جو شے ہے یعنی روح تو اُسے پاک کردے اور اے اللہ میں کھال کو تو دھو چکا ہوں۔ مگر تو میرے دل و جان کو دھو دے۔ جو میرے دوست ہیں خیر یہ تو تمہید تھی اب اصل مطلب سنو۔ ایک شخص استنجے کے وقت کہہ رہا تھا کہ اے اللہ تو مجھے بوئے جنت سے پیوستہ رکھ کسی شخص نے اس دعا کو سنکر کہا کہ میاں دعا تو تم نے اچھی کی۔ لیکن اس دعا کا سوراخ بھول گئے بھائی یہ دعا تو سوراخ بینی کی تھی تم نے سوراخ مقعد پر اسے کیوں پڑھا جنت کی بو تو ناک سے محسوس ہوتی ہے پاخانہ کے مقام سے تو جنت کی بو نہیں آتی۔ اب مولانا یہاں سے ایک استطرادی مضمون ارشادی کی طرف انتقال فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اے وہ شخص جو احمقوں کے سامنے تواضع کرتا ہے اور اہل اللہ سے تکبر کرتا ہے تو محل تواضع و تکبر بھول گیا تکبر تو کمینوں کے مقابلہ میں عمدہ اور موزوں ہے تو ٹیڑھا مت چل یہ تیرا ٹیڑھا چلنا تیرے لئے بیڑی ہے جو تجھے نفس کے قبضہ سے نہ نکلنے دیگی اس مضمون استطرادی کو ختم کرکے پھر اصل قصہ کی طرف عود فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس شخص نے کہا کہ بھول تو سوراخ بینی کیلئے اُگا ہے اور بُو تو ناک کا حق ہے اور بوئے گل تو قوت شامہ کیلئے ہے پیچھے کا سوراخ اس بو کا محل نہیں تو سوچ تو سہی کہیں جنت کی بو تجھے پاخانہ کے مقام سے آسکتی ہے ہرگز نہیں۔ پس تو اس بو کو اسکے محل سے طلب کر اب مولانا فرماتے ہیں کہ یوں ہی حب الوطن من الایمان نہایت صحیح ہے مگر تمکو پہلے وطن کو پہچاننا چاہئے کہ کون ہے اور پھر وطن کی محبت کرنی چاہئے۔

گفت آں ماہی زیرک رہ کنم	دل زرائے و مشورت شاں برکنم
نیست وقت مشورت ہیں راہ کن	چوں علی تو آہ اندر چاہ کن
محرم آں آہ کمیاب ست وبس	شب رَو و پنہاں روی کن چوں عسس

سوئے دریا عزم کن زیں آب گیر | بحر جو و ترک ایں گرداب گیر
سینہ را پا ساخت میرفت آں حذور | از مقام با خطر با بحر نور
ہمچو آہو کز پئے او سگ بود | می دود تا در تنش یک رگ بود
خواب خرگوش و سگ اندر پے خطاست | خواب خود در چشم ترسندہ کجاست
رفت آں ماہی رہ دریا گرفت | راہ دور و پہنئہ پہنا گرفت
رنجہا بسیار دید و عاقبت | رفت آخر سوئے امن و عافیت
خویشتن افگند در دریائے ژرف | کہ نیابد حد آنرا ہیچ طرف
پس چو صیاداں بیاوردند دام | نیم عاقل را ازاں شد تلخ کام
گفت آہ من فوت کردم فرصت را | چوں نگشتم ہمرہ آں رہنما
ناگہاں رفت او و لیکن چوں برفت | می ببایستم شدن در پے بتفت
ایں زماں سودے ندارد حسرتم | چوں کنم چوں فوت شد آں فرصتم
برگذشتہ حسرت آوردن خطاست | باز ناید رفتہ یاد آں ہباست

اب مولانا مچھلیوں کے قصہ کی طرف عود فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ عاقل مچھلی نے کہا کہ مجھے چلدینا چاہیئے اور ان سے مشورہ اور رائے لینے کا خیال چھوڑ دینا چاہیئے۔ اور اپنے نفس سے خطاب کرکے کہا کہ اب مشورہ کا وقت نہیں ہے پس تجھے رستہ پر پڑلینا چاہیئے اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کیطرح کنوئیں میں اظہار غم کرنا چاہیئے (مشہور ہے کہ جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم جب حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے اسرار بیان فرماتے تھے تو وہ نہ ضبط کرسکتے تھے اور نہ کسی سے کہہ سکتے تھے اسلئے کنوئیں میں منہ ڈالکر اپنے دل کا بخار نکالتے تھے مگر یہ واقعہ ثابت نہیں مولانا نے بنا بر شہرت لکھدیا ہے دھوکھا نہ کھانا چاہیئے) کیونکہ اس اظہار غم کے محرم کمیاب ہیں اور اب تجھکو صرف یہ چاہیئے کہ کسی کو راز دار نہ

بنائے اور کوتوال کیطرح رات کو اور تنہا چلے یعنی سفر مخفی اور بلا مشورہ اختیار کرے تاکہ کوئی مزاحم نہو اور چاہیئے کہ اس تالاب کو چھوڑ کر دریا کا عزم کرے اور اس گرداب کو چھوڑے اور دریا کو طلب کرے یہ سوچکر اس ہوشیار مچھلی نے اپنے سینہ کو پاؤں بنایا اور سینہ کے بل اس خوفناک مقام سے بحر نور میں چلدی۔ (بحر نور سے مراد بحر حقیقت و معرفت نہیں ہے کما وہم بلکہ دریائے متعارف ہے اور توجیہ اضافت یہ ہے کہ مصائب و بلایا کو ظلمت سے تشبیہ دیجاتی ہے اسکے مقابلہ میں راحت و آسایش نور سے مشابہ ہونگے اور معنی بحر نور دریائے موجب راحت ہونگے واللہ اعلم) اور وہ وہ یوں دوڑی جسطرح وہ ہرن جسکے پیچھے کتا لگا ہوا ہو اسوقت تک دوڑتا ہے جب تک کہ اسمیں ذراسی بھی قوت باقی ہوتی ہے اور دوڑنا بھی چاہیئے کیونکہ ایسی حالت میں غفلت کی نیند سونا جبکہ کتا پیچھے لگا ہو سخت غلطی ہے اسکے علاوہ ڈرنے والے کو نیند آبھی تو نہیں سکتی۔ پھر سو کیونکر سکتا ہے خیر تو وہ مچھلی چلدی اور دریا کا رستہ لیا اور بہت لمبا چوڑا رستہ اختیار کیا گو اُسے رستے میں بہت کچھ تکلیفیں ہوئیں مگر بالآخر وہ امن و عافیت کے مقام پر پہونچگئی۔ اُس نے اپنے کو ایسے گہرے سمندر میں ڈالدیا جسکے کنارہ کو کوئی نظر نہیں محسوس کرسکتی تھی پس جبکہ شکاری لوگ جال لے آئے تو نیم عاقل مچھلی کی زندگی تلخ ہوگئی اور اُس نے کہا کہ افسوس میں نے وقت کھودیا میں اس راہبر کی ہمراہ کیوں نہ چلی گئی یہ مسلم ہے۔ وہ بدون کہے اچانک چلی گئی لیکن جب وہ چلی گئی تھی اور مجھے معلوم ہوگیا تھا تو فوراً ہی مجھے بھی اسکے پیچھے چلدینا چاہیئے تھا۔ خیر اب پچھتانے سے کچھ نہیں ہوتا۔ جب وقت نکل گیا تو اب کیا ہوسکتا ہے اب مولانا فرماتے ہیں کہ گذشتہ پر پچھتانا سخت غلطی ہے کیونکہ وہ تو اب واپس ہو نہیں سکتا اسلئے کہ وہ تو اب معدوم ہوچکا پھر لوٹ کیسے سکتا ہے لہذا اس پچھتاوے کو چھوڑنا چاہیئے۔ اور آئندہ کی فکر کرنی چاہیئے۔ اسکے بعد مولانا اسکے متعلق ایک واقعہ بیان فرماتے ہیں۔

قصہ آں مرغ کہ وصیت کرد کہ بر گذشتہ پشیمانی مخور و در تدارک وقت اندیش و رفتہ غم مخور

آں یکے مرغے گرفت از مکر دام	مرغ اوراگفت کائے خواجہ ہمام

تو یکے مرغ ضعیفے ہیچو من — صید کردہ خوردہ گیر اے نیک ظن

تو بسے گاوان و میشاں خوردۂ — تو بسے اشتر بقربان کردۂ

تو نگشتی سیر زانہا در زمن — ہم نگردی سیر از اجزائے من

مر مرا آزاد گرداں از کرم، — اے جوانمرد کریم محتشم،

بل مرا تا کہ سہ پندت بر دہم — تا بدانی زیرکم یا ابلہم،

اول آں پندت و ہم بر دست تو — بدہمت اے جاں و دل ہست تو

بر سر دیوار بدہم ثانیش، — تا شوی زاں پند شاد و خوب و کش

واں سوم پندت دہم من بر درخت — کہ ازیں سہ پند گردی نیکبخت

آنچہ بر دست ست اینست آں سخن — کہ محالے را ز کس باور مکن

بر کفش چوں گفت اول پند رفت — گشت آزاد و براں دیوار رفت

گفت دیگر بر گذشتہ غم مخور — چوں ز تو بگذشت زاں حسرت مبر

بعد ازاں گفتش کہ در جسمم کتیم، — دہ درم سنگ است یک دُرِ یتیم

دولتِ تو بخت فرزنداں تو — بود آں گوہر بحق جان تو

فوت کردی دُر کہ روزیت نبود — کہ نباشد مثل آں دُر در وجود

آنچناں کہ وقتِ زادں حاملہ — نالہ دارد خواجہ شد در غلغلہ

گشت غمناک و ہمی گفت آہ آہ — ایں چرا کردم کہ شد کارم تباہ

من چرا آزاد کردم مر ترا — زیں حیل از راہ بردی مر مرا

مرغ گفتش نے نصیحت کردمت ‏ ‏ ‏ ‏ کہ مبادا بر گذشتہ دے غمت

چون گذشت و رفت غم چون میخوری ‏ ‏ ‏ ‏ یا نکردی فہم پندم یا کری

واں دوم پندت بگفتم کز ضلال ‏ ‏ ‏ ‏ ہیچ تو باور مکن قول محال

من نیم خود سہ درم سنگ اے اسد ‏ ‏ ‏ ‏ دہ درم سنگ اندرونم چون بود

خواجہ باز آمد بخود گفتا کہ ہین ‏ ‏ ‏ ‏ باز گو پند سوم اے نازنین

گفت آرے خوش عمل کردی بدان ‏ ‏ ‏ ‏ تا بگویم پند ثالث رایگاں

ایں بگفت و بر پرید و شاد رفت ‏ ‏ ‏ ‏ سوئے صحرا سرخوش و آزاد رفت

پند گفتن با جہول خوابناک ‏ ‏ ‏ ‏ تخم افگندن بود در شورہ خاک

چاک حمق و جہل نپذیرد رفو ‏ ‏ ‏ ‏ تخم حکمت کم دہش اے پندگو

زانکہ جاہل جہل را بندہ بود ‏ ‏ ‏ ‏ چونکہ تو پندش دہی او نشنود

ایک شکاری نے فریب اور جال سے ایک پرندہ پکڑا۔ اس پرندہ نے اس سے کہا کہ جناب میں نے مانا کہ آپ نے مجھسے کمزور جانور کو پکڑ کر کھا لیا لیکن آپ خیال فرمائیں کہ آپنے بہت سی گائیں اور بہت سی بھیڑیں چٹ کر لی ہیں مگر ہنوز آپکا پیٹ نہیں بھرا۔ پس ضرور ہے کہ مجھے کھا کر بھی آپکا پیٹ نہ بھریگا۔ پس میرے نزدیک بہتر رائے یہ ہے کہ آپ مجھے براہ کرم آزاد کردیں اور چھوڑ دیں۔ تاکہ میں آپکو تین نصیحتیں کروں اور اس سے آپکو معلوم ہو جاوے کہ میں دانا ہوں یا بیوقوف لیکن شرط یہ ہے کہ پہلی نصیحت تو آپکے ہاتھ پر بیٹھا ہوا کرونگا اور دوسری دیوار پر تاکہ آپ اس سے شاداں وفرحاں ہوں اور تیسری نصیحت میں آپ کو درخت پر بیٹھکر کرونگا۔ ان تین نصیحتوں سے آپ خوش اقبال ہو جاویں گے اس رائے کو شکاری نے منظور کر لیا۔ اور پرندہ نے کہا کہ پہلی نصیحت جو آپکے ہاتھ پر بیٹھے ہوئے ہے یہ ہے کہ محال بات کوئی کہے تم اسکا یقین نکرنا۔ جبکہ اس نے اسکے ہاتھ پر بیٹھکر

پہلی نصیحت کر دی تو اب وہ حسب الشرط آزاد ہو گیا۔ اور دیوار پر جا بیٹھا اور وہاں بیٹھکر کہا کہ دوسری نصیحت یہ ہے کہ گذشتہ پر افسوس نکرنا۔ اور جو بات تمھارے ہاتھ سے نکلجاوے اُسپر پچھتایا مت۔ یہ کہکر اُس نے کہا کہ میرے پیٹ میں دس درم وزن کا ایک موتی پوشیدہ ہے اور تمھاری جان کی قسم وہ تمھاری دولت اور تمھارے بال بچوں کی خوش اقبالی کا ذریعہ تھا مگر افسوس کہ تمھارے ہاتھ سے وہ موتی نکل گیا کیونکہ تمھاری قسمت ہی میں نہ تھا۔ جو کہ عالم وجود میں اپنا نظیر نہیں رکھتا یہ سنتے ہی اس شکاری نے یوں آہ وزاری شروع کی جیسے دردزہ کے وقت حاملہ عورت کیا کرتی ہے اور بہت غمگین ہوا اور کہا کہ ہائے ہائے میں نے یہ کام کیوں کیا جس سے میرا کام بگڑ گیا اور میں نے تجھے کیوں آزاد کر دیا کمبخت تو نے مجھے چال کر کے راہ راست سے بھٹکا دیا۔ پرندہ نے کہا کہ کیا میں نے آپکو نصیحت نہ کی تھی کہ گذشتہ کا تم کو افسوس نکرنا چاہئے جبکہ جو کچھ ہونا تھا ہو چکا تو اب کیوں غم کرتے ہو۔ اب دو حالتیں ہیں یا تو تم نے میری نصیحت کو سمجھا نہیں یا تم بہرے ہو۔ خیر دوسری نصیحت میں نے آپکو یہ کی تھی کہ اپنی غلطی سے تم محال بات کبھی نہ ماننا مگر تم نے اسکے بھی خلاف کیا کیونکہ میرا کل وزن تین درم نہیں تو دس درم وزن کا موتی میرے اندر کیسے ہو سکتا ہے۔ یہ سنکر اسکو ہوش آیا اُس نے کہا کہ اچھا اب تیسری نصیحت بھی کر دے اُس نے کہا کہ بجا ہے آپ نے ان دو نصیحتوں پر خوب عمل کیا ہے کہ میں تیسری نصیحت کر کے کھووُں۔ یہ کہکر خوش خوش اڑ گیا اور مزہ سے آزادانہ جنگل کی طرف چلدیا۔ اب مولانا فرماتے ہیں کہ جاہل اور اونگھنے والے (بے رغبت) آدمی کو نصیحت کرنا شورہ خاک میں بیج ڈالنا یعنی فضول ہے۔ حماقت اور جہالت کا چاک رفو نہیں کیا جا سکتا اور وہ شورہ زمین ہے اسلئے اے نصیحت گر ایسے کو نصیحت کا بیج نہ دے کیونکہ جاہل آدمی جہل کا غلام ہوتا ہے اور جب تم اسے نصیحت کرتے ہو تو وہ اسے نہیں سنتا۔

چارہ اندیشیدن آن ماہی نیم عاقل و خود را مردہ کردن

نیم عاقل گفت در وقت بلا	چونکہ ماند از سایۂ عاقل جدا
کو سوئے دریا شد و از غم عتیق	فوت شد از من چنان نیکو رفیق

لیک زاں بندیشم و بر خود زنم ‌ ‌ ‌ خویشتن را ایں زماں مرده کنم

پس برآرم اشکم خود بر زبر ‌ ‌ ‌ پشت زیر و می روم بر آب بر

می روم بر وے چنانکه خس رود ‌ ‌ ‌ نے بسباحت چنانکه کس رود

مرده گردم خویش بسپارم بآب ‌ ‌ ‌ مرگ پیش از مرگ امنیست از عذاب

مرگ پیش از مرگ امنیست اے فتیٰ ‌ ‌ ‌ اینچنیں فرمود مارا مصطفیٰ

گفت موتوا کلکم من قبل ان ‌ ‌ ‌ یاتی الموت تموتوا بالفتن

ہمچناں مرد و شکم بالا فگند ‌ ‌ ‌ آب می بردش گہ نشیب و گه بلند

ہر یکے زاں قاصداں بس غصہ خورد ‌ ‌ ‌ که دریغا ماہئے مہتر بمرد

شاد میشد او ازاں گفت دریغ ‌ ‌ ‌ پیش رفت ایں بازنم رستم ز تیغ

پس گرفتش یک صیاد ارجمند ‌ ‌ ‌ پس برو تف کرد و بر خاکش فگند

غلط غلطاں رفت پنہاں اندر آب ‌ ‌ ‌ ماند آں احمق ہمی کرد اضطراب

از چپ و از راست می جست آں سلیم ‌ ‌ ‌ تا که بجہد خویش برہاند گلیم

دام افگندند اندر دام ماند ‌ ‌ ‌ احمقی او را درآں آتش نشاند

بر سر آتش بہ پشت تابہ ‌ ‌ ‌ با حماقت گشت او ہمخوابہ

او ہمی جوشید از تف سعیر ‌ ‌ ‌ عقل می گفتش الم یاتک نذیر

او ہمیگفت از شکنجه و ز بلا ‌ ‌ ‌ ہمچو جان کافراں قالوا بلیٰ

باز میگفت او که گر ایں بار من ‌ ‌ ‌ وارہم از محنت گردن شکن

من نسازم جز بدریائے وطن	آبگیرے را نسازم من سکن
آب بیحد جویم و آمن شوم	تا ابد در امن و در صحت روم
ہمچنیں بیسکرد با خود وعدہا	کرچنیں ورطہ اگر گردم رہا
دامن عاقل بگیرم روز و شب	تا نیفتم در چنیں رنج و تعب

اب مولانا پھر قصہ کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ جب وہ نیم عاقل مچھلی سایۂ عاقل سے جدا رہگئی تو اس نے مصیبت کے وقت کہا کہ وہ تو دریا کی طرف چلدی اور غم سے آزاد ہوگئی اسلئے اُسے تو فائدہ ہوا مگر میرا یہ نقصان ہوا کہ میرا ایک بہتر ساتھی جاتا رہا لیکن اب میں اسکا خیال ہی چھوڑتی ہوں اور بطور خود ہی کوئی تدبیر کرتی ہوں خیر اسوقت رہائی کی تدبیر یہ ہے کہ میں اپنے کو مردہ کرلوں اور صورت اسکی یہ ہے کہ اپنا پیٹ اوپر کرلوں اور کمر نیچے اور پانی پر تیرنے لگوں اور اسپر یوں تیروں جیسا کہ تنکا بلا اختیار و شعور تیرتا ہے نہ کہ ایسا تیرنا جیسا کہ آدمی تیرتا ہے غرضکہ میں مردہ ہوجاؤں اور اپنے کو پانی کے حوالہ کردوں اور اپنی حس و حرکت سے کچھ کام نہ لوں۔ بلکہ محض اسکے تابع ہوجاؤں۔ کیونکہ مرنے سے پہلے مرنا عذاب سے نجات دینے والا ہے۔ اب مولانا فرماتے ہیں کہ واقعی مرنے سے پہلے مرنا موجب امن ہے اسلئے کہ جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ایسا ہی فرمایا ہے اور کہا ہے کہ تم سب اس سے پہلے مرجاؤ کہ تمہیں موت آئے یعنی تم فتنوں میں مبتلا ہوکر مرو۔ یعنی تم اپنی زندگی ہی میں اپنی خواہشات کو فنا کردو اور مرضی حق سبحانہ کے تابع ہوجاؤ ورنہ فتنوں میں مبتلا ہوکر مروگے۔ غرضکہ وہ یوں ہی مرگئی اور اپنا پیٹ اوپر کرلیا۔ اور بالکل بے حس و حرکت ہوگئی۔ پس کبھی پانی اسکو نیچے لیجاتا کبھی اوپر لاتا تھا یہ دیکھکر ان شکاریوں کو بہت رنج ہوا اور کہا کہ ہائے افسوس بڑی اعلیٰ درجہ کی مچھلی مرگئی۔ وہ مچھلی اس افسوسناک گفتگو سے خوش ہوتی تھی اور کہتی تھی کہ میری چال چلگئی اور میں خنجر سے بچ گئی اسکے بعد ایک شکاری نے اسے اٹھایا اور تھوک کر اُسے زمین پر پھینکدیا پس وہ تو چپکے چپکے رڑھکتی ہوئی پانی میں پہونچ گئی مگر جو مچھلی احمق تھی وہ تڑپتی رہی وہ احمق کبھی ادھر اچھلتی تھی اور

کبھی اُدہر اور مقصود یہ تھا کہ اس مصیبت سے نکلجاوے اور اپنا کمبل چھڑالے مگر کہاں نکل سکتی تھی آخر انھوں نے جال پھینکا اور وہ جال میں آگئی - دیکھو حمق نے اسے اس مصیبت میں پھنسایا اگر وہ بھی اپنے ساتھیوں کی موافقت کرتی تو کبھی مصیبت میں نہ پھنستی اور حماقت ہی کے سبب آگ کے اوپر توے کی پشت سے ہمخواب ہوئی یعنی بھونی گئی وہ آگ کی گرمی سے جوش کھاتی تھی مگر عقل اس سے کہتی تھی کہ تیرے پاس کوئی ڈرانے والا نہ پہونچا تھا یعنی کیا ایسے واقعات نہ پیش آئے تھے جن سے تو متنبہ ہوتی اسکا جواب وہ اس شکنجہ اور اس مصیبت میں سے وہ دیتی تھی جو کفار دیں گے یعنی کیوں نہیں ضرور آیا تھا خیر تو وہ کہتی تھی کہ اگر میں اب کے اس گردن شکن تکلیف سے بچ جاؤں تو اب دریا ہی میں رہونگی اور تالاب میں کبھی نہ رہونگی اور بہت سا پانی تلاش کر کے بے کھٹکے ہو جاؤنگی اور ہمیشہ کیلئے چین اور سکھ میں چلی جاونگی غرضکہ وہ اسی قسم کی اپنے سے عہد کر رہی تھی کہ اگر اب کے اس بھنور سے نکلجاؤں تو رات دن عاقل کا دامن تھامے رہونگی تاکہ میں اسکو چھوڑ کر پھر مصیبت میں نہ پڑجاوں -

بیان آنکہ عہد کردن احمق در وقت گرفتاری وندم ہیچ وفائے ندارد کہ ولو ردوا لعادوا لما نھوا عنہ وانھم لکاذبون چوں صبح کاذب وفا ندارد

عقل می گفتش حماقت با تو است	با حماقت عہد را آید شکست
عقل را باشد وفائے عہد ہا	تو نداری عقل رو اے خر بہا،
عقل را یاد آید از پیمان خود	پردۂ نسیان بدرا اند خرد،
چونکہ عقلت نیست نسیان میر تست	دشمن و باطل کن تدبیر تست
از کمی عقل پروانۂ خسیس،	یاد نارد ز آتش و سوز و حسیس

چونکہ پرش سوخت توبہ می کند | آز و نسیانش بر آتش می زند

ضبط و درک و حافظی و یاد داشت | عقل را باشد کہ عقل آنرا فراشت

چونکہ گوہر نیست تابش چوں بود | چوں مذکر نے ایابش چوں بود

ایں تمنا ہم ز بیعقلی اوست | کایں نہ بیند کاں حماقت را چہ خوست

ایں ندامت از نتیجہ رنج بود | نے ز عقل روشن چوں گنج بود

چونکہ شد رنج آں ندامت شد عدم | می نیرزد خاک آں توبہ و ندم

آں ندم از ظلمت غم بست بار | پس کلام اللیل یمحوہ النہار

چوں برفت آں ظلمت غم گشت خوش | ہم رود از دل نتیجہ و زادہ اش

میکند او توبہ و پیر خرد | بانگ لو ردوا لعادوا می زند

وہ مچھلی نادم ہو رہی تھی مگر عقل اس سے کہہ رہی تھی کہ حماقت تیری ساتھ ہے اور حماقت کے ساتھ عہد کا ٹوٹنا لازم ہے پس تیری یہ ندامت قائم رہنے والی نہیں ہے۔ وفائے عہد تو عقل کا کام ہے اور عقل تجھے ہے نہیں تو وفائے عہد کیونکر ممکن ہے اور عقل ہی کو اپنے پیمان یاد رہتے ہیں اور وہی پردۂ نسیان کو چاک کرتی ہے نہ کہ حماقت۔ پس چونکہ تجھے عقل نہیں ہے اسلئے نسیان تجھپر حاکم اور تیری تدبیر کا باطل کرنے والا اور اسکا دشمن ہے۔ دیکھو عقل کے نہونے سے پروانہ کی یہ حالت ہوتی ہے کہ اسکو آگ اور اسکی سوزش اور اسکی آزار یاد نہیں رہتی جب اسکے پر جلتے ہیں اسوقت وہ توبہ کرتا ہے اور کہتا ہے کہ اب اسکے پاس نہ پھٹکونگا مگر نسیان اسے پھر آگ سے بھڑا دیتا ہے اور وجہ اسکی یہی ہے کہ ضبط اور ادراک محفوظ رکھنا اور یادداشت عقل کا کام ہے کیونکہ عقل ہی انکو رفعت دیتی ہے اور عقل ہے نہیں تو یہ باتیں کیونکر ہو سکتی ہیں۔ اسلئے کہ یہ امور تو عقل کے تابع ہیں پس جبکہ متبوع ہی نہ ہو۔ تو توابع کیونکر ہو سکتے ہیں۔ مثلاً جب موتی ہی نہو تو اسکی چمک کیسے ہو سکتی ہے۔ اسی طرح جبکہ عقل نہ جو یاد دلانے والی ہے تو اسکا اثر فعل سے

رجوع کیونکر ہو سکتا ہے۔ خیر تو اس مچھلی کی یہ تمنا بھی اسکی بے عقلی سے ناشی ہے کیونکہ وہ نہیں جانتی کہ حماقت کی عادت کیا ہے۔ حماقت کی عادت یہ ہے کہ وہ عہد کو بھلا دیتی ہے پس اگر وہ یہ جانتی تو عہد بھی نہ کرتی کیونکہ سمجھتی کہ ایسی حالتمیں عہد کرنا فضول ہے۔ رہی یہ بات کہ ندامت کیوں نہیں رہتی سو اسکی وجہ یہ ہے کہ یہ ندامت اثر ہے تکلیف کا اور روشن اور خزانہ کی طرح قابل قدر عقل کا نتیجہ نہیں ہے۔ لہذا جبکہ تکلیف نہیں رہتی تو ندامت بھی نہیں رہتی پس ایسی توبہ اور ندامت خاک کی برابر بھی نہیں ظلمت غم سے بیس مرتبہ ندامت ہوتی ہے لیکن جب وہ ظلمت نہیں رہتی تو وہ ندامت بھی نہیں رہتی۔ اور اسکی مثال ایسی ہوتی ہے جیسے ہاروں الرشید کی کنیزک نے کہا تھا کہ رات کی بات رات گئی اسلئے کہ قاعدہ ہے کہ دن رات کی بات کو مٹا دیتا ہے اور جبکہ ظلمت غم جاتی رہی اور خوشی حاصل ہو گئی تو دل سے اسکا اثر جو اس سے پیدا ہوا تھا یعنی ندامت وہ بھی جاتا رہتا ہے پس وہ مچھلی توبہ کرتی ہے مگر عقل تجربہ کار کہتی ہے کہ اگر پھر اسکو راحت ہو جاوے تو یہ پھر غافل ہو جاویگی جیسے کہ حق سبحانہ کفار کی نسبت فرماتے ہیں کہ وہ دوزخ میں اپنے ناشائستہ افعال سے توبہ کریں گے اور کہیں گے کہ اگر ہم کو دنیا میں بھیجدیا جاوے تو ہم معاصی کا ارتکاب نہ کریں گے لیکن انکا یہ بیان بالکل غلط ہے اگر انکو پھر دنیا میں بھیجدیا جاوے تو یہ پھر معاصی کا ارتکاب کریں گے۔

عقل ضد شہوت است اے پہلواں ❊ آنکہ شہوت می تند عقلش مخواں

وہم خوانش آنکہ شہوت را گذاشت ❊ وہم قلب نقد زر عقلہاست

بے محک پیدا نگردد وہم و عقل ❊ ہر دو را سوئے محک کن زود نقل

ایں محک قرآن و حال انبیا ❊ چوں محک مر قلب را گوید بیا

تا ببینی خویش را ز آسیب من ❊ کہ نۂ اہل فراز و شیب من

عقل را گر ارہ سازد دو نیم ❊ ہمچو زر باشد در آتش او سلیم

اور چونکہ بیان کیا تھا کہ عقل یہ کہتی وہ کہتی ہے اسلئے اب عقل کی حالت بیان فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تم جانتے ہو عقل کیا چیز ہے عقل مخالف ہے خواہشات نفسانیہ کی پس جو قوت مدرکہ خواہشاتِ نفسانیہ کے تابع ہو اُسے عقل نہیں کہا جا سکتا۔ بلکہ جو شہوات کی مزاحمت نکرے اور انکو آزاد چھوڑ دے اُسے وہم کہنا چاہئے اب سمجھو کہ وہم ایک کھوٹا سونا ہے اور کھرا سونا زر عقول ہے رہی یہ بات کہ کھرا کھوٹا کیونکہ معلوم ہو اسکے لئے ہم کہتے ہیں کہ یہ بات بدون کسوٹی کے نہیں معلوم ہو سکتی۔ اور بدون کسوٹی کے وہم و عقل میں امتیاز نہیں ہو سکتا۔ پس تمکو چاہئے کہ دونوں کو کسوٹی کے پاس لیجاؤ اور اس سے جانچو شاید تم کہو کہ کسوٹی کیا چیز ہے اسلئے ہم یہی بتائے دیتے ہیں سنو کسوٹی قرآن اور احوال انبیا ہیں پس دونوں کے اقتضارات کو ان ہی سے ملاکر دیکھو جسکے اقتضارات ان سے ملجاویں وہ عقل ہے اور جسکے نہ ملیں وہ وہم ہے یہ کسوٹی معروف کسوٹی کی طرح کھوٹے سونے (وہم) کو دعوت دیتی ہے کہ تو آتا کہ تجھے میری تاثیر سے معلوم ہو کہ تیرا دعویٰ زری جھوٹا ہے اور تو میری جانچ کے قابل نہیں اور تو میرے امتحان میں پورا نہیں اتر سکتا۔ رہی عقل سو اُس کی یہ حالت ہے کہ کسوٹی تو کسوٹی اگر اسے آرہ سے بھی دو ٹکڑے کر دیا جاوے تو وہ یوں ہی خنداں رہے گی جیسے آگ میں سونا۔

مجاوبات موسیٰؑ کہ صاحبِ عقل بود و فرعون کہ صاحب وہم بود

وہم مر فرعون عالم سوز را	عقل مر موسیٰؑ جان افروز را
رفت موسیٰؑ بر طریقِ نیستی	گفت فرعونش بگو تو کیستی
گفت من عقلم رسولِ ذوالجلال	حجۃ اللہ ام امانم از ضلال
گفت نے خامش رہا کن ہاو ہو	نسبت و نام قدیمت را بگو
گفت کہ نسبت مرا از خاکدانش	نام اصلم کمترین بندگانش،
بندہ زادہ آں خداوند وحید،	زادہ از پشت جواری و عبید،

نسبتِ اصلم ز خاک و آب و گل — آب و گل را داد یزداں جان و دل

مرجع ایں جسم خاکم ہم بخاک — مرجعِ تو ہم بخاک اے سہمناک

اصل ما و اصل جملہ سرکشاں — ہست از خاکی و آنرا صد نشاں

نے مدد از خاک مے گیرد تنت — از غذائے خاک فربہ گردنت

چوں رود جاں مے شود او باز خاک — اندراں گور مخوف سہمناک

ہم تو و ہم ما و ہم اشباہ تو — خاک گردند و نماند جاہ تو

گفت غیر ایں نسب نامیت ہست — مر ترا آں نام خود اولیٰ ترست

بندۂ فرعون و بندہ بندگانش — کہ ازو پروردہ اول جسم و جانش

بندۂ باغی و طاغی و ظلوم — زیں وطن بگریختہ از فعل شوم

خونی و غداری و حق ناشناس — ہم بریں اوصاف خود می کن قیاس

در غریبی خوار و درویش و خلق، — کہ ندانستی سپاس ما و حق،

گفت حاشا کہ بود با آں ملیک — در خداوندی کسے دیگر شریک

واحد اندر ملک و او را یار نے — بندگانش را جز او سالار نے

نیست خلقش را دگر کس مالکے، — شرکتش دعوی کند جز ہالکے،

نقش او کردہ است نقاش من اوست — غیر اگر دعوی کند او ظلم جو است

تو نتانی ابروئے من ساختن، — چوں توانی جان من بشناختن،

بلکہ آں غدار و آں طاغی توئی، — کہ کنی با حق تو دعوائے دوئی،

گر بکشتم من عوانی را بسہو، / نی برای نفس کشتم نی بلہو

من زدم مشتی و ناگہ او فتاد / آنکہ جانش خود نہ بد جانی بداو

من سگی کشتم تو مرسل زادگاں / صد ہزاراں طفل بی جرم و زباں

کشتۂ و خوں شان بگردنت / تا چہ آید بر تو زیں خون خوردنت

کشتۂ ذریت یعقوبؑ را / بر امید قتل من مطلوب را

کوری تو حق مرا خود برگزید / سرنگوں شد آنچہ نفست می پزید

گفت اینہا را ہل بی ہیچ شک / ایں بود حق من و نان و نمک

کہ مرا پیش حشر خواری کنی، / روز روشن بر دلم تاری کنی

گفت خواری قیامت صعب تر / گر نداری پاس من در خیر و شر

زخم کیکی را نمی تانی کشید / زہر مارے را تو چوں خواہی چشید

ظاہرا کار تو ویراں می کنم / لیک خارے را گلستاں می کنم

مولانا نے اوپر عقل اور وہم کا تشابہ بیان کیا تھا اور امتیاز کیلئے کسوٹی کی ضرورت بتلائی تھی اب دونوں کے امتیاز کو ایک مثال سے ظاہر فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہم تو فرعون عالم سوز کیلئے حاصل تھا اور عقل موسیٰ علیہ السلام کیلئے جو کہ جان کو منور کرنے والے ہیں تفصیل اسکی یہ ہے کہ فرعون نے موسیٰ علیہ السلام سے سوال کیا اور کہا کہ بتلاؤ تم کون ہو اسپر انھوں نے طریق فنا اختیار کیا اور کہا کہ اپنی ذات سے کچھ نہیں ہوں ہاں حق سبحانہ کا صاحب عقل رسول اور اسکے بندوں پر اسکی حجت اور انکے لئے گمراہی سے امان ہوں یہ سنکر فرعون نے کہا کہ بس چپ رہو اور ان فضولیات کو ختم کرو۔ اور اپنا پرانا نسب اور نام بیان کرو۔ اسپر انھوں نے فرمایا کہ آپ بڑا نسب یہ سمجھیں کہ میں خاک سے پیدا ہوا ہوں اور میرا اصلی نام خدا کا ایک ادنیٰ غلام ہے میں اس خدائے یکتا کے بندہ کا بیٹا ہوں

اور اسکے غلاموں اور لونڈیوں سے پیدا ہوا ہوں میرا اصل نسب یہ ہے کہ میں خاک اور آب و گل سے پیدا ہوا ہوں اور حق سبحانہ نے آب و گل کو دل وجان عطا فرمائے ہیں یہ تو میری ابتدائی حالت تھی اب انتہائی حالت بتاتا ہوں میرا یہ جسم خاکی خاک ہی میں لوٹ بھی جاویگا اور صرف میں ہی نہیں بلکہ تو بھی خاک ہی میں لوٹے گا غرض کہ ہم مطیعین حق سبحانہ اور تم سب شر کیسونکی اصل خاک ہے اور اسکی سیکڑوں علامتیں ہیں دیکھو کیا تمھارا جسم خاک سے مدد نہیں لیتا اور غذائے خاکی سے تمھاری گردن موٹی نہیں ہوتی ضرور ہوتی ہے پس یہ کھلی علامت ہے تمھارے خاکی ہونے کی۔ جب تمھارا خاکی ہونا ظاہر ہوگیا تو اب میں کہتا ہوں کہ وہ روح ہے جس نے اسکو خاک سے علیحدہ کر رکھا ہے جب وہ چلی جائیگی تو پھر یہ جسم ڈراؤنی قبر میں جاکر خاک میں ملجاویگا اور ہمکو بھی اسی پر قیاس کرلو۔ پس ثابت ہوا کہ تو اور ہم اور تیرے تمام اشباہ و امثال خاک ہو جائیں گے اور تیرا جاہ قائم نہ رہیگا یہ سنکر فرعون نے کہا کہ نہیں اس نسب کے علاوہ تمھارا ایک اور نام بھی ہے اور تمھارے لئے اس نام کا لینا زیادہ اولیٰ ہے اور وہ یہ ہے کہ تو وہ عبد فرعون اور اسکے غلاموں کا غلام ہے جس نے اس (فرعون) کے ذریعہ سے ابتداء سے اپنے جسم وجان کو پالا ہے اور تو اُسکا ایک باغی اور سرکش اور ظالم غلام ہے جو اپنے منحوس فعل کے سبب اسکے پاس سے بھاگ گیا ہے اور بے وفا اور ناحق شناس ہے۔ یہ تیرے مختصر اوصاف ہیں تو اپنے دیگر اوصاف کو بھی انہیں پر قیاس کرلے۔ مثلاً تو غریب الوطنی میں ذلیل اور محتاج اور چیتھڑوں لگا ہے جسنے ہمارا شکر اور حق نہیں پہچانا اور اسکی بدولت اس حال کو پہونچا۔ اسپر موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا حاشا کہ اس شہنشاہ حقیقی کے ساتھ اُسکی خدائی میں کوئی اور شریک ہو وہ اپنے ملک میں یکتا ہے اسکا کوئی شریک نہیں اور وہی اپنے بندوں کا حاکم ہے اُسکے سوا کوئی اور حاکم نہیں اپنی مخلوق کا وہی مالک ہے اس کے سوا کوئی مالک نہیں اُسکی شرکت کا کون دعویٰ کرسکتا ہے بجز اُسکے جو تباہ اور برباد ہونے والا ہو میری تصویر اسی نے بنائی ہے اور میرا مصور وہی ہے اگر کوئی اور اس امر کا دعویٰ کرے۔ تو وہ ظالم ہے تو میرا ایک ابرو نہیں بنا سکتا پھر تو میری جان کا پیدا کرنا کیا جانے۔ اور تو جو مجھے غدار وغیرہ کہتا ہے تو میری نسبت تو یہ الزام غلط ہے ہاں تو خود غدار اور سرکش ہے کہ حق سبحانہ کے ساتھ مشارکت کا مدعی ہے رہا یہ الزام کہ میں نے ایک پولیس مین کو قتل کیا یہ الزام ایک حد تک صحیح ہے

لیکن مجھ سے زیادہ اس جرم کا تو مجرم ہے کیونکہ اگر میں نے ایک پولیس میں خطائً مار ڈالا ہے تو در حقیقت میں نے کوئی جرم نہیں کیا کیونکہ میں نے اسے نہ کسی خواہش نفسانی کی بنا پر مارا ہے اور نہ فضول مارا ہے بلکہ حقیقت اسکی یہ ہے کہ میں نے اسکے ایک گھونسہ مارا تھا اس سے وہ دفعۃً گر گیا۔ اور جسمیں خود ہی جان نہ تھی۔ اس مردہ (روحانی) نے جان دیدی خلاصہ یہ کہ میرا قصد اسکے قتل کا نہ تھا بلکہ وہ قتل اتفاقی تھا پھر وہ چنداں معصوم الدم بھی نہ تھا کیونکہ کافر تھا۔ پس اگر میں نے ایک کتے کو خطائً مار ڈالا تو کوئی جرم نہیں کیا تو نے تو لاکھوں بچوں کو بے جرم اور بے قصور قتل کیا ہے اور تیری گردن پر انکا خون ہے دیکھئے اسقدر خونخواری کا تجھپر کیا وبال پڑتا ہے۔ تو نے اولاد یعقوب علیہ السلام کو قتل کیا ہے اس امید پر کہ تو مجھے جسکا قتل تجھے مقصود بالذات ہے قتل کر دے۔ لیکن تیری آنکھوں میں خاک جھونک کر حق سبحانہ نے محفوظ رکھا اور برگزیدہ کیا اور جو خیالات تیرا نفس پکار رہا تھا ان کو منقلب کر دیا اسپر فرعون نے جواب دیا کہ ان باتوں کو چھوڑ اور یہ بتا کہ کیا میرا اور میرے نان ونمک کا یہی حق ہے کہ تو مجھے میری جماعت کے روبرو ذلیل کرتا ہے اور روز روشن کو مجھپر تاریک کرتا ہے یہ سنکر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جوابدیا کہ اس ذلت سے کیا ڈرتا ہے قیامت کی رسوائی سے ڈر وہ زیادہ سخت ہے۔ جو تجھے لامحالہ حاصل ہوگی۔ اگر تو بھلائی اور برائی میں میرا لحاظ نہ رکھیگا اور میری اطاعت نہ کریگا تو غور تو کر کہ جب تو ایک پسو کے ڈنک کی تکلیف یعنی معمولی ذلت نہیں برداشت کر سکتا تو سانپ کا زہر (اتنی بڑی رسوائی) کیونکر پی سکتا ہے یہ صحیح ہے کہ میں بظاہر تیرا بنا بنایا کھیل بگاڑ رہا ہوں لیکن حقیقت میں کانٹے کو گلستاں اور تجھ ناقابل کو قابل بنا رہا ہوں۔

بیان آنکہ عمارت در ویرانی است وجمعیت در پریشانی ودرستی در شکستگی ومراد در بے مرادی ووجود در عدم

آں یکے آمد زمین را می شگافت	ابلہے فریاد کرد و برنتافت
کایں زمیں را از چہ ویراں میکنی	می شگافی و پریشاں مے کنی

گفت اے ابلہ برو بر من مراں — تو عمارت از خرابی باز داں

کے شود گلزار و گندم زار ایں — تا نگردد زشت و ویراں ایں زمیں

کے شود بستان و کشت و برگ و بر — تا نگردد نظم او زیر و زبر

تا نہ بشگافی بہ نشتر ریش جغز — کے شود نیکو و کے گردد نغز

تا نسوزد خلطہایت از دوا — کے رود سوزش کجا یابد شفا

پارہ پارہ کردہ درزی جامہ را — کس زند آں درزی علامہ را

کہ چرا ایں اطلس بگزیدہ را — بر دریدی چہ کنم بدریدہ را

ہر بنائے کہنہ کآباداں کنند — نے کہ اول کہنہ را ویراں کنند

ہمچنیں حداد و نجار و قصاب — ہست شاں پیش از عمارتہا خراب

آں ہلیلہ واں بلیلہ کوفتن — زاں تلف کردند معموری تن

تانکوبے گندم اندر آسیا — کے شود آراستہ زاں خوان ما

اب مولانا مضمون سابق کو امثلہ سے واضح فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ایک شخص زمین کو (ہل وغیرہ سے) پھاڑ رہا تھا ایک احمق کو دیکھکر تاب نہ رہی اور چلا اٹھا کہ ارے زمین کو کیوں خراب کر رہا ہے اور اسے کیوں پھاڑتا اور پراگندہ کرتا ہے۔ اس نے جواب دیا کہ او بیوقوف جا اپنا کام کر اور مجھسے مت الجھ پہلے تو یہ سیکھ کہ سنوارنا کسے کہتے ہیں اور بگاڑنا کسے بھلا تو یہ تو بتا کہ جب تک یہ زمین خراب اور ویران نہو گی اُسوقت تک باغ اور گیہوں کا کھیت کیسے بن سکتی ہے اور جب تک یہ زمین تلپٹ نہو گی اُسوقت تک اس سے باغ اور کھیتی اور پتے اور پھل کیسے پیدا ہو سکتے ہیں اور جب تک تو نشتر سے منہ بند زخم کو نہ چیرے گا اُسوقت تک وہ کیسے اچھا ہو سکتا ہے اور جب تک دوا سے تیری اخلاط فاسدہ فنا نہونگی اُسوقت تک تیری تکلیف کیونکر دور ہو گی

اور تجھے شفا کیسے حاصل ہوگی دیکھ درزی کپڑے کو ٹکڑے ٹکڑے کرتا ہے لیکن کبھی کوئی شخص اس درزی کامل سے یہ کہتا ہے کہ تو نے اس اعلیٰ درجہ کے اطلس کو کیوں پھاڑا اب میں اس پھٹے ہوئے کو کیا کروں اور دیکھ جس پرانی عمارت کو تعمیر کرتے ہیں کیا اول اسے گراتے نہیں ہیں ضرور گراتے ہیں علیٰ ہذا بڑھئی لوہار قصاب سب یہی کرتے ہیں کہ اصلاح سے پہلے افساد کرتے ہیں علیٰ ہذا ہلیلہ و بلیلہ کو کو نگرا نکے جسم کو خراب کرتے ہیں اور پھر انکو تلف کر کے جسم کی اصلاح کرتے ہیں اور دیکھ جب تک گیہوؤں کو چکی میں نہ پیسا جاوے اسوقت تک ہمارا دسترخوان کھانوں سے کیونکر مالا مال ہو سکتا ہے ان تمام وجوہ سے معلوم ہوا کہ اصلاح سے پہلے افساد ہوتا ہے پس ثابت ہوا کہ حضرت موسیٰ علیہ السّلام کا ارشاد ظاہر اکار تو ویران مکنیم الخ نہایت درست ہے۔

جواب دادن موسیٰ علیہ السلام فرعون را و تہدید او

ایں تقاضا کرد آں نان و نمک	کہ ز شستت وا رہانم اے سمک
گر پذیری پند موسیٰ وا رہی	از چنیں شست بد نا منتہی
بسکہ خود را کردہ بندہ ہوا	کرمکے را کردہ تو اژدہا
اژدہا را اژدہا آوردہ ام	تا باصلاح آورم من دمبدم
تا دم آں از دم ایں بشکند	مار من آں اژدہا را بر کند
گر رضا دادی رہیدی از دو مار	ورنہ از جانب برآرد آں دمار

اب پھر موسیٰ علیہ السّلام کی گفتگو کی طرف رجوع فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا کہ تو جو مجھے اپنے احسانات یاد دلاتا ہے اسکے متعلق یہ ہے کہ تیرے احسانات ہی کا سبب ہے کہ میں تجھے اس پھندے سے چھڑانا چاہتا ہوں پس اگر تو میری نصیحت مان لیگا تو اس لانہایت اور برے پھندے سے نجات پا جاویگا۔ ورنہ ہمیشہ اسمیں محبوس رہیگا۔ چونکہ تو نے اپنے کو اپنی خواہشات نفسانیہ کا غلام بنا دیا ہے اور اپنے کیڑے کی طرح ضعیف نفس کو اژدہا بنا لیا ہے اسلئے میں بھی

اس اژدہائے نفس کے مقابلہ کیلئے ایک اژدہائے عصا لایا ہوں تاکہ میں ہر وقت اسکی اصلاح کرتا رہوں۔ اور اسکی شوکت و قوت کو اسکے ذریعہ سے توڑتا رہوں اسوقت تو دو اژدہوں کے درمیان پھنسا ہوا ہے ایک اژدہائے نفس ہے اور دوسرا اژدہا عصا پس اگر تو میری اطاعت پر رضامند ہو جاوے تو تو ان دونوں سے بچ جاویگا۔ ورنہ یہ دونوں تجھے ہلاک کر ڈالیں گے۔

جواب فرعون موسیٰ علیہ السلام را و تہدید او

گفت الحق سخت استا جادوئی	کہ درافگندی بمکر اینجا دوئی
خلق یک دل را تو کردی دو گروہ	جادوئی رخنہ کند در سنگ و کوہ
گفت ہستم غرق پیغام خدا	جادوئے کہ دید با نام خدا
غفلت و کفرست مایہ جادوئی	مشعلہ دین ماست جان موسوی

نفی کردن موسیٰ علیہ السلام جادوئے را از خود

من بجادویان چہ مانم اے وقیح	کز دمم پر رشک می گردد مسیح
من بجادویان چہ مانم اے جنب	کہ ز جانم نور می گیرد کتب
من بجادویان چہ مانم اے خبیث	کز خدا نازل شود بر من حدیث
چوں تو با پر ہوا بر می پری	لاجرم بر من گمان آں می بری
ہر کرا افعال دام و دد بود	بر کریمانش گمان بد بود
چوں تو جزو عالمے بر چوں توئی	کل را بر وصف خود بینی غوی
گر تو بر گردی و بر گردد سرت	خانہ را گردندہ بیند منظرت

ور تو در کشتی روی بر یم رواں
ساحل یم را ہمی بینی دواں

گر تو باشی تنگدل از ملحمہ
تنگ بینی جملہ دنیا را ہمہ

ور تو خوش باشی بکام دوستاں
این جہاں بنمایدت چوں گلستاں

اے بسا کس رفتہ تا شام و عراق
او ندیدہ ہیچ جز کفر و نفاق

اے بسا کس رفتہ تا ہند و ہری
او ندیدہ جز مگر بیع و شری

اے بسا کس رفتہ ترکستان و چیں
او ندیدہ ہیچ جز مکر و کمیں

طالب ہر چیز اے یار رشید
جز ہماں چیزے کہ میجوید ندید

چوں ندارد مدرکے جز رنگ و بو
جملہ اقلیمہا را گو بجو

گاو در بغداد آید ناگہاں
بگذرد او زیں سراں تا آں سراں

از ہمہ عیش و خوشیہا و مزہ
او نہ بیند جز کہ قشر خربزہ

کہ بود افتادہ بر رہ یا حشیش
لایق سیراں گاوے یا خریش

خشک بر میخ طبیعت چوں قدید
بستہ اسباب و جانش لا یزید

واں فضائے خرق اسباب و علل
ہست ارض اللہ اے صدر اجل

ہر زماں مبدل شود چوں نقش جاں
نو بنو بیند جہانے در عیاں

گر بود فردوس و انہار بہشت
چوں فسردہ یک صفت شد گشت زشت

اے ز غفلت از سبب بےخبر
بندہ اسباب گشتی تو خر

لاجرم اعمے دل و سرگشتہ
مضطرب احوال و مضطر گشتہ

چشم بکشا و سبب را نگر | تا شوی فارغ ز اسباب صنر

یہ سنکر فرعون نے کہا کہ واقعی بات یہ ہے کہ تو نہایت کامل جادوگر ہے کہ تو نے اپنے مکر سے ہمارے لوگوں میں تفرقہ ڈالدیا۔ لوگ متحد و متفق تھے تو نے انکو دو گروہ کر دیا اور تجھ سے یہ کچھ بعید نہیں کیونکہ جادوگر تو پتھر اور پہاڑ میں روزن کر دیتا ہے اسکے جواب میں موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ میں پیغام خداوندی میں غرق ہوں اور ہر دم مجھپر وحی آتی رہتی ہے ایسی حالت میں میں جادوگر کیسے ہو سکتا ہوں کیونکہ جادوگری تو نام خدا سے بھی ضد ہے چہ جائیکہ پیغام خدا کے ساتھ جمع ہو جادوگری کا مادہ تو غفلت از خدا اور کفر ہے۔ پس میں جادوگر کیسے ہو سکتا ہوں کیونکہ میری جان تو مشعل دین ہے او بے شرم تو سوچ تو سہی کہ میں جادوگروں سے کیا مناسبت رکھتا ہوں کیونکہ میری شان تو اجیائے ارواح میں ایسی ہے کہ اسپر دیگر کاملین کو جو اپنے اندر صفت احیار ارواح رکھتے ہیں رشک ہوتا ہے اور او ناپاک میں جادوگروں سے کیا مشابہ ہو سکتا ہوں کیونکہ میری جان سے تو آسمانی کتابوں کو نور حاصل ہوتا ہے یعنی میری جان ہی اُن کے نزول اور انکی رونق و رواج کا سبب ہے۔ اور او خبیث مجھمیں جادوگروں کی کیا بات ہو سکتی ہے کیونکہ مجھپر تو خدا کا کلام نازل ہوتا ہے جو منافی ہے جادوگری کے سبات یہ ہے کہ چونکہ تو خواہشات نفسانیہ کے پروں سے اڑتا ہے اس لئے تو مجھپر بھی یہ گمان کرتا ہے کیونکہ قاعدہ ہے کہ جس کسی کے افعال چوپایوں اور درندوں کے سے ہوتے ہیں وہ اچھے لوگوں پر بھی بدگمانی کرتا ہے اور راز اسکا یہ ہے کہ تو عالم کا ایک جزو ہے اسلئے جو صفت تیری ہوتی ہے تو بقیہ عالم کو بھی اُسی صفت پر سمجھتا ہے کیونکہ تو سمجھتا ہے کہ ایک شئے کے تمام اجزا میں آپسمیں تشابہ ہوتا ہے اب ہم مضمون بالا کو دوسری مثالوں سے سمجھانا چاہتے ہیں دیکھ جب تو گھومتا ہے یا تیرا سر چکراتا ہے تو تجھے گھر گھومتا دکھائی دیتا ہے اور اگر کشتی میں سوار ہو کر دریا پر چلتا ہے تو دریا کے کنارہ کو دوڑتا ہوا دیکھتا ہے اور اگر تو کسی سخت مصیبت سے تنگدل ہوتا ہے تو تجھے تمام دنیا تنگ نظر آتی ہے کما قال سبحانہ تعالیٰ وضاقت علیھم الارض بما رحبت علیٰ ہذا اگر تو خوش ہوتا ہے جیسا کہ تیرے دوست تیرے لئے چاہتے ہیں تو یہ تمام دنیا تجھے گلزار معلوم ہوتی ہے علیٰ ہذا بہت سے لوگ شام و عراق تک کا دور و دراز سفر کرتے ہیں مگر اس طویل سفر میں انہیں بجز کفر و نفاق کے اور کچھ نظر ہی نہیں آتا۔ اور بہت سے

لوگ ہند و ہرات کی مسافت طویلہ قطع کرتے ہیں مگر انہیں صرف بیع و شری ہی دکھائی دیتی ہے اور کچھ دکھائی ہی نہیں دیتا۔ اور بہت سے لوگ ترکستان اور چین کا سفر کرتے ہیں مگر انہیں بجز مکر و فریب کے اور کچھ نظر ہی نہیں آتا۔ کیونکہ وہ خود ان صفات کے ساتھ موصوف ہوتا ہے اور ان ہی کو طلب کرتا ہے۔ اور قاعدہ ہے کہ جو شخص جس چیز کا طالب ہوتا ہے وہ اپنے مطلوب ہی کو دیکھتا ہے اور اسکے سوا اسے کچھ نظر نہیں آتا۔ چنانچہ جو شخص صرف رنگ و بو کا ادراک کرتا ہے خواہ وہ تمام دنیا میں گھوم جاوے مگر اُسے وہی دکھلائی دیگا۔ دیکھو ایک گائے بغداد سے پر از عجائب و غرائب شہر میں آتی ہے اور اس سرے سے اُس سرے تک چلی جاتی ہے لیکن تمام عیشوں اور خوشیوں اور مزوں وغیرہ کو چھوڑ کر اسکی نظر صرف خربوزہ کے چھلکوں پر پڑتی ہے جو کہ رستہ میں پڑے ہوتے ہیں یا گھاس وغیرہ پر پڑتی ہے جو کہ گائے یا اسکی حماقت کی رفتار کے مناسب ہے۔ یعنی جسکے لئے اسکی رفتار ہوتی ہے اور مولانا نے بیان فرمایا تھا کہ جب کوئی ایک مطلوب کو مطمح نظر بنا لیتا اور اسکا پابند ہو جاتا ہے تو اسکی نظر سے مطلوب کے علاوہ اور اشیاء غائب ہو جاتے ہیں۔ اسکا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ جب کوئی اسباب کو اپنا مطمح نظر بنالے تو مسبب سے غافل ہو جاوے اسلئے مولانا یہاں سے اسباب کو مطمح نظر بنا لینے کی مذمت کرتے ہیں اور مسبب کو مطمح نظر بنانے کی ترغیب دیتے ہیں۔ آدمی صور نوعیہ کی کھونٹی پر لٹکا ہوا خشک گوشت کی طرح سوکھ جاتا ہے اور پابند اسباب ہوتا ہے اور اسکی جان کوئی ترقی نہیں کرتی۔ حالانکہ خرق اسباب و علل کا میدان خدائی ایک کشادہ زمین ہے جسمیں وہ غیر متناہی یعنی لا تقف عند حد ترقی کر سکتی ہے اسلئے اسکو ترقی کرنی چاہیئے کیونکہ جسوقت جان کی صورت ہر وقت بدلتی رہتی ہے اور وہ ہر آن ترقی کرتی رہتی ہے اسوقت اسکو ہر دم ایک نیا عالم نظر آتا ہے یعنی علوم جدیدہ اور واردات غریبہ اس پر فائض ہوتے ہیں اور یہ حالت اسکی نہایت اچھی ہوتی ہے لیکن اگر وہ ایک ہی صفت پر جمکر بیجا ڈ اور ترقی نہ کرے تو کسی کام کی بھی نہیں۔ کیونکہ قاعدہ ہے کہ اگر فردوس بریں اور جنت کی نہریں بھی ایک صفت پر جم کر رہجاویں تو اُن سے بھی جی بھر جاتا ہے اور بُری معلوم ہونے لگتی ہیں اسلئے وہ شخص جو اپنی غفلت کے سبب مسبب سے غافل ہو گیا ہے اور بندۂ اسباب ہو گیا ہے جسکا یہ نتیجہ ہوا ہے کہ کور دل۔ حیران اور پراگندہ حال اور بےچین ہو گیا ہے اور سکون قلب تیرا جاتا رہا ہے۔ تو آنکھیں کھول

اور مسبب کو دیکھ تاکہ تو اسباب ضرر سے مطمئن رہے اور کوئی مضرت دینی تجھے لاحق نہو۔

بیان آنکہ ہر حس مدرک را از آدمی نیز مدرکاتی دیگرست کہ از مدرکات آن حس دیگر بیخبرست چنانکہ ہر پیشہ ور استاد اعجمی از کار استاد دیگر بیخبرست از آنکہ وظیفہ او نیست و بیخبری این از انچہ وظیفہ او نیست دلیل نبود کہ آن مدرکات نیست واللہ اعلم

چنبر دید جہان ادراک تست
پردہ پاکان حس ناپاک تست

مدتے حس را بشو ز آب عیان
اینچنین دان جامہ شوئی صوفیان

چون شدی تو پاک پردہ برکند
جان پاکان خویش را بر تو زند

جملہ عالم گر بود نور و صور
چشم را باشد از آن خوبی خبر

چشم بستی گوش می آری بہ پیش،
تا نمائی زلف و رخسارہ بتیش،

گوش گوید من بصورت ننگرم
صورت ار بانگے شود من بشنوم

گوش گوید من بصورت ننگرم
حس چشم ست آن ز دیدن قاصرم

عالمم من لیک اندر فن خویش،
فن من جز حرف و صوتے نیست بیش

ہین بیا بینی ببین این خوب را
نیست بینی در خور این مطلوب را

گر بود مشک و گلابے بو برم
فن من اینست و علم و مخبرم

کے بہ بینم من رخ آن سیم ساق
ہین مکن تکلیف مالیس یطاق

باز حس کژ نه بیند غیر کژ ‌ ‌ ‌ خواه کژ غژ پیش او یا راست غژ

چشم احول از یکے دیدن یقین ‌ ‌ ‌ ناظر شرک است نے توحید بین

تو که فرعونے همه مکری و زرق ‌ ‌ ‌ مر مرا از خود نمیدانی تو فرق

منگر از خود در من اے کژ باز تو ‌ ‌ ‌ تا یکے تو را نه بینی تو دو تو

بنگر اندر من ز من یک ساعتے ‌ ‌ ‌ تا ورای کون بینی ساحتے

وارهی از تنگی و از ننگ و نام ‌ ‌ ‌ عشق اندر عشق بینی والسلام

پس بدانی چونکه رستی از بدن ‌ ‌ ‌ گوش و بینی چشم می تاند شدن

راست گفت این شه شیرین زبان ‌ ‌ ‌ چشم گردد مو بموے عارفان

جسم را چشمے نبود اول یقین ‌ ‌ ‌ در رحم بود او جنین گوشتین

علت دیدن بدان پیه ای پسر ‌ ‌ ‌ ورنه خواب اندر نه دیدے کس صور

آن پری و دیو می بیند شبیه ‌ ‌ ‌ نیست اندر دیدگان هر دو پیه

نور را با پیه خود نسبت نبود ‌ ‌ ‌ نسبتش بخشید خلاق ودود

آدم است از خاک کے ماند بخاک ‌ ‌ ‌ جنی ست از نار بے هیچ اشتراک

نیست خود مانند آتش آن پری ‌ ‌ ‌ گرچه اصلش اوست چون مے بنگری

مرغ از باد ست کے ماند بباد ‌ ‌ ‌ نامناسب را خدا نسبت بداد

نسبت این فرعها با اصلها ‌ ‌ ‌ هست بیچون ارچه دادش وصلها

آدمی چون زادهٔ خاک هباست ‌ ‌ ‌ این پسر را با پدر نسبت کجاست

نسبتے گر ہست مخفی از خرد ہست بیچون و خرد کے پے برد

باد را بے چشم اگر بینش نداد فرق چوں می کرد اندر قوم عاد

چوں ہمیدانست مومن از عدو چوں ہمیدانست مے را از کدو

آتش نمرود را گر چشم نیست با خلیلش چوں تجشم کردنے ست

گر نبودے نیل را آں نور دید از چہ قبطی را ز سبطی مے گزید

گر نہ کوہ و سنگ با دیدار شد پس چرا داؤد را او یار شد

ایں زمیں را گر نبودی چشم جاں از چہ قاروں را فرو خورد آنچناں

گر نبودے چشم دل حنانہ را چوں بدیدے ہجر آں فرزانہ را

سنگریزہ گر نبودے دیدہ ور چوں گواہی دادی اندر مشت در

اے خرد بر کش تو پر و بالہا سورہ برخواں زلزلت زلزالہا

در قیامت ایں زمیں بر نیک و بد کے زنادیدہ گواہی ہا دہد

کہ تحدث حالہا و اخبارہا تظہر الارض لنا اسرارہا

ایں فرستادن مرا پیش تو میر ہست برہانے کہ بد مرسل خبیر

کہ چنیں دارد چناں ناسور را ہست درخود از پئے میسور را

واقعاتے دیدہ بودی پیش ازیں کہ خدا خواہد مرا کردن گزیں

من عصا و نور بگرفتہ بدست شاخ گستاخ ترا خواہم شکست

واقعات سہمگیں از بہر ایں گو نہ گونہ می نمودت رب دیں

درخورِ سِرِّ بد و طغیان تو — تا بدانی کوست درخوردان تو

تا بدانی کو حکیم است و خبیر — مُصلحِ امراض درمان ناپذیر

تو بتاویلات میگشتی ازاں — کور و کر کاین هست از خوابِ گراں

واں طبیب واں منجم در لمع — دید تعبیرش بپوشید از طمع

گفت دور از دولت و از شاہیت — که درآید غصه در آگاہیت

از غذائے مختلف یا از طعام — طبعِ شوریده همی بیند منام

زانکه دید او که نصیحت جُو نهٔ — تند و خونخواری و مسکین خُو نهٔ

بادشاہان خوں کنند از مصلحت — لیک رحمت‌شان فزونست از عنت

شاه را باید که باشد خوئے رب — رحمت او سبق گیرد بر غضب

نے غضب غالب بود مانند دیو — بے ضرورت خوں کنند از بهرِ ریو

نے حلیمی مُخنّث وار نیز — که شود زن روسپی زاں و کنیز

دیو خانه کرده بودی سینه را — قبله سازیده بودی کینه را

شاخ تیزت بس جگرہا را که خست — نک عصایم شاخ شوخت را شکست

چنبر دید جہاں الخ سے چشم احوال از یکے دیدن الخ تک دونوں احتمال رکھتا ہے یہ بھی کہ مولانا کا مقولہ ہو۔ اور یہ بھی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا خطاب ہو فرعون کو۔ دوسری صورت میں اے بخیل واں جامہ شوئی صوفیان مولانا کا مقولہ اور جملہ معترضہ ہوگا۔ میرے نزدیک شق ثانی راجح ہے اسلئے میں اسی کو اختیار کرتا ہوں اب حل سنو۔ اوپر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کو غلط بیں بتلایا تھا اب اس غلط بینی کے منشا کو متعین فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تیرے عالم کو علی ما ہو علیہ

دیکھنے سے مانع تیری حس جسمانی ہے اور تو جو پاکوں کو علی ماہم علیہ نہیں دیکھ سکتا بلکہ اُن کو اپنا ہی سا جانتا ہے اسکی وجہ بھی تیری یہ ناپاک حس ہی ہے پس کچھ دنوں تو اپنے کو مشاہدہ کا خوگر بنا اور چشم باطن سے کام لینے کی کوشش کر اس پانی سے تیرے حواس جسمانیہ دھلکر پاک صاف ہو جائیں گے اب مولانا جملہ معترضہ کے طور پر فرماتے ہیں کہ صوفی لوگ اپنا جامۂ حس اسی طرح دھوتے ہیں جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کو ہدایت کی تھی اسکے بعد پھر مضمون سابق کو بیان کرتے ہیں اور کہتے ہیں جب یہ پاک صاف ہو جائیں گے تو جو حجاب اسوقت تیرے اور پاکوں کے درمیان حائل ہے جو تجھے انکے دیکھنے سے مانع ہے وہ اُٹھ جاویگا اور ارواح پاکان اپنے کو تیرے سامنے کر دیں گی اور تو انکو دیکھ سکے گا۔ موجودہ حالت میں جو تو عالم کو علی ما ہو علیہ نہیں دیکھ سکتا اُسکی وجہ یہ ہے کہ تو تمام عالم کو ایسے حواس سے محسوس کرنا چاہتا ہے جن سے اُسکا ادراک نہیں کیا جا سکتا۔ مثلاً تو اسکو چشم ظاہر سے دیکھنا چاہتا ہے اور یہ نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ چشم ظاہر سے تو عالم کی خوبی وغیرہ اسوقت معلوم ہو سکتی ہے جبکہ وہ سب نور اور صور بنجاوے۔ کیونکہ آنکھ اُنہی کا ادراک کرتی ہے اور یہ ہو نہیں سکتا تو تمام عالم تجھے دکھلائی بھی نہیں دیسکتا۔ ایسی حالت میں تیری ایسی مثال ہے جیسے کوئی آنکھ بند کر کے کان سامنے کر دے تاکہ اُسکو زلف اور رخسارہ نیت کا دکھلا دے (کیونکہ چشم ظاہر سے چشم باطن کی مدرکات کو دیکھنے کی کوشش کرنا ایسا ہی ہے جیسا کہ مبصرات کو کان سے معلوم کرنا) اور اسوقت کان اسکو یہ جواب دے کہ مجھے صورت کی طرف کوئی میلان نہیں اسلئے میں اسکا ادراک نہیں کر سکتا۔ ہاں اگر صورت کوئی آواز نکالے تو میں سن سکتا ہوں رہا دیکھنا سو وہ آنکھ کا کام ہے میں اس سے قاصر ہوں میں جاننے والا ہوں لیکن اپنے کام کا اور میرا کام حروف اور آوازوں کا سننا ہے اس سے زیادہ نہیں اسیر وہ ناک کو پکارے اور کہے کہ اے ناک تو آ اور اس حسین کو دیکھ حالانکہ ناک بھی اس مطلوب سے مناسبت نہیں رکھتی اسلئے وہ یہ جواب دے کہ میں یہ کام نہیں کر سکتی ہاں اگر مشک اور گلاب ہو تو میں اُسے سونگھ سکتی ہوں کیونکہ میرا کام اور میرا فن اور میری صفت باطنیہ یہی ہے میں اس حسین کا چہرہ کیسے دیکھ سکتی ہوں آپ مجھے اس کام کا مکلف نہ بنائیے جسکی مجھ میں طاقت نہیں

خلاصہ یہ کہ ہر چیز کا ادراک کرنے کیلئے اس حالت کی ضرورت ہے جو اسکے مناسب ہو۔ لیکن اتنی بات بھی کافی نہیں بلکہ اسکے ساتھ اسکی ضرورت ہے کہ وہ سالم من الآفۃ ہو کیونکہ بھینگی آنکھ ضرور غلط بیں ہوگی خواہ مبصر اسکے سامنے ٹیڑھا چلے یا سیدھا اور بھینگی آنکھ بالیقین ایک نہیں دیکھ سکتی بلکہ وہ ایک سے زائد دیکھے گی اور ایک نہ دیکھے گی جب یہ معلوم ہوگیا۔ تو اے فرعون چونکہ تو سراپا مکر اور فریب ہے اور اسلئے تیری حس باطن ماؤف ہے لہذا تو مجھے بھی اپنا ہی سا جانتا ہے اور مجھ میں اور اپنے میں فرق نہیں کرتا پس تجھے ست راست بینی درکار ہے تو اے غلط رو تو مجھے اپنی خودی کو قائم رکھکر مت دیکھ تاکہ تو غلط بینی سے محفوظ رہے اور اکہرے کو دوہرا نہ دیکھے بلکہ اپنے کو مجھ میں فنا کر اور پھر مجھے دیکھ اسوقت تجھے تیری حقیقت بھی معلوم ہوگی اور تو اس عالم کے علاوہ جسکو تو اب دیکھ رہا ہے ایک نہایت فراخ میدان (عالم غیب) دیکھے گا اور اسوقت تو اس عالم ناسوت سے جو کہ تنگ ہے اور ننگ و نام سے چھوٹ جاویگا۔ اور عشق ہی عشق تجھے نظر آیگا اور تو علائق جسمانیہ سے علیحدہ ہو جاویگا۔ پس جبکہ تو علائق جسمانیہ سے آزاد ہو جاویگا اسوقت تو دیکھے گا کہ کان اور ناک کا آنکھ بنجانا ممکن ہے اور یہ ممکن ہے کہ کان اور ناک وہ کام دیں جو آنکھ دیتی ہے اور جن حواس سے تو اسوقت عالم کو دیکھنا چاہتا ہے مگر نہیں دیکھ سکتا اسوقت تو انہیں حواس سے اسے دیکھ سکیگا۔ اب مولانا فرماتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جو فرمایا ہے کہ گوش و بینی چشم می تاند شدن یہ نہایت صحیح ارشاد ہے اور ہم دیکھتے ہیں کہ عارفوں کا بال بال آنکھ کا کام دیتا ہے (مگر ہر وقت اور ہر حال میں نہیں بلکہ جب حق سبحانہ چاہتے ہیں کیونکہ یہ ایک کرامت ہے اور کرامت اہل اللہ کی اختیاری نہیں ہوتی) اگر کسی عقل پرست کو یہ امر مستبعد معلوم ہو تو ہم اسکو دلیل سے بھی ثابت کرتے ہیں دیکھو یہ بات یقینی ہے کہ ابتداءً جسم کیلئے آنکھیں نہ تھیں بلکہ وہ رحم کے اندر ایک مضغہ گوشت تھا اسکی نسبت کوئی عاقل محض اپنی عقل سے اور مشاہدہ سے قطع نظر کرکے یہ حکم نہیں لگا سکتا تھا کہ یہ دیکھ سکتا ہے مگر قدرت حق سبحانہ سے وہ بینا ہوگیا۔ اگر کوئی یہ کہے کہ وہ دیکھنے ضرور لگا مگر آنکھوں ہی سے تو دیکھتا ہے اور کسی جزو سے تو نہیں دیکھتا۔ پس اہل اللہ بدون آنکھوں کے کیسے دیکھ سکتے ہیں تو اسکا جواب یہ ہے

کہ رطوبت چشم علت ابصار نہیں علت ابصار تو قدرت و مشیت حق سبحانہ ہے اور یہ ایک طریق
عادی ہے پس حق سبحانہ قادر ہیں کہ اسکے لئے دوسرا طریق بھی تجویز کردیں جسطرح یہ طریق
تجویز کیا تھا۔ رہی یہ بات کہ رطوبت چشم علت نہیں اسکی وجہ یہ ہے کہ اگر علت ہوتی تو کوئی
شخص خواب میں سوا اشیاء کو نہ دیکھ سکتا۔ کیونکہ یہ ابصار بالضرورۃ رطوبت چشم کے ذریعہ سے
نہیں ہوتا اور دیکھو جنات اور شیاطین مبصرات کو دیکھتے ہیں لیکن انکی آنکھوں میں رطوبت معلوم
نہیں ہے جس کو علت ابصار سمجھا جاتا ہے اچھا اسے بھی چھوڑو ہم کہتے ہیں کہ رطوبت اور نور میں
کونسا علاقہ ذاتیہ ہے جسکی بناء پر یہ رطوبت بالذات اس نور کو مقتضی ہے یقیناً کوئی نہیں پس
لا محالہ یہی کہا جاویگا کہ حق سبحانہ نے انہیں علاقہ پیدا کیا پس جس نے نور اور رطوبت میں محض اپنی
قدرت و مشیت سے بلا رطوبت کے اقتضائے ذاتی کے یہ علاقہ پیدا کیا وہ اس نور اور دیگر اشیا
میں بھی علاقہ پیدا کرسکتا ہے پھر استبعاد کیوں ہے اور یہ کچھ نور اور رطوبت ہی پر منحصر نہیں
بلکہ جو چیز جس چیز سے مناسبت اور تعلق رکھتی ہے اُسکو اُس سے ذاتی کوئی بھی مناسبت نہیں
بلکہ محض عطائی اور وہبی ہے دیکھو بنی آدم منی سے پیدا ہوئے مگر انمیں اور منی میں کیا مناسبت ہے
اور کون عاقل حکم کرسکتا ہے کہ اس سے بنی آدم پیدا ہوسکتے ہیں علی ہذا جنات آگ سے پیدا ہوئے
مگر ان میں کوئی ایسا اشتراک نہیں جسکی بناء پر عقل حکم لگا سکے کہ اس سے جنات پیدا ہوسکتے ہیں کیونکہ
جن آگ سے کچھ بھی میل نہیں کھاتے حالانکہ اگر تم دیکھو گے تو تمہیں معلوم ہوگا کہ وہ آگ سے ہی
پیدا ہوئے ہیں علیٰ ہذا پرندے ہوا سے پیدا ہوئے ہیں لیکن بھلا ان میں اور ہوا میں کونسی مشابہت
ہے پس معلوم ہوا کہ باوجودیکہ ان میں کوئی مناسبت نہیں تھی مگر خدائے تعالیٰ نے انمیں تعلق
پیدا کردیا۔ پس ان فروع کو اپنے اصول کی ساتھ یہ تعلق کسی ایسی علت پر مبنی نہیں جو اصول
کی ذات میں موجود اور اس تعلق کو مقتضی ہو بلکہ محض وہب و عطائے حق سبحانہ ہے اگرچہ یہ
تعلق فروع کو ان کے اصول کے ساتھ جوڑتا ہے۔ اگر ہمارا یہ بیان صحیح نہیں تو بتلاؤ کہ آدمی جو
خاک سے پیدا ہوا ہے ان دونوں باپ بیٹوں یعنی خاک اور انسان میں کونسی نسبت ہے
اور اگر واقع میں کوئی ایسی نسبت ہو بھی جو عقول سے مخفی ہے تو اسکا وجود ہمیں مضر نہیں
کیونکہ عقل اسکی کیفیت نہیں معلوم کرسکتی۔ اور اسکا پتہ نہیں چلا سکتی۔ جب یہ صورت ہے

تو ممکن ہے کہ جو نسبت ذاتیہ رطوبت چشم اور نور میں ہے ممکن ہے کہ وہ نسبت اوروں میں بھی ہو گو ہم نہیں جانتے پس بدون آنکھ کے ابصار کے انکار کی کون سی وجہ ہے۔ اور صرف ممکن ہی نہیں بلکہ واقع بھی ہے کیونکہ ہوا۔ آگ۔ پانی۔ مٹی بدون آنکھ کے دیکھتے ہیں چنانچہ اس دعوے کو ہم دلیل سے ثابت کریں گے اور یہ تمام مسلم ہے کہ ابصار چشم مبنی ہے اس مناسبت ذاتیہ پر جو رطوبت اور ابصار کے درمیان میں ہے اور بدون اس مناسبت کے ابصار نہیں ہو سکتا تو لازم ہے کہ اشیاء مذکورہ اور ابصار میں بھی وہ مناسبت موجود ہو فہو المدعی۔ اب تو اشیاء مذکورہ بدون آنکھ کے کیونکر دیکھتی ہیں اسکی وجہ یہ ہے کہ اگر ہوا بدون آنکھ کے نہ دیکھتی ہوتی تو قوم عاد کے افراد میں کیونکر امتیاز کرتی اور مومن و کافر میں کیسے امتیاز کرتی اور بھلے برے کو کیونکر پہچانتی علی ہذا اگر آگ نہ دیکھتی ہوتی تو آتش نمرود کے حضرت ابراہیمؑ کو جلانے میں کیوں تکلف ہوتا اور اگر پانی بدون آنکھ کے نہ دیکھتا تو آب نیل قبطی اور سبطی میں کیونکر تمیز کرتا اور اگر مٹی بدون آنکھ کے نہ دیکھتی تو پہاڑ اور پتھر داؤد علیہ السلام کے دوست کیوں ہوتے علی ہذا اگر زمین کی باطنی آنکھیں نہ ہوتیں تو قارون کو کیسے نگل لیتی اور اگر ستون حنانہ کے آنکھ نہ ہوتی تو وہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی مفارقت کو کیونکر دیکھتا علی ہذا اگر کنکریوں کے آنکھیں نہ ہوتیں تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی مٹھی میں اُن کے صدق کی گواہی کیونکر دیتیں۔ پس اے عقل محجوب تو اپنے پر و بال سمیٹ لے اور اپنی ذاتی پرواز کو چھوڑ کر سورۂ اذا زلزلت الارض زلزالہا پڑھ اور اس سے معلوم کر کہ زمین قیامت میں اچھی بری باتوں کی شہادت دیگی اور بدون دیکھے کیسے شہادت دے سکتی ہے اسلئے معلوم ہوا کہ وہ بدون آنکھ کے دیکھتی ہے چنانچہ حق سبحانہ فرماتے ہیں کہ زمین اپنے حالات اور اپنے واقعات بیان کریگی اور ہم سے اپنے اسرار ظاہر کریگی۔

(ف بحر العلوم نے "در اے خرد برکش تو پر و بالہا الخ"، کے معنی ان الفاظ سے بیان کیے ہیں اے خرد ناقص اگر ترا ادراک زمین خلجان رونماید زود پرواز نمودہ سورۂ زلزال بخواں مگر مجھے یہ توجیہ اچھی نہ معلوم ہوئی اسلئے میں نے مذکورۂ بالا توجیہ اختیار کی واللہ اعلم) یہاں تک مولانا اپنے تائیدی مضمون کو ختم کر کے پھر گفتگوئے موسیٰ علیہ السلام کی طرف رجوع فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اُنھوں نے فرمایا کہ میرا ایلچی سردار کے پاس رسول بنا کر بھیجنا خود دلیل ہے اسبات

کی کہ بھیجنے والا اس سے خوب واقف ہے کہ ایسی دوا ایسے ناسور کے شفا کیلئے نہایت مناسب ہے اور مجھ سا قاہر تجھ سے شریر کیلئے نہایت موزوں ہے اور یہ امر خود ایک بھاری دلیل ہے میرے دعوے رسالت کے صدق اور تیرے دعوے جادوگری کے کذب کی نیز اس سے پہلے تونے ایسے واقعات دیکھے تھے کہ جو دلیل تھے اس امر کی کہ خدا مجھے اپنے تقرب و رسالت کیلئے منتخب کریگا۔ اور میں عصا اور نور ہاتھ میں لیکر تیری شاخ گستاخ کو توڑدونگا یعنی تجھ شریر و مفسد کو تباہ و برباد کرونگا۔ یہ بھی دلیل ہے میرے صدق اور تیرے کذب کی اور یہ خوفناک واقعات حق سبحانہ نے طرح طرح سے اور تیری خوئے بد اور سرکشی کے مناسب اسلئے بھی دکھلائے تھے تاکہ تجھے معلوم ہوجاوے کہ وہ تیرے مناسب امر کو خوب جانتا ہے اور تاکہ تجھے معلوم ہوجاوے کہ وہ حکیم اور خبیر اور ان امراض کا مصلح ہے جو ناقابل علاج ہیں لیکن تو اُن میں تاویلیں کرکے ان سے اندھا بہرا بنتا تھا اور سمجھتا تھا کہ یہ نیند کا اثر ہے اور واقعات مذکورہ اضغاث احلام ہیں۔ اور طبیب اور منجم بھی واضح طور پر ان کی تعبیر جانتے تھے مگر طمع جان کی وجہ سے چھپاتے تھے اور کہتے تھے کہ حضور کی دولت اور حکومت یعنی خود حضور سے یہ بات دور ہے کہ کوئی رنج وہ بات حضور کے علم میں آوے۔ بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ مختلف غذاؤں یا کھانوں سے طبیعت پراگندہ ہوکر خواب پراگندہ دیکھتی ہے اور یہ وہ اس لئے کہتے تھے کہ انھوں نے سمجھ لیا تھا کہ تو طالب نصیحت نہیں ہے بلکہ تندخو اور خونخوار ہے اور مسکین خصلت نہیں ہے، یہ ضرور ہے کہ بادشاہ بمصلحت خون کرتے ہیں لیکن اُنکی رحمت اُنکی سرکشی پر غالب ہوتی ہے اور بادشاہ کو ایسا ہی ہونا چاہئے کہ خدا کی خصلت اپنے اندر رکھتا ہو یعنی اُسکی رحمت اسکے غضب سے زائد ہو۔ اور شیاطین وجنات کی طرح اُسکا غصہ غالب نہو کہ ناحق خون کرے اور نہ اُسکے اندر مخنث کا سا حلم ہو کہ بیوی اور لونڈی فاحشہ ہوجاوے۔ مگر اسے پرواہ نہو خیر یہ تو جملہ معترضہ تھا اب سن کہ تو نے اپنے سینہ کو شیطان خانہ بنا رکھا تھا اور کینہ کو اپنا مطمح نظر بنا رکھا تھا تیرے نیزہ کی انی نے بہت سے جگروں کو زخمی کر رکھا تھا اسلئے میرے عصا نے تیری شاخ گستاخ کو توڑا،

حملہ آوردن این جہانیان و تاختن بردن تا در بندان غیب کہ سرحد غیب است و غفلت ایشان از آنکہ چون غازی بغزا نرود کافر تاخت آرد

حملہ بردند اسپہ جسمانیان ‏ جانب قلعہ و دژ روحانیان

تا فرو گیرند در بندان غیب ‏ تا کسے ناید از آن سو پاک جیب

غازیان حملہ غزا چون کم برند ‏ کافران بر عکس حملہ آورند

غازیان غیب چون از حلم خویش ‏ حملہ نآورند بر تو زشت کیش

حملہ بردے سوئے دربندان غیب ‏ تا نیاید این طرف مردان غیب

چنگ در صلب و رحمہا در زدی ‏ تا کہ شارع را بگیری از بدی

چون بگیری شہرہی کہ ذوالجلال ‏ بر کشادست از برائے انتسال

سد شدی دربندہا را اے لجوج ‏ کوری تو کرد سرہنگی خروج

نک منم سرہنگ و ہنگت بشکنم ‏ نک بنامش نام و ننگت بشکنم

تو ہلا دربندہا را سخت بند ‏ چند گاہے بر سبال خود بخند

سبلتت را بر کنند یک یک قدر ‏ تا بدانی کالقدر یعمی البصر

سبلت تو تیز تر یا آن عاد ‏ کہ ہمی لرزید از دمشان بلاد

تو ستیزہ روتری یا آن ثمود ‏ کہ نیامد مثل ایشان در وجود

صد ازینہا گر بگویم تو کری ‏ بشنوی و ناشنودہ آوری

توبہ کردم از سخن کانگیختم
بے سخن من دارویت آمیختم

کہ نہد بر ریش خامت تا پزد
تا بسوزد ریش و ریشت تا ابد

تا بدانی کو خبیرست اے عدو
می دہد ہر چیز را در خورد او

کے کژی کردی و کے کردی تو شر
کہ ندیدی لائقش در پے اثر

کے فرستادی دمے بر آسماں
نیکئے کز پے نیامد مثل آں

گر مراقب باشی و بیدار تو
ہر دمے بینی جزائے کار تو

چوں مراقب باشی و گیری رسن
حاجتت ناید قیامت آمدن

آنکہ رمزے را بداند او صحیح
حاجتش ناید کہ گویندش صریح

ایں بلا از کودنی آید ترا
کہ نکردی فہم نکتہ و رمز را

از بدی چوں دل سیاہ و تیرہ شد
فہم کن اینجا نشاید خیرہ شد

ورنہ خود تیرے شود آں تیرگی
در رسد در تو جزائے خیرگی

ور نیاید تیرت از بخشایش است
نے پئے نادیدن آلایش است

پس مراقب باش گر دل بایدت
کز پئے ہر فعل چیزے زایدت

ور ازیں افزوں ترا ہمت بود
از مراقب کار بالاتر رود

موسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں کہ دیکھو میں تیری سرکوبی کیلئے موجود ہوں گو تم لوگوں نے قلعۂ عالم غیب پر حملہ کیا تھا۔ تاکہ تم اسپر قبضہ کرلو اور وہاں سے کوئی مقدس شخص تمہاری سرکوبی کیلئے نہ آسکے اور وجہ اس جرأت کی یہ تھی کہ قاعدہ ہے کہ جب غازی لوگ حملہ غازیانہ کم کردیتے ہیں تو اُلٹے کافر اُن

حملہ کرتے ہیں اسی طرح چونکہ غازیان ربانی نے اپنے حلم سے تجھ بدکیش پر حملہ چھوڑ رکھا تھا اور کوئی ہستی تیری سرکوبی کیلئے نہیں آیا تھا۔ لہذا تو نے قلعۂ غیبی پر حملہ کیا تاکہ اہل اللہ کی جماعت تیری سرکوبی کے لئے نہ آسکے یعنی تو نے صلب آبا اور رحم امہات پر تسلط کرنا چاہا تاکہ تو اپنی شرارت سے اس راہ پر قبضہ کرلے۔ اور تو نے مردوں کو عورتوں سے مقاربت کرنیکی ممانعت کردی اور جو بچے پیدا ہو چکے تھے اُن کو قتل کرانا شروع کیا۔ لیکن تو اس راہ پر کیسے تسلط کرسکتا تھا جسکو اس عظیم الشان شہنشاہ نے افزائش نسل آدم کیلئے کھول رکھا ہے گو تو ان قلعوں کیلئے دیوار بن گیا اور ان کے سپاہیوں کی مزاحمت کی مگر تیری آنکھوں میں خاک جھونک کر ایک سپاہی نکل ہی آیا۔ دیکھ وہ سپاہی میں ہوں اور تیری شوکت وقوت کو توڑ پھوڑ کر رکھدونگا اور خدا کا نام لیکر تیرے نام ونشان کے پرزے اُڑا دونگا دیکھ جہانتک تجھ سے ہو سکے تو اپنی حفاظت کیلئے قلعونکو بند کرلے۔ اور جتنی تدبیریں تجھ سے اپنے بچاؤ اور میری مدافعت کی ہوسکیں کرلے۔ اور کچھ دلوں تک اپنی ساتھ مسخر کرلے۔ تو کیا مونچھوں پر تاؤ دیتا ہے تقدیر الٰہی تیری مونچھ کا ایک ایک بال اکھاڑ ڈالے گی۔ یہانتک کہ تجھے معلوم ہو جاویگا کہ تقدیر الٰہی اندھا کردیتی ہے تیری مونچھیں کچھ قوم عاد کی مونچھوں سے تیز نہیں ہیں۔ جسکے سانس سے شہر تھرا جاتے تھے۔ (مبالغہ ہے قوت وشوکت میں حقیقت مراد نہیں) پس جب وہ ہلاک ہوگئی تو تو کیا ہے اور تو بتلا کہ تو لڑاکا ہے یا قوم ثمود زیادہ لڑاکا تھی جسکے مثل کوئی قوم عالم وجود میں نہیں آئی یقیناً وہی زیادہ لڑاکا ہے تو جب وہ ہلاک کردیگئی تو تیری کیا ہستی ہے خیر مجھے اس گفتگو ناصحانہ کو چھوڑنا چاہئے کیونکہ بیکار ہے یہ تو کیا اگر سیکڑوں ایسی باتیں بیان کرونگا تب بھی تو بہرا ہی رہیگا۔ یعنی سنے گا مگر اُن کو یوں اُڑاویگا جیساکہ سنا ہی نہیں۔ اچھا اب تک جو گفتگو میں نے کی ہے اس سے توبہ کرتا ہوں اور بلا کچھ کہے سنے تیرے لئے دوا تیار کرتا ہوں تاکہ اسکو تیرے کچے پھوڑے پر لگاؤں تاکہ وہ پک جاوے اور تاکہ وہ پھوڑا اور تیری ڈاڑھی دونوں ہمیشہ کیلئے جلجاویں یعنی تو ہمیشہ کیلئے ملیا میٹ ہو جاوے اور یہ تدبیر اسلئے کرتا ہوں تاکہ تجھے معلوم ہو جاوے کہ حق سبحانہ واقف امور ہیں اور ہر چیز کو وہی عطا کرتے ہیں جو اسکے مناسب ہے اور چونکہ تیری سرکشی اور طغیانی اس حد تک پہونچگئی تھی کہ اُسکا اسکے سوا کوئی علاج ہی نہ تھا اسلئے اس طرح اسکا علاج کیا گیا۔ اب مولانا فرماتے ہیں کہ یہ بات بالکل ٹھیک ہے۔ کہ حق سبحانہ ہر چیز کو وہی عطا کرتے ہیں

جو اسکے مناسب ہے۔ ورنہ سوچکر بتاؤ کہ تم نے کب کجی اور شرارت کی ہے کہ اسکے مناسب اثر تمنے نہیں دیکھا۔ اور کونسی نیکی تمنے آسمان پر بھیجی ہے جسکے بعد کوئی اچھا اثر آسمان سے نہیں آیا اگر تم اپنے افعال کی نگرانی کروگے اور متنبہ رہوگے تو ہر وقت تم اپنے کام کا خواہ اچھا ہو یا برا بدلا دیکھوگے۔ اور جب تم اپنے افعال کی نگرانی اور اپنی حالت پر غور کروگے اور اس سی کو مضبوط پکڑے رہوگے تو تمہیں اپنے افعال کے بدلے معلوم کرنے کے لئے قیامت کی ضرورت نہوگی۔ بلکہ دنیا ہی میں معلوم ہوجاویگا۔ اور ضرورت قیامت کی ہم نے اسلئے نفی کی ہے کہ یہاں تو افعال کی جزائیں اشارۃً معلوم کرائی جاتی ہیں اور قیامت میں صراحۃً دکھلائی جاوینگی۔ اور قاعدہ ہے کہ جو اشارۃً تو سمجھ سکے اسکے لئے تصریح کی ضرورت نہیں ہوتی۔ لہذا جب جزاؤں کو یہاں سمجھ جاوے تو اسکو اس کام کیلئے قیامت کی ضرورت نہ رہے گی۔ گو اور وجوہ سے ضرورت ہو یہ مصیبت جو تجھپر پڑتی ہے اسکی وجہ یہی ہے کہ تو نکتہ اور رمز کو نہیں سمجھتا۔ اور اپنے افعال ناشائستہ نہیں چھوڑتا ورنہ کوئی مصیبت نازل نہیں ہوسکتی۔ کیونکہ حق سبحانہ فرماتے ہیں ما اصابکم من مصیبۃ فبما کسبت ایدیکم ویعفو عن کثیر لیکن اگر کسی کو مصائب انبیاء سے شبہ ہو تو اسکا جواب یہ ہے کہ انبیاء سے گناہ تو نہیں ہوتے مگر لغزشیں جنکو خطاء اجتہادی کہتے ہیں ان سے بھی صادر ہوتی ہیں اور ان پر خطاء اجتہادی پر بھی تنبیہ ہوتی ہے پس نہ اُن کے عصمت پر حرف آیا اور نہ آیت کے عموم میں خلل آیا۔ اور جن مصائب کا منشا خطاء اجتہادی بھی نہیں ہے وہ گو بصورت مصیبت ہی ہیں مگر بمعنی رحمت ہیں لہذا آیت میں داخل ہی نہیں برائی کا چونکہ خاصہ ہے کہ اس سے دل سیاہ ہوجاتا ہے اسلئے اپنے افعال کی جزا کو سمجھنا چاہئے۔ اور گستاخ نہونا چاہئے ورنہ یہ تیرہ درونی خود ایک تیر بلا ہوکر تیرے لگے گی۔ اور تجھکو اس بے باکی کا بدلا ملیگا۔ لیکن بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ گناہ پر تیر بلا نہیں لگتا اسکی وجہ یہ نہیں ہوتی کہ وہ گناہ حق سبحانہ کی نظر سے مخفی ہوجاتا ہے بلکہ اسکی وجہ محض لطف اور فضل ہوتا ہے اسی لئے یعفو عن کثیر فرمادیا ہے۔ لہذا اس سے تمکو جرأت نہونی چاہئے۔ پس خلاصہ کلام یہ ہے کہ اگر تمہیں دل کی ضرورت ہے اور تم چاہتے ہو کہ تم اہل دل ہوجاؤ تو تمکو اپنے افعال کی نگرانی کرنی چاہئے اس سے تم اہل دل ہوجاؤگے کیونکہ ہر فعل سے ایک نتیجہ پیدا ہوتا ہے۔ اور اس فعل کا نتیجہ یہی ہے۔ اور اگر مزید ترقی کا ارادہ

ہو تو اس واقعہ ہی سے تمکو ترقی بھی ہو سکتی ہے کیونکہ یہ اصل الاصول ہے تمام ترقیات اور مدارج عالیہ کا۔

بیان آنکہ تن ہر یک آزادی ہمچو آہن نیکو جوہر کہ قابل آئینہ است تا در دنیا بہشت و دوزخ و قیامت وغیرہا معاینہ بنماید بطریق خیال بل بعیان

پس چو آہن گرچہ تیرہ ہیکلے
صیقلے کن صیقلے کن صیقلے

تا دلت آئینہ گردد پر صور
اندرون ہر سو ملیحے سیمبر

آہن ارچہ تیرہ و بے نور بود
صیقلے آں تیرگی از وے زدود

صیقلے دید آہن و خوش کرد رو
تا کہ صورتہا توان دید اندرو

گر تن خاکی غلیظ و تیرہ ہست
صیقلش کن زانکہ صیقل گیرہ است

تا درو اشکال بینی رو بہ رو
عکس حوری و ملک در وے جہد

صیقل عقلت بدان داد ست حق
کہ بدو روشن شود دل را ورق

صیقلے را بستۂ اے بے نیاز
واں ہوا را کردۂ دو دست باز

گر ہوا را بند بنہادہ شود
صیقلے را دست بکشادہ شود

آہنے کائینۂ غیبی بدے
جملہ صورتہا درو مرسل شدے

تیرہ کردی زنگ دادی در نہاد
ایں بود یسعون فی الارض الفساد

تاکنوں کردی چنیں اکنوں مکن
تیرہ کردی آب را افزوں مکن

پر مشوران تا شود این آب صاف | وا اندرو بین ماہ و اختر در طواف
زانکہ مردم ہست ہمچوں آب جو | چوں شود تیرہ نہ بینی قعر او
قعر جو پر گوہر ست و پر زور | ہیں مکن تیرہ کہ ہست آن صاف حر
جان مردم ہست مانند ہوا | چوں بگرد آمیخت شد پردہ سما
مانع آید او ز دید آفتاب | چونکہ گردش رفت شد صافی و ناب
حاصل آنکہ کم مکن اے بے سرور | صیقلے واللہ اعلم بالصدور

یہ مضمون بھی تتمہ ہے ما قبل کا چنانچہ فرماتے ہیں کہ اگرچہ تو لوہے کی طرح سیاہ ہے لیکن تجھے چاہئے کہ اپنے کو خوب صیقل کرے۔ تاکہ تیرا دل صورتوں سے لبریز آئینہ ہو جاوے اور اسمیں ہر طرف واردات غیبیہ جو بانمک حسینوں کی طرح محبوب و مرغوب ہیں جلوہ گر ہوں۔ تو لوہے کی حالت سے عبرت پکڑ اور سمجھ کہ گو وہ پہلے سیاہ اور بے نور تھا مگر صیقلی نے اسکو صاف اور شفاف کر دیا اور وہ لوہا صیقل ہو کر خوبصورت ہو گیا اور یہ حالت ہو گئی کہ اسمیں صورتیں دیکھ سکتے ہیں پس یوں ہی اگر تیرا جسم خاکی بھی کثیف اور تاریک ہے تو تو اسے صیقل کر کے صاف کر لے کیونکہ وہ صیقل ہونیکے قابل ہے اور صیقل ہو سکتا ہے اسکا نتیجہ یہ ہوگا کہ اسمیں اشکال غیبی ظاہر ہونگی۔ اور حوروں اور فرشتوں کی صورتیں اسمیں منعکس ہونگی کیونکہ جنت اور عالم ملکوت تجھپر منکشف ہو گا حق سبحانہٗ نے تجھے عقل جو آئینہ جسم و قلب کا صیقل گر ہے اسلئے دی تھی کہ وہ ورق دل کو صیقل کرے اور وہ صاف و شفاف ہو جاوے لیکن تو نے یہ کیا کہ اس صیقل گر کو باندھ دیا اور ہوا جو کہ اس آئینہ کو اور زنگ آلود کرنے والی ہے اسکے ہاتھ کھول دئے اب تو ہی انصاف کر کہ تیرا یہ فعل کہانتک مناسب ہے۔ پس ضرورت ہے کہ صیقل گر کے ہاتھ کھولے جائیں اور اگر ہوائے نفسانی کے ہاتھ بند ہیں تو اس صیقل گر کے ہاتھ کھل سکتے ہیں۔ اسلئے ضرورت ہے کہ ہوا کے ہاتھ باندھے جائیں۔ تو غور کر کہ وہ لوہا جو صورت غیبیہ کا آئینہ ہوتا اور تمام صورتیں اسمیں آتیں بشرطیکہ وہ صاف ہوتا

تو نے اُسے مکدر کر دیا۔ اور مکدر بھی ایسا کہ زنگ کو اسکی ذات میں داخل کر دیا۔ بڑے غضب کی بات ہے اور یہ حقیقی مصداق ہے یسعون فی الارض فسادا کا (گو آیت کریمہ میں یہ معنی مراد نہیں) کیونکہ ہم بتلا چکے ہیں کہ "اصل" ارض اللہ قلب عارفست" اور اسکا سیاہ کرنا اسکا فساد ہے پس جو لوگ دل کو سیاہ کرتے ہیں وہ بہت بڑے ساعی فی الارض بالفساد ہیں۔ خیر گذشتہ را صلوات۔ گو اب تک تو نے اسے سیاہ کیا مگر اب ایسا مت کر اور گو تو نے اسوقت تک اس آب صاف کو مکدر کیا مگر اس سے زیادہ نہ کر۔ اور اب اسے مت ہلا بلکہ چھوڑ دے تاکہ گرد و غبار تہ نشین ہو جاوے اور وہ پانی صاف ہو جاوے یعنی اب کوئی ایسی حرکت نکر جس سے اسکی تیرگی بڑھے بلکہ وہ تدبیر کر جس سے یہ تیرگی دفع ہو پس تو یہ کر اور اسمیں صور غیبیہ کے چاند تارے دیکھ لے۔ ہم تجھے قلب کے مکدر کرنے سے اسلئے روکتے ہیں کہ قلوب انسانیہ ایسے ہیں جیسے ندی کا پانی جسکا قاعدہ ہے کہ جب وہ تاریک ہو جاتا ہے تو اسکی تہ نہیں دکھلائی دیتی اور اسکی تہ میں جواہر اور موتی بھرے پڑے ہیں۔ پس اسکو مکدر نہ کرنا چاہئے کیونکہ اب تک وہ صاف و شفاف ہے اسکے مکدر کرنے سے وہ جواہر مخفی ہو جاویں گے اسی طرح دل جواہر کمالات سے پر ہیں پس انہیں سیاہ نہ کرنا چاہئے ورنہ وہ کمالات مخفی ہو جاویں گے علیٰ ہذا جان انسانی ہوا کو مشابہ ہے اور ہوا جبکہ گرد کے ساتھ مخلوط ہو جاتی ہے تو آسمان کا پردہ بنجاتی ہے اور آفتاب کے دیکھنے سے مانع ہوتی ہے لیکن جبکہ اسکی گرد فنا ہو جاتی ہے تو وہ صاف اور خالص ہو جاتی ہے پس یہی حالت روح کی ہے کہ جب وہ ظلمات معاصی سے تاریک ہو جاتی ہے تو آفتاب حقیقی کے لئے پردہ ہو جاتی ہے اور علی حسب تفاوت مراتب ظلمات معرفت الٰہی سے مانع ہوتی ہے۔ خلاصۂ کلام یہ کہ جہانتک ممکن ہو صیقلی میں کمی نہیں کرنی چاہئے اور جہانتک ممکن ہو تصفیہ باطن میں جد و جہد کرنی چاہئے

باز گفتن موسیٰ اسرار فرعونیہ را و واقعات او را ظہر الغیب تا بجیبے حق ایمان آورد واللہ اعلم

می نمودت تا روی راہ نجات	باگمانِ تیرگی حق واقعات

زآهن تیره بقدرت می‌نمود
واقعاتے که در آخر خواست بود

تا کنی کمتر تو آن ظلم و بدی
آن همی دیدی و بدتر می‌شدی

نقشهائے زشت در خوابت نمود
می‌رمیدی زان و آن نقش تو بود

همچو آن زنگی که در آئینه دید
روئے خود را زشت و بر آئینه رید

که چه زشتی لایق اینی و بس
زشتیم آن تو است ای کور خس

این جفا بر روئے زشتت می‌کنی
نیست بر من زانکه هستم روشنی

گاه می‌دیدی لباس سوخته
گه دهان چشم تو بردوخته

گاه حیوان قاصد خونت شده
گه سر خود را بدندان زده

گه نگون اندر میان آبریز
گه غریق سیل خون آمیز تیز

گه ز بامے نوفتاده گشته پست
گاه در اشکنجه و بسته دو دست

گاه دیده خویش در زنجیر و غل
گاه مغزت را زدندی چون دهل

گه ندات آمد ازین چرخ نقی
گه شقی و که شقی و که تقی

گه ندات آمد صریحا از جبال
که برو هستی ز اصحاب شمال

گه ندا می آمدت از هر جماد
تا ابد فرعون در دوزخ فتاد

گه خطاب آمد ترا از هر نبات
گشت مطرود ابد فرعون و مات

زین بترها که نمیگویم ز شرم
تا نگردد طبع معکوس تو گرم

اندکے گفتم بتو اسے ناپذیر
ز اندکے دانی که هستم من خبیر

خویشتن را کور میکردی و مات	تا نیندیشی ز خواب و واقعات
چند بگریزی نک آمد پیش تو	کوری ادراک مکر اندیش تو

یہاں سے پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ کی طرف عود فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ حق سبحانہ باوجود تیرے کمال سیاہ دلی کے تجھے واقعات دکھلاتے تھے تاکہ تو راہ نجات پر چلے۔ اور تجھے تیرے غیر مصفا لوہے یعنی سیاہ دل سے اپنی قدرت کاملہ سے وہ واقعات دکھلاتے تھے جو آخر میں ہونے والے ہیں تاکہ تو متنبہ ہوکر ظلم اور برائی کو کم کرے مگر تو دیکھتا تھا اور اور بگڑتا تھا تیرے خواب تجھے بری بری سی شکلیں دکھلاتے تھے۔ مگر تو ان سے بھاگتا تھا حالانکہ وہ خود تیری ہی صورتیں تھیں اسلئے تیری مثال ایسی تھی جیسے زنگی جس نے آئینہ میں اپنا منہ برا دیکھا اور آئینہ پر تھوک دیا۔ اور کہا کہ تو نہایت برا ہے لہذا اسی کے لائق ہے مگر آئینہ کہتا تھا کہ میری برائی حقیقت میں میری نہیں بلکہ تیری ہے اسلئے یہ ظلم تو خود اپنے منہ پر کرتا ہے اور مجھ پر نہیں کرتا۔ کیونکہ میں تو روشن ہوں کبھی تو اپنے لباس کو جلا ہوا دیکھتا تھا جسمیں اشارہ تھا اس امر کی طرف کہ تیرا لباس تقویٰ فنا ہو چکا ہے کبھی تو اپنے منہ اور آنکھ کو سلا ہوا دیکھتا تھا جسمیں اشارہ تھا اس طرف کہ تو حق گو اور حق بین نہیں کبھی دیکھتا تھا کہ کوئی جانور تیرے خون کے درپے ہے اور کبھی دیکھتا تھا کہ تیرا سر ایک درندہ کے منہ میں ہے یہ جانور اور درندہ خوئی بہیمیہ و سبعیہ تھیں کبھی دیکھتا تھا کہ میں پاخانہ کے بیچ میں پڑا ہوں جسمیں اشارہ تھا اس طرف کہ تو نجاسات معاصی میں آلودہ ہے۔ اور کبھی دیکھتا تھا کہ میں ایک تیز خون آمیز سیلاب میں ڈوب گیا ہوں جسمیں اشارہ تھا اس طرف کہ تیرا خون ناحق تیری ہلاکت کا سبب ہے۔ کبھی دیکھتا تھا کہ میں کوٹھے سے گر کر نیچے آگیا ہوں جسمیں اشارہ تھا اس طرف کہ تو عالم بالا کو چھوڑ کر دنیا میں پھنس گیا ہے کبھی دیکھتا تھا کہ شکنجہ میں تیرے ہاتھ پاؤں پھنسے ہوئے ہیں اور کبھی دیکھتا تھا کہ میں طوق و زنجیر پہنے بیٹھے ہوں کبھی دیکھتا تھا کہ میرا سر ڈھول کی طرح کوٹا جا رہا ہے ان امور میں اشارہ تھا تیرے افعال کی جزا کی طرف یہ تو خواب کے واقعات تھے۔ مگر صرف انہی پر اکتفا نہیں کیا گیا۔ بلکہ واقعات بیداری کے ذریعہ سے بھی متنبہ کیا گیا چنانچہ کبھی آسمان سے ندا آتی تھی کہ تو شقی ہے کبھی پہاڑوں سے صاف آواز آتی تھی کہ تو دوزخی ہے کبھی دیگر جمادات سے ندا آتی تھی کہ اے فرعون تو ہمیشہ کیلئے دوزخ میں جائیگا۔ کبھی نباتات

کہتے تھے کہ فرعون ہمیشہ کیلئے درگاہ الٰہی سے مردود ہو گیا۔ اور صرف یہی نہیں بلکہ ان سے بڑے بڑے اور واقعات ہیں جنکو میں شرم کی بنا پر اور اسلئے نہیں کہتا کہ تیری اونٹ ہی طبیعت تیز ہو جاوے اور تجھے غصہ نہ آجاوے تو میری نصیحت کو بالکل ہی سننا چھوڑ دے مختصر طور پر اسلئے بیان کر دیا ہے تاکہ اس مختصر بیان سے تجھے معلوم ہو جاوے کہ میں تیرے واقعات کو جانتا ہوں اور اس سے تجھے معلوم ہو جاوے کہ میں نبی ہوں غیر یہ سب واقعات تجھ پر گذرتے تھے مگر تو اندھا بنجاتا تھا اور اپنے کو مغلوب کر لیتا تھا تاکہ تو خواب اور واقعات بیداری سے سوچ میں نہ پڑ جاوے لیکن تو کب تک بھاگ سکتا تھا آخر وہ واقعات تیرے مکار ادراک کے منشا کے خلاف تیرے سامنے آ گئے۔

در بیان آنکہ در توبہ باز است

ہیں بکن زیں پس فراگیر احتراز	کہ ز بخشایش در توبہ است باز
توبہ را از جانب مغرب درے	باز باشد تا قیامت بر ورے
تا ز مغرب بر زند سر آفتاب	باز باشد آں در از وے رو متاب
ہست جنت را ز رحمت ہشت در	یک در توبہ است زاں ہشت اے پسر
آں ہمہ گہ باز باشد گہ فراز	واں در توبہ نباشد جز کہ باز
ہیں غنیمت دار در باز ست زود	رخت آنجا کش بکوری حسود
پیش ازاں کز قہر در بستہ شود	بعد ازاں زاری تو کس نشنود
باز گرد از کفر وایں در باز یاب	تا نگردی از شقاوت ردّ باب

خیر جو کچھ ہو چکا وہ تو ہو چکا اب ایسی باتیں مت کرو اس سے بچ۔ کیونکہ بخشش خداوندی سے ہنوز در توبہ کھلا ہوا ہے اور مغرب کی جانب سے یہ توبہ کا دروازہ مخلوق کیلئے قیامت تک کھلا رہیگا یعنی جب تک کہ آفتاب مغرب سے نکلے اسوقت تک کھلا رہیگا تو اس سے اعراض مت کر

بلکہ اس سے فائدہ اٹھا۔ دیکھ جنت کے آٹھ دروازے ہیں اور ان آٹھ میں سے ایک در توبہ ہے پس بقیہ سات کبھی بند ہوتے ہیں اور کبھی کھلے ہوئے لیکن در توبہ ہمیشہ کھلا ہوا ہوتا ہے پس چونکہ یہ دروازہ کھلا ہوا ہے اسلئے اسکو غنیمت جان اور اسکے ذریعہ سے جنت میں پہونچ جا۔ گو حاسدوں یعنی نفس و شیطان کو ناپسند ہو اور یہ کام اسکے بند ہونے سے پہلے ہی ہو جانا چاہئے کیونکہ اسکے بعد تیری آہ و زاری کوئی نہ سنیگا اور وہ دروازہ نہ کھل سکیگا پس تو کفر سے باز آ اور اس کھلے ہوئے دروازہ سے فائدہ اٹھا تاکہ تو اسکے بند ہونے کے بعد اپنی بدبختی کے سبب اس دروازہ سے واپس نہ لوٹا دیا جاوے یا مردود درگاہ حق سبحانہ ہو جاوے (ف مولانا کے ظاہر بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ باب توبہ جسکے کھلے ہوتے تک توبہ قبول ہوتی ہے اور وہ در توبہ جو جنت کا دروازہ ہے دونوں ایک ہیں۔ ذوہیں ہیں لیکن حدیث ان اللہ جعل بالمغرب بابا عرضہ مسیرۃ سبعین عاما للتوبۃ لا مالم تطلع الشمس من قبلہ الخ کے ظاہر سے اسکا باب جنت کے مغائر ہونا مفہوم ہوتا ہے فقط واللہ اعلم ف ۲ "توبہ را از جانب مغرب درے الخ" سے آخر ابیات تک ممکن ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کا مقولہ ہو۔ اور مخاطب۔ فرعون ہو۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ مولانا کا مقولہ ہو اور مخاطب عام ہو واللہ اعلم)

گفتن موسیٰ علیہ السلام مر فرعون را کہ از من یک پند قبول کن و چہار فضیلت عوض بستان

ہیں ز من بپذیر یک چیز و بیار	پس ز من بستان عوض آن را چہار
گفت اے موسیٰ کدامست آں یکے	شرح کن با من ازاں یک اندکے
گفت آں یک کہ بگوئی آشکار	کہ خدائے نیست غیر از کردگار
خالق افلاک و انجم بر علا	مردم و دیو و پری و مرغ را
خالق دریا و کوہ و دشت و تیہ	ملکت او بیحد و او بے شبیہ

حافظ ہر چیز و ہر کس ہر کہاں   رازق ہر جانور اندر جہاں

ہم نگہدارندۂ ارض و سما   ہم پدید آرندۂ گل از گیا

مطلع او بر ضمیر بندگاں   حاکم و جبار بر گردنکشاں

او ست بر ہر بادشاہے پادشاہ   حکم او را یفعل اللہ ما یشاء

گفت ای موسیٰ کدام ست آں چہار   کہ عوض بدہی مرا بر گو بیار

تا بود کز لطف آں وعدہ حسن   سست گردد چار میخ کفر من

بو کہ زاں خوش وعدہائے مغتنم   بر کشاید قفل کفر صد منم

بو کہ از تاثیر بوئے انگبیں   شہد گردد در تنم ایں زہر کیں

یا ز عکس جوئے آں پاکیزہ شیر   پرورش یابد دمے عقل اسیر

یا بود کز عکس آں جوہائے خمر   مست گردم بو برم از ذوق امر

یا بود کز لطف آں جوہائے آب   تازگی یابد تن شورہ خراب

شورہ ام را سبزۂ پیدا شود   خارزارم جنت الماویٰ شود

بو کہ از عکس بہشت چار جو   جاں شود از یاری حق یار جو

آنچناں کز عکس دوزخ گشتہ ام   آتش و در قہر حق آغشتہ ام

گہ ز عکس نار و دوزخ ہمچو مار   گشتہ ام بر اہل جنت زہر بار

گہ ز عکس جوشش آب حمیم   آب ظلم کرد خلقاں را رمیم

من ز عکس زمہریرم زمہریر   یا ز عکس آں سعیرم چوں سعیر

دوزخ درویش مظلومم کنوں،	وائے آنکه یابمش ناگه زبوں،
موسیا باشد که بکشائیم در	در فضیلتهات گردم با خبر
موسیا باشد که یابم ما منی	وارہم از کثرت ما و منی
ہیں بگو یا من کدامست آں چہار	که عوض خواہیم دادن بر شمار

موسٰی علیہ السلام نے فرعون سے کہا کہ تو میری ایک بات مان لے اور اُسکو عمل میں لا۔ اُسکے بعد اسکے عوض میں مجھ سے چار چیزیں لیلے۔ اسپر اُس نے کہا کہ وہ ایک چیز کیا ہے اُسکی کسیقدر تفصیل بیان کر آپ نے فرمایا کہ وہ ایک بات یہ ہے کہ تو علی الاعلان اسکا اقرار کر کہ خدا کے سوا اور کوئی خدا نہیں۔ وہ بلندی پر افلاک اور ستاروں اور پستی میں انسانوں شیاطین۔ جنات اور جانوروں کا پیدا کرنیوالا ہے نیز دریاؤں پہاڑوں اور جنگلوں اور بیابانوں کا بھی خالق ہے۔ اُسکی سلطنت غیر محدود ہے۔ اور وہ بے نظیر و بے مثل ہے وہ ہر شخص اور ہر مکان کا نگہبان ہے اور عالم میں ہر جاندار کو رزق دینے والا ہے۔ نیز وہ آسمانوں اور زمینوں کا محافظ ہے اور نباتات میں پھول پیدا کرنے والا ہے اپنے بندوں کے دلوں کی باتوں پر مطلع ہے سرکشوں پر حاکم اور اُنکی سرکوبی کرنے والا ہے وہ ہر بادشاہ کا بادشاہ ہے حکم اُسی کا ہے اور وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے کوئی اُسکی مزاحمت نہیں کر سکتا۔ یہ سنکر اس نے کہا کہ اچھا وہ چار چیزیں بھی بیان کیجئے جو مجھے معاوضہ میں ملیں گی تاکہ شاید اُس عمدہ وعدہ کے سبب میرے کفر کا شکنجہ ڈھیلا ہو جاوے اور میں اس سے نکل سکوں اور ممکن ہے کہ ان اچھے اور مغتنم وعدوں کے سبب مجھ سے اور سیکڑوں کے کفر کا قفل بھی کھل جاوے۔ اور وہ مسلمان ہو جائیں اور ممکن ہے کہ جنت کی جوئے شہد سے یہ عداوت کا زہر میرے جسم میں شہد ہو جاوے۔ اور میں تیرا دوست ہو جاؤں یا اسکی جوہائے شیر کے پرتو سے میری پابند نفس عقل پرورش پائے۔ یا اسکی جوہائے شراب کے پرتو سے میں مست ہو جاؤں۔ اور حکم حق کی چاشنی سے واقف ہو جاؤں۔ یا ممکن ہے کہ اُسکی پانی کی ندیوں کے لطف سے میرا تن جو شور زمین کی مانند اور ویران ہے تازگی حاصل کرلے اور میری اس زمین شور میں سبزۂ معرفت حق سبحانہ پیدا ہو جاوے اور میرا یہ کانٹوں کا کھیت یعنی جسم جنت الماوٰی بنجاوے اور ممکن ہے کہ اس بہشت اور اسکی چاروں مذکورۂ بالا

نہروں کے پرتو سے میری جان اعانت حق سبحانہ کو اپنا معین بنانیکی طالب ہو جسطرح کہ اب میں دوزخ کے عکس سے آگ بن رہا ہوں اور قہر سے مخلوط ہوں اور جیسا کہ آتش دوزخ کے پرتو سے سانپ کیطرح مستحقین جنت پر زہر اُگل رہا ہوں اور جیسا کہ دوزخ کے گرم پانی کے جوش کے اثر سے میرے آب ظلم نے مخلوق کو غرق کر کے بوسیدہ کر دیا ہے یا جسطرح کہ دوزخ کے طبقہ زمہریر کے اثر سے کرۂ زمہریر اور دل سرد ہو رہا ہوں یا جیسا کہ دوزخ کے اثر سے دوزخ کی مانند ہو رہا ہوں اور مظلوم غریبوں کے لئے دوزخ بن رہا ہوں اور بزبان حال کہتا ہوں کہ خرابی ہے اسکے لئے جسکو میں مغلوب پاؤں کیونکہ وہ میرے پنجہ قہر سے بچ نہیں سکتا اور اے موسیٰ ممکن ہے کہ تو وعدونکی تفصیل سے میرے لئے ہدایت کا دروازہ کھولدے اور میں تیری فضیلتوں سے واقف ہو جاؤں اور ممکن ہے کہ مجھے جائے امن ملجاوے اور میں اپنی کثرت نفسانیت سے نجات پاؤں۔ اچھا تو اب بیان کر دے کہ وہ چار لباس جو تو مجھے معاوضہ میں دیگا وہ کیا ہیں اور انہیں گن۔

شرح کردن موسیٰ آن چار فضیلت پائیزدرا

گفت موسیٰ کاولین آن چہار
صحتے باشد تنت را پائدار

این عللہائے کہ در تن گفتہ اند
دور باشد از تنت اے ارجمند

ثانیاً باشد ترا عمر دراز
کہ اجل دارد ز عمرت احتراز

وین نباشد بعد عمر مستوی
کہ بنا کام از جہان بیرون روی

بلکہ خواہان اجل چون طفل سیر
نے ز رنجے کہ ترا دارد اسیر

مرگ جو باشی ولے نز عجز و رنج
بلکہ بینی در خراب خانہ گنج

پس بدست خویش گیری تیشۂ
می زنی بر خانہ بے اندیشۂ

کہ حجاب گنج بینی خانہ را
مانع صد خرمن این یک دانہ را

پس در آتش افگنی ایں دانہ را — پیش گیری تیشۂ مردانہ را

بر کنی ایں خانۂ تن بے دریغ — تا بروں آید مہست از زیر میغ

اے بیک برگے ز باغے ماندہٗ — ہمچو کرمے برگش از رز راندہٗ

چوں کرم ایں کرم را بیدار کرد — اژدہائے جہل را ایں کرم خورد

کرم کرمے شد پر از میوہ درخت — انچنیں تبدیل کرد او نیکبخت

خانہ بر کن کز عقیق ایں یمن، — صد ہزاران خانہ شاید ساختن،

تفسیر کنت کنزا مخفیا فاحببت ان اعرف الخ

گنج زیر خانہ است و چارہ نیست — در خرابی ہیں بیندیش و مایست

کہ ہزاران خانہ از یک نقد گنج — میتواں کردن عمارت بی زرنج

عاقبت ایں خانہ خود ویراں شود — گنج از زیرش یقین عریاں شود

لیک آں تو نباشد زانکہ روح — مزد ویراں کردنستش آں فتوح،

چوں نکرد آں کار مزدش ہست لا — لیس للانسان الا ما سعیٰ

دست خائی بعد ازاں تو کائے دریغ — انچنیں ماہے بد اندر زیر میغ

من نکردم انچہ گفتند از تہی، — گنج رفت و خانہ و دستم تہی

مانع صد خرمن ایں یک دانہ بود — حائل گنج و حجاب ایں خانہ بود

خانہ را اجرت گرفتی و کری، — نیست ملک تو بہ بیعے یا شری

ایں کرے را مدتے او تا اجل — تا دریں مدت کنی در وے عمل

پاره دوزی میکنی اندر دوکان　　زیر این دکان تو مدفون دو کان
هست این دکان کرائے زود باش　　تیشه بستان و تگش را می تراش
تا که تیشه ناگهان بر کان نهی　　از دوکان پاره دوزی وا رهی
پاره دوزی چیست خورد آب و نان،　　می زنی این پاره بر دلق گران،
هر زمان می درد این دلق تنت　　پاره بروے می زنی زین خوردنت
اے ز نسل پادشاه کامیار　　با خود آ زین پاره دوزی ننگ دار
پاره بر کن ازین قعر دکان،　　تا بر آرد سر به پیش تو دو کان
پیش ازاں کاین مهلت خانه کرے،　　آخر آید تو نخورده رو برے،
پس ترا بیرون کند صاحب دکان　　این دوکان را بر کند از روے کان
تو ز حسرت گاه بر سر می زنی،　　گاه ریش خام خود بر می کنی
کاے دریغا آن من بود این دکان　　کور بودم بر نخوردم زین مکان،
اے دریغا گنج را بگذاشتم　　آب حیوان را بخاک انباشتم
اے دریغا بود ما را برد باد　　تا ابد یا حسرتا شد للعباد

غره شدن آدمی به ذکاوت و تصورات طبع خویش و طلب ناکردن علم غیب که علم انبیاست

دیدم اندر خانه من نقش و نگار　　بودم اندر عشق خانه بیقرار
مانده ام در خانه حیران و نزار　　لابد از معنی شدم من عور و زار

عشق خانہ در دل من کار کرد	لاجرم از گنج ماندم دور و فرد
بودم از گنج نہانی بے خبر	ورنہ دستنبوی من بودے تبر
آہ گر داوے تبرّ را دادمے	ایں زمانِ غم را تبرّا دادمے
چشم را بر نقش می انداختم	ہمچو طفلان عشقہا می باختم
پس نکو گفت آں حکیم کامیار	کہ تو طفلی خانہ پر نقش و نگار
در الٰہی نامہ بس اندرز کرد	کہ برآر از دودمان خویش گرد

اسکے جواب میں موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ چاروں میں پہلی چیز یہ ہے کہ تو ہمیشہ تندرست ہوگا اور تیرے جسم سے وہ تمام بیماریاں دور رہیں گی جو طب میں بیان کی گئی ہیں - دوسرے تیری عمر نہایت دراز ہوگی - کیونکہ موت کو تیری عمر کے فنا کرنے سے اس عرصہ دراز تک احتراز ہوگا - اور جب یہ عمر مستوی (یعنی وہ عمر جسکے اجزا راحت میں تمام یکساں ہیں اور جسمیں یہ بات نہیں کہ کبھی تکلیف ہو کبھی راحت) ختم ہو جاویگی تو یہ نہوگا کہ تو اس جہان سے ناخوش جاوے بلکہ تو موت کا یوں ہی طالب ہوگا جسطرح بچہ دودھ کا ہوتا ہے مگر یہ خواہش کسی ایسی تکلیف کی بنا پر نہوگی جس نے تجھے مقید کر رکھا ہو - اور تو موت کا خواہاں ہوگا - مگر مجبوری اور تکلیف سے نہیں بلکہ اسکی وجہ یہ ہوگی کہ تو اپنے خانۂ تن کی ویرانی میں ایک خزانہ دیکھے گا پس اس خزانہ کے ملنے کی توقع میں اسکی ویرانی کا خواہاں ہوگا - اور اپنے ہاتھ میں تبر لیکر اس گھر پر بے کھٹکے بجانا شروع کریگا - (مقصود یہ ہے کہ تو اسکی ویرانی کا بخوشی خواہاں ہوگا یعنی موت کا متمنی ہوگا - جیسا کہ وہ صاحب خانہ اپنے گھر کی تباہی کا بخوشی خواہاں ہوتا ہے جسکے گھر میں خزانہ ہوتا ہے اور خود اپنی خوشی سے اسے ویران کرتا ہے اور یہ معنی نہیں کہ تو خودکشی کریگا کما یتوھم من الظاھر الکلام یا تیشہ مجاہدات وریاضات سے اپنے خانۂ ہوائے نفس کو ویران کریگا کما توھم فافھم) کیونکہ تو اس گھر کو اس گنج یعنی حق سبحانہ کا پردہ دیکھے گا - اور اس معدولی شئے کو ایک نہایت عظیم الشان دولت کا مانع سمجھے گا - اسلئے تو اس معمولی

تنے (تن) کو چولھے میں ڈالیگا اور تیشہ مردانہ لیکر اس مکان کی تخریب کے لئے آگے بڑھیگا اور اسکو بلا کسی پچھتاوے کے کھود ڈالیگا یعنی اسکے فنا ہونے کو بخوشی منظور کریگا جسکا یہ نتیجہ ہوگا کہ اس ابر کے نیچے سے تیرا چاند نکلے گا اور تجھے مطلوب حقیقی کا وصل عریاں حاصل ہوگا۔ یہاں سے مولانا مضمون ارشادی کی طرف انتقال فرماتے ہیں اور کہتے ہیں۔ اے وہ شخص جو ایک پتے (جسم) میں مشغول ہو کر ایک باغ (حق سبحانہ) سے غافل ہے۔ تیری ایسی مثال ہے جیسے ایک کیڑا جسکو ایک پتے نے اپنے اندر مشغول کر کے انگور سے دور کر دیا ہو۔ اب مولانا جملہ معترضہ کے طور پر فرماتے ہیں لیکن کرم حق سبحانہ اس کیڑے کو ہوشیار کر دیتا ہے تو یہ کیڑا اپنے جہل کے اژدہے کو کھا جاتا یعنی اسکا جہل فنا ہو جاتا ہے اور اسوقت وہ کیڑا وہ کیڑا ہو جاتا ہے جو میوۂ درخت سے سیر ہوتا ہے اور وہ خوش نصیب اس طرح پتے کو میوہ سے بدل دیتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ گو آدمی کیڑے کی مانند ہے اور لذائذ جسمانیہ میں مصروف ہے لیکن جب فضل حق سبحانہ شامل حال ہوتا ہے تو وہ متنبہ ہو کر ان کو چھوڑتا اور مشغول بحق سبحانہ ہوتا ہے جسکا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اسکے رگ و ریشہ میں ذکر حق سما جاتا ہے اور وہ متخلق باخلاق اللہ ہو جاتا ہے خیر یہ تو جملہ معترضہ تھا اب ہم مضمون سابق کو تمام کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اے منہمک فی اللذات الجسمانیہ تو اس خانۂ جسم کو ویران کر اور عقیق یمنی کا خزانہ جو اسمیں مستور ہے اسے نکال لے اور گھر کی بربادی کا کچھ خیال نکر کیونکہ اس عقیق یمنی کے خزانہ (حق سبحانہ) کے ذریعہ سے ایسے لاکھوں گھر بن سکتے ہیں۔ دیکھ خزانہ اس گھر کے نیچے مدفون ہے اور گھر ایک دن لامحالہ برباد ہوگا پس تو اسکے ڈہانے میں سوچ بچار اور توقف مت کر۔ کیونکہ ہم بتلا چکے ہیں کہ اس ایک خزانہ کے ملجانے سے بے زحمت ایسے سیکڑوں مکان بنائے جا سکتے ہیں (مقصود یہ ہے کہ جب حق سبحانہ تجھے ملجاویں گے تو وہ تیرے لئے ایسے سیکڑوں جسم بنا سکتے ہیں گو بوجہ ضرورت نہونے کے نہ بنادیں اسکے یہ معنی نہیں کہ تجھے قدرت حاصل ہو جاوے گی کہ تو جس تن مثالی کو چاہے اختیار کرے اور اسمیں متمثل ہو جائے۔ کما توھم) آخر یہ گھر جسکو تو بچانا چاہتا ہے ایک روز ضرور ویران ہوگا۔ اور اسکے نیچے سے وہ خزانہ ضرور نکلے گا۔ لیکن اگر خود تو نے اسے ویران نہ کیا تو تجھے وہ خزانہ نہ مل سکے گا۔ کیونکہ یہ دولت تو روح کیلئے اسکے اس گھر کو ویران کرنے کا معاوضہ ہے اور جبکہ اس نے وہ کام نہیں کیا تو اجرت بھی

اسکو نہ ملیگی اسلئے کہ آدمی کو وہی ملتا ہے جسکے لئے وہ کوشش کرتا ہے۔ پس اسوقت تو غم و غصہ سے ہاتھ کاٹیگا اور کہیگا کہ ہائے افسوس ایسا چاند اس ابر کے نیچے تھا اور لوگوں نے مجھ سے کہا تھا کہ اس ابر میں ایک چاند مستور ہے پس تو اس ابر کو الگ کرتا کہ چاند نکل آئے لیکن جو بھلائی کی بات انھوں نے مجھ سے بیان کی تھی وہ میں نے نہیں کی اور خزانہ بھی جاتا رہا اور میرا گھر بھی گیا اور میں بالکل خالی ہاتھ رہگیا ہائے افسوس کہ ایک معمولی شئے اتنی بڑی دولت سے مانع ہو گئی تھی۔ اور خزانہ کا پردہ اور اسکے اور میرے درمیان حائل یہ گھر ہو گیا تھا اب مولانا اس کا افسوس نقل کرکے دوسرے عنوان سے نصیحت فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اے شخص یہ گھر خرید فروخت وغیرہ کے ذریعہ سے تیری ملک نہیں ہے بلکہ تونے کرایہ پر لے رکھا ہے اور اس اجارہ کی ایک مدت ہے اور وہ مدت موت تک ہے اور مقصود اس کرایہ پر دینے کا یہ ہے کہ تو کام کرے۔ مگر تو بجائے کام کے اس دوکان میں بیٹھا ہوا گدڑی میں پیوند لگا رہا ہے۔ حالانکہ اس مکان کے اندر ایک خزانہ بھی مستور ہے۔ ارے بیخبر یہ دوکان کرایہ کی ہے تو جلدی کر اور تیشہ لیکر اس دوکان کو کھود ڈال یعنی مجاہدات و ریاضات سے ہوائے نفسانی کو فنا کر دے تاکہ تیرا یہ تیشہ کان نقد تک پہونچے۔ اور دولت باطنی تجھے نصیب ہو اور تو اس پارہ دوزی سے نجات پاوے جانتے ہو کہ پارہ دوزی (یعنی پیوند لگانا) کیا چیز ہے۔ ضرورت سے زیادہ کھانا پینا جسے تن پروری کہتے ہیں پس تو جسم کی بھاری گدڑی پر غذائے زائد کے پیوند لگا رہا ہے اور ہر وقت تیری یہ گدڑی پھٹتی ہے اور جسم تحلیل ہوتا ہے اور اسکے ذریعہ سے قوائے شہوانیہ و غضبیہ میں فتور آتا ہے مگر تو کھانا کھا کر پھر اسکی تکمیل کر دیتا اور اسمیں پیوند لگا دیتا ہے اور شکست نہیں ہونے دیتا۔ ارے بھلے مانس تجھے معلوم بھی ہے کہ تو کون ہے تو ایک فیروز مند روحانی بادشاہ آدم علیہ السلام کی اولاد میں سے اور ایک شاہزادہ ہے پس تو ہوش میں آ اور عالی ہمتی اختیار کر اور اس پیوند لگانے یعنی تن پروری سے شرم کر تو اس دوکان جسم کی تہہ کا ایک ٹکڑا اڑا دے تاکہ سونے چاندی کی کانیں تیرے لئے ظاہر ہوں اور یہ کام اسوقت سے پہلے کرے کہ اس کرایہ کے مکان کی میعاد ختم ہو اور مالک دوکان تجھکو نکال باہر کرے اور دوکان کو کھود کر وہ اس خزانہ کو جو اسمیں مدفون ہے نکال لے۔ اور تو حسرت سے کبھی

اپنا سر پیٹے اور کبھی ڈاڑھی نوچے اور کہے کہ ہائے افسوس یہ دوکان میرے قبضہ میں تھی مگر میں نادان تھا اسلئے اس سے فائدہ نہ اٹھا سکا ہائے افسوس کہ میں نے اتنا عظیم الشان خزانہ چھوڑ دیا۔ اور گویا کہ آب حیات کو خاک سے پر کر دیا۔ ہائے افسوس ہماری ہستی برباد ہوگئی۔ اور ہم لوگوں کو لئے قیامت کے لئے پچھتاوا باقی رہگیا۔ میں نے اس مکان کو نقش ونگار سے آراستہ دیکھا اور اسکے عشق میں بے قرار ہوگیا اور اسکی خوبی میں متحیر رہگیا۔ اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ اسکی حقیقت اور باطن کے علم سے معرا رہا۔ اور اسکے عشق نے میرے دل پر اثر کیا۔ اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ میں خزانہ سے دور اور جدا رہگیا۔ مجھے خبر نہ تھی کہ اسمیں ایسا خزانہ مستور ہے ورنہ کلہاڑا میرے ہاتھ میں ہوتا اور میں اسے کھود ڈالتا۔ افسوس اگر میں اسپر خوب کلہاڑا بجاتا تو اسوقت غم پر لعنت بھیجتا مگر میں تو اسکے نقش ونگار ہی کو دیکھتا تھا اور بچوں کی طرح اونہیں پر عاشق تھا۔ اسے کھودتا کیونکر افسوس صد افسوس اب مولانا فرماتے ہیں کہ واقعی حکیم سنائی رحمۃ اللہ علیہ نے کیا خوب فرمایا ہے کہ اے شخص تو بچہ ہے اور مکان جسم مزین ہے مجھے اندیشہ ہے کہ تو اسپر فریفتہ نہ ہوجاوے اسلئے انھوں نے الٰہی نامہ میں بہت نصیحت کی ہے اور فرمایا ہے کہ اپنے کو مٹا دے۔

شرح کردن موسیٰ وعدۂ سوم را،

بس کن اے موسیٰ بگو وعدہ سوم — کہ دل من زاضطرابش گشت گم

گفت موسیٰ آں سوم ملک دو تو — دو جہانے خالص از خصم و عدو

بیشتر زاں ملک کاکنوں داشتی — کان بد اندر جنگ وایں در آشتی

آنکہ در جنگت چناں ملکے دہد — بنگر اندر صلح خوانت چوں نہد

آں کرم کاندر جفا آنہات داد — در وفا بنگر چہ باشد افتقاد

گفت اے موسیٰ چہارم چیست زود — باز گو صبرم شد و حرصم فزود

گفت چارم آنکہ مانی تو جواں — موئے ہمچو قیر و رخ چوں ارغواں،

رنگ و بو در پیش ما بس کاسد است ‏ ‏ لیک تو پستی سخن کردیم پست
افتخار از رنگ و بو و از مکاں ‏ ‏ ہست شادی و فریب کودکاں

بیان این خبر کہ کلموا الناس علیٰ قدر عقولهم

چونکہ با کودک سر و کارم فتاد ‏ ‏ ہم زبان کودکان باید کشاد
کہ برو کتاب نا مرغ خرم ‏ ‏ یا مویز و جوز و فستق آورم
جز شباب تن نمی دانی بگیر ‏ ‏ این جوانی را بگیر اے خرس پیر
ہیچ آرشنگے نیفتد بر رخت ‏ ‏ تازہ ماند این شباب فرخت
نے نژند پیریت آید برو ‏ ‏ نے قدچوں سرو تو گردد دو تو
نے شود زور جوانی از تو کم ‏ ‏ نے بدندانہا خللہا با الم
نے کمی در شہوت و طمث و بعال ‏ ‏ کہ زنان را آید از ضعفت ملال
کے شود مویت سفید و پشت خم ‏ ‏ لیک خوشتر لحظہ دبدم
آنچناں بکشاید فر شباب ‏ ‏ کہ کشود آں مژدہ بر عکاشہ باب

معنی حدیث من بشرنی بخروج الصفر بشرتہ بالجنۃ

احمد آخر زمان انتقال ‏ ‏ در ربیع اول آمد بے جدال
چونکہ واقف شد دلش زین وقت نقل ‏ ‏ عاشق آں وقت گردید او بعقل

چوں صفر آمد بشد شاد از صفر
کز پس ایں ماہ می سازم سفر

ہر شبے تا روز از شوق ہدیٰ
او رفیق راہ اعلیٰ میزدی

گفت ہر کس کہ مرا مژدہ دہد
چوں صفر پا از جہاں بیروں نہد

کہ صفر بگذشت و شد ماہ ربیع
مژدہ دہ باشم مر او را و شفیع

چوں صفر بر بست رخت ماہ نو
گشت پیدا بر فلک با تاب و ضو

گفت عکاشہ کہ بگذشت آں صفر
گفت عکاشہ ببرد از مژدہ در

پس جہاں از نقل عالم شادماں
وز بقایش شادماں ایں کودکاں

چونکہ آب خوش ندید آں مرغ کور
پیش او کودک نماید آب شور

ہمچنیں موسیٰ کرامت می شمر
ہم بدینساں بے قدم رہ می سپر

کہ نگردد صاف اقبال تو درد
ہم نگردد اطلس بخت تو برد

ہر چہ خواہی یابی از بخت جواں
شادماں مانی نگردی ناتواں

گفت احسنت و نکو گفتی و لیک
تا کنم من مشورت با یار نیک

فرعون نے کہا کہ خیر تقریر کو طول نہ دے اور تیسیر او عمدہ بیان کر کیونکہ اضطراب شوق سے میرے حواس ٹھکانے نہیں اسپر موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ تیسری چیز دو ہرا ملک ہے یعنی دونوں جہانوں دنیا وعقبیٰ کی شاہی تجھکو دیجائیگی جسمیں کسی مخالف اور دشمن کی مزاحمت کا اندیشہ نہوگا اور یہ ملک اس ملک سے کہیں زیادہ ہوگا جو کہ ابتک تجھکو حاصل تھا کیونکہ یہ تو جنگ کی حالت میں ملا ہے اور وہ صلح کی حالت میں ملیگا۔ پس تو غور کر کہ جو جنگ کی حالت میں تجھے اتنا ملک دیدے وہ صلح کی حالت میں کسقدر انعام کریگا اور جسکے فضل نے تیرے ظلم کی حالت میں تجھے اسقدر دیا اسکی عنایت

دفا کی حالت میں کسدرجہ ہوگی یہ سنکر اُس نے کہا کہ اب چوتھی شے بھی جلدی سے بتلادے کیونکہ
اب مجھے تاب نہیں اور میری حرص بڑھ گئی ہے۔ اُنھوں نے فرمایا کہ چوتھی چیز یہ ہے کہ تو جوان رہیگا
اور تیرے بال قیر کی طرح کالے رہیں گے اور رخ ارغوان کی طرح سرخ رہے گا گو رنگ و بو ہمارے نزدیک
نہایت حقیر ہے اسلئے محل انعام میں اسکا ذکر میں علو ہمت کے خلاف سمجھتا ہوں۔ مگر چونکہ تو پست
حوصلہ ہے اسلئے گفتگو بھی میں نے عالی نہیں کی۔ رنگ و بو اور مکان پر فخر تو بچوں کی خوشی اور
اُنکا بہکانا ہے۔ لیکن چونکہ مجھے ایک نادان سے پالا پڑا ہے اسلئے باتیں بھی اسی ڈھب کی کرتا
ہوں اور جبکہ بچوں سے کہتے ہیں کہ تو مکتب میں جا میں تجھے مرغی لے دونگا یا مویز اور اخروٹ اور
پستہ لادونگا کیونکہ وہ انہیں چیزوں کو پسند کرتا ہے اسی طرح چونکہ تو شباب جسمانی کے سوا دوسرا
شباب روحانی جانتا ہی نہیں اسلئے میں کہتا ہوں کہ یہی جوانی لے اس سے تیرے چہرے پر کوئی جھری
نہ پڑے گی۔ اور یہ شباب تروتازہ رہیگا۔ اور جابڑھاپے کی خستگی تجھپر واقع نہوگی اور نہ تیرا سرو کا سا
قد دوہرا ہوگا۔ اور نہ قوت جوانی کم ہوگی نہ تیرے دانتوں میں کوئی نقص یا درد ہوگا اور نہ قوت باہ
اور قوت مجامعت میں کمی ہوگی کہ تیری کمزوری سے عورتوں کو دل تنگی پیش آئے۔ نہ تیرے بال سفید
ہونگے اور نہ کمر جھکے گی بلکہ دمبدم تیری حالت بہتر ہوگی اور شوکت جوانی تجھپر فرحت کا دروازہ یونہی
کھولدیگی جسطرح جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی خوشخبری نے عکاشہ پر کھولدیا تھا (یہ نقل بالمعنے
ہے لہذا اس تاویل کی ضرورت نہیں جو ایوبے کی ہے کہ حضرت موسیٰ کو یہ واقعہ وحی کے ذریعہ سے
معلوم ہوگیا تھا) اب مولانا فرماتے ہیں کہ جس واقعہ کی طرف اوپر اشارہ کیا گیا ہے۔ اسکی تفصیل
یہ ہے کہ ہمیں کسی کا نزاع نہیں کہ جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا انتقال ربیع الاول میں
ہوا ہے۔ پس جبکہ آپکو اس وقت انتقال کی خبر ہوئی ہے تو آپ بحکم عقل اسوقت پر عاشق ہوگئے
اور جب ماہ صفر آیا تو آپ اسکے آنے سے بہت خوش ہوئے۔ بدیں خیال کہ اب زمانۂ انتقال قریب
آگیا ہے۔ اور اس مہینے کے بعد جہان سے سفر کرونگا۔ آپ ہر رات کو شوق راہ یابی راہ عالم بالا سے
اللھم الرفیق الاعلیٰ کا نعرہ لگاتے تھے۔ چونکہ آپ کے شوق وذوق کی یہ حالت تھی اسلئے آپنے
فرمایا کہ جو شخص مجھے اسوقت جبکہ صفر رخصت ہوجاویگا یہ خوشخبری دیگا کہ ماہ صفر گذر گیا اور ربیع الاول
آگیا تو میں اسکو جنت کی خوشخبری دونگا۔ اور حق سبحانہ سے اسکی شفاعت کرونگا بس جبکہ ماہ صفر کا

ثانداً بھانداً لدگیا اور نیا چاند آسمان پر با آب وتاب ظاہر ہوا اسوقت عکاشہ نے کہا کہ حضور صفر گذر گیا اور رخصت ہو گیا آپ نے فرمایا کہ تجھے جنت ملے گی۔ ایک دوسرا آیا اس نے بھی کہا کہ وہ صفر گذر گیا آپنے فرمایا کہ وہ خوشخبری عکاشہ نے گیا۔ اب مولانا فرماتے ہیں کہ دیکھو بہت سے مردان خدا ہیں کہ اس عالم کے انتقال سے خوش ہوتے ہیں اور ایک یہ لونڈے اہل دنیا ہیں کہ اسکی بقا سے خوش ہوتے ہیں۔ ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا۔ اور راز اسکا یہ ہے کہ ان اندھے جانوروں کو آب شیریں نصیب نہیں ہوا۔ اسلئے انکو کھارا پانی ہی آب کوثر معلوم ہوتا ہے یعنی چونکہ ان کو اس عالم کی لذات نصیب ہی نہیں ہوئیں۔ اسلئے یہ لذات دنیویہ ہی کو لذات جانتے ہیں۔ خیر یہ مضمون تو استطرادی تھا اب سنو کہ موسیٰ علیہ السلام یوں ہی انعامات بیان فرماتے رہے اور راہ ہدایت کو بدون اقدام معروف کے طے کرتے رہے۔ اور فرماتے رہے کہ تیرے اقبال کی شراب صاف تلچھٹ نہ بنے گی۔ اور تیرے بخت کا اطلس چادر نہو گا یعنی تیرے اقبال میں کبھی کمی نہ آئیگی۔ بلکہ تو جو چاہیگا تیرا بخت جوان تجھے دیگا اور تو ہمیشہ خوش وخرم رہیگا اور کبھی مضمحل نہو گا۔ یہ سنکر اس نے کہا کہ یہ تو تو نے بہت اچھی باتیں کیں اور میں ماننے کے لئے تیار ہوں مگر اتنی مہلت چاہتا ہوں کہ اپنے دوست سے مشورہ کر لوں۔

مشورت کردن فرعون با آسیہ در ایمان آوردن

باز گفت او ایں سخن با آسیہ	گفت جاں افشاں برین اے دل سیہ
بس عنایتہاست متن ایں مقال	زود دریاب اے شہ نیکو خصال
وقت کشت آمد زہے پر سود کشت	ایں بگفت و گریہ کرد و گرم گشت
بر جہید از جا و گفتا بخ لک	آفتابے تاج گشتت اے کلک
عیب کل را خود بپوشاند کلاہ	خاصہ چوں باشد کلہ خورشید و ماہ
ہمدران مجلس کہ بشنیدی تو ایں	چوں نگفتی آرے و صد آفریں

این سخن در گوش خورشید ار شدے	سرنگوں بر بوئے آں زیر آمدے
هیچ می دانی چه وعده است و چه داد	میکند ابلیس را حق افتاد
چوں بدیں لطف آں کرمیت باز خواند	اے عجب چوں زهره است برجا بماند
زهره ات ندرید تا آں زهره ات	بود اندر هر دو عالم بهره ات
زهره کز بهر حق او بر درد	چوں شهیدان از دو عالم بر خورد
غافلی هم حکمت ست و ایں عمیٰ	تا بماند لیک تا ایں حد چرا
غافلی هم حکمت است و نعمت است	تا نه پرد زود سرمایه ز دست
لیک نے چندانکه ناسورے شود	زهر جان و عقل رنجورے شود
خود که یابد اینچنیں بازار را	که بیک گل میخری گلزار را
دانه را صد درختستان عوض	حبه را آمدت صد کاں عوض
کان لله داون آں حبه است	تا که کان الله له آید بدست
زانکه ایں هوئے ضعیف بیقرار	هست شد زاں هوے رب پایدار
هوئے فانی چونکه خود با او سپرد	گشت باقی دائم و هرگز نمرد
همچو قطره خائف از باد و ز خاک	که فنا گردد بدیں هر دو هلاک
چوں باصل خود که دریا بود جست	از تف خورشید و باد و خاک رست
ظاهرش گم گشت در دریا ولیک	ذات او معصوم و پا برجا و نیک
هیں بده اے قطره خود را بے ندم	تا بیابی در بهائے قطره یم
هیں بده اے قطره خود را ایں شرف	در کف دریا شو ایمن از تلف

خود کرا آید چنیں دولت بدست قطرہ را بحرے تقاضا گر شدہ است

چوں تقاضا میکند دریا ترا پس چہ استادی و درماندی ہلا

اللہ اللہ زود بفروش و بخر قطرۂ دہ بحر پر گوہر ببر

اللہ اللہ ہیچ تاخیرے مکن کہ ز بحر لطف آمد ایں سخن

اللہ اللہ زود بشتاب و بجو چونکہ بحر رحمت ست و نیست جو

اللہ اللہ گوئے شو بیدست و پا تا شود چوگان موئے پا ترا

اللہ اللہ تو گمان بد مبر بر چنیں انعام عام اے بیخبر

اللہ اللہ زود دریاب اے فتی تا نگردی در غلط بینی افنا

اللہ اللہ ترک کن ہستی خود چونکہ خواند ست بروے معتمد

اللہ اللہ زود تر تعمیل کن بر فروز از ایں بشارت بے سخن

اللہ اللہ تا کنوں کژ باختی گردن اندر معصیت افراختی

اللہ اللہ چوں عنایت در رسید بے توقف در وے آمیز اے عنید

اللہ اللہ چونکہ عصیانات تو او نمی مالد بروئیت شکر گو

اللہ اللہ چوں ز فضلت راہ داد سر بخاک پائے او باید نہاد

اللہ اللہ با چنیں کفر دو تو چوں قبولت می کند اکرام او

لطف اندر لطف او گم می شود کاسفلے بر چرخ ہفتم می شود

ہیں کہ یک بازی فتادت بو العجب ہیچ طالب ایں نیابد در طلب

در پذیر ایں چار خلعت زود زود تا بہ بینی در عوض صد عز و سود

گفت باهامان بگویم اے ستیر
گفت باهامان مگو این راز را
باز اسپیدے بہ کمپیرے دہی
ناخنے کہ اصل کارست و شکار
کہ کجا بودست مادر تا ترا
ناخن و منقار و پرش را برید
چونکہ تماجش دہد او کم خورد
کہ چنیں تماج پختم بہر تو
تو سزاے مرہمان ادبار را
آب تماجش دہد کایں را بگیر
آب تماجش نگیرد طبع باز
از غضب آن آتش سوزان بر سرش
اشک از ان چشمش فرو ریزد ز سوز
زان دو چشم نازنین با دلال
چشم باز اغش شده پر زخم زاغ
چشم دریا بسطتے کز بسط او
گر ہزاران بحر در چشمش رود،
چشم نگذشته ازین محسوسها،

شاه را لازم بود رائے وزیر
کوز کمپیرے چه داند باز را
او ببرد ناخنش بہر بہی
کوز کمپیرے ببرد کور وار
ناخنان زیبان [illegible] رازست اے کیا
وقت مہر این میکند زال پلید
خشم گیرد مہرہا را بر درد
تو تکبر می نمائی و عتو،
نعمت و اقبال کے سازد ترا
گر نمی خواہی کہ نوشی زاں فطیر
زاں بتر رنجد شود خشمش دراز
زاں فرو ریزد شود گل مغفرش
یاد آرد لطف شاه دلفروز
کہ ز چہرهٔ شاه دارد صد کمال
چشم نیک از چشم بد بادا دور و داغ
ہر دو عالم می نماید تار مو
ہمچو چشمه پیش قلزم گم شود
یافته از غیب بینی بو سهها

خود نمی یابم یکے گوشہ کہ من — نکتۂ گویم ازاں چشم حسن

می چکید آں آب محمود جلیل، — می ربود سے قطرہ اش را جبرئیل

تا بمالد در پر و منقار خویش — گر دہد دستوریش آں خوب کیش

باز گوید خشم کمپیر از فروخت — فر نور صبر و حلم را نسوخت

باز جانم باز صد صورت تنند — زخم بر ناقہ نہ بر صالح زند

صالح از یکدم بر آرد با شکوہ — صد چناں ناقہ بزاید متن کوہ

دل ہمی گوید خموش و ہوشدار — ورنہ در آیند غیرت بود و تار

غیرتش را ہست صد حلم نہاں — ورنہ سوزیدے بیکدم صد جہاں

نخوت شاہی گرفتش چالے پند — تا دل خود را ز پند او کرد بند

کہ کنم با رائے ہاماں مشورت — کو رست پشت ملک و قطب مقدرت

مصطفےٰ را رائے زن صدیق رب — رائے زن بوجہل را شد بولہب

عرق جنسیت چنانش جذب کرد — کاں نصیحتہا بہ پیشش گشت سرد

جنس سوئے جنس صد پرہ پرد — بر خیالش بندہا را بر درد

قصۂ آں زن کہ طفل او بر سر ناوداں مے غژید از علی چارہ جست

یک زنے آمد بہ پیش مرتضیٰ — گفت شہ بر ناوداں طفلے مرا

گرش میخوانم نمی آید بدست — ور ہلم ترسم کہ او افتد بہ پست

نیست عاقل تا کہ دریابد چو ما — گر بگویم کز خطر سوئے من آ

هم اشارت را نمی داند بدست — ور بداند نشنود اینهم بدست

بس نمودم شیر و پستان را بدو — او همی گرداند از من چشم و رو

از برائے حق شمائید اے مهان — دستگیر این جهان و آن جهان

زود درمان کن که می لرزد دلم — که بدرد از میوهٔ دل بگسلم

گفت طفلے را بر آور هم ببام — تا ببیند جنس خود را آن غلام

سوئے جنس آید سبک زان ناودان — جنس بر جنس ست عاشق جاودان

زن چنان کرد و چو دید آن طفل او — جنس خود خوش خوش بدو آورد رو

سوئے بام آمد ز متن ناودان — جاذب هر جنس را هم جنس دان

غژغژان آمد بسوئے طفل طفل — وا رهید او از فتادن سوئے سفل

زان بود جنس بشر پیغمبران — تا به جنسیت رهند از ناودان

پس بشر فرمود خود را مثلکم — تا بجنس آیید و کم گردند گم

زانکه جنسیت عجائب جاذبیست — جاذبش جنس ست هر جا طالبیست

عیسیٰ و ادریس بر گردون شدند — با ملائک چونکه هم جنس آمدند

باز آن هاروت و ماروت از بلند — جنس تن بودند زان زیر آمدند

کافران هم جنس شیطان آمده — جانشان شاگرد شیطانان شده

صد هزاران خوئے بد آموخته — دیدہائے عقل و دل بردوخته

کمترین خوشان بزشتی این حسد — آن حسد که گردن ابلیس زد

زان سگان آموخته حقد و حسد — که نخواهد خلق را ملک ابد

ہر کرا دیدا و کمال از چپ و راست   از حسد قولنجش آرد درد خاست

زانکه ہر بدبخت خرمن سوخته،   می نخواہد شمع کس افروخته،

ہین کمالے دست آور تا تو ہم   از کمال دیگران نافتی بغم

از خدا میخواه دفع این حسد،   تا خدایت وا رہاند زین حسد

مر ترا مشغولئے بخشد درون   که نپردازی ازان سوئے برون

جرعهٔ مے را خدا آن می دهد   که بدو مست از دو عالم می رہد

خاصیت بنهاده در کف حشیش   که زمانے می رہاند از خودیش

خواب را یزدان بدان سان میکند   کز دو عالم فکر را بر می کند

کرد مجنون را ز عشق پوستے   که نه بشناسد عدو از دوستے

صد ہزاران اینچنین می وارداو   که برادراکات تو بگمارداو

ہست میہائے شقاوت نفس را   که ز ره بیرون برد آن نحس را

ہست میہائے سعادت عقل را   که بیابد منزل بے نقل را

خیمهٔ گردون ز سرمستی خویش   برکند زان سو بگیر در راه پیش

این بہر مستی دلا غره مشو   ہست عیسیٰ مست حق خر مست جو

اینچنین مے را بجو زین خنبها   مستیش نبود ز کوته دنبها

زانکه ہر معشوق چون خنبیست پُر   آن یکے دُرد و دگر صافی چو دُر

مے شناسا ہین بچش با احتیاط   تا مے یابی منزه ز اختلاط

مے شناسا ہین بچش از روے ترش   آن مے صافی کز و گردی خوش

ہر دو مستی می دہندت لیک این	مستیت آرد کشاں تا رب دین
تا رہی از فکر و وسواس و حیل	بے عقال این عقل در رقص الجمل
انبیا چوں جنس روح اند و ملک	مر ملک را جذب کردند از فلک
باد جنس آتش ست و یار او	کہ بود آہنگ ہر دو بر علو
چوں ببندی تو سر کوزہ تہی	در میان حوض یا جوئے نہی
تا قیامت او فرو ناید بہ پست	کہ دلش خالی ست و در وے باد ہست
میل بادش چوں سوئے بالا بود	ظرف خود را ہم سوئے بالا کشد
باز آں جانہا کہ جنس انبیاست	سوئے ایشاں کش کشاں چوں سایہاست
زانکہ عقلش غالب ست و بے زشک	عقل جنس آمد بخلقت با ملک
واں ہوائے نفس غالب بر عدو	نفس جنس اسفل آمد شد بدو
بود قبطی جنس فرعون ذمیم	بود سبطی جنس موسئے کلیم
بود ہامان جنس مر فرعون را	برگزیدش برد تا صدر سرا
لاجرم از صدر تا قعرش کشید	کہ ز جنس دوزخ اند آں دو پلید
ہر دو سوزندہ چو دوزخ ضد نور	ہر دو چوں دوزخ ز نور دل نفور
زانکہ دوزخ گوید اے مومن تو زود	برگذر کہ نورت آتش را ربود

در بیان حدیث جز یا مومن فان نورک اطفأ ناری از زبان دوزخ

بگذر اے مومن کہ نورت می کشد	آتشم را چونکہ دامن می کشد

میرد آں دوزخی از نور ہم ‎ ‎ زانکہ طبع دوزخستش اے صنم
دوزخ از مومن گریزد آنچناں ‎ ‎ کہ گریزد مومن از دوزخ بجاں
زانکہ جنس نار نبود نور او ‎ ‎ ضد نار آمد حقیقت نور جو
در حدیث آمد کہ مومن در دعا ‎ ‎ چوں اماں خواہد ز دوزخ از خدا
دوزخ از وے ہم اماں خواہد بجاں ‎ ‎ کہ خدایا دور دارم از فلاں
جاذبہ جنسیت ست اکنوں ببیں ‎ ‎ کہ تو جنس کیستی از کفر و دیں
گر بہامان مائلی ہامانئی ‎ ‎ ور بموسیٰ مائلی سبحانئی
ور بہر دو مائلی انگیختہ ‎ ‎ نفس و عقلے ہر دوآں آمیختہ
ہر دو در جنگند ہاں وہاں بکوش ‎ ‎ تا شود بر نفس غالب عقل و ہوش
ساغر صدق از کف موسیٰ بنوش ‎ ‎ تا شود غالب معانی بر نقوش
در جہاں جنگ ایں شادی بس است ‎ ‎ کہ ببینی بر عدو ہر دم شکست
جہد کن تا خصمت اشکستہ شود ‎ ‎ گرچہ فرعون دنی ایں نشنود
ایں حدیث آمد دراز اے ناگزیر ‎ ‎ باز گو اضلال فرعون مشیر

غرض کہ فرعون گھر گیا اور اپنی بیوی آسیہ سے یہ ماجرا بیان کیا اُس نے کہا کہ ارے اس وعدہ پر جان قربان کر دے۔ یہ گفتگو بہت سی عنایات کی شرح ہے اور وہ عنایات اسکے واسطے بمنزلہ متن کے ہیں پس تو انکو جلدی سے حاصل کر لے اور ہرگز مت چھوڑ اب زراعت آخرت کا وقت آیا ہے اور یہ زراعت نہایت ہی فائدہ مند ہے ابتک جو وقت گذرا ہے سب بے سود گذرا ہے یہ کہا اور کہکر زار زار رونے لگی اور ایک جوش آگیا۔ اس جوش میں اپنے مقام سے اُچھل پڑی اور کہا کہ تجھے مبارک ہو۔ اے گنجے آفتاب تیرا تاج ہو گیا یعنی اتنی بڑی دولت باطنی یا موسیٰ علیہ السلام نے تیری مُربّی ہونگی

پردہ پوشی کرلی۔ گنجے کے عیب تو ایک معمولی ٹوپی بھی چھپا سکتی ہے۔ چہ جائیکہ وہ ٹوپی جو چاند سورج ہو۔ یعنی معمولی دولت باطنی یا شیخ بھی برائیوں کو ڈھک لیتی ہیں۔ چہ جائیکہ وہ دولت جو تجھے ملنے والی ہے یا خود موسیٰ علیہ السلام میں تو یہ کہتی ہوں کہ تونے قبول دعوت کو مشورہ پر کیوں موقوف رکھا۔ اسی مجلس میں جسمیں یہ بات سنی تھی خوشی سے اسے کیوں نہ قبول کرلیا۔ یہ بات کچھ ایسی ویسی تھی۔ یہ تو ایسی تھی کہ اگر سورج سی رفیع المرتبت مخلوق کے کان میں پڑتی تو سر کے بل اسکے قبول کیلئے آسمان سے زمین پر آجاتا۔ تجھے معلوم ہے کہ یہ کیا وعدہ اور کیا عطا ہے یوں کہئے کہ ابلیس پر حق سبحانہ رحمت فرما رہے ہیں۔ اور یہ کوئی معمولی کرم نہیں ہے مجھے تو حیرت یہ ہے کہ جب اس کریم نے نہایت رحمت سے تجھے دعوت دی تھی تو خوشی سے تیرا پتا پھٹ کیوں نہ گیا۔ اور وہ برقرار کیسے رہا۔ تاکہ اسکے پھٹنے سے دونوں عالم کی دولت سے تجھے حصہ ملتا کہ دنیا میں نیکنامی ہوتی اور عقبیٰ میں نجات۔ اب مولانا فرماتے ہیں کہ جسکا پتہ خدا کیلئے یعنی اسکی طلب میں مارے غم کے پھٹتا ہے وہ شہیدوں کی طرح دونوں عالم کے منافع سے متمتع ہوتا ہے کیونکہ دنیا میں نیکنامی ہوتی ہے اور عقبیٰ میں نجات۔ لیکن غفلت اور نابینائی میں بھی ایک حکمت ہے اور وہ یہ ہے کہ آدمی باقی رہ سکے اور باقی رہکر کسب معانی کرسکے۔ پس مطلق غفلت کی تو شکایت نہیں شکایت تو اسکی ہے کہ اتنی غفلت کیوں ہو۔ کہ ہزار تنبہ کیا جائے اور تنبہ ہی نہو۔ یہ مسلم ہے کہ غفلت میں حکمت بھی ہے اور وہ ایک اعتبار سے نعمت بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ سرمایۂ وجود جس سے منافع اخرت حاصل کئے جاسکتے ہیں بہت جلد ہاتھ سے نہ جاتا رہے لیکن اسکے یہ معنی نہیں کہ ناسور کی طرح ناقابل زوال ہو جاوے۔ اور روح وعقل بیمار کے لئے زہر ہوکر انہیں ہلاک کردے۔ اس استطرادی مضمون کو ختم کرکے پھر گفتگوئے آسیہ کی طرف عود فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ آسیہ نے کہا کہ ایسا بازار کسے نصیب ہوتا ہے کہ ایک گل دیکر گلستان خریدلے تجھے تو ایک دانہ کے معاوضہ میں سو باغ اور ذرا سے سونے کے بدلے میں سو کانیں ملتی تھیں ظالم تونے لے کیوں نہ لیں۔ شاید تم کو تشبیہ گل و گلستاں وحبہ و کان و دانہ و بانمات میں الجھن ہو اسلئے ہم کہتے ہیں کہ حبۂ زر وغیرہ دینا اپنے کو خدا کے ہاتھ بیچدینا اور اسکا ہو جانا ہی اسکا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اسکو اسکا معاوضہ ملتا ہے اور وہ معاوضہ یہ ہوتا ہے کہ خدا اسکا ہو جاتا ہے اور خدا کا اسکا ہو جانا سیکڑوں باغوں وغیرہ کا ملنا ہے اور وجہ اس تشبیہ کی یہ ہے کہ جس طرح گل گلستان سے

پیدا ہوتا ہے اور دانہ نخلستان سے اور حبۂ زر کان سے یوں ہی یہ کمزور اور ناپائدار ذات بھی اُسی
پروردگار کی باقی رہنے والی ذات سے موجود ہوتی ہے یہ تو وجہ تشبیہ تھی اب خدا کا ہوجانیکا فائدہ
سنو سو بات یہ ہے کہ جب آدمی اپنے کو خدا کے حوالہ کر دیتا ہے اور سراسر اُسکا مطیع ہوجاتا ہے تو اب
اُسکو بقاء روحانی ابدی حاصل ہوجاتی ہے اور موت روحانی اسپر طاری نہیں ہوتی۔ اسوقت اسکی
ایسی حالت ہوتی ہے جیسے ایک قطرہ کہ وہ ہوا اور خاک سے ڈرتا ہو۔ کہ ایسا نہو کہیں ان سے فنا
اور ہلاک ہوجاؤں لیکن جبکہ وہ اپنی اصل میں جوکہ دریا ہے ملجاتا ہے تو حرارت آفتاب اور ہوا اور
خاک کی ضرر رسانی کے خوف سے نجات پا جاتا ہے اور گو اسکی صورت مٹجاتی ہے لیکن اُسکی ذات محفوظ
اور برقرار اور اچھی حالت میں ہوتی ہے اب مولانا گفتگوئے آسیہ کی طرف عود کرتے ہیں اور فرماتے
ہیں کہ آسیہ نے کہا کہ اے قطرہ (فرعون) تو اپنے کو بدون کسی پشیمانی کے دے ڈال تاکہ تو اُس قطرہ
کے معاوضہ میں دریا پائے یعنی اپنے کو فنا کر دے تاکہ خدا تجھے ملجاوے۔ اور اے قطرہ تو اپنے کو اس
شرف یعنی فنا فی الحق سے مشرف کر تاکہ تو دریا (حق سبحانہ) کے ہاتھ میں جاکر فنائے روحانی سے
محفوظ اور بیخوف ہوجائے۔ ارے ایسی دولت عظمیٰ کس قطرہ کے ہاتھ آتی ہے۔ کہ اسکا بحر طالب ہو
یہ تجھ پر نہایت ہی شفقت ہو کہ تجھے اس اصرار کے ساتھ بلایا جا رہا ہے پس جبکہ دریا خود تجھے طلب
کرتا ہے پس تو کیا ٹھہرتا اور کیا عاجز ہوتا ہے ارے اپنے کو جلدی بیچدے۔ اور خدا کو اسکے معاوضہ
میں لیلے۔ اور ایک قطرہ دیکر موتیوں سے بھرا ہوا **صدر لیلے**۔ ارے دیر مت کر کیونکہ دریائے لطف کی
طرف سے تجھے دعوت دیجاتی ہے۔ ارے جلدی دوڑ اور اس دریا کو طلب کر۔ کیونکہ وہ رحمت کا سمندر
ہے اور کوئی معمولی ندی نہیں ہے۔ ارے اگر تیرے ہاتھ پاؤں نہیں ہیں اور تو اپنی ذاتی سعی سے اس تک
نہیں پہنچ سکتا تو تو چوگان موسوی کیلئے گیند ہوجا۔ وہ تیرا پاؤں ہوجاویگا۔ یعنی اپنے کو حکم موسیٰ کا
بالکل مطیع کر دے اور جو وہ کہیں وہ کر اس ذریعہ سے تجھے اس دریائے رحمت تک وصول ہوجاویگا۔
ارے جن انعامات کا تجھسے وعدہ کیا جاتا ہے تو ان پر بدگمانی مت کر اور انہیں فریب اور دھوکا مت
سمجھ۔ ارے ان انعامات کو جلد حاصل کر تاکہ تو غلط بینی اور انکو دھوکا سمجھنے سے برباد نہجاوے لئے تو
خودی کو چھوڑ دے اور جب حق سبحانہ تجھے بلاتے ہیں تو تو ضرور جا۔ ارے دیر مت کر اور جہانتک ممکن
ہو جلدی کر۔ اور اس بشارت سے خوش ہو اور کچھ چون وچرا نہ کر ارے ابتک تو تو نے غلط روی

اختیار کی ہے اور معصیت حق سبحانہ کیلئے گردن بلند کی ہے مگر اب نکر۔ ارے چونکہ عنایت حق سبحانہ آپہونچی ہے پس تو توقف مت کر اور اس سے ملجا ارے جبکہ وہ تیری نافرمانیوں سے تجھے شرمندہ نہیں کرتا تو تو اسکا شکر کر۔ ارے جبکہ وہ اپنے فضل سے تجھے اپنے تک رسائی کا رستہ دیتا ہے تو تو اسکے سامنے تذلل اور تمسکن اختیار کر۔ ارے تو دیکھ تو سہی کہ اسکا اکرام اسقدر کفر عظیم کے باوجود بھی تجھے کیونکر قبول کرتا ہے۔ کیا یہ انعام قابل قدر نہیں۔ اب مولانا جوش میں آکر فرماتے ہیں کہ تمام الطاف اسکے لطف کے سامنے ہیچ ہیں کیونکہ ایک خاکی فلک ہفتم پر پہونچ جاتا ہے اور ایک ناسوتی ملکوتی بنجاتا ہے حالانکہ ع چہ نسبت خاک را با عالم پاک۔ اس عنایت سے بڑھکر اور کیا عنایت ہوسکتی ہے اس جملہ معترضہ سے فارغ ہوکر پھر گفتگوئے آسیہ کی طرف عود کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ آسیہ نے کہا کہ ارے ایک عجیب باز (یعنی انعامات عجیبہ) تیرے ہاتھ میں آگیا ہے۔ پس تو اس باز یعنی ان چار خلعتوں کو جنکا تجھسے وعدہ کیا جارہا ہے جلد سے جلد قبول کرلے۔ تاکہ تجھے قبول کرنے کی صعاو ہیں درسیکڑوں عزتیں اور منافع ملیں۔ یہ ساری تقریر سنکر اس نے کہا کہ اچھا میں یہ واقعہ ہامان سے بیان کرونگا۔ کیونکہ بادشاہ کیلئے وزیر سے مشورہ لے لینا ضروری ہے۔ اسپر آسیہ نے کہا کہ اس راز کو ہامان سے بیان نکر۔ کیونکہ وہ اس کا اہل نہیں۔ بھلا اندہی بڑہیا باز کی قدر کیا جانے چونکہ اس راز کا ہامان سے پالا پڑنے والا ہے جو کہ اسکا اہل نہیں اسلئے اسکی قدر نکریگا اس مناسبت سے مولانا ایک دوسرے مضمون کی طرف انتقال فرماتے ہیں اور خلاصہ اسکا یہ ہے کہ جب اہل اللہ کو نااہلوں سے پالا پڑتا ہے تو انکو اپنے مذاق کے موافق بنانا چاہتے ہیں۔ اور جبکہ وہ ان کے مذاق کے موافق نہیں بنا چاہتے تو انہیں اذیتیں دیتے ہیں۔ جب یہ معلوم ہوچکا تو اب تفصیل سنو۔ مولانا اس مضمون کو ایک تمثیل کے پیرایہ میں بیان کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اگر تم ایک سپید باز کو بڑہیا کے حوالہ کردو تو وہ اسکے فائدہ کے زعم میں اسکے ناخن کاٹ ڈالیگی اور ان ناخنوں کو جو اسکے کام یعنی شکار کا مدار ہیں وہ کبڑی بڑہیا اندہوں کی طرح کاٹ دیگی اور یہ کہے گی۔ ارے تیری ماں کہاں تھی کہ تیرے ناخن اسقدر بڑہگئے ہیں یہ کہکر وہ اسکے ناخن اور چونچ اور پر کاٹ ڈالے گی اور وہ ناپاک بڑہیا محبت کے وقت یہ برتاؤ کرے گی (ایسی ہی حالت اہل اللہ کی ہے کہ جب وہ نااہلوں میں پھنس جاتے ہیں تو وہ نااہل انکو اپنے مذاق کے موافق بنانا چاہتے ہیں اور اسکو خیر خواہی سمجھتے ہیں) اور جبکہ وہ

بڑھیا اس باز کو روٹی کے ٹکڑے ملا ہوا شوربا دیگی تو وہ نہ کھائیگا۔ اسپر وہ غصہ ہوگی اور اپنی تمام محبتوں کو بالائے طاق رکھدیگی۔ اور کہے گی کہ میں نے تو تیرے لئے شوق سے یہ کھانا پکایا تھا تو تکبر اور سرکشی کرتا ہے۔ اور میری محبت کی قدر نہیں کرتا۔ بس تو اسی بدحالی کے مناسب ہے۔ اور تجھے نعمت اور خوش نصیبی راس نہیں۔ یہ کہکر وہ اسکو فقط شوربا دیگی۔ اور کہے گی کہ اچھا ٹکڑے نہیں کھاتا تو یہ ہی پی لے۔ مگر وہ باز اسکے شوربے کو بھی نہ پیے گا اس سے وہ اور بھی غصہ ہوگی اور اسکی خفگی بڑھ جائیگی۔ اور غصہ سے وہ جلتا ہوا کھانا اسکے سر پر ڈالدیگی جس سے اسکا سر گنجا ہو جائیگا۔ (اسی طرح جب اہل اللہ نا اہلونکی موافقت نہیں کرتے تو یہ لوگ انکو ستاتے اور تکلیف دیتے ہیں) اس برتاؤ پر اس باز یعنی اہل اللہ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو جائیں گے۔ اور وہ اپنے بادشاہ کی عنایات کو یاد کریگا۔ کن آنکھوں سے آنسو جاری ہونگے ان نازک اور پرناز آنکھوں سے جو کہ مشاہدہ شہنشاہ حقیقی سے سیکڑوں کمال اپنے اندر رکھتے ہیں۔ اسکی نہ بھٹکنے والی آنکھ۔ کو دن (اہل دنیا) کی چونچوں کے زخموں سے لبریز ہوگئے اور انکی اچھی آنکھ یعنی اسکی وہ دریا کی مانند فراخ آنکھ جسکی فراخی کے مقابلہ میں دونوں عالم ایک بال معلوم ہوتے ہیں انکی نظر بد سے مبتلائے تکلیف ہوگی اس باز کی یہ حالت ہے کہ اگر اسکی دونوں آنکھوں میں ہزاروں سمندر سماجائیں تو یوں ہی گم ہو جائیں جیسے ایک چشمہ قلزم کے اندر اور اسکی آنکھ کی یہ حالت ہے کہ وہ ان محسوسات سے تجاوز کر کے غیب بینی کے بوسے لیتی یعنی غیب میں ہے یہ تو اس آنکھ کی سطحی تعریف ہے اور اسکی تعریف میں دقیق گفتگو اسلئے نہیں کرتا کہ مجھے کوئی شخص ایسا نہیں ملتا جسکو میں اس اچھی آنکھ کی ایک باریکی سناسکوں بس وہ آنکھ جسکی یہ حالت ہے اس سے ستودہ صفت اور جلیل القدر آنسو ٹپکیں گے اور اسکو جبریل لیجائیں گے تاکہ اپنے پروں اور منہ پر ملیں بشرطیکہ وہ باز اجازت دے (یہ عنوان ہے اور مقصود صرف اسکی عظمت کا اظہار ہے اور حقیقت مقصود نہیں) خیر جب کہ اس باز (اہل اللہ) کو اسقدر ستایا جاتا ہے تو وہ کہتا ہے کہ اگر بڑی بی (نا اہلوں) کا غصہ پھر ٹکا ہوا ہے تو کیا مضائقہ ہے اس نے میرے صبر و حلم کے شاندار نور کو تو نہیں جلا دیا۔ میں صبر اور حلم اختیار کرونگا اور یہ میرے جسم کو ضرر پہونچاتی ہے تو پہونچانے دو۔ کیونکہ سبحان کا باز پھر سیکڑوں جسم حاصل کرلیگا۔ (یعنی اگر مجھے ضرورت ہوگی تو حق سبحانہ مجھے سیکڑوں جسم دے سکتے ہیں) آخر یہ بڑی بی ناقہ (جسم) ہی کو تو زخمی کرتی ہے

صالح (روح) کو تو ضرر نہیں پہونچاتی۔ پس صالح اگر ایک باشوکت لفظ (دعا) منہ سے نکالدیں گے تو پہاڑ سے سیکڑوں اونٹنیاں پیدا ہو جاوینگی یعنی روح اگر حق سبحانہ سے طالب جسم ہوگی تو اسیے سیکڑوں جسم مل سکتے ہیں (مگر بشرطیکہ کوئی حکمت مانع نہو) مولانا یہاں تک پہونچکر فرماتے ہیں کہ میرا دل کہتا ہے کہ چپ ہو اور ہوش میں آ ورنہ غیرت خداوندی تیرے پنے اڑادیگی اسکی غیرت اپنے اندر بہت سے مخفی حلم رکھتی ہے ورنہ ابتک کیا تھا ایک دم میں سیکڑوں جہاں جلگئے ہوتے کیونکہ بہت سی ایسی باتیں ہوجاتی ہیں جو غیرت خداوندی کے خلاف ہوتی ہیں۔۔۔ اس مضموں کو ختم کرکے پھر قصۂ فرعون کی طرف عود کرتے ہیں۔ اور فرماتے ہیں کہ اسکے دل کی انگنائی کو جسمیں نصیحت جاگزیں ہوتی نخوت شاہی نے گھیر لیا تھا۔ اسکا نتیجہ یہ ہوا تھا کہ اس نے اپنے گوش دل کو نصیحت کے سننے سے بند کرلیا تھا اور اسکو اپنے دل میں جگہ نہ دیتا تھا اور یہی کہتا تھا کہ میں ہامان سے مشورہ کرلوں کیونکہ وہ میری سلطنت کا پشت و پناہ اور میری قدرت کا دارومدار ہے۔ اس نے ہامان کو مشورہ کیلئے منتخب کیا تھا اور ہونا بھی یہی چاہیئے تھا۔ کیونکہ آدمی جیسا خود ہوتا ہے ویسا ہی مشیر تلاش کرتا ہے۔ چنانچہ جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے مشیر صدیق اکبر تھے اور ابوجہل کا مشیر ابولہب تھا۔ اور راز اسکے اس نصیحت آسیہ کو نہ سننے کا یہ تھا کہ ہامان اسکا ہم جنس تھا۔ اور رگ جنسیت اسکو یوں کھینچ رہی تھی کہ تمام نصیحتیں اسکی نظر میں بے وقعت تھیں کیونکہ قاعدہ ہے ایک جنس دوسری جنس کی طرف نہایت تیز دوڑتی ہے اور محض اسکے تصور سے یہ حالت ہوتی ہے کہ اسکے ملنے کے لئے سیکڑوں بیڑیوں کو توڑکر نکل جاتا ہے اب ہم جذب جنس بجنس کے متعلق قصہ سناتے ہیں جس سے ہمارے بیان کی تائید ہوتی ہے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خدمت میں ایک عورت آئی اور آکر کہا کہ چھت کے پرنالہ پر میرا بچہ چلا گیا ہے اب اگر میں اسے بلاتی ہوں تو وہ میرے پاس نہیں آتا۔ اور اگر وہیں چھوڑتی ہوں تو مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں نیچے نہ گرجائے۔ اگر میں اس سے زبان سے کہتی ہوں کہ مقام خطرہ ہے ہٹ اور میری طرف آ۔ تو وہ ہماری آپکی طرح سمجھدار نہیں کہ سمجھکر چلا آئے۔ نیز وہ ہاتھ کے اشارہ کو بھی نہیں سمجھتا۔ کہ اشارہ ہی کرکے بلالیا جاوے۔ اور اگر سمجھتا بھی ہو اور نہ آئے تب بھی برا ہے۔ میں نے اسے دودھ اور پستان بھی بہت دکھلائے۔ مگر وہ دیکھتا ہی نہیں بلکہ منہ موڑلیتا ہے۔ ایسی حالت میں نہایت پریشان ہوں اور سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کروں آپ دین و دنیا میں خدا کے لئے ہمارے دستگیر ہیں۔ پس آپ ہی کچھ

فوری تدبیر کیجئے۔ کیونکہ میرا کلیجہ کانپ رہا ہے کہ ایسا نہ ہو کہ اس تکلیف سے میری جان نکل جاوے اور میں اپنے میوۂ دل یعنی اپنے بچہ سے جُدا ہو جاؤں (یا یہ معنی ہوں کہ تکلیف کے ساتھ میں اپنے بچہ سے قطع تعلق کروں یعنی وہ گر کر مر جاوے اور مجھ سے جُدا ہو جاوے اور میں تکلیف میں مبتلا ہو جاؤں واللہ اعلم) آپ نے فرمایا کہ اچھا یہ کرو۔ کہ ایک بچہ کو کوٹھے پر لیجاؤ تاکہ وہ اپنے ہم جنس کو دیکھے اور فوراً پرنالہ سے اپنے ہم جنس کی طرف چلا آئے۔ کیونکہ ایک جنس دوسری جنس پر عاشق ہے۔ چنانچہ عورت نے ایسا ہی کیا اور جبکہ لڑکے نے اپنا ہم جنس دیکھا تو خوشی خوشی اسکی طرف چلا آیا۔ اور پرنالہ پر سے کوٹھے پر آ گیا۔ اس سے تم سمجھ لو کہ ہر جنس کو اسکی جنس اپنی طرف جذب کرتی ہے چنانچہ وہ لڑکا گھڑیلوں چلتا ہوا دوسرے بچہ کی طرف چلا آیا اور نیچے گرنے سے بچ گیا۔ یہی وجہ ہے کہ پیغمبر آدمی ہوتے ہیں تاکہ لوگ مجانست کے سبب انکی طرف کھینچیں اور ناو داں ضلالت سے رہائی پائیں اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے انا بشر مثلکم اسی لئے فرمایا ہے تاکہ لوگ متنبہ ہوں اور اپنا ہم جنس سمجھکر آئیں۔ اور پتیہ ضلالت میں گم نہوں (اسکا مطلب یہ نہیں کہ آیت قرآنی کا مقصود یہ ہے۔ کیونکہ مقصود تو کفار کی ان ہی درخواستوں کا جواب ہے جو وہ آپ کا دعویٰ نبوت سنکر آپ سے کہا کرتے تھے اور اس طرح ان کو نبوت کی حقیقت سمجھانا اور ان کے اس خیال کی تردید ہے کہ وہ نبوت کو منافی بشریت سمجھتے تھے بلکہ مقصود مولانا کا یہ ہے کہ اس عنوان میں یہ بھی ایک نکتہ ہی) کیونکہ مجانست ایک عجیب جذب کرنے والی شئے ہے اور جہاں کہیں بھی کوئی کسی چیز کا طالب ہے وہاں یہ مجانست ہی اسکی جاذب ہے۔ اسی لئے چونکہ عیسیٰ اور ادریس علیہما السّلام وصفاً ہم جنس ملائکہ تھے اسلئے آسمان پر گئے اور چونکہ ہاروت وماروت اجسام اور نفوس کے ساتھ مجانست وصفی رکھتے تھے اسلئے اوپر سے نیچے آئے اور کافر چونکہ شیاطین سے مجانست وصفی رکھتے تھے اسلئے وہ شیاطین کے شاگرد ہوئے اور ہزاروں بری خصلتیں سیکھ لیں اور عقل اور دل کی آنکھیں بالکل بند کر لیں انکی جو سب سے معمولی خصلت بد ہے وہ حسد ہے مگر یہ کمتری اضافی ہے نہ کہ حقیقی اسلئے کہ فی نفسہ تو وہ اتنی بڑی شئے ہے کہ اس نے ابلیس سے زاہد کی گردن ماردی ہے۔ پس اولاً حسد ابلیس نے کیا تھا اور اس حاسد سے جسکی حالت یہ ہے کہ وہ کسی کے لئے ملک ابدی نہیں چاہتا اسلئے جدھر بھی وہ کسی کے اندر کوئی کمال دیکھتا ہے حسد سے اسپر قولنج کا دورہ پڑجاتا ہے اور

پیٹ میں درد اٹھکھڑا ہوتا ہے۔ ان کتے حاسدوں نے یہ خصلت سیکھ لی اور وہ کسی کیلئے ملاک بدی
کیوں نہیں چاہتا اور کسی کا کمال کیوں نہیں دیکھ سکتا اسکی وجہ یہ ہے کہ وہ خود بدقسمت اور محروم ہے
اور قاعدہ ہے کہ کوئی بدنصیب خرمن سوختہ کسی کی شمع جلتی نہیں دیکھ سکتا۔ بلکہ چاہتا ہے کہ جسطرح
میں غمگین ہوں یوں ہی اور بھی ہوں اور کوئی خوش نہو۔ لیکن جو کوئی حسد کرے اس سے کہنا چاہئے
کہ کمبخت تو کیوں حسد کرتا ہے تو بھی کمال حاصل کرتا کہ تو ان سا ہو جاوے۔ اور وہ تجھسے۔ اور
دوسروں کے کمال سے تجھے رنج نہو ایک صورت تو دفع حسد کی یہ ہے مگر یہ مخصوص ہے اسی صورت
کے ساتھ جہاں وہ کمال اختیاری ہو۔ اور اسکی تحصیل سے کوئی مانع بھی نہو۔ اور دوسری تدبیر جو
سب صورتوں کو شامل ہے وہ یہ ہے کہ خدا سے دعا مانگ کہ اے اللہ مجھسے حسد کو دور کر دے
اور یہ دعا اسوقت تک کر کہ جب تک کہ خدا تجھے اس جسم سے چھڑا دے اور تجھے باطنی مشغولی عطا
فرمادے جس سے تو پرائی جانب مشغول ہی نہو اسوقت حسد کا عادۃً اندیشہ نہ رہے گا۔ اور جب تک
یہ بات پیدا نہو اسوقت تک بیفکر نہونا چاہئے۔ (یہ تحدید وقت اس بناء پر نہیں کہ اسکے بعد اطمینان
کامل ہو جاتا ہے اور حسد کا اندیشہ بالکل نہیں رہتا۔ بلکہ اس بناء پر ہے کہ اسوقت تک حسد کا احتمال
غالب ہے اور بعد کو مغلوب ہو جاتا ہے۔ اس لئے اسی وقت اہتمام دعا کی زیادہ ضرورت ہے واللہ
اعلم) چونکہ یہاں ضمناً مستی باطنی کا ذکر آگیا تھا اسلئے اب مولانا یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ یہ مستی کہاں ہو سکتی ہے
پس اولاً اسکے لئے ایک مضمون تمہیدی بیان کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ حق سبحانہ نے شراب کے اندر خاصیت
رکھی ہے کہ اس سے مست ہو کر آدمی کو دین و دنیا کی خبر نہیں رہتی علی ہذا ایک مٹھی بھنگ میں یہ اثر رکھا ہے
کہ وہ ایک وقت محدود تک آدمی کو خود اسکے نفس سے بھی غافل کر دیتی ہے اور اُسے اپنی بھی خبر نہیں رہتی
اسی طرح نیند کو حق سبحانہ نے ایسا بنایا ہے کہ وہ آدمی کو دین و دنیا کی فکر سے چھڑا دیتی ہے اور مجنوں کو
عشق لیلیٰ کے ذریعہ سے ایسا بنا دیا کہ اسکو دوست دشمن میں امتیاز نہ رہا۔ ایک یہ کیا اسکے پاس ایسے
سیکڑوں نسخے ہیں جنکو وہ تمھارے حواس پر مسلط کر کے تمھیں بیخود کرتا ہے۔ خیر یہ تو مستی ظاہری تھی
اب سمجھو کہ مستی باطنی کی بھی یہ ہی حالت ہے کہ وہ آدمی کو بیہوش کر دیتی ہے مگر دو قسمیں ہیں ایک
مستی شقاوت۔ دوسری مستی سعادت۔ مستی شقاوت تو نفس کیلئے ہوتی ہے جو کہ اُس منحوس کو راہ
راست سے بھٹکا دیتی اور اسکو اس سے بیخبر کر دیتی ہے۔ اور مستی سعادت عقل کیلئے ہوتی ہے جسکے

ذریعہ سے آدمی مقام خلد کو حاصل کرلیتا ہے اور خیمۂ گردوں کو اپنی مستی سے اکھاڑ کر دوسری طرف پہونچ جاتا ہے (یہ ایک عنوان ہے اور مقصود عروج روحانی اور تصرف حق کا بیان ہے یعنی اسکے ذریعہ سے آدمی نہایت عالی مرتبہ اور مقرب عنداللہ ہو جاتا ہے) جب یہ معلوم ہو گیا کہ مستی باطنی بھی دو قسم کی ہوتی ہے۔ ایک مستی نفسانی و مستی شقاوت دوسری مستی عقل و مستی سعادت تو اے دل تو ہر مستی سے دہوکھا نہ کھانا۔ اور اسے کمال نہ سمجھنا کیونکہ دونوں مستیوں میں بہت فرق ہے۔ دیکھ عیسیٰ بھی مست ہیں اور انکا گدہا بھی۔ مگر دونوں کی مستی میں بہت فرق ہے حضرت عیسیٰ شراب حب حق سبحانہ سے مست ہیں۔ اور گدہا شراب عشق جو سے۔ پس یہی حالت عقل اور نفس کی اور اہل اللہ اور اہل دنیا کی ہے جب یہ مضمون تمہیدی معلوم ہو گیا تو اب سمجھو کہ ایسی مستی جسکی صفت ہم نے "ہست مبہائے سعادت" الخ میں بیان کی ہے اور جسکی طرف ہم نے "مر ترا مشغولئے بخشد دردں" الخ میں اشارہ کیا ہے تمکو اہل اللہ سے مل سکتی ہے۔ پس تم اس مستی کو ان خموں سے ڈھونڈھو۔ اور لنڈوروں یعنی ناقصین و اہل دنیا سے یہ مستی عقل حاصل نہیں ہو سکتی۔ اسلئے ان سے نہ طلب کرو۔ ہم نے تمکو اسلئے متنبہ کیا ہے کہ مستی دونوں میں ہے کیونکہ فی الجملہ دونوں مطلوب و معشوق ہیں اور ہر معشوق خم کی طرح شراب سے پر ہوتا ہے اسلئے التباس کا احتمال تھا پس تو دہوکھا نہ کھانا۔ اور دونوں کو ایک نہ سمجھنا۔ کیونکہ دونوں میں فرق ہے اور وہ فرق یہ ہے کہ ایک درد سے پر ہے اور دوسرا سونی کی طرح صاف شراب سے۔ اور دونوں کو احتیاط سے چکھنا تاکہ تجھے ایسی شراب ملجاوے جو خالص ہو۔ اور جسمیں ملچھٹ یعنی شراب نفسانی کی آمیزش نہو۔ یہ تو اجمالی تنبیہ تھی اب ہم کسیقدر تفصیلی تنبیہ کرتے ہیں بس اس صاف شراب کو جسکو پیکر تو بالکل مدہوش ہو جاوے اس شخص سے چکھنا جو ترش رو یعنی ماسوی اللہ سے اعراض کئے ہوئے ہو۔ اور کسی کو منہ نہ لگاتا ہو (الا للحق) یہ مسلم ہے کہ دونوں شرابیں خواہ شراب نفس ہو یا شراب عقل تجھے مست کردیں گی مگر پھر بھی دونوں کی مستی میں فرق ہے۔ شراب عقل کی مستی تجھے کھینچکر حق سبحانہ تک پہونچا دیگی جسکا نتیجہ یہ ہوگا کہ تو فکر اور وسواس اور تدبیر و نکی پریشانی سے بچ جاویگا اور تفویض کی شان تجھپر غالب ہوگی اور تو بند عقل دنیوی سے آزاد ہو کر رقص جمل کریگا یعنی لذت روحانی سے مست ہوگا یہانتک اس مضمون استطرادی کو ختم کرکے پھر مضمون جذب جنس متجنس کی طرف عود کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ چونکہ انبیاء و صفا روح الامین اور فرشتہ یعنی جبریل کے ہم جنس ہوتے ہیں اسلئے اسے آسمان سے کھینچ لیتے ہیں

یعنی جبرئیل علیہ السلام کا انکے پاس وحی لیکر آنا یہ نتیجہ ہے اس مجانست کا جو ان دونوں میں ہے (یہ ایک سا نکتہ ہے علت نہیں) انبیا کے عالم سفلی میں ہونے سے کسی کو ان کے سفلیات کا ہم جنس ہونیکا شبہ نہو۔ اسلئے کہ دیکھو ہوا چونکہ آگ کی جنس سے ہے۔ کیونکہ دونوں کا میلان اوپر کی جانب ہے۔ اسلئے جب تم کسی خالی لوٹے کا منہ بند کر کے حوض یا ندی میں رکھو گے تو وہ قیامت تک طبعاً نیچے نہ جائیگا۔ کیونکہ اسکا اندرون خالی ہے اور اسمیں ہوا بھری ہے۔ اور وہ ہوا طبعاً اوپر کیطرف مائل ہے۔ اور اپنی ساتھ اپنے ظرف کو بھی اوپر کی جانب لیجانا چاہتی ہے پس اسی طرح ارواح انبیاء گو قسراً و ضرورۃً عالم سفلی سے تعلق رکھتی ہیں۔ مگر ہر وقت انکی توجہ عالم بالا ہی کی طرف ہے اور وہ اپنے جسم کو بھی جو کہ ان کیلئے بمنزلہ ظرف کے ہے عالم بالا ہی کی طرف متوجہ کئے ہوئے ہوتے ہیں یعنی انکا نفس بھی روح کا تابع ہوتا ہے۔ اور ناسوت کی طرف انکو بالذات توجہ نہیں ہوتی۔ اس شبہ کو دفع کر کے پھر اصل مضمون جذب کو بیان کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ انبیا کی حالت تو سن چکے۔ اب سنو کہ جو ارواح انبیا سے مناسبت رکھتی ہیں وہ انکی طرف یوں ہی کھینچتی ہیں جیسے اجسام کی طرف انکے ظلال۔ ہم نے دیگر اشخاص کو جو انبیا کی طرف کھینچتے ہیں انبیا کا ہم جنس اسلئے کہا ہے کہ انکی عقول غالب ہیں نفس پر اور اعتبار غالب کا ہے۔ لہذا وہ عقل ہوئے اور عقل فطرۃً جنس ملائک سے ہے۔ اور ملائک جنس انبیا سے۔ اسلئے وہ جنس انبیا سے ہیں برخلاف کفار کے کہ ان پر ہوائے نفس غالب ہے اسلئے وہ سراپا نفس ہیں۔ اور نفس جنس سفلیات سے ہے تف ہے اسپر (یہ جملہ معترضہ ہے اظہار نفرت کیلئے) اسلئے وہ بھی سفلی ہیں۔ اور جنس انبیا و ملائکہ سے نہیں او قبطی فرعون کا ہم جنس ہے لہذا اسکی طرف منجذب ہے۔ اور سبطی موسیٰ کا ہم جنس۔ اسلئے انکی طرف منجذب ہے اور ہامان چونکہ فرعون کا ہم جنس تھا اس لئے فرعون نے اسے مشورہ کیلئے منتخب کیا۔ اور اپنے قصر میں لیجا کر مسند وزارت پر بٹھلایا۔ ایک اثر تو مجانست کا یہ تھا دوسرا اثر یہ ہوا کہ وہ اسکو مسند وزارت سے قعر دوزخ میں لے گرا اور یہ قعر دوزخ میں کیوں گرے اسکی وجہ یہ تھی کہ دونوں دوزخ کے جنس سے تھے۔ پس دونوں اپنے ہم جنس کی طرف منجذب ہو گئے یہ دوزخ کے ہم جنس اسلئے تھے کہ دونوں عالم سوز تھے جیسے دوزخ کفار سوز ہے اور دونوں نور ایمان کے یوں ہی مخالف تھے جیسے کہ دوزخ نور قلب سے بھاگتی ہے اور دوزخ کے نور قلب سے بھاگنے کی دلیل یہ ہے کہ وہ قیامت میں مومن سے کہیگی کہ اے مومن تو جلدی سے گزر جا کیونکہ تیرا نور میری آگ کو فنا

گئے دیتا ہے ارے مومن جلدی گذر جا۔ کیونکہ جب تیرا نور چلتا ہے تو وہ میری آگ کو بجھائے دیتا ہے۔ پس جسطرح دوزخ نور سے بھاگتی ہے یوں ہی دوزخی (خواہ فرعون ہو یا ہامان یا کوئی اور) بھی اس سے بھاگتا ہے۔ کیونکہ اسکی طبیعت دوزخ ہی کی سی ہے اور دوزخ مومن سے یوں ہی بھاگتی ہے جسطرح مومن دوزخ سے بھاگتا ہے لہذا دوزخی بھی بھاگتا ہے۔ اب رہی یہ بات کہ مومن دوزخ سے کیوں بھاگتا ہے اسکی وجہ یہ ہے کہ اسکا نور مخالف ہے نار دوزخ کے لہذا وہ اس سے بھاگتا ہے اور بھاگنا بھی چاہیئے۔ کیونکہ مومن طالب نور ہے اور طالب نور لامحالہ ہارب عن النار ہوگا۔ کیونکہ جسطرح مجانست مقتضی ہے تجاذب کو یوں ہی مضادت مقتضی ہے تنافر کو اور یہی وجہ ہے کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ جب مومن خدا سے دوزخ سے امان مانگتا ہے تو دوزخ اس سے امان مانگتی ہے اور کہتی ہے کہ اے اللہ تو مجھے اس شخص سے دور رکھنا۔ خلاصہ یہ کہ جاذب مجانست ہے۔ اب تم یہ دیکھو کہ تم کفر و ایمان میں سے کس کے ہم جنس ہو۔ اگر بددینوں کی طرف مائل ہو تو بددین ہو اور اگر دینداروں کی طرف مائل ہو تو اللہ والے ہو اور اگر دونوں کی طرف مائل ہو تو معلوم ہوتا ہے کہ نفس و عقل دونوں ملے ہوئے ہیں اور دونوں جنگ میں مصروف ہیں جب عقل غالب ہوتی ہے تو دینداروں کی طرف میلان ہوتا ہے اور جب نفس غالب ہوتا ہے تو بددینوں کی طرف جھکتے ہو ایسی حالت میں تم کو کوشش کرنی چاہیئے۔ کہ عقل نفس پر غالب ہے۔ اور اسکی صورت یہ ہے کہ شراب صدق کا پیالہ کسی شیخ کے ہاتھ سے پیو۔ اور اخلاص حاصل کرو۔ تاکہ تمہارا مقصود حاصل ہو اور معانی (اوصاف روح) کو نقوش (صفات جسم) پر غلبہ ہو۔ اگر نفس بالکل مغلوب نہو تو یہی حالت جنگ میں یہ خوشی بھی کافی ہے کہ دشمن کو ہر وقت نئی شکست ہو۔ پس تم کوشش کرو تاکہ تمہارا دشمن شکست کھاوے۔ اگرچہ فرعون اس نصیحت کو نہیں سنتا اور اپنی شرارت سے باز نہیں آتا بلکہ نفس ہی کو عقل پر غالب رکھنا چاہتا ہے مگر تم سنو کیونکہ تم بہت لائق ہو اور فرعون نالائق ہے (اس عنوان میں عجیب لطافت ہے کیونکہ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مولانا بمنزلہ پدر مشفق کے ہیں اور اہل دنیا بمنزلہ اطفال کے۔ پس جسطرح باپ اپنے بچہ کو کسی کام کی ترغیب دیتا ہے تو کہتا ہے کہ تو بہت لائق ہے کہ کہنا مان لیتا ہے اور فلاں بچہ بُرا ہے کہ وہ کہنا نہیں سنتا اور یہ عنوان بہت مؤثر ہوتا ہے۔ اسی طرح مولانا نے بھی وہی عنوان اختیار کیا ہے) خیر یہ قصہ تو

خواہ مخواہ طویل ہوگیا - اب ایک دوسرے فرعون کے گمراہ کرنے کا قصہ بیان کرنا چاہیئے جو کہ مشورہ دینے والا ہے یعنی ہامان کا -

مشورت کردن فرعون با وزیرش ہامان در ایمان آوردن موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام

آں ستیزہ رو بسختی عاقبت | گفت باہامان برائے مشورت
وعدہائے آں کلیم اللہ را | گفت ومحرم ساخت آں گمراہ را
گفت باہامان چو تنہایش بدید | جست ہامان وگریباں را درید
بانگہا زد گریہا کرد آں لعیں، | کوفت دستار وکلہ را بر زمیں،
کہ چگونہ گفت اندر روئے شاہ | اینچنیں گستاخ آں حرف تباہ
جملہ عالم را مسخر کردہ تو | کار را بابخت چوں زر کردہ تو
از مشارق وز مغارب بے لجاج | سوئے تو آرند سلطاناں خراج
پادشاہاں لب ہمی مالند شاد | بر ستانہ خاک تو اے کیقباد
اسپ باغی چوں بہ بیند اسپ ما | رو بگرداند گریزد بے عصا
تاکنوں معبود ومسجود جہاں | بودہ گردی کمینہ بندگاں
در ہزار آتش شدن زیں خوشتر است | کہ خداوندے شود بندہ پرست
نے بکشش اول مرا اے شاہ ہیں | تا نہ بیند چشم من بر شاہ ایں
خسروا اول مرا گردن بزن | تا نہ بیند ایں مذلت چشم من
خود نبودست ومبادا اینچنیں | کہ زمیں گردوں شود گردوں زمیں

بندگان ہان خواجہ تاش ما شوند	بیدلان ہان دلخراش ما شوند
چشم روشن دشمنان و دوست کور	گشت مارا ایں گلستاں قعر گور

خیر تو اس شدت سے جھگڑالو اور سخت معاند نے انجام کار مشورہ کیلئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے وعدوں کو بیان کردیا اور کہدیا اور اس گمراہ کو راز دار بنالیا اور جبکہ اسکو تنہا پایا تو اس سے سارا واقعہ کہدیا۔ یہ سنکر ہامان اچھلا کودا اور غم سے اپنا گریبان چاک کر دیا اور شور مچانا اور رونا دھونا شروع کیا اور ٹوپی اور عمامہ کو زمین پر پٹک دیا اور کہا کہ اس نے یہ بیہودہ بات یوں گستاخانہ حضور کے سامنے کہی کیونکر مجھے تو اسکا ملال ہے۔ کیونکہ آپکی تو یہ شان ہے کہ آپنے تمام عالم کو مسخر کرلیا ہے اور اپنی خوش اقبالی سے ہر معاملہ کو اپنے لئے عمدہ اور مفید بنالیا ہے اور بادشاہ مشرق و مغرب سے بلا کسی حیلہ و حجت کے آپکے پاس خراج لاتے ہیں اور سلاطین آپکے آستانہ کی خاک کو بخوشی چومتے ہیں اور رعب کی یہ حالت ہے کہ اگر کوئی بغاوت کرتا ہے اور ہمارے مقابلہ کے لئے آتا ہے تو اسکا گھوڑا ہمارے کو دیکھتے ہی مرجاتا ہے اور ہم کو ڈنڈا لگانے کی بھی ضرورت نہیں ہوتی۔ ایسی حالت میں تو اسکا حضور کے سامنے یہ الفاظ زبان سے نکالنا ہی آپکی سخت توہین ہے۔ چہ جائیکہ آپ اسکو مان لیں۔ میں آپسے دریافت کرتا ہوں کہ اب تک آپ ایک عالم کے معبود اور مسجود تھے پس کیا ایسی حالت میں آپ ایک ادنیٰ غلام بن سکتے ہیں میرے نزدیک تو ہزار آتشوں میں چلا جانا اس سے بہتر ہے کہ ایک خدا اپنے بندہ کا بندہ ہوجاوے۔ پس میری رائے تو یہ ہے کہ آپ اسکی درخواست کو قبول نکریں اور اگر قبول کرنا ہی ہے تو پہلے مجھے مار ڈالئے تاکہ میں حضور کی یہ توہین اپنی آنکھ سے نہ دیکھوں اور اے بادشاہ آپ ضرور میری گردن ماردیں تاکہ میں بچشم خود یہ ذلت نہ دیکھوں ایسا کبھی نہیں ہوا اور نوبت ہو کہ زمین آسمان ہوجاوے اور آسمان زمین بنجاوے یعنی ہمارے غلام ہمارے آقا ہوجائیں اور ہم اُن کے غلام اور ہمارے دلدادہ ہمیں ستائیں اور ہم ستائے جائیں۔ اور ہمارے دشمنوں کی آنکھیں روشن ہوں اور دوست اندھے ہوں ایسی حالت میں تو ہمارے لئے مرجانا ہی بہتر ہے اور گور کا گڑھا ہمارے لئے باغ کیطرح عمدہ مقام ہے۔

تزئیف سخن ہامان بے ایمان علیہ اللعنۃ

دوست از دشمن ہمی نشناخت او ۔۔۔ نرد را کورانہ کژ می باخت او

دشمن تو جز تو نبود اے لعین ۔۔۔ بیگناہان را مگو دشمن بکین

پیش تو این حالت بد دولت است ۔۔۔ کہ دوادو اول و آخر لت است

گر ازین دولت نتازی خزخزان ۔۔۔ این بہارت را ہمی آید خزان

مشرق و مغرب چو تو بس دیدہ اند ۔۔۔ کہ سر ایشان ز تن ببریدہ اند

مشرق و مغرب کہ نبود برقرار ۔۔۔ چون کنندت آخر کسے را پایدار

تو بدان فخر آوری کز ترس و بند ۔۔۔ چاپلوست گشت مردم روز چند

ہر کرا مردم سجودے می کنند ۔۔۔ زہر اندر جان او می آگنند

چونکہ برگردد ازو آن ساجدش ۔۔۔ داند او کان زہر بود و موبدش

اے خنک آنرا کہ ذلت نفسہ ۔۔۔ وائے آن کز سرکشی شد چون کہ او

این تکبر زہر قاتل دان کہ ہست ۔۔۔ از مے پر زہر گشت آن گیج و مست

چون مے پر زہر نوشد مدبرے ۔۔۔ از طرب یکدم بجنباند سرے

بعد یکدم زہر در جانش فتد ۔۔۔ زہر در جانش کند داد و ستد

گر نداری زہریش را اعتقاد ۔۔۔ کز چہ زہر آمد نگر در قوم عاد

چونکہ شاہے دست یابد بر شہے ۔۔۔ بکشدش یا باز دارد در چہے

در بیابان خستۂ افتادہ را ۔۔۔ مرہمش سازد شہ و بدہد عطا

گرنہ زہرست آں تکبر پس چرا
کشت شہ را بے گناہ و بے خطا

ویں دگر را بے ز خدمت چوں نواخت
زیں دو جنبش زہر را باید شناخت

راہزن ہرگز گدائے را نزد
گرگ گرگ مردہ را ہرگز گزد

خضر کشتی را برائے آں شکست
تا تواند کشتی از فجار رست

چوں شکستہ می رہد اشکستہ شو
ایں در خضرست اندر خضر رو

آں کسے کو داشت از کان نقد چند
گشت پارہ پارہ از زخم کلند

تیغ بہر اوست کو را گردنیست
سایہ کافگندست او را زخم نیست

مہتری نفطست و آتش اے غوی
اے برادر چوں بر آذر میروی

ہر چہ او ہموار باشد با زمیں
تیرہا را کے ہدف گردد بہ بیں

سر برآرد از زمین آنگاہ او
چوں ہدفہا زخم یابد بے رفو

نردبان خلق ایں ما و منیست
عاقبت زیں نردبان افتادنیست

ہر کہ بالاتر رود ابلہ ترست
کاستخواں او بتر خواہد شکست

ایں فروعست و اصولش آں بود
کہ ترفع شرکت یزداں بود

چوں نہ مردی و گشتی زندہ زو
باغیی باشی بشرکت ملک جو

چوں بدو زندہ شدی آں خود ویست
وحدت محض ست آں شرکت کیست

شرح ایں در آئینہ اعمال جو
کہ نیابی فہم ایں از گفتگو

گر بگویم آنچہ دارم در دروں
بس جگرہا گردد اندر حال خوں

بس کنم خود زیرکان را این بس ست | بانگ دو کردم اگر در دہ کس ست
حاصل آں ہاماں بداں گفتار بد | اینچنیں راہے براں فرعون زد
لقمۂ دولت رسیدہ تا دہاں | از گلوے او بریدہ ناگہاں
خرمن فرعون را داد او بباد | ہیچ شہ را اینچنیں صاحب مباد
ازچنیں ہمراہ بد دوری گزیں | نہ بیہار اللہ اعلم بالیقیں

یہاں سے مولانا ہامان پر عتاب فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اُس نے جو موسیٰ علیہ السلام کو دشمن کہا ہے یہ اسکی غلطی ہے اور وہ دوست دشمن میں امتیاز نہیں کرتا۔ اسلئے اندھوں کی طرح غلط طہری چل رہا ہے اور اوٹ پٹانگ باتیں کر رہا ہے اُس سے کوئی کہے کہ او ملعون تیرے سوا تیرا کوئی دشمن نہیں بس تو عداوت سے اوروں کو دشمن نہ بتا تو اپنی اس بری حالت کو دوست سمجھتا ہے جسکے اول میں دوڑ دہوپ اور جانکاہی ہے اور آخر میں لائیں تیری غلطی ہے پس اگر تو اس دولت سے نہ بھاگے گا تو یاد رکھ کہ ایکدن تیری اس فرعونی بہار پر خزاں آئیگی۔ اور تو برباد ہوگا۔ اور تو مشرق و مغرب کے تسلط پر کیا نازاں ہے تجھ سے بہت سے لوگوں نے مشرق و مغرب کو حاکمانہ طور پر دیکھا ہے جن کا قضاو قدر نے سر اڑا دیا۔ اور آج اُن کا نام و نشان بھی نہیں اور وہ باقی رہ بھی کیسے سکتے تھے کیونکہ مشرق و مغرب خود تو باقی رہنے والے ہیں ہی نہیں پھر وہ کسی کو قایم کیسے رکھ سکتے ہیں نیز تو اسپر ناز کرتا ہے کہ لوگ تیرے خوف اور ضرر رسانی سے چند روز کے لئے تیری خوشامد کرتے ہیں۔ لیکن یہ بھی تیری غلطی ہے بلکہ اگر دل سے ہی کریں تب بھی کوئی قابل فخر بات نہیں کیونکہ لوگ جس کسی کو سجدہ کرتے ہیں وہ حقیقت میں اسکی تعظیم نہیں کرتے۔ بلکہ اسکو زہر دیتے ہیں۔ اور گو مسجود کو اُسوقت اسکا پتہ نہیں چلتا لیکن جب اسکو سجدہ کرنے والے اس سے پھر جاتے اور الگ ہو جاتے ہیں خواہ دنیا میں اس سے متنفر ہو کر یا فقر کر یا عقبے میں اسکا ساتھ چھوڑ کر اسوقت اسے معلوم ہوتا ہے کہ واقعی یہ لوگ میرے لئے سم قاتل اور مجھے تنہا چھوڑ دینے والے تھے۔ اب مولانا یہاں سے مضمون ارشادی کی طرف انتقال فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ارے نہایت حزہ میں ہے وہ شخص جسکی طبیعت میں تکسر اور انقیاد ملحق ہو

اور خرابی ہے اسکے لئے جو سرکشی سے پہاڑ کی طرح گردن بلند اور سخت ہو کہ اسپر اوامر الٰہیہ کا کچھ بھی اثر نہوتا ہو۔ تم سمجھو کہ تکبر سم قاتل ہے اور ہامان اس زہر آلود شراب سے احمق اور مست بنا ہوا ہے لہذا گو اسوقت وہ خوش ہے اور اسکی ترنگ میں اُسے آگا پیچھا کچھ نہیں سوجھتا مگر انجام اسکا ہلاکت ہے کیونکہ قاعدہ ہے کہ جب کوئی بدنصیب زہر آلود شراب سے مست ہوتا ہے تو کچھ دیر وہ مزہ میں سر ہلاتا اور جھومتا ہے مگر تھوڑی ہی دیر میں وہ زہر اسکی جان میں پھیل جاتا ہے اور لے دے شروع کر دیتا ہے ہم نے تکبر کو زہر کہا ہے۔ اگر تم کو باور نہیں تو ہم پوچھتے ہیں کہ اس نے قوم عاد میں زہریلا اثر کیوں دکھلایا اور اسے کیوں تباہ کیا اور تمکو معلوم ہے کہ جب ایک بادشاہ دوسرے بادشاہ پر تسلط حاصل کرتا ہے تو اسکو یا قتل کرتا ہے یا قید کرتا ہے لیکن جب کسی زخمی اور شکستہ کو پاتا ہے تو اسکے زخموں کا علاج کرتا ہے اور داد و دہش کرتا ہے۔ پس اگر تکبر زہر نہیں ہے تو وہ کیوں مارا جاتا ہے اور بادشاہ اسکو بقصور کیوں مارتا ہے اور بدوں کسی خدمت کے دوسرے کی کیوں عزت افزائی کرتا ہے۔ پس ان دو فعلوں سے تم معلوم کر سکتے ہو کہ تکبر زہر ہے اور حقیقت میں قاتل شاہ وہی ہے گو صورۃً قاتل بادشاہ ہوا اور دیکھو کوئی ملکیت کسی فقیر کو نہیں مارتا اور بھیڑیا دوسرے مردہ بھیڑیے کو نہیں کاٹتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ شکستگی و فقر سبب نجات ہے۔ پس اسکی ضد تکبر و دولت ضرور سبب ہلاکت ہوگی۔ علیٰ ہذا خضر علیہ السلام نے کشتی کو شکستہ کیا تھا تاکہ وہ فاسقوں اور بدکاروں کے پنجہ سے چھوٹ سکے۔ اس سے بھی معلوم ہوا کہ شکستگی رہائی کا سبب ہے۔ پس جبکہ تم کو مذکورہ بالا امثلہ و نظائر سے معلوم ہو گیا کہ شکستہ نجات پاتا ہے پس تم سمجھو کہ راحت فقر میں ہے نہ کہ دولت میں اور چین شکستگی میں ہے نہ کہ تجبر میں لہذا دولت کو چھوڑ اور فقر میں پناہ لو۔ اور دیکھو پہاڑ جسمیں مختلف قسم کی دولت ہوتی ہے چاندی سونا لعل وغیرہ کستی کے صدمات سے پارہ پارہ ہو جاتا ہے۔ اس سے تم دولتمند کی حالت سمجھ سکتے ہو اور دیکھو تلوار اسی کیلئے ہے جو گردن کش ہے اور سایہ چونکہ خاکسار ہے اسلئے اسے کوئی عذر نہیں۔ اس سے تمکو خاکساری کی فضیلت اور تکبر کی شامت معلوم ہو سکتی ہے۔ پس اے سردار تو یاد رکھ کہ سرداری لفظ اور آگ ہے پس تو آگ پر کیوں چلتا ہے اس سے بچ ورنہ جلجائیگا اور ہلاک ہو جائیگا۔ ا۔ تذلل اور تمسکن اختیار کر اسکے ذریعہ سے تو بلاؤں سے نجات پائیگا۔ تو دیکھ کہ اگر کوئی تیرانداز تیر مارنا چاہے تو جو چیز زمین سے ملی ہوئی اور اس کے برابر ہوگی تیر دنگا نشانہ نہیں بن سکتی لیکن اگر وہ ذرا زمین سے سر اٹھاوے تو فوراً

اسکے تیر لگیگا یہ بھی دلیل ہے اسکی کہ خاکساری مفید ہے اور گردن کشی مضر جب یہ معلوم ہو گیا کہ گردنکشی اور تکبر اور تجبر مضر ہے تو اب تو اسکو ایک سیڑھی فرض کرو اور سمجھو کہ انجام کار اس سے گرنا لازم ہے پس ایسی حالت میں جو زیادہ اونچے چڑھیگا اور زیادہ تکبر کریگا وہ زیادہ احمق ہوگا کیونکہ اُسکی ہڈیاں اوروں سے زیادہ ٹوٹیں گی۔ جو وجہ ہم تکبر کی برائی کی بیان کہہ چکے ہیں یعنی اُسکا مضر ہونا سو وہ تو اسکا نتیجہ ہے۔ اور ہمارا اسکی برائی پر اسکے مضرت سے استدلال اسکے نتیجہ کی بُرائی سے استدلال ہے۔ لیکن اصل اور منشا اسکی برائی کا یہ ہے کہ تکبر کرنا اور عالی مرتبہ بننا اپنے کو خدا کا شریک بنانا ہے اور جبکہ تم اپنے کو مٹا دو اور حق سبحانہ کی حیات سے زندہ نہو جاؤ یعنی اپنے کو اسکی رضا کا بالکل تابع اور اسکے افعال کا آلہ نہ بنا دو اسوقت تک تم ایک باغی ہو جو کہ دعویٰ شرکت حق سبحانہ کی بناپر طالب ملک ہے۔ لیکن جبکہ تم اپنے کو اسکی رضا کا بالکل تابع بنا دو اور تمھاری یہ حالت ہو جاوے کہ گویا کہ تم اسکی حیات سے زندہ ہو اسوقت تم کچھ نہ ہوگے بلکہ وہی وہ ہوگا۔ اور وحدت محضہ ہوگی دوئی ہو ہی گی نہیں پھر شرکت کیونکر ہو سکتی ہے یہ مضمون باریک ہے اسلئے میں اس مضمون کو تمہیں الفاظ سے نہیں سمجھا سکتا۔ پس اگر تم کو اسکی شرح کی ضرورت ہو تو اعمال حسنہ کرو اور اپنے کو اس قابل بناؤ کہ حق سبحانہ بذریعہ کشف کے اس مسئلہ کی حقیقت تم پر منکشف کریں اور بدون تحصیل ذوق و وجدان کے اس بحث میں نہ پڑنا ورنہ گمراہی کا اندیشہ ہے اس مضمون استطرادی کو بیان کرکے مولانا پھر مضمون سابق کی طرف عود کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ گو میرے دل میں مذمت ہستی کی تفصیل بہت کچھ ہے۔ لیکن اگر میں اسے بیان کروں تو بہت سے جگر خون ہو جائیں اور کلیجے پھٹ جائیں۔ اسلئے اسیقدر پر اکتفا کرتا ہوں اور کہتا ہوں کہ عاقلوں کے لئے اتنا بھی کافی ہے اور میں متنبہ کر چکا ہوں اگر کوئی سمجھدار ہو تو سمجھ لے۔ (بانگ۔ وہ اُس آواز کو کہتے ہیں جو اہل قریہ کو متنبہ کرنے کیلئے اسوقت کیجاتی ہے جبکہ دشمن ان پر حملہ آور ہو) غرضکہ ہامان شریر نے اس بیہودہ تقریر سے یوں فرعون کا راہ مارا جسکی تفصیل تم سن چکے ہو اور جو لقمہ دولت ایمان اسکے منہ تک پہونچ گیا تھا اُس کو اس کے حلق میں سے نکال لیا اور خرمن فرعون کو ملیامیٹ کر دیا۔ خدا کرے کسی بادشاہ کا ایسا بدخواہ وزیر نہو۔ پس تم کو اس قصہ سے عبرت حاصل کرنی چاہئے اور بُرے رفیق سے دور رہنا چاہئے دیکھنا میری نصیحت کو بھولنا مت اور خبردار اسکے پاس نہ پھٹکنا۔ خیر فرعون کا واقعہ جسطرح ہمکو پہونچا تھا اُسکو ہم نے بیان کر دیا۔ اور یقینی بات خدا ہی زیادہ جانتا ہے کہ واقعہ کیونکر ہے۔

نومید شدن موسیٰ از ایمان فرعون و جا یافتن سخن ہامان در دل فرعون

گفت موسیٰ لطف بنمودیم وجود — خود خداوندیت را روزی نبود
آں خداوندی کہ نبود راستیں — مر ورا نے دست و ان نے آستیں
آں خداوندی کہ دزدیدہ بود — بے دل و بے جان و بے دیدہ بود
آں خداوندی کہ دادندت عوام — باز بستانند از تو ہمچو وام
آں خداوندی تو از بندگی — کمتر است از باز دانی اندکی
دہ خداوندی عاریت بحق — کہ خداوندیت بخشد متفق

جب فرعون ہامان کے بہکانے میں آگیا۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بات ماننے سے انکار کر دیا تو آپ نے فرمایا کہ ہم نے تو بہت عنایت اور بہت کچھ سخاوت کی تھی مگر تیری قسمت ہی میں نہ تھی ہم کیا کریں۔ دیکھ میں پھر کہتا ہوں کہ جھوٹی حکومت بالکل بے تکی ہے اور جو حکومت محض عارضی ہو اور اسلئے ایسی ہو جیسے چرائی ہوئی چیز کہ مالک اُسکو چور سے واپس لے لیتا ہے۔ صورت حکومت ہو اور معنی حکومت اسمیں بالکل نہیں۔ تو اس حکومت پہ مغرور نہو جو تجھکو عوام نے دے رکھی ہے۔ اسلئے کہ وہ تیرے مرنے کے وقت تجھ سے یوں واپس لے لیں گے جیسے قرض کو واپس لیتے ہیں پس اگر تو ذرا بھی سمجھے تو تجھے معلوم ہوگا کہ یہ تیری حکومت اُس غلامی سے بھی کہیں کم ہے جس سے تو عار کرتا ہے۔ کیونکہ اسکا نتیجہ شاہی ہے۔ اور اسکا نتیجہ معزولی ہے۔ لہذا تو غلامی اختیار کر اور اس عارضی حکومت کو خدا کے حوالہ کر تاکہ حق سبحانہ تجھکو وہ حکومت عطا فرما دیں جو متفق علیہ ہو اور کسی کو اس سے سرتابی کی گنجایش نہو۔

منازعت کردن امیران عرب با رسول خدا کہ ملک را مقاسمہ کن تا نزاعے نباشد و جواب رسول ایشان را

آں امیرانِ عرب گرد آمدند ... نزد پیغمبر منازع می شدند

کہ تو میری ہر یک از ما ہم امیر ... بخش کن ایں ملک و بخش خود بگیر

ہر یکے در بخش خود انصاف جو ... تو ز بخش ما دو دست خود بشو

گفت میری مر مرا حق دادہ است ... سروری و امر مطلق دادہ است

کایں قرآنِ احمد ست و دورِ او ... ہیں بگیرید امر حق را اتقوا

قوم گفتندش کہ ما ہم زاں قضا ... حاکمیم و داد میری ما خدا

گفت لیکن مر مرا حق ملک داد ... مر شما را عاریہ از بہر زاد

میری من تا قیامت باقی است ... میری عاریتے خواہد شکست

قوم گفتند اے امیر افزوں مگو ... چیست حجت بر فزوں جوئی تو

سیل آمدن و چوب انداختن امرا جہت دفع سیل و غالب شدن مصطفیٰ علیہ السلام بر امیران

در زمان ابرے بر آمد ز امر مُر ... سیل آمد گشت آں اطراف پُر

رو بشہر آورد سیلے بس مہیب ... اہل شہر افغاں کناں جملہ رعیب

گفت پیغمبر کہ وقت امتحاں ۔۔۔ آمد اکنون تا نہاں گردد عیاں

ہر امیرے نیزۂ خود در فگند ۔۔۔ تا شود در امتحان آں سیل بند

نیزہا را ہمچو خاشاکے ربود ۔۔۔ آب تیز سیل پر جوش و عنود

پس قضیب انداخت در وے مصطفےٰ ۔۔۔ آں قضیب معجز فرماں روا

نیزہا گم گشت جملہ واں قضیب ۔۔۔ بر سر آب ایستادہ چوں رقیب

ز اہتمام آں قضیب آں سیل زفت ۔۔۔ رو بگردانید و سوئے بحر رفت

چوں بدیدند از وے آں امر عظیم ۔۔۔ پس مقر گشتند آں میراں ز بیم

جز سہ کس کہ حقد ایشاں چیرہ بود ۔۔۔ ساحرش گفتند کاہن از جحود

بود بوجہل لعین و بولہب ۔۔۔ واں سوم ہم بود بوسفیان حرب

ملک بر بستہ چناں باشد ضعیف ۔۔۔ ملک بر بستہ چناں باشد شریف

نیزہا گر ندیدی با قضیب ۔۔۔ نام شان بین نام او بیں اے نجیب

نام شان را سیل تیز مرگ برد ۔۔۔ نام او و دولت تیزش نمرد

پنج نوبت می زنندش ہر دوام ۔۔۔ ہمچنیں ہر روز تا روز قیام

چونکہ مولانا نے اوپر فرمایا تھا کہ فانی فی الحق کو ایسی حکومت ملتی ہے جس سے سرتابی کی کسی کو مجال نہیں ہو سکتی اسلئے مولانا اسکی تائید میں ایک واقعہ بیان فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ امراء و رؤساء عرب جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے حضور میں جمع ہوئے اور یوں جھگڑنا شروع کیا کہ آپ بھی ایک امیر ہیں اور ہم بھی۔ لہذا الملک کو تقسیم کر لیجئے اور اپنا حصہ لے لیجئے ہم میں سے ہر ایک اپنے حصہ کے متعلق انصاف کا

خواہاں ہے اور چاہتا ہے کہ اُسکا حصہ اُسے ملجاوے۔ پس آپ ہمارے حصوں سے دست بردار ہوجائیے۔ آپ نے فرمایا کہ تمھارا دعویٰ غلط ہے حق سبحانہٗ کے جانب سے مجھے افسری اور سرداری و حکومت مطلقہ عطا ہوئی ہے اور فرمادیا ہے کہ یہ احمدؐ کا زمانہ ہے۔ اس زمانہ میں بجز انکے کسی کی حکومت نہیں ہوسکتی۔ پس تم اس حکم کو قبول کرو۔ اور اُسکی مخالفت سے بچو اُن لوگوں نے کہا کہ ہم بھی تو بحکم الٰہی ہی حاکم ہیں اور ہمکو بھی تو خدا ہی نے حکومت دی ہے پھر آپ ہماری حکومت کی نفی کیسے کرتے ہیں۔ آپنے فرمایا بجا ہے لیکن مجھ میں اور تم میں اتنا فرق ہے کہ میری حکومت تو پائدار اور ایسی ہے جیسے کسی کو کوئی شئے ہبہ کردیجاوے اور تمھاری حکومت عارضی ہے تاکہ چند روز اس سے منتفع ہولو لہذا میری حکومت تو قیامت تک باقی رہیگی اور تمھاری ٹوٹ جائیگی۔ یہ سُنکر لوگوں نے کہا کہ اچھا زیادہ باتیں نہ بنائیے کوئی واضح دلیل بیان کیجئے کہ آپکو ہم سے زیادہ لینے کا کیا حق ہے۔ اتنے میں بقضائے الٰہی ایک ابر اُٹھا اور برسنے لگا جس سے ایک ایسی رَو آئی کہ آس پاس کے سارے مقامات میں پھیل گئی اور وہ نہایت خوفناک رَو شہر کی جانب بھی یہ دیکھکر تمام اہل شہر ڈر گئے اور آہ وزاری شروع کی یہ دیکھکر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک امتحان کا وقت آگیا ہے پس اب اپنی اپنی حکومت کے جوہر دکھلانے چاہئیں تاکہ حقیقت مخفیہ کا ظہور ہو۔ یہ سنکر سب امیروں نے اپنے اپنے نیزے اس رَو میں ڈالدیئے تاکہ اس معرکۂ امتحان میں انکو کامیابی ہو اور سیل بند ہوجاوے۔ لیکن اس پرجوش اور معاند سیلاب کا تیز پانی ان سب نیزوں کو خس وخاشاک کی طرح بہالے گیا اُس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسمیں ایک کھجور کی شاخ ڈالی یعنی وہ شاخ جو سیلاب کو عاجز کردینے والی اور اسپر حاکم تھی۔ پس نیزے تو سارے گم ہوگئے اور وہ شاخ محافظ کی طرح پانی پر کھڑی رہی اور اُسکے اہتمام سے اس عظیم الشان سیلاب نے اپنا رُخ بدل دیا اور دریا کی طرف چلا گیا۔ پس جبکہ ان لوگوں نے آپکا اتنا بڑا تصرف دیکھا تو ڈر کے مارے سب کے سب مان گئے اور ایمان لے آئے۔ بجز تین شخصوں کے جن پر کینہ غالب تھا۔ ان لوگوں نے انکار کیا۔ اور آپکو کاہن اور ساحر کہا۔ ان تین میں ایک ابوجہل تھا دوسرا ابولہب (یہ دونوں تو کافر ہی رہے) اور تیسرے ابوسفیان بن حرب (یہ فتح مکہ میں مشرف باسلام ہوگئے تھے) اس سے آپ لوگوں کو معلوم ہوگیا ہوگا کہ پابند ہوا لوگوں کی حکومت کسقدر کمزور ہے اور ہوا سے آزاد لوگونکی حکومت کسقدر اعلیٰ ہے۔ اگر کسی کو خلجان ہو کہ نہ ہم نے نیزے دیکھے اور نہ شاخ۔ پھر ہمکو کیونکر اعتبار ہو۔ پس ہم ان سے کہیں گے کہ اگر تم نے نیزے اور شاخ نہیں دیکھے تو نہ سہی۔ ہم تمھارے لئے

دوسرا معیار قائم کرتے ہیں۔ اچھا انکا نام بھی دیکھ جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے مزاحم تھے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا بھی پس تمھیں معلوم ہوگا کہ ان کے نام کو موت کا تیز سیلاب بہا لیگیا۔ اور آپکا نام اور آپکی دولت تو یہ فنا نہیں ہوئی چنانچہ ابتک آپکی پنجوقتی نوبت بجتی ہے اور موذن پانچوں وقت اذان میں آپکا نام لیتا ہے اور قیامت تک ہر روز یوں ہی بجتی رہے گی۔ پس اس واقعہ سے تم دونو کی حکومتوں کا موازنہ کرسکتے ہو۔ **ف** اس قسم کے بیانات سے ہمارے زمانہ کے مبتدعین کو دھوکھا ہوگیا ہے اور انھوں نے اہل اللہ کیلئے حکومت عامہ بدیں نہج ثابت کی ہے کہ یہ حضرات تمام عالم میں باختیار خود متصرف ہیں اور اس طرح ان لوگوں نے اہل اللہ کو متبوع اور حق سبحانہ کو انکا تابع کردیا ہے مگر یہ انکی غلطی ہے اور حقیقت انکی حکومت عامہ کی یہ ہے کہ یہ حضرات فانی فی الحق اور اسکے تابع محض ہیں اور اپنی خواہش کو حق سبحانہ کی خواہش میں اور اپنے اختیار کو اسکے اختیار میں فنا کرچکے ہیں لہذا حق سبحانہ کیلئے جو حکومت حقیقۃً حاصل ہے وہی حکومت انکی طرف مجازاً منسوب ہے۔ اور یہ نہیں کہ انکے لئے حقیقۃً ایسی حکومت حاصل ہو کہ جو کچھ یہ چاہیں باختیار خود کرلیں۔ فتدبر ولا تزل۔

تمامی حدیث موسیٰ در تقریع و توبیخ فرعون،

گر ترا عقلے ست کردم لطفہا — ور خری آوردہ ام خر را عصا

آنچناں زیں آخرت بیروں کنم — کز عصا گوش و سرت پرخوں کنم

اندریں آخر خراں و مردمان — می نیابند از جفائے تو اماں

نک عصا آوردہ ام بہر ادب — ہر خرے را کو نباشد منتخب

اژدہائے می شود در قہر تو — کاژدہائے گشتہ در فعل و خو

اژدہائے کوہیئ تو بی اماں — لیک بنگر اژدہائے آسماں

ایں عصا از دوزخ آمد چاشنی — بر تو و بر مومن آمد روشنی،

ورنہ درمانی تو در زندان من | مخلصت نبود ز در زندان من

باز گرد از کفر سوئے دین حق | ورنہ در نار ابد مانی خلق

باز گرد اے گمرہ بدبخت دوں | ورنہ در دوزخ در افتی سرنگوں

ایں عصائے بود اینم اژدہاست | تا نگوئی دوزخ یزداں کجاست

یہاں سے پھر قصہ موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کی طرف عود فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ دو حال سے خالی نہیں یا تو عقلمند ہے یا گدہا۔ پس میں دونوں شقوں پر کلام کرتا ہوں اور کہتا ہوں کہ اگر تو عقل رکھتا ہے تو میں نے تجھپر عنایتیں کی ہیں اور چار وعدے کئے ہیں انکو قبول کر اور اگر تو گدہا ہے تو گدہے کیلئے میرے پاس لاٹھی ہے اسکے ذریعے سے میں تجھے اس آخور یعنی دنیا سے یوں مار کر نکالدونگا کہ تیرا سر اور کان لہولہان کر دونگا۔ چونکہ اس آخور میں گدہے اور آدمی یعنی اہل دنیا و اہل عقبےٰ دونوں تیرے ظلم سے مامون نہیں ہیں لہذا میں ایسے گدہے کی تادیب کیلئے جو کہ اچھا نہو یہ لاٹھی لایا ہوں۔ یہ لاٹھی تجھے مغلوب کرنے کیلئے اژدہا بن جاویگی کیونکہ تو افعال و اخلاق میں اژدہا ہے اور قاعدہ ہے کہ لوہے کو لوہا کاٹتا ہے یہ مسلم ہے کہ تو پہاڑی اور بہت بڑا اژدہا ہے جس سے پناہ نہیں مل سکتی۔ لیکن تو ذرا آسمانی اژدہے کے جوہر بھی دیکھ۔ یہ عصا تیرے لئے نمونہ دوزخ ہے اور مسلمانوں کیلئے راحت بخش ہے یہ اژدہا تجھ سے بزبان حال کہتا ہے کہ او کافر دیکھ تو نور ایمان میں پناہ لے ورنہ تو میرے قیدخانہ میں رہیگا۔ اور اس قلعہ سے رہائی نہ پاسکیگا (مولانا نے اژدہے کے تسلط کو اُسکا قیدخانہ اور قلعہ قرار دیا ہے) پس اسے فرعون تو کفر سے پھر کر دین حق سبحانہ کی طرف آ ورنہ تو آتش دوزخ میں ذلیل رہیگا۔ اور اسے بے نصیب کہنا مان۔ اور کفر سے پھر جا۔ ورنہ تو دوزخ میں سر کے بل گریگا۔ تو یہ نہ سمجھنا کہ دوزخ کہاں ہے کیونکہ حق سبحانہ کی قدرت بہت وسیع ہے اُسکے لحاظ سے دوزخ کا ہونا کچھ بھی مستبعد نہیں دیکھ یہ پہلے لکڑی تھی مگر اب اژدہا ہے جو کہ اپنی خونخواری اور آتش فشانی کے لحاظ سے دوزخ کا نمونہ ہے اور یہ انقلاب اسی لئے واقعہ ہوا ہے کہ تو حق سبحانہ کی قدرت پر مطلع ہو اور دوزخ کے نمونہ کو آنکھ سے دیکھ لے اور یہ نہ کہے کہ دوزخ کہاں ہے ❊

در بیان آنکہ شناسائے قدرت حق تعالیٰ نپرسد کہ بہشت کجاست و دوزخ چہ جاست

ظاہرست این دوزخ اما بر دلت
ہست پوشیدہ یقین زاب و گل است

ہر کجا خواہد خدا دوزخ کند
اوج را بر مرغ دام و فخ کند

ہم ز دندانت برآرد درد ہا
تا بگوئی دوزخ ست و اژدہا

یا کند آب دہانت را عسل
تا بگوئی کہ بہشتست و حلل

از بن دندان بروناید شکر
تا بدانی قوت حکم قدر

پس بدندان بیگناہاں را بگز
فکر کن از ضربت نامحترز

نیل را بر قبطیان حق خون کند
سبطیان را از بلا محصون کند

آب بر فرعون در دم خون شود
بر کلیمے قند نا ممنون شود

تا بدانی پیش حق تمییز ہست
در میان ہوشیار راہ دست

نیل تمییز از خدا آموختہ است
کہ کشاد آن را و این را سخت بست

لطف او عاقل کند مر نیل را
قہر او ابلہ کند قابیل را

در جمادات از کرم عقل آفرید
عقل از عاقل بقہر خود برید

در جماد از لطف عقلے شد پدید
وز نکال از عاقلان دانش رمید

عقل چوں باران بامر آنجا بریخت
عقل این سو خشم حق دید و گریخت

ابر و خورشید و مہ و نجم بلند | جملہ بر ترتیب آیند و روند
هر یکے ناید مگر در وقت خویش | کہ نہ پس ماند ز ہنگام و نہ پیش
چون نکردی فہم این راز انبیاء | دانش آوردند در سنگ و عصا
تا جمادات دگر را بے لباس | چون عصا و سنگ داری از قیاس
طاعت سنگ و عصا ظاہر شود | وز جمادات دگر مخبر شود
کہ ز یزدان آگہیم و طائعیم | ما ہمہ بے اتفاقے ضائعیم
ہمچو آب نیل دانے وقت غرق | کو میان ہر دو امت کرد فرق
چون زمین کش دانش آمد وقت خسف | در حق قارون کہ قہرش کرد نسف
چون قمر کہ امر بشنید و شتافت | پس دو نیمہ گشت بر چرخ و شکافت
چون ستون نالید از ہجر نبیؐ | با خبر گشتہ ازاں شیخ و صبی
چون درخت و سنگ کاندر ہر مقام | مصطفےؐ را گفتہ ظاہر السلام

یہاں سے مولانا مضمون ارشادی بیان فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ صاحبو دوزخ کا وجود تو بالکل ظاہر ہے مگر تم پر جسمانیت غالب ہے اور تم منہمک فی الناسوت ہو اور عالم غیب سے تمھیں کچھ بھی واسطہ نہیں اسلئے تمھیں محسوس نہیں ہوتی۔ پس یہ دوزخ کا اختفا نہیں ہے بلکہ تمھارا اندھا پن ہے اور اسکی ایسی مثال ہے جیسے آفتاب نکلا ہو مگر اندھے کو دکھلائی نہ دے اور ایک وہ دوزخ کیا ہیں تو کہتا ہوں کہ حق سبحانہ جسجگہ چاہیں دوزخ پیدا کر سکتے ہیں (مطلب یہ ہے کہ دوزخ کی حقیقت آلہ تعذیب ہے اور حق سبحانہ جہاں چاہیں آلہ تعذیب پیدا کر سکتے ہیں) اور وہ اوج کو جو کہ پرندوں کیلئے محل راحت ہے کہ وہ وہاں پہونچکر جال سے بچ جاتے ہیں ان کیلئے جال اور موجب تکلیف بنا سکتے ہیں نیز وہ تو دانتوں میں اسقدر تکلیف پیدا کر سکتے ہیں کہ آدمی بیساختہ کہہ اٹھے کہ یہ تو دوزخ اور اژدہا ہے یا زہر تھوک کو شہد

بنا سکتے ہیں جس سے آدمی کہہ اٹھے کہ یہ تو جنت دکھائے بہشت یعنی اسکی طرح موجب راحت ہے اور وہ دانتوں میں سے شکر پیدا کر سکتے ہیں تاکہ تم کو حکم الٰہی کی قوت معلوم ہو اور تم جان لو کہ وہ جو چاہتا ہے کر سکتا ہے پس تم کو دوزخ کے بارہ میں شبہ نہ ہونا چاہئے کیونکہ اول تو صورت دوزخ موجود ہے گو تم وجود مانع کی وجہ سے دیکھ نہیں سکتے اور اگر وہ نہ ہو تو اسکی حقیقت یعنی نفس بلا رام کے وجود اور اسپر قدرت ہیں تو کچھ شبہ ہی نہیں اور تم کو چاہئے کہ بیگناہوں کو ایذا نہ پہونچاؤ اور اس سزا کا خیال رکھو جس سے بچنا ناممکن ہے اور تم یہ نہ سمجھنا کہ ہمارے مظالم کی حق سبحانہ کو کیا اطلاع ہوگی کیونکہ اسکی شان یہ ہے کہ نیل کو قبطیوں کیلئے خون کر دیتا ہے اور سبطیوں کو اس بلا اور دیگر بلاؤں سے محفوظ رکھتا ہے اور اسکے حکم سے پانی فرعون کیلئے ذرا سی دیر میں خون ہو جاتا ہے۔ اور موسیٰ کیلئے قند کا ل بنجاتا ہے یہ اسی لئے ہے تاکہ تجھے معلوم ہو جاوے کہ حق سبحانہ نیکوں اور بدوں کے درمیان تمیز رکھتے ہیں اور انکو جانتے ہیں وہ تو اتنے تمیز ہیں کہ تمیز نہ رکھنے والوں کو تمیز رکھنے والا بنا دیتے ہیں۔ چنانچہ یہ تمیز کہ نیل نے ایک گروہ کو رستہ دیدیا۔ اور دوسرے کو پکڑ لیا۔ اسکو خدا ہی نے دی ہے۔ اب مولانا انتقال فرماتے ہیں اور حق سبحانہ کی قدرت اور اسکے لطف و قہر کو بیان فرماتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ اسکی عجیب شان ہے کہ جب وہ مہربانی کرتا ہے تو اپنی مہربانی سے دریائے نیل کو عاقل بنا دیتا ہے اور جب وہ قہر کرتا ہے تو اسکا قہر قابیل کو احمق بنا دیتا ہے اور اس سے عقل چھین لیتا ہے اور وہ اپنے کرم سے جمادات میں عقل پیدا کرتا ہے اور اپنے قہر سے عاقلوں سے عقل کا تعلق منقطع کر دیتا ہے اور جمادات میں اسکی مہربانی سے عقل نمودار ہو جاتی ہے اور اسی کے غصہ سے عقلا سے عقل رفوچکر ہو جاتی ہے کیونکہ تابع محض ہے جب اسکو حکم ہوتا ہے کہ کسی کو اپنے فیض سے مالامال کرے۔ تو اسپر مینہ کی طرح برس پڑتی ہے۔ اور جبکہ کسی پر حق سبحانہ کا قہر دیکھتی ہے تو ڈر کے بھاگ جاتی ہے۔ اب ہم تم کو عقل جمادات کی دیگر مثالیں سناتے ہیں۔ دیکھو ابر اور خورشید اور ستارہ سب کی آمد و رفت ایک خاص قاعدہ اور ترتیب کے اندر ہے اور ہر ایک اپنے ٹھیک وقت پر آتا ہے کہ نہ اپنے وقت مقرر سے پیچھے رہتا ہے اور نہ آگے آتا ہے یہ کھلی دلیل ہے انکی عقل کی لیکن جب یہ تعقل جمادات کو تم نے انبیاء کے کہنے سے نہ سمجھا۔ تو اسکے لئے دوسری تدبیر کیگئی اور پتھر اور لاٹھی میں عقل پیدا کیگئی چنانچہ جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے

ہاتھ میں کنکریوں نے توحید اور نبوت کی شہادت دی اور داؤد علیہ السلام کے ساتھ پہاڑ ہمکلام ہوئے اور موسیٰ علیہ السلام کی لاٹھی اژدہا بنی اور مقصود یہ تھا کہ ان پر تم اور جمادات کو قیاس کر لو۔ اور انکی عقل و ادراک کا اعتراف کرو۔ اور پتھر اور عصا کی اطاعت ظاہر ہو کر دوسرے جمادات کی حالت کا پتہ دیدے۔ کہ وہ کہتے ہیں کہ ہم حق سبحانہ سے واقف اور اسکے مطیع ہیں اور بدون اسکی موافقت کے ہم محض ناکارہ اور بے پناہ ہیں اور تم دیگر جمادات کو بھی آب نیل کی مانند سمجھو جس نے غرق کرنے کے وقت اتباع موسیٰ اور متبعین فرعون میں فرق کیا تھا۔ نیز تم انکو اس زمین کی طرح جانو جس نے دھنسانے کے وقت قارون کے حق میں سمجھ سے کام لیا تھا جسکو اسکے قہر نے فنا کیا تھا نیز تم انکو چاند کی مثل سمجھو جس نے امر حق سبحانہ سنا اور اسکی فوراً اطاعت کی اور انگلی کے اشارہ سے دو ٹکڑے ہو گیا۔ اور پھٹ گیا۔ نیز تم انکو ستون کی مانند سمجھو جو جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی مفارقت میں رویا جس سے بوڑھے اور بچے سب واقف ہو گئے نیز تم انکو درخت اور پتھر کی مانند جانو جنھوں نے جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو کھلم کھلا سلام کیا۔ **ف** ہمچو آب نیل الی آخر الابیات معطوف ہے چوں عصا و سنگ داری الخ پر۔

بحث کردن سنی و فلسفی و جواب دادن دہری کہ منکر الوہیت ست و عالم را قدیم داند

آں یکے می گفت عالم حادث ست	فانی ست ایں چرخ و حقش وارث ست
فلسفی گفت چوں دانی حدوث	حادثے ابر چوں داند غیوث
ذرۂ خود نیستی از انقلاب	تو چہ میدانی حدوث آفتاب
کرمکے کاندر حدث باشد دفیں	کے بداند آخر و بدو زمیں
ایں بتقلید از پدر بشنیدۂ	از حماقت اندریں پیچیدۂ

چیست برہان بر حدوث این بگو	ورنہ خامش کن فزون گوئی مجو
گفت دیدم اندرین بحرِ عمیق	بحث می کردند روزے دو فریق
در جدال و در خصام و در شکوہ	گشتہ ہنگامہ بران دو کس گروہ
سوئے آن ہنگامہ گشتم من روان	تا بیابم اطلاع از حالِ شان
من بسوئے جمع ہنگامہ شدم	اطلاع از حال ایشان بستدم
آن یکے میگفت گردون فانی است	بے گمانے این بنا را بانی است
وان دگر گفت این قدیم و بے کیست	نیستش بانی و یا بانی ویست
گفت منکر گشتہ خلاق را	روز و شب آرندۂ ارزاق را
گفت بے برہان نخواہم من شنید	آنچہ گوئی آن بتقلیدے گزید
ہین بیاور حجت و برہان کہ من	نشنوم بے حجت این را در زمن
گفت حجت در درون جانم است	در درون جان نہان برہانم است
تو نمی بینی ہلال از ضعف چشم	من ہمی بینم مکن بر من تو خشم
گفتگو بسیار گشت و خلق گیج	در سر و پایان این چرخ بسیج
گفت یارا در درونم حجتے است	بر حدوث آسمانم آیتے است
من یقین دانم نشانش آن بود	مر یقین دان را کہ در آتش رود
در زبان می نایدا این حجت بدان	ہمچو حال و سرِ عشق عاشقان

نیست پیدا سرّ گفت و گوی من — جز کہ زردی و نزاری روی من

اشکِ خون بر رخ روانہ می‌رود — حجت حسن و جمالش می‌شود

گفت من اینہا ندانم حجتے — کہ بود در پیش عامہ آیتے

گر بیاری من کنم آنرا قبول — ورنہ کوتہ کن حدیث عرض و طول

گفت چون قلبے و نقدے دم زنند — کہ تو قلبی من نکویم وارجمند

ہست آتش امتحان آخرین — کاندر آتش در فتند آن دو قرین

عام و خاص از حال شان عالم شوند — از گمان و شک سوے ایقان روند

در آتش رفتن و فلسفی و سوختن و فلسفی

آب و آتش آمد ای جان امتحان — نقد و قلبے را کہ آن باشد نہان

یا من و تو ہر دو در آتش رویم — حجت باقی حیرانان شویم

یا من و تو ہر دو در بحر افگنیم — کین در دعوے من و تو کوفتیم

ہمچنان کردند و در آتش شدند — ہر دو خود را بر تف آتش زدند

فلسفی را سوخت خاکستر بکرد — سنّی را ساخت تازہ تر بکرد

آن خدا گوینده مرد مدعی — رست و سوزید اندر آتش آن دعی

آزمودہ بشنو این اعلام را — کوری افزون روان خام را

کہ نسوزیدہ است ایں نام از اجل
کش مسمّٰی صدر بودہ است اجل

صد ہزاران روح شد دلدادۂ
دُرّۂ او سر بسر افتادۂ

صد ہزاران خلق را دریا دہ
سر گروہ و بے عصا را زاد دہ

صد ہزاران نیں رسہان اندر قراں
بر دریدہ پردہائے منکراں

چوں گروہ بستند غالب شد صواب
در دوام معجزات و در جواب

فہم کردم کانکہ دم زد از سبق
در حدوث چرخ پیروز است و حق

حجت منکر ہمارہ زرد رو
یک نشاں بر صدق ایں انکار گو

یک منارہ در ثنائے منکراں
کو دریں عالم کہ تا باشد عیاں

منبرے کو کہ در آنجا مخبرے
یاد آرد روزگار منکرے

روئے دینار و درم از نام شاں
تا قیامت می دہد از حق نشاں

سکّۂ شاہاں ہمی گردد دگر
سکّۂ احمدؐ ببیں تا مستقر

بر رُخ نقرہ و یا روے زرے
وا نما بر سکّہ نام منکرے

بر رخ سیم و زرے اندر جہاں
سکّۂ بنما بنام منکراں

خود بگیر ایں معجزہ چوں آفتاب
صد زبان و نام او امّ الکتاب

زہرہ نے کس را کہ یک حرفے ازاں
یا بدزدد یا فزاید در میاں

یار غالب شو کہ تا غالب شوی
یار مغلوباں مشو ہیں اے غوی

حجت منکر ہمیں آمد کہ من — غیر ایں ظاہر نمی بینم وطن

ہیچ نندیشد کہ ہر جا ظاہریست — آں ز حکمتہائے پنہاں مخبریست

فائدہ ہر ظاہرے خود باطن است — ہمچو نفع اندر دواہا کامن است

ایں تفاوت حق نہاد اندر زیاں — تا بدانند اہل عرفاں در جہاں

عمر کرگس سہ ہزار و یا نصد است — مرکبوتر را چہ باشد زاں بدست

می بمیرند از کبوتر صد ہزار — مرگ کرگس می نہ بینند آشکار

جملہ پندارند کرگس باقی است — نے غلط کردند یک کس باقی است

چونکہ ظاہر بیں شدند از جہل خویش — می نہ بینند از عمی نے پس نے پیش

می نماند در جہاں یک تار و پو — کل شئ ھالک الا وجہہ

تفسیر آیۂ کریمہ وما خلقنا السمٰوات والارض وما بینہما الا بالحق نیافرید شان بہر ہمیں کہ شما می بینید بلکہ بہر معنی و حکمتے کہ شما نمی بینید

ہر چہ پیدا کرد بہر معنی است — باطنش بنگر بہ بیں ظاہر بایست

ہیچ نقاشے نگارد زیں نقش — بے امید نفع بہر عین نقش

بلکہ بہر میہمانان و مہاں — کہ بفرجہ وا رہند از اندہاں

شادی بچگان و یاد دوستاں — دوستاں رفتہ را از نقش آں

هیچ کوزه گر کند کوزه شتاب — بهر عین کوزه نے از بہر آب
هیچ کاسه گر کند کاسه تمام — بهر عین کاسه نے بہر طعام
هیچ خطاطے نویسد خط بفن — بهر عین خط نه بہر خواندن
نقش ظاهر بهر نقش غائب است — وان برائے غائب دیگر ببست
تا سوم چارم دهم بر می شمر — این فوائد را بمقدار نظر
همچو بازیہائے شطرنج اے پسر — فائده هر لعب در تالے نگر
این نهاده بهر آن لعب نہان — وان برائے آن وآن بهر فلان
همچنین دیده جهات اندر جهات — در پے هم تا رسی در برد و مات
اول از بهر دوم باشد چنان — که شدن بر پایہائے نردبان
وان دوم بهر سوم می دان تمام — تا رسی تو پایه پایه تا ببام
شهوت خوردن ز بهر آن منی — وان منی از بهر نسل و روشنی
کند بینش می نبیند غیر این — عقل او بے سیر چون نبت زمین
نبت را چه خوانده چه ناخوانده — هست پائے او بگل در مانده
گر سرش جنبد بباد تیز رو — تو بسر جنبانیش غره مشو
آن سرش گوید سمعنا یا صبا — پائے او گوید عصینا خلنا
چون ندارد سیر میراند چو عام — بر توکل می نهد چون کور گام
بر توکل تا چه آید در نبرد — چون توکل کردن اصحاب نرد

وان نظرہائے کہ آن افسردہ نیست | جز رونده جز درنده پردہ نیست
آنچہ در دہ سال خواہد آمدن | وین زبان بیند بچشم خویشتن
ہمچنین ہر کس باندازہ نظر | غیب و مستقبل ببیند خیر و شر
چونکہ سد پیش و سد پس نماند | شد گذارہ چشم و لوح غیب خواند
چون نظر پس کرد تا بدو وجود | آخر و آغاز ہستی رو نمود
بحث املاک زمین با کبریا | در خلیفہ کردن بابائے ما
چون نظر در پیش افگند او بدید | آنچہ خواہد بود تا محشر پدید
پس ز پس می بیند او تا اصل اصل | پیش می بیند عیان تا روز فصل
ہر کسے اندازۂ روشن دلے | غیب را بیند بقدر صیقلے
ہر کہ صیقل بیش کرد او بیش دید | بیشتر آمد برو صورت پدید
گر تو گوئی کان صفا فضل خداست | نیز این توفیق صیقل زان عطاست
قدر ہمت باشد آن جہد و دعا | لیس للانسان الا ما سعیٰ
واہب ہمت خداوندست و بس | ہمت شاہے ندارد ہیچ کس
نیست تخصیص خدا کس را بکار | مانع طوع مراد و اختیار
لیک چون رنجے دہد بدبخت را | او گریزاند بکفران رخت را
نیک بختے را چو حق رنجے دہد | رخت را نزدیکتر وا مے نہد
بددلان از بیم جان در کارزار | کردہ اسباب ہزیمت اختیار

بُزدلاں در جنگ ہم از بیم جاں	حملہ کردہ سوئے صف دشمناں
دشمناں را ترس و غم در پیش بُرد	ہم ز ترس آں بددل اندر خویش مرد
چوں محک آمد بلا و بیم جاں	زاں پدید آمد شجاع از ہر جباں
حاصل آں کز وسوسہ ہر سو گریخت	از قضا ہم در قضا باید گریخت

اب مولانا لعقل جمادات کی تائید کیلئے ایک حکایت بیان کرتے ہیں جس سے آگ کا محق و مبطل کو پہچاننا ظاہر ہوتا ہے۔ جب یہ معلوم ہو چکا تو اب حل سنو۔ مولانا فرماتے ہیں کہ کل ایک شخص کہہ رہا تھا کہ عالم حادث ہے اور یہ آسمان مع مافیہا فنا ہو جاویگا اور اسکے فنا کے بعد ایک خدا باقی رہجاویگا جسطرح کہ وارث اپنے مورث کی موت کے بعد باقی رہتا ہے۔ یہ سنکر ایک فلسفی دہرے نے کہا کہ تجھے اسکا حدوث کیونکر معلوم ہوا تو تو اسی سے پیدا ہوا ہے اور یہ تو تجھسے پہلے سے ہے پھر تو کیسے کہہ سکتا ہے کہ یہ حادث ہے اور ایک وقت میں معدوم تھا بعد کو موجود ہوا ہے بھلا کہیں ابر کے حدوث کو بارشیں بھی جان سکتی ہیں اور تو اپنے تقلب احوال کے سبب (مثلاً یہ کہ پہلے معدوم تھا اب موجود ہے پھر معدوم ہو جائیگا۔ وغیرہ وغیرہ) ایک ذرہ کی مثل بھی نہیں پس تو اس عالم کے حدوث کو کیا جان سکتا ہے جس سے تجھکو اُس سے بھی کم نسبت ہے جو ذرہ کو آفتاب سے اور جو کیڑا پاخانہ میں رہتا ہو وہ زمین کی ابتدا و انتہا کو کیا جان سکتا ہے پس معلوم ہوتا ہے کہ تو نے مقلدانہ اپنے باپ سے سنا ہے اور اپنی نادانی سے اسکا معتقد ہو گیا ہے اور اگر ایسا نہیں ہے تو اس عالم کے حدوث کی دلیل بیان کر اور اگر دلیل بیان نہیں کر سکتا تو چپ رہ اور فضول باتیں نکر۔ اس نے کہا کہ اور تو میں کچھ جانتا نہیں۔ اتنا جانتا ہوں کہ اس گہرے سمندر (مسئلہ حدوث و قدم عالم) میں ایک روز دو شخصوں میں مباحثہ ہو رہا تھا اور دونوں لڑ جھگڑ رہے تھے۔ اور ہر ایک دوسرے پر غالب آنیکی کوشش کر رہا تھا۔ اور ان دونوں کے گرد بہت سے لوگوں کا جمگھٹ تھا۔ میں نے یہ ہنگامہ دیکھا تو میں بھی اُس طرف چلا۔ کہ دیکھوں کیا قصہ ہے پس میں نے وہاں جاکر واقعہ معلوم کیا تو معلوم ہوا کہ ایک کہہ رہا ہے کہ آسمان مع مافیہا ایک روز فنا ہونے والا ہے اور یہ بنفسہ موجود نہیں ہے بلکہ اس عمارت کا ایک بنانے والا ہے جس نے اسے

بنایا ہے۔ دوسرا کہہ رہا تھا کہ نہیں بلکہ یہ قدیم ہے اور اسکی کوئی ابتدا یا انتہا نہیں نہ اسکا کوئی بانی ہے۔ اور اگر کوئی بانی ہے تو خود وہی ہے۔ (حاصل یہ ہے کہ یہ بنفسہ موجود ہے نہ کہ بغیرہ) اسنے کہا کہ کیا غضب کرتا ہے کہ خالق عالم اور مصرف اللیل والنہار اور رزاق عالم کا انکار کرتا ہے اس نے کہا کہ اگر تم خالق و مصرف زمان و رزاق عالم کے وجود کے مدعی ہو تو اسکی دلیل بیان کرو۔ کیونکہ میں بدون دلیل کے تمھارا بیان نہیں سن سکتا۔ اور اسکو تقلیداً قبول نہیں کر سکتا۔ اگر تم کو مجھے اپنا ہم خیال بنانا ہے تو اسکی صرف یہ صورت ہے کہ اپنے دعوے کو دلیل سے ثابت کرو کیونکہ میں کہہ چکا کہ میں بلا دلیل نہ مانونگا۔ اس نے کہا کہ میرے دعوے کی دلیل میری جان میں ہے اور اس جان کے اندر وہ برہان مخفی ہے یعنی میں اسکے حدوث کو وجداناً و ذوقاً جانتا ہوں اور تیری چشم باطن کمزور ہے اسلئے تو اسکے حدوث کو نہیں دیکھ سکتا مگر میں دیکھتا ہوں پس تو مجھپر غصہ نکر اور خود اپنا قصور سمجھ۔ غرضکہ بہت دیر تک اسی قسم کی گفتگو ہوتی رہی اور مخلوق اس قرمان بردار آسمان کی ابتدا و انتہا کے بارہ میں متحیر تھی اور کوئی فیصلہ نہ کر سکتی تھی بالآخر اس نے پھر کہا کہ اگر تو نہیں مانتا تو نہ مان مگر میں سچ کہتا ہوں کہ میرے دل میں اسکی دلیل موجود ہے جو مجھپر آسمان کے حدوث کو واضح کرتی ہے۔ اور مجھے اسکے حدوث کا پورا پورا الیقین ہے اور جو اسکو یقینی طور پر جانتا ہو اسکی نشانی یہ ہے کہ وہ آگ میں چلا جاوے پس میں آگ میں گھس سکتا ہوں۔ میں یہ تو کر سکتا ہوں لیکن دلیل حدوث زبان سے ادا نہیں ہو سکتی جسطرح کہ عاشقوں کے عشق کا راز اور انکی حالت بیان میں نہیں آسکتی۔ چنانچہ اگر کوئی عاشق سے کہے کہ تو اپنے عشق کا ثبوت دے اور ثابت کر کہ تیرا معشوق حسین ہے تو وہ کہیگا کہ میرے دعوے کی حقیقت صرف میرے چہرہ کی زردی اور اسکے اثر ا ہونے سے ظاہر ہو سکتی ہے اور دلیل سے ظاہر نہیں ہو سکتی۔ اور میرے اشک خونی جو میرے چہرہ پر جاری ہیں یہ ہی اسکے حسن و جمال کی دلیل ہیں اور لفظی دلیل کوئی نہیں۔ اُس نے کہا جناب میں ان باتوں کو تو جانتا نہیں ہاں اگر کوئی ایسی دلیل پیش کرو جسکو سب لوگ مان لیں تو میں تمھارا دعوے مان لونگا ورنہ ان لمبی چوڑی باتوں کو ختم کرو ان سے تمھارا دعویٰ ثابت نہیں ہو سکتا۔ اُس نے کہا اچھا سنو جب کھوٹا اور کھرا سونا آپسمیں مباحثہ کریں اور ہر ایک دوسرے سے کہے کہ تو کھوٹا ہے اور میں کھرا ہوں

تو آخری امتحان یہ ہے کہ دونوں آگ میں داخل ہوں۔ اس سے انکا کھوٹا اور کھرا ہونا کھلجاویگا۔
اور عوام و خواص سب انکی حالت سے واقف ہو جائیں گے اور گمان و شک کی حد سے نکلکر سرحد
یقین تک پہونچ جاوینگے پس ہم دونوں کا کھوٹ اور کھراپن مخفی ہے اسکے امتحان کیلئے آگ اور
پانی ہیں اب یا تو یہ صورت کرو کہ ہم دونوں آگ میں داخل ہوں اور جو لوگ متحیر ہیں اُن کیلئے دلیل
بنجاویں یا دونوں سمندر میں کود پڑیں اسلئے کہ ہم دونوں مدعی ہیں میں کہتا ہوں کہ میں سچا ہوں
اور تم کہتے ہو کہ میں سچا ہوں۔ الغرض آگ میں داخل ہونا قرار پاگیا۔ اور دونوں آگ میں گھس گئے
اور اپنے کو سوزش آتش کے حوالہ کر دیا نتیجہ یہ ہوا کہ آگ نے فلسفی کو تو جلا کر خاکستر کر دیا اور
مومن کو راس آئی۔ اور اسکو اور تر و تازہ کر دیا۔ پس وہ خدا کا قائل مدعی حدوث بچ گیا۔ اور فلسفی
حرامزادہ جلگیا۔ وہ تو کیا جلتا۔ تم میری اس بات کو سچ سمجھو کیونکہ میں یہ بات تجربہ کی بنا پر کہتا
ہوں (جو ناقص ہو اور میری بات کو غلط کہے وہ خدا کرے اور زیادہ اندھا ہو) کہ جسکا نام کا مسمّی
مکرم عند اللہ اور بزرگ ہوتا ہے جیسا کہ یہ مدعی حدوث عالم تھا اُسکا نام بھی موت سے نہیں مٹتا
خود اسکا جلنا تو درکنار۔ پس وہ بچ گیا۔ اور ہزاروں جانیں اسکی دلدادہ اور مطیع ہوگئیں اور
وہ صحرائے تحیر میں لاکھوں مخلوق کا سردار بنکر انکو اس جنگل سے نکال لے گیا۔ اور لاکھوں بے
عصاؤں کیلئے موجب عافیت بنگیا۔ اور اس طرح اُسکو اس معرکہ میں نمایاں فتح حاصل ہوئی
اور ایک یہ کیا لاکھوں اس قسم کی شرطیں قرآن میں ہیں جنمیں حق سبحانہ نے منکروں کی پردہ دری
کی ہے۔ اور جب کفار نے جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے کوئی شرط کی ہے حق ہی غالب
آیا۔ اس طرح بھی کہ آپ کے معجزات دائم رہے اور مخالفین کی کارروائیاں فنا ہوگئیں اور
اس طرح بھی کہ انکو دنداں شکن جواب ملگیا۔ خیر تو جب میں نے یہ واقعہ دیکھا تو میں سمجھ گیا کہ
جس نے پیشتر یہ کہا تھا کہ آسمان مع مافیہا حادث ہے وہ غالب اور حق پر تھا۔ یہانتک
اس مدعی حدوث کی گفتگو کو ختم کر کے مولانا اپنے مضمون کی طرف انتقال فرماتے ہیں اور
کہتے ہیں کہ وہ فلسفی مغلوب ہوگیا۔ اور اسکی حجت رسوا ہوگئی۔ اور منکر حق کی حجت تو ہمیشہ مغلوب
ہی ہوتی ہے۔ کیونکہ اسکے انکار کے سچے ہونے کی کوئی دلیل ہی نہیں۔ جو سر سبز ہو۔ دیکھو جناب
رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی طرح اُن کے مخالفین مثل ابوجہل و ابولہب وغیرہ کی تعریف میں

کونسا منارہ ہے تاکہ انکی سچائی ظاہر ہو اور آنحضرتؐ کی طرح کونسا منبر ہے جسپر کوئی واقعات بیان کرنیوالا منکرین کے زمانہ کو بھلائی سے یاد کرتا ہو آنحضرتؐ اور آپکے موافقین انبیا وغیرہم کے نام کا رخ دینار و درہم قیامت تک رہیگا۔ برخلاف منکرین کے کہ انکا نام و نشان بھی نہیں۔ اور بادشاہوں کا سکّہ تو بدل بھی جاتا ہے۔ مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سکہ قیامت تک کبھی نہ بدلیگا۔ بھلا تم چاندی یا سونے کے کہ پر کسی منکر کا نام تو دکھادو۔ برخلاف جناب رسول اللہ صلے اللہ کے نام کے (ف) مولانا نے انبیا کی صدق پر ان کے ذکر حسن کے بقا اور قیامت تک انکا سکہ جاری رہنے اور منکرونکا نام و نشان مٹ جانے سے احتجاج کیا ہے اسپر شبہ یہ ہوتا ہے کہ کفار اپنے پیشواؤں کی بھی یوں ہی تعریف کرتے ہیں کہ جسطرح مسلمان اپنے انبیاء کی۔ اور جس طرح اور بادشاہوں کا سکہ پر نام باقی نہیں رہتا یوں ہی جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا نام بھی باقی نہ رہا۔ پس فرق کیا ہے۔ اور استدلال کیونکر صحیح ہے۔ جواب اسکا یہ ہے کہ مولانا کا مقصود یہ ہے کہ جن لوگوں نے انبیا کا مقابلہ اور معارضہ کیا انکا ذکر حسن من حیث انہم معارضون للانبیاء باقی نہیں۔ پس اول تو کوئی فرقہ کفار کا ایسا نہیں جو ان لوگونکا متبع ہو جنھوں نے انبیاء کا معارضہ و مقابلہ کیا۔ مثلاً یہود و نصاریٰ کفار ہیں مگر ابوجہل یا ابولہب یا قارون وغیرہ کے متبع نہیں۔ اور انکا ذکر نہیں کرتے۔ بلکہ انبیاء کا ذکر کرتے ہیں۔ خواہ بے قاعدہ کرتے ہوں اور ہنود وغیرہ اپنے پیشواؤںکا ذکر کرتے ہیں۔ مگر ان کے پیشواؤنکی نسبت یہ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ انبیاء کے معارض تھے ممکن ہے کہ وہ اہل حق ہوں اور یہ خرابیاں جو ان فرقوں میں اعتقاداً وعملاً ہیں بعد کے لوگونکی تحریفیں ہوں جیسے یہود و نصاریٰ کی حالت ہے اور اگر کوئی ایسا فرد ہو جس نے انبیا کا معارضہ کیا ہو اور مشہور بھی ہو تو یہ ضرور نہیں کہ وہ منکر ہونے کی حیثیت سے معروف و ثنی علیہ ہو بلکہ ضرور وہ کسی ایسی صفت کی بناپر مشہور ہوگا جو مشکوٰۃ نبوت سے ماخوذ ہے پس یہ نیکنامی اور بقاء نام فی الحقیقت انبیاء ہی کی نیکنامی اور انہیں کے نام کا بقاء ہے رہا عدم بقاء سکہ احمد صلے اللہ علیہ وسلم کے متعلق شبہ سو اسکا جواب یہ ہے کہ مسلمانوں کے نام کا سکہ خود جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے نام کا سکہ ہے اور اگر کوئی معارضہ کرے کہ پھر کفار کے نام کا سکہ انکے متبوعین کے نام کا سکہ ہوگا۔ اسلئے انکا سکہ بھی باقی ہوگا۔ تو اسکا جواب

بیان سابق سے معلوم ہو گیا۔ اور حاصل اسکا یہ ہے کہ اول تو وہ معارضین انبیا نہ تھے اور اگر ہوں
بھی تو بحیثیت معارض ہونے کے یہ بقا نہیں بلکہ ان صفات کی وجہ سے ہے جو مشکوۃ نبوت سے
ماخوذ ہیں) اچھا اگر اس بیان سے تشفی نہوئی ہو۔ تو یہ آفتاب کی طرح روشن اور بصد زبان اپنے
اعجاز کو ظاہر کرنے والا معجزہ جسکا نام قرآن ہے اسی کو لے لو۔ اور سوچو کہ کتنی بڑی بات ہے کہ
کسی کی طاقت نہیں۔ کہ اسکا کوئی حرف اُڑالے اور اسمیں سے کم کردے۔ یا اسمیں کسی حرف کا
اضافہ کردے (چنانچہ شیعوں نے اسلام میں ہزاروں طرح سے رخنہ اندازیاں کیں اور سیکڑوں
حدیثیں گھڑ گھڑ کر اور سنی بنکر محدثین کی کتابوں میں درج کرادیں۔ گو دوسرے محدثین کو انکی جعلسازی کا
پتہ لگ گیا۔ اور انھوں نے بتلادیا کہ فلاں راوی کذاب اور فلاں حدیث موضوع ہے جس سے
حق و باطل میں امتیاز ہو گیا۔ اور گو وہ حدیثیں ان کتابوں سے بوجہ ان کے اطراف عالم میں
شائع ہوجانے یا اُن کے مصنفین کی وفات یا جانے وغیرہ معذوریوں کے نکالی نہیں گئیں اور
طالب حق کیلئے اشتباہ نہیں رہا۔ مگر انھوں نے اپنا کام کردیا اور انھوں نے اس قرآن کو بھی
محرف بتاکر عوام کو بدظن کرنا چاہا۔ اس قرآن کے علاوہ ایک اور قرآن بھی مانا اور کہا کہ وہ اصلی
قرآن ائمہ کے پاس ہے اور اس قرآن میں تحریف کی کوششیں بھی کیں اور اسکے لئے لہو پسینہ
ایک کردیا مگر بحمداللہ یہ قرآن اسی طرح محفوظ ہے جیسا کہ تھا) پس جبکہ تم کو معلوم ہو گیا کہ اہل
حق غالب ہیں اور منکرین مغلوب تو تمکو غالب کا ساتھ دینا چاہیئے نہ کہ مغلوبین کا ورنہ انکی
ساتھ تم بھی تباہ ہوگے۔ دیکھو مخالف حق کے پاس اس انکار کی کوئی دلیل نہیں۔ بجز اسکے
کہ میں ظاہر کو دیکھتا ہوں اور کچھ نہیں دیکھتا۔ لیکن وہ اتنا نہیں سوچتا کہ مخفیات کا انکار مطلقاً
صحیح نہیں۔ بلکہ ظاہر کا وجود خود مخفی کے وجود کی دلیل ہے۔ کیونکہ جہاں کہیں بھی کوئی ظاہر ہے
وہ ان مخفی اور باطن حکمتوں کا پتہ دیتا ہے جو اسکے وجود میں مخفی ہیں اور ہر ظاہر میں ایک فائدہ ہوتا ہے اور وہ فائدہ
خود مخفی اور ظاہر میں یوں مستور ہوتا ہے جسطرح کہ دوا کا نفع اسمیں مستتر ہوتا ہے۔ پس یہ کہنا کیسے
صحیح ہوگا کہ غیر این ظاہر نمی بینیم وطن۔ اور جبکہ یہ کلیہ غلط ہو گیا تو ان مخفی امور کے انکار کی کوئی
وجہ نہیں جنکا اہل حق اثبات کرتے ہیں۔ رہی یہ بات کہ اس اختلاف یعنی ظہور بعض و بطون بعض
میں کیا حکمت ہے سو اسکی وجہ یہ ہے کہ اسکے ذریعہ سے جو لوگ معرفت حق سبحانہ کی اہلیت رکھتے

ہیں وہ معرفت حاصل کریں (تفصیل آئندہ آنے والی ہے) خیر تم کو اس منکر کی غلطی تو معلوم ہو گئی۔ اب منشاء غلطی سنو تفصیل اسکی یہ ہے کہ بنا بر مشہور کرگس کی عمر ساڑھے تین ہزار برس کی ہوتی ہے۔ لیکن سوچو کہ کبوتر کیلئے اس عمر کا کونسا حصہ حاصل ہے۔ وہ حصہ حاصل ہے جسکی نسبت کہا جا سکتا ہے کہ کچھ بھی نہیں۔ اس بنا پر اگر ایک لاکھ کبوتر بھی مر جائیں تو وہ کرگس کی موت نہیں دیکھ سکتے اسلئے وہ سمجھتے ہیں کہ کرگس باقی اور غیر فانی ہے بس یہی حالت منکرین حدوث وفنائے چرخ کی ہے کہ انکی عمریں چرخ کی عمر سے کوئی مناسبت نہیں رکھتیں۔ اسلئے وہ اسکو باقی سمجھتے ہیں مگر یہ انکی غلطی ہے۔ کیونکہ صرف ایک ذات باقی ہے اور کوئی باقی نہیں۔ لیکن چونکہ وہ اپنی جہالت کے سبب صرف ظاہر کو دیکھتے ہیں اسلئے وہ اپنے اندھے پن سے نہ آسمان کی ابتدائی حالت دیکھتے ہیں اور نہ انتہائی کیونکہ وہ مخفی ہے اور مخفیات کا انکو احساس ہی نہیں۔ خلاصہ یہ کہ عالم میں ایک بال بھی باقی رہنے والا نہیں اور بجز ذات حق سبحانہ کے ہر چیز فنا ہونے والی ہے۔ ہاں تو ہم پہلے بتلا چکے ہیں کہ جس چیز کو حق سبحانہ نے ظاہر فرمایا ہے اسکو ایک حکمت مخفی کے لئے ظاہر فرمایا ہے۔ پس تمکو ظاہر ہی تک نہ رہجانا چاہئے بلکہ اسکے باطن پر بھی نظر کرنی چاہئے اور اسکے حکم اور مصالح میں غور کرنی چاہئے تاکہ تم کو حق سبحانہ کی معرفت حاصل ہو (ف یہ حکم غور وخوض امور تکوینیہ سے یا تشریعیہ وتکوینیہ دونوں سے متعلق ہے۔ مگر تحصیل معرفت کیلئے۔ اور اسلئے نہیں کہ اپنی عقل کو معیار بنا کر امور تشریعیہ پر تنقید کیجاوے اور جسکی حکمت سمجھ میں آجاوے اسے مان لیا جاوے اور جسکی علت سمجھ میں نہ آوے رد کر دیا جاوے جیسا کہ بعض گمراہ فرقے کرتے ہیں خوب سمجھ لو) تم غور تو کرو کیا کوئی مصور بلا کسی فائدہ کی توقع کے اور خود تصویر ہی کو مقصود سمجھکر تصویر بناتا ہے ہرگز نہیں۔ بلکہ وہ اسمیں یہ مصلحت مدنظر رکھتا ہے کہ میرے مہمان اور دیگر معززین انسے دل بہلاوینگے اور اسطرح سے غم سے نجات پاوینگے بچے خوش ہونگے اور گذشتہ دوستوں کی تصویر سے انکی یاد تازہ ہوگی۔ وغیرہ وغیرہ علی ہذا کوئی کوزہ گر محض لوٹے کو مقصود سمجھکر اور بدون اس فائدہ کے کہ اسمیں پانی رکھا جاویگا لوٹا بناتا ہے ہرگز نہیں۔ اور کیا کوئی کاسہ گر پیالہ کو مقصود سمجھکر اور بدون اس خیال کے کہ اسمیں کھانا کھایا جاویگا پیالہ بناتا ہے ہرگز نہیں۔ نیز کوئی لکھنے والا کوئی تحریر

صرف اسکو مقصود سمجھکر اور بدون اس خیال کے کہ اسکو پڑھا جاوے لکھتا ہے کبھی نہیں پس
جبکہ حالت یہ ہے انسان کو بھی ظاہر سے ظاہر مقصود نہیں ہوتا بلکہ ایک مصلحت باطنہ مدنظر
ہوتی ہے تو حق سبحانہ کو آسمان وغیرہ ظواہر سے خود وہی کیونکر مقصود ہونگے پس ثابت ہوا
کہ ہر نقش ظاہر کسی صورت کا منہ کے لئے مقصود ہے اب ہم کہتے ہیں کہ خود یہ صورت کا منہ
بھی مقصود نہیں بلکہ اس سے ایک اور فائدہ مقصود ہے۔ پس تم ان فوائد کو تین چار پانچ چھ
سات آٹھ نو دس غرض کہ جہاں تک تمہاری نظر پہونچے گنتے جاؤ اور ایک فائدہ پر بس نکرو۔
کیونکہ اسکی ایسی مثال ہے جیسے بازی شطرنج۔ کہ ہر چال دوسری کیلئے مقصود ہوتی ہے اور اسکا
فائدہ دوسری چال ہوتی ہے اور ایک مہرہ ایک گھر میں دوسری چال کیلئے رکھا جاتا ہے
جو ہنوز مخفی ہوتی ہے اور وہ چال ایک تیسری چال کیلئے اور وہ چوتھی چال کیلئے پس تم
اسی طرح ایک وجہ میں دوسری وجہ دیکھتے چلے جاؤ یہانتک کہ تم بازی کو ختم کردو۔ اور بازی
جیت لو یا ہار جاؤ نیز معنی اول کے دوسرے کیلئے ہونے کی ایسی ہی مثال ہے جیسے تدریجاً سیڑہی
پر چڑھنا کہ ایک ڈنڈے پر چڑھنے کا فائدہ دوسرے ڈنڈے پر چڑھنا ہے اور دوسرے پر چڑھنے
کا تیسرے پر چڑھنا اسی طرح تمام ڈنڈوں کو سمجھ لو۔ یہانتک کہ تم کوٹھے پر پہونچ جاؤ۔ نیز اسکی
ایسی مثال ہے جیسے کھانے کی خواہش جماع کیلئے مقصود ہے۔ اور جماع اولاد۔ اور روشنی چشم
کیلئے (روشنی چشم اولاد کا عطف تفسیری ہے) یہانتک یہ امر معلوم ہوا کہ صورت خود مقصود
نہیں بلکہ اس سے کوئی معنی مقصود ہیں۔ مگر کند نظر شخص صرف ظاہر کو دیکھتا ہے اور اس سے
آگے نہیں بڑھتا۔ اور اسکی عقل رواں نہیں ہوتی بلکہ سبزہ زمین کی طرح ایک جگہ جم کر رہجاتی ہے
اور جس طرح سبزہ کی یہ حالت ہوتی ہے کہ اُسے ہلایا جاوے یا نہ ہلایا جاوے مگر وہ ایک ہی
جگہ جما ہوتا ہے۔ یوں ہی عقل بھی ظاہر پر جمکر رہجاتی ہے لیکن اگر سبزہ کا سر ہلتا ہو تو تم دہوکہا
نہ کھانا کیونکہ اسکا سر تو باد صبا کی اطاعت کرتا ہے۔ اور حرکت کرتا ہے مگر پاؤں اسکے اطاعت
سے انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم نہ مانیں گے ہمیں حرکت سے معاف رکھو بس یہی حالت
عقل کی ہے کہ گو وہ ایک صورت سے دوسری صورت کی طرف حرکت کرتی ہے۔ مگر یہ حرکت کرنا
بمنزلہ گھاس کے سر ہلانے کے ہے اور آگے بڑھتا نہیں ہے اسلئے کہ وہ صورت پر جمکر رہگئی ہے

اور اس سے آگے نہیں بڑھتی۔ اور چونکہ کند نظر شخص اوپر کی جانب نہیں چلتا اور حکم و مصالح مخلوقات الٰہیہ کو نہیں سمجھتا اسلئے اپنے افعال کے نتائج میں بھی غور نہیں کرتا۔ کیونکہ یہ بھی شعبہ ہیں انہیں حکم و مصالح کا اور جبکہ ان نتائج میں غور نہیں کرتا۔ اسلئے وہ محض عامیانہ کوشش کرتا ہے اور توکل کر کے اندھوں کی طرح غلط روی اختیار کرتا ہے اور سمجھتا ہے کہ کوشش فضول ہے جو ہونا ہوگا ہو رہے گا۔ لیکن یہ اسکی غلطی ہے کیونکہ اسکے اور نفس و شیطان کے درمیان جنگ ہے اور جنگ میں کوشش کی ضرورت ہوتی ہے توکل سے کام نہیں چلتا جیسے جو شتر باز توکل کرے۔ اور اندھا دھند دھرے چلنے لگے۔ تو اسکا نتیجہ یہ ہی ہوگا کہ حریف غالب ہوگا۔ اور یہ شکست کھا جاویگا۔ برخلاف اسکے جنکی نظریں جامد نہیں ہیں وہ ترقی باطنی کرتے ہیں اور حجابات کو پھاڑتے جاتے ہیں۔ اور اپنے تقرب بحق سبحانہ کو بڑھاتے رہتے ہیں انکی انجام بینی کی یہ حالت ہوتی ہے کہ دس سال بعد آنے والی بات کو اسوقت اپنی آنکھ سے دیکھ لیتے ہیں اور اسکا انتظام شروع کر دیتے ہیں۔ یہانتک تو انجام بینی و عدم انجام بینی متعلق بآخرت کا ذکر تھا۔ اب مولانا عام غیب بینی کی طرف انتقال فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ علیٰ ہذا ہر شخص اپنی چشم باطن کی قوت کے موافق امر غیبی یعنی آئندہ واقعات و نتائج دنیویہ یا اخرویہ کہ خواہ وہ بھلے ہوں یا برے دیکھ لیتا ہے۔ لیکن جب آدمی تصفیہ باطن کر لیتا ہے اور آگے پیچھے کی دیواریں یعنی تعلقات ناسوتیہ جو مانع غیب بینی ہیں مرتفع ہو جاتے ہیں تو آدمی کی نظر ثاقب و نافذ ہو جاتی ہے اور اسوقت وہ لوح غیبی کو پڑھنے لگتا ہے اور امور مغیبہ پر بخوبی مطلع ہونے لگتا ہے اسکی نظر کی یہ حالت ہوتی ہے کہ جب وہ ابتدار ہستی تک نظر دوڑاتا ہے تو واقعات پیشین ابتدار ہستی اسپر روشن ہو جاتے ہیں اور وہ خلقت آدم کے وقت اس گفتگو کو دیکھتا ہے جو حق سبحانہ اور زمین کے فرشتوں کے درمیان خلافت حضرت آدم علیہ السلام کے متعلق ہوئی تھی یہ حالت تو اسکی پس بینی کی ہوتی ہے اب پیش بینی کی کیفیت سنو۔ جبکہ وہ آگے نظر ڈالتا ہے تو ان واقعات کو دیکھ لیتا ہے جو قیامت تک ہونگے۔ تو خلاصہ یہ نکلا کہ پیچھے کی جانب وہ اصل الاصل یعنی ابتدار خلقت تک دیکھ لیتا ہے اور آگے کی جانب قیامت تک دیکھ لیتا ہے۔ **ف** اس سے کسی کو اولیاء اللہ کے علم ما کان و ما یکون کا شبہ نہ ہونا چاہیئے۔ کیونکہ مولانا کا مقصود احاطہ کلی نہیں ہے بلکہ مقصود

صرف انکے علم کی وسعت دکھلانا ہے نہ کہ ہر ہر چیز کے علم کا احاطہ تفصیلی۔ نیز یہ بھی شبہ نہ ہونا چاہئے کہ کشف انکا اختیاری ہو۔ کیونکہ مقصود یہ ہے کہ حق سبحانہ انکو علم کثیر عطا فرماتے ہیں نہ یہ کہ وہ جسکو چاہتے ہیں جان لیتے ہیں) غرض کہ ہر شخص اپنی روشندلی اور صیقل کی مقدار اور اندازہ سے امور غیبیہ کا مشاہدہ کرتا ہے پس جو صیقل زیادہ کریگا وہ زیادہ دیکھے گا اور صور غیبیہ اسپر زیادہ منکشف ہونگے اور جو کم کریگا اسکی حالت برعکس ہوگی (یاد رکھو کہ روشندلی اضافہ حق سبحانہ کیلئے شرط عادی ہے نہ کہ علت موجبہ بذاتھا اور یہ غیب بینی و کشف عام ہو خواہ متعلق بالٰہیات ہو یا متعلق بکونیات اس تقریر سے یہ شبہ مندفع ہوگیا کہ جسکا رتبہ صفائی باطن زیادہ ہو اسکو کشف زیادہ ہونا چاہئے اور جسکو کم ہو اسکو کم۔ حالانکہ یہ کلیہ بمشاہدہ غلط ہے وجہ اندفاع یہ ہو کہ صاحب اشکال نے غیب بینی کو کشف کونی کیساتھ مخصوص سمجھ لیا ہو حالانکہ ایسا نہیں بلکہ وہ عام ہو پس یہ کہا جاویگا کہ جن بڑے رتبہ کے لوگوں کو کشف کونی زیادہ نہیں ہو انکو کشف الٰہی زیادہ ہو اب کوئی اشکال نہ رہا) جب تم کو تصفیہ باطن کی عظمت معلوم ہوگئی تو اب تمکو چاہئے کہ اسمیں کوشش کرو لیکن اگر یہ شبہ کرو کہ حصول صفا موقوف ہے فضل حق سبحانہ پر اور توفیق تصفیہ بھی خدا ہی کی دین ہو نہ ہماری کوشش اور دعا سو وہ موقوف ہو ہمت و عزم مصمم پر اور یہ معلوم ہو کہ آدمی کو وہی ملتا ہے جسکے لئے وہ سعی کرتا ہو اور سعی موقوف ہے ہمت پر اور ہمت کا دینے والا بھی خدا ہی ہے ورنہ ناچیز انسان ایسے بڑے مقصد کی ہمت نہیں کر سکتا۔ تو ان تمام باتوں کا نتیجہ یہ نکلا کہ ہم کچھ نہیں کر سکتے پھر ہمسے کہنا کہ تم صفائی حاصل کرو فضول ہو تو اسکا جواب ہم یہ دینگے کہ تقدیر الٰہی بیشک حق ہو لیکن حق سبحانہ کا کسی کام کو کسی کیلئے مقدر کر دینا مانع طاعت انقیاد و اختیار نہیں بلکہ یہ امور تقدیر کیساتھ بھی جمع ہو سکتے ہیں لیکن حق سبحانہ جب کسی شئے کو لوگوں کے لئے مقدر کرتے ہیں تو اسوقت انکی دو حالتیں ہوتی ہیں کبھی تو وہ اپنے اختیار کو سبب قرب بناتے ہیں اور کبھی سبب بعد مثلاً جب حق سبحانہ کسی بدبخت اور محروم کو تکلیف میں مبتلا کرتے ہیں۔ تو وہ اپنے اختیار کو یوں کام میں لاتا ہو کہ ناشکری میں قباحت گزین ہوتا ہو۔ اور ناشکری کرکے حق سبحانہ سے دور ہوتا ہے۔ اور جب کسی سعادتمند کو مبتلائے مصائب کرتے ہیں تو وہ بذریعہ شکر و صبر کے مزید قریب حاصل کرتا ہو تو دیکھو تقدیر الٰہی دونوں کیلئے ایک ہی قسم کی ہو مگر آثار میں فرق ہو۔ اور نہ فرق کیوں ہو محض اختیار کے سبب پس معلوم ہوا کہ آدمی مختار ہے نہ کہ مجبور اب ہم اس مدعا کو ایک اور نظیر سے ثابت کرتے ہیں۔ دیکھو بزدل لوگوں کو بھی جان کا

خوف ہوتا ہے اور بہادر ونکو بھی لیکن پھر دونوں پر اختلاف اختیار کے سبب آثار مختلفہ مرتب ہوتے ہیں چنانچہ جو لوگ بزدل ہیں وہ جان کے خوف سے جنگ میں ہزیمت اختیار کرتے ہیں اور بہادر اسی خوف کی سبب صف دشمن پر حملہ آور ہوتے ہیں تاکہ انکو نیست و نابود کر کے اپنی جان کو ان سے بچائیں۔ نیز بہادر لوگونکو خوف اور غم آگے کی جانب بڑھاتا ہے اور بزدل لوگ بے ماری ہی مر جاتے ہیں۔ دیکھو سبب ایک تھا مگر اختلاف اختیار کے سبب نتائج مختلفہ مرتب ہوئے۔ لہذا سمجھنا چاہیئے کہ تکالیف و دیگر امور تقدیریہ ایک کسوٹی ہیں جن سے بہادر اور بزدل میں امتیاز ہوتا ہے اور انکو منافی اختیار نہ سمجھنا چاہیئے اور ہمت سے کام لیکر اپنے کو بہادر ثابت کرنا چاہیئے خلاصہ کلام یہ کہ ہر قسم کے وساوس سے قطع تعلق کر کے تقدیر سے بھاگ کر تقدیر الٰہی ہی میں پناہ لینی چاہیئے یعنی اپنے تمام کاموں میں حق سبحانہ کو مطمح نظر بنانا چاہیئے اور اُسی سے طالب امداد ہونا چاہیئے۔ اور تمھاری حالت ایسی ہونی چاہیئے جیسی موسیٰ علیہ السلام کی بیان کیگئی ہے جسکی تفصیل یہ ہے

وحی کردن حق تعالیٰ بموسیٰ علیہ السلام کہ من ترا دوست میدارم

گفت موسیٰ را بوحی دل خدا — کای گزیدہ دوست میدارم ترا
گفت چہ خصلت بود اے ذو الکرم — موجب آن تا من آن افزون کنم
گفت چون طفلے بہ پیش والدہ — وقت قہرش دست ہم بروے زدہ
خود نداند کہ جز او دیار ہست — ہم ازو مخمور ہم ازو مست است
مادرش گر سیلیئے بروے زند — ہم بمادر آید و بروے تند
از کسے یاری نخواہد غیر او — اوست جملہ شر او و خیر او
خاطر تو ہم ز ما در خیر و شر — التفاتش نیست جاہاے دگر
غیر من پیشت چو سنگ است و کلوخ — گر صبی و گر جوان و گر شیوخ
ہمچنان کہ ایاک نعبد در حنین — در بلا از غیر تو لانستعین
ہست این ایاک نعبد حصر را — در لغت وان از پے نفی ریا
ہست ایاک نستعین ہم بہر حصر — حصر کردہ استعانت را و قصر

طمع یاری ہم زتو داریم وبس | کہ عبادت مرترا آریم وبس

یعنی حق سبحانہ نے موسیٰ علیہ السلام سے بذریعہ وحی دل یعنی الہام کہا کہ اے ہماری برگزیدہ نبی ہم تم سے محبت کرتے ہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا کہ ای کریم مجھے اس محبت کا سبب بتلا دیجئے تاکہ میں اسمیں اور زیادہ کوشش کروں اور اسکے ذریعہ سے آپکا اور زیادہ محبوب بنوں۔ اسپر حق سبحانہ نے فرمایا کہ تمھاری میرے سامنے ایسی حالت ہے جیسے ماں کے سامنے بچہ کی کہ وہ اسکے غصہ کیوقت بھی اُسی کو لپٹتا ہے اور وہ نہیں جانتا کہ اسکے سوا بھی کوئی انسان دنیا میں ہے بلکہ وہ اُسی سے مخمور اور مست ہوتا ہے چنانچہ اگر اسکی ماں اُسکے تھپڑ مارتی ہے تو وہ اُسی کیطرف چلتا اور اُسی کو لپٹتا ہے اور اُسکے سوا کسی سے مدد نہیں چاہتا اسکے حق میں اگر بُری ہے تو وہ ہے اور بھلی ہے تو وہ ہے غرض جو کچھ ہے وہ ہے۔ اسی طرح تمھاری بھی حالت ہے کہ ہماری طرف سے اگر کوئی ناگواری تمکو لاحق ہوتی ہے تو بھی تمھاری طبیعت ہمکو چھوڑ کر کسی اور طرف ملتفت نہیں ہوتی۔ اور کوئی خوشی پیش آتی ہے تو بھی وہ ہماری ہی طرف ملتفت ہوتی ہے۔ اور ہمارے سوا جو کچھ بھی ہے خواہ بچہ ہو یا جوان یا بڈھا سب مثل ڈھیلے اور پتھر کے ہیں۔ اب مولانا فرماتے ہیں کہ صاحبو جسطرح تم کو ایاک نعبد کی ہدایت کیگئی ہے یوں ہی ایاک نستعین بھی بتلایا گیا ہے۔ پس جسطرح تم کہتے ہو کہ ہم گریہ وزاری کی حالت میں صرف آپ ہی کی عبادت کرتے ہیں یوں ہی یہ بھی کہو کہ بلا ذیں آپکے سوا کسی سے مدد بھی نہیں چاہتے اور جسطرح تم ایاک نعبد پر عمل کرتے ہو یوں ہی ایاک نستعین پر بھی عمل کرو۔ کیونکہ جسطرح زبان عربی میں ترکیب ایاک نعبد حصر کا فائدہ دیتی ہے اور مقصود یہ ہے کہ عبادت میں ریا بھی نہ ہونی چاہئے شرک صریح تو درکنار یوں ہی ایاک نستعین کی ترکیب بھی حصر کے لئے ہے۔ اور استعانت کو حق سبحانہ میں محصور اور اُسی پر مقصور کرتی ہے اور دونوں ترکیبوں کا حاصل یہ ہے کہ عبادت بھی ہم صرف تیری ہی کرتے ہیں اور مدد بھی ہم تجھ ہی سے چاہتے ہیں پس تمکو دونوں ترکیبوں کے مفاد کو مدنظر رکھنا چاہئے اور عبادت کیطرح استعانت کو بھی حق سبحانہ کیساتھ مخصوص کرنا چاہئے (ف) یاد رکھو کہ استعانت بالغیر باذن شرع حصر استعانت فی الحق کے منافی نہیں مثلاً کوئی شخص کسی امیر سے دس روپے مانگے اور وہ کہے کہ ہمارے خزانہ سے لیلو اور اس حکم کی بنا پر وہ خزانچی سے مانگے تو یہ درحقیقت اس امیر ہی سے مانگنا ہے نہ کہ خزانچی سے پس اگر اسباب عادیہ سے استمداد کے وقت ملحوظ رہے کہ میں باذن حق سبحانہ ان سے مدد لیتا ہوں تو یہ استمداد فی الحقیقت حق سبحانہ ہی سے ہے نہ کہ غیر سے واللہ اعلم

قد تم الربع الثالث من الدفتر الرابع من المثنوی وللہ الحمد

ربع رابع دفتر رابع

قال تعالیٰ کما ارسلنا فیکم رسولا منکم یتلوا علیکم آیاتنا ویزکیکم ویعلمکم الکتاب والحکمۃ ویعلمکم ما لم تکونوا تعلمون

چوں در کریمہ صدر قولہ یتلوا ویعلمکم الکتاب بر فضل علم نظم ومعنی وقولہ یزکیکم بر شرف علم کلام وعقائد وعلم سلوک وقولہ والحکمۃ بر مزیت علم اسرار وعلم اصول دال باوضح بیان ست لہذا ازاں جز وفن تصوف کہ مشتمل بر سلوک واسرار ست از علم دین فیک عیان ست و باتفاق اہل مذاق مثنوی از کتب این فن خاص شان ست لاکن از اغلاقش محتاج تبیان ست بنا علیہ این شرح اردو کہ معنونش را

کلید مثنوی

عنوان ست این ربع رابع از دفتر رابع ازاں ست (بالفاظ وعبارت (مولوی) شبیر علی و مولوی حبیب احمد سلمہا اللہ کہ ہر یکے از ایشان برائے صاحب معانی یعنی حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب دام ظلہم بمنزلہ لسان وترجمان ست) در وصل متن را چناں حل کردہ کہ غایت امکان ست ومسائل را بطورے تقریر نمودہ کہ ہم موافق تحقیق اہل اتقان وہم مطابق حدیث وقرآن ست واشکالات واغلاط را بطرزے دور ساختہ کہ مورث اطمینان وطمانیت ست وجابجا ملفوظات سیدنا الحاج امداد اللہ کہ مسطر آں ہم منشط اذہان ست ہم در مطابق...

حسب فرمایش

محمد شبیر علی مالک اشرف المطابع تھانہ بھون ضلع مظفرنگر طبع شد

شرح حبیبی از کلید مثنوی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

خشم کردن پادشاہ بر ندیم و شفاعت کردن شفیع مغضوب علیہ را و از پادشاہ درخواستن و مقبول شدن و رنجیدن مغضوب علیہ کہ چرا شفاعت کرد

پادشاہے بر ندیمے خشم کرد — خواست تا از وے برآرد دود و گرد

کرد شمشیر بیروں از غلاف — تا زند بر وے جزائے آں خلاف

ہیچکس را زہرہ نے تا دم زند — یا شفیعے بر شفاعت بر تند

جز عماد الملک نامی از خواص — در شفاعت مصطفٰے وارانہ خاص

بر جہید و زود در سجدہ فتاد — در زماں شہ تیغ قہر از کف نہاد

گفت اگر دیو ست من بخشیدمش — ور بلیسی کرد من پوشیدمش

چونکہ آمد پائے تو اندر میاں — راضیم گر کرد مجرم صد زیاں

صد ہزاراں خشم را تانم شکست — کہ ترا آں فضل و آں مقدار ہست

لابہ ات را ہیچ نتوانم شکست — زانکہ لابہ تو یقیں لابہ من است

گر زمین و آسمان برہم زدے
ز انتقام این مرد بیروں نامدے

ور شدے ذرہ بذرہ لابہ گر
او نہ بردے این زمان از تیغ سر

بر تو می ننہیم منت اے کریم
لیک شرح عزت تست اے ندیم

این نہ کردی تو کہ من کردم یقین
اے صفاتت در صفات ما دفین

تو دریں مستعملی نے عاملی
زانکہ محمول ہنی نے حاملی

ما رمیت اذ رمیت گشتہ
خویشتن در موج چوں کف ہشتہ

لا شدی پہلوئے الا خانہ گیر
اے عجب کہ ہم اسیری ہم امیر

آنچہ دادی تو ندادی شاہ داد
اوست بس واللہ اعلم بالرشاد

رنجیدن مغضوب علیہ و یاری بریدن از شفیع

وان ندیم رستہ از زخم و بلا
زیں شفیع آزرد و برگشت از ولا

دوستی ببرید زاں مخلص تمام
رو بحائط کرد تا نارد سلام

زیں شفیع خویشتن بیگانہ شد
زیں تعجب خلق در افسانہ شد

گر نہ مجنون ست یاری چوں برید
از کسے کہ جان او را وا خرید

وا خریدش آندم از گردن زدن
خاک نعل پاش بایستے شدن

باز گونہ رفت و بیزاری گرفت
با چنیں دلدار کیں داری گرفت

پس ملامت کرد او را ناصحے
کیں جفا چوں میکنی با مصلحے

جان تو بخرید آں دلدار خاص ۔۔۔ آندم از گردن زدن کرد خلاص

گر جفا کردے نبایستے رمید ۔۔۔ خاصہ نیکی کرد آں یار حمید

گفت بہر شاہ مبذول ست جاں ۔۔۔ او چرا آید شفیع اندر میاں

لی مع اللّٰہ وقت بود آندم مرا ۔۔۔ لا یسع فیہ نبیٌّ مجتبیٰ

من نخواہم رحمتے جز زخم شاہ ۔۔۔ من نخواہم غیر آں شہ را پناہ

غیر شہ را بہر آں لا کردہ ام ۔۔۔ کہ بسوئے شہ تولا کردہ ام

گر ببرد او بقہر خود سرم ۔۔۔ شاہ بخشد شصت جاں دیگرم

کار من سربازی و بیخویشی است ۔۔۔ کار شاہنشاہ ما سر بخشی است

فخر آں سر کہ کف شاہش برد ۔۔۔ ننگ آں سر کہ بغیرے سر برد

شب کہ شاہ از قہر در قہرش کشید ۔۔۔ ننگ دارد از ہزاراں روز عید

خود طواف آنکہ آں شہ بین بود ۔۔۔ فوق قہر و لطف و کفر و دیں بود

زاں نیاید یک عبارت در جہاں ۔۔۔ کہ نہانست و نہانست و نہاں

زانکہ ایں اسمار و الفاظ حمید ۔۔۔ از کلابہ آدمی آمد پدید

علم الاسماء بد آدم را امام ۔۔۔ لیک نے اندر لباس عین و لام

چوں نہاد از آب و گل بر سر کلاہ ۔۔۔ گشت آں اسمار جانی روسیاہ

کہ نقاب حرف و دم در خود کشید ۔۔۔ تا شود بر آب و گل معنی پدید

گرچہ از خشم شہم کرد او خلاص ۔۔۔ لیک ہم شہ شد مرا حقاً مناص

گرچہ از یک وجہ منطق کاشف ست	لیک از دہ وجہ دیگر مکنف است

تمہاری ایسی حالت ہونی چاہیئے جیسے بادشاہ کے اس مصاحب کی جسکا قصہ ہم اسوقت بیان کرتے ہیں وہ قصہ یہ ہے کہ ایک بادشاہ نے اپنے ایک ندیم پر عتاب کیا اور چاہا کہ اسکو نیست ونابود کردے اور اس کام کے لئے اس نے تلوار بھی میان سے نکال لی تاکہ وہ اسکے اس مخالفت کی عوض مارے جو اس سے سرزد ہوئی تھی اسوقت کسی کی تاب نہ تھی کہ دم مار سکے اور کسی سفارشی کی طاقت نہ تھی کہ سفارش کرسکے بجز بادشاہ کے ایک خاص آدمی عماد الملک نامی کے جو کہ سفارش کیلئے جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی طرح مخصوص تھا۔ وہ اٹھا اور فوراً سجدہ میں گرگیا۔ یہ دیکھکر بادشاہ نے فوراً تلوار ہاتھ سے رکھدی اور کہا کہ اگر یہ شیطان کی طرح بھی نافرمان ہے۔ تب بھی ہم نے اسکی جان بخشی کی اور اگر اس نے شیطانانہ مخالفت بھی کی ہے تب بھی ہم نے اپنے کرم سے اسکی پردہ پوشی کی چونکہ تم بیچ میں پڑگئے ہو اسلئے اگر یہ مجرم سو قصور بھی کرے تب بھی میں رضامند ہوں تمہاری میری نظر میں وہ عظمت وجلالت ہے کہ سیکڑوں غصوں کو اسکے سبب فنا کرسکتا ہوں لیکن تمہاری خوشامد کو نہیں توڑ سکتا۔ کیونکہ تم اور میں ایک جان دو قالب ہیں اسلئے تمہاری خوشامد گویا کہ خود میری خوشامد ہے اگر زمین وآسمان بھی تلپٹ ہوجاتے تب بھی میں اس سے انتقام لینے سے باز نہ آتا۔ اور اگر ذرات جہان تمام ملکر سفارش کرتے تب بھی وہ میری تلوار سے سرسلامت نہ لیجا سکتا تھا۔ مگر تمہاری سفارش سے میں نے اسکی جان بخشی کردی اور یہ میں تمپر احسان نہیں رکھتا بلکہ تمہاری اس وقعت کو ظاہر کرتا ہوں جو میرے دل میں ہے۔ اور تمپر احسان رکھ کیسے سکتا ہوں کیونکہ یہ تمنے نہیں کیا بلکہ خود میں نے کیا ہے کیونکہ تمہاری صفات میری صفات میں مدفون ہیں اور تم مجھ میں فنا ہو اسلئے تمہارے افعال خود میرے ہی افعال ہیں کیونکہ تم اس فعل میں میرا ایک آلہ ہو جس سے کہ میں نے کام لیا ہے اور خود اسکے کرنے والے نہیں ہو۔ اسلئے کہ یہ بار شفاعت میں نے تمپر لادا ہے اور تم نے خود نہیں اٹھایا پس تمہارے اس فعل میں ایسی مثال ہے جیسے حق سبحانہ اپنے رسول ؐ کی نسبت فرماتے ہیں ما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمیٰ۔ کیونکہ تم نے اپنے کو ہماری رضا کے یوں تابع کردیا ہے جیسے موج کے قبضہ میں کف ہو۔ اور ہماری رضا میں فانی ہوچکے ہو۔ اسی لئے تم کو ہماری ذات کے ساتھ بقا

حاصل ہو گئی ہے۔ اب تم چین سے باقی بذات مار ہو۔ اور چونکہ تم ہمارے اسیر ہو اسلئے گویا کہ خود امیر ہو بس یہ ایک عجیب بات ہے۔ کہ تم اسیر بھی ہو اور امیر بھی القصہ جو کچھ تم نے اسکی ساتھ سلوک کیا ہے یہ تم نے نہیں کیا بلکہ خود ہم نے کیا ہے کیونکہ تم اب تم نہیں رہے بلکہ اب جو کچھ ہیں ہم ہیں (ف) اوست بس کو ہم نے بطریق التفات مقولہ شاہ قرار دیا ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ مقولہ مولانا ہو اور تعلیل ہو مصرعہ اولیٰ کی مگر مصرعہ اولیٰ دونوں صورتوں میں مقولہ شاہ ہی ہے بطور التفات کے واللہ اعلم) عماد الملک نے تو اس ندیم کے ساتھ یہ سلوک کیا اور وہ ندیم جو اسکی سفارش سے ہلاکت سے بچا تھا اسکی یہ حالت ہوئی کہ اس سے ناخوش ہو گیا۔ اور دوستی سے پھر گیا اور اس مخلص کامل سے دوستی کا تعلق منقطع کر دیا۔ اور دیوار کی طرف منہ کر لیا تاکہ وہ سلام نہ کر سکے اور اس اپنے سفارش گر سے بالکل اجنبی بن گیا۔ اس حیرت انگیز واقعہ کو دیکھکر لوگوں میں چہ میگوئیاں ہونے لگیں۔ اور وہ کہنے لگے کہ یہ ندیم دیوانہ ہو گیا۔ کیونکہ اگر دیوانہ نہیں ہوا تو کیا وجہ ہے کہ ایسے شخص سے اس نے بگاڑ لی جس نے اسکی جان بچائی۔ اس نے تو اسے گردن زنی سے بچایا تھا اسلئے اسکو چاہئے تھا کہ اسکی جوتیوں کی خاک ہو جاتا۔ نہ کہ الٹی چال چلا اور اس سے بگاڑ لی۔ اور ایسے دوست کا دشمن ہو گیا۔ یہ چہ میگوئیاں تو لوگوں میں آپسمیں ہوتی تھیں لیکن ایک خیر خواہ نے خود اسکو بھی ملامت کی اور کہا کہ تم ایک مصلح پر یہ زیادتی کیوں کرتے ہو اس محب خاص نے تو تمھاری جان بچائی ہے اور اس نازک وقت میں تمھیں گردن زنی سے بچایا ہے۔ ایسی حالت میں تو اگر وہ تم پر کوئی زیادتی بھی کر لیتا تو تم کو اس سے نفور نہ ہونا چاہئے تھا۔ بالخصوص اسوقت جبکہ اس نے بھلائی ہی کی ہے اور کوئی برائی نہیں کی ایسی حالت میں تو تمکو نفور ہونا بالکل ہی زیبا نہیں اس نے کہا کہ میں تو بادشاہ کیلئے جان دے رہا تھا وہ کون ہوتا تھا کہ سفارشی بنکر بیچ میں کود پڑا۔ میری تو اسوقت بادشاہ کی ساتھ یہ حالت تھی جیسے جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ لی مع اللہ وقت لا یسعنی فیہ ملک مقرب ولا نبی مرسل پھر ایسی حالت میں اس نے دخل کیوں دیا (ف) علامہ بحر العلوم سے تعجب ہے کہ باوجود مثنوی کے ایسے عنوانات بیان سے برہم ہونے کے انھوں نے اس تعبیر کو سوء ادب قرار دیکر تاویل کی اور اسکو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقولہ قرار دیا۔ حالانکہ اسکو اس مقام سے کوئی تعلق نہیں اور لی مع اللہ وقت بود

آندم مرا ایں فقرہ بود آندم مرا۔ اس توجیہ کو نہایت واضح طور پر رد کرتا ہے۔ کاش وہ اسی سرخی کے اندر مولانا کا یہ شعر دیکھ لیتے ،، وجز عماد الملک نامے از خواص + در شفاعت مصطفٰے وارانہ خاص
تو ہرگز ایسی بات نہ کہتے علامہ موصوف کے اسکو سوء ادب کہنے کا منشاء یہ ہے کہ انھوں نے مشبہ کے اجزاء کو مشبہ بہ کے اجزاء سے تشبیہ دینا سمجھا۔ حالانکہ ایسا نہیں بلکہ صرف ایک ہیئت ترکیبیہ کو دوسری ہیئت ترکیبیہ سے تشبیہ دینا مقصود ہے۔ اب کچھ سوء ادب نہ رہا واللہ اعلم) میں سوائے بادشاہ کے رحم کے کسی کا رحم نہیں چاہتا۔ اور میں بجز بادشاہ کی پناہ کے کسی کی پناہ نہیں چاہتا۔ کیونکہ میں بادشاہ سے محبت کرتا ہوں اسلئے اسکے اتمام کو معدوم سمجھتا ہوں۔ پس اس نے مجھ پر کیوں رحم کیا اور مجھے کیوں پناہ دی۔ بادشاہ اگر مجھے مار بھی ڈالیگا تو ایسا کرنے سے وہ مجھے گویا کہ بہت سی جانیں عطا کریگا۔ کیونکہ دشمنی بھی تعلق کی ایک شان ہے اسلئے میں کہتا ہوں ؎ قطع کیجے نہ تعلق ہم سے + کچھ نہیں ہے تو عداوت ہی سہی۔ اور ؎ گو دشمنی سے دیکھتے ہیں دیکھتے تو ہیں + میں شاد ہوں کہ ہوں تو کسی کی نگاہ میں۔ میرا کام تو سر دیدینا اور اپنے کو رضائے شاہ کے تابع کر دینا ہے اور بادشاہ کا کام لطف محض یا لطف بصورت قہر سے جان دینا ہے۔ میں تو کہتا ہوں کہ جو سر بادشاہ کے ہاتھ سے کٹجاوے اسکے لئے یہ کٹجانا موجب فخر ہے اور جو سر دوسروں کے آگے جھکے تاکہ بادشاہ کے قہر سے بچ جاوے اسکے لئے ایسا کرنا موجب ننگ ہے جس رات وہ سر بادشاہ کے قہر سے قبر میں پہونچ جاوے وہ رات ہزاروں عیدوں سے بڑھکر ہے اور اُنکی ہمسری سے ننگ و عار رکھتی ہے۔ اب مولانا انتقال فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جو لوگ ذات حق کا مشاہدہ کرتے ہیں انکا قرب من الذات جسکو ہم نے طواف سے تعبیر کیا ہے لاستلزامہ ایاہ۔ لطف و قہر اور کفر و دین رسمی سے بالاتر ہے کیونکہ ان کو ایمان حقیقی حاصل ہے اور وہ بفحوائے ہرچہ از دوست میرسد نیکوست قہر کو بھی لطف ہی سمجھتے ہیں انکی حالت کی کوئی عبارت تعبیر نہیں کر سکتی۔ اسلئے کہ وہ نہایت ہی مخفی ہے اور الفاظ جسم انسانی سے سرزد ہوئے ہیں جو کہ انکی تعبیر سے قاصر ہیں اس سے شاید کسی کو شبہ ہو کہ جسم انسانی سے کیونکر نکلے ہیں انکا منشاء تو خود حق سبحانہ ہیں کیونکہ انھوں نے آدم علیہ السلام کو سکھلائے ہیں اور وہی ان کے واضع ہیں اسلئے ہم کہتے ہیں کہ آدم علیہ السلام کو اسماء کی تعلیم ضرور کیگئی لیکن

وہ تعلیم حروف کے لباس میں نہ تھی۔ لیکن ان اسمار نے آب وگل کی ٹوپی اوڑھی اور ناسوتیت کا لباس پہنا۔ تو اب ان اسمار کی جو کہ اب تک روحانی تھے صورت بدل گئی اور ان میں ظلمانیت آگئی اور وہ نورانیت نہ رہی جس سے وہ اشیار کو علی ماہی علیہا واضح کر سکتے تھے۔ کیونکہ اب انھوں نے اس غرض سے حرف وصوت کا نقاب اوڑھ لیا تاکہ مغلوب الناسوتیت اشخاص پر معنی واضح ہو جاویں جو کہ بدون اس صورت کے واضح نہو سکتے تھے۔ پس جبکہ وہ اس نقاب میں چھپ گئے تو ظلمت اور استتار لورانیت ہونا ہی تھا۔ خیر یہ گفتگو تو استطرادی تھی اب سنو کہ اس ندیم نے کہا کہ اگرچہ اس نے مجھے بادشاہ کے غصہ سے نجات دلائی لیکن میں اسکا ممنون نہیں ہو سکتا کیونکہ میری گریز گاہ وجائے پناہ تو بادشاہ ہے میں اپنا اصلی مقصود الفاظ سے ظاہر نہیں کر سکتا کیونکہ گفتگو اگر ایک طرح سے حقیقت کو ظاہر کرتی ہے تو دوسری طرح سے اسکو چھپاتی ہے یعنی اسکے کشف سے ستر اور حجب زائد ہے اسلئے کہ عدم اظہار کی صورت میں تو صرف اتنی ہی بات ہوتی ہے کہ مخاطب کو حقیقت کا علم نہیں ہوتا جو کہ جہل بسیط ہے اور بیان کی صورت میں بوجہ قصور عبارت کے مخاطب کچھ کا کچھ سمجھ جاتا ہے جو کہ جہل مرکب ہے۔ وفیہا ستتار زائد علی الجہل البسیط واللہ اعلم

گفتن جبرئیل علیہ السلام خلیل علیہ السلام را کہ ھل لک حاجۃ قال بلی اما الیک فلا

من خلیل وقتم و او جبرئیل	من نخواہم در بلا او را دلیل
او ادب ناموخت از جبریل راد	کہ بپرسید از خلیل حق مراد
کہ مرادت ہست تا یاری کنم	ورنہ بگریزم سبکساری کنم
گفت ابراہیم نے رو از میاں	واسطہ زحمت بود بعد العیاں
بہر ایں دنیاست مرسل رابطہ	مومناں را زانکہ ہست او واسطہ

هر دل ار سامع بدی وحی نهان ‏ ‏ ‏ حرف و صوتی کی بدی اندر جهان

گرچه او محو حق ست و بی سرست ‏ ‏ ‏ لیک کار من ازان نازکترست

کردهٔ او کردهٔ شاهست لیک ‏ ‏ ‏ پیش چشم بد نماینده ست نیک

آنچه عین لطف باشد بر عوام ‏ ‏ ‏ قهر شد بر عشق کیشان کرام

بس بلا و رنج می باید کشید ‏ ‏ ‏ عامه را تا فرق را تانند دید

کاین حروف واسطه ای یار غار ‏ ‏ ‏ پیش واصل خار باشد خار خار

بس بلا و رنج بایست و وقوف ‏ ‏ ‏ تا رهد آن روح صافی از حروف

لیک بعضی زین صدا کرتر شدند ‏ ‏ ‏ باز بعضی صافی و برتر شدند

همچو آب نیل آمد این بلا ‏ ‏ ‏ سعد را آبست و خون بر اشقیا

هر که پایان بین تر او مسعودتر ‏ ‏ ‏ جد تر او کارد که افزون دید بر

زانکه داند کاین جهان کاشتن ‏ ‏ ‏ هست بهر محشر و برداشتن

هیچ عقدی بهر عین خود نبود ‏ ‏ ‏ بلکه از بهر خیال رنج و سود

هیچ نبود منکری گر بنگری ‏ ‏ ‏ منکریش بهر عین منکری

بل برای قهر خصم اندر حسد ‏ ‏ ‏ یا فزونی جستن و اظهار خود

وان فزونی هم پی طمع دگر ‏ ‏ ‏ بی معانی چاشنی ندهد صور

زان همی پرسی چرا این میکنی ‏ ‏ ‏ که صور زیتست و معنی روشنی

ورنه این گفتن چرا از بهر چیست ‏ ‏ ‏ چونکه صورت بهر عین صورت نیست

این چرا گفتن سوال از فائدہ است ۔ جز برائے این چرا گفتن بدست

از چہ رو فائدہ جوئی اے امین ۔ چوں بود فائدہ این خود ہمیں

پس نقوش آسمان و اہل زمین ۔ نیست حکمت کان بود بہر ہمیں

گر حکیمے نیست این ترتیب چیست ۔ ور حکیمے ہست فعلش چوں تہی است

کس نسازد نقش گرمابہ خضاب ۔ جز پئے بہر صواب و ناصواب

ہر چہ بینی در جہاں از آیتے ۔ ہست بہر معنئے و حکمتے

اس ندیم نے اپنی اثنائے گفتگو میں کہا کہ مجھکو بادشاہ سے وہی نسبت تھی جو ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کو حق سبحانہ سے اور عماد الملک کو ہم سے وہ نسبت تھی جو جبریل علیہ السلام کو ان دونوں سے لہٰذا اس نسبت کے اقتضا کی بنا پر حضرت ابراہیم کی طرح میں بھی اس مصیبت میں اسکو اپنا رہنما بنانا نہیں چاہتا تھا پس اس نے کیوں دخل دیا اور حضرت جبریل علیہ السلام سے ادب کیوں نہ سیکھا جنھوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے اسوقت جبکہ انکو نمرود نے آگ میں ڈالا تھا۔ دریافت کیا تھا کہ کیا آپ کی کوئی خواہش ہے تاکہ میں آپ کی اعانت کروں ورنہ تخفیف تصدیع کروں اور رخصت ہو جاؤں اور مجھ سے کیوں نہ پوچھا کہ میں سفارش کروں یا نہیں۔ اور بدوں مجھ سے پوچھے کیوں سفارش کی۔ اگر وہ مجھ سے دریافت کرتا تو میں وہی جواب دیتا۔ جو حضرت خلیل نے دیا تھا چنانچہ انھوں نے فرمایا تھا کہ آپ دخل نہ دیں مجھے آپ کی اعانت کی ضرورت نہیں۔ اب مولانا فرماتے ہیں کہ راز اسکا یہ ہے کہ انکی نظر ذات حق سبحانہ پر تھی اور وہ مشاہدہ حق سبحانہ میں مصروف اور براہ راست حق سبحانہ سے تعلق رکھتے تھے اور قاعدہ ہے کہ ایسی صورت میں واسطہ تکلیف دہ ہوتا ہے۔ اس مقام پر استطراداً ہم یہ بھی بتلائے دیتے ہیں کہ پیغمبران علیہم السلام اہل جہان کا حق سبحانہ کے ساتھ اسی لئے تعلق پیدا کرنے والے ہوتے ہیں کہ یہ لوگ محجوب ہوتے ہیں اور وہ محجوبین اور حق سبحانہ کے درمیان واسطہ ہوتے ہیں (اسپر کوئی یہ شبہ نکرے کہ جب تعلق پیدا ہو گیا تو اب انبیاء کی پیروی کی ضرورت نہو گی۔ کیونکہ درجات

تعلق متفاوت ہیں پس غیر نبی کو وہ تعلق پیدا ہی ہونا ناممکن ہے جسکی بنا پر یہ کہا جاوے کہ اب اسکو نبی کی پیروی کی ضرورت نہیں اس لئے کہ تعلق کا ذریعہ یہ پیروی ہی ہے جسوقت یہ نہ رہیگی تعلق بھی نہ رہیگا۔ پس اب شبہ نہ رہا) اب اگر کسی کو یہ شبہ ہو کہ آخر حجاب ہی کی کیا ضرورت تھی جسکے لئے واسطہ کی ضرورت ہو تو اسکا جواب یہ ہے کہ اگر ہر شخص کو بلا واسطہ حق سبحانہ سے واسطہ ہوتا اور وہ بلا واسطہ کلام الٰہی کو سن سکتا جو کہ حرف وصوت سے منزہ ہے تو پھر حرف و صوت کا وجود ہی دنیا میں کاہے کو ہوتا۔ کیونکہ جسطرح تخلیق انسان سے مقصود اصلی عبادت ہی یوں ہی خلق اصوات وحروف سے مقصود اوامر ونواہی حق سبحانہ پر مطلع ہوتا ہے اور دیگر منافع اسکے تابع ہیں۔ پس جبکہ اصل مقصود ہی بدون انکے حاصل ہو جاتا تو انکی ضرورت ہی نہوتی۔ ونظیر هذا الاستلزام ما قال الله عز وجل ولو یؤاخذ الله الناس بظلمهم ما ترك على ظهرها من دابة یہانتک اس استطرادی مضمون کو ختم کر کے پھر مقولہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف عود کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ بھی فرمایا کہ اگرچہ وہ فانی فی الحق اور بیخود ہیں لیکن میرا معاملہ اس سے زیادہ نازک ہے۔ اسلئے میں باوجود اس اتحاد کے بھی ان سے اعانت نہیں چاہ سکتا۔ اور یہ مسلم ہے کہ انکا فعل گویا کہ خدا ہی کا فعل ہے لیکن تاہم وہ میری نظر میں پسندیدہ نہیں ہے کیونکہ یہ درخواست انکی بحیثیت واسطہ محض ہونے کے نہیں ہے بلکہ اسمیں گونہ استقلال کی شان ہے کیونکہ وہ یہ نہیں کہتے کہ حق سبحانہ نے مجھے حکم دیا ہے اگر ابراہیم چاہیں تو تم انکی اعانت کرو اور میں اسمیں واسطہ محضہ ہوں بلکہ وہ کہتے ہیں کہ اگر تم مجھ سے اعانت چاہو تو اعانت کروں گو وہ اس درخواست اور اعانت میں ماذون من اللہ ہیں مگر ماذون ہونا دوسری شئے ہے اور مامور ہونا اور چیز۔ اول میں وساطت وآلیت محضہ ہے اور ثانی میں گونہ استقلال کی شان ہے۔ اب مولانا فرماتے ہیں کہ صاحبو شاید تمہیں شبہ ہو کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حق سبحانہ کی اتنی بڑی نعمت کی قدر نہیں کی لیکن تمہیں واضح ہو کہ عوام اور عشاق میں زمین وآسمان کا تفاوت ہوتا ہے چنانچہ جو چیز عوام کے حق میں سراسر عنایت ہوتی ہے وہ عشاق کے حق میں قہر ہوتی ہے۔ یہ فرق آسانی سے سمجھ میں نہیں آسکتا بلکہ اسکے لئے بہت سے ریاضات ومجاہدات کی اور بہت سی تکلیفیں اٹھانے اور مصائب جھیلنے کی ضرورت ہے تاکہ یہ فرق سمجھ میں

آسکے اور تم جان سکو کہ واقعی اس واسطہ کا کلام جو گونہ استقلالی شان رکھتا ہو جیسے قصہ ندیم میں عماد الملک اور قصۂ حضرت ابراہیمؑ میں حضرت جبرئیل کما اوضحناہ۔ واصل الی المطلوب کے لئے نہایت ہی ناگوار ہوتا ہے۔ اگر ہم اس مضمون کو الفاظ میں بیان بھی کریں تب بھی تم نہیں سمجھ سکتے کیونکہ اس روح صافی (یعنی حقیقت واقعیہ) کے حروف سے پیدا یعنی ظاہر ہونے کیلئے بھی بہت سے مصائب اور تکالیف جھیلنے اور ان پر صبر کرنے کی ضرورت ہے اس سے تم کو بلاؤں اور مصیبتوں کا مفید اور نافع ہونا ظاہر ہو گیا۔ لیکن اسکے ساتھ ہی یہ بھی سمجھ لینا چاہئے کہ بلائیں ہر ایک کیلئے مفید نہیں ہوتیں بلکہ بعضے تو بوجہ صبر نہ کرنے اور شکوہ و شکایت کے پہلے سے بھی زیادہ بگڑ جاتے ہیں اور بعضے صبر و شکر کی بدولت پہلے سے زیادہ صاف ہو جاتے ہیں اسلئے بلاؤں اور مصائب کی ایسی مثال ہے جیسے آب نیل کہ وہ نیکبختوں کے لئے پانی ہے اور بدبختوں کیلئے خون۔ پس جو شخص جسقدر زیادہ انجام بیں ہوگا وہی مصائب میں زیادہ نیکبخت ہوگا کیونکہ قاعدہ ہے کہ جو منافع سے جسقدر زیادہ واقف ہوتا ہے اتنا ہی زیادہ کام میں کوشش کرتا ہے پس جسقدر کوئی شخص انجام بیں ہوگا اتنا ہی وہ بلاؤں پر صبر کرنے کے منافع اور نہ صبر کرنے کے مضرتوں سے زیادہ واقف ہوگا اور اسی قدر وہ صبر اور احتراز عن الجزع والفزع میں زیادہ سرگرم ہوگا لہذا اتنا ہی وہ زیادہ نیکبخت ہوگا۔ نیز وہ اسلئے بھی زیادہ نیکبخت ہوگا کہ دنیا مزرع آخرت ہے اور محل عمل ہے اور محشر منافع حاصل کرنے کا مقام ہے پس وہ دنیاوی مصالح پر منافع اخرویہ کو مقدم سمجھے گا اور یہ ہم نے کیوں کہا کہ دنیا مزرع آخرت ہے اسکی وجہ یہ ہے کہ کوئی عقد خود مقصود نہیں ہوتا بلکہ بجال منفعت ہوتا ہے علیٰ ہذا کوئی منکر اسلئے منکر نہیں ہوتا کہ یہ منکری ہی مقصود ہو بلکہ اس سے مقصود اسکو کوئی اور شئے ہوتی ہے۔ کبھی تو بنا بر حسد اپنے مخالف کو مغلوب کرنا ہوتا ہے۔ کبھی اپنا تفوق اور اپنا اظہار مد نظر ہوتا ہے وغیرہ وغیرہ اور یہ تفوق وغیرہ بھی خود مقصود نہیں ہوتا بلکہ اسمیں اور اغراض مستتر ہوتے ہیں کیونکہ صورتیں اور ظواہر بدون معانی اور مصالح کے لذت بخش نہیں ہوتیں اسلئے مقصودیت صور کیلئے ضرورت ہے کہ ان میں کچھ معانی و مصالح ہوں جو ان سے مقصود ہوں اور چونکہ صورتیں تیل کی طرح غیر مقصود لذاتہا اور مقصود لغیرہا ہیں اور معانی روشنی کی طرح خود مقصود ہیں اسی لئے جب کوئی شخص کام کرتا ہے تو تم کہتے ہو کہ یہ کام کیوں کرتے ہو

اور تمہارا یہ سوال اسکے فائدہ کے دریافت کرنے کیلئے ہوتا ہے کیونکہ بدون اس غرض کے یہ سوال بالکل بیہودہ ہے۔ اب اگر وہ فعل خود مقصود ہو اور اپنا فائدہ وہ ہی ہو تو تم فائدہ کیوں ڈھونڈھتے ہو پس جب یہ معلوم ہو گیا تو اس سے تم سمجھ سکتے ہو کہ یہ حکمت نہیں ہے کہ آسمان و اہل زمین خود مقصود ہوں بلکہ انکی خلقت سے مقصود کچھ اور ہے کیونکہ انکا بنانے والا حکیم ہے۔ کیونکہ اگر وہ حکیم نہ ہو تو یہ عجیب ترتیب اور ہر چیز کا ایک ضابطہ کے تحت داخل ہونا کیسا۔ اور اگر حکیم ہے تو فعل الحکیم لا یخلو عن الحکمۃ پس اسکا فعل منافع و حکم سے کیسے خالی ہو سکتا ہے دیکھو کوئی شخص نقش حمام کو بھی بدون کسی مقصد کے رنگین نہیں کرتا خواہ وہ مقصد درست ہو یا نادرست تو حق سبحانہ کی یہ تصویریں منافع و مقاصد سے کیسے خالی ہو سکتی ہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ اس عالم میں جو چیز بھی تم دیکھو وہ ایک معنی و حکمت کیلئے ہے۔ اور بیان اجمالی اسکا یہ ہے کہ آسمان وغیرہ سے انسان متمتع ہو اور انسان حق سبحانہ کی اطاعت کرے اور اسکی جزا پائے اور بصورت عصیان سزا پائے۔ اور اس مقصد کی تکمیل کیلئے حق سبحانہ نے اپنی حکمت کے اقتضا سے عالم وجود کو دو حصوں پر منقسم کیا ایک کو ان میں سے دارالامتحان بنایا اور دوسرے کو دارالجزاء۔ اول دنیا ہے۔ دوسرا آخرۃ۔ اس تفصیل سے ظاہر ہو گیا کہ دنیا مزرع آخرت ہے وھو المدعی۔

مطالبت کردن موسیٰؑ از حضرت عزت کہ لم خلقت خلقا فاهلکتہ وجواب آمدن از حضرت عزت

گفت موسیٰ اے خداوند حساب	نقش کردی باز چوں کردی خراب
نر و مادہ نقش کردی جانفزا	وانگہ ویراں کنی ایں راچرا
گفت حق دانم کہ ایں پرسش ترا	نیست از انکار و غفلت و زہوا
ورنہ تادیب و عتابت کردمے	بہر ایں پرسش ترا آزردمے
لیک میخواہی کہ در افعال ما	باز جوئی حکمت و سر قضا

تا ازاں واقف کنی مر عام را ‌‌ ‌‌ پختہ گردانی بدیں ہر خام را
قاصداً سائل شدی در کاشفی ‌‌ ‌‌ بہر عامہ ارچہ تو زاں واقفی
زانکہ نیم علم آمد ایں سوال ‌‌ ‌‌ ہر برونے را نباشد ایں مجال
ہم سوال از علم خیزد ہم جواب ‌‌ ‌‌ ہمچنانکہ خار و گل از خاک و آب
ہم ضلال از علم خیزد ہم ہدیٰ ‌‌ ‌‌ ہمچنانکہ تلخ و شیریں از ندیٰ
ز آشنائی خیزد ایں بغض و ولا ‌‌ ‌‌ وز غذائے خوش بود سقم و شفا
مستفید اعجمی شد آں کلیم ‌‌ ‌‌ تا عجمیاں را کند زاں سر علیم
ما ہم از وے اعجمی سازیم خویش ‌‌ ‌‌ پاسخش آریم چوں بیگانہ پیش
خرفروشاں خصم یکدیگر شدند ‌‌ ‌‌ تا کلید قفل آں عقد آمدند
پس بفرمودش خدا اے ذو لباب ‌‌ ‌‌ چوں بپرسیدی بیا بشنو جواب
موسیا تخمے بکار اندر زمیں ‌‌ ‌‌ تا تو خود ہم وادہی انصاف ایں
چونکہ موسیٰ کشت شد کشتش تمام ‌‌ ‌‌ خوشہایش یافت خوبی و نظام
داس بگرفت و مرآں را می برید ‌‌ ‌‌ پس ندا از غیب در گوشش رسید
کہ چرا کشتے کنی و پروری ‌‌ ‌‌ چوں کمالے یافت آں را می بری
گفت یارب زاں کنم ویران و پست ‌‌ ‌‌ کہ درینجا دانہ ہست و کاہ ہست
دانہ لائق نیست در انبار کاہ ‌‌ ‌‌ کاہ در انبار گندم ہم تباہ
نیست حکمت ایں دو را آمیختن ‌‌ ‌‌ فرق واجب میکند در بیختن

گفت ایں دانش تو از کہ یافتی	کہ بدانش بیدری برساختی
گفت تمیزم تو دادی اے خدا	گفت بس تمیز چوں نبود مرا
در خلائق روحہائے پاک ہست	روحہائے تیرہ و گلناک ہست
ایں صدفہا نیست دریک مرتبہ	دریکے درست و در دیگر شبہ
واجب ست اظہار ایں نیک و تباہ	ہمچنانکہ اظہار گندمہا ز کاہ
بہر اظہارست ایں خلق جہاں	تا نماند گنج حکمتہا نہاں
کنت کنزا گفت مخفیا شنو	جوہر خود گم مکن اظہار شو

اب ہم تمھیں ایک قصہ سناتے ہیں جس سے مخلوقات الٰہیہ میں حکمت کا ہونا معلوم ہو۔ وہ قصہ یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے حق سبحانہ سے عرض کیا کہ اے اللہ تونے اول ایک مخلوق کو پیدا کیا اور پھر اسے ہلاک کیا اسمیں کیا راز ہے۔ آپنے نہایت نفیس نفیس مرد اور عورتیں بنائے پھر آپ انکو کیوں ہلاک کرتے ہیں۔ حق سبحانہ نے اسکا جواب دیا کہ میں جانتا ہوں کہ تمھارا یہ سوال اعتراض اور جہالت اور ہوائے نفسانی کی بنا پر نہیں ہے اگر ایسا ہوتا تو بجائے جواب کے میں تمہیں سزا دیتا اور تم پر عتاب کرتا اور اس سوال کے جواب میں تمھیں سخت تکلیف پہونچاتا۔ لیکن میں جانتا ہوں کہ تم ہمارے افعال کی حکمتیں اور ہماری قضا کا راز تفصیلی طور پر اسلئے دریافت کرتے ہو تاکہ تم عوام کو معلوم کراؤ جو کہ ناواقف ہیں۔ اور اپنی جہالت کے سبب ہمارے افعال میں بیہودہ شکوک اور اوہام پیدا کرتے ہیں۔ اور اس ذریعہ سے تم اُن ناقصوں کو کامل کردو۔ اور اگرچہ تم اجمالاً ان حکمتوں سے واقف ہو۔ اور تم کو یقین ہے کہ ہمارا ہر فعل حکم و مصالح پر مشتمل ہے لیکن تم نے جانکر یہ سوال متعلق بکشف سر قضا عوام کی خاطر کیا ہے تمھارے واقف ہونے کی دلیل یہ ہے کہ خود تمھارا یہ سوال نصف علم ہے کیونکہ یہ ناشی ہے حکمتوں کے علم اجمالی سے اور جو بالکل ہی ناواقف ہو وہ ایسا سوال نہیں کرسکتا۔ اب مولانا فرماتے ہیں کہ شاید کسی کو شبہ ہو کہ جب علم تھا تو سوال کیسا یعنی کیا اسکا جواب یہ ہے کہ سوال علم کے منافی نہیں ہے بلکہ سوال بھی علم ہی سے پیدا ہوتا ہے کیونکہ طلب

مجہول مطلق محال ہے اور جواب بھی علم ہی سے پیدا ہوتا ہے پس ہر سوال مطلق علم کے منافی نہوا۔ بلکہ وہ سوال علم کے منافی ہے جو کہ اُس علم کی تحصیل کیلئے ہو جو حاصل ہے اور یہاں ایسا نہیں بلکہ علم متعلق ہے اجمالی حکم سے اور سوال ہے تفصیلی حکم کا اور علم ہی سے سوال وجواب دونوں کا پیدا ہونا ایسا ہے جیسا کہ مٹی اور پانی سے خار بھی ہوتے ہیں اور گل بھی حالانکہ دونوں متضاد ہیں اور گمراہی بھی علم ہی سے پیدا ہوتی ہے اور ہدایت بھی مگر فرق اتنا ہے کہ اول کا منشا جہل مرکب ہوتا ہے۔ اور دوسری کا یقین اور ہیں دونوں علم ہی کی قسمیں۔ اور یہ ایسا ہی ہے کہ جیسے تری ہی سے میوں میں تلخی بھی پیدا ہوتی ہے اور شیرینی بھی۔ نیز شناسائی ہی سے۔ عداوت بھی پیدا ہوتی ہے اور محبت بھی۔ اور عمدہ غذا ہی سے مرض بھی پیدا ہوتا ہے اور شفا بھی ان نظائر سے معلوم ہو سکتا ہے کہ ایک شئے منشاء ضدین ہو سکتی ہے پس اب یہ شبہ نہ رہا کہ علم تھا تو سوال کیوں کیا۔ یہانتک اس مضمون کو ختم کر کے پھر مضمون سابق بیان فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ حق سبحانہ نے فرمایا کہ ہمارے کلیم اسوقت ناواقف بنکر اسلئے حکم و مصالح دریافت کرتے ہیں تاکہ ناواقفوں کو اس راز سے آگاہ کریں۔ اچھا تو ہم بھی اپنے کو انجان بنائے لیتے ہیں اور ان کے ساتھ ایسا برتاؤ کرتے ہیں جیسا کہ کوئی سائل کو ناواقف سمجھکر اسے جواب دیتا ہے اور سائل کے علم سے ناواقف مجیب کی طرح جواب دیتے ہیں۔ یہ کہکر فرمایا کہ اچھا جب تمنے سوال کیا ہے تو اسکا جواب سنو۔ لیکن قبل اسکے کہ ہم جواب دیں ایک کام کرو وہ یہ کہ کھیتی کرو تاکہ تم اپنے دلمیں خود انصاف کر سکو کہ ہمارا یہ فعل بجا ہے یا بیجا۔ گو تم کو ہمارے جواب سے اسکے بدون بھی اطمینان ہو جائیگا مگر وہ اطمینان جو اس طریق سے ہوگا جو ہم نے تجویز کیا ہے اطمینان اول سے بڑھکر ہوگا۔ غرض کہ موسیٰ علیہ السلام نے کھیتی کی اور جب وہ مکمل ہو گئی اور اسکے خوشے اچھے اور درست ہو گئے۔ اسوقت انھوں نے درانتی (ہنسیا) لی اور اسکو کاٹ ڈالا اسپر غیب سے ندا آئی کہ اے موسیٰ کیا وجہ ہے کہ تم اول بوتے ہو اور اسکی پرورش کرتے ہو لیکن جب وہ کامل ہو جاتی ہے تو اسے کاٹ ڈالتے ہو۔ انھوں نے عرض کیا کہ میں اسے اسلئے اجاڑتا اور زمین پر گراتا ہوں کہ اسمیں دانہ بھی ہے اور بھوسا بھی اور دانہ کا بھوسے میں رہنا نامناسب ہے علیٰ ہذا بھوسہ بھی جب تک دانوں میں ملا ہوا ہے بیکار ہے اسلئے ان دونوں کا یکجا رہنا خلاف حکمت ہے۔ اس لئے بمقتضائے حکمت واجب ہے کہ انکو چھانکر جدا جدا کر دیا جاوے۔ اسپر حق سبحانہ نے دریافت کیا کہ یہ سمجھ تمھیں کس نے دی ہے جسکے ذریعہ

سے تم نے کھلیاں تیار کر لیا ہے انھوں نے کہا کہ یہ تمیز مجھے آپ ہی نے بخشی ہے۔ اسپر ارشاد ہوا کہ پھر یہ تمیز ہمیں کیوں نہ ہوگی اور جبکہ ہمیں تمیز ہے اور ہم نے دیکھا کہ مخلوق میں دو قسم کی روحیں ہیں کچھ پاک ہیں۔ اور کچھ مکدر اور آلودہ گل و منہمک فی الناسوت اور یہ سیپیاں ایک درجہ کی نہیں ہیں بلکہ کسی میں موتی ہے کسی میں پوتھ تو لازم ہوا کہ یہ بھلے برے جو اس دنیا میں مخلوط ہیں انکو جدا جدا کیا جاوے اور بھلوں کی بھلائی کو ظاہر کیا جاوے اور بروں کی برائی کو جسطرح کہ گیہوں انکو بھوسے سے جدا کیا جاتا ہے۔ اور اس غرض سے ہم نے انھیں ہلاک کیا۔ تاکہ ہم ایک گروہ کو دوزخ میں بھیجکر انکا نقصان ظاہر کریں اور دوسرے کو جنت میں داخل کر کے اسکا کمال واضح کریں اور جسطرح افنا واہلاک اظہار کیلئے ہے یوں ہی پیدائش بھی اظہار ہی کیلئے ہے۔ گو دونوں اظہاروں میں یہ فرق ہے کہ صورت اول میں اظہار کمال کاملین اور نقصان ناقصین ہے اور دوسری صورت میں اظہار خود اپنی اسماء و صفات کا ہے اور فرمایا کہ کنت کنزاً مخفیاً فاحببت ان اعرف فخلقت الخلق کو سنو جسکے یہ معنی ہیں کہ میں اسماء و صفات کا ایک مخفی خزانہ تھا اسلئے میں نے چاہا کہ میں جانا جاؤں اور ظاہر ہوں اسکے لئے میں نے مخلوق کو پیدا کیا اور اس سے سبق لو اور تمھارے اندر جو کمالات کامنہ ہیں انھیں گم نکرو بلکہ ظاہر کرو۔

بیان آنکہ روح حیوانی و عقل جزوی و وہم و خیال برمثال دوغ اند و روح و حیے کہ باقی ست دریں

جوہر صدقت خفی شد در دروغ	ہمچو طعم روغن اندر طعم دوغ
آں دروغت ایں تن فانی بود	راستت آں جان ربانی بود

دوغ ہمچوں روغن پنہاں ست

سالہا ایں دوغ تن پیدا و فاش	روغن جاں اندرو فانی و لاش

تا فرستد حق رسول بندهٔ — دوغ را در خمره جنبانندہ

تا بجنباند بهنجار و بفن — تا بدانم من که پنهان بود من

یا کلام بندهٔ کان جزو اوست — در رود در گوش آنکو وحی جوست

اذن مومن وحی ما را داعی است — آنچنان گوشے قرین داعی است

آنچنان که گوش طفل از گفت مام — پر شود ناطق شود او در کلام

ور نباشد طفل را گوش رشد — گفت مادر نشنود گنگے شود

دائما هر کر اصلے گنگ بود — ناطق آنکس شد که از مادر شنود

وانکه گوش کر و گنگ از آفتے است — زانکه در گوشش رشیده علتے است

که پذیرائے دم تعلیم نیست — لاجرم مر نطق را تسلیم نیست

آنکه بے تعلیم بد ناطق خداست — که صفات او ز علتها جداست

یا چو آدم کرده تلقینش خدا — بے حجاب مادر و دایه مرا

یا مسیحے که به تعلیم ودود — در ولادت ناطق آمد در وجود

از برائے دفع تهمت در ولاد — که نه زادست از زنا و از فساد

جنبشے بایست اندر اجتهاد — تا که دوغ آن روغن از دل باز داد

روغن اندر دوغ باشد چون عدم — دوغ در هستی بر آورده علم

آنکه هستت می نماید هست پوست — وانکه فانی می نماید اصل اوست

دوغ روغن ناگرفتست و کهن — تا نه بگزینی بنه خرجش مکن

ہیں بگردانش بہ نقش دستِ ست	تا نماید آنچہ پنہاں کردہ است
زانکہ ایں فانی دلیل باقی است	لابہ مستاں دلیل ساقی است
روغن اندر دوغ پنہاں می شود	ہرچہ می سازی تو اش آں می شود

یہاں سے مولانا مضمون ارشادی کی طرف انتقال فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تیرا جوہر صدق دروغ میں یوں مخفی ہے جسطرح کہ دہی میں گھی مخفی ہوتا ہے دروغ سے ہماری مراد تمھارا تن فانی ہے۔ اور صدق سے مراد جان ربّانی یعنی روح جسکو حق سبحانہ نے روحی یا من امر ربی فرمایا ہے یا جو اصالۃً متوجہ الی الحق ہے یہ دوغ تن بر سون ظاہر رہتا ہے اور روغن جان اسمیں بمنزلہ فانی اور لاشے کے مستور رہتی ہے یعنی احکام جسم غالب اور احکام روح مغلوب رہتے ہیں یہانتک کہ حق سبحانہ اپنے رسول کو بھیجتے ہیں جو اسکا مخلص بندہ ہوتا ہے اور جو کہ اس دہی کو بلو سکتا ہے تاکہ وہ اپنی قابلیت اور ہنر سے اسے یہانتک بلوئے یعنی وعظ و تلقین وغیرہ سے روح کو قوت دیکر غالب اور نفس کو مغلوب کرے کہ آدمی جان لے کہ جو کلمہ تکلم میں کا مصداق ہے (یعنی روح) وہ ہنوز مخفی تھا۔ اور اب ظاہر ہوا۔ ایک تو یہ صورت تھی۔ دوسری صورت یہ ہے کہ کسی ایسے بندہ کا کلام اسکے وحی جو اور قابل استماع للحق کان میں پہونچے جو اس نبی کے ساتھ اسقدر ارتباط رکھتا ہے جیسا کل سے جزو ان دونوں صورتوں سے جسم مغلوب ہوتا ہے اور روح غالب۔ اب سنو کہ وہ گوش وحی جو کسکا ہے اس کے متعلق حق سبحانہ فرماتے ہیں وتعیہا اذن واعیۃ جسکا حاصل یہ ہے کہ ہماری وحی کو اسی شخص کا کان سنتا ہے اور محفوظ رکھتا ہے جو مقدر الایمان ہے پس ایسا کان جیسا کہ حق سبحانہ کے کلام میں مراد ہے داعی الی الحق سے متصل ہوتا اور اسکے کلام کو بسمع قبول سنتا ہے (ھذا ھو المراد کلا تلتفت الی ما قال المحشون من غیر تدبر فی اسلوب الکلام) آدمی کی ایسی مثال ہے جیسے بچہ کے کان میں ماں کی گفتگو پہونچتی ہے تو وہ گویا ہوتا ہے اور اگر بچہ کے کان سالم عن الافتہ نہیں ہوتے تو وہ ماں کی گفتگو نہیں سنتا اور گونگا ہوتا جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ ہر مادرزاد بہرا گونگا ہوتا ہے اور بولتا وہی ہے جو ماں کا کلام سنتا ہے اور جسکے کان کسی آفت سے کسی آفت کے سبب بہرے ہیں اور وہ گونگا ہے اسلئے کہ اسکے کان کو کوئی ایسا مرض لاحق ہوگیا ہے جسکے سبب وہ کلام

اور تعلیم کو قبول نہیں کر سکتا ایسا شخص لامحالہ قابل گویائی نہوگا (وہذا وجہ بما قال ولی محمد) پس اگر انسان فطرت سلیمہ رکھتا ہے تو وہ اپنے معلموں (انبیا و اولیا) کی بات سنتا ہے اور اسمیں اس تعلیم کا اثر ظاہر ہوتا ہے۔ اور اگر فطرت سلیمہ نہیں رکھتا تو وہ ناقابل تعلیم ہوتا ہے اور اسمیں اس تعلیم کا کچھ اثر ظاہر نہیں ہوتا۔ اس بیان سے معلوم ہوا کہ جس طرح بچہ بدون ماں کی تعلیم کے گویا نہیں ہوسکتا یوں ہی آدمی بدون ہادی یعنی رسول یا اسکے نائب کے تعلیم کے حق نہیں معلوم کر سکتا پس ہر شخص کو قبول حق کیلئے ایک ہادی کی ضرورت ہے کیونکہ ہر بچہ کو ناطق ہونے کیلئے تعلیم مادر کی ضرورت ہے اور بدون تعلیم مادر کے جو ناطق ہے وہ یا تو خدا ہے کیونکہ اسکی صفات ذاتی ہیں اور کسی علت کی معلول نہیں ہیں یا آدم علیہ السلام ہیں جنکے معلم بلا توسط مادر و دایہ خود حق سبحانہ ہیں یا حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں جو کہ حق سبحانہ کی تعلیم سے پیدا ہوتے ہی بولنے لگے تھے جس سے انکی پیدایش کے متعلق تہمت کا دفع کرنا اور یہ ظاہر کرنا مقصود تھا کہ یہ زنا سے پیدا نہیں ہوئے۔ علیٰ ہذا سبکو تعلیم ہادی کی ضرورت ہے اور جو تعلیم سے منزہ ہے وہ حق سبحانہ ہے یا اُسکے برگزیدہ انبیا جنکو وہ خود بلا توسط انبیا تعلیم دیتا ہے۔ خیر یہ مضمون تو استطرادی تھا۔ اب سنو کہ ہم نے بیان کیا ہے کہ تمھارا تن دہی ہے اور روح روغن اور یہ روغن اس دہی میں مخفی ہے یعنی غلبہ آثار جسم سے آثار روح مغلوب ہو گئے ہیں پس تمکو چاہیے کہ اس روغن کو دہی سے جدا کرنے کی کوشش کرو۔ کیونکہ اس دہی کے روغن چھوڑنے کے لئے اور جسم پر روح کے غلبہ کے واسطے مجاہدات میں بہت بڑی سعی کی ضرورت ہے۔ دیکھو تم دہو کھا نہ کھانا اور یہ نہ سمجھنا کہ روح کوئی چیز نہیں فقط جسم ہی جسم ہے اسلئے کہ دہی میں گھی معدوم ہی معلوم ہوتا اور وجود دہی کا ظاہر ہوتا ہے لیکن وہ واقع میں معدوم نہیں ہوتا بلکہ جو تم کو موجود معلوم ہوتا ہے یعنی دہی وہ پوست ہے اور جو معدوم معلوم ہوتا ہے اصل وہی ہے۔ پس یہی حالت روح اور جسم کی ہے دیکھو ہم تمھیں متنبہ کرتے ہیں کہ اس دہی (جسم) میں روغن (روح) موجود ہے اور اس سے نکالا نہیں گیا۔ پس جب تک تم اسمیں سے روغن نہ نکال لو۔ اُسے رکھے رکھو اور خرچ مت کرو۔ یعنی جب تک روح کو غالب نہ کر لو۔ اسوقت تک نہ مرو۔ لیکن نہ مرنا تو اختیار میں نہیں اور موت کا کوئی وقت معین نہیں تو تم حتی الامکان اسکو غالب کرنے کی کوشش کرو۔ اور اس سے غافل نہو۔ بلکہ اسے مجاہدات و ریاضات سے خوب ہوشیاری سے بلوؤ

تاکہ یہ دہی جو جوہر اپنے اندر چھپائے ہوئے ہے اسے ظاہر کردے کیونکہ اس میں یہ روغن موجود ہے مگر مخفی ہے یہ دوغ فانی جسم اس روغن باقی روح کا پتہ دیتی ہے جسطرح ستون کی التجائیں ساقی کا پتہ دیتی ہیں۔ (اور وجہ دلالت یہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ حالت زندگی میں ان اجسام سے وہ آثار صادر ہوتے ہیں جو انسانوں کے علاوہ اور موجودات سے صادر نہیں ہوتے اور یہ آثار مرنے کے بعد صادر نہیں ہوتے حالانکہ جسم موجود ہوتا ہے تو معلوم ہوا کہ جسم کے علاوہ کوئی اور شے ہے جو ان آثار کا منشا ہے اور وہ روح انسانی ہے وھذا اوجہ مما قال بحر العلوم وولی محمد فانہ یدل علی مطلق الروح لا الروح الانسانی) اور اس روح میں استعداد کمال بوجہ اتم موجود ہے جیسے گھی دہی میں مخفی ہوتا ہے۔ اور تم اسکو جو غذا بنانا چاہو بن سکتا ہے۔ (ف روغن اندر دوغ الخ کو بعض محشین نے ملحقات سے لکھا ہے۔ اور میرا ذوق بھی یہی کہتا ہے کہ یہ ملحق ہے واللہ اعلم)

مثالِ دیگر ہم دریں معنی

ہست بازیہائے آں شیر علم
مخبرے از بادہائے مکتتم

گر نبودے جنبش آں بادہا
شیر مردہ کے بجستے در ہوا

زاں شناسی بادرا کہ آں صباست
یا دبور ست ایں بیان آں خفاست

ایں بدن مانند آں شیر علم
فکر می جنباند او را دمبدم

فکر کاں از مشرق آید آں صباست
وانکہ از مغرب دبور با وباست

مشرق ایں باد فکرت دیگر است
مغرب ایں باد فکرت زاں سر است

خور جماد ست و بود شرقش جماد
جان جان جان بود شرقش فواد

شرق خورشیدے کہ شد باطن فروز
قشر و عکس آں بود خورشید روز

زانکہ چوں مردہ بود تن بے لہب
پیش او نے روز بنماید نہ شب

ورنہ باشد آں چو باشد ایں تمام — بے شب و بے روز دار د انتظام

ہمچنانکہ چشم می بیند بخواب — بے مہ و خورشید و ماہ و آفتاب

نوم ما چوں شد اخ الموت اے فلاں — زیں برادر آں برادر را بداں

ور بگویندت کہ ہست آں فرع ایں — مشنو آنرا اے مقلد بے یقیں

می بہ بیند خواب جانت وصف حال — کہ بہ بیداری نہ بینی بیست سال،

در پے تعبیر آں تو عمرہا — میدوی سوئے شہاں باد ہا

کہ بگو آں خواب را تعبیر چیست — فرع گفتن اینچنیں سراسگی است

خواب عام ست ایں خود خواب خواص — باشد اصل اجتبا و اختصاص

پیل باید تا چو خسپد او ستاں — خواب بیند خطۂ ہندوستاں

خر نہ بیند ہیچ ہندستاں بخواب — خر ز ہندستاں نکردست اغتراب

جاں ہمچوں پیل باید نیک زفت — تا بخواب او ہند تاند رفت تفت

ذکر ہندستاں کند پیل از طلب — پس مصور گردد آں ذکرش بہ شب

اذکروا اللہ کار ہر اوباش نیست — ارجعی بر پائے ہر قلاش نیست

لیک تو آیس مشو ہم پیل باش، — ورنہ پیلے در پے تبدیل باش،

کیمیا سازان گردوں را بہ بیں، — بشنو از میناگران ہر دم طنیں،

نقش بندانند در جو فلک، — کار سازانند بہر لی و لک،

گر نہ بینی خلق مشکیں جیب را — بنگر اے شب کور ایں آسیب را

ہر دم آسیب است بر ادراک تو ‌ ‌ ‌ بنت نو نو رستہ بیں از خاک تو

زیں بد ابراہیم ادہم دید خواب ‌ ‌ ‌ بسط ہندستان دل را بے حجاب

لاجرم زنجیر ہا را بر درید ‌ ‌ ‌ مملکت برہم زد و شد ناپدید

آں نشاں دید ہندستان بود ‌ ‌ ‌ کہ جہد از خواب و دیوانہ شود

می فشاند خاک بر تدبیر ہا ‌ ‌ ‌ بر دراند حلقۂ زنجیر ہا

ترک گیرد ملک دنیا سربسر ‌ ‌ ‌ جملگی برہم در دبے دردسر

آنچنانکہ گفت پیغمبرؐ ز نور ‌ ‌ ‌ کہ نشانش آں بود اندر صدور

کہ تجافی جوید از دار الغرور ‌ ‌ ‌ ہم انابت آرد از دار السرور

بہر شرح ایں حدیث مصطفےٰؐ ‌ ‌ ‌ داستانی بشنو اے یار صفا

اب ہم دلالت جسم بر وجود روح کو تمھیں دوسری مثال سے سمجھاتے ہیں دیکھو شیر علم (جو کہ فقراکے جھنڈوں پر بنا ہوتا ہے) اسکی حرکات ہوائے غیر محسوس کا پتہ دیتی ہیں۔ کیونکہ اگر ہوا کی حرکت نہوتی تو بیجان شیر ہوا میں کیسے اچھلتا۔ پس اس سے تم ہوا کا وجود بھی جان لیتے ہو۔ اور یہ بھی جان لیتے ہو کہ وہ ہوا پروا ہے یا پچھوا۔ جب یہ معلوم ہوگیا تو اب سمجھو کہ یہ بدن بمنزلہ شیر علم کے ہے اور افکار مختصہ بانسان اسے دمبدم حرکت دیتے ہیں پس اسکی حرکت دلیل وجود افکار ہوئی اور افکار دلیل روح انسانی ہوئی۔ کیونکہ مبدا ان کا روح ہے جب یہ معلوم ہوگیا تو اب سمجھو کہ جو فکر مشرق سے آتا ہے وہ صبا ہے اور جو مغرب سے آتا ہے وہ مہلک دبور ہے جبکہ ہم نے افکار کے لئے مشرق و مغرب ثابت کی تو اب یہ بھی بتلا دینا ضرور ہے کہ اس ہوائے فکر کی مشرق وہ نہیں ہیں جو آفتاب حسی کی ہیں۔ بلکہ انکی مشرق و مغرب عالم غیب سے تعلق رکھتی ہیں (کیونکہ صبا کی مشرق قلب سلیم ہے اور دبور کی مغرب قلب سقیم۔ یا یوں کہو کہ مشرق سعادت ہے اور مغرب شقاوت ہے یا یوں کہو کہ مشرق وحی ہے اور مغرب نفس وجسم۔ وھو ضعیف بل باطل لانہ قال رضی اللہ عنہ "مغرب ایں باد فکرت زاں سرست" مجھے مشرق و مغرب باد فکر کی تعیین میں شرح صدر نہیں ہوا) جبکہ

سلسلۂ گفتگو بیان مشرق ومغرب خیالات تک پہونچا تو اب مولانا روح کی مشرق بیان فرماتے ہیں
جو کہ مبدأ خیالات ہے اور فرماتے ہیں کہ آفتاب حسی کی مشرق تو جماد ہے۔ مگر روح جو کہ نہایت ہی
عزیز ہے اسکی مشرق قلب ہے۔ کیونکہ اسکا نور قلب میں ظاہر ہوتا ہے اور اس آفتاب باطن افروز یعنی
روح کی تو شان نہایت ارفع ہے جو اسکی مشرق ہے یعنی قلب اسکا یہ آفتاب حسی عکس اور پوست ہے
(ف) شرق خورشیدے کہ الخ کی ترکیب میں دو احتمال ہیں۔ اول یہ کہ شرق الخ مبتدا ہو اور قشر الخ
خبر اور ضمیر آں کا مرجع ہو شرق کی طرف یا شرق خورشیدے کہ الی آخر البیت خبر مبتدا محذوف ہو
اور تقدیر یہ فواد شرق خورشیدے است کہ الخ یا بدل ہو۔ شرق یا فواد سے جو کہ بیت سابق میں واقع ہے
ان تمام صورتوں میں قشر الخ۔ صفت ثانیہ ہوگی خورشید کی وهذا التوجیه الصق بالسیاق)
مضمون سابق سے تفوق روح بر خورشید حسی مفہوم ہوا۔ سو وجہ اسکی یہ ہے کہ جب یہ جسم بے نور
مردہ ہو جاتا ہے تو اسکو نہ رات معلوم ہوتی ہے نہ دن۔ اسلئے اسکے حق میں انکا وجود وعدم برابر ہوتا ہے
کیونکہ آفتاب وماہتاب کا وجود اس حالت میں اسکے لئے کچھ مفید نہیں ہوتا۔ لیکن اگر آفتاب حسی
نہو اور خورشید باطن یعنی روح اپنے کمال نور کے ساتھ طالع ہو تو بدون چاند سورج کے اُس کے
افعال منتظم ہونگے۔ مثلاً خواب میں روح دیکھتی ہے۔ حالانکہ وہاں سورج اور چاند کو کچھ دخل نہیں
ہوتا۔ اس سے ثابت ہوا کہ روح بدون چاند اور سورج کے مفید ہے اور چاند اور سورج بدون روح کے
غیر مفید۔ پس تفوق ظاہر ہے۔ اب مولانا فرماتے ہیں کہ مشہور ہے النوم اخ الموت۔ پس نیند کا
حال تمھیں معلوم ہے کہ اسمیں روح بدون آفتاب و ماہتاب حسی کے کام کرتی ہے۔ اسی سے تم سمجھ
سکتے ہو کہ مرنے کے بعد بھی اُن کے بدون کام کرے گی۔ اسکے بعد مولانا ایک اشکال کو دفع کرتے
ہیں اور فرماتے ہیں کہ اگر لوگ تمھیں دہوکا دیں اور کہیں کہ خواب میں اشیاء کو دیکھنا فرع ہے بیداری
میں دیکھنے کی یعنی جو صورتیں بیداری میں معلوم ہوتی ہیں وہی خواب میں دکھائی دیتی ہیں۔ پس روح
کا بدون آفتاب و ماہتاب کے کام کرنا ثابت نہوا تو تم انکی اس تلبیس کو نہ سننا۔ کیونکہ خواب میں
تم ان اشیاء کا بھی مشاہدہ کرتے ہو جنکو بیس برس کوشش کرکے بھی نہیں دیکھ سکتے اور انکی غرابت
کی وجہ سے تم اہل علم وکمال کے پاس برسوں دوڑتے ہو اور کہتے ہو کہ حضرت اسکی تعبیر بتلا دیجئے یہ تو
نہایت ہی عجیب خواب ہے پس اسکو بیداری کے مشاہدہ کی فرع کہنا محض بکواس ہے۔ یہ تو عوام کے

خواب کی حالت ہے۔ رہا خواص کا خواب اُسکا تو کہنا ہی کیا ہے وہ تو سراسر برگزیدگی اور اختصاص و تقرب بحق ہوتا ہے۔ اور اسمیں اسکو وہ مخزونات اسرار معلوم ہوتے ہیں جنکا بیان نہیں ہوسکتا چونکہ اوپر خواص کے خواب کا ذکر آیا تھا اسلئے فرماتے ہیں کہ خوابہائے عالیہ دیکھنا اور عالم غیب و اسرار غیب کا مشاہدہ کرنا ہر شخص کا کام نہیں۔ بلکہ اسکے لئے پیل خصلت شخص ہونیکی ضرورت ہے اور ہاتھی ہونا چاہیئے تاکہ جب وہ چیت سوئے تو اُسے خواب میں ہندوستان دکھلائی دے کیونکہ گدہا خواب میں ہندوستان نہیں دیکھتا اور وجہ اسکی یہ ہے کہ وہ ہندوستان سے غائب ہی نہیں ہوتا جو اُسے ہندوستان یاد آئے۔ اور اُسے اُسکا شوق ہو۔ اور اسکی صورت اُسکے ذہن میں اس طرح متمم ہو کہ سوتے میں وہ اسے دکھائی دے یعنی عالم غیب کے مشاہدہ کیلئے ضرورت ہے اسکی کہ ہاتھی خصلت روح ہو۔ جو بیداری میں اپنے وطن اصلی یعنی عالم غیب کا دھیان رکھتی ہو۔ تاکہ خواب میں اسپر عالم غیب منکشف ہو اور وہ اسکے اسرار کا مشاہدہ کرے۔ ورنہ جو روح خر خصلت ہو اور عالم غیب کو یاد ہی نہیں کرتی وہ اسکا مشاہدہ نہیں کر سکتی۔ اب مولانا فرماتے ہیں کہ گو روح کا پیل خصلت بنجانا کوئی آسان کام نہیں کیونکہ ذکر الٰہی اور رجوع الی الحق جب سے روح پیل خصلت بن سکتی ہے ہر آوارہ اور شہدہ کا کام نہیں ہے۔ لیکن تم ناامید نہو اور ہاتھی بنو۔ اور اگر خود ہاتھی نہو سکو نہ سہی تم اپنے کو بدلنے کی کوشش کرتے رہو جو لوگ قلب ماہیت روح میں جسکو کیمیائے سعادی کہنا چاہیئے مہارت تامہ رکھتے ہیں۔ تم انکو دیکھو اور ان صناعوں کی آواز سنو۔ کیونکہ یہ نقاش جوف آسمان میں موجود ہیں اور ہماری تمھارے کارساز ہیں۔ یہ لوگ تمھاری قلب ماہیت کر کے تمکو ہاتھی یعنی پیل خصلت شخص بنا دینگے۔ لیکن اگر تم ان مشکین جیب مخلوق (اہل اللہ) کو نہیں دیکھ سکتے تو ان کے اس تصرف کو دیکھو کہ انکی صحبت میں تمھارے ادراک پر ہر دم ایک نیا اثر ہوتا ہے اور تمھارے خیالات میں انقلاب عظیم واقع ہوتا ہے کہ تمھارے اندر نئے نئے دینی خیالات پیدا ہوتے ہیں۔ کیونکہ اذا رؤا ذکر اللہ انکی شان ہوچکی پس تم اس ذریعہ سے انکو پہچانو۔ خیر تو اوپر تم کو معلوم ہوا ہے کہ روح کو ہاتھی بنانے والا ذکر اللہ ہے اب سمجھو کہ اسی ذکر اللہ کے سبب ابراہیم بن ادہم ہاتھی بنے اور خواب میں انھوں نے فراخی دل کے ہندوستان یعنی عالم غیب کی فراخی و وسعت کو بے حجاب دیکھا جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ زنجیروں کو توڑ ڈالا اور سلطنت کو تلپٹ کر کے غائب ہوگئے اس سے تم سمجھو کہ ہندوستان یعنی عالم غیب کے دیکھنے کا

اثر یہ ہوتا ہے کہ خواب غفلت سے بیدار ہو کر دیوانہ ہو جاتا ہے اور تدابیر محضہ پر خاک ڈالکر توکل و تفویض جائز اختیار کرتا ہے اور سلاسل تعلقات دنیویہ کو توڑ پھوڑ کر رکھدیتا ہے اور اگر تمام دنیا کا بادشاہ بھی ہوتا ہے تو اسپر بھی لات مارتا ہے۔ اور بے زحمت سب کو تلپٹ کر دیتا ہے اسکی حالت ویسی ہی ہوتی ہے جیسی کہ جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے نور کی حالت بیان فرمائی ہے کہ اسکی نشانی سینوں کے اندر یہ ہوتی ہے کہ دنیا سے بعد چاہتا ہے اور عالم بقا کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ اچھا اس حدیث کی تشریح کے لئے ایک قصہ سنو۔

حکایت آں پادشاہزادہ کہ پادشاہے حقیقی بوی روئے نمود ویوم یفر المرء من اخیہ نقد وقت او شدہ پادشاہی ایں خاک تودہ کہ کودک طبعان قلعہ گیری نام کنند آں کودکے کہ چیرہ آید برسر خاک تودہ برآید و لاف زند کہ قلعہ مراست کودکان دیگر بروے رشک برند کہ التراب ربیع الصبیان آں پادشاہزادہ چوں از قید رنگہا گفت من ایں خاکہائے رنگیں را ہماں تودۂ خاک دون میگویم و زر و اطلس و اکسون نمیگویم ازیں اکسوں رہزن جستیم و بیک ہو جستیم و اٰتیناہ الحکم

صبیا و ارشاد حق را مرور سالہا حاجت نیست در قدرت کن فیکون کس سخن از قابلیت نگوید

پادشاہے داشت یک زیبا پسر
ظاہر و باطن مزین از ہنر

خواب دید او کان پسر ناگہ بمرد
صافی عالم بران شہ گشت درد

خشک شد از تاب آتش مشک او
کہ نماند از تف آتش اشک او

آنچناں پر شد ز دود و درد شاہ
کہ نمی یابید در وے راہ آہ

خواست مردن قالبش بیکار شد
عمر ماندہ بود شہ بیدار شد

شادی آمد ز بیداریش پیش
کو ندیدہ بود اندر عمر خویش

کہ ز شادی خواست ہم فانی شدن
پس مطوق آمد اینچناں با بدن

از دم غم می بمیرد ایں چراغ
وز دم شادی بمیرد اینت لاغ

درمیاں ایں دو مرگ او زندہ است
ایں مطوق شکل جائے خندہ است

شاہ با خود گفت شادی را سبب
آنچناں غم بود از تسبیب رب

ایں عجب یک چیز از یک روئے مرگ
واں ز یک روئے دگر احیا و برگ

آں یکے نسبت بداں حالت ہلاک
باز ہم از سوئے دیگر امتساک

شادی تن سوئے دنیاوے کمال
سوئے روز عاقبت نقص و زوال

خندہ را در خواب ہم تعبیر خواں
گریہ گوید با دریغ و اندہاں

گریہ را در خواب شادی و فرح | ہست در تعبیر اے صاحب مرح
شاہ اندیشید کایں غم در گذشت | لیک جان از جنس ایں بد ظن گشت
ور رسد خارے چنیں اندر قدم | گر رود گل یادگارے بایدم
چشم زخمی زیں مبادا کہ شود | یادگارے بایدم گر او رود
چوں فنا را شد سببہا منتہا | پس کدامیں راہ را بندیم ما
صد دریچہ و در سوئے مرگ لدیغ | میکند اندر گشادن ژیغ ژیغ
ژیغ ژیغ تلخ آں درہائے مرگ | نشنود گوش حریص از حرص برگ
از سوئے تن دردہا بانگ درست | وز سوئے خصمان جفا بانگ درست
ہیں برو برخواں کتاب طب را | تا شمار ریگ بینی رنجہا
اے پسر برخواں دوئے فہرست طب | نار علتہا نظر کن ملتہب
زاں ہمہ برتن دریں خانہ رہ است | ہر دو گامے پر ز گژدم ہا چہ است
باد تند است و چراغم ابترے | زو بگیرانم چراغے دیگرے
تا بود کز ہر دو یک وافی شود | گر بباد آں یک چراغ از جا رود
ہمچو عارف از تن ناقص چراغ | شمع دل افروخت از بہر فراغ
تا کہ روزے کایں بمیرد ناگہاں | پیش چشم خود نہد او شمع جاں
او نکرد ایں فہم پس داد از غرر | شمع فانی را بفانی دگر
چارہ اندیشید لیکن چارہ نے | گفت باخود نیست بیروں رفتنے

ایک بادشاہ کے ایک نہایت حسین لڑکا تھا جسکا ظاہر و باطن کمال سے لبریز تھا- ایک روز اُس بادشاہ نے خواب دیکھا کہ شہزادہ دفعتہً مرگیا- یہ دیکھکر یہ صاف عالم اسکی نظر میں مُکدّر ہوگیا- اور آتش غم کی گرمی سے اسکی آنکھیں خشک ہوگئیں- یعنی اس گرمی کے سبب اسکی آنکھوں میں سے آنسو خشک ہوگئے اور یہ حالت ہوگئی کہ وہ رونا چاہتا تھا مگر آنسو نہ نکلتے تھے اور دود غم سے وہ بادشاہ یوں پُر ہوگیا کہ آہ کے نکلنے کو رستہ نہ رہا اسکا جسم معطل ہوگیا اور وہ مرنے کو ہوگیا- لیکن ابھی عمر باقی تھی اسلئے آنکھ کھلگئی جب وہ بیدار ہوا اور اپنے بچہ کو صحیح و سالم دیکھا تو اُسے اتنی خوشی ہوئی کہ عمر بھر میں کبھی نہ ہوئی تھی یعنی مارے خوشی کے مرنے کو ہوگیا- اب مولانا فرماتے ہیں کہ یہ جسم تو روح کیلئے طوق یعنی وبال جان ہوگیا- کہ اُس بیچاری کو کسی حالت میں بھی چین نہیں کیونکہ یہ چراغ خوشی کی پھونک سے بھی گُل ہو جاتا ہے اور رنج کی پھونک سے بھی یہ عجیب دل لگی ہے اور دونوں میں گھر کر زندہ ہے اس گھیرے دار شکل پر اور بھی ہنسی آتی ہے خیر یہ تو ہو چکا اب سنو کہ بادشاہ نے اپنے دل میں کہا کہ حق سبحانہ کی بھی عجیب قدرت ہے کہ اُسنے غم کو جو موت کے سبب خواب میں ہوا تھا اُس خوشی کا سبب بنادیا جو بیداری کے بعد ہوئی اور وہ اس کا سبب ہوگیا- یہ عجیب بات ہے کہ ایک ہی شئے ایک جہت سے موجب فنا ہے اور دوسری جہت سے موجب زندگی کیونکہ وہ غم خواب حالاً موجب موت تھا اور مآلاً سبب حیات ہوگیا- اب مولانا فرماتے ہیں کہ یہی حالت فرحت نفسانی کی ہے کہ دنیاوی لحاظ سے موجب کمال ہے اور آخرت کے اعتبار سے موجب نقصان و زوال- اور یہ کچھ بعید نہیں کہ دنیا خواب ہے- اور خواب کی ہنسی کی تعبیر معبّرین نہایت رنج اور افسوس کیساتھ رونا دیتے ہیں اور اسکے برعکس غم نفسانی کی یہ حالت ہے کہ وہ دنیاوی لحاظ سے نقصان ہوتا ہے اور اُخروی اعتبار سے کمال- چنانچہ معبّرین گریۂ خواب کی تعبیر خوشی دیتے ہیں- خیر یہ مضمون تو استطرادی تھا- اب سنو کہ بادشاہ نے سوچا کہ یہ واقعہ تو ہوچکا لیکن اس واقعہ سے میرا دل بدظن ہوگیا- اور خیال ہوتا ہے کہ اگر ایسا کانٹا کبھی پاؤں میں چُبھ جائے اور میرا پھول ضائع ہو جاوے تو کیا بعید ہے اسلئے مجھے کوئی یادگار ضرور چاہئے- خدا نہ کرے کہ میری آنکھ اس خار سے زخمی ہو مگر یادگار کوئی حاصل ضرور کرلینی چاہئے- کیونکہ موت کے اسباب تو بیحد ہیں پھر ہم کس کس رستہ کو بند کریں گے اب مولانا فرماتے ہیں کہ ڈنک مارنے والی موت کے سیکڑوں دروازے اور کھڑکیاں ہیں جو کہ کھولنے میں چوں چوں بولتی ہیں- لیکن جو لوگ حریص سازو سامان دنیا ہیں وہ اپنے حرص کی وجہ سے اس چوں چوں کو سن نہیں سکتے- تم جانتے ہو کہ وہ چوں چوں کیا ہے- جہت جسم سے تو تکالیف جسمانیہ وہ چوں چوں ہیں- اور

دشمنوں کی جانب سے ظلم چوں چوں ہے۔ اب اگر تمہیں جسمانی چوں چوں کی مقدار دیکھنی ہو تو جاکر کتب طبیہ کو پڑھو۔ اس سے تمکو اتنی بیماریاں معلوم ہونگی جتنے ریت کے ذرّے (مُراد محض کثرت ہی) دیکھو تم کتب طبیہ میں بیماریوں کی فہرست پڑھو اور دیکھو کتنی بیماریوں کی آگ مشتعل ہے اور یاد رکھو کہ ان تمام امراض سے موت کیلئے آدمی تک پھونچنے کا خانۂ تن میں رستہ ہی اور ہر دو قدم پر پھوڑوں سے لبالب کنواں ہی۔ یہاں تک اس مضمون کو ختم کرکے پھر مقولہ شاہ کی طرف عود کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ بادشاہ نے کہا کہ آندھی تیز ہے یعنی حوادث بکثرت ہیں اور میرا چراغ (بیٹا) ہنوز مُنقطِعُ النَّسل ہے اسلئے چاہئے کہ میں اس سے ایک اور چراغ روشن کرلوں۔ تاکہ اگر صرصر حوادث سے یہ چراغ گُل ہو جاوے تو دونوں چراغوں میں سے ایک چراغ کافی ہو۔ اس بادشاہ کی یہ تدبیر ایسی ہی تھی جیسے عارف کی کہ اپنے تن ناقص اور فانی چراغ سے اپنی طمانیت اور دلجمعی کیلئے شمع دل روشن کرلیتا ہی تاکہ اگر یہ اچانک مرجاوے تو وہ شمع جان اپنے سامنے رکھ لے۔ لیکن اُس نے یہ نکتہ نہیں سمجھا اور ایک فانی کو دوسرے فانی کے معاوضہ میں بھیجڑالا اور بیٹے کے بدلہ میں پوتے کے رکھنے کی تدبیر جو کہ خود بھی فانی ہی اسلئے اسنے تدبیر تو سوچی لیکن جو تدبیر اسنے سوچی وہ تدبیر نہ تھی اور ہوتی کیونکر اسلئے کہ وہ خودی میں مبتلا تھا اور جو خودی میں مبتلا ہو اسکا یہاں پیچ سے نکلنے کا ذریعہ نہیں ہوسکتا۔

زن خواستن جہت فرزند بامید آنکہ لنسل بماند

پس عروسی خواست باید بہر او	تا بماند زیں تزوج لنسل زو
گر رود سوئے فنا ایں باز باز	فرخ او گردد ز بعد باز باز
صورت ایں باز گر زینجا رود	معنی او در ولد باقی بود
بہر ایں فرمود آں شاہ نبیہ	مصطفے کہ الولد سر لابیہ
بہر ایں معنی ہمہ خلق از شغف	می بیاموزند طفلاں را حرف
تا بماند آں معانی در جہاں	چوں شود آں قالب ایشاں نہاں
حق بحکمت حرص شاں داد ست جد	بہر رشد ہر صغیر مستعد

من ہم از بہر دوام نسل خویش	جفت خواہم پور خود را خوب کیش
دخترے خواہم ز نسل صالحے	نے ز نسل پادشاہے طالحے
شاہ خود آں صالح ست آزادہ اوست	نے اسیر حرص و فرج ست و گلوست
مر اسیراں را لقب کردند شاہ	عکس چوں کافور نام آں سیاہ
شد مفازہ بادیہ خونخوارہ نام	نیک بخت آں پیس را گویند عام
بر اسیر شہوت و حرص و امل	بر نوشتہ میر یا صدر اجل
آں اسیراں اجل را عام داد	نام امیراں اجل اندر بلاد
صدر خوانندش کہ در صف نعال	جان او بستہ است یعنی جاہ و مال

خیر تو بادشاہ نے یہ تجویز کی کہ اسکے لئے کوئی دُلھن تلاش کرنی چاہئے تاکہ اس شادی سے اُسکی نسل باقی رہے اور اگر یہ باز (شہزادہ) مر بھی جائے تو اس کا بچہ اسکی جگہ باز ہو اور اگر اس باز کی صورت دنیا سے اُٹھ جائے تو بچہ کے ضمن میں اسکے معنے باقی رہیں۔ اب مولانا فرماتے ہیں کہ اسی لئے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ الولد سر لابیہ اور اسی لئے لوگ فرط شوق سے بچوں کو پیشہ سکھاتے ہیں تاکہ جب انکی صورت کتم عدم میں مخفی ہو جاوے تو وہ کمال ان کا دنیا میں باقی رہے۔ اور یہ حرص حق سبحانہ نے انکو اپنی حکمت سے اُسلئے دی ہے کہ قابلیت رکھنے والے بچے ٹھیک ہو جاویں۔ کیونکہ اگر یہ بات نہ ہوتی تو لوگ تعلیم میں نہایت بخل کرتے۔ اور ہرگز اسے گوارا نہ کرتے کہ مشقت اُٹھا کر اس کمال میں اپنا شریک تیار کریں۔ خیر تو یہ سوچکر بادشاہ نے کہا کہ میں بھی اپنی نسل کے بقا کے لئے کوئی نیک سیرت بیوی تلاش کروں گا۔ اور لڑکی کسی بزرگ کی اولاد سے لونگا نہ کہ کسی بدکار بادشاہ کی نسل سے۔ اب مولانا فرماتے ہیں کہ بادشاہ اور آزاد تو بزرگ ہے نہ کہ وہ جو خواہشات نفسانیہ مثل شہوت اور اکل و شرب کا پابند ہو لوگوں نے برعکس نہند نام زنگی کافور قیدیوں کا نام بادشاہ رکھ لیا ہے جیساکہ خونخوار جنگل کا نام مفازہ یعنی مقام کامیابی وحصول مراد ہو گیا ہے۔ یا بدبخت دینار کا نام خوش نصیب اور صاحب اقبال

رکھ لیا گیا ہے۔ اسی طرح شہوت و حرص اہل کے پابند کو امیر یا صدر اعظم لکھتے ہیں۔ اور ان موت کے قیدیوں کو عوام نے امیران اعظم لقب دیا ہے اور اسے صدر انجمن کہتے ہیں جبکی جان جوتیوں کی صف یعنی جاہ و مال میں محبوس ہے

اختیار کردن پادشاہ دختر زاہد را از جہت پسر و اعتراض کردن اہل بیت و ننگ داشتن از پیوند درویشاں

این سخن را نیست پایاں خواست جفت
بہر پور خویشتن شہ از نہفت

شاہ چوں با زاہدے خویشی گزید
این خبر در گوش خاتوناں رسید

مادر شہزادہ گفت از نقص عقل
شرط کفو بیت بود در عقل و نقل

تو ز شح و بخل خواہی و ز دہا
تا بہ بندی پور ما را بر گدا

گفت صالح را گدا گفتن خطا است
کو غنی القلب از داد خدا است

در قناعت می گریزد از تقا
نز لئیمی و کسل ہمچوں گدا

قلتے کاں از قناعت و ز تقاست
آں ز فقر و علت دوناں جداست

حبۂ آں گر بیابد سر نہد
ویں ز گنج زر بہمت می جہد

شہ کہ او از حرص قصد ہر حرام
می کند او را گدا گوید ہمام

گفت کو شہر و قلاع او را جہیز
یا نثار گوہر و دینار ریز

گفت رو ہر کو غم دین برگزید
باقی غمہا خدا از وے برید

غالب آمد شاہ و بستد دخترے
از نژاد صالحے خوش جوہرے

در ملاحت خود نظیر خود نداشت
چہرہ اش تاباں تر از خورشید چاشت

حسن دختر ایں خصائلش آنچناں	کز نکوئی می نہ گنجد درمیاں
صید دیں کن تا رسد اندر تبع	حسن و مال و جاہ و بخت منتفع
آخرت قطار اشتر داں عمو	در تبع دنیاش ہمچوں پشک و مو
پشم بگزینی شتر نبود ترا	ور بود اشتر چہ قیمت پشم را

خیر یہ گفتگو تو ختم نہ ہوگی اب تم قصہ سنو بادشاہ نے شہزادہ کا خفیہ ہی خفیہ ایک بزرگ کے یہاں رشتہ کردیا جبکہ بادشاہ نے ایک فقیر رشتہ داری قائم کرلی تو یہ خبر شدہ شدہ بیگموں کے کانوں میں پہونچی شہزادہ کی ماں نے نقصان عقل کے سبب بادشاہ سے کہا کہ کفویت عقلاً بھی شرط ہے اور نقلاً بھی لیکن تم اپنی کنجوسی اور بخل اور سیانے پن سے چاہتے ہو کہ میرے بچہ کو ایک گدا کے سر منڈھ دو۔ اسپر بادشاہ نے کہا کہ ایسا نہ کہو ایک بزرگ شخص کو گدا کہنا غلطی کی بات ہے کیونکہ وہ تو بخشش حق سبحانہ کی وجہ سے غنی القلب ہوتا ہے اور وہ پرہیز گاری کے سبب قناعت اختیار کرتا ہے نہ کہ گداؤں کی طرح قناعت و دنائت طمع اور کاہلی سے اور جو مال کی کمی قناعت اور تقوے کے سبب ہے وہ کمینوں کے فقر اور قناعت سے جُدا گانہ ہے کیونکہ ایک منشا تقوی ہے اور دوسرے کا کسل اور دنائت۔ اسی لئے گدا کو اگر ایک حبہ بھی ملجاتا ہے تو وہ دینے والیکو سجدہ کرتا ہے اور صالح اپنی عالی ہمتی سے خزانہ پر لات مار کر الگ ہوجاتا ہے۔ اور بادشاہ جو کہ حرص کے سبب کسی حرام مال کو نہیں چھوڑتا عالی حوصلہ اشخاص اسکو بھی گدا ہی کہتے ہیں اسپر بیوی نے کہا کہ اسکے پاس کون سے شہر اور قلعے ہیں جو وہ لڑکی کو جہیز میں دیگا اور کون سے موتی اور اشرفیاں ہیں جنکو شادی کے وقت نچھاور کریگا اور بکھیرے گا۔ اسپر بادشاہ نے کہا جاؤ بھی جسنے غم دین اختیار کرلیا حق سبحانہ اُس سے تمام افکار کو چھڑا دیتے ہیں اور چونکہ مجھے دین کی فکر ہے اس لئے مجھے نہ دولت کی جستجو ہے نہ جاہ کی۔ الغرض بادشاہ غالب رہا اور اس نے اس بزرگ اور شریف آدمی کی لڑکی لیلی یہ لڑکی نمکینی میں اپنا جواب نہ رکھتی تھی اور اس کا چہرہ حُسن کے سبب شمس الضحی سے زیادہ روشن تھا۔ غرض کہ اس لڑکی کے حُسن کی تو یہ حالت تھی اور خصائل حمیدہ ایسے تھے کہ انکی خوبی بیان سے باہر ہے۔ اب مولانا فرماتے ہیں کہ دین حاصل کرنا چاہئے تاکہ حُسن اور مال اور جاہ اور خوش اقبالی جس سے نفع اُٹھاؤ اسکے تابع ہوکر حاصل ہو جاویں اور آخرت کو ایسا سمجھو جیسے اونٹوں کی قطار۔ اور دنیا اسکے

تو پیچھے ایسی ہے جیسے مینگنیاں اور بال۔ پس اگر تم اُن کو لیلو تو اونٹ تمہیں نہ ملیں گے۔ اور اگر اونٹ لے لو تو پھر اُن کی کچھ بھی وقعت نہیں۔

جادوئے کردن کمپیرک و فریفتہ شدن شہزادہ

چوں بر آمد ایں نکاح آں شاہ را | با نژادِ صالحان و اولیا

از قضا کمپیرک جادو کہ بود | عاشق شہزادہ با حسن وجود

جادوئے کردش عجوزِ کابلے | کہ برو زاں رشک سحر بابلے

شہ بچہ شد عاشق کمپیر زشت | تا عروس و آں عروسی را بہشت

یک سیہ دیوے و کابولی زنے | گشت بر شہزادہ ناگہ رہزنے

زاں سیہ روئے خبیث نابکار | گشت آں شہزادہ مدہوش و نزار

آں نود سالہ عجوز گندہ پیر | نے خرد ہشت آں ملک را نے ضمیر

تا بسالے بود شہزادہ اسیر | بوسہ جایش نعل کفش گندہ پیر

صحبت کمپیر او را می ربود | تا زکاہش نیم جانے ماندہ بود

دیگراں از ضعف وے با دردِ سر | او ز سکر سحر از خود بیخبر

ایں جہاں بر شاہ چوں زنداں شدہ | ویں پسر بر گریہ شاں خنداں شدہ

شاہ بس بیچارہ شد در بردومات | روز و شب میکرد قربان و زکوۃ

زانکہ ہر چارہ کہ می کرد آں پدر | عشق کمپیرک ہمی شد بیشتر

پس یقیں گشتش کہ مطلق آں سریست | چارہ او را بعد ازیں لابہ گریست

سجدہ می کرد او کہ ہم فرماں تراست	غیر حق بر ملک حق فرماں کراست
لیکن این مسکیں ہمی سوزد چو عود	دست گیرش اے رحیم و اے ودود

جب شہزادہ کا عقد دختر صلحا و اولیا کے ساتھ ہو گیا تو اتفاق یہ ہوا کہ ایک بڑھیا جادوگرنی جو اس حسین شہزادہ پر عاشق تھی اس نے اس پر ایسا سخت جادو کیا کہ سحر بابل بھی جس پر رشک کرے۔ اسکے ایسا کرنے سے شہزادہ اس بدصورت بڑھیا پر عاشق ہو گیا جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ اُس نے دُلھن اور شادی سبکو بالائے طاق رکھدیا غضب ہے کہ ایک کالی دیونی اور کابلی عورت نے شہزادہ کا راہ مار دیا۔ اور اس سیہ رو خبیث اور نابکار کے سبب شہزادہ مدہوش اور نزار ہو گیا۔ اور اس نوّے برس کی بڑھیا نے شہزادہ کی عقل چھوڑی نہ دل بلکہ دونوں اُڑا لیگئی۔ القصہ شہزادہ ایک سال تک اسکے پھندے میں پھنسا رہا۔ اور حالت یہ تھی کہ اسکی جوتیاں چومتا تھا اور اس بڑھیا کی صحبت اسے فنا کر رہی تھی۔ یہانتک کہ گھٹتے گھٹتے نیم جان ہو گیا تھا۔ دوسری لوگوں کو تو اسکے ضعف سے تکلیف تھی مگر اسکو جادو کے نشہ سے اپنی بھی خبر نہ تھی۔ یہ حالت دیکھکر بادشاہ پر دنیا جیلخانہ ہو گئی تھی اور شہزادہ کو اسکے رونے پر ہنسی آتی تھی۔ بادشاہ اس بر دومات میں بہت رنج ہو گیا تھا۔ اور رات دن شہزادہ کی خلاصی کے لئے قربانیاں کیا کرتا تھا۔ اور صدقے دیا کرتا تھا اور وجہ یہ تھی کہ وہ جو تدبیر عشق کے دور کرنے کی کرتا تھا اس سے شہزادہ کا عشق اُس بڑھیا پر اور بڑھتا تھا بالآخر اسے یقین ہو گیا کہ یہ محض خدا کی طرف سے ہے اور اس کا علاج بجز اسکے کچھ نہیں کہ حق سبحانہ کی درگاہ میں دعا کیجاوے جب وہ یہ سمجھ گیا تو وہ سجدہ میں پڑ کر کہتا تھا کہ آپ حاکم ہیں اور آپکے سوا آپکے ملک میں کس کا حکم چل سکتا ہے لیکن یہ خاکسار عود کی طرح جلتا ہے۔ پس اے رحیم اور اے ودود آپ اس بیچارہ کی دستگیری کیجئے

مستجاب شدن دعائے بادشاہ در خلاص پسر از جادوئے

تا زیارب یارب و افغان شاہ	ساحرِ استاد پیش آمد ز راہ
او شنیدہ بود از دور این خبر	کہ اسیر پیرہ زن گشت آں پسر
کان عجوزہ بود اندر جادوئی	بے نظیر و ایمن از مثل و دوئی

دست بر بالائے دست اے فتے ‏ ‏ ‏ در فن و در زور تا ذات خدا

منتہائے دستہا دست خداست ‏ ‏ ‏ بحر بیشک منتہائے جویہاست

ہم ازو گیرند مایہ ابرہا ‏ ‏ ‏ ہم بدو باشد نہایت سیل را

گفت شاہش کایں پسر از دست رفت ‏ ‏ ‏ گفت اینک آمدم درمانِ زفت

نیست ہمتا زال را زیں ساحراں ‏ ‏ ‏ جز من واہی رسیدہ زاں کراں

چوں کف موسی بامر کردگار ‏ ‏ ‏ نک برآرم من ز سحر او دمار

کہ مرا ایں علم آمد زاں طرف ‏ ‏ ‏ نے ز شاگردے سحر مستخف

آمدم تا بر کشایم سحر او ‏ ‏ ‏ تا نماند شاہزادہ زرد رو

سوئے گورستاں برو وقت سحر ‏ ‏ ‏ پہلوئے دیوار ہست اسپید گور

سوئے قبلہ باز کاواں جائے را ‏ ‏ ‏ تا بہ بینی قدرت و صنع خدا

بس درازست ایں حکایت تو ملول ‏ ‏ ‏ زبدہ را گویم رہا کردم فضول

سوئے گورستاں برفت آں شاہ زود ‏ ‏ ‏ گور را آں شاہ آں دم برکشود

جادوئیہا دید پنہاں اندرو ‏ ‏ ‏ صد گرہ بر بستہ بد یکتا رمو

واں گرہ ہائے گراں را بر کشاد ‏ ‏ ‏ پس ز زحمت پور شہ را راہ داد

آں پسر با خویش آمد شد دواں ‏ ‏ ‏ سوئے تخت شاہ با صد امتحاں

سجدہ کرد و بر زمیں می زد ذقن ‏ ‏ ‏ در بغل کردہ پسر تیغ و کفن

شاہ آئیں بست واہل شہر شاد ‏ ‏ ‏ واں عروسِ ناامید و بے مراد

عالم از سر زنده گشت و با فروز — اے عجب آں روز روز امروز روز

یک عروسے کرد شاہ او را چناں — کہ جلاب و قند بد پیش سگاں

جادوئے کمپیر از غصہ بمرد — روئے و خوئے زشت با مالک سپرد

شاه آئیں بست و آمد در نیاز — راز گفتے با خدائے کار ساز

شاہزاده در تعجب مانده بود — کز من او عقل و نظر چوں در ربود

نو عروسے دید ہمچوں ماه حسن — کہ ہمی زد بر ملیحاں راه حسن

گشت بیہوش و برو اندر فتاد — تا سہ روز از صدر او گم شد فواد

شاه بار روز او ز خود بیہوش گشت — تا کہ خلق از غشئ او پر جوش گشت

از گلاب و از علاج آمد بخود — اندک اندک فہم گشتش نیک و بد

بعد سالے شاه گفتش در سخن — کاے پسر یاد آر ازاں یار کہن

یاد آور زاں ضجیع و زاں فراش — تا بدیں حد بیوفا و مر مباش

گفت رو من یافتم دار السرور — وا رہیدم از چہ از دار الغرور

ہمچناں باشد چو مومن راه یافت — سوئے نور حق ز ظلمت روئے تافت

مخلص ایں قصہ بر گوئیم تمام — تا بدانی مقصد و خود و السلام

اسکی دعاؤں اور نالہ وزاری کا یہ نتیجہ ہوا کہ ایک جادوگر کہیں سے آنکلا۔ اُس نے دور سے یہ خبر سنی تھی کہ شہزاده ایک بڑھیا کے پھندے میں پھنس گیا ہے کیونکہ وہ بڑھیا بے نظیر جادوگرنی ہے اور اپنا جواب نہیں رکھتی لیکن یہ شخص اس سے بھی بڑھکر تھا کیونکہ ممکنات میں ایک کی قوت ایک سے بڑھی ہوئی ہے کمال میں بھی

اور زہر میں بھی اور یہی سلسلہ خدا تک پہونچ جاتا ہے اور خدا کی قوت تمام قوتوں کا منتہا ہے کیونکہ تمام قوتیں ندیاں ہیں اور حق سبحانہ کی قدرت بحر اور قاعدہ ہے کہ تمام ندیوں کا منتہا بحر ہوتا ہے اسکی قدرت تمام قوتوں کا منتہی ہے۔ اسی بحر سے تمام ابر ہائے قوت کو سامان ملتا ہے اور ان سیلابوں کا وہی منتہا ہے خیر بادشاہ نے اس سے کہا کہ یہ لڑکا تو ہاتھ سے نکل گیا۔ کیا کیا جاوے اس نے کہا کہ میں اس کا بہت بڑا علاج ہوں آپ اطمینان رکھیں ان جادوگروں میں بجز مجھ عاقل اور خدا کی طرف سے یا دور سے آنے والے کے کوئی اسکی مثل نہیں ایک میں ہی ہوں کہ اس کا مقابلہ کرسکتا ہوں آپ دیکھتے جائیے میں ست موسی علیہ السلام کی طرح خدا کے حکم سے اسکے جادو کا ستیاناس کردوں گا کیونکہ یہ علم مجھے بالہام خداوندی حاصل ہوا ہے اور ذلیل جادو کی شاگردی سے حاصل نہیں ہوا۔ میں اسلئے آیا ہوں کہ اس کا جادو کھولدوں تاکہ شہزادہ کی چہرہ کی رنگت زرد نہ رہے۔ پس آپ پچھلی رات میں فلاں قبرستان جائیں وہاں کی فلاں دیوار کی برابر ایک سفید قبر ہے قبلہ کی جانب بس اس مقام کو کھود دیئے۔ اس سے آپ کو قدرت و کارسازی خدا کا تماشہ نظر آجائیگا۔ خیر یہ حکایت تو بہت لمبی ہے اور تم اکتا گئے ہو۔ اسلئے زوائد کو چھوڑ کر خلاصہ پر اکتفا کرتا ہوں وہ بادشاہ فوراً قبرستان گیا اور جاکر اس قبر کو کھولا اور جادو کو اس میں مخفی پایا اور دیکھا کہ ایک بال کے تار میں سو گرہیں لگی ہوئی ہیں وہ ان کو لے آیا۔ اور اس صاحب کمال نے اسکی گرہوں کو کھولا اس سے وہ شہزادہ اس تکلیف سے نجات پاگیا۔ اور ہوش میں آکر بصد کوشش بادشاہ کے تخت کی جانب دوڑا اور جاکر سجدۂ تعظیمی کیا اور زمین پر ٹھوڑی ملتا تھا اور بغل میں تیغ و کفن لئے ہوئے تھا جسکا مطلب یہ تھا کہ میں مجرم ہوں آپ مجھے مار ڈالئے۔ بادشاہ اور اہل شہر اور اس نامراد اور بے مراد بیوی نے شہر اور مکانات کو اس خوشی میں خوب سجایا اور عالم نئے سرے سے زندہ اور بارونق ہوگیا۔ اب مولانا جملہ معترضہ کے طور پر فرماتے ہیں کہ عجیب بات ہے ایک دن وہ تھا کہ شہزادہ بڑھیا کا غلام تھا اور لوگ مغموم تھے۔ شہر پر اداسی چھائی ہوئی تھی اور ایک یہ دن ہے کہ شہزادہ اسکی پرواہ نہیں کرتا اور سب لوگ خوش ہیں اور شہر گلزار بنا ہوا ہے بادشاہ نے اسکی شادی کی ایک ایسی دھوم دھام سے دعوت کی کہ شربت اور قند کتوں کے سامنے تھا آدمیوں کا تو ذکر ہی کیا ہے وہ بڑھیا جادوگرنی یہ حالت دیکھکر غم سے مرگئی اور اپنے منہ اور خصلت زشت کو مالک دوزخ کے حوالہ کیا۔ بادشاہ نے شہر کو آراستہ کیا اور عاجزانہ حق سبحانہ سے مناجات کرنے لگا۔ اور اس کا خوب ہی شکر ادا کیا شہزادہ کو حیرت تھی

کہ اُسنے مجھ سے عقل اور نظر کیسے اُڑا لی تھی کہ میں نہ اسکی بُرائی سمجھ سکا اور نہ دیکھ سکا۔ خیر اُسنے دلھن کو جو دیکھا تو حُسن کا ماہتاب پایا۔ جو کہ حسینوں کے حُسن کی راہ مارتی تھی۔ یہ دیکھکر بیہوش ہوکر منہ کے بل گر گیا اور تین دن تک اس کے سینہ سے دل غائب رہا یعنی تین رات دن تک برابر بیہوش رہا۔ یہاں تک کہ لوگوں کو اسکی غشی سے جوش و خروش اور اضطراب و پریشانی لاحق ہو گئی کہ دیکھئے بچتا بھی ہے یا نہیں۔ غرضکہ جب خوب گلاب چھڑکا گیا اور خوب علاج کیا گیا اسوقت ہوش آیا۔ اور بھلے بُرے کو کچھ کچھ سمجھنے لگا۔ ایک سال کے بعد بادشاہ نے اثنائے گفتگو میں کہا کہ بیٹا کبھی اپنی پرانی آشنا اور ہم خواب اور فراش (وہ عورت جس سے صحبت کیجاتی ہو) کو بھی تو یاد کر لیا کرو۔ اس قدر بیوفا اور تلخ نہ بنو۔ اُسنے جواب دیا کہ جائیے اب اُسیں کیا یاد کروں گا اب تو مجھے جنت ملگئی ہے اور میں اس دھوکے کے گھر کے کنوئیں سے نجات پا گیا ہوں۔ یہ تو قصہ تھا اب سنو کہ جب مومن کی نور حق سبحانہ تک رسائی ہو جاتی ہے تو وہ تاریکی ناسوت سے منہ پھیر لیتا ہے۔ یہ حقیقت تھی اس قصہ کی۔ اب میں اس قصہ کا مخلص (یعنی اس قصہ کا باطن اور اُسکی حقیقت) بیان کرتا ہوں تاکہ تم کو اپنا مقصد اچھی طرح معلوم ہو جائے (ف گفت رومن یا فتم دار السرور الخ اور اس سے اگلے شعر میں شرح ہے۔ اس مضمون حدیث کی جسکی شرح کے لئے یہ حکایت لائی گئی تھی)

در بیان آنکہ آں شہزادہ آدمی زادہ است پدرش آدمی صفی ست خلیفہ حق و کمپیر کابلی دنیاست کہ آدمی بچہ را از پدر ببرید بسحر و انبیا و اولیا آں طبیب تدارک کنندہ

اے برادر داں کہ شہزادہ توئی	در جہاں کہنہ زادہ از نوی
کابلی جادو ایں دنیاست کو	کردہ مرداں را اسیر رنگ و بو
چوں در افگندت دریں آلودہ رود	دمبدم می خواں و می دم قل اعوذ
تا رہی زیں جادوئی و زیں قلق	استعانت خواہ از رب الفلق

زاں نبی دنیات را سحارہ خواں | کو بافسوں خلق را در چہ نشاند

ہین بافسوں گرم دارد گندہ پیر | کردہ شاہاں را دم گرمش اسیر

در درون سینہ نفاثاتِ اوست | عقدہائے سحر را اثبات وست

ساحرۂ دنیا قوی دانا زنے است | حل سحر او بپائے عامہ نیست

ور کشادے عقدہ او را عقلہا | انبیا را کے فرستادے خدا

ہین طلب کن خوش دمِ عقدہ کشا | راز دان یفعل اللہ ما یشاء

ہمچو ماہی بستہ است او بہ شست | شاہزادہ ماندہ سالے و تو شصت

شصت سال از شستِ او در محنتے | نے خوشی نے بر طریق سنتے

فاسقی بدبخت نے دنیات خوب | نے رہیدہ از وبال و از ذنوب

نفخ او ایں عقدہا را سخت کرد | پس طلب کن نفخۂ خلاق فرد

تا نفخت فیہ من روحی ترا | وارہاند زیں و گوید بر ترا

جز بنفخ حق نسوزد نفخ سحر | نفخ قہرست ایں و آں دم نفخ مہر

رحمت او سابق است از قہر او | سابقی خواہی برو سابق بجو

تا رسی اندر نفوسِ زوّجت | کاے شدہ مسحور زاینک مخرجت

باوجود زال ناید انحلال | در شبیکہ در برت آں ذو دلال

نے کہ فرمود آں سراج امتاں | اینجہاں و آنجہاں را ضرتان

پس وصال ایں فراق آں بود | صحت ایں تن سقام جاں بود

سخت می آید فراق آن ممر ‌‌ ‌ پس فراق آن مقر دان سخت تر
چون فراق نقش سخت آید ترا ‌ ‌ تا چه سخت آید ز نقاشش جدا
ایکه صبرت نیست از دنیای دون ‌ ‌ چونت صبرست از خدا ای دوست چون
چونکه صبرت نیست از آب سیاه ‌ ‌ چون صبوری داری از چشمهٔ اله
چونکه بے این شرب کم داری سکون ‌ ‌ چون ز ابرار آری جدا وز یشربون
گر ببینی یک نفس حسن ودود ‌ ‌ اندر آتش افگنی جان و وجود
جیفه بینی بعد ازاں این شرب را ‌ ‌ چون ببینی کر و فر و قرب را
همچو شهزاده رسی در یار خویش ‌ ‌ پس برون آری ز پا تو خار خویش
جهد کن در بیخودی خود را بیاب ‌ ‌ زودتر و الله اعلم بالصواب
هر زمانے هین مشو با خویش جفت ‌ ‌ هر زمان چون خر در آب و گل مخفت
از قصور چشم باشد آن عثور ‌ ‌ گر نه بیند شیب و بالا را ز دور
بوئے پیراهان یوسف کن سند ‌ ‌ زانکه بویش چشم روشن می کند
صورت پنهان و آن نور جبین ‌ ‌ کرده چشم انبیا را دوربین
نور آن رخسار برهاند ز نار ‌ ‌ هین مشو قانع بنور مستعار
چشم را این نور حالے بین کند ‌ ‌ جسم و عقل و روح را گرگین کند
صورتش نورست و در تحقیق نار ‌ ‌ گر ضیا خواهی دو دست از وی بدار
دمبدم در روفتد هر جا رود ‌ ‌ دیده و جانے که حالے بین بود

دور بیند دور بین بے ہنر — ہمچنانکہ دور دیدن خواب در

خفتہ باشی بر لب جو خشک لب — میدوی سوئے سراب اندر طلب

دور می بینی سراب و می دوی — عاشق آں بینش خود می شوی

میزنی در خواب با یاراں تو لاف — کہ منم بینا دل و پردہ شگاف

نک بداں سو آب دیدم ہین شتاب — تا رویم آنجا و آں باشد سراب

ہر قدم زیں آب تازی دور تر — دو دواں سوئے سراب با غرر

عین آں عزمت حجاب آں شدہ — کہ بتو پیوستہ است و آمدہ

بس کسا عزمے بجائے می کند — از مقامے کاں غرض در وے بود

دید و لاف خفتہ می ناید بکار — جز خیالے نیست دست از وے بدار

خوابناکی لیک ہم بر راہ خسپ — اللہ اللہ بر رہ اللہ خسپ

تا بود کہ سالکے بر تو زند — از خیالات نعاست بر کند

خفتہ را گر فکر گردد ہمچو موئے — او ازاں رقت نیابد راہ کوئے

فکر خفتہ گر دوتا و گر سہ تاست — ہم خطا اندر خطا اندر خطاست

گرچہ چشمش تیز بیں و باضیاست — ہم ہبا اندر ہبا اندر ہباست

موج بر روے می زند بے احتراز — خفتہ پویاں در بیاباں دراز

خفتہ می بیند عطشہائے شدید — آب اقرب منہ من حبل الورید

یہاں سے مضمون ارشادی بیان فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تم سمجھو کہ شہزادہ تم ہو اور اس عالم کہنہ میں

نو پیدا ہو۔ اور کابلی جادو گرنی دنیا ہے جسنے کہ مردوں کو نمایش ظاہری میں پھانس رکھا ہے جبکہ اس نے اپنے افسوں سے تمہیں آلودگیوں یعنی لذات و شہوات میں ڈال دیا ہے تو ہر دم تم کو اسکے سحر کی باطل کرنے کے لئے قل اعوذ پڑہکر دم کرنا چاہئے یعنی وہ تدابیر کرنی چاہئیں جن سے تم اسکے پھندے سے نکلو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا کو اسلئے جادو گرنی کہا ہے کہ اسنے اپنے جادو سے لوگوں کو چاہ ناسوت میں قید کر دیا ہے۔ دیکہنا اس سے بچتے رہنا کیونکہ اس کا منتر بہت تیز ہے اور اس نے اپنی موثر پھونک سے بادشاہوں کو قید کر لیا ہے یہ سینہ میں منتر پڑھ پڑھ کر پھونکتی ہے اور جادو کی گرہیں قایم کرتی ہے (ف سینہ میں منتر پھونکنے سے مراد شہوات کے خیالات وغیرہ دل میں پیدا کرنا ہی) یہ جادو گرنی دنیا بڑی چالاک عورت ہے اسکے جادو کا کہولنا عوام کی قدرت سے باہر ہے کیونکہ اگر عقول عوام اسکی گرہوں کو کھول سکتیں تو خدا تعالی انبیاء علیہم السلام کو کاہے کو بھیجتا۔ پس تمہیں چاہئے کہ کوئی خوش دم عقدہ کشا اور اسرار قضا کا جاننے والا تلاش کرو۔ وہ تم کو اس جادو سے چھڑا ئیگا۔ دیکھو تو سہی اسنے تمہیں مچھلی کی طرح کانٹے میں پھانس رکھا ہے۔ اور شاہزادہ تو زن کابلی کے پھندے میں ایک ہی سال رہا تھا اور تم کو ساٹھ برس ہو گئے اور تم ساٹھ برس ہی سے اس کانٹے میں پھنسے ہوئے مبتلائے تکلیف ہو کہ نہ تمہیں چین ہے اور نہ تم راہ سنت پر چلتے ہو بلکہ بد نصیب فاسق ہو نہ دنیا ہی تمہاری درست ہے اور نہ وبال اُخروی اور گناہوں سے محفوظ ہو۔ اسکے چھو کرنے یعنی فریب دہی نے تمہارے گرہوں کو مضبوط کر دیا ہے۔ پس تمہیں حق سبحانہ کی چھو یعنی تاثیر تلاش کرنی چاہئے تاکہ وہ تم میں روح پھونکدے اور یہ نفخ روح تم کو اسکے پھندے سے چھڑادے اور کہدے کہ اوپر چلے آؤ۔ اس چاہ ناسوت میں مقید نہ رہو دیکھو دم افسوں یعنی اثر جادو دم حق سبحانہ یعنی تاثیر حق سبحانہ ہی سے جل سکتا ہے اور کسی سے نہیں۔ کیونکہ نفخ سحر دم قہر ہے اور دم مبطل سحر نفخ رحمت اور رحمت حق سبحانہ اسکے قہر پر سبقت لیگئی ہے اسلئے وہی اسکو فنا کر سکتی ہے اور کوئی نہیں۔ پس تم رحمت کو طلب کرو۔ اور اگر رحمت کے طالب ہو جو کہ غضب سے سبقت لیگئی ہے تو اس کا طریق یہ ہے کہ کسی عالی مرتبہ شخص کو طلب کرو۔ تاکہ تم بھی اہل اللہ میں داخل ہو جاؤ۔ اور رحمت الہی کے مستحق ہو جاؤ۔ اور اے جادو کئے ہوئے شہزادو یاد رکھو کہ تمہارے اس پھندے سے نکلنے کی یہی تدبیر ہے۔ (ف نفوس زوجت سے یا تو یہ مراد ہو کہ وہ لوگ جنکی شادی حور العین سے ہو گئی ہے۔ یا یہ کہ وہ لوگ جنکی شادی آخرت سے ہو چکی ہے اور دنیائے ساحرہ کی پھندے

نکل چکے ہیں وھذا ھوالانسب کما لا یخفیٰ اور مصداق اس کا بہرصورت اہل اللہ ہیں۔ اسلئے ہم نے اہل اللہ سے ترجمہ کر دیا) اور جب تک یہ زال دنیا تمہارے پاس رہیگی اس وقت تک یہ جال نہ کھلے گا اور وہ نازوادا والی زوجہ یعنی آخرت تمہاری پہلو میں نہ آئیگی۔ (ف) ناید انحلال الخ کی تقدیر ناید انحلال درشبیکہ و ناید آن ذو دلال دربرت ہے من قبیل ضرب زید عمراً وخالد بکراً) کیونکہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا ہے الدنیا والآخرۃ لضرتان ان رضیت احداھما سخطت الاخری۔ اسلئے ایک کا وصال دوسرے کی مفارقت کا موجب ہوگا جسطرح کہ اس جسم کی تندرستی روح کی بیماری کا سبب ہے۔ جب یہ معلوم ہوگیا تو اب سمجھو کہ جب اس گذرگاہ یعنی دنیا کی مفارقت سخت ہے، تو عقبیٰ جو کہ ہمیشہ کا ٹھکانا ہے اسکی مفارقت تو اور بھی سخت ہوگی اور جبکہ تمہیں اس تصویر یعنی دنیا کی جدائی اتنی ناگوار ہے تو تم کو اندازہ کرنا چاہئے کہ نقاش یعنی خدا کی جدائی کس قدر ناگوار ہونی چاہئے۔ پس اے وہ شخص جو کہ دنیا کے بغیر صبر نہیں کرسکتا تجھے حق سبحانہ کے بغیر کیسے کل پڑتی ہے اور جبکہ اس چوڑے کی بغیر تجھے چین نہیں آتا تو حق سبحانہ کے بغیر کیونکر چین آتا ہے جو کہ منبع فیوض وبرکات ہیں اور جبکہ بدون اس پانی کے پیئے بجھے قرار نہیں ہوتا تو تو ابر رحمت اور شرب ماء رحمت سے کیونکر جدا رہتا ہے۔ ارے غافل تو کس غلطی میں پڑا ہوا ہے۔ اسے چھوڑ اور حق سبحانہ کو طلب کر۔ تجھے انکی قدر اسلئے نہیں ہے کہ تونے انہیں دیکھا نہیں لیکن اگر ذراسی دیر کیلئے بھی تو ان کا حسن دیکھ لے تو تیری حالت یہ ہو کہ تیرا جسم اور تیری جان اسکی تابش سے جلجاوے (یا یہ کہ تو اسکی طلب میں تمام راحتوں کو بھول جاوے اور آگ میں گرنے سے بھی نہ ڈرے) اور جبکہ تجھے حق سبحانہ کی شان وشوکت اور اسکے قرب کی لذت کی خبر ہو تو تو اسکے بعد اس آب دنیا کو مردار کے مانند مکروہ سمجھے اور اگر شہزادہ کی طرح تو اپنے مطلوب تک پہونچ جاوے تو اپنے پاؤں سے اس کانٹے یعنی حب دنیا کو بالکل نکال ڈالے دیکھ تو جلدی سے ہوش میں آجا اور فنا فی الحق کی کوشش کر اور ہر وقت خودی میں مبتلا نہ رہ اور ہردم گدھے کی طرح دلدل میں مت گر یعنی دنیا میں نہ پھنس اور نظر کو تیز کر کیونکہ یہ لغزش قصور نظر سے ہوتی ہے کیونکہ کم نظری کے سبب آدمی اونچ نیچ نہیں دیکھ سکتا اور پیراہن یوسف کی بو یعنی آثار قدرت الٰہیہ کے سہارے پر چل۔ کیونکہ اس بو میں نظر کے تیز کرنے کی خاصیت ہے اس سے تمہاری نظر تیز ہوگی اور نظر تیز ہو کر مشاہدہ حق سبحانہ حاصل ہوگا اور اس سے تمہاری نظر اور تیز ہوگی۔ کیونکہ اس صورت مخفیہ اور نور جبین نے

انبیاء کی آنکھوں کو دوربین بنایا ہے اور یہی نور تجھے آتش دوزخ یا آتش شہوت وغیرہ سے چھڑا سکتا ہے پس اس نور کو حاصل کر اور عاریتی نور یعنی دنیا و اہل دنیا کے نور پر قناعت نکر کیونکہ اسکی خاصیت اُس نور کے برعکس ہے کہ یہ نور حال بین کرتا ہے اور چشم و عقل و روح کو خارش کا روگ لگا دیتا ہے یہ دیکھنے میں تو نور ہے مگر حقیقت میں نار ہے پس اگر تجھے حقیقی نور کی ضرورت ہو تو اس نور ظاہر کو چھوڑ دیکھو حال بینی نہایت مُضر شے ہے کیونکہ جو چشم بصیرت اور روح حال بین ہوتی ہے وہ ہر دم ٹھوکر کھا کر مُنہ کے بَل گرتی ہے۔ اگر کوئی یہ کہے کہ کیا اہل دنیا دوربین نہیں ہوتے تو اس کا جواب یہ ہے کہ ان کی دوربینی ایسی ہی ہے جیسے کوئی خواب میں دور کی شئے دیکھے سو یہ حقیقۃً دوربینی نہیں ہو اور نہ مفید ہے۔ فرض کرو کہ تم ایک ندی کے کنارے پیاسے سو رہے ہو۔ اور خواب میں بے حقیقت پانی کی طرف اسکی طلب میں دوڑ رہے ہو اور حالانکہ تم سراب کو دور سے دیکھ رہے ہو مگر تم اس اپنی نظر دوربین پر عاشق ہو اور خواب ہی میں یاروں سے شیخیاں مار رہے ہو کہ میں بینا دل اور پردہ شگاف ہوں۔ چلو تاکہ وہاں پہونچیں کیونکہ مجھے پانی نظر آتا ہے حالانکہ وہاں پانی وانی کچھ نہیں ہوتا بلکہ محض دھوکا ہوتا ہے اور تم اس دھوکا دینے والے بے حقیقت پانی کی طرف دوڑتے ہوئے ہر قدم پر اصلی پانی سے دور ہو رہے ہو اور یہ تمہارا پانی حاصل کرنے کا پختہ ارادہ تمہارے لئے اس اصلی پانی کا پردہ بَن گیا ہے جو کہ تم سے ملا ہوا اور قریب ہے اور یہ کچھ تعجب کی بات نہیں کیونکہ بہت سے لوگ ایک ایسے مقام سے جس میں ان کا مطلوب ہوتا ہے طلب مطلوب میں دوسری جگہ جاتے ہیں اس سے معلوم ہو گیا کہ سونے والے کی دوربینی کسی کام کی نہیں اور وہ محض ایک خیال ہے اسلئے اس سے ہاتھ اُٹھا لینا چاہئے اور اسے چھوڑ دینا چاہئے بس یہی حالت اہل دنیا کی ہے کہ وہ سو رہے ہیں اور خیالات کے پیچھے دوڑ رہے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ہم دوربین ہیں۔ آگے مولانا نصیحت فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ مانا کہ تم سو رہے ہو مگر تم کو چاہئے کہ راستہ پر سوو۔ دیکھو ہم تم سے باصرار کہتے ہیں کہ سونا ہی ہے تو خدا کے رستہ پر سوو تاکہ کوئی راہ گیر صاحب دل آپہونچے اور وہ تم کو خواب غفلت سے بیدار کر کے راہ پر لگا لے (مقصود یہ ہے کہ اگر تم راہ دین میں سعی بھی نکرو تو اہل اللہ کی خدمت میں رہو کیونکہ ممکن ہے کہ اسکی برکت سے کسی وقت تم کو ہدایت ہو جاوے) اس مضمون کو ختم کر کے مولانا پھر مضمون سابق کو تمام کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ سونیوالے کا فکر اگر بال سے بھی زیادہ باریک ہو تب بھی لے سے اسوقت

فکر کے سبب گلے کا رستہ نہیں معلوم ہو سکتا۔ نیز سونے والے کا فکر اگر دوہرا اور تہرا بھی ہو جاوے
تب بھی وہ غلط در غلط ہی ہے اور اگر اسکی نظر تیز بین اور روشن ہو تو بھی لا شئے محض ہے کیونکہ
اس کی حالت یہ ہوتی ہے کہ آب مطلوب کی موجین اُس سے ٹکراتی ہیں مگر وہ اسکی طلب میں لق و
دق بیابان میں دوڑتا ہوتا ہے اور وہ نہایت سخت پیاسا ہوتا ہے مگر پانی اسکی رگ گردن سے
زیادہ قریب ہوتا ہے اور وہ اس سے فائدہ نہیں اُٹھا سکتا بس یہی حالت اہل دنیا کی ہے کہ حق
سبحانہ ان سے رگ گردن سے زیادہ قریب بقرب بے کیف ہیں مگر وہ ان تک نہیں پہونچ سکتے
اور مساعی بیہودہ میں مُنہمک ہیں ایسی حالت میں ان کی دقت نظر اور دیانت و فطانت بالکل بیسود ہے

حکایت آں زاہدے کہ در سال قحط خندان و شاد بود با مفلسے و بسیاری عیال و خلق می مردند از گرسنگی باو گفتند کہ ہنگام تعزیت ست نہ شادی جواب او

ہمچناں کاں زاہد اندر سال قحط — بود او خنداں و گریاں جملہ رہط
پس بگفتندش چہ جائے خندہ است — قحط بیخ مومناں برکندہ است
رحمت از ما چشم خود بر دوختہ است — ز آفتاب تیز صحرا سوختہ است
کشت و باغ و رز افتادہ است — در زمیں نم نیست نے بالا نہ پست
خلق می میرند در قحط و عذاب — دہ دہ و صد صد چو ماہی دور ز آب
بر مسلماناں نمی آری تو رحم — مومناں خویشند یک تن شحم و لحم
رنج یک جزوے ز تن رنج ہمہ است — یا دم صلح ست یا خود ملحمہ است

گفت در چشمِ شما قحط ست ایں | پیش چشمم چوں بہشت ست ایں زمیں
من ہمی بینم بہر دشت و مکاں | خوشہا انبہ رسیدہ تا میاں
خوشہا در موج از باد صبا | پر بیاباں سبز تر از گندنا
ز آزموں من دست برو سے می زنم | دست و چشم خویش را چوں بر کنم
یار فرعون تیند اے قوم دوں | زاں نماید بر شما را نیل خوں
یار موسی خرد گردید زود | تا نماند خوں و بینید آب رود
از پدر بر تو جفائے چوں رود | آں پدر در چشم تو سگ می شود
آں پدر سگ نیست تاثیر جفاست | کہ چناں رحمت نظر را سگ نماست
گرگ می دیدند یوسف را بچشم | چونکہ اخواں را حسودے بود و خشم
با پدر چوں صلح کردی خشم رفت | آں سگے شد گشت بابا یار زفت

سہنے والیکی حالت ایسی ہی ہوتی ہے جیسے کہ ان لوگوں کی جنہوں نے ایک بزرگ پر اعتراض کیا تھا۔ تفصیل اسکی یہ ہے کہ قحط سالی میں سب لوگ روتے تھے اور ایک زاہد ہنستا تھا۔ یہ دیکھکر لوگوں نے کہا کہ صاحبؑ ہنسی کا کیا موقع ہے قحط نے مسلمانوں کی جڑ اکھیڑ ڈالی ہے اور رحمت الٰہی نے ہماری طرف سے آنکھ بند کرلی ہے تیز دھوپ سے جنگل بھسم ہوگیا ہے۔ کھیتی اور باغ اور انگور سیاہ پڑ گئے ہیں۔ زمین میں نام کو تری نہیں رہی نہ اوپر نہ نیچے۔ لوگ اس قحط اور عذاب سے دس دس اور سو سو یوں مر رہے ہیں جیسے مچھلیاں پانی سے دور ہو کر۔ تعجب ہے کہ تم کو مسلمانوں پر رحم نہیں آتا حالانکہ سب مسلمان بھائی بھائی ہیں اور گویا کہ سب کے اجسام اور چربی اور گوشت سب ایک ہیں اور قاعدہ ہے کہ جسم کے ایک حصہ میں تکلیف ہوتی ہے تو تمام اعضاء کو تکلیف ہوتی ہے خواہ صلح کا وقت ہو یا جنگ کا (صلح کی حالت میں ایک کی تکلیف سے دوسرے کا متاثر ہونا تو بعید نہیں مگر جنگ کی حالت میں بظاہر بعید معلوم ہوتا ہے لیکن یہ بھی بعید نہیں کیونکہ یہاں گفتگو مؤمنین

من حیث الایمان میں ہے اور یہ ظاہر ہے کہ اس حالت میں اگر ان میں جنگ ہوگی تو اس میں ہر دو فریق کی نیت خیر ہوگی اور مقصد ان کا دفع مفسدہ واقعی یا اجتہادی ہوگا اور جنگ بقصد خیر خواہی و نیک نیتی منافی تاذی نہیں۔ اسکی مثال ایسی ہے جیسے ماں باپ اپنے بچہ کو مارتے ہیں۔ پس گو وہ بضرورت مارتے ہیں مگر اس مار سے انکو خود ایذا ہوتی ہے یا آدمی اپنے کسی عضو فاسد کو کاٹتا ہے مگر اسکو اس کا صدمہ بھی ہوتا ہے اور اس سے تکلیف بھی ہوتی ہے فلا یعدل) ان کی گفتگو کے جواب میں ان بزرگ نے کہا کہ صاحبو! تمہاری نظر میں یہ قحط ہے مگر مجھے تو یہ زمین بہشت معلوم ہوتی ہے اور میں تو ہر جنگل میں اور ہر مقام پر خوشہائے گندم کمر کمر تک بکثرت دیکھ رہا ہوں۔ اور میں دیکھ رہا ہوں کہ خوشے باد صبا سے لہلہا رہے ہیں اور جنگل بھر پور اور گندنے سے زیادہ سرسبز ہے۔ میں امتحاناً ہاتھ بڑھاتا ہوں اور انہیں چھوتا ہوں تو اپنی نظر کو صحیح پاتا ہوں۔ پھر میں اپنے ہاتھ اور اپنی آنکھ کیونکر اکھاڑ ڈالوں اور کیسے سمجھوں کہ قحط ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ تم نفس فرعون کے متبع ہو اسلئے تمہیں آب نیل خون معلوم ہوتا ہے پس تم موسیٰ خرد کے یار ہو جاؤ تاکہ وہ تمہاری نظر میں بھی خون نہ رہے اور اور پانی دکھلائی دے۔ دیکھو قاعدہ ہے کہ جب باپ کی جانب سے تم پر سختی ہوتی ہے تو وہ باپ تمہاری نظر میں کتا معلوم ہوتا ہے مگر وہ باپ کتا نہیں ہوتا بلکہ یہ سختی کا اثر ہے کہ تم کو وہ رحمت مجسم کتا معلوم ہوتی ہے چنانچہ بھائیوں کو یوسفؑ بھیڑیا نظر آتے تھے کیونکہ ان کو ان پر حسد تھا اور اسلئے وہ ان پر غصہ تھے لیکن جب باپ سے تمہاری صلح ہو جاتی ہے تو وہ اس کا کتا پن زائل ہو جاتا ہے اور وہ بہت بڑا دوست ہو جاتا ہے یہ کھلی دلیل ہے اسکی کہ وہ محض سختی کا اثر تھا اور خود باپ ایسا نہ تھا (ف) ان بزرگ نے جو جہان کو سرسبز بتایا ہے اسکے یہ معنی نہیں ہیں کہ سبزہ معروفہ اور خوشہائے متعارفہ وہاں موجود تھے بلکہ مقصود ان کا یہ تھا کہ اغذیہ دو قسم کی ہیں ایک غذائے روحانی دوسری جسمانی۔ غذائے روحانی تو کائنات میں حق سبحانہ کا مشاہدہ اور اسکے فیوض و برکات ہیں اور غذائے جسمانی یہ متعارف اغذیہ ہیں اور چونکہ اہل اللہ اغذیہ جسمانی بلکہ خود جسم کو حقیر محض اور ناقابل التفات سمجھتے ہیں اسلئے شیخ نے ان کی شکایت قحط کا اثبات غذائے روحانی سے جواب دیا۔ اور جواب کا حاصل یہ ہے کہ میں تو اغذیہ جسمانیہ کو کوئی چیز نہیں سمجھتا بلکہ اصل غذا میرے نزدیک غذائے روحانی ہے سو میں دیکھ رہا ہوں کہ وہ اس قحط میں بھی بوجہ اتم موجود ہے گو تمہیں نظر نہیں آتی۔ پس میں کیوں نہ خوش ہوں)۔

در بیان آنکہ مجموع عالم صورت عقل کل ست چون با عقل کل کرثروی صورت عالم ترا غم فزاید اغلب احوال چنانکہ دل با پدر بد کردی صورت پدر ترا غم فزاید و نتوانی اورا دیدن با آنکہ اورا نور دیدہ بودی

کل عالم صورت عقل کل ست
کوست بابائی ہر آن کاہل قل ست

چون کسے با عقل کل کفران فزود
صورت کل پیش او ہم سگ نمود

صلح کن با این پدر عاقی بہل
تاکہ فرش زر نماید آب و گل

پس قیامت نقد حال تو بود
پیش تو چرخ و زمین مبدل شود

منکہ صلحم دائماً با این پدر
این جہاں چون جنتستم در نظر

ہر زماں نو صورتے و نو جمال
تا ز نو دیدن فرو میرد ملال

من ہمی بینم جہاں را بر نعیم
آبہا از چشمہا جوشاں مقیم

بانگ آبش می رسد در گوش من
مست می گردد ضمیر و ہوش من

شاخہا رقصاں شدہ چون تائباں
برگہا کف زن مثال مطرباں

برق آئینہ است لامع از نمد
گر نماید آئینہ تا چون بود

از ہزاراں من نمی گویم یکے
زانکہ آگندہ ست ہر گوش از شکے

پیش وہم این گفت مژدہ دادن است
عقل گوید مژدہ چہ نقد من است

یہاں سے وہ بزرگ اپنے کلام کی کسی قدر شرح فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تمام عالم مظہر ہے حق سبحانہ کا کیونکہ تمام عالم اُسی سے پیدا ہوا ہے اسلئے گویا کہ وہ تمام عالم کا باپ ہے (ف اہل قل سے مراد ارواح ہیں اور قل مخفف ہے قول کا اور قول سے مُراد کلمہ بلیٰ ہے جو الست بربکم کے جواب میں کہا گیا تھا ھذا ما قال ولی محمد واللہ اعلم۔ اور ذکر اہل قل بنا بر تخصیص نہیں بلکہ بنا بر شرف ہے۔ نیز زیر بحث اس وقت ذوی العقول مکلفین ہی ہیں نہ کہ تمام عالم اسلئے انہیں کا ذکر کیا گیا واللہ اعلم) پس جب کوئی حق سبحانہ کی مخالفت کرتا ہے تو تمام اشیاء اسکی نظر میں اصلی صورت کے خلاف دکھائی دیتی ہیں۔ اور وہ صورت اصلی صورت سے بدتر ہوتی ہے خواہ کسی وجہ سے اس دیکھنے والے کو بُری نہ معلوم ہو۔ پس تم حق سبحانہ سے میل کر لو۔ اور نافرمانی چھوڑ دو۔ تاکہ تمام زمین تمہیں انگوروں (غذائے روحانی) کا بستر معلوم ہو اور قیامت تم کو اسوقت نظر آجاوے بایں معنی کہ تمام عالم بدلجاوے اور اس صورت پر نہ دکھلائی دے جس صورت پر کہ تم اُسے پہلے دیکھتے تھے۔ میں چونکہ حق سبحانہ سے صلح رکھتا ہوں اسلئے یہ جہان میری نظر میں جنّت ہے اور ہر وقت ایک نئی صورت اور نیا حُسن مشاہدہ کرتا ہوں جسکے دیکھنے سے غم دور ہو جاتا ہے اور میں اس عالم کو نعمائے الٰہیہ سے لبریز پاتا ہوں اور پانی چشموں سے ہر وقت ابلتے بہتے ہیں اور اُن پانیوں کی آوازیں میرے کانوں میں آتی ہیں جن سے میرا دل اور میری عقل مست ہو جاتی ہے۔ شاخیں صوفیوں کی طرح وجد میں مصروف ہیں اور پتّے قوالوں کی طرح تالیاں بجاتے ہیں غرضکہ میں انواع واقسام کی اغذیہ روحانیہ اس عالم میں مشاہدہ کرتا ہوں اور یہ تو اسوقت ہے جبکہ حق سبحانہ کی روشنی اشیاء ناسوتیہ سے جھلکتی ہے لیکن اگر حق سبحانہ بے حجاب تجلّی فرمائیں تو نہیں کہہ سکتا کہ اس وقت کیا حال ہو۔ خیر میں گفتگو مختصر کرتا ہوں اور ہزاروں باتوں میں سے ایک بھی پوری نہیں کہتا کیونکہ قریب قریب تمام سامعین محجوب اور مُبتلائے شک ہیں اسلئے میری باتوں کو نہ مانیں گے اوہام یعنی عقول ناقصہ کے نزدیک تو یہ مضمون محض اخبار کے درجہ میں ہے مگر عقل کہتی ہے کہ کیسی خبر میں تو خود دیکھ رہی ہوں اور اسلئے وہم وعقل کی ایسی مثال ہے جیسے فرزندان عزیر علیہ السلام کی۔

قصہ فرزندان عزیر علیہ السلام کہ از پدر حال پدر می پرسیدند

گفت آرے از عقب می آید بعضے کہ شناختندش بیہوش

شدند وآنانکه نشناختند شاد شدند

همچو پوران عزیرا اندر گذر | آمده پرسان ز احوال پدر
گشته ایشان پیر و باباشان جوان | پس پدرشان پیش آمد ناگهان
پس بپرسیدند ازو کای رهگذر | از عزیر ما عجب داری خبر
که کسی مان گفت کامروزان سند | بعد نومیدی ز بیرون می رسد
گفت آری بعد من خواهد رسید | آن یکے خوش شد چو این مژده شنید
بانگ میزد کای مبشر باش شاد | وان دگر بشناخت بیهوش اوفتاد
که چه جای مژده ست ای خیره سر | که درافتادیم در کان شکر
وهم را مژده ست پیش عقل نقد | زانکه چشم وهم شد محجوب نقد
کافران را درد مومن را البشیر | لیک نقد حال در چشم بصیر
زانکه عاشق در دم نقدست مست | لاجرم از کفر و ایمان برترست
کفر و ایمان هر دو خود دربان اوست | کوست مغز و کفر و دین او را دو پوست
کفر قشر خشک رو برتافته | باز ایمان قشر لذت یافته
قشرهای خشک را جا آتش است | قشر پیوسته بمغز جان خوش است
مغز خود از مرتبه خوش برتر است | برترست از خوش که لذت گستر است
این سخن پایان ندارد باز گرد | تا برآرد موسیم از بحر گرد

در خور عقل عوام این گفته شد / از سخن باقی آن بنهفته شد

زر عقلت ریزه است ای متهم / بر قراضه مهر سکه چون نهم

عقل تو قسمت شده بر صد مهم / بر هزاران آرزوی و طم و رم

جمع باید کرد اجزا را بعشق / تا شوی خوش چون سمرقند و دمشق

جو جوی چون جمع گردی ز اشتباه / پس توان زد بر تو سکه پادشاه

ور ز مثقالی شوی افزون تو خام / از تو سازد شه یکی زرینه جام

پس برو هم نام و هم القاب شاه / باشد و هم صورتش ای وصل خواه

تا که معشوقت بود هم نان هم آب / هم چراغ و شاهد و نقل شراب

جمع کن خود را جماعت رحمت است / تا توانم با تو گفتن آنچه هست

زانکه گفتن از برای باوریست / جان شرک از باوری حق بریست

جان قسمت گشته در حو فلک / در میان شصت سودا مشترک

پس خموشی به دهد او را ثبوت / پس جواب احمقان آمد سکوت

این همی دانم ولی مستی تن / می گشاید بی مراد من دهن

آنچنان کز عطسه و از خامیاز / این دهان گردد بنا خواه تو باز

بیان حدیث اِنّی لَاَستغفر اللّٰہ ربی فی کلّ یوم سبعین مرّۃ

همچو پیغمبر ز گفت و از نثار / توبه آرم روز من هفتاد بار

لیک آن مستی بود توبه شکن / منسی ست این مستی تن جامه کن

حکمت اظہار تاریخ دراز — مستی انداخت بر دانائے راز
راز پنہاں با چنیں طبل و علم — آب جوشاں گشتہ از جف القلم
رحمت بیحد روانہ ہر زماں — خفتہ اید از درک آں اے مردماں
جامۂ خفتہ خورد از جوئے آب — خفتہ اندر آب جویائے سراب
میرود کانجائے بوئے آب ہست — زیں تفکر راہ را بر خویش بست
چونکہ آنجا گفت زانجا دور شد — بر خیالے او ز حق مہجور شد
دور بینانند بس خفتہ رواں — رحمتے آرید شاں اے رہرواں
من ندیدم تشنگی خواب آورد — خواب آرد تشنگی بے خرد
خود خرد آنست کو از حق چرید — نے خرد کاں را عطارد آورید

بیان آنکہ عقل جزوی تا بگور بیش نہ بیند و در باقی مقلد انبیاست

پیش بینی ایں خرد تا گور بود — وآں صاحبدل بنفخ صور بود
ایں خرد از گور خاکی نگذرد — ویں قدم عرصہ عجائب نسپرد
زیں قدم ویں عقل رو بیزار شو — چشم غیبی جو و بر خوردار شو
ہمچو موسیٰ نور کے یابد زجیب — سخرۂ استاد و شاگرد کتیب

زیں نظر وین عقل ناید جز دوار ‎ پس نظر بگذار و بگزیں انتظار

از سخن گوئی مجوئید ارتفاع ‎ منتظر را بہ ز گفتن استماع

منصب تعلیم نوع شہوت است ‎ ہر خیالے شہوتے در رہ بت است

گر بفضلش پے ببردے ہر فضول ‎ کے فرستادے خدا چندیں رسول

عقل جزوی ہمچو برق ست و درخش ‎ در درخشی کے تواں شد سوئے وخش

نیست نور برق بہر رہبری ‎ بلکہ امرست ابر را کہ می گری

برق عقل ما برائے گریہ است ‎ تا بگرید نیستی در شوق ہست

عقل کودک گفت بر کتاب تن ‎ لیک نتواند بخود آموختن

عقل رنجور آردش سوئے طبیب ‎ لیک نبود در دوا عقلش مصیب

نک شیاطین سوئے گردوں می شدند ‎ گوش بر اسرار بالا می زدند

بر بودند اندکے زاں رازہا ‎ تا شہب می راندشاں زود از سما

کہ روید آنجا رسولے آمدہ است ‎ ہرچہ می خواہید از و آید بدست

گر ہمی جوئید دُرّ بے بہا ‎ ادخلوا الابیات من ابوابہا

می زن آں حلقہ در و بر باب ایست ‎ کز سوئے بام فلک تان راہ نیست

نیست حاجت تان بدیں راہ دراز ‎ خاکیے را دادہ ایم اسرار راز

پیشش او آئید اگر خائن نہ اید ‎ نے شکر گردید از و گرچہ نے اید

سبزہ رویاند ز خاکت آں دلیل ‎ نیست کم از سم اسپ جبرئیل

سبز گردی تازه گردی از نوی | گر تو خاکی اسپ جبریلے شوی
سبزهٔ جان بخش کان را سامری | کرد در گوساله تا شد گوهری
جان گرفت و بانگ زد زان سبزه او | آنچنان بانگے که شد فتنه عدو
گر این آید سوئے اهل راز | وارهید از سر کُله مانند باز
سر کُلاه چشم بند گوش بند | که از و بازست مسکین و نژند
زان کُله بر چشم بازان راشده است | که همه میلش سوئے جنس خود است
چون برید از جنس با شه گشت یار | برگشاید چشم او را بازوار
رانده دیوان را حق از مرصاد خویش | عقل جزوی را ز استبداد خویش
که سرے کم کن نهٔ تو مستبد | بلکه شاگرد دلی مستعد
زو بر دل رو که تو جزو دلی | هین که بنده پادشاه عادلے
بندگیُ او به از سلطانی است | که انا خیر دم شیطانی است
فرق بین و برگزین تو ای خسیس | بندگی آدم از کبر بلیس
گفت آن که هست خورشید ره او | حرف طوبیٰ هر که ذلت نفسه
سایهٔ طوبیٰ ببین خوش بخسپ | سر بنه در سایهٔ سرکش مخسپ
ظل ذلت نفسه خوش مضجعے است | مستعد آن صفا را مهجعے است
گر ازین سایه روی سوئے منی | رو د طاغی گردی و ره گم کنی

بیان آیهٔ کریمه یا ایها الذین آمنوا لا تقدموا بین یدی الله ورسوله

چون نبی نیستی ز امت باش　　چونکہ سلطان نۂ رعیت باش

پس رو خامشان خامش باش　　وز خودی رائے زحمتے متراش

پس برو خاموش باش از انقیاد　　زیر ظل امر شیخ و اوستاد

پس روی صامت شود خاموش باش　　از وجود خویش واسے کمتراش

ورنہ گرچہ مستعد و قابلی　　مسخ گردی تو ز لاف کاملی

ہم ز استعداد وا مانی اگر　　سرکشی ز استاد راہ باخبر

صبر کن در موزہ دوزی وبسوز　　در شوی بے صبر مانی پارہ دوز

کہنہ دوزاں گر بدے زان صبر و حلم　　جملہ نودوزاں شدندے ہم بعلم

پس بکوشی و بآخر از کلال　　خود بخود گوئی کہ العقل عقال

ہمچو آن مرد مفلسف روز مرگ　　عقل را می دید بس بے بال و برگ

بے غرض میکرد آندم اعتراف　　کز ذکاوت راندیم اسپ از گزاف

از غرورے سرکشیدیم از رجال　　آشنا کردیم در بحر خیال

آشنا ہیچ است اندر بحر روح　　نیست آنجا چارہ جز کشتی نوح

کاشکلے او آشنا ناموختے　　تا طمع در نوح و کشتی دوختے

این چنین فرمود آن شاہ رسل　　کہ منم کشتی درین دریائے کل

یا کسے کو در بصیرتہائے من　　شد خلیفہ راستین بر جائے من

کشتی نوحیم در دریا کہ تا　　رو نگردانی ز کشتی اے فتی

همچو کنعان سوئے هر کوهے مرو / از بنی لاعاصم الیوم شنو

می نماید پست این کشتی ز بند / می نماید کوه فکرت بس بلند

پست منگر هان و هان این پست را / بنگر آن فضل خدا پیوست را

در بلندی کوه فکرت کم نگر / که یکے موجش کند زیر و زبر

گر تو کنعانی نداری باورم / گر دو صد چندین نصیحت آورم

گوش کنعان کے پذیرد این کلام / که برو مهر خدا ایست و ختام

کے گذارد موعظت بر مهر حق / کے بگرداند حدث حکم سبق

لیک می گویم حدیث خوش پیے / بر امید آنکه تو کنعان نۂ

آخر این اقرار خواهی کرد هین / هم ز اول روز آخر را ببین

می توانی دید آخر را مکن / چشم آخر بینت را کور و کهن

هر که آخر بین بود مسعود وار / نبودش هر دم بره رفتن عثار

گر نخواهی هر دمے این خفت و خیز / کن ز خاک پائے مردم چشم تیز

کحل دیده ساز خاک پاش را / تا نیندازی سر او باش را

که ازین شاگردی وزین افتقار / سوزنے باشی شوی تو ذوالفقار

سرمه کن تو خاک هر بگزیده را / هم بسوزد هم بسازد دیده را

چشم روشن کن ز خاک اولیا / تا به بینی ز ابتدا تا انتها

چشم اشتر زان بود بس نور بار / کو خورد از بهر نور چشم خار

خار خور تا گل بر و یا بند ترا	چشم تو روشن شود جان با صفا
خار را از چشم دل گر بر کنی	چشم جان را حق بہ بخشد روشنی

قصہ شکایت استر با شتر کہ من بسیار در رو می افتم در راہ رفتن و تو کم می افتی چون ست و جواب گفتن شتر

اشترے را دید روزے استرے	چونکہ با او جمع شد در آخرے
گفت من بسیار می افتم برو ے	در گریوہ و ور ادر بازار و کوے
گرچہ در رو می فتم بسیار من	در رہ ہموار و ناہموار من
خاصہ از بالائے کہ تا زیر کوہ	در سر آیم ہر زمانے از شکوہ
کم ہمی افتی تو در رو ہر چیست	یا مگر خود جان پاکت دولتی ست
در سر آیم ہر دم و زانو زنم	پوز و زانو زاں خطا پر خون کنم
کژ شود پالان و رختم بر سرم	وز مکاری ہر زماں زخمے خورم
ہمچو کم عقلی کہ از عقل تباہ	بشکند توبہ بہر دم از گناہ
سخرۂ ابلیس گردد در زمن	از ضعیفی رائے آن توبہ شکن
در سر آید ہر زماں چوں اسپ لنگ	کہ بود بارش گران در راہ سنگ
می خورد از غیب بر سر زخم او	از شکست توبہ آن ادبارخو
باز توبہ می کند از رائے سست	دیو یک پف کرد توبہ را شکست

ضعف اندر ضعف کبرش آنچنان | که بخواری بنگرد در واصلان

ای شتر که تو مثال مومنی | کم فتی در رو و کم بینی زنی

تو چه داری که چنین بے آفتی | بے عثاری و کم اندر رو فتی

گفت گرچه ہر سعادت از خداست | درمیان ما و تو بس فرقہاست

سر بلندم من دو چشم من بلند | بینش عالی امانست از گزند

از سر که من به بینم پائے کوه | ہر گو و ہموار را من توه و توه

ہمچنانکه دید آن صدر اجل | پیش کار خویش تا روز اجل

آنچه خواہد بود بعد بیست سال | داند اندر حال آن نیکو خصال

حال خود تنہا ندید آن متقی | بلکه حال مغربی و مشرقی

نور در چشم و دلش سازد سکن | بہر چه سازد پے حب الوطن

ہمچو یوسف کو بدید اول بخواب | که سجودش کرد ماه آفتاب

از پس دو سال بلکه بیشتر | آنچه یوسف دیده بُد بر کرد سر

نیست آن ینظر بنور اللہ گزاف | نور ربانی بود گردون شگاف

نیست اندر چشم تو آن نور او | ہستی اندر حس حیوانی گرو

تو ز ضعف چشم بینی پیش پا | تو ضعیف و ہم ضعیفت پیشوا

پیشوا چشم ست دست و پائے را | کو به بیند جائے را نا جائے را

دیگر آنکه چشم من روشن ترست | دیگر آنکه خلقت من اطہر است

زانکه هستم من ز اولاد حلال   نی ز اولاد زنا و اهل ضلال

تو ز اولاد زنائی بیگمان   تیر کژ پرد چو کژ باشد کمان

تصدیق کردن استر جواب اشتر را و اقرار آوردن بفضل او بر خود و استعانت خواستن و پناه گرفتن و نواختن شتر او را و راه نمودن با و

گفت استر راست گفتی ای شتر   این بگفت و کرد چشم از اشک تر

ساعتی بگریست در پایش فتاد   گفت ای بگزیدهٔ رب العباد

چه زیان دارد که از فرخندگی   در پذیری تو مرا در بندگی

فضل تو بر من فزونست از شمار   هم بفضل خود مرا معذور دار

گفت چون اقرار کردی پیش من   رو که رستی تو ز آفات زمن

دادی انصاف و رهیدی از بلا   تو عدو بودی شدی ز اهل ولا

خوئے بد در ذات تو اصلی نبود   کز بد اصلی نیاید جز جحود

آن بد عاریتی باشد که او   آرد اقرار و شود او توبه جو

همچو آدم زلتش عاریه بود   لاجرم اندر زمان توبه نمود

چونکه اصلی بود جرم آن بلیس   ره نبودش جانب توبه نفیس

رو که رستی از خود و از خوئے بد   وز زبانه نار وز دندان دد

رو کہ اکنون دست در زلت زدی — در فگندی خود بہ بخت سرمدی

ادخلی چون فی عبادی یافتی — ادخلی فی جنتی دریافتی

در عبادش راہ کردی خویش را — رفتی اندر خلد از راہ خفا

اہدنا گفتی صراط المستقیم — دست تو بگرفت و بردت تا نعیم

نار بودی نور گشتی اے عزیز — غورہ بودی گشتی انگور و مویز

اختری بودی شدی تو آفتاب — شاد باش اللہ اعلم بالصواب

اے ضیاء الحق حسام الدین بگیر — شہد خویش اندر فگن در جوی شیر

تا رہد آن شیر از تغییر طعم — یابد از بحر مزہ تکثیر طعم

متصل گردد بدان بحر الست — چونکہ شد دریا ز ہر تغییر رست

منفذے یابد دران بحر عسل — آفتے را نبود اندر وے عمل

غرہ کن شیر وار اے شیر حق — تا رود آن غرہ بر ہفتم طبق

چہ خبر جان ملول سیر را — کے شناسد موش غرہ شیر را

برنویس احوال خود با آب زر — بہر ہر دریا دلے نیکو گہر

آب نیل ست این حدیث جانفزا — یا ربش در چشم قبطی خون نما

عقل و وہم کی حالت ایسی ہے جیسے کہ حضرت عزیر کے لڑکوں کی۔ قصہ ان کا یہ ہے کہ وہ تلاش پدر مین جلتے ہوئے لوگون سے حضرت عزیر کی حالت دریافت کرتے تھے وہ بڈھے ہوگئے تھے اور ان کے باپ جوان تھے کیونکہ جوانی مین انتقال فرمایا تھا اور سو برس تک مردہ رہے تھے اور سو برس کے بعد

حق سبحانہ نے انکو دوبارہ اسی حالت پر زندہ کیا تھا جسپر انہون نے انتقال فرمایا تھا پس ایسی حالت مین حضرت عزیر دفعتہ انکے سامنے آگئے چونکہ یہ بڈھے تھے اور وہ جوان اسلئے یہ اپنے باپ کو نہ پہچان سکے اور دریافت کیا کہ اے مسافر ہمارے عجیب و غریب باپ عزیر کی بھی تجھے کچھ خبر ہے کیونکہ کسی نے ہم سے کہا ہے کہ آج ناامیدی کے بعد عزیر باہر سے آئین گے انھون نے (توریۃً) فرمایا جی ہان میرے بعد آئین گے (جسکا مطلب یہ تھا کہ کمبختو میں تمہارے سامنے موجود ہون اور تم مجھے نہیں پہچانتے اور سمجھتے ہو کہ عزیر کوئی اور ہیں جو میرے بعد آئین گے فاندفع شبهة الكذب عن كلام عزير عليه السلام) بس ایک لڑکے کو تو انکے لہجہ کی طرف التفات نہوا اور اسکو خبر پر محمول کیا اور یہ خبر سنکر خوش ہوا اور جوش مین کہا کہ اے خوشخبر دینے والے خدا کرے تو خوش رہے کہ تو نے ہمیں خوشخبری سنائی۔ دوسرے نے انکے طرز ادائے مضمون کو سمجھ لیا اور پہچان لیا کہ یہ عزیر ہین اور بیہوش ہوکر گر پڑا اور بزبان حال کہا کہ اے یہ خبر کا کیا موقع ہے ہم تو شکر کی کان میں پہونچ گئے اور ہمیں تو ہمارا مطلوب مل گیا۔ بس یہی حالت عقل و وہم کی ہے کہ وہم کے لئے ایک شے خبر ہوتی ہے اور عقل کے نزدیک مشاہد۔ اور وہم کے نزدیک خبر ہونے کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ وہم ظاہر بین ہے اور ظاہر مین وہ شے موجود نہیں ہوتی پس یہ فقدان کا پردہ اسپر پڑا ہوتا ہے اور اسلئے وہ اُسے نہیں دیکھ سکتا۔ پھر اس خبر کی دو شانین ہوتی ہین کہ کافروں کیلئے تکلیف دہ ہے اور مومنین کیلئے خوش کن مگر بینا کے نزدیک وہ مشاہد ہے کیونکہ وہ عاشق ہوتا ہے اور عاشق مشاہدہ مین مستغرق ہوتا ہے اسی لئے اس کا مرتبہ کفر و ایمان تقلیدی سے بالاتر ہوتا ہے۔ کفر سے بالاتر تو اسلئے کہ کفر جہل ہے اور اسکو علم کا اعلیٰ درجہ حاصل ہے اور ایمان تقلیدی سے اسلئے کہ وہ تصدیق بدون مشاہدہ ہے اور یہ تصدیق مع المشاہدہ اسلئے کفر و ایمان تقلیدی گویا کہ اس عاشق کی حالت کے دربان ہین کیونکہ مغز در حقیقت وہ ہے اور کفر و ایمان اُسکے دو پوست ہین۔ (ف) مولانا نے کفر و ایمان کو حالت عاشق کا دربان قرار دیا ہے وجہ اسکی یہ ہے کہ جس طرح وہ شخص جو کسی امیر تک پہونچنا چاہتا ہے اسکو اول مختلف ڈیوڑھیون کے دربانوں سے واسطہ پڑتا ہے اور دربانون سے گذر کر امیر تک پہونچتا ہے یون ہی مشاہدہ حق سبحانہ تک پہونچنے کیلئے ضرورت ہوتی ہے کہ اول آدمی کفر سے نجات پائے اسکے بعد ایمان تقلیدی سے آگے بڑھے تب مشاہدہ تک رسائی ہوتی ہے اس مناسبت کے سبب کفر و ایمان کو مشاہدہ کا دربان کہا اور پوست دونوں کو اسلئے کہا کہ یہ دونون مشاہدہ سے ادنیٰ اور غیر مقصود ہین اور مقصود اصلی مشاہدہ ہے کفر کا غیر مقصود ہونا تو ظاہر ہے رہا ایمان تقلیدی سو گو وہ

ایک درجہ میں مقصود ہے لیکن مشاہدہ کے درجہ میں مقصود نہیں اسلئے اسکے لحاظ سے گویا کہ غیر مقصود ہے ایک وجہ تو پوست ہونے کی یہ ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ بعض مغز متعدد پوستوں میں مخفی ہوتے ہیں اور مغز کو حاصل کرنے کیلئے ضرورت ہوتی ہے کہ اول ایک پوست کو الگ کیا جاوے پھر دوسرے پوست کو یوں ہی تحصیل مشاہدہ کیلئے ضرورت ہے کہ اول کفر سے نجات پائی جاوے۔ پھر ایمان تقلیدی سے آگے بڑھا جاوے تب مشاہدہ حاصل ہوگا ھذا ما عندنا واللہ اعلم بالصواب وما قال المحشون فی تقریرہ فغیر صحیح عندی ولا کاف للحل) اس مقام پر ایک شبہ ہوتا تھا وہ یہ کہ آپنے کفر وایمان تقلیدی کو پوست کہکر دونوں کو یکساں کر دیا۔ حالانکہ ایسا نہیں۔ اس کا جواب دیتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ گو ہم نے دونوں کو پوست کہا ہے مگر پوستوں میں بھی آپس میں فرق ہوتا ہے اسلئے کفر وایمان میں بھی فرق ہے کیونکہ کفر ایک قشر خشک ہے جو کہ مغز مشاہدۂ حق سبحانہ سے روگردان ہے اور ایمان ایک ایسا قشر ہے جو کہ مغز سے لذت حاصل کئے ہوئے ہے اسلئے کفر چولھے میں ڈالنے کے قابل ہے اور ایمان تقلیدی قابل اختیار ہے کیونکہ قشر خشک جلانے کی قابل ہیں اور جلائے جاتے ہیں اور جو قشر مغز سے ملے ہوتے ہیں وہ اچھے ہوتے ہیں لیکن مغز ان سے بھی اچھا ہوتا ہے کیونکہ وہ بالذات لذت بخش ہوتا ہے اور قشر میں جو لذت ہوتی ہے وہ مغز ہی کی ہوتی ہے جو اسنے اتصال کے سبب حاصل کر لی ہے۔ پس ثابت ہوا کہ کفر مردود ہے اور ایمان تقلیدی پسندیدہ ہے۔ اور مشاہدہ مقصود اصلی ہے۔ خیر یہ گفتگو تو ختم ہی نہ ہوگی اسلئے لوٹنا چاہئیے تاکہ میرا موسے بحر کے دھوئیں اُڑادے۔

(ف) اس شعر کے حل میں ولی محمد نے کہا ہے کہ یہ انتقال ہے قصہ موسے علیہ السلام کی طرف جو متفرق طور پر سابق میں گذر چکا ہے۔ لیکن مولانا کو پھر کچھ یاد آگیا اسلئے اُس قصہ کو چھوڑ دیا اور مضمون زاہد کو بیان کرنا شروع کر دیا۔ اسکے بعد پھر اس قصہ کو دو کا مدش پیغام از وحی مہم،، سے شروع کیا اور کہا ہے کہ از بحر گرد برآوردن سے مراد اسکو خون کر دینا ہے مگر میرے نزدیک یہ رائے صحیح نہیں کما سیجیٔ تفصیلہ بلکہ میرے نزدیک موسے سے مُراد حق سبحانہ یا حسام الدین ہیں اور بحر سے مراد بحر معارف ہے اور گرد برآوردن سے مراد استقصار بیان معارف ہے اور باز گرد سے مقصود دو از ہزاران من نمی گویم یکے الخ کی طرف لوٹنا ہے)

اچھا سنو اُن بزرگ نے کہا کہ یہ مضمون عوام کی سمجھ کے مطابق بیان کیا گیا ہے اور جو مضمون کہ اُن کی سمجھ سے باہر تھا اسکو چھپا لیا گیا ہے۔ یہاں سے مولانا مضمون ارشادی بیان فرماتے ہیں اور قصور فہم عوام کا نشا متعین فرماتے ہوئے کہتے ہیں کہ تمہاری عقل کا سونا برادہ کیا ہوا ہے پس برادہ پر میں سکہ

کیونکر قایم کرسکتا ہون یعنی تمہاری عقل سیکڑون ضروریات زائد اور ہزارون آرزؤں اور جمع مال کثیر پر
منقسم ہے اور ہزارون فکرین تمھین لاحق ہین اسلئے اول تمہین اپنی پراگندہ عقل کو عشق کے ذریعہ سے جمع
کرنا چاہئے کیونکہ عشق کا قاعدہ ہے کہ طبیعت جو چارون طرف بٹی ہوتی ہے اسکو ایک مرکز پر لاکر جمع کردیتا ہے
اس سے تم کو یہ فائدہ ہوگا کہ تم معارف کے سمجھنے کے قابل ہوجاؤگے اور تمہارا باطن ان سے سمرقند اور
دمشق کی طرح گلزار ہوجائیگا- اور اگر تم اپنی عقل جزوی کو جسکو اشتباہ اور وہم کہنا زیبا ہے ایک جَو کی برابر
جمع کرلوگے تو تمپر بادشاہ کا سکہ قایم کیا جاسکتا ہے جس سے تم ٹکسال ہوجاؤگے اور اگر ایک مثقال
سے زیادہ جمع کرلوگے تو بادشاہ تم سے ایک زرینہ جام بنائیگا- جو بادشاہ کی حضوری میں رہے گا-
اور اسپر بادشاہ کا نام اور القاب اور صورت چھاپی جاویگی- خلاصہ یہ کہ اجتماع خیالات بعشق سبحانہ کے
بعد تم مقبول حق سبحانہ اور اسکی حضوری کے قابل ہوجاؤگے- اور عقل کو بذریعہ عشق کے اس درجہ مجتمع کرنا
چاہئے کہ وہ جدھر دیکھتا ہون اُدھر تو ہی تو ہے" صادق ہوجاوے- روٹی بھی معشوق ہوجاوے پانی بھی
چراغ بھی حسین بھی نقل وشراب بھی (ف تاکہ الخ جمع باید کرد سے متعلق ہے اور جو جوئے چون الی
آخر البیت الثالث جملہ معترضہ ہے) ہم پھر کہتے ہین کہ جمعیت خاطر حاصل کر کیونکہ اجتماع خواطر موجب رحمت ہے
(اس میں تلمیح ہے قول جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ید اللہ علی الجماعۃ کی طرف) اور جمعیت خاطر اسلئے
حاصل کرتا کہ میں تجھ سے حقیقت حال بیان کرسکون اسلئے کہ کہنے کا مقصود تو یہ ہے کہ سننے والا یقین کرے
اور جان شرک حقائق واقعیہ کے یقین سے آتی ہے- جان شرک سے وہ جان مراد ہے جو اشیاء داخلہ فی
جو الفلک مین منقسم ہے اور بہت سے خیالات مین مشترک ہے- ایسی حالت میں اس مطالب ثبوت کیلئے ہماری خموشی
ہی ہمارے بیان کا بہتر ثبوت ہے اسلئے کہ وہ احمق ہے اور احمقوں کا جواب خاموشی ہے- اب فرماتے ہیں کہ
مین یہ سب کچھ جانتا ہون کہ مخاطب نااہل اور احمق ہین اور احمقون کا جواب خموشی ہے لیکن کیا کروں میرا
سُکر اور بیخودی یون ہی بلاقصد میرا منہ کھولدیتی ہے جسطرح کہ چھینک اور جمائی تمہارا منہ بلاارادہ کھولدیتی ہے-
(ف مستی تن سے مراد مستی روحانی ہے نہ کہ جسمانی اور اضافت بسوئے تن بادنی ملابست ہے اور
اور بعض نسخون مین مستی من واقع ہے یہ انسب اور بے تکلف ہے) جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح
مین بھی اپنی گفتگو اور دُر ہائے معارف بکھیرنے کے سبب ہر روز ستر دفعہ توبہ کرتا ہون- لیکن میری
بیخودی پھر توبہ توڑ ڈالتی ہے کیون نہو یہ مستی جسمانی جو آدمی کو ننگا کردیتی ہے یعنی مستی شراب وغیرہ یہ

بھلا دینے والی ہے - پھر مستی روحانی تو اس سے ہزارون درجہ بڑھی ہوئی ہے وہ کیوں نہ بھلا دیگی - اور اصل منشا ان اسرار کے فاش ہونے کا یہ ہے کہ حق سبحانہ کی حکمت اس لمبی تاریخ اسرار کا اظہار چاہتی ہے - اسلئے اس رازدانون پر بیخودی طاری کردی ہے اور اسرار مخفیہ جو اس قدر مشہور ہوگئے اسکی وجہ یہی ہے کہ بتقدیر الٰہی چشمہ معارف اُبلنے لگا - پس حق سبحانہ کی رحمت بیحد ہر وقت ہر طرف جاری ہے - مگر اے لوگو تم سوئے ہوئے ہو اور تمھین اس کا احساس نہیں اور احساس نہ ہونا ہی چاہئے کیونکہ سونے والیکی حالت یہ ہوتی ہے کہ اس کا کپڑا ندی مین پڑا ہوا پانی پیتا ہوتا ہے اور وہ خواب مین سراب کا طالب ہوتا ہے - اور پانی کو چھوڑ کر وہان جاتا ہے جہان پانی کی امید ہوتی ہے اور اس غلط خیال سے وہ اپنے اوپر اصلی پانی کا رستہ بند کرلیتا ہے کیونکہ جب اسنے کہا پانی وہان ہے تو وہ اسکی تلاش مین وہان جاتا ہے اور اس جگہ سے جہاں پانی ہوتا ہے دور ہوجاتا ہے اور وہ ایک خیال محض کیلئے واقعی پانی سے جدا ہوجاتا ہے اسلئے اسے پانی نہین مل سکتا - اب مولانا فرماتے ہین کہ یہ اہل دنیا دور بین ہیں اور ان کی ارواح خواب غفلت مین سو رہی ہین - پس اے سالکین راہ حق آپ حضرات ان لوگوں پر رحم فرمادین اور انہیں اس خواب خرگوش سے جگا دین - ہان تو مین نے کہا تھا کہ تم لوگ آب رحمت الٰہی کا احساس نہین کرتے اور سو رہے ہو اب کہتا ہون کہ مین نے تو نہین دیکھا کہ پیاس کے ہوتے نیند آئے ہاں احمق کی پیاس ضرور رشو سکتی ہے - پس تم جو پیاسے ہو کر سو رہے ہو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تم احمق ہو - اسپر کوئی یہ شبہ نہ کرے کہ انکی عقل پر تو وہ دلائل موجود ہین جنکا انکار نہین کیا جا سکتا ہے جیسے علوم غریبہ و ایجادات عجیبہ وغیرہ پس ان کو بے عقل کیونکر کہا جا سکتا ہے اسلئے کہ یہ نتائج اُس عقل کے ہیں جو عطارد کے اثر سے پیدا ہوتی ہے اور وہ حقیقۃً عقل نہین ہے حقیقۃً عقل وہ ہے جو حق سبحانہ سے فیضیاب ہو - اسلئے کہ اس دنیاوی عقل کی پیش بینی تو زیادہ سے زیادہ قبر تک ہوتی ہے اور اہل اللہ جنکی عقول حق سبحانہ سے مستفیض ہوتی ہین ان کی دوربینی قیامت تک ہوتی ہے - پس تم کو واضح ہو کہ یہ عقل قبر کی مٹی سے آگے نہیں چلتی اور یہ قدم متعارف میدان انتہائے ظاہر کو تو طے کرتا ہے مگر میدان کو جو کہ محل عجائب ہے نہین طے کرسکتا اسلئے اسکو اس قدم اور اس عقل سے بیزار ہونا چاہئے اور چشم غیب بین طلب کرکے اس سے متمتع ہونا چاہئے - تم عقل کسبی کو کافی سمجھتے ہو - لیکن یاد رکھو کہ جو شخص مطیع استاد اور شاگرد کتاب ہے اور اس ذریعہ سے عاقل بنتا ہے وہ موسیٰ علیہ السّلام کی طرح جیب سے نور نہین حاصل کرسکتا - اور اس نظر و فکر اور عقل مکسوب سے بجز سر چکرانے کے اور کچھ حاصل نہین ہوتا

اسلئے نظر و فکر کو چھوڑ کر انتظار رحمت حق سبحانہ اختیار کرنا چاہئے دیکھو معلمی سے شان نہیں بڑھتی اسلئے اس رفعت کا طالب ہونا چاہئے بلکہ انتظار رحمت کرنا چاہئے اور تعلیم کو چھوڑنا چاہئے کیونکہ منتظر رحمت کے لئے سُننا کہنے سے زیادہ اچھا ہے کیونکہ منصب تعلیم کی خواہش ایک قسم کی ہوائے نفسانی ہے اور راہ حق مین ہر وہ خیال جسکا منشا ہوائے نفس ہو گویا کہ ایک بُت ہے اور اس کا اتباع گویا کہ پرستش ہے غیر معبود کی اور پرستش غیر کا مانع از وصول الی الحق ہونا ظاہر ہے اسی لئے یہ خیال مذکور سلوک راہ حق سے مانع ہے۔ ہمنے تعلیم کی ممانعت کرکے تعلُّم کی اسلئے ترغیب دی ہے کہ بدون تعلُّم کے راہ یابی ناممکن ہے کیونکہ اگر ہر بیہودہ محض اپنی عقل سے حق سبحانہ کے فضل کا پتہ لگا لیتا تو حق سبحانہ اتنے انبیاء کا ہے کو بھیجتے۔ بس ان کا بھیجنا خود دلیل ہے عقول ناقصہ کی ناکافی ہونیکی عقل جزوی (ناقص) کی تو ایسی مثال ہے جیسے بجلی اور اسکی چمک کہ اسکی چمک سے وخش وغیرہ مقامات کی طرف نہین چل سکتے اسلئے کہ بجلی کی چمک رہنمائی کیلئے نہین ہے بلکہ یہ تو حکم ہے ابر کیلئے رونے اور برسنے کا علی ہذا ہماری عقل کی بجلی بھی رونے کیلئے ہے تاکہ آدمی شوق و محبت حق میں روئے کیونکہ فنا مطلوب ہے اور فنا شوق و ذوق ہی مین ہے۔ نیز اہل دنیا بچے ہین اور بچوں کی عقل یہ تو حکم کر سکتی ہے کہ مکتب چلو پڑہنا اچھی چیز ہے لیکن یہ نہیں کر سکتی کہ خود بخود علم حاصل کرلے علی ہذا اہل دنیا کی عقول یہ تو بتلا سکتی ہین کہ اہل اللہ معلم ہین ان سے علم حاصل کرنا چاہئے لیکن یہ نہین کرسکتے کہ خود بخود معرفت حاصل کرلین۔ نیز اہل دنیا بیمار ہین اور بیمار ون کی عقلین یہ تو کہہ سکتی ہین کہ چلکر طبیب سے علاج کرانا چاہئے۔ لیکن وہ صحیح معالجہ نہین کرسکتین۔ علی ہذا اہل دنیا کی عقول اطبا روحانی کی طرف رجوع کرنے کی ہدایت کرسکتے ہیں۔ مگر خود معالجہ نہین کرسکتین۔ شیاطین کو دیکھ لو کہ یہ آسمان پر جاتے تھے اور اسرار کو کان لگا کر سنتے تھے اور کسی قدر اسرار اُڑا بھی لیتے تھے مگر نتیجہ اس کا یہ ہوا کہ شہابون کی مار پڑی اور ان کو آسمانون سے ہٹا دیا گیا اور یہ حکم ہوا کہ جاؤ ایک رسول آئے ہین جو کچھ تم کو لینا ہو اُن سے تم کو ملیگا۔ براہ راست حاصل کرنیکی سعی فضول ہے اگر تمکو ان بیش بہا موتیوں کی ضرورت ہے تو انکو باقاعدہ حاصل کرو اور گھروں مین دروازون سے آؤ جسکا مطلب یہ ہے کہ دروازہ پر کھڑے ہو کر زنجیر کھٹکھٹاؤ اور جب صاحب خانہ اجازت دے تب اندر جاؤ اور یہ حکم ہم تم کو اسلئے دیتے ہین کہ بام فلک کی جانب سے تمہارے لئے وصول الی اسرار الحق کی طرف راہ نہیں ہے۔ نیز تمہین اتنے لمبے رستہ کی قطع کرنے کی ضرورت بھی نہین ہے کیونکہ ہمنے ایک خاکی کو اسرار تفویض کردئیے ہین جن سے تم بھی لے سکتے ہو اگر تم خائن نہیں ہو تو اُن کے پاس آؤ

اور ان سے اسرار حاصل کر کے نیشکر اور بامعنی بن جاؤ۔ اگرچہ اب تم محض بانس اور بے معنی ہو۔ خلاصہ یہ کہ تم لوگ خود تعلیم حاصل کرنیکی کوشش نہ کرو بلکہ ایک رہنما تلاش کرو۔ یہ رہنما تمہاری خاک سے سبزہ پیدا کریگا اور تم کو علوم و معارف کا ایک چمن بنادیگا کیونکہ وہ سم اسپ جبریل سے کم نہیں ہے۔ پس جبکہ سم اسپ جبریل سبزہ اُگا سکتا ہے تو وہ رہنما کیوں نہیں اُگا سکتا۔ پس اگر تم کسی جبریل کے گھوڑے کی خاک ہو جاؤ یعنی کسی صاحبدل کے منقاد بن جاؤ تو وہ نئے سرے سے تمہیں سرسبز اور تروتازہ کردیگا اور جو سبزہ کہ وہ رہنما اُگائیگا وہ اسی قسم کا سبزہ جان بخش ہوگا جسکو سامری نے گوسالہ میں داخل کیا تھا جس سے وہ جوہر حیات سے آراستہ ہوگیا تھا اور اس سبزہ سے زندہ ہوگیا تھا۔ اور یوں بولنے لگا تھا کہ کفار کیلئے موجب فتنہ ہوگیا تھا۔ (**ف** عدو اور کافر ان لوگوں کو باعتبار مآل کے کہا ہے ورنہ وہ پہلے مسلمان تھے۔) دیکھو اگر تم واقفان اسرار کے پاس امین ہو کر جاؤ گے یعنی باقاعدہ تعلیم حاصل کرو گے تو ایک روز تم باز کی طرح سر کی ٹوپی سے چھوٹ جاؤ گے۔ یعنی اس سر کی ٹوپی سے جسنے تمہاری آنکھیں اور کان بند کر رکھے ہیں کہ نہ تم حق سنتے ہو نہ اسرار دیکھتے ہو اور جس سے تمہاری روح بہت مغلوب اور خستہ ہوگئی ہے (سر کی ٹوپی سے مُراد ہوائے نفس ہے۔) اور چھوٹ جانیکی وجہ یہ ہے کہ محجوبین کی آنکھوں پر ٹوپی اسلئے ہوتی ہے کہ ان کا پورا میل بازوں کی طرح اپنی جنس کی طرف ہوتا ہے۔ پس جبکہ وہ اپنے ہمجنسوں سے قطع تعلق کر کے بادشاہ کے دوست بنجائینگے تو باز کی طرح ان کی آنکھیں کھول دیجائینگی اور وہ اسرار کا مشاہدہ کرسکیں گے۔ غرضکہ حق سبحانہ نے شیاطین کو انکی گھات سے نکال دیا ہے اور عقل ناقص کو استقلال اور خودسری سے نکال دیا ہے بایں معنی کہ اسکو نہایت کمزور بنایا ہے جس میں اشارہ ہے اس طرف کہ تم خودسری نکرو کیونکہ تم خودسر نہیں بنائے گئے ہو بلکہ تم اہل دل کے شاگرد اور صالح الاستقلال ہو۔ پس تم اہل دل کے پاس جاؤ کیونکہ تم اُن کے تابع ہو نہ کہ مستقل اور تم کو واضح ہو کہ تم اس بادشاہ عادل (صاحب دل) کے غلام ہو نہ کہ خود بادشاہ۔ اور یہ بندگی تمہارے لئے بادشاہ بننے سے بہتر ہے کیونکہ بندہ بننا تذلل اور تمسکن ہے اور بادشاہ بننا تکبّر و تجبر اول صفت آدم ہے اور دوسری صفت ابلیس۔ کیونکہ اس نے کہا تھا انا خیر منہ۔ یعنی میں آدم سے بہتر ہوں اسلئے میں ان کے سامنے تذلل کیوں اختیار کروں۔ پس تم بندگی اور بادشاہی دونوں کے فرق کو دیکھو اور ابلیس کے تکبّر کو چھوڑ کر بندگی جو صفت ہے آدم علیہ السلام کی اسے اختیار کرو۔ دیکھو جو راہ حق کے آفتاب ہیں انھوں نے فرمایا ہے طوبیٰ لمن ذلت نفسہ یعنی بڑی اچھی حالت ہے اسکی جو منکسر المزاج اور مسکین طبع ہو پس تم کسی طوبیٰ کا سایہ دیکھکر اس

میں چین سے ہو جاؤ اور سر رکھدو اور اس سربلند کے سایہ مین سو جاؤ یعنی کسی عالی مقدار صاحب کمال کی خدمت مین اسکے مطیع ہو کر رہو۔ دیکھو یہ تمسکن طبع اور انقیاد کا سایہ نہایت اچھی خواب گاہ ہے کیونکہ یہ ان لوگون کی خواب گاہ ہے جو صفائی باطن کی استعداد رکھتے ہین پس تم اسے نہ چھوڑنا۔ کیونکہ اگر تم اس سایہ کو چھوڑ کر تکبر کی طرف چلدئے تو بہت جلد گمراہ ہو جاؤ گے اور راہ حق بھول جاؤ گے۔ دیکھو تم تابع ہو نہ متبوع اسلئے تمکو چاہئے کہ اطاعت شیخ اور استاد علم باطن کے امر کے سایہ مین تربیت پاتے ہوئے خاموش رہو۔ ہم پھر کہتے ہین کہ تم تابع ہو اور تمہارا کام اطاعت ہے اسلئے خود خاموش رہو اور ان کا حکم مانو۔ اور خواہ مخواہ اپنے کو حاکم نہ بناؤ ورنہ اگرچہ تم استعداد اور قابلیت معرفت رکھتے ہو مگر لات کمال سے مسخ ہو جاؤ گے اور قابلیت قریبہ جاتی رہیگی اور اگر تم استاد واقف کار سے سرکشی کر دگے تو استعداد قریبہ بھی ہاتھ دھو بیٹھو گے (ف اسکی وجہ ایک تو شامت عصیان ہے اور دوسری وجہ عقلی یہ ہے کہ قاعدہ ہے کہ آدمی جتنا جس قوت سے کام لیتا ہے اتنی ہی اس قوت کو تقویت ہوتی ہے اور اسی قدر اسکی ضد ضعیف ہوتی ہے پس جبکہ یہ عصیان امر شیخ پر اصرار کریگا تو جسقدر اصرار کریگا اتنی ہی قوت عصیان بڑھے گی اور قوت انقیاد مضمحل ہوگی اور جس قدر قوت انقیاد مضمحل ہوگی اتنی ہی استعداد معرفت کم ہوگی کیونکہ حصول معرفت مبنی ہے انقیاد پر اور قوت انقیاد ضعیف اور مغلوب ہے تو لامحالہ استعداد معرفت کمزور ہوگی اور گھٹتے گھٹتے معدوم کے درجہ پر پہونچ جاوگی اور بمنزلہ معدوم کے ہو جائیگی لہذا تم موزہ دوزی کی مشقت پر صبر کرو اور اس میں تکلیف اٹھاؤ ورنہ صرف جوتیان گانٹھنے والے رہو گے یہ لوگ جو اس وقت جوتیان گانٹھتے ہین اگر ان مین صبر اور تحمل ہوتا تو یہ لوگ علم کی بدولت آج تیئے موزہ بنانے والے کاریگر ہوتے۔ خلاصہ یہ کہ اگر اطاعت مشایخ سے جی چراؤ گے تو ہمیشہ ناقص رہوگے اور کمال نصیب نہ ہوگا۔ یہ لوگ جو اس وقت ناقص ہین اسکی وجہ یہی ہے کہ انھون نے کاملین کی اطاعت نہین کی ورنہ یہ بھی اس وقت کامل ہوتے۔ خیر تو ہم نے کہا تھا کہ اگر تم موزہ دوزی سے جی چراؤ گے تو ہمیشہ پارہ دوز رہوگے اب ہم کہتے ہین کہ تم پارہ دوزی مین عمر بھر کوشش کر دگے مگر آخر میں تمہین اپنی غلطی کا اقرار کرنا پڑیگا اور کہوگے کہ واقعی عقل ایک زانو بند ہے جو کہ سلوک طریق معرفت سے روک دیتی ہے جس طرح کہ وہ فلسفی شخص (یعنی بوعلی سینا شیخ الفلاسفہ) موت کیوقت عقل کو بے ساز و سامان دیکھتا تھا اور محض بے نتیجہ و فائدہ اقرار کرتا تھا کہ ہمنے ذکاوت کا گھوڑا فضول دوڑایا اور ذکاوت کے دھوکے مین آکر اہل اللہ کی اطاعت نہ کی اور خیالی سمندر میں تیرتے رہے اب مولانا فرماتے ہین کہ یاد رکھو کہ بحر روح یعنی بحر معرفت مین تیرنا یعنی ذکاوت سے کام لینا

بالکل بیکار ہے وہان تو کشتی نوح یعنی اعانت اہل اللہ کی ضرورت ہے اے کاش یہ شخص تیرنا نہ جانتا اور علوم
رسمیہ و ذکاوت و ذہانت سے عاری ہوتا تاکہ نوح اور انکی کشتی کی خواہش ہوتی یعنی وہ اہل اللہ سے طالب
امداد ہوتا۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اس بحر بے پایان مین کشتی یا تو مین ہون یا وہ
لوگ جو میرے بصیرتون مین تربیت پاکر میرے جانشین ہوئے ہین پس ہم دونون کشتی ہین دیکھنا تم
اس کشتی سے منہ نہ موڑنا اور کنعان کی طرح پہاڑون (یعنی عقول دنیویہ) کی طرف نہ جانا اور قرآن سے
ارشاد لاعاصم الیوم من امر اللہ الامن رحم سن لینا جو کنعان کی پناہ گزینی بکوہ کے متعلق فرمایا گیا
ہے۔ تم چونکہ نظر بندی مین محبوس ہو اسلئے تمہین یہ کشتی معمولی شے معلوم ہوتی ہے اور اپنی عقل کے پہاڑ کو
بڑا سمجھتے ہو لیکن خبردار اور پھر خبردار اس بظاہر حقیر کشتی کو واقع مین حقیر نہ سمجھنا اور حق سبحانہ کے اس فضل کو دیکھنا
جو اس سے پیوستہ اور اس حقیر کشتی کے شامل حال ہے (یا یہ کہ تم اسکے ظاہر حقارت پر نظر کرکے اسے حقیر نہ
سمجھنا بلکہ اس واصل بحق کشتی کی جلالت واقعیہ کو دیکھنا) اور اپنی کوہ عقل کی بلندی پر نظر نہ کرنا۔ کیونکہ ایک
موج قہر اسکو زیر و زبر کر سکتی ہے۔ اب مولانا فرماتے ہین کہ مین کہتا تو ہون لیکن اگر تم کنعان ہو تو خواہ مین
کتنی ہی نصیحت کرون مگر تم ہرگز نہ مانوگے۔ اسلئے کہ کنعان ان باتون کو بسمع قبول نہین سنسکتا۔ کیونکہ اسپر
خدا کی مہر لگی ہوئی ہے اور نصیحت مہر حق کو توڑکر آگے نہین بڑھ سکتی اور یہ حادث حکم ازلی کو نہین بدل سکتا
لیکن یہ خوش اثر گفتگو مین اس اُمید پر کرتا ہون کہ تم کنعان نہین ہو۔ خیر یہ مضمون تو استطرادی تھا اب وہی
مضمون سابق سنو دیکھو آخر مین تمہین اپنے قصور عقل کا اقرار کرنا پڑیگا۔ پھر ابتدا ہی مین نتیجہ کیون نہ دیکھ لو
تم نتیجہ کو اگر دیکھنا چاہو تو دیکھ سکتے ہو۔ یہ دوسری بات ہے کہ تم اپنی چشم آخر بین کو اندھا کرلو پس تم ایسا کرو
اور اس سے کام لیکر نتیجہ پر ضرور نظر کرو۔ دیکھو جو شخص سعید اشخاص کی طرح آخر بین ہوتا ہے اُسے راہ چلنے
مین ہردم لغزش نہین ہوتی۔ پس اگر تم چاہتے ہو کہ ہر وقت یہ خفت و خیز (گرنا اور گر کر اُٹھنا) نہو تو اسکی
صورت یہ ہے کہ نظر کو تیز کرو اور اسکی تدبیر یہ ہے کہ اہل اللہ کی خاک پا کا سرمہ آنکھون مین لگاؤ۔ اس کا
نتیجہ یہ ہوگا کہ تم ٹھوکر نہ کھاؤگے اور تمہارا بیہودہ سر زمین سے نہ ٹکرائے گا۔ کیونکہ اگر تم سوئی کی طرح ضعیف
ہوگئے تو بھی اس شاگردی اور تذلل کے سبب تم ذوالفقار کی طرح قوی ہوجاؤگے۔ پس تمہین چاہیے کہ
ہر مقبول حق سبحانہ کی خاک پا کو سرمہ بناؤ۔ یہ خاک لگتی تو ضرور ہے مگر آنکھ کے موافق ہے اسلئے اسے ٹھیک
کردیتی ہے یعنی اطاعت و انقیاد اہل اللہ ناگوار تو ضرور ہے مگر آدمی کو کندن کردیتا ہے۔ پس تو ضرور یا لضرور

خاک پائے اولیاء اللہ سے اپنی آنکھ روشن کر۔ تاکہ ابتداء سے انتہا تک تجھے نظر آنے لگے۔ یعنی جسطرح ابتداء کار نظر آتی ہے یون ہی اس کا انجام بھی معلوم ہونے لگے دیکھو اونٹ کی آنکھ اسی لئے نور بار ہوتی ہے کہ وہ نور چشم حاصل کرنے کیلئے کانٹے کھاتا ہے (ف نور حاصل کرنے کیلئے کانٹے کھانا اسلئے ہے کہ اُن سے وہ غذا حاصل کرتا ہے اس چشم وروح کو قوت ہوتی ہے اور یہ قوت ابصار مین معین ہوتی ہے واللہ اعلم) پس تم بھی کانٹے کھاؤ یعنی تکلیف تعمیل حکم شیخ برداشت کرو تاکہ اس سے تمھارے اندر گلشن معرفت کھلے اور تمھاری آنکھون مین نور بڑھے اور روح کدورت نفسانیہ سے پاک ہو۔ دیکھو اگر تم خار حب جاہ کو چشم دل سے نکال ڈالو تو حق سبحانہ تمھاری چشم روح کو روشنی عطا فرماوینگے جس سے تم مین حقیقی دوربینی کی صفت پیدا ہو جاویگی۔ اب ہم تمہین ایک حکایت سناتے ہین جس سے تم کو دوربینی کے فوائد اور اطاعت دوربین کے منافع معلوم ہون۔ سنو ایک خچر اور ایک اونٹ ایک آخور پر جمع ہو گئے تو خچر نے اونٹ سے کہا کہ میں گڈھے مین رستہ مین بازار مین گلی مین غرض ہر مقام پر گر پڑتا ہون پس سمجھہ مین نہین آتا کہ مین اس قدر کثرت سے ہموار اور ناہموار زمین مین کیون گرتا ہون بالخصوص پہاڑ کے اوپر سے اسکے نیچے بباعث خوف گر کر آ جاتا ہون لیکن تم نہین گرتے یہ کیا بات ہے۔ شاید تمھاری جان چاک دولت اعانت خدا تعالیٰ رکھتی ہو۔ مین تو ہر دم سر کے بل گر جاتا ہون اور گھٹنون کو زمین پر مارتا ہون اور منہ اور گھٹنوں کو غلطی سے خون مین شرابور کر لیتا ہون۔ میرا پالان اور سامان بھی ٹیڑھا ہو کر میرے سر پر آ پڑتا ہے اور کرایہ لینے والا بھی اس وجہ سے ہر دم مجھے مارتا ہے۔ اب مولانا فرماتے ہین کہ اس خچر کی حالت ایسی ہی ہے جیسے کم عقل آدمی کی کہ اپنی کم عقلی سے ہر مرتبہ گناہ کر کے توبہ توڑ دیتا ہے اور اپنی عقل کی کمزوری کے سبب وہ توبہ شکن اس وقت ابلیس کا مطیع ہو جاتا ہے اور ہر وقت وہ اس لنگڑے گھوڑے کی طرح سر کے بل گرتا ہے جسکا بوجھ بھاری ہو اور رستہ مین پتھر پڑے ہون وہ او بار خصلت غیب سے توبہ شکنی کے سبب اپنے سر پر زخم بھی کھاتا ہے مگر پھر بھی اپنی کمزوری عقل کے سبب توبہ توڑ ڈالتا ہے۔ اسکی توبہ کی حالت یہ ہوتی ہے کہ شیطان نے ایک پھونک ماری اور اُسکی توبہ ٹوٹی اسقدر تو کمزور ہوتا ہے لیکن اسکے تکبر کی یہ حالت ہوتی ہے کہ اہل اللہ کو بنظر حقارت دیکھتا ہے۔ اس مضمون استطرادی کو ختم کر کے فرماتے ہین کہ خچر نے اونٹ سے کہا کہ اے مومن کی مانند اونٹ تو منہ کے بل کم گرتا ہے اور کم ناک کو زمین پر مارتا ہے تجھ مین کیا وصف ہے کہ تو آفات سے اس قدر محفوظ ہے کہ نہ تجھے لغزش

لغزش ہوتی ہے اور نہ تو منہ کے بل گرتا ہے۔ اونٹ نے جواب دیا کہ یون خوش قسمتی خدا کی دین ہے لیکن اسباب ظاہرہ کے لحاظ سے بھی مجھ مین اور تجھ مین بہت فرق ہے اول تو میرا سر اونچا ہے اور اس وجہ سے میری آنکھیں اونچی ہین اور میری عالی نظر مجھے ضرر سے محفوظ رکھتی ہے۔ میری یہ حالت ہے کہ مین پہاڑ کے اوپر سے اسکے نیچے تک گڈھے اور ہموار مقامات جو بکثرت ہوتے ہین دیکھ لیتا ہون۔ اب مولانا فرماتے ہین کہ اونٹ کی یہ حالت ایسی ہی ہے جیسی کہ ایک عارف کامل اپنے کام کرنے سے پہلے اُس کے اُن نتائج کو دیکھ لیتا ہے جو اُسپر قیامت تک مرتب ہونیوالے ہین اور جسطرح سے کہ وہ بیس برس بعد ہونے والی بات کو فی الحال جان لیتا ہے اور وہ صرف اپنی ہی حالت نہین دیکھتا بلکہ ایک مغربی و مشرقی کی حالت بھی دیکھ لیتا ہے (ف واضح ہو کہ اس سے کشف کا اختیاری ہونا اور اس کا ہر وقت اور ہر حال مین اور ہر شخص اور ہر چیز کے متعلق ہونا مُراد نہین بلکہ فی الجملہ اس کا تحقق مراد ہے خواہ فی بعض الاحیان و بعض الاحوال متعلقاً ببعض الاشیاء ہو اسکو خوب سمجھ لینا چاہئے اور ہم دیگر مقامات پر بھی اسپر تنبہ کر چکے ہین) اور وجہ اسکی یہ ہوتی ہے کہ نور اسکی آنکھ اور اُسکے دل مین گھر کر لیتا ہے اور کیون کر لیتا ہے اسلئے کہ وہ عالم ناسوت سے تعلق چھوڑ دیتا ہے اور عالم غیب پر عاشق ہوتا ہے اور عشق عالم غیب اور ترک ناسوت کا خاصہ ہے کہ اس سے نور پیدا ہوتا ہے (ف ھذا ھو المراد ولا تلتفت الی ما قال بحر العلوم) اہل اللہ کی پیش بینی کی ہم تمہین ایک مثال سناتے ہین۔ سنو حضرت یوسف علیہ السلام نے خواب مین دیکھا تھا کہ مجھے چاند سورج اور دیگر ستارے سجدہ کر رہے ہین۔ چنانچہ دس سال بلکہ زیادہ کے بعد اس کا ظہور ہو گیا تو انھون نے اتنی مدت پیشتر دیکھا تھا اور اور کیون نہ ہوتا یہ ناظر بنور اللہ تھے اور نظر بنور اللہ غلط نہین ہو سکتی کیونکہ حق سبحانہ کا نور تو آسمانون سے پار ہو جانے والا ہے اور تم جو اس قدر پہلے سے نہین دیکھ سکتے اسکی وجہ یہ ہے کہ تمہاری آنکھ مین وہ نور ربانی نہین ہے بلکہ تم حس حیوانی مین محبوس ہو جو کہ ضعیف ہے اور ضعف بصر کے سبب بالکل قریب کی شے دیکھ سکتے ہو نہ کہ دور کی لہذا تم بھی ضعیف ہو اور تمہارا پیشوا بھی ضعیف ہے تمہارے پیشوا کو ہمنے اسلئے ضعیف کہا ہے کہ آنکھ پیشوا ہے ہاتھ اور پاؤن کا کیونکہ محل مناسب اور غیر مناسب کو وہی دیکھتی ہے اور ہاتھ پاؤن اس کا اتباع کرتے ہین اور ہم بتلا چکے ہین کہ یہ آنکھ کمزور ہے پس ضعف پیشوا ثابت ہو گیا (ھذا ھو الحق وما قال بعض المحشین ان قولہ نیست اندر چشم تو الخ مقولۃ للجمل فخطأ محض کما لا یخفی علی المتدبر فی قولہ

ہستی اندر چشم حیوانی گرد۔ واللہ اعلم) خیر تو اونٹ نے کہا کہ ایک تو یہ وجہ تھی جو ابھی بیان کر چکا ہون دوسری وجہ یہ ہے کہ میری آنکھ مین نور زیادہ ہے اور تیسری وجہ یہ ہے کہ مین طیب الولادت ہون کیونکہ مین حلال سے پیدا ہوا ہون اور زنا زادہ اور گمراہون کی اولاد نہین ہون۔ برخلاف تیرے کہ تو ولد الزنا ہے اور قاعدہ ہی کہ جب کمان ٹیڑھی ہوتی ہے تو تیر بھی ٹیڑھا ہی چلتا ہے۔ لہذا چونکہ وہ فعل جس سے تو پیدا ہوا تھا خود غلط تھا اسلئے اس کا اثر تجھ مین بھی ہونا چاہئے اور تجھکو غلطیان کرتی چاہئین یہ سنکر خچر نے کہا کہ یہ آپنے بہت صحیح فرمایا یہ کہکر رونے لگا۔ کچھ دیر تک رویا کیا اور اُسکے پاؤن مین پڑا رہا اسکے بعد کہا کہ اے برگزیدۂ حق سبحانہ اگر آپ مجھے اپنی غلامی مین لیلین تو آپ کا کیا نقصان ہے آپ مجھسے بہت بڑھکر ہین پس آپ اپنی عنایت سے مجھے اس غلطی مین کہ اب تک مین خود مر رہا اور آپ کی اطاعت نہ کی معذور سمجھین اور اپنی خدمت مین قبول کرلین اسپر اونٹ نے کہا کہ جب تم نے میرے سامنے اپنے نقص کا اقرار کرلیا تو اب تم بلیات زمانہ سی نجات پاگئے۔ اب تمنے انصاف کیا اور بلا سے چھوٹ گئے۔ پہلے تم دشمن تھے اور اب دوست ہوگئے ہو معلوم ہوا کہ یہ بری خصلت تمہاری ذات مین اصلی نہ تھی کیونکہ جسمین فطری برائی ہو وہ تو لامحالہ انکار ہی کرے گا۔ آگے مولانا فرماتے ہین کہ وہ عارضی برا ہوتا ہے جو اپنے قصور کا اقرار کرے اور تائب ہوجاوے۔ جیسے کہ حضرت آدم علیہ السلام کہ وہ ان کی لغزش عارضی تھی اسلئے فوراً توبہ کرلی اور چونکہ شیطان کا جرم فطری تھا اسلئے وہ توبہ نہ کرسکا۔ اُسکے بعد اونٹ نے کہا اچھا جاؤ اب تم کو ایک بڑی دولت ملگئی ہے اور تم نے اپنے کو لازوال خوش قسمتی مین ڈال دیا ہے۔ آگے مولانا فرماتے ہین کہ اسی طرح جب تم حق سبحانہ کے بندون مین داخل ہوگئے تو جنت مین داخل ہوگئے اور جبکہ تمنے اسکے بندون مین اپنی راہ کرلی تو غیر محسوس رستہ سے تم جنت مین پھونچ گئے اور جب تم نے اھدنا الصراط المستقیم بصدق نیت کہا تو حق سبحانہ نے تمہارا ہاتھ پکڑلیا۔ اور تم کو جنت مین پھونچادیا۔ اسکے بعد اونٹ نے کہا کہ اول تم نار تھے اور اب نور ہوگئے۔ اور پہلے تم انگور خام تھے اسکے بعد پختہ ہوگئے اور پھر مویز بن گئے اور پہلے تم ستارے تھے اب آفتاب ہوگئے لہذا خوش رہو چین کرو۔ خلاصہ یہ کہ تم پہلے ناقص تھے اب کامل ہوگئے (ف ہم نے "نار بودی" کو اونٹ کا مقولہ کہا ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ خود مولانا ہی کے کلام کا تتمہ ہو) چونکہ اوپر نقصان سے مبدل بہ کمال ہونے کا بیان ہے اسلئے اب مولانا فرماتے ہین کہ اے ضیاء الحق حسام الدین آپ جوئے شیر مین شہد ملادین تاکہ وہ جوئے شیر مزہ بدلنے سے نجات پایا جاوے اور مزہ کے سمندر سے مزید مزہ اُسے حاصل ہوجاوے۔ یعنی آپ ناقصین کو کامل کردین

تاکہ وہ بحر الست یعنی حق سبحانہ مین فنا ہوکر اس مین ملجائین۔ اور اس ذریعہ سے نکس سے نجات پا جاوین کیونکہ جسطرح آب قلیل دریا مین ملکر ہر قسم کے تغیر سے محفوظ ہو جاتا ہے یون ہی آدمی حق سبحانہ مین فنا ہوکر نکس سے مامون ہو جاتا ہے پس آپ اسے اس شہد کے سمندر سے ملا دیجئے تاکہ اسکو اس سے تعلق ہو جاوے اور کوئی آفت اس مین اثر نہ کرے اور اے شیر حق آپ یون ڈکارئے کہ اسکی ڈکار ساتوین آسمان پر پہونچے۔ اب مولانا جملہ معترضہ کے طور پر فرماتے ہین کہ ناقصین اس غرہ سے متاثر نہین ہو سکتے۔ کیونکہ چوہا شیر کی ڈکار کو نہین پہچان سکتا اُسکے بعد غرۂ کن لخ کی تشریح فرماتے ہین اور کہتے ہین کہ آپ اپنے حالات آبِ زر سے لکھیئے تاکہ ہر دریادل اور نیک ذات شخص کو نفع ہو اسکے بعد مولانا نا اہلون اور حاسدون کیلئے بددعا فرماتے ہین کہ اے اللہ مولانا حسام الدین کے احوال آب نیل کی طرح جانفزا ہین مگر تو انکو حاسدون کیلئے ناقابل انتفاع بنا دیجئے اچھا اب اسکے متعلق ایک قصہ سنو۔

لابہ کردن قبطی سبطی را کہ یک ظرف بہ نیّت خویش از نیل پُر کن و بر لب من نہ تا بخورم بحق دوستی و برادرے کہ شما چو بر می دارید آب صاف است و چون ما بر می داریم خون صاف است

می شنیدم کہ در آمد قبطیے	از عطش اندر وثاق سبطیے
گفت ہستم یار و خویشاوند تو	گشتہ ام امروز حاجتمند تو
زانکہ موسیٰ جادوئے کرد و فسون	تاکہ آب نیل مارا کرد خون
سبطیان زان آب صافی میخورند	پیش قبطی خون شد آب از چشم بند
قبطیان نک می مرند از تشنگی	از پئے ادبار خود یا بدرگی

بهر خود یک طاس را پُر آب کن — تا خورد از آبت این یار کهن

چون برائے خود کنی این طاس پُر — خون نباشد آب باشد پاک و حُر

من طفیل تو بنوشم آب هم — که طفیلے که در تبع بجهد ز غم

گفت اے جان جهان خدمت کنم — پاس دارم اے دو چشم روشنم

بر مراد تو روم شادی کنم — بندهٔ تو باشم آزادی کنم

طاس را از نیل او پُر آب کرد — بر دهان بنهاد و نیمے را بخورد

طاس را کژ کرد سوئے آب خواه — که بخور تو هم شد آن خون سیاه

باز این سو کرد کژ خون آب شد — قبطی اندر خشم و اندر تاب شد

ساعتے بنشست تا خشمش برفت — بعد از آن گفتش که اے صمصام زفت

اے برادر این گره را چاره چیست — گفت این را آن خورد کو متقی است

متقی آنست کو بیزار شد — از ره فرعون و موسے وار شد

قوم موسی شو بخور این آب را — صلح کن با مه ببین مهتاب را

صد هزاران ظلمت است از خشم تو — بر عباد الله اندر چشم تو

خشم بنشان چشم بکشا شاد شو — عبرت از یاران بگیر استاد شو

کے طفیل من شوی در اغتراف — چون ترا کفریست همچون کوه قاف

کوه در سوراخ سوزن کے رود — جز مگر آن کوه برگ که شود

کوه را کن باستغفار خوش — جام مغفوران بگیر خوش بکش

تو بدین تزویر چون نوشی ازان — چون حرامش کرد حق بر کافران

خالق تزویر تزویرِ ترا — کے خرد اے مفتری مفترے

آل موسی شو که حیلت سود نیست — حیله‌ات بادِ تہی پیمود نیست

زهره دارد آب کز امر صمد — گرد و با کافران آبے کند

یا تو پنداری که تو نان میخوری — زهر مار و کاهش جان میخوری

تا کجا اصلاح آن جانے کند — کو دل از فرمان نان ده برکند

یا تو پنداری که حرف مثنوی — چون بخوانی رائگانش بشنوی

یا کلام حکمت و سرِ نهان — اندر آید سهل در گوش کهان

اندر آید لیک چون افسانها — پوست بنماید نه مغز ودانها

در سر و رو در کشیده چادرے — رو نهان کرده ز چشمت دلبرے

شاهنامه یا کلیله پیش تو — همچنان باشد که قرآن از عتو

فرق آنگه باشد از حق و مجاز — که کند کحل عنایت چشم باز

ورنه پشک و مشک پیش اخشمی — هر دو یکسانست چون نبود شمے

خویشتن مشغول کردن از ملال — باشدش قصد از کلام ذوالجلال

کاتش وسواس را و غصه را — زان سخن بنشاند و سازد دوا

بهر این مقدار آتش شاندن — آب پاک و بول یکسان شد بفن

آتش وسواس را این بول و آب — هر دو بنشانند همچون خمر و خواب

لیک گر واقف شوی زین آب پاک　　که کلام ایزدست و روحناک

نیست گردد وسوسه کلی ز جان　　دل بیابد ره بسوئے گلستان

زانکه در باغی و در جوئے پرد　　هر که از سر صحف بوئے برد

یا تو پنداری که روئے اولیا　　آنچنانکه هست می بینیم ما

در تعجب مانده پیغمبر ازان　　چون نمی بینند رویم مردمان

چون نمی بینند نور روم خلق　　که سبق بردست بر خورشید شرق

ور همی بینند این حیرت چراست　　تا که وحی آمد که آن رو در خفاست

سوئے تو ماه ست و سوئے خلق ابر　　تا نه بیند رائگان روئے تو گبر

سوئے تو دانه ست و سوئے خلق دام　　تا ننوشد زین شراب خاص و عام

گفت یزدان که تراهم ینظرون　　نقش حمامند هم لا یبصرون

می نماید صورت این صورت پرست　　کان دو چشم مردهٔ او ناظرست

پیش چشم نقش می آری ادب　　که چرا پاسم نمی دارد عجب

از چه بس بی پاسخست این نقش نیک　　که نمی گوید سلامم را علیک

می نه جنباند سر و سبلت ز جود　　پاس آنکه کردمش من صد سجود

حق اگرچه سر نجنباند برون　　پاس آن ذوقے دهد در اندرون

که دو صد جنبیدن سر ارزد آن　　سر چنین جنباند آخر عقل و جان

عقل را خدمت کنی در اجتهاد　　پاس عقل آنست کافزاید رشاد

حق نجنباند بظاہر سر ترا
لیک سازد بر سران سرور ترا

مر ترا چیزے دہد یزدان نہان
کہ سجود تو کنند اہل جہان

آنچنان کہ داد سنگے را ہنر
تا عزیز خلق شد یعنی کہ زر

قطرۂ آبے بیابد لطف حق
گوہرے گردد برد از زر سبق

جسم خاکست و چو حق تابیش داد
در جہانگیری چو مہ شد اوستاد

ہین طلسم ست این و نقش مردہ است
احمقان را چشمش از زرہ بردہ است

می نماید او کہ چشمش می زند
ابلہان سازیدہ اند او را سند

درخواستن قبطی دعای خیر و ہدایت از سبطی و دعا کردن سبطی قبطی را بخیر و مستجاب شدن آن دعا از اکرم الاکرمین حق تعالیٰ

گفت قبطی تو دعائے کن کہ من
از سیاہی دل ندارم آن دہن

تا شود کہ قفل این دل وا شود
زشت را در بزم خوبان جا شود

از تو مسخ صاحب خوبی شود
یا بلیسی باز کرّوبی شود

یا بفر دست مریم بوئے مشک
یابد و تر می میوہ شاخ خشک

سبطی آن دم در سجود افتاد و گفت
کاے خدائے عالم سر و نہفت

سبطی و قبطی ہمہ بندہ تو اند
عاجز امر تو اند و مستمند

جز تو پیش کہ بر آرد بندہ دست
ہم دعا و ہم اجابت از تو است

هم ز اول تو دهی میل دعا ‎ ‎ تو دهی آخر دعاها را جزا

اول و آخر توئی ما در میان ‎ ‎ هیچ هیچے که نباید در بیان

اینچنین می گفت تا افتاد طشت ‎ ‎ از سر بام و دلش بیهوش گشت

باز آمد او بهوش اندر دعا ‎ ‎ لیس للانسان الا ما سعے

در دعا بود او که ناگه نعرهٔ ‎ ‎ از دل قبطی بجست و غرّهٔ

که هلا بشتاب و ایمان عرضه کن ‎ ‎ تا ببرم زود زنار کهن

آتشے در جان من انداختند ‎ ‎ مر بلیسے را بجان بنواختند

دوستی تو ز حب ناشگفت ‎ ‎ حمد لله عاقبت دستم گرفت

کیمیائے بود صحبتہائے تو ‎ ‎ کم مباد از خانه دل پائے تو

تو یکے شاخے بدی از نخل خلد ‎ ‎ چون گرفتم او مرا در خلد برد

سیل بود آنکه تنم را در ربود ‎ ‎ برد سیلم تا لب دریائے جود

من ببوئے آب رفتم سوئے سیل ‎ ‎ بحر دیدم در گرفتم کیل کیل

طاس آوردش که اکنون آب گیر ‎ ‎ گفت رو شد آبہا پیشم حقیر

شربتے خوردم ز لله اشترے ‎ ‎ تا به محشر تشنگی ناید مرا

آنکه جوئے و چشمها را آب داد ‎ ‎ چشمهٔ اندر درون من کشاد

این جگر که بود گرم و آبخوار ‎ ‎ گشت پیش همت او آبخوار

کاف کافی آمده بهر عباد ‎ ‎ صدق وعده کهیعص

کافیم بدهم ترا من جمله خیر — بی سبب بی واسطۂ یاری غیر
کافیم بی نان ترا سیری دهم — بی سپاه و لشکرت میری دهم
کافیم بی داروئیت درمان کنم — بی بهارت نرگس و نسرین دهم
کوه را و چاه را میدان کنم — بی کتاب و اوستا تلقین دهم
موسی را دل دهم با یک عصا — تا زند بر عالمی شمشیرها
دست موسی را دهم یک نور و تاب — که طمانچه می زند بر آفتاب
چوب را ماری کنم من هفت سر — که نزاید ماده مار او را ز نر
خون نیامیزم در آب نیل من — خود کنم خون عین آبش را بفن
شادیت را غم کنم چون آب نیل — که نیابی سوئے شادیها سبیل
باز چون تجدید ایمان بر تنی — باز از فرعون بیزاری کنی
موسے رحمت به بینی آمده — نیل خون بینی از و آبے شده
چون سر رشته نگهداری درون — نیل ذوق تو نگردد هیچ خون
من گمان بردم که ایمان آورم — تا ازین طوفان خون آبے خورم
من چه دانستم که تبدیلے کند — در نهاد من مرا نیلے کند
سوئے چشم خود یکے نیلم روان — بر قرارم پیش چشم دیگران
همچنانکه این جهان پیش نبی — غرق تسبیح ست و پیش مابی
پیش چشمش این جهان عشق و داد — پیش چشم دیگران مرده و جماد

پست بالا پیش چشمش تیز رو ۔ از کلوخ و سنگ او نکتہ شنو
با عوام این جملہ پست او مردہ ۔ زین عجب تر من ندیدم پردہ
گورہا یکسان بہ پیش چشم ما ۔ روضہ و خضرہ بہ پیش اولیا
عامہ گفتندے کہ پیش و چشم تان ۔ می نماید او ترش اے امتان
یک زمان در چشم ما آئید تا ۔ خندہا بینید اندر ہل اتیٰ
از سر امرود ہیں بنماید آن ۔ منعکس صورت بزر آے جوان
آن درخت ہستیت امرود بن ۔ تا برانجائی نماید نو کہن
تا برانجائے بہ بینی خارزار ۔ پر زکژدمہائے خشم و پر زمار
چون فرود آئی بہ بینی راکگان ۔ یک جہان پر گلرخان ودالگان
چون فرود آئی فرود آید ترا ۔ در درون اسرار فیض کبریا

مین نے سنا ہے کہ ایک قبطی پیاس کے سبب ایک سبطی کے گھر آیا اور کہا کہ مین تمہارا دوست اور عزیز ہون آج مجھے تم سے کام پڑا ہے کیونکہ موسے نے سخت جادو کیا ہے جسکے ہمارے لئے آب نیل کو خون بنادیا ہے سبطی لوگ اس سے صاف پانی پیتے ہین اور قبطی کیلئے اسکی نظر بندی سے وہ پانی خون ہوگیا اسلئے قبطی لوگ پیاسے مرہے ہین خواہ اپنی بدنصیبی سے جیساکہ ہمارا خیال ہے یا اپنی شرارت سے جیساکہ موسے کا دعوی ہے- لہذا اس وقت تم سے یہ کہنا ہے کہ تم اپنے لئے پانی کا ایک طشت بھر لاؤ- اسوقت وہ خون نہو سکیگا- مین بھی تمہارے طفیل مین پانی پیلون گا- کیونکہ طفیلی اصل شخص کے تابع ہوکر غم سے چھوٹ جایا کرتا ہے- سبطی نے کہا کہ مین آپ کی خدمت کیواسطے موجود ہون اور مین آپ کا آپکی قرابت اور دوستی کے سبب لحاظ کرونگا اور آپکی خواہش کے موافق کام کرون گا اور خوش ہون گا اور آپکی غلامی کرون گا- اور اسے آزادی سمجھون گا- یہ کہکر وہ گیا اور طشت کو پانی سے بھرا اور منہ سے لگا کر آدھا پانی پی لیا

اسکے بعد اس شخص کی طرف جھکایا اور کہا کہ لو پیو اسکی طرف جھکاتے ہی وہ خون سیاہ بن گیا اسکے بعد پھر اپنی طرف جھکایا تو وہ خون پھر پانی ہو گیا۔ قبطی نے یہ حالت دیکھکر بہت پیچ و تاب کھایا اور تھوڑی دیر تک خاموش بیٹھا رہا۔ یہانتک کہ اس کا غصہ فرو ہو گیا۔ اسکے بعد اسنے کہا کہ بھائی جان یہ تو بتاؤ کہ آخر یہ عقیدہ کیونکر حل ہو۔ سبطی نے کہا اصل بات یہ ہے کہ اس پانی کو پرہیزگار شخص پی سکتا ہے اور پرہیزگار وہ ہے جو فرعون کے طریق سے بیزار ہو جاوے اور موسےٰ جیسا بنجاوے۔ پس تم موسیٰ کا اتباع کر کے اُن کے گروہ میں داخل ہو جاؤ اور مزہ سے پانی پیو۔ اور چاند سے صلح کر کے چاندنی دیکھ لو۔ یعنی موسےٰ علیہ السلام سے صلح کر کے ان کی برکت دیکھ لو۔ اب تک تمہاری محرومی کی وجہ یہ ہے کہ تمکو بندگان خدا پر غصہ ہے اور اس سے تمہاری آنکھوں میں سیکڑوں تاریکیاں پیدا ہو گئی ہیں جنکے سبب تم موسیٰ علیہ السلام کی برکات کو نہیں دیکھ سکتے۔ پس تم غصہ کو دور کرو اور آنکھ کھولو اور برکات موسی علیہ السلام دیکھکر خوش ہو۔ اور اپنے دوستوں یعنی ہم لوگوں کی حالت سے عبرت حاصل کر کے کامل بنجاو۔

رف وما قال ولی محمد یعنی از انکہ بسبب خشم بر عباد اللہ چشم شان تاریک شدہ است پندے بگیر وھو وھم منہ منشاہ لفظ العبرۃ او لفظ یاران واللہ اعلم) جبکہ تمہارا کفر ایسا عظیم الشان ہے جیسا کوہ قاف تو پھر تم پانی پینے میں میرے طفیلی کیسے ہو سکتے ہو کیونکہ طفیلی بننے سے اسیوقت کام چل سکتا ہے جبکہ گنجایش ہو ورنہ پہاڑ سوئی کے سوراخ میں نہیں گھُس سکتا۔ الا وہ پہاڑ جو برگ کاہ بنجاوے۔ پس تم اپنے کوہ کفر کو استغفار سے برگ کاہ بنالو اور مغفوران کا جام لیکر مزہ سے پیو۔ تم چاہتے ہو کہ دھوکہ سے پی لو۔ لیکن جبکہ حق سبحانہ نے اسے کافروں پر حرام کر دیا ہے تو تم چال سے اسے کیسے پی سکتے ہو۔ اور جسنے کہ چالبازی کو پیدا کیا ہے وہ چال میں کیسے آجائیگا۔ اور تمہاری چال کیسے قبول کرے گا۔ پس اگر تمہیں پانی پینا ہے تو چال نکرو کیونکہ چال بالکل بیسود ہے اور سچے دل سے موسےٰ کے متبع ہو جاؤ تمہارا چال کرنا فضول کوشش ہے۔ اور اس کا کچھ نتیجہ نہیں۔ کیونکہ پانی کی طاقت نہیں ہے کہ وہ حق سبحانہ کے حکم سے پھر جاوے اور کافروں کے حق میں پانی بن جاوے۔ اب مولانا خطاب کو عام کر کے فرماتے ہیں کہ کچھ پانی ہی کی تخصیص نہیں بلکہ ہر چیز کی یہی حالت ہے چنانچہ تم روٹی کھاتے ہو تو گیا تم سمجھتے ہو کہ روٹی کھاتے ہو ہرگز نہیں بلکہ سانپ کا زہر اور موجب کاہش جان شے کھا رہے ہو۔ کیونکہ روٹی کبھی اس شخص کی اصلاح نہیں کر سکتی جو کہ دل کو حق سبحانہ کے فرمان سے ہٹالے۔ بلکہ اسکو بجائے نفع کے نقصان پھونچاتی ہے کہ شہوت و غضب

وغیرہ بڑہا تی ہے جو اسکے لئے مہلک ہین یا تم سمجھتے ہو کہ جب تم مثنوی کو فضول پڑہوگے تو تم اسکو سُن سکتے ہو اور اس سے فائدہ مقصود حاصل کر سکتے ہو ہرگز نہین یا تم خیال کرتے ہو کہ کوئی کلام مشتمل بر حکمت و اسرار ذلیل لوگون کے کانون مین آسانی سے پھونچ سکتا ہے ہرگز نہین۔ وہ ضرور کانون مین پھونچتا ہے لیکن محض افسانون کی طرح۔ اور اس کا پوست دکھلائی دیتا ہے اور مغز و دانہ نہین دکھلائی دیتے اس لئے اس مغز کی یہ حالت ہوتی ہے جیسے کوئی دلبر چادر مین سر اور چہرہ تمہاری نظر سے چھپائے۔ اور ایسی حالت مین شاہنامہ و کلیلہ اور قرآن تمہاری سرکشی کی وجہ سے تمہارے حق مین دونون یکسان ہوتے ہین ان کے حقیقت اور مجاز ہونے کا فرق تم کو اسوقت محسوس ہو سکتا ہے جبکہ عنایت و فضل ایزدی تمہاری آنکھین کھولدے۔ ورنہ فاقد حس شامہ کے نزدیک مینگنی اور مشک دونون برابر ہین کیونکہ قوت شامہ تو ہے نہین جو ممیز ہے پھر تمیز کیونکر ہو۔ ہم نے کلام اللہ اور شاہنامہ وغیرہ کو اسلئے یکسان کہا ہے کہ جسطرح شاہنامہ پڑہنے سے مطلوب جی بہلانا ہے۔ یون ہی محجوب قاری قرآن کا مقصود ملال کی طرف سے اپنی طبیعت کو ہٹانا ہوتا ہے اور چاہتا ہے کہ آتش خیالات پراگندہ و غم و غصّہ کو بجھادے اور اس کا علاج کہرے سوا اتنی بات یعنی صرف آگ بجھانے کیلئے تو پانی (کلام اللہ) اور پیشاب (شاہنامہ وغیرہ) دونون بجھا دیتے ہین جسطرح کہ شراب بھی غم و غصہ و خیالات پراگندہ کی آگ کو بجھا دیتی ہے اور نیند بھی حالانکہ نیند پانی ہے اور شراب پیشاب۔ افسوس کہ تمہین کلام اللہ کی حقیقت معلوم نہین اسلئے تم اسے جی بہلانے کیلئے پڑہتے ہو۔ لیکن اگر تمہین معلوم ہو جائے کہ یہ کلام پاک خدا کا کلام ہے اور سراسر روحانیت سے لبریز ہے۔ تو تمہاری جان مین وساوس کا نام بھی نہ رہے اور تمہارا دل گلستان غیب کی سیر کرنے لگے۔ کیونکہ جو شخص اسرار صحف منزلہ و کتب سماویہ پر مطلع ہو جاتا ہے وہ باغ غیب اور اسکی نہر مین پھونچ جاتا ہے۔ خیر یہ تو ہو چکا اب تم یہ بتلاؤ کہ کیا ہم لوگ اولیاء اللہ کی وہ صورت دیکھ سکتے ہین جو کہ ان کی واقع مین ہے ہرگز نہین۔ چنانچہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تعجب ہوا تھا۔ کہ یہ لوگ میری صورت کیون نہین دیکھتے۔ اور کیون نہین دیکھتے کہ میرا چہرہ تنوّر مین آفتاب مشرق سے زیادہ ہے۔ اور اگر دیکھتے ہین تو پھر متحیر کیون ہین۔ اور میری تصدیق کیون نہین کرتے۔ اسپر وحی آئی تھی کہ آپکے تعجب کا منشا یہ ہے کہ آپ اپنے چہرہ کو ظاہر خیال فرماتے ہین حالانکہ ایسا نہین بلکہ وہ چاند ابر مین مستور ہے اور وہ چاند آپ کی طرف ہے اسلئے آپ اسے دیکھتے ہین اور ابر لوگون کی طرف اسلئے وہ اس چاند کو نہین

دیکھ سکتے اور مقصود اس اخفا کا یہ ہے کہ ناقدر دان کفار بیفائدہ اسے نہ دیکھ سکین اور آپکی طرف دانہ
اور ان کی طرف جال۔ اسلئے آپ اس دانہ سے منتفع ہو سکتے ہین اور وہ لوگ منتفع نہین ہو سکتے اور مقصود
اس سے یہ ہے کہ اس طعام خاص کو عام نہ کھا سکین (کھانے سے مراد تمتع بالنظر ہے نہ کہ تمتع بالایمان و
التصدیق۔ اور خواص مومنین ہین اور عوام کفار اور مقصود وہی ہے جو پہلے شعر کا تھا یعنی حکمت اس مین
یہ ہے کہ کفار بیفائدہ اسے نہ دیکھ سکین کیونکہ بہرحال ایمان تو یہ لوگ نہ لائین گے تو انکو کیون اس دولت سے
منتفع کیا جاوے جو مومنین کا حصہ ہے) اب مولانا فرماتے ہین کہ ان کفار کی وہی حالت ہے جو حق سبحانہ
نے بتون کی بیان فرمائی ہے چنانچہ فرمایا ہے وترٰھم ینظرون الیک وھم لا یبصرون یعنی یہ بت محض
تصویرہائے بیجان ہین۔ لیکن اے بت پرستو وہ تمہین ایسے معلوم ہین جیسے کہ ان کی دونون واقع مین بجس
آنکھین دیکھنے والی ہون اور اسی لئے تم ان کے سامنے تعظیم کرتے ہو۔ اور جب اس کا ان پر کچھ اثر نہین ہوتا
تو متعجب ہو کر کہتے ہو کہ آخر یہ میرا کیون نہین خیال کرتا اور یہ بت اتنا بے جواب کیون ہے کہ میرے سلام کا
جواب بھی نہیں دیتا۔ اور نہ یہ ہی کرتا ہے کہ میرے اس قدر سجدون کا لحاظ کر کے سر یا ہونٹ ہی ہلاوے
اب مولانا ایک شبہ کا جواب دیتے ہین جو اس گفتگو سے پیدا ہوتا ہے وہ یہ کہ بتون کے بیجان ہونے کو
اس قرینہ سے ثابت کیا ہے کہ وہ اپنے پوچھنے والیکو جواب نہین دیتے اور سر بھی نہین ہلاتے۔ سو یہ ہی قرینہ
بعینہ خدا کے بیجان ہونیکا ہو سکتا ہے۔ اسلئے کہ وہ بھی جواب نہین دیتا اور سر نہین ہلاتا۔ پس فرماتے
ہین کہ یہ صحیح ہے کہ حق سبحانہ بھی اپنے عبادت کرنیوالے کی عبادت کا لحاظ کر کے سر نہین ہلاتے لیکن وہ اس سے
بڑا کام کرتے ہین وہ یہ کہ باطنِ عابد مین ایک خاص حلاوت پیدا کر دیتے ہین جسکی قیمت سیکڑون سر ہلانا
ہین اور حس کا اثر یہ ہے کہ عقل و جان جھومنے لگتی ہین پس یہ دلیل ہے حق سبحانہ کے ادراک عبادت عابد
اور اسکی قدر کی۔ دیکھو تم عقل کی بیحد خدمت کرتے ہو تو وہ اسکی قدر کیا کرتی ہے یہی کہ ہدایت بڑھا دے
اور سر نہین ہلاتی حالانکہ مدرک ہے۔ پس ایسا ہی حق سبحانہ کو سمجھو کہ وہ بھی سر نہیں ہلاتے مگر تمہارے اندر
ایک ایسی بات پیدا کر دیتے ہین کہ اسکے سبب اہل جہان تمہین سجدہ کرتے ہین۔ جیسے کہ اس نے ایک جماد
کو یہ صفت دیدی کہ لوگ اسے بیحد عزیز رکھتے ہین اور وہ جماد کون ہے سونا۔ علی ہذا پانی کے ایک قطرہ
پر عنایت حق سبحانہ ہوتی ہے۔ تو وہ موتی ہو جاتا ہے اور سونے سے بھی بڑھ جاتا ہے ایسے ہی جسم
انسانی فی نفسہ خاک ہے لیکن جبکہ حق سبحانہ نے اسے ادراک وغیرہ کی چمک عطا فرما دی تو چاند کی طرح

جہانگیری مین کامل ہوگیا۔ اب مولانا نصیحت فرماتے ہین اور کہتے ہین کہ دیکھو خبردار تم دھوکا نہ کھانا اور اسکو بذاتہ مدرک و قادر و نافع وضار وغیرہ نہ سمجھ جانا بلکہ یہ حق سبحانہ کا بنایا ہوا ایک طلسم ہے اور فی نفسہ ایک بیجان تصویر ہے مگر اس ظاہری حالت نے بیوقوفون کو مغالطہ مین ڈالدیا ہے اور چونکہ وہ بظاہر متصرف قادر و نافع وضار وغیرہ معلوم ہوتا ہے اسلئے ان بیوقوفون نے اسپر اعتماد کرلیا ہے اور خدا کو بھول گئے ہین جسنے اس مین یہ صفات پیدا کی ہین (ھذا ھو المرام وزلت اقدام المحشین فی حل ھذا المقام واللہ اعلم) خیر یہ گفتگو تو استطرادی تھی اب سنو کہ قبطی نے سبطی کی نصیحت سنکر کہا کہ مین تو اپنی سیاہی قلب کے سبب وہ منہ نہین رکھتا جسکی دعا مقبول ہو اسلئے تم میرے لئے دعا کرو تاکہ شاید میرے دل کا قفل کھلجاوے اور ہدایت اس مین داخل ہوسکے اور مین گمراہ ہدایت یافتہ لوگونکے گروہ مین شامل ہوجاؤن آپ کی تو یہ حالت ہے کہ اگر کسی کی صورت مسخ ہوگئی ہو تو تمھاری برکت سے وہ صاحب خوبی ہوسکتا ہے یا اگر شیطان بھی ہو تو وہ بھی نئے سرے سے مقرب فرشتہ ہوسکتا ہے یا یون کہون کہ آپکے مریم علیہا السلام کی طرح مبارک ہاتھ سے ایک شاخ خشک تری اور میوہ اور بوئے مشک پاسکتی ہے یہ سنکر سبطی زمین مین گر پڑا اور یون دعا شروع کی۔ اے خدائے عالم الغیب والشہادہ سبطی و قبطی یعنی مومن و کافر سب تیرے بندے ہین اور تیرے حکم قضا کے سامنے سب عاجز و مقہور ہین۔ پس مین تیرے سوا کسی کے سامنے ہاتھ پھیلا سکتا ہون دعا بھی آپ ہی کی طرف سے ہے اور اس کا قبول کرنا بھی آپ ہی کی جانب سے ہے اور ابتدا مین دعا کی خواہش بھی آپ ہی پیدا کرتے ہین اور آخر مین دعاؤن پر نتیجہ بھی آپ ہی مرتب کرتے ہین اسلئے اول بھی آپ ہی ہین اور آخر بھی آپ ہی۔ اور ہم درمیان مین یون ہیچ ہین کہ بیان نہین ہوسکتا۔ غرضکہ وہ اسی طرح دعا کرتا رہا یہان تک کہ آفتاب غروب ہوگیا اور اسپر بیہوشی طاری ہوگئی۔ پھر ہوش مین آکر اُسنے دعا شروع کی۔ کیونکہ وہ سمجھتا تھا کہ جسقدر زیادہ جد وجہد کرونگا اتنا ہی مجھے اس کا نتیجہ ملیگا۔ کیونکہ آدمی کو وہی ملتا ہے جسکے لئے وہ سعی کرتا ہے۔ بالآخر اسے اس جد وجہد کا نتیجہ مل گیا اور وہ دعا ہی مین مصروف تھا کہ یکایک قبطی کے دل سے ایک نعرہ اور ایک شور نکلا یعنی یہ کہ جلدی آکر مجھے ایمان کی تلقین کیجئے تاکہ مین اپنا کفر کا پرانا جنیؤ توڑ دون اور مسلمان ہوجاؤن۔ قضا و قدر نے میری جان مین آگ لگادی اور غایت کرم سے مجھ ابلیس کی عزت افزائی فرمائی۔ خیر خدا کا شکر ہے کہ آپکی دوستی نے جس کا منشا ایک عجیب وغریب محبت تھی انجام کار میری دستگیری فرمائی۔ آپ کی صحبتین میرے

لئے کیمیا تھین۔ خدا کرے آپ کا میرے خانۂ دل مین آنا ہمیشہ رہے آپ میرے لئے جنت کے درخت کے
ایک شاخ تھے جسکو مین نے پکڑ لیا تو اُسنے مجھے جنت مین پھونچا دیا۔ اور وہ ایک سیلاب تھا جو مجھے بہالے گیا
اور مجھے دریائے جود (حق سبحانہٗ) تک پھونچا دیا۔ (سیلاب سے مراد خود سبطی ہے) مین تو پانی کی توقع
مین سیل کی طرف بڑہا تھا یعنی تمہاری طرف آیا تھا مگر اس تک پھونچکر مجھے دریا (حق سبحانہ) ملگیا جس سے
مین نے آب معارف کے خوب پیمانے بھرے۔ خیر جب وہ قبطی ایمان لے آیا تو سبطی ایک طشت پر
آب لایا اور کہا کہ اب پانی پیو۔ اسپر اسنے کہا کہ بس اب میرے نزدیک پانی کی کوئی وقعت نہین رہی اب
مین حق سبحانہ کی عبدیت کا شربت پی چکا ہون جس سے مجھے قیامت تک پیاس نہ لگے گی۔ کیونکہ جسنے
ندیون اور چشمون کو پانی عطا کیا ہے اسنے میرے اندر ایک چشمہ معارف کھولدیا ہے اور یہ جگر جو پہلے
آتش تشنگی سے گرم اور پانی کا طالب تھا۔ اب اسکی ہمت کے آگے پانی بیوقعت ہوگیا ہے اور وہ آب
رحمت کا طالب بنگیا ہے۔ اب مولانا اس دعوے کو مدلل فرماتے ہین اور کہتے ہین کہ یہ امر کچھ بعید نہین
کیونکہ حق سبحانہ بصدق وعدہ اپنے بندون کیلئے کافی ہین چنانچہ وہ فرماتے ہین کھیعص جسکا مطلب یہ ہے
کاف ھولکم یا عباد اللہ صدقا۔ یعنی مین تمہارے لئے کافی ہون اور مین تم کو بدون اسباب و
وسائط اور امداد غیر کے ہر بہتری عطا کر سکتا ہون اور مین تمہارے لئے کافی ہون۔ اسلئے تمہارا پیٹ
بدون روٹی کے بھر سکتا ہون اور تمہین بدون لشکر کے سرداری عطا کر سکتا ہون اور مین کافی ہون
اسلئے بدون دوا کے تمہارا علاج کر سکتا ہون اور پہاڑون اور کنوون کو میدان بنا سکتا ہون یعنی
تمہاری تمام مشکلات کو آسان کر سکتا ہون اور مین بدون بہار کے تمہین نسرین و نرگس عطا کر سکتا ہون
اور بدون کتاب و استاد کے تعلیم کر سکتا ہون۔ پس اگر میری حکمت مقتضی ہوگی تو مین ایسا کرون گا
پس تم کو اسباب کے پیچھے نہ پڑنا چاہئے۔ اور مجھپر نظر رکھنی چاہئے۔ میری یہ شان ہے کہ موسیٰ علیہ السلام
کو ایک مضبوط دل اور ایک لاٹھی عطا کرتا ہون جسکا یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ وہ ایک عالم کو تہ تیغ کر دیتے ہین
حالانکہ یہ بات اسباب عادیہ کے بالکل خلاف ہے اور مین موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ کو ایک ایسی چمک
اور روشنی عطا کرتا ہون جو آفتاب کے طمانچہ لگاتی اور اسپر غالب آجاتی ہے حالانکہ اسمین کسی سبب ظاہری
کو دخل نہین۔ نیز مین لکڑی کو سات مُنہ والا سانپ بنا دیتا ہون جو نر و مادہ سے پیدا نہین ہوتا یہ بھی
سبب عادی کے خلاف ہے اور مین دریائے نیل مین خون نہین ملاتا بلکہ خود اس پانی ہی کو خون بنا دیتا ہون

یہ بھی کسی سبب عادی کا نتیجہ نہین ہے - نیز مین تمہاری خوشی کو آب نیل کی طرح سے وہ غم بنا دیتا ہون کہ اُسکے ہوتے ہوئے تم کو کوئی خوشی نہین ہوسکتی - لیکن جب تم پھر تجدید ایمان کر لیتے ہو اور فرعون نفس سے بیزار ہو جاتے ہو تو پھر دیکھتے ہو کہ ہمارا موسیٰ رحمت آ ملا ہے اور وہ نیل خون (غم) پھر اسکی برکت سے پانی (خوشی) بنجاتا ہے - لیکن اگر تم رشتہ تعلقات کو اپنے باطن مین محفوظ رکھو اور ہم سے قطع تعلق نکرو تو تمہارا نیل ذوق باطنی کبھی خون نہ ہو اور تم ہمیشہ مزہ مین رہو خیر یہ مضمون تو استطرادی تھا اب سنو کہ اس قبطی نے یہ بھی کہا کہ مین تو سمجھتا تھا کہ ایمان مین اس غرض سے لاتا ہون کہ اس طوفانِ خون یعنی دریائے نیل سے پانی پی سکون یعنی مین ایمان کا صرف یہ ہی فائدہ سمجھتا تھا - لیکن مجھے کیا خبر تھی کہ ایمان میری قلب ماہیت کر دے گا اور خود میری ذات مین میرے لئے ایک رود نیل بنا دیگا - اب میری یہ حالت ہے کہ اپنی نظر مین مین خود ایک بہنے والا رود نیل ہون - گو اورون کی نظر مین ویسا ہی ہون جیسا کہ تھا - اب مولانا فرماتے ہین کہ تم کو اس حالت سے تعجب نہ ہو چاہئے کیونکہ اسکی نظائر اور بھی موجود ہین مثلاً یہ جہان جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر مین تسبیح خوان ہے اور ہم محجوبین کی نظر مین غیر تسبیح خوان اور انبیا کی نظر مین وہ عشق اور انصاف سے لبریز ہے اور دوسرون کی نظرون مین نجس اور جماد محض ہے -

(ف) داد سے مراد انصاف مع اللہ ہے اور وہ یہ ہے کہ اس سے محبت اور اسکی اطاعت کی جاوے اور یہ بھی ممکن ہے کہ لفظ وداد بواو ہو اور ود بمعنی حب سے مشتق ہو اس وقت یہ تفسیر ہوگی لفظ پر عشق کی واللہ اعلم) اور ان کی نظر مین آسمان وزمین امتثال اوامر حق سبحانہ اور اسکی تسبیح مین سرگرم ہین اور وہ ڈھیلے اور پتھرون سے نکتہ سنتے ہین - یعنی عوام کی ساتھ ان کا یہ معاملہ ہے کہ ان کیلئے وہ محض حقیر اور نجس ہین - مین نے اس سے زیادہ عجیب پردہ ہی نہین دیکھا کہ ایک ہی شے ہے اور ایک کیلئے ذی شعور ہے اور دوسرے کیلئے محض بیجان - خیر یہ تو جملہ معترضہ تھا - اب دوسری نظیر سنو - قبرین ہمکو یکسان معلوم ہوتی ہین - لیکن انبیا کی نظر مین ان مین امتیاز ہوتا ہے کہ کوئی جنت کا باغیچہ ہوتی ہے اور کوئی آگ کا گڑھا - نیز جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھو کہ عام لوگ اُن کی حالت سے تعجب کرتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ تو بہت محبت کے آدمی تھے اب بدمزاج کیونکر ہوگئے - اور خاص لوگ کہتے تھے کہ وہ تم کو بدمزاج معلوم ہوتے ہین تھوڑی دیر کیلئے ہماری نظر حاصل کر لو - اس وقت تمہین اس انسان کامل کے اندر بہت سی ہنسیان نظر آئین گی اور وہ تم کو نہایت خوش مزاج معلوم ہون گے -

(ف میرے نزدیک هل اتی سے مراد انسان کامل ہے کیونکہ اس مین انسان کی حالتون سے بحث کیگئی ہے۔ اور آپ اس کا فرد کامل ہین۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ هل اتی سے مُراد من انزل علیه ذلك ہو۔ واللہ اعلم) اب مولانا مضمون ارشادی کی طرف انتقال فرماتے ہین اور کہتے ہین کہ یہ الٹی صورتین تمہین امرود کے درخت پر سے دکھائی دیتی ہین پس اگر تم انکو واقعی حالت پر دیکھنا چاہو تو نیچے اُتر آؤ اس وقت وہ اشیاء تمکو اسی طرح نظر آئین گی جسطرح کہ وہ ہین امرود کے درخت سے ہماری مراد تمہاری خودی اور ہستی کا درخت ہے پس اس سے نیچے اُتر آؤ یعنی اسکو چھوڑ دو اور خودی کو فنا کر دو ورنہ جب تک تم اسپر چڑہے رہوگے اور خودی کو نہ چھوڑوگے اسوقت تک تم الٹا ہی دیکھوگے اور نئی شے پُرانی معلوم ہوگی اور پُرانی نئی وہکذا۔ اور جب تک تم وہان رہوگے اس وقت تک تم کو ایک عالم خارزار اور غضم و بچھوون اور سانپون سے بھرا ہوا معلوم ہوگا اور جب اس درخت سے نیچے اُتر آؤگے اسوقت تم بے تکلف عالم کو حسینون اور مربیون سے پُر پاؤگے۔ نیز جبکہ تم اس درخت پر سے اُتر آؤگے تو تم اپنے باطن کو اسرار خداوندی سے لبریز پاؤگے۔ (ف خار اور سانپون اور بچھوؤن سے مراد اشیاء ناسوتیہ مضرہ ومانعہ من الوصول الی الحق ہین۔ اور گلرخون اور دانون سے مقصود اسماء وصفات حق سبحانہ ہین جو کہ فی نفسہ حسن اور مربی عالم ہین واللہ اعلم)

حکایت آن زن پلید کار کہ شوہر را گفت این خیالات از سر امرود بن می نماید فرود آتا آن خیالات برود واگر کسے گوید کہ آنچہ مرد میدید خیال نبود جواب آنست کہ این مثال ست نہ مثل وہمین کافی ست

آن زنے میخواست تا با مول خود	بر زند در پیش شوئے گول خود
پس بشوہر گفت زن کاے نیکبخت	می برآیم میوہ چیدن بر درخت

چون برآمد بر درخت آن زن گریست / چون ز بالا سوی شوهر بنگریست

گفت شوهر را که ای مابون رد / کیست آن لوطی که بر تو می فتد

تو بزیر آن چو زن بغنوده / ای بغا تو خود مخنث بوده

گفت شوهر نی سرت گوئی بگشت / ورنه اینجا نیست غیر من بدشت

زن مکرر کرد کای بی حوصله / کیست بر پشتت فرو خفته هله

گفت ای زن هین فرود آ از درخت / که سرت گشت و خرف گشتی تو سخت

چون فرود آمد برآمد شوهرش / زن کشید آن معشوق را اندر برش

گفت شوهر کیست این ای روسپی / که به بالای تو آمد چون کپی

گفت زن نی نیست اینجا غیر من / هین سرت برگشته شد هرزه متن

او مکرر کرد بر زن آن سخن / گفت زن این هست از امرودبن

از سر امرودبن من همچنان / کژ همی دیدم که تو ای قلتبان

پس فرود آ تا ببینی هیچ نیست / این همه تخییل از امرودبنی است

هزل تعلیم ست آنرا جد شنو / تو مشو بر ظاهر هزلش گرو

هر جدی هزلست پیش هازلان / هزلها جدست پیش عاقلان

کاهلان امرودبن جویند لیک / تا بدان امرودبن راهیست نیک

نقل کن ز امرودبن اکنون برو / گشته نوخیره چشم و خیره رو

این منی و هستی اول بود / که از و دیده کژ و احول بود

چون فرود آئی ازین امرودبن — گر نماید فکرت و چشم و سخن
یک درخت سخت بینی گشته این — شاخ او بر آسمان ہفتمین
چون فرود آئی ازو گردی جدا — مبدلش گرداند از رحمت خدا
زین تواضع گر فرود آئی خدا — راست بینی بخشد آن چشم ترا
راست بینی گر بدے آسان چنین — مصطفے کے خواستے از رب دین
گفت بنما جزو جزو از فوق و پست — آنچنانکہ پیش تو آن جزو ہست
بعد ازان بر رو بران امرودبن — کہ مبدل گشت و سبز از امر کن
چون درخت موسوی شد این درخت — چون سوے موسے کشایندی رخت
آتش ورا سبز و خرم می کند — شاخ او انی انا اللہ می زند
زیر ظلش جملہ حاجاتت روا — این چنین باشد الٰہی کیمیا
آن منی و ہستیت باشد حلال — کہ درو بینی صفات ذوالجلال
شد درخت کج مقوم حق نما — اصلہ ثابت و فرعہ فی السماء

تمہارے درخت ہستی کی ایسی مثال ہے جیسے اس امرود کے درخت کی جسکی حالت قصہ ذیل مین مذکور ہے اور وہ قصہ یہ ہے کہ ایک عورت چاہتی تھی کہ اپنے احمق شوہر کے سامنے اپنے آشنا کیساتھ ہم صحبت ہو پس

ف گو دونون مین اس جہت سے فرق ہے کہ درخت ہستی پر سے جو چیزین نظر آتی ہین وہ تو واقع مین معکوس ہین اور درخت امرود پر سے جو واقعہ مرد نے دیکھا وہ خلاف واقعہ نہ تھا لیکن دونون مین اتنی بات مین اشتراک ہے کہ درخت ہستی پر سے ہی وہ چیزین نظر آتی ہین جو اس سے نیچے اترنے کی حالت مین نظر نہین آتین اور درخت امرود پر سے بھی مرد کو وہ واقعہ نظر آیا تھا جو اسنے نیچے اتر کر نہ دیکھا اور یہی مناسبت تمثیل کیلئے کافی ہے ۱۲ منہ

اس نے شوہر سے کہا کہ مین امرود توڑنے کیلئے درخت پر چڑہتی ہون اُسنے اجازت دیدی اور وہ درخت پر چڑھ گئی جب درخت پر چڑھ گئی تو شوہر کو دیکھکر رونے لگی اور کہا کہ او مردود بابون یہ کون لوطی ہے جو تجھپر سوار ہے اور تو عورت کی طرح اسکے پیچھے پڑا ہے۔ ارے نامردود تو تو مخنث ہے شوہر نے یہ سنکر جواب دیا کہ ایسا نہین تیرا سر چکرا گیا ہوگا اس سے تجھے ایسا معلوم ہوتا ہوگا ورنہ جنگل مین میرے سوا کوئی ہے ہی نہین پھر مین یہ فعل کس سے کراتا۔ عورت نے دوبارہ پھر کہا کہ او بے حوصلہ یہ تیری پیٹھ پر کون پڑا ہے اسپر اسنے کہا کہ بیوی تم نیچے آکر دیکھ لو یہان کوئی نہین ہے اور سمجھو کہ تمہارا سر پھر گیا ہے اور تمہارے حواس درست نہین رہے ہین خیر وہ تو نیچے اُتر آئی اور اس کا شوہر اس درخت پر چڑہا اب وہ عورت اپنے آشنا سے ہم آغوش ہوگئی۔ یہ دیکھکر خاوند نے کہا کہ او فاحشہ یہ کون ہے جو تجھپر بندر کی طرح چڑھا ہوا ہے اسنے کہا غلط ہے یہان میرے سوا کوئی نہین تمہارا سر پھر گیا ہے بیہودہ باتین نہ کرو۔ اس نے پھر عورت سے یہ ہی کہا۔ اسپر عورت نے کہا کہ یہ اس امرود کے درخت کا اثر ہے مین بھی تو درخت کے اوپر سے ایسا ہی دیکھتی تھی آپ نیچے اُتر آئے اور دیکھ لیجئے یہان کچھ نہین ہے یہ سب تخیلات اس درخت کا اثر ہین۔ اب مولانا اس شبہ کو دفع کرتے ہین جو اس فحش قصہ کے بیان کرنے پر عام طور پر دل مین پیدا ہوتا یعنی مولانا نے بزرگ ہوکر یہ فحش قصہ کیون بیان کیا اور تقریر جواب یہ ہے کہ یہ فحش قصہ محض تعلیم کیلئے ہے تم اس سے نصیحت حاصل کرو اور اس ہزل کو جد سمجھو اور یہ جو بظاہر ہزل ہے تو تم اسکے ظاہر ہی کے پابند نہ رہو۔ رہی یہ بات کہ آخر نصیحت کیلئے ہزل ہی کو کیون اختیار کیا تو اس کا جواب یہ ہے کہ جو دل لگی باز ہین ان کے نزدیک تو سچی بات بھی دل لگی ہی ہے پس انکو ترک ہزل سے بھی فائدہ نہ ہوتا۔ اور جو عاقل ہین اُنکے نزدیک ہزل بھی جد ہے اور دل لگی بات بھی سچی بات ہے اسلئے ہزل سے انکو کوئی ضرر نہ ہوا۔ پس جبکہ اسکے ترک سے کوئی معتد بہ فائدہ نہ تھا اور اسکے لانے سے کوئی نقصان نہوا تو ہم نے اسی قصہ کو بیان کردیا اور کوئی اور عنوان اختیار کرنے کیلئے کاوش نہ کی۔ اب مولانا فرماتے ہین کہ کاہل لوگ امرود کے اُس درخت کو طلب کرتے ہین جو صحیح النظر بناتا ہے مگر اس عظیم الشان درخت تک اس مقام سے جہان وہ ہین بہت فاصلہ ہے جسکو یہ لوگ کاہل رہکر طے نہین کر سکتے۔

(هذا هو المراد وزل قدم المحشين فقالوا ما قالوا) پس لے کاہل کائنا من کان ہم تجھ سے اسکی تحصیل کا طریقہ بیان کرتے ہین تو کاہلی کو چھوڑ کر اس طریق سے اسے طلب کر اس صورت سے وہ تجھے

مل جاویگا اور وہ طریقہ یہ ہے کہ کوشش اور سعی کرکے اس امرود کے درخت سے منتقل ہو جا جسپر چڑھکر تو خیرہ چشم اور خیرہ رو ہوا ہے (ف خیرہ رو بیہودہ گرد ملبوس و پریشان و سرکش والکل محتمل) اور وہ ہستی اول اور خودی ہے جس سے آدمی غلط بین ہوتا ہے اسلئے ہماری مراد اُس امرود کے درخت سے جسکے چھوڑنے کی ہم نے رائے دی ہے یہی خودی اور ہستی ہے۔ پس جب تو بعد جدوجہد کے اُس درخت سے اُتر آئیگا اسوقت تیری عقل ور آنکھ اور گفتگو ٹیڑہی نہ رہے گی اور تو اس درخت امرود کو سخت سدرہ دیکھیگا اور تو دیکھے گا کہ اسکی شاخیں ساتویں آسمان پر پہونچ گئی ہیں اور جبکہ تو اس غلطی میں ڈالنے والے درخت سے نیچے اُتر آویگا اور اس سے جدا ہو جاویگا یعنی مرتبہ فنافی اللہ حاصل کریگا تو حق سبحانہ اپنی رحمت سے اسکو بدل دیں گے اور پائدار اور صحیح النظر بنا نیوالا کر دینگے اور اگر تو اس مقام یعنی غلطی میں ڈالنے والے درخت سے اُتر آویگا تو خدائے تعالیٰ تجھکو صحیح النظر بنادیں گے۔ اس مقام پر جملہ معترضہ کے طور پر یہ بتلادینا بھی ضرور ہے کہ راست بینی کوئی آسان کام اور معمولی بات نہیں ہے کہ اسکی تحصیل کی ضرورت نہو کیونکہ اگر وہ ایسے ہوتے تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حق سبحانہ سے اسکی درخواست کیوں کرتے حالانکہ اُنہوں نے فرمایا ہے اللھم ارنا الاشیاء کما ھی یعنی اے اللہ آسمان و زمین و ما یتعلقھا کے ہر ہر جزو کو ہمکو اسی طرح دکھلا جسطرح کہ وہ جزو تیری نظر میں ہے۔ خیر یہ جملہ معترضہ تو ختم ہوا اب سُن کہ جب تو اس غلطی میں ڈالنے والے درخت سے اُتر آویگا اسوقت تیرا مطلوب درخت تجھکو ملجاویگا۔ پس تو اس مطلوب امرود پر شوق سے چڑھ کیونکہ وہ بحکم الٰہی اب پہلا درخت نہیں رہا بلکہ اب وہ اور ہی کچھ ہوگیا ہے اور پہلے خشک تھا اب سرسبز ہوگیا ہے اور جبکہ تو موسے وقت یعنی شیخ کامل کی خدمت میں پہونچ گیا تو یہ غلطی میں ڈالنے والا درخت درخت موسوی بن گیا۔ کہ اب یہ درخت موسوی کی طرح آگ سے اور سرسبز اور شاداب ہوتا ہے اور اس کی شاخ سے انی انا اللہ کی آواز نکلتی ہے (درخت موسوی سے وہ درخت مُراد ہے جسکو روشن دیکھکر حضرت موسے علیہ السلام نے آگ کا گمان کیا تھا اور جس سے انکو انی انا اللہ رب العلمین کی آواز آئی تھی اور مشبہ بہ میں آگ سے مراد وہ نور ہے جو آگ کی صورت میں دکھلائی دیا تھا اور مشبہ میں آتش مجاہدات و آلام و غموم و اشواق اور درخت سرسبز و شاداب یعنی ہستی ثانی حاصل بعد فنا کے نعرۂ انی انا اللہ لگانے کا منشاء وہ توافق ہے جسکی بنا پر ایک کے آثار و افعال کو دوسرے کی طرف

بنابر مجاز متعارف منسوب کیا جا سکتا ہے نہ کہ اتحاد وعینیت فافہم ولاتزال) اس درخت کے سایہ مین تیری تمام حاجتین روا ہون گی۔ دیکھو خدائی قلب ماہیت اسے کہتے ہین کہ کس شے کو کیا بنادیا اس وقت خودی اور ہستی تیرے لئے حلال ہے کیونکہ اس مین تو صفات حق سبحانہ کا مشاہدہ کرتا ہے برخلاف ہستی اول کے کہ وہ مشاہدہ حق سبحانہ سے مانع تھی اسلئے حرام تھی۔ القصہ اب یہ درخت بیخ سیدہا اور حق نما بن گیا ہے اور اس قدر مستحکم ہوگیا ہے کہ اس کی جڑ زمین مین ہے اور شاخین آسمان مین۔ یعنی فنا کے بعد بقا باللہ حاصل ہوگئی ہے۔

باقی قصہ موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام

کامدش پیغام از وحی مہم — کہ کژی بگذار اکنون فاستقم

این درخت تن عصای موسیٰ است — کامرش آمد کہ بیندازش ز دست

تا ببینی خیر او و شر او — بعد ازان برگیر او را ز امر ہو

پیش ز افگندن نبود او غیر چوب — چون بامرش برگرفتی شد جذوب

اول او بد برگ افشان برّہ را — گشت معجز آن گروہ غرّہ را

گشت حاکم بر سر فرعونیان — آبشان خون کرد کف بر سر زنان

از مزارعشان برآمد قحط و مرگ — از ملخہائے کہ می خوردند برگ

تا برآمد بیخود از موسیٰ دعا — چون نظر افتادش اندر منتہی

کین ہمہ اعجاز و کوشیدن چراست — چون نخواہند این جماعت گشت راست

امر آمد کاتباع نوح کن — ترک پایان بینی و مشروح کن

منگر آخر کہ تو داعی رہی — امر بلّغ ہست نبود آن تہی

کمترین حکمت کزین الحاح تو	جلوہ گردد آن لجاج وان عتو
تاکہ رہ بنمودن واضلال حق	فاش گردد بر ہمہ اہل فرق
چونکہ مقصود از وجود اظہار بود	بایدش از پند و اغوا آزمود
دیو الحاح غوایت می کند	شیخ الحاح ہدایت می کند
باز گردد قصۂ قبطی بگو	گرد کفر از باطن خود زود شو

اس مضمون کی سرخی " باقی قصۂ موسی علیہ السلام " قائم کی گئی ہے اور شیخ ولی محمد نے اس قصہ کے ارتباط کے متعلق لکھا ہے (این سرخی در حقیقت تحت آن بیت ست کہ در سرخی قصۂ فرزندان عزیر گذشت کہ ؎ این سخن پایان ندارد باز گرد ٭ تا بر آرد موسیم از بحر گرد ۔ ودور افتادن این سرخی از بیت مذکور بہ سبب جر کلام بود بہ سرخیہائے دیگر چنانچہ در آنجا نیز آگاہ کردہ شد) اور این سخن پایان ندارد کے متعلق لکھا ہے کہ یہ رجوع ہے اُس قصۂ موسی و فرعون کی طرف جسکو مولانا نے سرخی تمامی حدیث موسی علیہ السلام و تفریع و توبیخ فرعون کے تحت مین ؎ این عصائے بود اینم اژدہاست الخ پر چھوڑا ہے اور شاہد اس بیان کا این سخن پایان ندارد یعنی مصرع اول بیت مذکور کو قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ یہ عنوان جہان آیا ہے وہان مضمون گذشتہ کی طرف رجوع مقصود ہوتا ہے اور اس توجیہ کے بعد کہا ہے (اگر مدد روحانیت حضرت مولوی نبودے فقیر نیز ربط این بیت نیافتے ومثل دیگران در راہ ضلالت شتافتے) اور کامدش پیغام از وحی مہم کی شرح مین لکھا ہے (کاف تعلیلیہ در مصرع اول برائے بیان علت برآوردن موسے ست گرد از بحر کہ در مصرع ثانی بیت بالا گذشت تا بر آورد موسیم از بحر گرد یعنی گرد بر آوردن موسے از بحر روئے آنست کہ ویرا پیغام از وحی در رسیدہ است کہ عصا را از دست بیفگن تا اژدہا شود و کار را بر فرعون و قوم او تنگ کن پس کثرت عبارت از لینت و نرمی باشد در دعوت چہ کسیکہ مستحق درشتی و سختی ست نرمی کردن با و

کژ روی ست وبیت ثانی کہ مقولہ مولوی ست صریح دال ست برآنکہ پیغام الٰہی کہ مصرع ثانی بیان اوست
ہمین حکم باز دہا کردن عصا بود چنانکہ از تقریر فقیر دریافتی) یہ خلاصہ ہے اس گفتگو کا جو ولی محمد نے ربط
سرخی وحل بیت کامدش پیغام الخ واین سخن پایان ندارد کے متعلق کی ہے۔ لیکن میرے نزدیک یہ توجیہ
ان کی درست نہین ہے اولاً اسلئے کہ سرخی تمامی حدیث موسے الخ صریح دال ہے اسپر کہ اس قصہ کو مولانا
ختم کر چکے ہین اور باقی قصہ موسی اس کا تتمہ نہین ہے اور نہ این سخن پایان ندارد الخ اس کی طرف
عود ہے۔ ثانیاً مولانا نے اس قصہ کو تفریع وتوبیخ فرعون پر چھوڑا تھا پھر کامدش پیغام از وحی مہم الخ
کو اس سے کیونکر تعلق ہو سکتا ہے اسلئے کہ یہ وحی حسب بیان شیخ اختیار لینت ونرمی در دعوت پر آئی ہے
پس کجا التفریع وتوبیخ وکجا لینت ونرمی۔ ثالثاً این سخن پایان ندارد باز گرد۔ اسپر دلالت نہین کرتا کہ یہ قصہٗ
موسیٰ علیہ السلام کی طرف رجوع ہے بلکہ مطلق رجوع پر دلالت کرتا ہے سو ممکن کیا بلکہ اغلب ہے کہ یہ رجوع
ہے از ہزاران من یکی گویم یکے * زانکہ آگندہ است ہر گوش از شکے کی طرف۔ رابعاً دلالت بیت این درخت
تن عصائی موسے است آہ کی دلالت اس مدعا پر کہ کژی بگذار مین حکم بالقاء عصا ہے ہمین تسلیم نہین کما
سیظہر لک عن قریب۔ پس ظاہر شد کہ شیخ ربط این سرخی وبیت این سخن پایان ندارد الخ نیافتہ است
ودر بادیہ ضلالت شتافتہ است۔ میرے نزدیک باقی قصہٗ موسیٰ علیہ السلام سے مراد یہ ہے کہ جس قدر قصہ
موسیٰ علیہ السلام کا اس دفتر مین بیان کرنا مقصود ہے وہ کچھ تو متفرق طور پر گذر چکا اور باقی یہ ہے اس تقدیر
پر اسکو موسی علیہ السلام کے قصے کے کسی گذشتہ قصے سے ربط دینے کی ضرورت نہ ہو گی اور کامدش پیغام الخ
کاف بیانیہ ہے اور بیان ہے سرخی کا کہ ضمیر شین راجع ہے طرف موسے کے جو سرخی مین مذکور ہے اور
کژی بگذار اکنون فاستقم سے اشارہ ہے حق سبحانہ کے قول قد اجیبت دعوتکما فاستقیما ولا تتبعان
سبیل الذین لا یعلمون کی طرف جو حضرت موسی علیہ السلام کی دعا ربنا انک اتیت فرعون وملاءہ
زینۃ واموالا فی الحیوۃ الدنیا ربنا لیضلوا عن سبیلک ربنا اطمس علی اموالھم واشدد علی
قلوبھم فلا یؤمنوا حتی یروا العذاب الالیم کے جواب مین ارشاد ہوا تھا۔ اور کژی سے مراد یا تو
یہ ہے کہ ہم تمہاری دعا قبول کر چکے ہین لیکن اس کا ظہور بحکمت دیر مین ہو گا اس بنا پر طبعاً وسوسہ بد
ہو سکتا ہے کہ دیکھو ہم سے کہا تھا کہ ہم نے تمہاری دعا قبول کر لی لیکن کہین بھی قبول نہین کی پس تم اس کا
خیال رکھنا اور ایسے وساوس سے بچتے رہنا یا یہ مراد ہو کہ ہم تم کو قبولیت دعا کا اطمینان دلا چکے ہین اب

تم بار بار تقاضا نہ کرنا واللہ اعلم بمرادہ و مراد عبادہ اور ربط اس قصہ کو ما قبل سے یہ ہے کہ اوپر ترغیب دی تھی ترک ہستی و خودی کی جو منشا ہے کجی کا اب اس کی قصۂ موسیٰ علیہ السلام سے تائید فرماتے ہین اور کہتے ہین کہ موسیٰ علیہ السلام کو سیدھا بننے اور کجی کو چھوڑنے کا حکم ہوا تھا جسکے معنے یہ ہین کہ تم ہستی کو ترک کرو اور خودی کو چھوڑو کیونکہ ترک کجی و تحصیل استقامت بدون ترک خودی ناممکن ہے اور ترک ہستی بدون ترک تن کے نہین ہو سکتی۔ اسلئے مولانا اس قصہ سے ترغیب ترک تن یعنی ہستی اول کی طرف انتقال فرماتے ہین۔ جب یہ مضمون تمہیدی جسکے حل ابیات کیلئے ضرورت تھی معلوم ہو چکا تو اب حل سنو وہ قصہ یہ ہے کہ انکو بذریعہ وحی کے ایک ضروری پیغام آیا اور وہ یہ تھا کہ کجی کو چھوڑو اور سیدھے رہو اور صورت اسکی یہ ہے کہ ہستی اور تعلق بالجسم کو چھوڑو کیونکہ یہی منشا ہین کجی کا (ف) اس سے کسی کو یہ شبہ نہو کہ موسیٰ علیہ السلام کو استقامت اور فنا فی اللہ حاصل نہ تھی کیونکہ استقامت اور فنا کے مراتب متفاوت ہین بعض لازم نبوت ہین اور بعض نہین لہذا کہا جاویگا کہ وہ فنا و استقامت جو نبی کیلئے لازم ہے وہ حاصل تھی لیکن چونکہ وہ قابل زیادت تھی اسلئے تحصیل زیادت کا حکم دیا گیا اور مطلق کجی و خودی منافی نبوت نہین ہے ورنہ باب ترقی مسدود ہو جاوے وھو خلاف المعلوم من الدین لان اللہ تعالیٰ یودب انبیائہ ویعاتبھم علی تقصیراتھم وان کانت تلک التقصیرات غیر منافیۃ للنبوۃ والرسالۃ)۔ اب مولانا اس سے مضمون ارشادی کی طرف انتقال فرماتے ہین اور ترک تعلق بالجسم و ہستی اول کی ترغیب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ تم تعلق بالجسم کو چھوڑو کیونکہ اس مین بہت سے منافع مخفی ہین جن کا ظہور موقوف ہی اسکے چھوڑنے پر پس جب تم اولاً اسے چھوڑ دوگے اور پھر بحکم حق سبحانہ حاصل کروگے تو وہ تمہارے لئے نافع ہو جاویگا اور تم اس درخت جسم کو ایسا سمجھو جیسا عصائے موسیٰ جسکے متعلق حکم ہوا تھا کہ اسے ہاتھ سے چھوڑ دو تاکہ اسکی تمھاری حق مین منفعت اور تمہارے دشمنون کے حق مین مضرت جو کہ خود تمھاری منفعت ہے ظاہر ہو جاوے اور جبکہ یہ تمہارے لئے سراسر نافع ہو جاوے اسوقت تم اسکو ہمارے حکم سے اُٹھاؤ چنانچہ انھون نے ایسا ہی کیا اور وہ لاٹھی اژدہا بنگئی اب حکم ہوا کہ دیکھو یہ لاٹھی ڈالنے سے پہلے جماد محض تھی اور وہ منافع عالیہ جو اس مین مستتر تھے ظاہر نہ تھے اب جبکہ تم نے اسکو ہمارے حکم سے ڈالا اور پھر اُٹھایا تو اب یہ اژدہا بنگئی جو کہ دشمنون کو سانس سے کھینچ لیتا ہے اور اول وہ بکریون کیلئے پتے جھاڑنے کا آلہ تھا مگر اب اس مغرور قوم کو عاجز کرنیوالا ہو گیا اور متبعین فرعون پر حاکم ہو گیا۔ اور

انکے پانی کو خون بنا دیا (یعنی وہ سبب ہو گیا انکے خون پینے کا بایں طور کہ اسکے اژدہا بننے سے نبوت موسیٰ علیہ السلام ظاہر ہوئی اور منکرین پر حجت اللہ تمام ہو گئی پس جبکہ وہ تمامی حجت کے بعد بھی منکر ہی رہے تو مستحق عذاب ہوئے اور عذاب یون ہوا کہ دریا خون بن گیا) اور اسکے سبب سے ٹڈیان ان پر مسلط ہوگئین جو کہ ان کی کھیتیان کھا گئین اور اس وجہ سے اُن کھیتیون سے بجائے غلہ اور حیات کے قحط اور موت پیدا ہوئی۔ جب موسیٰ علیہ السلام نے ان واقعات کے انجام کو دیکھا تو بمقتضائے شفقت و رحمت بے اختیار ان کے منہ سے یہ دعا نکل گئی کہ اے اللہ جب یہ لوگ ٹھیک ہی نہ ہونگے تو پھر ان کو اسقدر مجبور کرنا اور ان کی ہدایت مین اس قدر کوشش کرنا کس لئے ہے انکو ہلاک ہی کر دیجئے۔ اسپر حکم ہوا کہ آپ تبلیغ سے اُکتائیے نہین اور نوح کا اتباع کیجئے کہ اُنھون نے سیکڑون برس دعوت اور نتیجہ کا خیال نہین کیا پس آپ بھی نتیجہ کے معلوم کرنے کو چھوڑیئے اور یہ نہ دیکھئے کہ ان کا کیا نتیجہ ہوگا کیونکہ آپ داعی الی اللہ ہین اور آپکو تبلیغ کا حکم ہے۔ پس آپ اجمالاً اتنا سمجھ لیجئے کہ یہ ایک حکیم کا فعل ہے لہذا حکمت سے خالی نہین ہو سکتا چنانچہ اس مین بہت سی مصلحتین ہین اور ادنیٰ درجہ کی حکمت اس تبلیغ کے جاری رکھنے مین یہ ہے کہ آپکے اصرار تبلیغ سے ان کا عناد اور سرکشی ظاہر ہو تاکہ ہماری صفت اضلال و ہدایت تمام لوگون پر ظاہر ہو جاوے۔ اب مولانا استقلال فرماتے ہین اور کہتے ہین کہ چونکہ حق سبحانہ کا مقصود تخلیق عالم سے اظہار ماہو المکنون ہے اسلئے ضرور ہے کہ آدمی کو نصیحت اور بہکانے غرض دونون طرح جانچا جاوے تاکہ اسکی حالت مخفیہ ضلالت یا ہدایت ظاہر ہو جاوے۔ پس یہ دو کام دو شخصون کے متعلق ہین۔ شیطان تو اغوا پر اصرار کرتا ہے اور شیخ ہدایت پس جو غالب آجائیگا اسی کے موافق صفت کا اظہار ہو جاویگا اچھا اب لوٹنا چاہئے اور قبطیون کے قصہ کو بیان کر کے ذکر معجزات موسیٰ علیہ السلام سے ایمان کو تازہ کرنا چاہئے اور اپنے باطن سے غبار کفر کو دور کرنا چاہئے (ف واضح ہو کہ ہمنے اوپر امر کرثی بگذار کو دعائے عذاب برائے فرعون و قوم فرعون سے متعلق کہا تھا لیکن یہ بھی ممکن ہے کہ اس کا تعلق دعائے دفع عذاب و طلب ترک تبلیغ سے ہو۔ اسوقت کا مدش پیغام الخ اجمال ہوگا اور مضمون آئندہ اسکی تفصیل والراجح عندی هو الاول فتدبر)

سخت شدن کار بر قبطیان و شفاعت کردن فرعون

چون بیاپے گشت آن امر شجون	نیل می آمد سراسر جملہ خون

تا بنفس خویش فرعون آمدش — لا بمی گردد و تا گشته قدش

کانچه ما کردیم ای سلطان مکن — نیست ما را روی ایراد سخن

پاره پاره گردمت فرمان پذیر — من بعزت خود گرم سختم مگیر

هین بجنبان لب برحمت ای امین — تا ببندد این دهان آتشین

گفت یارب می فریبد او مرا — می فریبد او فریبیده ترا

بشنوم یا من دهم هم خدعه‌اش — تا نداند اصل را آن فرع کش

کاصل هر مکری و حیلت پیش ماست — هر چه بر خاکست اصلش بر سماست

گفت حق آن سگ نیرزد هم بآن — پیش سگ انداز از دور استخوان

هین بجنبان آن عصا تا خاکها — وادهد هر چه ملخ کردش فنا

وان ملخها در زمان گردد تباه — تا ببینند خلق تبدیل اله

که سببها نیست حاجت مر مرا — آن سبب بهر حجابست و غطا

تا طبیعی خویش بر دارو زند — تا منجم رو باستاره کند

تا منافق از حریصی بامداد — سوی بازار آید از بیم کساد

بندگی ناکرده و ناشسته رو — لقمه دوزخ بگشته لقمه جو

آکل و ماکول آمد جان عام — همچو آن بره چرنده از حطام

می چرد آن بره و قصاب شاد — که برای ما چرد برگ مراد

کار دوزخ می کنی در خوردنی — بهر او خود را تو فربه می کنی

کار خود کن روزی حکمت بچر — تا شود فربہ دل با کر و فر

خوردن تن مانع این خورد نیست — جان چو بازرگان و تن چون رہزن ست

شمع تاجر آنگہ ست افروختہ — کہ بود رہزن چو ہیزم سوختہ

خویشتن را گم مکن یاوہ مکوش — کہ تو آن ہوشی و باقی ہوش پوش

وانکہ ہر شہوت چو خمرست و چو بنگ — پردۂ ہوش ست و عاقل زوست دنگ

خمر تنہا نیست سرمستی ہوش — ہر چہ شہوانی ست بندد چشم و گوش

ترک شہوت کن اگر خواہی تو ہوش — وانکہ شہوت بندوت ہم چشم و گوش

آن بلیس از خمر خوردن دور بود — مست بود او از تکبر وز جحود

مست آن باشد کہ آن بیند کہ نیست — زر نماید آنچہ مس و آہن ست

این سخن پایان ندارد موسیا — لب بجنبان تا برون آید کیا

القصہ جب موسی علیہ السلام کو تبلیغ جاری رکھنے کا زبردست حکم تاکید کیلئے پے درپے ہوا تو اُنھوں نے تبلیغ جاری رکھی اور چونکہ فرعون اور اسکی قوم کی طرف سے کفر پر اصرار رہا اسلئے نیل برابر خون ہوکر بہتا رہا۔ اور نوبت باینجا رسید کہ فرعون بذات خود حضرت موسی علیہ السلام کی خدمت مین حاضر ہوا اور جھک کر خوشامد کرنے لگا اور کہا کہ میرا منہ تو نہین ہے کہ مین عرض کرون لیکن بضرورت اتنا عرض کرتا ہون کہ جو ہم نے کیا وہ آپ نہ کیجئے اور بُرائی کا بدلہ بُرائی سے نہ دیجئے۔ اگر آپ ہمارے ساتھ سلوک کرینگے تو میرا بال بال آپ کا مطیع ہو جاوے گا۔ دیکھئے اس سے زیادہ مجھے ذلیل نہ کیجئے کیونکہ مین ہمیشہ سے عزت کا عادی رہا ہون اور کبھی مین نے ذلت نہین اٹھائی ہے۔ اسلئے مین اسے برداشت نہین کرسکتا۔ اچھا اب آپ اپنی مہربانی سے دعا کر دیجئے کہ یہ آگ جو آسمان سے برس رہی ہے اس کا دہانہ بند ہو جاوے۔ اور باران رحمت نازل ہو کر قحط کو دفع کرے یہ سنکر حضرت موسی علیہ السلام نے

حق سبحانہ کی جناب مین عرض کیا کہ اے اللہ یہ مجھے دھوکا دیتا ہے اور آپکے فریفتہ کو بہکاتا ہے ایسی حالت مین آپ کا کیا حکم ہے آیا مین اسکی درخواست کو قبول کر لون یا مین بھی اس سے دھوکا کرون تاکہ یہ متمسک بفرع اصل تدبیر کو جان لے اور اسے معلوم ہو جاوے کہ اصل تدبیر تو خدا کی ہے باقی تمام تدابیر اسکی فرع ہین اور ایک تدبیر بھی نہین بلکہ جو کچھ بھی زمین مین ہے اس کی اصل حق سبحانہ کے یہان ہے کیونکہ سب عالم مظہر ہے اسکے اسماء وصفات کا حق سبحانہ نے اس کا جواب دیا کہ یہ نالایق تو اس قابل بھی نہین ہے کہ ہم اسکے بدلہ کا خیال کرین اور اسکے فریب کا جواب فریب سے دین بس آپ اس کتے کے سامنے ہڈی ڈال دیجئے اور وہ جو کچھ درخواست کرتا ہے اسکو قبول کر لیجئے اور اپنا عصا ہلائے تاکہ ٹڈیان جو کچھ کھا چکی ہین زمین سب واپس کر دے اور ٹڈیان سب دفعۃً مر جائین تاکہ لوگون کو معلوم ہو جاوے کہ حق سبحانہ حالت کو یون بدل دیتے ہین اور جان لین کہ ہمین اپنے افعال مین اسباب درکار نہین بلکہ اسباب تو محض حجاب کے طور پر ہین تاکہ طبیب دوا کو لپٹ جاوے اور منجم ستارون کی طرف متوجہ ہو جاوے اور دنیادار اپنی چالاکی سے صبح ہی سے بخوف کساد بازاری بلاعبادت کئے اور بلا منہ ہاتھ دھوئے بازار مین آجائے اور معنی امتحان متحقق ہو سکین - اب مولانا فرماتے ہین کہ یہ دنیادار خود دوزخ کی غذا ہے اور اپنے لئے غذا تلاش کرتا ہے علی ہذا تمام عوام اور محجوبین آکل بھی ہین اور ماکول بھی - آکل غذا کے لحاظ سے ہین اور ماکول دوزخ کے اعتبار سے اسلئے ان کی مثال ایسی ہے جیسے بکری کا بچہ چارہ وغیرہ کھاتا ہے وہ آکل بھی ہے اور ماکول بھی چنانچہ وہ چارہ کھاتا ہے اور قصاب خوش ہوتا ہے کہ یہ ہمارے لئے چر رہا ہے اب مولانا مضمون ارشادی بیان فرماتے ہین اور کہتے ہین کہ اے محجوب تو جو کھاتا ہے تو اس مین تو اپنا کام نہین کرتا بلکہ دوزخ کا کام کر رہا ہے اور اسکو فائدہ پہونچا رہا ہے کیونکہ تو اپنے کو اسی کے لئے موٹا کر رہا ہے - پس تو اس بیگار کو چھوڑ - اور اپنا کام کر - اور وہ یہ ہے کہ غذائے علوم و معارف کھا - تاکہ تیرا شان و شوکت دل موٹا ہو اور یاد رکھ کہ غذائے جسمانی (اس حیثیت سے کہ وہ جسمانی ہے یعنی نفس کو قوت پہونچانیوالی ہے) غذائے روحانی سے مانع ہے (ف قید حیثیت اسلئے لگائی ہے کہ جو غذائے جسمانی حکم شریعت کے مطابق کھائی جاتی ہے وہ مانع نہین ہے کیونکہ ایسی غذا حکم مین غذائے روحانی کے ہے) کیونکہ جان بمنزلہ سوداگر کے ہے اور جسم بمنزلہ رہزن کے اور تاجر کا فائدہ اسی مین ہے کہ رہزن ہلاک ہو اور جس قدر رہزن کو قوت ہوگی اسی قدر سوداگر کو نقصان ہوگا - پس جو غذا جسم

(نفس) کو قوت پہونچائیگی وہ لامحالہ روح کو کمزور کریگی۔ پس تو بیہوش نہ بن اور فضول کوشش نکر کیونکہ تو ہوش ہے اور باقی سب اس ہوش کو چھپانیوالے۔ پس تو اپنی خبر لے۔ اور سمجھ کہ تو کیا ہے اور سب کی فکر چھوڑ۔ کیونکہ جسقدر تو اور چیزون مین مشغول ہوگا اتنا ہی اپنے سے غافل ہوگا۔ اور یہ بھی یاد رکھ کہ ہر خواہش نفسانی شراب اور بنگ کا اثر رکھتی ہے اور عقل وہوش کیلئے پردہ ہے اور عاقل اس سے متحیر ہو جاتا ہے پس شراب اور دیگر مسکرات متعارفہ ہی عقل کو بیخود کرنیوالے نہین ہین بلکہ جسقدر بھی نفسانی چیزین ہین سب آنکھ اور کان کو بند کرنے والی ہین۔ لہذا اگر تجھے عقل کی ضرورت ہے تو تو خواہش نفسانی کو چھوڑ کیونکہ یاد رکھ کہ خواہش نفسانی آنکھ اور کان وغیرہ پر قبضہ کر لیتی ہے اور ان کو ادراک حقیقت سے روکدیتی ہے۔ دیکھو ابلیس نے شراب نہین پی تھی پھر وہ کاہے سے مست تھا وہ تکبر اور انکار سے مست تھا جو کہ شہوات نفسانیہ مین سے ہین۔ اگر تم کہو کہ ابلیس مست ہی نہ تھا تو ہم کہین گے کہ مست کی صفت یہ بھی تو ہے کہ وہ غیر واقعی امور کو دیکھے اور لوہے اور تانبے کو سونا سمجھے سو یہ بات ابلیس مین بوجہ اکمل موجود تھی کیونکہ اُسنے اپنے کو آدم سے بہتر سمجھا حالانکہ وہ بہتر نہ تھا اور آدم علیہ السلام کو حقیر سمجھا حالانکہ وہ حقیر نہ تھے اور مست کسے کہتے ہین اچھا یہ گفتگو تو ختم نہوگی۔ ہان موسیٰ علیہ السلام آپ دعا فرمائیے تاکہ سبزہ اُگے۔

دُعا کردن موسیٰ علیہ السلام و سبز شدن کشت

ہمچنان کرد و ہم اندر دم زمین	سبز گشت از سنبل و حب ثمین
اندر افتادند در لوت آن نفر	قحط دیدہ مردہ از جوع البقر
چند روزے سیر خوردند از عطا	آن دمی و آدمی و چارپا
چون شکم پر گشت بر نعمت زدند	وان ضرورت رفت پس طاغی شدند
نفس فرعونیست ہان سیرش مکن	تا نیارد یاد زان کفر کہن

بی تف آتش نگردد نفس خوب / تا نشد آهن چو اخگر هین مکوب

بی مجاعت نیست تن جنبش کنان / آهن سردست میکوبی بدان

گر بگرید ور بنالد زار زار / او نخواهد شد مسلمان هوشدار

او چو فرعونست در قحط آنچنان / پیش موسی سر نهد لابه کنان

چونکه مستغنی شد او طاغی شود / خر چو بار انداخت اسکیزه زند

پس فراموشش شود چون رفت پیش / کار او زان آه و زاریهای خویش

سالها مردیکه در شهری بود / یکزمان کش چشم در خوابی شود

شهر دیگر بیند او پر نیک و بد / هیچ در یادش نیاید شهر خود

که من آنجا بوده ام این شهر نو / نیست آن من درینجا ام گرو

بل چنان داند که خود پیوسته او / همدرین شهرش بدا ابداع و خو

چه عجب گر روح موطنهای خویش / که بدستش مسکن و میلاد پیش

می نیارد یاد کاین دنیا چو خواب / می فرو پوشد چو اختر را سحاب

چند نوبت آزمودی خوابرا / خواب دنیا را همین بین زابتلا

خاصه چندین شهرها را کوفته / گردها از درگه او ناروفته

اجتهاد گرم ناکرده که تا / دل شود صافی و بیند ماجرا

بیان اطوار خلقت آدمی در فطرت

سر برون آرد دلش از بحر راز ‌‌ ‌ اول و آخر ببیند چشم باز

آمده اول باقلیم جماد ‌ ‌ وز جمادی در نباتی اوفتاد

سالها اندر نباتی عمر کرد ‌ ‌ وز جمادی یاد ناورد از نبرد

وز نباتی چون بحیوانی فتاد ‌ ‌ نامدش حال نباتی هیچ یاد

جز همان میلے که دارد سوئے آن ‌ ‌ خاصه در وقت بهار و ضیمران

همچو میل کودکان با مادران ‌ ‌ سر میل خود نداند در لبان

همچو میل مفرط هر نو مرید ‌ ‌ سوئے آن پیر جوان بخت مجید

جزو عقل این ازان عقل کل است ‌ ‌ جنبش این سایه زان شاخ گل است

سایه اش فانی شود آخر درو ‌ ‌ پس بداند سر میل و جستجو

سایهٔ شاخ درخت اے نیکبخت ‌ ‌ کے بجنبد گر بجنبد این درخت

باز از حیوان سوئے انسانیش ‌ ‌ میکشد آن خالقے که دانیش

همچنین اقلیم تا اقلیم رفت ‌ ‌ تا شد اکنون عاقل و دانا و زفت

عقلهاے اولینش یاد نیست ‌ ‌ هم ازین عقلش تحول کردنیست

تا رهد زین عقل پر حرص و طلب ‌ ‌ صد هزاران عقل بیند بوالعجب

گرچه خفته گشت و شد ناسی ز پیش
کی گذارندش دران نسیان خویش

باز ازان خوابش به بیداری کشند
تا کند بر حالت خود ریشخند

گرچه غم بود آنکه میخوردم بخواب
چون فراموشم شد احوال صواب

چون ندانستم که آن غم و اعتلال
فعل خوابست و فریبست و خیال

همچنین دنیا که حلم نائم ست
خفته پندارد که این خود دائم ست

تا برآید ناگهان صبح اجل
وا رهد از ظلمت ظن و دغل

خنده اش گیرد ازین غمهای خویش
چون ببیند مستقر و جای خویش

هرچه اندر خواب بینی نیک و بد
روز محشر یک بیک پیدا شود

آنچه کردی اندرین خواب جهان
گرددت هنگام بیداری عیان

تا نه پنداری که این بد کردنیست
اندرین خواب و ترا تعبیر نیست

بلکه این خنده بود گریه و نفیر
روز تعبیر ای ستمگر بر اسیر

گریه و درد و غم و زاری خود
شادمانی دان به بیداری خود

ای دریده پوستین یوسفان
گرگ برخیزی ازین خواب گران

گشته گرگان یک بیک خوهای تو
می درانند از غضب اعضای تو

خون نخسپد بعد مرگت در قصاص
تو مگو که میرم و یابم خلاص

این قصاص نقد حیلت سازیست / پیش زخم آن قصاص این بازیست

زین لعب خوانده است دنیا را خدا / کاین جزا لعبست پیش آن جزا

این جزا تسکین جنگ و فتنه است / آن چو اخصاست این چون ختنه است

این سخن پایان ندارد موسیا / هین رها کن آن خران را در گیا

تا همه زان خوش علف فربه شوند / هین که گرگانند ما را خشم مند

بیان آنکه خلق دوزخ گرسنگان و نالان اند و از حق خواهان که روزیهای ما را فربه کن و بما برسان

ناله گرگان خود را موقنیم / این خران را طعمهٔ ایشان کنیم

این خران را کیمیای خوش دمی / از لب تو خواست کردن آدمی

تو بسی کردی بدعوت لطف و جود / آن خران را طالع و روزی نبود

پس فرو پوشان لحاف نعمتی / تا بردشان زود خواب غفلتی

تا چو بجهند از چنین خواب این رمه / شمع مرده باشد و ساقی شده

داشت طغیان شان ترا در حیرتی / پس بنوشند از جزا هم حسرتی

تا که عدل ما قدم بیرون نهد / در جزا هر زشت را در خور دهد

کان شهی که می ندیدندیش فاش / بود با ایشان نهان اندر معاش

چون خرد با تست مشرف بر تنت / گرچه زو قاصر بود این دیدنت

نیست قاصر دیدن ای فلان ... از سکون و جنبشت در امتحان

چه عجب گر خالق آن عقل تیز ... با تو باشد در سکون و نقل تیز

از خرد غافل شود بر بد تند ... بعد از آن عقلش ملامت میکند

تو شدی غافل ز عقلت عقل نے ... کز حضورستش ملامت کردنے

گر نبودے حاضر و غافل بدے ... در ملامت کے ترا سیلی زدے

ور ازو غافل نبودے نفس تو ... کے چنان کردے جنون و نفس تو

پس ترا عقلت چو اصطرلاب بود ... تا بدانی قرب خورشید وجود

قرب بیچون ست عقلت را بتو ... نیست از پیش و پس و سفل و علو

قرب بیچون چون نباشد شاه را ... که نیابد بحث عقل آن راه را

نیست آن جنبش که در اصبع تراست ... پیش اصبع یا پسش یا چپ و راست

وقت خواب و مرگ ازوے میرود ... وقت بیداری قرینش می شود

از چه ره می آید اندر اصبعت ... کاصبعت بے او ندارد منفعت

نور چشم مردمک در دیده ات ... از چه ره آید بغیر شش جهت

عالم خلق ست با سوی و جهات ... بے جهت دان عالم امر و صفات

بے جهت دان عالم امر اے صنم ... بے جهت تر باشد آمر لاجرم

بے جهت بد عقل و علام البیان ... عقل تر از عقل جان تر هم ز جان

بے تعلق نیست مخلوقے بدو ... آن تعلق هست بیچون اے عمو

زانکه فصل و وصل نبود در روان — غیر فصل و وصل نندیشد گمان

غیر فصل و وصل پی بر از دلیل — لیک پی بردن بنشاند علیل

پی پیاپی می بر از دوری ز اصل — تا رگ مردیت آرد سوی وصل

این تعلق را خرد چون پی برد — بستهٔ فصل ست و وصل ست این خرد

زین وصیت کرد ما را مصطفی — بحث کم جوئید در ذات خدا

آنکه در ذاتش تفکر کردنیست — در حقیقت آن نظر در ذات نیست

هست آن پندار او زیرا براه — صد هزاران پرده آمد تا اله

هر یکی در پردهٔ موصول جوست — وهم او آنست کان خود عین اوست

پس پیمبر دفع کرد این وهم ازو — تا نباشد در غلط سودا پز او

زانکه اندر وهم او ترک ادب — بی ادب را سرنگونی داد رب

سرنگونی آن بود که سوی زیر — می رود پندارد او کو هست چیر

زانکه حد مست باشد اینچنین — کو نداند آسمان را از زمین

در عجبهایش بفکر اندر روید — از عظیمی وز مهابت گم شوید

چون ز صنعش ریش و سبلت گم کند — حد خود داند ز صانع تن زند

جز که لا احصی نگوید او ز جان — کز شمار و حد برونست آن بیان

چون بیانش نیست ای بوالهوس — بحث کم کن بیش ازین کم زن نفس

پس موسی علیہ السلام نے وہی کیا جو حق سبحانہ نے حکم دیا تھا اور فوراً از زمین سنبل اور بیش قیمت غلوں

وغیرہ سے سرسبز ہوگئی اور وہ قحط زدہ اور فاقون کے مارے ہوئے لوگ کہانے پر پڑ گئے ۔ چند روز تک اس بخشش الٰہی کو خوب کھایا ۔ پرندون نے بھی اور آدمیون نے بھی اور چار پاؤن نے بھی ۔ لیکن جب سیر ہوگئے اور نعمت مل گئی اور ضرورت جاتی رہی پھر سرکش ہوگئے ۔ اب مولانا مضمون ارشادی کی طرف انتقال فرماتے ہین اور کہتے ہین کہ دیکھو نفس بھی ایک فرعون ہے تم اس کا پیٹ نہ بھرنا ۔ تاکہ یہ اپنے پرانے کفر کو پھر یاد نہ کرے ۔ اور پھر شرارت نہ کرنے لگے اور یاد رکھو کہ یہ تو آتش گرسنگی ہی سے ٹھیک ہوتا ہے اور بدون اسکو آگ مین تپائے ہوئے اسکی اصلاح مین کوشش کرنا بے سود ہے پس جب تک یہ لوہا (نفس) آتش (گرسنگی) مین) خوب نہ تپ جاوے اور لال نہ ہو جاوے اس وقت تک اسے نہ کوٹو اور اسکی اصلاح کا خیال نہ کرو کیونکہ بے سود ہے ۔ دیکھو بدون بھوک کے یہ جسم راہ طاعت مین حرکت کرنیوالا نہین ۔ پس تم جو بدون بھوکا رکھے اس سے کام لینا چاہتے ہو تو سمجھ لو کہ ایک ٹھنڈا لوہا ہے اور اسے تم کوٹ رہے ہو جو محض لاحاصل ہے ۔ نیز اس کا بھی خیال رکھو کہ اگر وہ زار زار روئے اور آہ وزاری کرے تو تم دھوکا نہ کھانا کیونکہ یہ کافر ہرگز مسلمان ہوگا اسکی مثال فرعون کی سی ہے کہ یہ تکلیف مین فرعون کی طرح موسے (روح) کی اطاعت قبول کرتا ہے اور خوب منت سماجت کرتا ہے لیکن جب یہ بیفکر ہو جاتا ہے پھر سرکش ہو جاتا ہے جس طرح کہ جب خر پر سے بوجھ اتر جاتا ہے تو وہ دولتیان مارنے لگتا ہے اور جبکہ اسکی آہ وزاری سے اس کا کام نکل جاتا ہے تو یہ سب عہد وپیمان بھول جاتا ہے اور اسکی ایسی مثال ہوتی ہے جیسے ایک شخص برسون ایک شہر مین رہے اور تھوڑی دیر کیلئے اس کی آنکھ لگ جاوے اور وہ خواب مین ہر قسم کی اشیاء سے معمور ایک شہر دیکھے تو اسکو اپنا شہر بالکل یاد نہ آئیگا اور نہ جانے گا کہ مین فلان جگہ رہتا تھا اور یہ نیا شہر میرا شہر نہین ہے بلکہ مین یہان عارضی طور پر محبوس ہون ۔ بلکہ وہ یہ ہی سمجھتا ہے کہ مین ہمیشہ اسی مین رہتا ہون اور یہین مین پیدا ہوا ہون اور یہین رہنے کا عادی ہون اس سے تم یہ بھی نتیجہ نکال سکتے ہو کہ اگر روح اپنے وطن قدیم کو جہان اسکی بود وباش تھی اور جہان وہ پیدا ہوئی تھی بھول جاوے تو کچھ تعجب کی بات نہین ۔ کیونکہ یہ دنیا جو خواب کی مثل ہے اسکو یون ڈھکے ہوئے ہے جس طرح ستارہ کو ابر ۔ دیکھو خواب کا تو تمہین بارہا تجربہ ہو چکا ہے کہ وہ سونے والیکے دل سے اسکے وطن اصلی کو بھلا دیتی ہے ۔ پس خواب دنیا کو بھی ایسا ہی سمجھو بالخصوص

اس وقت جبکہ روح متعدد شہرون مین رہ چکی ہے۔ اور خانۂ دل کو صاف بھی کئے ہوئے نہین ہے اور کوئی بڑی کوشش بھی تصفیۂ قلب مین نہین کی۔ تاکہ دل صاف ہوجاوے۔ اور واقعات گذشتہ کو معلوم کرلے۔ اور دریائے اسرار مین غوطہ زن ہوکر نکلے اور اول وآخر کو کھلی آنکھون دیکھلے۔ دیکھو روح اول اقلیم جماد مین رہی اس سے اقلیم بناتی مین آئی اس اقلیم میں برسون رہی مگر اقلیم جمادی کو کبھی بھی یاد نہین کیا۔ اسکے بعد اقلیم حیوانی مین آئی اور جب اقلیم نباتی سے اقلیم حیوانی مین آئی تو اقلیم نباتی کو بالکل بھول گئی۔ بجز اس میل کے جو اسکو نباتات کی طرف طبعًا ہے اور بالخصوص بہار کے موسم مین مگر یہ میل ایسا ہی ہے جیسا کہ بچون کو ماؤن کی طرف ہوتا ہے کہ وہ اپنے اس میل کا راز نہین جانتے جو کہ انکو انکے دودھ مین ہے نیز یہ میل ایسا ہی ہے جیسا کہ نئے مُرید کو اپنے جوان بخت اور بزرگ شیخ کی طرف ہوتا ہے کہ وہ اس میلان کا راز نہین جانتا۔ اب ہم وہ راز بتلاتے ہین سنو۔ مرید کی عقل ناقص شیخ کی عقل کامل کا جز یعنی اسکے تابع ہے۔ اور اس سایہ یعنی عقل مرید کی حرکت اسے شاخ گل یعنی عقل شیخ کی بدولت ہے بس ایک دن ایسا آئے گا کہ اسکی عقل ناقص اسکی عقل کامل مین فنا ہوجاویگی اور وہ وقت وہ ہوگا جسوقت اسکو فنافی الشیخ کا مرتبہ حاصل ہوگا اس وقت اس رغبت اور جستجو کا اسے راز معلوم ہوگا اور وہ جانے گا کہ اسکے میلان کا راز یہ تھا کہ وہ اصل اور متبوع تھی اور یہ اسکی فرع اور تابع اسلئے اسکی طرف مائل تھی لان کل شئ یرجع الی اصلہ ہم نے عقل مرید کی حرکت کو حرکت عقل شیخ کا اثر قرار دیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کی عقل بمنزلہ سایہ کے ہے اور شیخ کی عقل بمنزلہ شاخ کے پس اگر درخت کو حرکت نہو تو شاخ کا سایہ کیسے حرکت کرسکتا ہے خیر یہ مضمون تو استطرادی تھا اب سنو کہ جب روح اقالیم مذکورہ کو طے کرچکتی ہے تو اسکے بعد وہ خالق جسکو تو جانتا ہے یعنی خدائے تعالیٰ اسکو اقلیم حیوانی سے اقلیم انسانی مین کھینچ لاتا ہے۔ القصہ وہ یون ہی ایک اقلیم سے دوسری اقلیم مین منتقل ہوتی رہی یہانتک کہ اب وہ عاقل ودانا اور عظیم الشان ہوگئی لیکن اسکو پہلی عقلین عقل جمادی ونباتی وغیرہ جو اسکو اس سے بیشتر حاصل تھین یاد نہین رہین اب سمجھو کہ اس عقل پر بھی اسکو قرار نہ ہوگا بلکہ اس سے بھی اسے انتقال کرنا ہوگا تاکہ وہ اس عقل حریص دنیاوی سے چھوٹ کر عقل اُخروی دیکھے اور اس عقل پر قائم رہے (اب مولانا علی الاستعجاب کہتے ہین کہ عجیب بات ہے کہ روح جبتک اس عقل حریص سے چھوٹے گی اسوقت تک لاکھون عقلین دیکھ لے گی) ×××××

اس مضمون کو ختم کرکے مولانا فرماتے ہین کہ وہ سونے والا جو خواب مین دوسرا شہر دیکھ رہا ہے اور اپنے شہر کو یاد نہین کرتا اگرچہ اسوقت سو رہا ہے اور گذشتہ واقعات کا اسے خیال نہین لیکن قضاوقدر اسے حالت نسیان مین نہ چھوڑین گے بلکہ اسے اس خواب غفلت سے بیدار کرین گے تاکہ وہ اپنی حالت خواب پر ہنسے اور کہے کہ وہ کیا بیہودہ غم تھا جسمین خواب مین کھا رہا تھا یعنی کن بیہودہ خیالات مین مبتلا تھا۔ اور احوال واقعیہ کو مین کیونکر بھول گیا تھا۔ مین نے کیون نہ سمجھا کہ یہ ایک غم اور بیماری نیند کا فعل اور دھوکہ اور خیال ہے۔ بس یہی حالت دنیا کی ہے کہ وہ بھی سونے والے کا ایک خواب ہے۔ اور سونے والا سمجھتا ہے کہ یہ ہمیشہ یون ہی رہیگی یہانتک کہ ایک روز صبح اجل طلوع ہوگی اور یہ سونیوالا بیدار ہوکر تاریکی گمان باطل اور دھوکے سے نجات پائیگا اور جبکہ وہ اپنا مسکن اصلی (عالم غیب) دیکھیگا تو اسکو اپنے افکار لایعنی پر ہنسی آئیگی۔ یاد رکھو کہ جو کچھ تم اس خواب دنیا مین خواہ برا خواہ بھلا دیکھ رہے ہو۔ قیامت مین ان مین سے ایک ایک شے ظاہر ہوگی یعنی جو کچھ اس خواب دنیا مین اچھے یا برے کام کئے ہین بیداری محشر کیوقت ایک ایک کرکے تمہارے سامنے آئین گے۔ تم یہ نہ سمجھنا کہ دنیا ایک خواب ہے، اور خواب مین جو کچھ برا یا بھلا کام کرلیا جاتا ہے وہ خواب ہی تک محدود رہتا ہے اور بیداری پر اس کا کچھ اثر نہین پڑتا۔ اور یہ خواب محض بے تعبیر ہے کیونکہ ایسا ہرگز نہین ہے۔ بلکہ اے کمزورون پر ظلم کرنے والے تو جان لے کہ تیری اس خواب کی ہنسی کی تعبیر بروز محشر رونا ہوگی اور سمجھ لے کہ اس خواب دنیا مین تیرے گریہ وزاری اور رنج وغم کی تعبیر بیداری مین خوشی ہے اور اے یوسفون کے پوستین پھاڑنیوالے اور بے گناہون پر ظلم کرنیوالے تو اس خواب خرگوش سے بھیڑیے کی شکل مین اٹھے گا اور تیری ایک ایک خصلت قیامت مین بھیڑیا ہوگی اور یہ تمام بھیڑیے غصہ سے تیرے اعضا پارہ پارہ کرین گے۔ اور یاد رکھ کہ تو جو خون ناحق کرتا ہے یہ خون ناحق درباب انتقام ہدر نہ ہوگا اور تو یہ نہ سمجھنا کہ مین مرکر چھوٹ جاؤن گا بلکہ تجھ سے ضرور انتقام لیا جاویگا۔ اور اگر دنیا مین قصاص لے لیا گیا ہے تب بھی تو انتقام آخرت سے نہین بچ سکتا کیونکہ حقیقت مین یہ قصاص نہین ہے بلکہ یہ تو بقاء انتظام کی ایک تدبیر ہے اصل انتقام تو آخرت مین لیا جاویگا۔ اس انتقام کے مقابلہ مین یہ انتقام محض ایک کھیل ہے اسلئے حق سبحانہ نے دنیا کو لعب ولہو فرمایا ہے کہ اسکے انتقامات اُسکے انتقامات کے مقابلہ مین کھیل ہین اسکے انتقامات تو محض فتنہ وفساد کو فرو کرنے کیلئے ہوتے ہین اور حقیقت مین جزا نہین ہین۔ وہ انتقامات تو بمنزلہ خصی کرنے کے ہین۔ اور یہ انتقامات بمنزلہ ختنہ کرنے کے غیر یہ گفتگو تو ختم نہین ہوسکتی اسلئے اصل قصہ سنو۔ حق سبحانہ نے موسی علیہ السلام سے فرمایا کہ اے موسے ان گدھون کو گھاس مین چھوڑے رکھو۔ یعنی فرعونیون کو تنعم مین مصروف رہنے دو۔ تاکہ یہ چارہ کھا کر خوب موٹے ہوجاوین کیونکہ ہمارے بھیڑیے بھوک کے سبب نہایت غضبناک ہین پس جب یہ ہمارے یہان آئین گے آتے ہی ان کا نکالدینگے

کر ڈالین گے - ہم اپنے بھیڑیون کی بھوک کے مارے رونے کو جانتے ہین اسلئے جب یہ گدھے ہمارے یہان آئین گے ہم ان کو انکی غذا بنا ئین گے - آپ کی خوش کلامی کی کیمیا جو آپ کے لب سے ظاہر ہوتی تھی چاہتی تھی کہ ان گدھون کو آدمی بنا دے اور گمراہون سے ہدایت یافتہ کر دے - اور آپ نے بھی دعوت الی الحق مین بہت کچھ عنایت اور سخاوت کی مگر کیا کیجئے کہ انکی قسمت ہی مین ہدایت والسانیت نہ تھی پس آپ انکو نعمت کا لحاف اوڑھا دیجئے تاکہ یہ فوراً خواب غفلت مین سو جائین تاکہ جب یہ اس خواب غفلت سے بیدار ہون تو اپنی شمع کو گل اور ساقی کو گیا ہوا پائین یعنی مرنے کے بعد اپنی نعمت کو مبدل بہ زحمت دیکھین اور چونکہ انھون نے اپنی سرکشی سے تم کو متحیر رکھا ہے اسلئے اسکے بدلے مین حسرت کا مزہ چکھین تاکہ ہمارا عدل ظاہر ہو - اور ہر نالائق کو اسکے مناسب سزا ملجا دے - اور وہ جان لین کہ جس بادشاہ (حق سبحانہ) کو وہ آشکارا طور پر نہ دیکھتے تھے وہ انکی زندگی مین ان کی ساتھ تھا - شاید معیت حق سبحانہ تمہاری سمجھ مین نہ آوے کیونکہ تم اُسے نہین دیکھتے اسلئے ہم ایک مثال سے اس مضمون کو قریب کرتے ہین دیکھو جبکہ عقل تمہاری ساتھ اور تمہارے جسم کی نگران ہے اور اگرچہ تم اسکو دیکھنے سے قاصر ہو مگر وہ تمہاری حرکات وسکنات کے دیکھنے سے قاصر نہین ہے تو کیا تعجب کی بات ہے اگر خالق عقل بھی تمہاری حرکات وسکنات مین تمہاری ساتھ ہو - اور سنو آدمی عقل سے غافل ہو کر بُرا کام کر بیٹھتا ہے اسکے بعد عقل اس کو ملامت کرتی ہے اس سے ثابت ہوا کہ تم عقل سے غافل ہو جاتے ہو مگر عقل غافل نہین ہوتی کیونکہ یہ ملامت اسکی حضوری پر تو مبنی ہے اسلئے کہ اگر وہ حاضر نہوتی بلکہ غافل ہوتی تو ملامت کا چپت کیسے لگاتی - پس ثابت ہوا کہ وہ غافل نہین ہے اب اسکی دلیل سنو کہ بُرے کام کے وقت تم اس سے غافل تھے سو اسکی وجہ یہ ہے کہ اگر تم اس سے غافل نہوتے تو تم اپنی دیوانگی اور سرگرمی سے ایسی حرکت کیون کرتے - اس بیان سے معلوم ہوا کہ تمہاری عقل اصطرلاب کی مانند ہے کیونکہ اس سے حق سبحانہ کا قرب معلوم ہو سکتا ہے جو کہ خورشید وجود ہین جسطرح کہ اصطرلاب معروف سے آفتاب معروف کا قرب معلوم ہوتا ہے اور سنو تمہاری عقل کو تم سے بے کیف قرب ہے کیونکہ نہ یہ قرب آگے سے ہے نہ پیچھے سے نہ اوپر سے نہ نیچے سے - پس حق سبحانہ کیلئے وہ بے کیف تقرب کیون نہ ہوگا جو عقل کو لجا از کاوش بھی معلوم نہ ہو - اگر منوز کوئی تردد باقی ہو تو اور مثال سنو دیکھو تمہاری انگلی جو حرکت کرتی ہے اس کی حرکت اسکے آگے ہے نہ پیچھے نہ داہنے نہ بائین اور وہ حرکت سونے کیوقت یا مرنے کے سبب اس سے زائل ہو جاتی ہے اور بیداری کے بعد پھر آجاتی ہے - اب ہم پوچھتے ہین کہ بتلاؤ وہ حرکت تمہاری انگلی مین کس راستہ سے آتی ہے کیونکہ آتی تو ضرور ہے اسلئے کہ اسکے بغیر تو انگلی ہی بیکار ہے لیکن تم راہ نہین بتلا سکتے علی ہذا ہم پوچھتے ہین

کہ تمھاری پتلی مین نور چھ جہتون کے علاوہ کس جہت سے آتا ہے۔ کیونکہ ان چھ جہات سے تو یقیناً نہین آتا مگر تم جہت نہین بتلا سکتے کیونکہ بتلایا تو اسوقت جاوے جب کوئی جہت ہو اور جب جہت ہی نہو تو بتلایا کیسے جاوے اور جہت کیون نہین اسلئے کہ یہ اشیاء عالم امر (یعنی عالم مجردات) سے ہین نہ کہ عالم خلق اور مادیات سے اور عالم خلق کیلئے تو جہات ہین مگر عالم امر کے لئے جہت نہین ہے اور جبکہ عالم امر بے جہت ہے تو آمر یعنی حق تعالیٰ بالا دے بے جہت ہوگا نیز عقل بے جہت ہے اور حق سبحانہ عقل سے زیادہ مجرد ہین تو وہ لامحالہ اس سے بھی زیادہ بے جہت ہونگے۔ نیز روح بے جہت ہے اور حق سبحانہ روح سے زیادہ مجرد ہین۔ تو وہ لامحالہ اس سے زیادہ بے جہت ہونگے الحاصل مخلوق اس سے بے تعلق نہین ہے بلکہ اسکو اس سے ضرور تعلق ہے اور وہ تعلق بے کیف ہے۔ بے کیف ہم نے اسلئے کہا کہ اتصال وانفصال تو متعلق روح بالجسم مین بھی نہین ہوتا حق سبحانہ کی شان تو روح سے ارفع واعلے ہے پھر اسکے تعلق مین اتصال یا انفصال کیونکر ہوسکتا ہے اور عقل جزوی اتصال وانفصال کے سوا اور کسی تعلق کو سمجھ نہین سکتی اسلئے کہا جاتا ہے کہ اس کا تعلق بے کیف ہے گو تمھاری عقل مین اتصال وانفصال کے سوا اور تعلق نہین آتا مگر تم کو دلیل سے اس کا پتہ لگانا چاہیئے۔ چنانچہ ہم اوپر اس دلیل کو بیان بھی کر چکے ہین اور مزید تفصیل اس کی علم کلام مین ہے پس دلیل تمکو بتلائیگی کہ کوئی اور تعلق بھی ہے۔ مگر اس سے یہ نہین معلوم ہوسکتا ہے کہ وہ کیا ہے اسلئے محض دلیل سوزش تشنگی کو نہین بجھا سکتی پس اسکے لئے تمکو اولا اس امر کا تقلیداً اپنہ لگانا چاہئے کہ ہمکو خدا سے بعد ہے تاکہ تمہاری رگ مردانگی جوش مین آکر تمکو طلب وصل پر آمادہ کرے۔ اور ایک روز تمکو دولت وصل نصیب ہو جائے اور اس وقت تم اس تعلق کو وجداناً سمجھ لو۔ اور محض عقل سے وہ تعلق سمجھ مین نہین آسکتا کیونکہ عقل تو اتصال وانفصال ہی کی مقید ہے اور اس سے آگے نہیں بڑھ سکتی یہی وجہ ہے کہ ہمکو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم کیا ہے کہ تم لوگ ذات خداوندی کے متعلق بحث وتفتیش نکرو کیونکہ عقول ناقصہ کی اس تک رسائی ناممکن ہے۔ اسلئے جسقدر اُسکی ذات مین غور وخوض کیا جاویگا وہ حقیقت مین اسکی ذات سے متعلق نہوگا بلکہ وہ محض خائض کا خیال ہوگا کیونکہ حق سبحانہ کی ذات تک لاکھون حجابات ہین جنکو طے کرنا عقل ناقص کا کام نہیں۔ پس ہر شخص ایک حجاب کے اندر حق سبحانہ کو تلاش کرتا ہے۔ اور اس حجاب کو حق سبحانہ سمجھتا ہے۔ لیکن واقع مین ایسا نہین ہے بلکہ وہ اسکا وہم ہے جو خود اس کا عین ہے اور حق سبحانہ اس سے منزہ ہین۔ پس اسلئے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے اس وہم کو دفع کر دیا تاکہ وہ غلطی مین پڑکر بیہودہ خیالات نہ پکاتا رہے اور غیر خدا کو خدا نہ سمجھ بیٹھے کیونکہ اسکے اس وہم مین ترک ادب ہے اور تارک ادب وگستاخ کو حق سبحانہ سرنگون کرتے ہین اور وہ سرنگونی یہ ہے کہ آدمی نیچے کی طرف چلتا ہے اور سمجھتا ہے کہ مین اوپر جا رہا ہوں کیونکہ سرنگونی

بھی ایک قسم کی مستی ہے اور مست کی تعریف یہ ہے کہ وہ آسمان کو زمین اور زمین کو آسمان سمجھ جائے۔ پس یہ معکوس خیال اس کی سرنگونی ہے (فتدبر) خیر تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تفکر فی الذات سے ممانعت فرمائی ہے۔ مگر اسکے عجائبات صنع میں غور کرنے کا حکم دیا ہے اور جسکا مقصود یہ ہے کہ حق سبحانہ کی مصنوعات عجیبہ میں غور کر کے اسکی عظمت وجلالت معلوم کرو۔ اور اسکی عظمت وجلالت سے اپنے کو مٹا دو۔ پس جب آدمی اسکی صنعت عجیبہ کو دیکھے گا تو اسکی شیخی ساری کرکری ہو جاویگی اور وہ اپنے مرتبہ کو پہچانے گا اور پھر حق سبحانہ کے متعلق بحث نہ کریگا اور صدق دل سے یہی کہیگا کہ رب لا احصی ثناء علیک انت کما اثنیت علی نفسک کیونکہ وہ جان لیگا کہ اسکے اوصاف حمیدہ کا بیان کرنا حد بیان سے باہر ہے۔ پس خلاصہ کلام یہ ہے کہ صفات وکمالات حق سبحانہ کا بیان کرنا حد بیان سے باہر ہے اسلئے اسکے متعلق اس سے آگے بحث نہیں کرنی چاہیئے اور خاموش رہنا چاہیئے اور اجمالاً اس کی معیت وقرب بے جہتی وغیرہ کا اعتقاد رکھنا چاہیئے۔

رفتن ذوالقرنین بکوہ قاف ودرخواست کردن کہ اے قاف از عظمت حق تعالی شمہ با ما بگو وجواب وگفتن صفت عظمت حق تعالی بتقریر درنیاید ولابہ کردن ذوالقرنین کہ ازانچہ توان گفت وبخاطر داری شمہ بگو

رفت ذوالقرنین سوئے کوہ قاف	دید او را کز زمرد بود صاف
گرد عالم حلقہ گشتہ آن محیط	ماند حیران اندران خلق بسیط
گفت تو کوہی دگرہا چیستند	کہ بہ پیش عظم تو بازیستند
گفت رگہائے من اند آن کوہہا	مثل من نبوند در حسن وبہا
من بہر شہرے رگے دارم نہان	بر عروقم بستہ اطراف جہان
حق چو خواہد زلزلہ شہرے مرا	امر فرماید کہ جنبان عرق را
پس بجنبانم من آن رگ را بقہر	کہ بدان رگ متصل گشتست شہر

چون بگوید بس شود ساکن رگم
ساکنم وز روئے فعل اندر تگم

ہمچو مرہم ساکن و بس کارکن
چون خرد ساکن در و جنبان سخن

نزد آنکس کہ نداند عقلش این
زلزلست از بخارات زمین

این بخارات زمین نبود بدان
زامر حق ست و ازان کوہ گران

بیان آنکہ مورے بر کاغذی رفت نوشتن قلم وید قلم را ستایش کرد مورے دیگر کہ تیز چشم تر بود گفت ستایش انگشتان کن کہ این ہنر از ایشان بینم مورے دیگر کہ از ہر دو تیز چشم تر بود گفت ستایش بازو کن کہ انگشتان فرع وے اند

مورکے بر کاغذے دید او قلم
گفت با مورے دگر این راز ہم

کہ عجائب نقشہا آن کلک کرد
ہمچو ریحان و چو سوسن زار و ورد

گفت آن مور اصبعست آن پیشہ ور
وین قلم در فعل فرع است و اثر

گفت آن مور سوم کز بازوست
کاصبع لاغر نہ زورش نقش بست

ہمچنین می رفت بالا تا یکے
بہتر موران فطن بود اندکے

گفت کز صورت مبینید این ہنر
کہ بخواب و مرگ گردد بے خبر

صورت آمد چون لباس و چون عصا
جز بعقل و جان نجنبد نقشہا

بیخبر بود او کہ آن عقل و فواد
بے ز تقلیب خدا باشد جماد

یک زمان از وے عنایت بر کند
عقل زیرک ابلہیہا می کند

باز التماس کردن ذوالقرنین از کوہ قاف تا بیان صنعے از صنائع حق تعالیٰ کند

چونکہ کوہ قاف دُرِّ نطق سُفت / چونش گویا یافت ذوالقرنین گفت

کائے سخن گوئے خبیر راز دان / از صفات حق بکن با من بیان

گفت او کان وصف زانہا برترست / کہ بیان بر وے تواند برد دست

یا قلم را زہرہ باشد کہ بسر / بر نویسد بر صحائف زان خبر

گفت کمتر داستانے باز گو / از عجبہائے حق اے حبر نکو

گفت اینک دشت صد سالہ را / کوہہائے برف پر کردست شاہ

کوہ بر کہ بے شمار و بے عدد / می رسد در ہر زمان برفش مدد

کوہ برفے می زند بر دیگرے / می رساند برف سردے تا ثرے

کوہ برفے می زند بر کوہ برف / دمبدم ز انبار بیحد و شگرف

گر نبودے این چنین وادی شہا / تف دوزخ محو کردے مر مرا

غافلان را کوہہائے برف دان / تا نہ سوزد پردہائے عاقلان

گر نبودے عکس جہل برف باف / سوختے از نار شوق آن کوہ قاف

آتش از قہر خدا خود ذرہ ایست / بہر تہدید لئیمان درّہ ایست

با چنین قہرے کہ زفتی فائق است / برد لطفش بین کہ بر وی سابق است

سبق بیچون و چگونہ معنوی / سابق و مسبوق دیدی بے دوی

گر ندیدے آن بود از فہم پست / کہ عقول خلق زان کان یک جو ست

عیب بر خود نہ نہ بر آیات دین ۔ کے رسد بر چرخ دین مرغ گلین
مرغ را جولان گہ عالی ہواست ۔ زانکہ نشو او ز شہوت و ز ہواست
پس تو حیران باش بے لا و بلے ۔ تا ز رحمت پیش آید محملے
پس ز فہم این عجائب کودنی ۔ گر بلے گوئی تکلف می کنی
ور بگوئی نے زند نے گردنت ۔ قہر بر بندد بدان نے روزنت
پس ہمین حیران و والہ باش و بس ۔ تا در آید نصر حق از پیش و پس
چونکہ حیران گشتی و گیج و فنا ۔ با زبان حال گفتی اہدنا
زفت زفت ست و چو ارزان می شوی ۔ می شود آن زفت نرم و مستوی
زانکہ شکل زفت بہر منکرست ۔ چونکہ عاجز آمدی لطف و برست

مولانا نے صفات خداوندی کا بیان سے باہر ہونا بیان کیا تھا اب اسکے متعلق ایک قصہ بیان فرماتے ہین اور فرماتے ہین کہ سکندر ذو القرنین کوہ قاف کی طرف گیا اور وہان پہونچکر دیکھا کہ وہ پہاڑ زمرد سے زیادہ صاف ہے اور تمام عالم کو گھیرے مین لئے ہوئے ہے۔ سکندر اس وسیع مخلوق الٰہی کو دیکھکر حیران ہوگیا اور کہا کہ اصل پہاڑ تو ہے دوسرے پہاڑ کیا چیز ہین کہ تیری عظمت کے مقابلہ مین جم سکین۔ اسنے کہا کہ وہ دوسرے پہاڑ نہین ہین بلکہ میری رگین ہین لیکن خوبصورتی اور صفائی مین میری مثل نہین ہین اسلئے آپکو دھوکہ ہوگیا کہ انکو میرے مغائر سمجھ گئے (فالجواب تخطئة بسکندر لا تصحیح لقوله کما توهم) نیز ہر شہر مین میری ایک رگ پہونچی ہوئی ہے اور تمام اطراف وجوانب زمین میری رگون سے بندھے ہوئے پس جس وقت حق سبحانہ کسی شہر کو زلزلہ دینا چاہتے ہین تو مجھے حکم دیتے ہین کہ فلان رگ کو حرکت دو پس مین بحکم خداوندی غصہ سے اُس رگ کو حرکت دیتا ہون جس سے وہ شہر متصل ہے اور اس شہر مین زلزلہ آجاتا ہے لیکن جب حکم ہوتا ہے کہ بس کرو تو وہ میری رگ ساکن ہو جاتی ہے پس بالذات تو مین ساکن ہون

مگر افعال کے لحاظ سے دوڑ رہا ہون یعنی مین کام کئے جاتا ہون اور افعال میرے جاری ہین اور میری مثال
ایسی ہے جیسے مرہم کہ ایک جگہ لگا ہوا ہے اور تاثیر برابر جاری ہے یا جیسے عقل کہ خود ساکن ہے اور الفاظ
کو اس سے حرکت ہے۔ اب مولانا فلاسفہ کی تردید فرماتے ہین اور کہتے ہین کہ جب تمکو مضمون بالا معلوم
ہوگیا تو اب سمجھو کہ جن لوگون کی عقلون کو اس راز کا پتہ نہین وہ کہتے ہین کہ زلزلہ بخارات کے زمین کے
اندر محتبس ہونے سے پیدا ہوتا ہے حالانکہ یہ غلط ہے زلزلہ احتباس بخارات سے پیدا نہین ہوتا
بلکہ اولاً حکم حق اور ثانیاً جنبش رگ کوہ قاف سے ہے **ف** مولانا نے فلاسفہ کی دو باتون کا رد کیا
ہے۔ اول یہ کہ زلزلہ مین موثر بالذات سبب ہے۔ اس کا رد یون فرمایا کہ موثر حقیقی حق سبحانہ ہین۔ دوم
یہ کہ وہ سبب بخارات زمین ہین اور اس کا رد یون فرمایا ہے کہ نہین بلکہ وہ پہاڑ ہے۔ سو رد امر اول تو
مولانا کا نہایت درست ہے مگر رد امر دوم صحیح نہین۔ اسلئے کہ اس پہاڑ کا وجود ہی دنیا مین نہین مولانا نے
کسی کی نقل پر یا شہرت پر اپنی یہ رائے قایم کی ہے لیکن یہ نقل اور شہرت صحیح نہین ہین۔ اب مولانا
فلاسفہ کی غلطی کو ایک مثال سے ظاہر فرماتے ہین کہ یہ لوگ جو مسببات کو اسباب ہی کا نتیجہ کہتے ہین
ان کی ایسی مثال ہے جیسے ایک چیونٹی نے ایک کاغذ پر قلم کو کچھ لکھتے دیکھا تو اُسنے اور چیونٹیون سے
اس راز کو بیان کیا اور کہا کہ قلم نے عجیب عجیب نقش بنائے کچھ ریحان کی طرح کے تھے کچھ چنبیلی کے
تختہ کی طرح اور کچھ گلاب کے پھولون کی طرح کے (یہ توجیہ تو اس وقت ہے جبکہ اسنے بیل بوٹے بنائے ہون
اور اگر حروف لکھے ہون تو معنے یہ ہونگے کہ وہ ایسے خوشنما اور دلکش تھے جیسے ریحان وغیرہ) یہ سنکر دوسری
چیونٹی نے جو اس سے قدرے ہوشیار تھی یہ کہا کہ قلم نے یہ نقش نہین بنائے بلکہ اُنگلی نے بنائے ہین قلم تو
اپنے فعل اور اثر مین اُنگلی کا تابع ہے۔ یہ سنکر تیسری چیونٹی نے جو کہ ان دونون سے زیادہ ہوشیار تھی
یہ کہا کہ یہ فعل بازو کا ہے اور کمزور انگلی کی قوت نے یہ نقوش نہین بنائے غرض ہر ایک چیونٹی یون ہی
اوپر کو چلتی تھی حتی کہ نوبت اس چیونٹی تک پہونچی جو ان سب کی سردار تھی وہ ان سب مین کسی قدر
سمجھدار تھی اسنے کہا کہ یہ فعل جسم کا نہین ہے تم اسکو جسم کا فعل نہ سمجھو کیونکہ سونے کی حالت مین اور مرنے کے
بعد اسے کچھ بھی خبر نہین ہوتی پس اگر یہ فعل خود جسم کا ہوتا تو ان دونون حالتون مین بھی اس سے ضرور
صادر ہوسکتا۔ حالانکہ ایسا نہین ہے تو معلوم ہوا کہ جسم محض لباس اور لاٹھی کی مانند آلہ اور غافل عقل او ر
جان ہے کیونکہ ان دونون کے بغیر اجسام حرکت بھی نہین کرسکتے۔ چہ جائیکہ ان سے افعال غریبہ صادر ہون

لیکن ان سب سے ہوشیار چیونٹی کو بھی یہ خبر نہ تھی کہ عقل اور دل وجان بھی خود فاعل نہین ہین اسلئے کہ انکو حق سبحانہ سے وہی نسبت ہے جو کہ عقل وغیرہ کو اجسام سے کیونکہ جسطرح اجسام بدون تحریک عقل وغیرہ کے حرکت نہین کرسکتے یون ہی عقل وغیرہ بدون تقلیب وتحریک حق سبحانہ کے جنبش نہین کرسکتے اگر حق سبحانہ ذراسی دیر کیلئے اپنی عنایت انسے منقطع کردین تو یہی عقل جو اسوقت نہایت دانائی سے کام لے رہی ہے سراسر حماقتین کرنے لگے۔ خیر یہ مضمون تو استطرادی تھا اب سنو کہ جب کوہ قاف نے اسقدر نفیس گفتگو کی تو سکندر نے اسے گویا پاکر کہا کہ اے واقف کار اور رازدان متکلم تو مجھ سے حق سبحانہ کی صفات بیان کر۔ اسنے کہا جائیے اپنا کام کیجئے انکی شان اس سے ارفع ہے کہ بیان اسپر قابو پا سکے یا قلم کی یہ تاب ہو کہ صحائف مین اپنی نوک سے انکی حالت لکھ سکے اسپر ذوالقرنین نے کہا کہ اچھا کچھ حق سبحانہ کی عجیب وغریب صنعتین ہی بیان کر۔ اسنے کہا ہان یہ ممکن ہے اچھا سنو یہ لق ودق بیابان جو کہ تین سو برس مین طے ہو سکتا ہے حق سبحانہ نے اسکو برف کے پہاڑون سے بھر رکھا ہے۔ پہاڑ پر پہاڑ بے شمار چلے جارہے ہین اور حق سبحانہ کی طرف سے ان کو برف سے مدد ملتی رہتی ہے اور ایک پہاڑ دوسرے پہاڑ پر برف پھینکتا ہے اور اسیطرح برف تحت الثریٰ تک سردی پہونچاتا ہے۔ اور ایک پہاڑ جو دوسرے پہاڑ پر برف پھینکتا ہے تو تھوڑا بہت نہین پھینکتا بلکہ نہایت بڑے بڑے اور حیرت انگیز تودے اور پیاپے پھینکتا ہے اور ایسے عجیب وادی کے پیدا کرنے مین علاوہ اور حکمتون کے ایک حکمت میری حفاظت ہے کیونکہ اگر ایسی وادی میرے پاس نہوتی تو گرمی دوزخ مجھے نیست ونابود کردیتی۔ اب مولانا انتقال فرماتے ہین اور کہتے ہین کہ غافلین از حق کو بھی تم برف کے پہاڑ سمجھو۔ کیونکہ انکے پیدا کرنے مین منجملہ دیگر حکمتون کے ایک حکمت یہ ہے کہ عقلاء حقیقی یعنی اہل اللہ کے حجابات بالکلیہ فنا نہ ہوجائین۔ کیونکہ اگر غفلت برف اثر کا عکس عرفا کے قلوب پر نہ پڑتا جو کہ عظمت وحفاظت عالم وغیرہ مین بمنزلہ کوہ قاف کے ہین تو آتش شوق ان کو بھون ڈالتی پس رحمت الٰہی مقتضی ہوئی اسکو کہ غافلون کو پیدا کرکے عاقلون کی حفاظت کیجاوے۔ اب سنو کہ حق سبحانہ کی رحمت کس قدر ہے۔ سو اس کا اندازہ یون ہو سکتا ہے کہ آتش دوزخ باوجود اپنی اس تیزی کے جسکا بیان کسی قدر ہو چکا ہے آتش قہر الٰہی کا ایک ذرہ ہے کیونکہ وہ محض پاجیون کے دھمکانے کا ایک تازیانہ ہے لیکن باوجود اس قہر کے جو اس قدر عظیم ہے دیکھلو کہ اسکی رحمت کی سردی قہر کی گرمی سے بڑھی ہوئی ہے اس سے تم اسکا اندازہ کرسکتے ہو کہ کس قدر ہے۔ اب سمجھو کہ رحمت کی غضب سے سبقت حسی نہین ہے بلکہ معنوی کیونکہ سبقت حسیہ مقتضی ہے تعدد کو اور وہان تعدد واثنینیت ہے نہین بلکہ رحمت وقہر دونون ذاتاً ایک ہین (کیونکہ رحمت نام ہے ارادہ خیر کا اور

قہر نام ہے ارادۂ شر کا۔ پس رحمت و قہر ہر دو ارادہ ہونگے۔ اور ارادہ ان صفات ثمانیہ مین سے ہے جو عین ذات ہین اسلئے ارادہ متحد ہوگا ذات کی ساتھ اور ذات متحد ہوگی ارادہ کیساتھ اور چونکہ رحمت ارادۂ خاصہ ہے اسلئے وہ بھی متحد ہوگی ذات کیساتھ اور ذات متحد ہوگی ارادہ کیساتھ اور چونکہ قہر بھی ارادۂ خاصہ ہے اسلئے وہ بھی متحد ہوگا ذات کیساتھ اور ذات متحد ہوگی اسکے ساتھ پس رحمت متحد ہوگی ذات کیساتھ اور ذات متحد ہوگی قہر کیساتھ اسلئے رحمت متحد ہوگی قہر کیساتھ وبالعکس (لان المتحد مع المتحد مع الشئ متحد مع ذلك الشئ وهذا اعلى طور العقول المتوسطة وطور العقول العالية هو الذوق والكشف اذاقنا الله منه) اور پھر ایک دوسرے سے سابق ہے اب بتلاؤ کہ تم بے تو اد کے سابق و مسبوق کو سمجھ گئے یا نہین اگر نہ سمجھے ہو تو یہ تمہاری فہم ناقص کا قصور ہے۔ ناقص ہونے اسلئے کہا کہ وہ کان عقل یعنی علم حق سبحانہ کا ایک بہت ہی ذرا سا حصہ ہے کیونکہ مجموعہ عقول خلق کا خود اس کان کا ایک ادنیٰ حصہ ہے اس سے تم اپنی عقل و فہم کا اندازہ کر لو کہ کس قدر ہے پس ایسی حالت مین تم اپنے کو الزام دو اور مسائل دین جو تمہارے عقول سے باہر ہین ان پر اعتراض نہ کرو کیونکہ تم آب و خاک سے بنے ہوئے ایک پرندہ کے مثل ہو اور دین بمنزلہ آسمان کے اور آب و گل کا بنا ہوا جانور چرخ دین تک نہین پہونچ سکتا۔ بلکہ اس کی بڑی سے بڑی دوڑ صورت دین تک ہی نہ کہ حقیقت تک جسطرح کہ معروف پرندون کی دوڑ ہوا تک ہے (صورت دین کو ہوا سے تعبیر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ جسطرح پرندہ اونچا اُڑتا ہوا دیکھنے مین معلوم ہوتا ہے کہ آسمان تک پہونچ گیا۔ یونہی صورت تک پہونچنے والا ناقص لوگون کو معلوم ہوتا ہے کہ حقیقت دین تک پہونچ گیا واللہ اعلم) اور منشاء اس عدم رسائی کا یہ ہے کہ وہ شہوات و ہوائے نفسانی سے پرورش پاتا ہے جو کہ مانع طیران الی السماء المذکور ہین۔ پس جبکہ تم حقیقت سبقت کو نہین جان سکتے تو متحیر ہو جاؤ اور نہ تو اس (حقیقت) کا اقرار کرو نہ انکار رہنے کہ تمہارے پاس حق سبحانہ کی رحمت سے اس کا محل واقعی پہونچ جاوے اقرار کی ممانعت تو تم نے اسلئے کی ہے کہ جبکہ تم ان عجیب اسرار کو سمجھ نہین سکتے تو اگر تم اقرار کروگے تو محض بناوٹ ہوگی کیونکہ واقعہ کے خلاف ہے اور انکار کی ممانعت اسلئے کہ اگر انکار کروگے تو قہر الٰہی خاص تمہاری گردن مارے گا اور رزن رحمت خاصہ کو تم پر بند کر دیگا۔ (ف) جاننا چاہئے کہ یہان سبقت رحمت کی حقیقت واقعیہ کا اقرار وانکار سے بحث ہے نہ کہ نفس سبقت کے اقرار وانکار سے کیونکہ اس کا اقرار تو ضروری ہے لثبوتها من النصوص۔ على هذا قہر و رحمت سے مراد وہ قہر و رحمت ہے جن کا تعلق امور کشفیہ کے اقرار وانکار سے ہے نہ کہ وہ قہر و رحمت جن کا تعلق جزا و سزائے اخرویہ سے ہے۔ کیونکہ ان کا تعلق تو ان امور سے ہے جو بلسان

شائع ثابت ہین۔ وحقیقۃ السبقۃ لمبین منہا واللہ اعلم) پس ایسی حالت مین تم کو محض متحیر ہوجانا چاہئے تاکہ نصرت حق ہر طرف سے تم تک پھونچے۔ کیونکہ جب تم حیران اور بیوقوف اور فانی ہوجاؤ گے تو اسوقت تم بزبان حال ملتجی ہدایت خاصہ ہوگے اور حق سبحانہ تم کو اسکی حقیقت پر مطلع فرمادین گے اور گو وہ حقیقت نہایت عظیم الشان ہے جسکے معلوم کرنیکی تاب نہین ہوسکتی مگر وہ تمہارے لئے نرم اور ٹھیک ہوجاویگی اور تم اسے دیکھ سکوگے اسلئے کہ بڑی اور ہیبتناک شکل تو منکرین کیلئے ہے نہ کہ عاجزون کے لئے پس جبکہ تم عاجز ہوجاؤ گے اسوقت وہ تمہارے لئے سراسر لطف وعنایت بن جاویگی۔ (ولی محمد نے رفت زفت ست الخ کو باچنین قہرے الخ کیساتھ مرتبط قرار دیا ہے اور رفت زفت کو خبر قہر بنایا ہے وھو محتمل ولکن لا وجہ عندی ھو ما قلت فتدبر)۔

نمودن جبرئیل خود را بمصطفے علیہ السلام بصورت خویش وازہقتصد پراو چون یک پر ظاہر شد وافق را بگرفت آفتاب محجوب شد

مصطفے میگفت پیش جبرئیل
که چنانکه صورت تست ای خلیل

مر مرا بنمائے محسوس آشکار
تا ببینم مرترا نظارہ وار

گفت نتوانی وطاقت نبودت
حس ضعیف است وتنک سخت آیدت

گفت بنما تا ببیند این جسد
تا چہ حد حس نازک ست وبے مدد

آدمی راہست حس تن سقیم
لیک در باطن یکے خلق عظیم

بر مثال سنگ وآہن این تنہ
لیک ہست او در صفت آتش زنہ

سنگ وآہن مولد ایجاد نار
زاد آتش زین دو والد قہر بار

باز آتش دستکار وصف تن
ہست قاہر بر تن او شعلہ زن

باز در تن شعلهٔ ابراهیم وار / که از و مقهور گردد برج نار

گر برآری از درونت آتشی / آتشت گردد مطیع و دلخوشی

لاجرم گفت آن رسول ذو فنون / رمز نحن الآخرون السابقون

ظاهر این دو بسندانی زبون / در صفت از کان آهنها فزون

پس بصورت آدمی فرع جهان / در صفت اصل جهان این را بدان

ظاهرش را پشهٔ آرد بچرخ / باطنش باشد محیط هفت چرخ

چونکه کرد الحاح بنمود اندکی / هیبتی که کُه شود زان مندکی

شهپری بگرفته شرق و غرب را / از مهابت گشته بیهش مصطفی

چون ز بیم و ترس بیهوشش بدید / جبرئیل آمد در آغوشش کشید

آن مهابت قسمت بیگانگان / وان تجمش دوستان را رایگان

هست شاهان را زمانی برنشست / هول سرهنگان و صارمها بدست

دورباش و نیزه و شمشیرها / که بلرزد از مهابت شیرها

بانگ چاوشان و آن چوگانها / که شود سست از نهیبش جانها

این برای خاص و عام رهگذر / که کنند شان از شهنشاهی خبر

از برای عام باشد این شکوه / تا کلاه کبر بنهند آن گروه

تا من و ماهای ایشان بشکند / نفس خود بین فتنه و شر کم کند

شهر از آن ایمن شود کان شهریار / دارد اندر قهر زخم و گیر و دار

پس ہمی گردد آن ہوسہا در نفوس | ہیبت شہ مانع آید زان نحوس
باز چون آید بسوئے بزم خاص | کے بود آنجا مہابت یا قصاص
حلم بر حلم ست و رحمتہا بجوش | نشنوی از غیر چنگ و نے خروش
طبل و کوس ہول باشد وقت جنگ | وقت عشرت با خواص آواز چنگ
ہست دیوان محاسب عام را | وان پریرویان گرفتہ جام را
آن زرہ وان خود در جنگ و وغا | وان شراب و نقل در بزم صفا
جوشن وآن خود مر چالیش راست | وین حریر و رود مر تحریش راست
این سخن پایان ندارد ای جواد | ختم کن واللہ اعلم بالرشاد
اندر احمد آن حسے کان غارب ست | خفتہ ایندم زیر خاک یثرب ست
وان عظیم الخلق آن کو صفدر ست | بے تغیر مقعد صدق اندر ست
قابل تغییر اوصاف تن است | روح باقی آفتاب روشن است
بے ز تغییرے کہ لا شرقیۃ | بے ز تبدیلے کہ لا غربیۃ
آفتاب از ذرہ کے مدہوش شد | شمع از پروانہ کے بیہوش شد
جسم احمد را تعلق بد بدان | این تغیر آن تن باشد بدان
ہمچو رنجورے و ہمچون خواب و درد | جان ازین اوصاف باشد پاک و فرد
خود نتانم ور بگویم وصف جان | زلزلہ افتد درین کون و مکان
روبہے گر یکدمے آشفتہ بود | شیر جان ما نا کہ آن دم خفتہ بود

خفته بود آن شیر کز خوابست پاک — اینت شیر نرم ساز سہمناک

خفته سازد شیر خود را آنچنان — که تماشش مرده دانند این سگان

ورنه در عالم کرا زہره بدے — کور بودے از ضعیفی تر بدے

نقش احمد زان نظر بیہوش گشت — بحر او از مہر کف پر جوش گشت

مہ ہمه کف است و معطی نور باش — ماه را گر کف نباشد گو مباش

احمد ار بکشاید آن پر جلیل — تا ابد بیہوش ماند جبرئیل

چون گذشت احمد ز سدره و مرصدش — از مقام جبرئیل و از حدش

گفت او را کز پیم آ و مایست — گفت رو زین پس مرا دستور نیست

گفت او را ہین بپرا اندر پیم — گفت رو رو من حریف تو نیم

باز گفت او را بیا اے پرده سوز — من باوج خود نرفتستم ہنوز

گفت بیرون زین حد ای خوش فر من — گر زنم پرّے بسوزد پرّ من

حیرت اندر حیرت آمد زین قصص — بیہشی خاصگان اندر اخص

بیہشیہا جمله اینجا بازیست — چند جاندارے که جان پردازیست

جبرئیلا گر شریفی ور عزیز — تو نه پروانه و نے شمع نیز

شمع چون دعوت کند وقت فروز — جان پروانه نه پرہیزد ز سوز

این حدیث منقلب را گور کن — شیر را بر عکس صید گور کن

بند کن مشک سخن پاشیت را — وا مکن انبان قلماشیت را

آنکه برنگذشت اجزاش از زمین / پیش او معکوس قلماشیت این

لا تخافهم حبیبی دارهم / یا غریبا نازلا فی دارهم

اعطما شاءوا وراموا رضهم / یا طغینا ساکنا فی ارضهم

تا رسی اندر شه و در ناز خویش / راز یا با مرغزے می ساز خویش

موسیا در پیش فرعون زمن / نرم باید گفت قولا لینا

آب اگر در روغن جوشان کنی / دیگ دان و دیگ را ویران کنی

نرم گو لیکن مگو غیر صواب / وسوسه مفروش در لین الخطاب

وقت عصر آمد سخن کوتاه کن / ایکه عصرت عصر را آگاه کن

گو تو مر گلخواره را که قند به / نرمی فاسد مکن طینش مده

نطق جان را روضه جانیستی / گر ز حروف و صوت مستغنی ستی

این سر خر در میان قند زار / ای بسا کس را که بنهادست خار

ظن برد از دور کاین آنست پس / چون فج مغلوب دامی رفت پس

صورت حرف آن سر خر دان یقین / در رز معنی و فردوس برین

ای ضیاء الحق حسام الدین برآر / این سر خر را زین لطیخ زار

تا سر خر چون بمرد از مسلخه / نشو دیگر باشدش زین مطبخه

هین ز ما صورتگری و جان ز تو / نی غلط هم این ز تو هم آن ز تو

مثنوی صورت بود جانش توئی / هم جهت هم نور وار کانش توئی

بر فلک محمودی ای خورشید فاش	بر زمین ہم تا ابد محمود باش
تا زمینے یا سمائے بلند	یک دل و یک قبلہ و یک خو شوند
تفرقہ بر خیزد و شرک و دوئی	وحدت اندر وجود معنوی
چون شناسد جان من جان ترا	یاد دارند اتحاد و ماجرا
موسیٰ و ہارونؑ شوند اندر زمین	مختلط خوش ہمچو شیر و انگبین
چون شناسد اندک و منکر شود	منکری اش پردۂ ساتر شود
پس شناسا کے بگردانید رو	خشم کرد آن مہ ز ناشکری او
زین سبب جان نبی را جان بد	ناشناسا گشت و پشت پائے زد
این ہمہ خواندی فرو خوان لم یکن	تا بدانی لج آن گبر کہن
پیش ازانکہ نقش احمد فر نمود	نعت او ہر گبر را تعویذ بود
کاین چنین کس ہست تا آید پدید	از خیال روش دل شان می طپید

در بیان اعتقاد یہود و نصاری پیش از بعثت در شان جناب پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام و نام او را حرز جان کردن و ظہورش را خواہان بودن

سجدہ میکردند کائے رب بشر	در عیان آرش ہر چہ زود تر
تا بنام احمد از یستفتحون	یاغیان شان می شدندی سرنگون
ہر کجا حرب فضولے آمدے	عون شان کرار ی احمد بُدے
ہر کجا بیماری مزمن بدے	یاد او شان داروی شافی شدے

نقش او میگشت اندر راہ شان ۔ در دل و در گوش و در افواہ شان

نقش او را کے بیابد ہر شغال ۔ بلکہ فرع نقش او یعنی خیال

نقش او بر روئے دیوار ار فتد ۔ از دل دیوار خون دل چکد

آنچنان فرخ بود نقشش برو ۔ کہ رہد در حال دیوار از دو رو

گشتہ با یک روئے اہل صفا ۔ آن دو روئے عیب مر دیوار را

این ہمہ انکار کفران زاو شان ۔ چون در آمد سید آخر زمان

این ہمہ تعظیم و تفخیم و وداد ۔ چون بدیدندش بصورت بردباد

قلب آتش دید در دم شد سیاہ ۔ قلب را در قلب کے بود دست راہ

قلب می زد لاف اشواق محک ۔ تا مریدان را در اندازد بشک

افتد اندر دام مکرش ناکسے ۔ این گمان سر بر زند از ہر خسے

کاین اگر نہ نقد پاکیزہ بدے ۔ کے بسنگ امتحان راغب شدے

ہیچ از لاف محک دیدن زدے ۔ یا بسنگ امتحان شوقش بُدے

او محک می خواہد اما آن چنان ۔ کہ نگردد قلبی او زان عیان

گر بگویم تا قیامت زین کلام ۔ صد قیامت بگذرد این ناتمام

آن محک کہ او نہان دارد صفت ۔ نے محک باشد نہ نور معرفت

آئینہ کو عیب رو دارد نہان ۔ از برائے خاطر ہر قلتبان

آئینہ نبود منافق باشد او ۔ این چنین آئینہ را ہر گز مجو

آئینہ جو راست گوئی بے نفاق ۔ ختم کن واللہ اعلم بالوفاق

تا کہ عین آئینہ ات سازت خدا ۔ کہ نماید عرش را ہمچون سما

عرش چہ و چرخ چہ اے ذولباب   فہم کن واللہ اعلم بالصواب

مولانا نے چونکہ اوپر فرمایا تھا "دو زانکہ شکل زفت بہر منکر ست + چونکہ عاجز آمدی لطف و برست" اسکی تائید مین ایک قصہ
بیان فرماتے ہین تفصیل اسکی یہ ہے کہ ایک روز جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جبرئیل علیہ السلام سے فرمایا کہ جیسی
آپکی اصلی صورت ہے، ایکمرتبہ ہمکو اسی طرح دکھلا دو تاکہ ہم اسکو آنکھون سے دیکھ لین یہ سنکر جبرئیل علیہ السلام نے
فرمایا کہ آپ سے یہ ہو نہ سکے گا اور آپ اسکے دیکھنے کے متحمل نہون گے اور چونکہ حس جسمانی کمزور اور نازک ہے اسلئے
آپ پر اس کا دیکھنا شاق ہوگا۔ آپنے فرمایا خیر دکھلاؤ تو سہی جسم کو یہ بھی معلوم ہو جاویگا کہ اسکی حس کسقدر کمزور
اور ضعیف ہے اب مولانا انتقال فرماتے ہین اور کہتے ہین کہ آدمی کی حس جسمانی گو کمزور ہے مگر اسکے باطن مین ایک
نہایت عظیم الشان مخلوق پوشیدہ ہی یعنی روح و قوی روح اور جسم کی مثال پتھر اور لوہے کی سی ہی کہ صورت
مین تو محض معمولی ہے لیکن معنی کے لحاظ سے چقماق ہے کہ اسمین آگ سی قاہر مخلوق چھپی ہوئی ہے۔ اب مولانا اس
استبعاد کو بالقصد اُٹھانا چاہتے ہین جو امر... باطنی کی بہ نسبت جسم ظاہری کے قوی ہونے پر ہوتا ہی اور فرماتے ہین
کہ دیکھو آگ پتھر اور لوہے سے پیدا ہوتی ہے مگر وہ آگ جو ان دو سے پیدا ہوتی ہے نہایت قاہر ہوتی ہے
اور دیکھو آگ نتیجہ ہے وصف تن کا۔ کیونکہ جسم انسان ہی آگ کو لوہے پتھر وغیرہ سے نکالتا ہے۔ لیکن باینہمہ
وہ اس جسم انسانی پر غالب شعلہ زن ہوتی ہے۔ جب یہ معلوم ہوگیا تو اس سے سمجھ لو کہ جسم مین بھی ایک شعلہ (روح انسانی)
چھپا ہوا ہے جو اپنے اندر صفت ابراہیمی رکھتا ہے یعنی اُس سے ایک زبردست آتشکدہ مغلوب ہو سکتا ہی اور اسکی
یہ حالت ہی کہ اگر تم اسکو اپنے اندر سے نکالو یعنی اسکی صفات کو غالب کرو تو یہ آگ جو اسقدر قاہر نظر آتی ہے اسکی
بخوشی فرمانبردار ہو جاویگی (چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نظیر موجود ہے) یہی وجہ ہی کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم نے فرمایا ہی نحن الآخرون السابقون یعنی گو ہم متولد ہین اپنے آباء سے مگر ہم آگے بڑھے ہوئے ہین جسطرح
کہ آگ لوہے اور پتھر سے پیدا ہوتی ہے مگر دونون سے بڑھی ہوتی ہی اب مولانا پھر تشبیہ جسم کیطرف عود کرتے ہین
اور فرماتے ہین کہ ہمنے جسم کو لوہے اور پتھر سے تشبیہ دی تھی۔ سو دیکھو لوہا اور پتھر صورت کے لحاظ سے سندان
کے مقابلہ مین عاجز ہین مگر اپنی معنی کے لحاظ سے سیکڑون لوہے کی کانون سے بڑھکر ہین کیونکہ انمین آگ چھپی
ہوئی ہے جو انکو ایک دم مین گلا سکتی ہے۔ پس یہی حالت جسم کی ہے کہ وہ صورت مین نہایت معمولی اور کمزور ہی
مگر اسمین ایک نہایت عظیم مخلوق پوشیدہ ہی اور اسی سے تم یہ بھی سمجھ سکتے ہو کہ انسان گو صورۃً اس عالم کی
فرع اور اس سے متولد ہے مگر حقیقت کے لحاظ سے اسکی اصل ہے اور گو ظاہر اس کا اس قدر کمزور ہی کہ

ایک مچھر اسے نچا سکتا ہی مگر حقیقت اسکی اس قدر عظیم ہے کہ افلاک ہفت کو محیط ہے کیونکہ وہ جامع حقائق عالم ہی خیر تو جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اصرار فرمایا تو انھون نے اپنی وہ ہیئت جس سے پہاڑ پارہ پارہ ہو جاوے کسیقدر دکھلادی۔ یعنی انکے پر مشرق و مغرب کو گھیرے ہوئے تھے اس صورت کو دیکھکر مارے خوف کے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیہوش ہو گئے۔ پس جبکہ جبریل علیہ السلام نے آپکے خوفزدہ اور بیہوش ہونیکو دیکھا تو انھون نے اپنی صورت فوراً بدلدی اور آکر آپکو گود مین لے لیا۔ اسوقت انسے دو فعل صادر ہوئے ایک تو تخویف بصورت ہیبت اور دوسری لطف و عنایت بصورت مانوس۔ پس پہلا فعل تو جسم اور حواس جسمانیہ کیلئے تھا جو حقیقت ملکیہ سے مغائرت رکھتے ہین اور دوسرا فعل روح کیلئے تھا جو حقیقت کیساتھ اتحاد اور موافقت رکھتی ہی۔ کیونکہ ہیبت اغیار کیلئے ہوتی ہے اور لطف و عنایت دوستون کیلئے۔ دیکھو جسوقت سلاطین تخت حکومت پر بیٹھتے ہین اسوقت انکی ہیئت نہایت ہولناک ہوتی ہے کہ سپاہی پہرہ پر ہوتے ہین اور شمشیر ہای بران اور دوشاخے نیزے اور عام نیزے اور عام تلوارین جنکی ہیبت سے شیرون کے جسم پر لرزہ پڑجاے ہاتھ مین ہوتے ہین اور نقیب للکارتے ہوتے ہین۔ اور وہ تلوارین ہوتی ہین جنکی ہیبت سے دم فنا ہوتا ہی اور یہ سب کچھ بیرونی عوام و خواص کیلئے ہوتا ہی تاکہ انکو بادشاہ کی خبر ہو جاوے اور یہ دبدبہ عوام کیلئے اسلئے ہوتا ہی کہ وہ لوگ کلاہ تکبر سر سے اتار دین اور تاکہ ان کا غرور ٹوٹ جاوے اور ان کا نفس خود بین فتنہ اور شرارت نہ پیدا کرے اور ملک مین اسی سے امن ہوتا ہی کہ بادشاہ قاہرانہ لوگون پر گرفت کرے اور انکو انکے جرمونکی سزائین دے۔ کیونکہ ایسا کرنے سے خواہشات نفسانیہ نفسون ہی کے اندر مر کر رہجاتے ہین اور انکا ظہور نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ ہیبت شاہی اس نحوست سے مانع ہوتی ہی پس برتاؤ تو بیرونی لوگون کی ساتھ ہوتا ہی اب سنو کہ جب شاہ اپنے محفل خاص مین آجاتا ہی تو وہان خوف کا نام ہوتا ہی نہ انتقام کا بلکہ وہان تو سراسر حلم ہوتا ہی اور رحمتین جوشزن ہوتی ہین اور آواز چنگ و آواز بانسری وغیرہ کے سوا اور کوئی شور ہی نہیں ہوتا پس اس بیان سے معلوم ہو گیا کہ ہیبت اغیار کیلئے ہے اور لطف خواص کیلئے چنانچہ ڈھول اور ہیبتناک نقارے جنگ مین ہوتے ہین جنسے دشمنونکو ڈرایا جاتا ہی اور جبکہ خواص کیساتھ مصروف عیش ہوتے ہین تو اسوقت چنگ کی دلکش آواز ہوتی ہے نیز معلق کی کچہری عوام کیلئے ہوتی ہی اور بزم خاص مین پریرو جام لئے ہوتے ہین اور زرہ اور خود جنگ مین ہوتے ہین اور شراب و نقل بزم صفا مین اور جوشن اور خود دشمن کے مقابلہ کیلئے ہوتے ہین اور حریر و گل عیش و عشرت کیلئے۔ خیر یہ گفتگو تو ختم ہو گی اسلئے اسکو ختم کرکے مضمون سابق کو بیان کرنا چاہئے۔ ہمنے کہا تھا کہ آدمی کے اندر ایک حس جسمانی ہی جو کہ کمزور ہے اور دوسری بڑی عالیشان مخلوق ہے۔ سو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اندر بھی یہ دونون باتین تھین چنانچہ وہ حس جسمانی جو مشاہدہ صورت جبریل کی تاب لا سکی اور از خود رفتہ ہو گئی وہ تو اسوقت مدینہ مین زیر زمین سو رہی ہی اور وہ عظیم الشان مخلوق جو کہ نہایت بہادر ہی اور ایسی ہیبت شکل سے

متاثر نہیں ہوتی وہ بلا تغیر کے مقعد صدق مین مقیم ہے سب بے تغیر ہینے اسلئے کہا کہ ایسے تغیرات یعنی تغیرات ناسوتیہ کو قبول کرنیوالے اوصاف جسمانیہ ہوتے ہین نہ کہ روح باقی جو کہ ایک روشن آفتاب اور ظلمات ناسوتیہ سے منزہ ہے وہ بے تغیر و تبدل ہے اسلئے کہ نہ وہ شرقی ہے نہ غربی۔ کیونکہ شرق و غرب عالم خلق سے ہین اور ارواح عالم امر سے اور جبکہ روح احمدی آفتاب ہے تو شکل جبریلی جو کہ اسکے مقابلہ مین ایک ذرہ ہے اس سے کیونکر بیہوش ہو سکتی ہے اور جبکہ وہ ایک شمع ہے تو پروانہ سے کیونکر بیہوش ہو سکتی ہے اسلئے کہا جائیگا کہ جسم احمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بیہوشی سے تعلق تھا نہ کہ روح کو کیونکہ تغیر ناسوتی جسم ہی کا حصہ ہے روح سے اسے کوئی واسطہ نہین جیسے کہ بیماری نیند اور تکلیف وغیرہ کہ یہ سب جسم سے متعلق ہین روح ان اوصاف سے پاک صاف اور علیحدہ ہے۔ اب مع لانا فرماتے ہین کہ مین روح کے اوصاف بیان نہین کر سکتا اور اگر اسکے اوصاف عالیہ بیان کرون تو عالم مین ہلچل پڑ جائے۔ اسلئے کہ کوئی ان اوصاف کے سننے کی تاب نہین لا سکتا اسکے بعد مولانا بیہوشی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا منشاء بیان فرماتے ہین اور کہتے ہین کہ اگر آپکی لومڑی یعنی جسم کچھ دیر کیلئے پریشان ہوگئی تو اسکی وجہ یقیناً یہ تھی کہ آپکا شیر جان اسوقت سو رہا تھا یعنی غیر اختیاری طور پر حفاظت جسم سے غافل تھا۔ اور وہ شیر (روح مصطفوی) جو بحکم لاینام قلبی حقیقی سونے سے پاک ہے مجازاً سو رہا تھا یعنی غافل از تصرف فی الجسم تھا (ف یہ غفلت از تصرف غیر اختیاری تھی اور اختیار کو اس مین دخل نہ تھا فتنبہ لہ) اب فرماتے ہین کہ یہ شیر جو کہ ہیبت ناک[ط۵] شے کو نرم کر دینے والا ہے عجیب شیر ہے کہ اسکی قوت کا بیان نہین ہو سکتا۔ خیر یہ تو جملہ معترضہ تھا اب سنو کہ شیر اپنے کو یون سوتا بنا لیتا ہے کہ سب کتے اُسے مُردہ سمجھ لیتے ہین اور اگر ایسا نہ ہوتا تو کسکی مجال تھی کہ وہ کسی ضعیف اور کمزور سے تربد سی بے حقیقت چیز بھی چھین لیتا۔ (میرے نزدیک ایک جداگانہ مضمون ہے اور مقصود اس سے خفتہ بود آن شیر کز خوابست پاک کی اور حق سبحانہ کی چشم پوشی بیان کرنا ہے۔ اور حاصل یہ ہے کہ شیر روح مصطفوی کا اپنے کو سوتا بنا لینا کچھ تعجب کی بات نہین کیونکہ تاہر عالم حق سبحانہ بھی ایسا کرتے ہین جیسا کہ اس تعدی[ط۵] سے ظاہر ہے جو کہ عالم مین مشاہد ہے کیونکہ اگر حق سبحانہ قصداً مجرمون سے چشم پوشی نہ کرتے اور اپنے کو ایسا نہ بناتے جیسا کہ وہ انکے جرمونکو جانتے ہی نہیں تو عالم مین فساد ناممکن تھا واللہ اعلم) خیر تو جسم احمد صلی اللہ علیہ وسلم اس نظر سے بیہوش ہوا تھا نہ کہ روح اور وجہ اس بیہوشی کی یہ تھی کہ انکا بحر روح محبت دست حق سبحانہ سے پر جوش ہو کر تصرف فی الجسم سے غافل ہو گیا تھا۔ اسپر اگر کوئی شبہ کرے کہ حضرت حق کے ہاتھ کہان ہے جسکی محبت سے وہ بحر پر جوش ہوا تھا۔ تو اسکا جواب یہ ہے کہ چاند سراپا ہاتھ ہے اسلئے کہ جو کام وہ ہاتھ سے کرتا مثلاً دینا اور نور پھیلانا سو وہ اپنی ذات سے کرتا ہے پس ایسی حالت مین اگر اسکے متعارف ہاتھ نہ ہو تو نہ سہی پس اسی طرح کف حق سبحانہ کو سمجھ لو اس مضمون کو ختم کر کے آگے وہم تفضیل جبریل علیہ السلام بر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دفع فرماتے ہین۔ اور کہتے ہین کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صورت جبریلی کو دیکھکر بیہوش ہو جانے کو دیکھکر تمکو جبریل علیہ السلام کی آنحضرت پر فضیلت کا شبہ

ط۵ نرم ساز۔ یعنی نرم ساخت ط۵ یعنی مخلوق کی تعدی و فساد و جرم ۱۲

ہونا چاہئے۔ کیونکہ آپ تو انکو دیکھکر تھوڑی ہی دیر بیہوش رہے تھے اور وہ بیہوشی بھی جسمانی تھی نہ کہ روحانی لیکن اگر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے روحانی عظیم الشان پرونکو کھولدین اور اپنے قوی عروج روحانی کو ظاہر فرمائین تو جبریل علیہ السلام ابد تک بیہوش رہین اور کبھی ہوش نہ آئے آپکے پرونکی فوقیت جبریل علیہ السلام کے پرونپر اس واقعہ سے ظاہر ہوگی کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سدرۃ المنتہی سے آگے بڑھے اور جبریل علیہ السلام کے مقام اور انکی حد سے تجاوز کیا تو جبریل اپنے مقام پر ٹھہر گئے اسپر آپنے فرمایا کہ جبریل کیون ٹھہر گئے میری پیچھے پیچھے آؤ اسپر اُنھون نے جواب دیا کہ آپ ہی تشریف لیجائین مجھے آگے اجازت نہین ہے آپنے پھر فرمایا کہ میرے پیچھے چلے آؤ اسکا بھی اُنہونے یہی جواب دیا کہ اب مین آپکا ہمسفر نہین ہوسکتا آپنے پھر فرمایا کہ مین ابھی اپنی اصلی بلندی پر نہیں پھونچا ہون چلے آؤ اسپر اُنہون نے عرض کیا کہ اگر مین اس حد سے آگے پرونکو حرکت دیتا ہون تو فوراً میرے پر جل جاوینگے بس اس سے تم سمجھہ لو کہ دونون کے پرون میں کیا نسبت ہے اسکے بعد مولانا فرماتے ہین کہ ایسے واقعات کو سنکر سخت حیرت ہوتی ہے کہ خواص عباد اللہ افضل العباد کے معاملہ مین ہوش سے کام نہین لیتے دیکھو جبریل علیہ السلام سے خاص اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بلانے پر آگے نہین جاتے۔ آگے جبریل علیہ السلام کو مخاطب کرکے کہتے ہین کہ اس مقام پر تمام ہوشیاریان ایسی بازی ہین جو واجب الترک ہین لہذا سب کو چھوڑنا چاہئے اور مدہوشی سے کام لینا چاہئے اور اگر آگے بڑھنے مین جلکر جان جانیکا خوف ہے تو آخر جان کا بچانا کب تک یہ مقام تو جان ہی دینے کا ہی جبریل علیہ السلام آپ کتنے ہی مشرف و مکرم عنداللہ ہون مگر اتنا تو ہم کہین گے کہ آپ شمع مصطفوی کے پروانہ ہین اور نہ خود شمع ہین ورنہ پروانہ نہ ہونیکی ایک معقول وجہ آپکے پاس ہوتی اور آپکو پروانہ ہونا تعجب کی بات ہی کیونکہ جسوقت شمع پروانہ کو بلاتی ہے تو وہ ہرگز جلنے سے گریز نہین کرتا۔ اور آپ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بلانے پر فرماتے ہین کہ میرے پر جلجاوینگے۔ اس مضمون کو مناسب بیان فرماکر حضرت حسام الدین کو خطاب فرماتے ہوئے کہتے ہین کہ اس گفتگو کو دفن کیجئے جو عوام کے نزدیک الٹی ہے اور شیر کو یعنی اپنے کو گورخر یعنی عوام کا شکار کردیجئے گو ہونا اسکے خلاف چاہئے یعنی اپنے کو ان کا تابع کردیجئے گو ہونا یہ چاہئے تھا کہ وہ آپکے تابع ہوتے اور اپنے سخن پاش مشک یعنی منہ کو عوام کی خاطر سے بند کرلیجئے اور اپنی آزاد بیانی کے تھیلے کو نہ کھولئے (ف آزاد بیانی حاصل ہی قل ما شئت کا کیونکہ اسکے معنے ہین جو جی چاہے کہو) کیونکہ جو لوگ ابھی محبوس ناسوت ہین انکے نزدیک آزاد بیانی الٹی ہے۔ مولانا نے اعتراض بر جبریل علیہ السلام کو اہل ظاہر کے نزدیک اوندھی بات اور الٹی آزاد بیانی کہا ہے اسکی وجہ یہ ہی کہ اہل ظاہر کہین گے کہ جبریل علیہ السلام کیلئے حد بحکم خداوندی مقرر تھی پس انکا اس سے آگے نہ بڑھنا امتثال امر الٰہی تھا پس گویا مولانا کے اعتراض بر جبریل کا حاصل یہ ہوا کہ جبریل علیہ السلام کو تعمیل حکم رسول کیلئے امتثال امر الٰہی کو چھوڑ دینا چاہئے تھا اور یہ بالکل الٹی بات ہے

ف یہ مضمون متعلق جبریل علیہ السلام کے آخر تک غلبۂ حب و عظمت نبویہ سے ناشی ہے ۱۲ اشرف علی

جبکہ اہل ظاہر کے نزدیک اس کا الٹا ہونا ثابت ہوگیا تو اب ضرورت ہے کہ مولانا کیطرف سے اس اعتراض اہل ظاہر پر مولانا کا جواب دیا جاوے کیونکہ مولانا کے کلام سے اس اعتراض بر جبریل کا فی نفسہ صحیح ہونا مفہوم ہوتا ہے سو اس اعتراض اہل ظاہر کا جواب ہے کہ خود یہ مقدمہ ہی مسلم نہیں کہ جبریل علیہ السلام کیلئے حد بحکم خداوندی مقرر تھی بلکہ ہیبت جلال کبریائی کے سبب خود آگے نہ بڑھتے تھے اسوقت جبریل علیہ السلام کے امتناع کا منشا امتثال صریح امر خداوندی نہ ہوگا۔ بلکہ انکا خوف و اجتہاد ہوگا اور یہی مبنی ہے اعتراض کا۔ پس ثابت ہوگیا کہ جبریل پر مولانا کا اعتراض فی نفسہ صحیح ہے۔ لیکن چونکہ عوام کے خیال کے خلاف تھا۔ نیز اسمین جبریل علیہ السلام کی تنقیص کا شبہ ہو سکتا تھا بنا برین مولانا نے اس گفتگو کو بند کرنے کی ہدایت فرمائی۔ پس اے میری محبوب والے مسافر جو آپکے وطن مین مقیم ہے یعنی عالم ناسوت مین آپ انکی مخالفت نکرین بلکہ انکی ہدایت فرماوین جو وہ چاہین اور جو انکو مقصود ہو وہ انکو عطا فرماوین اور انکو رضامند کرین اور جب تک اپنے بادشاہ کے پاس اور محل ناز مین یعنی عالم غیب مین پہونچ جاوین اسوقت تک ای رازی (یعنی دوسرے ملک (عالم ملکوت) کے رہنے والے مزعز کے رہنے والون (یعنی ساکنین ناسوت) سے نہ بگاڑین بلکہ میل رکھین اور اے موسیٰ یہ لوگ فرعون زمانہ ہین ان سے نرم اور غیر موحش بات کہنی چاہئے۔ انکے مذاق کے خلاف بات کہنے کا برا نتیجہ ہے۔ دیکھئے اگر پکتے ہوئے تیل مین پانی ڈالدیا جائے تو اسکا نتیجہ یہ ہوگا کہ ہانڈی اور چولھا سب تباہ ہوجاویگا۔ پس آپ نرم گفتگو کیجئے۔ لیکن اسکے یہ معنے نہین کہ آپ خلاف واقعہ باتین کہیں اور نرمی کلام مین وسوسونکو دخل دین۔ بلکہ آپ حق بات نرائیں مگر عنوان بیان بھی نرم ہو۔ اور انکی فہم سے بعید بھی نہو۔ پس اے وہ شخص جسکا زمانہ زمانہ بھر کو آگاہی از حق بخشنے والا ہے عصر یعنی ختم گفتگو کا وقت آگیا ہے۔ اس گفتگو کو ختم کیجئے لیکن اتنا اور کہدینا مناسب ہے کہ آپ مٹی کھانیوالے سے یہ تو فرمائین کہ قند اچھی چیز ہے۔ پس بجائے مٹی کے اسے کھانا چاہئے اور یہ نہ کیجئے کہ انکی موافقت مین آپ انکو مٹی دینے لگین یہ مطلب تھا ہمارے قول "در نرم گو لیکن مگو غیر صواب الخ" کا رہی یہ بات کہ پھر خواص کو کیونکر فائدہ پہونچایا جاوے سو اسکی بابت گذارش ہے کہ آپ گلہائے نطق روحانی کے روحانی باغ ہین پس آپ انکو نطق روحانی سے سمجھا سکتے ہین کیونکہ انکے سمجھانیکے لئے آپکو حروف و اصوات کی ضرورت نہیں پس آپ حروف و اصوات موحشہ کو چھوڑ دیجئے۔ دیکھئے قندزار کے اندر اس سرخر نے بہت سے لوگون کی راہ مین کانٹے رکھدئے ہین کیونکہ بہت سے لوگ دور سے دیکھکر سمجھتے ہین کہ یہ سرخر اور اور موحش ہے۔ اسلئے وہ اس مغلوب مینڈھے کی طرح جو کہ فالیز مین سرخر کو دیکھکر پیچھے ہٹتا ہے۔ پیچھے ہٹنے لگتے ہین مطلب ہمارا یہ ہے کہ الفاظ موحشہ بمنزلہ سرخر کے ہین جو کہ فالیز وغیرہ مین جانورون کے ڈرانے کیلئے لگایا جاتا ہے اور معانی اپنی شیرینی مین بمنزلہ قندزار یا انگورون کے۔ پس جبکہ معانی نفیسہ کو الفاظ موحشہ مین بیان کیا جاویگا تو لوگونکو وحشت ہوگی اور وہ ان معانی سے فائدہ نہ اٹھا سکینگے

اسلئے اے ضیاء الحق حسام الدین آپ اس سرخرِ الفاظ موحشہ (کو فالیز معانی) سے الگ کردیجئے۔ (یہان الفاظ موحشہ کو سرخر کہا تھا۔ آگے محجوبین کو انکی حماقت کی بنا پر سرخر قرار دیکر فرماتے ہین) یہانتک کہ وہ سرخر یعنی محجوبین جبکہ مسلخہ دنیا سے مرجاوین یعنی اس سے بے تعلق ہوجاوین تو یہ فالیز معانی اسکو نشو دیگر عطا فرمائے اور وہ ایک نئی حیات حاصل کرین خلاصہ یہ کہ جبتک محجوبین کے اندر صلاحیت فہم حقیقت نہ پیدا ہوجاوے اس وقت تک آپ الفاظ موحشہ سے احتراز فرمائین۔ اب مولانا انکو خطاب کا راز بیان فرماتے ہین اور کہتے ہین کہ ہم آپکو مخاطب اسلئے بناتے ہین کہ ترتیب مثنوی مین ہمارا کام تو صرف صورت پہنانا ہی باقی حقائق ومضامین تو آپ ہی کے ہین۔ یہ بھی غلط ہے بلکہ صورت بھی ہم آپ ہی کی برکت و توجہ سے پہناتے ہین اسلئے وہ بھی آپ ہی کیطرف سے ہے اور مثنوی ایک صورت ہے اسکی جان بھی آپ ہی ہین اور اسکے جہت اور قدر اور ارکان بھی آپ ہی ہین۔ غرضکہ مثنوی کا مدار آپ ہی پر ہے بس ہمارا آپکو مخاطب بنانا بالکل صحیح ہے۔ آپ عنداللہ بھی محمود ہین اور خدا کرے کہ آپ دنیا مین بھی ہمیشہ محمود رہین تاکہ آپکے ساتھ کہ آپ سمائی ہین ناسوتی لوگ کہ زمینی ہین یکدل اور یکجہت اور یک خصلت ہوجاوین اور مغائرت و تعدد و اثنینیت درمیان سے اٹھ جاوے اور اسکی صورت یہ ہے کہ ان پر روحانیت غالب ہو کیونکہ وجود روحانی مین تغائر و تنافر نہیں ہے بلکہ اتحاد ہے اب مولانا موافقت اور منافرت کا منشا بیان فرماتے ہین اور کہتے ہین کہ عالم ارواح مین جبکہ دو روحین آپسمین ایک دوسری کو پہچان لیتی ہین اور دنیا مین اپنے اتحاد قدیمی عالم ارواح کو یاد کرتی ہین تو وہ موسی و ہارون کی طرح یکجان و دو قالب ہوجاتی ہین اور دودھ اور شہد کیطرح گھل ملجاتی ہین لیکن جبکہ ایک روح دوسری کو عالم ارواح مین کسی قدر پہچان کر دنیا مین انجان بنجاتی ہے تو یہ اس کا انجان بن جانا حجاب بن جاتا ہے اور نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ دوسری روح جو اسکو پہچانتی تھی یعنی مربی کی روح وہ بھی منہ پھیر لیتی ہے اور اسکو اسکی ناشکری پر غصہ آتا ہے اسی لئے وہ بھی جذب چھوڑ دیتی ہے اور اتحاد نہیں ہوسکتا۔ چنانچہ ارواح کفار جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچان کر انجان بنگئین۔ اسوجہ سے روح مصطفوی نے انکا جذب چھوڑ دیا اور وہ ہمیشہ کیلئے ناشناسا ہوگئین اور انھون نے روح مصطفوی کو چھوڑ دیا یہ مضمون تو تمکو معلوم ہوگیا اب تم لم یکن الذین کفروا من اھل الکتاب الخ پڑھ لو تاکہ تمکو ہمارے بیان کی تصدیق ہوجاوے اور کفار کا عناد تمکو معلوم ہوجاوے وہ لوگ اولاً آپکو پہچانتے تھے اور پہچاننے کے بعد منکر ہوئے اسکی دلیل یہ ہے کہ جبتک آپ کا وجود دنیا مین نہ ہوا تھا اسوقت تک آپکی تعریف ہر کافر کیلئے تعویذ تھی اور کہتے تھے کہ ان صفات کا شخص ضرور ظاہر ہوگا اور آپکے چہرۂ مبارک کے خیال سے انکا دل بیقرار ہوتا تھا۔ اور چاہتے تھے کہ کسی طرح ان کا ظہور جلد ہوجاوے اور سجدہ مین پڑ کر دعائین مانگتے تھے کہ

اے اللہ جسقدر بھی جلد ہوسکے تو انکو ظاہر فرما دے۔ اور انکا اعتقاد اس درجہ تک پہونچا ہوا تھا کہ نام احمد صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے فتح طلب کرتے تھے اور اس سے ان کے دشمن مغلوب ہوتے تھے اور جہان کہین خوفناک جنگ ہوتی تھی تو شجاعت معنوی احمد صلی اللہ علیہ وسلم یعنی برکت انکی معین ہوتی تھی اور جہان کہین کوئی بُرا اور لاعلاج مرض ہوتا تھا انکی یاد اسکے لئے دوائے شافی ہوتی تھی اور چلتے پھرتے آپکی صورت اُنکے دلون میں پھرتی تھی۔ کانون مین آتی تھی اور زبان پر آتی سہنے غلط کہا انکی اصلی صورت ان گیدڑون (یعنی فطری نااہلون کے خیال مین کب آسکتی ہی (ف) شغال اور نااہل انکو اسلئے کہا گیا کہ گو اسوقت وہ اہل تھے مگر یہ اہلیت ایک ملمع تھی جو قائم رہنے والی نہ تھی) بلکہ انکی صورت کی فرع یعنی خود ان کا خیال صورت انکے دلون مین پھرتا تھا۔ انکے نقش کی تو یہ حالت ہے کہ اگر دیوار پر بھی پڑ جائے تو دیوار سے خون جگر بہنے لگے اور اسکے حق مین وہ نقش اتنا مبارک ہو کہ دیوار بھی اگر دورو ہو تو وہ بھی دوروئی سے نجات پا جائے کیونکہ اہل صفا کی یکروئی کے ساتھ دیوار کیلئے دوروئی عیب ہے پس وہ ضرور یکرو ہو جاوے۔ خیر یہ تو جملہ معترضہ تھا اب سنو کہ جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم دنیا مین تشریف لائے انکا انکار اور کفر پیدا ہو گیا اور جب انکی صورت دیکھی تو وہ ساری تعظیم و تکریم رفو چکر ہو گئی راز اس کا یہ تھا کہ وہ کھوٹا سونا تھے آگ مین پڑتے ہی سیاہ ہو گئے اور آنحضرت کے قلب نے انکو قبول نہ کیا کیونکہ کھوٹے اور منافقین کو قلوب اہل اللہ مین جگہ نہیں ملتی اب رہی یہ بات کہ آخر وہ اپنا اسقدر شوق کیون ظاہر کرتے تھے جبکہ انکو انکی اطاعت ہی نہ کرنی تھی اسکی وجہ یہ ہے کہ وہ کھوٹے تھے اور اپنی قبولیت کیلئے انکو ضرورت تھی کہ وہ کسوٹی پر کسے جانے کا شوق ظاہر کرین تاکہ طالبین کو شک مین ڈالدین اور نااہل انکے دام فریب مین پھنس جائین۔ کیونکہ نااہل یہ سمجھتے ہین کہ اگر یہ کھرا سونا نہوتا تو کسوٹی پر کسے جانیکی کیون درخواست کرتا بھلا ایسی حالت مین سی کسوٹی پر کسے جانیکا شوق ہو سکتا تھا اور سنگ امتحان کیطرف راغب ہو سکتا تھا کبھی نہین پس ضرور یہ کھرا ہے مگر ان احمقونکو یہ خبر نہین کہ وہ کسوٹی ضرور چاہتا ہی مگر ایسی کسوٹی جس سے اسکی کھوٹا پن ظاہر نہو اچھا اب اس بیان کو ختم کرنا چاہئیے کیونکہ اگر مین قیامت تک اس مضمون کو بیان کرونگا تو ختم نہوگا اچھا اتنا اور سن لو کہ وہ کسوٹی چاہتے ہین مگر وہ کسوٹی جس سے انکا کھوٹ ظاہر نہو لیکن جو کسوٹی اصلی صفت کو چھپائے وہ کسوٹی نہین ہی اور نہ نور معرفت ہی اور جو آئینہ کہ کسی کی خاطر سے منہ کا عیب چھپا لے وہ آئینہ نہین بلکہ منافق ہی پس تمکو ایسا آئینہ طلب کرنا چاہئیے بلکہ وہ آئینہ تلاش کرنا چاہئیے جو سچا ہو اور منافق نہو اچھا اب اس بیان کو ختم کرو خیر یہ اور سنلو کہ ایسا آئینہ طلب نہ کیجیے خدا تمکو خود آئینہ بنا دیگا کہ اسمین عرش کی صورت یون ہی منطبع ہوگی جسطرح آسمان کی۔ اجی کیسا عرش اور کیسا آسمان ایسی سمجھنا (یعنی محل تجلی حق سبحانہ بنجاؤ یگا خلاصہ یہ کہ مرشد کامل تلاش کرنا چاہئیے اور ناقصین مزورین سے احتراز کرنا چاہئیے۔ واللہ اعلم بالصواب

تمت

عارف باللہ حضرت مولانا جلال الدین رُومی رحمۃ اللہ علیہ کی نادر روزگار،
اور معرکہ آرا کتاب "مثنوی معنوی" کی جامع اور لاجواب شرح

کلیدِ مثنوی

حکیم الاُمّت مجدد الملت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہٗ

16

یہ وہ مقبول خاص و عام کتاب ہے کہ خواندہ ناخواندہ سب ہی اس سے دلچسپی لیتے ہیں مگر مضامین عالیہ ہونے کی وجہ سے مطالب سمجھنے میں بڑی دقت پیش آتی ہے اور بعض اوقات نوبت الحاد و زندقہ تک پہنچ جاتی ہے، حضرت حکیم الاُمّت نے اشعارِ مثنوی کو واضح کر کے اور مسائل تصوف کو عام فہم بنا کر نہایت خوبی سے سمجھا دیا ہے حقیقت یہ ہے کہ اِس سے معتبر اور شریعت و طریقت کا پاس و ادب رکھ کر مضامین کو حل کرنے والی کوئی اور شرح نہیں لکھی گئی

اِدارہ تالیفاتِ اشرفیہ
بیرون بوہڑ گیٹ
ملتان

کلید مثنوی

عارف باللہ حضرت مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ کی نادر روزگار،
اور معرکہ آراء کتاب "مثنوی معنوی" کی جامع اور لاجواب اُردو شرح

کلیدِ مثنوی

از:

حکیم الامۃ مجدد الملۃ حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہ

جلد ١٦

یہ وہ مقبول خاص و عام کتاب ہے کہ خواندہ، ناخواندہ سب ہی اس سے دلچسپی لیتے ہیں۔ مگر مضامین عالیہ ہونے کی وجہ سے مطالب سمجھنے میں بڑی دقت پیش آتی ہے اور بعض اوقات نوبت الحاد و زندقہ تک پہنچ جاتی ہے۔ حضرت حکیم الامت نے اشعارِ مثنوی کو واضح کر کے اور مسائل تصوف کو عام فہم بنا کر نہایت خوبی سے سمجھا دیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس سے معتبر اور شریعت و طریقت کا پاس ادب لکھ کر مضامین کو حل کرنے والی اور کوئی شرح نہیں لکھی گئی

ادارہ تالیفاتِ اشرفیہ
بیرون بوہڑ گیٹ • ملتان

كما أرسلنا فيكم رسولا منكم يتلوا عليكم آياتنا ويزكيكم ويعلمكم الكتاب والحكمة ويعلمكم ما لم تكونوا تعلمون

چون در کریمهٔ صدر قوله تتلو و یعلمکم الکتٰب بر فضل علم نظم و معنی و قوله یزکیکم بر شرف علم کلام و عقائد
و علم سلوک و قوله الحکمة بر مزیت علم اسرار و علم اصول دال با وضح بیان ست و از ان جزو بودن تصوف
که تعبیر سلوک و اسرار ست از علم دین نیک عیان ست و باتفاق اهل مذاق مثنوی را در کتب این
فن خاص شان ست لاکن از اغلاقش محتاج تبیان ست بنا بر علیه این شرح اند و که معنونش را

کلید مثنوی

عنوانست و این حصهٔ اول دفتر ششم از انست و بنام نامی مؤلفش مولانا اشرف علی حنفی مشهور عالمیانست
که ذات ساميش رهنمائی گمرهان و مقتدائ جهانیانست و در وی اهل حق را چنان حل کرده که غایت امکانست
و مسائل ابداعی تقریر نموده که هم موافق تحقیق اهل عرفانست هم مطابق حدیث و قرآنست و اشکالات غلاة
و ملاحده بطرزی دور ساخته که موجب اطمینان اهلِ ایمانست بجا بجا ملفوظات سیدنا الحاج محمد امداد الله که مطرح ارباب
نشاط و عرفانست هم در مطاویش سپرده و حسب فرمایش جناب مولوی محمد انعام الله صاحب تاجر کتب تاپور بنگاله مکان

در مطبع مجتبائی واقع دهلی باهتمام محمد عبد الاحد غفر له الله الواحد طبع گردید

العشر الاوّل من کلید مثنوی

المتعلق بالدفتر السادس

من المثنوی المعنوی

تمہید کلید مثنوی شرح دفتر ششم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بعد الحمد والصلوٰۃ شائقان معانی و اسرار مثنوی مولوی معنوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں عرض ہے کہ عرصہ آٹھ سال کا ہوا کہ مثنوی موصوف کے دفتر اوّل کی شرح لکھی تھی اسکے بعد ضعف ہمت و کثرت دیگر مشاغل کے سبب و نیز اس خیال سے بھی کہ مضامین سب دفاتر کے متشابہ ہیں ایک شرح سے بھی ضرورت رفع ہوگئی اور دوسرے دفاتر کے حل میں معین ہو سکتی ہے آگے سلسلہ نہ چل سکا چنانچہ شرح مذکور کے اخیر میں اسطرف اشارہ بھی کیا گیا ہے اس عرصہ میں بہت احباب نے دوسرے دفاتر کی شرح لکھنے کے لیے استدعا کی مگر کثرت عوائق کا عذر پیش کر کے عذر کر دیتا تھا بہت تھوڑا عرصہ ہوا کہ اتفاقاً ناظم مجلس[ف] جمعیۃ الانصار

ف یہ ایک مجلس فیض یافتگان مدرسۂ عالیہ دیوبند کی ہے ۱۲ منہ

یہان تشریف لاسے اور متعدد فوائد اور مصلحتین اگرچہ وہ بڑے درجہ کی ضرورتمین نہ ہون ظاہر کرکے بقیہ شرح لکھنے کے لیے اصرار کے ساتھ فرمایش کی اور میرے عذرون کا کچھ کچھ جواب بھی دیا جسکا حاصل یہ تھا کہ تھوڑا تھوڑا کام کرنے کے لیے تھوڑا وقت بھی کافی اور نیز اس کا نکالنا ممکن ہے اور چونکہ ایسے تھوڑے وقت مین تمام باقی دفترون کی شرح کا اتمام ظاہر استبعد تھا اسلیے اخیر راے یہ دی کہ کم از کم ایک ہی دفتر کی شرح اور لکھدی جاوے اور بوجہ ترتیب سلسلہ کے اسکے لیے دفتر دوم کو تجویز فرمایا مگر مین نے (اسوجہ سے کہ حضرت سیدی مرشدی قدس سرہٗ سے سُنا تھا کہ دفتر ششم مین اسرار و معانی زیادہ ہین اور خود دفتر مذکور کے شروع مین ایک شعر مین بھی اس طرف اشارہ ہے حیث قال ؎ بو کہ فیما بعد دستوری رسد ÷ رازہاے گفتنی گفتہ شود ÷ اور بعض شراح نے مولانا سے تصریحاً بھی اسکو نقل کیا ہے کہ ہر دفتر متاخر اجمع للمعانی ہے بہ نسبت دفتر متقدم کے) دفتر ششم تجویز کیا کہ بوجہ اجمع ہونیکے اسکی شرح گویا تمام دفاتر سابقہ کی من وجہٍ شرح ہو جاویگی۔ نیز اسمین ایک وجہ استحسان اور بھی معلوم ہوئی کہ ایک دفتر اول کے اور ایک اخیر کے شرح ہو جانیسے کتاب کی طرفین حل ہو جاوینگی اور طرفین کے احکام وسط محفوف مین بھی سرایت کرتے ہین تو گویا تمام کتاب من وجہٍ اس حل مین شریک ہوگی۔ نیز ایام ماضیہ مین چند بار خاتمہ مثنوی مصنفہ حضرت مولانا الٰہی بخش صاحب کاندھلوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی شرح لکھنے کا بایں وجہ خیال پیدا ہوا کیا کہ ابتک اسکی شرح کسی نے نہین لکھی۔ چونکہ خاتمہ مذکورہ بمنزلہ دفتر ششم کے ایک جزو کے ہے تو گویا اس دفتر کے ایک جزو کے ساتھ قصد شرح کا مقترن ہو چکنا ہی مرجح ہو سکتا ہے اسکو شرح کے ساتھ خاص کرنے کا آخر اسی پر اتفاق قرار پایا اب آغاز شعبان ۱۳۲۹ھ مین بنام خدا اس کی شرح مع شرح خاتمہ مذکورہ برعایت اُن التزامات کے جو شرح دفتر اول کے اخیر مین مذکور ہین شروع کرتا ہون اور اللہ تعالیٰ سے دعاے اتمام و مقبولیت و نافعیت کرتا ہون۔ وھو ولی التوفیق فی کل خیر خیر رفیق

کتبہ اشرف علی عفی عنہ مقام تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ

؎ بعد شروع کے کچھ ایسے اتفاقات پیش آئے کہ سوا دو سال مین کل دس شعر لکھے گئے اور اس سے توقع بہت شکستہ ہوگئی مگر محبی مولوی احمد حسن صاحب سنبھلی کے تقاضے سے پھر ذیقعدہ ۱۳۳۱ھ کے آغاز سے اس کا آغاز کیا اب مکرر دعا اتمام و مقبولیت و نافعیت کی کرتا ہون

کلید مثنوی دفتر ششم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اے حیاتِ دل حسام الدین بسے

اے مولانا حسام الدین جو کہ حیات دل ہین

میل می جوشد بقسمِ سادسے

قسم سادس کی طرف خواہش کو جوش ہوتا ہے

گشت از جذبِ چو تو علامۂ

آپ جیسے علامہ کی کشش سے

در جہان گردان حسامی نامۂ

یہ حسامی نامہ عالم مین دائر سائر ہوگیا ہے

پیش کش بہرِ رضایت می کشم

آپ کی خوشنودی کے لیے قسم ششم کو مثنوی

در تمامِ مثنوی قسمِ ششم

کے تمام کرنیکے لیے لکھکر پیش کش کرتا ہون

پیش کش می آرمت اے معنوی

اے صاحبِ حقیقت مین دفتر سادس کو تمام مثنوی

قسم سادس در تمامِ مثنوی

کے لیے آپکی خدمت مین پیش کش کرتا ہون

شش جہت را نور دہ زین شش صحف

شش جہت کو ان چھ صحیفون سے نور دیجیے

کی یطوف حولہ من لم یطف

تاکہ جس نے اب تک طواف نہین کیا وہ ابا سکے گرد طواف کرے

عشق را با پنج و با شش کار نیست
عشق کو پانچ اور چھ سے کوئی غرض نہین

مقصد او جز کہ جذبِ یار نیست
اُسکا مقصد تو بجز محبوب کو اپنی طرف متوجہ کرنیکے کچھ بھی نہین

بو کہ فیما بعد دستوری رسد
ممکن ہے کہ مابعد مین کچھ اجازت ہو پنچ جاوے

رازہاے گفتنی گفتہ شود
کہنے کے قابل بہت سے راز کہنے مین آجاوین

با بیانے کان بود نزدیک تر
ایسے بیان کے ساتھ جو بہ نسبت کنایات

زین کنایاتِ دقیقِ مستتر
دقیق و مستتر کے نزدیک تر ہو

(بیسے تعلق بہ می جو شد۔ گردان خبر مقدم گشت و حسامی نامہ اسم مؤخر گشت قسم ششم مفعول می کشم در تمام المعنی بہر تمام شدن کما فی الحدیث فی ھرۃ ای لاجل ھرۃ و ہمچنین در شعر لاحق و معنوی المنسوب الی المعنی یعنی اے صاحب حقیقت نہ صاحبِ صورت۔ بو مخفف بود۔ با بیانے متعلق بگفتہ شود در شعر سابق یعنی) اے مولانا حسام الدین (انکی تحقیق دفتر اوّل مین گذری ہے) جو کہ حیات دل ہین (یعنی قلب اور روح کو اُنکی صحبت وافادات سے زندگی میسر ہوتی ہے) قسم سادس (یعنی دفتر ششم لکھنے) کی طرف خواہش کو جوش ہوتا ہے (آگے اُس جوش کی وجہ بتلاتے ہین کہ) آپ جیسے علامہ کی کشش (اور خواہش دلی) سے یہ حسامی نامہ (یعنی مثنوی کہ مولانا حسام الدین کے سبب لکھی گئی) عالم مین دائر سائر ہوگیا ہے (یعنی جتنی لکھی گئی وہ آپ کی اِس دلی خواہش کی برکت سے کہ خلائق کو اس سے نفع ہو اور بزرگون کی خواہش کو اللہ تعالیٰ پوری فرماتے ہین اطراف عالم مین مشہور و شائع ہوگئی اِسی لیے یہ خواہش ہوئی کہ اور بھی لکھی جاوے تو اور نفع ہو بس آپ کی اس خواہش سے میرے قلب مین اور دفتر لکھنے کا جوش ہوتا ہے اِس لیے) آپ کی خوشنودی کے لیے قسم ششم کو مثنوی کے تمام کرنے کے لیے لکھکر پیشکش کرتا ہون (اور) اے صاحبِ حقیقت (کہ عالم صورت سے بے تعلق ہین) مین دفتر سادس کو اتمام مثنوی کے لیے آپ کی خدمت مین پیشکش کرتا ہون (اسمین اشارہ ہے کہ سادس سے آگے نہ لکھون گا یا تو مکشوف ہوگیا ہوگا کہ آگے عمر نہ ہوگی یا کہ مضامین مقصودہ کا اِس مین ختم کر دینے کا ارادہ ہوگا آگے اس دفتر کا نافع ہونا مع نکتہ عدد شش کے بیان فرماتے ہین کہ اے حسام الدین) شش جہت (یعنی عالم) کو ان چھ صحیفون (یعنی دفترون) سے نور دیجیے (یعنی اسکو مستفیدین تک پہونچا کر اُن کو نفع اور علم دیجیے شش جہت و شش صحف کے تناسب سے نکتہ ظاہر ہے) تاکہ جس نے ابتک (اس کتاب کا) طواف نہین کیا وہ اب اس (دفتر ششم) کے گرد طواف کرلے مراد طواف سے اپنے ذہن کو اُس کے مضامین مین حرکت دینا یعنی التفات کرنا ہے یعنی جو اب تک بقیہ دفترون سے منتفع نہین ہوا وہ اب اس دفتر سے منتفع ہوجاوے کیونکہ بعض اوقات ایسا

ہوتا ہے کہ تدریجاً اعتراض یا اعراض مرتفع ہوجاتا ہے آگے اس دفتر کا باوجود تابع ہونے کے درجۂ ضرورت مین نہ ہونا مگر درجۂ مصلحت مین ہونا اور عدد مذکور کا مقصود نہ ہونا بیان فرماتے ہین کہ مضامین عشق کو (جو کہ حاصل مثنوی کا ہے) پانچ اور چھ سے کوئی غرض نہین اُسکا مقصد (اور مقتضا) تو بجز محبوب کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے کچھ بھی نہین (مراد اس سے وصل و قرب ہے یعنی مقصود مثنوی سے مضامین عشقیہ ہین جنکا ثمرہ محبوب حقیقی کا قرب ہے اور وہ جس طرح چھ دفتر سے حاصل ہوتا اسی طرح پانچ دفتر سے بھی حاصل ہے اسلیے اگر چھٹا نہ ہوتا تب بھی کچھ حرج نہ تھا اس سے ثابت ہوا کہ یہ درجۂ ضرورت بمعنی لولاہ لترتب الضرر مین نہین لیکن درجۂ مصلحت بمعنی لولاہ لما ترتب النفع الخاص مین اسلیے ہے کہ) ممکن (یعنی متوقع) ہے کہ مابعد (کے حصہ یعنی دفتر ششم) مین (کہ پانچ کے بعد ہے) کچھ اجازت (اظہار اسرار کی عالم غیب سے) پہونچ جاوے (اس طرح سے کہ) کہنے کے قابل بہت سے راز کہنے مین آجاوین (اور) ایسے بیان (و عنوان) کے ساتھ (کہنے مین آجاوین) جو بہ نسبت کنایات دقیق و مستتر کے (فہم سے) نزدیک تر ہو (یعنی ممکن ہے کہ پہلے دفترون مین بعضے اسرار دقیق و مستتر اشارات مین بیان مین آئے ہون اور وہ اس دفتر مین واضح الفاظ سے بیان مین آجاوین اور چونکہ مثنوی کی آمد غیر اختیاری تھی جیسا منقول ہے اسلیے اس طرح پر بیان ہوجانا علامت اجازت اظہار اسرار کی ہے جس کا بیان دستوری رسد مین ہوا ہے اور وہ مصلحت یہی ہے کہ اس طرح سے اور زیادہ نفع مرتب ہوتا ہے اور چونکہ یہ مضامین پہلے بھی مذکور ہوئے ہین گو دقیق و مستتر عنوان سے سہی اسلیے درجۂ ضرورت مین نہین ہے جیسا شعر عشق را با پنج الخ کی شرح مین بیان کیا گیا ہے) ف اور رازہا کو گفتنی کے ساتھ مقید کرنے مین اشارہ اس طرف ہے کہ بعضے اسرار بالکل ہی کہنے کے قابل نہین ہوتے یعنی کتاب مین پس وہ اب بھی نہ لکھے جاوینگے

رازِ جز با رازدان انباز نیست	**راز اندر گوشِ منکر راز نیست**
اسرار بجز صاحبِ اسرار کے کسی اور کے ساتھ شریک نہین	گوش منکر مین وہ اسرار اسرار ہی نہین
لیک دعوت واردست از کردگار	**با قبول و ناقبول او را چہ کار**
لیکن دعوت پروردگار کی طرف سے وارد ہے	اُسکو قبول و عدم قبول سے کچھ سروکار نہین ہوا

(اوپر رازہائے گفتنی گفتہ شود مین مصلحت کا مقتضی اظہار اسرار ہونا ارشاد فرمایا تھا اس پر یہ شبہہ ہوتا ہے کہ اس مقتضی کے ساتھ مانع بھی تو ہے کہ بہت لوگ اسرار کا انکار کرینگے تو اس مانع کا اعتبار کرکے اُسپر کیون نہین عمل کیا اُسکے جواب مین فرماتے ہین کہ یہ سچ ہے کہ) اسرار (حقیقت) بجز صاحب اسرار کے کسی اور کے ساتھ شریک (یعنی مانوس) نہین (اور صاحبِ اسرار سے مراد عام ہے عالم بالفعل و عالم بالقوہ کو یعنی

ع۵ چنانچہ خود اس دفتر مین بھی بعضے مضامین کو ترک کردینے کی تصریح ہے مثلاً ایک جگہ فرمایا ہے تا گریہ ہست گوشِ گر طوطی کو مستعد آن شکر + ونحو ذلک منہ

خواہ وہ محرم اسرار ہو خواہ طالب و معتقد اسرار ہو اول کے ساتھ مانوس ہونا تو باعتبار حصول بالفعل کے ہے
اور دوسرے کے ساتھ مانوس ہونا باعتبار طلب آئندہ حصول کے ہے اور اول کو اسرار کا مخاطب بنانا
اپنے حظ کے لیے جیسا کہ ہم مذاق کے ساتھ معلومات مشترکہ کے اعادہ مین اسکا مشاہدہ ہوتا ہے یا اُسکی زیادت
تکمیل کے لیے ہے جیسا کامل کا خطاب ناقص سے یا اکمل کا کامل سے اسکو مفید ہوتا ہے۔ غرض قابلیت خطاب
اسرار کی صاحب اسرار ہی کو ہے اور) گوش منکر (اسرار) مین وہ اسرار اسرار ہی نہین (یعنی وہ اُس کو
اُس قدر سے نہین سُنتا جیسا راز کو سُننا چاہیے اور اسکا مقتضا یہی تھا کہ اسرار کو بیان نہ کیا جاوے) لیکن ہم نے
اس مانع کا اعتبار نہین کیا بلکہ سنت الٰہیہ پر عمل کیا کہ ہم دیکھتے ہین کہ حق کی) دعوت پروردگار کی طرف سے
وارد (ہوئی) ہے (اور) اُسکو قبول وعدم قبول سے کچھ سروکار نہین ہوا (چنانچہ ظاہر ہے کہ قرآن مجید کی
تکذیب بھی ہوئی مگر اُسکا نزول بند نہین ہوا چنانچہ خود اسکی بھی تصریح قرآن مجید مین ہے أَفَنَضْرِبُ
عَنكُمُ الذِّكْرَ صَفْحًا أَن كُنتُمْ قَوْمًا مُّسْرِفِينَ ؕ اور حکمت اِس مین یہ ہے کہ افادہ اہل کا فی نفسہ
مطلوب شرعی ہے اور مطلوب شرعی کو احتمال مفسدۂ نااہل سے نہین چھوڑا جاتا۔ البتہ جو امر خود شرعاً مطلوب
نہ ہو اُسکو ایسے احتمال پر ترک کرنا خود شرعاً مامور بہ ہے جیسا اصولیین و فقہا نے یہی تفصیل فرمائی ہے) ف اگر
شبہہ ہو کہ اوپر شعر عشق را نابیچ الخ کی شرح مین اس دفتر کا ضروری نہ ہونا گو مصلحت ہو بیان ہوا ہے اور غیر ضروری
کو احتمال مفسدہ پر ترک کردیا جاتا ہے جواب یہ ہے کہ دفتر کے غیر ضروری ہونے سے مضامین اسرار کا غیر ضروری ہونا
لازم نہین آتا اور کلام نفس اسرار کے ذکر مین ہے اور وہ ضروری ہے اسکو انکار منکر سے نہین چھوڑا جاویگا
چنانچہ دوسرے دفترون مین اِسی لیے ذکر کیا گیا جسکا اعادہ بسہل بیان سرا اِس دفتر مین مقصود ہے تو اِس تسہیل
سے کوئی مفسدہ نہین بڑھا بلکہ اُسکا کم ہوجانا مظنون ہے کہ ایسے بیان مین غلط فہمی کم ہوتی ہے۔

نوح نہصد سال دعوت می نمود
حضرت نوح علیہ السلام نوسو سال تک برابر دعوت فرماتے رہے

دمبدم انکار قومش می فزود
اون کی قوم کا انکار وقتاً فوقتاً روبہ ترقی ہی رہا

ہیچ از گفتن عنان واپس کشید
کیا وہ کبھی کہنے سے رُکے

ہیچ اندر غارِ خاموشی خزید
کیا کبھی وہ غارِ خاموشی مین جا گزین ہوئے

زانکہ از بانگ و علالای سگان
وجہ یہ کہ کتون کے شور و غوغا سے

ہیچ واگردد ز راہے کاروان
کیا کبھی کوئی قافلہ راہ سے واپس آگیا ہے

یا شبِ مہتاب از غوغاے سگ
یا شبِ ماہ مین غوغاے سگ سے

سست گردد بدر را در سیر تگ
بدر کی سرعت اُسکی حرکت مین سست ہو گئی ہے

مہ فشاند نور و سگ عوعو کند
چاند نور افشانی کیا کرتا ہے اور کتا عوعو کرتا ہے

ہر کسے بر خلقتِ خود می تند
ہر شخص اپنی فطرت پر ستعدی سے قائم ہے

ہر کسے را خدمتے دادہ قضا
ہر کسی کو قضا نے ایک ایک خدمت عطا فرما رکھی ہے

در خورِ آن گوہرش در ابتلا
اُسکی استعداد ذاتی کے مناسب بمصلحت امتحان

چونکہ نگذارد سگ آن بانگِ سقم
جس حالت مین کتا اُس غوغاے مرض افزا کو نہین چھوڑتا

من مہم سیرانِ خود را چون ہلم
تو مین تو چاند ہون مین اپنی سیر کو کیسے چھوڑ دون گا

چونکہ سرکہ سرکگی افزون کند
جب سرکہ اپنی صفت سرکگی کو ترقی دے

پس شکر را واجب افزونی بود
پس شکر کو اور زیادہ ہونا ضروری ہے

قہر سرکہ لطف ہم چون انگبین
قہر اور لطف بھی مثل سرکہ و شہد کے ہین

کاین دو باشد رکنِ ہر اسکنجبین
جو کہ ہر سکنجبین کے دو جز و ہوتے ہین

انگبین گر پاے کم آرد ز خل
اگر انگبین سرکہ سے کم ہو

اندر آن اسکنجبین آید خلل
تو اُس سکنجبین مین خرابی رہے گی

قوم بر وے سرکہا می ریختند
نوح علیہ السلام کی قوم اُن پر سرکے ڈالتی تھی

نوح را دریا فزون می ریخت قند
نوح علیہ السلام پہ دریا اور زیادہ قند جاری کرتا تھا

قند او را بُد مدد از بحرِ جود
اُنکی قند کو بحرِ جود سے مدد پہونچتی تھی

پس ز سرکہ اہلِ عالم می فزود
اہل عالم کے سرکہ کے سبب سے اُسین اور بھی افزونی ہوتی تھی

واحد کالالف کہ بود آن ولی
ایسا واحد جو ہزار کے برابر ہو کون ہے؟ وہ ولی ہوتا ہے

بلکہ صد قرن ست آن عبد العلی
بلکہ وہ بندۂ خدا ایسے عالی شان سو قرن کے برابر ہوتا ہے

خم کہ از دریا درو راہے شود
اگر مٹکہ میں بحر اعظم سے کوئی راستہ ہو جاوے

پیش او جیحونہا زانو زنند
تو اُس مٹکہ کے روبرو جیحون جیسی نہریں بھی ادب کرنے لگیں

خاصہ این دریا کہ دریاہا ہمہ
خاص کر یہ دریا کہ ان جیسی دریاؤں نے

چون شنیدند این مثال و دمدمہ
جب یہ مثال اور شہرت سُنی

شد دہان شان تلخ زین شرم و خجل
تو اُن کا منھ اس شرم و خجلت سے تلخ ہو گیا

کہ قرین شد نام اعظم با اقل
کہ دریائے اعظم کا نام دریائے احقر کے ساتھ مقرون کیا گیا

در قران این جہان با آن جہان
اس عالم کا اُس عالم کے ساتھ جب اقتران ہوتا ہے

این جہان از شرم میگردد جہان
تو یہ عالم شرم کے سبب بھاگ جاتا ہے

این عبارت تنگ و قاصر رتبت ست
یہ عبارت بہت تنگ اور کم رتبہ ہے

ورنہ خس را با اخص چہ نسبت ست
ورنہ خس کو اخص سے کیا نسبت ہے

(علا بالضم آواز بلند و شور و غوغا۔ در ابتلا بالغرض ابتلا کما فی حدیث عذبت فی ھرۃ ای لاجل ھرۃ۔ سقم بالضم و بفتحتین چون حُزن و حَزن بیماری۔ سیران یعنی سیر۔ یابے آرد داخل شود۔ دمدمہ آوازہ و شہرت خجل بفتحتین بسر گشتگی و بیخودی از شرم کما فی الصراح۔ تلخ شدن دہان کنایت ست از بیماری۔ جہان در قولہ میگردد جہان یعنی جہندہ و گریزندہ۔ ان اشعار میں تائید ہے مضمون سابق کی لیکن دعوت وار دست از کردگار با قبول و ناقبول او را چہ کار (یعنی دیکھو) حضرت نوح علیہ السلام نو سو نو سال تک (بلکہ پچاس زیادہ کما قال تعالے فَلَبِثَ فِيهِمْ أَلْفَ سَنَةٍ إِلَّا خَمْسِينَ عَامًا۔ سو کسر حذف کر دی گئی۔ غرض اتنی مدت تک وہ اپنی قوم کو توحید کی) برابر دعوت فرماتے رہے (حالانکہ) اُنکی قوم کا انکار وقتاً فوقتاً رو بہ ترقی ہی رہا (مگر) کیا وہ (اُن کے انکار کی وجہ سے) کبھی کہنے سے رُکے کیا کبھی (اسوجہ سے) وہ غار خاموشی میں جاگزین ہوئے (یعنی کبھی نہیں) وجہ یہ کہ کتّوں کے شور و غوغا سے کیا کبھی کوئی قافلہ راہ (مقصود) سے واپس آ گیا ہے یا شب ماہ میں

غوغاے سگ سے بدر کی سرعت اسکی حرکت مین (کبھی) سُست ہوگئی ہے (یعنی ان اسباب غیر مضرہ سے نہ کسی کی حرکت اختیاریہ قطع ہوئی ہے جیسے قافلہ کی حرکت یا حضرت نوح علیہ السّلام کی موعظت اور نہ کسی کی حرکت اضطراریہ قطع ہوئی ہے جیسے چاند کی حرکت کہ وہ حرکت بھی بدستور رہتی ہے اور وہ حرکت مین جو نورافشانی کرتا ہے گو اضطراراً ہی ہو وہ بھی بدستور رہتی ہے چنانچہ) چاند نورافشانی کیا کرتا ہے اور کُتا عوعو کرتا ہے ہر شخص اپنی فطرت پر مستعدی سے قائم ہے (جسکی شرح یہ ہے کہ) ہر کسی کو قضا (و قدر) نے ایک ایک خدمت عطا فرمائی ہے (خواہ تشریعاً جیسے اظہار حقائق نافعہ و افاضۂ انوار و برکات خواہ تکویناً جیسے انکار معاند و آثار امثلہ مذکورہ پھر اُن مین بھی خواہ اختیاراً جیسے بعض امثلہ مین مثلاً شور سگ یا انکار معاند خواہ اضطراراً جیسے نورافشانی ماہ بہرحال ہر ایک سے افعال و آثار مخصوصہ کا) اُسکی استعداد ذاتی کے مناسب بمصلحت امتحان (صدور ہوتا ہے ذاتی سے مراد قائم بالذات گو جزو ذات نہ ہو اور امتحان سے مراد مکلفین کا امتحان کہ تصرفات الٰہیہ مین ایک حکمت یہ بھی ہے کما قال تعالیٰ وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِي سِتَّةِ اَيَّامٍ وَّكَانَ عَرْشُهٗ عَلَى الْمَآءِ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ؕ وقال خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ؕ وقال تعالیٰ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَآ اٰتٰكُمْ ؕ حاصل یہ کہ جب قدرتی طور پر ہر ایک سے افعال خاصّہ سرزد ہوتے ہین خواہ قبیح ہون خواہ حسن تو) جس حالت مین کُتا (جسکے ساتھ منکر معاند کو تشبیہ دی گئی ہے) اُس غوغاے مرض (یعنی پریشانی) افزا کو نہین چھوڑتا (مراد اس سے انکار براہ عناد ہے جو کہ معصیت و مذموم شرعی ہے) تو مین تو (مشابہ) چاند (کے) ہون (افاضہ انوار علم و حکمت مین) مین اپنی سیر (حرکت قوی باعثہ و فاعلہ یعنی ارادہ و نطق) کو کیسے چھوڑ دون گا (بلکہ اس صورت مین تو مجکو بجاے ترک کے اور زیادہ تکلم بالحکمت مناسب ہے اسکی ایسی مثال ہے کہ) جب سرکہ (جسکو سکنجبین مین ملانا مقصود ہے) اپنی صفت سرکگی (یعنی ترشی) کو ترقی دے (اسناد مجازی ہے یعنی جب اُسمین ترشی تیز ہو جاوے) پس (اس صورت مین) شکر کو (مراد مطلق شیرینی چنانچہ آگے انگبین سے تعبیر کیا ہے یعنی ایسی چیز کو کہ دوسرا جزو ہے سکنجبین کا) اور زیادہ ہونا ضروری ہے (تاکہ مرکب کا مزاج تناسب سے خارج نہ ہو جاوے قہر اور لطف (کے آثار) بھی (مراد انکار معاند و اظہار علوم کہ اول آثار قہر سے اور دوسرا آثار لطف سے ہے) مثل سرکہ و شہد کے ہین جو کہ ہر سکنجبین کے دو جز ہوتے ہین (پس بقاعدۂ تناسب) اگر انگبین سرکہ سے کم ہو (یعنی سرکہ کے مقابلہ مین اُسکی جتنی مقدار ہونا چاہیے اُس سے کم ہو) تو اُس سکنجبین مین (ضرور) خرابی رہے گی (اسی طرح انکار معاند کی جس مقدار کے بعد اظہار علم کی جس مقدار کا ضروری ہونا دلائل حقّہ سے ثابت ہے اُسمین کمی ہونے سے مصالح مقصودہ فوت ہون گے اسلیے اُس مقدار پر اظہار علم ضروری ہوگا) اور شعر ہر کسے را خدمتے دادہ قضا الخ کی شرح مین جو احقر نے تعمیم کی ہے خواہ تشریعاً خواہ تکویناً اور پھر ایک کی بعض بعض مثالین بھی ذکر کی ہین

وجہ اُس تعمیم کی یہ ہے کہ صرف تشریع تو مراد اسلیے نہیں ہو سکتی کہ بعض افعال ایسے قبیح ہیں جیسے بعض اشلہ سے معلوم ہو سکتا ہے اور صرف تکوین مراد لینے میں یہ اشکال تو نہیں کیونکہ تخلیق و ایجاد حسن و قبیح سب کے ساتھ متعلق ہوتی ہے لیکن ایک دوسرا اشکال یہ پیش آوے گا کہ اس مقام پر جو یہ حکم کیا گیا ہے کہ اہل حق کو حق کا اظہار کرنا لازم ہے اس حکم کا اس مضمون ہر کسے را خدمتے دادہ قضا الخ کے ساتھ معلل کرنا صحیح نہ ہوگا اور مقصود معلل کرنا ہے جیسا کہ ظاہر ہے۔ وجہ صحیح نہ ہونیکی یہ ہے کہ بعد صدور امر تکوینی کے تو کوئی حالت منتظرہ وقوع مکون میں باقی رہ ہی نہیں سکتی ورنہ تخلف مراد کا ارادہ سے لازم آویگا جیسا کہ ظاہر ہے پھر اسکے کیا معنی ہوں گے کہ اس حالت میں تمکو اظہار حق کرنا چاہیے کیونکہ امر تکوینی اگر اظہار حق کے ساتھ متعلق ہو چکا ہے تو اس امر تکوینی سے اظہار حق کا تاخر بالذات ہوگا نہ کہ بالزمان جب بالذات ہوگا تو اُس کا صدور مکلف سے ہو چکا ہوگا گو بالاختیار سہی کیونکہ اُس امر تکوینی کا تعلق افعال اختیاریہ کے ساتھ اسی نہج سے ہوتا ہے۔ جب صدور ہو چکا ہوگا پھر اس مشورہ کے کیا معنی کہ اب صادر کرنا چاہیے پس صرف تکوین بھی مراد نہیں ہو سکتا اور تعمیم میں کوئی اشکال لازم نہیں آتا معنی یہ ہوں گے کہ جب تکوینًا صدور قبیح کا دیکھو تو تمکو تشریعًا امر ہے کہ حسن کو صادر کرو۔ اور اسی تقریر سے شعر چونکہ سرکہ الخ و شعر قہر سرکہ الخ و شعر انگبین الخ بھی منقح ہو گیا یعنی جب آثار قہر کو تکوینًا دیکھو تو تم تشریعًا مامور ہو کہ آثار لطف کو صادر کرو۔ پس یہاں بھی ظہور مجموعۂ آثار قہر و لطف کا جسکو سکنجبین سے تشبیہ دی گئی ہے مفہوم عام ہے ظہور تکوینی و تشریعی کو پھر اس مجموعہ کی تقسیم مستقل دلیل سے تکوین و تشریع کی طرف ہو جاوے گی یعنی قہر کے آثار تو تکوینًا ظاہر ہوتے ہیں اور لطف کے آثار جو یہاں مذکور ہیں تشریعًا ظاہر ہوں گے پس یہاں حکمت تکوینیہ کا بیان کرنا مقصود نہیں ورنہ لازم آتا ہے کہ قرب قیامت میں جب ضلال عام ہو جاویگا تو حکمت الٰہیہ باطل ہو جاوے نعوذ باللہ منہ جیسا شارحین نے ایسی ہی تفسیر اختیار کی ہے جس پر یہ اشکالات لازم آتے ہیں۔ آگے نوح علیہ السلام کے فعل سے اس مشورہ اظہار حق وقت ظہور باطل کی تائید فرماتے ہیں کہ) نوح علیہ السلام کی قوم اُن پر سرکہ ڈالتی تھی (یعنی عداوت و مخالفت و انکار سے پیش آتی تھی جو کہ آثار قہر سے ہے مگر) نوح علیہ السلام پر دریا (ئے عطائے آلہی) اور زیادہ قند (یعنی اظہار حقائق و شرائع کہ آثار لطف سے ہے) جاری کرتا تھا (یعنی فضل خداوندی سے اُن کو اظہار حق کی زیادہ توفیق ہوتی تھی) اُنکی قند کو (چونکہ) بحر جواد (آلہی) سے مدد پہنچتی تھی (اسلیے) اہل عالم کے سرکہ کے سبب اُسمیں اور بھی افزونی ہوتی تھی (یعنی چونکہ توفیق آلہی رہبر تھی اسلیے انکار سے دعوت منقطع نہیں فرماتے تھے بلکہ انکار کے سبب اُس دعوت میں زیادہ اہتمام فرماتے تھے کما قال اللہ تعالیٰ اَفَنَضْرِبُ عَنْكُمُ الذِّكْرَ صَفْحًا اَنْ كُنْتُمْ قَوْمًا مُّسْرِفِيْنَ ۔ وقال تعالیٰ وَاِنِّيْ كُلَّمَا دَعَوْتُهُمْ لِتَغْفِرَ لَهُمْ جَعَلُوْٓا اَصَابِعَهُمْ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَاسْتَغْشَوْا ثِيَابَهُمْ وَاَصَرُّوْا وَاسْتَكْبَرُوا اسْتِكْبَارًا

ثُمَّ (ای بعد ہٰذا الاعراض والفرار وہٰذا الاصرار والاستکبار) اِنِّیْ
دَعَوْتُہُمْ جِہَارًا ثُمَّ اِنِّیْٓ اَعْلَنْتُ لَہُمْ وَاَسْرَرْتُ لَہُمْ اِسْرَارًا
الآیۃ آگے اس افزونی اظہار کی ایک لِمّ فرماتے ہیں کہ یہ مقبولان الٰہی جو انکار سے اظہار حق میں
اور افزونی کر دیتے ہیں وجہ اُسکی یہ ہے کہ بعض واحد بھی ہزار کے برابر ہوتا ہے اور) ایسا واحد جو ہزار
کے برابر ہو کون ہوتا ہے (خود ہی جواب دیتے ہیں کہ) وہ (خدا کا) ولی ہوتا ہے (آگے ترقی کر کے
فرماتے ہیں کہ ہزار کیا) بلکہ وہ بندۂ خدائے عالی شان سو قرن کے برابر ہوتا ہے (قرن سے مراد
اہل قرن یعنی ایک زمانہ میں جتنے آدمی ہوں اُن کے سو حصہ کے برابر ہوتا ہے مثلاً اگر ایک زمانہ
میں ایک ارب آدمی ہوں تو یہ شخص سو ارب کے برابر ہوتا ہے اور ترقی عدد میں ظاہر ہے اور
وجہ صحت اس حکم کی یہ ہے کہ وہ شخص عالی ہمت ایسا ہوتا ہے کہ تمام عالم کا انکار بھی اُسکو ضعیف اور مغلوب
و مرعوب نہیں کرتا اور چونکہ یہ علو ہمت فیض ہے صفت علوے حق سبحانہ و تعالیٰ کا اسلیے اس کو عبد العلی سے
اسی اشارہ کے لیے تعبیر کیا گیا آگے اسی فیض یابی کی تفصیل ہے کہ) اگر مشکہ میں بحر اعظم سے (پانی آنے کا)
کوئی راستہ ہو جاوے تو اُس مشکہ کے روبرو جیحون جیسی نہریں بھی ادب کرنے لگیں (کیونکہ اُن نہروں کا
پانی تو کسی وقت کم اور منقطع بھی ہو سکتا ہے مگر اس مشکہ کے پانی میں یہ احتمال بھی نہیں کیونکہ اگر پہلا پانی اُسمیں سے
نکل جاوے اتصال بالبحر کی وجہ سے دوسرا پانی فوراً پھر آجاوے اسی طرح اس شخص کو چونکہ حضرت حق سے
نسبت ہے اور اُسکے سبب افاضہ علوم و حکم اور برکات و ہمم کا برابر ہوتا رہتا ہے اسلیے اُسمیں کبھی فتور
و ضعف نہیں ہوتا اِس شعر میں دریاے حسی کا ذکر تھا جسکے ساتھ تشبیہ دی گئی تھی۔ آگے دریاے معنوی
یعنی فیض باری تعالیٰ کا ذکر ہے جسکو تشبیہ دی گئی ہے اور اسی کا ذکر مقصود بھی ہے پس فرماتے ہیں کہ)
خاص کر یہ دریا (یعنی بحر فیض باری تعالیٰ جسکی یہ شان ہے) کہ ان حسی دریاؤں نے جب یہ مثال اور شہرت
(سُنی) مثال سے مراد دریاے معنوی کی تمثیل و تشبیہ دریاے حسی کے ساتھ جیسا اوپر کے شعر میں اسی بنا پر
استعارۃً اُسکو دریا کہا ہے اور شہرت سے مراد ایسا یعنی دریاے حسی کا ذکر بضمن تشبیہ مطلب یہ کہ جب
اُنھوں نے مضمون مذکور سُنا) تو اُن کا مُنھ اِس شرم و خجلت سے تلخ ہو گیا (یعنی وہ بیمار ہو گئے) کہ دریاے اعظم کا
نام دریاے احقر کے ساتھ (ذکر میں) مقرون کیا گیا (یعنی وہ اس سے شرما گئے کہ ہمکو اُس سے کیا نسبت
ہے جس سے اُسکے نام کے ساتھ ہمارا نام لیا جاسکے اُنکی حقارت حال کو ادعاے مقال سے تعبیر کیا ہے آگے
اسی حقارت عالم شہادت کا کہ دریاے حسی اُسکے کائنات سے ہے اور عظمت عالم غیب کا کہ دریاے فیض
الٰہی اُسکے موجودات سے ہے بیان ہے اور جاننا چاہیے کہ فیض الٰہی سے مراد مرتبہ فعل خاص حق ہے کہ اثر
صفت حق ہے نہ کہ صفت حق کہ عالم بمعنی ما سوی اللہ کا جزو نہیں ہے حالانکہ آگے لفظ آن جہان میں اس
دریاے فیض کو بھی جزو عالم کہا ہے اور وہ بیان دریاے حسی کی حقارت اور دریاے فیض الٰہی کی عظمت کا

یہ ہےکہ) اِس عالم (حسی) کا اُس عالم (غیبی) کے ساتھ جب (ذکر مین) اقتران ہوتا ہے تو یہ عالم شرم کے سبب بھاگ جاتا ہے (مراد یہ کہ روپوش ہو جاتا ہے علاقہ ظاہر ہے کہ روپوشی کے لیے فرار عادۃً لازم ہے یہ سب کنایات ہین حقارت سے (یعنی یہ عالم اُس عالم کے روبرو حقیر و ذلیل ہے پھر جب اس عالم حقیر کے دریاے حقیر سے اتصال حاصل ہو جانیسے اُس مشکہ کا پانی منقطع نہین ہوتا تو اُس عالم عظیم کے دریاے عظیم سے اتصال ہو جانیسے اس مورد فیض کا علم و افادہ کیسے منقطع ہو سکتا ہے یہی حاصل تھا شعر با لاخم کہ از دریا در راہ ہے شود الخ کا آگے اس شعر خم کہ اندریا الخ سے اضراب و ترقی فرماتے ہین کہ ہم نے جو اس مضمون کی تفہیم کے واسطے یہ مثال دی ہے سو) یہ عبارت (یعنی یہ مثال) بہت تنگ اور کم رتبہ (یعنی ناقص) ہے (یعنی مقصود محض تقریب الی الفہم ہے) ورنہ خس کو (یعنی دریاے حسی کو) اخص (یعنی فیض خاص حضرت باری تعالیٰ) سے کیا نسبت ہے (کہ اُسکو من کل الوجوہ اُسکے مماثل کہا جاوے صرف بعض اعتبارات سے تشبیہ دیدی ہے جسمین تھوڑی مناسبت بس ہے آگے پھر رجوع ہے مضمون سابق یعنی نوح نہ صد سال الخ اور ہر کسے را خدمتے الخ کی طرف جو کہ اس مقام مین اصل مقصود ہے پس فرماتے ہین)

زاغ در رز نعرۂ زاغان زند
زاغ باغ انگور مین زاغون کا سا نعرہ لگایا کرتا ہے

بلبل از آواز خوش کے کم کند
بلبل اپنی آواز خوش کو کب کم کر دیتی ہے

پس خریدار است ہر یک را جدا
پھر ہر ایک کا خریدار الگ الگ ہوتا ہے

در مزادِ یَفْعَلُ اللّٰہُ مَا یَشَا
یَفْعَلُ اللّٰہُ مَا یَشَاءُ کے بازار مین

نقل خارستان غذاے آتش ست
خارستان جو بمنزلہ نقل کے ہے آتش کی غذا ہے

بوے گل قوت دماغ سرخوش ست
بوے گل دماغ لطیف کی غذا ہے

گر پلیدی پیش ما رسوا بود
اگر گندگی ہمارے نزدیک رسوا ہے

خوک و سگ را شکر و حلوا بود
خوک و سگ کے لیے وہی شکر اور حلوا ہے

گر پلیدان این پلیدیہا کنند
اگر پلید لوگ ایسی پلیدیان کرتے رہتے ہین

آبہا بر پاک کردن می تنند
تو پانی کے افراد پاک کرنے پر مستعد رہتے ہین

ور جہانے پر شود از خار و خس
اور اگر ایک جہان خار و خس سے پُر ہو جاوے

آتشے محوش کند در یک نفس
تو ایک آتش اُسکو ایک دم مین فنا کر دے

گرچہ ماران زہر افشان می کنند
اگرچہ سانپ زہر افشانی کرتے رہتے ہین

ورچہ تلخان ما پریشان می کنند
اور اگرچہ تلخ اخلاق لوگ ہمکو پریشان کرتے رہتے ہین

نحلہا بر کوہ و کندو و شجر
مگس شہد بھی پہاڑ اور غلہ کی کوٹھی اور درخت پر

می نہند از شہد انبارِ شکر
شیرینی کے انبار شہد سے جمع کرتی رہتی ہین

زہرہا ہر چند زہری می کنند
سمیات اگرچہ سمیت کا اثر کرتی ہین

زود تریاقات شان بر می کنند
تریاقات فی الفور اُن کا قلع قمع کردیتے ہین

(رز انگور۔ مزاد محل زیادت مراد بازار باعتبار آنکہ در سوداجیا تا وقت بیع مَنْ یَّشْتَرِیْ میگویند۔ گند و بضم ثم بزرگ کذا فی الغیاث جسر خوش پاکیزہ و خوب در ترکیب صفت دماغ است۔ ربط اشعار بالا کی شرح کے اخیر مین گذر چکا فرماتے ہین کہ) زاغ باغ انگور مین زاغون کا سا نعرہ لگایا کرتا ہے (مگر اُسکی وجہ سے) بلبل اپنی آواز خوش کو کب کم کر دیتی ہے (اس سے بھی مقصود اُسی مضمون سابق کی تمثیل ہے کہ اہل انکار کے انکار پر اہل تحقیق کو ترک تحقیق نہ کرنا چاہیے غرض دونون اپنے کام مین لگے رہتے ہین) پھر ہر ایک کا خریدار (طالب) الگ الگ ہوتا ہے یَفْعَلُ اللّٰہُ مَا یَشَآءُ کے بازار مین (یعنی کوئی باطل کو قبول کرتا ہے کوئی تحقیق کو اور در مزاد یفعل الخ مین تنبیہ ہے اسکی علت کی طرف کہ مشیت الٰہیہ ہے جسمین صدہا حکمتین بھی ہین کہ اُن کا اجمالاً اعتقاد کافی ہے تفصیل کی حاجت نہین۔ اور اس قول مزاد الخ کو اوپر کے مضمون ہر کسے را خدمتے دادہ کے ساتھ خاص مناسبت ہے۔ آگے پھر اُسی مضمون پس خریدار است الخ کی تقویت مثالون سے ہے کہ دیکھو خار اور گل دونون متضاد ہین جسکا مقتضا یہ ہے کہ اگر ایک مرغوب فیہ ہو تو دوسرا مطلقاً مرغوب عنہ ہوتا مگر اختلاف مناسبت سے جدا جدا طالبون کے اعتبار سے دونون مرغوب فیہ ہین چنانچہ) خارستان جو (آتش کے اعتبار سے) بمنزلہ نقل کے ہے آتش کی غذا ہے (یعنی آتش کے مناسب ہے اور اسی مناسبت کے سبب عادۃً زیادہ اسی کام مین لائی جاتی ہے اور) بوئے گل دماغ لطیف کی غذا ہے (وہ اُسکا طالب ہے اسی طرح) اگر گندگی ہمارے نزدیک رسوا (اور ذلیل) ہے کیونکہ ہمارے مناسب نہین لیکن) خوک و سگ کے لیے وہی شکر اور حلوا ہے (چونکہ اُنکو مناسبت ہے پس اسی طرح کوئی انکار کو پسند کرتا ہے کوئی تحقیق کا طالب ہے پس کسی کے انکار پر تحقیق کو کیون ترک کیا جاوے چنانچہ اوپر بھی اسکی مثالین گذر رہین نوح نہصد الخ اور خود قریب بھی ایک مثال مذکور ہوئی زاغ الخ اور آگے اور بھی اسی کی مثال ہے کہ) اگر پلید لوگ (مراد منکرین حق) ایسی پلیدیان کرتے رہتے ہین تو پانی کے افراد (مراد مظہرین حق) پاک کرنے پر مستعد رہتے ہین (یعنی اُن کے آثار اضلال کو زائل کرتے رہتے ہین آگے اور

اسی کی مثال ہے یعنی) اور اگر ایک جہان (یعنی بڑا حصہ زمین کا) خار وخس سے پُر ہو جاوے تو ایک آتش اُسکو ایک دم میں فنا کر دے (اور بھی اسی کی مثال ہے کہ) اگرچہ سانپ زہر افشانی کرتے رہتے ہیں اور (اسی طرح) اگرچہ تلخ اخلاق لوگ ہمکو پریشان کرتے رہتے ہیں (لیکن اسی کے ساتھ) مگس شہد بھی پہاڑ اور غلہ کی کوٹھی اور درخت پر شیرینی کے انبار شہد سے جمع کرتی رہتی ہے (تو ہمکو بھی کسی کے پریشان کرنے سے متاثر نہ ہونا چاہیے ہم اپنے علوم سے طالبوں کو مستفید کرتے رہیں - آگے بھی اسی کی مثال ہے کہ) سمیات ہر چند کہ سمیت کا اثر کرتی ہیں (مگر) تریاقات فی الفور اُنکا قلع قمع کر دیتے ہیں (ان سب مثالوں کا ایک حاصل ہے جو اوپر چند بار گذر چکا۔

این جہان جنگست کل چون بنگری
یہ عالم کل کا کل سر تا پا جنگ ہے

ذرہ با ذرہ چون دین با کافری
ہر ذرہ ہر ذرہ کے ساتھ ایسا مختلف ہے جیسا دین حق کفر کے ساتھ

آن یکے ذرہ ہمی پرد بہ چپ
ایک ذرہ بائیں کو جا رہا ہے

وان دگر سوے یمین اندر طلب
اور دوسرا طلب میں داہنے کو جا رہا ہے

ذرہ بالا و آن دیگر نگون
ایک ذرہ اوپر کو اور دوسرا نیچے کو

جنگ فعلی شان ببین اندر رکون
اُن کے جنگِ فعلی کو دیکھو میلان میں

(اوپر مقصوداً اسکا مشورہ تھا کہ اہل باطل کے اظہار باطل پر اہل حق کو اظہار حق کا زیادہ اہتمام چاہیے اور اسکو متعدد مثلوں سے مؤید فرمایا تھا اور اسمیں ضمناً کائنات عالم کا آثار میں مختلف ہونا بھی مذکور و مفہوم ہوا تھا اب اُسی مضمون ضمنی کو مقصوداً بیان کرتے ہیں کہ) یہ عالم (یعنی عالم امکان یا عالم دنیا) کل کا کل سر تا پا جنگ (واختلاف) ہے ہر ذرہ ہر ذرہ کے ساتھ ایسا مختلف ہے جیسا دین حق کفر کے ساتھ (مختلف ہے یعنی ہر چیز کے خواص مختلف ہیں چنانچہ) ایک ذرہ (مثلاً) بائیں کو جا رہا ہے اور دوسرا (اپنی غایت کونیہ کی) طلب میں داہنے کو (یعنی اول ذرہ کے مقابل جانب کو) جا رہا ہے (اسی طرح) ایک ذرہ (مثلاً) اوپر کو اور دوسرا نیچے کو (مائل ہے) اُنکی (اس) جنگ فعلی (یعنی اختلاف فی الخواص والافعال) کو دیکھو (جس کا ظہور اُن ذرات کے) میلان میں (ہو رہا ہے یعنی چونکہ ہر ذرہ اپنے مقتضائے طبعی کی طرف مائل ہے اس میلان میں اُس اختلاف کا ظہور ہو رہا ہے) **ف** این جہان سے مراد اگر خاص یہی عالم دنیا و شہادت مراد ہے تب تو تخصیص باقتضائے مقام ہے نفی کرنا اختلاف کا عالم آخرت وملکوت سے مقصود نہیں اور اگر مراد عالم امکان ہے تو عموم حکم کا خود مدلول الفاظ ہی کا ہے **ف** مقصود ان اشعار سے مع ایک شعر مابعد کے بیان کرنا ہے اسکا کہ یہ اختلاف بھی قرین حکمت ہونے سے مقتضائے مشیت ہے اسلیے اسکے مقدر ہونے پر اعتراض نہ کیا جاوے جسکا اسکے ذکر ذم فی السابق سے ایہام

ہوتا تعالیس اِن اشعار مین بطور تمہید کے نفسِ اختلاف کا بیان کیا اگلے شعر مین اِسکے مقتضی و علت کا بیان ہے

جنگِ فعلی ہست از جنگِ نہان	**زین تخالف آن تخالف را بدان**
یہ جنگ فعلی بسبب جنگ نہان کے ہے	اس اختلاف سے اُس اختلاف کو جان لو

(ربط اوپر مذکور ہوا ہے کہ اختلاف مذکور بالا کے مقتضی یعنی علت کو بیان فرماتے ہین یعنی) یہ جنگ فعلی (یعنی اختلاف اجزاے عالم فی الافعال والخواص جو اوپر مذکور تھی) بسبب جنگ نہان کے ہے (مراد اس سے تقابل اسمار و صفات کا ہے - جنگ بمعنی اختلاف اُسکو مجازاً کہدیا اور نہان ہونا اُسکا ظاہر ہے یعنی چونکہ اسما و صفات متقابل ہین جیسے قابض و باسط و محیی و ممیت و منعم و منتقم و ضار و نافع و مثل ذٰلک اور ہر ایک مقتضی ہے ظہور کو اسلیے مظاہر با ہم متخالف ہوگئے پس اسمین بیان ہوگیا حکمت اختلاف کا بھی کہ وہ ظہور ہے اسمار کا جس کا اشارہ احقر نے اوپر کے فائدہ کے اخیر مین کیا ہے یہ تو حاصل ہے مصرعۂ اولی کا جسمین دلیل لمی اس اختلاف فعلی کی مذکور ہوئی کہ وہ تقابل اسمار ہے آگے دوسرے مصرعہ مین دلیل انی اسی تقابل کی مذکور ہے کہ وہ اختلاف فعلی ہے پس فرماتے ہین کہ) اس اختلاف (فعلی) سے اُس اختلاف (یعنی تقابل اسمار) کو جان لو (یعنی اختلاف اسمار علت ہے اختلاف فعلی کی اور اختلاف فعلی علامت ہے اختلاف اسمار کی)

ذرّۂ کان محو شد در آفتاب	**جنگِ او بیرون شد از وصفِ حساب**
جو ذرہ کہ آفتاب مین محو ہو گیا ہو	اُسکی جنگ وصف حساب سے خارج ہے
چون ز ذرہ محو شد نفس و نفس	**جنگش اکنون جنگِ خورشیدست و بس**
جب ذرہ سے حقیقت اور سانس محو ہو گئے	تو بس اُسکی جنگ اس حالت مین خورشید کی جنگ ہے
رفت از وے جنبشِ طبع و سکون	**از چہ از اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن**
اُس سے طبیعت کی حرکت اور سکون زائل ہوگئین	اور یہ کس سبب سے ہوا؟ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن کے سبب سے ہوا
ما بہ بحرِ نور خود راجع شدیم	**وز رضاعِ اصل مسترضع شدیم**
ہم بحر نور کی طرف خود راجع ہو گئے	اور رضاع اصل سے ہم شیر پینے والے ہوگئے
در فروعِ راہ اے ماندہ زغول	**لاف کم زن از اصول اے بے اصول**
اے وہ شخص جو غول سے مغلوب ہو کر فروع راہ مین ہے	تو اے بے اصول - اصول کا دعویٰ مت کر

نیست از ما هست بین الاصبعین	جنگ ما و صلح ما در نور عین
نہیں بلکہ بین اصبعین (یعنی من الحق) ہے	ہماری جنگ و صلح نور عین میں ہماری طرف سے

(اوپر اختلاف طبعی کا ذکر تھا جس میں بعض افراد مذموم بھی ہیں آگے تنبیہ ہے کہ اس حکم کو مطرد سمجھکر ہر اختلاف کو طبعی و مذموم نہ سمجھنا چاہیے کیونکہ اہل اللہ کی حرکات و سکنات اختیاریہ تابع طبیعت نہیں ہیں بلکہ تابع شریعت ورضائے حق کے ہیں تو اُن کو پابندان طبائع پر قیاس نہ کیا جاوے اسی کو فرماتے ہیں کہ) جو ذرہ (یعنی ممکن) کہ آفتاب (یعنی واجب) میں محو (اور فنا) ہوگیا ہو (یعنی اُسکو مقام فنا فی اللہ میسر ہوا ہو) اُسکی جنگ (یعنی اگر وہ کسی سے اختلاف کرے) وہ (اختلاف) صف حساب سے (یعنی جس اختلاف کا اوپر شمار ہو رہا ہے اُس شمار اور فہرست کے وصف یعنی بیان سے وہ) خارج ہے (یعنی وہ طبعی اور نفسانی نہیں بلکہ حق ہے اسی کی آگے تفصیل ہے کہ) جب ذرہ (یعنی ممکن) سے حقیقت (یعنی ذات) اور سانس (یعنی صفات) محو (اور فنا) ہوگئے تو پس اُسکی جنگ اس حالت میں خورشید (یعنی واجب) کی جنگ ہے (یعنی اُسکا اختلاف اسی شخص کے ساتھ ہوگا جسکے ساتھ حق تعالیٰ کی بھی مخالفت ہو کیونکہ اُسکا اختلاف للحق ہے پس گویا اختلاف الحق ہے اور) اُس (فانی فی اللہ) سے طبیعت کی حرکت اور سکون (دونوں) زائل ہوگئیں اور (آگے سوال ہے کہ) یہ کس سبب سے ہوا (پھر خود جواب دیتے ہیں کہ) اِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ کے سبب سے ہوا (یعنی چونکہ وہ بسبب فنا فی اللہ کے نفس سے حق کی طرف راجع ہوگیا اس لیے اُسکی حرکات و سکنات نفسانی نہیں ہونگی بلکہ حقانی ہونگی یہ معنی ہیں اِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ کے جو مرادف ہے اِنِّیْ ذَاهِبٌ اِلٰی رَبِّیْ کا پس یہاں اس جملہ سے مراد اشارہ آیۃ قرآنی کی طرف نہیں کہ یقیناً وہاں یہ مراد نہیں بلکہ محض اقتباس لفظی ہے اور معنی دوسرے ہیں آگے بطور تفسیر اِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ کے فرماتے ہیں کہ) ہم (مراد عارفین فانین فی اللہ) بحر نور کی طرف خود راجع ہوگئے (خود بمعنی تحقیق) اور رضاع اصل سے ہم شیر پینے والے ہوگئے (بحر نور اور اصل سے مراد ذات حق مراد راجع و مسترضع سے متوجہ و مستفیض آگے ایک ایہام کا رفع ہے یعنی تقریر مذکور سے احتمال تھا کہ کوئی صاحب زیغ اپنے معاصی میں استدلال کرتا کہ ہماری یہ حرکات بھی واجب کی طرف مستند ہیں پس یہ بھی محمود ہیں جواب دیتے ہیں کہ) اے وہ شخص جو غول (شیطان) سے مغلوب ہوکر (ابھی) فروع راہ میں (پڑا) ہے (مراد فروع سے عالم امکان یعنی ابھی تعلق بالممکنات ہی میں پھنسا ہوا ہے) تو اے بے اصول (یعنی واجب کی ذات و صفات کی تعلق و معرفت سے بعید) اصول (سے مستند ہونے) کا دعویٰ مت کر (یعنی جس استناد کا ذکر ہو رہا ہے وہ مخصوص ہے افعال مرضیہ کے ساتھ اور معاصی سے اُسکا تعلق نہیں کیونکہ مراد استناد الی الامر التکوینی نہیں بلکہ الی الامر التشریعی ہے البتہ) ہماری (یعنی عارفین کی) جنگ و صلح نور عین (یعنی ادراک چشم بصیرت) میں ہماری طرف سے (یعنی نفسانی) نہیں بلکہ بین الاصبعین (یعنی من الحق) ہو (یہاں بھی اُس حدیث کا مفہوم مراد نہیں کیونکہ وہ تکوین کے باب میں ہے بلکہ اُس سے اقتباس لفظی ہے اور معنی

دوسرے ہیں یعنی تابع احکام تشریعیہ حق)

جنگ طبعی جنگ فعلی جنگ قول　　درمیان جزوہا حربے ست ہول

یہ جو اجزاء عالم میں جنگ طبعی اور جنگ فعلی اور جنگ قولی واقع ہے یہ ایک بڑی باہول حرب ہے

این جہان زین جنگ قائم می بود　　در عناصر در نگر تا حل شود

یہ عالم اس اختلاف ہی سے قائم ہے　　تم عناصر میں غور کرو تاکہ یہ بات حل ہو جاوے

چار عنصر چار استون قوی ست　　کہ بریشان سقف دنیا مستوی ست

یہ چار عنصر چار قوی ستون ہیں　　کہ ان پر سقف دنیا قائم ہے

ہر ستونے اشکنندہ آن دگر　　استن آب اشکنندہ آن شرر

ہر ستون دوسرے کا شکستہ کرنے والا ہے　　ستون آب شکستہ کرنے والا شرر کا ہے

پس بنائے خلق بر اضداد بود　　لاجرم جنگی شدند از ضر و سود

پس اس خلق کی بنا اضداد پر ہوئی　　اسلیے باہم متخالف ہو گئے ضرر اور نفع کے اعتبار سے

ہست احوالت خلاف ہمدگر　　ہر یکے باہم مخالف در اثر

تمھارے احوال خود ایک دوسرے کے خلاف ہیں　　ہر حال اثر میں دوسرے حال کا مخالف ہے

چونکہ ہر دم راہ خود را می زنی　　با دگر کس سازگاری چون کنی

جب تم ہر وقت اپنی ہی رہزنی کر رہے ہو　　تو دوسرے شخص کے ساتھ کیا موافقت کروگے

فوج لشکرہائے احوالت ببین　　ہر یکے با دیگرے در جنگ و کین

اپنے لشکر احوال کے افواج کو دیکھ لو　　کہ ایک حالت دوسری حالت کے ساتھ جنگ و کین میں ہے

(اول بعض اختلافات مذمومہ اختیاریہ کا مع امثلہ کے اور اس سے متاثر نہ ہونے کا مشورہ ان اشعار میں بیان فرمایا تھا نوح نہصد سال الخ تا [illegible] اسکے بعد بعض اختلافات تکوینیہ غیر اختیاریہ کا ان اشعار میں

ذکر کیا تھا این جہان جنگ ست کُل الخ۔ ثالثاً اس اختلاف تکوینی غیر اختیاری کے ساتھ اسکی ایک حکمت اس شعر میں بیان فرمائی تھی جنگ فعلی ہست الخ اور اسمین بھی ایک اختلاف کا کہ قدیم اور دلے اختلافات عالم ہے ذکر ہے یعنی تقابل اسما و صفات۔ رابعاً اسکے بعد بعض اختلافات محمودہ اختیاریہ کا بیان فرمایا ان اشعار مین ذرۂ کان محو شد الخ اب خامساً ان اشعار مین مضمون ثانی یعنی بعض اختلافات تکوینیہ غیر اختیاریہ کی طرف کہ اختلاف عناصر و عنصریات ہے اور مضمون ثالث یعنی حکمت اختلاف تکوینی غیر اختیاری کی طرف عود ہے دوسرے طریق سے پس فرماتے ہین کہ) یہ جو اجزائے عالم مین جنگ طبعی (یعنی آثار و طبائع کا اختلاف) اور جنگ فعلی (یعنی افعال و خواص کا اختلاف) اور جنگ قولی (کہ ایک کا قول دوسرے کے مخالف ہے اور یہ خاص ہے ذوی العقول کے ساتھ غرض ہر قسم کا اختلاف) واقع ہے یہ ایک بڑی باہول (وہیبت) حرب ہے (یعنی اختلاف عظیم ہے اشارہ اس طرف ہے کہ بوجہ عظیم ہونیکے قابل غور ہے کیونکہ اتنے عظیم امر مین حکمت بھی عظیم ہوگی اُسکو غور کرنا چاہیے آگے ایک حکمت کا بیان ہے علاوہ حکمت مذکورہ فیما قبل کے جو اس شعر مین گذر چکی ہے جنگ فعلی ہست از جنگ نہان الخ پس بیان دوسری حکمت مذکور ہے اسی لیے مین نے تمہید مین کہا ہے کہ عود ہے دوسرے طریق سے گو اس کا مرجع بھی حکمت سابقہ ہے کما سیأتی۔ اور اس دوسری حکمت مذکور فیما بعد کا مطلق اختلاف سے تعلق نہین جیسا کہ حکمت سابقہ کا تھا بلکہ صرف اختلاف تکوینی غیر اختیاری کے بھی بعض افراد سے یعنی اختلاف عناصر و عنصریات سے چنانچہ فرماتے ہین کہ) یہ عالم (عناصر و عنصریات) اس اختلاف ہی سے قائم ہے تم عناصر (و عنصریات کی حالت) مین غور کر لو تاکہ یہ بات (کہ این جہان زین جنگ قائم می بود) حل ہو جاوے (یعنی معلوم ہو جاوے اور حل ہونے سے اسلیے تعبیر کیا کہ یہ دعویٰ خلاف ظاہر ہونے کے سبب مشکل معلوم ہوتا ہے اسلیے اُسکا معلوم ہونا حل ہونا ہے اور خلاف ظاہر اسلیے ہے کہ جنگ تو ظاہراً سبب تفانی کا ہے نہ کہ بقا و قیام کا اور اسکا یہ مطلب نہین کہ اگر عناصر مین اختلاف و تضاد نہ ہوتا تو اس عالم کو بقا نہ ہوتا بلکہ اُسوقت تو یہ اقرب الی البقا ہوتا کہ کوئی ضد کسی کو فنا نہ کرتی بلکہ یہ مطلب ہے کہ یہ عالم جس ہیئت پر اب قائم ہے کہ اسمین بکثرت تغیر و تبدل و استحالہ و انقلاب ہے یہ موقوف اسی اختلاف امزجہ عناصر پر ہے اگر یہ نہ ہوتا تو اس ہیئت پر اسکا قیام نہ ہوتا رہا یہ شبہہ کہ اُس صورت مین اس سے بھی اقویٰ قیام ہوتا اور کچھ احسن تھا پھر بقا علی ہذہ الہیئۃ مین زیادہ مطلوبیۃ کی کیا بات ہے جواب یہ ہے کہ اسی ہیئت خاصہ سے جن اسما کا ظہور ہوتا ہے وہ ظہور نہ ہوتا اور اصل حکمت یہی ظہور ہے اور چند سطر اوپر جو مین نے کما سیأتی مین وعدہ کیا ہے وہ یہی مضمون ہے آگے تفصیل و توضیح ہے مضمون بالا این جہان الخ کی یعنی) یہ چار عنصر (اس عالم دنیا کے) چار قوی ستون ہین کہ اُن پر سقف دنیا قائم ہے (اور) ہر ستون دوسرے کا شکستہ کرنے والا ہے (چنانچہ) ستون آب شکستہ کرنے والا شرر (و آتش) کا ہے (و علی ہذا آگے بعد اختلاف عناصر کے اختلاف عنصریات کا بطور تفریع کے

ذکر ہے کہ جب عناصر اصل ہے عنصریات کی اور عناصر باہم اضداد ہین اور ہر شئے کی بنا اپنی اصل پر ہوتی ہے) پس اس خلق (یعنی شگان دنیا) کی بنا اضداد پر ہوئی (ابھی مذکور ہوا کہ انکی بنا عناصر پر ہے جو باہم اضداد ہین) اسلیے (انکو بیا) باہم مخالف ہوگئے ضرر اور نفع کے اعتبار سے (کہ اگر ایک کسی چیز کے لیے نافع ہے تو دوسرا اُسکے لیے مضر ہے چنانچہ شب و روز مشاہدہ ہے آگے ترقی کر کے فرماتے ہین کہ عنصریات مین کے باہم تو اختلاف ہے ہی اس سے بڑھکر یہ ہے کہ خود ایک عنصری کو اپنے ہی ساتھ اختلاف ہے چنانچہ دیکھو کہ) تمھارے احوال خود ایک دوسرے کے خلاف ہین (یعنی) ہر حال اثر مین دوسرے حال کا مخالف ہے (چنانچہ کسی وقت غصہ ہے کسی وقت رضا کسی وقت طمع ہے کسی وقت غنا کسی وقت بخل ہے کسی وقت سخا کسی وقت خلوص ہے کسی وقت ریا کسی وقت بیباکی ہے کسی وقت حیا وعلی ہذا آگے اس اختلاف احوال سے کہ اختلاف ایک عنصری کا ہے اپنی ذات کے ساتھ عنصریات متعددہ کے باہمدگر اختلاف کی تقویت فرماتے ہین جسکا اسکے اوپر بیان تھا یعنی) جب تم ہر وقت اپنی ہی رہزنی (یعنی مخالفت) کر رہے ہو تو دوسرے شخص کے ساتھ کیا موافقت کروگے (یعنی دوسرون کے ساتھ تو زیادہ اختلاف ہوگا چنانچہ اس معنی کے سمجھنے کے لیے مکرر) اپنے لشکر احوال کے افواج کو دیکھو کہ ایک حالت دوسری حالت کے ساتھ جنگ وکین مین (مشغول) ہے **ف** اختلاف احوال کا گو ذکر بیان تبعًا ہے چنانچہ تقریر شرح سے معلوم ہوا لیکن اسمین مضمون اول یعنی اختلاف مذموم اختیاری کی ایک اور قسم بھی مذکور ہو گئی کیونکہ احوال مذمومہ جو مقام ہذا مین مقصود بالبیان ہین احوال محمودہ کے ساتھ مختلف ہین اور مذموم اور اختیاری ہین اور مقام پر مقصود بالبیان ہونا اس قرینہ سے ثابت ہے کہ اُسی پر آگے بحث کی ہے کہ تا مگر زین جنگ حقت واخرد۔ اور ظاہر ہے کہ مقصود نجات عن الذمائم ہی ہے نہ کہ عن الحمائد۔

می نگر در خود چنین جنگ گران	**پس چہ مشغولی بجنگ دیگران**
اپنے اندر ایسی جنگ عظیم کو دیکھا کرو	پس تم دوسرون کے ساتھ جنگ کرنے مین کیا مشغول ہو رہے ہو
تا مگر زین جنگ حقت وا خرد	**در جہان صلح یک رنگت برد**
تاکہ شاید حق تعالیٰ تمکو اس جنگ سے نجات دیدے	تمکو صلح کے عالم یک رنگ مین پہونچا دے
آن جہان جز باقی و آباد نیست	**زانکہ آن ترکیب از اضداد نیست**
وہ عالم بجز باقی و آباد کے اور کچھ نہین	وجہ یہ کہ وہ ترکیب اضداد سے نہین
این تفانی از ضد آید ضد را	**چون نباشد ضد نبود جز بقا**
یہ تفانی ایک ضد سے دوسری ضد کو ہوتی ہے	جب ضد نہین تو بجز بقا کے اور کچھ نہ ہوگا

نفی ضد کرد از بہشت آن بے نظیر	کہ نباشد شمس و ضدش زمہریر
خدائے بے نظیر نے بہشت سے ضد کی نفی اسطرح فرمائی ہے کہ نہ شمس ہے اور نہ اُسکی ضد زمہریر ہے	

(می نگر الخ مین انتقال ہے ایک مضمون ارشادی کی طرف یعنی اوپر تمکو معلوم ہوگیا کہ خود تمھارے اندر ہی تمھارے احوال مین ایک جنگ عظیم برپا ہے پس تم اس سے ایک نصیحت پکڑو وہ یہ کہ) اپنے اندر ایسی جنگ عظیم کو دیکھا کرو (اور سمجھو کہ جب تمھارے اندر یہ جنگ عظیم برپا ہے) پس تم دوسرون کے ساتھ جنگ کرنے مین کیا مشغول ہورہے ہو (یعنی دوسرون سے رنج وعداوت چھوڑ کر اپنے تزاحم احوال کو دیکھکر احوال مذمومہ کی اصلاح کرو) تاکہ شاید حق تعالیٰ تمکو اس جنگ (یعنی تزاحم احوال) سے نجات دیدے (اسطرح سے کہ احوال مذمومہ زائل فرمادے پھر اُن کو احوال محمودہ کے ساتھ تزاحم نہ رہے۔ وجہ تلازم ظاہر ہے کہ جو شخص اپنی اصلاح کی کوشش کرتا ہے حق تعالیٰ اُسکی اصلاح فرماتے ہین اور بعد زوال اس تزاحم کے حق تعالیٰ) تمکو صلح کے عالم یک رنگ مین پہونچادے (مراد عالم غیب ہے جسمین فیوض وبرکات اور اعمال کے ثمرات مع ارواح وغیرہا سب داخل ہین اُسکو عالم صلح یکرنگ کہنے کی وجہ اگلے شعر کی شرح مین آتی ہے اور مراد اُس عالم مین پہونچانے سے اُس سے تعلق ہوجاتا ہے جس سے فیوض وبرکات فی الحال وارد ہونے لگین اور ثمرات کا فی الحال استحقاق ہوجاوے اور ان فیوض وثمرات کا ترتب اصلاح احوال مذمومہ پر جس کا اوپر مشورہ دیا ہے ظاہر ہے آگے عالم غیب کو عالم صلح یکرنگ کہنے کی وجہ فرماتے ہین کہ) وہ عالم بجز باقی وآباد کے اور کچھ نہین (یعنی ویران وفانی نہین) وجہ یہ کہ (اُس عالم مین جو ترکیب ہے) وہ ترکیب اضداد سے نہین (یہ مراد نہین کہ اُس کے موجودات مین تضاد وتباین فی الصدق بھی نہین کیونکہ اجزائے خارجیہ مین اسکا ہونا لازم ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ تباین فی التحقق نہین بلکہ تحقق مین وہ مجتمع رہتے ہین بخلاف عالم دنیا کے کہ اسکے اجزا اکثر مجتمع نہین ہوسکتے جیسے آگ اور پانی مثلاً کہ ہر ایک دوسرے کو فنا کرنا چاہتا ہے یہ بات عالم غیب مین نہین مثلاً فیوض الٰہیہ کہ ایک فیض دوسرے تمام فیوض کے ساتھ جمع ہوسکتا ہے گو بظاہر اُنمین تقابل بھی معلوم ہو جیسے خوف ورجا وانس وہیبت کہ محل مین دونون معاً متحقق ہوتے ہین کما لا یخفی علی صاحب المواجید اسی طرح ثمرات اعمال مثلاً نعمائے جنت کہ ہر نعمت دوسری تمام نعم کے ساتھ جمع ہوسکتی ہے تو اُس عالم کی ان اجزا سے ترکیب بھی ہے اور ان اجزا مین تباین فی الصدق بھی ہے مگر تباین فی التحقق نہین اسی لیے عالم صلح یکرنگ کہا کہ تضاد بالمعنی المذکور اُسمین نہین اور اس تقریر سے اُسکا عالم صلح ہونا تو اظہر ہوگیا باقی عالم یکرنگ کی توجیہ یہ ہے کہ رنگ بمعنی طرز وروش بھی آتا ہے کذا فی الغیاث عدم تضاد کے لیے ہم روش ہونا لازم ہے آگے بھی اس عدم تضاد کو فرماتے ہین کہ) یہ تفانی (یعنی ایک سے دوسرا فنا ہوجاوے) ایک ضد سے دوسری ضد کو ہوتی ہے جب (وہان اس معنی کر)

ضد نہین تو بجز بقا کے اور کچھ نہ ہوگا یہ لزوم عقلی نہین اسلیے کہ عقلاً ممکن ہے کہ باوجود اس تضاد نہ ہونے کے سب اجزا علت فنا سے فنا ہو جاوین کیونکہ وہ اجزا واجب تو ہین ہی نہین بلکہ ایک قسم کا لزوم عادی ہے کہ جو طریق فنا کا عناصر مین متاد ہے کہ ایک سے دوسرا تزاحم کرتا ہے چونکہ یہ فنا یہان نہین ہے اسلیے اسکا مقابل جو بقا ہے وہ عادۃً گویا لازم ہوگیا آگے تائید ہے اس عالم کے غیر مرکب من الاضداد ہونے کی یعنی) خداے بے نظیر نے بہشت سے (کہ اُس عالم کے کائنات سے ہے) ضد کی نفی اس طرح فرمائی ہے کہ (وہان) نہ شمس کی (حرارت) ہے اور نہ اُسکی ضد زمہریر (سردی) ہے اس سے یہ نہ سمجھا جاوے کہ نفی تضاد موقوف ہے ضدین کی نفی پر کیونکہ اگر ایک ضد ہوا اور دوسری نہ ہو تب بھی یہ حکم صادق ہے بلکہ ایک صورت اس نفی کی یہ بھی ہے کہ ضدین مین سے ایک بھی نہ ہو خلاصہ یہ کہ قرآن مجید سے بھی اسکی تائید ہوئی کہ وہ عالم مرکب من الاضداد نہین **ف** ان اشعار سے اوپر کے اشعار کی تمہید مین جو اقسام اختلاف کے بیان کیے گئے ہین اُن مین ایک قسم اختلاف اختلاف تکوینی غیر اختیاری ہے جسکی ایک قسم اختلاف مع التزاحم ہے جیسا عناصر و عنصریات مین جسکا اوپر کے اشعار مین ذکر ہے اور ایک قسم اختلاف بمعنی مطلق ترکیب و تغایر ہے بلا تزاحم اشعار مقام مین اُسکا ذکر ہے گو تبعاً ہے کیونکہ مقصود تو ترغیب ہے اُس عالم سے تعلق حاصل ہونے کے اسباب کی کہ اصلاح احوال ہے اور یہ دونون قسمین اختلاف تکوینی کی بعنوان کلی اوپر اس شعر مین مذکور ہو چکی ہین این جہان کل ست الخ

ہست بیرنگی اصول رنگ ہا

بے رنگی رنگون کی اصل ہے

صلحہا باشد اصول جنگ ہا

صلحین اصول ہین جنگ کی

آن جہان ست اصل این پرغم وثاق

وہ عالم اس وثاق پُر غم کی اصل ہے

وصل باشد اصل ہر ہجر و فراق

وصل اصل ہے ہر ہجر و فراق کی

این تخالف از چہ آید وز کجا

یہ تخالف کس چیز سے اور کہان سے آتا ہے

وز چہ زاید وحدت این اضداد را

اور یہ وحدت ان اضداد مین کہان سے پیدا ہوتی ہے

زانکہ ما فرعیم و چار اضداد اصل

اس سبب سے ہے کہ ہم فرع ہین اور چار اضداد اصل ہین

خوے خود در فرع کرد ایجاد اصل

اپنی خاصیت فرع مین اصل نے پیدا کر دی ہے

خوے او این نیست خوے کبریاست	گوہر جان چون ورای فصلہاست
اُسکی یہ خاصیت نہین حضرت کبریا کا خلق ہے	جوہر روح چونکہ ان اصول سے جُداگانہ ہے

اوپر کے اشعار مین اجزاے عالم دنیا کا اختلاف وزوال قصدًا اور عالم غیب کا ائتلاف وبقا گو وہ بھی اختلاف ہے مگر بعنی تزاحم نہین اُسکا ذکر تبعًا فرمایا تھا آگے اُس عالم کا اصل اور قابل قصد ہونا اور اس عالم کا تابع اور غیر قابل التفات ہونا بیان فرماتے ہین اور یہی مقصود تھا اوپر کے اشعار مین عالم غیب کے ذکر سے پس ارشاد ہے کہ وہ) بیرنگی (کا عالم اس عالم کے) رنگون کی اصل ہے (اُسکو بے رنگ باعتبار لطافت کے کہدیا کیونکہ اکثر لطیف چیز مین رنگ نہین ہوتا اور گو وہان کی بعض اشیا مین رنگ بھی ہو مگر یہ کنایہ لطیف سے ہے بہ نسبت اس عالم کی اشیا سے تو وہان کی اشیا بہرحال الطف ہی ہین اور اسکا قرینہ یہ بھی ہے کہ اوپر کے اس شعر تا مگر زین جنگ آلخ مین اُسکو یک رنگ فرمایا ہے جس سے صاف معلوم ہوا کہ بیرنگ کہنا مجازًا ہے۔ اور اس عالم کا اصل ہونا اس عالم کے لیے اپنے بعض اجزا کے اعتبار سے ہے کیونکہ اُسکے اجزا مین سے ارواح بھی ہین اور ظاہر ہے کہ ارواح متبوع ہین اور اجسام تابع اور یہان اصل و فرع سے یہی مراد ہے دوسرے مصرعہ مین یہی مضمون دوسرے عنوان سے ہے کہ) صلحہا اصول ہین جنگ کی (صلح سے مراد محل صلح یعنی ارواح کہ اُنمین تزاحم نہین ہوتا گو دوسرے معنی کے اعتبار سے اختلاف ہو اور جنگ سے مراد محل جنگ یعنی ابدان دنیویہ کہ اُنمین اسباب متعددہ تزاحم کے پائے جاتے ہین آگے بھی یہی مضمون ہے کہ) وہ عالم اس وثاق (یعنی خانہ پرغم کی اصل ہے (جیسا ابھی بیان ہوا آگے دوسرے مصرعہ کا وہی حاصل ہے جو شعر بالا کے دوسرے مصرعہ کا تھا یعنی) وصل اصل ہے ہر ہجر و فراق کی (یعنی محل وصل بمعنی عدم المنافرۃ کہ ارواح ہین اصل ہین ہر محل فراق بمعنی المنافرۃ کی کہ ابدان دنیویہ ہین اوپر ارواح وابدان کو الفاظ کنایہ سے تعبیر کیا ہے مثلاً صلح و جنگ و وصل و فصل آگے صریح الفاظ سے تعبیر کرکے حکم مذکور کو ثابت کرتے ہین۔ پس بصورت سوال وجواب کہتے ہین کہ یہ تخالف (جو ابدان مین ہے) اور مقتضا اُسکے خواص کا ہے) کس چیز سے اور کہان سے آتا ہے اور یہ حالت (و اتفاق جو) ان اضداد (یعنی ابدان) مین (عارضی طور پر چندے حاصل ہے یہ) کہان سے پیدا ہوتی ہے (آگے جواب ہے کہ یہ تخالف مذکور تو) اس سبب سے ہے کہ ہم (عنصریات) فرع ہین اور چار اضداد (یعنی عناصر ہماری (یعنی ہمارے ابدان کی) اصل ہین (اسلیے اپنی خاصیت فرع مین اصل نے پیدا کر دی ہے (یہ اسناد مجازی ہے اور یہ اتفاق مذکور اس سبب سے ہے کہ) جوہر روح چونکہ ان اصول (مذکورہ یعنی عناصر متضادہ) سے (خاصیت مین) جُداگانہ ہے (اسلیے) اُسکی یہ خاصیت نہین (کہ اُسمین مادہ اختلاف کا ہو بلکہ اُسمین) حضرت کبریا کا خلق ہے (اور اگر نسخہ فصلہا ہو تو اس سے بھی مراد عناصر ہین بوجہ اسکے کہ اُنکے خواص مین تفاصل وتضاد ہے یعنی جس طرح حق تعالیٰ کو کسی سے تزاحم نہین اسی طرح روح کو کہ اُسکا مظہر اتم ہے کسی سے

تزاحم نہین پس اسکا اثر من وجہٍ ابدان مین بھی آیا اسلیے من وجہٍ اُنمین ائتلاف بھی ہے باقی اصل مقتضا اُنکا بوجہ ترکیب من الاضداد کے تضاد ہے پس جب باوجود اِسکے کہ ابدان مین ایک مقتضی تضاد کا موجود ہے پھر بھی روح کے اثر سے اُنمین ایک گونہ ائتلاف کی شان ہے تو خود روح مین یہ خاصیت کس درجہ کی ہوگی۔ پس معلوم ہوا کہ تضاد و تخالف ہم مین عناصر سے آیا اور اتحاد روح سے اور روح اصل ہے اور عناصر وابدان عنصریہ تابع پس وہ عالم اصل ہوا اور یہ عالم تابع اور یہی مطلوب تھا **ف** ان اشعار کا مضمون اُس شعر بالا کے متقارب ہے جنگ فعلی ہست الخ اُسمین تقابل اسما کو سبب اختلافات کا کہا تھا یہان ارواح کو سبب اور اصل مخلفات کا کہا پھر ارواح مین خوے کبر یا ثابت کرنے سے لازم آگیا کہ اصل متبوع و منشا حضرت حق ہے باقی یہ کہ وہان اسما کے لیے اختلاف اور یہان ارواح کے لیے ایتلاف کا حکم کرنا یہ مختلف حیثیات سے ہے اختلاف بمعنی تعدد دونون جگہ ہے اور ایتلاف بمعنی عدم تزاحم بھی دونون جگہ ہر جگہ کے مضمون کے مناسب عنوان اختیار کیا وہان اختلاف کا سبب بتلانا تھا اور یہان اختلاف مٹا کر عالم غیب کی طرف متوجہ کرنا۔

جنگہا بین کان اصولِ صلحہاست
ایسی جنگون کو دیکھو جو کہ صلحون کے اصول ہین

چون نبی کہ جنگ او بہرِ خداست
جیسے پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم کہ آپ کی جنگ خدا کے لیے تھی

طرفہ آن جنگے کہ رکن صلحہاست
وہ جنگ عجیب ہے، جو صلحون کا رکن ہو

شاد او کاین جنگ او بہر خداست
وہ شخص شاد ہے جسکی یہ جنگ خدا کے لیے ہے

غالب ست و چیر در ہر دو جہان
یہ شخص دونون جہان مین غالب ہے

شرح این غالب نگنجد در دہان
اِس غالب کی شرح دہان سے نہین ہو سکتی

آبِ جیحون را اگر نتوان کشید
آبِ جیحون کو اگر کوئی بسبب کھینچ سکے

ہم ز قدرِ تشنگی نتوان برید
تو مقدار تشنگی سے تو قطع تعلق نہ کرے

گر شدی عطشانِ بحرِ معنوی
پس اگر تو بحر معنوی کا پیاسا ہے

فرجۂ کن در جزیرۂ مثنوی
تو جزیرۂ مثنوی مین سیر کر

فرجہ کن چندانکہ اندر ہر نفس
اتنی سیر کرو کہ ہر ساعت مین

مثنوی را معنوی بینی و بس
مثنوی کو تم بس معنوی دیکھنے لگو

اور پر ارواح سے نفی تزاحم وتنازع کی گئی ہے اس سے شاید کسی کو شبہہ ہو جاوے کہ ہم تو اُن حضرات کو
بھی جن پر احکام ارواح کے غالب ہیں دیکھتے ہیں کہ دوسرے بعض لوگوں سے تنافر رکھتے ہیں سو ہر چند
کہ اسکا جواب تحقیق مقام یہ ظاہر ہے کہ جس تزاحم کی بیان نفی ہے وہ لازم نہیں آیا یعنی جسکا اوپر بیان
ہوا کہ ایک کا وجود دوسرے کو رفع کرے جیسے آب و آتش لیکن سوال میں تنزلاً تزاحم کو عام مانکر جواب
دیتے ہیں کہ اِن جنگوں کو سرسری نظر سے نہ دیکھو جس سے شبہہ پیدا ہو بلکہ ذرا غور کر کے) ایسی جنگوں کو
دیکھو جو کہ صلحوں کے اصول ہیں (تو وہ صلح سے بھی افضل وانفع ہیں گو ظاہر میں جنگ ہیں) جیسے پیغمبر صلی اللہ
علیہ وسلم کہ آپ کی جنگ خدا کے لیے تھی (یعنی باذن ورضائے حق تھی اور حق تعالیٰ کے احکام مشتمل ہیں حکمت پر
تو جس مقام پر جنگ کا حکم دیا وہاں جنگ انفع ہو گی اور صلح مضر ہو گی یہ دلیل ہے انفع ہونے کی اور اُس انفع
ہونے کا اثر یہ ہے کہ وہ اصل ہو گی صلح کی کیونکہ اہل فساد کی قوت گھٹے گی تو امن وامان ہو گا اور نیز خوف
سے بہت سے دواعی رذیلہ اپنے افعال سے معطل رہیں گے اسلیے بھی فساد نہ ہو گا اور مساکین سے بھی
موافقت کے ساتھ رہیں گے اس طرح وہ اصل ہوئی صلح کی اور یہ گویا عود ہے طرف مضمون ان اشعار بالا کے
ذرّہ کان محو شد در آفتاب الخ جن میں بیان ہے اختلاف محمود اختیاری کا۔ اُن اشعار میں اسکو باعتبار
حقیقت کے اختلاف مان لیا اور یہاں باعتبار اثر وحکم کے کہ سبب صلح کا ہے اسکو مثل ائتلاف قرار دیا آگے
بھی یہی مضمون ہے کہ) وہ جنگ عجیب ہے جو صلحوں کا رکن (اور بنیٰ) ہو وہ شخص شاہ ہے جسکی یہ جنگ خدا کے لیے
ہے (اور) یہ شخص دونوں جہان میں غالب ہے (کَمَا قَالَ اللّٰہُ تَعَالیٰ اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا
وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَیَوْمَ یَقُوْمُ الْاَشْہَادُ۔ چنانچہ آخرت میں تو ظاہر ہے
کہ ظاہراً بھی غالب ہے کہ وہ مقبول وناجی ہے اور مخالف اُسکا مخذول وناری ہو اور دنیا میں بھی اکثر تو ظاہراً
بھی غالب ہوتا ہے جب کوئی عارض نہ ہو اور عروض عارض کے وقت گو ظاہراً غالب نہ ہو مگر باطناً غالب ہے
یعنی چونکہ اُسکو تعلق مع اللہ حاصل ہے اسلیے اُسکے باطن میں قوت ایسی ہے کہ لَا یَخْشَوْنَ اَحَدًا اِلَّا اللّٰہَ
کَمَا قِیْلَ ؎ موحد چہ برپائے ریزی زرش ٭ چہ فولاد ہندی نہی بر سرش ٭ امید وہراسش نباشد زکس
ہمیں ست بنیاد توحید وبس ٭ اور یہی قوت قلب اصل ہے غلبہ کی گو ظہور اُسکا بعد میں ہو اور اصل اس قوت کی
معیت مع اللہ ہے۔ پس حقیقت غلبہ کی یہ معیت ہوئی اور چونکہ معیت امر حالی وذوقی ہے الفاظ اُسکے تعبیر
کے لیے کافی نہیں اسلیے فرماتے ہیں کہ) اِس غالب کی شرح دہان سے (یعنی الفاظ سے) نہیں ہو سکتی (کَمَا
مَرَّ فِیْ جَعْفَرٍ) اِن اشعار میں جیسا اشارہ ہے مضمون اشعار ذرّہ کان محو شد الخ کی طرف اسی طرح بالکل
شروع کے اشعار کے مضمون کی طرف بھی اشارہ ہے نوح نہصد سال الخ جہاں بیان کیا تھا کہ منکر کے انکار سے
محق کو سکوت نہ چاہیے یہاں دوسرے عنوان سے یہ مضمون ہے کہ گو یہ اختلاف ہے مگر مذموم نہیں جیسا
اہل باطل کا اختلاف مذموم ہے بلکہ یہ محمود ہے اور اتفاق مطلوب کی اصل ہے اِسلیے بیان اسرار وحقائق سے

عود مضمون ابتدائی دفتر

باز رہنے کی کوئی وجہ نہیں اور یہی مضمون داعی تھا مثنوی دفتر ششم کے تحریر کا بس اس طرح یہ عود ہو گیا
مضمون ابتدائی کی طرف کہ مثنوی لکھنا چاہیے اوپر فرمایا تھا کہ معیت کا احاطہ بیان میں نہیں ہو سکتا آگے فرماتے
ہیں کہ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ بالکل ہی سکوت کیا جاوے کیونکہ آب جیحون کو اگر کوئی سب نہ کھینچ سکے تو
مقدار تشنگی سے تو قطع تعلق نہ کرے پس اگر تو بحر معنوی کا پیاسا ہے تو جزیرۂ مثنوی میں سیر کر (کہ وہاں وہ بحر ملیگا
جزیرہ سے مراد الفاظ اور بحر سے مراد معنی یعنی الفاظ کا مطالعہ اور اُسمیں تدبر کرو کہ مراد سیر سے یہی ہے تمکو معانی
منکشف ہوں گے اور اُس جزیرہ کی) اتنی سیر کرو کہ ہر ساعت میں مثنوی کو تم بس معنوی دیکھنے لگو (یعنی اُسکے
الفاظ کی طرف التفات نہ رہے معانی ہی معانی مستحضر رہنے لگیں یہ بات غایت مراقبہ سے ہو سکتی ہے یعنی
مثنوی میں اسرار معیت لکھتا ہوں تم خوب غور کرو اور یہی اسرار معیت مراد ہیں شروع دفتر ہذا کے اس شعر میں
رازہاے گفتنی گفتہ شود - کیونکہ مثنوی میں جیسا کہ تدبر سے معلوم ہوتا ہے زیادہ مقصود بیان کرنا مباحث
معیت الٰہیہ کا ہے - پس بحمداللہ سلسلۂ طویلہ کے بعد ان اشعار کا اتصال شروع دفتر کے مضمون سے ہو گیا -
اور آیندہ اشعار میں بھی مسوق لہ الکلام ہی بیان معیت ہے چنانچہ سرخی آیندہ مذکور عنقریب سوال سائل الخ
کے سیاق وسباق میں اسی مضمون کی تصریح ہے اور دوسرے مضامین استطراداً مذکور ہیں -

بادکہ راز آبِ جُو چون واکند — **آب یکرنگی خود پیدا کند**
ہوا جب گھاس کو آبِ جو سے جدا کرتی ہے — پانی اپنی یکرنگی کو ظاہر کرتا ہے

شاخہاے تازۂ مرجان ببین — **میوہ ہاے رستہ ز آبِ جان ببین**
مرجان کی تازہ شاخیں دیکھ لو — ایسے میوے بھی دیکھ لو جو آبِ جان سے پیدا ہوئے ہیں

چون ز حرف و صوت و دم یکتا شود — **آن ہمہ بگذارد و دریا شود**
جب حرف اور صوت اور کلام سے یکتا ہو جاوے — تو ان سب کو چھوڑ کر دریا رہ جاوے

لہ لفظ کہ مخفف کاہ است ۱۲ م

(اوپر اسکا بیان تھا کہ مثنوی میں اور مقصود یہ ہے کہ کلام حق میں اتنا غور کرو کہ الفاظ کی طرف التفات نہ رہے
اور معانی ہی معانی رہ جاویں ان اشعار میں اسکی مثال ہے کہ) ہوا جب گھاس کو (جو کہ پانی پر پھیلی ہوئی ہو) آبِ جو
سے جدا کرتی ہے (اُسوقت) پانی اپنی یکرنگی (یعنی بساطت) کو ظاہر کرتا ہے (اور پانی کی بساطت اور گھاس کی
ترکیب ظاہر ہے اسی طرح الفاظ مشابہ کاہ کے ہیں مرئی و ساتر معانی ہونے میں اور مرکب ہونے میں
اور معانی مشابہ پانی کے ہیں مخفی و مستور رہنے میں اور بسیط ہونے میں بھی کیونکہ اول جو مضمون دفعۃً
ذہن میں آتا ہے وہ امر وحدانی و بسیط ہوتا ہے پھر اُسکو ذہن معانی متعددہ مفصلہ کی طرف منحل کر لیتا ہے

اور یہ درجہ تفصیل کا گو مرکب ہوتا ہے مگر الفاظ کی نسبت اسمین بھی ایک گونہ بساطت ہوتی ہے چنانچہ غلام زید مرکب اضافی مین معنی کے درجہ مین تو صرف غلام مقصود ہے اور زید محض قید اور مقصود سے خارج ہے لیکن لفظ کے درجہ مین دونون جزو اس مرکب مین مقصود ہین اور قوت فکر یہ بوجہ اسکے کہ الفاظ مین سے معانی کو ظاہر کرتی ہے مشابہ باد کے ہے بعد تقریر تشبیہ اجزا کے تمثیل مرکب کی تقریر ظاہر ہے۔ آگے ماقبل پر تفریع ہے کہ جب گھاس پانی پر سے ہٹ گئی تو) مرجان کی تازہ شاخین دیکھ لو (جو پانی مین نظر آوینگی اور) ایسے میوے بھی دیکھ لو جو آب جان سے پیدا ہوئے ہین (یعنی وہ میوے بھی پہلے پوشیدہ تھے اب نظر آوینگے۔ ادھر اد شاخہائے مرجان اور میوہ سے انوار و آثار معانی کے ہین جو اُن معانی پر مرتب ہوتے ہین اور اُن کو رستہ از آب جان اسلیے کہا کہ یہ انوار معانی کے اولاً متکلم بکلام حق کی روح پر فائض ہوتے ہین پس وہ روح مشابہ آب کے ہوئی جس سے میوے پیدا ہوتے ہین پس یہ تشبیہ مثل ترکیب لجین الماء کے ہے اسی طرح مثل میوہ کے پانی مین مرجان بھی پیدا ہوتا ہے۔ اسمین اشارہ اس طرف ہے کہ سامع کو الفاظ سے معانی و علوم کی طرف انتقال ہوگا اور معانی و علوم مین خوض کرنے سے وہ احوال و ثمرات حاصل ہونگے جو کہ ان معانی سے اولاً متکلم کے قلب پر وارد ہوتے ہین۔ چنانچہ ظاہر ہے کہ احوال اکثر ثمرات ہین مراقبات کے اور مراقبہ خوض ہوتا ہے کسی معنی اور مضمون مین آگے ماقبل پر دوسری تفریع اور تقویت تشبیہ ہے کہ جس طرح گھاس وغیرہ کے جدا ہونے سے پانی ہی پانی مع مافیہ رہ جاتا ہے اسی طرح یہ مثنوی اور اسی طرح ہر کلام حق) جب حرف اور صوت اور کلام سے یکتا (یعنی جدا) ہو جاوے تو ان سب کو چھوڑ کر (معانی کا) دریا رہ جاوے (تقریر اسکی اوپر گذر چکی۔ دم سے مراد کلام لینا اس محاورہ سے ماخوذ ہے دم زدن سخن گفتن و کلام کردن)

حرف گوی و حرف نوش و حرف ہا

متکلم اور سامع اور کلام

نان دہ و نان ستان و نان پاک

روٹی دینے والا شخص اور روٹی لینے والا اور خود روٹی

لیک معنی شان بود در سہ مقام

لیکن اُنکی روح تین مقام مین رہتی ہے

خاک شد صورت و لے معنی نشد

صورت تو خاک ہو گئی لیکن معنی نہین ہوئے

ہر سہ جان گردند اندر انتہا

یہ تینون اخیر مین روح ہی رہ جاوینگے

سادہ گردند از صُوَر گردند خاک

صورت سے سادہ اور خاک ہو جاوینگے

در مراتب ہم ممیز ہم مدام

اپنے اپنے مراتب مین ایک دوسرے سے ممتاز بھی و دائمی بھی

ہر کہ گوید شد تو گویش نے نشد

جو کوئی کہے کہ خاک ہو گئے تو تم اُسکو کہو کہ نہین وہ نہین ہوئے

در جهانِ روح هر سه منتظر
عالم ارواح مین تینون منتظر ہین

گه ز صورت هارب و گه مستقر
کبھی صورت سے نفور اور کبھی مستقر

امر آید در صور رو در رود
حکم آجاتا ہے کہ صورتون مین جاتو اُسکے اندر چلی جاتی ہے

باز هم زامرش مجرد میشود
پھر اُسی کے حکم سے علٰحدہ بھی ہو جاتی ہے

پس له الخلق وله الامرش بدان
تو اُسکا لَهُ الخَلقُ وَلَهُ الاَمرُ معلوم کرلو

خلق صورت امر جان راکب بر آن
خلق صورت امر روح جو اُس پر راکب ہے

راکب و مرکوب در فرمانِ شاه
راکب و مرکوب بادشاہ کے حکم مین ہین

جسم بر درگاه و جان در بارگاه
جسم تو درگاہ کے اوپر اور روح بارگاہ کے اندر

چونکه خواهد کاب آید در سبو
جب بادشاہ کو منظور ہوتا ہے کہ پانی گھڑے کے اندر آجاوے

شاه گوید جیش جان را که رکوا
تو وہ بادشاہ لشکر روح کو حکم دیتا ہے کہ سوار ہو جاؤ

باز جان ها را چو خواند بر علو
پھر جب روح کو عالم علوی مین بلانا چاہتا ہے

بانگ آید از نقیبان کانزلوا
تو نقیبانِ شاہی سے آواز آتی ہے کہ اُتر آؤ

بعد ازین باریک خواهد شد سخن
اور اسکے بعد کلام دقیق ہو جاوے گا

کم کن آتش هیزمش افزون مکن
تو آگ کو کم کر دو اُسکا سوختہ زیادہ مت کرو

تا نجوشد دیگهای خرد زود
تاکہ چھوٹی دیگین جلدی سے اوبل نہ پڑین

دیگ ادراکات خرد است و فرود
ادراکات کی دیگ چھوٹی اور کم درجہ کی ہین

(جس مضمون کی اوپر مثال تھی ان اشعار مین بادکہ را الخ اُسی کی طرف بیان عود آور اُسکی دوسری تمثیل ہے (یعنی) متکلم اور سامع اور کلام یہ تینون اخیر مین روح ہی (کے درجہ مین) رہ جاوینگے (یعنی جب ان کے صور و ابدان فنا ہوجاوینگے تو روح رہ جاوے گی اور متکلم و سامع کے لیے تو اس حکم کا ثبوت ظاہر ہے کہ وہ

بدن اور روح رکھتے ہین باقی کلام کے لیے اسکا ثبوت سو بواسطہ ہے کیونکہ کلام بوجہ قیام بالمادہ کے مادی ہے اور صفت بدن کی ہے اور معنی بوجہ قیام بالروح المجرد کے مجرد اور صفت روح کی ہے پس اسطرح اینین بھی دو مرتبے نکلے بدن کے فنا ہونیسے الفاظ فنا ہوجاوینگے اور معنی روح کے ساتھ باقی رہ جاوینگے یہ تو عود ہوا آگے تمثیل ہے کہ جسطرح) روٹی دینے والا شخص اور روٹی لینے والا اور خود روٹی (اپنی اپنی) صورت (مادیہ) سے سادہ (اور خالی) اور خاک ہوجاوینگے (روٹی کا خاک ہونا اسطرح ہے کہ کھائے جانیکے بعد کچھ فضلہ ہوکر دفع ہوجاتا ہے وہ بھی خاک ہوجاتا ہے اور کچھ جزو بدن بنتا ہے اور وہ بدن بھی خاک ہوجاتا ہے) لیکن اُن (تینون) کی روح تین مقام مین رہتی ہے اپنے اپنے مراتب مین ایک دوسرے سے ممتاز بھی اور دائمی بھی (نان دہندہ اور نان ستانندہ کی روح کا رہنا تو ظاہر ہے اور نان کی روح کا رہنا اِس کشف کی بنا پر ہے کہ ہر شے مین اُسکے مناسب روح اور شعور ہے جس سے وہ صانع کی معرفت اور تسبیح کرتی ہے پس روٹی مین یا تو بنظر اُسکی اصل کے کہ نبات ہے روح نباتی ہے یا بنظر خود اُسکی حالت موجودہ کے روح جمادی ہے اور ان تینون کو جو تین مقام مین کہا سو روح نان کا ارواح انسانیہ کے مقام مین نہ ہونا تو ظاہر ہے لیکن نان دہندہ و نان ستان کی کہ دونون انسان ہین روحون کو جدا جدا مقام مین کہنا اِس معنی کر ہے کہ دونون کا تشخص علیحدہ ہے اور حیز بھی علیحدہ گو دونون حیز ایک ہی عالم کے جزو ہون اور جو مرتبہ روح مین تجرد کا ہے اُسکے اعتبار سے مقام سے مراد ما بہ التعین ہوگا جیساکہ مصرعۂ ثانیہ مین متمیز فی المراتب کا مفہوم اسکو بھی شامل ہے اور دائمی کہنا ان ارواح بمعنی بقاء طویل ہے بمقابلہ ابدان کے گو وہ بھی ایک وقت مین فنا ہوجاوین جیسا کُلُّ شَیْءٍ ھَالِكٌ سے ظاہراً معلوم ہوتا ہے اگرچہ ایک ہی لمحہ کے لیے سہی آگے بھی شعر بالاہی کا مضمون ہے کہ) صورت (ظاہری) تو خاک ہوگئی لیکن معنے (خاک) نہین ہوئے (اور) جو کوئی کہے کہ (وہ بھی) خاک ہوگئے تو تم اُسکو کہو کہ نہین وہ (خاک) نہین ہوئے (بلکہ) عالم ارواح مین تینون (روحین مذکورہ امر الٰہی کی) منتظر ہین کبھی صورت سے نفور (ہوتی ہین) اور کبھی (صورت کے ساتھ) مستقر (اور متلبس ہوتی ہین آگے اُسکی تفصیل ہے کہ اگر) حکم آجاتا ہے کہ صورتون مین جا تو اُسکے اندر چلی جاتی ہے پھر اُسی کے حکم سے علیحدہ بھی ہوجاتی ہے (جب یہ بات ہے) تو اُسکا (یعنی حق تعالیٰ کا ارشاد) لَهُ الْخَلْقُ وَالْأَمْرُ معلوم کرلو (جسکی تفسیر یہ ہے کہ) خلق (سے مراد) صورت (وجسم اور) امر (سے مراد) روح جو اُس (بدن) پر راکب ہے (راکب باعتبار تصرف وتلبس کے کہا ہے) راکب ومرکوب (دونون) بادشاہ (حقیقی) کے حکم مین ہین جسم تو درگاہ کے اوپر اور روح بارگاہ کے اندر (یہ باہر اور اندر کا فرق اِسلیے کہا کہ روح بوجہ غیر مادی یا لطیف المادہ ہونیکے بہ نسبت بدن کثیف المادہ کے حق تعالیٰ کے ساتھ زیادہ مناسبت رکھتی ہے اس تفاوت کو قرب وبعد سے تعبیر فرمایا) جب بادشاہ کو منظور ہوتا ہے کہ پانی گھڑے کے اندر آجاوے (یہ مثال ہے روح کی بدن کے اندر جانے کی۔ وجہ تمثیل روح کا مثل پانی کے مقصود ہونا اور بدن کا مثل سبو کے تابع وغیر مقصود ہونا) تو وہ بادشاہ لشکر روح کو حکم

دیتاہے کہ (بدن پر) سوار ہوجاؤ پھر جب روح کو عالم علوی مین بلانا چاہتاہے تو نقیبان شاہی سے آواز آتی ہے (روح کو) کہ (اس مرکب سے) اُتر آؤ (یعنی تعلق بالبدن کو چھوڑ دو اسکا یہ مطلب نہین کہ اس عالم مین ایک ایک روح کے لیے یہ رکوب ونزول ہمیشہ ہوا کرتاہے یہ تو بوجہ بطلان تناسخ کے باطل ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ بیان ہر روح کو ایک بار رکوب کا حکم ہوتاہے اور ایک بار نزول کا پس یہ فرماناکہ درجہان روح ہر سہ منتظر الخ یہ انتظار ابتداے خلق روح سے ہے نہ کہ بعد مفارقت ابدان کے جیساکہ اوپر کے ظاہر مضمون سے وہم ہوسکتاہے خوب سمجھ لینا) اور اسکے بعد کلام دقیق ہوجاوے گا (اسلیے اسکے متعلق زیادہ مضمون نہین لکھا یعنی یہ امر کہ بعد مفارقت ابدان کے پھر روحین کس حالت مین ہوتی ہین اسکو اسلیے نہین لکھا کہ اُسکا پورے طور سے سمجھنا موقوف ہے کشف تام یامشاہدۂ آخرت پر اور بدون اِسکے سمجھنے مین غلطی محتمل ہے اور بقدر ضرورت سمجھنا ممکن ہے اور اُسقدر شریعت نے سمجھا دیاہے۔ پس اُسکی ضرورت نہ رہی خصوص اس مقام مین جو مقصود ہے یعنی مضمون بالا کی تمثیل وہ تو احکام ارواح کے بیان پر اصلا موقوف نہین غرض یہ کہ جب یہ دقیق مضمون ہے) تو آگ کو کم کردو اور اُسکا سوختہ زیادہ مت کرو تاکہ چھوٹی دیگین جلدی سے اُبل نہ پڑین (مراد یہ ہے کہ) ادراکات (عقلیہ) کی دیگ چھوٹی اور کم درجہ کی ہین (زیادہ آگ جلانیسے اُسکے مظروف کو زیادہ جوش ہونے لگے گا۔ دیگ سے جو مراد ہے وہ تو خود شعر ہی مین مذکور ہے اور آتش سے مراد کلام اور ہیزم سے مراد اُسکی تطویل کلام کو آتش سے تشبیہ باعتبار تہییج قوی فکریہ کے دی۔ مطلب یہ کہ کلام کو مفصل کرنے سے چونکہ بوجہ تنگی فہم سمجھ مین نہ آویگا اہل عقل کو جوش آوے گا اور جوش مین آکر اعتراض ومخالفت کرینگے اور کوئی ضرورت اُسپر موقوف نہین اسلیے سکوت ہی قریب الی السکون ہے

ف خلق وامر کی جو تفسیر اشعار مذکورہ مین کی گئی ہے یہ بعض کا قول ہے۔ باقی جو مضمون اس مقام پر مذکور ہے وہ دوسرے دلائل سے ثابت ہے اس تفسیر پر موقوف نہین اسلیے دوسری تفسیر جو اقرب ہے اختیار کرنا ارجح ہے وہ یہ کہ خلق سے مراد پیدا کرنا اور امر سے مراد حکم کرنا یعنی خالق بھی وہی ہین اور آمر وحاکم بھی وہی۔ یہ اقرب اس لیے ہے کہ اسکے قبل ارشاد ہے کہ اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ اسمین خالق ہونیکا ذکر ہے اسکے بعد ہے ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ یُغْشِی الَّیْلَ النَّهَارَ یَطْلُبُهٗ حَثِیْثًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمَ مُسَخَّرٰتٍۭ بِاَمْرِهٖ اسمین بذکر تصرفات وتصریح لفظ بِاَمْرِهٖ آمر ہونے کا بیان ہے۔

پاک سبحانے کہ سیبستان کند	**در غمامِ حرف شان پنہان کند**
کیا پاک ذات ہے کہ سیب کا باغ تیار کرتاہے	اور ابر حروف مین اُن کو پنہان کرتا ہے
زین غمامِ بانگ وحرف وگفتگو	**پردۂ کز سیب ناید غیر بو**
اس ابر صوت ولفظ وکلام سے	ایسا پردہ واقع ہو کہ سیب سے بجز خوشبو کے اور کوئی چیز نہین آتی

باری افزون کش تو این بو را بهوش
البتہ اس خوشبو کو تم ہوش کے ساتھ کھینچو

تا سوی اصلت برد بگرفته گوش
تاکہ کان پکڑ کر تم کو اصل تک لیجاوے

بو نگه دار و بپرهیز از زکام
خوشبو کو محفوظ رکھو اور زکام سے بچو

تن بپوش از باد و بود سرد عام
تم عوام کی سرد ہوا اور ہستی سے بدن کو چھپائے رکھو

تا نیندايد مشامت را ز اثر
تاکہ اثر سے تمھارا مشام پُر نہ ہو جاوے

ای هواشان از زمستان سرد تر
اے مخاطب انکی ہوا زمستان سے بھی سرد تر ہے

چون جمادند و فسرده تن شگرف
یہ لوگ مثل جماد کے ہیں اور افسردہ ہیں اور بدن اچھا ہے

می جهد انفاسشان از تل برف
ان کی سانس تودۂ برف سے نکل رہے ہیں

چون زمین زین برف در پوشد کفن
جب زمین اس برف کا کفن پہن لے

تیغ خورشید حسام الدین بزن
تو تم خورشید حسام الدین کی تلوار مارو

هین بر آر از شرق سیف الله را
ہاں مشرق سے سیف اللہ کو نکالو

گرم کن زان شرق این درگاه را
اُس آفتاب سے اس درگاہ کو گرم کرو

برف را خنجر زند آن آفتاب
برف پر وہ آفتاب خنجر لگا دے

سیلها ریزد ز کهها بر تراب
پہاڑوں پر سے خاک پر بہت سی سیلیں جاری کرے

زانکه لا شرقی و لا غربی ست او
اسلیے کہ وہ نہ شرقی ہے اور نہ غربی ہے

با منجم روز و شب حربی ست او
نجومی کی ساتھ روز و شب مشغول حرب ہے

که چرا جز من نجوم بی هُدیٰ
کہ کیا سبب کہ مجھکو چھوڑ کر تونے ستارگان غیر ہادی کو

قبله کردی از لئیمی و عمی
لئیمی اور کوری سے قبلہ بنایا ہے

تا خوشت ناید مقال آن امین ۔ در بنی کہ لا اُحِبُّ الآفِلین

اسکا یہ اثر ہوا کہ تجھکو اُس امین کا مقولہ جو قرآن مجید مین مذکور ہے لَآ اُحِبُّ الآفِلِیۡنَ یہ خوش معلوم نہ ہوگا

از قزح در پیش مہ بستی کمر ۔ زان ہمی رنجی ز وانْشَقَّ الْقَمَرُ

تونے چاند کے سامنے قوس قزح کا پٹکا باندھا ہے ۔ اِسلیے تو وَانْشَقَّ الْقَمَرُ سے رنجیدہ ہے

منکری این را کہ شمس کُوِّرَت ۔ شمس پیشِ تست اعلیٰ مرتبت

تو اسکا بھی منکر ہے کہ آفتاب بے نور ہو جاوے گا ۔ آفتاب تیرے نزدیک بڑا عالی مرتبہ ہے

از ستارہ دیدہ تصریفِ ہوا ۔ تا خوشت آید اِذَا النَّجْمُ ھَوٰی

تو تو ہوا کا بدلنا ستارون سے جانے ہوے ہے ۔ اِسلیے تجکو اِذَا النَّجْمُ ھَوٰی ناخوش معلوم ہوگا

تشرق فی القاموس الشمس وحیث تشرق الشمس ۔ در مصرعۂ اول معنی ثانی و در ثانی معنی اول مرادست ۔ اوپر اشعار گرشدی عطشان الی قولہ چون ز حرف و صوت الابیات مین معانی کا الفاظ مین مستور ہونا اور الفاظ مین غور کرکے معانی تک پہونچنے کا ارشاد تھا یہان اُسی مضمون کی طرف عود ہے پس فرماتے ہین کہ) کیا پاک ذات ہے کہ سیب کا باغ تیار کرتا ہے اور ابر حروف مین اُن (سیبون) کو پنہان کرتا ہے (معانی و اسرار کو سیبستان سے تشبیہ دی اور الفاظ کو اُس ابر غلیظ سے جسکو فرض کرلیا جاوے کہ اتفاق سے کسی باغ سیب کو ایسا محیط ہوگیا کہ باغ کے درخت اور سیب بالکل نظر نہین آتے اسی طرح الفاظ مین معانی اصلا محسوس نہین ہوتے اور ظاہر بھی ہے کہ معانی معقولات سے ہین نہ کہ محسوسات سے پس) اس ابر صوت و لفظ و کلام سے (اُس سیبستان معانی پر) ایسا پردہ واقع ہے کہ (اُس) سیب سے بجز خوشبو کے اور کوئی چیز نہین آتی (دیدہ مین رابط یعنی ست محذوف ہے یہان خوشبو سے مراد مدلول اولی لغوی الفاظ کا جسکی طرف ذہن منتقل ہونے کے لیے صرف معرفت لغات والتفات کافی ہے کیونکہ اگر التفات نہ ہو گو لغت کی معرفت ہو تب بھی وہ ذہن مین نہ آوے گا اور وہ دال ہے معنی مقصود پر جسکی طرف ذہن منتقل ہونے کے لیے فکر و مراقبہ کی حاجت ہے یعنی جس طرح اگر باغ سیب ابر مین مستور ہو جاوے تو صرف خوشبو سے اُسکا پتہ لگتا ہے اسی طرح معانی مخفیہ تحت الالفاظ کا ترجمہ لغویہ سے کچھ پتہ چلتا ہے جب یہ بات ہے تو) البتہ اس خوشبو کو تم ہوش کے ساتھ کھینچو تاکہ (تمھارا) کان پکڑکر تم کو اصل (مقصود) تک لیجاوے (مطلب یہ کہ مدلول لغوی مین ہوش و فکر کے ساتھ غور کرو تاکہ معنی مقصود تک پہونچ جاؤ اور اُس)

خوشبو کو محفوظ رکھو اور (اُسکی محفوظ رکھنے کے معنی یہ ہین کہ اُسکی قوۃ مدرکہ کو موانع سے محفوظ رکھو تاکہ وہ بھی محفوظ رہے مثلاً) زکام سے بچو (جو قوۃ شامہ کو معطل کر دیتا ہے اسی طرح یہان بھی اپنی قوۃ التفاتیہ کو عطلت کرو جسکی وجہ سے اُدھر توجہ ہوتی ہے اور پھر وہ توجہ سبب ہو جاوے گی حصول المقصود فی الذہن کی اور اُسکو موانع التفات سے بچاؤ اور زکام سے بچنے کا طریق یہ ہے کہ اسباب زکام سے بچے مثلاً بدن کو چھپائے رکھے کہ ہوائے سرد نہ لگے اسی طرح تم (بھی) عوام (یعنی اہل دنیا) کی سرد ہوا اور ہستی سے بدن کو چھپائے رکھو یعنی اُنکی صحبت سے جو کہ قلب مین افسردگی پیدا کرنے مین مثل سرد ہوا کے ہے بچے رہو اور جسطرح ہوائے سرد سے زکام ہو کر قوۃ شامہ باطل ہو جاتی ہے اسی طرح محبان دنیا کی صحبت سے طلب حق سے افسردگی اور طلب دنیا مین انہماک ہونے سے قوۃ التفاتیہ الی المقصود جاتی رہتی ہے کیونکہ ایک ذہن دو طرف متوجہ نہین ہوتا جب دنیا کی طرف التفات ہوگا مقصود کی طرف نہ رہیگا اور وہی اول قدم تھا وصول الی المقصود کا جیسے خوشبو اول دال ہے سیب پر غرض اُن لوگون کی صحبت سے بچو) تاکہ (اُن کے) اثر سے تمہارا مشام (یعنی قوۃ شامہ مادۂ مانعۂ ادراک سے) پُر نہ ہو جاوے۔ اے مخاطب اُنکی ہوا (یعنی صحبت) زمستان سے بھی سرد تر ہے یہ لوگ مثل جمادات کے ہین اور افسردہ ہین۔ اور بدن (دیکھو تو) اچھا خاصہ ہے (کما قال اللہ تعالٰی وَإِذَا رَأَيْتَهُمْ تُعْجِبُكَ أَجْسَامُهُمْ الآیہ اور) انکے سانس گویا تودۂ برف سے نکل رہے ہین (مطلب یہ کہ ان کے کلمات بھی بالکل سرد اور بے اثر ہین چونکہ قلب مین کچھ بھی گرمی طلب و محبت الٰہی کی نہین پس انکی صحبت سے بھی یہی اثر پیدا ہوتا ہے جلبیا اوپر اسکی وجہ بھی بیان کی گئی کہ ان کی صحبت سے دنیا کی طرف ملتفت ہو جاتا ہے اور دو طرف توجہ ہوتی نہین اسلیے مقصود حقیقی اور اُسکے وسائط سے بھی بے التفاتی ہو جاتی ہے حتیٰ کہ واسطہ اولیہ سے کہ التفات ہے طرف مدلول لغوی کلام اہل حق کے نیز بے التفات ہو جاتا ہے آگے اسکا علاج تبلاتے ہین کہ) جب زمین اس برف کا کفن پہن لے (یعنی زمین کثرت برف سے کفن پوش کے مشابہ ہو جاوے وجہ مشابہت سفیدی ہے برف اور کفن کی مطلب یہ کہ تمھاری ہستی جب زمین کی طرف اُس صحبت سرد سے متاثر ہو جاوے) تو تم (اُس پر) خورشید حسام الدین کی تلوار مارو (یعنی خورشید کا جو کہ مشابہ تلوار کے ہے افناء برف مین اُسپر اثر پہونچاؤ مطلب یہ کہ مولانا حسام الدین اور اسی طرح دوسرے کاملین کے فیوض صحبت و کلام سے اُس صحبت سرد کے اثر کو زائل کرو اس خورشید حسام الدین مین مثنوی بھی داخل ہے کیونکہ اسکا سبب وہی ہین تو اسمین مثنوی سے مستفید ہونیکا بھی اشارہ ہے پس اس جزو خاص مین عود ہوا دیر بعض اشعار قریبہ کی طرف گرشدی عطشان بحر معنوی الخ اور بعض اشعار بعیدہ واقعۂ فی ابتداء ہذا الجلد کی طرف جنمین گزش چکا مرت الی قولہ بابیانے کان بود الخ آگے بھی یہی مضمون ہے کہ) ہان (اے مخاطب) مشرق سے سیف اللہ کو نکالو (اس سے مراد وہی ہے جسکو اوپر تیغ خورشید حسام الدین کہا تھا وہان اہل اللہ کی طرف اسکی اضافت تھی یہان اللہ کی طرف اور دونون کا ایک حاصل ہے نکالنے کا مطلب یہ کہ اُسکو کام مین لاؤ اور) اُس

آفتاب سے اس درگاہ کو (یعنی زمین ہستی کو) گرم کرو (کہ گرمی پہونچنے سے اُسکا برف گداختہ ہوکر وہ حرارت طلب و محبت سے متصف ہو چنانچہ اسی کو فرماتے ہین کہ) برف پر وہ آفتاب خنجر لگا دے (یعنی گداختہ کردے اور گداختہ کرنیکے بعد) پہاڑون پر سے خاک پر بہت سی سیلین جاری کرے یا سیلین ہو جاوین (کوہ ہا سے مراد قلوب قاسیہ کالحجارہ کا اُن پر برف یعنی اثر صحبت عوام جا ہوا ہے اور تراب سے مراد زمین ہستی کہ در آثار تقلب اتصال دارد مثل اتصال زمین بہ کوہ ہا اور سیل ریختن سے مراد اثر رسانیدن یا رسیدن از قلب بہ ہستی اور پر گرم کن زان شرق این درگاہ را مین اُس آفتاب کا اثر گرم کردن کہا ہے اور یہان اُسکا اثر سیل ریختن و آب سانیدن کہ بظاہر مستلزم ہے سرد کردن کو فرمایا ہے سو مختلف اعتبارات سے دونون تعبیرین صحیح ہین مقصود تاثر کردن ہے وہان آفتاب کے ایک اثر کو لے لیا یہان دوسرے اثر کو مقصود مشترک ہے یا وہان حرارت طلب کی طرف اشارہ ہے اور یہان اشک ندامت کی طرف اور ان دونون مین تنافی نہین بلکہ تلازم ہے آگے اسکی وجہ تبلاتے ہین کہ ایسا اثر محمود و قوی جو مذکور ہوا اس آفتاب معنوی مین کیون ہے تو فرماتے ہین کہ یہ) اسلیے (ہے) کہ وہ (آفتاب) نہ شرقی ہے اور نہ غربی ہے (اور اسلیے وہ) نجومی کے ساتھ روز و شب مشغول حرب ہے (آگے اُس حرب کا بیان ہے یعنی وہ آفتاب معنوی اُس نجومی سے کہتا ہے) کہ کیا سبب کہ مجھکو چھوڑ کر تو نے ستارگان غیر ہادی کو لئیمی اور کوری سے (اپنا) قبلہ (توجہ) بنایا ہے (آفتاب معنوی یعنی فیوض باطنہ کاملین کو لاشرقی ولاغربی اسلیے کہا کہ وہ فعل ہے روح کا اور روح بوجہ تجرد کے حیز و جہت کے ساتھ مقید نہین اور افعال و صفات مجرد کے بوجہ قیام بالمجرد کے غیر مادی و غیر متحیز ہین بخلاف افعال مادی کے کہ بواسطہ وہ بھی مادی ہین۔ اور مقرر ہے کہ مجردات مین خدا نے تعالی نے قوت و نزاہت زیادہ رکھی ہے اسلیے اُسمین یہ اثر محمود و قوی ہوا جو اوپر مذکور ہے اور با منجم آنچہ مین اُسکے محمود الاثر و قوی الاثر ہونے کی تاکید اور بیان ہے کہ وہ شمس معنوی بدلالت حال نجومی کی جو کہ ظاہری ستارون کو فاعل اور متصرف اعتقاد کر رہا ہے تحمیق کر رہا ہے کہ تو نے ایسے ستارون کی طرف کیون توجہ کی ہے جو کہ ہادی بمعنی مباشر فعل ہدایت نہین ہین چنانچہ ظاہر ہے گو ہادی بمعنی سبب ہدایت ہون عام کے لیے تو بمعنی ہدایت طریق دنیوی کے کما قال اللہ تعالی وَبِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُوْنَ اور خاص کے لیے بمعنی ہدایت طریق دین کے بھی کما قال اللہ تعالی وَسَخَّرَ لَكُمُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمُ مُسَخَّرَاتٌ بِاَمْرِهِ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ۔ لیکن مثل ناطق بحق کے مباشر ہدایت تو نہین اور اسمین اشارہ اسطرف بھی ہو سکتا ہے کہ اے محجوب تو نے علوم وحی کو چھوڑ کر گرفتاران انظار و افکار کو ہادی بنایا ہے اور وہ خود ہی غیر مہتدی ہین آگے تتمہ خطاب ہے شمس معنوی کا نجومی کو کہ تو نے جو ان نجوم کو قبلہ بنایا ہے تو) اس کا اثر یہ ہوا کہ تجکو اُس (نبی) امین (حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام) کا قول جو قرآن مجید مین مذکور ہے لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِيْنَ یہ خوش معلوم نہ ہوگا کیونکہ اسمین ستارون کی تنقیص ہے اور اُن کے

الوہیۃ اور استقلال فی التصرف کی نفی ہے جو اعتقاد منجم کے خلاف ہے اسلیے ظاہر ہے کہ اُسکو پسند نہوگا (مین نے جو کلمۂ و تا کا ترجمہ یہ کیا کہ اسکا اثر یہ ہوا مینی اُسکا یہ ہے کہ اُسکو لام عاقبۃ قرار دیا گیا اور ظاہر ہے کہ جس فعل کا یہ اثر ہو کہ اُس سے نبی صاحب وحی کا قول ناخوش اور غلط معلوم ہو وہ فعل مذموم ہوگا پس یہ توجہ الی الکواکب جس کا یہ اثر تھا مذموم ہوگی آگے بھی بقیہ خطاب ہے شمس کا منجم کو کہ) تو نے چاند کے سامنے قوس قزح کا پٹکا باندھا ہے (یہ کنایہ ہے خدمت سے فارسی مین کمر بستن اسی معنی مین محاورہ ہے یعنی تو چاند کا خادم بنا ہے) اسلیے تو وَانشَقَّ الْقَمَرُ سے رنجیدہ (اور ناخوش) ہے کیونکہ معجزۂ شق القمر سے ضعف قمر کا اور انفعال اُسکا ثابت ہوتا ہے اور منجم فلسفی اُسمین خرق والتیام کو محال مانتا ہے اسواسطے اس معجزہ کا سننا اُسکو ناگوار رہی گا۔ اور قزح چونکہ اُسکی شکل کمان ہوتی ہے اور یہی شکل مقوس پٹکہ کی بھی ہوتی ہے اسلیے پٹکے کو اُس سے تشبیہ دیدی اور چونکہ اسکو نجومی سے مناسبت ہے اسلیے یہ تشبیہ زیادہ بدیع ہوگئی۔ اور ایک نسخہ مین از فرح دیکھا گیا یہ بہت بے تکلف ہے اور مصرعۂ ثانی مین بھی رنجی کا مقابلہ بھی اس نسخہ کا مرجح ہے۔ آگے بھی اُسی کو خطاب ہے کہ) تو اسکا بھی منکر ہے کہ آفتاب (قیامت کے روز) بے نور ہو جاویگا (اور وجہ انکار یہ کہ آفتاب تیرے نزدیک بڑا عالی مرتبہ ہے (اور اس تکویر مین اُسکا دنو اور نقص لازم آتا ہے اسلیے اسکا انکار کرے گا) تو تو ہوا کا بدلنا (مراد فصل کا بدلنا) ستارون سے جانے ہوے ہے (یہ دیدن بمعنی رؤیۃ قلبیۃ ہے) اسلیے تجکو اِذَا النَّجْمُ هَوٰى (کا مضمون) ناخوش معلوم ہوگا (کیونکہ اس سے ستارہ کا منفعل و متاثر ہونا ظاہر ہوتا ہے جو کہ نقص ہے اور یہ اعتقاد منجم کے خلاف ہے باقی نفس غروب نجم کا تو وہ بھی منکر نہین پس یہ ناگواری باعتبار اس دلالت کے ہے اور ہوا سے مراد اگر معنی متبادر لیے جاوین تب یہ توجیہ ہو جاوے گی کہ فلاسفہ طبعیین کہ منجمین بھی اُنکی ایک قسم ہے اسکے قائل ہین کہ کواکب کی حرارت سے ہوا مین تخلخل ہوتا ہے اس سے اُسمین حرکت ہوتی ہے۔ تو تصریف بمعنی تحریک ہوگی۔

خود مؤثر تر نباشد مہ ز نان — اے بسا نانے کہ ببرید عرق جان

چاند یقیناً روٹی سے زیادہ مؤثر نہین ہے — پھر بھی بہت سے افراد روٹی کے رگ جان ہی کے قاطع ہو جاتے ہین

۱۰۶

خود مؤثر تر نباشد زہرہ ز آب — اے بسا آبا کہ کرد او تن خراب

ستارۂ زہرہ یقیناً پانی سے زیادہ مؤثر نہین — پھر بھی بہت سے افراد پانی کے ہین کہ وہ تن کو خراب کر دیتے ہین

مہر آن در جان تست و پند دوست — مینزند بر گوش تو بیرون پوست

ستارون کی محبت تو تیری جان مین گھس ہی ہے اور محبوب کی نصیحت — صرف تیرے کان کو اور اوپر ہی پوست سے باہر رہتی ہے

(اور پر ابطال تھا اعتقاد منجم کا درباب تاثیر کواکب کے یہاں علی سبیل التنزل والتسلیم کلام ہے اور اس کا خطاب بھی اُسی شمس لاشرقی ولاغربی کی طرف سے منجم کو ہے جس کا اس شعر بالا میں ذکر ہے زانکہ لاشرقی ولاغربی ست او + یا منجم روز و شب حربی ست او۔ یعنی اگر فرض بھی کر لیا جاوے کہ کواکب میں کچھ اثر ہے لیکن پھر بھی وہ تاثیر مستقل نہیں تابع مشیت حق کے ہے اسی کی تقریر اس طرح فرماتے ہیں کہ) چاند یقیناً روئی سے زیادہ مؤثر نہیں ہے (کیونکہ روئی کی تاثیر یقینی ہے اور چاند کی تاثیر غیر یقینی اسطرح سے کہ منکرین کے نزدیک تو اُسکی نقیض یعنی عدم تاثیر یقینی ہے اور مدعین کے نزدیک بوجہ عدم دلیل کے محض تخمینی وظنی اور ظاہر ہے کہ یقینی بحیثیت ثبوت کے غیر یقینی سے اقوی ہے۔ ونیز روئی جزو بدن ہوتی ہے اور چاند منفصل ہے اور جزو کا موقوف علیہ للبقا ہونا اظہر ہے بہ نسبت منفصل کے موقوف علیہ ہونے کے کیونکہ جزئیت تو خود اس توقف کی مقتضی ہے اور منفصل کے لیے دلیل مستقل کی حاجت ہے پس روئی کی تاثیر قوی ہوئی چاند کی تاثیر سے مگر) پھر بھی بہت سے افراد روئی کے رگ جان ہی کے قاطع ہو جاتے ہیں (اور اُسکی وہ تاثیر نافع باطل ہو جاتی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کسی دوسرے مؤثر کے تابع ہے اسی طرح کوکب بھی باوجود فرض تاثیر کے دوسرے مؤثر کے تابع ہوگا مستقل نہیں ہوگا پس اعتقاد استقلال باطل ہوا اور یہی تقریر آیندہ شعر کی ہے یعنی) ستارۂ زہرہ یقیناً پانی سے زیادہ مؤثر نہیں پھر بھی بہت سے افراد پانی کے ہیں کہ وہ تن کو خراب (یعنی بیمار و ہلاک) کر دیتے ہیں (اسکی تقریر بھی مثل شعر بالا ہے) مگر اے منجم باوجود اسکے) ستارہ کی محبت تو تیری جان میں گھس رہی ہے اور محبوب (یعنی حق تعالیٰ) کی نصیحت صرف تیرے کان کے اوپر اوپر ہی پوست سے باہر رہتی ہے (یعنی اندر اثر نہیں کرتی اسمیں تحمیق ہے منجم اور ہر مشغول بالغیر کی کہ باطل کی طرف توجہ کرتا ہے اور حق کی طرف التفات نہیں کرتا گویا اسمیں اشارہ ہے مضمون شعر گذشتہ کی طرف چون زمین زین برف الخ جس کا حاصل ترغیب ہے استفادہ کی اہل اللہ سے جو حاکی ہیں قالاً وحالاً پند محبوب کے پس وہاں ترغیب ہے اُس طرف توجہ کرنے کی اور یہاں ملامت ہے اُس طرف توجہ نہ کرنے کی

پندِ ما در تو نہ گیرد اے فلان	**پندِ تو در ما نگیرد ہم بدان**
ہماری نصیحت اے شخص تیرے اندر اثر نہیں کرتی	تیری نصیحت ہمارے اندر اثر نہیں کرتی اسکو بھی جان لے
جز مگر مفتاحِ خاص آید ز دوست	**کہ مقالید السموات آنِ اوست**
مگر بجز اُس حالت کے کہ ایسے دوست کی طرف سے ایک خاص مفتاح آجاوے	کہ جسکی ملک میں تمام آسمانوں کی کنجیاں ہیں
این سخن ہمچون ستارہ است و قمر	**لیک بے فرمانِ حق ندہد اثر**
یہ کلام مثل ستارہ اور قمر کے ہے	لیکن بدون حکم حق کے اثر نہیں پیدا کرتا

این ستارہ بے جہت تاثیرِ او	**می زند بر گوشہائے وحی جو**
یہ جو ستارہ بے جہت ہے یہ ایسے کانوں پر اثر پہونچاتا ہے جو جویائے وحی ہیں	
کہ بیائید از جہت تا بے جہات	**تا نہ در اند شما را گرگِ مات**
کہ تم لوگ جہت سے بے جہت کی طرف آؤ	تاکہ تمکو موت جو کہ مشابہ گرگ کے ہے پھاڑ نہ ڈالے

(اوپر شعر مہرِ آن در جان تست الخ مین اہل باطل پر تشنیع فرمائی ہے حق سے متاثر نہ ہونے پر اب اُسکی علت فرماتے ہین کہ مشیت حق ہے جو متضمن حکمت کو ہے اور مقصود اس سے صرف مسئلہ کی تحقیق ہے نہ کہ بیان عذر اہل باطل کا جیسا قرآن مجید مین جا بجا اسی غرض سے اسی قسم کا مضمون بہت جگہ وارد ہوا ہے مثلاً خَتَمَ اللّٰہُ عَلٰی قُلُوْبِہِمْ اور مَنْ یُّضْلِلِ اللّٰہُ فَمَا لَہٗ مِنْ ھَادٍ اور اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ لَمْ یُرِدِ اللّٰہُ اَنْ یُّطَہِّرَ قُلُوْبَہُمْ وغیر ذلک من الآیات۔ پس فرماتے ہین کہ) ہماری نصیحت اے شخص تیرے اندر اثر نہین کرتی (اس کو اوپر پند دوست کہا تھا یہان پند ما فرمایا پہلی اضافت آمر کی طرف ہے اور دوسری مبلغ کی طرف اور مقصود واحد ہے اور) تیری نصیحت ہمارے اندر اثر نہین کرتی اسکو بھی جان رکھ (اسکو نصیحت مجازاً و مشاکلۃً کہدیا ورنہ وہ تو اضلال ہے۔ اور حضرت مرشدیؒ نے اسکو بند بیائے موحدہ بمعنی فریب فرمایا ہے یعنی تیرا باطل ہم مین اثر نہین کرتا اور یہ نسخہ بہت واضح ہے مقصود اس دوسرے مصرعہ سے ظاہراً تشبیہ بالاوضح ہے مضمون مصرعۂ اول کی یعنی جسطرح تیری بات سے ہم متاثر نہین ہوتے اور یہ عجیب بات نہین کیونکہ غیر واقعی بات مین اثر نہ ہونا یہ تو خود اُسکے غیر واقعی ہونے کا مقتضا ہی ہونا چاہیے اسلیے یہ اوضح ہے اسکے ساتھ تشبیہ دی غیر اوضح کو جو عجیب ہے کیونکہ اُسکی واقعیت مقتضی تھی اُسکے مقبول و مسموع و مؤثر فی المخاطب ہونے کو آگے بعض حالات کا استثنا ہے جسمین اُس علت یعنی مشیت کا بیان ہے جسکو مین نے تمہید مین مقصود مقام کہا ہے یعنی اے اہل باطل تیرے اندر کلام حق کسی حال مین اثر نہین کرتا) مگر بجز اس حالت کے کہ ایسے دوست (یعنی حق سبحانہٗ و تعالیٰ) کی طرف سے ایک خاص مفتاح آجاوے (جس سے تیرے قلب کا قفل کشادہ ہو جاوے جو مانع ہے تأثر سے آگے صفت ہے دوست کی) کہ جسکی ملک مین تمام آسمانون (اور زمین) کی کنجیان ہین (اسمین تصریح ہو گئی کہ یہ تاثیرات موقوف ہین تصرف و مشیت حق تعالیٰ پر آگے اس سے زیادہ تصریح ہے کہ) یہ کلام (جسکو اوپر پند دوست کہا ہے ہدایت و اضاءت مین واقعی) مثل ستارہ اور قمر کے ہے (جنکی شان مین ارشاد ہے وَبِالنَّجْمِ ھُمْ یَھْتَدُوْنَ) لیکن بدون حکم حق کے (وہ کلام) اثر نہین پیدا کرتا (جس طرح خود کواکب و قمر بھی بدون حکم حق کے اثر نہین کرتے چنانچہ کبھی تو اُن کا نور ابر و غبار مین چھپ جاتا ہے کبھی باوجود نہ چھپنے کے پھر بھی مسافر کو دھوکہ ہو جاتا ہے اور اسی بے استقلالی اثر کا اوپر بیان بھی ہوا ہے خود مؤثر تر نباشد مہ زنان الخ پس اسمین اس شعر کی طرف بھی

اشارہ ہوگیا پس اتنا فرق ہے کہ اس شعر بالا مین بر تقدیر فرض تاثیر کے گفتگو تھی اور بیان نور و ضیا اثر و فتحی ہے لیکن نفس مقصود تو نہین بدلا یعنی عدم استقلال فی التاثیر اور بیان تک کلام حق کی تاثیر کا معلق ہونا مشیت پر ارشاد فرمایا تھا آگے اُسکے محل تاثیر کی تعیین فرماتے ہین جسکے ساتھ مشیت متعلق ہو جاتی ہے پس ارشاد ہے کہ) یہ جو ستارہ بے جہت ہے (جسکو ادپہ کے ایک شعر مین اس عنوان سے تعبیر فرمایا ہے زانکہ لاشرقی ولاغربی ست او اور جس سے مراد فیض روحیہ کاملین کے ہین جیسا اُس شعر کی شرح مین مع توجیہ عنوان مذکور بیان ہوا) یہ ایسے کانون پر اثر پہونچاتا ہے) اور اثر پہونچ بھی جاتا ہے) جو جویائے وحی ہین (یہ ہے وہ محل تاثیر یہ ایسا مضمون ہے جیسا کلام مجید مین ہے قولہ هُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِينَ - وقولہ وَجَاءَكَ فِي هٰذِهِ الْحَقُّ وَمَوْعِظَةٌ وَّذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِينَ حالانکہ دوسری آیات مین هُدًى لِّلنَّاسِ - اور اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٰى لِلْعٰلَمِيْنَ بھی وارد ہے جس کا حاصل مطلب یہ ہے کہ عادۃ اللہ جاری ہے کہ جو جویائے حق ہوتا ہے اُسکو حق تک پہونچانے کے ساتھ مشیت متعلق ہو جاتی ہے پس طلبِ حق علامت ہے تعلق مشیت کی تو وہ محل متعین طالبِ حق ہوا آگے اس مضمون کا بیان ہے جو کانون تک پہونچاتا ہے وہ یہ کہ) کہ تم لوگ (اے مخاطبین) جہت سے (کہ عالم اجسام ہے) بے جہت کی طرف (کہ عالم ارواح ہے) آؤ (یعنی ارواح کی طرف متوجہ ہو یا تو یہ معنی کہ کاملین کی ارواح سے فیض حاصل کرو اور یا یہ کہ اپنی ارواح کی اصلاح کرو) تاکہ تمکو موت جو کہ (اہلاک مین) مشابہ گرگ کے ہے پھاڑ نہ ڈالے (یعنی پھر تمکو بقا نصیب ہو جاوے کما قیل ؎ ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق ✤ ثبت ست بر جریدۂ عالم دوام ما ✤ آگے اس ستارۂ بیجہت کے فضائل لغرض ترغیب اُس سے استفادہ کے بیان فرماتے ہین)

آنچنان کہ لمعۂ دُرپاش اوست

جیسا اُسکا ایک گوہر پاش لمعہ یعنی شعاع ہے

شمس دنیا در صفت خفاشِ اوست

شمس دنیا تو اپنی صفت و حالت مین اُسکا خفاش یعنی اُسکے سامنے مثل خفاش کے ہے

هفت چرخ ازرقی در رقِ اوست

سات آسمان نیلگون اُس کی غلامی مین ہین

پیک ماه اندر تب و در دق اوست

اور پیک ماہ تپ مین اور اُسکی دق مین ہے

زهره چنگِ مسئلہ در وے زده

زہرہ ستارہ نے پنجہ سوال کا اُسکے دامن مین مارا ہے

مشتری با نقدِ جان پیش آمده

مشتری ستارہ نقد جان لیے ہوئے سامنے حاضر ہوا ہے

در ہوائے دست بوسِ او زحل

اُسکی دست بوسی کی خواہش مین زحل ستارہ بھی ہے

لیک خود را می نہ بیند آن محل

لیکن اپنے لیے اُس رتبہ نہین دیکھتا

دست و پا مریخ چندین خست ازو ۔ وان عطارد صد قلم بشکست ازو

مریخ نے اپنے ہاتھ پاؤں اُسکے سبب کسقدر زخمی کر رکھے ہین ۔ اور اُس عطارد ستارہ نے اُسکے سبب سیکڑون قلم توڑ ڈالے ہین

با منجم این ہمہ انجم بہ جنگ ۔ کای رہا کردہ تو جان بگزیدہ رنگ

منجم کے ساتھ یہ تمام نجوم جنگ مین ہین ۔ کہ تونے جان کو چھوڑ کر رنگ کو اختیار کر رکھا ہے

جان ویست و ما ہمہ رنگ و رقوم ۔ کوکب ہر فکر او جانِ نجوم

جان تو وہ ہے اور ہم سب رنگ و نقوش ہین ۔ اُس کا ہر کوکب فکر نجوم کی روح ہے

فکر کو آنجا ہمہ نورست پاک ۔ بہر تست این لفظ فکر اے فکرناک

فکر کہان وہان تو سراسر نور مقدس ہی ہے ۔ یہ تو تیرے لیے لفظ فکر کہدیا ہے اے صاحب فکر

(وجہ ربط اوپر کے مضمون کے ختم پر مذکور ہو چکی کہ ترغیب استفادہ کے لیے ستارۂ بہجت کے فضائل بیان فرماتے ہین کہ) جیسا اُسکا ایک گوہر یاش لمعہ یعنی شعلہ ہے شمس دنیا تو (اُسکے سامنے) اپنی صفت و حالت مین اُس کا خفاش یعنی اُسکے سامنے مثل خفاش کے ہے (اور ہر چند کہ ستارۂ بہجت سے مراد باقتضاے مقام جیسا اوپر بیان ہوا فیوض روحیہ ہین لیکن یہان سے جو اُسکے اوصاف بیان کرنے کے بعد شعر جان ویست الخ مین اُسکو جان کہا ہے مقابل رنگ کے اور رنگ کا مصداق بزبان نجوم نجوم کو کہا ہے جو کہ اجسام ہین اور اجسام کا مقابل روح ہے جسکا مقتضا یہ ہے کہ جان سے مراد روح ہے نیز اُسی شعر مین اُسکے لیے فکر کو ثابت کیا ہے جو صفت جوہر کی ہوسکتی ہے نہ کہ عرض کی اور فیوض روحیہ عرض ہین یہ سب قرائن اسکے ہین کہ یہ فضائل روح کے ہین جو صاحب فیوض ہے بلکہ اوپر کے صفات مثل لاشرقی ولاغربی اور بہجت وغیرہ کے حقیقۃً روح ہی کے مناسب ہین اور فیوض کے لیے تو اُن کا اثبات بواسطہ کیا جاسکتا ہے لیکن مقام کی ضرورت سے اُسکا مصداق فیوض کو کہنا پڑا جیسا اوپر کے اُن اشعار کی شرح مین غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے۔ تو یہان کلام مبنی ہوگا استخدام پر کہ مرجع یعنی ستارہ سے مراد فیوض تھے اور ضمیر راجع یعنی کلمۂ او سے جو یہان کے شعر اول مین واقع ہے اُسکا ملابس یعنی روح ہے جو محل فیض ہے اور مثل خفاش کے مراد یہ کہ مغلوب ہے اور یہ ظاہر بھی ہے کہ انوار جسمانیہ انوار روحانیہ کے سامنے مغلوب و ناقص ہین کیونکہ ان انوار جسمانیہ سے صرف محسوسات مادیہ کا ادراک ہوتا ہے اور انوار روحانیہ سے معقولات مجردہ کا جن مین ذات وصفات واجب تعالیٰ بھی ہے وَشَتَّانَ مَا بَیْنَهُمَا اور یہی حاصل ہے اشعار آیندہ کا بھی جسکو کنایات واستعارات کے پیرایہ مین بیان کیا ہے جیسا کہ فرماتے ہین کہ) سات

آسمان نیلگون اُس (ستارہ بہجت بالمعنی الثانی یعنی روح) کی غلامی مین ہین (اور از رقیت اور غلامی مین یہ مناسبت بھی ہوسکتی ہے کہ اکثر نوکرون چاکرون کو کاروبار مین میلے ہونیکے خیال سے نیلے کپڑے پہنانے کی عادت ہے اور پیک ماہ (اُسکے سامنے) تپ مین اور (تپ کے اقسام مین سے بھی تپ) دق مین ہے (پیک کا لفظ لانا بوجہ سرعت سیر قمر کے ہو کیونکہ شمس سال بھر مین اپنے دائرہ کو قطع کرتا ہے اور قمر ایک ماہ مین اور دق کا لفظ لانا بوجہ کاہش اُسکے نور کے نہایت مناسب ہے) زہرہ ستارہ نے پنجہ سوال (و احتیاج) کا اُس (ستارۂ بہجت) کے دامن مین مارا ہے (اور) مشتری ستارہ نقد جان لیے ہوے (اُسکے) سامنے حاضر ہوا ہے (یہ سب تعبیرات ہین تابعیت و ناقصیت کی اور زہرہ کے لیے کہ مطرب فلک کہلاتا ہے لفظ چنگ کہ بمعنی ساز بھی آتا ہے اور مشتری کے لیے کہ بمعنی خریدار بھی ہے لفظ نقد نہایت مناسب ہے) اُس (ستارۂ بہجت) کی دست بوسی کی خواہش مین زحل ستارہ بھی ہے لیکن اپنے لیے ایسا مرتبہ نہین دیکھتا (کہ اُسکی دست بوسی کرے) مریخ نے اپنے ہاتھ پانوٴن اُس (ستارۂ بہجت) کے سبب کسقدر زخمی کر رکھے ہین (یعنی اپنی جان کہ کھلا ہے اور مریخ کے لیے کہ جلاّد فلک کہلاتا ہے خستن نہایت موزون ہے) اور اُس عطارد ستارہ نے اُسکے سبب سیکڑون قلم توڑ ڈالے ہین (یعنی عاجز ہو گیا ہے عطارد کے لیے کہ کاتب فلک مشہور ہے قلم شکست نہایت موزون ہے اور) منجم کے ساتھ یہ تمام نجوم جنگ (و جدل) مین (مشغول) ہین کہ تونے جان کو (کہ ستارۂ بہجت ہے) چھوڑ کر رنگ کو (یعنی ہمکو کہ محسوسات مادیہ ہین اور رنگ خواص مادہ سے ہے) اختیار کر رکھا ہے (چنانچہ آگے جان اور رنگ کی تفسیر ہے کہ) جان تو وہ ہے اور ہم سب رنگ و نقوش ہین (یہ مضمون قریب قریب اُس مضمون کے ہے جو کئی شعر اوپر گذرا با منجم روز و شب حربی ست او کہ چرا جز من نجوم بیہدی وہان یہ عنوان تھا کہ وہ ستارۂ بہجت منجم سے خلاف کرتا ہے اور یہان یہ عنوان ہے کہ نجوم منجم سے خلاف کرتے ہین معنون دونون کا ایک ہی ہے یعنی تحمیق منجم کی اعراض عن النافع و اشتغال بالمضر مین آگے بقیہ قول ہے نجوم کا کہ) اُس (ستارۂ بہجت) کا ہر کوکب فکر (گویا) نجوم کی روح ہے (یعنی وہ روح تو جان ہے ہی اُسکے افعال و اعراض بھی نجوم سے افضل ہین جیسے روح افضل ہوتی ہے جسم سے اور وجہ فضیلت ظاہر ہے کہ نور کوکب تو رہبری کرتا ہے مقاصد حسیہ فانیہ تک اور وہ فکر رہبری کرتا ہے مقاصد معنویہ باقیہ تک جس کا افضل ہونا اُن مقاصد سے ظاہر ہے اور فکر کو جان کہنا اس معنی کر بھی ہے کہ جان مجرد ہے اور فکر اُسکی صفت اور مجرد کی صفت مجرد ہے اور اسی بنا پر تھوڑی دور اوپر کے شعر مین اُسی روح کی صفات و فیوض کی نسبت کہدیا تھا زانکہ لاشرقی و لاغربی ست او۔ جیسا کہ اُسکی شرح مین مذکور ہوا۔ آگے مولانا کی طرف سے اضراب ہے کہ اس روح کے لیے جو اس شعر مین فکر کو ثابت کیا گیا ہے تو وہان) فکر کہان وہان تو سراسر نور مقدس ہی ہے یہ تو تیرے (سمجھانیکے) لیے لفظ فکر کہدیا ہے اے صاحب فکر (وجہ یہ کہ فکر کہتے ہین ترتیب معلومات لاستخراج المجہولات کو اور صاحب قوت قدسیہ کو اسکی احتیاج نہین اور یہان اُسی روح کا ذکر ہے جس کو

قوّتِ قدسیہ حاصل ہو کیونکہ اوپر اُسی سے استفادہ کی ترغیب ہے اور اُسی کی مدح ہے چنانچہ اسی کے ظاہر کرنے کو احقر نے تمہید اضراب میں لفظ روح کے ساتھ لفظ اس کو بڑھا دیا ہے اور یہ مطلب نہیں کہ روح سے فعل فکر کبھی صادر نہیں ہوتا کیونکہ فکر بھی اُسی کا فعل ہے بلکہ مراد یہ ہے کہ جس روح کا بیان ذکر ہے وہ فکر سے برتر ہے اور دور مقدس قوۃ قدسیہ کو کہا دوسرے مصرعہ کی تقریر یہ ہے کہ پھر جو لفظ فکر اسکے لیے استعمال کیا گیا ہے فاقد قوۃ قدسیہ تیرے سمجھانے کے لیے کیا گیا کیونکہ تو اُسکے ادراک قدسی کو سمجھے گا نہیں اور اس تعبیر کو سمجھ سکے گا اسلیے اس تعبیر کو اختیار کیا گیا ورنہ مراد صرف ادراک ہے پس کوکب فکر کے معنی کوکب ادراک ہیں مجازاً اطلاقاً للمقید علی المطلق)

ہر ستارہ خانہ دارد در علا

تمام ستارے گو جانب علو میں ہیں لیکن خانہ اور حیز تو رکھتے ہیں

ہیچ خانہ در نگنجد نجم ما

اور ہمارا جو ستارہ ہے وہ کسی حیز میں نہیں سماتا

جانِ بے سو در مکان کے در رود

روح جو کہ جہت سے مبرّا ہے وہ حیز میں کب جاوے گی

نورِ نامحدود را حد کے بود

نور غیر محدود کے لیے حد کب ہوگی

لیک تمثیلے و تصویرے کنند

لیکن ایک تمثیل اور تصویر کر لیتے ہیں

تا کہ دریابد ضعیفِ دردمند

تا کہ ضعیف العقل جو طالب ہو وہ ایک گونہ ادراک کرلے

مثل نبود لیک باشد آن مثیل

مثل نہیں ہوتا لیکن مثال ہوتا ہے

تا کند عقلِ مجمد را گسیل

تا کہ عقل بستہ کو کشادہ کردے

(مجمد بجیم بمعنی بستہ شدہ وگسیل بضم کاف فارسی وسکون یاے فارسی یعنی مجہول دفع کردن وفرستادن ونامزد کردن ووداع کردن ومراد آزاد کردہ وکشادہ مقابل بستہ شدہ (تمثیل) مالہ مثال یہ مربوط ہے اوپر کے اُن اشعار سے جنمیں فیوض روح کو کہیں ستارہ بجہت کہدیا کہیں آفتاب لاشرقی ولاغربی کہدیا کہ خود یہ احکام بالذات روح کے ہیں اور اُسکے واسطہ سے فیوض پر محمول کردیے گئے غرض اُس سے روح کا کوکب و شمس کہا جانا صاف لازم آیا تو اس تشبیہ سے ممکن ہے کہ کوئی کم فہم مماثلہ تامہ سمجھ لیتا حالانکہ تشبیہ کے لیے یہ لازم نہیں۔ ان اشعار میں اس وہم کو دفع فرماتے ہیں اور غرض تشبیہ کو بیان کرتے ہیں یعنی) تمام ستارے گو جانب علو میں ہیں لیکن خانہ اور حیز تو رکھتے ہیں اور ہمارا (یعنی کاملین کا جو ستارہ ہے وہ کسی حیز میں نہیں سماتا (کیونکہ اس نجم سے مراد روح ہے اور) روح جو کہ

جہت سے مبرا ہے وہ حیز مین کب جاوے گی (اور وہ بوجہ تجرد کے ظلمت دہا اور حدود سے منزہ ہے تو وہ ذر غیر محدود ہوا اور) نور غیر محدود کے لیے حد کب ہوگی (اور شمکن کے لیے حد لازم ہے اسلیے یہ حکم صحیح ہوا کہ روح کسی حیز مین نہین سماتی اور ستارہ ہی تحیز تو ان مین مماثلت تامہ نہ ہوگی) لیکن باوجود اسکے جو تشبیہ دیجاتی ہے تو غرض یہ ہوتی ہے کہ اُسکی) ایک تمثیل اور تصویر (تجویز) کرلیتے ہین تاکہ ضعیف العقل جو طالب ہو وہ ایک گونہ ادراک کرلے (پس) وہ (مشبہ بہ اُس روح کا) مثل نہین ہوتا لیکن مثال ہوتا ہے (مثل کہتے ہین مماثل فی النوع کو اور مثال مشارک فی الوصف کو) تاکہ (وہ مثال) عقل بستہ کو (کسی قدر) کشادہ کردے (یعنی عقل متوسط جو اُسکے ادراک مین بستہ تھی وحیرت تھی وہ فی الجملہ چلنے لگے اور کچھ سمجھکر اُس سے مستفید ہونے مین راغب ہو جاوے)

عقل سر تیز است لیکن پاے سست
عقل سر تیز تو ہے لیکن سُست پا ہے

زانکہ دل ویران شدست و تن درست
کیونکہ دل ویران ہے اور جسم درست ہے

عقلِ شان در نقلِ دنیا پیچ پیچ
ان لوگونکی عقل دنیا کے کھینچنے مین تو پیچ در پیچ ہے

فکرِ شان در ترکِ شہوت ہیچ ہیچ
انکی فکر ترک شہوت مین ہیچ در ہیچ ہے

صدرِ شان در وقتِ دعوی ہمچو شرق
انکا سینہ دعوے کے وقت تو مثل آفتاب کے ہوتا ہے

صبرِ شان در وقتِ تقوی ہمچو برق
ان کا صبر تقوی کے وقت مثل برق کے ہوتا ہے

عالمے اندر ہنرہا خود نما
ایک عالم ہنرون مین خود نما بن رہا ہے

ہمچو عالم بے وفا وقتِ وفا
وفا کے وقت ایسا بے وفا نکلتا ہے جیسا عالم

وقتِ خود بینی نگنجد در جہان
خود بینی کے وقت تو دنیا مین نہین سماتا

در گلو و معدہ گم گشتہ چو نان
حلق اور معدہ مین ایسا گم ہے جیسے روٹی

(اوپر عقل متوسط کا مجمد یعنی بستہ ہونا بیان فرمایا تھا ان اشعار مین اُسی کی علت ہے یعنی) عقل (متوسط گو من وجہ کہ وہ وجہ غیر مقصود ہے) تیز سر تو ہے لیکن (دوسری وجہ سے کہ وہ وجہ مقصود ہے) سُست پا ہے کیونکہ دل ویران ہے اور جسم درست ہے (اس من وجہ کی شرح عنقریب آتی ہے اور اُسکے اعتبار سے مجمد نہین کہا بلکہ سُست پا ہونیکے سبب سے مجمد کہا ہے اسکا بیان بھی ابھی آتا ہے) ان (طالبِ دنیا) لوگون کی عقل دنیا کے کھینچنے مین تو پیچ در پیچ (ترکیبین

کرتی) ہے (مگر) اُنکی (وہی عقل ور) فکر ترک (معاصی و) شہوت مین ہیچ در ہیچ (یعنی ناکارہ) ہے یہان عقل کو لفظ فکر سے کہ فعل ہے عقل کا تعبیر فرمایا اطلاقاً للمسبب علے السبب او الفعل علی الفاعل۔ اس مین بیان ہے اُسکے مجمد اور سُست پا ہونے کا تقریر مطلب یہ ہے کہ چونکہ اُس نے مجاہدہ سے اپنا تصفیہ نہین کیا اِسلیے وہ مجمد ہے کہ حقائق دقیقہ کو نہین سمجھتی اِسلیے محتاج تمثیل ہوتی ہے جیسا اوپر مذکور تھا پس علت تجمید کی یہ عدم مجاہدہ و عدم تصفیہ ہے اور اُسکی علت زانکہ دل الخ چنانچہ ابھی آتا ہے اور من وجہ سر تیز اسلیے کہا کہ حقائق غیر دقیقہ کو تو سمجھتی ہے جو موقوف نہین مجاہدہ و تصفیہ پر اِسلیے تمثیل کو سمجھ سکتی ہے پس اس سے سر تیز من وجہ کی شرح اور نیز سُست پا کی مراد معلوم ہو گئی یہی سُست پا ہونا علت ہے تجمید کی یہ تو سُست پائی کی تفسیر ہوئی اور زانکہ دل الخ مین جو اسکی علت فرمائی ہے اُسکا دخل ظاہر ہے کہ اگر قلب کی اصلاح ہو تو مجاہدہ سہل ہو۔ پس تجمید کی علت سُست پائی اور سُست پائی کی علت ویرانی دل۔ خوب سمجھو اور اگر کہا جاوے کہ مجاہدہ عمل ہے اور قوۃ عاملہ کا کام ہے عقل کا کام نہین کیونکہ اُسکا کام ادراک معقولات ہے جواب یہ ہے کہ استحضار تام و علی الدوام بعض معقولات کا سبب ہوتا ہے قوۃ عاملہ کی آمادگی کا پس بواسطہ یہ بھی قوۃ عاقلہ کا کام ہوا اور اس تقریر سے یہ شبہہ بھی جاتا رہا کہ اوپر تو مجمد کہا تھا اور یہان سر تیز کہدیا دفع شبہہ ظاہر ہے اور اس تقریر سے اسکی وجہ بھی سمجھ مین آگئی ہوگی کہ من وجہ سر تیز ہونے کے مقابلہ مین یون کیون نہ کہا کہ من وجہ سر تیز نہین ہے بلکہ پا سے سُست کہا بات یہ ہے کہ مقصود تو مقابلہ مین سر تیزی یعنی ادراک ہی کی نفی کرنا ہے مگر چونکہ علت اس نفی کی قوۃ عاملہ یعنی مجاہدہ کا انتفا ہے اِسلیے سُست پا یعنی فاقد العمل کہا۔ آگے بھی اسی سُست پائی کی باوجود من وجہ سر تیزی۔ کی تائید ہے یعنی) اُن کا سینہ دعوے کے وقت تو مثل آفتاب کے (روشن اور وسیع) ہوتا ہے (یہ تو اُنکی قوۃ خیالیہ کی کیفیت ہے کیونکہ یہ روشنی اور وسعت موقوف اس پر ہے کہ دعوے کے موافق خیال بھی ہو ورنہ اگر خیال اُسکے خلاف ہو تو ایک تنگی اور تکدر اور انقباض ہوتا ہے پس یہ ادراک خیالی محقق ہے سر تیزی کا مگر) اُنکا صبر (یعنی ہمت و مجاہدہ) تقوی کے وقت مثل برق کے (سریع الزوال) ہوتا ہے (یہ سُست پائی ہے جیسا کہ اوپر گذرا) ایک عالم (کا عالم یعنی سارا جہان اور مراد یہ کہ اکثر عالم) ہنر دن مین خود نما بنا ہے (یعنی کمال کا دعوی کرتا ہے مع الخیال کما مر و کما سیاتی من قولہ وقت خودبینی الخ مگر) وفا کے وقت (یعنی جب وفاے عہد و احکام کا وقت آتا ہے کہ استعمال ہے قوۃ عاملہ کا) ایسا بے وفا نکلتا ہے جیسا عالم بیوفا مشہور ہے اور) خودبینی کے وقت تو (ایسا پھولتا ہے کہ) دنیا مین نہین سماتا (مگر باوجود اسکے حالت یہ ہے کہ) حلق اور معدہ (کے شغل) مین ایسا گم ہے جیسے روٹی (کہ حلق مین جاکر کچھ کچھ اور معدہ مین پہونچکر بالکل ہی گم ہو جاتی ہے یعنی نری خودبینی ہے اور مجاہدہ بالکل ندارد بلکہ صرف مشغول لذات ہین)

این ہمہ اوصافِ شان نیکو شود	بد نماند چونکہ نیکو خو شود
یہ سب اوصاف اُنکے حمیدہ ہو جاتے ہین	ذمیمہ نہین رہتے جبکہ وہ خوش اخلاق ہو جاتا ہے

گر منی گند بود ہمچون منی
اگر خودی و انانیت مثل منی کے گندہ ہوتی ہے

چون بجان پیوست یابد روشنی
جب روح کے ساتھ متصل ہو گئی وہ روشنی حاصل کر لیتی ہے

ہر جمادے کو کند رو در نبات
جو جماد کہ نبات کی طرف رخ کرتا ہے

از درخت بخت او روید حیات
اُسکے درخت بخت سے حیات پیدا ہو جاتی ہے

ہر نباتے کو بجان رو آورد
جو نبات کہ جان کی طرف توجہ کرے

خضر وار از چشمۂ حیوان خورد
وہ خضرؑ کی طرح چشمۂ حیات سے نوش کرنے لگتی ہے

باز جون جان رو سوئے جانان نہد
پھر جب وہ جان محبوب کی طرف متوجہ ہو جاوے

رخت را در عمر بے پایان نہد
تو اپنے رخت کو عمر غیر متناہی مین رکھدیتی ہے

(اوپر حالت قبل المجاہدہ کا ذکر تھا اب حالت بعد المجاہدہ کا بیان ہے یعنی) یہ سب اوصاف (ذمیمۂ مذکورہ) اُنکے حمیدہ ہوجاتے ہین ذمیمہ نہین رہتے جبکہ وہ (مجاہدہ سے) خوش اخلاق ہوجاتا ہے (تقیید بالمجاہدہ کی دلیل لفظ خو ہی جو بمعنی خلق ہے کہ عبارت ہے ملکۂ راسخہ سے جو کہ موقوف ہے مجاہدہ پر بخلاف وصف کے کہ وہ مع الملکہ یا بغیر الملکہ دونون پر اطلاق کیا جاتا ہے پس اسپر یہ بھی شبہہ نہ رہا کہ مقدم و تالی کا متحد ہونا لازم آتا ہے کہ وہی اوصاف کا نیک ہونا اور وہی اخلاق کا نیک ہونا وجہ دفع تقریر سے ظاہر ہے حاصل یہ ہوا کہ جب مجاہدہ سے اخلاق درست کرلیتا ہے تو پھر اوصاف مذکورہ حمیدہ ہوجاتے ہین اور اسکی دو صورتین ہوسکتی ہین یا تو ذمیمہ کی ذات ہی فنا ہو کر مبدل بہ حمیدہ ہو گئی جیسے بخل کی جگہ سخا دعوی کی جگہ فنا حرص کی جگہ استغنا و علی ہذا اور یا یہ کہ ذات باقی رہے مگر مصرف بدلنے سے وہ حمیدہ کے مصداق ہو گئے مثلاً صرف معاصی مین صرف کرنے سے بخل کرتا ہے کما فی الحدیث مَنَعَ لِلّٰهِ اور اذن شرعی کے وقت دعوی کرتا ہے کما فی الحدیث اَلْخُیَلَاءُ فِی صَفِّ الْقِتَالِ اور امور خیر کی حرص کرتا ہے کما فی الحدیث مَنْهُوْمَانِ لَا یَشْبَعَانِ طَالِبُ الْعِلْمِ الخ اسمین ترغیب ہے مجاہدہ کی جسکے فقدان سے سُست پائی کا حکم کیا گیا تھا۔ آگے مثال کے طور پر بیان ہے ایک جزئی تبدیل مذکور کا کہ جس مین تبدیل کے دوسرے معنی متحقق ہین یعنی مثلاً) اگر خودی و انانیت (پہلے سے) مثل منی کے (کہ ایک رطوبت نجسہ ہے) گندہ ہوتی ہے (لیکن) جب روح (طاہر) کے ساتھ متصل ہو گئی (متصل ہونے کے معنی یہ کہ روح اُسکے ساتھ متصف ہو گئی یعنی جب وہ انانیت روح مذکور کی صفت بن گئی اور ظاہر ہے کہ اس مفہوم کا صادق آنا موقوف اس پر ہے کہ وہ روح طاہر ہو گئی اور اس قید کا قرینہ مقابلہ ہے گندگی کا

اور یہ طہارت موقوف ہے مجاہدہ پر تو حاصل یہ ہوا کہ جب روح نے مجاہدہ کر لیا) تو (اب اُسکی) وہ (صفت انانیت بھی) روشنی حاصل کر لیتی ہے (یعنی وہ بجائے معصیت کے کہ مورث ظلمت ہے طاعت ہو جاتی ہے کہ مورث نور ہے وجہ اُسکی ظاہر ہے کہ پہلے وہ انانیت محل نہی میں تھی اور اب محل امر میں ہے جیسے مشبہ بہ کو بھی جب روح سے اتصال ہو گیا یعنی زندہ عورت کے رحم میں مستقر ہو گئی تو اُسمین بھی نور حیات پیدا ہو جاتا ہے یعنی انسان حی بن جاتا ہے آگے اس تبدیل کے امثلہ یعنی نظائر ہین یعنی) جو جماد کہ نبات کی طرف رخ (اور میل و توجہ) کرتا ہے اُس (جماد) کے درخت بخت سے حیات پیدا ہو جاتی ہے (یہان جماد سے مراد عنصر آب ہے کذا قال مرشدی رح اور نبات کی طرف رخ کرنے سے مراد نباتات سے متصل ہونا جس سے نبات مین نشو و نما ہوتا ہے اور اپنے محل مین ثابت ہے کہ نشو کی یہی صورت ہے کہ اجزائے عنصریہ نبات مین منضم ہو کر مستحیل اُس نبات کی طرف ہو جاتے ہین اور یہی مراد ہے رویید حیات پس حیات سے مراد حیات نامیہ ہے یعنی وہ جماد بھی نبات اور موصوف بہ نمو ہو جاتا ہے تو اس تقریر پر جماد مین آب کے ساتھ دوسرے عناصر خاک وغیرہ کو بھی داخل کر سکتے ہین۔ اور بعض محشین نے جو جماد سے مراد دانہ لیا ہے بعید معلوم ہوتا ہے ایک نظیر تو یہ ہوئی آگے دوسری نظیر ہے جو مرتب اور متدرج ہے پہلی پر یعنی پھر) جو نبات کہ جان (حیوانی) کی طرف توجہ کرے (یعنی حیوان کے ساتھ متصل ہو جاوے اس طرح سے کہ اُسکی غذا بن جاوے) وہ خضر (علیہ السلام) کی طرح چشمۂ حیات سے نوش کرنے لگتی ہے (یعنی وہ نبات موصوف بحیات حیوانی ہو جاتی ہے یا تو اس طرح سے کہ وہ اجزائے حیوان بن گئی اور اُن اجزا مین بعض موصوف بالحیات بھی ہین تو اس طرح سے وہ نبات حی ہو گئی اور یا اس طرح سے کہ غذا ہی کے بعض اجزا روح حیوانی بنتے ہین جیسا اطبا نے کہا ہے پس وہ نبات خود روح حیوانی بن گئی جس پر مدار ہے حیوان کے حی ہونے کا اور تشبیہ بخضر با مطلق حیات مین ہے اور یا اشارہ اس طرف ہے کہ مصرعۂ اوّل مین بجان حیوانی سے مراد عام ہے جان انسانی کو بھی کہ حیوان شامل ہے انسان کو بھی پس جب روح انسانی سے اُس نبات کو اتصال ہو کر وہ انسان بنے گی تو خضرؑ کی طرح چشمۂ حیات معارف و علوم سے سیراب ہو گی پس یہ دوسری نظیر اس عموم کے لحاظ کے بعد تیسری نظیر کو بھی مشتمل ہو گئی آگے تیسری یا چوتھی نظیر ہے اور مرتب اور متدرج ہے اپنی سابق نظیر پر یعنی) پھر جب وہ جان (مذکور حیوانی یا انسانی) محبوب (حقیقی) کی طرف متوجہ ہو جاوے (یعنی محبت و معرفت مکتسب کر کے قرب و معیت حاصل کر لے انسانی تو بلا واسطہ اور حیوانی بواسطہ انسانی کے یعنی اسطرح کہ وہ حیوان غذا انسان کی ہو جاوے) تو اپنے رخت کو عمر غیر متناہی مین رکھدیتی ہے (یعنی پھر اُسکو حیات جاودانی حاصل ہو جاتی ہے جو حیوان کو نہین ہو گی کیونکہ وہ خاک مین مل جاوینگے حاصل سب امثلہ کا ظاہر ہے کہ جیسے ان امثلہ مین خسیس نے تعلق بالنفیس سے ترقی کر لی اسی طرح اوصاف خسیسہ تلبس بروح المجاہد سے شریف و نفیس ہو جاتے ہین اور جس طرح ان اشعار مین سعت پائی کی تبدیل و علاج ہے اسی طرح ترغیب بھی ہو سکتی ہے صحبت اہل کمال کی جس کا اوپر کے ان اشعار مین بھی ذکر تھا چون زمین زین برف در پوشد کفن الخ اور اس شعر مین بھی اُسکا بیان تھا شد نخو دلیک باشد آن شیل الخ پس اس طور پر

مقام کا مزید ارتباط بھی ظاہر ہوگیا) **ف** : ان نظائر سے مسئلہ ارتقا و نشو کا زعم جہل ہے ارتقا متکلم فیہ کا بیان پتہ بھی نہین اور جو بیان مذکور ہے اُسمین کسی کو کلام ہی نہین نہ اُسکی ہم نفی کرتے ہین نہ اہل سائنس کو اُنکے دعوے ہی مین وہ مفید ہے۔ اگر اسکا نام ارتقا رکھ لیا جاوے تو اصطلاح مین ہم نزاع نہ کرینگے بلکہ یون کہدینگے کہ ارتقا کی دو قسم ہین ایک کو ہم مانتے ہین اور ایک کی نفی کرتے ہین فقط۔ اور شعر باز چون جان الخ مین معیت الٰہیہ کے بیان ہونے پر احقر نے اشعار بالا جنگ ہا بین کان اصول صلحہا ست الیٰ قولہ فرجہ کن چندانکہ اندر ہر نفس کی شرح مین متنبہ کیا تھا فتذکر۔ پس اس اعتبار سے یہ عود ہے اُن اشعار کے مضمون کی طرف اور نیز عود ہے بالکل مفتتح دفتر ہذا کی طرف بھی جیسا کہ اُن اشعار کی شرح سے اسکی وجہ معلوم ہو سکتی ہے کہ یہ سب مقامات متحد الغرض ہین

سوال سائل از واعظ کہ مرغے بر سر ربض نشستہ بود سر او فاضل تر است و شریف تر و عزیز تر و مکرم تر یا دُم او و جواب دادن واعظ سائل را بقدر فہم و ادراک او

(ربض بفتحتین و باے موحدہ و ضاد معجمہ گرداگرد شہر و گرد ہر چیزے و گرد قلعہ)

واعظے را گفت روزے سائلے — **کاے تو منبر را سنی تر قابلے**

کسی واعظ سے ایک دن کسی سائل نے کہا — کہ تو منبر کے لیے اعلیٰ درجہ کا قابل ہے

یک سوالستم بگو اے ذو لباب — **اندرین مجلس سوالم را جواب**

میرا ایک سوال ہے کہدے اے صاحب عقل — اسی مجلس مین میرے اس سوال کا جواب

بر سر بارو یکے مرغے نشست — **از سر و از دُم کدامینش بہ است**

کسی قلعہ کی چوٹی پر ایک پرندہ جا بیٹھا — اُسکے سر اور دُم مین سے کون افضل ہے

گفت اگر رویش بشہر و دُم بدہ — **روے او از دُمّ او میدان کہ بہ**

کہا کہ اگر اسکا مُنھ شہر کی طرف اور دُم گانون کی طرف ہے — تب تو جان لو کہ اُسکا مُنھ دُم سے بہتر ہے

ور سوے شہرست دُم رُویش بدِہ | خاک آن دُم باش وازرویش بجہ

اور اگر دم شہر کی طرف اور مُنھ گانؤن کی طرف ہے | تو اُس دم کی خاک بن جاؤ اور اُسکے مُنھ سے کود کر الگ ہوجاؤ

(اِن اشعار کا ربط اشعار بالا این ہمہ اوصاف الی قولہ باز چون جان کے ساتھ ہے کیونکہ اُن اشعار کا حاصل تعلق و توجہ بمقصود کا اثر اور شرف بیان کرنا تھا اُسی مضمون کی اِن اشعار مین تائید بضمن تمثیل ہے یعنی) کسی واعظ سے ایک دن کسی سائل نے کہا کہ تو منبر کے لیے اعلیٰ درجہ کا قابل ہے میرا ایک سوال ہے اے صاحب عقل اسی مجلس مین میرے اُس سوال کا جواب کہدے (اور وہ سوال یہ ہے کہ) کسی قلعہ کی چوٹی پر ایک پرندہ جا بیٹھا (تو یہ بتلا کہ) اُسکے سر اور دم مین سے کون افضل ہے (یہ ایک بیہودہ سوال ہے یا تو حماقت سے کیا یا تمسخر سے مگر واعظ نے جواب ایک نتیجہ خیز دیا اور) کہا کہ اگر اُسکا مُنھ شہر کی طرف اور دُم گانؤن کی طرف ہے تب تو جان لو کہ اُسکا مُنھ دُم سے بہتر ہے اور اگر دُم شہر کی طرف اور مُنھ گانؤن کی طرف ہے تو اُس دم کی خاک بن جاؤ (یعنی اُسکا ادب کرو) اور اُسکے مُنھ سے کود کر الگ ہوجاؤ (خلاصہ یہ کہ شہر بوجہ کثرت آبادی کے اور اشتمال علی العقلا کے چونکہ گانؤن سے افضل ہے اِسلیے جونسی چیز شہر کی طرف ہو وہ افضل ہے خواہ مُنھ ہو یا دُم ہو حاصل مثال کا ظاہر ہے کہ اسی طرح توجہ الی المحبوب لاشرف کے سبب متوجہ مین شرف آجاوے گا خواہ وہ پہلے سے شریف ہو مثل مُنھ کے یا خسیس و ناقص ہو مثل دُم کے)

مُرغ با پر می پرد تا آشیان | پرِّ مردم ہمت ست اے مردمان

پرندہ تو پر سے آشیان تک اُڑتا ہے | اے لوگو آدمیون کا پر ہمت ہے

عاشقے کالودہ شد در خیر و شر | خیر و شر منگر تو در ہمت نگر

جو کوئی عاشق خیر یا شر مین آلودہ ہو | تو اُسکے خیر و شر کو مت دیکھ بلکہ ہمت کو دیکھ

باز اگر باشد سفید و بے نظیر | چونکہ صیدش موش باشد شد حقیر

باز اگر سفید اور بے نظیر ہی ہو | جب اُسکا صید موش ہو تو وہ حقیر ہوگیا

ور بود چغدے و میل او بشاہ | او سر باز ست منگر در کلاہ

اور اگر چغد ہو اور اُسکا میلان بادشاہ کی طرف ہو | تو وہ باز کا بھی سر ہے کلاہ کو مت دیکھ

ور ہمے شیرے خورد از مردہ خر — **سگ بود او شکل شیری کم نگر**

اور اگر کوئی شیر مرے ہوئے گدھے مین سے کھانے لگے — تو وہ سگ ہے شکل شیرانہ کومت دیکھو

ور پلنگ و گرگ را افگند سگ — **شیر می دان مرورا بے ریب و شک**

اگر سگ چیتے اور گرگ کو گرادے — تو اُس کو بلاریب وشک شیر یقین کرو

(اوپر مثال تھی توجہ بمقصود کے شرف کی بیان مابہ التوجہ کا بیان ہے کہ ہمت قلبیہ ہے یعنی) پرندہ تو (اپنے) پر سے آشیان تک اُڑتا ہے (اور وہی پر آلہ ہوجاتا ہے کبھی توجہ الی المعورہ کا جیسا اوپر کی مثال مین گذرا بس جسطرح وہان مابہ الطیران یہ ہے اسی طرح) اے لوگو آدمیون کا پر (یعنی آلہ توجہ دمابہ السیر الی المقصود) ہمت ہے (جب ہمت ایسی چیز ہے تو ہر جگہ اُسی پر نظر کرو گو اُسکا تعلق مذموم ہی ہوجانا بہا) جو کوئی عاشق خیر یا شر مین آلودہ ہو (یعنی عشق مقصود مین مشغول ہو یا غیر مقصود مین) تو اُسکے خیر وشر کومت دیکھو بلکہ ہمت کو دیکھو (یہ مطلب نہین کہ نہ خیر کو دیکھو اور نہ شر کو بلکہ یہ مطلب ہے کہ دونون کے مجموعہ کومت دیکھو اور مقصود یہ ہے کہ شر کومت دیکھو یعنی شر کو دیکھ کر اُسکا اتباع مت کرنا بلکہ عشق شر مین بھی صرف ہمت کو دیکھنا کہ مخلوق کی محبت مین کیا کیا مشقتین برداشت کر رہا ہے تو تجکو عشق خالق مین بدرجہ اولی مشقتین برداشت کرنا چاہیے اسکی ایسی مثال ہے جیسے غالباً حضرت جنید رحنے کسی چور کو دار پر مرا ہوا معلق دیکھا پوچھا معلوم ہوا تو دوڑ کر اُسکے پاؤن کو بوسہ دیا حاضرین نے تعجب سے پوچھا فرمایا اسکی چوری پر قدمبوس نہین ہوتا بلکہ اسکی مضبوطی پر کہ جان دیدی اور مطلوب کو نہ چھوڑا اگر ہم اپنے مطلوب خیر کو اسطرح پکڑلین تو کیسی خوب بات ہے آگے عالی ہمتی کی مدح اور پست ہمتی کی مذمت بضمن امثلہ بیان کرتے ہین کہ) باز اگر سفیلہ و بے نظیر ہی ہو (لیکن جب اُسکا صید موش ہو تو وہ (باز) حقیر ہوگیا (کیونکہ پست ہمتی اُسکی ثابت ہوئی) اور اگر جغد ہو اور (باوجود اسکے اُسکا میلان بادشاہ کی طرف ہو تو وہ (اُس) باز کا بھی سر (اور اُس سے افضل) ہے (اُسکو دیکھو اور) کلاہ کو مت دیکھو (مراد قالب کہ جسطرح کلاہ ساتر ہے راس کی قالب ساتر ہے روح کا۔ مطلب یہ کہ قالب جغد کومت دیکھو کیونکہ میلان بشاہ کے سبب اُسکی عالی ہمتی ثابت ہوئی اور وہی دیکھنے کے قابل ہے) اور اگر کوئی شیر مرے ہوئے گدھے (کے گوشت) مین سے کھانے لگے تو وہ (گویا) سگ ہے (کیونکہ کم ہمت ہے اسکی) شکل شیرانہ کومت دیکھو اور اگر سگ چیتے اور گرگ کو گرادے تو اُسکو بلاریب وشک شیر یقین کرو (کیونکہ عالی ہمت ہے)

آدمی لبسرشتہ از یک مشتِ گِل — **برگذشت از چرخ و از کوکب بدل**

آدمی ایک مٹھی گل سے گوندھا گیا ہے — قلب کی بدولت افلاک وکواکب سے بھی گذر گیا ہے

آدمی برقد یک طشت خمیر — برفزود از آسمان و از اثیر

آدمی بقدر ایک طشت خمیر ہونے کی حالت پر — آسمان اور اثیر یعنی فلک یا کرۂ نار سے بڑھ گیا ہے

ہیچ کرّمنا شنید این آسمان — کہ شنید این آدمی پُرغمان

کبھی اس آسمان نے کرّمنا سُنا ہے — جو اس آدمی پُر غموم نے سُنا ہے

بر زمین و چرخ عرضہ کرد کس — خوبی و عقل و عبارات و ہوس

زمین اور آسمان کے سامنے کبھی کسی نے اپنی خوبصورتی اور خوش فہمی اور حسن کلام اور تمناؤں کو پیش کیا ہے؟

جلوہ کردی ہیچ تو بر آسمان — خوبی روی و اصابت در گمان

کبھی تم نے آسمان پر خوب روئی اور — اصابت راے کو پیش کیا ہے

پیش صورتہاے حمام اے ولد — عرضہ کردی ہیچ سیم اندام خود

کبھی تم نے اے فرزند تصویرہاے حمام کے سامنے — اپنا اندام سیمین پیش کیا ہے

بگذری زان نقشہاے ہمچو حور — خلوت آری با عجوزے نیم کور

اُن حور تمثال تصویروں سے گذر کر — ایک عجوز نیم کور کے ساتھ خلوت میں رہے ہوگے

در عجوزہ چیست کایشان را نبود — کہ ترا زان نقشہا با خود ربود

عجوزہ میں وہ کیا چیز ہے جو اُن تصویروں میں نہیں — جو کہ تجکو اُن تصویروں سے ہٹا کر اپنی طرف لے گئی

تو نگوئی من بگویم در بیان — عقل و حس و درک و تدبیرست و جان

سو تم نہ کہو تو میں بیان میں کہے دیتا ہوں — عقل اور حواس اور ادراک اور تدبیر اور روح ہے

در عجوزہ جانِ آمیزش کنے ست — صورتِ گرمابہا را روح نیست

عجوزہ میں ایک ایسی روح ہے جو آمیزش کرنے والی ہے — تصویرہاے حمام میں روح نہیں ہے

در زمان از صد عجوزت بر کند	صورت گرمابہ گر جنبش کند
تو فوراً صد ہا عجوز سے تجکو برداختہ کردے	اگر تصویر حمام حرکت کرنے لگے

(آثیر فلک یا کرۂ نار کذا فی الغیاث۔ اوپر ہمت کی تفضیلت تھی بیان اُسکے محل و تعلق یعنی قلب کی اور قلب کے ساتھ روح کی کہ افعال قلب کے کہ جنمین ہمت بھی ہے بدولت روح ہی کے ہین اور افضل ہے یعنی قلب و روح وہ چیزین ہین کہ) آدمی (باوجودیکہ اُسکا کالبد) ایک مُٹھی گِل سے (جو کہ خسیس ترین عناصر ہے) گوندھا گیا ہے (مگر) قلب کی بدولت افلاک و کواکب سے بھی مرتبہ مین) گذر گیا ہے (اور اسی کو دوسرے عنوان سے کہتے ہین کہ) آدمی بقدر ایک طشت خمیر ہونیکی حالت پر آسمان اور اثیر یعنی فلک یا کرۂ نار سے بڑھ گیا ہے (چنانچہ دلیل اسکی یہ ہے کہ) کبھی اس آسمان نے کرّمنا سُنا ہے جو اس آدمی پر عموم نے سُنا ہے (اشارہ ہے طرف آیۃ لقد کرّمنا بنی آدم کے اور بر عموم کہنے مین علاوہ ضرورت قافیہ کے ایک گونہ وجہ تفضیل کی طرف بھی اشارہ ہوسکتا ہے کہ یہ بہت سے تعلقات کی کشاکشی مین مبتلا ہوکر بھی طاعت مین مشغول ہوتا ہے یہ کمال کسی مین نہین اور گو جنات مین بھی یہ تعلقات پائے جاتے ہین مگر حالات کے تتبع و تدبر سے معلوم ہوتا ہے کہ جن مین انس کی برابر تعلقات نہین نہ کثرت مین نہ شدت مین۔ باقی اصل استدلال اس مقام مین کرّمنا سے ہے یہ تو تفضیل کی دلیل نقلی ہے آگے دلیل عقلی سے تفضیل ہے جسمین کلام کا مدار صفات روح پر رکھا ہے جیسے سابق مین کلام کا مدار صفات قلب پر رکھا تھا کما یدل علیہ قولہ الماضی۔ بر گذشت از چرخ و از کوکب بدل۔ پس فرماتے ہین کہ) زمین اور آسمان کے سامنے کبھی کسی نے اپنی خوبصورتی اور خوش فہمی اور حسن کلام اور تمناؤن کو پیش کیا ہے (کہ مجھمین یہ صفات ہین یعنی کبھی) نہین کیونکہ اُنمین ایسی روح مدرکہ نہین جو اِن امور کا ادراک کرے تو روح ایسی چیز ہوئی کہ جسمین روح نہ ہو وہ عرفاً قابل شمار نہین سمجھا جاتا اسی کو دوسرے الفاظ سے کہتے ہین کہ) کبھی تمنے آسمان پر خوبروئی اور اصابت رائے کو پیش کیا ہے (مثلاً اور اسی طرح) کبھی تمنے اے فرزند تصویر ہائے حمام کے سامنے اپنا اندام سیمین پیش کیا ہے (ہرگز نہین کیا بلکہ) اُن حور تمثال تصویرون سے گذر کر (بعض اوقات) ایک عجوزہ نیم کور کے ساتھ خلوت (یا بخلاف نسخہ جلوت) مین بیٹھے ہونگے (باوجودیکہ اسکی صورت ایسی نہین ہو آخر) عجوزہ مین وہ کیا چیز ہے جو ان تصویرون مین نہین جو کہ تجکو اُن تصویرون سے ہٹا کر اپنی طرف لے گئی سو تم (اگر کسی وجہ سے) نہ کہو تو مین بیان مین کہے دیتا ہون (کہ وہ چیز) عقل اور حواس اور ادراک اور تدبیر اور روح ہے (روح سے پہلے کی چیزین روح کے متعلقات و افعال ہین یعنی) عجوزہ مین ایک ایسی روح ہے جو آمیزش (اور کشش) کرنے والی ہے (اور) تصویر ہائے حمام مین روح نہین ہے (ورنہ اُن تصویرون کی صورت تو ایسی ہے کہ) اگر تصویر حمام (ذی روح ہو کر نہ کہ کسی شعبدہ سے) حرکت کرنے لگے تو فوراً صد ہا عجوز سے تجکو (دل) برداختہ کردے (یہ دلیل عقلی ہوگئی) ف فلک سے مراد آسمان نہ لیا جاوے کہ اصل عطف مین تغائر ہے متعاطفین کا بلکہ دائرہ مراد لیا جاوے جو آسمان کی حرکت سے پیدا ہوتا ہے جیسے معدل النہار و منطقۃ البروج وغیرہما۔

جان چہ باشد با خبر از خیر و شر — **شاد با احسان و گریان از ضرر**

جان کیسی چیز ہوتی ہے؟ جو کہ خیر و شر سے باخبر ہو — احسان سے خوش ہو اور ضرر سے گریان ہو

چون سر و ماہیت جان مخبر ست — **ہر کہ او آگاہ تر با جان تر ست**

جبکہ حقیقت اور ماہیت روح کی باخبر ہونے کی صفت ہے — تو جو شخص زیادہ باخبر ہوگا وہ زیادہ باجان ہوگا

اقتضاے جان چو اے دل آگہی ست — **ہر کہ آگہ تر بود جانش قوی ست**

اے دل جب روح کا اقتضا باخبری ہے — تو جو زیادہ باخبر ہوگا اُسکی روح زیادہ قوی ہوگی

خود جہان جان سراسر آگہی ست — **ہر کہ بیجان ست از دانش تہی ست**

عالم ارواح سراسر باخبری ہے — تو جو شخص بے روح ہو وہ دانش سے خالی ہے

روح را تاثیر آگاہی بود — **ہر کرا این بیش اللّٰہی بود**

روح کا اثر باخبری ہے — جس کو یہ زیادہ ہے وہ اللہ والا ہے

چون خبرہا ہست بیرون زین نہاد — **باشد این جانہا دران میدان جماد**

جب بہت سے علوم اس صورۃ نوعیہ سے خارج ہین — تو یہ ارواح اُس میدان مین جماد ہونگے

جان اول مظہر درگاہ شد — **جان جان خود مظہر اللہ شد**

جانِ اول مظہر درگاہ ہے — اور جان جان مظہر اللہ ہے

(اوپر روح انسانی کی فضیلت عامہ کا بیان تھا جو کہ مشترک تھی درمیان مومن و کافر و مطیع و عاصی و محق و مبطل کے کہ ادراک کلیات و معقولات بھی اُن کا خاصہ مشترکہ ہے اب اسمین تخصیص کرتے ہین روح عارف کی جسکی فضیلت خاصہ سے کلام شروع ہوا تھا اس شعر مین ،، باز چون جان رو سوے جانان نہد آہ ،، جو کہ سرخی سوال سائل سے اوپر تھا اور ہمت اُسی کا خاصہ مختصہ ہے جو اس شعر مین مذکور تھا ،، مرغ با پر می پرد تا آشیان + پر مردم ہمت ست اے مردمان ،، جو کہ قصہ سرخی مذکورہ کے بعد متصل تھا پس فرماتے ہین کہ) جان کیسی چیز ہوتی ہے (آگے خود جواب دیتے ہین کہ) جو کہ خیر و شر (یعنی نفع و ضرر) سے باخبر ہو (یعنی) احسان (و نفع) سے خوش ہو اور ضرر سے گریان ہو (اس تفسیر مین

اشارہ ہوگیا کہ باخبر ہونے سے مراد صرف علم نہیں بلکہ اُس علم سے متاثر ہوکر اُسپر عمل ورا ُسکے حال سے متصف ہونا بھی ہے جوکہ شان ہوتی ہے عارف کی مطلب یہ کہ روح انسانی مین امتیاز اسی سے ہے کہ وہ خیر وشر کو ادراک کرتی ہے اور ظاہر ہے کہ ادراک فی نفسہ مقصود نہین بلکہ اپنی غایت کے لیے مقصود ہے پس جہان غایت نہ ہوگی وہ ادراک کالعدم ہوگا اور غایت ہے جلب خیر ودفع شر اور خیر وشر مین بھی معتدبہ وہی ہے جو حقیقی یعنی اخروی ہو پس روح قابلِ امتیاز روح وہی ہوئی جو جالب خیرِ اخروی ودافع شر اخروی ہو پس روح کہنے کے قابل ایسی ہی روح ہوئی اور جو روح ایسی نہ ہوگویا وہ لا روح ہے آگے اسی کو مفصل فرماتے ہین کہ) جبکہ حقیقت اور ماہیت (یعنی فصل منوع) روح (انسانی) کے باخبر ہونے کی صفت ہے (چنانچہ ناطق کے مفہوم کا یہی حاصل ہے) تو جو شخص زیادہ باخبر ہوگا وہ زیادہ باجان (کہلانے کے قابل) ہوگا (اس سے ماہیت مین تشکیک لازم نہین آتی- با جان تو باعتبار ماہیت کے سب ایک ہی درجہ مین ہین بلکہ مطلب یہ ہے کہ نفس ماہیت قابل اعتدا وہی نہین بلکہ اُس ماہیت کے کمالات گو وہ داخل ماہیت نہ ہون مقصود ہین تو وہ کمالات مقصودہ جہان زیادہ ہون گے وہی فرد اُس ماہیت کی معتدبہ ہوگی باقی غیر معتدبہ آگے بھی یہی مضمون ہے کہ) جب روح کا اقتضا باخبری ہے تو جو زیادہ باخبر ہوگا اُسکی روح زیادہ قوی ہوگی (اور جبکہ) عالمِ ارواح سراسر باخبری ہے (یعنی عالم ارواح اس فصل کا محل ہے مبالغۃً مصدر کو ذات پر محمول کردیا) تو جو شخص بےروح (کہلانے کے قابل) ہو (وہ وہی ہے جوکہ) دانش (وخبر) سے خالی ہے (اور جبکہ روح کا (خاص) اثر باخبری ہے (تو) جسکو یہ زیادہ ہے وہ اللہ والا ہے (اسمین تصریح ہوگئی مضمون مصرعہ "شاد با احسان وگریان از ضرر" کی حاصل یہ کہ نظر بر بنا مذکور روح مقصود بالبحث روح عارف باللہ کی ہے اور دوسری ارواح انسانیہ کو اُس سے باعتبار غایات مذکورہ کے وہ نسبت ہے جو جسم بےروح یعنی خالی عن الروح الانسانی کو کہ شامل ہے جسم متلبس بالروح الحیوانی کو مطلق روح انسانی سے ہے چنانچہ فرماتے ہین کہ) جب بہت سے علوم (یعنی معارف الٰہیہ) اس صورۃ نوعیہ سے خارج ہین (مراد یہ کہ نہ داخل ذات ہین اور نہ لوازم ذات کہ خلو اُن سے محال ہو بلکہ خطیرۂ قدس سے مناسبت پیدا ہوتے پر اُن کا افاضہ موقوف ہے اور وہ موقوف ہے طلب وہمت پر) تو یہ ارواح (انسانیہ عامہ) اُس میدان (یعنی خطیرۂ قدس) مین (گویا) جماد (کے حکم مین) ہون گے (جماد سے مراد جسم بےروح ہے بالمعنی الذی ذُکِرَ اٰنِفًا یعنی باعتبار علوم عقلیہ کے جو نسبت غیر انسان کو انسان سے ہے وہی نسبت باعتبار علوم مقصودہ کے مطلق انسان کو اس انسان کامل سے ہے پس اس تفاوت کے اعتبار سے) جانِ اول مظہر درگاہ ہے اور جانِ جان مظہر اللہ ہے (جان اول سے مراد مطلق روح انسانی کہ اول خلقت انسانیہ مین اُسکا تعلق تدبیر وتصرف جسد سے ہوتا ہے جسکو اصطلاح مین ولادت اولی کہتے ہین اور جان جان سے مراد روح انسانی جبکہ وہ علوم ومعارف واحوال وکمالات سے متصف ہوجاتی ہے جسکو اصطلاح مین ولادت ثانیہ کہتے ہین اور جانِ جان کہنا اُسکو اس اعتبار سے ہے کہ گویا وہ اس صفت کے اعتبار سے روح کا خلاصہ اور سلالہ ہے اور درگاہ بمعنی درگاہ حق سے مراد مرتبہ مطلق صفات حق کا اور اللہ سے مراد مرتبہ الوہیۃ بمعنی المعبودیۃ کا تفصیل اس اجمال کی یہ ہے

کہ انسان میں دو قسم کی صفات ہیں ایک وہ جنکو تشریعًا مطلوب نہیں خواہ وہ اضطراری ہوں جیسے سمع و بصر وغیرہ یا اختیاری ہوں جیسے معصیت وغیرہ اور دوسرے وہ جو تشریعًا مطلوب ہیں اور وہ سب عبادات اختیاریہ ہیں اور اِن سب صفات میں وہ مظہر واجب کا ہے۔ لیکن قسم اول صفات چونکہ عبادات نہیں اُنکا تعلق مطلق مرتبہ صفات سے شعر مذکور میں کہا اور قسم ثانی صفات چونکہ عبادات ہیں اِسلیے اُنکو مظہر ذات کا باعتبار صفت الوہیۃ و معبودیۃ کے کہا یہ توجیہ ہے عنوان کی باقی مقصود معنون و حکم بالتقسیم نہیں ہے بلکہ صرف تفاوت اسمیں بیان کرنا ہے کہ مطلق روح انسانی چونکہ متصف بالعبادۃ والمعرفۃ نہیں اور روح عارف اُس سے متصف ہے اِسلیے وہ اول اِس ثانی کے سامنے کچھ بھی نہیں)

آن ملائک جملہ عقل و جان بُدند

ملائکہ سراسر عقل و روح تھے

جانِ نو آمد کہ جسم آن شدند

ایک جدید روح ایسی آئی کہ وہ اسکے جسم ہوگئے

از سعادت چون بر آن جان بر زدند

جب سعادت سے وہ ملائکہ اُس روح سے جاملے

ہمچو تن آن روح را خادم شدند

تو مثل جسم کے اُس روح کے خادم ہو گئے

آن بلیس از جان ازان سر بُردہ بود

اُس ابلیس نے روح سے اِسلیے سرتابی کی تھی

یک نشد با جان کہ عضوِ مُردہ بود

یعنی اِسلیے روح کے ساتھ متحد نہ ہوا کہ وہ عضو مردہ تھا

چون نبودش آن فدای آن نشد

چونکہ اُسکو وہ سعادت نہ تھی اِسلیے وہ اُس روح کا فدائی نہ بنا

دستِ بشکستہ مطیعِ جان نشد

شکستہ ہاتھ روح کا مطیع نہ رہا

جان نشد ناقص گر آن عضوش شکست

جان ناقص نہیں ہوئی اگر اُسکا وہ عضو شکستہ ہوگیا

کان بدستِ اوست تاند کرد ہست

کیونکہ وہ اُسکے قبضہ میں ہے کہ اُسکو ہست کرسکتی ہے

(بر زدند ملاقی شدند سر بردہ بود سرتافتہ بود و جملہ یک نشد با جان تفسیر سر بردہ بود۔ کذا فی الحواشی۔ اوپر روح عارف کا افضل ہونا مطلق روح انسانی سے مذکور تھا یہاں اُس سے ترقی کرکے اُسکا روح ملائکہ سے بھی افضل ہونا بیان فرماتے ہیں باعتبار التفصیل المذکور فی الکلام ان خواص البشر کالانبیاء علیہم السلام افضل من خواص الملٰئکۃ و عوام البشر کالاولیاء و الصلحاء افضل من عوام الملٰئکۃ یعنی مطلق روح انسانی کی نسبت روح ... کامل کے ساتھ ایسی ہونا جیسے جسم کو روح انسانی سے ہے یہ تو کیا بعید ہے جبکہ روح انسانی سے بڑھکر

روح ملائکہ کو بھی اُس روح عارف کامل کے ساتھ یہی نسبت جسم الی الروح کی سی ہے چنانچہ) ملائکہ اب وجود یکہ سراسر عقل و روح تھے (مگر) ایک جدید روح ایسی آئی کہ وہ (ملائکہ) اُس (روح) کے جسم ہو گئے مراد بات سے حضرت آدم علیہ السلام کہ عارف کامل ہیں اور جسم ہونیسے مراد تابع ہونا ہے جسکی ایک ظاہری صورت سجدۂ تحیہ ہے چنانچہ آگے اسی کے تابع ہونے کی تصریح ہے یعنی) جب سعادت سے وہ ملائکہ اُس روح (جدید) سے جا ملے تو مثل جسم کے اس روح کے خادم (تابع) ہو گئے (اور) اُس ابلیس نے اُس روح سے اِسلیے سرتابی کی تھی یعنی اسلیے (اُس) روح کے ساتھ متحد (اور موافق یعنی مطیع) نہ ہوا کہ وہ عضو مردہ تھا (اور عضو مردہ کو روح سے علاقہ اتحاد یعنی حلول سریانی کا نہیں ہوتا اور اسلیے وہ اُسکا مطاوع نہیں ہوتا چنانچہ حرکت وغیرہ نہیں کرتا اور عضو مردہ کے مثل اِس لیے تھا کہ وہ صاحب سعادت نہ تھا جیسے ملائکہ صاحبِ سعادت تھے کما مر من قولہ از سعادت الخ آگے اسی کو فرماتے ہیں کہ) چونکہ اُس (ابلیس) کو وہ سعادت (نصیب) نہ تھی (اِس لیے وہ اُس روح کا فدائی (و تابع) نہ بنا (جیسے کسی کا) شکستہ ہاتھ (جسمیں حیات نہ رہی ہو اور اسلیے وہ) روح کا مطیع نہ رہا۔ خلاصہ یہ کہ مناسبت مع روح آدم کا سبب سعادت تھا اور عدم مناسبت کا سبب عدم سعادت آگے رفع ایہام کا ہے جو دست شکستہ کے ساتھ تشبیہ دینے سے واقع ہو سکتا تھا کہ دست کے شکستہ ہونیسے تو صاحب دست میں نقصان آجاتا ہے اسی طرح شاید ابلیس کے منقاد نہ ہونے سے آدم علیہ السلام کے کمال میں کچھ نقص ہو گیا ہوگا اُس ایہام کو رفع فرماتے ہیں کہ) جان ناقص نہیں ہوئی اگر اُس کا وہ عضو (یعنی ہاتھ) شکستہ ہو گیا کیونکہ وہ (ہاتھ) اُس (جان) کے قبضہ میں ہے کہ اُسکو ہست (اور موجود) کر سکتی ہے (مراد اُسکے قبضہ میں ہونیسے اُسکے آثار و غایات کا قبضہ میں ہونا ہے اور تا ندکر وہست سے مراد یہ ہے کہ اُسکے ہست ہونے پر جو غایات مرتب تھیں وہ روح اُن غایات کی تحصیل و تکمیل کر سکتی ہے اسکو مجازاً ہاتھ کی ہستی کہدیا گویا حکماً ہاتھ ہی موجود ہو گیا۔ شرح اسکی یہ ہے کہ ابلیس کے مطاوع ہونیسے جو فضل و کمال آدم علیہ السلام کا ظاہر ہوتا یا اُنکو حاصل ہوتا وہ اب دوسرے طریق سے ظاہر یا حاصل ہو گیا اور وہ کمال یہ تھا کہ آدم علیہ السلام کا قرب و قبول زائد مرتب ہوتا سو یہ بات اُسکی مخالفت میں بھی باختیار آدم علیہ السلام اسطرح میسر ہو سکتی ہے اور میسر ہوئی بھی کہ اُسکے اضلال و اغوار فی المعاصی کے رد کرنیسے انکا مجاہدہ بڑھا اور وہ سبب ہو گیا ترتب زیادت قرب و قبول کا بس اصل میں امر اختیاری مجاہدہ ہے جو سبب ہے قرب کا اور یہی قرب مرتب ہوتا مطاوعت ابلیس پر بس گویا حکماً ابلیس کا مطاوع ہونا بقبضۂ آدم علیہ السلام ہو گیا اِس لیے یہ کہنا صحیح ہو گیا جان نشد ناقص الخ اور مقصود تخصیص آدم علیہ السلام کی نہیں سب خواص مقبولین کا یہی حکم ہے اور اغواء فی المعاصی کی قید سے زلات خارج ہو گئے فلا نقض بہا و ھکذا حق المقام ان یفھم۔ اور سرخی سوال سائل سے یہان تک سب مضامین کا ارتباط سب اشعار کی تمہید سے ظاہر ہونے کے بعد معلوم ہو گیا ہوگا کہ مقصود مشترک تمام تر اشعار کا مدح ہے اہل کمال کی بغرض ترغیب اُنکی صحبت و اتباع کے اور آئندہ بھی چھ سات شعر کے بعد

کہ اُن میں انتقال ہے دوسرے مضمون کی طرف پھر اسی اتباع کی ترغیب ہے اور ساتھ ہی اس دوسرے مضمون سے بھی اُسکو ارتباط ہے چنانچہ اُسکے مطالعہ سے ظاہر ہوگا)

سرِّ دیگر ہست کو گوشِ دگر
ایک دوسرا راز بھی ہے۔ دوسرا کان کہاں ہے

طوطیے کو مستعدِّ آن شکر
ایسی طوطی جو اُس شکر کی استعداد رکھتی ہو کہاں ہے

طوطیانِ خاص را قندیست ژرف
خاص طوطیوں کے لیے تو قند وافر موجود ہے

طوطیانِ عام ازین خور بستہ طرف
عام طوطیوں نے اِس غذا سے آنکھ ہی بند کر رکھی ہے

ناجز

کے چشند درویش صورت زان زکات
صورۃً درویش اِس پاکیزہ مضمون سے یا ان نکات سے کب ذوق حاصل کر سکتا ہے

معنی است آن نے فعولن فاعلات
وہ تو معنی دقیق ہے نہ کہ محض فعولن فاعلات

از خرِ عیسیٰ دریغش نیست قند
خرِ عیسیٰ سے اُن کو قند بھی دریغ نہیں

لیک خر آمد بخلقت کہ پسند
لیکن خر ہی خلقۃً کاہ پسند ہے

قند خر را گر طرب انگیختے
خر کے طرب کو اگر قند برانگیختہ کرتی

پیش خر قنطار شکر ریختے
تو وہ تو خر کے سامنے انبار شکر بکھیر دیتے

معنیٔ نختم علیٰ افواہہم
نختم علیٰ افواہہم کے معنی یہی سمجھو

این شناس این ست رہرو را مہم
یہ بات سالک کے لیے بہت ضروری ہے

(اوپر کاملین کے فضائل مقصوداً مذکور تھے جسکے ضمن میں یہ بھی بیان ہوا تھا کہ ابلیس کی مطاوعت نکرنے سے کمالِ آدم علیہ السلام میں کوئی نقصان نہیں ہوا اب اس مضمون ضمنی کی مناسبت سے مقصود مذکور کے علاوہ ایک دوسرے مضمون کی طرف انتقال ہے یعنی ضلالِ ابلیسی کا ایک سبب تو اُسکا بے سعادت ہونا ہے جسکا اوپر بیان ہوا اسکے علاوہ اسکا) ایک دوسرا راز بھی ہے (مگر اُسکے سُننے کے لیے) دوسرا کان کہاں ہے (آگے اسکی مثال ہے کہ) ایسی طوطی جو اُس شکر کی استعداد رکھتی ہو کہاں ہے خاص طوطیوں کے لیے تو قندِ وافر موجود ہے مگر سب تو خاص نہیں باقی) عام طوطیوں نے اس غذا سے آنکھ ہی بند کر رکھی ہے (اسیطرح

اسرار فہم لوگ بھی کم ہیں) صورت کا درویش (یعنی طالبِ صورت زیادہ ہیں جو طالبِ معنی نہیں مگر ایسا شخص)
اُس پاکیزہ مضمون سے یا ان نکات سے (لان النسخ مختلفۃ نکات فی بعضہا و نکات فی بعضہا) کب ذوق حاصل کرسکتا ہے
(کیونکہ) وہ تو معنی دقیق ہے (جسکا وہ طالب نہیں) نہ کہ محض فعولن فاعلات (یعنی الفاظ موزونہ کہ اُنکے لیے
فہم عمیق کی حاجت نہ ہو یعنی مضامین دقیقہ مشابہ قند میں نہ کمی ہے نہ اُنکے افادہ میں ہمکو بخل ہے مگر عام مخاطبین
میں کہ محض درویش صورت ہیں اُنکی استعداد نہیں اسلیے اُس راز متعلق بہ ضلال ابلیس کو ظاہر کرنا مصلحت نہیں
آگے اسکی اور مثال ہے کہ) خر عیسیٰ سے اُن (عیسیٰ علیہ السلام) کو قند (دینے میں) بھی دریغ نہیں لیکن
(خود) خر ہی خلقۃً (وطبعاً) کاہ پسند ہے (اور قند کی استعداد نہیں رکھتا ورنہ) خر کے طرب کو اگر قند
برانگیختہ کرتا (یعنی اُسکو قند کی رغبت ہوتی) تو وہ (یعنی عیسیٰ علیہ السلام) تو خر کے سامنے انبار شکر بکھیر دیتے
(مگر اُسمیں اسکی استعداد ہی نہیں۔ اسی طرح ہر مخاطب میں فہم اسرار کی استعداد نہیں اور) نَخْتِمُ عَلٰٓی
اَفْوَاهِهِمْ کے معنی یہی سمجھو (کہ اُن کے مونھوں پر ہم ایسی مُہر کردیتے ہیں کہ اُن کے مُنھ کے اندر ہی غذا
نہیں جاتیں کہ شکم تک پہونچیں۔ پس ختم علی الافواہ سے مراد اس توجیہ پر امتناع عن التکلم نہیں اور قرینہ
ترجیح اس توجیہ کا خصوصیت مقام کی ہے پس اس بنا پر یہ معنی ہوگیا خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ کا لیکن
نہ بمعنی فساد استعداد کہ مخصوص ہے بعض کفار کے ساتھ بلکہ بمعنی نقصان استعداد کہ عام ہے عوام مؤمنین
کو بھی جو اسرار کے اہل نہ ہوں اور) یہ بات (کہ نقصان استعداد مانع فہم اسرار ہے) سالک کے لیے (سمجھنا)
بہت ضروری ہے **ف** یہ تو اشعار کا حل ترجمہ تھا اب دو امر قابل سمجھنے کے ہیں اول یہ کہ وہ دوسرا
راز اضلال ابلیسی میں کیا ہے ہر چند کہ مولانا کے بیان نہ فرمانے کی حالت میں اُسکی تعیین کا دعوی مشکل ہے
لیکن احقر نے اس میں حضرت حق کی طرف رجوع کیا تو وجداناً قلب پر یہ وارد ہوا کہ وہ راز یہ ہے کہ حق تعالیٰ
کو اپنے بعض اسماء جلالیہ قہریہ کا ظہور فرمانا منظور تھا جیسے قہار و منتقم اور یہ ظہور موقوف ہے معصیت پر اور معصیت
موقوف ہے محرک معصیت پر اور تحریک موقوف ہے خود محرک کے ضلال پر اسلیے ابلیس ضال ہوا کہ پھر مضل ہوا اور
اُسکے آثار واقع ہوں۔ اور اُسپر وہ اسماء ظاہر ہوں اور اسی طرف اشارہ ہے اس حدیث میں لَوْ لَمْ
تُذْنِبُوْا لَذَهَبَ اللّٰهُ بِكُمْ جسکو احقر نے رسالہ حقیقۃ الطریقہ میں مفصل ذکر کیا ہے جو قابل ملاحظہ
ہے اور سبب اول مذکور فی الاشعار السابقہ میں اور اس سبب ثانی میں یہ فرق ہے کہ سبب اول علت تھی
ضلال کی اور یہ سبب حکمت ہے اُسکی اور ظاہر ہے کہ یہ راز ہر شخص کے سامنے کہنے کا نہیں کیونکہ اس سے
کم فہم کو شبہہ ہوتا ہے معاصی وضلال کے مطلوب ہونے کا گو خوش فہم مطلوبیۃ تکوینیہ و مطلوبیۃ تشریعیۃ
میں فرق کر کے شبہہ کو رفع کرسکتا ہے لیکن ایسے خوش فہم بھی تو کم ہیں۔ اور ترقی کر کے کہا جاسکتا ہے کہ
بعض اسماء لطیفہ جمالیہ کا ظہور بھی اس پر مرتب ہے چنانچہ عفو و غفار و تواب کا تو بہت ظاہر ہے وفیہ قیل
۵ گناہ من ار نامدے در شمار ۃ ترا نام کے بودے آمرزگار ۃ یعنی ظاہر نبودے۔ اور لرفع الدرجات

دواہب العطیات وغیرہ کا جو کہ خاص ہیں مقربین کے ساتھ اسطرح کہ زیادہ درجات وعطیات کا سبب طاعت میں مخالفت ہے اغواء ابلیس کی تو یہ مخالفت بطاعت بھی موقوف اسی پر ہوئی چنانچہ حضرت نے اوپر شعر" جان نشد ناقص آخر کی شرح میں اسکی تقریر بھی کی ہے اور اس شعر میں اس مضمون کی طرف اشارہ ہونا بھی مرجح ہوسکتا ہے ابن رازی کی تعیین کا کیونکہ اس مضمون مدلول کلام میں اور اس راز مظنون مقام میں ظہور اسماء امر مشترک ہے گو وہان اور اسماء ہون اور انکا ظہور بضمن ذکر عدم نقص آدم بمخالفت ابلیس لزوماً مفہوم ہوجاوے اور یہان اور اسماء ہون اور مقصوداً مدلول ہون دوسرا امر یہ ہے کہ شعر اخیر میں قرآن مجید کی تفسیر مقصود نہیں بلکہ تمثیل مقصود ہے یعنی خدانہ جانے کے لیے منھ بند ہونا مشابہ ہے تکلم سے منھ بند ہونے کے۔ آور اسکو علم اعتبار کہتے ہیں جسکی حقیقت احقر نے کلید مثنوی دفتر اول میں لکھی ہے ان اشتہیت فارجع الیہ

تا ز راہ خاتم پیغمبران | **بو کہ برخیزد ز لب ختم گران**

تاکہ خاتم النبیین صلے اللہ علیہ وسلم کے طریقہ پر چلنے سے | ممکن ہے کہ یہ مہر گران لب سے اٹھ جاوے

ختمہائے کانبیا بگذاشتند | **آن بدین احمدی برداشتند**

جو مہریں اور انبیا علیہم السلام چھوڑ گئے تھے | انکو دین محمدی صلی اللہ علیہ وسلم سرکار کنان قضا وقدر نے اٹھا دیا

قفلہائے ناکشادہ ماندہ بود | **از کف انّا فتحنا برکشود**

جو قفل بے کھلے رہ گئے تھے | وہ صاحب انا فتحنا کے دست مبارک سے کھلے

او شفیع است این جہان و آنجہان | **این جہان در دین و آنجا در جنان**

آپ شفیع ہیں اس عالم میں بھی اور اس عالم میں بھی | اس عالم میں تو دین کے باب میں اور اس جگہ جنت کے باب میں

این جہان گوید کہ تو رہ شان نما | **وان جہان گوید کہ تو مہ شان نما**

یہ عالم کہتا ہے کہ آپ ان لوگون کو رستہ دکھلائیے | اور وہ عالم کہتا ہے کہ آپ انکو جمال محبوب جو مشابہ ماہ کے ہے دکھلائیے

پیشہ اش اندر ظہور و در کمون | **اہد قومی انہم لا یعلمون**

آپ کا شیوہ علانیہ اور خفیہ یہ تھا | کہ آپ دعا کرتے تھے کہ میری قوم کو ہدایت فرما دیجئے وہ لوگ جانتے نہیں

باز گشتہ از دم او ہر دو باب | **در دو عالم دعوت او مستجاب**

آپ کے دم یعنی سخن سے دونون دروازے مفتوح ہوگئے | دونون عالم میں آپ کی دعا مقبول ہے

(اور یہ فرمایا تھا کہ سالک کو اس بات کا سمجھنا اور یاد رکھنا بہت ضروری ہے کہ یہ مہر یعنی نقصان استعداد مانع فہم اسرار ہے۔ اس سمجھنے کی غایت اور وجہ لزوم اس مہر کے رفع کی علت اور طریق تبلاتے ہیں یعنی سالک کو یہ سمجھنا اسلیے ضروری ہے کہ) تاکہ خاتم النبیین صلے اللہ علیہ وسلم کے طریقہ پر چلنے سے ممکن ہے کہ یہ مہر گران (جو اوپر مذکور ہوئی) لب سے ٹوٹ جاوے (حاصل یہ کہ اس مہر کا ٹوٹنا صرف حضرات انبیا علیہم السلام کے خصوص حضرت خاتم الانبیا علیہ السلام کے اتباع میں منحصر ہے یعنی علوم فلاسفہ یا محض مجاہدات ومکاشفات اسمیں ناکافی ہیں صرف صاحب وحی کے اتباع سے ایسی استعداد پیدا ہوسکتی ہے جب سالک اُس مہر کی مانعیت کو سمجھے گا تو اُسکے رفع کا طالب ہوگا اور رفع منحصر ہے اس اتباع میں پس وہ اتباع کرے گا اور ہر چند کہ ہر نبی کے اتباع کا یہی خاصہ ہے مگر حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی تخصیص ایک اسلیے ہے کہ اسوقت آپ کا دورہ ہے دوسرے اسلیے کہ حصول استعداد لازم لرفع الختم کے بھی مراتب مختلف ہیں اور حضرات کے اتباع سے جسقدر استعداد حاصل ہوسکتی ہے حضور کے اتباع سے اُس سے ازید واکمل استعداد حاصل ہوگی اور عجب نہیں کہ شعر ہذا میں اسی لیے ختم میں گران کی قید لگائی ہو یعنی آپ کی ایسی برکت ہے کہ کیسا ہی عظیم حجاب ہو وہ بھی رفع ہو جاتا ہے جو حاجب تھا اسرار عظیمۃ الشان کا اور لب سے مراد یا تو لب مخاطب ہے جیسا اوپر کے شعر میں اَقْفَالُهَا کی توجیہ گذری ہے اور یا لب متکلم بالاسرار کیونکہ نقص استعداد مخاطب جیسا فہم سے مانع ہے اُسی طرح متکلم کو تکلم سے بھی مانع ہے پس کمال استعداد کے وقت وہ مہر بھی ٹوٹ جاوے گی۔ مقصود ہر حال میں حکم کرتا ہے حصول استعداد کا اور ممکن اسلیے کہا کہ استعدادات کا اختلاف فطری ہے جسمیں فطرۃً زیادہ رکھی گئی ہے اتباع سے اُسکے کمال کا ظہور ہو جاوے گا اور جسمیں فطرۃً کم ہے اتباع سے اُسکا حدوث نہ ہوگا لیکن یہ نہ سمجھا جاوے کہ اتباع بے اثر رہا اصل یہ ہے کہ اتباع کا اصل اثر جو کہ مقصود ہے رضائے حق ہے نہ کہ اسرار علمیہ وکشفیہ کا سمجھنا اور رضائے حق ہر حال میں اتباع کے لیے لازم ہے پس فہم اسرار تو اتباع کا خاصہ غیر لازمہ ہے اور رضائے حق اتباع کا خاصہ لازمہ ہے آگے حضور صلے اللہ علیہ وسلم اور دوسرے حضرات انبیا علیہم السلام کے اتباع میں وہی تفاوت استعداد کی اکملیت وکاملیت کا بیان کرتے ہیں یعنی) جو مہریں اور انبیا علیہم السلام (سے کھلی) چھوڑ گئے تھے اُن کو دین محمدی صلی اللہ علیہ وسلم (کے اتباع) سے کارکنان قضا وقدر نے اُٹھا دیا (یعنی بہت سے حجابات اُن حضرات کے اتباع سے بھی رفع ہوئے جس سے اُنکے تابعین کو استعداد کامل حاصل ہوئی اور علوم کاملہ عطا ہوئے لیکن بعضے حجابات رہ بھی گئے تھے وہ حضور کے اتباع سے مرتفع ہوئے جس سے آپکے تابعین کو استعداد اکمل حاصل ہوئی اور علوم بھی اکمل عطا ہوئے کما وقع الیہ الاشارۃ فی حدیث علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل وانہ وان لم ینقل لفظاً لکنہ صحیح معنیً کما حققہ فی المقاصد الحسنۃ وفی حدیث فضل ہذہ الامۃ قال اللہ تعالیٰ اعطیہم من علمی کذا فی المشکوٰۃ پس تفاوت ناقص وکامل کا نہیں ہے بلکہ کامل واکمل کا ہے) جو قفل بے کھلے رہ گئے تھے وہ صاحب اِنَّا فَتَحْنَا کے دست مبارک سے کھلے (چونکہ اِنَّا فَتَحْنَا حضور پر نازل ہوئی اسلیے آپ کو صاحب اِنَّا فَتَحْنَا کہدیا اور خاص اس مادہ میں یہ بھی

اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جوآپ کو فتح دینے کی خبر دی ہے یہ فتح عام ہے فتح ظاہری فتح بلاد کو اور فتح باطنی فتح قلوب کو جیسا ایک حدیث مین ہے یفتح اللہ بہ اعینا عمیا واذانا صما وقلوبا غلفا الحدیث اور فاتح آپکا لقب بھی آیا ہے پس آپ شفیع ہین اِس عالم مین بھی اور اُس عالم مین بھی۔ اِس عالم مین تو دین کے باب مین (کہ دین اکمل کی طرف ہماری رہبری کی) اور اُس جگہ جنت کے باب مین (کہ جنت کی طرف ہماری رہنمائی فرمائی پس) یہ عالم (زبان حال آپ سے کہتا ہے کہ آپ اِن لوگون کو (دین کا) رستہ دکھلایئے اور وہ عالم کہہ رہا ہے کہ آپ اِن کو جمالِ محبوب جو مشابہ ماہ (تمام) کے ہے دکھلایئے (اِس تشبیہ مین اشارہ ہے اُس حدیث کی طرف ستروں ربکم یوم القیامۃ کما ترون القمر لیلۃ البدر) اور دین اسلام اور تمامے دارالسلام دونون کو ثمرۂ شفاعت اِس لیے کہا کہ وہان تو شفاعت ظاہر ہی ہے گو کسی کے لیے مغفرت کی اور کسی کے لیے رفع درجات کی اور یہان بھی آپ دعا ہدایت وثبات کی برابر فرماتے رہتے تھے اُس دعا کی برکت سے احکام دین بھی زیادہ کامل البرکت نازل ہوتے تھے اور ثبات بھی میسر ہوتا تھا اور چونکہ یہ سب اقسام ہین فتح باطنی کے کہ دین کامل سے حجابات جہل وظلمت مرتفع ہوئے اور دخول جنت سے حجابات بعد مرتفع ہوئے اسلیے یہ شعر ماقبل کے مناسب اور اُس پر مرتب ہوگیا آگے ترقی ہے کہ آپ کی شفاعت اپنے متبعین کے لیے تو کیون نہ ہوتی مخالفین کے لیے بھی آپ کو اُس سے دریغ نہ تھا چنانچہ) آپ کا شیوہ علانیہ اور خفیہ تھا کہ آپ دعا کرتے تھے کہ میری قوم کو ہدایت فرما دیجیے وہ لوگ جانتے نہین (اور ہدایت مستلزم ہے فتح اقفال کو پس مخالفین کے لیے بھی فتح اقفال ورفع ختم وحصول استعداد کی دعا فرماتے تھے آگے تفریع ہے شفیع دوجہان ہونے پر کہ) آپکے دم یعنی سخن سے (مراد زبان ہے کہ آلہ ہے دعا کا) دونون دروازے امراد دونون عالم ہین) مفتوح ہوگئے (جیسا اوپر بیان ہوا اور) دونون عالم مین آپ کی دعا مقبول ہے (اس سے یہ شبہہ نہ کیا جاوے کہ کوئی دعا آپ کی غیر مستجاب نہین خود حدیثون مین امت کے بارہ مین تا اتفاقی نہ ہونے کی دعا کا مستجاب نہ ہونا وارد ہے۔ معنی یہ ہین کہ جسکو جو ملا ہے آپ کی دعا کی برکت سے اور جسکا ملنا ہی قرین حکمت نہ تھا اُس کا ذکر نہین پس دعوت او مستجاب ،، قضیہ غیر مسورہ بحکم جزئیہ ہے)، **ف**

شعر اول یعنی تازراہ خاتم پیغمبران + بوکہ برخیزد زلب ختم گران ۞مین آپ کا لقب خاتم لانا رفع ختم گران کی مناسبت سے نہ سمجھا جاوے کہ ظاہراً تو وہ ختم کے مناسب ہے نہ کہ رفع ختم کے بلکہ اس حیثیت سے تو آپ کا لقب فاتح ہے چنانچہ اسکے بعد از کف انا فتحنا مین اور اُسکے بعد باز گشتہ الخ مین اس طرف اشارہ بھی ہے بلکہ لقب خاتم لانیسے مقصود آپ کی اکملیت کا بیان کرنا ہے فضائل مین کہ اُنہین سے وہ حیثیت مذکورہ بھی ہے یعنی چونکہ آپ جمیع کمالات مین ایسے اکمل ہین کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو خاتم کمالات بنا دیا اسلیے فاتحیت مین بھی اکمل ہین کہ آپ سبب ہوگئے رفع ختوم کے پس اس بنا پر فاتح ہونے مین بھی خاتم ہین چنانچہ آگے اس معنی کی تصریح ہے اس شعر مین ،، درکشاد ختمہا تو خاتمی ۞ والحمد للہ علی ما افہمنی ہذا المقام

بہرِ او خاتم شدست او کہ بجود — مثل او نے بود و نے خواہند بود

آپ خاتم اسی لیے ہوئے ہین کہ فیض رسانی مین — نہ کوئی آپ کا مثل ہوا اور نہ آیندہ آپ کے مثل ہونگے

چونکہ در صنعت برد اُستاد دست — نے تو گوئی ختمِ صنعت بر تو است

جب کسی صنعت مین کوئی اُستاد سب سے فائق ہو جاتا ہے — تو کیا تم اسوقت مین کہا نہین کرتے کہ تم پر صنعت کا خاتمہ ہو گیا

در کشادِ ختمہا تو خاتمی — در جہانِ روح بخشان حاتمی

آپ ان ختوم کے فاتح ہونے مین بھی خاتم ہین — روح عطا کرنے والون کے عالم مین آپ حاتم ہین

ہست اشاراتِ محمد المراد — کُل کشاد اندر کشاد اندر کشاد

محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے اشارات — کل کے کل فتوح در فتوح در فتوح ہین

(اوپر آپ کے رافع الختوم و کاشف المکتوم کی صفت مین افضل و اکمل ہونے کے سلسلہ مین آپ کے فضائل مختصہ شفاعت مطلقہ وغیرہ کہ مستلزم ہین فائق علی جمیع الانبیا ہونے کو ذکر کیے تھے اب بھی اُسی مضمون کی تاکید ایک خاص طرز سے ہے کہ اُس پر استدلال کیا گیا ہے آپ کے خاتم ہونے سے جسکی طرف اوپر شعر " تازِ راہ خاتم پیغمبران الخ" مین اشارہ کیا گیا تھا جیسا کہ اوپر ختم **ف** مین احقر نے کسی قدر تقریر بھی کی ہے پس وہان جو اشارہ مذکور تھا یہان صراحۃً ہے یعنی) آپ خاتم اسی لیے ہوے ہین کہ فیض رسانی مین نہ کوئی آپ کا مثل ہوا اور نہ آیندہ آپ کے مثل ہون گے (یعنی آپ کا لقب خاتم بوجہ ختم زمانی کے تو ہے ہی لیکن اسمین منحصر نہین بلکہ اسوجہ سے بھی ہے کہ آپ پر کمالات ختم ہوئے ہین چنانچہ) جب کسی صنعت مین کوئی اُستاد سب سے فائق ہو جاتا ہے تو کیا تم اسوقت یون کہا نہین کرتے کہ تم پر صنعت کا خاتمہ ہو گیا۔ (اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا لقب خاتم اسوجہ سے بھی ہوا کہ آپ پر تمام کمالات نبوت ختم ہو گئے جنمین سے ایک کمال فاتحیت للختوم بھی ہے تو) آپ ان ختوم کے فاتح ہونے مین بھی خاتم ہین (اور) روح عطا کرنے والون کے عالم مین آپ حاتم ہین (روح سے مراد حیات قلب کہ علوم و احوال سے مسبب ہے اور روح بخشون سے مراد حضرات انبیا علیہم السلام کہ مفیضان علوم و حیات بخشندگان قلوب ہین یعنی طبقۂ انبیا علیہم السلام مین آپ افضل الواہبین ہین جیسے حاتم مالداران مین افضل الاسخیا تھا اور آپ کی تصریحات تو کیون نہ فاتح العلوم ہوتین) محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے (تو اشارات بھی) کل کے کل فتوح در فتوح ہین (کہ اُن سے علوم کا کشف و فتح ہوتا ہے یا تو اشارات کی تخصیص ذکری اسلیے ہے کہ غیر اشارہ پر دلالت بالاولیٰ ہو اور یا اشارہ اس طرف بھی ہو سکتا ہے

کہ جن اسرار غامضہ کا اس مقام پر ذکر ہے جیسا اوپر کے شعر مین مذکور تھا " سر دیگر ہست کو گوش دگر " الخ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام مین اشارۃً پائے جاتے ہین جیسا کہ احقر کی تقریر سے جو اس شعر کی شرح مین لکھی ہے ظاہر ہوگا ورنہ جو مضامین صراحۃً ارشاد ہین وہ سبب تشریع عام ہے اور اُسکی تبلیغ سب کی طرف واجب ہے اُسکی نسبت کو گوش دگر کہنا کب صحیح ہے **ف** اس کلام مین تصریح ہے کہ کُل صوفیہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت کے ہر مرتبہ مین خاتم اعتقاد رکھتے ہین خواہ وہ تشریع ہو یا غیر تشریع اور حضرت شیخ اکبرؒ کی طرف جو نبوت عامہ غیر تشریعیہ کا عدم انقطاع منسوب ہے تو وہ شیخ کی ایک اصطلاح ہے مراد اُس سے ولایت کا ایک مرتبہ ہے جسمین ولی محدّث و مُلہَم من اللہ ہوتا ہے کما اثبت الوحی بالمعنی الخاص للنحل فی القرآن کذا فی الحیاشتی من بحر العلوم وان اشتھیت التفصیل فطالعہ - اور مولانا نے جو خاتم کی تفسیر کی ہے یہی تفسیر بعینہٖ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب قدس اللہ سرہٗ نے فرمائی تھی جس پر لفظ پرستوں نے بیجا اور بیجا شغب کیا تھا اللہ تعالیٰ حقیقت شناسی عطا فرماوے اور احقر نے شعر ، بہر او خاتم شدست الخ کی شرح مین جو یہ عبارت بڑھا دی ہے - بوجہ ختم زمانی کے تو ہے ہی الخ اِس سے یہ شبہہ جاتا رہا کہ اِس تفسیر پر ختم زمانی کا ظاہراً انکار لازم آتا ہے خوب سمجھ لیا جاوے - اور ایک نسخہ مین مصرعۂ اخیرہ مین بجاے کشاد بکاف تازی کے گشاد بکاف عجمی ہے بمعنی خوش و خوشی و رہا کردن تیر از شست و بمعنی فتح اینجا بمعنی اخیرست ۱۲ ولی محمد

صد ہزاران آفرین بر جان او
آپکی روح مطہر پر ہزارون ثنا نازل ہون
بر قدوم و دور فرزندان او
آپکے فرزندونکی تشریف آوری اور گشت فرمائی پر بھی

آن خلیفہ زادگان مقبلش
آپ کے وہ با اقبال شہزادے
زادہ اند از عنصر جان و دلش
جو آپکے روح و قلب کے عنصر سے پیدا ہوئے ہین

گر ز بغداد و ہری یا از ری اند
اگر وہ بغداد و ہرات سے کے ہون یا رے کے ہون
بے مزاج آب و گل نسل وے اند
بدون ترکیب آب و گل کے آپ کی نسل ہین

شاخ گل ہر جا کہ روید ہم گل ست
شاخ گل جہان بھی پیدا ہو وہ شاخ گل ہی ہے
خم مل ہر جا کہ جوشد ہم مل ست
خم شراب جہان بھی جوش مین آجاوے وہ شراب ہی ہے

گر ز مغرب بر زند خورشید سر
اگر مغرب سے آفتاب نکل آوے
عین خورشید ست نے چیز دگر
تب بھی وہ خورشید ہی ہے اور چیز نہین ہے

عیب چینان را ازین دم کور دار	**هم بستّاری خود اے کردگار**
اے کردگار عیب چینون کو اپنی	ستّاری کے ساتھ اس سخن سے کور رکھو
گفت حق چشم خفاش بدسگال	**بستہ ام من ز آفتاب بے مثال**
حق تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ مین نے خفاش بدسگال کی آنکھین	آفتاب بے مثال سے بند کر رکھی ہین
از نظرہائے خفاش کم و کاست	**انجم و آن شمس نیز اندر خفاست**
خفاش مبتلائے کم و کاست کی ان نظرون سے	انجم بھی اور شمس بھی سب خفا مین ہین

(اوپر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فاتح ہونے کا مع دیگر فضائل مختصہ ذکر تھا اور اسی کے ساتھ اُن لوگون کا بھی ذکر تھا جن کی استعداد ین حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض سے کامل ہوگئین اب آپ پر مع اُن کے درود و دعا اور اُن حضرات کا آپ سے استفادہ باطنی کے روسے تعلق بنوۃ و ولدیت اور اُنکے فضائل ذکر فرماتے ہین کہ) آپ کی روح مطہر پر ہزارون ثنا نازل ہون (اور) آپکے فرزندون کی تشریف آوری اور گشت فرمائی پر بھی (ان دو حالتون کی تخصیص اسلیے کی کہ حکام کا افادہ رعایا کو ان ہی پر موقوف ہے آوین بھی اور پھرین بھی اللہ پھرین بھی اور فرزندون مین تخصیص نسبی فرزندون کی نہین بلکہ مراد اس سے معنوی فرزند ہین خواہ ان مین نسبی فرزندی بھی ہو یا نہ ہو یعنی) آپ کے وہ با اقبال شہزادے جو آپ کے روح و قلب کے عنصر سے پیدا ہوئے ہین (یعنی باطنی جوہر سے مستفید ہین) اگرچہ وہ بغداد و ہرات کے ہون یا رَے کے ہون (مگر) بدون ترکیب آب و گل کے آپکی نسل ہین (یعنی ان عناصر معروفہ و نسل ظاہری کے اعتبار سے خواہ آپ کی اولاد نہ ہون آگے اسکی مثال ہے کہ) شاخ گل جہان بھی پیدا ہو (یعنی خواہ باغ مین یا غیر باغ مین) وہ شاخ گل ہی ہے (اسی طرح) خم شراب جہان بھی جوش مین آجاوے (یعنی خواہ شرابخانہ مین یا غیر شرابخانہ مین) وہ شراب ہی ہے (پس جسطرح یہان معدن متعارف مین ہونا شرط تحقق حقیقت نہین اسی طرح گو معدن متعارف اولاد کا صلب والد ہے لیکن اگر حقیقت فرزندی کی پائی جاوے کہ انتساب روحی ہے تو اس معدن ظاہری مین نہ ہونا مخل فرزندی نہین آگے تیسری مثال ہے کہ) اگر مغرب سے آفتاب نکل آوے (جیسا قرب ساعت مین اسکا وقوع بھی ہوگا) تب بھی وہ خورشید ہی ہے اور چیز نہین ہے (حالانکہ مطلع متعارف اسکا مشرق ہی ہے اسی طرح مطلع متعارف اولاد کا صلب و رحم حسی ہے لیکن مطلع غیر متعارف مین سے طلوع ہونے پر بھی جبکہ حقیقت متبدل نہ ہو وہ اولاد ہی ہے اور حقیقت ہے انتساب روحی وہ نسل ظاہری نہ ہونے سے نہین بدلی پس وہ فرزند فرزند ہی ہے یہ اشارہ ہے حدیث مشہور اٰلُ مُحَمَّدٍ کُلُّ تَقِیٍّ کی طرف اوردہ فی الجامع الصغیر عن الطیالسی و فی کنوز الحقائق عن الطبرانی۔ اور لفظاً

اگرچہ یہ ضعیف ہو لیکن معنیً قرآن مجید سے ثابت ہے قال تعالیٰ اَلنَّبِیُّ اَوْلیٰ بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِھِمْ وَاَزْوَاجُہٗ اُمَّھَاتُھُمْ۔ اور ظاہر ہے کہ ازواج کی امومیت خود فرع ہے آپ کی ابوۃ کی کیونکہ اول علاقہ آپ سے ہوا اور بعض قراءات شاذہ میں اسکے بعد وَھُوَ اَبٌ لَّھُمْ بھی وارد ہے اور مقصود اس سے بنوۃ نسبیہ کی فضیلت کا انکار یا اہل بیت وغیر اہل بیت کے تسویہ کا اثبات نہیں ہے بلکہ مقصود یہ ہے کہ بنوۃ روحانیہ بھی فضیلت کی چیز ہے گو بنوۃ نسبیہ نہ ہو باقی جو جامع دونوں کا ہو وہ ایک وصف والے سے افضل ہے اور جہاں ایک ہی وصف ہو وہاں زیادہ قابل نظر وصف روحانی ہے آگے ایسے معنوی فرزندوں کے حسادہ و منکرین کی مذمت فرماتے ہیں جسکو بعنوان بددعا شروع کرتے ہیں کہ) اے کردگار عیب چینوں کو (جو ان حضرات میں عیب چینی کرتے ہیں) اپنی ستاری کے ساتھ اس سخن (مذکور سے منتفع ہونے) سے کور رکھ (یہاں یہ شبہہ نہ کیا جاوے کہ گمراہوں کے لیے تو بصیرت کی دعا کرنا چاہیے نہ کہ اور عمی کی بددعا۔ بات یہ ہے کہ یہ معلوم ہے کہ بعضوں کے لیے تکویناً یہی مقدر ہے کہ وہ اِس تحقیق سے منتفع نہ ہوں گے اور اتقیا کی متابعت سے استنکاف اور اُن پر حسد کرینگے اور جن کے لیے تکویناً مقدر ہو چکا ہے اُن کو کبھی بصیرت حاصل نہ ہوگی چنانچہ شعر آیندہ میں حق تعالیٰ کی اس عادت کے وقوع کی خود قرآن کے مضمون سے تصریح ہے،، گفت حق الخ فافہم

شرح۔ پس ایسوں کے لیے بددعا کرنا عین موافقت ہے ارادۂ حق کی بدون مخالفت کسی امر تشریعی کے پس اسمیں کوئی محذور نہیں اسکی ایسی مثال ہے جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بعد انکشاف اس تقدیر کے بددعا کی تھی رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰٓی اَمْوَالِھِمْ وَاشْدُدْ عَلٰی قُلُوْبِھِمْ فَلَا یُؤْمِنُوْا حَتّٰی یَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِیْمَ کذا اور یہ قید کہ بدون مخالفت امر تشریعی کے "اسلیے لگائی کہ اگر کسی کو خود یا کسی دلیل صحیح سے مکشوف و معلوم ہو جاوے کہ میرے لیے فلاں معصیت مقدر ہے تو اُسکے صدور کو موافقت ارادۂ حق کی بنا پر جائز نہ کہا جاوے گا کہ اُسمیں مخالفت ہے امر تشریعی و رضائے حق کی گو صدور ضرور ہو کر رہیگا مگر اُسکو یوں نہ کہینگے کہ اسمیں کوئی محذور نہیں اور مقصود زیادہ صیغۂ بددعا سے بھی اُن منکرین کی مذمت کا ظاہر کرنا ہے کہ وہ اس تحقیق سے منتفع نہ ہوں گے کما قال تعالیٰ فی تخصیص الانتفاع۔ قَدْ جَآءَکُمْ مِّنَ اللّٰہِ نُوْرٌ وَّکِتَابٌ مُّبِیْنٌ یَّھْدِیْ بِہِ اللّٰہُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَہٗ سُبُلَ السَّلَامِ الآیۃ وقال تعالیٰ قُلْ ھُوَ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ھُدًی وَّشِفَآءٌ وَّالَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ فِیْٓ اٰذَانِھِمْ وَقْرٌ وَّھُوَ عَلَیْھِمْ عَمًی الآیۃ اور ستاری سے اُسکو مسبب بنانا ستاری کے معنی مشہور کی بنا پر درست نہیں ہو سکتا بعض محشین نے اسکا قصد کر کے بہت تکلف کیا کہ کلام میں تعقید ہو گئی بلکہ ستاری کو عام لے لیا خواہ عیب پوشی ہو یا حقیقت پوشی کما قال تعالیٰ وَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ جَعَلْنَا بَیْنَکَ وَبَیْنَ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَۃِ حِجَابًا مَّسْتُوْرًا وَّجَعَلْنَا عَلٰی قُلُوْبِھِمْ اَکِنَّۃً اَنْ یَّفْقَھُوْہُ وَفِیْٓ اٰذَانِھِمْ وَقْرًا اسمیں حق تعالیٰ نے حقیقت پوشی کو جعل حجاب ساتر و مایرادفہ سے کہ حاصل اُسکا ستاری ہے تعبیر فرمایا پس

کلام بے تکلف درست ہوگیا فتدبر۔ تتمکر آگے تبلاتے ہین کہ ہم نے جو دعا کی ہے حق تعالیٰ کی یہی عادت ہے چنانچہ) حق تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ مین نے خفاش بدرسگال (یعنی کفار) کی (باطنی) آنکھین آفتاب بے مثال (یعنی ذات پاک محمدی صلے اللہ علیہ وسلم کے کمالات کے ادراک) سے بند کر رکھی ہین (وھو قوله تعالیٰ وَتَرَاهُمْ يَنظُرُونَ إِلَيْكَ وَهُمْ لَا يُبْصِرُونَ وقال تعالیٰ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فَأَصَمَّهُمْ وَأَعْمَىٰ أَبْصَارَهُمْ الآیۃ پس جب کمالات محمدیہ باوجود اسقدر وضوح مع شان الجمال کے بھی بعض کو مدرک نہین ہوتے تو کمالات اولیا اور اُنکی فضیلت بنسبت روحانیہ حضور کے ساتھ اگر انکو مدرک نہ ہون تو کیا بعید ہے غرض) خفاش مبتلائے کم وکاست (یعنی کم بینی وکورچشمی) کی نظرون سے انجم بھی (یعنی اولیاء) اور شمس بھی (یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم) سب خفا مین ہین اور شعر ہذا کی تمہید وتقریر ربط مین جو احقر نے قید مع شان الجمال کی بڑھائی اس سے ایک شبہہ دفع ہوگیا کہ عدم ادراک کمالات نبوت کا استلزام عدم ادراک کمالات ولایت کو مسلم نہین چنانچہ خفاش شمس کو ادراک نہین کرتا مگر انجم کو کرتا ہے جواب ظاہر ہے کہ خفاش مین جو مانع ادراک ہے حدت اور تیزی ہے وہ شمس معنوی مین مرتفع ہے اور وضوح زیادہ ہے تو اسکا مقتضا زیادہ ادراک تھا اب استلزام ظاہر ہے فافہم) **ف** ان مقبولین کی مدح مین گویا پھر عود ہے اُسی مضمون متہ غیبا تباع اہل کمال کی طرف جو بہت دور سے برابر چلا آرہا ہے چنانچہ اشعار رو آن ملا تک تاجان نشد آلخ کی شرح کے اخیر مین بھی اس پر تنبیہ کیا گیا ہے

تا الکلام متسق کله

نکو ہیدن ناموسہاے پوسیدہ را کہ مانع ذوق ایمان ودلیل ضعف صدق اند وراہزن صدہزار ابلہ

مناسبت اس سرخی کی ماقبل سے یہ ہے کہ اوپر مذمت اور مضرت مذکور تھی اہل اللہ سے انکار وحسد رکھنے والوں کی یہان علت اس انکار کی تبلاتے ہین کہ کبر نفس ہے جس سے عار اتباع سے پیدا ہوتی ہے اسی کبر کو ناموس سے تعبیر کرتے ہین اور پوسیدہ بمعنی کہنہ وضعیف اسلیے کہا کہ محض ایک خیالی چیز ہے چنانچہ جاہ کو کمال وہمی کہا گیا ہے اور ظاہر ہے کہ اسمین کوئی قوت نہین ہوتی کہ بنیاد ہی اسکی ضعیف ہے اور اسکا مانع ذوق ایمان وعلامت ذوق صدق اور رہزن حمقا نفس پرست ہونا ظاہر ہے اور بعض نسخون مین بجاے پوسیدہ کے پوشیدہ بشین معجمہ ہے بمعنی مخفی سو بوجہ صفت نفس ہونے کے مخفی ہونا اُسکا ظاہر ہے اور بعض نسخو نمین

اِس تاثر مِن الخیال الضعیف کی ایک مثال لکھی ہے جسکی عبارت بوجہ طول کے نقل نہین کی حاصل اُسکا یہ ہے کہ دو مخنث چلے جاتے تھے راہ مین کچھ بکریان ملین ایکنے چرواہے سے پوچھا کہ یہ بکریان مجکو کاٹین گی تو نہین؟ اُس نے کہا اگر تو مرد ہے تو سب تیرے لیے فدیہ اور مذبوح ہونے کے قابل ہین اور اگر تو مخنث ہے تو سب تیرے لیے اژدہا ہین اور دوسرے مخنث نے بکریان دیکھتے ہی راہ گریز اختیار کی اور پوچھا بھی نہین کبھی پوچھنے سے کاٹنے لگین پس جسطرح یہ بزدل گوسفند سے باوجود اُسکے ضعف کے متاثر ہوئے اسی طرح کم ہمت ضعیف القلب جاہ و ناموس سے باوجود اسمین قوت نہ ہونے کے متاثر ہوتا ہے۔

اے ضیاء الحق حسام الدین بیا — **اے صقال روح و سلطان ہدیٰ**

اے ضیاء الحق حسام الدین آئیے — اے صیقل کنندہ روح اور اے سلطان ہدایت

مثنوی را مسرح مشروح دہ — **صورت امثال او را روح دہ**

مثنوی کو میدانِ کشادہ دیجیے — اُس کی صورت حکایات کو روح دیدیجیے

تا حروفش جملہ عقل و جان شوند — **سوے خلدستان جان پران شوند**

تاکہ اُسکے الفاظ سر سر عقل و جان ہو جاوین — خلدستانِ جان کیطرف پران ہو جاوین

ہم بسعی تو ز ارواح آمدند — **سوے دام حرف مستحق شدند**

آپ ہی کی سعی سے عالمِ معانی سے آئے ہین — دام الفاظ کی طرف مقید ہو گئے ہین

باد عمرت در جہان ہمچون خضر — **جان فزا و دستگیر و مستمر**

خدا کرے آپ کی عمر دنیا مین خضر علیہ السلام کے مثل ہو — روح افزا بھی اور دستگیر اور دائم بھی

چون خضر و الیاس مانی در جہان — **تا زمین گردد ز لطفت آسمان**

آپ خضر اور الیاس علیہما السلام کی طرح دنیا مین رہین — تاکہ زمین آپکے فیض سے مثل آسمان کے ہو جاوے

گفتمے از لطف تو جزوے ز صد — **گر نبودے طمطراق چشم بد**

مین تو آپکے الطاف مین سے سو حصہ سے ایک حصہ کہتا — اگر نظر بد کا زور شور نہ ہوتا

[illegible]

لیک از چشمِ بدِ زہر آب دم	**زخمہائے روح فرسا خوردہ ام**
لیکن نظر بد سے جسکا دم یعنی اثر مثل زہر آب کے ہے	مین بہت سی روح فرسا کلفتین اُٹھا چکا ہون
جز برمزِ ذکرِ حالِ دیگران	**شرحِ حالت می نیارم در بیان**
بجز رمز یعنی ذکر حال دوسرے بزرگون کے	آپکی شرح حال کو مین بیان مین نہین لاتا
این بہانہ ہم ز دستانِ دلیست	**کہ ازو پاہائے دل اندر گلیست**
یہ بہانہ ایسے ہی دل کی شرارت سے ہے	کہ اس سے میرا پانون گل مین پھنسا ہوا ہے
صد دل و جان عاشقِ صانع شدہ	**چشمِ بد یا گوشِ بد مانع شدہ**
صدہا دل و جان صانع کے عاشق ہوے مین	چشم بد یا گوش بد مانع ہوگیا

ف آن اشعار مین بھی مثل سُرخی کے مذمت مضرت ہے ننگ و ناموس بیجا کی جو سبب ہے انکار و حسد اہل اللہ کا جو کہ اوپر کے اشعار مین مذکور تھا اور یہ مضمون اصل مین اس شعر سے شروع ہوا ہے، صد دل و جان عاشق صانع شدہ + چشم بد یا گوش بد مانع شدہ، اور دور تک چلا گیا ہے اور اسکے قبل کے اشعار بطور توطیہ و تمہید کے ہین کیونکہ ان شعر مین اس ناموس کی دو مضرتین مذکور ہین ایک تو یہ کہ صاحب ناموس کو مانع ہوتی ہے قبول حق سے اور اسی کی تائید کی ہے شعر مذکور کے مابعد کے اشعار سے، خود کیے بو طالب الخ اور یہی مضرت ماقبل سرخی مین بھی مذکور تھی، از نظرہاے خفاش الخ اور دوسری مضرت یہ کہ ناموس مخاطب کی متکلم بالحقائق کو مانع ہوتی ہے بعض حقائق کے اظہار سے جنکا اظہار واجب نہین مگر نافع ہوتا وہ متکلم اس خیال سے رک گیا کہ شاید کہ یہ مخاطب بوجہ ناموس کے انکار کر کے زیادہ متضرر ہو مثلاً مطلق کاملین مقبولین یا معین نبی کی فضیلت اور ترغیب اتباع تو ضروری مضمون تھا اس سے تو متکلم نہین رکتا اور کسی خاص مقبول ولی کی فضیلت اور ترغیب اتباع کا بیان کرنا واجب نہین مگر نافع ہونا ظاہر ہے کہ طالب حق کو بالکل سہولت ہو سکتی ہے۔ لیکن بعض اوقات متکلم اسلیے اس سے باز رہتا ہے کہ تعیین مین عار زیادہ ہوگی اور حسد سے انکار کرے گا اور زیادہ وبال و ضرر مین مبتلا ہوگا پس دوسری مضرت ناموس کی یہ ہوئی اور سرخی کے بعد سے شعر مذکور، صد دل و جان الخ کے قبل تک اس مضرت کا ذکر ہے اس عنوان سے کہ اول مولانا ضیاء الحق کی مجملاً کچھ مدح فرمائی اور اسکے بعد اس مدح کی تفصیل سے عذر فرمایا اور وجہ عذر یہی بیان کی کہ حُساد مخالفت کرینگے جس سے اُن کو نقصان پہونچنے کے علاوہ مجکو بھی اذیت ہوگی اسلیے مین اس سے باز رہتا ہون غرض دوسری مضرت یہ ہوئی پھر اس دوسری

حضرت اور یہاں حضرت مذکور نے قبل کے مجموعہ پر اس شعر کے مصرعہ ثانیہ کے مضمون کو متفرع فرما دینگے چشم بد یا گوش بد
مانع شدہ یعنی حضرت اولی تو بوجہ چشم بد کے ہے کہ چشم انکار سے دیکھا اسلیے حقیقت باوجود ظاہر کیے جانے کے
مخفی ہو گئی اور حضرت ثانیہ بوجہ گوش بد کے ہوئی کہ بعض خاص حقیقت اسکے خوف سے ظاہر ہی نہین کی گئی کہ توجہ
سے نہ سنے گا تو کان ہی مین نہ پہونچاؤ۔ مگر تعیین سے باز رہکر مولانا حقیقت ضروریہ سے باز نہین رہے یعنی مطلقاً
کاملین کے فضائل و مدائح کا بیان کرنا اور یہی معنی ہین اس شعر کے " جز برمز ذکر حال دیگران الخ اور اسکے ضمن مین
مثنوی کے کچھ فوائد کی طرف بھی اشارہ فرما دیا بوجہ اسکے کہ وہ مشتمل ہے ان مضامین نافعہ پر اور اس حیثیت خاصہ یعنی
ذکر منافع مثنوی سے یہ خاص چند اشعار گویا عود ہے بالکل اول دفتر ہذا کے اشعار کی طرف " اے حیات دل
الی قولہ تشنی حیت را نور دہ الخ۔ اور ان اشعار سے پچاس ساٹھ شعر بعد بھی مثنوی کے نافع ہونے کا مضمون
تھا اس سے بھی ارتباط ہو گیا۔ خوب سمجھ لو۔ اور اس تقریر سے معلوم ہو گیا ہو گا کہ اصل مقصود مقام کا ناموس کا
مانع ہونا ہے قبول حق سے اور اسکا مانع ہونا اسماع بعض حق غیر واجب سے صرف تبعاً بیان کر دیا گیا ہے اصل مقصود
نہین اور یہی اصل مقصود سرخی کے قبل بھی تھا اور سرخی مین بھی اور اس مضمون تبعی یعنی مانعیت عن الاسماع المذکور
کے بعد بھی پھر اسی کا سلسلہ چلا جاوے گا دور تک اور مناجات آئندہ اور حکایت غلام ہندو یہ سب اسی سے
مرتبط ہین فانتظرہ اور یہان یہ شبہہ نہ ہو کہ شروع دفتر ہذا کے ان اشعار مین " لیک دعوت وارد ست الی آخرہا
کہا ہے کہ کسی کا انکار مانع بیان نہین ہونا چاہیے اور یہان اسکو مانع فرمایا جواب یہ ہے کہ عدم مانعیت باعتبار
مضامین ضروریہ کے ہے اور مانعیت باعتبار مضامین مستحسنہ کے۔ اب اشعار کو حل کیا جاتا ہے بتوفیقہ تعالیٰ

حل اشعار اے ضیاء الحق حسام الدین آئیے (یعنی ادھر متوجہ ہوجیے) اے صیقل کنندہ روح اور اے
سلطان ہدایت (صقال مصدر ہے مبالغۃً اطلاق فرما دیا آگے بیاں کی غرض فرماتے ہین کہ) مثنوی کو میدان کشادہ
دیجیے (یعنی آپ اگر اس طرف توجہ کرینگے کہ مضامین مفیدہ بذریعہ تالیف مثنوی طالبین کے لیے سبب افادہ
ہون تو مثنوی کا سلسلہ ممتد ہو جاوے گا اور) اس (مثنوی) کی صورت حکایات کو روح دیدیجیے (امثال جمع
مثل بالتحتین داستان یعنی مثنوی کی حکایات مین جان ڈالدیجیے چنانچہ حکایات سے فوائد و حقائق مستنبط کیے گئے
ہین مطلب یہ کہ آپ کی توجہ سے مثنوی کی حکایات پُر اسرار ہو جاوین گی چنانچہ خود فرماتے ہین کہ اسکے الفاظ
غیر مقصودہ کو روح دیجیے) تاکہ اسکے الفاظ سراسر عقل و جان (یعنی علوم و اسرار سے پُر) ہو جاوین (اور)
خلدستان جان کی طرف پران ہو جاوین (کیونکہ جان کا جان کی طرف صعود ضروری ہے مراد خلدستان جان سے
عالم نزول فیوض۔ مطلب یہ ہے کہ پھر وہ معانی و اسرار مع اپنے محل کے کہ قلوب ہین عالم غیب کی طرف صعود
کرین اور مقصود قلوب کا اس عالم کی طرف متوجہ ہونا ہے اور اسی غایت کا طلب کرنا ہے) توجہ حسام الدین
الی انہار الاسرار سے یعنی جب آپ توجہ کرینگے تو مضامین متعلق اسرار نازل ہو کر مثنوی سے ظاہر ہونگے پھر سامعین
کے قلوب مین پہونچ کر قلوب کو عالم غیب کی طرف متوجہ کرینگے اور یہی افادہ غرض اصلی ہے درخواست

مذکور ہے اور اب تک جتنے مضامین اسکے ظاہر ہوئے وہ) آپ ہی کی سعی سے عالم معانی سے گئے ہین (اور) دام الفاظ کی طرف (آکر) مقید ہو گئے ہین (من المقتن بمعنی المحبس جب آپ ایسے واسطۂ فیض ہین تو خدا کرے آپکی عمر دنیا مین خضر علیہ السلام کے مثل ہو روح افزا (یعنی فیض بخش) بھی اور دستگیر اور دائم بھی آپ خضر اور الیاس علیہما السلام کی طرح دنیا مین (باقی) رہین تاکہ زمین آپکے فیض سے مثل آسمان کے (منور) ہو جاوے مین تو آپ کے الطاف (فیوض) مین سے سو حصے ایک حصہ (یعنی کثیر مین سے کوئی قلیل معتد بہ حصہ) کہتا اگر نظر بد (مخالفین) کا زور و شور نہ ہوتا (یا تو اسطرح کہ معلوم ہے کہ فلان فلان لوگ آپکے مخالف ہین اور یا اس امر کی شہرت مراد ہے کہ اہل کمال کے مخالف ضرور ہوا کرتے ہین کما قال اللہ تعالیٰ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا الآیۃ غرض اگر حساد کا خوف نہ ہوتا تو آپکے کمالات بیان کرتا) لیکن نظر بد سے جس کا دم یعنی اثر مثل زہر آبکے ہے (اسکے قبل) مین بہت سی روح فرسا کلفتین اُٹھا چکا ہون (اسلیے اب زیادہ کلفت اُٹھانا جس کا سبب آپکے فضائل کی تفصیل ہو جاوے گی نہین چاہتا۔ البتہ عام طور سے کاملین کے فضائل اور ترغیب اتباع کا بیان کرونگا اُس سے کوئی امر مانع نہین اُسمین آپ کی فضیلت و متابعت بھی مفہوم ہو جاوے گی بس) بجز رمز یعنی ذکر حال دوسرے بزرگون کے آپ کے شرح حال کو (صاف صاف کما یدل علیہ لفظ الشرح) مین بیان مین نہین لاتا (رمز کی اضافت ذکر کی طرف بیانیہ ہے اور) یہ (جو میرا) بہانہ (اور عذر مولانا حسام الدین کی تصریح فضائل سے ہے) ایسے ہی دل کی شرارت (کے خوف) سے ہے کہ اُس (دل) سے میرا پانون گل مین پھنسا ہوا ہے (مراد دل سے دل حاسد اور اسکی شرارت اور مکر سے مراد عداوت و حسد سے اذیت پہونچانا اور پا در گل شدن کنایہ ہے عاجز ماندن از رفتار یعنی مین جو میدان مدح مین چلنے سے رہ گیا اُسکا سبب اُسی حاسد کی شرارت کا خوف ہے اور حسد کا مانع ہونا اِسی مقام کے ساتھ مخصوص نہین یہ بہت جگہ مانع ہوا ہے کہین سامع کو قبول حق سے کہین متکلم کو تکلم بعض الحقائق الغیر المہمہ سے چنانچہ) صدہا دل و جان (یعنی سیکڑون آدمی) صانع کے عاشق ہوئے ہین (یعنی گذرے ہین کہ وہ عشق مقتضی تھا اطاعت احکام کو مگر) چشم بد یا گوش بد (وصول الی الحق سے اُنکو) مانع ہو گیا کہ مبلغ کو چشم حسد سے دیکھا اور اتباع سے عار آئی اور کبھی معلم نے بعض غیر ضروری مگر مفید بات نہ کہی کہ سنے گا تو ہے ہی نہین یہ گوش بد کا مانع ہونا ہوا اور مقصود اہم چشم حسد کا مانع ہونا بیان کرنا ہے جس سے عار پیدا ہوتی ہے۔ آگے مطلق عار کی مذمت ہے گو سبب حسد نہ ہو محض جاہ ہو مگر غلط بینی دونون مین مشترک ہے بلکہ خود حسد کا سبب بھی جاہ ہی ہے۔ اِس مناسبت سے ابو طالب کی حکایت بیان فرماتے ہین)

ـہ ترجمہ بمعنی مجازی ست اطلاقاً للمقید علی المطلق و دراصل بمعنی نفس و سخن و افسون و فریب و مکر و بمعنی بوے و تیزی شمشیر ست ۱۲ منہ

خود یکے بوطالب آن عمِ رسول
خود ایک ابوطالب ہی تھے جو کہ رسول صلے اللہ علیہ وسلم کے چچا تھے

می نمودش شنعتِ عربان مہول
جن کو عرب کی تشنیع ہولناک نظر آتی تھی

کہ چہ گویندم عرب کز طفلِ خود
کہ مجھکو عرب کیا کہین گے کہ اپنے لڑکے سے

او بگردانید دینِ معتمد
اُنھون نے اپنا دین جو قابلِ اعتماد تھا بدل دیا

منصبِ اجداد و آبا را بماند
آبا و اجداد کا منصب چھوڑ دیا

در پےِ احمد چنین بے رہ براند
احمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے اسطرح بے راہ روانہ ہوگئے

آن رسولِ پاکبازِ مجتبیٰ
اُن رسول پاکباز مجتبےٰ نے

از پےِ آن تا رہاند مر ورا
اس غرض سے کہ اُن کو خلاصی دین

گفتش اے عم یک شہادت تو بگو
اُنسے یہ فرمایا کہ اے چچا تم ایک بار کلمۂ شہادت کہہ لو

تا کنم با حق شفاعت بہرِ تو
تاکہ مین حق تعالیٰ کے سامنے تمھارے لیے شفاعت کر سکون

گفت لیکن فاش گردد از سماع
ابوطالب کہنے لگے لیکن سُننے سے ظاہر ہو جاویگا

کُلُّ سِرٍّ جَاوَزَ الاِثْنَیْنِ شَاع
جو راز دو سے تجاوز کرتا ہے شائع ہو جاتا ہے

من بمانم در زبانِ این عرب
مین اِن عربون کی زبان پر رہونگا

پیشِ ایشان خوار گردم زین سبب
اُن کے سامنے اس سبب سے بے قدر رہونگا

(اشعار بالا کی شرح کے اخیر مین وجہ ربط مذکور ہے یعنی عار ایسی چیز اور مانع عن قبول الحق ہے کہ) خود ایک ابوطالب ہی تھے جو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا تھے جنکو (عار کی وجہ سے) عرب کی تشنیع ہولناک نظر آتی تھی (حالانکہ حقیقت مین وہ تشنیع کسی درجہ مین مضر اور کوئی چیز نہ تھی یہ تھی غلط مینی بس یہ سوچتے تھے) کہ مجھکو عرب کیا کہین گے کہ اپنے لڑکے (کے کہنے) سے اُنھون نے اپنا دین جو قابلِ اعتماد تھا بدل دیا (اور اپنے) آبا و اجداد کا منصب چھوڑ دیا (جو کہ بسبب خاص مذہب کے اُن کو حاصل تھا کیونکہ اُس مذہب کا چھوڑنا عرب کو پسند نہ تھا تو مذہب کو چھوڑنے سے اُنکی نظر مین منصب نہ رہتا پس مذہب کا چھوڑنا منصب کا چھوڑنا ہے اور) احمد صلی اللہ علیہ

وسلم کے پیچھے اسلح بے راہ روانہ ہوگئے رسول پاکباز مجتبیٰ نے اس غرض سے کہ انکو (ماردو زخ سے) خلاصی دین انہنے یہ فرمایا کہ اے چچا تم ایکبار کلمۂ شہادت (چپکے سے بقرینۂ مابعدہٗ) کہہ لو تاکہ مین حق تعالیٰ کے سامنے تمھارے لیے شفاعت کرسکون (کہ میرے سامنے کہا تھا) ابوطالب کہنے لگے (یہ ٹھیک ہے) لیکن سُننے سے ظاہر ہوجاویگا یعنی آپکے سُننے سے بھی دوسرون پر ظاہر ہوجاویگا کیونکہ) جو راز دو سے تجاوز کرتا ہے شائع ہوجاتا ہے (دو سے مراد اگر دو لب ہین تو اسکا وقوع اس تقدیر پر ظاہر ہے کہ آپکے کانین پہونچنا ابوطالب کے لبون سے نکلنے پر موقوف ہے اور اگر مراد دو آدمی ہین تو اسکا وقوع اسطرح ہے کہ ایسے موقع پر لوگ کاوش و تجسس مین لگے رہتے ہین پس ثالث کا سُن لینا جسکو تجاوز عن الاثنین کہا ہے عجیب نہین اور وہ امین نہین لہذا اورون سے ذکر کردیتا ہے پس شائع ہوجاتا ہے اور شیوع کا ترتب تجاوز علی الشفتین سے بھی اس صورت سے متحقق ہوجاویگا غرض جب اورون مین شائع ہوگیا تو) مین (ہمیشہ) ان عربونکی زبان پر (بدنام) رہونگا (اور) اُنکے سامنے اس سبب سے بے قدر ہونگا اسلیے خفیہ بھی نہین کہتا یہ تھی عار ابوطالب کی جو سبب ہوگئی غلط بینی کی کیونکہ عار کو نار سے اشد سمجھنا یعنی غلط بینی ہے

لیک گر بودیش لطف ما سبق
لیکن اگر اُن پر لطف ازلی ہوتا

کی بدے این بددلی با جذب حق
تو جذبۂ حق تعالیٰ کے ہوتے ہوئے یہ بددلی کیون ہوتی

الغیاث ای تو غیاث المستغیث
اے غیاث المستغیث آپ کی پناہ چاہتا ہون

زین دو شاخہ اختیارات خبیث
اس دو شاخہ اختیار خبیث سے

من ز دستان و ز مکر دل چنان
مین اپنے دل کے مکر و فریب سے ایسا

مات گشتم کہ بماندم از نشان
عاجز و مغلوب ہوا ہون کہ نشان سے رہ گیا ہون

من کہ باشم چرخ با صد کار و بار
مین تو کون چیز ہون آسمان باوجود اس شان و شوکت کے

زین کمین فریاد کرد از اختیار
اختیار کے سبب اس کمین گاہ سے فریاد کرنے لگا

کای خداوند کریم بردبار
کہ اے خدا اے کریم بردبار

دہ اماتم زین دو شاخہ اختیار
اس دو شاخہ اختیار سے مجکو امان دیجیے

عـ۵ ترجمہ مجاصل ست و در اصل راند متعدی ست یعنی مرکب را براند چون روان کردن مرکب مستلزم ست روان شدن را بمعنی مجازی ترجمہ کردہ شد ۱۲ منہ

جذب یک راهه صراط المستقیم

صراط المستقیم کی طرف جذب ہونا جو کہ ایک راہ ہے

به ز دو راهه تردد اے کریم

دو راہہ تردد سے بہتر ہے اے خداوند کریم

زین دو ره گرچه همه مقصد توئی

اگرچہ ان دونوں راہ سے مقصد مرجع آپ ہی ہین

لیک خود جان کندن آمد این دوی

لیکن پھر بھی یہ دوئی البتہ جان کنی ہے

زین دو ره گرچه بجز تو عزم نیست

ان دونون راہ سے اگرچہ آپ کے سوا کوئی عزم نہین

لیک هرگز رزم همچون بزم نیست

لیکن پھر بھی رزم برابر بزم کے نہین

در نبی بشنو بیانش از خدا

قرآن مجید مین اسکا بیان خداے تعالیٰ سے سُن لو

آیتِ اَشْفَقْنَ اَنْ یَّحْمِلْنَهَا

کہ آیت اشفقن ان یحملنہا کا مضمون ہے

(اسمین استدراک ہے ماسبق سے یعنی ابوطالب نے اسلام لانے سے عار کی) لیکن اگر ان پر لطف ازلی (حق تعالیٰ کا) ہوتا تو جذبہ حق تعالیٰ کے ہوتے ہوئے یہ بددلی کیون ہوتی (مطلب یہ کہ گو عار مانع قوی ہے مگر جس پر حق تعالیٰ کی عنایت ہو اُسکو مانع نہین - اب سمجھنا چاہیے کہ اس عار کا مانع ہونا خواہ اُسکا منشأ حسد ہو یا جاہ دو طریق سے ہوتا ہے ایک یہ کہ کبھی حق کی طرف میلان و رجحان ہی نہین ہوا جیسے کہ مسخ قلب کے انتہائی درجہ مین ہوتا ہے اور دوسرا یہ کہ کبھی حق کی طرف بھی رغبت ہوتی ہے مگر پھر کوئی دوسرا خیال عار وغیرہ غالب آ کر اُس سے مانع ہوجاتا ہے اور باطل مین واقع یا ثابت کردیتا ہے یہان تک مطلق مانعیت کا ذکر تھا آگے خاص دوسرے طریق کا بیان ہے جسکی طرف اوپر کے ایک شعر مین بھی من وجہ اشارہ ہے صد دل وجان عاشق صانع شدہ الخ - کیونکہ اُسکا حاصل جیسا کہ اُسکی شرح سے معلوم ہوسکتا ہے یہی تھا کہ عشق صانع جو فطرت مین ہے وہ تو مقتضی ہے کہ اطاعت کرون مگر عار وغیرہ مانع ہوگئی پس اس شعر مین دو چیزین مذکور ہین مقتضی قبول حق و مانع قبول حق اور تردد کا سبب ان دونون کے اثر کا ظہور ہے گو اخیر مین ایک کا اثر مغلوب ہوجاوے اور من وجہ جو مین نے کہا حالانکہ ظاہراً جب دونون چیزین اُس شعر مین مذکور ہین تو تردد کا صریح ذکر ہوا تو سبب اسکا یہ ہے کہ چیزین تو دونون مذکور ہین مگر ظہور اثر تو دونون کا مذکور نہین اور تردد بدون دونون اثر کے ظہور کے متحقق نہین اسلیے تردد کا ذکر صریحاً نہ ہوا من وجہ اشارہ ہوگیا کیونکہ دونون مؤثر تو اُسمین مذکور ہین - غرض آگے اُس تردد کا ذکر ہے جسمین اخیر مین جا کر مانع عن الحق ہی کا اثر غالب رہا اور ایسے تردد کا لقب دو شاخہ اختیار تجویز فرمایا پس ان اشعار مین مطلق اختیار کی مذمت نہین یہ تو صفت مشترکہ انبیا واولیا مین بھی ہے بلکہ مذمت اُس اختیار کی ہے جس مین باوجود حق کے

ذہن مین آنے کے پھر اختیار باطل غالب ہا اور دو شاخہ ہونا اسکا ظاہر ہے کہ اُسکا محل دو شقین ہین ایک حق دوسرا باطل جن مین تردد واقع ہوا اور اس سے اس حالت کی مذمت بدرجۂ اولیٰ مفہوم ہو گئی جہان حق ذہن ہی مین نہ آوے گو ایسا ہوتا نہین حق تعالیٰ احتجاج کے لیے حق واضح فرما ہی دیتے ہین پس اس تردد مذکور کی مذمت کو بعنوان استغاثہ شروع کر کے پھر قضایا حملیہ کی صورت مین بیان کرتے ہین کہ) اے غیاث المستغیث آپ کی پناہ چاہتا ہون اس دو شاخہ اختیار خبیث سے (اور) مین اپنے دل کے مکر و فریب سے (آگاہ) ایسا عاجز و مغلوب ہوا ہون کہ نشان (راہ حق) سے رہ گیا ہون (مراد اس مکر سے وہی تردد کیونکہ حق سے ہٹنے کے لیے نفس طرح طرح کے حیلے نکالا کرتا ہے جسمین یہ بھی داخل ہے کہ لوگ کیا کہین گے یہ بھی داخل ہے کہ پھر توبہ کر لین گے اور یہ تردد عام ہے صغائر کو بھی پس اس سے یہ لازم نہین آتا کہ کیا اکابر کو بھی حق مین تردد ہوتا ہے سو عقائد و کبائر مین تو نہین ہوتا لیکن صغائر یا امور متعلقہ بالرائے مین حق مین تردد اور اُس سے بُعد ہو سکتا ہے گو گاہ گاہ سہی۔ آگے ترقی فرماتے ہین کہ) مین تو کون چیز ہون (کہ اپنا عجز ظاہر کر رہا ہون) آسمان باوجود اس شان و شوکت کے اختیار (مذکور) کے سبب اس کمینگاہ (یعنی عالم شہادت) سے فریاد کرنے لگا (آسمان کا عالم شہادت سے ہونا ظاہر ہے اور عالم شہادت کا کمین گاہ ہونا اس آیت کے اشارہ سے ظاہر ہوتا ہے اِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ گو یہ مرصاد آسمان کے اعتبار سے نہ ہو کہ وہ غیر مکلف ہے لیکن اگر صاحب اختیار ہوتا تو وہ بھی اس حکم مین داخل ہوتا۔ اور بعض محشین نے از اختیار کو تفسیر کہا ہے زین کمین کی و ذوقی اللسانی لا یقبلہ یعنی میری فریاد اور خوف کیا عجیب ہے جبکہ آسمان ڈر کر عرض کرنے لگا) کہ اے خدائے کریم بُردبار اس دو شاخہ اختیار سے مجکو امان دیجیے (اسمین اشارہ اَشْفَقْنَ مِنْهَا کی طرف ہے جیسا آگے تصریح ہے مولانا نے امانت کی تفسیر اختیار سے فرمائی ہے اور تفسیر مشہور سے متقارب بھی ہے مشہور تفسیر مکلف بالاحکام ہونا ہے تقارب ظاہر ہے کہ مدار مکلفیۃ کا یہی اختیار ہے اور ہرچند کہ اس بنا پر اشفقن منہا مین مطلق اختیار سے ڈرنا مذکور ہے نہ کہ خاص دو شاخہ اختیار یعنی تردد سے لیکن غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مطلق اختیار سے ڈرنے کی علت اسی دو شاخہ اختیار سے ڈرنا ہے کیونکہ اگر صفت اختیار ہمیشہ حق و طاعت ہی کی طرف منعطف ہوا کرے تو پھر عذاب کا احتمال ہی نہین۔ پھر ڈر کیسا۔ ڈر تو یہی ہے کہ کبھی معصیت کے ساتھ اسکا تعلق ہو جاوے اور تعلق بالمعصیت اسی دو شاخہ اختیار سے مسبب ہے۔ پس اس اعتبار سے یہ تخصیص صحیح ہو گئی یہان تک دو شاخہ اختیار یعنی تردد سے پناہ تھی آگے طلب ہے جذب کی جو وقایہ ہے اس تردد سے۔ پس دعا کرتے ہین کہ) صراط المستقیم کی طرف (حق تعالیٰ کی طرف سے) جذب ہونا جو کہ (اس تردد سے خالی ہونے کے سبب) یکراہہ (کہنے کے لائق) ہے دوراہہ تردد (مذکور) سے بہتر ہے اے خداوند کریم (دوراہہ کہنے کا وہی سبب ہے جو دو شاخہ کہنے کا اور اس جذب کا وقایہ ہونا اور یہ بھی تبعًا اس شعر مین مذکور ہو لے ہے لیک گر یو دلش لطفما سبق الخ آگے گویا ایک شبہہ کا جواب ہے۔ شبہہ یہ ہے کہ طاعت و معصیت سب اسماء الٰہیہ ہی کا ظہور ہے تو سب اُدھر ہی راجع

ہوئے تو قہر و لطف برابر ہوئے اس شبہہ کا جواب بعنوان مناجات کے دیتے ہین کہ) اگرچہ ان دونون راہ سے (کہ تردد دو راہہ مین پائے جاتے ہین اور وہ طاعت و معصیت و ہدایت و ضلالت ہین ایک اعتبار سے مقصد و مرجع آپ ہی ہین (جیسا شبہہ کی تقریر مین ذکر کیا گیا) لیکن پھر بھی یہ دوی (یعنی تردد جس کا منتہی معصیت ہو) البتہ جان کنی (او معصیت سے خصوص باعتبار انجام کے کہ عذاب ہے۔ حاصل جواب منع ہے اس مقدمہ شبہہ کا کہ قہر و لطف برابر ہوئے یعنی گو ایک اعتبار سے کہ دونون مظہر اسماء ہین برابر ہین مگر جو کہ تشریع سے مقصود ہے کہ مکلفین طاعت مین سعی کرکے قرب و قبول و نجات سے فائز ہون اس مقصود مین تو برابر نہین یہ مقصود تو منحصر طاعت ہی مین ہے اسلیے معصیت و سلب معصیت یعنی تردد مذکور سے پناہ مانگنا اور جذب حق کا طلب کرنا کہ وقایہ ہے اُس سے ضرور ہے۔ آگے پھر وہی مضمون شعر ہذا کا ہے یعنی) ان دونون راہ سے اگرچہ آپ کے سوا کوئی (مرجع) عزم نہین۔ لیکن پھر بھا رزم (یعنی قہر) برابر بزم (یعنی لطف) کے نہین (اسکا بھی وہی حاصل ہے جو اوپر گذرا آگے استدلال ہے اُس شعر کے مضمون پر مین کہ باشم چرخ الخ یعنی) قرآن مجید مین اسکا بیان خدا تعالے سے سبحانہ کہ آیت اَشْفَقْنَ اَنْ یَّحْمِلْنَهَا کا مضمون ہے (ضرورت شعر سے آیت کو بالمعنی نقل فرما دیا)

این تردد هست در دل چون وغا	**کین بود به یا که آن حالے مرا**
یہ تردد قلب مین مثل ایک جنگ کے ہے	کہ یہ حالت میرے لیے بہتر ہوگی یا کہ وہ حالت
در تردد می زند بر همد گر	**خوف و امید بهی در کر و فر**
تردد مین باہم متنازع ہوتے ہین	خوف اور امید بہبودی کے آنے مین اور ہٹنے مین
زین تردد عاقبت خیر باد	**اے خدا ام جان ما را کن تو شاد**
اس تردد سے ہمارا انجام بخیر ہو	اے خدا ہماری روح کو شاد فرمائیے

(اوپر تردد کو دو شاخہ اور دو راہہ فرمایا ہے یہان اس لقب کی وجہ اور اسکی شرح ہے اور مثل سابق کے اسکے ساتھ پھر دعا ہے اس سے حفاظت کی پس فرماتے ہین کہ) یہ تردد قلب مین مثل ایک جنگ کے ہو کہ یہ حالت میرے لیے بہتر ہوگی یا کہ وہ حالت (خواہ ایک مین بہتری دنیا ہی کی ہو مثل حظ نفس وغیرہ اور دوسرے مین بہتری آخرت کی یا اور قسم کا تردد ہو پس) تردد مین باہم متنازع ہوتے ہین خوف اور امید بہبودی کے آنے مین اور ہٹنے مین (جب تردد ایسی موذی چیز ہے تو) اس تردد سے ہمارا انجام بخیر ہو اے خدا ہماری روح (اس تردد سے نجات دیکر) شاد فرمائیے۔

مناجات و پناہ جستن بحق از فتنۂ اختیار و اسباب آن و بیان شکوہیدن و ترسیدن آسمان و زمین از اختیار

(جس اختیار کی اوپر مذمت تھی یعنی اختیار دو شاخہ و تردد اور اس سے بچنے کی دعا بھی کی تھی اُسی کی مکرر تفصیل ہے)

اے کریمِ ذوالجلالِ مہربان
اے کریم ذوالجلالِ مہربان

دائم المعروف دارائے جہان
دائم الاحسان قیوم عالم

یا کریم العفو حیٌّ لم یزل
اے کریم العفو زندۂ ابدی

یا کثیر الخیر شاہِ بے بدل
اے کثیر الخیر شاہ بے بدل

او ّلم این جزر و مد از تو رسید
یہ گھٹاؤ بڑھاؤ مجکو اوّلاً آپ ہی کی طرف سے ملا

ورنہ ساکن بود این بحر اے مجید
ورنہ یہ دریا ساکن تھا اے صاحبِ مجد

هم از انجا کین تردد دادیم
جہان سے آپ نے مجکو یہ تردد دیا ہے

بے تردد کن مرا ہم از کرم
بے تردد بھی اپنے کرم سے آپ ہی کیجیے

ابتلایم میکنی آہ الغیاث
آپ میرا امتحان فرماتے ہیں سو میں اس سے پناہ مانگتا ہوں

اے ذکور از ابتلایت چون اناث
آپکے امتحان کے روبرو تو مرد بھی عورتوں کی طرح ہیں

تا بکے این ابتلا یارب مکن
سو کب تک یہ امتحان ہوگا اے رب ایسا نہ کیجیے

مذہبے ام بخش و ذہ مذہب مکن
مجکو ایک طریقہ بخشدیجیے مجکو دس طریقہ والا نہ کیجیے

اشترے ام لاغر و ہم پشت ریش
میں ایک شتر ہوں جو لاغر بھی ہے اور پشت ریش بھی ہے

ز اختیار ہمچون پالان شکل خویش
بوجہ اپنے اختیار کے جو پالان صفت ہے

این کژ اوه گه شود این سو گران
کبھی یہ کنارہ اس طرف وزنی ہوجاتا ہے

آن کژ اوه گه شود آن سو کشان
کبھی وہ کنارہ اُس طرف مائل ہوجاتا ہے

بفگن از من حملِ ناهموار را
آپ اس ناہموار بار کو مجھ پر سے اُتار کر پھینک دیجیے

تا به بینم روضهٔ ابرار را
تاکہ میں باغ ابرار کو دیکھوں

همچو آن اصحاب کهف از باغِ جود
اُن اصحاب کہف کی طرح آپ کے جود کے باغ سے

من چرم ز ایقاظ نے بل هم رقود
لا ایقاظ بل ہم رقود کو چرا کرون

خفته باشم بر یمین یا بر یسار
خواہ میں یمین پر سوتا رہوں یا یسار پر

بر نگردم جز چو گو بے اختیار
مثل گیند کے بدون عدم اختیار کے کروٹ نہ بدلوں

هم به تقلیبِ تو تا ذات الیمین
آپ ہی کی تقلیب سے داہنی طرف بھی

یا سوئے ذات الشمال اے ربِ دین
یا بائیں طرف بھی اے رب دین

۱ ابرار ؎ یعنی صورۃً مثل مجبور کے ہو اور عدم اختیار میں مثل مجبور کے بلا اختیار رکھا ۱۲ منہ

(ربط عبارت بالا کے اخیر میں گدا یون دعا کرتے ہین کہ) اے کریم ذوالجلال مہربان دائم الاحسان قیوم عالم اے کریم العفو زندۂ ابدی اے کثیر الخیر شاہ بے بدل یہ گھٹاؤ بڑھاؤ (یعنی اختیار کی جنبش) مجکو اوّلاً آپ ہی کی طرف سے ملا جس سے بعض اوقات تردد مضر پیدا ہو جاتا ہے، ورنہ (اُسکے قبل) یہ دریا ساکن تھا اے صاحب مجد (چنانچہ ظاہر بھی ہے کہ اختیار کا استعمال میں آنا حادث ہے اور ہر حادث مستند الی المحدث القدیم ہے سو) جہان سے آپنے مجکو یہ تردد دیا ہے بے تردد بھی اپنے کرم سے آپ ہی کیجیے (اس اختیار میں تردد مذموم پیدا ہوتا ہے) آپ میرا امتحان فرماتے ہین سو مین اس سے پناہ مانگتا ہون آپ کے امتحان کے روبرو تو مرد بھی عورتون کی طرح (ضعیف) ہین سو کب تک یہ امتحان ہوگا اے رب ایسا نہ کیجیے مجکو ایک طریقہ (حقہ ہر امر مین) بخشدیجیے مجکو دس طریقہ والا (یعنی متردد) نہ کیجیے (گویا) ایک شتر ہون جو لاغر بھی ہے اور پشت ریش بھی ہے بوجہ اپنے اختیار کے جو پالان صفت ہے اس اعتبار سے کہ کبھی یہ کنارہ (اُسکا) اس طرف وزنی ہوجاتا ہے کبھی وہ کنارہ اُس طرف مائل ہوجاتا ہے (ایک حالت پر قرار نہین دو وجہ سے ایک بوجہ لاغری کے کہ بوجھ کی برداشت نہین دوسرے بوجہ پشت ریشی کی کہ تکلیف کے سبب کبھی ایک طرف ڈھلکا دیتا ہے کبھی دوسری طرف جھکا دیتا ہے یہی حالت میری ہے استعمال اختیار مین بوجہ اسکے کہ منازعات کی مقاومت سے عاجز ہون اسلیے تردد پیدا ہوجاتا ہے سو) آپ اس ناہموار بار کو مجھ پر سے اُتار کر پھینک دیجیے (یعنی جو اختیار مجکو پریشان کرے اُسکو سلب کر لیجیے) تاکہ مین

باغ انوار کو دیکھون (یعنی وہ اختیار جسکے ثمرات طاعات ہون جسکی تحقیق اس مثال مین ہے کہ) اُن اصحاب کہف کیطرح آپکی جود (وکرم) کے باغ سے لا ایقاظ بل ھو رقود (کے میوہ) کو چرا کرون (جس سے یہ حال ہو جاوے کہ) خواہ مین یمین پر سوتا رہون یا یسار پر مثل گیند کے بدون عدم اختیار کے کروٹ نہ بدلون (بلکہ) آپ ہی کی تقلیب سے داہنی طرف بھی یا بائین طرف بھی اے رب دین (کروٹ لیا کرون اور لا ایقاظ بل ھو رقود اشارہ ہے معنی آیت وَتَحْسَبُهُمْ أَيْقَاظًا وَهُمْ رُقُودٌ کی طرف اور مقصود اس تشبیہ سے علی الاطلاق نفی اختیار بجانب مشبہ نہین ہے جیسا ظاہراً اصحاب کہف کی حالت سے اسکا شبہہ پڑتا ہے بلکہ مقصود وجود الاختیار مع الجذب الی المرضیات کو تشبیہ دینا ہے اصحاب کہف کے عدم اختیار کے ساتھ اور جامع عدم التردد المذموم ہے پس حاصل مقام کا طلب ہے جذب غیب کی) ف اور مرقوم تمام نسخون مین میچرم ہے یعنی چرتا رہون نہ کہ چرتا رہتا ہون فافہم۔

صد ہزاران سال بودم در مطار	**ہمچو ذرات ہوا بے اختیار**
مین لاکھون برس محل طیران مین	ذرات ہوا کی طرح بے اختیار رہتا تھا
گر فراموشم شدست آن وقت و حال	**یادگارم ہست در خواب ارتحال**
گو مجکو وہ وقت اور حال فراموش ہو گیا ہے	حالت خواب مین منتقل ہو جانا میرے لیے یادگار ہے
می رہم زین چار میخ چار شاخ	**می جہم در مسرح جان زین مناخ**
اس چار میخ چار شاخ سے مین رہائی حاصل کر لیتا ہون	اور اس مقام سے چراگاہ عالم ارواح مین جا کودتا ہون
شیر آن ایام ماضی ہائے خود	**می چشم از دایۂ خواب اے صمد**
اپنے اُن ایام ماضیہ کا دودھ	دایۂ خواب سے چکھ لیتا ہون اے صمد

(ان اشعار مین جذب و بیخودی کا حالت اصلیہ ہونا اور اُسکا ایک عام نمونہ تبلاتے ہین پس فرماتے ہین کہ) مین لاکھون برس (مراد مطلق زمانہ کثیر) محل طیران (یعنی عالم ارواح) مین ذرات ہوا کیطرح بے اختیار رہتا تھا (پس اصلی حالت یہی تھی اور) گو مجکو وہ وقت اور حال فراموش ہو گیا ہے (چنانچہ ظاہر ہے لیکن تاہم) حالت خواب مین منتقل ہو جانا میرے لیے (اُس حالت کا ایک) یادگار (اور نمونہ) ہے (جسمین) اس چار میخ چار شاخ سے مین رہائی حاصل کر لیتا ہون اور اس مقام سے چراگاہ عالم ارواح مین جا کودتا ہون (اور) اپنے اُن ایام ماضیہ کا دودھ دایۂ خواب سے

عـــہ یہان بھی حاشیہ جو اوپر شعر ہفتہ باشم پر لکھا گیا ہے دیکھ لیا جاوے ۱۲ منہ

چکھ لیتا ہون اے صمد (پس اس نمونہ سے اُس اصلی حالت کی یاد ہوتی ہے اور اُسکو طلب کرتا ہون) **ف** چار میخ عناصر اربعہ و آنکہ بر دست و پایش میخ زدہ باشند و چار شاخ نوعے از بند و غل ست کہ در گردن بندیان کنند از ولی محمد بر حاشیہ۔ اور گو جذب مین جو بیخودی ہوتی ہے جو کہ مطلوب ہے وہ خواب مین نہین ہوتی لیکن یادگار کے لیے مشابہت کافی ہے اور جسکی یہ یادگار ہے یعنی عالم ارواح کی بیخودی تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بیخودی سبب جذب ہے کیونکہ وہان نہ عوارض طبعیہ ہین مثل نوم و مرض و غشی اور نہ اسباب کسبیہ ہین مثل شرب خمر وغیرہ۔ پس لامحالہ بجذب حق ہے اور یہی وجہ معلوم ہوتی ہے کہ میثاق کے وقت سب نے اقرار ربوبیۃ کا کیا یہ اثر جذب ہی کا تھا اور اُسکو اضطراری نہین کہہ سکتے ورنہ اُن پر حجت نہ ہوتا جسکو اس جملہ مین ذکر فرمایا ہے اَنْ تَقُولُوا اِنَّا کُنَّا عَنْ ہٰذَا غٰفِلِیْنَ الخ پس اقرار اختیاری تھا اور اُس اختیار کے ساتھ جذب تھا۔

جملہ عالم ز اختیار و ہست خود
تمام عالم اپنے اختیار اور ہستی سے

می گریزد در سر سرمست خود
اپنے دماغ سرمست کی طرف بھاگتے ہین

تا دمے از ہوشیاری وارہند
محض اس غرض سے کہ ہوشیاری سے خلاصی حاصل کرین

ننگ خمر و بنگ بر خود می نہند
اپنے اوپر شراب اور بنگ کی ذلت رکھتے ہین

جملہ دانستہ کہ این ہستی فخ ست
سب نے سمجھ رکھا ہے کہ یہ ہستی دام ہے

فکر و ذکر اختیاری دوزخ ست
اور اختیاری ذکر و فکر دوزخ ہے

می گریزند از خودی در بیخودی
خودی سے بیخودی مین بھاگتے ہین

یا بہ مستی یا بہ شغل اے مہتدی
خواہ مستی کے ذریعہ سے خواہ کسی شغل کے ذریعہ سے

نفس را زان نیستی وامی کشی
آپ نفس کو اُس نیستی سے اسلیے کھینچ لیتے ہین

زانکہ بے فرمان شد اندر بیہشی
کہ وہ بدون حکم تشریعی کے بیہوشی مین چلا گیا تھا

نیستی باید کہ آن از حق بود
نیستی وہ مطلوب ہے جو حق کی طرف سے ہو

تا ببیند اندران حسن احد
تاکہ اُس مین حسن احد کو دیکھے

لیس للجن ولا للانس ان
جن اور انسان کو ممکن نہین

تنفذوا من حبس اقطار الزمن
کہ حبس اطراف عالم سے خود نکل سکین

لا نفوذ الا بسلطان الهدیٰ
اور یہ نکلنا بدون بادشاہ ہدایت کے ممکن نہین

من تجاویف السمٰوات العلیٰ
آسمانہاے بلند کی تجاویف سے

لا هدی الا بسلطان یقی
اور یہ ہدایت ممکن نہین ہے بدون اُس سلطان کے جو محفوظ رکھتا ہے

من حراس الشهب روح المتقی
نگہبانانِ شعلہاے دوزخ سے متقی کی روح کو

هیچکس را تا نگردد او فنا
کسی شخص کو جب تک وہ فنا نہ ہو

نیست ره در بارگاه کبریا
بارگاہِ کبریا مین وصول میسر نہین

چیست معراج فلک این نیستی
معراج فلک کیا چیز ہوئی یہی نیستی

عاشقان را مذهب و دین نیستی
عاشقون کا مذہب اور دین نیستی ہے

(اوپر کے اشعار مین بیخودی کی طلب تھی اب کہتے ہین کہ بیخودی کو اگر مین طلب کرون تو کیا عجیب ہے یہ تو ایسی چیز ہے کہ ہر شخص کو مطلوب ہے اسی کو فرماتے ہین کہ) تمام (عقلاء) عالم اپنے اختیار اور ہستی سے اپنے دماغ سرمست کی طرف بھاگتے ہین (یعنی اسکی کوشش کرتے ہین کہ کسی طور سے بیخودی میسر ہو چنانچہ) محض اس غرض سے کہ ہوشیاری سے خلاصی حاصل کرین اپنے اوپر شراب اور بنگ کی ذلت رکھتے ہین (یعنی باوجود ذلت کے پیتے ہین کہ ذرا مستی حاصل ہو) سب نے سمجھ رکھا ہے کہ یہ ہستی دام (بلا و کلفت) ہے اور اختیاری ذکر و فکر (منافع و مضار فانیہ کا) دوزخ (و عذاب روح) ہے (کہ اسی سوچ سے ہر طرح کی پریشانی ہوتی ہے چنانچہ مشاہدہ ہے اسلیے) خودی سے بیخودی مین بھاگتے ہین خواہ مستی (خمر و بنگ) کے ذریعہ سے خواہ کسی شغل (دنیوی) کے ذریعہ سے (یعنی کام مین بھی اسی لیے جی لگتا ہے کہ اُسمین ایک گونہ بیخودی ہوتی ہے پس دعویٰ الا ثابت ہو گیا کہ ہر شخص بےخودی کا طالب ہے لیکن) آپ نفس کو اُس (المکتسب) نیستی (و بیخودی) سے اسلیے کھینچ لیتے ہین (اور مستی کو سلب کر لیتے ہین) کہ وہ بدون حکم تشریعی کے بیہوشی مین چلا گیا تھا (خواہ تو معصیت کے ذریعہ سے کہ وہ بوجہ فرد کفران ہونے کے مقتضی ہے سلب نعمت مطلوبہ کو کہ یہان لذت بیخودی ہے اور خواہ غیر طاعت کے ذریعہ سے گو وہ مباح ہو مگر مامور بہ شرعی نہ ہو کہ وہ موضوع نہین ہے بیخودی مطلوب کے لیے اسلیے اُسکا اثر بھی عارضی ہوتا ہے کیونکہ اُسمین قلب مین نور اور اُس نور سے رسوخ و ملکہ جو مانع ہے زوال سے پیدا نہین ہوتا بخلاف اسکے کہ مامور بہ کو اُسکا ذریعہ بنایا جاوے کہ طاعات و مجاہدات ہین اُس سے حسب عمل و استعداد جسقدر کیفیت پیدا ہو گی وہ دائم اور راسخ ہو گی جیسا کا شعر

آیندہ مین ذکر ہے کہ) نیستی (اور بیخودی) وہ مطلوب ہے جو حق کی طرف سے ہو (اور اُسکا حصول اُس طریق سے ہوتا ہے جو اُسکی تحصیل کے لیے موضوع من الحق ہے یعنی طاعات و مجاہدات مامور بہا وجوبًا و ندبًا) تاکہ (طالب) اُسمین حسن احد کو دیکھے (مراد تجلیات و انوار و معارف جو بیخودی مین ظاہر ہوتی ہین چنانچہ اسکی تائید قرآن کی ایک آیت سے بطور اعتبار کے نہ بطور تفسیر کے ہوتی ہے اور وہ آیت یہ ہے یٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ الآیۃ کہ تفسیر تو اسکی اظہار عجز ہے آسمان و زمین سے نکل سکنے سے بوجہ قدرت نہونیکے اور مقصود اُس سے وعید ہے کہ تم خدا کی بازپُرس سے نہین بچ سکتے مگر بطور اعتبار کے بوجہ جامع یعنی عدم قدرت مستقلہ کے اس سے یہ مضمون قیاسًا نکلتا ہے کہ) جن اور انسان کو ممکن نہین کہ حبس اطراف عالم سے خود نکل سکین اور یہ نکلنا بدون بادشاہ ہدایت (یعنی حق تعالیٰ کے جذب) کے ممکن نہین۔ آسمانہائے بلندکی تجاویف سے اور یہ ہدایت ممکن نہین بدون اُس سلطان (کے جذب) کے جو نگہبانان شعلہائے دوزخ سے متقی کی روح کو محفوظ رکھتا ہے (یعنی عالم کے حبس سے نکلنا جو کہ بیخودی مین ہوتا ہے بدون ہادی حقیقی کے جذب کے ممکن نہین پس مدعائے شعر "نیستی باید کہ او از حق بود" ثابت ہو گیا سو یہی نیستی من الحق ہے جو موقوف علیہ ہے وصول الی الحق کی اسیکو فرماتے ہین کہ) کسی شخص کو جب تک وہ فنا نہ ہو (یعنی نیستی کے ساتھ موصوف نہ ہو) بارگاہ کبریا مین وصول میسر نہین (پس اس بناء پر) معراج فلک (قرب) کیا چیز ہوئی (آگے جواب ہے کہ) یہی نیستی (اسلیے) عاشقونکا مذہب اور دین (یعنی مطلوب) نیستی ہے (آگے اسی نیستی و فنا کی مدح اور ایک حکایت اُسکی تائید کے لیے ذکر فرماتے ہین) ف حُرّاس بالضم و تشدید جمع حارس و بضرورت شعر تخفیف یافتہ ۱۲ ولی محمد

پوستین و چارق آمد از نیاز — **در طریق عشق محراب ایاز**

پوستین اور کفش بوجہ نیاز کے — طریق عشق مین ایاز کا قبلہ توجہ ہو رہا تھا

گرچہ او خود شاہ را محبوب بود — **ظاہر و باطن لطیف و خوب بود**

اگرچہ وہ خود بادشاہ کا محبوب تھا — ظاہرًا و باطنًا لطیف اور خوب بھی تھا

گشتہ بے کبر و ریاؤ کینہ — **حسنِ سلطان را رخش آئینہ**

وہ کبر و ریا و کینہ سے خالی بھی تھا — اُسکا چہرہ حسنِ سلطان کا آئینہ بھی تھا

چونکہ از ہستی خود مفقود شد — **منتہائے کار او محمود شد**

چونکہ وہ اپنی ہستی سے مفقود ہو چکا تھا — اُسکا انجام کار محمود ہو گیا تھا

زان قوی تر بود تمکین ایاز | **کوز خوف کبر کردے احتراز**

ایاز کی تمکین اس سے بہت زیادہ قوی تھی | کہ وہ احتمال کبر سے احتراز کرتا تھا

او مهذب گشته بود و آمده | **کبر او نفس را گردن زده**

وہ مہذب ہو چکا تھا | اور کبر اور نفس کی گردن مار چکا تھا

یا پئے تعلیم میکرد آن حیل | **یا برائے حکمتے دور از وجل**

یا وہ تعلیم کے لیے یہ تدبیرین کیا کرتا تھا | یا یہ کسی اور حکمت کے لیے ہو کہ وہ خوف سے دور ہو

یا کہ دید چارقش زان شد پسند | **کز نسیم نیستی ہستی ست بند**

یا چارق کا دیکھنا اُسکو اسلیے پسند ہوا ہو | کہ ہستی ایک حجاب ہے نیستی کی ہوائے خوش سے

تا کشاید خمہ کان بر نیستی ست | **تا بیاید آن نسیم عیش و زیست**

تاکہ وہ خمہ جو نیستی پر ہے کھل جاوے | تاکہ وہ نسیم عیش و زندگانی آنے لگے

تا بہ بندد خمہ بر این مردگان | **تا بیاید عیش بوے زندگان**

تاکہ ان مردون پر جو خمہ ہے وہ بند ہو جاوے | تاکہ زندون کے عیش کی بو حاصل کرے

پوستین اور کفش (کہنہ) بوجہ (اسی) نیاز کے (جس سے فنا و نیستی پیدا ہوتی ہے) طریق عشق مین ایاز کا قبلہ توجہ ہو رہا تھا (یہ مشہور حکایت ہے کہ جو پوستین و کفش پہنے ہوئے اول آیا تھا اُسکو روزمرہ دیکھ لیا کرتا تھا تاکہ اپنی حالت کا استحضار سبب ہے استذکار احسانات محمودیہ کا۔ مولانا اسی کو ایک خاص عنوان سے فرما رہے ہین کہ نیاز اسکا سبب تھا مگر معنون ایک ہی ہے کیونکہ اس استذکار سے نیاز کا پیدا ہونا لازم ہے یعنی چونکہ اُسکو نیاز محبوب تھا اسلیے اُسکو روزانہ دیکھا کرتا تھا کہ نیاز باقی رہے جسکا دوسرا عنوان فنا و نیستی ہے جسکا اوپر سے ذکر چلا آرہا ہے غرض مقصود اُسکا نیاز تھا) اگرچہ وہ خود بادشاہ کا محبوب تھا (اور) ظاہراً و باطناً لطیف اور خوب (یعنی متصف بافعال جمیلہ و اخلاق حمیدہ) بھی تھا (اور) وہ کبر و باد کینہ (یعنی اخلاق ذمیمہ) سے خالی بھی تھا (اور) اُسکا چہرہ حسن سلطان کا آئینہ بھی تھا (یعنی سلطان محمود کے اوصاف و مذاق کا وہ مظہر تھا اسلیے کہ غایت اطاعت کے سبب اُس سے وہی امور صادر

ہوتے تھے جو سلطان کو پسند تھے تو اس حیثیت سے ایاز کے افعال کو دیکھکر سلطان کے مزاج پر استدلال ہو سکتا تھا اور) چونکہ وہ اپنی ہستی سے مفقود ہو چکا تھا (اسلیے) اُسکا انجام کار (ہر طرح) محمود ہو گیا تھا (یعنی اُسکے سب اعمال پسندیدہ تھے یا یہ کہ فنا و فقدان ہستی اس درجہ تک پہونچ گیا تھا کہ اُسکا منتہاے کار یہ ہوا کہ وہ گویا خود محمود ہو گیا تھا غرض (ایاز کی تمکین (یعنی صفات مذکورہ میں استواری) اس سے بہت زیادہ قوی (یعنی ارفع) تھی کہ وہ احتمال کبر سے احتراز کرتا اور اس مصلحت سے چارق و پوستین کو دیکھتا ہو یعنی تاکہ میرے اندر کبر نہ پیدا ہو جاوے کیونکہ) وہ (ہر طرح) مہذب ہو چکا تھا اور کبر اور نفس کی گردن مار چکا تھا اور اسمیں اُس درجہ تک پہونچ چکا تھا کہ پھر اُسکے عود کا احتمال نہ رہا تھا تو یہ چارق و پوستین دیکھنا اس مصلحت سے نہ تھا۔ پس شعر گرچہ او خود سے یہان تک محمول گرچہ یعنی ان وصلیہ کا ہو کر محمول ہے کلمۂ آمد مذکورہ شعر پوستین و چارق الخ کا حاصل یہ ہوتا کہ اگرچہ بوجہ غایت رسوخ فی الاتصاف بالکمالات المذکورۃ فی ہذہ الاشعار بالداخلۃ علیہا ان الوصلیۃ کے اُسکو اب تہذیب نفس کے اسباب حدوث یا بقاء کی حاجت نہ رہی تھی لیکن اُسکا چارق و پوستین دیکھنا اس غرض سے تھا ہی نہیں بلکہ محض صفت نیاز و تواضع اُسکو محبوب ہو گئی تھی اور وہ اس دیکھنے سے تازہ و قوی ہوتی تھی آگے اسکے علاوہ دوسری محتمل حکمتیں بھی بیان فرماتے ہیں یعنی) یا (اس حب نیاز و تواضع کے ساتھ یہ بھی مصلحت ہو گی کہ) وہ تعلیم کے لیے یہ تدبیریں کیا کرتا تھا (لفظ علاوہ اور لفظ نیاز کے ساتھ اور لفظ یہ بھی مصلحت اس لیے بڑھائے گئے کہ یہ تردید بطور منع الخلو کے ہے کیونکہ اگر منع الجمع ہو تو اس احتمال پر نیاز منفی ہو جاویگا تو اس حکایت کی اصلی غرض ہی فوت ہو جاوے گی غرض حکمت نیاز تو ہر حال میں محفوظ ہے اور دوسری مصلحتیں باہم قسیم ہو سکتی ہیں جنمیں سے ایک تو یہ ہوئی کہ مقصود اُسکا دوسرون کو تعلیم کرنا ہو کہ اپنی افتقار کو بھولنا نہ چاہیے اور بقیہ آگے آتی ہیں یعنی) یا یہ کسی اور حکمت کے لیے ہو کہ وہ (حکمت) خوف (یعنی احتمال کبر مذکورہ فی المصرعۃ السابقہ کو زخوف کبر الخ) سے دور (یعنی اُسکے مغائر) ہو (اسی طرح دوسری حکمتون کے بھی مغائر احتمال کبر کے تو مغائر اسلیے کہ وہ احتمال منفی ہو چکا ہے اور دوسرون سے مغائر بوجہ تقابل کے خواہ اُنہیں سے کسی کے ساتھ جمع ہو جاوے اور اُس حکمت کی تعیین ضروری نہیں۔ یہ مولانا کی احتیاط ہے کہ اپنے تتبع پر حکم یقینی نہیں لگایا اور ظاہر کر دیا کہ یہ حصر عقلی نہیں استقرائی ہے ممکن ہے کہ اور کوئی سبب ہو ہمکو دوسرے کے دل کی کیا خبر باقی نیاز کا جو حکم متعین لگا دیا وہ ایاز کے مجموعۂ حالات سے مظنون قریب بہ تیقن سمجھا گیا۔ آگے ایک اور احتمال فرماتے ہیں یعنی) یا چارق کا دیکھنا اُسکو اسلیے پسند ہوا ہو کہ ہستی ایک حجاب ہے نیستی کی ہوا سے خوش (آتی) ہے (تو اسباب ہستی میں مشغول ہونیسے گو ہستی و کبر کا اثر نہ بھی ہو چنانچہ اوپر اس احتمال کی نفی ہو چکی ہے لیکن تاہم اُس وقت نیستی کا پورا استحضار جیسا غلبۂ حال میں ہوتا ہے نہیں رہتا اور اُس غلبہ کی تجدید و اعادہ کے لیے اسباب نیستی کا مشاہدہ بدرجۂ مراقبہ مفید ہوتا ہے

اسلیے ایاز ایسا کرتا ہو) تاکہ (اسباب نیستی کے مشاہدہ سے) وہ دخمہ جو نیستی پر (واقع ہوا) ہے کھل جاوے تاکہ (اُسکے کشادہ ہونیسے) وہ نسیمِ عیش و زندگانی (نیستی کی اس شخص تک) آنے لگے (اُسکو عیش و زندگانی کہنا باعتبار حیات روح کے ہے اور اس تاکشاید الخ کی دوسری تعبیر یہ ہے کہ) تاکہ ان (مقیدان ہستی و انانیۃ کے مُردون (یعنی غافلون) پر جو دخمہ (بنا ہوا) ہے وہ بند ہوجاوے تاکہ (وہ شخص) زندون کے عیش کی بو حاصل کرے (حل ان دو شعر کا دخمہ کے مفہوم اور حالت جاننے پر موقوف ہے۔ دخمہ مجوس کے گورستان کو کہتے ہین جو زمین کے اندر بطورتہ خانہ کے یا زمین کے اوپر بشکل طاقہاے دیوار کے ایک عمارت بنا دیتے ہین اور مُردونکو دفن نہین کرتے بلکہ مُردون کو ویسے ہی طاق وغیرہ مین بٹھلا کر آگے سے دروازہ بند کردیتے ہین اور عادۃً ایسی بڑی تعمیر مین منافذ و دریچے رہنا معمول ہے پس یہان مجازاً دو دخمے فرض کیے گئے ایک کے اندر نیستی ہے دوسری کے اندر مُردے ہین پس پہلے کے لیے کشادگی کو ثابت کیا یعنی گو کچھ منفذ کھلا ہوا ہے جس سے نیستی کی ہوا آتی ہے لیکن اِس مراقبہ سے وہ بالکل کھولدیا جاتا ہے اور دوسرے کے لیے بندش کو ثابت کیا یعنی گو وہ کچھ بند ہو مگر بالکل ہی بند کردیا گیا۔ تاکہ صرف زندون کی بو آوے مردونکی ذرا بھی نہ آوے مراد مشترک یہ ہو کہ اسباب نیستی کے مراقبہ سے جس نیستی کا غلبہ کم ہوگیا تھا وہ پورا عود کر آتا ہے اور انانیۃ کا جو اثر گو کہ کامل کے لیے مضرت تام کے درجہ مین نہ ہو مگر ایک گونہ حجاب تو ہوتا ہی ہے وہ اثر بھی جاتا رہے آگے اشعار مین اسباب انانیۃ کا موجب حجاب ہونا کہ وہ بعض کے لیے اشد بھی ہوجاتا ہے بیان فرماتے ہین خوب سمجھ لو) **ف** ان اشعار مین ایک گونہ عود اُن اشعار کی طرف بھی ہے این ہمہ اوصاف شان نیکو شود" الی قولہ "باز چون جان رُو سُوے جانان نہد" اس اعتبار سے کہ وہان بھی فنا کا ذکر تھا اور یہان بھی گو عنوانات متفاوت ہون مگر مضمون متقارب ہے اور وہ انانیت اور ہستی کا ترک ہے۔

ملک و مال و اطلس این مرحله — **هست بر جان سبک رو سلسله**

اس منزل کا ملک و مال و اطلس — روح سبک رو پر زنجیر ہے

سلسلهٔ زرین بدید و غره گشت — **مانده در سوراخ چاهی جان ز دشت**

زنجیر زرین دیکھی اور دھوکہ مین آگئی — دشت سے ایک چاہ کے سوراخ مین رہ گئی

صورتش جنت بمعنی دوزخے — **افعی پر زهر و نقشش گل رخے**

اسکی صورت تو جنت ہے مگر معنی مین دوزخ ہے — ایک پر زہر افعی ہے اور اُسکا نقش گل رخ ہے

گرچه مؤمن را سقر ندهد ضرر — **لیک هم بهتر بود زانجا گذر**

اگرچہ سقر مؤمن کو ضرر نہین دیتی — لیکن پھر بھی دوزخ سے گذر ہی جانا بہتر ہوتا ہے

گرچہ دوزخ دور دارد زو نکال
لیک جنت بہ ورا در کل حال

اگرچہ مؤمن سے دوزخ اپنا عذاب دور ہی رکھتی ہے
لیکن پھر بھی اسکو ہر حال مین جنت ہی بہتر ہے

الحذر اے ناقصان زین گل رخے
کہ بگاہ صحبت آمد دوزخے

اے ناقصو اس گل رخ سے حذر کرو
جو کہ مصاحبت کے وقت دوزخ معلوم ہوتا ہے

الفرار اے غافلان زین گلشنے
کو حقیقت بدترست از گلخنے

اے غافلو اس گلشن سے بھاگو
جو کہ حقیقت مین گلخن سے بھی بدتر ہے

زینہار اے جاہلان زین گل شکر
کہ بسوزاند دہان را چون شرر

اے جاہلو اس گل شکر سے پناہ مانگو
جو کہ منھ کو شرر کی طرح جلا دیتی ہے

چند گویم مر ترا کاین انگبین
زہر قتال ست زو دوری گزین

مین تجکو کہان تک کہون کہ یہ انگبین
زہر قتال ہے اُس سے دوری اختیار کر

لیک تلخ آید ترا گفتارِ من
خواب می گیرد ترا زاندازِ من

لیکن تجکو تو میری یہ بات تلخ معلوم ہوتی ہے
میرے انداز سے تجکو غفلت گھیرتی ہے

خواجہ آخر یک زمان بیدار شو
وز حیاتِ خویش برخوردار شو

اے صاحب آخر کسی وقت تو بیدار رہو
اور اپنی حیات سے متمتع ہو

(ربط اوپر گذرا یہان بیان ہے اسباب انانیۃ کا اور اُن کے مضرت کا اکثر کے لیے اور اُسکا کہ جنکو مضرت نہ ہو اُن کے لیے بھی تجرد اولی ہے الا ان یکون فیہ ضرورۃ او مصلحۃ مطلوبۃ فی الدین یعنی) اس منزل (دنیا) کا ملک ومال واطلس روح سبک سیر (بمنزلہ) زنجیر (اور قید کے مانع سرعت سیر ہے (یعنی جو روح اسکے نہ ہونیسے سبک رو ہوتی وہ سبکرو نہین رہتی فی الاکثر اور صورت اُسکی یہ ہوتی ہے کہ روح نے) زنجیر زرین دیکھی اور دھوکہ مین آگئی (اور) دشت (فراخ) سے (ہٹ کر) ایک چاہ کے سوراخ مین رہ گئی (جیسے کوئی شخص زنجیر مین اسوجہ سے پھنس جاوے کہ وہ طلائی تھی مادہ تو دیکھ لیا اور خاصیت

نہ دیکھی اسی طرح) اُس (ملک و مال مذکور) کی صورت تو (بمنزلہ) جنت (کے) ہے مگر معنی (اور خاصیت) مین دوزخ ہے (حقیقت مین تو) ایک پر زہر افعی ہے اور اُسکا (ظاہری) نقش گل رخ ہے (اور) اگرچہ (یہ) سقر مومن (کامل) کو ضرر نہین دیتی (جیسا اس سے اوپر کے اشعار کی شرح مین راسخ کا عدم تضرر مذکور ہوا ہے) لیکن پھر بھی دوزخ سے گذر ہی جانا بہتر ہوتا ہے (یعنی علحدہ رہنا اور) اگرچہ مومن سے دوزخ اپنا عذاب روک ہی رکھتی ہے لیکن پھر بھی اُسکو ہر حال مین جنت ہی بہتر ہے (اور حقیقی دوزخ مین بھی یہی ہوگا کہ جب دوزخیون کو نکالنے جاوینگے تو آگ سے متاثر نہ ہون گے مگر بے ضرورت نہ جاوینگے ایسی ہی ضرورت سے یہان بھی دخول فی اسباب الدنیا جائز ہے جیسے حضرات خلفاء راشدین نے کیا۔ غرض جب اسکی گل رخی محض ظاہری ہے جیسے اوپر کہا ہے نقش گل رخ تو) اے ناقصو اس گل رخ سے حذر کرو جو کہ مصاحبت کے وقت دوزخ معلوم ہوا ہے (اور) اے غافلو اس گلشن سے بھاگو جو کہ حقیقت مین گلخن سے بھی بدتر ہے (اور) اے جاہلو اس گل شکر سے پناہ مانگو جو کہ منھ کو شرر کی طرح جلا دیتی ہے (اور ناقصان و غافلان و جاہلان مین اشارہ ہے مضمون یا لاگرچہ مومن را سقر ندہد الخ کی طرف جسکی وجہ اسکی شرح سے معلوم ہو چکی ہے اور) مین تجکو کہان تک کہون کہ یہ (ظاہری) انگبین زہر قتال ہے اُس سے دوری اختیار کر (یعنی بہت کچھ کہا) لیکن تجکو میری یہ بات تلخ معلوم ہوتی ہے (اور) میرے انذار (یعنی تحذیر) سے تجکو غفلت گھیرتی ہے۔ اے صاحب آخر کسی وقت تو بیدار ہو اور اپنی حیات سے (اسطرح) متمتع ہو کہ اُس حیات کو ذریعہ اپنے فلاح باقی کا بنا لو اور اسکے بعد تائید مضمون بالا الحذر اے ناقصان الخ ایک حکایت لاتے ہین کہ جسطرح اُس غلام نے مرد قوی کو ظاہری ہیئت سے عروس سمجھا تھا اور صحبت کے وقت مرد ثابت ہوا جس نے بالعکس اسی غلام کو فعل بد سے پریشان کیا) **ف** اور یہ مضمون معنی عود ہے طرف مضمون اشعار مفتتحہ بقولہ اے ضیاء الحق حسام الدین بیا الیٰ صد دل و جان عاشق صانع شدہ کی طرف اسطرح کہ وہان بھی حجب عن الحق کا ذکر تھا یہان بھی حجب عن الحقیقۃ کا ذکر ہے گو حجب کے عنوانات مختلف ہین مگر معنونات متقارب ہین اُن اشعار کی شرح کے ختم پر بھی اس ارتباط کا ذکر کیا ہے۔ وَقَدْ کُنْتُ قُلْتُ ھُنَالِكَ فَانْتَظِرُوْهُ وَالْاٰنَ اَقُوْلُ فَانْظُرُوْهُ

حکایتِ غلامِ ہندو کہ بخواجہ زادۂ خود پنہان ہوس داشت چون دختر را با مہتر زادۂ عقد کردند غلام رنجور شدہ میگداخت کس علتِ او ندانست و او زہرہ گفتن

نداشت و اطبا از معالجۂ او فرو ماندند چون خواجہ دریافت بحکمت معالجہ کرد

(اوپر ابھی ربط گذر چکا)

خواجۂ را بود ہندو بندۂ
ایک آقا کا ایک ہندی غلام تھا

پروریدہ کردہ او را زندۂ
جس کو اُس نے پالا تھا اُسکو زندہ کیا تھا

علم و آدابش تمام آموختہ
اُسکو تمام علوم و آداب سکھلائے تھے

در دلش شمع ہنر افروختہ
اُس کے دل مین ہنر کی شمع روشن کی تھی

پروریدش از طفولیت بناز
بچپن سے اُس کو ناز کے ساتھ پالا تھا

در کنارِ لطف آن اکرام ساز
آغوش لطف مین اُس اکرام ساز نے

بود ہم این خواجہ را یک دخترے
اس آقا کے ایک لڑکی بھی تھی

سیم اندامے گشئے خوش گوہرے
جو سیم اندام خوش خرام خوب طینت تھی

چون مراہق گشت دختر طالبان
جب وہ دختر سیانی ہوئی تو طالب لوگ

بذل میکردند کابینِ گران
بڑے بڑے مہر بذل کرنے لگے

می رسیدش از سوئے ہر مہترے
پہونچتا تھا اُس خواجہ کے پاس ہر رئیس کیطرف سے

بہر دختر دمبدم خواہشگرے
دختر کے لیے وقتاً فوقتاً ایک خواہندہ

ایک آقا کا ایک ہندی غلام تھا جس کو اُس نے (جسمی تربیت سے بھی) پالا تھا (اور روحانی تربیت یعنی تعلیم علوم و اخلاق سے بھی) اُسکو زندہ کیا تھا (کما قال تعالیٰ اَوَ مَنْ کَانَ مَیْتًا فَاَحْیَیْنَاہُ چنانچہ آگے اُسکی تفسیر خود کی ہے یعنی) اُسکو تمام علوم و آداب سکھلائے تھے اُسکے دل مین ہنر کی شمع روشن کی تھی بچپن سے اسکو ناز کے ساتھ

اُس اکرام ساز نے آغوش لطف مین پالا تھا (اکرام ساز فاعل ہے پرورش کا) اُس آقا کے ایک لڑکی بھی تھی جو سیم اندام خوش خرام (کذا فی الغیاث) خوب طینت تھی جب وہ دختر سیانی ہوئی تو طالب لوگ بڑے بڑے مہر بذل کرنے لگے اور اُس خواجہ کے پاس ہر رئیس کی طرف سے دختر کے لیے وقتاً فوقتاً ایک خواہندہ (پیام لیکر) آتا تھا۔

گفت خواجہ مال را نبود ثبات
روز آید شب رود اندر جہات

خواجہ نے کہا کہ مال کو تو کچھ ثبات نہین
دن کو آتا ہے اور رات کو دوسری جہات مین چلا جاتا ہے

حسن صورت ہم ندارد اعتبار
کو شود رخ زرد از یک زخم خار

خوبصورتی کا بھی کچھ اعتبار نہین
کہ ایک زخم خار سے رُخ زرد ہو جاتا ہے

سہل باشد نیز مہتر زادگی
کہ بود غرہ بمال از سادگی

رئیس زادہ ہونا بھی لغو ہے
کہ وہ حماقت سے مال پر مغرور رہتا ہے

اے بسا مہتر بچہ کز شور و شر
شد ز فعل زشت خود ننگ پدر

بہتیرے رئیس زادے ہین جو شور و شر کے سبب
اپنے افعال زشت سے ننگ پدر ہوے ہین

پرہنر را نیز اگر باشد نفیس
کم پرست و عبرتے گیر از بلیس

پرہنر شخص کی بھی اگر وہ حاسد ہو
کم پرستش کرو اور ابلیس سے عبرت حاصل کرو

علم بودش چون نبودش عشق دین
او ندید از آدم اِلّا نقش طین

اُسکو علم تھا چونکہ اُسکو عشق دین نہ تھا
اُسنے آدم علیہ السلام کی کوئی چیز بجز نقش طین کے نہ دیکھی

گرچہ دانی دقت علم اے امین
زانت نکشاید دو دیدہ غیب بین

اگرچہ تمکو علم کی کیسی ہی باریکیان معلوم ہون
اُس سے تمھاری غیب بین آنکھین نہین کھل سکتین

او نہ بیند غیر دستاری و ریش
از معرف پرسد از بیش و کمیش

وہ تو بجز دستار اور ریش کے کوئی چیز نہ دیکھے گا
معرف سے پوچھے گا اُسکی کمی اور بیشی کی نسبت

عارفا تو از معرف فارغی | **خود ہمی بینی کہ نوری بازغی**

اے عارف تو معرف سے فارغ ہے | تو خود دیکھ لیتا ہے کیونکہ تو نور روشن ہے

کار تقوی دارد و دین و صلاح | **کہ ازو باشد بہ دو عالم فلاح**

کار آمد چیزین یہ ہین تقوی اور دین اور صلاح | کہ اُس سے دونون عالم مین فلاح ہوتی ہے

کرد یک داماد صالح اختیار | **کہ بد او فخر ہمہ خیل و تبار**

اُس نے ایک داماد صالح پسند کیا | کہ وہ تمام مجمع اور خاندان کا فخر تھا

خواجہ نے کہا کہ مال کو تو کچھ ثبات نہین دن کو آتا ہے اور رات کو دوسری جہات مین چلا جاتا ہے (اور) خوبصورتی کا بھی کچھ اعتبار نہین کہ ایک زخم خار (یعنی تکلیف) سے رخ زرد ہو جاتا ہے (اسی طرح) رئیس زادہ ہونا بھی لغو ہے کہ وہ حماقت سے مال پر مغرور ہوتا ہے (جو کوئی چیز نہین جیسا اوپر آیا ہے مال را نبود ثبات) بہتیرے رئیس زادے ہین جو شور و شر کے سبب اپنے افعال زشت سے ننگ پدر ہوئے ہین (اسی طرح) پُر ہنر شخص کی بھی کم پرستش کرو (یعنی کم توجہ کرو) اگر وہ حاسد ہو (کذا فی الغیاث) اور ابلیس سے عبرت حاصل کرو (کہ باوجود باہنر ہونے کے حسد کے سبب خراب ہوا) اُسکو علم (تو) تھا (مگر) چونکہ اُسکو عشق دین نہ تھا اُسنے آدم علیہ السلام کی کوئی چیز بجز نقش طین کے نہ دیکھی (اور بدون عشق دین کے) اگرچہ تمکو علم دین کی کیسی ہی باریکیان معلوم ہون (مگر) اُس سے تمھاری غیب مین (یعنی حقیقت شناس) آنکھین نہین کھل سکتین (اور) وہ (یعنی دیدہ ظاہری) تو (صاحب کمال کی) بجز دستار اور ریش کے اور کوئی چیز نہ دیکھے گا (اِسلیے) معرف (یعنی حقیقت شناس) سے پوچھے گا (یعنی صاحب دیدہ پوچھے گا) اُس (منسوب الی الکمال) کی کمی اور بیشی کی نسبت (کہ اسمین کمال باطنی کی کمی ہے یا بیشی ہے یعنی اُس ظاہر بین کو خود پہچان نہین ہے تو ممکن ہے کہ واقع مین وہ کامل نہ ہو اور اُسکو ظاہری ہنر سے کامل سمجھ جاوے جس کا اُس شعر مین ذکر ہے پُر ہنر ا لخ اور ممکن ہے کہ واقع مین وہ کامل ہو اور اُسکو ظاہری بشریت سے کامل نہ سمجھے جسکا اُس شعر مین ذکر ہے "علم بودش الخ" پس او کا مرجع اوپر گو تصریحاً مذکور نہین مگر بقرینۂ ذکر مقابل یعنی دیدہ غیب بین مفہوم ہوتا ہے اور دستار و ریش سے مراد مطلق ظاہر خواہ ہنر ہو جیسا ایک شعر مین ہے اور خواہ نقش طین ہو جیسا دوسرے شعر مین ہے اور منسوب الی الکمال بھی دونون کو شامل ہے۔ پس یہ شعر اُن دونون سے چسپان ہو گیا۔ غرض ظاہر بین کو تو معرف کی حاجت ہے، لیکن اے عارف تو معرف سے فارغ ہے (کیونکہ) تو خود (اُسمین کمال باطنی کا ہونا نہ ہونا) دیکھ لیتا ہے کیونکہ تو نور روشن ہے (یعنی صاحب نور و ادراک ہے اُس سے حقیقت کو دیکھ لیتا ہے خلاصہ یہ کہ محض ظاہری خوبیون کا کچھ اعتبار نہین بلکہ) کار آمد چیزین یہ ہین تقوی اور دین اور صلاح کہ اُس سے دونون عالم مین فلاح ہوتی ہے

(اسلیے) اُس نے ایک داماد صالح پسند کیا کہ وہ (اپنے کمالات حقیقیہ کے سبب اپنے) تمام مجمع اور خاندان کا فخر تھا (اور اُس سے رشتہ کر دیا اور نکاح حرا دلینا اسلیے مناسب نہین کہ نکاح کے بعد جو تدبیر اُس غلام کے لیے کی گئی ہے جس کا آئندہ بیان آتا ہے اُسمین یہ خدشہ رہے گا کہ جب نکاح ہو چکا تھا تو پھر اُس غلام کو وعدۂ نکاح اور انعقاد ظاہر نکاح سے کیسے تسلی ہو سکتی ہے)

پس زنان گفتند او را مال نیست
عورتون نے کہا کہ اُسکے پاس تو مال نہین

مہتری و حسن و استقلال نیست
اور ریاست اور حُسن اور استقلال نہین

گفت آنہا تابع زہد اند و دین
خواجہ نے جواب دیا کہ یہ سب زہد اور دین کے تابع ہین

بے زر او گنجے ست بر روئے زمین
وہ شخص بدون زر ہی کے روے زمین پر ایک خزانہ ہے

عورتون نے کہا کہ اُسکے پاس تو مال نہین اور ریاست و حسن اور (معاش کا) استقلال نہین خواجہ نے جواب دیا کہ یہ سب زہد اور دین کے تابع ہین وہ شخص (جسمین یہ صفات ہون) بدون زر ہی کے روے زمین پر ایک خزانہ ہے (تابع ہونے کے یہ معنی نہین کہ وجود مین اُسکے ساتھ لازم ہین یہ تو مشاہدہ کے خلاف ہے بلکہ معنی یہ ہین کہ مقصود ہونے مین تابع ہے یعنی اگر ان اوصاف کا قصد بھی ہو تو تبعًا ہونا چاہیے اور مقصود بالاصالۃ زہد اور دین ہے پس اگر دونون ایک جگہ مجتمع نہ ہون تو جہان مقصود بالذات ہو اُسکو اختیار کرنا چاہیے اور جہان صرف مقصود بالتبع ہو اُسکو ترک کر دینا چاہیے۔)

چون بجد تزویج دختر گشت فاش
جب سختگی کے ساتھ دختر کے نکاح کی خبر مشہور ہو گئی

دست پیمان و نشانی و قماش
اور دست پیمان اور نشانی اور قماش بھی

پس غلام خواجہ کاندر خانہ بود
پس خواجہ کا جو غلام گھر کے اندر رہتا تھا

گشت بیمار و ضعیف و زار زود
وہ فوراً بیمار اور ضعیف ہو گیا

ہمچو بیمار دقی او میگداخت
مریض دقی کی طرح گھلنے لگا

علت او را طبیبے کم شناخت
اُسکی بیماری کو کسی طبیب نے نہ پہچانا

عقل میگفتے کہ رنجش از دل ست
عقل کہتی تھی کہ اس کا مرض قلبی ہے

دار وے تن در غم دل باطل ست
جسم کی دوا دل کے غم مین محض بے اثر ہے

آن غلامک دم نزد از حالِ خویش
گرچہ می آمد ورا در سینہ ریش

اُس غلام نے اپنا حال کہنے مین دم بھی نہین مارا
اگرچہ اُسکے سینہ مین زخم لگ رہا تھا

گفت خاتون را شبے شوہر کہ تو
باز پرسش در خلا از حالِ او

ایک شب شوہر نے بی بی سے کہا کہ تو
تنہائی مین اسکا حال پوچھنا

تو بجاے مادری اورا بود
کو غمِ خود پیش تو پیدا کند

تو اسکی مان کی جگہ ہے
شاید تیرے سامنے اپنا غم ظاہر کردے

چونکہ خاتون کرد در گوش این کلام
روز دیگر رفت نزدیکِ غلام

جب بی بی نے یہ بات سُنی
دوسرے روز غلام کے پاس گئی

پس سرش را شانہ میکرد آن ستی
با دو صد مہر و دلال و دوستی

پھر وہ بی بی اُسکے سر مین شانہ کرنے لگی
نہایت مہربانی اور نازبرداری اور محبت سے

آنچنان کہ مادرانِ مہربان
نرم کردش تا در آمد در بیان

جسطرح مہربان مائین کیا کرتی ہین
اُس کو نرم کیا یہان تک کہ وہ بولا

کہ مرا امید از تو این نہ بود
کہ دہی دختر بہ بیگانہ عنود

کہ مجکو تجھسے یہ امید نہ تھی
کہ تو اس دختر کو ایک سرکش اجنبی کو دیوے گی

خواجہ زادہ ما و ما خستہ جگر
حیف نبود کو رود جائے دگر

ہماری تو آقازادہ اور ہم خستہ جگر ہون
تو کیا حیف کی بات نہین کہ وہ دوسری جگہ جاوے

خواست آن خاتون ز خشمے کامدش
کش زند و ز بام زیر اندازدش

اُس بی بی کو جس قدر غصہ آیا اُس سے چاہا تو یہ
کہ اس کو خوب پیٹے اور بام سے نیچے پھینکدے

گوکه باشد هندوی مادر غری
که یه غلام مادر بخطا کون ہوتا ہے

که طمع دارد بخواجه دختری
که آقا زادی کی ہوس کرتا ہے

گفت صبر اولی بود خود را گرفت
کہا کہ ضبط بہتر ہے اپنے کو سنبھال لیا

گفت با خواجه که بشنو این شگفت
اور خواجہ سے کہا کہ لو یہ عجیب بات اور سُنو

اینچنین گرا یکے خائن بود
یہ ایسا کمینہ خائن ہے

ما گمان برده که هست او معتمد
ہم تو گمان کیے ہوئے تھے کہ یہ معتمد ہے

حال خود را اینچنین گفت او مرا
اس نے اپنا حال مجھسے اس طرح کہا ہے

خواستم کز خشم بکشم مر ورا
میرے جی مین تو یہ آیا تھا کہ مین اسکو مار ڈالون

جب بچنگی کے ساتھ دختر کے نکاح (کی منظوری) کی خبر مشہور ہوگئی اور دست پیمان اور نشانی اور قماش بھی (ملنا مشہور ہوگیا- دست پیمان چیزیکه در رسم مصاہرت سفر پسند از جانب مرد یا از جانب دختر مراد از نشانی نصاہر و قماش بضم رخت و متاع خانه) پس خواجہ کا جو غلام گھر کے اندر رہتا تھا وہ مغا بیمار او ضعیف ہوگیا مریض دق کی طرح گھلنے لگا اسکی بیماری کو کسی طبیب نے نہ پہچانا عقل (سلیم) کہتی تھی کہ اسکا مرض قلبی ہے جسم کی دوا دل کے غم مین محض بے اثر ہے اُس غلام نے اپنا حال کہنے مین دم بھی نہین مارا اگرچہ اُسکے سینہ مین زخم لگ رہا تھا- ایک شب شوہر (یعنی خواجہ) نے (اپنی) بی بی سے کہا کہ تو تنہائی مین اسکا حال پوچھنا تو اسکی مان کی جگہ ہے شاید تیرے سامنے اپنا غم ظاہر کردے جب بی بی نے یہ بات سُنی دوسرے روز غلام کے پاس گئی پھر وہ بی بی اُسکے سر مین شانہ کرنے لگی نہایت مہربانی اور ناز برداری اور محبت سے جسطرح مہربان مائین کیا کرتی ہین (اسطرح) اُسکو نرم کیا یہان تک کہ وہ بولا کہ مجکو تجھسے یہ امید نہ تھی کہ تو اس دختر کو ایک سرکش اجنبی کو دیدے گی (شاید سرکش مین اشارہ اسطرف ہو کہ وہ میری برابرا طاعت بھی نہین کریگا) ہماری تو آقا زادہ اور ہم (اُسکے عشق مین) خستہ جگر ہون تو کیا حیف کی بات نہین کہ وہ دوسری جگہ جاوے (باوجودیکہ ہمارا حق ہے کیونکہ ہماری آقا زادہ ہے یہ سُنکر) اُس بی بی کو جسقدر غصہ آیا اُس سے چاہا تو یہ کہ اسکو خوب پیٹے اور بام سے نیچے پھینک دے کہ یہ غلام مادر بخطا (غر فاحشہ) کون ہے کہ آقا زادی کی ہوس کرتا ہے (لیکن پھر دل مین) کہا کہ ضبط بہتر ہے (اسلیے) اپنے کو سنبھال لیا اور خواجہ سے کہا کہ لو یہ عجیب بات اور سُنو یہ ایسا کمینہ خائن ہے (گرا دگرا ے غلام و حجام و کاف گر ایک برا ے تحقیر) ہم تو گمان کیے ہوئے تھے کہ یہ معتمد ہے (اور وہ ان سے موقع پر آبرو کی حفاظت کرے گا تو یہ خود بدنفس نکلا) اس نے اپنا حال مجھسے اسطرح کہا ہے

میرے جی مین تو یہ آیا تھا کہ مین اسکو مار ڈالون۔

صبر فرمودنِ خواجہ مادرِ دختر را کہ غلام را زجر مکن کہ من او را بے زجر بتدبیر ازین طمع باز آرم

(حکمت اسمین یہ بھی ہے کہ زجر کرنے سے بعض اوقات ہوس زیادہ مشتعل ہوتی ہے سو ممکن ہے کہ کسی وقت فساد لاوے اور تدبیر سے اُسکا مادہ ہی دل سے نکل جاوے گا اور ہمیشہ کے لیے اطمینان ہو جاوے گا۔ لیکن یہ ضرور نہین کہ خواجہ نے اِس مین غلام کی رعایت لی ور اُسکے ساتھ نرمی کی ہو)

گفت خواجہ صبر کن با او بگو
خواجہ نے کہا کہ صبر کر اُس سے کہدے

کہ از و ببریم و بدہیمش بتو
ہم اُس سے توڑ الین گے اور وہ ہم تجکو دیدینگے

تا بمکر این از دلش بیرون کنم
تا کہ دھوکہ سے اسکو اس کے دل سے نکالدون گا

پس تماشا کن کہ دفعش چون کنم
پھر تماشا دیکھنا کہ اسکو کسطرح دفع کرتا ہون

تو دلش خوش کن بگو میدان درست
تو اُسکا دل خوش کر دینا اور کہنا کہ تو بالکل صحیح سمجھ

کہ حقیقت دختر ما جفت تست
کہ حقیقت مین ہماری لڑکی تیرا ہی جوڑا ہے

ما ندانستیم اے خوش مشتری
ہکو معلوم نہ تھا اے عمدہ خریدار

چونکہ دانستیم تو اولے تری
جب ہکو معلوم ہوگیا تو تو زیادہ مستحق ہے

آتشِ ما ہم درین کانونِ ما
ہماری آگ ہمارے ہی چولھے مین

لیلی آنِ ما و ہم مجنونِ ما
لیلی بھی ہماری ہی چیز اور مجنون بھی ہمارا ہی

تا خیال و فکر خوش بر وے زند
تا کہ خیال ور فکر لذیذ اُسپر غالب ہو جاوے

فکر شیرین مرد را فربہ کند
خیال شیرین اُسکو فربہ کردے

جانور فربہ شود لیک از علف | **آدمی فربہ ز عزت و شرف**

جانور فربہ ہو جاتا ہے لیکن علف سے | آدمی فربہ عزت اور شرف سے ہوتا ہے

آدمی فربہ شود از راہِ گوش | **جانور فربہ شود از حلق و نوش**

آدمی کان کے رستہ سے فربہ ہوتا ہے | جانور حلق اور خور و نوش سے فربہ ہوتا ہے

خواجہ نے (بی بی سے) کہا کہ صبر کر (غصہ مت ظاہر کر اور) اُس (غلام) سے کہدے کہ ہم اُس (داماد) سے (اُسکا رشتہ یا نکاح) توڑ ڈالینگے اور وہ (لڑکی) ہم تجکو دیدینگے (اور یہ کہنا اسلیے تجویز کیا ہے) تاکہ (اس) دھوکہ سے اِس (ہوس) کو اُسکے دل سے نکال دونگا پھر (ذرا) تماشا دیکھنا کہ اس (ہوس) کو کسطرح (اُسکے دل سے) دفع کرتا ہون (پس) تو اُسکا دل خوش کر دینا اور کہنا کہ تو بالکل صحیح سمجھ کہ حقیقت مین ہماری لڑکی تیرا ہی جوڑا ہے ہمکو (تیرا میلان) معلوم نہ تھا اے عمدہ خریدار (اور) جب ہمکو معلوم ہوگیا تو تو (سب سے) زیادہ مستحق ہے (پس اسکی ایسی مثال ہے جیسی) ہماری آگ ہمارے ہی چولھے مین (ادر) لیلی بھی ہماری ہی چیز اور مجنون بھی ہمارا ہی (تو اِس کہنے مین یہ مصلحت ہے) تاکہ خیال اور فکر لذیذ اُسپر غالب ہو جاوے (اور) خیال شیرین اُس کو (بسبب خوشی کے) فربہ کردے جانور (بھی) فربہ ہو جاتا ہے لیکن علف سے (ہوتا ہے اور) آدمی فربہ عزت اور شرف سے ہوتا ہے (جو محض ایک خیالی چیز ہے۔ پس خیال سے فربہ ہونا ثابت ہوا جو اوپر مذکور تھا فکر شیرین مرد را فربہ کند۔ غرض) آدمی کان کے رستہ سے فربہ ہوتا ہے (کہ نفس کے موافق باتین سنتا ہے اور اُنکے موافق خیال پکا لیتا ہے اور) جانور حلق اور خور و نوش سے فربہ ہوتا ہے۔

گفت آن خاتون کزین ننگِ مہین | **خود زبانم کے بجنبد اندرین**

اُس بی بی نے کہا کہ ایسی رسوا کن عار کی بات کے ساتھ | خود میری زبان کب حرکت کرے گی اس مین

اینچنین ژاژے چہ خایم بہرِ او | **گو بمیر آن خائنِ ابلیس خو**

مین اُسکے واسطے اسطرح ژاژ خائی کیسے کرون | گو وہ خائن ابلیس خصلت مر جاوے تو مر جاوے

گفت خواجہ نے مترس و دم دہش | **تا رود علت ازین لطفِ خوش**

خواجہ نے کہا کہ نہین کچھ اندیشہ مت کر اور اُسکو دم دیدے | تاکہ اس خوش لطفی سے اُسکی علت جاتی رہے

دفع او را دلبرا بر من نویس
اسکا دفعیہ اے دلبر تو میرے ذمہ لکھ رکھ

هل که صحت یابد این باریک ریس
اسکو اتنی مہلت دے کہ یہ باریک کا کاتنے والا صحت یاب ہوجاوے

چون بگفت آن خسته را خاتون چنین
اُس خستہ حال سے جب اُس بی بی نے ایسی بات کہی

می نگنجید از تبختر بر زمین
تو مارے تبختر کے وہ زمین پر نہ سماتا تھا

زفت گشت و فربه و سرخ و شگفت
خوب توانا و فربہ و سُرخ ہوا - اور شگفتہ ہو گیا

چون گل سرخ و هزاران شکر گفت
گُلِ سُرخ کی طرح - اور ہزاروں شکرانے بھیجے

گه گهی میگفت ای خاتون من
کبھی کبھی کہتا کہ اے میری آقا خاتون

که مبادا باشد این دستان و فن
ایسا نہ ہو کہ یہ سب مکر و فن ہو

لیک خاتون جزم میگفتش که ما
لیکن وہ خاتون اُسکو جزم کے ساتھ کہدیتی کہ ہم

در پی اینیم فارغ باش ها
اسی فکر میں ہیں تو بے فکر رہ

اُس بی بی نے (شوہر سے) کہا کہ ایسی رُسوا کن عار کی بات کے ساتھ خود میری زبان کب حرکت کریگی - اس (معاملہ) مین (یہ ترجمہ بھین بضم میم صیغہ اسم فاعل از اہانت کا ہے اور اگر بفتح میم کلمہ فارسی بمعنی عظیم ہو تو ترجمہ اسکا عار عظیم ہوگا دِبِہٖ یَشْهَدُ ذَوْقِیْ) مین اُس (غلام) کے واسطے اسطرح سے غمخواری کیسے کرون گو وہ خائن ابلیس خصلت مرجاوے تو مرجاوے - خواجہ نے کہا کہ نہین (ایسی بات کہنے سے) کچھ اندیشہ مت کر اور اُسکو دم دیدے تاکہ اس خوش لطفی سے اُس کی علت جاتی رہے اِس (علت) کا دفعیہ اے دلبر تو میرے ذمہ لکھ رکھ (یعنی میرے ذمہ سمجھ) اسکو اتنی مہلت دے کہ یہ باریک (خیال) کا کاتنے والا (یعنی سوچنے والا) صحت یاب ہو جاوے (پھر صحت کے بعد اسکو درست کرون گا خلاصہ یہ ہوا کہ) اُس خستہ حال سے جب اُس بی بی نے ایسی بات کہی تو مارے تبختر کے وہ زمین پر نہ سماتا تھا (یعنی گویا زمین سے اُڑا جاتا تھا) خوب توانا و فربہ و سُرخ اور گُلِ سُرخ کی طرح شگفتہ ہوگیا اور ہزاروں شکرانے بھیجے (اور چونکہ مقرر ہے "کہ عشق ست و ہزار بد گمانی" اس لیے بافرط حیرت و تعجب و فرحت) کبھی کبھی (خاتون سے) کہتا کہ اے میری آقا خاتون ایسا نہ ہو کہ یہ سب مکر و فن ہو (اور تمہاری نیت نہ ہو) لیکن وہ خاتون اُسکو جزم کے ساتھ کہدیتی کہ ہم اسی فکر مین ہین تو بے فکر رہ -

خواجه چون دیدش که سرخ و زفت گشت
خواجہ نے جب اُسکو دیکھا کہ سُرخ و فربہ ہو گیا

رفت از وے علت و آمد بگشت
اُس سے بیماری دور ہو گئی اور چلنے پھرنے لگا

خواجه جمعیت بکرد و دعوتے
تو خواجہ نے ایک مجمع کیا اور لوگون کی دعوت کی

کہ ہمی سازم فرج را وصلتے
کہ فلانے غلام کا عقد کرتا ہون

تا جماعت عشوه میدادند و گال
یہان تک کہ ایک جماعت بھی دھوکہ اور فریب دیتی تھی

کاے فرج بادت مبارک اتصال
کہ اے فلانے تجکو یہ اتصال مبارک ہو

تا یقین تر شد فرج را آن سخن
یہان تک کہ اُس غلام کو اُس بات کا اور زیادہ یقین ہو گیا

علت از وے رفت کل از بیخ و بن
مرض اُس سے بالکل ہی بیخ و بن سے جاتا رہا

بعد از ان اندر شب گردک بفن
اسکے بعد شب عروسی مین دھوکہ دینے کے لیے

امردے را بست حنّا ہمچو زن
ایک بے ریش مرد جوان کے عورت کی طرح مہندی لگائی

بر نگارش کرد ساعد چون عروس
اور اُسکا ساعد دُلھن کی طرح آراستہ کیا

پس نمودش ماکیان دادش خروس
پس اُسکو دکھلائی تو مُرغی اور دیدیا مُرغا

مقنعه و حلّه عروسانه نکو
اوڑھنی اور عروسانہ عمدہ جوڑے سے

کنگ امرد را بپوشانید او
کُنگر امرد کا مُنھہ چھپا دیا

شمع را ہنگام خلوت زود کشت
خلوت کے وقت شمع کو فوراً گل کر دیا

ماند ہندو با چنان کنگ درشت
پس غلام ایسے کنگر قوی کے ساتھ رہگیا

ہندوک فریاد میکرد و فغان
غلام فریاد اور فغان کر رہا تھا

از برون نشنید کس از دف زنان
باہر کسی نے دف بجانے والوں کے سبب نہین سُنا

ب کنگ بفتح اول امرد بمعنی مرد خوب جوان ۱۲

ضرب دف و کف و نعرہ مردوزن

دف اور کف کی ضرب اور مردوزن کے غل غپاڑہ نے

تا بروز آن ہندوک را می فشارد

دن ہونے تک اس غلام کو ملتا دلتا رہا

روز آوردند طاس و بوغ رفت

دن کو خدام طشت اور بھرا ہوا بغچہ لائے

رفت در حمام او رنجور جان

وہ حمام مین گیا رنجور جان

آمد از حمام در گردک فسوس

حمام سے حجلۂ عروسی مین بحالتِ حسرت واپس آیا

مادرش آنجا نشستہ پاسبان

اسکی مان پاسبان ہوکر بیٹھ گئی

ساعتے در وے نظر کرد از عناد

اس نے تھوڑی دیر تو اسکو تکا

گفت کس را خود مبادا اتصال

کہا کہ کسی کو تحقیق اتصال نہ ہو

روز رویت ہمچو خاتونِ ختن

دن مین تو تیرا چہرہ خاتون ختن کا سا

سه وسه کلاهما حالان من فاعل رفت ۱۲ منه

کرد پنہان نعرۂ آن نعرہ زن

اس نعرہ زن کے نعرہ کو مخفی کر دیا

چون بود در پیش سگ انبان آرد

جیسے کتے کے سامنے آٹے کے تھیلہ کی کیفیت ہو

رسم دامادآن فرخ حمام رفت

موافق رسم داماد کے وہ غلام حمام مین گیا

کون دریدہ ہمچو دلقِ تونیان

بھنگیون کے گدڑے کی طرح پس دریدہ

پیش او بنشست دختر چون عروس

اسکے سامنے دختر عروس کی طرح آ بیٹھی

کہ مبادا کو کند روز امتحان

کہ ایسا نہ ہو کہ وہ دن کو امتحان کرنے لگے

انگہان با ہر دو دستش دہ بداد

پھر دونون ہاتھون سے اسکو دھکا دیا

با چو تو ناخوش عروسِ بد فعال

تجھ جیسی ناخوش بدافعال عروس کے ساتھ

شب عمودت ہمچو شاخ کرگدن

رات کو تیرا استون شاخ کرگدن کا سا

روز رویت ہمچو خاتونِ تتر	گیر زشتت شب تر از کیر خر
دن کو تو تیرا چہرہ خاتون تاتار کا سا	رات کو تیرا آلہ آلۂ خر سے بھی بدتر

(فرج نام آن غلام - گال فریب - گردک بکسر کاف فارسی و دوم تازی حجلۂ عروس وبمعنی عروسی نیز آمدہ - کنگ بضم کاف تازی وکاف دوم فارسی مرد سطبر تن وقوی ہیکل - آنبان تھیلۂ چرمی - یوغ بباء موحدہ لنجہ وبیاے تحتانیہ بمعنی جُوا بیلی - زفت بمعنی پُر وما لامال ہم آمدہ - تو نیان توان محل سرگین وتولی کناس وخاکروب فسوس حسرت آدہ بالکسر کلمۂ نفرین واز پیش راندن - بعضہ من الحواشی وبعضہ من الغیاث) خواجہ نے جب اُسکو دیکھا کہ سُرخ وفربہ ہوگیا اُس سے بیاری دور ہوگئی اور چلنے پھرنے لگا تو خواجہ نے ایک مجمع کیا اور لوگون کی دعوت کی کہ فلانے غلام کا عقد کرتا ہون (ممکن ہے کہ اورون سے مطلقاً کہا ہو اپنی دختر کا نام نہ لیا ہو تاکہ نہ بدنامی ہو اور نہ داماد کو شبہہ ہو صرف اُس غلام سے دختر کا وعدہ کر رکھا تھا) یہان تک کہ ایک جماعت بھی (جو ہمراز خواجہ کے تھے اُسکو) دھوکا اور فریب دیتے تھے کہ اے فلانے تجکو یہ اتصال مبارک ہو یہان تک کہ اُس غلام کو (خاتون کی) اُس بات کا اور زیادہ یقین ہوگیا (اور) مرض اُس سے بالکل ہی بیخ وبن سے جاتا رہا (یعنی اس شہرت کے قبل جو گاہ گاہ شبہہ دستان وفریب کا ہوتا تھا اور اُسکا کچھ اثر ہو گا وہ بھی جاتا رہا) اسکے بعد شب عروسی مین (یعنی مقرر تاریخ مین) دھوکا دینے کے لیے ایک بے ریش مرد جوان کے عورت کیطرح منہدی لگائی اور اُسکا سامان دُلھن کی طرح (زیور سے) آراستہ کیا پس (ایسی مثال ہوگئی جیسے) اُسکو دکھلائی تو مرغی اور دیدیا مُرغا (چنانچہ اُوڑھنی اور عروسانہ عمدہ جوڑے سے (اُس) کنگر امرد کا مُنھ چھپا دیا (پس مصرعۂ اول مین رابطہ آزیا یا مقدر رہے اور) خلوت کے وقت شمع کو فوراً گُل کر دیا (جسکو اِسکے لیے مامور کیا ہوگا اگر ضمیر خواجہ کی طرف ہے تو اسناد الی السبب ہے جیسے بنی الامیر المدینۃ) پس غلام ایسے کنگر قوی کے ساتھ رہگیا (آیا او ماند ن مین اشارہ کر دیا اُس غلام کے ساتھ سوء تصرف کرنے کی طرف استہجان ذکر کے سبب تصریح نہین کی) غلام فریاد اور فغان کر رہا تھا (مگر) باہر کسی نے دُف بجانے والون کے سبب نہین سُنا - دف اور کف کی ضرب اور مرد وزن کے غل غپاڑہ نے اُس نعرہ زن کے نعرہ کو مخفی (اور مغلوب) کردیا (غرض) دن ہونے تک اُس غلام کو ملتا دلتا رہا جیسے کُٹّے کے سامنے آٹے کے تھیلہ کی کیفیت ہو (کہ کبھی اُلٹا کرتا ہے کبھی سیدھا کبھی کھینچتا ہے کبھی چھوڑتا ہے) دن کو خدام طشت اور مُنھ ہاتھ دھونے کو) اور بھرا ہوا بقچہ (نیا جوڑا بدلنے کو - اور اگر یوغ بمعنی جُوئے کے ہو تو اطلاق الجزء علی الکل مراد بہلی اور سواری ہوگی یعنی حمام تک سوار ہو کر چلنے کے لیے سواری) لائے (اور) موافق رسم داماد کے وہ غلام حمام مین گیا (مگر) وہ حمام مین (جو) گیا (تو اس حالت سے کہ) رنجور جان (اور) بھنگیون کے گدڑے کی طرح بس دریدہ (تشبیہ اس بنا پر ہے کہ اکثر بھنگی غریب مفلس ہوتے ہین اور پھٹے گدڑے پہنتے ہین پھر) حمام سے حجلۂ عروسی مین بحالت حسرت واپس آیا حسرت کا سبب ظاہر ہے کہ ناکامی اور اُلٹی مصیبت اور) اُس کے

سامنے (وہ مصنوعی) دخترِ عروس کی طرح آ بیٹھی (اس تشبیہ سے اور شعر آئندہ کے مضمون سے مصنوعی کے ساتھ تفسیر کی ورنہ اصلی دختر تو واقعی عروس تھی ہی پھر امتحان کا بھی کیا خوف تھا) اُس (دختر) کی ماں پاسبان ہو کر بیٹھ گئی (اُسکی ماں مجازاً کہدیا موافق زعم غلام کے) کہ ایسا نہ ہو کہ وہ دن کو (مُنہ کھول کر) امتحان کرنے لگے اُس (غلام) نے تھوڑی دیر تو اُسکو تکا پھر دونوں ہاتھوں سے اُسکو دھکا دیا (اور) کہا کہ (خدا کرے) کسی کو تجھ جیسی ناخوش بدافعال عروس کے ساتھ اتصال (نصیب) نہ ہو دن میں تو تیرا چہرہ خاتونِ ختن کا سا (اور) رات کو تیرا استون (یعنی آلہ) شاخ کرگدن کا سا - دن کو تو تیرا چہرہ خاتون تاتار کا سا (اور) رات کو تیرا آلہ آلہ خر سے بھی بدتر (چہرہ کو حسین بتلانا اسی گمان پر ہے کہ اُسکو دختر اصلی سمجھے ہوئے ہے جسکو بارہا دیکھا تھا)

در حقیقت حکایت و بیانِ آنکہ ہر نفسے ہمچون آن ہندو مبتلا ست

ہمچنان جملہ نعیم این جہان — بس خوش ست از دور پیش از امتحان

اسی طرح اس عالم کی تمام نعمتیں — دور سے قبل امتحان کے بہت خوشنما ہیں

می نماید در نظر از دور آب — چون روی نزدیک آن باشد سراب

دور سے تو نظر میں پانی معلوم ہوتا ہے — جب نزدیک جاؤ تو وہ سراب ہوتا ہے

گنده پیر ست آن و از بس چاپلوس — خویش را جلوہ دہد چون نوعروس

وہ ایک سڑیل بڑھیا ہے اور فریب دینے کے لیے — اپنے کو نوعروس کی طرح ظاہر کرتی ہے

ہین مشو مغرور این گلگونہ اش — نیش نوش آلودۂ او را مچش

خبردار اُسکی اس آرائش پر دھوکا نہ کھانا — اور اُسکے نیش آلودہ نوش کو مت چکھنا

تا نیفتی چون فرج اندر حرج — صبر کن کالصبر مفتاح الفرج

تاکہ اُس غلام کی طرح تنگی میں نہ پڑ جاوے — صبر کرنا کیونکہ صبر فراخی کی کلید ہے

آشکارا دانہ پنہان دام او — خوش نماید ز اول انعام او

ظاہر تو دانہ ہے اور دام اُسکا پنہان ہے — اوّل سے اُسکا انعام تجکو اچھا معلوم ہوتا ہے

چون بہ پیوستی بدام اے ہوشیار — چند نالی در ندامت زار زار

اے ہوشیار جب تو جال مین پھنس گیا تو پھر ندامت مین زار زار بہت روویگا

نام میری و وزیری و شہی — نیست اِلّا درد و مرگ و جاندہی

نام تو امیری اور وزیری اور شاہی اور ہے محض درد اور موت اور جان دینا

بندہ باش و بر زمین رو چون سمند — چون جنازہ نے کہ بر گردن نہند

تو بندہ رہ اور زمین پر گھوڑے کی طرح چل نہ کہ جنازہ کی طرح کہ لوگ اپنی گردن پر رکھتے ہین

جملہ را حمال خود خواہد کفور — بار مردم گشتہ چون اہل قبور

ناسپاس آدمی سب کو اپنا باربردار بنانا چاہتا ہے اور خود اہل قبور کی طرح لوگون پر بار ہوتا ہے

بر جنازہ ہر کرا بینی بخواب — فارس منصب شود عالی رکاب

اگر کسی کو خواب مین جنازہ پر دیکھو تو وہ شخص کسی منصب پر سوار ہوگا اور عالی رکاب ہوگا

زانکہ آن تابوت بر خلق ست بار — بار بر خلقان نہادند این کبار

اسوجہ سے کہ وہ تابوت بھی خلق پر بار ہے ان بڑے لوگون نے بھی اپنا بار خلائق پر رکھ رکھا ہے

بار خود بر کس منہ بر خویش نہ — سروری را کم طلب درویش بہ

تو کسی پر اپنا بار مت رکھ اپنے ہی اوپر رکھ سروری کو مت طلب کر کہ درویش اچھا ہوتا ہے

مرکب اعناق مردم را مپاے — تا نیاید نقرست اندر دو پاے

تو آدمیون کی گردنون کے مرکب پر مت قائم ہو تاکہ درد نقرس تیرے دونون پانوٴن مین نہ ہوجاوے

مرکبے را کاخرش تو دہی — کہ بشہرے مانی و ویران دہی

جس مرکب کو تو اخیر مین نفرین کرے گا کہ تو شہر کے مشابہ تھا اور ویران گانوٴن ہے

وہ دہش اکنون کہ چون شہرت نمود	تا نیابد رخت در ویران کشود
تو اُسکو اب نفرین کر جبکہ شہر کی طرح تجکو منظر آیا ہے	تاکہ تجکو ویرانہ مین اسباب نہ کھولنا پڑے
وہ دہش اکنون کہ صد بُستانت ہست	تا نمانی عاجز و ویران پرست
اُسکو اب نفرین کر کہ سیکڑون باغ موجود ہین	تاکہ تو عاجز اور ویرانہ پرست نہ رہ جاوے

(بیان سے تقریر ہے غرض حکایت مذکورہ کی جو کہ حکایت کے قبل بھی مذکور تھی ان اشعار مین "الحذر اے ناقصان الی قولہ زہر قتال ست زود دوری گزین" اور اُسی پر حکایت لائی گئی تھی اور وہ غرض حب مال وجاہ کی مضرتون کا بیان ہے یعنی جسطرح اس حکایت مین وہ جوان قوی ہیکل ظاہر مین عروس تھا اور باطن مین خروس تھا) اسی طرح اِس عالم کی تمام نعمتین دور سے قبل امتحان کے بہت خوشنما ہین۔ دور سے تو نظر مین پانی معلوم ہوتا ہے جب نزدیک جاؤ تو وہ سراب ہوتا ہے وہ ایک سڑیل بڑھیا ہے اور فریب دینے کے لیے اپنے کو نوعروس کی طرح ظاہر کرتی ہے خبردار اُسکی اس آرایش پر دھوکا نہ کھانا اور اُسکے نیش آلودہ نوش کو مت چکھنا تاکہ تو اُس غلام کی طرح تنگی مین نہ پڑجاوے (بلکہ اُسکے اس چکھنے سے) صبر کرنا کیونکہ صبر فراخی کی کلید ہے (پس چکھنا سبب تنگی کا اور نہ چکھنا سبب فراخی کا ہے اور نیش آلودہ مین تصریح کردی کہ جس لذت ونعمت مین معصیت یا غفلت مفضی الی المعصیت آمیختہ ہو اُس سے پرہیز بتلا رہے ہین) ظاہر تو دانہ (اور نفع) ہے اور دام (اور ضرر) اُسکا پنہان ہے (اسلیے) اوّل سے اُسکا انعام تجکو اچھا معلوم ہوتا ہے (لیکن) جب جال مین پھنس گیا تو پھر ندامت مین زار زار بہت رو ویگا (آگے تصریح ہے بعض نعیم کی کہ) نام تو امیری اور وزیری اور شاہی اور ہے (حقیقت مین) محض درد اور موت اور جان دینا (یعنی ان مین بہت مضرتین ہین جب یہ ہے تو) تو بندہ (ہوکر) رہ اور زمین پر گھوڑے کی طرح چل نہ کہ جنازہ کی طرح کہ لوگ اپنی گردن پر رکھتے ہین (آگے تطبیق ہے اس مثال کی کہ) ناسپاس (یعنی نافرمان) آدمی سب کو اپنا باربردار بنانا چاہتا ہے اور خود اہل قبور (اموات) کی طرح لوگون پر بار ہوتا ہے (یعنی اپنا بوجھ دوسرون پر مت ڈالو جیسا گھوڑا اپنا بار کسی پر نہین ڈالتا بلکہ خود اورون کا اُٹھالیتا ہے بخلاف اہل علو کے کہ ہر طرح سے عام خلائق کو تکلیف دیتے ہین اور جنازہ کی طرح اُن پر اپنا بار ڈالتے ہین اسطرح سے کہ اُن سے ناجائز ذرائع سے مال حاصل کرتے ہین اور ظلم سے اُنپر حکم چلاتے ہین اور ناجائز اور ظلم کی قید کا قرینہ سیاق کلام اور آیندہ ایک شعر کی تصریح ہے "در بامرِ حق نخواہی ہم رواست الخ" آگے تشبیہ جنازہ کی تائید قول معبرین سے ہے کہ) اگر کسی کو خواب مین جنازہ (یعنی سریر میّت) پر دیکھو تو (تعبیر اُسکی یہ ہوتی ہے کہ) وہ شخص کسی منصب پر سوار ہوگا اور حالی رکاب ہوگا (اور دونون مین مناسبت) اسوجہ سے (ہے) کہ وہ تابوت (میّت کا) بھی خلق پر بار ہے (اور) اِن بڑے لوگون نے بھی اپنا بار خلائق پر رکھ رکھا ہے (شعر) تو کسی پر اپنا بار مت رکھ اپنے اوپر ہی رکھ (یعنی) سروری کو

مت طلب کر درویش (و بے قدرت) اچھا ہوتا ہے (کہ اس سے تعدی معاصی کم ہوتے ہین) تو آدمیون کی گردنون کے مرکب پر مت قائم ہوتا کہ (انجام کار آخرت مین) در دنقرس تیرے دونون پانؤن مین نہ ہو جاوے (یعنی ایسے مرکب پر مت قائم ہوکہ) جس مرکب (کا آخرت مین یہ انجام دیکھکر اُس) کو تو آخر مین (یہ کہہ کر) نفرین کریگا کہ (اے مرکب) تو شہر کے مشابہ تھا (حسن و زینت مین) اور (واقع مین) ویران گانؤن (کے مثل) ہے (پس مرکب رابدل ہے مرکب اعناق سے. جب اخیر مین نفرین ہی کرنا ہوگا تو جو اُسکو اب نفرین کر جبکہ شہر کی طرح تجکو نظر آیا ہے تاکہ تجکو ویرانہ مین اسباب کھولنا پڑے (یعنی اگر اب سوار ہوکر چلے تو جب حقیقت معلوم ہوگی وہان ویرانہ ہوگا وہان چھوڑنا پڑیگا۔ مراد اِس سے عذاب ہے آخرت کا کہ اِس منصب و مال مذموم کی حقیقت جس وقت معلوم ہوگی اُسوقت عذاب ہوگا) اُسکو اب نفرین کر کہ سیکڑون باغ موجود ہین تاکہ تو عاجز اور ویرانہ پرست نہ رہ جاوے (مراد باغ سے علوم و اعمال ہین یعنی اگر اُس سے اعراض کرے تو طاعات و معارف مین مشغول ہو کر دولتِ قرب و رضا حاصل کر سکتا ہے پس اس وقت کا سمجھنا مفید ہے اور آخرت کا سمجھنا غیر مفید)

گفت پیغمبر کہ جنت از الٰہ
پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر خدائے تعالیٰ سے جنت

گر ہمی خواہی ز کس چیزے مخواہ
چاہتے ہو تو کسی سے کوئی چیز مت مانگو

چون نخواہی من کفیلم مر ترا
اگر تم مانگو نہین تو مین تمہارے لیے کفیل ہون

جنت الماویٰ و دیدارِ خدا
جنت الماویٰ اور دیدار الٰہی کا

آن صحابی زان کفالت شد عیار
وہ صحابی اس کفالت کے سبب نمونہ ہو گئے

تا یکے روزے کہ گشتہ بد سوار
یہان تک کہ ایک روز سوار ہوئے جا رہے تھے

تازیانہ از کفش افتاد راست
اُنکے کفِ راست سے تازیانہ گر پڑا

خود فرود آمد ز کس آن را نخواست
خود اُترے اُس کو کسی سے مانگا نہین

آنکہ از دادش نیاید ہیچ بد
جس کی عطا سے کوئی بُرائی لازم نہین آتی

داند و بے خواہشے خود می دہد
وہ جانتا بھی ہے اور خود بے خواہش دیتا ہے

ور بامرِ حق بخواہی آن رواست
اور اگر بامر حق مانگو تو وہ جائز ہے

آنچنان خواہش طریقِ انبیاست
ایسا مانگنا حضرت انبیا علیہم السلام کا طرز ہے

بد نماند چون اشارت کرد دوست	**کفر ایمان شد چو کفر از بہرِ اوست**
جب محبوب نے اشارہ کر دیا تو وہ مفسدہ نہ رہے گا	کفر بھی ایمان ہو گیا اگر کفر اُسکے لیے ہے
ہر بدے کہ امرِ او پیش آورد	**آن ز نیکیہائے عالم بگذرد**
جو بُرائی ایسی ہو کہ اُسکا حکم اُسکو پیش لاوے	وہ تمام عالم کے حسنات سے بھی بڑھ جاتی ہے
زان صدف گر خستہ گردد نیز پوست	**دِہ مدہ کہ صد ہزاران دُر دروست**
اگر اُس صدف سے کھال زخمی بھی ہو جاوے	تب بھی اُسکو نفرین مت کرو کیونکہ اُسمین لاکھون موتی ہین

(اوپر مراتب و مناصب کی مذمت اس بنا پر کی تھی کہ خلائق پہ بار ہوتا ہے اور بار ڈالنا مذموم ہے یہان اِس بار ڈالنے کی مذمت کی تائید کے لیے ایک حدیث لاتے ہین کہ یہ اتنا مذموم ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے کسی سے سوال کرنے کو بھی پسند نہین کیا حالانکہ دینے والا مختار و آزاد ہے اُسپر کوئی جبر نہین مگر ایک گونہ بار تو ہوتا ہی ہے اور صحابہ نے یہان تک اس کا اہتمام فرمایا کہ اپنی گری ہوئی چیز کے مانگنے تک سے تحرز کیا حالانکہ یہ اسمین داخل نہین مگر تاہم صورت سوال کی اور احتمال کسی قدر بار کا تھا گو وہ احتمال اور وہ بار بھی اس قدر ضعیف ہے کہ معتد بہ نہین اسی کو فرماتے ہین کہ) پیغمبر صلے اللہ وسلم نے (ایکبار کسی صحابی سے) فرمایا کہ اگر خداے تعالیٰ سے جنت چاہتے ہو تو کسی سے کوئی چیز مت مانگو (یا تو اُس صورت مین کہ سوال حرام ہو یا عام اس سے اگرچہ مباح بھی ہو اوّل صورت مین جنت کا سبب ترک معصیت ہے اور دوسری صورت مین عمل بالاحوط پس) اگر تم مانگو نہین تو مین تمھارے لیے جنت الماوی اور دیدارِ الٰہی کا کفیل ہون وہ صحابی (حضورؐ کی) اِس کفالت کے سبب (یعنی اِسکے نتیجہ کے شوق مین اس خصلت مین ایک اعلیٰ درجہ کے) نمونہ ہو گئے (نمونہ عادۃً اپنے سب امثال سے بڑھکر دکھلایا جاتا ہے۔ یعنی بے نظیر ہو گئے۔ فی الغیاث عیار بکسر اول چاشنی زر و سیم کہ آنرا ہندی بانگی گو نیداھ) یہان تک (بے نظیر ہو گئے) کہ ایک روز سوار ہوئے جارہے تھے اُن کے کفِ دست سے تازیانہ گر پڑا (اُسکے لینے کو) خود اُترے اُسکو کسی سے مانگا نہین (پس مخلوق سے نہ مانگنا چاہیے کہ اگر کامیابی بھی ہوا اور وہ دے بھی دے تب بھی متضمن ہے مفاسد کو جنمین سے ایک مفسدہ بار ڈالنا بھی ہے جسکی مذمت اوپر سے چلی آرہی ہے اگر کوئی حاجت ہو تو حق تعالیٰ سے مانگے جس سے مانگنے مین اور نیز اُسکے عطا کرنے مین کوئی مفسدہ ہی نہین خصوص مفسدۂ مذکورہ چنانچہ حدیث مین ہے ولیعزم المسئلۃ فانہ لامکرہ لہ۔ اسی کو فرماتے ہین کہ) جسکی عطا سے کوئی بُرائی لازم نہین آتی وہ (ہر ایک کی حاجت و مصلحت کو) جانتا بھی ہے اور خود بے خواہش دیتا بھی ہے (تو مانگنے سے کیون نہ دیگا پس مانگنا ایسے سے چاہیے اب اس مصرعہ سے یہ شبہہ نہ ہو کہ باقتضاے مقام ترغیب تو ہے اُس سے مانگنے کی اور بیان کرنے لگے بے خواہش دینے کو۔ وجہ دفع ظاہر ہے۔

آگے فرماتے ہین کہ ہم نے جو اوپر مخلوق سے سوال کرنے کو منع کیا ہے مراد وہ صورت ہے جسمین اپنی راے وخواہش نفس سے سوال ہو بخلاف اسکے کہ باذن حق وبامر شرع سوال ہو کہ اُسمین اگر بار ہو تو وہ اس سائل کی طرف سے تو نہین حق جل وعلا شانہ کی طرف سے ہے اور اُنکو ہر طرح کا حق حاصل ہے بار ڈالنے کا بھی حق حاصل ہے کیونکہ مملوک مین فی نفسہ ہر طرح کا تصرّف جائز ہے الا لمانع ولا مانع ههُنا اور مخلوق کو یہ حق حاصل نہین آگے اسی کو بیان کرتے ہین (یعنی) اور اگر بامر حق (کسی سے) مانگو تو وہ جائز ہے ایسا مانگنا حضرات انبیاء علیہم السّلام کا طریقہ ہے (قال اللہ تعالیٰ خذ من اموالھم صدقۃ الخ والاخذ عام لما کان قبل السؤال او بعد السؤال فقد کان صلی اللہ علیہ وسلم یبعث السعاۃ علی جبایۃ الصدقات وقال صلی اللہ علیہ وسلم قل لا اسألکم علیہ اجرا الا المودۃ فی القربیٰ فالاول سوال للمال والثانی لغیر المال من الحقوق الواجبۃ اور اگر اس سوال مین بھی شبہہ ہو مفسدہ گرانباری کا تو جواب اُسکا یہ ہے کہ جب محبوب نے اشارہ کر دیا تو وہ مفسدہ نہ رہے گا (جسکی وجہ اوپر بتلا چکا ہون کہ اُن کو اسکا حق حاصل ہے اور لفظ اشارہ مین لطیف اشارہ ہو سکتا ہے کہ اذن منصوص کے ساتھ اذن اجتہادی بھی ملحق ہے لان القیاس مظھر لا مثبت فکان الحکم مثبتا بالنص ولو اشارۃ بلا صراحۃ فافھم آگے اس مضمون مین ترقی کرتے ہین کہ اُنکے امر کے بعد قبح نہین رہ سکتا حتیٰ کہ) کفر بھی ایمان ہو گیا اگر کفر اُس (محبوب) کے لیے ہو (یا تو مراد کفر سے وہ کلمہ ہے جسکو سامع کفر سمجھتا ہے اور واقع مین وہ کفر نہین جیسے بعض اسرار غامضہ جن کے اظہار کی ضرورت کسی کی تربیت کے لیے ہو اور بہر او کے یہی معنی ہین کہ تربیت مامور بہ ہے باقی بلا ضرورت اُنکا اظہار فتنہ ہے اور یا مراد وہ کلمہ ہے کہ واقع مین کلمۂ کفر ہے مگر اکراہ مین اُسکا تلفظ ماذون فیہ غیر واجب ہے تو بہر او کے معنی بسبب اباحت او- اور بعض اوقات کلمات موہمہ کفر جبکہ وہ مقدمہ ہو کسی واجب کا واجب بھی ہو جاتے ہین جیسے کعب بن اشرف کا قتل بامر نبوی واجب تھا اور اُسوقت صحابی کو بعض ایسے کلمات موہمہ کا استعمال کرنا پڑا جو ذریعہ بنا کعب کے استمالت واعتماد وبے فکری کا جسکی ضرورت تھی تحصیل مقصود قتل مین غرض) جو بُرائی ایسی ہو کہ اُس (محبوب) کا حکم اُسکو پیش لاوے (یعنی امر کے سبب پیش آوے اور واقع ہو) وہ تمام عالم کے حسنات سے بھی بڑھ جاتی ہے (یہان وہی ظاہری سیئات مراد ہون گے جو مامور بہ کے درجہ مین پہونچ جاوین جسکی ایک مثال ابھی گذری تھی اور دوسری یہ بھی ہے کہ میتہ کھانا قبیح تھا لیکن اضطرار مین حسن بدرجہ واجب ہو گیا کہ اگر کوئی نہ کھاوے اور مر جاوے گنہگار مرے گا اور ظاہر ہے کہ واجب افضل الحسنات ہوتا ہے پس صادق آگیا "آن زنیکیہاے عالم بگذرد" اور اسکی محسوسات مین ایسی مثال سمجھو جیسے موتی کو صدف سے نکال لینے کے وقت) اگر اُس صدف سے (تمھاری) کھال (ہاتھ کی مثلاً) زخمی بھی ہو جاوے (جیسے سخت چیز کے توڑنے مین ایسا اتفاق ہو جاتا ہے) تب بھی اُس (صدف) کو (جس نے تکلیف پہونچائی) نفرین مت کرو (اور دور مت کرو) کیونکہ اُسمین لاکھون موتی ہین (یعنی جنس صدف مین گو ایک فرد صدف مین - پس مطلوب شرعی مثل موتی کے

ہے اُسکی تحصیل کے لیے اگر کوئی قبیح بھی لازم آوے مثلاً جسم کو تکلیف ہو کہ قبیح طبعًا ہے یا نفس کو گران ہو بوجہ توہم قبیح شرعی کے تب بھی گوارا کرو)۔

این سخن پایان ندارد باز گرد
اس مضمون کا تو کہین انتہا ہی نہین رجوع کر

سوی شاہ و باہم مزاجِ باز گرد
سلطان کی طرف اور باز کا ہم مزاج ہو جا

باز رو در کان چو زرِ دہ دہی
جبکہ تو زرِ خالص ہے تو معدن کی طرف رخ کر

تا رہد دستانِ تو از دہ دہی
تا کہ تیرے ہاتھ دھکّے دینے سے محفوظ رہین

صورتِ بد را چو در دل رہ دہند
جب کسی خیالِ بد کو لوگ اپنے قلب مین راہ دیدیتے ہین

از ندامت آخرش دہ می دہند
تو ندامت سے اخیر مین اُسکو دھکے دیتے ہین

دزد را چون قطع تلخی میرسد
چور کے قطع ید کی تلخی جب ظاہر ہوتی ہے

ذوقِ دزدی را چو زن دہ میدہد
تو وہ اُسوقت لذتِ سرقہ کو عورت کی طرح دھکے دیتا ہے

دیدہ دہ دادن از دستِ حزین
تمنے غمگین آدمی کے ہاتھ سے تو دھکے دینے دیکھے ہونگے

دہ بدادن زین بریدہ دست بین
اس مقطوع الید سے دھکے دینے دیکھ لو

ہمچنین قلاب و خونی و لوند
اسی طرح دغاباز اور خونی اور بدمعاش

وقتِ تلخی عیش را دہ میدہند
تلخی کے وقت عیش کو دھکے دیتے ہین

توبہ می آرند ہم پروانہ وار
یہ لوگ پروانہ کی طرح توبہ بھی کرتے ہین

باز نسیان می کشدشان سوی کار
پھر نسیان اُن کو اُسی کام کی طرف کھینچ لیجاتا ہے

ہمچو پروانہ ز دور آن نار را
جیسا پروانہ نے دور سے اُس آگ کو

نور دیدہ بستہ آن سو بار را
نور سمجھا اور اُس طرف اپنا ٹاٹ پالان اُٹھا کر ہو لیا

چون بیامد سوخت پرش در گریخت ‌ ‌ باز چون طفلان فتاد و ملح ریخت

جب آیا اُس کا پَر جلا تو بھاگا ‌ ‌ پھر لڑکوں کی طرح جا پڑا اور نمک گرا دیا

بار دیگر بر گمان طمع و سود ‌ ‌ خویش را زد بر لہیب شمع زود

دوبارہ طمع اور فائدہ کے گمان پر ‌ ‌ اُس شمع کی آگ پر اپنے کو پھر جا ڈالا

بار دیگر سوخت پر- واپس بجست ‌ ‌ باز کردش حرص دل ناسی و مست

دوبارہ جو جلا تو پھر واپس کو دکر الگ ہوگیا ‌ ‌ اور پھر حرص قلبی نے اُسکو فراموش کنندہ اور مست بنادیا

آن زمان کز سوختن وامی جہد ‌ ‌ ہمچو ہندو شمع را وہ میدہد

جس وقت جلنے کے سبب وہ ہٹتا ہے ‌ ‌ اُسوقت غلام کی طرح شمع کو نفرین کرتا ہے

کای رخت تابان چو شمع دل فروز ‌ ‌ وی بصحبت کاذب و مغرور سوز

کہ اے تیرا چہرہ تو ماہ شب افروز کی طرح تابان ہے ‌ ‌ اور صحبت کے وقت خلاف واقع اور مغرور سوز ہے

باز از یادش رود توبہ و انین ‌ ‌ کاوھن الرحمن کید الکافرین

اور پھر وہ توبہ و گریہ اُسکی یاد سے جاتا رہتا ہے ‌ ‌ کہ خدائے تعالی کافروں کی تدبیر کو ضعیف کرنیوالا ہے

(زر دہ دہی فی الغیاث بفتح ہر دو دال و یائے معروف یعنی سرہ و خالص و کامل عیار الی قولہ زریکہ در آتش نہند مطلقاً ازان سوختہ نہ شود و کم نگردد انتہی اقول غالباً دہ دہی از ہمین گویند کہ اگر دہ جزو بود ہم دہ جزو ماندہ دیگے ہم از دہ کم نگشتہ قرینہ برین وجہ تسمیہ آنکہ دہ پنجی زر کم عیار بسیار غش را گویند کما فی الغیاث ایضاً دستان جمع دست خلاف قیاس زہیدن جوشیدن و بیرون آمدن۔ اوپر لذات و شہوات دنیویہ کے ترک کی ترغیب اور ان چیزون کے مضار و مفاسد سے ترہیب اور اُسکے ترک کی تدبیر کہ استحضار ہے اُسکے مضار کا یہ سب مضامین مذکور تھے چنانچہ سرخی درحقیقت حکایت کے لیے کے اشعار مین نظر کرنیسے واضح ہوتا ہے اور اخیر کے اشعار متضمن سوال یا مرحق تعالی واستدراکا مذکور تھے۔ آگے یہ بتلاتے ہین کہ انکے ترک مین محض تدابیر مذکورہ دو وجہ سے ناکافی ہین ایک تو اسلیے کہ لاکھون چیزین اور لاکھون مضرتین کہان تک ہر وقت اُنکا احاطہ کیا جا سکتا ہے دوسرے چونکہ قدرت عبد مغلوب ہے قدرت حق سے اسلیے بھی تدبیر مذکور مین بعض اوقات ناکامی ہوتی ہے مثلاً استحضار مضرت ہی کا نہ ہوا گو افعال اختیاریہ

مین و منہا الاستحضار وہ مغلوب ہونا بھی بواسطۂ امور اختیاریہ عبد ہی کے ہوتا ہے مثل توجہ الی اللذات ورنہ اضطرار عبد کا لازم ہے وھو منتف مگر عبد بوجہ ضعف ہمت کے ان امور اختیاریہ کو دفع نہین کرتا گو کر سکتا ہے اسلیے تدبیر مین کامیابی نہین ہوتی پس طریق کافی یہ ہے کہ تدبیر مذکور کے ساتھ التجا الی الحق و توکل علی اللہ کو بھی منضم کیا جاوے کہ وہ امر واحد بھی ہے مضار کی طرح اسمین تکثر نہین اور قدرت حق سب پر غالب بھی ہے اور پھر اہل توکل کے لیے کفایت کا وعدہ بھی ہے وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ بس اس مضمون کو فرماتے ہین کہ) اس مضمون (یعنی بیان مضار نفسانیہ و دنیویہ) کا تو کہین انتہا ہی نہین (اسلیے) سلطان (حقیقی) کی طرف رجوع کر (یعنی تدبیر مذکور کے ساتھ اُسپر توکل اور اُس سے التجا کر) اور باز کا ہم مزاج ہو جا (کہ وہ شکار کرکے پھر بادشاہ کے پاس لوٹ آتا ہے تو بھی سب کام کہ اُسمین تدبیر بھی ہے کرکے حق تعالیٰ کی طرف توجہ کر ایک مثال تو رجوع کی یہ تھی آگے دوسری مثال سونے اور معدن کی ہے یعنی) جبکہ تو زر خالص ہے تو (اپنے) معدن کی طرف رخ کر (یعنی جسطرح زر خالص جسمین کوئی خارجی غش آمیختہ نہ ہو معدن کیطرف منسوب ہوتا ہے تو بھی مع اپنے افعال کے خالص مکون خالق تعالیٰ کا ہے کوئی دوسرا گو وہ دوسرا تیرا نفس ہی ہو یا تیرے افعال اُسکے خلق مین شریک نہین پس تو بھی اپنی اور اپنے افعال کی نسبت اعتقاداً اور حالاً حق تعالیٰ کی طرف رکھ اور نسبت حالاً مین توکل داخل ہو گیا یعنی سلوک و اصلاح مین اُسپر توکل کر) تاکہ تیرے ہاتھ (مذموم چیزون کے) دھکے دینے سے محفوظ رہین (یعنی کوئی مذموم پیش ہی نہ آوے کہ دھکے دینے پڑین اور یہی تقتضا ہے توکل مع التدبیر کا اگر کوئی امر پیش آوے گا تو اس مقتضی مین ضرور کمی ہوئی ہوگی اور اگر کمی نہ ہونے پر بھی کوئی پیش آوے بوجہ وہ غیر اختیاری ہوگا مذموم نہ ہوگا غرض اس مجموعہ کے بعد مذموم کا صدور محال ہے یہان تک تو رجوع کی مثالین اور تدبیر کے ناکافی ہونے کی وجہ اول کا بیان تھا چنانچہ پایان مذارہ مین اس تکثر کی تصریح ہے اور مقابلہ سے رجوع الی الحق کا توحد بھی مفہوم ہو گیا آگے بیان ہے قدرت عبد کے مغلوب ہونے کا قدرت حق سے جو کہ وجہ ثانی تھی عدم کفایت تدبیر محض رجوع الی الحق کی یعنی جب کسی خیال بد کو لوگ اپنے قلب مین راہ دیتے ہین تو ندامت سے اخیر مین (جبکہ اُسکا ضرر نظر آتا ہے) اُسکو دھکے دیتے ہین (چنانچہ) چور کے قطع ید کی تلخی جب ظاہر ہوتی ہے تو وہ اُسوقت لذت سرقہ کو عورت کی طرح دھکے دیتا ہے (زن یا تو معنی فاعل ہے یعنی جسطرح عورت کی عادت ہوتی ہے کہ بوجہ کم ہمتی کے کچھ کر تو سکتی نہین ہاتھ چلایا کرتی ہے اور یا مفعول ہے یعنی جیسے حکایت غلام مین مصنوعی زن کو دھکے دیے تھے اور) تم نے غمگین آدمی کے ہاتھ سے تو دھکے دینے (بہت) دیکھے ہونگے (مگر اس مثال مین) اس مقطوع الید سے دھکے دینے دیکھ لو (کیونکہ یہ دھکے دینا بالمعنی اللغوی تو ہے نہین جو موقوف ہو ہاتھ کے ہونے پر بلکہ بمعنی نفرین ہے جسمین ہاتھ کی ضرورت نہین) اسی طرح (جیسا دزد مین بیان ہوا) دغاباز اور رخونی اور بدمعاش تلخی کے وقت (پہلے) عیش کو دھکے دیتے ہین (مطلب یہ کہ آخر جب ضرر کو دیکھکر اپنے افعال کو نفرین کرتے ہین بوجہ عاقل ہونے کے پہلے سے بھی تو اُسکو سمجھتے تھے اور بچنے کی تدبیر کر سکتے تھے اور قدرت سے کام لے سکتے تھے باوجود اسکے پھر صادر ہونا اُن افعال کا اور تدبیر نہ کرنا اور قدرت سے کام نہ لینا دلیل ہے اسکی کہ انکی قدرت و تدبیر

مغلوب ہے کسی دوسری قدرت و تدبیر سے اور وہ قدرت حق ہے پس اُسکی طرف رجوع واجب ٹھیرا اور آول بار کے صادر ہونے سے زیادہ ایک امر عجیب ور اَدل ہے مغلوبیت قدرت و تدبیر عبد پر وہ یہ کہ) یہ لوگ (مذکورین بعض اوقات) پروانہ کی طرح توبہ بھی کرتے ہین (اس تشبیہ کی تقریر آگے آوے گی) پھر نسیان اُنکو اُسی کام کیطرف کھینچ لیجاتا ہے (مراد وہ نسیان نہین جو شرعاً عذر ہے بلکہ غفلت) جیسے پروانہ نے دور سے اُس آگ کو نور سمجھا اور اُسطرف اپنا مانٹ پالان اُٹھاکر مولیا جب آگ کے پاس) آیا اُسکا پر جلا تو بھاگا پھر لڑکو کی طرح (اُسی پر) جا پڑا اور نمک گرادیا (یہ کنایہ ہے گرنیسے ماخذ اسکا یہ ہے کہ بچے گر پڑتے ہین تو اُنکے مشغول کرنے کو بعض جگہ کہدیتے ہین کہ اے ہے نمک گرادیا نمک گرادیا جیسے ہمارے یہان عادت ہے کہ کہتے ہین چیونٹی ماردی چیونٹی ماردی) دوبارہ طمع اور فائدہ کے گمان پر اُس شمع کی آگ پر اپنے کو پھر جا ڈالا دوبارہ جو جلا تو پھر واپس کود کر الگ ہوگیا اور پھر حرص قلبی نے اسکو فراموش کنند اور ست بناد یا جو وقت جلنے کے سبب وہ ہٹتا ہے اُسوقت (اُس) غلام (مذکور فی الحکایت) کی طرح شمع کو نفرین کرتا ہے (اور زبان حال کہتا ہے) کہ اے (شمع) تیرا چہرہ تو ماہ شب افروز کی طرح تابان ہے اور صحبت کے وقت خلاف واقع اور مغرور سوز ہے (مغرور دھوکہ مین آیا ہوا یعنی ایسے شخص کو جلانیوالا ہے) اور پھر وہ توبہ دگر یہ اُسکی یاد سے جاتا رہتا ہے (یہ سب تقریر ہے تشبیہ مذکور تو بہی آرند ہم پروانہ وار کی اور وجہ اس شبہ اور مشبہ یہ یعنی دزد و قلاب و خونی ولوند و پروانہ کی توبہ جاتی رہنے کی یہ ہے) کہ خدائے تعالیٰ (کا ارشاد ہے کان اللہ موھن کید الکافرین یعنی اللہ تعالیٰ) کافرون کی تدبیر کو ضعیف کرنے والا ہے (یہ اقتباس ہے معنی آیت کا اور یہ مطلب نہین کہ یہ سب کافر ہین اور نہ یہ مطلب ہے کہ آیت کا مورد ایسا مضمون ہے بلکہ مقصود یہ ہے کہ آیت سے ثابت ہوا کہ کفار کی قدرت کو کید مع المومنین ہین باوجود اُنکی ایسی کامل تدبیرون کے اللہ تعالیٰ نے مغلوب کردیا جس سے معلوم ہوا کہ قدرت عبد مغلوب ہے اور قدرت حق غالب وھو المطلوب)

دربیان عموم آیہ کلما اوقدوا نارا للحرب اطفاھا اللہ الایۃ

کلما ھم اوقدوا انار الوغی

وہ کفار جب آتش جنگ کو مشتعل کرتے تھے

اطفا اللہ نارھم حتی انطفا

اللہ تعالیٰ اُنکی آگ بجھا دیتا یہان تک کہ وہ بجھ جاتی

عزم کردہ کہ دلا اینجا مایست

اُس شخص نے پختہ قصد کیا کہ اے دل یہان مت کھڑا ہونا

گشتہ ناسی عزم زاہل عزم نیست

بھول گیا کیونکہ وہ عزم صاحب عزیمت کی طرف سے نہ تھا

چون نبودش تخم صدقے کاشتہ

چونکہ اُسکے پاس تخم صدق بویا ہوا نہ تھا

حق بران نسیان او بگماشتہ

حق تعالیٰ نے اُسپر اُسکا نسیان مسلط کردیا

آن ستارہ اش را کفِ گل میزند	گرچہ برآتش زنہ دل می زند
اُسکی چنگاری کو آب وگِل کا ہاتھ بجھا دیتا ہے	اگر وہ شخص چقماق پر دل لگاتا ہے

(جو مطلب اوپر آیۃ ان اللہ موھن کید الکافرین کا لکھا گیا ویسی ہی تقریر یہان ہے کہ تفسیر کی تعمیم مقصود نہین بلکہ حکم تعمیم استدلال بالمنصوص سے مقصود ہے کہ مضمون آیت سے کفار کی قدرت کا مغلوب ہونا ثابت ہوا چنانچہ) وہ کفار جب آتشِ جنگ کو مشتعل کرتے تھے اللہ تعالیٰ اُنکی آگ بجھا دیتا یہان تک کہ وہ بجھ جاتی (اسی طرح جسکی قدرت کو چاہتے ہین مغلوب فرما دیتے ہین چنانچہ امثلہ مذکورہ ماقبل سُرخی ہین) اس شخص نے (انجام بدِ اپنے فعل کا دیکھکر) پختہ قصد کیا کہ اے دل یہان (آئندہ) مت کھڑا ہونا (مگر پھر) بھول گیا کیونکہ وہ عزم صاحب عزیمت (ہمت) کی طرف سے نہ تھا (یعنی) چونکہ اُسکے پاس تخم صدق بویا ہوا نہ تھا حق تعالیٰ نے اُس پر اُس (عزم بمعنی قصد) کا نسیان مسلط کر دیا (یہ مطلب نہین کہ کُسنے ریا سے توبہ کی تھی بلکہ صدق سے مراد پختگی اور استقامت ہے یہ اُسمین نہ تھی اسوجہ سے حق تعالیٰ کی تائید نہ ہوئی یہ وہی مضمون ہے جو مین نے اوپر معروض کیا ہے کہ توکل بعد تدبیر کے ہو یہان اس شخص نے تدبیر مین کمی کی کیونکہ کفِ نفس منجملہ تدبیر ہی یہ نہین کیا اِسلیے وہ توکل بوجہ فقدان شرط اُسکے اثر کے توکل مطلوب نہوا مگر اتنا تو ثابت ہوا کہ عبد کی قدرت مغلوب ہے کہ بعض اوقات خیال لذت کی مقاومت نہین کرتی آگے ایسی توبہ اور دوسرے عوارض سے اُسکے مغلوب ہو جانیکی مثال ہے کہ) اگرچہ وہ شخص چقماق پر دل لگاتا ہے (مگر) اُسکی چنگاری کو آب وگِل (یعنی تعلقات دنیویہ) کا ہاتھ بجھا دیتا ہے (یعنی ایسی مثال ہے کہ کوئی چقماق سے کپڑے وغیرہ مین چنگاری جھاڑتا ہو اور دوسرا شخص پاس بیٹھا ہوا برابر چنگاریان بجھا رہا ہو تو آگ بڑھے گی نہین آگے اسکی حکایت بھی ہے پس اسیطرح اسکی توبہ کو استمرار وثبات نہین ہوتا وہ تعلقات اُسکو بجھا دیتے ہین اس سبب سے قدرتِ عبد کا ضعیف ہونا ثابت ہوتا ہے۔ اور بعض نسخون مین کفِ حق می کشد ہے مگر حکایت آئندہ کشتن وزد کے ساتھ تشبیہ کشتن حق کی محتاج ہو گی تاویل کی کہ وجہ شبہ صرف انطفا من حیث لا یحتسب ہے مگر مین نے ظاہر ادب کو بھی چھوڑنا نہ چاہا اسلیے نسخہ کفِ گل میزند کا اختیار کیا)

آتش زدن دزد در شب و کشتن دزد آتش را و غفلتِ آن مرد

از رہِ پنہان فرآمد ہمچو گرگ	رفت دزدے شب بخانہ یک بزرگ
راہ پوشیدہ سے اس طرح آیا جیسے بھیڑیا	ایک چور رات کو ایک بزرگ کے گھر مین گیا

سرفۂ بشنید شب آن معتمد
اُن معتمد نے دھسک یا آہٹ سُنی

بر گرفت آتش زنہ کاتش زند
تو چقماق اُٹھایا کہ آگ جھاڑین

مینزد آتش بہرِ شمع افروختن
وہ شمع روشن کرنے کے لیے آگ جھاڑتے تھے

تا سرِ آواز را بینند علن
تاکہ اس آواز کی باطنی حقیقت کو علانیہ دیکھ لین

دزد آمد در زمان پیشش نشست
وہ چور فوراً آکر اُنکے پاس بیٹھ گیا

چون گرفتے سوختہ کردیش پست
اور جب سوختہ اُس آگ کو لیتا تو وہ چور اُسکو دبا دیتا

می نہاد آنجا سرِ انگشت را
اُس موقع پر اُنگلی لب سے تر کرکے رکھ دیتا

ز اصبع آن استارہ را کردے فنا
اور اُنگلی سے اُس چنگاری کو فنا کر دیتا

خواجہ می پنداشت کو خود میمرد
وہ بزرگ خیال کرتے تھے کہ وہ آگ خود بجھ جاتی ہے

این نمی دید آن کہ دزدش میمرد
اور یہ نہ دیکھتے تھے کہ اُسکو چور فنا کر دیتا ہے

خواجہ گفت این سوختہ نمناک بود
وہ بزرگ کہنے لگے کہ یہ سوختہ نمناک تھا

میمرد استارہ از تریش زود
چنگاری اُسکی نمی سے فوراً بجھ جاتی ہے

بسکہ ظلمت بود و تاریکی بہ پیش
چونکہ ظلمت اور تاریکی پیش نظر تھی

می ندید آتش کشے را نز د خویش
اِسلیے آتش کش کو اپنے سامنے نہ دیکھتے تھے

(سرفہ کھانسی و شرفہ بالفتح در فارسی ہر آواز را گویند خصوصاً آواز پا کذا فی الغیاث میمرد مخفف می میرد اشعار بالا این شرح کے اخیر مین ربط بیان ہو چکا ہے کہ یہ حکایت مثال ہے قدرت عبد کے مغلوب و ضعیف ہونیکی قدرت حق کے سامنے کہ بعض اوقات اُسکے ایجاد کیے ہوئے اسباب کی بھی مقاومت نہین کرتا گو بوجہ استعمال صفت اختیار کے جو اُسی کی عطا کی ہوئی ہے مقاومت کر سکتا ہو تو اس سے ایک صانع قادر کا وجود ثابت ہوتا ہے پس اُسکی طرف رجوع والتجا ضروری ٹھیری جس کا ستر ہ اٹھارہ شعر اوپر بیان تھا این سخن پایان ندارد الخ مین اور اس حکایت کو صورۃً اوپر کی سرخی کلما اوقدوا نارًا الآیۃ سے بھی مناسبت ہے کہ آگ بجھانیکا دونون جگہ

ذکر ہے بس حکایت یہ ہے کہ) ایک چور رات کو ایک بزرگ کے گھر میں گیا۔ راہ پوشیدہ سے اسطرح آیا جیسے بھیڑیا (گلہ گوسفند میں گھس جاتا ہے) اُن معتمد نے دھسک یا آہٹ (علی اختلاف النسختین) سُنی تو چقماق اُٹھایا کہ آگ جھاڑیں وہ شمع روشن کرنے کے لیے آگ جھاڑتے تھے تاکہ اس آواز کی باطنی حقیقت کو علانیہ دیکھ لیں وہ چور فوراً آکر اُنکے پاس بیٹھ گیا اور جب سوختہ اُس آگ کو لیتا (جیسے آگ جھاڑتے ہیں جیسے کپڑا یا پھونس وہ سوختہ کہلاتا ہے) تو وہ چور اُسکو دبا دیتا (اور اُس موقع پر اُنگلی لب سے تر کرکے رکھدیتا اصحت فیہ بین النسختین) اور اُنگلی سے اُس چنگاری کو فنا کردیتا وہ بزرگ خیال کرتے تھے کہ وہ آگ خود بجھ جاتی ہے اور یہ نہ دیکھتے تھے کہ اُسکو چور فنا کردیتا ہے (اسی دیکھنے کی وجہ آگے آتی ہے) وہ بزرگ کہنے لگے (یعنی دل میں) کہ یہ سوختہ نمناک تھا چنگاری اُسکی نمی سے فوراً بجھ جاتی ہے چونکہ ظلمت و تاریکی پیش نظر تھی اسلیئے آتش کُش کو اپنے سامنے نہ دیکھتے تھے (یہ ہے وجہ اُس نہ دیکھنے کی یعنی ظلمت اور ظاہر ہے کہ اتنی چھوٹی چنگاری کی ایسی روشنی نہیں ہوتی کہ پاس والا آدمی نظر آجاوے)

اینچنین آتش کشے اندر دلش
اسی طرح ایک آتش کُش اُسکے دل میں ہے

دیدۂ کافر نہ بیند از عمش
کافر کی آنکھ بوجہ اعمش ہونے کے نہیں دیکھتی

چون نمی داند دلِ دانندۂ
عاقل کا دل کیونکر اس بات کو نہ جانے گا

ہست با گردندہ گردانندۂ
کہ متحرک کے ساتھ محرک ہے

چون نمی گوئی کہ روز و شب بخود
اسکا کیوں نہیں قائل ہوتا کہ یہ لیل و نہار خود بخود

بے خداوندے کے آید کے رود
بدون خداوند کے کب آمد و رفت کرسکتا ہے

گرد معقولات میگردی ببین
تو معقولات کے گرد پھرا کرتا ہے

اینچنین بیعقلی خود اے مہین
اے بے قدر اپنی بے عقلی دیکھ لے

خانہ با بنّا بود معقول تر
گھر بانی کے ساتھ زیادہ اقرب الی العقل ہے

یا کہ بے بنّا بگو اے کم ہنر
یا کہ بدون بانی کے اے بے ہنر اسکا تو جواب دے

خانۂ با این بزرگی و وقار
یہ اتنی عظمت و شان کا گھر

کے بود بے اوستادے خوبکار
بدون اُستاد حسن الصنعۃ کے کب ہوسکتا ہے

خط باکاتب بود معقول تر	**یا کہ بے کاتب بہ بندیش اے پسر**
خط کاتب کے ساتھ اقرب الی العقل ہے	یا کہ بدون کاتب کے اے پسر ذرا سوچ تو
جیم گوش و عین چشم و میم فم	**چون بود بے کاتبے اے متہم**
جیم گوش اور عین چشم اور میم دہن	بدون کاتب کے اے متہم کیونکر متحقق ہوسکتے ہین
شمع روشن بے زگیرانندۂ	**یا بگیرانندۂ دانندۂ**
شمع بدون کسی آگ لگانیوالے کے اقرب الی العقل ہے	یا کسی آگ لگانیوالے دانا کے ساتھ
صنعتِ خوب از کفِ شلّ ضریر	**باشد اولے یا زگیرا بصیر**
عمدہ صنعت شل نابینا کے ہاتھ سے	اقرب ہوتی ہے یا صاحب قوۃ بطش بینا سے

(یہان تطبیق ہے حکایت کی اور غرض مذکور ہے حکایت کی یعنی) اسی طرح ایک آتش کش اُس (کافر) کے دل مین (موجود) ہے (مگر) کافر کی آنکھ (اُسکو) بوجہ اعمش ہونے کے نہین دیکھتی (وہ آتش کش تعلقات دنیویہ ہین جیسا حکایت کے قبل کے شعر مین مذکور ہوا اور دلش کے شین کا مرجع کافر ہے بطریق اضمار قبل الذکر کے جب تعلقات کا اثر ثابت ہوا اور یہ اثر ہے حادث اور ہر حادث کے لیے محدث کی ضرورت ہے اور اسکا انتہاء قطع تسلسل کے لیے محدث واجب کی طرف ضرور ہے پس اس سے صانع قدیم کا وجود ثابت ہوگیا آگے یہی مضمون ہے کہ) عاقل کا دل کیونکر اس بات کو نہ جانے گا کہ (ہر) متحرک کے ساتھ (کسی) محرک (کا ہونا ضرور) ہے پس لے دہری اب) اسکا کیون نہین قائل ہوتا کہ یہ لیل و نہار خود بخود بدون خداوند (عالم) کے کب آمد و رفت کرسکتا ہے (اے دہری فلسفی) تو معقولات کے گرد پھرا کرتا ہے (یعنی معقولات کا اتباع کیا کرتا ہے مگر باوجود اسکے اس مسئلہ مین) اے بے قدر اپنی بے عقلی (تو) دیکھ لے (کہ ایسی خلاف عقل بات کا قائل ہے کہ حادث بدون محدث کے ہے۔ دیکھ بدیہی بات ہے کہ) گھر (کا بننا) بانی (کے وجود) کے ساتھ زیادہ اقرب الی العقل ہے یا کہ بدون بانی کے اے بے ہنر اسکا تو جواب دے (جب ایک ادنی درجہ کا گھر بدون بانی کے نہین پایا جاتا تو) یہ اتنی عظمت و شان کا گھر (یعنی آسمان و زمین) بدون اُستاد حسن الصنعۃ کے کب (موجود) ہوسکتا ہے (اسی طرح دوسری مثال سمجھو کہ) خط کاتب (کے وجود) کے ساتھ اقرب الی العقل ہے یا کہ بدون کاتب کے اے پسر ذرا سوچ تو (اول مثال جواہر کی تھی اور یہ ثانی اعراض کی اور مقصود محض مثال سے استدلال کرنا نہین بلکہ مقدمات استدلال کے باوجود دونون جگہ جاری ہونیکے ان مثالون مین اوضح اور مسلم تھے اسلیے مثالون سے تنویر دلیل کی مناسب ہوئی اور جیسے طبع اور برخانہ مصنوع عباد کو

خانہ غیر مصنوع عباد پر منطبق کیا تھا یہاں خط مصنوع عباد کو خط غیر مصنوع عباد پر منطبق کرتے ہیں کہ اسی طرح) جیم گوش اور عین چشم اور میم دہن بدون کاتب کے اے متہم (العقل یعنی آنکہ عقلش در ادراک امین نباشد) کیونکر متحقق ہوسکتے ہیں (اگر ان اعضا کے جواہر کو ان حروف سے تشبیہ دی ہے تو ان کو خط میں داخل کرنا اِدّعائیہ ہے کیونکہ جواہر اعراض کی قسم کیسے ہوسکتے ہیں اور اگر صرف ان اعضا کی ہیئت کو تشبیہ دی ہے تو خط بالمعنی الاعم یعنی نقش میں یہ شبہ داخل ہوسکتے ہیں کہ یہ ہیئات بھی اعراض ہیں۔ آگے تیسری مثال ہے کہ) شمع بدون کسی آگ لگانے والے کے اقرب الی العقل ہے (بقرینۃ العطف علی ماقبلہ ولو بلا حرف عاطف فیشترکان فی الخبر) یا کسی آگ لگانیوالے دانا (کے وجود) کے ساتھ (اقرب الی العقل ہے۔ آگے چوتھی مثال ہے کہ اسی طرح) عمدہ صنعت شل نابینا کے ہاتھ سے اقرب (الی العقل) ہوتی ہے (فالاولی بمعنی الاقرب) یا صاحب قوۃ للبطش بینا (کے ہاتھ) سے (مقصود بیان استدلال ہے بداہۃ کے ساتھ کما قلتہ قبیل ترجمۃ قولہٗ خانہ با بنا بود الخ رہا یہ شبہ کہ کوئی شخص اسکو بداہۃ وہم کہہ سکتا ہے یہ اسلیے لچر ہے کہ ایسا احتمال تو ہر بدیہی میں نکالا جاسکتا ہے آخر وجدان صحیح و عقل سلیم بھی کوئی چیز ہے۔ رہا یہ شبہ کہ ہم بھی صانع قدیم کے قائل ہیں اور وہ طبیعت اور صورت نوعیہ ہے سو قطع نظر دوسرے دلائل ابطال قدم طبیعت کے ایک موٹی اور بدیہی وجہ اسکی لغو ہونیکی یہ ہے کہ طبیعت کو یا عدیمۃ الشعور یا ضعیفۃ الشعور مان لیا ہے تو بے شعور یا کم شعور سے اتنی غامض حکمتوں اور دقائق اور لطائف اور صنائع کی رعایت بداہۃً باطل ہے)

پس چو دانستی کہ قہرت می کنند
جب تونے یقین کے ساتھ معلوم کرلیا کہ تجھپر غلبہ کررہے ہیں

بر سرت دبوس محنت می زنند
تیرے سر پر امتحان کا گرز مار رہے ہیں

پس بکن دفعش چو نمرودے بجنگ
پس اسکو نمرود کی طرح لڑائی سے دفع کر

سوئے او کش در ہوا تیر خدنگ
اور اسکی طرف فضا میں درخت خدنگ کا تیر چلا

ہمچو اسپاہ مغل بر آسمان
لشکر مغل کی طرح تو بھی آسمان کی طرف

تیر می انداز دفع نزع جان
تیر پھینک نزع جان کے دفع کے واسطے

یا گریز از وے اگر تانی برو
یا کہ اس سے بھاگ جا اور اگر قدرت ہو چلدے

چون روی چون در کف اوئی گرو
تو جا کیسے سکتا ہے جبکہ اسی کے ہاتھ میں محبوس ہے

در عدم بودی نرستی از کفش
جب تو عدم میں تھا اسکے ہاتھ سے چھوٹ نہ سکا

از کف او چون رہی اے دست خوش
اے مسخر اسکے ہاتھ سے تو کیونکر چھوٹ سکتا ہے

(البعد اثبات صانع قادر قاہر کے ارشاد ہے اُسکی طرف رجوع ہونے اور توجہ کرنے کا جس کا تخمیناً اڑتیس شعر اوپر بھی ذکر تھا این سخن پایان ندارد الخ مگر وہان خطاب تھا مسترشد کو اور یہان دہری معاند کو یعنی) جب تو نے (دلائل سے جسکی تفصیل حکایت کے بعد کی گئی اور مشاہدہ سے جس کا بیان سرخی کلما اوقدوا نارا الایۃ سے پہلے ان اشعار مین ہوا ہمچنین قلّاب دخونی ولوند الخ غرض جب تو نے) یقین کے ساتھ معلوم کرلیا کہ تجھیر (قضا وقدر) غلبہ کر رہے ہین (اور) تیرے سر پر امتحان (وابتلا و بلیات) کا گرز مار رہے ہین (یعنی تجکو ثابت ہوگیا کہ کوئی صانع قادر مطلق ہے اور وہ تجھپر قاہر و غالب ہے) پس تقتضا عقل کا تو یہ ہے کہ اُسکے ساتھ تعلق عبدیت پیدا کر و ورنہ اگر اسپر بھی وہی جہل و عناد ہے تو پھر اُسکو نمرود کیطرح لڑائی سے دفع کر اور اُسکی طرف فضا مین درخت خدنگ کا تیر چلا (خدنگ درختے ست کہ از چوبش تیر می سازند) اور لشکر مغل کیطرح (مراد یاجوج وماجوج کہ یافث کی اولاد ہین جیسے مغل یافث کی اولاد ہین شرکت فی الجد کی وجہ سے مغل کہدیا یہ لوگ قرب قیامت مین نکل کر آسمان کی طرف تیر چلائینگے پس اُنکی طرح) تو بھی آسمان کی طرف تیر پھینک نزع جان کے دفع کے واسطے (حدیثون سے معلوم ہوتا ہے کہ یاجوج وماجوج کا قصد اہلاک من فی السماء ہوگا اور نزع جان من فی السماء کے ہاتھون ہے تو دفع نزع جان اور اہلاک من فی السماء معنوی متحد ہوئے) یا کہ (اگر اُسکو دفع کرنیسے عاجز ہے تو کم از کم) اس سے (اپنی ہی جان بچانے کو اور اندفاع کو) بھاگ جا اور اگر قدرت ہو بھاگ جا (مگر) تو جا کیسے سکتا ہے جب کہ اُسی کے ہاتھ مین محبوس (ومقید) ہے (یہ سب امر تعجیز کے لیے ہین کما فی قولہ تعالیٰ یٰمعشر الجن والانس ان استطعتم ان تنفذوا من اقطار السمٰوات والارض فانفذوا لا تنفذون الا بسلطان الایۃ یعنی وہ ایسا قادر اور تو ایسا عاجز ہے کہ نہ اُسکو دفع کرسکتا ہے اور نہ اپنی حفاظت کرسکتا ہے اور تو اب تو اُسکے ہاتھ سے کہان نکل سکتا ہے) جب تو عدم مین تھا (کہ ظاہراً قبضہ مین آنے کے قابل بھی نہ تھا اور ظاہراً محل قدرت بھی نہ تھا مگر اُسوقت تو) اُسکے ہاتھ سے چھوٹ نہ سکا (اور اب تو) اے مسخر (ومغلوب محض کہ ظاہر بھی محل قبض ہے) اُسکے ہاتھ سے تو کیونکر چھوٹ سکتا ہے (اور عدم مین نہ چھوٹ سکنا اسطرح ہوا کہ اُسکی قدرت سے موجود ہوگیا (اور یہ ظاہر اور یقینی اور ثابت بالدلیل ہے باقی کیفیت اس تصرف کی سو یہ اُسکا محل نہین کیونکہ اس مقام مین اُسکا بیان بھی مقصود نہین مقصود صرف رد دعویٰ ہے کہ تو عدم سے اُسکی قدرت تکوین سے وجود مین آگیا

آرزو جستن بود بگریختن	**پیش عدلش خون تقوی ریختن**
آرزو کرنا بھاگنا ہے	اُسکے عدل کے سامنے تقویٰ کا خون بہانا
این جہان دام ست ودانہ اش آرزو	**در گریز از دانہاے آرزو**
یہ عالم ایک دام ہے اور اُسکا دانہ آرزو ہے	دانہاے حرص سے فوراً بھاگ جا

چون چنین رفتی بدیدی صد کشاد
جب تو اسطرح چلا گیا تو صدہا فرحتین دیکھے گا

چون شدی در ضدِّ آن دیدی فساد
جب تو اُسکی ضد مین گیا تو خرابی دیکھے گا

چون شدی در ضد بدانی ضدِّ آن
جب تو ضد مین جاوے گا اُسکی ضد کو جانے گا

ضدّ را از ضد شناسند ای جوان
ایک ضد کو دوسری ضد سے پہچان لیتے ہین

پس پیمبر گفت استفتِ القلوب
پھر پیمبر نے فرمایا ہے کہ قلب سے استفتا کر لیا کرو

گرچہ مفتی شان برون گوید خطوب
اگر چہ مفتی اُن لوگون کو ظاہر مین عظیم الشان باتین کہے

گفتہ است استفتِ قلبک آن رسولؐ
رسولؐ نے اِستَفتِ قَلبَکَ فرمایا ہے

گرچہ مفتیات برون گوید فضول
اگرچہ تجکو مفتی ظاہر مین زائد باتین بتلاوے

آرزو بگذار تا رحم آیدش
آرزو کو چھوڑ دو تا کہ اُس کو رحم آوے

آزمودم کاینچنین می بایدش
مین نے تجربہ کیا ہے کہ اُسکو اسی طرح مطلوب ہے

چون نتانی جست پس خدمت کنش
جب تو نکل نہین سکتا پس اُسکی خدمت کرتا رہ

تا روی از حبس او در گلشنش
تا کہ اُسکے حبس سے اُسکے گلشن مین جاوے

دمبدم چون تو مراقب میشوی
اگر تو وقتاً فوقتاً مراقب رہا کرے

داد می بینی ز داور ای غوی
تو داور سے عدل یا عطا دیکھا کرے

ور ببندی چشمِ خود را ز احتجاب
اور اگر تو اپنی آنکھ کو بواسطہ حجاب کے بند کرلے

کارِ خود را کی گذارد آفتاب
تو آفتاب اپنا کام کیون چھوڑ دے گا

(اوپر عبد کا مسخر قدرتِ حق ہونا اور فرار سے عاجز ہونا بیان کیا تھا جس سے غرض یہ تھی کہ جب تو ایسا عاجز ہے تو طریقِ سلامت تفویض اور رجوع بحق ہے یہان اُس فرار ممتنع کی ایک فرد کی تعیین کرکے کہ وہ آرزو سے باطل ہے اُسکے امتناع پر اُسکے ترک کو اور بعد اُسکے ترک کے تفویض و رجوع مذکور سابق کو متفرع فرماتے ہین یعنی خلاف

مراد حق) آرزو کرنا (ایک طرح کا حق سے) بھاگنا ہے (جس کا امتناع اوپر مذکور ہوا اور چونکہ اوپر مطلق لفظ آرزو مذکور ہے اور ہر آرزو مذموم نہین ہے بلکہ صرف وہی جو خلاف مراد حق ہو اسلیے اس قید کے افادہ کے لیے اُس آرزو کی تفسیر کرتے ہین یعنی اُس آرزو سے مراد یہ ہے کہ) اُسکے عدل کے سامنے تقویٰ کا خون بہانا (یعنی وہ جب عادل ہے تو اُسکے سب احکام اور مرادات عین عدل اور متضمن حکمت و اعتدال اور محمود اور قرین مصلحت ہین تو اس صورت مین عقل عامی بھی مقتضی تفویض و امتثال و تقویٰ کو ہے پھر باوجود اسکے تقویٰ کو کہ اُسمین تفویض بھی داخل ہے ضائع کرنا اور احکام کی مخالفت کرنا اور ہوائے نفس کا اتباع کرنا یہ مراد ہوا آرزو سے مذکور سے جسکا حاصل آرزوے خلاف مراد حق ہوا مطلب مقام کا یہ ہے کہ مراد حق دو قسم ہے مراد تشریعی مراد تکوینی اور خلاف مراد حق واقع ہونا دونون قسم مین ممتنع اور محال ہے مگر صورت وقوع کی دونون جگہ متفاوت ہے یعنی مراد تشریعی کے خلاف واقع ہونا تو یہ ہے کہ اُس حکم تشریعی کے خلاف دوسرا حکم مشروع ہو جاوے اور مراد تکوینی کے خلاف واقع ہونا یہ ہے کہ اُس حکم تکوینی کے خلاف دوسرا امر مکون اور متحقق ہو جاوے جب یہ دونون محال ہوئے تو یہ آرزو کرنا کہ کاش اس حکم مشروع کی جگہ یہ دوسرا امر مشروع ہو جاتا اور اسی طرح یہ آرزو کرنا کہ فلان واقعہ واقع نہوتا یا کسی مطلوب دنیوی مین تدبیر مین بہت غلو اور انہماک کرنا کہ یہ بھی اُسی آرزو کی ایک فرد ہے یہ دونون آرزوئین گویا مراد حق سے فرار اور استخلاص کی طلب ہے اور یہ فرار محال ہے پس یہ محال کی طلب ہوئی جو کہ بالکل عاطل اور باطل ہے پس جب یہ محض غیر مفید ہوئی تو تفویض اور تسلیم ہی ضروری اور نافع ٹھیرا چنانچہ احکام تشریعیہ کا نافع ہونا تو ظاہر ہے رہا احکام تکوینیہ مصائب وغیرہ کا نافع ہونا اسلیے کہ اُسمین درجات بڑھتے ہین۔ رہا یہ شبہہ کہ اُن مرادات تکوینیہ مین کفر کافر بھی ہے تو کیا کسی کافر کے اسلام کی آرزو بھی نہ کرے اور کیا اُسپر راضی رہے جواب یہ ہے کہ چونکہ ہمکو شرعًا یہ امر ہے کہ اُسکی آرزو اور سعی کرو اور یہ بھی امر ہے کہ اگر وہ مسلمان نہ ہو تو سمجھو کہ حق تعالیٰ نے کسی حکمت سے اسی کو مقدر کیا ہے اسلیے اعدام مین سعی کرنا امر تشریعی پر رضا ہے اور وجود کو قرین حکمت سمجھنا امر تکوینی پر رضا ہے نہ کہ مکون پر یعنی رضا بالقضاء ہے نہ کہ رضا بالمقضی پس شبہہ جاتا رہا وقد جمع بینہما فی قولہ تعالیٰ اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَۃِ ففیہ امر باعدام الکفر۔ ثم قال اِنَّ رَبَّکَ ھُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِیْلِہٖ ففیہ امر باعتقاد الحکمۃ البتہ اس اعتقاد حکمت و رضا بالمشیۃ کا یہ اثر ضرور ہوگا کہ ضیق بکفر الکافر جو اوّلاً پیش آتا تھا وہ مرتفع ہو جاویگا اور اسی ارتفاع کے لیے بعد آیۃ مزبورہ کے یہ ارشاد ہوا ہے واصبر وما صبرک الا باللّٰہ ولا تحزن علیہم ولا تک فی ضیق مما یمکرون ونحو ذلک من الاٰیات الکثیرۃ اور یہ وجدان مختص ہے کاملین کے ساتھ آگے یہی تفصیل ہے بعنوان مختصر پس فرماتے ہین کہ) یہ عالم ایک دام ہے اور اُسکا دانہ (جس کو دیکھکر پرندہ پھنس جاتا ہے) آرزو ہے (جسکا اوپر ذکر ہوا یعنی آرزوے خلاف مراد حق تو اس آرزو کے سبب اس عالم کی محبت مین پھنس کر حق سے بعید اور غافل ہو جاتا ہے مگر جب اسکا

باطل ہونا معلوم ہوگیا کما ذکر فی الشرح. قولہ آرزو جستن بود بگریختن تو تجکو چاہیے کہ) دانہاے حرص سے فوراً بھاگ جا (یعنی آرزو تو فرار من الحق تھی تو فرار الی الحق اختیار کر کما قال اللہ تعالیٰ ففروا الی اللہ) جب تو اسی طرح (اس سے یکسو ہوکر حق کی طرف) چلا گیا (کما قال تعالیٰ انی ذاھب الی ربی) تو صدہا فرحتین دیکھے گا (کما قال تعالیٰ سیھدین. وہ خوشی آثار رضا و تفویض ہین عاجلہ مین جمعیت معیت و حلاوت نسبت مع اللہ اور آجلہ مین ثواب و درجات اور) جب تو اسکی ضد (یعنی اتباع ہوا و آرزوے باطل) مین گیا تو (طرح طرح کی) خرابی دیکھے گا (جو کہ ضد ہے کشاد و فرحت کی عاجلہ مین کلفت و تشویش اور آجلہ مین عقاب و درکات اور ممکن ہے کہ اسوقت وہ خرابی و فرحت جس کا اوپر ذکر ہوا ہر دیدی کشاد و دیدی فساد سمجھہ مین نہ آوے ورنہ اتباع ہوا کو چھوڑ دیتا لیکن) جب تو (کشاد و فرحت کی) ضد (یعنی خرابی) مین جاویگا (جو کہ مرتب ہوگی اتباع ہوا پر مطلب یہ کہ جب اتباع ہوا کرکے اسکا خمیازہ بھگتے گا دنیا مین بھی اور آخرت مین بھی اسوقت) اُس (خرابی) کی ضد (یعنی کشاد کی قدر) کو جانے گا (کیونکہ ایک ضد کو دوسری ضد سے پہچان لیتے ہین (پھر اسوقت پچھتاوے گا جیسا تقریبًا چالیس بیالیس شعر اوپر اسکے متعلق کچھ مضمون آیا ہے دزد راچون قطع تلخی میز ہد تو دنیا مین اگرچہ ممکن ہے کہ اُسوقت تلافی مین مشغول ہو جاوے مگر کلفت تو آخر پیش آئی سو جب کلفت سے نہ بچ سکے تو اُسمین پھنسے ہی کیون اور آخرت مین تو تلافی محتمل ہی نہین اور بعض اوقات دنیا مین بھی توفیق تلافی نہین ہوتی اور اس سے یہ شبہہ نہ کیا جاوے کہ جب ضد کی معرفت ضد سے ہوتی ہے اور اسوقت اُسکی معرفت ہے نہین جیسا فرض کیا گیا ہے کہ بعد کلفت پیش آنے کے جانوگے تو پھر اسکو معذور سمجھنا چاہیے جواب یہ ہے کہ جو معرفت مدار تکلیف ہے وہ تو اب بھی حاصل ہے اور معرفت ضد کی بھی اُسقدر حاصل ہے صرف ایک درجہ خاص یعنی یہ کہ مشاہد ہو جاوے یہ البتہ دونون ضد کے متعلق مآل مین ہوگا پس مین فلا اشکال اور یہ حکم چون شدی در ضد الخ یعنی ادراک فی المآل تو عام طبائع کے اعتبار سے تبلایا آگے ادراک فی الحال کا حکم خاص طبائع سلیمہ کے اعتبار سے کر رہے ہین کہ) پھر ایک اور پہچان بھی اس آرزو پرستی کے مذموم ہونے کی ہے کہ) پیمبر (صلے اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا ہے کہ (اِسْتَفْتِ قَلْبَكَ یعنی) قلب سے استفتا کر لیا کرو۔ اگرچہ (ظاہر پرست) مفتی اُن لوگون کو ظاہر مین عظیم الشان باتین کہے (یعنی تجھے ہر زود رضا مین کسی شئے کی اباحت مین کہے مگر جب قلب سلیم اُسکو قبول نہ کرے اور اُس سے رُکے تو اُس فعل کو ترک ہی کرنا چاہیے پس مورد حدیث کا خاص یہ ہے کہ مفتی تو توسع کرے اور قلب مین اُس سے ضیق ہوا اور اسکا عکس مراد نہین کہ وہ تو بے احتیاطی ہے اور مقصود حدیث کا احتیاط ہے اور اسی کو مکرر فرماتے ہین کہ) رسول (صلے اللہ علیہ وسلم) نے اِسْتَفْتِ قَلْبَكَ فرمایا ہے اگرچہ تجکو مفتی ظاہر مین زائد باتین تبلاوے (ایک مقدمہ تو یہ ہوا اور دوسرا مقدمہ یہ ہے کہ قلب سلیم ہمیشہ ان اہوا کی مخالفت ہی کا حکم کرتا ہے پس مدعا ثابت ہوگیا کہ اہوا کو ترک کردیں یہ طریقہ ہوا ادراک فی الحال کا اور ظاہر ہے کہ مفتی ظاہری اُسی فعل کی اجازت دیگا جو قطعًا

خلاف شرع نہ ہو پس جب اُسمین بھی ترک ہوا ہی احوط ہوا تو جہان مفتی بھی منع کرے وہان تو ترک اور
زیادہ آکد وا قوی ہوگا اس تقریر سے یہ شبہہ رفع ہوگیا کہ دعویٰ تو عام تھا ہر فرد ہوا کے ترک کا اور دلیل صرف
جاری ہوتی ہے اُن افراد ہوا مین جنکی مفتی ظاہری اجازت دیدے پس دعویٰ و دلیل متطابق نہ ہونے
وجہ دفع ظاہر ہے بہر حال جب ہر طرح سے ترک ہوی کا ضروری ہونا ثابت ہوگیا تو بس) آرزو کو چھوڑ دو
تاکہ اُسکو (یعنی حق تعالیٰ کو) رحم آوے (اور ترک آرزو کی تفسیر اور تفصیل شعر بالا آرزو جستن بود الخ کی
شرح مین گذری ہے اور اُسپر رحمت کا مرتب ہونا عام طور پر تو مطلقاً ظاہر ہی ہے لیکن اُس ترک آرزو کی
خاص ایک فرد یعنی ترک غلو فی التدبیر کہ توحید و توکل کا درجۂ کمال ہے خاص عنایت متوجہ ہونا خاص طور پر
قابلِ ذکر ہے اور میرے ذوق مین مصرعۂ ثانیہ مین اسی کا ذکر ہے کہ) مین نے (بہت) تجربہ کیا ہے کہ اُسکو
(یعنی حق تعالیٰ کو) اسی طرح مطلوب ہے (یعنی وہ بندہ سے یہی چاہتے ہین کہ وہ بندہ باستثناء ما اُمر بہ وجوباً
او ندباً بالکل تدبیر ترک کر دے اور یہی ہے وہ جس سے رحم آیدش کا ترتب ایک خاص درجہ مین ہوتا ہے
اور چونکہ اسکے مطلوب حق ہونے کو تجربہ کی طرف محول کیا ہے یہی قرینہ ہو اسکا کہ یہان یہ فرد مراد ہے کیونکہ
تکرار مشاہدہ جو حقیقت ہے تجربہ کی اسی فرد کے ساتھ خاص ہے کہ ہر معاملہ مین سالک کو اسکا اور اُسکے اور
اسکے خلاف پر تنبیہ ہوتی رہتی ہے بخلاف دوسرے افراد کے مما ذکرت فی شرح شعر آرزو جستن
الخ کہ اُسکے منافع اور اُسکے خلاف کے مضار کا تعلق زیادہ استدلال سے ہے کما لا یخفی علی صاحب
البصیرۃ آگے شعر بالا اگر بیزار وے کے مضمون پر جسکا سلسلہ یہان تک مرتبط چلا آیا ہے تفریع فرماتے
ہین کہ) جب تو (خدائے تعالیٰ کے قبضہ سے) نکل نہین سکتا (کما ذکر فی قولہ ما گریز از وے) پس (اپنے
کو تفویض کرکے) اُسکی خدمت (اور اطاعت) کرتا رہ تاکہ اُسکے حبس (قہر) سے اُسکے گلشن (رحمت)
مین جاوے (کما ذکر فی قولہ چون چنین رفتی الخ وفی قولہ تا رحم آیدش - آگے اس مضمون کے
مستحضر رکھنے کی ترغیب اور ذہول پر ترہیب ہے کہ) اگر تو وقتاً فوقتاً مراقب رہا کرے (اور اس مضمون کو
علماً و عملاً لازم پکڑے) تو داور (یعنی حاکم عادل) سے (کہ حق تعالیٰ ہے دراصل داد و ربودہ) عدل
یا عطا دیکھا کرے (داد کے دونون معنی ہوسکتے ہین اور عطا کی توجیہ تو ظاہر ہے اور عدل کی توجیہ
یہ ہے کہ وہ عطا مقتضا عدل کا ہے جو مقتضی ہے مضمون إِنَّ اللهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ کو
پس رویت عطا مستلزم ہے رویت عدل کو) اور اگر تو (اس مضمون سے علماً و عملاً) اپنی آنکھ کو بواسطہ
حجاب کے بند کرے (یعنی اُسکے سامنے حجاب غفلت و اتباع ہوا کا ڈال لے جسطرح خفاش کی آنکھ پر
پردہ عدم قابلیت کا پڑا ہوا ہے) تو (یہ سمجھ لو کہ تمھاری آنکھ بند کرنیسے) آفتاب اپنا کام کیون چھوڑ دیگا
(یعنی وہ اپنا کام پھر بھی کرے گا اور وہ کام اس خفاش صفت کے ساتھ یہ ہوگا کہ اُسکو اور بھی اندھا
کر دیگا اسی طرح اگر تو اعراض کرے تو حق تعالیٰ تجھپر قہر نازل کرے گا جیسا مراقب پر رحم نازل کیا تھا

کما ذکر اور اس قہر کا ظہور دنیا میں بصورت ابطال استعداد بعض بختم وطبع ورین ہوگا اور آخرت میں بصورت نیران۔ اور آفتاب کے عین اس فعل کے ساتھ ہی دوسرا فعل خفاش کی ضد کے ساتھ یہ ہوتا ہے کہ اہل بینش کی بینائی بڑھاتا ہے اسی طرح حق تعالے جس وقت اُس پر قہر نازل فرماتے ہیں عین اُسی وقت عبد مطیع پر رحمت نازل فرماتے ہیں آخرت میں ثواب سے اور دنیا میں ترقی بصیرت وہدایت سے کما قال تعالیٰ یضل بہ کثیرا ویھدی بہ کثیرا وقال تعالیٰ افنضرب عنکم الذکر صفحا ان کنتم قوما مسرفین اور عنکم اسلیے فرمایا کہ خطاب تو عام ہی ہے مگر انتفاع کے خاص ہونے سے ان ہی مصداق ضمیر عنکم کو دوسری آیت میں کثیرا مفعول یضل کا فرمایا اور ذکر آفتاب کے قرینہ سے احقر نے مصرعۂ اولیٰ میں تشبیہ بالخفاش کو ترجمہ میں اضافہ کر دیا)

وآن فضیلت در کمال و رفعتش	باز ران سوے ایاز و رتبتش
اور اُسکے کمال ورفعت میں اُس فضیلت کیطرف	پھر سخن رانی کر ایاز اور اُسکے رتبہ کیطرف

(اس سے تقریباً پونے دو سو شعر اوپر سے حکایت غلام ہندو کے تقریباً بیس شعر قبل ایاز کا قصہ مع نیاز ونیستی کے ضمن میں شروع ہوا تھا پھر دوسرے مضامین مناسبہ آگئے اب اُسکی طرف عود فرماتے ہیں کہ) ایاز اور اُسکے رتبہ اور اُسکے کمال ورفعت میں اُس فضیلت کی طرف پھر سخن رانی کرو (اور یہ عود مطلق قصۂ ایاز کی طرف ہے نہ کہ خاص چارق وپوستین کے دیکھنے کی وجہ کی طرف جیسا ظاہراً متبادر ہوتا ہے چنانچہ لفظ رتبتش الخ میں تصریح ہے کہ اُس نیاز سے اُسکو جو رتبہ حاصل تھا اُس رتبہ کا ایک قصہ بیان کیا جاتا ہے سوا جسطرح ایسے شعر کی طرف عود ہے اتفاق سے مضمون مقام کے مناسب بھی ہے کیونکہ جس نیاز وفنا کا ذکر قصۂ ایاز میں ہے وہ بیان اوپر بھی بعنوان تفویض وتسلیم مذکور ہورہا ہے اور اس تسلیم وتفویض پر رحمت وعنایت کا مرتب ہونا جیسا اوپر مذکور ہو رہا تھا آئندہ بقیہ حکایت ایاز میں بھی سلطان محمود کی خاص عنایت کا ایاز کے حال پر متوجہ ہونا مذکور ہے کہ اعتراض امرا کا خود محمود نے طرفدار ہوکر جواب دیا جیسا آئندہ آتا ہے اور نیز مضمون بالا تفویض سے شاید کوئی کج فہم جبر سمجھ جاتا آئندہ حکایت میں اسکی تحقیق بھی مذکور ہے " گفت سلطان بلکہ آنچہ از نفس زاد ، ریع تقصیر ودخل اجتہاد الیٰ قولہ بل قضا حق ست وجہد بندہ حق ، پس کئی طرح سے ربط حاصل ہوگیا)

حسد بردن امیران بر ایاز و نمودن سلطان کیاست او را

(ربط اوپر مذکور ہوا)

عاقبت بر شاہ خود طعنہ زدند	چون امیران از حسد جوشان شدند
تو اخیر میں اپنے بادشاہ پر طعنہ زن ہوئے	جب امرا حسد سے جوش میں آئے

کاین ایاز تو ندارد سی خرد
کہ یہ آپ کا ایاز تیس جیسے عقل کے نہیں رکھتا

جامگی سی امیر او کے برد
جس پر تیس اُمرا کا وظیفہ لیجاتا ہے

شاہ بیرون رفت با آن سی امیر
بادشاہ اُن تیس امرا کے ہمراہ صحرا و کوہستان

سوے صحرا و کہستان صید گیر
کی طرف صید گیری کرتا ہوا چلا

کاروانے دید از دور آن ملک
اُس بادشاہ نے ایک قافلہ دور سے دیکھا

گفت امیرے را کہ رو اے مؤتفک
اور ایک امیر کو حکم دیا کہ جا اے واپس آنیوالے

رَو بپرس آن کاروان را بر رصد
جا اور اُس قافلہ سے تجسس کے طور پر پوچھ

کز کدامی شہر اندر می رسد
کہ وہ کس شہر سے آرہا ہے

رفت پرسید و بیامد کہ ز رے
وہ امیر گیا اور پوچھکر آگیا کہ شہر رے سے

گفت عزمش تا کجا درماند وے
بادشاہ نے پوچھا کہ کدھر جائے گا بس وہ امیر رہگیا

دیگرے را گفت رَو اے بوالعلا
دوسرے امیر کو حکم دیا کہ اے صاحب علو تم جاؤ

باز پرس از کاروان کہ تا کجا
اور قافلہ سے پوچھو کہ کدھر جاوے گا

رفت و آمد گفت تا سوے یمن
وہ گیا اور آکر کہا کہ یمن کی طرف

گفت رختش چیست ہان اے مؤتمن
بادشاہ نے پوچھا کہ سامان اُسکا کیا ہے اے معتمد

ماند حیران گفت با میرے دگر
وہ حیران رہ گیا تو تیسرے امیر کو حکم دیا

کہ برو وا پرس رخت آن نفر
کہ تم جاؤ اور اُس جماعت کا سامان پوچھو

باز آمد گفت از ہر جنس ہست
وہ لوٹا اور کہا کہ ہر قسم کا سامان ہے

غالب آن کاسہاے رازی ست
زیادہ حصہ شہر رے کے پیالے ہیں

گفت کے بیرون شدند از شہر رے
بادشاہ نے پوچھا کہ یہ لوگ شہر رے سے کب نکلے ہین

ماند حیران آن امیر سست پے
وہ امیر سست قدم حیران رہ گیا

آن دگر را گفت رو وا پرس ہان
اب چوتھے کو حکم دیا کہ ہان تم پوچھو

تا کہ کے بودست نقل کاروان
کہ اُس قافلہ کی نقل و حرکت کب ہوئی ہے

باز گشت و گفت ہشتم از رجب
وہ واپس آیا اور کہا کہ رجب کی آٹھوین تاریخ

گفت در رے چیست تسعیر ای عجب
بادشاہ نے پوچھا کہ شہر رے مین نرخ کیا ہے ای صاحب تعجب

چون نمیدانست دیگر دم نزد
چونکہ نرخ کا علم نہ تھا پھر دم نہین مارا

شہ فرستاد آن دگر را زان عدد
بادشاہ نے اُس پانچوین کو اُس تعداد مین سے بھیجا

ہمچنین تا سی امیر و بیشتر
اسی طرح تیسون امیر تک اور زیادہ تک

سست رای و ناقص اندر کر و فر
سب سست رای اور کر و فر مین ناقص

ہر یکے رفتند بہر یک سوال
سب اشخاص ایک ایک سوال کے لیے گئے

ناقص و عاجز ز ادراک کمال
اور پوری تحقیقات سے ناقص اور عاجز

گفت میران را کہ من روزے جدا
بادشاہ نے اُمراسے کہا کہ آج کے علاوہ

امتحان کردم ایاز خویش را
مین نے ایک روز اپنے ایاز کا امتحان کیا تھا

کہ بپرس از کاروان تا از کجاست
کہ اس قافلہ سے پوچھ کہ کہان سے آیا ہے

او برفت این جملہ را پرسید راست
وہ گیا اور ان سب امور کو ٹھیک پوچھ آیا

بے وصیت بے اشارت یک بیک
بدون فہمایش کے اور بدون اشارہ کے ایک ایک کرکے

حال شان دریافت بے ریبے و شک
اُنکا سب حال بلا کسی اشتباہ اور شک کے دریافت کرآیا

هر چه زین سی میر اندر سی مقام	**کشف شد زو آن بیکدم شد تمام**
جس قدر حال ان تیس امیروں سے تیس مرتبہ مین	منکشف ہوا ایاز سے ایک دفعہ مین سب پورا ہو گیا تھا

جب (سلطان محمود کے) امراء حسد سے جوش مین آئے تو آخر مین (یعنی اور بھی کچھ گفتگو ہوئی ہو گی سب کے آخر مین) اپنے بادشاہ پر طعنہ زن ہوئے (یہ ضرور نہین کہ گستاخی کے عنوان سے کہا ہو ادب ہی سے کہا ہوگا) کہ یہ آپ کا ایاز تیس حصے عقل (و ہنر) کے نہین رکھتا جس پر تیس امراء کا وظیفہ (یہ تنہا) لیجاتا ہے (اشعار آئندہ سے معلوم ہوتا ہے کہ سلطان کے تیس امرا تھے جو خاص مصاحبت کا درجہ رکھتے ہونگے (جاگی وظیفہ وادرار اور غالبًا ایاز اِس جلسہ مین نہین ہے جس کا یہ بھی قرینہ ہے کہ آگے ایاز کا ایک قصہ خود بادشاہ نے بیان کیا ہے ایسے طور سے جیسے غائب کا حال بیان کرتے ہین اس شعر مین گفت امیران را الخ) بادشاہ (ایک بار) اُن تیس امرائکے ہمراہ صحرا و کوہستان کی طرف صید گیری کرتا ہوا چلا (اور) اُس بادشاہ نے ایک قافلہ دور سے دیکھا اور ایک امیر کو حکم دیا کہ اے واپس آنے والے (باعتبار مآل کے کہا جیسے قافلہ اس اعتبار سے کہا جاتا ہے گو وہان نکتہ تفاول کا بھی ہو۔ غرض اے امیر) جا اور اِس قافلہ سے تجسس کے طور پر (جیسا عملۂ سلطنت کا فرض منصبی ہے تاکہ قافلہ والے سوال کو بے وقعت سمجھکر جواب مین بے پروائی نہ کرین کہ یہ کون ہو تم مین پوچھنے والے غرض اِس قافلہ سے) پوچھو کہ کس شہر سے آرہا ہے وہ امیر گیا اور پوچھکر آگیا کہ شہر رَے سے (آیا ہی) بادشاہ نے پوچھا کہ کدھر جائے گا بس وہ امیر (جواب سے عاجز) رہ گیا دوسرے امیر کو حکم دیا کہ اے صاحب علو تم جاؤ اور قافلہ سے پوچھو کہ کدھر جائیگا وہ گیا اور آکر کہا کہ یمن کی طرف (جائیگا) بادشاہ نے پوچھا کہ سامان (تجارت) اس (قافلہ) کا کیا ہے اے معتمد وہ (اس کے جواب مین) حیران رہ گیا تو تیسرے امیر کو حکم دیا کہ تم جاؤ اور اِس جماعت کا سامان پوچھو وہ (پوچھکر) لوٹا اور کہا کہ (یون تو) ہر قسم کا سامان ہے (لیکن) زیادہ حصہ شہر رَے کے پیالے ہین بادشاہ نے پوچھا کہ یہ لوگ شہر رَے سے کب نکلے ہین (اِسکے جواب مین) وہ امیر سست قدم حیران رہ گیا (حیرت مین طبیعت پر سستی چھا جاتی ہے اِسلیے سُست قدم خوب چسپان ہے) اب چوتھے کو حکم دیا کہ ہان تم (جاکر) پوچھو کہ اِس قافلہ کی نقل و حرکت کب ہوئی ہے وہ واپس آیا اور کہا کہ رجب کی آٹھوین تاریخ (مثلاً) بادشاہ نے پوچھا کہ شہر رَے مین نرخ (اشیاء کا) کیا ہے اے صاحب تعجب (یون تو یہ بھی بضرورت شعر ہے مگر پھر بھی مقام کے اِسلیے مناسب ہے کہ اس سوال سے تعجب مین ضرور رہ گیا ہوگا) چونکہ نرخ کا علم نہ تھا پھر دم نہین مارا (پھر کے معنی یہ ہین کہ ایک بات تو بتلا چکا تھا اُسکے بعد پھر کچھ نہ بتلا سکا) بادشاہ نے اُس پانچوین کو (امراء کی) اُس تعداد مین سے بھیجا (کہ اسکی تحقیق کرکے آؤ) اور وہ بھی بس یہی بات پوچھکر آیا اور دوسرے سوال کے جواب سے عاجز رہا غرض) اسطرح تیسون امیر تک اور (بلکہ اس سے) زیادہ تک (یہی سلسلہ رہا یہ زیادہ اُن امرائکے کچھ اتباع ہون گے۔ اور) سب سُست رائے اور کم فرین (یعنی دعوئ خرد

مین یا آمد و رفت مین) ناقص (نکلے دعویٰ خرد مین تو ناقص اسلیے کہ دلیل سے خلاف ثابت ہوا اور آمد و رفت مین ناقص اس اعتبار سے کہ ناتمام تحقیقات کر کے لائے) سب اشخاص ایک ایک سوال کے لیے گئے اور پوری تحقیقات سے ناقص اور عاجز (رہکر واپس آئے حالانکہ سوالات بھی غیر متعلق نہ تھے کہ یہ شبہہ کیا جائے کہ عقل سے دوسرے کا مافی الضمیر کیسے معلوم ہوسکتا ہے یہ ایسے سوال تھے کہ ایک سے دوسرا پیدا ہوتا تھا مگر قلت اہتمام سے کوتاہی رہی) بادشاہ نے امرا سے کہا کہ آپ کے علاوہ مین نے ایک وزلینے ایاز کا امتحان کیا تھا (اور حکم دیا تھا) کہ اس قافلہ سے پوچھ کہ کہان سے آیا ہے وہ گیا اور ان سب امور کو ٹھیک ٹھیک پوچھ آیا بدون (صریح) فرمائش کے اور بدون اشارہ کے ایک ایک کر کے اُن کا سب حال بلا کسی اشتباہ اور شک کے دریافت کر آیا (یعنی محقق طور پر پوچھ آیا جسمین کوئی اشتباہ نہ رہے) جسقدر حال اِن تیس امیرون سے تیس مرتبہ مین منکشف ہوا ایاز سے ایک دفعہ مین سب پورا (معلوم) ہوگیا تھا۔

مرافعۂ آن امرا آن حجت را بشبہۂ جبریانہ و جواب دادن شاہ محمود ایشان را

پس بگفتند آن امیران کین فنے است
از عنایت ہاست کار جہد نیست

اُن امرا نے کہا کہ یہ ایک کمال ہے
عنایات سے ہے کسب کا کام نہین ہے

قسمت حق ست مہ را روے نغز
دادۂ بخت ست گل را بوے نغز

چاند کا روے حسین قسمتِ حق ہے
اور پھول مین خوشبوے نفیس عطاے تقدیر ہے

بلکہ سلطان چون عنایت می کند
از تفاخر خیمہ بر مہ می زند

بلکہ جب سلطان عنایت فرماتے ہین
تو وہ شخص ازراہ تفاخر ماہتاب پر خیمہ لگالیتا ہے

گفت سلطان بلکہ انچہ از نفس زاد
ریع تقصیرست و دخل اجتہاد

بادشاہ نے کہا بلکہ جو عمل نفس سے پیدا ہوا ہے
وہ تقصیر کا محاصل اور جہد کا منافع ہے

ورنہ کے آدم بگفتے با خدا
رَبَّنَا إِنَّا ظَلَمْنَا نَفْسَنَا

ورنہ آدم خداے تعالیٰ سے یہ کیون کہتے
کہ رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنْفُسَنَا الآیۃ

خود بگفتے کاین گناہ از بخت بود — چون قضا این بود حزم ما چہ سود

خود یون کہتے کہ یہ گناہ میری تقدیر سے ہو گیا — جب تقدیر ہی اسطرح تھی تو ہمارا حزم کیا مفید ہو سکتا ہے

ہمچو ابلیسے کہ گفت اَغْوَیْتَنِیْ — تو شکستی جام و ما را میزنی

جیسے ابلیس تھا جس نے کہا کہ اَغْوَیْتَنِیْ — آپ ہی نے تو جام توڑا اور ہمکو مارتے ہو

بل قضا حق ست و جہد بندہ حق — ہین مباش اعور چو ابلیس خلق

بلکہ قضا بھی ثابت ہے اور جہد عبد بھی ثابت ہے — خبردار یک چشم مت ہونا ابلیس فرسودہ کی طرح

در تردد ماندہ ایم اندر دو کار — این تردد کے بود بے اختیار

ہم لوگ دو امر کے درمیان تردد میں رہا کرتے ہین — یہ تردد بدون اختیار کے کب ہو سکتا ہے

این کنم یا آن کنم کے گوید او — کہ دو دست و پاش بستہ است اے عمو

این کنم یا آن کنم ایسا شخص کب کہا کرتا ہے — جسکے دونون ہاتھ پاؤن بستہ ہون

ہیچ باشد این تردد در سرم — کہ روم در بحر یا بالا پرم

کبھی یہ تردد بھی میرے دماغ مین پیدا ہوتا ہے — کہ مین سمندر مین چلون یا اوپر کی طرف اُڑون

این تردد ہست کہ موصل روم — یا برائے سحر تا بابل روم

یہ تردد ہوتا ہے کہ مین شہر موصل کو جاؤن — یا سحر کے لیے بابل پہونچون

پس تردد را بباید قدرتے — ورنہ آن خندہ بود بر سبلتے

پس تردد کے لیے قدرت کی ضرورت ہے — ورنہ وہ تردد محض خندہ بر سبلت ہے

بر قضا کم نہ بہانہ اے جوان — جرم خود را چون نہی بر دیگران

تم قضا پر بہانہ مت رکھو — اپنے جرم کو دوسرون پر کیون رکھتے ہو

خون کند زید و قصاص او بعمرو | مے خورد بکر و بر احمد حدِّ خمر

خون تو کرے زید اور اُسکا قصاص ہو عمرو سے | شراب تو پیے بکر اور احمد پر حد خمر جاری ہو

گردِ خود برگرد و جرم خود ببین | جنبش از خود بین و از سایہ مبین

تو اپنے گرد پھر اور اپنا جرم دیکھ | حرکت اپنی طرف سے دیکھ سایہ کی طرف سے مت دیکھ

کہ نخواہد شد غلط پاداش میر | خصم را میداند آن میرِ بصیر

کیونکہ حاکم کی جزا غلط نہین ہو گی | وہ حاکم بصیر مدعا علیہ کو جانتے ہین

تو عسل خوردی نیاید تب بغیر | مزدِ روزِ تو نیاید شب بغیر

تو نے شہد کھایا تو غیر کو تپ نہ آوے گی | تیری مزدوری دن کی شب کے وقت غیر کو نہ ملے گی

در چہ کردی جہد کان با تو نگشت | تو چہ کاریدی کہ نامد ریع کشت

تو نے کس فعل مین جہد کیا تھا کہ وہ تیری طرف عائد نہین ہوا | تو نے کیا چیز بوئی تھی کہ زراعت کی پیداوار نہین آئی

فعل تو کان زاید از جان و تنت | ہمچو فرزندت بگیرد دامنت

تیرا فعل جبکہ تیری روح اور جسم سے پیدا ہوتا ہے | تیرے فرزند کی طرح تیرا دامن پکڑے گا

فعل را در غیب صورت میکنند | فعل دزدی را نہ دارے میزنند

عالمِ غیب مین فعل کی ایک صورت بنا دیتے ہین | کیا فعل سرقہ کے لیے ایک دار نہین لگاتے (استفہام)

دار کے ماند بدزدی لیک آن | ہست تصویرِ خدائے غیب دان

دار سرقہ کے مشابہ کب ہے لیکن وہ بھی | خدائے غیب دان کی ایک صورت بنائی ہوئی ہے

در دلِ شحنہ چو حق الہام داد | کاینچنین صورت بساز از بہر داد

جب شحنہ کے قلب مین حق تعالیٰ نے القا فرما دیا | کہ عدل کے واسطے ایسی صورت بنا لے

تا تو عالم باشی و عادل قضا

تاکہ تو عالم وعادل ہوجاوے تو قضاے الٰہی

چونکہ حاکم این کند اندر گزین

جبکہ حاکم اپنے انتخاب سے ایسا کرتا ہے

چون بکاری جو نروید غیر جو

جب تم جو بوؤ گے تو جو کے سوا کچھ نہ نکلے گا

جرم خود را بر کسے دیگر منہ

تم اپنے جرم کو دوسرے شخص پر مت رکھو

جرم بر خود نہ کہ تو خود کاشتی

جرم کو اپنے اوپر رکھو کیونکہ تم نے خود بویا ہے

رنج را باشد سبب بد کردنے

تکلیف کا سبب کوئی فعل بد کا صادر کرنا ہوتا ہے

آن نظر در بخت چشم احول کند

محض تقدیر میں نظر کرنا چشم کو کج بین کردیتا ہے

متہم کن نفس خود را اے فتا

تو اپنے نفس کو متہم سمجھنا

توبہ کن مردانہ سر آور برہ

مردوں کی طرح توبہ کرنا اور راہ میں سر تسلیم کردینا

نامناسب چون دہد داد و سزا[1]

کیونکر نامناسب عطا وجزا دے گی

چون کند حکم احکم این حاکمین

تو ان سب حاکموں کا حاکم تو کیسا کچھ کرے گا

قرض تو کردی ز کہ خواہی گرو

قرض تو تو نے کیا پھر رہن رکھنے کی خواہش کس سے کرتا ہے

ہوش و گوش خود برین پاداش دہ

اپنے قلب و سمع کو اس پاداش پر متوجہ رکھو

با جزاے و عدل حق کن آشتی

حق تعالی کی جزا۔ اور عدل کے ساتھ صلح رکھو

بد ز فعل خود شناس از بخت نے

اس فعل بد کو اپنے سے سمجھو تقدیر سے نہیں

کلب را گہدانی و کاہل کند

کلب کو محبوس غلیظ خانہ اور کاہل کردیتا ہے

متہم کم کن جزاے عدل را

اور عدل سے جو جزا واقع ہوتی ہے اسکو متہم مت سمجھنا

کہ فمن یعمل بمثقال یرہ

کیونکہ ارشاد ہے فمن یعمل مثقال ذرۃ خیرا یرہ ومن یعمل مثقال ذرۃ شرا یرہ

[1] داور ...... وضع نظر بر وضع غیر ۱۲ منہ — [5] خواہش کی وضع نظر باقی ۱۲ منہ — [15] اسلم عضو دی پاداش ۱۲ منہ

در فسونِ نفس کم شو غرۂ — کافتابِ حق نپوشد ذرۂ

نفس کے افسون مین مغرور مت ہو تا — کیونکہ آفتاب حق ایک ذرہ کو پوشیدہ نہین رہنے دیتا

ط تفصیل ذرہ ۱۲ منہ

ہست این ذرات جسمی اے مفید — پیش این خورشید جسمانی پدید

یہ ذرات جسمیہ اسے صاحبِ افادہ — اِس آفتاب جسمانی کے روبرو سب ظاہر ہین

ہست ذراتِ خواطر وافتکار — پیش خورشیدِ حقائق آشکار

ہین ذرات خواطر اور افکار کے — حقائق کے آفتاب کے سامنے آشکارا

پیشِ حق پیدا و پیشِ تو نہان — سِرِ غیب ست این مکن فکری دران

خدا تعالی کے روبرو ظاہر ہین اور تیرے سامنے نہان ہین — یہ سر غیب ہے اِسمین تو فکر مت کر

ف بادشاہ نے جو اس امتحان سے استدلال کیا ایاز کی فضیلت اور اُن امرا کی کوتاہی پر امراء نے اسکا جواب جبریانہ دیا کہ اس فضیلت مین ایاز کے اختیار اور اس تقصیر مین ہمارے اختیار کا کچھ دخل نہین جسپر وہ مستحق تفضیل ہو اور ہم مستحق ملامت ہون بادشاہ اِس جواب کو اہل حق کے مسلک پر رد کرتا ہے کہ اُس فضیلت مین ایاز کے اختیار کا اور اس تقصیر مین تمھارے اختیار کا ضرور دخل ہے اِسلیے وہ مستحق تفضیل اور تم مستحق ملامت ہوا اور حاصل اس رد کا احتجاج ہے بداہتہ صفت اختیار و قصد کے ساتھ باقی تنبیہات ہین پس اب کسی مضمون پر کوئی عقلی شبہہ نہین ہو سکتا اور بداہتہ اسکی بالکل اس درجہ بدیہی اور ظاہر ہے کہ خود متمسک بالجبر بھی اسکے قائل ہو جاتے ہین چنانچہ ابلیس باوجود تمسک بالجبر اور اَغْوَیْتَنِیْ کہنے کے اہل نار کے مکالمہ مین یہ بھی کہیگا لُومُوْٓا اَنْفُسَکُمْ ورنہ جبر مین ملامت کیسی۔ پس معلوم ہوا کہ تمسک بالجبر کسی شبہہ کی وجہ سے نہین ورنہ ہر جگہ یہی مذہب ہوتا صرف نفس کی شرارت ہے کہ جہان اپنا تبریہ مقصود ہوتا ہے وہان اس سے تمسک کرتے ہین اور جب دوسرے کے تبریہ کا موقع ہوتا ہے اسکو ترک کرکے اسکے خلاف کے ساتھ تمسک کرنے لگتے ہین اور یہی جبر ہے جسکی نفی کرکے اسکے مقابل قدرت کا اثبات کیا جاتا ہے اور جہان محققین صوفیہ کے کلام مین قدرت کی نفی مترشح ہوتی ہے سو مقصود مطلق قدرت کی نفی نہین ہے بلکہ قدرت مستقلہ کی جسکے قدریہ قائل ہین خلاصہ یہ ہے کہ اس مسئلہ کی تحقیق سے دو امر مقصود ہین ایک شنائع و قبائح مین اپنے کو مجرم سمجھنا اور حق تعالی پر الزام نہ رکھنا اسکے لیے جبر کی نفی کیجاتی ہے اور قدرت کو ثابت کیا جاتا ہے دوسرا کمالات و طاعات مین عُجب و ناز نہ کرنا اور دوسرے خاطین کو حقیر اور اپنے کو مقدس و مطہر نہ سمجھنا اسکے لیے قدرت و اختیار مستقل کی نفی کیجاتی ہے اور عجز و ضعف

تحقیق مسئلہ جبر و اختیار سے غرض قرآن

ومسخر قدرت ہونے کو ثابت کیا جاتا ہے پس مسئلہ کی مقصودیت کے ساتھ اُس سے یہ دونون ترتیبین بھی مقصود ہین مسئلہ کی تحقیق من حیث العارف ہونے کے اور ان ترتیبون کی تفریع من حیث السالک وشیخ ہونے کے آب اشعار کی شرح کیجاتی ہے (**شرح اشعار**) اُن امرانے (بادشاہ سے) کہا کہ یہ (عقل کا ایسا جامع ہونا) ایک (فطری) کمال ہے (فن کی تقئید فطری کے ساتھ بقرینہ دوسرے مصرعہ کے ہے یعنی یہ) عنایات (حق) سے ہے کسب (وجہد) کا کام نہین ہے (اسلیے نہ ایاز کی کوئی خوبی نہ ہماری کچھ غلطی اسکی ایسی مثال ہے جیسے کہ) چاند کا روئے حسین قسمت حق ہے اور پھول مین خوشبوئے نفیس عطائے تقدیر ہے (پس جسطرح یہ کارجہد نہین ہے اسی طرح عقل ایازی کا یہ درجہ کارجہد نہین) بلکہ جب سلطان (حقیقی) کسی کے حال پر (تکوینی) عنایت فرماتے ہین تو وہ شخص از راہ تفاخر ماہتاب پر خیمہ لگالیتا ہے (یعنی علویات سے بھی عالی ہوجاتا ہے اور تفاخر بمعنی تکبر نہین بلکہ محض بمعنی فخر۔ اور مصرع اول مین کلمۂ بلکہ شعر بالا کے سابق کے جملہ کارجہد نیست سے مرتبط ہے جیسا تقریر ترجمہ سے بھی ظاہر ہوگیا) بادشاہ نے (جواب مین) کہا (کہ یہ بات نہین) بلکہ جو عمل (مکلّف کے) نفس سے پیدا ہوا ہے وہ تقصیر (اختیاری) کا محاصل[ف] اور جہد (اختیاری) کا منافع ہے (عمل سے مراد فعل اختیاری کہ اسی مین کلام ہورہا ہے نیز لفظ عمل کا مفہوم خاص ہے اختیاری کے ساتھ اور وہ عمل دو قسم ہے قبیح اور حسن سو اول تو نفس کی تقصیر یعنی کم ہمتی وغلطی سے ناشی ہے اور دوسرا جہد کی طرف سے اور یہ دونون اختیاری ہین پس عمل اختیاری ہوا اور چونکہ فاعل افعال اختیاریہ کا نفس ہے اور جوارح اُسکے آلات اس لیے سب پر از نفس زاد کا حکم صحیح ہوا اور عقل گو امر فطری ہے مگر اسمین شک نہین کہ تدبیر واہتمام وحسن استعمال سے آثار وافعال کاملہ پیدا ہوتے ہین اور قلت مبالاۃ وبے احتیاطی وسوء استعمال سے آثار وافعال ناقصہ پیدا ہوتے ہین اور یہ امور اختیاریہ ہین پس ایاز کا یہ سلیقہ اور امرا کی یہ بدسلیقگی اسطرح مستند الی الاختیار ہے باقی مثال ماہ اور گل کی قیاس مع الفارق ہے کیونکہ وہ خود ذی اختیار نہین اور کلام ہو رہا ہے افعال اہل اختیار مین اور بہر انچہ از نفس زاد مین اسی فرق کی طرف اشارہ ہے کہ کلام ہے اہل نفس مین اور یہ دونون مذکور اہل نفس نہین اور یہی نفس ہے جو صفت اختیار کے سبب مکلف ہوا ہے۔ از نفس زاد کے ترجمہ مین اضافہ الی المکلف کو اسی معنی کے افادہ کے لیے اضافہ کیا گیا خلاصہ یہ کہ یہ افعال باختیار صادر ہوتے ہین) ورنہ آدم (علیہ السلام) خدائے تعالیٰ سے یہ کیون کہتے کہ رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا الآیۃ (بلکہ) خود یون کہتے کہ یہ گناہ میری تقدیر سے ہوگیا (اور یون کہتے کہ) جب تقدیر ہی اسطرح تھی تو ہمارا حزم کیا مفید ہوسکتا ہے جیسے ابلیس تھا جس نے کہا کہ اَغْوَيْتَنِيْ (اور یون کہا کہ) آپ ہی نے تو جام توڑا اور ہمکو مارتے ہو (سو یون ہی آدم علیہ السلام کہدیتے مگر یون اسلیے نہین کہا کہ اختیار کی نفی صحیح نہین) بلکہ قضا بھی ثابت ہے اور جہد عبد بھی ثابت ہے (دونون کا قائل ہونا چاہیے اور) خبردار یک چشم مت ہونا ابلیس فرسودہ (عقل)

ف یہ دونون لفظ محاورہ اُردو مین بطور واحد کے استعمال کیے جاتے ہین ۱۲ منہ

کی طرح (یک چشم ہونا یہ کہ قضا کو دیکھے اور جہد کو نہ دیکھے یہ مذکور تو دلیل سمعی و نقلی تھی کہ آدم علیہ السلام نے
إِنَّا ظَلَمْنَا فرمایا آگے دلیل وجدانی و عقلی ہے کہ بدیہی بات ہے کہ) ہم لوگ (بعض اوقات) دو امر کے
درمیان میں تردد میں رہا کرتے ہیں (کہ یون کرین یا یون کرین اور ظاہر ہے کہ) یہ تردد (مذکور) بدون اختیار کے
کب ہو سکتا ہے (یعنی یہ تردد خاص ایقاع و عدم ایقاع مین کہ دلیل ہے اختیار کی اور مطلق تردد مراد نہین
کیونکہ کسی امر کے وقوع و عدم وقوع مین تردد غیر اختیاریات مین بھی ہوتا ہے کہ مثلاً خدا جانے بارش ہوگی یا نہ ہوگی
پس تردد سے خاص تردد مراد ہے اور وہ بالبداہتہ اختیاریت محل تردد کی دلیل ہے چنانچہ) این کنم یا آن کنم
ایسا شخص کب کہا کرتا ہے جسکے دونون ہاتھ پاؤن بستہ ہون (کیونکہ ایک عارض کے سبب اختیار مسلوب
ہو گیا اسی طرح جو اصل ہی مین غیر اختیاری امر ہو اُسمین بھی تردد نہین ہوا کرتا چنانچہ بھلا (کبھی یہ تردد بھی میرے
دماغ مین پیدا ہوتا ہے کہ مین سمندر مین (پانی کی سطح پر زمین کی طرح) چلون یا اوپر کی طرف اوڑون (سو یہ تردد
کبھی بھی نہین ہوتا اسی لیے کہ اصل ہی سے اختیاری نہین گو کسی عارض سے اختیاری ہو جاوے جیسے شناوری کی کمال
یا مصنوعی آلات پرواز سے پس مثال اول مین تو فعل اصل مین اختیاری تھا اور للعارض غیر اختیاری اور اس مثال ثانی مین
برعکس یعنی اصل مین غیر اختیاری اور للعارض اختیاری بہرحال جس حیثیت سے بھی جو فعل غیر اختیاری ہے اُسمین تردد
ایقاع و عدم ایقاع مین نہین ہوتا البتہ) یہ تردد ہوتا ہے کہ مین شہر موصل کو جاؤن یا (مثلاً) سحر (سیکھنے) کے لیے
بابل ہو چلون (اور یہ تردد اسی لیے واقع ہوتا ہے کہ فعل اختیاری ہے) پس (معلوم ہوا کہ) تردد کے لیے قدرت
کی ضرورت ہے ورنہ وہ تردد محض خندہ بر سبلت ہے (یعنی محض مسخرا اور کھیل ہے (اور لازم یعنی اُسکا محض
کھیل ہونا بالبداہتہ باطل ہے پس ملزوم یعنی قدرت نہ ہونا بھی باطل ہے پس قدرت ہونا واجب ہے وھو المطلوب
جب یہ بات ہے تو) تم قضا (ے الٰہی) پر بہانہ مت رکھو (کہ مین کیا کرون تقدیر مین یون ہی تھا کیونکہ) اپنے جرم کو
دوسرون پر (خصوص حق تعالیٰ پر) کیون رکھتے ہو (جو کہ باتفاق اہل حق قبیح ہے چنانچہ ان مثالون کو دیکھ لو
کہ مثلاً) خون تو کرے زید اور اُسکا قصاص ہو عمرو سے (یا مثلاً) شراب تو پیے بکر اور احمد پر حد خمر جاری ہو (جب
یہ نسبت الی غیر المباشر قبیح ہے تو) اپنے گرد پھر (یعنی اپنے اندر غور کر کیونکہ جس چیز کی حالت تحقیق کرنا ہوتا ہے
اُسکے ہر چہار طرف پھر کر دیکھا کرتے ہین) اور اپنا جرم دیکھ (اور اسکی ایک مثال بہت ہی واضح ہے کہ) حرکت
اپنی طرف سے دیکھ سایہ کی طرف سے مت دیکھ (یعنی تیرے چلنے کے وقت گو حرکت سایہ کو بھی بادی النظر مین
ہوتی ہے لیکن تو کبھی نہین سمجھتا کہ اصل متحرک سایہ ہے بلکہ اصل متحرک اپنے ہی جسم کو سمجھتا ہے حالانکہ یہان سایہ کو کچھ حرکت
بھی ہوتی ہے کیونکہ ظاہری ہی سہی ورنہ واقع مین جسم حائل کی محاذاۃ بدلنے سے پہلا سایہ منعدم ہو کر دوسرا سایہ
جدید پیدا ہوا ہے لیکن ظاہر مین تو آخر اُسکو بھی حرکت ہے ہی پس جب باوجود اسکے کہ سایہ صفت حرکت کے ساتھ
ایک اعتبار سے موصوف بھی ہے لیکن پھر بھی اُسکو معتد بہ حرکت کے ساتھ تو موصوف نہین کرتا اسی لیے کہ اصل فاعل
تو ہے تو غضب ہے کہ جو فعل قبیح تجھ سے صادر ہوا اور وہ فعل حق تعالیٰ سے کسی درجہ مین بھی صادر نہین ہوا!

نہ واقع میں اور نہ ظاہر میں کیونکہ اُس سے جو صادر ہوا وہ تخلیق ہے نہ کہ فعل کہ وہ لسبز اشرہ تجھ ہی سے صادر ہوا ہے تو اُسکو حق تعالیٰ کی طرف کیسے منسوب کرتا ہے اگر کہا جاوے کہ میں صدور کو منسوب نہیں کرتا بلکہ صدار کو کرتا ہوں پس جواب اُسکا یہ ہے کہ اب بھی جبر لازم نہیں کیونکہ یہ اصدار بتوسط الاختیار ہے نہ کہ بالاضطرار غرض اپنا فعل دوسرے کی طرف منسوب نہ کر) کیونکہ حاکم (حقیقی) کی جزا غلط نہیں ہوگی وہ حاکم بصیر مدعیٰ علیہ کو (خوب) جانتے ہیں (پس کاف اس مصرعہ کا علّیہ ہے اور معلل اُسکا مصرعۂ جنبش از خود الخ سے مفہوم ہوتا ہے یعنی فعل خود را بدیگرے منسوب مکن چراکہ الخ جلیسا تقریر ترجمہ میں ظاہر بھی کر دیا گیا ہے مطلب یہ کہ خدائے تعالیٰ کی طرف سے جو جزا ہوتی ہے وہ بے موقع کبھی نہیں ہوسکتی اور غیر من صدر منہ الفعل بالاختیار کو جزا دینا بدلیل شرعی بے موقع ہے پس معلوم ہوا کہ صدور افعال من العباد بالاختیار ہے آگے اسکی اور مثال ہے کہ) تونے (مثلاً) شہد کھایا تو غیر کو تپ آوے گی (اور) تیری مزدوری دن (کے کام) کی شب کے وقت غیر کو نہ ملے گی (اسی طرح فعل تو دوسرے کا ہوا اور جزا دوسرے ملے تجویہ کیسے ہوسکتا ہے اور غور کر کہ) تونے کس فعل میں جہد کیا تھا کہ وہ تیری طرف عائد نہیں ہوا (کیونکہ جہد کا متعلق امر اختیاری ہوگا اور اُسکا حصول و ترتب جہد پر لازم ہے اب یہ اشکال نہ رہا کہ بسا اوقات جس مطلوب کے لیے ہم جہد کرتے ہیں وہ حاصل نہیں ہوتا جواب اشکال یہ ہے کہ وہ غایت اختیاری نہ ہوگی۔ کلام تو فعل اختیاری میں ہے سو اختیار سے اُسکا صدور ضرور ہوگا اور) تونے کیا چیز بوئی تھی کہ زراعت کی پیداوار (ظہور میں) نہیں آئی (وہ بوئی چیز عمل ہے اور ریع اُسکے آثار لازمہ ور ظاہر ہے کہ جب فعل صادر ہوگا اُسکے آثار لازمہ ضرور واقع ہونگے مثلاً قطع مسافت الی مقام خاص کے لیے لازم ہے وصول الی ذلک المقام الخاص آگے آثار و ثمرات موعودہ آخرت کے ترتب کو بیان فرماتے ہیں کہ) تیرا فعل جو کہ تیری روح اور جسم سے پیدا ہوتا ہے (آخرت میں) تیرے فرزند کی طرح تیرا دامن پکڑے گا (جسطرح فرزند دامن پکڑ کر چلتا ہے یعنی تیرا گلوگیر ہوجاویگا قال تعالیٰ وَكُلَّ إِنسَانٍ أَلْزَمْنَاهُ طَائِرَهُ فِي عُنُقِهِ۔ اور یہ جو کہا گیا ہے کہ وہ تیرا فعل دامن پکڑے گا اس پر یہ شبہہ نہ کرنا کہ آخرت میں وہ فعل کہاں ہوگا اُسکا ثمرہ ہوگا سو جواب شبہہ کا یہ ہے کہ وہ جزا ایک معنی کر اُسی فعل کی صورت ہے اِسلیے لزوم جزا کو لزوم فعل کہنا صحیح ہے کیونکہ) عالم غیب میں (ہر) فعل کی ایک صورت بنا دیتے ہیں (کہ اُنمیں معنوی مشابہت و مناسبت ہوتی ہے گو ظاہری تشابہ نہ ہو چنانچہ اس عالم میں دیکھو) کیا فعل سرقہ کے لیے ایک دار نہیں لگاتے (یعنی لگاتے ہیں فالنفی استفہامی حالانکہ) دار سرقہ کے مشابہ (ظاہراً) کب ہے لیکن وہ بھی خدائے غیب دان کی ایک صورت بنائی ہوئی ہے (اسطرح سے کہ شحنہ کے دل میں اللہ تعالےٰ نے الہام کر دیا کہ انصاف کرنے کے واسطے ایسی صورت بنالے چنانچہ اُسکا استعمال کیا جاتا ہے اور نامعقول نہیں سمجھا جاتا اور کوئی یہ اعتراض نہیں کرتا کہ فعل اور جزا میں مشابہت نہیں ہر شخص مشابہت معنویہ کی بنا پر اُسکو معقول مانتا ہے چنانچہ سرقہ کبری میں شریعت نے بھی اسکی یہی جزا مقرر فرمائی ہے یہ قطعی دلیل ہے اسکے مناسب ہونے کی۔ پس اسی طرح افعال و ثمرات آخرت میں مناسبت معنویہ ہوگی یہی معنی

ہین اسکے کہ وہ فعل تیرا دامن پکڑے گا اور وہ شبہہ جاتا رہا۔ آگے حق تعالیٰ کی جزاؤن کے باموقع ہونے پر اس جزا
شحنہ للسارق کے باموقع ہونے سے استدلال کرتے ہین کہ) جب شحنہ کے قلب مین حق تعالیٰ نے القا فرمادیا کہ
عدل کے واسطے (سزا کی) ایسی صورت بنالے تاکہ تو عالم وعادل ہوجاوے (کالاول کمال فی القوۃ
العلمیۃ والثانی کمال فی القوۃ العملیۃ) تو قضاء الٰہی کیونکر نامناسب عطاء و جزا دے گی جبکہ حاکم (دنیوی)
اپنے انتخاب سے (جوکہ بالہام حق ہے) ایسا کرتا ہے (اور اُسکی طرف نسبت انتخاب کی باعتبار تطبیقۃ الجزئی
علی الکلی ہے) تو ان سب حاکمون کا حاکم تو کیسا کچھ (عدل) کرے گا (کیونکہ جب اُسکے الہام سے کہ وحی بھی
اُسمین داخل ہے مخلوق ایسی مناسب جزا دیتی ہے حالانکہ تعلیم سے جو ان کو علم وعدل حاصل ہوا وہ ذاتی اور
کامل نہین تو خود جسکا علم وعدل ذاتی اور کامل ہے اُسکی حکمت ورعایت مصلحت ومناسبت کس درجہ کی
ہوگی۔ اسی مناسبت عمل وجزا کی مثال ہے کہ) جب تم جَو بوؤگے تو جَو کے سوا کچھ نہ نکلے گا۔ (دوسری
مثال ہے کہ) قرض تو (مثلاً) تو نے کیا پھر رہن رکھنے کی خواہش (اور توقع وانتظار) کس سے کرتا ہے
(بلکہ جو قرض لے وہی گرو رکھے کیونکہ استقراض اور رہن مین باہم تناسب ہے غرض جب فعل وجزا مین تناسب
ہے اور تمکو جزا ملنا ثابت ہے تو ضرور وہ فعل بھی تم ہی سے صادر ہوا ہے جب تم سے صادر ہوا ہے تو) تم اپنے جرم کو دوسرے
شخص پر مت رکھو (نہ مخلوق پر اور نہ خالق پر بلکہ) اپنے قلب وسمع کو اس یاداشت (من الحق) پر متوجہ رکھو (یعنی
استحسان کا اعتقاد رکھو اور اُسکے ترتب کو مستحضر رکھو کہ علماً وعملاً نفع ہو اور) جرم کو اپنے اوپر رکھو کیونکہ تمنے
خود بویا ہے (اشارہ ہے الدنیا مزرعۃ الاٰخرۃ کی طرف اور) حق تعالیٰ کی جزا، وعدل کے ساتھ
صلح رکھو (یعنی باغیانہ برتاؤ مت کرو کہ میرا کیا قصور مجکو کیون سزا دیجاتی ہے بلکہ اُسکو اعتقاداً وتسلیماً قبول کرو۔
کیونکہ واقع مین تمہارا ہی قصور ہوتا ہے چنانچہ) تکلیف کا سبب کوئی فعل بد کا صادر کرنا ہوتا ہے (تو) اُس فعل بد کو
اپنے سے سمجھو تقدیر سے نہین (کیونکہ) محض تقدیر مین نظر کرنا (اور اُسی کی طرف منسوب کرنا) چشم کو کج بین
(اور غلط بین) کردیتا ہے (کیونکہ واقع کے خلاف دیکھا اور یہ غلط بینی) کلب (نفس) کو مجوس غلیظ خانہ اور کاہل
کردیتی ہے (یعنی معاصی مین ملوث اور طاعات سے کم ہمت کیونکہ جب اپنا فعل نہ سمجھے گا ہمت ہار دیگا اور
نفس کا اصل تسیلان ہے معاصی کی طرف اُسکے صدور کے لیے ہمت کی ضرورت نہین البتہ اُس سے بچنے کے لیے اور
طاعات کے صادر کرنے کے لیے ہمت کی ضرورت تھی جب ہمت نہ رہی تو معاصی کا صدور ہوا کریگا اور طاعات سے
محرومی ہوجاوے گی پس اگر تیرا نفس اس غلط بینی مین مبتلا ہو تو) اپنے نفس کو (اس باب مین) متہم (وغلط کار) سمجھنا
اور عدل (حق) سے جو جزا واقع ہوئی ہے اُسکو متہم (اور غلط کار وبے موقع) مت سمجھنا (اور نفس کو غلط کار اور
حیلہ نکالنے والا سمجھکر) مردون کی طرح (یعنی ہمت کے ساتھ معاصی سے) توبہ کرنا اور راہ (طاعات) مین سر تسلیم خم
کردینا کیونکہ ارشاد ہے فمن یعمل مثقال ذرۃ خیرا یرہ ومن یعمل مثقال ذرۃ شرا یرہ (جس سے
عمل پر جزا کا ترتب حق ہونا ثابت ہوتا ہے پس اسکا اتباع کرنا اور) نفس کے افسون مین مغرور (اور فریب خوردہ)

ست ہونا کیونکہ آفتاب حق (یعنی علم حق کہ اظہار اشیا مین مشابہ آفتاب کے ہے اعمال مین سے) ایک ذرہ کو پوشیدہ نہین رہنے دیتا (یعنی چونکہ اُسکا علم ذاتی ہے اسلیے وہ مبدأ ہوجاتا ہے انکشاف جمیع اشیاء کا اور انہین اعمال بھی آگئے خیر بھی اور شر بھی اس ذرہ سے مراد وہی جو قرآن مجید کی آیت مذکورہ آنفا مین یعمل کا مفعول ہے آگے بشکل استدلال کے علم حق تعالی کا مبدأ انکشاف ہونا فرماتے ہین کہ) یہ ذرات جسمیہ اے صاحب افادہ اس آفتاب جسمانی کے روبرو سب ظاہر ہین (اس سے بالا ولی) ذرات (معنویہ یعنی) خواطر وافکار (جوکہ اعمال جوارح سے بھی اخفی ہین) آفتاب حقائق کے سامنے آشکار ہین آفتاب حقائق علم حق کو اسلیے کہا کہ وہ کاشف ہے سب حقائق کا اور جب خواطر آشکار ہین تو افعال جوارح بدرجۂ اولی۔ اور یا خاص خواطر ہی اس بنا پر مراد لیے جاوین کہ افعال جوارح پر سزا ہونا موقوف ہے قصد پر اور وہ خواطر وافکار سے ہے غرض یہ چیزین) خدا تعالی کے روبرو ظاہر ہین اور تیرے سامنے نہان ہین (دوسرے کے خواطر وافکار تو اکثر اور بعض اوقات اپنے افکار پر جبکہ اُسکی طرف التفات نہ ہو اور) یہ عجیب ہے اسمین تو فکر مت کر (یا القاء حق یہ سمجھ مین آیا ہے کہ علم الٰہی کا مسئلہ اور اُسکی کنہ بوجہ عقلی اشکالات کے جیسا کہ معقول کی کتابون مین مذکور ہین عقول متوسطہ کے ادراک سے خارج ہے اسلیے تم اجمالاً مان لو اور تفصیل مین فکر مت کرو کیونکہ مقصود مقام کہ حق تعالی کو سب اعمال معلوم ہون گے اور اُن پر جزا مرتب فرماوینگے اُسکے کنہ دریافت کرنے پر موقوف نہین۔ بحمد اللہ یہ بحث جبر وقدر کی ختم ہوئی اور اسکے ختم کے ساتھ دفتر ہذا کا دسوان حصہ بھی اتمام کو پہونچا آگے ایک طویل حکایت مرغ وصیاد کی مذکور ہے اور مقصود اسکے ایراد سے صرف یہ جزو ہے کہ جب وہ مرغ جال مین پڑ گیا اور اُس نے صیاد کو الزام لگایا تو صیاد نے جواب دیا کہ تو خود دانہ کی حرص کے سبب باختیار خود اس مین پھنسا اور اس جزو سے مقصود وہی اوپر کا مضمون ہے جرم خود را بر کسے دیگر منہ الخ اور مستم کن نفس خود را ای فتا الخ۔ تتمیم فائدہ کے لیے بیان ربط ذکر کر دیا گیا باقی حکایت انشاء اللہ تعالی عشر ثانی مین مذکور ہو گی۔

والحمد للہ واہب النعم ومفیض الاسرار والحکم علی تمام ہذا العشر[ع] الاول من الدفتر السادس للمثنوی المعنوی۔ فی آخر یوم من آخر شہر سنة ۱۳۳۱ من ہجرة النبی الابطحی۔ صلی اللہ علیہ وعلی آلہ واصحابہ وبارک وسلم الی الابد السرمدی۔ ویتلوہ العشر الثانی منہ انشاء اللہ العزیز الجبار۔ واسأل اللہ تعالی ان یوفقنی لاتمام باقی تسعة اعشار وان ینفعنی والطالبین بما فیہا من المعانی والاسرار۔ آمین آمین

ع رأیت المصلحة فی تجزیة ہذا الشرح اعشارا عشرة ۱۲ منہ

فهرست مضامین عشر اول که محتوی و مشتمل ست مر مضامین متن و شرح را که نامش کلید مثنوی ست

فہرستِ مضامینِ عشرِ ثانی از کلید مثنوی شرح دفترِ ششم مثنوی معنوی

العشر الثانی من شرح الدفتر السادس من المثنوی افتتحت فیہ یوم العاشوراء من ۱۳۳۲ھ من الہجرۃ

حکایت آن صیاد کہ خود را در گیاہ بپیچید بود و دستۂ گل و لالہ کلہ وار بر سر نہادہ تا مرغان گیاہ پندارند و دانستن آن مرغ زیرک اما بافسون مغرور شد للحرص والطمع

(وجہ ربط اوپر مذکور ہو چکی کہ اوپر بحث جبر و قدر کی مذکور تھی کہ مکلف افعال اختیاریہ مین اختیار رکھتا ہے یہ حکایت اُسی کی تائید مین لائی گئی ہے اور مقصود اُس سے صرف یہ جزو ہے کہ جب وہ مُرغ جال مین پڑ گیا اور اُس نے صیاد کو الزام لگایا تو صیاد نے جواب دیا کہ تو دانہ کی حرص سے باختیار خود اس مین پھنسا ہے)

رفت مرغے درمیانِ لالہ زار

ایک پرند لالہ زار مین گیا

بود آنجا دام از بہرِ شکار

وہان شکار کے لیے جال تھا

دانۂ چندے نہادہ بر زمین

چند دانے زمین پر رکھے تھے

وان صیاد آنجا نشستہ در کمین

اور وہ شکاری شکار کے لیے کمین گاہ مین بیٹھا تھا

خویش را پیچیدہ در برگ و گیاہ

اپنے آپ کو پتون اور گھاس مین لپیٹ رکھا تھا

وز گل و لالہ و را بر سر کلاہ

اور گل اور لالہ کی ایک ٹوپی اُسکے سر پر

در کمین بنشستہ و کردہ نگاہ
کمین گاہ میں بیٹھا تھا اور نگاہ کیے ہوئے تھا
تا در افتد صید بیچارہ ز راہ
تاکہ کوئی بیچارہ شکار راہ سے آپڑے

مرغکی آمد سوی او از ناشناخت
ایک چھوٹا سا پرندہ اُسکی طرف اَن جان پنے میں آیا
پس طوافی کرد و سوی مرد تاخت
پھر ایک چکر لگایا اور اُس شخص کی طرف دوڑا

گفت او را کیستی ای سبز پوش
اُس سے کہا کہ اے سبز پوش تو کون ہے
در بیابان در میانِ این وحوش
بیابان میں وحشی جانوروں کے درمیان

گفت مردی زاہدم من منقطع
کہنے لگا میں ایک مرد زاہد منقطع ہوں
با گیاہ و برگ اینجا مقتنع
گھاس پات پر اس جگہ قانع ہوں

زہد و تقوی را گزیدہ دین و کیش
زہد و تقوی کو اپنا دین اور مذہب اختیار کر لیا ہے
زانکہ می بینم اجل را پیشِ خویش
کیونکہ میں موت کو اپنے سامنے دیکھ رہا ہوں

مرگِ ہمسایہ مرا واعظ شدہ
ہمسایہ کی موت میرے لیے واعظ ہو گئی
کسب و دکانِ مرا برہم زدہ
میرے کسب اور دکان کو برہم و درہم کر دیا

چون بآخر فرد خواہم ماندن
میں جب آخر تنہا ہی رہ جاؤں گا
خو نباید کرد با ہر مرد و زن
تو ہر مرد و زن سے عادت نہ کرنا چاہیے

روی خواہم کرد آخر در لحد
میں جب آخر لحد میں متوجہ ہونگا
آن بہ آید کہ کنم خو با احد
تو یہی بہتر ہے کہ خدائے واحد کے ساتھ عادت کروں

چون زنخ را بست خواہند ای صنم
جب لوگ ٹھوڑی باندھیں گے اے صنم
آن بہ آید کہ زنخ کمتر زنم
تو یہی بہتر ہے کہ میں ٹھوڑی کم چلاؤں

اے بہ زربفت و کمر آموختہ
اے شخص جو زربفت اور پٹکہ کا سبق سیکھے ہوئے ہے
آخر ستت جامۂ نادوختہ
آخر تیرے لیے وہی بے سلا کپڑا ہے

رو بخاک آریم کز وے رستہ ایم
ہم سب زمین ہی کی طرف رجوع کرینگے کیونکہ اُسی سے پیدا ہوئے تھے
دل چرا در بیوفایان بستہ ایم
بے وفاؤن مین دل کیون پھنسایا

جد و خویشان ما قدیمی چار طبع
ہمارے قدیمی جد و اقارب تو چار عنصر ہین
ما بخویشِ عاریت بستیم طمع
ہم نے عاریتی اقارب سے امیدین وابستہ کرلی ہین

سالہا ہمصحبتی و ہمدمی
سالہا سال آدمی کا جسم
با عناصر داشت جسمِ آدمی
عناصر سے صحبت اور ہمدمی رکھتا تھا

روح او خود از نفوس و از عقول
اُسکی روح خود نفوس اور عقول سے ہے
روح اصلِ خویش را کردہ نکول
روح اپنی اصل سے اعراض کیے ہوئے ہے

از نفوس و از عقولِ باصفا
نفوس اور عقول صافیہ کی طرف سے
نامہ می آید بجان کاے بے وفا
روح کی طرف نامہ آتا ہے کہ اے بے وفا

یارگانِ پنج روزہ یافتی
تونے یہ پانچ دن کے یار پالیے ہین
رُو ز یارانِ کہن برتافتی
پُرانے یارون سے رُخ پھیر لیا ہے

کودکان گرچہ کہ در بازی خوشند
لڑکے اگرچہ کھیل مین خوش ہین
شب کشان شان سوے خانہ می کشند
شب کو لوگ اُنکو کشان کشان گھر کی طرف کھینچ لیجاتے ہین

شد برہنہ وقت بازی طفلِ خُرد
کھیلنے کے وقت کوئی چھوٹا لڑکا برہنہ ہوگیا
دزد ناگاہش قبا و کفش بُرد
ناگاہ چور اُسکی قبا اور جوتا لیکر چلدیا

آنچنان گرم او ببازی در فتاد　کان کلاہ و پیرہن رفتش زیاد

وہ اسقدر کھیل مین مشغول ہوا　کہ ٹوپی اور کرتا اُسکی یاد سے جاتا رہا

شب شد و بازیِ او شد بے مدد　رو ندارد کہ سوے خانہ رود

رات ہوگئی اور اُسکا کھیل منقطع ہوگیا　اب اُسکا یہ مُنہ نہین کہ گھر کی طرف جاوے

نے شنیدی اِنَّمَا الدُّنیا لَعِبٌ　باد دادی رخت و گشتی مرتعب

کیا تم نے سُنا نہین اِنَّمَا الدُّنیا لَعِبٌ ہے　تمہنے متاع برباد کردی اور خائف ہوگئے

پیش ازان کہ شب شود جامہ بجو　روز را ضائع مکن در گفتگو

قبل اسکے کہ رات ہوجاوے کپڑے کو ڈھونڈھ لو　دن کو قیل و قال مین ضائع مت کرو

من بصحرا خلوتے بگزیدہ ام　خلق را من دزدِ جامہ دیدہ ام

مین نے صحرا مین خلوت اختیار کرلی ہے　خلق کو مین نے کپڑے کا چور دیکھا ہے

نیم عمر از آرزوے دلستان　نیم عمر از غصہاے دشمنان

آدھی عمر تو دل کی لینے والی آرزو سے　آدھی عمر دشمنون کے رنج و غصہ سے

جبہ را بُرد آن کلہ را این ببرد　غرقِ بازی گشتہ ما چون طفلِ خرد

وہ جبہ کو لے گیا اور یہ ٹوپی کو لے اُڑا　ہم چھوٹے بچہ کی طرح کھیل مین مستغرق

نک شبانگاہِ اجل نزدیک شد　خَلِّ هٰذَا اللَّعِبَ بَسَّكَ لَا تَعُدْ

اب شبِ اجل نزدیک آگئی　اس کھیل کو چھوڑدو اور بس کرو اور پھر عود مت کرو

ہین سوارِ توبہ شو در دزد رس　جامہا از دزد دلستان باز پس

ہان توبہ پر سوار ہوجاؤ اُس چور تک پہونچ جاؤ　اُس چور سے کپڑے واپس لے لو

مرکبِ تو بہ عجائب مرکب ست
مرکب تو بہ عجیب مرکب ہے

بر فلک تازد بیک لحظہ ز پست
کہ ایک لحظہ مین پستی سے فلک تک جا دوڑتا ہے

لیک مرکب را نگہ می دار از آن
لیکن مرکب کو اُس سے بچانا

کو بدزدید آن قبایت ناگہان
جس نے اچانک تمھاری قبا چرا لی تھی

تا نہ دزدد مرکبت را نیز ہم
تاکہ تیرے مرکب کو بھی نہ چورا لے

پاس دار این مرکبت را دمبدم
اپنے اس مرکب کی بہت حفاظت رکھنا

بُردنِ دزد قچ را از آن مرد و قناعت ناکردن و رخت او را ربودن

آن یکی قچ داشت از پس می کشید
ایک شخص کے پاس ایک دُنبہ تھا پیچھے سے کھینچ رہا تھا

دزد قچ را برد و حبلِ او برید
ایک چور دُنبہ کو لیکر چلدیا اور اُسکا رسا کاٹ ڈالا

چونکہ آگہ شد دوان شد چپ و راست
جب اُسکو اطلاع ہوئی تو چپ و راست دوڑا

تا بیابد کان قچ برده کجاست
تاکہ اُسکو یہ خبر ملے کہ وہ لے گیا ہوا دُنبہ کہان ہے

بر سرِ چاہے بدید آن دزد را
ایک کنوئین کے کنارہ پر اُس چور کو دیکھا

در فغان و گریۂ و وا ویلتا
کہ فغان و گریہ و واویلا مین ہے

گفت نالان از چہٖ اے اوستاد
پوچھا اُستاد کاہے سے نالان ہو رہے ہو

گفت ہمیانِ زرم در چہ فتاد
کہنے لگا میرے زر کی ہمیانی کنوئین مین گر پڑی

گر توانی در روی بیرون کشی
اگر تجھ سے ہو سکے اندر جا اُس کو باہر لے آ

خُمس بدہم مر ترا با دلخوشی
تو خوشی سے پانچوان حصہ تجکو دونگا

ہست در ہمیانِ من پانصد درم
اُس ہمیانی مین پانسو درم ہین

گر کنی با من چنین لطف و کرم
اگر تو میرے ساتھ ایسا لطف و کرم کرے

صد درم بدہم ترا حالی بدست
تو مین سَو درم فورًا تیرے ہاتھ مین دیدون

گفت با خود کاین بہائے دو قچ ست
اپنے جی مین کہنے لگا کہ یہ تو دس دنبون کی قیمت ہے

گر درے بربستہ شد صد در کشاد
اگر ایک در بند ہوگیا تو سَو در کُھل گئے

گر قچے شد در عوض اشتر بداد
اگر ایک دُنبہ گیا تو عوض مین اللہ نے اونٹ دیا

جامہ ہا برکند و اندر چاہ رفت
کپڑے اُتارے اور کنوین کے اندر گیا

جامہا را ہم ببرد آن دزد تفت
وہ چور کپڑون کو بھی لیکر چنپت ہوا

حازمے باید کہ رہ تا دہ برد
بڑا ہوشیار آدمی چاہیے کہ گانون تک راہ لیجاوے

حزم نبود طمع طاعون آورد
اگر ہوشیاری نہ ہو تو طمع طاعون کو سر پہ لے آتی ہے

آن یکے دزدیست فتنہ سیرتے
وہ ایک فتنہ سیرت چور ہے

چون خیال او را بہر دم صورتے
کہ خیال کی طرح اُسکی ہر ساعت ایک نئی صورت ہے

کس نداند مکرِ او الا خدا
بجز خدا کے اُسکا مکر کوئی نہین جانتا

در خدا بگریز و وارہ زین دغا
تم خدا کی پناہ مین بھاگو اور اس دغاباز سے چھوٹو

ایک پرندہ لالہ زار مین گیا وہان شکار کے (پھنسانے کے) لیے (ایک) جال تھا چند دانے زمین پر رکھے اور وہ شکاری (جس نے وہ جال بچھایا تھا) شکار کے لیے کمین گاہ مین بیٹھا تھا (اور) اپنے آپ کو پتّون مین اور گھاس مین لپیٹ رکھا تھا اور گل اور لالہ کی ایک ٹوپی اُسکے سر پہ (رکھی تھی) کمین گاہ مین بیٹھا تھا اور (سب طرف) نگاہ کیے ہوئے تھا تا کہ کوئی بیچارہ شکار راہ سے (بچل کر جال مین) آپڑے - ایک چھوٹا سا پرندہ اُسکی طرف انجان پنے مین آیا پھر ایک چکر لگایا اور اُس شخص کی طرف دوڑا (مگر دور ہی بیٹھا رہا اور) اُس (شکاری) سے کہا کہ اے سبز پوش تو کون ہے (کہ اس)

بیابان مین وحشی جانورون کے درمیان (آیا ہے) کہنے لگا مین ایک مرد زاہد (اور تعلقات دنیویہ سے) منقطع ہون (اور) گھاس پات پر اِس جگہ قانع ہون (مین نے) زہد و تقویٰ کو اپنا دین اور مذہب اختیار کر لیا ہے کیونکہ مین موت کو اپنے سامنے دیکھ رہا ہون (ایک) ہمسایہ کی موت میرے لیے واعظ ہو گئی (اور) میرے کسب اور دکان کو برہم و درہم کر دیا (مین نے یہ سوچا کہ) مین جب آخر تنہا ہی رہ جاؤن گا تو ہر مرد و زن سے (تعلق والفت رکھنے کی) عادت نہ کرنا چاہیے (اور) مین جب آخر لحد مین متوجہ ہونگا تو یہی بہتر ہے کہ خدائے واحد کے ساتھ (تعلق رکھنے کی) عادت رکھون (اور) جب (مرنے کے بعد) لوگ (میری) ٹھوڑی باندھین گے (جیسا مردہ کے ساتھ ایسا ہوتا ہے) تو یہی بہتر ہے کہ مین (بولنے چالنے مین) ٹھوڑی کم ہلاؤن (کنایہ ہے کم بولنے سے کیونکہ بولنے مین ٹھوڑی کو حرکت ہوتی ہے) اے شخص جو زربفت اور شکہ کا سبق سیکھے ہوئے ہے آخر تیرے لیے وہی بے سلا کپڑا (یعنی کفن) ہے ہم سب زمین ہی کی طرف رجوع کرین گے کیونکہ اُسی سے پیدا ہوئے تھے (کما قال تعالیٰ مِنْهَا خَلَقْنَاكُمْ وَفِيهَا نُعِيدُكُمْ۔ پھر) بے وفاؤن مین (کہ اُن سے جدا ہونا ہے) دل کیون پھنسایا۔ ہمارے قدیمی جد و اقارب تو چار عنصر ہین (مگر) ہم نے عارضی اقارب سے امیدین وابستہ کر لی ہین سالہا سال آدمی کا جسم عناصر سے صحبت اور ہمدمی رکھتا تھا ز چنانچہ ہر مرکّب قبل ترکیب بصورت بسائط ہی ہوتا ہے یہ تو جسم کی اصل تھی جو پھر یہی عناصر ہونے والا ہے اور دوسرا جزو انسان مین روح ہے جو حقیقت ہے آدمی کی اُسکی کیفیت بیان کرتے ہین کہ) اُسکی روح خود (عالم) نفوس و عقول سے ہے (یعنی عالم مجردات سے ہے۔ اور عقول سے مراد مصطلح فلاسفہ نہین کہ وہ بوجہ دعوئ قدم کے باطل ہے بلکہ عقل انسانی مراد ہے کہ وہ بعض اہل کشف کے نزدیک جواہر سے ہے اور وہ اور نفس دونون لطائف انسانیہ سے ہین خواہ اِن دونون مین تغایر اعتباری ہو خواہ حقیقی علیٰ اختلاف القولین اِسی طرح روح بھی ایک لطیفہ مجردہ ہے کہ لطائف مذکورہ سے تغایر حقیقی رکھتا ہے یا اعتباری غرض روح کی یہ اصل ہے مگر) روح اپنی اصل سے اعراض کیے ہوئے ہے (اور) نفوس و عقول صافیہ کی طرف سے روح کی طرف نامہ (و پیام) آتا ہے کہ اے بے وفا تونے یہ پانچ دن کے یار بنا لیے ہین (اُنسے ملکر) پُرانے یارون سے رُخ پھیر لیا ہے (اگر اس پیام کے دینے والے وہ ارواح قرار دی جاوین جو ابھی ناسوت مین نہین آئین تو یہ پیام حالی ہے یعنی وہ بزبان حال کہہ رہی ہین کہ تو بھی ہماری طرح تھی اور غفلت مین پڑ گئی اور اگر وہ ارواح قرار دیجاوین جو ناسوت سے چلی گئین تو اُنکا پیام قالی ہے حدیث مین بعض شہدا کا پیام باقین فی الدنیا تک اُنکی درخواست پر پہونچانا وارد ہے الا بلغ عنا اخواننا انا قد لقینا ربنا فرضی عنا وارضانا ونحو ذلک یہ مضمون اپنی غایت کے اعتبار سے کہ ترغیب ہے توجہ الی الآخرۃ کی اور ایقاظ ہے غفلت سے ہم معنی ہے مضمون شعر بایگان پنج روزہ الخ کا آگے مثال ہے مقر اصلی کے ترجیح کی مقر عارضی پر یعنی) لڑکے اگرچہ کھیل مین خوش ہین (مگر) شب کو لوگ اُن کو کشان کشان گھر کی طرف

کھینچ لیجاتے ہین (تو فرض کرو کہ) کھیلنے کے وقت کوئی چھوٹا لڑکا برہنہ ہو گیا (جیسے لڑکونکی عادت ہوتی ہے
کہ کھیل کے وقت بہت ہی مختصر لباس رکھتے ہین باقی اُتار کر رکھ دیتے ہین) ناگاہ (کوئی) چور اُسکی قبا اور جوتہ
لیکر چلدیا (اور) وہ اسقدر کھیل مین مشغول ہوا کہ ٹوپی اور کُرتا (اسی طرح قبا اور جوتا) اُسکی یاد سے جاتا رہا
(اسی مین) رات ہو گئی اور اُسکا کھیل منقطع ہو گیا (کیونکہ جس چیز کو مدد نہ پہونچے گی منقطع ہو جاوے گی)
اب اُسکا یہ مُنھ نہین کہ گھر کی طرف جاوے (کیونکہ مان باپ سزا دینگے بس یہی حال ہے دنیا کا) کیا تم نے
سُنا نہین۔ اِنَّمَا الدُّنْیَا لَعِبٌ (پس) تم نے (بھی) متاع (تقویٰ) برباد کر دی (جسکو لباس
فرمایا گیا ہے لِبَاسُ التَّقْوٰی ذٰلِكَ خَیْرٌ) اور خائف ہو گئے (کہ آخرت مین جو کہ اصلی گھر ہے دوزخ مین
جلونگا اور وہ چور نفس و شیطان ہے قال تعالیٰ ان الشیطان لکم عدو فاتخذوہ عدوا
وقال تعالیٰ ان النفس لامارۃ بالسوء الآیۃ اور وہ شب وقت ہے موت کا جسکے بعد گھر
جانا پڑتا ہے سو) قبل اسکے کہ رات ہو جاوے کپڑے کو ڈھونڈھ لو (یعنی تقویٰ فائت کا اعادہ کر لو اصلاح عمل سے اور
دن کو (محض) قیل و قال مین ضائع مت کرو (دن سے مراد ایام حیات ہین جو وقت ہے لباس تلاش کرنے کا یعنی کام کرنے کا
بگذر از گفتار۔ آگے شکاری کا مقولہ بطور تفریع ہے کہ ان امور پر متنبہ ہو کر) مین نے صحرا مین خلوت اختیار کر لی ہے
(کیونکہ عام) خلق کو مین نے کپڑے کا چور دیکھا ہے (اسطرح سے کہ ان لوگون کے ساتھ تعلق رکھنے مین) آدھی
عمر تو دل کی لینے والی آرزو سے (برباد ہوتی ہے اور) آدھی عمر دشمنون کے رنج و غصہ سے (ضائع ہوتی ہے غرض
اگر دوستی ہے تو آرزو اور امید مین وقت گیا اور دشمنی ہے تو غم و غصہ مین گیا تو ایسی مثال ہو گئی کہ) وہ جبہ کو
لے گیا اور یہ ٹوپی کو لے اُڑا (اور) ہم چھوٹے بچہ کی طرح کھیل مین مستغرق (ہین سو) اب شبِ اجل نزدیک آگئی (جسکے
بعد دار آخرت کو جانا ہو گا پس اب) اس کھیل کو چھوڑ دو اور بس کرو اور پھر (اسکی طرف) عود مت کرو (فخل
ھذا اللعب جملۃ و بسك بمعنی کفایتك منصوباً بتقدیر الزم جملۃ کما فی القاموس
بس بمعنی حسب و لا تعد بتقدیر المعمول جملۃ۔ آگے اعادہ مسروق کا طریقہ بتلاتے ہین جس سے
گھر جانیکے قابل مُنھ ہو جاوے یعنی) ہان (مرکب) توبہ پر سوار ہو جاوٗ (اور) اُس چور تک (دوڑ کر پہونچ جاوٗ
اور) اُس چور سے کپڑے واپس لے لو (کیونکہ توبہ سے شیطان مخذول و مغلوب ہو جاویگا اور تقویٰ فائت کا
تدارک ہو جاوے گا اور) مرکب توبہ عجیب مرکب ہے کہ ایک لحظہ مین پستی سے فلک تک جا دوڑتا ہے (کیونکہ
ایکدم مین سب گناہ معاف ہو کر حضیض طرد سے اوج قبول تک پہونچا دیتا ہے (لیکن (ذرا اس) مرکب کو (بھی)
اُس (چور) سے بچانا جس نے اچانک تمھاری قبا چرا لی تھی تاکہ (کہین) تیرے مرکب کو بھی نہ چرا لے (اسلیے
اپنے اس مرکب کی بہت حفاظت رکھنا (مراد یہ ہے کہ کہین شیطان اُس توبہ کو شکست نہ کرا دے اسکا اہتمام رکھنا
جیسی ایک حکایت ہے کہ) ایک شخص کے پاس ایک دُنبہ تھا (اُسکو اپنے) پیچھے سے کھینچ رہا تھا (یعنی اُس کو
پیچھے کر رکھا تھا اور رسّے سے گھسیٹے لیے جاتا تھا) ایک چور دُنبے کو لیکر چلدیا اور اُسکا رسّا کاٹ ڈالا

جب اُسکو اطلاع ہوئی تو چپ و راست (بہت) دوڑا تاکہ اُسکو یہ خبر ملے کہ وہ لے گیا ہوا دُنبہ کہاں ہے (پس چلتے چلتے) ایک کنوین کے کنارہ پر اُس چور کو دیکھا (یہ نہین پہچانا کہ یہی ہے اور دُنبہ بھی کہین پوشیدہ کر دیا تھا اور اس حال مین دیکھا کہ) فغان وگریہ وواویلا مین (مشغول) ہے پوچھا اُستاد کاہے سے نالان ہو رہے ہو۔ کہنے لگا میرے زر کی ہمیانی کنوین مین گر پڑی اگر تجھ سے ہو سکے اندر جا اور اُسکو باہر لے آ تو خوشی سے پانچوان حصہ تجکو دونگا اُس ہمیانی مین پانسو درم ہین اگر تو میرے ساتھ ایسا لطف وکرم کرے (کہ اُسکو نکال لاوے) تو مین سو درم فوراً تیرے ہاتھ مین دیدون اپنے جی مین کہنے لگا کہ یہ تو دس دُنبون کی قیمت ہے اگر ایک در بند ہو گیا (کہ دُنبہ جاتا رہا) تو سو در کھل گئے (کہ اتنا روپیہ ملے گا) اگر ایک دُنبہ گیا تو (اُسکے) عوض مین اللہ نے اونٹ دیا (یعنی اُسکی قیمت غرض) کپڑے اُتارے اور کنوین کے اندر گیا وہ چور کپڑون کو بھی لیکر چنپت ہوا (تو اگر تم نے مرکب تو بہ کی حفاظت نہ کی تو تمہاری بھی ایسی ہی مثال ہو جاوے گی) بڑا ہوشیار آدمی چاہیے کہ گانؤن تک (یعنی مقصود تک) راہ لیجاوے اگر ہوشیاری نہ ہو تو طمع (اور حرص گناہ کی) طاعون (یعنی ہلاکت) کو سر پر لے آتی ہے (جس طرح روپیہ کی طمع مین اُسنے کپڑے بھی کھوئے) وہ (شیطان) ایک فتنہ سیرت چور ہے کہ خیال کیطرح اُسکی ہر ساعت ایک نئی صورت ہے (جیسے خیال نئے نئے رنگ بدلتا ہے اسی طرح شیطان نئے نئے رنگ سے گمراہ کرتا ہے کبھی دنیا کے پردہ مین خیر خواہی کرتا ہے اور لذت دکھلاتا ہے کبھی دین کے پیرایہ مین ناصح بنتا ہے اور نتا دلیں سکھلاتا ہے) بجز خدا کے اُسکا مکر (پورا پورا) کوئی نہین جانتا (پس) تم خدا کی پناہ مین بھاگو اور اُس دغاباز سے چھوٹو (یعنی اُس سے بچنے کا یہی ایک طریق ہے کما قال تعالیٰ انہ لیس لہ سلطان علی الذین اٰمنوا وعلیٰ ربّہم یتوکلون ؕ اور اس توکل مین ہمت اور اعمال صالحہ بھی داخل ہین پس وہ حصن عظیم ہے باقی نری ذہانت وذکاوت سے کام نہین چلتا کما اخبر عن اغوائہ بقولہ لاضلنہم ولامنینہم الخ پس ذہانت کا مقابل اسکے پاس اضلال وتمنیہ ہے اور توکل کا مقابل اسکے پاس کچھ نہین)

مناظرۂ مرغ با صیّاد در حدیث لا رُهبانيّة في الاسلام

مرغ گفتش خواجہ در خلوت مایست
مرغ نے صیاد سے کہا کہ اے خواجہ خلوت مین مت قیام کرو

دینِ احمد را ترہّب نیک نیست
دینِ احمدی مین ترہب اچھا نہین

از ترہّب نہی فرمود آن رسولؐ
ترہب سے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے

بدعتے چون برگرفتی اے فضول
تو تو نے اے فضول بدعت کیون اختیار کی

جمعہ شرطست و جماعت در نماز — امر معروف و ز منکر احتراز

جمعہ فرض ہے اور نماز مین جماعت بھی — امر بالمعروف اور نہی عن المنکر بھی

رنج بدخویان کشیدن زیر صبر — منفعت دادن بخلقان ہمچو ابر

بداخلاقون کی کلفت برداشت کرنا صبر کے تحت مین رہکر — سحاب کی طرح خلائق کو نفع دینا

خیر ناس آن ینفع الناس اے پدر — گر نہ سنگی چہ حریفی با مدر

کہ خیر الناس وہ ہے جو دوسرون کو نفع پہونچاوے اے پدر — اگر تو سنگ نہین ہے تو کلوخ کے ساتھ کس لیے ہم شیوہ بنا ہے

درمیان امت مرحوم باش — سنت احمد مہل محکوم باش

امت مرحومہ کے درمیان رہ — سنت احمدی کو مت چھوڑ اور محکوم رہ

چون جماعت رحمت آمد اے پسر — جہد کن کز رحمت آری تاج سر

جب جماعت رحمت ہے اے فرزند — تو اسکی کوشش کر کہ رحمت کے واسطہ سر کو تاج حاصل کرلے

مرغ نے صیاد سے کہا اے خواجہ خلوت مین قیام مت کر دین احمدی مین ترہّب اچھا نہین (یعنی بلا ضرورت دینیہ خلق سے انقطاع خلافِ سنت ہے گو ادیان سابقہ مین یہ انقطاع بھی ایک طاعت تھا بشرطیکہ دینی ضرر نہ ہو غرض جب دینی ضرورت انقطاع کی ہو تو ہماری شریعت مین بھی طاعت ہے اور جب دینی ضرر انقطاع مین ہو تو شرائع سابقہ مین بھی معصیت تھا اور جب نہ ضرورت ہو اور نہ ضرر اس صورت مین ہماری شریعت مین بدعت اور ادیان سابقہ مین طاعت تھا پس چونکہ مرغ فرضی کو کوئی ضرورت دینیہ اس انقطاع کی معلوم نہین اسلیے وہ منع کرتا ہے اور دلیل لاتا ہے کہ) ترہّب سے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے تو تونے اے فضول بدعت کیون اختیار کی جمعہ فرض ہے اور نماز مین جماعت بھی (ضروری ہے اور) امر بالمعروف اور نہی عن المنکر بھی (ضروری ہے تحقیقۃ الکلام والامر بالمعروف والامر بالاحتراز عن المنکر وھو حاصل النھی عن المنکر اور) بداخلاقون کی کلفت برداشت کرنا صبر کے تحت مین رہکر (ضروری ہے اور) سحاب کیطرح خلائق کو نفع دینا (ضروری ہے جسکی دلیل یہ ہے) کہ خیر الناس وہ ہے جو دوسرون کو نفع پہونچاوے اے پدر (فان مصدریۃ والمصدر محمول علی المبالغۃ کزید عدل وحسنہ ضرورۃ الشعر اور یہ سب طاعات انقطاع کی حالت مین متحقق نہین ہوتین یعنی انقطاع مین یہ مصالح فوت ہوتی ہین اور عدم انقطاع مین کوئی مضرت نہین پھر انقطاع غیر مشروع ہے

ورغیر مشروع کے ساتھ ایک جہ سے جو آیندہ مصرعہ مین مذکور ہے غیر معقول بھی ہے وہ یہ ہے کہ) اگر تو سنگ نہین ہے تو کلوخ کے ساتھ کس لیے ہم شیوہ بنا ہے (یعنی خلوت مین بیٹھنا کلوخ وسنگ سے صحبت رکھنا ہے جو سنگ وکلوخ نہ ہو اُسکے لیے نازیبا ہوگا یہ وجہ ہے غیر معقول ہونے کی پس جب یہ انقطاع شرعًا وعقلاً مذموم ہے تو اسکو ترک کر اور) امتِ مرحومہ کے درمیان رہ اور سنتِ احمدی کو مت چھوڑ (اور شریعت کا) محکوم رہ (اور شریعت نے بحالت کذائیہ ترہّب سے منع فرمایا ہے اور) جب جماعت (مسلمین کی) رحمت ہے اے فرزند (چنانچہ حدیث مین ہے یداللہ علی الجماعۃ) تو اسکی کوشش کر کہ رحمت کے واسطہ سے تو تاجِ سر (یعنی عزت عنداللہ) حاصل کرلے۔

در جوابش گفت صیادِ عیار

اُسکے جواب مین صیاد زیرک نے کہا

نیست مطلق این کہ گفتی ہوشدار

کہ تو نے جو کچھ کہا ہر یہ مطلق نہین ہے ہوش رکھنا چاہیے

ہست تنہائی بہ از یارانِ بد

بُرے مصاحبون سے تو تنہائی بہتر ہے

نیک چون با بد نشیند بد شود

نیک آدمی جب بد کے پاس بیٹھتا ہے بد ہوجاتا ہے

زانکہ عقلِ ہر کرا نبود رسوخ

اِس سبب سے کہ جس کی عقل مین پختگی نہ ہو

پیشِ عاقل او چو سنگ ست و کلوخ

وہ عاقل کے نزدیک مثل سنگ اور کلوخ کے ہے

چون حمارست آنکہ نانش مُنیت ست

مثل حمار کے ہے جسکی آرزو معاش ہے

صحبتِ او عین رُہبانیت ست

اُس کی صحبت عین رہبانیت ہے

ہوش او سوے علف باشد چو خر

اُسکا ہوش علف کی طرف ہے مثل خر کے

بگذر از وے تا نمانی بے ہنر

تو اُس سے برکنارہ رہ تا کہ تو بے ہنر نہ رہ جاوے

زانکہ غیرِ حق ہمہ گردد رُفات

کیونکہ جو حق سے مغائر ہے وہ سب ریزہ ریزہ ہوجاویگا

کُلُّ اٰتٍ بَعْدَ حِیْنٍ فَھُوَ اٰت

جو چیز ایک وقت محدود کی بعد آنیوالی ہے وہ ابھی آنیوالی ہے

ہر چہ جز آن وجہ باشد ہالک ست

جو کچھ اُس وجہ کے سوا ہے وہ سب ہالک ہے

ملک و مالک عکسِ آن یک مالک ست

تمام ملک اور مالک اُسی ایک مالک کا ظل ہے

گرچہ سایہ عکسِ شخص ست اے پسر
اگرچہ سایہ بھی شخص کا عکس ہی ہوتا ہے

ہیچ از سایہ نتانی خورد بر
تو سایہ سے کوئی نفع حاصل نہین کرسکتا

ہیچ سایہ نیست بے شخصے روان
کوئی سایہ بلا شخص روان نہین ہے

اصل سایہ رو بجو اے کاروان
تو جا اور سایہ کی اصل کو طلب کرلے واقف کار

ہین ز سایہ شخص را می کن طلب
خبردار اُس سایہ سے شخص کو طلب کر

در مُسَبِّب رو گذر کن از سبب
مسبب مین توجہ کر اور سبب سے درگذر

یار جسمانی بود رویش بمرگ
یار جسمانی کا رُخ فنا کی طرف ہوتا ہے

صحبتش شوم ست باید کرد ترک
اسکی صحبت شوم ہے ترک کردینا ضرور ہے

حکم او ہم حکم قبلہ او بود
اُسکا حکم بھی اُسکے قبلہ کا سا حکم ہوگا

مردہ اش دان چونکہ مردہ جو بود
جو مردہ کا طالب ہو اُسکو بھی مردہ جان

ہر کہ با این قوم باشد راہب ست
جو شخص اس قوم کا ہم صحبت ہو وہ راہب ہے

کہ کلوخ و سنگ او را صاحب ست
کیونکہ کلوخ و سنگ انکا مصاحب ہے

خود کلوخ و سنگ کس را رہ زند
کلوخ و سنگ کیا کسی کی رہ زنی کرتے ہین

زین کلوخان صد ہزار آفت رسد
اور ان کلوخون سے تو لاکھون آفتین پہونچ جاتی ہین

اُس (مرغ) کے جواب مین صیاد زیرک نے کہا کہ تونے جو کچھ (دربارہ ذم انقطاع کے) کہا ہے یہ مطلق نہین ہے ہوش رکھنا چاہیے (کیونکہ یہ بھی شرع سے ثابت ہے کہ) بُرے مصاحبون سے تو تنہائی بہتر ہے۔ نیک آدمی جب بد کے پاس بیٹھتا ہے بد ہوجاتا ہے (پس ایسون سے انقطاع ضروری ہوا تو انقطاع کی مذمت مطلق نہ ہوئی بلکہ مذموم وہی ہوگا جو اہل افادہ سے ہو جبکہ یہ شخص افادہ کا محتاج بھی ہو یا اہل استفادہ سے جبکہ دوسرون کے استفادہ کی توقع ہو اور مین اہل افادہ کو مفقود پاتا ہون اور اپنے اندر اسکی اہلیت نہین پاتا کہ کسی کو مجھ سے استفادہ ہو اسلیے میرے حق مین انقطاع مذموم نہ ہوگا اور نیک چون باید نشنید

بہ شہود پر یہ شبہہ نہ کیا جاوے کہ پھر بدآدمی نیک کی صحبت کیونکر اختیار کرسکتا ہے کیونکہ وہ اِس سے یہ سمجھکر
بھاگے گا کہ مین بد ہوجاؤن گا جواب شبہہ کا یہ ہے کہ مطلوب متاثر نہین ہوتا نیک کو چاہیے کہ بد کا طالب
نہ ہو۔ غرض نصوص ذم انقطاع مطلق نہین یہ تو دلیل شرعی کا جواب ہوا اور عقلاً بھی بدصحبت سے انقطاع
مذموم نہین) اس سبب سے کہ جسکی عقل (دینی) مین پختگی نہ ہو وہ عاقل کے نزدیک مثل سنگ اور کلوخ کے
ہے (عدم عقل نافع مین اور ایک اعتبار سے) مثل حمار کے ہے جسکی آرزو (صرف) معاش ہے (یعنی طلب
شہوات نفسانیہ مین وہ مثل حمار کے ہے کہ کلوخ سے بھی اخس ہے کیونکہ کلوخ مین تو صرف نافع کی کمی ہے ضار سے
تو محفوظ ہے اور طالب شہوات نفسانیہ مین ایک ضار بھی متحقق ہے پس جب یہ شخص مثل سنگ اور حمار کے ہے تو)
اسکی صحبت علین رہبانیت ہے (کیونکہ انقطاع عن الناس کی حالت مین عقلا سے بُعد اور ان ہی جمادات و
حیوانات کا قرب ہوتا تھا تو اِن لوگون سے تعلق رکھنے مین وہ اَب بھی واقع ہوا کہ عقلاء دین سے بُعد اور
امثال حجار و حمار سے قرب ہوا اِس اعتبار سے اَب بھی وہی رہبانیت لازم آئی جس سے بچ کر ان لوگون کی
صحبت اختیار کی تھی پس جب یہ شخص ایسا ہے کہ) اِسکا ہوش علف کیطرف ہے مثل خر کے (اور انکی صحبت مین یہی محذور ہے تو)
تو اُس سے برکنارہ رہ تاکہ تو بے ہنر (یعنی خالی عن الکمال) نہ رہجاوے کیونکہ (ایسا شخص حق تعالیٰ سے من کل الوجوہ بے تعلق
اور مغائر ہے اور) جو حق سے مغائر ہے وہ سب ریزہ ریزہ (اور فانی محض) ہوجاوے گا (بلکہ ایک
معنی کر اَب بھی فانی ہے کیونکہ) جو چیز ایک وقت محدود کے بعد آنیوالی ہے وہ (گویا) ابھی آنیوالی
ہے (فالاٰتی الاول بمعنی الاستقبال والثانی بمعنی الحال اسلیے اُسکو ابھی
فانی سمجھو جب اُس پر فنا طاری ہونے والی ہے تو خود ناقص ہے پس اُسکی صحبت سے تو بھی ناقص رہ جاویگا
بخلاف طالب حق کے کہ وہ مِن کُلِّ الوجوہ مغائر حق بمعنی بے تعلق نہین بلکہ باعتبار طاعت کے اُس کو
حق تعالےٰ سے تعلق ہے اور اِس اعتبار سے اُسکو بقا بھی ہے۔ چنانچہ جسم کا جو کہ طالب شہوات ہے ریزہ ریزہ
ہونا اور روح کا جو کہ طالب حق ہے اِس فنا سے محفوظ ہونا معلوم ہے اور گو غیر طالب حق کی روح
بھی اِس فنا مختص بالجسم سے محفوظ ہے۔ مگر اُسکی بقا بدتر از فنا ہے قال تعالیٰ لَا یَمُوْتُ فِیْھَا
وَلَا یَحْیٰی ولنعم ما قیل فی بقاء اھل الحب ؎ ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق ؛
ثبت ست بر جریدۂ عالم دوام ما ؛ پس اُس سے تعلق رکھنا حق تعالےٰ سے تعلق رکھنا ہے اور سبب ہے
ہنر اور کمال کا آگے بھی یہی مضمون ہے کہ) جو کچھ اُس وجہ (حق) کے سوا ہے وہ سب ہالک ہے (ماخوذ
من قولہ تعالیٰ کُلُّ شَیْءٍ ھَالِکٌ اِلَّا وَجْھَہٗ بعض نے یہ تفسیر کی ہے کہ جس چیز کو وجہ حق
بمعنی مرضاۃ حق سے کما فی قولہ تعالیٰ اِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْاَعْلٰى تعلق نہ ہو وہ ہالک
ہے اور جسکو اُس سے تعلق ہو وہ باقی ہے کقولہ تعالیٰ مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ اور
وجہ اسکی یہ ہے کہ اصل وجود حق تعالیٰ کا ہے اور باقی) تمام ملک اور مالک اُسی ایک ملک (کے وجود)

کا ظل (و تابع) ہے بالمعنی الذی حقق فی محلہ پس جسکو اُس موجود حقیقی سے خاص تعلق ہے اُس اعتبار سے اُسمین بھی من وجہ گو تبعًا سہی بقا کے معنی متحقق ہو جاتے ہین۔ اور جس کو وہ تعلق خاص نہ ہو وہ من کل الوجوہ فانی ہوتا ہے اور بالکل ہی سایہ کی طرح مضمحل اور لاشئے ہوتا ہے اور) اگرچہ سایہ بھی شخص کا عکس ہی ہوتا ہے (اور اس اعتبار سے اُسکو بھی تکوینی تعلق شخص سے ہے جیسا حق تعالیٰ سے اس معنی کر تمام مخلوق کو تعلق ہے لیکن) تو سایہ سے (بالذات) کوئی نفع حاصل نہین کر سکتا اسی طرح بالذات مخلوق نافع نہین بدون تعلق خاص تشریعی خالق کے پس یہ بات ہے کہ سایہ محض تابع ہے اسی طرح سے کہ) کوئی سایہ بلا شخص رواں نہیں توجا اور سایہ کی اصل کو طلب کر اے واقف کار (اور خبردار اُس سایہ سے اُس شخص کو طلب کر اور تفسیر اسکی یہ ہے) کہ مسبب (اسم الفاعل) مین توجہ کر اور سبب سے درگذر (خلاصۂ مقام یہ ہوا کہ) یار جسمانی کا (جسکو مغائر من کل الوجوہ کہا ہے) رُخ فنا کی طرف ہوتا ہے (کما ثبت آنفًا پس) اسکی صحبت شوم ہے ترک کر دینا ضروری ہے اُسکا حکم بھی اُسکے قبلہ کا سا حکم ہوگا) پس اسکا قبلہ یعنی رُخ جب فنا ہے جسکا کوئی طلب نہین ہوتا تو اُسکو بھی قابلِ طلبِ محبت مت سمجھ ورنہ اگر اُس کو طلب کیا تو تو بھی مُردہ سمجھا جائیگا کیونکہ) جو مردہ کا طالب ہو اُسکو بھی مردہ جان (پس جب تو اُس مردہ کا طالب ہوا تو تو بھی مردہ ہو گیا پس) جو شخص اس (مردہ) قوم کا ہم صحبت ہو وہ راہب ہے (کما ذکر آنفا) کیونکہ کلوخ و سنگ اسکا مصاحب ہے (جیسا اوپر تشبیہ کی تقریر گذری۔ بلکہ کلوخ و سنگ سے بھی یہ لوگ بدتر ہین کیونکہ (کلوخ و سنگ کیا کسی کی رہزنی کرتے ہین اور ان کلوخون سے تو لاکھون آفتین پہونچ جاتی ہین۔ کہ دین برباد ہو جاتا ہے جو اصل ہے سب خرابیون کی۔

گفت مرغش پس جہاد آنگہ بود　**کاینچنین رہزن میانِ رہ بود**

مرغ نے صیاد سے کہا کہ جہاد تو اسیوقت ہوتا ہے　جبکہ ایسا رہزن راہ کے درمیان ہو

از برائے حفظِ یاری و نبرد　**بر رہِ ناایمن آید شیرِ مرد**

یاری اور نبرد کی حفاظت کے لیے　خوفناک راستہ پر شیر مرد آتا ہے

عرقِ مردی آنگہے پیدا شود　**کہ مسافر ہمرہِ اعدا بود**

مردانگی کی رگ اُسوقت ظاہر ہوتی ہے　کہ مسافر دشمنون کا شریک راہ ہو

چون نبی السیف بودہ است آن رسول　**اُمت او صفدرانند و فحول**

جب وہ رسول نبی السیف ہین　تو آپکے اُمتی صفدر اور مرد ہین

مصلحت در دین ما جنگ و شکوه ہمارے دین میں تو جنگ و شکوہ مصلحت ہے	**مصلحت در دین عیسیٰ غار و کوہ** اور عیسیٰؑ کے دین میں غار و کوہ مصلحت ہے
مصلحت دادہ است ہر یک را جدا ہر ایک کو جدا مصلحت دی ہے	**مصلحت جو گر توئی مردِ خدا** اگر تو مرد خدا ہے تو مصلحت کا طالب ہو

(صیاد نے اختلاط کے مضر و مذموم ہونے پر اس سے استدلال کیا تھا کہ جن سے اختلاط کیا جاوے اُنمین اہلِ شر زیادہ ہین مرغ کے جواب کا حاصل یہ ہے کہ اہل شر کے وجود مین بھی دینی منافع اور مصالح ہین جو عزلت مین حاصل نہین ہوتے پس وہ بھی مقتضی اختلاط کو ہے اسی کو فرماتے ہین کہ) مرغ نے صیاد سے کہا کہ جہاد تو اسیوقت ہوتا ہے جبکہ ایسا رہزن راہ کے درمیان مین ہو (اور جہاد کا خیر ہونا ظاہر ہے اور وہ موقوف ہے وجود اہل شر پر اور ترک عزلت پر پس وجود اہل شر بھی مقتضی ترک عزلت کو ہوا اسیواسطے) یاری (اہل خیر) اور نبرد (اہل شر) کی حفاظت کےلیے خوفناک راستہ پر شیر مرد آتا ہے (بدون خطرہ مین پڑے ہوئے اسکی حفاظت نہین ہو سکتی اور حفاظت اسکی ضروری ہے الحب فی اللہ والبغض فی اللہ کی فرضیت کا یہی حاصل ہے پس خطرات مین پڑنا ضروری ہے اور عزلت مین یہ ممکن نہین پس ترک عزلت ضروری ہوا اور) مردانگی کی رگ اُسوقت ظاہر ہوتی ہے کہ مسافر دشمنون کا شریک راہ ہو (اور یہ شجاعت فی سبیل اللہ ضروری ہے پس اسکا موقوف علیہ کہ اختلاط مع الاعداء ہے نیز ضروری ہوا (اور) جب وہ رسول (صلے اللہ علیہ وسلم) نبی السیف (کے لقب سے ملقب) ہین تو آپ کے اُمتی صفدر اور مرد ہین یعنی مجاہد ہین اور جہاد عزلت مین نہین ہوتا پس ترک عزلت ضروری ہوا آگے آپ کے نبی السیف ہونیکا قرین حکمت ہونا بیان فرماتے ہین کہ) ہمارے دین مین تو جنگ و شکوہ مصلحت ہے (اسلیے جہاد مشروع ہوا) اور عیسیٰ علیہ السلام کے دین مین غار و کوہ مصلحت ہے (اسلیے اُنکی شریعت مین ترہب مشروع تھا بالتفصیل الذی ذکر فی اول الحکایۃ) ہر ایک (دین والے) کو (اللہ تعالیٰ نے) جدا مصلحت دی ہے اگر تو مرد خدا ہے تو (خدا ے) مصلحت کا طالب ہو (اور مصلحت جنگ کی طلب مجاہد ہونا ہے جو موقوف ہے ترک عزلت پر اور اس جہاد مین یہ سب داخل ہین بالسنان و بالسان جسمین امر بالمعروف والنہی عن المنکر والتحمل لما اصاب منہم من الاذی بھی داخل ہے جو کہ غیر کے ساتھ ہوتا ہے اور بالصبر علی الطاعۃ مع الموانع من شیاطین الانس والجن وعن المعصیۃ مع البواعث من ھؤلاء الشیاطین جو کہ اپنے نفس کے ساتھ غیر کے سبب ہوتا ہے اور ادائے حقوق و خدمتِ خلائق اور یہ سب عزلت مین تحقق نہین ہوتے بعضے تو مطلقاً متحقق نہین ہوتے اور بعضے علیٰ سبیل الکمال نہین ہوتے

گفت آرے گر بود یاری و زور
صیاد نے کہا کہ واقعی اگر اعانت اور قوت ہو

تا بقوت بر زند بر شر و شور
تاکہ قوت کے ساتھ شر و شور پر حملہ کرے

قوتے باید درین رہ مردوار
اس راہ مین مردانہ قوت ضروری ہے

یار می باید درین جا فردوار
اس مقام مین معین ضروری ہے جو یکتا ہو

چون نباشد قوتے پرہیز بہ
جبکہ قوت نہ ہو پرہیز بہتر ہے

در فرار از لایطاق آسان بجہ
مالایطاق سے اُچھل کر فرار مین جا گھُس

صنعت اینست اے عزیز نامدار
ہنر یہی ہے اے عزیز نامدار

فکرتے کن در نگر انجام کار
تفکر سے کام لے اور انجام کار کو دیکھ

یار می جو تا بیابی راہ را
معین کو تلاش کرلے تاکہ راہ کو پا سکے

ورنہ کے دانی تو راہ و چاہ را
ورنہ تو راہ اور چاہ کو کب جانے گا

صیاد نے کہا کہ واقعی اگر (اپنے ہم خیال کی) اعانت اور (اپنے اندر) قوت ہو (تو جیسا تو نے جہاد بالمعنی العام کا قابل تحصیل ہونا بیان کیا ہے جو کہ باعتبار ذات کے بعض اقسام مین یا باعتبار درجۂ کمال کے بعض اقسام مین بالتفصیل المذکور قبیل ہذہ الابیات موقوف ہے اختلاط پر صحیح ہے ضرور حالتِ مذکورہ مین اُسکی تحصیل کا اہتمام کرنا چاہیے) تاکہ قوت کے ساتھ (جو کہ اپنی اور معین کی قوت کا مجموعہ ہے اہل فتنہ کے) شر اور شور پر حملہ کرے (اور غالب آوے غرض یہ کہ) اس راہ (جہاد) مین (ایک تو) مردانہ قوت (اپنے اندر) ضروری ہے (دوسرے) اس مقام (جہاد) مین معین ضروری ہے جو (اعانت مین) یکتا ہو (اور ایسا سامان قوت کا اس زمانہ مین قریب قریب معدوم ہے تو اِس حالت مین) جبکہ (بدرجۂ مذکورہ) قوت نہ ہو (تو اختلاط اہل فتن سے) پرہیز بہتر ہے (پس پرہیز کر اور) مالایطاق سے اوچھل کر آسانی کے ساتھ فرار مین جا گھُس (یعنی اِس صورت مین مقاومت کی طاقت نہین ہوگی تو فرار کی پناہ لینا بہتر ہے جسکا حاصل عُزلت ہے اسمین اشارہ ہے اِس قول مشہور کی طرف الفرار عما لا یطاق من سنن المرسلین پس) ہنر (کی بات) یہی ہے اے عزیز نامدار تفکر سے کام لے اور انجام کار کو دیکھ (پس جب فکر سے انجام کار عدم تحمل فتن نظر آوے تو عُزلت ہی ٹھیک ہے خلاصہ یہ ہے کہ اگر راہ جہاد بالمعنی المذکور پر چلنا

چاہتا ہے تو معین (بالصفۃ المذکورہ) تلاش کرے تاکہ (اس) راہ کو پاسکے ورنہ (اگر ایسا معین نہ ہو تو) تو راہ اور چاہ کو کب جانیگا (چاہ سے مراد فتن یعنی اُنمین پھنس جاویگا جیسے ایک درویش نے احقر کو نصیحت کی تھی کہ دیکھو اسکا خیال رکھنا کہ دوسرون کی جوتون کی حفاظت مین اپنی گٹھری مت اُٹھوا دینا یعنی دوسرونکی اصلاح مین مشغول ہوکر خود کسی مفسدہ مین مت پڑجانا واقعی جب خود ضعیف ہو ایسا ہی ہوتا ہے۔ حاصل تمام تقریر کا اسباب عارضہ کے سبب عزلت کی ترجیح ہوئی)

گفت صدقِ دل بباید کار را
مُرغ نے کہا کہ کام مین صدقِ دل چاہیے
ورنہ یاران کم نیاید یار را
ورنہ یار کو یار کچھ کم نہ ملین

یار شو تا یار بینی بے عدد
تو یار ہو جاتا کہ تو بے شمار یار دیکھے
زانکہ بے یاران بمانی بے مدد
اسلیے کہ بدون یارونکے تو بے مدد رہے گا

دیو گرگ ست و تو ہمچون یوسفی
شیطان بھیڑیا ہے اور تو مثل یوسفؑ کے
دامنِ یعقوبؑ مگذار اے صفی
اے برگزیدہ تو یعقوبؑ کا دامن مت چھوڑنا

گرگ اغلب آن زمان گیرا بود
بھیڑیا اکثر کرکے اُسیوقت پکڑتا ہے
کز رمہ شیشک بخود تنہا رود
کہ گلہ سے بکری خود تنہا چلنے لگے

آنکہ سنت یا جماعت ترک کرد
جس شخص نے سنت اور جماعت ترک کردی
در چنین مسبع ز خونِ خویش خورد
ایسے درندونکے مقام مین کیا اپنا خون نہین کیا

ہست سنت رہ جماعت چون رفیق
سنت تو راستہ ہے اور جماعت مثل رفیق کے ہے
بے رہ و بے یار اُفتی در مضیق
بدون راستہ کے اور بدون رفیق کے تو تنگی مین پڑجاوے گا

راہ سنت با جماعت بہ بود
سنت کا راستہ جماعت کے ساتھ بہتر ہوتا ہے
اسپ با اسپان یقین خوشتر رود
گھوڑا گھوڑون کے ساتھ یقیناً خوب چلتا ہے

لیک ہر گمراہ را ہمرہ مدان
لیکن ہر گمراہ کو ہمراہ مت جان لینا
غافلانِ خفتہ را آگہ مدان
غافلانِ خفتہ کو آگاہ مت جان لینا

ہمرہے را جو کز وے یابی مدد
ایسے ہمراہ کو تلاش کر کہ اُس سے کچھ مدد پاوے
ہمدل و ہمدرد و جویانِ احد
کہ وہ ہمدل اور ہمدرد اور طالبِ حق ہو

ہمرہے نے کو بود خصمِ خرد
ایسا ہمراہ نہ ہو کہ وہ عقل کا دشمن ہو
فرصتے جوید کہ جامۂ تو برد
ایسی فرصت ڈھونڈھتا ہو کہ تیرے کپڑے ہی لیجاوے

میرود با تو کہ یابد عقبۂ
تیرے ساتھ اسلیے چلتا ہو کہ کوئی گھاٹی ملے
کہ تواند کردت آنجا نہبۂ
تو وہاں پر وہ تجکو لوٹ سکے

میرود با تو برائے سودِ خویش
تیرے ساتھ اپنی غرض کے لیے چل رہا ہو
ہین منوش از نوش او کان ہست نیش
تو ایسے شخص کی شیرینی نوش مت کرنا کہ وہ نیش ہے

یا بود اشتر دلے چون دید ترس
یا کم ہمت ہو کہ جب اُسکو کوئی اندیشہ نظر آیا
گویدت بہرِ رجوع از راہِ درس
تو راہ سے واپس ہونیکے لیے تعلیم کرنے لگے

یار را ترسان کند ز اشتر دلی
ہمراہی کو اشتر دلی کے سبب خائف کرنے لگے
اینچنین ہمرہ عدو دان نے ولی
ایسے ہمراہ کو دشمن سمجھو نہ کہ دوست

یار بد مار ست ہین بگریز ازو
یارِ بد مار ہے ہان اُس سے بھاگ
تا نہ ریزد بر تو زہر آن زشت خو
کبھی تیرے اندر وہ زشت خو زہر نہ ڈالدے

یار را از رہ برد آن راہ زن
وہ راہزن یار کو راہ سے ہٹاتا ہے
مرد نبود آنکہ اُفتد زیرِ زن
وہ مرد نہین ہے جو عورت کے نیچے پڑے

راہ جان بازیست در ہر غیشہ
رستہ تو جانبازی ہے زندگی کی ہر حالت مین

آفتے در دفع ہر دل شیشہ
آفت ہے ہر ایک کم ہمت کے دفع کے لیے

راہِ دین ہر گمرہے خود کے رود
دین کا راستہ ہر گمراہ کب چلتا ہے

حازمے باید کہ مردِ رہ بود
بڑا ہی ہوشیار چاہیے جو مرد راہ ہو

راہِ دین زان رو پر از شور و شرست
دین کا راستہ شور و شر سے اِسلیے پُر ہے

کہ نہ راہِ ہر مخنث گوہرست
کہ یہ ہر مخنث الذات کا راستہ نہین ہے

در رہِ این ترس امتحانہاے نفوس
اس راہ مین یہ مخاوف نفوس کے امتحانات ہین

ہمچو پرویزن بہ تمییز سبوس
جیسے چھلنی بھوسی کے تمیز کرنیکے لیے ہوتی ہے

راہ چہ بود پُر نشانِ پاہا
رستہ کیسا ہوتا ہے جو نشانِ اقدام سے پُر ہو

یار چہ بود نردبانِ راۓہا
اور یار کیسا ہوتا ہے جو عقول کا زینہ ہو

گیرم آن گرگت نیابد ز احتیاط
مین فرض کرتا ہون کہ وہ بھیڑیا تجکو احتیاط کی وجہ سے نہ پاسکے گا

بے ز جمعیت نیابی آن نشاط
بدون جمعیت کے وہ نشاط نہ پاوے گا

آنکہ اندر راہ تنہا خوش رود
جو شخص راہ مین تنہا خوب چلتا ہو

با رفیقان سیر او صد تو شود
تو رفیقوں کے ساتھ اُسکی رفتار سو حصے زیادہ ہو جاوے گی

با غلیظی خر ز یاران اے فقیر
اے فقیر باوجود بلید الطبع ہونیکے گدھا ساتھیون کی سبب

در نشاط آید شود قوت پذیر
نشاط مین آجاتا ہے اور قوت پذیر ہو جاتا ہے

ہر خرے کز کاروان تنہا رود
جو گدھا کہ قافلہ سے تنہا چلتا ہے

بر وے آن راہ از تعب صد تو شود
اُسپر وہ راستہ تعب کے سبب سو حصے ہو جاتا ہے

چند زخم چوب و سیخ افزون خورد
بہت سی چوٹین لکڑی اور سیخچہ کی زیادہ کھاتا ہے

تا کہ تنہا آن بیابان را بُرد
جب جاکر اُس بیابان کو قطع کرتا ہے

مر ترا میگوید آن خر خوش شنو
تجکو وہ گدھا کہہ رہا ہے تو اچھی طرح سُن

گر نۂ خر ہمچنین تنہا مرو
کہ اگر تو گدھا نہین ہے تو اسطرح تنہامت چل

آنکہ تنہا خوش رود اندر رصد
جو شخص کمینگاہ مین تنہا خوب چلتا ہو

با رفیقان بیگمان خوشتر رود
وہ رفیقوں کے ساتھ بلاشبہ زیادہ خوب چلے گا

ہر نبیّے اندرین راہِ درست
تمام انبیاؑ نے اس راہِ صواب مین

معجزہ بنمود یاران را بجست
معجزہ دکھلایا اور رفقاء کو چاہا

گر نباشد یاری دیوارہا
اگر دیوارون مین باہم مصاحبت نہ ہو

کے برآید خانہا و انبارہا
تو گھر اور انبار کب حاصل ہون

ہر یکے دیوار اگر باشد جدا
اگر ہر ایک دیوار جدا ہووے

سقف چون باشد معلق بر ہوا
تو چھت ہوا پر کیسے معلق رہے

گر نباشد یاریِ حبر و قلم
اگر نہ ہو اجتماع سیاہی اور قلم کا

کے فتد بر روے کاغذہا رقم
تو سطح کاغذ پر حروف کب واقع ہون

آن حصیرے کہ کسے میگسترد
وہ بوریا جسکو کوئی بچھا لیتا ہے

گر نہ پیوندد بہم بادش برد
اگر باہمدگر متصل نہ ہو تو اُسکو ہوا ہی اُڑا لیجاوے

حق ز ہر جنسے چو زوجین آفرید
جب حق تعالیٰ نے ہر جنس سے زوجین پیدا کیے

پس نتائج شد ز جمعیت پدید
تو اجتماع سے نتائج ظاہر ہوئے

مرغ نے (صیاد کے جواب مین) کہا کہ (یہ تو تو نے مان لیا کہ یارون اور مددگارون کے ہوتے ہوئے اختلاط کو ترجیح ہے عزلت پر پس مین کہتا ہون کہ یارون کا ملنا کچھ دشوار نہین اُنکے دستیابی کا صرف ایک طریق ہے کہ وہ بھی سہل ہے وہ یہ کہ) کام مین صدق دل چاہیے (پس اسمین لوگ باختیار کوتاہی کرتے ہین) ورنہ (اگر اسمین کوتاہی نکرین تو) یار (بننے والے کو یار کچھ کم نہ ملین (یعنی جو کار دین مین دوسرون کا یار بننا چاہے کہ مستلزم ہے اسکو کہ دوسرے اُسکے یار بنین اور یہی مقصود ہے پس یار شدن کنایہ ہے یار یافتن سے یعنی اگر صدق دل اختیار کرے تو پھر معین فی الدین بکثرت ملجاوین اسلیے کہ حسب خبر مخبر صادق لایزال طائفۃ من امتی منصورین علی الحق لایضرھم من خذلھم الحدیث خدام دین قیام ساعت تک دنیا مین موجود رہین گے پس موجود تو اُنکا یقینی البتہ وجدان اُنکا بعض اوقات صعب ہوتا ہے تو اُس وجدان کا طریق یہ ہے کہ خود صدق اختیار کرے اِس سے علم وفہم مین بھی نور ہوتا ہے اور ہمت بھی قوی ہوتی ہے اِسکے بعد قوت وہمت سے اہل صدق وخدام دین کی طلب مین کمی نہ کریگا اور خوش فہمی سے اُنکے ادراک اور معرفت مین غلطی نہ ہوگی پس اسطرح سے اُنکا وجدان بھی سہل ہوجاویگا پس شرط ترجیح اختلاط سہولت سے متحقق ہوجاوے گی پس اختلاط کی ترجیح کا حکم کیا جاویگا وہو المطلوب پس نفی درکلمۂ ورنہ متوجہ بمقدار ست یعنی در صدق کوتاہی میکنند ورنہ یاران الخ ومتوجہ بمذکور نیست والا معنی فاسد میشود کہ برائے کار دین صدق ضروری ست واگر صدق ضروری نباشد یاران بسیار اند واین فاسد ست فافہم اور جب طریقہ یار کے وجدان کا معلوم ہوگیا کہ وہ اختیار کرنا ہے صدق کا تو یہ طریقہ اختیار کر اور) تو یار ہوجا (یعنی صدق اختیار کر جس سے تو خدام دین کا یار ہوسکے) تاکہ تو بیشمار یار دیکھے (بالوجہ الذی ذکر فی شرح الشعر الذی قبلہ) اِس لیے کہ (اگر تو نے یہ طریقہ اختیار نہ کیا تو تو بے یار رہیگا اور) بدون یارون کے (دین کے کام مین) بے مدد رہے گا (اور بے مددی کے سبب بہت آفات وفتن مین مبتلا ہوگا جیسا آگے فرماتے ہین کہ) شیطان (تشبیہًا) بھیڑیا ہے اور تو (اے طالب حق) مثل یوسف علیہ السلام کے ہے تو اے برگزیدہ تو یعقوب علیہ السلام (یعنی رفیق مربی) کا دامن مت چھوڑنا بھیڑیا اکثر کرکے اسیوقت پکڑتا ہے کہ گلے سے (جدا ہوکر) بکری خود تنہا چلنے لگے (اشیشک گوسفند یکسالہ۔ یہ مضمون حدیث کا ہے ان الشیطان کالذئب یاخذ الشاذۃ والفاذۃ او کما قال) جس شخص نے سنت اور جماعت ترک کردی ایسے درندون کے مقام مین کیا اپنا خون نہین کیا (یعنی اپنے کو ہلاک کیا) سنت تو رستہ ہے (اور) جماعت مثل رفیق کے ہے (یعنی سفر وصول منزل کے لیے دو چیزین شرط ہین رستہ اور رفیق تو سنت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی تو راستہ ہے اور اُس سنت کی تبلانے والی جماعت رفیق ہے تو اُنکو ترک مت کرنا کیونکہ) بدون رستہ کے اور بدون رفیق کے تو تنگی مین (یعنی گمراہی مین) پڑجاوے گا سنت کا رستہ جماعت کے ساتھ بہتر ہوتا ہے (چنانچہ) گھوڑا گھوڑون کے ساتھ یقینًا

خوب چلتا ہے (یہ حکم غیر عالم بالشریعۃ کے لیے تو درجۂ وجوب مین ہے اور اس بہتر کا مصداق واجب ہے جسطرح ایمان کو بمقابلہ تثلیث کے اس آیۃ مین خیر کہا گیا ہے ولا تقولوا ثلٰثۃ انتھوا خیرا لکم الاٰیۃ اور عالم بالشریعۃ کے لیے درجۂ اولویت و احسنیت مین ہے اور مصرعۂ ثانیہ کی تشبیہ دونون وجہون پر منطبق ہوسکتی ہے کیونکہ یہ اسپ اگر رستہ نہین جانتا تو دوسرے اسپونکی رفاقت واجب ہے اور اگر جانتا ہے تو بوجہ اسکے کہ چلنے مین زیادہ آسانی ہوگی رفاقت احب ہے۔ خلاصہ یہ ہوا کہ رفقۂ خیر کا ہونا واجب یا مستحب ہے اور اُنکا تیسر موقوف ہے اختیار صدق پر تو وہ ضروری ہوا اور اسکی بعد تیسیر رفقہ لازم ہے کیونکہ صدق شرطبھی ہے تیسیر نفعکی اور علت بھی ہے پس اولٰی مانع اختلاط ہا بلکہ یہ تیسیر خود مرجح اختلاط کا ہے عزلت پر آگے ترجیح اختلاط سے استدراک کرتے ہین کہ لیکن ہر گمراہ کو (یعنی کسی گمراہ کو فالکل افرادی لا مجموعی) ہمراہ مت جان لینا (آگے تمثیل ہے کہ) غما فلان خفتہ کو آگاہ مت جان لینا ایسے ہمراہ کو تلاش کر کہ (راہ دین مین) اُس سے کچھ مدد پاوے کہ وہ ہمدل اور ہمدرد اور طالب حق ہو ایسا ہمراہ نہ ہو کہ وہ عقل کا دشمن ہو (اور) ایسی فرصت ڈھونڈھتا ہو کہ تیرے کپڑے ہی لیجاوے (اور) تیرے ساتھ اس لیے چلتا ہو کہ کوئی گھاٹی ملے تو وہان تجھکو لوٹ سکے تیرے ساتھ اپنی غرض کے لیے چل رہا ہو تو ایسے شخص کی شیرینی نوش مت کرنا کہ وہ (درحقیقت) نیش ہے (یعنی اُسکی ملاطفت اور دوستی سے دھوکا مت کھانا کہ وہ بدخواہی اور مضرت ہے یہ تو وہ دوست ہوا جو قصداً تمکو بد دینی کا راستہ دکھلاتا ہے) یا (ایسا تو نہ ہو کہ قصداً دینی ضرر پہونچاوے ہو تو خود بھی دیندار لیکن کم ہمت ہو کہ (دین کے کام مین ہمت نہ بڑھاوے بلکہ) جب (راہ دین مین) اُسکو کوئی اندیشہ نظر آیا تو راہ سے واپس ہونیکے لیے تعلیم کرنے لگے (اور دوسرے) ہمراہی کو اشتر دلی (یعنی کم ہمتی) کے سبب خائف کرنے لگے (جیسے بعض لوگ ہوتے ہین کہ دور دور کے اوہام سے متاثر ہوتے ہین اور دین کے جس کام مین خطرہ کا احتمال غیر ناشی عن دلیل بھی ہو اُس سے خود بھی برکنار رہتے ہین اور اُن کو بھی یہی رائے دیتے مین ایک صاحب نے مجھکو رائے دی تھی کہ خفیہ پولیس نگرانی کرتی ہے وعظ کہنا چھوڑ دو مین نے کہا کہ جب تک ہم اسلام پر ہین اُسوقت تک نگرانی کیجاوے گی کیا نعوذ باللہ اسلام کو چھوڑ دین تو) ایسے ہمراہ کو (بھی) دشمن سمجھو نہ کہ دوست (گو پہلا شخص التزاماً عدو ہے اور یہ لزوماً ہے غرض) یار بد (خواہ التزامی ہو یا لزومی تنہا و تنا گویا) مار ہے ہان اُس سے بھاگ کبھی تیرے اندر وہ زشت خو زہر نہ ڈالدے (یعنی بد دینی یا ضعف دین کا مادہ پیدا نکردے (الالتزامی للاول واللزومی للثانی اور) وہ راہزن (یعنی یار بد بالمعنیین یار کو راہ (راست) سے ہٹالے گیا وہ مرد نہین ہے جو عورت کے نیچے پڑ جاوے (اسیطرح جو نفس کا مغلوب ہو جاوے کہ بندۂ غضب و شہوت ہونے مین مشابہ زن کے ہے وہ بھی مرد نہین پس وہ قابل رفاقت کے نہین) رستہ (مقصود کا) تو جان بازی ہے ہر حالت زندگی مین (یعنی زندگی کی کوئی حالت ہو سراء یا ضراء ہر حال مین جان بازی کرنا چاہیے اُس رستہ کی یہ خاصیت تو مردونکے لیے کہ

اور دوسری خاصیت کے اعتبار سے وہ راستہ) آفت (جان) ہے ہر کم ہمت کے دفع کے لیے (یعنی کم ہمت کے ہٹانے اور بھگانے کے لیے یہ راہ دین آفت جان کی سی خاصیت رکھتا ہے یعنی جسطرح ہر شخص آفتِ جان سے بھاگتا ہے کم ہمت لوگ دین سے بھاگتے ہین جیسا حدیث مین ہے ان المدینۃ کالکیر تنصع طیبہا وتنفی خبثہا جب اس راہ مین یہ خاصیت ہے تو) دین کا راستہ ہر گمراہ کب چلتا ہے بڑا صاحب حزم چاہیے جو راستہ کا مرد ہو (اور) راہ دین شور و شر سے (یعنی دشواری سے یا شیاطین الجن والانس کے مخالفات و مزاحمات سے) اس لیے پُر ہے کہ یہ ہر مخنث الذات (کے چلنے) کا راستہ نہین (بلکہ مردون کے چلنے کا ہے تو اگر اسمین صعوبات و مزاحمات نہ ہوتین تو امتحان سالکون کا کیسے ہوتا کہ کون مرد ہے کون مخنث اسلیے) اس راہ مین یہ مخاوف نفوس کے امتحانات ہین جیسے چھلنی بھوسی کے متمیز کرنیکے لیے ہوتی ہے (پس ان مخاوف مین مرافقت کے لیے یار صالح چاہیے نہ کہ بد دین یا ضعیف الہمت پس السوی سے بچ کر یار صالح کو ڈھونڈو اور انکی رفاقت مین راستہ طے کرو جس کا اوپر مذکور تھا اور آگے پھر اُسی کی طرف عود ہے یعنی) رستہ کیسا ہوتا ہے جو نشان اقدام سے پُر ہو اور یار کیسا ہوتا ہے جو عقول کا زینہ ہو (مطلب یہ کہ تنہا روی ٹھیک نہین راستہ مین ایسی حالت مین چلو کہ اُسمین بہت سے قدم پڑتے ہون یعنی اُسمین اور لوگ بھی چلتے ہون وہ راستہ بےخطر اور مامون ہوتا ہے اور رفقا ایسے ہونے چاہیین جس سے عقول کو ترقی ہو یعنی وہ معین ہون علوم صحیحہ متعلقہ طریق مین پس ایسے رفقہ سے خطرات دفع ہو جاوینگے جو کہ تنہا چلنے مین محتمل تھے جس کا اوپر بیان تھا دیو گرگ ست الخ اور یہ حکم کہ تنہا روی مضر اور سبب ہے گیرائی گرگ کا غیر عالم بالشریعۃ کے ساتھ خاص تھا آگے عالم بالشریعۃ کے اعتبار سے مضمون ہے کہ تنہا روی اُسکو مضر تو نہین لیکن سلوک مع الجماعت اُسکو بھی انفع ہے چنانچہ فرماتے ہین کہ) مین فرض کرتا ہون کہ وہ بھیڑیا تجھکو بوجہ احتیاط کے (جسپر بوجہ علم دین کے قدرت حاصل ہو گئی ہے) نہ پاسکے گا (اور اسلیے تیرے لیے اجتماع درجۂ وجوب مین نہ ہوگا لیکن تب بھی اتنا ضرور ہے کہ) بدون جمعیت کے وہ نشاط (اور تازگی اعمال دینیہ مین) نہ پاوے گا (جو کہ جمعیت مین تجربہ سے ثابت ہوئی ہے اور نشاط سے عمل آسان ہوتا ہے پس اس شخص کے لیے اگر اجتماع شرط تحصیل عمل نہین مگر شرط تسہیل عمل تو ضرور ہے تو اسکے لیے بھی درجۂ استحباب مین ہوا کما ذکرتہ فی شرح شعر راہ سنت با جماعت بہ بود الخ آگے مثالون سے تائید ہے اس ترتب نشاط کی اجتماع پر یعنی) یعنی جو شخص راہ مین تنہا خوب چلتا ہو تو رفیقونکے ساتھ اُسکی رفتار سو حصے زیادہ ہو جاوے گی (دیکھو) باوجود بلید الطبع ہونیکے گدھا ساتھیون کے سبب نشاط مین آجاتا ہے (اور) قوت پذیر ہو جاتا ہے (اور) جو خر کہ قافلہ سے تنہا (ہوکر) چلتا ہے اُسپر وہ راستہ تعب کے سبب سو حصے ہو جاتا ہے بہت سی چوٹین لکڑی اور سنٹے کی زیادہ کھاتا ہے جب جاکر اُس بیابان کو قطع کرتا ہے تجھکو (بزبانِ حال) وہ گدھا یہ کہہ رہا ہے تو اچھی طرح سُن کہ اگر تو گدھا نہین ہے

(انسان عاقل ہے) تو اسطرح تنہا مت چل (کیونکہ عقل مقتضی ہے کہ جس طریق مین کامیابی زیادہ متوقع ہو اُسکو اختیار کرے اَب پھر رجوع ہے مضمون شعر آنکہ اندر راہ تنہا الخ کی طرف یعنی) جو شخص کمینگاہ (یعنی مطلق راہ) مین تنہا (بھی) خوب چلتا ہو وہ رفیقون کے ساتھ بلاشبہہ زیادہ خوب چلے گا (اور یہ اجتماع یہان تک مطلوب ہے کہ انبیا علیہم السّلام باوجودیکہ سلوک راہ حق مین کسی کے بھی محتاج نہ تھے مگر باوجود اسکے بھی) تمام انبیا علیہم السّلام نے اِس راہ صواب مین معجزہ دکھلایا اور رفقہ کو چاہا (کیونکہ اظہار معجزہ سے مقصود تھا لوگون کو مومن بنانا اور مومن بنانے کی جہان یہ مصلحت تھی کہ اِن لوگون کو آخرت مین نجات ہو وہان یہ بھی مصلحت ہے کہ کثرت مومنین سے دین کو قوت ہو تو اِس مصلحت مین مومنین سے اعانت چاہی چنانچہ حدیث مین دعاے نبوی ہے اللّٰھم اعز الاسلام بعمر بن الخطاب او عمرو بن ھشام اور قرآن مجید مین ارشاد عیسوی ہے من انصاری الی اللّٰہ پس انبیا بھی اِس مصلحت مین مستغنی عن الجماعۃ نہ ہوئے آگے اجتماع کے مفید ہونیکی اور تمثیلات ہین کہ) اگر دیوارون مین باہم مصاحبت (و اجتماع و اتصال) نہ ہو تو گھر اور انبار (غلہ کہ موقوف ہے کوٹھی کے اتصال اجزا پر) کب حاصل ہون اگر ہر ایک دیوار (ایک دوسرے سے) جدا ہو تو سقف ہوا پر کیسے معلق ہے (اسی طرح) اگر سیاہی اور قلم کا اجتماع نہ ہو (یعنی قلم مین روشنائی نہ لگے) تو سطح کاغذ پر حروف کب واقع ہون (اسی طرح) یہ بوریا جسکو کوئی بچھالیتا ہے اگر یہ باہمدگر متصل نہ ہو تو اُسکو ہوا ہی (اوڑالیجاوے) (اسیطرح) حق تعالی نے ہر جنس سے جب زوجین پیدا کیے تو (اس) اجتماع سے نتائج ظاہر ہوئے (مناسب مقام آیت ومن کل شیء خلقنا زوجین کی یہ توجیہ ہے کہ جتنے آثار حادث ہوتے ہین وہ عادۃً موقوف دو چیز پر ہین ایک فاعل ایک منفعل انکے اجتماع سے افعال مختلفہ ظاہر ہوتے ہین پس اس سے بھی اجتماع کا مفید و مثمر ہونا ظاہر ہوا اور یہ توجیہ آیت کی تفسیر کے عموم مین داخل ہے کیونکہ تفسیر آیۃ کی کما فی بیان القرآن یہ ہے کہ ہمنے ہر چیز کو دو دو قسم کا بنایا اور اس قسم سے مراد مقابل ہے سو ظاہر ہے کہ ہر شئے مین کوئی نہ کوئی صفت ذاتیہ یا عرضیہ ایسی معتبر ہوتی ہے جس سے دوسری چیز جسمین اُس صفت کی نقیض یا ضد ملحوظ ہو اُسکی مقابل شمار کیجاتی ہے جیسے آسمان و زمین جوہر و عرض گرمی سردی شیرین و تلخ چھوٹی بڑی خوشنما بدنما سفیدی و سیاہی روشنی و تاریکی اھ اور ظاہر ہے کہ فاعل و منفعل بھی اسی طرح متقابل ہین پس یہ بھی زوجین کے عموم مین داخل ہوگئے اسلیے مین نے کہا تھا کہ یہ توجیہ آیت کی تفسیر کے عموم مین داخل ہے **ف** فیصلہ اس مسئلہ کا شروع حکایت مین لکھدیا گیا ہے جس سے معلوم ہوگا کہ یہ سب نزاع لفظی ہے اور جاننا چاہیے کہ جسکے لیے عزلت کو ترجیح ہے جماعت و جمعہ و حقوق واجبہ کے اوقات اُس سے مستثنے ہین اور جس کے لیے اختلاط کو ترجیح ہے خاص خاص مشاغل کے اوقات جو کہ خلوت ہی مین انجام پاتے ہین اُس سے مستثنے ہین

درمیانِ مرغ و صیّاد اے عجب
مرغ اور صیاد کے درمیان عجیب عجیب

بس شکال افتاد شد نزدیک شب
بہت سے اشکالات واقع ہوئے اور رات نزدیک ہوگئی

این بگفت و آن بگفت از اہتزاز
کچھ اسنے کہا کچھ اسنے کہا شوق سے

بحث شان شد اندرین معنی دراز
اور انکا مباحثہ اس مضمون مین طویل ہوگیا

مثنوی را چابک و دلخواہ کن
مثنوی کو چلتی ہوئی اور حسب مرضی کرد

ماجرا را موجز و کوتاہ کن
ماجرا کو مختصر اور کوتاہ کرد

مرغ را چون دیدہ بر گندم فتاد
مرغ کی نگاہ جب گندم پر پڑی

نفس او بے طاقت آمد در گشاد
تو اسکا نفس خوشی کے مارے بے طاقت ہوگیا

بعد از آن گفتش کہ گندم زآن کیست
اسکے بعد مرغ نے صیاد سے کہا کہ گیہون کسکی ملک ہے

گفت امانت از یتیم بے وصی ست
اسنے کہا کہ ایک ایسے یتیم کی امانت ہے جسکا کوئی وصی نہین

مال ایتام ست امانت پیشِ من
یتیمون کا مال میرے پاس امانت ہے

زانکہ پندارند مارا مؤتمن
اسلیے کہ لوگ ہم کو امین سمجھتے ہین

گفت من مضطرم و مجروح حال
مرغ نے کہا مین مضطر اور خستہ حال ہون

ہست مردار این زمان بر من حلال
اسوقت حرام بھی مجھپر حلال ہے

ہست دستوری کزین گندم خورم
مجھے اجازت ہے کہ اس گیہون سے کھا لون

اے امین و پارسا و محترم
اے امین اور پارسا اور محترم

گفت مفتیِ ضرورت ہم توئی
صیاد نے کہا کہ مفتیِ ضرورت تو ہی ہے

بے ضرورت گر خوری مجرم شوی
اگر تو بغیر ضرورت کے کھائے گا مجرم ہوگا

درضرورت هست هم پرهیز به
اور اگر ضرورت ہے تب بھی پرہیز بہتر ہے
ورخوری بارے ضمان او بده
اور اگر کھالے تو ضمان بھی ادا کر

مرغ بس درخود فرورفت آنزمان
مرغ اُسوقت بہت سوچ مین پڑا
توسنش سر بستد از جذب عنان
اُسکے اسپ سرکش نے لگام کھینچنے سے سر نکال لیا

پس بخورد آن گندم و در فخ بماند
پس وہ گندم کھا ہی لیا اور جال مین پھنس گیا
چند او یاسین والانعام خواند
بہت دیر تک سورۂ یٰسین اور سورۂ انعام پڑھتا رہا

بعد درماندن چه افسوس و چه آه
پھنس جانیکے بعد کیا افسوس اور کیا آه
پیش ازین بایست این دود سیاه
اس سے پہلے یہ دود سیاه ضروری تھا

آنزمان که حرص جنبید و هوس
جسوقت کہ حرص اور ہوس نے حرکت کی
دمبدم میگو که اے فریاد رس
بار بار کہا کر کہ اے فریاد رس

پیش از ان کاین دانه بر تو فخ شود
اس سے پہلے کہ یہ دانہ تجھپر جال ہوجاوے
گرمیِ حرص تو همچون یخ شود
اور تیری حرص کی گرمی یخ کے مانند ہوجاوے

آه و دود و ناله آندم کاربند
آه اور دھوان اور نالہ اُسوقت عمل مین لا
حرص را آواره کن اے هوشمند
حرص کو ضائع کردے اے ہوشمند

کان زمان پیش از خرابی بصره است
کیونکہ وہ وقت خرابی بصرہ سے پہلے کا ہے
بو که بصره وا رهد هم زان شکست
شاید کہ بصرہ بھی شکستہ ہونے سے چھوٹ جاوے

ابکی لی یاباکئی یاثاکلی
میرے لیے گریہ کر اے میرے رونیوالے اور گریہ کرنیوالے
قبل هدم البصرة والموصل
قبل شکستہ ہونے بصرہ اور موصل کے

نُح علیّ قبل موتی واغتفر — **لا تنح بی بعد موتی واصطبر**

نوحہ کر مجھپر قبل میری موت کے اور معاف کر — میرے مرنیکے بعد میرے لیے نوحہ مت کرنا اور صبر کرنا

ابك لی قبل ثبوری فی التوی — **بعد طوفان التوی خلِّ البکا**

میرے لیے گریہ کر قبل میرے ہلاک ہونیکے مصیبت مین — بعد ہجوم مصیبت کے گریہ کو ترک کر دے

آنزمان کہ دیو می شد راہزن — **آن زمان بایست یاسین خواندن**

جسوقت کہ شیطان راہزن ہو رہا تھا — اُسوقت یٰسین پڑھنا چاہیے تھا

پیش ازان کاشکستہ گردد کاروان — **آنزمان چوبک بزن اے پاسبان**

قبل اِسکے کہ قافلہ غارت ہو — اُسوقت ڈنکا بجانا چاہیے تھا اے پاسبان

ہاے ہوے کردن پاسبان بعد از بُردن دزد اسباب کاروان را

ہاے ہوے کرنا پاسبان کا بعد لیجانے چورون کے قافلے کے اسباب کو

پاسبانے بود در یک کاروان — **حارس مال و قماش آن جہان**

ایک پاسبان تھا ایک قافلہ مین — نگہبان اُن سردارون کے مال و متاع کا

پاسبان شب خفت و دزد اسباب برد — **رختہا را زیر ہر خاکے فشرد**

پاسبان ایکرات سوگیا اور چور اسباب لے گئے — اور سب سامان مٹی کے نیچے دبا دیا

روز شد بیدار گشت آن کاروان — **رفتہ دیدند اسپ و سیم و اُشتران**

دن جو ہوا تو قافلہ بیدار ہوا — سب گیا ہوا دیکھا گھوڑے اور چاندی اور اُونٹونکو

پاسبان در ہے ہے و چوبک زدن — **گرم گشتہ خود ہم او بُد راہزن**

پاسبان ہاے ہاے کرنے اور چوب لگانے مین — سرگرم ہوا حالانکہ واقعی وہی راہزن تھا

پس بدو گفتند کای حارس بگو
پس اُس سے قافلہ والون نے کہا کہ اے چوکیدار کہہ

گفت دزدان آمدند اندر نقاب
کہنے لگا چور آئے ناکون مین سے

قوم گفتندش کہ اے چون تلّ ریگ
لوگون نے اُس سے کہا کہ اے تودۂ ریگ

گفت من یک کس بدم ایشان گروہ
پاسبان نے کہا مین ایک تھا اور وہ بہت سے

گفت اگر در جنگ کم بودت امید
پاسبان سے کہا کہ اگر تجکو جنگ مین کم امید تھی

گفت آمدم کارد بنمودند و تیغ
پاسبان کہنے لگا کہ اُسوقت مجکو چھری اور تلوار دکھلائی

آنزمان از ترس من بستم دہان
اُسوقت خوف سے مین نے مُنہ بند کر لیا

آنزمان بستہ دمم کہ دم زنم
اُسوقت تو میرا دم بند ہو گیا اس سے کہ دم مارون

چونکہ عمرت بُرد دیوِ فاضحہ
جبکہ رسوا کرنیوالا شیطان تیری عمر برباد کر چکا

تا چہ شد این رخت این اسباب کو
تو یہ رخت و اسباب آخر کہان گیا

رختہا بردند از پیشم شتاب
اور اسباب میرے سامنے سے جلدی جلدی لے گئے

پس چہ میکردی چہ تو مردہ ریگ
پھر تو کیا کر رہا تھا تو کس کام کا ہے اے فرومایہ

با سلاح و با شجاعت با شکوہ
پھر وہ ہتھیار بند اور شجاع اور صاحب شکوہ تھے

نعرہ بایستے زدن کہ برجہید
تو تجکو ایک چیخ ماردینی چاہیے تھی کہ لوگو جلدی اُٹھو

کہ خمش ورنہ کشیمت بے دریغ
کہ خاموش ورنہ ہم بے تامّل تجکو مار ڈالین گے

این زمان فریاد و ہیہاے و فغان
اور اسوقت فریاد اور ہاے ہاے اور فغان کر رہا ہون

این زمان چندانکہ خواہی میکنم
اسوقت جتنا کہ چاہو کیے لیتا ہون

بے نمک باشد اعوذ و فاتحہ
تو پھر اعوذ اور فاتحہ سب بے لطف ہے

گرچہ باشد بے نمک اکنون چنین

اگرچہ اسوقت نالہ بے لطف ہے

ہست غفلت بے نمک تر زان یقین

غفلت اس سے بھی زیادہ یقیناً بے لطف ہے

ہمچنان ہم بے نمک می نال نیز

اسطرح بے نمک بھی نالہ کرتا رہ

کہ ذلیلان را نظر کن اے عزیز

کہ اے عزیز آپ ذلیلوں پر نظر فرمائیے

قادری بے گاہ چہ بود یا بگاہ

آپ قادر ہیں بیوقت کیا اور باوقت کیا

از تو چیزے فوت کے شد اے آلہ

آپکے قبضہ سے کوئی چیز کب نکلتی ہے اے آلہ

گفت لا تاسوا علی ما فاتکم

حق تعالیٰ نے فرمایا ہے لا تاسوا علےٰ ما فاتکم

کے شود از قدرتش مطلوب گم

پس اُسکی قدرت سے کوئی مطلوب کب گم ہو سکتا ہے

[illegible]

درمیان مرغ اور صیاد کے عجیب عجیب بہت سے اشکالات (یعنی سوالات مع جوابات) واقع ہوے اور شب نزدیک ہو گئی کچھ اِسنے کہا کچھ اُسنے کہا شوق سے اور اُنکا مباحثہ اِس مضمون مین طویل ہو گیا (آگے اپنے نفس کو خطاب کرتے ہین کہ) مثنوی کو چلتی ہوئی اور (سامعین کی) حسب مرضی کرو (یعنی اِس) ماجرا کو مختصر اور کوتاہ کرو (ورنہ پوری بحث ذکر کرنیسے مثنوی جلدی جلدی نہ چلے گی پھر جلدی ختم نہوگی قدر دراز ہو جاویگی جو مذاق سامعین کے خلاف ہے اَبْ یہ شبہہ نہ رہا کہ اگر بحث کو طویل کرتے تو وہ بھی تو مثنوی ہی ہوتی پھر اسکے کیا معنی کہ مثنوی را چابک کن اَبْ جواب معلوم ہو گیا کہ چابک کن سے مقصود جلدی چلا کر منتہا اور اختتام کو پہونچانا ہے سو تطویل مین یہ نہ ہوتا پس بحث کو مختصر کر کے قصہ پورا کرتے ہین کہ) مرغ کی نگاہ جو گندم پر واقع ہوئی تو اُسکا نفس مارے خوشی (اور حرص) کے بے طاقت ہو گیا (اور) اِسکے بعد اُس (صیاد) سے کہا کہ گندم کسکی ملک ہے اُس (صیاد) نے کہا کہ ایک یتیم کی امانت ہے جسکا کوئی وصی نہین (یعنی اُسکا باپ اُسکے باب مین کسی کو وصیت کر کے نہین مرا اِس لیے سب نے مگر میرے پاس امانت رکھا دیا ہے سو یہ) یتیمون کا مال میرے پاس امانت ہے کیونکہ لوگ ہمکو اَمِین سمجھتے ہین مُرغ نے (غلبۂ حرص سے تاویلین شروع کین اور) کہا کہ مین بھوک سے مضطر اور خستہ حال ہون (اِسلیے) اسوقت حرام بھی مجھپر حلال ہے (چنانچہ مسئلۂ فقہیہ اسی طرح ہے) تو (تیری) اجازت ہو کہ اِس گندم سے کھالون اے امین اور پارسا اور محترم صیاد نے کہا کہ مفتی اضطرار تو ہی ہے (یعنی یہ مسئلہ صحیح ہے کہ اضطرار مین درست ہے لیکن یہ امر کہ آیا اضطرار بھی ہے یا نہین اسکو مین کیسے سمجھ سکتا ہون کہ اجازت دیدون یہ امر تیرے ہی سمجھنے کا ہے دیکھ لے اگر ضرورت اس درجہ کی ہے حلال ہے اور) اگر بلا اضطرار کھا ویگا مجرم ہوگا

اور اگر اضطرار بھی ہو تب بھی پرہیز ہی بہتر ہے (یہ فقہاء کے ایک قول پر منطبق ہوتا ہے کہ حالت مخمصہ مین میتہ سے پرہیز جائز نہین ہے۔ اگر پرہیز کیا اور مرگیا گنہگار مریگا لیکن مال غیر سے پرہیز افضل ہے اگر پرہیز کیا اور مرگیا ماجور مریگا البتہ اگر وہ غیر بقیمت دیتا ہو اور یہ مضطر بقیمت نہ لے اور مرجاوے تو گنہگار مریگا کذا نقلہ الشامی عن الفقیہ ابی اسحاق الحافظ فی کتاب الاکراہ) اور اگر اس افضل پر عمل نہ کرسکے اور) کھالے تو ضمان بھی ادا کرے (چنانچہ یہ مسئلہ مجمع علیہا ہے کہ مال غیر مخمصہ مین کھانے سے ضمان واجب ہوگا کذا فی الدر المختار کتاب الحظر والاباحۃ) مرغ بہت سوچ مین پڑا اسوقت (در خود رفتن فکر کردن) اُسکے (نفس کے) اسپ سرکش نے لگام کھینچنے سے نکال لیا (یعنی قابو مین نہ آیا اور لگام کی اطاعت نہ کی ستدن گرفتن و ازین مصدر سوائے یک صیغۂ ماضی کہ ستد باشد دیگر افعال مشتق نشدہ است کذا فی الغیاث حاصل معنی سرباز کشید و در غلبہ آمد) پس وہ گندم کھا ہی لیا اور جال مین پھنس گیا (اور اسوقت) بہت دیر تک سورۂ یٰسین اور سورۂ انعام پڑھتا رہا مگر) بعد پھنس جانیکے کیا افسوس اور کیا آہ اس (پھنسنے) سے پہلے یہ دود سیاہ (ندامت اور افسوس کا) ضروری تھا اور اب جبکہ بلائے ہبلے درمان مین پھنس گیا اب تنبیہ یا تاسف سے کیا ہوتا ہے (اسمین اشارہ ہے ایک مسئلہ کی طرف اور وہ یہ ہے کہ جب عالم غیب منکشف ہوجاوے اور عذاب کا معائنہ ہوجاوے اسوقت توبہ نافع نہین کما قال تعالیٰ ولیست التوبۃ للذین یعملون السیئات حتیٰ اذا حضر احدھم الموت قال انی تبت الآن ولا الذین یموتون وھم کفار الآیۃ کفار کے عطف سے معلوم ہوا کہ الذین یعملون السیئات سے مراد عصاۃ مؤمنین ہین اور حضور موت کا مطلب یہ ہے کہ اُس دوسرے عالم کی چیزین نظر آنے لگین اسی حالت کو حالت یاس بباء موحدہ کہتے ہین اسمین کافر کا ایمان تو بالاجماع مقبول نہین کما قال تعالیٰ فلم یک ینفعھم ایمانھم لما راوا باسنا اور عاصی کی توبہ بھی محققین کے نزدیک مقبول نہین اور ظاہر قرآن یعنی آیۃ ولیست التوبۃ الخ سے یہی مفہوم ہوتا ہے کذا فی الکبیر اور بعضے دوسرے اقوال ہین وہ آیت کی توجیہ اور طور پر کرلین گے اور ایک حالت یاس بیاء تحتانیہ ہے وہ یہ کہ زندگی سے ناامیدی ہوجاوے لیکن ابتک اُس عالم کے احوال واہوال نظر نہین آئے اسمین کافر کا ایمان اور عاصی کی توبہ دونون مقبول ہین ھذا کلہ من تفسیر الحسن بیان القرآن پس حالت یاس بباء موحدہ مشابہ حالت مرغ کے جال مین پھنس جانیکے ہے وجہ مشابہت یہ ہے کہ وحشی کے لیے قید مین پڑجانا عذاب شدید ہے جسکا تدارک اُسکے قبضہ سے باہر ہے اور یہی حالت عذاب آخرت کی انسان کے لیے ہے کہ شدید ہے اور تدارک اُسکے قبضہ سے باہر ہے پس مرغ کا معائنہ کرلینا اس عذاب کو ایسا ہی ہے جیسا انسان معائنہ کرلے عذاب آخرت کو پس مرغ کے لیے اس حالت مین یٰسین وانعام پڑھنے کو اور افسوس و آہ کرنے کو غیر نافع کہنا اسطرف اشارہ ہوگیا کہ اسی طرح جب انسان

عذاب آخرت کو معائنہ کرلیتا ہے اور یہ معائنہ قبیل موت شروع ہوجاتا ہے پس اُسوقت تنبہ اور ندامت غیر نافع ہے اس تنبہ اور ندامت کا وقت حضور موت بالمعنی المذکور فی تفسیر الآیۃ سے پہلے تھا آگے یہی مضمون ہے کہ) جس وقت (معصیت کی) حرص و ہوس نے حرکت کی تھی اُسوقت بار بار (یعنی بالحاح کہ شرط ہے توبہ کی) کہا کر کہ اے فریاد رس مجھ پر رحم فرما پس بقرینۂ مقام جواب ندا کا محذوف دیا یا فریاد رس جواب ندا ہے اور منادی محذوف ہے یعنی اے خدا الفریاد من رس اور جملہ فریاد رس بھی ہم معنی ترحم کن کا ہوگا اور ظاہراً آنزمان کہ حرص جنبید الخ وامثالہ فی الابیات الآتیہ سے شبہ پڑتا ہے کہ مراد اُسوقت سے حرکت الی المعصیۃ کا وقت ہے پس اس سے لازم آتا ہے کہ فریاد اور توبہ کا وقت صدور معصیت کے قبل ہوتا ہے جبکہ اُسکا تقاضا ہوتا تھا اور بعد صدور معصیت کے پھر تدارک نہیں ہوتا حالانکہ ایسا نہیں ہے تو جواب یہ سمجھنا چاہیے کہ مراد اس وقت سے تمام عمر ہے قبل حضور الموت باقی اسکی تعبیر اس عنوان سے کہ آنزمان کہ حرص جنبید اس لیے ہے کہ مشاہدہ سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی نہ کسی معصیت کی حرکت عمر بھر باقی رہتی ہے پس تمام اجزاء عمر پر یہ عنوان صادق آگیا پس مطلب شعر کا یہ ہوا کہ قبل حضور موت فریاد اور تدارک کرلے جسکی ایک صورت اعلیٰ درجہ کی یہ ہے کہ اُس تقاضے پر عمل ہی نہ کرے اور صدور معصیت سے بچے دوسری صورت بعد صدور کے یہ ہے کہ توبہ کرلے اور اے فریاد رس ترحم کن دونوں صورتوں میں ضروری ہے اول صورت مین دعاے حفظ عن المعصیۃ کے لیے اور اسمین اشارہ ہو جاویگا کہ اپنی قوت پر اعتماد نہ کرے بلکہ ہمت کے ساتھ توکل سے اعتصام کرے اور دوسری صورت مین طلب مغفرت کے لیے اور اُسکا خاص ہونا فریاد رس کے ساتھ ظاہر ہی ہے غرض قبل حضور موت جسطرح ہو تدارک کرلے آگے اسی حضور موت کی حالت کو تشبیہ سے بتلاتے ہین کہ) قبل اسکے کہ یہ دانہ تجھ پر جال (کا سبب) ہو جاوے (یعنی معصیت سبب عذاب بن جاوے) اور اُسوقت تیری حرص کی گرمی مثل یخ کے (افسردہ) ہو جاوے (چنانچہ قاعدہ ہے کہ سزا کے معائنہ کے وقت جرم کا شوق غائب ہو جاتا ہے اِس تمام شعر کا حاصل بعینہ مضمون قبل حضور الموت ہے آگے پھر یہی مضمون ہے کہ) آہ اور (آہ کا) دھوان اور نالہ اُسوقت (یعنی آنزمان کہ حرص جنبید الخ جس سے مراد قبل حضور الموت ہے) عمل میں لا (اور) حرص (معصیت) کو زائل کر اے ہوشمند (اس زائل کرنے مین دونون صورتین آگئین تقاضے کی مخالفت کرنا اور صدور کی نوبت نہ آنے دینا اور اس کو ازالۂ حرص کہنا ظاہر ہے اور دوسری صورت بعد صدور کے استغفار کرنا اسکو ازالۂ حرص کہنا دو اعتبار سے ہوسکتا ہے یا تو اس اعتبار سے کہ اثر حرص یعنی معصیت کا ازالہ ہے اسکو مجازاً ازالۂ حرص کہدیا اور یا اس اعتبار سے کہ توبہ سے آیندہ کے لیے حرص بھی مغلوب کالزائل المعدوم ہوجاتی ہے خلاصہ یہ کہ قبل حضور الموت جسطرح بن پڑے تدارک کرلے) کیونکہ وہ وقت خرابی بصرہ سے پہلے کا ہے شاید کہ بصرہ بھی شکستہ (و ویران) ہونے سے چھوٹ جاوے (فی الحاشیہ این بیت اشارہ بمثلے مشہور ست کہ خلیفۂ بغداد را خبر کردند کہ دشمن

بر شہر بصرہ یورش کردہ است تدارکش بکن خلیفہ ملتفت نہ شد بعد از خرابی بصرہ خلیفہ لشکر بسیار فرستاد اہل بصرہ بگفتند کہ بعد از خرابی بصرہ لشکر فرستادن چہ سود پس این مثل در کارے کہ بعد از وقت کردہ شود شائع شد مطلب یہ کہ بعد حضور موت کے تدارک ایسا ہے جیسا اِس قصہ مین خرابی بصرہ کے بعد تدارک کرنا چاہا تھا اگر قبل حضور موت کے تدارک کرو تو حسب وعدہ حق تعالیٰ وھو الذی یقبل التوبۃ عن عبادہ امید ہے کہ تمھاری عمارت روحانیہ اخرویہ بھی جو کہ وابستہ ہے اصلاح اعمال کے ساتھ منہدم و ویران ہونیسے محفوظ رہے اور شاید بمعنی امید کہنا باوجودیکہ وعدہ حق یقیناً صادق ہے اس لیے ہے کہ خود یہ امر تو مظنون ہی ہے کہ جیسی توبہ کے قبول کا یقینی وعدہ ہے یہ ہماری توبہ بھی ویسی ہی ہے آگے اس نافعیت تدارک قبل حضور الموت و عدم نافعیت تدارک بعد حضور الموت کو ایک شاعرانہ پیرایہ مین بیان فرماتے ہین کہ اُس پیرایہ سے قلب مین رقت پیدا ہو کر تدارک نافع کی طرف توجہ ہو جاوے اور معنی ظاہری مراد نہین کہ سچ مچ مجھپر فلان وقت رونا فلان وقت مت رونا۔ پس فرماتے ہین کہ) میرے لیے گریہ کر اے میرے گریہ کرنیوالے اے میرے زاری کرنے والے قبل شکستہ ہونے بصرہ اور موصل کے (اور) نوحہ کر مجھپر قبل میری موت کے اور (اِس درخواست مین مجھکو) معاف کر (معافی اِس لیے مانگی کہ رونے مین آخر ایک گونہ کلفت تو ہوتی ہی ہے تو کلفت دینا مقتضی طلب عفو کو ہے غرض قبل موت تو نوحہ کر اور) میرے مرنیکے بعد میرے لیے نوحہ مت کرنا اور صبر کرنا (اور) میرے لیے گریہ کر قبل میرے ہلاک ہونیکے مصیبت مین (اور) بعد ہجوم مصیبت کے گریہ ترک کردے (مطلب یہ کہ قبل معائنۂ عذاب موقع بکا کا ہے اور بعد مین عبث ہے پس اس جملہ خبریہ کو بصورت انشائیہ ندائیہ ذکر کیا لحکمۃ ترقیق القلب کما ذکر آگے پھر عود ہے مضمون اشعار سابقہ بعد درماندن الخ کی طرف یعنی) جسوقت شیطان راہزن ہو رہا تھا (اور گناہ کرا رہا تھا مراد عمر حیات دنیویہ ہے کہ وہی محل ہے وقوع معاصی و اغواء شیطان کا) اُسوقت لیسین پڑھنا چاہیے تھا (کنایہ تدارک سے اور یہ تعبیر خاص بوجہ مصرعہ بالا کے ہے چند او لیسین والانعام خواند آگے ایک قصہ کی طرف اشارہ کرکے اس مضمون کو بطور مثال کے فرماتے ہین کہ) قبل اسکے کہ قافلہ غارت ہو اُسوقت (جبکہ ڈاکو آئے تھے) ڈنکا بجانا چاہیے تھا اے پاسبان (اور جب وہ لوٹ لے گئے اب نقارہ بجانا بے موقع ہے جس سے تدارک نہین ہو سکتا آگے وہ قصہ ہے کہ) ایک پاسبان تھا ایک قافلہ مین نگہبان اُن سردارون کے مال و متاع کا تھا پاسبان ایک شب مین سو گیا اور چور اسباب لے گیا اور سب سامان مٹی کے نیچے دبا دیا (جیسے چورونکی عادت ہوتی ہے) دن جو ہوا تو قافلہ بیدار ہوا اسب گیا ہوا دیکھا گھوڑے بھی چاندی بھی اور اونٹ بھی (اُسوقت) پاسبان ہائے ہائے کرنے مین اور (نقارہ پر) چوب لگانے مین سرگرم ہوا حالانکہ (واقع مین) وہی راہزن تھا (کہ سو گیا تھا) اُس سے (قافلہ کے) لوگون نے کہا کہ اے چوکیدار کہہ تو یہ رخت و اسباب آخر کہان گیا کہنے لگا چور آئے ناگہان میں سے اور اسباب میرے سامنے سے جلدی جلدی لے گئے لوگون نے

اُس سے کہا کہ اے تودۂ ریگ (کاہلی اور جمود مین تشبیہ دی) پھر تو کیا کر رہا تھا تو کس کام کا ہے اے فرومایہ (کذا فی الغیاث وھو احد معانیہ) کہنے لگا مین ایک تھا اور وہ گردہ کا گروہ تھا پھر وہ باسلاح وباشجاعت وباشکوہ تھے قافلہ نے (یا اُنمین سے کسی ایک نے) کہا کہ اگر تجھکو جنگ (مقابلہ) مین (غالب آنیکی) کم امید تھی تو تجھکو ایک چیخ ماردینا چاہیے تھا کہ لوگو جلدی اُٹھو کہنے لگا کہ (مین نے ایسا ارادہ تو کیا تھا مگر) اُسوقت اُنھون نے مجھکو چھری اور تلوار دکھائی کہ خاموش ورنہ ہم بے تامل تجھکو مار ڈالین گے (بس) اُسوقت خوف سے مین نے مُنھ بند کرلیا (اور) اسوقت (البتہ) فریاد اور ہائے ہائے اور فغان کر رہا ہون (کہ کوئی امر مانع نہین) اُسوقت تو میرا دم بند ہوگیا اس سے کہ (ذرہ) دم مارون (اور) اسوقت جتنا چاہو (یہ سب کام) کیے لیتا ہون (پس جسطرح اس حکایت مین یہ نالۂ بے ہنگام بے سود تھا اسی طرح تمھاری توبہ بے ہنگام خالی از نفع ہے چنانچہ آگے یہی فرماتے ہین کہ) جب تیری عمر شیطان رسوا کنندہ برباد کرچکا (اور موت سر پر آپہونچی اُسوقت) اعوذا ور فاتحہ سب بے نمک (وبے لطف) ہے (کیونکہ اُسکا اصلی فائدہ مقبولیت ہے اور الشیء اذا خلا عن فائدتہ انتفی پس وہ توبہ کالعدم ہوئی اور بے لطف ہونا ایسی غیر معتد بہ توبہ کا ظاہر ہے اور فاضحہ مین تائے تانیث کی چند توجیہ ہوسکتی ہین یا تو یہ تائے مبالغہ ہے کما فی العلامۃ یا یہ مصدر ہے کالخائنۃ اور یہ اضافت ایسی ہی جیسے قدم صدق مین یعنی یہ مضاف ومضاف الیہ معنیً موصوف وصفت ہین یعنی الشیطان الفاضح اور یا شیطان معنی جنسی کے اعتبار سے بمعنی شیاطین ہے پس تانیث صفت کی ظاہر ہے اور برد مین اسناد مجازی الی السبب ہے اور اعوذ وفاتحہ کنایہ ہے توبہ سے کیونکہ مضمون توبہ مستلزم ہوتا ہے ذم شیطان ومدح رحمان کو ذم اس لیے کہ معصیت سے نفرت ظاہر کرتا ہے تو اُسکے سبب کی مذمت اُس سے ظاہر ہوگی اور مدح اس لیے کہ حق تعالی سے رحمت ومغفرت مانگتا ہے تو اُسکا وصف کرنا رحمت ومغفرت کے ساتھ اس سے مفہوم ہوگا غرض حضور موت کے وقت توبہ غیر نافع ہے آگے استدراک ہے کہ گو اُسوقت توبہ قانون سے غیر نافع ہے لیکن اُسوقت بھی ذکر سے اُسکا کرنا بہر بہتر ہے چنانچہ اسی کو فرماتے ہین کہ) اگرچہ اسوقت (یعنی حضور موت کے وقت) نالہ (وتوبہ) بے لطف ہے (جیسا بیان ہوا لیکن) غفلت (اور ترک توبہ) اُس سے بھی زیادہ یقیناً بے لطف ہے (دو وجہ سے ایک تو دلیل ہے سرکشی کی اور نیازمندی ہر حال مین احسن ہے سرکشی سے گو نافع بھی نہ ہوتی دوسرے اس لیے کہ کبھی نافع بھی ہوجاتی ہے اور آیت موصوفہ لیست التوبۃ کے منافی نہین کیونکہ اس آیت مین جو بحق عاصی غیر کافر فرمایا ہے کہ توبہ وقت حضور موت کے مقبول نہین معنی اسکے یہ ہین کہ مقبول فرمانے کا وعدہ نہین اور وعدۂ مغفرت اُسپر مرتب نہین اور ویسے بلا وعدہ اگر مشیت سے فضل ہوجاوے تو کوئی امر مانع نہین کذا حققتہ فی تفسیری المسمی ببیان القرآن اور کافر مین اسکا اس لیے احتمال نہین کہ وہان مانع قائم ہے یعنی نصوص مشعرۂ عدم محلیت کافر للمغفرۃ مطلقاً اور مؤمن مین دوسری نصوص سے محض فضل کا بھی سبب مغفرت ہونا ثابت ہے خوب سمجھ لو خدا تعالی کے فضل وکرم سے اس مقام یعنی اس مضمون کے

متعلق اشعار کا حل ہر طرح سے بے نظیر ہوا ہے وللہ الحمد غرض اُسوقت کی توبہ باوجود اسکے بمقابلۂ توبہ قبل حضور الموت کے بے نمک ہے مگر پھر بھی عدم توبہ سے احسن واصلح ہے تو) اسطرح (یعنی) بے نمک بھی نالہ کرتا رہ کہ اے عزیز آپ (ہم) ذلیلوں پر (عنایت کی) نظر فرمائیے (کیونکہ) آپ (ہر بات پر) قادر ہین بیوقت کیا اور باوقت کیا آپکے قبضہ سے کوئی چیز کب نکلتی ہے اے آنکہ (ہر وقت ہر چیز قبضۂ قدرت مین ہے اور اس چیز کے عموم مین قبول توبہ مومن وقت الباس بھی آگئی ہے وَلَا مَانِعَ پس اسلیے باوجود توبہ کے بے وقت ہونیکے آپ کی رحمت سے امید رکھتا ہون اور یہ شبہ نہو کہ چیز کے عموم مین تو قبول توبۂ کافر وقت الباس بھی داخل ہے جواب اوپر گذر چکا کہ بیشک مقدور ہے مگر وقوع سے مانع موجود ہے آگے باوجود اس مسئلہ کے ظاہر ہونیکے کہ خدائے تعالیٰ کے قبضۂ قدرت سے کوئی چیز خارج وفائت نہین تبرعاً ایک لطیف وجدید استدلال فرماتے ہین کہ سورۂ حدید مین حق تعالیٰ نے) فرمایا ہے (لِكَيْلَا تَأْسَوْا عَلَىٰ مَا فَاتَكُمْ یعنی ہمنے مسئلۂ تقدیر سے تمکو اسلیے اطلاع کر دی) تاکہ تم مغموم نہ ہوا کرو اُس چیز پر جو تمہارے قابو سے نکل جاوے (چنانچہ ظاہر ہے کہ جو شخص تقدیر کو مانتا ہے ایسے موقع پر اُسکو اسی سے تسلی ہو جاتی ہے کہ یہ تو میرے لیے مقدر ہو چکا تھا کسی طرح ٹل نہ سکتا تھا پھر پریشانی بیکار ہے یہ تو آیت کی تفسیر ہوئی باقی اس سے استدلال اسطرح ہوا کہ دیکھو اس آیت مین حق تعالیٰ نے فعل فات کا مفعول خاص ضمیر مخاطبین کو واقع کیا ہے جس سے معلوم ہوا کہ وہ چیز عباد کے قابو سے نکلی ہے خدائے تعالیٰ کے قابو سے نہین نکلی ورنہ فات کا مفعول صرف ضمیر مخاطبین کی نہ ہوتی بلکہ مقتضا بیان علی وجہ الکمال کا یہ تھا کہ فَاتَكُمْ وَفَاتَنَا فرماتے جب یہ نہین تو معلوم ہوا کہ وہ خدا کے قبضہ مین اب بھی ہے آگے اسی پر تفریع فرماتے ہین کہ) اُسکی قدرت سے کوئی مطلوب کب گم ہو سکتا ہے (مین نے جو تقریر استدلال بالآیۃ کی کی ہے اُسمین تفسیر بدلنے کی ضرورت واقع نہین ہوئی جیسا محشین نے کیا ہے مین نے ناپسندیدگی کیوجہ سے اُسکو بطور نقل کے بھی لکھنا پسند نہین کیا)

حوالہ کردنِ مرغ گرفتاریِ خود را بمکرِ صیاد و صیاد بحرص

حوالہ کرنا مرغ کا اپنی گرفتاری کو صیاد کے مکر پر اور حوالہ کرنا صیاد کا اُسکی حرص پر

گفت آن مرغ این سزای آن بود	کہ فسونِ زاہدان را بشنود
اُس مرغ نے کہا کہ یہ اُسکی سزا ہے	جو زاہدون کے افسون کو سُن لے
گفت زاہد نے سزای آن نشاف	کہ خورد مالِ یتیمان از گزاف
زاہد نے کہا کہ نہین یہ سزا اُس دیوانگی کی ہے	کہ یتیمون کا مال بے تحقیق کھا جاوے

بعد ازان نوحہ گری آغاز کرد
اسکے بعد مرغ نے اسطرح نوحہ گری شروع کی

کہ فخ وصیاد لرزان شد ز درد
کہ دام اور صیاد دونوں درد سے لرزان ہو گئے

کز تناقضہاے دل پشتم شکست
کہ قلب کے تناقضات سے میری پیٹھ ٹوٹ گئی

بر سرم جانا بیا میمال دست
اے محبوب آئیے اور میرے سر پہ ہاتھ پھیر لیے

زیر دستِ تو سرم را راحتیست
آپکے ہاتھ کے نیچے میرے سر کو راحت ہے

دستِ تو در شکر بخشی آیتیست
آپ کا ہاتھ شکر بخشی مین دلیل ہے

سایۂ خود از سرِ من بر مدار
اپنا سایہ میرے سر پر سے مت اُٹھانا

بیقرارم بیقرارم بیقرار
مین بیقرار ہون بیقرار ہون بیقرار ہون

خوابہا بیزار شد از چشم من
نیندین میری آنکھ سے بیزار ہو گئین

در غمت اے رشکِ سرو و یاسمن
آپ کے غم مین اے رشک سرو اور یاسمن کے

گر نیم لائق چہ باشد گر دمے
اگرچہ مین نالائق ہون کیا نقصان ہوگا اگر ایک ساعت

ناسزائے را بپرسی در غمے
آپ نالائق ہی کو پوچھ لین غم مین

ہر عدم را خود چہ استحقاق بود
معدوم کو بھلا کیا استحقاق تھا

کہ برو لطفت چنین درہا کشود
کہ اُسپر آپ کے لطف نے ایسے دروازے کھول دیے

خاکِ گرگین را کرم آسیب کرد
خاکِ خارشتی کو کرم آسیب کیا

دہ گہر از نور حس پُر جیب کرد
دس گوہر نور حواس کے اُسکی جیب مین بھر دیے

پنج حس ظاہر و پنج نہان
پانچ حواس تو ظاہری اور پانچ باطنی

کہ بشر شد نطفۂ مُردہ ازان
کہ اُن حواس سے ایک بے جان نطفہ انسان ہو گیا

ملاحظہ ہو فتوحات میں اسکی تحقیق ص ۱۲۳

توبہ بے توفیقت اے نورِ بلند

توبہ بدون آپ کی توفیق کے اے نورِ عالی

چیست جز بر ریش توبہ ریشخند

کیا چیز ہے بجز تمسخر کے

سبلتانِ توبہ یک یک بر کنی

آپ توبہ کی ایک ایک مونچھ اکھاڑ دیتے ہین

توبہ سایہ است و تو ماہِ روشنی

توبہ تو محض سایہ ہے اور آپ ماہ روشن ہین

اے ز تو ویران دکان و منزلم

اے محبوب آپ سے میری دکان اور منزل ویران ہے

چون ننالم چون بیفشاری دلم

مین کیسے نالہ نکرون جب آپ میرے دل کو بھینچ دیتے ہین

چونکہ بے تو نیست کارم را نظام

چونکہ بغیر آپ کے میرے کام کا کوئی انتظام نہین

بے تو ہرگز کار کے گردد تمام

تو بدون آپ کے ہرگز وہ کام کب پورا ہو سکتا ہے

چون گریزم زانکہ بے تو زندہ نیست

مین کیسے بھاگون کیونکہ بدون آپکے تو زندہ بھی نہین

بے خداوندیت بود بندہ نیست

بدون آپ کی خداوندی کے بندہ کی ہستی بھی نہین

جانِ من بستان تو اے جان را اصول

آپ میری جان لے لیجیے اے اصل جان کی

زانکہ بے تو گشتہ ام از جان ملول

اسلیے کہ بدون آپکے مین جان سے ملول ہوگیا ہون

عاشقم من بر فنِ دیوانگی

مین فنِ دیوانگی ہی پر عاشق ہون

سیرم از فرہنگی و فرزانگی

مین عقل اور زیرکی سے سیر ہون

چون بدرد شرم گویم راز فاش

جب شرم دریدہ ہو جاوے تو راز کو فاش کہونگا

چند ازین صبر و زحیر و ارتعاش

کب تک یہ صبر اور پیچ و تاب اور اختلاج

در حیا پنہان شدم ہمچون سجاف

مین حیا مین سنجاف کی طرح پنہان رہا

ناگہان بجہم ازین زیرِ لحاف

دفعۃً زیر لحاف سے باہر آتا ہون

اے رفیقان راه ها را بست یار
اے رفیقو راستون کو محبوب نے بند کر رکھا ہے

آهوے لنگیم و او شیر شکار
ہم لنگڑے ہرن ہین اور وہ شکاری شیر ہے

جز که تسلیم و رضا کو چارهٔ
بجز تسلیم اور رضا کے کیا علاج ہو سکتا ہے

در کفِ شیرِ نرِ خونخوارهٔ
ایک شیر نر خونخوار کے قبضہ مین

او ندارد خواب و خور چون آفتاب
وہ آفتاب کی طرح خواب و خورش نہین رکھتے

روحها را میکند بے خورد و خواب
روحون کو بے خورد و خواب کر دیتے ہین

که بیا من باش یا هم خوے من
اور فرماتے ہین کہ آ میرا عین ہو جا یا میرا ہم صفت بن جا

تا به بینی در تجلی روے من
تا کہ تجلی مین میرے رُخ کو دیکھ لے

ور ندیدی چون چنین شیدا شدی
اور اگر تو نہین دیکھ چکا تو ایسا شیدا کیونکر ہو گیا

خاک بودی طالبِ احیا شدی
تو تو خاک تھا اور طالبِ احیا ہو گیا

گر ز بے سُوئیت ندادست او علف
اگر اُسنے تجکو لامکان سے غذا نہین دی ہے

چشم جانت چون بماندست آنطرف
تو پھر تیری چشم جان اُسطرف کیون لگ رہی ہے

گربه بر سوراخ زان شد معتکف
بلی سوراخ پر اسلیے تاک لگائے بیٹھی ہے

که ازان سوراخ او شد معتلف
کہ اُس سوراخ سے وہ غذایاب ہوئی ہے

گربهٔ دیگر همی گردد به بام
دوسری بلی مُنڈیر پر پھر رہی ہے

کز شکار مرغ یابید او طعام
کیونکہ اُسنے مرغ کے شکار سے غذا پائی ہے

آن یکے را قبله شد جولاهگی
ایک شخص کا قبلہ جولاہے کا پیشہ ہو رہا ہے

وان یکے حارس براے جامگی
اور ایک شخص چوکیدار ہے روزینہ کے لیے

وان یکے بیکار رو رُو در لامکان
اور وہ ایک شخص بیکار ہے اور توجہ لامکان کی طرف ہے
کہ ازان سودا دیش تو قوتِ جان
کیونکہ آپنے اُسکو اُسطرف سے غذای روح عطا فرمائی ہے

کار آن دارد کہ حق را شد مرید
کام تو وہی رکھتا ہے جو حق کا طالب ہوگیا
بہرِ کارے او زہر کارے برید
اُسنے ایک کام کے لیے اور سب کاموں سے تعلق چھوڑ دیا

دیگران چون کودکان این روز چند
دوسرے لوگ تو لڑکوں کی طرح اِن چند دنون مین
تا بہ شب بر خاک بازی میکنند
رات تک خاک پر کھیل رہے ہین

خوابناکے کو ز یقظہ می جہد
کوئی خوابناک کہ وہ بیداری کے ذریعے اُٹھکر کھڑا ہونا چاہتا ہے
دایۂ وسواس عشوہ اش می دہد
تو دایۂ وسواس اُسکو فریب دیتا ہے

رَو بخسپ اے جان کہ نگذاریم ما
کہ جا سو رہ اے جان کہ ہم کسی کو ایسا نہ کرنے دینگے
کہ کسے از خواب بجہاند ترا
کہ کوئی تجکو خواب سے اُٹھا دیوے

ہم تو خود را بر کنی از بیخ خواب
تو ہی اپنے کو علیحدہ کر بیخ خواب سے
ہمچو تشنہ کو شنود او بانگِ آب
اُس پیاسے کیطرح جسنے سُن لی پانی کی آواز

بانگِ آبم من بگوشِ تشنگان
مین بھی پانی کی آواز ہون پیاسوں کے کان مین
ہمچو باران میرسم از آسمان
بارش کی طرح آسمان سے پہونچ رہا ہون

برجہ اے عاشق بر آور اضطراب
اے عاشق اُٹھ اور اضطراب مین آ
بانگ آب و تشنۂ وانگاہ خواب
پانی کی تو آواز اور پیاسا اور اُسوقت بھی نیند

مرغ نے کہا کہ یہ (دام مین پھنسنا) اسکی سزا ہے جو (مکار) زاہدون کے افسون کو سُن لے (چنانچہ مین تیرے فریب مین آگیا کہ تو زاہد بنا ہوا تھا پس سنے پھنسنے کا الزام صیاد پر لگایا) زاہد (یعنی صیاد) نے کہا کہ نہین (یہ بات نہین بلکہ) یہ سزا اُس دیوانگی کی ہے (نشاف بفتح و تخفیف جنون و دیوانگی و خبط کذا فی الغیاث)

کہ یتیموں کا مال بے تحقیق کھا جاوے (مطلب یہ کہ خود تیری خطا ہے کہ دانہ کھانے کی حرص پر عمل کیا اور پھنس گیا اور گو مرغ کا قول اس اعتبار سے صحیح ہے کہ یہ زاہد سبب اس ابتلا کا ہوگیا لیکن اس اعتبار سے غلط ہے کہ مقصود اُسکا اپنا بالکل بَری بتلانا ہے اور وجہ غلط ظاہر ہے کہ زاہد تو سبب ہی تھا لیکن دانہ کھانے کا مباشر جو کہ جزو اخیر ہے پھنسنے کی علت کا یہ خود مرغ ہے پس اس سے ثابت ہوگیا کہ معاصی میں اپنے کو بَری سمجھنا اور محض تقدیر پر حوالہ کرنا جیسا کہ لازم آتا ہے عقیدہ جبر سے محض غلط ہے اور یہی مقصود تھا اس حکایت کے لانے سے جیسا کہ عُشرِ اول کے اخیر میں مذکور ہوا جو حاصل ہے شعر جرم خود را بر کسے دیگر منہ الخ اور متہم کن نفس خود را اے فتی الخ کا اور اس سے جبر کی تو نفی ہوگئی لیکن ممکن تھا کہ اس سے کوئی قدر کا قائل ہوجاتا اسلیے آگے قدریت اسباب ودواعی سے کہ مقتضیات صدور بعض افعال ہیں انسان کے مغلوب ہوجانیکو گو درجۂ اضطرار میں نہ ہو اور اُسکے ضعف وعجز کو بیان کرتے ہیں تاکہ استقلال قدرت عبد کی بھی نفی ہوجاوے اور عقیدہ حقہ لاجبر ولاقدر ولکن امر بین بین ثابت ہوجاوے اور بیان ضعف وعجز عبد کے ساتھ التجاء الی الحق والتوکل علی الحق کی تعلیم دیتے ہیں اور اس التجا وتوکل کو درجۂ عشق وفنا تک پہونچانیکے لیے ارشاد فرماتے ہیں اور مشغولی بغیر حق کی جو کہ مانع ہے توجہ تام الی الحق سے مذمت کرتے ہیں اور چونکہ اس مقام پر مولانا پر حال غالب ہوگیا ہے اسلیے یہ مضامین بعنوان نوحۂ مرغ شروع ہوکر بطور ارسال سکر کے دور تک چلے گئے ہیں اسی لیے کہیں کہیں بعض الفاظ ظاہری ادب سے متجاوز ہوگئے ہیں مگر نظر مقصود پر رکھنا چاہیے اسی لیے شرح اشعار سے پہلے مقصود کی تعیین کردی گئی پس فرماتے ہیں کہ) بعد اسکے مرغ نے اپنے قصور کو سمجھکر اور اُسکے اسباب حرص وغیرہ سے اپنا مغلوب ہونا یاد کرکے غایت اضطراب وبیتابی سے) اسطرح نوحہ گری شروع کی کہ دام اور صیاد دونوں درد سے لرزاں ہوگئے (اور وہ نوحہ یہ تھا) کہ قلب کے تناقضات سے میری پشت شکستہ ہوگئی (قلب کے متعلق دو امر ہیں میل اور خیال مراد یہ ہے کہ قلب میں میل اور دواعی مختلف پیدا ہوتے ہیں مثلاً کبھی معصیت کے ارتکاب کی طرف کبھی معصیت کے اجتناب کی طرف اسیطرح خیالات مختلف پیدا ہوتے ہیں کبھی معصیت کے عاجل مصالح سمجھ میں آتے ہیں اور عقوبت کے خطرہ کا خیال توجہ کے ساتھ مقابلہ کیا جاتا ہے اور کبھی معصیت کے آجل مفاسد خیال میں آتے ہیں اور توبہ کو نفس کا بہانہ سمجھا جاتا ہے ان میول اور خیالات میں کشاکشی ہوتی رہتی ہے کبھی معصیت کا غلبہ ہوجاتا ہے کبھی تقویٰ کا اور اس تقویٰ کے بعد کبھی یہ تقویٰ پھر ٹوٹ جاتا ہے کبھی پھر توبہ کرلی جاتی ہے کبھی یہ توبہ بھی پھر ٹوٹ جاتی ہے غرض یہی محاربہ شدید و منازعت مدید مدتوں جاری رہتی ہے جسکو دیکھکر سلیم الحسن کو پورا یقین ہوجاتا ہے کہ میرا علم اور ہمت بہت ضعیف ہے جب تک کہ خدائے تعالیٰ قوت نہ دے وہو معنی قولہ علیہ السلام لاحول ای عن المعصیۃ ولا قوۃ ای علی الطاعۃ الا باللہ اور اس مشاہدۂ ضعف کے سبب وہ التجاء الی الحق کرتا ہے کہ میں تو ہمت ہار چکا) اے محبوب آئیے اور میرے سر پر (شفقت ورحمت کا) ہاتھ پھیر لیے (یعنی مجھپر

رحمت فرمائیے کہ مین معصیت سے بچ سکون اور طاعت کرسکون) آپکے ہاتھ کے نیچے میرے سرکو راحت ہے آپکا
ہاتھ شکر بخشی مین دلیل (روشن) ہے (شکر بخشی سے مراد نعمت بخشی اطلاقاً للمسبب علی السبب یعنی آپکا ہاتھ
نعمت بخشی کا ذریعہ ہے) اپنا سایۂ (رحمت) میرے سر پر سے مت اٹھانا مین (بہت) بیقرار ہون بیقرار ہون
بیقرار ہون (یہ بیقراری باقتضاے مقام اضطرار فی سوال الرحمۃ پر محمول کرنا مناسب ہے وفیہ اشارۃ
الی ادب الدعاء الذی ذکر فی قولہ تعالیٰ - ام من یجیب المضطر اذا دعاہ اور بیقراری
مین چونکہ حق تعالیٰ کی طرف توجہ تام ہوجاتی ہے اور بار بار اُدھر توجہ تام رہنے مین خاصیت ہے کہ پھر
خود اُسکی طلب اور محبت قلب مین پیدا ہوجاتی ہے اسلیے بعد بیقراری کے محبت او رطلب کے آثار کا بیان کرتے
ہین کہ) نیندین میری آنکھ سے بیزار (او رزائل) ہوگئین آپ کے غم (یعنی طلب و محبت) مین (پس)
اگرچہ مین (پرسش کے) لائق نہین ہون (لیکن) کیا نقصان ہوجاوے اگر ایک ساعت نالائق ہی کو آپ
پوچھ لین (اس) غم (مذکور) مین (آگے باوجود عدم لیاقت کے حق تعالیٰ کے الطاف کا وارد ہوسکنا بیان
کرتے ہین کہ) معدوم کو کیا استحقاق تھا کہ اُسپر آپ کے لطف نے ایسے دروازے (عطیات کے) کشادہ کردیے
(کہ اُسکو موجود کیا اُسکو کمالات و نعم عطا فرمائے اور عدم کی تفسیر معدوم سے اس لیے کی گئی کہ وجود و توابع وجود
جسکو عطا ہوئے ہین مثلاً انسان وہ تو موصوف بالعدم تھا نہ کہ خود عدم چنانچہ ظاہر ہے آگے اُن ابواب لطف کا
بیان ہے کہ مثلاً) خاک خارشتی کو (اُس لطف نے) ایسا کردیا کہ اُس (خاک) مین اثر کرم (پیدا) ہوگیا (اسطرح
سے کہ) دس گوہر نور حواس کے (اُسکی) جیب مین کردیے (گرگین بفتح گاف صاحب مرض خارش کذا فی الغیاث
وکرم آسیب لفظ مرکب یعنی آنکہ اثر او کرم ست کذا فی الحاشیہ مطلب یہ کہ لطف نے تراب کو جسمین کمالات انسانی
نہ تھے انسان بنادیا اور خاک کو خارشتی اس لیے کہا کہ بقواعد طبیہ خارشتی دوسرے کو خارشتی کردیتا ہے اور یہی
خاصیت خاک کی ہے کہ کیسی ہی لطیف چیز اسمین دبادی جاوے اسکی صحبت سے وہ بھی خاک کثیف بن جاتی
ہے تو جو چیز ایسی کثیف تھی اُسکو انسان کامل بنا دیا کہ اب جو اُسکی صحبت مین رہے وہ بھی صاحب کمال ہوجاوے
کرم آسیب کے یہ معنی ہوے یعنی انسان بنادیا اور انسان بنا کر حواس عشرہ عطا فرمائے اور اُنکو نور کہنا بوجہ
آلۂ ادراک ہونیکے ہے اور نور کے اعتبار سے گوہر سے تشبیہ دی آگے اُن حواس عشرہ کی تفصیل ہے کہ) پانچ
حواس تو ظاہری اور پانچ باطنی کہ اُن حواس سے ایک بیجان نطفہ انسان ہوگیا (اور اوپر کہا تھا کہ خاک کو
صاحب حواس یعنی انسان بنا دیا بات یہ ہے کہ خاک کا انسان ہونا بواسطہ اُسکے نطفہ ہونیکے ہے پس دونون پر
انسان ہونیکا حکم صحیح ہے غرض آپکا لطف ایسا ہے کہ معدوم کو موجود اور ناقص کو کامل بنا تا ہے جنمین پہلے سے
کوئی استحقاق وجود و کمال کا نہ تھا جب آپ بلا استحقاق کرم فرماتے ہین تو اگر مجھ پر بھی باوجود عدم لیاقت کے
کرم ہوجاوے تو کیا بعید ہے آگے ایک کرم کا بیان ہے کہ وہ توفیق ہے استقامت کی یعنی یہ توفیق استقامت
عطا فرمایئے کیونکہ ہماری) توبہ بدون آپ کی توفیق (استقامت علی التوبہ) کے اے نور عالی کیا چیز ہے

بحیثیت کے (نورا ورعالی دونون صفتین اسمار آلہیہ مین صراحۃً وارد ہین پس اگر کسی کو بدون آپ پر نظر کیے ہوئے محض اپنی قوت پر ناز ہو تو) آپ (ایسی) قوت کی ایک ایک مونچھ اکھاڑ دیتے ہین (یعنی جو قوت بدون توکل واستعانت بالحق کے ہو اُسکو ثبات نہین ہوتا کیونکہ اُسکے ساتھ نصرت حق نہین ہوتی اور) قوت تو محض سایہ (کی طرح ایک تاریک چیز) ہے (سایہ سے مراد وہ ظلمت ہے جو آفتاب و ماہتاب کے غیبوبت کے وقت جو تین ہوتی ہے) اور آپ (گویا) ماہ روشن ہین (پس ماہتاب کے طلوع سے وہ ظلمت مبدل بہ نور ہو جاتی ہے اسی طرح تو یہ ہین نور آپ کی توفیق سے پیدا ہوتا ہے ورنہ محض بے نور و بے رونق رہتی ہے اور یہ سب احکام مشاہد و ظاہر ہین آگے گستاخانہ کلام ہے کہ) اے (محبوب) آپ (ہی کے حکم قضا) سے میری دُوکان اور منزل ویران (ہو جاتی) ہے (دکان سے مراد جوارح اور منزل سے مراد قلب کیونکہ گھر جیسے پردہ کی چیز ہے اور دکان منظر عام پر ہوتی ہے اسی طرح قلب ایک خفی چیز ہے اور جوارح حسی چیز ہین اور جسطرح گھر اور دکان کی ویرانی یہ ہے کہ اُنمین جو سرمایہ تھا تباہ ہو جاوے اسی طرح جوارح کا سرمایہ اعمال ظاہری ہین اور قلب کا سرمایہ اعمال باطنی ہین جوارح وقلب کا ویران ہونا یہ ہے کہ یہ اعمال فاسد ہو جاوین مثلاً توبہ ہی شکست ہو جاوے جسکا اوپر ذکر تھا اور یہ مطلب نہین کہ آپ سے ان اعمال کا فساد ہی ہوتا ہے یہ تو بالمشاہد غلط ہے بلکہ مراد یہ ہے کہ انمین جب فساد آتا ہے گو وہ میرے اختیار ہی سے ہوتا ہے لیکن منتہا سلسلۂ اسباب کا آپکی قضا و قدر ہے اور مقصود اس سے اپنا تبریہ نہین ہے بلکہ اظہار ہے اپنے ضعف کا اور طلب ہے قوت اور ہمت کی حضرت حق سے کہ آپ مجھکو استقامت بخشیے کیونکہ سب آپ ہی کے قبضہ مین ہے اور) مین نالہ کیسے نہ کرون جب آپ میرے قلب کو دبوچ دیتے ہین (جسطرح ضعیف آدمی قوی کے دبوچنے سے رونے لگتا ہے اسی طرح جب میرے قلب کے میول وخیالات قضا وقدر سے مغلوب ہو جاتے ہین تو پریشان ہو کر نالہ کرنے لگتا ہون تاکہ میری مدد ہو اور) چونکہ بدون آپکے میرے کام کا کوئی انتظام (درست) نہین (بیٹھتا جیسا مذکور ہوا کہ قضا وقدر سے مغلوب ہو کر کام غیر منتظم ہو جاتا ہے) تو بدون آپکے ہرگز وہ کام کب پورا ہو سکتا ہے (کیونکہ پورا ہونا تو درستی انتظام پر موقوف ہے اور درستی انتظام آپکے قضا پر موقوف ہے تو پورا ہونا بھی آپ کے قضا پر موقوف ہوا کیونکہ کسی شئے کے موقوف علیہ کا موقوف علیہ اُس شئے کا بھی موقوف علیہ ہوتا ہے اِس سے بھی مقصود طلب قوت ہے اور کام تو آپکے حکم پر کیسے موقوف نہوتا وہ تو پھر بھی صفت ہے خود میری ذات موجودہ جو کہ موصوف ہے اُس صفت کے ساتھ وہ خود بھی موقوف ہے آپکے حکم پر اسی کو کہتے ہین کہ) مین (آپ سے) کیسے بھاگون کیونکہ بدون آپ کے تو زندہ (کی زندگی) بھی نہین (اور) بدون آپ کی خداوندی (یعنی حکم تکوینی) کے بندہ کی ہستی بھی نہین (پس جب اُسکی ہستی وحیات بھی جو کہ موقوف علیہ ہے صدور افعال کی آپکے حکم تکوینی پر موقوف ہے جس سے صدور افعال کا موقوف ہونا حکم تکوینی پر بدرجۂ اَولیٰ واقویٰ ظاہر ہے تو پھر مین آپ سے کیسے بھاگون اس کے

دو معنی ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ جب حکم تکوینی مجھ پر جاری ہوگیا کہ فلان فعل اس سے صادر ہو تو میں قضا سے کہاں بھاگ سکتا ہوں وہ فعل مجھ سے ضرور ہی صادر ہوگا اور مقصود اس سے اپنا تبریہ نہیں بلکہ استعانت ہے یعنی ایسی حالت میں آپ ہی توفیق اور استقامت بخشیے میں ضعیف اور مغلوب ہوں ایک معنی تو چون گرزم کے یہ ہو سکتے ہیں دوسرے معنی یہ ہو سکتے ہیں کہ میں جو آپ سے التجا کر رہا ہوں جیسا کہ اوپر کے اشعار میں ہے تو آپکی طرف التجا لانے سے کیسے بھاگ سکتا ہوں اور اس التجا سے مجھکو کہاں مفر ہے کیونکہ فعال اور ذات کا موقوف علیہ آپ ہی کا حکم ہے تو اگر آپکی طرف التجا نہ لاؤں تو کہاں لیجاؤں اور دونوں توجیہوں پر جب میری جان آپکے قبضہ میں ہے تو اگر اعمال کی کوتاہی اور توبہ کے انہدام سے تنگ ہو کر میں موت کی بھی تمنا کروں وہ بھی میرے اختیار سے خارج ہے اسمیں بھی آپ ہی سے مدد چاہتا ہوں پس بحالت کذائیہ) میری جان لے لیجیے اے (وہ محبوب) جو کہ جانکی اصل ہے (نہ بمعنی مادہ یا بیخ فانہما مما یستحیل علیہ تعالیٰ من معانی الاصل بلکہ بمعنی محتاج الیہ وما یستند تحقق الشئ الیہ وہما ایضاً من معانی الاصل اور واجب تعالیٰ کا مستند الیہ و محتاج الیہ ہونا ظاہر ہے اور بجائے اصل کے اصول کہنا تعظیم و جامعیت اقسام ممکنہ للواجب کا لاستناد فی الحدوث والبقاء واعطاء الکمالات ونحوہا کے لیے ہے کما فی قولہ تعالیٰ ان ابراہیم کان امۃ قانتاً الخ اور جان لینے کی) اس لیے (تمنا کرتا ہوں کہ بدون آپ (کی محبت) کے میں (اپنی) جان سے (بھی) ملول (اور تنگ) ہوگیا ہوں (کما قال العارف الشیرازی ؎ لطف چنان ندارد بے دوست زندگانی لطف چنان ندارد۔ پس ایسے جینے سے مرنا ہی اچھا ہے اور یہ تمنی موت چونکہ مصیبت اور فتنۂ دینیہ سے بچنے کے سبب ہے اسلیے منہی عنہ نہیں ہے فی الحدیث الصحیح واذا اردت بقوم فتنۃ فتوفنی غیر مفتون اور چونکہ یہ کلام مستانہ ہے جسپر ظاہر بین استعجاب واستبعاد کے ساتھ نظر کرتے ہیں اسلیے اپنا عذر بیان کرتے ہیں کہ بیشک یہ ایک قسم کی دیوانگی ہے لیکن) میں فن دیوانگی ہی پر عاشق ہوں (اور) میں عقل اور دریکی سے سیر (اور بیزار) ہوں (حاصل عذر کا یہ ہوا کہ مجھپر اسوقت توحید افعال کے غلبہ سے سکر غالب ہے اور چونکہ واردات غیبیہ اضیاف غیبیہ ہیں جو وارد طاری ہو اسپر راضی رہنا ادب ہے اسلیے اسوقت میں اسی وارد سکر پر راضی اور اسی کا عاشق ہوں اور سکر میں ایسے عنوانات عفو ہیں پس یہ عذر ہوگیا اور یہ جو فرمایا کہ میں عقل سے بیزار ہوں مراد اس سے وہ عقل و صحو نہیں ہے جو اہل تمکین کو ہوتا ہے وہ تو سکر سے ارفع ہے بلکہ مراد اس سے وہ عقل ہے جو قبل ظریان توحید افعال کے حاصل تھی یعنی عقل محجوبین و محرومین اور وہ واقعی قابل بیزاری ہے بخلاف عقل اہل تمکین کے کہ وہ مرتبہ جامع ہوتا ہے عقل اور کشف توحید دونوں کے لیے یعنی اہل تمکین کو توحید افعال بھی بدرجۂ اتم منکشف ہوتی ہے اور اسکے ساتھ بوجہ ضبط و قوت تحمل کے عقل بھی اس کشف سے مغلوب نہیں ہوتی اور اگر کسی کو شبہ ہو کہ مولانا تو اہل تمکین سے تھے پھر اس مضمون کے کیا معنی ہوں جواب یہ ہے کہ یا تو بزبان حال صاحب حال کے تکلم فرما رہے ہیں مگر یہ جواب اوپر کے کلام مستانہ کی توجیہ کے لیے کافی

نہ ہوگا اِس لیے اچھا جواب یہ ہے کہ کہا جائے کہ اہل تمکین کو بھی گاہ گاہ کوئی وارد مغلوب کردیتا ہے گو احیاناً ہوتا ہے تو اُسوقت اُنکے افعال واقوال مین بھی اُسکا اثر ظاہر ہونے لگتا ہے اور چونکہ غلبۂ حال مین ضبط کم ہوجاتا ہے آگے اُسکی کمی کی خبر دیتے ہین مع اُسکے بعض آثار کے کہ اظہار بعض اسرار کا ہے یعنی) جب شرم (کا پردہ) دریدہ ہوجاوے (یعنی حجاب ضبط اُٹھ جاوے اور ضبط کو حیا سے تشبیہاً تعبیر فرمایا اور وجہ شبہ مانعیت ہے) تو مین رازکو فاش کہونگا (وہ راز سر قدر ہے جسکو حالت تمکین مین فاش اسلیے نہین کیا جاتا ہے کہ جہلا کو اس سے ضرر حیلہ جوئی کا معاصی مین ہوگا اور غلبۂ حال مین اس مصلحت پر نظر نہین رہتی اور اضطراراً یہ کہکر ظاہر کرڈالتا ہے کہ) یہ صبر (یعنی ضبط) اور پیچ وتاب (جو کہ ضبط مین ہوتا ہے) اور اختلاج (جو کہ ضبط مین احیاناً بڑھ جاتا ہے) کب تک (برداشت کرون) مین حیا (وادب وضبط) مین سنجاف کی طرح (بہت) پنہان رہا (اب تو) دفعۃً زیرلحاف سے باہر آتا ہون (جسطرح سنجاف لحاف کے نیچے کی طرف ہوا اور کسی وجہ سے وہ حصہ اوپر ہوجاوے اسیطرح مین پہلے حجاب ضبط مین تھا اب مجھ سے ضبط نہین ہوتا سر قدر کو ظاہر کرتا ہون چنانچہ آگے اور بھی کھلے اور وارستہ الفاظ مین اس مضمون بالا یعنی توحید افعالی کو بیان کرتے ہین کہ) اے رفیقو جو راستے قریب کے ہمارے اعمال واحوال زشت سے بند ہوئے ہین اُن) رستون کو محبوب (حقیقی) نے بند کر رکھا ہے (یعنی مستند آخر اُن ہی کا حکم تکوینی ہے جسکے سامنے ہم ضعیف وعاجز ہین اور ہمارے ضعف اور اُنکی قوت کی ایسی مثال ہے کہ گویا) ہم آہوے لنگ ہین اور وہ شکاری شیر ہے (تو بیچارہ آہوے لنگ شیر کا مقابلہ کب کرسکتا ہے اسیطرح ہماری مشیت اُنکی مشیت کا کب مقابلہ کرسکتی ہے وماتشاؤن الا ان یشاء اللہ رب العالمین جب اُسکے سامنے ہماری ایسی مثال ہے تو بس) بجز تسلیم ورضا کے کیا علاج ہوسکتا ہے ایک شیر نر خونخوار کے قبضہ مین (ہوکر یعنی اگر کوئی آہوے لنگ ایسے شیر کے قبضہ مین ہو تو کان بھی نہین ہلا سکتا بجز اسکے کہ تسلیم ورضا اختیار کرے اِس سے البتہ امید چارہ کی ہے جیسا مشہور ہے کہ سامنے پڑے کو شیر بھی نہین کھاتا اسی طرح ہمارے لیے اگر چارہ ہے تو یہی ہے کہ حاکم حقیقی کے سامنے تسلیم ورضا اختیار کرین یعنی مقاومت چھوڑ کر اُس کے احکام تشریعیہ وتکوینیہ کو تسلیم کرین اور اطاعت کا اہتمام کرین اور جو کچھ بلا اختیار واقع ہو اُسپر راضی رہین اور جو باختیار واقع ہو جتنا حصہ اُسمین اختیار کا ہے اُسپر نادم ہون کہ یہ بھی شعبہ تسلیم ورضا کا ہے کیونکہ اُن ہی کا حکم ندامت کے لیے بھی ہے اور جتنا حصہ اُسمین عدم اختیار کا ہے یعنی یہ کہ حق تعالیٰ اُسکا بھی خالق ہے اُسپر بھی راضی ہون اور شاکی نہ ہون اور اس سے رضا بالمعصیت لازم نہین آتی کیونکہ معصیت اپنا فعل ہے اور یہ اور ہے اور خالق للمعصیت ہونا اُنکا فعل ہے اور یہ اور ہے تو ایک پر راضی ہونا دوسرے پر راضی ہونے کو مستلزم نہین خوب سمجھ لو اور اس چارہ سے تجربہ ہوا ہے کہ حق تعالیٰ کی رحمت متوجہ ہوجاتی ہے اور رحمت حق سے فضائل کے ساتھ تحلی اور رذائل سے تخلی اور صیانت اور استقامت میسر آجاتی ہے اور چونکہ یہ طریق مذکور منجملہ طرق مشہورہ سلوک کے طریق عشق ہے جسکو اکثر مشائخ متاخرین محققین نے اختیار کیا ہے اسلیے آگے اس طریق عشق کے بعض

خواص وآثار مثل تقلیل خواب وخورش اور اضطراب وشورش مذکور ہین پس فرماتے ہین کہ) وہ (یعنی محبوب حقیقی)
آفتاب کی طرح خواب وخورش نہین رکھتے (اسلیے عشاق کی) روحون کو بیخور وخواب کردیتے ہین (اور بدلالت
حال عاشق سے یون کہتے ہین) کہ (میری طرف) آ (اور یا تو) میرا عین ہوجا یا میرا ہم صفت ہوجا تاکہ تجلی (یعنی
انکشاف قلب) مین میرا رُخ دیکھ لے (آفتاب کے ساتھ تشبیہ توضیح کے لیے ہے کہ آفتاب کو مع اُسکی صفت بیخواب
وخور ہونیکے سب دیکھتے اور جانتے ہین پس یہ تشبیہ ایسی ہے جیسی قرآن مجید مین ہے مثل نورہ کمشکوۃ فیھا
مصباح الخ اور حق تعالی کی یہ صفت منصوص قطعی ہے لا تاخذہ سنۃ ولا نوم وھو یطعم ولا یطعم
اور یہ ملازمت مضمون مصرعہ اولی ومضمون مصرعہ ثانیہ مین عقلی نہین صرف عادی ہے یعنی عادۃ اللہ جاری ہے
کہ اپنے محبین کو تخلق باخلاق کی دولت نصیب فرماتے ہین اور حقیقت اس کلام کی یہ ہے کہ بعض صفات حق کے
مظاہر مطلق موجودات ہین اور بعض صفات کے مظاہر خواص عباد ہین پس محبت حق مین جو خواب وخور عشاق کا
ایک درجہ مین متروک ہوجاتا ہے یعنی اُسکی کثرت کا درجہ یہ حق تعالی کی صفت نفی مطلق خواب وخور کا ایک ظہور
ہے اور غایت اس تقلیل خواب وخور اور اُسکی منشا یعنی عشق حق کی حصول نسبت مع اللہ ہے جسکو بیا سے تعبیر
فرمایا ہے اور اس نسبت کا ایک نون فنا فی الذات وتوحید ذاتی ہے جسکو مجازاً من باش سے تعبیر کیا گیا ہے
اور ایک فنا فی الصفات وتوحید صفاتی ہے جسکو ہم خوے من سے کہ لفظ مرادف تخلق باخلاق اللہ کا ہے
تعبیر فرمایا ہے اور اوپر کے اشعار مین توحید افعالی کا ذکر تھا اسی توحید افعالی سے ترقی ہوکر یہ دونون قسمین یعنی
توحید صفاتی وتوحید ذاتی حاصل ہوجاتی ہین اور تفسیر انکی یہ ہے کہ اگر اپنے افعال نظر والتفات سے غائب
ہوکر صرف افعال حق پر نظر رہ جاوے وہ توحید فی الافعال ہے اور اگر غیر حق کے صفات بھی نظر مین نہ رہین
تو یہ توحید فی الصفات ہے اور اگر غیر حق کی ذات بھی نظر مین نہ رہے یہ توحید فی الذات ہے اور توحید فی الصفات
کو مشاہدہ اور توحید فی الذات کو معائنہ کہتے ہین مصرعہ ثانیہ مین بہ بینی ان دونون مشاہدہ ومعائنہ کو عام ہے
پس یہ دونون لفظا اور اسی طرح ان دونون کا مقسم یہ بینی اصطلاحی الفاظ ہین اس سے دیکھنا بمعنی متعارف
مراد نہین بلکہ توجہ بحت الی صفات الحق مشاہدہ ہے اور توجہ بحت الی ذات الحق معائنہ ہے اور توجہ فعل
قلب ہے پس یہ بہ بینی رویت قلبیہ ہے پس لفظ رُو بھی معنی لغوی پر محمول نہ ہوگا بلکہ وہ ترجمہ ہوگا وجہ کا جسکی
تفسیر ہوگی ما یتوجہ الیہ سواء کان صفۃً او ذاتاً اسی لیے اکثر مفسرین وجہ الی اللہ کی تفسیر
ذات سے کرتے ہین اور چونکہ اس تفسیر مین ذات لابشرط شئے ہے خواہ اُسکے ساتھ صفات کی طرف التفات
ہو یا نہ ہو اسلیے میری تفسیر عام سے منافی نہین اور چونکہ بہ بینی سے اُسکو معنی لغوی پر محمول کرکے کوئی انکار
کرسکتا تھا کیونکہ رویت بالمعنی اللغوی دنیا مین شرعاً ممتنع ہے اسلیے آگے استدلال علی الرؤیۃ اور اُسکے
ضمن مین اُسکی تفسیر مذکور فی تقریر الاحقر کی طرف اشارہ کرتے ہین اور فرماتے ہین کہ یہ بینی مین تو ہمنے مستقبل
مین ہی رؤیت کا حکم کیا ہے اب ہم ترقی کرکے بدلیل کہتے ہین کہ ماضی مین بھی تو دیکھ چکا ہے) اور (دلیل

اُسکی یہ ہے کہ) اگر تو (اُسکو) نہین دیکھ چکا تو (اُسپر) ایسا شیدا کیونکر ہوگیا تو تو (پہلے) خاک تھا (اُسی حالت مین) تو طالب احیاء ہوگیا (یعنی اسکا طالب ہوگیا کہ حق تعالیٰ تیرا محیی یعنی روح بخش ہو چنانچہ تجھکو حیات عطا ہوئی اور روح انسانی کے ذریعہ سے انسان بنا دیا گیا قال تعالیٰ وبدء خلق الانسان من طین ثم جعل نسلہ من سلالۃ من ماء مہین ثم سواہ ونفخ فیہ من روحہ وجعل لکم السمع والابصار والافئدۃ الآیۃ یہ تو تقریر ترجمہ کی ہوئی اور تقریر استدلال کی یہ ہے کہ تجھکو جو خداے تعالیٰ سے محبت ہے اور یہ خطاب خواہ تو صرف طالب حق کو ہو اور اُسکا محب ہونا ظاہر ہے اور یا خطاب ہر شخص کو ہو کیونکہ کم و بیش محبت حق تعالیٰ کی ہر شخص کو ہے جسکا سبب یہ ہے کہ یہ امر فطری ہے ہر شخص کی فطرت مین رکھا گیا ہے گو بعض احکام مین بوجہ جہل کے بعض سے غلطیان بھی ہوتی ہون چنانچہ مشاہد ہے حتیٰ کہ منکرین بھی گو زبان سے انکار صانع کا کرتے ہین مگر اُنکا قلب زبان سے کبھی موافقت نہین کرتا قلب بلا اختیار رکھتا ہے کہ کوئی صانع ہے اور اُسکی طرف طبعًا کسیقدر انجذاب بھی ہوتا ہے پس ہر شخص کو محبت حق تعالیٰ کی ہوئی اور محبت موقوف ہے معرفت پر جب انسان خاص یا مطلق انسان کو خداے تعالیٰ سے محبت ہوئی تو لا محالہ اُس سے پہلے معرفت ہوئی اور یہ معرفت بھی داخل ہے عموم معنی رویت مذکورہ مقام مین پس ثابت ہوگیا کہ تو ماضی بھی دیکھ چکا ہے اور مصرعۂ ثانیہ مین معرفت کی ایک دوسری دلیل بیان کرتے ہین کہ تو خاک ہونیکی حالت مین طالب احیا رہتا تو معلوم ہوا کہ تجھکو نفس فہم بھی تھا کہ حیات کو پہچانتا تھا اور خداے تعالیٰ کا فہم بھی تھا کہ اُس سے حیات مانگتا تھا پس معرفت ثابت ہوگئی اور خاک کی حالت مین فہم و شعور ہونا باوجودیکہ اُس حالت مین جماد ہے یہ تسبیح جمادات سے ثابت ہے جسکو محققین نے حقیقی معنون پر اس لیے محمول کیا ہے کہ ظاہر نص کا یہی مدلول ہے اور کوئی دلیل سمعی یا عقلی اس سے صارف نہین پس معنی حقیقی پر محمول کیا جاویگا اور تسبیح حقیقی سے ثابت ہونا فہم کا ظاہر ہے اِسلیے کہ بدون فہم و شعور کے اُسکا صدور ممکن نہین پس شعور و معرفت جماد کا ثبوت ہوگیا باقی طلب احیا سے خاک کے شعور و معرفت پر استدلال کرنا جیسا مولنا نے اس مقام پر کیا ہے اسکی یہ تقریر ہوسکتی ہے جیسا کہ بعد خلجان کے اسیوقت قلب پر اللہ تعالیٰ نے القا فرمایا کہ قرآن مجید مین مصرح ہے وقال لہا وللارض ائتیا طوعًا او کرہًا قالتا اتینا طائعین جس سے بعد حمل علی المعنی الحقیقی لما ذکر انفًا معلوم ہوتا ہے کہ زمین خاکی حالت ترابیہ مین حق تعالیٰ کی مطیع ہے اور شعور او پر بھی معلوم ہوچکا اور خود اطاعت کے اعتراف سے بھی شعور ثابت ہوتا ہے پس اسکا مقتضی یہ ہے کہ جب خاک کو بوجہ شعور معلوم ہوا ہوگا کہ مجھ سے آدمی بنایا جاویگا تو بوجہ اطاعت کے عرض کیا ہو کہ مجھ سے آدمی بنا دیا جاوے پس طالب احیاء ہونا اسی طرح ثابت ہوا اور طالب احیاء ہونا بھی مثل تسبیح کے دلیل ہے معرفت کی اور اثبات معرفت ہی مقصود مقام ہے پس دعویٰ رویت کا ماضی مین ثابت ہوا تو مستقبل مین حکم کرنے مین کیا استبعاد رہا اب صرف یہ بات رہ گئی کہ وجود شعور اس کو

مستلزم نہین کہ اُسکو یہ بھی خبر ہوگئی ہو کہ مجھ سے انسان کو بنانا چاہتے ہین تو یا تو مولانا کے پاس اسکی کوئی دلیل ہوگی یا ظاہر پر اِس حکم کو مبنی فرمایا کیونکہ ادھر قرآن مجید سے انی جاعل فی الارض خلیفۃ فرمانا حق تعالی کا ثابت اُدھر شعور ارض کا ثابت تو کہہ سکتے ہین کہ ظاہر یہی ہے کہ ارض کو اسکا بھی شعور ہو گیا ہوگا اور بعض قصص مین جو ہے کہ زمین نے فرشتون کی خوشامد کی تھی کہ قالب انسان بنانے کے لیے مجھکو مت لیجا جیسا مثنوی کے دفتر پنجم مین بھی ذکر خمس کے بعد مذکور ہے اگر یہ قصہ ثابت ہو تو ممکن ہے کہ اُسوقت تک حق تعالی کی مشیت جازمہ کا اُسکو علم نہوا ہو یا یہ حرکت اضطراری ہو اور اطاعت فعل اختیاری بالاختیار الضعیف لا کاختیار المکلف فان الاطاعۃ تستلزم اختیارا تاما ۔ رہا یہ امر کہ گر ندیدی مین مخاطب خاص انسان محب ہوا اور اُسی کو شیدائی خاص یعنی درجۂ کاملہ محبت مخصوصہ بالعبد العاشق سے استدلال دیدن پر کیا جاوے تو اُسپر یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ دیدن کا عموم اوپر ثابت ہو چکا ہے جو سبب ہے اس شیدائی کا تو پھر یہ درجہ شیدائی کا عام کیون نہ ہوا جب سبب اسکا سب مین پایا جاتا ہے جواب اسکا یہ ہے کہ اس جگہ شیدائی سے دیدن پر استدلال کرنا استدلال بالمشروط علی الشرط ہے نہ کہ بالمعلول علی العلۃ یعنی دیدن مؤثر تام نہین شیدائی مین بلکہ موقوف علیہ ہے شیدائی کا اور علت کے لیے اُس دیدن کے ساتھ اور امور کے انضمام کی ضرورت ہے اور وہ انضمام عام نہین ہے انسان کو پس شبہ جاتا رہا اور شیدائی سے دیدن اور معاصی پر استدلال بلا غبار محفوظ رہا آگے یہی استدلال دوسرے عنوان سے ہے یعنی) اگر اُسنے (یعنی محبوب حقیقی نے) تجھکو لامکان سے غذا نہین دی (اور وہ غذاے روحانی ہے کیونکہ غذاے جسمانی موقوف ہے جسم متغذی پر اور جسم متغذی اُسوقت تھا نہین چنانچہ قبل ارواح کے ناسوت مین آنیکے کہین غذاے جسمانی کا ملنا منقول بھی نہین اور ناسوت سے جانیکے بعد تو روایات مین اسکا ملنا آیا ہے تسرح من الجنۃ حیث شاءت الحدیث پس جب وہ غذاے روحانی تھی اور بڑی غذاے روحانی مشاہدہ ہے محبوب کا پس معنی یہ ہوے کہ اگر تو مشاہدہ محبوب کا نہین کر چکا) تو تیری چشم جان پھر اُسطرف کیون لگ رہی ہے (یعنی کیون اُسکا طالب ہو رہا ہے پس علف دادن مرادف ہوا دیدی کا اور چشم ماندن مرادف ہوا شیدائی کا پس وہی اوپر والا مضمون بعنوان دیگر ہو گیا اور مین نے شعر در ندیدی کے شرح کی تمہید مین کہا تھا استدلال علی الرویۃ اور اُسکے ضمن مین اُسکی تفسیر مذکور فی کلام الاحقر الخ تو اس تمام تر شرح سے معلوم ہوا ہوگا کہ دیدن بمعنی معرفت ہے اور مصرعہ چشم جانت الخ مین اس توجہ کو چشم جان ماندن سے تعبیر کرنے مین اشارہ قریب بصراحت ہو گیا کہ توجہ اور بچشم جان دیدن ایک ہی چیز ہے پس معائنہ و مشاہدہ جسکا ترجمہ لفظی بچشم دیدن ہے وہ چشم جان ہے اور وہ دیدن دیدن بچشم جان یعنی توجہ ہے آگے اسکی چند مثالین ہین کہ کسی شئے کی طرف کسی کی توجہ کرنا مطلقاً دلیل اور علامت اسکی ہے کہ اس نے اُسمین پہلے کچھ دیکھا اور پایا اور پہچانا ہے اسی بنا پر توجہ انسان الی الحق سے استدلال صحیح ہو گیا اسپر کہ اسنے

پہلے بھی مطلوب کو دیکھا ہے وہ مثالین یہ ہین کہ) گربہ (کسی) سوراخ (یعنی بل) پر اسلیے تاک لگائے (اور توجہ کیے) بیٹھی ہے کہ اُس سوراخ سے وہ غذا یاب ہوئی ہے (مثلاً چوہا ملا ہے حقیقۃً یا حکماً یعنی اُسکو وہان دیکھا ہے اس لیے اب بھی بیٹھی ہے کہ پھر ملجاوے پس یہ توجہ علامت معرفت و مشاہدۂ مطلوب کی ہے اسی طرح) دوسری گربہ مُنڈیر پر پھر رہی ہے کیونکہ اُسنے شکار مرغ سے طعام پایا ہے (تو وہی وجدان و مشاہدہ و معرفت سبب اس طلب و توجہ کا ہو رہا ہے اسی طرح) ایک شخص کا قبلہ (توجہ) جُلاہے کا پیشہ ہو رہا ہے (کیونکہ اسکو اُسمین ادراک نفع کا ہوا ہے اسلیے اُدھر متوجہ ہے) اور ایک شخص چوکیدار ہو رہا ہے روزینہ کے لیے (پس اسکو چوکیداری مین نفع کا ادراک ہوا وہ اُسکی طرف متوجہ ہوگیا) اور (جسطرح ان سب شکلون مین جس جس کو جس جس چیز مین غذاے نفس ملی وہ اُسکی طرف متوجہ ہوگیا اسی طرح) وہ ایک شخص (ان سب دنیوی مطلوبات سے) بیکار ہے اور (اُسکی) توجہ لامکان مین ہے کیونکہ (اے محبوب) آپ نے اسکو اُس طرف سے (یعنی لامکان و عالم غیب سے) غذاے روح عطا فرمائی ہے (اور وہ مشاہدۂ محبوب ہے کما ذکر فی شرح شعر گرز بیسوی ندا است الخ وھذا عَوْدٌ الی ذالک الشعر والذی قبلہ من قولہ ور ندیدی الخ پس اس سے شعر ندیدی کے قبل کا مضمون جسپر یہان تک استدلال تھا یعنی تا بہ مینی در تجلی الخ ثابت ہوگیا وھو المطلوب اور چونکہ شعر آن یکے بیکار مین اس طالب حق کو بیکار سے تعبیر کیا گیا ہے جسکی تفسیر کے بعد جسکو مین نے بضمن ترجمہ ذکر کر دیا ہے کچھ اشکال نہین رہ سکتا لیکن قبل تفسیر موہم ہے۔ اس شخص کی خدمت کا اسلیے تفسیر کرکے اسکو رفع کرتے ہین کہ (اصلی) کام تو وہی رکھتا ہے جو حق کا طالب (اور ارادہ کنندہ) ہوگیا (اور اُسنے (اس) ایک (اصلی) کام کے لیے اور سب (دنیوی) کام سے قطع تعلق کر دیا (تو اسکا بیکار کہنا باعتبار خاص غیر مقصود کام کے ہے ورنہ اصل کام والا یہی ہے اور باقی) دوسرے لوگ تو اس شخص کے کام کے روبرو) لڑکون کی طرح (عمر دنیا کے) ان ایام معدودہ مین شب تک مٹی مین کھیل رہے ہین (یعنی جیسے بچے رات آنے تک کھیلا کرتے ہین پھر شب آتے ہی سب کھیل بگڑ جاتا ہے اور کشان کشان گھرون کو لیجائے جاتے ہین جسکی تفصیل اس عشر کے شروع زیر عنوان حکایت آن صیاد کہ خود را در گیاہ پیچیدہ بود بشرح اشعار کودکان گرچہ کہ در بازی خوش اند الخ مذکور ہو چکی ہے اسی طرح موت کے وقت کہ بقول النوم اخو الموت مشابہ وقت نوم یعنی شب کے ہے سب کھیل ختم ہو جاویگا اور کشان کشان آخرت مین لیجائین گے یعنی طالبان دنیا کا کام و طالبان حق کے کام کے سامنے ہیچ ہے آگے رجوع ہے چند شعر اوپر کے شعر آوندار دخواب دخور چون آفتاب روح را اسکندر بخورد و خواب + وما قبلہ کی طرف یعنی اشعار آئندہ مین اُس مضمون کا تتمہ ہے اور درمیان کے اشعار کا تعلق و ربط بضمن شرح کے مذکور ہو چکا ہے یعنی محبوب حقیقی کا عشق تو مقتضی تقلیل خواب کو ہے کما ذکر و لقولہ تعالی کانوا قلیلا من اللیل ما یھجعون وبالاسحار ھم یستغفرون اور ادنی اس ترک خواب کا عشا اور صبح کی نماز بجماعت ہے اور اوسط چند رکعات تہجد کی ہے

اور اعلیٰ اس سب کے ساتھ کچھ ذکر و شغل بھی موافق سنت کے ہے اور یہ سب مراتب تقیظہ اختیاری کے ہین اور ایک درجہ اضطراری ہے جسکی نہ کوئی حد نہ کوئی ضابطہ یعنی شورش و اضطراب مین نیند ہی نہ آوے یا بہت کم آوے یہان مفہوم عام مراد لینا مناسب ہے حاصل یہ کہ طلب و عشق کا تو مقتضا خواب کی تقلیل ہے لیکن نفس و شیطان اسمین بھی مانع ہوتا ہے اختیاری مین تو ظاہر ہے اور اضطراری مین یہ مانعیت اس طرح کہ اسباب حصول محبت و عشق سے مثلاً کثرت ذکر و فراغ للفکر و صحبت اہل اللہ و اصلاح اعمال و مواظبت تقوی سے روکتا ہے اسی مانعیت کا آگے ذکر ہے اسی کو حضرت نے شعر او ندارد خواب و خور الخ کا تتمہ کہا ہے پس فرماتے ہین کہ ایس تقلیل خواب اور اسکے اسباب کی مدح سنکر اگر) کوئی خوابناک (و مبتلاے غفلت و حجاب) بیدار ی (و تنبہ باسباب التنبہ کے ذریعہ سے (خواب سے) اٹھکر کھڑا ہونا چاہتا بھی ہے (کہ مضمون شعر متصل بہ شعر او ندارد خواب و خور الخ یعنی کہ بیا من باش الخ کے اہتمام مین مشغول ہو) تو (اُسوقت) دایۂ وسواس اُسکو فریب دیتا ہے (مراد نفس یا شیطان یا مفہوم زعم سہما ہے کہ وسواس ڈالتا ہے اور تشبیہ دایہ سے اس اعتبار سے دی کہ دایہ بچہ کو سُلایا کرتی ہے اور فریب ہونا اُسکا ظاہر ہے کہ ظاہر مین خیر خواہی ہے اور واقع مین بدخواہی آگے بیان ہے اُس عشوہ و فریب کا کہ وہ موسوس کہتا ہے کہ) جا سو رہ اے جان عزیز کہ ہم کسی کو ایسا نہ کرنے دینگے کہ کوئی تجھکو خواب سے اُٹھا دیوے (نگذاریم ما صیغہ جمع کے زیادہ مناسب یہ ہے کہ دایۂ وسواس سے مجموعۂ نفس و شیطان مراد لیا جاوے آگے حضرت محبوب حقیقی کی طرف سے خطاب ہے جس طرح دس شعر اوپر بھی محبوب حقیقی کی طرف سے خطاب تھا کہ بیا من باش یا ہم خوے من الخ چنانچہ اُسکے ترجمہ کی تقریر مین اسکو ظاہر بھی کیا ہے پس یہ شعر معنیً اُس شعر سے متصل ہے یعنی محبوب حقیقی کا ارشاد ہے کہ دایۂ وسواس تو تجھکو عشوہ ہی دے رہی ہے تو جاگنے مین اُسکے جگانے کا منتظر یا متوقع مت رہنا جیسا بعضے لوگ اس خیال مین رہا کرتے ہین کہ نفس کی خواہشین پوری ہوچکین گی تو طلب حق خود اسمین پیدا ہوجائے گی تو ارشاد حق ہے کہ یہ خیال باطل ہے اُس سے اسکی امید چھوڑ اور) تو خود ہی (اپنی ہمت سے) اپنے کو بیخ خواب سے علیحدہ کر نیسے تشنہ جو پانی کی آواز سُن لیتا ہے (چونکہ اُسکا مطلوب ہے اور پھر اُسکو نیند نہین آتی کیونکہ مطلوب کی آواز سُنکر طالب کو نیند کہان پس) مین بھی (باعتبار اس خطاب کے بمنزلہ) پانی کی آواز (کے) ہون گوش تشنگان مین (یہ بھی محبوب حقیقی کا ارشاد ہے جیسا اس سے اوپر تھا اور اسی خطاب کے اعتبار سے جو مبنی ہے تشبیہ بہ بانگ آب کا) مثل بارش کے آسمان سے پہونچ رہا ہون (علوم معقولہ مین مقرر ہوچکا ہے کہ کسی شئے کا خاص حیثیت سے محکوم علیہ کسی حکم کا ہونا درحقیقت اُس حیثیت کا محکوم علیہ ہونا ہے اُس حکم کے ساتھ مثلاً یون کہین کہ زید باعتبار علم کے افضل ہے عمرو سے باعتبار علم کے تو حاصل یہ ہوگا کہ علم زید افضل ہے علم عمرو سے پس اس شعر مین متکلم یعنی محبوب حقیقی محکوم علیہ ہے دو حکمون کا باعتبار خطاب و تکلم لمضمون اشعار المقام من قولہ بیا من باش الخ و قولہ ہم تو خود را الخ کے ایک حکم تشبیہ بہ بانگ آب اور دوسرے حکم میرسم از آسمان پس بناءً علی القاعدۃ المذکورۃ آنفاً حقیقت مین محکوم علیہ

ان دونون مذکورہ حکمون کا محبوب کا وہ خطاب اور کلام دعوت ہوا جب کلام محبوب مشابہ بانگ آب کے ہوا تو خود محبوب مشبہ بہ آب ہوا اور وجہ تشبیہ مطلوب ہونا ہے محبین کا جیسے آب مطلوب ہوتا ہے تشنگان کا پس کلام بالکل صاف اور مصرعۂ ثانیہ شعر بالا یعنی ہمچو تشنہ الخ کے بالکل متوافق ہوگیا یعنی جسطرح تشنہ آب کی آواز سُنکر نہین سو سکتا تو بھی مثل تشنہ کے میرا ایسا طالب اور مشتاق ہو جا کہ میرا کلام و خطاب کہ مین بمنزلۂ آب کے اور میرا کلام بمنزلۂ بانگ آب کے ہے سُنکر تو غایت طلب سے نہ سو سکے یعنی کم سویا کرے یہ تو تقریر ہوئی پہلے حکم کی اور دوسرے حکم کی تقریر یہ ہے کہ میرا کلام مثل باران آسمان سے پہونچ رہا ہے چنانچہ ظاہر ہے کہ وحی اور اسی طرح الہام یہ سب من السماء ہے اور یہ شبہہ نہ کیا جاوے کہ مصرعۂ اولیٰ مین تو کلام کو بانگ آب سے اور محبوب کو آب سے تشبیہ دی اور مصرعۂ ثانیہ مین کلام کو خود آب سے کہ باران بھی فرد آب کی ہے تشبیہ دی تو ایک جگہ تو آب مشبہ بہ محبوب کا ہے اور ایک جگہ وہی آب مشبہ بہ کلام محبوب کا ہے تو ظاہرًا یہ تدافع ہے کیونکہ جب محبوب کو آب سے تشبیہ دی گئی تو اُسکا کلام جیسے بانگ آب ہے ایسے ہی بانگ باران ہونا چاہیے نہ کہ خود باران جواب یہ ہے کہ آب مین اعتبارات مختلف ہین ایک تو مطلوب ہونا اس اعتبار سے وہ مشبہ بہ محبوب کا ہے اور اُسکی بانگ مشبہ بہ کلام محبوب کا اور دوسرا اعتبار نزول من السماء ہے اس اعتبار سے مشبہ بہ محبوب کا نہین ہو سکتا لتنزہہ من النزول مثل نزول الغیث بلکہ اس اعتبار سے مشبہ بہ کلام محبوب کا ہے پس تشبیہ کلام بباران مین صرف نزول من السماء معتبر ہے نہ کہ اُسکا صاحب بانگ ہونا بھی پس کچھ تدافع اور اشکال نہ رہا آگے تشبیہ محبوب بآب و تشبیہ کلام ببانگ آب پر متفرع کرکے پھر محبوب کا خطاب ہے کہ) اے عاشق اُٹھ اور اضطراب مین آ (جسطرح طالب آب بانگ آب کو سنکر مضطرب ہوکر اُٹھ کھڑا ہوتا ہے اور اگر نہ اُٹھا تو تعجب ہے کہ) پانی کی تو آواز اور پیاسا اور (پھر) اُسوقت بھی نیند (یہ اجتماع کیسے ہو سکتا ہے پس تجھکو بھی اگر طلب ہے تو اضطراب مین یہ خواب طویل اور ثقیل نہ ہونا چاہیے ورنہ تجھکو بھی وہی کہا جاویگا جیسا اُس مدعی عشق کو کہا گیا جسکی حکایت آگے آتی ہے کہ تو طفلی گیر این می باز نرد یعنی دعوئ عشق مین تجھکو کاذب و بوالہوس و فضول کہا جاوے گا۔)

ف۵ [illegible] ص ۳۴

حکایت آن عاشق کہ شب بیامد بر امید وعدۂ معشوق بدان وثاق کہ اشارت

حکایت اُس عاشق کی جو کہ رات کو معشوق کے ایفاے وعدہ کی اُمید پر اُس مقام مین آیا جہان اُسکے معشوق نے اشارہ

کردہ بود و بعضے از شب منتظر بود تا خوابش ربود معشوق آمد جیبش پر از گردگان نمود و برفت

کیا تھا اور رات کے بعض حصے مین منتظر رہا یہان تک کہ اُسکو نیند آگئی اور معشوق آیا اور اُسکی جیب کو اخروٹون سے پُر کرکے چلا گیا

(ربط اس حکایت کا شعر بالا کی شرح کے اخیر مین مذکور ہو چکا)

عاشقی بوده است در ایام پیش — **پاسبان عهد اندر عهد خویش**

کوئی عاشق تھا پہلے زمانہ مین — جو قول و پیمان کا محافظ تھا اپنے عہد مین

سالها در بند وصل ماه خود — **شاه مات و مات شاهنشاه خود**

برسون سے اپنے محبوب کے وصل کی فکر مین تھا — بادشاہ تھا عاشقوں کا اور مغلوب تھا اپنے معشوق کا

عاقبت جوینده یابنده بود — **که فرج از صبر تابنده بود**

آخر جوینده یابنده ہوتا ہے — کیونکہ کشادگی صبر سے طلوع کرنے والی ہوتی ہے

گفت روزی یار او کامشب بیا — **که بپختم از پی تو لوبیا**

ایکدن اُسکے محبوب نے کہا کہ آج کی رات آنا — کیونکہ مین نے تیرے لیے لُو بیا پکایا ہے

در فلان حجره نشین تا نیم شب — **تا بیایم نیم شب من بی طلب**

فلان حجرہ مین بیٹھنا آدھی رات تک — پس مین آدھی رات کو بغیر بُلائے آؤنگا

مرد قربان کرد و نانها بخش کرد — **چون پدید آمد مهش از زیر گرد**

عاشق نے قربانی کی اور روٹیان تقسیم کین — جبکہ اُسکا چاند گرد کے نیچے سے ظاہر ہوا

شب دران حجره همیکرد انتظار — **بر امید وعدهٔ آن یار غار**

(بتقدیر مضاف یعنی ایفاء ۱۲)

رات کو اُس حجرہ مین انتظار کرنے لگا — اُس یار غار کے وعدہ کی اُمید پر

منتظر بنشسته خوابش در ربود — **او فتاد و گشت بیخود آن عنود**

منتظر بیٹھے بیٹھے اُسپر نیند کا غلبہ ہوا — گر پڑا اور وہ غلط کار بیخود ہو گیا

ساعتی بیدار بُد خوابش گرفت — **عاشق دلداده را خواب ای شگفت**

دیر تک جاگتا رہا نیند نے اُسکو دبا لیا — عاشق دلدادہ کو نیند ہا تعجب کی بات ہے

بعد نصف اللیل آمد یارِ او	صادق الوعدانہ آن دلدارِ او
آدھی رات کے بعد اسکا محبوب آیا	صادق الوعدہ لوگون کی طرح اُسکا وہ دلدار
عاشقِ خود را فتادہ خفتہ دید	اندکے از آستینِ او درید
اپنے عاشق کو پڑا ہوا سوتا دیکھا	اُسکی آستین کا کچھ حصہ پھاڑ ڈالا
گردگانِ چندش اندر جیب کرد	کہ تو طفلی گیر این می باز نرد
چند اخروٹ اُسکی جیب مین بھر دیے	کہ تو لڑکا ہے انکو لے نرد کھیل
چون سحر از خواب عاشق بر جہید	آستین و گردگان ہا را بدید
جب سحر کے وقت عاشق نیند سے اُٹھا	آستین کو اور اخروٹون کو دیکھا
گفت شاہِ ما ہمہ صدق و وفاست	آنچہ بر ما میرسد آن ہم زماست
کہنے لگا کہ ہمارا محبوب توسراپا صدق اور وفا ہے	جو کچھ ہمپر پہونچ رہا ہے وہ ہماری ہی طرف سے ہے

کوئی عاشق تھا پہلے زمانہ مین جو اپنے عہد (و پیمان محبت) کا محافظ تھا اپنے عہد مین (یعنی حقوق محبت کا ادا کرنے والا تھا اور) سالہا سال سے اپنے محبوب کے وصل کی فکر مین تھا بادشاہ تھا کشتگان (عشق) کا اور کشتہ تھا اپنے بادشاہ (یعنی محبوب) کا (مات مغلوب در شطرنج و مات اول بدو جنس مرادست). آخر جوئندہ (اکثر) یابندہ ہوتا ہے کیونکہ (اکثر) کشادگی صبر سے طلوع کرنیوالی ہوتی ہے (اشارۃ الی حدیث الصبر مفتاح الفرج وھو اعم من الظاھر والباطن ای الانشراح فلا یتخلف الفرج عن الصبر قط) چنانچہ اُس عاشق کی کامیابی کی بھی یہ صورت نکلی کہ) ایک روز اُسکے محبوب نے (اُس سے) کہا کہ آج کی رات (میرے ملنے کے لیے) آنا کہ (تیری دعوت ہے اور) مین نے تیرے واسطے لوبیا پکایا ہے (وہ کھلاؤنگا بس) تو فلانے حجرہ مین نصف شب تک بیٹھنا تاکہ مین بے بُلائے نصف شب مین (تیرے پاس) آؤنگا (ممکن ہے کہ یہ وقت رقیبون سے پوشیدہ رہنے کے لیے یا عاشق کے امتحان بیداری یا خواب کے لیے تجویز کیا ہو) اُس شخص (عاشق) نے (اسکی خوشی مین) قربانی کی اور روٹیان (مسکینون کو) تقسیم کین جبکہ اُسکا چاند گرد کے نیچے سے ظاہر ہوا (یعنی اُسکے قلب پر سے غبارِ غم دور ہوا بوجہ عنایت محبوب کے چنانچہ حسب فرمایش محبوب کے) رات کو وہ اُس حجرہ مین (جاکر) انتظار کرنے لگا اُس یارِ غار کے

(ایفاے) وعدہ کی امید پر (اور) منتظر بیٹھے بیٹھے اُسپر نیند کا غلبہ ہوا (اور) گر پڑا اور وہ غلط کا (نیند سے) بیخود ہوگیا (غلط کا رکہنے کی وجہ ظاہر ہے کہ ایسے موقع پر سوگیا) ایک عرصہ تک تو بیدار رہا (پھر) نیند نے اُسکو دبالیا (آگے مولٰنا فرماتے ہین کہ) عاشق دلدادہ کو نیند (آنا) تعجب کی بات ہے (اسی لیے اوپر غنود کہا تھا غرض) بعد نصف شب کے اُسکا محبوب آیا صادق الوعد لوگون کی طرح اُسکا وہ دلدار (آیا اور) اپنے عاشق کو پڑا ہوا سوتا دیکھا (اور نشانی کے لیے) اُسکی آستین کا کچھ حصہ پھاڑ ڈالا (تاکہ جاگنے کے بعد اس سے معلوم ہوجاوے کہ محبوب آیا تھا اور اُسکی غلطی پر متنبہ کرنیکے لیے محبوب نے) چند اخروٹ اُسکے جیب مین بھر دیے (اشارہ اسطرف تھا) کہ تو طفل (عشق) ہے (کامل نہین) یہ (اخروٹ) لے (اور) ان اخروٹونسے بچون کی طرح) نرد کھیل (نرد سے مراد مطلق بازی) جب سحر کے وقت عاشق نیند سے اُٹھا (اور) آستین اور اخروٹون کو دیکھا تو کہنے لگا کہ ہمارا بادشاہ تو سراسر صدق ووفا ہے (پھر) جو کچھ (حرمان) ہم پر پہونچتا ہے وہ ہماری ہی طرف سے ہے (اسمین اسطرف بھی اشارہ ہوگیا کہ حق تعالیٰ کی رحمت وعنایت مین کمی نہین اُنکے سب وعدے سچے ہین لیکن ہم ہی ناقضِ عہد ہین اِسلیے محروم ہین قال تعالیٰ اوفوا بعھدی اوف بعھدکم)

اے دلِ بیخواب ما زین ایمنیم ۔ چون جرس بر بام چوبک میزنیم
اے دلِ بیخواب ہم اس سے بے خطر ہین ۔ پاسبان کی طرح بام پر ڈنکا بجاتے ہین

گردگانِ ما درین مطحن شکست ۔ ہر چہ گوئیم از غمِ خود اندک ست
ہمارے اخروٹ اس چکی مین شکستہ ہو چکے ہین ۔ ہم جتنا اپنے غم کا بیان کرین وہ تھوڑا ہے

عاذلا چند این صداع و ماجرا ۔ پند کم دہ بعد ازین دیوانہ را
اے ملامت کرنے والے کب تک یہ دردِ سر او قصہ ۔ نصیحت کم کر اِسکے بعد دیوانہ کو

من نخواہم عشوۂ ہجران شنود ۔ آزمودم چند خواہم آزمود
مین ہجران کا حیلہ ہرگز نہ سنونگا ۔ مین آزما چکا ہون کہان تک آزماؤنگا

ہر چہ غیر از شورش و دیوانگی ست ۔ اندرین رہ دوری و بیگانگی ست
جو کچھ بھی شورش اور دیوانگی کے سوا ہے ۔ اس راہ مین وہ دوری اور بیگانگی ہے

لہ نغطازن کا منشا رالیہ اور مطلب کی تقریر گذشتہ صفحے مین ہو دیے ۱۲

ہین بنہ بر پایم آن زنجیر را — کہ دریدم سلسلۂ تدبیر را

ہاں میرے پاؤں پر اُس زنجیر کو رکھ دیجیے — کیونکہ مین نے تدبیر کے سلسلہ کو دریدہ کردیا ہے

غیر جعد آن نگار مقبلم — گر دو صد زنجیر آری بگسلم

بجز زلف اُس اپنے محبوب صاحب اقبال کے — اگر دوسو زنجیرین لاؤ گے توڑ ڈالونگا

عشق و ناموس اے برادر راست نیست — بر در ناموس اے عاشق مایست

عشق اور ناموس اے بھائی ٹھیک نہین — اے عاشق ناموس کے دروازہ پر کھڑا بھی ہونا

وقت آن آمد کہ من عریان شوم — جسم بگذارم سراسر جان شوم

وہ وقت آگیا کہ مین مجرد ہو جاؤن — جسم کو چھوڑ دوں کہ سراسر روح ہو جاؤن

اے عدوے شرم و اندیشہ بیا — کہ دریدم پردۂ شرم و حیا

اے بغض رکھنے والے شرم اور اندیشہ کے آجائیے — کیونکہ مین نے شرم اور حیا کا حجاب دریدہ کردیا ہے

اے ببستہ خواب جان از جادوئی — سخت دل یارا کہ در عالم توئی

اے محبوب کہ جسنے روح کی خواب کو سحر سے روک دیا ہے — صمد مطلق اے محبوب عالم مین آپ ہی ہین

ہین گلوے صبر گیر و می فشار — تا خنک گردد دل عشق اے سوار

ہاں صبر کا گلا پکڑ لے اور دبادے — تاکہ عشق کا دل ٹھنڈا ہو جاوے اے سوار

تا نسوزم کے خنک گردد دلش — اے دل ما خاندان و منزلش

مین جب تک سوختہ نہو جاؤنگا اُسکا دل کب ٹھنڈا ہوگا — اے مخاطب ہمارا دل اُسکا خاندان اور گھر ہے

خانۂ خود را ہمی سوزی بسوز — کیست آنکس کہ بگوید لا یجوز

تو اپنے گھر کو جلاتا ہے تو جلادے — وہ شخص کون ہے جو لا یجوز کہے

خوش بسوز این خانه را ای شیر مست
اے مست شیر اس گھر کو اچھی طرح جلا

خانهٔ عاشق چنین اَوْلیٰ ترست
عاشق کا گھر تو ایساہی بہتر ہے

بعد ازین من سوز را قبله کنم
اسکے بعد مین سوختگی کو قبلہ بناؤنگا

زانکه شمعم من بسوزش روشنم
اسلیے کہ مین شمع ہون سوختگی ہی سے روشن ہون

خواب را بگذار امشب اے پدر
اے بابا آجکی رات خواب کو چھوڑدے

یک شبے در کوے بیخوابان گذر
ایک رات تو بیخوابون کے کوچہ مین گذر کر

بنگر آنهارا که مجنون گشته اند
اُن لوگون کو دیکھ کہ مجنون ہو گئے ہین

همچو پروانه بوصلش گشته اند
پروانہ کی طرح اُسکے وصل مین کشتہ ہو چکے ہین

بنگر این کشتی خلقان غرق عشق
ایک کثیر خلقت کی کشتی کو دیکھ کہ عشق مین غرق ہوگئی ہے

اژدهائے گشته گوئی حلق عشق
گویا کہ عشق کا حلق ایک بڑا سا اژدہا ہو گیا ہے

اژدهائے ناپدید دلربا
ایسا اژدہا کہ غیر محسوس اور دل چھیننے والا ہے

عقل همچون کوه را او کهربا
کوہ جیسی عقل کے واسطے وہ کہربا ہے

عقل هر عطّار کآگه شد ازو
جس عطار کی عقل کہ اُس سے آگاہ ہو گئی

طبلها را ریخت اندر آب جو
اُسنے ڈبون کو ندی مین بہا کر کھو دیا

رو کزین جو بر نیائی تا ابد
جا کیونکہ اِس ندی سے ابد الآباد تک نہ نکلے گا

لم یکن حقّا له کفوًا احد
بالیقین اُسکا کوئی ہمسر نہین

اے مُزَوِّر چشم بکشا و ببین
اے دروغگو آنکھ کھول اور دیکھ

چند گوئی می ندانم آن و این
کہان تک کہے گا کہ مین ان باتون کو نہین جانتا

از وبای زرق و محرومی برآ

تو اس دروغ اور محرومی کے مرض سے نکل

تا نمی بینم ہمی بینم شود

تاکہ یہ نمی بینم - ہمی بینم ہو جاوے

بگذر از مستی و مستی بخش باش

تجاوز کر مستی سے اور مستی دینے والا ہوجا

چند نازی تو بدین مستی پست

توکب تک ناز کرے گا اس پست مستی پر

گر دو عالم پر شود سرمست یار

اگر دونون عالم بھی پر ہو جاوین سرمستان یار سے

این ز بسیاری نیابد خوار یے

یہ مست کثرت کیوجہ سے خواری نہین پاتا

گر جہان پر شد ز تاب نور مہ

اگر تمام عالم شعاع نور ماہ سے پر ہوگیا ہو

گر جہان پر شد ز نور آفتاب

اگر تمام عالم نور آفتاب سے پر ہوگیا ہو

در جہان حی و قیومی درآ

اُس عالم کے اندر آ جو کہ حی و قیوم کی طرف منسوب ہے

وین ندانمہات میدانم شود

اور تیرے یہ سب ندانم - میدانم ہو جاوین

زین تلون نقل کن در استوا اش

اس تلون سے منتقل ہو جا اُسکے استواء مین

بر سر ہر کوی چندان مست ہست

ایسے مست تو ہر گلی کوچہ مین بہتیرے ہین

جملہ یک باشند و آن یک نیست خوار

وہ سب ملکر ایک ہی ہونگے اور وہ ایک خوار نہین ہے

خوار کہ بود تن پرستے ناریے

خوار کون ہوتا ہے جو تن پرست ناری ہو

کے کساد آید بر صاحب ولہ

جو شخص فریفتہ ہو اُسکے نزدیک بقدری کب ہوسکتی ہے

کے بود خوار آن تف خوش التہاب

تو بقدر کب ہوسکتی ہے وہ حرارت خوش اشتعال کی

ع اس اولاً کا عطف شعر "تا با شعر" عاذ ولا الخ کی تمہید مین ہے ۱۲ منہ

(حکایت بالا کے قبل اشعار از ندارد خواب و خورا الخ سے طریق عشق کے بعض خواص و آثار مثل تقلیل منام وطعام و مثل اضطراب و التہاب مذکور ہوئے تھے چنانچہ اوپر اُنکی تمہید مین اجمالاً اور شرح مین تفصیلاً بیان بھی ہوا ہے اُن اشعار مین پھر عود ہے اُسی مضمون آثار عشق کی طرف پس اولاً بطور تحدث بالنعمۃ کے فرماتے ہین کہ)

اے دل (جو کہ عشق مین) بخواب (ہوگیا ہے) ہم (بفضلہ تعالیٰ) اس (خواب غفلت) سے (جسمین وہ عاشقِ خام مبتلا تھا) بے خطر ہین (کیونکہ عاشق کامل ہین اور ہم اس مضمون کے اعلان کے لیے) پاسبان کی طرح بام پر (بیٹھکر) ڈنکا بجاتے ہین (یعنی باوازِ دہل اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کو بیان کرتے ہین اور بفضلہ تعالیٰ ہمارے اخروٹ اس آسیا (ے عشق) مین شکستہ ہوچکے ہین (یعنی اُس عاشق خام کے خلاف ہم درجۂ بازی وخامی سے رہائی پاچکے ہین مگر اس پختگی کی تحصیل مین مین نے جیسے مجاہدے اور غم جھیلے ہین) مین جتنا اپنے (اُس) غم کا بیان کردن وہ قلیل ہے (اشارہ اسطرف ہے کہ پختگی بدون مجاہدات شدیدہ مدیدہ کے میسر نہین ہوتی اور اسی افادہ کے لیے بیان اپنی حکایت بیان فرمائی کہ اپنے ہم جنس کی حالت معلوم کرکے زیادہ رغبت ہوا کرتی ہے اور اسی مجاہدہ پر پختگی کے موقوف ہونے کو دوسرے قائل نے کہا ہے ؎ صوفی نشود صافی تا در نکشد جامی ٭ بسیار سفر باید تا پختہ شود خامی ٭ اسکے بعد ثانیاً گستانہ عنوان سے آثار عشق کو بیان کرتے ہین اور یہ عنوان اوپر کے اشعار کرز تناقض ہاے دل الخ سے شروع ہوا لیس فرماتے ہین کہ) اے ملامت گر (کہ عشق مین مجھکو ملامت کرتا ہے جیسے اکثر زاہدان خشک عشاق پر اعتراضات کرتے ہین) کب تک یہ دردِ سر اور رقصہ (رکھے گا جسکو تو بزعم خود نصیحت سمجھتا ہے تو) نصیحت (بھی) کم کر (یعنی مت کر) اس (حالت عشق حاصل ہونے) کے بعد دیوانہ کو (اور ایک نصیحت اس ملامت گر کی یہ ہے طریق عشق اس اعتبار سے بھی قابل اختیار کرنیکے نہین کہ اُسمین کبھی کامیابی ہی نہین ہوتی کیونکہ جو درجہ وصال کا میسر ہوتا ہے وہ اُس سے فوق کا طالب ہوتا ہے اور وہ اگر حاصل ہوگیا تو اُس سے فوق کی طلب ہوتی ہے جسکا حاصل یہ ہے کہ تمام عمر یعنی جب تک دنیا مین ہے ناکامی و فراق و ہجر و پریشانی ہی مین مبتلا رہتا ہے بخلاف دوسرے طرق سلوک کے کہ ایک حد پر پہونچکر ایک درجہ کی کامیابی و قرب و وصال پر تسلی تو ہوجاتی ہے آیندہ اشعار مین اسکا جواب ہے کہ) میں ہجران کا چغمہ نہ سنون گا (یعنی تو جو مجھکو چغمہ دیتا ہے کہ عشق مین ہمیشہ ہجر ہی نصیب ہوتا ہے مین نہ سنون گا اور طریق عشق کو نہ چھوڑونگا کیونکہ) مین (اسکو خود) آزما چکا ہون (اور) کہان تک آزماؤنگا (یعنی اب حاجت آزمایش کی نہین رہی جیسا تیرا مقصود ہے کہ امتحان کرکے دیکھ لو کہ اسمین ہجران ہی ہے سو مین اس ہجران کو آزما چکا ہون وہ بھی لذیذ ہے کیونکہ اول تو وہ واقع مین ہجر نہین بلکہ ایسا قرب ہے جسکے بعد دوسرے قرب کا تقاضا ہوتا ہے دوسرے مقصود اصلی رضاے محبوب ہے اور وہ اس طریق مین سب سے بڑھکر حاصل ہے کیونکہ رضاے حق موعود ہے رضاے عبد بحق پر اور عاشق کی رضا ایسی اکمل ہے کہ طبعی ہوگئی تو رضاے حق بھی سب طرق سے زیادہ اسپر مرتب ہوگی اور وہی اصل مطلوب ہے خواہ برنگ وصال ہو یا برنگ فراق ولنعم ما قیل ؎ فراق و وصل چہ باشد رضاے دوست طلب ٭ کہ حیف باشد ازو غیر او تمنائے ٭ پس جب مین اس ہجر کا اوفق بالعاشق ہونا آزما چکا تو اب اُس سے مجھکو کیا ڈرتا ہے مین نہ ڈرونگا اور اس شعر کی تمہید مین جو مین نے اس فراق و ہجر کی غایت عمر دنیا کو کہا ہے تو وجہ اُسکی یہ ہے کہ جنت مین تو جاکر سب کو تسلی ہونا یقینی ہوتا ہے اور راز اسمین یہ ہے

که وہاں ہر شخص کی منتہائی استعداد کے موافق اُسکو وصال و رویت نصیب ہوگی اور استعداد سے زیادہ
تمنا نہ ہوگی اور یہاں جسطرح استعداد مقتضی ہے دوسری خصوصیات ہیولانیہ مانع بھی ہیں پس یہاں اس
مجموعہ کی رعایت سے وصال ہوتا ہے اور جب طریق عشق ایسا احب والذ ہے آگے اُسکی مدح کرتے ہیں کہ)
شورش اور دیوانگی کے سوا جو کچھ بھی ہے اِس راہ میں وہ دوری اور بیگانگی ہے (مراد اس سے وہ عقل وادراک
ہے جو متعلق بغیر حق اور حاجب عن الحق ہو اُسی کو غیر شورش کہا ہے اور صحو و تمکین اس غیر میں داخل نہیں بلکہ
وہ تو اس شورش ہی میں داخل ہے صرف اتنا ہے کہ صاحبِ حال اس شورش سے مغلوب ہوجاتا ہے اور
صاحبِ تمکین مغلوب نہیں ہوتا باقی اُسکی رگ رگ میں محبت پُر ہوتی ہے اور ایک فرد اس غیر کی وہ طریق
صلاح بھی ہے جسمیں صرف اعمال کی درستی ہے اور حال بالکل نہیں یہ بالفعل تو دوری و بیگانگی نہیں لیکن
اُسمیں احتمال اور خطرہ ہے کہ یہ اصلاح کسی غرض کے غلبہ سے زائل نہ ہوجاوے اور بفضلہ تعالے طریق عشق میں
یہ اندیشہ نہیں چنانچہ اوپر شعر اے دل بجواب الخ میں اپنے کو یعنی عشاق کو اسی بنا پر امین کہا ہے اور اسکے
یہ معنی نہیں کہ اُس سے کوئی غلطی ہی نہیں ہوتی بلکہ یہ ہے کہ چونکہ طبعی محبت غالب ہوتی ہے غلطی میں دوام
واستمرار نہیں ہوتا اندر سے ایسی بیچینی ہوتی ہے کہ بدون تدارک کے صبر نہیں آتا اور جب کوئی حال
نہیں تو یہ بیچینی نہیں پس جسپر جتنا بھی حال ہے وہ اُسی درجہ میں طریق عشق کا سالک ہے خواہ ظاہراً اُسکو
عامۂ ناس صاحبِ حال نہ کہیں آگے اس طریق کی طلب کرتے ہیں کہ) ہاں (اے محبوب) میرے پاؤں پر
اُس زنجیر (عشق) کو رکھدیجیے کیونکہ میں نے سلسلۂ تدبیر (دنیوی) کو دریدہ کردیا ہے (یعنی آپکے ماسوا سے
تعلق اُٹھا دیا ہے تو مجھکو اپنا تعلق عشقی عطا کیجیے اور یہ قید عشق مجھکو ایسی محبوب اور دوسری قیدیں اور
تعلقات ایسے مبغوض ہیں کہ) بجز زلف میرے اُس محبوب صاحب اقبال کے (کہ مراد اس سے عشق ہے)
اگر دو سو زنجیریں (یعنی تعلقات بغیر) لاؤگے تو (سب کو) توڑ ڈالونگا (یعنی ماسوا سے تعلق ہونے ہی
نہ دونگا اور ان تعلقات بغیر مثل حُبِ مال وحُبِ جاہ وحفظ ناموس عرفی وغیر ذلک میں اشد درجہ کی قید
ناموس ہے اِسلیے اسکو آگے بالخصوص بیان فرماتے ہیں کہ) عشق اور (پھر اُسکے ساتھ) ناموس اے بھائی
یہ تو ٹھیک نہیں اے عاشق ناموس کے دروازہ پر تو (کبھی) کھڑا (بھی) مت ہونا (اسطرح جتنی قیود از قبیل
صفات ذمیمہ جسمانیہ مثل شہوت وغضب وغیرہ ہیں عشق کے ساتھ سب کو تضاد ہے پس جب عشق حاصل ہوگیا الحمدللہ
کہ اب) وہ وقت آگیا کہ میں (ایسی صفات مذکورہ سے) مجرد ہوجاؤں (اور) جسم (کی صفات مذکورہ)
چھوڑ دوں (اور) سراسر روح (کی صفات کے ساتھ کہ اضداد ہیں صفات مذکورہ کی متصف) ہوجاؤں
(آگے محبوب حقیقی سے عرض ہے عاشقانہ ومستانہ عنوان سے اور غلبۂ حال میں ایسے عنوانات کا عفو ہونا
اوپر معروض ہوچکا ہے پس کہتے ہیں کہ) اے مبغوض رکھنے والے شرم (یعنی ننگ و ناموس نفسانی وہو المذکور
فی الشعر السابق عشق وناموس الخ) اور اندیشہ (یعنی خوف ملامت فی اللہ) کے آجائیے (یعنی میرے دل میں

تجلی فرمائیے) کیونکہ مین نے شرم وحیا (بالمعنی المذکور) کا حجاب دریدہ (اور مرتفع) کردیا ہے (جوکہ مانع تھا تجلی حق کا چنانچہ ظاہر ہے کہ خود ہی حجاب ہے کما قیل + میان عاشق ومعشوق ہیچ حائل نیست + تو خود حجاب خودی حافظ از میان برخیز + جب یہ مانع مرتفع ہوگیا تو تجلی کی استدعا ہے اور گو اس ارتفاع حجاب پر تجلی موعود ہے کما قال تعالیٰ والذین جاهدوا فینا لنهدینهم سبلنا لیکن موعود کا مدعو کرنا امتثال ہے تعلیم حق تعالیٰ کا ربنا واٰتنا ما وعدتنا الاٰیۃ اور اسی استدعا تجلی بوقت ارتفاع حجاب کا اس شعر مین بھی مضمون ہے ؎ بے حجابانہ درآ از در کاشانۂ ما + کہ کسے نیست بجز درد تو در خانۂ ما + پھر اس تجلی سے زیادت طلب وعشق کا مضمون اس غزل کے دوسرے شعر مین ہے ؎ مرغ باغ ملکوتیم درین دیر خراب + میشود نور تجلاے خدا دانۂ ما + آگے منجملہ آثار عشق کے قلت منام کا ذکر ہے جسکا ذکر اشعار او ندارد خواب وخور الخ سے شروع ہوا ہے جیسا کہ اشعار زیر شرح کی تمہید مین بھی ذکر کیا گیا ہے پس مثل شعر بالا اے عدو شرم الخ اس مضمون قلت منام کو بھی بعنوان خطاب کہتے ہین کہ) اے (محبوب) کہ جسنے روح کی خواب کو سحر (یعنی تصرف عجیب) سے روک دیا ہے (یعنی عشق دیکر نیند کو اُڑا دیا ہے) صمد مطلق اے محبوب عالم (ہستی) مین آپ ہی ہین (چونکہ صمد کے معنی لغت مین مصمت الاجوف لکھی ہین اسی لیے صمدۃ کے معنی صخرۃ راسیۃ فی الارض مستویۃ بھا او مرتفعۃ بھی لکھے ہین کما فی القاموس اسلیے اس شعر مین معنی صمد کو بلفظ سخت دل تعبیر کردیا۔ غلبہ حال مین لفظ پر نظر نہ کیجاوے باقی معنی صاف ہین یعنی سید ومقصود کما فی القاموس ایضًا فی معنی الصمد یعنی چونکہ آپ سب کے محتاج الیہ اور سب سے مستغنی ہین اسلیے ہر شخص کے ساتھ وہ معاملہ کرتے ہین جو اُسکے لیے مصلحت ہو بخلاف اُس شخص کے جو غنی مطلق نہ ہو وہ ہر معاملہ مین اپنی مصلحت اور حاجت کا بھی خیال رکھے گا اور آپکو اس کی ضرورت نہین بلکہ آپکے لیے یہ مستحیل ہے اور عاشق کے لیے یہ حالت مذکورہ مصرعۂ اُولیٰ مناسب تھی اسلیے وہی عطا فرمائی اسطرح خواب نبستن کا سبب صمدیت ہوگئی اور عالم ہر چند کہ ماسوی اللہ کو کہتے ہین مگر یہان مطلق موجود کے معنی مین استعمال کیا گیا ہے اطلاقًا للمقید علی المطلق اسی لیے بجاے عالم امکان کے مین نے عالم ہستی کا لفظ ترجمہ مین اختیار کیا اور جادو سے مراد سحر بمعنی کل ما لطف ماخذہ ودق کذا فی القاموس ہے جسکا حاصل ہے تصرف عجیب آگے بھی آثار عشق کی تمنا کرتے ہین کہ اے محبوب) ہان صبر (وقرار) کا گلا پکڑ لے اور دبادے (کہ صبر وقرار ہلاک اور زائل ہوجاوے جیسا مقتضیٰ ہے عشق کا اور اسمین خواب کا جاتا رہنا بھی داخل ہوگیا کیونکہ نیند بدون قرار کے نہین آتی یعنی میرا قرار دور کردے) تاکہ عشق کا دل ٹھنڈا (یعنی خوش) ہوجاوے اے سوار۔ (دل خوش ہونا کنایہ ہے اداے حقوق سے کیونکہ اداے حقوق علیٰ سبیل الکمال سے صاحب حق کا دل عادۃً خوش ہوجاتا ہے یعنی تاکہ عشق کا حق پورا ادا ہوجاوے اور سوار مین استعارہ ہے مراد سریع التکوین جیسا سوار سریع السیر ہوتا ہے اور سرعت تکوین صفت منصوصہ ہے قال اللہ تعالیٰ انما امرہ اذا اراد شیئًا ان یقول لہ کن فیکون اسمین اشارہ اسطرف ہوسکتا ہے

کہ آپ یہ استدعاء مذکور مصرعۂ اولی جلدی پوری کر دیجیے کیونکہ آپ جلدی بھی پوری کر سکتے ہین واللہ اعلم
آگے مضمون مصرعۂ ثانیہ کی تاکید ہے کہ) مین جب تک (عشق سے) سوختہ نہ ہو جاؤنگا (جسکے لیے
زوالِ صبر و قرار لازم ہے یا جو زوالِ صبر و قرار کے لیے لازم ہے) اُس (عشق) کا دل کب ٹھنڈا ہوگا (ومعناہ قد ذکر)
اے مخاطب ہمارا دل اسکا خاندان اور گھر ہے (جسطرح ہر شخص اپنے خاندان اور گھر مین مقیم رہتا ہے وہ ہمارے دل مین
مقیم ہے اور اگر خاندان بمعنی خانہ منقول ہو جیسا البعض کا قول ہے تو مرادف ہوگا منزل کا آگے خطاب ہے
عشق کو بطور تفریع کے ماقبل پر یعنی اے عشق جب میرا دل تیرا گھر ہے اور تو میری سوزش کو پسند کرتا ہے کما ہو
مضمون شعر تا نسوزم الخ اور میری سوزش کا حاصل میرے دل کی سوزش ہے تو گویا تو میرے دل کو سوختہ
کرنا چاہتا ہے جو کہ تیرا گھر ہے سو واقع مین) تو اپنے گھر کو جلاتا ہے سو جلا دے (اپنے گھر کا سب کو اختیار
ہوتا ہے اسی لیے) وہ شخص کون ہے جو لا یجوز کہے (کیونکہ ہر مالک کو اپنے مملوک مین ہر قسم کے تصرف کرنیکا
اختیار ہے الا ان یدل دلیل علی المنع ولا دلیل ھھنا بمنع فیجی مطلقًا پس) خوب (دل
کھولکر) اس گھر کو جلا اے (عشق جو کہ سطوت و صولت مین مشابہ) شیر مست (کے ہے) عاشق کا گھر تو
ایسا ہی اچھا (معلوم) ہوتا ہے (کیونکہ ایسا ہونا علامت ہے اوا ے حق عشق کی جو کہ مطلوب ہے۔ اوپر عاشق
کے قلب کو عشق کا گھر کہا تھا اور یہان عاشق کا گھر کہدیا دونون اضافتین خاص خاص مناسبت سے ہین
چنانچہ ظاہر ہے اور جب مجھکو ثابت ہوگیا کہ سوختگی عشق کو پسند ہے تو) اسکے بعد مین (بھی) سوختگی (ہی) کو قبلہ (توجہ) رکھونگا
(یعنی سوختگی کا اہتمام رکھا کرونگا) کیونکہ مین (مثل) شمع (کے) ہون (اور شمع کیطرح) سوختگی (ہی) سے
روشن ہون (ظاہر ہے کہ شمع کی روشنی اُسکی سوزش ہی سے ہے اسی طرح عاشق کی روشنیِ دل عشق اور اُسکے
آثار ہی سے ہے جنمین سے سوزش بھی ہے اِس سب کا حاصل یہ ہے کہ عاشق کو عشق کے متاعب و مصاعب سے
خائف نہ ہونا چاہیے کہ اسمین نفع ہے آگے پھر عود ہے ترغیب ترک خواب کی طرف جسکا اوپر کئی جگہ ذکر ہے
یعنی) اے بابا آج کی رات خواب کو چھوڑ دے (اور) ایک رات تو بیخوابون کے محلہ مین کو گذر آ (یعنی اگر
تجھ مین عشق کا غلبہ نہین تو عشاق ہی کو دیکھ آ تا کہ اُنکی حالت کی رغبت ہو اور وہان جا کر دیکھ) اُن لوگون کو
دیکھ کہ (عشق حق مین) مجنون ہوگئے ہین (اور) پروانہ کی طرح اُسکی وصل مین قتل ہو چکے ہین (اشارہ
اسطرف ہے کہ وہ عاشق مہجور و محروم نہین بلکہ واصل ہین اور وصل و قرب مین فنا ہوئے ہین جیسا پروانہ
کہ شعلہ کی وصل ہی مین کشتہ ہوتا ہے اور غایت قرب کا خاصہ بھی فنا ہے خواہ سُکر کے ساتھ وھو
لاھل الحال یا صحو کے ساتھ وھو لاھل المقام اور اُس کوی بیخوابان مین جا کر) ایک کثیر خلقت کی
کشتی کو دیکھ کہ عشق مین غرق ہوگئی ہے (بس) یون کہو کہ عشق کا حلق (گویا) ایک اژدہا ہوگیا ہے (کہ سب
ماسوی کو نگل گیا اور کھا گیا اور اژدہا بھی کیسا) جو کہ غیر محسوس (بحواس ظاہرہ) ہے (اور عشاق کا) دل چھیننے والا ہے
(اور) کوہ جیسی عقل کے لیے وہ (خاصیت مین مثل) کہربا (کے) ہے (یعنی عقل عرفی با وجود مشابہ کوہ ہونیکے

اُسکے روبرو مشابہ کاہ کے ہے جسکو کہربا اُٹھالیتا ہے اسیطرح عشق رافع عقل ہوگیا اور محسوس مین بحواس
ظاہرہ کی قید اسلیے لگائی کہ عشق کا ادراک وجدان سے تو ہوتا ہے جو کہ حاسۂ باطنی ہے آگے سالب عقل ہونا
اُسکا ایک حکایت سے بیان کرتے ہین کہ) عقل جس عطار کی کہ اُس (عشق) سے آگاہ ہوگئی اُس (عطار)
نے (خوشبودار عرقیات کے) قرابے ندی مین بہا دیے (اور بہاتے وقت بزبان حال اُن عرقیات یا قرابون سے
کہا کہ) جا (رخصت) کیونکہ اس ندی سے ابد الآباد تک نہ نکلے گا (مطلب یہ کہ اب تیرا طالب نہ ہونگا کیونکہ)
بالیقین اُس (محبوب حقیقی) کا کوئی ہمسر نہین (اگر کوئی نعوذ باللہ اُسکا ہمسر ہوتا تو اُسکو چھوڑکر اُس ہمسر کو اختیار کرنیکی
گنجایش تھی جب کوئی ہمسر نہین پھر طلب غیر کی کب گنجایش رہی اسلیے اے طلبہا اے خوغیو محبوب حقیقی کا طالب
ہوکر تیرا طالب نہ ہونگا اسمین اشارہ ہے قصۂ حضرت فرید الدین عطارؒ کیطرف کہ تمام رخت ومتاع عطاری
کو ریختہ کرکے عاشق صادق ہوگئے کذا فی الحاشیہ یہان تک بیان تھا آثار عشق اور احوال عشاق کا آگے
ان مضامین کے منکر کو جیسا دلدادگان فلسفہ کہ خود تعلق حب عشق مع اللہ تعالیٰ ہی کے منکر ہین کہ جب وہ کسیطرح
محسوس نہین تو اُسکا عشق کیسے ہوسکتا ہے ورد علیہم الغزالی فی احیاء العلوم ابلغ رد
پس ایسے منکر کو خطاب ارشادی ہے کہ) اے (منکر) دروغ گو (تو جو ان حقائق کا انکار کرتا ہے اور کہتا ہے کہ مین تو ان
مضامین کو صحیح نہین جانتا اور نہ ایسے عشاق دیکھتا ہون ذرہ) آنکھ کھول اور دیکھ (یعنی تیرے اس کہنے کی وجہ
یہ ہے کہ تو نے طلب کی آنکھ نہین کھولی پھر کیسے سمجھ مین آوے اور کیونکر نظر آوے قال تعالیٰ انلزمکموہا
وانتم لہا کارہون وقال تعالیٰ ان فی ذٰلک لذکریٰ لمن کان لہ قلب او القی السمع وھو
شہید وقال تعالیٰ لہم قلوب لا یفقہون بہا ولہم اعین لا یبصرون بہا ولہم اٰذان
لا یسمعون بہا اور جھوٹا اسلیے کہا کہ اس منکر کا تو مقصود اس قول سے یہی ہے کہ باوجود استعمال قوی
ادراکیہ وقصد تحقیق کے پھر بھی سمجھ مین اور نظر مین نہین آیا تو یہ جھوٹ ہے غرض یہ کہ چشم بصیرت
کے کام مین نہ لانیکے سبب) کہان تک کہیگا کہ مین ان باتون کو نہین جانتا (یعنی میری سمجھ مین نہین
آتین اور یہ نمیدانم ایسا ہے جیسا عشر اول مین سُرخی حسد بُردن امیران بر ایاز سے ذرہ اوپر یہ شعر
ہے ور بہ بندی چشم خود را از احتجاب الخ جیسا کہ اُسکی شرح سے معلوم ہوسکتا ہے غرض تو جو سمجھنے کا انکار
کررہا ہے) تو اس دروغ (فی المقال) اور محرومی (فی الحال) کے (کہ انکار کو یہ حرمان لازم ہے)
مرض سے نکل (وبا اسلیے کہا کہ یہ مرض انکار بہت شائع ہے اور) اُس عالم کے اندر آجو کہ حی و قیوم
کی طرف منسوب ہے (مراد اس عالم سے حالت تصحیح عقائد واصلاح اعمال واکتساب احوال باختیار
اسبابہا التی اعظمہا صحبۃ المحبین والمربین من اھل الکمال ہے کہ یہ سب منسوب و
موصل الی الحی القیوم ہین مطلب یہ کہ اس دستور العمل کو اختیار کر) تاکہ (اسکی برکت اور اثر سے) یہ
نمی بینم (یعنی جہل) ہمی بینم (یعنی علم سے مبدل) ہوجاوے اور تیرے یہ سب ندانم (یعنی جہل)

می دانم (یعنی علم) ہو جاوین (چنانچہ واقعی اُس دستور العمل سے بصیرت و وصول الی الحقیقۃ میسر ہو جاتی ہے اور
اسی شعر کے نمی بینم اور نمی دانم کے لحاظ سے بندہ نے اے مزوّر کی شرح مین مضامین کو نہ جاننا اور عشاق کو نہ دیکھنا
دونون لکھدیے اور) چونکہ منکرین مین جو فلسفہ پرست ہین اُنکو اُنکے علوم فلسفہ کا نشہ اِس دستور العمل کے اختیار
کرنیسے جسمین سراسر اتباع ہی اتباع ہے محبوب حقیقی کا بھی اور واسطہ الی المحبوب الحقیقی یعنی مرشد کا بھی
مانع ہوگا کما قال تعالیٰ فلما جاءتھم رسلھم بالبینٰت فرحوا بما عندھم من العلم
وحاق بھم ما کانوا بہ یستھزءُ ون اسلیے آگے اس نشہ و مستی و ناز و عجب و بطر و فرح کے مبانی کا
ہیچ و باطل ہونا بتلاتے ہین یعنی) تو (اِس بے بنیاد) مستی سے (کہ نشہ ہے کمال وہمی کا) تجاوز کر (جمع مبنیٰ) اور
(وہ مستی حاصل کر کہ تو دوسرون کو) مستی دینے والا ہو جا (دے اور وہ مستی حق ہے کہ اُس مستی والے کی
صرف صحبت سے بھی دوسرون مین عشق حق کا اثر ہوتا ہے بخلاف وہمی علوم کی مستی کے کہ ایسے شخص کی
صرف صحبت سے دوسرے پر اُن علوم کا کوئی حصہ بھی نہین پہونچتا اور) اس تلون سے (جو کہ علوم فلسفہ
مین پیش آتا ہے کہ ہمیشہ اُسکے مسائل مقصودہ مین بھی مقدمات دلیل مین خدشات ظاہر ہوتے رہنے سے
راے بدلتی رہتی ہے پس اس تلون سے) تو اُس (محبوب) کے استوار (وثبات) مین منتقل ہو جا (استوا کی
اضافت محبوب کی طرف ادنیٰ ملابست سے ہے یعنی وہ استوا جو اُس نے عنایت فرمایا ہے مطلب یہ کہ جب
محبوب سے تعلق پیدا کر لیگا علماً و عملاً تجھکو ثبات عطا ہوگا جسمین تبدل نہین ہوتا چنانچہ ظاہر ہے کہ اُس
دستور العمل کے لیے جن علوم کی ضرورت ہے اور اسی طرح اُس دستور العمل پر عمل کرنیسے جو علوم قلب پر منکشف
ہوتے ہین اُنمین جو حصہ مقاصد کا ہے اُسمین کبھی تغیر نہین ہوتا کیونکہ وہ علوم مستند الی الوحی ہین نصّاً یا
دلیلاً اور وحی متعین ہے اگر کہین فروع مین اختلاف بھی ہے تو وہان بھی یہ متعین ہے کہ یہ اختلاف رحمت ہے
اور قرب حق مقصود مین مخل نہین پس وہ اختلاف بھی مثل لا اختلاف کے ہو گیا اور علوم فلسفیہ کے اختلاف
مین خود مقصود ہی بدل جاتا ہے یہ تو ثبات علمی ہے اور ثبات عملی اُس ثبات علمی کی تابع ہے جب علم متعین ہے تو
عمل مطلوب بھی متعین ہے اور اختلاف فی الفروع کا شبہہ یہان بھی تقریر مذکور سے مندفع کر لیا جاوے
پس جب ایسے علوم پر مستی اور ناز مہمل ہے تو) تو کب تک اُس مستی پست پر ناز کریگا (چونکہ یہ علوم علوم سافلہ
سے ہین اس لیے اُنپر جو مستی ہوگی اُسکو بھی مستی پست کہا پس اُسپر ناز ہی کیا کیونکہ) ایسے مست تو ہر گلی
کوچہ مین بہتیرے (مارے مارے پھرتے) ہین (چنانچہ کوئی مال پرست ہے کوئی جاہ پر کوئی اختیارات پر
کوئی کسی صنعت و حرفت پر کوئی اپنے حسن و صورت پر کوئی پہلوانی اور قوت پر جنکو فلاسفہ بھی لاشئے
سمجھتے ہین کیونکہ یہ کمالات حقیقیہ نہین ہین پس واقع مین جب علوم فلسفیہ بھی کمال حقیقی نہین تو اُن علوم پر
ناز کرنا اور ان امور مذکورہ پر ناز کرنا سب برابر ہوا وہ لغو ہے تو یہ بھی لغو ہے اگر کوئی کہے کہ جیسے اِن
دنیوی مستون مین کثرت ہے تمھارے قول پر جیسا اوپر آیا ہے بنگر آنہارا کہ مجنون گشتہ اند الخ اور اسی بناء پر

منکر وجود مست حق کو جواب دیا تھا اسے مزد رچشم بگشا و ببین الخ مستان خدا مین بھی کثرت ہے پس اگر کثرت اس کو لا شئے کہا تو کثرت سے یہ بھی لاشئے ہون گے اسکا جواب دیتے ہین کہ اول تو انمین اس طرح کی کثرت نہین کیونکہ) اگر دونون عالم بھی سرمستان یار سے پُر ہوجاوین وہ سب ملکر ایک ہی ہونگے اور وہ ایک خوار نہین ہے (ایک ہون گے باعتبار اتحاد مقصود و عدم تزاحم کے اور طالبان دنیا یا تو مقاصد مختلف رکھتے ہین اور ہر شخص دوسرے کو اسکے مقصود کی طلب مین احمق بنا رہا ہے پھر جنکا مقصد بھی ایک ہے انمین تزاحم ہوتا ہے جیسے دو طالب سلطنت مثلاً سو اوّل تو مستان حق مین ویسی کثرت نہ ہوئی اور جس کثرت کا حکم کیا تھا وہ باعتبار معنی لغوی کے ہے جو کہ منکر پر حجت ہونیکے لیے کافی ہے پھر اگر اس اتحاد سے قطع نظر کرکے کثرت ہی مان لیجاوے، تب دوسرا جواب یہ ہے کہ) یہ مست (بحق) کثرت کے سبب خواری نہین پاتا خوار کون ہوتا ہے جو تن پرست (اور) ناری (دوزخی) ہو (جواب تحقیقی یہی ہے پہلا جواب تو لطیفہ تھا مطلب یہ کہ ہمنے جو مستان دنیا کو خوار کہا کثرت کے سبب نہین کہا بلکہ اسوجہ سے کہ بنائے مستی لغو ہے باقی ہم نے جو بر سر ہر کوی الخ مین انکی کثرت کو پیش کیا تو لا من حیث الکثرۃ بلکہ بطور جواب الزامی کے اس حیثیت سے کہ ان امور پر مستی کرنے والون کو جو کہ بہت کثرت سے ہین یہ مدعیان فلسفہ جس بنا پر حقیر سمجھتے ہین اور انکی کثرت مانع تحقیر نہ ہوئی اور وہ بنا ان امور کا کمال نہ ہونا ہے وہی بنا مقتضی ہے ان فلاسفہ کے مستی کے حقیر ہونے کو پس قلت و کثرت کا اسمین کوئی دخل نہین اور نہ کثرت مقتضی بیقدری کو بلکہ دیکھنا یہ چاہیے کہ وہ شئے فی نفسہ اگر قابل قدر کے نہین تو باوجود قلیل ہونیکے بھی بیقدر رہے اور اگر وہ فی نفسہ قابل قدر ہے تو باوجود کثرت کے بھی قابل قدر ہے چنانچہ آگے اسکی مثالین ہین کہ) اگر تمام عالم شعاع نور ماہ سے پُر ہوگیا ہو (دیکھو اس نور مین اسوقت کثرت ہوئی لیکن) جو شخص (اس نور ماہ پر) فریفتہ ہو (اسکی نظر مین) بیقدری کب ہوسکتی ہے (اسیطرح) اگر تمام عالم نور آفتاب سے پر ہوگیا ہو تو بیقدر کب ہوسکتی ہے وہ حرارت (آفتاب) خوش اشتعال کی (حالانکہ کثرت سے ہے پس اسی طرح اگر مستان حق مین کثرت ہے تو اس کثرت سے بیقدر ہونا لازم نہین آتا یہان تک شعر کز تنا قضہاے دل الخ سے جو کہ سرخی حوالہ کردن مرغ کے ذیل مین ہے مستانہ کلام تھا اور مستی ہی کی مدح اور اسی کے اکثر خواص و آثار کا بیان تھا چنانچہ شعر کز تنا قضہاے دل الخ کی تمہید مین بندہ نے اسکی تصریح بھی کردی تھی اور اکثر اسلیے کہا کہ بعض خواص مشترکہ بین السکر والصحو کا بھی کہین کہین بیان ہوا ہے چنانچہ اشعار زیر شرح مین جو ایک شعر ہے ہر چہ غیر از شورش الخ اسکی شرح مین اس اشتراک کی مین نے تصریح بھی کردی ہے لیکن زیادہ مضمون متعلق سکر کے ہے اس سے ممکن ہے کہ کسی کو شبہہ ہوجاتا کہ یہ صحو سے بھی افضل و ارفع ہے حالانکہ مقصود مولانا کا سکر کی مدح سے تفضیل اسکی ہے غفلت و انہماک فی الدنیا پر اسلیے آگے صحو کا ارفع ہونا فرماتے ہین تاکہ ناظر ترقی کرکے سکر سے صحو کی طرف متوجہ ہو یعنی اگر صحو ہونے لگے تو اسکو تنزل نہ سمجھے اسی طرح اہل صحو کو اہل سکر سے ادون نہ سمجھے آگے یہی مضمون ہے)

لیک با این جملہ بالاتر خرام
لیکن باوجود اس تمامتر کے بالاتر چلو

چونکہ ارض اللہ واسع بود و رام
چونکہ ارض اللہ واسع اور مسخر ہے

گرچہ این مستی چو باز اشہب ست
اگرچہ یہ سکر مثل باز سفید کے ہے

بر تر از وے بر زمین قدس ہست
ارض مقدسہ پر اس سے بھی بڑھکر موجود ہے

مست ز ابرار و مقرب زو بہ است
مست منجملہ ابرار کے ہے اور مقرب اُس سے بہتر ہے

بر مقرب شیر او چون روبہ است
مقرب کے روبرو اُسکا شیر روباہ کے مثل ہے

رو سرافیلے شو اندر امتیاز
جا اسرافیل ہو جا امتیاز مین

در دمندہ روح و مست و مست ساز
روح پھونکنے والا اور خود مست اور مست کرنیوالا

مست را چون دل مزاح اندیشہ شد
صاحب سُکر کا قلب جب ہزل اندیشہ ہو گیا

این ندانم وان ندانم پیشہ شد
تو این ندانم اور آن ندانم اُسکا پیشہ ہو گیا

این ندانم وان ندانم بہر چیست
این ندانم اور آن ندانم کس غرض کے لیے ہے

تا بگوئی آنکہ میدانیم کیست
تاکہ تبلادو جس کو ہم جانتے ہین وہ کون ہے

نفی بہر ثبت باشد در سخن
نفی بغرض اثبات ہوتی ہے کلام مین

نفی بگذار و ز ثبت آغاز کن
نفی کو چھوڑ اور اثبات کو شروع کر

نیست این و نیست آن ہین واگذار
ہان نیست این اور نیست آن کو چھوڑ دے

آنکہ آن ہست ست آنرا پیش آر
وہ جو کہ ہست ہے اُسکو سامنے لا

نفی بگذار و ہمان مستی طلب
نفی کو چھوڑ اور اُس مستی کو طلب کر

ترک و مطرب را بگو احوال شب
تُرک اور مطرب کے رات کے حالات بیان کر

اين بيا موز اے پدر زان ترکِ مست	نفی بگذار و ہمان ہستی پرست
اے بابا اُسکو اُس ترکِ مست سے سیکھ لے	نفی کو چھوڑ اور اُسی ہستی کی پرستش کر

(ربط اوپر مذکور ہو چکا ہے یعنی گو تم نے سکر و مستی کی بہت مدح سُنی لیکن اُسکو مقصود مت سمجھنا وہ مدح محض الفاظ محجوبین کے لیے ہے جو اس سے بھی محروم ہین باقی صحو اُس سے بھی ارفع ہے اُسکی طرف ترقی کا قصد کرو اسی کو فرماتے ہین کہ گو سکر و غلبۂ حال بھی ممدوح و محمود ہے) لیکن با وجود اس تمامتر (ممدوحیت و محمودیت کے) چونکہ مقصود نہین اِسلیے اس سے) بالاتر چلو (کہ وہ صحو ہے جو کہ سکر سے ارفع ہے) چونکہ ارض اللہ واسع اور (سالکین کے لیے) مسخر ہے (بمعنی ذلول یعنی کوئی چلے تو راہ دیتی ہے کما قال اللہ تعالیٰ ھو الذی جعل لکم الارض ذلولا الآیۃ مراد ارض اللہ سے طریق سلوک ہے وھو الذی سماہ اللہ تعالیٰ صراط اللہ فی آیات عدیدۃ کقولہ تعالیٰ وانک لتھدی الی صراط مستقیم صراط اللہ الذی لہ ما فی السمٰوات وما فی الارض یعنی راہ سلوک سکر پر ختم نہین ہوا اُسمین بہت وسعت ہے چنانچہ اُس سے آگے صحو ہے بلکہ پھر اسمین بھی مراتب بے شمار درجہ ہین کہ برابر سالک کو اسمین ترقی ہوتی جاتی ہے چنانچہ اُسکے آثار مذکورہ فیما سیاتی مثل الجامعیۃ ونفع الخلق کا تفاوت اُسکے تفاوت مراتب کی دلیل اور علامت ہے اور صحو دو وجہ سے ارفع ہے ایک اسلیے کہ صاحب صحو کی نظر جامع ہے کہ با وجود نظر الی الخالق کے حقوق خلق سے بھی غافل نہین اور دونون مین تمیز بھی کرتا ہے بخلاف صاحبِ سُکر کے کہ ایک طرف نظر ہونیسے دوسری طرف کے حقوق سے قاصر رہتا ہے اور غلبۂ حال مین امتیاز بھی نہین کرتا دوسرے اس لیے کہ صاحبِ صحو سے دوسرے کو بھی نفع پہونچتا ہے بخلاف صاحبِ سُکر کے کہ اپنے ہی کام کا ہے بس) اگرچہ یہ سکر (جسکی مدح کی گئی محمود و عزیز الوجود ہونے مین) مثل باز سفید کے ہے (کہ نادر الوجود ہے اسیطرح یہ سکر بھی ہزارون مین ایک ہی کو ہوتا ہے کیونکہ دنیا مین زیادہ تو محجوبین ہی ہین لیکن) ارض مقدسہ پر (یعنی طریق سلوک مین) اُس سے بھی ارفع (مقام) موجود ہے اور وہ صحو ہے غرض) مست (یعنی صاحبِ سکر) یہ منجملۂ ابرار کے ہے) اور (صاحب صحو مقرب ہے اور اسلیے یہ) مقرب (یعنی صاحب صحو) اُس سے (یعنی صاحب صحو اُس سے (یعنی صاحب سُکر سے کہ منجملۂ ابرار ہے) بہتر ہے (اور ان دونون میں اتنا تفاوت ہے کہ) مقرب کے روبرو اُسکا شیر مثل روباہ کے ہے (یعنی اگر اہل سکر میں سے کوئی مثل شیر کے بھی ہو یعنی اپنی حالت مین اقوی و اکمل ہو تب بھی صاحب صحو سے اتنا ادون ہے جتنا شیر کے روبرو روباہ اور اسی تفاوت بین الابرار والمقربین کی بنا پر مشہور ہے حسنات الابرار سیئات المقربین اور اس تفاوت بینھما کا ماخذ ارشاد حق ہے فاصحاب المیمنۃ ما اصحاب المیمنۃ الی قولہ والسابقون السابقون اولئک المقربون الی آخر الآیات اور صاحب صحو کی تفصیل کی جو دو وجہ اوپر مذکور ہوئی ہین آگے اُسکی طرف اشارہ فرماتے ہین کہ اے سالک سکر سے صحو کی طرف) جا اور مثل) اسرافیل (کے) ہو جا امتیاز (بین مراتب الوجود) مین (اور اسرافیل ہی کی طرح) روح پھونکنے والا اور خود مست اور (اپنی مستی کے ساتھ دوسرے کو مست

کرنے والا (ہو جا مصرعۂ اول مین وجہ اول کی طرف و مصرعۂ ثانیہ مین وجہ ثانی کی طرف اشارہ ہو) حضرت اسرافیل کا صاحب
امتیاز ہونا ظاہر ہے کہ بحکم حق خلائق مین روح پھونکین گے پس اس سے اُنکا امتیاز بین الحق والخلق ظاہر ہے
اور اُنکا روح پھونکنا دوسرون کو نفع حیات پہونچانا ہے اسی طرح صاحب صحو حیاتِ معنویہ دوسرون کو بخشتا ہے اور
صاحب صحو کو مست کہنے مین اشارہ ہے کہ اثر سکر سے وہ بھی خالی نہین کہ غایت اطاعت اور غایت محبت اُسی پر مرتب ہے
اسکو جذب بھی کہتے ہین مگر فرق اسمین اور صاحب سکر مین یہ ہے کہ صاحب سکر مست ساز نہین اور یہ مستی کے ساتھ
مست ساز بھی ہے کہ دوسرے بھی اسکی صحبت تعلیم و توجہ سے غایت طاعت اور محبت سے فائز ہوتے ہین اور یہ امتیاز
اور حیات بخشی تو حالت صاحب صحو کی تھی آگے صاحب سکر کی حالت بتلاتے ہین جس سے تفاوت
ظاہر ہو کر حکم بالا شیر او چون روبہ است ظاہر ہو جاوے یعنی) یعنی صاحب سکر کا قلب جب ہزل
اندیشہ ہو گیا تو این ندانم اور آن ندانم اُسکا پیشہ (یعنی حال و قال) ہو گیا (سب سے اچھا نسخہ مجھکو
مزاح اندیشہ معلوم ہوا اور مزاح کی تفسیر بوجہ غیر مقصود ہونیکے ہزل کے ساتھ کی گئی جو کہ مقابل ہے جد کا
اور ترکیب ہزل اندیشہ کے معنی ہین اندیشۂ او ہزل ست یعنی فکر او چیزی ست کہ غیر مقصود ست
اور اس غیر مقصود سے مراد نفی ہے ممکنات کی جو کہ غلبۂ فنا و سکر مین قلب پر مستولی
ہو جاتی ہے اور اسلیے ماسوی اللہ اُس کے علم سے فنا ہو جاتا ہے جو کہ حاصل ہے این ندانم آن
ندانم کا اور نفی ماسوی اللہ کا جو درجہ صاحب سکر کی نظر مین ہے یعنی بالکلیہ اُسکے احکام کا مرتفع ہو جانا
اُسکا غیر مقصود ہونا اس سے ظاہر ہے کہ اسکا مقتضا تو یہ ہے کہ خلائق کے ساتھ احکام واقعیہ کا تعلق ہی
نہ ہو اور اس سے تمام احکام عقلیہ و شرعیہ کا انتفاء لازم آتا ہے واللازم غیر صحیح فالملزوم لے عدم
تعلق الاحکام بالخلائق غیر صحیح مثلہ فہذا الملزوم یعنی عدم تعلق النظر بہذہ الاحکام لا یکون
مقصودا فاہو المطلوب اور اسکو بعنوانِ مزاح تعبیر کرنے مین اشارہ اسطرف ہے کہ اہل سکر کی
حالت اہل تمکین کی نظر مین ایسی ہے جیسے لا یعقل بچون کی کہ اُنسے اُن حالات و حرکات پر مزاح
کیا جاتا ہے اور اُسپر ہنستے ہین یہ تو صاحب سکر کی حالت ہوئی کہ ناظر الی النفی الغیر المقصود ہے اور آگے
صاحب صحو کی حالت مذکور ہو گی کہ ناظر الی الاثبات المقصود ہے اور مقصود مثل جد کے ہوتا ہے اور
غیر مقصود مثل ہزل کے اور مقصود سے مرتبہ غیر مقصود کا ایسا ہی ادون ہے جیسا شیر کے سامنے روباہ
پس صاحب سکر صاحب صحو کے مقابلہ مین اس ہزل اندیشہ و نفی پیشہ ہونیکے اعتبار سے ایسا ہو گیا
کہ یہ حکم صحیح ہو گیا بر مقرب شیر او چون روبہ است اور اس شعر کا ندانم غیر ہے اُس ندانم کا جو اس سے تیرہ شعر پہلے ہے
چند گوئی می ندانم آن و این الی قولہ وین ندانمہات می دانم شود تا نمی بینم ہمی الخ کیونکہ وہ ندانم غفلت
و انکار سے تھا جیسا وہان بیان ہوا اور یہ ندانم فنا و سکر سے ہے جیسا یہان بیان ہوا آگے مقصود ہونا
اثبات کا مذکور ہے جسکی طرف صاحب صحو ناظر ہے پس فرماتے ہین کہ) این ندانم اور آن ندانم (معلوم

بھی ہے) کس غرض کے لیے ہے (آگے خود جواب دیتے ہیں کہ اس غرض کے لیے ہے) تاکہ تم تبلاؤ وہ کہ جسکو ہم جانتے ہیں وہ کون ہے (سہر جلیسیت مین اشارہ اسطرف ہے کہ نفی بھی ایک درجہ مین مقصود ہے اسیواسطے اوپر بندہ نے نفی کے غیر مقصود ہونے مین یہ قید لگائی ہے کہ جو درجہ صاحبِ سکر کی نظر مین ہے الخ اور وہ درجہ اسکی مقصودیت کا مقصودیت بالغیر ہے اور وہ غیر جو کہ مقصود بالذات ہے اثبات ہے حق تعالیٰ کا آنکہ میدانیم کیست سے یہی مرادہے مطلب یہ کہ اصل مقصود اثبات ہے حق تعالیٰ کا اور یہ اثبات گو فی نفسہ فطری ہے چنانچہ بعض اقوال اکابر کے اسپر بھی مشتمل ہیں تو یہ فطرت منافی نہ ہوگی استدلالیت کی لیکن جو فطرت سے کام نہ لے اُسکے مقابلہ مین یہ اثبات استدلالی اور موقوف ہے دلیل پر اور دلیل اسکی وجود ممکنات ہے پس گر ممکنات بالکلیہ منفی ہوں تو پھر کوئی دلیل ہی نہ رہے گی اسیطرح اگر بالکلیہ مثبت ہوں یعنی اپنے ثبوت مین کسی مثبت وصانع کے محتاج نہوں کہ ثبات کامل و مستقل وہی ہے جو درجۂ وجوب مین ہو تو بھی وہ دلیل نہ ہوگی ثبوت صانع پر دلیل علی الصانع بننے کے لیے ضرور ہوا کہ ممکنات کو من وجہ مثبت اور من وجہ منفی یعنی درجۂ وجود مین مثبت اور درجۂ وجوب و استقلال مین منفی مانا جاوے تاکہ استدلال صحیح ہوسکے اور ممکنات کا اُس درجہ مین سمجھنا اور ہر درجہ کے احکام اُسپر مرتب کرنا یہ شان ہے صاحب صحو کی پس صاحب صحو ناظر ہوا اثبات حق کی طرف اور وہ موقوف ہے اثبات الممکنات من وجہ ونفیہا من وجہ پر اس لیے وہ بالکلیہ اسکی نفی نہیں کرتا اُسکو یہ تفاوت ہوا صاحب سکر سے اوپر مین نے اسی کو کہا تھا کہ آگے صاحب صحو کی حالت ہے کہ ناظر الی الاثبات المقصود ہے پس صاحب صحو کو فضیلت ہوئی صاحب سکر سے آگے اشعار مین جو نفی کا غیر مقصود ہونا اور اثبات کا مقصود ہونا مذکور ہے اُس سے یہی نفی و اثبات مراد ہے جو مذکور ہوا جسکو فرماتے ہین کہ) نفی بغرض اثبات ہوتی ہے (محقق کے) کلام مین (سو) نفی کو (بدرجۂ مقصودیت بالذات) چھوڑ اور اثبات (کی بات) شروع کر (پس) نیست این اور نیست آن کو چھوڑ وہ جو ہست ہے اُسکو سامنے لا (یعنی) نفی کو چھوڑ اور اُسی ہستی (وجود مطلق) کو طلب کر (اور شال کے لیے) ترک اور مطرب کے حالات شب کے بیان کر (جسکا قصہ عنقریب آتا ہے کہ وہ مطرب پر اسلیے خفا ہوا تھا کہ اُسنے بہت سی نمیدانم نمیدانم چلائی تھی اور کہا تھا کہ آن بگوا ے گیج کہ میدانیش آمی ندانم می ندانم درمکش) نفی کو (بدرجۂ مقصودیت) چھوڑا ور اُسی ہستی (مطلق) کی پرستش کر (کہ موقوف ہے اثبات حق پر) اے بابا اسکو اُس ترک مست سے سیکھ کما قیل انظر الی ما قال ولا تنظر الی من قال اور وہ اثبات نفی کی جس درجہ پر موقوف ہے وہ مخصوص ہے صاحب صحو کے ساتھ کما ذکر پس مطلوبیت صحو کی ثابت ہوگئی والحمد للہ علی حل ذالک المقام العویص) اور یہان احوال شب کہا ہے اور آگے سرخی مین صبوح ہے اور اُسکے ذیل کے شعر مین سحر ہے وجہ تطبیق یہ ہوسکتی ہے کہ اخیر شب سے اسکی ابتدا ہوئی ہوگی اور نوبت صبح تک پہونچ گئی ہوگی پس سب مفہوم صادق آگئے چنانچہ لفظ سحر اس وجہ جمع کا مؤید ہے)

استدعاے امیر ترکِ مخمور مطرب را بوقت صبوح و معنی حدیث انّ اللہ تعالیٰ شراباً لاولیاءہ اذا شربوا سکروا واذا سکروا طربوا وقولہ تعالیٰ ان الابرار یشربون من کأس الخ ایں مے کہ تو میخوری حرام ست ؛ ما می نخوریم جز حلالے ؛ جہد کن تا ز نیست ہست شوی ؛ وز شرابِ خداے مست شوی

اعجمی ترکے سحر آگاہ شد
ایک ترک عجمی سحر کے وقت ہوش میں آیا

وز خمارِ خمر مطرب خواہ شد
اور خمارِ شراب کے سبب طالبِ مطرب ہوا

مطربِ جان مونسِ مستان بود
مطرب باطنی مونسِ مستان ہوتا ہے

نُقل و قوتِ قوّتِ مست آن بود
نُقل اور غذا قوّتِ مست کی وہ ہوتا ہے

مطرب ایشان را سوے مستی کشد
مطرب اُن کو مستی کی طرف کھینچتا ہے

باز مستی از دمِ مطرب چشد
پھر مستی کلام مطرب سے چاشنی لیتی ہے

آن شرابِ حق بدان مطرب برد
وہ شرابِ حق اُس مطرب کی طرف لیجاتی ہے

وین شرابِ تن ازین مطرب چرد
اور یہ شرابِ تن اس مطرب سے غذا پاتی ہے

ہر دو گر یک نام دارد در سخن
دونوں اگرچہ لفظوں میں ایک ہی نام رکھتے ہیں

لیک فرق ست این حسن تا آن حسن
لیکن اِس حَسَن سے اُس حَسَن تک فرق ہے

اشتباہے ہست لفظی در میان
ایک لفظی اشتباہ درمیان میں ہے

لیک خود کو آسمان کو ریسمان
لیکن تحقیق کہاں آسمان کہاں ریسمان

اشتراکِ لفظ دائم رهزن ست
اشتراکِ لفظ ہمیشہ رہزن ہے

جسمها چون کوزهاے بستہ سر
اجسام مثل اُن کوزون کے ہین جنکا سر بندھا ہوا ہو

کوزهٔ آن تن پُر از آبِ حیات
کوزہ اُس تن کا آبِ حیات سے پُر ہے

گر بمظروفش نظر داری شهی
اگر تم اُسکے مظروف پر نظر رکھو تو تم بادشاہ ہو

لفظ را مانندهٔ این جسم دان
لفظ کو اِس جسم کی طرح سمجھو

دیدهٔ تن دائما تن بین بود
چشمِ ظاہری ہمیشہ تن کو دیکھنے والی ہوتی ہے

پس ز لفظِ نقشهاے مثنوی
پس نقوشِ مثنوی کے جو الفاظ ہین اُن مین سے

در نُبی فرمود کاین قرآن ز دل
قرآن مین فرمایا ہے کہ یہ قرآن قلب سے

الله الله چونکه عارف گفت مے
اللہ اللہ جب عارف لفظ مے کہے

اشتراکِ گبر و مومن در تن ست
گبر اور مومن کا اشتراک تن مین ہے

تا کہ در ہر کوزہ چه بود آن نگر
سو ہر کوزہ مین کیا چیز ہے اُسکو دیکھو

کوزهٔ این تن پُر از زهرِ ممات
کوزہ اس تن کا زہرِ ممات سے پُر ہے

ور بظرفش بنگری تو گمرهی
اور اگر اُسکے ظرف کو دیکھو گے تو تم گمراہ ہو گے

معنیش را در درون مانندِ جان
اُسکے معنی کو اُسکے اندر مثل جان کے

دیدهٔ جان جانِ پُرفن بین بود
چشمِ باطنی جانِ پُرہنر کو دیکھنے والی ہوتی ہے

صورتش ضال ست و هادی معنوی
اُنکی صورت تو گمراہ ہے اور معنوی ہدایت کُن ہے

هادیِ بعضے و بعضے را مُضل
بعض کا ہادی ہے اور بعض کا مُضل ہے

پیشِ عارف کے بود معدوم شے
عارف کے نزدیک معدوم کب شے ہو سکتا ہے

صفحہ ۱ بیدہ شرح جن اسکی ۱۱۱ ب ورنادر الوجود نقر برنو تشریح علاوہ ان [illegible] صفحہ ۱۲۱ صفحہ نور ظاہری سے مراد نور ہوگی اور جو مراد ہوگا اسکی تقریر آگے آتی ہے

فہم تو چون بادۂ شیطان بود — کے ترا فہم مے رحمان بود

تیرا مفہوم چونکہ بادۂ شیطان ہوتا ہے — تو کب تجکو مے رحمان کا خیال ہوگا

این دو انباز اند مطرب با شراب — این بدان و آن بدین آرد شتاب

مطرب اور شراب یہ دونون باہم مقترن ہین — یہ اُسکی طرف اور وہ اسکی طرف جلدی سے لے آتی ہے

پُرخمار آن از دم مطرب چرند — مطربان شان سوے میخانہ برند

پُرخمار لوگ کلامِ مطرب سے حظ لیتے ہین — مطرب اُنکو میخانہ کی طرف لیجاتے ہین

آن سرِ میدان و این پایانِ اوست — دل شدہ چون گوے در چوگانِ اوست

وہ تو میدان کا آغاز ہے اور یہ اُسکا ختم ہے — دلِ رفتہ مثل گیند کے اُسکے چوگان مین ہے

در سر آنچہ ہست گوش آنجا رود — در سر ار صفر است آن سودا شود

دماغ مین جو کچھ ہوتا ہے کان اُدھر ہی جاتا ہے — سر مین اگر صفرا ہو وہ سودا ہوجاتا ہے

بعد ازان این دو بہ بیہوشی روند — والد و مولود آنجا یک شوند

اسکے بعد یہ دونون بیہوشی کی طرف متوجہ ہوجاتے ہین — والد اور مولود اُس جگہ ایک ہوجاتے ہین

(چونکہ اِن اشعار مین اوّل قصہ ایک خمار کا شروع ہوا ہے پھر اُس سے شراب حق کے مضمون کی طرف انتقال فرمایا ہے اِس مجموعہ سے سُرخی کا مفہوم واضح ہوجاویگا قصہ یہ ہے کہ) ایک ترک عجمی سحر کے وقت (شراب کے نشہ اُترنیسے) ہوش مین آیا اور خمار شراب کے سبب (جو کہ ہوش مین آنیکے بعد بھی دماغ مین باقی رہتا ہے) طالب مطرب ہوا (یعنی مطرب کی خواہش دل مین پیدا ہوئی تاکہ گانا سُننے سے فرحت ہو اور خمار کی گرانی دفع ہو اور طالب ہونیسے یہ مراد نہین کہ اُسکو بلا لیا کیونکہ بیس اکیس شعر کے بعد ایک شعر مین ہے مطربان از ترک ما بیدار کرد پس بلانیکے بعد بیدار کرنیکے کوئی معنی نہین آگے مولانا قصہ سے شراب باطنی یعنی محبت حق کے مضمون کی طرف انتقال فرماتے ہین کہ جسطرح مطرب ظاہری مستان ظاہری کا مونس ہوتا ہے اسی لیے وہ اُسکے جویان ہوتے ہین اسیطرح) مطرب باطنی مونس مستان (باطنی) ہوتا ہے (اور) نقل و غذا قوت مست (باطنی) کی وہ (مطرب باطنی) ہوتا ہے (اضافت قوت کی طرف قوت کے اس اعتبار سے ہے کہ قوت سے

قوت بڑھتی ہے اور مراد مطرب باطنی سے مرشد ہادی الی المحبوب ہے اور مستان باطنی سے مراد محبان حق اور
مستی باطنی اور اسی طرح شراب باطنی سے مراد محبت حق پس حاصل مضمون یہ ہوا کہ محبت حق طلب ہوتی ہے
طلب مرشد کی کیونکہ اُسکی صحبت و تعلیم سے محبوب کے قرب و وصال کا طریقہ معلوم ہوتا ہے اور اُسکو نقل و غذا سے
تشبیہ دینا اس اعتبار سے ہے کہ انسان کو غذا کی بھی طلب ہوتی ہے اور اسمین اشارہ اسطرف ہوتا ہے
کہ مرشد کی طلب ایسی اضطراری ہونا چاہیے جسطرح غذا کی طلب اور تجربہ سے معلوم ہوا ہے کہ جب تک رجوع
الی المرشد کا اسقدر شوق اور بیتابی نہ ہو پورا نفع نہین ہوتا اور طالب حق اسلیے جویان مرشد کا ہوتا ہے
کہ وہ) مطرب (یعنی مرشد) اُن (مستان حق) کو مستی (باطنی) کی طرف کھینچتا ہے (جسطرح مطرب ظاہری کا
گانا شرابخوار کے لیے سبب ہو جاتا ہے شراب کے مکرر تقاضا کا) پھر (وہ) مستی (جو مطرب باطنی کے فیض سے
حاصل ہوئی ہے) کلام مطرب سے چاشنی لیتی ہے (یہ اسناد مجازی ہے باسناد الفعل الی السبب یعنی
وہ مست چاشنی لیتا ہے بسبب مستی کے یعنی پھر وہ مستی دم مطرب سے چاشنی لینے کا سبب بنتی ہے اور اُسکے
سُننے کا تقاضا کرتی ہے مطلب شعر کا یہ ہوا کہ مطرب تو مستی کی طرف لاتا ہے اور پھر مستی مطرب کی طرف لاتی ہے
جسطرح شراب پی کر گانا سُننے کو جی چاہتا ہے اور گانا سُنکر شراب پینے کو جی چاہتا ہے اسی طرح صحبت و کلام مرشد سے محبت حق
پیدا ہوتی ہے اور محبت حق سے لشوق ترقی قرب پھر مرشد کی صحبت و تعلیم ڈھونڈتا ہے پھر اس کی صحبت سے
طرق قرب معلوم کر کے اُنپر عمل کرنیسے محبت حق مین اور افزونی ہوتی ہے پھر پہلے کی طرح یہ محبت حق سبب
ہوتی ہے مکرر رجوع الی المرشد کی وھکذا حتی یصل الی مقام التمکین لشارب اعتاد الخمر بحیث
لا یسکرہ ولا یغلبہ آگے شراب ظاہری و شراب باطنی دونون کے اثر کو بطور حاصل ماسبق کے
ایک شعر مین ذکر فرماتے ہین کہ حاصل یہ کہ) وہ شراب حق اُس مطرب (باطنی) کی طرف لیجاتی ہے اور یہ
شراب تن اس طرب (ظاہری) سے غذا پاتی ہے اس ترکیب کی حقیقت ابھی از دم مطرب جشید کی شرح مین
بیان کی گئی ہے آگے فرماتے ہین کہ ہمنے جو مجازاً محبت حق کو شراب اور اسی طرح اُسکے متعلقات کو متعلقات
شراب کہدیا ان الفاظ پر نظر مت کرنا مراد اور معنی پر نظر کر کے فوائد علمیہ و عملیہ حاصل کرنا پس فرماتے ہین
کہ یہ) دونون (شرابین) اگرچہ لفظون مین ایک ہی نام رکھتی ہین لیکن (انکی حقیقت مین ایسا فرق ہے جیسا)
اس حسن سے اس حسن تک فرق ہے (اشارہ ہے ایک قصہ کی طرف جو دفتر چہارم مین ذکر کیا ہے کہ کسی شاعر نے
ایک بادشاہ کی مدح مین کوئی قصیدہ کہا تھا وزیر نے دس ہزار دینار دلوا دیے تھے پھر بعد چندے دوسری بار
قصیدہ لے گیا اُسوقت دوسرا وزیر تھا اُسنے پچیس دینار دلوائے تھے اور دونون وزیر کا نام حسن تھا
کذا فی الحاشیہ پس اسیطرح یہان بھی محض) ایک لفظی اشتباہ (دونون شرابون کے) درمیان مین ہے (کہ دونون کو
شراب کہدیا جس سے ناواقف کو احکام مین اشتباہ ہوگیا) لیکن (حقیقت مین) کہان آسمان (اور)
کہان ریسمان (اگرچہ لفظاً بعضے حروف کے اعتبار سے کچھ تشابہ بھی ہے لیکن بڑا فرق ہے اسیطرح

ان دونون شرابون کے احکام واقعیہ مین فرق عظیم ہے اور لفظ خود مصرعۂ ثانیہ مین زائد ہے اور جسطرح یہان اشتراک فی صورۃ اللفظ سبب ہوگیا غلط فہمی کا اسی طرح) اشتراک لفظ (اور تشابہ فی الصورۃ) ہمیشہ (ہر جگہ) رہزن (اور غلطی مین ڈالدینے والا ہوجاتا) ہے (چنانچہ) گبر اور مومن کا اشتراک (بھی) تن مین ہے (جوکہ صورت ظاہرہ ہے ورنہ اوصاف باطنیہ مین زمین وآسمان کا فرق ہے اور یہان اشتراک لفظ سے مراد اشتراک اصطلاحی نہین کیونکہ یہان تو حقیقت و مجاز ہے بلکہ لغوی مراد ہے مومن و گبر مین اشتراک کا حکم اسکا قرینہ ہے پس مولانا کے اسی ارشاد کے موافق لفظ اشتراک کے اشتراک فی المعنی اللغوی والاصطلاحی سے غلطی مین مت پڑنا آگے اس مضمون کی توضیح ہے ایک تشبیہ سے بطور تفریع کے یعنی پس) اجسام مثل اُن کوزون (یعنی ٹھیرا جیون) کے ہین جنکا سر بندھا ہوا ہو (یعنی مُنھ بند ہو) سو ہر کوزہ مین کیا چیز ہے اسکو دیکھو (چنانچہ اسکو جو دیکھا تو معلوم ہوا کہ) ایک تن کا کوزہ تو آبحیات (یعنی کمالات اور محاسن) سے پُر ہے (یعنی ایک شخص مین تو یہ صفتین ہین اور) دوسرے تن کا کوزہ زہر ممات (یعنی مفاسد مہلکہ) سے پُر ہے (یعنی اُسمین یہ ذمائم ہین سو ظرف تو دونون ایک طرح کے اور مظروف مین فرق پس) اگر تم اُسکے مظروف پر نظر رکھو تو تم بادشاہ (یعنی سلطان تحقیق) ہو (اور احکام مین غلطی نکروگے) اور اگر (محض) اُسکے ظرف کو دیکھوگے تو گم کردہ راہ ہوگے (اور احکام مین غلطی کروگے پس جسطرح اس مثال مین سمجھا کہ اجسام مین تشابہ اور اوصاف مین تخالف ہے اسی طرح) لفظ کو اس جسم کی طرح سمجھو (اور) اُس (لفظ) کے معنی (یعنی مراد) کو (خواہ حقیقی یا مجازی) اُس (لفظ) کے اندر مثل جان کے (سمجھو جوکہ ایک تن مین اوصاف سے موصوف ہے اور دوسرے تن مین اُسکے اضداد سے پس بعض جگہ لفظ متشابہ یا متحد ہوتے ہین اور مراد مین تخالف ہوتے ہین اور جسطرح) چشم ظاہری ہمیشہ تن کو دیکھنے والی ہوتی ہے (چنانچہ ظاہر ہے اور) چشم باطنی (یعنی عقل) جانِ پُر ہنر کو دیکھنے والی ہوتی ہے (یہ بھی ظاہر ہے کہ کمالات باطنی کا ادراک چشم ظاہری سے نہین ہوتا اُسکے لیے مدرکات باطنیہ کی ضرورت ہے اسی طرح لفظ پرست ہمیشہ الفاظ پر نظر کرتا ہے اور طالبِ حقیقت متکلم کی مراد کو دیکھتا ہے اور احکام کو اُسکے تابع کرتا ہے آگے اس مضمون پر ایک تفریع ہے کہ) پس (اسیطرح) نقوش مثنوی کے (مدلول) جو الفاظ ہین اُن (الفاظ) مین سے (جو) اُن (الفاظ) کی صورت (محضہ کا مرتبہ ہے جسمین لحاظ نہ ہو معنی مراد کا گو مفہوم لغوی کا لحاظ ہو وہ تو اسقدر گمراہ کن اور گمراہی کا سبب ہے کہ گویا خود ہی) گمراہ ہے (یہ مبالغہ ہے کیونکہ غیر ذوی العقول پھر بالخصوص عراض مین احتمال ضلال کا ممکن ہی نہین) اور (اُن الفاظ مین سے جو اُن الفاظ کی صورت مع المعنی المراد کا مرتبہ ہے جسکو تلبس بالمعنی کے سبب معنی کہنا صحیح ہے تو وہ مرتبہ) معنوی ہادی (الی الحقائق) ہے (یعنی ان الفاظ کو بلا تحقیق معانی مراد کے دیکھا جاوے تو بہت مقامات پر خلاف قواعد شرعیہ نظر آوینگے اور اگر مع تحقیق معانی مراد دیکھا جاوے تو بالکل موافق قواعد شرعیہ معلوم ہوونگے احقر کہتا ہے کہ مثلاً اسی دفتر کے جتنے اشعار کی شرح لکھی گئی ہے اُن ہی کو ایک دفعہ قبل

شرح دیکھنے کے دیکھا جاوے اور ایک بار بعد شرح دیکھنے کے تو اس مضمون مضل و ہادی ہونیکی تصدیق ہو جاویگی
اور لفظ کی اضافت نقشہا کی طرف باعتبار علاقہ دالیت و مدلولیت کے ہے کیونکہ نقوش دال ہوتے ہین الفاظ پر
اور ز لفظ مین جو ز حرف جارہ ہے یہ معنی منجملہ ہے اور اسکا مجرور یعنی لفظ بمعنی الفاظ کے ہے حملاً علی الجنس اور
صورتش کی ضمیر اسی لفظ کی طرف ہے اور ہادی معنوی مین بضرورت شعر تقدیم و تاخیر ہے یعنی معنوی مبتدا ہے اور
معطوف ہے صورتش پر اور یہ دونون متعاطفین دو مرتبے ہین لفظ مذکور فی المصراع الاول کے یعنی الفاظ کا
ایک مرتبہ تو صورت بلا معنی کا ہے جسکو صورتش سے تعبیر کیا ہے اور دوسرا مرتبہ صورت مع المعنی کا ہے جسکو
معنوی سے تعبیر کیا ہے ولم یشرح الشعراحد مثل هذا ولله الحمد آگے تائید ہے مثنوی کے مضل
للبعض و هادی للبعض ہونیکی یعنی دیکھو) قرآن مین فرمایا ہے کہ یہ قرآن قلب (و فہم کے تفاوت سے) بعض کا
ہادی ہے اور بعض کا مضل ہے (اور ز دل مین یہ بتلایا کہ قرآن فی نفسہ ہادی ہے مگر کسی عارض سے بعض
کے لیے سبب اضلال ہو جاتا ہے کہ سوء فہم و سقم قلب سے حقیقت کے جویان نہین ہوتے پس اس سبب سے ثابت
ہو گیا کہ محض الفاظ پر نظر نہ چاہیے تو ہم سے لفظ شراب سنکر غلط فہمی مین نہ پڑنا اور) اللہ اللہ (یہ تنبیہ کے لیے
محاورہ ہے لفظ شراب سے یہ شراب مت سمجھنا کیونکہ متکلم عارف ہے اور) جب عارف لفظ شراب کہے (الماضی
بمعنی المضارع لوقوعہ فی الشرط تو وہ یہ شراب مراد نہ لیگا کیونکہ یہ شراب بوجہ ناپسندیدۂ حق ہونیکے گویا
معدوم ہے اور) عارف کے نزدیک معدوم کب شے ہو سکتا ہے (بلکہ لاشئے ہوگا اور جب وہ شراب کے
خواص بیان کر رہا ہے تو ظاہر ہے کہ اسکو شئے معتد بہ سمجھتا ہے اور یہ شراب محض لاشئے ہے پس یہ اسکی مراد
نہ ہوگی البتہ اے قاصر النظر) چونکہ تیرا مفہوم (یعنی جو تیرے فہم مین آیا یہی) بادۂ شیطان ہوتا ہے تو لب تجھکو
مے رحمان کا خیال ہوگا (یعنی تو نے تو جب سے آنکھ کھولی یہی شراب دیکھی تجھکو کیا خبر کہ کوئی اور بھی چیز ہے جو
ماسوی اللہ سے غافل کر دینے مین اس شراب سے بھی تیز ہے یہان تک لفظ شراب کے التباس کو رفع کر دیا اب
پھر مضمون سابق کی طرف رجوع کرتے ہین مطرب ایشان راسوے مستی الخ یعنی) یہ دو چیزین باہم مقترن ہین
(یعنی) مطرب شراب کے ساتھ (مقترن ہے) یہ (یعنی شراب) اسکی طرف (یعنی مطرب کی طرف) اور وہ
(یعنی مطرب) اسکی طرف (یعنی شراب کی طرف) جلدی سے لے آتی ہے (یعنی اس سے اسکا اور اس سے
اسکا تقاضا اور سیلان ہوتا ہے ظاہری شراب و مطرب مین بھی اور باطنی مین بھی کما ذکر فی کلیہما
آگے شرح ہے اوپر کی یعنی) پر خمار لوگ (بوجہ اثر شراب کے) کلام مطرب سے حظ لیتے ہین (اور) مطرب انکو
(اپنے کلام کے اثر سے) میخانہ کی طرف لیجاتے ہین (فھذا جالب الی ذلک و ذلک جاذب الی
ذاك غرض) وہ (یعنی مطرب) میدان کا شروع ہے اور یہ (یعنی میخانہ) اس (میدان) کا ختم ہے (اور)
دل رفتہ (شخص) مثل گیند کے اس (مطرب) کے چوگان مین ہے (یعنی اسکا تابع ہے کہ جسنے شراب کی
تعریف گائی تو یہ میخانہ کی طرف چلا گیا ہر چند کہ اوپر کلام مطرب اور نوشی کو سبب شراب نوشی کا

اور شراب نوشی کو سبب کلام مطرب نیوشی کا فرمایا ہے مگر یہان آن سر میدان الخ مین صرف اول پر اکتفا کیا اور اسکے ساتھ کلام مطرب نیوشی کو سر میدان اور شراب نوشی کو پایان میدان فرمایا جس سے اول کا طریق اور دوسرے کا مقصود ہونا بتلا دیا پس اسمین ایک نہایت ضروری مسئلہ بتلایا ہے کہ گو دونون امر مین یعنی محبت حق و صحبت مرشد مین ایسا تعلق ہے کہ ہر ایک سبب ہوجاتا ہے دوسرے کا لیکن پھر بھی دونون ایک درجہ مین نہین بلکہ محبت حق مقصود ہے اور صحبت مرشد محض طریق جسطرح اصل مقصود شرب ہے کیونکہ اُس سے تولید ارواح کی ہوتی ہے جو بقاء شخص و بقاء نوع مین اصل مقصود ہے بخلاف سماع اغانی کے کہ اس تولید ارواح کے اسباب مین صرف معین ہے یہی وجہ ہے کہ شرب یا ما قام مقامہ بلا سماع اُس غرض مین کافی ہوسکتا ہے اور سماع بلا شرب یا ما قام مقامہ اُس غرض مین کافی نہین ہوسکتا اسیطرح اگر محبت حق کہ اُسکے لیے اطاعت لازم ہے میسر ہوجاوے گو ضعیف ہی سہی اور صحبت شیخ نصیب نہ ہو اصل قرب کے لیے کافی ہے اور اگر صحبت شیخ مگر محبت مع اللازم المذکور نصیب نہ ہو تو کچھ بھی نہین اور اسمین اصلاح ہے غالین کی کہ طریق مین اسقدر منہمک ہوتے ہین کہ مقصود کو بھلا دیتے ہین پس مصرعۂ اُولی مین اس افراط کی اصلاح ہے اور مصرعۂ ثانیہ مین ایک تفریط کی اصلاح ہے یعنی بعضے اُسکو غیر مقصود سمجھکر شیخ کا اتباع بھی کامل نہین کرتے یعنی طرق سلوک مین خود رائی کرتے ہین پس اس تشبیہ مین بتلا دیا کہ ایسی اطاعت کرو جسطرح چوگان کے سامنے گیند ہوتا ہے کیونکہ گو یہ خود مقصود نہین مگر مقصود کا رستہ تو تم سے زیادہ جانتا ہے اسلیے طرق سلوک مین نہ کہ احکام حلال و حرام مین در بارۂ اطاعت شیخ کے اس قول پر عمل چاہیے ؎ چون گزیدی پیر ہین تسلیم شو ✦ ہمچو موسٰی زیر حکم خضر رو ✦ وللّٰہ الحمد علی ما افہمنی ھذا المقام ولا فخر بل التحدث بالنعمۃ من اللہ المنعام آگے عود ہے مضمون شعر بالا فہم تو چون بادۂ شیطان بود الخ کی طرف یعنی ہم تو ان اشعار مین مطرب و شراب سے باطنی معنی مراد لیتے ہین مگر تو جو لفظ شراب سنکر یہی شیطانی شراب سمجھا تو وجہ اُسکی یہ ہے کہ قاعدہ ہے کہ) دماغ مین جو کچھ ہوتا ہے کان اُدھر ہی جاتا ہے (کان اُدھر جانے کا مطلب یہ ہے کہ کان مین جب ویسا لفظ پڑتا ہے اُس معنی حاضر فی الذہن پر محمول کرتا ہے پس جس شخص کے خیال مین ظاہری شراب بسی ہوئی ہو جب وہ لفظ شراب سُنے گا اُسی معنی پر محمول کرے گا اور غلطی مین پڑے گا آگے اس غلط فہمی کی مثال ہے کہ) سر مین اگر صفرا ہو (جو کہ خلط صالح ہے مگر کوئی سبب اُسکے فساد کا عارض ہوجاوے تو) وہ (فاسد و محترق ہوکر) سودا ہوجاتا ہے (جو کہ سبب ہوجاتا ہے خلل دماغ کا اور) بعد ازان (یعنی بعد اسکے کہ وہ سودا ہوجاوے) یہ دونون (یعنی صفرا وسودا) بیہوشی (یعنی بدحواسی و خلل دماغ) کی طرف منجر ہوجاتے ہین (جیسا طب کا مسئلہ ہے اور) والد او رمولود (یعنی سبب و مسبب کہ صفرائے قابل احتراق و سودائے حاصل بعد الاحتراق ہین) اس جگہ (یعنی خلل پیدا ہونیکے وقت) ایک ہوجاتے ہین (یعنی ایک ہوکر خلل پیدا کردیتے ہین اسی طرح لفظ شراب بمعنی شراب حق دماغ مین پہونچا مگر قبل اسکے اُس دماغ مین سبب فساد کا موجود تھا یعنی لفظ شراب کو صرف بمعنی شراب شیطان سمجھنا پس اس سبب فساد سے اُسکے ذہن مین وہ لفظ شراب بالمعنی الحسن بھی فاسد ہوگیا یعنی محمول کرلیا گیا شراب

بالمعنی القبیح پر جیسا صفر اسبب فساد سے سودا بن گیا تھا او جب وہ معنی قبیح پر محمول کرلیا گیا تو وہ دونون لفظ یعنی ایک لفظ شراب بالمعنی الحسن دوسرا لفظ شراب بالمعنی القبیح غلط فہمی و گمراہی کی طرف منجر ہوگئے اور دونون اُسکے ذہن مین ایک ہوکر موجب غلط فہمی ہوگئے اور یہ مضمون غلط فہمی کے سبب بن جائیگا گویا اعادہ ہے مضمون شعر بالا تا دی لبعضے و بعضے را مضل کا واللہ اعلم آگے پھر رجوع ہے قصہ کی طرف)

چونکہ کردند آشتی شادی و درد
جب طرب اور درد نے صلح کی

مطربان را تُرک ما بیدار کرد
مطربون کو ہمارے تُرک نے بیدار کیا

مطرب آغاز ید بیتے خوابناک
مطرب نے حالت خوابناکی مین ایک بیت شروع کی

کہ انلنی الکاس یا من لا اراک
کہ مجکو پیالہ دے اے وہ شخص جسکو مین نہین دیکھتا

انت وجھی لا عجب ان لا اراہ
آپ بمنزلہ میرے رخ کے ہین اسمین کچھ عجب نہین کہ مین اسکو نہین دیکھتا

غایۃ القرب حجاب الاشتباہ
غایتِ قُرب حجاب اشتباہ کا ہے

انت عقلی لا عجب ان لم اراک
آپ بمنزلہ میری عقل کے ہین تو کچھ تعجب نہین اگر مین آپ کو نہ دیکھون

من وفور الالتباس المشتبک
بوجہ غایت اشتباہ جال و رجال کے

حیث اقرب انت من حبل الورید
چونکہ آپ حبل ورید سے بھی اقرب ہین

لم اقل یا یا نداءٌ للبعید
تو مین نے کلمۂ یا نہین کہا۔ کلمۂ یا ندا ے بعید کیلیے ہے

بل اغالطھم انا دی فی القفار
بلکہ مین عام لوگون کو مغالطہ مین ڈالتا ہون جنکو مین پکارتا پھرتا ہون

کے لا اکشف من معی ممن اغار
تاکہ مین ایسے شخص کو جسکو میرے ساتھ محبت ہے ایسے شخصون سے پوشیدہ رکھون جنسے مین غیرت کرتا ہون

این سخن پایان ندارد اے عزیز
یہ کلام انتہا نہین رکھتا اے عزیز

بشنو اکنون نکتۂ صاحب تمیز
اب صاحب تمیز کا ایک نکتہ سُن لو

(رجوع ہے قصۂ تُرک و مطرب کی طرف یعنی) جب طرب (شوق سماع) اور درد (یعنی گرانی خمار) نے صلح کی (یعنی دونون مجتمع ہوئے اُسوقت) مطربون کو ہمارے تُرک نے بیدار کیا (تاکہ گانا سُناوین اور

ترک کی اضافت اپنی طرف اس اعتبار سے ہے کہ یہ اسکا قصہ بیان فرما رہے ہین اور ممکن ہے کہ اس اعتبار سے ہو کہ مولانا اُسکے اس قول سے کہ می ندانم می ندانم در کش نتیجہ نکالتے ہین کہ اصلی مقصود اثبات ہے نہ کہ نفی اس اعتبار سے اُسمین اور مضاف الیہ مین مناسبت ہوگئی چنانچہ جہان اسکا یہ قول آویگا وہان بھی یہی اضافت ہے ترک ماراز ین حرارہ دل گرفت پس بیدار ہوکر) مطرب نے حالت خوابناکی مین (بوجہ اسکے کہ تازہ جگا ہوا تھا) ایک بیت شروع کی (پس خوابناک حال ہے ضمیر آغازید سے اور اُس بیت کا مضمون یہ تھا) کہ مجھکو (شراب کا) پیالہ دے اے وہ شخص جسکو مین (بوجہ بعید و غائب ہونیکے) نہین دیکھتا (اور احقر کو اس جملہ مین کہ اُس بیت کا یہ مضمون تھا دو امر تبلانا منظور ہین ایک یہ کہ اشعار آیندہ جیسا کہ اُن کے مضمون سے معلوم ہوگا مولانا کا قول ہے مطرب کا نہین تو اس صورت مین مطرب کا قول صرف ایک مصرعہ رہ گیا تو اُسکو بیت کس طرح کہا لفظ مضمون سے اسکا جواب ہوگیا کہ وہ پوری بیت ہوگی اُسکا مضمون ایک مصرعہ مین تعبیر کردیا دوسرا امر یہ کہ اُس مطرب کی غزل آگے جو آتی ہے وہ فارسی ہے گل یا سوسنی الخ اور یہان معلوم ہوتا ہے کہ اُسنے عربی مین شروع کیا گو یہ محتمل ہوسکتا ہے کہ شروع کیا ہو ایک بانین اور پھر منتقل ہوگیا ہو دوسری زبانین مگر خود ترک عجمی کے سامنے عربی کا پیش ہونا ہی بعید ہے اسکا جواب بھی لفظ مضمون سے نکل آیا کہ ممکن ہے وہ بھی فارسی ہو مگر اُسکا یہ مضمون ہو اور دو امر اور اس مقام پر سمجھنا چاہیے ایک یہ کہ اس مضمون اور آیندہ مضمون نمیدانم مین کچھ تعارض نہین بلکہ دونون مین تناسب فی النفی ہے کہ وہان اگر نمیدانم ہے تو یہان ترجمہ لا اراک کا می بینم ہے اور اسی تناسب کی بناء پر یہان سے چالیس شعر ادیر مولانا نے خود دونون کو جمع کیا ہے تا نمی بینم ہمی بینم شوم ہمچنین ندانمہات من دانم شوم + اور اگر یہ تناسب فی النفی بھی نہ ہو تب بھی ایسا ہوتا ہے کہ غزل مقصود سے پہلے کسی دوسرے مضمون کے شعر سے شروع کرتے ہین دوسرا امر یہ کہ مطرب کا مقصود اس قول لا اراک سے وہ رویت نہین جو اشعار مابعد مین مذکور ہے جسمین خطاب محبوب حقیقی کو ہے جسکی عدم رویت کا سبب مغائر ہے مخلوق کے عدم رویت کے سبب سے بلکہ وہ عدم رویت ہے جو مخلوق سے متعلق ہے اور خطاب ہے محبوب مجازی کو مگر مولانا اس خطاب اور اس عدم رویت سے انتقال فرما کر اور قصہ کو چھوڑ کر آگے محبوب حقیقی کو خطاب اور اُسکی عدم رویت کی بحث فرماتے ہین یعنی اے محبوب حقیقی) آپ (غایت قرب مین) بمنزلہ میرے رخ کے ہین (اسلیے) اسمین کچھ عجب نہین ہے کہ مین اُس (رُخ) کو نہین دیکھتا (جیسا کہ ظاہر ہے کہ انسان کو عادۃً اپنا چہرہ نظر نہین آیا کرتا باوجودیکہ بہت ہی قریب ہے اسی طرح آپ باوجود بیحد قریب ہونیکے کہ نحن اقرب الیہ من حبل الورید پھر نظر نہین آتے آگے محبوب حقیقی کے نظر آنے کی وجہ تبلاتے ہین کہ خود) غایت قرب حجاب اشتباہ (یعنی اختفا) کا ہے (اسکو دوسرے محققین نے اسطرح کہا ہے کہ غایت ظہور کے سبب خفی ہوگئے اور اسکی مثال دی ہے کہ جسطرح خفاش کی نظر سے آفتاب کے مختفی ہونیکا سبب اُسکا غایت منور ہونا ہے کہ خفاش اُسکا تحمل نہین ہوسکتا چونکہ غایت قرب کو غایت ظہور لبشرط صلاحیۃ المحل للظہور لازم ہے اسلیے

غایت قرب کو بھی سبب کہنا صحیح ہوگا کیونکہ غایت قرب بوجہ ملزوم ہونیکے سبب ہوگا غایت ظہور کا اور غایت ظہور سبب ہوگا اختفاء کا اور سبب کا سبب سبب ہوتا ہے پس غایت قرب بھی سبب ہوجاویگا اختفاء کا اور عندالتامل غایت قرب یا غایت ظہور کو مانع رویت کہنا یہ ایک حکم ظاہری ہے کیونکہ یہ دونون چیزین تو مقتضی ہین رویت کو جبکہ محل صالح للرویت ہو تو مقتضی کو مانع کہنا کیسے صحیح ہوسکتا ہے بلکہ کلام کی حقیقت یہ ہے کہ باوجود مقتضی رویت کے رویت نہین ہے بسببِ ایک مانع قوی کے اور چونکہ وہ مانع بھی مقتضی کے ساتھ علی الدوام پایا جاتا ہے اسلیے تجوزاً اس عدم رویت کو اُس مقتضی کی طرف مستند کردیا کہ جسمین ایک ملابس کو دوسرے ملابس کے قائم مقام قرار دیا اور وہ مانع عدم ہے خاص واسطہ کا یعنی رویت کے لیے رائی اور مرئی کے درمیان بعض وسائط کی کہ وہ شرط رویت مین ضرورت ہوتی ہے اور ان واسطون کے نہ ہونیسے رویت نہین ہوتی اُنہین سے ضیاء ہے اور اُنہین سے قوت اور تحمل ہے رائی کا اور اُنہین سے قابل رویت ہونا ہے مرئی کا اور اُنہین سے منتہی ہونا ہے شعاعون کا مرئی تک ونحو ذلک مما لا یخفی پس عدم رویت کا تحقق جہان ہوگا کسی شرط کے فوت ہونیسے ہوگا مثلاً آدمی جو اپنا چہرہ نہین دیکھتا جسکا اس شعر مین ذکر ہے یا اپنی آنکھ نہین دیکھتا جسکو میرزاہد نے ایک مثال مین اختیار کیا ہے تو اُسکی وجہ یہ ہے کہ وہ منتہی شعاع کا نہین یعنی شعاع اُسپر نہین واقع ہوتی اور مثلاً آدمی اپنی عقل کو نہین دیکھتا جسکا شعر آئندہ مین ذکر ہے اُسکی وجہ یہ ہے کہ وہ محل صالح للرویت نہین اور مثلاً خفاش خورشید کو نہین دیکھتا اُسکی وجہ یہ ہے کہ رائی مین قوت و تحمل نہین اور مثلاً اللہ تعالیٰ کو اس دنیا مین نہین دیکھتا اُسکی وجہ بھی یہی ہے کہ رائی مین قوت و تحمل نہین یہ تو کلام تحقیقی ہے باقی ظاہری کلام مین متکلمین نے شرائط ابصار مین سے یہ بھی کہا ہے کہ مرئی نہ غایت قرب مین ہو اور نہ غایت بعد مین تو اس بنا پر غایت قرب کا مانع ہونا بھی ظاہراً صحیح ہوجاویگا اور اس شرط عدم غایت قرب کو میری اُس شرط کی طرف راجع کرسکتے ہین کہ وہ مرئی منتہی شعاع کا ہو کیونکہ شعاع کے منتہی ہونیکے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ شعاع کی نسبت اقرب نہ ہو پس حاصل اُس شرط کا یہ ہوگا کہ مرئی واسطۂ رویت سے قریب ہو تو باری تعالیٰ کے عدم رویت فی الدنیا کے دو سبب ہوجاوینگے ایک عدم تحمل بصر دوسرے اُسکا واسطہ کی نسبت اقرب ہونا اور فی الدنیا کی قید اسلیے لگائی کہ آخرت مین رویت منصوص ہے سو وہان بھی گو حق تعالیٰ کی اقربیت ایسی ہی ہوگی بلکہ اس سے بھی زیادہ ہوجاوے گی اور یہ نہ ہوگا کہ وہان واسطہ اقرب ہوجاوے بہ نسبت حق تعالیٰ کے بلکہ وہان واسطہ ہی شرط نہ ہوگا اور اسی طرح حق تعالیٰ رائی کو تحمل بھی عطا فرما دین گے اور معتزلہ منکرین رویت فی الآخرۃ ان شرائط کو عقلی کہتے ہین اور اہل حق عادی اسلیے اس عالم مین عادت بدلنے سے رویت واقع ہوگی آگے اس غایت قرب کے مانع ہونے کی اور مثال ہے کہا آپ بمنزلہ مرئی عقل کے ہین (کہ غایت قرب ہے) تو کچھ تعجب نہین اگر مین آپ کو نہ دیکھون بوجہ غایت اشتباہ جال در جال کے (اس اشتباہ سے مراد بھی اختفاء ہے کہ اشتباہ مستلزم ہے اختفاء کو فاطلق الملزوم وارید بہ اللازم

اور جال در جال یعنی شدید اور اس مصرعۂ ثانیہ مین اختفا کو سبب عدم رویت کا قرار دینے سے تعارض نہ سمجھا جاوے کہ اول یعنی سبب غایت قرب کے ساتھ کیونکہ غایت قرب سبب اختفاء کا ہے اور اختفاء سبب عدم رویت کا ہے پس عدم رویت کو کہین سبب کی طرف منسوب کر دیا کہین سبب السبب کی طرف اور بعض نسخون مین مشتبک کی جگہ مشترک ہے اسکی توجیہ یہ ہو سکتی ہے کہ جو اختفا سبب عن غایت القرب سبب ہے عدم رویت کا وہ خاص نہین باری تعالیٰ کے ساتھ تا کہ کوئی عقل پرست اسمین استبعاد سمجھے بلکہ مشترک ہے واجب و ممکن مین کہ بعض ممکنات کی عدم رویت بھی اسی سبب سے ہے جیسے وجہ کی عدم رویت یا عقل کی عدم رویت البتہ اس دوسری مثال مین دوسرا سبب بھی ماننا پڑیگا علاوہ غایت قرب کے اور وہ عدم قابلیت مبصریت ہے تو مشترک کہنے سے وہ استبعاد دفع ہو گیا آگے اوپر کی ندا بکلمہ یا کے متعلق ایک تحقیق کرتے ہین جس مین ایک اشکال کا دفع ہے اور وہ ندائیہ ہے یا من لا اراک اور گو وہ منقول ہے مطرب سے مگر جب اُسپر انھون نے اپنا مضمون مبنی فرمایا تو گویا اُس ندا کو بھی اپنی طرف منسوب کر لیا اور وہ اشکال یہ ہے کہ تم نے محبوب حقیقی کو کلمہ یا سے ندا کیا کہ موضوع ہے ندا بعید کے لیے تو اُسمین اور حکم بالاقربیت مین تعارض ہوا اور یہ اشکال جار اللہ زمخشری کے قول پر ہے کہ وہ اسکو ندا بعید کے لیے کہتے ہین پس اسکے جواب کے لیے اس ندا کی حکمت کی تحقیق کرتے ہین کہ) چونکہ آپ حبل الورید سے بھی اقرب ہین تو مین نے کلمہ یا (بقصد ندا) نہین کہا (کیونکہ کلمۂ یا ندا بعید کے لیے ہے بلکہ (اس کلمۂ موہمۂ قصد ندا سے مقصود میرا دوسرا ہے اور وہ یہ ہے کہ) مین عام لوگون کو مغالطہ مین ڈالتا ہون (عام سے مراد محرومین و منکرین یعنی اُنکو مغالطہ دینا مقصود ہے کہ وہ ندا کو مقصود سمجھکر منادیٰ کو بعید سمجھین اور غفلت مین رہین اور اُنکو معرفت نصیب نہ ہو اور اسی لیے محبوب حقیقی کو) جنگلون مین پکارتا پھرتا ہون (تا کہ جیسے میرے قول یا سے اُنھون نے بُعد محبوب کا گمان کیا میرے اس فعل سے بھی اسی کا گمان ہو کہ اگر محبوب قریب ہوتا تو یہ جنگلون مین کیون ڈھونڈھتا (اور مغالطہ اس لیے دیتا ہون) تا کہ مین ایسے شخص کو جسکو میرے ساتھ محبت (و غایت قرب) ہے ایسے شخصون سے پوشیدہ رکھون جن سے مین غیرت (اور رشک) کرتا ہون (کما قال العارف الشیرازی ؎ با مدعی مگوئید اسرار عشق و مستی ٭ بگذار تا بمیرد در رنج خود پرستی ٭ یہ تو حل تھا اشعار کا باقی اب یہ بات رہ گئی کہ مامور بہ و محبوب عند المحبوب تو یہ ہے کہ دوسرونکو بھی اُسکی معرفت کی دعوت دیجاوے نہ یہ کہ کتمان کیا جاوے بلکہ ایہام و تلبیس کو استعمال مین لایا جاوے جواب یہ ہے کہ بیان دو مرتبے ہین ایک دعوت ناس الی الحق باللسان دوسری تمنی قبول ناس للحق بالجنان سو دعوت مذکورہ تو ہر حال مین ہر شخص کے لیے عام ہے یہان اسکی نفی مقصود نہین اور تمنی مذکور ہر حال مین ہر شخص کیلیے نہین ہے بلکہ جب معلوم ہو جاوے کہ فلان شخص فی علم اللہ مردود و مطرود ہے اُسوقت مطیع الحق بوجہ رضا بالقضا اسی پر راضی ہوتا ہے اور بعض اوقات اسکے متمنی بھی ہو جاتے ہین کہ وہ شخص مردود و مطرود رہے قال تعالیٰ حاکیاً عن موسیٰ علیہ السلام ربنا اطمس علیٰ اموالھم و اشدد علیٰ قلوبھم فلا یؤمنوا حتیٰ یروا العذاب الالیم وقال تعالیٰ حاکیاً عن نوح علیہ السلام

جواب اشکال مع مثال

رب لا تذر على الارض من الكافرين ديارا انك ان تذرهم يضلوا عبادك ولا
يلدوا الا فاجرا كفارا، وقال تعالى امرا لنوح عليه السلام انه لن يؤمن من قومك الا من
قد امن فلا تبتئس بما كانوا يفعلون واصنع الفلك باعيننا ووحينا ولا تخاطبني في الذين
ظلموا انهم مغرقون وقال تعالى حاكيا عن شعيب عليه السلام فكيف اسى على قوم
كافرين وقال تعالى امرا لنبينا صلى الله عليه وسلم واصبر وما صبرك الا بالله ولا تحزن
عليهم وغير ذلك من النصوص التي لا تحصى پس مقصود مولانا کا یہی ہے کہ میں بھی اسکا متمنی ہوں
کہ معاندین ومختومین فی علم اللہ کو معرفت نصیب نہ ہو پس اصل مقصود تو یہ ہے اسی مقصود کو اغالط اور اغار
تعبیر فرمادیا اور اس تمنی میں غیرت بالمعنی الحقیقی ہونا تو لازم ہے کیونکہ محبوب کی مشیت معلوم ہونیکے بعد اسکے
خلاف کی تمنا کرتے ہوئے غیرت آتی ہے باقی اغالطھم میں مجاز ہے کیونکہ یہ تمنی بعض مواد میں فی الجملہ سبب
ہوجاتی ہے مغالطہ کا پس اسمیں اطلاق المسبب وارادۃ السبب ہے اور گو کسی کا بالتعیین وبالیقین مطرود ہونا
صاحب وحی کو معلوم ہوسکتا ہے لیکن غیر صاحب وحی کو کلیًا تو یہ تمنی ممکن ہے کہ خدا کے علم میں مطرود ہو وہ مطرود ہی رہے
اور اگر اس کلام کو مستانہ کہا جاوے تو یہ اخیر کا اشکال ہی واقع نہیں ہوتا کہ ایہام کو استعمال میں لانا خلاف
دعوۃ مامور بہا ہے لان السکر عذر لاهل الحال اسی طرح اگر کلمہ یا کو عام لیا جاوے ندا
للقریب وللبعید کے لیے جیسا کہ جمہور کا مذہب ہے تو پہلا اشکال واقع نہ ہوگا کہ اس ندا اور حکم بالاقربیت
میں تعارض ہوا تو مولانا کا یہ کلام اسی پر مبنی ہوگا کہ مولانا کے نزدیک زمخشری کا مذہب مختار ہوگا اور اگر
مولانا کے نزدیک بھی جمہور کا مذہب مختار کہا جاوے تو اس مقام کی دوسری تقریر کی جاسکتی ہے اور اس
تقریر پر ندا للبعید میں ندا کو بنا بر خبریت مرفوع نہ پڑھیں گے بلکہ منصوب بنا بر مفعول لہ لم اقل کے کہیں گے
اور معنی یہ ہونگے چونکہ آپ اقرب من حبل الورید ہیں اس لیے میں نے جو یا من لا داک کہا ہے
اور اسی طرح انت وحشی میں بقرینہ ندا سابق ایسی ہی ندا مقدر ہے یعنی یا محجوبی اور اسی طرح انت عقلی
میں بھی تو یہ سرا یہ یا کہنا بغرض وبطور ندا بعید کے نہیں یعنی ناظر اشتراک یا للقریب والبعید سے شبہہ
نہ کرے کہ شاید یہ ندا للبعید ہو سو ایسا نہیں ہے بلکہ میں نے یہ کلمہ یا ندا قریب کے لیے استعمال کیا ہے باقی یہ بات
کہ پھر ایسا کلمہ کیوں نہ استعمال کیا جو مخصوص ہوتا واسطے ندا قریب کے سو اسکی وجہ نہ تنگی کلام ہے چنانچہ
یا من کی جگہ بہت آسانی سے اے من وزن میں آسکتا تھا اور نہ اسکی وجہ اتفاق یا ذہول ہے بلکہ قصدًا
یہ کلمہ مشترکہ لایا ہوں تاکہ اسکے اشتراک سے معاند ومنکر کو مغالطہ ہو اور وہ سمجھے کہ منادی محتمل البعد ہے
اور یقینی اقرب نہیں اور یہ مغالطہ غیرت کے سبب دیتا ہوں آگے پھر وہ سب اوپر والی تقریر سے آگے
غیرت کے مضمون کی مناسبت سے ایک حکایت خاندان نبوت کے بیان کرنے کی تمہید ہے یعنی) یہ کلام
متعلق یہ اقربیت حق تعالی) انتہا نہیں رکھتا اے عزیز (کیونکہ یہ صفات حق میں سے ہے اور صفات کے

مباحث و اسرار غیر متناہی ہین وھو الذی قال تعالیٰ قل لو کان البحر مدادًا لکلمات ربی لنفد البحر قبل ان تنفد کلمات ربی ولو جئنا بمثلہ مددًا اِسلیے اسکے غیر متناہی ہونے کے سبب اسکو مختصر کرا و مضمون غیرت کے متعلق) اب صاحب تمیز (یعنی حضرت عائشہ صدیقہؓ کا ایک نکتہ (یعنی ایک مضمون لطیف) سُن لو (کہ وہ مضمون حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت غیوریت کے متعلق ہے جسکا آیندہ قریب اس مصرعہ مین ذکر ہے از غیوریِ رسولِ رشک ناک + اور آخر قصّے کے اس مصرعہ مین بھی او نہ میدید من ہمی بینم ورا اور یہی وجہ ارتباط ہے اُس قصّہ کی مضمون مذکور سے **ف** قصّہ آیندہ و مضمون بالا کے ارتباط کے متعلق ایک سوال وجواب سمجھنے کے قابل ہے سوال یہ ہے کہ اِن دونون کا ارتباط موقوف ہے دونون مضمونون کے تطابق پر اور ظاہر تطابق مفقود ہے کیونکہ خلاصہ قصہ کا یہ ہے کہ حضرت عائشہؓ نابینا کے آنیکے وقت بہ سبب غیرت نبویہ کے حجاب مین ہوگئین کہ میری نگاہ اُس نابینا پر نہ پڑے تو حاصل اسکا یہ ہوا کہ محبوب کی غیرت مقتضی اسکو ہے کہ اُسکا محب کسی دوسرے کو نہ دیکھے اور اشعار بالا کا حاصل یہ ہے کہ محب کی غیرت اسکو مقتضی ہے کہ اُسکے محبوب کو کوئی نہ دیکھے کما ھو مصرح فی قولہ لا کلم من معی معن اغاد تو تطابق نہ ہوا پھر ارتباط اور تائید بھی نہ ہوئی جواب یہ ہے کہ تطابق کےلیے ایک واسطہ لازمہ کے اعتبار کی ضرورت ہے اور وہ واسطہ اور اسکا لزوم چونکہ خفی نہین اِسلیے اُسکا مذکور نہ ہونا مضر و مخل مقصود نہین پس اسکے اعتبار کے بعد تقریر مقام کی یہ ہے کہ اس غیرت مین اصل غیرت محبوب کی ہے کہ اُسکا محب کسی دوسرے کو نہ دیکھے اور یہ غیرت حاصل ہے قصہ کا تائید اسکی کہ محبوب کو اس التفات الی الغیر پر غیرت اس حدیث سے ہوتی ہے ان سعدًا لغیور وانا اغیر منہ واللہ اغیر منی ومن غیرتہ حرم الفواحش ما ظہر منہا وما بطن تحریم فواحش کا سبب غیرتِ آلہیہ کو ٹھیرایا ہے اور فواحش کا حاصل ایک خاص درجہ کی توجہ ہے عبد کی غیر محبوب کی طرف اور اس غیرت مذکورہ کو عادۃً یہ لازم ہے کہ اگر مدعی محبت کسی دوسرے کو دیکھے تو پھر محبوب یہ چاہتا ہے کہ پھر وہ مجھکو یعنی محبوب کو نہ دیکھے اور یہ غیرت وہ واسطہ لازمہ ہے اور چونکہ محب صادق تابع ارادۂ محبوب ہوتا ہے اس لیے ایسے ناظر الی الغیر کےلیے وہ محب صادق بھی چاہتا ہے کہ وہ ناظر الی الغیر محبوب کو نہ دیکھے اور یہ غیرت حاصل ہے اشعار بالا کا اور من اغاد سے ظاہر ہے کہ یہی محرومین ومعاندین مراد ہین جیسا کہ اُس شعر کی شرح مین مذکور ہوچکا ہے پس یہان تین غیرتین ہین غیرتِ اولیٰ جو حاصل ہے قصّے کا مستلزم ہے غیرت ثانیہ کو اور غیرت ثانیہ مستلزم ہے غیرت ثالثہ کو جو حاصل ہے شعر بالا کا پس غیرت ثانیہ واسطہ ہے استلزام الاولیٰ للثالثہ مین پس غیرت متضمنہ اشعار کی لم بیان کرنیکے لیے یہ قصہ لائے ہین یعنی محب احتجاب محبوب کو جو چاہتا ہے اُسکا سبب اور اصل خود غیرتِ محبوب ہے جسکا مظہر یہ محب ہے اور حدیث مذکور سے اسکی بھی تائید ہوتی ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی اور سعدؓ کی غیرت کو فرد اور غیرت آلہیہ کو اصل فرمایا کما یدل علیہ السیاق اور غیرت ثانیہ مین جو محب صادق کے ارادہ

عدم النظر الی المحبوب کو ناظر الی الغیر کے ساتھ خاص کہا ہے اسمین عشق حقیقی و عشق مجازی متمائز ہین یعنی عشق مجازی مین یہ رشک عام ہے قانع علی المحبوب کو بھی یعنی وہ اپنے ساتھ کسی کی شرکت پسند نہین کرتا بخلاف عشق حقیقی کے کہ وہ قانع علی المحبوب کی شرکت کے لیے خود کوشش کرتا ہے اور میرے نزدیک راز اسمین یہ ہے کہ مجازی مین شرکت سے محبوب کی توجہ بوجہ انقسام کے کم ہو جاتی ہے اور حقیقی مین انقسام تو محال ہے اور اس کوشش مین امتثال امر بھی ہے اس سے توجہ محبوب کی اور زائد ہو جاتی ہے اس لیے شریک پر حسد نہین ہوتا۔

آمدن ضریر بخانۂ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم و گریختن عائشہؓ و پنہان شدن

اندر آمد پیش پیغمبر ضریر

پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک نابینا آئے

کای نوا بخش تنور از ہر خمیر

کہ اے سامان بخشنے والے تنور کے ہر قسم کے خمیر سے

اے تو میر آب و من مستسقیم

اے حضرت آپ پانی کے سردار ہین اور مین طالب آب ہون

مستغاث المستغاث اے ساقیم

فریاد ہے فریاد ہے اے میرے ساقی

چون در آمد آن ضریر از در شتاب

جب وہ نابینا دروازہ سے آئے تو جلدی سے

عائشہؓ بگریخت بہر احتجاب

حضرت عائشہؓ پردہ مین جانے کے لیے بھاگین

زانکہ واقف بود آن خاتون پاک

کیونکہ واقف تھین وہ پاک بی بی

از غیوری رسول رشک ناک

رسول غیور صلے اللہ علیہ وسلم کی غیوری سے

ہر کہ زیباتر بود رشکش فزون

جو شخص جتنا زیادہ زیبا ہوتا ہے اسکا رشک زیادہ ہوتا ہے

زانکہ رشک از ناز خیزد یا بنون

کیونکہ رشک ناز سے پیدا ہوتا ہے اے بیٹو

گنده پیران شوی را قما دهند
بڑی بڑھیاں شوہر کو کنیزک دیتی ہیں

چون جمالِ احمدی در هر دو کون
جمالِ احمدی کے برابر دونوں عالم میں

ناز هاے هر دو کون او را رسد
دونوں عالم کے نازونکا آپکو استحقاق پہونچتا ہے

کاندرا فگندم بکیوان گوے را
کہ میں نے زحل پر گیند پھینکا ہے

ور شعاعِ بے نظیرم لا شوید
میری شعاعِ بے نظیر میں تم معدوم ہو جاؤ

از کرم من هر شبے غائب شوم
بوجہ کرم کے میں ہر شب غائب ہو جاتا ہوں

تا شما بے من شبے خفاش وار
تاکہ تم بدون میرے شب کے وقت خفاش کی طرح

همچو طاؤسان پرے عرضه کنید
مثل طاؤسوں کے پروں کو پیش کرلو

بنگرید آن پاے زشت از امتیاز
قوتِ امتیاز سے وہ پاے زشت بھی دیکھ لو

چونکه از زشتی و پیری آگه اند
چونکہ بدصورتی اور بڑھاپے سے آگاہ ہیں

کے بُدست اے فرِّ یزدانیش عون
کب ہوا ہے اے مخاطب نورِ الٰہی اُنکا معین ہے

غیرت آن خورشید صد تو را رسد
رشک اُس صد درجہ خورشید کو پہونچتا ہے

در کشید اے اختران هین روے را
اے ستارو خبردار اپنا منھ چھپا لو

ورنه پیشِ نورِ من رسوا شوید
ورنہ میرے نور کے سامنے رسوا ہوگے

کے روم الّا نمایم که روم
میں کب جاتا ہوں لیکن دکھلاتا یہی ہوں کہ میں جا رہا ہوں

پر زنان گردید گردِ این مطار
پرواز کرو اس محلِ طیران کے گرد

باز ست و سر خوش و معجب شوید
پھر ست اور سرخوش اور خود پسند ہو لو

همچو چارق کو بود شمعِ ایاز
اُس کفش کی طرح کہ وہ ایاز کی شمع تھی

تانگردید از منی زاہلِ شمال	رونمایم صبح بہرِ گوشمال
تاکہ تم کبر کے سبب اصحاب الشمال سے نہ ہوجاؤ	صبح کے وقت گوشمالی کے لیے جمال دکھلاتا ہون
نہی کردست از درازی امر کن	ترک آن کن کہ درازست این سخن
نہی فرمائی ہے تطویل سے اُن امر فرمانیوالے نے	اسکو ترک کرو کیونکہ یہ مضمون دراز ہے

امتحان کردن رسول صلی اللہ علیہ وسلم عائشہؓ را کہ چرا پنہان مشوی او ترا نہ بیند

او نمی بیند ترا کم شو نہان	گفت پیغمبر برائے امتحان
کہ وہ تو تمکو نہین دیکھتے تو کچھ پردہ نہ کرو	پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم نے بطور امتحان کے فرمایا
او نہ بیند من ہمی بینم ورا	کرد اشارت عائشہؓ با دستہا
کہ وہ تو نہین دیکھتے ہین تو اُنکو دیکھ سکتی ہون	حضرت عائشہؓ نے ہاتھون سے اشارہ کیا

قِمَنَا کنیزک کذا فی الغیاث فر بمعنی نور کذا فی الغیاث۔

ربط کی تقریر اوپر کے اشعار کے ختم پر مذکور ہوئی یعنی) پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک نابینا (صحابی) آئے (اور آکر عرض کیا) کہ اے سامان بخشنے والے تنور کے ہر قسم کے خمیر سے (یعنی تنور مین جتنی قسم کی روٹیان لگتی اور نکلتی ہین وہ آپ ہی کے سامان سے مہیا ہوئی ہین مطلب یہ کہ تمام اقسام اغذیۂ روحانیہ کے قاسم بعطاء حق آپ ہی ہین کما قال صلی اللہ علیہ وسلم انما انا قاسم واللہ یعطی اور) اے حضرت آپ پانی (بانٹنے) کے سردار ہین اور مین طالب آب ہون (پانی کے لیے) فریاد ہے فریاد ہے اے میرے ساقی (مثل شعر بالا کے یہان پانی سے مراد بھی روحانی آب حیات ہے اور مصداق اس آب وطعام کا علوم ومعارف ہین غرض یہ کہتا ہوا وہ نابینا آیا اور) جب وہ نابینا دروازہ سے آیا تو جلدی سے حضرت عائشہؓ پردہ مین جانیکے لیے بھاگین (ممکن ہے کہ نابینائی کے سبب آنے والے نے استیذان کی حاجت نہ سمجھی ہو ورنہ آواز سنکر پردہ مین ہو جاتین اب انکو آتا ہوا دیکھکر چھپ گئین) کیونکہ واقف تھین وہ پاک بی بی رسول غیور صلے اللہ علیہ وسلم کی غیوری سے (کہ اگر بیٹھی ہونگی تو آپ کو ناگوار ہوگا آگے غیرت کا ایک منشا طبعی بیان فرماتے ہین کہ) جو شخص جتنا زیادہ زیبا (صورت)

ہوتا ہے اُسکا رشک (بمعنی غیرت) زیادہ ہوتا ہے کیونکہ رشک (موجبات) ناز (یعنی حُسن وجمال) سے پیدا ہوتا ہو لہٰذا بیٹو (یعنی اسکو یہ ناگوار ہوتا ہے کہ اُسکے ہوتے ہوئے دوسرے کی طرف توجہ کیجاوے چنانچہ اسکی دلیل عادی یہ ہے کہ) سڑی بڑھیا (اپنی) شوہر کو کنیزک (صحبت کے لیے) دیدیتی ہین (جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اسکو گوارا کرتی ہین) چونکہ (اپنی) بدصورتی اور بڑھاپے سے آگاہ ہین (اس سے معلوم ہوا کہ رشک خاص ہے زیبائی کے ساتھ جب یہ ثابت ہوا تو ظاہر ہے کہ) جمال احمدی کے برابر دونون عالم مین کب (کسی کا جمال) ہوا ہے اے مخاطب راتبی اُنکا معین ہویا معین ہے (فعود عاءُ او خبرٌ و علی لتقدیرین اسمین اشارہ ہے آپکے سبب کمال وجمال کی طرف یعنی وہ نورِ حق سے مستفاد ہے سو جب نورِ قمر صرف شمس سے مستفاد ہونے پر ایسا ہے سو جو نورِ حق سے مستفاد ہوگا اُسکا کیا کہنا جب ایسا حُسن ہے تو) دونون عالم کے نازون کا آپکو استحقاق پہونچتا ہے (یا تو یہ معنی ہین کہ دونون عالم کے اہل حُسن مین جتنا ناز ہے اُن سب کا تنہا آپ کو استحقاق ہے یا یہ معنی ہین کہ دونون عالم مین ناز کرنے کا آپ کو حق ہے اور جب آپ کا یہ ناز اور حُسن کا یہ انداز ہے اور بقدر حُسن کے غیرت ہوتی ہے تو) رشک (کا حق بھی) اُس صد درجہ خورشید کو پہونچتا ہے (مراد اس سے ذات مقدسہ نبویہ صلے اللہ علیہ وسلم ہین کہ حُسن ممکن کے تمام مراتب کو جامع ہین گویا آپ سَو درجہ کے خورشید ہین پس اس لیے آپ غیور تھے اور اُس غیوری کے سبب حضرت عائشہؓ چھپ گئین آگے مقولہ حالیہ ہے اُس خورشید صد تو کا جو کہ متفرع ہے کمال حُسن پر) کہ مین نے (غایت حُسن سے) زحل پر (یعنی مقام رفیع پر) گیند پھینکی ہے (یعنی حُسن مین درجہ علیا رکھتا ہون اس کنایہ کی وجہ یہ ہے کہ اہل ہیئت کے قول پر زحل فلک سابع پر ہے افلاک سیارات مین کہ وہی کواکب عظام ہین اُس سے ارفع کوئی نہین اور جب مین ایسا مقام رفیع حُسن کا رکھتا ہون تو) اے ستارو خبردار اپنا مُنھ چھپالو (اور بعض نسخون مین بجاے ہے کے زَد ہے مخفف زُود کا یعنی جلدی مُنھ چھپالو چنانچہ خورشید کا خاصتہ بھی ہے کہ اُسکے طلوع کے وقت باقی ستارے مستور النور ہوجاتے ہین یہی مضمون آگے بھی ہے کہ) میری شعاع بے نظیر مین تم (بمنزلہ) معدوم (کے) ہوجاؤ ورنہ (یعنی اگر اپنا نور تم نے ظاہر کیا تو) میرے نور کے سامنے رسوا ہوگے (یعنی جو شخص تمھارے نور کو میرے نور سے موازنہ کرکے دیکھیگا وہ تمھارے نور کو حقیر سمجھے گا پس میرے سامنے اپنا نور ظاہر نہ کیا کرو البتہ جب مین چلا جایا کرون اُسوقت اگر اپنا نور ظاہر کرو مضائقہ نہین چنانچہ تمھاری ہی رعایت سے) بوجہ کرم کے (جو کہ مقتضی ہوتا ہے ضعفا کی رعایت کو) مین ہر شب غائب ہوجاتا ہون (اور اُسوقت) مین (آسمان سے یا عالم سے بالکل) کب جاتا ہون (چنانچہ ظاہر ہے کہ شب کو زمین کے اُس طرف ہوجاتا ہے) لیکن (ظاہر نظر مین) دکھلاتا یہی ہون کہ مین جارہا ہون تاکہ تم بدون میرے شب کے وقت خفاش کی طرح (ذرہ) پرواز کرلو اس محل طیران کے گرد (چونکہ کواکب کو خفاش سے اور شعر آئندہ مین طاؤس سے تشبیہ دی اسلیے اُسکے لوازم طیران اور پر اور بازو ثابت کیے مطار سے مراد حصۂ جو یعنی فضا کا کہ مسافت طیران خفاش بھی ہے اور محل

انعکاس اشعۂ کواکب بھی اور ذرہ) مثل طاؤسوں کے پروں کو پیش کر لو (یعنی حُسن کو ظاہر کر لو کیونکہ طاؤس کا حُسن پر میں ہوتا ہے اور) پھر (پر دکھلانیکے وقت) مست اور سرخوش اور خود پسند ہو لو (مگر اُس وقت بھی دفع عجب کے لیے تمکو چاہیے کہ) قوتِ امتیاز یہ سے (یعنی عقل سے کہ آلۂ امتیاز بین الخیر والشر ہے ذرا) وہ پائے زشت بھی دیکھ لو اُس کفش (کہنہ) کی طرح کہ وہ ایاز کی شمع تھی (اور ایاز اُسکو دیکھا کرتا تھا تاکہ عُجب اور احسان فراموشی نہ ہو اور شمع سے تشبیہ اسلیے دی کہ شمع بوجہ نورانی ہونیکے سبب امتیاز بین الخیر والشر ہوتی ہے اسی طرح چارق بھی ایاز کے لیے آلہ تھا امتیاز بین الکبر والتواضع کے لیے سوچاہیے تو تم ہی کو کہ اپنے عیوب واقع عُجب کو دیکھو لیکن میں تمھارے دیکھنے کا منتظر نہیں رہتا بلکہ خود ہی) صبح کے وقت (تمھاری) گوشمالی (وتنبیہ بر غلطی) کے لیے (اپنا) جمال دکھلاتا ہوں تاکہ (تمھارا کبر جاتا رہے اور) تم کبر کے سبب اصحاب الشمال (یعنی اہل نار) سے نہ ہو جاؤ (یہ سب مقولہ ہے خورشید کا بزبان حال اور شاید اسمیں مولانا کا مقصود علاوہ اظہار حُسن وجمال نبوی کے اسطرف بھی اشارہ ہو کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے جو اپنے کمالات حُسن ظاہری وباطنی کے ظاہر فرمائے ہیں حکمت اُسمیں علاوہ ہمارے تصحیح عقائد کے ہماری یہ اصلاح بھی ہے کہ ہمکو اپنے کمالات پر ناز نہ ہو جاوے اگر کبھی ایسا وسوسہ ہو تو آپکے کمالات کو دیکھ لیا کریں ورنہ آپ کی کوئی مصلحت اس اظہار پر موقوف نہیں باقی حضورؐ کے اظہار پر اگر وسوسہ افتخار کا ہو تو حضورؐ نے ایسے مضامین کے ساتھ لا فخر فرما کر اس وسوسہ کو دفع فرما دیا ہے آپؐ مخاطب اول آمّا بنعمۃ ربّک فحدّث کے ہیں اور شعر ہر کہ زیبا تر بود الخ کی تمہید میں جو منشاء میں طبعی کی قید لگائی وہ اس لیے کہ غیرت کا ایک منشاء شرعی بھی ہے اور وہ امر ہے حق تعالیٰ کا اور اتصاف ہے اخلاق الٰہیہ کے ساتھ قد ورد فی الحدیث واللہ اغیر منی کما قد ذکر قبیل عنوان آمدن ضریر الخ آگے تمہید ہے رجوع بقصہ کی یعنی) اس (مضمون) کو (بالفعل) ترک کرو کیونکہ یہ مضمون دراز ہے (کیونکہ محاسن نبویہ اس کثرت سے ہیں کہ احصاء اُنکا متعسر ہے گو متعذر یعنی محال نہ ہو اور جنکے محاسن کا یہ ذکر ہے خود اُنھوں نے) نہی فرمائی ہے تطویل (کلام یا تطویل محاسن) سے اُن امر فرمانے والے نے (مراد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ہیں آپ کا صاحب امر وصاحب ارشاد ہونا ظاہر ہے اور آپکا نہی فرمانا تطویل کلام سے مطلقاً اور اسی طرح اپنی مدح میں مبالغہ کرنے سے بھی نہی فرمانا حدیثوں میں مصرح ہے قال علیہ السلام ان من فقہ المرأ قصر الخطبۃ وقال علیہ السلام قولوا قولکم او بعض قولکم وقال علیہ السلام لا تفضلونی علی موسیٰ علیہ السلام وقال علیہ السلام لا ینبغی لاحد ان یقول انا خیر من یونس بن متّٰی ونحو ہا اور عنوان امرکن میں اشارہ اسطرف ہو سکتا ہے کہ جسطرح تطویل سے آپ نے نہی فرمائی ہے اُسی طرح بلا تطویل ذکر کمالات کا امر بھی فرمایا ہے چنانچہ خود کمالات بھی بیان فرمائے اور روایات کی تبلیغ کا امر بھی فرمایا جس سے مطلوب ثابت ہو گیا اور

در ودِ شریف کی کثرت خود ما مور بہا ہے اور اس کثرت کو تطویل نہ سمجھا جاوے تطویل سے مراد تطرا ہے جسکا ایہام مولانا کو اپنے کلام مین محسوس ہوا ہوگا اسلیے ترک کرنا تجویز کیا ہے اور عجب نہین لفظ دراز مین اشارہ اسطرف بھی ہو کہ طویل ہے مگر غیر متناہی بالفعل نہین کہ لاتناہی بالفعل کمالاً کی خواص واجب تعالیٰ سے ہے احقر نے دراز کی تفسیر مین نفی توقف سے اسکو ترجمہ مین بھی ظاہر کردیا ہے اور سر نمی آمدن ضریر کے قبل کے شعر مین پایان ندارد جسکے حقیقی معنی ہین غیر متناہی بالفعل شاید اسلیے لایا گیا ہو کہ وہان ذکر تھا صفات حق کا اور وہ غیر متناہی بالفعل ہین چنانچہ وہان اسکی تفسیر اسی کے ساتھ احقر نے کی ہے اور اگر کہین مولانا کے کلام مین متناہی بالفعل کے لیے پایان ندارد وغیرہ آیا ہے تو وہ محمول ہوگا معنی مجازی پر اب قصہ بیان فرماتے ہین کہ) پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم نے بطور امتحان کے (حضرت عائشہ رضؓ سے) فرمایا کہ وہ تو تمکو نہین دیکھتا تو پھر پردہ نہ کرو (اور ظاہر ہے کہ یہ فرمانا امتحاناً ہی ہوسکتا ہے کیونکہ آپ کی صفت غیوریت خود مقتضی احتجاب صدیقہؓ کو ہے پس جواب مین) حضرت عائشہؓ نے ہاتھون سے (آنکھو نکی طرف) اشارہ کیا کہ وہ (گو مجھکو) نہین دیکھتا (مگر) مین تو اُسکو دیکھتی ہون (تو میرا اُسکو دیکھنا بھی تو امر منکر ہے اور ہاتھون سے اشارہ کرنے مین کمال احتجاب ہے کہ آواز کا بھی پردہ رکھا) **ف** قصہ ختم ہوگیا باقی یہ قصہ میری نظر سے نہین گذرا البتہ سُنن مین ایک دوسرا قصہ تو آیا ہے کہ حضرت ام سلمہؓ اور میمونہؓ ایک وقت حضورؐ مین حاضر تھین حضرت ام مکتومؓ نابینا نے حاضری کی اجازت چاہی تو آپ نے دونون کو پردہ مین چلے جانیکا حکم فرمایا اُنھون نے عرض کیا کہ وہ تو نابینا ہین آپنے فرمایا کہ کیا تم بھی نابینا ہو کیا تم اُنکو نہین دیکھو گی فقط سو اگر مثنوی والی حدیث بھی ثابت ہو تو ظاہراً دونون مین تعارض کا شبہہ ہوسکتا ہے کہ اِن دونون کو تو خود پردہ کا حکم فرمایا اور حضرت عائشہؓ نے جو خود پردہ کیا تو اُنکو منع فرمایا مگر جواب خود شعر مثنوی مین مذکور ہے یعنی حضرت عائشہؓ کو جو فرمایا مقصود اُس سے امتحان تھا اُنکے فہم کا چنانچہ امتحان مین وہ کامیاب ہوئین)

غیرتِ عقل ست بر خوبیِ روح

عقل کو غیرت ہے روح کے حُسن پر

پُر ز تمثیلات و تشبیہاے نصوص

جو کہ تمثیلات اور تشبیہ سے پُر ہے اے صاف و خالص

با چنین پنہانیے کین روح راست

باوجود اسقدر اختفار کے کہ اس روح کو ہے

عقل بر وے این چنین رشکین چراست

عقل اُسپر اسقدر رشکناک کیون ہے

از کہ پنہان میکنی اے رشک خو

تو کس سے مخفی کررہی ہے اے رشک خو

آنکہ پوشیدست نورش روے او

ایسے کو کہ اُسکے نور نے اُسکے چہرہ کو پوشیدہ کر رکھا ہے

میرود بی روی پوش این آفتاب
یہ آفتاب بدون رو پوش کے جل رہا ہے

فرط نور اوست رویش را نقاب
اُسکا فرط نور ہی اُسکے چہرہ کا نقاب ہو رہا ہے

از که پنهان میکنی ای رشک ور
کس سے پنہان کر رہی ہے اے رشک ناک

کافتاب از وی نمی بیند اثر
کہ آفتاب بھی اُسکا کوئی اثر نہین دیکھتا

رشک از آن افزون ترست اندر تنم
رشک تو اُس سے بھی زیادہ ہے میرے اندر

کز خودش خواهم که هم پنهان کنم
کیونکہ مین اپنے سے بھی اُسکو پنہان کرنا چاہتی ہون

ز آتش رشک گران آهنگ من
ز آتش غیرت شدید کے سبب سے میرا لشکر

با دو چشم و گوش خود در جنگ من
مع اپنی دونون چشم اور گوش کے میری جنگ مین ہے

چون چنین رشکیست ای جان و دل
جب تجکو ایسا رشک ہے اے جان و دل

پس دهان بر بند و گفتن را بهل
بس مُنھ بند کر لے اور کہنا ہی چھوڑ دے

ترسم ار خامش کنم آن آفتاب
مین ڈرتی ہون اگر خاموشی کرون۔ وہ آفتاب

از سوی دیگر بدراند حجاب
دوسری طرف سے حجاب پھاڑ ڈالنے

در خموشی گفت ما اظهر شود
خاموشی مین ہمار گفتن زیادہ ظاہر ہوجاوے گا

که ز منع آن میل افزون تر شود
کہ منع کرنیسے وہ میل زیادہ ہوتا ہے

گر بغرد بحر غره اش کف شود
اگر سمندر جوش مین آوے تو اُسکا جوش کف ہوتا ہے

جوش اَحْبَبْتُ بِاَنْ اُعْرَفْ شود
جوش اَحْبَبْتُ اَنْ اُعْرَفْ کا سبب ہوجاتا ہے

حرف گفتن بستن آن روزن است
کچھ الفاظ کہدینا اُس روزن کا بند کر دینا ہے

عین اظهار سخن پوشیدن است
خود اظہار سخن۔ مخفی کرنا ہے

بلبلانہ نعرہ زن بر روے گل	**تا کنی مشغول شان از بوے گل**
بلبلون کی طرح روے گل پر نعرہ لگا	تاکہ اُن کو بوے گل سے دوسری طرف مشغول رکھے
تا بقل مشغول گردد گوش شان	**سوے روے گل نپرد ہوش شان**
تاکہ قل کی طرف اُن کے کان مشغول رہین	روے گل کی طرف اُنکا ہوش نہ پہونچے
پیش این خورشید کو بس روشن ست	**در حقیقت ہر دلیلے رہزن ست**
اس خورشید کے سامنے جو کہ بہت ہی زیادہ روشن ہے	حقیقت مین ہر ایک دلیل رہزن ہے

ان اشعار سے مقصود حق تعالیٰ کا ظاہر اور باطن ہونا اور اُسکے ظہور کا عین بطون ہونا ہے اسکو ایک خاص شاعرانہ عنوان سے بہ پیرایۂ سوال وجواب بیان کیا ہے اور اُسی عنوان خاص کے اعتبار سے اسکا ماقبل کے ارتباط بھی ہے کیونکہ حکایت ضریر کے قبل کے اشعار مین دو مضمون متناسب مذکور تھے ایک محبوب کا اختفا بوجہ غایت قرب محبوب کے دوسرا محب کی جانب سے محبوب کا اخفاء بوجہ غایت غیرت محب کے اور مضمون ثانی کی مناسبت سے حکایت مذکور ہوئی تھی اب ان اشعار مین اُن ہی دونون مضمون کے عنوان سے مقصود کو یعنی ظہور وبطون حق تعالیٰ کو بیان کرتے ہین جنمین غایت قرب کو سبب کہنا حقیقۃ التعلیل ہے اور غیرت کو سبب کہنا حسن التعلیل ہے اور گو اول کے دو شعر مین لفظ روح سے متوہم ہوتا ہے کہ بیان روح کے بطون وظہور کا بیان ہے مگر بعد کے تمام اشعار اُسپر منطبق نہین ہوتے اُنمین صریح الفاظ ایسے مذکور رہین جنکا حق تعالیٰ ہی کے افعال وصفات سے تعلق ہوسکتا ہے اور تاویل بعید کرکے روح پر منطبق کرنا قریب قریب تحریف کے ہے کلام کی مثلاً پوشیدست نور ش روے او اور مثلاً فرط نور اوست رویش را نقاب اور مثلاً از سوے دیگر بدراند حجاب اور مثلاً گوش حبت بان اعرف شود اور یہ سب سے زیادہ صریح ہے اور مثلاً در حقیقت ہر دلیلے رہزن ست نیز اسقدر شدت سے محتجب مطلق ہونا جیسا ان اشعار مین مذکور ہے روح کے لیے صحیح بھی نہین کیونکہ کشف سے اُسکا مشاہدہ وظہور ہوجاتا ہے اور واجب تعالیٰ پر محمول کرنے مین صرف اول کے دو شعر مین صرف لفظ روح مین تاویل کرنا پڑے گی جو کہ بعید بھی نہین یعنی بمعنی محیی استعارۃً لے لیا جاوے گا کیونکہ روح سبب ہے حیات کا اور حق تعالیٰ معطی ہے حیات کا پس معطی حیات کو سبب حیات سے تشبیہ دیکر اُسپر روح کا اطلاق کردیا اور ایسی تشبیہ کی صحت خود منصوص قرآنی ہے مثل نورہ کمشکوٰۃ فیہا مصباح جسطرح بہت سے اشعار مین اے جان سے خطاب کیا ہے جو ترجمہ ہے روح کا اور اس تعبیر مین ایک نکتہ مناسب مقام وہ بھی ہوسکتا ہے جو بعض

محشین نے اسطرح لکھا ہے وتو دانستۂ کہ آن حضرت حق را سبحانہٗ از راہ رشک و غیرت بروح تعبیر میفرمایند و اسرار او
بیان می نمایند تا غیر عارف بر آن اطلاع نیابد اھ آب شرح اشعار لکھتا ہون) عقل کو (جو دریغ ہے اظہار کنہ
حق تعالیٰ سے تو اسکی وجہ یہ ہے کہ اُسکو) غیرت (آتی) ہے روح (یعنی حیات بخش عالم) کے حُسن پر (کہ اُس کا
اظہار نہین چاہتی یہ حُسن التعلیل ہے کیونکہ اصل وجہ تو یہ ہے کہ اُسکو خود ہی اُسکا انکشاف نہین چنانچہ آگے مصرح ہے
کہ خود ش خواہم کہ ہم پنہان کنم اور اس حُسن التعلیل مین گویا ادعا ہے اسکا کہ اگر بفرض محال عقل پر اُسکی کنہ
منکشف بھی ہوتی تب بھی بسبب غیرت کے وہ اظہار نہ کرتی آگے روح کی ایک صفت ہے یعنی ایسے حیات بخش کے
حُسن پر اُسکو غیرت ہے) جو کہ تمثیلات و تشبیہ سے پُر ہے اے صاف و خالص (عقل کے اس خطاب مین اشارہ ہے
کہ اس حکم کے سمجھنے کے لیے صفاء و خلوص ذہن کی ضرورت ہے اور روح بالمعنے المعلوم کو پُر تمثیلات سے
کہنا مجاز ہے اور مراد اس کلام کا پُر ہونا ہے جسمین روح کے احکام بیان کیے جاوین اور اس صفت مین اشارہ
ہے طریق اخفاء کی طرف مطلب یہ ہے کہ عقل جو حق تعالیٰ کی ذات و صفات کو تمثیل و تشبیہ سے واضح کرتی ہے
کیونکہ ایضاح کا یہی طریقہ اقرب الی عقول العامہ ہے اور اسی وجہ سے قرآن مجید اور کلام انبیاء علیہم السلام
مین یہ طریقہ اختیار کیا گیا ہے قال تعالیٰ وجاء ربك و قال تعالیٰ الا ان یاتیهم الله و قال الله
تعالیٰ مثل نورہ کمشکوۃ و قال رسول الله صلی الله علیہ وسلم ینزل ربنا تبارك و تعالےٰ
كل ليلة الى السماء الدنيا و قال عليه السلام والله فوق ذلك الحديث اى السموات والعرش
و قال عليه السلام ولو دليتم بحبل الى الارض السفلى لهبط على الله و غير ذلك من الآيات
والروايات سو سامع تو سمجھتا ہے کہ اس سے ایضاح مقصود ہے اور واقع مین وہ عقل بوجہ غیرت کے
اس طریق سے اخفاء کا قصد کر رہی ہے تاکہ محجوب ان ہی تمثیلات مین مقید رہ کر حقیقت تک نہ پہونچے
تو ظاہر مین تو یہ طریق ایضاح کا ہے مگر عقل نے اسکو اخفاء کے لیے اختیار کیا ہے آگے اپنے نفس کو خطاب
کر کے بطور تعجب کے اُسکے متعلق ایک سوال کرتے ہین کہ) باوجود اسقدر اختفاء کے کہ اس روح (الارواح
و جان جان) کو (حاصل) ہے (اور وہ یہ اختفاء ہے کہ کسی طرح انکشاف تام یعنی ظہور بالکنہ کا احتمال ہی
نہین چنانچہ اپنے محل مین ثابت ہو چکا ہے لا یحد و لا یتصور باوجود اسکے بھی) عقل اسیر اسقدر رشکناک
(اور غیور) کیون ہے (کہ اخفاء کی تدبیرین کرتی ہے جیسے تشبیہ و تمثیل مذکور بالا یعنی اگر احتمال ظہور تام کا
ہوتا تو خیر غیرت کے سبب اہتمام اختفاء عجیب نہ تھا مگر اب تو اسقدر غیرت کی ضرورت ہی نہین آگے اپنے نفس کے
خطاب سے التفات کر کے خود عقل کو خطاب اور اُس سے سوال کرتے ہین کہ) تو کس سے مخفی کر رہی ہے اے رشک جو
(یعنی غیور) ایسے (محبوب حقیقی) کو کہ اُسکے نور (یعنی غایت ظہور) نے (خود) اُسکے چہرہ (یعنی وجہ بمعنی
الذات) کو پوشیدہ کر رکھا ہے کما قد ذکر فی شرح شعرانت وجهی لا بحجاب لا اداه غاية القرب
حجاب الاشتباہ یعنی جب وہ اپنے نور ہی مین مستور ہے تو پھر اہتمام ستر کی کیا حاجت ہے کہ مقصود بدون

استتار ہی کے حاصل ہے اور یہی معنی ہیں اسکے کہ اُسکا ظہور خود اُسکا بطون ہے جسکا ذکر تمہید اشعار میں کیا گیا ہے
آگے بھی یہی مضمون ہے کہ) یہ آفتاب (یعنی نورِ حقیقی) بدون (کسی) روپوش (یعنی حجاب) کے جل رہا ہے
نظیرہٗ حدیث انیتہٗ ھویتہٗ فلا استبعاد فیہ اور) اُس (آفتاب) کا فرطِ نور ہی اسکے چہرہ کا
نقاب (و حجاب یعنی ساتر) ہو رہا ہے (اسکی تقریر اوپر گذر چکی اور آفتاب سے اس صفت میں بھی تشبیہ ہے
کہ خفاش سے اُسکا اختفا بسبب غایت ظہور و انجلاء ہی کے ہے آگے بھی یہی مضمون ہے کہ) کس سے پنہان
کر رہی ہے (اُس محبوب کو) اے (عقل) رشک ناک (آگے صفت ہے پنہانی کی یعنی پنہانی بھی اس درجہ کی)
کہ آفتاب بھی اُسکا کوئی اثر نہیں دیکھتا (باوجودیکہ وہ ہر جگہ پہونچتا ہے اور باوجودیکہ تمام اہل ابصار کے ابصار کی
وہ شرط اور آلہ ہے اور وہ خود اس صفت میں مشہور ہے کہ غایت نور سے چشم خیرہ اُسکے ادراک سے عاجز
ہو جاتی ہے مگر ایسا آفتاب خود اُسکے دیکھنے سے خیرہ اور عاجز محض ہے تو اُسکی پنہانی بہت ہی شدید
ہوئی آگے عقل بزبان حال جواب دیتی ہے کہ) رشک تو (جتنا تم سمجھے ہوئے ہو) اُس سے بھی زیادہ ہے
میرے اندر کیونکہ (تمکو تو میرا رشک اتنا ہی معلوم ہے کہ میں اُسکو اوروں سے مخفی رکھنا چاہتی ہوں اور
میری حالت رشک کی یہ ہے کہ) میں اپنے سے بھی اُسکو پنہان کرنا چاہتی ہوں (چنانچہ یہ حکم بھی ظاہر ہے
کہ جسطرح عقل اوروں سے اُسکی حقیقت بیان نہیں کر سکتی وہ خود بھی اُسکی حقیقت نہیں جانتی بخلاف
بعض ذوقیات و وجدانیات کے کہ خود اُسکی کنہ ادراک کر لیتی ہے اور دوسروں کو نہیں سمجھا سکتی
مگر حضرت حق کی کنہ نہ تو خود جانتی ہے اور نہ دوسروں کو تبلا سکتی ہے چنانچہ لا یحد ولا یتصور میں
دونوں کی نفی ہے آگے بھی یہی مضمون ہے کہ) آتشِ غیرت شدید کے سبب سے (خود) میرا لشکر (مجال قوی
مدرکہ کا) مع اپنی دونوں چشم و گوش (یعنی قوی مدرکہ) کے میری جنگ (و مخالفت) میں ہے (یعنی جمع مجال ۱۲ منہ
مثلاً میرا چشم و گوش وغیرہ حواس ظاہرہ اور حس مشترک و خیال وغیرہ حواس باطنہ کہ محل ہیں قوی مدرکہ
کے اور اُنمیں جو قوی مدرکہ حال ہیں جیسے ابصار و سمع وغیرہا اور یہ سب لشکر عقل اسلیے ہیں کہ حواس کو جواسیس
عقل کہا گیا ہے غرض یہ سب میرے مخالف ہیں یعنی جو انکا اصلی کام ہے کہ ادراکات میں میرے معین ہوا
کرتے ہیں اس ادراک میں میری اعانت نہیں کرتے خلاصہ یہ کہ نہ عقل بلا واسطہ اُسکو ادراک کرتی ہے اور
یہ حاصل تھا شعر بالا کا اور نہ بواسطہ ادراک کرتی ہے اور یہ حاصل ہے اس شعر کا - اسی مضمون کو حضرت قلندر رحمۃ اللہ نے
کلام میں اور انداز سے ادا کیا گیا ہے ؎ غیرت از چشمم برم روے تو دیدن نہ دہم + گوش را نیز حدیث تو شنیدن
نہ دہم + آہنگ بمعنی لشکر غیاث میں لکھا ہے آگے دوسرا سوال ہے عقل سے یعنی) جب تجھکو ایسا رشک ہے
اے جان و دل (مراد اس سے عقل ہے اور جان و دل یا تو باعتبار اُسکے عزیز ہونیکے مثل جان و دل کے کہا
دیا اس لیے کہ خود جان و دل کی قدر و عزت بدولت عقل ہی کے ہے ورنہ بدون عقل کے انسان ملحق بہ حیوانات ہے
پس اول استعارہ ہوگا یعنی مشابہ بہ جان و دل اور ثانی مجاز بالحذف ہوگا یعنی سبب قدر جان و دل

غرض جب یہ حالت ہے رشک کی کہ دوسرون سے بھی رشک اور اپنے سے بھی رشک) پس (اس رشک کا
مقتضا تو یہ ہے کہ اُسکے تذکرہ ہی سے) مُنہ بند کر لے اور کہنا ہی چھوڑ دے (کیونکہ اس سے بھی تو کچھ ظہور
ہو ہی جاتا ہے اور غیرت اُس سے مانع ہے عقل بزبانِ حال اُسکا جواب دیتی ہے کہ) مین (اس سے)
ڈرتی ہون اگر خاموشی (اختیار) کرون (کہ) وہ دوسری طرف سے حجاب پھاڑ ڈالے (دوسری طرف سے
مراد خموشی کہ جانبِ مقابل ہے گفتن کی یعنی خاموشی کے سبب اُسکا ظہور ہو جاوے جیسا آگے اسکی توجیہ
آوے گی پس خاموشی سے کیا فائدہ لیکن اس سے گفتن کی ترجیح ثابت نہین ہوئی پس اسپر یہ سوال
ہو سکتا ہے کہ جب گفتن مین کوئی ترجیح نہین تو خاموشی پر اُسکو اختیار کرنا ترجیح بلا مرجح ہے بلکہ ایک گونہ
خاموشی کو ترجیح ہو سکتی ہے کہ وہ اصل ہے اسلیے اسکے دفع کے لیے آگے گفتن مین ایک ترجیح ثابت کرتے ہین
یعنی بلکہ) خاموشی مین ہمارا گفتن (یعنی گفتن کا اثر کہ ظہور حضرت حق ہے) زیادہ ظاہر ہو جاویگا (مراد یہ کہ ظہور
زیادہ ہو جاویگا پس اظہر مین تجریہ ہو جاوے گی جیسے لیل الیل ای لیل مظلم فکذا قولہ یکون ظہورہ اظہر ای
یکون ظہورہ اکثر واشد اور وجہ اظہریت کی یہ ہے کہ خاموشی اپنی وضع کے اعتبار سے ایک گونہ منع کرتا ہے
خلق کو اُسکی طلب کُنہ سے اور قاعدہ ہے) کہ منع کرنیسے وہ میل (جو ممنوع عنہ کے ساتھ متعلق ہے) زیادہ
ہو جاتا ہے (تو زیادت میل سے زیادہ درپے ادراک ہون گے اور غیرت اس سے مانع ہے کہ کوئی اُسکے
درپے ادراک ہو اسلیے گفتن ہی کو ترجیح ہے کہ اُسمین حرص بھی نہ بڑھے گی بلکہ اکثر یہ دیکھا گیا ہے کہ جس چیز کا
حال بیان کیا جاوے اُسکی طرف چندان التفات نہین کرتے یہ سمجھتے ہین کہ اگر یہ کوئی نفیس چیز ہوتی
تو مضمون بہ ہوتی اور نیز گفتن مین یہ بھی ہے کہ الفاظ کی طرف متوجہ ہو جاوینگے اور ادراک حقیقت کی طرف
زیادہ توجہ نہ ہو گی خاصکر جب کہ اُس گفتن مین تمثیلات و تشبیہات بھی ہون کہ وہ خود حجاب ہے کما ذکر
فی شرح شعر غیرتِ عقل ست بر خوبی روح الخ اسلیے جو میری غرض ہے یعنی اخفا بوجہ غیرت کے وہ گفتن مین
کسی قدر حاصل ہے اسلیے مین نے گفتن کو خاموشی پر اختیار کیا ہے آگے بمقابلہ خاموشی کے گفتن کے زیادہ حجاب
ہونے کی ایک مثال ہے پس شعر آئندہ مقابل ہے شعر ا در خموشی الخ کا مطلب یہ کہ خاموشی تو سبب اظہریت کا ہے بخلاف
گفتن کے کہ وہ پھر ایک گونہ حجاب ہے جسکی یہ مثال ہے کہ) اگر سمندر جوش و خروش مین آوے تو اُسکا جوش کف (الکیط
منتہی) ہوتا ہے (غرہ آواز شیر کذا فی الحاشیہ یعنی اس سے اُسکی سطح پر کف پیدا ہو جاتا ہے اور وہ کف ناظر
صورت غافل عن الحقیقۃ کے لیے اُسکے زعم کے موافق) جوش (دعوی مضمون) احببت ان اعرف کا سبب
ہو جاتا ہے (یعنی اُس کف کو دیکھکر اور اُسکے ساتھ خروش سمندر کا سُنکر وہ شخص سمجھتا ہے کہ مین نے سمندر کی حقیقت کا
ادراک کر لیا اور گمان کرتا ہے کہ احببت ان اعرف مین جو معرفت ہے وہ مجھکو علی سبیل الکمال حاصل ہو گئی اور
ناز کرتا ہے کہ مین محیط ہو گیا حقیقت بحر پر یہ کا حالانکہ بجز صورت کف کے کہ وہ خود ساتر ہے حقیقت بحر کا اور
بجز صوت کے کہ وہ ایک فعل ہے بحر کا نہ کہ اُسکی حقیقت اور کسی چیز کا مشاہدہ نہین کیا ایسی ہی مثال ہے گفتن کی

کہ متکلم کو جوش ہوا اظہار اسرار کا اور اس جوش سے کچھ الفاظ پیدا ہوئے جو مشابہ کف کے ہین انکو سنکر مدعی کو ادراک حقیقت کا زعم ہوگیا اور سمجھ لیا کہ جملۂ احببتُ ان اُعرفَ مین جو مفعول بہ ہے وہ معرفت مجھکو علیٰ سبیل الکمال حاصل ہوگئی حالانکہ بجز چند الفاظ کے اور وہ بھی بوجہ عنوان تمثیل و تشبیہ کے بساتر حقیقت مین اور کچھ اسکو میسر نہین ہوا اور من وجہ معرفت یہ بھی ہے اور یہی معرفت من وجہ محبوب حق تھی بھی تو گفتن مین زیادہ پردہ ہوا پس اس بنا پر) کچھ الفاظ گھڑ دینا اس روزن (اسرار) کا بند کر دینا ہے (جو کہ بمقتضاے غیرت میرا مطلوب ہے اور اسطور سے) خود اظہار سخن (باعتبار ترتب اثر کے واقع مین) مخفی کرنا ہے (جب عقل اس گفتن کی مصلحت بیان کر چکی تو مولانا آگے اسکی راے کی تحسین اور موافقت کر کے اسکو خطاب کرتے ہین کہ اب مین سمجھ گیا تو مین بھی تیرا ہم راے ہو کر کہتا ہون کہ ہان) بلبلون کی طرح روے گل پر نعرہ لگا (یعنی گفتن ہی کو اختیار کر) تاکہ ان (عام خلق) کو بوے گل سے (یعنی صفات حقیقیہ سے کیونکہ گل کی صفت اصلی یہی بو ہے) دوسری طرف مشغول رکھے (یعنی نعرہ کی طرف متوجہ رہین اور بو کی طرف التفات نہ کرین) تاکہ قل کی طرف (مراد مصداق قل ہے) انکے کان مشغول رہین (اور) روے گل (یعنی حقیقت ذات) کی طرف انکا ہوش نہ پہونچے (یعنی ذات و صفات حقیقیہ مخفی رہین چنانچہ واقع بھی یہی ہے کہ صرف صفات اضافیہ و افعال حق سے آگے کسی کو کنہ کا پتہ نہین لگتا آگے تمام مضمون کا ملخص بیان کر کے قصہ کی طرف رجوع کرینگے یعنی خلاصۂ مقام یہ ہے کہ) اس خورشید (حقیقی) کے سامنے جو کہ بہت ہی زیادہ روشن (اور واضح) ہے (ایسا کہ کوئی اُسکے متقارب بھی نہین) حقیقت مین ہر دلیل (یعنی طرق معرفت باعتبار ایصال الی الکنہ کے) رہزن (اور غلط انداز) ہین (کیونکہ ثابت ہے کل ما خطر ببالك فهو هالك والله اجل من ذلك سوا دلہ کا حاصل صورت ذہنیہ ہوگی اور وہ اس سے منزہ ہے تو اگر اسکو حقیقت سمجھ جاوے تو ضلالت اور غلطی یقینی ہے اسلیے ہر دلیل کو رہزن فرمایا مطلب یہ کہ کسی طرح ادراک کنہ کا ممکن نہین وفیہ ما قیل ؎ عنقا شکار کس نشود دام باز چین ٭ کانیجا ہمیشہ باد بدست ست دام را ٭ اور اس شعر مین بس روشن ست اور دوسرے اشعار مین اسکے قریب قریب جو الفاظ آئے ہین وہ دال ہین حق تعالیٰ کے ظاہر ہونے پر اور پھر اُسکا ادراک نہ ہوسکنا دال ہے اسکے باطن ہونے پر جس کا ذکر تمہید مین تھا آگے رجوع ہے قصہ کی طرف)

آغاز کردن مطرب این غزل را در بزم امیر ترک سے گلی یا سوسنی

یا سر و یا ماہ نمیدانم ٭ از ین آشفتہ بیدل چہ میخواہی نمی دانم ٭ و بانگ

برزدن ترک که اے قلتبان آن بگو که میدانی و جواب مطرب او را

مطرب آغازید پیشِ ترکِ مست
مطرب نے ترکِ مست کے سامنے شروع کیا

در حجابِ نغمہ اسرارِ الست
نغمہ کے پردہ مین اسرارِ الست کو

می ندانم که تو ماہی یا وثن
مجکو معلوم نہین کہ تو چاند ہے یا بُت ہے

می ندانم که چه میخواہی زمن
مجکو معلوم نہین کہ تو مجھسے کیا چاہتا ہے

می ندانم تا چه خدمت آرمت
مجکو معلوم نہین کہ مین تیری کیا خدمت کرون

تن زنم یا در عبارت آرمت
مین خاموش رہون یا تجکو عبارت مین لاؤن

این عجب که نیستی از من جدا
یہ عجیب بات ہے کہ تو مجھسے دُور نہین ہے

من ندانم من کجایم تو کجا
مجکو معلوم نہین کہ مین کہان ہون تو کہان ہے

من ندانم که مرا چون میکشی
مجکو یہ معلوم نہین کہ تو مجکو کسطرح کھینچتا ہے

گاه در بر۔ گاه در خون میکشی
کبھی بغل مین کبھی خون مین گھسیٹتا ہے

ہمچنین لب در ندانم باز کرد
اسی طرح ندانم ندانم مین لب کھولا

می ندانم می ندانم ساز کرد
می ندانم می ندانم کو گانا شروع کیا

چون ز حد شد می ندانم از شگفت
جب می ندانم حد سے گذر گیا۔ تو تعجب سے

تُرک ما را زین ترانه دل گرفت
ہمارے تُرک کا اس ترانہ سے دل گرفتہ ہو گیا

بر جهید آن ترک و دبوسے کشید
وہ تُرک اُٹھا اور اُسنے ایک گرز سیدھا کیا

تا علیها بر سرِ مطرب دوید
حاصل کلام یہ کہ مطرب کے اوپر دوڑا

گرز را بگرفت سرہنگے بدست

گرز کو ایک سرہنگ نے ہاتھ سے پکڑ لیا

گفت این تکرار بیحد و مرش

ترک نے کہا اسکی بیحد و بے شمار تکرار نے

قلتبانا می ندانی گہہ مخور

اے دیوث اگر تو نہین جانتا تو گوہ مت کھا

آن بگو اے گیج کہ میدانیش

اے مختل الدماغ وہ کہہ جس کو تو جانتا ہے

من بپرسم کز کجائی بے مرے

مین بغیر کسی پرخاش کے پوچھنے لگون کہ تو کس جگہ کا ہے

نے ز روم و نے ز ہند و نے ز چین

نہ روم کا اور نہ ہندوستان کا اور نہ چین کا

نے ز بغداد و نہ موصل نے طراز

نہ بغداد کا اور نہ موصل کا نہ طراز کا

خود بگو تا از کجائی باز رہ

خود کہدے جہان کا رہنے والا ہے۔ چھوڑ جا

یا بپرسم کہ چہ خوردی تا شتاب

یا مین پوچھنے لگون کہ تو نے کیا کھایا ہے ہان جلدی کہدے

گفت نے مطرب کشی این دم بدست

اور کہا کہ نہین مطرب کا قتل اسوقت بری بات ہے

گفت طبعم را بگویم من سرش

میری طبیعت کو کوفت پہونچائی۔ مین اُسکا سر کچلون گا

زانکہ میدانی بگو مقصود بر

وہ بات کہہ جو تو جانتا ہے اور مقصود کو حاصل کر

می ندانم می ندانم در مکش

می ندانم می ندانم مت کھینچتا چلا جا

تو بگوئی نے ز بلخ و نز ہرے

تو کہنے لگے نہ تو بلخ کا ہون اور نہ ہرات کا

نے ز شام و نے عراق و بار دین

نہ شام کا اور نہ عراق کا اور نہ باردین کا

در کشی و ر نے و نے راہ دراز

اور کھینچتا چلا جاوے نہ اور نہ مین ایک مسافت دراز کو

ہست تنقیح مناط این جایگہ

مقصود اصلی کی تنقیح اس جگہ مین ہے

تا نگوئی نے شراب و نے کباب

تو کہنے لگے کہ نہ شراب اور نہ کباب

نے بقول و نے پنیر و نے بصل
نہ سبز ترکاری اور نہ پنیر اور نہ پیاز

نے زشیر و نے زشکر نے عسل
نہ دودھ۔ اور نہ شکر۔ اور نہ شہد

نے قدید و نے ثرید و نے عدس
نہ خشک گوشت اور نہ ثرید اور نہ مسور

آنچہ خوردی آن بگو تنہا و بس
جو چیز کھائی ہو وہی تنہا کہدے اور بس

این سخن خائی دراز از بہرِ چیست
یہ طویل سخن خائی کرنا کس غرض سے ہے

گفت مطرب زانکہ مقصودم خفیست
مطرب نے جواب دیا کہ یہ اسلیے ہے کہ میرا مقصود خفی ہے

می رمد اثبات پیش از نفیِ تو
اثبات نکل جاتا ہے قبل اسکے کہ تو نفی کرے

نفی کردم تا بری ز اثبات بو
مین نے نفی کی تاکہ اثبات کا نشان حاصل کرلے

در نوا آرم بہ نفی این ساز را
مین نفی مین اس باجہ کو بولتا کرتا ہون

چون بمیری مرگ گوید راز را
تو جب تو مرجاوے تو مرگ راز کو کہدے

رحوارہ آواز یکہ از چند ساز و چند حلق یک مرتبہ برآید و غوغاے مردم علیہا محاورہ است بمعنی علی الجملہ وحاصل کلام ہر بالفتح بمعنی عدد پنجاہ و ازین سبب صدر او و ہر گویند و گاہے مجازاً بمعنی شمار آید گیج پریشان ویا گندہ مغز ہرے سیتزہ بار دین نام شہرے طراز نام شہرے حسن خیز از ترکستان کلہ من الغیاث الا علیہا من الحاشیۃ یعنی) مطرب نے ترک مست کے سامنے نغمہ کے پردہ میں اسرار الست کو شروع کیا (یہ مقرر نہیں کہ مطرب کا یہ قصد ہو بلکہ حق پر توحید افعالی غالب ہے انکو جسطرح مخلوق کے ہر فعل سے فعلِ حق کی طرف انتقال ہوتا ہے اسی طرح ہر صورت سے کلام الست یاد آجاتا ہے اور ممکن ہے کہ بعض کو سماع سے جب یکسوئی و غیبت ہوتی ہو تو اسوقت قول الست بربکم جو کہ یوم میثاق مین واقع ہوا تھا مکشوف ہوجاتا ہو لیس یسون کے اعتبار سے نغمہ محض حجاب تھا اور اسمین الست بربکم کا ظہور ہو رہا تھا جسکا سبب مطرب تھا پس اسناد مجازی الی السبب ہے آگے اس نغمہ کا بیان ہے کہ اس غزل کا یہ مضمون تھا جو کہ باعتبار حال موحد کے ناشی ہے حیرت سے کہ) مجھکو معلوم نہین کہ تو چاند ہے یا بت ہے مجھکو معلوم نہین کہ تو مجھ سے کیا چاہتا ہے۔ مجھکو معلوم نہین کہ مین تیری کیا خدمت کرون (اور نہ یہ معلوم کہ) مین خاموش رہون (یعنی تیرے اوصاف سے) یا تجھکو عبارت مین لاؤن (یعنی تیرے اوصاف کو اور) یہ عجیب بات ہے کہ تو مجھ سے دور نہین ہے

(چونکہ موحد اس سے خطاب حق سمجھے گا اُسکے اعتبار سے اسکی تقریر یہ ہوگی کہ نحن اقرب الیہ من حبل الورید فلفظ حبل بمعنی البعید لا المبائن لانہ مبائن عن الخلق قطعًا اور پھر باوجود کمال قرب کے) مجھکو معلوم نہین کہ مین کہان ہون (اور) تو کہان ہے (اپنی اَینیت کے علم کی نفی مقصود نہین بلکہ مقصود محبوب کی اَینیت کی تو نفی ذاتًا ہے لتنزیہ من الاین اور اپنی اَینیت کی نفی اضافۃً ہے یعنی میری آینیت کو آپکی آینیت کے ساتھ کوئی نسبت نہین کیونکہ وجود نسبت موقوف ہے وجود منتسبین پر اور یہان ایک طرف نسبت کی ہے نہین یعنی اَینیت حق سبحانہ تعالیٰ پس نسبت بھی نہین اور یہان نفی علم کنایہ ہے نفی معلوم سے اور) مجھکو یہ معلوم نہین کہ تو مجھکو کسطرح (اپنی طرف) کھینچتا ہے (آگے بیان ہے اس کسطرح کا) کہ کبھی بغل مین (لیتا ہے) اور کبھی خون مین گھسیٹتا ہے (اشارہ ہے شانِ لطف اور شان جلال کی طرف غرض اسی طرح (اُس مطرب نے) ندانم ندانم مین لب کھولا (اور) می ندانم می ندانم کو گانا شروع کیا جب (یہ) ندانم حد سے گذر گیا تو تعجب کے سبب ہمارے ترک کا اُس ترانہ سے دل گرفتہ (یعنی منقبض و آزردہ) ہوگیا (اور غصہ مین اپنی جگہ سے) وہ ترک اُٹھا اور اُسنے ایک گرز سیدھا کیا خلاصہ یہ کہ (گرز سنبھالکر) مطرب کے اوپر دوڑا (اُسوقت) گرز کو کسی سرہنگ نے ہاتھ سے پکڑ لیا (اور) کہا کہ نہین (ایسا مناسب نہین کیونکہ) مطرب کو قتل کرنا اسوقت بُری بات ہے (اسوقت سے مراد بیقصوری کی حالت ہے) اُس (ترک) نے کہا کہ اُسکے اس تکرار بے حد و شمار نے میری طبیعت کو کوفت پہونچائی (اسلیے) مین اسکا سر کچلونگا (اور بعد اسکے خود مطرب سے خطاب کیا کہ) اے دیوث تو (اگر) نہین جانتا (جیسا تیرے می ندانم می ندانم سے مفہوم ہوتا ہے) تو گوہ مت کھا یعنی تو پھر بول ہی مت کہ یہ کہنا پھر بار بار محض فضول ہے) وہ بات کہہ جو تو جانتا ہے اور مقصود کو حاصل کر (یعنی اُس مقصود کو) او اگر غرض) اے مختل الدماغ وہ کہہ جسکو تو جانتا ہے (اور) می ندانم می ندانم مت کھینچتا چلا جا (کیونکہ اسکی تو ایسی مثال ہے کہ مثلاً) مین (تجھ سے) بلا کسی پرخاش کے پوچھنے لگون کہ تو کس جگہ کا (رہنے والا) ہے (پس بے مرے متعلق ہے پُرسم کے ساتھ یعنی میری غرض کوئی خلاف و جدال نہ ہو محض استطلاعًا پوچھون اور) تو (جواب مین) کہنے لگے کہ نہ بلخ کا ہون اور نہ ہرات کا (اور) نہ روم کا اور نہ ہند کا اور نہ چین کا (اور) نہ شام کا اور نہ عراق کا اور نہ یاردین کا (اور) نہ بغداد کا اور نہ موصل کا (اور) نہ طراز کا (اور اسیطرح) نہ اور نہ مین ایک مسافت دراز کھینچتا چلا جاوے (تو دیکھو لغو بات ہے یا نہین اس سب بیہودہ تطویل کی جگہ) خود (ایک بات) کہدے جہان تُو کا رہنے والا ہے (اور سوال سے) چھوٹ جا (کیونکہ) مقصودِ اصلی کی تنقیح (بس) اسی (ایک) جگہ مین ہے (یعنی جہان کا رہنے والا ہے اُسی جگہ کا نام لینے سے مقصود کی تعیین ہو جاوے گی اور بدون اسکے یہ مقصود حاصل نہین ہوگا) یا (دوسری مثال سُن کہ مثلاً) مین (تجھسے) پوچھنے لگون کہ تو نے کیا کھایا ہے ہان جلدی (کہدے پس کلمہ تا یہان تنبیہ کے لیے ہے کما فی قولہ تا چہ خواہی خریدن اے مغرور کذا فی الغیاث اور) تو (جواب مین) کہنے لگے

کہ نہ شراب اور نہ کباب (اور) نہ سبز ترکاری اور نہ پنیر اور نہ پیاز (اور) نہ دودھ اور نہ شکر اور نہ شہد (اور) نہ خشک گوشت اور نہ ثرید (یعنی شوربے مین ٹوٹی ہوئی روٹی) اور نہ مسور (سو اس فضول تطویل سے کیا فائدہ بس) جو چیز کھائی ہو وہی تنہا کہدے اور بس (اور اُس مقصود مثبت کو چھوڑ کر غیر مقصود کی نفی مین) یہ طویل سخن خائی کرنا (آخر) کس غرض سے ہے مطرب نے (جواب مین) کہا (کہ یہ تطویل نفی کی) اسلیے (ہے) کہ میرا مقصود (ایک ایسا امر ہے جو تجھسے) خفی ہے (اور چونکہ تیرا ذہن وہان تک نہین گیا اسلیے تو ناخوش ہوتا ہے اور وہ مقصود خفی بدون نفی کے حاصل نہین ہو سکتا اِسلیے نفی کا مضمون اختیار کیا اور چونکہ منفیات متکثر ہین اسلیے اُسمین تطویل بالاضطرار ہو گئی آگے اُس مقصود کا ذکر ہے کہ اے سالک مد) اثبات (مقصود کا تیرے ذہن سے) نکل جاتا ہے قبل اسکے کہ تو (غیر کی) نفی کرے (لیں اضافت نفی کی طرف ضمیر مخاطب کی اضافت مصدر کی ہے فاعل کی طرف مطلب یہ کہ اگر اولاً اثبات حق کو مستحضر کرنا چاہو تو چونکہ قلب مشغول ہے غیر کیطرف اسلیے اُسکا استحضار نہین ہوتا اِسلیے اولاً اُن اغیار کو کہ موانع ہین رفع کرنا چاہیے بذریعہ تقلیل تعلقات و مراقبات فنا کے اسکے بعد استحضار اثبات مقصود کا سہل ہو جاویگا پس اس طریق کے بتلانیکے لیے) مین نے (غیر مقصود کی) نفی کی تاکہ تو (اس قاعدہ کی بنا پر مقصود کے) اثبات کا نشان (اور طریق) حاصل کرلے (کہ نفی سے اسطرح اثبات مستحضر ہو جاتا ہے پس اس غرض سے) مین نفی (کے مضمون) مین اس باجہ کو بولتا کرتا ہون (تاکہ) تو جب (اس قاعدہ کو سمجھکر سب کی نفی کر دے حتی کہ اپنی بھی نفی کر دے جسکو یون تعبیر کر سکتے ہین کہ جب تو) مرجاوے تو (وہ) مرگ (یعنی نفی و فنا اُس) راز (اثبات حق) کو کہدے (یہ اسناد مجازی ہے سبب کی طرف یعنی وہ فنا سبب و ذریعہ ہو جاوے استحضار حق کا اسطرح سے کہ پھر غائب ہی نہ ہو جسکو تمکین کہتے ہین جو کہ مختص ہے اہل صحو کے ساتھ یعنی مقصود تو یہ اثبات ہی ہے جس سے بوجہ اُسکے اختصاص باہل الصحو کے صحو کا مطلوب ہونا بھی ثابت ہے جسکا دعوی تھا قبیل سرخی استدعاے امیر ترک مخمور الخ کے مگر خود یہ اثبات بدون نفی غیر کے حاصل نہین ہوتا تو یہ نفی گویا بالذات مقصود نہین مگر بوجہ موقوف علیہ ہونے مقصود کے مقصود بالغیر فروری ہے اور میری اس تقریر سے ایک شبہہ مندفع ہو گیا تقریر شبہہ کی یہ ہے کہ حکایت ترک و مطرب کی لائی گئی تھی استشہاد بقول الترکی کے لیے جس سے ترکی کے قول کی ترجیح و تصحیح مفہوم ہوتی ہے اور حکایت کے خاتمہ پر جب مطرب کا قول اخیر رکھا تو اُس سے قول مطرب کی ترجیح و تصحیح معلوم ہوتی ہے وجہ اندفاع یہ ہے کہ نفی غیر کے دو درجے ہین ایک تو یہ کہ اُسی کے اہتمام مین لگ جاوے جو حالت ہے اہل سکر کی سرخی کے قبل اسکو ترک کرکے صحو کی طرف ترقی کرنیکا مشورہ دیا تھا اور اُسکے ترک پر استشہاد کیا تھا قول ترکی سے پس اس باب مین تو ترکی کا قول صحیح ہے اور دوسرا درجہ یہ ہے کہ نفی غیر کی کرکے اثبات حق کا اہتمام کرے جو حالت ہے اہل صحو کی مطرب کے قول مین اس نفی کی ضرورت بتلا رہے ہین پس اس رتبہ مین مطرب کا قول صحیح ہے اور مقصود مولانا کا من وجہ من وجہ دونون قولون کی تصحیح سے تنبیہ ہے اسپر کہ طریق مین یہ بھی نقص ہے کہ مثل اہل سکر کے نفی و فنا مین لگا رہے اور تمکین و صحو مین

ترقی نہ کرے اور یہ بھی غلطی ہے کہ اہل غفلت کی طرح اس نفی و فنا کا بالکل ہی اہتمام نہ کرے پس قول ترکی سے امر اول پر تنبیہ کی اور قول سطرب سے امر ثانی پر خلاصہ یہ کہ بیان دو دعوے ہین ایک یہ کہ نفی عین مقصود نہین اور ترکی کا عتاب اسپر محمول ہے اور دوسرا یہ کہ نفی شرط مقصود ہے اور سطرب کا قول اسپر محمول ہے پس گویا دونون مین نزاع لفظی ہے اور گو سطرب نے یہ دعویٰ نہ کیا ہو مگر مولانا نے اُسکی نفی سے یہ فائدہ نکالا ہے آگے فنا و نفی کا موقوف علیہ ہونا وصول الی المقصود کے لیے بیان فرماتے ہین -

در معنی حدیث موتوا قبل ان تموتوا و تفسیر بیت حکیم سنائی ے

بمیرا ے دوست پیش از مرگ اگر می زندگی خواہی * کہ ادریس از چنین مردن بہشتی گشت پیش از ما *

جان بسے کندی و اندر پردۂ — زانکہ مردن اصل بُد نا وردۂ

تونے بہت ہی مشقت جھیلی اور حجاب ہی مین ہے — اس سبب سے کہ مرنا اصل تھا تو نے حاصل نہ کیا

تا نہ میری نیست جان کندن تمام — بے کمال نردبان نائی ببام

تو جب تک فنا نہ ہوگا وہ مشقت تام نہین — بدون پوری نردبان کے تو بام پر نہین جاسکتا

چون ز صد پایہ دو پایہ کم بود — بام را کوشندہ نا محرم بود

جب سو پایون مین سے دو پائے بھی کم ہون — تو بام کی کوشش کرنے والا نامحرم رہیگا

چون رسن یک گز ز صد گز کم بود — آب اندر دلو از چہ کے رود

جب رسی سو گز سے ایک گز بھی کم ہو — تو پانی ڈول مین کنوین سے کب پہنچ سکتا ہے

غرق این کشتی نیابی اے امیر — تا کہ ننہی اندرو منّ الاخیر

اس کشتی کے غرق کو دستیاب کر سکے گا اے امیر — جب تک کہ اُسکے اندر بار اخیر نہ رکھے گا

ف منّ و المنون کیل او میزان کذا فی القاموس ۱۲ منہ

مُنتِ آخر اصل دان کو طارق ست
مُنتِ آخر کو اصل جان کہ وہ طارقؔ ہے

کشتیِ وسواس و غیرا غارق ست
کشتیِ وسواس و بیراہی کے لیے غرق کرنیوالا ہے

آفتابِ گنبدِ ازرق شود
آفتاب گنبدِ نیلگون کا ہوجاتا ہے

کشتیِ ہُش چونکہ مستغرق شود
جبکہ کشتی ہوش کی غرق ہوجاتی ہے

چون نمُردی گشت جان کندن دراز
جب تو فنا نہ ہوا تو یہ مشقت طویل ہوگئی

مات شو در صبح اے شمع طراز
اے شمع طراز تو صبح مین فنا ہوجا

تا نگشتند اخترانِ ما نہان
جبتک ہمارے ستارے پوشیدہ نہ ہوے ہون

دان کہ پنہان ست خورشیدِ جہان
یون سمجھ کہ آفتاب عالم پوشیدہ ہے

عـ۵ فجر سے پیشتر طلوع ہونے والا ستارہ ۱۲م

(تتمۂ مضمون بزبانِ مطرب)

گُرز بر خود زن منی را در شکن
تو گرز اپنے اوپر مار خودی کو شکستہ کر

زانکہ پنبہ گوش آمد چشمِ تن
کیونکہ چشمِ تن کان کے حق مین پنبہ ہے

گُرز بر خود میزنی ہم اے دنی
گرز اپنے ہی اوپر مار رہا ہے اے دنی

عکسِ تست اندر فعالم این منی
یہ خودی میرے افعال مین تیرا ہی عکس ہے

عکسِ خود در صورتِ من دیدۂ
تونے اپنا عکس میری صورت مین دیکھ لیا ہے

در قتالِ خویش بر جوشیدۂ
اپنے قتال مین تجکو جوش آرہا ہے

ہمچون آن شیرے کہ در چہ شد فرو
جسطرح وہ شیر کہ کنوین کے اندر گرا تھا

عکسِ خود را خصمِ خود پنداشت او
اپنے عکس کو اُسنے اپنا دشمن خیال کیا تھا

عـ۵ این سرخی ہمچنان سرخی آیندہ یعنی مقولۂ مولانا از مترجم ست برائے توضیح ربط و ازین سبب درمیان قوسین نوشتہ شد ۱۲ منہ

نفیِ ضد ہست باشد بے شکے	تا ضدِ ضد را بدانی اندکے
نفی ضد ہے ہست کی بلا شک	تاکہ ایک ضد سے دوسری ضد کو کسی قدر جان لے

(مقولہ مولانا)

این زمان جز نفیِ ضد اعلام نیست		اندرین نشأۃ دمے بے دام نیست
اسوقت بجز نفی ضد کے اعلام نہین		اس نشأۃ مین ایک ساعت بھی بدون دام کے نہین
بے حجابت باید آن اے ذولباب		مرگ را بگزین و بَردر آن حجاب
اگر وہ تجکو بے حجاب چاہیے اسے عاقل	نورے	تو موت کو اختیار کر اور اُس حجاب کو پھاڑ ڈال
نے چنان مرگے کہ در گورے روی		مرگ تبدیلے کہ در نورے شوی
نہ ایسی موت کہ تو قبر مین چلا جاوے		موت تبدیل کہ تو جشن مین چلا جاوے
مرد بالغ گشت آن طفلی بمرد		رومیی شد صبغتِ زنگی سترد
کوئی شخص بالغ ہوگیا وہ طفولیت مرگئی		رومیت ہوگئی رنگ حبشی زائل کردیا
خاک زر شد ہیأتِ خاکی نماند		غم فرح شد خارِ غمنا کی نماند
خاک سونا ہوگئی ہیئتِ خاکی نہ رہی		غم فرح ہوگیا خارِ غمناکی نہ رہا

(نفی وفنا کا شرط وصول الی المقصود ہونا بیان فرماتے ہین جیسا اوپر مذکور ہوا یعنی) تونے بہتیری ہی مشقت جھیلی (مراد اس سے ریاضت ومجاہدہ ہے) اور (باوجود اسکے ہنوز مقصود سے) حجاب ہی مین ہے (یعنی مقصود سے بعید ہے اور وہ مقصود وصول الی اللہ یعنی رسوخ نسبت مع اللہ ہے جسکے لوازم مین سے ہے بلکہ یاد داشت وسہولتِ طاعت یا بلفظ دیگر کثرت وغلبۂ ذکر ودوام طاعت یعنی باوجود مجاہدہ کے بھی یہ دولت حاصل نہین ہوئی اور یہ) اس سبب سے (ہے) کہ مرنا (یعنی فنا) اصل (یعنی محتاج الیہ یعنی موقوف علیہ) تھا (سو اُس کو) تونے حاصل نہ کیا (یعنی اُسکی شرط تھی کہ فنائے علمی بھی ہو کہ غیر کی طرف التفات غالب نہ رہے الا بقدر الضرورۃ التی اعتبرھا الملۃ الحنیفیۃ اور فنائے حسی بھی ہو کہ اخلاق ذمیمہ زائل ہوجاوین پس اس تکمیل فنا سے غیر سے تعلق قطع ہوگا اور اس غیر مین اپنا نفس بھی آگیا اور دوسری مخلوقات بھی اور جتنا غیر سے تعلق کم ہوگا اُتنا حق تعالیٰ سے بڑھے گا اسی تعلق بڑھنے کو نسبت کہتے ہین

جسکے لوازم ابھی ذکر کیے گئے وہو معنی ما قیل سہ تعلق حجاب ست و بے حاصلی ÷ چو پیوندہا بگسلی واصلی ÷ آگے تفریع ہے
اسکی شرطیت کی کہ) تو جب تک فنا نہ ہوگا وہ شقت (مقصود کے لیے علت) تامہ نہین (اور بدون علت تامہ
کے معلول پایا نہین جاتا جسطرح) بدون پوری نردبان کے تو بام پر نہین جا سکتا (پس پوری سیڑھی مثال ہے پوری
علت کی چنانچہ سیڑھی مین) جب سو پایہ مین سے دو پایے بھی کم ہون تو بام (پر چڑھنے) کی کوشش کرنے والا
(وصول ببام اور وہان کے موجودات پر مطلع ہونیسے) نامحرم رہیگا (اسی طرح) جب رسی سو گز سے ایک گز بھی
کم ہو تو پانی ڈول مین کنوین سے کب پہونچ سکتا ہے (حالانکہ ان دونون مثالون مین علت کے زیادہ اجزاء
موجود مین لیکن چونکہ تام نہین اسلیے مؤثر فی المعلول نہین اسی طرح بحر معرفت وحقیقت کے قعر تک پہونچنے کے لیے
اپنی) اس کشتی (ہستی) کے غرق کو دستیاب کرسکے گا اے امیر جب تک کہ اُس (کشتی) کے اندر بار اخیر رکھیگا
(من اخیر اُس وزن کو کہتے ہین کہ جسکے رکھنے ہی کشتی غرق ہو جاوے کہ وہ غرق کے لیے بمنزلہ جزو اخیر علت
تامہ کے ہوتا ہے اور اس غرق کی مقصودیت باعتبار ادراک قعر کے ملحوظ ہے جسطرح غواص اسکا قصد کرتا ہے
نہ کہ باعتبار سببیت ہلاک کے اور یہان مراد اس سے فناء مذکور ہے جسکی تفسیر شرح شعر اول مین کی گئی ہے کہ وہ بمنزلہ جزو
اخیر علت تامہ مقصود یعنی نسبت مع اللہ کے ہے جسکا کمال بقاء باللہ کہلاتا ہے چنانچہ مسلمات مین سے ہے
کہ فناء فی اللہ پر بقاء باللہ مرتب ہوتا ہے پس اس) من اخیر کو (جسکا مصداق مذکور ہوا ہے کہ فناء ہے غرق کے
لیے) اصل (اور موقوف علیہ) جان کہ وہ (من اخیر موقوف علیہ باعتبار آخر مین واقع ہونیکے اور نیز کاشف
قعر بحر ہونیکے گویا) اخیر شب مین طلوع ہونے والا ستارہ ہے (کہ آخر مین طالع ہے اور بوجہ جرم منیر ہونے کے
سبب ادراک ومشاہدۂ اجرام مظلمہ ہے اور وہ) کشتی وسواس وبیراہی کے لیے غرق کرنیوالا ہے (طارق
جزو اول اسم اشارہ ہے اور غارق خبر ثانی اور وسواس علم بغیر ہے اور ظنی یعنی بیراہی اخلاق ذمیمہ مین اور
اسی مجموعہ کو ہستی واجب النفی سے تعبیر کیا جاتا ہے پس شعر غرق این کشتی مین ہستی سے ترجمہ کرنا التعارض کا شبہہ
پیدا نہ کرے آگے اسی کو ہوش سے تعبیر کرتے ہین کیونکہ یہی ہوش سبب ہوتا ہے وسواس وظنی کا پس سب کا
حاصل ایک ہی ہے یعنی وہ ہوش مذکور فی المصرع الثانی کامل النور ہوکر گویا) آفتاب گنبد نیلگون (یعنی آسمان) کا
ہو جاتا ہے جبکہ کشتی ہوش کی غرق ہو جاتی ہے (یعنی فنا سے جب بقا ہوتا ہے تو علم اور زیادہ کامل ہو جاتا ہے
کیونکہ پہلے اُسکا تعلق ناقص یعنی مخلوق سے تھا اور اب کامل یعنی حضرت حق سے ہے اور علم کا کمال وشرف
معلوم کے کمال اور شرف سے ہے اسلیے اب وہ اکمل واشرف ہوگا شاید اسمین مقصود اسپر تنبیہ ہو کہ فناء
علم سے زوال علم کا خوف مت کرنا اس علم فانی سے اکمل عطا ہو جاویگا وہو معنی قولہ سہ مترس از محبت
کہ خاکت کند ÷ کہ باقی شوی چون ہلاکت کند ÷ اوپر کے شعر مین فناء کو جسم منیر یعنی ستارہ سے تشبیہ دی تھی
اور یہان فانی کو جسم منیر یعنی آفتاب سے تشبیہ دی سو دونون مین تدافع نہ سمجھا جاوے کیونکہ تشبیہ فنا سے
بھی اصل مقصود یہی تشبیہ فانی ہے کیونکہ فنا کا سبب کشف حقائق ہونا اسی طور پر تو متحقق ہوگا کہ آلۂ ادراک

یعنی ہوش کامل النور ہو جاوے اور چونکہ سبب خود نورانی نہین ہوتا اُسکو ضعیف النور سے جو کہ آفتاب کے سامنے
یعنی عدیم النور ہے تشبیہ دینا ایک اتفاقی لطیفہ ہے جسکا شاید قصد بھی نہ کیا گیا ہو اب بعد تمثیلات کے مضمون
شعر اول کی طرف رجوع ہے یعنی) جب تو فنا نہ ہوا تو یہ مشقت طویل (بلا طائل) ہوگئی (پس اسکے مقتصر اور
مثمر کرنیکے لیے) اے شمع طراز (طراز نام شہر کہ خوبان درآن باشند یعنی اے شمع شہر خوبان) تو صبح مین فنا ہو جا
(یعنی جسطرح صبح کے آنیکے وقت شمع گل کردیجاتی ہے گویا فانی فی الصبح ہوگئی اسیطرح ہستی مطلق مین کہ نور کی اصالت مین
مثل صبح کے ہے اپنی ہستی موہوم کو کہ گداختہ اور منطفی ہونے مین مثل شمع کے ہے فنا کردے آگے ایک مثال مین اُن
لوگون کے گمان کی غلطی بیان فرماتے ہین جو باوجود عدم فنا کے اپنے کو واصل الی المقصود سمجھتے ہین کہ) جبتک
ہمارے ستارے پوشیدہ (وغائب) نہ ہوے ہون یون سمجھو کہ آفتاب عالم (ہنوز) پوشیدہ ہے (طلوع
نہین یعنی غیبت کواکب لازم ہے طلوع آفتاب کے لیے اور انتفاء لازم دلیل ہے انتفاء ملزوم کی پس اگر کواکب
نظر آتے ہون تو یقیناً آفتاب نہین نکلا اسیطرح فنا ہستی مشبہ باختر جسطرح موقوف علیہ ہے بقاء مطلوب کا جیسا
اوپر ذکر ہوا اسی طرح وہ فنا ہستی لازم ہے بقاء مطلوب و تجلی حق کے لیے پس اگر ہستی کے آثار من الوساوس
والغفلۃ المذکورین فی السابق موجود ہین تو یقیناً تجلی حق میسر نہین ہوئی پس اسکا دعوی کرنا دعوی کاذبہ ہے
اور اس مثال مین وجہ شبہہ صرف لزوم ہے فنا کا بقا کے لیے قطع نظر فنا کے شرط ہونیسے بقا کے لیے پس
اسمین یہ شبہہ نہین ہوسکتا کہ یہ تشبیہ فنا و بقاء کی صحیح نہین کیونکہ غیبت کواکب شرط نہین ہے طلوع شمس کے لیے
بل الامر بالعکس آگے زبان مطرب سے تفریع ہے مضمون سابق پر یعنی وہ ترک کے بعد جواب مذکور قبیل عنوان المقام
من قولہ زانکہ مقصودم خفی ست الخ کے بخطاب فرضی کہتا ہے کہ تو جو مجھپر گرز اُٹھاتا ہے سو) تو گرز اپنے اوپر مار
(اور) خود ہی کو شکستہ کر (جو کہ شعب فنا سے ہے) کیونکہ چشم تن کان کے حق مین (مثل) پنبہ (کے) ہے
(یعنی نظر بخود مانع ہے سماع و قبول قول اہل ارشاد سے جو تعلیم کرتے ہین فنا کی اول اس کبر کو چھوڑ اور اہل
ارشاد کے قول کا استماع اور اُسکا اتباع کر کہ فنا حاصل ہو ورنہ جسکو تو دوسرے کا عیب سمجھکر گرز مار رہا ہے
وہ واقع مین تیرا عیب ہے اسلیے وہ) گرز اپنے ہی اوپر مار رہا ہے اے دنی (کیونکہ) یہ خودی (جو تیرے اندر
نظر آرہی ہے جو منشاء ہے عیب موجب للغضب کا وہ) میرے افعال مین تیرا ہی عکس ہے۔ تونے اپنا عکس
میری صورت مین دیکھ لیا ہے (اور ظاہر مین مجھ سے قتال کر رہا ہے لیکن واقع مین) اپنے قتال مین تجھکو
جوش آرہا ہے جسطرح وہ شیر کہ کنوین کے اندر گرا تھا (اور) اپنے عکس کو اپنا دشمن خیال کیا تھا (جس کا قصہ
دفتر اول مین گذرا ہے اسی طرح جب کسی شخص پر نفسانیت سے غصہ آتا ہے تو ظاہر مین تو سبب اسکا دوسرے کا
عیب ہے مگر چونکہ وہ غصہ ناحق ہے جیسا کہ نفسانیت سے فرض کیا گیا ہے اسلیے واقع مین سبب اُسکا اپنا عیب
کبر ہے کیونکہ کبر ہی سے ناحق غصہ آیا اور محل غصہ کا اُس شخص کے زعم مین عیب دار ہے تو جو عیب دار ہو اُسی کا
محل غصہ ہونا لازم آتا ہے اور عیب دار خود یہ شخص ہے تو گو التزاماً دوسرا شخص محل ہے غصہ کا مگر لزوماً

یہی تخفص ہوا اور یہ مطلب نہین کہ جس عیب پر غصہ کیا ہے بعینہ وہی عیب اس مغضوب مین ہے بلکہ مطلق عیب مراد ہے
غرض جب تو خود عیب دار ہے اور اُسکی اصلاح فنا سے ہوتی ہے تو فنا اور نفی ہستی اختیار کر پس اسی نفی کی
تعلیم کے لیے مین نے ساز مین نفی کا مضمون اختیار کیا ہے کیونکہ) نفی ضد ہے ہست کی بلاشک (پس مین نے
ایک ضد کو ظاہر کیا) تاکہ ایک ضد سے دوسری ضد کو کسی قدر جان لے (اور اسپر یہ شبہہ کیا جاوے
کہ پھر اسکا عکس کیون نہ کیا بات یہ ہے کہ عکس کرنیسے لازم آتا کہ نفی مقصود ہے اور اثبات مقدمہ دوسرے
نفی کا محل حاضر ہے اُسکے متعلق حکم کا سمجھنا آسان ہے اور اثبات کا محکوم علیہ غائب ہے اُسکے متعلق حکم کا سمجھنا
دشوار ہے اور آسان کو (کہ معرفت دشوار کا بنا نامناسب ہے آگے بطور تائید قول مطرب نفی کردم تا بری ز اثبات
بوئے پھر فنا و نفی کے شرط وصول ہونے اور اُسکے ساتھ اس فنا و نفی کی تفسیر کے متعلق مولانا کا مقولہ ہے کہ)
اس وقت (یعنی حیات دنیویہ مین جیسا کہ مصرعۂ ثانیہ مین اندرین نشأۃ بطور اُسکی تفسیر کے ہے) بجز نفی ضد
(اور کوئی طریق مقصود کے) اعلام (کا) نہین (ضد سے مراد مطلق غیر نہ کہ ضد اصطلاحی کان المتقابلین
بالتضاد ھما اللذان لا یجتمعان فی شیٔ واحد و ارید بہ الموضوع اثکان المتضادان
ومن الاعراض کالسواد والبیاض والمادۃ ان کان من الجواھر کالصور النوعیۃ
المتعاقبۃ علی المادۃ فاعتبر فی مفہومہما الحلول فی الموضوع او المادۃ واللہ تعالیٰ منزہ
عن الحلول. اور اعلام سے مراد اعلام ذوقی ہے کیونکہ اعلام استدلالی تو دلیل سے حاصل ہے گو فناء اصطلاحی کا
غلبہ نہ ہو یعنی علم ذوقی مطلوب کا اس عالم کا موقوف ہے فناء پر جیسا او پر گذر چکا ہے بخلاف عالم آخرت کے
کہ وہان حق تعالیٰ خود حجب رویت کو اُٹھا دینگے اور حیات دنیویہ مین حجب رویت حق کا ارتفاع تو شرعاً ممتنع
ہے جسمین حکمت یہ ہے کہ یہ قویٰ ادراکیہ اُسکے تحمل نہین ہوسکتے البتہ حجب توجہ الی الحق مرتفع ہوسکتے ہین سو ان حجب
کے مرتفع کرنے کا خود عبد مکلف ہے اور وہ حجب توجہ الی الحق توجہ الی الخلق ہے اسلیے توجہ الی الخلق کو کہ حجاب ہے
مرتفع کرنا موقوف علیہ ہوگا توجہ الی الحق کا جسکو علم ذوقی کہا گیا ہے پس وجہ تخصیص نشأۃ دنیویہ کی ظاہر
ہوگئی اور یہی مضمون ہے اُس مصرعہ کا جو بطور علت کے ہے مضمون مصرعۂ اولیٰ کے لیے یعنی اسلیے کہ) اس نشأۃ
(دنیویہ) مین ایک ساعت بھی بدون دام کے نہین (دام سے مراد غیر حق ہے کہ ہر ایک مین مثل دام کے
قابلیت ہے گرفتار کر لینے یعنی اپنی طرف مشغول کر لینے کی مطلب یہ کہ جنکی طرف توجہ ہونا حجاب توجہ الی الحق
ہوسکتا ہے وہ ہر وقت موجود ہین اُنکی ذات تو مرتفع ہے نہین ورنہ پھر وہ اپنی طرف خود ہی متوجہ نہ کرتے
جب ذات مرتفع نہین تو اُسکی طرف توجہ بھی ہوسکتی ہے جو کہ حجاب ہے اور یہ توجہ فعل ہے عبد کا پس اسکو مرتفع
کرنا چاہیے اور فناء و نفی سے یہی مراد ہے پس اغیار کا وجود اس نشأۃ مین اسطرح علت ہوگئی اس حکم کی
کہ این زمان جز نفی ضد اعلام نیست اور آخرت مین گو یہ اغیار ہون گے مگر مؤثر اسلیے نہ ہون گے کہ وہان
اوّلاً ارتفاع حجب رویت کا ہوگا جو کہ ان اغیار اور اُنکی طرف متوجہ ہونیکے منافی ہیں اور اُنکے ارتفاع کے

بعد پھر حجب توجہ کے مستقلاً مرتفع کرنے کی ضرورت نہ ہوگی جسکا اہتمام یہان عبد کو کرنا پڑتا ہے بلکہ ظہور جمال بے حجاب خود مستلزم ہو جاویگا ان حجب کے ارتفاع کو اسلیے وہان یہ علت جاری نہ ہوگی دمے بیدام نیست غرض توجہ الی الغیر حجاب ہے تو اگر) وہ (محبوب) تجھکو بلا حجاب (معلوم ہونا) چاہیے اے عاقل (جسکو علم ذوقی کہا جاتا ہے) تو موت (یعنی فنا و نفی) کو اختیار کر اور اُس حجاب کو پھاڑ ڈال (یعنی حجاب کو کہ توجہ الی الغیر ہے مرتفع کردے اور یہی ہے فنا و نفی لیس بدرآن حجاب علت تفسیری ہے مرگ را گزین پر جب یہ حجاب نہ رہا تو محبوب بے حجاب معلوم ہوگیا یہ تو اشراط فنا کا مضمون تھا آگے تفسیر ہے فنا کی یعنی فنا سے مراد) نہ ایسی موت (ہے) کہ تو (اُسکے سبب) قبر مین چلا جاوے (یعنی فنا سے موت متعارف مراد نہین بلکہ مراد اس سے) موت تبدیل کہ تو (اُسکے سبب) جشن مین چلا جاوے (مراد دولت معرفت و نسبت مع اللہ جو فنا پر مرتب ہے اور جسکے سامنے تمام حلاوتین اور فرحتین ہیچ ہین اور بعض نسخو نمین در نوری شوی ہے سو معرفت حق سے زیادہ کون نور ہوگا کہ مبدا انکشاف ہوگیا ایسے معلوم عظیم الشان یعنی حق تعالی کے یہ مطلب ہے کہ فنا لغوی مراد نہین بلکہ فنا اصطلاحی جسکو تبدیل سے تعبیر کیا ہے بوجہ اسکے کہ اس فنا اصطلاحی مین اخلاق ذمیمہ مبدل باخلاق حمیدہ ہوجاتے ہین اور علم بخلق مبدل بالعلم بحق ہوجاتا ہے آگے تبدیل اخلاق کی بعض مثالین ہین کہ مثلاً) کوئی شخص بالغ ہوگیا (تو) وہ طفولیت مرگئی (اسیطرح معنی مرنیکے یہان ہین یعنی باوجود بقا محل کے صفت بدل گئی وہی تبدیل محل بحث مین ہے اسیطرح مثلاً) رومیت (کسی چیز مین پیدا ہوگئی اور) رنگ حبشی زائل کردیا (یعنی کسی چیز پر سے سیاہ رنگ اُتار کر سرخ چڑھاوین اور اُسوقت کہین کہ یہ رنگ ومی ہوگیا تو اسمین بھی تبدیل صفت کی ہے اور ذات مصبوغ کی فنا نہین ہوئی اسیطرح مثلاً معدن مین) خاک سونا ہوگیا (اور) ہیاۃ خاکی نہ رہی (فلسفہ طبعیہ مین ثابت ہے کہ معدن مین چاندی سونا وغیرہ سب تراب سے بنتا ہے یہان بھی ذات خاک کی باقی ہے صفت بدل گئی اسیطرح مثلاً) غم فرح ہوگیا (اور) خار غمناکی نہ رہا (یہان بھی مغموم کی ذات باقی ہے صفت بدل گئی اور بعض جملونمین گو لفظاً مرد وغیرہ کا مسند الیہ ایسا امر ہے جو خود زائل ہوگیا ہے جیسے طفلی یا صبغت زنگی اور اس سے شبہہ عدم تطابق مثال و ممثل لہ کا متوہم ہوتا ہے لیکن معنی مقصود اسناد کرنا موت کا ذات محل امر مذکور کی طرف ہے مطلب یہ ہے کہ ان سب امثلہ مین خاص اعتبارات سے خود اُس طفل کو اور اس مصبوغ کو اور تراب کو اور اُس مغموم کو فانی کہنا صحیح ہے پس جو معنی انکی فنا کے ہین یعنی تبدیل صفات وہی معنی سالک کے فانی ہونے کے ہین جس کو ہم بیان کر رہے ہین آگے اس تفسیر کی تائید ہے نقل سے اور ترغیب بھی ہے فنا کی)

مصطفیٰ زین گفت کاے اسرار جو	**مُردہ را خواہی کہ بینی زندہ تو**
مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا ہے کہ اے طالب اسرار	اگر تو مردہ کو زندہ دیکھنا چاہے
میرود چون زندگان بر خاکدان	**مردۂ و جانش شدہ بر آسمان**
کہ زندون کی طرح زمین پر چل رہا ہے	مگر مُردہ ہے اور جان اُسکی آسمان پر گئی ہوئی ہے

جانش را این دم بہ بالا مسکنے ست

اور اُسکی روح کا اُسوقت عالمِ بالا مین مسکن ہے

زانکہ پیش از مرگ او کرد ست نقل

کیونکہ وہ موت سے پہلے انتقال کرچکا ہے

نقل باشد نے چو نقلِ جانِ عام

ایک انتقال ہوتا ہے نہ مثلِ انتقالِ روحِ عوام کے

ہر کہ خواہد کو بہ بیند بر زمین

جو شخص چاہے کہ دیکھے زمین پر

مر ابو بکرِ تقی را گو بہ بین

تو کہہ دے کہ ابو بکرؓ تقی کو دیکھ لے

اندرین نشأۃ نگر صدیقؓ را

تو اس عالم مین صدیقؓ کو دیکھ لے

پس محمدؐ صد قیامت بود نقد

پس محمد صلے اللہ علیہ وسلم سَو قیامت حاضرہ تھے

زادہ ثانی ست احمدؐ در جہان

احمد صلے اللہ علیہ وسلم مولودِ ثانی ہین عالم مین

زو قیامت را ہمی پرسیدہ اند

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے لوگ قیامت کی نسبت پوچھا کرتے

گر بمیرد روح او را نقل نیست

اگر وہ مریگا تو اُسکی روح کے لیے انتقال نہ ہوگا

این بمردن فہم آید نے بعقل

یہ مرنیسے سمجھ مین آتا ہے نہ کہ عقل سے

ہمچو نقلے از مقامے تا مقام

بلکہ مثل انتقال کے ایک مقام سے دوسرے مقام تک

مردۂ را میرود ظاہر چنین

ایک مردہ کو کہ وہ ظاہر مین اس طرح چل پھر رہا ہے

شد ز صدیقی امیر الصادقین

کہ جو صدیقی سے امیر الصادقین ہوگئے ہین

تا بحشر افزون کنی تصدیق را

تا کہ تو حشر کی تصدیق زیادہ کرنے لگے

زانکہ حل شد در فنایش حلّ و عقد

کیونکہ آپکے آستانہ مین حل و عقد حل ہوگیا

صد قیامت بود او اندر عیان

آپ سَو قیامت تھے عیاناً

کاے قیامت تا قیامت راہ چند

کہ اے قیامت ۔ قیامت تک کسقدر مسافت ہے

با زبانِ حال میگفتے بسے
تو آپ بزبانِ حال اکثر فرماتے تھے

کہ ز محشر حشر را پُرسد کسے
کہ کوئی محشر سے حشر کو پوچھا کرتا ہے

بہرِ این گفت آن رسولِ خوش پیام
اسیواسطے اُن رسولِ خوش پیام نے فرمائی ہے (یہ)

رمزِ مُوتُوا قبل موت یا کرام
رمز کہ مرنیکے قبل مرجاؤ اے کریم النفس لوگو

ہمچنانکہ مُردہ ام من قبل موت
جسطرح مین قبل موت کے مر چکا ہون

زانطرف آوردہ ام این صیت وصوت
اُسطرف سے مین یہ ذکر خیر اور کلام لایا ہون

پس قیامت شو قیامت را ببین
پس قیامت ہو جا ۔ قیامت کو دیکھ لے

دیدنِ ہر چیز را شرط ست این
ہر چیز کے مشاہدہ کے لیے یہی شرط ہے

تا نگردی اُو ندانیش تمام
جب تک تو وہ چیز نہ ہو جاویگا اسکو پورے سے نجانیگا

خواہ آن انوار باشد یا ظلام
خواہ وہ چیز انوار ہون یا ظلمتین

تا نگردی او ندانی این تمام
جب تک تو وہ چیز نہ ہوجاؤ گا اُسکو پورے طور سے نجانیگا

خواہ اُو آزاد باشد یا غلام
خواہ وہ چیز آزاد ہو یا غلام

عقل گردی عقل را دانی کمال
تم عقل ہوجاؤ تو عقل کو کامل طور سے جانو گے

عشق گردی عشق را بینی جمال
تم عشق ہوجاؤ تو عشق کا جمال دیکھو گے

گفتمے بُرہانِ این دعویٰ مبین
مین اس دعوےٰ کی بُرہان واضح کہہ دیتا

گر بُدی ادراک اندر خوردِ این
اگر ادراک اسکے قابل ہوتا

ہست انجیر این طرف بسیار خوار
اسطرف انجیر بہت ارزان ہین

گر رسد مرغے قنق انجیر خوار
اگر کوئی مُرغ مہمان انجیر خوار پہونچے

(ان اشعار مین اثبات ہے اس فنا کا نقل سے اور ترغیب ہے فناء کی یعنی) مصطفے (صلے اللہ علیہ وسلم) نے اسی (اعتبار) سے فرمایا ہے کہ اے طالب اسرار (اگر) تو مردہ کو زندہ (پھرتا ہوا) دیکھنا چاہے کہ زندون کی طرح زمین پر چل رہا ہے (مگر) مردہ ہے اور جان اُسکی آسمان پر گئی ہوئی ہے (اور) اُسکی روح کا اسوقت عالم بالا مین مسکن ہے (حتی کہ) اگر وہ (بموت طبعی) مریگا تو اُسکی روح کے لیے (روح عوام کی طرح) انتقال نہ ہوگا کیونکہ وہ (شخص مردہ) موت (طبعی) سے پہلے انتقال کر چکا ہے (اور) یہ (انتقال اُسی طرح کے) مرنیسے (پورا) سمجھ مین آتا ہے نہ کہ (محض) عقل سے (جیسا کہ جمیع ذوقیات کا حال ہے کہ اُن کا انکشاف تام خود ذوق سے معلوم ہوا کرتا ہے اور ہم نے جو کہا ہے کہ وہ موت طبعی سے پہلے انتقال کر چکا ہے تو وہ ایک) انتقال ہوتا ہے نہ مثل انتقال روح عوام کے (بلکہ) مثل انتقال کے ایک مقام سے دوسرے مقام تک (یعنی یہ انتقال بمعنی موت طبعی نہین جو عوام کے لیے بھی عام ہے بلکہ اسکے دوسرے معنی ہین جسکو فناء کہتے ہین جو قبل موت بھی ہوسکتا ہے جیسے انتقال من مقام الی مقام قبل موت ہوسکتا ہے پس چونکہ اسکے لیے یہ فنا حاصل ہے اسلیے اسکی موت طبعی بھی مثل عوام کے نہ ہوگی کیونکہ عوام تو بوجہ حرمان عن الفناء کے بعد موت طبعی کے کمال قرب سے محروم ہین اور یہ اہل فناء بعد طبعی کے کمال قرب سے مشرف ہین اور کمال قرب سے حرمان یہ گویا موت ہے اور کمال قرب سے تشرف یہ گویا حیوٰۃ ہے پس یہ کہنا صحیح ہوا کہ یہ خواص موت سے مرتے نہین اسی کو مولانا نے اوپر کہا ہے گر بمیرد روح او را نقل نیست پس یہ دو شعر زانکہ آنجا اور نقل باشد اس دعوی کی کہ گر بمیرد الخ دلیل ہوگئی اور اسی کو دوسرے محقق نے اسطرح کہا ہے ؎ ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق ٭ ثبت ست بر جریدۂ عالم دوام ما ٭ اور یہی معنی ہین اس قول مشہور کے الا ان اولیاء اللہ لا یموتون بل ینقلون من دار الی دار مطلب یہ ہے کہ اُنکی حالت مشابہ ہوتی ہے منتقل من دار الی دار کے ساتھ اور وجہ مشابہت ابھی مذکور ہوئی کہ کمال قرب کے سبب مثل احیا کے ہین باقی یہ مطلب نہین کہ اُن کی موت طبعی کی ماہیت مغائر ہے موت عوام کی ماہیت سے جیسا ظاہر کلام گر بمیرد الخ سے اسکا شبہہ ہوتا ہے اور یہ سب درمیان مین جملہ معترضہ ہے درمیان شرط اور جزا کے شرط یہ تھی مردہ را خواہی کہ بینی زندہ تو اور جزا آگے ہے مرتو بکر تقی را آلخ اور چونکہ شرط دور ہوگئی تھی اسلیے اُسکا پھر اعادہ کرتے ہین کہ) جو شخص چاہے کہ دیکھے زمین پر ایک مردہ کو کہ وہ ظاہر مین اسطرح (یعنی مثل دوسرے زندہ لوگون کے) چل پھر رہا ہے تو (اس شخص سے) کہدے کہ ابوبکر تقی کو دیکھ لے (تقی کی صفت مین اشارہ ہے آیۂ وسیجنبھا الاتقی کی طرف جو کہ شان صدیق اکبر مین نازل ہوئی ہے اور وہ ایسے ہین) کہ جو صدیقی سے امیر الصادقین ہوگئے ہین تو اس عالم مین (اُن) صدیق کو دیکھلے تا کہ (اُنکی حالت دیکھکر) تو حشر کی تصدیق زیادہ کرنے لگے (کیونکہ حشر کا حاصل بقاء بعد الفناء صورۃً ہے اور اُنکو یہ حالت معنیً حاصل ہے تو اُنکی حالت مقرب حکم حشر الی الذہن ہے اور تصدیق پہلے سے نصوص سے کر چکے ہو اس تقریب سے اسمین افزونی ہوجاوے گی جیسا نمونہ و نظیر مین خاصہ ہے آن اشعار مین اشارہ ہے اُس قول مشہور کی طرف جو کہ حدیث کے

عنوان سے مشہور ہے من اراد ان ینظر الی میت یمشی علی وجہ الارض فلینظر الی ابن ابی قحافۃ اور تائید اس سے ظاہر ہے کہ اسلیے جو انکو میت کہا ہے تو معلوم ہوا کہ کوئی حالت ایسی ہے کہ اس سے موت کا حکم جوڑ دینا میں صحیح ہے اُس حالت کو ہم فنا کہتے ہیں اور چونکہ موقع مدح میں فرمایا گیا ہے اس سے ترغیب بھی اس حالت کی تحصیل کی مفہوم ہوئی اور اس حدیث کی تو مجھکو تحقیق نہیں ہے لیکن نفس مضمون دوسری صحیح حدیثوں میں مصرح ہے چنانچہ حضرت طلحہؓ کی شان میں شہید یمشی علی الارض اور زلزلۂ جبل کے وقت آپکا ارشاد وما علیک الا نبی او صدیق وشہیدان کہ حضرت عمرؓ و حضرت عثمانؓ کو حیات میں شہید فرمانا وارد ہے شراح حدیث اس اطلاق کو مآل پر محمول کرتے ہیں اور اہل اسرار حال پر محمول کرکے اس سے اصل فنا کی نکالتے ہیں ولکل وجہۃ ہو مولیہا باقی نفس مسئلہ اس دلیل کا محتاج نہیں کیونکہ حاصل حقیقت فنا کا تبتل ہے جسکا امر قرآن شریف میں منصوص ہے وتبتل الیہ تبتیلا واللہ اعلم آگے بطور دلیل کے انکے فنا و بقا صدیقی سے فنا و بقاء محمدی پر استدلال کرتے ہیں کہ) پس فنا و بقاء صدیقی سے معلوم ہوا کہ) محمد صلی اللہ علیہ وسلم (کہ جنکے اثر سے حضرت صدیقؓ کو مرتبۂ فنا حاصل ہوا) نقد قیامت حاضرہ تھے (کیونکہ قیامت میں بھی یہ اثر ہوگا کہ اُسکے نفخۂ اُولیٰ میں سب فنا ہو جاوینگے پھر نفخۂ ثانیہ میں سب زندہ ہو جاوینگے اور گو نفخۂ اُولیٰ سے پہلے بھی سب جاندار اپنے اپنے وقت میں مرچکے ہونگے لیکن نفخۂ اولیٰ سے اُن اموات کی ارواح پر بھی زیادت صعقہ طاری ہوگا جو پہلے فنا سے اتم ہے تو گویا فناء اتم نفخۂ اولیٰ ہی سے ہوا غرض اس اثر فناء و ابقاء میں آپ بھی مشابہ قیامت کے ہوئے) کیونکہ آپکے آستانہ میں (یہ) حل و عقد حل ہوگیا (حل کے معنی لغوی ہیں کھلنا اور ترکیب کا منفک ہونا اس سے مراد فناء ہے اور عقد کے معنی ہیں بندھنا اور ترکیب کا مجتمع ہونا اس سے مراد بقاء ہے پس حل و عقد سے مراد فنا و بقا ہوا اور چونکہ یہ فنا و بقاء ایک امر صعب الحصول ہے جیسا ظاہر ہے اسلیے اُسکے حصول کو حل شد سے تعبیر کیا گیا اور مصرعۂ ثانیہ میں جو فنا لیش ہے وہ بکسر فاء بمعنی حوالی و نواحی و گرداگرد و پیش خانہ ہے مطلب یہ ہوا کہ آپکے آستانۂ مبارک میں یہ مقام صعب الحصول فناء و بقاء کا حاصل ہوتا تھا پس اس اثر کے اعتبار سے یہ حکم صحیح ہوا صد قیامت بود اور صد قیامت کہنا شاید اسلیے ہو کہ قیامت کا اثر تو محض فناء و ابقاء ظاہر ہے اور آپکا اثر فناء و ابقاء باطن ہے اور یہ اعظم ہے اول سے پس آپ مؤثر اعظم ہوئے اسلیے گویا صد قیامت آپ میں مجتمع ہوئیں یہاں تک تو آپکا اس فناء و بقاء کے لیے واسطہ فی الاثبات ہونا ثابت ہوا تھا آگے واسطہ فی الثبوت ہونا بتلاتے ہیں کہ) آپ مولود ثانی (یعنی متصف بولادت ثانیہ) ہیں عالم میں (ولادت اُولیٰ خروج ہے رحم مادر سے اور ولادت ثانیہ اصطلاح میں خروج ہے طبیعت اور اُسکے احکام سے اور اس خروج من الاحکام الطبیعیۃ من الشہوۃ والغضب وغیرہما الی اضدادہما کا حاصل وہی فنا و بقاء ہے تو مطلب یہ ہوا کہ آپ خود بھی موصوف بفناء و بقاء تھے اور درجان میں اشارہ اسطرف ہے کہ آپ عالم میں تشریف لاتے ہی ایسے تھے یعنی بوجہ عصمت کے آپ فطرۃً ہی ایسے تھے نہ یہ کہ آپکو مجاہدات سے یہ بات حاصل ہوئی ہو غرض آپ میں بھی یہ صفت تھی اور دوسروں کو بھی اسکا فیض پہونچاتے تھے سو) آپ نقد قیامت تھے عیاناً (جسمیں کچھ خفاء نہیں آگے اس فناء و بقاء کا ذوقی ہونا

مع الترغیب بتلاتے ہین تو گویا یہ عود ہے اُس مصرعہ کی طرف جو یہان سے چھ سات شعر اوپر ہے آن بمردن فہم آید نے بعقل جسکی شرح اوپر گذر چکی ہے اور جسطرح اس فنا کا اثبات مع الترغیب اوپر نقل سے کیا تھا اس وقتی ہونے کو بھی مع الترغیب ایک نقل سے ثابت کرتے ہین اور مجھکو مثل نقل سابق کے اس نقل لاحق کی بھی سندًا تحقیق نہین اور جسطرح مضمون سابق مین استدلال ایک ادعاء پر موقوف ہے یعنی یہ ادعاء کہ آپنے حضرت ابوبکرؓ کو میت باعتبار حال کے فرمایا اسی طرح اس مضمون ثانی مین بھی استدلال ایک ادعاء پر موقوف ہے یعنی یہ کہ آپکا موتوا قبل ان تموتوا فرمانا اسلیے ہے کہ اس موت کی حقیقت معلوم ہوجاوے مگر یہ نقل ثانی اور اسکے متعلق ادعاء بمقابلہ نقل اول اور اُسکے متعلق ادعاء کے اقرب و اسہل ہے کما سیأتی فی الفائدۃ اور جسطرح مضمون اول مین حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے لیے ایک صفت کے اعتبار سے لقب قیامت کا ثابت کیا ہے اس مضمون مین بھی اُسی لقب کی رعایت کی ہے یعنی) حضور صلے اللہ علیہ وسلم سے لوگ قیامت کی نسبت پوچھا کرتے کہ اے قیامت (اس خطاب مین ہے رعایت اُس لقب کی یعنی یا حضرت) قیامت (بالمعنی الشرعی) تک کسقدر مسافت (او فصل) ہے (یعنی قیامت کب آوے گی) تو آپ بزبانِ حال اکثر فرماتے کہ کوئی محشر سے حشر کو پوچھا کرتا ہے (یعنی مین نے تو خود قیامت بنکر یہ بات بتلادی ہے کہ جسکو قیامت کی تحقیق کرنا ہو وہ بھی میری طرح قیامت بنجاوے کہ اُسکو حقیقت قیامت کی معلوم ہوجاوے کیونکہ زبانی بتلانے سے حقیقت منکشف نہین ہوتی اسلیے کوئی پوچھنے کا قصد نہ کرے پھر باوجود اسکے کیون پوچھتے ہو یہان تک دو جزو ہوے ہین ایک یہ کہ آپ سے قیامت کی نسبت پوچھا گیا یہ تو صحاح مین مذکور ہے دوسرا یہ کہ آپنے بزبانِ حال یہ جواب دیا چونکہ اسکے منقول ہونیکا دعویٰ ہی نہین کیا گیا اسلیے اسکے اثبات بالنقل کی حاجت نہین بلکہ صرف اسکا ثابت ہونا کافی ہے کہ آپ کی حالت ایسی تھی کہ آپکو قیامت سے تشبیہ دے سکین سو اسکو عنقریب شعر پس محمد صد قیامت بود نقد کی شرح مین ثابت کرچکا ہون اور اگر کسی کو شبہ ہو کہ محض آپ کی حالت ہونے سے یہ کیسے ثابت ہوا کہ آپ کو یہ دلالت مقصود بھی تھی خاصکر جبکہ آپنے اس سوال کے جواب مین سکوت بھی نہین فرمایا بلکہ مختلف جواب احادیث مین منقول ہین جن سب مین یہ امر مشترک ہے کہ آپ نے تعیین قیامت کی نہین فرمائی پس جبکہ آپ کا قال جواب مین موجود ہے تو حال کو جواب پر محمول کرنیکی کیا ضرورت ہے جواب یہ ہے کہ آپ کا تعیین نہ فرمانا یہ بھی باعتبار تعیین کے سکوت ہی ہے جو محتمل ہے وجوہ مختلفہ کو مگر اسکے ساتھ دوسرا قرینہ مقالیہ منضم ہونے سے اس دلالت مین بُعد نہین رہتا اور وہ قرینہ مقالیہ وہ ہے جسکو شعر آئندہ مین فرماتے ہین اور وہی اصل مدار اثبات ہے اور اُسی کے اثبات بالنقل کی حاجت بھی ہے جسکی نسبت شعر زو قیامت را الخ کی تمہید مین بندہ نے کہا ہے کہ اس نقل لاحق کی بھی تحقیق نہین اور وہ شعر یہ ہے کہ) اسیواسطے (یعنی اس غرض سے کہ جو جواب لسانِ حال سے دیا گیا ہے مفہوم ہوجاوے) اُن رسول خوش پیام نے یہ رمز فرمایا ہے کہ مرنیکے قبل مرجاؤ اے کریم النفس لوگو (اس ندا مین اشارہ ہوسکتا ہے کہ کرم نفس اسی کو مقتضی ہے کہ ایسا کرو یہ ترجمہ ہے اس عبارت مشہورہ بنام حدیث کا موتوا قبل ان تموتوا (جس کی تحقیق عنقریب فائدہ مین حسب وعدہ سابقہ آتی ہے اور یہی ہے وہ قرینہ مقالیہ جسکے انضمام سے آپ کا سکوت عن التعیین اس

جواب حالی پر محمول ہو سکتا ہے جسکی تقریر بضمن شرح مصرعہ کہ ز محشر حشر را پرسد کسے احقر تو کر چکا ہے اور آئندہ مولانا کے کلام میں وہ تقریر مصرح ہے یعنی وہ جواب حالی یہ تھا کہ) جسطرح میں قبل موت (طبعی) کے (بموت اختیاری) مر چکا ہوں (اور اُسی کی ترغیب کے لیے) اُسطرف سے میں یہ ذکر خیر اور کلام (مفید یعنی موتوا قبل ان تموتوا) لایا ہوں (تو میری ہی طرح اے مخاطب سائل عن القیامۃ) تو (بھی) قیامت ہو جا (یعنی اسی فناء کو اختیار کر لے اور) قیامت کو دیکھ لے (کہ اُسکے فناء و بقاء کا کامل نمونہ کہ اُسکا معرّف بن سکے اپنے اندر مشاہدہ کر لیگا اور نمونہ ہونے کی تقریر اوپر پس محمدؐ الخ کی شرح میں گذری ہے اور یہ قرینہ اسطرح ہوا کہ یہ تو اوپر گذر چکا ہے کہ آپنے سائل کو جو جواب دیا ہے جو کہ حدیثوں میں وارد ہے وہ چونکہ ظاہراً مقتضا مقام کا نہیں ہے کیونکہ اُسمیں تعیین قیامت کی نہیں اسلیے گویا مثل عدم جواب یعنی سکوت عن التعیین کے ہوا اب رہا یہ کہ سکوت کو کاہے پر محمول کیا جاوے تو اس حدیث موتوا قبل ان تموتوا میں آپنے موت قبل الموت کا امر فرمایا ہے اور دوسری حدیث میں ہے من مات فقد قامت قیامتہ (اور حدیث ثانی میں بھی موت کو عام لے لیا جاوے تو حاصل موتوا کا یہ ہوا کہ کونوا قبل الموات کاملا قد قامت قیامتکم بان فنیتم ثم بقیتم وعبر عنہ مجازاً بقولہ پس قیامت شو الخ اور یہ جملہ کونوا صائم ہے جواب عن سائل القیامۃ بننے کا پس اس سکوت کو اس جواب کی طرف اشارہ کرنے پر محمول کیا جاوے کہ مطابق بھی ہے سوال کے پس اسطرح یہ قرینہ مقالیہ دال ہو گیا کہ سکوت کے بھی یہی معنی تھے پس وہ شبہۂ مذکورہ کہ محض آپکے حالت ہونے سے الخ بالکلیہ مندفع ہو گیا و للہ الحمد اور یہ شبہہ نہ کیا جاوے کہ پس محمدؐ صد قیامت بود نقد میں تو قیامت شدن کے اور معنی کیے تھے اور قیامت شو میں اُسکے اور معنی کہے ہیں جواب یہ ہے کہ دونوں میں تلازم ہے اسلیے صرف اسکو اختلاف عنوان سے زیادہ نہ کہا جاویگا وجہ تلازم ظاہر ہے کہ قیامت شدن بالمعنی الاول موقوف ہے قیامت شدن بالمعنی الثانی اور وجود موقوف مستلزم ہوتا ہے وجود موقوف علیہ کو اسی طرح جب قیامت شدن بالمعنی الثانی پایا جاویگا تو ضرور قصداً یا بلا قصد دوسرے پر بھی یہی اثر پڑیگا بشرط صلاحیۃ المحل تو قیامت شدن بالمعنی الاول بھی لزوماً متحقق ہوا محل صالح میں۔ پس تلازم ثابت ہوا آگے مصرعۂ ہذا کے مضمون یعنی قیامت شو الخ کے مبنی کی تعمیم کرتے ہیں کہ یہ بات کہ قیامت ہو جا تا کہ قیامت کی معرفت ہو جاوے کچھ قیامت کے ساتھ خاص نہیں بلکہ) ہر چیز کے مشاہدہ (و معرفت تحقیقیہ) کے لیے یہی شرط ہے (کہ وہ چیز ہو جا اور جیسے قیامت شو میں تجوز تھا اسی طرح یہاں بھی کہ آن چیز شو تجوز ہے یعنی اُس چیز کے آثار سے موصوف ہو جاؤ تا کہ بجائے علم استدلالی کے علم ذوقی اُس چیز کا ہو جاوے اسی کو دیدن بمعنی مشاہدہ کہا گیا ہے پس قیامت بھی ایک چیز ہے اسی طرح اُس کے مشاہدہ کے لیے اُسکے آثار کو اپنے اندر پیدا کر لو من الفناء والبقاء تو اُسکا مشاہدہ و علم ذوقی میسر ہو جاوے کہ اسی کی مشابہ قیامت میں بھی فناء و بقاء ہوگا باقی علم استدلالی اس مشاہدہ پر موقوف نہیں اور یہی علم استدلالی حاصل قبل المشاہدہ ہے جسکا ذکر اس سوال و جواب میں ہے قال اللہ تعالیٰ لابراہیم علیہ السلام اَوَلَم

تو ءامن قال بلیٰ اور یہی علم ذوقی حاصل بعد المشاہدہ ہے جو رویت احیار موتیٰ کی غایت مین ابراہیم علیہ السلام نے جواب مین عرض کیا ہے ولکن لیطمئن قلبی آگے اس قاعدۂ عامّہ کے مواد تحقیق ہین یعنی) جب تک تو خود وہ چیز نہ ہوجاویگا اُسکو پورے طور سے نہ جانیگا خواہ وہ چیز انوار ہون یا ظلمتین (اسی طرح) جب تک تو وہ چیز نہ ہوجاویگا اُسکو پورے طور سے نہ جانیگا خواہ وہ چیز آزاد ہو یا غلام (ایک مثال اعراض کی ہے دوسری اعیان کی اور اعیان مین تو آن چیز شدن حقیقت پر بھی محمول ہو سکتا ہے کیونکہ آزاد و غلام ہونا حقیقةً ممکن ہے اور اعراض مین آن چیز شدن مین تجوز ہے یعنی بآثار او موصوف شدن مثلاً اگر نور کی حقیقت معلوم کرنا چاہے تو آثار نور کے خود اس شخص پر طاری ہون تب اُسکی معرفت محققانہ ہوگی ورنہ جو شخص ہمیشہ عالم ظلمات مین رہتا ہو وہ اس طرح کی معرفت نور کی حاصل نہین کرسکتا علیٰ ہذا ظلمت کی ایسی معرفت بھی اُسکے آثار سے موصوف ہونے پر موقوف ہے اور اگر غلام کی حقیقت معلوم کرنا چاہے تو خود کسی کا غلام بنے حقیقةً یا حکماً کہ غلام کی طرح تابع بنے تو معلوم ہو کہ غلام پر کیا کیا گذرتی ہے اور غلامی کیا چیز ہوتی ہے اور یہ تعمیم حقیقةً و حکماً کی مفرد یعنی لفظ غلام مین ہے اس سے حمل مین تجوز لازم نہین آتا وہ حمل حقیقی ہی ہے گا علیٰ ہذا حر اور خود مختار کی ایسی معرفت بھی خود حر او خود مختار بننے پر موقوف ہے کما ھو ظاھر اور یہ سب مثالین مدرکات بحواس ظاہرہ کی ہین آگے مدرکات باطنیہ کے بعض جزئیات ہین کہ) تم (اگر) عقل (کے آثار سے موصوف) ہوجاؤ (یعنی صاحبِ عقل ہوجاؤ) تو عقل کو کامل طور سے جانو گے (جیسا ظاہر ہے کہ جسکو خود عقل نہ ہو وہ عقل کی حقیقت نہ جانیگا اور اگر) تم عشق (کے آثار سے موصوف) ہوجاؤ تو عشق کا جمال (یعنی اُسکی حقیقت جمیلہ حسنہ) دیکھ لوگے (چنانچہ یہ بھی ظاہر ہے کہ جو شخص عشق سے عاری ہو وہ وجداناً اُسکا ادراک نہ کرسکے گا اور ہر چند کہ یہ دعویٰ مذکورہ کہ معرفت وجدانیہ موقوف ہے مشاہدہ پر بالکل بدیہی ہے محتاج دلیل نہین لیکن بعض اوقات بدیہیات مین بھی امارات کا استعمال کرنیسے اُنمین اور زیادہ ظہور ہوجاتا ہے تو اس طور سے یہان بھی احتمال تھا کہ کسی کو ایسی دلیل یعنی امارت کا انتظار ہو اُسکے بارہ مین مولانا عذر فرماتے ہین کہ) مین اس دعویٰ (مذکورہ) کی برہان (یعنی امارت) واضح (بھی) کہدیتا اگر (عامۂ سامعین کا) ادراک اس (برہان کے سمجھنے) کے قابل ہوتا (مگر چونکہ قابل نہین اسلیے مین بھی بیان نہین کرتا جسکا سبب متکلم کا بخل یا نقص علم نہین بلکہ عدم قابلیت سامع ہیں اسکی ایسی مثال ہے کہ مثلاً) اسطرف انجیر بہت ارزان ہین (خوار یعنی ارزان نہ کہ بمقدار اگر کوئی مرغ مہمان انجیر خوار ہو پہنچے (تو اُسکے لیے حاضر ہے ورنہ نا قابل کو نہین دیا جاتا قنق یعنی مہمان مولانا نے تو اس برہان سے بالکل سکوت فرمایا ہے لیکن احقر فائدہ مین اسکے متعلق کچھ عرض کریگا) **فائدہ مشتملہ بر دو مضمون موعود در شرح اشعار بالا۔** مضمون اول متعلق بجملۂ موتوا قبل ان تموتوا۔ تصوف کی کتب مین اسکی نسبت حدیث ہونیکا دعویٰ کیا جاتا ہے لیکن یہ الفاظ کسی حدیث کی کتاب مین نظر سے نہین گذرے

البتہ مضمون اسکا دوسری حدیثوں سے ثابت ہے مثلاً ایک حدیث مین ہے عدّ نفسك من اهل القبور
کہ دونون کا حاصل ایک ہی ہے پس جملۂ مشہورہ کو باعتبار روایت بالمعنی کے حدیث کہنا صحیح ہے اور عجب
نہین کہ اسی توجیہ کی طرف اشارہ کرنے کے لیے شعر مین اِس جملہ سے پہلے لفظ رمز بڑھا دیا گیا ہو باقی
اسکے متعلق ایک دعا بھی تھا جسکا ذکر احقر نے شعر زو قیامت را ہمی پرسیدہ اند الخ کی تمہید مین کیا ہے
اور اُسکی توجیہ کا اسی فائدہ مین بیان کرنیکا وعدہ بھی کیا ہے مگر اتفاق سے اُسکی تقریر شعر بہر این گفت الخ
کی شرح مین ایک ضرورت سے آئی اور اب بیان اُسکے اعادہ کی حاجت نہ رہی اُسی تقریر کے دیکھنے سے اسکی
اسلیت بھی معلوم ہو جاویگی کہ اُسمین زیادہ تکلف کا ارتکاب نہین کرنا پڑا **مضمون دوم متعلق بہ
تعیین برہان کہ در شعر گفتمے برہان الخ اشارہ بدان رفتہ** جب شعر گفتمے الخ لغایت اشعار
بالا لکھا گیا ہے اُسوقت بھی اس برہان سے ذہن خالی تھا پھر بعد نقل اشعار جب انکی شرح مین غور کیا گیا اصلا
کوئی بات ذہن مین نہین آئی آخر بنام خدا اول سے شعر لکھنا شروع کیے کہ شاید اثنار شرح مین کوئی مضمون
عطا ہو جاوے جب قاعدۂ دیدن ہر چیز را شرط ست این کی جزئیات اور مثالون کی شرح کی نوبت آئی
دفعۃً قلب مین اس برہان کی تعیین مین قول من عرف نفسه فقد عرف ربه اور اُسکے ساتھ تخلقوا
باخلاق الله قلب مین القار ہوا اور ان دونون مقدمون سے وہ دلیل مرکب ہو گئی اور جس اعتبار سے
اُس دلیل کی نسبت یہ حکم کیا ہے کہ گُنبدے ادراک اندر خود این وہ بھی ذہن مین آگیا اور دفعۃً القار
ہونیسے گمان ہوتا ہے کہ عجب نہین مولانا کے خیال مین بھی یہی یا اسکے قریب کچھ ہوا ور عجب نہین کہ اس القار مین
مولانا کا فیض واسطہ ہو ولله الحمد علی ذلك کله چنانچہ مختصراً اُسکی تقریر کرتا ہون واهی هذا یہ جو
دعوی کیا ہے کہ دیدن ہر چیز را شرط ست این اور اُسکی مثالین لائے ہین تا نگردی اور الی قوله عقل گردی
اسپر شبہہ یہ ہوتا ہے کہ اس کلیہ سے تو یہ لازم آتا ہے کہ خدا کی معرفت بھی جب ہو جبکہ نعوذ بالله خدا ہو جاوے
اور یہ محال ہے پس معلوم ہوا کہ یہ کلیہ باطل ہے جواب اسکا یہ ہے کہ اس کلیہ کو جس جزئیہ سے باطل کیا جاتا ہے
حدیث سے بالخصوص وہی جزئیہ ثابت ہے پس وہ اس کلیہ کی اچھی طرح مؤید ہو گئی مگر فہم سلیم سے کام لینا شرط
ہے اور وہ دو حدیثین ہین ایک من عرف نفسه فقد عرف ربه اور دوسری تخلقوا باخلاق الله ایک
حدیث مین خبر ہے کہ معرفت نفس سے معرفت رب ہوتی ہے اور ایک حدیث مین حکم ہے کہ اپنے نفس مین اوصاف
الٰہیہ پیدا کرنے چاہیئین پس صاف معلوم ہوا کہ معرفت رب کا ذریعہ معرفت نفس ہے جسمین اوصاف الٰہیہ پیدا کیے
جاوین تو دیکھو وہ کلیہ بیان بھی رہا کہ جب یہ نفس یعنی یہ شخص موصوف باوصاف حق ہوا تب معرفت تحقیقیہ
حق کی اسکو ہوئی تو تا نگردی او ندانیش تمام بلا غبار ثابت ہو گیا اور ظاہر بھی ہے کہ مثلاً ایک شخص کے
قلب مین رحمت ہے تو اُسکے آثار کو دیکھکر ذوقاً حق تعالی کی رحمت کی معرفت اور مشاہدہ ہوتا ہے کہ جب
ادنی رحم کی یہ حالت ہے تو اعلی کیا ہوگا اور اسکا لقب معرفت تحقیقیہ تجویز کرنا اچھا معلوم ہوا بہ نسبت

معرفت کاملہ کے کیونکہ کامل معرفت حق تعالیٰ کی کس کو ہو سکتی ہے حدیث میں ہے لا احصی ثناءً علیک والحدیث
اور یہی قید معرفت مین بندہ نے اس مصرعہ کی شرح مین لکھی ہے دیدن ہر چیز را الخ اور ان سطرون کے لکھتے لکھتے ایک
اور حدیث ذہن مین آئی ان اللہ خلق آدم علیٰ صورتہ اسے صفتہ بین تقریر یہ ہو گی کہ معرفت نفس بھی ہوا سطہ
معرفت حق اسی لیے ہوا کہ جب حدیث ان اللہ خلق آدم علیٰ صورتہ انسان کے اندر اوصاف حق ہین
پس چونکہ وہ متصف ہے اُن اوصاف سے اسلیے حسب قاعدۂ مذکورہ شرط معرفت پائی گئی تو معرفت پائی
گئی اور تحقیق مَن عرف نفسہ کی بندہ نے اپنے رسالہ الحقیقۃ الطریقۃ مین کی ہے اور اس مضمون کو
دلیل شرعی سے ثابت کر دیا ہے اور تخلقوا الخ کے ثبوت معنی کے لیے الرحمٰن یرحمہم الرحمٰن الحدیث
کافی ہے اور یہ مضامین باوجود صاف ہونیکے اپنے بعض عنوانات کے اعتبار سے چونکہ عوام کے لیے
موحش یا مستقل ہین اسلیے انکی نسبت گر بجز ادراک الخ کہنا بھی صحیح ہو گیا واللہ اعلم وعلمہ اتم
واحکم وما نحن فی جنب علمہ الا کالاصم الابکم۔

در ہمہ عالم اگر مرد و زن اند
تمام دنیا مین جتنے مرد و زن ہین

دمبدم در نزع و اندر مردن اند
دمبدم نزع مین اور موت مین ہین

این سخن شان را وصیتہا شمر
اُن کی ان باتون کو وصیتین سمجھا کر

کہ پدر گوید در آن دم با پسر
جسکو باپ اُسوقت بیٹے سے کہا کرتے ہین

تا بروید غیرت و رحمت بدین
تا کہ اس سے غیرت اور رحمت پیدا ہو

تا بُبرّد بیخ بغض و رشک و کین
تا کہ بیخ بُغض اور حسد اور حقد کی قطع ہو جاوے

تو بدان نیت نگر در اقربا
تو اسی نیت سے دیکھا کر قرابت دارونکو

تا ز نزع او بسوزد دل ترا
تا کہ اُسکے نزع سے تیرے دلمین سوزش پیدا ہو

کل آتٍ آن را نقد دان
تو کل آتٍ فہو آتٍ کو تو حاضر فی الحال ہی سمجھ

دوست را در نزع و اندر فقد دان
دوست کو نزع مین اور غائب ہونے مین سمجھ

ور غرضہا زین نظر گردد حجیب
اور اگر اغراض اس نظر کرنے سے مانع ہون

این غرضہا را برون افگن ز جیب
تو ان اغراض ہی کو جیب مین سے نکال پھینک

ور نیاری خشک بر عجزے مایست
اور اگر تو یہ نہ کر سکے تب بھی سوکھا عجز ہی پر مت قائم ہو جا

زانکہ با عاجز گزیدہ معجزیست
کیونکہ عاجز ہونیوالے کے ساتھ ایک پسندیدہ عاجز کرنیوالا بھی ہے

عجز زنجیریست زنجیرت نہاد
عجز ایک زنجیر ہے۔ اُسنے زنجیر تجھپر رکھدی ہے

چشم در زنجیر نہ باید کشاد
نظر کو زنجیر رکھنے والے مین کھولنا چاہیے

پس تضرع کن کہ اے ہادی زیست
پس تضرع کر کہ اے ہادی زندگی کے

باز بودم پشہ گشتم این زچیست
مین باز تھا۔ پشہ ہوگیا یہ کس سبب سے ہے

سخت تر افشردہ ام در شر قدم
بہت مضبوط گاڑ رکھا ہے مین نے شر کے اندر قدم

کہ لفی خسرم ز قہرت دمبدم
کہ لفی خسر کا مصداق ہون آپکے قہر سے دمبدم

از نصیحتہاے تو کر بودہ ام
آپ کی نصیحتونسے مین بہرا ہو گیا ہون

بت شکن دعوی و بتگر بودہ ام
بت شکن کا دعوی۔ اور بت گر ہو گیا ہون

یاد صنعت فرض تریا یاد مرگ
صنعتونکا یاد کرنا زیادہ فرض ہے یا موت کا یاد رکھنا زیادہ فرض ہے

مرگ مانند خزان تو اصل برگ
موت مانند خزان ہے۔ تو پتے کی جڑ ہے

سالہا این مرگ طبلک میزنند
مدتون سے یہ موت تیرے لیے نقارہ بجا رہی ہے

گوش تو بیگاہ جنبش میکند
تیرا کان بے وقت جنبش کرے گا

گوید اندر نزع از جان آہ مرگ
روح سے جدا ہونے کے وقت کہے گا اے موت

این زمان کردت ز خود آگاہ مرگ
اسوقت تجھکو موت نے اپنے سے آگاہ کیا

این گلوے مرگ از نعرہ گرفت
یہ حلق موت کا چیختے چیختے بیٹھ گیا

طبل او بشگافت از ضرب شگفت
اُسکا نقارہ بھی بجاتے بجاتے پھٹ گیا

رمزِ مُردن این زمان دریافتی	در دقائق خویش را در بافتی
اسوقت موت کی رمز کو تونے معلوم کیا	تونے دقائق مین اپنے کو گوندھے رکھا

در نیاری از یارستن بمعنی طاقت داشتن نہ کہ از آوردن و مؤید آن نسخہ دیگر ست نتالی
اوپر سے فنا و موت قبل الموت کا مضمون چلا آتا ہے چنانچہ اس سرخی کا عنوان ہی یہ ہے در معنی حدیث
موتوا الخ اسی کے استحضار و اہتمام کا طریقہ تبلاتے ہین جسکا حاصل مراقبہ موت ہے اپنے لیے بھی اور دوسرون
کے لیے بھی یعنی اپنے کو اور سب کو بھی مردہ سمجھنا اور اس طریقہ مین جو بعض موانع پیش آتے ہین کہ وہ اغراض
فاسدہ ہین اُنکے رفع کی تدبیر تبلاتے ہین جسکا حاصل ان اغراض سے انقطاع اور اُس کے تعذر
کی صورت مین التجاء الی اللہ اور اپنی غفلت و بدحالی پر تنبہ ہے کہ اس سے قطع اغراض مانعہ مین اعانت
ہوتی ہے پھر موانع کے ارتفاع سے مراقبۂ موت درست ہوجاتا ہے جو کہ طریقہ ہے حصول حالت فنا و موت
قبل الموت کا پس اول مراقبۂ موت کے لیے ارشاد فرماتے ہین کہ یون سمجھ کہ تمام دنیا مین جتنے مرد و زن ہین
(وہ سب) دمبدم نزع مین اور موت مین (گرفتار) ہین (یعنی یون خیال کیا کر کہ یہ سب بالفعل مر رہے ہین اور
جب اُن کو مردہ سمجھے گا تو) اُنکی اُن باتون کو (جو کہ وہ معمولی طور پر کیا کرتے ہین) وصیتین سمجھا کر جسکو باپ
(مثلاً) اُسوقت (یعنی نزع کے وقت) بیٹے سے کہا کرتے ہین (یعنی وصیت بمعنی مطلق نصیحت نہین بلکہ بالمعنی
المتعارف یعنی مرنیکے وقت کی نصیحت اور یہ سمجھنا ظاہر ہے کیونکہ مردہ کی بات وصیت ہی ہوتی ہے اور باپ
بیٹے کی تخصیص محض تمثیلی ہے اور مراد مطلق موصی اور موصی الیہ ہے اور ہمنے جو یہ کہا ہے کہ لوگون کو مردہ
سمجھو جس سے لازم آتا ہے اُنکی باتون کو وصیت سمجھنا تو اسلیے کہا ہے) تاکہ اس (سمجھنے) سے (تیرے
قلب مین اپنی حالت پر) غیرت اور (دوسرون کی حالت پر) رحمت پیدا ہو (اور) تاکہ (تیرے قلب سے)
بیخ بغض اور حسد اور حقد کی قطع ہوجاوے (کیونکہ یہ خاصہ ہے مشاہدۂ موت مین اپنی موت کے مشاہدہ
سے تو بدرجۂ اقوی اور دوسرون کی موت کے مشاہدہ سے بھی بدرجۂ قوی اور مجموعہ سے جو کہ مقصود
مقام ہے کما صرح بہ فی التمہید اقوی سے بھی اقوی جب زندون کو مردہ فرض کرنے مین یہ فائدہ
ہے کہ مصلح قلب ہے پس) تو اسی نیت سے (یعنی بہ نیت اصلاح قلب اُسی نظر سے کہ گویا یہ مر رہے ہین)
دیکھا کر قرابت دارون کو تاکہ اُسکی نزع سے تیرے دل مین شورش پیدا ہو (وہ نیت یہی ہے تا بسوزد
دل ترا اور سوزش سے ترحم بھی مراد ہوسکتا ہے جسکو اوپر رحمت کہا ہے اور اس کا ترتب ظاہر ہے
اور ندامت و تحرق قلب علی الخطاء بھی مراد ہوسکتا ہے جسکو اوپر غیرت کہا ہے اور مشاہدۂ موت
غیرہ پر اکثر یہ ندامت بھی قلب مین پیدا ہوجاتی ہے اور اس مراقبہ مین یہ شبہہ نہ کرنا کہ جب موت اقارب
و احباب کی بالفعل حاضر نہیں ہے تو اُن کو خلاف واقع یہ کسطرح سمجھ لیا جاوے کہ وہ بالفعل مر رہے ہین

کیونکہ گو اسوقت موت نہین آئی مگر آنیوالی تو یقینی ہے اور مقرر ہے کہ کل آتٍ فھو آتٍ یعنی جو چیز آنیوالی ہے وہ آخر ایک دن آنیوالی ہے تو) تو کل آتٍ فھو آتٍ کو تو حاضر فی الحال ہی سمجھ (اور اُسکے مقتضا سے) دوست کو نزع مین اور (دنیا سے) غائب ہونے مین سمجھ (اور اسی طرح اپنے کو بھی غرض اس مراقبہ کی واقعیت مین کوئی شبہہ نہ رہا اور بلاشبہہ قابل عمل رہا آگے موانع کا اور اُنکی رفع کے اہتمام کا ذکر ہے یعنی) اور اگر اغراض (نفسانیہ) اس (طرح پر) نظر کرنیسے مانع ہون (کیونکہ اس نظر اور مراقبہ کے ساتھ پھر اغراض مغلوب ہوجاوینگی تو جس شخص کو وہ اغراض محبوب ہونگے یا بزعم اسکے ضروری ہونگے وہ اس مراقبہ کو اختیار نہ کرسکیگا بلکہ اِن اغراض کے سبب تعلقات اسقدر پیچیدہ ہوجاوینگے کہ اس مراقبہ کی فرصت بھی نہ لینے دینگے جیسا اہل دنیا کی حالت دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے پس فرماتے ہین کہ اگر یہ اغراض مانع ہون) تو تو اُن اغراض ہی کو جیب مین سے نکال پھینک (جیب گریبان کو کہتے ہین مراد یہان ما تحت الجیب یعنی قلب ہے مطلب یہ کہ اُن اغراض ہی سے قطع نظر کرلے تو وہ تعلقات بھی قطع ہوجاوینگے اور مانع مرتفع ہوجاویگا) اور اگر تو یہ نہ کرسکے (یعنی اغراض سے قطع کرنیسے عاجز ہوجاوے مطلب یہ نہین کہ پہلے ہی سے کم ہمتی شروع کردے بلکہ ایسا ہو کہ ہمت کرتا ہے اور ناکامی ہوتی ہے اسطرح سے کہ کوئی غرض از قبیل شہوت یا غضب یا حب مال یا جاہ مغلوب کردیتی ہے) تب بھی سوکھا (یعنی خالی و معطل اس) عجز (او ضعف ہمت) ہی پر مت قائم ہوجا (کہ تمام عمر اسی مین گذار دے کہ مین تو عاجز ہون کیا کرون کچھ بنتا نہین بلکہ اس عجز کے ساتھ بھی ایک عمل کر جو آگے آتا ہے پس تضرع کن الخ کیونکہ عاجز ہونیوالے کے ساتھ (بوجہ اسکے کہ اُسکا عجز دلیل اُسکے امکان و حدوث کی ہے اور ممکن حادث کے لیے ایک محدث واجب و ضروری ہے اس لیے اُسکے ساتھ) ایک پسندیدہ عاجز کرنے والا بھی ہے (کہ وہ خالق ہے اس عجز کا اور اسباب عجز کا تو) عجز (گویا اُسکی پیدا کی ہوئی) ایک زنجیر ہے اُسنے (وہ) زنجیر تجھپر رکھدی ہے (پس اولاً تو علماً) نظر زنجیر رکھنے والے مین کھولنا چاہیے (یعنی جاننا چاہیے کہ یہ اُس قادر مطلق کے اختیار مین ہے اور) اسکے بعد (یہ سمجھکر کہ قدرت متعلق ہوتی ہے ضدین سے جیسا وضع زنجیر اُسکی قدرت مین ہے رفع زنجیر بھی اُسکی قدرت مین ہے یہ سمجھکر اُسکے سامنے عملاً) تضرع کر (اور یون عرض کر) کہ اے ہادی زندگی کے (یعنی حیات حقیقی کے راہ بتانے والے) مین (پہلے) باز (کی طرح قوی و باہمت) تھا (مگر اب) پشہ ہوگیا یہ کس سبب سے ہے (مقصود استفہام نہین بلکہ استعطاف ہے اور معنی کلام کے یہ ہین کہ اغراض کا غلبہ قبل اُنکے رسوخ کی سہل الدفع ہوتا ہے باز بودم یہ ہے پھر بعد رسوخ کے صعب الدفع ہوجاتا ہے پشہ بودم یہ ہے اور استعطاف مین طلب ہے عون کی اور یہی تضرع وہ عمل ہے جسکا امر اوپر کیا ہے بر عجز سے ساکت مین حاصل یہ کہ ایسے عجز کے مبدل بہ قوت ہونے کی یہ تدبیر ہے کہ حق تعالیٰ سے التجا کرے کہ وہ قوت دے اور مدد فرماوے سا اور اوپر بنیاری کی شرح مین سعی و ہمت کا جاری رکھنا آچکا ہے پس ملخص یہ ہوا کہ سعی و ہمت سے برابر کام لیتا رہے اور پھر اُسکے ساتھ تضرع بھی کرے انشاء اللہ تعالیٰ کامیابی یقینی ہے آگے تتمہ ہے التجا کا جسمین اعتراف

اور تنبہ بھی ہے اپنی بدحالی پر یعنی اے اللہ) بہت مضبوط گاڑ رکھا ہے مین نے شر کے اندر (اپنا) قدم (اسطرح سے) کہ نفی خیر (کا مصداق ہوگیا) ہون آپکے (اثر) قہر سے دمبدم (اور وہ اثر قہر وہی شر و معصیت ہے یعنی اُس قدم گڑنے کی نوبت یہان تک پہونچ گئی کہ اُس معصیت سے نفی خیر کا مصداق ہوگیا ہون اور شر مین تو ایسا مضبوط ہون جیسا او پر کہا گیا اور خیر سے ایسا غیر مربوط ہون جیسا آگے آتا ہے کہ) آپ کی نصیحتون سے مین (گویا) بہرا ہوگیا ہون (اور سب سے بدتر یہ کہ با وجود ملابست شر و مباعدت خیر کے اپنی حالت کو ظاہر اسطرح کیا ہے کہ شر سے مباعدت ہے اور خیر سے ملابست تو گویا) بت شکن (ہونیکا تو) دعوی اور (واقع مین) بُت گر ہوگیا ہون یہان تک تدبیر رفع موانع کی مذکور ہوئی آگے پھر مولانا کا ارشاد ہے جسمین ملامت ہے غفلت عن الموت پر جس سے مقصود تاکید ہے مراقبۂ موت کی جو اشعار سابقہ مین مذکور تھا یعنی اے غافل دگرفتار تعلقات فانیہ یہ تبلا کہ آیا) صنعتون کا یاد کرنا زیادہ فرض ہے (جسمین تو مشغول ہے کہ اُس سے دنیا سمیٹے گا) یا موت کا یاد رکھنا زیادہ فرض ہے جسکا تو تارک ہے جواب ظاہر ہے کہ موت ہی کا یاد رکھنا زیادہ فرض ہے کیونکہ) موت (کی مثال تو) مانند خزان (کے) ہے (اور) تو پتّہ کی جڑ ہے (یعنی جو سرا شاخ درخت سے متصل ہوتا ہے یہ تشبیہ بہ نسبت برگ کے ساتھ تشبیہ دینے کے ابلغ ہے کیونکہ خزان سے خود پتّہ مین تو صرف لون اور تازگی ہی مین تغیر آتا ہے لیکن ڈنڈی مین انقطاع اور انکسار کا اثر آتا ہے والثانی اشد من الاول مطلب یہ کہ موت تجھکو صرف پتّہ کی طرح خشک ہی نکرے گی یہ اثر تو امراض مین بھی ہے بلکہ تجھکو شاخ عالم سے منقطع اور دنیا سے جدا کردے گی اور اُسوقت سب صنائع و تعلقات بیکار ہوجاوینگے تو موت کا یاد رکھنا صنعت کے یاد کرنیسے زیادہ فرض ہوا یس مصرعۂ ثانیہ دلیل ہے جواب مقدر مفہوم من المصرعۃ الاولی کی مگر اس فرض کا تو ایسا تارک ہے کہ خود موت کے یاد دلانیسے بھی تو اُسکو یاد نہین کرتا اور پھر جسوقت یاد کرے گا جبکہ کچھ نفع نہوگا آگے یہی مضمون ہے یعنی) برس ہوگئے یہ موت نقارہ بجا رہی ہے (نقارہ بجانا یہ ہے کہ لوگ مر رہے ہین مگر) تیرا کان (اسوقت تو استماع کے لیے حرکت نہین کرتا پھر) جسوقت جنبش کریگا (اور) روح سے جدا ہونے (کی حالت) مین (وہ کان یعنی کان والا) کہے گا ہا ے موت (تونے کیا کیا کہ مجھکو بھی روح سے الگ کردیا اور ظاہر ہے کہ سب اعضا کے ساتھ کان سے بھی روح کا علاقہ منقطع ہوجاتا ہے مولانا کان کو جواب دیتے ہین کہ ہان) اسوقت (یعنی موت کے وقت) تجھکو موت نے اپنے سے (بالمشاہدہ) آگاہ کیا یعنی جب خود موت کی ذات آگئی تب خبر ہوئی کہ موت ایسی ہے باقی پہلے سے بھی اُسکی ذات گو غائب تھی مگر اُسنے اپنی آواز بلند سے بہت آگاہ کیا مگر آگاہ نہ ہوا اور وہ آواز بھی موت نے اتنی بلند کی کہ) یہ حلق موت کا چیختے چیختے بیٹھ گیا (اور) اُسکا نقارہ بھی بجاتے بجاتے پھٹ گیا (مگر) تونے (ہمیشہ) دقائق (وصنائع) مین اپنے کو گوندھے رکھا (اور ایک سنی آخر یہ نوبت آئی کہ خود موت آ کھڑی ہوئی تب) اسوقت موت کے (اُس) رمز کو (جو کہ دوسرون کے مرنیسے بتلایا جاتا تھا اب کھلی آنکھون) تونے معلوم کیا (جبکہ معلوم ہونیسے کوئی نفع نہین دھذا کما قال اللہ تعالی

فیقول لولا اخرتنی الی اجل قریب الآیۃ آگے بوقت تاسف ونوحہ کے غیر نافع ہونیکی مثال ہے ایک حکایت سے) ف اخیر کے اشعار سے تذکی وقت الموت کا غیر نافع ہونا معلوم ہوتا ہے اس مسئلہ کی تحقیق نہایت لبسط سے مع ادلہ سرخی ہاے ہوے کردن پاسبان کے ماقبل و مابعد کے اشعار کی شرح مین ہو چکی ہے ضرور ملاحظہ فرمائی جاوے۔

تشبیہ مغفلے کہ عمر ضائع کند و در نزع بیدار شود بماتم اہل حلب

روزِ عاشورا ہمہ اہلِ حلب　　باب انطاکیہ اندر تا بشب

عاشورا کے دن تمام اہل حلب　　بابِ انطاکیہ مین رات تک

گرد آید مرد و زن جمعے عظیم　　ماتم آن خاندان دارد مقیم

جمع ہوتے ہین مرد اور عورت ایک عظیم مجمع کر کے　　اور اُس خاندان کا ماتم برپا کرتے ہین

تا بشب نوحہ کنند اندر بکا　　شیعہ عاشورا براے کربلا

شیعہ لوگ رات تک نوحہ کرتے ہین گریہ مین　　عاشورا کے دن کربلا کے لیے

بشمرند آن ظلمہا و امتحان　　کز یزید و شمر دید آن خاندان

شمار کرتے ہین وہ سب ظلم اور محنتین　　جو کہ یزید اور شمر سے اُس خاندان نے دیکھی ہین

از غریو و نعرہا در سرگذشت　　پُر ہمی گردد ہمہ صحرا و دشت

شور و غل سے سرگذشت کے متعلق　　پُر ہو جاتا ہے صحرا اور دشت

رسیدنِ شاعرے بحلب روزِ عاشورا و حال معلوم نمودن

یک غریبے شاعرے از رہ رسید　　روز عاشورا و آن افغان شنید

ایک مسافر شاعر رستہ سے عاشورا کے روز　　پہونچا اور وہ شور سُنا

شهر را بگذاشت و آن سوراے کرد
شہر کو چھوڑا اور اُس طرف راے کی

پُرس پُرسان می شد اندر افتقاد
پوچھتا پوچھتا جارہا تھا اس تحقیق مین

این رئیسے رفت باشد کو بمرد
یہ کوئی بڑا رئیس ہوگا جو مرگیا

نامِ او و القابِ او شرحم دہید
اُسکا نام اور لقب میرے سامنے بیان کرو

چیست نام و پیشۂ و اوصافِ او
اُسکا نام اور شغلہ اور اوصاف کیا ہین

مرثیہ سازم کہ مردِ شاعرم
مین مرثیہ بناؤنگا کیونکہ مین شاعر ہون

آن یکے گفتش کہ تو دیوانۂ
ایک شخص نے اُس سے کہا کہ ہائین کیا تو دیوانہ ہے

روزِ عاشورا نمیدانی کہ ہست
عاشوراء کے دن مجکو معلوم نہین کہ ایک

پیشِ مومن کے بود این قصۂ خوار
مومن کے نزدیک یہ قصہ کب بے وقعت ہے

قصد جُست و جوے آن ہیہاے کرد
قصد تجسس اُس ہاے ہاے کا کیا

چیست این غم بر کہ این ماتم فتاد
کہ کیا ہے یہ غم۔ کس پر یہ ماتم پڑا ہے

این چنین مجمع نباشد کارِ خُرد
یہ ایسا مجمع چھوٹی بات نہ ہوگی

کہ غریبم من شما اہلِ دہید
کیونکہ مین مسافر ہون۔ تم بستی کے رہنے والے ہو

تا بگویم مرثیہ ز الطافِ او
تاکہ مین اُسکے الطاف کا مرثیہ کہون

تا ازینجا برگ و لالنگے برم
تاکہ یہان سے کچھ سامان اور روٹی کا ٹکڑا لیجاؤن

تو نۂ شیعہ عدوِ خانۂ
تو شیعی نہین ہے بلکہ خاندان کا دشمن ہے

ماتمِ جانے کہ از قرنے بہ است
ایسی روح کا ماتم ہے جو ایک پورے قرن سے افضل ہے

قدرِ عشقِ گوش عشقِ گوشوار
بقدر عشق گوش کے عشق ہوتا ہے گوشوارہ کا

پیشِ مؤمن ماتمِ آن پاکِ روح	شہرہ تر باشد ز صد طوفانِ نوح
مؤمن کے نزدیک اُس پاک روح کا ماتم	زیادہ مشہور ہوگا صدہا طوفانِ نوح سے بھی

نکتہ گفتنِ شاعر جہت شیعۂ حلب

گفت آرے لیک کو دورِ یزید	کے بُدست آن غم چہ دیر اینجا رسید
اُسنے کہا کہ واقعی۔لیکن کہاں دورہ یزید کا	وہ غم کب ہوا ہے۔یہاں کس قدر دیر میں پہونچا
چشمِ کوران آن خسارت را بدید	گوشِ کرّان این حکایتہا شنید
اندھون کی آنکھون نے اُس ریا نگاری کو دیکھا	بہرون کے کانون نے ان حکایتون کو سنا
خفتہ بودستید تا اکنون شما	تا کنون جامہ دریدید از عزا
کیا تم لوگ اب تک سو رہے تھے	کہ اب تم نے ماتم مین کپڑے چاک کیے
پس عزا بر خود کنید اے خفتگان	زانکہ بد مرگیست این خوابِ گران
پس تم اپنے اوپر ماتم کرو اے غافلو	کیونکہ یہ خوابِ گران بدترین موت ہے

(ربط اوپر گذر چکا ہے ترجمہ یہ ہے کہ) عاشورا کے دن تمام اہل حلب باب انطاکیہ مین (کہ شہر حلب کا ایک دروازہ ہے) رات تک (ایسا کرتے ہین کہ) جمع ہوتے ہین (تمام) مرد اور عورت ایک عظیم مجمع (کرکے اور) اُس خاندان (نبوت) کا ماتم برپا کرتے ہین (اور) شیعہ لوگ نالہ و نوحہ کرتے ہین گریہ مین عاشورا کے دن کربلا کے (واقعات کے لیے (اور) شمار کرتے ہین وہ سب ظلم اور محنتین جو کہ یزید اور شمر سے اُس خاندان (نبوت) نے دیکھی ہین (اور) شور و غل سے (اس) سرگذشت (کربلا) کے متعلق پُر ہوجاتا ہے تمام صحرا اور دشت (غرض یہ رسم ہے اسی رسم کے موافق ایک بار یہ ہنگامہ برپا تھا کہ اتفاق سے ایسے مین) ایک مسافر شاعر راستہ سے عاشورا کے روز (شہر مین) پہونچا اور وہ شور سُنا (پس) شہر کو چھوڑا اور اُسطرف (جدھر شور تھا جانے کی) رائے (قائم) کی (اور) قصد تجسس (سبب) اُس ہائے ہائے کا کیا (اور) پوچھتا پوچھتا جا رہا تھا اس تحقیق مین (یعنی لوگون سے تحقیق کرتا تھا) کہ کیا ہے یہ غم (اور) کس پر یہ ماتم پڑا ہے (غالبًا) یہ کوئی بڑا رئیس ہوگا جو مر گیا (کیونکہ) ایسا (بڑا) مجمع (کوئی) چھوٹی بات نہین (تو اس کا

سبب بھی کوئی بڑی بھاری بات ہوگی اور لوگوں سے یہ بھی کہا کہ) اُس (رئیس) کا نام اور لقب میرے سامنے بیان کرو کیونکہ مین مسافر (ناواقف) ہون اور تم بستی کے رہنے والے (واقف) ہو (اسلیے تمکو معلوم ہوگا تو مجھکو بھی بتلا دو کہ) اُسکا نام اور مشغلہ اور اوصاف کیا ہین تاکہ مین اُسکے الطاف (واخلاق) کا مرثیہ کہون (غرض) مین مرثیہ بناؤنگا کیونکہ مین شاعر شخص ہون تاکہ یہان سے (یعنی ورثہ میت سے) کچھ روٹی کا ٹکڑا (یعنی انعام وجہ معاش) لیجاؤن (جواب مین) ایک شخص نے اُسکو کہا کہ ہائین تو دیوانہ ہے (کہ تو پوچھتا ہے کون مرگیا معلوم ہوتا ہے کہ) تو شیعی نہین ہے بلکہ خاندان (نبوت) کا دشمن ہے (اسلیے اُس خاندان سے تجھکو کچھ تعلق نہین کیونکہ اگر تعلق ہوتا تو تو بھی آج غمزدہ ہوتا اور پوچھتا نہین) عاشورا کے دن تجھکو معلوم نہین کہ ایک ایسی (پاک) روح کا ماتم (ہوا کرتا) ہے جو کہ ایک پورے قرن سے افضل ہے (اور) مومن کے نزدیک یہ قصہ کب بے وقعت (ہوسکتا) ہے (قاعدہ ہے) بقدر عشق گوش کے عشق ہوتا ہے گوشوارہ کا (یعنی کسی محبوب کے کان سے جتنی محبت ہوگی چونکہ گوشوارہ کو اُس کان سے تعلق ہے اُتنی ہی اُس گوشوارہ سے ہوگی اسیطرح حسبقدر نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے محبت ہوگی اُتنی ہی آپ کے خاندان سے کہ آپکے ساتھ تعلق رکھتا ہے محبت ہوگی پس) مومن کے نزدیک اُس پاک روح کا ماتم زیادہ مشہور ہوگا صدہا طوفان نوح سے بھی (یعنی وہ ایک ہی طوفان کتنا مشہور ہے کہ سب جانتے ہین اور اگر کوئی طوفان اُس سے سو حصے زیادہ ہوتا تو وہ بہت ہی زیادہ مشہور ہوتا تو اس مضاعف طوفان سے بھی زیادہ یہ قصہ کربلا کا مشہور رہے اور افسوس تجھکو خبر نہین کہ پوچھتا ہے) اُس (شاعر) نے کہا کہ واقعی (یہ قصہ ایسا ہی عظیم الشان ہے) لیکن کہان دورہ یزید کا (اور کہان یہ زمانہ یہ بھی معلوم ہے کہ) یہ غم کب ہوا ہے (اور) یہان کسقدر دیر مین پہونچا (وہ تو اسقدر مشہور رہے کہ) اندھون کی آنکھون نے (ظالمون کی) اُس (دینی) زیانکاری کو دیکھا (اور) بہرون کے کان نے اُس حکایت کو سُنا (یعنی اندھون بہرون تک کو معلوم ہے تو کیا) تم اب تک سو رہے تھے کہ اب (تمکو خبر ملی اور خبر ملنے کے بعد) تمنے ماتم مین کپڑے چاک کیے پس (اس غفلت وخواب گران کا تو مقتضا یہ ہے کہ) تم اپنے اوپر ماتم کرو اے غافلو کیونکہ یہ خواب گران بدترین موت ہے (اور بدترین موت واقع مین مصیبت ہے جو قابل ماتم ہے بخلاف اُن حضرات کی موت کے کہ وہ ظاہرا موت ہے ورنہ خوشترین حیات ہے پھر اُسپر ماتم کیسا چنانچہ آگے مولانا کی زبان سے یہی مضمون ہے اُس موت کی خوشترین حیات ہونے کا۔ مطابقت حیات کی ماقبل کے ساتھ نکتہ شاعر سے ظاہر ہے کہ غافل کی حالت اہل طلب کی سی ہے کہ اپنی حالت بد کی اتنے دنون بعد خبر ہوئی جبکہ عمر گذر گئی اس خوابِ گران کی کوئی انتہا بھی ہے اور جسطرح ماتم اہل طلب کا اب کوئی موقع نہین اسیطرح غافل کے تاسف کا اب یعنی موت کے وقت کوئی موقع نہین)

روح سلطانے ز زندانے بجست	**جامہ چہ درّیم وچہ خائیم دست**
ایک بادشاہ کی روح ایک زندان سے چھوٹی	ہم کپڑا پھاڑین اور ہاتھ کیا چبائین

چونکہ ایشان خسروِ دین بودہ اند

چونکہ وہ حضرات خسروانِ دین ہوئے ہین۔ تو وہ

وقتِ شادی شد چو بشکستند بند

خوشی کا وقت ہوا جب اُنھون نے قید توڑ ڈالی

سُوے شادُروانِ دولت تاختند

وہ طرف شامیانۂ دولت کے دوڑ گئے

کُندہ و زنجیر را انداختند

اُنھون نے بیڑی اور زنجیر کو پھینک دیا

روزِ مُلک است و گہِ شاہنشہی

سلطنت کا دن اور شاہنشہی کا وقت ہے

گر تو یک ذرّہ از ایشان آگہی

اگر تو ذرّہ برابر بھی اِن سے آگاہ ہو

ور نۂ آگہ برو بر خود گری

اور اگر تو آگاہ نہین ہے۔ جا اپنے اوپر گریہ کر

زانکہ در انکارِ نقل و محشری

کیونکہ تو انتقال اور محشر کا منکر ہے

بر دل و دینِ خرابت نوحہ کن

اپنے قلب اور دینِ فاسد پر نوحہ کر

کہ نمی بیند جز این خاکِ کہن

کہ وہ بجز اس خاکِ کہن کے اور کچھ نہین دیکھتا

ور ہمی بیند چرا نبود دلیر

اور اگر یہ شخص دیکھتا ہے تو دلیر اور

پشت دار و جان سپار و چشم سیر

مستعد اور جان سپارا اور چشم سیر کیون نہین ہوتا

در رُخت کو از مےِ دین فرّخی

تیرے رُخ مین جوشِ دین سے فرخی کہان ہے

گر بدیدے بحر کو کفِ سخی

اگر دیکھتا سمندر کو دستِ سخی کہان ہے

آنکہ جُو دید آب را نکند دریغ

جس شخص نے ندی دیکھ لی وہ پانی کا بخل نہین کرتا

خاصہ آن کو دید آن دریا و میغ

خاصکر جسنے وہ بحر اور ابر دیکھ لیا ہو

تمثیلِ حریصِ دنیا بموری کہ بدانۂ گندم میکوشد و بجوشد و میلرزد

مور بر دانہ ازان لرزان غنود
چیونٹی دانہ پر اسلیے لرزان ہوتی ہے

کوز خرمنہاے خوش اَعمیٰ بوَد
کہ وہ عمدہ خرمنون سے کور ہوتی ہے

میکشد آن دانہ را با حرص و بیم
اُس دانہ کو حرص اور خوف سے گھسیٹتی ہے

کو نمی بیند چنان جاشِ عظیم
کہ وہ اُس خرمنِ عظیم کو نہیں دیکھتی

صاحبِ خرمن ہمیگوید کہ ہی
صاحبِ خرمن کہتا ہے کہ سن۔ اے ایسی چیونٹی

اے ز کوری پیشِ تو معدوم شے
کہ کوری کے سبب تیرے نزدیک معدوم بھی شئے ہے

تو ز خرمنہاے ما آن دیدۂ
تونے ہمارے خرمنون سے یہی دانہ دیکھا ہے

کہ دران دانہ بجان پیچیدۂ
کہ اُس دانہ مین تمام جان سے لپٹ رہی ہے

(اوپر اہل حجاب کے حیات غفلت و معصیت کا بدترین موت ہونا مذکور تھا یہان اُسکے مقابلہ مین مولانا اہل قرب کی موت ذکر و طاعت کا خوشترین حیات ہونا اور اس حیوٰۃ طیبہ کے محل یعنی عالمِ باقی کی ترجیح اس عالم فانی پر بیان فرماتے ہین یعنی تم جو اپنی بدحالی پر ماتم چھوڑ کر ان حضرات شہدا پر ماتم کر رہے ہو تو حماقت محضہ ہے کیونکہ حقیقت اُنکی موت کی یہ ہے کہ) ایک بادشاہ کی روح ایک زندان سے (یعنی دنیا سے کہ سجن مومن ہے) چھوٹی (تو پھر) ہم کیڑا کیا پھاڑین اور ہاتھ کیا چبائین (بلکہ) چونکہ وہ حضرات خسروان دین ہوئے ہین تو وہ (اُنکے انتقال کا وقت تو) خوشی کا وقت ہوا جب اُنھون نے (تعلقات دنیویہ کی) قید توڑ ڈالی (اور) وہ بجانب شامیانۂ دولت کے دوڑ گئے (اور) اُنھون نے بیڑی اور زنجیر کو پھینک دیا (تو اُنکے لیے تو وہ وقت) سلطنت کا دن اور شاہنشہی کا وقت ہے اگر تو ذرہ برابر بھی اُن (کے حال) سے آگاہ ہو (تو تجھکو بھی معلوم ہو جاوے کہ واقعی وہ حالت سلطنت سے افضل ہے پس اس شرط کی جزا مقدر ہے وقد ورد کثیرًا فی القرآن کما قال تعالیٰ ولعذاب الاٰخرۃ اکبر لو کانوا یعلمون وقال ان اجل اللہ اذا جاء لا یؤخر لو کنتم تعلمون) اور اگر تو (اُنکے اس حال سے) آگاہ نہین ہے (اور اس لیے اُنکے واقعات پر روتا ہے) تو جا اور (بجائے اُنپر رونیکے) اپنے (اس حال) پر (کہ تو اُنکے حال سے آگاہ نہین) گریہ کر کیونکہ (اس ناآگاہی کا حاصل یہ ہے کہ) تو انتقال (الی الآخرۃ) اور محشر (حیات آخرت) کا منکر ہے (اور اسکا انکار کفر ہے اور کفر سب سے زیادہ رونیکے قابل حالت ہے جسکا ذکر شعر آیندہ مین ہے

۵ مراد سلطنت عظیمہ نہ بمعنی سلطان جمیع السلاطین پس مخالفت حدیث لازم نیاید ۱۲ م

پر دل و دین خرابت الخ اور اس نا آگاہی کا یہ حاصل ہونا ظاہر ہے کیونکہ اگر عالم جاودانی کی طرف ارواح کے نقل کا کوئی قائل ہو تو اُنکی روحون کا بھی اُس عالم مین جانا جائیگا اور چونکہ اُنکے احوال سے اور نیز اُنکے متعلق بعض نصوص سے وہان جانیکے بعد بجز تنعم کے دوسرا احتمال نہین اسلیے اس نقل کو اُنکی شادی کا سامان سمجھے گا پھر عقلاً کیون مغموم ہوگا جو منشا ہے ماتم کا اور حزن طبعی اسکے منافی نہین کیونکہ اُسکا منشا محض مفارقت ہے حتی کہ آدمی اپنی بیٹی کو رخصت کرتے وقت باوجود عقلی خوشی کے طبعًا اسی بنا پر روتا ہے۔ وقد صرح بہذا فی قولہ علیہ السلام انا بفراقک یا ابراہیم لمحزونون آگے اس انکار نقل و محشر کے موجب گریہ ہونیکا مضمون ہے کہ اس صورت مین) اپنے قلب اور دین فاسد پر نوحہ کر وہ (قلب) بجز اس خاک کہن (دنیا) کے اور کچھ (یعنی عالم جاودانی کو) نہین دیکھتا (یعنی اعتقاد نہین رکھتا کہ رویت قلبیہ یہی ہے اور یہ اعتقاد فاسد ہے تو دین فاسد ہوا اور جس قلب مین اعتقاد فاسد ہو اُسکا فاسد ہونا بھی یقینی ہے اور اس نمی بیند کا حاصل وہی انکار نقل محشر ہے جسکا اوپر ذکر تھا اس سے ثابت ہوگیا کہ اعتقاد آخرت مانع گریہ عقلی ہے اور گریہ عقلی دلیل انکار آخرت ہے پس گریہ عقلی اور اعتقاد آخرت جمع نہین ہوسکتے) اور (اگر کوئی دعوی کرے کہ یہ گریہ عقلی نہین بلکہ طبعی ہے اُن کے مصائب کے یاد آنیسے اور وہ جمع ہوسکتا ہے اعتقاد آخرت اور اُنکے مشرف بنعمت سمجھنے کے ساتھ تو ہم یہ کہین گے کہ اچھا اس صورت مین دو امر مجتمع ہین ایک یاد مصائب اور دوسرا اعتقاد آخرت و اطلاع تنعم شہدا اور امر اول کا اثر ہے گریۂ طبعی اور امر ثانی کا اثر ہے جوش تحصیل اسباب تنعم مذکور سو اگر اس شخص کو مصائب یاد آئے اور یہ رو پڑا اور امر اول کا اثر ظاہر ہوا اسی طرح سے) اگر یہ شخص (بوجہ اعتقاد آخرت و نصوص مشیرہ بدرجات شہدا اُنکے احوال کو) دیکھتا ہے (اور یہ امر ثانی ہے جسکا اثر تھا جوش تحصیل اسباب تنعم مذکور) تو (یہ شخص اُس تنعم کے عالم مین جانے پر) دلیر (اور پُرجوش) کیون نہین ہوتا (جو اثر تھا اس امر ثانی کا اور یہ شخص اس اعتقاد کے سبب اپنے دین مین) مستعد اور جان سپار (اور دنیا سے) چشم سیر (کیون نہین ہوتا) خلاصہ یہ کہ جسطرح امر اول کا اثر ظاہر ہوا اُسی طرح امر ثانی کا بھی تو کوئی اثر ہوتا جب نہین ہے تو معلوم ہوا امر ثانی نہین ہے پس دعوی اُس گریہ کے طبعی ہونیکا غلط ٹھیرا آگے پھر وہی سوال ہے بعنوان دیگر کہ) تیرے رخ مین جوش دین سے فراخی (اور خرمی) کہان ہے (یعنی یہ اثر کیون نہین آگے اسکی مثال ہے کہ ہر رویت کا ایک اثر ہوتا ہے جب وہ اثر نہو تو وہ رویت بھی نہین ہے چنانچہ) اگر یہ شخص بحر (اعظم) کو دیکھتا تو (بتلادے کہ) دست سخی کہان ہے (یعنی جو شخص سمندر کو دیکھ لے اور یہ بھی یقین کرلے کہ مین جتنا چاہون پانی اسمین سے لے سکتا ہون تو ممکن نہین کہ اُسکا ہاتھ پانی بخشنے کے لیے سخی نہ ہو جاوے پس اگر یہ اثر نہ ہو تو اس سے استدلال کیا جاویگا کہ اسنے سمندر نہین دیکھا اسیطرح یہان سمجھنا چاہیے کہ اگر نعماء آخرت کی اسکو اطلاع ہے اور یہ بھی معلوم ہے کہ اُس کی تحصیل پر قدرت بھی ہے تو پھر اسکی علامت کیون نہین پائی جاتی اور جب نہین پائی جاتی تو معلوم ہوا کہ ملزوم یعنی اطلاع نعم بھی منتفی ہے آگے اس مثال کی تقویت کرتے ہین کہ سمندر تو بڑی چیز ہے) جس شخص نے

(معمولی) ندی (بھی) دیکھ لی وہ پانی کا بخل نہین کرتا (تو سمندر تو اُس سے بہت زیادہ ہے پھر جب ندی اور سمندر کے دیکھنے مین یہ اثر ہے کہ وہ سیر چشم ہوجاتا ہے تو) خاصکر جس نے وہ بحر (عطاے رحمانی) اور ابر (رحمت یزدانی) دیکھ لیا ہو (تو وہ سیر چشم کیون نہ ہو جاویگا اور اس دنیاے دنی کی حرص کو کیون نہ چھوڑ دیگا آگے ایک اور مثال سے اسی کا بیان ہے کہ عالمِ جاودانی کا استحضار موجب ہے سیر چشمی کا دنیا سے پس فرماتے ہین کہ) چیونٹی دانہ (کے فوت ہوجانے) پر اسلیے لرزان (اور خائف) ہوتی ہے کہ عمدہ خرمنون سے کور ہوتی ہے (اسلیے اُس دانہ کو حرص اور خوف سے گھسیٹتی ہے کہ وہ اُس خرمن عظیم کو نہین دیکھتی (پس وہ اُسی ایک دانہ کو بڑی کائنات سمجھتی ہے اور ڈرتی ہے کہ کوئی چھین نہ لے اسی حالت کو دیکھکر بزبانِ حال صاحبِ خرمن کہتا ہے کہ ہین (ہین للتنبیہ کما فی الغیاث) اے (چیونٹی) بسبب کوری کے تیرے نزدیک معدوم بھی شئے ہوئی (یعنی تو دانہ کالمعدوم کو شئے عظیم سمجھتی ہے تونے ہمارے خرمنون مین سے یہی دانہ دیکھا ہے کہ اُس دانہ مین تمام جان سے لپٹ رہی ہے (اگر پورا خرمن دیکھ لے یہ حرص جاتی رہے یہی حال دنیا دار کا ہے کہ دنیا کے متاعِ حقیر کو بوجہ کوری نعم آخرت کے عظیم سمجھتا ہے اور جس نے اُسکو دیکھ لیا اس سے جی بھر گیا آگے بطور تفریع کے ارشاد فرماتے ہین حق تعالیٰ حی باقی کے ساتھ تعلق و نسبت بڑھانے کے لیے جو سب ماسوی سے مستغنی کر دے تو کلام سابق پر تفریع مع الترقی ہے کیونکہ اوپر نعماے آخرت کی طرف متوجہ کیا تھا اور اب منعم کی طرف یہ تو ترقی ہے اور تفریع مشترک ظاہر ہے کہ جب یہ خاکدان اور زندان قابل دلچسپی نہین اور اس کیسے وہی دلچسپی رکھیگا جو محروم عن المقصود الاصلی ہو تو اسکو چھوڑ کر مقصود حقیقی کو لو کہ وہ نعمت آخرت او منعم ہے اور اصل منعم ہی ہے مگر نعمت بھی اس حیثیت سے کہ منعم کی طرف وصلہ ہے نعم فانیہ سے اصل ہے ع عاشقان جنت براے دوست میدارند دوست الخ کے یہی معنی ہین اور اسی تعلق مع الحق کا مضمون دور تک چلاگیا ہے خوب یاد رکھنا کہ اتباع اشعار مین معین ہوگا)

ترغیب تعلق مع اللہ تعالیٰ

اے بصورت ذرہ کیوان را ببین
اے جو کہ صورت مین ذرہ ہے تو کیوان کو دیکھ

مور لنگی رو سلیمان را ببین
تو مور لنگ ہے چل سلیمان کو دیکھ

تو نۂ این جسم بل آن دیدۂ
تو یہ جسم نہین بلکہ تو وہ دیدہ ہے

وارہی از جسم گر جان دیدۂ
تو جسم سے چھوٹ جاوے اگر تونے روح کو دیکھ لیا

مطبوعہ شاہی ... ۱۳۲۰ھ

آدمی دیدست و باقی لحم و پوست

آدمی محض دید ہے اور باقی لحم و پوست ہے

هر چه چشمش دیده است آن چیز اوست

وہ چیز کہ اُسکی چشم نے اُس چیز کو دیکھا ہے- چیز تو وہی ہے

کوه را غرقه کند یک خُم ز نم

پہاڑ کو غرق کر دیتا ہے ایک مٹکہ نم سے

چشم خُم چون باز باشد سوی یم

جبکہ مٹکے کی آنکھ کشادہ ہوتی ہے طرف دریا کے

چون بدریا راه شد از جانِ خُم

جب دریا کی طرف راہ ہوجاوے مٹکہ کی ذات سے

خُم با جیحون بر آرد اُشتلم

تو مٹکہ جیحون کے ساتھ زور ظاہر کرنے لگتا ہے

زان سبب قُل گفتهٔ دریا بود

اسی سبب سے قُل- مقولہ دریا کا ہوگا

گرچه نطقِ احمدِ گویا بود

اگرچہ نطق- احمدِ ناطق کا ہوگا

گفتهٔ او جمله دُرِّ بحر بود

آپ کا فرمایا ہوا تمام تر موتی دریا کے تھے

که دلش را بود در دریا نفوذ

کیونکہ آپ کے قلب کا اُس دریا میں انتہا تھا

داد دریا چون ز خُمّ ما بود

جب دریا کی عطا ہمارے مٹکہ سے ہوتی ہے

چه عجب گر ماهیِ دریا بود

تو کیا تعجب ہے اگر کوئی ماہی دریا ہوجاوے

چشمِ حس افسرده بر نقشِ ممر

چشم ظاہری جمود کیے ہوئے ہے گذرگاہ کے نقش پر

تُش ممرّے بینی و او مستقر

تو اُسکو گذرگاہ دیکھ رہا ہے اور وہ مستقر ہے

این دُوئی اوصافِ دیده احول است

یہ تغایر اوصاف دیدۂ احول ہے

ورنه اوّل آخر آخر اول است

ورنہ اول تو آخر ہے- آخر اول ہے

هین گذر از نقش خُم در نگر

ہان صورتِ خُم سے درگذر- خُم میں نظر کر

کاندرو بحرست بی پایان و سر

کہ اُسکے اندر سمندر رہے جسکا نہ ختم ہے نہ شروع

پاک از آغاز و آخر آن عذاب

وہ آب خوش شیرین مبرّا ہے آغاز سے اور اختتام سے

ماندہ محرومان ز قہرش در عذاب

جو لوگ محروم ہین وہ اُسکے قہر سے عذاب مین رہ گئے

اینچنین خُم را تو دریا دان یقین

تو ایسے خُم کو دریا جان بالیقین

زندہ از وے آسمان و ہم زمین

زندہ ہین اُس سے آسمان اور نیز زمین

بلکہ وحدت گشت او را در وصال

بلکہ وحدت حاصل ہو گئی اُسکو وصال مین

شد خطابِ او خطابِ ذو الجلال

اُس شخص کا کلام - کلام ذو الجلال ہوجاتا ہے

بعد ازان گوید حقم منصور وار

بعد ازان وہ انا الحق کہنے لگے گا منصور کیطرح

تا شود بر دارِ شہرت اُو سوار

تاکہ دارِ شہرت پہ سوار ہوجاوے

تا چنین سر در جہان ظاہر شود

تاکہ ایسا راز عالم مین ظاہر ہوجاوے

مُقبِل اندر جستجو ماہر شود

صاحبِ اقبال طلب مین کامل ہوجاوے

تا فزاید در جہاد و کوشش او

تاکہ مجاہدہ اور سعی مین وہ ترقی کرے

تا میسر گردد ش دیدارِ ہو

تاکہ اُسکو مشاہدۂ حق میسر ہو

اہلِ دل ہمچون کہ جو در وے روان

اہلِ دل ایسے ہین جیسے اُنمین ایک نہر روان ہو

بے دُوئی یک گشتہ با دریائے جان

بغیر تفرقہ کے دریائے جان کے ساتھ ایک ہو گئے ہون

طریق تعلق مع اللہ تعالیٰ

ہیٔ ز چہ معلوم گردد این ز بعث

ہان سُن کس طریق سے معلوم ہو سکتا ہے یہ - بعث سے

بعث را جو کم کن اندر بعث بعث

بعث کو طلب کر - بعث مین بحث مت کر

شرطِ روزِ بعث اوّل مُردن ست — زانکه بعث از مُردہ زندہ کردن ست

شرطِ یوم بعث کی اول مرنا ہے — کیونکہ بعث کی حقیقت ہے مُردہ سے زندہ کرنا

جملہ عالم زین غلط کردند راہ — کز عدم ترسند و آن آمد پناہ

جملہ عالم نے اس سبب سے راہ کو غلط کر رکھا ہے — کہ وہ فنا سے ڈرتے ہین حالانکہ وہی پناہ ہے

از کجا جوئیم علم - از ترکِ علم — از کجا جوئیم سِلم - از ترکِ سِلم

ہم علم کہان سے طلب کرین - ترکِ علم سے — ہم صلح کہان سے طلب کرین - ترکِ صلح سے

از کُجا جوئیم حال - از ترکِ حال — از کجا جوئیم قال - از ترکِ قال

ہم حال کہان سے طلب کرین - ترکِ حال سے — ہم قال کہان سے طلب کرین - ترکِ قال سے

از کُجا جوئیم ہست - از ترکِ ہست — از کُجا جوئیم دست - از ترکِ دست

ہم وجود کہان سے طلب کرین - ترکِ وجود سے — ہم قُدرت کہان سے طلب کرین - ترکِ قدرت سے

ز د جہ ربط اوپر مذکور ہوئی کہ دنیاے دنیہ سے قطع تعلق کی تعلیم کے بعد تعلق مع اللہ کے تحصیل کی ترغیب ہے کہ اے (مخاطب) جوکہ صورت (ظاہری) مین ذرہ (اور حقیر) ہے تو کیون (یعنی اپنی حقیقت عالیہ) کو دیکھ (جسکا ذکر اشعار آیندہ مین ہے تو نہٗ این جسم حل آن دیدۂ الخ مطلب یہ کہ اپنی روح کو دیکھ کہ معرفت حق کے لیے پیدا ہوئی ہے اور مقصود اس سبین سے یہی ہے بھی کہ اس حیثیت سے دیکھ کہ وہ مخلوق للمعرفۃ ہے کما قال تعالیٰ وما خلقت الجنّ و الانس الا لیعبدون و ظاہر ان اصل العبادات ہی المعرفۃ ٗ تاکہ اس دیکھنے سے تحصیل معرفت کا قصد کیا جاوے کہ مقصود بالذات یہان اُسی کی طرف متوجہ کرنا ہے جیسا مصرعۂ ثانیہ مین ہے کہ) تو (اگرچہ بوجہ ضعف و عجز کے کہ لوازم امکان سے ہے بمنزلۂ) مور لنگ (کے) ہے (مگر اپنی حالت موجودہ جہل سے آگے) چل (اور اُس روح موضوع للمعرفۃ سے) سلیمان (یعنی شاہنشاہ عالی جاہ حق سبحانہٗ و تعالیٰ) کو دیکھ (پس مقصود بالذات امر معرفۃ الحق ہے اور امر معرفۃ الروح مقصود بالعرض ہے فان من عرف نفسہ فقد عرف ربہ اور کیوان زحل ستارہ کو کہتے ہین چونکہ اہل ہیئت کے نزدیک اُسکا مقام فلک سابع ہے اسلیے یہ کنایہ ہے مقام عالی سے جس سے مراد حقیقت عالیہ یعنی روح ہے۔ آگے اس حقیقت عالیہ کی تصریحًا تعیین ہے کہ وہ روح ہے من حیث مشاہدتہ و معرفتہ للحق چنانچہ.

فرماتے ہین کہ) تو (باعتبار حقیقت کے) یہ جسم نہین (یعنی تیری حقیقت یہ جسمِ عنصری نہین) بلکہ تو (باعتبارِ حقیقت کے) دیدۂ (حق بین) ہے (مراد روح کہ مشاہدہ و معرفت کے اعتبار سے اسکو بجاے صاحبِ دیدہ کے مبالغۃً دیدہ کہدیا اور یہ ظاہر اور مسلّم ہے کہ اعظم مصداق حقیقت انسانیہ کا اسکی روح ہے گو جسم بھی اُسکا جزء ہے کیونکہ مفہوم جسم جزو ہے مفہوم حیوان کا وقد دل علیہ ظاہر قولہ تعالیٰ ولقد خلقنا الانسان من سلالۃ من طین الآیۃ تو روح مصداق کُل حقیقت انسانیہ تو نہین مگر اعظم مصداق ضرور ہے جسکو مبالغۃً کُلِ حقیقت کہدیا جاتا ہے غرض حقیقت تیری روح ہے جسکو دیدہ سے تعبیر کیا آگے صریح تعبیر ہے کہ) تو جسم (کے احکام و آثار پر نظر کرنے) سے چھوٹ جاوے اگر تو نے (کبھی) روح کو (یعنی اُسکے احکام و آثار کو کہ اُنہین سے معرفت حق تعالیٰ ہے) دیکھ لیا (کیونکہ یہ دیکھ لینا یہی ہے کہ معرفت حاصل ہوجاوے کیونکہ معرفت اس صورت مین نفس کی صفت ہوگی اور نفس کو ان ذات و صفات کا علم حضوری ہوتا ہے جسکو اس مصرعہ مین دیدن سے تعبیر کیا پس یہ دیکھنا موقوف ہے معرفت حاصل ہونے پر اور ظاہر ہے کہ معرفت کے سامنے تمام افعال و خواص جسمانیہ ہیچ در ہیچ معلوم ہونگے اور اُنپر نظر نہ رہے گی اسی کو وار ہی کہا ہے غرض حقیقت) آدمی (کی) محض (آلۂ) دید (و معرفت یعنی روح) ہے اور باقی (تو) لحم و پوست ہے (کیونکہ جسم کی یہی حقیقت ہے اور ظاہر ہے کہ لحم و پوست جو حیوانات خبیثہ تک مین مشترک ہے تو وہ انسان کا جو کہ اشرف المخلوقات ہے جزو اشرف نہین ہوسکتا ورنہ تمام حیوانات اس اشرفیت مین اُسکے مشارک ہون گے و ہو منتفٍ یہان تک روح کا کہ آلۂ معرفت ہے شرف مذکور تھا آگے وجہ شرف بتلاتے ہین کہ عالم کا شرف علم کے شرف سے ہے اور علم کا شرف معلوم کے شرف سے اور اس علم روح کا معلوم حضرت حق ہے تو یہ علم اشرف ہوا تو اس علم کا عالم یعنی روح بھی اشرف ہوا یہی مطلب ہے اس مصرعہ کا کہ) وہ چیز کہ اُس (آدمی) کی چشم (روح) نے دیکھا ہے اُس چیز کو (اور وہ حضرت حق ہے) چیزِ (یعنی اصل موجود) تو وہی ہے (تو سب موجودات مین اشرف ہوا تو اُسکی معرفت علم اشرف ہوا اور اُس علم کا عالم اشرف ہوا اور چیز ترجمہ ہے شئے کا اور شئے کا اطلاق حق تعالیٰ پر قرآن مین آیا ہے قل ای شئ اکبر شہادۃ قل اللہ اور اوپر معلوم ہوچکا ہے کہ مقصود معرفت روح کی ترغیب سے اسی معرفت حق کی ترغیب ہے پس یہ مصرعہ جسطرح علت ہے شرف روح کی اُسی طرح تعیین ہے مقصود کلام کی جیسا تقریر ربط مذکور بالا مین معلوم ہوا اور آگے بس دور تک اسی معرفت و تعلق مع اللہ کا مضمون چلا گیا ہے اور ترکیب اس مصرعہ کی ترجمہ سے ظاہر کردی گئی ہے یعنی ہرچہ تو مبتدا ہے اور چشمش دیدہ است صلہ اور آن بحذف را مفعول دیدہ است کا اور چیز او ست جملہ ہوکر خبر مبتدا کی خوب سمجھ لو آگے اسی مقصود بالذات یعنی تعلق مع اللہ کی ترغیب اور اُسکے خواص مذکور ہین یعنی یہ تعلق وہ چیز ہے کہ اُسکے خواص اس مثال سے سمجھو کہ) پہاڑ کو غرق کردیتا ہے ایک مشکہ (اپنے) نم سے جبکہ مشکے کی آنکھ کشادہ ہوتی ہے طرف دریا کے (یعنی اگر مشکہ کا تعلق دریا سے ہوجاوے اسطرح سے کہ دریا سے مشکہ مین برابر پانی آتا رہے تو وہ مشکہ اپنے غیر منقطع پانی سے

کہ واقع مین وہ سمندر کا پانی ہے اور مشکہ محض سبیل ہے پہاڑ کو غرق کر سکتا ہے دوسری مثال سمجھو کہ) جب دریا کی طرف ایک راہ ہو جاوے مشکہ کی ذات سے (اسکا بھی مطلب اتصال اور تعلق یا لبحر ہے) تو مشکہ جیحون کے ساتھ (کہ نہر عظیم ہے) اور ظاہر کرنے لگتا ہے (اشتلم غلبہ و تندی و زور کذا فی الغیاث یعنی جیحون پر غالب آنا چاہتا ہے کیونکہ اسکا سلسلہ تو سمندر سے متصل ہے جیحون کا پانی ختم ہو سکتا ہے اور اسکا ختم نہین ہو سکتا اور ایسا ہی مضمون شروع دفتر ہذا کے چوبیسوین شعر مین آیا ہے خم کہ از دریا در وراہے شود الخ پس ان ہی دونون مثالون کی طرح جب حق تعالیٰ کے ساتھ کسی ناقص کا تعلق علمی و حالی ہو جاتا ہے علمی یہ کہ اُسکی معرفت ہو جاوے اور حالی یہ کہ اُسکے افعال افعال حق مین اور اُسکی صفات صفات حق مین فنا ہو جائین تو وہ ناقص کامل اور دوسرے مدعیان کمال پر غالب ہو جاتا ہے اور اُسکے افعال کو افعال حق کہنا صحیح ہوگا آگے اسپر تفریع ہے کہ) اسی سبب سے (مقولہ) قل (کا بحذف المضاف) مقولہ دریا کا ہوگا (حق کو تشبیہ دی ہے بحر سے) اگرچہ (ظاہر مین) نطق احمد ناطق کا ہوگا (مطلب یہ کہ قرآن مجید مین جو متعدد مقامات پر حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو ارشاد ہوا ہے قل تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اُسکے موافق اُس مقولہ کو پہونچا دینگے تو تبلیغ کیوقت اُس جملہ کے ساتھ آپ نطق فرماتے ہین تو وہ آپ کا بولا ہوا کلام ہوا اگرچہ منقول عنہ الحق ہوا مگر صدور تو آپ سے ہوا اور مصرعۂ ثانیہ سے یہی مراد ہے لیکن عین اُس نطق کی حالت مین بھی اس اعتبار سے کہ آپ افعال فانی فی افعال الحق ہین یون کہین گے کہ گویا حق تعالیٰ نطق فرما رہے ہین کما قال اللہ تعالیٰ لقراءۃ جبرئیل فاذا قرأناہ غرض) آپ کا فرمایا ہوا تمام تر موتی دریا کے تھے (یعنی مقولہ حق کا تھا) کیونکہ آپ کے قلب کا اُس دریا مین انتہا (و فنا) تھا (یعنی حق تعالے کے ساتھ آپ کو خاص تعلق تھا اور مین نے یہ ترجمہ نفود بالدال المہملہ کا کیا ہے اور ایک نسخہ نفوذ بالذال المعجمہ کا ہے اُس نسخہ پر مصرعۂ اولیٰ مین بود کو بھی ذال سے پڑھا جاویگا جیسا اہل فارس نے جائز رکھا ہے اور اس نسخہ پر ترجمہ یہ ہوگا کہ اس دریا مین ایک راہ تھی اور مطلب ہر صورت مین یہی ہے کہ تعلق تھا آگے فنا فی الافعال و فنا فی الصفات بالمعنی المصطلح کی صحت سے فنا فی الذات کے استبعاد کو دفع کرتے ہین جسکی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ بعض اہل حال سے انا الحق یا سبحانی ما اعظم شانی وغیرہ کلمات صادر ہوئے ہین جو ظاہراً کفر ہین مولانا اُسکی توجیہ و تاویل کی طرف اشارہ کرنا چاہتے ہین چنانچہ اس مضمون کے ختم پر یہ فرمانا بعد از ان گوید حکم منصور وار قرینہ اسکا ہے کہ ان اشعار مین فناء فی الذات کی توجیہ مقصود ہے اور چونکہ یہ سب آثار تعلق مع اللہ کے ہین گو بعض لازم ہین بعض غیر لازم اسلیے یہ مضمون بھی مناسب مقام سے ہے اور یہ بھی احتمال ہے کہ مقصود صرف فناء فی الافعال و فناء فی الصفات کا بیان ہو کیونکہ اہل تمکین کی حالت پر غالب یہی رہ جاتا ہے بلکہ انہین سے بھی اکثر فنا فی الافعال اسلیے مقصود یہی دو قسم فناء کی ہون اور فناء فی الذات کو تبعاً بیان کر دیا ہو پس دفع استبعاد اسطرح کرتے ہین کہ) جب دریا کی عطا ہمارے

مشکہ سے (بعض احوال مین) ہوتی ہے (جبکہ فنا فی الافعال کی حالت حاصل ہو اسطرح سے کہ اطاعت حق اسکا امر طبعی بن جاوے اسلیے اسکے افعال گویا افعال حق ہوجاوین جب یہ ممکن ہے) تو (اسمین ہی) کیا تعجب ہے اگر کوئی ماہی (خود) دریا ہوجاوے (ماہی سے مراد عارف اور دریا سے مراد حضرت حق یہ اشارہ ہے فنار فی الذات کیطرف اور وجہ تعجب نہ ہونے کی یہ ہے کہ ان ترکیبات کے مدلولات لغویہ تو یقیناً مراد نہین اصطلاحی مفہومات مراد ہین سو اُنکے اعتبار سے بنسبت فنا فی الافعال کے فنار فی الذات اکثر فی الوقوع و اسہل فی الحصول و اقرب الی الفہم ہے کیونکہ اُسکے معنی یہ ہین کہ غیر ذات حق کی طرف التفات نہ رہے تو یہ کیا زیادہ عجیب ہے بخلاف فنار فی الافعال کے جسکی تفصیل بذیل شرح شعر زان سبب قل گفتۂ دریا بو ڈ مذکور ہوئی ہے کہ وہ اس سے ابعد و اشد ہے کما ہو ظاہر اور چونکہ یہ تقریر عجب نہ ہونے کی تصریحاً مولانا کے کلام مین مذکور نہین اسلیے بندہ نے اس شعر کی تمہید مین یہ لکھا تھا کہ اسکی توجیہ کی طرف اشارہ کرنا چاہتے ہین آگے اس فنار فی الذات کو اُس دریا اور خم کی مثال مین بھی ثابت کرتے ہین جسکو اوپر فنار فی الافعال کے مثال مین ذکر کیا تھا پس فرماتے ہین کہ) چشم ظاہری جمود کیے ہوئے ہے گذرگاہ (آب یعنی مشکہ) کے نقش (یعنی صورت) پر (اور گذرگاہ اُسکو باعتبار آب بحر کہا گیا جو اوپر مذکور ہے یعنی تو محض اسکے مشکہ ہونے کو دیکھتا ہے کہ صورت ظاہری ہے اور اُس کے معنی وصفی کو نہین دیکھتا سو) تو اُسکو (بوجہ جمود چشم جس کے) گذرگاہ (آب یعنی مشکہ) دیکھ رہا ہے اور (حالانکہ) وہ (باعتبار غایت مرتبہ علی المعنی الوصفی کے) مستقر ہے (پانی کا یعنی سمندر ہے کہ معدن ہے پانی کا مطلب یہ کہ تو اُسکو خالی مشکہ سمجھ رہا ہے حالانکہ وہ سمندر ہے کیونکہ اسکے وصف ممریت پر وہی غایت مرتب ہوئی ہے جو سمندر کے پانی پر ہوتی ہے پس دریا سے براہ راست جانا اور اس مشکہ مین سے ہو کر جانا اُس غایت کے اعتبار سے برابر ہے اس اعتبار سے وہ مشکہ جسکو ممر کہا ہے اور وہ سمندر جسکو مستقر کہا ہے ایک ہوئے جو ترجمہ ہے فنا فی الذات کا اور تفسیر اسکی اوپر گذری ہے اور تو جو ان دونون مین یعنی بحر اور خم مین تغایر سمجھ رہا ہے تو) یہ تغایر (منجملہ) اوصاف دیدۂ احول (کے) ہے (احول چشم دو بین کو کہتے ہین) ورنہ (یہان) اول تو آخر ہے (اور) آخر اول ہے (اوّل سے مراد سمندر کہ فاصنۂ آب مین اوّل ہے اور آخر سے مراد خم کہ اضافۂ آب مین آخر ہے سو مطلب یہ ہوا کہ یہان سمندر مشکہ اور مشکہ سمندر ہے اُسی غایت کے اعتبار سے اور اسکو عدم تغایر کہا گیا یہ بھی ایک اصطلاح ہے کہ اُسکے اعتبار سے غیر اُس مبائن کو کہتے ہین جو مستقل فی الوجود ہو اور تابع و متبوع مین عدم تغایر کا حکم کرتے ہین مطلب یہ کہ مشکہ کی ذات کی طرف التفات نکرو کہ وہ تابع محض ہے اور یہی فنا فی الذات ہے چنانچہ آگے فرماتے ہین کہ) ہان صورت خم سے درگذر (اور) خم (کے معنی وصفی مفید للغایت) مین نظر کر (خم سے مراد اُسکے معنی وصفی الخ لینا بقرینۂ مقابلہ نقش خم کے ہے کہ لامحالہ یہان غیر نقش مراد ہوگا وہو المعنی الوصفی

چنانچہ آگے اسی طرف اشارہ ہے کہ اُسکو اس اعتبار سے دیکھ) کہ اُسکے اندر (باعتبار مرور آب کے) سمندر ہے جسکا نہ ختم ہے نہ شروع (یعنی غیر متناہی اور مشبہ بہ کا غیر متناہی ہونا تو عادۃً ہے مگر مشبہ کا عقلاً ہے چنانچہ آگے اُسی کا ذکر ہے کہ) وہ آب خوش شیرین (دریا کا) بَرا ہے آغاز سے اور اختتام سے (مراد اس ماءِ عذب سے مشبہ ہے کیونکہ مشبہ بہ کو تو بحر سے تعبیر کیا گیا ہے جسکو ماءِ عذب نہین کہہ سکتے الملوحتہ اسلیے مشبہ مراد ہے اور اس تعبیر مین نکتہ اسپر تنبیہ کرنا ہوسکتا ہے کہ تشبیہ بالبحر الما لح سے ایہام نقص وصف کا نہ ہو وجہ شبہ صرف غزارت ہے تو وہ ایہام اس تعبیر سے رفع ہوگیا جب اس سے مراد مشبہ ہے تو اُسکا مبترا ہونا ابتدا اور انتہا سے کہ مستلزم تناہی ہے ظاہر ہے پس جسطرح مشکا مظہر ہے فیوض بحریہ کا اور اس اعتبار سے دونون مین ایک معنی کر عینیت بمعنی عدم تغایر بالتفسیر المذکور سابقاً آ نفاً ہے اسیطرح انسان کامل مظہر ہے فیوض آلہیہ کا اور اس اعتبار سے یہان بھی تغایر بالمعنی المذکور منفی ہے آگے اس مظہریت پر ایک تفریع بطور جملہ معترضہ کے ہے کہ) جو لوگ (اِن فیوض آلہیہ سے) محروم ہین (جیسے کفار کہ اس مظہریت سے اعمیٰ رہے اور رسولون سے مساوات کا دعویٰ کرکے اتباع سے عار کی) وہ اُسکے (یعنی حق تعالےٰ کے) قہر سے عذاب مین رہین گے آگے پھر وہی مضمون ہے اوپر والا ہین گذر از نقش الخ (یعنی) تو ایسے خُم کو (عین) دریا جان بالیقین (اس عینیت کے معنی ابھی بیان ہو چکے ہین) زندہ (یعنی باقی) ہین اُس (خُم) سے آسمان اور نیز زمین (جیسا حدیث مین ہے کہ اللہ اللہ کہنے سے زمین اور آسمان قائم ہین ورنہ قیامت سے سب فنا ہوجاوینگے اور اللہ اللہ کہا جانا یہ ایسے ہی اہل اللہ کی برکت ہے حتیٰ کہ قرب قیامت مین جو خالی لفظ کہنے والے رہ جاوینگے وہ اثر بھی اُن ہی حضرات کا ہوگا جو کچھ باقی رہ جاویگا اور اس شعر اینچنین خُم را تو دریا دان مین اس تعلق کو عنوان اتحاد سے تعبیر کیا گیا ہے چنانچہ دان کے دونون مفعول واقع ہوئے ہین اور اتحاد مقتضی ہے اثنینیت کو آگے اسمین مبالغہ کرکے اتحاد سے وحدت کا حکم کرتے ہین جہان اثنینیت ہے ہی نہین پس فرماتے ہین کہ اتحاد کیا) بلکہ وحدت حاصل ہوگئی اُس (انسان کامل) کو (غایت) وصال (اور قرب) مین (یہ ظاہر ہے کہ واقع مین اثنینیت کا مرتفع ہونا محال ہے تو وحدت بھی اصطلاحی ہے صرف زیادت اتنی ہے کہ اتحاد مین تو تابعیت و متبوعیت کے ساتھ سالک کی من وجہٍ نظر بھی تھی تابع و متبوع پر من حیث التابعیت والمتبوعیت نہ کہ استقلالاً اور اسی نظر استقلالی کو اوپر جا بجا منع کیا ہے مثلاً ہین گذر از نقش و نحو ذلک مگر مقصود اُس سے وہ استقلال ہے جو من حیث الاعتقاد ہو ورنہ غالب علی الاحوال کو ایک گونہ استقلالاً یعنی انفراداً فی اثبات الاحکام العقلیہ جدا جدا بھی نظر ہوسکتی ہے اور یہ مضر اور مذموم نہین اسلیے اسکا منع کرنا بھی مقصود نہین اور فناء فی الذات مین نظر استقلال کے منع کرنیسے ایہام نہ ہو کہ جو نظر استقلال فناء کو مذکور مین نہ ہوتی ہو وہ سب مقصود بالمنع ہین بات یہ ہے کہ منکرین فناء مذکور کے چونکہ اکثر فلاسفہ ہین جنکے انکار کا مبنیٰ یہی نظر استقلال اعتقادی ہے اسلیے اُسی کو منع کرنا مقصود ہے

اور وحدت مین تابع پر بالکل ہی نظر نہین رہتی محض متبوع ہی پر نظر رہ جاتی ہے تابع نظر سے مرتفع ہو جاتا ہے اور فنا فی الذات دونون پر اطلاق کیا جاتا ہے ایک حالت ہے مغلوبین غیر مستغرقین کی اور ایک حالت ہے مغلوبین مستغرقین کی پس اس وحدت مین) اس شخص کا کلام کلام ذوالجلال ہو جاتا ہے (مطلب یہ ہے کہ بطرز کلام حق ہی کلام کرنے لگتا ہے جسکی وجہ یہ ہے کہ اسکی نظر سے اپنی ذات بالکل مرتفع ہو جاتی ہے تو پھر بطرز بشر کیسے کلام کرے گا جب یہ حالت غالب ہوگی تو بعد ازان یون کہنے لگیگا کہ انا الحق (حسین بن منصور کی طرح تاکہ (یہ تعلیل کے لیے نہین کیونکہ اسکی غرض یہ تھوڑا ہی ہے بلکہ یہ لام عاقبت ہے یعنی انجام اسکا یہ ہوگا کہ یہ شخص) دار شہرت پر سوار ہو جائے (گا یعنی بوجہ انکار اہل ظاہر کے اسکی شہرت کرائی جاوے گی اور اسمین اشارہ ہے مولانا کا اسطرف کہ یہ حالت کاملین کی نہین کیونکہ قابل انکار حاملان دین کے ہے اور کاملین کی کوئی حالت قابل انکار اہل دین کے نہین مگر وہ شخص مغلوبیت اور مستغرقیت سے مضطر ہو جاتا ہے اسلیے بالاضطرار اس سے اسکا صدور ہوتا ہے مگر اسمین ایک حکمت حق تعالیٰ کی ہوتی ہے متعلق تربیت کے وہ یہ ہے کہ) تاکہ (اسکے قول سے) ایسا راز جسکا ہم اوپر سے بیان کرتے آ رہے ہین کہ ایسا تعلق مع اللہ ہو جاتا ہے) عالم مین ظاہر ہو جاوے (اور معلوم ہو جاوے کہ تعلق مع اللہ زائد بر تعلق عقلی کوئی چیز ہے جس زائد کا بعض متکلمین اہل ظاہر نے انکار کیا ہے اور اسکے ظاہر ہونے سے یہ مقصود نہین کہ لوگ اسکی تقلید کرنے لگین کیونکہ اہل استغراق کی حالت قابل تقلید نہین بلکہ یہ مقصود ہے کہ) صاحب اقبال (یعنی سعید یا صاحب توجہ) طلب (حق) مین کامل ہو جاوے (یعنی اس سے طبعی کشش ہو اور طلب کو حرکت ہو) تاکہ مجاہدہ اور سعی مین وہ ترقی کرے (اور) تاکہ اسکو مشاہدۂ حق (حسب استعداد) میسر ہو (یہ تاکہ بمعنی لام کے ہے یعنی اسمین یہ حکمت ہے کہ شوق بڑھے پھر خواہ یہ ابن الحال ہو جاوے یا ابو الحال ہو جاوے یہ تابع استعداد کے ہے مولانا نے بیان جو نکتہ قول منصوری کا بیان کیا ہے مین اسکی قیمت نہین تبلا سکتا اگر دل دکھانے کی چیز ہوتی تو دکھلاتا سبحان اللہ سبحان اللہ ذٰلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء واللہ ذو الفضل العظیم یہان تک اہل وحدت کا بھی بیان ہو چکا آگے بطور ملخص کے ایک حکم جو عام ہے اہل اتحاد و اہل وحدت کو بیان کرتے ہین جو ماحصل ہے تمام کلام مقام کا یعنی) اہل دل (سب کے سب) ایسے ہین جیسے اُن مین (مثلاً) ایک ایک نہر روان ہو (اور) بدون تفرق کے دریاے جان (یعنی حضرت حق) کے ساتھ ایک ہو گئے ہون (خواہ اتحاداً یا وحدۃً مطلب یہ کہ جیسے بہت سی نہرین ایک ہو کر دریا مین جا ملتی ہین اسی طرح سب اہل باطن کو کہ بوجہ اتحاد مقصود کے مجتمع ہین حق تعالیٰ کے ساتھ تعلق و ربط حاصل ہے جسکا مفصل بیان ہو چکا اور یہ شعر گویا میزان الکل کے طور پر ہے آگے اس تعلق کے حصول کا طریق بتلاتے ہین کہ) ہان سُن کس طریق سے معلوم ہو سکتا ہے یہ (مضمون تعلق مع اللہ کا جو مذکور ہوا یہ تو سوال ہے آگے خود جواب دیتے ہین کہ) بحث (یعنی بقاء بعد الفناء) سے (معلوم ہو سکتا ہے کیونکہ یہ تعلق مذکور احوال مین سے ہے اور احوال وجدانی ہوتے ہین اور وجدانیت کا علم تام حصول سے

ہوتا ہے اور حاصل اس تعلق کا بقاء بعد الفناء ہے پس لامحالہ اسکا انکشاف تام موقوف ہوگا بقاء بعد الفناء پر
جب یہ بات ہے تو اس) بعث کو طلب کر (یعنی حال حاصل کر اور) بعث میں بحث و مقال مت کر (یعنی قال و
استدلال اسکی تدبیر نہیں آگے اس بعث کی شرط بتلاتے ہیں تاکہ اس بقاء سے بھی پہلے اسکو حاصل کرے
اور وہ شرط ہے فناء پس فرماتے ہیں کہ) شرط یوم بعث کی (ظاہر ہے کہ) اول مرنا ہے کیونکہ بعث کی
حقیقت ہے مردہ سے زندہ کرنا (اور یہ ظاہر ہے پس اسی طرح بقاء بعد الفناء موقوف ہے اول فناء ہونے پر
پس اسکو حاصل کرتا کہ اس سے بقاء ہو پھر اس سے یہ مضمون معلوم ہو آگے فناء کی ترغیب اور اسکے متعلق
محجوبین کی غلطی کا مضمون فرماتے ہیں کہ) تمام عالم نے (یعنی اکثر نے کیونکہ محجوبین اکثر ہیں ولا کثر
حکم الکل غرض اکثر نے) اس سبب سے راہ (مقصود) کو غلط کر رکھا ہے کہ وہ فناء سے ڈرتے ہیں (کہ اس سے
بعض منافع عاجلہ فوت ہو جاتے ہیں) حالانکہ وہی پناہ ہے (مضار سے وجہ یہ کہ وہ منافع مثل شہوات
وکمالات وہمیہ کے انجام کار مضار و حجب عن الحق ہیں پس انکا فنا کرنا ہی شرط ہوگی ان مضار سے بچنے
کی آگے تفریع ہے اسپر کہ بقاء کے لیے فناء شرط ہے جسکا ذکر اس شعر میں تھا اور شرط روز بعث اول آمدن
اور یہ چند تفریعات ہیں بطور سوال و جواب کے اول) ہم علم کہاں سے طلب کریں (یہ سوال ہے آگے جواب
دیتے ہیں کہ) ترک علم سے (یعنی تعلق علمی مع الغیر کی فناء سے تعلق علمی مع اللہ ہوتا ہے دوم) ہم صلح
کہاں سے طلب کریں (یہ سوال ہے آگے جواب دیتے ہیں کہ) ترک صلح سے (یعنی تعلق حبی مع الغیر کی فناء سے
تعلق حبی مع اللہ ہوتا ہے سوم) ہم حال کہاں سے طلب کریں (یہ سوال ہے آگے جواب دیتے ہیں کہ) ترک
حال سے (یعنی احوال مذمومہ کے فنا سے احوال محمودہ حاصل ہوتے ہیں اور یہ حال عام ہے اخلاق اور انکے
مبادی اور ان کے آثار کو مثلاً اتباع شہوت مذمومہ کو اور اسکے مبدأ یعنی میلان کو اور اسکے اثر یعنی
رسوخ اور تقاضائے معاودت کو تو انکی فناء سے انکے اضداد پیدا ہوتے ہیں پس حاصل اسکا فناء اخلاقی ہے جیسا اسکے
قبل فناء علمی و فناء حبی تھا چہارم) ہم قال کہاں سے طلب کریں (یہ سوال ہے آگے جواب دیتے ہیں کہ) ترک
قال سے (یعنی جو قال تابع حال کے ہے ظاہر ہے کہ حال مذمومہ کے وجود کے وقت جو قال اسکے تابع تھا اس
حال کے فنا کے بعد جب حال محمودہ پیدا ہوگا تو وہ قال سابق بھی فنا ہو کر دوسرے حال محمود کے تابع
دوسرا قال مرتب ہوگا پنجم) ہم وجود کہاں سے طلب کریں (یہ سوال ہے آگے جواب دیتے ہیں کہ) ترک
وجود سے (یعنی فناء ذات وصفات سے کہ حاصل وجود کا یہی ذات وصفات ہے بقاء بذات الحق و
صفات الحق حاصل ہوتا ہے وسیاتی تفسیرہ ششم) ہم قدرت کہاں سے طلب کریں (یہ سوال ہے آگے جواب
دیتے ہیں کہ) ترک قدرت سے (مراد قدرت سے افعال مقدورہ ہیں یعنی فناء افعال سے بقاء بافعال الحق
حاصل ہوتا ہے تفسیر ان الفاظ کی یہ ہے کہ اس شخص کو نہ اپنی ذات پر مستقل ہونے کی حیثیت سے نظر رہتی ہے
اور یہ فناء ذات ہے اور نہ اپنی صفات پر اور نہ اپنے افعال پر بلکہ ان سب کو تابع ذات وصفات وافعال

حق ذوقاً دیکھتا ہے اور اسکے لیے لازم ہے کہ کسی امر غیر مرضی حق کا یہ ارادہ بھی نکرے گا کیونکہ جب ارادہ کو بھی مستقل نہین سمجھے گا تو اُس سے خلاف اتباع کام بھی نہ لیگا یہان تک تحصیل تعلق مع اللہ کی کہ مقصود ہے ترغیب اور اُسکے طریق کا بیان ہوا آگے اُس مقصود کے موانع کا بیان ہے اور حاصل اسکا جہل یعنی مقصود یا طریق کا نہ جاننا اور کسل یعنی اُسکی طلب نہ ہونا ہے)

موانع مقصود از جہل و کسل

ہم تو تانی کرد یا نعم المعین
اے اچھی اعانت کرنے والے آپ ہی کر سکتے ہین

دیدۂ معدوم بین را ہست بین
چشم معدوم بین کو ہست بین

دیدۂ کو از عدم آمد پدید
جو آنکھ کہ عدم سے ظاہر ہوئی ہے

ذاتِ ہستی را ہمہ معدوم دید
اُسنے ذات ہستی کو بالکل معدوم دیکھا

این جہانِ منتظم محشر شود
یہ عالم جو کہ با انتظام ہے محشر معلوم ہونے لگے

گر دو دیدہ مبدل وانور شود
اگر دو آنکھین مبدل اور نورانی ہو جاوین

زان نماید این حقائق ناتمام
اسوجہ سے یہ حقائق ناتمام معلوم ہوتے ہین

کہ برین خامان بود فہمش حرام
کہ اِن خام لوگون پر اسکا سمجھنا حرام ہوگیا

نعمتِ جنّاتِ خوش بر دوزخی
نعمتین جنّات طیبہ کی دوزخی پر

شد محرّم گرچہ حق آمد سخی
حرام ہین اگرچہ حق تعالیٰ صاحبِ جود ہین

در دہانش تلخ آمد شہدِ خلد
اُسکے مُنہ مین جنت کا شہد تلخ ہے

چون نبود از وافیانِ عہدِ خلد
چونکہ وہ عہدِ خُلد مین اہل وفا سے نہ تھا

مر شما را نیز در سوداگری
تمھارا بھی سوداگری مین

دست کے جُنبد چو نبود مشتری
ہاتھ کب حرکت کرتا ہے جبکہ خریدار نہ ہو

کے نظارہ اہل بخریدن بود — **آن نظارہ گول گردیدن بود**

تماشائی کب اشترا کا اہل ہوتا ہے — وہ تماشا کرتا احمق ہوکر پھرتا ہے

پرسپرسان کاین بچند و آن بچند — **از پئے تغییر وقت و ریشخند**

پوچھتا پوچھتا کہ یہ چیز کتنے کو اور وہ چیز کتنے کو — وقت بدلنے کے لیے اور مسخرہ پن کے لیے

از ملولی کالہ میخواہد ز تو — **نیست آن کس مشتری و کالہ جو**

بغرض ملال کے تجھ سے سودا مانگتا ہے — وہ شخص مشتری اور طالب متاع نہین ہے

کالہ را صد بار دید و باز داد — **جامہ کے پیمود او پیمود باد**

اُسنے متاع کو سو بار دیکھا اور واپس دیدیا — اُسنے کپڑے کی کب پیمایش کی ہے۔ ہوا کی پیمایش کی

کو قدوم و کر و فر مشتری — **کو مزاج گنگلی و سرسری**

کہان تو مشتری کا آنا اور کر و فر — کہان خوش طبعی تمسخر کی اور سرسری

چونکہ در ملکش نباشد حبۂ — **جز پے گنگل چہ جوید جبۂ**

چونکہ اُسکی ملک مین ایک حبہ نہین — سو وہ جبہ کیا لے گا بجز تمسخر کے

در تجارت نیستش سرمایۂ — **پس چہ شخص زشت او چہ سایۂ**

تجارت مین اُسکے پاس کوئی سرمایہ نہین ہے — سو ایسا ہی اُسکا جثہ قبیح اور ویسا ہی اُسکا سایہ

مایہ در بازار این دنیا زرست — **مایہ آنجا عشق و دو چشم ترست**

سرمایہ بازار دنیا مین زر ہے — سرمایہ اُس جگہ عشق اور دو چشم تر ہین

ہر کہ او بے مایہ در بازار رفت — **عمر رفت و باز گشت او خام و تفت**

جو شخص بدون سرمایہ کے بازار مین گیا — عمر گئی اور وہ خام اور سوختہ ہوکر واپس آیا

ہے کجا بودی برادر ہیچ جا	ہے چہ پختی بہر خوردن ہیچ با
ہان تو کہان تھا اے بھائی - کہین بھی نہین	ہان تونے کیا پکایا تھا کھانیکے لیے - کوئی شوربا بھی نہین
مشتری شو تا بجنبد دستِ من	لعل زاید معدنِ آبستِ من
تو طالب ہو تا کہ میرا ہاتھ حرکت کرے	لعل پیدا کرے میرا معدن حاملہ

(اوپر جو مقصود اور اُسکا طریق مذکور تھا اُسکے دو امر مانع ہین ایک غلط فہمی دوسری بے طلبی بیان اُن کا بیان ہے اولاً امر اوّل مذکور ہے جسکو بعنوان دعا کے شروع کرتے ہین پس کہتے ہین کہ) اے اچھی اعانت کرنیوالے (خدا اے تعالیٰ) آپہی کرسکتے ہین چشم معدوم بین کو ہست بین (معدوم سے مراد عالم امکان اور ہست سے مراد واجب الوجود یعنی ہماری نگاہ عقل صرف عالم امکان کو دیکھتی ہے اور واجب الوجود سے غافل اور اسکی یہی غلطی ہے کہ جو چیز دیکھنے اور التفات و تعلق کے قابل نہین اُسکو مقصود سمجھتی ہے اور اُسمین مشغول ہوکر واجب الوجود سے غافل ہے جسکے ساتھ تعلق کرنے کا اوپر ذکر تھا آپ اپنے فضل سے اس چشم کو ہست بین یعنی خدا کی طرف متوجہ ہونے والی کردیجیے تاکہ خدا کے ساتھ تعلق پیدا کرے اور تعلق پیدا کرنیکے لیے اُسکے طریق کو اختیار کرے جسکا اوپر ذکر تھا ایک غلطی تو اسکی یہ ہے کہ یہ معدوم کو موجود سمجھتی ہے دوسری غلطی جو پہلی غلطی کے ساتھ متلازم ہے وہ اسکا عکس ہے یعنی موجود کو معدوم سمجھتی ہے چنانچہ آگے اِسکا ذکر ہے کہ) جو آنکھ کہ عدم سے ظاہر ہوئی ہے (یعنی اصل اُسکی عدم ہے چنانچہ ہر ممکن کے لیے یہ حکم ظاہر ہے) اُس نے (بوجہ اس کے کہ اُسکو عدم سے اصلی مناسبت ہے اور جو اسباب سے عارضی مگر غیر زائل مناسبت موجود سے ہوجاتی ہے وہ اسباب حاصل نہین کیے اسلیے اُسنے) ذاتِ ہستی (مطلق یعنی حق تعالیٰ) کو بالکل معدوم (کے مثل) دیکھا (کہ اُدھر التفات نہین کیا جسطرح معدوم کی طرف التفات نہین کرتے پس یہ ہے غلط فہمی عقل کی جسکے سبب مقصود سے بُعد ہے اور آگے اس غلط فہمی کے رفع ہونے کا اثر بتلاتے ہین کہ) یہ عالم جو کہ با انتظام ہے (اور معمور و آباد ہے یہ سب باوجود نظام و عمارت کے بمنزلہ) محشر (کے) معلوم ہونے لگے (جسمین بالفعل فانی ہوجاوے گا یعنی یہ عالم فی الحال فانی معلوم ہونے لگے) اگر دونون آنکھین (ہماری عقل کی) مبدل اور نورانی ہوجاوین (یہ عطف تفسیری ہے مبدل کا یعنی بے نور اور بے ادراک سے با نور اور با ادراک ہوجاوین مطلب کہ اگر ادراک صحیح ہوجاوے تو عالم کا فنا فی الحال حاضر ہوجاوے پس یہان محشر سے مراد مطلق قیامت جسکا مصداق فنا ہے نہ کہ حشر کے ظاہری معنی کہ وہ اثر احیا ہے آگے تفریع ہے ادراک کے صحیح نہ ہونے پر کہ) اس وجہ سے یہ حقائق (مذکورہ ہست و نیست کے) ناتمام (یعنی ناقص اور غلط) معلوم ہوتے ہین (چنانچہ نیست تو ہست معلوم

نہوتا ہے اور بہت نفیس معلوم ہوتا ہے سو یہ اسوجہ سے ہے) کہ ان (عقل کے) خام لوگون پر اسکا (صحیح) سمجھنا (بوجہ عدم استعمال قوت عقلیہ کے تکوینًا) حرام (اور ممتنع) ہوگیا (یعنی عادۃ اللہ جاری ہے کہ جو اعراض کرتا ہے بعد چندے اسکی استعداد فاسد کردی جاتی ہے پس فساد استعداد کا سبب اسی شخص کا سوء اکتساب ہے قال تعالیٰ کلا بل ران علیٰ قلوبہم ما کانوا یکسبون آگے مثال ہے اس تحریم تکوینی کی یعنی جسطرح) نعمتین جنات طیبہ کی دوزخی پر (تکوینًا) حرام ہین کما قال اللہ تعالیٰ قالوا ان اللہ حرمہما علی الکٰفرین اگرچہ حق تعالیٰ (علی الاطلاق) صاحب جود ہین (مگر ان کے اعمال سیئہ نے اُن کو ان نعم کے قابل نہ رکھا اسیطرح ان خام عقلون کو انکے سوء اکتساب نے ان حقائق فہمی کے قابل نہ رکھا آگے اعمال سیئہ کے سبب ہونیکا واسطے عدم قابلیت نعماء جنت کے بیان ہے کہ) اُس (دوزخی) کے مُنہ مین جنت کا شہد (تکوینًا) تلخ (یعنی ناموافق ومحرم) ہے۔ چونکہ وہ عہد (موجب دخول) خلد مین اہل وفا سے نہ تھا اور وہ عہد احکام ہین یعنی احکام کی بجا آوری کرنے والا نہ تھا یہی حاصل ہے اعمال سیئہ کا یعنی اعمال سبب ہوگئے عدم قابلیت جنات کے اسیطرح اس خام عقل کا سوء اکتساب یعنی عدم استعمال عقل سبب ہوگیا خفاء حقائق کا اور تلخ آمد سے یہ استدلال کرنا کہ دوزخیان بثمار جنت متالم شوند کما فعلہ بعضہم بالکل اہمل و لغو ہے یہان تک قصدًا بیان ہوا جہل و غلط فہمی کا جو مانع اوّل تھا اور چونکہ اسی کے ساتھ اسکا سبب بھی بضمن تمثیل مذکور ہوا کہ چون نبود از وفایان الخ اور وہ عدم استعمال عقل ہے جسکی تقریر ابھی کی گئی اور یہی حاصل ہے عدم طلب حق کا جو کہ مانع دوم ہے تو ضمنًا اس مانع دوم کا بھی ذکر ہوگیا جسکا آگے قصدًا بیان اسطرح آتا ہے کہ اوپر جس مصرعہ مین اسکا بیان تھا یعنی چون نبود از وفایان الخ آیندہ کے مضمون کو اسکی مثال توضیحی کے طرز پر لاتے ہین یعنی عدم وفاء عہد وبلفظ دیگر عدم طلب جنت کا سبب ہوجانا عدم عطاء حق کے لیے موجب تعجب نہین کیونکہ عدم طلب کا تو خاصہ علی الاطلاق یہی عدم عطا ہے چنانچہ دیکھو) تمھارا بھی سوداگری مین ہاتھ (من حیث التجارۃ سودا تسلیم کرنیکے لیے کب حرکت کرتا ہے جبکہ خریدار (اور طالب بھی) نہ ہو (اور) تماشائی (جسمین طلب نہین ہے) کب اشتراء کا اہل ہوتا ہے (بلکہ) وہ تماشا کرنا (بفضول احوال مین خود) احمق ہوکر پھرنا ہے (نظارہ بالتشدید بمعنی نظر کنندگان وبالتخفیف بمعنی نگریستن بچیزے کذا فی الغیاث وخفف من المشدد فی المصراع الاول اور وہ حال احمق کا یہ ہے کہ) پوچھتا پوچھتا (پھرتا ہے) کہ یہ چیز کتنے کو اور وہ چیز کتنے کو (اور یہ پوچھنا خریداری کے لیے نہین بلکہ محض) وقت بدلنے کے لیے اور مسخرہ پن کے لیے (وقت بدلنے سے مراد وقت گذرنا ہے کیونکہ جب ایک وقت گذریگا لا محالہ دوسرے وقت سے وہ مبتدل ہو ہی گا پس ایسا شخص) بغرض (رفع) ملال کے (کہ ذرہ دل بہلے) تجھسے سودا مانگتا ہے (اور حقیقت مین) وہ شخص مشتری اور طالب متاع نہین ہے (چنانچہ اُسنے متاع کو سو بار دیکھا اور واپس دیدیا (تو) اُسنے کپڑے کی کب پیمایش کی ہے ہوا کی پیمایش کی ہے (باد پیمودن کنایہ از بیہودگی بھلا) کہان تو (حقیقی) مشتری کا آنا اور (اُس کا)

کر و فر (اور) کہان خوش طبعی تمسخر کی اور سرسری (طور پر قیمت پوچھنا کہ خریداری کا قصد نہ ہو یعنی دونون
مین بڑا تفاوت ہے آگے اُسکے کنگلی و سرسری ہونے کی علت یا علامت ہے یعنی دلیل لمّی ہے یا دلیل اِنّی
فانکل بیعہ دکلی وجہتہ اور وہ یہ ہے کہ) چونکہ اُسکی ملک مین ایک جبتہ نہین سو وہ جبتہ کیا لے گا بجز جستجو کے
(یعنی وہ واقع مین جبتہ کا طالب نہ ہوگا محض دل لگی کریگا اور جب) تجارت مین اُسکے پاس کوئی سرمایہ نہین ہے
سو ویسا ہی اُسکا جبتہ قبیح اور ویسا ہی اُسکا سایہ (یعنی اُسکے سایہ کی طرح اُسکا جبتہ بھی بیکار ہے پس جیسا
یہ شخص بوجہ طالب متاع نہ ہونیکے متاع سے محروم ہے اسی طرح جو طالب مقصود نہ ہوگا وہ مقصود سے محروم
ہوگا اور جسطرح یہ شخص مشبہ بہ بوجہ مفلس ہونیکے طالب متاع نہین اسیطرح یہ شخص مشبہ بوجہ محبت نہ ہونیکے طالب مقصود
نہین آگے اسی کو کہتے ہین کہ) سرمایہ بازار دنیا مین زر ہے اور سرمایہ اُس جگہ (یعنی سوق آخرت مین) عشق
اور دو چشم تر ہین (کہ آثار عشق مین سے ہے سو بازار مین جسطرح سرمایہ لیکر جانا چاہیے اسیطرح درد محبت لیکر
راہ حق مین کہ تہیۂ آخرت ہے آنا چاہیے ورنہ) جو شخص بدون سرمایہ کے بازار مین گیا (اُسکی عمر (برباد)
گئی اور وہ خام اور سوختہ (و متاسف) ہوکر (ایسی حالت مین) واپس آیا (کہ اگر اُس سے کوئی پوچھے کہ)
ہان تو کہان تھا اے بھائی (تو جواب مین یہی کہیگا کہ) کہین بھی نہین (اور اگر کوئی اُس سے پوچھے کہ) ہان
تو نے کیا پکایا تھا کھانے کے لیے (تو جواب مین یہی کہیگا کہ) کوئی سالن بھی نہین (با مخفف با معنی نان خورش
وجہ اس جواب کی ظاہر ہے کہ بازار جانا اور نہ جانا اُسکا برابر ہے اسلیے یہ کہنا صحیح ہے کہ کہین نہین گیا اور وہان سے
کچھ نہ لانا جو کہ پکانے کا موقوف علیہ ہے بہت ہی ظاہر ہے یہ سب حالت اُسکے غایت حرمان کی ہے تو مطلب
یہ ہوا کہ جسطرح یہ شخص محروم محض ہے اسیطرح بدون درد و محبت اور بدون طلب کے بھی محض محرومی ہوتی ہے یہ تو
سب بیان ہوا مانع ثانی من المقصود کا آگے بعد اشتراط طلب کے طالب ہونے کی ترغیب دیتے ہین کہ) تو طالب
ہو تاکہ میرا ہاتھ (عطا کے لیے) حرکت کرے (یعنی مجھکو تربیت کا جوش اُٹھے اور طالب ہو تاکہ) لعل پیدا کرے
میرا معدن حاملہ (یہ کنایہ ہے قلب پُر اسرار سے یعنی تیری طلب کو دیکھکر قلب مین اسرار آوین پھر جارحۂ
لسان سے عطا کرون جسکو دست سے تعبیر کیا ہے آگے اہل ارشاد کو خطاب کرتے ہین کہ گو ہمنے غافلین کو
طلب کی ترغیب دی ہے مگر تم اُنکی طلب کے منتظر مت رہنا تم تبلیغ و دعوت و ارشاد مین مشغول رہو
گو کوئی طالب نہ ہوا ور اسمین اگر یہ وسوسہ ہو کہ جب طلب شرط ہے وصول الی المقصود کی تو بلا طلب
محض دعوت پر یہ ثمرہ مرتب نہ ہوگا تو پھر دعوت سے کیا فائدہ اُسکا یہ جواب دیتے ہین کہ تم اس ثمرہ کا
قصد مت کرو محض اللہ کی رضا کے واسطے دعوت کرو گو وہ ثمرہ نہ ہو مگر یہ بھی خود ثمرہ ہے آگے یہی مضمون ہے)

مشتری گرچہ کہ سُست است و بارد است	دعوتِ دین کن کہ دعوت وارد است
طالب اگرچہ سُست اور افسردہ ہے	تو دعوتِ دین کر کیونکہ دعوت وارد ہے

بازِ پرّان کُن حمامِ روح گیر
باز کو پران کر۔ کبوتر روح کو پکڑ

در رہِ دعوت طریقِ نوح گیر
طریقِ دعوت میں طریقہ نوح علیہ السّلام کا اختیار کر

خدمتے میکن برائے کردگار
خدمت کرتا رہ خدا کے واسطے

با قبول و ردِ خلقانت چہ کار
خلق کے قبول ورد سے تجھکو کیا کام

سحوری زدن شخصے بر درِ سرائے خالی نیمشب و اعتراض معترض و جواب او

آن یکے میزد سحوری بر درے
ایک شخص نے کسی دروازے پر سحوری بجائی

درگہے بود و رواقِ مہترے
ایک درگاہ تھی اور کسی سردار کا ایوان تھا

نیمشب میزد سحوری را بجِد
نصف شب کے وقت سحوری کو بڑے اہتمام سے بجا رہا تھا

گفت او را قائلے کاے مُستمِد
ایک کہنے والے نے اُس سے کہا کہ اے طالبِ امداد

اوّلا وقتِ سحر زن این سحور
اوّل تو اس سحوری کو سحر کے وقت بجا

نیمشب افغان مکن اے ناصبور
آدھی رات کے وقت شور مت کر اے بے صبرے

دیگر آنکہ فہم کن اے بوالہوس
دوسری یہ بات ہے کہ یہ سمجھ لے اے بوالہوس

کاندرین خانہ درون خود ہست کس
کہ اس گھر میں اندر خود کوئی ہے بھی

کس درینجا نیست جز دیو و پری
اس جگہ بجز بھوت پریت کے کوئی نہیں ہے

روزگارِ خود چہ یاوہ میبری
تو کیوں اپنا وقت ضائع کرتا ہے

بہرِ گوشے میزنی دف گوش کو
تو کسی کانوں کے لیے دف بجا رہا ہے کان کہاں ہے

ہوش باید تا بداند ہوش کو
ہوش کی ضرورت ہے تاکہ معلوم کرے ہوش کہاں ہے

گفت گفتی بشنو از چاکر جواب
اُسنے کہا کہ بندہ کا جواب سُن لے
تا نمانی در تحیّر و اضطراب
تاکہ تو تحیّر اور اضطراب مین نہ رہے

گرچہ ہست اینَدم برِ تو نیمشب
اگرچہ یہ وقت تیرے نزدیک آدھی رات ہے
نزدِ من نزدیک شد صبحِ طرب
لیکن میرے نزدیک صبح طرب قریب ہوگئی

ہر شکستے پیشِ من فیروز شد
ہر شکست میرے نزدیک فتح ہے
جملہ شبہا پیشِ چشمم روز شد
تمام شبین میری آنکھ مین دن ہین

پیشِ تو خون ست آبِ رودِ نیل
تیرے نزدیک رودِ نیل کا پانی خون ہے
پیشِ من آب ست نے خون اے نبیل
میرے نزدیک وہ پانی ہے نہ کہ خون اے دانا

در حقِ تو آہن ست وآن رخام
یہ تیرے اعتبار سے لوہا ہے اور پتھر
پیشِ داؤدِ نبی موم ست و رام
داؤد پیغمبر کے نزدیک موم ہے اور نرم

پیشِ تو کُہ بس گران ست و جماد
تیرے نزدیک پہاڑ ثقیل ہے اور جماد
مُطرب ست او پیشِ داؤد اوستاد
صاحبِ لحان اُستاد ہے نزدیک داؤد علیہ السلام کے

پیشِ تو آن سنگریزہ ساکت ست
تیرے نزدیک وہ سنگریزہ ساکت ہے
پیشِ احمد او فصیح و قانت ست
احمد صلے اللہ علیہ وسلم کے نزدیک وہ فصیح اور مطیع ہے

پیشِ تو استونِ مسجد مُردہ ایست
تیرے نزدیک ستون مسجد کا ایک مُردہ ہے
پیشِ احمد عاشقِ دل بُردہ ایست
احمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک عاشقِ دل بُردہ ہے

جملہ اجزاے جہان پیشِ عوام
تمام اجزاے عالم عوام کے نزدیک
مُردہ و پیشِ خدا دانا و رام
مُردہ ہین اور خداے تعالی کے نزدیک عاقل اور مطیع ہین

آنچہ گفتی کاندرین قصر و سرا
توجو کہتا ہے کہ اس قصر اور سرا مین

نیست کس چون میزنی این طبل را
کوئی نہین تو یہ طبل کیون بجاتا ہے

بہرِ حق این خلق زرہا می دہند
خدا کے واسطے یہ خلائق زر دیتے ہین

صد اساسِ خیر و مسجد می نہند
صدہا بنیادین خیر کی اور مسجد کی قائم کرتے ہین

مال و تن در راہِ حجّ دور دست
مال اور بدن حج کے دور و دراز رستہ مین

خوش ہمی بازند چون عشّاقِ مست
خوش خوش نثار کرتے ہین عشاق مست کی طرح

ہیچ می گویند کان خانہ تہی ست
کبھی یہ کہتے ہین کہ گھر خالی ہے

این سخن کے گوید آن کش آگہی ست
ایسی بات کب کہے گا جس شخص کو آگاہی ہے

پُر ہمی بیند سرای دوست را
پُر دیکھتا ہے سرای دوست کو

آنکہ از نورِ الہستش ضیا
وہ شخص جسکو نور الٰہی سے ضیا حاصل ہے

بس سرای پُر ز جمع و انبُہی
بہت سے گھر جو کہ جماعت اور ہجوم سے پُر ہین

پیشِ چشمِ عاقبت بینان تہی
وہ انجام بینون کی نظر مین خالی ہین

ہر کرا خواہی تو در کعبہ بجو
تو جس کو طلب کر رہا ہے کعبہ مین تلاش کر

تا بروید در زمان پیشِ تو اُو
تاکہ وہ فوراً تیرے سامنے ظاہر ہو جاوے

صورتے کو فاخر و عالی بود
جو صورت کہ فاخر اور عالی ہوتی ہے

اُو ز بیت اللہ کے خالی بود
وہ کعبہ سے کب خالی ہوتی ہے

او بود حاضر منزّہ از رتاج
وہ حاضر ہے اور منزہ ہے دروازہ بند ہونیسے

باقی مردم برای احتیاج
باقی آدمی احتیاج کے لیے ہین

هیچ میگویند کاین لبیکها
کبھی یہ بھی کہتے ہین کہ یہ بار بار کی لبیک

کو ندا تا خود تو لبیکے دہی
ندا کہان ہے جسپر تو لبیک دے رہا ہے

بلکہ توفیقے کہ لبیک آورد
بلکہ جو توفیق کہ لبیک کا باعث ہو رہی ہے

من ببو دانم کہ این قصر و سرا
مین خوشبو سے جان رہا ہون کہ یہ قصر اور سرا

مسِّ خود را بر طریقِ زیر و بم
مین اپنے تانبے کو بذریعہ زیر و بم کے

تا بجوشد زین چنین ضربِ سحور
تاکہ اسطرح کی ضربِ سحوری سے جوش مین آجاوین

خلق در صفِّ قتال و کارزار
مخلوق صفِّ قتال و کارزار مین

آن یکے اندر بلا ایوبؑ وار
ایک شخص بلا مین ایوب علیہ السّلام کی طرح ہے

آن یکے چون نوحؑ در اندوه و کرب
ایک شخص نوح علیہ السّلام کی طرح اندوہ و کرب مین ہے

بے ندائے می کنم آخر چرا
بدون کسی ندا کے آخر مین کیون کرتا ہون

از ندا لبیک تو چون شد تہی
تیری لبیک ندا سے کیسے خالی ہو گئی

ہست ہر لحظہ ندائے از احد
وہی ہر لحظہ ندا ہے حضرت احد کی طرف سے

بزم جان اُفتاد و خاکش کیمیا
محفلِ روحی واقع ہوئی ہے اور اُسکی خاک اکسیر

تا ابد بر کیمیااش میزنم
ابد تک کیواسطے اُسکی اکسیر پر مل رہا ہون

در دُر افشانی ز بخشایش بحور
دُر افشانی کرنے مین عطا کے سبب سے دریا

جان ہمی بازند بہر کردگار
جانبازی کرتے ہین خداے تعالی کیواسطے

وان دگر در صابری یعقوبؑ وار
اور دوسرا صبر مین یعقوب علیہ السلام کی طرح

وان دگر چون احمدؐ اندر صفِّ حرب
اور دوسرا احمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح صفِ حرب مین ہے

این ز دُنیا چون ابوذرؓ پُر حذر	**وان دگر در استقامت چون عمرؓ**
یہ شخص دُنیا سے ابوذرؓ کی طرح پُرحذر ہے	اور دوسرا استقامت مین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرح ہے
صد ہزاران خلق تشنہ و مستمند	**بہرِ حق از طمع جہدے میکنند**
لاکھون مخلوق تشنہ اور محتاج	حق تعالےٰ کیواسطے امید سے کوشش کرتے ہین
من ہم از بہرِ خداوندِ غفور	**میزنم بر در بامیدش سحور**
مین بھی خداوند غفور کے لیے	دروازہ پر اُنکی امید مین سحوری بجا رہا ہون

(ربط اوپر مذکور ہوا کہ کسی کی طلب مین نقصان یا اُسکے فقدان سے تم دعوت حق مین کمی مت کرو کہ اُس شخص کے ذمہ جو حق واجب تھا اُسنے تو ضائع کیا تو اس سے تم اپنے ذمہ کے حق کو کیون ضائع کرتے ہو خواہ وہ واجب ہو یا مستحب لپس فرماتے ہین کہ) طالب اگرچہ سست اور افسردہ ہے (مگر) تو دعوت دین کر کیونکہ دعوت (کا ماموربہ ہونا وجوبًا یا استحبابًا اس صورت مین بھی) وارد ہے (پس) باز (دعوت) کو پران کر اور (اُسکے ذریعہ سے) کبوتر روح کو پکڑ (جسطرح باز سے کبوتر کا شکار کرتے ہین مطلب یہ کہ تو اسکا قصد کر ممکن ہے کہ وہ روح مسخر اور دعوت سے متاثر ہو جاوے اور اگر خالی ہی گئی تو کیا کوئی شخص اس احتمال سے باز کو شکار کے لیے چھوڑنا ترک کر دیتا ہے اور) طریق دعوت مین طریقہ نوح علیہ السلام کا اختیار کر (کہ ناکامی کا غالب احتمال بھی اُنکو وعظ سے مانع نہین ہوا اور اُس طریق کو اختیار کرکے) خدمت (دعوت کی ادا) کرتا رہ خدا کے واسطے (اور) خلق کے قبول ورد سے تجھکو کیا کام (جسطرح آگے حکایت کی ہے کہ اُس شخص نے خالی مکان پر نصف شب کے وقت دف بجایا تصریح دف کی شعر بہر گوشے میزنی دف الخ مین ہے اور ممکن ہے کہ طبل ہو جیسا اُس شعر کے بعد ایک شعر مین ہے نیست کس چون میزنی این طبل را + اور ایک جگہ مجاز لینا پڑے گا بہرحال کچھ بجایا اور کسی معترض نے کہا کہ نہ یہ مکان اُسکے مناسب ہے اور نہ زمان کیونکہ اسمین نہ کوئی دینے والا ہے اور نہ سُننے والا تو یہ بجانا بیفائدہ ہے اور اُسنے جوابدیا تھا جسکا حاصل یہ تھا کہ مین اللہ کے لیے بجاتا ہون جسکی توجیہ ختم قصہ پر انشاء اللہ تعالیٰ بیان کیجاوے گی مقصود صرف حکایت سے یہ ہے کہ اسیطرح تو بھی کسی مستمع کو مت دیکھ کہ کوئی منتفع ہوگا یا نہین اللہ کے واسطے کہتا رہ اور وہ حکایت یہ ہے کہ) ایک شخص نے کسی دروازہ پر سحوری بجائی (سحور کہتے ہین آخر شب کھانے کو جسکو سحری بھی کہتے ہین اور یا اسمین نسبت کی ہے یعنی وہ آلہ جو سحور کے لیے جگانے کو بجاتے ہین خواہ نقارہ ہو یا دف ہو اور جس مکان کا وہ دروازہ تھا وہ) ایک (عالیشان) درگاہ تھی اور

کسی سردار کا ایوان تھا (رواق کے معنی غیاث میں یہ بھی لکھے ہیں مطلب یہ معلوم ہوتا ہے کہ دیکھنے میں
ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کسی سردار کا مسکن ہے یا کسی وقت میں ایسا ہوا ہوگا تا ویل کی وجہ یہ ہے کہ آگے
اُسکا خالی ہونا معلوم ہوتا ہے غرض وہ شخص) نصف شب کے وقت سحوری کو بڑے اہتمام سے بجا رہا تھا
ایک کہنے والے نے اُس سے کہا کہ اے طالبِ امداد (یہ اسلیے کہا کہ اُسنے گمان کیا کہ یہ کوئی سائل ہے
اسی امید میں ایسا کرتا ہے کہ گھر والا کچھ دیدے گا غرض یہ کہا کہ) اول تو (اگر یہ مکان خالی بھی نہ ہو
تب بھی) اس سحوری کو سحر کے وقت بجا (اور) آدھی رات کے وقت شور مت کر اے بے صبرے
(یہ بھی بگمان اُسکے سائل حریص ہونیکے کہا کہ غایت حرص سے اتنا صبر نہ ہوا کہ سحر ہونے دے اور)
دوسری یہ بات ہے کہ یہ سمجھ لے اے بوالہوس۔ کہ اس گھر میں اندر خود کوئی ہے بھی (سو) اس جگہ بجز
بھوت پریت کے کوئی نہیں ہے (یعنی مکان بھی خالی ہے پس) کیوں اپنا وقت ضائع کرتا ہے تو اپنے
گمان میں) کسی کان (میں ڈالنے) کے لیے دف بجا رہا ہے (مگر یہاں) کان کہاں ہیں (یعنی نہیں ہے
کیونکہ مکان میں کوئی آدمی ہی نہیں اور اسی طرح کان کے ساتھ اسکے لیے) ہوش کی ضرورت ہے تاکہ (اس
ہوش کے ذریعہ سے) معلوم کرے (کہ کوئی بجانے والا مانگ رہا ہے سو یہاں) ہوش کہاں ہے (کیونکہ یہاں
ذوی العقول رہتے ہی نہیں جیسا پہلے آچکا) اُس (سحوری زن) نے (جواب میں) کہا کہ بندہ کا جواب
سُن تاکہ تو تحیر و اضطراب میں نہ رہے (تونے جو وقت کے نا وقت ہونے کی نسبت کہا ہے سو بات یہ ہے کہ)
اگرچہ یہ وقت تیرے نزدیک آدھی رات ہے (لیکن) میرے نزدیک صبح طرب قریب ہوگئی (اور صبح
کے قریب ہی کا وقت سحر ہے جسمیں بجانے کو تو بھی بے موقع نہیں کہتا مطلب یہ کہ گو حقاً یہ نیمشب ہے مگر معنیً سحر کا
وقت ہے یعنی جو علت سحر کے وقت بجانے کی ہوتی ہے کہ وہ مفید ہے اس علت سے یہ وقت بھی سحر کے حکم میں
ہے کیونکہ میرے نزدیک اسوقت کا بجانا بھی مفید ہے وجہ یہ کہ تونے تو فائدہ کو منحصر کر رکھا ہے فائدۂ متعارفہ
میں اور وہ منتفی ہے اور میں نے دوسرے فائدہ کا قصد کیا ہے اور وہ مرتب ہے کیونکہ میں خدا کے لیے بجاتا
ہوں جیسا کہ مکان کے خالی ہونیکے جواب میں آیا ہے من ہم از بہر خدا و ند غفور الخ اور اسکا فائدہ سحر کے
ساتھ مخصوص نہیں نصف شب کے وقت بھی حاصل ہو سکتا ہے مثلاً فرض کیا جاوے کہ وہ اس نیت سے بجاتا ہو
کہ اہل تہجد اُٹھ جاویں سو تہجد کا وقت افضل نصف شب سے شروع ہو کر اخیر شب تک رہتا ہے گو فضیلت
میں یہ اجزا خود بھی متفاوت ہوں لیکن نفس فضیلت تو مشترک ہے اسلیے تہجد کے لیے جگانیکا ثواب
اسوقت کے جگانے سے بھی ملیگا اس اعتبار سے یہ وقت بھی بحکم سحر ہوا اور ممکن ہے کہ اور کچھ قصد
مشترک بین الوقتین ہو جسکی کاوش کی چنداں ضرورت نہیں کیونکہ مقصود حکایت کا اسپر موقوف نہیں
کہ اُسکی کوئی غرض صحیح ہی ہو بلکہ اگر غیر صحیح ہو تو یہ حکایت مقصود پر زیادہ دال ہوگی اسطرح سے کہ دیکھو
اس سحوری زن نے ایک ایسا فعل جسکی کوئی غرض بھی صحیح نہ تھی رضائے حق کے واسطے کیا تو تم فعل

تبلیغ جسمین اعلی درجہ کی غرض صحیح ہوسکتی ہے یعنی طلب رضائے حق اسی غرض یعنی طلب رضائے حق کے واسطے کیون نہ کرو غرض مقصود حکایت دونون طرح حاصل ہے لیکن بندہ نے تبرعاً ایک مثال فرض کرلی جس سے حکایت کی اچھی توجیہ ہو گئی آگے چند مادے بطور مثال کے ایسے مذکور ہین جسکا ظاہر اور طرح کا اور باطن اور طرح کا اور انمین اکثر مواد وہ ہین کہ ظاہر خسیس و رباطن نفیس صرف ایک مادہ اسکا عکس ہے کہ ظاہر نفیس یعنی پانی اور باطن خسیس یعنی خون باعتبار قبطیون کے اور یہ مثالین اسلیے لائے تاکہ ان سے اس دعوی مذکورہ گرچہ ہست اندم الخ کی تقویت و تائید ہوجاوے کہ جسطرح ان مثالونکی کیفیت ہے کہ صورۃً اور حالت ہے اور معنیً اور حالت اسیطرح یہان بھی ہے کہ صورۃً نیم شب اور معنیً سحر اور یہ مثالین گو زبان سحوری زن سے ہین مگر واقع مین خود مولانا کے ارشادات ہین افادات خاصہ کے لیے جو مناسبت مقام وارد کیے گئے مثال اول) ہر شکست (غیر اختیاری) میرے نزدیک (بلکہ ہر عارف کے نزدیک معنیً) فتح ہے (کیونکہ اسمین جو حکمتین اور مصلحتین ہوتی ہین انکے اعتبار سے وہ بھی معنیً کامیابی ہی ہے مثال ثانی) تمام شبین (یعنی مصائب) میری آنکھ مین دن (یعنی مسرتین) ہین (بالعلۃ التی ذکرت مثال ثالث اے قبطی) تیرے نزدیک رودنیل کا پانی خون ہے (اور) میرے (یعنی سبطی کے) نزدیک وہ پانی ہے نہ کہ خون اے دانا (مثال رابع) تیرے اعتبار سے لوہا ہے اور پتھر (اور) داؤد پیغمبر (صلے اللہ علیہ وسلم) کے نزدیک موم ہے اور نرم (کما قال اللہ تعالی والنا لہ الحدید الایۃ مثال خامس) تیرے نزدیک پہاڑ ثقیل (الطبع) ہے اور جماد (مگر) صاحب لحان استاد (یعنی کامل) ہے نزدیک داؤد علیہ السلام کے (کما قال تعالی انا سخرنا الجبال معہ یسبحن بالعشی والاشراق الایۃ مثال سادس) تیرے نزدیک وہ سنگریزہ ساکت ہے (اور) احمد صلے اللہ علیہ وسلم کے نزدیک وہ فصیح اور مطیع ہے (کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے حکم سے تشہد پڑھنے لگا جب مولانا نے یہ قصۃ کسی مقام پر بیان فرمایا ہے سنگہا اندر کف بوجہل بود الخ مجھکو یاد نہین کہ کسی حدیث مین ہے یا نہین مثال سابع) تیرے نزدیک ستون مسجد (حنانہ) کا ایک مردہ (و بیجان) ہے (اور) احمد صلے اللہ علیہ وسلم کے نزدیک عاشق دل بردہ ہے (جیسا کتب حدیث مین صحیح سند سے مشہور ہے آگے تخصیص امثلۂ ربعۂ اخیرہ کے بعد ان امثلہ کے معنی مشترک کی تعمیم ہے کہ اسیطرح) تمام اجزائے عالم (جو از قسم جمادات و نباتات ہین) عوام کے نزدیک مردہ ہین اور خدا تعالی کے نزدیک عاقل اور مطیع ہین (عاقل سے مراد قوت علمیہ کے ساتھ اور مطیع سے مراد قوت عملیہ کے ساتھ موصوف ہونا ہے یہان تک تو تقریب التائید تھی معترض کے سوال اول کی کہ ناوقت بجا رہا ہے آگے اسکے دوسرے اعتراض کا جواب ہے یعنی) تو جو کہتا ہے کہ اس قصر اور سرامین کوئی نہین پھر یہ طبل کیون بجاتا ہے (سو اسکا جواب یہ ہے کہ) خدا کے واسطے یہ خلائق زر دیتے ہین (اور خدا ہی کے واسطے) صدہا بنیاد خیر کی (مثلاً مدارس و خانقاہ کی) اور مسجد کی قائم کرتے ہین (اور خدا ہی کے واسطے مال اور بدن حج کے دور و دراز راستہ مین

خوش خوش نثار کرتے ہین عشاق مست کی طرح (حج چونکہ مرکب ہے عبادت بدنیہ و مالیہ سے اسلیے دونون کو جمع کر دیا تو ان ہوا قیع مذکورۂ انفاق مال و بناء مدرسہ و خانقاہ و مسجد و بذل مال و نفس فی الحج مین بھی بطور اعتراض کے) کبھی یہ کہتے ہین کہ یہ گھر خالی ہے (مثلاً کعبہ مین کون ہے جسکے لیے سفر کرکے آتے ہین دوسرے انفاقات کس کیلیے کرتے ہو اس دارِ دنیا مین کوئی نظر نہین آتا جس سے اسکا عوض چاہتے ہو پس آن خانہ عام ہوگا بیت اللہ اور دارِ دنیا کو غرض ایسی بات اعتراض کی کوئی نہین کہتا اور) ایسی بات کب کہے گا جس شخص کو (ذرہ بھی) آگاہی ہے (کیونکہ اُس آگاہی سے اُسکو معلوم ہے کہ یہ سب کا) خدا کے لیے کیے ہین اور اُسکے لیے کام کرنا اسپر موقوف نہین کہ وہ دیا اور کوئی اس مقام مین ہوا ہی کرے تو دیکھو یہان نہ بھی گھر خالی اور یہ فعل عبث نہین آگے بطور ترقی فی الجواب کے فرماتے ہین کہ یہ خلو جو مذکور ہوا باعتبار چشم ظاہر کے ہے باقی چشم باطن سے تو) پُر دیکھتا ہے سرائے دوست کو (یعنی بیت اللہ کو یا مطلق دارِ دنیا کو کہ اول باضافتِ تشریفیہ اور ثانی باضافت تملیکیہ مضاف ہے اللہ تعالیٰ کی طرف آگے فاعل ہے ہمی بیند کا یعنی سرائے دوست کو پُر دیکھتا ہے) وہ شخص جس کو نور الٰہی سے ضیا حاصل ہے (نور الٰہی سے مراد نور معرفت ہے اور پُر دیدن سے مراد اللہ تعالیٰ کے افعال و مظاہر سے پُر دیکھنا ہے کہ وہ دال ہین وجود حق پر پس جیسا استحضار اُنکو مشاہدۂ بلا واسطہ سے ہوتا ویسا ہی اس مشاہدۂ بواسطہ سے اس لیے یون کہا جاویگا کہ سرائے دوست کو گویا خود دوست ہی سے معمور دیکھ لیا کیونکہ اُسکی نظر تو مقصود پہ ہے یہان اُسکا مقصود حاصل ہے تو اُسکے نزدیک پُر ہے گو ظاہراً خالی ہی ہو اور جہان مقصود حاصل نہین وہ خالی ہے گو ظاہراً پُر ہی ہو چنانچہ اس بنا پر) بہت سے گھر جو کہ جماعت اور ہجوم سے پُر ہین۔ وہ انجام بینون کی نظر مین خالی ہین (یہ شبہہ نہ کیا جاوے کہ عارف تو ہر جگہ مقصود کو دیکھتا ہے پھر اُسکی نظر مین کوئی گھر خالی کیسے ہوگا جواب یہ ہے کہ یا تو مراد خاص اُس حالت کے اعتبار سے ہے جبکہ اُسکو احیاناً ذہول ہوجاوے چنانچہ ایسا ہو بھی جاتا ہے ولو قلیلاً اور یا عارف عاقبت بین کے اعتبار سے حکم کرنا مقصود نہین بلکہ باعتبار محجوب کے ہے اور منتہی چشم کے معنی یہ ہونگے کہ در نظر عارف این حکم ثابت باشد کہ این سرائے جامع انبوہ باعتبار محجوب و محروم خالی ست آگے تفریع ہے شعر پُر ہمی بیند پر اور اُسکے بعد کا شعر محض اُسکے مقابلہ کے طور پر تھا یعنی جب معلوم ہوا کہ عارف کا اُس گھر کو بھی خالی نہ سمجھنا جو ظاہراً خالی ہے معلل اس علت سے ہے کہ اُسکو نور معرفت حاصل ہے اور محل اس نور کا قلب ہے تو اس سے ثابت ہوا کہ اصل موقع طلب حق کا قلب عارف ہے اُس سے ارتباط استفادہ کرنے سے حق کا قرب میسر ہوتا ہے چنانچہ ظاہر ہے پس اسی کو فرماتے ہین کہ) تو جسکو طلب کر رہا ہے (یعنی مقصود حقیقی کو) تو (اُسکو) کعبہ (قلب عارف) مین تلاش کر (کعبہ کی یہ تفسیر آئندہ شعر مین آتی ہے یعنی عارف کی تعلیم و صحبت مین تلاش کر) تاکہ وہ فوراً تیرے سامنے ظاہر ہو جاوے (یعنی تجکو اُسکی معرفت بھی ہوجاوے اور نسبت بھی اُس سے حاصل ہو جاوے یہی اُسکا ظہور اور قرب ہے آگے اس کعبہ کی تفسیر ہے کہ مراد ہماری یہ کعبۂ مشہورہ نہین بلکہ) جو صورت کہ فاخر اور عالی ہوتی ہے (مراد بدن

عنصری عارف کامل کا یعنی) وہ (صورت) کعبہ سے کب خالی ہوتی ہے (اور ظاہر ہے کہ یہ کعبۂ مشہورہ اس بدن میں نہیں ہے البتہ قلب ضرور ہے پس معلوم ہوا کہ مراد اس سے قلب ہے یہ تفسیر ہو گئی کعبۂ مذکورہ فی الشعر السابق کی آگے اس قلب کی فضیلت و مدح ہے کہ) وہ (قلب افادۂ خلق کے لیے ہر وقت) حاضر ہے (اور) منزہ ہے دروازہ بند ہونے سے (کذا فی منتخب اللغات فی تفسیر الرتاج مطلب یہ کہ جس طرح کعبہ میں تعبد کو ہر وقت ذریعہ قرب الٰہی کا بنا سکتے ہیں اسی طرح اس مثال کعبہ یعنی قلب عارف سے بھی ہر وقت استفادہ ممکن ہے اسطرح سے کہ اسکی صحبت سے جو برکت حاصل ہوئی اور اسکی تعلیم سے جو طریقہ معلوم ہوا ہر وقت اس سے انتفاع ہو سکتا ہے اور یہ مطلب نہیں کہ ہر وقت اس سے ظاہرا بھی استفادہ سہل ہے اور کسی وقت اسکو تعب ہو نہ ملنے جلنے سے عذر ہو غرض اسکی تو یہ شان ہے کہ ہر وقت افادہ کے لیے حاضر ہے اور) باقی آدمی (جو غیر عارف رہ گئے وہ) احتیاج (یعنی استفادہ) کے لیے ہیں (پس اسکا کام افادہ ہے دوسروں کو چاہیے کہ استفادہ کریں یہاں تک وہ مضمون جو بطور ترقی جواب کے ذکر کیا گیا تھا ختم ہوا اگلا مضمون مربوط ہے بیت بالا ہیچ میگویند اکنوں کے ساتھ گویا اس شعر کی طرف عود ہے یعنی جو وغیرہ کرنے والوں کو کیا کبھی یہ کہتے ہیں کہ یہ گھر خالی ہے جیسا اوپر مذکور ہوا یا) کبھی (اپنی لبیک کی نسبت) یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ بار بار کی لبیک۔ بدون کسی نداء کے (جو پہلے ہوئی ہو) آخر میں کیوں کرتا ہوں (مطلب یہ کہ لبیک کے معنی ہیں حاضر ہوتا ہوں اور یہ جواب میں کسی بلانے والے کے ہوتا ہے سو یہ شبہہ نہیں ہوتا کہ جب ہمکو کسی نے پکارا نہیں تو ہم لبیک کس کے جواب میں کہتے ہیں سو یہ شبہہ بھی کوئی نہیں کرتا اور نہ تجھ سے کوئی پوچھ سکتا ہے کہ) ندا کہاں ہے جس پر تو لبیک (سے جواب) دے رہا ہے (اور کوئی پوچھ سکتا کہ) تیری لبیک (کسی کے) ندا (دینے) سے کیسے خالی ہو گئی (یعنی کسی نے تجھکو ندا نہیں دی تو تو لبیک کیسے کہتا ہے سو باوجود اسکے کہ یہ سوال تجھ پر متوجہ ہو سکتا ہے مگر تجھکو کبھی یہ شبہہ نہیں ہوا) بلکہ (یوں سمجھ لیا گیا اور اگر کوئی پوچھے تو یہ جواب تجویز کر لیا گیا کہ) جو توفیق کہ لبیک کا باعث ہو رہی ہے۔ وہی ہر لحظہ (بجائے ندا (کے) ہے حضرت احد کی طرف سے (یعنی لبیک ایک عبادت ہے اور موقوف ہے توفیق پر پس وہی توفیق بجائے ندا رحق کے ہے یہ بات سمجھکر شبہہ نہیں رہا پس ثابت ہوا کہ جیسے یہاں قاطع سوال یہی امر ہے کہ ہم خدا کے لیے اور اسکی توفیق سے کر رہے ہیں اسی طرح مجھ پر جو سوال کیا جاتا ہے کہ تو خالی گھر پر کیوں بجا رہا ہے اس سوال کو بھی ایسے ہی جواب سے قطع کر لو کہ میں خدا کے لیے بجا رہا ہوں اگر گھر خالی ہو تو ہوا اور یہ خالی مان لینا باعتبار چشم ظاہر کے ہے باقی چشم باطن سے میں اسکو پر دیکھتا ہوں چنانچہ) میں خوشبو سے جان رہا ہوں کہ یہ قصر و سر المحفل پر وہی واقع ہوئی ہے اور اسکی خاک اکسیر (واقع ہوئی ہے اسلیے) میں اپنے تانبے کو بذریعہ زیر و بم (یعنی سرود اور ضرب دف یا طبل) کے ابد تک کے واسطے اس (فقر) کی اکسیر پر مل رہا ہوں تاکہ اسطرح کے ضرب سحوری سے جوش میں آجاویں۔ دُر افشانی کرنے میں عطا کے سبب (کرم کے) دریا

رمراد بخشش حق یعنی بخشایش حق کی تحصیل کے لیے ایسا کرتا ہون یہ تو تقریر ہے غایت کی جو تا بجوشد الخ مین مذکور ہے باقی من بہ و دانم الخ کی توجیہ میرے مذاق کے موافق یہ ہے کہ بوسے مراد ادراک باطنی اور قصر کے بزم جان اور کیمیا واقع ہونیسے مراد اُسکا ذریعۂ طاعت و بِرّ واقع ہونا ایک خاص وجہ سے جسکی تعیین بضمن تقریر آتی ہے اور مس سے مراد اپنا عمل و ارادہ کہ فی نفسہ کم قدر ہے اور قبول کے بعد با قدر ہوجاتا ہے پس تقریر یہ ہے کہ اس قصر خالی پر بجانا بغرض رضاے حق جیسا اوپر خود مثنوی مین مذکور ہوا اور احقر نے اُس نیت کی ایک مثال حسن بھی ذکر کی ہے یعنی ایقاظ للتہجد تو اس غرض سے بجانا خالی قصر پر یہ اقرب الی الاخلاص ہے کیونکہ آباد گھر پر تو نفس مین طمع جلبِ مال کی بھی ہوسکتی ہے اور پھر اخلاص اس سے اور زیادہ ہوگیا کہ اسمین اخفاء اخلاص بھی ہے کیونکہ ویرانہ مین بجاتا تو یہ بے طمعی ظاہر ہوجاتی۔ اب ایسے گھر پر بجا رہا ہون کہ نفس مین تو کوئی طمع نہ ہو کہ بطور خود پہلے سے اُسکا خالی ہونا معلوم کرلیا ہوگا مگر دوسرے ناظرین یہ سمجھین کہ اس قصر کو آباد سمجھکر بطمع مال بجا رہا ہے تو اسطرح سے ایسے قصر پر کہ صورت سے آباد معلوم ہوتا ہے اور واقع مین آباد نہین بجانے مین پورا اخلاص ہوا اور پورے اخلاص سے قرب زیادہ ہوتا ہے تو اسطرح سے یہ گھر ذریعہ بن گیا طاعت و بِرِّ کامل کا اور یہی وہ خاص وجہ ہے جسکے بیان کا ابھی وعدہ کیا تھا اسلیے مین اس طریق ضرب کو ذریعہ قرب و قبول کا کر رہا ہون پس اس بناء پر یہ قصر میرے نزدیک خالی بھی نہین کیونکہ اس مقام پر عمل کرنے سے محبوب کا قرب مشاہدہ کر رہا ہون اور یہ مضمون من بہ و دانم الخ ویسا ہی ہے جیسا اوپر آیا تھا پُر ہمی بیند یعنی جیسا وہان اوّل جواب مین اوّلاً گھر کا خلو مانکر پھر بطور ترقی جواب کے اُسکا پُر ہونا بیان کیا تھا اسی طرح یہان آخر جواب مین تسلیم خلو کے بعد پھر ترقی کرکے اُس کے پُر ہونے کا دعویٰ کیا آگے پھر حاصل و اصل جواب کی تائید ہے اور وہ اصل جواب اللہ کے لیے اس کام کا کرنا ہے یعنی دیکھو) مخلوق (کثیر) صف قتال و کارزار مین۔ جان بازی کرتے ہین خداے تعالیٰ کے واسطے۔ (یہ قتال عام ہے مع النفس و مع الکفار کو یعنی طاعات مین گونا گون مشقتین اُٹھاتے ہین چنانچہ) ایک شخص بلا مین ایوب علیہ السلام کی طرح ہے۔ اور دوسرا صبر مین یعقوب علیہ السلام کی طرح ہے۔ ایک نوح علیہ السلام کی طرح اندوہ و کرب مین ہے۔ اور دوسرا احمد صلے اللہ علیہ وسلم کی طرح صف حرب مین ہے۔ یہ شخص دنیا سے ابوذرؓ کی طرح پُرحذر ہے (اور یہ بھی نفس کے خلاف ہے اسلیے قتال مذکور فی السابق کے تحت مین یہ بھی آگیا) اور دوسرا استقامت مین حضرت عمرؓ کی طرح ہے (استقامت کا خلاف نفس ہونا بہت ہی ظاہر ہے غرض) لاکھون مخلوق (کہ مشقتین اور مجاہدات اختیار کرکے) تشنہ اور (ترک دنیا اختیار کرکے) محتاج (ہوگئے) ہین مگر اسی حالت مین راضی رہکر) حق تعالیٰ کے واسطے امید (قبول) سے کوششین کرتے ہین (پس اسی قاعدہ مسلوکہ طالبان حق کے موافق) مین بھی خداوند غفور کے لیے۔ دروازہ پر اُسکی (رضا کی) امید مین سحوری بجا رہا ہون (تو مجھپر تعجب و اعتراض کیون ہے) ف اشعار حکایت کی تمہید مین وعدہ کیا تھا

کہ اس حکایت کی توجیہ کہ ضرب سحوری اللہ کے واسطے کیسے ہو سکتی ہے ختم قصہ پر لکھی جاویگی سو اب اُس کے متعلق عرض کرتا ہوں بیان چند سوال ہین اُن سب کو مع جواب سُن لیا جاوے بس توجیہ کے موجہ ہونیکے لیے یہی کافی ہے **سوال اوّل** دف یا طبل بجانا اللہ کے واسطے کیسے ہو سکتا ہے **جواب** اسکا امکان بیت گرچہ ہست اینذم الخ کی شرح مین مذکور ہوا ہے **سوال دوم** دف تو فی نفسہ مباح ہے وہ نیت طاعت سے حسن ہو سکتی ہے مگر طبل غیر مباح ہے اُسمین نیت کیسے مؤثر ہو سکتی ہے **جواب** اگر طبل بمعنی دف ہو تب تو کچھ اشکال ہی نہین اور اگر اپنے حقیقی معنی پر ہو تو طبل سحور کو فقہاء نے جائز کہا ہے اُسپر قیاس کرنے کی گنجایش ہے **سوال سوم** خالی گھر پر بجانے سے کیا فائدہ تھا **جواب** اسکا فائدہ ابیات من بیود انم الی تا بجو شدکی شرح مین گذرا ہے اور وہان یہ بھی مذکور ہے کہ پھر ویرانہ کیون نہ اختیار کیا اور یہ سب توجیہات اُسوقت ضروری ہین جب اُسکے فعل کو مشروع کہا جاوے ورنہ سیدھی بات یہ ہے کہ اُسنے ممکن ہے کسی غلطی سے ایسی نیت کرلی ہو مگر ہمارا استدلال غرض حکایت کے لیے پھر بھی صحیح رہیگا جیسا بیت گرچہ ہست اینذم کی شرح مین یہ بھی گذرا ہے البتہ اگر مولانا کے کلام مین اُسکے فعل کے محمود ہونے پر کوئی دلالت ہوتی تو مثل حکایت پیر چنگی مذکور فی الدفتر الاول کے اُسکی توجیہ ضروری تھی خواہ وہ توجیہ جو اوپر مذکور ہوئی خواہ ایسی توجیہ جیسی پیر چنگی کے حکایت کے خاتمہ پر بندہ نے ذکر کی ہے -

مشتری خواہی کہ از وے زر بری
تو مشتری کو چاہتا ہے جس سے ثمن حاصل کرے

بہ ز حق کے باشد اے دل مشتری
حق سے بہتر اے دل کب کوئی مشتری ہوگا

می خرد از مالت انبانِ نجس
وہ تیرے مال مین سے ناقص تھیلا لیتا ہے

می دہد نورِ ضمیرِ مقتبس
قلب روشنی گیرندہ کا نور دیتا ہے

می ستاند این نجس جسم فنا
وہ یہ ناقص جسم فانی لیتا ہے

می دہد مُلکے برون از وہم ما
ایک سلطنت جو ہمارے خیال سے باہر ہے دیتا ہے

می ستاند قطرۂ چندے ز اشک
وہ چند قطرے اشک کے لیتا ہے

می دہد کوثر کہ آرد قند رشک
کوثر دیتا ہے کہ اُسپر قند بھی رشک کرتا ہے

می ستاند آہِ پُر سودا و دود
وہ ایک آہ جو عشق اور دود سے پُر ہو لیتا ہے

می دہد ہر آہ را صد جاہ و سُود
ہر ہر آہ کو صدہا قدر اور نفع دیتا ہے

بادِ آہے کابرِ اشکِ چشم راند
جس آہ کی ہوا نے ابر اشک چشم کو چلایا
مر خلیلے را بدان آہ اوّاہ خواند
حضرت خلیلؑ کو اُس آہ کے سبب اوّاہ فرمایا

ہین درین بازارِ گرمِ بے نظیر
ہان اِس بازار بارونق۔ بے نظیر مین
کہنہا بفروش و مُلکِ نو بگیر
کُہنہ چیزین بیچ ڈال اور مُلک تازہ لے لے

ور ترا شکّے و ریبے رہ زند
اور اگر کوئی شک و تردد تیری رہزنی کرے
تاجرانِ انبیا را کن سند
تو تو تاجرانِ انبیا کو مایہ السند گردانے

بسکہ افزود آن شہنشہ بختِ شان
بسکہ اُس شہنشاہ نے اُنکا نصیب بلند کر دیا تھا
می نتاند کہ کشیدن رختِ شان
تو پہاڑ بھی اُنکی متاع کو نہیں اُٹھا سکتا

(نتیجہ متفرعہ ہے حکایت کا اور یہی مضمون تھا حکایت کے قبل بھی پس مطلوب تو دعویٰ ہے جو حکایت کے قبل مذکور تھا اور حکایت اُسپر بطور دلیل کے ہے اور دلیل کے بعد پھر بطور انتاج کے بتغیّر الفاظ اعادہ ہے دعویٰ کا کما تقول العالم حادث لانہ متغیر وکل متغیر حادث فالعالم حادث یعنی اگرچہ طالب مشتری کو رغبت نہ ہو تب بھی اللہ کے لیے دعوت کر وھذا ما ذکر قبل الحکایۃ وہی اللہ حقیقی مشتری ہے اور وہ قدر دان ہے پس اُس مشتری کو دیکھ وھذا ما بعد الحکایۃ پس فرماتے ہین کہ اگر) تو مشتری کو چاہتا ہے جس سے غرض حاصل کرے (اور بلا مشتری کے متاع دینے کی یعنی بذل النفس و افراغ جہد کی ہمت نہین ہوتی تو) حق سے بہتر اے دل کب کوئی مشتری ہوگا (پس اُس مشتری سے سودا کر اور وہ مشتری ایسا ہے کہ) وہ تیرے مال مین ناقص تھیلا (کنایہ ہے اعمال غیر کاملہ سے) لیتا ہے (اور اُسکے عوض مین) قلب وشی گیرندہ کا نور دیتا ہے (مقتبس باعتبار مایؤول کے کہا گیا کیونکہ وہ اسی نور کے سبب سے مقتبس ہوا ہے اور) وہ (ایسا ہے کہ) یہ ناقص جسم فانی لیتا ہے (اور عوض مین) ایک سلطنت جو ہمارے خیال سے باہر ہے دیتا ہے (قال اللہ تعالیٰ فی الاشتراء ان اللہ اشتری من المؤمنین انفسھم واموالھم بان لھم الجنۃ وقال فی کونہ ملکا عظیما واذا رأیت ثم رأیت نعیما وملکا کبیرا وقال اللہ تعالیٰ فی کونہ خارجا عن اوھامھم فلا تعلم نفس ما اخفی لھم من قرۃ اعین وقال تعالیٰ علی لسانہ علیہ السلام فی ھذا اعددت لعبادی الصالحین ما لا عین رأت ولا اذن سمعت ولا خطر علی قلب بشر الحدیث اور) وہ (ایسا ہے کہ) چند قطرے اشک کے لیتا ہے (جو اُسکی یاد یا محبت یا خوف سے بہائے جاوین اور عوض مین) کوثر دیتا ہے کہ اُسپر قند بھی رشک کرتا ہے (یعنی قند سے بھی زیادہ شیرین و لذیذ ہے کما فی الحدیث

احلی من العسل اور) وہ (ایسا ہے کہ) ایک آہ جو عشق و دُود سے پُر ہولیتا ہے (اور عوض مین) ہر آہ کو صدہا قدر اور نفع دیتا ہے اور یہ آہ ایسی مقبول ہے کہ) جس آہ کی ہوا نے ابر اشک چشم کو چلایا۔ حضرت خلیل کو اُس آہ کے سبب (مقام مدح مین کہ مبنی ہے قبول پر) اَوّاہ فرمایا (الاواہ الرحیم الرقیق القلب من الآہ کذا فی کتب اللغات القاموس وغیرہ وجہ تشبیہ آہ کی ہوا سے اور بخارات کی ابر سے اور اشک کی قطرات سے ظاہر ہے جب مشتری ایسا ہے تو) ہان اُس بازار بارونق اور بے نظیر مین (جہان ایسا مشتری ہے) کہنہ (وبوسیدہ) چیزین بیچ ڈال اور مُلک تازہ لے لے (کہنہا سے مراد نفس واموال دنیا اور مُلک تازہ سے ثواب آخرت اور بازار سے مراد یہ عالم جبکہ اسمین یہ تجارت کیجاوے کہ گرم وبنظیر اسی تجارت کے اعتبار سے کہا گیا ہے وقد اشیر الی صحۃ تسمیۃ سوقًا فی قولہ تعالیٰ یا ایّھا الذین اٰمنوا ھل ادلکم علی تجارۃ تنجیکم من عذاب الیم الاٰیۃ فان التجارۃ تختص عادۃً بالسوق آگے اسکے متعلق جُبن ووساوس عارضہ کی دفع کی تدبیر بتلاتے ہین کیونکہ یہ بیع العاجل بالآجل ہے جسمین وساوس کا عروض اور احیانًا عزم کا ضعف غیر بعید ہے اِسلیے اُسکو دفع کرتے ہین یعنی ہمارے بتلانے کے موافق اپنی طرف سے اس تجارت کی ہمت کر) اور اگر کوئی شک اور تردد تیری راہ زنی کرے (گو یہ عقیدہ کے درجہ مین نہ ہو بلکہ باوجود صحت عقیدہ کے محض وسوسہ ومنازعت شہوات کے درجہ مین ہو جیسا اسلام مخاطب اسکا قرینہ ہے تو اِسکے دفع کرنے کے لیے) تو تاجران انبیا کو مابہ السند گردان لے (یعنی یہ دیکھ لے کہ حضرات انبیا علیہم السلام کے رفقاء مین اس قسم کے تاجر ہوئے ہین اُنھون نے اس تجارت کا کس درجہ اہتمام کیا ہے تو اُن کے فعل سے جو کہ حضرات انبیا علیہم السلام کے روبرو ہوا صاف معلوم ہو گیا کہ قرآن مین ایسی ہی تجارت مطلوب ہے اور اسکی اور کوئی تاویل نہین ہے اس سے وسوسے تاویل کے بھی دفع ہو جاوینگے اور چونکہ اپنے ابن نوع کے فعل کا طبعًا وخاصۃً قلب پر اثر ہوتا ہے اور اُس سے ہمت بڑھتی ہے اِسلیے اس سے جُبن بھی دفع ہو جاوے گا اور تاجران انبیاء مین اضافت ادنیٰ ملابست سے ہے آگے اُن تاجران انبیا کا اس تجارت مین رابح ہونا کہ اسکا بیان کرنا بھی مقوی رغبت ہے بیان فرماتے ہین کہ) بس کہ اُس شہنشاہ (حقیقی) نے اُنکا نصیب بلند کر دیا تھا (کہ ایسی تجارت کی اُن کو توفیق ہوئی) تو (اُن کو بلند طالعی سے اس تجارت مین اسقدر نفع ہوا کہ) پہاڑ بھی اُنکے متاع کو (جو اُن کو نفع مین ملی) نہین اُٹھا سکتا (باوجودیکہ پہاڑ ظاہر ہے کہ کتنا بوجھ اُٹھا سکتا ہے اور یہ مبالغہ نہین کیونکہ بوجہ انکی جزا کے لا تقف عند حدٍ ہونے کے ایک محدود زمانہ مین اس اجر ونعمت کی اتنی مقدار پہونچ جاوے گی کہ پہاڑ کو اُسکے ساتھ ایسی نسبت ہو جاوے گی جیسے اس وقت ایکدانہ خردل کو پہاڑ کے ساتھ اور ظاہر ہے کہ خردل کو حامل جبل نہین کہہ سکتے بس اسی طرح اسکو سمجھنا چاہیے) **ف** آگے مضمون تاجرانِ انبیاء اکن سند کی مناسبت سے قصۂ حضرت صدیق رضؓ وحضرت بلال رضؓ کا بیان فرماوینگے کہ حضرت صدیق نے

اپنا مال حضرت بلالؓ کے استخلاص میں اور حضرت بلالؓ نے اپنا نفس ثبات علی الایمان میں بلا التفات قدر دانی مخلوق کے بذل فرمایا اور ان اللہ اشتریٰ من المؤمنین انفسھم و اموالھم بان لھم الجنۃ کا نفع پایا وھذا اٰخر العشر الثانی من شرح الدفتر السادس من المثنوی المعنوی اکملہ اللہ تعالیٰ علی ید ھذا العبد۔ بلطفہ الخفی وادعو اللہ تعالیٰ ان یتم ما بقی منہ وھو علی کل شئ قدیر وبالاجابۃ جدیر۔ وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد نبیہ البشیر النذیر۔ الداعی الیہ باذنہ والسراج المنیر وعلی اٰلہ واصحابہ وبارک وسلم وھو اللطیف الخبیر۔ وقد صرف فی کتابۃ شرح ھذا العشر شھر و ربع شھر بلا زیادۃ و بلا نقصان وھذا الیوم ھو السادس عشر من شھر صفر المظفر من شھور سنہ ۱۳۳۲ من ہجرۃ سید اھل الاکوان صلی اللہ علیہ وعلی اٰلہ واصحابہ ما طلع القمران وتعاقب الملوان

عارف باللہ حضرت مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ کی نادرِ روزگار،
اور معرکہ آرا کتاب "مثنوی معنوی" کی جامع اور لاجواب شرح

کلیدِ مثنوی

حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی نوراللہ مرقدہٗ

17

یہ وہ مقبول خاص و عام کتاب ہے کہ خواندہ ناخواندہ سب ہی اس سے دلچسپی لیتے ہیں مگر مضامین عالیہ ہونے کی وجہ سے مطالب سمجھنے میں بڑی دقت پیش آتی ہے اور بعض اوقات نوبت الحاد و زندقہ تک پہنچ جاتی ہے، حضرت حکیم الامت نے اشعارِ مثنوی کو واضح کر کے اور مسائل تصوف کو عام فہم بنا کر نہایت خوبی سے سمجھا دیا ہے حقیقت یہ ہے کہ اِس سے معتبر اور شریعت و طریقت کا پاس و ادب رکھ کر مضامین کو حل کرنے والی کوئی اور شرح نہیں لکھی گئی

ادارہ تالیفاتِ اشرفیہ
بیرون بوہڑ گیٹ
ملتان

کلید مثنوی

عارف باللہ حضرت مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ کی نادر روزگار،
اور معرکہ آراء کتاب مثنوی معنوی کی جامع اور لاجواب اردو شرح

کلیدِ مثنوی

از:

حکیم الامۃ مجدد الملۃ حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہ

جلد ۱۷

یہ وہ مقبول خاص و عام کتاب ہے کہ خواندہ، ناخواندہ سب ہی اس سے دلچسپی لیتے ہیں۔ مگر مضامین عالیہ ہونے کی وجہ سے مطالب سمجھنے میں بڑی دقت پیش آتی ہے اور بعض اوقات نوبت الحاد و زندقہ تک پہنچ جاتی ہے۔ حضرت حکیم الامت نے اشعارِ مثنوی کو واضح کر کے اور مسائل تصوف کو عام فہم بنا کر نہایت خوبی سے سمجھا دیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس سے معتبر اور شریعت و طریقت کا پاس ادب رکھ کر مضامین کو حل کرنے والی اور کوئی شرح نہیں لکھی گئی

ادارہ تالیفاتِ اشرفیہ
بیرون بوہڑ گیٹ • ملتان

كما ارسلنا فيكم رسولا منكم يتلوا عليكم آياتنا ويزكيكم ويعلمكم الكتاب والحكمة ويعلمكم ما لم تكونوا تعلمون

چون در کریمۂ صدر قوله یتلوا و یعلمکم الکتاب بر فضل علم نظم وحی و قوله یزکیکم بر شرف علم کلام و عقائد و علم سلوک و قوله والحکمة بر مزیت علم اسرار و علم اصول دال باوضح بیان ست و از ان جزو بودن تصوف که مشتمل بر سلوک و اسرار ست از علم دین نیک عیان ست و باتفاق اہل مذاق مثنوی را در کتب این فن خاص شانے ست لاکن از اغلاقش محتاج تبیان ست بنا بر علیہ این شرح آمد و که معنونش را

کلید مثنوی

عنوانست این نصف اول دفتر ششم از انست بنام نامی مؤلفش مولانا اشرف علی حنفی تھانوی که مشہور عالمیانست که ذات ستایش صفاتش رہنمائے گمراہان و مقتدائے جہانیانست و در وے اہل متن را چنان حل کرده که غایت امکانست و مسائل ابطونه تقریر نموده که ہم موافق تحقیق اہل تصوف ست ہم مطابق حدیث و قرآن ست و مشکلات و اغلاط بطرزے دور ساخته که موجب اطمینان انسانست بجا بجا ملفوظات سیدنا الحاج محمد امداد اللہ که مطرب کان نشاط اہل دانش ست ہم درج نموده حسب فرمایش جناب مولوی محمد انعام اللہ صاحب تاجر کتب کانپور بمکان

در مطبع مجتبائی واقع دہلی باہتمام محمد عبد الاحد غفر له الله الاحد طبع گردید

ج ۱۷ ک ۱

بسم اللہ الرحمن الرحیم

العشر الثالث من شرح دفتر السادس من المثنوی افتتحت فیه للحادی عشر من ربیع الاول یوم السبت من سنه ۱۳۳۲ من الهجرة

قصهٔ بلال حبشی رض و شوقِ او و رنجانیدنِ خواجه او را و معلوم کردنِ صدیق رض حالِ او را

(ربط اوپر مذکور ہوا کہ اس قصہ مین بذل اموال و انفس فی اللہ بلا انتظار فائدہ دانی مخلوق کی تفصیل ہے جس طرح حضرت صدیق رض نے بذل اموال و حضرت بلال رض نے بذل نفس فرمایا)

تن فدای خار میکرد آن بلال رض　　خواجه اش می زد برای گوشمال

تن کو فدائے خار کرتے تھے وہ بلال رض　　اُن کا مالک سزا دینے کے لیے مارتا تھا

که چرا تو یادِ احمد می کنی　　بندهٔ بد منکرِ دینِ منی

کہ تو کس سبب سے احمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کرتا ہے　　تو بُرا غلام میرے دین کا منکر ہے

می زد اندر آفتابش او به خار　　او احد می گفت بهرِ افتخار

وہ دھوپ مین اُنکو خار سے مارتا تھا　　وہ احد کہتے تھے افتخار کے لیے

تا که صدیق رض آن طرف بگذشت تفت　　آن احد گفتن بگوشِ او برفت

یہان تک کہ حضرت صدیق رض اُس طرف سُرعت کے ساتھ گذرے　　وہ احد کہنا اُن کے کان مین پہونچا

چشمِ او پُر آب شد دل پُر عنا　　زان احد می یافت بوے آشنا

اُن کی آنکھ پُر نم ہوگئی - دل پُر غم　　اُس احد سے پاتے تھے خوشبو آشنا کی

بعد ازان خلوت بدیدش پند داد
اُسکے بعد اُنکو خلوت مین دیکھا - نصیحت کی
عالم السر ست پنہان دار کام
خدا پوشیدہ بات کا جاننے والا ہی ہی مقصود پوشیدہ رکھو
روز دیگر از پگہ صدیق تفت
کسی اور دن مین صبح سے حضرت صدیقؓ سرعت کے ساتھ
باز احد بشنید وضرب زخم خار
پھر اُنھون نے احد سنا اور زخم خار کی ضرب
باز پندش داد باز او توبہ کرد
پھر اُنکو نصیحت کی اور اُنھون نے پھر توبہ کر لی
توبہ کردن زین نمط بسیار شد
توبہ کرنا اِس طرح سے بہت دفعہ ہوا
فاش کرد اسپرد تن را در بلا
ایمان ظاہر کر دیا- تن کو بلا مین سپرد کیا
اے تن من وے رگ من پر ز تو
اے کہ میرا تن اور اے کہ میری رگ آپ سے پُر ہی
توبہ را ازین لپس زدل بیرون کنم
توبہ کو اِسکے بعد دل سے باہر کرتا ہون

کز جہودان خفیہ می دار اعتقاد
کہ یہودیون سے اعتقاد کو مخفی رکھو
گفت کردم توبہ پیشت ای ہمام
کہا کہ مین نے تمھارے سامنے توبہ کر لی اے بزرگوار
آن طرف از بہر کاری می برفت
اُس طرف کو کسی کام کے لیے جا رہے تھے
بر فروزید از دلش شور و شرار
روشن ہوا اُن کے دل سے شور اور شرار
عشق آمد توبہ او را بخورد
عشق آیا اُن کی توبہ کو کھا گیا
عاقبت از توبہ او بیزار شد
آخر توبہ سے وہ بیزار ہو گئے
کاے محمدؐ اے عدوے توبہ ہا
کہ اے محمد صلے اللہ علیہ وسلم- اے شکستہ کرنیوالے توبونکے
توبہ را گنجہ کجا باشد درو
توبہ کی گنجایش اُس مین کہان ہو
از حیات خلد توبہ چون کنم
حیات جاودانی سے کیسے توبہ کرون

(اپنے) تن کو فدائے خار کرتے تھے بلالؓ (یعنی خار کیلیے تن کو بذل کرتے تھے اور اوسکو گوارا کرتے تھے اور) اون کا مالک (اونکو) سزا دینے کے لیے مارتا تھا (اور کہتا تھا) کہ تو کس سبب سے احمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر (ایمان کے ساتھ) کرتا ہے تو بُرا غلام (اور) میرے دین کا منکر ہے (اور یہ مالک امیۃ بن خلف بد اصل لاشقیا تھا) وہ دھوپ مین (کھڑا کرکے) اونکو خار (دار لکڑی) سے مارتا تھا (اور) وہ اَحَد (احد) کہتے تھے افتخار (دینی حاصل کرنے) کے لیے یہانتک کہ (ایک روز) حضرت صدیقؓ اوس طرف کو سُرعت کے ساتھ گذرے (اور) وہ اَحد کہنا اونکے کان مین پہونچا اونکی آنکھ پُرنم ہوگئی (اور) دل پُر غم (ہوگیا اور) اوس احد (کہنے) سے آشنا کی خوشبو آتی تھی (یعنی ہم مذاقی مترشح ہوتی تھی یا آشنا سے مراد محبوب حقیقی یعنی اوس سے خدا تعالی کی طرف کشش ہوتی تھی) اسکے بعد اونکو خلوت مین (دیکھین) دیکھا (اور) نصیحت کی کہ یہودیون سے (اپنے اس) اعتقاد (توحید و رسالت) کو مخفی رکھو (امیہ مشرک تھا مگر یہودی تشبیہاً کہا کیونکہ یہود و مشرکین دونون عداوت شدیدہ لاہل الایمان مین شریک ہین قال تعالی لتجدن اشد الناس عداوۃ للذین اٰمنوا الیہود والذین اشرکوا مطلب یہ کہ ایسی حالت مین اخفاے ایمان کی شرع مین اجازت ہے اس رخصت پر عمل کرو کیونکہ خدا تعالے تو) پوشیدہ بات کے جاننے والے بھی ہین (اپنا) مقصود (کہ ایمان ہے ان موذی دشمنون سی) پوشیدہ رکھو (کہ جس سے معاملہ ہے اوسکو تو خبر ہے حضرت بلالؓ نے جواب مین) کہا کہ (بہت اچھا) مین نے تمھارے سامنے (اظہار سے) توبہ کرلی ای بزرگوار (یہ توبہ بمعنی شرعی نہین بمعنی لغوی ہے یعنی اظہار کو ترک کردیا پھر) کسی اور دن مین صبح سے حضرت صدیقؓ سرعت کی ساتھ اوس طرف کو کسی کام کیلیے جا رہے تھے پھر اوکھون نے اَحَد (اَحَد کی آواز کو) سُنا اور زخم خار کی ضرب (کی آواز کو سُنا یعنی لکڑیان ادنے کی آواز بھی آرہی تھی) تو حضرت صدیقؓ کے دل مین اس سے بہت غصہ پیدا ہوا (مگر) پھر اونکو (دہی) نصیحت کی اور اوکھون نے پھر (اُسیطرح اظہار سے) توبہ کرلی (مگر) عشق (غالب) آیا (اور) اونکی توبہ کو کھا گیا (یعنی فنا کردیا غرض) توبہ کرنا اس طرح سے بہت دفعہ (واقع) ہوا آخر توبہ سے وہ بیزار ہوگئے (اور اپنے ایمان کو اور زیادہ) ظاہر کردیا (اور اپنے) تن کو بلا (و مشقت) مین (اور زیادہ) حوالہ کردیا (اور بزبانِ حال یہ کہتے تھے) اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اے شکستہ کرنیوالے ایسی توبونکی ای کہ میرا تن اور اے کہ میری رگ آپ (کے عشق) سے پُر ہے (پھر) توبہ کی گنجائش اسمین کہان ہو (اسلیے) مین (ایسی) توبہ کو دل سے باہر کرتا ہون (اور) حیات جاودانی سے (کہ ذکر ہے محبوبِ حقیقی کا) کیسے توبہ کرون

عشق قہارست و من مقہورِ عشق	چون شکر شیرین شدم از شورِ عشق
عشق بہت غالب آنیوالا ہے اور مین عشق کا مغلوب ہون	مین شکر کیطرح شیرین ہوگیا ہون نمکِ عشق سے
برگِ کاہم پیشِ تو اے تُند باد	من چہ دانم تا کجا خواہم فتاد
مین برگِ کاہ ہون تیرے سامنے اے تُند باد	مجکو یہ خبر نہین کہ مین کہان گرونگا

گر ہلالم گر بلالم می دوم — مقتدی بر آفتابت می شوم

اگر مین ہلال ہون تب۔ اگر بلال ہون تب دوڑ رہا ہون — تیرے آفتاب کا مقتدی بن رہا ہون

ماہ را با زفتی و زاری چہ کار — در پے خورشید پوید سایہ وار

چاند کو فربہی اور لاغری سے کیا کام — وہ تو آفتاب کے پیچھے سایہ کی طرح دوڑا کرتا ہے

با قضا ہر کو قرارے می دہد — ریشخند سبلت خود می کند

قضا کے مقابلہ مین جو شخص کوئی تجویز قرار دے — تو وہ اپنی مونچھون کی ہنسی کرتا ہے

کاہ برگے پیش باد آنگہ قرار — رستخیزے وانگہانے عزم کار

ہوا کے سامنے برگِ کاہ ہو۔ پھر قرار بھی ہو — قیامت ہو۔ اور پھر کسی کام کا ارادہ بھی ہو

گربہ در انبانم اندر دستِ عشق — یک دمے بالا و یکدم پستِ عشق

مین عشق کے ہاتھ مین ایسا ہون جیسے تھیلے مین بلی — عشق کا ایک ساعت بالا کیا ہوا ہون اور ایک ساعت پست کیا ہوا

او ہمی گرداندم برگردِ سر — نے بزیر آرام دارم نے زبر

وہ عشق مجکو سر کے گرد گھماتا ہے — نہ تو مین نیچے قرار رکھتا ہون۔ نہ اوپر

(اوپر بلالؓ کے عزم اخفاے ایمان کا غلبۂ عشق سے شکستہ ہوجانا مذکور تھا ان اشعار مین اوسی غلبۂ عشق کے آثار کا بزبانِ حال بلالؓ مذکور ہے یعنی) عشق بہت غالب آنیوالا ہے اور مین (اوس) عشق کا مغلوب ہون (مگر با وجود اس کے اوس سے متلذذ ہون چنانچہ) مین شکر کی طرح شیرین ہوگیا ہون نمکِ عشق سے (شور نمکین و نمک کذا فی الغیاث آگے پھر عشق کے غلبہ کا بیان ہے کہ) مین (مثل) برگ کاہ (کے) ہون تیرے سامنے ای (عشق جو کہ مشابہ) تند باد (کے ہی کہ اوس کے سامنے برگ کاہ بے قرار رہتا ہی اسیطرح مین عشق کے سامنے بے قرار ہون کہ) مجکو یہ خبر نہین کہ مین کہان (جاکر) گرونگا (جیسے برگ کاہ کی نسبت بادِ تند کے سامنے نہین معلوم ہو سکتا کہ یہ کہان جاویگا) اگر مین ہلال ہون تب (اور) اگر بلال ہون تب (اے عشق تیرے ساتھ ساتھ) دوڑ رہا ہون (یعنی جدھر تو لیجاتا ہے مجکو جانا پڑتا ہی اور) تیرے آفتاب کا مقتدی بن رہا ہون (آگے اسکی توضیح ہے کہ

عشق مثل آفتاب کے ہو اور مین تابع عشق ہونے مین مثل چاند کے ہون اور) چاند کو فربہی و لاغری سے کیا کام
وہ تو آفتاب کے پیچھے سایہ کیطرح دوڑا کرتا ہو (یہی شرح ہو مقتدی بر آفتاب ست میشوم کی اور چاند کے دوڑنے
سے مراد اوسکا ازدیاد قرب ہو آفتاب سے جو بعد بدر ہونے کے واقع ہوتا ہے اور جس سے اوسکا نور کم ہوتا
جاتا ہے اور یہ مراد نہین کہ چاند اپنے تمام دورہ مین آفتاب سے قریب ہوتا رہتا ہو کیونکہ اپنے محل مین ثابت
ہے کہ اجتماع کے وقت تو اوسکو محاق ہوتا ہے اور پھر کسیقدر بُعد سے وہ ہلال کی شکل مین نظر آتا ہو پھر حسب
ازدیاد بُعد اوسکا نور زائد ہوتا جاتا ہے جب بالکل مقابلہ و مواجہہ ہو جاتا ہے اوسوقت وہ بدر ہو جاتا ہے
اوس کے بعد پھر شیئاً فشیئاً اوسکو قرب شروع ہوتا ہے اور حسب ازدیادِ قرب اوس کا نور کم ہوتا جاتا ہے
حتی کہ پھر اجتماع ہوتا ہے اور بدستور اوس کو محاق عارض ہوتا ہے یعنی بے نور ہو جاتا ہے تو اپنے کو تشبیہ قمر کے
ساتھ اوس کے بعض احوال کے اعتبار سے دی یعنی جو حال اُسکو نصف آخر ماہ مین عارض ہوتا ہو اور تشبیہ کے لیے
یہی کافی ہے مطلب یہ ہوا کہ باوجودیکہ اوسکو بالمعنی المذکور آفتاب کے پیچھے دوڑنے سے نقصانِ نور عارض
ہوتا ہے جسکو لاغری کہا ہو اور زفتی و فربہی یعنے زیادتِ نور فوت ہو جاتی ہے مگر اوسکو اس سے بحث نہین
آفتاب کے پیچھے پیچھے دوڑنے سے کام۔ اور اس تقارب کی نسبت قمر کی طرف اسلیے ہے کہ قمر کی حرکت سریع ہے
اسی حرکت سے یہ قرب ہوتا ہو چنانچہ قمر ایک ماہ مین اپنے دائرہ کو قطع کرتا ہو اور شمس ایک سال مین اور شعر
گر ہلالم الخ مین مقتدی بر آفتاب ست میشوم کا حکم لفظ ہلال کے ساتھ بہت مناسب ہو چنانچہ ظاہر ہو گو مراد ہلال
سے یہان ہلال یعنی چاند کے نہین بلکہ عَلَم ہے ایک صحابی کا جنکا قصہ بعد ختم قصہ بلال رضی کے آویگا اوسی سرخی مین
انکا یہ پتہ لکھا ہو این ہلال بندہ سائس بود مر امیرے را و آن امیر مسلمان بودا ما چشم کور بود مگر میری نظر سے
یہ تذکرہ نہین گذرا حاصل مقصود یہ ہو کہ عاشق خواہ بلال رضی ہو یا ہلال رضی ہو وہ عشق کا تابع ہوتا ہے اور اوس سے
مغلوب ہو جاتا ہے آگے غلبۂ عشق کی ایک تشبیہ ہو قضا کے ساتھ تقویتِ مقصود کے لیے یعنی عشق اپنے غلبہ
مین مثل قضا کے ہو کہ اوس کے سامنے آدمی مضطر ہو جاتا ہے گو مشبہ و مشبہ بہ مین امکان تخلف و امتناع
تخلف کا تفاوت ہو اگرچہ امتناع بالغیر ہی ہے پس فرماتے ہین کہ یہ بات ظاہر ہے کہ) قضا کے مقابلہ مین
جو شخص کوئی (تجویز) قرار دے تو وہ اپنی مونچھون کی ہنسی کرتا ہے (کنایہ ہے عاجز ہو جانے سے کہ
فی الجملہ سبب ہو جاتا ہو کسی کے ہنسنے کا اور مقصود اس سے مذمت نہین ہو اوس تجویز کو قرار دینے کی کیونکہ
اگر وہ تجویز حسن ہو تو اوسکا قرار دینا حسن ہو گو بعد مین ثابت ظاہر ہو جاوے کہ قضا اس کے خلاف جاری
ہوئی مگر پھر بھی اوسکے حسن ہونے مین کوئی شبہ نہین چنانچہ فعل واجب کا ارادہ واجب ہو گو بعد مین ناکامی
ہو بلکہ محض حکم کرنا ہو عجز کا سو قضا سے مغلوب ہونا تو ظاہر ہے اُسیکے مشابہ ہو حالت غلبۂ عشق کی کہ اوس سے
بھی آدمی مغلوب ہو جاتا ہو آگے اور مثالین ہین اس مغلوبیت کی اور ایک مین اعادہ ہے مضمون با لا
برگ کاہم الخ کا یعنی) ہوا کے سامنے برگ کاہ ہو (اور) پھر قرار بھی ہو (مستبعد ہے اسیطرح) قیامت (عَلَم)

ہو اور پھر کسی کام کا ارادہ بھی ہو (مستبعد ہے کیونکہ قیامت کے سامنے ہوش کس کا بجا رہ سکتا ہے آگے اور مثال ہے کہ) مین عشق کے ہاتھ مین ایسا ہون جیسا تپتیلے مین بلی (کہ بیقرار ہوتی ہے اسی طرح مین غایت بیقراری سے) عشق کا ایک ساعت بالا (کیا ہوا) ہوئن اور ایک ساعت پست (کیا ہوا) ہون (یس) وہ (عشق) مجکو سر کے گرد گھماتا ہے نہ مین نیچے قرار رکھتا ہون اور نہ اوپر (جیسے کسیکو برابر سر کے اوپر کر کے گھماتے ہین پس گردانَدَم کے بنے تکلف معنی یہ ہین نہ کہ قربان میکند مرا گرد سر خود کما تکلفہ بعضہم)

عاشقان در سیلِ تُند افتادہ اند
عُشّاق ایک سیلِ تند مین پڑے ہین

بر قضاے عشق دل بنہادہ اند
قضاے عشق پر دل کو رکھے ہوے ہین

ہمچو سنگِ آسیا اندر مدار
مثل سنگِ آسیا کے جو کہ گردش مین ہوتا ہے

روز و شب نالان و گردان بیقرار
دن رات نالان اور گردان اور بیقرار ہین

گردشش بر جوے جویان شاہدست
آسیا کی حرکت نہرِ متحرک پر شاہد ہے

تا نگوید کس کہ آن جو راکدست
تاکہ کوئی یون نہ کہے کہ وہ نہر غیر متحرک ہے

گر نمی بینی تو جو را در کمین
اگر تو نہر کو جو کمین مین ہے نہین دیکھتا

گردشِ دولابِ گردونی ببین
تو دولابِ چرخ کی گردش کو دیکھ لے

چون قرارے نیست گردون را ازو
جب آسمان کو اوس سے قرار نہین ہے۔ تو

اے دل اختروار آرامے مجو
تو اے دل جو کہ اختر کی طرح ہے قرار کا طالب مت بن

گر زنی در شاخ دستے کے ہلد
اگر تم کسی شاخ مین ہاتھ مارو گے تو وہ قضا کب چھوڑیگی

ہر کجا پیوند سازی بگسلد
جس جگہ تم تعلق کروگے اوس کو توڑ دیگی

گر نمی بینی تو تدویرِ قدر
اگر تم قدر کے چکر دینے کو نہین دیکھتے

در عناصر جوشش و گردش نگر
تو عناصر مین جوش اور گردش کو دیکھ تو

زانکه گردشہاے آن خاشاک و کف
کیونکہ اُس خاشاک و کف کی گردش

باشد از غلیانِ بحرِ باشرف
دریاے باشرف ہی کے جوش سے ہوتی ہے

باد سرگردان ببین اندر خروش
ہواے سرگردان کو خروش مین دیکھ تو

پیشِ امرش موج دریا بین بجوش
اُسکے حکم کے سامنے موجِ دریا کو جوش مین دیکھ تو

آفتاب و ماہ دو گاوِ خراس
آفتاب اور ماہتاب دو بیل ہین چکی کے

گرد می گردند و می دارند پاس
گرد پھرتے ہین اور پاس رکھتے ہین

اختران ہم خانہ خانہ می دوند
دوسرے کواکب بھی خانہ خانہ دوڑتے ہین

مرکبِ ہر سعد و نحسے می شوند
مرکب ہر سعد و نحس کے ہوتے ہین

اخترانِ چرخ گردور ندہی
کواکب آسمان کے اگر دُور ہین۔ ان

وین حواست کاہلند و سست پَی
اور تیرے یہ حواس کاہل ہین اور سست قدم

اخترانِ چشم و گوش و ہوشِ ما
کواکب ہماری چشم اور گوش اور ہوش کے

شب کجاایند و بہ بیداری کجا
شب کو کہان ہین اور بیداری مین کہان

گاہ در سعد و وصال و دلخوشی
کبھی سعادت اور وصال اور دلخوشی مین ہین

گاہ در نحس و فراق و بیہُشی
کبھی نحوست اور فراق اور بیہوشی مین

ماہِ گردون چون درین گردیدن ست
ماہِ چرخ جب اِس دَور مین ہے

گاہ تاریک و زمانے روشن ست
کبھی تاریک اور ایک زمانہ مین روشن ہی

گہِ بہار و صَیف ہمچون شہد و شیر
کبھی بہار اور گرمی ہے مثل شہد اور شیر کے

گہ سیاستہاے برف و زمہریر
کبھی سیاستین ہین برف اور زمہریر کی

چونکہ کلیات پیش او چو گوست	**سخرہ و سجدہ کن چوگان اوست**
جبکہ بڑی بڑی چیزین اُسکے سامنے مثل گیند کے ہین	اور مسخر و منقاد اوسکی چوگان کی ہین
تو کہ یک جزوی دلا زین صد ہزار	**چون نباشی پیش حکمش بے قرار**
سو تو اے دل کہ ایک چھوٹا سا جزو ہی اِن صد ہزار مین سے	اُس کے حکم کے سامنے بیقرار کیسے نہو گا
چون ستورے باش در حکمِ امیر	**گہ در آخر حبس و گاہے در مسیر**
مثل ستور کے رہ حکم امیر مین	کبھی آخور مین محبوس اور کبھی چلنے مین
چونکہ بر میخت بہ بندد بستہ باش	**چونکہ بکشاید برو برجستہ باش**
جبکہ وہ تجکو کھونٹے سے باندھ دے بندھا ہوا رہ	جبکہ کھول دے۔ جا۔ کودتا اچھلتا رہ

(اوپر جو مضمون زبانِ بلالؓ سے تھا یہان وہی مضمون زبانِ مولاناؒ سے ہی اور اوس سے اِسقدر زیادت ہے کہ اوپر تو عشق کو قضا سے تشبیہ دیکر صرف عشق کے تصرفات بیان کیے تھے اور یہان وہی تشبیہ دیکر قضا کے تصرفات بیان کرتے ہین اس اعتبار سے من وجہ اسکو انتقال بھی کہا جاسکتا ہی پس فرماتے ہین کہ) عشاق ایک سیل تند مین پڑے ہین (مراد اس سے عشق ہے کہ مشابہ سیل تند کے ہی کہ خاشاک کو شدت کے ساتھ حرکت دیتا ہے اور) قضائے عشق پر دل کو رکھے ہوے ہین (یعنی تصرفاتِ عشق پر جو کہ مشابہ قضا کے ہے کما ذکر سابقاً فی شرح شعر با قضا ہر کو اگر راضی ہین اوس سے تنگ نہین ہذا المعنی قولہ سابقاً عشق قہارست و من مقهورِ عشق + چون شکر شیرین شدم از شورِ عشق + پس اضافت قضائے عشق کی مثل لجین الماء کے ہے یعنی العشق الذی ہو کالقضاء اور وہ عشاق اوس عشق کے تصرفات سے) مثل سنگِ آسیا کے جو کہ گردش مین ہوتا ہے روز و شب نالان اور گردان اور بیقرار (رہتے) ہین (یہان آسیا سے مراد پن چکی ہی جو پانی کی حرکت سے حرکت کرتی ہے اور تشبیہ آسیا سے گردش اور بیقراری مین تو ظاہر ہے اور نالہ مین باعتبار آوازِ آسیا کے ہی اور عشاق کو آسیا کے ساتھ تشبیہ دینے سے محرک کی تشبیہ محرک سے مفہوم ہو گئی یعنی جس طرح آسیا کا محرک آب جو ہے اسیطرح عاشق کا محرک عشق ہے پس عشاق مشابہ آسیا کے ہوے اور عشق مشابہ نہر کے ہوا آگے بواسطہ تشبیہ عشق مشابہ قضا بالنہر کے احکام و آثار قضا کے بیان فرماتے ہین یعنی جب عشق جو کہ مشابہ قضا کے ہی مشابہ نہر کے ہوا اور اصل تشابہ سے ہے مشبہ و مشبہ بہ کا احکام مناسبۂ تشبیہ مین الا الدلیل یقتضی التفاوت تو قضا بھی مشابہ نہر کے ہوئی اور نہر سے) آسیا کی حرکت (خود) نہر متحرک پر شاہد (یعنی علامت حرکتِ نہر کی اور اوسکی دلیل اِنّی) ہے تاکہ کوئی یون نہ کہے کہ وہ نہر غیر متحرک ہی (اسیطرح قضا سے کائنات کا تغیر و تبدل علامت ہی اسکی کہ قضا

مین بھی حرکت اور تغیر وتبدل ہی اور کائنات کا تغیر اوس کے تابع ہے چنانچہ ظاہر بھی ہی کیونکہ قضا فعل ہی حق تعالیٰ
کا اور افعال واجب کے حادث ہین کیونکہ حقیقت اُن کی متعلق کرنا ہے صفتِ تکوین کا مُکوّن سے اور یہ تعلقات
حادث ہین اور حادث مین تغیر ممکن ہے اور مُکوّنات کے تغیر وتبدل کے مشاہدہ سے اون تعلقات یعنی افعالِ حق کے
تغیر وتبدل کا وقوع ثابت ہے یہی معنی ہین قضا مین حرکت ہونے کے خلاصہ یہ کہ مقضی کے تغیرات سے قضا کے تغیر
پر استدلال کرو مقصود مقام کا تعلیم ہے کہ اپنے عجز وضعف کا استحضار کرو اور دعویٰ استقلال کا چھوڑو تاکہ رضا وتسلیم
حاصل ہو اور مدعا اس کلام سے نہر کے تحرک کا قضا کے تحرک کو مستلزم ہونا نہین ہے کیونکہ اس استلزام کی کوئی دلیل
نہین بلکہ یہ تشبیہ دینا اور احد المتشابہین کے حال سے دوسرے متشابہ کے حال پر استدلال کرنا محض تقریبِ فہم
عامہ کے لیے ہی ورنہ حرکت قضا کی خود دلیل مستقل سے ثابت ہی کما ذکرت آنفاً فی قولی چنانچہ ظاہر بھی ہے الخ اور
احقر نے جوے جویان مین جویان کا ترجمہ جو متحرک سے کیا یہ ترجمہ بالحاصل ہے اسکا اصل ترجمہ طالب ہی چونکہ
طلب کو حرکت لازم ہے اور حرکت مین بھی کسی نہ کسی شئے کی طلب لازم ہی اس تلازم کے علاقہ سے متحرک کے
ساتھ ترجمہ کر دیا گیا وَفَسَّرتُهُ بوجوہٍ اخریٰ لایخلو شیٔ منہا من البُعد بیاننک مطلق کائنات کے تغیر سے تغیر قضا پر
استدلال تھا آگے بعض کائناتِ عظام کے تغیر سے یہی استدلال مذکور ہے اور مقصود اس سب سے یہ بیان کرنا ہے
کہ یہ سب کائنات تابع ہین قضا کے تو تم بھی اپنے کو تابع سمجھو اور تابع رکھو اور مین نے جو دو جملے عرض کیے ایک
تو تابع سمجھو یہ تو باعتبار قضاے تکوینی کے جس کا ذکر بیان بعد بیانِ تابعیتِ کائنات للقضا کے اس شعر مین
ہے تو کہ یک جزدی الخ اور دوسرا جملہ تابع رکھو یہ باعتبار قضاے تشریعی کے جسکا ذکر شعر مذکور کے بعد اس شعر
مین ہے چون ستورے باش الخ اور دوسرا جملہ پہلے پر متفرع ہے یعنی جب تمھاری کوئی قدرت اوس کے
سامنے نہین چلتی تو اَوامرِ شرعیّہ مین بھی اوس کے تابع رہو اور لفظ قضا بمعنے تکوین وتشریع دونون قرآن مجید
مین مذکور ہین فالاول کما فی قولہ تعالیٰ فقضاہُنَّ سبع سموات الآیۃ والثانی کما فی قولہ تعالیٰ وقضیٰ ربک ان لا تعبدوا
اِلّا اِیّاہ الآیۃ وہ استدلال کائناتِ عظام سے مع تعلیم مقصود مذکور بقولی تابع سمجھو اور تابع رکھو یہ ہے کہ فرماتے
ہین کہ) اگر تو نہر کو جو کہ کمین مین ہی (یعنی مخفی ہے) نہین دیکھتا (یعنی قضا کا اگر خود مشاہدہ نہین ہوتا) تو
دُولابِ چرخ (یعنے آسمان) کی گردش کو دیکھ لے (کہ جسطرح دُولاب کی گردش سے نہر کی گردش معلوم ہوتی
ہے اسیطرح دُولابِ فلک کے تغیراتِ مشاہدہ سے قضا کے تصرفات پر استدلال کر لو آگے ایک تعلیم مقصود
کو بطور تفریع کے فرماتے ہین کہ) جب آسمان کو اوس (کے تصرف) سے قرار نہین ہے تو اے دل جو کہ (غایتِ
صغر سے) اختر کی طرح ہے تو قرار کا طالب مت بن (یعنی تو کیسے اوس کے تصرفات سے محفوظ رہ سکتا ہے
یعنی تجھکو تو گردون سے ایسی نسبت ہے جیسی اختر کو کہ اوسکا بہت ہی چھوٹا جزو ہے اور اگر باوجود اپنے
عجز ومُشاہدۂ عجز کے تو دعویٰ استقلال کا کریگا اور اوس کے ساتھ معارضہ کریگا تو وہ قضا تیرے تصرفات
کو باطل کر دیگی چنانچہ) اگر تم کسی شاخ مین ہاتھ مارو گے تو وہ قضا کب چھوڑیگی (بلکہ) جس جگہ تم تعلق کروگے

(جیسے اوس شاخ سے تعلق کیا) اوسکو توڑ دیگی (کے ہلد کے یہی معنی ہین اور اسمین قضائے تکوینی کے تصرف کا ذکر ہے کہ اوسکے خلافِ ارادہ مین کامیابی کا استحالہ یقینی ہے اس تفریع کے بعد پھر تقریر ہے استدلال بتغیر اجسام عظام علی تصریفِ القضاء کی پس فرماتے ہین کہ) اگر تم قدر کے چکر دینے کو نہین دیکھتے (بوجہ اس کے کہ وہ محسوسات سے نہین ہے کیونکہ قدر کے معنی ہین تجویز حق جو کہ بوجہ قدم کے غیر متغیر ہے اور اوسکی تدویر کی حقیقت ہے اس کا تعلق بواسطۂ تکوین کے مکونات کے ساتھ اور اسی تعلق کا نام قضا ہے اور وہ فعل ہے حق کا اور بوجہ حدوث کے متغیر ہے پس تدویر قدر کا مصداق یہ فعل قضا ہے اور ظاہر ہے کہ مثل قدر کے اوسکی یہ تدویر یعنی قضا بھی غیر محسوس ہے اس لیے فرماتے ہین کہ اگر اسکو نہین دیکھ سکتے) تو عناصر مین جوش اور گردش کو دیکھ لو (چنانچہ عناصر کی حرکات فی الکیف وفی الاین محسوس ہین پس اس سے استدلال کر لو تصرفاتِ قضا پر) کیونکہ اس خاشاک وکف کی گردش دریاے باشرف ہی کے جوش سے ہوتی ہے (یعنی جسطرح دریا کے جوش سے اوسپر کے خاشاک و جھاگ کو حرکت ہوتی ہے اسیطرح قضا کی حرکت سے ان کائنات کو حرکت ہوتی ہے اور قضا کا باشرف ہونا ظاہر ہے لانّ فعل الشریف شریفٌ پس حرکتِ کائنات دلیل اِنّی ہے حرکتِ قضا کی آگے بعض دوسری کائنات کا اسیطرح ذکر ہے کہ) ہواے سرگردان کو خروش مین دیکھو (مراد سرگردان سے متحرک اور شدتِ حرکت کی وقت ہوا مین آواز ہوتی ہے اور) اوس کے حکم کے سامنے موجِ دریا کو جوش مین دیکھ لو (اسمین تخصیص بعد تعمیم ہے کیونکہ اوپر مطلق عناصر کا ذکر تھا یہان دو عنصر مذکور ہوے ہوا اور آب اور اوس سے اوپر افلاک کا بیان تھا آگے فلکیات کا ذکر ہے کہ) آفتاب اور ماہتاب (گویا) دو بیل ہین چکی کے (چکی سے آسمان کو تشبیہ دی محض حرکت مین اگرچہ اوسکا محرک آفتاب وماہتاب نہین پھر جو انکو گاؤ سے تشبیہ دی محض اس مین کہ جسطرح بیلون کی حرکت سے چکی کے گرد ایک دائرہ پیدا ہوجاتا ہے اسیطرح آفتاب و ماہتاب کی حرکت سے آسمان کے گرد دائرہ پیدا ہوتا ہے اگرچہ وہ دائرہ ثخن سماء مین ہوتا ہے مگر کسی حصۂ آسمان کے گرد تو ہوگیا اور اگرچہ آسمان کی تشبیہ بنحو اس کی تقریر اہلِ ہیأت یونانیہ کے نزدیک اور بھی ہوسکتی ہے کہ آفتاب و مہتاب ہی آسمان کے اِس معنے کر محرک ہین کہ اصل مقصود حرکت دینا ہی آفتاب و مہتاب کو اور بوجہ امتناع خرق والتیام کے تمام آسمان کو اوس کے لیے حرکت دی جاتی ہے لیکن چونکہ یہ تقریر مبنی ہے امتناعِ خرق والتیام پر اس لیے بندہ نے اوسکی جگہ آفتاب وماہتاب مین حرکت ذاتیہ بطریق اہلِ حق اعتبار کر کے تشبیہ کی تقریر کی غرض یہ دونون) گرد پھرتے ہین (اور یہ کہ کسکے گرد پھرتے ہین اسکی تحقیق مصرعۂ اُولیٰ کی شرح مین ہوچکی ہے) اور (حکم آلٰہی کا) پاس رکھتے ہین (یہ حکم تکوینی ہے کما قال والشمس والقمر والنجوم مسخرات بامرہ۔ آگے دوسرے کواکب کا ذکر ہے کہ) دوسرے کواکب بھی خانہ خانہ دوڑتے ہین (چنانچہ بروج مین کواکب کی حرکت بھی ظاہر ہے اور) مرکب ہر سعد ونحس کے ہوتے ہین (سعد مصدر بھی آتا ہے کذا فی الغیاث اور نحس بسکون حا مصدر ہی ہے اور مرکب سے مراد موصوف کہ بوجہ اپنی صفت کے حامل ہونیکے اوسکے لیے بمنزلۂ مرکب کے ہے پس معنی یہ ہوے کہ مختلف بیوت مین جانے سے موصوف سعادت ونحوست کے ساتھ ہوتے ہین یہ بنا بر قولِ

مشہور منجمین کے شاعرانہ طور پر کہدیا ورنہ شرعًا یہ بالکل منفی ہے یہانتک عناصر و افلاک و فلکیات کا ذکر ہوا آگے
بعض عنصریات کا ذکر ہے فرماتے ہین کہ) کواکب آسمان کے اگر (تجھسے) دور ہین ہان اور تیرے یہ حواس کاہل
ہین اور سُست قدم (یعنی مدرک بعید اور مدرک بلید اس لیے کواکب کے تغیرات کا تجھکو ادراک کامل نہین ہوتا
کہ اوس سے استدلال کرسکے تصرف قضا پر تو بجاے آیاتِ آفاقیہ کے آیاتِ انفسیہ سے استدلال کرو اور وہ بعض
عنصریات ہین پس فرماتے ہین کہ اچھا یہ دیکھو کہ) کواکب ہمارے چشم اور گوش اور ہوش کے شب کو کہان (ہوتے)
ہین اور بیداری مین کہان (ہوتے ہین پس یہ روزانہ انقلاب تو مشاہد ہے یہ بھی کافی دلیل ہے تصرفِ قضا کی
اوران حواس کو کواکب تشبیہًا کہا یا تو بوجہ اسکے کہ مثل اختر کے انمین بھی نور ہوتا ہے یعنی ادراک کا یا اوس وجہ سے
جسکا ذکر اوپر کے مصرعہ ؎ اے دل اختروار آرامے مجو + کی شرح مین ہوا ہے اور حواس کا ایک انقلاب تو اوپر
مذکور ہوا اور ایک دوسرا انقلاب آگے مذکور ہے کہ یہ اخترانِ حواس) کبھی سعادت اور وصال اور دلخوشی مین
(ہین اور) کبھی نحوست اور فراق اور بیہوشی مین (ہین میرے نزدیک یہ عطف تفسیری ہے یعنی سعادت سے
مراد وصال مرغوبات کا جو حاصل ہے خوشی کا اور نحوست سے مراد فراق مرغوبات کا جو حاصل ہے ناخوشی کا اور
بیہوشی سے مراد بقرینۂ مقابلہ ناخوشی ہے کیونکہ شدتِ غم مین آدمی بدحواس و مدہوش سا ہوجاتا ہے اور طریان
ان احوالِ مختلفہ کا بعض مدرکات پر جیسے قلب کہ مراد ہے ہوش سے مجازًا و مبالغۃً اطلاقًا للشئ علی صاحبہ ظاہر ہے
اور بعض مدرکات جیسے چشم و گوش پر یہ حکم مجازًا کردیا بوجہ وسائط فی الطریان ہونیکے کیونکہ انسے ادراک ہوا اور
ادراک سے طریان ہوا آگے ان استدلالات علی التغیرات پر اوس تعلیم مقصود کو متفرع فرماتے ہین جسکو شعر بالا
چون قرارے نیست گردون را الخ مین متفرع فرمایا ہے جسکا ذکر احقر نے تمہید شعر گر بمنی تو جور الخ مین کیا ہے
بقولی ایک تو تابع سمجھو الی قولی تو کہ یک جزوی وہ قول یک جزوی اب آتا ہے یعنی) ماہِ چرخ جب اس دَور
مین ہے (اور) کبھی تاریک اور ایک زمانہ مین روشن ہے (اور مثل افلاک و فلکیات و عناصر و عنصریات
کے کائنات الجو مین بھی یہ انقلاب ہے کہ) کبھی بہار اور گرمی ہے مثل شہد اور شیر کے (کیونکہ بہار لذیذ موسم ہے
اور) کبھی سیاستین (اور شدتین ہین) برف اور زمہریر (سردی) کی (غرض) جب بڑی بڑی چیزین اوس
(قضا) کے سامنے مثل گیند کے ہین (اور) مسخر و منقاد اوسکے چوگان کی ہین (کما قال تعالیٰ الم تر ان اللہ
یسجد لہ من فی السموات و من فی الارض والشمس والقمر والنجوم والجبال والشجر والدواب الآیۃ) سو تو کہ ایک
چھوٹا سا جزو ہے اس صد ہزار (کے مجموعہ) مین سے تو اوسکے حکم (تکوینی) کے سامنے بیقرار (اور مضطر یعنے
متحرک و منقلب بحرکتِ اضطراریہ) کیسے نہ ہوگا (پس دعویٰ استقلال کو چھوڑ دے اور یہ وہ مضمون ہے جو کہ
دفتر اول قصۂ پاے کشیدنِ خرگوش از شیر الخ مین ان اشعار مین آیا ہے ؎ درمن آمد آنچہ در وے
گشت مات + الی قولہ ؎ چونکہ کلیات را رنج است و درد + آگے حکم تشریعی کے لیے منقاد ہونیکو فرماتے
ہین کما ذکرتہ ایضًا فی تمہید شعر و گر بمنی تو جور الخ یعنے) مثل ستور کے رہ حکم امیر مین کبھی آخور مین محبوس

اور کبھی چلنے مین (اسطرح) جب وہ تجھکو کھونٹے سے باندھ دے بندھا ہوا رہ (اور) جب کھول دے۔ جا کودتا اُوچھلتا رہ (یعنی نہی کے مقام پر رُک جا اور رخصت کے مقام پر اوسیقدر آزاد رہ غرض احکام تشریعیہ سے نہ مخالفت و اعراض کرو اور نہ رائے زنی و اعتراض کرو من کل الوجوہ تابع رہ آگے اعراض و اعتراض کی مذمت ہے کہ)

آفتاب ار بر فلک کژ می جہد ۔۔۔ در سیہ روئی کسوفش می دہد

آفتاب اگر فلک پر کج چلنے لگتا ہے ۔۔۔ تو سیہ روئی مین وہ اسکو کسوف دیتا ہے

کز ذنب پرہیز کن ہین ہوش دار ۔۔۔ تا نگردی تو سیہ رو دیگ وار

کہ ذنب سے پرہیز کر۔ خبردار ہو۔ ہوش رکھ ۔۔۔ تاکہ تو دیگ کی طرح سیہ رو نہو جاوے

ابر را ہم تازیانہ آتشین ۔۔۔ میزنندش کان چنان رو نے چنین

ابر کو بھی آتشین تازیانہ ۔۔۔ مارتے ہین کہ اس طرح چل اسطرح مت چل

بر فلان وادی ببار این سو مبار ۔۔۔ گوشمالش می دہد کہ گوش دار

فلان وادی پر برس۔ اس طرف مت برس ۔۔۔ اُسکو گوشمالی دیتا ہے کہ کان رکھ

عقل تو از آفتابے بیش نیست ۔۔۔ اندران فکرے کہ نہی آمد مایست

تیری عقل آفتاب سے تو زیادہ نہین ہے ۔۔۔ جس فکر مین کہ نہی آئی ہے اُسمین قیام مت کر

کژ منہ اے عقل تو ہم گام خویش ۔۔۔ تا نیاید آن کسوفت زو بہ پیش

اے عقل تو بھی اپنا قدم کج مت رکھ ۔۔۔ تاکہ وہ کسوف تجکو اُسکے سبب سے پیش نہ آجاوے

چون گنہ کمتر بود نیم آفتاب ۔۔۔ منکسف بینی و نیمے نور و تاب

جب گناہ کم ہوتا ہے۔ تو آدھے آفتاب کو ۔۔۔ منکسف دیکھتے ہو۔ اور آدھا با نور و شعاع

کہ بقدر جرم می گیرم ترا ۔۔۔ این بود تقدیر در داد و جزا

کہ مین بقدر گناہ کے تجکو پکڑتا ہون ۔۔۔ یہی انداز ہے عطا ملنا اور سزا مین

خواہ نیک و خواہ بد فاش و ستیر	بر ہمہ اشیا سمیع و بصیر
خواہ نیک ہو اور خواہ بد- علانیہ ہو یا پوشیدہ	ہم تمام چیزون پر سمیع اور بصیر ہین

(یعنی کج روی و مخالفت اور خود رائی و زاے زنی جسکو اوپر اعراض و اعتراض سے تعبیر کیا گیا ہے ایسی مذموم چیز ہے کہ آفتاب و ابر باوجود اسکے کہ وہ بوجہ منقاد بالاضطرار ہونے کے محل صدور مخالفت و خود رائی کے نہین ہو سکتے مگر ان مین قدرے صورت مخالفت و خود رائی کی پائی گئی آفتاب کو کسوف سے بے نور و محوق اور سحاب کو تازیانۂ آتشین سے مقہور و مسوق کیا گیا اور تو اگر ایسا کریگا تو تجھسے تو حقیقت مخالفت و خود رائی کی صادر ہوگی تجھکو کیسی عقوبت کیجاویگی ان اشعار مین آفتاب کی صورتِ کجروی اور سحاب کی صورتِ خود رائی کا ذکر ہے پس فرماتے ہین کہ) آفتاب اگر فلک پر کج چلنے لگتا ہی تو سیہ روئی مین وہ (حکمِ قضا جسکا اوپر ذکر تھا) اوسکو کسوف دیتا ہی (اور کسوف دیگر بلسان حال مکلف کو متنبہ کرتا ہے) کہ (نقطۂ) ذنب (کے مشابہ حالت) سے (جو کہ موقع ہے کسوفِ آفتاب کا) پرہیز کر (حالتِ مشابہ سے مراد حالت معصیت و کجروی کہ سبب ہی ظلمتِ قلب و ظلماتِ آخرت کا یعنی معصیت سے بچ اور) خبردار رہو ہوش رکھ تا کہ (اوس حالتِ شبیہ نقطۂ ذنب کے اختیار کرنے سے) تو (بھی منکسوف الباطن ہوکر) دیگ کی طرح سیہ رو نہو جاوے (تفصیل مقام کی موقوف ہی ایک تقریر پر وہ یہ کہ کسوف آفتاب کی علت یہ مقرر ہی کہ آفتاب منطقۃ البروج پر چلتا ہے اور قمر فلک مائل پر اور دونون دائرون مین یعنی جبکہ منطقہ کو قاطع فلکِ مائل فرض کرین دو نقطون پر تقاطع ہوتا ہے ایک کا نام راس ہے اور دوسرے کا نام ذنب جب آفتاب اور ماہتاب دونون اپنی حرکات خاصّہ سے ان دو نقطون مین سے کسی ایک نقطہ پر معاً پہونچتے ہین چونکہ ماہتاب نیچے ہی اور فی نفسہٖ مظلم اس لیے آفتاب کے لیے کاسف بن جاتا ہی اب اس علت کے معلوم ہونے کے بعد اس شعر کے مضمون پر چند شبہات ہوتے ہین اونکو مع جواب کے نقل کرتا ہون پہلا شبہہ یہ کہ آفتاب کے کج چلنے کے کیا معنی اگر خود اوس کے منطقہ کے اعتبار سے کہا جاوے تو اوس پر تو وہ سیدھا چلتا ہے اور اگر فلکِ مائل کے اعتبار سے کہا جاوے تو یہ حکم کجی کا تو صحیح ہوگا مگر اس صورت مین دو اعتراض اور ہونگے ایک یہ کہ اسیطرح قمر کو اپنے فلکِ مائل مین سیدھا چلتا ہی مگر منطقۂ شمس کے اعتبار سے وہ بھی کجرو ہی تو آفتاب کی تخصیص اس کجروی مین کیون کی گئی دوسرا اعتراض یہ ہوگا کہ اگر بالفرض آفتاب کی حرکت مائل ہی کے منطقہ پر ہوتی تب بھی جب آفتاب و ماہتاب اوپر نیچے محاذاۃ مین آجاتے پھر بھی کسوف ہوتا تو فلکِ مائل کے اعتبار سے کجی ماننا بھی مفید نہوا اور اگر معدل النہار کے اعتبار سے کہا جاوے تو اوسپر بھی یہی دو اعتراض اوپر والے ہونگے ایک یہ کہ معدل کے اعتبار سے قمر بھی کجرو ہے دوسرے یہ کہ معدل کو بھی مائل سے تقاطع ہے اگر آفتاب معدل پر بھی چلتا تب بھی نقطۂ تقاطع پر کسوف واقع ہوتا غرض کجروی آفتاب کی سببیت کا کوئی مفہوم محصّل نہین ہوا دوسرا شبہہ یہ ہی کہ اس کسوف مین نقطۂ ذنب کی کوئی تخصیص نہین نقطۂ راس پر بھی کسوف واقع ہوتا ہی پہلے شبہہ کا جواب یہ ہی کہ یہان کجی سے مراد ظاہری سیر کی کجی نہین بلکہ باطنی و حالی کجی ہے یعنی ارتفاع مکانی کہ صورت ہی دعوی ارتفاع شانی کی پس معنی یہ ہونگے کہ چونکہ آفتاب ماہتاب سے اونچا ہی جس سے بزبانِ

حال دعوی کر رہا ہی بڑائی کا اور یہ اخلاقی و عملی کجی ہے اس لیے اوسکو کسوف ہوا اور یہ ظاہر ہی کہ اگر آفتاب ماہتاب سے نیچا ہوتا تو بوجہ عدم علتِ کسوف کے اسکو کسوف نہوا کرتا پس کجی بہذا المعنے کا کسوف کے لیے سبب بننا بلا غبار ظاہر ہوگیا اور یہ شبہہ نکیا جاوے کہ اونچا تو ہر وقت ہی ہے تو کسوف ہر وقت کیون نہین بات یہ ہی کہ یہ حسن التعلیل ہے جیسا آگے آویگا پس اسکا اطراد ضروری نہین پھر سزا کا بھی ہر وقت ہونا لازم نہین اور دوسرے شبہہ کا جواب یہ ہے کہ تخصیص ذنب کی تمثیلاً ہی راس کا حکم باشتراکِ علتِ محاذاۃ علی نقطۃ التقاطع مقائسہ سے معلوم ہوگیا پس معنی درکز ذنب پرہیز کن + کے یہ ہون گے کہ از حالتے پرہیز کن کہ مشابہ ذنب باشد و ہمچنین حالتے کہ مشابہ راس باشد در علتِ کسوف بودن یعنی دعوے رفعتِ خصوص پیش احکام الٰہیہ پس مطلب مقام کا یہ ہوا کہ دیکھو کبر و ترفع ایسی مذموم چیز ہے کہ آفتاب کو محض صورتِ رفعت سے کسوف ہوا پس تم رفعت چھوڑ کر پستی یعنی عقل کو تابع احکام و علوم وحی کر دینا اختیار کرو اور کسوف کی اس تعلیل سے حکمار کے سب اقوال متعلقہ فلکیات کا ماننا لازم نہین آتا کیونکہ خرق والتیام کے امکان اور افلاک جزئیہ کے بطلان اور افلاک کے سکون کی تقدیر پر بھی اور حرکات کواکب کی اور انین کسی کا اونچا کسیکا نیچا ہونا تو مشاہد ہین اور ان حرکات سے دوائر کا متوہم ہونا اور اون دوائر مین تقاطع وغیرہ ہونا یہ بھی عقلاً لازم ہے اور احکام مذکورہ کی صحت کے لیے اتنا کافی ہی یہ تو ذکر تھا اثرِ کجروی شمس کا آگے ذکر ہی اثر صورتِ خود رائی سحاب کا یعنی چونکہ ابر بوجہ جسم غیر متماسک ہونیکے چارون طرف پھیلنا چاہتا ہی جو کہ صورت ہی مطلق العنانی و غیر مقید ہونیکی جو حقیقت ہے خود رائی کی پس اس صورت خود رائی کا یہ اثر ہوا کہ اس) ابر کے بھی (مؤکلانِ سحاب) آتشین تازیانہ مارتے ہین کہ اوس طرح چل (اور) اس طرح مت چل (یعنی) فلان وادی پر برس (اور) اس طرف مت برس (غرض حکمِ قضا) اوسکو گوشمالی (یعنی امر جبری) دیتا ہے کہ (ادھر) کان رکھ (یعنی سُن اور مان۔ یہ اشارہ ہے مضمون حدیث کی طرف جسمین رعد کی حقیقت فرشتۂ مؤکل بالسحاب کی صورت اور برق کی حقیقت اوس فرشتہ کی لمعانِ سوط وارد ہے اور اسپر حکمار کے قول سے شبہہ نکیا جاوے کیونکہ حکمار نے صورت رعد و برق کی ماہیت بیان کی ہے اور حدیث مین اونکی روح و حقیقت بیان کی گئی فلا تعارض اس کا مطلب بھی مثل کجروی آفتاب کے یہ ہوا کہ دیکھو صورت خود رائی پر سحاب کے لیے تازیانۂ آتشین تجویز کیا گیا پس تم خود رائی مت کرنا اور آفتاب و سحاب دونون کے لیے ان احکام کا اون کی صورت کجروی و خود رائی پر مرتب کرنا حسن التعلیل ہی واسطے ایک تائید لطیف مدعا کے ورنہ ظاہر ہے کہ واقع مین علت ان احکام کی اور ہی ہے یعنی ظاہراً اسباب طبعیہ اور باطناً مشیت الٰہیہ للمصالح الخاصۃ پس اب یہ بھی سوال نہ رہا کہ ماہتاب تو آفتاب سے نیچے رہتا ہے اوسکو خسوف کیون ہوتا ہے جواب یہ ہی کہ حسن التعلیل ایک نکتہ ہوتا ہی جسکا اطراد ضروری نہین دوسرے یہ بھی کہہ سکتے ہین کہ ماہتاب بھی اوسوقت من وجہٍ مرتفع ہوتا ہے کیونکہ وہ زمین کے اوپر ہوتا ہی اور آفتاب زمین کے نیچے اور زمین کی حیلولت سے خسوف ہوجاتا ہی اور یہ اوپر نیچے عرفاً ہے ورنہ بمعنی بُعد عن مرکز الارض و قُرب بر کے اعتبار سے تو آفتاب اوسوقت بھی فوق ہی ہوتا ہے۔ آگے کسوفِ آفتاب کے تسبب مذکور پر تعلیم مقصود کو متفرع فرماتے ہین کہ) تیری عقل آفتاب سے تو زیادہ نہین ہے (جب وہ کجی

کجروی پر سزا ملیگی تو اگر تیری عقل کجی کریگی یعنی تو اپنی عقل کو مزاحمت احکام آلہیہ مین علماً یا عملاً صرف کریگا تو تو بھی مستحق عقوبت ہوگا تو اسکو یاد رکھ اور) جس فکر سے کجی آئی ہو اوس مین قیام مت کر (اگر مزاحمتِ علمی ہو تو کجی فکر سے ظاہر ہے اور اگر مزاحمتِ عملی ہو تو معنی یہ ہونگے کہ خلاف پر عمل کرنا تو بہت بڑی بات ہے خلاف کا خیال بھی مت کر: اور ظاہر ہے کہ خیال ہمیشہ سابق ہوتا ہے عمل پر پس خیال کی نفی سے عمل کی بدرجۂ اولیٰ نفی ہو جاویگی آگے بھی یہی مضمون دوسرے عنوان سے ہو یعنی) اے عقل تو بھی اپنا قدم کج مت رکھ تاکہ وہ کسوف (ظلمتِ قلب) تجکو اوس کے سبب پیش نہ آجاوے (اور یہانتک کسوفِ آفتاب کا سبب اوسکی کجی تبلائی تھی جو کہ اوسکی علتِ فلسفیہ کی ایک تقریر بطور حسن التعلیل کے تھی آگے اس کسوف کا سبب مکلفین کی کجی کو تبلاتے ہین جو کہ موافق حدیث کے اوسکی ایک حکمت شرعیہ ہے اور اوسمین ایک تفصیل بطور ایک نکتہ کے فرماتے ہین پس فرماتے ہین کہ) جب (مکلفین کا) گناہ کم ہوتا ہے تو نصف آفتاب کو منکسف دیکھتے ہو اور نصف با نور و شعاع (رہتا ہے گویا بدلالتِ حال حق تعالیٰ مکلّف کو خطاب فرماتا ہے) کہ مین بقدر جرم کے تجھکو پکڑتا ہون (چونکہ گناہ کم تھا اس لیے کسوف بھی کم ہوا) یہی انداز ہے عطا مین اور سزا مین (یعنی اعمالِ حسنہ پر عطا اور اعمالِ قبیحہ پر سزا اور چونکہ یہ انداز علمِ کامل پر موقوف ہو اس لیے آگے اوسکا اثبات ہے کہ) خواہ (عمل) نیک ہو خواہ بد ہو (اور خواہ) علانیہ (ہو) اور (خواہ) پوشیدہ (ہو) ہم تمام اشیا پر سمیع و بصیر ہین (اس لیے ہر عمل پر مناسب جزا دیتے ہین اس لیے زیادہ گناہ پر پورا کسوف ہوتا ہو اور کم گناہ پر کم کسوف۔ یہ حکمت کسوف و خسوف کی تو حدیث مین آئی ہے لقولہ علیہ السلام ولکن یخوف اللہ بہا عبادہ آور یہی جواب ہے تعارض علت فلسفیہ کا کہ وہ علت ہو اور یہ حکمت باقی یہ تفصیل جیسا مولاناؒ نے فرمائی ہو کہ گناہ کی مقدار پر کسوف کی مقدار ہوتی ہو منصوص نہین دیکھی لیکن اوس حدیث سے کسیقدر چسپان معلوم ہوتی ہے گو حکمت مین یہ تفصیل ضرور نہین جیسی علت مین ضروری ہے کہ بقدر محاذاۃ کسوف کی مقدار ہوگی لیکن نفس مقصود اس تفصیل پر موقوف نہین نفس حکمت سے بھی حاصل ہو تقریر اوسکی یہ ہوگی کہ جب تمہارے گناہ سے آفتاب کو کسوف لگ گیا تو خود تمکو کسوف لگ جانا گناہ سے کچھ بھی بعید نہین پس اس بنا پر سہ چون گنہ کمتر بود الخ مین ترقی ہو گی استدلالِ بالا پر کیونکہ اوپر کسوفِ آفتاب مقیس علیہ تھا کسوفِ مکلف کا اور اس مین کسوفِ آفتاب خود دلیل ہوگئی گناہِ مکلف کے مستلزم کسوف مکلف ہونے کی آگے رجوع ہے قصۂ بلالؓ کی طرف)

زین گذر کن اے پدر نوروز شد	**خلق از اخلاق خوش فیروز شد**
اِس سے تجاوز کر اے پدر عید ہوگئی	مخلوق اَخلاقِ خوش سے کامیاب ہوگئی
باز آمد آبِ جانِ در جوے ما	**باز آمد شاہِ ما در کوے ما**
رُوح کا آب ہماری نہر مین پھر آگیا	ہمارا باشاہ پھر ہمارے محلہ مین آگیا

می خرامد بخت و دامن می کشد ‌‌‌‌— نوبتِ توبہ شکستن می رسد

نصیب ناز کرتا ہے اور دامن کھینچتا ہے — نوبت توبہ شکنی کی آرہی ہے

توبہ را بارِ دگر سیلاب بُرد — فرصت آمد پاسبان را خواب بُرد

توبہ کو دوبارہ سیلاب نے بہا دیا — فرصت آئی۔ پاسبان کو نیند نے مغلوب کردیا

ہر خماری مست گشت و بادہ خَورد — رَخت را امشب گرو خواہیم کرد

ہر ایک خمار والا مست ہوگیا اور اس نے شراب پی لی — ہم رَخت کو آج کی رات گرو کردیں گے

زان شرابِ لعل و لعلِ جانفزا — لعل اندر لعل اندر لعلِ ما

اُس شرابِ لعل اور لعلِ جانفزا سے — ہمارا وجود لعل در لعل در لعل ہوگیا

باز خرّم گشت و مجلس دلفروز — خیز دفعِ چشمِ بد اسپند سوز

پھر خرّم ہوگیا اور مجلس دلفروز ہوگئی — اُوٹھ نظرِ بد کے دفع کیواسطے سپند جلاوے

نعرۂ مستانہ خوش می آیدم — تا اَبَد جانان چنین می بایدم

مجکو نعرۂ مستانہ خوش معلوم ہوتا ہے — اے جانان مجکو ابد تک ایسا ہی مطلوب ہی

نکِ ہلالی با بلالی یار شد — زخمِ خار او را گل و گلزار شد

لو اب تو ہلالؓ بھی بلالؓ کے ساتھ شریک ہوگئے — زخمِ خار بلالؓ کے لیے گُل و گلزار ہوگیا

گر ز زخمِ خار تن غربال شد — جان و جسمم گلشنِ اقبال شد

اگر زخمِ خار سے تن غربال بھی ہوگیا — تو کیا ہے میری رُوح اور جسم گلشنِ اقبال ہوگیا

تن بہ پیشِ زخمِ خارِ آن جہود — جانِ من مست و خرابِ آن وَدُود

تن تو اُس جہودی کے زخمِ خار کے سامنے ہے — میری رُوح مست اور عاشق اُس ودود کی ہے

بُوئے یارِ مہربانم می رَسد		بُوئے جانے سُوئے جانم می رَسد
محبوبِ مہربان کی خوشبو مجکو پہونچ رہی ہے		ایک رُوح کی خوشبو میری روح کیطرف آرہی ہے

(رجوع ہے قصۂ بلالؓ کے ان اشعار بالا کے مضمون کی طرف ۵ باز بندش داد باز او توبہ کرد ٭ عشق آمد توبۂ او را نجورد ٭ توبہ کردن زین نمط بسیار شد ٭ عاقبت از توبہ او بیزار شد ٭ جسکا حاصل یہ تھا کہ غلبۂ عشق و تجلی محبوب سے عزم کتمانِ ایمان جسکو توبہ عن اظہار الایمان سے تعبیر کیا گیا ہے فسخ ہو جاتا ہی پس اُسی مضمون کو فرماتے ہین کہ) اس (مضمون) کی (جوکہ بمناسبت تصرف عشق کے تصرفات قضا کے متعلق ہے اوس کے تفریعات کے درمیان قصہ کے آگیا تھا) تجاوز کر اے پدر (کیونکہ غلبۂ عشق و تجلی سے عشاق کی پھر) عید ہو گئی (چنانچہ آگے یہی وجہ تبلاتے ہین کہ) مخلوق (محبوب کی) اخلاق خوش سے (کہ وہ اخلاق خوش توجہ و عنایت بحالِ عُشاق ہے) کامیاب ہو گئی (اور یہان خلق گو مفہومًا عام ہے مگر بدلیل خارجی مصداقًا خاص ہی یعنی بالقوہ تو عنایت محبوب کی سب ہی پر ہے اور اودھر سے کسی سے انکار نہین اس اعتبار سے مفہوم خلق اور یہ حکم عام ہے لیکن بالفعل اُن ہی کے ساتھ خاص ہی جو خود بھی اوس کے طالب ہین اور وہ عشاق ہین پس اس مقتضی خارجی کے اعتبار سے مصداق خلق اور یہ حکم خاص ہے چنانچہ اگلے شعر در جُوئے ما و در کوئے ما مین اس تخصیص کی تصریح ہے اور نکتہ تعبیر باللفظ العام مین اس امر کے تبلانے کو کہہ سکتے ہین کہ اُودھر سے کسی سے دریغ نہین اگر کوئی خود نہ لے تو اَنُلْزِمُکُمُوْهَا وَاَنْتُمْ لَهَا کَارِهُوْنَ اور بعض نسخون مین اخلاق کی جگہ خلّاق ہے یعنی خلّاق کی تجلی سے خلق کامیاب ہو گئی اور لفظ خلق مین یہی تحقیق رہیگی مگر مجکو ذوقِ لسانی سے یہ نسخہ بعید معلوم ہوا اگرچہ معنے بہت سہل ہی آور نو روز سے مراد عید اس لیے لی کہ اہلِ فارس سال کے اول روز مین کہ پہلی تاریخ ہوتی ہی ماہ فروردین کی اور زمانہ ہوتا ہے بُرجِ حمل کے اول نقطہ مین آفتاب کے پہونچنے کا جشن و عید کرتے تھے پس مطلب شعر کا یہ ہوا کہ پھر عشق و تجلی کا غلبہ ہو گیا جو کہ عیدِ عشاق ہے اس لیے اس مضمون استطرادی کو چھوڑ کر اسی عشق و تجلی کا بیان کرو آگے اسی کے تحقق اور اوس کے آثار و احکام کو بیان کرتے ہین کہ) روح کا آب (حیات) ہماری (یعنی عشاق کی) نہر (ہستی) مین پھر آگیا (مراد روح کے آبِ حیات سے غلبۂ عشق ہی کہ ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بہ عشق ٭ اور) ہمارا بادشاہ (یعنی محبوب) پھر ہمارے محلہ مین آگیا (مراد اس سے تجلی فرمانا ہے محبوب کا قلب پر کہ مراد کُوے سے قلب ہی پس مجموعہ مصراعین مین مجموعۂ عشق و تجلی مذکور ہوا اور ہمارا) نصیب (اس تجلی و عشق کے حصول پر) ناز کرتا ہے اور (فرطِ ناز سے دامن کھینچتا (ہوا چلتا) ہے (اور اس عشق و تجلی کے غلبہ اور بخت بمعنی صاحب بخت یعنی قلب کے شوق اور جوش سے) نوبت توبہ شکنی کی آرہی ہے (اور توبہ کی تفسیر عزم کتمان کے ساتھ ابھی گذر چکی ہے اور اس) توبہ کو دوبارہ سیلاب (عشق) نے بہا دیا (اور اس کی ایسی مثال ہو گئی جیسی مثلاً کسی پاسبان کو ذرا بے فکری اور فرصت ہو گئی ہو اور اس نے اوس پر نیند غالب ہو گئی ہو اور یہی حاصل ہے اس مصرعۂ آیندہ کا کہ) فرصت آئی (اور) پاسبان کو نیند نے مغلوب کر دیا (اور بعض نسخون مین مصرعۂ ثانیہ

اس طرح ہے "آسیاو سنگہارا آب بردہ" اور توجیہ اسکی ظاہر ہے اور غالبًا یہ نسخہ الطف ہی حاصل سب تشبیہات کلیہ ہی کہ جسطرح سیلاب اور خواب اور آب کو خاص خاص اشیاء پر غلبہ ہوجاتا ہے اسیطرح عشق وتجلی کا عاشق پر اور اوسکے عزم پر غلبہ ہوگیا اور اس غلبہ سے) ہر صاحب خمار (جسکی مستی اوترنے کو تھی کیونکہ خمار کے معنی ہین انچہ بعد زائل شدن نشۂ شراب عضاشکنی و درد سر میباشد کذا فی الغیاث وہ صاحب خمار اس غلبہ سے پھر) مست ہوگیا اور اوس نے (غلبۂ عشق کی) شراب (پھر) پی لی (اور ہم عشاق کو اوس کا ایسا اشتیاق ہوا کہ اوس شراب کی طلب مین) رخت (ہستی) کو آج کی شب گرو کر دینگے (یعنی ہستی کی حفاظت اور پروانہ کرینگے اور عنوان گرو مین ایک خاص لطافت ہی کہ ہستی بالکل زائل نہین ہوتی جسطرح گرو مین ملک زائل نہین ہوتی بلکہ معطل ہوجاتی ہے اور) اوس شراب لعل (یعنی عشق) اور (اوس) لعل جانفزا (لب معشوق یعنی تجلی) سے ہمارا وجود (غایت فانی العشق والتجلی المشبہین باللعل سے گویا خود مصداق) لعل در لعل در لعل (کا) ہوگیا (اسطرح سے کہ فنا نے مذکور سے وہ خود لعل ہوگیا پھر اس وجود سے دو لعل کا تعلق ہی ایک عشق کا دوسری تجلی کا بس اس طرح وہ تین لعل کا مجمع ہوگیا حاصل یہ کہ عشق وتجلی سے ہمارا وجود) پھر خرم (و پرجوش) ہوگیا اور (عشاق کی باطنی) مجلس دلفروز ہوگئی۔ (پس یہ مصرعہ اوپر کے شعر سے قطعہ بند ہے ایک توجیہ تو اس کلام کی یہ ہے اور اس مقام پر دو نسخے ہین "باز خرم گشت ومجلس بواو عطف قبل مجلس۔ اور گشت مجلس بدون واو عاطفہ اور یہ توجیہ دونون نسخون پر درست ہوسکتی ہے واو عاطفہ پر تو ظاہر ہے اور بدون واو عاطفہ کے یون کہا جاویگا کہ مجلس دلفروز کے قبل عاطف مقدر ہے اور اوسکے بعد گشت مقدر رہا اور ایک توجیہ یہ ہوسکتی ہی کہ لعل اندر لعل خبر مقدم ہو اور لفظ ما مبتدا مؤخر ہو یعنی اوس شراب لعل و لعل جانفزا سے ہم لعل اندر لعل ہوگئے اور حاصل اوس کا بھی وہی ہوگا جو توجیہ اول مین مذکور رہا یعنے فنا فی اللعل ہونے سے ہستی بھی لعل ہوگئی اور اوسکو دو لعل سے تعلق ہونے سے وہ تین لعل کی مجمع ہوگئی۔ اور باز خرم گشت مجلس مین مجلس اسم ہوگا گشت کا اور خرم خبر ہوگی گشت کی اور دلفروز یا توصفت ہوگی مجلس کی اور نکل اضافت بضرورت شعر ہوگی اور یا اگر دل اور فروز کسی نسخہ مین علیحدہ علیحدہ لکھا ہو تو فروز امر ہوگا اور دل اسکا مفعول بہ اور یہ توجیہ ثانی نسخۂ عدم واو عاطفہ پر ہوسکتی ہے یہ تو لفظی توجیہ ہوگی اور معنوی توجیہ باز خرم گشت کی وہی ہے جو حاصل ہے "باز آمد آب جان در کوے ما الخ کا یعنی از عشق وتجلی باز مجلس خرم گشت الخ واللہ اعلم اور اس حالت کو نہایت درجہ عزیز رکھنے کی وجہ سے کہتے ہین کہ) اوٹھ چشم بد کے دفع کے واسطے سپند جلا دے (یہ عادت عوام کی تھی کنایہ اس سے ہی کہ خدا کرے اسکو نظر نہ لگ جاوے بلکہ ہماری یہ حالت گو بظاہر تعب آمیز ہے دائم رہے چنانچہ آگے اس کے عزیز ہونے کی زیادہ تصریح ہی کہ) مجھکو (ایسا ہی) نعرۂ مستانہ خوش معلوم ہوتا ہے اے جانان مجھکو ابد تک ایسا ہی (نعرہ یا ایسا ہی حال) مطلوب ہی (آگے علاوہ محبوبیت فی نفسہا حالت مذکورہ کے ایک خارجی سبب بھی اس حالت کے عزیز ہونے کا بیان فرماتے ہین جس سے مضاعف پسندیدگی ہوگئی وہ یہ کہ) تو اب تو ہلالؓ بھی بلالؓ کے ساتھ شریک (عشقبازی) ہوگئے (بلالؓ کا قصہ بیان سے تقریبًا چوالیس شعر اوپر بضمن شرح۔ شعر

سے گر بلا لم گر بلا لم الخ بقدر ضرورت بیان ہو چکا ہے حاصل مطلب یہ کہ عشاق کا اجتماع بھی ہو گیا اور قاعدہ ہے کہ ہم مذاقون کے اجتماع سے مذاق مین اور قوت ہوتی ہے پس بلالؓ کی حالت عشقیہ اس اجتماع سے اور بھی قوی ہو گئی اور یہ قوت زیادہ سبب ہو جاوے گی فسخ توبہ کا اور اس قوت سے) زخم خار بلالؓ کے لیے گل وگلزار ہو گیا (جب اوس کو گل وگلزار کی طرح لذیذ سمجھین گے اور موجب الم ہی نہ سمجھین گے تو وہ توبہ کہان رہی گی آگے بلسان بلالؓ کہتے ہین کہ میری اس لذت مین یہ کیفیت ہے کہ) اگر زخم خار سے (بظاہر) تن غربال بھی ہو گیا تو گیا ہے (باطناً تو) میری روح اور جسم گلشن اقبال ہو گیا (اور) تن تو اوس جہودی کے زخم خار کے سامنے ہے (مگر) میری روح مست اور عاشق اوس ودود کی ہے (یہودی کہنے کی توجیہ سرخی کے قریب مصرعہ رد کز جہودان الخ کی شرح مین گذری ہے اور) ایک روح (حقیقی) کی خوشبو میری روح کی طرف آرہی ہے (آگے تفسیر ہے بوے جان کی یعنی اوس) محبوب مہربان کی خوشبو مجھکو پہونچ رہی ہے (محبوب کو روح تشبیہاً کہا کہ اوسکا تعلق سرمایۂ حیات حقیقی ہے جسطرح روح کا تعلق سرمایۂ حیات متعارف ہے اور حق تعالیٰ کا اسم محیی بھی اس تشبیہ کی تائید کرتا ہے آگے رجوع ہے قصہ بلالؓ اور اونکے مشورۂ استخلاص کی حکایت کی طرف ایک عجیب ولطیف تمہید کے ساتھ)

باز گفتن صدیق صورتِ حالِ بلالؓ را نزدِ حضرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم ومشورت کردن در خریدنِ او

از سوے معراج آمد مصطفٰے	بر بلالش حبذا آن حبذا
مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم معراج سے آگئے	آپ کے بلال پر مرحبا ہو وہ مرحبا

(یہ تمہید ہے قصۂ آیندہ کی اور معراج سے مراد عرف خاص مصطلح صوفیہ ہے یعنی توجہ بمحض حق وعدم التفات اصلاً بخلق جس کا مقابل نزول یعنی توجہ الی الخلق ہے لکن لا للخلق کما للعوام بل للحق لاصلاحہم وارشادہم ومصلحتہم کما للانبیاء و ورثتہم تقریر تمہید کی یہ ہوئی کہ اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت بلالؓ کے حال کی اطلاع حضرت صدیقؓ کے واسطہ سے ہوتی ہے اور حضورؐ اب اونکی طرف توجہ فرماتے ہین تاکہ اون کو اس مخمصہ سے نکالکر اپنی صحبت مین رکھکر اونکی تکمیل فرمادین چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی فطری شان توجہ خالص بحق ہے پس جب خلق کی طرف توجہ فرماوینگے تو وہ توجہ اصطلاحاً نزول بعد العروج ہوگا پس اسی بنا پر حضرت بلالؓ کی طرف جو توجہ فرمائی تو اوس توجہ فرمانے کو اس طرح تعبیر کیا جاوے گا کہ) مصطفٰے (گویا) معراج (اصطلاحی) سے (بنزول اصطلاحی عالم ناسوت مین) آگئے

(آگے بلال کی تحسین بطور مبارکباد کے ہے کہ اس دولت توجہ نبوی سے) آپ کے بلال پر مرحبا ہو (اور مرحبا بھی کیسی) وہ مرحبا (جو اس موقع کے لائق ہو یعنی بڑی مرحبا پس آن اسم اشارہ بعید تفخیم شان کے لیے ہے کما فی قولہ تعالیٰ ذلک الکتاب لاریب فیہ اور ایک توجیہ اور ہوسکتی ہے کہ آن مرحبا کا مشار الیہ بلال رض کو کہا جاوے یعنی اون پر مرحبا کیسی وہ خود سراپا مرحبا ہوگئے کہ حضور اون کے حال پر متوجہ ہین پس اس مین سابق سے ترقی و مبالغہ ہوگا **ف** اور اس شعر کے حل مین محشین نے وہ وہ بعید اور رکیک تاویلین کی ہین کہ ذرہ ذوق قبول نہین کرتا اور بُعد بر بُعد اس سے بڑھ گیا کہ بعض نسخون مین اس شعر کو سُرخی سے پہلے لکھدیا پھر سابق کے مضمون سے اسکو جوڑنا پڑا اور ممکن نہوا بندہ نے اس کو ذوقًا لاحق کے مضمون سے مرتبط سمجھکر یہ توجیہ مذکور سمجھی اور چونکہ سب سے اقرب اور بالکل جدید تھی اس لیے اوپر ختم مضمون پر اسکو مین نے تمہید عجیب لطیف کہا واللہ اعلم آگے تمہید کے بعد قصہ ہے۔

چونکہ صدیق رض از بلال رض دم درست
جبکہ صدیق رض نے بلال رض سے جو کہ صادق القول تھے

این شنید از توبۂ او دست شست
یہ سُنا اُنکی توبہ سے ہاتھ دھو لیا

بعد از ان صدیق رض نزد مصطفےٰ
اسکے بعد صدیق رض نے مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کے روبرو

گفت حالِ آن بلال رض باصفا
اُس بلال رض باصفا کا حال کہا

کان فلک پیمای میمون فال چیست
کہ وہ آسمان کا قطع کرنیوالا ۔ مبارک فال ۔ جو کہ مستعد ہے

این زمان از عشق اندر دام تست
اسوقت آپ کے عشق اور دام مین مبتلا ہے

بازِ سلطان ست زان جغدان برنج
بازِ شاہی اُن جغد دن سے تکلیف مین ہے

در حدث مدفون شدست آن رفت گنج
نجاست مین مدفون ہو رہا ہے وہ گنج معمور

جغدها بر باز استم می کنند
جغد باز پر ظلم کر رہے ہین

پر و بالش بے گناہے می کنند
اُسکے بال و پر بدون کسی گناہ کے اُکھاڑتے ہین

جرم او انیست کو باز ست و بس
اُسکا جرم یہی ہے کہ وہ باز ہے اور بس

غیر خوبی جرم یوسف چیست پس
بجز حسن کے یوسف علیہ السلام کا پھر کیا جرم ہے

چغد را ویرانه باشد زاد و بود
چغد کا مولد ومسکن تو ویرانہ ہے

هست شان بر بازان خشم و جحود
انکو باز پر اس سبب سے غصہ اور انکار ہے

که چرا می یاد آری تو زان
کہ تو کس وجہ سے یاد کرتا ہے اُس

لاله زار و جویبار و گلستان
لالہ زار اور جویبار اور گلستان کو

یا چرا یادت بود از آن دیار
یا کس وجہ سے تجھکو اُس دیار کی یاد آتی ہے

یا ز قصر و ساعدِ آن شهریار
یا قصر اور بادشاہ کے ساعد کی یاد کیون آتی ہے

در دهِ چغدان فضولی می کنی
تو چغدون کی بستی مین فضول حرکت کیون کرتا ہے

فتنه و تشویش در می افگنی
تو فتنہ اور تشویش ڈال رہا ہے

مسکنِ ما را که شد رشکِ اثیر
ہمارے مسکن کو جو کہ رشکِ فلک ہے

تو خرابه دانی و خوانی حقیر
تو ویرانہ سمجھتا ہے اور حقیر کہتا ہے

شید آوردی که تا چغدانِ ما
تونے اس لیے مکر پھیلایا تا کہ ہمارے چغد

مر ترا سازند شاه و پیشوا
تجھکو بادشاہ اور مقتدا بنا لین

وهم و سودائی در ایشان می تنی
تو اُن مین وہم اور سودا پیدا کر رہا ہے

نام این فردوس ویران میکنی
اس فردوس کا نام ویرانہ رکھتا ہے

بر سرت چندان زنیم ای بدصفات
اے بدصفات ہم تیرے سر پر اسقدر مارین گے

تا بگوئی ترکِ شید و تُرّهات
کہ تو اس مکر اور بیہودہ دعوون کو چھوڑ دیگا

پیشِ مشرق چار میخش می کنند
آفتاب کے سامنے انکو عقوبت کرتے ہین

تن برهنه شاخِ خارش می زنند
تن برہنہ کرکے انکو شاخِ خار سے مارتے ہین

از تنش صد جاے خون بر می جہد	**اوٗ احد می گوید و سر می نہد**
اون کے بدن سے صدہا جگہ خون چھلکتا ہے	وہ احد کہتے ہیں اور سر رکھتے ہیں
پند ہا دادم کہ پنہان دار دین	**سر بپوشان از جہودان لعین**
میں نے بہت نصیحت کی کہ دین کو مخفی رکھو	راز کو ملعون یہودیون سے پوشیدہ رکھو
عاشق ست او را قیامت آمدہ است	**تا در توبہ برو بستہ شدہ است**
وہ عاشق ہین انکے لیے قیامت کی آمد ہے	جس سے توبہ کا دروازہ اون پر بند ہو گیا ہے

(تمہید مذکور فی شرح البیت السابق کے بعد رجوع ہے قصہ کی طرف یعنی) جب صدیق نے بلال سے جو کہ صادق القول (ورا سخ فی الدعویٰ والآخذ بالعزیمت) تھے یہ دبار بار اونکا احد احد کہنا جو کہ شروع قصہ کے ان ابیات مین مذکور ہوا ہے روز دیگر از پگہ الی قولہ توبہ کردن زین نمط الخ) سنا اونکی توبہ (بالمعنی اللغوی یعنی عزم اخفاء ایمان) سے ہاتھ دھو لیا (یعنے نا امید ہو گئے اور سمجھ گئے کہ یہ رخصت پر عمل نکرینگے) اس کے بعد صدیق نے مصطفے صلے اللہ علیہ وسلم کے روبرو آ کر بلال باصفا کا یہ سب) حال کہا کہ وہ آسمان (رحمت) کا قطع کرنیوالا مبارک فال جو کہ (دین مین) مستعد ہو (مراد بلال) اسوقت آپکے عشق اور دام (محبت) مین مبتلا ہے (اور وہ) باز شاہی اون جغدون سے (یعنی کفار سے) تکلیف مین ہے (اور اوس مجمع مین اوسکی ایسی مثال ہی کہ گویا) نجاست مین مدفون ہو رہا ہے وہ گنج معمور (زفت بمعنی پر و مالا مال نیز آمدہ کما فی الغیاث آورد) جغد (اوس) باز پر ظلم کر رہے ہین (اور) اوس کے بال و پر بدون کسی گناہ کے اوکھاڑتے ہین۔ اوس کا جرم (صرف) یہی ہے کہ وہ باز ہے اور بس (کقولہ تعالیٰ وما نقموا منہم الا ان یؤمنوا باللہ الآیۃ اور) بجز حسن کے یوسف علیہ السلام کا بھر کیا جرم ہے (یعنی یہی حسن صورت و سیرت حسد اخوان کا سبب ہو گیا تھا اس طرح سے کہ اس سے وہ باپ کے نزدیک احب ہو گئے اور احب ہونا سبب ہوا حسد کا پس بقاعدہ سبب السبب سبب وہ حسن سبب ہو گیا حسد کا اور اوس باز پر جغدون کو غصہ اس لیے آتا ہی کہ جغد کا مولد و مسکن تو ویرانہ ہے۔ اونکو باز پر اس سبب سے غصہ آتا ہی کہ تو کس وجہ سے یاد کرتا ہے اوس لالہ زار اور جویبار اور گلستان کو یا کس وجہ سے تجھکو اوس دیار کی یاد آتی ہی یا قصر اور بادشاہ کے ساعد کی یاد کیون آتی ہی (اور جغد اوس باز سے کہتے ہین کہ) تو جغدون کی بستی مین فضول حرکت کیون کرتا ہے (مراد اس فضول حرکت سے وہی لالہ و جوے و گل و قصر و ساعد شہریار کا تذکرہ اور اس تذکرہ سے) تو فتنہ اور تشویش (ہمارے مجمع مین) ڈال رہا ہے اور تو ہمارے مسکن کو جو کہ (غایت رونق سے بزعم ایشان) رشک فلک ہی (کذا فی الغیاث احد معانیہ) تو ویرانہ سمجھتا ہے اور (اوسکی) حقیر کرتا ہے۔ تو اس لیے مکر لاتا ہے تاکہ ہمارے جغد تجھکو بادشاہ اور مقتدا بنا لین (کقول فرعون لموسیٰ و ہارون علیہما السلام وتکون لکما الکبریاء فی الارض الآیۃ) تو اون

(بخیدون) مین وہم اور سودا پیدا کر رہا ہے (کذا فی الغیاث احد معانیہ اور) اس فردوس کا نام ویرانہ رکھتا ہو (یہی سب حال ہو دنیا پرستون کا انبیاء واولیائ کے ساتھ جو کہ ذم دنیا اور ترغیبِ آخرت مین مشغول ہین وہ انکے تحقیقات کو اوہام فاسدہ اور اونکے معجزات یا کرامات کو یا اونکی تدابیر خیرخواہی کو مکروفریب بتلاتے ہین اور اونپر شبہہ حُبِ ریاست کا کرتے ہین) ہم تیرے سرپائے بدصفات اسقدر مارینگے کہ تو اس مکر اور بیہودہ دعوون کو چھوڑ دیگا (یہ سب مقولہ جُخیدون کا ہے بازکے خطاب مین اور مقصود اس سے بزبانِ حضرت صدّیق یہ ہے کہ اون کُفّار کے خطاب بلالؓ مین یہ تو اقوال ہین اور آگے جو مذکور ہے وہ افعال ہین کہ) آفتاب کے سامنے (یعنی دھوپ مین) اونکو عقوبت کرتے ہین (اور) تن برہنہ کرکے اونکو شاخ خار سے مارتے ہین (حتی کہ) اونکے بدن سے صدجگہ خون چھلکتا ہے (مگر) وہ اَحَد (اَحَد) کہتے ہین اور (ان سب تکالیف پر) سر (تسلیم) رکھتے ہین۔ مین نے بہت نصیحت کی کہ دین کو مخفی رکھو (اور اس) راز کو (ان) ملعون یہودیون سے پوشیدہ رکھو (مگروہ نہین مانتے کیونکہ) وہ عاشق ہین (اور یہ دین) اونکے لیے (گویا) قیامت کی آمد ہے جس سے توبہ کا دروازہ اونپر (گویا) بند ہوگیا ہے۔ (یعنی جیسے قُربِ قیامت مین بابِ توبہ بند ہو جاویگا اسی طرح دین کی محبت نے اونپر توبہ بمعنی عزم کتمان کو بند کر دیا ہے وجہ تشبیہ صرف یہی ہے گو دونون مین یہ تفاوت ہے کہ قُربِ قیامت مین یہ غلقِ باب عقوبت و بُعد عن القبول ہے اور یہ غلق رحمت و عین قُرب و قبول ہے اور اوس محشی نے غلطی کی جس نے کتمانِ دین کو قیامت سے تشبیہ دی اِس لیے کہ اگر قیامت سے یہ مراد ہوتی تو قیامت کی آمد کا حکم اوسوقت صحیح ہوتا جب کتمان متحقق ہوتا اور وہ سبب ہوتا فسخ توبہ کا یہان تو سبب توبہ کا غلبہ ہے حُبِ دین کا آگے مولانا کا ارشاد مع تحقیق دلیل آدے گا کہ یہ توبۂ مذکورہ عشق کے ساتھ مجتمع نہین ہوسکتی) **ف** چار میخ نوعے از تعذیب کہ مُجرم را بہ چہار میخ دست و پا بستند از بُرہان کذا فی الغیاث

عاشقی و توبہ یا امکانِ صبر
عاشقی اور توبہ یا اِمکان صبر کا
توبہ کرم و عشق ہمچون اژدہا
توبہ کرم ہے اور عشق اژدہا ہے
عشق زاَوصافِ خدائے بے نیاز
عشق اوصاف خدائے بے نیاز سے ہے

این محالے باشد اے جان بس سطبر
اے جان یہ تو محالِ عظیم ہے
توبہ وصفِ خَلق و آن وصفِ خدا
توبہ مخلوق کا وصف ہے اور وہ عشق وصف حق تعالیٰ کا ہے
عاشقی بر غیرِ او باشد مجاز
اس کے غیر پر عاشقی مجازی ہوگی

زانکہ آن مس زراندود آمدست ظاہرش نور اندرون دود آمدست

اس سبب سے کہ وہ غیر مس زر اندود ہے ظاہر اُسکا منور۔ اور باطن دُخان ہے

چون شود نور و شود پیدا دُخان بفسرد عشقِ مجازی آن زمان

جب نور جاتا رہتا ہے اور دُخان ظاہر ہوجاتا ہے اُسوقت عشقِ مجازی افسردہ ہوجاتا ہے

چون شود پیدا دُخانِ غم فزا بفسرد نے عشق ماند نے ہوا

جب دُخانِ غم فزا ظاہر ہو جاتا ہے تو وہ فسردہ ہوجاتا ہے۔ نہ عشق رہتا ہے۔ نہ خواہش رہتی ہے

وا رود آن حُسن سوے اصلِ خود جسم ماند گندہ و رُسوا و بد

وہ حُسن اپنی اصل کیطرف چلا جاتا ہے جسم گندہ۔ اور رسوا۔ اور بد رہ جاتا ہے

نُورِ مہ راجع شود ہم سوے ماہ وا رود عکسش ز دیوارِ سیاہ

نورِ ماہ۔ ماہ ہی کیطرف واپس ہوجاتا ہے اُسکا عکس دیوارِ سیاہ سے چلا جاتا ہے

نے دران نورے بود نے زندگی نے جمالش ماند نے فرخندگی

اُسمین نہ نور رہتا ہے نہ حیات نہ اُس مین جمال رہتا ہے اور نہ خوبی

پس بماند آب و گل بے آن نگار گردد آن دیوار بے مہ دیو وار

پس آب و گل رہ جاتا ہے بدون اُس محبوب کے وہ دیوار بدون ماہ کے دیو کیطرح ہوجاتی ہے

قلب را کہ زر ز روے او بجست بازگشت آن زر بکانِ خود نشست

کھوٹے سونے کی سطح ظاہری سے سونا اُتر گیا وہ سونا لوٹ گیا اپنی اصل مین جا بیٹھا

پس مس رُسوا بماند دُود وَش رو سیہ تر زو بماند عاشقش

پس تانبا رُسوا رہ جاتا ہے دُخان کی طرح اِس سے زیادہ سیاہ رُو اُسکا عاشق رہ جاتا ہے

عشقِ بینایان بود بر کانِ زر
اہل بصیرت کا عشق کانِ زر پر ہوتا ہے

ہر زمانے لاجرم شد بیشتر
لامحالہ وہ روز بروز ترقی پذیر ہوتا ہے

زانکہ کان را در زری نبود شریک
کیونکہ کانِ زر کا زر ہونیکی صفت مین کوئی شریک نہین ہوتا

مرحبا اے کان زر لاشک فیک
مرحبا اے کانِ زر تجھ مین کوئی شک نہین

ہر کہ قلبے را کند انبازِ کان
جو شخص زرِ قلب کو شریک معدن کا کریگا

وا رود زر تا بکان از لامکان
سونا بے موقع جگہ سے معدن کیطرف چلا جاویگا

عاشق و معشوق مردہ ز اضطراب
عاشق اور معشوق اضطراب سے مر گئے

ماندہ ماہی رفتہ زان گرداب آب
مچھلی تو رہ گئی۔ اس گرداب سے پانی جاتا رہا

عشقِ ربانیست خورشیدِ کمال
عشقِ ربانی خورشیدِ کمال ہے

امر نورِ او وست خلقان چون ظلال
عالمِ امر حق تعالی کا نور ہے۔ عالمِ خلق مثلِ ظل کے ہے

دربط ما سبق سے اوپر یعنی شرح اشعار بالا کے اخیر مین گذر چکا یعنے توبہ بالمعنی المذکور کا عدم اجتماع غلبۂ عشق کے ساتھ مع اوسکی تحقیق لم کے ذکر فرماتے ہین اور ان اشعار کا حل موقوف ہے چند مقدمات پر مقدمۂ اول توبہ سے مراد توبۂ متعارفہ نہین کہ منجملہ اعمالِ مقصودہ اور کمالاتِ مطلوبہ کے ہے بلکہ مراد کتمانِ ایمان ہے کما کثر مرارًا جو کہ شرعًا فی نفسہ مقصود و مطلوب نہین بلکہ رخصت بعارض ضعف مکلف ہے کما ہو ظاہر مقدمۂ دوم کمالات بجمیعہا بالذات صفات واجب تعالی کے ہین اور ممکن مین جو صفاتِ کمال پائی جاتی ہین وہ بواسطۂ واجب کے ہین اور گو ظاہر نصوص سے اس واسطہ کا واسطہ فی الاثبات ہونا معلوم ہوتا ہے مگر بعض اہل کشف کے کلام سے واسطہ فی العروض یا واسطہ فی الثبوت ہونا معلوم ہوتا ہے اور دونون مین کچھ اشکالات بھی ہین اور اوسکے کچھ جواب بھی ہین اور یہ سب بحث شرح دفتر اول مین بذیل اشعار سرخی بیان آنکہ اختلاف درصورتِ روش ست نہ در حقیقت راہ بعد قصۂ ترتیب بارہ طومار کے گذر چکی ہے البتہ واسطہ فی الثبوت مین جو دوسری خرابی کے عنوان سے ایک اشکال وہان لازم کیا ہے اوسکا جواب وہان ذکر نہین کیا گیا اسوقت خیال مین آیا ہے اوسکو مع اعادۂ اشکال کے ذکر کرتا ہون وہ اشکال یہ ہے کہ واسطہ فی الثبوت مین واسطہ مین پایا جانا علت ہوتا ہے اور ذی واسطہ مین پایا جانا معلول ہوتا ہے اور علت سے تخلف معلول کا محال ہے اور صفات واجب تعالی کے قدیم ہین پس اگر وہ علت

صفات خلق کی ہونگی تو صفات خلق کا اور صفات کے ساتھ موصوف یعنی خلق کا قدیم ہونا لازم آویگا اور یہ عقلاً و نقلاً محال ہے اسکا جواب یہ ہو سکتا ہے کہ یہ علیت و معلولیت مذکورہ علی الاطلاق نہیں ہوتی بلکہ مقید ہی تحقق موصوف یعنی ذی واسطہ و تحقق صفت و تحقق اتصاف کے ساتھ جیسا کہ حرکت ید واسطہ ہے حرکت خاصہ مفتاح کی مگر اوسیوقت کہ مفتاح اور حرکت اور متحرک سب متحقق ہوں اور اس کے قبل اگرچہ ید متحرک ہو مگر اوس پر ترتب حرکت مفتاح کا لازم نہیں پس اسی طرح یہاں کہا جاویگا کہ جب مخلوق میں یہ صفت کمال کی پائی جاوے اوسوقت معلول ہو وجود ہذا الکمال فی الواجب سے اور اس کے قبل گو واجب میں وہ کمال ہو مگر اس کمال فی الحادث کا ترتب وس پر لازم نہیں حاصل یہ کہ صرف صفت علت نہیں بلکہ مجموعہ صفت و تعلق مشیت بایجاد صفۃ الحادث فیہ پس اس صورت میں قدم کمال واجب قدم کمال حادث کا لازم نہ آیا پس اس بناء پر اس مقام پر اس کے قائل ہو کر اسکو مقدمہ دوم بنایا جاویگا کہ صفات کمال کے ساتھ ممکن کے متصف ہونے میں واجب تعالی واسطہ فی الثبوت میں اور ظاہر ہی کہ واسطہ فی الثبوت میں واسطہ و ذی واسطہ میں صفت متغائر ہوتی ہیں ایک کامل دوسری غیر کامل اس لیے یہ اشکال لازم نہیں کہ میں صفت واجب کی ممکن میں پائی گئی اور چونکہ اس طرح کا واسطہ ہونا مخصوص ہی صفت کمال کے ساتھ اور صفات نقصان حادث میں صرف واسطہ فی الاثبات کے قائل ہونگے اور ضروری ہی کہ اس مقدمہ کے حل کے لیے وہ مقام مذکور دفتر اول میں ملاحظہ کر لیا جاوے اس لیے یہ اشکال بھی لازم نہ آیا کہ واجب تعالی میں صفات نقص موجودہ فی الحادث کا تحقق لازم آویگا مقدمۂ سوم عشق و محبت صفات کمال سی ہے چنانچہ نسبت حب کی طرف اسکی بین دلیل ہی اور توبہ بالمعنے المذکور یعنے کتمان ایمان صفات نقصان سی ہے چنانچہ ضعف و عجز اس کے جواز کا منشا ہونا اسکی ظاہر دلیل ہی۔

مقدمۂ چہارم کسی چیز کی قوت کبھی باعتبار اوس کی ذات کے ہوتی ہے اور کبھی باعتبار اوس کے متعلق کے اور دونوں اعتبار سے خلاً گندھک میں آگ لگ جاوے تو اس آگ کی قوت اس لیے بھی ہی کہ وہ فی نفسہ ایک تیز چیز ہے اور اس لیے بھی ہی کہ گندھک کو لگ رہی ہے یا کسی کو کسی سے شدید محبت اس لیے بھی ہے کہ اس شخص میں مادہ محبت کا مفرط ہی اور اس لیے بھی ہی کہ جس سے محبت ہی وہ حسین بیحد ہی۔ مقدمۂ پنجم۔ قابل اول صفات کمال کی روح ہے اور قابل اول صفات نقصان کا جسم اور مادۂ ظلمانیہ ہے اب ان مقدمات کے بعد اشعار کا حل عرض کرتا ہوں مولانا فرماتے ہیں کہ) عاشقی اور توبہ یا (اس توبہ کو بلفظ دیگر اس طرح تعبیر کرو کہ) امکان صبر (اور دونوں عنوان کا متحد المعنی ہونا ظاہر ہے کیونکہ کتمان ایمان یعنی توبہ کا حاصل وہی قدرت علی الضبط یعنی امکان صبر ہی غرض یہ کہ عشق کا اسکے ساتھ جمع ہونا) یہ محال عظیم ہے ای جان (کیونکہ) توبہ (کی مثال تو) کرم (کی سی) ہے اور عشق (کی مثال) اژدہا (کی سی) ہے (اور اژدہا سب کرموں کو نگل جاتا ہی اور لم اوسکی یہ ہے کہ یہ) توبہ (بوجہ اس کے کہ صفت نقصان کی ہی کما مر فی المقدمۃ الاولی و فی المقدمۃ الثالثۃ) خلق کا وصف ہی اور وہ عشق (بوجہ اس کے کہ صفت کمال کی ہی کما مر ایضًا فی المقدمۃ الثالثۃ) وصف حق تعالی کا ہی (گو بواسطہ حق تعالی کے مخلوق میں بھی پایا جاوے کما مر فی المقدمۃ الثانیۃ والثالثۃ پس جب) عشق اوصاف خدائے بے نیاز سے ہی اور عشق عبادسیکا اثر ہے

اور کامل کا اثر بھی قوی ہوگا پس عشقِ عبد اسطرح سے بھی قوی ہوا تو اوس کے سامنے توبہ کہ خود اصل ہی سے بوجہ صفت نقصان ہونے کے وصف خلق ہے اور اس لیے وصف حق اور اوس کے اثر کے سامنے ضعیف ہے اس لیے یہ توبہ کیسے قائم رہ سکتی ہے دوسرے یہ عشقِ عبد اس لیے بھی توبہ سے قوی ہوگا کہ اس کا متعلق ذات حق ہے جس سے کوئی اجمل و احسن نہیں اور اوس کے سامنے سب حسین و جمیل ایسی ہی نسبت رکھتے ہیں جیسے موصوف حقیقی کے سامنے موصوف مجازی پس اس تفاوت کے اعتبار سے اوس پر جو عشق ہوگا وہ بھی حقیقی یعنی کامل ہوگا اور) اوس کے غیر پر (جو) عاشقی (ہوگی وہ) مجازی (یعنی ناقص) ہوگی (تو حق تعالیٰ کے ساتھ جو محبت ہوگی اوس میں دو وجہ سے قوت ہوگی باعتبار ذات کے بھی کہ وہ فی نفسہ وصف حق ہے اور باعتبار متعلق کے بھی کہ ذات حق ہے کما مر فی المقدمۃ الرابعۃ تو جس میں ایسی قوت ہو اوس کے سامنے توبہ کیا ٹھہر سکتی آگے اسکی وجہ تبلاتے ہیں کہ اوس کے سامنے دوسرے اہل حسن و جمال بلکہ سب اہل فضل و کمال ایسے ہیں جیسے موصوف حقیقی کے سامنے موصوف مجازی جو مدلول ہے مصرعۂ عاشقی بر غیر او باشد مجاز کا پس فرماتے ہیں کہ یہ) اس سبب سے (ہے) کہ وہ غیر (جمال و کمال میں مشابہ) مس زراندود (کے) ہے (کہ) ظاہر اوس کا منور (اور) باطن دخان (اور سیاہی) ہے (یہ تشبیہ اس میں نہیں کہ نعوذ باللہ اسطرح خدا تعالیٰ کی کوئی صفت مخلوق کو لتی ہوتی ہے اللہ تعالیٰ کی صفت کا دوسرے محل میں پایا جانا خود محال ہے بلکہ وجہ تشبیہ صرف یہ ہے کہ جیسے اس مس کا حسن عارضی و زائل ہے اور سونیکا حسن جس کا آئندہ اشعار میں ذکر ہے اصلی اور لازم ذات ہے اسیطرح مخلوق کا کمال و جمال عارض و فانی ہے اور خالق کا جمال و کمال اصلی اور باقی ہے آگے تتمہ ہے مضمون کا یعنی) جب (وہ) نور (و حسن ظاہری) جاتا رہتا ہے اور (وہ) دخان (و ظلمت مادیہ) ظاہر ہو جاتا ہے اوسوقت (وہ) عشق مجازی افسردہ ہو جاتا ہے (اور) جب (وہ) دخان غم تر ظاہر ہو جاتا ہے تو وہ (عشق مجازی) افسردہ ہو جاتا ہے نہ عشق رہتا ہے نہ خواہش رہتی ہے (اور) وہ حسن اپنی اصل کی طرف چلا جاتا ہے (اسکا یہ مطلب نہیں کہ وہ حسن اس جسم سے اوتر کر خدا تعالیٰ کی ذات میں پہونچگیا دونوں امر محال عقلی ہیں بلکہ مراد یہ ہے کہ اس حسن جسمی کا جو سبب تھا یعنے روح اور اوس کا سبب ہونا ظاہر ہے وہ اپنی اصل یعنی عالم ارواح کی طرف چلا گیا یعنے روح کا ادھر تعلق تر ہا خاص اوسی طرف ہوگیا یہ معنی ہیں چلے جانیکے بنا بر علی کون الروح مجردًا او سلم تجردہ پس مصرعۂ ہذا میں حسن سے مراد یا سبب حسن ہے اور یا حسن ہی مراد ہو مگر اوس کا جانا بالذات نہیں کیونکہ انتقال اعراض محال ہے بلکہ بواسطہ روح کے ہے اس طرح سے کہ اوس حسن کا جو سبب تھا تلبس بالروح اوس کے زوال سے حسن زائل ہوگیا پس جانے کے معنے انتقال کے نہیں بلکہ زوال کے ہیں باقی یہ شبہہ کہ اس سے تو روح کا موصوف حقیقی بالحسن ہونا لازم آیا اور مقام ہے اثبات موصوفیۃ حقیقیہ حق تعالیٰ بالحسن کا جواب اس کا یہ ہے کہ روح مظہر ہے صفات حق تعالیٰ کی اور قابل اول ہے صفات کمال کی اور واسطہ ہے درمیان حق تعالیٰ اور عالم اجسام کے پس جسم کو اوس سے اصل اتصاف میں وہی نسبت ہے جیسی اوسکو حق تعالیٰ سے اور جسطرح حسن جسم کی اصل روح ہے اسیطرح حسن روح کی اصل یعنی محتاج الیہ حق تعالیٰ ہے پس روح کو جسم کے اعتبار سے حسن وغیرہ کے ساتھ موصوف حقیقی کہنا بعینہ حق تعالیٰ کو روح کے اعتبار سے بلکہ جسم کے اعتبار سے بدرجہ اولیٰ اس حسن کے ساتھ موصوف حقیقی کہنا ہے اور

یہی حکم دارد و آن حُسن سوے اصلِ خود کمالات روح پر بھی صحیح ہو وقت فناے روح کے یا صعق روح کے پس مدعاے مقام بلا غبار ثابت ہوگیا مقدمۂ خامسہ اسی شبہہ کے جواب کے لیے ممہد کیا گیا تھا اور اشعار مقام کے اخیر شعر مین مولنٰنا نے خود اس مقدمہ کی تصریح فرمائی ہو ع امر نور او ست خلقان چون ظلال خلاصہ یہ کہ وہ حسن روح کے ساتھ چلا جاتا ہو اور یہ) جسم گندہ اور رسوا اور بد (ہونیکی حالت مین) رہ جاتا ہے (اسکی ایسی مثال ہو جیسے فرض کرو کہ چاند کی روشنی سے دیوار منور ہوگئی جب چاند غروب ہوگیا تو) نور ماہ ماہ کی طرف (یعنی اوسکے ساتھ) واپس ہوجاتا ہے (اور اوس کا عکس دیوار سیاہ سے چلا جاتا ہو (کہ) اوس (جسم) مین (بعد مفارقت روح کے) نہ نور رہتا ہے نہ حیات (اور) نہ اوسمین جمال رہتا ہو اور نہ خوبی رہتی ہے) پس (وہ جسم محض) آب گل رہ جاتا ہو بدون اوس محبوب (یعنے روح) کے (اسی طرح) وہ دیوار بدون (نور) ماہ کے (بے نور) دیو رسیاہ) کی طرح ہوجاتی ہے (اور اسکی ایسی مثال ہے جیسے کھوٹے سونے (یعنی جس تانبے پر سونے کا جھول ہو اوس) کے سطح ظاہری سے سونا اوتر گیا (اور) وہ سونا (یہان سی) لوٹ گیا (اور) اپنی اصل مین جا بیٹھا پس تانبا رسوا رہ جاتا ہے دخان کی طرح (اسکا یہ مطلب نہین کہ وہ جھول اوترکر اپنی اصل یعنی سونے کے معدن وغیرہ مین چلا گیا گو یہ عقلاً ممکن ہے کیونکہ وہ جھول بھی جسم رقیق ہے اور اوس پر انتقال محال نہین لیکن مشاہدہ کے خلاف ہو بلکہ مطلب یہ ہو کہ وہ جسم رقیق خود بھی تو سونا ہے وہ منفصل ہوکر جہان کہین ہوگا وہ خود وصف زری کی اصل ہو پس یہ کہنا صادق ہوگیا کہ یہ مس تو زری کے ساتھ اوس زر رقیق کے سبب موصوف تھا وہ وصف اُس سے منفک ہوکر اپنی اصل کے ساتھ قائم رہا اور یہ تانبا تو رسوا و سیاہ رہ ہو ہی جاتا ہے مگر) اس سے زیادہ سیاہ رو اسکا عاشق رہ جاتا ہے (کیونکہ اپنی حماقت پر مطلع ہوکر نادم ہونا طبعی امر ہے اور ایسے موصوف بصفت عارضی پر عاشق ہونا احمقون کا کام ہو اور) اہل بصیرت کا عشق کانِ زر پر ہوتا ہے لامحالہ وہ روز بروز ترقی پذیر ہوتا ہے کیونکہ کانِ زر کا زر ہونیکی صفت مین کوئی (جسم ملمع) شریک نہین ہوتا (یعنے وہ ملمع موصوف حقیقی نہین اور اس نے بصیرت سے اوس موصوف حقیقی کا پتہ لگا لیا جس سے وہ وصف منفک نہین ہوتا اس لیے اسکے عشق کو روز بروز ترقی ہوتی ہو آگے جوش مین اوسی موصوف حقیقی کو خطاب کرتے ہین کہ) مرحبا اے کانِ زر تجھ مین (یعنی تیرے موصوف حقیقی ہونے مین) کوئی شک نہین (جیسے اوس ملمع مین اہل بصیرت کو اول ہی شک ہوا تھا پھر تحقیق سے اوس مین نفی کا یقین ہوگیا اسی طرح اہل بصیرت صرف حق تعالیٰ کے ساتھ کہ وہی موصوف حقیقی ہین تعلق رکھتے ہین اور) جو شخص زرِ قلب کو (یعنے ملمع کو) شریک معدن کا کریگا (معدن سے مراد سونا کہ اصل اور موصوف بالذات ہو وصف زری کا یعنے سونا سمجھیگا تو ندامت اوٹھا دیگا جبکہ وہ) سونا بے موقع جگہ سے معدن کی طرف چلا جاویگا (پس لامکان کے یہ معنی ہین اور اسکو تم) عاشق اور معشوق (دونون) اضطراب سے (ایسے ہوجاوینگے جیسے) مرگئے (مطلوب تو اس لیے کہ وہ حسن اوس ملمع سے زائل ہوگیا اوس ملمع کا مرنا یہی ہو اور طالب اس لیے کہ اپنی غلطی پر نادم ہوگا اور متاسف ہوگا خصوص جبکہ اس تاسف سے کچھ تدارک بھی نہ ہوسکے یہی حالت ہوگی طالب غیر حق کی قال تعالیٰ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوْبُ اور اضطراب کا اثبات مطلوب کے لیے بعض جگہ حقیقۃً ہے جہان اُس نے خود اپنی طرف بمقابلہ حق کے دعوت دی ہو اور کہین مجازاً اشیاءً یعنی ما لتعلق

درظهور عجز مشابہ آنکس شود کہ از اضطراب مردہ باشد۔ اوراسیی مثال ہوگی جیسے مچھلی تو رہ گئی (اور) اوس گرداب سی (جسمین مچھلی تھی) پانی جاتا رہا (خواہ خشک ہوگیا یا کسی نے نکال لیا تو اوس مچھلی کا اضطراب سے کیا حال ہوگا اسی طرح وہ غیر حق مثل گرداب کے ہی اور اسا اوس مین جو نور وجمال تھا مثل پانی کے ہی اور اوس کا زوال مثل زوال آب کے ہے اور اوس کا عاشق مثل ماہی کے اور اوسکا قلق مثل اضطراب ماہی کے یہ تو غیر حق کے عشق کا ذکر تھا باقی (عشق ربانی (سو وہ) خورشید کمال ہی (یعنے مشابہ خورشید کے ہی جسکا نور کامل ہوتا ہے کبھی زائل نہین ہوتا اسیطرح یہ عشق بوجہ اس کے کہ اوس کا متعلق جمیل حقیقی ہے زائل نہین ہوتا جو کہ دوسرا سبب ہر قوت کا منجملہ دو سببون کے کما مر فی المقدمۃ الرابعۃ پس ان اسباب سے اس عشق کے سامنے وہ ضعیف نمو بہ نہین رہتی آگے فرماتے ہین کہ دعوی تو ہم نے کیا حق تعالی کے موصوف حقیقی اور غیر حق کے موصوف مجازی ہونے کا کما قلنا من قبل عاشقی بر غیر او باشد مجاز اور اوس کے بعد جو مضمون لایا گیا اوس سی جسم کا موصوف مجازی اور روح کا موصوف حقیقی ہونا مفہوم ہوتا ہے اور اوسی کی مثالین ذکر کی گئی ہین کما مر بہ فی قولنا فار و دآن حسن سوے اصل خود۔ جسم ماند گندہ و رسوا و بد۔ تو تطابق کی توجیہ یہ ہی کہ) عالم امر (جسمین سے روح ہی وہ) حق تعالی کا نور (یعنے مظہر) ہے (اور) عالم خلق (کہ عالم اجسام ہی اوس کے سامنے) مثل ظل کے ہے (پس ہم نے مظہر کے احکام سی ظاہر کے احکام پر استدلال کرکے مدعا ثابت کیا ہی کما مر تقریرہ مفصلاً فی شرح مصراع وا رود آن حسن سوے اصل خود اور وہ مقدمۂ خامسہ یہی مصرعہ امر نور اوست الخ ہے)

توکیل کردن مصطفیٰ ابوبکر را جہت بیع بلال رض

مصطفیٰ زین قصہ چون گل بر شگفت
مصطفیٰ صلے اللہ علیہ وسلم اس قصہ سی مثل گل کے شگفتہ ہوے

رغبت افزون گشت او را ہم بگفت
حضرت صدیق کو کہنے کی اور رغبت بڑھی

مستمع چون یافت ہمچون مصطفیٰ
جب اونھون نے سامع مصطفیٰ جیسے کو پایا

ہر سر مویش زبانے شد جدا
تو انکا ہر سر مو ایک مستقل زبان ہوگیا

مصطفیٰ فرمود کاکنون چارہ چیست
مصطفیٰ نے فرمایا کہ اب کیا تدبیر ہے

گفت این بندہ مر او را مشتری ست
حضرت صدیق نے کہا کہ یہ بندہ انکا خریدار ہے

ہر بہا کہ گوید او را می خرم
جسقدر قیمت بھی وہ کہیگا اوسکو خرید لونگا

در زیان و حیف ظاہر ننگرم
ظاہری زیان اور بے انصافی مین نظر نہ کرونگا

گو اسیر اللہ فی الارض آمدست

کیونکہ وہ زمین مین اسیر الٰہی ہوا ہے

سخرہ خشم عدو اللہ شدست

دشمن. خدا کے خشم کا گرفتار ہوا ہے

مصطفےٰ فرمود کاے اقبال جو

مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے طالبِ اقبال

اندرین من می شوم انبازِ تو

اس خریدنے مین مَین تمہارا شریک ہوتا ہون

تو وکیلم باش و نیمے بہرِ من

تم میرے وکیل ہو جاؤ اور نصف کو میرے لیے

مشتری شو قبض کن از من ثمن

خرید کو۔ اور مجھسے قیمت لے تو

گفت صد خدمت کنم رفت آن زمان

حضرت صدیقؓ نے کہا کہ مین سو خدمت کرتا ہون گیوقت

سوے خانہ آن جہودِ بے آمان

اس یہودی بے امان کے گھر کی طرف چلے

گفت با خود کز کفِ طفلان گہر

اپنے دل مین کہنے لگے کہ لڑکون کے ہاتھ سے موتی

بس توان آسان خریدن ای پسر

بہت آسانی سے خریدنا ممکن ہے اے پسر

عقل و ایمان را ازین قوم جہول

عقل اور ایمان کو اس جاہل قوم سے

می خرد بالملکِ دنیا دیو غول

بوجہ ملکِ دُنیا کے دیو غول خرید لیتا ہے

آنچنان زینت دہد مُردار را

وہ مُردار کو ایسی زینت دیتا ہے

کہ خرد زیشان دو صد گلزار را

کہ اون سے دو سو باغ خرید لیتا ہے

آنچنان مہتاب بنماید بسحر

اسطرح سے چاند کی روشنی کو جادو سے دِکھلاتا ہے

کز خسان صد کیسہ بر باید بسحر

کہ اِن ناکارون سے صدہا کیسے جادو سے اُچک لیجاتا ہے

انبیا شان تاجری آموختند

انبیا نے اُنکو تجارت سکھلائی

پیشِ ایشان شمعِ دین افروختند

اُنکے سامنے شمعِ دین کو روشن کیا

دیو و غول و ساحر از سحر و نبرد
شیطان اور غول اور ساحر نے جادو اور جنگ سے

انبیا را در نظرشان زشت کرد
انبیا کو اُن کی نظر میں قبیح کر دیا

زشت گرداند بجادوئی عدو
زشت کر دیتا ہے جادو سے دشمن

تا طلاق افتد میانِ جفت و شو
یہانتک کہ طلاق واقع ہوجاتا ہے درمیان زن و شوہر کے

دیدہا شان را بسحرے دوختند
اُنھون نے اُنکی آنکھون کو جادو سے سی دیا

تا چنین گوہر بخس بفروختند
یہانتک کہ ایسا گوہر ایک کمتر چیز کے عوض بیچ ڈالا

این گہر از ہر دو عالم برترست
یہ گوہر دونون عالم سے برتر ہے

ہین بخر زین طفلِ جاہل کو خرست
ہان خرید لو اس طفلِ جاہل سے کہ وہ گدھا ہے

(یعنی) مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اس قصہ سے (یعنی حضرت بلالؓ کی قوت ایمان کی حکایت سُننے سے نہ کہ حضرت بلالؓ کے قصۂ عقوبت سے) مثل گل کے شگفتہ ہوئے (پس آپکو شگفتہ دیکھکر) حضرت صدیقؓ کو کہنے کی اور رغبت بڑھی (پس بگفت مرکب از بائے جارہ و معنی مصدری ست اور رغبت بڑھنے کی وجہ یہ ہے کہ سامع کو جتنا اشتیاق ہوتا ہے متکلم کی رغبت زیادہ ہوتی ہے چنانچہ اسی وجہ سے) جب اُنھون نے سامع مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم جیسے (کی ذات مقدسہ) کو پایا تو اونکا ہر سر مو ایک مستقل زبان ہوگیا (جب وہ سب کہہ چکے تو مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ (پھر) اب کیا تدبیر ہے (جس سے بلال اس مخمصہ سے نجات پاوین) حضرت صدیقؓ نے کہا کہ یہ بندہ اونکا خریدار ہے۔ جسقدر قیمت بھی وہ شخص (یعنے مالک) کہے گا (اوتنے ہی مین) اوسکو خرید لونگا (اور) ظاہری زیان در قیمت مین اوس مالک کی) بے انصافی مین نظر نہ کرونگا۔ کیونکہ وہ (یعنی بلالؓ) زمین مین اسیر (محبت) الٰہی ہوا ہے (اور اس محبت الٰہی سے وہ گرفتار خشم دشمن خدا ہوا ہے (یعنی چونکہ محض حب الٰہی سے عدو اللہ کے ظلم مین گرفتار ہے اس لیے اوس کا استخلاص اہل قدرت پر لازم ہے اور مجھکو خدا تعالیٰ نے اس پر قادر کیا ہے اس لیے جو قیمت بھی کہیگا مین دونگا۔ سخرہ بمعنی بیگار کذا فی الغیاث و مجازاً بمعنے گرفتار اطلاقاً للملزوم علے اللازم پس) مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ای طالب اقبال (یہ اس لیے کہا گیا کہ افتراء بلالؓ عمل سعادت و اقبال ہے) اس خریدنے مین مین (بھی) تمھارا شریک ہوتا ہون (پس اس خرید مین) تم میرے وکیل ہو جاؤ اور نصف کو میرے لیے خرید لو (اور) مجھسے (اوس کی) قیمت لے لو۔ حضرت صدیقؓ نے کہا کہ مین تمھاری خدمت کرتا ہون (یعنے آپکے فرمان کا اہتمام کرتا ہون اور یہ کہکر) اوسیوقت اوس یہودی بے امان کی گھر کی طرف چلے (یہودی کی توجیہ تو پہلے گذر چکی اور بے امان فُذو اعتبار سے کہا

جاسکتا ہے یا تو اس لیے کہ اوس سے عام لوگ مامون نہ تھے بلکہ وہ ظلم کرتا تھا اور یا اس لیے کہ اوسکو عقوبت آلیہ سے امن نہ ہوگا بلکہ وہ اوس مین مبتلا ہوگا اور) اپنے دل مین کہنے لگے کہ لڑکون کے ہاتھ سے موتی آسانی سے خریدنا ممکن ہے (اسی طرح یہ کفّار بدعقلی مین مثل لڑکون کے ہین ان سے بلالؓ کا خریدنا سہل ہوگا کیونکہ وہ اونکی قدر نہین جانتے اور اگر جانتے تو پھر خریدنے کی بھی ضرورت نہ تھی کیونکہ وہ پھر تکلیف بھی نہ پہونچاتے آگے تائید ہی اس آسانی سے خریدنے کے خیال کی یعنی دیکھو) عقل اور ایمان کو اس جاہل قوم سے بعوض ملکِ دنیا کے (کہ عقل و ایمان کے سامنے محض لاشے ہے) دیو غول (یعنی شیطان) خرید لیتا ہی (اور صورت اس خریدنے کی یہ ہی کہ) وہ (شیطان) مردار (دنیا) کو ایسی زینت دیتا ہی کہ (اوسکو دکھلاکر) اون سے دو سَو باغ (عقل و ایمان کے) خرید لیتا ہی (اور اسکی ایسی مثال ہی کہ) اس طرح سے چاند کی روشنی کو جادو سے دکھلاتا ہے۔ کہ ان ناکارون سے صدہا کیسے (روپیہ اشرفی کے) جادو سے اوچک لے جاتا ہی (مشہور ہی کہ جادوگر ایسی نظر بندی کرتے ہین کہ چاند کی روشنی بشکل کپڑے کے نظر آنے لگتی ہے اوس سے دھوکا دیکر خریدار سے روپے لے لیتے ہین یہی حال شیطان کا ہے کفار کو دھوکا دینے مین جب اس سے معلوم ہوا کہ یہ کفار ایسے بے عقل ہین تو حضرت بلالؓ کو اُنسے خرید لینا کیا مشکل ہے اور آگے اور دلیل ہے انکی بے عقلی کی وہ یہ کہ) انبیاؑ نے انکو تجارت (نافعہ) سکھلائی (تھی اور) ان کے سامنے شمعِ دین کو روشن کیا (تھا جسکی روشنی مین تجارت نافعہ کے طُرق دیکھ سکین مگر) شیطان اور غول اور ساحر نے جادو سے اور جنگ و جدل سے (مراد اس جنگ و جدل سے وساوس کا مقابلہ ان کی عقل سے ہے جس سے عقل انکی مغلوب ہوگئی غرض اس طریقے سے) انبیاؑ کو ان کی نظر سے قبیح کر دیا (جس سے انبیاؑ کی تعلیم کردہ تجارت کو نہ لیا سو یہ بھی صاف دلیل ہے بے عقلی کی اور اس زشت کردن انبیاؑ کی ایسی مثال ہے جسطرح سے کہ) زشت کر دیتا ہے جادو سے دشمن۔ یہانتک کہ طلاق واقع ہو جاتا ہے درمیان زن و شو کے (پس اسی طرح) اونھون نے (یعنی شیاطین نے) ان (کفار) کی آنکھون کو جادو سے سی دیا یہانتک کہ ایسا گوہر (یعنی ایمان) ایک کمتر چیز (یعنے دنیا) کے عوض بیچ ڈالا (تو اس سے انکی بے عقلی کا یقین کرو اور) یہ گوہر (یعنے بلالؓ جو کہ) دونون عالم (کے متاع و اموال) سے (نہ کہ دونون عالم کے کُل موجودات سے کہ اوس مین انبیاء اور ایمان وغیرہ بھی ہین) برتر ہے۔ ہان خرید لو اس طفل جاہل سے (مراد اس سے تشبیہ ہے اوسکو جاہل ہی) کہ وہ (نہایت بے عقلی سے) گدھا ہی (یہ مضمون شعر اخیر کا مقولہ حضرت صدّیقؓ کا ہی مربوط بیت بالا سے گفت با خود کز کفِ طفلان گہر)

پیشِ خر خرمہرہ و گوہر یکے ست	**آن اِشک را در مُر و دریا شکے ست**
گدھے کے نزدیک خرمہرہ اور گوہر ایک ہے	اُس گدھے کو موتی اور دریا مین شک ہے
مُنکرِ بحر ست و گوہر ہاے اُو	**کے بود حیوان در و پیرایہ جُو**
وہ منکر ہے دریا کا اور اسکے موتیون کا	حیوان اوسمین آرایش کا کب طالب ہوتا ہے

در سرِ حیوان خدا ننہادہ است

خدائے تعالی نے حیوان کے دماغ ہی مین یہ بات نہین رکھی ہی

کو بود در بندِ لعل و دُر پرست

کہ وہ لعل کی فکر مین ہو اور دُر پرست ہو

مر خران را ہیچ دیدی گوشوار

تو نے گدہون کے کبھی گوشوارہ بھی دیکھا ہے

گوش و ہوشِ خر چہ باشد سبزہ زار

گوش اور ہوش گدہے کا کونسی چیز ہے۔ سبزہ زار ہے

اَحسَنُ التَّقوِیم در وَالتِّین بخوان

سورۂ والتین مین احسن التقویم کو پڑھ لے

کہ گرامی گوہرست ای دوست جان

کہ روحِ انسانی ایک معزز گوہر ہے۔ اے دوست

اَحسَنُ التَّقوِیم از فکرت برون

احسن التقویم تیری فکر سے خارج ہے

اَحسَنُ التَّقوِیم از عرشش فزون

اور احسن التقویم اُسکے عرش سے فائق ہے

گر بگویم قیمتِ آن ممتنع

اگر مین اُسکی قیمت کہنے لگون۔ تو محال ہے

ہم بسوزم ہم بسوزد مستمع

مین بھی جل جاؤن۔ سننے والا بھی جل جائے

(اِشنک بکسر اول و فتح شین معجمہ درزبان ترکی بمعنے خرست کذا فی الحاشیۃ اور یہان سے مقولہ ہے مولانا کا بتائید شعر سابق این گہر از کہ مقولہ ہے حضرت مشذیق کا یعنے) گدہے کے نزدیک خرمہرہ اور گوہر ایک (حالت مین) ہی (یعنے وہ گوہر کی قدر و قیمت نہ جاننے سے اوسکو خرمہرہ سے زیادہ نہین جانتا کیونکہ) اوس گدہے کو موتی اور (خود) دریا (ہی کے وجود) مین (جہان وہ موتی ہوتا ہے اس قید کے ساتھ کہ اوس مین ایسی قیمتی چیز ہوتی ہے) شک ہی (وجود شک سے مراد عدم وجود یقین ہے گو عدم حصول صورت ذہنیہ مطلقًا کے ضمن مین متحقق ہو اور یہی معنی ہین انکار کے شعر آیندہ مین یعنی) وہ (گدہا) منکر ہے دریا کا (بقید مذکور) اور اوس کے موتیون کا (بقید اوس کے قیمتی ہونیکا اور بوجہ نا قدردانی کے وہ) حیوان (ناحق) اوس (دریا) مین آرایش (کی چیز یعنے موتی) کا کب طالب ہوتا ہے (بخلاف انسان کے کہ اوسکی شان یہ ہے تستخرجون منہ حلیۃ تلبسونہا) خدائے تعالی نے حیوان کے دماغ ہی مین یہ بات نہین رکھی کہ وہ لعل کی فکر مین ہو اور دُر پرست (یعنی طالب دُر) ہو تو نے (اے مخاطب) گدہون کے کبھی گوشوارہ بھی دیکھا ہے (کہ اونکی رغبت سے اون کے کان مین ڈالا گیا ہو جب کہ قرینۂ مقام اس قید پر دال ہے) گوش اور ہوش گدہے کا کونسی چیز ہے (صرف) سبزہ زار (یعنے اوس کے قوئی مدرکہ ظاہری اور باطنی سب کے سب پیٹ بھرنے کی ہی طرف متوجہ ہین یہی حالت ہو دنیا پرستون کی کہ نہ اہل حق کی قدر جانتے ہین جو مشابہ

ہین موتی کے اور نیز ذات حق کی عظمت جانتے ہین جو مبدی اور معید ہونیکے سبب مشابہ ہی دریا کے بلکہ شب و روز شکم پروری و تن آرائی مین منہمک ہین تو وجہ تشبیہ تھی کفار کی گدہون کے ساتھ آگے تقریر ہی تشبیہ اہل حق کی گوہر کے ساتھ جسکی تصریح تھی مقولۂ صدیق مین این گہر از ہر دو عالم الخ پس فرماتے ہین کہ انسان کامل کی قدر و قیمت معلوم کرنیکے لیے جو کہ مدار ہے اوسکی تشبیہ بگوہر کا) والتین مین احسن التقویم (والی آیت مع سیاق) کو پڑھ لے (اوس سے معلوم ہوجاویگا) کہ روح (انسانی) ایک معزز گوہر ہے (اور قید انسانی کی بقرینۂ مقام ہے یعنی اوس آیت اور اوس کے سیاق سے جب وسکا یعنے روح انسانی کا مکرم ہونا ثابت ہو جاویگا جیسا کہ عنقریب اوسکی تقریر آتی ہے تو اس تشبیہ کی صحت کہ وجہ جامع اوس تشبیہ کی یہی تکریم ہے معلوم ہوجاویگی یہ تو حل تھا الفاظ شعر کا اب اوس کے معنی مقصود یعنی استدلال علی کون روحِ الانسانِ الکاملِ مُکرّماً جدیراً بہذا التشبیہ کی تقریر عرض کرتا ہون اول ضرورت ہے آیت کی مختصر تفسیر کی قال اللہ تعالی لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم اے تعدیل و تثقیف ومعنی خلقہ فیہ کونہ متلبسا بہ کما یقال فلان فی رضا زید اے متلبس بہ بکونہ مرضیا عنہ عند زید فالمعنے ان الانسان مسوًّی معدّلٌ باعتبار قواہ وصورتہ الجمیلۃ واعضارہ المتناسبۃ فی غالب الاحوال وہذا موازن لقولہ تعالی الذی خلقک فسوّیک فعدلک الآیۃ ثم ذکر ردہ اسفل سافلین اے فی حالۃ الشیب حیث یتبدل حسنہ لقبحہ وقوتہ بضعفہ وصحتہ بسقمہ ثم استثنی من ہذا الرد الذی یتوہم باطلاقہ عمومہ لرداءتہ فی الدنیا والآخرۃ المؤمنین الذین یعملون الصالحات فاثبت لہم الحسن عند اللہ بقولہ فلہم اجر غیر ممنون حاصل یہ کہ اول اللہ تعالی نے انسان کے لیے اوسکا باعتبار ترکیب ذی کے اچھے خوبصورت سانچہ مین ڈھالا جانا بیان فرمایا پھر ثانیاً بڑھاپے کے زمانے مین اوسکا قبیح الصورۃ اور ردی القوی والترکیب ہونا فرمایا پھر ثالثاً اس ارشاد سے جسکے ظاہری اطلاق سے ایہام ہوتا ہی اس قبح و رداءت کے عام ہونیکا ناسوت اور ملکوت کو مومنین کاملین کو مستثنی فرمایا ہے کہ یہ لوگ عند اللہ عالم غیب مین اس حالت مین بھی قبیح نہین ہوتے جب تفسیر کا حاصل معلوم ہوچکا اب استدلال کی تقریر سُنیئے اصل دعوی یہ ہے کہ انسان کامل کی روح نہایت قیمتی و مکرم ہے کما صرح بہ فی شعر قبل ہذا الشعر بقولہ کہ گرامی گوہرست اے دوست جان جسکی فرع ہے اوسکو تشبیہ دینا گوہر کے ساتھ اسپر آیت موصوفہ سے استدلال کرتے ہین مگر اول چند ضروری مقدمات کی تمہید ضروری ہے۔

مقدمۂ اول انسان کی حقیقت روح ہی پس انسان اور روح انسان ایک چیز ہے ایک کے لیے جو احکام ثابت ہونگے دوسرے کے لیے بھی اونکو ثابت کرنا صحیح ہوگا۔ **مقدمۂ دوم**۔ کلام مولانا مین آیت نستغنہ احسن التقویم سے مراد آیت موصوفہ مع سیاق تھا ہے یعنی مع آیت ثم رددناہ و مع آیت الا الذین آمنوا الخ۔

مقدمۂ سوم آیت مین گو اول وہلہ مین احسن التقویم کا اثبات ہر انسان کے لیے عام ہی لیکن بعد انضمام آیتین
المخبر مین کے اس احسن التقویم کا ثبوت صرف انسان کامل کیلیے رہ گیا جسکو الذین آمنوا وعملوا الصلحت سے تعبیر کیا ہے فان کمالہ بہذا الجمع کیونکہ جب اثبات عام احسن التقویم کے بعد اہل شیب سے اوسکی نفی کردی اور پھر ان اہل شیب مین سے انسان کامل کو اس نفی سے مستثنی کردیا تو حاصل استثناء کا یہی ہوا کہ انسان کامل با وجود رداءت صورت کے معنی وحقیقۃً ردی نہین ہوتا بوجہ صفات خاصہ کے جو اُس کے تحسین عند اللہ کا سبب ہین

تو اس انضمام سے لفظاً تو صرف اہل شیب کفار کیلیے ردارت مطلقہ ثابت ہوئی اور شاب کافر میت فی الشباب کے لیے ردارت ثابت نہین ہوئی کیونکہ اوس پر رود ناہ اسفل سافلین کا حکم نہین ہوا تو وہ بدستور محکوم علیہ احسن التقویم کا رہا لیکن تدبر فی العلۃ سے معلوم اس شاب کے لیے بھی ردارت اس طرح ثابت ہی کہ اوسکو اگر شیب نہ آویگا تو موت تو آویگی وہ اوسوقت شیب سے بڑھکر ردی ہوجاویگا غرض کوئی کافر شیب کوئی موت سے ردی ہوجاویگا اسطرح سے سب کفار رودناہ مین داخل ہوگئے پس انحصار احسن التقویم کا مؤمن کامل کے لیے ثابت رہا اور چونکہ یہ کمال کلی مشکک ہے کیونکہ عادۃً کم وبیش اعمال صالحہ بھی ہر مؤمن مین ہوتے مین اور بھی کچھ نہین تو اقرار ہی ایمان کا ہوگا یہی نہین تو عزم ثبات علی الایمان کا تو ہو ہی گا اور اس عزم کو اعتقاد کہین گے عمل ہی کہین گے پس ہر مؤمن کسی نہ کسی درجے مین جامع للایمان والعمل ہونے کے سبب کامل ہے لیکن ان مین احق بالاحکام وہ ہی جو اکمل ہو آن مقدمات کے بعد استدلال ظاہر ہوگیا کہ آیت سے انسان کامل کا حسن و معزز مطلق ہونا عنداللہ کہ وہی مصداق کامل مفہوم فی الواقع کا ہے ثابت ہوا اور چونکہ انسان اور روح انسان ایک چیز ہے چنانچہ مولانا نے بھی ایک شعر مین بلال کو این گہر از ہردو عالم برترست اور ایک شعر مین روح کو کہ گرامی گوہرست اے دوست جان کہا ہی اس لیے روح انسان کامل کا بھی گرامی ہونا ثابت ہوگیا اور گو یہ اثبات صرف آیت احسن التقویم سے نہین ہوا اگر مراد مجموعۂ آیات ہے اور مجموعہ سے ثابت ہو ہی گیا اس لیے اوس آیت سے ثابت کہنا صحیح ہوگیا اور اس تقریر سے بہت سے شبہات متعلقہ بالآیۃ ومتعلقہ بالمثنوی بھی رفع ہوگئے مثلاً دعویٰ خاص ہی انسان کامل کے ساتھ اور آیت عام ہے ہر انسان کو اور مثلاً دعویٰ خاص ہی روح کے ساتھ اور آیت مین ذکر ہے انسان کا اور مثلاً دعویٰ ہے اثبات باحسن التقویم کا اور اثبات ہوتا ہے تین آیتون کے مجموعہ سے اور مثلاً بڑھاپے مین مؤمن بھی بدصورت ہوجاتا ہے اور کافر شاب اس ردارت سے بری ہے اور مثلاً مؤمن غیر صالح کا الحاق بالکفار لازم آتا ہے فافہم وتدبر آگے اسی گرامی ہونے کی تاکید ہے دوسرے عنوان سے یعنی یہ) احسن التقویم تیری فکر سے خارج ہے (اور یہ) احسن التقویم اوسکے عرش سے فائق ہے۔ (مراد احسن التقویم سے مدلول ہی آیت احسن التقویم مع سیاقہا کا جو اوپر ثابت ہوا ہے یعنے روح انسان کامل کا مرتبہ عنداللہ بس حکم اول کا حاصل ہوا کہ انسان کامل کا عنداللہ جو مرتبہ ہی وہان تمہارا خیال نہین جاسکتا چنانچہ قرآن مجید مین ہے فلا تعلم نفس ما اخفی لہم من قرۃ اعین اور حدیث مین ہے اعددت لعبادی الصالحین مالاعین رأت ولا اذن سمعت ولاخطر علی قلب بشر اور ظاہر ہے کہ وہ مرتبہ بھی مفہوم کلمہ ما واقعہ فی القرآن والحدیث مین داخل ہی تو اوسکا بھی غیر معلوم لنفس ہونا اور غیر خاطر علی قلب لبشر ہونا ثابت ہوا اور یہی مولانا کہہ رہے ہین اور حکم ثانی کا حاصل اس سے بھی زیادہ ظاہر ہے کیونکہ عرش بوجہ غیر صاحب اختیار ہونے کے عامل بالاختیار نہین اور انسان کامل مطیع بالاختیار ہے اور ثانی بالاجماع افضل ہی اول سے آگے تفریع ہے اس شعر سابق کے مضمون پر یعنے) اگر مین اس (انسان کامل) کی قیمت (یعنی مقبولیت عنداللہ کی کنہ) کہنے لگون تو (شرعاً) محال ہی (کیونکہ کہنا موقوف ہے علم پر اور علم بدلیل سمعی مذکور سابقاً ممتنع ہے اور

امتناع موقوف علیہ مستلزم ہے امتناع موقوف کو بس کنا بھی سمعًا ممتنع ہوگا اور جب کنا ممتنع ہے تو اگر مین اسکی کوشش کردن اور مستمع اوسکے سُننے کی کوشش کرے تو بوجہ اس کے کہ سعی فی طلب المحال مین غم وغصہ و کلفت ناکامی کے سوا کچھ ہاتھ نہین آسکتا اسلیے) مین بھی جل جاؤن (اور) سُننے والا بھی جل جائے (یعنی عمر محدود ہی اس لیے فنا لازم اور وہ عمر گذرے گی غم وغصہ مین اس لیے دونون جل جل کر مرجاوین اور اوس مرتبہ کا ہرگز بیان نہ ہوسکے اور یہ سب بالکل ظاہر ہے اور اس مقام پر اگر محشین کی تقریر دیکھی جاوے تو حق تعالی کے فضل کا مشاہدہ ہو جو اس مقام کے سمجھانے مین مجھپر ہوا و للہ الحمد آگے قصہ کی طرف رجوع فرماتے ہین)

لب بہ بند اینجا و خر آن سو مران
اس مقام پر لب بند کرو اور مرکب سخن مت چلاؤ

رفت آن صدیق سوی آن خران
حضرت صدیق اُن گدھون کی طرف تشریف لے گئے

حلقہ بر در زد چو در را واکشود
زنجیر دروازہ پر ماری۔ اُسنے جب دروازہ کو کھولا

رفت بیخود در سرای آن جہود
تو حضرت صدیق بیخود اُس یہودی کے گھر مین چلے گئے

بیخود و سرمست و پر آتش نشست
بیخود اور سرمست اور آتش مین بھرے ہوے جا بیٹھے

از دہانش بس کلام سخت جست
اُنکے منہ سے بہت تیز تیز باتین نکلین

کین ولی اللہ را چون می زنی
کہ تو اس ولی اللہ کو کیون مارتا ہے

این چہ حقدست اے عدوِّ روشنی
یہ کیا کینہ ہے اے مخالف نور کے

گر ترا صدقیست اندر دین خود
اگر تجھکو اپنے مذہب مین صدق ہے۔ تو

ظلم بر صادق دلت چون می دہد
صادق پر ظلم کرنے کو تیرا دل کیونکر اجازت دیتا ہے

اے تو در صدقِ جہودی مادہ
اے شخص تو دینِ جہودی مین زنانہ ہے

کاین گمان داری تو بر شہزادہ
کہ یہ گمان رکھتا ہے تو ایک شہزادہ پر

در ہمہ زا ئینۂ کژ ساز خود
سب آدمیون مین اپنے آئینۂ کج ساز سے

منگر اے مردود نفرینِ ابد
نظر مت کر اے مردود لعنتِ ابدیہ کے

انچه آن دم از لب صدیق جست
جو جو کچھ اُس وقت حضرت صدیق کے لب سے صادر ہوا

آن ینابیع الحکم ہمچون فرات
وہ حکمتوں کے چشمے مثل دریاے فرات کے

ہمچو از سنگے کہ آبے شد روان
جس طرح سے کہ ایک پتھر سے پانی جاری ہو گیا تھا

اسپرِ خود کردہ حق آن سنگ را
اپنا حجاب بنا رکھا تھا حق تعالی نے اُس سنگ کو

ہمچنان کز چشمۂ چشمِ تو نور
جسطرح سے کہ تیرے چشمۂ چشم سے نور کو

نے ز پیہ آن مایہ دارد نے ز پوست
نہ شحم سے وہ سرمایہ رکھتی ہے۔ نہ جِھلّی سے

در خلاے گوش بادِ جاذبش
تجویفِ گوش مین اُوس کی ہوا اسے جاذب

این چہ باد ست اندران جزو استخوان
یہ ہوا اُس چھوٹی سی ہڈی مین کیا چیز ہے

استخوان و باد روپوش ست و بس
استخوان اور ہوا روپوش ہے اور بس

گر بگویم گم کنی تو پا و دست
اگر مین بیان کر دون تو تو ہاتھ پاؤن گم کر دے

از دہانِ اُو روان از بے جہات
اُنکے دہن سے جاری بے جہت کی طرف سے

نے ز پہلو مایہ دارد نے میان
نہ کروٹ سے سرمایہ رکھتا ہے نہ درمیان سے

بر کشادہ آبِ مینا رنگ را
کشادہ کر رکھا تھا آبِ صاف رنگ کو

اُو روان کردست بے بخل و فتور
اُسنے جاری کر رکھا ہے بدون بخل اور انقطاع کے

روپوشی کردہ در ایجاد دوست
روپوشی کر رکھی ہے ایجاد مین دوست نے

مدرکِ صدقِ کلام و کاذبش
مُدرک ہے اُسکے صادق کلام کی اور کاذب کلام کی

کہ پذیرِ صوت و حرفِ قصہ خوان
کہ قبول کرے قصہ خوان کے حرف و صوت کو

در دو عالم غیر یزدان نیست کس
دونون عالم مین سوا یزدان کے کوئی بھی نہین ہے

مستمع او قائل او بے احتجاب	زانکه الاذنان من راس ای مثاب
مستمع بھی وہی ہے قائل بھی وہی ہے بلا احتجاب کے	اسلیے کہ الاذنان من الراس وارد ہے۔ اے ثواب دیے گئے

(یعنی) اس مقام (بیان فضل مرتبۂ انسان کامل) پر لب بند کرو (کیونکہ اوسکا بیان علی سبیل الکمال سمعًا ممتنع ہے جیسا اوپر مذکور ہوا) اور مرکب اوس (بیان کی) طرف مت چلاؤ (کیونکہ بیان نہ ہوسکے گا پس درجلۂ بحر مراد اطلاق مقید دارادۂ مطلق ست بلکہ ذکر قصہ کی طرف توجہ کرو وہ یہ کہ حضرت صدیق اون گدھون کی طرف گئے (اور) زنجیر دروازہ پر (زور سے) ماری (اور) اوس (کافر) نے جب دروازہ کو کھولا۔ تو حضرت صدیق (کہ رنج وغصہ سے) بیخود (تھے) اوس یہودی کے گھر مین چلے گئے (اور) بیخود اور سرمست اور آتش (غصہ) مین بھرے ہوے جا بیٹھے (سرمستی کی وجہ بھی وہی ہے جو بیخودی کی ہے اور) اون کے مُنھ سے بہت تیز تیز باتین نکلین۔ کہ تو اس ولی اللہ (بلال) کو کیون مارتا ہے۔ یہ کیا کینہ ہے اے مخالف نور (حق وہدی) کے اگر (تیرے زعم کے موافق) تجھکو اپنے مذہب مین صدق (حاصل) ہے تو (یہ تبلا کہ پھر) صادق پر ظلم کرنے کو تیرا دل کیونکر اجازت دیتا ہے (مطلب یہ کہ تجھکو یہ تو قرائن قطعیہ سے ثابت ہوچکا کہ حضرت بلالؓ کی اس مشقت کی برداشت کی وجہ بجز صدق نیت کے کچھ نہین تو اگر تیرے نزدیک انکا دین صحیح بھی نہ ہوتا ہم طبع سلیم کا مقتضٰے یہ ہے کہ جسکی نیت بھی ہو اوسکی غلطی پر غیظ نہ کرنا چاہیے بلکہ تلطف وترحم کے ساتھ اوسکو فہمایش کرنا چاہیے پس تیرا صدق وخلوص فی مذہبک بزعمک مقتضی اسکو تھا کہ دوسرے صاحب صدق کو ایذا نہ دیتا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تو خود صدق وخلوص سے عاری ہے اور یہی عاری ہونا معنے ہین اس شعر آیندہ کے یعنی) اے شخص تو دین جہودی مین زنانہ (یعنی صدق وخلوص مین ناقص مشابہ مؤنث کے) ہے کہ یہ گمان (عدم صدق وخلوص کا) رکھتا ہے تو ایک شہزادہ پر (یعنی حضرت بلال پر کہ صاحب قدر ومنزلت عنداللہ ہین تو ایسا گمان کرتا ہے کہ انکی نیت مین صدق نہین اسی لیے انپر ظلم کرتا ہے یعنی یہ ظلم کرنا بقاعدۂ مذکورہ کہ طبع سلیم کا مقتضٰے یہ ہے کہ آگے علامت اسکی ہے کہ تو انپر ایسا گمان کرتا ہے ورنہ ظلم نہ کرتا تو اپنی عدم صدق کی صفت کا اپنے اندر مشاہدہ کر اور باقی) سب آدمیون مین اپنے آئینۂ کج ساز سے نظر مت کر اے مردود لعنت ابدیہ کے (آئینۂ کج ساز وہ آئینہ ہے کہ اوسین مُنھ دیکھنے سے ٹیڑھا نظر آتا ہے گویا وہ مُنھ کو ٹیڑھا کردیتا ہے اس مین تمثیل ہے یعنی تو مثل آئینۂ کج ساز کے ہے تو اورون کا سیدھا مُنھ اپنے اندر مت دیکھ یعنی وہ کجی جو تو اورون مین سمجھ رہا ہے وہ اون مین نہین تیرے اندر ہے پس اپنے عیب کو دوسرون مین مت اعتقاد کر تو یہ عدم صدق تیری صفت ہے۔ جسکا گمان تو حضرت بلال مین کر رہا ہے اور) جو جو کچھ اوسوقت حضرت صدیق کے لب سے صادر ہوا اگر مین کہنے لگون تو ہاتھ پانون گم کردے (یعنی حیران رہ جاوے کیونکہ فرط حیرت مین ہاتھ پانون قابو مین نہین رہتے اور حیرت کا سبب اون باتون کا ایک تو عجیب ہونا ہے دوسرا یہ کہ غلبۂ کفر وضعف اسلام کے زمانہ مین ایسی بیدھڑک گفتگو بھی حیرت مین ڈالتی ہے آگے اسکی وجہ تبلاتے ہین

کہ ایسے عجیب و حیرت انگیز مضامین اون سے کیسے صادر ہوئے اور حاصل اوس وجہ کا یہ ہوگا کہ اصل مبدا
اون مضامین کا حضرت حق ہین جن سے کوئی امر بھی عجیب نہین آگے اسی کی تحقیق اور تمثیل اور تائید ہے یعنی)
وہ (مضامین صدیقیہ کہ) حکمتون کے چشمے (تھے اور) مثل دریاے فرات کے (کہ غیر منقطع ہے) اون کے دہن سے
جاری (رہتے وہ) بے جہت کی طرف سے تھے (مراد حضرت حق کہ جہات سے منزہ ہے) جسطرح سے کہ ایک پتھر سے پانی
جاری ہوگیا تھا (اشارہ ہے قصۂ موسویہ کی طرف) نہ (وہ پتھر) کروٹ سے (پانی کا) سرمایہ رکھتا ہے (اور) نہ درمیان
سے (یعنی اوس پتھر کے کسی جزو مین پانی مخزون نہ تھا بلکہ) اپنا (سپر یعنی) حجاب (اور روپوش) بنا رکھا تھا حق تعالیٰ
نے اوس سنگ کو (اور اوسمین سے) کشادہ کر رکھا تھا آب صاف رنگ کو (کہ صفائی مین مشابہ مینا یعنے آبگینہ کے
تھا یعنی موجد پانی کے حق سبحانہ وتعالیٰ ہین مگر اوس پتھر کو درمیان مین ایک واسطہ اور حجاب بنا رکھا تھا اسیطرح
یہان موجد ان کلامون کا حضرت حق ہی اور حضرت صدیق محض ایک درمیانی واسطہ ہین) جسطرح سے کہ تیرے
چشمۂ چشم سے نور کو۔ اوس نے جاری کر رکھا ہے بدون نخل اور انقطاع کے (کہ وہ آنکھ) نہ شحم سے وہ سرمایہ
(نور کا) رکھتی ہے اور نہ جھلی سے (آنکھ ان ہی اجزا سے مرکب ہی مطلب یہ ہی کہ آنکھ کا کوئی جزو فی نفسہ اس
نور کا حامل نہین مگر) روپوشی کر رکھی ہے (اوسکے) ایجاد مین دوست نے (اسیطرح) تجویف گوش مین اوسکی
ہواے جاذب۔ مُدرک ہے اوس کے صادق کلام کی اور کاذب کلام کی۔ (یعنی مطلق کلام کی خواہ کیسا ہی ہوا اور یہ
مطلب نہین کہ گوش مین صدق وکذب کے ادراک کی خاصیت ہے اور جاذبش اور کاذبش مین اضافۃ ادنیٰ ملابستہ
ہے کیونکہ کان اوس ہوا کا محل اور کلام کا احساس کرنیوالا ہے سو) وہ ہوا اوس چھوٹی سی ہڈی مین کیا چیز ہے۔
کہ قبول کرے قصہ خوان (یعنی متکلم) کے حرف وصوت کو (سو حقیقت مین وہ) استخوان اور ہوا (محض) روپوش ہے
اور بس (ورنہ واقع مین) دونون عالم مین سوا اوس کے کوئی بھی (موجود حقیقی) نہین (جسمین یہ فاعلیت بالذات
ہو بلکہ واقع مین) مستمع بھی وہی ہے (اور) قائل بھی وہی ہے (اور یہ مضمون) بلا احتجاب (یعنی بلا اشتباہ وبلا اختفار
ہے اور ترکیب مستمع او اور قائل او کی ویسی ہی ہے جیسی ہمہ اوست کی جسکی تحقیق ابتداے دفتر اول مین بضمن
شرح شعر جملہ معشوق ست الخ گذر چکی ہے۔ آگے بعنوان تشبیہ اسکی ایک دلیل ہی یعنی یہ) اسلیے (وہی) کہ دست وپا تابع
محدث کے ہین جسطرح سی کہ حدیث) الاذنان من الراس (سے ثابت ہوتا ہی کہ کان بعض احکام مین تابع سر کے ہین مثلاً مسح
مین) اے ثواب دی گئے (اور چونکہ بیان دونون حادث ہین بتبعیت کان کی اور بمتبوعیت ومستقلیت سر کی ناقص ہی
اور خالق ومخلوق مین چونکہ ایک حادث ایک قدیم ہی اسلیے تبعیت حادث کی اور متبوعیت قدیم کی کامل وتام ہی پس تکلم
واستماع اور جمیع صفات کمال حادث کی مستفاد من القدیم ہونگی اسلیے یہ حکم صحیح ہوا کہ ان ینابیع الحکم الخ) ف آگے پھر رجوع بقصہ ہے

گفت رحمت گر ہمی آید برو	زر بدہ بستانش اے اکرام خو
اوسنے کہا کہ اگر تمکو اوس پر رحم آتا ہے	تو زر دیدو۔ اوسکو لے لو۔ اے اکرام خو

از منش واخر چو میسوزد دلت | بی مؤنت حل نگردد مشکلت

مجھسے اوسکو خرید کو اگر تمھارے قلب مین سوزش ہوتی ہے | بغیر خرچ کے تو تمھاری مشکل حل ہوتی نہین

گفت صد خدمت کنم پانصد سجود | بندۂ دارم نکو لیکن جہود

کہا کہ مین صد ہا طاعت بجا لاؤن اور پانسو سجدے کرون | مین ایک حسین غلام رکھتا ہون لیکن یہودی ہے

تن سپید و دل سیاہ او را بگیر | در عوض دہ تن سیاہ و دل منیر

بدن کا گورا دل کا کالا۔ تو اوسکو لے لے | عوض مین دیدے سیاہ بدن اور سفید دل والے کو

کس فرستاد و بیاورد آن ہمام | بود الحق سخت زیبا آن غلام

کسیکو بھیجدیا اور لائے وہ بزرگ | تھا واقعی نہایت زیبا صورت وہ غلام

آن چنانکہ ماند حیران آن جہود | آن دلِ چون سنگش از جا رفت زود

اسطرح کا کہ وہ یہودی حیران رہ گیا | جلد اُسکا پتھر جیسا دل از جا رفتہ ہوگیا

حالتِ صورت پرستان این بود | سنگِ شان از صورتے مومین شود

حالت صورت پرستون کی یہی ہوتی ہے | اُونکا پتھر ایک صورت سے موم جیسا ہو جاتا ہے

باز کرد استیزۂ و راضی نشد | کہ برین افزون بدہ بے ہیچ بُد

اُسنے پھر تکرار کی اور راضی نہوا | کہ اِسپر اور اضافہ کرو بالضرور

یک نصابِ نقرہ ہم بر وے فزود | تا کہ راضی گشت حرصِ آن جہود

اُنھون نے ایک نصاب چاندی اور اضافہ فرمادی | یہان تک کہ اُس یہودی کی حرص کو قناعت ہوگئی

بیع کرد و داد و بستد بے غرض | داد گوہر سنگ بستد در عوض

بیع کا معاملہ کرلیا اور دیدیا اور لے لیا بغیر غرض کے | اُسنے گوہر دیدیا اور سنگ لے لیا عوض مین

برخیالِ آنکہ سودے کردہ ام	دادم اسود ابیضے آوردہ ام
اُس خیال پر کہ مین نے بڑا فائدہ کیا ہے	مین نے کالا دیا ہے اور گورا لے لیا ہے

اوس (کافر) نے کہا کہ اگر تمکو اس پر رحم آتا ہے۔ تو زر دیدو (اور) اسکو لے لو اے اکرام خو۔ مجھسے اسکو خرید لو اگر تمھارے قلب مین سوزش ہوتی ہے (اور) بے خرچ (کیے ہوئے) تو تمھاری (یہ) مشکل حل ہوتی نہین۔ (حضرت صدیق نے) کہا کہ (اس کا حل ہونا تو مجھکو ایسا مطلوب ہو کہ اگر یہ حل ہو جاوے تو) مین (حق تعالیٰ کی) صدہا طاعت بجالاؤن (اور اوسکو) پانسو سجدے کرون (جب یہ امر میرے نزدیک ایسا مطلوب ہے تو خرچ کرنے مین مجھکو کیا دریغ ہوگا مین خرچ کرنے پر راضی ہون سو) مین ایک غلام (اپنی ملک مین) رکھتا ہون بہت حسین لیکن یہودی ہے (یعنی تیرا ہم مذہب) بدن کا سفید اور دل کا سیاہ تو اوس کو لے لے (اور اُسکے) عوض مین دیدے (اس بلالؓ) تن سیاہ اور دل سفید کو (یہ بیان ہوا اوس خرچ کرنے کا پھر اوس غلام کے لینے کے واسطے) کسیکو بھیدیا اور جب وہ آگیا تو اوس کو اوس کافر کے سامنے پیش کرنیکے لیے) لائے وہ بزرگ (یعنی حضرت صدیقؓ۔ آگے حضرت مولانا فرماتے ہین کہ) تھا واقعی نہایت زیبا صورت وہ غلام (کیونکہ رومی تھا اور وہ) اسطرح کا حسین تھا) کہ (اوس کو دیکھکر) وہ یہودی حیران رہ گیا (اور) اوسکا پتھر جیسا دل ازجا رفتہ ہوگیا (آگے مولانا فرماتے ہین کہ) حالت صورت پرستون کی یہی ہوتی ہے (اور) اونکا پتھر (یعنے دل) ایک صورت سے موم جیسا ہو جاتا ہے (مگر باوجود اسقدر پسندیدگی و فریفتگی کے) اوس (کافر) نے پھر تکرار کی اور صرف اُسکے دینے پر راضی نہ ہوا (اور اصرار کیا) کہ اس پر اور اضافہ کرو بالضرور (سبب اوسکا حرص اور یہ جان لینا کہ حضرت صدیق رض بلالؓ کو ضرور خریدین گے) اونھون نے ایک نصاب چاندی اور اضافہ فرمادی (پچاس روپیہ تقریبًا) یہانتک کہ اوس یہودی کی حرص کو قناعت ہوگئی (اور راضی ہوکر بیع کا معاملہ کرلیا اور (بلالؓ کو) دیدیا اور (اوس رُومی غلام کو) لے لیا بے غرض (یعنی معاملہ کی غایت اور غرض کو نہ سمجھا کہ مین کیسی اچھی چیز کو فوت کر رہا ہون اس مین بیان ہے اوس کافر کے جہل کا حاصل یہ کہ) اوس نے گوہر دیدیا (اور) سنگ لے لیا عوض مین (محض) اس خیال پر (ایسا کیا) کہ مین نے بڑا فائدہ کیا ہے (کہ) مین نے کالا دیا ہے اور گورا لے لیا ہو (اور حقیقت کار گورکی نہ سمجھی)

خندیدنِ یہودی و پنداشتن آنکہ صدیقؓ مغبون ست و ندانستن بہائے بلالؓ

منعقد چون گشت بیع اندر میان	یافت ایجاب و قبولِ ہر دوان
جب بیع درمیان مین منعقد ہوگئی	اور اُن دونون کا ایجاب و قبول پایا گیا

قہقہہ زد آن جہودِ سنگدل
اُس جہودِ سنگدل نے ایک قہقہہ لگایا

گفت صدیقش کہ این خندہ چہ بود
حضرت صدیقؓ نے اُس سے فرمایا کہ یہ خندہ کیسا ہے

گفت اگر جدت نبودے واہتمام
کہنے لگا کہ اگر تم کو کوشش اور اہتمام

من ز استیزہ نمی افروختم
تو مین تکرار سے گرم ہو کر فروخت نکرتا

کہ بنزدِ من نیرزد نیم دانگ
کیونکہ میرے نزدیک یہ نصف دانگ کے برابر بھی قیمت نہین رکھتا

پس جوابش داد صدیق اے غبی
پس حضرت صدیقؓ نے اوسکو جواب دیا کہ اے کودن

کو بنزدِ من ہمی ارزد دو کون
کیونکہ وہ میرے نزدیک دونون عالم کے برابر قیمت رکھتا ہی

زر زِ سرخ است و سیہ تاب آمدہ
یہ زرِ سرخ ہے جسکا رنگ سیاہ ہو گیا ہے

دیدۂ این ہفت رنگِ جسمہا
مختلف الوان کے اجسام کی چشم

از سرِ افسوس و طنز و غش و غل
براہ تمسخر اور طنز اور مکر و فریب کے

در جوابِ پرسشِ او خندہ فزود
اس پوچھنے کے جواب مین اُسنے زیادہ خندہ کیا

در خریداریِ این اسود غلام
اس سیاہ غلام کی خریداری مین تو تا

خود بعُشرِ اینش می بفروختم
بیشک مین اُسکو اِس قیمت کے دسوین حصہ کے بدلے بیچڈالتا

تو گران کردی بہایش را ببانگ
تم نے اسکی قیمت کو آواز کیوجہ سے بڑھا دیا

گوہرے دادی بجوزے چون صبی
تونے ہی ایک گوہر اخروٹ کے عوض مین دیدیا ہر مثل طفل کے

من بجانش ناظرستم تو بلون
مین اُوسکی روح کو دیکھتا ہون۔ تو رنگ کو

از برائے رشکِ این احمق کدہ
بسبب حسد اس احمق کدہ کے

در نیابد زین نقاب آن روح را
اس حجاب مین سے اُس روح کو ادراک نہین کرتی

گر تکمّسی کردئی در بیع بیش
دادمے من جملہ مال و مِلکِ خویش

اگر تو بیع مین اور زیادہ تنگی کرتا
تو مین اپنا تمام مال اور املاک دیدیتا

ور تکمّس افزودئی من زاهتمام
دامنی زر کردمے از غیر وام

اور اگر تو اور زیادہ بڑھاتا۔ تو مین اہتمام سے
دامن بھر سونا کسی اور سے قرض کرلیتا

سهل دادی زانکه ارزان یافتی
دُر ندیدی حقّه را نشگافتی

تو نے بہت سہل دیدیا اسلیے کہ تو نے ارزان حاصل کیا تھا
موتی نہین دیکھا۔ ڈبہ کو نہین چیر کر دیکھا

حقّهٔ سربسته جهلِ تو بداد
زود بینی که چه غبنت اوفتاد

سربستہ ڈبہ تیرے جہل نے دیدیا
تو عنقریب دیکھے گا کہ تجھکو کتنا خسارہ پڑا

حقّهٔ پُر لعل را دادی بباد
همچو زنگی در سیه روئی تو شاد

تو نے حقّۂ پُر لعل کو برباد کر دیا
زنگی کیطرح تو سیہ روئی مین خوش ہے

عاقبت وا حسرتا گوئی بسے
بخت و دولت را فروشد خود کسے

انجام مین بہت وا حسرتا کہے گا
کوئی بخت اور دولت کو بھی بیچا کرتا ہے

بخت با جامهٔ غلامانه رسید
چشم بدبخت بجز ظاهر ندید

بخت غلامانہ لباس سے پہونچا
تیری چشم بدبخت نے بجز ظاہر کے اور کچھ نہ دیکھا

او نمودت بندگیِ خویشتن
خوی زشتت کرد با او مکر و فن

اُسنے تجھکو اپنی غلامی دکھلائی
تیری خوے زشت نے اُسکے ساتھ مکر و فن کیا

این سیه اسرارِ تن اسپید را
بُت پرستانه بگیر ای ژاژخا

اس سیاہ باطن سفید جسم کو
بُت پرستون کی طرح لے لے اے ژاژ خا

این ترا و آن مرا بردیم سود
یہ تیرا اور وہ میرا ہم تم دونون نے فائدہ حاصل کرلیا

هین لکم دینٌ ولی دین اے جهود
ہان لکم دینکم ولی دین ہو گیا اے یہودی

خود سزاے بت پرستان آن بود
بتحقیق بت پرستون کی یہی سزا ہے

جُلّش اطلس اسپ او چوبین بود
کہ اسکی جھول اطلس کی۔ اور اسکا گھوڑا لکڑی کا ہوتا ہے

همچو گورِ کافران پُر دود و نار
مثل گور کافرون کے دُود و نار سے پُر ہے

وز برون بربسته صد نقش و نگار
اور باہر سے صدہا نقش ونگار لگا رکھے ہین

همچو مالِ ظالمان بیرون جمال
مثل مال ظالمون کے۔ کہ باہر سے جمال

وز درونش خونِ مظلوم و وبال
اور اوسکے باطن سے خون مظلوم کا اور وبال

چون منافق از برون صوم و صلوٰة
مثل منافق کے باہر سے صوم وصلوٰة

وز درون خاکِ سیاهِ بے ثبات
اور اندر سے خاکِ سیاہ بے ثبات

همچو ابرِ خالیِ پُر قر و فر
مثل ابر خالی کے کر گرّاٹ گرّاٹ سے پُر ہے

گرگراٹ گرد

نے درو نفعِ زمین نے قوتِ بر
نہ اوسمین زمین کا نفع نہ پھل کی غذا

همچو وعدهٔ مکر و گفتارِ دروغ
مثل وعدۂ فریب اور گفتار دروغ کے

آخرش رسوا و اول با فروغ
کہ اوس کا اخیر رسوا اور اول با فروغ

(یکس اتا لہ مکاس بضم میم تنگی در بیع) جب بیع (دونون کے) درمیان مین منعقد ہوگئی (اور) اون دونون کا ایجاب وقبول پایا گیا۔ تو اوس جہود سنگدل نے ایک قہقہہ لگایا۔ براہ تمسخر اور طنز اور مکر و فریب کے (یہ دیکھکر) حضرت صدّیق نے اوس سے فرمایا کہ یہ خندہ کیسا ہے۔ اس پوچھنے کے جواب مین اوس نے زیادہ خندہ کیا (اس زیادتی کی وجہ اسپر تعجب تھا کہ یہ میرے ہنسنے سے بھی اپنی غلطی پر متنبہ نہین ہوئے) کہنے لگا کہ اگر تمکو (اسقدر) کوشش اور اہتمام اس سیاہ غلام کی خریداری مین نہ ہوتا تو مین (اسکو اتنے) تکرار سے فروخت نکرتا (بلکہ) مین اوسکو اُسکی (قیمت) کے دسوین حصہ کے بدلے بیچ ڈالتا۔ کیونکہ میرے نزدیک یہ نصف دانق کی برابر بھی قیمت نہین رکھتا۔ تم نے

اسکی قیمت کو آواز کی وجہ سے بڑھا دیا (اسکی دو توجیہ ہوسکتی ہین ایک یہ کہ بانگ سے مراد بلالؓ کی آواز ہو احد احد
کی یعنی اس پر تم فریفتہ ہوگئے اور اسمین اشارہ ہوگا تشبیہ بجوز بیمغز کی طرف کہ جسطرح اوسمین صرف آواز ہوتی ہے
لُب نہین ہوتا کما مر مثل ہذا المعنے فی قصۃ الوزیر الیہودی ومنازعۃ الامرا فی الخلافۃ آنچہ مغز بن ست آن شد یار
دانگ + آنچہ پوسیدہ است نبود غیر بانگ + اور اس توجیہ کا مؤید ہے پہلے مصرعہ مین نیز زد نیم دانگ کا اور جواب
مین بجوز کا واقع ہونا کہ تو اسکو جوز سمجھتا ہے اور مین اوس غلام رومی کو جوز سمجھتا ہون اور دوسری توجیہ یہ کہ
بانگ سے مراد حضرت صدیق کی آواز یعنے الفاظ دالہ علی الرغبۃ ہون یعنے تمہارے کلام سے رغبت مفہوم ہونے سے اتنی
قیمت بڑھ گئی) پس حضرت صدیقؓ نے اوسکو جواب دیا کہ اے کودن۔ تونے ہی ایک گوہر اخروٹ کے عوض مین دیدیا
ہے خلق طفل (نادان) کے۔ کیونکہ وہ میرے نزدیک دونون عالم کے برابر قیمت رکھتا ہے (وجہ یہ کہ) مین اوسکی روح
کو دیکھتا ہون (اور) تو رنگ کو (دیکھتا ہے پس گویا) یہ زر سرخ ہے جسکا رنگ سیاہ ہوگیا ہے۔ بسبب حسد اس احمق کدہ
کے (مراد دنیا ہے کہ ابلہون سے بھرا ہے اس تمثیل کی اصل یہ ہے کہ چورون کی نظر عداوت سے بچانے کے لیے زر سرخ
کو سیاہ رنگ سے رنگین کردیتے ہین تاکہ کوئی پہچانے نہین اور محفوظ رہے اسی طرح ناا ہلون کی نظر حسد سے بچانے کے لیے
اللہ تعالی نے ان بلالؓ کو کہ زر سرخ ہین سیاہ رنگ کردیا پس) مختلف الوان کے اجسام کی (ادراک کرنیوالی) چشم۔ اس
حجاب (رنگ) میں سے اوس روح کو ادراک نہین کرتی (کیونکہ اوسکا خاصہ صرف ادراک الوان ہے اور) اگر تو بیع مین
اور زیادہ تنگی کرتا (اور اس قیمت پر بھی راضی نہوتا) تو مین تمام اپنا مال اور املاک دیدیتا اور اگر تو (میرے مال و
املاک سے بھی) اور زیادہ (قیمت) بڑھاتا۔ تو مین دامن بھر سونا کسی اور سے قرض کر لیتا (اور قیمت مین ادا کرتا مگر)
تونے بہت سہل دیدیا اس لیے کہ تونے ارزان حاصل کیا تھا۔ تونے (اندر سے) موتی نہین دیکھا (کیونکہ) ڈبہ کو نہین
چیر کر دیکھا (ویسا ہی) سربستہ ڈبہ تیرے جہل نے دیدیا (اسناد الی السبب ہے سو) تو عنقریب (یعنی بعد موت) دیکھ لیگا
کہ تجھکو کتنا خسارہ پڑا (کیونکہ موت کے بعد حقیقت منکشف ہوگی) تونے حقۂ پر لعل کو برباد کردیا (اور) زنگی کی طرح تو
سیاہ روئی مین خوش ہے (مگر) انجام مین بہت واحسرتا کہیگا (بھلا) کوئی بخت و دولت کو بھی بیچا کرتا ہے (مگر وجہ تیری
اس بیچنے کی اس بخت و دولت کو یہ ہوگئی کہ وہ) بخت غلامانہ لباس سے (تیرے پاس) پہونچا (چنانچہ بلالؓ بخت تھے
اور غلامانہ وضع رکھتے تھے اور) تیری چشم بدبخت نے بجز ظاہر کے اور کچھ نہ دیکھا۔ اوس (بخت) نے تجھکو (صرف اپنی
غلامی دکھلائی (اور اوسکی خوبی مخفی رہی اس لیے) تیری خوے زشت نے اس کے ساتھ مکر دفن کیا (یعنے تو اوس کے
ساتھ بیقدری ظلم و شرارت سے پیش آیا تو اوس گوہر کے عوض) اس (رومی غلام) سیاہ باطن سفید جسم کو
بت پرستوں کی طرح لے لیا۔ اسے ژاژ خا (بت پرست بھی بت کی ظاہری صورت کو دیکھتے ہین اور اوس کے باطن ناکارہ
کو نہین دیکھتے سو) یہ (رومی غلام) تیرا ہوگیا اور وہ (بلال) میرا ہوگیا (اور) ہم دونون نے (بزعم خود) فائدہ
حاصل کرلیا (ان لکم دینکم ولی دین کا مضمون) ہوگیا اسے یہودی بتحقیق بت پرستون کی یہی سزا ہے۔ کہ اوسکی جھول
اطلس کی اور) اوس کا گھوڑا لکڑی کا ہوتا ہے (مجمل سے مراد اس گھوڑے کی جھول اس مثال کا مع مابعد کے

ومثال کے حاصل باطن کا ناکارہ اور ظاہر کا جمیل ہونا ہی) مثل گور کافرون کے دُو دونار سے پُر ہے۔ اور باہر سے بعدہا نقش دنگار لگا رکھے ہین۔ مثل مال ظالمون کے کہ باہر سے جمال اور اوس کے باطن سی خون مظلوم کا اور دبال مثل منافق کے باہر سے صوم وصلوٰۃ اور اندر سے خاک سیاہ بے ثبات (یعنی باطن عمل سیاہ جسکی کوئی جڑ نہین کیونکہ عمل کی جڑ عقیدہ ہے) مثل ابر خالی (از آب) کے گرج وگرگڑ سے پُر ہے (یعنی بولتا ہی مگر) نہ اوسمین زمین کا نفع (اور) دلیل کی مانند اکیونکہ یہ دونون چیزین پانی سے ہوتی ہین) وعدۂ فرض خلوہ) مثل وعدۂ فریب اور گفتار دروغ کے۔ کہ اوسکا اخیر رسوا اور اول با فروغ (کیونکہ تکلم کے وقت تو پُر رونق معلوم ہوتا ہی بخلاف ظہور حقیقت کے وقت وہ ہیچ ثابت ہوتا ہی) ف آگے تتمہ قصہ کا ہی

بعد ازان بگرفت او دستِ بلالؓ

اسکے بعد اونہون نے بلالؓ کا ہاتھ پکڑا

آن ز زخم دستِ محنت چون خلال

وہ صدمۂ دستِ تکلیف سے مثل خلال کے ہو رہی تھے

شُد خلالے در دہانے راہ یافت

وہ خلال ہو گئے تھے دہن مین راہ پائی

جانبِ شیرین زبانے می شتافت

اور ایک شیرین زبان کیطرف دوڑکے چلے جارہی تھے

آوریدش تا بہ نزدِ آن رسول

حضرت صدیقؓ انکو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس لائے

کہ بجان او کردہ بُد دینش قبول

کیونکہ اونہون نے جان سے آپکا دین قبول کیا تھا

چون بدید آن خستہ روے مصطفےٰ

جب اُن خستہ نے مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کا روے مبارک دیکھا

خر مغشیا فتاد او بر قفا

تو وہ بیہوش ہو کر چت گر پڑے

تا بدیرے بیخود و بیخویش ماند

دیر تک بیخود اور آپے سے باہر رہی

چون بخویش آمد ز شادی اشک راند

جب آپے مین آئے تو مارے خوشی کے آنسو بہانے لگے

مصطفےٰ اش در کنارِ خود کشید

مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم نے انکو اپنی آغوش مین لے لیا

کس چہ داند بخششے کو را رسید

کوئی شخص کیا جانے اُس عطا کو جو اُن کو پہونچی

چون بود مسّے کہ بر اکسیر زد

کیا حال ہوگا اُس تانبے کا جو اکسیر پر جا لگا

مفلسے بر گنجِ پُر توفیر زد

ایک مفلس ایسے خزانہ پر جا لگا جو مالِ کثیر سے پُر تھا

ماہیِ پژمردہ در بحر اُوفتاد
ایک ماہیِ پژمردہ دریا مین جاگری

کاروانِ گم شدہ زد بر رشاد
ایک قافلہ راہ گم کردہ۔ راہ یابی پر جا لگا

آن خطا بائے کہ گفت آن دم نبی
وہ ارشادات کہ اُسوقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائے

گر زند بر شب بر آید از شبی
اگر شب پر واقع ہو جائین تو وہ شب ہونیکی صفت سے خارج ہو جائے

روز روشن گردد آن شب چون صباح
روزِ روشن ہووے وہ رات۔ صبح کی طرح

من نتانم باز گفت آن اصطلاح
مین اُس اصطلاح کو کہہ نہین سکتا

خود تو دانی کافتاب اندر حمل
خود تمکو معلوم ہے کہ آفتاب بُرجِ حمل مین

تا چہ گوید با نبات و با دقل
کیا کچھ کہدیتا ہے نباتات سے اور نخلِ پُربار سے

خود تو دانی ہم کہ آن آبِ زلال
خود تمکو یہ بھی معلوم ہے کہ وہ آبِ زلال

می چہ گوید با ریاحین و نہال
ریاحین اور نہال سے کیا کہہ دیتا ہے

صُنعِ حق با جملہ اجزائے جہان
حق تعالےٰ کی صنعت تمام اجزائے عالم کے ساتھ

چون دم و حرفست از افسون گران
عمل پھونک مارنے اور الفاظ پڑھنے کی ہے جو ساحرونسے واقع ہوتے ہیں

جذبِ یزدان با اثرہا و سبب
جذب حضرتِ حق کا آثار اور اسباب سے

صد سخن گوید نہان بے حرف و لب
صدہا باتین کرتا ہے بدون حرف اور لب کے

نے کہ تاثیر از قدر معمول نیست
یہ بات تو نہین کہ تاثیر قدر سے معمول نہین

لیک تاثیرش از و معقول نیست
لیکن اُن کی تاثیر اُس قدر کے سبب سے مُدرک بالعقل نہین

چون مقلِّد بود عقل اندر اصول
جب عقل اُصول مین مُقلِّد ہے

دان مقلِّد در فروعش اے فضول
تو اُس عقل کو فروع مین بھی مُقلِّد جان او فضول

گوچنانکہ تو ندانی والسلام	گر بپرسد عقل چون باشد مرام
تو کہدینا ایسی کیفیت سے ہو کہ تو نہین جانتا۔ والسلام	اگر عقل پوچھے کہ یہ مدعا کس کیفیت سے ہوگا

اسکے بعد اونھون نے بلالؓ کا ہاتھ پکڑا (اور حالت اونکی یہ تھی کہ) وہ صدمۂ دستِ تکلیف (زمان) سے مثل خلال کے (لاغر) ہو رہے تھے (آگے بمصداق اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصَّابِرِیْنَ۔ والصبر مفتاح الفرج کے اس تحملِ جفا کا ثمرہ بیان فرماتے ہین کہ) وہ (چونکہ) خلال ہوگئے تھے (اس لیے) دہن مین راہ پائی (جس طرح خلال مُنہ مین پہونچایا جاتا ہی کہ محلِ شریف ہے اسی طرح حضرت بلالؓ کو ببرکت صبر ومجاہدہ کے مجلسِ مقدس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف پہونچانیکا سامان ہو رہا ہی اور) ایک شیرین زبان کی طرف دوڑے چلے جا رہی تھے (جسطرح خلال کو دہن مین پہونچکر زبان سے اقتران ہوتا ہے اسی طرح یہ بلالؓ اوس مجلس مقدس مین پہونچکر آپ سے کہ شیرین زبان ہین مقترن ہونگے غرض) حضرت صدیقؓ اونکو رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لائے۔ کیونکہ اونھون نے جان سے آپکا دین قبول کیا تھا۔ جب (وہان پہونچکر) اُس خستہ نے مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا رُوے مبارک دیکھا تو بیہوش ہوکر گر پڑے (چونکہ خَرَّ مَغْشِیًّا عربی جملہ ہی اس لیے آگے اوسکی تفسیر ہی یعنے) وہ پشت کے بل گر پڑے (اور) دیر تک بیخود اور آپے سے باہر رہے (اور) جب آپے مین (یعنی ہوش مین) آئے تو مارے خوشی کے آنسو بہانے لگے۔ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اونکو اپنی آغوش مین لے لیا (آگے مولانا اوس شرف کی تفصیل وتفضیل ذکر فرماتے ہین جو حضرت بلالؓ کو خدمت سرکار نبوی مین پہونچنے سے اور حضورؐ کی توجہ سے حاصل ہوا یعنی) کوئی شخص کیا جانے اوس عطا کو جو اونکو (آپ کے قرب وعنایت کی بدولت) پہونچی (آگے اسکی چند مثالین اور تشبیہین ہین **تشبیہ اول**) کیا حال ہوگا اوس تانبے کا جو اکسیر پر جا لگا (**تشبیہ دوم**) ایک مفلس ایسے خزانہ پر جا لگا جو مالِ کثیر سے پُر تھا (**تشبیہ دوم**) ایک ماہیِ پژمردہ دریا مین جا گری (**تشبیہ چہارم**) ایک قافلۂ راہ گم کردہ راہ یابی پر جا لگا (یہ تو اون برکات کا ذکر تھا جو آپکے قرب وتوجہ سے حاصل ہوئین آگے اون کا ذکر ہے جو آپ کے کلمات مبارکہ سے میسر ہوئین پس فرماتے ہین کہ) وہ ارشادات کہ اوسوقت نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے (بلالؓ سے) فرمائے (نوربخشی مین ایسے مؤثر ہین کہ) اگر شب پر واقع ہوجائین تو وہ شب اپنے کی صفت سے خارج ہوجاوے (یعنے) وہ شب صبح کی طرح روز روشن ہوجاوے (شب سے مراد شب بالمعنی اللغوی نہین بلکہ مراد وہ قلب ہی جو جہل وضلال سے تاریک ہو مطلب یہ کہ اون اقوال کے بصرف استماع ہی سے بشرطیکہ عناد وغیرہ مانع نہ ہو قبل عمل ہی، اوس قلب مین نور واقع ہوجاوے کیونکہ عمل کی ہمت وشوق تو اوسی نور سے پیدا ہوتا ہی جیسا کہ شب وروز حضرات اہل اللہ کی مجالس مین اسکا مشاہدہ کیا جاتا ہی اور چونکہ یہ اثر ان اقوال مین بطریق دلالت الفاظ تو ہوتا نہین چنانچہ ظاہر ہو کہ دلالت الفاظ کی تو مدلولات لغویہ یا اصطلاحیہ پر ہوتی ہی ان آثار مذکورہ تنویر وغیرہ پر دلالت الفاظ کی نہین ہوتی آگے اسی مضمون کو فرماتے ہین کہ) مین اوس اصطلاح کو (کہ جس کے ذریعہ سے اون اقوال پر یہ آثار مرتب ہوتے ہین) کہہ نہین سکتا (کیونکہ وہ کہنے سے سمجھ مین نہین آتا دوسرے یہ کہ واسطہ

آن آثار کے ترتب کا قوت باطنیہ ہی صاحب قوال کی خواہ اوس قوت باطنیہ کے استعمال کا وہ خود قصد کرے جسکو تصرف وہمت کہتے ہین اور خواہ بلا اوس کے قصد کے اوسکا اثر ہوا سکو برکت وکرامت سے تعبیر کرنا مناسب ہی اور اس قوت باطنیہ کا فعل مدرک بالوجدان ہی اور وجدانیات کی تعبیر الفاظ سے کافی طور پر ہوتی نہین اس لیے یہ کہنا صحیح ہوگیا کہ مین اوس اصطلاح کو کہہ نہین سکتا اور اسکو اصطلاح مجازاً اور استعارۃً کہدیا کیونکہ حاصل معنی اصطلاح کا اتفاق قومے برائے معین داشتن معنے لفظ سوائے معنی موضوع لہ آن لفظ ہے اسی طرح یہان یہ اثر ظاہر ہے کہ غیر ہے معنی موضوع لہ کا اور ایک جماعت کے ساتھ مخصوص ہی یہ اثر پس یہ اختصاص قوم بہذا الاثر مشابہ ہو گیا معنے اصطلاحی اصطلاح کے خلاصہ یہ کہ الفاظ سے اس اثر مغائر للمعانی اللغویہ کا افادہ بلا تکلم بہذا الاثر وان وقع التکلم لافادۃ المعنے اللغوی ان اہل اللہ کا گویا ایک اصطلاحی طریق ہی جو وجدانی ہونے کے سبب بیان مین نہین آتا حضور کے ارشادات بھی اسی طریق سے قلوب غیر منورہ کو منور کر دیتے ہین تو بلاک تو اونسے کیون نہ زائد النور وکامل التنویر ہوگئے ہونگے آگے اس تاثیر الباطن بلا تکلم کی مثالین ہین مثال اول خود تمکو معلوم ہے کہ آفتاب (برج) حمل مین کیا کچھ کہدیتا ہے نباتات سے اور نخل پُر بار سے (وقل بفتحتین نخل پر بار و تیر گشتی۔ وخرمابے زبون کذا فی المنتخب مطلب یہ کہ اسوقت آفتاب کی تاثیر سے نباتات اور میوے شیرین ہوجاتے ہین اوس الفاظ کا واسطہ نہین ہوتا پس وہ اصطلاح بھی اسی کے مشابہ ہے مثال دوم) خود تمکو یہ بھی معلوم ہے کہ وہ آب زلال (یعنی بارش کا پانی) ریاحین اور نہال سے کیا کہہ دیتا ہے (تعریبہ کما مر فی شرح الشعر السابق مثال سوم) صنعت حق تعالیٰ کی تمام اجزاے عالم کے ساتھ (تاثیر مین) مثل پھونک مارنے اور الفاظ پڑھنے کے ہی جو ساحرون سے واقع ہوتے ہین (اس شعر مین ایک تو فعل عبد مذکور فی السابق کو تشبیہ دیگئی ہے فعل حق کے ساتھ اور اسی بنا پر اسکو مثال سوم قرار دیا ہے پہلی دو مثالون سے اس مین یہ فرق ہے کہ اون مین فاعلیت بالتسبب درجاز اہے اور اس مثال سوم مین فاعلیت بالخالقیۃ اور حقیقۃ ہی اور نفس فاعلیت بلا توقف علی التکلم سب مثلون مین مشترک ہی اور مشبہ کے ایک طریق مین فاعلیت مجازاً بالتسبب یعنی برکت بلا قصد مین اور ایک طریق مین حقیقۃً بالمباشرۃ ہے یعنی تصرف مین گو بالخالقیۃ نہین یہ کلام تھا تشبیہ فعل عبد بفعل الحق مین پس ایک تو اس شعر مین یہ مذکور ہے اور یہی مقصود بھی ہی اور دوسرے اس فعل حق کو تشبیہ دیگئی ہے فعل عبد کے ساتھ چون دم وحرف ست از افسون گران اور یہ مقصود مقام نہین چنانچہ ظاہر ہے کہ اوپر سے توضیح ہے مضمون فاعلیت باطن اہل اللہ کی بلا توقف علی التکلم کی اور اس کے لیے صرف صنع حق کی فاعلیت کا ذکر کافی ہی دوسرے اس لیے بھی مقصود نہین کہ اس مین تاثیر بواسطۂ الفاظ ہے۔ رہا یہ کہ جب صنع حق کو مشبہ بہ بنایا تو پھر اوسکو ایسی چیز سے تشبیہ دینا جسمین حروف والفاظ بھی ہین جامع تشبیہی کو منہدم کر دیگا تو تشبیہ صحیح نہ ہوگی جواب یہ ہے کہ یہ تشبیہ بتاثیر کلام الساحر صرف سرعت تاثر کی بنا پر ہی مع قطع النظر عن کونہ بواسطۃ الکلام پس حاصل مقام یہ ہوا کہ صنعت حق جو سریع التاثیر ہے مشبہ بہ اور مثال ہی تاثیر اہل الباطن کی خوب سمجھ لو اور اگر کسی کو شبہہ ہو کہ مشبہ بہ آلہ ہوتا ہے بتقریر معنے مشبہ کا تو تشبیہ اول مین سوء ادب لازم آتا ہی کہ ذکر افعال حق کو آلہ قرار دیا جاوے بیان فعل عبد کے لیے یا کسیکو شبہہ ہو کہ مشبہ بہ اقوی ہوتا ہے معنی تشبیہی مین مشبہ سے تو تشبیہ ثانی مین اشکال لازم آتا ہی دونون کا جواب

یہ ہے کہ مدار تشبیہ کا نہ مشبہ بہ کی اکملیت پر ہے نہ اوسکی اعلائیت پر ہے بلکہ مدار اوسکا اشہر واظہر ہونے پر ہے پس فعل عبد مذکور خفی تھا اور تاثیر صنع حق اوس فعل سے اظہر اور مسلّم ہے اور فعل سحر اوس تاثیر صنع سے بوجہ مشاہد ہونے فاعل اور فعل کے اشہر اور زیادہ معلوم ہے اس لیے دونون تشبیہین موجّہ ہوگئین آگے شعر آیندہ مین تشبیہ اول کے وجہ جامع کی تصریح بغرض توضیح ہے یعنی) جذب حضرت حق کا (جسکو اوپر صنع حق سے تعبیر کیا ہے) آثار اور اسباب سے صدہا باتین کرتا ہی بدون حرف اور لب کے (یہ کنایہ ہے کلام سے یعنی بدون توقف علی الکلام کے اسباب کو بھی پیدا کرتا ہی اور اون اسباب سے آثار کو بھی پیدا کرتا ہی اور گو ایجاد کل اشیا یا بعض اشیا مین کلمۂ کُن کا فرمانا بھی عادت ہے لیکن اوسپر موقوف تو نہین اور گو اللہ تعالی اگر کلام بھی فرمادین تب بھی وہ منزہ ہے حروف اور آلات سے مگر یہان یہ مراد نہین ہے کہ کلام تو ہے مگر منزہ بلکہ بقرینۂ مقام نفس کلام ہی کا واسطہ نہ ہونا مقصود ہے لیکن درجۂ تحقق مین نہین بلکہ درجۂ توقف مین جیسا ابھی تقریر کی گئی یہانتک مقصود مقام کا (کہ توضیح تھی مضمون تاثیر باطن اہل باطن کی قلوب طالبین مین) ختم ہوا آگے مثال اخیر کے متعلق بطور تتمیم فائدہ کے تبعًا ایک مضمون فرماتے ہین اور وہ مضمون جواب ہی ایک سوال کا جو اس مثال اخیر کے متعلق پیدا ہوتا ہے اور یہ سوال بہت مشہور اور فلاسفہ کے منکرین للفاعل المختار کے کلام مین مذکور ہے حاصل سوال یہ ہی کہ تم جو حوادث کو اس شعر مین صنع حق اور جذب حق آخر مین فاعل بالارادہ کی طرف مستند مانتے ہو اور تاثیر الاسباب فی الآثار بالذات کا انکار کرتے ہو یہ عقلاً مستحیل ہی کیونکہ تعلق الارادہ بالحادث اگر قدیم ہے تب تو قِدَم حادث کا لازم آتا ہے وہذا خلف اور اگر حادث ہے تو اوس حادث مین کلام ہوگا پھر ایک تعلق الارادہ کی ضرورت ہوگی وروہ بھی حادث ہوگا تو اسکے لیے بھی اسیطرح ایک تعلق کی ضرورت ہوگی اسیطرح غیر متناہی سلسلہ چلا جاویگا اور اگر کسی تعلق کو قدیم کہو گے تو اولاً اوسکے معلول کا اور اوسکے واسطہ سے اوسکے معلول کا اسیطرح تمام سلسلۂ حوادث کا قِدم لازم آویگا ھف جب فاعل بالاختیار والارادہ کا قول ثابت نہ ہوا تو فاعل بالاضطرار متعین ہوا جسمین سلسلۂ اسباب وآثار کی اور تاثیر صور نوعیہ کے قریب ہونے کی توجیہ حکما ہو نیکی ہے اور جواب اسکا اصول متکلمین محققین پر یہ ہے کہ تعلق الارادہ حادث ہے مگر خود اس تعلق کو ایجادِ مستقل کی ضرورت نہین کہ اسکو پیدا کر کے پھر اسکو کسی حادث کے ساتھ لگا دین بلکہ یہ ایک امر اضافی ہے کسی حادث کے عدم سابق پر وجودِ لاحق کو باختیارِ خود ترجیح دیدینا یہی احداث ہے اِس تعلق کا تو واقع مین احداث اوس حادث کا ہوتا ہے اوسی اِحداث کو تعلق الارادہ سے تعبیر کر دیا جاتا ہے یہ کوئی جدا چیز نہین ہے پس حادث کا اِحداث اِس تعلق کا بھی احداث ہے یعنے ارادہ سے صرف حادث کو بنایا ہے حادث کو ارادہ سے بنانا اسی کو تعلق ارادہ بحادث اور اسی کو احداث التعلق کہہ دیتے ہین پس تسلسل لازم نہ آویگا اور ایک تقریر سوال کی یہ ہی کہ اگر فاعل بالاختیار کے قائل ہوگے تو کیا وجہ کہ ایک وقت تک ایجاد نہ کیا پھر ایجاد کیا پس یا تو اس ترجیح کی کوئی علت ہی یا نہین اگر علت ہے تو حادث ہی یا قدیم۔ قدیم تو کہہ نہین سکتے ورنہ ایجاد قدیم ہوتا پس لامحالہ حادث ہے پس اگر وہ بھی صادر عن الاختیار ہے تو اوسمین یہی تشقیق ہوگی اور اگر عن الاضطرار ہے تو مذہب اختیار کا باطل ہوگیا اور اگر علت نہین تو ترجیح بلامرجح لازم آتی ہی جو کہ محال ہے جواب یہ ہے کہ اس ترجیح کی کوئی علت نہین اور ترجیح بلامرجح اس معنی کر مستحیل

نہین بلکہ قائل بالفاعل بالاختیار اوس کا التزام کرکے کہیگا کہ ارادہ کی ماہیت یا اوس کے لیے لازم ہی ہے ترجیح ماشاء متی شاء جب یہ ترجیح اسکی ذاتی ہے تو سوال عن العلۃ ہی لغو ہے ورنہ تخلل جعل کا ذات اور ذاتیات یا لزوم ولازم کے درمیان مین لازم آوے گا وہذا محالٌ اتنی تفصیل تحقیق ان جوابون کی توضیح وتلویح کے مقدمات اربعہ مین مذکور ہے من شاء فلیرجع ولیطالع سُنو اس فاعل مختار کے دعویٰ اور عقیدہ پر جو سوال ہے اگرچہ حسب تقریر مذکور جواب اوسکا ممکن اور واقع ہے مگر مولانا جیسا کہ طرز ہے حکماء قلوب کا عام مخاطبین کو کہ زیادہ اون مین غیر طالب حق ہین جواب دینا پسند نہین کرتے اور اس سے تسکین پر شبہہ نہ کیا جاوے کہ دونون نے کیون جواب دیا اصل یہ ہے کہ اونکا مقصود جواب دینے سے اسکات ہے اہل باطل کا تاکہ وہ عام اہل حق کو شبہہ مین نہ ڈال سکین پس دونون جماعتون کے طرز مین کوئی تعارض نہین باقی یہ کہ مولانا بھی اسی غرض سے جواب دیدیتے اوس کا جواب یہ ہے کہ جب ایک جماعت ایک کام سے فارغ ہوچکی پھر اوسی کام کو سب کرین اسکی کیا ضرورت ہے اِس لیے مولانا اس جواب سے سکوت فرماکر مختصر جواب حسبِ حال معاندین وضعیف العقول کے اور مقتضائے وقت کے مناسب مشورہ دیتے ہین کہ) یہ بات تو نہین کہ تاثیر (اسباب کی) قدر (یعنے تجویز واختیار حق) سے معمول (اور مجعول) نہین (جیسا حکما نفی قدر واختیار کی کرتے ہین مجعول تو ہے) لیکن (یہ ضرور ہے کہ) اون (اسباب) کی تاثیر اوس قدر کے سبب سے (یعنے یہ بات کہ اون اسباب مین تاثیر اوس قدر واختیار سے پیدا ہوئی ہے یہ امر) مدرک بالعقل (العام) نہین (مگر مستحیل نہین حاصل جواب یہ کہ حکماء کا اس کو محال کہنا تو غلط ہے چنانچہ اوس کے دلیل کے مقدمات کا غلط ہونا اوپر واضح ہوگیا ہے البتہ عام عقول کو اوس تاثیر اختیار کی کیفیت کا ادراک نہین ہوتا پس جب تمھاری عقل عامی ہے تو اوس کے ادراک کیفیت بالتحقیق کے درپے مت ہو بلکہ محض محققین کی تقلید کرلو اور یہ سمجھ لو کہ) جب (تمھاری) عقل (خود) اصول مین (یعنے ذات وصفات حق مین کہ اصول ہین افعال حق کی) مقلد ہے (چنانچہ عوام کو اقامت براہین علی الذات والصفات کی قدرت نہین محض تقلید انبیاء سے مانتے ہین تو جب تمھاری عقل اصول مین کہ زیادہ اہم ہین مقلد ہے) تو اوس عقل کو فروع مین بھی (کہ افعال حق ہین) مقلد جان لو اسے فضول (کرلا یعنے شغل یعنے اقامت برہان علی مالا تقدر علیہ مین پڑتا ہے آگے مشورہ دیتے ہین کہ) اگر (تمھاری) عقل (باتباع وسوسہ وجرأت وحماقت تم سے یون) پوچھے کہ یہ مدعا یعنے تاثیر بالاختیار فی الاسباب والآثار) کس کیفیت سے ہوگا (یعنی کیفیت پوچھنے لگے) تو (جواب مین) یہ کہدینا کہ (وہ مدعا) ایسی کیفیت سے ہے کہ تو نہین جانتا (جیسا کہ اوپر اوس کیفیت کا غیر مدرک بالعقل العامی ہونا مذکور ہوا) والسلام (یا تو مولانا کا مقولہ ہے کہ بس میری نصیحت ختم ہوچکی اب سلام لو آور یا مقولہ مجیب للعقل کا ہے یعنی اے عقل مین مفید جواب دے چکا میرا اسلام لے حاصل مشورہ کا یہ ہوا کہ بے ضرورت قیل وقال مین مت پڑو) ف آگے رجوع ہے قصہ بلالؓ کی طرف۔

ملہ۵ اشارۃ الی تقدیر المضاف الیہ فی قولہ تاثیر فی المصراع الاول ۱۲ منہ ملہ۵ اشارۃ الی ارجاع الضمیر الی المقدر ای المضاف فی المصراع الاول فی قولہ ازدی فی المصراع الثانی ۱۲ منہ۔

معاتبہ کردن حضرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم با صدیق رضؓ و جواب او

سیدِ کونین سلطانِ جہان | در عتاب آمد زمانے بعد ازان

دونون عالم کے سردار اور جہان کے سُلطان | عتاب مین آئے تھوڑی دیر تک۔ اُس کے بعد

گفت اے صدیقؓ آخر گفتمت | کہ مرا انباز کن در مکرمت

فرمایا کہ اے صدیق آخر مین نے تو تم سے کہدیا تھا | کہ مجکو بھی شریک کیجیو بزرگی مین

تو چرا تنہا خریدی بہرِ خویش | باز گو احوال اے پاکیزہ کیش

تم نے تنہا کیون خریدا اپنے لیے | اپنا حال کہو اے پاکیزہ کیش

گفت ما دو بندگانِ کوے تو | کردمش آزاد من بر روے تو

اُنھون نے عرض کیا کہ ہم تو دونون غلام مین آپکے کوچے کے | مین نے اُنکو آپکے روبرو آزاد کر دیا

تو مرا میدار بندہ و یارِ غار | ہیچ آزادی نخواہم زینہار

آپ مجکو غلام اور یارِ غار کرکے رکھیے | کسی وقت آزادی نہ چاہونگا ہرگز

کہ مرا از بندگیت آزادی ست | بے تو بر من محنت و بیدادی ست

کیونکہ مجکو آپ کی غلامی ہی سے آزادی ہے | بدون آپکے مجپر محنت اور ستم ہے

اے جہان را زندہ کردہ ز اصطفا | خاص کردہ عام را خاصہ مرا

اے وہ کہ عالم کو زندہ کردیا برگزیدگی سے | خاص کردیا عوام کو خصوص مجکو

خوابہا میدید جانم در شباب | کہ سلامم کرد قرصِ آفتاب

میری رُوح شباب مین اس قسم کے خواب دیکھا کرتی ہے | کہ مجکو قرصِ آفتاب نے سلام کیا ہے

از زمینم بر کشید او تا سما
وہ مجھکو زمین سے آسمان تک کھینچ لے گیا ہے
همرہ او گشته بودم زار تفا
اُسکے ہمراہ چلا جارہا ہون اونچے ہوجانیکے سبب

گفتم این ماخولیا بود و محال
مین نے کہا کہ یہ مالیخولیا اور محال تھا
هیچ گردد مستحیلے وصف حال
بھلا کہین امر محال بھی فی الحال وصف ہوسکتا ہے

چون ترا دیدم بدیدم خویش را
جب مین نے آپکو دیکھا اُسوقت اپنے آپکو بھی دیکھا
آفرین آن آئینۂ خوش کیش را
آفرین ہے اُس آئینۂ خوش وصف کے لیے

چون ترا دیدم محالم حال شد
جب مین نے آپکو دیکھا تو وہ محال میرا وصف ہوگیا
جانِ من مستغرقِ اجلال شد
اور میری روح غرقِ اجلال ہوگئی

چون ترا دیدم من اے روح البلاد
جب مین نے آپکو دیکھا اے روح البلاد
مہر این خورشید از چشمم فتاد
اِس آفتاب کی وقعت میری نگاہ سے ساقط ہوگئی

گشت عالی همت از تو چشمِ من
آپ کی برکت سے میری نگاہ عالی ہمت ہوگئی
جز بخواری ننگرم اندر زمن
بجزبے قدری کے زمانہ کے اندر نظر نہین کرتی

نور جستم خود بدیدم نورِ نور
مین نور کی تلاش کرتا تھا سو مین نے خود نور النور کو دیکھ لیا
حور جستم خود بدیدم رشکِ حور
مین حور کی تلاش کرتا تھا سو مین نے خود رشکِ حور کو دیکھ لیا

یوسفے جستم لطیف و سیمتن
مین ایک یوسف کو تلاش کیا کرتا تھا جو لطیف اور سیمتن ہو
یوسفستانے بدیدم در تو من
مین نے آپکے اندر ایک یوسفستان دیکھا

در پیِ جنت بُدم در جستجو
مین جنت کے درپے تھا تلاش مین
جنتے بنمود از ہر جزوِ تو
آپکے ہر جزو سے ایک جنت نمایان ہوئی

هست این نسبت بمن مدح و ثنا — هست این نسبت بتو قدح و هجا

یہ میرے اعتبار سے مدح و ثنا ہے — آپکے اعتبار سے یہ عیب و ہجو ہے

همچو مدحِ مردِ چوپانِ سلیم — مر خدا را پیشِ موسیٰؑ کلیم

جیسی اُس مردِ راعی سادہ لوح کی مدح تھی — حق تعالےٰ کی نسبت موسیٰ کلیم علیہ السلام کے روبرو

کہ بجویم اشپشت شیرت دهم — چارقت دوزم من و پیشت نهم

کہ مین تیرے جوئین ڈھونڈونگا۔ تجھکو دودھ دونگا — تیرا کفش سیونگا اور تیرے سامنے رکھدونگا

قدحِ اُو را حق بمدحے بر گرفت — گر تو هم رحمت کنی نبود شگفت

اُسکی اِس منقصت کو حق تعالیٰ نے مدح مین لے لیا — اگر آپ بھی رحمت فرمادین تو تعجب نہین ہے

رحم فرما بر قصورِ فهم ها — اے ورائے عقلها و وهم ها

آپ رحم فرمائیے افہام کی کوتاہی پر — اے وہ حضرت کہ عقول اور اوہام کو آگے ہین

دونون عالم کے سردار اور جہان کے سلطان (صلے اللہ علیہ وسلم محبوبانہ) عتاب مین آئے تھوڑی دیر تک (اور) اوس کے بعد فرمایا کہ اے صدیق آخر مین نے تو تم سے کہدیا تھا۔ کہ مجھکو بھی (اس) بندگی (یعنی عمل نیک) مین (کہ اشترا بلال ہی) شریک کیجیو تم نے تنہا کیون خریدا اپنے لیے (یہ بات حضرت صدیقؓ کی بیان سے معلوم ہوئی ہوگی کہ انھون نے کل کو اصالۃً خریدا ہے نصف کو وکالۃً نہین خریدا) اپنا حال (اس عدم اشترا بالاشتراک کے متعلق) کہو اے پاکیزہ کیش (تاکہ اسکی مصلحت اور تمہارا عذر معلوم ہونے سے شکایت رفع ہوجاوے) انھون نے عرض کیا کہ ہم تو دونون غلام ہین آپ کے کوچہ کے۔ (اور شرکت مین خریدنے سے صورۃً آپ اوسمین مالک ہوتے اور یہ غلام ہوتے حالانکہ حقیقت باطنیہ کے اعتبار سے مین بھی غلام ہون تو غلام ہوکر آپکا شریک ہونا موہم تھا مساوات کا یہ تو عذر ہے عدم شرکت کا پھر مین یہ سمجھا کہ اصل مقصود حضورؐ کا ان کے اشترا سے انکا آزاد کرنا ہے سو یہ مقصود اس طرح حاصل ہوگیا کہ مین نے انکو آپ کے روبرو آزاد کر دیا (اور ایک مقصود اشترا سے گو آپکو یہ مقصود نہ ہو مگر درجہ امکان مین استخدام ہوسکتا ہے تو اوس استخدام کے لیے) آپ مجھکو غلام اور یار غار (یعنی رفیق صادق کنایۃً کذا فی الغیاث) کر کے رکھیے (اور غلام بھی اِس درجہ کا کہ) کسیوقت آزادی نہ چاہونگا ہرگز۔ کیونکہ مجھکو آپکی غلامی ہی سے آزادی (کا شرف حاصل) ہے۔ بدون آپ (کی خدمت) کے مجھپر محنت اور ستم ہے (یعنی اگر کوئی مجھکو آپ کی خدمت سے جبراً روکے

تو مجھ پر ظلم کرے اور بیدادی بمعنے ظلم موافق قیاس کے ہی کیونکہ داد بمعنی انصاف ہے تو بیداد قیاس کی رو سے بمعنی بے انصاف وظالم کے ہونا چاہیے لیکن خلافِ قیاس بیداد بمعنے ظلم آتا ہے کذافی الغیاث سو یہان اوسی قیاس کے موافق استعمال کیا گیا آگے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی منت اور فضائل اور اپنی تقصیر احصا رتنا ، سے عرض کرتے ہین کہ) اے (حضرت) کہ جنھون نے ایک عالم کو زندہ کر دیا برگزیدگی سے (یعنی عالم کے آحاد کثیرہ کو دولت اصطفا سے مشرف فرمایا پس عالم سے مراد جماعت کثیرہ نہ کہ تمام عالم احقر نے ترجمہ مین لفظ ایک بڑھا کر اس کی طرف اشارہ کر دیا اور) خاص کر دیا (بہت سے) عوام کو (اور) خصوص مجھکو (اس مین اشارہ اس طرف بھی ہو سکتا ہے کہ ایک مقصود افتخار بلال سے ثواب واجر ہو سکتا ہے تو آپ کے پاس ثواب کا بہت سا ذخیرہ ہے کہ خلق کی اصلاح وتکمیل فرماتے ہین رہا یہ کہ ذخیرۂ کثیرہ کے بعد بھی حاجت ثواب خاص کی رہتی ہے سو وہ ثواب خاص خود افتخار کی نیت سے حاصل ہو گیا۔ رہا یہ شبہ کہ نیت کا ثواب نفس عمل کی برابر نہ ہوتا ہو اسکا جواب یہ ہے کہ ممکن ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے کمی نہ ہو جیسا حدیث مین ہے کہ صلوۃ قاعدًا کا اجر نصف ہے صلوٰۃ قائمًا کا مگر حضور کو برابر ملتا ہے آس شعر مین تو بیان تھا منت کا آگے فضائل مذکور ہین یعنی) میری روح شباب مین اس قسم کے خواب دیکھا کرتی تھی کہ مجھکو قرص آفتاب نے سلام کیا ہے (اور) وہ مجھکو زمین سے آسمان پر کھینچ لے گیا ہے (اور) مین اوس کے ہمراہ چلا جا رہا ہون اونچے ہو جانیکے سبب (یہ خواب دیکھکر) مین نے (دل مین) کہا کہ یہ (خواب جو مین نے دیکھا تھا) مالیخولیا (یعنے فساد دماغ) اور (ایک امر) محال تھا (یعنی محال عادی جسکا وقوع کبھی نہ ہوا اور یہ خواب مطابق واقع کے نہین کیونکہ) بھلا کہین امر محال بھی (گو محال عادی ہی ہو) واقع ہو کہیں فی الحال (کسیکا) وصف ہو سکتا ہے (جب یہ نہین تو بس یہ خلل دماغ ہے اور محال عادی پر عدم وقوع کے حکم سے خوارق مین کوئی شبہہ نہ کرے کیونکہ یہان محال عادی سے مراد وہ ہے جسکا کبھی وقوع نہ ہو سو جو امر واقع ہو جاویگا وقوع کے وقت کہین گے کہ اسکو غلطی سے محال عادی سمجھا تھا پس کسی ممکن عقلی پر کسیوقت بھی اسکا حکم کرنا یقینی صحیح نہین ہو سکتا جبتک کہ کسی دوسری مستقل دلیل سے تیقن انتفاء وقوع کا نہ ہو مثلاً دلیل شرعی سے ثابت ہو گیا کہ مغفرت کافر کی نہو گی تو اس ممکن عقلی کو بالیقین محال عادی کہدینگے اور جہان ایسی مستقل دلیل نہ ہو وہان استحالہ کا حکم یقینی صحیح نہ ہو گا چنانچہ خود اس مرئی فی المنام پر باعتبار حقیقت تعبیریہ کے اس حکم استحالہ کا غلط ہونا اخیر مین ثابت ہوا اور ظاہری حقیقت پر بھی کسیوقت استحالہ کا حکم یقینی صحیح نہین اور شعر ہذا مین جو محال کہا گیا ہے اسکی صحت لازم نہین کیونکہ یہ حکایت ہے قبل سلام کی تو اوسوقت ایسی غلطی مستبعد نہین فافہم بہر حال مین اس خواب کو غلط سمجھتا تھا مگر) جب مین نے آپکو دیکھا (اوسوقت) اپنے آپ کو بھی دیکھا (اور معلوم ہوا کہ الحمد للہ کہ سلام شمس دار تقا، فوق السماء کی مجھ مین قابلیت ہے اور وہ خواب صحیح ہو سکتے ہین پہلے مجھکو اپنی حقیقت معلوم نہ تھی اس لیے اِن امور کو محال سمجھتا تھا اور جب اپنی حقیقت آپکے ذریعہ سے مجھکو معلوم ہوئی تو آپکی مثال آئینہ کی سی ہوئی سو) آفرین ہے اوس آئینہ خوش وصف کے لیے (اس مین التفات ہے خطاب سے غیبت کی طرف اور کیش سے مراد وصف ہے مجازًا اطلاقًا للخاص علی العام اور صرف اعتقاد استحالہ ہی مبدل

ف [illegible] محال عادی [illegible] عدم وقوع

یا امکان نہین تھا بلکہ امکان سے متجاوز ہو کر وقوع کا مشاہدہ ہوگیا چنانچہ) جب مین نے آپکو دیکھا تو وہ محال بیا دست (ثابت فی الحال) ہوگیا (یعنے سلام شمس وارتقا، فوق السما کا مشاہدہ بھی کرلیا اسطرح سے کہ وہ آفتاب آپ مین اور وہ سلام آپکی توجہ اور سلامت بخشی از غلط روی ہے اور وہ ارتقا، فوز باسلام ہے اور آپکی برکت سی) میری روح غرقِ اجلال ہوگئی (یعنے حضرت حق کے اوصاف جلیلہ کے مراقبہ مین مستغرق ہوگئی اور دوسرے دلائل سے یہ بھی ثابت ہے کہ صورۃ مرئی فی المنام پر جو استحالۂ عادیہ کا یقینی حکم لگایا تھا اوسکی بھی اصلاح ہوگئی کہ علوم وانوارِ اسلام سے سب حقائق ضرور یہ صحیح طور پر منکشف ہوجاتے ہین اور ممکنات غیر واقعہ کے وقوع وعدم وقوع دونون کا محتمل ہونا واضح ہوجاتا ہے اور چونکہ شعر بالا سے آپکی تشبیہ آفتاب کے ساتھ مفہوم ہوتی ہے جیساکہ اوسکی شرح مین اوس کی تقریر گذری ہے بقولہ اس طرح سے کہ وہ آفتاب الخ اور یہ موہم ہے آفتاب کی مماثلت کو اس لیے آگے رفع ایہام کے لیے کہتے ہین کہ) جب مین نے آپکو دیکھا اے روح البلاد (چونکہ حسب ارشاد وما ارسلناک الا رحمۃً للعالمین عالم کا بقا، آپ ہی کی برکت سے ہے اس لیے آپکو روح سے تشبیہ دی کہ اوس سے بقا رہے حیاتِ بدن کا تو آپکو دیکھکر) اس آفتاب (ظاہری) کی وقعت میری نگاہ سے ساقط ہوگئی (تو اس آفتاب کی آپکے سامنے کیا حقیقت ہے جو مماثلت ومساوات کا احتمال ہو اور نہ تشبیہ سے یہ مقصود ہو مناسبت من وجہٍ کافی ہے اور اوسی مناسبت کی بنا پر خواب اس شکل سے نظر آیا اور مراحل مین بمعنے محبت ہو گر محبت مستلزم ہے وقعت کو اس لیے بقرینۂ مقام مجازاً وقعت کے معنی لیے گئے آگے کہتے ہین کہ صرف ایک آفتاب ہی کم وقعت نہین ہوا بلکہ آپکو دیکھنے کے بعد) آپکی برکت سے میری نگاہ (بہت ہی) عالی ہمت ہوگئی (اس لیے) بجز بیقدری کے زمانہ کے اندر نظر نہین کرتی (یعنی آپ کے سامنے آفتاب اور تمام عالم کم نظر آتا ہے اور ظاہر بھی ہے کہ آپ سب سے بہت افضل ہین پس یہ دیکھنا مطابق واقع کے ہے پس خواری سے مراد یہ ہے نہ کہ تحقیر کہ ناشی ہو تکبر سے جسکے بعض فرد ایمان سے بھی خارج ہین اور لفظ زمن بمعنے آسمان بھی مستعمل ہوتا ہے جبکہ زمین کے مقابلہ مین واقع ہو سو اگر یہان اس قید سے توسع کرکے بمعنی آسمان لینا صحیح ہو بنا بر اس کے کہ حکما کے نزدیک زمانہ نام ہے حرکت فلک الافلاک کا پس مسبب بول کر سبب مراد لیا جاوے تو شعر سابق کے بہت مناسب ہوگا کہ وہان تفضیل علی الشمس تھی یہان تفضیل علی السما ہے اور اوس خواب مین بھی شمس اور سما دونون کا ذکر تھا اوس کی مناسبت سے یہ معنے ہونگے کہ آپکو اور آپ کے طریق یعنی اسلام کو دیکھنے کے بعد اس آفتاب اور اس سما کی وقعت نہین رہی گو خواب مین تمکو آفتاب اور اسلام کو آسمان سے تشبیہ دی گئی اور ایک نسخہ مین زمن کی جگہ چمن ہے بمعنے رونقِ دنیا اس پر کوئی نہ معنوی اشکال ہے جیسا زمن بمعنی عالم مین تھا جس کو مین نے اس قول مین رفع کردیا پس خواری سے مراد الخ اور نہ لفظی اشکال ہے جیسا بمعنے آسمان لینے مین محتمل ہے کہ یہان زمین کے مقابل استعمال نہین کیا گیا ہے اور آپکو دیکھنے کے بعد زینتِ دنیا کا حقیر ہوجانا ظاہر ہی ہے یہان تک تفضیل تھی آپکی آفتاب اور زمانہ یا فلک اور چمن پر اور یہ سب جزو عالمِ شہادت کے ہین آگے بطور ترقی کے تفضیل ہے آپکی عالم غیب کے

اجزا پر (یعنی) مین نور کی تلاش کرتا تھا سو مین نے (آپکو دیکھا تو) خود نور النور کو دیکھ لیا (اور) مین حور کی تلاش کرتا تھا سو مین نے خود رشک حور کو دیکھ لیا (نور ہر چند کہ عام ہے انوارِ ناسوت و ملکوت کو لیکن اصل عالم نور ملکوت ہی ہے کما وہین ملائکہ کا اصل مقام ہے جسکی نسبت حدیث مین ہے خلقوا من نور او کما قال پس مطلق کا کامل پر محمول کرنا زیادہ مناسب ہے خاصکر اوس کا اقتران حور کے ساتھ بھی اسکا قرینہ ہو سکتا ہے یعنی قبل آپ کے دیکھنے کے کبھی اہل ادیان سماویہ سے ملائکہ و حور کا ذکر سنکر اون کے قرب کا مشتاق ہوتا تھا مگر آپ اوس نور کے بھی نور ہین اور حور سے بھی افضل ہین چنانچہ آپکا مبدأ الانوار ہونا آپکی اولیت نور سے اور آپ کا افضل الخلق ہونا جسمین حور بھی ہے ظاہر اور ثابت ہے اور چونکہ عالمِ غیب افضل ہے عالمِ شہادت سے اس تفضیل کا تفضیلِ سابق سے اعلیٰ ہونا ظاہر ہے آگے بھی عالمِ غیب کے متعلق مضمون کا تتمہ ہے یعنی) مین ایک یوسف کو تلاش کیا کرتا تھا جو لطیف اور سیمتن ہو دگر) مین نے آپ کے اندر ایک یوسفستان (یعنے محلِ اجتماع یوسف ہائے کثیر) دیکھا (چونکہ مین اس شعر کو تتمہ مضمون متعلق عالم غیب کے سمجھا ہون اس لیے اس بنا پر یہ معنی ہونگے کہ مین اہل ادیان سماویہ سے نجاتِ آخرت کا عقائد و اعمال پر موقوف ہونا سنکر ہادی کی تلاش مین تھا جو باعتبار حُسنِ باطنی کے یوسف سے تعبیر کیا گیا سو مین نے آپکو تمام ہادیانِ برحق کے اوصافِ کمال و تکمیل کا جامع پایا اسی جامعیت کو یوسفستان سے تعبیر کیا گیا اور چونکہ ہادی ہونا موقوف ہے اتصال عالمِ غیب پر نیز اُوس پر فیوض عالمِ غیب سے وارد ہوتے ہین جن سے وہ ہدایت کرتا ہے نیز ہدایت اوسکی عالمِ غیب کی تحصیل کیطرف ہے ان وجوہ سے وہ ہادی من حیث ہادی اشیاء عالم غیب سے ہے خصوص جبکہ یہ بھی دیکھا جاوے کہ ہادی حقیقت مین روح ہے اور رُوح عالمِ غیب سے ہے اور اس مین خود اجزاے عالمِ غیب مذکورۃ فی الشعر السابق علیہ سے بھی اِس لیے ترقی ہے کہ انبیاء افضل ہین ملائکہ و حور سے پس معنے یہ ہونگے کہ آپ ملائکہ و حور سے تو کیون نہ افضل ہوتے خود انبیاء سے بھی افضل ہین آگے بھی تتمہ ہے اسی مضمون کا بعنوانِ دیگر یعنے) مین جنت کے درپے تھا (اوسکی) تلاش مین (دگر مجھکو) آپ کے ہر جزو سے ایک جنت نمایان ہوئی (چونکہ جو چیز کسی کے ہر جزو سے نمایان ہو وہ ظاہر ہے کہ اوس کے تابع ہوتی ہے اس لیے یہ کنایہ ہے اس سے کہ جنت آپکے تابع ہے اور مراد اس سے بتقدیر مضاف دخول جنت کا تابع ہونا ہے اور چونکہ یہ حکم شعر ہذا مین کسی قید کے ساتھ مقید نہین اس لیے اپنے اطلاق سے عام ہوگا تمام داخلینِ جنّت کو جن مین انبیا علیہم السلام بھی داخل ہین پس وہ بھی دخولِ جنت مین آپکے تابع ہوے چنانچہ حدیث مین بھی ہے کہ سب سے اول مین ہی جنت کا دروازہ کُھلواؤنگا پس اس سے حضورؐ کی تفضیل تمام انبیاء پر ثابت ہوئی اور یہی مضمون سابق مین بھی تھا صرف عنوان دوسرا ہے آگے فضائل کے بعد اپنی تقصیر جماعے ثنا سے ذکر کرتے ہین جیسا شعر "اے جہان را زندہ کردہ الخ" کی تمہید مین وجہ ربط مین ذکر کیا گیا ہے پس فرماتے ہین کہ) یہ (سب) میرے اعتبار سے مدح و ثنا ہے (لیکن) آپکے اعتبار سے یہ عیب و ہجو ہے (کیونکہ آپ کے کمالات اس سے بہت زیادہ ہین مگر میرے علوم اتنے ہی ہین) جیسی اُس مردِ راعی سادہ لوح کی مدح تھی

حق تعالیٰ کی نسبت موسیٰ کلیم علیہ السلام کے روبرو۔ کہ (اے اللہ) مین تیری جوئین ڈھونڈھو ونگا (اور) تجھکو دودھ دونگا (اور) تیرا کفش سیونگا اور تیرے سامنے رکھدونگا (معاذ اللہ مگر) اُس کی اِس منقصت کو حق تعالیٰ نے مدح مین لے لیا (جیسا دفتر دوم مین مذکور ہے سو اسیطرح) اگر آپ بھی رحمت فرما دین (اور اس مدح ناتمام کو قبول کرلین) تو تعجب نہین ہے۔ آپ رحم فرمایئے (ہمارے) افہام کی کوتاہی پر۔ اے (حضرت) کہ عقول اور اوہام سے آگے (متجاوز) ہین (یعنے نہ مدرک کُلیات کہ عقل ہے آپ کے کمالات کا ادراک کرسکتی ہے اور نہ مدرکِ جزئیات کہ وہم ہے) ف شُشتُش بہر دو شین معجمہ و سُشتُش بسین اول مہملہ و ثانی معجمہ ہر دو لغت بضم حرفین اولین و بزیادت ہمزہ در اول نیز بمعنے مجنون کذا فی الغیاث وغیرہ یہانتک حضرت صدیق کی لسان سے حضور کے وہ فیوض مذکور رہتے جو اونپر فائض ہوے۔ آگے بطور انتقال کے مولانا کا مقصود ہے جس مین آپ کے فیوض کا عام ہونا تمام امت کے لیے مذکور ہے۔

اَیُّہَا العُشَّاق اقبالِ جدید
اے عاشقو ایک اقبالِ جدید آیا ہے
از جہانِ کہنہ نو در رسید
ایک عالمِ کہنہ سے تازہ پہونچا ہے

زان جہان کو چارہ بیچارہ جُوست
ایسے عالم سے کہ وہ چارہ جو بیچارہ کا ہے
صد ہزاران نادرہ عالم در وست
لاکھون نادرات عالم کے اُس مین ہین

اَبشِرُوا یا قَومُ اِذ جَاءَ الفَرَج
خوش ہو جاؤ اے قوم کیونکہ کشایش آگئی
اِفرَحُوا یا قَومُ قد زال الحَرَج
خوش ہو جاؤ اے قوم بتحقیق زائل ہوگئی تنگی

آفتابے رفت در کازہ ہلالؓ
ایک آفتاب گیا ہے ہلالؓ کے جھوپڑے مین
در تقاضا کہ اَرِحنَا یا بلالؓ
تقاضے مین ہے کہ اے بلالؓ ہمکو راحت دے

زیرِ لب میگفتی از بیمِ عدو
تم زیرِ لب کہا کرتے تھے خوف دشمن سے
بر منارہ رو بگو کوریِ او
منارہ پر جاؤ کہو۔ اُس کی آنکھین پھوٹین

مید مد در گوشِ ہر غمگین بشیر
بشیر یعنے آپ ہر غمگین کے کان مین پھونکتے ہین
خیز اے مدبر رہِ اقبال گیر
اُٹھ اے ادبار والے اقبال کا رستہ اختیار کر

اے درین حبس و درین گندہ و شپش
اے شخص کہ اس حبس اور اس گندگی اور جوؤن مین مبتلا ہو

ہین کہ تا کس نشنود زشتی خمش
ہان تاکہ کوئی سُن نہ لے تو زشتی ہی خاموش ہو جا

چون کنی خامش کنون ای یارِ من
آپ خاموشی اب کس طرح کیجیے گا اے میرے محبوب

کز بنِ ہر مو بر آمد طبل زن
اسلیئے کہ ہر بُنِ مُو سے تو طبل زن ظاہر ہو چکا ہے

آنچنان کز شد عدوِ رشک خو
مخالفِ حسد طینت ایسا کبڑا ہوا ہے

گوید این چندین دہل را بانگ کو
کہ اسقدر دہل کو بھی پوچھتا ہے کہ آواز کہان ہے

میزند بر روش ریحان کہ طری ست
اُسکے مُنہ پر کوئی پھول مارتا ہے جو کہ تازہ ہے

اُو ز کوری گوید این آسیب چیست
وہ اندھے ہونیکے سبب کہتا ہے کہ یہ تکلیف کیا ہے

می شکنجد حور و دستش میکشد
حُور چٹکی لیتی ہے اور اُس کا ہاتھ کھینچتی ہے

کور حیران کز چہ دردم میکند
اندھا حیران ہو کہ کس وجہ سے مجھکو تکلیف دی رہی ہے

این کشاکش چیست بر دست و تنم
یہ کھینچا تانی میرے ہاتھ اور بدن پر کیا ہو رہی ہے

خفتہ ام بگذار تا خوابے کنم
مین تو سُو رہا تھا چھوڑ دے تاکہ مین سو رہون

آنکہ در خوابش ہمی جوئی ویست
جسکو تو خواب مین تلاش کرتا ہے وہی ہے

چشم بکشا کان مہ نیکوپے ست
آنکھ تو کھول کہ وہی ماہ مبارک قدم ہے

زان بلاہا بر عزیزان بیش بود
اِس سببسے بلیّات مقبولین پر زیادہ ہوتی ہین

کان تجمش یار با خوبان نمود
کہ یہ چھیڑ چھاڑ محبوب نے اہل حُسن سے کی ہے

لاغ با خوبان کند در ہر رہے
وہ چھیڑ چھاڑ اہل حُسن سے ہر راہ مین کیا کرتا ہے

نیز کوران را بشورانَد گہے
کبھی اندھون کو بھی پریشان کر دیتا ہے

خویش را یکدم بدین کوران دہد	تا غریو از کوے کوران برجہد
اپنے کو کسی وقت اُن اندھونکے ہاتھ مین بھی دیدیتا ہے	تاکہ اندھون کے محلے سے شور و غل بلند ہو

(بیان ہے آپ کے فیوض کے عموم کا تمام امت کو جیسا اوپر مذکور ہوا پھر خواہ اوس فیض کو کوئی قبول کرے جیسا امتِ اجابت کیا یا نکرے جیسا امتِ دعوت کا حال ہے یعنے) اے ما فتیو ایک اقبالِ جدید آیا ہے (فجاء مقدر لقرینۃ المقام مراد اس سے فیضِ محمدی ہے کہ اوسکا نظیر اس کے قبل نہ آیا تھا اِس لیے جدید کہا گیا اور اس خطاب اَیُّہَا العُشّاق سے اور خطاب آیندہ یا قوم سے عموم اوس فیض کا مفہوم ہوا کیونکہ خطاب بِبشارت اون ہی کو عادۃً ہوتا ہے جنکی حالت مقتضی بشارت کو ہو پس جب خطاب عام ہے تو اوس اقبال کا سب کے لیے آنا بھی عام ہوگا اور وہ اقبال) ایک عالم کہنہ سے تازہ پہونچا ہے (عالمِ کہنہ سے مراد عالمِ ملکوت ہے اوسکا کہنہ ہونا ظاہر ہے حدوثاً بھی اور گو ظاہراً اسمین ارض و ارضیات بھی شریک ہین کیونکہ یہ بھی آسمان کے قریب ہی پیدا ہوئی ہین مگر خود آدمی جو کہ بوجہ مورد فیض مذکور کے ہونے کے مقصود بالحکم ہے سب انواعِ ارضیہ کے بعد پیدا ہوا ہے تو حدوث اس کا بہت متاخر ہے اِس لیے ملکوت حدوث مین بھی اس سے اقدم ہوا اور بقاءً بھی اِس لیے کہ ملکوت مین تغیر نہین ہے یا کم ہے اور ارضیات کا تغیر بہت زیادہ ہے اور عدم تغیر یا قلت تغیر حکم بقا کے صادق آنے مین احق اور اولیٰ ہے اور اوس فیض کا ملکوت سے آنا اس طرح ہے کہ آپ پر وحی جو کہ آپ سے دوسرونکو پہونچکر فیضیاب کرتی ہے عالمِ غیب سے آتی ہے جو اصل ہے تمام فیوض کی اور دوسرے مصرعہ مین جو از جہان آیا ہے آگے اس سے بدل واقع ہوا ہے زان جہان الخ یعنے وہ اقبال) ایسے عالم سے (آیا ہے) کہ وہ چارہ جو بیچارہ کا ہے (گمراہ و بے خبر سے زیادہ کون بیچارہ ہوگا کہ متعرض ہے بلاے بے درمان و عذاب کے لیے اس فیض سے اوسکی دستگیری ہوتی ہے اِس فیض کے اعتبار سے اوس عالم کو بھی چارہ جو کہدیا کہ وہ معدن و منبع ہے اوس فیض کا اور وہ عالم ایسا ہے کہ) لاکھون نادرات (و عجائب) عالم (کائنات) کے اوسمین (موجود) ہین (عالم کائنات سے مراد عام ہے کہ شامل ہے غیب و شہادت یعنی ملکوت و ناسوت کو یہ ترقی ہے اوس عالم کے وصف مین کہ ایک چارہ جوے بیچارہ ہی کیا ہے اوسمین لاکھون اوصافِ عجیبہ ہین حتی کہ اوسکا ایک فیض جو کہ وحیِ قرآنی ہے اوسکے باب مین حدیث ہے لا ینقضی عجائبہ تو مجموعۂ عالم کسقدر عجائب کو شامل ہوگا حتی کہ اوس کے کائنات کے عجائب ہونے ہی کے سبب بہت سے اہلِ بدعت اُن کائنات کے منکر ہوگئے جیسے وزنِ اعمال و عبور صراط اور خود وجود ملائکہ و حور و نعماے جنت و مثل ذلک آگے تفریع ہے اوس اقبالِ جدید کی آمد پر جو کہ بواسطۂ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے پہونچا جسکا حاصل اظہار سرور ہے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی آمد مبارک پر یعنے) خوش ہو جاؤ اے قوم (یعنی تمام امت محمدیہ) کیونکہ کشایش (اور آسایش) آگئی (یعنے سبب کشایش کا آگیا مراد ذات نبوی ہے اور) خوش ہو جاؤ اے قوم تحقیق زائل ہوگئی تنگی (یعنی مصیبت دور ہونیکا سامان آیا کیونکہ آپ کا اتباع دافع ہے ہر کلفت و عقوبت کا آگے آپ کے افاضہ کا طریق اولاً عام کے لیے آفتاب سے کہتے ہین اور پھر عام کے لیے مید مدد در گوش ہر غمگین الخ مین بتلاتے ہین کہ)

ایک آفتاب گیا ہے ہلال کے جو تیرے مین (اور وہ آفتاب اس تقاضے مین (بھی) ہو کہ اے بلال ہمکو راحت دے (اسمین اشارہ ہو دو قصون کی طرف ایک قصہ ہلال کا جو آگے آتا ہے کہ حضور ایک دن ہلال کی عیادت کو اصطبل مین تشریف لے گئے تھے (اس مقام کے دو شعر یہ ہین -

مصطفیٰ بہرِ ہلالؓ با شرف / رفت از بہرِ عیادت آن طرف

رفت پیغمبر برغبت بہرِ او / اندر آخر آمد اندر جستجو

دوسرا قصہ بلالؓ کا کہ حدیث مین ہے حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے اونسے ارشاد فرمایا تھا کہ اَرِحْنَا یَا بِلَال یعنی اذان دیکر نماز سے فارغ ہو جاؤ کہ قلب کو راحت ہو کہ حق تعالیٰ کا فریضہ ادا ہو گیا پس مصرعۂ ثانیہ قید اور حال نہین مصرعۂ اول کا کہ رفت در حالتِ تقاضا جیسا کہ ظاہرًا شبہہ ہوتا ہے بلکہ جملہ مستقلہ ہے بتقدیر مبتدا اور حذف رابطہ ذکر خبر یعنے آن ذاتِ پاک در تقاضا ہست الخ جیسا کہ احقر نے اوسکے ترجمہ مین اسکی طرف اشارہ کر دیا ہے مطلب دونون جملون کا یہ ہے کہ آپ ایسے فیض رسان ہین کہ اپنے خادمون پر ہر طرح کی نوازش فرماتے ہین چنانچہ ظاہری مرض مین بھی دستگیری فرماتے ہین کہ ہلالؓ کی عیادت فرمائی اور باطنی مرض مین بھی چارہ جوئی فرماتے ہین کہ بلالؓ کو ثواب حاصل کرنیکا طریق بتلایا جو کفارہ ہوتا ہے سیئات کا اور مشترک طور پر یہ دلیل ہے آپکی کمال شفقت و توجہ کی اور یہ اصل ہے فیوض و برکات کی حاصل یہ ہوا کہ اچھے فاضلہ کا طریق یہی نہین کہ آپکی طرف کوئی توجہ کرے تو آپ متوجہ ہون بلکہ خود بھی تعاہد و توجہ فرماتے ہین اور ایسے شیوخ کا بہت زیادہ فیض ہوتا ہے اور آفتاب اور ہلال کا تقابل معنی لغوی کے اعتبار سے لطافتِ لفظیہ شعریہ کو بڑھاتا ہے آگے تتمہ ہے خطاب نبوی ارحنا کا بلالؓ کے لیے کہ اے بلال) تم (ابتداے اسلام مین خدا کا نام بعض اوقات بمصلحت) زیر لب کہا کرتے تھے خوفِ دشمن سے (اور اب) منارہ پر جاؤ (اور بضمن اذان خدا کا نام اعلان کے ساتھ) کہو (گو حسد سے) اوسکی آنکھین پھوٹین (تم اسکی کچھ پروا نکرو کہ کسی کو ناگوار ہوگا یہ ایسا جملہ ہے جیسے بولتے ہین وان رغم انفہ اور مین نے جو تقریر ترجمہ کی ہے اس سے دو شبہے دور ہو گئے ایک یہ کہ ابتداے اسلام مین یعنی قبل ہجرت اذان کہان تھی جسکو حضرت بلالؓ خفیہ کہتے تھے اسکا جواب اس لفظ سے ہو گیا کہ ابتداے اسلام مین خدا کا نام - باقی یہ کہ پھر بر منارہ رو بگو اوسکا خاص طور پر مقابل کیا ہوا کیونکہ منارہ پر تو اذان ہوتی تھی اور سیاق سے خاص تقابل کا مقصود ہونا ظاہر ہوتا ہے کہ مقول تو دونون جگہ ایک ہو صرف اعلان و خفیہ کا تقابل ہو تو مصرعۂ ثانیہ کے ترجمہ مین میرے اس لفظ سے کہ بضمن اذان خدا کا نام الخ یہ حل ہو گیا یعنے دونون جگہ مقول خدا کا نام ہے اول جگہ بغیر اذان دوسری جگہ بضمن اذان دوسرا شبہہ یہ کہ حضرت بلالؓ تو ابتداے اسلام مین بھی نام حق کا اخفا نکرتے تھے پھر زیر لب کے کیا معنے جواب اسکا میرے اس قول سے کہ بعض اوقات بمصلحت الخ ہو گیا کیونکہ جو قصہ احد احد کہنے کا اور ایذا اوٹھانے کا مذکور ہوا ہے وہ اوس وقت کا تھا جبکہ اسکا اثر ان ہی کی ذات پر تھا کہ وہ اوٹھا سکتے تھی پھر جب وہ مجمع مین آگئے اور کسی وقت اظہار سے مجمع پر یا کسی اسلامی

مصلحت پر ضرر پہونچے اوسوقت اخفا رہی افضل ہی چنانچہ حضرات صحابہؓ نے بہت بڑے بڑے کام حروب وغیرہ مین
اس اخفا، وکتمان وتوریہ سے لیے ہین کعب بن اشرف کا قتل اور غزوۂ احزاب مین کفار مین باہم تفریق ڈالنا وغیرذلک
کما لایخفی علی مطالع الحدیث تو ایسے وقت مین حضرت بلالؓ نے بھی اخفا رکیا ہوگا پس اشکال جاتا رہا باقی یہ کہ پھر
از بیم عدو کے کیا معنی اسکی علت تو خوف نہ ہوا بلکہ مصلحت ہوئی تو بات یہ ہی کہ خود اوس مصلحت کی رعایت کا سبب بھی
تو وہی بیم عدو ہے کہ اسلام کو ضرر پہونچا دیگا گو خود ایک شخص کو اپنی ذات کی ضرر کا اندیشہ نہ ہو اب سب شبہات دور
ہوگئے اور ان دو شعر مین طریق افاضہ کا خاص کے لیے یعنی مثلاً بلال و بلالی کے لیے مذکور تھا آگے طریق افاضہ کا عام
کے لیے مذکور ہی جیسا مین نے ان دو شعر کی تمہید مین بھی لکھدیا ہے پس فرماتے ہین کہ آپ کا افاضہ ان ہی دو کے
ساتھ خاص نہین بلکہ) بشیر یعنے آپ ہر غمگین کے کان مین پھونکتے ہین (کہ) اوٹھ اے ادبار والے (اور) اقبال کا رستہ
اختیار کر اے شخص کہ اس محبس اور اس گندگی اور جوؤن مین مبتلا ہے (غمگین سے مراد یا تو وہ شخص جو راہ حق طلب
کر رہا تھا اور نہ ملنے سے غمگین تھا اور یہی راہ نہ ملنا ادبار تھا پس اسکو غمگین کہنا باعتبار حال کے ہی اور مدبر کہنا باعتبار
ماضی کے پس اوسکو یہ خطاب ہوگا کہ اے طالب لے وہ اپنا مطلوب رہتہ میری بدولت دیکھ لے اور اختیار کرلے اور
یا مراد اس سے مطلق گمراہ ہے اور یہی ظاہر ہے بقرینۂ جواب آیندہ ہین کہ تا کس کما سیاتی تقریرہ اوسکو مدبر کہنا تو
باعتبار حال کے ہی اور غمگین کہنا باعتبار مآل اور آخرت کے ہی کہ جب عقوبت دیکھیگا تو غمگین ہوگا اوسکو خطاب
یون ہوگا کہ اے بدبخت اپنی بدبختی کو چھوڑ کر اس راہ کو مطلوب بنالے اور اختیار کرلے کہ ادبار یعنی گمراہی اور
غمگینی یعنے عقوبت سے نجات ہو اور طالب غیر قابل للحق بھی حکماً اسی دوسرے معنی مین داخل ہی یعنے مدبر مطلق
وغیر ناجی عن الادبار اور محبس سے مراد بھی تنگی قلب کی جو کفر سے ہوتی ہے کما قال تعالی ومن یرد ان یضلہ یجعل
صدرہ ضیقا حرجا کانما یصعد فی السماء اور گندگی بھی کفر کو کہا کما قال تعالی فاجتنبوا الرجس من الاوثان اور جوؤن
سے مراد شیاطین کہ حسب حدیث رگون کے اندر رینگتے ہین سبکا خلاصہ یہ کہ اے مبتلائے کفر۔ یہانتک مقولہ ہوا بشیر
کا جس سے مدبر کو خطاب ہی۔ آگے مصرعۂ ثانیہ مین جواب ہے مدبر کا بشیر کو یعنے وہ مدبر کہتا ہی کہ) ہائین (کان مین تو
کہا جیسا میرے مدد درگوش دال ہی مگر زور سے مت کہنا) تا کہ کوئی سن نہ لے تو زشت ہی (کہ ایسی زشت بات کہتا ہی) خاموش
ہوجا اور بعض نسخون مین زشتی کی جگہ رستی ہے یعنی اب تو بوجہ اس کے کہ کسی نے سنا نہین مین نے ہی اسنا تو ایذا اور
کلفت سے چھوٹ گیا اسکو غنیمت سمجھ اور خاموش ہوجا اس کا حاصل خیر خواہی کے پیرایہ مین ناصح کو روکنا ہی مطلب
یہ کہ بشیر تو فیض پہونچاتا ہے کہ کلفت وعقوبت سے نجات ہو اور یہ مخاطب اوسکو بولنے نہین دیتا اگر اوپر غمگین سے
مراد طالب ہی تو یہ کہنا وضوح حق سے قبل ہوگا اور ایک مدبر ختم ہوجاوے گا اور اوسکے ختم کے ساتھ اسپر وہ
ملامت جو اشعار آیندہ مین مذکور ہے نیز ختم ہوجاوے گی اور یہ حالت بعض طالبین ناقص الفہم کی ہوگی ورنہ اکثر
طالبین نے تو اول ہی وہلہ مین حق کو قبول کرلیا ہے اور بعض کو باوجود طلب کے علاوہ نقصان فہم کے کہ ایک
مدبر ختم ہوسکتا ہے بعض عوارض نفسانیہ بھی مانع ہوئے ہین جو ختم نہین ہوتے جیسے ہرقل کو اور بعض علما سے

ہو دکو کہ یستفتحون علی الذین کفروا فلما جاءہم ما عرفوا کفروا بہ الآیۃ تو اس بعض اخیر کا یہ کہنا ہمیشہ ہوگا اور اسطرح اگر غمگین سے مراد مطلق کافر غیر طالب ہو تب بھی اوسکا یہ قول ہین کہ (آنکہ ہمیشہ ہوگا اور اس قول ہین کہ آنکہ کے اطلاق سے ظاہر یہی معلوم ہوتا ہی کہ غمگین سے مراد وہ ہی ہے جس نے حق کو قبول نہین کیا خواہ غیر طالب ہو یا طالب کی قسم دوم یعنے متبع غرض نفسانی ہو جیسا عنقریب دیر بھی اس مقولہ کو قرینہ اسکا ٹھہرایا ہے آور مید مدہ گوش آنکہ سے یا اوسکو جواب مین تاکس نشنود آنکہ سے یہ نہ سمجھا جاوے کہ یہ دعوت خفیہ تھی ہان براہ شفقت خاص خاص خطاب سے سب کو عام تھی یعنی علاوہ خطاب عام کے خصوصیت کے ساتھ بھی ہر ایک کو فرماتے تھے چنانچہ لفظ ہر غمگین اسی کُل افرادی پر دال ہی اور اسی خصوصیت کے سبب در گوش کہا گیا ہے پس اس خصوصیت کی وجہ تو تھی شفقت مگر بدگمان کافر یہ سمجھے کہ اسکی وجہ ہے عدم اعلان اس لیے اس گمان پر کہ ابھی اوروں کو یہ دعوت نہ پہونچی ہوگی حضرت بشیر کو نصیحت کرتے ہین کہ ہم سے کہا تو کہا مگر ایسی غیر واقعی بات اوروں سے مت کہنا اس دعوت کو عام مت کرنا چونکہ انکی یہ نصیحت مرکب ہی دو جزو سے ایک جزو درخواست خاموشی کی دوسرا جزو یہ خیال کہ ابھی تک یہ دعوت عام نہین ہوئی اور یہی خیال مبنٰی ہے اوس درخواست کا ورنہ خاموشی کی درخواست بہ پیرایۂ خیر خواہی عبث ہوتی اسلیے مولانا آگے دونون جزوون کو رد فرماتے ہین درخواست کے مقابلہ مین خود ایک درخواست کرتے ہین اور خیال کی تغلیط اور اوس پر ملامت و تشنیع کفار کی کرتے ہین پس اولاً حضور سے درخواست کرتے ہین کہ) آپ خاموشی اب کسطرح کیجیے گا اے میرے محبوب (یعنے خاموشی نہ کیجیے خوب فرمایئے یہ مضمون اوس مضمون کی نظیر ہوگیا جسکا قصہ حدیث شریف مین ہی کہ آپ شروع قدوم مدینۂ منورہ مین ایک بار ایک مجلس پر گذرے اور وہان توقف فرما کر آپ نے دعوت اسلام فرمائی تو بعض مخالفین مثل عبداللہ بن ابی وغیرہ نے آپکو روکا اور کہا ہم نہین سنتے جو آپکے پاس جاوے اوسکو سنایئے اوسوقت تک عبداللہ بن ابی کافر مجاہر تھا پھر بعد مین منافقانہ ظاہرًا مسلمان ہوا تھا اور کچھ اوس مجلس مین مسلمان تھے اونھون نے اون کفار کو زجر کیا اور عرض کیا یا رسول اللہ ضرور کرم فرمایا کیجیے اور سنایا کیجیے اس پر اون لوگون مین باہم جنگ وجدل ہونے لگی آپ نے سمجھایا اور لڑنے سے روکا ایسا ہی مضمون یہان ہوگیا کہ مصرعہ ہین کہ آنکہ مین منکرین کا منع کرنا تبلیغ سے مذکور ہے اور مصرعہ چون کنی آنکہ مین مطیعین کا اس منع کو قبول نہ فرمانے کی درخواست مذکور ہے اور اس مصرعہ مین خامش بمعنے خاموشی ہے کما فی الغیاث پس یہ تو درخواست تھی خاموش نہ کرنے کی آگے اس کی علت مین کفار کی اوس درخواست خاموشی کی بنا کی تغلیط کرتے ہین یعنی ہم جو کہتے ہین کہ خاموشی نہ کیجیے تو اس لیے (کہتے ہین) کہ ہر بُنِ مُو سے تو بلبل زن ظاہر ہو چکا ہے (یعنے آپکا ہر بُنِ مو اعلان کر چکا ہے قولاً بھی اور عملاً و حالاً بھی کیونکہ حضور کی تو ہر ادا سے اظہار ہوتا ہے حق کا اور اسی لیے ہر ادا خلاف ہے کفار کے تو جب تک اعلانِ قولی کا حکم بھی نہ تھا تب بھی دلالتِ حال سے اعلان ہو رہا تھا چنانچہ آپ کا خدائے واحد کی عبادت کرنا اور آراء باطلہ سے اعراض و استنکاف فرمانا یہی کافی اعلان تھا احقاقِ حق و ابطالِ باطل کا اور اوسکے بعد تو دونون اعلان مجتمع ہوگئے جب اسطرح اعلان ہو چکا ہے اب خاموشی کے کوئی معنے ہی نہین

یہ علت تھی خاموشی نبوی کی یعنی اوس خیالِ کفار کی جو بنا تھی درخواست خاموشی کی تغلیط ہوگئی اور گو یہ درخواست عدم خاموشی کی بصورت مشورہ ہے جیسا لفظ استفہام چون کنی آنچ سے متبادر استفادہ ہوتا ہے لیکن مقصود مشورہ نہیں ہے کیونکہ اسکے خلاف کا احتمال ہی نہ تھا جو مشورہ کی گنجایش ہو بلکہ مقصود اظہارِ تمنا ہے چونکہ غایتِ تمنا سے جوش غالب ہوگیا اس لیے ایسا عنوان چون کنی آنچ صادر ہوگیا ۵ پس برون را منگر ید و قال را + بل درون را بنگرید و حال را + آگے تغلیطِ خیال کے ساتھ کفار کو اس خیالِ باطل پر ملامت و شناعت فرماتے ہین یعنی) مخالف حسد طینت (حق علانیہ کے استماع سے) ایسا بہرا ہوا ہے کہ اسقدر (بانگ) دہل (یعنے اس قدر اعلانِ حق) کو بھی پوچھتا ہے کہ (ان کی) آواز کہان ہے (یعنے ایسا باطل الحس ہوگیا کہ ابتک اس کو اعلان کی خبر ہی نہین کہ مشورہ خاموشی سے دلالۃً گویا اونکے استماع کا منکر ہو رہا ہے اور رشک خو مین اشارہ کر دیا سبب صمم کی طرف یعنے حسد کے سبب اُس کے کانون تک آوازِ عام حق کی نہین پہونچی کما قال تعالے اولٰئک الذین لعنہم اللہ فاصمہم الآیۃ حاصلِ ملامت یہ ہوا کہ وہ تو بہرا ہوگیا ہے آگے یہی ملامت ہے دوسرے عنوان اور مثال سے جسکا حاصل یہ ہے کہ اندھا بھی ہے کما فی الآیۃ السابقۃ بعد فاصمہم واعمٰی ابصارہم پس فرماتے ہین کہ اس جاہل مرکب کی ایسی مثال ہے کہ جیسے) اُس کے مُنھ پر کوئی پھول مارتا ہے جو کہ (بالکل) تازہ ہے (اور) وہ اندھے ہونے کے سبب کہتا ہے کہ یہ تکلیف (کی چیز) کیا ہے (حالانکہ پھول کے لگنے سے تو شمّاً ولمساً ہر طرح فرحت ہی ہوتی ہے اور اس کی ایسی مثال ہے جیسے کسی کے) حور (نازو لطف کے ساتھ) چٹکی لیتی ہے (شکنجیدن بکسر اول وضم دوم گرفتن عضوے باشد بسر ناخن کذا فی الغیاث) اور اوس کا ہاتھ (پکڑ کر اپنی طرف) کھینچتی ہے (مگر) اندھا حیران ہے کہ کس وجہ سے مجھکو تکلیف دے رہی ہے (اور وہ اندھا یہ سوچ رہا ہے کہ) یہ کھینچا تانی میرے ہاتھ اور بدن پر کیا ہو رہی ہے (اور جھنجھلا کر کہتا ہے کہ) مین تو سو رہا تھا (یہ کون پکڑ رہا ہے) چھوڑ دے تاکہ مین سو رہون (حقیقت شناس اوسوقت اوس کو نصیحۃً متنبہ کرتا ہے کہ ارے) جسکو تو خواب مین تلاش کرتا ہے (یعنے اس تمنا مین سوتا ہے کہ شاید حور کو خواب ہی مین دیکھون یہ) وہی ہے۔ آنکھ تو کھول کہ وہی ماہِ مبارک قدم ہے (اندھے سے مراد چونکہ دل کا اندھا ہے اس لیے چشم کہنا مین کچھ اشکال نہین پس یہی حال ہے مُعرِض عن الحق بعد مجیٔ الحق کا کہ بجاے ممنون وشاکر ہونے کے بالعکس اوس کو ناگوار سمجھتا ہے جسکی وجہ جہل عن معرفۃ الحق ہے ان سب مثالون سے مضمون ملامت ظاہر ہے اور یہ سب حالت اُمتِ دعوت بلا اجابت کی تھی آگے اُمتِ اجابت کی حالت مذکور ہے بطور تفریع بر امثلۂ سابقہ کے یعنی جب معلوم ہوا کہ احکام کا مخاطب ومکلف بنانا گو نفس کو ناگوار ہو باعتبار واقع کے ایسا لطف ہے جیسے کسی کو حور ہاتھ پکڑ کر کھینچے اور وہ ناگواری نفس کی بوجہ جہل کے ایسی ہے جیسے حور کا کھینچنا کسی اندھے کو ناگوار گذرے اور اوس کے لطف ہونے کی عِلت مین احکامِ تشریعیہ وتکوینیہ متماثل ہین اس سے معلوم ہوا کہ بشرطِ ایمان تکوینی بلاؤن کا آنا بھی علامتِ مقبولیت ومحبوبیت کی ہے پس اس مضمون کو اس شعر مین فرماتے ہین کہ) اس سبب سے بلیّات مقبولین پر زیادہ ہوتی ہین۔ کہ یہ چھیڑ چھاڑ محبوب نے اہل حُسن سے کی ہے (اور) وہ (محبوب) چھیڑ چھاڑ اہل حُسن سے ہر راہ (سلوک) مین کیا کرتا ہے (یعنے قاعدہ ہے محبوبون کا کہ جن کو حُسن صورت یا حُسن سیرت کے سبب چاہا کرتے ہین اون سے

نوک جوک کیا کرتے ہین چنانچہ مشاہد ہے نیز چھوٹے بچون کے ساتھ یہ معاملہ بکثرت ہوتا ہے پس یہ بلیات بھی محبوب حقیقی کی چھیڑ ہے جو علامت ہے اہل بلا کے مورد لطف اور موصوف بالحسن المعنوی عند اللہ ہونے کی پس اس کی قدر کرنا چاہیے اور در ہر رہے الخ مین اشارہ کر دیا ہے عموم للاحکام التشریعیۃ والتکوینیۃ کی طرف کیونکہ سلوک دونون کے مجموعہ سے ہوتا ہے اور احکام تکوینیۃ مین ایمان کی شرط اس لیے ہے کہ محبوبیت ایمان پر موقوف ہے تو بدون موقوف علیہ کے صرف علامت یعنی احکام تکوینیہ محبوبیت مین کب کافی ہو سکتے ہین پس اس مین اُمتِ اجابت کا حال مذکور ہو گیا آگے ایک شبہہ کا جواب ہے وہ یہ کہ جب بلیات علامت محبوبیت کی ہے اور اسی کی تائید و توضیح مثال سے کی گئی ہے پھر یہ بلیات مبغوضین یعنی کفار پر کیون آتی ہین اوس کا جواب دیتے ہین کہ ہان (کبھی کبھی وہ محبوب) اندھون کو بھی پریشان کر دیتا ہے (اسطرح ہے کہ) اپنے کو کسی (کسی) وقت ان اندھون کے ہاتھ مین بھی دے دیتا ہے (یعنی مثلاً اپنا ہاتھ اون کی گردن مین دیدیا کہین اون کے ایک لات ماردی کبھی اونکا ہاتھ پکڑ کر کھینچ لیا) تاکہ اندھون کے محلہ سے شور و غل بلند ہو (یعنی غل مچا دین کہ میان یہ کون ہے کیون دق کر رکھا ہے جیسے محبوبون کو کبھی کبھی ایسا کرتے ہوے بھی دیکھا جاتا ہے کہ محض تفریحًا اجنبی لوگون کو بھی جبکہ وہ اندھے ہون چھیڑا کرتے ہین حاصل جواب کا یہ ہوا کہ اکثر تو وہی ہے جو اوپر مذکور ہوا کہ مقبولین پر بلائین نازل کرتے ہین لیکن کبھی کبھی مبغوضین کو بھی مبتلا کرتے ہین کسی مصلحت و حکمت سے اور تشبیہ سے یہ نہ سمجھا جاوے کہ یہان بھی محض تفریح ہے محبوبِ مخلوق مین تو تفریح ہی مصلحت ہو سکتی ہے اور حضرتِ حق مین مصلحت وہی امر ہو سکتا ہے جو واقع مین حکمت ہو اور یہان سے میرے اوس اشتراطِ ایمان کی تائید ہو گئی معلوم ہوا کہ محض احکام تکوینیہ علامتِ قبول یقینی نہین اکثری ہو سکتی ہے) ف فی الغیاث تجمش بازی و عشق ورزیدن کسے۔ شورانیدن پریشان کردن۔ فی الحاشیہ لاغ بازی و ہزل ظرافت ف یہان تک قصہ بلالؓ کا ختم ہو گیا آگے قصہ حضرت بلالؓ کا بیان کرینگے اور وجہ مناسبت دونون قصونکی یہ ہی ہے یعنی قصہ بلالؓ سے اوپر جو فرمایا تھا ع تاجرانِ انبیا راکُن سَنَد جن سے مراد طالبانِ حق تھے جنکو انبیاء علیہم السلام نے طریقہ تجارت کا سکھلایا تھا اُن تاجرونمین سے ایک حضرت صدیق ایک حضرت بلالؓ تھے اور اون ہی مین سے ایک حضرت ہلالؓ ہین کہ وہ بھی باوجود اپنے آقا کی خدمت مین مشغول ہونے کے دل سے تمام اوقات اور ظاہر مین بھی کچھ نہ کچھ وقت نکالکر طاعتِ مولیٰ حقیقی مین مشغول رہتے تھے باوجودیکہ اُنکی اِس طاعت کی کسی مخلوق کی نظر مین قدر نہ تھی حتی کہ وہ بیمار ہوے تو اصطبل مین پڑے تھے مگر حق تعالیٰ نے یہ قدر کی کہ وہان ہی اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو عیادت کیلیے بھیجا اور اسی اتحاد وجہ مناسبت ہر دو قصہ کے سبب قصہ ہلالؓ کو اس عنوان سے شروع کیا ہے ؎ چون شنیدی بعضے از قصہ بلالؓ ۔ بشنو اکنون قصۂ ضعفِ ہلالؓ جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ دونون کوئی وجہ جامع ہے اور وہ وہی ہے جو اس ف کے اول مین عرض کیا گیا واللہ اعلم۔

تم النصف من العشر الثالث وبہ تم الربع الاول من الدفتر السادس

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلنِّصفُ الثّانی مِنَ العُشرِ الثّالث

قصۂ ہلالؓ کہ بندۂ مخلص بود خدا ے را پنہان شدہ در بندگی مخلوق چنانکہ لقمان و یوسف علیہما السلام و این ہلالؓ بندۂ سائس بود مر امیرے را و آن امیر مسلمان بود اما چشم کور بود۔

ف استیعاب مین اس نام کے دو صحابی لکھے ہین عجب نہین کہ یہ وہ ہون جنکی نسبت یہ لکھا ہے بلال بن الحارث ویقال ہلال بن ظفر ابو الحمرا مولی النبی صلے اللہ علیہ وسلم غلبت علیہ کنیتہ ص ۶۱۵ و ص ۶۵۱۔ اور گو انکو مولی النبی صلے اللہ علیہ وسلم لکھا ہے اور مثنوی مین کسی امیر کا مملوک لکھا ہے گر ممکن ہے کہ حضورؐ نے کسیوقت انکو خرید کر آزاد فرمادیا ہو اس احتمال سے زیادہ مجکو اور کوئی امر محقق نہین ہوا واللہ اعلم اور یہ شبہہ کہ وہ آقا جب مسلمان تھا تو صحابی تھے اونکی تحقیر چشم کور کے وصف سے کیسے درست ہوا سطرح مدفوع ہے کہ مقصود بیان واقع ہو تحقیر نہوا اور مراد چشم کور سے یہ ہو کہ ہلال کی عظمت کی خبر نہ تھی سو یہ کوئی تحقیر نہین اور اسی طرح قصہ مین اس مولیٰ کی نسبت کہا گیا ہے بلیسانہ نظر اس سے بھی مراد چشم ظاہر بین ہین بطور واقعہ کے نہ کہ ذم کے واللہ اعلم

چون شنیدی بعضی از قصه بلالؓ
جب تو بلالؓ کے بعض اوصاف سُن چکا

بشنو اکنون قصه ضعف هلالؓ
تو اب ہلالؓ کے ضعف کا قصہ بھی سُن لے

از بلالؓ او بیش بود اندر روش
وہ بلالؓ سے بھی زیادہ تھے سلوک مین

خوی بد را بیش کرده بد کنش
انہون نے اخلاقِ ذمیمہ کی زیادہ مخالفت کر رکھی تھی

نی چو تو پس رو که هر دم پستری
تیری طرح نہین کہ ہر ساعت پیچھے ہی ہٹتا جاتا ہے

سوی سنگی میروی از گوهری
تحجّرّیت کیطرف جا رہا ہے جوہریت سے

در تقریر همین معنی

همچنان کان خواجه را مهمان رسید
جس طرح ایک صاحب کے پاس ایک مہمان پونچا

(آن چنان)

خواجه از ایامِ سالش بر رسید
اُس نے اسکے ایامِ عمر سے سوال کیا

گفت عمرت چند سال ست ای پسر
کہا کہ بیٹا تیری عمر کتنے سال کی ہے

باز گو و در مدزد و بر شمر
بیان کر۔ اور سرقہ مت کر۔ اور شمار کر

گفت هژده هفده یا خود شانزده
مہمان نے کہا کہ اٹھارہ۔ سترہ۔ یا خود سولہ

یا که پانزده ای برادر خواه ده
یا کہ پندرہ اے بھائی خواہ دس

گفت واپس واپس ای خیره سرت
اُسنے کہا کہ اور پیچھے اے شخص کہ تیرا دماغ پریشان ہو

باز میرو تا بفرج مادرت
اپنی ماں کی شرمگاہ تک چلا جا

ایضاً در تقریر همین سخن

آن یکی اسپی طلب کرد از امیر
ایک شخص نے کسی امیر سے ایک گھوڑا طلب کیا

گفت رو آن اسپِ اشهب را بگیر
اُسنے کہا جا وہ سفید گھوڑا لے لے

گفت آن را من نخواہم گفت چون
کہنے لگا کہ مین اُسکو نہین چاہتا۔ پوچھا کہ کیون

گفت اُو واپس روست وبس حرون
کہنے لگا کہ وہ تو پیچھے کو چلتا ہی اور بڑا منہ زور ہی

سخت پس پس میرود او سُوے بُن
بہت زیادہ پیچھے ہی پیچھے کو چلا جاتا ہی دُم کی طرف کو

گفت دُمش را بسوے خانہ کن
اُسنے کہا کہ تو اُسکی دُم کو گھر کیطرف کر لیا کر

دُم این استورِ نفست شہوتست
تیرے اس بہیمہ نفس کی دُم شہوت ہے

زان سبب پس پس رود آن خود پرست
اس سبب وہ خود پرست پیچھے ہی پیچھے کو چلا کرتا ہے

شہوتِ او را کہ دُم آمد زبُن
اُسکی شہوت کو کہ دُم واقع ہوئی ہے۔ اصل سے

اے مُبَدَّل شہوتِ عُقبیٰ اَش کن
اُس شہوت کو اے مخاطب مبدل بہ شہوت عقبیٰ کر دے

چون بہ بندی شہوتش را از رغیف
جب تو اُسکی خواہش کو روٹی سے بند کرے گا

سر کند آن شہوت از عقلِ شریف
تو وہ خواہش عقل شریف سے ظہور کرے گی

ہمچو شاخے کِش ببرّی از درخت
جیسے کسی شاخ کو تو درخت سے قطع کر دے

سر کند قُوَّت ز شاخ اے نیکبخت
تو اور شاخ سے قوّت ظہور کرتی ہی اے نیکبخت

چونکہ کردی دُم او را آن طرف
جب تو نے اُسکی دُم کو اُس طرف کر دیا

گر رود پس پس رود تا مُکتَنَف
اگر وہ پیچھے کو ہٹتا چلا جاویگا تب بھی محلِ پناہ کیطرف جا پہونچے گا

حَبَّذا اسپانِ رامِ پیش رَو
وہ گھوڑی بہت اچھے ہین جو منقاد ہین۔ آگے کو بڑھتے چلے جاتے ہین

نے سپس رَو نے حَرُونی را گرَو
نہ تو پیچھے ہٹنے والے ہین۔ نہ سرکشی کے مقید ہین

گرم رَو چون جسمِ موسیٰ کلیم
تیز رو ہین مثل جسم موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کے

تا بہ بحرَینش چو پہنائے گلیم
کہ مجمع البحرین تک اُنکو مثل عرض کمل کے تھا

هست هفصد ساله راه آن حُقب	**که بکرد او عزم در سیران حب**
اُس حُقب سے مراد سات سو سال کا رستہ ہے	جسکا اُنہون نے عزم کیا تھا سیر محبت مین
همتِ سیرِ تنش چون این بود	**سیرِ جانش تا به علیین بود**
جب اُنکی سیرِ جسم کی یہ ہمت ہے	تو اُنکی سیرِ رُوح تو اعلےٰ علیین تک ہوگی
شهسواران در سباقت تاختند	**خربطان در پایگاه انداختند**
شہسوار تو سبقت مین دوڑنے لگے	احمقون نے اپنے کو اسفل مین ڈال دیا

در تقریر این معنی

آنچنانکه کاروانے میرسید	**در دهے آمد درے را باز دید**
جیسے کہ ایک قافلہ آرہا تھا	ایک گاؤن مین آیا۔ ایک دروازہ کھلا ہوا دیکھا
آن یکے گفت اندرین برد العجوز	**بار اندازیم این جا چند روز**
ایک نے کہا کہ اِس سرماے سخت مین	ہم چند روز کے لیے یہان اپنا اسباب اُتار دین
بانگ آمد نے بنه از برون	**وانگهانے اندر آ تو اندرون**
آواز آئی کہ نہین۔ باہر ڈال دے	اور اُس وقت تو اندر آجا
هم برون افگن هرانچه افگندنی ست	**در میا با آن که این مجلس سنی ست**
تو بھی باہر پھینکدے جو کچھ پھینکنے کے لائق ہے	اوسکو لیکر مت آ کیونکہ یہ مجلس عالی ہے

جب تو بلالؓ کے بعض اوصاف سُن چُکا تو اب ہلالؓ کے ضعف کا قصّہ بھی سُن لے ذکر دونون مین تجارتِ آخرت امر مشترک ہے کما ذکر فی آخر شرح الاشعار السابقہ اور ضعف سے مراد یا تو مجاہدہ فی سبیل اللہ ہے غالبًا اس کے لیے ضعفِ جسمی لازم ہے اور یا ضعفِ مرض ہے کہ آگے اونکے مرض کا قصہ آویگا تو اس صورت مین خود بیانِ ضعف مقصود نہ ہوگا بلکہ اس ضعف پر جو اثر مرتب ہوا یعنے عیادت نبوّیہ اوس اثر کا منشاء اصلی

یعنے تجارت آخرت مقصود بالبیان ہوگا اور صنعت اور ہلال کے تناسب سے لطافت کلام کا بڑھ جانا ظاہر ہی) وہ (ہلال بعض وجوہ سے) بلالؓ سے بھی زیادہ تھے سلوک (طریق) مین (اور) اونھون نے اخلاق ذمیمہ کی زیادہ مخالفت کر رکھی تھی (کنش بفتح اول وکسر نون وشین معجمہ بمعنے کینہ کذا فی الغیاث ومیگویم کہ مراد از کینہ مخالفت باشد آور بعض وجوہ کی قید سے افضلیت من کل الوجوہ کا شبہہ مرتفع ہو گیا کہ اوس کے لیے دلیل قوی کی حاجت ہے اور مولانا کو کسی طریق سے یہ فضیلت جزئیہ معلوم ہوئی ہو گی جسکی تعیین مجھکو معلوم نہین اور وہ) تیری طرح نہین (تھے) کہ ہر ساعت پیچھے ہی ہٹتا جاتا ہی (یعنے بجاے اصلاح کے فساد اعمال و اخلاق مین ترقی کرتا ہے اور) حجریت کی طرف جارہا ہے جو ہریت سے (یہ بیچ مین ناظر کتاب کو تنبیہ ہے کہ ترقی اصلاح مین ہلالؓ کا اقتدا کرنا چاہیے آگے ایک حکایت سے اس پیچھے ہٹنے کی ایک مثال ہی کہ) جسطرح ایک صاحب کے پاس ایک مہمان پہونچا اوس نے اوس (مہمان) کے ایام عمر سے سوال کیا (اور) کہا کہ بیٹا تیری عمر کتنے سال کی ہی بیان کر اوسمین) سرقہ (یعنے اخفار) مت کر اور (اوسکو) شمار کر (کے تبلا دے) مہمان نے کہا کہ اٹھارہ (سال یا) سترہ یا خود سولہ (ہونگے) یا کہ پندرہ (ہون) اے بھائی خواہ دس ہون (یا نزدہ بضرورت شعر باسقاط الف پڑھا جاویگا) اوس (میزبان) نے کہا کہ اور پیچھے اور پیچھے (ہٹتا چلا جا) اے شخص کہ تیرا دماغ پریشان ہی (اور پیچھے ہٹتا ہٹتا) اپنی ماں کی شرمگاہ تک چلا جا (پس اسیطرح صلاح سے فساد کی طرف تیرا ہٹنا ہے اسیطرح ایک اور حکایت ہی جسمین اس پس روی کی ایک لطیف تدبیر کی طرف اشارہ بھی ہے کہ) ایک شخص نے کسی امیر سے ایک گھوڑا طلب کیا۔ اوس نے کہا جا وہ سفید گھوڑا جا لے لے۔ کہنے لگا کہ مین اوسکو نہین چاہتا۔ پوچھا کہ کیون کہنے لگا کہ وہ تو پیچھے کو چلتا ہے اور بڑا منہ زور ہے۔ بہت زیادہ پیچھے ہی پیچھے کو چلا جاتا ہے دُم کی طرف کو (یہانتک تو پس روی کی مثال ہی آگے بقیہ حکایت مین اسکی ایک لطیف تدبیر کی طرف اشارہ ہے وہ بقیہ حکایت یہ ہی کہ) اوس (امیر) نے کہا کہ تو اوسکی دُم کو (اپنے) گھر کی طرف کر لیا کر (تاکہ وہ ہٹتا ہٹتا گھر کو پہونچ جاوے جو کہ تیرا مقصود ہی آگے جواب میر مین اوس تدبیر کی طرف اشارہ ہے جسکی تقریر آتی ہے چنانچہ آگے اول حکایت کے پہلے جزو یعنی پس روی کی تطبیق اور پھر بقیہ حکایت یعنی اوس تدبیر لطیف کی تقریر مذکور ہے یعنی اسیطرح) تیرے اس بہیمہ نفس کی دُم شہوت (لذات کی) ہی اس سبب وہ خود پرست پیچھے ہی پیچھے کو چلا کرتا ہی (کیونکہ اکثر شہوات مذموم اور مبعد عن الدین ہین یہ تو مثال ہوئی پس روی کی اب تو یہ تدبیر کر کہ) اوس (نفس) کی شہوت (و رغبت لذات) کو کہ (بمنزلہ) دُم (کے) واقع ہوئی ہے اصل (وضع) سے (یعنی جو نسبت اصل وضع مین دُم کو ہی کہ بقیہ اعضاء سے اوسکو تاخر حسی ہی یہی نسبت شہوت کو بقیہ ملکات سے ہی کہ اورون سے اوسکو تاخر رتبی ہے اگر مذموم ہی تب تو ظاہر ہے اور اگر مشروع ہی تب بھی امور نفسانیہ رتبہ مین محض امور روحانیہ وعقلیہ سے مؤخر ہی ہین کہ افضلیت منشار کی فی نفسہ مقتضی ہے افضلیت ناشی کو پس) اوس شہوت کو اے مخاطب مبدل بہ شہوت عقلی کر دے (حاصل تدبیر کا یہ ہے کہ نفس کے میل الی الشہوات کا ازالہ ضرور نہین

اس میل کو باقی رکھکر شہوات و لذاتِ آخرت مثل حور و قصور و ثمار و اطعمۂ جنت کی طرف منصرف کردے جیسے
اوس امیر نے مشورہ دیا تھا کہ دُم کو گھر کی طرف متوجہ کردے اسی طرح مطلق شہوت کو کہ بمنزلۂ دُم کے ہے
کما مر تقریر تشبیہ دار اصلیہ کی طرف منعطف کردے اور آخرت کی لذات کو یاد کرکے نفس کو اوسکی تحصیل مین
لگادے آگے اسی کی توضیح ہے کہ) جب تو اوسکی خواہش کو روکیگا (یعنی لذات جسمانیہ کے انہماک) سے
بند کریگا۔ تو وہ خواہش عقل شریف (کی راہ) سے ظہور کریگی۔ (یعنے وہ خواہش ایسے امور کے ساتھ متعلق
ہوگی جو عقل معاد کے مقتضیات ہین مراد اس سے لقائے آخرت ہین اور اس ظہور مذکور کی ایسی مثال ہی
کہ) جیسے کسی شاخ کو تو درخت سے قطع کردے۔ تو اور شاخ سے قوت ظہور کرتی ہی اسے نیک بخت (یعنی ور
اچھی شاخین نکلتی ہین جیسا کہ شاخ قلم کرنے کا خاصہ ہی اسی طرح جب تو نے شہوت دنیا کو قطع کیا تو اوس سے
اچھی رغبت کہ وہ آخرت کی رغبت ہے ظہور کرتی ہے آگے عود ہے مضمون شہوت اور اٰلخ کی طرف کہ) جب
تو نے اوس (نفس) کی دُم (یعنی شہوت) کو اوس طرف (یعنی آخرت کی طرف متوجہ) کردیا (وجہ تشبیہ شہوت
کی دُم کے ساتھ اوپر گذر چکی ہے تو اس حالت مین) اگر وہ پیچھے کو ہٹتا چلا جاویگا (یعنی اتباع شہوت ہی کریگا)
تب بھی محل پناہ کیطرف جا پہونچے گا (مراد آخرت ہے کیونکہ اُسوقت وہ شہوت آخرت کی ہوگی تو اوسکا موصل الی
الآخرۃ ہونا ظاہر ہے آگے بعد مذمت ناکص علی العقبین کے مقابلہ مین مدح ہے سابق الی المقصود کی پس فرماتے
ہین کہ) وہ گھوڑے (یعنی نفوس جیسے اوپر نفس کو ستور کہا ہے اس شعر مین دُم این ستور نفست الخ) بہت اچھے
ہین جو (راکب یعنی سالک کے) منقاد ہین (اور مقصود کی طرف) آگے بڑھتے چلے جاتے ہین۔ نہ تو پیچھے ہٹنے
والے ہین (یعنے صاحب شہوت مذمومہ نہین اور) نہ سرکشی کے مقید ہین (یعنی صاحب غضب و کبر نہین اور گو
اتباع شہوت کی حالت مین بھی قرب الی المقصود کے لیے ایک تدبیر ذکر کی گئی ہے لیکن اوسکو بانتظر الی المعنی
پس روی نکہا جاویگا کیونکہ جو معنے ہین پیش روی کے یعنی قرب من المقصود وہ اس پس روی صوری یعنے
اتباع مطلق شہوت و لو محمودۃً مین حاصل ہی پس اس شعر مین پس روی سے مراد حقیقی پس روی ہی یعنے
وہ شہوت مذمومہ کا اتباع نہین کرتے بلکہ وہ مقصود کی طرف) تیز رو ہین مثل جسم موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کے
کہ مجمع البحرین تک (کا فاصلہ) اونکو مثل عرض کبل کے (معلوم ہوتا) تھا (یعنی عالی ہمتی سے وہ مسافت
اسقدر کم معلوم ہوتی تھی اور لفظ پہنا مین یہ لطافت ہے کہ عرض کم ہوتا ہے طول سے تو اس مین بہت ہی
مبالغہ ہوا یہ اشارہ ہی موسیٰ علیہ السلام کے اس ارشاد کی طرف لا ابرح حتی ابلغ مجمع البحرین او امضی حقبا
جس سے اونکی عالی ہمتی صاف معلوم ہوتی ہے کہ اگر زمانۂ دراز تک بھی کہ مراد حقب سے بقرینۂ مقام یہی ہے
نہ کہ خاص معنے لغوی کہ اسّی سال وغیرہ ہین مجھکو چلنا پڑے تو مقصود تک پہونچنے کے قبل چلنا نہ چھوڑونگا ہی کو
آئندہ شعر مین فرماتے ہین کہ) اوس حقب (مذکور فی القرآن) سے مراد (بقرینۂ مقام) سات سو سال کا
رہتہ ہے (اس سے بھی مراد زمانۂ کثیر ہے گو اس سے بھی زیادہ ہو) جسکا اونھون نے عزم کیا تھا سیر محبت مین

(یعنی محبت مقصود مین کہ ملاقات ہے خضر علیہ السّلام کی آگے سیر جسم موسوی مذکور تھی) تو اگر تم رو چون جسم موسیٰ کلیمؑ سے ترقی کر کے سیر روح موسوی کا ذکر کرتے ہین کہ) جب اون کی سیر جسم کی یہ ہمت ہے۔ تو اونکی سیر روح تو اعلیٰ علیین تک ہوگی (مقصود تخصیص موسیٰ علیہ السلام کی نہین بلکہ مطلق سالک فی اللہ کا حکم بیان کرنا ہے جس کا اس مقام مین ذکر آرہا ہے حاصل یہ کہ) شہسوار تو سبقت مین دوڑنے لگے (اور مقصود تک پہنچتے ہوئے چلے اور) احمقون نے اپنے کو اسفل مین ڈالدیا (خر ابط لبط کلان و بمعنے احمق کذا فی الغیاث مراد احمق سے جو عقلِ دین نہین رکھتے کہ وہ اسفل یعنی مقام بُعد مین گرتے چلے جاتے ہین آگے ایک مثال کے ضمن مین ایک حالت مذکور ہے سابقین و منقلبین کی کہ وہی حالت مدار اعظم ہے قُرب سابقین و بُعد منقلبین کی پس فرماتے ہین کہ) یہ ایسی بات ہے جیسے کہ ایک قافلہ (کسی مقام سے) آرہا تھا (اور) ایک گاؤن مین آیا (اور) ایک دروازہ کُھلا ہوا دیکھا (اوس قافلہ مین سے) ایک نے کہا کہ اس سرمائے سخت مین (کہ سفر دشوار ہے) ہم چند روز کے لیے یہان اپنا اسباب وتار دین (اور ٹھہر جاوین گاؤن مین سے کسی جواب دینے والے کی) آواز آئی کہ نہین (اندر اسباب لانے کی اجازت نہین اسباب تو) باہر ڈالدے اور اوسوقت تو اندر (گاؤن مین) آجا (کسی مصلحت سے اونھون نے یہ تجویز کیا ہوگا جیسے اب بھی بعض لوگ مسافرون کا سامان رکھنے سے ڈرتے ہین کہ کوئی نقصان ہوجاوے اور ہمارا نام ہو سو ظاہر ہے کہ اس موقع پر جس نے مال اور درخت سے محبت کی ہوگی وہ گاؤن مین نہ آسکا ہوگا اور جس نے مال کا تعلق چھوڑ دیا ہوگا وہ اندر آگیا ہوگا اسی طرح سابقین کی اور منقلبین کی حالت ہے کہ سابقین تو متاع فانی و غیر اللہ سے تعلق قطع کر دیتے ہین اور مقصد صدق کی طرف سبقت کر کے وہان تک اون کی رسائی ہوجاتی ہے اور منقلبین غیر اللہ کی محبت سے پُر ہین اس لیے وہان تک اونکی رسائی نہین ہوتی چنانچہ آگے مولانا کے ارشاد مین اسکی تصریح ہے کہ جب یہ بات ہے تو) تو بھی باہر پھینکدے جو کچھ پھینکنے کے لائق ہے (یعنی محبت غیر کو جو کہ مانع ہے قلب سے نکالدے اور ہرانچہ مین اشارہ کر دیا استثنار ضروری شرعی کی طرف غرض لایعنی کو ترک کر دے اور) اوسکو لیکر (یہان) مت آ (یعنے نہین آسکتا) کیونکہ یہ مجلس (یعنی مقام قرب) عالی ہے (یہان غیر کے ساتھ گذر نہین ہوتا یہانتک یہ سب مضمون مرتبط چلا آیا اوس شعر کا تتمہ جو تو پس رو کہ ہر دم پستری الخ آگے عود ہے قصہ ہلالؓ کی طرف) ف برد عجوز سرمائے سخت ست کہ در ایام ہفت یا ہشت می شود سہ روز از ماہے کہ آفتاب در قوس باشد و باقی از اول ماہے کہ آفتاب در جدی باشد و درین ایام سرما شدید می شود کذا فی الحاشیۃ چون این روزہا در آخر زمستان واقع شدہ لہذا برد عجوز نامند چہ برد بمعنے سرما و عجوز بمعنے پیرزن کذا فی الغیاث گویم پیرزن ہم در آخر عمر خود می باشد فافہم

رجوع بقصۂ ہلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ

بُد ہلالِ اُستادِ دل جان روشنے
بلال ایسے تھے کہ اُنکا قلب استاد تھا۔ اُنکی روح نورانی تھی

سائس و بندہ امیرِ مومنے
وہ سائیس تھے اور کسی مسلمان آقا کے غلام تھے

سائسی کردے در آخر آن غلام
وہ غلام آخور مین سائیسی کرتے تھے

لیک سلطانِ سلاطین بندہ نام
لیکن بادشاہون کے بادشاہ تھے۔ نام غلام تھا

سائسِ اسپان و نفسِ خویش ہم
گھوڑون کے بھی سائیس تھے اور اپنے نفس کے بھی

از فراوان کس شدہ در پیش ہم
بہت سے آدمیون سے سابق ہو گئے تھے

آن امیر از حالِ بندہ بے خبر
وہ آقا غلام کے حال سے بے خبر تھا

کہ نبودش جز بلیسانہ نظر
کیونکہ اُسکی نگاہ صرف ابلیسانہ تھی

آب و گل میدید و در وے گنج نے
آب و گل کو دیکھتا تھا اور اُسکے اندر خزانہ نہین دیکھتا تھا

پنج و شش میدید و اصلِ پنج نے
پنج و شش کو دیکھتا تھا اور پنج کی اصل نہین دیکھتا تھا

رنگِ طین پیدا و نورِ دین نہان
طین گل رنگ تو ظاہر ہوتا ہے اور دین کا نور پوشیدہ ہوتا ہے

ہر پیمبر این چنین بُد در جہان
ہر پیغمبر جہان مین ایسے ہی ہوئے ہین

آن منارہ دید و بر وے مرغ نے
اُس نے تو منارہ کو دیکھا اور اُسپر مرغ نہین ہے

بر منارہ شاہبازِ پُر فنے
منارہ پر ایک شاہبازِ پُر فن موجود ہے

وان دوم می دید مرغے پر زنے
اور وہ دوسرا شخص مرغ پرزن کو بھی دیکھتا رہا تھا

لیک مُو اندر دہانِ مُرغ نے
لیکن مُرغ کے مُنہ مین بال نہین ہے

وانکہ او ینظر بنورِ اللہ بود
اور جو شخص کہ ینظر بنور اللہ ہے
ہم ز مرغ و ہم ز مو آگہ بود
وہ مرغ سے بھی اور بال سے بھی آگاہ ہوتا ہے

گفت آخر چشم سوی موی نِہ
بولا کہ آخر بال کی طرف بھی تو نگاہ رکھ
تا نہ بینی مو نہ بکشاید گرہ
جب تک تو بال نہ دیکھے گا گرہ نہ کھلے گی

آن یکی گل دید نقشین در وحل
اُس ایک نے تو کیچڑ میں منقش طین ہی دیکھی
وان دگر دل دید پر علم و عمل
اور اُس دوسرے نے دل بھی دیکھا جو علم و عمل سے پُر تھا

تن منارہ علم و طاعت ہمچو مرغ
تن تو منارہ ہے۔ علم و عمل مشابہ مرغ کے ہے
خواہ سی صد مرغ گیر و یا دو مرغ
خواہ تین ہزار مرغ لے لو اور یا دو مرغ لے لو

مردِ اوسط مرغ بین ست او و بس
مردِ اوسط مرغ بین ہے اور بس
غیر مرغی می نہ بیند پیش و پس
بجز مرغ کے یہ اور کچھ پیش و پس نہیں دیکھتا

موی آن نوری ست پنہان آنِ مرغ
بال وہ نورِ باطن ہے خاص صفت مرغ کی
کہ بدان پایندہ باشد جانِ مرغ
کہ اُس سے قائم ہے جان مرغ کی

مرغ کان موئیست در منقارِ او
جس مرغ کی منقار میں وہ بال ہے
ہیچ عاریت نباشد کارِ او
بالکل عاریت نہیں ہے عمل اُس کا

علمِ او از جانِ او جوشد مدام
اُس کا علم اُس کے باطن سے ہمیشہ جوش مارتا ہے
پیشِ او نی مستعار آمد نہ وام
اُس کے نزدیک نہ مستعار ہے نہ قرض ہے

ہلال اگرچہ ایسے تھے کہ اونکا قلب دطریق حق کا) اُستاد (اور عالم ماہر) تھا (اور) اونکی روح (اوس طریق پر عمل کرنیسے) نورانی تھی (اور ظاہر میں) وہ گھوڑون کے) سائیس تھے اور کسی مسلمان آقا کے غلام تھے (کہ اوسی نے گھوڑونکی خدمت پر اونکو مقرر کر رکھا تھا غرض ظاہر میں) وہ غلام گھوڑون کے)

اخور مین سائیسی کرتے تھے لیکن (واقع مین دنیا کے) بادشاہون کے (بھی) بادشاہ تھے (گو) نام (اور لقب اونکا) غلام تھا (اور سلطان السلاطین کہنے سے جو ممانعت آئی ہے وہ اطلاق کی صورت مین ہے کہ اس درجہ مین اوسکا مستحق صرف اللہ تعالیٰ ہے اور تقیید بالدنیا وغیرہ کی تقدیر پر ممنوع نہین خواہ وہ تقیید ملفوظ ہو یا بقرینہ مقام مراد ہو جیسا یہان ترجمہ مین اشارہ کیا گیا اور وہ) گھوڑونکے بھی سائیس تھے اور اپنے نفس کے بھی (سائیس) تھے (کہ نفس کی اصلاح و تہذیب کرتے تھے جسطرح گھوڑون کو شایستہ کرتے ہین اور) بہت سے آدمیون سے (مجاہدہ اور رتبہ مین) سابق ہو گئے تھے (مگر باوجود اس کے) وہ آقا (اس) غلام کے حال سے بے خبر تھا کیونکہ اوسکی نگاہ (اس خاص اعتبار سے) صرف ابلیسانہ تھی (کہ جس طرح ابلیس نے آدم علیہ السلام مین صرف ماء وطین ہی دیکھا تھا اون کے کمالات باطنیہ نہ دیکھے تھے کما یدل علیہ قولہ أأسجد لمن خلقت طيناً اسی طرح یہ آقا بھی) آب و گل کو دیکھتا تھا اور اوس (آب و گل) کے اندر خزانہ (کمالات باطنیہ کا) نہین دیکھتا تھا (اور) پنج و شش کو تو دیکھتا تھا اور (اس) پنج (و شش) کی اصل (اور باطن) کو نہین دیکھتا تھا (پنج سے مراد پنج حواس اور شش سے مراد شش جہت یہ کنایہ ہے جسم مادی سے کیونکہ قویٰ حالہ فی الجسم اور تحیز کے ساتھ متصف ہونا خواص مادی سے ہے اور اصل پنج لنے مین بضرورت شعر ایجاز حذف ہے یعنی اصل پنج و شش نے اور مراد اس سے روح ہے یعنی جسم کو دیکھتا تھا اور روح کو جو کہ مجمع ہے کمالات باطنیہ کا نہ دیکھتا تھا اس اعتبار سے اوسکی نظر کو نظر ابلیس سے تشبیہ دی اور مقصود تحقیر نہین جیسا اس قصہ کے بالکل شروع مین بذیل ف کے بھی اسپر تنبیہ کی گئی ہے آگے قصہ سے انتقال ہے ارشاد کی طرف کہ) طین (و خواص جسم) کا رنگ تو ظاہر ہوتا ہے (سب کو نظر آتا ہے) اور دین (و کمالات باطنیہ) کا نور پوشیدہ ہوتا ہے (کہ ہر ایک کو اوسکا ادراک نہین ہوتا اور) ہر پیغمبر جہان مین ایسے ہی ہوتے ہین (کہ ظاہر بینون نے اونکے ظاہر کو دیکھکر اون کے حقوق مین کوتاہی کی اور اونکے کمالات کو نہین دیکھا اور اطاعت نکی یہی حالت انبیا کے ورثہ یعنی اولیا کی ہے آگے اس نظر ناقص کی اور مقابلہ مین نظر تام کی ایک تمثیل ہے یعنی ان مختلف نظر والون کی ایسی مثال ہے جیسے فرض کیا جاوے کہ ایک منارہ پر ایک پرندہ بیٹھا ہوا ہے اور اوس مقام پر کئی شخص ہین اور ہر ایک کی نظر مختلف ہو چنانچہ اونمین سے) اوس (ایک شخص) نے تو صرف منارہ کو دیکھا اور اوس (منارہ) پر (اوسکی نگاہ مین) مرغ نہین ہے (حالانکہ واقع مین) منارہ پر ایک شاہباز پرفن موجود ہے اور وہ دوسرا شخص (اوس) مرغ پرزن (یعنی صاحب طیران) کو بھی دیکھ رہا تھا لیکن (اوسکی نظر مین اوس) مرغ کے منھ مین بال نہین ہے (یعنے اوسکو مرغ تو نظر آتا ہے لیکن اوسکا بال نظر نہین آتا جو اوس کے دہان مین ہے اور یہان سے ساتوین شعر مین اس بال پر یہ حکم کیا ہے کان موئیست در منقارا و اور اوس کے قبل کے شعر مین اوسکی نسبت کہا ہی کہ بدان پاینده باشد جان مرغ پس اوس بال پر تین حکم

لگائے گئے ایک اوسکا دہن مین ہونا دوسرا منقار مین ہونا تیسرا اوس کے ساتھ جان مرغ کا متعلق ہونا
تومین نے اہل خبرت سے اسکی تحقیق کی یہ معلوم ہوا کہ اکثر پرندون کی باچھون مین باریک بال ہوتے ہین
چونکہ باچھ کنارہ ہوتا ہے دہان کا بھی اور منقار کا بھی اس لیے اس بال پر دونون پہلے حکم صحیح ہوے
اور ایک تجربہ کار نے بیان کیا کہ اس بال کے اوکھاڑنے کا پرندہ مین تو تجربہ نہین ہوا لیکن ایسے ہی
بال اسی موقع پر سانپ کے بھی ہوتے ہین اور اونکو زہر کی پوٹلی کے ساتھ اوکھاڑنے کا اتفاق ہوا ہے
جس سے بعضے سانپ مرگئے اور بعضے اندھے ہوگئے عجب نہین کہ پرندون مین بھی اون کے اوکھاڑنے کو
یہی اثر مرتب ہوتا ہو اور آنکھون کا جاتا رہنا بھی ایک طرح سے گویا جان ہی کا جاتا رہنا ہے پس اس طور
پر تیسرا حکم بھی صحیح ہوگیا یہ بیان ہوا دوسرے شخص کا جسکو مرغ نظر آیا مگر بال نظر نہین آیا) اور جو (تیسرا)
شخص کہ ینظر بنور اللہ (کا مصداق) ہے۔ وہ مرغ سے بھی اور بال سے بھی آگاہ ہوتا ہے (ہرچند کہ کسی
شخص کا اس بال کو دیکھ لینا ینظر بنور اللہ کے ساتھ متصف ہونیکو مستلزم نہین کہ وہ ایک امر محسوس
بالحواس الظاہرہ ہے لیکن جس چیز کو اس بال سے تشبیہ دینا مقصود ہے جسکا ذکر بیان سے پانچوین
شعر مین ہے موے آن نورلیست پنہان آن مرغ الخ جسکی تفسیر وہان آویگی وہ مدرک بنور القلب ہے
اس لیے اوسکے مدرک پر ینظر بنور اللہ کا حکم فرمایا غرض ان تینون شخصونکی نظر اس طرح سے مختلف ہوئی
اور ان تینون مین سے تیسرا شخص اوس دوسرے سے) بولا کہ آخر بال کی طرف بھی تو نگاہ رکھ (یعنے اوسکو
بھی تو دیکھ) جب تک تو بال نہ دیکھے گا گرہ نہ کھلے گی (یعنی مشکل حل نہ ہوگی کیونکہ حقیقت تامہ مخفی رہیگی اور
جن مشکلات کا حل ادراک حقیقت تامہ پر موقوف ہے وہ بھی حل نہ ہونگی جیسا کہ ظاہر ہے آور جب اس
تیسرے شخص کا دوسرے سے یہ خطاب ہے تو پہلے سے تو بدرجۂ اَوْلیٰ ہوگا کیونکہ اوسکو تو مرغ بھی نظر نہین
آیا مقصود اس خطاب ثالث للثانی وغیرہ کی حکایت سے اولین کی نظر کے ناقص ہونے پر تنبیہ ہے آگے
اس تمثیل کی تطبیق ہے کہ اسیطرح اہل کمال کو دیکھنے مین نظرین مختلف ہین کہ) اوس ایک (دیکھنے والے)
نے تو کیچڑ (سے بنے ہوے آدمی) مین (صرف) منقش طین ہی دیکھی (یعنے صرف مادۂ عنصریہ غالب الطین
جسمین اعضار کا نقش بنا ہوا ہے دیکھا اور کمالات باطنیہ نہ دیکھے) اور اوس دوسرے (دیکھنے والے) نے
(اوس مادہ کے اندر) دل بھی دیکھا جو علم و عمل سے پُر تھا (پہلا شخص تو مشابہ منارہ دیکھنے والے کے ہے اور
دوسرا شخص مشابہ مرغ دیکھنے والے کے کیونکہ جس طرح مرغ صاحب مو ہے اسیطرح قلب بواسطہ علم و عمل کے صاحب
نور ہے اور وہ نور مشابہ ہے مو کے جیسا کہ بیان سے چوتھے شعر مین آوے گا موے آن نورلیست الخ پس
اوسکا دیکھنے والا مشابہ تیسرے شخص کے ہے آگے اس تطبیق مذکور کی تقریر ہے کہ) تن تو (مشابہ) منارہ
(کے) ہے (اور) علم و عمل (جس سے قلب کو اوپر پُر کہا ہے) مشابہ مرغ کے ہے (یہ اشکال نہ کیا جاوے
کہ اوپر تو قلب کو مشابہ مرغ کے کہا ہے اور یہان علم و عمل کو مرغ کے مشابہ کہتے ہین بات یہ ہی کہ مقصود تشبیہ دینا

قلب ہی کو ہے چونکہ وجہ تشبیہ کی اوس کا حامل ہونا ہے علم وعمل ظاہری کے لیے جسطرح مرغ حامل ہوتا ہے
اعضاء ظاہری کے لیے پس بیان مدار تشبیہ کو مبالغۃً ومجازاً مرغ سے تشبیہ دیدی اور حقیقت اسکی علم و
عمل کو مرغ کے اعضاء سے تشبیہ دینا ہی اور احقر نے علم وعمل مین ظاہری کی قید اسلیے لگائی کہ اس علم وعمل کی حقیقت اور روح کو
تو آگے تشبیہ دی ہی موے مرغ کے ساتھ جسکو نور سے تعبیر کیا ہی اس آیندہ شعر مین موے آن نور لیست الخ آگے یہ بتلاتے ہین کہ یہ علم وعمل
ظاہری خواہ کسی درجہ کا اور کسی مقدار پر ہو درجۂ نور مین نہین ہی وہ علم وعمل مرغ کے اعضاء ظاہری کی شباہت نہین بڑھ سکتا پس
فرماتے ہین کہ ہم نے جو مصرعۂ اولی مین علم وطاعت ظاہری کو مشابہ مرغ کے یعنی مشابہ اعضاء ظاہری
مرغ کے کہا ہے کما ذکر تہ لقولی او رحقیقت اسکی علم وعمل کو الخ تو اوس علم وعمل کا خواہ کوئی درجہ لے لو یعنی)
خواہ تین ہزار مرغ لے لو اور یا دو مرغ لے لو (یعنے خواہ تو اوس کا عنوان کلی لے لو کہ وہ عدد مین دو ہین
ایک علم اور ایک عمل اور خواہ اوس کے جزئیات کثیرہ لے لو کہ فلان علم اور فلان علم الی ہآت وآلاف
اور فلان عمل و فلان عمل الی ہآت وآلاف ہر حال مین وہ درجہ تشبیہ اعضاء مرغ سے تجاوز کرکے درجۂ نور تک نہین پہونچتا
یہانتک دو اہل نظر کا بیان ہوا ایک گل بین مشابہ مستارہ بین دوسرا دل بین مشابہ مرغ بین آگے
اس دل بین کی تشبیہ کی تقریر ہے کہ یہ) مرد اوسط مرغ بین ہے اور بس بجز مرغ کے یہ اور کچھ بیش ولپس
نہین دیکھتا (مرد اوسط کہنا اسکو یا تو باعتبار ترتیب کری کے ہے کہ درجۂ مشبّہ مین بھی ثانیاً مذکور ہے
فی قولہ وان دگر دل دید اور آن یکے گل دید اولاً مذکور تھا اور آگے موے آن نور لیست ثالثاً مذکور
ہوگا اور درجۂ مشبہ بہ مین بھی یہ ثانیاً مذکور تھا فی قولہ وان دوم میدید مرغ اور منارہ بین اولاً تھا
فی قولہ آن منارہ دید اور مو بین ثالثاً مذکور تھا فی قولہ وانکہ او ینظر الخ اور یا اوسط کہنا باعتبار درجۂ
نظر کے ہے کہ نہ ایسا حدید النظر ہے کہ بال کو بھی دیکھ لیتا اور نہ ایسا فقید النظر ہے کہ صرف منارہ ہی
کو دیکھتا بلکہ متوسط النظر ہے کہ مرغ کو بھی دیکھ لیتا ہے آگے مو بین کی تشبیہ کی تقریر ہے کہ) بال (جس کا
اوپر ذکر ہوا ہے گویا) وہ نور باطن ہے (جو کہ) خاص صفت مرغ کی (ہے) کہ اوس سے قائم ہے
بان مرغ کی (یعنی وہ نور باطن کہ روح ہے علم وعمل کی اوسکی مثال اوس بال کی سی ہے جسکا اوپر ذکر
ہوا کہ اوسکے ساتھ مرغ کی حیات یا صحت والبستہ ہے اسی طرح اس نور کے ساتھ حقیقی حیات وحقیقی صحت
اوس صاحب نور کی والبستہ ہے پس اس نور کا ادراک کرنیوالا مشابہ مو بین کے ہے آگے فضیلت بیان
کرتے ہین اوس صاحب نور کی کہ) جس مرغ کی منقار مین وہ بال ہے (یعنے جسکو وہ نور مذکور حاصل ہی)
بالکل عاریت نہین ہے عمل اوس کا (اور جسطرح عمل اوسکا کسی سے مستعار نہین اسیطرح) اوسکا علم (بھی) اوسکی
باطن سے ہمیشہ جوش مارتا ہے (اور وہ جو) اوس کے نزدیک (ہے تو) نہ مستعار ہے (اور) نہ قرض ہے
(حکم مشترک دونون کا زوال ہے وقت واپسی کے اور مقصود نفی ہے زوال کی مطلب یہ ہوا کہ صاحب نور
کے علم وعمل مین رسوخ وثبات واستقامت ہے بخلاف محض صاحب ظاہر کے کہ علم اوسکا الفاظ واصطلاحات

ور عمل اوسکا محض حرکات وسکنات اور ظاہر ہے کہ ذرہ اہتمام مین قلّت ہوئی اور یہ رخصت ہوئے مثل عاریت وقرض کے پس ہلالؓ ایسا ہی نور رکھتے تھے مگر آقا کو اوسکا ادراک نہ تھا اس سیلیے اونکی قدر نکرتا تھا اور خدمت اصطبل پر مامور کر رکھا تھا کما مّر)

رنجور شدنِ ہلالؓ و بے خبریِ خواجہ از و بجہتِ حقارتِ اُو در نظرِ وے و واقف شدنِ مصطفیؐ و رفتن بعیادتِ اُو

ازقضا رنجور و ناخوش شد ہلالؓ

قضارا بیمار اور ناخوش ہو گئے ہلالؓ

مصطفیٰ را وحی شد غمّازِ حال

مصطفیٰ صلے اللہ علیہ وسلم کو وحی حال کی مظہر ہوئی

بُد ز رنجوریش خواجہ بے خبر

اُنکی بیماری سے آقا بے خبر تھا

کہ برِ اُو بُد کسا د و بے خطر

کیونکہ وہ اُسکے نزدیک کاسد اور بے قدر تھے

خفتہ نُہ روز اندر آخُر محسنے

نُو روز سے آخور مین ایک مخلص لیٹا تھا

ہیچ کس از حالِ وے آگاہ نے

کوئی شخص اُس کے حال سے آگاہ نہ تھا

آنکہ کس بود و شہنشاہِ کسان

جو شخص کہ شخص تھے اور سب شخصون کے بادشاہ تھے

عقل چون صد قلزمش ہرجا رسان

اُنکی عقل جو کہ سَو قلزم کے مثل تھی ہر جگہ پہونچتی تھی

وحیش آمد رحمِ حق غمخوار شد

اُن پر وحی آئی۔ رحمِ حق غمخوار ہوا

کہ فلان مشتاقِ تو بیمار شد

کہ آپ کا فُلان مشتاق بیمار ہو گیا

مصطفیٰ بہرِ ہلالؓ باشرف

مصطفیٰ صلے اللہ علیہ وسلم ہلالؓ باشرف کے لیے

رفت از بہرِ عیادت آن طرف

تشریف لے گئے بغرض عیادت کے اُس طرف

در پیِ خورشیدِ وحی آن مہ دوان
خورشیدِ وحی کے پیچھے پیچھے وہ چاند دوان تھا

وان صحابہ در پیش چون اختران
اور وہ صحابہ اسکے پیچھے مثل کواکب کے تھے

ماہ می گوید کہ اصحابی نجوم
ماہ فرماتا ہے کہ میرے اصحاب نجوم ہین

للسُّرٰی قدوہ وللطاغی رجوم
راہرو کے لیے قابل پیروی کے ہین اور شریرونکی لیے سبب رجم ہین

میر را گفتند کان سلطان رسید
امیر سے لوگون نے کہا کہ وہ بادشاہ آپہونچے

او ز شادی بے دل و جان بر جہید
وہ خوشی کے مارے بے اختیار اُچھلنے لگا

بر گمانِ آن ز شادی زد دو دست
اس گمان پر اُسنے خوشی سے دونون ہاتھ بجانے شروع کیے

کان شہنشہ بہرِ آن میر آمدست
کہ وہ شہنشاہ اُس امیر کے لیے تشریف لائے ہین

چون فرود آمد ز غرفہ آن امیر
جب وہ امیر بالاخانہ سے اوترا

جان ہمی افشاند پا مُزدِ بشیر
تو جان کو نثار کرتا تھا بشارت دینے والے کے صلہ مین

پس زمین بوس و سلام آورد او
پھر اُسنے زمین بوسی اور سلام ادا کیا

کرد رُخ را از طرب چون وَرد او
رُخ کو طرب سے مثل گلاب کے کر لیا

گفت بسم اللہ مُشرّف کن وطن
عرض کیا بسم اللہ مسکن کو مشرف کیجیے

تا کہ فردوسے شود این انجمن
تاکہ یہ انجمن فردوس ہو جاوے

تا فزاید قصرِ من بر آسمان
تاکہ میرا قصر آسمان پر فائق ہو جاوے

کہ بدیدم قطبِ دورانِ زمان
کہ مین نے دورۂ زمانہ کا قطب دیکھا ہے

گفتش از بہرِ عتاب آن محترم
اُس محترم نے اُس سے بغرضِ عتاب فرمایا

من برائے دیدنِ تو نامدم
کہ مین تیرے دیکھنے کے لیے نہین آیا ہون

گفت زوجم آن تو خود در وح چیست
اُس نے عرض کیا کہ میری جان آپ ہی کی ہے خود جان کیا چیز ہے
تا شوم من خاکِ پاے آن کسے
تاکہ مین اُس شخص کا خاکِ پا ہو جاؤن
چون چنین گفت اُو و نخوت را براند
جب اُس نے اِس طرح کی باتین کین اور نخوت کو دُور کر دیا
پس بگفتش کان ہلالِ عرش کو
پھر اُس سے فرمایا کہ وہ ہلالِ عرش کہان ہے
آن شہے در بندگی پنہان شدہ
وہ ایک بادشاہ ہے جو غلامی مین پنہان ہو رہا ہے
تو مگو کان بندہ و آخرچیِ ماست
تو یون مت کہنا کہ وہ تو ہمارا غلام اور ملازم آخور ہے
اے عجب چونست از سقم آن ہلال
اے تعجب بیماری سے وہ ہلال کیسا ہے
گفت از رنجش مرا آگاہ نیست
اُس نے عرض کیا کہ اُسکی بیماری سے مجکو آگاہی نہین ہے
صحبتِ او با ستور و اشتر ست
اُسکی بود و باش ستور اور خچر کے ساتھ ہے

ہین بفرما کین تجشم بہرِ کیست
ان یہ فرما دیجیے کہ یہ تکلیف فرمائی کس کے لیے ہے
کہ بلاغ لطف گستش مغرسے
جسکو آپکے باغِ لطف مین جاگیری حاصل ہے
مصطفےٰ ترکِ عتابِ او بگو اند
تو مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم نے اُسکے عتاب کو ترک فرمایا
ہمچو مہتاب از تواضع فرش کو
وہ جو مہتاب کیطرح تواضع کے سبب فرش ہے کہان ہے
بہرِ جاسوسی بدنیا آمدہ
جاسوسی کے لیے دنیا مین آیا ہوا ہے
این بدان کہ گنج در ویرانہ ہاست
یہ جان لینا کہ ویرانون مین خزانہ ہے
کہ ہزاران بدر ہستش پایمال
جسکے سامنے ہزارون بدر پایمال ہین
لیک روزے چند بر درگاہ نیست
لیکن چند روز سے مجلس مین نہین ہے
سائس ست و منزلش آن آخرست
وہ سائیس ہے اور اُسکی منزل وہ آخور ہے

رفت پیغمبر برغبت بہرِ او
پیغمبر رغبت کے ساتھ اُن کے لیے چلے

بود آخُر مظلم و زشت و پلید
وہ آخور تاریک اور زشت اور نجس تھا

بوے پیغمبر ببُرد آن شیرِ نر
اُس شیر نر نے پیغمبر کی خوشبو کو محسوس کیا

مُوجبِ ایمان نباشد معجزات
معجزات موجبِ ایمان نہین ہوتے ہین.

معجزات از بہرِ قہرِ دشمن ست
معجزات دشمن کے مغلوب کرنے کے لیے ہین

قہر گردد دشمن اَمّا دوست نے
دشمن مقہور تو ہو جاتا ہے مگر دوست نہین ہوتا

اندر آمد او ز خواب از بوے او
وہ نیند سے بیداری مین آئے آپکی خوشبو سے

از میانِ پاے اُستوران بدید
اُنھون نے ستورون کے پانون کو درمیانین سے دیکھا

پس ز کنجِ آخُر آمد غژغژان
پس گھسٹتے ہوے آخور کے گوشہ سے آئے

اندر آخُر آمد اندر جُستجو
آخور مین تشریف لائے۔ تلاش مین

وین ہمہ برخاست چون سید رسید
اور یہ سب دُور ہوگیا جب سید الخلق پہونچے

ہمچنانکہ بوے یوسفؑ را پدر
جسطرح کہ خوشبوی یوسفؑ کو باپ نے

بوے جنسیت کند جذبِ صفات
بوے جنسیت صفات کو جذب کرتی ہے

بوے جنسیت پےِ دل بُردن ست
بوے جنسیت دل لینے کے لیے ہے

دوست کے گردد ببستہ گردنے
گردن بندھا ہوا دوست کب ہوسکتا ہے

گفت سرگین دان درو زین گونہ بو
کہنے لگے کہ یہ سرگین دان۔ اُسمین اس طرح کی خوشبو؟

دامنِ پاکِ رسولِ بے ندید
دامنِ پاک رسولِ بے نظیر کا

روے بر پالش نہاد آن پہلوان
آپکے قدم پر چہرہ رکھدیا اُس پہلوان نے

پس پیمبر روے بر رویش نہاد ۔ بر سر و بر چشم و رویش بوسہ داد

پس پیغمبر نے اُنکے چہرہ پر اپنا چہرہ رکھدیا ۔ اُنکے سر اور آنکھون اور چہرہ پر بوسہ دیا

گفت یارا تا چہ پنہان گوہری ۔ اے غریب عرش چونی خوشتری

فرمایا کہ اے یار ہان تو کیسا مخفی گوہر ہے ۔ اے مسافر عرش تو کیسا ہے؟ اچھا بھی ہے؟

گفت چون باشد خود آن شوریدہ خواب ۔ کہ درآید در دہانش آفتاب

کہا کہ اُس پریشان خواب کا کیا حال ہوگا ۔ جسکے منہ مین آفتاب برآمد ہو جاوے

چون بود آن تشنۂ کو گل خورد ۔ آب بر سر بنہدش خوش می برد

اُس تشنہ لب کا کیا حال ہوگا جو کیچڑ کھا رہا ہو ۔ پانی اُسکو اپنی سطح پر رکھے ہو خوش خوش لے جا رہا ہے

قضارا بیمار اور ناخوش ہو گئے ہلالؓ۔ مصطفٰےؐ کو وحی (اونکے) حال کی مظہر ہوئی اونکی بیماری سے (اونکا) آقا بے خبر تھا۔ کیونکہ وہ اوسکے نزدیک کاسد اور بیقدر تھے۔ (اور) نوروز سے آخور مین ایک مخلص لیٹا تھا (مراد بلالؓ اور) کوئی شخص اوس کے حال سے آگاہ نہ تھا (اور دوسرون کا تو کیا ذکر) جو شخص کہ (کامل شخص تھے اور سب شخصون کے بادشاہ تھے (اور) اونکی عقل جوکہ (وسعت مین) بحر قلزم کے مثل (اور) ہر جگہ پہونچتی تھی (باوجود اس کے) اوپر (بھی) وحی آئی (تب اونکو خبر ہوئی اور قبل وحی اونکو بھی خبر نہ ہوئی حالانکہ قوت عاقلہ بحد کمال تھی وجہ یہ کہ منقولات مین تو نقل ہی کی حاجت ہے اور مرض کسیکا معقولات مین سے ہی نہین اور اوس وحی سے) رحم حق (ہلال کا) غمخوار ہوا (غمخواری ظاہر ہے کہ حضورؐ کو خبر کرکے اونکے تفقد حال کی طرف متوجہ کر دیا جو اون کے لیے ہر طرح کی شفا تھی اور مضمون وحی کا یہ تھا) کہ آپ کا فلان مشتاق بیمار ہو گیا (اس وحی کے بعد) مصطفٰےؐ ہلال باشرف کے لیے تشریف لے گئے بغرض عیادت کے اوس طرف (سو) خورشید وحی کے پیچھے پیچھے (تو) وہ چاند (مراد ذات اقدسؐ) دوان تھا۔ اور وہ صحابہ اوس (چاند) کے پیچھے مثل کواکب کے (دوان) تھے (دوانی اور روانی وجہ تشبیہ مین داخل نہین محض ماہ و نجوم صرف تفاوت مراتب نور مین تشبیہ برہین اور وحی چونکہ کلام حق ہے جو کہ صفات قدیمۂ حق سے ہی گو تعلق اوس کا حادث ہو اور قدیم کا نور ظاہر ہے کہ حادث کے نور سے اکمل ہے اس لیے اوسکی تشبیہ خورشید سے برمحل ہوئی آگے تائید ہو صحابہ کی تشبیہ بالنجوم کی کہ خود) ماہ فرماتا ہے کہ اصحابی کالنجوم (آگے وجہ تشبیہ مذکور ہے ایک تو وہی جو مذکور ہوئی یعنی صاحب نور ہونا کہ اسکے لوازم سے ہے رہنمائی اور اوس حدیث کے

ظاہر الفاظ سے یہی مقصود بھی معلوم ہوتا ہے حیث قال فیہ بایہم اقتدیتم اہتدیتم اور دوسری وجہ سبب رجم شیاطین ہونا اور یہ وجہ گو اوس حدیث مین مذکور نہین مگر ایک دوسری حدیث کے اشارہ سے مفہوم ہوتی ہے حیث قال صلے اللہ علیہ وسلم النجوم امنۃ للسماء فاذا ذہبت النجوم اتی السماء ما توعدو انا امنۃ لاصحابی فاذا ذہبت انا اتی اصحابی ما یوعدون واصحابی امنۃ لامتی فاذا ذہب اصحابی اتی امتی ما یوعدون رواہ مسلم کذافی المشکوٰۃ باب مناقب الصحابۃ یعنے آپ نے اس حدیث مین نجوم کی اور صحابہؓ کی یہ ایک خاصیت مشترک بیان فرمائی ہے کہ وہ سبب ہین امن کے اور اونکا ذہاب سبب ہوگا حوادث وفتن کا اور ظاہر ہے کہ امت مین شرور وفتن کا ہونا سبب ہے شیاطین سے پس صحابہؓ سبب ہوئے دفع شیاطین کے بھی اور یہی حاصل ہے رجم شیاطین کا پس ان ہی ذُرد جیون کو آیندہ مصرعہ مین فرماتے ہین کہ وہ صحابہ) راہرو کے لیے قابل پیروی کے (اور رہنما) ہین (السُّری معصدر دالمراد صاحب السُّری) اور شریرون کے لیے سبب رجم ہین (کما مرتقریرہ غرض سب ہمراہ چلتے چلتے اوس آقا کے گھر پہونچے پس اوس) امیر سے لوگون نے کہا کہ وہ بادشاہ (یعنے حضور صلی اللہ علیہ وسلم) آپہونچے وہ خوشی کے مارے بے اختیار اوچھلنے لگا (چونکہ اختیار قصدی فعل ہے قلب اور روح کا بخلاف حرکات غیر اختیاریہ کے کہ اومین قلب روح کا قصد نہین ہوتا اس لیے بے دل وجان کی تفسیر بے اختیار سے کی گئی آگے اوس کے اوچھلنے کی علت تبلاتے ہین کہ) اس گمان پر اوس نے خوشی سے دونون ہاتھ بجانے شروع کیے۔ کہ وہ شاہنشاہ اوس امیر کے لیے تشریف لائے ہین (اور یہ خیال کرکے) جب وہ امیر لاغانہ سے اوترا۔ تو جان کو نثار کرتا تھا بشارت دینے والے کے صلہ مین (یعنے جس نے حضورؐ کی تشریف آوری کی خبر دی تھی اوس کے عوض مین اوس مبشر پر اپنی جان نثار کررہا تھا فی الحاشیۃ یا فرد ای برائے نثار بشیر و مزد بشارت دہندہ جان را قربان وفدامی ساخت ۱۲) پھر (آپ کے پاس آکر) زمین بوسی اور سلام ادا کیا (اور) رخ کو طرب سے اوس نے مثل گلاب کے کرلیا (اور) عرض کیا بسم اللہ (میرے) مسکن کو مشرف کیجیے۔ تاکہ یہ انجمن (مشابہ) فردوس (کے) ہوجاوے (اور) تاکہ میرا قصر (رتبہ مین) آسمان پر فائق ہوجاوے (اور بزبان حال فائق ہونے کی وجہ تبلادی) کہ مین نے دورۂ زمانہ کا قطب دیکھا ہے (دیکھنے کی اسناد قصر کی طرف مجازی ہے کیونکہ دیکھنا فعل صاحب قصر کا ہے اور یا خود دیکھنے کے معنی مین مجاز سے یعنی مجاورت وملابست اور یہان قطب سے مراد معنے اصطلاحی نہین کیونکہ وہ رتبۂ نبوت کے سامنے محض بے حقیقت ہی تو اوس کا اطلاق آپ پر ایک گونہ خلاف ادب ہے بلکہ معنے لغوی مراد ہین یعنی آپ مدار اور مقصود ہین کائنات زمانہ یعنی عالم کے) اوس دنبی (محترم ذی) (اوس کے جواب مین) بغرض عتاب فرمایا۔ کہ مین تیرے دیکھنے کے لیے نہین آیا ہون (عتاب کا قصد اس لیے فرمایا کہ وہ آنے کی وجہ پوچھے تو اوس کے تبلانے سے اوسکو اپنی غلطی بخبری حال ہلال کے باب مین معلوم ہوجاوے) اوس (امیر) نے عرض کیا کہ میری جان آپ ہی کی ہے

(اسکو مین آپ پر فدا کرتا ہون اور) خود جان (بھی) کیا چیز ہے (کہ آپ پر نثار کرون اس سے بڑھکر اگر کوئی چیز ہو تو وہ آپ پر نثار رہی) ہان یہ فرما دیجیے کہ یہ تکلیف فرمائی کس کے لیے ہی تاکہ مین اوس شخص کا خاک پا ہو جاؤن۔ جسکو آپ کے باغِ لطف مین جاگیری حاصل ہے (یعنی جسکی یہ قدر ہے کہ وہ مثل نہال کے آپکے باغ لطف مین جما ہوا ہے) جب اوس (امیر) نے اس طرح کی باتین کین اور نخوت کو دفع کر دیا۔ تو مصطفٰے نے اوس کے عتاب کو ترک فرما دیا (یعنی اوس کی تواضع سے خوش ہو گئے اور) پھر اوس سے (اوسکے سوال کا جواب دینے کے لیے) فرمایا کہ وہ ہلالِ عرش کہان ہی (یعنی ہلال جو باعتبار علو شان کے گویا ساکن عرش ہی اور) وہ جو (نور) مہتاب کی طرح تواضع کے سبب (زمین کا) فرش (بن رہا ہی وہ) کہان ہی (یعنے جسطرح چاند باوجود بلند ہونے کے پھر اوسکی روشنی زمین پر پڑی ہوئی ہے اسی طرح ہلال رتبہ مین تو عرشی ہے لیکن تواضع سے وہ ارضی اور فرشی بن رہا ہی اور) وہ ایک بادشاہ ہے جو (لباس) غلامی مین پنہان ہو رہا ہے۔ (اور گویا) جاسوسی کے لیے دنیا مین آیا ہوا ہے (یہ تشبیہ باعتبار اختفاء کے ہی کہ جاسوس اپنے کو مخفی رکھتا ہے باعتبار غرض کے نہین ہے کیونکہ اوسکی غر[illegible]س ہے یہان ہلالؓ کے لیے کسی امر کا تجسس ثابت کرنا مقصود نہین اور اے امیر) تو یون مت [illegible]دہ (ہلال) تو ہمارا غلام اور ملازم آخور ہے۔ یہ جان لینا کہ ویرانون مین خزانہ ہے (آخرچی کا مد ساقط ہو کر داؤ عاطفہ اوس سے موصول ہو گیا ہے) اے تعجب بیماری سے وہ ہلال کیسا ہے۔ جسکے سامنے ہزارون بدر پامال ہین (ہلال اور بدر کے تقابل کا لطف ظاہر ہے اسیطرح ہلال کے لیے سقم اور نحافت کے اثبات کا لطف بھی اور اسی عنوان کے اعتبار سے شاعرانہ تعجب کیا گیا ہے یعنی متعارف ہلال تو سقیم اور نحیف ہوتا ہی ہے مگر جس ہلال پر بدر بھی قربان ہو وہ تو بدر سے بھی زیادہ اتم ہونا چاہیے اوسکی نحافت عجیب ہی اور معنون کے مرتبہ مین تعجب مقصود نہین کیونکہ کسی کامل کا بیمار ہونا کیا تعجب ہے تو معنون کے درجہ مین مقصود صرف سوال ہے کیفیت سے بدون تعجب کے) اوس (امیر) نے کہا کہ اوسکی بیماری سے مجھکو آگاہی نہین (فی الحاشیۃ آگاہ نیست اے آگاہی نیست محمد افضل ۱۲) لیکن چند روز سے (میری) مجلس مین (حاضر) نہین (ہوتا اور وجہ آگاہ نہ ہونے کی یہ ہے کہ) اوسکی بود و باش (ہر وقت کی) ستور اور خچر کے ساتھ ہے (کیونکہ) وہ سائیس ہی اور اوسکی منزل (اور رہنے کا مقام) وہ آخور ہی (اس لیے بھی خبر نہین ہوئی) پیغمبر رغبت کے ساتھ اون کے لیے چلے (اور) آخور مین (اونکی) تلاش مین تشریف لائے (اور) وہ آخور (پہلے سے) تاریک اور زشت اور نجس تھا اور یہ سب (عیب) دور ہو گیا جب سید الخلق پہونچے (یہ مطلب نہین کہ وہ نجاست حساً مرتفع ہو گئی بلکہ مطلب یہ ہے کہ اوسکا اثر ایسا مغلوب ہو گیا گویا کہ ذات ہی مرتفع ہو گئی پس مقصود بیان کرنا ہی آپکے انوار و آثار و برکات کے غلبہ کا چنانچہ ان ہی انوار و آثار کو حضرت ہلالؓ کا ادراک کرنا آگے مذکور ہے یعنی) اوس شیر نر (یعنی ہلالؓ) نے پیغمبر کی خوشبو کو محسوس کیا جسطرح کہ خوشبوے یوسفؑ کو (اونکی

باپ نے محسوس کیا آگے بوے پیغمبر ببرد آن شیر نر کی مناسبت سے ایک مضمون متعلق تاثیر بوے جنسیت کے بیان فرماتے ہین کہ بوے جنسیت وہ چیز ہے کہ معجزات کا موجب ایمان ہوتا اسی بوے جنسیت پر موقوف ہے چنانچہ معجزات (بنفسہا) موجب ایمان نہین ہوتے (ورنہ اوس کے معائنہ سے ایمان تخلف نہ ہوتا حالانکہ صدہا کفار نے معجزات دیکھے اور ایمان نہین لائے بلکہ) بوے جنسیت (پیغمبر کی) صفات کو (قلب مومن بجنے من سیومن کی طرف) جذب کرتی ہے (یعنے مناسبت وہبیہ سے نبی کی صفات کا اثر اوس کے قلب پر ہوتا ہے اور وہ اثر سبب ایمان کا ہوتا ہے پس موثر قریب ایمان مین بوے جنسیت ہوئی اور معجزات سبب بعید ہوئے جس سے تخلف بھی ہو جاتا ہے پس اس سے اس شبہ کی گنجایش نہین رہی کہ معجزات دلیل نبوت نہین جیسا اس وقت بعض اہل زیغ نے دعوی کیا ہے البتہ معجزات کا اثر بالذات جسکا اوس سے تخلف نہین ہوتا دوسرا ہے وہ یہ کہ) معجزات دشمن (دین) کے مغلوب (اور معارضہ سے عاجز) کرنیکے لیے ہین (چنانچہ ظاہر بھی ہے کہ وہ اوسکا مقابلہ نہین کر سکتے اور اوسکا لقب بھی معجزہ اسی واسطے ہوا ہے اور قرآن مجید مین بھی اسکی تصریح ہے ان نشا ننزل علیہم من السماء آیۃ فظلت اعناقہم لہا خاضعین پس معجزات کا تو لازم اثر یہ مقہوری ہے اور) بوے جنسیت دل لینے کے (یعنی انقیاد و اطاعت پیدا کرنے کے) لیے ہے (حتی کہ معجزات دیکھکر بھی اگر کوئی ایمان لاتا ہے تو اس بوے جنسیت ہی کے واسطہ سے لاتا ہے یعنی کبھی معجزات کے بعد یہ بوے جنسیت پیدا ہو جاتی ہے پھر وہ سبب ایمان کی ہوتی ہے جیسا اوپر عرض کیا ہے کہ موثر قریب ایمان مین بوے جنسیت ہوئی الخ اور اگر بوے جنسیت نہین ہوتی تو صرف معجزات کے دیکھنے سے) دشمن مقہور تو ہو جاتا ہے مگر دوست نہین ہوتا (اور ظاہر بات بھی ہے کہ) گردن بندھا ہوا (آدمی) دوست کب ہو سکتا ہے (یعنی خالی معجزات کا دیکھنے والا جبکہ اوس مین بوے جنسیت نہ ہو عجز مین مشابہ اوس شخص کے ہے جسکی گردن بندھی ہو اور صرف گردن باندھنا دوستی کا سبب ہرگز نہین ہو سکتا پس ببستہ مین باے زائد ہے باے الصاق وغیرہ نہین پھر رجوع ہے قصہ کی طرف کہ) وہ (بلالؓ) نیند سے بیداری مین آئے آپ کی خوشبو سے (اور ابھی آپ کو دیکھا نہین تھا اس لیے دل مین) کہنے لگے کہ (حیرت ہے) یہ سرگین دان (اور) اس مین اس طرح کی خوشبو (یہ کیا بات ہے اسی اثنا مین دفعۃً) ستور کے پاؤن کے درمیان مین سے اونھون نے دیکھا۔ دامن مبارک رسول بے نظیر (صلے اللہ علیہ وسلم) کا (اور بے نظیری آپکی اسدرجہ کی ہے کہ آپ کا نظیر شرعاً ممتنع ہے) پس (اآپکو دیکھکر) گھسٹتے ہوے آخور کے گوشہ سے (حضور کے قریب) آئے (اور گھسٹنے کا سبب غایت ضعف ہے اور آکر) آپ کے قدم پر (بوسہ دینے کے لیے) چہرہ رکھدیا اوس پہلوان نے۔ پس پیغمبر نے (قدم پر سے سر اوٹھاکر) اونکے چہرہ پر اپنا چہرہ رکھدیا (یعنے) اونکے سر اور آنکھون اور چہرہ پر بوسہ دیا (اور یہ سب جائز ہے جب شہوت نہ ہو البتہ فقہا نے مرد کے فم یعنی دہن پر بوسہ دینے کو منع کیا ہے سو یہان اوسکا وقوع نہین ہوا اور پیغمبر نے) فرمایا کہ اے یاربان تو کیسا مخفی گوہر ہے (تا برائے تنبیہ کذافی الغیاث اور گوہر باعتبار قدر و قیمت کے کہا اور مخفی اس لیے کہا کہ انکا گوہر ہونا عام کو معلوم

نہین) اے مسافر عرش (یعنی جسکا وطن عالم بالا ہے اور دنیا مین مسافر ہے) تو کیسا ہے اچھا بھی ہے (یہ عیادت کے طور پر دریافت کیا) اونھون نے (جواب مین بجاے اظہار حالت مرض کے حضور کی عنایت کی مسرات اور توجہ کے برکات کو بیان کرنا شروع کیا اور) کہا کہ اوس پریشان خواب کا کیا حال ہوگا جسکے منہ مین آفتاب برآمد ہو جاوے (یعنی جس شخص کی نیند کسی عارض مرض وغیرہ کے سبب پریشان ہوگئی ہو اور وہ دن کا ہونا چاہتا ہو اوس حالت مین دیکھتا کیا ہے کہ اوس کے منہ مین دھوپ گھس رہی ہے تو اوسکی مسرت کی کیا انتہا ہوگی بوجہ مطلوب کے مل جانے کے اسیطرح مجھکو میرا مطلوب ملگیا یعنی آپ پس میری خوش حالی کی کیا حد ہے آگے دوسری مثال ہے کہ) اوس تشنہ کا کیا حال ہوگا جو (غایت تشنگی کے سبب کیچڑ نگار رہا ہو (اور اسی حالت مین دیکھتا کیا ہے کہ) پانی اوسکو اپنی سطح پر رکھے ہوے خوش خوش لے جا رہا ہے (تو اوسکی مسرت کا بوجہ اوس کے مطلوب کے مل جانے کے کیا حال ہوگا پس یہی حال میرا ہے اور آب برسر نہدش کے لیے یہ ضرور نہین کہ بلا حائل وہ پانی پر چلتا ہو کیونکہ مسرت عطشان کی اس پر موقوف نہین اوسکا سبب تو قرب ہے پانی کا جسکی ایک صورت یہ بھی ہے کہ مثلاً وہ اپنے کو سطح آب پر بواسطہ کشتی کے پائے مثال مین اس صورت کی تخصیص کا یہ مرجح ہوسکتا ہے کہ یہ صورت ہے آب کثیر کے مل جانے کی اور ظاہر ہے کہ پیاسے کو جسقدر کثیر پانی سے تلبس ہوگا وہ زیادہ مسرور و فرحان ہوگا) ف آگے محض بمناسبت لفظیہ مصرعہ ثانیہ شعر اخیر بالا ع آب برسر نہدش خوش می برد + انتقال فرماتے ہین عیسیٰ علیہ السلام کے پانی پر چلنے کے قصہ کی طرف گو مضمون بالا کو اس قصہ کے ساتھ کوئی مناسبت معنویہ نہین۔

در بیان آنکہ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم چون شنید کہ عیسیٰ علیہ السلام بر روے آب رفت فرمود لو زاد یقینہ لمشی علی الھواء

ہمچو عیسیٰ ع برسرش گیرد فرات	کایمنی از غرقہ در آب حیات
عیسیٰ علیہ السلام کیطرح اوس شخص کو فرات اپنے سر پر لیتا ہے	کہ تو بے خوف ہے غرق سے آب حیات مین
گوید احمد گر یقینش افزون بدے	خود ہوایش مرکب ہامون شدے
احمد صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہین کہ اگر انکو یقین اور زیادہ حاصل ہوجاتا	تو خود ہوا انکا مرکب اور صحرا ہوجاتا

درشبِ معراج مستصحب شدم	ہاچومن کہ برہوا راکب شدم
شبِ معراج مین صحبت رکھنے والا ہوا	جیسا مین ہون کہ ہوا پر راکب ہوا

عیسیٰ علیہ السّلام کی طرح (کہ وہ پانی پر چلتے تھے) اوس شخص (مذکور فی الشعر السابق) کو فرات (مراد مطلق دریا) اپنے سر پرلے لیتا ہے (اور بزبان حال اوس سے کہتا ہے) کہ تو بیخوف ہے غرق سے (اور) آب حیات مین رہے تشبیہ عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ اشارہ ہے ایک قصہ کی طرف کہ ف مین آتا ہے آگے رفع استبعاد کرتے ہین کہ پانی پر چلنا تو کیا بعید ہوتا) احمد (صلے اللہ علیہ وسلم تو یہ) فرماتے ہین کہ اگر اونکو یقین اور زیادہ حاصل ہو جاتا۔ تو خود ہوا اونکا مرکب اور صحرا (کہ محل قطع مسافت ہے) ہو جاتا۔ جیسا مین ہون کہ ہوا پر راکب ہوا (اور) شبِ معراج مین (ملائکہ سموات کے ساتھ) صحبت رکھنے والا ہوا (جو کہ سفر علی الہوا کے بعد واقع ہوا اور گو یہ سفر علی الہوا براق پر ہوا مگر یہ مشی علی الہوا بواسطہ براق بھی تو ایک خارق عادت اور دلیل کرامت علی اللہ ہے جو برکات یقین سے ہے اور گو عیسیٰ علیہ السلام کو بھی ایسا ہی سفر علی الہوا گو بواسطہ ملائکہ سہی اخیر عمر دنیا مین ہوا لیکن اس حکم مین کوئی اشکال نہین معنے یہ ہین کہ جس زمانہ مین پانی پر چلتے تھے اوسوقت مین ہوا پر چلتے چنانچہ جب وہ مرتبہ یقین کا حاصل ہو گیا تو آسمانون کیطرف مرفوع کر لیے گئے) ف اب بعد شرح اشعار کے اس قصہ کی تحقیق اور اوس کے متعلق بعض سوالات وجوابات ضروری ہین تحقیق روایت

فی الاحیاء کتاب الصبر والشکر وایضاً کتاب التوکل قیل للنبی صلے اللہ علیہ وسلم اَنَّ عیسٰی علیہ السّلام یقال اَنّہ مشیٰ علی الماء فقال لو ازداد یقیناً لمشیٰ علے الہواء اھ فی شرح الاحیاء للزبیدی قال العراقی ہذا حدیث منکر لا یعرف ہکذا والمعروف ما رواہ ابن ابی الدنیا فی کتاب الیقین من قول بکر بن عبد اللہ المزنی قال فقد الحواریون نبیہم فقیل لہم توجہ نحو البحر فانطلقوا یطلبونہ فلما انتہوا الی البحر اذا ہو قد اقبل یمشی علی الماء فذکر حدیثاً فیہ ان عیسیٰ قال لو ان لابن آدم من الیقین قدر شعیرۃ مشیٰ علی الماء قلت روی ابن ابی الدنیا ایضاً وابن عساکر عن فضیل ابن عیاض قال قیل لعیسی بن مریم باتی شیٔ تمشی علی الماء قال بالایمان والیقین قالوا فانا آمنا کما آمنت وایقنا کما ایقنت قال فامشوا اذاً فمشوا معہ فجاء الموج فغرقوا فقال لہم عیسیٰ ما لکم فقالوا خفنا الموج قال لا خفتم رب الموج فاخرجہم اھ حاصل عبارت مذکورہ کا یہ ہے کہ صاحب احیاء نے نقل کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا گیا کہ عیسیٰ علیہ السّلام پانی پر چلتے تھے آپنے فرمایا کہ اگر اونکے یقین مین اور زیادہ ترقی ہوتی تو ہوا پر چلتے شارح نے عراقی سے نقل کیا کہ یہ حدیث منکر ہے یعنی اس کے راوی غیر ثقہ نے ثقات کے خلاف روایت کی ہے معروف وہ روایت ہے جسکو ابن ابی الدنیا نے کتاب الیقین مین بکر بن عبد اللہ مزنی کا قول کر کے نقل کیا ہے کہ ایک بار حوارین نے اپنے پیغمبر کو نہ پایا کسی نے کہا کہ وہ دریا کی طرف گئے ہین یہ لوگ اونکو تلاش کرنے دریا کی طرف چلے جب دریا پر پہونچے تو دیکھتے کیا ہین کہ وہ پانی پر چلے ہوے آرہے

ہین پھر ایک مضمون بیان کیا جس مین یہ بھی ہے کہ عیسیٰ علیہ السّلام نے فرمایا کہ اگر آدمی کے پاس یقین مین سے ایک جَو کے برابر بھی ہو تو پانی پر چلنے لگے شارح کہتے ہین کہ نیز ابن ابی الدنیا اور ابن عساکر نے فضیل ابن عیاضؒ سے نقل کیا کہ عیسیٰ علیہ السّلام سے پوچھا گیا کہ آپ پانی پر کس چیز کے ذریعہ سے چلتے ہین آپ نے فرمایا کہ ایمان اور یقین کے ذریعہ سے لوگون نے کہا کہ پس ہم بھی ایمان لاتے ہین جیسا آپ ایمان لائے ہین اور ہم بھی یقین رکھتے ہین جیسا آپ یقین رکھتے ہین اونھون نے فرمایا کہ پس چلو وہ اونکے ساتھ چلے ایک موج آئی اور وہ سب غرق ہونے لگے عیسیٰ علیہ السّلام نے فرمایا کہ تمھاری کیا حالت ہوا اونھون نے کہا کہ ہم موج سے ڈر گئے آپ نے فرمایا کہ تم رب موج سے کیون نہ ڈرے پھر آپ نے اونکو نکالا انتھیٰ اس عبارت سے چند امور مستفاد ہوئے (۱) یہ روایت احیاء کی کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے عیسیٰ علیہ السّلام کی نسبت یہ فرمایا کہ اگر اونکو زیادہ یقین ہوتا تو ہوا پر چلتے ثابت نہین۔ (۲) خود عیسیٰ علیہ السّلام نے اپنے ارشاد مین یقین کی تاثیر بیان فرمائی ہے کہ اوس سے پانی پر چل سکتے ہین ایک روایت مین مطلق یقین کی اور ایک روایت مین اوسکی قلت کی تصریح کے ساتھ بھی (۳) ہوا پر چلنے کا مضمون کسی طرح سے بھی کسی روایت مین مذکور نہین (۴) رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے ان مین سے کوئی مضمون منقول نہین بلکہ یہ حکایت بکر بن عبداللہ وفضیل بن عیاض سے منقول ہے یہ تو مدلولات ہین اس عبارت کے اب بعض سوال وجواب اس مقام کے متعلق ہین سوالِ اوّل کیا مولانا اور امام غزالیؒ نے یہ روایت بے اصل لکھدی ہے جواب تصدّا لکھنا محلِ اشکال ہوتا باقی بنا بر حُسنِ ظن بالراوی کے ایسی لغزش بعید نہین اور یہ بھی ممکن ہے کہ ان حضرات کے پاس کوئی سند ہو جو اورون کو نہ ملی ہو۔

سوالِ دُوم کیا یقین کے لیے لازم ہے کہ پانی پر بنا بر روایت ثابتہ کے یا ہوا پر بنا بر روایت متکلم فیہا کے چلنے پر قادر ہو اگر ایسا ہے تو جن حضرات کی عدم قدرت کی ہمارے پاس کوئی دلیل نہین وہان تو ہم انتفاء لازم سے انتفاء ملزوم کا اشکال نہین کرسکتے گو اوسکا وقوع نہ ہوا ہو کیونکہ نفی وقوع نفی قدرت کو مستلزم نہین لیکن جن کی عدم قدرت ثابت ہے جیسے ہر مؤمن اپنی حالت سے اس کا علم رکھتا ہے یا جیسے امام اور مولانا کی روایت سے عدم قدرت عیسیٰ علیہ السّلام کی مشی علی الھواء پر معلوم ہوتی ہے تو کیا ان مقامات پر یا بخصوص عیسیٰ علیہ السّلام کے لیے نعوذ باللہ یہ حکم کردینگے کہ اونکو یقین کے بعض مراتب حاصل نہ تھے سوالِ سوم یقین مین اور خوارق عادات مین کوئی وجہ علاقہ کی نہین یقین فی نفسہ ایک کمال مطلوب ہی خواہ خوارق کے ساتھ ہو یا بلا خوارق گو حضرات انبیاء علیہم السّلام مین انکا اقتران اس لیے ہوگیا کہ خوارق علامت ہین نبوت کی لیکن تب بھی وہ خوارق ثمرہ ایمان ویقین کا نہین اور غیر انبیاء مین تو خواہ ایمان کیسا ہی کامل ہو خود خوارق کا ہونا ہی ضرور نہین اکابر فن نے تصریح کی ہے کہ خارق کا مرتبہ ذکرِ لسانی سے بھی کم ہے غرض وہ اتنی بڑی چیز نہین جیسا اس روایت سے معلوم ہوتا ہے

کہ علامت ہو کمالِ ایقان کی جواب ان دونون سوالون کا یہ ہے کہ یہان یقین سے مراد ایمان و تصدیق شرعی نہین جنکا تعلق ذات وصفات اور بعض افعالِ حق ہین جنکے اعتقاد رکھنے کا شرع مین امر وارد ہے اور جو کہ کمالِ مطلوب ہے اور جس کے لیے خوارق ہونا ضروری نہین اور جس سے خوارق کا کوئی تعلق نہین بلکہ مراد یہان یقین سے جزم کرنا ہے اون بعض خاص افعالِ حق کا جنکا تعلق حوادثِ یومیہ کے ساتھ ہے اور یہ ایک قسم ہے توکل کی مثلاً یہ کہ ہم زید پر غالب آوینگے اور مثلاً فلان شخص اس بیماری مین نہ مریگا اور مثلاً اگر ہم دریا مین گھس جاوین ہرگز نہ ڈوبین گے اور مثلاً ہم ہوا مین معلق ہوکر فلان مسافت قطع کرینگے پس اس یقین کے بعض احکام کا بیان کرنا مقصود ہے اور وہ حکم اثباتِ فضیلت نہین بلکہ اوس کی ایک خاصیت بیان کرنا ہے اور اوسکی وہ خاصیت تجربۂ اکثریہ سے ثابت اور منقول ہے کہ اگر کسی فعل ممکن کے وقوع کا خواہ وہ فعل عادۃً قریب ہو یا مستبعد ہو ایسا جزم ہوجاوے کہ اوسکے خلاف جانب کا احتمال ہی ذہن مین نہ ہو تو عادۃ اللہ جاری ہے کہ اوسکو واقع کر دیتے ہین گو کسی جگہ کسی خاص مانع کے سبب تخلف بھی ہوجاتا ہے اور اس کے لیے مقبولیت بھی شرط نہین گو ایمان اور مقبولیت سے اوس مین برکت رہ جاتی ہے وہو معنے قولِ عیسٰی علیہ السّلام بالایمان والیقین اور نہ مقبولیت کے لیے ایسا جزم لازم ہے کیونکہ اس جزم کا جو متعلق ہے یعنی حادث یومی وہ خود مطلوب شرعی نہین اس تقریر سے ان دونون سوالون کا جواب ہوگیا اور جس طرح اسمین مقبولیت شرط نہین اسی طرح کمال مقبولیت کے منافی بھی نہین جیسا بظاہر شبہہ ہوتا ہے کہ یہ جزم ایک قسم کی مغلوبیت ہے جو کمال نبوت سے بعید ہے جواب یہ ہے کہ یہ ایسی مغلوبیت نہین ہے جسمین قوی علمیہ وعملیہ مین ضعف و فتور اور بعض حدود سے تجاوز ہوجاوے جیسے متوسطین سلوک کو ہوجاتا ہے سوال سوم چہارم حضرت علیؓ کا قول مشہور ہے لو کشف لی الغطاء ما ازددت یقیناً اِس سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ انکو یقین کے تمام مراتب حاصل تھے اور ادہر عیسٰی علیہ السّلام کے لیے بعض مراتب یقین کا حاصل نہ ہونا مولانا اور امام کی روایت پر معلوم ہوتا ہے تو تفضیل ولی کی نبی پر لازم آئی اور یہ باطل ہے اور یہی لازم کافی دلیل تھی اس حدیث کے بطلان کی تو ان دونون بزرگون کو اس پر تنبّہ کیون نہین ہوا جواب یہ ہے کہ اگر حضرت علیؓ سے یہ قول ثابت ہو تو اس مین یقین سے مراد ایمان ہے نہ کہ معنے مذکورۂ بالا اور اوسکا منتہی کمال کا یہ ہے کہ علم الیقین بمنزلۂ عین الیقین ہوجاوے سو اسمین مفضول ہونا عیسٰی علیہ السّلام کا لازم نہین آتا بلکہ تمام انبیا تمام اولیا سے اسمین افضل ہین اور نفی زیادت سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ اس مین مافوق مرتبہ ہے ہی نہین کیونکہ منتہی سے آگے کوئی مرتبہ نہین ہوسکتا پھر انبیا کس مین افضل ہونگے جواب یہ ہے کہ مافوق کا وجود تو یقینی ہے جو انبیا کو حاصل ہے اور نفی زیادت کا مطلب یہ ہے کہ غیر نبی کی استعداد کے اعتبار سے جو اخیر منتہی ہے وہ مجھکو اس وقت بھی حاصل ہے جیسے کسی خاص درجہ کی ڈگری حاصل کرنے والے کو ڈپٹی کلکٹری کا عہدہ ملتا ہو اور اس کے

بھی درجات مختلف ہون اور کسیکو اوسکا منتہیٰ حاصل ہو جاوے تو اس سے یہ لازم نہین آتا کہ ڈپٹی کلکٹری سے بڑا کوئی عہدہ نہین ہے غرض اس قول مین ایمان غیر نبی کے مراتب کے منتہیٰ کا حاصل ہونا اپنے لیے فرماتے ہین اور انبیا کے لیے اونکی شان کے مناسب جدا منتہیٰ ہوتا ہے اور ہر شخص کو اوسکی استعداد کے مناسب اس مرتبۂ انتہائی کے بعد اگر معائنہ ہو جاتا ہے تو اوسے یقین مین زیادت نہین ہوتی البتہ اطمینان زائد ہو جاتا ہے جسکی حقیقت ہے سکون نفس جسمین پہلے سے جو اوسکی کیفیت وقوع مین کہ نفس وقوع مین تھی وہ تھا وہ زائل ہو گیا کما قال تعالیٰ لابراہیم علیہ السلام اَوَلَمْ تُؤْمِنْ قَالَ بَلٰی وَلٰکِنْ لِیَطْمَئِنَّ قَلْبِیْ اور دو اشکال ان اشعار مین وارد تھے ایک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مشی علی الہواء کہان واقع ہوا کیونکہ معراج تو بواسطۂ براق کے ہوئی ہے دوسرے عیسیٰ علیہ السلام کے لیے تو رفع الی السماء کے وقت ایسا مشی علی الہواء واقع ہوا حل ان دونون کا اون اشعار کی شرح کے ضمن مین ہو چکا ہے اور اگر حضور کے معراج کے مرتب علی الیقین ہونے پر یہ شبہ ہو کہ یقین کے جو معنے ذکر کیے گئے ہین وہ اسکو مقتضی ہین کہ اوسکے قبل آپکو اس مشی علی الہواء کا جزم ہو حالانکہ کسی دلیل سے یہ بھی ثابت نہین کہ آپکو اس کا پہلے سے خیال بھی تھا جواب یہ ہو سکتا ہے کہ آیات وَلَقَدْ آتَیْنَا مُوسَی الْکِتٰبَ فَلَا تَکُنْ فِیْ مِرْیَةٍ مِّنْ لِّقَآئِهٖ وقولہ وَاسْاَلْ مَنْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِکَ مِنْ رُّسُلِنَا بعض مفسرین کے قول پر اور آیت لَتَرْکَبُنَّ طَبَقًا عَنْ طَبَقٍ۔ ابن عباسؓ کے قول پر معراج پر محمول ہین اور صیغۂ امر و مضارع مؤکدہ بلام دونون مفید ہے معنے استقبال کو پس گنجایش اس کہنے کی ہے کہ ان آیات کے اطلاق سے آپکو جزم کے ساتھ یہ خیال ہو کہ یہ لقاء موسیٰ و اجتماع مع الانبیاء و عروج طبقات سموات ضرور ہو گا اگرچہ بواسطۂ اسباب خارقۃ للعادۃ کے ہو جیسا خود عروج مسبب خلاء ہر حال مین خارق ہے گو بواسطۂ اسباب عادیہ کے ہو تا مثل طیارہ وغیرہا کے پس مذکور رہ جائے مدلول روایات کے اور چار سوال و جواب اور دو یہ اشکال مع اونکے حل کے یہ سب ملاکر عشرۂ کاملہ کے لقب سے لقب کیے جا سکتے ہین آگے پھر رجوع ہے قصہ کیطرف تتمہ قولہ حضرت بلال کا جو حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی عیادت کے جواب مین عرض کرتے ہین۔

گفت چون باشد سگے کور پلید	**جست او از خواب و خود را شیر دید**
عرض کیا کہ اس سگِ کور پلید کا کیا حال ہو گا	کہ وہ نیند سے اُٹھا اور اپنے کو شیر دیکھا
نے چنان شیرے کہ کس تیرش زند	**بل ز بیمش تیغ و پیکان بشکند**
ایسا شیر نہین کہ کوئی اوسکو تیر مار دے	بلکہ اُسکے خوف سے تیغ اور پیکان ٹوٹ جاوے
کور بر اشکم روندہ ہمچو مار	**چشمہا بکشادہ در باغ و بہار**
کسی اندھے نے جو کہ سانپ کیطرح شکم کے بھل چلنے والا تھا	باغ و بہار مین آنکھین کھول دی ہون

زبلال نے) عرض کیا (اور یہ تیسری مثال ہے) کہ اوس سگ کو پلید کا کیا حال ہوگا کہ وہ نیند سے اوٹھا اور اپنے کو شیر دیکھا (اور) ایسا شیر نہین کہ کوئی اوسکو تیر مار دے۔ بلکہ (ایسا شیر کہ) اوس کے خوف سے تیغ و پیکان ٹوٹ جاوے۔ (یعنی اس حالت مین ظاہر ہے کہ وہ بیحد خوش ہوگا اسیطرح تواضعًا باعتبار دنارت واد ناس کے اپنے کو کلب سے تشبیہ دی اور حضور کی برکت سے باعتبار رفعت و علوِ شان کے شیر کے مشابہ ہوجانا بیان کیا اور آگے ترقی ہے کہ شیر تو تیر وغیرہ کا بھی نشانہ بنایا جاتا ہے سو یہ ایسا شیر نہین ہے بلکہ خود تیغ و پیکان اِس کے سامنے شکستہ اور بے اثر ہوجاتا ہے اور میرے ذوق مین یہ اشارہ اسطرف ہے کہ عبادِ کاملین پر شیطان سہام اضلال و اغوا رچلانے کی ہمت نہین کرتا کیونکہ اون سے اونپر کچھ اثر نہین ہوتا قال تعالی حکایۃ عنہ لاغوینہم اجمعین الا عبادک منہم المخلصین الآیۃ وقال تعالی انہ لیس لہ سلطان علی الذین آمنوا وعلی ربہم یتوکلون الآیۃ آگے چوتھی مثال ہے کہ میری وہ حالت ہوگئی کہ گویا) کسی اندھے نے جو کہ سانپ کی طرح شکم کے بھل چلنے والا تھا (یعنی بالکل ہی معذور تھا کہ پاؤن سے بھی نہ چل سکتا تھا خواہ اس لیے کہ پاؤن سے بھی شل تھا یا اس لیے کہ بوجہ کوری کے کھڑے ہوکر چلنے کی ہمت نہین ہوتی تھی کہ کہین گر نہ پڑون اس لیے اس طرح چلتا تھا ایسے اندھے نے) باغ و بہار مین آنکھین کھول دی ہون (یعنے آنکھین جو کھلین تو سامنے باغ و بہار نظر پڑا اوس کی فرحت کا کیا اندازہ ہوسکتا ہے یہی حالت میری ہے یہانتک مقولہ بلال کا ختم ہوا آگے مولنا کا ارشاد ہے)

چون بود آن چون کہ از چونی رہید
وہ چون کیسا ہوگا جو کہ چونی سے چھوٹ گیا ہو

در حیاتستان بیچونی رسید
اور بیچونی کے دار الحیات مین پہونچ گیا ہو

گشت چونی بخش اندر لامکان
چونی بخشنے والا ہوگیا لامکان مین

گرد خوانش جملہ شیران چون سگان
اوسکے خوان کے گرد تمام شیر کتون کی طرح

او ز بیچونی دہد شان استخوان
وہ بیچونی سے اونکو ہڈی دے رہا ہو

در جنابت تن زن این سورہ مخوان
تو جنابت مین خاموش رہ اور یہ سورۃ مت پڑھ

تا ز چونی غسل ناری تو تمام
جب تک تو چونی سے غسل کامل نکرے گا

تو برین مصحف منہ کف اے غلام
اس مصحف پر ہاتھ مت رکھنا اے لڑکے

گر پلیدم ور نظیفم اے شہان — این نخوانم پس چہ خوانم در جہان

اگر مین پلید ہون تو اور اگر نظیف ہون تو اے سلاطین — مین یہ نہ پڑھون تو پھر عالم مین کون چیز پڑھون

تو مرا گوئی کہ از بہر ثواب — غسل ناکردہ مرو در حوض آب

تم مجھ سے کہتے ہو کہ ثواب کے لیے — بدون غسل کے حوض مین مت جا

از برون حوض غیر خاک نیست — ہر کہ او در حوض ناید پاک نیست

حوض کے باہر بجز خاک کے کچھ نہین — جو شخص حوض کے اندر نہ آویگا پاک نہین

گر نباشد آب ہا را این کرم — کہ پذیرد مر خبث را دمبدم

اگر پانیون مین یہ کرم نہو — کہ ناپاک کو لے لیا کرین دمبدم

واے بر مشتاق و بر امید او — حسرتا بر حسرت جاوید او

تو بڑی خرابی ہو مشتاق پر اور اُسکی امید پر — اور بڑی حسرت ہو اُسکی حسرتِ دائمی پر

آب دارد صد کرم صد احتشام — کو پلیدان را پذیرد والسلام

پانی صدہا کرم اور صدہا احتشام رکھتا ہے — کہ وہ پلیدون کو لے لیتا ہے۔ والسلام

اے ضیاء الحق حسام الدین کہ نور — پاسبانِ تست از شر الطیور

اے ضیاء الحق حسام الدین کہ نور — تمھارا محافظ ہے شر الطیور سے

پاسبانِ تست نور و ارتقاش — اے تو خورشیدِ مستتر از خفاش

تمھارا محافظ نور ہے اور اُس کا بلند ہونا — اے مخاطب تم خورشید ہو مستور خفاش سے

چیست پردہ پیشِ نورِ آفتاب — جز فزونی شعشعہ و تیزی و تاب

کیا چیز حاجب ہے نورِ آفتاب کے سامنے — بجز زیادتی شعاع اور تیزی اور لمعان کے

پردہ خورشید ہم نورِ رب ست | بے نصیب از وے خفاش ست و شب

حجاب خورشید کا نورِ الٰہی ہی ہے | بے نصیب اُس سے خفاش ہے اور شب ہے

ہر دو چون در بُعد و پردہ ماندہ اند | با سیہ رویان فسردہ ماندہ اند

چونکہ دونون بُعد مین اور حجاب مین رہے ہوئے ہین | سیہ رُو لوگونکے ساتھ افسردہ رہے ہوے ہین

چون نوشتی بعضے از قصۂ ہلال رض | داستانِ بدر آر اندر مقال

جب آپ ہلال رض کا تھوڑا سا قصہ لکھ چکے | بدر کی داستان بھی گفتگو مین لائیے

آن ہلال و بدر دارند اتحاد | از دوئی دورند و از نقص و فساد

وہ ہلال اور بدر اتحاد رکھتے ہین | اختلاف سے دور ہین اور نقص و فساد سے

آن ہلال از نقص در باطن بری ست | آن بظاہر نقص تدریج آوری ست

وہ ہلال نقص سے باطن مین بری ہے | وہ بظاہر نقص ہے۔ تدریج کا جلب کرنیوالا ہے

درس گوید شب بشب تدریج را | در تأنّی بر دہد تفریج را

شب بہ شب تدریج کا درس کہتا ہے | تأنّی مین تفریج کا ثمرہ دیتا ہے

در تأنّی گوید اے عَجُولِ خام | پایہ پایہ بر تُوان رفتن ببام

تأنّی مین کہتا ہے کہ اے جلد باز خام | ایک ایک پایہ کرکے بام تک جانا ممکن ہے

دیگ را تدریج و اُستادانہ جوش | کار ناید قلیۂ دیوانہ جوش

دیگ کو تدریج کے ساتھ اور اُستادون کیطرح جوش دے | کام مین نہین آتا وہ قلیہ جسکو دیوانہ نے جوش دیا ہو

حق نہ قادر بود بر خلقِ فلک | در یکے لحظہ بکن بے ہیچ شک

کیا حق تعالیٰ قادر نہ تھے آسمانونکے پیدا کرنے پر | ایک لحہ مین لفظ کُن سے۔ بدون کسی شک کے

پس چرا ششش روز آنرا در کشید
پھر کس لیے اوس کو چھ روز تک کھینچا
خلقتِ طفل از چہ اندر نُہ مہ است
طفل کی پیدایش کس وجہ سے نو ماہ مین ہے
خلقتِ آدم چرا چِل صبح بود
آدم علیہ السلام کی پیدایش کس لیے چالیس صبح مین ہوئی
زین سحر تا آن سحر سالے ہزار
ایک صباح سے دوسری صباح تک ایکہزار سال
نے چو تو اے خام کاکنون تاختی
نہ کہ تیری طرح اے خام کہ ابھی سے دوڑنے لگا
بر دویدی چون کدو فوقِ ہمہ
تو کدو کی طرح سب سے فوق ہو کر دوڑ پڑا
تکیہ کردی بر درختان وجدار
تو درختون پر اور دیوار پر ٹیک لگاتا ہوا
اوّل ار شد مرکبت سروِ سہی
اول مین اگرچہ تیرا مرکب سروِ سہی بن گیا
رنگِ سبزت زرد شد اے قرع زود
تیرا رنگ جو سبز تھا اے کدو وہ جلدی زرد ہو گیا

کلّ یوم الف عام اے مستفید
ہر یوم ایکہزار سال کا اے مستفید
زانکہ تدریج از شعارِ آن شہ است
اِس وجہ سے کہ تدریج عادت اوس بادشاہ کی ہے
اندر ان گِل اندر اندر میفزود
اوس کیچڑ مین تھوڑی تھوڑی ترقی ہوتی رہی
تا بآخر یافت آن صورت قرار
یہانتک کہ آخر مین وہ صورت قرار پائی
طفلی وخود را تو شیخے ساختی
تو طفل ہی ہے اور اپنے کو تو نے شیخ بنا لیا
کو ترا پاے جہاد و ملحمہ
کہان ہے تیرا قدم مجاہدہ اور جنگ کا
برشدی اے اقرعک ہم قرع وار
اے گنجے کدو کی طرح اوپر بھی جا پہونچا
لیک آخر خشک و بے مغز وتہی
لیکن آخر مین خشک اور بے مغز اور تہی رہ گیا
زانکہ از گلگونہ بود اصلی نبود
کیونکہ وہ گلگونہ سے تھا اصلی نہ تھا

(آگے مولانا کا ارشاد ہے جسمین تفصیل ہے اوس مضمون کی جو مقولۂ ہلال رض مین مجمل تھا یعنے کاملین کی صحبت اور توجہ کی برکات کیونکہ اوپر صرف اتنا مذکور تھا کہ کاملین کی توجہ سے فیوض وبرکاتِ عجیبہ حاصل ہوتے ہین کما صرح بہ فی قولہ کہ درآید در دہانش آفتاب جو فی مابعدہ الی قولہ چشمہا بکشادہ در باغ و بہار اور یہان ان اشعار مین اوس توجہ سے فیوض وبرکات حاصل ہونے کی کیفیت یعنی تربیت کا طریق مع اوس کے متعلقات کے مذکور ہے اولاً خود اون کاملین کا متصف بکمال ہونا فی قولہ چون بود آن چون کہ از چونی رہید پھر اون کا دوسرون کی تکمیل وتربیت کرنا من قولہ گشت چونی بخش الخ اس کے بعد اوسکی کیفیت مع دیگر احکام کے فرماتے ہین یعنی) وہ چون کیسا (کچھ خوش حال وصاحبِ کمال) ہوگا جو کہ چونی سے چھوٹ گیا ہو۔ اور بیچونی کے دار الحیات مین پہونچ گیا ہو (چون کے لغوی معنے کیفیت کے ہین مراد اس سے خاص کیفیات وعوارض بشریہ جنمین محجوبین مبتلا ہین اور بیچونی مین خاص ان ہی کیفیات کی نفی مراد ہے ورنہ ظاہر ہے کہ کسی موجود کا مطلق کیفیات وآعراض سے خلو محال ہے اسی بیچونی کو فنا سے تعبیر کیا جاتا ہے پس معنے یہ ہوئے کہ وہ موصوف بفنار ہو گیا اور چونکہ فنار کے لیے بقار یعنے بجاے اتصاف با وصافِ مذکورہ بشریہ کے اتصاف باوصافِ حق لازم ہے اس لیے اسکو حیاتستان سے تعبیر فرمایا کہ حیات وبقار مفہوماً متقارب ہین یہ تو بیان تھا حصولِ کمال کا جسکا نسق مثل نسق اشعار ع گفت چون باشد خود آن شوریدہ خواب۔ آور ع چون بود آن تشنہ الخ آور ع گفت چون باشد سگے الخ کے ہے کہ اونمین بھی ہلال رض کے کامل ہوجانے کا مذکور تھا آگے اس کامل کا دوسرون کو مکمل کرنا مذکور ہے جو کہ اوپر بھی حصول کمال ہلال رض سے مفہوم ولازم ہے کہ حضور نے اونکی تکمیل فرمائی یعنے جب مرتبۂ فنار وبقار سے مشرف ہوکر مرتبۂ ارشاد اوسکو عطا ہو گیا تو) وہ (دوسرون کو) چونی بخشنے والا ہو گیا لامکان مین (اور) اوسکے خوان (افاضہ) کے گرد (بگرد) تمام شیر کتون کی طرح (محتاج اور نگران) ہوتے ہین (اندر لامکان حال ہے فاعل گشت سے یعنی وہ خود لامکان مین ہوتا ہے یہ کنایہ اوسی بیچونی مذکور بالا سے ہے کیونکہ متمکن کے لیے متکیف ہونا لازم ہے پس تکیف کی نفی سے تمکن کی نفی لازم ہوگی پس اندر لامکان کہنا بھی صحیح ہوگا اور چونی بخش مین چونی سے مراد معنے مذکور نہین ہے جس مین محجوبین مبتلا ہوتے ہین بلکہ میرے ذوق مین وہ کیفیات مراد ہین جو ابتدا ے سلوک مین اکثر پیش آتی ہین جیسے سکر۔ ومحو۔ وغیبت۔ ووجد۔ واستغراق وامثالہا اور قرینہ اسکا ظاہر ہے کیونکہ اہل ارشاد کی صحبت وتعلیم کا ان کیفیات سے تو تعلق ہوتا ہے اور کیفیات دنیویہ حجابیہ سے تو وہ بعید کرتے ہین تو ان کے اعتبار سے اون کو چونی بخش کہنا کیسے زیبا ہوگا اور شیران سے مراد طالبانِ حق اور تشبیہ اونکی سگان سے مولانا کی طرف سے نہین ہے بلکہ خود اون طالبین کے زعم پر جس کا منشار تواضع ہے یعنی وہ اپنے کو غایتِ تذلل سے کلاب کے درجہ مین سمجھکر اون سے دریوزہ گری کرتے ہین بعد حلِ مفردات کے حاصل شعر کا یہ ہوا کہ وہ خود تو کیفیات سے حتی کہ ان کیفیات مبتدیانِ سلوک سے بھی منزہ ہین اور دوسرے

طالبین کے لیے خنکی وہ تکمیل کر رہے ہین حصول کیفیاتِ ابتدائیہ کے سبب بن رہے ہین فالاسناد مجازی کما فی قولہ لاہب لک غلاماً زکیا اور یہ ابتداے طریق کی حالت ہے جو اکثر پیش آتی ہے اور) وہ (مقام) بیچونی سے اونکو ہڈی دے رہا ہے (اس بیچونی کو اوپر لامکان کہا ہے والعلاقۃ قد ذکرت اور ہڈی سے چونی مذکور فی الشعر السابق کو تشبیہ دی اس اعتبار سے کہ گوشت کے مقابلہ مین غیر مطلوب ہے اسیطرح کیفیت کہ مقصودِ اصلی کے مقابلہ مین غیر مطلوب ہین اور تخصیص استخوان کی بمناسبت سگان کے ہے اور دینے کی تفسیر ابھی شعر سابق کی شرح مین مذکور ہوئی یہانتک تو ذکر تھا کیفیات ابتدائیہ کے پیش آنے کا آگے اون اہل ارشاد کا ان کیفیات کو غیر مقصود بتلانا اور انکے مقصود سمجھنے والے کے غلط کار ہونے پر اون اہل ارشاد کا تنبیہ کرنا ایک مقاولت کے پیرایہ مین بیان فرماتے ہین کہ یہ کیفیات جبکہ ان کو مقصود سمجھا جاوے چونکہ مقصودِ حقیقی سے حجاب ہین اس لیے اگر کوئی طالب باوجود طلبِ کیفیات کے مقصودِ حقیقی تک پہونچنے کی اون حضرات سے درخواست کرتا ہے تو وہ اوسکو یہ جواب دیتے ہین کہ) تو جنابت (کی حالت) مین خاموش (پڑا) رہ (اور) یہ سورۃ مت پڑھ (کہ جنابت مین سورۂ قرآنیہ پڑھنا منع ہے یعنی جس طرح جنابت مانع ہے شرعاً قراءۃِ قرآن سے اسی طرح ان کیفیات کا شیفتہ ہونا مانع ہے حصولِ مقصودِ حقیقی سے اور جنابت چونکہ نجاستِ حکمیہ ہے ورنہ بدن حقیقۃً طاہر ہے اور یہی معنے ہین حدیث ان المؤمن لاینجس کے اور اسی طرح ان کیفیات کی طلب سے قلب حقیقۃً طاہر رہتا ہے کہ جائز کی طلب ہے لیکن برکات حقیقیہ سے محروم رہتا ہے جیسا جنب قرأت سے محروم رہتا ہے اس لیے تشبیہ جنابت سے نہایت مناسب ہے اور اس بنا پر معاصی و کیفیاتِ محجوبین و لبعدین کو نجاستِ حقیقیہ کے مشابہ کہنا مناسب ہوگا حاصل مطلب یہ کہ مرشدِ محقق سالک کو کیفیاتِ مذکورہ کی طرف التفات بالذات سے روکتا ہے اور یہ مضمون بھی داخل ہے طریقِ تربیت مین جسکا مقصود فی المقام ہونا احقر نے تمہید اشعار ہذا مین بیان کیا ہے آگے بھی شعر بالا ہی کا مضمون ہے یعنی وہ مرشد محقق کہتا ہے کہ اے سالک جو کیفیات اور مقصود دونون کو جمع کرنا چاہتا ہے این خیال ست و محال ست و جنون بلکہ) جب تک تو جونی (یعنے ان ہی کیفیات مذکورہ) سے (یعنی ان کے مطلوب و ملتفت الیہ بالذات بنانے سے) غسل نہ کرے گا (یعنے توبہ نہ کریگا اور تعبیر بالغسل بمناسبت جنابت کے ہے اوس وقت تک) اس مصحف (مقصود حقیقی) پر ہاتھ (بھی) مت رکھنا اے لڑکے (یعنے) اے ناتجربہ کار کہ مسائلِ سلوک کو نہین جانتا آگے یہ بتلاتے ہین کہ حصولِ مقصودِ حقیقی کے لیے خود ان کیفیات کی نفی شرط نہین کیونکہ یہ نفی تو عادۃً خود موقوف ہے حصولِ مقصودِ حقیقی پر اور قبل اوسکے یہ کیفیات کم و بیش رہتی ہی ہین تو اگر حصولِ مقصود ان کیفیات کی نفی پر موقوف ہو تو دَور لازم آوے بلکہ حصولِ مقصود کے لیے ان کیفیات کی طلب بالذات کی نفی شرط ہے یعنے ان کو مطلوب بالذات نہ سمجھے اس مضمون کو ایک مثال کے ضمن مین جو مثالِ جنابت کا تتمہ ہے بطور سوال

دجواب کے فرماتے ہین اور وہ سوال کلام سابق سے ناشی ہوا ہے یعنی طالب چونکہ مسئلہ کی حقیقت نہین سمجھا مرشد سے پوچھتا ہے کہ آپ جو قبلِ غسل سورۃ پڑھنے سے منع کرتے ہین جس سے مقصود یہ ہے کہ قبل نفی کیفیات کے مقصود تک وصول نہین ہو سکتا تو اوسکی نسبت یہ عرض ہے کہ) اگر مین پلید ہون تو او، اگر لطیف ہون تو اے سالطین (ملک طریقت اگر) مین یہ نہ پڑھون تو پھر عالم مین کون چیز پڑھون (یعنے یہی تو ایک چیز قابلِ تحصیل ہے تو اسکو کیسے حاصل نہ کردن باقی یہ جو کہتے ہو کہ غسل کرکے پڑھ تو خود غسل سے یعنے نفیِ کیفیات بھی اسی وصول الی المقصود ہی سے ہوگا تو اس تقدیر پر یہ کہنا کہ بدون نفیِ خطرات کے مقصود حاصل نہین ہو سکتا اور وہ نفی خود موقوف ہے حصولِ مقصود پر گویا یہ کہنا ہے کہ بدون حصولِ مقصود کے حصولِ مقصود نہین ہو سکتا تو اس کی ایسی مثال ہوگئی کہ جیسے) مجھ سے کہتے ہو کہ تو آب (حاصل کرنے) کے لیے۔ بدون غسل کے حوض مین مت جا (حالانکہ) حوض کے باہر بجز خاک کے کچھ (پانی) نہین (تو اس حالت مین) جو شخص حوض کے اندر نہ آوے گا پاک نہین (ہوگا آگے کا مضمون بطور جواب اس سوال کے ہے یعنی گویا مرشد کہتا ہے کہ یہ مطلب میرا نہین کیونکہ ظاہر ہے کہ تطہیر تو کام پانی کا ہے ورنہ) اگر پانی مین یہ کرم نہ ہو۔ کہ ناپاک کو لے لیا کرے دمبدم۔ تو بڑی خرابی ہو مشتاق (یعنی طالب) پر اور اوسکی امید پر۔ اور بڑی حسرت ہو اوسکی حسرتِ دائمی پر (سو ایسا نہین ہے بلکہ) پانی صدہا کرم اور صدہا حیا رکھتا ہے۔ کہ وہ پلید دن کو لے لیتا ہے والسلام (خیر ختام یعنے ہمارا کلام اس مضمون کی قوت مین نہین کہ غسل ناکردہ مرو الخ کیونکہ اسکی قوت مین سمجھنا اس سے ناشی ہوا کہ حصولِ مقصود کی شرط سمجھی نفیِ کیفیات جو خود موقوف ہے حصولِ مقصود پر حالانکہ ہمارا یہ مطلب نہین بلکہ مطلب یہ ہے کہ حصولِ مقصود کی شرط ہے نفیِ طلبِ بالذات کیفیات کی اب سب اشکال مندفع ہوگئے آگے ایک اور مضمون ہے کہ وہ بھی مثل مضمونِ بالا کے داخل ہے طریقِ تربیت مین وہ یہ کہ تربیت مین تدریج ہوتی ہے سالک کو تعجیل اور تقاضا مضر ہے جسکا ایک ضرر یہ ہے کہ وہ اسمین کبھی قبل از وقت شیخ بن بیٹھتا ہے پس اوپر بھی بیان تھا ایک مانع عن المقصود کا کہ طلبِ کیفیات ہے اور یہان بھی بیان ہے ایک مانع کا کہ تعجیل ہے پس اس مضمون کو مولانا ضیاء الحق کے خطاب سے شروع کرتے ہین اور فرماتے ہین) اے ضیاء الحق حسام الدین (جوابِ ندا جو کہ مقصود بالذکر ہے کئی شعر بعد ہے چو کن نوشتی بعضے از قصۂ ہلال آور درمیان مین حضرت مخاطب کے اوصاف بطور جملہ معترضہ کے ہین یعنی تم ایسے ہو) کہ نور۔ تمھارا (مثل آفتاب کے بقرینۂ اشعارِ متاخرہ) محافظ ہے شر الطیور (یعنے خفاش کے ادراک) سے (محافظ سے مراد مطلق حاجب و مانع نہ کہ معنے متعارف یعنی محافظ عن الضرر کیونکہ خفاش سے آفتاب کو کیا ضرر ہو سکتا ہے مطلب یہ کہ تمھارے کمالات خفاش سیرتون سے مستتر ہین اور وجہ اختفار کی اون کمالات کا دقیق و عالی ہونا ہے غرض) تمھارا محافظ نور ہے اور اوس (نور) کا بلند ہونا (جس طرح نور آفتاب کا بلند ہونا کہ اوسوقت وہ تیز بھی

ہوتا ہے بعض کو ادراک سے مانع ہوجاتا ہے) اے مخاطب تم خورشید (کے مثل) ہو (کہ) مستور (ہوتا ہے) خفاش سے (چنانچہ ظاہر ہے کہ) کیا چیز حاجب ہے نور آفتاب کے سامنے بجز (اوسکی) زیادتی شعاع اور تیزی اور لمعان کے (مقصود استفہام سے خبر ہے یعنی یہی ایک حاجب ہے آگے بھی اسی مضمون کی تاکید ہے کہ) حجاب خورشید کا نور الٰہی ہی ہے (اضافت نور کی رب کی طرف تشریف کے لیے ہے جیسے ونفخ فیہ من روحہ میں اور) بے نصیب اوس (نور) سے خفاش اور شب ہے (خفاش پر نور خورشید کے لیے غیر مدرک ہونے کا حکم تو حقیقۃً ہے چنانچہ ظاہر ہے اور شب پر یہ حکم کرنا مجازاً ہے کیونکہ اوس میں قابلیت ہی ادراک کی نہیں پس ملکہ کی قابلیت نہ ہونے کی صورت میں عدم کا حکم ظاہر ہے کہ مجاز ہے پس یہ عدم ادراک مجاز ہے عدم اجتماع سے کما قال تعالیٰ ولا اللیل سابق النہار یعنے نہار گذرنے کے قبل لیل نہیں آسکتی پس اس عدم سابقیۃ بہذا التفسیر کو مشابہ اس کے ٹھہرایا کہ گویا لیل بوجہ عدم تحمل نور نہار کے اوس سے دور رہتی ہے اور یہی مطلب ہے بُعد کا جو ما بعد میں مذکور ہے یعنے) دونوں (کے دونوں یعنی خفاش بھی اور شب بھی) بُعد میں اور حجاب میں رہے ہوئے ہیں (اور) سیہ رو لوگوں کے ساتھ (یہ دونوں بھی) افسردہ رہے ہوئے ہیں (یعنے جس طرح سیہ رو لوگ نور حسن سے اور اوس نور کے خاص سرور سے محروم ہوتے ہیں اسیطرح یہ بھی ہیں یہ حکم بھی خفاش کے لیے حقیقۃً اور شب کے لیے مجازاً ہے اور ایک حاشیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی نسخہ میں یہ مصرع اس طرح ہے۔ یا سیہ رو یا فسردہ ماندہ اند یعنے خفاش اور شب یا تو سیہ رو ہیں اور یا افسردہ ہیں اور یہ تردید یا تو ہر واحد کے اعتبار سے بطور مانعۃ الخلو کے ہو اور دونوں کے لیے دونوں حکم ثابت ہوں جیسے اوپر تقریر گذری اور بہتر یہ ہے کہ مجموعہ حکمین مجموعہ امرین کے اعتبار سے ہو اور کلمہ یا تقسیم کے لیے ہو یعنی انمیں سے ایک سیہ رو ہے یعنی شب جس کا مظلم ہونا ظاہر ہے اور ایک افسردہ ہے یعنی خفاش کہ سرور ادراک خورشید سے محروم ہے یہ سب بیچ میں جملے معترضہ تھے بیچ مولانا ضیاء الحق میں آگے مقصود خطاب ہے کہ اے مولانا ضیاء الحق) جب آپ ہلالؑ کا تھوڑا سا قصہ لکھ چکے (اب) بدر کی داستان بھی گفتگو میں لائیے (تھوڑا سا کہنا قید واقعی ہے یعنی جتنا قصہ مذکور ہوا ظاہر ہے کہ ہلالؑ کی تمام سوانح عمری تو ہے ہی نہیں اور یہاں ہلالؑ سے مراد گو مسمّٰی خاص ہے لیکن اس میں اشارہ مقصود ہے معنے طالب کی طرف کہ وہ ہلالؑ بھی طالب تھے اور اسی اعتبار سے اون کا قصہ لایا گیا اور حضورؐ کی توجہ کے جو برکات اونھوں نے بیان کیے اوس سے بھی اس شان طالبیت پر دلالت ہوتی ہے آگے بدر سے مراد شیخ مربی ہے اور وجہ اس تعبیر کی یہ ہے کہ چونکہ طالب کو ہلال سے تعبیر کیا تھا گو یہ تعبیر باعتبار مشابہت بالہلال المذکور قصتہ کے تھی لیکن چونکہ اس کا استعمال دوسرے معنے یعنی قمر اول ماہ میں بھی آتا ہے اس اعتبار سے اس کے مقابلہ میں شیخ کو بدر سے تعبیر کر دیا اور قصہ بیان کرنا گو مولانا کا فعل ہے مگر اسناد اس کی مولانا ضیاء الحق کی طرف اس اعتبار سے ہے کہ سبب تالیف مثنوی کے وہی ہیں پس یہ اسناد الی السبب ہی مطلب

شعر کا یہ ہوا کہ جب قصۂ مذکورہ کے ضمن میں طالب کی حالت مذکور ہو چکی تو اب شیخ کی حالت کا بھی ذکر مناسب ہے چنانچہ اس کے بعد کے اشعار میں شیخ کا تدریجا تربیت فرمانا مذکور ہوگا اور مراد شیخ کی حالت سے یہی حالت ہے گو شیخ کی ایک شان تربیت کا اوپر بھی ذکر ہو چکا ہے جسکی تقریر اوپر آچکی ہے کہ وہ طالب پر افاضۂ کیفیات خاصہ کا سبب بھی بنتا ہے اور اون کیفیات کے غیر مطلوب بالذات ہونے کا ارشاد بھی کرتا ہے اور اسپر یہ شبہ ہوسکتا ہے کہ جب اوپر بھی شیخ کے بعض احوال مذکور ہوئے ہیں تو پھر اس کے کیا معنے کہ اوپر تو طالب کا حال تھا اور آگے شیخ کا حال ہے مگر بات یہ ہے کہ اوپر شیخ کا یہ حال تبعًا مذکور تھا اور قصدًا طالب ہی کا حال تھا چنانچہ دور سے اوسکا امتداد اوس قصد کا قرینہ ہے چونکہ اوس کے اخیر میں ہلال کا ایک مقولہ مشعر برکات توجہ کاملین کا آگیا تھا اوسکی تفصیل کے لیے مولانا وہ مضمون حال شیخ کا لے آئے تھے پس اس طرح سے وہ ضمنًا مذکور ہوگیا چنانچہ اون دونوں میں مجمل ومفصل ہونے کا فرق اور دونوں میں ارتباط اشعار مقام ہذا کی تمہید میں ذکر کیا گیا ہے اور بیان بعد میں جو مضمون مذکور ہے اوس سے حالت شیخ کا قصدًا بیان کرنا منظور ہے گو اس حالت یعنی تربیت تدریجیہ اور اوپر کی حالت یعنی افاضہ وارشاد متعلق کیفیات میں باہم تناسب وتناسق متحقق ہے جسکی طرف شعر اے ضیاء الحق کی تمہید میں اشارہ بھی کیا گیا ہے بقولی پس اوپر بیان تھا ایک مانع رنج لیکن ضمنًا وقصدًا مذکور ہونے کا باہم تفاوت بھی ہے فافہم اور اس شعر چون نوشتی الخ میں طالب وشیخ کو ہلال وبدر کے ساتھ تشبیہ دینے سے دو شبہ ہوتے ہیں ایک یہ کہ ان دونوں میں ہمیشہ تخالف رہتا ہے یعنی گو ذات ایک ہی ہے مگر تضاد وصفین سے گویا ان کو دو ذات فرض کرکے باہم تضاد وتخالف کا حکم متوہم ہوا دوسرے یہ کہ ہلال میں صفت نقص فی الحال کی ہے اور بدر میں صفت انتقاص فی المآل کی تو اس سے لازم آتا ہے کہ اسیطرح طالب وشیخ میں بھی تخالف اور وصف نقص وانتقاص کا ہوگا اور لازم غلط ہے کیونکہ شیخ وطالب میں توافق تو اتنا ہوتا ہے کہ دنیا میں کوئی توافق اس کے برابر نہیں ہوتا اسی طرح شیخ میں انتقاص کا قائل ہونا ممکن نہیں ورنہ ہر شیخ کا منکوس ہونا لازم آتا ہے اور طالب میں گو بظاہر نقص کا قائل ہونا ممکن ہے کہ کامل کے سامنے تو ناقص ہی ہے لیکن باطنًا وہ بھی اس لیے ناقص نہیں کہ کمال حاصل کرنے کا عزم کیے ہوئے ہے اور عزم رکھنے والا عند اللہ عامل کے حکم میں ہے اور عامل کے لیے فائز ہونے کا وعدہ ہے پس عازم بھی باطنًا فائز بالکمال ہے پس یہ تشبیہ صحیح نہ ہوگی اشعار آیندہ میں اسکا جواب دیتے ہیں اور جواب ہی کے سلسلہ میں شیخ کی حالت تربیت تدریجیہ کا ذکر بھی شروع ہو کر مع بعض مضار عدم تدریج کے اشعار مقام کے اخیر تک ممتد چلا جاویگا پس فرماتے ہیں کہ وہ تشبیہ ہلال وبدر کے ساتھ من کل الوجوہ نہیں محض مبتدی ومنتہی ہونیکے اعتبار سے ہے پس) وہ ہلال اور بدر (واقع میں) اتحاد رکھتے ہیں (اور) اختلاف سے دور ہیں اور نقص اور فساد (یعنی انتقاص) سے (بھی) دور ہیں اور اس سب کی تحقیق

تقریر سوال مین گذر چکی اور طالب مین جو نقص ظاہری معلوم ہوتا ہے تو) وہ ہلال (یعنی طالب) نقص سے باطن مین بری ہے۔ وہ (نقص ظاہری) بظاہر نقص ہے (اور باطنًا نقص نہین کیونکہ وہ نقص) تدریج کا جلب کرنا ہے (یعنی وہ نقص سبب ہے تدریجی تربیت کا کہ اوس نے اپنا نقص دیکھکر اپنی تکمیل کی غرض اور قصد سے اپنے کو مربی کے سپرد کر دیا پس یہ نقص مقرون ہوا عزم تکمیل کے ساتھ اور عازم بحکم عامل وفائز ہے کما مر فی تقریر السوال اور قید تدریجی کو جواب مین دخل نہین مقصود صرف یہ حکم ہے کہ مشاہدۂ نقص سبب ہو گیا اپنی تربیت کرانے کے عزم کا اور تدریج قید واقعی تھی تربیت کی اس لیے اوس کا ذکر کر دیا پس مصرعۂ ثانیہ مین تدریج سے مراد مطلق تربیت اور تدریج آوری ست مین جو ضمیر نقص کی طرف ہے اوس سے مراد بطور استخدام کے مشاہدۂ نقص ہے ہکذا ینبغی ان یوجہ المقام آب آگے اسی جواب شبہات کے سلسلہ مین اصل مقصود یعنی مضمون تربیت تدریجیہ کہ اصل مقصود مقام ہے مذکور ہے یعنی وہ بدر ہلال کے ساتھ) شب بہ شب تدریج کا درس کہتا ہے (اور) تانّی مین تفریح (یعنی غم سے آزاد کرنے) کا ثمرہ دیتا ہے (یہان یہ شبہہ نکیا جاوے کہ بدر تو ہلال کا متمم نور نہین ہوتا بلکہ تتمیم نور کے بعد وہ ہلال ہی بدر ہو جاتا ہے پھر درس گویدبارجاع الضمیر الی البدر کے کیا معنے بات یہ ہے کہ یہان مراد بدر و ہلال سے شیخ و طالب ہین اور شب سے مراد مطلق وقت یعنے شیخ وقتًا فوقتًا طالب کو تدریج کی تعلیم کرتا ہے اور اسی تانّی وعدم تعجیل کی حالت مین مجاہدہ کے ثمرہ تک پہونچا کر غم ناکامی سے نجات دیتا ہے اور وہی بدر (یعنی شیخ اوس طالب سے) تانّی مین کہتا ہے کہ اے جلد باز خام ایک ایک پایہ کر کے بام تک جانا ممکن ہے (عجول مین دو توجیہین ہو سکتی ہین یا تو عجول مین بضرورت شعر جیم مشدد ہو گیا اور ترجمہ اسی نسخہ کا کیا گیا ہے اور یا سنور کے وزن پر بمعنے ولدالبقرہ کے لیا جاوے بیل ضرب المثل ہے حماقت مین پھر اوسکا بھی بچہ کہ وہ ناتجربہ کاری سے اور زیادہ احمق ہوگا پس معنے یہ ہونگے کہ اے احمق خام آگے ایک تشبیہ ہے ضرورت تدریج کی کہ) دیگ کو تدریج کے ساتھ اور (استادون کی طرح (کہ بتدریج پکاتے ہین) جوش دے۔ کام مین نہین آتا وہ قلیہ جسکو دیوانہ نے جوش دیا ہو (کہ مارے جلدی کے پکنے بھی نہ دے اور کچا ہی اوتار لے (اسی طرح سالک بھی تعجیل سے خام رہتا ہے آگے تدریج کا مستحسن اللہ ہونا بتلاتے ہین تین قصون سے یعنی) کیا حق تعالیٰ قادر نہ تھا آسمانون کے پیدا کرنے پر ایک لمحہ مین لفظ کن سے (ضرور قادر تھا) بدون کسی شک کے۔ پھر (باوجود اس کے آخر) کس لیے اوس کو چھ روز تک کھینچا (اور اون چھ یوم مین سے) ہر یوم ایک ہزار سال کا (تھا) اے مستفید کما قال تعالیٰ و ان یومًا عند ربک کالف سنۃ مما تعدون مولانا نے اس یوم مذکور فی الآیہ مین اون ایام کو بھی داخل سمجھا سو یہ صرف محتمل ہے قطعی نہین لا اثباتًا ولا نفیًا مقصود استفہام سے یہ ہے کہ یہ چھ دن تک متداد اسی لیے ہے کہ تانّی محبوب ہے ایک قصہ تو یہ ہوا آگے دوسرا قصہ ہے یعنی) طفل کی پیدایش کس وجہ سے نو ماہ مین ہے (صرف) اس وجہ سے کہ تدریج عادت اوس بادشاہ (حقیقی) کی ہے (آگے تیسرا قصہ ہی

یعنی آدم علیہ السلام کی پیدائش کس لیے چالیس صبح (یعنی چالیس دن) مین ہوئی (کہ ان چالیس دن تک) اوس کیچڑ مین (جو کہ مادہ ہے خلقتِ آدم کا) تھوڑی تھوڑی ترقی (استعداد کی) ہوتی رہی (اور پھر ان چالیس دن کی یہ کیفیت تھی کہ اونمین) ایک صباح سے دوسری صباح تک ایک ہزار سال (کا فصل تھا لما مر من الآیۃ مع تحقیق الاستدلال بہا) یہانتک کہ (کمال استعداد کے بعد) آخر مین وہ صورت (آدمیہ) قرار پائی (اسی طرح حکمت حق مقتضی ہے کہ طالب کی استعداد شیئاً فشیئاً بڑھتی ہے کمال استعداد کے بعد فوز علی المطلوب اوس پر مرتب ہو جاتا ہے اس لیے تانی ضرور ہے غرض تشبیہ سے بھی اور سنۃ اللہ سے بھی مضمون پایہ پایہ بر تو ان رفتن بہ بام ثابت ہوگیا جسکی تائید کے لیے تشبیہ اور حکایات سنۃ اللہ کی وارد کی گئی آگے اوسی مضمون سابق پایہ پایہ الخ کی طرف رجوع کرکے اوس کے مقابل یعنی تعجیل کی مذمت کرتے ہین یعنی پایہ پایہ بام تک جانا چاہیے) نہ کہ تیری طرح اے خام کہ ابھی سے دوڑنے لگا (ابھی) تو طفل ہی ہے اور اپنے کو تو نے شیخ بنالیا (اور) تو کدو کی طرح سب سے فوق ہو کر دوڑ پڑا۔ (یعنے جیسا کدو کہ بہت جلدی اوسکی بیل بڑھ جاتی ہے اور درختون اور چھتون پر چڑھادی جاتی ہے اسی طرح تو جلدی جلدی سب کامون کا نام کرکے سب مشائخ پر تفوق ڈھونڈھنے لگا یہ تو بتلا کہ) کہان ہے تیرا قدم مجاہدہ اور جنگ (نفس) کا (عطف تفسیری ہے یعنی تو نے مجاہدہ کب کیا تھا جس کے بعد تو شیخ ہوگیا جو عادۃً مستبعد ہے اور اس مین بھی رعایت ہے تشبیہ کدو کی کیونکہ اوسکا بلندی پر چڑھ جانا قدم سے نہین ہے جیسے تنہ دار درخت کہ اپنی ساق پر کھڑا ہو کر بلند ہوتا ہے اور دیر بھی لگتی ہے پس) تو (کدو کی طرح) درختون پر اور دیوار پر ٹیک لگاتا ہوا اے گنجے کدو کی طرح اوپر بھی جا پہونچا (یعنی مثل کدو کے کہ اپنے پاؤن سے اونچا نہین ہوتا جیسے اور تنہ دار درخت کہ اپنی قوت سے بلند ہوتے ہین سو تو بھی مثل کدو کے دوسرون کے سہارے پر دعوے بلندی کا کرنے لگا اور یہ دوسرے میرے ذوق مین وہ اہل کمال ہین جنکے مقالات یاد کرکے دعویٰ عرفان کا عوام مین کرنے لگا پس ایسی ہی حالت ہوگئی جیسا کدو کہ دوسرون کے سہارے رفعت ظاہری حاصل کرنے آگے کدو کو خطاب کرکے پھر اس تعجیل کا اثر بیان فرماتے ہین کہ) اول مین اگرچہ تیرا مرکب سرد سہی بن گیا۔ (کیونکہ کبھی سرو پر بھی اوسکی بیل چڑھادی جا سکتی ہے) لیکن آخر مین خشک اور بے مغز اور تہی رہ گیا (اور) تیرا رنگ جو سبز تھا اے کدو وہ جلدی زرد ہوگیا۔ کیونکہ وہ (ناپائدار ہونیکے سبب مشابہ عارضی کے تھا گویا کہ) گلگونہ سے (یعنی پوڈر سے) تھا اصلی نہ تھا (اور کدو کی یہ حالت ظاہر ہے یہی حالت ناقص کی ہے کہ اول اول مین اون ہی ملفوظات کی بدولت عوام مین رنگ جم جاتا ہے لیکن چونکہ خود اپنے پاس تو کوئی کمال ہے نہین اخیر مین خلوعن الکمال ظاہر ہوجاتا ہے اور وہ رونق مبدل بہ بے رونقی ہوجاتی ہے جیسے سبزی مبدل بہ زردی ہوگئی تھی جسکی وجہ یہ ہے کہ وہ کمال ملمع تھا اصل نہ تھا یہ سب مضرتین ہوئین جلدی کی جسکا حاصل یہ ہوا کہ ناقص رہ جاتا ہے مگر عوام بوجہ بعض ظاہری حالات وکیفیات

کے معتقد ہو کر ہجوم کرتے ہیں اس ضرورت سے یہ اپنے کو شیخ بناتا ہے پھر اوس کے نباہنے کو مکر و فریب کرنا پڑتا ہے کہ مقالات کا نقل کرنا کبھی اس غرض سے بھی ہوتا ہے پھر یہ مکر و فریب کبھی عوام پر بھی کھل جاتا ہے جس سے اونکی بھی رسوا ہوتا ہے اور اگر یہ بھی نہ ہوا تو خسارہ آخرت تو اس پر موعود ہے ہی فقط آگے مصرعہ زانکہ از گلگونہ بود آنچ کی مناسبت سے ایک عجوزہ کی حکایت لاتے ہین جو اپنے کو حسین بنانے کے لیے گلگونہ ملا کرتی تھی جیسا اوس حکایت کے ختم کے قریب تصریح ہے چند گلگونہ بمالید آنچ پھر گلگونہ کے بعد ایک اور تدبیر بھی کی کہ قرآن کی کاتیون مین جو سونے کا پانی لگا ہوا تھا اون ٹکڑون کو منھ پر چپکایا مگر چونکہ اصلی حسن تھا اسلیے عیب چھپا نہیں کھل کھل گئی تائید مضمون بالا کی اس حکایت سے ظاہر ہی کہ اسطرح تو مکر و فریب تاہی مگر رسوا ہوتا ہی اکثر دنیا مین بھی و در آخرت مین ضرر و الآن تفیض عنہ)

حکایت کمپیر نود ساله که روے زشت را گلگونه می اندود

بود کمپیرے نود ساله کلان
ایک بڑھیا نوّے سال کی بڑی عمر کی تھی

پُر تشنّج روے و رنگش زعفران
جسکا چہرہ جھرّیون کا بھرا ہوا اور اسکا رنگ زعفران تھا

چون سرِ سفره رخِ او تو بتوے
مثل سر مقعد کے اسکا چہرہ سلوٹ پڑا ہوا تھا

لیک در وے بود مانده عشقِ شوے
لیکن اومین شوہر کا عشق باقی تھا

ریخته دندانهاش و مو چون شیر شد
اسکے دانت بھی گر گئے تھے اور بال دودھ کے مثل ہو گئے تھے

قد کمان و هر حسش تغییر شد
قد کمان اور اسکا ہر حاسہ متغیر ہو گیا تھا

عشقِ شوے و شهوت و حرصش تمام
شوہر کا عشق اور شہوت اور حرص اسکی کامل تھی

صید خواه و پاره پاره گشته دام
شکار کی طالب تھی اور جال پارہ پارہ ہو گیا تھا

مرغِ بے هنگام و راهی بے رهی
مرغ بے ہنگام اور راہ چلنے والا جو کہ راہ والا نہو

آتشِ پُر در بُنِ دیگِ تهی
آتش وافر دیگ تہی کے تحت مین

عاشقِ میدان و اسپ و پاے نے
عاشق میدان کا اور گھوڑا اور پاؤن نہو

عاشقِ زمر و لب و سرناے نے
عاشق بانسلی بجانے کا اور لب اور بانسلی نہو

حرص در پیری جهودان را مباد

حرص بڑھاپے مین یہودیون کو بھی نہو

ریخت دندانهاے سگ چون پیر شد

کُتّے کے دانت گر پڑے جب وہ بڈھا ہو گیا

این سگانِ شصت ساله را نگر

اِن ساٹھ سال کے کتّون کو دیکھو

پیر سگ را ریخت پشم از پوستین

بڈھے کُتّے کا رُوان پوستین سے جھڑ گیا

عشقِ شان و حرصِ شان در فرج و زر

ان کے عشق کو ان کی حرص کو فرج اور زر مین

این چنین عمرے که مایهٔ دوزخ ست

ایسی عُمر جو کہ مایۂ دوزخ ہے

چون بگویندش که عمرِ تو دراز

جب لوگ اُسکو کہتے ہین کہ تیری عُمر دراز ہو

این چنین نفرین دعا پندارد او

وہ اِس نفرین کو دعا گمان کرتا ہے

گر بدیدے یک سرِ مو از معاد

اگر بال برابر بھی انجام دیکھتا

اے شقیّی کش خدا این حرص داد

یا مصدری

اے بدبختی اُس شخص کی جسکو خدا تعالیٰ نے یہ حرص دی ہے

ترکِ مردم کرد و سرگین گیر شد

اُسنے آدمیون کو ترک کر دیا اور سرگین کو جا لگا

هر دمے دندانِ سگ شان تیزتر

ہر وقت اُن کا کُتّے کا سا دانت زیادہ ہی تیز ہے

این سگانِ پیرِ اطلس پوش بین

ان اطلس پوش بڈھے کُتّون کو دیکھ

دمبدم چون نسلِ سگ بین بیشتر

دمبدم کُتّے کی نسل کی طرح زیادہ ہی زیادہ دیکھتا رہ

مر قصابانِ غضب را مسلخ ست

قصابانِ غضب کے لیے کھال کھینچنے کا محل ہے

می شود دلخوش دهانش از خنده باز

تو شخص خوش دل ہوجاتا ہے اور اُسکا منہ خندہ سے کھل جاتا ہے

چشم نگشاید سرے برنارد او

آنکھ نہین کھولتا ۔ سر نہین اوٹھاتا

اوش گفتے کاین چنین عمرِ تو باد

وہ اوسکو کہتا کہ اِس طرح کی عُمر تیری نہ ہو

دعا کردنِ درویش خواجہ گیلانی را و رد کردنِ او

گفت یک روزے بخواجہ گیلیے
ایک روز ایک گیلان کے رہنے والے خواجہ سے کہا
نان پرستے نرگدا زنبیلیے
ایک نان پرست۔ پورے بھیک منگے جھولی والے نے

نان ہمی باید مرا نان دہ مرا
مجکو روٹی کی ضرورت ہے۔ مجکو روٹی دیدے
تا بگویم مر ترا من یک دعا
تاکہ مین تجکو ایک دعا دون

چون شد از وے نان بگفت اے مستعان
جب اُس سے روٹی لے چکا تو کہا اے مستعان
خوش بخان و مانِ خود بازش رسان
اسکو اچھی طرح اپنے وطن اور سامان مین پھر پہونچا دے

گفت اگر آن ست خان کہ دیدہ ام
کہا اگر وطن و سامان وہی ہی جو مین نے دیکھا ہی
حق ترا آنجا رساند اے دژم
خدائے تعالےٰ وہان تجکو پہونچا دے اے پریشان حال

ہر محدِّث را خسان بد دل کنند
ہر متکلم کو کم درجہ کے لوگ بد دل کر دیتے ہین
حرفش ار عالی بود نازل کنند
اُسکا کلام اگر عالی ہوتا ہی تو اوسکو پست کر دیتے ہین

زانکہ قدرِ مستمع آمد نبا
کیونکہ بقدر مستمع کے کلام ہوتا ہے
بر قدِ خواجہ بُرد درزی قبا
قامتِ خواجہ کے موافق درزی قبا کو قطع کرتا ہی

چونکہ مجلس بے چنین بیغارہ نیست
جبکہ مجلس ایسے طعنہ سے خالی نہین
از حدیثِ پست و نازل چارہ نیست
تو کلام پست اور نازل سے چارہ نہین

واستان ہین این سخن را از گرو
اس کلام کو حبس سے واپس لے لو
سوئے افسانہ عجوزہ باز رو
بجانب افسانۂ عجوزہ کے پھر عود کرو

درفی الغیاث فی موضعین سُرنائے بالضم بمعنے شہنائی واین مخفف سور نائے است چہ سور بمعنی شادی ست از برہان وشہنائی نام سازکہ آنرا سُرنا گویند از برہان) ایک بُڑھیا نوئے سال کی بڑی عمر کی تھی جس کا چہرہ جھرّیون کا بھرا ہوا اور اوسکا رنگ زعفران (کی طرح زرد) تھا (اور) مثل سر مقعد کے اوس کا چہرہ سِلوٹ پڑا ہوا تھا لیکن اوس مین شوہر (یعنی مرد) کا عشق باقی تھا (یعنی جماع کی شہوت رکھتی تھی) اوس کے دانت بھی گرگئے تھے اور بال دودھ کے مثل (سفید) ہوگئے تھے (اور اوسکا) قد کمان (ہوگیا تھا) اور ہر حاسّہ اوسکا متغیر ہوگیا تھا (اور) شوہر کا عشق اور شہوت اور حرص اوسکی کامل تھی (اور وہ) شکار کی طالب تھی اور (شکار کا آلہ یعنی) جال پارہ پارہ ہوگیا تھا (یعنی مرد کو راغب کرنا چاہتی تھی مگر کوئی ذریعہ رغبت کا نرہا تھا حسن وجمال وغیرہ اور وہ اس بے موقع شہوت مین ایسی تھی جیسے) مرغ بے ہنگام (کہ بے موقع اذان دے) اور (ایسی تھی جیسی) راہ چلنے والا جو کہ راہ والا نہ ہو (یعنی بے راہ چلتا ہو تو اوس کا چلنا بھی بے موقع ہوگا اور ایسی تھی جیسی) آتش وا فردیگ تہی کے تحت مین (کہ یہ بھی بے موقع ہوگی اور ایسی تھی جیسے کوئی) عاشق (ہو) میدان (قطع کرنے) کا اور (اوس کے پاس) گھوڑا اور پاؤن نہ ہو (یعنی نہ سواری اور نہ پاؤن مین قوت تو اسکا شوق قطع میدان کا بے موقع ہوگا اور ایسی تھی جیسے کوئی) عاشق (ہو) بالسلی بجانے کا اور (اوس کے پاس) لب اور بالسلی نہ ہو (تو کیا بجاوے اور کاہے سے بجاوے آگے انتقال ہے قصہ سے ارشاد کی طرف یعنی) حرص (غیر مشروع یون تو مطلقاً اور خصوص) بوڑھاپے مین (ایسی بُری چیز ہے کہ خدا کرے) بیو دیون کو بھی نہ ہو (یعنی خدا دشمن کو بھی نصیب نہ کرے) اے بدبختی اوس شخص کی جسکو خدا تعالی نے یہ حرص دی ہو (آگے اس حرص پیری کی تقبیح ہے کہ جو لوگ بڑھاپے مین شہوات غیر مشروعہ مین مبتلا ہین وہ کُتے سے بھی بدتر ہین کیونکہ کُتے کی تو یہ کیفیت ہے کہ) کُتے کے دانت گر پڑے جب وہ بڈھا ہوگیا۔ اوس نے آدمیون (کے ستانے) کو ترک کر دیا اور سرگین کو جا لگا (یا تو اوسکے کھانے مین اور یا وہان پڑے رہنے مین مگر) ان ساٹھ سال کے کُتّون کو (یعنی اون آدمیون کو جو کہ بڑھاپے مین مبتلائے شہوت غیر مشروعہ ہین) دیکھو (کہ) ہر وقت ان کا کُتے کا سا دانت زیادہ ہی تیز (رہتا) ہے بڈھے کُتے کا رُودان تو پوست سے جھڑ گیا (مگر) ان اطلس پوش بڈھے کتون کو دیکھو (کہ بوڑھاپے مین بھی زینت کر رہے ہین غرض) ان کے عشق کو ان کی حرص کو فرج اور زر (وغیرہ) مین دمبدم کُتے کی نسل کی طرح زیادہ ہی زیادہ دیکھتا رہ (حدیث مین اس مضمون کی تائید ہے اِنَّ اللہ یبغض الثلاثۃ ومنہم شیخ زانٍ لیس) ایسی عمر (بوجہ معاصی مین صرف ہونیکے) جو کہ مایۂ دوزخ ہے قصابان غضب کے لیے کھال کھینچنے کا محل ہے (یعنی وہ عمر زندگی کی نہین جس سے وہ خوش ہوتا ہے بلکہ انجام اوس کا یہ ہے کہ ملائکۂ غضب الٰہی کے لیے اُس شخص کی کھال کھینچنے کا یعنی عذاب کا سبب اور ذریعہ ہے اور اسی کھال کھینچنے کے سبب سے قصاب سے تشبیہ دی اور حدیث مین بہت تیز گرم پانی کے قریب آنے سے چہرہ کی کھال کا اوترجانا بھی وارد ہے

چونکہ وہ یا پانی فرشتے ہی پیش کرینگے اس لیے اوسکی اسناد ملائکہ کی طرف بھی ہو سکتی ہے اور قرآن مجید مین نزّاعۃً للشویٰ بھی اس مضمون پر دال ہے آگے ایسی دعا سے خوش ہونے پر تحمیق کرتے ہین کہ) جب لوگ اسکو کہتے ہین کہ تیری عمر دراز ہو۔ تو یہ شخص خوشدل ہوجاتا ہے (اور) اسکا مُنھ خندہ سے کھل جاتا ہے (تو) وہ اس نفرین (یعنے بددعا) کو دعا گمان کرتا ہے (اور) آنکھ نہین کھولتا (کہ اُسکا بددعا ہونا معلوم ہو اور) سر نہین اوٹھاتا (کہ اوس کے بددعا ہونیکی طرف التفات کرے ورنہ) اگر بال برابر بھی (اس عمر کا انجام دیکھتا (تو) وہ اوس (دعا دینے والے) کو (فوراً) کہتا کہ اس طرح کی عمر تیری ہی ہو (میری نہ ہو مطلب یہ کہ اس دعا سے بُرا مانتا کیونکہ انجام ایسی عمر کا دوزخ ہے تو گویا دوزخ مین جانے کی دعا دیتا ہے آگے ایک حکایت مین اسکی مثال ہے کہ) ایک روز ایک گیلان کے رہنے والے خواجہ سے ایک نان پرست پورے بھیک منگے جھولی والے نے کہا (کہ) مجھکو روٹی کی ضرورت ہے مجھکو روٹی دیدے تاکہ مین تجھکو ایک دعا دون (اوس نے روٹی دیدی) جب اوس سے روٹی لے چکا تو کہا (کہ) اے (خدا اے) مُستعان۔ اسکو اچھی طرح اپنے وطن اور سامان مین پھر پہونچادے (یعنی وطن اصلی مین بحفاظتِ دین وایمان پہونچادے اور اتفاق سے اوسکو اپنے وطن مین کچھ پریشانی پیش آئی تھی جو سبب ہوا تھا گیلان سے سفر کرنے کا اس لیے اُسکو سُنکر سخت برہم ہوا اور اوس فقیر سے) کہا (کہ) اگر وطن و سامان وہی ہے جو مین نے دیکھا ہے (تو) خدا تعالیٰ وہان تجھکو پہونچادے اے پریشان حال (دژم بمعنے پریشان حال کذا فی الغیاث وفی الحاشیہ خان سرا وخانہ و مان اسبابِ خانہ غرض جس طرح اوس نے اپنے وطن کی حقیقت کو جسکو اوس لفظ سے سمجھا تھا یاد کرکے اپنی فہم کے موافق اوس دعائے گدا سے بُرا مانا اسی طرح اگر اسکو اپنی عمر کی حقیقت معلوم ہوتی تو درازیِ عُمر کی دعا سے یہ بھی بُرا مانتا اور اس حکایت مین اسی لطیفہ سے غرابت بھی ہے جس کے سبب شُل ہونے کے ساتھ احق ہوگئی اور بطور مثل کے لائی گئی جیسا کانپور مین ایک بار ایسا ہی لطیفہ پیش آیا کہ ایک مسافر عرب کے لیے ایک صاحب نے بعد نمازِ جُمعہ اپنے ملازم سے کہ مرزا مرزا کرکے مشہور تھے اور بوڑھے اور سیدھے آدمی تھے بازار سے کھانے کی کوئی چیز لانے کو کہا وہ نان پاؤ اور کباب لائے اور اظہار کارگذاری کے لیے کہنے لگے کہ دیکھیے یہ کباب کا وقت نہ تھا پھر بھی مین بنوا کر لایا وہ عرب خوش ہو کر کہنے لگے ہو اہل ان یُعطی الخمسین غلاماً تو مرزا صاحب سمجھے تو ہین نہین صرف خمسین کا لفظ یاد رکھکر فرماتے ہین سنو جی اگر خمسین کوئی اچھی بات ہے تب تو ہم ورنہ تم اور تمھارے باپ اسی طرح اوس گدا نے دعا تو دی اچھی اور اوس نے غلط سمجھکر بُرا مانا اور اسی غلط فہمی کے وقوع سے مولانا اس حکایت سے ایک دوسرا فائدہ مستنبط کرتے ہین جسکا مضمون بالا یعنی مذمت شہوت ومضرتِ طُولِ عمر مبتلاے شہوت سے کوئی تعلق نہین پس فرماتے ہین کہ ایسی ہی غلط فہمی سے) ہر متکلم (بکلام عالی) کو کم درجہ کے لوگ (جنکا فہم مین کم درجہ ہے) بددل کردیتے ہین (اور) اوسکا کلام اگر عالی

(درجہ کا) ہوتا ہے تو (اوسکے ساتھ ایسا معاملہ کرتے ہین کہ وہ کلامِ عالی کے ساتھ تکلم نہین کرتا بلکہ کلام کو پست کرکے اون کے فہم کے موافق بولتا ہے چونکہ سبب اس پست کرنیکے یہی لوگ ہین اس لیے اس پست کرنے کو ان کی طرف منسوب فرماتے ہین بطریق اسناد الی السبب کے یعنی یہ لوگ) اوس (کے کلام) کو پست کردیتے ہین (یعنی وہ متکلم انکی وجہ سے کلام کو مناسب سمجھکر پست کردیتا ہے) کیونکہ بقدر (فہم) مستمع کے کلام ہوتا ہے (جیسا) قامتِ خواجہ کے موافق درزی قبا کو قطع کرتا ہے (زنا بمعنی خبر اس تعبیر مین ایک نکتہ قلب پر وارد ہوا وہ یہ کہ کلام کی دو قسم ہین خبر اور انشا تو جسقدر مضامین دقیقہ ہین وہ سب مجمل خبریہ ہی ہین بخلاف اوامر و نواہی شرعیہ کے کہ وہ سب انشا ہین اور اون مین کوئی دقت اور غموض نہین یہان سے شریعت کی سہولت کا اندازہ ہوگیا ہوگا البتہ علل و حکم اونکے کہین کہین دقیق ہین سو وہ بھی مجمل خبریہ ہی ہین آگے تفریع ہے مضمون زانکہ قدرِ مستمع الخ پر یعنی) جبکہ (اکثر) مجلس ایسے طعنہ (زنندہ) سے خالی نہین (ہوتی) اس لیے کلام پست اور نازل سے چارہ نہین (یعنے عوام کی رعایت سے کلام کرنا مناسب ہے کَلِّمُوا النَّاسَ علیٰ قدرِ عقولہم۔ بیغارہ بالفتح بمعنے سرزنش و طعنہ کذا فی الغیاث و من بحاصل ترجمہ کردم پس حکایت مذکورہ سے ایک فائدہ تو مستنبط کیا بنظر مطلق انتقال ذہن گیلانی کے کہ جس طرف ذہن منتقل ہوا وہ ضرور قابل برا ماننے کے تھا اور دوسرا فائدہ مستنبط کیا بنظر غلط ہونے اوس انتقال ذہنی کے کہ کم فہمون کو بھی ایسا ہی پیش آتا ہے اس لیے کلام مین مذاق مخاطب کی رعایت ضروری ہے اور اول فائدہ کا محض انتقال ذہنی اور دوسری کا غلطی انتقال کی حیثیت سے مستنبط ہونا ظاہر ہے آگے پھر حکایتِ عجوز کی طرف عود کرنا چاہتے ہین یعنی) اس کلام (یعنی کلموا الناس علیٰ قدر عقولہم) کو حبس سے واپس لے لو (یعنی اس مضمون کو جو قیدِ بیان مین لائے ہو اِس قید سے رہا کردو یعنی یہ بیان ترک کردو کیونکہ قصہ پورا کرنا ہے اور اسکو ترک کرکے) بجانب افسانۂ عجوزہ کے پھر عود کرو (مگر اُس عجوز کی حالت سے پھر ذہن منتقل ہوگیا مضمون این سگانِ شصت سالہ الخ کی طرف اور حکایت پھر دور جا کر تمام فرماوینگے)

وصفِ آن عجوز و رجوع نمودن بحکایتِ اُو

چون مُسن گشت و درین رہ نیست مرد	تو بنہ نامش عجوزِ سالخورد
جب کوئی عمر کا زیادہ ہوگیا اور اس راہ مین پھر بھی مرد نہین ہو	تو تو اسکا نام عجوزِ سالی خوردہ رکھ دے
نے مرُ او را راسِ مال و مایۂ	نے پذیرائے قبول و پایۂ
نہ اُسکے پاس راس المال اور سرمایہ ہے	نہ وہ مقبولیت اور رُتبہ کا قبول کرنیوالا ہے

نے دہندہ نے پذیرندہ خوشی
نہ وہ دینے والا ہے نہ لینے والا ہے خوشی کا

نے درو معنی و نے معنے کششی
نہ اس مین کوئی وصف ہے اور نہ وصف کی کشش ہے

نے زبان نے گوش و نے عقل و بصر
نہ زبان ہے نہ گوش ہے نہ عقل اور چشم ہے

نے ہُش و نے بیہُشی و نے فکر
نہ صحو ہے اور نہ سُکر ہے اور نہ تفکرات ہین

نے نیاز و نے جمالے بہرِ ناز
نہ نیاز ہے اور نہ جمال ہے ناز کرنے کے لیے

تو بتو ئیش گندہ مانندِ پیاز
اُسکی ایک ایک تہ گندہ ہے مثل پیاز کے

نے رہے بُبریدہ و نے پاے راہ
نہ اُسنے کوئی راستہ قطع کیا ہی اور نہ قدم ہی راہ کا

نے تپش آن قحبہ را نے سوز و آہ
نہ گرمی ہے اُس قحبہ کے لیے نہ سُوز و آہ ہے

درجوع تو کرنا چاہتے تھے عجوز حقیقی کے قصہ کی طرف مگر ذہن منتقل ہو گیا عجوز حُکمی یعنی حریصان دنیا کے قصہ کی طرف جو مشابہ ہین اوس عجوز حقیقی کے حرص و شہوت مذمومہ مین جنکا ذکر بمناسبت حال عجوز کے ان اشعار مین تھا آین سگانِ شصت سالہ را نگر الخ پس فرماتے ہین کہ ہم ابھی اوس عجوز حقیقی کا قصہ پھر چھوڑے دیتے ہین عجوز حکمی کا بیان کرتے ہین اور اوسکو عجوز کہنے کا تعجب مت کرو کیونکہ) جب کوئی عمر کا زیادہ ہو گیا اور اس راہ (دین) مین پھر بھی مرد نہین ہے۔ تو تو اوسکا نام عجوز سالخوردہ رکھ دے دسالخوردہ یعنی کلان سال کہ اتنے برس کو گویا کھا گئی مطلب یہ کہ جب وس مین اوصاف عجوز کے ہون تو اوسکو تشبیہًا عجوز کے کہنے مین کیا استبعاد ہے آگے اس عجوز حکمی کے اوصاف ہین جو مُؤکد تشبیہ کے ہین کہ وہ ایسا ہے کہ) نہ اوس کے پاس راس لمال اور سرمایہ ہے (کہ وہ عمر تھی کیونکہ وہ ختم ہونے کو ہے اور) نہ وہ مقبولیت اور رتبہ کا قبول کرنے والا ہے (کیونکہ یہ متعلق ہے اعمال صالحہ کے اور وہ اوس سے اور اوس کے عزم سے بھی خالی ہے اور) نہ وہ دینے والا ہے (خوشی کا اور) نہ لینے والا ہے خوشی کا (یعنی) نہ اوسمین افادہ ہے کہ سبب ہے دوسرے کی خوش کرنے کا اور نہ استفادہ ہے کہ سبب ہے اپنی خوشی کا اور) نہ اوسمین کوئی وصف (کمال) ہے اور نہ وصف (کمال) کی کشش ہے (یعنی نہ شیخ ہے کہ صاحب کمال ہو اور نہ طالب ہے کہ جاذب کمال ہو اور) نہ (اوسمین) زبان (حق گو) ہے (اور) نہ گوش (حق شنو) ہے (اور) نہ عقل (مدرک حق) اور نہ چشم (حق بین) ہے (اور) نہ (اوسمین) صحو ہے اور نہ سُکر ہے اور نہ تفکر اشغال و مراقبات) ہین (اور) نہ (اوسمین) نیاز ہے (جو طالبین مین ہوتا ہے) اور نہ جمال (اور

کمال) سے ناز کرنے کے لیے (جو شیوخ اور عارفین مین ہوتا ہے اور اس کا یہ مطلب نہین کہ کمال سے اونکو ناز مقصود ہوتا ہے مطلب یہ ہے کہ کمال پر وہ اکثر مرتب ہوتا ہی اور اوس مین بھی مصلحتین ہوتی ہین غرض اوس مین ان مذکورہ خوبیون مین سے کوئی خوبی نہین بلکہ) اوس کی ایک ایک تہ گندہ ہے مانند پیاز کے (یعنی اوس کے اکثر حالات مذمومہ ہین اور) نہ اوس نے کوئی راہ (سلوک کی) قطع کیا ہے اور نہ قدم ہے راہ (قطع کرنے) کا (یعنی قدم سے کام لینے کا عزم بھی نہین اور) نہ گرمی ہے (محبت کی) اوس تجربہ (کلمی) کے لیے (اور) نہ سوز و آہ (اہل محبت کی سی) ہے (یعنی نہ حال مین کوئی صلاحیت ہے اور نہ مآل مین اوس کی تحصیل کا اہتمام و عزم ہے آگے اس شخص کی تمثیل مین ایک حکایت ہے

سوالِ سائل از صاحبِ خانہ وجواب اور از سبیلِ طنز

سائلے آمد بسوے خانۂ
ایک سائل کسی گھر کی طرف آیا

خشک نانے خواست یا تر نانۂ
خشک یا تر روٹی کا سوال کیا

گفت صاحب خانہ نان اینجا کجاست
صاحب خانہ نے کہا روٹی یہان کہان ہے

خیرۂ این کے دکانِ نانباست
توبیہودہ ہے یہ نانبائی کی دکان کب ہے

گفت آخر پارۂ پیہم بیاب
کہنے لگا کہ خیر تھوڑی چربی ہی مجکو حاصل کرادے

گفت اینجا نیست دکانِ قصاب
جواب دیا کہ یہان قصائی کی دکان نہین ہے

گفت مشتے آرد دِہ اے کدخدا
کہنے لگا کہ ایک مٹھی آٹا دیدے اے گھر کے مالک

گفت پنداری کہ ہست این آسیا
جواب دیا کہ تو یہ سمجھتا ہے کہ یہ چکی گھر ہے

گفت بارے آب دِہ از مکرعہ
کہنے لگا کہ اچھا پانی ہی دیدے کسی پانی پینے کے برتن سے

گفت لے نیست جو یا مشرعہ
جواب دیا کہ نہین نہین یہان ندی یا گھاٹ نہین ہی

ہر چہ او درخواست از نان و سبوس
اوسنے جو کچھ بھی مانگا روٹی اور بھوسی سے

چربکے می گفت و می کردش فسوس
وہ پھبتی کہتا تھا اور اوس سے تمسخر کرتا تھا

آن گدا در رفت و دامن در کشید
وہ گدا چلا اور دامن سمیٹا

و اندران خانہ بجُست و خواست رید
اور اُس گھر مین جا گُودا اور ہگنے کا ارادہ کیا

گُفت ہے ہے گفت تن زن ای دژم
کہا کہ ہائین ہائین جواب دیا کہ چُپ رہ اے پریشان دماغ

تا درین ویرانہ خود فارغ کنم
تاکہ اس ویرانہ مین اپنے کو فارغ کرون

چون درینجا نیست وجہ زیستن
جب اِس جگہ کوئی سامان زندہ رہنے کا نہین ہے

در چنین خانہ بباید ریستن
تو ایسے گھر مین تو ہگنا چاہیے

(یعنی جس شخص مین کوئی کمال نہ ہو اوسکی مثال ایسے گھر کی سی ہے جسکا یہ قصّہ ہے کہ) ایک سائل کسی گھر کی طرف آیا (اور) خشک یا تر روٹی کا سوال کیا۔ صاحب خانہ نے کہا کہ روٹی یہان کہان ہے۔ تو بہو وہ (ہوا) ہے یہ نان بائی کی دُکّان کب ہے رکہنے لگا کہ خیر تھوڑی چربی ہی مجھکو حاصل کرادے (صاحب خانہ نے) جواب دیا کہ یہان قصائی کی دُکّان نہین ہے (جہان چربی ملتی ہو) کہنے لگا کہ ایک مُٹھی آٹا دیدے اے گھر کے مالک۔ جواب دیا کہ تو یہ سمجھتا ہے کہ یہ چکّی گھر ہے۔ کہنے لگا کہ اچھا پانی ہی دیدے کسی پانی پینے کے برتن سے۔ جواب دیا کہ نہین نہین یہان ندی یا گھاٹ نہین ہے (غرض) اوسنے جو کچھ بھی مانگا روٹی یا بھوسی۔ وہ (گھر والا) ایک پھبتی کہتا تھا اور اوس سے تمسخر کرتا تھا (یہ سنکر) وہ گدا (آگے) چلا اور دامن سمیٹا۔ اور اوس گھر مین جا کودا اور ہگنے کا ارادہ کیا (گھر والے نے) کہا کہ ہائین ہائین (یہ کیا کرتا ہے گدا نے) جواب دیا کہ چپ رہ اے پریشان دماغ۔ تاکہ اس ویرانہ مین اپنے کو (ہگنے سے) فارغ کرون (کیونکہ) جب اس جگہ کوئی سامان زندہ رہنے کا نہین ہے۔ تو ایسے گھر مین تو ہگنا چاہیے (پس اوس گھر کی طرح یہ شخص بھی بالکل خالی ہے آگے پھر اسی خلو عن الکمالات کی تفصیل ہے پس یہ عَود ہے مضمون ماقبل کیطرف رع نے مرم ورا ار اس مال دمایۂ رکھ پس فرماتے ہین)۔

چون نہ بازے کہ گیری تو شکار
جب تو باز نہین ہے کہ شکار پکڑے

دست آموز شکارِ شہریار
اور دستِ شہر یار کا شکار آموختہ ہو

نیستی طاؤس با صد نقش و بند
نہ تو طاؤس ہی جو موصوف ہو صد ہا نقش و ترکیب کے ساتھ

کہ بنقشت چشم ہا روشن کنند
کہ تیرے نقش سے لوگ آنکھین روشن کرین

هم نہ بلبل کہ عاشق وار زار | خوش بنالی در چمن با لالہ زار

تو بلبل بھی نہین ہے کہ عاشق کی طرح زار زار | خوب نالے کرے چمن مین لالہ زار کے ساتھ

ہم نہ ہُد ہُد کہ پیکی ہا کنی | نے چو لکلک کہ وطن بالا کنی

تو ہُد ہُد بھی نہین ہے کہ قاصدی کرے | نہ تو مانند لکلک کے ہو کر اوپر ہی وطن بنا دے

در زمستان سوے ہندستان روی | در بہاران سوے ترکستان شوی

جاڑے مین ہندوستان کیطرف چلا جاوے | بہار مین ترکستان کیطرف روانہ ہوجاوے

در چہ کاری تو و بہر چیست خرند | تو چہ مرغی و ترا با چہ خورند

تو کس کام مین ہے اور تجکو کس لیے خرید ین | تو کونسا پرندہ ہے اور تجکو کس چیز کے ساتھ کھاوین

زین دکانِ با مکیسان بر تر آ | تا دکانِ فضل اللہ اشتری

تو ان تنگ معاملہ لوگون کی دکان سے علحدہ آجا | اللہ اشتری کے دکانِ فضل کی طرف

کالۂ کہ ہیچ خلقش ننگرید | از خلاقت آن کریم آن را خرید

اسلیے کہ جو متاع کہ جسکو کسی مخلوق نے نہین دیکھا | کہنگی کے سبب اس کریم نے اسکو خرید لیا

ہیچ قلبی پیشِ او مردود نیست | زانکہ قصدش از خریدن سود نیست

کوئی کھوٹا اسکے سامنے واپس نہین کیا جاتا | کیونکہ اس کا مقصود خریدنے سے نفع حاصل کرنا نہین ہے

سودِ او و بیعِ آن یارِ نکو | کوست نیکو خلق و ہم نیکوش خو

اسکا نفع اور اس یار جمیل کی خرید تو یہی ہے | کہ وہ نیک اخلاق ہے اور نیز اسکی عادت نیک ہے

بیحد ست افضالِ او آیس مشو | سوے دستانِ عجوزہ باز رو

اسکے افضال بیحد ہین تم ناامید مت ہو | داستانِ عجوزہ کی طرف پھر چل

بازمیگردم بسوے قصۂ عجوز	زانکہ پایانے ندارد این رموز
مین قصۂ عجوز کی طرف پھر رجوع کرتا ہون	کیونکہ یہ رموز تو انتہا نہین رکھتے

(یعنی اے خالی عن الکمالات) تو نہ باز ہے کہ شکار پکڑے (اور) دست شہریار کا شکار آموختہ ہو (میرے ذوق مین ضرورت شعریہ سے اجزار جملہ مین تقدیم وتاخیر ہوگئی اصل مین اس طرح ترتیب تھی جس طرح ترجمہ مین ظاہر کردیا جیسے اس مصرعہ مین حکیم سخن برزبان آفرین اے سخن آفرین برزبان اور) نہ تو طاؤس ہے جو موصوف ہو صدہا نقش ونگار کے ساتھ (ماخوذ از بند لیعنی پیوند انداختا) کہ تیرے نقش سے لوگ آنکھین روشن کرین (اور) نہ تو بلبل ہے کہ عاشق کی طرح زار زار خوب نالے کرے چمن مین لالہ زار کے ساتھ (اور) نہ تو ہدہد ہے کہ قاصدی کرے (اور) نہ تو لکلک ہے (کہ ایک طائر آبی ہے مارد ماہی کو شکار کرتا ہی کذا فی الغیاث) کہ اوپر ہی وطن بناوے (یعنی زمین سے اوپر کیونکہ پانی ظاہر ہے کہ سطح آب سے فوق ہی اور وہ پانی کی سطح پر ہوتا ہے اور لکلک کی طرح) جاڑے مین ہندوستان کی طرف چلا جاوے (اور) بہار مین ترکستان کی طرف روانہ ہوجاوے (لکلک ایسا کرتا ہوگا مطلب یہ کہ کوئی ناز وانداز وعمل وطرز محبوب نہین رکھتا پھر) تو کس کام مین (آنے کے لائق) ہے اور تجکو کس لیے خریدین (اور) تو (مذکورہ پرندون مین سے) کونسا پرندہ ہے (یعنے کس کا وصف تیرے اندر ہے) اور تجھکو کس چیز کے ساتھ کھا دین (آگے ارشاد فرماتے مین تو بہ وانابت کے لیے یعنی جب معلوم ہوگیا کہ تجھ مین کوئی کمال نہین پھر مخلوق کو کیا چیز دکھلاتا ہے اور اونکی نظر مین کس خوبی سے مقبول ہونا چاہتا ہے پس تجکو چاہیے کہ اپنے کو عاری عن الکمالات سمجھکر اس عجوزانہ ریا سے باز آ اور حق تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو اور یہ شبہہ نہ کر جب مجھ مین کمال ہی نہین تو اللہ تعالیٰ ہی کیون قبول کرین گے وہان کا قبول موقوف علی الکمال نہین بلکہ موقوف علی الاقبال ہے بخلاف مخلوق کے کہ جب اونکو تعری عن الکمال معلوم ہوجاوے پھر بیحد بیقدری کرتے ہین جب یہ بات ہے تو بس) تو ان تنگ معاملہ لوگون کی دکان سے علیحدہ آجا۔ آللہ اشتری کی دکان فضل (وکرم) کیطرف دوڑ آ۔ فی الغیاث مکیس بضم میم وکسر کاف ویاے مجہول وسین مہملہ امالہ مکاس در معاملہ نہایت طلبی کردن وتنگی گرفتن در بیع اھ تنگ معاملہ اس لیے کہا کہ بعد اطلاع بے کمالی کے پھر نہین خریدتے آگے دکان آللہ اشتری کی طرف آنے کی علت ہے یعنی) اس لیے کہ جو متاع کہ جسکو کسی مخلوق نے (غایت) گنگی کے سبب (آنکھ اوٹھاکر بھی کبھی) نہین دیکھا (جب وہان لے گئے تو) اوس کریم نے اوسکو خرید لیا۔ کوئی کھوٹا اوس کے سامنے واپس نہین کیا جاتا۔ کیونکہ اوس کا مقصود خریدنے سے نفع حاصل کرنا نہین ہے۔ اوسکا نفع اور اوس رفیق جمیل کی خرید تو یہی ہے کہ وہ نیک اخلاق ہے اور نیز اوسکی عادت نیک ہے (میرے ذوق مین مصرعۂ اول مبتدا ہے اور ہمین ست مقدر خبر ہے اور مصرعۂ ثانیہ اوس مقدر کا قائم مقام ہے

اور اس شعر مین دو محکوم علیہ پر یعنی سودا اور ربح پر ایک حکم ہے یعنی محبوب کا نیک خو ہونا اور دونون حمل مجازی ہین مگر توجیہ دونون کی مختلف ہین اول کا مطلب یہ ہے کہ جسطرح ربح مقتضی بیع وشرا کا ہوتا ہے وہان مقتضی بیع کا صرف یہ ہے کہ وہ جمیل الاخلاق والافعال ہر بندہ کو نفع پہونچانا چاہتا ہے پس اصل کلام تو یہ ہے کہ مقتضی این معاملہ ہمین ست کہ آن نیک خُلق ست مقتضی کو ربح سے تعبیر کردیا اور ثانی مین اول سے ترقی کرنا مقصود ہے حاصل یہ کہ دہان ربح کا تو احتمال ہی نہین وہ تو بالمعنی المجازی ہی صادق آسکتا ہے جسکی تقریر اوپر ہوچکی اس سے بڑھکر یہ کہ لفظ بیع جسکا وہان استعمال بھی کیا گیا ہے جیسے اِنَّ اللہَ اشۡتَرٰی اور جیسے بالعتم وہ بھی بالمعنے الحقیقی وہان متحقق نہین چنانچہ ظاہر ہے کہ جب سب اوسکی ملک ہے پھر بیع جو مقتضی ہے تباین مِلکِ متعاقدین کو کہان پائی گئی اوس کے معنی بھی یہی ہین کہ وہ جمیل الاخلاق ہین مطلب یہ کہ وجہ استعمال اس لفظ کی یہ جمیل الاخلاق ہونا ہے تاکہ بندون کا دل بڑھے کہ یہ بھی کسی چیز کے مالک قرار دیے گئے ہین پس اصل کلام یون ہوگا کہ مقتضی استعمال این لفظ ہمین ست آن در خُلق اور خو ہم معنے مین مگر یہان بقرینۂ عطف کہ مقتضی تغایر کو ہے مناسب ہے کہ خُلق سے مراد صفات اور خو سے مراد افعال لیے جاوین کہ دونون کا استعمال دونون مین آتا ہے ہکذا ینبغی ان یفہم المقام وَلَم ارمن تَنَبَّہَ لَہٗ وَنَبَّہَ علیہ غرض) اوس کے افضال بیحد ہین تم نا امید مت ہو (اوسکی طرف بالکمال ہی متوجہ ہو جاؤ پھر وہ اس توجہ اور انابت ہی سے جبکہ موافق طریق کے ہو مقبول فرمالیتے ہین آگے پھر حکایت عجوز کی طرف متوجہ ہونے کا قصد ظاہر فرماتے ہین کہ) داستانِ عجوز (کے سُننے) کی طرف پھر چل مین قصۂ عجوز (کے بیان) کیطرف رجوع کرتا ہون۔ کیونکہ یہ رموز (افضال حق کے) تو کہین) انتہا نہین رکھتے۔ (کما قال تعالیٰ قُل لَّوۡ کَانَ الۡبَحۡرُ مِدَادًا لِّکَلِمٰتِ رَبِّیۡ لَنَفِدَ الۡبَحۡرُ الآیۃ

بہ رُو چسپانیدنِ عجوز عُشرہاے قرآن را جہتِ آرایش

بود درہمسایہ اش سُورِ عجب
اُسکے ہمسایہ مین کوئی تقریبِ عجیب تھی

کردہ بودند از قضا اورا طلب
اتفاقاً اوسکو بھی طلب کیا تھا

چون عروسی خواست رفت آن گندہ پیر
اُس سٹریل بڑھیانے جب عروسی مین جانا چاہا

کرد ابرو را سیاہ او ہمچو قیر
تو ابرو کو قیر کی طرح سیاہ کرلیا

چون عروسی خواست رفت آن مُتَحَیِّف
اُس ظلم کا سلسلہ کرنیوالی نے جب عروسی مین جانا چاہا

مُوے ابرو پاک کردہ آن حریف
تو مُوے ابرو کو صاف کردیا اُس حرفت والی نے

پیشِ رُو آئینہ بگرفت آن عجوز
مُنہ کے سامنے اُس بُڑھیا نے آئینہ لیکر رکھا

تا بیارایَد رُخ و رُخسار و پوز
تاکہ چہرہ کو اور رُخسار کو اور ناک کو آراستہ کرے

چند گلگونہ بمالید از بَطَر
اِترانے کے لیے کتنا ہی گلگونہ ملا

سُفرۂ رُویش نہ شد پوشیدہ تر
اُس کا سُفرۂ رُخ کچھ زیادہ نہ ڈھنکا گیا

عُشرہاے مُصحَف از جامی بُرید
وہ مصحف کے اَعشار کو جگہ سے تراشتی تھی

می بچسپانید بر رُو آن پلید
چہرہ پر اُنکو وہ پلید چپکاتی تھی

تا کہ سُفرہ رُوے اُو پنہان شود
تاکہ اُسکا سُفرہ رُخ چھپ جاوے

تا نگینِ حلقۂ خوبان شود
تاکہ وہ حسینون کے حلقہ مین نگین ہوجاوے

عُشرہا بر رُوے ہر جامی نہاد
اَعشار کو چہرہ پر جگہ جگہ جماتی تھی

چونکہ بر می بست چادر، می فتاد
جب چادر کو بیٹتی تھی۔ تو وہ گر پڑتے تھے

باز زُو آن عُشرہا را با خدو
وہ پھر اُن اَعشار کو تھوک سے

می بچسپانید بر اطرافِ رُو
جماتی تھی چہرہ کے اطراف پر

باز چادر راست کردے آن نگین
پھر چادر کو ٹھیک کرتی تھی وہ آتش

عُشرہا اُفتادے از رُو بر زمین
اَعشار چہرہ پر سے زمین پر گر پڑتے تھے

چون بسے می کرد فن وان می فتاد
جب وہ بہت سی تدبیرین کرتی رہی اور وہ گر گر پڑتے رہے

گفت صد لعنت بر آن ابلیس باد
تو بولی اُس ابلیس پر سیکڑون لعنتین ہون

شد مصوّر آن زمان ابلیس زود
اُسیوقت فوراً ابلیس متمثل ہوا

گفت اے قحبۂ قدیمِ بے وُرود
اور کہا کہ ای قحبہ گوشتِ خشک جسپر کوئی وارد نہین ہوتا

من ہمہ عمر این نیندیشیدہ ام
مین نے تمام عمر اس کو نہین سوچا ہے

نے زِ جز تو قحبۂ این دیدہ ام
نہ بجز تجھ قحبہ کے اِس فعل کو کسی سے دیکھا ہے

تخم نادر در فضیحت کاشتی
تو نے رسوائی مین تخم نادر بویا ہے

در جہان تو مصحفے نگذاشتی
دنیا مین تو نے ایک مصحف نہین چھوڑا ہے

صد بلیسی تو خمیس اندر خمیس
تو صدہا ابلیس ہے لشکر در لشکر

ترکِ من گو اے عجوزِ دزدِ بیس
بر وزن خندہ ریش ۱۲
اے سڑیل بڑھیا میرا نام ترک کر

چند دزدی عشر از امّ الکتیب
تو قرآن مجید سے کب تک اعشار کو چراوے گی

تا شود رُ ویت ملوّن ہمچو سیب
تا کہ تیرا چہرہ سیب کیطرح رنگ دار ہو جاوے

انتقال بارشاد از مولانا

چند دزدی حرفِ مردانِ خدا
تو کہانتک مردانِ خدا کے ملفوظات کو چراویگا

تا فروشی و ستانی مرحبا
تا کہ انکو فروخت کرے اور مرحبا کو خریدے

رنگِ بربستہ ترا گلگون نکرد
جاے ہوے رنگ نے تجکو گلگون نہین کر دیا

شاخِ بربستہ فنِ عرجون نکرد
باندھی ہوئی شاخ نے شاخِ قدیم کا کام نہین دیا

عاقبت چون چادرِ مرگت رسد
انجام کار جب تم کو چادرِ مرگ لگے گی

از رُخت این عشرہا اندر فتد
تو تمہارے چہرے سے یہ سب اعشار گر پڑین گے

چونکہ آید خیز خیزِ آن رحیل
جب اس کوچ کا اوٹھ اوٹھا کا آپہونچے گا

گم شود زان پس فسونِ قال و قیل
تو اسکے بعد قال وقیل کا افسون گم ہو جاوے گا

عالمِ خاموشی آید پیش بیست

عالم خاموشی آجاویگا کر سامنے کھڑا ہو

صیقلے کن یک دو روزے سینہ را

صیقل کر ایک دو روز سینہ کو

کہ ز سایہ یوسفِ صاحبقران

کہ یوسفِ صاحبقران کے سایہ سے

می شود مبدل بخورشیدِ تموز

آفتاب موسمِ گرما کے سبب مبدل ہو جاتا ہے

می شود مبدل بہ سوزِ مریمی

مبدل ہو جاتی ہے سوزِ مریم کے سبب سے

اے عجوزہ چند کوشی با قضا

اے عجوزہ تو کب تک قضا کے مقابلہ مین کوشش کریگی

چون رخت را نیست در خوبی امید

جب تیرے چہرہ کے لیے حُسن کی کوئی امید نہین ہے

وائے آن کو در درون انسیش نیست

اُس شخص کی بڑی خرابی ہو کہ اُسکے باطن مین اُنس نہین ہو

دفترِ خود ساز آن آئینہ را

اپنا دفتر بنالے اُس آئینہ کو

شد زلیخاے عجوز از سر جوان

زلیخاے عجوز از سرِ نو جوان ہوگئی تھین

آن مزاجِ باردِ بردالعجوز

وہ سرد مزاج سردیِ شدید کا

شاخِ لب خشکے بہ نخلِ خرمی

شاخِ خشک لب نخلِ خرمی کے ساتھ

نقد جو اکنون رہا کن ما مضٰے

تو اب نقد کو ڈھونڈھ اور ما مضٰی کو ترک کر

خواہ گلگونہ نہ و خواہے یدید

تو خواہ گلگونہ رکھ اور خواہ سیاہی

اوس (بڑھیا) کے ہمسایہ مین کوئی تقریب عجیب (یعنی جدید) تھی (نی الغیاث شور یعنی جشن وشادی وعروسی اور دفیہ تگین آتش ومراد در بیخا آتش شہوت مبالغۃً پر آتش را آتش گفتہ اور) قضا را (یعنی اتفاقاً شادی والے) لوگون نے اوسکو بھی بُلایا تھا سو اوس شریلی بڑھیا نے جب عروسی مین جانا چاہا۔ تو (بناؤ سنگار کے لیے) ابرو کو قیر (یعنی لال یا روغنِ سیاہ) کی طرح سیاہ کر لیا (کہ جوان معلوم ہو نیز) اوس ظلم کا سامان کرنے والی نے جب عروسی مین جانا چاہا۔ تو موئے ابرو کو صاف کر دیا (اس حرفت والی نے (سامان تزئین کو ظلم اس لیے کہا کہ ظلم کے معنی ہین وضع الشئی فی غیر محلہٖ اور اُسکی تزئین بے محل تھی و ہذا من الحیف بمعنے الظلم آدابا برو کے

سیاہ کرنے اور صاف کرنے مین تعارض نہ سمجھا جاوے زائد بال صاف کردیے ہون اور بقیہ کو سیاہ کرلیا ہو نیز) مُنھ
کے سامنے اوس بڑھیا نے آئینہ لے کر رکھا۔ تاکہ چہرہ کو اور رخسار کو اور ناک کو آراستہ کرے (فی الغیاث پوز بمعنے
بینی چارپایان وچہرۂ بہائم اھ اوسکی ناک کو تقبیحًا پوز بہائم سے تشبیہ دی غرض اوس لئے) اِترانے کے لیے
کتنا ہی گلگونہ (چہرہ کو) ملا (مگر) اوس کا سفرۂ رخ کچھ زیادہ نہ ڈھنکا گیا (سفرۂ رُخ مین اضافت مشبہ بہ
کی مشبہ کی طرف ہے مثل لُجَین الماء مطلب یہ کہ جھریان چہرہ کی جو مثل جلد مقعد کے تھا پورے طور سے نہ چھپ سکین
کیونکہ وہ اس شعر کا مصداق تھی ؎ تروح الی العطار تبغی شبابہا + ولن یصلح العطار ما افسد الدھر نیز)
وہ مصحف کے اعشار کو (اون کی) جگہ سے تراشتی تھی (اور اپنے) چہرہ پر وہ پلید (اونکو) چپکاتی تھی (اعشار
وہ علامتین ہین جو دس دس آیت پر بنادی جاتی ہین چونکہ بعض کی عادت تھی کہ یہ علامت سونے کے پانی سے
بناتے تھے اور دس آیت کی بھی تخصیص نہ رہی تھی ہر آیت پر بنانے لگے تھے اس لیے مراد یہان مطلق سونے کی
بھری آیات ہین یعنی اُن چیپیون کو کاٹ کاٹ کر چہرہ پر چپکاتی تھی کہ چہرہ چکدار معلوم ہو اور پلیدی اوسکی یا تو حسّی
ہے کہ بالکل سٹرپٹس گئی تھی اور یا شرعی کہ قرآن مجید کی بے حرمتی اور ریا اور تلبیس اور زینت کہ یہ سب معصیت
ہین خصوص اگر سبب اس فعل کا اجنبی مردون کو مائل کرنا ہو کہ اسکا معصیت ہونا اور زیادہ ظاہر ہے اور وہ
ایسا اس لیے کرتی تھی) تاکہ اوسکا سفرۂ رُخ چھپ جاوے (مراد یہ کہ جھریان چھپ جاوین) تاکہ (وہ) حلقۂ
حسینان مین (مثل) نگین (کے) ہوجاوے (جسطرح نگین سے زینت حلقہ کی ہوتی ہے بس وہ اس غرض سے
اعشار کو چہرہ پر جگہ جگہ جماتی تھی مگر) جب (چہرہ پر) چادر پیٹتی تھی تو وہ (اعشار) گر پڑتے تھے۔ وہ پھر اون اعشار
کو تھوک سے جماتی تھی اطرافِ چہرہ پر (اور) پھر چادر کو ٹھیک کرتی وہ آتش (شہوت کی بھری ہوئی تو اوس سے
وہ) اعشار (چہرہ پر سے پھر) زمین پر گر پڑتے۔ جب وہ بہت سی تدبیرین کرتی رہی اور وہ (اعشار) گر گر پڑتے
تو (تنگ ہو کر) بولی کہ اوس ابلیس پر صد لعنت (کہ ایسا طریقہ تزئین کا میرے قلب مین ڈالا کہ وہ بن ہی
نہین پڑتا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اوسکا مقصود مجھکو پریشان ہی کرنا تھا) اوسیوقت فورًا ابلیس متمثل ہوا
(اور) کہا (کہ) اے قحبہ گوشت خشک جس پر کوئی وارد نہین ہوتا (جس طرح خشک گوشت کی خریداری کے لیے
دُوکان پر کوئی آمد ورفت نہین کرتا تو مجھ پر لعنت کرتی ہے کہ مین نے تجھکو یہ سکھلایا سو) میرے تو تمام
عمر (بھی) یہ بات خیال مین نہین آئی (کہ اعشارِ قرآن سے بناؤ سنگار ہو سکتا ہے اور) نہ بجز تجھ قحبہ کے
(اور کسی کا) یہ فعل مین نے دیکھا۔ تو نے (ہی یہ) تخم نادر (بابت) رسوائی مین بویا ہے (یعنی اس حرکت
فضیحت کن کی موجد تو ہی ہے اور) دنیا مین (جہانتک تجھکو مل سکے) ایک مصحف (بھی سالم) نہین چھوڑا (بلکہ
سب کے اعشار کاٹ کر اپنی تزئین مین برباد کیے مین تو ایک ہی ابلیس ہون مگر) تو صد ابلیس
(کے برابر) ہے (کہ تو ابلیس کا) لشکر در لشکر (ہے کہ ایسی بات سوچی جو میرے ذہن مین بھی کبھی نہین آئی
جب یہ بات ہے تو) میرا نام ترک کر اے بڑھیا سٹریل (یعنی اس کو میری طرف منسوب مت کر بلکہ اپنی طرف

نسبت کرکے اپنے اوپر لعنت بھیج اب تو یہ سمجھ کر باد (آ کہ) کہان تک اُمّ الکتاب (یعنی قرآن مجید) سے (کہ اصل اور
اعظم ہے سب کتابون مین) اغشار کو چُراویگی تاکہ تیرا چہرہ رنگ دار ہوجاوے مثل سیب کے (یہان حکایت ختم ہوئی)
اب مولانا مقصود حکایت کی طرف جو کہ حکایت سے قبل مذکور تھا یعنے بدون کمال کے دعوی کمال کا کرنا اور
ملفوظات اکابر کی نقل سے دعوی کو روشن کرنا انتقال فرماتے ہین کہ اسی طرح بڑھیا کے مانند) تو (بھی) کہان تک
مردان خدا کے ملفوظات کو چُراویگا۔ تاکہ (اون ملفوظات کو عوام وجہلا معتقدین مین) فروخت کرے اور
(اولسنے) مرحبا (مول) لے (کر یاد رکھ کہ اس) جمائے ہوئے رنگ (یعنی نقل وتلبیس) نے تجکو (واقع مین)
گلگون (حسین) نہین کردیا (جسطرح اوپر سے) باندھی ہوئی شاخ نے شاخ قدیم کا کام نہین دیا (یعنے اگر کسی درخت
کے خالی تنہ مین بدون رعایت قواعد پیوند لگانے کے ویسے ہی بہت سی شاخین لاکر باندھ دی جاوین
کہ وہ درخت پر شاخ نظر آنے لگے لیکن جو آثار اصلی شاخون کے ہین وہ اوسپر مرتب نہ ہونگے بلکہ بہت جلد
خشک ہوکر اوس درخت کی قلعی کھل جاوے گی اور جس طرح اوس بڑھیا کی چپیان چادرہ سے گرگر پڑتی
تھین اسیطرح) انجام کار جب تجکو چادر مرگ لگے گی۔ تو تیرے چہرہ سے یہ اعشار سب گر پڑینگے (موت کے محیط ہونے
سے چادر سے تشبیہ دینے کا لطف اور بڑھ گیا اور مطلب اعشار اوترجانے کا یہ ہے کہ) جب اوس کوچ
(آخرت) کا اوٹھو اوٹھاؤ آپہونچے گا (یعنے موت کہے گی کہ اوٹھو اوٹھو) تو اوس کے بعد (یہ سب) افسون
قال وقیل (نقلی کا) گم ہوجاوے گا (اور) عالم خاموشی آجاویگا (جسمین یہ کہا جاویگا کہ) سامنے کھڑا ہو (یعنے
موت اس عالم قال وقیل سے اوٹھا کر اوس عالم خاموشی مین لیجا کھڑا کریگی اوسوقت) اوس شخص کی بڑی
خرابی ہے کہ اوس کے باطن مین اُنس (مع الحق) نہین ہے (بلکہ اُنس مع الخلق تھا مگر آج وہ خلائق معتقدین
جن سے اُنس تھا سب غائب ہین اور خدا تعالی کی حضوری ہے مگر اوس سے اُنس نہین تو کس قدر توحش
ہوگا جب اس تلبیس وافلاس عن التعلق مع الحق کا انجام یہ ہونیوالا ہے تو جلدی اس کا تدارک کر جس سے
حقیقی دولت حاصل ہو کہ پھر تلبیس کی نوبت نہ آوے اور جس سے یہ افلاس مذکور دفع ہوکر اُنس مع الحق
پیدا ہو آگے اوس تدارک کا طریق ہے کہ) صیقل کر ایک دو روز (یعنی بقیہ عمر مین) سینہ کو (اور) اپنا دفتر
بنالے اوس آئینہ کو (یعنی آئینۂ قلب کو صیقل کر جس سے اوس مین انعکاس انوار الٰہیہ کا ہوکر وہ مثل دفتر
جامع نقوش کے ہوجاوے اور مین صیقل کرنے کے واسطے تجکو اس لیے کہتا ہون) کہ یوسف صاحب قران
کے سایہ (یعنی قرب وبرکت) سے زلیخاے عجوز از سر نوجوان ہوگئی تھین (پس اسی طرح جب تو قلب کو
صیقل کرلے گا اور صیقل کے سبب اوس مین انوار الٰہیہ منعکس ہونگے تو اون انوار الٰہیہ کی برکت سے جو کہ
انوار یوسفیہ سے برکت مین زیادہ ہین تو بھی کہ مثل عجوز کے تھا جیسا کہ اوپر مفصل مستقل بھی اور بضمن حکایت
بھی بیان ہوا مثل زلیخا کے نوجوان اور حسن الباطن ہوجاویگا) فی الغیاث قران باصطلاح نجوم یکجا
شدن دو کوکب از ہفت سیارہ سواے شمس در برجے بیک درجہ یا یک دقیقہ وصاحب قران کسیکہ وقت

ف اگر درخت مین شاخ [illegible]

ولادت او زہرہ و مشتری را قران باشد اھ باختصار فی الحاشیہ و آن طفل پادشاہ عظیم میشود و آن پادشاہ سعادتمند بود و دیر سال با ظفر باشد اھ بتقدیم و تاخیر آگے بعض امثلہ ہین اس تبدل من القبیح الی الحسن کی یعنے جسطرح) آفتاب موسم گرما کے سبب سردی شدید کا وہ مزاج مبدل ہوجاتا ہے (مطلب یہ کہ جس طرح اثر آفتاب سے سردی مبدل بہ گرمی ہوجاتی ہے اسیطرح اثر انوار الٰہیہ سے تیری افسردگی مبدل بہ گرمی محبت حق سبحانہ و تعالیٰ ہوجاویگی فی الغیاث تموز بزبان رومی مدت ماندن آفتاب در برج سرطان و بہندی تقریبًا ماہ ساون باشد چون در ماہ مذکور گرمی بسیار میباشد لہذا در فارسی بمعنی شدت موسم گرما مستعمل اھ وتحقیق بردالعجوز تقبیل داستان جبر ہلال استادِ دل جان روشنی گذشت آگے دوسری مثال ہے کہ جسطرح) سوز مریم کے سبب۔ شاخ خشک لب نخل خرمی سے مبدل ہوجاتی ہے (یعنی ہوگئی تھی جسکا قصہ سورۂ مریم مین ہے وہزی الیک بجذع النخلۃ تساقط علیک رطبًا جنیًا کہ اول وہ درخت خشک تھا اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے مریم علیہا السّلام کے واسطے اوسکو تازہ اور بارآور کردیا اور یہ فضل مریم علیہا السّلام پر اون کے سوز محبت حق و توجہ الی الحق سے ہوا اس لیے سوز مریم کی طرف نسبت صحیح ہوئی اور تطبیق مثال کی ظاہر ہے اور اس مقام مین تدارک کی ضرورت نسکر طالب تدارک کو ایک غلطی ہوسکتی ہے بلکہ ہوا کرتی ہے وہ یہ کہ ماضی کی فکر و غم مین حد سے زیادہ پڑجاتے ہین اور اوس کے افسوس و ندامت مین بعض اوقات یہانتک غلو ہوتا ہے کہ غم و حسرت سے مغلوب ہوکر نا امید محض ہوجاتے ہین اور نا امید ہوکر آیندہ معطل ہوجاتے ہین اور یہ ضرر عظیم ہے کہ ماضی کے اعادہ پر تو قدرت نہین اور مستقبل مین کچھ کیا نہین یہانتک کہ بقیہ مستقبل بھی مثل ماضی کے بیکار گذر جاتا ہے اس لیے مولانا اس پر متنبہ فرماتے ہین کہ) اے عجوزہ (حکمیہ بمعنے شابہ بہا فی فتح الحال) تو کب تک قضا (و قدر) کے مقابلہ مین کوشش کریگی (مراد اس سے اس سوچ مین پڑنا کہ ماضی اس حال مین گذرا اب اوسکا کیا انتظام کرون اور جو محرومی اس ماضی کی سبب پیش آویگی اب وہ کیونکر زائل ہو تو یہ فی الحقیقت قضا کا مقابلہ ہے کیونکہ جو ہوا قضا سے ہوگیا اب کیا ہوسکتا ہے اس لیے چاہیے کہ) تو اب نقد کو ڈھونڈھ اور ماضی کو ترک کر یعنی آیندہ کے لیے اصلاح حال کر اور ماضی کے اتنے غم کو چھوڑ کہ تیری قدرت سے خارج ہے اس لیے کچھ مفید نہین اور عبث کو ترک کرنا لازم ہے پس ماضی کے چھوڑنے کا یہ مطلب ہے نہ یہ کہ ذنوب ماضیہ کو توبہ کی غرض سے بھی یاد نہ کرے خوب سمجھ لو اسی طرح قضا کی طرف ماضی کے صدور کو نسبت کرنا اوس سے بھی یہ مقصود نہین کہ اپنی طرف نسبت نہ کرے کہ اثر اسکا بیاکی واعتقاد جبر اور توبہ کو نفضول سمجھنا ہوگا بلکہ مقصود یہ ہے کہ اوسکا وجود قضا سے ہوا تھا اب اعدام اوسکا قدرت بشر سے خارج ہے اس لیے اوسکی فکر عبث ہے بلکہ جو امر قدرت مین ہے کہ ماضی کی یاد ہو بغرض توبہ کے اور آیندہ کو عزم ہو ترک کا اس مین نسبت الی قدرۃ العبد کا استحضار واجب ہے صرف قضا پر نظر جائز نہین اور اسی کے قبیل سے ہے جواب حضرت آدم علیہ السلام کا

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو آدم نے الخ یعنے ملامت سے فائدہ یہ ہونا چاہیے کہ آیندہ کو توبہ و احتیاط ہو سو یہ تو اب برزخ مین ممکن نہین اور حیات دنیویہ مین اسکو کر چکا ہون تو اب ملامت سے صرف مقصود تشنیع ہی رہی جو مفید نہین کیونکہ اوسکا ایجاد بقضاے حق ہوا تھا جسکے اعدام پر مین قادر نہین تو پھر بے نتیجہ ملامت کیون کی جاوے اور بقیہ عمر مین تہیۂ اصلاح کا یہ مضمون اوسی کے قریب قریب ہے جو کہ اس تحزنی اخیر کے قبل کے ان اشعار مین مذکور تھا زین مرکان با یکیسان الی قولہ بجدست افضال ا دالخ حاصل دونون کے مجموعہ کا یہ ہے کہ ماضی کی فکر بالمعنی المذکور آنفا چھوڑ اور بقیہ مستقبل مین جسقدر قدرت ہو اصلاح مین مشغول ہو اور ماضی کو یاد کرتے رہنا مانع عن الانابۃ نہ ہونے پاوے وہ اسی حالت مین قبول فرماتے ہین اور موافق استعداد کے ثمرات عطا فرماتے ہین پس دونون مضمون ایک دوسرے کے متمم ہین اول مضمون مین اصل مسوق الکلام معاصی واقعۃ فی الماضی و موجود فی الحال کی یاد کا مانع عن الانابۃ نہ ہونا ہے اور دوسرے مضمون مین اصل مسوق لہ الکلام انابۃ مین ماضی کے غم مین غلو نہ کرنا ہے اور باقی احکام ان کے متعلق و تابع ہین آگے اعدام واقع کا امتناع بیان فرماتے ہین کہ) جب تیرے چہرہ کے لیے حسن (حاصل ہونے) کی کوئی امید نہین ہے۔ تو پھر سب تدبیرین بے سود ہونے مین برابر ہین) خواہ (اوس چہرہ پر) گلگونہ رکھ اور خواہ نیلا (یعنی سیاہی رکھ اس سے دونون غرض حاصل ہوگئین مضمون بالا کی بھی تائید ہے کہ اس لیئے ماضی کو چھوڑ کر مستقبل کی فکر کر کہ ماضی کا مٹانا ممتنع ہے اور جو شخص کہ یہ سب سنکر بھی تلبیس سے باز نہ آوے اور اپنے عیوب کے رنگنے ہی مین مشغول رہے اوسکو جتلا کر فرماتے ہین کہ ان عیوب کا کمالات ہونا محال ہے خواہ تو کچھ ہی کر کامیابی ہرگز نہ ہوگی۔ اور اس امتناع مشترک مع اختلاف الغرضین کی مثال امتناع صحت رنجور کی ہے جسکا قصہ آگے آویگا کہ طبیب نے صحت سے مایوس کر دیا تھا بس وجہ تشبیہ صرف اسقدر ہے نہ کہ قول طبیب کا کہ تو جو چاہے کر کہ اوسکو تشبیہ مین دخل نہین واللہ اعلم) **ف**

الحمد للہ کہ یہ عشر ثالث باوجود تعاقب عوائق و موانع کثیرہ کے ہفدہم جمادی الاخریٰ ۱۳۳۲ھ کو اختتام کو پہونچا اسی وجہ سے اسمین سوا تین ماہ صرف ہوے۔ باوجودیکہ یہ عشر ایک عارض کے سبب عشر اول و ثانی ۔ سے تخمیناً بقدر ایک عشر کے مقدار مین بھی کم ہے یعنی تقریباً یہ اون دونون عشر کے ½ کے برابر ہے اور وہ عارض یہ ہے کہ برابر کرنے مین آیندہ قصہ رنجور کا بلا ضرورت تجزیہ کرنا پڑتا کہ کچھ اس مین ہوتا کچھ عشر رابع مین اور چونکہ یہ تفاوت کوئی معتد بہ نہ تھا اس لیے ضرورت کا درجہ بھی نہین تھا ممکن ہے کہ اس کمی کو آیندہ دو عشر مین تقسیم کر دیا جاوے اور اون کے مضامین کی خصوصیات سے بھی یہی انداز ہوتا ہے کہ ایک مین قصہ رنجور کا اور ایک مین قصہ طالب گنج کا پورا پورا آجاویگا فقط۔

الحمد للہ والمنۃ کہ اس جگہ پر عشر ثالث کا نصف ثانی اختتام کو پہونچا اس کے بعد عشر رابع شروع ہوا ہے اسکے ختم ہونے کے بعد انشاء اللہ تعالیٰ عشر خامس شروع ہوگا جس کے ختم ہونے پر دفتر ششم کی شرح کا نصف ہوجاوے گا۔ واللہ الموفق والمعین

العشر الرابع من شرح الدفتر السادس من المثنوی المعنوی افتتحت فیه لمنتصف ذی القعدة من سنة ۱۳۳۲ من الهجرة

حکایت رنجوریکہ طبیب در وے امید نداشت گفت ہر چہ خواہی کن

(وجہ ربط عشر ثالث کے آخر مین مذکور ہو چکی ہے)

آن یکے رنجور شد سوے طبیب
ایک بیمار طبیب کے پاس گیا

گفت نبضم را فرو بین اے لبیب
کہا کہ اے عاقل میری نبض دیکھ لو

تا ز نبض آگہ شوی بر حالِ دل
تاکہ تم نبض سے قلب کی حالت پر مطلع ہو جاؤ

کہ رگِ دست ست با دل متصل
کیونکہ ہاتھ کی رگ قلب کے ساتھ متصل ہے

(یعنی) ایک بیمار طبیب کے پاس گیا (اور) کہا کہ اے عاقل ذرہ میری نبض دیکھ لو۔ تاکہ تم نبض سے قلب کی حالت پر مطلع ہو جاؤ۔ کیونکہ ہاتھ کی رگ قلب کے ساتھ متصل ہے (چنانچہ طب مین ثابت و مشہور ہے)

چونکہ دل غیب ست خواہی ز و مثال
چونکہ قلب غائب ہے اُس کی مثال مطلوب ہو

زان بجو کہ با دلستش اتصال
تو اُس سے طلب کر کیونکہ قلب سے اُسکو اتصال ہے

باد پنہانست از چشم اے امین
ہوا آنکھ سے مخفی ہے اے امین

در غبار و جنبشِ برگش ببین
اُسکو غبار اور جنبش برگ مین دیکھ

کز یمین ست آن وزان یا از شمال
کہ وہ یمین سے چل رہی ہے یا شمال سے

جنبشِ برگت بگوید وصفِ حال
حرکتِ برگ تجھسے اُسکی حالت کا وصف کہدے گی

مستیِ دل را نمیدانی کہ کو | وصفِ اُو از نرگسِ مخمور جو
تو مستی دل کو نہ جانتا ہو کہ کہاں ہے | تو اُسکی کیفیت نرگسِ مخمور سے طلب کر لے

چون ز ذاتِ حق بعیدی وصفِ ذات | باز دانی از رسولؐ و معجزات
جب تو ذاتِ حق سے بعید ہے تو وصفِ ذات | بواسطۂ رسُول کے اور بواسطۂ معجزات کے تجکو معلوم ہوگا

(شعر اول مین تائید ہے مضمونِ سابق کی کہ واقعی) قلب چونکہ (حواس سے) غائب (و مخفی) ہے (اگر) اوس کی مثال مطلوب ہو تو اوس (ہاتھ) سے طلب کر کیونکہ قلب سے اوسکو (بواسطہ نبض کے) اتصال ہے (جیسا کہ اوپر مذکور ہوا اور مراد مثال سے وصف اور حالت ہے مجازًا کیونکہ مثال ذریعہ ہوتا ہی انکشاف اوصاف و احوال کا پس سبب کا اسم ن سبب پر کیا گیا آگے اسکی بعض مثالین ہین کہ) ہوا آنکھ سے مخفی ہے اے امین (سو اگر اوسکی حالت معلوم کرنا ہو تو) اوس (کی حالت) کو غبار اور حرکت برگ مین دیکھ کہ وہ (مثلًا) یمین سے چل رہی ہے یا شمال سے۔ حرکت برگ تجھ سے اوس کی حالت کا وصف کہدیگی (اسی طرح) تو (اگر کسیکی) مستی دل (یعنے عشق) کو نہ جانتا ہو کہ کہان ہے۔ تو اوس کی کیفیت نرگس مخمور (یعنے چشم پُر خمار) سے طلب کرلے (کہ قلب کا یہ وصف آنکھون مین اثر کرتا ہے اور آنکھون پر اوسکی گرمی محسوس ہوتی ہے چنانچہ مشاہد ہے یہ دونون مثالین ممکنات سے ہین پھر اول باعتبار حالت ظاہری کے ہے دوسری باعتبار حالت باطنی کے آگے تیسری مثال واجب کی ہے کہ) جب تو ذات حق سے (باعتبار معرفت مقدورۃ للعبد کی) بعید ہے تو (اوسکا) وصف ذات بواسطۂ رسول (صلے اللہ علیہ وسلم) کے (کہ واسطہ قریبہ ہین) اور بواسطۂ معجزات کے (کہ واسطۂ بعیدہ ہین کیونکہ معجزات سے اولًا معرفت رسولؐ کی ہوتی ہے پھر معرفت رسولؐ سے معرفت ذات حق کی) تجھکو معلوم ہو گا۔

معجزاتے و کراماتے خفی | بر زند بر دل ز پیرانِ صفی
معجزات اور کراماتِ خفیّہ | قلب پر اثر کرتے ہین پیران مقبول کی وجہ سے

کہ درون شان صد قیامت نقد ہست | کمترین آنکہ شود ہمسایہ مست
کہ اُن حضرات کا باطن صد قیامتِ عاجلہ ہے | ادنٰے یہ ہے کہ ہمسایہ مست ہوجاتا ہے

پس جلیس اللہ گشت آن نیک بخت | کُو بہ پہلوے سعیدے بُرد رخت
پس وہ نیکبخت اللہ کا جلیس ہوگیا | جسنے کسی سعید کے پہلو مین اسباب جا اُتارا

معجزه کان بر جمادے زد اثر / یا عصا یا بحر یا شق القمر

جس معجزہ نے جماد پر اثر کیا ہے / خواہ وہ عصا ہو خواہ بحر ہو خواہ شق القمر ہو

گر اثر بر جان کند بے واسطه / متصل گردد بہ پنہان رابطه

اگر رُوح پر بلا واسطہ اثر کرے / تو مخفی طور پہ ارتباط متصل ہو جاوے گا

بر جمادات آن اثرہا عاریه است / آن پئے رُوحِ خوشِ متواریه است

جمادات پر وہ اثر عاریت ہے / وہ رُوحِ پاکیزہ مخفیہ کے لیے ہے

تا ازان جامد اثر گیرد ضمیر / حبذا نان بے ہیولائے خمیر

تاکہ اوس جامد سے ضمیر اثر قبول کرے / روٹی بدون مادۂ خمیر کے نہایت ہی خوب ہے

حبذا خوانِ مسیحی بے کمی / حبذا بے باغ میوہ مریمی

بہت خوب ہے خوانِ مسیحا بلا کمی کے / بہت خوب ہی بدون باغ کے میوہ مریم علیہا السّلام کا

بر زند از جانِ کامل معجزات / بر ضمیرِ جانِ طالب چون حیات

باطنِ کاملین کی وجہ سے معجزات مؤثر ہوتے ہین / باطنِ رُوحِ طالب پر مثل حیات کے

معجزه بحر ست و ناقص مُرغِ خاک / مُرغِ آبی دروی ایمن از ہلاک

معجزہ دریا ہے اور ناقص مُرغِ خاک / مُرغِ آبی اوس مین ہلاکت سے بیخوف ہے

عجز بخشِ جانِ ہر نامحرمے / لیک قدرت بخش جانِ ہمدمے

عجز بخش ہے جان ہر نامحرم کا / لیکن قدرت بخش ہے جانِ ہمدم کا

چون نیابی این سعادت در ضمیر / پس ز ظاہر ہر دم استدلال گیر

اگر یہ سعادت تو ضمیر مین نہین پاتا / پس ظاہر ہی سے ہر وقت استدلال کرنا اختیار کرے

کہ اثرہا بر مشاعر ظاہر ست
کہ آثار حواس پر ظاہر ہین

وین اثرہا از مؤثر مخبر ست
اور یہ آثار مؤثر سے مخبر ہین

ہست پنہان معنئے (صفت ۱۲) ہر دارو ئے
صفت ہر دارو کی پنہان ہے

ہمچو سحر و صنعت ہر جادوئے
مثل سحر اور صنعت ہر جادو کے

چون نظر در فعل و آثارش کنی
جب اسکے افعال و آثار مین تم نظر کرو

گرچہ پنہان ست اظہارش کنی
تو اگرچہ وہ مخفی ہے تم اسکا اظہار کروگے

قوتے کان اندرونش مضمر ست
جو قوت کہ اوس مین مضمر ہے

چون بفعل آید عیان مظہر ست
جب وہ فعل مین آتی ہو تو ایسی عیان ہو جاتی ہو کہ ظاہر کردیجاتی ہے

چون بآثار این ہمہ پیدا شدت (تجکو ۱۲)
جب آثار سے تجکو یہ سب ظاہر ہوگئے

چون نشد ظاہر بآثار ایزدت
تو پھر تجکو ایزد آثار سے کیون نہین ظاہر ہوا

نے سببہا و اثرہا مغز و پوست
کیا یہ بات نہین ہے کہ تمام اسباب و آثار یعنی مغز اور پوست

چون بجوئی جملگی آثار اوست
جب جستجو کرو تو یہ سب اوسی کے آثار ہین

دوست گیری چیزہا را از اثر
تو بہت سی چیزون کو اثر سے محبوب بنالیتا ہے

پس چرا از آثار بخشی بے خبر
تو معطی آثار سے تو بے خبر کس لیے ہے

از خیالے دوست گیری خلق را
ایک خیال سے تو مخلوق کو محبوب بنا لیتا ہے

چون نگیری شاہ غرب و شرق را
سلطان غرب و شرق کو کیون نہین محبوب بناتا

این سخن پایان ندارد اے قباد
یہ کلام تو انتہا ہی نہین رکھتا اے بادشاہ

حرص ما را اندرین پایان مباد
ہماری حرص کو اس مین انتہا نہ ہو

باطبیبِ آگہ وستّار خو	باز گرد و قصۂ رنجور گو
جو طبیب آگاہ اور ستار خصلت کے ساتھ واقع ہوا	رجوع کر اور قصہ بیمار کا کہہ

(ان اشعار مین شعر بالا کی جو کہ اشعار سابقہ کا اخیر ہے تفصیل ہے کہ معجزات انبیار علیہم السلام وکرامات اولیار سے کہ وہ بھی انبیا کے معجزات ہی ہین اصل مقصود وصول الی الله ہر علماً واستدلالاً بھی اور عملاً وحالاً بھی چنانچہ ان اشعار مین سے بعض مین علم واستدلال کے متعلق مضامین ہین اور بعض مین عمل اور حال کے اور اجمالاً یہی حاصل تھا اوس شعر بالا چون ز ذاتِ حق بعیدی الخ کا چنانچہ ظاہر ہے پس فرماتے ہین کہ) معجزات اور کرامات خفیہ قلب پر اثر کرتے ہین پیرانِ مقبول کی وجہ سے (پیران مقبول عام ہے انبیا واولیا کو بقرینۂ معجزات وکرامات کے پس معجزات انبیا سے صادر ہوتے ہین اور کرامات اولیار سے اور ہر چند کہ بعض معجزات اور کرامات جلی بھی ہوتی ہین اور اونکا بھی وہی اثر ہے جو بیان مذکور ہے پھر خفی کی تخصیص کے کیا معنے سو یہان مخفی کے معنے یہ ہین جسکا منشار اور سبب خفی ہو یعنی سبب اوسکا طبعی نہو جسکو عوام بھی جانتے ہین بلکہ امر غیبی ہو جو عامہ سے خفی ہے پس اس معنے کے اعتبار سے یہ جلی کو بھی شامل ہے پس مطلب شعر کا یہ ہوا کہ تمام معجزات انبیار وکرامات اولیار قلب پر یہ اثر کرتی ہین کہ اوس مین معرفت حق سبحانہ وتعالیٰ کی پیدا کر دیتی ہین اور ہر چند کہ اس اثر مین موثر ظاہراً وصورۃً خوارق یعنے معجزات وکرامات بواسطۂ ظہور کے مواد خاصہ مین ہین لیکن باطناً وحقیقۃً موثر دوسری چیز کے واسطہ سے ہین یعنی اون مقبولین کے باطن کے واسطہ سے اور قولہ ز پیران صفی کے یہی معنے ہین پس ز بمعنے حن علیہ یعنے لاجل کے ہے اور شعر آیندہ مین اسی توسط کی تعلیل ہے کہ یہ اثر اون کے باطن کے واسطہ سے) اس لیے (ہوتا ہے) کہ اون حضرات کا باطن صدقیامتِ عاجلہ (کے مشابہ) ہے (جسطرح قیامت کا خاصہ باذنِ حق احیاء اجسامِ میتہ ہے اسیطرح اونکے باطن کا خاصہ بھی احیار قلوب میتہ ہے پس خوارق بواسطہ ان حضرات کی برکت باطنی کے مؤثر فی ہدایۃ القلوب ہوتی ہین اور دلیل اسکی کھلی ہوئی ہے وہ یہ کہ بعض عجائب مشابہ خوارق کے بعض اہل باطل سے بھی صادر ہوتے ہین مگر عامہ اہل قلوب سلیمہ پر اوسکا ذرہ اثر نہین ہوتا حالانکہ سبب ومنشار اونکا بھی عامہ پر خفی ہوتا ہے جسطرح معجزات وکرامات کا سبب خفی ہوتا ہے تو اسکی وجہ حقیقت مین یہی ہے کہ اہل باطل کے قلوب مین برکت نہین ہوتی اس لیے عامہ کے قلوب پر اونکا اثر نہین ہوتا تو اس سے معلوم ہوا کہ مقبولین کے خوارق مین جو اثر ہے وہ اون کے قلوب کی برکت ہے آگے اون قلوب کی ایک برکت نمونہ کے طور پر بیان کرتے ہین کہ اس سے دوسری برکات پر استدلال کیا جا سکے پس فرماتے ہین کہ) ادنیٰ (اثر اون کے قلب کا) یہ ہے کہ (اونکا) ہمسایہ (اور جلیس) مست ہو جاتا ہے (یعنے اون کے پاس بیٹھنے ہی سے قلب مین ایک قسم کی شورش ومستی محبت الٰہیہ کی پیدا ہو جاتی ہے چنانچہ مشاہد ہے) پس وہ نیکبخت اللہ کا جلیس ہو گیا جس نے کسی سعید

(و مقبول) کے پہلو مین اسباب جا دتا لا (یعنی مقیم ہوگیا یہ تفریع ہے ماقبل پر اور وجہ تفریع ظاہر ہے کیونکہ اللہ کی مجالست یہی ہے کہ اوسکا قرب ہوا ور قرب یہی ہے کہ اوس سے علاقہ محبت ہو پس مستی محبت بر مجالست کا ترتب ظاہر ہے اور اوپر جو تاثیر خوارق مین مواد خاصہ کے توسط کی نفی کی ہے جیسا کہ زبیر ان صفی کا مدلول و مفہوم ہے جس کی تقریر اوسکی شرح مین کی گئی ہے اس نفی مین ظاہرًا استبعاد تھا کیونکہ ظاہرًا تو وہی واسطہ معلوم ہوتے ہین اس لیے آگے اس استبعاد کو دفع فرماتے ہین کہ تم اس حکم مین استبعاد مت کرو کہ معجزات بدون واسطہ مواد خاصہ کے قلب پر اثر کرتے ہین کیونکہ خیال کرنے کی بات ہے کہ) جس معجزہ نے جماد پر اثر کیا ہے خواہ وہ عصا ہو (کہ اژدہا بن گیا تھا) خواہ بحر ہو (جو موسیٰ علیہ السلام کے لیے شگافتہ ہوگیا تھا) خواہ شق القمر ہو (جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا مشہور معجزہ ہے) اگر (ایسا معجزہ) روح (اور قلب) پر بلا واسطہ (اون مواد کے جنمین ظہور معجزات مذکورہ کا ہوا اور جنکو معجزات مذکورہ سے انقلاب و استحالہ ہوگیا) اثر کرے تو (اس مین تو مقصود معجزات کا اور زیادہ حاصل ہوگا اور وہ مقصود یہ ہے کہ طالب و مطلوب یعنی عبد عاشق و اللہ محبوب مین) مخفی طور پر ارتباط (و تعلق اور بھی متصل (و پیوستہ) ہوجاویگا (جب یہ صورت تاثیر بلا توسط مواد کی ترتب مقصود مین زیادہ اقرب ہے اور یہی مقدر حق تو اسکا وقوع بہ نسبت تاثیر بتوسط مواد کے زیادہ متوقع ہوگا پھر اسکے وقوع مین استبعاد کی کیا وجہ اور بعض نے لفظ بیواسطہ کو مصرعہ دوم کی قید سمجھی ہے یعنی متصل گردد بلا واسطہ اور اس تقدیر پر اثر برجان کند مین یہ قید بلا واسطہ کی اس سے مفہوم ہوگی کہ اوس مین زند کے ساتھ واسطہ کی قید نہین اور اصل تاثیر مین بلا واسطہ ہے پس متبادر زند سے زند بلا واسطہ ہوگا تو اسکا بھی حاصل وہی ہوگا جو ترکیب اول کا ہے اب یہ بات رہ گئی کہ ترتب مقصود معجزات مین یہ صورت اقرب کیون ہے تقریر اوس کی یہ ہے کہ اصل مقصود معجزات کا تاثیر فی القلوب ہے چنانچہ ظاہر ہے کہ معجزات اسی لیے دکھلائے جاتے ہین کہ قلوب مین معرفت و ہدایت پیدا ہوا ور یہی تاثیر فی القلوب ہے اور معجزات کی جو تاثیر مواد مین ہوتی ہے وہ اثر فی المواد خود مقصود نہین ہوتا بلکہ اوس سے یہی غرض ہوتی ہے کہ مواد کا یہ انقلاب دیکھکر قلوب ارواح کو ہدایت ہو پس تاثیر فی المواد مقصود بالغیر ٹھہری اور تاثیر فی القلوب مقصود بالذات پس جب حق تعالیٰ مواد مین تاثیر ظاہر فرما دیتے ہین جو کہ مقصود بالذات بھی نہین اور اس مصرعہ مین معجزہ کان برجادے زد اثر اسی طرف اشارہ ہے تو اگر خود قلوب مین تاثیر ظاہر فرما دین جو کہ مقصود بالذات ہے تو اس مین استبعاد کیا ہے چنانچہ آگے اسی مضمون کی تصریح ہے کہ) جمادات (یعنے مواد) پر (گو وہ نباتات و حیوانات ہون کیونکہ روح کے مقابلہ مین تو وہ جمادات ہی ہین وجہ یہ کہ مقابلہ کے قرینہ سے اونکو بلا روح اعتبار کیا جاویگا تو جماد ہونا اون کا ظاہر ہے اور روح حیوانی بمقابلہ روح انسانی کے بمنزلہ جماد کے ہے غرض بعض حقیقۃً بعض تشبیہًا جماد ہوئے غرض جمادات پر) وہ اثر (معجزات کا) عاریت (یعنی عارضی بمعنے غیر مقصود) ہے (اور) وہ (اثر مذکور جمادات پر) روح پاکیزہ مخفیہ کے لیے

ہے (یعنی مقصود اوس سے روح کی ہدایت ہے) تاکہ اوس جامد سے ضمیر اثر قبول کرے (پس اگر روح پر وہ اثر بلا واسطہ مواد کے ہوجاوے تو ایسی مثال ہوگی جیسے روٹی بدون واسطہ خمیر کے حاصل ہوجاوے سو) روٹی بدون مادۂ خمیر کے نہایت ہی خوب ہے (کیونکہ خمیر خود تو مقصود نہین اگر مقصود بدون اس کے حاصل ہوجاوے تو سبحان اللہ اور بعض نے بے ہیولاے خمیر کو قید مشبہ بہ کی نہین کہا بلکہ مشبہ کی صفت کہا یعنی وہ اثر مثل روٹی کے ہی غذاے روحانی ہونے مین اور وہ برکت با وجود اس تشبیہ کے بدون مادۂ عجین کے حاصل ہے کیونکہ غذاے جسمانی نہین جس مین مادہ کی حاجت ہو اور اوس اثر بلا واسطہ مواد کی ایسی مثال ہے کہ) بہت خوب ہے خوان مسیحا بلا کمی کے (اور) بہت خوب ہے بدون باغ کے میوہ مریم علیہا السلام کا (کہ یہ برکات بدون وسائط اسباب طبعیہ کے عطا ہوئے تھے اسی طرح مثال سمجھو آثار بیواسطہ مواد کے اور یہان جو توسط جمادات کی نفی کی ہے اس سے مطلق توسط کی نفی مقصود نہین گو کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ بالکل معجزہ ہی کا واسطہ نہین ہوتا مگر یہان اسکا ذکر نہین بلکہ سیاق وسباق مین تصریح ہے کہ یہ موثر تو معجزہ ہی ہے لیکن بلا توسط مواد کے چنانچہ اوپر فرمایا ہے معجزہ کان بر جمادے زد اثر الخ اور آگے ہے بر زند از جان کامل معجزات الخ پس مراد اوس توسط کی نفی ہے جیسا توسط باطن کاملین کو حاصل ہے یعنی ظاہری واسطہ تو مواد ہین اور باطنی واسطہ باطن کاملین جسکی تقریر شرح شعر معجزاتے وکراماتے خفی الخ وردرون شان الخ مین گذر چکی ہے فتذکرہ آگے اسکا بیان ہے کہ ہم نے جو اوپر بیان کیا ہے کہ معجزات کا اثر ارواح پر بلا واسطہ مواد کے محض بواسطہ باطن مقبولین کے ہے سو گو یہ حکم عام ہے لیکن ظہور اسکا مقید ہے ارواح متاثرہ کے صدق فی الطلب وسعی فی الحق کے ساتھ ورنہ وہ اثر باوجود موثر کے قوی ہونے کے بوجہ عدم قابلیت متاثر کے ظاہر نہوگا بلکہ بجاے اس اثر کے ایک دوسرا اثر یعنی عجز وسکوت گو جحود اور عناد کے ساتھ ہو ظاہر ہوگا پس اختلاف قابل سے معجزہ کا اثر مختلف ہوگیا چنانچہ ارشاد ہے کہ) باطن کاملین کی وجہ سے معجزات موثر ہوتے ہین باطن روح طالب پر مثل حیات کے (یعنی وہ اثر مثل حیات کے ہوتا ہے کہ اوس سے ارواح طالبین مین حیات حقیقیہ پیدا ہوجاتی ہے پس محط فائدہ اس کلام مین قید طالب کی ہے یعنی تاثیر مذکور سابق کے لیے وجود طالب کا شرط ہے بخلاف غیر طالب کے جسکو آگے ناقص سے تعبیر کرینگے کہ وہان اس کے خلاف اثر ہوگا چنانچہ فرماتے ہین کہ) معجزہ (کی مثال تو) دریا (کی سی) ہے اور ناقص (یعنی غیر طالب کی مثال) مرغ خاک (کی سی) ہے (اور) مرغ آبی (کہ مثال ہے طالب کی) اوس (دریا) مین ہلاکت سے بیخوف ہے (بخلاف مرغ خاکی کے کہ دریا مین ہلاک ہوجاتا ہے بوجہ عدم استعداد للسکنی فی البحر کے پس جسطرح دریا ایک شے ہے اور باختلاف استعداد ساکن اوس کے مختلف آثار ظاہر ہوئے اسی طرح معجزہ کا اثر طالب پر احیا ہے اور معاند پر اہلاک آگے دوسرے عنوان سے یہی مضمون ہے کہ معجزہ) عجز بخش ہے جان ہر نامحرم کا لیکن

قدرت بخش ہے جان ہمدم کا (اس عجز سے مراد وہی ہے جو احقر نے تمہید شرح شعر بر زند از جان کامل الخ میں لکھا ہے یعنی عجز و سکوت گو جحود و عناد کے ساتھ ہو اور ممکن ہے کہ جحود و عناد کو بھی عجز کی فرد بنالی جاوے کیونکہ یہ جحود و عناد سبب ہوتا ہے عدم قدرت علی الفلاح کا کما قال تعالیٰ لا یقدرون مما کسبوا علی شیء ذلک ہو الضلال البعید اور اس میں لطیف اشارہ ہے وجہ تسمیہ معجزہ کی طرف یعنی معجزہ بمعنے عاجز کنندہ ان لوگوں کے اعتبار سے ہے اور میں نے اسکو لطیفہ اس لیے قرار دیا کہ اس تسمیہ کی بناء تو عجز عن المقاومۃ ہے اور وہ اسکو عام ہے اور دوسرے مصرعہ میں اس عجز مذکور فی المصراع الاول کے مقابلہ میں قدرت کا اثبات ہے یعنے قبول و قوت عمل واکتساب اسباب فلاح اور یہ عجز ہلاکت ہے اور یہ قدرت حیات جو اسکے اوپر کے شعر میں مذکور تھی یہانتک یہ تحقیق توسط برکات قلوب در باب ظہور آثار معجزات ختم ہوئی اب عود کرتے ہیں شعر بالا چون ز ذات حق بعیدی الخ کی طرف چونکہ اشعار قریبہ میں معجزات کے متعلق ذو ہی فرقون کا بیان کیا تھا ایک وہ جنپر معجزات کا اثر ذوقاً غالب ہو جاوے جنکو طالب صادق و مرغ آبی ہمدم کہا تھا ایک وہ جنپر بالکل یہ اثر نہ ہو جنکو ناقص و مرغ خاکی و نامحرم کہا تھا اور یہان ایک تیسرا فرقہ بھی ہے کہ نہ ایسا صحیح الادراک مثل اول کے اور نہ منکر و معاند بلکہ طالب ہے مگر ظاہری دلائل کا محتاج خواہ وہ دلائل معجزات ہون یا دوسرے مصنوعات ہون پس آگے مولانا فرماتے ہین کہ حسب شعر بالا چون ز ذات حق الخ تم آثار سے ضرور کام لو اور اگر صحت ادراک و سلامت فطرت مین مثل فرقۂ اولیٰ کے نہ ہو تو فرقۂ ثانیہ مین مت داخل ہو جاؤ فرقۂ ثالثہ ہی مین رہو کہ حرمان تو نہ رہیگا پس اسی کو فرماتے ہین کہ) اگر یہ سعادت (درجۂ مذکورہ کی حدتک) تو (اپنے) ضمیر مین نہین پاتا (جس سے تو فرقۂ اول مین داخل ہو سکے) پس ظاہر ہی سے ہر وقت (معرفت صانع کے لیے) استدلال کرنا اختیار کرلے (کہ فرقۂ ثالثہ سے ہو جاوے غرض فرقۂ ثانیہ مین تو مت داخل ہو آگے استدلال کا طریقہ بتلاتے ہین جسکا حاصل آثار سے مؤثر پر دلالت ہے جیسے نبض کی دلالت صفات قلب پر یعنی آثار سے مؤثر پر اس لیے استدلال کرنیکو کہا جاتا ہے) کہ (بہت سے) آثار (ایزد صانع کے تو) حواس پر ظاہر ہین (یعنے مدرک بالحواس ہوتے ہین گو بعض آثار مدرک بالحواس نہین بھی ہین لیکن جو مدرک بالحواس ہین انکو تو غبی سے غبی بھی سمجھ سکتا ہے اور وہ بھی دلالت مین کافی ہین اس لیے انکی تخصیص ذکر مین کی) اور یہ آثار (مذکورہ) مؤثر سے مخبر ہین (کہ اون سے وجود و کمالات علمیہ و عملیہ مؤثر صانع پر استدلال ہو سکتا ہے اور اس دلالت آثار علی المؤثر کی ایسی مثال ہے جیسے کہ) صفت (خاصہ) ہر دارو کی پنہان (ہوتی) ہے مثل سحر اور صنعت ہر جادو کے (یعنی صفات ادویہ کا خفاء ایسا ہے جیسا سحر یعنی اوس سحر کی صنعت یعنی تصرف و اثر پس یہ عطف تفسیری ہے اس طرح سے کہ سحر سے مراد مجازاً اوسکا اثر ہو غرض اثر جادو کی طرح اثر ادویہ کا بھی مخفی ہے لیکن) جب اوس (دارو) کے افعال و آثار میں (جبکہ وہ ظاہر ہون) تم نظر کروگے تو اگرچہ

وہ (پہلے سے) مخفی ہے (مگر) اوسکا اظہار کر دوگے (یعنی) جو قوت کہ اوس (دوا) مین مضمر ہے۔ جب وہ فعل مین آتی ہے تو ایسی عیان ہو جاتی ہے کہ ظاہر کر دی جاتی ہے (مثلاً ایک دوا مین خاصۃ اخراج فضول کا مبطن ہے پھر اوسکا عمل یعنی اوس فعل کا اثر ظاہر ہوکہ فضول کا خروج ہو کہ یہ خروج اوسکے فعل اخراج کا اثر ہے اس سے اوس خاصۃ مبطنہ پر استدلال صحیح ہو گیا اسیطرح حق تعالےٰ کی ذات وصفات کہ امر مبطن ہے جب اوس کے افعال یعنی احیاء و اماتت کے آثار یعنے حیات زید و موت عمرو مثلاً ظاہر ہوئی اس سے اوس مبطن پر استدلال صحیح ہوگا آگے اسی کی تطبیق ہے کہ) جب آثار سے تجھکو یہ سب (مخفیات یعنی خواص ادویہ و تصرفات سحر) ظاہر ہو گئے۔ تو پھر تجھکو ایزد (تعالیٰ) آثار سے کیون نہین ظاہر ہوا (یعنے ہونا چاہیے آگے آثار ایزدی کی تعمیم فرماتے ہین کہ مثل ادویہ وغیرہ کے اوس کے آثار محدود نہین بلکہ غیر محصور ہین پس بعنوان استفہام انکاری کے فرماتے ہین کہ) کیا یہ بات نہین ہے کہ تمام اسباب و آثار یعنی مغز اور پوست جب جستجو (اور غور) کرو تو یہ سب وہی (ایزد تعالیٰ) کے آثار ہین (گو بواسطہ افعال کے ہون اور مغز اور پوست بطور لف ونشر مرتب کے بطور عطف بیان کے ہے سببہا و اثرہا کا یعنے اسباب بوجہ متبوع فی الوجود ہونے کے مشابہ مغز کے ہے کہ وہ متبوع فی القصد ہوتا ہے اور آثار بوجہ تابع فی الوجود ہونیکے مشابہ پوست کے ہے کہ وہ بھی تابع فی القصد ہوتا ہے یہان تک تو ارشاد ہوا آثار سے صانع کی معرفت کا آگے آثار سے صانع سے محبت کرنیکا ارشاد ہے پس ایک فائدہ علم ہوا دوسرا عمل یعنی) تو بہت سی چیزون کو (اونکی مطلوب) اثر سے محبوب بنالیتا ہے (یعنی مثلاً لذت مرغوبہ کی وجہ سے کسی مطعوم سے محبت ہو جاوے) سو معطی آثار سے تو بے خبر کس لیے ہے (کہ اس اثر مرغوب کا پیدا ہو جانا یہ اوس معطی آثار کے فعل تخلیق و ایجاد کا اثر ہے تو اوس سے محبت کیون نہین کرتا آگے اس سے ترقی کرتے ہین کہ خیر یہ اثر مذکور فی قولہ دوست گیری چیزہا را از اثر الخ تو ممکن ہے کہ واقعی ہو کبھی تو ایسا ہوتا ہے کہ محض) ایک خیال (ہی) سے تو (کسی) مخلوق کو محبوب بنالیتا ہے (کہ اوس مین وہ اثر اور کمال واقع مین بھی نہین ہوتا تو) سلطان غرب و شرق کو (جسکے تمام کمالات حقیقی ہین) کیون نہین محبوب بناتا (آگے تمہید ہے رجوع الی القصہ کی کہ) یہ کلام تو (کہین) انتہا ہی نہین رکھتا اے بادشاہ (مخاطب کو تعظیماً کہدیا اور غیر متناہی ہونا اس کا ظاہر ہے کہ ہر مصنوع سے استدلال ہوتا ہے صانع پر اور مخلوقات جانب ابد مین لاتقف عند حد ہین تو مضمون استدلالات کا بھی اس معنے کر غیر متناہی ہوگا اس لیے کلام کو ختم کرکے مقصود کی دعا کرتا ہون کہ) ہماری حرص (یعنی محبت) کو اس (شاہ شرق و غرب) مین (جس کی محبت کا اوپر بیان ہوا ہے) انتہا نہ ہو (یعنے گو کلام ختم کر دیا گیا ہے مگر خدا کرے اس محبت کا کبھی خاتمہ نہ ہو بلکہ ترقی اور تزاید ہی مین رہے اس تمہید و دعا کے بعد رجوع الی القصہ ہے کہ) رجوع کرو اور قصہ (اوس) بیمار کا کہو۔ جو طبیب آگاہ اور ستار خصلت کے ساتھ واقع ہوا ستار خصلت اس لیے کہا کہ اوس نے اوس بیمار کی بیماری عام پر ظاہر کرکے رسوا نہ کیا ہوگا اور سلیس نسخہ یہ ہے باز گرد و قصۂ رنجور خوان ✦ با طبیب آگہ و ستار دان)۔

رجوع بقصهٔ آن رنجور

نبضِ او بگرفت وو اقف شد زحال
اُسکی نبض پکڑی اور حال سے واقف ہوا

که امیدِ صحّتِ او بُد مُحال
کہ اُمید اوسکی صحت کی مُحال تھی

گفت ہر چیت دل بخواہد آن بکن
طبیب نے اُس سے کہا کہ جو کچھ تیرا دل چاہے وہی کر

تا رَوَد از جسمت این رنجِ کہن
تاکہ تیرے جسم سے یہ رنج کہن دُور ہو

ہر چه خواہد خاطرِ تو وا مگیر
جس چیز کو تیرا دل چاہے اوسکو رُوک مت

تا نگردد صبر و پرہیزت زحیر
تاکہ تیرا ضبط و پرہیز مصیبت ہنو جاوے

صبر و پرہیز این مرض را دان زیان
ضبط اور پرہیز کو اس مرض کے لیے زیان سمجھ

ہر چه خواہد دل در آرش در میان
جس چیز کو دل چاہے اوسکو عمل مین لے آ

این چنین رنجور را گفت اے عمو
اے عمو ایسے ہی بیمار کو فرمایا ہے

حق تعالیٰ اِعْمَلُوا مَا شِئْتُمْ
حق تعالیٰ نے کہ تم جو چاہو کرو

گفت رَو ہین خیر بادت جانِ عم
اُس مریض نے کہا کہ بس جاؤ تمھارا بھلا ہو اے جانِ عم

من تماشاے لبِ جُو میروم
مین تماشاے لبِ دریا کے لیے جاتا ہون

بر مرادِ دل ہمی گشت او بر آب
حسب مرادِ دل وہ پانی کے نزدیک ٹہل رہا تھا

تاکه صحت را بیابد فتح باب
تاکہ بابِ صحت کی کشودگی حاصل کرے

بر لبِ جُو صوفیے بنشسته بود
لبِ دریا ایک صوفی بیٹھا تھا

دست و رُو می شُست و پاکی میفزود
ہاتھ اور مُنھ دھو رہا تھا اور پاکی بڑھا رہا تھا

او قفائیش دید چون تخییلیی | کرد او را آرزوی سیلیی

اس مریض نے اسکی گدی دیکھی تو خیالی آدمی کی طرح | اسکو ایک چپت لگانے کی آرزو ہوئی

بر قفای صوفی آن حیرت پرست | راست می کرد از برای صفع دست

صوفی کی گدی پر وہ حیرت پرست | ہاتھ تان رہا تھا چپت لگانے کے لیے

کارزو را گر نرانم تا رود | آن طبیبم گفت کان علت شود

کہ اگر میں آرزو کو جاری نکروں یہانتک کہ وہ جاتی رہے | تو اس طبیب نے مجھسے کہا تھا کہ وہ علالت ہو جاویگی

سیلیش اندر برم در معرکه | زانکه لا تلقوا بایدی تهلکه

اوسکی چپت کو میں معرکہ میں لاتا ہوں | کیونکہ حکم ہے کہ اپنے کو ہلاکت میں مت ڈالو

تهلکه است این صبر و پرهیز ای فلان | خوش بکوبش تن مزن چون کاهلان

یہ ضبط و پرہیز ہلاکت ہے اے فلانے | اس پر خوب لگا کاہلوں کیطرح خاموش مت ہو

چون زدش سیلی بر آمد یک طراق | گفت صوفی هی هی ای قواد عاق

جب اوسکے چپت لگائی اور تڑاق سے آواز ہوئی | تو صوفی نے کہا کہ ہیں ہیں اے قلتبان آزار دہندہ

خواست صوفی تا دو سه مشتش زند | سبلت و ریشش یکایک بر کند

صوفی نے چاہا کہ اسکے دو تین گھونسے لگا دے | اوسکی مونچھ اور داڑھی یکبارگی نوچ ڈالے

لیک او را خسته و رنجور دید | بس ضعیف و خوار و زار و عور دید

لیکن اوسکو خستہ اور رنجور دیکھا | بہت ہی ضعیف اور خوار اور زار و نزار اور برہنہ دیکھا

باز اندیشید او ضعف ورا | گفت اگر مشتش زنم گردد فنا

پھر اوسکی ناتوانی کو سوچا | کہا کہ اگر اسکے گھونسا مارتا ہوں تو وہ فنا ہی ہو جاویگا

رنج دق از وے بر آوردہ دمار	دید شخصے سخت مدقوق و نزار
مرض دق نے خود ہی اوسکا کو نچ نکال رکھا ہے	ایک ایسا شخص دیکھا کہ مدقوق ہے اور بیحد لاغر ہی

(اوس طبیب نے) اوسکی نبض (ہاتھ مین) لی اور (اوس کی حرکت کی کیفیت سے) حال (مریض) سے واقف ہوا (آگے اوس حال کا بیان ہے اور کاف بیانیہ ہے یعنی وہ حال یہ تھا) کہ امید اوسکی صحت کی (عادۃً) محال تھی (یعنی وہ مایوس العلاج تھا چونکہ ایسی حالت مین علاج اور پرہیز سب بیکار تھا اس لیے) طبیب نے اوس سے کہا کہ (کھانے پینے کے متعلق) جو کچھ تیرا دل چاہے وہی کرتا کہ تیرے جسم سے یہ رنج کہن دور ہو (رنج کہن سے مراد مرض کہن نہین ہے ورنہ شعر بالا کے مصرعۂ دوم سے اسکا تعارض لازم آوے گا بلکہ مراد اس سے وہ تنگی وکلفت ہے جو پرہیز کے سبب ہوتی تھی اور نفع اوس سے کچھ نہ تھا بلکہ بعض اوقات اس سے طبیعت اور ضعیف ہو جاتی ہے پس ہرچہ خواہی آن بکن سے یہ کلفت دور ہو جاویگی اور اس کلفت کا اثر بھی جسم ہی پر ہوتا ہے اس لیے از جسمت کہا گیا آگے یہی مضمون دوسرے عنوان سے ہے کہ جس چیز کو تیرا دل چاہے اوسکو روک مت تاکہ تیرا ضبط اور پرہیز (یہ عطف تفسیری ہے) مصیبت نہ ہو جاوے (زحیر کے لغوی معنے پیچش کے ہین یہان مجازاً مطلق تکلیف اور مصیبت مراد ہے غرض) ضبط اور پرہیز کو اس مرض کے لیے زیان سمجھ (اسطرح سے کہ اس سے طبیعت ضعیف ہو جاویگی مرض کا اور زیادہ استیلا ہوگا اور یہ قاعدہ عام نہین ہے مگر خاص اوس کی حالت سے ایسا تحقیق ہو گیا ہوگا اس لیے) جس چیز کو دل چاہے اوسکو عمل مین لے آ (اور بعد تحریر اس توجیہ مذکور کے ایک ور تقریر مقام کی ذہن مین آئی اور وہ سہل اور ابعد عن التکلف ہے وہ یہ کہ گو اوسکو مایوسی صحت سے ہوگئی ہے اور یہی منشا تھا اوسکو مطلق العنان کر دینے کا لیکن اوس مریض پر بخیال اوسکی دلشکنی اور پریشانی کے اوس نے یہ امر ظاہر نہین کیا اوس کو یہی کہا کہ پرہیز سے مرض بڑھیگا اور بدپرہیزی سے صحت ہو جاویگی اب تعارض بھی نہوگا اور سب مضامین صاف ہو جاوینگے اور قرینہ اس توجیہ کی ترجیح کا آیندہ کے ایک شعر کا یہ مصرعہ ہے تاکہ صحت را بیابد فتح باب آگے بمناسبت مریض جسمانی بطور انتقال کے ایسے ہی مایوس العلاج مریض روحانی کے متعلق فرماتے ہین کہ) ایسے ہی (مایوس الصحت) بیمار کو فرمایا ہے حق تعالیٰ نے کہ تم جو چاہو کرو (سورۂ فصلت مین کفار کو خطاب ہے اعملوا ماشئتم انہ بما تعملون بصیر یعنے جو چاہو کرتے رہو وہ بیشک تمھارے اعمال کو دیکھ رہا ہے اور یہ امر اذن واباحت کے لیے نہین بلکہ زجر و توبیخ کے لیے ہے جیسے معلم بدشوق لڑکے سے کہتا ہے کہ بیٹھا رہ کھیلتا رہ مین خوب دیکھتا ہون مولانا نے مریض روحانی مایوس الصحت سے مراد کفار کو لیا ہے مطلب یہ ہے کہ جسطرح اوس مریض کے لیے اوس طبیب کا قول اعمل ماشئت علامت تھی اوسکے مایوس الصحت ہونے کی اسیطرح خاص کفار کے لیے حق تعالیٰ کا قول اعملوا ماشئتم علامت ہے اونکے مایوس الاصلاح ہونیکی

جیسا دوسری آیت مین اسکی تصریح ہے ان الذین کفروا سواء علیہم الی قولہ ختم اللہ الخ اور خاص کفار سے مراد وہی لوگ ہین جنکا ختم علی الکفر علم الٰہی مین سابق ہے پس مقصود مولانا کا صرف تشبیہ دینا مریض روحانی کو مریض جسمانی کے ساتھ اس امر مین ہے کہ دونون کا یہ خطاب علامت ہے مایوس الصحت ہونیکی اور یہ مقصود نہین کہ دونون جگہ صیغۂ امر کا مدلول ایک ہی ہے کیونکہ یقینی بات ہے کہ اوس طبیب کے قول مین یہ امر اباحت کے لیے ہی اور قرآن مجید مین توبیخ کے لیے۔ ہکذا یجب ان یحقق المقام + ومن ذہب الی غیر ہذا ان المولوی فسر الآیۃ بالمعنی البطنی بحملہا علی الخطاب للعشاق وکونہم غیر مکلفین فیما صدر عنہم لغوط العشق فقد ضل وزل عن المرام + وان کان ہذا الذاہب من الاعلام + وللہ الحمد علی ما انعم علی فی ہذا الافہام + مع کونی لاشیئاً محضاً من الانام آگے پھر قصہ ہے کہ) اوس مریض نے (یہ سنکر طبیب سے) کہا کہ بس جاؤ تمہارا بھلا ہو اسے جان عم (اب) مین (تمہاری تجویز کے موافق کہ جو جاہے کر) تماشا سے لب دریا کے لیے جاتا ہون (چنانچہ وہ وہان گیا اور) حسب مراد دل وہ پانی (کے کنارہ) پر ٹہل رہا تھا تاکہ باب صحت کی کشودگی حاصل کرے (جیساکہ طبیب نے امید دلائی تھی اور اوپر کے ایک شعر مین جو آیا ہے تا رود از جسمت این رنج کہن اگر اسکی توجیہ اول اختیار کی جاوے تو صحت سے مراد صحت اضافی ہوگی یعنے پرہیز سے جو کوفت بڑھتی اب وہ کوفت نہونا اُس کے مقابلہ مین بمنزلہ صحت کے ہے اتفاق سے) لب دریا ایک صوفی بیٹھا تھا (اور) ہاتھ اور منھ دھو رہا تھا اور پاکی بڑھا رہا تھا (مطلب یہ کہ طہارت حقیقی تو اوسکو پہلے سے حاصل تھی طہارت حکمی حاصل کر رہا تھا یعنے وضو کر رہا تھا اور ظاہر ہے کہ مجموعۂ طہارتین زائد ہوگا ایک طہارت سے) اس مریض نے اوس (صوفی) کی گدی دیکھی تو خیالی (یعنے سودائی وپابند خیالات) آدمی کی طرح اوسکو (اوسکی قفا پر) ایک چپت لگانے کی آرزو ہوئی (در محاورۂ قدما آمدہ کہ مرا آرزو میکند یعنی مشتہٰو محمد افضل) صوفی کی گدی پر وہ حیرت پرست (یعنی متحیر العقل و پریشان خیال) ہاتھ تان رہا تھا چپت لگانے کے لیے (اور دل مین کہہ رہا تھا) کہ اگر مین (اپنی) آرزو کو جاری نکرون یہانتک کہ وہ (آرزو بے پوری ہوئے) جاتی رہے تو اوس طبیب نے مجھ سے کہا تھا کہ وہ علالت (کی ترقی کا سبب) ہو جاویگی (اس لیے) اوسکی چپت کو مین معرکہ مین (یعنی وقوع مین) لاتا ہون کیونکہ (حق تعالیٰ کا حکم ہے کہ) اپنے کو ہلاکت مین مت ڈالو (اور) یہ ضبط و پرہیز (اور چپت نہ مارنا) ہلاکت ہے (جس سے بچنا نقلاً ضروری ہے اس لیے) اے فلانے (یعنی اے نفس) اس (صوفی کی گدی) پر خوب لگا (اور) کاہلون کی طرح خاموش مت ہو (سکوت سے مراد سکون ہے یعنی سکون مت اختیار کر اور ظاہر ہے کہ یہ استدلال اوس کا قرآن سے جہل محض ہے غرض اوس بیچارہ غریب کے ایک چپت لگا ہی دی سو) جب اوس کے چپت لگائی اور تڑاق سے آواز ہوئی تو صوفی نے کہا کہ ہین ہین اے قلتبان آزار دہندہ (یہ کیا کرتا ہے اور یہ کون) صوفی نے چاہا کہ اوس کے دو تین گھونسے لگادے (اور) اوسکی مونچھ اور

ڈاڑھی یکبارگی نوچ ڈالے لیکن اوسکو دبالکل) خستہ اور رنجور دیکھا اور بہت ہی ضعیف و رخوار اور زار و نزار اور برہنہ دیکھا (برہنہ سے مراد قوت سے بیسامان ورخالی ہے) پھر رحم آگیا اوسکی ناتوانی کو سوچا اور اپنے دلمین) کہا کہ اگر اوسکے گھونسہ مارتا ہون تو وہ فنا ہی ہو جاویگا مرض دق نے تو خود ہی وسکا کچھ نکال رکھا ہے (غرض) ایک ایسا شخص دیکھا کہ جو دق ہے اور بیچارہ غریب دیلی بھی لینے کو کرتا ہے)

خلق رنجورِ دق و بیچارہ اند　　وز خداعِ دیو سیلی بارہ اند

خلائق مریضِ دق اور لاعلاج ہین　　اور اغواے شیطان سے سیلی دوست ہین

جملہ در ایذاے بیجرمان حریص　　در قفاے ہمدگر جویان نقیص

سبکے سب بےجرم لوگون کی ایذا رسانی کے شوقین ہین　　ایک دوسرے کی غیبت مین نقائص کی جستجو کرنیوالے ہین

اے زنندہ بیگناہان را قفا　　در قفاے خود نمی بینی جزا

اے شخص جو بے گناہون کی قفا پر مار رہا ہے　　تو اپنی قفا کو کیون نہین دیکھتا

اے ہوا را طبِ خود پنداشتہ　　بر ضعیفان صفع را بگماشتہ

اے شخص کہ خواہشِ نفس کو اپنی شفا سمجھے ہوے ہے　　ناتوانون پر سیلی کو مسلط کیے ہوے ہے

بر تو خندید آنکہ گفتت این دواست　　اُو ست کادم را بگندم رہنماست

تجھپر وہ ہنس رہا ہے جسنے تجھسے یہ کہا ہے کہ یہ دوا ہے　　وہ ہی جو آدم علیہ السلام کو گندم کیطرف راہ دکھانیوالا ہے

کہ بخور این دانہ را اے مستعین　　بہر داروتا تکونا خالدین

کہ اس دانہ کو کھا لیجیے اے یاری چاہنے والے　　بغرض علاج کے تاکہ تم دونون اہل خلود سے ہو جاؤ

اوش لغزانید و زد اور اقفا　　آن قفا واگشت و گشت این را جزا

اس شیطان نے ان آدم کو لغزش یدی اور انکی قفا پر مار دیا　　وہ قفا واپس ہوئی اور اس کی سزا ہوگئی

اُوش لغزانید سخت اندر زلق　　لیک پشت و دستگیرش بود حق

اس شیطان نے انکو پھسلنے کی جگہ مین سخت پھسلایا　　لیکن انکا پشت پناہ اور دستگیر حق سبحانہ وتعالی تھے

کوه بود آدم اگر پر مار شد

آدم علیہ السلام ایک پہاڑ تھا اگر وہ پُرمار بھی ہو گئے

کان تریاق ست و بی اضرار شد

تو وہ کانِ تریاق بھی ہین اور بے اضرار ہو گئے

تو کہ تریاقے نداری ذرهٔ

تو کہ تریاق نہین رکھتا تو ایک ذرہ ہے

از خلاص خود چرا در غرهٔ

تو اپنی خلاصی سے کس بھروسے پر غفلت مین ہے

آن توکل کو خلیلانه ترا

وہ توکل خلیل علیہ السلام کا سا تجھکو کہان حاصل ہے

وان کرامت چون کلیمت از کجا

اور وہ کرامت موسیٰ علیہ السلام کی سی تجھکو کہان نصیب ہے

تا نبرد تیغت اسمٰعیل را

تاکہ تیری تلوار اسمٰعیل کو قطع نکرے

تا کنی شهراه قعر نیل را

تا کہ تو قعر نیل کو شاہراہ بنالے

گر سعیدے از مناره اوفتید

اگر شیخ سعید منارہ پرسے گر پڑے

بادش اندر جامه افتاد و رهید

تو ہوا اُنکے کپڑے کے اندر واقع ہوگئی اور بچگئے

چون یقینت نیست آن بخت حسن

جب یقیناً تجھکو وہ نصیبہ نیک میسر نہین

تو چرا بر باد دادی خویشتن

تو تو نے کیون اپنے آپکو برباد کیا

زین مناره صد هزاران همچو عاد

اِس منارہ سے لاکھون آدمی عاد کی طرح

درفتادند و سر و تن باد داد

گر چکے ہین اور سر اور جسم برباد کیا ہے

سرنگون افتادگان زیر منار

بہت سے سرنگون گرے ہوے لوگونکو منارہ کے نیچے

می نگر تو صد هزار اندر نهار

دیکھ لے لاکھون۔ ہزار دن

تو رسن بازی نمیدانی یقین

تو رسن بازی یقیناً نہین جانتا

شکر پاها گو و میرو بر زمین

پیرون کا شکر کر اور زمین پہ چلا کر

پر مساز از کاغذ و از کُه مپر		کاندرین سودا بسے رفت ست سر
کاغذ کے پر مت بنا اور پہاڑ پر سے مت اڑ		کیونکہ اس خیال مین بہت سے سر جاتے رہے ہین

دیاره بمعنے دوست هم آمده کذا فی الغیاث عن المصطلحات غره بالفتح وتشدید فریفته شدن وبکسر اول وتشدید فریفتگی وغافلی کذا فی الغیاث عن اللطائف ودرین مصرعه که این کلمه واقع شده دو نسخه اند یکے چرائی غرهٔ دیگر چرا می غرهٔ بر نسخهٔ اول غرهٔ را بیاے مجهول خواندن اَولی ست یعنی غره چرا هستی وغره را بمعنے ذی غره باید گرفت وبراے موافقتش ذره را که در مصرعهٔ اولی ست هم بیاے مجهول باید خواند وآن صفت تریاق باشد یعنے تریاق برابر ذره هم نداری لیکن درین توجیه یکے تکلف لازم می آید که غره را بمعنے ذی غره گرفتند ودیگرے تقابل کوه که در شعر سابق ازین واقع ست فوت می شود حالانکه متبادر رعایت آن ست چنانچه بعض شراح نیز آن را چنین ترجمه کرده اند که تو ذره هستی نه که کوه مثل آدم علیه السلام ومعنی نسخهٔ ثانی مرا ظاهر نشده مگر آنکه گویند که این از غریدن باشد بمعنے شور کردن و صیغهٔ واحد مخاطب باشد بمعنے چرا شور وفخر میکنی لیکن اندرین صورت قیاس آن بود که می غری بودے اگر مضارع بودے واگر ماضی بودے می غریدی بودے باز حرف آز در صلهٔ اش افتادن معنے ندارد غرض نسخهٔ ثانیه بوجهے صحت ندارد ونسخهٔ اول تکلف دارد ودر قلب من بلا دلیل می افتد که عجب نیست که صحیح در غرهٔ باشد ویاے معروف باشد یعنی چه ادر غفلت هستی واگر فی الواقع این نسخه نباشد پس از تصرف توبه می کنم ونسخهٔ اول اختیار می کنم والله اعلم قوله گر سعیدے شراح گفته اند که اشاره است بکرامت حضرت شیخ شجاع سعید رضی الله تعالے عنه که از مناره خود را فرو انداخت وهیچ ضرر را و را نرسید چنانکه همین سان حکایت شیخ محمد سرازی رح در دفتر پنجم نیز مذکور ست که در غلبهٔ حال از سر کوه بزیر خود را انگند و نمرد قوله چون یقینت نیست آن بخت متینش آنکه چون یقیناً ترا آن بخت نیست نه که چون ترا الیقین حاصل نیست چنانکه بعض محشین فهمیده اند چرا که برین تقدیر ربط آن بخت بوجهے ظاهر نمی شود مگر آنکه عاطف مقدر باشد وتکلف بودنش ظاهر وتوجیهے که احقر اختیار کرده است نظیرش در شعر چارم ازین شعر موجود ست حیث قالؒ تو رسن بازی نمیدانی یقین یعنے رسن بازی را یقیناً نمیدانی آن اشعار مین انتقال ہے مضمون ارشادی کی طرف یعنی جیسا وہ مریض مدقوق تھا اسی طرح اکثر خلائق مریض دق (باطنی) اور لاعلاج (ہو رہے) ہین اور اغوا شیطان سے سیلی دوست (ہو رہے) ہین (یعنے سیلی زنی کے دوست رکھنے والے

عـه چنانکه آینده قبیل سرخی بر تحت نشاندن سلطان محمود دُغ هر شعر آید ببین باسے که بر کش عقل ہست ، روز و شب در جستجوئے نیست در نسخهٔ نولکشوری این حاشیه نوشته است این شعر قافیه ندارد ودر کل نسخ این چنین نوشته اند ودر نیست که قافیه در جستجوئے نیست لیست باخدا مه واین نسخه بتصحیح مولوی مولانا عبدالله بلگرامی طبع شده است غالباً این حاشیه هم از ایشان باشد والله اعلم ۱۲ منه عفی عنه۔

اور پسند کرنیوالے جیسے علم دوست مطلب یہ کہ جسطرح اوس مریض کا مرض جسمی انتہائی درجہ کو پہونچگیا تھا اور طبیب اوس پر ظاہر نکیا تھا اور مطلق العنانی کو طریق شفا بتلا دیا تھا اور اوس نے اوسی پر عمل کرکے ایک بیگناہ کو جا ستایا اسیطرح بہت لوگون کا مرض روحانی یعنے فساد اخلاق وملکات نفسانیہ انتہائی درجہ کو پہونچگیا اور اسی معنی کر لاعلاج مبالغۃً کہدیا ورنہ امراض روحانی کا علاج تو ہر وقت ہوسکتا ہے اگر مریض چاہے اور شیطان نے اوس طبیب کی طرح ان لوگون کو تلبیس مین ڈال رکھا ہے گر اوس طبیب کے لیے اسکا باعث ایک مصلحت بھی اور شیطان کے لیے اس کا باعث غرض فاسد ہے اور تلبیس مین ڈالکر مطلق العنان واتباع ہوی کو طریق شفاے نفس بتا رکھا ہے اور ان لوگون نے اوسپر عمل کرکے بیگناہون کی ایذا پہونچا رکھی ہے اور اون مین بعضے وہ بھی ہین کہ معصیت مین کچھ تاویلین بھی نکال لیتے ہین منجملہ اون کے بعض افعال مین ایک یہ بھی تاویل ہے کہ فلان فعل فلان بزرگ نے بھی کیا ہے ہم اونکی تقلید کرتے ہین حالانکہ یہ قیاس مع الفارق ہوتا ہے آگے یہ سب مضامین اسی ترتیب سے مذکور ہوتے ہین یعنے اوس اغواے شیطانی سے مثل اوس مریض مذکور کے) سب کے سب (یعنی بہت سے) بیجرم لوگون کی ایذا رسانی کے شوقین ہین (اور) ایک دوسرے کی غیبت مین نقائص کی جستجو کرنیوالے ہین (یعنے ہر ایک دوسرے کی عیب جوئی وعیب گوئی کر رہا ہے اور اس مقام پر لفظ قفاء بہت ہی مناسب ہے کیونکہ اوس مریض کا محل ظلم قفا ہی تھا اور یہ عیب جوئی وعیب گوئی بمنزلہ سیلی زدن بر قفا کے ہے اسی لیے آگے فرماتے ہین کہ) اے شخص جو بے گناہون کی قفا پر مار رہا ہے تو اپنی قفا کو کیون نہین دیکھتا (کہ مکافات مین اسپر بھی مار پڑیگی) اے شخص کہ خواہش نفس (کی اتباع) کو اپنی شفا سمجھے ہوئے ہے (اور) ناتوانون پر سیلی کو مسلط کیے ہوئے ہے۔ تجھپر (خود) وہ (بھی) ہنس رہا ہے جس نے تجھ سے یہ کہا ہے کہ یہ دوا (وعلاج) ہے (یعنی شیطان تیری حماقت پر اور اپنی کامیابی پر کہ دشمن کو دوزخ مین لے جانیکا سامان کیا ہنس رہا ہے اور یہ ہنسنے والا) وہ ہے جو آدم علیہ السلام کو گندم کی طرف راہ دکھانیوالا ہے (آگے اوس راہ دکھانے کا بیان ہے کہ اوس نے اون سے یون کہا) کہ اس دانہ کو کھا لیجیے اے یاری چاہنے والے (خدا تعالی سے یعنی اے متوکل یہ لفظ بعنوان مدح ضرورت شعر کے لیے ہے جیسے اے نیک مرد) بغرض علاج (وتدبیر خلود) کے تاکہ تم دونون (یعنی آدم کہ مخاطب بالاصالۃ ہین اور حوا کہ مخاطب بالتبع ہین) اہل خلود سے ہوجاؤ (فاصل الکلام تکونا من الخالدین کیلا یتخالف الاسم والخبر فی التثنیۃ والجمع دھو مختصر من القرآن لضرورۃ الوزن اور اس تقدیر پر لفظ بہر دارد متعلق ہے بخور کے ساتھ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ مستعین کے متعلق ہو یعنے کھا لیجیے اے ایسے مخاطب جو تدبیر خلود کے لیے استعانت چاہتا ہے یعنی خلود جو کہ مطلوب ہے اوس کے اسباب کی تلاش مین اور اون اسباب سے انتفاع واستعمال کی فکر مین ہے غرض) اوس شیطان نے اون آدم کو لغزش دیدی اور (ایسا دھوکا دیا جیسے گویا) اونکی قفا پر مار دیا (کیونکہ قفا پر مارنے کی پہلے سے خبر بھی نہین ہوتی اور اس مصرعہ تک اوپر کا مضمون جوکہ مقصود تھا یعنے لوگ اغواء شیطان سے متاثر ہوکر مردم آزار ہو رہے ہین

ختم ہوا آگے مصرعۂ ثانیہ سے شعر چہ مساز ن تک اون لوگون کے متعلق مضمون ہے جو تاویل کرکے معاصی مین
مبتلا ہوتے ہین اور اپنے معاصی کو بعض بزرگونکی بعض زلّات پر یا بعض مباحات بصورت غیر مباحات پر قیاس
کرتے ہین چنانچہ اشعار مقام ہذا کی تمہید مین بھی ان دونون مضمونون کا خلاصہ بیان کرکے تنبیہ کی تھی کہ یہ
مضامین اس ترتیب سے آگے بیان ہوتے ہین چنانچہ اوّل مضمون کے بعد یہ دوسرا مضمون مذکور ہوتا ہے
یعنے اہل کمال پر اپنے کو قیاس مت کرو گو اونکو بھی کبھی زلّت ہوتی ہے لیکن اوس کا انجام بوجہ اونکی انابت
کے برا نہین ہوتا جیسا آدم علیہ السّلام کو شیطان نے بہکایا ضرور لیکن اخیر انجام اسکا شیطان ہی کی خسارت ہوا
اسطرح سے کہ) وہ قفا (کی ضرب) واپس ہوئی اوراس (شیطان) کی سزا ہوگئی (یعنے آدم علیہ السلام تو استغفار
کرکے بدستور پاک وصاف ہوگئے اور یہ استغفار بھی اعادۂ کمال قبول کے لیے تھا ورنہ نفس قبول پہلے بھی زائل
نہین ہوا تھا کیونکہ خطاے اجتہادی عفو ہوتی ہے گو بوجہ غایت اختصاص کے مقربین پر اسمین بھی ملامت
ہوجاتی ہے بہرحال یہ تو اصلی رتبۂ قبول پر آگئے اور شیطان جس نے شرارت بھی عمدًا کی اور پھر توبہ بھی نہ کی
خسارہ مین پڑا اور اگر کسیکو شبہہ ہو کہ شیطان کی ملعونیت کا سبب تو اباء عن السجدہ تھا اور یہان مولانا کے کلام
سے معلوم ہوتا ہے کہ اغواء آدم اوس کا سبب تھا جواب یہ ہے کہ اِبا سبب تھا اصل ملعونیت کا اور یہ اغوا سبب
ہوگیا زیادت ملعونیت کا پس یہ فرمانا کہ آن قفا واگشت وگشت این را جزا باعتبار اس زیادت کے ہے
فارتفع الاشکال غرض) اوس شیطان نے اونکو پھسلنے کی جگہ مین سخت پھسلایا لیکن (انجام کار اونکو اس لیے
ضرر نہ ہوا کہ) اونکے پشت پناہ اور دستگیر حق سبحانہ وتعالیٰ تھے (اوس دستگیری سے اونکو توفیق توبہ
عطا فرمائی آگے اس عدم تضرر آدم علیہ السلام کی ایک مثال ہے یعنی یون سمجھو کہ) آدم علیہ السلام (گویا)
ایک پہاڑ تھے (اس لیے) اگر وہ پُر مار بھی ہوگئے تو کچھ مضائقہ نہین کیونکہ) وہ (مثل پہاڑ کے) کانِ تریاق
بھی ہین اور (اس وجہ سے) بے اضرار ہوگئے (یعنی جس طرح بعضے پہاڑون مین جیسے سانپ ہوتے ہین اوسطرح
اون مین تریاق یعنی نباتات دافع زہر مار بھی پیدا ہوتے ہین اسیطرح آدم علیہ السلام سے جہان لغزش ہوئی
جو مثل زہر کے مضر تھی وہان توفیق توبہ بھی ہوئی جو مثل تریاق کے دافع ضرر تھی سو آدم علیہ السّلام کی
تو یہ شان تھی اب باقی رہا) تو کہ تریاق نہین رکھتا (اور اس لیے) تو (پہاڑ نہین بلکہ محض) ایک ذرہ ہے
(سو) تو اپنی خلاصی سے (یعنے معاصی سے اپنے کو بچانے سے) کس برتے پر غفلت مین ہے (ہذا علی النسختی یا
کس برتے پر تو غافل ہے وہذا علی النسخۃ الاولی المذکورۃ فی حل العبارات متصلًا بالاشعار مطلب یہ کہ اونکے
اندر تو ایک ملکۂ راسخہ انابت کا تھا کہ وہ باعث قوی ہوگیا فورًا توبہ کرلینے پر جس سے تخلف توبہ کا عادۃً
مستبعد ہے بخلاف تیرے کہ تجھ مین وہ ملکہ نہین ہے بلکہ شر اور دواعیہ نفس ہی غالب ہے اگر تو نے کسی معصیت
کا ارتکاب کیا اور بوجہ باعث کے قوی نہ ہونیکے مستبعد نہین کہ توبہ کا تخلف ہوجاوے پس تو تو ہلاک ہوا
اس لیے اپنے کو اونپر قیاس کرنا غلطی عظیم ہے اور اس تقریر کے بعد اب یہ شبہہ نہین رہا کہ جب تریاق سے

مراد توفیق توبہ ہے سو یہ ہم مین بھی ہوتی ہے پھر اس کے کیا معنے کہ تریاقے نداری الخ جواب ظاہر ہے کہ مراد
تریاق سے وہ توفیق توبہ ہے جسکا باعث ملکۂ راسخہ انابت کا ہو کہ بدون اوس کے تخلف کثیر ہے پس نداریؔ کا حکم
صحیح ہو گیا آگے اسی مضمون کی تاکید فرماتے مین یعنی جس طرح تیرے اندر انابتِ آدم نہین اسی طرح) وہ توکل
خلیل علیہ السلام کا سا (جسکا اثر شعر آیندہ مین آتا ہے) تجھکو کہان حاصل ہے اور (اسیطرح) وہ کرامت موسیٰ
علیہ السلام کی سی (جسکا اثر نیز شعر آیندہ مین آتا ہے) تجھکو کہان سے نصیب ہے۔ تاکہ تیری تلوار اسمٰعیل کو
قطع نہ کرے (یہ اثر ہے توکل خلیلی کا اور) تاکہ تو قعر نیل کو شاہراہ (اور سڑک) بنالے (یہ اثر ہے کرامت موسوی کا)
مطلب یہ کہ کاملین مین صفت تفویض الی الحق غالب ہوتی ہے اور نیز وہ مکرم و مقبول عند اللہ ہوتے ہین اسلیے
مضر چیزین بھی اونکو ضرر نہین پہونچاتین بلکہ کبھی نافع ہو جاتی ہین جس طرح حضرت خلیل اللہ علیہ السلام کو
اوس خنجر سے یہ مضرت نہین ہوئی کہ ذبح ولد کا طبعی قلق دیکھتے اور حضرت کلیم اللہ کو اوس دریا سے نفع پہونچا
کہ سڑک بننے سے اونکے اعدا یعنی فرعون و اہل فرعون اوس مین گھسے اور غرق ہو گئے پس جسطرح یہ مضر چیزین
اون کے حق مین مضر نہین ہوئین یا نافع ہو گئین اسی طرح اگر اون سے کوئی ظاہری لغزش صادر ہو جاتی ہے
اگر وہ واقعی لغزش بھی ہو تب بھی ببرکت اون کے تفویض الی الحق اور اونکے مقبولیت عند الحق کے اوسمین
ایسے اسباب جمع ہو جاتے ہین کہ اوس لغزش سے اونکو ضرر نہین ہوتا مثلاً توفیق توبہ کاملہ کی فوراً ہو گئی یا کبھی
وہ نافع ہو جاتی ہین مثلاً زلت آدم علیہ السلام سے اونکی معرفت اسمار کمالیہ الٰہیہ کی حالاً بڑھ گئی جیسا احقر نے
اپنی تفسیر مین بضمن قصۂ آدم علیہ السلام بیان کیا ہے بخلاف تیرے کہ تجھ مین نہ وہ تفویض نہ وہ مقبولیت
تو تجھکو اپنی حالت کا اونپر قیاس کب زیبا ہے اور اگر وہ واقع مین لغزش نہ تھی تو یہ حکم اور زیادہ ظاہر ہے
اور یہان تک فساد قیاس کے لیے کمالات انبیا کا ذکر تھا آگے بعض کمالات اولیار کا ذکر ہے کہ اونپر بھی اپنے کو
قیاس مت کرو کیونکہ) اگر شیخ سعید (نام ہے ایک بزرگ صاحب کرامت کا یعنی حضرت شیخ شجاع سعید جو منارہ پر
سے کود پڑے تھے اور چوٹ نہین لگی یا معنے وصفی مراد لیے جاوین یعنی کوئی باسعادت بزرگ اور مراد وہی
ہین اگر) منارہ پر سے (عمداً) گر پڑے تو (وہ اپنی کرامت خداداد سے اسطرح ہلاک سے بچگئے کہ) ہوا اون کے
کپڑے کے اندر واقع ہو گئی اور بچگئے (لیکن) جب یقیناً تجھکو وہ نصیبۂ نیک میسر نہین (مراد اس سے کرامت
مذکورہ ہے اور اوس کو بخت کہنا اس لیے ہے کہ کرامت وہبی ہوتی ہے جیسا نصیبہ کہ اوس مین اکتساب کو
دخل نہین ہوتا یعنے جب تجھکو وہ کرامت میسر نہین) تو تو نے (منارہ پر سے کودکر) کیون اپنے آپ کو برباد کیا
کیونکہ تو ہلاک ہو جاویگا اور اگر کسیکو مصرعۂ بادش اندر جامہ افتاد و رہید سے وسوسہ ہو کہ یہ تو عدم ہلاکت کا
ایک طبعی اور معمولی سبب ہوا بعضے عوام کے بھی ایسے واقعات مشہور ہین کہ بڑی سی چھتری ہاتھ مین لیکر منارہ
پر سے کود پڑے اور اُس مین ہوا بھرنے سے آہستہ آہستہ نیچے آ گئے۔ تو اسمین کرامت کی کیا بات ہے جواب
یہ ہے کہ مراد جامہ سے معمولی ہر وقت کے پہننے کا لباس ہے جس مین اس قدر ہوا کہ آدمی کو تھامنے کے لیے

کافی ہو نہ بھر سکے پس اب کرامت ہونا ظاہر ہے مطلب یہ ہے کہ افعال محتملۃ الضرر مین ان کی تقلید کرنا موجب ہلاک ہے اور اپنا قیاس ان پر مع الفارق ہے پس وقوع من المنارہ سے مراد استعارۃً عمل مہلک ہے غرض تو اس منارہ سے مت کودنا کیونکہ) اس منارہ سے لاکھون آدمی عاد کی طرح گر چکے ہین اور (اپنا) سر اور جسم برباد کیا ہے (چنانچہ) بہت سے سرنگون گرے ہوئے لوگون کو منارہ کے نیچے (پڑے ہوئے) دیکھ لے لاکھون ہزارون (عاد کے ساتھ تشبیہ دینے مین یہ نکتہ ہے کہ وہ بڑے بڑے منارے بنایا کرتے تھے کما قال تعالی اتبنون بکل ریع آیۃ تعبثون وتتخذون مصانع لعلکم تخلدون اور یہ تشبیہ خاص منارہ پر سے گرنے مین نہین کیونکہ کوئی قصہ نظر سے نہین گذرا کہ قوم عاد منارہ پر سے گر کر ہلاک ہوئے ہون بلکہ مطلق ہلاکت مین ہے یعنے درفتادند وہمچو عاد ہلاک شدند اور انکا ہلاک چونکہ عجیب طرح سے ہوا جیسا قرآن مجید مین ہے واما عاد فاہلکوا بریح صرصر عاتیۃ سخرہا علیہم سبع لیال وثمانیۃ ایام حسوما فتری القوم فیہا صرعی کانہم اعجاز نخل خاویۃ اسلیے اوسکو مشبہ بہ بنایا گیا یہانتک بطلان قیاس علی الانبیاء علی الاولیاء کا بیان ہو چکا آگے ترقی کے طور پر ایک مثال ذکر فرماتے ہین جس سے معلوم ہوگا کہ خواص کے ساتھ تو مساوات کا کیا دعویٰ زیبا ہے بعض افعال مین بعضے عوام کی تقلید و مساوات کا دعویٰ و حوصلہ نہین ہو سکتا چنانچہ اسی مثال کو فرماتے ہین کہ) تو رسن بازی (جو کہ عوام بازیگرون کا ہنر ہے کہ رسی پر چلا کرتے ہین) یقیناً نہین جانتا (پس) آپ (روزی دینے والے) کی نعمت) کا شکر کر اور زمین پر چلا کر (کہ زمین پر چلنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے پاؤن تو دیے ہین پھر رسی پر چلکر گرنے اور مرنے سے کیا فائدہ اسمین تنبیہ ہوگئی کہ اس باب مین عوام کے مساوات کی تو ہمت ہوتی نہین پھر آگے کیسے بڑھتا ہے آگے اس سے ترقی کر کے تبلاتے ہین کہ عام آدمیون کو چھوڑ دتم سے بعض امور مین جانورکی مساوات تو ہوتی ہی نہین چنانچہ فرماتے ہین کہ) کاغذ کے پر مت بنا اور پہاڑ پر سے مت اڑ (یعنی کسی پرندہ کو دیکھکر کہ پہاڑ پر سے اڑ گیا تجھکو ہوس ہو کہ مین بھی اڑون اس لیے ویسی ہی شکل کے پر کاغذ کے لگا کر لگا اڑنے تو بجز ہلاکت کے اور کیا ہوگا تو ایسا مت کرو) کیونکہ اس خیال (خام) مین بہت سے سر جاتے رہے ہین (اگر ثابت ہو جاوے کہ طیران کی ہوس ایجاد و امتحان مین کچھ لوگ ہلاک ہوئے ہین تب تو مشار الیہ این کا یہی ہوگا اور اگر اس کو مشار الیہ نہ کہا جاوے تو پرساختن از کاغذ وپریدن از کوہ سے جس کو تشبیہ دینا ہے یعنی تقلید بلا بصیرت وقیاس مع الفارق وہ مشار الیہ ہو جاوے گا اور اوس مین بہتون کا ہلاک ہو جانا ظاہر ہے آگے ایک شعر مین عود ہے قصہ کی طرف اور ایک ہی شعر کے بعد انتقال ہو گیا ہے مضمون ارشادی کی طرف)۔

لیک او بر عاقبت انداخت چشم	گرچہ آن صوفی پُر آتش شد ز خشم
لیکن اُسنے انجام کار پر نظر ڈالی	اگرچہ وہ صُوفی غصہ سے پُر آتش ہو گیا

اول صف بر کسے ماند بکام — کو نگیرد دانہ بیند بندِ دام

صفِ اول پر وہی شخص بامراد ہو کر رہتا ہے — جو دانہ نہ لے دام کا بند دیکھ لے

حبذا دو چشم پایان بین راد — کہ نگہدارند تن را از فساد

آفرین کے قابل ہین وہ دو آنکھین انجام بین بزرگ — جو کہ تن کو فساد سے محفوظ رکھین

آنکہ پایان دید احمد بود کو — دید دوزخ را ہم اینجا موبمو

جس ذات نے انجام کو دیکھ لیا وہ احمد تھی کہ انھون نے — دوزخ کو اسی جگہ موبمو دیکھ لیا

دید عرش و کرسی و جنات را — بردرید او پردۂ غفلات را

عرش اور کرسی اور جنتون کو دیکھ لیا — آپ نے غفلتون کے پردہ کو پھاڑ ڈالا

گر ہمی خواہی سلامت از ضرر — چشم ز اول بند و پایان را نگر

اگر تو ضرر سے سلامتی چاہتا ہے — تو آنکھ کو اول سے بند کر اور انجام کو دیکھ

تا عدمہا را بہ بینی جملہ ہست — ہستہا را بنگری محبوس و پست

تاکہ تو اعدام کو بالکل ہست سمجھے — موجودات کو تو محبوس اور پست دیکھے

این ببین بارے کہ ہر کش عقل ہست — روز و شب در جستجوے نیست مست

ذرہ اسکو دیکھ لے کہ جس شخص کو عقل ہے — وہ روز و شب عدم ہی کی جستجو مین مست ہے

در گدائی طالبِ جودے کہ نیست — بر دکانہا طالبِ سودے کہ نیست

گدائی مین طالبِ جود ہے جو کہ نیست ہے — دوکانون پر طالبِ نفع ہے جو کہ نیست ہے

در مزارع طالبِ دخلے کہ نیست — در مغارس طالبِ نخلے کہ نیست

مواقعِ زراعت مین طالب پیداوار ہی جو کہ نیست ہی — درخت لگانیکے مواقع مین طالبِ درخت ہی جو کہ نیست ہی

درمدارس طالب علمے کہ نیست
مدارس مین طالب فن علمی ہے جو کہ نیست ہے
ہست ہا را سوے پس افگندہ اند
وجودات کو لوگون نے پس پشت ڈال رکھا ہے
زانکہ کان و مخزن صنع خدا
اس سبب کہ معدن اور مخزن صنعت خدا کا
پیش ازین رمزے بگفتستیم ازین
ہم اسکے قبل بھی اس مین سے کچھ رمز کہہ چکے ہین
گفتہ شد کہ ہر صناعت گر کہ رست
کہا گیا ہے کہ جو صنعت گر بھی کبھی پیدا ہوا ہے
جست بنّا موضعے ناساختہ
معمار نے وہی موقع تلاش کیا ہی جو کہ بے بنا ہوا ہو
جست سقّا کوزہ کش آب نیست
سقّا نے وہی صراحی تلاش کی ہے جسمین پانی نہو
وقت صید اندر عدم بین حملہ شان
شکار کے وقت انکا حملہ عدم کے اندر دیکھ لے
چون امیدت لا است زو پرہیز چیست
جب تیری امیدگاہ نیستی ہو اس سے پرہیز کیا ہے

در صوامع طالب حلمے کہ نیست
خانقاہون مین طالب صفت حلم ہو جو کہ نیست ہے
نیستہا را طالب اند و بندہ اند
اعدام کے طالب اور غلام ہین
نیست غیر نیستی در انجلا
بجز نیستی کے اور کچھ نہین ہے ظہور مین
این و آن را تو یکے بین دو مبین
تو اسکو اور اوس کو ایک ہی دیکھ دو مت دیکھ
در صناعت جایگاہ نیست جست
اُسنے صنعت مین موقع نیست ہی کا تلاش کیا ہے
گشتہ ویران سقفہا انداختہ
ویران ہوا ہو اوسکی چھتین گری ہوئی ہون
وان درودگر خانۂ کش باب نیست
اور اُس بڑھئی نے وہ گھر جسمین کیواڑ نہ ہو
وز عدم انگہ گریزان جملہ شان
اور اسیوقت مین وہ سب کے سب عدم سے نفور بھی ہین
با انیس طبع خود استیز چیست
اپنی طبیعت کے انیس سے مخالفت کیا ہے

چون انیسِ طبعِ تو آن نیستی ست
جب تیری طبیعت کی انیس نیستی ہے

از فنا و نیست این پرہیز چیست
فنا اور نیستی سے یہ پرہیز کیا ہے

گر انیسِ لائہ اے جان بسر
اے جان اگر تو نیستی کا انیس باطن سے نہین ہو

در کمینِ لا چرا ای منتظر
نیستی کی گھات مین تو منتظر کس لیے ہے

زانکہ داری جملہ دل برکندۂ
ایسی چیزون سے جنکو تو رکھتا ہے تو نے دل برداشتہ کرلیا ہے

شستِ دل در بحرِ لا افگندۂ
دل کی شست کو دریاے نیستی مین ڈال دیا ہے

پس گریزا از چیست زین بحرِ مراد
پھر ایسے بحرِ مراد سے نفرت کیا ہے

کو بشستت صد ہزاران صید داد
جسنے شست کے ذریعہ سے تجھکو لاکھون شکار دیے

از چہ نامِ برگ را کردی تو مرگ
تو نے ساماں کا نام موت کس سبب سے قرار دے رکھا ہے

جادوئے بین کہ بنمودت مرگ برگ
تصرفِ عجیب دیکھ جسنے تجھکو برگ بصورت مرگ کے دکھلا رکھا ہے

ہر دو چشمت بست سحرِ صنعتش
تیری دونون آنکھین اسکی صنعت کے تصرف نے بند کر دی ہین

تا کہ جان را در چہ آمد رغبتش
اسکا یہ اثر ہے کہ نفس کی رغبت کنوین سے ہو گئی

در خیالِ او ز مکرِ کردگار
اسکے خیال مین تدبیرِ خفیِ کردگار سے

جملہ صحرا فوقِ چہ زہرست و مار
تمام صحرا جو کنوین کے اوپر ہے زہر ہے اور مار

لاجرم چہ را پناہے ساختہ است
اس ضرورت سے اسنے کنوین کو پناہ بنا رکھا ہے

تا کہ مرگ او را بچاہ انداختہ است
یہانتک کہ مرگ نے اسکو کنوین مین ڈال دیا

اینچہ گفتم از غلطہاش اے عزیز
اے عزیز مین نے جو اس کی غلطیان بیان کی ہین

ہمچنین بشنیدم از عطار نیز
اس پر مین نے عطار سے بھی سنا ہے

(قولہ فی الشعر الثانی اولِ صف بر آنخ فی الحاشیۃ عن ولی محمد یعنے بر صف اول اھ چراکہ حرف جر در فارسی گاہے از مجرور مؤخر آید چنانچہ لفظ در مؤخراً بکثرت واقع شدہ قولہ فی الشعر الثامن بار ے فی الغیاث لفظے ست کہ برائے قلت قبول و استدعاے قلیل آید (قولہ فی ہذا الشعر در جستجوئے نیست مست اھ این لفظ در نسخ موجودہ دو گونہ است در بعضے نیست ہست و در بعضے نیست ست بر نسخۂ اول در حاشیہ چنان نوشتہ است این شعر قافیہ ندارد در کل نسخ این چنین نوشتہ اند و در نیست کہ قافیہ در جستجوئے نیست باشد اھ و بر نسخۂ دیگر در حاشیہ چنین نوشتہ است قافیہ درین بیت لفظ ہست و است ست کہ اول فعل ست و دوم رابطہ واللہ اعلم اھ و چون توجیہ اول باعتبار معنے و توجیہ دوم باعتبار لفظ از رکاکت خالی نیست در دلم القا شد کہ بعید نیست کہ مست باشد و از تصرفات نساخ بصورت ہست شدہ باشد آرے رابط را محذوف اعتبار کردن لازم خواہد آمد مگر این کثیر الوقوع ست قولہ در شعر بست و دوم و بست و سوم شست فی الغیاث قلابی کہ بدان ماہی شکار کنند و آن آہنی باشد سر کج و قلاب بالضم و تشدید لام خار آہنی خمیدہ حلقہ مانند کہ چیزے بدان توان آویخت اھ قولہ جادوئی الخ در جمیع نسخ بترکیب ہمزہ و یا کہ دلیل بودن یاے نسبت باشد نوشتہ اند و ملخص غیاث درین مقام آنست کہ جادو بمعنے ساحر و جادوئی بیاے نسبت بمعنے سحر در کلام قدما و جادو بمعنے سحر و جادوگر بمعنے ساحر در کلام شاعران متاخرین بکثرت واقع ست از ہمین جا در برہان جادو بمعنے سحر و ساحر ہر دو آمدہ اھ و جادوئی بیاے نسبت بمعنے ساحر نقل نکردہ پس درین شعر بمعنے سحر باشد اب شرح سنیے یعنی) اگرچہ وہ صوفی غصہ سے پُر آتش ہو گیا (کہ مجھکو مخواہ کیوں مارا) لیکن اوس نے انجام کار پر نظر ڈالی (کہ اگر میں انتقام لونگا تو مر جاویگا اور میں قصاص میں مارا جاؤنگا۔ آگے مولانا انجام بینی کی مدح کی طرف انتقال فرماتے ہین کہ) صف اول پر وہی شخص بامراد ہو کر رہتا ہے جو دانہ نہ لے (بلکہ) دام کا بند دیکھ لے (اور اوس سے بچا رہے مطلب یہ کہ وہ کامیابی کے ساتھ اول درجہ کے لوگون مین ہوتا ہے اور وجہ ظاہر ہے کیونکہ جن لوگون نے ایسا نہین کیا بلکہ دانہ یعنی طمع عاجل کے سبب بند دام یعنے ضرر آجل مین مبتلا ہو گئے اونمین سے بھی مومنین کو نجات ہو ہی جاویگی تو باکام وہ بھی ہونگے لیکن متاخر درجہ مین ہونگے اور درجۂ اول مین مفلحین کاملین ہی ہونگے جو ضرر آجل کو دیکھکر نفع عاجل سے باز رہے خواہ اول ہی سے یا تدارک کر کے یعنی توبہ کر کے) آفرین کے قابل ہین وہ دو آنکھین انجام بین بزرگ جو کہ (انجام کو دیکھکر) تن کو فساد (و ضرر معصیت) سے محفوظ رکھین (آگے انجام بینون مین سے ایک فرد اکمل کا بیان ہے تاکہ دوسرے اونکا اتباع کرین یعنی) جس ذات نے (کامل طور سے) انجام کو دیکھ لیا وہ احمد صلے اللہ علیہ وسلم تھے کہ اونھون نے دوزخ کو اسی جگہ (دنیا ہی مین) موبمو دیکھ لیا (اسیطرح) عرش اور کرسی اور جنتون کو دیکھ لیا (اور) اپنے غفلتون کے پردہ کو پھاڑ ڈالا (اس دیکھنے سی مراد) وہ دیکھنا نہین ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لیلۃ المعراج مین اور دوسرے موقعون پر بھی بالعین ان اشیاء کا

مشاہدہ فرمایا ہے کیونکہ مقصود اس پایان بینی احمدی کے ذکر سے تائید و ترغیب تقلید ہے پایان بینی
مذکور بالا کی جوکہ مامور بہ فی الکلام و فعل اختیاری ہے اور مشاہدہ بالعین اختیاری نہین اس لیے اوسمین
تقلید ممکن نہین بلکہ مراد اس دیکھنے سے دل کا دیکھنا ہے جسکا حاصل توجہ الی الوحی تھی چنانچہ قرینہ اوسکا مصرعہ
بر دریدا و پردۂ غفلات راہے اور اس غفلت کا مصداق وہ ہے جسکو حق تعالیٰ نے ماکنت تدری سے اس
آیت مین تعبیر فرمایا ہے ماکنت تدری ما الکتب ولا الایمان الآیۃ جسکا حاصل بے خبری ہے اور یہ مذموم
نہین مذموم وہ بے خبری ہے جو باوجود منبہات کے بے توجہی کا سبب ہوا اور آیۂ ووجدک ضالاً فہدی مین
بھی یہی بے خبری اور خبر مراد ہے مطلب یہ کہ اس پایان بینی مین آپکا اتباع کرنا چاہیے جس طرح آپ نے توجہ
الی الوحی سے اپنی بے خبری کو زائل فرمایا تو بھی توجہ الی الوحی سے اپنی غفلت کی اصلاح کر غرض اگر تو ضرر سے
سلامتی چاہتا ہے تو آنکھ کو (صرف) اول (بینی یعنے دنیا بینی) سے بند کر اور انجام (یعنی آخرت) کو (بھی) دیکھ
(صرف اس لیے بڑھایا کہ دنیا کا دیکھنا مطلقاً مذموم نہین ہے بلکہ اوس مین بھی بعض منافع ہین دنیویہ
مباحہ بھی اور بعضے اخرویہ بھی چنانچہ ظاہر ہے پس مطلب یہ ہے کہ اوسی پر نظر کو مقتصر مت کر آخرت کو بھی
دیکھ کہ جو چیز آخرت مین جا کر مضر ہو اوس سے بچا رہے فہذا مثل قولہ تعالیٰ لعلکم تتفکرون فی الدنیا و الآخرۃ
ای فی کلیہما لتعلموا فناء الدنیا و بقاء الآخرۃ آگے ثمرہ بتلاتے ہین پایان بینی کا یعنے ہم پایان بینی کی اسلیے
ترغیب دے رہے ہین) تاکہ تو اعدام (فی الظاہر یعنے غائب عن الحس) کو بالکل ہست سمجھے (فہذہ الرؤیۃ قلبیۃ
ومن ثم عدی الی المفعولین الاول عدمہا والثانی ہست اور) موجودات (فی الظاہر یعنے حاضر عند الحس) کو تو
محبوس دگرفتار فنا) اور پست (و بیقدر) دیکھے (یعنی جس عالم غیب آخرت کو تو معدوم سمجھ رہا ہے اوس کا
وجود معتد بہ معلوم ہونے لگے اور جس عالم دنیا کو تو موجود معتد بہ سمجھ رہا ہے وہ تجھکو فانی و کالعدم نظر آنے لگے
وہذا کقولہ تعالیٰ ما عندکم ینفد و ما عند اللہ باق الآیۃ وکقولہ تعالیٰ و ما ہذہ الحیوۃ الدنیا الا لہو ولعب وان الدار
الآخرۃ لہی الحیوان الآیۃ آگے چند مثالون سے ظاہری نیستی کا مطلوب ہونا اور ظاہری ہستی کا ناقابل التفات
ہونا فرماتے ہین یعنے اگر تجھکو اعدام کے مطلوب ہونیکے متعلق تقریر بالا نظری معلوم ہو تو دوسرے طریق بدیہی
بلکہ حسی سے سمجھ لے اور) ذرا اسکو دیکھ لے کہ جس شخص کو (بھی کچھ) عقل ہے وہ روز و شب عدم ہی کی جستجو مین
مست (یعنے منہمک) ہے (آگے اسکی تفصیل ہے کہ دیکھو مثلاً) گدائی (و ناداری کی حالت) مین (وہ گدا)
طالب جود ہے جوکہ نیست (و معدوم بالفعل) ہے (اسی طرح) کو کانون پر (تاجر) طالب نفع ہے جوکہ نیست
(و معدوم بالفعل) ہے (اور اسیطرح) مواقع زراعت مین (کاشتکار) طالب پیداوار ہے جوکہ نیست (اور
معدوم بالفعل) ہے (اسی طرح) درخت لگانیکے مواقع مین (باغبان) طالب درخت ہے جوکہ نیست (اور
معدوم بالفعل) ہے (اسیطرح) مدارس مین (شاگرد) طالب فن علمی ہے جوکہ نیست (اور معدوم بالفعل) ہے
(اسیطرح) خانقاہون مین (درویش) طالب صفت حلم (و اخلاق حمیدہ) ہے جوکہ نیست (اور معدوم بالفعل) ہے

(اور ایک توجیہ اس ترکیب طالب جودے کہ نیست ونحوہ کی اور بھی ہوسکتی ہے کہ یہ کاف کدامیہ ہو یعنے
گدائی مین طالب جود کون نہین ہے اور دوسرا مقدمہ کہ وہ جو معدوم بالفعل ہے مطوی ہوگا والحاصل
واللہ حاصل یہ کہ ان سب مراد مذکورہ مین) وجودات (یعنی حالات حاصلہ بالفعل) کو لوگون نے پس پشت
ڈال رکھا ہے (اور اونکو ترک کیے ہوئے ہین چنانچہ گدا حالت فقر کو کہ موجود بالفعل ہے اور تاجر حالت
بقاء المال علی المقدار الخاص کو کہ موجود بالفعل ہے اور مزارع حالت وہیأت تخم کو کہ موجود بالفعل ہے
اور غارس حالت نواۃ کو کہ موجود بالفعل ہے اور طالب علم حالت سذاجت کو کہ موجود بالفعل ہے
اور درویش اخلاق ردیہ کو کہ موجود بالفعل ہے ترک کرکے) اعدام (یعنے حالات غیر حاصلہ بالفعل)
کے طالب اور غلام (ہو رہے) ہین (اور وہ حالات غیر حاصلہ بالفعل علی الترتیب وہی ہین جو اشعار
مین مصرحًا مذکور ہین یعنے جود وتمول وربح ودخل ونخل وعلم وعمل پس ثابت ہوگیا کہ ہر کش عقل ہست روز و
شب در جستجوئے نیست ہست اور اس سے تائید ہوگئی اوس سے اوپر کے مضمون کی جو کہ مقصود مقام
تھا کہ اول یعنی دنیا کو جو کہ موجود یعنی حاضر عند الحس ہے مت دیکھ بلکہ انجام یعنی آخرت کو جو کہ معدوم بمعنے
غائب عن الحس ہے دیکھ تنبیہ اشعار مذکورہ مین جو نیستی بالتفسیر المذکور مرارًا کو مطلوب کہا ہے اس کا یہ
مطلب نہین کہ معدوم من حیث ہو معدوم مطلوب ہے یہ تو واقع کے بھی خلاف ہے اور مسئلۂ فن کے بھی
خلاف ہے واقع کے خلاف تو اس لیے کہ مثلاً آخرت جو مطلوب ہے تو اسی حیثیت سے کہ وہ ہمکو حاصل ہوجاوے
پس جو چیز مطلوب ہوئی وہ موجود من حیث ہو موجود ہوئی اسی طرح امثلۂ متاخرہ مین تمول اور ربح ودخل
ونخل وعلم وعمل یہ سب اسی حیثیت سے مطلوب ہین کہ وہ موجود اور حاصل ہوجاوین تو مطلوب حقیقت مین
موجود من حیث موجود ہی ہوا اور مسئلۂ فن کے خلاف اس طرح کہ فن مین مصرح ہے کہ اصل تمام شرور کی عدم
ہے اور اصل تمام خیر کی وجود ہے پس جو چیز مبداء شر کا ہے یعنی عدم یا موصوف بالشر ہے یعنی معدوم وہ
مطلوب کیسے ہوگا غرض مولانا کا یہ مطلب نہ ہوا کہ عدم من حیث ہو عدم یا معدوم من حیث ہو معدوم
مطلوب ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ مطلوب وہ موجود ہے جو اسوقت معدوم ہے جیسے امثلۂ متاخرہ یا وہ موجود
ہے جو اسوقت کالمعدوم ہے بوجہ غیبت عن الحس کے جیسے آخرت پس معدوم فی الحال یا فی الحس ہونیکے سبب
اوسکو معدوم سے تعبیر کردیا گو یہ حیثیت اوسکی مطلوبیت کی نہین اور نکتہ اس تعبیر مین یہ ہوسکتا ہے کہ کلام
علی سبیل التسلیم ومجاراۃ الخصم ہوجاوے یعنی جسکو تو معدوم یا کالمعدوم سمجھکر اوس کے معدوم ہونے کے
سبب اوس سے اعراض اور اوسکی بیقدری کر رہا ہے مثلاً آخرت کو طلب نہین کرتا اور دنیاے حاضر کو
دیکھ کر اوس پر ریجھ رہا ہے ہم نے مانا کہ وہ معدوم سہی لیکن محض عدم سبب صالح للاعراض ہونیکا نہین
ہوسکتا ورنہ امثلۂ مذکورہ مین عقلاء ان معدومات کو کیون حاصل کرتے ہین اور اونکی معدومیت کو سبب
اعراض کا کیون نہین بناتے اس سے معلوم ہوا کہ مدار مطلوبیت کا نافعیت ہے اگرچہ وہ نافع موجود

نہ بھی ہو معدوم ہی ہو کہ کوشش سے موجود ہو سکے باقی اگر موجود بالفعل بھی ہوا اور مطلوب اوسکا بقا ہو
تب بھی منافی مطلوبیت کے نہین مثلاً صحت موجود ہے اور مرض معدوم اور صحت کا بقار مطلوب ہوا ور
اس سے اس شبہ کا جواب ہوگیا کہ موجود کا متروک ہونا اور معدوم کا مطلوب ہونا مثال صحت مین تو متخلف
ہوگیا وجہ دفع تقریر مذکور سے ظاہر ہے جسکا خلاصہ یہ ہوا کہ یہ مطلب نہین کہ معدوم ہی ہمیشہ مطلوب
ہوتا ہے اور معدومیت شرط مطلوبیت ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ معدوم بھی کبھی مطلوب ہوتا ہے اور معدومیت
مانع مطلوبیت نہین پس شعر این ببین بارے الخ مین یہ قضیہ کہ ہرکش عقل ہست الخ مشتمل علی الحصر و
متضمن قصر نہین ہے والحمد للہ علی ما انعمنی ہذا المقام اس سے مضمون سابق بھی بفضلہ تعالی احل ہوگیا
اور مضمون لاحق بھی جو آگے آتا ہے چنانچہ نیستہا را طالب اند وبندہ اند اسکی حکمت فرماتے ہین کہ اعدام مین
جو شان مطلوبیت ہے وہ) اس سبب (سے ہے) کہ معدن اور مخزن صنعت خدا کا بجز نیستی کے اور کچھ نہین
ہے ظہور مین (یعنے ظہور صنع خداوندی کا صرف نیستی مین ہوتا ہے یہان صنع سے مطلق تصرف مراد نہین بلکہ
خاص تصرف ایجاد نہ کہ تصرف اعدام اور نہ تصرف القار کیونکہ تصرف اعدام وتصرف البقار کے لیے تو
اوس محل کا موجود ہونا ضروری ہے ورنہ اعدام معدوم لازم آویگا جو کہ محال ہے اسیطرح جبکہ ابقار کی شرط
وجود ہے تو بدون وجود کے تحقق المشروط بدون الشرط لازم آویگا اور وہ بھی محال ہے البتہ تصرف
ایجاد کے لیے اوس محل کا معدوم ہونا ضروری ہے ورنہ ایجاد موجود لازم آویگا کہ وہ بھی محال ہے
پس یہان جو نفی اور استثنار یعنی لفظ نیست اور لفظ غیر سے حصر کا حکم کیا گیا ہے تو مطلوبیت بالنحو الخاص
یعنے ایجاد کے اعتبار سے ہے اور اوپر جو احقر نے کہا ہے کہ ہرکش عقل ہست الخ مشتمل علی الحصر و متضمن
قصر نہین تو مطلق مطلوبیت کے اعتبار سے پس دونون مین تعارض نہین حاصل یہ کہ نیستی اور عدم ایسی
چیز ہے کہ خدا تعالی کا یہ تصرف خاص یعنی ایجاد بھی نیستی ہی مین ہوتا ہے یہان بھی وہی اوپر والی بات
سمجھنا چاہیے کہ کائنات کی حالت معدومیت جو محل تصرف ایجاد حق تعالی بنی تو نہ من حیث المعدومیت
یعنی باعتبار مقصودیت معدومیت کے ورنہ اگر اسمین مقصودیت ہوتی تو وہ معدومیت ہی باقی رہتی ورنہ
مقصود ومراد کا تخلف قصدا ورارادۂ الٰہیہ سے لازم آتا ہے وہذا خلف بلکہ وہ معدومیت اس اعتبار سے
محل تصرف بنی ہے کہ وہ مبدل بموجودیت ہوجاوے پس مقصود ایجاد ہی ہوا کما وقع فی القول کنت کنزا
مخفیا فاحببت ان اعرف فخلقت الخلق باقی مقصود مقام اس سے بھی حاصل ہوگیا کہ تو مطلق معدومیت
کو اگرچہ اضافی ہی ہو مانع التفات سمجھ رہا ہے حالانکہ حق تعالے نے عین معدومیت کی حالت مین
باوجودیکہ وہ حقیقی بھی کائنات کی طرف التفات فرمایا ہے اور جیسا عبد کے التفات الی العدم کا مدار
منافع خاصہ ہین جیسا اوپر آچکا ہے اسیطرح التفات حق الی العدم کی حکمت مصالح خاصہ ہین منہا فاحببت
ان اعرف فخلقت الخلق چونکہ نیستی کا ایسا ہی مضمون جیسا اس شعر مین ہے تا آنکہ کان ومخزن

صنع الخ پہلے بھی مثنوی مین آچکا ہے چنانچہ اسوقت ایک مقام تو نظر مین ہے اور ایک ذہن مین نظر مین
تو دفتر پنجم کے اس سرخی کے سیاق وسباق مین ہے در مثال عالم نیست ہست نما و عالم ہست نیست نما جسکے
بعض اشعار یہ ہین پس خزانہ صنع حق باشد عدم الی قولہ آفرین اے اوستادِ سحر باف الخ اور ذہن مین جسکا
مقام یاد نہین رہا اسطرح سے ہے کارگاہِ صنع حق در نیستی ست آہ نحوہ اس لیے شعر آیندہ مین اوسکا حوالہ
دیتے ہین یعنے) ہم اس کے قبل بھی اسمین سے کچھ رمز کہہ چکے ہین تو اسکو اور اوسکو ایک ہی دیکھ دو مت
دیکھ (یعنے حاصل دونون کا ایک ہی ہے بلکہ ایک جگہ مابعد مین بھی اسوقت یہ مضمون نظر پڑ گیا یعنے سرخی
آیندہ بار دیگر رجوع کردن بقصہ الخ کے سولہ سترہ شعر قبل سے مذکور ہے غرض ان سب کا حاصل ایک ہی
ہے اور بیان لفظ رمز لانے مین ممکن ہے کہ رمز اوسطرف ہو۔ جو بندہ نے اوپر تقریر لکھی ہے کہ گو
الفاظ مین تو نیستی کا مطلوب ہونا مذکور ہے مگر مقصود وجود کا مطلوب ہونا ہے اور چونکہ لفظون سے
اسکا ظاہر ہونا محتاج تامل ہے اس لیے رمز کہنا مناسب ہوا اور چونکہ مصرعۂ ثانیہ مین ان سب
مقامون کو ایک ہی کہا ہے اس لیے سب جگہ ایسا ہی سمجھنا چاہیے آگے تفسیر ہے اوس رمز کی یعنی اسکے قبل)
کہا گیا ہے (اس سے یہ لازم نہین آتا کہ بعینہٖ اسی عبارت سے آچکا ہے بلکہ روایت بالمعنی ہے بنا بر مضمون
مصرعۂ ثانیہ شعر بالا کے یعنی این وآن را تو یکے بین دو مبین مطلب یہ کہ ایسا مضمون پہلے بھی آچکا ہے جسکا
حاصل یہ ہے) کہ جو صنعت گر بھی کبھی پیدا ہوا ہے (از رُستن بمعنے روئیدہ شدن) اوس نے صنعت مین
موقع نیست ہی کا تلاش کیا ہے (چنانچہ) معمار نے (ہمیشہ) وہی موقع تلاش کیا ہے جو کہ بے بنا ہو
(اور) ویران ہوا ہو (اور) اوسکی چھتین گری ہوئی ہون (پس وہ ایسے محل مین اپنی صنعت کا تصرف
ظاہر کرتا ہے اسی طرح) سقا نے وہی صراحی تلاش کی ہے جس مین پانی نہ ہو (تاکہ اوسمین پانی بھرے)
اور (اسیطرح) اوس بڑھئی نے وہ گھر (تلاش کیا ہے) جسمین کیواڑ نہ ہو (تاکہ اپنی صنعت ظاہر کرے
اس نیست کے طلب کرنیکی حقیقت ابھی اوپر گذر چکی ہے فتذکرہ آگے بطور تفریع کے تعجباً فرماتے ہین کہ)
شکار (یعنے تلاش) کے وقت ان کا (یعنے سب آدمیون کا بلاتخصیص معمار و نجار وآب کش کے مثلاً)
حملہ (یعنے قصد) عدم کے اندر دیکھ لے اور (باوجود اس کے) اوسی وقت مین وہ سب کے سب
عدم سے نفور بھی ہین (یعنی بعض اعدام کے تو طالب ہین جیسے امثلۂ سابقہ در گدائی طالب جود ے الخ
اور امثلۂ لاحقہ جست بنا الخ مین جس سے عملاً عدم کی مطلوبیت تسلیم کرلی اور بعض اعدام سے ہارب ہین
جیسے موت سے جسکا ذکر بعد کے اشعار مین ہے از چہ نام برگ را کردی تو مرگ الخ اور وہ فی الحال
معدوم ہے اور جیسے آخرت جسکا ذکر اوپر ہو چکا ہے اور وہ باوجود فی الحال موجود ہونیکے کالمعدوم ہی
حالانکہ مدار مطلوبیت کا دونون قسم کے اعدام مین مشترک ہے یعنی نافعیت اور یہی وجہ تعجب کی ہے
آگے بھی مضمون بطور استفہام کے ہے یعنے) جب (بہت سے مواد مین) تیری امید گاہ نیستی ہے (پھر بعض

دوسرے موادمین جونافع ہونے مین اون کے مماثل ہین) اوس (نیستی) سے پرہیز کیا ہے (اور) اپنی طبیعت کے انیس سے (یعنی نیستی سے جسکا انیس ہونا بعض موادمین ظاہر ہوچکا) مخالفت کیا ہے (آگے اسی کی تاکید ہے یعنی) جب تیری طبیعت کی انیس نیستی ہے (تو پھر) فنا و نیستی سے یہ (اتنا) پرہیز کیا ہے (اِس استفہام کا تو حاصل یہ تھا کہ جب ایک جگہ نیستی مرغوب فیہ ہے تو دوسری جگہ مہروب عنہ کیون ہے آگے استفہام اسکا عکس ہے یعنی) اے جان اگر تو نیستی کا انیس باطن سے نہین ہے (یعنی بعض موادمین اوسکو مہروب عنہ بنا رکھا ہے تو پھر) نیستی کی گھات (اور اوس کے موقع حصول) مین تو (اوسکا) منتظر کسلیے ہے (یعنی بعض موادمین وہ مرغوب فیہ کیون ہے آگے اس انتظار کا بیان ہے کہ مواقع کثیرہ مین دیکھا جاتا ہے کہ) ایسی چیزون سے جنکو تو (اپنے قبضہ مین) رکھتا ہے تو نے دل کو برداشتہ کرلیا ہے (اور اپنے) دل کی شست کو (یعنے شکار کرنیکا کانٹا) دریاے نیستی مین ڈالدیا ہے (جیسا اشعار در گدائی طالب جودے الخ کی شرح مین اسکی تقریر ہوچکی ہے کہ حالات موجودہ سے اعراض کرکے امور غیر موجودہ کو طلب کیا ہے جب یہ بحر نیستی ایسی چیز ہے کہ اسکے ساتھ تمھارے طلب وارادہ کا بھی تعلق ہوتا ہے اسی لیے آگے بحر مراد سے اسکو تعبیر فرمایا تو) پھر ایسے بحر مراد سے نفرت کیا ہے جس (کی یہ شان ہے کہ اوس) نے شست کے ذریعہ سے تجھکو لاکھون شکار دیے (شست سے مراد وہی ہے جسکو اوپر شست دل سے تعبیر کیا ہے یعنے ارادۂ دل اور مرادات اختیاریہ کے حصول مین توسط ارادہ کا دخل ظاہر ہے آگے بعض اعدام مرغوب فیہا کی تعیین ہے جسکو مہروب عنہ بنا رکھا ہے اور وہ موت ہے جسکا ذکر شعر مذکور بالا وقت صید آلخ کی شرح مین ہوا ہے پس فرماتے ہین کہ) تو نے سامان (یعنی متاع نافع) کا نام موت کس سبب قرار دے رکھا ہے (یعنے مرگ تونی الواقع برگ ہے تفسیر مذکور ہے اور مرغوب فیہ تو نے اوسکا نام مرگ رکھا ہے اور اوس سے بارب ہے اور یہانتک استفہامات تعجبیہ مین اوس غلطی پر ملامت تھی کہ تو نے مطلوب کو مہروب عنہ بنا رکھا ہے آگے اس غلطی کا سبب تبلاتے ہین اور سبب دو قسم پر ہے قریب اور بعید یعنے سبب السبب یہان دونون قسم کے سبب کو تبلاتے ہین سبب قریب تو سلطان محمود کے قصہ کے ختم پر کہ وہ قصہ قریب ہی مذکور ہے اور تمامہا اس مضمون سے مرتبط ہے تبلایا ہے اس شعر مین ؎

فقر آن محمود تست اے بے سعت ✿ طبع از دو اکم ہمی ترسانَدَت ✿ اور سبب بعید یعنی سبب السبب اشعار متصلہ مین تبلاتے ہین جادوئی بین سے درخیال او آلخ تک حاصل سبب اول کا یہ ہے کہ تیری طبیعت نے تجھکو اس غلط بینی مین ڈال رکھا ہے کہ تجھکو نیستی سے کہ اوسمین مثل دیگر مطلوبات اخرویہ مذکورہ سابق کے ثمرات فقر بھی داخل ہین ڈرا رکھا ہے اور یہ ظاہر بھی ہے کہ طبیعت ہی کا نفس کو ابھارنا سبب ہوتا ہے تحبون العاجلة وتذرون الآخرة کا اور حاصل سبب ثانی کا یہ ہے کہ یہ میلان طبیعت مین اور یہ ہیجان نفس مین پیدا کیا ہوا حق جل وعلا شانہ کا ہے جسکو بحکمت ابتلا ر

پیدا کرکے اوسکے مقتضا سے روکنے کا اختیار بھی دیا اور روکنے کا امر بھی فرمایا اور اس سے جبر کا شبہہ بھی دفع ہوگیا یہ بیان ہے دونون سببون کا اور چونکہ سبب بعید سبب حقیقی ہے اس لیے ذکر مین اسکو مقدم فرماتے ہین کہ یہ جو تو برگ نافع کو مرگ ضار سمجھ رہا ہے جس سے مقصود یہ ہے کہ نیستی کو کہ وہ واقع مین ہستی اور نافع ہے نیستی سمجھکر اوس سے ہارب ہے اور ہستی موہوم کو کہ وہ واقع مین نیستی اور ضار ہے ہستی سمجھکر اوس کا طالب ہے تو اس کا سبب حقیقی سمجھ اور) تصرف عجیب (حق تعالے کا دلیلہ ما سیاتی ز مکر کردگار) دیکھ جس نے تجھکو برگ بصورت مرگ دکھلا رکھا ہے (مین نے برگ کو مفعول ثانی نمود کا جو بمعنے ارادہ ہے اور جسکا مفعول تا ئے خطاب ہے اور مرگ کو مفعول ثالث سمجھا ہے تا کہ مصرعۂ اول سے متوافق رہے کیونکہ اوس غلطی کا حاصل تو یہی تھا کہ برگ کو مرگ سمجھا اور یہان ذکر ہے اوس کے سبب کا تو ترکیب لفظی مین سبب و معلول نہ بدلنا چاہیے گو واقع مین اس تصرف سے اس کا عکس بھی ہوا ہے کہ مرگ ضار یعنی دنیا بصورت برگ نافع نظر آئی جسکا شعر آئندہ مین بیان ہے کہ چاہ مرغوب ہوگیا لیکن وہ اس مصرعہ کا مدلول نہین آگے اس تصرف حق تعالٰی کی تفصیل ہے کہ) تیری دونون آنکھین اوسکی (یعنی حق تعالٰی کی) صنعت کے تصرف نے بند کردی ہین۔ اوسکا یہ اثر ہے کہ نفس کی رغبت کنوے سے ہوگئی (اور) اوس (نفس) کے خیال مین تدبیر خفی کردگار سے تمام صحرا جو کنوے کے اوپر ہے (بصورت) زہر ہے اور (بصورت) مار (ہے) اس ضرورت سے اوس نے کنوے کو (اپنی) پناہ بنا رکھا ہے (اور اسی غلطی مین تمام عمر گذری) یہانتک کہ مرگ (طبعی) نے اوسکو کنوے مین ڈالدیا (یعنی اوسوقت اوسکو بھی معلوم ہوا کہ واقع مین مین کنوے مین پڑا ہون پس انداخت سے مراد از پیش انداختہ شدن را ظاہر نمودا ور یہان مصرعۂ اولی مین اور شعر ہر دو چشمت کے مصرعۂ ثانیہ مین دنیا کو ایک تنگ و مہلک کنوے سے اور آخرت کو اوس صحرائے وسیع و پُر فضا سے جو کنوے کے باہر ہو مگر کوئی شخص اپنے فساد متخیلہ سے اوس صحرا کو پُر زہر و پُر مار سمجھکر کنوے کو اپنی حفاظت کا محل سمجھکر اوس مین رہنا پسند کرے تشبیہ دی گئی ہے اسی طرح نفس کو غلطی واقع ہو رہی ہے آگے اس پر ایک قصۂ تمثیلیہ بیان کرنے کی تمہید ہے کہ) اے عزیز مین نے جو اوس (نفس) کی غلطیان بیان کی ہین (کہ چاہ کو پناہ اور صحرا کو پُر زہر یعنی نافع کو ضار اور ضار کو نافع سمجھا) اس پر مین نے (حضرت) عطائؒ سے (قصّہ) بھی سُنا ہے (جو آگے آویگا اور اوسی کے بعد پھر مضمون بالا کی طرف انتقال کیا جاویگا پھر یہی مضمون مُرخی آیندہ سے آیندہ یعنی بار دیگر رجوع کردن تک ساہے) ف مولانا نے جو غلط بینی مذکور کے دونون سبب ظاہری و حقیقی بیان فرمائے ہین مقصود سبب ظاہری پر تنبیہ کرنیسے تحذیر ہے اوس کے اتباع سے چنانچہ اوسی مقام پر ارشاد ہے گرچہ اندر پرورش تن مادرست + لیک از صد دشمنت دشمن ترست + اور مقصود سبب حقیقی بتلانے سے ترغیب ہے التجا و تضرع کی چنانچہ

کسی قدر دور چلکر ارشاد ہے "اے دہندہ عقل ہا فریاد رس" واللہ اعلم۔

قصۂ سلطان محمود و غلام ہندو

رحمۃ اللہ علیہ گفتہ است
حضرت عطار رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے
ذکرِ شہ محمود غازی سفتہ است
ذکر سلطان محمود غازی کا نظم کیا ہے

کز غزاے ہند پیشِ آن ہمام
کہ غزوۂ ہند سے اوس سردار کی پیشی مین
در غنیمت اوفتادش یک غلام
اونکی غنیمت مین ایک غلام واقع ہوا

پس خلیفہ اش کرد و بر تختش نشاند
پس اوسکو نائب بنایا اور اوسکو تخت پر بٹھلایا
بر سپہ بگزیدش و فرزند خواند
تمام سپاہ پر اوسکو ترجیح دی اور اپنا فرزند لقب دیا

طول و عرض و وصفِ قصہ تو بتو
قصہ کا طول و عرض اور حالِ مفصل
در کلامِ آن بزرگِ دین بجو
اوس بزرگِ دین کے کلام مین تلاش کر

حاصل آن کودک بر آن تختِ نضار
حاصل یہ کہ وہ لڑکا اوس تختِ زرین پر
شستہ پہلوے قبادِ شہریار
بادشاہ کے پہلو مین بیٹھا ہوا

گریہ کردے اشک میراندے بسوز
رونے لگا۔ آنسو بہانے لگا سوز کے ساتھ
گفت شاہ او را کہ اے فیروز روز
بادشاہ نے اوس سے کہا کہ اے نیک بخت

از چہ گریی دولتت شد ناگوار
تو کس سبب سے روتا ہے دولت تجھکو ناگوار ہوئی
فوقِ افلاکی قرینِ شہریار
بالاے افلاک ہے بادشاہ کا قرین

تو برین تخت و وزیران و سپاہ
تو اوس تخت پر ہے اور وزرا اور لشکر
پیش تختت صف زدہ چون مہر و ماہ
تیرے تخت کے روبرو صف باندھے ہوے ہین آفتاب و ماہتاب کیطرح

گفت کودک گریہ ام زانست زار
لڑکے نے کہا کہ میرا گریہ زار زار اوس سبب سے ہے
کہ مرا مادر در ان شہر و دیار
کہ میری مان مجھکو اوس شہر اور گھر مین

از تو ام تہدید کردے ہر زمان
آپ سے ڈرایا کرتی ہر وقت
بینمت در دستِ محمود ارسلان
مین تجھکو محمود کے ہاتھ مین جو کہ شیر ہے دیکھون

پس پدر مر مادرم را در جواب
پس باپ میری ماں سے جواب مین
جنگ کردے کاین چہ خشمست و عتاب
لڑا کرتا کہ یہ کیا غصہ اور عتاب ہے

می نیابی ہیچ نفرینِ دگر
کیا تو اور کوئی بددعا نہین پاتی
زینچنین نفرینِ مہلک سہلتر
جو اس بددعاے مہلک سے خفیف ہو

سخت بیرحمی و بس سنگین دلی
تو سخت بے رحم اور بہت ہی سنگدل ہے
کہ بصد شمشیر او را قاتلی
کہ سیکڑون تلوارون سے تو اوسکو قتل کرتی ہے

من ز گفتِ ہر دو حیران گشتمے
مین دونون کی گفتگو سے حیران ہو اکرتا
در دل افتادے مرا بیم و غمے
میرے دل مین خوف اور غم واقع ہو اکرتا

تا چہ دوزخ خوست محمود اے عجب
کہ کیسا کچھ دوزخ خصال ہے محمود اے عجب
کہ مثل گشتست در ویل و کرب
کہ سختی اور کرب مین ضرب المثل ہو گیا ہے

می ہمی لرزیدمے از بیمِ تو
مین آپ کے خوف سے تھرّایا کرتا تھا
غافل از اکرام و از تعظیمِ تو
آپ کے اکرام اور تعظیم سے غافل تھا

مادرم کو تا ببیند این زمان
میری مان کہان ہے تا کہ وہ اِسوقت
مر مرا بر تخت اے شاہِ جہان
مجھکو تخت پر دیکھے اے شاہِ جہان

یا پدر کو تا مرا بیند چنین
یا باپ کہان ہے کہ مجھکو اسطرح دیکھے
خوش نشستہ پہلوے سلطانِ دین
خوش بیٹھا ہوا سلطانِ دین کے پہلو مین

حضرت عطار رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے (اور) ذکر سلطان غازی محمود کا نظم کیا ہے (معلوم نہین کس کتاب مین ہوگا اگر کسی کتاب نثر مین ہے تو سفتہ کا ترجمہ نظم اصطلاحی سے نہ سمجھا جاوے نظم لغوی پر محمول کیا جاوے وہ قصہ یہ ہے) کہ غزوۂ ہند سے اوس سردار کی ہیشی مین اونکی غنیمت مین ایک غلام واقع ہوا (اور کسیوجہ سے سلطان کو وہ پسند آیا) پس (سلطان نے) اوسکو (اپنا) نائب بنایا اور اوسکو تخت پر بٹھلایا (اور) تمام سپاہ پر اوسکو ترجیح دی اور اپنا فرزند لقب دیا (اور اس) قصہ کا طول اور عرض اور حال مفصل اوس بزرگ دین کے کلام مین تلاش کر دین صرف حاصل بیان کرتا ہون (جسکو) حاصل یہ (ہے) کہ وہ لڑکا اوس تخت زرین پر بادشاہ کے پہلو مین بیٹھا ہوا رونے لگا

(اور) آنسو بہانے لگا سوز (و درد) کے ساتھ (نضار زر و نشستہ مخفف نشستن آو زرین کہنے سے یہ شبہہ نہ کیا جاوے کہ وہ تخت سونے کا تھا تو سلطان محمود نے کہ ایک دیندار بادشاہ تھا اوسپر بیٹھنا یا بٹھلانا کیسے جائز رکھا زرین کا صدق اس طرح پر بھی ممکن ہے کہ اوس مین کہین کہین سونیکا کام ایسے موقع پر ہو کہ بیٹھنے مین وہ بدن سے الگ رہے یا اوسپر سونیکا جھول ہو تو اوسکا حکم جرم کا سا نہین ہے۔ اوسکو روتا ہوا دیکھکر) بادشاہ نے اوس سے (تعجب کے ساتھ) کہا کہ اے نیکبخت تو کس سببے روتا ہے (کیا) دولت تجھکو ناگوار ہوئی (یہ تو دیکھ کہ) تو (باعتبار رتبہ کے اسوقت) بالاے افلاک ہی بادشاہ کا قرین (اور) تو تخت پر (بیٹھا) ہے اور وزرا، اور لشکر تیرے تخت کے روبرو صف باندھے ہوئے ہین (جوکہ آب وتاب مین) آفتاب وماہتاب کی طرح (ہین اور اس ترجمہ یہ چون مہر و ماہ صفت وزیران وسپاہ کی ہے اور ایک نسخہ چون نجم و ماہ ہے تو اس نسخہ پر دوسری ترکیب زیادہ مناسب ہے کہ صف زدگی مین تشبیہ ہو اور نسخۂ اُولیٰ پر یہ ترکیب نہین ہوسکتی کیونکہ مہر و ماہ کا اجتماع بصفت نورانیت نہین ہوتا اور نجم و ماہ کا ہوسکتا ہے) لڑکے نے کہا کہ (مین ناگواری دولت سے نہین روتا بلکہ یہ) میرا گریہ زار زار اس سببے ہے کہ (مجھکو ایک بات یاد آگئی وہ بات یہ ہے کہ جب مین اپنے وطن مین اور گھر مین تھا اور کوئی شوخی کیا کرتا تو) میری ماں مجھکو اوس شہر اور گھر مین آپ (کے نام) سے ڈرایا کرتی ہر وقت (اور یون کہتی کہ) مین تجھکو (خدا کرے) محمود کے ہاتھ مین جو کہ شیر ہے دیکھون (جیسے بچون کو ڈراتے ہین کہ دیکھ تجھکو ہَوّا لیجاویگا چونکہ محمود نے ہندوستان پر متعدد حملے کیے اور کامیابی ہوتی رہی اسلیے کفار ہند مین اوسکا رعب بیٹھ گیا تھا اور اوسکو خوفناک چیز سمجھتے تھے) پس (میرا) باپ میری ماں سے (اس تہدید کے) جواب مین لڑا کرتا کہ یہ کیا (واہیات) غصہ اور عتاب ہے (کہ محمود کے نام سے ڈراتی ہے) کیا تو اور کوئی بد دعا نہین پاتی جو اُس بد دعاے مہلک سے خفیف ہو (نفرین دعاے بد از برہان کذا فی الغیاث) تو سخت بیرحم اور بہت ہی سنگدل ہے کہ (ایسی بد دعا دیتی ہے کہ گویا) سیکڑون تلوارون سے تو اوسکو قتل کرتی ہے مین دونون کی گفتگو سے حیران ہوا کرتا (اور) میرے دل مین خوف اور غم واقع ہوا کرتا کہ کیسا کچھ دوزخ خصال ہے محمود اے عجب کہ سختی اور کرب مین ضرب المثل ہو گیا ہے (کہ ماں بھی اوسکو ایسا ظالم سمجھتی ہے کہ اوس سے ڈراتی ہے اور باپ بھی ایسا ظالم سمجھتا ہے کہ اوس کے ہاتھون مین میرے پڑ جانیکو تمام بد دعاؤن کے اثر سے سخت تر جانتا ہے اس لیے) مین آپ کے خوف سے تھرّایا کرتا تھا (اور) آپ کی (اس) اکرام اور تعظیم سے غافل تھا (پس اِسوقت اپنے ماں باپ کو اور اونکی باتون کو یاد کرکے روتا ہون کہ ہلے) میری ماں کہان ہے تاکہ وہ اسوقت مجھکو تخت پر دیکھے اے شاہِ جہان یا (میرا) باپ کہان ہے کہ مجھکو اسطرح دیکھے خوش بیٹھا ہوا سلطان دین کے پہلو مین (آگے انتقال ہے مضمون ارشادی کیطرف)۔

فقر آن محمود تست اے بے سعت
فقر تیرا وہ محمود ہے اے کم ہمت

گر بدانی رحم این محمود راد
اگر تو اِس محمود سخی کے رحم کو معلوم کرے

فقر آن محمود تست اے نیم دل
فقر تیرا وہ محمود ہے اے ضعیف القلب

چون شکار فقر گردی تو یقین
جب تو فقر کے قبضہ مین ہو جائے گا تو یقینًا

گرچہ اندر پرورش تن مادرست
اگرچہ پرورش کے اعتبار سے یہ تن ماں ہے

تن چو شد بیمار دار و جوت کرد
تن اگر مریض ہو گیا تب تو تجھکو طالب دارو کر دیا

طبع از و دائم ہمی ترساندت
طبیعت اوس سے ہمیشہ تجھکو ڈراتی ہے

خوش بگوئی عاقبت محمود باد
تو یون کہنے لگے کہ عاقبت محمود ہو

کم شنو زین مادر طبع مضل
تو اس مادر طبیعت کی جو کہ غلط انداز ہے بات کم سن

ہمچو کودک اشک باری یوم دین
یا واس کے دن مین کودک کیطرح اشکباری کریگا

لیک از صد دشمنت دشمن ترست
لیکن سو دشمن سے بھی زیادہ وہ تیرا دشمن ہے

ور قوی شد مر ترا طاغوت کرد
اور اگر قوی ہو گیا تو تجھکو اوسنے شیطان بنا دیا

(انتقال ہے قصہ سے مضمون سابق از قصہ کی طرف کہ تو جو ظاہری نیستی سے جو کہ واقع مین انجام کے اعتبار سے ہستی ہے بھاگتا ہے یہ توحش ایسا ہے جسطرح یہ غلام محمود سے ڈرتا تھا اور سبب عادی اس توحش کا غلبۂ مقتضیات طبع ہے جیسا کہ ان اشعار سے اور شعر از چہ نام برگ را الخ کے مصرعۂ ثانیہ کی تمہید مین بھی ذکر کیا گیا ہے اور سبب حقیقی خود اوس مصرعہ مین مذکور رہا ہے اور اس طبیعت کا سبب توحش ہونا ایسا ہے جیسا اوس غلام کے لیے اوسکی ماں کا سبب توحش ہونا پس اسیکو فرماتے ہین کہ) فقر (جو ظاہر مین ناداری و نیستی اور باعتبار ثمرات کے عین دولت اور ہستی ہے تو یہ فقر) تیرا وہ محمود ہے (جسکا قصہ مذکور رہا یعنی مشابہ محمود کے ہے) اے کم ہمت (فالسعۃ بمعنی الطاقۃ والہمۃ اور) طبیعت اوس سے ہمیشہ تجھکو ڈراتی ہے (چنانچہ ظاہر ہے کہ فقر مین بہت سے مرغوبات طبیعت فوت ہوتے ہین اس لیے فقر اوسکو ناگوار ہے لیکن) اگر تو اس محمود سخی کے رحم کو معلوم کرے تو (اوسوقت) یون کہنے لگے کہ عاقبت (ہماری) محمود ہو (اس کے معنی مدلول تو یہ ہین کہ فقر جو مشابہ محمود کے ہے اگر اسکے ثمرات تا آیہ معلوم ہون تو اوس پر نظر کرکے دعا طلب کرے کہ ہمارا مآل اچھا ہو یعنی اوس کے وہ ثمرات ہمکو نصیب ہو جاوین جیسا وہ غلام محمود کے ملنے سے خوش تھا اور اس دعا مین لفظ محمود

لانے سے اشارہ محمود کے نام کی طرف بھی کیا گیا ہے پس بلسان اشارت اس کے یہ معنے ہونگے کہ انجام کار
ہکو یہ محمود نصیب ہو غرض جب تجھکو معلوم ہو گیا کہ) فقر تیرا وہ محمود ہے اے ضعیف القلب (تو) تو اس
مادر طبیعت کی جو کہ غلط انداز ہے بات کم سُن (یعنی مت سُن کیونکہ تو اب تو اوس فقر سے ڈرتا ہے لیکن)
جب تو فقر کے قبضہ مین ہو جائیگا تو یقیناً (اوسکی) پاداش (یعنی ثمرات) کے دن مین (اوس غلام کیطرح
اشکباری کریگا (اس افسوس سے کہ مین بڑی غلطی مین ڈالا گیا تھا اس کے ثمرات تو بہت اچھے ہین اور
یوم دین سے مراد یہان یوم قیامت نہین ورنہ شکار فقر گردی کے معنے قصہ کے مطابق نہ ہونگے کیونکہ
مطابقت تو اوسوقت ہوگی کہ جب مبتلاے فقر ہوا ور مبتلاے فقر ہو کر اوس کے منافع کا مشاہدہ کرے
سو یہ آخرت مین نہ ہوگا کیونکہ اگر وہان کوئی مبتلاے فقر مانا جاوے تو وہ وقت اوس کے منافع حاصل
ہونیکا نہین بلکہ مراد اسی عمر کا وہ وقت ہے جب حق تعالیٰ فقر کے برکات کا مشاہدہ کرادے اوسوقت
اپنی گذشتہ غلطی پر تاسف ہوگا اور چونکہ اوپر طبیعت کو بمنزلہ اوس لڑکے کی غلط انداز مان کے قرار
دیا ہے اس اعتبار سے آگے اوس کا دشمن ہونا بتلاتے ہین یعنی) اگرچہ پرورش کے اعتبار سے یہ
تن (جسکو اوپر طبیعت سے تعبیر کیا ہے گویا) مان ہے لیکن (باعتبار نا حقیقت شناسی کے) سو دشمن سے
بھی زیادہ تیرا دشمن ہے (چونکہ مرجع اقتضاے طبع کا اقتضاے قویٰ جسمانیہ ہی کی طرف ہے اس لیے
طبیعت کو یہان تن سے تعبیر فرما دیا اور پرورش کا مضاف الیہ اور مفعول نفس ہے بمعنی مطلق حقیقت
شخصیہ بلا اعتبار آمر بالسوء ہونے کے اور چونکہ قضاء لبعض شہوات جسمانیہ سے نفس کو بھی قوت پہونچتی
ہے اور تن کے جوع و عطش سے نفس بھی اپنے بعض افاعیل سے معطل ہو جاتا ہے اس لیے طبیعت کو مربی
نفس کا قرار دیا گیا اور جسم کا مددگار روح اور روح کا مددگار جسم ہونا مسلم اور ظاہر بھی ہے حاصل
یہ کہ اگرچہ طبع اور جسم سے روح اور نفس کو کچھ قوت بھی پہونچتی ہے لیکن بعض احوال مین اوس سے
ضرر بھی پہونچتا ہے آگے بیان ہے دشمنی کا کہ) تن اگر مریض ہو گیا تب تو تجھکو (یعنی نفس کو کہ حقیقت
مخاطب کی نفس ہی ہے) طالب دارو کر دیا اور فکر و غم مین ڈالدیا اور بعض اوقات یہ فکر درجۂ
ضرر دینی تک پہونچ جاتا ہے تو اوس حالت مین یہ دشمنی ہوئی) اور اگر تن صحیح ہو کر قوی ہو گیا
تو تجھکو (یعنی نفس کو) اوس نے شیطان بنا دیا (یعنی بعض احوال مین چنانچہ ظاہر ہے غرض ایسا
دشمن ہے کہ علالت اور صحت دونون حال مین گاہ گاہ ضرر پہونچاتا ہے اس لیے اوپر نصیحت
کی گئی ہے کہ کم شنو زین مادر طبع مضل)۔

چون زرہ دان این تنِ پرحیف را	نے شتا را شاید و نے صیف را
مثل زرہ کے جان اِس تنِ پُرظلم کو	نہ وہ جاڑے کے لائق ہے اور نہ گرمی کے

یار بد نیکوست بہر صبر را
قرین بد صبر کے لیے اچھا ہے

کہ کشاید صبر کردن صدر را
کیونکہ صبر کرنا سینہ کو کھولتا ہے

صبر مہ با شب منور دارد ش
چاند کا صبر شب کے ساتھ اوسکو منور رکھتا ہے

صبر گل با خار اذفر دارد ش
صبر گل کا خار کے ساتھ اوسکو تیز خوشبو والا کردیتا ہے

صبر شیر اندر میانِ فرث و خون
دودھ کے صبر کرنے نے درمیان گوبر اور خون کے

کرد او را ناعش ابن اللبون
اوسکو شیرخوار بچہ کا زندگی بخش بنا دیا

صبر جملہ انبیا با منکران
تمام انبیا علیہم السلام کے صبر نے منکروں کے ساتھ

کرد شان خاصِ حق و صاحبقران
اونکو حق تعالے کا خاص اور عالی مرتبہ بنا دیا

ہر کرا بینی یکے جامہ درست
تو جسکو درست لباس دیکھے

دان کہ او آن را بصبر و کسب جست
جان لے کہ اسنے اوسکو صبر اور کسب سے طلب کیا ہے

ہر کرا بینی برہنہ و بے نوا
جسکو تو برہنہ اور بے سامان دیکھے

ہست بر بے صبریِ او آن گوا
تو وہ اوسکی بے صبری پر شاہد ہے

ہر کہ مستوحش بود پُر غصہ جان
جو شخص متوحش ہو اور جان غم آلودہ ہو

کردہ باشد با دغائی اقتران
اُسنے کسی دغاباز کے ساتھ اقتران کیا ہوگا

صبر اگر کردے ز الف آن بیوفا
اگر وہ بیوفا اُس دوست سے صبر کرتا

از فراقِ او نخوردے این قفا
تو اوسکے فراق سے یہ چپت نہ کھاتا

خوے با حق ساختے چون انگبین
وہ خدا تعالے کے ساتھ موافقت کرتا جیسا شہد

بالبن کہ لا اُحبُّ الآفلین
دودھ کے ساتھ۔ کہ مین غائب ہونیوالوں کو دوست نہین رکھتا

لاجرم تنہا نماندے ہمچنان
لا محالہ تنہا نہ رہتا۔ جس طرح

کآتشے ماندہ برہ از کاروان
کہ آگ راہ مین قافلہ سے رہ گئی

سلہ قولہ ہر کرا بینی یکے۔ اسکی اصل یون تھی۔ ہر یکے را کہ بینی۔ مگر ضرورتِ شعر سے ترتیب بدل گئی فافہم ۱۲
سلہ کاف (کہ) کے پہلے دگفتے محذوف ہے جسکا ترجمہ ہے اور کہتا پس کاف کے پہلے اس ترجمہ کو ملا کر ترجمہ کرلو ۱۲ محمد انعام اللہ
سلہ رہ گئی ترجمہ ہے ماندہ کا جو اردو محاورہ کے موافق آخر مین اور مؤنث لکھا گیا ۱۲ محمد انعام اللہ عفی عنہ

چون ز بے صبری قرین غیر شد	در فراقش پُر غم و بے خیر شد
جب وہ[1] بے صبری سے غیر کا قرین ہو گیا	اوسکے فراق مین پُر غم اور بے خیر ہو گیا

(اوپر تن کا نفس کے لیے غیر نافع ہونا ذکر فرمایا تھا آگے اسکی ایک مثال دیتے ہین جس سے اوس مضمون کی تقویت ہوتی ہے اور اوس کے بعد کا شعر بطور دفع دخل کے ہے کہ گو یہ تن قرین سوء ہے لیکن قرین سوء بھی احیاناً بالعرض موجب نفع ہو جاتا ہے اور اس مضمون کی طرف من وجہٍ مثال مذکور مین بھی اشارہ ہو سکتا ہے چنانچہ آگے سب کی تقریر آتی ہے پس فرماتے ہین کہ) مثل زرہ (آہنی) کے جان اس تن پُر ظلم کو (پُر حیف اوسی مضرت کے اعتبار سے کہا جو اوس سے روح و نفس کو پہونچتی ہے آگے وجہ تشبیہ ہے کہ) نہ وہ جاڑے کے لائق ہے اور نہ گرمی کے (اور ظاہر بھی ہے کہ اوس سے نہ سردی دفع ہو سکتی ہے نہ گرمی اسی طرح تن غیر نافع ہے اور اسی مثال مین غور کرنے سے دوسری وجہ شبہ کے لحاظ سے دوسرا مضمون بھی جو آیندہ شعر مین بطور دفع دخل کے مذکور ہوگا مفہوم ہو گیا اس طرح سے کہ زرہ اگرچہ دفع حر و برد کے کام کی تو نہین مگر ناکارہ بھی نہین بلکہ محاربات اعدا مین خوب کام دیتی ہے اسی طرح تن بھی ہے کہ دو طرح سے نافع بھی ہے ایک کا تو اوپر ذکر آچکا تھا اس شعر مین گرچہ اندر پرورش تن مادرست الخ یعنی وہ معین ہے نفس کا صدور بعض افاعیل مین اور ایک کا ذکر مابعد کے شعر مین ہے جسکا حاصل یہ ہو گا کہ اگر مشتہیات طبعیہ و مقتضیات جسمیہ نہ ہوتے تو نفس کو مجاہدہ کی فضیلت حاصل نہ ہوتی پس یہ تن مثل زرہ کے محاربۂ شیطان مین نافع ہوا اسیکو بطور دفع دخل کے فرماتے ہین کہ تن کو اگرچہ قرین بد اور مضر کہا گیا ہے لیکن یہ حکم کلی نہین کبھی بالعرض نافع بھی ہو جاتا ہے چنانچہ) قرین بد صبر کے لیے اچھا ہے کیونکہ صبر کرنا سینہ کو کھولتا ہے (یعنی مرتبہ شرح صدر کا صبر سے عنایت ہوتا ہے جس سے قلب مین قابلیت معارفِ علمیہ و وارداتِ حالیہ کی پیدا ہوتی ہے تو صبر ایسی فضیلت کی چیز ہوئی اور اس فضیلت کا سبب بالعرض وہی جسم اور طبع ہے کہ وہ سبب میلان الی المعاصی کا ہوا اور نفس نے اوس کے ساتھ منازعت کی اور اوس کی مدافعت کی جسکا نام صبر ہے پس اسطرح سے وہ قرینِ بد نافع ہو گیا آگے آخر اشعار تک صبر بجمیع اقسامہ کے فضائل و منافع اور بے صبری کے مضار بیان فرماتے ہین اور گو انمین سے بعض اقسام از قبیل صبر بمعنی محاربۃ الشیطان و منازعۃ الھوی نہین ہین مثلاً صبر کرا بینی یکے جامہ درست الخ لیکن مقصود مطلق صبر کے فضائل بیان کرنا ہے تاکہ صبر مبحوث عنہ کی فضیلت کی تقویت ہو جاوے پس ارشاد ہے کہ دیکھو) چاند کا صبر کرنا شب کے ساتھ

[1] لفظ یہ ترجمہ ہے اُس ضمیر غائب کا جو لفظ شد مین پوشیدہ ہی اور اگرچہ بجای یہ کے وہ ہونا چاہیے تھا لیکن اُردو محاورہ کے موافق یہ لکھا گیا کیونکہ قریب ہی ذکر مین فافہم ۱۲ محمد انعام اللہ[2] جب وہ بے صبری سے قرین غیر اوسکے فراق مین پُر غم ہو گیا تو اُسکا بے خیر ہونا یعنی محروم عن الخیر ہونا ظاہر ہے فافہم ۱۲ محمد انعام اللہ

(کہ نورانی ہوکر شب ظلمانی سے نہ گھبرانا) اوسکو منور رکھتا ہے (اسی طرح) صبر گل کا خار کے ساتھ اوسکو تیز خوشبو والا کردیتا ہے (از فرتیز بو کذا فی الغیاث اسی طرح) دودھ کے صبر کرنے نے درمیان گو بزا در خون کے اوسکو شیر خوار بچہ کا زندگی بخش بنادیا (یہ قسم صبر کی تکوینی و اضطراری ہے یعنی لبث و مکث بلا اختیار جسکا حاصل یہ ہے کہ ایک شے کا ایک حالت پر چندے رہنا سبب ہوگیا اوس مین بعض کمالات کے حدوث یا ظہور کا چنانچہ اگر چاند کا شب مین طلوع نہ ہو تو اوسکا نور ظاہر نہ ہوا ور شاخ گل مین کہ بلزوم عادی خاردار ہے اگر گل شگفتہ نہ ہو تو اوس مین خوشبو نہ ہو کیونکہ قبل شگفتگی کے خوشبو نہین ہوتی یا کم ہوتی ہے اسی طرح اگر مادۂ مستعدہ للبن کو مادۂ مستعدہ للدم و مادۂ مستعدہ للفرث کے ساتھ قرار نہ ہو تو وہ لبن نہ بنے کیونکہ یہ سب مواد قبل تحلیل و تفصیل مادۂ واحدہ علفت منہضم فی المعدہ ہوتا ہے اوسی مین سے ایک جز و لبن ہوتا ہے اگر مادۂ قابلہ للبن وہان ہی سے جدا ہوجاوے تو ثدی و ضرع تک پہونچنے ہی کی نوبت نہ آوے پھر لبن کیسے بنے اور عجب نہین کہ صبر اضطراری کے امثلہ لانے مین اشارہ اس طرف ہو کہ مجاہدۂ اضطرار یہ بھی نفع سے خالی نہین بشرط قصد انتفاع چنانچہ مصائب مین اپنی شکستگی و افتقار کا اور حق تعالی کی قدرت و مالکیت کا مرہونیکا خوب ظہور ہوجاتا ہے اور اخلاق کی اصلاح بھی آسان ہوتی ہے اسی طرح) تمام انبیاء علیہم السلام کے صبر نے منکرون کے ساتھ اونکو حق تعالی کا خاص و عالی مرتبہ بنادیا (یہ قسم صبر کی اختیاری اور صبر علی المکارہ بمعنے الایذا و المصائب ہے اور ایک صبر علی المکارہ بمعنے علی الطاعۃ ہے وہ بھی اسی سے مفہوم ہوگیا کیونکہ اس ایذا پر بھی اونھون نے طاعات تبلیغ وغیرہ کو نہین چھوڑا اور صبر جیسا منافع دینیہ کا مثمر ہے منافع دنیویہ کا بھی ذریعہ ہے اور اسی طرح بے صبری مضار دینیہ کی طرح مضار دنیویہ کا بھی سبب ہے پس) تو جسکو درست لباس دیکھے (حسب عادت غالبہ) جان لے کہ اوس نے اوس (لباس) کو صبر اور کسب سے طلب کیا ہے (یعنی مجموعۂ صبر و کسب سے پس معطوف بطور قید معطوف علیہ کے ہے یعنی صبر علی الکسب و بخلاف اسکے) جس کو تو برہنہ و بے سامان دیکھے تو وہ (اوسکی بے نوائی) اوسکی بے صبری (کے ارتکاب) پر شاہد ہے (کہ اوس نے صبر علی الکسب نہین کیا اس لیے کچھ اس کے ہاتھ نہین آیا اور یہ قسم صبر کی علی النافع الدنیوی ہے گو بعض اوقات نافع دینی مین بھی وہ معین ہوسکتا ہے اور اسکو صبر علی اسباب الطاعات کہا جاویگا اور ممکن ہے کہ یہ فضیلت اسی اعتبار سے بیان کرنا مقصود ہو اور ممکن ہے کہ مقصود اس سے مطلق صبر کا نافع ہونا بیان کرنا ہو جیسا شعر صبر ہو بابِ فرح کی تمہید مین مذکور ہوا اسی طرح) جو شخص متوحش (معلوم) ہو (اور اوسکی) جان غم (سے) آلودہ ہو (اوسکی وجہ بھی ایک بے صبری ہی ہے اور وہ بے صبری یہ ہے کہ) اوس نے (خدا تعالی کی محبت اور تعلق پر صبر نہ کرکے) کسی دغاباز (غیر حق) کے ساتھ اقتران اور تعلق پیدا) کیا ہوگا (اور اوس نے اس شخص سے مفارقت اختیار کرلی ہوگی اس سبب سے اس رنج مین مبتلا ہوا اور) اگر وہ بے وفا اوس (دغاباز) دوست سے

صبر کرتا (یعنی باوجود میلان کے اوس سے تعلق پیدا نکرتا) تو (آج) اوس کے فراق سے یہ چیت (کا سا صدمہ) نکھاتا (کیونکہ غم تو صرف محبوب کی مفارقت سے ہوتا ہے جب وہ شخص محبوب نہ ہوتا تو اوس کے فراق سے غم بھی نہ ہوتا اور اِلف بمعنی دوست کذا فی المنتخب سے مراد وہ دغائی اور آن بیوفا سے مراد جس نے اوس دغائی سے تعلق پیدا کیا بے وفا اس لیے کہا کہ اوس نے حق تعالیٰ سے بیوفائی کی کہ اوس کے غیر سے تعلق کیا اور اِلف بمعنی دوستی بھی آتا ہے کذا فی المنتخب لیکن یہان معنے اول ہی مناسب ہین تاکہ مصرعۂ ثانیہ مین جو لفظ اُو واقع ہے اوس کا مرجع لفظاً مذکور رہے اور ان دو شعرون جو بے صبری کی یہ خاص تفسیر کی گئی اسکی دلیل صریح آئندہ اشعار ہین یعنی اوس غیر سے تعلق کر کے غم مین نہ پڑتا بلکہ) وہ خدا کے تعالیٰ کے ساتھ موافقت کرتا جیسا شہد دودھ کے ساتھ (موافقت کرتا ہے کہ پھر جدا نہین ہوتا اسمین اشارہ ہے کہ تعلق سے مراد نسبت دائمہ مع اللہ ہے اور غیر حق سے یہ کہکر قطع تعلق کر لیتا کہ) مین غائب (اور فانی) ہونیوالون کو (اس مین سب غیر حق آگئے) دوست نہین رکھتا (اور جب ایسا کرتا تو) لا محالہ (کسی حال مین) تنہا نہ رہتا جسطرح کہ آگ راہ مین قافلہ سے (جدا ہوکر تنہا) رہ گئی (کیونکہ قافلہ آگ کو منزل پر چھوڑ کر چل دیتا ہے اور تنہا نہ رہنا اس شخص کا ظاہر ہے کیونکہ اس صورت مین اوسکو معیت خاصّہ دائمۂ حق کی نصیب ہوتی پھر تنہائی کہان جیسا اقتران دغائی مین اوسکے فراق کے بعد یہ تنہا رہ گیا جیسا فرماتے ہین کہ) جب یہ بے صبری سے (یعنی صبر مع الحق ترک کرکے) غیر (حق) کا قرین ہوگیا (تو) اوس کے فراق مین پُرغم اور بے خیر ہوگیا (پس ان اشعار مین تصریح ہوگئی کہ اوپر کے اشعار کی وہی تفسیر ہے جو دہان اختیار کی گئی اور یہ قسم صبر کی صبر مع الحق و صبر عن غیر الحق ہے جسکے مقابل بے صبری کو مذموم فرمایا ہے اور صبر عن غیر الحق مین صبر عن جمیع المعاصی داخل ہوگیا الخ پس جمیع اقسام صبر کی جو بیان مذکور ہین یہ ہوئی ۱ صبر علی المجاہدۃ الاضطراریہ ۲ صبر علی المصائب ۳ صبر علی الطاعات ۴ صبر علی اسباب الطاعات ۵ صبر مع اللہ ۶ صبر عن غیر الحق ۷ صبر عن المعاصی - اور ان سے کوئی قسم خارج نہین رہی سبحان اللہ مولانا کا کیسا جامع بیان ہے اور جاننا چاہیے کہ جو تعلق مخلوق کے ساتھ للحق ہو وہ تعلق مع الحق مین داخل ہے تعلق مع غیر الحق نہین ہے پس غیر مقابل عین کا نہین - بلکہ مقابل مُلابس کا ہے خوب سمجھ لو - واللہ اعلم -

صُحبتت چون ہست زرِ دہی	پیشِ خائن چون امانت می نہی
تیری صحبت جب زرِ خالص ہے	خائن کے پاس کیون امانت رکھتا ہے
خُوے با اُو کن کہ امانہاے تو	ایمن آید از افول و از عتو
تعلق اُس کے ساتھ کر کہ تیری امانتین	ماموں ہو جاوین غائب ہوجانے سے اور تعدی سے

خوے با او کن کہ خو را آفرید — خوہاے انبیا را پرورید
اوسکے ساتھ تعلق کر جسنے اخلاق کو پیدا کیا — انبیا علیہم السلام کے اخلاق کی تربیت فرمائی

برّہ بدہی رمہ بازت دہد — پرورندہ ہر صفت خود رب بود
تو ایک بکری کا بچہ دیتا ہے وہ تجھکو ایک گلہ واپس دیتا ہے — ہر صفت کا مربی خود رب ہے

برّہ پیش گرگ امانت می نہی — گرگ و یوسف را مفرما ہمرہی
تو بکری کا بچہ بھیڑیے کے پاس امانت رکھتا ہے — تو گرگ اور یوسف کی ہمراہی کا مت حکم دے

گرگ اگر با تو نماید رُوبہی [لہ] — ہین مکن باور کہ ناید زو بہی
اگر بھیڑیا تیرے ساتھ روبہی ظاہر کرے — تو خبردار یقین مت کرنا اسلیے کہ اوس سے بہتری نہوگی

جاہل ار با تو نماید ہمدلی — عاقبت زخمت زند از جاہلی
اگر جاہل تیرے ساتھ ہمدلی ظاہر کرے — انجام کار تجھکو صدمہ پہونچاویگا جہالت کے سبب سے

او دو آلت دارد و خنثیٰ بود — فعلِ ہر دو بے گمان پیدا شود
وہ دو آلے رکھتا ہے اور خنثیٰ ہوتا ہے — دونوں کا فعل بلاشبہہ ظاہر ہوتا ہے

او ذکر را از زنان پنہان کند — تا کہ خود را خواہرِ ایشان کند
وہ ذکر کو عورتوں سے پوشیدہ کر لیتا ہے — تا کہ اپنے کو اونکی خواہر بنا وے

شُلّہ از مردان بکف پنہان کند — تا کہ خود را جنسِ آن مردان کند
فرج کو مردوں کی ہاتھ کے ذریعہ سے پوشیدہ کر لیتا ہے — تا کہ اپنے کو اُن مردوں کا ہمجنس بناوے

گفت یزدان زان کسِ مکتوم او — شُلّہ سازیم بر خرطوم او
حق تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اوسکی فرج مکتوم کی — ایک علامت اوسکی ناک پر لگا دینگے

تا کہ بینایانِ ما زان دو دلال — در نیایند از فنِ او در جوال
تا کہ ہمارے اہل بصیرت اون دونوں ناز سے — یعنی اوسکے فن سے دہوکے میں نہ پڑ جاوین

حاصل آن کز ہر ذکر ناید نری — ہین ز جاہل ترس گر دانشوری
حاصل یہ ہے کہ ہر مرد سے مردانگی صادر نہیں ہوتی — خبردار جاہل سے حذر رکھ اگر تو دانشمند ہے

[لہ] لفظ رُوبہی اور رَوبہی میں صنعت تجنیس خطی ہے فافہم ۱۲ محمد اسلم

دوستیِ جاہلِ شیرین سخن
جاہلِ شیرین سخن کی دوستی

کم شنو کان ہست چون سمِ کہن
مت سُن کہ وہ مثل زہرِ کہن کے ہے

جانِ مادر چشمِ روشن گویدت
تجھکو جانِ مادر چشمِ روشن کہتا ہے

جز غم و حسرت ازان نفزویدت
بجز غم اور حسرت کے اُس سے تیری کوئی چیز نہ بڑھیگی

مر پدر را گوید آن مادرِ جہار
باپ سے کہا کرتی ہے وہ مادر علانیہ

کہ ز مکتب بچہ ام شد بس نزار
کہ مکتب سے میرا بچہ بالکل لاغر ہوگیا

از زنِ دیگر گرش آوردۂ[1]
اگر تو اُسکو دوسری عورت سے حاصل کرتا

بروے این جور و جفا کم کردۂ
تو اُسپر تو یہ جور و جفا کم کرتا

از جز از تو گر بدے این بچہ ام[2]
اگر تیرے سوا اور کسی سے میرا یہ بچہ ہوتا

این فشار آن زن بگفتے نیز ہم[3]
تو یہی بیہودہ بات وہ عورت بھی کہتی

ہین بجہ زین مادر و تیباے اُو
خبردار تو اس ماں سے اور اوسکے افسون سے دوڑ بھاگ

سیلیِ بابا بہ از حلواے اُو[4]
باپ کی چپت اُسکے حلوے سے اچھی ہے

ہست مادر نفس و بابا عقل راد
نفس ماں ہے اور عقلِ دانا باپ ہے

اولش تنگی و آخر صد کشاد
کہ اُسکا ابتدا تنگی ہے اور انتہا صدہا کشایش

منتہی

سلہ اِس شعر مین لفظ آوردۂ اور کردۂ اگر ماضی قریب کے صیغے ہین تو بمعنی می آوردی و میکردی ہین اور اس سے ماضی قریب کے اِس معنی مین آنے کا ثبوت ہوتا ہے اور اسمین کچھ مضائقہ نہین اور اگر یہ دونون واحد حاضر ماضی تمنائی کے صیغے ہین اور ظاہر و راجح یہی معلوم ہوتا ہے تو انکو اسطرح لکھنا چاہیے آوردیے۔ کردیے اور اسوقت چونکہ تلفظ مین ثقل پیدا ہوتا ہے اس لیے آخر کی یا کو جو مجہول ہے معروف پڑھنا مناسب ہے اور کتابت بھی اسیطرح سے یعنی آوردی۔ کردی اور اسوقت بھی یہ صیغے بمعنی می آوردی و میکردی ہونگے کیونکہ اِس جگہ تمنا مقصود نہین ہے فافہم ۱۲ محمد انعام اللہ عفی اللہ عنہ

سلہ یہ شعر باپ کا مقولہ ہے یعنی باپ نے جواب دیا ہے اور بوجہ خصوصیت مضمون کے لفظ گفت کی ضرورت نہین ہے ۱۲

سلہ لفظ نیز کے بعد لفظ ہم کا لانا تاکید کے لیے معلوم ہوتا ہے۔ حضرت حافظ شیرازی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی کیا ہے

ع درد از یارست و درمان نیز ہم ◆ فافہم ۱۲ م

سلہ ضمیر اُو جو کہ غائب کے لیے ہے مادر کیطرف راجع ہے فافہم ۱۲ م

(اوپر مضمون فضل صبر کی تائید مین تعلق مع الحق کی منفعت اور تعلق مع غیر الحق بالتفسیر المذکور فی خاتمۃ المضمون السابق کی مضرت مذکور ہوئی تھی ان اشعار مین بھی تعلق اول کی ترغیب اور تعلق ثانی سے ترہیب ہے یعنی) تیری صحبت (اور معیت) جب زر خالص (کی طرح ایک عزیز چیز) ہے (تو اوسکو) خائن کے پاس کیون امانت رکھتا ہے (مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو یہ اختیار دیا ہے کہ اپنے تعلق کو وہ حق تعالیٰ کی طرف منصرف کرکے اوس سے منتفع ہو سکتا ہے صحبت سے مراد یہی تعلق ہے اور اسی انصراف و انتفاع کے اعتبار سے اسکو زر خالص سے تشبیہ دی ہے کہ زر خالص سے جسطرح اچھی سے اچھی چیز خرید سکتا ہے اسی طرح اس صحبت و تعلق سے بواسطہ انصراف کے حق تعالیٰ کے قرب کو جس سے اچھی کوئی چیز نہین حاصل کر سکتا ہے جب وہ اس اعتبار سے زر خالص کے مشابہ ہے تو زر خالص کو کوئی عاقل خائن کے پاس امانت نہین رکھتا امین کے پاس رکھتا ہے پس تو بھی اپنے اس تعلق کو مخلوق کی طرف منصرف مت کر کہ وہ ایسا ہے جیسا خائن کے پاس کوئی امانت رکھدے کیونکہ اس صورت مین اوس تعلق کا کوئی ثمرہ نہین پس وہ تعلق ہی گویا ضائع ہوا بلکہ حق تعالیٰ کی طرف منصرف کر کہ وہ ایسا ہے جیسا امین کے پاس امانت رکھے چنانچہ آگے فرماتے ہین کہ) تعلق اوس کے ساتھ (پیدا) کر کہ (جسکے پاس یہ امانتہاے تعلقات رکھنے سے) تیری امانتین مامون ہو جاوین غائب (اور مفقود) ہو جانیسے اور تعدی (اور جحود) سے (امانت مین ذو ہی طرح کا ضرر ہوتا ہے یا گم ہو جاوے یا امین براہ سرکشی ادا نکرے تو یہان دونون کا احتمال نہین اور اس صفت کے ساتھ موصوف حق تعالیٰ ہے مطلب یہ کہ اوس سے تعلق کر جو اس تعلق کا صلہ تجھکو عطا فرماوے کہ یہی ہے امانت تعلق کا ادا کرنا اور اس صلہ کی بعض صور تونکا بیان عنقریب خو ہاے انبیاء پرورید کی شرح مین آتا ہے۔ اور اس ترجمہ سے ترکیب بھی معلوم ہو گئی ہوگی کہ صلہ مین عائد الی الموصول محذوف مانا گیا ہے یعنی خونے با کسے کن کہ امانتہاے تو بسپر دنش بدست آو ایمن آید الخ اور) اوس کے ساتھ تعلق (پیدا) کر جس نے اخلاق کو پیدا کیا (کہ وہی بناسے ہے تعلقات کی کہ اون اخلاق کو خالق کی طرف منصرف کر لیا جاوے یا مخلوق کی طرف اسی علاقہ سے خوے با اوکن کا ترجمہ تعلق کے ساتھ کیا گیا مطلب یہ کہ جب وہ خالق خو ہے تو اس خو کے انصراف کا زیادہ مستحق وہی ہے ورنہ بڑی نمک حرامی ہے کہ ایک چیز عطیہ تو اوسکا اور اوس سے خدمت کیجا دے دوسرے کی اور اوسکی طاعت مین اوسکو صرف نکیا جاوے اور اس مصرعہ مین تو حق تعالیٰ کے فعل تخلیق کا ذکر کیا ہے جسکو مبنی حکم خوے با اوکن کا ٹھہرایا ہے آگے حق تعالیٰ کے فعل تربیت کا ذکر فرماتے ہین جو مبنی حکم مذکور ہونے کے علاوہ مضمون شعر خوے با اوکن کہ امانتہاے کا مفسر بھی ہے یعنی اوس نے اخلاق کی آفرینش بھی فرمائی ہے اور) انبیاء علیہم السلام کے اخلاق کی تربیت (بھی) فرمائی ہے (یعنی اونکی فعل تربیت کی یہ شان ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے اخلاق جو کہ باجماع جمیع اہل ملل

وجمیع عقلاء افضل الاخلاق ہین ان کی تربیت وتکمیل حق تعالیٰ ہی نے فرمائی ہے اس سے اندازہ کرلو کہ
وہ کیسے مربی ہین یعنی کس طرح سے کمالات مین روز افزون ترقی بخشتے ہین یہ تو حاصل ہوا الفاظ کا باقی
اسکا مبنیٰ حکم مذکور ہونا اسطرح ہے کہ جب خلاق کے وہی خالق اور وہی مربی ہین تو ان اخلاق کے
انصراف کے احق بھی وہی ہین اور اسکا مفسر ہونا اسطرح ہے کہ مخلوق کے ساتھ خو کرنے سے تو خود وہ
خو ہی بے ثمر ہونیکے سبب کالعضائع ہو جاتی ہے اور حق تعالیٰ کے ساتھ خو کرنے سے وہ اوس خو کو ترقی دیتے
ہین اور اوسکی تکمیل فرماتے ہین اور جو آخرت مین اس تکمیل کے ثمرات ہونگے وہ الگ رہے تو وہ گویا ایسے
امین ہین کہ جو چیز اون کے پاس رکھی اوسکو اور بڑھا کر ادا فرما دی اور یہ اوس وعدہ کا ایفاء ہے
جو شعر خوے با او کن کہ امانتہاے تو الخ کی شرح مین کیا گیا تھا اور وہان بعض صورتین اس لیے کہا تھا کہ
رد امانت کی یہ ایک صورت ہے کہ اخلاق مین ترقی فرمائی اور دوسری صورت آخرت کا صلہ ہے جسکو ابھی
بعد ذکر ترقی کے ذکر کیا گیا ہے آگے خدا تعالیٰ کی اسی صلہ افزائی اور غیر حق کی اسی تضییع کا ذکر ہے کہ)
حق تعالیٰ کی عطاء ایسی ہے کہ (گویا) تو ایک بکری کا بچہ دیتا ہے وہ تجھکو ایک گلہ واپس دیتا ہے (یعنے
ناقص لیکر کامل دیتا ہے اور) ہر صفت کا مربی خود رب (حقیقی ہی) ہے (وہ اپنی شان ربوبیت سے
ہر صفت کی تربیت فرماتے ہین پس جن صفات کو تونے اون کی طرف منصرف کر دیا وہ اونکو ذاتاً و ثمراً
ترقی دیتے ہین یہ تو خدا تعالیٰ کے ساتھ تعلق رکھنے کی حالت ہے اور اگر تونے اون صفات و اخلاق کو
مخلوق کی طرف منصرف کر دیا تو وہ ایسا ہے کہ گویا) تو بکری کا بچہ بھیڑیے کے پاس امانت رکھتا ہے
(کہ وہ اوسکو ضائع کر دیگا سو خدارا) تو گرگ اور یوسفؑ کی ہمراہی کا مت حکم دے (یعنی نہ تجویز کر
نہ عمل مین لا اسمین اشارہ ہو سکتا ہے کہ جسطرح سے بکری کا بچہ گرگ کے سپرد کرنے سے یوسفؑ کو سپرد
کرنا اور بھی ظلم ہے اسی طرح معمولی اخلاق کے منصرف کرنیسے بڑھکر ظلم یہ ہوگا کہ اخلاق فاضلہ کو
مخلوق کی طرف منصرف کیا جاوے چونکہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ابتداءً تو مخلوق سے تعلق نہین کیا جاتا
لیکن جب ادسطرف سے استمالت ہو تو آدمی اس مین گرفتار ہو جاتا ہے اوس پر متنبہ فرماتے ہین کہ)
اگر بھیڑیا تیرے ساتھ روبہی (وتملق) ظاہر کرے تو خبردار (اسکا) یقین مت کرنا (کہ وہ تیرا خیرخواہ
ہے) اس لیے اوس سے (کبھی) بہبودی نہ ہوگی (اسیطرح) اگر جاہل (جسکو خدا تعالیٰ کی معرفت نہو)
تیرے ساتھ ہمدردی ظاہر کرے (لیکن) انجام کار تجھکو صدمہ پہونچاویگا جہالت کے سبب سے (از جاہلی
مین اشارہ اسطرف ہے کہ اگر وہ بالفرض قصداً بھی تجھکو ضرر نہ پہونچاوے اور مخلص ہی ہو لیکن
چونکہ دین سے جاہل ہے جانتا نہین کہ کیا نفع ہے اور کیا ضرر اس لیے اگر نفع پہونچانیکا بھی قصد کریگا
تب بھی ضرر ہی پہونچاویگا کیونکہ وہ نفع خود ضرر ہی ہوگا اور یہ بالفرض اس لیے کہا گیا کہ جاہل باللہ کو
مخلص ہی ہونا شاذ و نادر کالمعدوم ہے وہ ہمیشہ غرض پرستی مین مشغول ہوتا ہے اوسکی دوستی

غرض تک ہوگی جب غرض فوت ہونیکا اوسکو احتمال بھی ہوگا فوراً مخالف ہوجاویگا سو یہ اخلاص کہان
ہوا غرض اکثر تو وہ غیر مخلص ہوگا اور اگر شاذ و نادر نادان مان کی طرح محب مخلص بھی ہوا تو
خنثا من حیث لا یدری ہوگا آگے ان ہی دونون قسم کے جاہلون کا بیان ہے غیر مخلص کو خنثیٰ
کے ساتھ تشبیہ دی ہے اور مخلص کو شعر جان مادر الخ و ما بعدہ مین والدہ انثیٰ کے ساتھ تشبیہ دی
ہے اشعار مقام کے آخر تک کا یہی حاصل ہے پس فرماتے ہین کہ وہ (جاہل غرض پرست بوجہ
ذو وجہین ہونے یا متخالف الظاہر والباطن ہونے کے گویا) دو آلے رکھتا ہے (ذکر بھی فرج بھی)
اور (وہ) خنثیٰ ہوتا ہے (اور) دونون (آلون) کا فعل (یعنی اثر مختلف اوقات مین) بلا شبہ ظاہر
ہوتا ہے (جسکا طریقہ آگے مذکور ہے یعنی) وہ (خنثیٰ) ذکر کو (تو) عورتون سے پوشیدہ کرلیتا ہے (اور
فرج کو ظاہر ہونے دیتا ہے) تاکہ اپنے کو انکی خواہر بنا دے (اور اونکو مجانست کے گمان سے اس سے
وحشت نہ ہو یہ طریقہ تو فرج کے ظاہر ہونیکا ہوا اور) فرج کو مردون سے ہاتھ کے ذریعہ سے (یعنے ہاتھ
رکھکر) پوشیدہ کرلیتا ہے تاکہ اپنے کو ان مردون کا ہمجنس بناوے (کیونکہ مردون کو عورتون سے
اپنی مجالس مین انقباض ہوتا ہے اور اوس کے سامنے بے تکلفی سے اسرار ظاہر
نہین کرتے گو شہوانی رغبت کی حیثیت سے تنفر اور توحش نہ ہو اس تقریر پر یہ شبہہ نہین ہوسکتا کہ
عورت تو مرد کی مرغوب ہوتی ہے تو مردون سے اپنی انوثت چھپانے کی کوئی وجہ نہین وجہ دفع
ظاہر ہے اب یہان ایک شبہہ ہوسکتا تھا وہ یہ کہ جب اوس جاہل کے فریب کی یہ حالت ہے تو پھر
تم جو اوس سے تحذیر کررہے ہو ایسے فریبی سے حذر کس طرح ہوسکتا ہے آگے اوس کا جواب دینا
مقصود ہے جسکا حاصل یہ ہے کہ حذر کا طریق دینی بصیرت حاصل کرنا ہے اور یہ اختیاری ہے
جسکو یہ بصیرت حاصل ہے اوسکے سامنے اوسکا مکر نہین چلتا آثار سے وجداناً وہ اوسکا ادراک
کرلیتا ہے گو اس ادراک پر اوسکو ضرر پہونچانا جائز نہ ہو لیکن اپنی احتیاط کے لیے تو کافی ہے اور
اس جواب مین ایک آیت کے مضمون کی روایت بالمعنے کرتے ہین پس فرماتے ہین کہ حق تعالیٰ نے
فرمایا ہے کہ اوس (جاہل بددین) کی فرج مکتوم کی ایک علامت اوسکی ناک پر لگا وینگے تاکہ تمہارے
اہل بصیرت (اوسکے) اون دونون (قسم کے) ناز (و کرشمہ و عشوہ و فریب دہی) سے یعنی اوس کے
فن سے دھوکے مین نہ پڑجاوین۔ (یہ اشارہ ہے اس آیت کی طرف جو ولید بن مغیرہ کے باب مین
ہے سَنَسِمُهُ عَلَى الْخُرْطُومِ یعنے ہم عنقریب داغ لگا وینگے اوسکی ناک مین اور گو اسکی راجح تفسیر یہ ہے
کہ مراد اس سے قیامت کے دن مین اوسکی ذلت و رسوائی کی علامت کی وعید ہے مگر مشہور مفسرین
مین یہ ہے کہ یہ داغ لگنا دنیا مین ہوا ہے کسی غزوہ مین اوسکی ناک زخمی ہوگئی تھی پھر وہ نشان عمر
بھر رہا مولانا نے بھی یہی تفسیر اختیار کی ہے اور اوس بددین کے حال کو ولید کے حال سے اور اوسکے

عیوب کی علامات کو ولید کے داغ بینی سے تشبیہ دی ہے اور ایک نظیر کو دوسری نظیر پر دال مجھکر مکلم باحد النظیرین سے دوسری نظیر کو بھی معنے مقولہ حق تعالیٰ کا قرار دیدیا اور کس اور شلہ سے مراد مطلق عیوب دراونکی علامات اور ذو دلال سے مراد ذکرا ور فرج کہ آلہ فریب ہے آور رازفن بدل ہے زان ذو دلال سے آور جوال کے معنے گون اور دلق درویشانہ کے ہین یہان مراد معنی ثانی ہین اور مراد اس سے مجازاً دھوکا ہے اطلاقاً للسبب علی المسبب خلاصہ یہ کہ اللہ تعالیٰ اہل بصیرت کو محفوظ رکھتے ہین اور بصیرت ہوتی ہے دین سے اور دین اختیاری ہے پس اسطرح سے اوس کے فریب سے بچنا اختیاری ہوا اور ہمارا امر بالتحذیر شبہات سے خالی رہا آگے اسکو بطور حاصل بیان کرتے ہین کہ) حاصل (کلام کا) یہ ہے کہ ہر مرد سے مردانگی صادر نہین ہوتی (کیونکہ بعضون کی مردی مخلوط بالانوثۃ ہوتی ہے جیسے خنثیٰ کی اسیطرح جاہل بددین اپنے اخلاق وافعال کا کامل یعنی قرین اخلاص ہونا دکھلاتا ہے مگر اوس مین مکر کی آمیزش ہوتی ہے جب یہ بات ہے تو خبردار جاہل سے حذر رکھ اگر تو دانشمند ہے (اور اگر تیرے حذر پر وہ خود دوستی کی باتین بگھار کر تیری استمالت کرے اوسوقت بھی) جاہل شیرین سخن کی دوستی (کی باتین) مت سُن کہ وہ مثل زہر کہن کے (ادن اقسام کے) ہے (جو کہنہ ہو کر زیادہ قاتل ہو جاتا ہے چنانچہ مشہور ہے کہ سانپ جتنا پُرانا ہو زیادہ زہری ہوتا ہے آور مین نے ایک طبیب سے سُنا ہے کہ سنکھیا پرانی ہونے سے اوسکا تیس بڑھ جاتا ہے اور وہ زیادہ قاتل ہو جاتی ہے آور غایت سے غایت اوسکی دوستی ایسی ہوگی جیسی مان کی کہ اوسمین واقعی خلوص ہوتا ہے لیکن تب بھی اوس سے با حذر رہ کیونکہ وہ اس صورت مین گو دل ہی سے سہی) تجھکو (پیار کے الفاظ مثلاً) جانِ مادر (اور) چشم روشن کہتا ہے (لیکن انجام مین) بجز غم اور حسرت کے اوس سے تیری کوئی چیز نہ بڑھے گی (جانِ مادر کے معنے یہ ہین کہ اے بیٹے جو کہ مان کی یعنی میری جان ہے یہ تو ندا ہے اور چشم روشن دعا ہے یعنی خدا کرے تیری آنکھین ہمیشہ روشن رہین آگے اس خلوص مع الجہل کی مثال ہے کہ) باپ سے کہا کرتی ہے وہ مادر (مشفقہ) علانیہ کہ مکتب سے میرا بچہ بالکل لاغر ہو گیا (اور طعن کے طور پر یون کہتی ہے کہ) اگر تو اسکو دوسری عورت سے حاصل کرتا (یعنی دوسری بیوی کا ہوتا) تو اسپر تو یہ جور وجفا نہ کرتا (بس تو میری ضد مین اسکو تکلیف دیتا ہے مقصود اس طعن سے باپ کا متاثر کرنا ہے آگے باپ کا جواب ہے گو کلام مین گفت وغیرہ نہین ہے مگر خصوصیتِ مضمون اسکا کافی قرینہ ہے کہ گفت وغیرہ کی تصریح کی حاجت نہین یعنی باپ کہتا ہے کہ) اگر تیرے سوا اور کسی (عورت) سے میرا یہ بچہ ہوتا تو یہی بیہودہ بات وہ عورت بھی کہتی (پس مین ایسے طعن سے متاثر نہین ہوتا اور مکتب مین بھیجنا نہین چھوڑ سکتا تو دیکھو یہ مان مخلص ہے مگر جہل سے ضرر رسان یہی حالت ہے جاہل مخلص کی بھی جب یہ ہے تو) خبردار تو اس مان سے اور اوس کے افسون سے دور بھاگ

(سچ تو یہ ہے کہ) باپ کی چپت اوس (مان) کے حلوے سے اچھی ہے (کیونکہ یہ انجام مین نافع ہے اور وہ انجام مین مضر) اور جیسا یہ جاہل مشابہ نادان مان کے ہے اور عارف مشابہ باپ کے اسی طرح نفس (مشابہ) مان (کے) ہے اور عقل دانا (مشابہ) باپ (کے) ہے کہ اوس (عقل) کا ابتدا تنگی ہے اور انتہا صد ہا کشایش (اور اس مین من وجہ عود ہوگیا اوس مضمون کی طرف کہ بعد ختم قطعہ سلطان محمود کے کہا تھا ع کم شنو زین مادر طبع مضل *اور سے* گرچہ اندر پرورش تن مادرست *ولیک* از صد دشمنت دشمن ترست *اور درمیان مین مناسبات خاصہ سے اور مضامین تھے جن کے ارتباطات ساتھ ساتھ بیان ہوتے آتے ہین اور یہان تک طبع و نفس کے غوائل سے تحذیر تھی چونکہ انسان ضعیف ہے اور یہ غوائل قوی و شدید اس لیے آیندہ اشعار مین حق تعالی سے التجا و استعانت کرتے ہین)

اے دہندہ عقلہا فریاد رس
اے واہب العقول فریاد رسی فرمائیے

تا نخواہی تو نخواہد ہیچ کس
جب تک آپ نچاہین کوئی شخص نہین چاہ سکتا

ہم طلب از تست وہم آن نیکوئی
طلب بھی آپ ہی کیطرف سے ہے اور وہ نیکی بھی

ما کئیم اول توئی آخر توئی
ہم کون چیز ہین اول بھی آپ ہی ہین اور آخر بھی آپ ہی ہین

ہم بگو تو ہم تو بشنو ہم تو باش
آپ ہی کہیے۔ آپ ہی سُنیے۔ آپ ہی رہیے

ما ہمہ لاشیئم با چندین تراش
ہم تو سب لاشئے ہین باوجود اِس قدر تراش خراش کے

زین حوالت رغبت افزا در سجود
اِس حوالہ سے آپ رغبت سجدہ مین بڑھا دیجیے

کاہلی جبر مفرست و خمود
جبر کی کاہلی اور افسردگی مت بھیجیے

(ربط اوپر مذکور ہوا یعنی) اے واہب العقول فریاد رسی فرمائیے جب تک آپ (کسی امر کے وقوع کو) نہ چاہین کوئی شخص نہین چاہ سکتا (یعنی دوسرے کی مشیت بھی نہین ہو سکتی اور وقوع تو بڑی دور رہا اور یہ ترجمہ ہے اس آیت کا وما تشاؤن إلا أن یشاء اللہ رب العالمین اور رائے اللہ ہماری) طلب بھی آپ ہی کی طرف سے ہے (یعنی آپ ہی نے نیکی کی طلب عطا فرمائی ہے اور یہ مطلب نہین کہ ہماری طلب آپ کی صفت ہے یعنی آپ ہی طالب ہین نعوذ باللہ) اور وہ نیکی بھی (یعنی اوس کا وقوع و صدور بھی آپ ہی کی توفیق و مشیت سے ہوتا ہے پس) ہم کون چیز ہین اول بھی آپ ہی ہین اور آخر بھی آپ ہی ہین (چنانچہ جب کچھ نتھا آپ جب بھی تھے اور جب کچھ نرہیگا چنانچہ ما بین النفختین جب بھی آپ ہی ہونگے تو آپ قدیم الوجود اور واجب الوجود ہوئے

بخلاف ہمارے کہ ہمارا وجود خود محفوف بین العدمین ہے اسی لیے اون کے تمام کمالات قوی و مستقل اور ہمارے سب کمالات ضعیف اور مضمحل اور منجملہ اون کے طلب و نکوئی بھی ہے جب ہم ایسے مضمحل الوجود والاوصاف ہین تو اے اللہ) آپ ہی کہیے اور آپ ہی سُنیے اور آپ ہی رہیے ہم تو سب لاشئے محض ہین باوجود اسقدر تراش خراش (یعنی کوشش) کے (جیسا ایک جگہ فرمایا ہے ع اندرین رہ می تراش ومی خراش ہمصرعۂ اُولی کے تینون صیغۂ امر مین مجاز ہے یہ افعال اصل مین منسوب عبد کیطرف ہین لیکن چونکہ انکا صدور موقوف ہے ایجاد حق پر اس لیے مبالغۃً اوسی طرف منسوب کردیا جیسے حدیث مین ہے مرضت فلم تعدنی اور حدیث مین ہے کنت سمعہ الذی یسمع بی مطلب یہ ہے کہ ہمارا اچھی بات کہنا یا اچھی بات سُننا یا اچھی حالت پر رہنا ہمارے مستقل اختیار مین نہین آپ ہی توفیق دیکر ہمسے صادر کرادیجیے گویا آپ ہی یہ کام کرلیجیے۔ اور اے اللہ ہم نے جو یہ سب آپکے حوالہ اور آپ کے سپرد کیا ہے تو اس حوالہ سے (مقصود ہمارا یہ ہے کہ) آپ (ہماری) رغبت سجدہ (وطاعت) مین بڑھا دیجیے (اور ہمپر) جبر کی کاہلی اور افسردگی مت بھیجیے (اس مضمون سے زیادہ مقصود تعلیم ہے سامعین کی اور دفع ہے اون کے ایہام کا کہ اوپر کے مضمون سے وہ اپنے کو مجبور و بے اختیار محض سمجھکر طاعات مین کاہل و افسردہ نہوجاوین اس لیے بصورت دعا اوسکی نفی کردی یعنی یہ حوالہ اس غرض سے کیا ہے کہ خدائے تعالی کو مختار جانکر اوس سے مدد حاصل کرے اور توفیق طاعات کی زیادہ مانگے اور اپنی کوشش پر اعتماد نہ کرے نہ یہ کہ کوشش ہی چھوڑدے بلکہ اوسکو برابر جاری رکھے چنانچہ باچندین تراش مین اس طرف اشارہ بھی ہے کہ باوجود کوشش کے پھر اپنے کو لاشئے یعنی ناقابل وثوق سمجھے جو اثبات کوشش مین صریح ہے)۔

جبر باشد پرّ و بالِ کاملان	**جبر ہم زندان و بندِ کاہلان**
ایک جبر تو کاملون کا پَرّ و بال ہوتا ہے	دوسرا جبر کاہلون کا زندان اور بند ہوتا ہے
ہمچو آبِ نیل دان این جبر را	**آب مؤمن را و خون مر گبر را**
اِس جبر کو آبِ نیل کیطرح جان	مؤمن کے لیے پانی اور گبر کے لیے خون
بال بازان را سوئے سلطان برد	**بال زاغان را بگورستان برد**
باز وشہباز ونکو سلطان کی طرف لیجاتا ہے	باز وکوّون کو گورستان کی طرف لیجاتا ہے

(اوپر جبر کی مذمت کو ممکن تھا کہ کوئی اطلاق یعنی عموم پر محمول کرلیتا حالانکہ اہل فن کے نزدیک اوسکی دو قسم ہین محمود و مذموم اس لیے یہان اوسکی تفصیل کرتے ہین کہ ہم علی الاطلاق جبر کو مذموم

نہین کہتے بلکہ ایک) جبر (تو) کاملون کا پر وبال (وذریعہ ترقی فی الطاعات) ہوتا ہے (اور) دوسرا جبر کاہلون کا زندان اور بند (یعنی قید یعنی طاعات سے مانع) ہوتا ہے (اول جبر محمود ہے اور دوسرا مذموم پس مقصود ادبیر مذمت کرنا مذموم کی ہے چنانچہ لفظ کاہلی کی اضافت سے اس تقیید کی طرف اشارہ بھی ہوسکتا ہے کہ مطلق جبر کے بھیجنے کے ساتھ نہی دعائی کو متعلق نہین کیا بلکہ کاہلی جبر کے ساتھ کیا جس سے مفہوم ہوا کہ جبر مین کبھی کاہلی ہوتی ہے کبھی اسکی ضد ہوتی ہے ورنہ متعلق حکم کا صرف جبر کو بنایا جاتا پس اس مین جبر کے دو اثر اشارۃً معلوم ہوگئے اور ویسی ان اشعار مین تصریح ہوگئی آگے ان دونون قسمون کی دو مثال ہین ایک یہ کہ) اس جبر (مقسم) کو آب نیل کی طرح جان (کہ) مؤمن کے لیے پانی اور گبر (یعنی کافر) کے لیے خون (دوسری یہ کہ جبر مثل پر وباز و کے ہے اور) بازو شہبازون کو سلطان کی طرف لیجاتا ہے (کہ وہ اوس کے ذریعہ سے اوڑکر بادشاہ تک پہونچتے ہین اور بازو ہی) کوّون کو گورستان کی طرف لیجاتا ہے (کوا چونکہ آدمی سے وحشت کرتا ہے اور گورستان آدمیون سے خالی جگہ ہوتی ہے اس لیے اکثر وہ اپنا مامن ایسی ہی جگہ کو بناتا ہے گو کھانے پینے کے لیے آبادی مین آتا ہو) **ف** جبر کی یہ دو قسمین مولانا نے دفتر اول مین تحتِ عنوان باز ترجیح نہادن شیر جہد را بر توکل الضمن اشعار ۵ ہان مخسپ ے کاہلِ بے اعتبار + الخ ذکر فرمائی ہین۔ احقر اوس مقام کی شرح مین سے بقدر ضرورت عبارت نقل کرتا ہے وہو ہذا۔ جاننا چاہیے کہ جبر بالمعنی الاعم یعنی مطلق نفی الاختیار دو قسم ہے ایک وہ جسکا منشا فسادِ اعتقاد ہے یعنی یہ اعتقاد کرنا کہ واقع مین بندہ کو کوئی اختیار قوی یا ضعیف دیا ہی نہین گیا یہ جبر مذموم کہلاتا ہے اور فرقہ جبریہ اسی کے معتقد ہین اور اہل حق نے کتاب وسنت سے اسی کو باطل ورد کیا ہے اور اوس کے قائل ہونے کا اثر اعمال خیر کا ناقص یا متروک ہوجانا اور شہوات مین بیباک ور دلیر اور اپنی بیگناہی کا معتقد ہوجانا ہے دوسرا وہ جسکا منشا غلبہ مشاہدۂ اختیار خداوندی ہے یعنی چونکہ حق جل وعلا شانہ کے تصرفات واختیارات عالم مین جاری وساری دیکھ رہا ہے اس لیے باوجود اس اعتقاد کے کہ ہمکو بھی واقع مین کچھ اختیار دیا گیا ہے اوس اختیار خداوندی کے روبرو اپنے اس اختیار ضعیف کو محض عدم تو نہین مگر کالعدم سمجھتا ہے جیسا وحدۃ الوجود کے مسئلہ مین وجود ضعیف کا مضمحل ہونا وجود قوی کے سامنے بیان کیا گیا ہے یہ جبر محمود کہلاتا ہے اور یہ عارفین کا مذاق ہے اور کتاب وسنت اوسکو رد نہین کرتے بلکہ مؤید ہین اور اوسکے حاصل ہونے کا اثر طاعات کا زائد اور کامل ہوجانا اور خلاف مرضی الٰہی ارادون کا فنا ہوجانا ہے اھ۔

باز گرد اکنون تو در شرح عدم
تو اب پھر عدم کی شرح کیطرف عود کر

کو چو پازهرست و پندارش سم
کہ وہ زہر مُہرہ ہے اور تو اوسکو زہر سمجھتا ہے

ہمچو ہندو بچہ ہین اے خواجہ تاش
تو اس ہندو بچہ کیطرح ہان اے خواجہ تاش

رَو ز محمودِ عدم ترسان مباش
چل محمودِ عدم سے ترسان مت ہو

از وجودے ترس کاکنون در ویی
اوس وجود سے ڈر جسمین تو اب ہے

آن خیالت لاشئی و تو لاشئی
وہ تیرا خیال لاشئے اور تو لاشئی ہے

لاشئے بر لاشئے عاشق شدست
ایک لاشئی دوسری لاشئی پہ عاشق ہو رہا ہے

ہیچ نے مر ہیچ نے را رہ زدست
ایک لاشئی نے دوسری لاشئی کی رہزنی کر رکھی ہے

چون برون شد این خیالات از میان
جب یہ خیالات درمیان سے خارج ہو گئے

گشت نامعقول تو بر تو عیان
تو تیرا غیر مفہوم بالعقل تجھپر مشاہد بالعین ہوجاویگا

(سلطان محمود کے قصہ سے اوپر جو عدم و معدوم کی مطلوبیت کا مضمون تھا جسکی توجیہ و تحقیق بھی وہان گذر چکی ہے یہان اوسکی طرف عود ہے گو درمیان کے سب مضامین بھی اوسی سے سلسلہ وار مرتبط چلے آئے ہین جیسا ہر مضمون پر معلوم ہوگا مگر اب بلا واسطہ اوسکی طرف عود کرنیکو فرماتے ہین کہ) تو اب پھر عدم کی شرح کی طرف عود کر کہ وہ زہر مہرہ (و تریاق نافع) ہے اور تو اوسکو زہر (مضر) سمجھتا ہے (جب یہ بات ہے تو) تو (اوس) ہندو بچہ کی طرح ہان اے خواجہ تاش (محمود کی طرف) چل (اور) محمود عدم سے ترسان مت ہو (یعنی اوس عدم سے جو مثل محمود کے ہے کلجین الماء بلکہ) اوس وجود سے ڈر جس مین تو اب ہے (کیونکہ وہ وجود واقع مین معتدبہ نہین بلکہ ایک خیال ہے اور) وہ تیرا خیال (بھی) لاشئے ہے اور تو (بھی) لاشئے ہے (پھر جو تو اوس وجود خیالی پر عاشق ہو رہا ہے تو گویا) ایک لاشئے دوسری لاشئے پر عاشق ہو رہا ہے اور ایک (ہیچ نے یعنی) لاشئے نے (کہ وہ وجود خیالی ہے) دوسری لاشئے کی (کہ وہ تو ہے) رہزنی کر رکھی ہے (پس مصرعۂ اول کا پہلا لاشئے اور مصرعۂ ثانیہ کا دوسرا لاشئے دونون کا مصداق ایک ہے اور اسیطرح مصرعۂ اول کا دوسرا لاشئے اور مصرعۂ ثانیہ کا پہلا لاشئی ان دونون کا مصداق ایک ہے) جب یہ خیالات درمیان سے خارج (اور

[1] فی الغیاث یعنی پاک کنندہ زہر چہ لفظا پاد بمعنے شستن آمدہ است یا مخفف پادزہر بدال مہملہ بمعنیا حق ازندہ زہر و فاد زہر معرب آن باشد ۱۲ منہ

مرتفع) ہو گئے (یعنی ہو جاوینگے) تو (اوسوقت) تیرا غیر مفہوم بالعقل (مضمون) تجھپر مشاہد بالعین ہو جاویگا (یعنی نظری خفی بدیہی جلی مثل محسوس کے ہو جاویگا) فـ چونکہ اصل مقام پر اس مضمون کی پوری تحقیق ہو چکی ہے اس لیے یہان صرف حل عبارت پر کفایت کی گئی آگے تائید ہے مضمونِ بالا کی کہ ان خیالات کے ارتفاع کے وقت کہ اوس ارتفاع کا ایک وقت موت بھی ہے جیسا کہ ایک وقت دنیا مین حصول معرفت و بصیرت بھی ہے سب حقیقت منکشف ہو جاویگی اور ہستی یعنی حیات دنیویہ کو نیستی اور نیستی یعنی حیات اخرویہ کو ہستی سمجھا جاویگا اور اسی لیے مرنیکا افسوس نہ ہوگا کیونکہ وہ تو واقع مین ہستی ہے اگر نیستی ہوتی تو اوس کے عروض کا افسوس ضرور ہوتا تو ثابت ہوا کہ جسکو نیستی سمجھے تھے وہ ہستی نکلی اسکی تائید تو اس جملہ سے ہوئی لیس للماضین ہم الموت اسی طرح جب یہ افسوس ہوگا کہ ہمنے حیات دنیویہ مین اعمالِ صالحہ کیون نہ کیے اور حیاتِ دُنیویہ مین جو تمتعات حاصل کیے تھے وہ دافع افسوس نہوسکے اس سے ثابت ہوا کہ جسکو ہستی سمجھے تھے وہ نیستی تھی اسکی تائید اس جملہ سے ہوئی وانما ہم حسرۃ الفوت قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لیس للماضین ہم الموت وانما ہم حسرۃ الفوت۔

راست فرمود آن سپہدار البشر ق کہ ہر آنکہ کرد از دنیا گذر

صحیح فرمایا ہے اوس سید البشر صلے اللہ علیہ وسلم نے کہ جس شخص نے بھی دُنیا سے انتقال کیا ہو

نیستش درد و دریغ و غبنِ موت بلکہ ہستش صد دریغ از بہرِ فوت

اوسکو موت کا درد اور افسوس اور زیان نہین ہے بلکہ اوسکو صد افسوس فوت ہونیکے سبب سے ہے

لیس للماضین ہم الموت گفت لیک شان با حسرتِ فوت اند جفت

لیس للماضین ہم الموت فرمایا ہے لیکن وہ لوگ حسرتِ فوت کے ساتھ قرین ہوتے مین

کہ چرا قبلہ نکردم مرگ را مخزنِ ہر دولت و ہر برگ را

کہ مین نے موت کو قبلہ کیون نہ بنایا ہر دولت اور ہر سامان کے مخزن کو

قبلہ کردم من ہمہ عمر از حول آن خیالاتے کہ گم شد در اجل

مین نے تمام عمر کج بینی کے سبب قبلہ ان خیالات کو بنایا جو کہ موت مین غائب ہو گئے

حسرتِ آن مردگان از مرگ نیست زانست کاندر نقشہا کردیم ایست

اُن مُردون کی حسرت موت کے سبب نہین ہے اس سے ہے کہ ہم نے نقوش مین قیام کیا

ما ندیدیم اینکه این نقش ست وکف
ہم نے یہ نہ دیکھا کہ یہ نقش اور حباب ہے

کف ز دریا جنبد ویابد علف
کفِ دریا سے حرکت کرتا ہے اور غذا پاتا ہے

چونکه بحر افگند کفها را ببر
جب بحر نے حبابوں کو خشکی مین پھینکدیا

رو بگورستان وکفها را نگر
گورستان مین جا حبابون کو دیکھ

پس بگو کو جنبش وجولانِ تان
پھر کہہ تمہاری حرکت اور جولانی کہان ہے

بحر افگندست در بحرانِ تان
دریا نے تمہارے تغیرِ عظیم مین پھینکدیا ہے

تا بگویندت بلب نے بل بحال
تا کہ وہ تجھے لب سے نہین بلکہ حال سے کہین

که ز دریا کن نه از ما این سوال
کہ یہ سوال ہم سے نہین دریا سے کر

نقش چون کف کے بجنبد بی ز موج
نقش مثل حباب کے بدون موجِ دریا کے کب جنبش کرتا ہے

خاک بے بادے کجا آید باوج
خاک بدون ہوا کے کہان آتی ہے جہتِ فوق مین

چون غبارِ نقش دیدی باد بین
جب تو نے غبارِ نقش دیکھا ہے تو ہوا کو دیکھ

کف چو دیدی قلزمِ ایجاد بین
جب کف دیکھا ہے تو قلزمِ ایجاد کو دیکھ

ہین بہ بین کز تو نظر آید بکار
خبردار دیکھ کیونکہ تیرے اجزا مین سے نظر کار آمد ہے

باقیت شحمے ولحمے پود وتار
تیرے باقی اجزا شحم اور لحم اور تار و پود ہے

شحم تو در شمعہا نفزود تاب
تیری شحم نے شمعون مین روشنی نہین بڑھائی

لحم تو مخمور را نا مد کباب
تیرا لحم مخمور کا کباب نہین بنا

در گداز این جملہ تن را در بصر
تو اس سب جسد کو بصر مین گداختہ کر دے

در نظر رو در نظر رو در نظر
نظر مین چل۔ نظر مین چل۔ نظر مین چل

یک نظر دو گز ہمی بیند ز راہ
ایک نظر دو گز راستہ دیکھتی ہے

یک نظر دو کون دید و روے شاہ
ایک نظر نے دونون عالم اور جمالِ شاہ کو دیکھ لیا

در میانِ این دو فرقِ بے شمار
ان دونون کے درمیان بے شمار فرق ہے

سرمہ جو واللہ اعلم بالسرار
تو سرمہ تلاش کر اور غیب کا علم خدا تعالےٰ کو خوب ہے

روان کفها گر۔ برین نسخه روان حال از فاعل صیغهٔ امر رو ست نه که از کفها چرا که این کفها در خشکی روان نیست ۱۲ منه

(ربط کی وجہ کہ تائید ہے ماسبق کی اور اوس وجہ کی تحقیق و تطبیق اوپر مذکور ہوئی ہے اور اوس تائید کیلیے ایک حدیث لائے ہین جسکو حدیث ہونیکی تحقیق نہین باقی مضمون کی صحت ظاہر ہے چنانچہ قرآن مجید مین جابجا کفار کی حسرت تفریط فی الاعمال پر نقل فرمائی ہے نفس فراق دنیا پر کہین بھی نقل نہین فرمائی بلکہ آخرت کو انکشاف حقائق عند الجمیع کا عالم فرمایا ہے اور حیٰوۃ دنیا کا ناقابل اعتداد ہونا منجملہ حقائق ہے تو لامحالہ یہ بھی منکشف ہوگی پس دونون مضمون قرآن مجید سے ثابت ہوگئے قال تعالیٰ قالوا یا حسرتنا علی ما فرطنا فیہا الآیۃ وقال تعالیٰ اسمع بہم و ابصر یوم یاتوننا الآیۃ وقال تعالیٰ وما ہذہ الحیٰوۃ الدنیا الا لہو ولعب وان الدار الآخرۃ لہی الحیوان لو کانوا یعلمون۔ پس فرماتے ہین کہ) صحیح فرمایا ہے اوس سید البشر صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جس شخص نے بھی دنیا سے انتقال کیا ہو اوسکو موت کا درد اور افسوس اور (داد سکے) زیان کا خیال) نہین ہے (کیونکہ وہ واقع مین افسوس اور زیان کی چیز نہین ہے) بلکہ اوسکو صد افسوس (اعمال صالحہ اور عمر کے) فوت ہونیکے سبب سے ہے (چنانچہ اسی مضمون مین آپ نے) لیس للمامنین ہم الموت فرمایا ہے (اور یہ بھی فرمایا ہے کہ) لیکن وہ لوگ حسرت فوت (مذکور) کے ساتھ قرین (ہوتے) ہین (آگے حسرتِ فوت کی تفسیر ہے) کہ مین نے موت کو قبلہ (توجہ یعنی نصب العین) کیون (نہ بنایا یعنی) ہر دولت اور ہر سامان کے مخزن کو (قبلۂ توجہ کیون نہ بنایا یہ ترکیب مین بدل ہے مرگ سے اور معنےٰ صفت ہے موت کی یعنی موت ایسی چیز ہے کیونکہ الموت جسر یوصل الحبیب الی الحبیب اور حبیب ہونا اختیاری ہے پس ہر شخص باختیار خود اوسکو مخزن دولت بنا سکتا ہے اور کسی کے سوء استعمال سے اگر وہ مخزن نہ رہے تو یہ کمی عامل کی ہے اور وہ اسپر حسرت کرتا ہے کہ مین بجاے اسکے کہ موت کو قبلہ بناتا) مین نے تمام عمر کج بینی کے سبب قبلہ اون خیالات (دنیویہ) کو بنایا جو کہ موت مین غائب ہوگئے (چنانچہ محسوس بھی ہے اور منصوص بھی قال تعالیٰ وقدمنا الی ما عملوا من عمل فجعلناہ ہباءً منثورا وقال تعالیٰ وضل عنکم ما کنتم تزعمون غرض) اون مردون کی حسرت موت کے سبب نہین ہے (بلکہ) اس سے (حسرت) ہے کہ ہم نے نقوش (بے ثبات مثل نقوش آب یعنی ہستی دنیا) مین (عمر بھر) قیام کیا (اور اوسکو طویل البقا و مقصود سمجھا اور) ہم نے (بصیرت سے) یہ نہ دیکھا کہ یہ (محض) ایک نقش (آب) اور حباب (دریا) ہے (اور) کف (خود معتدبہ وجود نہین رکھتا کیونکہ وہ) دریا سے حرکت کرتا ہے اور (اوسی سے) غذا (یعنی بقا اطلاقاً للسبب علی المسبب) پاتا ہے (چنانچہ ظاہر ہے اسی طرح یہ ہستی ابدان بحیثیت تربیت و قابلیت مصدریتِ افعال وابستہ ہے ہستی ارواح کے ساتھ جو بوجہ جزو عالم غیب ہونیکے مخفی اور نیستی نما ہے مگر ہمنے دریا کو جو حجابات کے تحت مین مستور تھا نہ دیکھا کہ اوسکو دیکھکر عالم غیب کی طرف متوجہ ہوتے اور اوس کے لیے سامان کرتے کہ وہ اعمال صالحہ ہین آگے مولانا اس تشبیہ پر تفریع فرماتے ہین کہ) جب بحر (روح) نے (ان)

حبابون کو (اپنے سے علیحدہ کرکے) خشکی مین پھینکدیا (یعنی جسطرح دریا حبابون کو اپنے سے جدا کردیتے اسی طرح ارواح نے ابدان سے علاقہ چھوڑدیا اوسوقت کی حالت دیکھنے کے لیے) گورستان مین جا (اور اون) حبابون کو دیکھ (یعنی ابدان مردہ کو دیکھ) پھر (اون سے) کہہ دکہ) تمھاری حرکت اور جولانی کہان ہے (کیا) دریانے (تمکو) تمھارے تغیر عظیم مین (گرفتار کرکے) پھینکدیا ہے (وہ تغیر عظیم مفارقت ہے روح کی ابدان سے اور بحران کے معنے اصل مین ایک خاص تغیر عظیم کے ہین کہ طبیعت اور مرض کی باہمی مقاومت سے مزاج مین واقع ہوجاتا ہے یہان مجازًا اطلاقًا للمقید علی المطلق مطلق تغیر عظیم مراد لیا گیا اور مین نے ترجمہ مین اس ترکیب کی طرف اشارہ کیا ہی کہ افگند کا مفعول مقدر ہے اور بحران مضاف ہے تان کی طرف کیونکہ اگر اس تان کو مفعول کہا جاوے تو بلا اضافت پڑھا جاویگا اور اس صورت مین جولانی اور بحران کا قافیہ درست نہوگا آگے اس خطاب فرضی کا نتیجہ بکلمہ تا کہ بمعنی لام عاقبت کے ہے تبلاتے ہین کہ) تا کہ وہ (حبابات تجھسے (جواب مین) لب سے نہین (کیونکہ وہ ظاہرًا ناطق نہین) بلکہ حال سے کہین کہ یہ سوال ہمسے نہین (بلکہ) دریاسے کر (کیونکہ ہم تو جواب دینے کے قابل بھی نہین رہے اور اس سے کلام یا سماعِ موتیٰ کی نفی لازم نہین آتی کیونکہ وہ کلام یا سماع اگر ثابت ہو تو فعل روح کا ہے اوسکو محاورات مین کلام و سماعِ موتیٰ کہا جاتا ہے اور یہان نفی کی ہے خود اجساد بلا ارواح سے اور اوس سے انتفا ظاہر و مجمع علیہ ہے یا تو اس جواب کی کہ ز دریا کن نہ از ما این سوال یہ وجہ ہے اور یا یہ کہا جاوے کہ کسی فعل یا اوس کے آثار سے سوال کرنے مین اصل یہی ہے کہ اوس کے فاعل سے سوال کیا جاوے سو اگر مقصود سوال فعل مفارقت سے ہی تب تو یہ بدن کا فعل ہی نہین اور اگر اوس کے اثر سے ہے تو گو بدن پر وہ اثر ظاہر ہوا ہے لیکن پھر بھی یہ اثر کسی فعل بدن کا تو نہین دونون حال مین بقاعدۂ مذکورہ روح ہی سے سوال کرنا اصل ہے اور ان تین اشعار تفریعیہ مین روح کا مؤثر و متصرف فی البدن ہونا اور متاثر سے مؤثر کی طرف نظر کرنے کی ترغیب ہے اس سے دوسرے مضمون کی طرف مولانا کا ذہن منتقل ہوگیا کہ جس طرح بدن مین روح مؤثر ہی اسیطرح روح مین بلکہ بدن اور تمام موجودات مین موجود حقیقی مؤثر ہے پس ان سب سے اوسکی طرف نظر کو منصرف کرنا چاہیے پس آگے اسکو فرماتے ہین یعنی یہ بات مسلم ہے کہ یہ) نقش (عالم امکان) مثل حباب کے بدون موج دریا کے کب جنبش کرتا ہے (یعنی جس طرح حباب بدون موج کے جنبش نہین کرتا اسی طرح) خاک بدون ہوا کے کہان آتی ہے جہت فوق مین (جب یہ بات ہے تو) جب تو نے (اس عالم امکان کا) غبار نقش دیکھا ہے تو ہوا کو (بھی) دیکھ (اور) جب کف دیکھا ہے تو قلزم ایجاد کو (بھی) دیکھ (غبار نقش کی اضافت مثل لجین الماء کے ہے اور قلزم ایجاد کے معنے وہ قلزم جس نے

اس کف کو بنایا مطلب یہ ہے کہ اس عالم امکان سے کہ مشابہ غبار اور کف کے ہی موجد حقیقی کیطرف کہ مشابہ ہوا اور دریا کے ہے نظر کو متوجہ کر آگے اس نظر توحیدی کا ایجاب اور اوسکی مدح اور اوسکی تحصیل کا طریق فرماتے ہین یعنی) خبردار (ضرور واحد حقیقی کو نظر بصیرت سے) دیکھ کیونکہ تیرے اجزا مین سے (یہ) نظر (ہی) کارآمد (چیز) ہے (اور) تیرے باقی اجزا (تو بس) شحم اور لحم اور (اعصاب و اوتار و عروق کا) تار و پود (اور جالا) ہے (جو کہ کسی کام کا نہین چنانچہ دیکھ لے کہ تیری شحم نے شمعون مین (کوئی) روغنی نہین بڑھائی (اور) تیرا لحم مخمور (یعنی شرابخوار) کا کباب (بھی) نہین بنا (چنانچہ ظاہر ہے کہ آدمی کا شحم و لحم ان کامون مین نہین آتا اور اس سے یہ نہ سمجھا جاوے کہ اگر ان کامون مین آسکتا یا اب کوئی لانے لگے تو یہ حکم صحیح نرہیگا بلکہ حکم اوسوقت بھی صحیح ہے کیونکہ یہ انتفاعات بمقابلہ انتفاع بالنظر کے غیر معتد بہ ہین اور اس سے روح کا بیکار ہونا نہ سمجھا جاوے کیونکہ یہ نظر خاص فعل روح ہی کا ہے پس اس نظر کا کارآمد ہونا بعینہ روح کا کارآمد ہونا ہے مگر بشرط نظر ورنہ وہ بھی خود حصب جہنم ہے اسمین تو ایجاب و مدح ہوئی نظر کی آگے اوسکی تحصیل کا طریق ہے بطور تفریع علے المذکور کے کہ جب معلوم ہوگیا کہ صرف نظر ہی کارآمد چیز ہے اور سب اجزاء بیکار ہین تو بس) تو اس سب جسد کو بصر (کی تحصیل) مین گداختہ کردے (اور) نظر (کی تحصیل) مین چل (یعنی کوشش کر پھر اسکی تاکید ہے کہ) نظر مین چل نظر مین چل (گداختہ کرنے سے مراد ریاضات بشرائطہا المعروفۃ فی الفن ہے اگرچہ اوس سے جسد کی تحلیل ہی ہو مگر حد کے اندر اور یہ مطلب نہین کہ تحلیل ضروری ہے یا اوسکی کوئی حد نہین چونکہ اوپر نظر لفظاً مطلق ہے اگرچہ قرینۂ مقام سے خاص نظر معرفت ہی مراد ہے آگے اس خصوصیت کی تصریح کیے دیتے ہین کہ) ایک نظر (تو) دو گز راستہ (ہی) دیکھتی ہے (سو یہ مطلوب نہین اور) ایک نظر (ایسی ہے کہ اوس) نے دونون عالم اور جمال شاہ کو دیکھ لیا (اور یہی مطلوب ہے اور) ان دونون کے درمیان بیشمار فرق ہے (پس) تو (دوسری نظر حاصل کرنیکے لیے) سرمہ تلاش کر (کہ وہ ریاضت اور صحبت اہل اللہ ہے) اور غیب کا علم خداے تعالی کو خوب ہے (اس جملہ کا مطلب یہ کہ ہمارے ان مضامین مین حقائق منحصر نہین بہت سے حقائق ہم سے مخفی ہین جنکا علم خدا تعالی ہی کو ہے مگر بقدر اپنے علم کے خیرخواہی سے پیش کردیا کہ عمل و وصول الی المقصود کے لیے کافی ہے اور ایک توجیہ ان اخیر کے دو شعرون کی یہ خیال مین آتی ہے کہ اوپر نظر من المتاثر الی المؤثر کا امر تھا اور اس نظر کے دو درجے ہین ایک نظر من البدن الی الروح اور ایک نظر من الروح الی المؤثر الحقیقی پس تقریر مقام کی یہ ہوگی کہ ہم جو نظر من المتاثر الی المؤثر کا امر کر رہے ہین ہمارا مطلب صرف درجۂ اول نہین ہے کبھی کوئی اسکو حاصل کرکے اسپر مغرور ہو جاوے پس یہ تو ایسا ہے کہ جیسے دو گز راستہ دیکھ لیا ایک گز یہ بدن نظر آیا

دوسرے گز پر روح بلکہ مطلب ہمارا درجۂ دوم ہے کہ دونون عالم سے گذر کر رُد دے شاہ تک نظر پہونچ جاوے پس اس تقریر پر شعر بالا النقش چون کف مین جو مضمونِ نظر الی المؤثر الحقیقی کیطرف انتقال ہوا ہے یہ شعر اوسکا قرینہ مقالیہ ہوجاویگا جیسا مقام خود قرینہ حالیہ پہلے سے ہے فقط)
ف یہ مضمون ہیچ ہین آگے پہلے بھی کسی دفتر مین اس عنوان سے آیا ہے ۵ آدمی دیدست و باقی پوست ست + دید آن باشد کہ دیدِ دوست ست + آگے پھر عود ہے مدح نیستی کی طرف ۔

چون شنیدی شرح بحرِ نیستی
جب تونے بحرِ نیستی کی شرح سن لی

کوش دائم تا درین بحر ایستی
تو ہمیشہ کوشش کرتا کہ تو اس بحر مین قیام رکھے

چونکہ اصلِ کارگاہ این نیستی ست
چونکہ اصل اس کارخانہ کی یہ نیستی ہے

کہ خلا و بے نشان ست و تہی ست
جو کہ خلا اور بے نشان اور خالی ہے

جملہ استادان پے اظہارِ کار
تمام استاد لوگ کام ظاہر کرنے کے لیے

نیستی جویند و جاے انکسار
نیستی کو ڈھونڈتے ہین اور شکستگی کی جگہ کو

لاجرم استادِ استادان صمد
بالضرور جو سب استادونکا استاد صمد ہے

کارگاہش نیستی و لابود
اوسکا کارخانہ نیستی اور عدم ہوگا

ہر کجا این نیستی افزون ترست
یہ نیستی جہان کہین جتنی زیادہ ہوگی

کارِ حق و کارگاہش آن سرست
حق تعالیٰ کا کام اور اوسکا کارخانہ اوسی جانب زیادہ ہو

نیستی چون ہست بالائین طبق
نیستی چونکہ عالی مرتبہ ہے

بر ہمہ بُردند درویشان سبق
درویش لوگ سب پر سبقت لے گئے

خاصہ درویشے کہ شد بے جسم و مال
خاص کر وہ درویش جو کہ بے جسم اور بے مال ہوگیا

کارِ فقرِ جسم دارد نے سوال
اعتبار تو فقرِ جسمی رکھتا ہے نہ کہ سائل ہونا

سائل آن باشد کہ جسمِ او گداخت
سائل وہ ہے جس کا جسم گھل گیا

قانع آن باشد کہ مالِ خویش باخت
قانع وہ ہے جسنے اپنا مال ہار دیا

پس ز درد اکنون شکایت بر مدار
پس تو درد سے شکایت کا اظہار مت کر

کوست سوے نیست اسپے راہوار
کیونکہ وہ نیستی کیطرف ایک اسپ خوش رفتار ہے

این قدر گفتیم و باقی فکر کن
اس قدر تو ہم کہہ چکے باقی تو فکر کرلے

فکر اگر جامد بود رَو ذکر کن
اگر فکر جامد ہو تو جا ذکر کر

ذکر آرد فکر را در اہتزاز
ذکر فکر کو حرکت مین لاتا ہے

ذکر را خورشیدِ این افسردہ ساز
ذکر کو اِس افسردہ کا خورشید بنا لے

اصل خود جذبہ است لیک ای خواجہ تاش
اصل تو جذب ہی ہے اے خواجہ تاش لیکن

کار کُن موقوفِ آن جذبہ مباش
تو عمل کرتا رہ اُس جذب پر موقوف مت رہ

زانکہ ترکِ کار چون نازے بود
کیونکہ ترکِ عمل مثل ناز کرنے کے ہے

ناز کے در خوردِ جانبازے بود
ناز کرنا کب مناسب کسی جانباز کے ہے

نے قبول اندیش نے رد اے غلام
نہ تو قبول کو سوچ اور نہ رد کو اے نوجوان

امر را و نہی را مے بین مدام
امر و نہی کا ہمیشہ لحاظ رکھ

مرغِ جذبہ ناگہان پرّد زعُش
دفعۃً مرغِ جذب آشیانہ سے اُڑے گا

چون بدیدی صبح شمع آنگہ بکُش
جب تونے صبح کو دیکھ لیا اُوسوقت شمع بجھا دینا

چشمہا چون شد گدازہ نورِ اوست
جب آنکھیں گداختہ ہوگئیں تو حق تعالیٰ کا نور ہے

مغزہا مے بیند او در عین پوست
مغزون کو دیکھنے لگتا ہے عین پوست مین

بیند اندر ذرہ خورشیدِ بقا
وہ ذرہ مین خورشیدِ بقا کو مشاہدہ کرتا ہے

بیند اندر قطرۂ[1] کُل بحر را
ایک قطرہ مین تمام دریا کو مشاہدہ کرتا ہے

(بعد تفریع کے جو کہ شعر بحر افگند الخ مین مذکور ہے پھر عود ہے مضمون مدح نیستی کی طرف جو اس تفریع سے پہلے بھی مذکور ہے اور بہت دیر سے چلا آرہا ہے پس فرماتے ہین کہ) جب تو نے بحر نیستی کی شرح سُن لی (جو کہ بعنوان بحر اس مصرعہ قبل التفریع مین مذکور ہے ع کف ز دریا جنبد و یا بد علف ۔ اور مراد اس دریا سے روح ہے لیکن بوجہ اختفاء عن الابصار کے وہ نیستی نما ہے اس لیے یہان اوسکو بحر نیستی سے

[1] اس لفظ (قطرہ) پر اگر ہمزہ نہ لکھا جاوے جیسا کہ متن مین ہے تو لفظ کُل کے لام کو مشدد پڑھا جائیگا اور اگر ہمزہ لکھا جاوے یعنی اسطرح قطرۂ تو یہ ہمزہ مفید ہوگا معنی وحدت کو اور اسکا ترجمہ ہوگا ایک قطرہ۔ اِسوقت لفظ کُل کے لام کو ساکن پڑھا جائیگا۔ اور قافیہ اس شعر مین بقا

تعبیر فرمایا غرض جب تو اوسکی شرح مین اوسکی مدح سن چکا تو بس) تو ہمیشہ کوشش کرتا کہ تو اس بحر مین
قیام رکھے (یعنی اوس طرف توجہ رکھ جسکا طریق اعمال صالحہ ہے جیسا شعر ؎ حسرت آن مردگان الخ
وشعر ؎ ما ندیدیم الخ کی شرح مین گذر چکا آگے پھر نیستی کی مدح دوسرے طرز پر ہے جس طرز پر کہ سلطان
محمود کے قصہ سے پندرہ سولہ شعر قبل یہ مضمون آیا ہے یعنی وہان بھی شعر ؎ زانکہ کان و مخزن صنع الخ
کے قبل عدم اضافی کے متعلق تھا پھر اس شعر مین تائید کے لیے عدم حقیقی کے متعلق مضمون لایا گیا اور
وجہ تائید اوسی مقام پر احقر نے ذکر کی ہے اسی طرح یہان بھی ابتک عدم اضافی کے متعلق مضمون تھا اور
آگے اوس کے تائید ہی کے لیے شعر ؎ چونکہ اصل کارگاہ الخ مین عدم حقیقی کے متعلق مضمون ہے اور
وجہ تائید بھی وہی ہے جو اوس مقام پر مذکور ہوئی ہے اور ان اشعار مؤیدہ کی تحقیق بھی وہی ہے
جو اون اشعار مؤیدہ کی شرح مین عرض کی گئی وہان ضرور ملاحظہ فرمالیا جاوے اس لیے یہان اوسکا
اعادہ نہ کیا جاویگا صرف حل لفظی پر اکتفا کیا جاویگا پس فرماتے ہین کہ) چونکہ اصل اس کارخانہ کی یہ نیستی
ہے جو کہ (بالکل) خلا اور بے نشان اور (آثار ہستی سے) خالی ہے (اور عدم حقیقی کی یہ شان ظاہر ہے
اور قاعدہ ہے کہ) تمام استاد لوگ (اپنے) کام (اور صنعت) ظاہر کرنیکے لیے نیستی کو ڈھونڈتے ہین
اور شکستگی کی جگہ کو (جیسا کہ اوسی شعر ؎ زانکہ کان و مخزن الخ کے بعد اشعار ؎ گفتہ شد الخ
مین یہ مضمون گذر چکا ہے اور میرے اس لفظ مین کہ اور یہ قاعدہ ہے اشارہ ہے اسی شعر پر عاطف
مقدر ہونے کی طرف آگے چونکہ کی جزا ہے یعنی اس لیے) بالضرور جو سب استادون کا استاد (اور)
صمد ہے اوسکا کارخانہ نیستی اور عدم (ہی) ہوگا (اور لاجرم مین اشارہ ہو سکتا ہے اس عدم کے
شرط عقلی ہونے کی طرف تفصیل اسکی یہ ہے کہ مراد اس تصرف حق سے جو کہ کارخانہ نیستی مین قرار دیا
گیا ہے خاص تصرف ایجاد ہے نہ تصرف اعدام اور نہ تصرف ابقاء اسکا بیان اس مضمون کے مقام
سابق مین مع الدلیل ہو چکا ہے جب تصرف ایجاد مراد ہے تو ظاہر ہے کہ اگر محل تصرف پہلے سے موجود
ہو تو ایجاد موجود و تحصیل حاصل لازم آتا ہے اور یہ محال ہے اس لیے عقلاً لازم ہے کہ وہ معدوم ہو
تاکہ اوسکو موجود کیا جاوے اور عجب نہین کہ صمد مین اشارہ اس طرف ہو کہ اس کے شرط عقلی ہونیسے
حق تعالی کا محتاج الی ہذا الشرط ہونا لازم نہین آتا کیونکہ ایجاد موجود محالات عقلیہ سے ہے اور
محالات عقلیہ کے تحت القدرۃ داخل نہ ہونے سے قدرت مین نقص نہین ہے بلکہ خود اوس محال
مین عدم قابلیت کے سبب نقص ہے والمسئلۃ معروفۃ فی الکلام اب تائید کے بعد پھر بطرز سابق
علی التائید نیستی کی مدح بغرض ترغیب تحصیل فرماتے ہین کہ) یہ نیستی جہان کہین جتنی زیادہ ہوگی
حق تعالی کا کام (یعنی لطف) اور اوسکا کارخانہ (یعنی افاضہ انوار وفیوض) اوس جانب زیادہ
ہوگا (اور) نیستی چونکہ (استعداد) عالی مرتبہ (چیز) ہے (اسی لیے اوسکو حاصل کرنے کی بدولت)

درویش لوگ سب پہ سبقت لے گئے (یہ فیستی فقرا ور ترک کی ہے اول تو سب ہی درویش اہل حق اس
فضیلت سبقت مین شریک ہین لیکن) خاصکر وہ درویش (اس فضیلت کے ساتھ زیادہ موصوف ہی)
جو کہ بے جسم اور بے مال ہو گیا (جسکی تفسیر اس کے بعد والے شعر مین آتی ہے اور مصرعۂ ثانیہ مفسر و مفسر
کے درمیان مین بطور جملہ معترضہ کے ہے تائید مصرعۂ اولی کے لیے کہ واقع مین) اعتبار تو فقر جسمی رکھتا
ہے نہ کہ (متعارف) سائل ہونا (یعنی فقیری جسکی ہم مدح کر رہے ہین یہ متعارف فقیری نہین یعنے
گداگری بلکہ وہ جسمی فقیری ہے یعنی جسم تک کو گھلاوے جیسا آیندہ شعر مین آتا ہے اور چونکہ سلیم العقل
کے نزدیک جسم اعز ہے مال سے تو جسم کا گھلانے والا مال کا دل سے نکالنے والا
ضرور ہوگا اور اسی پر دلالت کرنے کے لیے احقر نے جسمی فقیری کی تفسیر مین لفظ تک کہا ہے آگے
ایک طرز بدیع سے تفسیر ہے درویش بے جسم و مال کی جو مصرعۂ اولی مین واقع ہے یعنی) سائل (معتبر)
وہ ہے جسکا جسم (ریاضات وطاعات بدنیہ مین) گھل گیا (اور) قانع (معتبر) وہ ہے جس نے اپنا
مال (ریاضات وطاعات مالیہ مین) ہار دیا (مقصود تو تفسیر کرنا ہے درویش ممدوح فی البیت
الاول کی کہ جس نے اپنے مال وجان کو رضاے محبوب مین فدا اور فنا کر دیا پس سائل اور قانع
سے مراد وہی درویش ہے لیکن یہ تفسیر ایک طرز بدیع سے اختیار کی ہے وہ یہ کہ قرآن مجید مین
صدقات وعطیات کا مستحق بعض آیات مین سائل کو اور بعض آیات مین قانع کو قرار دیا ہے
قال تعالی وفی اموالہم حق للسائل والمحروم وقال تعالی واطعموا القانع والمعتر اور اگرچہ قانع
کی دونون تفسیرین کی گئی ہین سائل بھی من قنع بالفتح قنوعا اور غیر سائل بھی من قنع بالکسر قناعۃ
لیکن اس شعر مین تقابل کے قرینہ سے غیر سائل پر محمول کرنا اولی ہے پس یہ دو قسمین ہوئین فقیر
مستحق کی اور محروم اور معتر بھی ان دو قسمون سے خارج نہین محروم کی تفسیر تو غیر سائل کے
ساتھ متعین ہے اور معتر یعنے معتری (معترض بالسوال او بغیر السوال فی نفسہ دونون کو محتمل ہے
قانع کی جو تفسیر کی جاویگی اوس کے مقابل کے ساتھ معتر کی تفسیر ہو جاویگی بہرحال فقیر کی دو قسمین
ہوئین پس مولانا فرماتے ہین کہ ان دونون قسمون مین بھی معتبر و ممدوح وہی ہے جو اپنی جان
ومال کو راہ حق مین فدا کر چکا ہو اور یہ مقصود نہین کہ قرآن مجید مین یہ معنے مراد ہین قرآن کے
الفاظ تو مطلق اور عام ہین دونون کو بلکہ مطلب یہ ہے کہ اوس عام کی افراد مین سے فرد کامل
اور قابل مدح یہ ہین پس معنے سائل آن باشد وقانع آن باشد کے یہ ہین کہ سائل باکمال وقانع
باکمال آن باشد کما فی قولہ علیہ السلام المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ ای المسلم الکامل الخ
اور سائل کی تفسیر مین جسم کی تخصیص اور قانع کی تفسیر مین مال کی تخصیص محض ذکری ہے احترازی
نہین اور یہ تخصیص ذکری بطور اکتفا فی الذکر اعتمادا علی القرائن فی فہم المقصود کے ہے اور قرینہ

یہان یہ ہے کہ ان دونون قسمون کا مقسم اوپر کے شعر مین یہ ہے درویشے کہ شد بے جسم و مال یعنی جو دونون کا تارک ہوا اور مقسم کا صادق آنا قسمون پر لازم ہے پس ان دونون قسمون مین بھی دونون کا ترک ماخوذ ہوگا اور ایک نسخہ مین مصرعۂ اولیٰ مین مال اور دوسرے مین باختن ہے مگر مین نے گداختن کے ساتھ جسم کو زیادہ مناسب سمجھا اور چونکہ اصل نسخون مین عدم تعارض ہے اسلیے مجموعہ نسختین سے بھی دونون قسمون کا دونون کے لیے تارک ہونا مفہوم ہوگیا اور یہ شبہہ نہ کیا جاوے کہ درویش ممدوح فی المقام کی قسم سائل کیسے ہوسکتی ہے کیونکہ جو شخص خود اپنے مال و جان کو فدا کردیگا وہ کسی سے مانگے گا کیون جواب یہ ہے کہ بعض افراد سوال کی واجب بھی ہین وہ ایسے موقع پر ضرور سوال کریگا ورنہ تارک واجب ہوگا جو کہ جسم گداختن کے منافی ہے کیونکہ جسم گداختن کے لیے مقتضیات شہوت و غضب کا فنا لازم ہے اور سوال واجب سے عار کرنا جو کہ کبر کا شعبہ ہے ناشی ہے غضب نفسانی سے اور اوسکا فنا مفروض ہوچکا اور وہ فرد واجب یہ ہے مثلاً نماز کے لیے قبلہ کا سوال کرنا کہ کدھر ہے وضو کے لیے پانی کا پتہ پوچھنا کہ کہان ہے یا خود پانی کا مانگ لینا کہ جب یہ یقین ہو کہ بطیب خاطر دیدیگا یا مخمصہ کے وقت کسی سے سد رمق مانگ لینا و مثل ذلک یا بلسان اشارت اس شبہہ کا یون جواب دیا جاوے کہ سائل سے مراد سائل من اللہ ہے مگر اس صورت مین اسکو قرآن مجید کی تفسیر نہ کہا جاوے گا بلکہ تاویل بطرز اعتبار کے کہین گے و لکل وجہۃ ہو مولیہا اور لفظ خاصہ کا شعر سابق مین بڑھانا مشیر اس طرف ہے کہ درویشی مین ریاضات خاصہ جس مین تعلقات ظاہری متروک ہوجاوین لازم اور مدار مطلق فضل نہین ہان موجب کمال ضرور ہین باقی قلب کا مسخر تعلقات و عبد المال والجسم نہ ہونا یہ مطلقاً درویشی مین فرض ہے اور خود درویشی بھی فرض ہے پس حاصل مقام یہ ہوا کہ نیستی کے اختیار کرنیسے ہر درویش ممدوح ہے خواہ یہ نیستی بمعنے ترک تعلقات مباحہ ظاہراً بھی ہو یا صرف باطناً ہو خاصکر وہ درویش جو دونون کا جامع ہو آگے نیستی کی مدح پر تفریع فرماتے ہین کہ جب یہ بات معلوم ہوگئی) پس تو درد و بلا) سے (خواہ جسم کے متعلق ہو یا مال کے) شکایت کا اظہار مت کر کیونکہ وہ نیستی کی طرف ایک اسپ خوش رفتار ہے (یعنی اگر صبر کیا جاوے تو اوس سے مال باختن یا جسم گداختن کے برکات حاصل ہونگے جس کی اوپر مدح سن چکے ہو اور بر مدار بمعنے آواز بر داشتن و اظہار کردن مین اشارہ ہے عدم ذم شکوی الی اللہ کی طرف جو اس آیت مین مذکور ہے قال انما اشکو بثی و حزنی الی اللہ الآیۃ آگے مضمون کو مختصر کرکے فکر کرنے کا امر تا کہ اوس سے فضائل اس ترک کے معلوم ہون اور ذکر کرنیکا امر تا کہ اوس سے فکر صحیح ہوسکے اور فکر صحیح کے بعد ترک پر عمل ہوسکے کہ مقصود عمل ہی ہے اور طاعات و اعمال کا امر کہ وہ خود مقصود ہی ہین اور پھر ان اعمال و طاعات پر کہ سلوک کہلاتے ہین جذبکا

مرتب ہونا اور اوس جذب سے قرب خاص کا حاصل ہوجانا بیان فرماتے ہین یعنے) اسقدر تو (فقر و نیستی کے متعلق) ہم کہہ چکے باقی (مضمون مین) تو فکر کرلے (یعنی سوچ لے کہ اور ثمرات بھی اس کے معلوم ہونگے اور اوس سے زیادہ رغبت اس ترک کی ہوگی (اور) اگر فکر جامد (وافسردہ) ہو (اور کام نہ دے) تو جا ذکر (الٰہی) کر (کیونکہ) ذکر (الٰہی) فکر کو حرکت مین لاتا ہے (اور اوس سے حقائق قلب پر وارد و منکشف ہونے لگتے ہین پس) ذکر کو اس (فکر) افسردہ کا خورشید بنالے (آفتاب مین دو خاصیتین ہین تنویر اور حرکت دادنِ افسردہ جیسا یخ جو جامد تھی گھل کر اور پانی بنکر چلنے لگتی ہے اور نائمین کہ افسردہ پڑے تھے خورشید کے طلوع کے وقت دن ہونیسے اون مین حرکت ہونے لگتی ہے اسی طرح ذکر فکر کو متحرک اور حقائق کو منور کردیگا اور اس سے یہ نہ سمجھا جاوے کہ مقصود ذکر سے صرف تحریک فکر و تنویر حقائق کشفیہ ہین جنمین سے ثمرات فقر و ترک بھی ہین بلکہ اصل معاملہ بالعکس ہے یعنی خود تحریک فکر و انکشاف حقائق سے مقصود یہی ذکر ہے جو تمام طاعات کو شامل ہے کما فی الحصن الحصین بل کل مطیع للہ تعالیٰ فہو ذاکر اور فکر اوسکا آلہ ہے کہ جب فکر سے حقائق واقعیہ منکشف ہوجاوین تو ذکر و طاعات کو خوب خلوص سے بجا لاویگا چنانچہ خود مولانا کا کلام بھی اس پر دال ہے کیونکہ اوپر نیستی بمعنے ترک تعلقات کی مدح تھی اور ظاہر ہے کہ یہ ترک ایک طاعت ہی ہے جو کہ فرد ہے ذکر کی اور اسکی مدح اس کے اختیار کرنے ہی کے لیے کی ہے اور دوسری وجوہ مدح سمجھنے کے لیے فکر کا امر کیا ہے تاکہ اور وجوہ معلوم کرکے اوس طاعت کو اور زیادہ رغبت سے اختیار کیا جاوے پھر جو فکر کی تحریک کے لیے ذکر کا امر فرماتے ہین اس سے مقصود یہ ہے کہ فکر جو کہ آلہ مقصود ہے اور مقصود بالعرض ہے اس لیے ایک درجہ مین اوس سے بھی کام لینا ضروری ہے تو وہ بھی اس مقصود بالذات یعنی ذکر و طاعت ہی کے اختیار کرنیسے کام دیتا ہے اور اس سے دَور کا شبہہ نکیا جاوے بات یہ ہے کہ ذکر و طاعت کے دو درجے ہین ایک ابتدائی اوس سے تو فکر کو حرکت ہوکر بصیرت و معرفت میسر ہوتی ہے اور ایک انتہائی اور کمال کا درجہ وہ اوس بصیرت کے بعد میسر ہوتا ہے پس ابتدائی درجہ ذکر و طاعت کا سبب ہے حرکت فکر کا اور انتہائی درجہ فکر و طاعت کا مسبب ہے حرکت فکر یہ کا پس موقوف ہونا اور اعتبار سے ہے اور موقوف علیہ ہونا اور اعتبار سے پس دَور نرہا اور اس مضمون مذکور سے یعنے ترغیب ذکر پر جو کہ شامل ہے تمام اعمال و طاعات کو ایک شبہہ ہوتا تھا کہ اکابر کے کلام سے اور خود نصوص صحیحہ سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ اصل مدار جذب الٰہی پر ہے چنانچہ خود مولانا نے بھی تصریح کی قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لیس للماضین الخ کے قبل ایک مناجات مین اسکی تصریح کی ہے ؎ تا نخواہی تو نخواہد ہیچ کس الخ پھر اعمال کو اسمین کیا دخل جسکا

یہان امر کیا جاتا ہے آگے اوسکا جواب دیتے ہین کہ واقعی) اصل تو جذب (الٰہی) ہی ہے اے خواجہ تاش لیکن تو عمل کرتا رہ اوس جذب پر موقوف مت رہ۔ کیونکہ ترک عمل مثل ناز کرنیکے ہے (اور) ناز کرنا کب مناسب کسی جان باز (اور عاشق) کے لیے ہے (مطلب یہ کہ ترک عمل شان طالبیت وعبدیت کے خلاف ہے پس تو طالب ہونے کی حیثیت سے) نہ تو قبول کو سوچ اور نہ رد کو اے نوجوان (بلکہ) امر و نہی کا ہمیشہ لحاظ رکھو (اور اوس کے مقتضا پر چلتا رہ اس جواب کا حاصل یہ ہوا کہ اگر فرض کیا جاوے کہ عمل کا کوئی بھی ثمرہ نہین مگر شان محبت خود مقتضی ہے کہ محبوب کی طاعت کی جاوے یہ جواب تو عاشقانہ ہے آگے دوسرا جواب حکیمانہ اور حجت علی العشاق وغیر العشاق جمیعًا ہے وہ یہ کہ ہم نے مانا کہ کام جذب ہی سے ہوتا ہے لیکن عادت الٰہیہ جاری ہے کہ یہ جذب بھی اس عمل پر مرتب ہوتا ہے پس اس جذب کی تحصیل کے لیے بھی عمل ہی کی ضرورت ہوئی اور ترتیب یہ ہو گی کہ اعمال پر جذب مرتب ہو گا پھر جذب پر مقصود پس عمل کرنا منافی اعتقاد مؤثریت جذبہ کے نہ ہوا بلکہ عین علامت ہوا اس اعتقاد کی پس فرماتے ہین کہ ہم نے جو کہا ہے امر و نہی راعی ہین مدام اگر ایسا کر دگے تو) دفعۃً مرغ جذب آشیانہ سے اوڑیگا (اور اوس سے تمھارا کام بن جاویگا اور عمل تو اوسوقت بھی رہیگا لیکن اوس حالت مین ایک تغیر ہو گا اوس تغیر کے وقوع کو کہ ایک واقعہ خبریہ ہے بصورت انشاء کے بصیغۂ امر بتلاتے ہین کما فی قولہ تعالے قل من کان فی الضلالۃ فلیمدد لہ الرحمٰن مدًا الآیۃ وکما فی قولہ تعالٰے ربنا لا تؤاخذنا ان نسینا الآیۃ ای لیقع المدد لایقع المواخذۃ وکما فی قولہ تعالٰی فلیضحکوا قلیلاً ولیبکوا کثیرًا ای یضحکون ویبکون یعنے) جب تو نے صبح کو دیکھ لیا اوسوقت شمع بجھا دینا (مقصود اس سے جملہ خبریہ ہے کہ صبح کے طلوع ہونیسے حاجت شمع نہ رہیگی کیونکہ نور جو کہ شمع سے مقصود تھا وہ بوجہ اکمل بلا شمع حاصل ہے یہ ہے وہ تغیر جسکی تقریر یہ ہے کہ طریق مین مقصود تو در اصل طاعت ہے جیسے مشبہ بہ مین مقصود نور ہے اور اوسکا ذریعہ قبل جذب کے جد و جہد و اہتمام و تکلف تھا جیسے مشبہ بہ مین نور کا ذریعہ شمع تھی اور بعد جذب کے اوس طاعت کا ذریعہ شوق و ذوق و تقاضائے طبعی ہو جاتا ہے جس کے خلاف کرنیسے سخت تکلیف ہوتی ہے جسطرح قبل جذب عمل مین تکلیف ہوتی تھی جیسے مشبہ بہ مین اب نور کا ذریعہ صبح ہو جاتی ہے پس تکالیف شرعیہ تو مرتفع نہ ہوئین البتہ تکالیف لغویہ یعنی کلفت اور صعوبت رفع ہو گئی آگے اس جذب کے آثار خاصہ جنکا حاصل قرب خاص ہے بیان فرماتے ہین کہ) جب آنکھین گداختہ ہوئین تو دیکھا اون آنکھون کا نور) حق تعالٰی کا نور ہے (جیسا وارد ہے کنت سمعہ الذی یسمع بی وبصرہ الذی یبصر بی اور وہ اس نور کے ذریعہ سے) مغزون کو (یعنی مقصود کو) دیکھنے لگتا ہے عین

بقاء تکالیف شرعیہ وارتفاع تکالیف لغویہ مثنوی ۱۲

پوست مین (یعنی غیر مقصود مین مطلب یہ کہ مظاہر مین ظاہر کا مشاہدہ کرنے لگتا ہے اور واصل وعارف کی یہ حالت ظاہر ہوگئی اسی بینش کو دوسرے عنوانون سے بیان فرماتے ہین کہ) وہ ذرہ مین (یعنی کائنات عالم مین) خورشید بقا (یعنی نور باقی) کو (کہ حق تعالیٰ ہے) مشاہدہ کرتا ہے (اور) قطرہ مین (یعنی کائنات عالم مین) تمام دریا (یعنے وجود حقیقی) کو مشاہدہ کرتا ہے (وجود حقیقی کی دریا سے تشبیہ اس اعتبار سے ہے کہ جسطرح دریا منشا، وجود قطرات کا ہوتا ہی اسیطرح حق تعالیٰ منشار وجود ممکنات کے ہین گو طریق منشاریت جدا جدا ہی) صاف آگے پھر عود ہی قصۂ صوفی کیطرف

بار دیگر رجوع کردن بقصۂ آن صوفی بر لب جوئے

(بار دیگر اس لیے کہا کہ ایک بار اسکے قبل رجوع بقصہ فرما چکے ہین)

گفت صوفی در قصاصِ یک قفا — سر نشاید باد دادن از عمی
صوفی نے کہا کہ ایک قفا کے انتقام مین — سر کو ہٹیلی سے برباد کرنا نہ چاہیے

خرقۂ تسلیم اندر گردنم — بر من آسان کرد سیلی خوردنم
خرقۂ تسلیم جو میری گردن مین ہے — اسنے مجھکو سیلی کھانا آسان کردیا ہے

ق

دید صوفی خصمِ خود را سخت زار — گفت اگر مشتش زنم من خصم وار
صوفی نے اپنے مدعا علیہ کو بالکل ہی نزار دیکھا — کہا کہ اگر مین اسکو مخاصمانہ ایک گھونسا مارون

او بیک مشتم بریزد چون رصاص — شاہ فرماید مرا زجر و قصاص
تو وہ میرے ایک ہی گھونسے سے رانگ کیطرح بکھر جائیگا (پگھل) — بادشاہ میرے لیے زجر اور قصاص کا حکم دیگا

خیمہ ویران ست و بشکستہ وتد — او بہانہ میکند تا در فتد
خیمہ ویران ہے اور شکستہ چوب ہے — وہ بہانہ ڈھونڈتا ہے تاکہ گر پڑے

بہرِ این مُردہ دریغ آید دریغ — کہ قصاصم افتد اندر زیرِ تیغ
اس مردہ کیوجہ سے دریغ آتا ہے دریغ — کہ مجھپر تہ تیغ قصاص واقع ہو

چون نمیتانست کف بر خصم زد — عزمش آمد کش برِ قاضی برد
جب مدعا علیہ پر ہاتھ نہ چلا سکا — تو اسکا عزم یہ ہوا کہ اوسکو قاضی کیطرف لیجاوے

کہ ترازوے حق ست و کیلِ او — زان سوے حق ست دائم میلِ او

کیونکہ وہ حقوق کے لیے میزان اور مکیال ہے — اِس سبب سے حقوق کیطرف اوسکا میلان ہے

مخلص ست از مکرِ دیو و حیلہ اش — مامن ست از قیدِ دیو و قیلہ اش

سبب رہائی کا ہے شیطان کے مکر و حیلہ سے — سببِ امن کا ہے شیطان کی قید سے اور قول سے

ہست او مقراضِ احقاد و جدال — قاطعِ جنگِ دو خصم و قیل و قال

وہ قاطع ہے کینون کا اور جدال کا — اور قاطع ہے مخاصمین کی جنگ اور قیل و قال کا

دیو در شیشہ کند افسونِ او — فتنہ ہا ساکن کند قانونِ او

دیو کو شیشہ مین کرلیتا ہے اُسکا افسون — فتنون کو ساکن کردیتا ہے اُسکا قانون

چون ترازو دید خصمِ پُرطمع — سرکشی بگذارد و گردد تبع

جہان خصمِ پُرطمع نے ترازو کو دیکھا — سرکشی کو چھوڑ دیتا ہے اور تابع ہوجاتا ہے

ور ترازو نیست گر افزون دہیش — از قسم راضی نگردد آگہیش

اور اگر ترازو نہین ہے تو اگر تو اوسکو زیادہ بھی دیکے — قسم کھانے سے بھی راضی نہو اوسکی آگاہی

کے شود راضی ز تو طبعِ تہیش — از پے بیدانشی و ابلہیش

کب تجھ سے راضی ہو اوسکی طبعِ خالی — بوجہ اوسکی بیدانشی اور ابلہی کے

ہست قاضی رحمت و دفعِ ستیز — قطرۂ از بحرِ عدلِ رستخیز

قاضی رحمت ہے اور سبب دفعِ ستیز ہے — قطرہ ہے دریاے عدلِ قیامت سے

صوفی نے (اپنے دل مین) کہا کہ ایک (ضرب) قفا کے انتقام مین (اپنا) سر کورچشمی سے برباد کرنا نہ چاہیے (یعنی اگر مین اس سے بدلہ لون تو یہ غایت ضعف سے مرجاویگا پھر مین قصاص مین مارا جاؤنگا تو یہ خلافِ بصیرت ہے نیز) خرقۂ تسلیم جو میری گردن مین (پڑا) ہے اوسنے مجھکو سیلی کھانا آسان کردیا ہے (اسپر ذرا شبہہ ہوتا ہے کہ جب تسلیم کو مانع قصاص قرار دے لیا پھر قاضی کے پاس جاکر کیون فریاد کی جیسا عنقریب آتا ہے جواب یہ ہوسکتا ہے کہ اوس فریاد سے ممکن ہے کہ مقصود بالذات قصاص نہ ہو بلکہ مقصود بالذات یہ ہو کہ دوسرے لوگ دوسرے صوفیہ غربا پر ایسی جرات نکرین گو اس غرض کے لیے قاضی قصاص یا اور کوئی تعزیر تجویز کرے تو اس صورت مین یہ قصاص یا

تعزیر مقصود بالعرض ہو گی پس اس غرض کے لحاظ سے فریاد اور تسلیم مین منافاۃ نہ ہوئی اور نیز اس
تعمیم کہ خواہ قصاص ہو یا اور کوئی زجر ہو سرخی آیندہ کے شعر دوم و سوم سے اور دوسرے صوفیہ
کی مصلحت کی مقصودیت اوس سرخی کے بعد کی سرخی کے ختم کے قریب کے اس شعر سے ۵ کے روا
باشد کہ ہر خرس قلاش ٭ صوفیان را صفع انداز د بلاش ٭ مفہوم ہوتی ہے آگے تفسیر ہے شعر بالا
کی یعنی) صوفی نے اپنے مدعا علیہ کو بالکل ہی زار (و نحیف) دیکھا (اپنے جی مین) کہا کہ اگر مین اسکو
مخاصمانہ ایک گھونسا مارون۔ تو وہ میرے ایک ہی گھونسے سے رانگ کی طرح بکھر جائے گا (پھر) بادشاہ
میرے لیے زجر اور قصاص کا حکم دیگا (اس لیے ایسا کرنا خلاف بصیرت ہے جیسا اوپر گذرا آگے
اسکی مثال ہے کہ) خیمہ ویران ہے اور شکستہ چوب ہے۔ وہ بہانہ ڈھونڈتا ہے تاکہ گر پڑے۔ اس
مردہ کی وجہ سے (مجھکو) دریغ آتا ہے دریغ کہ مجھپر تیغ قصاص واقع ہو (یعنی یہ تو گویا مردہ ہے
اگر اسکو ماردیا تو کیا وصول ہوا بس) ایک مردہ کو ماردیا پھر عوض مین مین مارا جاؤن جو کہ معتد بہ
زندگی رکھتا ہون غرض) جب (اپنے) مدعا علیہ پر ہاتھ نہ چلا سکا۔ تو اوسکا عزم یہ ہوا کہ اوسکو
قاضی کی طرف لیجاوے کیونکہ وہ حقوق (عباد) کے لیے میزان اور مکیال ہے (کہ حقوق کی تعین
کرتا ہے) اس سبب سے حقوق کی طرف ہمیشہ اوسکا میلان ہے (تاکہ اونکی تنقیح کرکے اونکی تعیین
و تمیز کرے جسطرح وزن و کیل سے ہر ایک کا حق معلوم ہو جاتا ہے کہ اسکا کتنا چاہیے اور قاضی سبب
رہائی کا ہے شیطان کے مکر و حیلہ سے (اور) سبب امن کا ہے شیطان کی قید سے اور قول سے
(قیلہ بکسر قاف قول کما فی قولہ تعالی وقیلہ یا رب والتا للجنسیۃ مطلب یہ کہ شیطان جو کسی خائن
کو مکر و حیلہ سکھلاتا ہے دوسرے کے حق کو کم و بیش کرنیکے لیے اور شیطان اوس خائن کو اپنے اوس
قول و وسوسہ مین مقید کرلیتا ہے کہ وہ اوس پر عمل کرنیکے لیے آمادہ ہو جاتا ہے قاضی اپنی تحقیق و
تنقیح سے مظلوم کو اوس سے خلاصی دیتا ہے اور) وہ قاطع ہے کینون کا اور جدال کا۔ اور قاطع
ہے متخاصمین کے جنگ اور قیل و قال کا (اور) دیو کو شیشہ مین (مقید) کرلیتا ہے اوسکا افسون
(اور) فتنون کو ساکن کردیتا ہے اوسکا قانون۔ (دیو در شیشہ کردن مغلوب کردن اوپر قاضی کو
ترازو سے تشبیہ دی ہے آگے اس مشبہ بہ کی خاصیت بیان کرتے ہین تاکہ بواسطہ تشبیہ کے قاضی کے
لیے بھی اسی خاصیت کا اثبات ہو جاوے یعنی ترازو ایسی چیز ہے کہ) جہان خصم پر طمع نے ترازو کو
دیکھا (فورًا) سرکشی کو چھوڑ دیتا ہے اور تابع ہو جاتا ہے اور اگر ترازو نہین ہے تو اگر تو اوس
(خصم) کو زیادہ بھی دیدے (تب بھی) قسم کھانے سے بھی راضی نہ ہو اوسکی آگاہی (اور) ہوشیاری
جسمین تجربہ بھی داخل ہے یہ اسناد مجازی الی السبب ہے یعنی بسبب ہوشیاری و تجربہ کے کہ بہت
سے لوگون کو اوس نے جھوٹی قسمین کھاتے دیکھا ہے زیادہ پر بھی راضی نہ ہو یہی گمان رہے کہ شاید

کم ہوا اور جب باوجود آگاہی کے وہ راضی نہ ہو تو اگر آگاہی سے بھی خالی ہو اوس حالت مین تو کب تجھ سے راضی ہوا وسکی طبع خالی۔ بوجہ اوسکی بیدانشی اور ابلہی کے (کہ وہ زیادہ سبب ہے ناراضی کا کیونکہ تجربہ کا معارض تو کبھی دوسرا تجربہ بھی ہوجاتا ہے کہ بعض لوگ زیادہ بھی دیدیا کرتے ہین پھر اپنی ہوشیاری سے تخمین بھی زیادتی کا کرسکتا ہے اور ابلہی مین تو اوس کے پاس کوئی آلہ ہی نہین یقین زیادت کا اور بیدانشی سے مراد خاص وہی قسم ہے جسمین دوسرے کو جھوٹا ہی سمجھا کرے مطلق بیدانشی مراد نہین ہے تاکہ یہ شبہہ ہو کہ بعض اوقات ناتجربہ کاری اور بھولے پن سے باوجود کمی کے بھی زیادت کا یقین کرلیتا ہے اور قرینہ ابس تخصیص کا غلبہ ہے اس قسم کے وقوع کا اور دوسری قسم کے لوگ تو بہت ہی کم ہین (اور) قاضی رحمت ہے اور سبب دفع ستیز ہے (اور) قطرہ ہے دریاے عدل قیامت سے (یعنی جس عدل کا ظہور قیامت مین ہوگا اوسکا ایک مظہر عدل قاضی ہے جس طرح قطرہ مظہر اور حاکی ہوتا ہے بحر اور اوس کے اوصاف وخواص کا وجہ تخصیص اوس عدل کی یہ ہے کہ اوس عدل کی غایت جزا و سزا ہوگی اور یہی غرض ہوتی ہے قاضی کی اور مطلب ان اشعار کا یہ ہے کہ قاضی باعتبار اصل وضع قضا کے ایسا ہوتا ہے فلا ینتقض بالظالم)۔

قطرہ گرچہ خرد و کوتہ پا بود
قطرہ اگرچہ خرد اور کوتاہ قدم ہوتا ہے

لطف آبِ بحر ازو پیدا بود
آب بحر کی لطافت اُس سے ظاہر ہوتی ہے

از غبار ار پاک داری کلّہ را
اگر تو غبار سے اپنے کلّہ کو پاک رکھے

تو ز یک قطرہ بہ بینی دجلہ را
تو ایک قطرہ سے تو دجلہ کو دیکھنے لگے

جزوہا بر حالِ کُلہا شاہدست
اجزا احوالِ کُل پر شاہد ہوتے ہین

چون شفق غمازِ خورشید آمدست
جسطرح شفق غماز خورشید ہے

آن قسم بر جسم احمد راند حق
وہ قسم جسم احمد پر حق تعالی نے جاری فرمائی ہے

انچہ فرمودہ است اُقسم بالشفق
وہ جو فرمایا ہے کہ قسم کھاتا ہون شفق کی

مور بر دانہ چرا لرزان بدے
چیونٹی ایک دانہ پر کیون لرزان ہوتی

گر ازان یک دانہ خرمن دان بدے
اگر اوس دانہ کے ذریعہ سے وہ خرمن کی جاننے والی ہوتی

(یہان سے انتقال ہے مضمون توحید کی طرف چنانچہ سب اشعار کا عنوان بالخصوص شعر ثانی وشعر اخیر کا اس پر دال ہے کیونکہ مولانا ان ہی عنوانات سے اکثر جگہ یہ مضمون لایا کرتے ہین اور نیز کلّہ کا پاک رکھنا جو شعر ثانی کا مدلول ہے اسی کی شرط ہوسکتی ہے نہ کہ دلالت قطرہ ظاہری علی البحر الظاہری کی یعنے صفت الٰہی کے مظہر ہونے مین کچھ قاضی ہی کی تخصیص نہین

بلکہ تمام مخلوق مظہر ہے صفات الٰہیہ کی اور جسطرح قاضی کی مظہریت مشابہ مظہریت قطرہ کے ہے اسیطرح تمام مخلوق کی مظہریت اسی کے مشابہ ہے آگے مظہریت قطرہ کی کیفیت بیان کرتے ہین کہ) قطرہ اگرچہ (مقدار مین بھی) خرد اور (رفتار مین بھی) کوتاہ قدم ہوتا ہے (اور ظاہر بھی ہے کہ دریا جتنی دور چلا جاتا ہے عادۃً ایک قطرہ اوس قدر دور نہین جاتا تھوڑی ہی دور مین جذب اور خشک ہوجاتا ہے اور خردی سے اوسکا نقصان ذات اور کوتہ پائی سے اوسکا نقصان صفات معلوم ہوا یعنی گوناقص الذات والصفات ہوتا ہے لیکن) آب بحر کی لطافت اوس سے ظاہر ہوتی ہے (اور وہ اوس کا مظہر ہوتا ہے کیونکہ اس مین تو اوس کے مشابہ ہی ہوتا ہے اسی طرح ممکنات باوجود ناقص ہونے کے مظہر ہین ذات وصفات حق کے اور اگر اس مظہریت کی تجھکو معرفت نہ ہو تو وجہ اوسکی یہ ہے کہ اوسکی شرائط نہین پائی جاتین جن مین سے ایک اہم شرط ترک حرام وترک انہماک فی الشہوات ہے چنانچہ) اگر تو غبار سے (اپنے) کلہ (یعنی ذہن) کو پاک رکھے تو ایک قطرہ سے تو دجلہ کو دیکھنے لگے (غبار سے مراد لقمۂ حرام ونحوہ کہ چشم قلب کو تاریک کرتا ہے مثل غبار ظاہری کے چشم سر کے لیے اور قطرہ سے ممکن کو اور دجلہ سے واجب کو تشبیہ دی ہے باعتبار نقصان وکمال ومظہریت وظاہریت کے قطع نظر دوسرے اوصاف سے بس اس سے اتحاد حقیقت ممکن و واجب کا شبہہ نہ کیا جاوے جو کہ قطرہ وبحر مین متحقق ہے آگے دوسری تشبیہات اس دلالت ممکن علی الواجب کی لاتے ہین کہ جسطرح اس دلالت کی ایک تشبیہ قطرہ اور بحر کی مثال تھی اسیطرح اسکی دوسری تشبیہ یہ ہے کہ) اجزا احوال کل پر شاہد (ودال) ہوتے ہین (تیسری تشبیہ یہ ہے کہ) جس طرح شفق غماز خورشید ہے (بوجہ اس کے کہ شفق نور خورشید کا عکس ہوتا ہے جب وہ افق کے قریب ہوتا ہے آگے مولانا بطور جملہ معترضہ کے خورشید وشفق حسی سے ایک خورشید وشفق معنوی کی طرف کہ اوس مین بھی ایسی ہی دلالت ہے اور اسی اعتبار سے وہ چوتھی تشبیہ ہوسکتی ہے فرماتے ہین کہ) وہ قسم (جس کا ذکر دوسرے مصرعہ مین ہے) جسم احمد پر حق تعالی نے جاری فرمائی ہے (یعنی) وہ جو فرمایا ہے کہ قسم کھاتا ہون شفق کی (قرآن مجید مین فلا اقسم بالشفق آیا ہے مگر لا کے زائدہ ہونے سے مراد اقسم ہے ایک تو اس وجہ سے دوسری ضرورت شعر سے نظم مین صرف اقسم لائے ہین اور بضرورت شعر میم کو ساکن پڑھنا چاہیے اور ایک نسخہ مین کلا والشفق ہے اسکو روایت بالمعنی کہنا چاہیے مولانا نے بلسان اشارت بطور علم اعتبار کے شفق سے مراد جسم محمدی لیا کہ وہ مظہر ہے خورشید روح محمدی کا آگے پانچوین تشبیہ ہے کہ) چیونٹی ایک دانہ پر کیون لرزان (ترسان) ہوتی (جس طرح اب لرزان ہے کہ اوس کے فوت ہوجانے سے خائف ہے کہ پھر کیا کھاؤنگی) اگر اوس دانہ کے ذریعہ سے وہ خرمن کی جاننے والی

ہوتی (کیونکہ اوسکو جاننے کے بعد مطمئن ہوتی کہ اگر یہ نہ رہیگا خرمن سے اور حاصل ہو جاوے گا بس دانہ دال اور مظہر ہے خرمن کا مگر جسکو اسکی معرفت نہین وہ پریشان ہے اور صاحب معرفت مطمئن ہے پس اسی طرح جس کو ممکنات سے واجب کی معرفت ہوگئی وہ لا خوف علیهم ولا هم یحزنون کا مصداق کامل ہوگیا ورنہ یحبونهم کحب الله اور یخشون الناس کخشیة الله او اشد خشیة کا مصداق رہا آگے عود ہے قصہ کی طرف)۔

بر سرِ حرف آکہ صوفی بیدل ست

مضمون کے سلسلہ پر آجا کیونکہ صوفی بیدل ہے

در مکافاتِ جفا مستعجل ست

مکافاتِ جفا مین جلدی کر رہا ہے

اے تو کردہ ظلمہا چون خوشدلی

اے شخص کہ تو بہت ظلم کیے ہوئے ہے کیونکر خوشدل ہے

از تقاضاے مکافا غافلی

او ر تقاضاے مکافات سے غافل ہے

یا فراموشت شدست آن کردہا

یا کہ تجھکو اپنے وہ کیے ہوے کام فراموش ہوگئے

کہ فرو آویخت عقلت پردہا

تیری عقل نے تیرے پردے لٹکا رکھے ہین

گر نہ خصمیہاستے اندر قفات

اگر تیرے تعاقب مین مخاصمتین نہوتین

جرم گردون رشک بردے بر صفات

تو جرم فلک تیری صفائی پر رشک لیجاتا

لیک محبوسی براے آن حقوق

لیکن تو اُن حقوق کے سبب محبوس ہو رہا ہے

اندک اندک عذر میخواہ از عقوق

تھوڑا تھوڑا آزار دہی سے عذر چاہتا رہ

تا بیکبارت نگیرد محتسب

تاکہ تجھکو محتسب دفعۃً نہ پکڑ لے

آبِ خود روشن کن اکنون اے محب

اپنا پانی اب صاف کرلے اے محِب

مضمون کے سلسلہ پر آجا کیونکہ (وہ) صوفی بیدل (ہو رہا) ہے (اور) مکافاتِ جفا مین جلدی کر رہا ہے (کہ اوس ظالم سے جلدی بدلہ لون آگے مضمون نصیحت کی طرف انتقال ہے کہ) اے شخص کہ تو بہت سے ظلم کیے ہوے ہے کیونکر خوش دل ہے (اور) تقاضاے مکافات سے غافل ہے (مکافات سے تا حذف کردی گئی اور بعض نسخون مین مکافی بمعنے مکافات کنندہ اور مطلب ظاہر ہے) یا کہ (یاد ہونے پر غافل نہین بلکہ) تجھکو اپنے وہ کیے ہوئے کام فراموش ہوگئے (اور یاد ہی نہین رہے اور فراموشی کے سبب) تیری عقل نے (جس سے انجام کو سوچ کر ڈرتا) تیرے پردے لٹکا رکھے ہین (یعنی تیری آنکھون کے سامنے حجاب ہوگیا ہے کہ حقیقت کو نہین

دیکھ سکتا ہو کقولہ تعالیٰ وَعَلٰی اَبْصَارِہِمْ غِشَاوَۃٌ اور یہ دہا کی اضافت تاے خطاب کی طرف بادنیٰ ملابست ہے مطلب یہ کہ باوجود یاد ہونے کے غفلت ہے یا یاد ہی نہین یعنی تعامی ہے یا عمیٰ ہے آگے ان مظالم کا ضرر عاجل و آجل بیان فرماتے ہین کہ ضرر عاجل تو یہ ہے کہ) اگر تیرے تعاقب مین مخاصمتین نہ ہوتین (پس خصیمہا بیاے معروف ہے) تو جرم فلک (جو کہ ہر وقت کسی نہ کسی کوکب سے منور ہی رہتا ہے) تیری صفائی (اور نورانیت) پر رشک لیجاتا لیکن تو تو اون حقوق (و مخاصمات) کے سبب (ظلمات و کدورت باطنیہ مین) محبوس ہو رہا ہے (اس لیے نور حاصل نہین ہوتا اور یہ ضرر عاجل ہوا جس سے بعد مین ضرر آجل مؤاخذہ اخرویہ کا پیدا ہوگا اس لیے تجکو لازم ہے کہ) تھوڑا تھوڑا آزار دہی (گذشتہ) سے عذر چاہتا رہ (یعنی جو جو اصحاب حقوق سلتے جاوین اون سے وقتاً فوقتاً معافی چاہتا رہ) تاکہ تجھکو محتسب (محاسب حقیقی آخرت مین) دفعۃً (و بغتۃً کہ تجھکو مواخذہ کا گمان بھی نہ تھا) نہ پکڑے (اور گمان نہ ہونا خواہ اعتقاداً ہو جیسا عفو کا بلادلیل یقین کرلیا ہو یا حالاً ہو کہ اوس کا تدارک دنیا مین نہ کیا ہو جس سے اس گمان کا گمان ہوتا ہے اور اس مواخذہ سے اُخرویہ مراد ہونے کا قرینہ دوسرے مصرعہ مین لفظ اکنون ہے اگر تو اس مواخذہ سے بچنا چاہے تو) اپنا پانی اب (یعنی دنیا مین) صاف کرلے محب دپانی سے اعمال کو تشبیہ دی ہے کہ پانی مادۂ حیات جسمی ہے اور اعمال مادۂ حیات روحی اور تائید اس تشبیہ کی اوس حدیث سے ہوتی ہے کہ جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے خواب دیکھا کہ عثمان بن مظعون کا ایک چشمہ جاری ہے اور آپ نے تعبیر مین یہ ارشاد فرمایا ذلک عملہ الحدیث)۔

رفتن صوفی سوے آن سیلی زن برون او را لقاضی

رفت صوفی سُوے آن سیلی زنش
صوفی اپنے اوس سیلی مارنے والے کیطرف چلا

دست زد چون مدعی بر دامنش
مُدعی کی طرح اوسکے دامن پر ہاتھ مارا

اندر آوردش بَرِ قاضی کشان
اوسکو قاضی کے پاس کشان کشان لایا

کاین خرِ ادبار را بر خر نشان
کہ اِس خرِ ادبار کو گدھے پر بٹھلائیے

یا بزخمِ دِرّہ او را دہ جزا
یا زخم درّہ سے اوسکو سزا دیجیے

آنچنانکہ راے تو بیند سزا
جسطرح آپ کی راے مناسب دیکھے

کانکه از زخم تو میرد در دمار
کیونکہ جو شخص آپ کی ضرب سے مرجاوے ہلاکت مین

بر تو تاوان نیست باشد آن جبار
آپ پر تاوان نہین ہے وہ ہدر رہتا ہے

وانکه از زجر تو بیند مرگ خویش
اور جو شخص آپ کے زجر سے اپنی موت دیکھے

فارغ از دوزخ رود تا خلد پیش
وہ دوزخ سے فارغ جنت تک آگے چلا جاوے

در حد و تعزیر قاضی هر که مرد
قاضی کی حد و تعزیر مین جو شخص مرگیا

نیست بر قاضی ضمان کو نیست خرد
تو قاضی پر ضمان نہین ہے کیونکہ وہ چھوٹے درجہ کا شخص نہین ہے

نائب حق ست و سایه عدل حق
وہ نائب حق ہے اور ظل ہے عدل حق کا

آئینه هر مستحق و مستحق
آئینہ ہے ہر مستحق کا اور ہر مستحق علیہ کا

کو ادب از بهر مظلومے کند
کہ وہ تادیب ایک مظلوم کے لیے کرتا ہے

نی برای عرض و خشم و دخل خود
نہ کہ اپنے مال اسباب و غصہ اور آمدنی کے لیے

چون برای حق و روز آجل ست
چونکہ حق تعالی کے اور یوم قیامت کے لیے ہے

گر خطائے شد دیت بر عاقل ست
تو اگر کوئی غلطی بھی ہوگئی تو اوسکی دیت عاقلہ پر ہے

عاقله او کیست دانی هست حق
اوسکا عاقلہ تو جانتا ہے کون ہے۔ حق تعالی ہے

سوی بیت المال برگردان ورق
بیت المال کی طرف ورق کو لوٹ

آنکه بهر خود زند او ضامن ست
جو شخص اپنے لیے مارے وہ ضامن ہوتا ہے

وانکه بهر حق زند او آمن ست
اور جو حق کے لیے مارے وہ مامون ہوتا ہے

گر پدر زد مر پسر را او بمرد
اگر باپ نے بیٹے کو مارا وہ مرگیا

آن پدر را خونبها باید شمرد
تو اوس باپ کو خونبہا شمار کردینا چاہیے

زانکه او را بهر کار خویش زد
کیونکہ اوسنے اوسکو اپنے کام کے لیے مارا ہے

خدمت او هست واجب بر ولد
اوسکی خدمت اولاد پر واجب ہے

چون معلم زد صبی را شد تلف
اگر معلم نے لڑکے کو مارا وہ تلف ہوگیا

بر معلم نیست چیزے لا تخف
تو معلم پر کچھ بھی نہین۔ تو مت ڈر

کان معلم نائب افتاد و امین
کیونکہ وہ معلم نائب واقع ہوا ہے اور امین

هر امینے هست حکمش اینچنین
ہر امین کا یہی حکم ہے

نیست واجب خدمت استا برو
اوستاد کی خدمت اوسپر واجب نہین ہے

پس بزجرش نبود استا کارجو
پس اوسکے زجر سے اوستاد کام کا مطالبہ کرنیوالا نہین ہوگا

ور پدر زد از برائے خود زدست	لاجرم از خونبہا دادن نرست
اور اگر باپ نے مارا ہے تو اپنے نفس کے لیے مارا ہے	لامحالہ خون بہا دینے سے نہین چھوٹا
پس خودی را سر ببر با ذوالفقار	بیخودی شو فانی و درویش وار
پس تو خودی کا سر قطع کر دے تلوار سے	بے خود اور فانی اور درویش کی طرح ہو جا
چون شدی بیخود ہر انچہ تو کنی	مارمیت اذ رمیت ایمنی
جب تو بیخود ہو گیا تو تو جو کچھ کرے گا	مارمیت اذ رمیت کا مصداق اور بیخوف ہو جاوے گا
آن ضمان بر حق بود نے بر امین	ہست تفصیلش بفقہ اندر ببین
وہ ضمان حق تعالی پر ہو گا نہ امین پر	اسکی تفصیل فقہ مین ہے دیکھ لے

صوفی اپنے اوس سیلی مارنے والے کی طرف چلا (اور) مدعی کی طرح اوس کے دامن پر ہاتھ مارا (یعنی دامن پکڑ لیا اور) اوسکو قاضی کے پاس کشان کشان لایا کہ اس خرادبار کو سزا کے طور پر) گدھے پر بٹھلائیے (تاکہ رسوا ہو اور خرادبار کے دو معنے ہو سکتے ہین ایک یہ کہ ادبار اس پر سوار ہے اور یہ خر کی طرح اوسکا مرکب ہے یا بمعنے خر مدبر اور) یا ضرب درہ سے اوسکو سزا دیجیے (غرض) جس طرح آپ کی رائے مناسب دیکھے (اور چونکہ یہ تعزیر تھی حد نہین ہے اس لیے حاکم کی رائے پر مفوض ہے آگے مانع سزا کا ارتفاع اور مقتضی سزا کا تحقق بتلاتے ہین کہ اس سزا دینے مین آپ کا کوئی ضرر نہین جو مانع ہوتا) کیونکہ جو شخص آپ کی ضرب (معتاد) سے مرجاوے۔ ہلاکت مین آپ پر تاوان نہین ہے (بلکہ) وہ ہدر اور باطل) ہوتا ہے (کما فی الدر المختار وغیرہ تو آپ کا تو کوئی ضرر نہ ہوا اور اوس سزایاب کا نفع ہے جو کہ مقتضی سزا کو ہے اور وہ نفع یہ ہے کہ) جو شخص آپ کے زجر سے اپنی موت دیکھے وہ دوزخ سے فارغ (اور بے تعلق ہو کر) جنت تک آگے چلا جاوے (جن علماء کے نزدیک عقوبات کفارات ہین اونکے نزدیک تو صرف اجراء عقوبت سے خواہ حد ہو یا تعزیر چنانچہ حدیث مین فعوقب کا لفظ وارد ہے اور جن کے نزدیک کفارات نہین اونکے نزدیک اس مین ایک قید اور ہو گی یعنی وہ معاقب اس سزا کو خوشی سے گوارا کرلے کہ گوارا کرنا موقوف ہے اپنے فعل پر نادم ہونے پر اور یہ توبہ ہے اور توبہ مکفر ہے اور چونکہ یہان صاحب حق نے اس سزا مین اپنا انتقام لے لیا ہے اس لیے حق العبد بھی معاف ہو جاوے گا جیسا ندامت سے حق اللہ معاف ہو گیا جو کہ حق العبد کے ضمن مین پایا گیا ہے اور اگر یہ تقریر کی جاوے کہ محل بحث مین اصل حق عبد ہی ہے اور اوسکی درخواست پر انتقام لے لیا گیا

عہ اس قید کی تحقیق عنقریب تحت قت کے آتی ہے ۱۲ منہ

اس لیے بلا اشتراطِ توبہ معاف ہوگیا اور ردد تاخلد بیس کا حکم صحیح ہوگیا تو اوربھی قصر مسافت ہوجاوے گا حاصل یہ کہ مانع سزا کا معدوم اور مقتضی اوسکا موجود پس سزا دینا مناسب ہے آگے شعر۵ آنکہ از زجر تو بیند (الخ کی تفصیل ہے کہ) قاضی کی حد وتعزیر مین جو شخص مرگیا۔ تو قاضی پرضمان نہین ہے کیونکہ وہ چھوٹے درجہ کا شخص نہین ہے (بلکہ جلیل القدر ہے کیونکہ) وہ نائب حق ہے اور ظل (یعنی مظہر) ہے عدل حق کا (جیسا اٹھارہ اونیس شعر اوپر آیا ہے ۵ قطرۂ از بحر عدل رستخیز الخ اور سایۂ عدل حق کا عطف تفسیری ہے نائب حق کا اور وہ) آئینہ ہے ہر مستحق (بکسر حا یعنی من لہ الحق) کا اور ہر مستحق علیہ (بفتح حا یعنے من علیہ الحق) کا (کیونکہ جس طرح آئینہ مرآۃ یعنی آلہ رویت مرئی ہے اسی طرح قاضی آلہ رویت یعنی ذریعۂ انکشاف ظالم ومظلوم ہے کہ اوسکی تحقیق سے دونون ممتاز اور متعین ہوجاتے ہین اور آئینہ الخ بلا واسطہ تفسیر ہے سایۂ عدل حق کی اور اوس کے واسطہ سے تفسیر ہے نائب حق کی پس جونکہ وہ نائب حق ہے اور حق پر ضمان نہین اس لیے اوس پر بھی ضمان نہین پس ایک مانع ضمان تو اوس کی یہ صفت ہوئی یعنی نیابت حق اور دوسرا مانع ضمان اوس کا ایک فعل ہے جو ناشی ہے اس نیابت سے وہ یہ) کہ وہ (ظالم کو) تادیب ایک مظلوم کے لیے کرتا ہے نہ کہ اپنے مال اسباب اور غصہ اور آمدنی کے لیے (یعنی نہ غرض مالی کے لیے نہ جاہی کے لیے پھر وہ غرض مالی خواہ حفظ مال قدیم ہو والیہ الاشارۃ فی قولہ غرض خواہ حصول مال جدید ہو والیہ الاشارۃ فی قولہ دخل اور یہ عدم ضمان تو فعل معتاد مین ہے اور اگر فعل غیر معتاد اوس سے صادر ہوجاوے جو کہ موجب ضمان ہوتا ہے تب بھی اس نیابت کا یہ اثر ہے کہ بیت المال سے دیت دلائی جاتی ہے اسکو شعر آیندہ مین فرماتے ہین کہ اوسکی تادیب) چونکہ حق تعالی کے اور یوم قیامت کے لیے ہے (یعنی نفس تادیب خدا کے فرمانے سے اور قیامت کے خوف سے کی ہے) تو اگر (جہل کے سبب اوسمین) کوئی غلطی بھی ہوگئی تو (اوسکی) دیت (قاضی من حیث القاضی کے) عاقلہ پر ہے (جیسا کہ دیت فی الخطا کا یہی قانون ہے) اور) اوسکا عاقلہ (بحیثیت مذکورہ) تو جانتا ہے کون ہے حق تعالی ہے (اور اس عاقلہ پر دیت ہونے کا مطلب سمجھنے کے لیے) بیت المال (کی بحث یعنی مسائل وجوب دیت فی بیت المال) کی طرف ورق لوٹو (یعنی ورق لوٹ کروہ بحث نکالو وہان یہ مسئلہ دیکھو گے کہ قضا مین ایسی غلطی ہونے سے بیت المال سے دیت دلائی جاتی ہے کما فی الدر المختار اور وہ خزانہ ہے حق تعالی کا پس دیت بر عاقلہ است کے یہی معنے ہین اور یہان ورق گردانیدن کے معنے لغوی ہین جیسا تقریر کی گئی اصطلاحی معنے مراد نہین فعل عبث کردن وعیب بے علمی خود نہفتن ووضع قدیم خود دیکبارگی ترک نمودن کما فی الغیاث اور اوپر جو علت عدم ضمان فی الضرب لمعتادین

کہا ہے سے کو ادب از بہرِ مظلوم ے کنند اور علت ضمان فی الضرب الغیر المعتاد فی بیت المال مین کہا ہے سے چون برائے حق لخ آگے اِسکا کلیہ بیان فرماتے ہین گویا وہ اشعار تعلیل کے لیے بطور صغریٰ کے تھے اور یہ کلیہ اوس تعلیل کا کبریٰ ہے یعنی) جو شخص اپنے لیے مارے وہ ضامن ہوتا ہے اور جو حق کے لیے مارے وہ (ضمان سے) مامون ہوتا ہے (ضمان سے مراد اپنے یا عاقلہ کے مال مین سے ضامن ہونا پس بیت المال مین سے ضمان ہونے پر اس ضمان مذکور سے مامون ہونا صادق آویگا اس لیے قاضی پر ہر حال مین یہ حکم او آمن ست صادق آویگا پس اس حکم مین اوپر کے حکم سے گر خطائے شد لخ سے تعارض نہ ہوگا آگے اِس کلیہ پر تفریع ہے کہ) اگر باپ نے بیٹے کو مارا (اور) وہ مرگیا تو اوس باپ کو خونبہا شمار کر دینا چاہیے کیونکہ اوس نے اوسکو اپنے کام کے لیے مارا ہے (کیونکہ) اوسکی خدمت اولاد پر واجب ہے (اور خدمت کے لیے مارنا اپنے نفس کے لیے مارنا ہے اور) اگر معلم نے لڑکے کو مارا (اور اوس سے) وہ تلف ہوگیا تو معلم پر کچھ بھی (ضمان) نہین (اے معلم) تو مت ڈر کیونکہ وہ معلم نائب واقع ہوا ہے اور امین (اور) ہر امین کا یہی حکم ہے (کہ ضامن نہین ہوتا تو اوسکا مارنا نفس کے لیے نہین ہے کیونکہ) اُستاد کی خدمت اوس (لڑکے) پر واجب نہین ہے پس اوسکی زجر (و تادیب) سے اُستاد (اپنے) کام کا مطالبہ کرنے والا نہین ہوگا اور اگر باپ نے مارا ہے تو اپنے نفس کے لیے مارا ہے۔ لامحالہ خون بہا دینے سے نہین چھوٹا (جب برائے خود و برائے حق مین اسقدر فرق ہے) پس تو خودی کا سر قطع کر دے تلوار سے (اور) بیخود اور فانی اور درویش کی طرح (کہ وہ فانی ہوتا ہے) ہوجا۔ جب تو بیخود ہوگیا تو تو جو کچھ کرے گا اَرَمَیۡتَ اِذۡ رَمَیۡتَ (کا مصداق اور) بیخوف ہوجاویگا (اوس وقت کی غلطی کا) وہ ضمان حق تعالیٰ پر ہوگا نہ (حق کے) امین پر (چنانچہ) اسکی تفصیل فقہ مین ہے دیکھ لے **ف** اس مقام کے خصوص شعر آنکہ بہرِ خود سے ان اشعار کے آخر تک کے حل کے لیے بعض مسائل فقہیہ نقل کیے جاتے ہین۔ حاکم اسلام کی حد مین ضمان لازم نہین اور غیر حاکم کو اجراء حد کا اختیار نہین اور حاکم کی تعزیر مین تفصیل ہے اگر ضرب غیر معتاد ہے تو ضمان بیت المال مین ہے اور اگر معتاد ہے تو ضمان نہین خلافاً للشافعیؒ اور باپ اور معلم کی تعزیر اگر غیر معتاد ہو تب تو ضمان لازم ہے اور اگر معتاد ہو تو اوس مین اقوال مختلفہ ہین ۱۔ دونون ضامن ہین ۲۔ دونون ضامن نہین ۳۔ باپ ضامن ہے اور معلم مین تفصیل ہے اگر بلا اذن باپ وغیرہ کے مارا ہے ضامن ہے اور اگر اذن سے مارا ہے ضامن نہین اور وجہ فرق کی باپ مین اور معلم مین جبکہ باذن مارا ہو یہ لکھی ہے الواجب لا یتقید بوصف السلامۃ والمباح یتقید بہ وضرب الاب ابنہ مباح وضرب المعلم الماذون واجب (للالتزام) وہذا اول

ابی حنیفۃؒ خاصۃ ورجع الی قولہما انہ لاضمان علی الاب ایضًا ہذا کلہ ماخوذ من الدر المختار باب التعزیر وما قبیل باب الشہادۃ فی القتل۔ جب یہ مسائل معلوم ہوگئے تو سمجھنا چاہیے کہ مولانا نے جو قاضی کے متعلق ایک صورت عدم ضمان کی اور ایک صورت ضمان من بیت المال کی بیان فرمائی ہے وہ ان مسائل کے موافق ہے اور باپ اور معلم مین جو فرق کیا ہے وہ صرف اقوالِ ثلٰثہ مین سے قول ثالث کے موافق ہے اور گو وہ قول مرجوع عنہ ہے لیکن یہ توجیہ ہوسکتی ہے کہ دیکھو آخر کسی مجتہد کی تو رائے اس طرف گئی تھی تو تائید کے لیے اسقدر کافی ہے اور مولانا کی تعلیل اور وجہ فرق ظاہرًا درمختار کے وجہ فرق سے مبائن ہے مگر اس پر قدرے تکلف سے تطبیق بھی ممکن ہے وہ یہ کہ جب معلم پر شرعًا واجب ہے تو وہ شارع کا نائب ہوگیا اور باپ پر واجب نہین ہے تو وہ اس درجہ کا نائب نہ ہوا اور وجوب خدمت علی الولد و عدم وجوب مدارِ حکم نہین بلکہ معرِّف ہے مدار حکم کا اس طرح سے کہ معلم نے باوجود صبی پر خدمت واجب نہ ہونے کے جو مارا تو معلوم ہوا کہ واجب شرعی کے ادا کرنے کے لیے مارا اور باپ نے جو مارا تو احتمال ہے کہ خدمت واجبہ کے استیفار کے لیے مارا ہوا ور استیفار اوسکا واجب نہین تو واجب شرعی کے ادا کرنے کے لیے نہین مارا پس معلم نائب شارع کا ہوا اور باپ نہ ہوا فقط۔

ہر دکانے راست سودائے دگر — **مثنوی دکانِ فقرست اے پسر**

ہر دکان کا الگ سودا ہوا کرتا ہے — مثنوی فقر کی دکان ہے اے پسر

در دکانِ کفشگر چرمست خوب — **قالبِ کفش ست اگر بینی تو چوب**

کفش گر کی دکان مین چمڑا خوب ہے — اگر تو لکڑی دیکھے تو وہ کفش کا قالب ہوگی

پیشِ قزازان خزِ ادکن بود — **بہرِ گز باشد اگر آہن بود**

ابریشم فروشون کے پاس عمدہ ابریشم سیاہ ہوگا — اگر لوہا ہوگا تو وہ گز کے لیے ہوگا

مثنویِ ما دکانِ وحدت ست — **غیرِ واحد ہرچہ بینی آن بُت ست**

ہماری مثنوی دکان توحید کی ہے — واحد کے سوا تو جو کچھ دیکھے وہ بُت ہے

بت ستودن بہرِ دامِ عامہ را — **ہمچنان دان کالغرانیق العُلےٰ**

بُت کی مدح کرنا تسخیرِ عامہ کی غرض سے — ایسا سمجھ جیسا الغرانیق العُلےٰ

خواندش اندر سورۂ والنجم زود — **لیک آن فتنہ بُد از سورۃ نبود**

اوسکو سورۂ النجم مین جلدی سے پڑھ دیا — لیکن وہ ایک امتحان تھا سورۃ کا جزو نہ تھا

جملہ کفار آن زمان ساجد شدند — **ہم سرے بود آنکہ سر بر در زدند**

اوسوقت سب کفار ساجد ہوئے — یہ بھی ایک بھید تھا کہ اونھون نے در پر سر مارا

بعد ازین حرفیست پیچاپیچ و دور	با سلیمان باش و دیوان را مشور
اس کے بعد ایک کلام ہے پیچ در پیچ اور دور	سلیمان کے ساتھ رہ اور شیاطین کو شورش مین مت ڈال
ہین حدیثِ صوفی و قاضی بیار	وان ستمگارِ ضعیفِ زار زار
ہان قصۂ صوفی اور قاضی کا لا	اور اُس ظالم کا بھی جو کہ ضعیف زار زار ہے

(اوپر قاضی اور معلم پر ضمان نہ ہونے کو کہ مسائل فقہیہ ہین ؎ وانکہ بہرِ حق زند او آمن ست + اور ؎ کان معلم نائب افتاد و امین + کے ساتھ معلل فرما کر بطور تفریع کے ایک مضمون توحید کی طرف انتقال فرمایا تھا ؎ پس خودی را الخ اور ؎ چون شدی بیخود الخ اور ؎ آن ضمان برحق الخ اور اون مسائل کو مذاقِ توحید پر منطبق فرمایا تھا آگے یہ بتلاتے ہین کہ ان ہی مسائل کی تخصیص نہین اس کتاب مین کوئی مضمون بھی ہو سب کو مسئلۂ توحید ہی پر منطبق سمجھو کیونکہ مقصود بالذات اس کتاب مین یہی مسئلہ ہے اور دوسرے مضامین مذکور بالتبع پس فرماتے ہین کہ قاعدہ ہے کہ) ہر دکان کا الگ سودا ہوا کرتا ہے (جسمین اصل وہی سودا ہوتا ہے اور دوسری اشیاء اوس کے تابع تو یہ) مثنوی فقر کی دکان ہے اے پسر (جسمین اُم المسائل توحید ہے آگے تفصیل ہے ؎ ہر دکانے راست الخ کہ دیکھو) کفش گر کی دُکان مین چمڑا خوب ہے (اور اصل مقصود ہے اور اوسکا غیر اوسکے تابع چنانچہ) اگر (اوس مین) تو لکڑی دیکھے تو وہ کفش کا قالب ہوگی (تو کفش ہی کی تابع ہوئی اور خود مقصوداً نہ ہوگی اسی طرح) ابریشم فروشون کے پاس جامۂ ابریشم سیاہ ہوگا (مثلاً اور) اگر (اوس مین) لوہا ہوگا تو وہ گز کے لیے ہوگا (جس سے جامۂ ابریشم کی پیمایش کی جاتی ہے تو ابریشم ہی کا تابع ہوا اسی طرح) ہماری مثنوی دکان توحید کی ہے (کما قالؒ فی الدفتر الاول ایضاً ؎ وحدت اندر وحدت ست این مثنوی + از سمک رو تا سما اے معنوی + پس مقصود بالذات اس مین مضمون توحید ہے اور دوسرے مضامین مقصود بالتبع آگے دوسرے مصرعہ مین ترقی کرکے کہتے ہین کہ بلکہ مثنوی مین ذکر) واحد (حقیقی) کے سوا تو جو کچھ (مضمون) دیکھے وہ (مثلِ) بُت ہے (کہ مقصود بالتبع بھی نہین ہوتا بلکہ متروک و مذموم ہوتا ہے اور اسی اعتبار سے اس تشبیہ مین تشبیہات سابقہ سے ترقی ہوئی اب یہان ایک شبہہ ہوا کہ مثنوی مین تو دوسرے مضامین متروک نہین ہین بلکہ مذکور ہین گو بالتبع سہی تو اس وصف مین بُت کے ساتھ تشبیہ کہان صحیح ہوئی آگے اوس کا جواب دیتے ہین جسکی تقریر یہ ہے کہ مذکوریت منافی متروکیت کے نہین منافی وہ ہے جو مقصوداً ہو گو تبعاً سہی اور یہان بالکل ہی مقصود نہین محض ذکر لفظی ہے جسکے ساتھ ہی قرائن اوسکی متروکیت کے بھی ہین سو یہ مذکوریت منافی متروکیت نہین چنانچہ افراد مذکوریت مین سے سب سے بڑی فرد ممدوحیت ہے اور متروکیت کے

افراد مین سب سے بڑھکر مذمومیت ہے اور یہ دونون یعنی ممدوحیت و مذمومیت دونون مختلف اعتبار سے جمع ہوسکتے ہین اسطرح سے کہ مذمومیت تو ہو واقعی باعتبار قصد متکلم کے اور ممدوحیت ہو لفظی باعتبار فہم سامع عامی جاہل کے اور صورت اوسکی یہ ہو کہ وہ عنوان ذو وجہین ہو اور گو متکلم نے ذو وجہین ہونے کی حیثیت سے اوسکو اختیار نہ کیا ہو اوس کے ذہن مین ایک ہی وجہ مذمومیت کی ہو اور کلام مین قرائن اوس کے دوسری وجہ محتمل کی قطع کے لیے کافی قائم ہون مگر سامع نے اپنے جہل سے اوسکو دوسری وجہ پر محمول کر کے مدح سمجھا ہو تو اس طرح دونون جمع ہوسکتے ہین خصوص جبکہ اس جمع مین کوئی حکمت بھی ہو خواہ وہ حکمت متکلم کے علم و قصد مین بھی نہ ہو بلکہ اوس جمع کے علم کے بعد خواہ وہ متکلم پر گران ہی ہوا ہو مگر اوس حکمت کی تحصیل کے لیے یہ صورت جمع کی تکوینًا واقع ہو گئی ہو مثلًا یہ حکمت ہو کہ سامعین جہلاء کو اوس کلام سے اس ایہام کی بناء پر کچھ دلچسپی ہو جاوے خواہ تو اس مصلحت سے کہ وہ آیندہ کسی وقت مانع یعنی توحش کے ارتفاع سے اوس مین تدبر کر کے ہدایت پا دین یا اس مصلحت سے کہ حجت الٰہیہ زیادہ تام ہو جاوے کہ تمکو دلچسپی کے بعد زیادہ موقع ملا تھا تدبر کا پھر کیون نہ تدبر کیا یہ تقریر ہے جواب کی آگے اسی کو فرماتے ہین کہ) بت کی مدح کرنا تسخیر عامہ (جہلاء سامعین) کی غرض سے ایسا تھا جیسا الغرانیق العلی (کا قصہ کہ) اوس (عبارت مشتملہ بر غرانیق علی) کو سورۂ النجم مین جلدی سے (بقصد ذم) پڑھ دیا (جس طرح آیات وعدہ و وعید پر سوال و تعوذ کے کلمات پڑھ دیے جاتے ہین اور جس طرح بعض سورتون کے آخر مین بعض جملے حدیث مین وارد ہین) لیکن وہ ایک امتحان (کے لیے تکوینًا واقع ہوا) تھا سورۃ کا جزو نہ تھا (پس اوسکے پڑھنے کے بعد ختم سورۃ پر جب حضورؐ نے سجدہ کیا) اوسوقت سب کفار ساجد ہوگئے (جیسا صحیح بخاری مین ابن عباسؓ سے مروی ہے کذا فی المشکوٰۃ اور) یہ (سجدہ کرنا) بھی ایک بھید تھا کہ اونھون نے (حق تعالیٰ کے) در پر سر مارا (یعنی سجدہ کیا اور) اس کے بعد ایک کلام ہے پیچ در پیچ (یعنی پر اشکالات) اور (اذہان ضعیفہ سے) دور (اس لیے اوسکو حذف کر کے) سلیمانؑ کے ساتھ (جو دافع شر شیاطین تھے) رہ اور شیاطین کو شورش مین مت ڈال (کہ وہ اوس کلام کے ذریعہ سے یہ شورش برپا کرین کہ عقول ضعیفہ کو شبہات مین ڈالین) ف یہ تو ان چار اشعار کا حل لفظی تھا اب انکی شرح سننا چاہیے شعر اول و ثانی مین اشارہ کیا ہے ایک قصہ کی طرف جسکو بعض محدثین نے نقل کیا ہے حاصل اوس قصہ کا یہ ہے کہ ایکبار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۂ والنجم کی تلاوت فرمائی جب اس آیت پر پہونچے افرأیتم اللات والعزیٰ ومناۃ الثالثۃ الاخریٰ الخ تو آپ کی زبان مبارک پر بلا قصد یہ الفاظ جاری ہوگئے

تلک الغرانیق العُلی وان شفاعتهن لترتجٰی جو بظاہر دال ہین مدح اصنام پر والغرانیق جمع غرنوق طائر مائی والشاب الابیض الجمیل مشرکین نے جو کہ اوس مجلس مین تھے سُنکر کہا ماذکر الہتنا بخیر قبل الیوم پھر جب آپ نے آیت سجدہ پر سجدہ کیا تو اون مشرکین نے بھی سجدہ کیا اھ اور اس قصہ کو قاضی عیاض اور اکثر محققین نے نقلاً و عقلاً رد کیا ہے نقلاً تو اس طرح کہ قاضی عیاض نے کہا ہے ہذا الحدیث لم یخرجہ احد من اہل الصحۃ ولا رواہ ثقۃ بسند سالم متصل مع ضعف نقلتہ و اضطراب روایاتہ وانقطاع اسنادہ وقال الیٰ ومن حملت عنہ ہذہ القصۃ من التابعین والمفسرین لم یسندہا احدہم ولا رفعہا الی صحابی واکثر الطرق فی ذلک عنہم ضعیفۃ قال وقد بین البزار انہ لایعرف من طریق یجوز رفعہ الا طریق ابی بشر عن سعید بن جبیر مع الشک فی اصلہ واما الکلبی فلا تجوز الروایۃ عنہ لقوۃ ضعفہ اور عقلاً اسطرح کہ لو وقع شئی من ذلک للنبی صلی اللہ علیہ وسلم لارتفعت الثقۃ بالشریعۃ وبطل حکم العصمۃ اگرچہ بعض نے رد عقلی کا اس آیت سے جواب دیا ہے فینسخ اللہ ما یلقی الشیطان ثم یحکم اللہ آیاتہ مگر تاہم طریق اسلم وارجح محققین ہی کا ہے کہ اس قصہ کو غلط سمجھا جاوے اور مولانا کا مقصود اسکی طرف اشارہ کرنے سے خود قصہ کا اثبات نہین ہے بلکہ مقصود محض تمثیل ہے جسکے لیے محض مثال کی من وجہ شہرت کافی ہے خواہ ثابت ہو یا نہ ہوا البتہ یہ ضرور ہے کہ اوس مثال کے فرض سے کوئی قبح شرعی لازم نہ آوے سو یہان اسکے ظاہر پر جو قبح لازم آتا تھا مولانا نے اوسکے جواب اور توجیہ قصہ کی طرف بھی ساتھ ساتھ اشارہ کر دیا ہے جس کی تفصیل کے لیے احقر کی تقریر جو ان اشعار کی تمہید مین گذری ہے اور بعض قیود و عبارات جو حل اشعار مین ظاہر کی گئی ہین کافی ہین مگر سہولت کے لیے مختصراً پھر اعادہ کرتا ہون حاصل توجیہ مولانا کا یہ ہے کہ اگر بالفرض یہ قصہ واقع ہوا ہو تو آپ نے اون اصنام کے ذکر کے بعد یہ عبارت اونکی مذمت کے لیے فرمائی تھی اور گو ظاہر عبارت موضوع مدح کے لیے ہے مگر قرینۂ مقام و قرینۂ حال متکلم دونون دال ہین کہ مقصود تہکم ہے یا باعتبار زعم مخاطب کے رد کرنے کے لیے فرض کر لیا جاتا ہے یا حرف استفہام مقدر ہے یعنی سبحان اللہ یہ تو بڑے عالیقدر ہین ضرور ان کی شفاعت کی بڑی اُمید ہے یعنی ہرگز ایسا نہین ہے جیسا تم سمجھتے ہو چنانچہ اونکا یہ اعتقاد تو معلوم ہے اور ممکن ہے کہ کبھی اونھون نے اپنی زبان سے بھی ایسے الفاظ مدحیہ کہے ہون جیسے کسی شریر شخص کے ذمائم کا جسکو ایک جاہل بزرگ سمجھتا ہو ذکر کر کے اہل مجلس سے کہا جاوے کہ دیکھیے صاحب یہ بزرگ ہین خود قرآن مجید مین بھی اس طرز کے جملے ہین قال تعالیٰ حاکیا عن موسیٰ علیہ السلام خاطب فرعون وتلک نعمۃ تمنہا علی ان عبدت بنی اسرائیل وقال تعالیٰ ذق انک انت العزیز الکریم وقال تعالیٰ حاکیا

عن ابراہیم علیہ السلام للکواکب ہذا ربی قرینہ حال متکلم تو ظاہر ہے اور قرینہ مقام سیاق وسباق کی آیتین ہین چنانچہ سباق مین ہے افتمارونہ علی مایری جسین رد ہے مشرکین پر تو اون ہی کے آلہہ کی مدح کا کیا احتمال ہو سکتا ہے اور سیاق مین ہے ان ہی الا اسماء سمیتموہا انتم الآیہ جب وہ مشرکین سورۃ کے ختم تک حاضر تھے چنانچہ حدیث مین مصرح ہے کہ آپکے ساتھ اونھون نے بھی سجدہ کیا تو یہ سیاق کی آیتین بھی سنین پھر مدح کا کیا احتمال رہا خصوص جبکہ آپ نے اسکا لہجہ بھی بدل دیا ہو جیسا کہ مستحب بھی ہے کہ اگر درمیان قرآن کے کوئی جملہ تعوذ یا دعا وغیرہ کا پڑھا جاوے تو قرآن کے لہجہ مین نہ پڑھے چنانچہ لفظ زود شعر ثانی مین اس طرف اشارہ بھی ہو سکتا ہے کیونکہ قرآن مین آپ کا لہجہ جلدی کا نہ تھا قال تعالی ورتل القرآن وقال تعالی لتقراہ علی الناس علی مکث مگر جہل یا تجاہل سے اسکو مدح سمجھا اور کہا ما ذکرا الہتنا بخیر قبل الیوم اور جب آپ کو یہ معلوم ہوا اس پر آپ کو طبعاً رنج بھی ہوا جسپر بقول بعض مفسرین وہ آیت فینسخ اللہ الخ نازل ہوئی جس طرح آیۂ انکم وما تعبدون من دون اللہ حصب جہنم کے نزول پر بوجہ جہل کے خوش ہوئے تھے اور سمجھے تھے کہ عیسی علیہ السلام بھی ہمارے اصنام کے ساتھ رہینگے نعوذ باللہ منہ اور اس پر یہ آیات نازل ہوئی تھین ولما ضرب ابن مریم مثلاً اذا قومک منہ یصدون وقالوا ءالہتنا خیر ام ہو الآیات یہ ہے توجیہ قصہ کی جسکے بعد نہ یہ اشکال رہا کہ آپ کی زبان سے اصنام کی مدح کیسے ہوئی کیونکہ معلوم ہو گیا کہ آپ نے مذمت فرمائی تھی نہ یہ اشکال رہا کہ اس کے وقوع سے وثوق شریعت سے اوٹھ جاوے گا کیونکہ جب قرائن تو یہ ذم کے موجود ہین اور خود قرآن مین اوس کے نظائر مذکور ہین پھر رفع وثوق اور التباس کی کیا گنجایش رہی آور اس تقریر کے بعد اگر شعر ثانی مین خواند کا فاعل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کہا جاوے اور اس خواندن کو قصداً بھی کہا جاوے جیسا ظاہر سوق کلام سے بھی ہے تب بھی کچھ حرج نہین اور شعر اول مین جو بت ستودن واقع ہوا ہے مراد اوس سے لفظی ستودگی ہے جو واقعی نکوہش ہے جیسا تمہید مین اور تقریر توجیہ مین بھی گذرا ہے اور اوس مین جو بہر دام عامہ را واقع ہوا ہے یہ لفظ بہر یہان غایت کے لیے نہین ہے جسکے ساتھ قصد متعلق ہو کیونکہ مدح اختیاری بت کی اس مصلحت سے بھی جائز نہین دوسرے اس مقام پر یہ مدح اختیاری واقع بھی نہین ہوئی بلکہ یہ مرادف ہے لام عاقبت کا کما فی قولہ تعالی فالتقطہ آل فرعون لیکون لہم عدوا وحزنا یعنی گو متکلم کا قصد تسخیر عامہ کا نہ تھا مگر تکلم بالذم کا اثر بعد توہم مدح کے سامع کو یہ ہوا کہ وہ مسخر ہو گیا اور تقریر تمثیل کی جس کے لیے یہ شعر لایا گیا ہے توجیہ مذکور کے بعد یہ ہو گی کہ مثنوی مین میرا غیر توحید کو جو کہ مثل بت کے

خوانند

مقصود بالترک والذم ہے ذکر کرنا جو کہ بقصد ذم وحمل المخاطبین علی الترک کے ہے چنانچہ جابجا
ان مضامین غیر مقصودہ سے مقصود کی طرف انتقال فرماتے جاتے ہیں اور کہیں توحید کے مضمون
کے چھوڑنے کا جو ذکر ہے تو ایک مانع کی وجہ سے کہ کلام دقیق ہوجاتا ہے جسکا تحمل سامعین کو
نہیں ہوتا بہرحال غیر توحید کا ذکر بغرض اوس مذکور کے ترک کے ہے اور سامعین غیر بصیر اوسکو
ذکر مقصوداً سمجھتے ہیں کہ یہی سمجھنا منشا شبہہ کا ہوا تھا کہ مثنوی میں یہ کیسے مذکور رہوا سو یہ ذکر کرنا
بیش برین نیست کہ مدح قرار دی جاوے مگر ایسی لفظ مدح پر جب کوئی مصلحت مرتب ہو تو کیا حرج
ہے جیسا غرانیق کے قصہ میں بتقدیر اوس کے فرض کے ایسا ہی واقع ہوا اور چونکہ مثال
محض توضیح کے لیے ہوتی ہے ممثل اوس پر موقوف نہیں ہوتا اس لیے اگر قصہ غرانیق کا غیر واقعی
ہو تب بھی اصل مضمون کہ جواب ہے شبہہ ذکر غیر توحید کا مثنوی میں وہ باقی ہے جسکا حاصل
صرف یہ ہے کہ یہ قصداً ذکر نہیں بلکہ محض لفظاً ہے ایسی ہی حکمت کے لیے جیسی کہ قصۂ غرانیق میں
واقع ہوئی جسکی تقریر عنقریب آتی ہے فانتظرہ اور یہ شبہہ نہ ہو کہ یہاں تو مسائل فقہیہ کا ذکر تھا
کیا وہ بھی قابل ترک ہے بات یہ ہے کہ وہ خود استطراداً آگیا ہے اصل میں قصہ رنجور کا مذکور
ہے تو اوسکو واجب الترک کہنے میں کیا حرج ہے اور شعر ثانی میں جو اس خواندن کو فتنہ کہا ہے
اس سے اوسکے شر ہونے کا وہم نہ کیا جاوے قرآن مجید میں بعض امور خیر کی نسبت یہ لفظ
آیا ہے قال تعالیٰ وما جعلنا الرؤیا التی اریناک الا فتنۃ للناس اور احقر نے جو اس شعر کے
حل میں اس لفظ کے ترجمہ کے ساتھ لفظ تکوینًا بڑھایا ہے اس سے خواندگی کی عدم اختیاریت
پر دلالت نہ سمجھی جاوے کیونکہ خواندن بقصد ذم کو تو اوپر اختیاری مان لیا گیا ہے بلکہ اوسکا
ذریعۂ امتحان ہوجانا غیر اختیاری تھا کیونکہ یہ ذریعۂ امتحان ہونا موقوف ہے توہم غلط سامعین
پر جو خوانندہ کا اختیاری نہیں اور غیر اختیاری پر جو موقوف ہو وہ غیر اختیاری ہے پس
امتحان ہونا غیر اختیاری ہے جسکو حق تعالیٰ نے بلا قصد متکلم واقع کر دیا اور جس حکمت کا شعر
اول میں ذکر ہے تہبردام عامہ را جسکی تقریر ان اشعار کی تمہید میں ہے اس قول میں مثلاً یہ
حکمت ہو کہ سامعین جلا رکو آخ وہ حکمت یہی امتحان ہے جیسا کہ اسی عبارت تمہیدیہ میں ہے
خواہ تو اس مصلحت سے الیٰ قولہ تدبر نکیا یعنی اس لفظی مدح میں حکمت ہے اور وہ تسخیر عامہ
للامتحان ہے اسطرح سے کہ دیکھا جاوے کہ اس دلچسپی کے بعد کون ایمان لاتا ہے اور کون کفر پر
مصر رہتا ہے پس تسخیر عامہ تو مدح کی غایت بلاواسطہ ہے اور امتحان اس غایت کی غایت
ہونیسے بالواسطہ مدح کی بھی غایت ہوئی اس لیے احقر نے دونوں کو متحد قرار دیا ہے اس قول میں
وہ حکمت یہی امتحان ہے چنانچہ اوس حکمت کا ظہور اس طرح ہوا کہ ختم سورۂ کے بعد جب حضور نے

سجدہ کیا تو اکثر مشرکین نے بھی سجدہ کیا کما مر فی اثناء حل الاشعار عن البخاری یعنی خدا کے لیے سجدہ
کیا نہ کہ اصنام کے لیے ورنہ ایسی تسخیر سے کیا فائدہ جس سے شرک کی اور تجدید ہو نیز لمعات میں ہے
لما ظہر من سطوۃ سلطان العز والجبروت وسطوع الانوار العظیمۃ والکبریاء من توحید اللہ عزوجل
وصدق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الخ اور یہ سجدہ علامت تھی اونکی تاثر من الحق کی اور امیہ
ابن خلف نے اوسوقت بھی نہیں کیا کما فی البخاری عن ابن مسعود غیر ان شیخا من قریش وہو امیۃ بن خلف
اخذ کفا من حصیٰ او تراب فرفعہ الی جبہتہ وقال یکفینی ہذا فلقد رأیتہ بعد قتل کافرا کذا فی المشکوٰۃ
اور امتحان کی یہی شان ہوتی ہے کہ اوس سے ہر ایک کی حالت قوت سے فعل میں آجاتی ہے چنانچہ
اس غیر ساجد کے سجدہ نکرنے کو ذکر کرکے یہ فرمانا قتل کافرا مشعر اسکا ہے کہ ساجدین کو ایمان
نصیب ہوا تو کسیکا ایمان ظاہر ہوگیا کسیکا کفر اور سجدہ نکرنے پر قتل کافرا کا فرمانا یہ بھی قرینہ ہے
کہ وہ سجدہ مشرکین کا للہ تعالیٰ تھا کہ اوس سے استکبار کا یہ وبال ہوا اور اگر سجدہ للاصنام ہوتا تو
اوس کے نکرنے کا کیا وبال ہوتا اور مثنوی میں اس حکمت کی نظیر اس طرح سے جاری ہوگی کہ چونکہ
عامہ کو غیر توحید کے ساتھ دلچسپی زیادہ ہے اوس کے ذکر سے اونکو مثنوی سے موانست ہوجاتی ہے
پھر بعد موانست اونکو مقصود مثنوی یعنی توحید میں مشغول کردینا آسان ہے اور امتحان کی تقریر
اس طرح ہوسکتی ہے کہ بعضے اب بھی نہ مانینگے تو اونپر الزام اہل بصیرت کا رہے گا کہ باوجود اسباب
موانست کے بھی اونکو مناسبت نہ ہوئی اور اگر کہا جاوے کہ مثال میں تو تسخیر عامہ یا امتحان متکلم کے
قصد واختیار میں نہ تھا ممثل میں اوس کے ماننے کی کیا صورت ہوگی جواب یہ ہے کہ تالیف مثنوی کی
کیفیت میں لکھا ہے ع روز و شب دشتِ معارف را نوشت ٭ او ہمیگفت وحسام الدین نوشت ٭
جس سے ظاہرًا معلوم ہوتا ہے اور مشہور بھی ہے کہ مولانا پر واردات کا غلبہ ہوتا تھا اور اوس میں
بلا اختیار زبان پر اشعار آتے تھے اور مولانا حسام الدینؒ لکھتے جاتے تھے اور بعض دفاتر کے ابتدائی
اور بعض بعض جگہ درمیانی اشعار سے بھی یہی مترشح ہوتا ہے جب تالیف مثنوی بلا اختیار رہوئی تو
اوس میں نفس ذکر ہی غیر توحید کا غیر اختیاری ہوگا تو اوسکی غایت یعنی تسخیر عامہ وامتحان بھی
غیر اختیاری ہوگا پس مثال اور ممثل دونوں میں غایت غیر اختیاری ہوئی اور شعر ثالث میں جو
اس سجدۂ مشرکین میں ایک راز بتلایا ہے بقولہ ہم سری کود ذوق احقر میں یہ سرّ قد ہے
یعنی ایسے سخت منکروں کا دفعۃً بلا اسباب قویہ ومع بقاء الموانع علی حالہا قرآن سے متاثر
ہوجانا دلیل واضح ہے اس پر کہ لو شاء ربک لآمن من فی الارض کلہم جمیعا اور یضل من یشاء
ویہدی من یشاء اور اوپر سجدہ کا اثر تسخیر وامتحان ہونا اور اوسکے واسطہ سے اثر خواندن ہونا
بتلایا ہے اور یہاں اثر مشیت آلہیہ بتلاتے میں تو اس میں کوئی تعارض نہیں کیونکہ مشیت مؤثر و

موقوف علیہ حقیقی ہے اور دوسرے اسباب مؤثر ظاہری حتی کہ اگر قصۂ مذکورہ صحیح نہ مانا جاوے تب بھی مشیت پر سجدہ مرتب ہوگا پھر خواہ تو اور کوئی واسطہ ہو یا کوئی بھی نہ ہو اور چونکہ بعد تعلق مشیت کے وقوع فعل کا ضروری اور ممتنع التخلف ہے اس لیے اوس سجدہ کو بہ عنوان سر بر زدند تعبیر کیا جس سے اختیار ساجد کا کالمعدوم ہونا مترشح ہوتا ہے کما یشیر الیہ قولہ تعالی فالقی السحرۃ سجدًا الآیۃ گو معدوم نہین ورنہ جبر لازم آوے گا جو کہ باطل ہے آور شعر چہارم مین بھی ذوقًا اسی راز قدر کے متعلق مضمون ہے یعنی بعد معلوم ہوتے اس امر کے کہ تعلق مشیت الٰہیہ علت تامہ ہے حوادث کی اس مسئلہ کے متعلق سخت سخت مباحث ہین جیسا کہ عقل پرستون کے مختلف شبہات پیش کرنے سے مثل السؤال عن العقاب علی من کان مجبورًا ومثل السؤال عن حکمۃ اللہ تعالی فی عدم ایمان کل الناس وفی خلق الکفر والکافر ونحوہا من الشبہات اور اہل معرفت وبصیرت کے جواب دینے سے مثل اثبات الاختیار بالدلائل والمنع عن السؤال عن الحکمۃ فی افعال اللہ تعالی او بیان بعض الحکم معلوم ہے اوسکی نسبت حدیث کے موافق کہ قدر مین کلام کرنے سے ممانعت آئی ہے فرماتے ہین کہ محققین کا طرز اختیار کرو کہ اجمالی بیان پر کفایت کرکے تفصیل اور کاوش کو ترک کردو اور روک بھی دو کہ اس مین شر بند ہوتا ہے اس لیے محققین کو سلیمان علیہ السلام سے تشبیہ دی اور اون مباحث کو ظاہر کرنے سے مضلین انس وشیاطین کو تشکیک ضعفاء کا موقع ملے گا اونکو اس شر کے پھیلانے کا موقع مت دو والحمد للہ چارون شعرونکی شرح بے مثل ہو گئی وللہ الحمد ف اور اگر اس قصۂ غرانیق کو صحیح مانا جاوے تو اسکی ایک اور سہل توجیہ ہو سکتی ہے کہ جب آپ اس مقام پر پہونچے تو کسی شریر کافر نے شرارت سے یہ جملہ پکار کر کہہ دیا ہو اور جو مشرک دور تھے اونھون نے بوجہ عدم امتیاز صوت کے یہ اوڑا دیا ہو کہ آپ نے ہمارے آلہہ کی تعریف کی اس پر آپ کو رنج ہوا ہو اوس پر حق تعالی نے یہ آیت نازل فرمادی ہو وما ارسلنا من قبلک من رسول ولا نبی الا اذا تمنی القی الشیطان الآیۃ پس یہ القاء ایسا ہو جیسا دوسری آیت مین کفار کا قول منقول ہے وقال الذین کفروا لاتسمعوا لہذا القرآن والغوا فیہ لعلکم تغلبون اور شیطان سے مراد وہ کافر ہو جو کہ شیطان الانس ہے جیسا کعب بن اشرف کو ایک آیت مین طاغوت بمعنے شیطان فرمایا ہے الم تر الی الذین یزعمون انہم آمنوا بما انزل الیک وما انزل من قبلک یریدون ان یتحاکموا الی الطاغوت الآیۃ اور جیسے نعیم بن مسعود اعرابی کو اس آیت مین خود لقب شیطان سے ذکر فرمایا انما ذلکم الشیطان یخوف اولیاءہ اس توجیہ پر سرے سے کوئی اشکال ہی متوجہ نہین ہوگا جو دفع کی ضرورت ہو اور یہ بر تقدیر ثبوت ہے ورنہ اسلم یہی ہے کہ اس قصہ کی نفی کی جاوے اور آیت وما ارسلنا الخ کی تفسیر اس قصہ پر موقوف نہین احقر کی تفسیر ملاحظہ فرمائی جاوے فقط آگے

[illegible]

عود الی القصہ کی تمہید ہے کہ) ہان قصہ صوفی اور قاضی کا (بیان مین) لا اور اوس ظالم کا بھی جو کہ (بدن مین) ضعیف (اور) لاغر زار ہے (یعنی اوس رنجور کا جس نے سیلی مار کر ظلم کیا) ۓ

ہم در تقریر قصۂ قاضی و صوفی

گفت قاضی ثبت العرش اے پسر
قاضی نے کہا کہ محل کو قائم کر اے پسر
تا بر و نقشے کنم از خیر و شر
تا کہ اوسپر اچھا برا نقش کرون
کو زندہ کو محل انتقام
کہان ہے مارنے والا کہان ہے محل انتقام
این خیالے گشتہ است اندر سقام
یہ تو ایک خیال ہو گیا ہے مرض مین
شرع بہر زندگان و اغنیاست
شرع زندون کے لیے اور اغنیا کے لیے ہے
شرع بر اصحاب گورستان کجاست
شرع اہل قبور پر کہان ہے

(مثل ہے ثبت العرش ثم النقش یعنی اول تخت کو قائم کر پھر اوس پر نقش کر یعنے ہر تصرف کے لیے اول محل ہونا چاہیے) قاضی نے (اس مثل کی طرف اشارہ کر کے) کہا کہ (اول) محل کو قائم کر اے پسر تا کہ اوس پر اچھا برا نقش کرون (برا استطرادًا کہدیا کیونکہ قاضی کا حکم شرعی تو اچھا ہی ہوگا مطلب یہ کہ تصرف سزا کے لیے محل تو دیکھ لے سو ظاہر ہے کہ) کہان ہے مارنیوالا (اور) کہان ہے محل انتقام یہ تو ایک خیال (کے مشابہ) ہو گیا ہے مرض مین (اور جس طرح یہ شرط عقلی ہے اسی طرح شرعی بھی ہے چنانچہ ثابت ہے کہ) شرع (کا حکم) زندون کے لیے (ہے) اور (پھر حکم متعلق بالمال اون زندون مین سے خصوصًا) اغنیا کے لیے ہے شرع اہل قبور پر کہان ہے (اور یہ بوجہ غایت ضعف و عدم تحمل سزا کے مثل اصحاب قبور کے ہے پس اس پر تعزیر جاری نہین کی جاتی چنانچہ مسئلہ فقہیہ بھی ہے کہ حاکم کو قتل سے کم جو کسیکو سزا دینا ہو خواہ حد ہو یا تعزیر اوسمین قوت تحمل شرط ہے مریض و ضعیف کی صحت و قوت کا انتظار واجب ہے عمدًا اسکے خلاف کرنا جائز نہین اور اجتہادًا غلطی ہو جاوے وہ عفو ہے اور یہان عدم تحمل بین ہے محل اجتہاد بھی نہین)۔

آن گروہے کز فقیری بے برند
جو گروہ کہ فقیری کا سراغ لگائے ہوئے ہین
صد جہت زان مردگان فانی ترند
صد جہت سے ان مردون سے زیادہ فانی ہین
مردہ از یک روست فانی در گزند
مردہ تو ایک ہی حیثیت سے فانی ہے مرض مین
صوفیان از صد جہت فانی شدند
صوفیہ صد ہا حیثیت سے فانی ہو گئے ہین

مرگ یک قتل ست وین سیصد ہزار
موت تو ایک ہی قتل ہے اور یہ سیصد ہزار

ہر یکے را خونبہائے بے شمار
ہر ایک کے بے شمار خونبہا ہین

گرچہ کشت این قوم را حق بارہا
اگرچہ اس قوم کو حق تعالی نے بارہا کشتہ کیا ہے

ریخت بہر خونبہا انبارہا
خونبہا کے لیے انبار کے انبار بکھیر دیے ہین

ہمچو جرجیس اند ہر یک در سرار
جرجیس کی طرح ہر ایک باطن مین

کشتہ گشتہ زندہ گشتہ شصت بار
کشتہ ہوا اور زندہ ہوا ساٹھ بار

کشتہ از ذوق سنان دادگر
جو شخص خدائے دادگر کی سنان کے ذوق سے کشتہ ہوا ہو

می بزارد کہ بزن زخم دگر
وہ زاری کرتا ہے کہ اور زخم لگا دے

واللہ از عشق وجود جان پرست
واللہ بہ نسبت عشق ہستی جان پرست کے

کشتہ بر قتل دوم عاشق ترست
یہ کشتہ قتل ثانی پر زیادہ عاشق ہے

(یہان انتقال ہے قصہ سے بیان حال اہل سکر کی طرف کہ) جو گروہ کہ فقیری کا سراغ لگائے ہوئے ہین (یعنی فقیری سے باخبر ہین اون مین جو مغلوب الحال واہل سکر ہین) صدہا جہت سے اون مردون سے (بھی جو کہ شرع کے مکلف نہین) زیادہ فانی ہین (یعنی) مردہ تو ایک ہی حیثیت سے فانی ہے (کہ کسی) مرض مین (مبتلا ہوکر جان نکل گئی) اور صوفیہ (مغلوب الحال) صدہا حیثیت سے فانی ہوگئے ہین (پس قضیہ آن گروہے الخ اور صوفیان الخ مہملہ یعنی غیر مسورہ ہین حکم جزئیہ مین اور محکوم علیہ صرف بعض افراد یعنی مغلوب السکر ہین اور دگزند مین لفظ در بمعنی لاجل ہے کما فی قولہ علیہ السلام فی ہرۃ) اور وہ صدہا حیثیت واردات واحوال ہین جو اونکو مغلوب کردیتے ہین اور وہ بعض پر صد سے بھی زیادہ طاری ہوتے ہین اور چونکہ وہ مختلف بھی ہوتی ہین اور نیز درمیان درمیان افاقہ بھی ہوتا ہے اس لیے اونکو مثل موت کے واحد مستمر کہنا صحیح نہین ہوگا متعدد کہین گے اسی بنا پر مردہ کو فانی از یک رو اور صوفیہ کو فانی از صد جہت فرمایا اور غلبۂ حال اور سکر اگر بے خبری تک پہونچ جاوے اوسکا غیر مکلف ہونا اوس حالت مین ظاہر ہے اور یہان فنا بمعنے غیبت ہے فنائے اصطلاحی مراد نہین اوس مین بیخودی نہین ہوتی جس سے غیر مکلف ہوجاوے غالبًا مقصود مولانا کا اس کے بیان سے معترضین خشک کو رد کرنا ہے ایسے لوگو نپر اعتراض کرنے سے آگے فنائے صوفیہ کا انفع واحب ہونا فرماتے ہین کہ) موت تو ایک ہی قتل (یعنے ہلاکت) ہے اور یہ (فنائے صوفیہ) سیصد ہزار (قتل ہین مگر یہ ایسے قتل ہین کہ) ہر ایک (قتل) کے بیشمار خونبہا ہین اگرچہ اس قوم کو حق تعالی نے بارہا کشتہ کیا ہے (مگر) خونبہا کے لیے انبار کے انبار بکھیر دیے ہین (مراد اس خونبہا سے ثمرات ہین من المحبۃ والمعیۃ والتقرب الیہ والانقطاع عما سواہ

اور اسمین اشارہ ہے قول مشہور کی طرف من قتلتہ فانا دیتہ یہ تو بیان تھا اوس کے انفع ہونے کا آگے انفعیت کی بنا پر ان لوگون کے نزدیک اوسکا احب ہونا فرماتے ہین کہ) جرجیسؑ (پیغمبر) کیطرح (کہ اونکو ایک ظالم بادشاہ نے کئی بار قتل کیا اور اللہ تعالی نے اونکو زندہ کر کر دیا تو اون ہی کی طرح) ہر ایک (اس قوم مذکور سے) باطن مین کشتہ ہوا (اور) زندہ ہوا ساٹھ بار (یعنی بمرات کثیرہ اور فنا و قتل سے مراد جیسے سکر تھا احیار سے مراد صحو ہے اہل حال پر یہ دونون کیفیتین متعاقباً آتی ہین اور یہ قتل اونکو ایسا محبوب ہوتا ہے کہ) جو شخص خدا ے دادگر کے سنان کے ذوق سے کشتہ ہوا ہو وہ زاری (اور التجا) کرتا ہے کہ اور زخم لگاوے (ذوق کہنے مین اشارہ ہے اوسکے ذوقی ہونے کی طرف اور) واللہ (یہ) کشتہ بہ نسبت عشق ہستی جان پرست کے (کہ یہ عشق بھی طبعی ہے) قتل ثانی پر زیادہ عاشق ہے (نظیرہ قولہ علیہ السلام وددت ان اقتل فی سبیل اللہ ثم احیی ثم اقتل ثم احیی ثم اقتل الحدیث ہستی جان پرست یہ زندگی عنصری ہے جس مین جان یعنی زندگی کی پرستش یعنی محبت شدیدہ ہوتی ہے اس محبت سے بھی زیادہ قتل ثانی کی محبت ہوتی ہے بوجہ ثمرات خاصہ کے کہ اوس کے سامنے اس جسمانی زندگی کی کوئی حقیقت نہین اور چونکہ ہر بار ثمرات مین ترقی ہوتی ہے اس لیے وہ بار بار متمنی ہوتا ہی) ہے ف اور اس سے احوال و مواجید کا مطلوب ہونا لازم نہین آتا مطلوب بالذات ثمرات ہین وہ اس پر راضی ہوتا ہے کہ اگر ثمرات بوجہ اقتضاے خصوصیت استعداد کے اس طریق سے ملنے والے ہون تو یہ طریق بھی منظور رہے باقی جو ترقی بواسطہ اتباع سنت کے ہو وہ اس سے بھی زیادہ احب ہے چنانچہ عنقریب ہی بعنوان احیار ان کی فضیلت بھی مذکور ہوتی ہے چھ شعر کے بعد اور وہ فضیلت اس فانی کی فضیلت سے اکمل ہی کہ وہ نائب حق ہے چنانچہ آگے فرماوین گے سے ۵ کانکہ زندہ ر دکند حق کر د ر د + بخلاف اس فانی کے کہ اوس کے ثمرات مین نیابت کا ذکر نہین فرمایا آگے عود ہے قصہ کی طرف۔

گفت قاضی من قضا دار حیم	حاکم اصحاب گورستان کیم
قاضی نے کہا کہ مین زندہ پر حکومت رکھنے والا ہون	اہل قبور کا حاکم کب ہون
این بصورت گرنہ در گورست لیست	گورہا در دودمانش آمدست
یہ صورۃً اگرچہ قبر مین پست نہین ہے	بہت سی قبرین اسکے خاندان کے اندر ہین
بس بدیدی مردہ اندر گور تو	گور را در مردہ بین اے کور تو
تو نے مردے تو قبر کے اندر بہت دیکھے ہونگے	اے کور قبر کو مردہ کے اندر دیکھنے
گر ز گورے خشت بر تو اوفتاد	عاقلان از گور کے خواہند داد
اگر کسی گور سے تجھپر اینٹ گر پڑے	تو عقلار گور سے کب داد چاہتے ہین

گرد خشم و کینهٔ مُردہ مگرد تو مُردہ کے خشم اور کینہ کے گرد مت پھر	هین مکن بانقش گرمابه نبرد ہان تو نقشِ حمام سے لڑائی مت کر

قاضی نے کہا کہ مین زندہ (آدمی) پر حکومت رکھنے والا ہون اہل قبور کا حاکم کب ہون (اور یہ (مریض) صورۃً اگرچہ قبر مین پست نہین ہے (یہ قید واقعی ہے کیونکہ مدفون فی القبر پستی ہی مین ہوتا ہے یعنی اگرچہ یہ قبر کے اندر نہین ہے مگر خود) بہت سی قبرین اس کے خاندان (کالبد) کے اندر رہین (کالبد کو بوجہ اشتمال علی الاعضاء والقوی المختلفہ ایک خاندان سے تشبیہ دی مطلب یہ کہ اگر یہ قبر کے اندر نہین مگر قبر اس کے اندر ہے مقصود مبالغہ ہے اوسکے بحکم میت ہونے مین آگے اس معنے کی تصریح ہے کہ) تو نے مرے تو قبر کے اندر بہت دیکھے ہونگے مگر یہان) اے کور قبر کو مردہ کے اندر دیکھ لے (کور اس لیے کہا کہ ابتک مخاطب سے اوسکو نہین سمجھا مطلب یہ کہ یہ مردہ سے بھی بڑھکر ہے اور اس مبالغہ کی ایک توجیہ واقعی بھی ہوسکتی ہے کہ مردہ کو اگر مارنے لگین تو وہ متاثر و متاذی ہوکر پھر تو نہ مرے اور یہ تو مرجاویگا اور جب یہ بحکم گورستان ہے کما ہو مدلول الشعر الثانی والثالث تو) اگر کسی گور سے تجھپر اینٹ گر پڑے تو عقلا گور سے کب داد چاہتے ہین (اسیطرح جب یہ بحکم مردہ ہے کما ہو مدلول الشعر الاول تو) تو مردہ کے خشم و کینہ کے گرد مت پھر (یعنی اوسپر خشم و کینہ مت کر) ہان تو نقش حمام سے لڑائی مت کر (اس تشبیہ مین سابق پر بھی ترقی ہے کہ مردہ جواہر مین سے تو ہے جو کسیوقت موصوف بالحیوۃ ہوسکتا ہے اور نقش گرمابہ تو عرض ہی ہے کہ اوس مین حیات کی قابلیت ہی نہین) ف قاضی کی اس تقریر مین دو احتمال ہوسکتے ہین یا تو حکم ہے مہلت و انتظار کا صحت مدعی علیہ تک اور انکار ہے فی الحال سزا دینے سے اور یا سفارش ہے معاف کردینے کے لیے اول احتمال پر یہ حکم منصبی ہے جسپر قاضی جبر کرسکتا ہے اور ثانی پر منصبی نہین مدعی مخیر ہے فقط

شکر کن که زندهٔ بر تو نزد شکر کر کہ کسی زندہ نے تجھکو نہین مارا	کانکه زنده رد کند حق کرد رد کیونکہ جسکو زندہ رد کرے اوسکو حق ہی نے رد کردیا
خشم احیا خشم حق و زخم اوست زندون کا غصہ خدا تعالے کا غصہ اور عقوبت ہی	که بحق زنده است آن پاکیزه پوست کیونکہ وہ پاکیزہ پوست زندہ بحق ہے
حق بکشت اورا و در پاچه اش دمید حق تعالی نے اوسکو کشتہ کیا اور اوسکے پائچین پھونک دیا	پوست قصابانه از وی در کشید قصابونکی طرح پوست اوس سے کھینچ لیا
نفخ در وی باقی آمد تا مآب اوسمین نفخ مآب تک باقی رہا	نفخ حق نبود چون نفخ آن قصاب نفخ حق اوس قصاب کے نفخ جیسا نہین ہے

فرق بسیارست بین النفختین
دونون نفخون مین بہت فرق ہے

این ہمہ زین ست و باقی جملہ شین
یہ بالکل خوبی ہے اور باقی تمام عیب

این حیات از وے برید و شد مضر
اسنے اوس سے حیات کو قطع کیا اور ضرر رسان ہوا

وان حیات از نفخ حق شد مستمر
اور وہ حیات نفخ حق کے سبب مستمر ہوئی

این دم آن دم نیست کاید آن بشرح
یہ نفخ وہ نفخ نہین ہے جو شرح مین آسکے

ہان برآ زین قعر چہ بالاے صرح
ہان اس قعر چاہ سے بالاے کوشک چلا آ

(اوس رنجور کو اوپر مردہ قرار دیکر اوس کے احکام بیان کیے تھے یہان بمناسبت تقابل بعض افراد زندہ کے کہ وہ زندہ بحق ہے احکام بیان کرتے ہین پس یہ انتقال ہے قصہ سے طرف بیان آثار بقاء بالحق کے اور شعر اول بلسان قاضی اور باقی بلسان مولانا ہے یعنی قاضی نے صوفی سے یہ بھی کہا کہ) تو (یہی) شکر کر کہ کسی زندہ نے تجھکو نہین مارا کیونکہ جسکو زندہ رد کرے اوسکو حق ہی نے رد کر دیا۔ (مراد زندہ سے زندہ کامل یعنی باقی بالحق ہے بقرینہ جملہ حق کرد رد کے اور رد کردن زندہ رد کردن حق کی دلیل لمی نہین چنانچہ ظاہر ہے بلکہ دلیل انی یعنی علامت ہے کیونکہ جو شخص باقی بالحق یعنی متخلق باخلاق اللہ ہو وہ بالکل تابع حق ہوگا پس اوسکا رد و قبول بالکل حکم خداوندی کے موافق ہوگا پس لامحالہ علامت ہوگی عنداللہ رد و قبول کی اور یہ شخص نائب حق و وجہۃ اللہ ہوتا ہے مشیخت اور ارشاد اسی کی شان ہوتی ہے پس اگر ایسا شخص تجھسے ناخوش ہوتا یہ بھی زیادہ فکر کی بات اور تو جس چیز کے درپے ہوا ہے وہ کوئی مہتم بالشان امر نہین اس سے درگذر خواہ الی الاجل خواہ الی الابد آگے مولانا تائید کے لیے فرماتے ہین کہ ایسے) زندون کا غصہ خدا تعالی کا غصہ اور عقوبت ہے کیونکہ وہ پاکیزہ پوست زندہ بحق ہے (پاکیزہ پوست مین یہ تبلا دیا کہ اوسکا جسم بھی مطہر ہوتا ہے تلبس بالمعاصی سے اور اس مین رد ہے اون جہلا پر جو اعمال ظاہری کو ضروری نہین کہتے آگے ایک تمثیل مین اوس کے زندہ بحق ہونے کی کیفیت اور اوس تمثیل کا ناقص ہونا بھی تاکہ اوس سے کوئی مماثلت نہ سمجھ جاوے بیان کرتے ہین یعنی) حق تعالی نے اوسکو (اول) کشتہ کیا اور اوس کے پاؤن مین پھونک دیا (اور) قصابون کی طرح پوست اوس سے کھینچ لیا (حاصل تمثیل کا یہ ہے کہ قصابون کی عادت ہے کہ بعد ذبح بکری کی پاؤن کی طرف سے کھال کھینچنے کی ابتدا کرتے ہین اور جہان جہان موقع چربی کا ہے وہان ساتھ ساتھ کھال کے اندر پھونک بھی مارتے جاتے ہین تاکہ چربی پھولکر گوشت پر نظر آوے اور گوشت فربہ معلوم ہو پس مولانا اسی حالت سے تشبیہ دیتے ہین باقی باللہ کی حالت کو کہ اول اوسکو فانی کرتے ہین پھر اوسکو نفخہ ربانیہ کے نفخہ سے مشرف فرماتے ہین جس سے اوس مین صفات مرضیہ آلہیہ

راسخ ہوجاتی ہین اور اوس سے رذائل بشریہ جسمانیہ زائل ہوجاتی ہین جسکو پوست کشیدن سے تعبیر فرمایا اور در پاچہ اش فعل دمید مشبہ بہ کی قید واقعی ہے اور مقصود صرف دمید ہے پس مشبہ مین اس قید کا ہونا ضروری نہین آب تمثیل کے ناقص تبلانے کے لیے دونون نفخون مین فرق بیان فرماتے ہین کہ) اس (باقی بحق) مین نفخ (کا اثر) مآب (یعنی یوم قیامت) تک باقی رہا (اور نفخ قصاب ایسا نہین پس) نفخ حق اوس قصاب کے نفخ جیسا نہین ہے دونون نفخون مین بہت فرق ہے یہ (نفخ حق) بالکل خوبی (ہی خوبی) ہے اور (اوسکے علاوہ) باقی تمام در نفخ جس مین نفخ قصاب بھی آگیا) عیب (ہی عیب) ہے (آگے فرق کی تصویر ہے کہ) اس (نفخ قصاب) نے اوس (مذبوح) سے حیات کو قطع کیا اور (اس لیے) ضرر رسان ہوا اور وہ حیات (اوس مقتول حق کی) نفخ حق کے سبب مستمر ہوئی (بَرِید کی اسناد سبب کی طرف ہے کیونکہ یہی نفخ اپنے اغراض کے اعتبار سے سبب ہوتا ہے ذبح اور اہلاک کا اور استمرار حیات باقی بالحق کا منصوص قرآنی ہے خالدین فیہا ابدًا اور اہل نار کے خلود سے شبہہ نہ کیا جاوے کیونکہ اوسکی شان لایموت فیہا ولا یحییٰ ہے آگے اس نفخ کی تحقیق و کاوش کو ترک کرا کر اوسکی تحصیل کی طرف متوجہ کرتے ہین کہ) یہ نفخ وہ نفخ نہین ہے جو شرح مین آسکے (کیونکہ وجدانی ہے اسی لیے اوسکی مثال بھی ناقص رہی پس شرح کی فکر چھوڑ کر) ہان (اوسکی تحصیل کر اور) اس قعر چاہ (توجہ بحادث) سے بالاے کونشک (توجہ بقدیم) چلا آ (تاکہ اس نفخہ سے مشرف ہو) ف آگے تتمہ ہے قصہ کی۔ فقط

نیستش برخر نشاندن مجتہد
اوسکو گدھے پر بٹھلانا محلِ اجتہاد نہین

نقش ہیزم را کسے برخر نہد
کیا نقشِ ہیزم کو کوئی گدھے پر رکھتا ہے

برنشستِ او نہ پشتِ خر سزد
اوسکی نشست کے لیے پشتِ خر مناسب نہین

پشتِ تابوتیش اَولیٰ تر سزد
کسی تابوت کی پشت زیادہ سزاوار ہے

ظلم چہ بود وضعِ غیرِ موضعش
ظلم کیا چیز ہے وضع کرنا شئے کا اوسکے غیرِ موضع مین

ہین مکن در غیرِ موضع ضائعش
خبردار غیر موضع مین اوس شئے کو ضائع مت کر

گفت صوفی پس روا داری کہ او
صوفی نے کہا تو پھر تم اس بات کو روا رکھتے ہو کہ اوس نے

سیلیم زد بے قصاص و بے تسو
میری سیلی ماری بلا قصاص کے اور بلا تسو کے

کے روا باشد کہ ہر خرسِ قلاش
کب روا ہو سکتا ہے کہ ہر ریچھ بے آبرو

صوفیان را صفع اندازد بلاش
صوفیون کو طمانچہ مارا کرے بلاشئی

گفت صوفی را چہ باک از صفع خیز
قاضی نے کہا کہ صوفی کو کیا اندیشہ طمانچہ سے اٹھ

با چنین بیمار کم کن ستیز
ایسے بیمار سے مت لڑ

گفت قاضی تو چہ داری بیش و کم
قاضی نے کہا کہ تو بیش یا کم کتنا مال رکھتا ہے
گفت قاضی سہ درم تو خرج کن
قاضی نے کہا کہ تین درم تو تو خرچ کرنا
زار و رنجورست و درویش و ضعیف
یہ زار اور رنجور اور غریب اور ناتوان ہے
قاضی و صوفی بہم در قیل و قال
قاضی اور صوفی باہم قیل و قال مین تھے
بر قفاے قاضی افتادش نظر
قفاے قاضی پر اوسکی نگاہ پڑی
راست میکرد از پے سیلیش دست
اوسکے سیلی مارنے کے لیے ہاتھ کو سیدھا کرنے لگا
سوے گوش قاضی آمد بہر راز
گوش قاضی کیطرف کوئی راز کہنے کے بہانہ سے آیا
گفت ہر ششرا بگیر اے دو خصم
بولا اے دونون مدعی تم پورے چھ کے چھ ہی لے لو

گفت دارم در جہان من شش درم
اوسنے کہا کہ مین جہان مین چھ درم رکھتا ہون
آن سہ دیگر را بدو دہ بے سخن
آن دوسرے تین کو اس کو دیدے بلا کلام
سہ درم بیایدش ترہ و رغیف
تین درم اسکو بھی چاہیے ترکاری اور روٹی کے واسطے
لیک آن رنجور زار سخت حال
لیکن وہ جو رنجور زار اور بد حال تھا
از قفاے صوفی آمد خوبتر
قفاے صوفی سے زیادہ خوب معلوم ہوئی
کہ قصاص سیلیم ارزان شدست
کہ میری سیلی کا معاوضہ ارزان ہو گیا ہے
سیلیے آورد قاضی را فراز
ایک چپت قاضی پر اونچے سے لایا
من شوم آزاد و بے خرخاش و خصم
مین آزاد و بے خرخشہ اور بے عیب ہو جاؤن

تیرہ شدن قاضی از سیلی و سرزنش کردن صوفی اورا

گشت قاضی تیرہ صوفی گفت ہے
قاضی مکدر ہوا صوفی نے کہا کہ ہان
آنچہ نہ پسندی بخود اے شیخ دین
اے شیخ دین جو چیز اپنے اوپر پسند نکرو
این ندانی کز پے من چہ کنی
تم یہ نہین جانتے کہ میرے لیے کنوان کھودوگے
من حفر بئرا نخواندی از خبر
تمنے من حفر بئرا آخ خبر مین نہین پڑھا؟

حکم تو عدل ست لاشک نیست غے
آپ کا حکم تو بلاشک عدل ہے بیراہی نہین ہے
چون پسندی بر برادر اے امین
وہ اپنے بھائی پر کیونکر پسند کرتے ہو
ہمدران چہ عاقبت خود افگنی
تو اسی کنوین مین انجام کار اپنے کو ڈالوگے
آنچہ خواندی کن عمل جان پدر
جو کچھ پڑھا ہے اوس پر عمل کر اے جان پدر

این یکے حکمت چنین بُد در قضا
یہ تو اِس طرح کا تمھارا ایک حُکم تھا فیصلہ دینے مین

کو ترا آورد سیلی در قفا
جو تمھارے قفا مین سیلی کو لایا

واے بر احکام دیگر ہاے تو
واے ہے تمھارے دوسرے احکام پر

تا چہ آرد بر سر و بر پاے تو
وہ کیا کچھ لا دینگے تمھارے سر اور تمھارے پاؤن پر

ظالمے را رحم آری از کرم
تم ایک ظالم پر رحم لاتے ہو کرم سے

کہ براے نفقہ بدہش سہ درم
تو خرچ کرنے کے لیے تم اسکو تین درم دیدے

دست ظالم را ببُر چہ جاے آن
ظالم کے تو ہاتھ کو قطع کرو چہ جائیکہ

کہ بدستِ اُونہی حکم و عنان
اوسکے ہاتھ مین فیصلہ اور باگ دیدو

تو بدان بُز مانی اے مجہولِ داد
تم اوس بکری کے مشابہ ہو اے مجہول العدل

کہ نژادِ گرگ را اُو شیر داد
جسنے نسلِ گرگ کو دودھ دیا تھا

اِس دردنجور کو گدھے پر بٹھلانا رہی) محل اجتہاد نہین (جو کہ تیری ایک یہ بھی درخواست ہے کہ این خرِ ادبار را برخرنشان کیونکہ) کیا نقش ہیزم کو کوئی گدھے پر رکھتا ہے (ہیزم کو البتہ رکھتے ہین سو یہ تو نقش ہیزم کی مثل ہے) اسکی نشست کے لیے پشت خر مناسب نہین (بلکہ بوجہ مردہ ہونیکے کسی تابوت کی پشت (اس کے لیے) زیادہ سزاوار ہے (پس اِسکو گدھے پر بٹھلانا ظلم ہوگا کیونکہ ظلم کیا چیز ہے وضع کرنا شے کا اوس کے غیر موضع مین (پس) خبردار غیر موضع مین اوس شے کو ضائع مت کر (ضائعش مین ضمیر شین کا مرجع لفظ وضع کا مضاف الیہ مقدر ہے یعنی شئے ۔ ممکن ہے کہ وہ ایسا ضعیف ہو کہ گدھے پر بھی نہ بیٹھ سکتا ہو اس لیے قاضی نے یہ بات کہی ہو) صوفی نے کہا تو پھر تم اس بات کو روا رکھتے ہو کہ اوس نے میرے سیلی ماری بلا قصاص کے (یعنی عوض جسمی کے) اور بلا تسو کے (کہ چار جَو کی مقدار ہوتا ہے مراد دیت قلیلہ ہے یعنی بلا عوض مالی کے) کب روا ہو سکتا ہے کہ ہر ریچھ بے آبرو۔ صوفیون کو طمانچہ مارا کرے بلا شے۔ قاضی نے کہا کہ صوفی کو کیا اندیشہ طمانچہ سے (کیونکہ صوفی کو مجاہدہ کرنا چاہیے تو یہ بھی ایک مجاہدہ سہی) اوٹھ (اور) ایسے بیمار سے مت لڑ (یعنی دعوے سے دست بردار رہو کر مجلس قضا سے اوٹھکر چلدے پھر کہا کہ اصل بات تو یہی تھی کہ دست بردار ہو جا تا مگر خیر تیری خاطر سے اس پر کچھ جرمانہ کیے دیتا ہون اور تجھکو دلائے دیتا ہون پس رنجور سے) قاضی نے کہا کہ تو بیش یا کم کتنا مال (اپنے پاس) رکھتا ہے۔ اوس نے کہا کہ مین (تمام) جہان (کی اموال) مین چھ درم رکھتا ہون قاضی نے (اوس سے) کہا کہ (اچھا) تین درم تو تو خرچ کرنا (اور) ان دوسرے تین کو اس (صوفی) کو دیدے بلا کلام (اور اوس صوفی کو تسلی دینے کے لیے کہا کہ) یہ نزار اور رنجور اور غریب و ناتوان ہے۔ تین درم

اسکو بھی چاہیے ترکاری اور روٹی کے واسطے (ورنہ تجھکو زیادہ دلاتا تو یہ شعر زار ور نجور ست الخ
خطاب صوفی کو ہے اور قرینہ اس کا شعر آیندہ کا مصرعۂ اولیٰ ہے قاضی وصوفی ہم در قیل و قال کہ
یہ دال ہے ان دونون کی مقاولت پر حالانکہ اوپر مقاولت منقول ہے قاضی و رنجور کی دوسرے
ضمائر غائب کی بھی اسکا قرینہ ہے صوفی نے کچھ عذر کیا ہوگا کہ اس سے میری اشک شوئی نہین ہوسکتی
غرض اسی طرح سے) قاضی اور صوفی (تو) باہم قیل وقال مین (مشغول) تھے لیکن وہ جو رنجور زار
و بدحال تھا (اوس کا واقعہ یہ ہوا کہ) قفاے قاضی پر اوسکی نگاہ پڑی (جو اوسکی نظر مین) قفاے
صوفی سے زیادہ خوب معلوم ہوئی (زیادہ صاف ہونیسے طپانچہ کے لیے زیادہ موزون سمجھا ہوگا
پس جی للچایا اِدھر طبیب کا قول یاد ہی تھا کہ جس چیز کو جی چاہے کر لیا کریں) اوس کے سیلی
مارنے کے لیے ہاتھ کو سیدھا کرنے لگا (اور سوچا) کہ میری سیلی کا معاوضہ (بہت) ارزان
ہوگیا ہے (کہ ایک سیلی کے تین درم کہ ایک سیلی کا عوض دیکر دوسری سیلی کے عوض مین دینے کو
بھی میرے پاس موجود ہین لبس یہ سوچ کر) گوش قاضی کی طرف کوئی راز کہنے کے بہانہ سے آیا
(اس لیے قاضی نے بھی منع نہ کیا اور پاس آکر) ایک چپت قاضی (کی گدی) پر (بہت) اونچے
سے لاکر جما) دی (اور) بولا اَے دونون مدعی تم پورے چھ کے چھ ہی لے لو (ایک تو مدعی تھا
قالاً دوسرا اب ہوگیا حالاً) مَین (سارا ذخیرہ خرچ کرکے) آزاد و بے خرخشہ اور بے عیب
ہو جاؤن (چونکہ مال کا رکھنا بعض تارکین کے نزدیک عیب ہے اس لیے خلو الید کو بے عیبی کہا)
قاضی (اس حرکت سے) مکدر ہوا (تو صوفی نے (طعن کے طور پر) کہا کہ ہان (صاحب) آپکا
حکم تو بلاشک عدل ہے بیرا ہی نہین ہے (جب مجھکو سیلی مارنے کے عوض مین تین درم پر راضی
کیا جاتا تھا تو آپ بھی اس عوض پر راضی رہین پھر مکدر کیون ہوتے ہو اور اگر اپنے لیے
یہ پسند نہین تو پھر سوال یہ ہے کہ) اے شیخ دین جو چیز اپنے اوپر پسند نہ کرو وہ اپنے بھائی پر
کیونکر پسند کرتے ہو۔ تم یہ نہین جانتے کہ (اگر) میرے لیے کنوان کھودوگے۔ تو اوسی کنوین مین
انجام کار اپنے کو ڈالوگے (اشارہ ہے اس قول کی طرف من حفر بیراً لاخیہ فقد وقع فیہ اور یہ
کنایہ ہے مطلق مضرت سے خواہ اسکا وقوع دنیا مین ہو یا آخرت مین) تم نے من حفر بیراً الخ
خبر مین نہین پڑھا (اور اگر پڑھا ہے تو) جو کچھ پڑھا ہے اوس پر عمل کر لے جان پدر۔ یہ تو اسطرح
کا تمھارا ایک حکم تھا فیصلہ دینے مین۔ جو تمھارے قفا مین سیلی کو لایا (یعنی اوس کے وبال سے
تمھارے سیلی لگی کیونکہ وہ حکم خلاف عدل تھا پس) واے ہے تمھارے دوسرے احکام پر (معلوم
نہین) وہ کیا کچھ (وبال) لاوینگے تمھارے سر اور تمھارے پاؤن پر (آگے اس حکم کے خلاف عدل
ہونے کی تقریر ہے کہ کتنا بڑا ظلم ہے کہ) تم ایک ظالم پر رحم لاتے ہو کرم سے (اور اوس رحم و

کرم کے سبب اوسکو صرف یہ حکم دیتے ہو کہ) تو خرچ کرنے کے لیے اس (صوفی) کو (یعنی مجھکو) تین درم دیدے۔ ظالم کے تو ہاتھ کو قطع کرو چہ جائیکہ اوسکے ہاتھ مین فیصلہ اور (اوسکی) باگ دیدو (جیسا اس تجویز مین ہوا کہ فیصلہ اوس کا اختیاری ہو گیا دو طور پر ایک تو یہ کہ اس فیصلہ کی تکمیل ہین مین اوس کا محتاج اور دست نگر ہو گیا کہ جب وہ اپنے ہاتھ سے درم دے تب مجھکو بدلہ ملے اور یہ دینا اوس کا فعل اختیاری ہے تو فیصلہ ایک تو اس طرح اوس کا اختیاری ہو گیا دوسرے یہ کہ اوسکے پاس جب تین درم چھوڑ دیے تو اوسکو یہ بھی گنجایش رہی کہ ایک سیلی اور جسکے چاہے مار سکے اور تین درم ادا کر دے چنانچہ آخر اوس نے اس فیصلہ کو اپنے اختیار سے تمھارے حق مین بھی جاری کیا تو اسکی گنجایش اوس کے ہاتھ مین ہونا ایک اس طرح یہ فیصلہ اوسکا اختیاری ہوا) تم (اس رحم و کرم بے محل مین) اوس بکری کے مشابہ ہوئے مجہول العدل (یعنی جسکے عدل کی کوئی بنا اور اصل ہی نہین بے ضابطہ فیصلہ کر دیا پس تم اوس بکری کے مثل ہو) جس نے نسل گرگ کو دودھ دیا تھا (اور پالا تھا اور پھر اوسی پر حملہ کرکے اوسکو چیر ڈالا تھا جسکا قصہ مشہور ہے اور اوس کے متعلق اوس بکری والے کے چند اشعار بھی مشہور ہین جن مین سے ایک یہ ہے ۔ غذیت بدرّہا ولثأت فینا ۔ فمن انباک ان اباک ذئب ۔ پس جس طرح اوس بکری نے اوس پر کہ وہ اہل نہ تھا رحم کیا اور اوس نے اوسی پر حملہ کیا۔ اسیطرح تمنے اس نا اہل پر رحم کیا اور اوس نے تم ہی پر حملہ کیا) ف عجب نہین قاضی نے اوس سفارش مین اس صوفی پر زیادہ زور دیا ہوگا جو کہ تجاوز عن حد الشرع ہے کیونکہ سفارش وہی ہے جس مین مخاطب کی آزادی مین خلل نہ آوے اور اوس پر جبر و گرانی نہ ہو اور اس صوفی نے اسی کو ظلم سے تعبیر کیا اور مجازاۃ فی الدنیا پر متنبہ کرکے دوسرے احکام مین رعایت عدل کا امر کیا ہے اس طرح سے صوفی کی تقریر قواعد شرعیہ پر منطبق ہو سکتی ہے۔ واللہ اعلم آگے عود ہے قصہ کی طرف۔

جواب باصواب دادنِ قاضی صوفی را

گفت قاضی واجب آمد مان رضا

قاضی نے کہا ہم پر رضا واجب ہے

هر وفا و هر جفا کارد قضا

ہر وفا اور ہر جفا پر جسکو قضا لاوے

خوش دلم در باطن از حکم زبر

مین باطن مین خوشدل ہون حکم کتب سے

گرچہ رویم شد ترش کالحق مُر

اگرچہ میرا منہ ترش ہو گیا کیونکہ حق تلخ ہوتا ہے

ابر گرید باغ خندد شاد و خوش	این دلم باغست و چشمم ابر وش
ابر روتا ہے باغ شاد و خوش ہنستا ہے	میرا یہ دل باغ ہے اور میری آنکھ ابر کے مثال ہے

قاضی نے کہا ہم پر رضا (بقضا) واجب ہے ہر (ادس) وفا (پر بھی) اور ہر (ادس) جفا پر (بھی) جسکو قضا (ے الٰہی سامنے) لا وے (اسلیے) مین باطن مین خوشدل ہون حکم کتب (الٰہیہ) سے (کہ اون مین رضا بالقضار کا حکم ہے) اگرچہ (ظاہر مین) میرا منہ ترش ہو گیا کیونکہ (امر) حق (طبعًا) تلخ ہوتا ہے (خواہ وہ امر حق تشریعی ہو یا تکوینی پس میرے سیلی لگ جانا کہ تکوینًا امر حق بمعنی متضمن فوائد واقعیہ یا بمعنے سزاے جرم واقعی ہے جسکا ذکر بہ تحت ف متعلقۂ اشعار گذشتہ بالا ہوا ہے گو طبعًا مجھکو گران ہے مگر عقلاً مین اس پر راضی ہون اور ایسا ہی راضی ہون جیسا وفا پر راضی ہوتا اور شاید اسی نکتہ کے لیے وفا کا ذکر کیا ہو ورنہ یہان وفا کا وقوع نہین ہوا تھا پس تیرا یہ طعن کہ انچہ نپسندی بخود دل مخ غلط ہے بلکہ مین جسطرح تجھکو راضی ہونے کے لیے کہتا تھا خود بھی اوسطرح راضی ہون خواہ آیندہ کے فوائد کی توقع پر یا اپنے جرم کے کفارہ ہو جانے پر اور اس پر شبہہ نہ کیا جاوے کہ عقلی رضا اور طبعی ناگواری کیسے جمع ہو گئے کیونکہ مختلف حیثیتون سے ایسا کیونکر ہو سکتا ہے پس اس اجتماع کے اعتبار سے گویا) میرا یہ دل باغ ہے اور میری آنکھ ابر کی مثال ہے (تو دیکھو) ابر روتا ہے (اور) باغ شاد و خوش ہنستا ہے (اسی طرح میرا ظاہر ترش ہے اور باطن خوش ہے اور اس مثال پر یہ شبہہ نہ کیا جاوے کہ یہان تو ترشی اور خوشی کا محل ہی بدل گیا کہ ایک چشم ہے ایک دل بات یہ ہے کہ چشم کا گریہ یقینًا مسبب ہے تاثر قلب سے پس گریۂ چشم علامت تکدر قلب ہی کی ہوئی اور وہی محل تھا رضا کا پس دونون کیفیتون کا محل ایک ہی ہوا مگر مختلف اعتبارات سے یعنی ایک کا محل طبعًا دوسرے کا عقلاً)۔

باغہا در مرگ و جا نکندن رسند	سال قحط از آفتاب خیرہ خند
باغ موت اور جانکنی مین پہونچ جاتے ہین	سال قحط مین آفتاب کے سبب جو کہ بیباکی سے خندہ کرتا ہے
چون سر بریان چہ خندان ماندۂ	ز امر حق وابکوا کثیرًا خواندۂ
سر بریان کیطرح کیا خندان رہ رہا ہے	امر حق سے تو نے وابکوا کثیرًا یعنی خوب روؤ پڑھا ہے
گر فرو باری تو ہمچون شمع دمع	روشنی خانہ باشی ہمچو شمع
اگر شمع کی طرح تو اشک برسانے لگے	تو شمع کی طرح روشنی خانہ بن جاوے
حافظ فرزند شد از ہر ضرر	آن ترش روئی مادر یا پدر
فرزند کی محافظ ہے ہر ضرر سے	وہ ترش روئی ماں یا باپ کی

ذوقِ خندہ دیدۂ اے خیرہ خند	ذوقِ گریہ بین کہ ہست آن کانِ قند
تو نے خندہ کا ذوق تو دیکھ لیا اے بیباک ہنسنے والے	گریہ کا ذوق بھی تو دیکھ لے کہ وہ کانِ قند ہے
چون جہنم گریہ آرد یادِ آن	پس جہنم خوشتر آید از جنان
جب جہنم کی یاد گریہ لاوے	تو جہنم جنت سے خوشتر ہوگی
خندہا در گریہا آمد کتیم	گنج در ویرانہا جو اے سلیم
گریوں میں خندے مکتوم ہیں	گنج کو ویرانہ میں تلاش کر اے سادہ دل
ذوق در غمہاست پے گم کردہ اند	آبِ حیوان را بہ ظلمت بردہ اند
غموں میں ذوق ہے قضا و قدر نے نشان گم کر دیا ہے	آبِ حیات کو ظلمت میں لے گئے ہیں

یہ مقولہ مولانا کا انتقال ہے بطور ترقی کے مضمون سابق سے اوپر تو تشبیہ چشم و دل بہ ابر و باغ سے رضا و خندہ کو دل کے ساتھ ترشروئی و گریہ چشم کے اجتماع کا امکان ہی بتلایا تھا یہان اس گریۂ ظاہری کا بعض اوقات نافع ہونا اور اس کے خلاف کا بعض اوقات مضر ہونا ایک مثال مین بتلاتے ہین یعنی دیکھو) سال قحط مین آفتاب کے سبب جو کہ بیباکی سے خندہ کرتا ہے (کیونکہ ابر نہ آنے کے سبب وہ ہر وقت خندان و درخشان رہتا ہے تو اوسکے سبب) باغ موت اور جانکنی (کی حالت) مین پہونچ جاتے ہین (تو دیکھو یہان خندہ مضر ہوا اور مقصود اس مثال سے ایضاح ہے نہ کہ استدلال و اثبات اور جب) امر حق سے تو نے و البکوا کثیرا یعنی خوب رو ؤ پڑھا ہے (یہ روایت بالمعنی ہے قرآن مجید مین فلیضحکوا قلیلا و لیبکوا کثیرا ہے تو پھر) سر بریان کی طرح تو کیا خندان رہ رہا ہے (سر بریان کا خندہ یہ ہے کہ اوسکے برشتہ کرنے کے وقت انقباض جلد کی وجہ سے دانت ظاہر ہو جاتے ہین یہ تو مقتضی سمعی بکا کی مطلوبیت کا تھا آگے اوس کا مقتضی عقلی اوسکے منافع کے بیان سے فرماتے ہین کہ) تو شمع کی طرح روشنی خانہ بن جاوے اگر شمع کی طرح تو اشک برسانے لگے (چنانچہ) وہ ترشروئی مان یا باپ کی فرزند کی محافظ ہے ہر ضرر سے (کیونکہ وہ سبب ہے فرزند کی تحذیر کا اور وہ تحذیر سبب ہے اوس کے حذر کا تو دیکھو ترشروئی مین یہ نفع ہوا اور لازم سے گذر کر متعدی ہوا اور خود اونکو بھی یہ نفع ہوا کہ اداے حق فرزند کا اجر ملا اور) تو نے خندہ کا ذوق تو دیکھ لیا اے بیباک ہنسنے والے (اب) گریہ کا ذوق بھی تو دیکھ لے کہ وہ کانِ قند (کی طرح باحلاوت) ہے (اور اصلاح فرزند کا نفع تو فی الدنیا تھا اس گریہ سے نفع فی الآخرۃ بھی حاصل ہوتا ہے سو اوس نفع کے اعتبار سے یہ کہا جاتا ہے کہ) جب جہنم کی یاد گریہ لاوے تو جہنم (باعتبار یاد کے) جنت سے خوشتر ہوگی (یعنی وہ جنت کی

یاد سے بہتر ہو گی اور گریہ ایسی چیز ہے کہ) گریون مین خندے مکتوم ہین (یعنی گریہ کا انجام اچھا ہے پس) گنج کو ویرانہ مین تلاش کر اے سادہ دل (اور) غمون مین ذوق (وسرور) ہے دمگر قضا وقدر نے (حکمت ابتلا کے لیے اوسکا) نشان گم کر دیا ہے (جس سے بدون تدبر و تفکر و نور بصیرت کے حقیقت تک ہر شخص نہین پہونچتا اور اسکی ایسی مثال ہے جس طرح) آب حیات کو ظلمت مین دے گئے ہین (کہ سرسری رہرو کو پتہ نہ لگے) ف حاصل مقام کا یہ ہے کہ بعض خندہ مضر اور بعض گریہ نافع ہے پس ہر وقت خندہ کا سامان مت جمع کر گریہ مین بھی مشغول رہا کر۔ اگر شبہہ ہو کہ جس مضمون کی تائید مین یہ اشعار ہین وہ بکا ہے رضا کے ساتھ تو اس بکا سے کیا فائدہ ہو سکتا ہے۔ بلکہ ظاہر تو یہ ہے کہ اگر رضاے قلب کے ساتھ ظاہری سرور بھی ہو تو یہ حالت اکمل ہے جواب یہ ہے کہ اکمل یہی ہے کہ مشاق ومصائب سے جیسا کہ قاضی کو پیش آیا طبعًا متاثر ہو چنانچہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی جب وفات ہوئی تو باوجود رضا وشکر قلبی کے آپ کے آنسو جاری ہوئے فرمایا العین تدمع والقلب یحزن او کما قال اور ظاہر ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کس کی حالت اکمل ہو سکتی ہے اور بعض اولیا سے جو ایسے وقت ضحک منقول ہوا ہے وہ اثر غلبۂ حال کا ہے جو کہ چندان کمال نہین اور راز اس مین یہ ہے کہ تاثر طبعی مین ظہور ہے عجز وافتقار اور ضعف وانکسار کا جو کہ اقرب الی العبدیت اور ابعد عن العجب وصورۃ الدعوے ہے جبکا توہم ضحک مین ہوتا ہے اور قرآن مجید مین جو ارشاد ہے فلیضحکوا قلیلا ولیبکوا کثیرا یہان طلب مراد نہین بلکہ مقصود اخبار عن الوقوع للکفار ہے جس کا قرینہ ہے جزاء بما کانوا یکسبون اور مولانا کے کلام سے متبادر ہوتا ہے اوس کا محمول کرنا معنی امر پر سو اوسکی توجیہ یہ ہو سکتی ہے کہ مقصود مولانا کا بھی اخبار عن الوقوع ہو اور معنے یہ ہون کہ جب تم نے قرآن مین یہ صیغۂ امر جو بمعنے خبر ہے پڑھا ہے اور یہ اون لوگون کے حق مین وعید ہے جو خندان بمعنے غافل ومستہزی بالدین ہین کما فی قولہ افمن ہذا الحدیث تعجبون وتضحکون ولا تبکون وانتم سامدون تو پھر تم کیون ایسے خندان ہوتے ہو بلکہ تمکو گریان ہونا چاہیے پس اس توجیہ پر گریہ کی طلب وابکوا یا ولیبکوا سے نہ ہو گی بلکہ جیہ خندان مانندہ سے ہو گی خوب سمجھ لو۔

تا نگردی نعل ازره تا رباط	چشمها را چار کن در احتیاط
تم نہ لگنے نعل ہین رستہ سے منزل تک	تو آنکھون کو چار کر احتیاط مین
چشمها را چار کن در اعتبار	یار کن با چشم خود دو چشم یار
آنکھون کو چار کر عبرت حاصل کرنے مین	اپنی آنکھ کے ساتھ رفیق بنالے یار کی دو آنکھ کو

اَمرُ هم شوریٰ بخوان اندر صحف امرہم شوریٰ پڑھے اجزاء قرآنیہ مین	یار را باش و مکن از ناز اُف یار کا ہوکر رہ اور ناز کے سبب تنگدلی کا کلمہ مت کہہ
یار باشد راه را پشت و پناه رفیق۔ طریق کا مددگار ہوتا ہے	چونکه نیکو بنگری یارست راه اگر تو خوب دیکھے تو رفیق خود طریق ہے

(اور پرخندہ کے گریہ مین مکتوم ہونے کے ساتھ پے گم کردہ اندین تبلایا تھا کہ ہر شخص کی نظر حقیقت تک پہونچنے کے لیے کافی نہین ان اشعار مین اوس نظر کے صحیح و حقیقت شناس ہونے کا طریق بتلاتے ہین کہ جب یہ بات ہے کہ) اولٹے نعل (دینے) ہین رستہ سے منزل (مقصود) تک (جس سے غیر مبصر کو منزل کا پتہ نہین لگتا جس طرح جو شخص بے پتہ ہونا چاہتا ہے جوتے مین اولٹے نعل لگا لیتا ہے تاکہ اگر یہ مشرق کو گیا ہو تو اہل سُراغ مغرب مین تلاش کرین پس ایسی حالت مین حقیقت کا پتہ چلانے کے لیے) تو آنکھون کو چار کر احتیاط مین (یعنی) آنکھون کو چار کر عبرت (اور استدلال صحیح) حاصل کرنے مین (یس اعتبار تفسیر ہوگئی احتیاط کی اور یہ حرف دراصل ہے جیسا اس حدیث مین فی ہے عذبت فی ہرۃ ای لاجل ہرۃ آگے تفسیر ہے چار کن کی یعنی مطلب چار کن کا یہ ہے کہ) اپنی آنکھ کے ساتھ رفیق بنالے یار (طریق یعنی مرشد) کی (دو آنکھون کو اپنی دو اور دو ملکر چار ہوگئین مطلب یہ کہ اپنی رائے پر مت چل مرشد کا اتباع اختیار کر کہ اوسکی بصیرت سے تیری بصیرت مستفید ہوکر حقیقت شناسی کے لیے کافی ہوجاویگی اور نفع و ضرر حقیقی کا ادراک کرنے لگے گی اور صورت نفع و صورت ضرر سے دھوکا نہ کھاویگی آگے اس چار کن کی تائید ہے کہ) امرہم شوریٰ پڑھے اجزاء قرآنیہ مین (کہ اوس کا حاصل بھی یہی ضم الرائے الکامل الی غیر الکامل ہے پس) یار کا ہوکر رہ اور ناز (اور دعوی استغنا) کے سبب تنگدلی کا کلمہ مت کہہ (یعنی اوس سے نفرت اور وحشت مت کر کیونکہ) رفیق (مذکور) طریق (سلوک) کا مددگار ہوتا ہے اگر تو خوب (غور کرکے) دیکھے تو رفیق خود طریق ہے (اسمین مبالغہ ہے یعنی رفیق کی ایسی شرط اعظم ہے گویا خود طریق ہے جیسا حدیث مین ہے الحج عرفۃ یا کسی نے سوال کیا ما الحج آپ نے فرمایا العج والثج مولانا نے اسی مضمون کو دفتر اول مین اس سے زیادہ صریح فرمایا ہے ۔ بر نویس حوال پیر راہ دان + پیر را بگزین و عین راہ دان + شراح نے اوس کی وجہ مین لکھا ہے در مشرب مولانا صحبت پیر از ذکر و فکر برتر ست اھ اور اوس سے دوسرے اجزاء طریق کی نفی مقصود نہین ہے)۔

چونکه در یاران رسی خامش نشین جب تو یارون مین پہونچ جاوے تو خاموش بیٹھا رہ	اندران حلقه مکن خود را نگین اوس حلقہ مین اپنے کو نگین مت بنا

در نماز جمعه بنگر خوش بہوش
نماز جمعہ مین اچھی طرح ہوش کے ساتھ دیکھ لے
جملہ جمعند و یک اندیش و خموش
کہ سب جمع ہین اور ایک خیال ہین اور خاموش ہین

رختہا را سوے خاموشی کشان
اسباب کو خاموشی کی طرف کھینچ لے جا
چون نشان جوئی مکن خود را نشان
اگر تو نشان تلاش کرتا ہے تو اپنے کو نشان مت کر

گفت پیغمبر که در بحر ہموم
پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ بحر ہموم مین
در دلالت دان تو یاران را نجوم
رہنمائی کے باب مین تو یارون کو نجوم جان

چشم در استارگان نہ رہ بجوے
آنکھ کو ستارون مین جمائے رکھ راہ تلاش کر
نطق تشویش نظر باشد مگوے
کلام کرنا سبب تشویش نظر ہوتا ہے کلام مت کر

(اور ترغیب تھی اتخاذ رفیق کی یہان بعض آداب رفقا کی تعلیم ہے یعنی) جب تو (ایسے) رفقا مین پہونچ جاوے تو خاموش بیٹھا رہ (اور) اوس حلقہ مین اپنے کو (مثل) نگین (کے صدر) مت بنا (جیسا انگشتری کے حلقہ مین نگین کا صدر ہونا ظاہر ہے کیونکہ اگر وہان بولے گا تو اونکی کب سُنے گا اور ضرورت سُننے کی زیادہ ہے کہ اوس سے حقیقت منکشف ہو آگے اس خاموشی کی تائید ہے کہ) نماز جمعہ مین اچھی طرح ہوش کے ساتھ دیکھ لے کہ سب جمع ہین اور ایک خیال ہین اور (پھر) خاموش ہین (جمعہ کے دو جزو ہین ایک نماز اوس مین تو خاموشی شرط صحت صلوٰۃ ہی ہے دوسرا خطبہ کہ اوس مین شرط صحت تو نہین مگر شرط اجر و احتراز عن الاثم ہے یہان یہی مراد لینا مناسب ہے یعنی باوجودیکہ بدون خاموشی کے بھی نفس خطبہ ادا ہو جاتا اور نطق کے مقتضی بھی موجود ہین جماعت کا کثیر ہونا اور پھر سب کا متفق الخیال ہونا کہ ایسی حالت مین خواہ مخواہ بھی جی چاہتا ہے کہ بولین مگر پھر بھی بایجاب شریعت سب خاموش ہین اور صرف ایک خطیب کلام کر رہا ہے اس حکم شرعی سے معلوم ہوا کہ نفع کا طریقہ یہی ہے کہ شیخ کے سامنے سب خاموش رہ کر اوس کا کلام سنین اسی طرح تو بھی) اسباب کو خاموشی کی طرف کھینچ لیجا (یعنی مقام خاموشی مین فروکش ہو) اگر تو (حقیقت کا) نشان تلاش کرتا ہے تو اپنے کو (مثل) نشان (کے مشہور و ممتاز) مت کر (آگے دوسری تائید ہے کہ) پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ بحر ہموم (و افکار دین) مین رہنمائی کے باب مین تو (میرے) یارون کو نجوم جان (اشارہ ہے اس حدیث کی طرف اصحابی کالنجوم جب یہ ستارے ہین تو) آنکھ کو ستارون مین جمائے رکھ (اور) راہ تلاش کر (اور چونکہ) کلام کرنا سبب تشویش نظر ہوتا ہے (اس لیے) کلام مت کر (چنانچہ مشاہد ہے کہ بولنے مین جب مشغولی ہو جاوے تو پھر نظر کی چیز سے استدلال نہین ہو سکتا خیال پریشان ہو جاتا ہے پس نجوم سے راہ پر استدلال کرنا موقوف ہوا سکوت پر اور اصحاب نجوم ہین تو

اون سے جب اقتداء مطلوب ہوا ون کے سامنے سکوت کرا اور اصحاب پر دوسرے بادیون کو قیاس کرکے یہی حکم اون کے لیے ثابت ہوگا اور یہی مطلوب ہے مقام مین)

گر دو حرفِ صدق گوئی اے فلان
اگر تو دو باتین صدق کی کہے اے فلانے

گفتِ تیرہ در تبع گردد روان
تو کلام تیرہ تعاقب مین جاری ہوجاتا ہے

این نخواندی کالکلام اے مستهام
تونے یہ نہین پڑھا اے مردِ حیران کہ کلام

فی شجون جرّہ جر الکلام
مختلف شعبون مین واقع ہوجاتا ہے اوسکو کھینچ لاتا ہے کلام کا کھینچے چلا آنا

ہین مشو شارع دران حرفِ رشد
ہان تو اوس مضمون ہدایت ہی مین شروع کرنے والا مت بن

چون سخن بیشک سخن را می کشد
جبکہ ایک کلام دوسرے کلام کو لے آتا ہے

درپیچ

نیست در ضبطت چو بکشادی دہان
تیرے قابو مین نہین ہے جب تونے منھ کھول دیا

از پئے صافی شود تیرہ روان
صاف بات کے پیچھے تیرہ بھی روان ہوجاتی ہے

آنکہ معصوم رہِ وحیِ خداست
جو کہ راہ وحی الٰہی کا معصوم ہے

چون ہمہ صاف ست بکشاید رواست
چونکہ وہ بالکل صاف ہے اگر وہ منھ کھولے روا ہے

زانکہ ما ینطق رسولٌ بالہوے
کیونکہ کوئی رسول ہوائے نفس سے نطق نہین کرتے

کے ہوا زاید ز معصوم خدا
معصوم خدا سے ہوائے نفسانی کب پیدا ہوتی ہے

خویشتن را ساز منطیقے زحال
تو اپنے کو حال سے کثیر النطق بنا

تا نگردی ہمچو من سخرہ مقال
تاکہ میری طرح تو بھی مغلوب المقال نہ ہوجائے

شجن فی المنتخب بالفتح الی قولہ وشاخ درہم شدہ بشاخ دیگر وشعبہ وشاخ از ہر چیز و شجون جمع وفی المثل الحدیث ذو شجون یعنی خدا وندشاخہا و راہ ہاست الخ اوپر ترغیب تھی سکوت عند الشیخ کی ان اشعار مین ترغیب ہے سکوت فی اکثر الاحوال کی یعنی غیر کامل کا تکلم اکثر اوقات مضر ہوجاتا ہے اگرچہ بالخیر ہی ہو جبکہ وہ خیر غیر ضروری ہو باقی ضروری بدلیل مستثنیٰ ہے یعنی تکلم اکثر اس لیے مضر ہے کہ) اگر تو دو باتین صدق کی کہے اے فلانے تو (اکثر) کلام تیرہ (اوسکے تعاقب مین جاری ہوجاتا ہے (اور یہ بالکل مشاہد ہے آگے ایک قول مشہور سے اوسکی تائید کرتے ہین کہ) تونے (مثل مشہور مین) یہ نہین پڑھا اے مرد حیران کہ کلام مختلف شعبون مین واقع ہوجاتا ہے (اور اس لیے) اوس (کے بعض) کو کھینچ لاتا ہے (دوسرے بعض) کلام کا کھینچے چلے آنا (یعنی کلام کا ایک شعبہ ممتد ہوکر دوسرے شعبہ مین واقع کردیتا ہے مولانا نے اس شعر مین دو مثلون کو جمع فرما دیا ہے ایک وہ جو منتخب سے نقل کی گئی ہے الحدیث ذو شجون دوسری جو بعض حواشی مین ہے الکلام یجر الکلام اور ترکیب اس عبارت عربیہ کی جو اس شعر مین

واقع ہوئی ہین کہ دو ہوسکتی ہین ایک یہ کہ الکلام واقع فی المصرعۃ الاولیٰ مبتدا ہوا ور فی شجون خبر ہو یعنی الکلام یجری فی شجونٍ مختلفۃ ایک جملہ اسمیہ تو یہ ہوا۱- ور آگے دوسرا جملہ فعلیہ ہے یعنی تجرّہ مین فعل اور مفعول ہے اور اس ضمیر مفعول کا مرجع کلام مذکور فی المصرع الاول ہے بطور استخدام کے یعنی مراد وہ کلام ہے جو کلام سابق سے پیدا ہو کر ترتیب تکلم مین متاخر ہے اور فاعل اس فعل کا جرّ الکلام باضافۃ الجرالی الکلام ہے اور یہ مضاف الیہ وہ کلام ہے جو سبب ہوگیا اوس کلام متاخر کے پیدا ہونے کا اور ترتیب تکلم مین متقدم ہے اور احقر کا ترجمہ اسی ترکیب پر مبنی ہے۔ اور دوسری ترکیب یہ ہوسکتی ہے کہ تجرّہ جرّ الکلام جملہ فعلیہ خبر ہوا الکلام مبتدا کی اور فی شجون حال ہو فاعل یعنی جرّ الکلام سے جو بضرورت شعر مقدم ہوگیا یعنی الکلام المتاخر المسبب جرہ جر الکلام المتقدم السبب حال کون ہذا الجر الفاعل موقعًا فی شجونٍ حاصل ترجمہ اس کا یہ ہوگا کہ جو کلام پہلے کلام سے پیدا ہوگیا اُسکو پہلے کلام کا ممتد کرنا وجود مین لے آیا کیونکہ اس ممتد نے مختلف شعبون مین واقع کر دیا تو اس ترکیب پر یہ سب ایک جملہ ہو کر صرف مثل ثانی کی طرف اشارہ ہوگا البتہ اگر صرف مفرد کو اشارہ کے لیے کافی کہا جاوے گا تو فی شجونٍ مین مثلِ اول کی طرف بھی اشارہ مانا جا سکتا ہے۔ آگے اسی کا حاصل بیان فرماتے ہین کہ) ہان تو اوس مضمون ہدایت ہی مین شروع کرنے والا مت بن۔ جبکہ ایک کلام دوسرے کلام کو لے آتا ہے (اور وجہ اوسکی یہ ہے کہ وہ بات) تیرے قابو مین نہین (رہتی) ہے جب تو نے منھ کھول دیا (اس وجہ سے) صاف (بات) کے پیچھے تیرہ بھی روان ہو جاتی ہے (جسطرح کسی بوتل مین کوئی شربت وغیرہ ہو جسکے اجزا رکدرہ نیچے بیٹھ گئے ہون تو اوس کے اولٹا کرنے سے اول صاف پھر تیرہ نکلے ہی گا البتہ) جو (ذاتِ پاک) کہ راہ وحی الٰہی کا معصوم ہے چونکہ وہ بالکل صاف ہے (اگرچہ) کھولے روا ہے۔ کیونکہ کوئی رسول ہولے نفس سے نطق نہین کرتے (اور بھلا) معصوم خدا سے ہوائے نفسانی کب پیدا ہوتی ہے (پس انکی مثال ایسی ہوگی جیسے ایک شربت کو ایسا لطیف کر دیا ہو جسمین کوئی جزو کدر نہین رہا تو وہ سارا اولٹ دینے سے بھی صاف ہی نکلے گا اور اصل مین تو یہ حالت انبیاء و رسل کی ہے کہ معصوم ہین لیکن اگر حق تعالیٰ اونکا پورا اتباع کسی کو نصیب فرماوے تو تبعًا اونکی بھی اسی کی مشابہ شان ہو جاتی ہے اس کا آگے ذکر فرماتے ہین کہ) تو اپنے کو حال سے کثیر النطق بنا (بدون حال کے مت بنا) تاکہ میری طرح تو بھی مغلوب المقال نہ ہو جاوے (یعنی جیسا مین بفضلہ تعالیٰ مقال و کلام سے مغلوب نہین ہوتا بلکہ غالب و قادر علی اللسان ہون اسی طرح اگر تو حالِ صادق کامل پیدا کرلیگا تو تو بھی قادر ہو جاوے گا پھر کثرتِ نطق مضر نہ ہوگا

اور یہان حال بمقابلہ مقام کے نہین کہ شبہہ ہو کہ صاحب حال تو مغلوب ہوتا ہے بلکہ حال بمقابلہ قال کے ہے یعنی قال سے گذر کر کمال باطنی پیدا کر تو پھر سراسر نافع بات ہی کا تکلم کریگا یا اگر حال سے مراد وہی معنئ اول ہون تو اوس شبہہ کا جواب یہ ہے کہ صاحب حال اگر مغلوب ہوتا ہے تو کلام حق ہی کا ہوتا ہے گو وہ غامض ہونے کے سبب قابل اظہار نہ ہو کلام باطل کا تو اہل نفس کی طرح مغلوب نہین ہوتا) ف ما ینطق عن الھوی سے اجتہاد کی نفی پر دلالت نہ سمجھی جاوے کیونکہ آپ کے اجتہاد کا منشا و مبنیٰ بھی تو ہواے نفس نہین وحی الٰہی ہی ہے کما قیل القیاس مظہر لا مثبت اگرچہ طریق استنباط مین کچھ فروگذاشت ہو جاوے مگر وہ پھر بھی منسوب الی الوحی ہوگی اور اوسپر اجر بھی ملے گا۔

سوال کردن صوفی از قاضی

گفت صوفی چون ز یک کان ست زر
صوفی نے کہا کہ جب ایک ہی معدن سے زر ہے
این چرا نفع ست و آن دیگر ضرر
یہ کس لیے نافع ہے اور وہ دوسری مضر ہے

چونکہ این جملہ ز یک دست آمدست
جب کہ یہ تمام تر ایک ہی دست سے حاصل ہوئی ہی
این چرا ہشیار و آن مست آمدست
تو یہ ہوشیار اور وہ مست کس لیے ہے

چون ز یک دریاست این جوہا روان
جب ایک ہی دریا سے یہ سب نہرین جاری ہین
این چرا زہرست و آن نوشِ روان
تو یہ زہر اور وہ نوش جان کس لیے ہے

چون ہمہ انوار از شمسِ بقاست
جب سب انوار شمسِ بقا سے ہین
صبحِ صادق صبحِ کاذب از چہ خاست
تو صبح صادق و صبح کاذب کس چیز سے پیدا ہوئین

چون ز یک سرمہ است ناظر را کحل
جب ایک ہی سُرمہ سے بیناظرین کی سرمگینی ہی
از چہ آمد راست بینی و حول
تو کس سبب سے راست بینی اور کج بینی حاصل ہوئی

چونکہ دار الضرب را سلطان خداست
جب کہ دار الضرب کا سلطان خدا تعالیٰ ہے
نقد را چون ضرب خوب و ناروا ست
تو نقد کا ٹھپا خوب اور کاسد کیون ہے

چون خدا فرمود رہ را راہِ من
جب خدا تعالیٰ نے راہِ دین کو راہِ من فرمایا ہی
این خفیر از چیست و آن یک راہزن
تو یہ ایک رہبر اور وہ ایک راہزن کس سبب سے ہے

از یک اشکم چون رسد حبر و سفیہ
ایک ہی شکم سی عالم اور جاہل کیون پیدا ہوتے ہین
چون یقین شد الولد سر ابیہ
جب کہ یہ یقینی ہے کہ الولد سر لابیہ

وحدتے کہ دید با چندین ہزار		صد ہزاران جنبش از عین قرار
وحدت کس نے دیکھی ہے اتنے ہزار کے ساتھ		لاکھوں حرکتیں عین قرار سے

ف قبل حل اشعار کے مقام کا حاصل لکھدینا مناسب ہے کہ حل اشعار میں معین ہوگا اس مقام مولانا کو صوفی اور قاضی کی زبان سے بعض اسرار تکوینیہ کی تحقیق کرنا مقصود ہے بمناسبت شعر اول سرخی بالا کے یعنی سے گفت قاضی واجب آمد مان رضا + ہر وفا و ہر جفا کآرد قضا + اور یہ تحقیق یہاں سے تیرھوین چودھوین سرخی حکایت زن و شوہر کے قریب تک ممتد ہوئی ہے اس شعر تک سے من ہمی دانم کہ تو پاکی نہ خام + وین سوالت ہست از بہر عوام اور اس مین صوفی و قاضی کے درمیان مین تین بار سوال و جواب واقع ہوا ہے حاصل صوفی کے سوال اول کا استبعاد و امتناع عادی ہے صدور اضداد کا واحد بسیط سے دبلفظ دیگر صدور متغیر و متضاد کا غیر متغیر و غیر متضاد سے اور حاصل جواب قاضی کا دفع ہے اس استبعاد کا اور حاصل صوفی کے سوال ثانی کا امکان عادی کو تسلیم کرکے اس ممکن یعنی خلق اضداد کے وقوع کی حکمت پوچھنا ہے اور یہ کہ مقتضائے رحمت صدور رتھا صرف خلق راحت و لذت کا بدون ان کے اضداد کے اور حاصل جواب قاضی کا بیان کرنا ہے بعض مضار لذات محضہ کا اور حاصل صوفی کے سوال ثالث کا بیان ہے قدرت حق کا اون مضار کے مرتب نہ ہونے دینے پر اور حاصل جواب قاضی کا انعدام ہے ابتلا رکا اُس صورت مین جو کہ موقوف ہے کمال واجر کا اور چونکہ کمال واجر مطلوب ہے اور اس کا توقف بھی ابتلا ر پر باقتضاے خصوصیت استعداد مکلف ظاہر ہے اس لیے اس حکمت کے معلوم ہونے پر طبائع سلیمہ کو سکون ہو جاتا ہے اور باوجودیکہ اہل شغب کو ہنوز اس سوال کی اور گنجایش ہے کہ خود یہ ابتلاء یا اجر و کمال ہی ضروری نہین ہے یا یہ توقف ہی واجب نہین یا یہ کہ مکلف کی استعداد کی یہ خصوصیت بھی لازم نہین لیکن طالب تحقیق کو چونکہ مشاغبہ مقصود نہین اس لیے اس جواب پر سوالات منقطع ہوگئے اب اشعار کو حل کیا جاتا ہے بتوفیق اللہ تعالی (قولہ گفت صوفی آخ کحل بفتحتین سرگین شدن چشم حَوَل بفتحتین احول شدن کذا فی المنتخب۔ خفیر رہبر جسر عالم ملتجر۔ نقد فی الغیاث سیم و زر مسکوک۔ اوپر سے شعر گفت قاضی الخ مین وفا و جفا کا منسوب الی القضار ہونا مذکور رہا ہے اوس پر) صوفی نے (بطور سوال کے) کہا کہ جب ایک ہی معدن سے زر (آتا) ہے (یعنی سب مخلوق ایک ہی حکم سے پیدا ہوتی ہے جیسے ایک معدن سے سونا نکلتا ہو تو پھر) یہ (مخلوق) کس لیے نافع ہے اور وہ دوسری مضر ہے (جیسے ایک معدن سے جو سونا نکلتا ہے اصل یہی ہے کہ متماثل و متشابہ ہو اسی طرح یہان بھی سب مکونات متماثل و متشابہ ہوتے یہ مستبعد معلوم ہوتا ہے کہ ایک نافع ہو گیا ایک مضر ایک وفا ہو گیا ایک جفا

یہ اضداد و تغیرات و تضادات واحد حقیقی غیر متغیر و غیر متضاد کے حکم سے کیسے صادر ہوئے اور بعض نسخون مین شعر اول سرخی بالا مین مصرعۂ ثانیہ اس طرح ہے ہر وفا و ہر جفا کارد و تضاد جس مین صرف ضر ہی کا منسوب الی القضاء ہونا مذکور ہے اوس نسخہ کی دلالت وفا پر بطور دلالت ضد علی ضد آخر کی ہو جاویگی کما فی قولہ تعالیٰ وجعل لکم سرابیل تقیکم الحر ای والبرد وکما فی قولہ تعالیٰ بیدک الخیر ای والشر تو پھر بھی یہ سوال متوجہ ہو جاوے گا کہ واحد غیر متغیر و غیر متضاد سے کثیر متغیر و متضاد کیونکر ظاہر ہوئی آگے بھی یہی سوال مختلف عنوانات سے ہے یعنی) جبکہ یہ تمامتر (مخلوق) ایک ہی دست (قدرت) سے حاصل ہوئی ہے۔ تو یہ (ایک شخص) ہشیار اور وہ (دوسرا) مست کس لیے ہے (سب یکسان ہی ہوتے اور) جب ایک ہی دریا سے یہ سب نہرین جاری ہین۔ تو یہ (ایک) زہر (یعنی تلخ) اور وہ (دوسری) نوش جان (یعنی شیرین) کس لیے ہے (سب یکسان ہوتین یہ مثال ہے وجود واجب و ممکن کی نہ کہ مثل من کل الوجوہ اور) جب سب انوار شمس لقا سے ہین۔ تو صبح صادق اور صبح کاذب کس چیز سے پیدا ہوئین (دونون صبح یکسان ہوتین لقا بمعنے باقی صفت شمس کہ مثال حق است اور) جب ایک ہی سرمہ سے سب ناظرین کی سرمہ گینی ہے۔ تو کس سبب سے راست بینی اور کج بینی حاصل ہوئی (سب ایک ہی صفت کے ہوتے اور) جب کہ دار الضرب (یعنی ٹکسال) کا سلطان (وحاکم منتظم) خدا تعالیٰ ہے تو (پھر) نقد (یعنی چاندی سونے) کا ٹھپا خوب اور کاسد (دو طرح کا) کیون ہے (سب ایک ہی قسم کا ہوتا ایسا منتظم کاسد کو دار الضرب مین کیون داخل کرتا ہے اور) جب خدا تعالیٰ نے راہ دین کو راہ من فرمایا ہے (یعنی اپنی طرف منسوب فرمایا ہے قال تعالیٰ فمن تبع ہدای الآیۃ وقال تعالیٰ والذین جاہدوا فینا لنہدینہم سبلنا الآیۃ) تو (پھر) یہ (ایک شخص) رہبر اور وہ ایک راہزن کس سبب سے ہے (بلکہ سب اشخاص اوس راہ دین کی طرف ہادی ہی ہوتے ایک تو مقتضیٰ مذکور بالا کے سبب کہ واحد حقیقی نے سب کو پیدا کیا ہے دوسرے اس وجہ سے بھی کہ راہ دین منسوب الی الحق ہے تو اوس مین تصرف رہزن کا اور بھی بعید ہے اور اس وجہ کو اصل سوال مین دخل نہین محض مزید تائید کے لیے اسکو لایا گیا اور اس کا جواب بالکل اخیر کے جواب سے نکل سکتا ہے یعنی ابتلاء کے لیے ایسا کیا گیا کہ رہزن کو اختیار دیا اور اوسکی اتباع و مخالفت مین بھی مکلف کو مختار رکھا تو اوس کا منسوب الی الحق ہونا اس تصرف کے منافی نہین کیونکہ نسبت باین معنے نہین کہ اوس مین کسیکو تصرف نہین کرنے دیتے بلکہ باین معنے ہے کہ وہ واصل من الحق اور موصل الی الحق ہے اور) ایک ہی شکم سے عالم اور جاہل کیون پیدا ہوتے ہین جبکہ یہ یقینی ہے کہ الولد سر لابیہ (یعنی اولاد اپنے والد کا راز خفی ہوتا ہے جو اوس مین پہلے راز کی طرح خفی تھا اور تولد سے اوس کا ظہور ہو گیا گویا باپ کا راز ظاہر ہو گیا کہ اولاد کو

اور اوس کے اوصاف کو دیکھکر یہ سمجھا جاتا ہے کہ باپ کے اوصاف ایسے ہی ہین جو بواسطہ اولاد کے ظاہر ہوگئے گو باپ کو نہ بھی دیکھا ہو مطلب یہ ہے کہ جیسے اسکا مقتضیٰ یہ ہے کہ ایک شخص کی اولاد یکسان ہو اسی طرح صادر بحکم الواحد الحقیقی بھی مختلف نہ ہوتا اور) وحدت (مبدأ) کی کس نے دیکھی ہے اتنے ہزار (آثار مختلفہ) کے ساتھ (یعنی کہین ایسا نہین دیکھا کہ مبدأ واحد ہوا ور آثار اتنے مختلف اسلیے تعجب ہے کہ کیون واحد حقیقی کے کائنات اسقدر مختلف ہوگئی پس مقصود تعجب ہے وحدت یقینیہ کو ساتھ اختلاف کائنات کے اجتماع پر اور اس اختلاف سے وحدت کی نفی یا استدلال مقصود نہین نعوذ باللہ منہ اور) لاکھون حرکتین عین قرار سے (کس نے دیکھی ہین یعنی یہ بھی عجیب ہے کہ مصدر مین قرار ہو اور صادر مین حرکات مختلفہ یہ بھی مثال ہے مثل اشارہ سابقہ کے) ف اور حاصل سوال کا جیسا کہ اوپر ذکر کرچکا ہون یہ ہے کہ عادۃً اس مین امتناع یعنی استبعاد ہے کہ خالق جبین کوئی حیثیت بھی اختلاف کی نہین اوس کی مخلوقات مین ایسا عظیم اختلاف ہو باوجودیکہ مؤثر اور متأثر مین اور جاعل اور مجعول مین اور مصدر اور صادر مین اور علت و معلول مین اصل اور ظاہر یہی ہے کہ مناسبت ہونا چاہیے)

جواب گفتن آن قاضی صوفی را

گفت قاضی صوفیا خیرہ مشو	یک مثالے در بیانِ این بشنو
قاضی نے کہا کہ اے صوفی تو حیران مت ہو	اِس کے بیان مین ایک داستان سُن لے
این ببین و حالِ این را نیک دان	ورنہ بینی حال را نیکو بخوان
اِس کو دیکھ لے اور اِس کے حال کو اچھی طرح جان لے	اور اگر نہ دیکھے تو حال کو اچھی طرح پڑھ لے
ہمچنانکہ بیقراری عاشقان	حاصل آمد از قرارِ دلستان
جس طرح سے عاشقون کی بیقراری	حاصل ہوگئی قرار معشوق سے
او چو کُہ در نازثابت آمدہ	عاشقان چون برگہا لرزان شدہ
وہ تو مثل کوہ کے ناز مین ثابت رہا ہوا ہے	عشاق مثل پتّون کے لرزان ہو رہے ہین
خندۂ او گریہا انگیختہ	آبرویش آبروہا ریختہ
اُسکے خندہ نے بہت سے گریے پیدا کر رکھے ہین	اوس کی آبرو نے بہت سی آبروئین برباد کردی ہین

(تطبیق و تحقیق جواب از مولانا رح)

اینهمه چون و چگونه چون زبد
یہ تمام چون و چگونہ مثل کفِ دریا کے
ضد و ندش نیست در ذات و عمل
اسکا نہ کوئی ضد ہے اور نہ کوئی ند ہے نہ ذات مین اور نہ افعال مین
ضد ضد را بود و هستی کے دهد
ایک ضد دوسری ضد کو وجود اور ہستی کب دیتا ہے
ند چه بود مثل مثل نیک و بد
ند کیا چیز ہے وہ مثل ہے خواہ کسی نیک کی مثل ہو یا بد کی مثل ہو
چونکه دو مثل آمدند اے متقی
جب دو چیزین مثل ہین اے متقی
بر شمار برگ بستان ضد و ند
حسب تعداد برگہای باغ کے اضداد و انداد
بیچگونه بین تو بردمات بحر
تو دریا کے بردمات کو بے چگون دیکھ لے
کمترین لعبت او جان تست
اسکا ایک ادنی سا کھلونا تیری روح ہے
پس چنان بحرے که در هر قطره زان
پس جو ایسا دریا ہو کہ اسکے ہر ہر قطرہ مین
کے بگنجد در مضیق چند و چون
وہ تنگنای چند و چون مین کب سماوے گا
عقل گوید مر جسد را کاے جماد
عقل کہتی ہے جسد سے کہ اے جماد
جسم گوید من یقین سایه تو ام
جسم کہتا ہے مین یقیناً تیرا ظل ہون
عقل گوید کاین نه آن حیرت سرا است
عقل کہتی ہے کہ یہ ایسی حیرت سرا نہین ہے

بر سر دریاے بیچون می طپد
دریای بیچون کی سطح پر حرکت کر رہے ہین
زان بپوشیدند هستی ها حلل
اس سبب سے موجودات نے حلے پہن رکھے ہین
بلکه زو بگریزد و بیرون جهد
بلکہ اس سے بھاگتا ہے اور باہر نکل جاتا ہے
مثل مثل خویشتن را کے کند
ایک مثل اپنی دوسری مثل کی جاعل کب ہو گی
این چه اولی تر ازان در خالقی
تو یہ ایک اس دوسری سے اولی کیون ہو خالقیت مین
چون کفے بر بحر بے ندست و ضد
کفِ دریا کی طرح دریاے بے ند و بے ضد پر جاری ہین
چون چگونه گنجد اندر ذات بحر
تو ذاتِ بحر مین چگون کیا گنجایش رکھے گا
این چگونه و چون جان کے شد درست
یہ چون و چگون روح کا کب جائز ہے
زین بدن ناسخ تر آمد عقل و جان
اس بدن سے زیادہ پیدا ہونیوالی عقول و ارواح ہین
عقل کل آنجاست از لا یعلمون
اس جگہ تو عقل کل بھی لا یعلمون والون سے ہے
بوے بردی هیچ ازان بحر معاد
تو نے کچھ پتہ لگایا ہے اوس بحر معاد کا
یاری از سایه که جوید جان عم
ظل سے کون مدد طلب کیا کرتا ہے اے جانِ عم
که سزا گستاخ تر از ناسزا ست
کہ جیسین قابل۔ ناقابل سے زیادہ دلیر ہو

اندرینجا آفتاب انوری — خدمت ذرہ کند چون چاکری
اس جگہ آفتاب انوری — خدمت ذرہ کی کرتا ہے مثل چاکری کے

شیر این سو پیش آہو سر نہد — باز اینجا پیش تیہو پر نہد
شیر اس طرف آہو کے سامنے سر جھکا دیتا ہے — باز اس جگہ تیہو کے سامنے بازو پست کر دیتا ہے

این ترا باور نیاید مصطفیٰ — چون ز مسکینان ہمی جوید دعا
تجکو اسکا یقین نہین آتا کہ مصطفیٰ صلے اللہ علیہ وسلم — مساکین سے کس طرح دعا چاہتے ہین

گر بگوئی از پئے تعلیم بود — عین تجہیل از چہ رو تفہیم بود
اگر تو یون کہے کہ یہ تعلیم کے لیے تھا — تو عین جہل مین واقع کرنا ہو اکس طرح پر یہ تفہیم ہوئی

بلکہ میداند کہ گنج بے شمار — در خرابیہا نہد آن شہریار
بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جانتے ہین کہ گنج بے شمار — ویرانون مین رکھا کرتا ہے وہ شہریار

بدگمانی نعل معکوس ویست — گرچہ ہر جزوے ویش جاسوس ویست
بدگمانی اس ویرانہ کی نعل معکوس ہے — اگر چہ اس ویرانہ کا ہر جز اس گنج کا جاسوس ہے

بل حقیقت در حقیقت غرقہ شد — زین سبب ہفتاد بل صد فرقہ شد
بلکہ حقیقت فی الحقیقۃ غرق ہو گئی — اس سبب سے ستر بلکہ صدہا فرقے ہو گئے

قاضی نے (جواب مین) کہا کہ اے صوفی تو (اسمین) حیران (و متعجب) مت ہو (اور استبعاد مت کر کہ ذات غیر متغیر و غیر متضاد مبدأ تغیرات و متضادات کا کیسے ہو گئی اور) اس کے بیان مین ایک مثال سن لے (کہ استبعاد دفع ہو جاوے کہ مثال سے ممثل اقرب الی الذہن ہو جاتا ہے پس) اس (مثال) کو (حواس سے) دیکھ لے اور اس (مثال) کے حال کو اچھی طرح (عقل سے) جان لے۔ اور اگر (اتفاق سے مثال کو نہ دیکھے تو (اوس کے) حال (ہی) کو اچھی طرح (میرے کلام مین) پڑھ لے (یعنی پڑھ کر اوس حال کو سمجھ لے اور اچھی طرح پڑھنے کا یہی مطلب ہے تو اوس کے سمجھنے سے ممثل مین استبعاد جاتا رہیگا اور یہ مطلب نہین کہ اس صورت مین دیکھنے کو دخل نہ ہوگا کیونکہ جو چیز دیکھنے کی ہے عقل محض تو اوس کے ادراک کے لیے کافی نہین بلکہ مطلب یہ ہے کہ نیکو خواندن یعنی بغور خواندن سے وہ دیکھی ہوئی چیز یاد آجاویگی پھر اوس دیکھنے کے توسط سے عقل استدلال کریگی پس نہ بینی کے معنے یہ ہین کہ فی الحال و مکرر نہ بینی آگے وہ مثال ہے کہ دیکھو) جسطرح سے عاشقونکی بیقراری حاصل ہو گئی قرار معشوق سے (اور) وہ (معشوق) تو مثل کوہ کے ناز مین ثابت رہا ہوا ہے (اور) عشاق مثل تیون کے لرزان ہو رہے ہین (اور) اوس (معشوق) کے خندہ نے (عشاق کے بہت سے گریے پیدا کر رکھے ہین (اور) اوس (معشوق) کی آبرو نے بہت سی آبروئین برباد کر دی ہین

(پس قرار مبدأ ہوگیا بے قراری کا اور ثبات مبدأ ہوگیا لرزہ کا اور خندہ مبدأ ہوگیا گریہ کا اور آبرو مبدأ ہوگیا بے آبروئی کا اور یہ مبادی صفات و افعال ہین معشوق کے اور ظاہر ہے کہ محبوب کے ہر فعل کو عاشق کے عشق اور اوس کے آثار مین دخل ہے پس جس طرح اس مثال مین مبادی اور آثار مین تقابل ہے خصوص قرار و ثبات کہ عدم تغیر کی فرد ہین پھر وہ سبب بن گئے بیقراری و لرزہ کے کہ تغیر کی فرد ہین اسیطرح) یہ تمام چون وچگون (یعنی کیفیات اور مراد عام ہے کیفیات و ذی کیفیات کو یعنی سب ممکنات) مثل کف دریا کے دریاے بیچون کی سطح پر حرکت کرتے ہین (دریا سے تشبیہ دی ذات واجب کو اور بیچون ہونا اوسکا ظاہر ہے اگر چون اور کیف سے مراد کیف اصطلاحی ہے تب تو اس لیے کہ یہ مقولہ قسم ہے عرض کی اور عرض قسم ہے ممکن کی اور وہ امکان سے منزہ ہے اور اگر کیف سے مراد لغوی ہے یعنی مطلق صفت تو بیچون سے مراد غیر ثابت الوصف نہ ہوگا بلکہ غیر مدرک الوصف ہوگا اور بیچون کی دلالت اس معنے پر اس طرح سے ہے کہ جب اوسکا ادراک کسی کو نہین ہوسکتا تو اوسکی بابت سوال و جواب نہین ہوسکتا جسمین ما ہو و کیف ہو کا استعمال ہوتا ہے پس معنے اول کے اعتبار سے معدوم الکیف ہوگا اور معنی ثانی کے اعتبار سے مجہول الکیف اور اشعار آیندہ کے قرینہ سے معنے ثانی اظہر ہین کہ آگے عقل کا متحیر و لاعلم و عاجز ہونا بیان کرینگے حاصل شعر یہ کہ اسی طرح بیچون مبدأ ہوگیا باچون کا کہ تغیر اوس کے لوازم سے ہے پس غیر متغیر کا مبدأ بن جانا متغیر کے لیے مستبعد نہ رہا اور یہی مقصود تھا جواب سے۔ رہا شبہہ مناسبت کا مبدأ اور اثر مین جو سوال بالا کے اخیر مین مذکور ہے سو مناسبت سے مراد تماثل و تشابہ نہین ہے کہ بداہۃً باطل ہے کیا ہر مبدأ اور اوسکے اثر مین کوئی اسکا دعوی کرسکتا ہے بلکہ مراد ارتباط و تعلق ہے جس سے قضیۂ لزومیہ بن سکے محض اجتماع و اقتران فی الوجود کافی نہین جس سے قضیۂ اتفاقیہ بن جاوے غرض نہ مطلق تقابل مانع مبدئیت ہے جس سے غیر متغیر کے معلول کا متغیر ہونا ممتنع ہوا ورنہ تشابہ و تماثل شرط مبدئیت ہے جس سے غیر متغیر کے معلول کا غیر متغیر ہونا لازم ہوا البتہ باہم تناسب و ارتباط ضروری ہے پھر خواہ اوس کے ساتھ کوئی درجہ تقابل کا جمع ہوجاوے اور خواہ تماثل کا لیکن اوس تقابل جائز مین ایک حد ہے کہ درجۂ تضاد تک نہ پہونچے کیونکہ متضادین کا اجتماع محال ہے اور علت و معلول کا اجتماع واجب ہے اسی طرح اوس تماثل جائز مین ایک حد ہے کہ درجۂ تساوی من کل الوجوہ تک نہ پہونچے کیونکہ اس تقدیر پر اگر ایک علت اور ایک معلول ہوا تو تساوی من کل الوجوہ نہ ہی اور اگر تساوی من کل الوجوہ ہوئی تو ایک علت اور دوسرا معلول نہ رہا لہذا خلف آیندہ اشعار مین تناسب جائز الاجتماع مع التقابل والتماثل کے ان ہی دونون حدون کو تبلاتے ہین یعنی موجودات معلولۃ للواجب ہین)

اوس (ذات بے چون وبیچگون) کا نہ کوئی ضد ہے اور نہ کوئی ند (یعنی مثل) ہے نہ ذات مین اور نہ افعال مین اس سبب سے موجودات نے (وجود کے) خلعے پہن رکھے ہین (یعنی وجود کے ساتھ موصوف ہوگئی ہین ورنہ وہ موجود جو کہ ضد اور ند ہوتا موجود نہ ہوتا کیونکہ) ایک ضد دوسری ضد کو وجود اور ہستی کب دیتا ہے (یعنی وہ اوسکی علت نہین ہوسکتی) بلکہ اوس سے بھاگتا ہے اور باہر نکل جاتا ہے (یعنی دونون مجتمع نہین ہوسکتے یہ تو دلیل ہے ضد کے موجود نہ ہوسکنے کی اور ند کے موجود نہ ہوسکنے کی یہ دلیل ہے کہ) ند کیا چیز ہے وہ مثل ہے خواہ کسی نیک کی مثل ہو یا بد کی مثل ہو (اور) ایک مثل اپنی دوسری مثل کی جاعل کب ہوگی (کیونکہ) جب دو چیزین باہم من کل الوجوہ) مثل ہین اے متقی۔ تو یہ ایک اوس دوسرے سے اُولیٰ (اور احق وارجح) کیون ہو خالقیت (وعلیت) مین (یعنی پھر ایک کا علت دوسرے کا معلول ہونا ترجیح بلا مرجح ہے جیسا کہ اوپر ضد اور ند دونون کے متعلق احقر تقریر کرچکا ہے اور یہان ضد سے مراد مطلق ممتنع الاجتماع فی الوجود ہے نہ معنے اصطلاحی کہ اوسکی نفی کی دوسری دلیل ہے وھو تنزہہ عن الحلول اسی طرح ند سے مراد مساوی من کل الوجوہ ہے نہ معنے اصطلاحی یعنی مشارک فی النوع کہ اوسکی نفی کی دوسری دلیل ہے وھو تنزہہ عن الترکیب اسی طرح یہان معلولات واجب مین اوسکی ضد و ند کی نفی کرنا مقصود ہے نہ کہ مطلقاً اوس ضد و ند کی نفی کرنا کہ اوسکی دوسری دلیل ہے وھو وجودہ تعالیٰ المنافی لضدہ بالمعنی المذکور ووحدتہ تعالیٰ النافی للمثل آگے پھر عود ہے مضمون شعر اینہمہ چون وچگونہ چون زبد الخ کی طرف یعنی) حسب تعداد برگہاے باغ کے اضداد وانداد (یعنی جو باہم اضداد وانداد ہین وہ سب) کف دریا کی طرح دریاے بے ند وبے ضد پر جاری ہین (یہان یہ شبہہ نہ کیا جاوے کہ انداد کی جو اوپر تفسیر کی گئی ہے اوس معنے کے اعتبار سے تو ممکنات کا بھی تو باہم انداد ہونا محال ہے کیونکہ اثنینیت مستلزم ہے تغایر کو اور تغایر مین تساوی من کل الوجوہ کہان رہی کیونکہ تشخص مین ضرور ہی تغایر ہے جواب یہ ہے کہ وجوہ سے مراد وجوہ کمالیہ ہین سو ممکنات مین ایسے بہت ہین جو کمالات مین مساوی ہون اور حق تعالیٰ کے ساتھ کسی موجود کو ایسی تساوی محال ہے کیونکہ حق تعالیٰ کا ایک کمال علیت لجمیع الموجودات ہے جو اوس مین نہ ہوگا یہان جواب اوس استبعاد صوفی کا ختم ہوگیا آگے بمناسبت شعر یالاحق تعالیٰ کے بے چون وبیچگون ہونے کے متعلق مضمون ہے یعنی اے مخاطب) تو (اس) دریا (ے قدم) کے مجردات (یعنی افعال وتصرفات احیاء واماتت وقبض وبسط وغیرہا) کو بے چگون (یعنی غیر معلوم الکنہ) دیکھ لے تو (پھر) ذات بحر مین چگون کیا گنجایش رکھے گا (یعنی افعال حق جو کہ قدیم اور واجب بھی نہین لیکن صادر اول ہین جب اون ہی کی

کنہ معلوم نہین اور یہ ظاہر بھی ہے چنانچہ آجتک وجہ تعلق حادث بالقدیم کے سمجھنے مین عقلا سرگردان ہورہے ہین کما ذکر فی علم الکلام والاصول تو پھر ذات کی کنہ کیا معلوم ہوگی آگے ایک تائید ہے ذات حق کے غیر معلوم الکنہ ہونے کی یعنی دیکھو) اوس کا ایک ادنی سا کھلونا تیری روح ہے (اور اوسکی یہ حالت ہے کہ) یہ چون وچگون روح کا کب جائز ہے پس جو ایسا دریا ہو کہ اوسکے ہر ہر قطرہ مین اس بدن (باچند وچون) سے زیادہ پیدا ہونے والی عقول اور ارواح ہین (جو بے چند وچون ہین تو) وہ (ایسا دریا) تنگنا ے چند وچون (یعنی کمیت وکیفیت) مین کب سماویگا۔ اوس جگہ تو عقلِ کُل بھی لا یعلمون والون سے ہے (کھلونا بمعنے عبث یا مشغلہ نہین ہے کہ عقلاً ونقلاً دونون منفی ہین عقلاً تو اس لیے کہ ایک مین حکمت کا انتفاء دوسرے مین احتیاج کا شائبہ لازم آتا ہے اور نقلاً اس لیے کہ ارشاد ہے افحسبتم انما خلقناکم عبثاً الآیۃ اور ارشاد ہے وما خلقنا السماء والارض وما بینہما لاعبین لو اردنا ان نتخذ لہوا لاتخذناہ من لدنا ان کنا فاعلین بلکہ کھلونے کے ساتھ تشبیہ ہے اہونیتِ خلق مین اور عدم عظمت مین اور سہولت کے ساتھ اوس کے محل تصرف وتمال ہونے مین اور اوس کا کمتر وادنی ہونا باعتبار صانع حق کے ہے تو اس سے روح انسان کے اشرف المخلوقات ہونے مین قدح نہین ہوتا یا اگر باعتبار مصنوعات کے ہی ہو تو مصنوعات مقدرہ مقدورہ کے اعتبار سے ہوسکتا ہے یعنی حق تعالی ایسی مخلوقات عظیمہ کی تخلیق پر قادر ہے کہ وہ روح سے بھی اعظم ہین اور روح کو بے چون وچگون اس اعتبار سے کہا کہ اکثر عقلاء اوسکی کنہ سے بیخبر ہین قال اللہ تعالی قل الروح من امر ربی وما اوتیتم من العلم الا قلیلا اور دریا سے ذات حق کو تشبیہ دی ہے اور اوس کے شیون وافعال کو قطرات سے تشبیہ دی ہے جیسے مکونات کو اوپر زبد تشبیہ دی ہے کہ قطرہ کا تعلق بہ نسبت زبد کے بحر کے ساتھ زیادہ ہوتا ہے جسطرح تکوین کا تعلق حق تعالی سے قریب ہے اور مکونات کا بواسطۂ تکوین کے ہے پس نعوذ باللہ اس سے حق تعالے کے لیے تجزیہ کا حکم لازم نہین آتا اور عقول وارواح سے مراد کائنات لطیفہ ہین خواہ مجرد عن المادہ یا لطیف المادہ اور اونکو جو پیدایش مین ابدان سے زیادہ کہا اوسکی وجہ یہ ہے کہ ہر بدن یعنے جسم انسان وحیوان کے ساتھ کم از کم ایک موجود لطیف کا تو تعلق ضروری ہے اور بعضے ابدان کے ساتھ کئی کئی لطائف بھی متعلق ہین جیسے انسان کے ساتھ عقل اور روح تو سب ہی کے نزدیک اور دوسرے لطائف مثل قلب وسر وخفی واخفی بھی اہل کشف کے نزدیک متعلق ہین تو کائنات لطیفہ زیادہ ہوئے ابدان سے اور اگر ابدان مین توسع کرکے تمام عالم شہادت کے اجسام کو شامل کہا جاوے تو عقول وارواح مین توسع کرکے ملائکہ کو بھی کہ عالم ملکوت کے کائنات لطیفہ ہین گو مادی ہین شامل کرلیا جاوے تب بھی یہ حکم ناشی عن تتبع آیندہ کا صحیح رہے گا اور مقصود کلام کا یہ ہے

کہ کائنات لطیفہ کہ اکثر احوال مین اور اکثر کے اعتبار سے مجہول الکیف والکنہ ہین وہ حق تعالیٰ نے
ایک ایک امرکن مین کہ وہ شیون و افعال ہین حق تعالےٰ کے اتنے پیدا کیے ہین کہ وہ اجسام
معلومۃ الکنہ والکیف سے بھی زیادہ ہین پس جس نے اتنے بے چون پیدا کیے جو عدد مین اشیاء
باچون سے بھی زیادہ ہین تو وہ کیسے بے چند وچون اور مجہول الکنہ والوصف نہ ہوگا خلاصہ یہ کہ
جب اوسکی مخلوق کہ روح ہے وہ مجہول الکنہ والوصف ہے تو وہ خود کہ خالق ایسی ایسی بیشمار
ارواح وغیرہ کا ہے کیونکہ مدرک الکنہ والوصف ہو سکتا ہے کیونکہ ممکن کا احاطہ علمی ممکن ہے
اور واجب کا محال جب وہ ممکن ہی کا محال ہو رہا ہے تو وہ محال حقیقی تو کب ممکن ہو جاوے گا
اور عقل کل سے مراد سہل یہ ہے کہ وہ عقل لی جاوے جسکے مدرکات سب عقول سے زیادہ ہون پس
کل سے مراد تام اور تام سے مراد من یکون علمہ تاما بالنسبۃ الی سائر العقول وان کان غیر
تام بالنسبۃ الی خالق العقول وغیر محیط بجمیع المعلومات اور مصداق ایسی عقل جامع کا صرف
ذات مقدسۂ محمدیہ ہے صلی اللہ علیہ وسلم اور لا یعلمون مرادف ہے قول حضور کا لا احصی
ثناء علیک انت کما اثنیت علی نفسک۔ آگے بتلاتے ہین کہ جب عقل کل کا یہ حال ہے تو عامہ
عقول کا تو بدرجۂ اولیٰ عدم ادراک کنہ ذات وصفات حق مین یہی حال ہوگا چنانچہ اسی کو
فرماتے ہین کہ) عقل کہتی ہے جسد سے کہ اے جماد تو نے کچھ پتہ لگایا ہے اوس بحر معاد کا (جواب مین)
جسم کہتا ہے کہ مین یقیناً تیرا ظل (یعنی تابع ہون (بھلا اپنے) ظل (اور تابع) سے کون مدد طلب
کیا کرتا ہے اے جان عم (جسد کو جماد تشبیہاً باعتبار اوس کی ذات کے کہا کیونکہ وہ نفس ذات
مین بدون اعتبار تعلق روح کے مثل جماد ہی کے ہے اور اگر باعتبار اصل اجزاء مادیہ کے
جماد کہا جاوے تو جماد حقیقی ہے کیونکہ عناصر مین نہ نفس نباتی ہے نہ حیوانی نہ انسانی اور بحر کی
اضافت معاد کی طرف اضافت موصوف کی ہے صفت کی طرف اور حق تعالیٰ کا مرجع الکل ہونا معلوم
ہے اور جسم کو تابع روح کا کہنا باعتبار اون افعال کے ہے جو موقوف ہین تعلق روح پر اور
اون مین سے علم وادراک بھی ہے حاصل کلام کا یہ ہے کہ عقل کا ادراک کنہ مین عاجز اور غلبۂ
عجز سے متحیر ہونا بتلاتے ہین کہ اوس پر اسقدر اس عجز وحیرت کا غلبہ ہوا کہ جسد سے استفادہ
کرنے لگی جس پر جسد نے جواب دیا کہ مین تو ادراکات مین تیری برابر قابلیت ہی نہین رکھتا کہ
تیری قابلیت بلا میرے واسطہ کے ہے اور میری قابلیت تیرے واسطہ سے تو مین تیرا محتاج ہون
نہ کہ بالعکس پس) عقل (اوس کے جواب مین) کہتی ہے کہ یہ (مقام ادراک کنہ) ایسی حیرت سرا
نہین ہے کہ جسمین قابل (ادراک) ناقابل (ادراک) سے زیادہ دلیر ہو (یعنی ادراک کا حوصلہ
کرتا ہو مطلب یہ کہ اور اشیاء کے ادراک مین تو مجھ مین اور تجھ مین تفاوت قابلیت و ناقابلیت کا ہے

مگر واجب کے ادراک مین ہمٰن قابل اور تو نا قابل برابر ہین اور اپنے کو جو قابل کہا تو باعتبار دوسرے ادراکات کے اور جب مین اور تو برابر ہین تو ایک مساوی دوسرے مساوی سے مدد طلب کر سکتا ہے اور منشا اس قول کا غایت غلبۂ حیرت ہے ورنہ ظاہر ہے کہ مدرک معقولات سے جب ادراک محال ہے تو غیر مدرک معقولات سے بدرجۂ اُولیٰ محال ہے تو توہم واحتمال ادراک منشا اس قول کا نہین خوب سمجھ لو آگے ترقی کے ساتھ تائید ہے ماسبق کی یعنی ماسبق مین تو اتنا ہی بیان کیا گیا ہے کہ اس استفادہ خاص مین قابل وکامل کو کچھ بیشی نہین ہے نا قابل و ناقص پر آگے اس کا بیان ہے کہ بلکہ بعض استفادات مین کامل کو ناقص کی طرف احتیاج ہوتی ہے چنانچہ فرماتے ہین کہ) اس جگہ آفتاب انوری خدمت ذرہ کی کرتا ہے (اور خدمت بھی کیسی) مثل چاکری کے۔شیر اس طرف آہو کے سامنے سر جھکا دیتا ہے (اور) باز اس جگہ تیہو (یعنی کبک یا لوے) کے سامنے باز دپست کر دیتا ہے۔تجھکو اسکا یقین نہین آتا (اس لیے مین دلیل تبلاتا ہون کہ) مصطفیٰ صلے اللہ علیہ وسلم مساکین سے کسطرح دعا چاہتے ہین (جس استفادہ کا اوپر ذکر تھا یعنی ادراک کنہ حق بیان اوس کا ذکر نہین ہے پس ترقی مطلق استفادہ کے اعتبار سے ہے مطلب یہ سے ہے کہ معاملات متعلقہ حضرت حق سبحانہ عجیب دغریب ہین کہ بعض مین تو کامل و ناقص سب امتناع استفادہ مین برابر ہین اور بعض مین کامل مستفید ہوتے ہین ناقصین سے اور ادراک کنہ حق قسم اول سے ہے اور زیادت اجر و قرب قسم ثانی سے ہے کہ اس باب مین ناقصین تو کاملین سے ہمیشہ مستفید ہوتے ہی ہین چنانچہ حضرات انبیاء علیہم السلام سے جو جو فیوض و برکات علمیہ و عملیہ و ظاہرہ و باطنہ تعلیم سے بھی صحبت سے بھی توجہ سے بھی دعا سے بھی امم کو پہونچے ہین وہ مخفی نہین لیکن گاہے اس کا عکس بھی ہوتا ہے کہ کامل اپنے فائدہ کے لیے احتیاج پیش کرتا ہے ناقص کے سامنے آفتاب اور شیر اور باز سے مراد کامل اور ذرہ اور آہوا ور تیہو سے مراد ناقص اور خدمت اور سر نہادن اور پر نہادن سے مراد عرض احتیاج ہے استدلال کی تقریر یہ ہے کہ حدیثون سے ثابت ہے کہ جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ایکبار حضرت عمرؓ سے فرمایا یا اخی اشرکنا فی الدعاء اور امت کو تعلیم فرمایا کہ میرے لیے مقام وسیلہ کا سوال کیا کرو اور ترغیب دی کہ مجھپر درود بھیجا کرو کہ وہ دعا ہے رحمت کی اور ظاہر ہے کہ یہ سب دعائین اگر نافع نہ ہوتین تو کیون امر فرماتے اور نافع ہونا یہی ہے کہ آپ کا قرب اور مزید بر مزید ہوتا چلا جاوے تو دیکھیے کامل بلکہ اکمل نے خود اپنے ہی غلامون سے اس کی درخواست فرمائی گو وہ غلام اس دعا کے قابل بھی حضورؐ ہی کے طفیل سے ہوے اور اس مین بھی حضورؐ ہی کا بڑا کمال ثابت ہوا کہ آپ کی اتباع کی برکت سے وہ ایسے ہو گئے اور امت مین بیشمار مساکین بھی ہین

اس لیے یہ کہنا بھی صحیح ہو گیا چون ز مسکینان ہمی جوید دعا آگے اس پر ایک شبہہ اور پھر اوس کا جواب نقل فرماتے ہین کہ) اگر تو یون کہے کہ یہ (دعا کی درخواست کرنا) تعلیم (امت) کے لیے تھا (تاکہ وہ اپنے سے کم درجہ کے لوگون سے بھی دعا کرایا کرین اور اس لیے نہ تھا کہ آپ کو اون دعاؤن سے کوئی نفع پہونچا یا کامل کو ناقص سے کوئی نفع پہونچتا ہے) تو (جواب اس کا یہ ہے کہ پھر یہ تو) عین جہل مین واقع کرنا ہوا کس طور پر تفہیم ہوئی (تقریر اسکی یہ ہے کہ دو حال سے خالی نہین یا کامل کو ناقص کی دعا سے نفع ہوتا ہے یا نہین اگر ہوتا ہے تب تو شبہہ ہی نہین ہوتا اور اگر نہین ہوتا تو پھر تعلیم ایک عبث چیز کی ہوئی تو دعا عبث ہوئی بلکہ عبث سے بڑھکر مضر ہوئی یعنی آپ کی تعلیم سے لوگ اس غلطی مین پڑ گئے کہ دعاے ناقص کو کامل کے لیے نافع سمجھ گئے تو اس تعلیم سے تو اور تجہیل ہو گئی تفہیم نہ ہوئی وہذا باطل والملزوم للباطل باطل فابداء احتمال التعلیم مع انتفاء النفع باطل احقر کہتا ہے کہ ایک شبہہ ابھی باقی رہا وہ یہ کہ جواب شبہہ مین یہ کہنا کہ دو حال سے خالی نہین غیر مسلم ہے یہان ایک تیسرا احتمال اور بھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو اس استفادہ سے منزہ ہون اور دوسرے کاملین کو ناقصین سے نفع پہونچا کرے اب انتفاء انتفاع وحکمت تعلیم دونون جمع ہو گئین جواب یہ ہے کہ قاعدہ عقلیہ ہے کہ جب فاعل اور قابل دونون جمع ہون اور کوئی مانع نہ ہو تو ترتب اثر کا لازم عقلی ہے اب اس قاعدہ کے بعد دیکھیے کہ ناقصین کی دعا کی فاعلیت للنفع دوسرے محل مین تو مورد کے نزدیک بھی مسلم ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا محل للقرب المتزائد الی مالا یقف عند حد ہونا بھی ثابت کما قال اللہ تعالی وقل رب زدنی علما وقال تعالی وللآخرۃ خیر لک من الاولی اور اسکا کون قائل ہو سکتا ہے کہ جن اسباب سے اورون کو قرب ہو حضور کو نہ ہوتا ہو آپ تو بدرجۂ اولی اس کے احق ہین جب فاعل وقابل دونون موجود اور مانع کوئی ہے نہین پھر نفع نہ ہونے کے کیا معنے اس پر اگر کوئی پھر کہے کہ ایک مانع موجود ہے وہ یہ کہ اس نفع کے قائل ہونے سے ایک محذور لازم آتا ہے کہ دوسرا شخص جو نفع کا سبب ہے وہ نعوذ باللہ افضل ہو جاوے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا جواب یہ ہے کہ یہ کلیہ ہی غلط ہے کہ ہر نافع افضل ہوتا ہے منتفع سے کیا خادم سے نفع نہین ہوتا مخدوم کو کیا جبریل علیہ السلام حضور پر وحی نہ لاتے تھے اور کیا وحی نفع نہین ہے اور کیا جبریل علیہ السلام اس مین واسطہ نہ تھے اور کیا اس باب مین یہ آیت نہین ہے علمہ شدید القوی پھر کیا اس واقعہ سے انکار ہو سکتا ہے یا جبریل علیہ السلام کی افضلیت کا معتزلہ کی طرح کوئی قائل ہو سکتا ہے اور معتزلہ کمان کہان اسکا التزام کرینگے کیا حدیثون سے ثابت نہین کہ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک آیت بھول گئے تھے کسی صحابی کے پڑھنے سے آپ کو یاد آگئی اور آپ نے اون کے لیے اسی بنا کو ظاہر فرما کر دعا فرمائی تو کیا معتزلہ اس صحابی کو حضور سے افضل کہینگے اور یہان سے یہ بھی معلوم ہوگیا ہوگا کہ بعض متشددین نے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک کو کچھ ثواب بخشنے کو منع کیا ہے کہ آپکو کیا حاجت ہے یہ اس متشدد کی غلطی ہے علامہ شامی نے بھی اس پر رد کیا ہے غرض مانع کا احتمال باطل ٹھہرا اور دفاعل وقابل بلا مانع جمع ہوگئے اور اصل تقریر مولانا کی جو اس شعر مین ہے محفوظ رہی اور ثابت ہوگیا کہ یہ دعا چاہنا محض تعلیم کے لیے نہ تھا۔ بلکہ (یہ وجہ تھی کہ) حضور صلی اللہ علیہ وسلم جانتے ہین کہ گنج بیشمار ویرانون مین رکھا کرتا ہے وہ شہر یار (یہ بطور ایک قاعدۂ کلیہ کے ہے جس کی ایک جزئی حکم مذکور فی المقام یعنی سبب طلب دعا من المساکین بھی ہے اور اوس سے ترقی کرکے مطلقًا کائنات سے بلا تخصیص مساکین نفع توجہ الی الحق حاصل کرنے کی ترغیب بھی ہے یعنی حق تعالی اشیاء مستحقرہ مین بھی منافع ودلیعت رکھتے ہین اور یہ گنج اور ویرانہ عام ہے سب منافع مطلوبہ اخرویہ کو کہ اوپر سے اوسی کا ذکر ہے من المعاملات المتعلقۃ بحضرۃ الحق اور سب اشیاء کو چنانچہ لفظ بیشمار اور ویرانہا اس کا قرینہ بھی ہوسکتا ہے یعنی کوئی شے نفع سے خالی نہین کسی مین کچھ کسی مین کچھ پس اگر ظاہری مسکین کی دعا سے کوئی نفع پہونچ جاوے تو کیا بعید ہے حضور یہ جانتے تھے اس لیے دعا کرائی اور چونکہ یہ عام ہے اس مین یہ نفع مشترک بھی تمام اشیاء کا داخل ہوگیا کہ اون سے استدلال ہوسکتا ہے صانع حق اور اوس کے شیون وتجلیات پر جس سے عارفین منتفع ہوتے ہین گو وہ اشیاء کیسی ہی مستحقر ہون لیکن محجوبین ظاہربین اون اشیاء مستحقرہ کی کہ اون مین مساکین بھی آگئے ظاہری حالت دیکھکر اونکو اس نفع کے قابل گمان نہین کرتے اور اون سے منتفع نہین ہوتے آگے مولانا اسی کو فرماتے ہین کہ اشیاء مستحقرہ پر) بدگمانی اوس ویرانہ کی نعل معکوس ہے (یعنی ویرانی واستتار سے اون اشیاء پر خلو عن النفع کا گمان ہوتا ہے اس لیے اوسکو ذریعۂ رہبری نہین بناتے پس نہ مساکین کو دعا کے قابل سمجھتے ہین نہ کائنات سے توجہ الی الحق کرتے ہین جس طرح نعل معکوس لگانے سے ناواقف مقصود تک نہین پہونچتا بلکہ الٹا جاتا ہے) اگرچہ (واقع مین) اوس ویرانہ کا ہر جزو اوس گنج کا جاسوس (دمخبر) ہے (جس طرح مبصر تجربہ کار نعل معکوس ہی سے استدلال علی المطلوب کرلیتا ہے یعنی واقع مین تو ہر شے دال ہے حضرت حق پر مگر بصیرت سے کام لینا شرط ہے اور اسکے فقدان سے وہ شے بجائے دلالت کے اور بالعکس سبب ضلالت کا ہوجاتی ہے آگے ماسبق پر ترقی ہے بیان سبب ضلالت مین یعنی اوپر کہا تھا کہ سبب بدگمانی وغلط فہمی کا نعل

معکوس ہے اب کہتے ہین کہ) بلکہ حقیقت (واقعیہ ان اہل ضلالت کے اعتبار سے ایسی ہو گئی جیسے
فی الحقیقت (بالکل ہی) غرق (یعنی ناپید) ہو گئی اس سبب سے نشر بلکہ صدہا فرقے ہو گئے (توتی
ظاہر ہے کیونکہ نعل معکوس کا نشان نظر تو آتا ہے اور جب بالکل ہی غرق ہو جاوے مثلاً
اوس نعل معکوس کے نشان پر کچھ پانی آگیا یا خاک مین غرق ہو گیا اگر اس پر غرق کا اطلاق
آتا ہو جس سے وہ نشان بھی مٹ گیا تو اب بالکل نظر ہی نہ آوے گا یہ توجیہ ہوئی کلمہ بلکہ کی
اور تقریر مقام کی یہ ہے کہ واقع مین ضلالت جہلا کی حالت دوسری ہی تشبیہ کے مشابہ ہے
کیونکہ نعل معکوس سے جو غلطی واقع ہوتی ہے وہ سب دیکھنے والون کو یکسان ہو گی حالانکہ
سب گمراہ ایک ہی غلطی مین مبتلا نہین ہین کوئی کسی غلطی مین کوئی کسی غلطی مین پس ان کی
حالت اس کے مشابہ ہے جیسے نعل کا نشان بھی مٹ گیا اب اٹکل پچو قیاسات اپنا اپنا مختلف پر
دوڑا رہے ہین کوئی مشرق کو چلا کوئی مغرب کو کوئی جنوب کو کوئی شمال کو اور مبنی توجہ کا
کسی کے پاس نہین پس یہان ہفتاد فرقے سے مراد وہ مشہور فرقے اہل بدعت کے نہین ہین کیونکہ
اونکی گمراہی غرق نعل کے مشابہ نہین ہے خود اسلام پر سب متفق ہین بلکہ مراد کفار کے فرقے ہین
اور ہفتاد سے مراد کثرت ہے اسی واسطے آگے صد بڑھا دیا تاکہ ادر کثرت پر دلالت ہو اور واقع مین
کفار کے فرقے صدہا ہین پس بعض محشین کی توجیہ کہ اہل بدعت کے فرقے اول بہتر تھے جسکو بضرورت
شعر ہفتاد کہدیا پھر شعبے پیدا ہو کر صدہا ہو گئے یہ بناء الفاسد علی الفاسد ہے اور مثال ثانی یعنی غرقہ شد
مین جو حضرت نے یہ قید لگائی کہ ان اہل ضلالت کے اعتبار سے تو اسکی وجہ یہ ہے کہ واقع مین
تو حق وحقیقت بالکل واضح ہے قال تعالیٰ ہذا بصائر للناس وہدی ورحمۃ لقوم یومنون و
قال تعالیٰ ذلک الکتب لاریب فیہ وقال تعالیٰ وبینٰت من الہدی والفرقان) ف الحمدللہ
آغاز شرح سے یہانتک کے اشعار جسقدر سنگلاخ تھے اللہ تعالیٰ نے اوسیقدر آسان کر دیے
کہ بے نظیر شرح لکھی گئی جس کی قدر دوسری حواشی وشروح سے موازنہ کر کے معلوم ہو سکتی ہے
آگے عود ہے قاضی کے اصل جواب کی طرف یعنی گفت قاضی واجب آمد مان رضا جو کہ صوفی
کے اس اشکال اور اوس کے جواب سے سابق ہے اور تقریر ربط کی آگے بھی
مذکور ہوگی۔

با تو قلماشیت خواہم گفت ہان — **صوفیا خوش ہین بکشا گوش جان**
ایک متاع قیمتی اور بھی ہے مین تجھے کہونگا آگاہ رہ — اے صوفی خوب فراخ طور پر گوش جان کو کشادہ کر لے

مر ترا ہر زخم کاید ز آسمان — **منتظر می باش خلعت بعد ازان**
تجھکو جو صدمہ آسمان سے پہونچے — تو تم سکے بعد خلعت کا منتظر رہا کر

آن قفا دیدی صفا را هم ببین
تو نے وہ قفا تو دیکھ لی صفا کو بھی دیکھ

گردران باگردن آمد اے امین
گردن کے ساتھ ران کا بھی گوشت ملتا ہے اے امین

کو نہ آن شاہ ست کت سیلی زند
کیونکہ وہ ایسا بادشاہ نہیں ہے کہ تجکو سیلی مارے

کہ نہ تاج و تخت بخشد مستند
کہ تاج اور ایسا تخت نہ بخشے جسپر تکیہ لگا کر بیٹھا جاوے

جملۂ دنیا را پر پشہ بہا
تمام دنیا کی قیمت پر پشہ ہے

سیلیے را رشوتِ بے منتہا
ایک سیلی پر عطیۂ بے منتہا ہے

گردنت زین طوق زرین جہان
تو اپنی گردن دنیا کے اس طوق زرین سے

چست در دزد و ز حق سیلی ستان
جلدی سے نکال اور حق کی طرف سے سیلی کو قبول کر

آن قفاہا کانبیا بر داشتند
جو صدمات انبیاء علیہم السلام نے برداشت کیے ہین

زان بلا سرہاے خود افراشتند
اُس بلا سے اپنے سروں کو بلند کیا ہے

لیک حاضر باش در خود اے فتی
لیکن تو حاضر رہا کر اپنے اندر اے جوان

تا بخانہ او بیابد مر ترا
تاکہ وہ تیرے خانہ مین آوے

ورنہ خلعت را ببرد او باز پس
ورنہ وہ خلعت کو واپس لے جاویگا

کہ نیابیدم بخانہ ہیچ کس
کہ مین نے گھر مین کسیکو نہین پایا

(قلماش بالضم و شین معجمہ بیہودہ و ہرزہ ظاہرا باین معنے مخفف قل ما شئت باشد یعنی بگو ہرچہ خواستی تو و در فرہنگے بمعنے متاع خانہ مرقوم ساختہ ظاہرا باین معنے فرید قماش خواہد بود (یعنی دران لام زائد کردہ شد) از لطائف و قماش بضم اول رخت و اسباب و جامۂ ابریشمی و متاع خانہ و بمعنے جوہر و صفت نیز آمدہ از منتخب و کشف و صراح و مؤید و لطائف کذا فی الغیاث و بذوق احقر درینجا بمعنے تباہی چسپان باشد قولہ با تو متعلق ست بہ خواہم گفت و قولہ است و رقلماشے ست بمعنے کان تامہ است قولہ گردران باگردن الخ مراد راحت مقرون برنج و گردران بکاف فارسی مکسور استخوان ران را گویند کہ بران گوشت بسیار باشد و چون دران گوشت بسیار باشد و در گردن کم قصابان گوشت گردن را با گوشت گردران آمیختہ میفروشند این مثل افتادہ کہ گردران باگردن ست و مقصود آن باشد کہ نیک و بد بہم آمیختہ میباشد حکیم سوزنی فرماید ؎ دست بر رانش نہادم مشت زد بر گردنم + این مثل در یادم آمد گردران باگردن ست + من الحواشی للبحر الافضل و وجہ ربط اشعار اوپر آخر ف مین مذکور ہو چکی اور تقریر ربط یہ ہے کہ قاضی نے کہا کہ میرا اصل مضمون یہ تھا کہ ہر واقعہ پر رضا چاہیے کیونکہ وہ سب قضا سے ہے اور اس پر رضا واجب ہے اور تو نے

اس دلیل پر ایک سوال کر دیا تھا جسکا جواب بھی ہو چکا اب مین اوسی اصل مضمون کے متعلق بیان کرتا ہون کہ وہ ناتمام رہ گیا تھا کیونکہ وہان رضا کی وجہ مین صرف اوس واقعہ کے مؤثر کا بیان کیا تھا کہ وہ قضا ہے اب دوسری وجہ رضا کی تبلاتا ہون کہ وہ اس واقعہ کے آثار ہین پس مجموعہ بنیائین سے ڈو مقتضی رضا کے ثابت ہو جاوینگے ایک مؤثر فی البلا رکہ قضا ہے ایک اثر للبلا رکہ عطا و رعطا ہے پس بلسان قاضی فرماتے ہین کہ علاوہ مضمون مقتضی مذکور رضا کے کہ وہ مؤثریت ہے قضا کی بلا مین) ایک (مضمون مثل) متاع قیمتی (کے) اور بھی ہے (کہ وہ بھی مقتضی ہے رضا کو) مین (وہ بھی) تجھسے کہونگا آگاہ رہ اے صوفی (اور) خوب فراخ طور پر گوش جان کو کشادہ کر لے (وہ مضمون یہ ہے کہ بلا کے آثار نہایت عظیم الشان ہین پس) تجھکو جو صدمہ آسمان سے پہونچے تو اوس کے بعد خلعت کا منتظر رہا کر تو نے وہ قفا تو دیکھ لی (اب اوس کے انعام مین) صفا کو بھی دیکھ (اور مثل مشہور ہے کہ) گردن کے ساتھ ران کا بھی گوشت ملتا ہے اے امین۔ کیونکہ وہ (بادشاہ حقیقی) ایسا بادشاہ نہین ہے کہ تجھکو سیلی مارے کہ تجھکو تاج اور ایسا تخت نہ بخشے جسپر تکیہ لگا کر بیٹھا جاوے (اور یہ تیری غلطی ہے کہ تنعم کو مطلوب اور تالم کو مہروب عنہ سمجھتا ہے واقع مین امر بالعکس ہے چنانچہ) تمام دنیا کی قیمت (واقع مین) پر پشہ (کے برابر) ہے (تو وہ مطلوب ہونے کے قابل کب ہے اور) ایک سیلی پر عطیہ بے منتہا (ملتا) ہے (تو وہ مہروب عنہ نہین ہے جب یہ بات ہے تو) تو اپنی گردن دنیا کے اس طوق زرین سے جلدی سے نکال اور حق کی طرف سے (اگر) سیلی (پہونچے اوس) کو قبول کر جو صدمات انبیاء علیہم السلام نے برداشت کیے ہین اوس بلا سے اپنے سرون کو بلند کیا ہے (یہ ہے وہ خلعت جو بلا پر ملتا ہے جسکے متعلق اوپر کہا ہے منتظر می باش خلعت الخ) لیکن (اس خلعت ملنے کی ایک شرط ہے اور مطلق وقوع بلا کافی نہین اور وہ شرط حضور مع الحق ہے یعنی حق تعالیٰ کی طرف رضا و محبت کے ساتھ متوجہ رہنا پس وقوع بلا کے وقت) تو حاضر (مع الحق بالمعنی المذکور) رہا کر اپنے (خانۂ قلب کے) اندر (کہ وہی قلب محل ہے حضور کا) اے جوان تا کہ وہ (بادشاہ حقیقی خلعت لیکر) تیرے خانہ (قلب) مین آوے (یعنی تیرے قلب پر متوجہ ہو کر فیوض و برکات نازل فرماوے) ورنہ (اگر تو بالمعنی المذکور حاضر نہ رہا تو) وہ خلعت کو واپس لیجاوے گا کہ مین نے تو گھر مین کسیکو نہین پایا (تو کسکو دیتا ظاہر ہے کہ اذا فات الشرط فات المشروط اور دنیا بیدم پر اشکال نہ کیا جاوے کہ اللہ تعالیٰ کے یا فتن بمعنے دیدن سے کون چیز خارج ہو سکتی ہے بات یہ ہے کہ حق تعالیٰ کا علم مطابق واقع کے ہے گو واقع سے متقدم بھی ہے پس جو شخص حضور سے خالی ہے حق تعالیٰ کا علم اوسکی نسبت یہی ہوگا

کہ یہ خالی ہے اتصاف بالحضور کا علم کیسے ہوگا ورنہ نعوذ باللہ علم مین غلطی لازم آویگی فافہم ف تلاش کو محشین نے ہرزہ کے معنے پر محمول کرکے اوس صوفی کی بیہودگیان ثابت کرنے کی کوشش کی ہے ایک محشی نے تو اسرار آیندہ کو بزعم منکرین ہرزہ قرار دیکر صوفی کو منکر قرار دیا ہے ایک نے قل ماشئت بمعنے بگو ہرچہ خواہی قرار دیکر اور معنی بیہودگی کو اوس سے مستفاد کرکے صوفی کے طعن سابق کو مصداق بیہودگی کا کہا ہے سو علاوہ بعید عن الذوق ہونے کے خود مولانا کا ایک شعر جو سرخی حکایت زن باشوہر سے ذرہ قبل آتا ہے ان تمام تفسیرون کو صریحًا رد کرتا ہے وہ شعر یہ ہے سے من ہمیدانم کہ تو پاکی نہ خام + وین سوالت ہست از بہرِ عوام +

بازسوال کردن آن صوفی ازان قاضی

گفت صوفی کہ چہ بودے کاین جہان
صوفی نے کہا کہ کیا تھا جو یہ عالم

ابرِ رحمت کشادے جاودان
ابر ِ رحمت کو ہمیشہ کشادہ رکھتا

ہر دمے شورے نیاوردے بپیش
ہر لحظہ شور نہ لاتا سامنے

بر نیاوردے ز تلوینہاش نیش
اپنی بوقلمونیون سے نیش کو ظاہر نہ کرتا

شب نہ دزدیدے چراغ روز را
شب کا زمانہ چراغِ روز کو سرقہ نکرتا

دَے نبودے باغ عیش اندوز را
خزان نہوا کرتی باغِ عیش اندوز کو

جامِ صحت را نبودے سنگِ تب
جام صحت کے لیے سنگِ تپ نہوتا

ایمنی را خوف ناوردے کرب
بیخوفی پر خوف اندوہگینی کو نہ لاتا

خود چہ کم گشتے ز جود و رحمتش
خود کیا کم ہو جاتا اوسکی جود و رحمت سے

گر نبودے خرخشہ در نعمتش
اگر اوسکی نعمت مین خرخشہ نہ ہوتا

حال بودے خوب و خوش بر جملگان
سب پر حال خوب اور خوش رہتا

تیرہ کم بودے روانِ انس و جان
انسان اور جن کی جان تیرہ نہ ہوا کرتی

جاودان بودے حضور و ذوقِ خوش
ہمیشہ حضور و ذوق کامل رہتا

دائما در جان بُدے ہم شوقِ خوش
رُوح مین ہمیشہ شوقِ کامل رہتا

عــہ بفتحتین بے آرام و اندوہگین شدن ۱۲ منتخب ۱۲

جواب قاضی سوال صوفی را وقصۂ ترک و درزی را مثل آوردن

گفت قاضی بس تہی رو صوفیی — خالی از فطنت چو کافِ کوفیی

قاضی نے کہا کہ تو بالکل ہی خالی دماغ صوفی ہے — کافِ کوفی کی طرح فطانت سے خالی ہے

تو نہ بشنیدی کہ آن پرقند لب — عذرِ خیاطان ہمی گفتی بشب

تونے وہ نہیں سنا کہ وہ شیرین کلام — شب مین خیاطون کی دغا بازی کا بیان کررہا تھا

خلق را در دزدیِ آن طائفہ — می نمود افسانہاے سالفہ

اس گروہ کے چوری کے باب مین — خلق کو افسانہ ہای گذشتہ دکھلا رہا تھا

قصۂ پارہ ربائی در بُرین — می حکایت کرد او با آن واین

قصۂ پارہ ربائی کا قطع کرنے کے وقت — بیان کر رہا تھا اس سے اور اِس سے

در سمر میخواند درزی نامۂ — گردِ او جمع آمدہ ہنگامۂ

فسانہ گوئی مین درزی نامہ پڑھ رہا تھا — اسکے گرد ایک ہنگامہ جمع تھا

(ابرو کشادن اگرچہ از نظر نگذشتہ اما مقابلش یعنی ابرو ناز کردن وتنگ کردن در غیاث بمعنے ناز و غرور نمودن آوردہ پس این قرینہ است کہ ابرو کشادن بمعنے خوش خوئی وشگفتہ روئی باشد بُرین بضم بمعنے گرج خربزہ وامثال آن ومراد پارہ از دلی محمد و گرج را در غیاث بہ شوشہ یعنی پارچہ وقاش خربزہ وہندوانہ وغیرہ تفسیر کردہ ودر ذوق احقر بُرین در ینجا بمعنے بُریدن اَولیٰ ست اور یہ سوال ثانی ہے صوفی کا قاضی سے اور جواب ہے قاضی کا حاصل سوال جیسا سوال اول کے اشعار متعلقہ کی تمہید مین گذرا ہے یہ ہے کہ استبعاد تو تکوین ضدین کا دفع ہوگیا لیکن اسکے وقوع مین حکمت کیا ہے مقتضاے رحمت تکوین تھی صرف راحت ولذت کی بدون ان کے اضداد کے اور حاصل جواب کا بیان کرنا ہے بعض مضار لذات کا پس فرماتے ہین کہ) صوفی نے کہا کہ (آخر) کیا (ضرر) تھا جو یہ عالم ابروے رحمت کو ہمیشہ کشادہ رکھتا (یہ اسناد ہے ظرف کی طرف یعنی اللہ تعالیٰ اس عالم مین صرف رحمت ہی کے آثار ظاہر فرماتے مجازاً عالم کی طرف اسناد کردی اور یہ عالم) ہر لحظہ شور نہ لاتا (اور) اپنی بوقلمونیون سے نیش کو ظاہر نکرتا (ادب

شب کا زمانہ چراغ روز (یعنی آفتاب) کو سرقہ نکرتا (یعنی پوشیدہ نکر دیتا جس سے وحشت انگیز تاریکی ہو جاتی ہے اور) خزان نہ ہوا کرتی باغ عیش اندوز کو (اور) جام صحت کے لیے سنگ تپ (ومرض) نہ ہوتا (جس سے صحت شکستہ ہو جاتی ہے اور) بیخوفی پر خوف اندوہگینی کو نہ لاتا (غرض) خود کیا کم ہو جاتا اوسکی جود ورحمت سے اگر اوسکی نعمت مین خرخشہ نہ ہوتا (یہان مسند الیہ حقیقی کو ظاہر کر دیا آگے خرخشہ نہ ہونے پر تفریع ہے کہ) سب پر حال خوب اور خوش رہتا (اور) انسان اور جن کی جان تیرہ نہ ہوا کرتی (اور جسکا یہ نفع بھی ہوتا کہ) ہمیشہ حضور (مع اللہ) وذوق کامل رہتا (اور) روح مین ہمیشہ شوق کامل رہتا (اس اثر پر نظر جانا یہ خوش نیتی کا ثمرہ ہے جیسا حدیث مین ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے دریافت فرمایا کہ جب فتوحات وسامان بیفکری مین وسعت ہو گی تمہارا کیا حال ہوگا تو اونھون نے عرض کیا کہ بس کار وبار دنیا سے بیفکر ہو کر خوب عبادت فراغ خاطر سے کرینگے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے جواب مین وسعت دنیا کا جو خاصہ بیان فرمایا تھا یعنی اوس سے مضار دینیہ کا پیدا ہو جانا وہی حاصل ہے جواب قاضی کا جو آیندہ مذکور ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ جب باوجود قصد اعانت علی الطاعات کے بھی وہ مضار مرتب ہوتے ہین جو جہان خود دنیا ہی کی راحت مقصود بالذات ہو وہان تو بدرجۂ اولی اور بہت زیادہ اون مضار کا ترتب ہوگا پس) قاضی نے کہا کہ تو بالکل ہی خالی دماغ صوفی ہے (یعنی) کاف کوفی کی طرح فطانت سے خالی ہے (کاف کوفی کی شکل یہ ہے ک جس کا جوف خالی ہوتا ہے اور کدو کا اطلاق دماغ پر مجاورت واتصال کے علاقہ سے ہو سکتا ہے اور تحقق اس مجاورت کا علاقہ لزوم کے مادہ مین ہوگا بوجہ اس کے کہ صاحب وجہ ہونا عادۃً مستلزم ہے صاحب دماغ ہونے کو کطول النجاد لطول القامۃ مگر یہ اطلاق کہین نظر سے نہین گذرا اور کچھ سمجھ مین نہین آیا اگر کوئی اور توجیہ بن سکے تو ملحق کر دی جاوے اور فطنت سے خالی ہونا پاکی کے خلاف نہین بخلاف ہرزہ وبیہودگی کے پس یہ شبہہ نہ کیا جاوے کہ قلماش کی تحقیق مین جس آیندہ شعر کا حوالہ دیا گیا ہے یہان بھی اوس سے تعارض ہے یہ تو جواب کی تمہید ہے آگے تنعم محض کے بیان مضار سے جواب ہے اور اوس کے قبل ایک مثل تائید جواب کے لیے لائی گئی ہے یعنی) تو نے وہ (قصہ) نہین سنا کہ وہ شیرین کلام (قصہ گو ایک) شب مین خیاطون کی دغابازی کا بیان کر رہا تھا (اور) اس گروہ کی چوری کے باب مین خلق کو افسانہا ے گذشتہ دکھلا رہا تھا (اور) قصہ (اونکی) پارہ ربائی کا قطع کرنے کے وقت بیان کر رہا تھا اوس سے اور اس سے (غرض) فسانہ گوئی مین (اوس وقت) درزی نامہ پڑھ رہا تھا

(اور) اوس کے گرد ایک ہنگامہ جمع تھا ر پورا قصہ آگے آویگا جسکا خلاصہ یہ ہو کہ یہ قصہ سن کر
کسی ترکی کو غصہ آیا اوس نے کہا میرے سامنے کوئی درزی ہرگز نہین چُرا سکتا چنانچہ ایک
عیار درزی کا لوگون نے اوسکو پتہ دیا وہ اوسی کے پاس گیا اور ایک اطلس لے گیا کہ
اسکی قبا قطع کردے اوس نے ہنسی دل لگی کی باتون مین اُسکو مشغول کیا حتی کہ کئی بار یہ
ہنستے ہنستے مدہوش ہوہو گیا اور وہ ہر بار مین کچھ چُرا لیتا الخ مقصود اس قصہ کے لانے سے
یہ تبلانا ہے کہ دیکھو سرور و ضحک سے ایسے نقصان ہوتے ہین اسی طرح اگر مسرت و نعمت محض
ہوتی ایسے ہی مضار اوس پر مرتب ہوتے چنانچہ اس قصہ تمثیلی کے ختم پر ان اشعار مین اسکی
تصریح ہے ع اطلس عمرت بمقراض شہور الخ تو تمامی بری ار الخ واخترت گویدا الخ اب
مولانا قصہ کے درمیان سے انتقال کرتے ہین ایک مضمون ارشادی کی طرف جیسا کہ سرخی
آیندہ سے ظاہر ہے)

بیان حدیث ان اللہ یلقن الحکمۃ علی لسان الواعظین بقدر ہمم المستمعین

(حدیث کی تو کچھ تحقیق نہین لیکن مضمون بالکل صحیح اور تجربہ شدہ ہے۔

مستمع چون یافت جاذب آن وفود
اوس گرم سخن نے جب مستمع کو جاذب پایا
جملہ اجزاش حکایت گشتہ بود
تو اوس کے تمام اجزا حکایت بن گئے تھے

جذب سمع ست ار کسے را خوش لبی ست
اگر کسیکو خوش لبی ہے تو وہ جذب ہی سمع کا
گرمیِ وجدِ معلم از صبی ست
وجد معلم کی گرمی لڑکے کی وجہ سے ہے

چنگیے را کو نواز د بست و چار
وہ چنگ نواز کہ جو بست و چار بجاتا ہے
چون نیابد گوش گردد چنگ بار
جب وہ کان نپاوے تو چنگ کیطرح ہوجاتا ہے

نے حرارہ یادش آید نے غزل
نہ اوسکو ترانہ یاد آتا ہے نہ غزل
نے دہ انگشتش بجنبد در عمل
نہ اوسکی دس انگلیان کام کرنے مین حرکت کرتی ہین

گر نبودے گوشہاے غیب گیر
اگر غیب کے قبول کرنے والے کان نہ ہوتے
وحی ناوردے ز گردون یک بشیر
تو آسمان سے ایک بشیر بھی وحی نہ لاتا

ور نبودے دیدہ ہاے صنع بین
اور اگر صنعت دیکھنے والی آنکھین نہ ہوتین
نے فلک گشتے نہ خندیدے زمین
تو نہ فلک گردش کرتا نہ زمین رونق پذیر ہوتی

آن دم لولاک این باشد که کار	از برای چشم تیزست و نظار
وہ مضمون لولاک یہی ہے کہ صنعت	چشم تیز اور صاحب نظر کے لیے ہے
عامہ را از عشق ہمخوابہ و طبق	کے بود پروای صنع عشق حق
عوام کو ہمخوابہ اور طبق کے عشق سے	صنع حق کی کب پروا ہوتی ہے
آب تتماجی نریزی در تغار	تا سگے چندے نباشد طعمہ خوار
آش کا پانی تو تغار مین نہ ڈالے	جب تک کہ چند سگ طعمہ خوار نہون
تو سگ کہف خداوندیش باش	تا رہا ندزین تغارت اصطفاش
جا حق تعالے کے کہف خداوندی کا سگ ہوجا	تا کہ تجکو اس تغار سے اوسکا مقبول فرمالینا چھڑادیوے

(دقود بفتح واو ہیزم وانچہ بدان آتش افروزند کذا فی الغیاث ومراد آن قصہ گو کہ گرم سخن گشتہ بود تشبیہاً ریا لو قود فی الالتہاب بست وچار ای شعبۃ اربعۃ وعشرون للغناء من المنبع القوی خزارہ ترانہ تتماج بالضم وجیم عربی نام قسمے از آش ست در ترکی تغار طشت گلی کذا فی الغیاث بمناسبت شعر اخیر اشعار بالا در سمیخواند آنکہ دشعر اول اشعار مقام مستمع چون یافت الخ انتقال ہے اس مضمون کی طرف کہ طلب جالب مقصود ہے اور مقصود اس سے ترغیب ہے طلب کی پس فرماتے ہین کہ) اوس گرم سخن نے جب مستمع کو جاذب (دشائق قصہ) پایا تو اوس کے تمام اجزا، حکایت بن گئے تھے (اور یہ جذب کچھ اسی قصہ کے ساتھ خاص نہین بلکہ قاعدہ کلیہ ہے کہ) اگر کسی کو خوش لبی (یعنی قوت وجوش بیان) ہے تو وہ جذب ہے سمع کا (چنانچہ) وجد معلم کی گرمی لڑکے کی وجہ سے ہے (کہ شوق سے متوجہ ہے اسیطرح) وہ چنگ نواز کہ جو بست وچار (شعبہ) بجاتا ہے جب وہ (قدردان کا) کان نہ پاوے تو چنگ کی طرح (کہ خمیدہ ہوتا ہے) وہ خود (خمیدہ) ہوجاتا ہے (یعنی افسردہ وخمیدہ قامت ہوکر بیٹھ رہتا ہے اور اس حالت مین) نہ اوسکو ترانہ یاد آتا ہے نہ غزل (اور) نہ اوسکی دسون انگلیان کام کرنے مین حرکت کرتی ہین (اسیطرح) اگر غیب کے قبول کرنے والے کان نہوتے (کہ اولاً انبیاء علیہم السلام کے کان ہین اور ثانیاً امت اجابت کے) تو آسمان سے ایک بشیر (فرشتہ) بھی وحی نہ لاتا (اصل وحی لانے والے احکام کے گو صرف جبرئیل علیہ السلام ہین مگر وحی کے وقت اون کے ساتھ ایک جماعت ملائکہ کی ہوتی تھی قال تعالی الا من ارتضی من رسول فانہ یسلک من بین یدیہ ومن خلفہ رصدا) اور (اسیطرح) اگر صنعت (حق کی) دیکھنے والی آنکھیں نہ ہوتین تو نہ فلک گردش کرتا (اور) نہ زمین (نباتات سے) دلہن بنی ہوتی وہ مضمون لولاک (بھی) یہی ہے کہ (سب) صنعت (تخلیق) چشم تیز اور صاحب نظر

کے لیے ہے (یعنی چونکہ آپ صاحب نظر ہین اولاً اور دوسرے مصدقین تبعاً اس لیے نظر کرنیکو افلاک وغیرہ پیدا کیے اگر صاحب نظر نہ ہوتے تو پیدا نہ کیے جاتے یہ ایک توجیہ محتمل ہے لیکن مطلوب چونکہ اس پر موقوف نہین اس لیے احتمال مخالف قادح و مضر نہین چنانچہ یہی مضمون کہ اہل نظر کی نظر للاستدلال علی التوحید اعظم غایات ہے خلق سموات وارض کی اس آیت مین ارشاد کیا گیا ہے وما خلقنا السماء والارض وما بینھما باطلا کما ذکرتہ فی تفسیری تو صنع الٰہی پر نظر کرنا واقع مین تو اتنی بڑی چیز ہے کہ وہ غایت اعظم ہے خلق عالم کی لیکن) عوام (یعنی اہل غفلت) کو بجواے او رطبق کے عشق سے (یعنی شہوت فرج وبطن سے) صنع حق زین نظر کردنے) کی کب پروا ہوتی ہے (آگے پھر ایک مثال ہے طلب کے جالب مقصود ہونے کی یعنی) آش کا پاتی (جو کہ خوراک ہے بعضے جانورون کی) تو تغار مین رکھی) نڈالے جب تک کہ چند سگ طعمہ خوارہ ہون (آگے برعایت مناسبت اس مثال کے تتمیم ہے مضمون شعر عامہ را الخ کی یعنی) جا حق تعالیٰ کے کہف خداوندی کا سگ ہوجا (یعنی اوسکی طرح کہ وہ ملازم غار ہے ملازم توجہ ونظر ہوجا) تا کہ تجھکو اس تغار (حرص لبطن وفرج) سے اوسکا مقبول فرما لینا چھڑا دیوے (یعنی عشق بجواے وطبق جو مانع ہے اوس مانع کے ارتفاع کا یہ طریقہ ہے) ف آگے عود ہے قصۂ دزدی خیاطین کی طرف۔

شنیدن ترک حکایت دزدی درزیان را

چونکہ دزدیہاے بیرحمانہ گفت
جب اوسنے اون سرقات بیرحمانہ کا بیان کیا

کہ کنند آن درزیان اندر نہفت
جو خفیہ طور پر درزی لوگ کیا کرتے ہین

اندران ہنگامہ ترکے از خطا
اوس ہنگامہ مین ایک ترک خطا کا رہنے والا

سخت تیرہ شد ز کشف آن غطا
اوس پردہ کے کھلنے سے سخت مکدر ہوا

شب چو روز رستخیز آن راز را
وہ شب کے وقت روز قیامت کیطرح اون رازونکو

کشف میکرد از پے اہل نہی
کھول رہا تھا اہل عقول کے لیے

ہر کجا آئی تو در رنج فراز
تو جہان کو شہر مین بھی جا دے

بینی آنجا دُو عدو در کشف راز
تو وہان دو دشمن دیکھے گا کشف راز مین

آن زبان را محشر مذکور دان
اوس زبان کو محشر مذکور جان

وان گلوے راز گو را صور دان
اور اوس گلوے راز کو صور جان

دان فضائح رابکوی انداخت ست	کہ خدا اسباب خشمی ساخت ست
اور اون فضائح کو محلہ مین ڈال دیا ہے	کہ خداتعالی نے اسباب خشم بنا دیے ہین

جب اوس (قصہ گو) نے اون سرقات بیرحمانہ کا بیان کیا جو خفیہ طور پر درزی لوگ کیا کرتے ہین اوس ہنگامہ مین ایکترک (شہر) خطا کا رہنے والا اوس پردہ (سرقہ خیاطین) کے کھلنے سے سخت مکدر (وغضبناک) ہوا (جسکا قصہ عنقریب آوے گا آگے اس کشف غطا کو کشف غطاے قیامت سے تشبیہ دیتے ہین یعنی) وہ (قصہ گو) شب کے وقت روز قیامت کی طرح (خیاطین کے) اون رازون کو کھول رہا تھا اہل عقول کے لیے (آگے مولانا قصہ سے اس تشبیہ کی تحقیق کی طرف لبطور ارشاد کے انتقال فرماتے ہین کہ) تو جہان گوشہ مین بھی جاوے تو وہان دو دشمن دیکھے گا کشف راز مین (ایک تو) زبان (کہ اوس) کو محشر مذکور جان (یعنی جو کہ شعر بالا مین مذکور ہے بلفظ رستخیز اور معنے یہ ہین کہ محشر مذکور کے مشابہ جان کہ سبب ہے کشف راز کا) اور اوس گلوے راز گو کو صور جان (کہ یہ دوسرا دشمن ہے کیونکہ آواز اسی سے نکلتی ہے جس سے وہ زبان مشابہ قیامت کاشف راز ہوجاتی ہے کیونکہ اگر آواز نہ نکلے تو زبان کا صرف مخارج پر پہونچ جانا کاشف راز نہین ہوسکتا آور صورت اون اسرار کے انکشاف کی یہ ہے) کہ خداتعالی نے اسباب خشم (باضافت بیانیہ) بنا دیے ہین اور اوس خشم کے واسطہ سے) اون فضائح کو محلہ مین (یعنی مجمع مین) ڈال دیا ہے (پس لفظ فرا زائد ہے اور کاف شعر اخیر مین یا بیان ہے انکشاف اسرار کا جو تشبیہ واقع شعر سابق متصل سے مفہوم ہوتا ہے اور یا عطف کے لیے ہے کما فی قول السعدی ؎ اے بسا اسپ تیز رو کہ بماند؛ کہ خر لنگ جا بمنزل بُرد ف) حاصل اشعار ثلثہ کا یہ ہے کہ وہ قصہ گو جو زبان سے اسطرح کشف اسرار کر رہا تھا جیسا قیامت مین کشف اسرار ہوگا یہ کچھ اسی موقع کے ساتھ خاص نہین بلکہ زبان مین یہ خاصیت علی الاطلاق ہے حتی کہ اگر تم گوشہ تنہائی مین بھی ہو تب بھی یہ زبان اور اسی طرح حلقوم جو کہ دشمن ہین گا ہے تمہارے گاہے دوسرے کے یہ وہان بھی تمہارے ہمراہ ہین اور کبھی تمہارے کبھی دوسرون کے کشف اسرار مین نمونہ قیامت ہین جس مین حلق تو صور کے مشابہ ہے اور زبان قیامت کے مشابہ جیسا کہ بضمن ترجمہ مذکور ہوا اور صورت اس کشف کی یہ ہوتی ہے کہ اول غصہ آتا ہے اوسمین آدمی کبھی اپنے قبائح کبھی دوسرے کے فضائح ظاہر کر دیتا ہے اور گو اس اظہار کے وقت وہ گوشہ مین نہین ہوتا مگر یہ ذخیرہ اسرار کا تو گوشہ مین بھی مجتمع تھا اور اوس کے کاشف بھی ہمراہ تھے جن کے تقاضے کے وقت گوشہ سے نکلنا کون دشوار ہے اور اس پر یہ شبہ نہ کیا جاوے کہ اظہار مافی الضمیر بدون غصہ کے بھی

توہوتا ہے جواب یہ ہے کہ یہ حکم مطلق اسرار کے لیے نہین فرمایا بلکہ خاص اسرار عیوب و فضائح کے لیے اور اونکا اظہار عادۃً غصہ ہی کے بعد ہوتا ہے شاید مقصود مولانا کا اس ارشاد سے تنبیہ ہو آفات لسان و غضب پر اور تحذیر ہو اسکی مضرت و معرت سے واللہ اعلم۔

دعوی کردن ترک کہ درزی از من نبرد و گرو بستن و نشان جستن خانۂ درزی را

بس کہ غدرِ درزیان را ذکر کرد
اوسنے جو بہت سا غدر خیاطین کا ذکر کیا
گفت اے قصاص در شہرِ شما
کہنے لگا اے قصہ گو لوگو تمہارے شہر مین
گفت خیاطیست نامش پورِ شُش
اوسنے کہا کہ ایک درزی ہے اوسکا نام ہے پور شُش
گفت من ضامن کہ با صد اضطراب
ترک نے کہا مین ذمہ دار ہوتا ہون کہ باوجود صد اضطراب دستپاچگی
پس بگفتندش کہ از تو چست تر
وہ کون نے اوس سے کہا کہ تجھسے زیادہ چالاک لوگ
تو بعقلِ خود چنین غرہ مباش
تو اپنی عقل پر اسقدر مغرور مت ہو
گرم تر شد ترک و بست آنجا گرو
وہ ترک اور تیز ہوا اور وہان اوس پر شرط باندھ لی
مطمعانش گرم تر کردند زود
طمع والانے والون نے اوسکو جلدی سے اور گرم کردیا
کہ گرو این مرکبِ تازیِ من
کہ میرا یہ مرکبِ تازی رہن رہا

حیف آمد ترک را و خشم و درد
ترک کو ستم اور غصہ اور درد معلوم ہوا
کیست استاتر درین مکر و دغا
سب سے بڑھکر اس مکر و دغا مین کون اوستاد ہے
اندرین دزدی و چستی خلق کش
اس سرقہ مین اور چالاکی مین خلق کُش ہے
او نیارد برد پیشم رشتہ تاب
وہ میرے سامنے ایک بٹا ہوا تاگا نہین لیجا سکتا
مات او گشتند در دعوے میر
اوس سے ہار گئے ہین تو دعوی مین مت آ دلیر
کہ شوی یاوہ تو در تزویرہاش
اسلیے کہ تو اوسکی چالون مین حواس گم کردہ ہوجاویگا
کہ نیارد برد نے کہنہ نہ نو
کہ وہ درزی کچھ نہین لے سکتا نہ کہنہ اور نہ نیا
او گرو بست و دہان را بر کشود
اوسنے شرط باندھ لی اور منھ کھول دیا
بدہم ار دزدد قماشم را بفن
مین یہ دیدونگا اگر وہ میرے جامۂ ابریشم کو چالاکی سے چرالے

ور نتاند برد اسپے از شما
اور اگر وہ نہ لے سکا تو ایک گھوڑا تم سے

ترک را آن شب نبرد از غصہ خواب
ترک کو اس شب مین بوجہ غصہ کے نیند نہ آئی

بامدادان اطلسے زد در بغل
صبح ہی ایک اطلس بغل مین دبایا

پس سلامش کرد گرم آن اوستاد
پس اوس اوستاد نے اوسکو تپاک سے سلام کیا

گرم پرسیدش ز حد ترک بیش
بڑے تپاک سے اوس ترک کی رتبہ سے بھی زیادہ اوسکو پوچھا

چون شنید از وے نواے بلبلی
جب اسنے اوس سے نوای بلبلانہ سنی

کہ ببر این را قباے روز جنگ
کہ اسکو روز جنگ کی قبا قطع کردے

تنگ بالا بہر جسم آراے را
حصہ بالائی تو تنگ ہو جسم کی آرایش کے لیے

گفت صد خدمت کنم اے ذو وداد
درزی نے کہا کہ اے صاحب مودت مین سو خدمت کرونگا

پس بہ پیمود و بدید او روے کار
پھر ناپا اور کام کا انداز دیکھا

از حکایتہاے میران دگر
دوسرے امرا کی حکایات کا

وز بخیلان وز تحسیرات شان
اور بخیلون کا اور اون کی کمی کرنے کا

ہمچو آتش کرد مقراضے برون
آتش کی طرح ایک مقراض باہر نکال لی

واستانم بہر رہن مبتدا
لے لونگا رہن ابتدائی کے طور پر

باخیال دزد میکرد او حراب
وہ چور کے خیال سے لڑتا رہا

شد بہ بازار و دکان آن دغل
بازار مین اور اوس مکار کی دکان پر پہونچا

جست از جا لب بپرسش برکشاد
جگہ سے کھڑا ہوگیا حال پوچھنے کے لیے لب کھولا

تا فگند اندر دل او مہر خویش
یہانتک کہ اوسکے دل مین اپنی الفت ڈال دی

پیشش افگند اطلس اصطنبلی
اوسکے سامنے اطلس استنبولی ڈال دیا

زیر دامن واسع و بالاش تنگ
نیچے سے دامن واسع ہو اور اوسکا حصہ بالائی تنگ ہو

زیر واسع تا نگیرد پاے را
نیچے سے واسع ہو تاکہ پاؤن مین نہ الجھے

دست بر دو چشم و بر سینہ نہاد
ہاتھ دونون آنکھون پر اور سینہ پر رکھ لیا

بعد ازان بکشاد لب را در فشار
اسکے بعد اسنے بکواس کے لیے لب کھولا

وز کرمہا و عطاے آن نفر
اور اوس جماعت کے کرم و عطا کا

از براے خندہ داد او ہم نشان
ہنسانے کے لیے اسنے نشان بھی دیا

می برید و لب پر افسانہ و فسون
قطع کرتا جاتا تھا اور لب افسانہ و افسون پر

اوس (قصہ گو) نے جو بہت ساغدر خیاطین کا ذکر کیا ترک کو ستم اور غصہ اور درد

معلوم ہوا کہنے لگا اے قصہ گو لوگو تمھارے شہر مین سب سے بڑھکر اس مکر و دغا مین کون اُستاد ہے (چونکہ قصہ کی تصدیق مین سب شریک تھے اس لیے سبکو قصہ گو کہدیا) اوس (قصہ گو) نے کہا کہ ایک درزی ہے اوس کا نام ہے پورششش اس سرقہ مین اور چالاکی مین خلق کُش ہے (ایک حاشیہ مین لکھا ہے در وجہ تسمیہ پورشش نوشتہ اند کہ چون ششش باد ہی یا بد یعنی نفس دران داخل می شود و ازان خارج دو اما چون مروحہ باد پیمائی میکند چنانکہ مروحۂ قلب ہم ہمین سبب اورا میگویند و آن خیاط نیز چون بیہودہ گو و باد پیما بود پورشش لقب او نہاد ندام) ترک نے کہا مین ذمہ دار ہوتا ہون کہ با وجود صد ہا دست درازی کے وہ میرے سامنے ایک بٹا ہوا تاگا نہین لیجا سکتا لوگون نے اوس سے کہا کہ تجھ سے زیادہ چالاک لوگ اوس سے ہار گئے ہین تو دعوے مین مت اُڑ تو اپنی عقل پر اسقدر مغرور مت ہو اس لیے کہ تو اوسکی چالون مین جو اس گم کردہ ہو جاوے گا وہ ترک اور تیز ہوا اور وہان اوس پر یہ شرط باندھ لی کہ وہ درزی کچھ نہین لے سکتا نہ کہنہ اور نہ نیا طمع دلانے والون نے اوسکو جلدی سے اور گرم کر دیا اوس نے شرط باندھ لی اور مُنھ (اس بات کہنے کے لیے) کھول دیا کہ یہ میرا مرکب تازی رہن رہا مین یہ دیدونگا اگر وہ (درزی) میرے جامۂ ابریشم کو چالاکی سے چُرالے اور اگر وہ نہ لے سکا تو ایک گھوڑا تم سے لے لونگا رہن ابتدائی کے طور پر (ابتدائی کہنے کی غالباً یہ وجہ ہے کہ جیسا ترک نے اُسیوقت ایک گھوڑا رہن کے لیے معین کر دیا ایسا اُن لوگون کی طرف سے اُسوقت کوئی معین گھوڑا نہین رکھا گیا جسکا اخیر مین دینا انتہائی رہن ہوتا بلکہ ہارنے کی صورت مین جو گھوڑا یہ دینگے وہ دینا ابتدائی طور پر ہوگا اور اس شعر سے دو شعر پہلے جو ان لوگون کو طمع دلانے والا کہا ہے وہ اسی فرمایش کے اعتبار سے جو کہ ترک نے ان لوگون سے ایک گھوڑا لینا کیا لوگون نے ایسے انداز سے گفتگو کی ہوگی کہ اُسکو ایک گھوڑا ہاتھ آجانے کی طمع دامنگیر ہوگئی بوجہ اس اعتماد کے کہ میرے سامنے درزی کپڑا نہین چُرا سکتا تو اون لوگون نے طمع مین ڈالکر اسکو اس شرط پر آمادہ کر دیا اور یہ یقین تھا کہ یہی ہارے گا غرض) ترک کو اوس شب مین بوجہ غصہ کے نیند نہ آئی (رات بھر) چور کے خیال سے لڑتا رہا (اور) صبح ہی ایک اطلس بغل مین دبایا (اور) بازار مین اور (اوس) مکار کی دُکان پر پہونچا پس اوس استاد (یعنی درزی) نے اوسکو تپاک سے سلام کیا (اور اپنی) جگہ سے (تعظیم کے لیے) کھڑا ہوگیا (اور) حال پوچھنے کے لیے لب کھولا (اور) بڑے تپاک سے اوس ترک کے رتبہ سے بھی زیادہ اوسکو پوچھا یہانتک کہ اوسکے دل مین اپنی اُلفت ڈالدی جب اوس (ترک) نے

اوس (درزی) سے تواے بلبلانہ گُنی (خوش ہوکر) اوس کے سامنے اطلس استنبولی ڈال دیا
(ابدال سین لصاد کثیر ست چون صدد غیرہ) کہ اس کو روز جنگ کی قبا قطع کردے نیچے سے
دامن واسع ہو اور اسکا حصہ بالائی تو تنگ ہو حصۂ بالائی تو تنگ ہو جسم کی آرایش کے لیے
(اور) نیچے سے واسع ہو تاکہ پاؤن مین دہ او نجھے درزی نے کہا کہ اے صاحب مودّت مین
سو خدمت کرونگا (اوسنے یہ کہکر) ہاتھ (اپنے) دونون آنکھون پہ اور سینہ پر رکھ لیا پھر (اوس
کپڑے کو) ناپا اور (کپڑے کو اولٹ پلٹ کر) کام کا اندازہ دیکھا (جیسے عادت ہے درزیوں کی)
اوس کے بعد اوس نے بکواس کے لیے لب کھولا (یعنی) دوسرے امرا کی حکایات کا اور
اوس جماعت کے کرم وعطا کا اور بخیلون کا اور (خرچ مین) اونکی کمی (وخسّت) کرنے کا
ہنسانے کے لیے (ان سب مضامین کا) نشان دیا (اور) آتش کی طرح (تیز) ایک مقراض
باہر نکال لی (کہ اوس سے تو کپڑا) قطع کرتا جاتا تھا اور لب افسانہ اور افسون پر دررکھا تھا
چونکہ افسانہ کی غرض افسون تھا کہ ترک کو غافل کرکے چراوں اس لیے اوس کو
افسون سے تعبیر کیا۔)

مضاحک گفتن اُستاد و خندیدن تُرک مست و چشم او بستہ شدن

و وصلہ ربودن درزی

یک مضاحک چست گفت آن اوستاد
ایک ہنسی کی بات چٹ پٹ کہی اوس اُستاد نے

تُرک مست از خندہ شد سُست وفتاد
تُرک مست ہنسی سے ڈھیلا ہو گیا اور گر پڑا

تُرک خندیدن گرفت از داستان
ترک نے اوس داستان سے ہنسنا شروع کیا

چشم تنگش گشت بستہ آن زمان
اوسوقت اوسکی چشم تنگ بند ہو گئی

پارہ دزدید و کردش زیر ران
اوسنے ایک ٹکڑا چرالیا اور اوسکو ران کے نیچے دبالیا

غیر حق از جملۂ احیا نہان
بجز حق تعالے کے اور سب زندون سے پوشیدہ

حق ہمی دید آن ولے ستّار خوست
حق تعالے جانتے ہین ولیکن ستّار خو ہین

لیک چون از حد بری غمّاز اوست
لیکن جب تو حد سے گذر جاوے تو وہ غمّاز ہین

تُرک را از لذّت افسانہ اش
تُرک کے ذہن سے اوسکے افسانہ کی لذّت

رفت از دل دعوے پیشانہ اش
وہ اوسکا دعوے سابقہ جاتا رہا

اطلسے چہ دعویے چہ رہن چہ
کیسی اطلس کیسا دعویٰ کیسی شرط
ترک سرمست ست در لاغ اے اچہ
ترک تو ہزل مین مست ہو رہا ہے اے بھائی

لابہ کردش ترک کز بہر خدا
ترک نے اوسکی خوشامد کی کہ خدا کے واسطے
لاغ میگو کان مرا شد مغتذی
کوئی خوش طبعی کی بات کہہ کہ وہ میری غذا بن گئی

گفت لاغ خندہ انگیز آن دغا
اوس دغا باز نے پھر ایک خندہ انگیز مسخری کی بات کہی
کہ فتاد از خندہ آن ترک از قفا
جس سے وہ ترک ہنستے ہنستے قفا کے بھل گر پڑا

پارۂ اطلس سبک بر نیفہ زد
اوسنے ایک ٹکڑا اطلس کا جلدی سے نیفہ مین لگا لیا
ترک غافل خوش مضاحک میمزد
ترک غافل اور خوش وہ مضحک بات کو چاب رہا ہے

ہمچنین بار سوم ترک خطا
اسیطرح تیسری بار اوس ترک خطا نے
گفت لاغے گوے از بہر خدا
کہا کہ اور مسخری کی بات کہہ خدا کے لیے

گفت لاغے خندہ مین تر از دو بار
اوسنے ایک مسخری کی بات جو دو بار سے زیادہ خندہ آمیز تھی
کرد او آن ترک را کلی شکار
اوسنے اوس ترک کا پورے ہی طور سے شکار کر لیا

چشم بستہ عقل جستہ مولہہ
آنکھ بند ہو گئی عقل حیران ہو کر سلب ہو گئی
مست ترک مدعی از قہقہہ
ترک مدعی قہقہہ سے مست ہو گیا

پس سوم بار از قبا دزدید شاخ
پس تیسری بار اوسنے قبا سے اور ٹکڑا چرا لیا
کہ ز خندش یافت میدان فراخ
کیونکہ اوسنے ترک کے خندہ سے میدان فراخ پایا

چون چہارم بار آن ترک خطا
جب چوتھی بار وہ ترک خطا
لاغ زان استا دمیکرد اقتضا
مسخرکا اوس استاد سے تقاضا کرنے لگا

رحم آمد بر وے آن استاد را
تو اوس پر رحم آیا اوس استاد کو
کرد در باقی فن بیداد را
اوسنے فن بیداد کو باقی کے متعلق کر دیا

گفت مولع گشتہ این مفتون برین
کہا کہ یہ مفتون تو اس پر حریص ہو رہا ہے
بے خبر کین چہ خسارست و غبین
بے خبر ہے کہ یہ کیا خسارہ اور غبن ہے

بوسہ افشان کرد بر استاد او
اوسنے استاد پر بوسہ نثار کیا
کہ بمن بہر خدا افسانہ گو
کہ خدا کے لیے مجھے افسانہ کہہ دے

(قال بحر العلوم مضاحک جمع مضحکہ است بمعنے محل ضحک و آن کلامے و فعلے کہ ضحک ازو پیدا آید کہ آنرا در لغت عرب اضحوکہ گویند گویا محل ضحک ست و مولوی مضاحک بمعنے مفرد استعمال کردند بمعنے جنس اضحوکہ) ایک ہنسی کی بات چٹ پٹ کی اوس اوستاد نے

ترک مست ہنسی سے ڈھیلا ہوگیا اور گر پڑا (محبت اور سست کا تقابل نہایت لطیف واقع ہوا) ترک نے
اوس داستان سے ہنسنا شروع کیا (اور) اوسوقت اوسکی چشم تنگ بند ہوگئی (ترکون کی آنکھین چھوٹی
ہوتی ہین اوسوقت) اوس نے ایک ٹکڑا چرالیا اور اوسکو ران کے نیچے دبالیا (اور) بجز حق تعالے
کے اور سب زندون سے پوشیدہ۔ حق تعالیٰ جانتے ہین ولیکن ستار خو ہین لیکن جب تو حد سے گذر جاوے
تو وہ (اوسوقت) غماز ہین ترک کے ذہن سے اوس کے افسانہ کی لذت کے سبب وہ اوس کا دعویٰ سابقہ
جاتا رہا کیسا اطلس کیسا دعویٰ کیسی شرط ترک تو ہزل مین مست ہو رہا ہے اے بھائی (فی بعض الحواشی
اچہ بترکی برادر بزرگ اہ وفی الغیاث اچی بالیاء) ترک نے اوسکی خوشامد کی کہ خدا کے واسطے (پھر)
کوئی خوش طبعی کی بات کہہ کہ وہ میری غذا بن گئی (دراصل مغتذی بہ بود بطریق حذف وایصال
چنانچہ مشترک بمعنے مشترک فیہ ومعتبر بمعنے معتبر بہ وامثال این کذا فی بعض الحواشی) اوس دغا باز نے
پھر ایک خندہ انگیز تمسخر کی بات کہی جس سے وہ ترک ہنستے ہنستے قفا کے بھل گر پڑا اوس نے ایک
ٹکڑا اطلس کا جلدی سے نیفہ مین لگا لیا ترک غافل اور خوش اوس مضحک بات کو چاٹ رہا ہے
(ترجمۃ بالحاصل وفی الاصل مزیدن بمعنے مکیدن کما فی بعض الحواشی) اسی طرح تیسری بار اوس
ترک خطا نے کہا کہ اور تمسخر کی بات کہہ خدا کے لیے اوس نے ایک تمسخر کی بات جو (پہلی) دو بار سے
زیادہ خندہ آمیز تھی کہی (میم درخندہ مین برائے نسبت چنانچہ در نیلم منسوب بہ رنگ نیلگون ویاد
نون ہم بنائے نسبت چنانچہ در اولین وشاید کہ یک اداۃ نسبت تاکید اداۃ دیگر باشد
واللہ اعلم) اوس نے اوس ترک کا پورے ہی طور سے شکار کر لیا آنکھ بند ہوگئی عقل حیران
ہو کر سلب ہوگئی (پس مولہہ بصیغۂ اسم مفعول مؤنث حال ست از ضمیر جستہ کہ عائد ست
بہ عقل وتانیث او بتاویل عقل بقوت عقلیہ) ترک مدعی قہقہہ سے مست ہوگیا پس تیسری
بار اوس نے قبا سے اور ٹکڑا چرا لیا (شاخ پارۂ جامہ کما فی الغیاث) کیونکہ اوس نے ترک کی
خندہ سے میدان فراخ پایا جب چوتھی بار وہ ترک خطا تمسخر کا تقاضا کرنے لگا تو اوس پر رحم آیا
اوس استاد کو (اور اس لیے) اوس نے (اپنے) فن بیداد (وظلم) کو باقی (یعنی مستقبل) کے متعلق
کر دیا (یعنی یہ سوچ لیا کہ بار باقی صحبت باقی اب پھر آیندہ کبھی یہ کپڑا لا دے گا اوسوقت اپنے
فن کی مشق کرونگا اور ایک حاشیہ مین لکھا ہے کہ در باقی کردن اصطلاح ہے بمعنے برطرف ساختن
وبیباق نمودن تو اس پر یہ ترجمہ مناسب ہے کہ رحم کر کے فن بیداد کو باقی مین ڈالدیا یعنے
اس فن کو اور خرچ نہین کیا جس کے لیے لازم ہے کہ ترک کر دیا اور اپنے دل مین) کہا کہ یہ
مفتون تو اس پر حریص ہو رہا ہے (اور اس سے) بے خبر ہے کہ کیا خسارہ ہے اور کیا غبن ہے
اوس (ترک) نے استاد پر بوسہ نثار کیا کہ خدا کے لیے مجھے (اور) افسانہ کہہ لے۔

خطاب باهر نفسے کہ بمثل این بلا مبتلا است

(یعنے جتنے نفوس ایسی بلا مین مبتلا هون اون سب کو خطاب ہے اور یہ انتقال ہے قصہ سے ارشاد کی طرف)

اے فسانہ گشتہ و محو از وجود
اے شخص کہ تو فسانہ ہو رہا ہی اور ہستی سے محو ہو رہا ہے
چند افسانہ بخواہی آزمود
تو کہاں تک فسانہ کو آزما دیگا

خندہ مین تر از تو ہیچ افسانہ نیست
تجھ سے زیادہ کوئی افسانہ مضحک نہین ہے
بر لب گور خراب خویش ایست
اپنی گور خراب کے کنارہ پر ذرہ کھڑا ہو

اے فرو رفتہ بقبر جہل و شک
ای شخص کہ جہل و شک کی قبر مین گھسا ہوا ہے
چند جوئی لاغ و دستان فلک
کہاں تک طلب کریگا بازی اور فریب زمانہ کا

تا بکے نوشی تو عشوہ این جہان
تو کب تک اس دنیا کا عشوہ نوش کریگا
کہ نہ عقلت ماند بر قانون نہ جان
کہ نہ تیری عقل قانون پر رہی نہ روح

لاغ این چرخ ندیم کرد و مرد
اس چرخ کی بازی نے جو کہ ندیم ہی بارش اونکا بھی وہی رویش ہوگی
آبروی صد ہزاران چون تو برد
تجھ جیسے لاکھون کی آبرو برباد کردی

میدرد میدوزد این درزی عام
یہ درزی عام پھاڑتا ہے اور سیتا ہے
جامہ صد سالگان و طفل خام
صد سالہ لوگون کے بھی اور طفل خام کے بھی کپڑے

پیر و طفلان شستہ پیشش بہر کد
پیر اور طفل سب اوسکے سامنے گداگری کے لیے بیٹھے ہین
تا بسعد و نحس او لاغی کند
تاکہ وہ سعد و نحس سے بازی کرے

لاغ او گر باغہا را داد داد
اوسکی بازی نے اگر باغون کو عطا دی ہے
چون دے آمد دادہا بر باد داد
تو جب خزان آئی اوسنے سب عطاؤن کو برباد کر دیا ہے

اے شخص کہ تو فسانہ ہو رہا ہے اور ہستی (مطلوب) سے محو ہو رہا ہے تو کہاں تک فسانہ کو آزما دیگا (یعنی اوس ترک کی طرح تو اسباب عیش و غفلت کا عاشق ہو کر اوسکی ترقی کا طالب ہو رہا ہے اور اوس سے سیر نہین ہوتا انجام یہ کہ خود تو افسانہ ہو گیا جس طرح وہ ترک مثل ہو گیا کہ اوسکی حکایت تمثیل کے لیے لائی جا رہی ہے) تجھ سے زیادہ کوئی افسانہ مضحک نہین ہے اپنی گور خراب کے کنارہ پر ذرہ کھڑا ہو (یعنی موت کو یاد کر اور کنارۂ قبر پر جا کر غور کر کہ انجام تیرا یہ گور خراب ہے مگر بجائے اس قبر و یاد موت کے تو) اے شخص کہ جہل

ودشک کی تہ مین گھسا ہوا ہے کہان تک طلب کرے گا بازی اور فریب زمانہ کا (یعنی دنیا کا عیش وعشرت ظاہری جو اپنے مضرت باطنی کے سبب مشابہ لاغ ودستان کے ہے توکب تک اس کا طالب رہیگا (ور) توکب تک اس دنیا کا عشوہ نوش کرے گا کہ نہ تیری عقل قانون پر رہی نہ روح۔ اس چرخ کی بازی نے جو کہ ندیم ہے باریش والون کا بھی اور بے ریش والون کا بھی

(فان الکرد جیل من العرب وبقرینۃ مقابلتہ للمرد الذی ھو جمع امرد یحمل علی معنے صاحب اللحیۃ) تجھ جیسے لاکھون کی (جو کہ غفلت وبازی مین مبتلا ہوگئے) آبرو برباد کردی (جس طرح اوس درزی نے اوس ترک کی اطلس برباد کردی جب وہ بازی ولاغ مین مشغول ہوا) یہ درزی عام (یعنی چرخ) پھاڑتا ہے اور سیتا ہے صد سالہ لوگون کے بھی اور طفل خام کے بھی کپڑے (یعنی سب عمر بھی پاتے ہین اور سب کی عمر گذرتی بھی جاتی ہے کما قال تعالی وما یعمر من معمر ولا ینقص من عمرہ الا فی کتاب (ور) پیر اور طفل سب اس کے سامنے گداگری کے لیے بیٹھے ہین (یعنی اسباب معیشت کی طلب کر رہے ہین جس طرح وہ ترک قبا سلوانے کے لیے بیٹھا تھا) تاکہ وہ (اپنے) سعد ونحس (کے ذریعہ) سے (سب کے ساتھ) بازی کرے (لفظ تاکہ عاقبت کے لیے ہے آگے بیان ہے لاغ مذکور کا کہ) اوسکی بازی نے اگر باغون کو عطا دی ہے توجب خزان آئی اوس نے سب عطاؤن کو برباد کردیا ہے (وہ داد اثر سعد کا ہے اور یہ بربادی اثر نحس کا مطلب یہ کہ اوسکے اسباب عیش پر غافل مت بنو کہ وہ سبب مضرت کا ہے جیسے اوس درزی کے مضحکات سبب ہوے خسارہ ترک کے اور سعد ونحس بنائے علے الشہرۃ کہدیا مقصود اس مضمون سے تنبیہ ہے کہ ترک مست کی طرح دنیوی عیش سے غفلت مین مست پڑ جانا) ف ان اشعار مین جو فلک کو صاحب دستان اور جہان کو صاحب عشوہ کہا ہے اس کی تحقیق مابعد کے اشعار مین بضمن شرح شعر اطلس عمرت بمقراض شہور الخ لکھی جاوے گی انشاء اللہ تعالی۔

گفتن درزی ترک را کہ اگر یکبار دیگر لاغ گویم قبایت تنگ شود

گفت درزی ترک را زین درگذر
درزی نے ترک سے کہا کہ اب اس سے درگذر
بس قبایت تنگ آید باز پس
پھر تیری قبا بہت تنگ ہو جاوے گی

وای بر تو گر کنم لاغ دگر
تیرے حال پر افسوس ہوگا اگر مین اور تمسخر کرونگا
این کند با خویشتن خود ہیچکس
بھلا کوئی شخص اپنے ساتھ ایسا ہی کیا کرتا ہے

ستر این خندہ اگر دانستیی
اگر تو اس خندہ کا راز جانتا

آن زصد گریہ بتر دانستیی
تو تو اوسکو صدہا گریہ سے بدتر جانتا

ترکِ خندہ کن ایا اے ترکِ مست
اے ترک مست تو خندہ کو ترک کر دے

زانکہ عمرت رفت خواہی گشت پست
کیونکہ تیری عمر گئی گذری تو پست ہو جاوے گا

چونکہ بنہاد آن قبا درزی ز دست
جب کہ اوس درزی نے قبا ہاتھ سے رکھی

اسپ را ابر باد داد آن ترکِ مست
تو اوس ترک مست نے گھوڑے کو برباد کر دیا

درزی نے ترک سے کہا کہ (اب) اس تمسخر کی درخواست) سے درگذر تیرے حال پر افسوس ہوگا اگر مین اور تمسخر کرونگا (وہ افسوس یہ ہوگا کہ) پھر تیری قبا بہت تنگ ہو جاوے گی بھلا کوئی شخص اپنے ساتھ ایسا بھی کیا کرتا ہے (کہ اپنے ضرر کے سبب کی درخواست کرے) اگر تو اس خندہ کا راز (یعنی انجام مخفی) جانتا تو تو اسکو صدہا گریہ سے بدتر جانتا (آگے مولانا کا ارشادی مقولہ ہے کہ) اے ترک مست تو خندہ کو ترک کر دے (یعنی اے غافل اشتغالِ شہوات ذمیمہ کو ترک کر دے) کیونکہ تیری عمر (جو مشابہ اطلس کے ہے جیسا عنقریب آتا ہے کچھ تو) گئی گذری (جیسے وہ اطلس ضائع ہوئی اگر اب بھی تو نے ترک شہوت نہ کیا تو) تو (زیادہ) پست ہو جاویگا (کہ بقیہ عمر بھی ضائع ہو جاوے گی جیسا درزی نے کہا تھا کہ زیادہ لاغ سے بقیہ کپڑا بھی برباد جاویگا اور قبا کے مقصود کے لیے کافی نہ ہوگا پھر آگے تتمہ ہے قصہ کی کہ) جب اوس درزی نے قبا ہاتھ سے رکھی (اور ظاہر ہوا کہ اس طرح کپڑا اخیر آیا گیا) تو (موافق شرط کے) اوس ترک مست نے گھوڑے کو برباد کر دیا (یعنی ہار مین دیدیا آگے قصۂ ترک و درزی کی تطبیق ہے جو اب قاضی پر جسکو احقر اوپر سرخی ان اللہ یلقن الحکمۃ سے ذرہ پہلے لکھ بھی چکا ہے)۔

مخلصش بشنو توئی آن ترکِ گول
تو اوسکا خلاصہ سن وہ ترکِ احمق تو ہے

عالمِ غدار خیاطِ چو غول
عالم غدار خیاط مشابہ غول ہے

اطلسے کز بہر تقوی و صلاح
جو اطلس تقوی و صلاح کے لیے

دوخت باید خرچ کردی از مزاح
سینا چاہیے تھا تو نے مزاح سے خرچ کر ڈالا

اطلست عمر و مضاحک شہوت ست
اطلس تیری عمر ہے اور ہنر لیات شہوت ہے

روز و شب مقراض و خندہ غفلت ست
دن اور رات مقراض ہے اور خندہ غفلت ہے

اسپِ ایمان ست و شیطان در کمین
گھوڑا ایمان ہے اور شیطان کمین مین ہے

با خود آ افسانہ را بگذار ہین
تو اپنے آپ مین آ اور افسانہ کو خبردار چھوڑ دے

اطلس عمرت بمقراض شهور
تیری اطلسِ عمر کو مہینون کی مقراض سے
تو تمنا می بری کاختر مدام
تو تمنا کرتا ہے کہ کوکب ہمیشہ
سخت می تولی زتربیعات او
تو اوسکی نحوستون سے گھبراتا ہے
سخت می رنجی زخاموشیِ او
اوسکی خاموشی سے سخت رنجیدہ ہوتا ہے
مشتری وزہرہ چون در رقص نیست
جس حالت مین کہ مشتری و زہرہ رقص مین نہین ہین
کہ چرا زہرہ طرب در رقص نیست
کہ کس لیے زہرۂ طرب رقص مین نہین ہے
اخترت گوید کہ گر افزون کنم
تیرا اختر کہتا ہے کہ اگر مین زیادہ کردونگا
تو ببین قلابیِ این اختران
تو ان کواکب کی گردش مت دیکھ

بُرد پارہ پارہ خیاطِ غرور
ٹکڑے ٹکڑے کرکے خیاطِ مکار دے گیا
لاغ کردے سعد بودے بر دوام
خوش طبعی کیا کرتا ہمیشہ سعد ہی رہتا
وزوبال و کینہ و آفاتِ او
اور اوسکے وبال اور کینہ اور آفات سے
وزنحوس و قبض و کین کوشیِ او
اور اوسکی نحوست اور انقباض اور کینہ کوشی سے
چونکہ بہرام و زحل را نقص نیست
جبکہ مریخ اور زحل کو نقص نہین ہے
بر سعود و رقص و نحسِ او مایست
تو اوسکے سعود اور رقص اور نحس پر قیام مت کر
لاغ را پس کلیت مغبون کنم
خوش طبعی کو تو تجکو بالکلیہ زیان یافتہ کردونگا
عشقِ خود بر قلب زن بین اے فلان
اپنے عشق کو تقلیب کے مؤثر پر دیکھ اے فلانے

(مولانا بلسان قاضی طالبان لذات کو بسمع صوفی بعنوان تطبیق قصہ خطاب فرماتے ہین کہ) تو اس کا خلاصہ سُن وہ ترکِ احمق تو ہے (اور) عالم غدار خیاط مشابہ غول ہے جو اطلس (عمر کو) تقوی وصلاح کے لیئے بینا چاہیے تھا (جس طرح اوس ترک کا قباے اطلس حرب کے لیے سلتا) تونے (اوسکی) مزاح (وغفلت) سے خرچ کر ڈالا – اطلس تیری عمر ہے اور ہزلیات شہوت (مذمومہ) ہے (اور) دن اور رات (کا زمانہ) مقراض ہے (کہ اوس مین بھی ۲ دو جز وہوتے ہین) اور خندہ غفلت ہے گھوٹنا ایمان ہے اور شیطان کمین مین ہے (جس طرح وہ شرط باندھنے والے گھوڑے کی تاک مین تھے کہ اوسکو جوش دلا کر شرط بندھوا لی اور گھوڑا اوسے لیا) تو اپنے آپے مین (یعنی ہوش مین) آ اور افسانہ کو خیر دا د چھوڑ دے تیری اطلس عمر کو مہینون (اور سالون کے گذرنے) کی مقراض سے ٹکڑے ٹکڑے کرکے خیاط مکار لے گیا (عالم کو جو یہان خیاط غرور اور اوپر غدار کہا ہے اسی طرح اس کے قبل کے اشعار مین فلک کو صاحب دستان اور عالم کو صاحب عشوہ کہا ہے اور بعض تصرفات کو یعنی اوسکی طرف منسوب کیا ہے یہ سب

محاورات شاعرانہ پر مبنی ہے ورنہ حدیث مین سَبُّ الدہر سے ممانعت آئی ہے اور ان اللّٰہ ہو الدہر مین دہر کی طرف تصرفات کی نسبت سے بھی ممانعت فرمائی ہے چونکہ دہر ظرف ہے واقعات کا اوسکی طرف اسناد مجازی کر دی گئی جیسے انبت الربیع البقل اور چونکہ بانضمام جہل مکلف وہ واقعات سبب ہوجاتے ہین دھوکہ مین پڑنے کے اُسکو دستان وعشوہ وغدر وغیرہ سے تعبیر کر دیا گیا کما اسند الغرور الی الحیٰوۃ الدنیا فی قولہ تعالیٰ فلا تغرنکم الحیٰوۃ الدنیا اب تطبیق قصہ کے بعد عود ہے جواب قاضی للصوفی کی طرف کہ صوفی کا مقولہ اوپر ان اشعار مین گذرا ہے گفت صوفی کہ چہ بودے کا ینجہان ٭ ابروئے رحمت کشادے جاودان الابیات السبعۃ المارۃ من قبل یعنی اے صوفی) تو تمنا کرتا ہے کہ کوکب ہمیشہ خوش طبعی کیا کرتا ہمیشہ سعد ہی رہتا (اور) تو اوسکی نحوستون سے گھبراتا ہے (از تولیدن بمعنے رمیدن کذا فی الغیاث و تربیع نظر کردن کوکب از برج سوم کہ ربع فلک ست بکوکب دیگر از منتخب واین نظر دلیل دشمنی ست از مدار کما فی الغیاث پس کنایہ از نحوست باشد علی اصطلاح اہل التنجیم) اور اوس کے وبال اور کینہ اور آفات سے (گھبراتا ہے اور تو) اوس کی خاموشی سے سخت رنجیدہ ہوتا ہے (جس طرح وہ تُرک درزی کی خاموشی سے رنجیدہ ہوکر اوس سے درخواست کرتا تھا کہ اور ہنسی کی بات کر اس مصرعہ مین خاموشی کنایہ ہے اسباب سرور وشہوت کے عدم وقوع سے) اور اوس کی نحوست اور انقباض وکینہ کوشی سے (رنجیدہ ہوتا ہے) جس حالت مین کہ مشتری وزہرہ رقص مین نہین ہین (اور) جبکہ مریخ اور زحل کو نقص نہین ہے (بلکہ اپنے فعل نحوست کے کمال پر ہین اوس حالت مین مشتری وزہرہ کی خاموشی سے اور مریخ وزحل کی نحوس وتبغض وکین کوشی سے رنجیدہ ہوتا ہے جسکا ذکر اس شعر مین تھا سخت می رنجی الخ پس لفظ چون اور چونکہ جو اس شعر مین واقع ہین ظرف ہین فعل سخت می رنجی کے جو شعر سابق مین ہے اور خاموشی اور کین کوشی او کا مرجع مطلق اختر ہے جو ذرہ اوپر کے شعر مین مذکور ہے اور شامل ہے تمام کواکب کو جنمین یہ سب کواکب مذکورہ شعر ہذا آگئے آگے بیان ہے رنجیدگی کا یعنی اس پر رنجیدہ ہوتا ہے) کہ کس لیے زہرہ طرب (یعنی زہرہ جو سبب طرب ہے) رقص مین نہین ہے (اور اسی سے یہ تمنا بھی لازم آ گئی کہ کس لیے کوکب نحس عمل نحوست مین ہے آگے مولانا فرماتے ہین کہ) تو اوس (اختر شامل للسعد والنحس) کے سعود ورقص اور نحس پر قیام مت کر (یعنی ان مجموعی آثار پر نظر مت کر اور مقصود وہی کرنا ہے ناگوار واقعات پر نظر کرنیسے یعنی شہوات کو مرغوب اور بلیات کو نامرغوب مت سمجھ کیونکہ تیری تمنائے شہوات کے جواب مین) تیرا اختر کہتا ہے کہ اگر مین خوش طبعی کو زیادہ کردونگا تو تجھکو بالکلیہ زیان یافتہ کر دونگا (کہ انہماک فی الشہوات سے

زبانِ عمر ظاہر ہے آگے پھر مولانا فرماتے ہین کہ) تو ان کواکب (نحسہ) کی گردش (نظر ناگوار سے) مت دیکھ (بلکہ اوس کے وقوع کے وقت) اپنے عشق کو (اس) تقلیب کے مؤثر پر دیکھ اے فلانے (کہ اوسوقت تو اون حکمتون اور مصلحتون اور رحمتون پر جو کہ ان حوادث و بلیات مین مودع ہین نظر کر کے دلمین حق تعالیٰ کی محبت پاتا ہے یا نہین اسکو دیکھ مقصود یہ ہے کہ اگر محبت نہ پاوے تو اُن منافع کا استحضار و مراقبہ کر کے محبت پیدا کر کہ اوس نے تجھکو یہ نعمت عطا فرمائی اور شہوات و لذات نفسانیہ کے مضار سے بچا لیا یہی حاصل تھا جواب قاضی کا کہ اگر لذات و شہوات محضہ کی تکوین ہوتی تو بہت مضار اوس پر مرتب ہوتے اب حق تعالیٰ نے مصائب کی بھی تکوین فرمائی جسپر یہ ثمرات و برکات مرتب ہین پس قلب کو بمعنے گردانیدن اور زدن کو بمعنے کردن لیا گیا الاول من المنتخب والثانی من الغیاث) ف اور شعر سخت می رنجی اور شعر مشتری و زہرہ اور شعر کہ چرا زہرہ کی اور ایک توجیہ ہوسکتی ہے کہ سخت می رنجی کے قرینہ سے شعر ثانی کے اول مین میگوئی مقدر ہوا اور چون بمعنے چرا ہو اور چونکہ اپنے معنے ظرفی پر رہے اور نقص بمعنے نقص کامل یعنی نحس کامل ہو اور شعر ثالث بیان ہو میگوئی مقدر کا بطور حاصل کے پس تقریر یہ ہوگی کہ تو رنجیدہ ہو کر یون کہتا ہے کہ جس حالت مین کہ مریخ اور زحل کے لیے بھی باوجود منحوس مشہور ہونے کے پوری نحوست ثابت نہین کما سیاتی تو پھر مشتری و زہرہ جو کہ سعد مشہور ہین کیون ہر وقت رقص مین نہین رہتے جس رقص کا بیان یہ ہے کہ مثلاً زہرہ جو کہ طرب کا موجب ہے وہ من حیث الطرب رقص مین کیون نہین حاصل یہ کہ وہ طرب بخش کیون نہین اور مثلاً اس لیے کہا کہ مراد مشتری و زہرہ دونون ہین جو کہ شعر ثانی مین مذکور تھے یہ توجیہ ہو گئی اب یہ بات رہ گئی کہ مریخ اور زحل مین پوری نحوست نہین سو اوس کا بیان یہ ہے کہ مولانا نے دفتر پنجم کے اخیر مین فرمایا ہے۔ گرچہ در تاثیر نحس آمد زحل + دقتِ فکر آید از وے در عمل + اور ولی محمد اور رحمہ افضل نے حاشیہ مین کہا ہے کہ جسکے طالع مین زحل ہوتا ہے وہ دقیق الفکر ہوتا ہے اور یہ کمال اور سعادت ہے اھ اور مریخ کی نسبت فرمایا ہے۔ پیشۂ مریخ اگر خونریزی ست اور ظاہر ہے کہ خون ریزی موقوف ہے قوت و شہامت پر اور اسکا فی نفسہ کمال ہونا ظاہر ہے و ہٰذا منی و ہٰذا کلہ عنوانات شعریۃ۔

مثل در تسلّی فقیران از جورِ روزگار

آن یکے می شد بره سوئے دُکان	پیش رہ را بستہ دید او از زنان
ایک شخص راستہ مین دُکان کیطرف چلا جا رہا تھا	اوس نے راستہ کا آگا عورتون سے رُکا ہوا دیکھا

پای او می سوخت از تعجیل و راه
اوسکا پاؤن تعجیل سے جلا جاتا تھا اور راستہ
رو بیک زن کرد و گفت ای مستہان
اوس شخص نے ایک عورت کیطرف مُنھ کرکے کہا کہ اے ذلیل
رو بدو کرد آن زن و گفت ای مہین
اوس عورت نے اوسکی طرف مُنھ کرکے کہا اے ذلیل
بین کہ با بسیاری ما بر بساط
اسکو دیکھ کہ باوجود ہماری کثرت کے فرشِ زمین پر
در تواطت می فتید از قحطِ زن
تم قحط نساء سے لواطت میں واقع ہوتے ہو
تو مبین این واقعاتِ روزگار
تو اس روزگار کے واقعات کو مت دیکھ
تو مبین تخسیرِ روزیؔ و معاش
تو روزی اور معاش کی کمی کو مت دیکھ
بین کہ با این جملہ تلخیہاے او
اسکو دیکھ کہ باوجود اوسکی اِن تمامتر تلخیون کے
رحمتے دان امتحانِ تلخ را
رحمت جان امتحانِ تلخ کو
آن براہیم از تلف بگریخت ماند
وہ ابراہیم تلف سے بھاگا۔ رہ گیا
این نسوزد و آن بسوزد اے عجب
یہ ابراہیم تو نہ جلین اور وہ ابراہیم جل جاوے تعجب ہے

بستہ از جوقِ زنان ہمچو ماہ
رُکا ہوا تھا ماہ رو عورتون کے غول سے
ہے چہ بسیارند این دختر چگان
اُف یہ نوعمر لڑکیان کسقدر زیادہ ہین
ہیچ بسیاریِ ما منگر چنین
تو ہماری کثرت کو بالکل مت دیکھ
تنگ می آید شما را انبساط
تم کو انبساط تنگ معلوم ہوتا ہے
فاعل و مفعول رسواے زمن
فاعل اور مفعول رسواے زمانہ ہوتے ہین
کز فلک می گردد اینجا ناگوار
جو کہ فلک کیطرف سے اِس جگہ ناگوار ہوتے ہین
تو مبین این قحط و خوف و ارتعاش
تو اس قحط اور خوف اور لرزہ کو مت دیکھ
مردہ اوئی و باپرواے او
تو اوس پر جان دیتا ہے اور اوسکی طرف التفات کہتا ہے
نقمتے دان مُلکِ مرو و بلخ را
اور نقمت جان مُلکِ مرو اور بلخ کو
وین براہیم از شرف بگریخت راند
اور یہ ابراہیم شرف سے بھاگے۔ آگے چل دیے
نعلِ معکوس ست در راہِ طلب
نعل معکوس ہے راہ طلب مین

دا و پرشعر تو مبین قلابی الخ کا حاصل مضمون یہ تھا کہ قلابی کو ابک کو مت دیکھ اور اوس سے عیش ونشاط کے عود کا متوقع مت ہو بلکہ مقلب کے ساتھ متعلق ہونیکو دیکھ کہ اوس سے بھی تعشق ہوا جس کے لیے لازم ہے بے تعلقی عالم اسباب سے اس سرخی مین بھی اسی مضمون کی تاکید وتائید ہے چنانچہ آگے ان اشعار مین اسکی تصریح ہے تو مبین این واقعات الخ تو مبین تخسیر الخ بین کہ با این جملہ الخ کہ اس کے مجموعہ کا حاصل وہی ہے جو ابھی مضمون بالا کا حاصل بیان کیا گیا ہے

اوراس دیدن چیزے را و ندیدن چیزے را پر ایک مثل لائے ہین کہ اوس عورت نے جوابدیا تھا بسیاری ما منگر الخ اور یہ ہین کہ با بسیاری الخ اور حوادث کو نہ دیکھنے اور منافع کو دیکھنے سے تسکین نادارون کی ظاہر ہے اس لیے اسکو سرخی مین لایا گیا یہ حاصل ہے مقام کا پس فرماتے ہین کہ) ایک شخص راستہ مین مو کان کی طرف چلا جا رہا تھا اوس نے راستہ کا آگا عورتون سے رُکا ہوا دیکھا (کسی اتفاق سے وہان عورتین زیادہ جمع ہوگئی ہونگی) اوس کا پاؤن تعجیل سے جلا جاتا تھا (یہ تشبیہ ہے کہ اوسکو ایسی جلدی تھی جیسے گویا آتش پر پاؤن رکھا ہے اور اوسکو جلدی اوٹھانا چاہتا ہے کما فی الحدیث کانہ علی الرضف) اور راستہ رُکا ہوا تھا ماہرو عورتون کے غول سے اوس شخص نے ایک عورت کی طرف مُنھ کر کے کہا کہ اے ذلیل او قویہ نو عمر لڑکیان کسقدر زیادہ ہین (کلمۂ چہ براے تصغیر ست وگان براے جمع یعنی اسقدر ہین کہ اتنا بڑا راستہ اون سے بند ہوگیا) اوس عورت نے اوسکی طرف مُنھ کر کے کہا اے ذلیل (یہ شاید جواب ترکی بترکی ہو یا محض وزن کے لیے بڑھایا گیا ہو غرض یہ کہاکہ) تو ہماری کثرت کو بالکل مت دیکھ (بلکہ) اسکو دیکھ کہ باوجود ہماری کثرت کے فرش زمین پر تمکو انبساط تنگ معلوم ہوتا ہے (یعنی ہماری یہ کثرت بھی تمہارے انبساط وعیش کے لیے کافی نہین بلکہ) تم قحط نساء سے لواطت مین واقع ہوتے ہو (اور لڑکون سے اپنا انبساط پورا کرتے ہو باوجودیکہ) فاعل اور مفعول رسواے زمانہ ہوتے ہین (یہ مثل ختم ہوگئی آگے تطبیق ہے اس مثل کے مقصود پر یعنی جیسا اوس عورت نے کہا تھا کہ ہماری کثرت کومت دیکھ کہ یہ دیکھنا نافع نہین بلکہ اپنی اس حرکت کو دیکھ کہ موجب نصیحت ہے اسیطرح) تو اس روزگار کے واقعات کومت دیکھ جو کہ فلک کی طرف سے اس جگہ (تجھکو) ناگوار (معلوم) ہوتے ہین (اور) تو روزی اور معاش کی کمی کومت دیکھ (اور) تو اس قحط اور خوف اور لرزہ کومت دیکھ (بلکہ) اسکو دیکھ کہ باوجود اوس (فلک) کی ان تمامتر تلخیون کے تو اوس پر جان دیتا ہے اور اوسی کی طرف التفات رکھتا ہے (یعنی عالم اسباب پر پھر دلدادہ ہے اور اس توقع مین ہے کہ تدابیر و اسباب سے یہ تلخیان دفع ہوجاوینگی اور پھر عیش و نشاط تدبیر سے عود کر آوے گا اور جس کے لیے ہمین کہا ہے اوس کے دیدن کا سبب حوادث کو نقمت سمجھنا تھا کہ اونکو ناگوار سمجھکر اونکی سوچ مین پڑ گیا اور جس کے لیے ببین کہا ہے اوس کے ندیدن کا سبب عیش و نشاط کو رحمت سمجھنا تھا کہ اوسکی توقع مین عالم اسباب سے اعراض نہین کرتا پس جب اول کے ساتھ مبین اور دوسرے کے ساتھ ببین متعلق ہوگا تو اوس سے لازم آویگا کہ جسکو نقمت سمجھتا ہے اوسکو رحمت اور جسکو رحمت سمجھتا ہے اوسکو نقمت جانے تب اس

دیدن وندیدن کا استبدال ہوگا آگے اسی لازم کی تقریر ہے کہ) رحمت جان امتحان تلخ کو اور نقمت جان ملکِ مرو اور رنج کو (آگے تائید ہے اسکی کہ دیکھو) وہ ابراہیم (یعنی زرتشت آتش پرست ملک ومال کے) تلف (اور فوت ہونے) سے بھاگا (اور بچا تو ترقی سے) رہ گیا اور یہ ابراہیم (خلیل اللہ علیہ السلام دنیوی) شرف سے بھاگے آگے چلدیے (تو دیکھو ملک ومال نقمت ہوگیا اور اوسکی ضد رحمت ہوگئی آگے مانند اور راندکے بعض آثار ہین کہ) یہ (دوسرے) ابراہیم تو جلین (نہ دنیا مین نہ آخرت مین) اور وہ (پہلا) ابراہیم جل جاوے (کیونکہ آتش پرست جہنم مین جاوینگے یہ بات ظاہر مین) تعجب ہے (یہ) نعل معکوس ہے راہ طلب مین (ظاہر مین تعجب ہے کہ سوزندہ تو عابد تھا آگ کا تو وہ نہ جلتا اور نہ سوزندہ منکر تھے عبادت غیر حق کے تو وہ جل جاتے مگر باوجود اس اقتضاء ظاہری کے جو خلاف واقع ہوا یہ اثر اوسی گریختن از تلف وگریختن از شرف کا تھا پس اب تو بلاے تلخ کا رحمت اور ملک بلخ کا نقمت ہونا ثابت ہوگیا اور زرتشت کے لیے آن اور حضرت خلیل اللہ علیہ السلام کے لیے این کا لانا غالبًا اول کے بعد عن الخاطر اور ثانی کے قرب الی الخاطر کی بناء پر ہو)۔

باز مکرر کردن صوفی سوال را

گفت صوفی قادرست آن مستعان
صوفی نے کہا کہ وہ مستعان قادر ہے
کہ کند سود اے مارا بے زیان
کہ ہمارے سودے کو بے خسارہ کردے

آنکہ آتش راکند ورد و شجر
جو کہ آگ کو گلاب اور درخت بنادیتا ہے
ہم تواند کرد این را بے ضرر
وہ اسکو بھی بے ضرر کر سکتا ہے

آنکہ گل آرد برون از عین خار
جو کہ گل کو عین خار سے باہر لے آتا ہے
ہم تواند کرد این دے را بہار
وہ اس خزان کو بہار بھی کرسکتا ہے

آنکہ زو ہر سرو آزادی کند
جو ایسا ہو کہ اوس سے ہر سرو آزادی کرتا ہے
قادرست ار غصہ را شادی کند
وہ قادر ہے اگر رنج کو شادی کردے

آنکہ شد موجود از وے ہر عدم
جو ایسا ہے کہ اوس سے ہر عدم موجود ہوگیا
گر بدارد باقیش او را چہ غم
اگر وہ اوسکو باقی رکھے تو اوسکو کیا غم ہے

آنکہ تن را جان دہد تا حی شود
جو تن کو جان دیدے جس سے وہ تن حیات والا ہوجاے
گر نمیراند زیانش کے شود
اگر وہ اوسکو موت نہ دے اوس کا کب نقصان ہے

خود چہ باشد گر ببخشد آن جواد
خود کیا ہو جاوے اگر وہ صاحب جود

بندہ را مقصود جان بے احتیاج
بندہ کو بلا حاجت مقصودِ جان دیدے

دور دارد از ضعیفان در کمین
دور رکھے ضعفاء سے گھات میں

مکرِ نفس و فتنۂ دیوِ لعین
مکر نفس کو اور فتنۂ شیطان لعین کو

جواب گفتن قاضی صوفی را

گفت قاضی گر نبودے امرِ مُر
قاضی نے کہا کہ اگر تلخ امور نہوتے

ق

ور نبودے خوب و زشت و سنگ و دُر
اور اگر خوب اور زشت اور سنگ اور دُر نہوتے

ور نبودی نفس و شیطان و ہوا
اور اگر نفس اور شیطان اور ہوائے نفسانی نہوتے

ور نبودے زخم و چالیش و وغا
اور اگر زخم اور حملہ اور جنگ نہوتی

پس بچہ نام و لقب خواندے ملک
تو بادشاہ کس نام اور لقب سے پکارتے

بندگانِ خویش را اے منہمک
اپنے بندوں کو اے منہمک

چون بگفتے اے صبور و اے حلیم
وہ کیونکر فرماتے اے صبور اور اے حلیم

چون بگفتے اے شجاع و اے کریم
اور کیونکر فرماتے اے شجاع اور اے کریم

صابرین و صادقین و منفقین
صابرین اور صادقین اور منفقین

چون بُدے بے رہزنِ دیوِ لعین
کیونکہ ہوتے بدون راہزن شیطانِ لعین کے

رستم و حمزہ و مخنث یک بُدے
رستم اور حمزہ اور مخنث ایک ہو جاتے

علم و حکمت باطل و مندک بُدے
علم و حکمت باطل اور ریزہ ریزہ ہو جاتے

علم و حکمت بہرِ راہ و بیرہی ست
علم و حکمت تو بوجہ راہ اور بیراہی کے ہے

چون ہمہ رہ باشد آن حکمت تہی ست
جبکہ سب راہ ہی ہو تو وہ حکمت خالی ہے

بہرِ این دوکانِ طبع شورہ آب
تو اس دوکان طبیعت کے لیے جو کہ شورہ آب ہے

ہر دو عالم را روا داری خراب
دونوں عالم کے ویران رہنے کا روادار ہوتا ہے

می ہمیدانم کہ تو پاکی نہ خام
میں جانتا ہوں کہ تو پاک ہے خام نہیں ہے

وین سوالت ہست از بہرِ عوام
اور یہ تیرا سوال عوام کے لیے ہے

جورِ دوران و ہر آن رنجے کہ ہست
جورِ دوران اور جو تکلیف بھی کہ واقع ہے

سہلتر از بُعدِ حق و غفلت ست
وہ بُعدِ حق اور غفلت سے سہلتر ہے

زانکه اینها بگذرد وان نگذرد	دولت آن دارد که جان آگہ برد
کیونکہ یہ چیزین تو ختم ہوجاتی ہین اور وہ ختم ہی نہین ہوتا	دولت تو وہ شخص رکھتا ہے جو کہ جان آگاہ بیجاوے
رنج و درد و جور و فقر این دیار	صعب نبود چون فراق و بُعدِ یار
رنج اور درد اور جور اور فقر اس عالم کا	فراق و بُعد محبوب کے مثل صعب نہین ہے

(ان اشعار مین صوفی کا سوال ثالث اور قاضی کی طرف سے اوس کا جواب مذکور ہے حاصل سوال یہ ہے کہ تم نے سوال ثانی کے جواب مین لذات محضہ کے بعض مضار بیان کیے اونکا ترتب مسلم اور واقع ہے لیکن حق تعالیٰ کو یہ بھی تو قدرت ہے کہ اون مضار کو مرتب نہ ہونے دیتے اور حاصل جواب یہ ہے کہ قدرت بیشک ہے مگر اس ترتب مین جو حکمت ہے یعنی ابتلا وہ اس صورت عدم ترتب مین منعدم ہوجاتی اور وہ ابتلا موقوف علیہ ہے کمال اور اجر کا اور کمال اور اجر مطلوب ہے اور موقوف علیہ مطلوب کا بھی مطلوب ہے پس ابتلا مطلوب ہوا اور وہ مخصوص ہے ترتب مضار کے ساتھ اقتضاے خصوصیت استعداد مکلف کے اور یہ امر اول ہی سوال کے اشعار کی تمہید مین مذکور ہوچکا ہے کہ چونکہ سائل کو شغب مقصود نہین اس مقام پر پہونچکر دوسرے سوالات محتملہ عقلیہ منقطع ہوگئے پس فرماتے ہین کہ) صوفی نے کہا کہ وہ مستعان قادر ہے کہ ہمارے سودے کو بے خسارہ کردے (آگے بیان ہے اوسکی قدرت عظیمہ محیطہ کا بیان مظاہر قدرت سے یعنی) جو (قادر) کہ آگ کو (ابراہیم علیہ السلام پر) گلاب اور درخت بنا دیتا ہے وہ اس (ہمارے نفع و لذت) کو بھی بے ضرر کرسکتا ہے جو (قادر) کہ گل کو عین خار سے باہر لے آتا ہے (درخت خار دار سے گل کا پیدا ہونا ظاہر ہے اوسی درخت کو مبالغۃً عین خار کہدیا ہے کیونکہ خار اول ہی سے پیدا ہوجاتا ہے جس سے ظاہر معلوم ہوتا ہے کہ اس درخت مین صرف خار ہی کی قابلیت ہے گل کی صلاحیت نہین اس حالت مین گل کا پیدا ہونا عجیب ہے تو) وہ (قادر) اس خزان کو بہار بھی کرسکتا ہے جو ایسا ہو کہ اوس سے ہر سرو آزادی کر رہا ہے (یعنی جس نے سرو کو آزاد بنایا کہ یہ بھی دلیل ہے قدرت کاملہ کی کہ اور درختون کے خلاف اوسکو بے ثمر بنا دیا) وہ قادر ہے اگر رنج کو شادی کردے جو ایسا ہے کہ اوس سے ہر عدم موجود ہوگیا اگر وہ اوسکو باقی بھی رکھے تو اوسکو کیا غم ہے (کیونکہ حدوث سے بقا سہل ہے جو اول پر قادر ہو ثانی پر بدرجۂ اَولیٰ قادر ہے) جو تن کو جان دیدے جس کو وہ تن حیات لا ہوجاوے اگر وہ اوسکو موت نہ دے اوسکا کب نقصان ہے خود کیا (نقصان) ہو جاوے اگر وہ صاحب جود بندہ (طالب) کو بلا مجاہدہ مقصود جان دیدے (اور) دور رکھے ضعفا (الہمت) سے گھات مین نکر نفس کو اور فتنۂ شیطان لعین کو (چونکہ یہ مکر اور فتنہ کمینگاہ سے واقع ہوتا ہے تو اوسکے دفع و انسداد کا محل اور ظرف بھی کمینگاہ ہوگا اس لیے دور دارد کا اوسکو ظرف فرمایا مطلب یہ کہ

مضرت تو لذات کی یہی ہے کہ وہ آلہ ہو جاتا ہے نفس و شیطان کے اغواء و اضلال کا تو حق تعالیٰ باوجود
قدرت محضہ کے بھی اسکو روک سکتے ہین اور بلا مجاہدہ مقصود حقیقی تک پہونچا سکتے ہین تو ایسا کیون نہوا
(آگے قاضی کا جواب ہے یعنی) قاضی نے کہا کہ اگر (عالم مین) تلخ امور نہ ہوتے اور اگر خوب و زشت
اور سنگ اور دُر نہ ہوتے اور اگر نفس اور شیطان اور ہوائے نفسانی نہ ہوتے اور اگر زخم اور حملہ
اور جنگ نہوتی (خلاصہ یہ کہ مکارہ ظاہرہ و باطنہ نہ ہوتے جو حاصل ہے مضار کا یعنی اگر یہ مضار
نہ ہوتے) تو بادشاہ (حقیقی) کس نام اور لقب سے اپنے بندون کو پکارتے اے (شہوات کے منہمک
ترک شہوات محضہ کا متمنی ہے اور چونکہ پکارنا ان اوصاف لے مستلزم ہے ان اوصاف کے تحقق و
ما بہ المدح ہونیکو اس لیے یہ کنایہ ہے تحقق و مدح سے آگے ان اسماء و القاب کا بیان ہے یعنی) وہ
(اپنے بندون کو ان القاب و اوصاف سے) کیونکر (نداء و خطاب) فرماتے اے صبور اور اے
حلیم (اور اسیطرح یہ) کیونکر فرماتے اے شجاع اور اے کریم (اسی طرح القاب) صابرین اور صادقین
اور منفقین کیونکر (متحقق) ہوتے بدون راہزن شیطان لعین کے (بلکہ) رستم اور حمزہ (یعنی شجاع)
اور مخنث (یعنی غیر شجاع) ایک ہو جاتے (اور اسی طرح) علم و حکمت (کے کمالات سب) باطل و
ریزہ ریزہ (مندک من الاندکاک یعنی بیکار) ہو جاتے (کیونکہ) علم و حکمت تو بوجہ راہ اور بیراہی کے
(تحقق کے) ہے (اور) جبکہ سب راہ ہی (راہ) ہو تو وہ حکمت خالی (از غایت) ہے (اور یہ
سب ظاہر ہے کیونکہ مدح ان اوصاف پر بلکہ خود تحقق ہی ان اوصاف کا اسی لیے ہے کہ اس کے
معارضات و مزاحمات بھی موجود ہین مثلاً اگر نفس و شیطان کا تقاضا نہ ہو تو صبر و حلم کا تحقق ہی
کب ہو جسکی حقیقت ہی کف اور ضبط ماخوذ ہے علی ہذا سب اوصاف مین غور کر لیا جاوے جب
ان اوصاف کا تحقق ہی نہ ہوتا یا یہ مدار مدح نہ ہوتے تو نہ اتصاف بالکمال ہوتا اور نہ اجر ملتا اور
یہی غایات اصلیہ مین خلق انسان کی یہ نہ ہوتین تو انسان نہ ہوتا اور انسان ہی کے لیے دونون
عالم پیدا کیے گئے انسان نہ ہوتا تو دونون عالم نہ ہوتے پس لذات و شہوات محضہ کی تمنا کرنا ان
وسائط کے لحاظ سے اس تمنا کو مستلزم ہے کہ دونون عالم نہ ہوتے شعر آیندہ مین یہی مضمون ہے
یعنی) تو اس دُکان طبیعت (و نفس) کے لیے جو کہ شورہ آب ہے (شورہ مشہور ہے اور آب کلمہ
نسبت ہے جیسے سرداب بمعنی سرد خانہ کما فی الغیاث پس معنے شورہ آب کے منسوب بہ شورہ یعنی
جسکی متاع شورہ ہو جو کہ غیر مرغوب چیز ہے یہ کنایہ ہے فاسد و کاسد سے مطلب یہ کہ نفس و طبع کی
دُکان کاسد کے لیے کہ نفس اور طبیعت کی خواہشین چلین تو) دونون عالم کے ویران رہنے کا
روا دار ہوتا ہے (جسکی تقریر ابھی ہو چکی ہے پس یہان سوال و جواب ختم ہو گئے و للہ الحمد علیٰ
حلہا الحسن حلٍ و اوضحہ چونکہ ان سوالون کا جواب اس طرز سے دیا گیا ہے جس سے مخاطب یعنی

صوفی کے تعنت کا جو کہ عملی آلودگی ہے شبہ ہوتا ہے اگر باوجود جاننے کے پوچھا ہے یا اوس کے جہل کا جو کہ علمی خامی ہے شبہ ہوتا ہے اگر بوجہ نہ جاننے کے پوچھا ہے قاضی ان ایہامات کو دفع کرتا ہے کہ) مین جانتا ہون کہ تو (عملی آلودگی سے بھی) پاک ہے (اور علماً بھی) خام نہین ہے اور دپھر جو پوچھتا ہے تو اوسکا سبب ایک تیسرا امر ہے وہ یہ کہ) یہ تیرا سوال عوام کے (افادہ کے) لیے ہے (تاکہ اور لوگ بھی جنکو ایسے شبہات ہوتے ہین اور پوچھ نہین سکتے مستفید ہوجادین شاید مقصود مولانا کا اس مضمون کے لانیسے دو امر پر تنبیہ ہو ایک کہ مکالمات مین مخاطب کے ادب کی مراعات ضروری ہے دوسرے یہ کہ افادہ خلق کا یہ بھی ایک طریقہ ہے کہ غیر عالم کے سامنے عالم سے پوچھ لے مگر اس مین دو شرط ہین ایک یہ کہ فضول باتین نہ ہون دوسرے یہ کہ اپنا کوئی حرج و ضرر نہ ہونے لگے حدیث مین اسکی نظیر ہے کہ جبرئیل علیہ السّلام نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے چند سوال اسی غرض سے کیے آگے پھر عود ہے اوسی اصل مضمون وجوب رضا بالقضار کیطرف جو ان سوالات وجوابات سے بھی پہلے ان اشعار مین مذکور تھا ؎ گفت قاضی واجب آمد مان رضا * ہر وفا ذہر جفا کا رد قضا * الی آخر ما ہنالک اگر یہ قاضی کی لسان سے ہے تو تقریر یہ ہے کہ اے صوفی میرے اصل مضمون وجوب رضا بالقضار کے متعلق جو شبہات پیدا ہوئے تھے وہ جب دفع ہوگئے تو اب پھر اوسکی تتمیم وتفصیل کرتا ہون کہ جور دوران الخ اور اگر یہ مولانا کے لسان سے ہے اور غالباً یہی احسن ہے تو مولانا اوس اصل مضمون کی جو کہ اشکالات وشبہات سے سالم رہگیا تائید وتاکید کرتے ہین کہ واقعی قاضی کا وہ مضمون درست ہے چنانچہ جور دوران الخ یعنی) جور دوران اور جو تکلیف بھی کہ واقع ہے وہ بُعد حق اور غفلت سے سہلتر ہے کیونکہ یہ چیزین تو (دنیا کے ساتھ) ختم ہوجاتی ہین اور وہ (بُعد عن الحق) ختم ہی نہین ہوتا دبلکہ آخرت تک اوس کا اثر پہونچتا ہے پھر اگر ایمان ہے تو بعد عفو یا بعد عقوبت وہان ختم ہوجاویگا مگر احتمال عقوبت تو ہے اس لیے قابل حذر ہے) اور (اصلی) دولت تو وہ شخص (اپنے پاس) رکھتا ہے جو کہ جان آگاہ (اپنے ساتھ آخرت مین) لیجاوے (اشارۃ الی قولہ تعالیٰ الامن اتی اللہ بقلبٍ سلیمٍ وقولہ تعالیٰ وجاء بقلبٍ منیبٍ اور) رنج اور درد اور جور اور فقر اس عالم کا فراق وبُعد محبوب کے مثل صعب نہین ہے (مطلب یہ کہ تکالیف دنیویہ اکثر سبب ہوتی ہین توجہ الی اللہ کا جس کے لیے قرب حق لازم ہے پس اس لیے ان پر راضی رہنا چاہیے کہ شاید اگر یہ نہ ہوتین تو توجہ نہ ہوتی جس سے بُعد عن الحق ہوتا جس کا تحمل محال ہے پس اوس کے استحالہ کو سوچ کر ان مصائب کا تحمل کرنا چاہیے آگے اس کے مناسب حکایت ہے کہ کسی بی بی نے تنگی وسختی کی شوہر سے شکایت کی اوس نے اخیر جواب یہ دیا کہ اگر تو اسکی برداشت

نکر سکے تو انجام طلاق ہے اب تو دیکھ لے یہ تنگی سہل ہے یا طلاق و فراق)

حکایت زن با شوہر و ماجرائے ایشان

آن یکے زن شوے خود را گفت ہے
ایک عورت نے اپنے شوہر سے کہا کہ سُن

ہیچ تیمارم نمی داری چرا
تو میری کچھ تیمارداری کیون نہین کرتا

گفت شو من نفقہ چارہ می کنم
شوہر نے کہا مین نفقہ کی تدبیر تو کرتا ہون

نفقہ و کسوہ است واجب اے صنم
نفقہ اور کسوت اے صنم واجب ہے

آستین پیرہن بنمود زن
عورت نے کُرتے کی آستین دکھلائی

گفت از سختی تنم را میخورد
کہنے لگی سخت ہونیکی وجہ سے یہ میرے بدن کو کھاتا ہے

گفت اے زن یک سوالت میکنم
شوہر نے کہا اے عورت مین تجھسے ایک سوال کرتا ہون

این درشتست و غلیظ و ناپسند
یہ کرتا سخت بھی ہے اور موٹا بھی ہے اور ناپسندیدہ بھی ہے

این درشت و زشت تر یا خود طلاق
کہ یہ سخت اور زشت زیادہ ہے یا کہ طلاق

اے مروت را بیک رہ کردہ طے
اے شخص جسنے مروت کو یکبارگی ہی طے کردیا

تا بکے داری درین خواری مرا
کب تک اس خواری مین مجھکو رکھے گا

گرچہ عورم دست و پائے می زنم
اگرچہ نادار ہون ہاتھ پاؤن مارتا رہتا ہون

از منست این ہر دو ہست و نیست کم
سو میری طرف سے یہ دونون موجود ہین اور کم نہین ہین

بس درشت و پُر وسخ بُد پیرہن
کُرتا بہت موٹا اور میل بھرا تھا

کس کسے را کسوہ زینسان آورد
بھلا کوئی کسیکو ایسا کپڑا لا کر دیتا ہے

مرد درویشم ہمین آمد فنم
مین تو فقیر ہون میری حیثیت اتنی ہی ہے

لیک بندیش اے زنِ اندیشہ مند
لیکن اے سوچ سکنے والی عورت یہ بات سوچ لے

این ترا مکروہ تر یا خود فراق
یہ تجکو زیادہ ناگوار ہے یا کہ فراق

(وجہ ربط اوپر مذکور ہوئی یعنی) ایک عورت نے اپنے شوہر سے کہا کہ سُن اے شخص جس نے مروت کو یکبارگی ہی طے کردیا تو میری کچھ تیمارداری کیون نہین کرتا کب تک اس خواری مین مجھکو رکھے گا شوہر نے کہا مین نفقہ کی تدبیر تو کرتا ہون اگرچہ نادار ہون ہاتھ پاؤن مارتا رہتا ہون۔ نفقہ اور کسوت اے صنم واجب ہے سو میری طرف سے یہ دونون موجود ہین اور کم نہین ہین۔ عورت نے کرتے کی آستین دکھلائی کُرتا بہت موٹا اور میل بھرا تھا کہنے لگی سخت

ہونے کی وجہ سے یہ میرے بدن کو کھاتا ہے بھلا کوئی کسی کو ایسا کپڑا لاکر دیتا ہے شوہر نے کہا اے عورت میں تجھسے ایک سوال کرتا ہون مین تو فقیر ہون میری حیثیت اتنی ہی ہے یہ کرتا سخت بھی ہے اور موٹا بھی ہے اور ناپسندیدہ بھی ہو لیکن اے سوچ سکنے والی عورت یہ بات سوچ لے کہ یہ سخت اور درشت زیادہ ہے یا طلاق یہ تجھکو زیادہ ناگوار ہے یا کہ فراق آگے مولانا حکایت کی تطبیق مضمون مقصود پر کرتے ہین جو حکایت سے پہلے سے مذکور ہے۔

ہمچنان اے خواجہ تشنیع زن
اسی طرح اے خواجہ جو کہ تشنیع زنی کرتا ہے

از بلا و فقر و از رنج و محن
بلا و فقر و رنج و محن سے

لاشک این ترکِ ہوا تلخی دہ ست
بے شک یہ ترکِ ہوا تلخی بخش ہے

لیک از تلخی بُعدِ حق بہ است
لیکن بُعدِ حق کی تلخی سے بہتر ہے

گر جہاد و صوم سخت ست و خشن
اگر جہاد اور روزہ سخت اور درشت ہے

لیک آن بہتر ز بُعد اے ممتحن
لیکن وہ بُعد سے بہتر ہے اے امتحان کرنیوالے

رنج کے ماند دمے کان ذوالمنن
رنج کہان رہے گا اوس ساعت مین کہ وہ ذوالمنن

گویدت چونی تو اے رنجورِ من
تجھے یون فرماوے کہ اے میرے مریض تو کیسا ہو

ور نگوید کت نہ آن فہم و فن ست
اور اگر نہ کہے کیونکہ تجکو وہ فہم و فن نہین ہے

لیک آن ذوقِ تو پرسش کردن ست
لیکن وہ تیرا ذوق پُرسش کرنا ہے

آن ملیحان کہ طبیبانِ دل اند
حسین لوگ جو قلوب کے طبیب ہین

سُوے رنجوران بپرسش مائل اند
مریضون کیطرف پرسش کے ساتھ مائل ہوتے ہین

ور حذر از ننگ و از نامے کنند
اور اگر ننگ و نام سے اندیشہ کرتے ہین

چارۂ سازند و پیغامے کنند
تو کوئی اور تدبیر کرتے ہین اور پیغام بھیجتے ہین

ورنہ در دل شان بود آن مفتکر
ورنہ اُنکے دل مین وہ فکر ہوتی ہے

نیست معشوقے ز عاشق بے خبر
کوئی معشوق عاشق سے بے خبر نہین ہے

اے تو جویاے نوادر داستان
اے شخص تو نادر داستانون کا طالب ہے

ہم فسانہ عشق بازان را بخوان
عاشقون کا افسانہ بھی تو پڑھ

اسی طرح اے خواجہ جو کہ تشنیع زنی کرتا ہے بلا و فقر و رنج و محن سے بے شک یہ ترک ہوا تلخی بخش ہے لیکن بُعد حق کی تلخی سے بہتر ہے اگر جہاد اور روزہ سخت اور درشت ہے لیکن وہ بُعد (حق) سے بہتر ہے اے امتحان کرنیوالے (اس عنوان مین امر ہے تحمل و امتحان کا یعنی وجدان سے امتحان کرلے) رنج کہان رہیگا اوس ساعت مین کہ وہ ذوالمنن تجھسے (الہاماً) یون فرماوے کہ اے

میرے مریض تو کیا ہے اور اگر (تیرے علم مین یہ) نکے کیونکہ تجھکو وہ فہم و فن نہین ہے (کہ الہام کا ادراک کر سکے) لیکن وہ تیرا ذوق (جو اس حالت مین حاصل ہوگا جیسا اہل نسبت کو ہوتا ہے وہ ذوق ہی) پرسش کرتا ہے (آگے سہولت تصدیق بالمقائسہ کے لیے معشوقان مجازی کا قاعدہ بیان کرتے ہین کہ) حسین لوگ جو قلوب (عشاق) کے طبیب ہین مریضون کی طرف پرسش کے ساتھ مائل ہوتے ہین اور اگر ننگ و نام سے (کبھی) اندیشہ کرتے ہین (کہ پوچھنے جاوینگے تو بدنام ہونگے) تو کوئی اور تدبیر (و حیلہ) کرتے ہین اور (کسیکے ہاتھ) پیغام بھیجتے ہین (ممکن ہے کہ یہ عطف تفسیری ہو) ورنہ (یعنی اگر کسی وجہ سے یہ بھی خلاف مصلحت ہوتا) اونکے دل مین وہ فکر (عاشق کی) ہوتی ہے (غرض) کوئی معشوق عاشق سے بے خبر نہین ہے اے شخص تو نادر ہستا تو تکا طالب ہے (ادن داستانون کے علاوہ ذرہ) عاشقون کا افسانہ بھی تو پڑھ (کہ میرے اس مضمون کی تجھکو تصدیق ہوگی اور بعد اسکی تصدیق کے التفات الحق الی المحبین کے مضمون ثابت بالدلیل کی تصدیق قیاس سے آسان ہوگی اور پھر فقر وغیرہ سہل ہوجاویگا اور معشوقان ظاہری کے یہ احکام جو کبھی متخلف ہوجاتے ہین وہ کسی عارض کے سبب ہوتے ہین مثلاً محب سے کوئی حرکت (اظہار وغیرہ ناگوار صادر ہوگئی ورنہ نفس عشق کا مقتضی یہی احکام ہین اور مقصود اس تشبیہ وقیاس سے نفس التفات کا ثابت کرنا ہے نہ کہ ان سب احکام کی ترتیب خاص بھی تاکہ یہ شبہہ ہو کہ حق تعالیٰ کی جناب مین یہ کیسے صادق آویگا ورحذر الخ ورنہ در دل الخ) ف اوپر مذمت تھی بُعد عن الحق کی آگے اسکی شکایت ہے کہ تو نے اس بُعد کا تمام عمر مین بھی احساس نہ کیا اور اپنی حالت کی اصلاح نہ کی اور غیر حق کے تعلقات کو جو کہ سبب ہے بُعد کا قطع نہ کیا باوجود تکثر منبہات و توفر دواعی کے فقط

بس بجوشیدی درین عهدِ مدید	**تُرک جوشے ہم نگشتی اے قدید**
تو اس زمانہ دراز مین خوب جوش کرتا رہا	تو نیم پختہ بھی نہ ہوا اے خشک گوشت
دیدۂ عمرے تو داد و داوری	**وانگہ از نادیدگان ناسی تری**
تو نے ایک عمر تک عطا اور حکومت دیکھی ہے	اور اسوقت تو بے دیکھے لوگون سے زیادہ بھولنے والا ہے
ہر کہ شاگردیش کرد اُستاد شد	**تو سپس تر رفتۂ اے گول لُد**
جسنے اُس کی شاگردی کرلی وہ اُستاد ہوگیا	تو اور بھی زیادہ پیچھے کو چلا گیا اے اہل خصومت کے احمق
خود نبود از والدینت اعتبار	**ہم نبودت عبرت از لیل و نہار**
نہ تجھکو والدین سے عبرت ہوئی	نہ تجھکو لیل و نہار سے عبرت ہوئی

پرسیدن عارفے از کشیش کہ تو بسال بزرگتری یا ریش تو

عارفے پرسید از آن پیرِ کشیش
کسی عارف نے اوس بڈھے قسیس سے پوچھا

کہ توئی خواجہ مسن تر یا کہ ریش
کہ میاں تو زیادہ عمر والا ہے یا کہ داڑھی

گفت نے من پیش از و زائیدہ ام
اوسنے کہا نہیں مین اوس سے پہلے پیدا ہوا ہون

بس بہ بے ریشی جہان را دیدہ ام
بہت دنون بے ریشی کیحالت مین مینے جہان کو دیکھا ہی

گفت ریشت شد سفید از حال گشت
عارف نے کہا کہ تیری داڑھی تو سفید ہوگئی حال ہو بدل گئی

خوے زشتِ تو نگردید ست وشت
تیری خوی زشت درست نہوئی

اوپس از تو زاد و از تو بگذرید
وہ تجھسے پیچھے پیدا ہوئی اور تجھسے گذر گئی

تو چنین خشکی ز سوداے ثرید
تو ویسا ہی خشک ہے خیالِ ثرید سے

تو بر آن رنگی کہ اول زادۂ
تو اوسی رنگ پر ہے جیسا اول پیدا ہوا تھا

یک قدم زان پیشتر ننہادۂ
ایک قدم بھی اوس سے آگے تونے نہین رکھاہے

دوغ ترشی ہمچنان در معدنے
تو اسیطرح کچھالی مین دوغ ترش ہے

خود نگردی زو مخلص روغنے
تو اوس سے نکالا ہوا روغن نہوا

ہم خمیری خمر الطینہ دری
نیز تو خمیر ہے خمر الطینہ کی حالت مین ہے

گرچہ عمرے در تنورِ آذری
اگرچہ ایک عمر تک تنور آتش مین ہے

چون حشیشی پا بگلِ بر ہشتۂ
تو مثل گھاس کے ہے کہ قدم گل کے اندر جما رکھاہے

گرچہ از بادِ ہوس سر گشتۂ
اگرچہ بادِ ہوس سے سرگشتہ ہو رہا ہے

ہمچو قوم موسیٰؑ اندر حرِّ تیہ
قوم موسیٰ کی طرح گرمیِ تیہ مین

ماندۂ چل سال بر جاے سفیہ
تو چالیس سال تک ایک ہی جگہ پر ہے اے سفیہ

میروی ہر روز تا شب ہرولہ
تو ہر روز شب تک دوڑ کر چلتا ہے

خویش می بینی در اول مرحلہ
اپنے کو تو اول ہی منزل مین دیکھتا ہے

نگذری زین بُعدِ سہ صد سالہ تو
تو اس بُعدِ سہ صد سالہ سے پار نہو سکے گا

تا کہ داری عشق آن گوسالہ تو
جب تک کہ تو اوس گوسالہ کا عشق رکھے گا

تا خیالِ عجل از جان شان نرفت
جب تک گوسالہ کا خیال اونکی جان سے نہین گیا

بُد بر ایشان تیہ چون گرداب زفت
وادی تیہ اون پر مثل ورطۂ سخت کے رہا

غیر این عجلے کزو یابیدہ
اس عجل کا غیر ہے جس سے تونے

گاؤ طبعی زان نکوئیہاے زفت
تو گاؤ طبع ہے اس سبب سے بڑے بڑے احسانات

بارے اکنون تو ہر جزوت بپرس
خیراب تو تو اپنے ہر ہر جزو سے پوچھ لے

ذکر نعمت ہاے رزاق جہان
رزاق جہان کی نعمتون کا ذکر

روز و شب افسانہ جویانی توچیست
تو روز و شب مستعدی کے ساتھ افسانہ کا جویان رہتا ہے

جزو جزوت تا برستست از عدم
تیرا ایک ایک جزو جب عدم سے پیدا ہوا ہے

زانکہ بے لذت نروید ہیچ جزو
اسلیے کہ بدون لذت کے کوئی جزو نمو نہین پاتا

جزو ماند و آن خوشی از یاد رفت
جزو تو رہ گیا اور وہ خوشی یاد سے جاتی رہی

ہمچو تابستان کہ از وے پنبہ زاد
مثل موسم گرمی کے کہ اوس سے روئی پیدا ہوئی

یا مثال یخ کہ زاید از شتا
یا مثال یخ کے کہ موسم سرما سے پیدا ہوتا ہے

ہست آن یخ زان صعوبت یادگار
وہ یخ تو اوس صعوبت کا یادگار رہے

چون زنے کہ بیست فرزندش بود
جیسے کوئی عورت ہو کہ اوسکے بیس۲۰ فرزند ہون

حمل نبود بے ز مستی و ز لاغ
حمل بدون مستی اور ملاعبت کے نہین رہتا

بے نہایت لطف و نعمت دیدہ
بے انتہا لطف پایا ہے اور انعام دیکھا ہے

از دلت در عشق آن گوسالہ رفت
تیرے دل سے اوس گوسالہ کے عشق مین جاتے رہے

صد زبان دارند این اجزاے خرس
یہ گونگے اجزا سو زبان رکھتے ہین

کہ نہان شد آن در اوراق زمان
جو کہ اوراق زمانہ مین نہان ہو رہے ہین

جزو جزو تو فسانہ گوے تست
تیرا ایک ایک جزو تیرا افسانہ کہہ رہا ہے

چند شادی دیدہ است و چند غم
اوسنے کتنی خوشیان اور کتنے غم دیکھے ہین

بلکہ لاغر گردد از ہر پیچ جزو
بلکہ لاغر ہو جاتا ہے ہر پیچ و تاب سے وہ جزو

بل نرفت آن خفیہ شد از پنج و ہفت
بلکہ نہین گئی مخفی ہو گئی حواس خمسہ و ہفت اندام سے

ماند پنبہ رفت تابستان ز یاد
روئی تو رہ گئی موسم گرما یاد سے جاتا رہا

شد شتا پنہان و آن یخ پیش ما
موسم سرما تو غائب ہو گیا اور وہ یخ ہمارے سامنے ہے

یادگار صیف در دے این ثمار
صیف کا یادگار خزان مین یہ ثمرات ہین

ہر یکے حاکی حال خوش بود
ہر واحد حال خوش کا حکایت کنندہ ہو گا

نے بے بہارے کے شود زایندہ باغ
بدون بہار کے باغ تولید کرنے والا نہین ہوتا

حاملان و بچگان شان در کنار	شد دلیل عشقبازی با بہار
حمل والے اور انکی آغوش مین بچے	دلیل ہین بہار کے ساتھ عشقبازی کی
ہر درختے در رضاع کودکان	ہمچو مریم حامل از شاہے نہان
ہر درخت بچون کے دودھ دینے مین	مثل مریم علیہا السلام کے حاملہ ہین ایک سلطان سے باطن مین
گرچہ در آب آتشے پوشیدہ شد	صد ہزاران کف برو جوشیدہ شد
اگرچہ پانی مین آگ مخفی ہو گئی	لاکھون بلبلے اوس پر جوشیدہ ہو گئے
گرچہ آتش سخت پنہان می تند	کف بدہ انگشت اشارت میکند
اگرچہ آگ بہت ہی پنہان آمد و رفت کر رہی ہے	بلبلہ وسون اُنگلی سے اشارہ کرتا ہے

(ربط اوپر بیان ہو چکا کہ اس پر شکایت ہے کہ باوجود منبہات و مذکرات آفاقیہ والنفسیہ کے تونے تعلق بغیر الحق سے تخلیہ اور توجہ الی الحق سے تحلیہ حاصل نہ کیا پس فرماتے ہین کہ) تو (اپنی عمر کے) اس زمانۂ دراز مین (طلب غیر حق مین تو) خوب جوش (اور کوشش) کرتا رہا (اور پختہ بن گیا مگر طلب حق مین) تو نیم پختہ (اور ادھورا) بھی نہ ہوا اے خشک گوشت (جو کہ مشکل سے گلا کرتا ہے چونکہ ترک گوشت کو نیم خام رکھکر کھاتے تھے اس لیے ترک جوش بمعنے نیم پختہ مستعمل ہوتا ہے یعنی طلب غیر حق مین تو کامل ہو گیا مگر طلب حق مین ناقص بھی نہ ہوا اور بالکل اوس سے مناسبت ہی حاصل نہ کی اس مین اشارہ ہو سکتا ہے کہ طلب حق مین اگر کچھ بھی توجہ ہو تو حرمان نہین ہوتا۔ آگے بعض منبہات کا ذکر فرماتے ہین کہ) تونے ایک (دراز) عمر تک (حق تعالی کی) عطا (بھی) اور حکومت (بھی) دیکھی ہے (جس کا مقتضا تنبہ تھا) اور (باوجود اسکے) اوسوقت تو بے دیکھے لوگون سے (بھی) زیادہ بھولنے والا ہے جس نے اس (دیکھنے) کی (جو کہ اوپر دیدۂ الخ مین مذکور ہے) شاگردی کرلی (یعنی اوسکی رہبری سے منتفع ہوا) وہ استاد ہو گیا (کیونکہ افعال الٰہیہ مین غور کرنیسے معرفت نصیب ہوتی ہے (مگر) تو اور بھی زیادہ پیچھے کو چلا گیا اے اہل خصومت کے احمق (یہ اضافت ایسی ہے جیسے نادان قوم) نہ تجھکو والدین سے عبرت ہوئی (یا تو اسطرح کہ سوچا کہ وہ کہان گئے وہان ہی مجھکو جانا ہے تو اس عالم سے تعلق کم ہوتا یا اس طرح سے کہ والدین باوجود عجز و افتقار کے مجھکو اسقدر نفع پہونچاتے ہین اس کا مبداء حقیقی کوئی دوسرا قادر غنی ہے تو اوس سے کچھ تعلق بڑھتا) نہ تجھکو لیل و نہار (کے تقلب) سے عبرت ہوئی (کہ مقلب کی طرف توجہ کرتا آگے ایک مثل سے اس حالت عدم اصلاح پر شرم دلاتے ہین کہ) کسی عالم نے اوس بڈھے قسیس (عالم نصاریٰ) سے پوچھا کہ میان تو زیادہ عمر والا ہے یا کہ (تیری) داڑھی۔ اوس نے کہا نہین مین اوس سے پہلے پیدا ہوا ہون (اور)

بہت دنون بے ریشی کی حالت مین مین نے جہان کو دیکھا ہے (اوسکے بعد داڑھی نکلی ہے تو مین ہی بڑا ہوا) عارف نے کہا کہ (افسوس) تیری داڑھی تو سفید ہوگئی (اور اپنے) حال سے بدل گئی دیگر باوجود اس کے کہ تو عمر مین اوس سے بڑا ہے) تیری خو نے زشت ورنست نہ ہوئی (وشت فی الغیاث خوب وخوش) وہ تجھ سے پیچھے پیدا ہوئی اور تجھ سے (آگے) گذر گئی (اور) تو ویسا ہی خشک (وغیر متاثر) ہے خیال ثرید سے (یعنی شہوات بطن سے) تو اوسی رنگ پر ہے جسپر اول پیدا ہوا تھا ایک قدم بھی اوس سے آگے تو نے نہین رکھا ہے (اور) تو اوسی طرح کہالی مین دوغ ترش (کی طرح) ہے (فی الحاشیہ معدن آنکہ از وروغنہا می برآرند) تو اوس (دوغ) سے نکالا ہوا روغن نہ ہوا (فی الحاشیہ نگردی یعنی نشدی اتول اقامۃً للحال مقام الماضی) نیز (ابتک) تو خمیر ہے (یعنی) خمر الطینہ کی حالت مین ہے (یہ اشارہ ہے ایک روایت کی طرف خمرت طینۃ آدم اربعین صباحًا یعنی حق تعالیٰ فرماتے ہین مین نے آدم کی کیچڑ کو چالیس دن خمیر کیا یعنی سڑایا خمرت وزن سے فعل کو مفعول مالم یسم فاعلہ کی طرف منسوب کر دیا مطلب یہ ہے کہ ہنوز تو مثل گلِ خام کے ہے) اگرچہ ایک عمر (طویل) تک تنور آتش مین ہے (مگر پختہ نہین ہوا فی الغیاث آذر بمعنے آتش مراد آتش سے واقعات جو اسباب ہین پختگی واتقان فی العلم والعمل کے من الآیات الآفاقیۃ والانفسیۃ) تو مثل گھاس کے ہے کہ قدم گِل کے اندر جما رکھا ہے (ہشتن فی الغیاث گذاشتن ورہا کردن) اگرچہ بادِ ہوس سے سرگشتہ ہو رہا ہے (جسطرح گیاہ ہوا سے ادہر سے جنبش کرتی ہے مگر جڑ اوسی طرح جامد ہے اسیطرح تجھکو ہوا وہوس تو حرکت دیتی ہے لیکن طلب حق مین حرکت نہین ہوتی تیری مثال) قوم موسیٰ علیہ السّلام کی طرح (ہے) گرمی (وادی) تیہ مین (کہ) تو چالیسؔ سال تک ایک ہی جگہ پر (قائم) ہے اے سفیہ (چالیس برس سے مراد عمر طویل ہے) تو ہر روز شب تک دوڑ کر چلتا ہے (مگر پھر) اپنے کو تو اول ہی منزل مین دیکھتا ہے (اسیطرح تو اپنے نزدیک تو مقصود مین بڑی ترقی کر رہا ہے لیکن وہ واقع مین مقصود ہی نہین مقصود کے اعتبار سے جب دیکھا جاوے تو اوسکی طرف ایک قدم بھی نہین بڑھا ہے) تو اس بُعد سہ صد سالہ (یعنی مسافت دراز) سے پار نہ ہوسکے گا جب تک کہ تو اوس گوسالہ کا عشق (دل مین) رکھے گا (مطلب یہ کہ تیرے اور مقصود حقیقی کے درمیان جو بُعد ہے مشابہ وادی تیہ کے اس سے نکلنا موقوف اس پر ہے کہ غیر اللہ کے تعلق مذموم کو جو کہ عشق گوسالہ کے مشابہ ہے ترک کرے اور اس حکم کی صحت ظاہر ہے آگے اس توقف کی تائید تشبیہ سے فرماتے ہین کہ دیکھو) جب تک گوسالہ کا خیال اون (بنی اسرائیل) کی جان سے نہین گیا (تب تک) وادیٔ تیہ اونپر مثل ورطۂ سخت کے رہا (کہ ورطہ کی طرح اوس سے نکلنا مشکل رہا پس جس طرح اونکا

وادی تیہ سے نکلنا موقوف تھا زوال خیال عجل پر اسی طرح تیرا نکلنا بھی اسی کے مثل پر موقوف ہے جیسا ذکر کیا گیا اس شعر پر یہ اشکال کیا گیا ہے کہ وادی تیہ مین پھنسنا عبادت عجل کے سبب نہ تھا بلکہ انکار عن قتال الجبابرہ کے سبب تھا دوسرے یہ کہ قتل النفس سے وہ معاف ہو گیا تھا پھر کر سزا کے کیا معنے تیسرے یہ کہ مشہور ہے کہ جو تیہ مین گرفتار ہوے تھے وہ نہین نکلے تھے وہ سب وہان ہی مر گئے تھے وہ اونکی اولاد تھی جو کہ نکلے تھے اور ظاہر اس شعر سے معلوم ہوتا ہے کہ مبتلا اور ناجی ایک ہی تھے جواب امر اول کا بحر العلوم نے بہت اچھا دیا ہے کہ تقاعد عن القتال کا سبب اثر تھا محبت عجل کا اس لیے یہ اثر بواسطہ تقاعد کے سبب ہو گیا تیہ کا اور اسی سے امر ثانی کا جواب بھی نکل آیا کہ قتل النفس سزا عبادت عجل کی تھی وہ معاف ہو گیا اور ممکن ہے کہ کچھ میلان اور رون مین بھی ہو جسکے مقتضا پر عمل نکرنے کا سبب وہ معصیت کے درجہ مین نہ ہو جیسا کسی کو زنا کی طرف میلان ہو مگر کبھی زنا نہ کرے اور نہ عزم کرے وہ گنہگار نہین ہوتا لیکن ایسا میلان باوجود خود معصیت نہ ہونیکے کبھی کسی معصیت کا سبب بن جاتا ہے گو بواسطہ سہی اسی طرح سے یہ میلان عجل بھی پایا گیا ہو جسکی نہ سزا ہوئی اور نہ اوس سے معافی مذکور متعلق تھی کیونکہ وہ معصیت ہی نہ تھی لیکن مفضی الی المعصیۃ ہو گیا پھر اوس معصیت کی سزا تیہ ہوئی اور ثالث کا جواب یہ ہے کہ خیال کا جانا صاحب خیال کے جاتے رہنے سے متحقق ہوا اور چونکہ آباء و ابنا سب ایک ہی قوم ہین اس لیے ابنا پر حکم کر دیا گیا جس کا حاصل یہ ہوا کہ وہ جماعت رہ گئی جو خیال عجل سے خالی تھی اس لیے قتال کے لیے بھی آمادہ ہو گئے اور اسلیے اونکو تیہ سے بھی نجات ہوئی آگے تبلاتے ہین کہ اس عجل سے اعراض کرکے کس سے تعلق کرنا چاہیے یعنی جس سے تعلق پیدا کرنے کو کہا جارہا ہے اور اوس تعلق کے پیدا نکرنے پر مذمت کی جا رہی ہے وہ) اس عجل کا غیر ہے جس (کی شان یہ ہے کہ اوس) سے تو نے بے انتہا لطف و انعام دیکھا ہے (رابطہ محذوف ہے یعنی عجلے ست اور اس غیر سے مراد حق تعالیٰ ہے مگر) تو (تو) گاؤ طبع ہے (یعنی تیری طبیعت گائے کی سی ہے جو حریص ہے لذات فانیہ کی) اس سبب سے بڑے بڑے احسانات (حق تعالیٰ کے) تیرے دل سے اوس گوسالہ (غیر حق) کے عشق مین جاتے رہے (یعنی عجل چونکہ گاؤ کی جنس ہے اس لیے بقاعدۂ الجنس یمیل الی الجنس تجھکو اوسکی محبت ہی جو بسبب افراط کے سبب ہو گیا خدا تعالیٰ کی نعمتون کے بھول جانے کا اور ظاہر بھی ہے کہ مائل و ما یمیل الیہ مین مناسبت ضرور ہوتی ہے آگے اون نعمتون کو یاد دلاتے ہین کہ ایک تو بھولا ہوا تھا مگر) خیر اب تو تو اپنے ہر ہر جزو سے پوچھ لے (کیونکہ) یہ گونگے اجزا (کہ بسان قال نہین کہتے اس لیے گونگے ہین)) سو زبان (حال) رکھتے ہین (آگے پرس کا مفعول ہے یعنی کیا پوچھ لے) رزاق جہان کی نعمتون کا ذکر (پوچھ لے) جو کہ اوساق زمانہ مین نہان ہو رہی ہین (یعنی زمانہ

واقعات وحوادث مثل اوراق کے ہین جن مین اون نعمتون کا ذکر لکھا ہے اون کائنات مین بعض وہ بھی ہین جو تیرے اجزا سے متعلق ہین) تو روز وشب مستعدی کے ساتھ افسانے کا جویان رہتا ہے تیرا ایک ایک جزو تیرا افسانہ کہہ رہا ہے (اسکو سُن آگے اوس کا بیان ہے کہ) تیرا ایک ایک جزو جب سے عدم سے پیدا ہوا ہے اوس نے کتنی خوشیان اور کتنے غم دیکھے ہین (غم کا تو خود بھی ہر شخص مدعی رہتا ہے باقی خوشی کا حکم محتاج اثبات ہے یعنی بہت سی خوشیون کے وقوع کا جو حکم کیا گیا تو) اس لیے کہ بدون لذت کے کوئی جزو نمو نہین پاتا بلکہ لاغر ہو جاتا ہے ہر پیچ وتاب سے وہ جزو (اور تیرے اجزا، کو نمو ہمیشہ رہا ہے پس ثابت ہوا کہ بہت سی لذتین اور فرحتین تجھکو حاصل ہوئی ہین پس وہ حکم ثابت ہو گیا لیکن پھر جو اس حکم کی صحت مین شبہہ ہو جاتا ہے تو وجہ اوسکی یہ ہے کہ) جزو تو (باقی) رہگیا اور وہ خوشی (جس سے اوس جزو کو نمو ہوا تھا) یاد سے جاتی رہی (آگے اضراب ہے کہ نہین) بلکہ (یاد سے بھی) نہین گئی (البتہ) مخفی ہو گئی (ان) حواس خمسہ اور ہفت اندام (یعنی جسم ظاہری) سے (یعنی اوس خوشی کے جو آثار وقت عروض کے حواس خمسہ سے مدرک ہوتے تھے اور جو حرکات وجدیہ اون آثار سے جسم مین پیدا ہو گئین تھین وہ اسوقت یعنی بعد زوال عروض کے مدرکات باطنہ مین مخزون ومحفوظ ہو گئے جسمین قوت حافظہ خازنہ معانی وحس مشترک خازن صور بھی ہے اس لیے بل از یاد نرفت الخ کا حکم صحیح ہو گیا اور ہفت اندام کنایہ تمام جسم سے ہے خواہ اوسکی تفسیر سر اور سینہ وپشت وہر دو دست وہر دو پا سے کی جاوے اور خواہ دماغ ودل وجگر وسپرز وشش وزہرہ ومعدہ سے کی جاوے اور خواہ چشم وگوش وزبان وبطن وفرج ودست وپا سے کیجاوے ہذہ الاقوال کلہا مذکورۃ فی الغیاث آگے مثالین ہین خفاء مؤثر وبقاء آثار کی یعنی) مثل موسم گرمی کے کہ اوس (کے اثر) سے روئی پیدا ہوئی (پھر) روئی تو رہگئی (اور) موسم گرما یاد سے جاتا رہا یا مثال یخ کے کہ موسم سرما سے پیدا ہوتا ہے (پھر) موسم سرما تو غائب ہو گیا اور وہ یخ ہمارے سامنے (موجود) ہے (سو) وہ یخ تو اوس صعوبت (سرما) کا یادگار رہے (اور) صیف کا یادگار خزان مین یہ ثمرات ہین (جو تابستان مین پیدا ہوتے ہین پنبہ وغیرہ آگے اور مثال ہے کہ) جیسے کوئی عورت ہو کہ اوس کے (مثلاً) بیس فرزند ہون (اوئین) ہر واحد حال خوش (یعنی لذت مقاربت) کا حکایت کنندہ ہو گا (کیونکہ) حمل بدون مستی اور ملاعبت کے نہین رہتا (جسطرح) بدون بہار کے باغ تولید کرنیوالا (ثمرات کا) نہین ہوتا (آگے اس پر تفریع ہے کہ) حمل والے (درخت) اور اون کے ہم آغوش مین بچے (یعنی ثمار یہ سب) دلیل ہین بہار کے ساتھ عشقبازی (واقتران وتاثر) کی (اور) ہر درخت (اپنے) بچون کے دودھ دینے مین مثل مریم علیہا السلام کے حاملہ ہین ایک سلطان سے باطن مین (بچون سے مراد پھل اور پھول اور دودھ دینے سے مراد

درخت کے خاص مادہ سے پھل پھول کی افزایش آور سلطان سے مراد بھی وہی پھل اور پھول کہ قبل ظہور گویا حالت حمل مین ہین آور نہان اسی حالت قبل ظہور کو کہا آور بعد ظہور کے جبتک تزاید مین ہین گویا حالت رضاع مین ہین پس دونون حکم صحیح ہوگئے آور تشبیہ بمریم علیہا السلام اس مین ہے کہ وہ بھی ایک سلطان دین یعنی عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ حاملہ تھین اور بوجہ عدم مس رجل وہ حمل بہت ہی باطن تھا کہ کسی کو احتمال بھی نہ تھا جیسا ذات الزوج مین احتمال تو ہوتا ہے آگے اور مثال ہے خفاء مؤثر اور ظہور اثر کی یعنی) اگرچہ پانی مین (جبکہ اوسکو گرم کیا جاوے) آگ مخفی ہوگئی (لیکن اوس کے آثار ظاہر ہوتے ہین کہ) لاکھون بلبلے اوس پر جوشیدہ ہوگئے (جس سے اجزا ناریہ کا اوس پانی مین پتہ لگتا ہے پس اس مثال مین) اگرچہ آگ (اوس پانی مین) بہت ہی پنہان آمد و رفت کر رہی ہے (لیکن) بلبلہ دسون انگلی سے اشارہ کرتا ہے (کہ یہان آگ ہے اشارۂ تام مراد ہے کیونکہ دسون اونگلی سے کہ دونون ہاتھ کی انگلیون کا مجموعہ ہے اشارہ کرنا ظاہر ہے کہ بہت ہی تام ہوگا پس ان مثالون کی طرح سے سمجھو کہ خدا تعالیٰ کی نعمتون کے جو آثار تیرے اندر باقی ہین گو وہ مخفی ہوگئین تو اون آثار سے اون نعمتون پر استدلال کرکے منعم سے تعلق خاص پیدا کر آگے تیرہ شعر بعد پھر اس مضمون کی طرف عود ہوگا اس شعر سے حال رفت و ماند جزو ت الخ اور درمیان کے تیرہ اشعار مین انتقال ہے دوسرے مضمون کی طرف)۔

ہمچنین اجزاے مستانِ وصال
اسیطرح اجزا مستانِ وصال کے

حامل از تمثالہاے قیل و قال
حامل ہین پیکر ہاے حال و قال سے

درجمالِ حال وا مانده دہان
جمالِ حال مین تو منھ کھلا رہ گیا

چشم غائب مانده از نقشِ جہان
آنکھ غائب رہ گئی نقشِ عالم سے

آن موالید از رہِ این چار نیست
وہ موالید اِن چار کے طریق سے نہین

لاجرم منظورِ این ابصار نیست
لامحالہ اِن آنکھون سے نظر نہین آتے

آن موالید از تجلّی زادہ اند
وہ موالید تجلی سے پیدا ہوے ہین

لاجرم مستورِ پردہ سادہ اند
لامحالہ یہ بھی پردۂ بے رنگ مین مستور ہین

زادہ گفتیم و حقیقت زاد نیست
ہم نے زادہ کہدیا اور حقیقت مین زادہ نہین ہین

این عبارت جز پئے ارشاد نیست
یہ عبارت بجز غرضِ تفہیم کے نہین ہے

ہین خمش کن تا بگوید شاہ قُل
ہان خاموشی کر یہانتک کہ بادشاہ یہ فرماوے کہ کہہ

بلبلی مفروش با این جنسِ گُل
بلبلی مت خرچ کر گُل کے اس مجانس کے ساتھ

این گل گویاست پرجوش وخروش
یہ گل گویا ہے پُر جوش و خروش

ہر دوگون تمثالِ پاکیزہ مثال
دونون قسم کی تمثالِ پاکیزہ مثال

ہر دو گون حسنِ لطیفِ مرتضیٰ
دونون قسم کے حسن لطیف پسندیدہ

ہمچو یخ کاندر تموزِ مستجد
جیسے یخ کہ گرمائے جدید مین

ذکرِ آن اریاحِ سردِ زمہریر
زمہریر کی اُن سرد ہواؤن کا ذکر

ہمچو آن میوہ کہ در وقتِ شتا
جیسے وہ میوہ جو کہ وقتِ زمستان مین

قصۂ دورِ تبسمہائے شمس
آفتاب کے تبسمات کے دورہ کا قصہ

بلبلا ترکِ زبان کن باش گوش
اے بلبل تو زبان کو ترک کردے گوش ہوجا

شاہدِ عدل اند بر سرِّ وصال
شاہدِ عادل ہین رازِ وصال پر

شاہدِ احیا و حشرِ ما مضیٰ
شاہد ہین احیاء وحشر ما مضیٰ کے

ہر دم افسانہ زمستان میکند
ہر وقت حکایت زمستان کی کرتا ہے

اندر ان ایام و ازمانِ عسیر
اُن ایام اور ازمنۂ دشوار مین

میکند افسانۂ لطفِ صبا
لطفِ صبا کا افسانہ کرتا ہے

وان عروسانِ چمن را لمس و بس
اور ان عروسانِ چمن کی مواصلت و ملامست کا

(یہان انتقال ہے دوسرے مضمون کی طرف بمناسبت دلالت وشہادت آثار ظاہرہ مذکورہ اشعار سابقہ کے مؤثرات خاصہ مخفیہ پر جیسا کہ اوپر بیان ہوا یعنی جس طرح نمو اجزا ارلذت پر اور پنبہ تابستان پر اور یخ زمستان پر اور فرز تندمستی ولاغ پر اور ثمار اشجار بہار پر اور کف آتش مکنون پر دال ہین) اسی طرح اجزا (واعضا) مستان وصال (حق) کے (بوجہ اس کے کہ حامل (ومتاثر) ہین ہیکرہائے حال وقال سے) دال ہین حال وقال پر چنانچہ اون اجزا کی دلالت حال وقال پر اسطرح ہے کہ) جمال حال مین تو (فرط حیرت سے) منھ کھلا (کا کھلا) رہگیا (اور) آنکھ غائب رہ گئی (مشاہدہ) نقش عالم (شہادت) سے (قال سے مراد قول تقلیدی بلا مشاہدہ نہین بلکہ مراد وہ قال ہے جو کشف وشہود سے ناشی ہو خواہ وہ کلام نفسی ہو یعنے وہ مضامین واسرار کہ قلب مین جوش زن ہوتے ہون اور زبان پر نہ لائے جاوین اور یہی اظہر والصق بالمقام ہے چنانچہ عنقریب آتا ہے اور یا وہ کلام لفظی ہو یعنی وہ مضامین واسرار کہ زبان پر بھی آجاوین گو غامض ہونے کے سبب مفہوم للعامہ نہ ہون کہ ایک توجیہ سے یہ بھی مراد ہوسکتا ہے چنانچہ وہ توجیہ بھی عنقریب آتی ہے اور چونکہ یہ حال وقال صفت ایسے مجرد کی یعنی قلب یا روح کی ہے جسکا تعلق مادی یعنی جسم کے ساتھ ہے اس لیے اس صفت کو نہ تو

من کل الوجوہ عالم مجرد سے کہا جاویگا کیونکہ بواسطہ ایک مادی کے ساتھ تعلق رکھتا ہے اور نہ من
کل الوجوہ عالم مادی سے کہا جاویگا کیونکہ بلاواسطہ مجرد کے ساتھ تعلق رکھتا ہے بلکہ دونون جہتونکے
لحاظ سے اسکو بین بین قرار دیا جاویگا جو شان ہوتی ہے عالم مثال کی اس لیے اسکو تمثال کے
عنوان سے تعبیر کرنا نہایت مناسب ہوا اور قال بالمعنی الثانی گو صفت مادی کی ہے لیکن بوجہ
غیر مفہوم عندالعامہ ہونیکے اوسکو مثل غیر ظاہر علی اللسان کے قرار دیکر حکماً قال نفسی ہی مین داخل
کرکے مجازاً عالم مثال مین سے کہا جاویگا اور وہ اجزا مذکور فی الشعر الاول زبان اور چشم ہین جو
شعر ثانی مین مذکور ہین یعنی وہ اجزا اوس حال وقال سے اس طرح مخبر ہین کہ اوسکا اثر ان
اجزا پر اسطرح ظاہر ہوا کہ غلبۂ حیرت مین مثلاً منھ کھلا رہ گیا اور مثلاً آنکھ اس عالم کے مشاہدہ
سے بند ہو گئی اور مثلاً اس لیے کہا کہ اسی طرح اور سب اجزا مین غلبۂ حال کا اثر ظاہر ہونا ظاہر
ہے پس مثل امثلۂ مذکورۂ بالا جنمین آثار ظاہر تھے اور مؤثرات خفی یہان بھی ایسا ہی ہوا کہ
اجزا کی کیفیات مذکورہ ظاہر ہین اور انکا مؤثر یعنی حال وقال خفی ہین حال کا خفی ہونا تو
ظاہر ہے اور اسی طرح قال بمعنے الکلام النفسی کا بھی اور یہی وجہ ہے قال کی اس تفسیر کے راجح
ہونے کی جسکے بیان کا مین نے ابھی وعدہ کیا تھا اور قال بمعنی الکلام اللفظی کے خفی ہونے کی
توجیہ وہی ہے جو ابھی مذکور ہوئی تھی یعنی بوجہ غیر مفہوم عندالعامہ ہونے کے گویا کلام نفسی ہی
کے حکم مین ہے اور اس توجیہ کا بھی مین نے ابھی وعدہ کیا تھا اور ان دو شعرون سے اس حال
وقال کا مخفی عن الحواس ہونا معلوم ہوا جس مین لفظ ہمچنین صریح ہے کیونکہ دال ہے تشبیہ
بالسابق المذکور المخفی المستور پر آگے اسی حال وقال کے خفی ہونے کا سبب تبلاتے ہین یعنی چونکہ
وہ موالید (یعنی حال وقال مذکور) ان چار عنصر کی طریق (وقبیل) سے نہین (اس لیے) لامحالہ
ان (ظاہری) آنکھون سے نظر نہین آتے (اور لفظ ازرہ شامل ہے عنصر ومرکب من العناصر کو
یعنی یہ نہ عناصر مین سے ہین اور نہ عنصریات سے ہین مطلب یہ کہ مادی نہین کیونکہ عالم کون وفساد
کے مادیات ان ہی دو قسم مین منحصر ہین اور یہ دونون حکم ظاہر ہین یعنی ایک یہ کہ وہ واردات
قلبیہ روحیہ نہ خود مادی ہین اور بوجہ قیام بالمجرد کے نہ حال فی المادی ہین اور دوسرا یہ کہ یہ مبصرات
مین سے بھی نہین کیونکہ اس عالم مین منجملہ شرائط عادیۂ ابصار مبصر کی مادیت بھی ہے خلاصہ یہ کہ
یہ عنصر وعنصری نہین بلکہ) وہ موالید تجلی (حق) سے پیدا ہوئے ہین (یعنی سبب ورود حال
وقال کا تجلیات خاصہ ہین اور وہ تجلیات خود بھی مادی ومبصر نہین اس لیے) لامحالہ یہ (موالید
یعنی حال وقال) بھی پردۂ بے رنگ (وبے نقش یعنی پردۂ عالم غیب) مین مستور (ومخفی) ہین
(نقش سے مراد نقش عالم شہادت پس بے نقش کنایہ ہوا پردۂ عالم غیب سے اور عالم غیب سے مراد

مقابل ہے عالم شہادت کا اور شامل ہے عالم مثال کو بھی پس بیان مستور عالم غیب کہنا منافی نہ ہوگا اوسکو او پر تمثال بمعنی عالم مثال کہنے کے اور انکو موالید وزادہ کہا گیا اسپر اشکال وارد ہوتا ہے کہ ولادت وزائیدن تو مقتضی ہے اتصال وانفصال کو اور وہ مستلزم ہے متوالدین کی مادیت کو اور یہاں تجلی حق جو سبب ہے حال وقال کا اور خود حال وقال بھی دونون غیر مادی ہین اسلیے آگے اس اشکال کو رفع کرتے ہین کہ) ہم نے (ان حال وقال کو تجلی سے) زادہ (اور مولود) کہدیا اور حقیقت مین زادہ (بالمعنی الحقیقی) نہین ہین (اور) یہ عبارت (یعنی تعبیر) بجز غرض تفہیم کے نہین رجسکے لیے کبھی فہم و مذاق سامع کی رعایت سے الفاظ مجازی بھی استعمال کرلیے جاتے ہین ورنہ مراد زادن سے صرف ترتب ہے حال وقال کا تجلی حق پر اور مرتب ومرتب علیہ مین توالد و بعضیت کی نسبت ہونا ضروری نہین لیکن چونکہ اس ترتب کا سمجھنا اہل ظاہر کو گونہ صعوبت سے خالی نہ تھا اس لیے پیرایۂ تشبیہ مین سمجھانیکے لیے لفظ زادہ استعارۃً لے آیا گیا اور رفع ایہام کے لیے ساتھ کے ساتھ تصریح بھی کردی کہ استعارہ ہے حقیقت نہین جیسا خلق اللہ نور نبیک من نورہ مین لفظ من سے بعض الفاظ پرستون کو جزئیت کا ایہام ہوگیا حالانکہ وہان اس استعارہ کی بھی ضرورت نہین من بعضیت کی طرح علیت مین بھی حقیقۃً واشتراکاً مستعمل ہوتاہے اور یہان ایک ایراد ہوتا ہے وہ یہ کہ شعر آن موالید از تجلی زادہ اند مین مبدا کے غیر مادی ہونے کو مستلزم مانا ہے معلول کے غیر مادی ہونے کےلیے ورنہ بدون اس کے یہ حکم لاجرم مستور الخ صحیح نہ ہوگا حالانکہ یہ استلزام غلط اور ارادۂ الٰہیہ کے کہ وہ بھی ایک تجلی ہے مبدا للمواد والمادیات ہونے مین متخلف ہے جواب یہ ہے کہ یہ برہان نہین ہے خطابہ ہے یعنی اصل یہی ہے کہ منشا و ناشی مین مادیت وعدم مادیت مین مناسبت ہو جب تک کہ کوئی دلیل خلاف پر قائم نہ ہو خصوص جبکہ خود اس مناسبت مذکورہ کے تحقق پر کوئی برہانی دلیل بھی ہے جیسا کہ محل مبحوث عنہ مین ملول فی المجرد حال وقال کے غیر مادی ہونے کی دلیل برہانی ہے پس یہان اس اصل کو موافق حکم کیا جاویگا بخلاف اس کے جہان خلاف پر دلیل قائم ہو وہان اس اصل کو چھوڑدینگے جیسے ارادۂ الٰہیہ کا مواد و مادیات کے لیے مبدا اور علت ہوجانا خوب سمجھ لو اور جس حال وقال کے متعلق اوپر کا مضمون چونکہ وہ امور ذوقیہ وجدانیہ سے ہے اور امور وجدانیہ وذوقیہ کا ادراک تام موقوف ہے اتصاف وحصول پر عبارات سے اوسکی تعبیر کافی ہوتی نہین بلکہ اکثر عبارات موہم غلط ہوجاتی ہین جیسا لفظ موالید کے استعمال سے اس کا احتمال ہوا اور جس کے رفع کرنے کی ضرورت ہوئی اور بعد اس رفع کے بھی کنہ اوسکا غیر صاحب حال کو مدرک نہین ہوسکتا اس لیے شعر آیندہ مین اپنے نفس کو بلکہ ہر صاحب ارشاد کو خطاب کرتے ہین کہ) ہان (اس مضمون متعلق حال وقال سے محجوبین کے سامنے) خاموشی (اختیار) کر یہانتک کہ بادشاہ

(حقیقی) یہ فرماوے کہ کہہ (اور ایک نسخہ مین ہے تا نگوید یعنی خاموش رہ جب تک بادشاہ حقیقی یہ نہ فرماوے کہ کہہ مطلب دونون کا یہ ہے کہ جب کہنے کا حکم ہوگا تب کہنا خود مت کہہ اور بیان غایت کیلیے محاورات مین دونون تعبیرون کا ایک ہی حاصل ہے مثلاً یہ بھی کہتے ہین کہ جبتک زید آوے تو بیٹھا رہنا اور یون بھی کہتے ہین کہ جبتک زید نہ آوے تو بیٹھا رہنا دونون کا ایک حاصل ہے غرض یہ کہ خاموش رہ اور) بلبلی (یعنی گویائی) مت نحرج کر گل کے اس مجانس کے ساتھ (یعنی حال وقال جو کہ حسن ولطافت وپسندیدگی مین مجانس ومشابہ گل کے ہین جیسا بیان سے چوتھے شعر مین ان تینون صفتون کے وجہ شبہ ہونے کی طرف اشارہ بھی ہے فی قولہ ہر دوگون حسن لطیف مرتضیٰ اس حال وقال کے متعلق گویائی بند کر اور تا نگوید یا تا نگوید شاہ قُل کی تقریر یہ ہے کہ جب الہام من الحق ہو اوسوقت اس کے متعلق گفتگو کر اور یہ الہام اوسوقت ہوتا ہے جب مخاطب کو مناسبت اور ضرورت ہو اور مناسبت جو کہ علامت ہے ذوق کی مصحح خطاب ہوگی اور ضرورت جو کہ علامت ہے طلب وشوق کی مرجح خطاب ہوگی اوسوقت یہ گفتگو مخاطب کو وجداناً مفہوم بھی ہوگی اور تربیت مین مفید بھی ہوگی اور بدون اس کے یا عبث ہے یا مضر ہے اور جب تک ایسا مخاطب صحیح نہ ہو صاحب ارشاد کو مناسب ہے کہ اوسکو کلام لفظی مین نہ لاوے بلکہ اوس کلام نفسی ہی پر کفایت کرے جو کہ اوس صاحب ارشاد کو حاصل اور اوس کے باطن مین جوش زن ہے کہ وہ اس حالت مین بھی اوسکو تو نافع ہی ہے اور دوسرے کے افادہ کا موقع نہین شعر آیندہ مین اسیکو کہتے ہین کہ) یہ (حال وقال گویا ایک) گل گویا ہے پُر جوش وخروش اے بلبل تو زبان کو ترک کردے گوش ہو جا (گل کے ساتھ وجہ تشبیہ تو ابھی اوپر گذری اور گویا کہنا اوس کا مبالغہ ہے کیونکہ قال تو خود گویائی نفسی ہے حقیقۃً یا حکماً اور حال سبب ہے اس گویائی نفسی کا پس گویا خود ہی گویا ہے اور پُر جوش وخروش کے ساتھ موصوف کرنا باعتبار صاحب حال کے ہے مطلب یہ کہ اوسکی وہ گویائی باطنی بلا کسیکے خطاب کے بھی مفید ہے پس اوس مین مشغول اور اوسکی طرف متوجہ رہے گوش ہونے کا یہی مطلب ہے اور نفع اسکا یہ ہوتا ہے کہ حاصل کی تقویت اور غیر حاصل کا حصول اس سے میسر ہوتا ہے اور اصل مضمون مقصود اس مقام پر ظاہر ہے کہ اجزائے مستان کے آثار کی دلالت کرنا تھا حال وقال مخفی پر جو شعر چنین رنج مین شروع ہوا تھا باقی درمیان مین آن موالید از رہ رنج و آن موالید از تجلی رنج مین اوس حال وقال کے مخفی ہونے کی وجہ اور زادہ گفتیم مین ایک ایہام کا رفع اور ہین خش کن رنج اور این گل گویاست رنج مین غیر اہل سے خطاب نہ کرنیکا ارشاد یہ تینون مضمون استطراداً آگئے اب آگے اوسی اصل مضمون مقصود پر اوسی کی نظیر ایک مضمون کو بحذف عاطف عطف کرتے ہین یعنی اجزاے مستان تو حال وقال

دال ہین اور خود یہ) دونون قسم کے تمثال پاکیزہ مثال (یعنی حال وقال) شاہد عادل ہین راز وصال (دقرب حق) پر (حال وقال کے تمثال ہونے کی توجیہ اور بضمن حل مصرعہ حاکی از تمثالہائے حال قال گذر چکی ہے اور پاکیزہ مثال کی دو توجیہ ہوسکتی ہے یا تو اس مثال سے مراد وہی ہے جو اس کے قبل کے دو شعر ہین اوسکی تشبیہ گل کے ساتھ مذکور ہوئی ہے اور یا مطلق مثال مراد ہے یعنی یہ ایسی پاکیزہ چیز ہے کہ اگر اسکی کوئی مثال تجویز کی جائے تو وہ مثال بھی پاکیزہ ہی ہوگی اور انکی دلالت وصال پر اسلیے ہے کہ حال وقال مقبول سبب بھی ہے قرب حق کا اور پھر وہ قرب بھی سبب ہے مزید حال وقال کا تو حال وقال باعتبار قرب کے سبب ومسبب دونون ہے اور دلالت شے کی اپنے سبب اور مسبب دونون پر ہوتی ہے اور وہ نسبت دال ومدلول علیہ کی جو اوپر امثلۂ حسیہ اور دلالت اجزاے بستان پر حال وقال مین تھی کہ دال ظاہر اور مدلول مخفی ہے وہی نسبت یہان بھی ہے کہ حال وقال کی نسبت وصال وقرب زیادہ مخفی ہے اسی لیے وصال کے ساتھ لفظ سر لایا گیا گو حال وقال فی نفسہ بھی مخفی ہین مگر وصال وقرب کی نسبت ظاہر اضافی ہین اور یہ سب احکام بیتین ہین اس شعر مین جو حال وقال کو شاہد وصال کہا ہے آگے وصال کی حقیقت بیان کرتے ہین تاکہ معنی لغوی پر محمول کرنیسے کسی کو غلطی واقع نہ ہو جاوے پس فرماتے ہین کہ ہمنے جو اوپر کہا ہے کہ ہر دو گون تمثال الخ اسکی تفسیر یہ ہے کہ) دونون قسم کے حسن لطیف پسندیدہ (یعنی حال وقال ذا الحسن بمعنی صاحب الحسن کزید عدل تو یہ دونون) شاہد ہین احیار وحشر ماضی کے (مراد احیار وحشر سے بقار وفنا ر مصطلح یعنی احیا سے مراد تو بقار اور حشر سے مراد فنا کیونکہ حشر مجازاً بمعنے مطلق قیامت کے بھی مستعمل ہوتا ہے کذا فی الغیاث اور قیامت سے متبادر معنے فنار کے مفہوم ہوتے ہین مطلب یہ کہ وصال سے مراد یہ فنار وبقار ہے کہ امات اخلاق ذمیمہ واکتساب اخلاق حمیدہ کہ فنار وبقار حسی ہے اور ترک توجہ الی الغیر وغلبۂ توجہ الی الحق کہ فنار وبقار علمی ہے یہی قرب ہے حق تعالیٰ کا قال السعدی ؎ تعلق حجاب ست وبے حاصلی ＊ چو پیوندہا بگسلی واصلی ＊ وقال آخر ؎ تو درو گم شو وصال اینست وبس ＊ گم شدن گم کن کمال این ست وبس قولہ گم شدن گم کن یعنی فنار الفنار آگے دو مثالین ہین اس دلالت حال وقال علی سر الوصال کی جو کہ امثلۂ سابقہ علی مضمون الحال والقال ہین سے ہونیکی وجہ سے بمنزلہ تمہید ہین عود من المنتقل الیہ الی المنتقل منہ کے لیے یعنی اس دلالت کی ایسی مثال ہے کہ) جیسے یخ کہ گرمانے جدید (رو نو وارد) مین ہر وقت حکایت زمستان کی کرتا ہے (یعنی) زمہریر کی اور سرد ہواؤن کا ذکر کرتا ہے جو کہ اون ایام اور ازمنۂ دشوار مین (پیدا کرتی تھین اور ایسی مثال ہے) جیسے وہ میوہ جو کہ وقت زمستان مین لطف صبا کا افسانہ (بیان) کرتا ہے (یعنی) آفتاب کے تبسمات کے دورہ کا قصہ اور اون عروسان چمن کے (ساتھ) مواصلت وملامست کا

(قصہ بیان کرتا ہے پہلی مثال مین گرمی مین سردی کی یادگار اور دوسری مثال مین سردی مین گرمی کی یادگار مذکور ہے اور ان ہی دونون مثالون کا مضمون حال وقال کے مضمون سے پہلے ان اشعار مین آچکا ہے ہمچو تابستان الخ یا مثال یخ الخ اور شعر ہمچنین اجزاے مستان سے یہانتک وہ تیرہ ۱۳ شعر ہو چکے جن کی طرف انکے سابق کے مضمون سے انتقال کیا گیا تھا آگے پھر اوسی مضمون سابق استدلال بالنعم علی المنعم کی طرف عود ہے یعنی ہنسے جو اوپر کہا ہے کہ جزو اندوآن خوشی از یاد رفت الخ اوسکو بغرض استدلال علی النعم وشکرا لمنعم پھر سمجھو کہ حال رفت اے آخر ما سیاتی)۔

حال رفت و ماند جزوت یادگار
حال تو چلا گیا اور تیرا جز یادگار رہگیا

یا از و وا پرس یا خود یاد آر
یا تو اوس سے پوچھ لے یا خود یاد کرلے

چون فرو گیرت غمت گر چستیے
جب تجھکو غم گھیرے اگر تو جست ہوتا

زان دم نومید کن وا جستیے
تو اوس نا اُمید کرنیوالے وقت سے مطالبہ کرتا

گفتیش اے غصۂ منکر بحال
اوس سے یہ کہتا کہ اے غم وغصہ جو کہ حال سے انکار کررہا ہے

راتبہ انعامہا را زان کمال
وظائف انعامات کا جو کہ اوس ذی کمال سے ہوے ہین

گر دمت گر نہ بہار و خرمی ست
اگر تجھکو ہر دم بہار اور خرمی نہین ہے

ہمچو چاش گل تنت انبار چیست
تو تو دہ گل کیطرح تیرا تن انبار کیون ہے

چاش گل تن فکر تو ہمچون گلاب
تن تو تو دہ گل اور تیری قوت فکر یہ مثل گلاب کے ہے

منکر گل شد گلاب اینت عجاب
گلاب منکر گل ہوا عجیب تعجب کی بات ہے

از کیے خویان کفران کہ دریغ
بوزنہ خصال ناسپاس لوگون سے تو گھاس بھی دریغ ہو

بر نبی خویان نثار مہر و میغ
نبی خصال لوگون پر مہر و میغ کا نثار ہو

آن لجاج و کفر قانون کپی ست
وہ مخالفت اور کفران طریقہ بوزینہ کا ہے

وان سپاس و شکر منہاج نبی ست
اور وہ سپاس اور شکر طریقہ نبی کا ہے

با کپی خویان تہتکہا چہ کرد
بوزنہ خصال لوگون کے ساتھ پردہ دریون نے کیا کچھ کیا

با نبی خویان تنعمہا چہ کرد
نبی خصال لوگونکے ساتھ عبادات نے کیا کچھ کیا

در عمارتہا سگانند و عقور
عمارات مین کُتتے ہین اور کٹ کھنے ہین

در خرابیہا ست گنج عز و نور
ویرانون مین خزانۂ عزت اور نور ہے

گر نبودی این بزوغ اندر کسوف
اگر یہ طلوع کسوف مین نہ ہوتا

گم نکردی راہ چندین فیلسوف
تو اتنے فلاسفہ راہ گم نہ کرتے

زیر کان و موشگافان دہی		دیدہ برخرطوم داغ الہی
زیر کو ن اور موشگافان دانا تھے		ناک پر الہی کا داغ دیکھ لیا

(ربط اوپر بیان ہو چکا یعنے وہ) حال (خوشی کا) تو (یاد سے) چلا گیا اور تیرا جزو (جو اوس سے ناشی و نامی ہوا تھا جیسا شعر جز و ماندو آن خوشی الخ کے قبل شعر زانکہ بے لذت الخ مین گذرا ہے اوس کا) یادگار رہ گیا یا تو اوس (جزو) سے پوچھ لے (کہ وہ بلسان حال اوس خوشی گذشتہ کی حکایت کریگا) یا (بلا اوس کے واسطہ کے) خود (سوچ کر) یاد کر لے (آخر گذشتہ احوال سوچنے سے بھی تو یاد آجاتے ہین (آگے اس مذکور پر تفریع ہے یعنے جب یاد کرنے سے یا یاد دلانے سے خدا تعالی کی یہ نعمتین لذت و فرحت وغیرہ ثابت ہو گئین تو اب اون نعمتون کا انکار اور منعم کا نسیان اور اوسکی باطنی نعمتون سے مثل بلا و فقر وغیرہ کے توحش در شہوات و لذات کی طلب مین بُعد حق کو گوارا کرنا سراسر کفران او رخسران ہے اور یہی مضمون قصۂ قاضی و صوفی کے ختام سے ممتد چلا آرہا ہے پس ان اشعار آتیہ مین اشعار ماضیہ کی طرف عود ہے جو کہ حکایات زن و شوہر و پر سیدن عارفے کے سیاق و سباق مین ہین قولہ جور دوران و ہر آن رنجے کہ ہست سہلتر از بُعدِ حق و غفلت ست قولہ لاشک این ترکِ ہوا تلخی دہ است + لیک از تلخی بُعدِ حق بہ است قولہ دیدۂ عمرے تو داد و داد ئی + وانگہ از نادیدگان ناشی تری قولہ بارے اکنون تو زہر جزوت بپرس + صد زبان دارد این اجزاے خرس + ذکر نعمتہاے رزاق جہان کہ نہان شد آن در اوراق زمان + پس اسی کو فرماتے ہین کہ جب تجھکو (کوئی) غم گھیرے (تو) اگر تو (عقل و فہم مین) چست ہوتا تو اوس ناامید کرنیوالے وقت (یعنی حالت غم و غصہ) سے مطالبہ کرتا (یعنی) اوس سے یہ کہتا کہ اے غم و غصہ جو کہ (لسان) حال سے انکار کر رہا ہے (اون نعم و لطائف انعامات کا جو کہ اوس ذی کمال (یعنے حضرت ذو الجلال) سے (مجھکو) ہوئے ہین اگر تجھکو ہر دم بہار اور خرمی نہین ہے تو تودۂ گل کی طرح تیرا (یہ) تن انبار (کا انبار) کیون ہے (مطلب یہ کہ غم و غصہ کی حالت مین بھی پلہ انعام ہی کا غالب ہے یعنی انعام طبعی کا بھی کیونکہ یون تو مقتضے عقلاً غم و غصہ بھی نعمت ہی ہے اور اوس غلبہ کا بیان یہ ہے کہ عین غم و غصہ ونومیدی مین بھی اپنے اس حالت مین غور کر کہ تیرا تن جو نعمت و لذت و فرحت سے نامی ہوا ہے تو وہ کا تودہ موجود ہے تو اوس غم و غصہ سے بلسان حال یہ سوال کر کہ تو جو حامل ہو رہا ہے نفی و انکار نعم پر پس گویا خود ہی منکر ہے یہ بتلا کہ اگر نعمتون کی نفی صحیح ہے اور نعمتین فائض نہ ہوئی تھین تو اون نعمتون کا اثر یعنی یہ تن جسیم کہان سے آگیا اور غصہ کے خطاب مین جو تنت کہا گیا ہے یہ اضافت بادنیٰ ملابست ہے ورنہ وہ تن تو صاحب غم کا ہے آگے اس انکار پر اظہار تعجب ہے کہ) تن تو تودۂ گل (اور) تیری قوت

فکریہ مثل گلاب کے ہے (پھر) گلاب منکر گل ہو عجیب تعجب کی بات ہے (فی الغیاث اینت کلمہ تحسین و تعجب بمعنے زہے مطلب یہ کہ جو قوت فکریہ نعمتون کی منکر ہے خود وہ قوت نتیجہ ہے نشوونمو بدن کا جیسا گلاب نتیجہ ہے گل کا چنانچہ اگر بدن کو غذا نہ پہونچے تو قوی دماغیہ بھی مضمحل و معطل و زائل ہو جاوین اور نشوونموے بدن موقوف ہے نعمت ولذت پر جیسا اوپر ثابت ہوا پس قوت فکریہ کا وجود خود بلسان حال مدعی ہے نشوونمو بدن کا بھی اور اوس کے واسطہ سے مدعی ہے نعماے حق کا جو کہ موقوف علیہ ہے باوجود اسکے پھر قوت فکریہ کا انکار کرنا نعمتون کا مستلزم ہے انکار نشوونما کا کیونکہ وہ نعمتین بوجہ موقوف علیہ ہونیکے لازم ہین نشوونمو کے لیے اور لازم کا انکار ملزوم کا انکار ہے پس نعمتون کا انکار مستلزم ہوا انکار نشوونماے بدن کا تو ایسی مثال ہوگئی جیسے گلاب انکار کرے وجود گل کا اور اسکا عجیب ہونا ظاہر ہے آگے کفران کی مذمت اور شکر کی مدح کرتے ہین کہ) بوزنہ خصال ناسپاس لوگون سے تو گھاس (کا) بھی دریغ (آتا) ہے (یعنی ہمکو ایسا غصہ آتا ہے کہ ان کو گھاس کا تنکا بھی نہ ملے یا بددعا ہے کہ خدا کرے انکو تنکا بھی نہ ملے اور دونون توجیہون پر یہ معارض نہین ہے توسع دنیا علی اہل الکفران کے ساتھ کما قال علیہ السلام تعس عبد الدینار تعس عبد الدرہم تعس انتکس

واذا شیک فلا انتقش مع قولہ علیہ السلام لو کانت الدنیا عند اللہ تزن جناح بعوضۃ ما سقی منہا کافرا شربۃ ماء و کبی ابنائے موحدہ و باے فارسی بہ تشدید و تخفیف بمعنے بوزنہ من الغیاث اور) نبی خصال لوگونپر مہرو میغ کا نثار ہو (یعنی اجرام علویہ بھی نثار ہون فاسفلیۃ بالاولی آور میغ یعنی ابر گو کائنات جوّیہ ہے مگر بہ نسبت سفلیات کے تو علوی ہے اور بوزینہ سے تشبیہ کفران مین دی اور اوس کے تقابل سے نبی سے تشبیہ کی وجہ شکر کا ہونا مفہوم ہو گیا چنانچہ آگے اس سے زیادہ اصرح ہے کہ) وہ مخالفت اور کفران طریقہ بوزینہ کا ہے اور وہ سپاس اور شکر طریقہ نبی کا ہے (آگے ثمرہ و انجام ہے اس مخالفت و طاعت کا کہ دیکھ لو) بوزنہ خصال لوگون کے ساتھ پردہ دریون (اور مخالفات) نے کیا کچھ کیا (کہ دنیا مین ضلالت اور آخرت مین عقوبت اور) نبی خصال لوگون کے ساتھ عبادات (وطاعات) نے کیا کچھ کیا (کہ دنیا مین ہدایت اور آخرت مین فلاح قال تعالی اولٰئک علی ہدی من ربہم واولٰئک ہم المفلحون پس اصل طریق نافع طاعت ہے اگرچہ فقر و محن و خرابی تن و ریاضات کے ساتھ ہو اور معصیت کے ساتھ اگر ثروت و تنعم و تن پروری بھی ہو تو سرتاپا مضر ہے آگے اسی کو فرماتے ہین کہ بہت دفعہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ) عمارات مین (تو) گتے ہین اور (اون مین بعضے) کٹ کھنے (بھی) ہین (ہو من عطف الخاص علی العام اور) ویرانون مین خزانہ عزت و نور ہے (پس جو اسباب تنعم و تعمیر بدن معصیت کے ساتھ ہون وہ مثل اوس عمارت کے ہے جو سگان عقور پر مشتمل ہے اور جو فقر و محن و تخریب بدن طاعت کے ساتھ ہو وہ مثل اوس خرابہ کے ہے جو کنز پر مشتمل ہے کہ اوس تن پروری سے مواد خبیثہ مبعدہ عن الحق کہ

مثل کلاب عقور کے ہین قوت پاکر مضر ہوجاتے ہین آور اس تن گدازی سے انوار وفیوض وتجلیات
حق کہ مثل کنوز کے ہین میسر ہوتے ہین آگے یہ بتلاتے ہین کہ حقیقت امر تو یہی ہے لیکن اوسکے ادراک
کے لیے عقل دین کی ضرورت ہے کہ ظاہر پر محدود نہ ہے حقیقت کو دیکھے .اور عقل دنیا کافی نہین جو
محض ظاہری نقمت ونعمت کو دیکھتی ہے اوس نقمت مین جو نعمت ہے اور اوس نعمت مین جو نقمت ہو
اوسکو نہین دیکھتی پس ان ظاہر پرستون کی اس غلطی کا بیان کرتے ہین کہ اگر یہ طلوع (انوار حقیقت) کسوف
(ظاہری) مین (مستور) نہوتا تو استے (بڑے بڑے) فلاسفہ (دنیوی علوم کے ماہر) راہ (حقیقت) گم کرتے
(مگر اس مستوری کے سبب بڑے بڑے) زیرکون اور ہوشگافان دانائے (اپنی) ناک پر ابلہی کا داغ
دیکھ لیا (یعنی اون کی حماقت وسفاہت نمایان ہوگئی جسکی وجہ وہی مستوری ہے بزوغ کی کسوف
مین اور نعمت کی نقمت مین اور کنوز کی خرابہ مین پس ثابت ہو گیا کہ ان حقائق کے ادراک کے لیے
عقل حقیقت بین درکار ہے اور عقل ظاہر بین بیکار ہے) ف آگے اس مستوری وخفا اور اس غلط بینی
وخطا کی مثال مین ایک قصہ لائے ہین کہ کوئی شخص رزق بلا اکتساب کی دعا کیا کرتا تھا اور اوسکو
خواب مین ایک رقعہ کا پتہ بتلایا گیا کہ اوس مین تیرے مطلوب کا نشان لکھا ہے چنانچہ وہ رقعہ ملا اور
اوسمین لکھا تھا کہ فلان ویرانہ مین جو ایک گنبددار قبر ہے تو وہان جاکر ایسا کر کہ ؎ پشت با وی
کن تو رو با قبلہ آر ۔ وانگہان از قوس تیرے وا گذار ۔ چون فگندی تیر از قوس اے سعاد ۔ بر کن
آن موضع کہ تیرت اوفتاد ۔ یعنی وہان خزانہ نکلےگا چنانچہ وہ شخص وہان ایک تیر کمان لیکر پہونچا
ورکمان مین رکھکر تیر چلایا اور اوسکے گرنے کی جگہ کو کھودا مگر خزانہ نہ ملا مدتون یونہی کرتا رہا جب
خزانہ نہ ملا پریشان ہوکر پھر دعا کی کہ آپ ہی اوسکو ظاہر فرمائیے آخر یہ جواب ملا ؎ گفت گفتم
درکمان تیرے بنہ ۔ کے بگفتم من کہ اندر کش تو زہ ۔ من نہ گفتم این کمان را سخت کش ۔
درکمان نہ گفتمت نے بر کش ۔ تو اس قصہ کا ایک جزو یعنی خزانہ کا ویرانہ مین ہونا مناسب ہی
مضمون مستوری وخفا کے جو مقام ہذا کے مصرعہ در خرابہا ست گنج عز و نور ۔ مین مذکور ہے اور اس
قصہ کا دوسرا جزو یعنی اوس طالب گنج کے فہم مین غلطی ہونا مناسب ہے مضمون غلط بینی وخطا
کے جو مصرعہ گم نکردی راہ چندین فیلسوف ۔ مین مذکور ہے اور یہ قصہ انشاء اللہ تعالی عشر خامس مین
آتا ہے فقط

وقد تم بحمد اللہ العظیم العلی العشر الرابع من شرح الدفتر السادس من المثنوی فی مدۃ اعتکاف موسی علیہ السلام
بالطور ۔ اعنی فی اربعین یوما الذی ورد فصلہ فی حدیث نبینا معدن النور ۔ صلی اللہ علیہ وعلی آلہ واصحابہ
الی ما لا یتناہی من الدہور فقط ۔

ع ۵ فان الافتتاح کان منتصف ذی القعدۃ والاختتام خمس وعشرین من ذی الحجۃ من سنۃ ۱۳۳۲ھ ۱۲ منہ

عارف باللہ حضرت مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ کی نادر روزگار،
اور معرکہ آرا کتاب "مثنوی معنوی" کی جامع اور لاجواب شرح

کلیدِ مثنوی

حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہ

18

یہ وہ مقبول خاص و عام کتاب ہے کہ خواندہ ناخواندہ سب ہی اس سے دلچسپی لیتے ہیں مگر مضامین عالیہ ہونے کی وجہ سے مطالب سمجھنے میں بڑی دقت پیش آتی ہے اور بعض اوقات نوبت الحاد و زندقہ تک پہنچ جاتی ہے، حضرت حکیم الامت نے اشعارِ مثنوی کو واضح کر کے اور مسائل تصوف کو عام فہم بنا کر نہایت خوبی سے سمجھا دیا ہے حقیقت یہ ہے کہ اِس سے معتبر اور شریعت و طریقت کا پاس و ادب رکھ کر مضامین کو حل کرنے والی کوئی اور شرح نہیں لکھی گئی

ادارہ تالیفاتِ اشرفیہ
بیرون بوہڑ گیٹ
ملتان

کلید مثنوی

عارف باللہ حضرت مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ کی نادر روزگار
اور معرکہ آراء کتاب مثنوی معنوی کی جامع اور لاجواب اردو شرح

کلیدِ مثنوی

از:

حکیم الامۃ مجدد الملۃ حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہ

جلد ۱۸

یہ وہ مقبول خاص و عام کتاب ہے کہ خواندہ، ناخواندہ سب ہی اس سے دلچسپی لیتے ہیں۔ مگر مضامین عالیہ ہونے کی وجہ سے مطالب سمجھنے میں بڑی دقت پیش آتی ہے اور بعض اوقات نوبت الحاد و زندقہ تک پہنچ جاتی ہے۔
حضرت حکیم الامت نے اشعارِ مثنوی کو واضح کر کے اور مسائل تصوف کو عام فہم بنا کر نہایت خوبی سے سمجھا دیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس سے معتبر اور شریعت و طریقت کا پاس ادب رکھ کر مضامین کو حل کرنیوالی اور کوئی شرح نہیں لکھی گئی۔

ادارہ تالیفاتِ اشرفیہ
بیرون بوہڑ گیٹ • ملتان

كما ارسلنا فيكم رسولا منكم يتلوا عليكم اياتنا ويزكيكم ويعلمكم الكتب والحكمة ويعلمكم ما لم تكونوا تعلمون

چوں در کریمۂ صدر قوله یتلو و یعلمکم الکتب بر فضل علم نظم و معنی و قوله یزکیکم بر شرف علم کلام و عقائد و علم سلوک و قوله والحکمة بر مزیت علم اسرار و علم اصول دال با وضح بیان ست و از ان جزو بودن تصوف که مشتمل بر سلوک و اسرار ست از علم دین نیک عیاں است و باتفاق اهل مذاق مثنوی را در کتب ایں فن خاص شان ست لاکن از اغلاقش محتاج بتبیان ست ۔ بنا بر علیه ایں شرح اردو که معنونش را

کلید مثنوی

عنوان ست و ایں نصف اخیر جلد ششم از انست ۔ و نام نامی مؤلفش مولانا اشرف علی حنفی مشهور عالمیانست که ذات سامیش رهنمای گمرهان و مقتدای جهانیانست ۔ و در وے حل متن را چناں حل کرده که نهایت امکانست و مسائل را بطوری تقریر نموده که هم موافق تحقیق اهل اتقان هم مطابق حدیث و قرآنست ۔ و اشکالات و اغلاط را بطرزی دور ساخته که مورث اطمینان عامانست ۔ و جا بجا ملفوظات سیدنا الحاج محمد امداد الله رحمه الله که معطر آذان و ملطف اذهانست هم در مطاویش سپرده و باهتمام خاکسار انام حقیر محمد شبیر علی عفی عنه

در مطبع اشرف المطابع واقع تهانه بهون طبع گردید

العشر الخامس من شرح الدفتر السادس من المثنوی للمولوی المعنوی افتتحت فیه لغرة شهر الله محرم الحرام یوم الجمعة الاغر سید الایام سنه ۱۳۳۳ من ہجرة خیر الانام علیه الصلوٰة والسلام

قصۂ فقیر روزی طلب بے کسب و دعاے او مستجاب شدن

(دجہ ربط آخر مختصر رابع مین مذکور ہو چکی ہے)

آن یکے بیچارۂ مفلس ز درد
وہ ایک بیچارہ مفلس درد سے

لابہ کردے در نماز و در دعا
تضرع کرتا تھا نماز مین اور دعا مین

بے ز جہدے آفریدی مر مرا
بدون کسی مشقت کے آپ نے مجھکو پیدا کیا

پنج گوہر دادیم در درج سر
آپ نے مجھکو پانچ گوہر سر کے ڈبہ مین عطا فرمائے

لا یعد این داد و لا یحصی ز تو
بیشمار یہ عطیات اور غیر محصور آپکی طرف سے ہین

چونکہ در خلاقیم تنہا توئی
جب آپ میری تخلیق مین تنہا ہین

کوز بے چیزی ہزاران زخم خورد
کہ اُسنے ناداری سے ہزارون تکلیفین جھیلی تھین

کاے خداوند و نگہبانِ رعا
کہ اے خداوند نگہبان گلہ کے

بے فنِ من روزیم دہ زین سرا
بدون میرے فن کے مجھکو رزق دیجیے اِس گھر سے

پنج حسِ دیگرے ہم مستتر
اور پانچ حس اور بھی مستتر ہین

من کلیلم از بیانش شرمرو
مین عاجز ہون اوسکے بیان سے اور شرمندہ

کارِ رزاقیم ہم کن مستوی
تو میری ترزیق کا کام بھی آپ ہی درست کیجیے

سالها زو این دعا بسیار شد
سالہا سال اوسکی طرف سے یہ دعا بہ کثرت ہوئی
ہمچو آن شخصے کہ روزیٔ حلال
اوس شخص کی طرح جو کہ روزیٔ حلال
گاؤ آوردش سعادت عاقبت
انجام کار خوش بختی اوس شخص کے پاس گاے کو لے آئی
این مُتیّم نیز زاریہا نمود
اِس عاشق نے بھی بہت سی زاریان کین
گاہ بدظن می شدے اندر دعا
وہ کبھی بدگمان ہوجاتا دعا مین
بازِ ارجاے خداوندِ کریم
پھر خداوند کریم کا امید دلانا
چون شدے نومید در جہد از کلال
جب وہ ناامید ہوجاتا مشقت مین خستگی سے

عاقبت زاریٔ او بر کار شد
انجام کار اوسکی زاری بکار آمد ہوئی
از خدا میخواست بے کسب و کلال
خدا تعالی سے چاہتا تھا بدون کسب اور تعب کے
عہدِ داؤدِ لدنی معدلت
عہدِ داؤد علیہ السلام مین جو کہ ذہبی عدل والے تھے
ہم زمیدانِ اجابت گو ربود
یہ بھی میدانِ اجابت سے گیند لے گیا
از پے تاخیر پاداش و جزا
بوجہ تاخیر نتیجہ اور جزا کے
در دلش بشارتے گشتے زعیم
اوسکے دل مین مبشر ہوتا اور کفیل
از جنابِ حق شنیدے کہ تعال
تو جنابِ حق سے سنتا کہ آ

درعا در لطائف بکسر اول بمعنی گلہ گاؤ و گلہ گوسپند وغیرہ و در کشف بمعنی شبانان و حاکمان و از جار اُمید وار کردن و پس افگندن کذا فی الغیاث میگویم ہر دو لفظ ہر دو معنی اول در لغت عربی ندیدہ شدہ لیکن در فارسی مستعمل باشد و مناسب مقام ہمین ست) وہ ایک بیچارہ مفلس درود (دل) سے (اس زدرد کا عامل شعر آیندہ مین لایہ کروے ہے اور مصرعہ ثانیہ مین صفت اُس مفلس کی یعنی وہ ایسا مفلس تھا) کہ اوس نے ناداری سے ہزارون تکلیفین جھیلی تھین تضرع کرتا تھا نماز مین اور دعا مین (اور وہ دعا یہ تھی) کہ اے خداوند نگہبانِ گلہ (مخلوق یا نگہبانِ چوپایون) کے (اور دوسرے ترجمہ کا حاصل یہ ہوگا کہ خود پرورش کنندے بھی آپ کی پرورش و نگہداشت کے محتاج ہین تا بہ پرورش یافتگان چہ رسد) بدون (میری) کسی مشقت کے آپنے مجھکو پیدا کیا (یعنی میری ایجاد مین میرے کسب کو کوئی دخل نہین ہوا اور یہ ظاہر ہے پس) بدون میرے (کسی) فن (و ہنر) کے مجھکو رزق دیجیے اس سراے (گیتی) سے (مطلب یہ ہے کہ ایجاد و ابقاء دونون آپ ہی کے فعل ہین جب بدون میرے اکتساب کے ایجاد واقع ہوا تو ابقاء بھی بدون میرے اکتساب کے آپ کی قدرت مین ہے مین اوسکی درخواست کرتا ہون اور یہ مطلب نہین کہ پھر ابقاء و ترزیق بھی بلا اکتساب لازم ہے کیونکہ لزوم کی کوئی نہ دلیل عقلی نہ نقلی اور

نہ وہ واقع) آپ نے مجکو پانچ گوہر (یعنی پانچ حس جو لطافت مین مشابہ گوہر کے ہین) سر کے ڈبہ مین
عطا فرمائے (سر کو اس سے اسلیے تشبیہ دی کہ موتیون کو ڈبہ مین رکھنا معتاد ہے اور) پانچ حس اور بھی
مستتر ہین (اول پنج حواس سے مراد ظاہری باصرہ و سامعہ و شامہ و ذائقہ و لامسہ کہ چار اول تو سر کے
اندر ہی ہین اور پانچوان مشترک ہے تمام بدن مین جس مین سر بھی داخل ہے مگر اصل معدن اوس کا بھی
دماغ ہی ہے کیونکہ تعلق شعور کا روح نفسانی سے ہے اور وہ دماغ مین ہے اس لیے در درج سر فرمایا اور
دوسرے پنج حواس سے مراد باطنی حس مشترک خیال وہم حافظہ متخیلہ حاصل یہ کہ) بیشمار یہ عطیات اور
غیر محصور آپ کی طرف سے ہین (کما قال تعالی وان تعدوا نعمۃ اللہ لا تحصوہا اور) مین عاجز ہون اوسکے
بیان سے (اور) شرمندہ (اور) جب آپ میرے تخلیق مین تنہا ہین (آپ کا کوئی شریک نہین قال
تعالی ما اشہدتہم خلق السموات والارض ولا خلق انفسہم وقال تعالی ہل من خالق غیر اللہ یرزقکم
من السماء والارض) تو میری ترزیق کا کام بھی آپ ہی درست کیجیے (یہان بھی نہ لزوم مقصود ہے
جیسا شعر بے زجہدی الخ کی شرح مین اوسکی تقریر گذر چکی اور نہ یہ مقصود ہے کہ اکتساب کے واسطہ فی
الرزق ہونیسے رزاق حقیقی کے تفرد مین کوئی قدح لازم آتا ہے کیونکہ وسائط مؤثر حقیقی تو نہین جیسا
خود تخلیق مین بھی آخر وسائط ہوتے ہین مگر اونکے مؤثر حقیقی نہ ہونیسے شرک لازم نہین آتا اسی لیے
باوجود وسائط کے خلق مین اوپر کی آیتین فرمائین اور رزق مین اوپر کی ایک آیت مین بھی یرزقکم
بڑھایا اور مستقلاً بھی ارشاد فرمایا قل من یرزقکم من السموات والارض قل اللہ الآیۃ بلکہ مقصود صرف
اظہار قدرت علی الترزیق بلا اسباب اور ایسی ہی ترزیق کا سوال ہے غرض) سالہا سال اوسکی طرف سے
یہ دعا بکثرت ہوئی انجام کار اوسکی زاری بکار آمد (یعنی مثمر و مقبول) ہوئی اوس شخص کی طرح
جو کہ روزی حلال خدا تعالی سے چاہتا تھا بدون کسب و رنج و تعب کے انجام کار خوش بختی اوس شخص کے
پاس گائے کو لے آئی (یعنی دعا اس طرح قبول ہوئی کہ اوسکے پاس ایک گائے خود آگئی اور یہ قصہ
اُس شخص کا) عہد داؤد علیہ السلام مین (ہوا) جو کہ وہی عدل والے تھے (اور یہ قصہ دفتر سوم مین مذکور ہوا ہے
پس اسیطرح سے) اِس عاشق (روزی بلا جہد) نے بھی (جسکا قصہ اسوقت مذکور ہو رہا ہے) بہت سی زاریان کین (اور اوس اگلے عہد داؤدی والے
کی طرح) یہ بھی میدان اجابت سے گیند لے گیا (اور کیفیت اس قبولیت کی سرخی آیندہ مین آویگی اور
درمیان مین قبل القبول کی ایک کیفیت اور اوسکی مناسبت سے کچھ مضامین ارشاد یہ فرماتے ہین
کہ قبل قبول یہ حالت تھی کہ) وہ کبھی بدگمان ہو جاتا دعا مین بوجہ تاخیر نتیجہ اور رجز ارکے پھر خداوند کریم کا
امید دلانا اوسکے دل مین مبشر ہوتا اور کفیل (رہوتا اور اگر ارجا کے دوسرے معنی لیے جاوین تو یہ
تقریر ہوگی کہ خداوند کریم کا مہلت دینا اور بہانے چندے ملتوی کرنا مبشر ہوتا تھا یعنی اوسکو یہ القا ہوتا تھا
کہ منظوری تو ہوگی مگر چندے مؤخر کر دی گئی ہے اور) جب وہ نا اُمید ہو جاتا مشقت اور خستگی مین تو

جناب حق سے (بطور التفات کے) مُنتا کہ (ادِھر) آ یعنی دعا کرتا رہ اور قبول کا اُمیدوار رہ دعا مین ان کیفیتون کا تعاقب اکثر کو معلوم ہے کبھی نا اُمیدی اور کبھی اُمید آگے انتقال ہے دوسرے مضامین ارشادیہ کی طرف)

خافض ست و رافع ست این کردگار
وہ کردگار پست کرنیوالے اور بلند کرنیوالے ہین
بے ازین دو بر نیاید ہیچ کار
بدون ان دو کے کوئی کام وقوع مین نہین آتا

خفض ارضی بین و رفع آسمان
زمین کی پستی کو دیکھ اور آسمان کی بلندی کو
بے ازین دو نیست دورانش اے فلان
بدون ان دو کے اوسکی گردش نہین ہے اے فلان

خفض و رفع این زمین نوعے دگر
پستی اور بلندی اِس زمین کی ایک دوسری نوع کی بھی ہے
نیم سالے شورہ نیمے سبز و تر
نصف سال شورہ۔ اور نصف سال سبز اور تر

خفض و رفع روزگارِ با کرب
زمانۂ باکرب کا خفض اور رفع
نوع دیگر نیم روز و نیم شب
دوسری طرح کا ہے کہ نصف دن ہے اور نصف رات

خفض و رفع این مزاجِ ممتزج
مخلوط کے اس مزاج کا خفض و رفع
گاہ صحت گاہ رنجوری مضج
کبھی صحت کبھی مرض ہے شور مین لانے والا

ہمچنین دان جملہ احوالِ جہان
اسی طرح معلوم کرے تمام احوالِ عالم کو
قحط و خصب و صلح و جنگ و افتتان
قحط و ارزانی ہے اور صلح اور جنگ و فتنہ ہے

این جہان با این دو پر اندر ہواست
یہ عالم ان ہی دو پرون سے ہوا مین ہے
زین دو جانہا موطنِ خوف و رجاست
ان دو سے ارواح محل خوف و رجا ہین

تا جہان لرزان بود مانندِ برگ
تاکہ عالم پتے کی طرح لرزان رہے
در شمال و در سموم و بعث و مرگ
شمالی ہوا مین اور سموم مین اور حیات و مرگ مین

تا خُمِ یک رنگیِ عیسےٰ ما
تاکہ ہمارے عیسے کی یکرنگی کا مٹکا
بشکند نرخِ خُمِ صد رنگ را
خُم صد رنگ کے نرخ کو شکستہ کر ڈالے

(اوپر اوس شخص کے دو متضاد و متعاقب کیفیتون کا ذکر تھا اوسکی مناسبت سے بطور انتقال کے یہ ارشاد فرماتے ہین کہ ایسا ہی تضاد اور اوسکے ساتھ کبھی تعاقب بھی بکثرت اجزاے عالم مین حق تعالےٰ نے بعض ظاہری اور بعض باطنی حکمتون کے لیے پیدا کیا ہے جسکا بیان اس طرح ہے کہ) وہ کردگار پست کرنیوالے (بھی) اور بلند کرنیوالے (بھی) ہین (اور انخفاض و ارتفاع مین تضاد ظاہر ہے اور) بدون ان دو کے کوئی کام وقوع مین نہین آتا گو حق تعالیٰ اوس پر قادر ہین کیونکہ نفی وقوع سے نفی امکان لازم نہین اور یہ حکم استقرائی ہے یا ہیچ سے مراد اکثر لے لیا جاوے آگے اسکی

قدرے تفصیل ہے کہ) زمین کی پستی کو دیکھ اور آسمان کی بلندی کو (دیکھ) بدون ان دو کے اوس (آسمان) کی گردش (زمین کے گرد) نہین ہے اے فلانے (یہان بھی توقف عقلی کا حکم نہین ہے بلکہ مطلب یہ ہو کہ وقوع دوران خاص یعنی حرکت سما حول الارض اس طرح ہے کہ محیط فوق ہے اور ارض تحت اور آسمان کو دوار بناءً علی المشہور کہا گیا اور مثال مذکور مین تو خفض و رفع کا موصوف جدا جدا تھا آگے ایک ہی شے کا دونون کے ساتھ علی التعاقب موصوف ہونا بیان فرماتے ہین پس اسمین سابق سے ترقی ہے کہ دو چیزون مین متضادین کا تحقق تو کیا بعید ہے عجیب یہ ہے کہ ایک ہی چیز مین دونون علی التعاقب متحقق ہوتے ہین گو بالمعنی المجازی سہی چنانچہ) پستی و بلندی زمین کی ایک دوسری نوع کی بھی ہے (وہ یہ کہ) نصف سال (مثل) شورہ (کے خالی از نبات) اور نصف سال سبز و تر (رہتی ہے اور یہ ظاہر ہے کہ جسمین ربیع کی کاشت ہوتی ہے وہ خریف مین خالی رہتی ہو اور جسمین خریف کی کاشت ہوتی ہے وہ ربیع مین خالی رہتی ہے اور یہ حالتین خفض و رفع مجازی ہین کہ ایک ادنیٰ حالت ہے مشابہ خفض اور دوسری اعلیٰ مشابہ رفع یہ تو زمین مین دونون حالتین متحقق ہوئین اسیطرح) زمانہ باکرب کا خفض و رفع دوسری طرح کا ہے کہ نصف (زمانہ) دن اور نصف (زمانہ) رات (رہے تو دیکھو زمانہ ایک شے ہے اور اوسمین علی التعاقب ان متضادین کا تحقق ہوگیا اور اگر بناءً علی قول الحکما زمانہ کو حرکت فلک کہا جاوے تو روزگار سے مجازاً آسمان بھی مراد لے سکتے ہین تو یہ اوپر کے شعر کا مقابل ہوجاویگا کہ وہان زمین کا ذکر تھا اور یہان آسمان کا اور وہ اسطرح محل متضادین کا ہوجاویگا کہ اوس کے نصف دورہ کا اثر نہار ہے اور نصف دورہ کا اثر لیل یہ تو بعض بسائط کا ذکر ہوا ایک سفلی یعنی ارض کا دوسرا علوی یعنی آسمان کا ایک شعر مین تو دونون کا مجتمعاً اور دو شعر مین منفرداً زمین کا تو مصرحاً اور آسمان کا محتملاً اگر روزگار سے مراد فلک ہو ورنہ لزوماً اگر روزگار سے مراد زمانہ ہی ہو اور اوسکو حرکت فلک کہا جاوے لیکن یہ ظاہر ہے کہ تبدل لیل و نہار علی المشہور اثر ہے فلک ہی کا اسطرح سے کہ یہ تبدل مسبب ہے دورۂ شمس سے اور وہ مسبب ہے حرکت فلک سے پس اس طرح سے ذکر تبدل روزگار مستلزم ہوگیا ذکر دورۂ فلک کو آگے بسائط کے بعد ایک مرکب کی کیفیت کے موصوف بالمتضادین ہونے کو بیان فرماتے ہین کہ) مخلط (یعنی مرکب من العناصر المختلفہ) کے اس مزاج (یعنی کیفیت حاصلہ بالترکیب) کا خفض و رفع (یہ ہے کہ) کبھی صحت (اور) کبھی مرض ہے شور مین لانے والا (من الصحیح والفصیح آور ظاہر ہے کہ یہ دونون حالتین مزاج کو عارض ہوتی ہین کہ خروج المزاج من الاعتدال مرض ہے اور بقاء المزاج علی الاعتدال یا عودہ الیہ صحت ہے آگے تعمیم بعد تخصیص ہے کہ) اسی طرح معلوم کر لے تمام احوال عالم کو (کہ) قحط و ارزانی (مین باہم تضاد) ہے اور صلح اور

جنگ وفتنہ (مین باہم تضاد) ہے (پس) یہ عالم ان ہی دو پرون سے (یعنی خفض ورفع حقیقی یا مجازی یعنی کیفیتین متضاد دین سے) ہوا مین ہے (ہوا سے مراد تحقق و وجود چونکہ اون کیفیتون کو پرسے تشبیہ دی اس لیے تحقق کو ہوا سے تشبیہ دی گئی اور) ان دو (متقابل کیفیتون) سے ارواح محل خوف ورجا ہین (یعنی خوف ورجا کا یہی مبنیٰ ہے کہ کبھی ایک کیفیت کا احتمال ہوتا ہے کبھی دوسری کیفیت کا اگر وہ ملائم طبع ہے تو اوس کا احتمال موجب رجا ہے اور اگر غیر ملائم ہے تو اوس کا احتمال موجب خوف چنانچہ ظاہر ہے اس مصرعۂ ثانیہ مین اشارہ ہے ایک حکمت کی طرف جس کا ذکر ان اشعار کی شرح کی تمہید مین کیا گیا ہے آگے لفظ دال علی الغایۃ سے اس حکمت کی تصریح ہے یعنی یہ کیفیات متقابلہ اس لیے رکھی ہین) تاکہ عالم (یعنی اوسکے موجودات ذوی العقول) بیّے کی طرح (امید و بیم سے) لرزان رہے (کبھی) شمالی ہوا مین اور (کبھی) سموم مین اور (کبھی) حیوٰۃ (مین) اور (کبھی) مرگ مین (یعنی ان مختلف حالتون مین واقع ہونیکے احتمالات مین رہین اور ترتب اس غایت خوف رجا کا ان احوال مختلفہ پر ظاہر ہے اور گو بعض اقسام خفض ورفع کے بعض کائنات مین متبادل و متعاقب نہین ہوتے جیسے ارض کا انخفاض مکانی اور فلک کا ارتفاع مکانی اور اسکو ترتب غایت مذکورہ مین جسکا مدار تبدل ہے دخل نہین ہے لیکن خود اون کائنات مین بھی دوسری قسم کا خفض ورفع متبادل بھی ہوتا ہے اور وہ ترتب مذکور مین دخیل ہے اور مقصود اس غایت مین حصر کرنا نہین ہے اسرار حق کا استیعاب کون کرسکتا ہے بلکہ ایک حکمت یہ بھی ہے اور تخصیص اسکے ذکر کی اسلیے ہے کہ اس غایت کا استحضار ہمارے مناسب حال ہے کہ اس سے ایک دینی فائدہ ہے اور وہ وہ ہے جسکو شعر آیندہ مین فرماتے ہین اور اوس پر بھی کلمۂ تا دالّہ علی الغایۃ اس لیے لائے کہ وہ اس غایت کی غایت ہے پس غایت اصلیہ ہوئی یعنی یہ تضاد وتقابل کیفیات عالم تو اس لیے ہے کہ اس سے خوف ورجا پیدا ہوا اور یہ خوف ورجا اس لیے اسپر مرتب کیا گیا ہے) تاکہ ہمارے عیسیٰ کی یکرنگی کا مٹکا خم صدرنگ کے نرخ کو شکستہ (اور بیقدر) کرڈالے (عیسیٰ سے مراد تشبیہاً محبی حقیقی اور خم یکرنگی سے مراد عالم غیب کہ اوس مین یہ اختلاف احوال جوکہ موجب تشویش وکلفت ہو نہین ہے بلکہ وہان سراسر جمعیت وطمانینت ہی ہے چنانچہ اوس عالم سے تعلق پیدا ہوجانیسے جب اوسکے فیوض وبرکات وارد ہونے لگتے ہین تب اس جمعیت کا مشاہدہ ہوتا ہے اور اسی اختلاف کے انتفا سے اوسکو خم یکرنگی کہدیا اور خم صدرنگ سے مراد یہ عالم جسکا اوپر سے ذکر چلا آتا ہے اور گو خم عیسیٰ کا معجزہ اسکا عکس مشہور ہے کہ ایک خم مین سے مختلف الوان نکلتے تھے پھر اس کا یکرنگی سے کنایہ ہونا یا تو اس طرح ہے کہ وہ تو خم ظاہری تھا لیکن اونکا خم باطنی اس کا عکس تھا اور یا اس طرح ہے کہ سب کا ایک معدن سے نکلنا یہ معنوی یکرنگی ہے گو ظاہراً صدرنگی ہو اور ایسی صدرنگی فیوض برکات

مین بھی متحقق ہے لیکن باہم تزاحم وتخالف نہین جیسا یہی عدم تزاحم ادن الوان خم عیسوی مین بھی تھا کہ ایک رنگ کا اوسمین سے نکلنا مانع نہ ہوتا تھا دوسرے کے اوسمین سے نکلنے سے حالانکہ ظاہرا وعادۃً ایک رنگ کا کسی مٹکے سے نکلنا علامت مستلزمہ اسکی ہے کہ اوسمین دوسرا لون نہین ہی بہرحال حاصل اس غایت الغایت کا یہ ہوا کہ مقصود حق تعالی کو اس اختلاف مذکور سے جس پر خوف ورجاء مرتب ہوتا ہے یہ ہے کہ اسکی یہ گلفتین اور عالم غیب کی جمعیتین دیکھکر اون مین موازنہ کرکے اس عالم کی قدر نظر مین نہ رہے اور اس سے اعراض کرکے عالم غیب کی طرف متوجہ ہو وہو معنے قولہ تعالی کذلک یبین اللہ لکم الآیات لعلکم تتفکرون فی الدنیا والآخرۃ وقولہ تعالی انما مثل الحیوۃ الدنیا کماء انزلناہ من السماء الی قولہ کذلک نفصل الآیات لقوم یتفکرون واللہ یدعوا الی دار السلام اور بندہ نے جو تمہید مین کہا تھا بعض ظاہری اور بعض باطنی حکمتون کے لیے آگے ظاہری سے مراد غایت مذکورہ اور باطنی سے مراد غایت الغایت مذکورہ ہے آگے اس خم یک رنگی کی صفت یکرنگی کی تقریر فرماتے ہین کہ اوسی تقریر کے ضمن مین خم یک رنگی کی تفسیر بھی ہوجاویگی)۔

نمک زار

کاین جہان ہمچون نمکسار آمدست
کہ وہ عالم مثل کان نمک کے ہے
ہرچہ آنجا رفت بے تلوین شدست
جو چیز وہان گئی وہ بے تلوین ہوگئی

خاک را بین خلق رنگارنگ را
تو خاک کو دیکھ رنگ برنگ کی مخلوق کو
می کند یک رنگ اندر گورہا
قبرون مین یک رنگ کردیتی ہے

این نمکسار جسوم ظاہرست
یہ اجسام ظاہرہ کا نمکسار ہے
خود نمکسار معانی دیگرست
اشیاء باطنہ کا نمکسار دوسری چیز ہے

آن نمکسار معانی معنوی ست
وہ نمکسار اشیاء باطنہ کا باطن ہے
از ازل آن تا ابد اندر نویست
وہ ابتدا سے ابد تک تازگی مین ہے

این نوی را کہنگی ضدش بود
اس تازگی کی کہنگی اوسکی ضد ہوتی ہے
آن نوی بے ضد و بے ند و عدد
وہ تازگی بدون ضد اور بدون مقابل اور بدون شمار کے ہے

آنچنان کز صیقل نور مصطفی
جیسا کہ صیقل نور مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم سے
صد ہزاران نوع ظلمت شد ضیا
لاکھون طرح کی ظلمت ضیا بن گئی

از جہود و مشرک و ترسا و مغ
یہود اور مشرکین اور نصاری اور مجوس مین سے
جملگی یک رنگ شد زان الپ الغ
سب ایک رنگ ہوگئے اوس دلیر بزرگ سے

صد ہزاران سایہ کوتاہ و دراز
لاکھون سایہ کوتاہ اور دراز
شد یکے در نور آن خورشید راز
ایک ہوگئے اوس خورشید معنوی کے نور مین

نے درازے ماند و نے کوتہ نہ پہن	گو نہ گو نہ سایہ در خورشید رہن
نہ کوئی دراز رہا اور نہ کوتاہ اور نہ پھیلا ہوا	اقسام اقسام کے سایے خورشید مین رہن ہو گئے

(یعنی مین نے اوس عالم کو جو یک رنگی کہا ہے تو وجہ اوسکی یہ ہے) کہ وہ عالم مثل کان نمک کے ہے (پس) جو چیز وہان گئی وہ بے تلوین ہو گئی (جیسے کان نمک کی خاصیت ہے کہ ہر چیز کہ در کان نمک رفت نمک شد اور مراد تلوین سے تلوین خاص یعنی جو رنگا رنگی اور اختلاف احوال اس عالم مین ہے جس سے پریشانی اور خوف وحزن پیدا ہوتا ہے یہ وہان نہین حتی کہ جس روح کو اوس عالم غیب سے تعلق پیدا ہوجاتا ہے وہ اس پریشانی سے بری ہوجاتی ہے قال تعالی الا بذکر اللہ تطمئن القلوب اور یہی معنے ہین اسکے۔ ہر چہ آنجا رفت بے تلوین شد ست آگے مثال ہے اوس عالم کی اس خاصیت مذکورہ کی کہ) تو خاک کو دیکھ رنگ برنگ کی مخلوق کو قبرون مین (سبکو) یک رنگ کر دیتی ہے (چنانچہ سب خاک ہوجاتے ہین) یہ (خاک تو) اجسام ظاہرہ کا نمکسار ہے (اور) اشیاء باطنہ کا (جنمین روح بھی داخل ہے) نمکسار دوسری چیز ہے (یعنی عالم غیب پس معانی بمقابلہ اجسام کے ہے نہ کہ بمقابلہ اعیان پس روح مجرد کو بھی شامل ہے اور) وہ نمکسار اشیاء باطنہ کا (خود بھی) باطن (اور مستتر) ہے (اور آگے اوسکی یک رنگی پر ایک تفریع فرماتے ہین کہ جب وہ عالم یک رنگ اور یک نمک سا ہے تو اس یک رنگی بمعنے عدم اختلاف الاحوال کے لیے عادۃً یہ بھی لازم ہے کہ) وہ (عالم) ابتدا سے ابد تک تازگی مین ہے (یعنی اوس مین کہنگی مفضی الی الفناء والزوال نہین آگے اس تازگی کی علت بطور خطابہ کے بتلاتے ہین جو معنے اعادہ ہے بناء مذکور تفریع مسطور کا وہ یہ کہ) اس تازگی (ظاہری) کی (جو کہ عالم حسی کی صفت ہے) کہنگی (کا سبب) اوس (عالم) کی (یعنی اوس عالم کے اجزاء موجودہ کی) ضد ہوتی ہے (یعنی بتدریج اوس شئے کی ضد حادث ہونا شروع ہوتی ہے حتی کہ وہ شئے اوس سے فنا ہوجاتی ہے پس ضد کا تدریج سبب کہنگی اور ضد کا ثبوت سبب فناء ہوجاتا ہے جیسے آب گرم کی گرمی کہ اسباب برودت سے بتدریج برودت ہوتے وہ گرمی فنا ہوجاتی ہے تو ضد سبب توانی وتفانی ہوئی اسی ضد کا وجود حاصل ہے اختلاف احوال کا جسکا عدم بناء تھی اس تفریع کی اور) وہ تازگی (اوس عالم کی) بدون ضد اور بدون مقابل اور بدون شاہد (ضدت) کے ہے (ان دو شعر کا ویسا ہی مضمون ہے جیسا دفتر ہذا کے شروع سے تقریبا ساٹھ شعر کے بعد ان دو شعر کا مضمون ہے ؎

آن جہان جز باقی وآباد نیست	زانکہ آن ترکیب از اضداد نیست
این تفانی از ضد آید ضد را	چون نباشد ضد نبود جز بقا

کہ دونوں کا حاصل بھی وہی بقاء ہے اور وہان شرح مین نفی ضد عن ذالک العالم اور استدلال بہذا النفی علی بقائہ کی تقریر کی گئی ہے جسکا خلاصہ یہ ہے کہ اوس عالم کے موجودات مین گو تباین

فی المصدق تو ہے مگر تباین فی التحقق نہین بخلاف عالم دنیا کے کہ اس کے اکثر اجزار مجتمع نہین ہوسکتے جیسے آگ اور پانی کہ ہر ایک دوسرے کو فنار کرنا چاہتا ہے ، بات عالم غیب مین نہین مثلاً فیوض آلہیہ مین سے خوف ورجار کہ متقابل ہین مگر مجتمع ہوتے ہین اور زیادہ مقصود بیان اسی عالم فیوض کا ذکر فرمانا ہے اور مثلاً نعمار جنت کہ ہر نعمت تمام نعم کے ساتھ جمع ہوسکتی ہے یہ تو تقریر ہوئی نفی ضد کی اور اس نفی سے جو استدلال علی البقار کیا ہے تو نفی اور بقار مین یہ لزوم عقلی نہین بلکہ لزوم عادی ہے کہ جو طریق فنار کا عناصر وعنصریات مین معتاد ہے چونکہ یہ فنار خاص یہان نہین ہے اس لیے اسکا مقابل جو کہ بقار ہے وہ عادۃً گویا لازم ہوگیا اور ازل کی تفسیر مطلق ابتدار کے ساتھ اس لیے کی گئی کہ ممکنات مین ازلیت باطل ہے اور چونکہ ابدیت ثابت ہے اسلیے ابد کی تفسیر مین مجاز اختیار نہین کیا اور یہان ضد اور ند کا مصداق ایک ہی ہے اختلاف عنوان کے اعتبار سے ایک کا دوسرے پر عطف کردیا اور عدد سے مراد شمار رہت اس لیے لیا کہ ابدیت تو اوسکی ثابت ہے لیکن اوس کا بالفعل غیر متناہی فی العدد ہونا باطل ہے جیسا ظاہر ہے یہان اوس عالم کی تشبیہ نمکسار وخاک گور کے ساتھ خاصیت یکرنگ سازی مین مع اوسکی ایک نوع یعنی بقاو وتازگی عالم مذکور کے ختم ہوئی آگے اسی یک رنگ سازی کی ایک اور تشبیہ ہے کہ) جیساکہ صیقل نور مصطفیٰ صلے اللہ علیہ وسلم سے لاکھون طرحکی ظلمت (کفریہ) ضیا بن کر یک رنگ ہوگئی (اسطرح سے کہ) یہود اور مشرکین اور نصاریٰ اور مجوس مین سے (جتنے اسلام لائے وہ) سب ایک رنگ ہوگئے اوس دلیر بزرگ (یعنی مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم) سے (فی الغیاث الب الغ کلمہ مرکب ست بمعنی دلیر وبزرگ فی الحاشیہ این ہر دو لفظ ترکی ست آگے یہ ہی مضمون بعنوان دیگر ہے کہ) لاکھون سایہ کوتاہ ودراز (مراد ظلمات کفر شدید وا شد سب) ایک ہوگئے اوس خورشید معنوی کے نور مین اور نور مین سب سایونکا ایک رنگ ہونا ظاہر بھی ہے پس اوس نور سے اون سایون مین) نہ کوئی دراز (سایہ) رہا اور نہ کوتاہ اور نہ پھیلا ہوا (جیسا ٹیلون وغیرہ کا ہوتا ہے مطلب یہ کہ کسی قسم کا بھی سایہ نہین رہا) اقسام اقسام کے سایے خورشید مین رہن (یعنی غائب وفنا) ہوگئے (جسطرح مرہون مرتہن کے قبضہ مین جاکر راہن سے غائب ہوجاتا ہے) ف ان سب تشبیہات وامثلہ سے عالم غیب کی یکرنگی کی توضیح ہوگئی اب جاننا چاہیے کہ عالم غیب کے دو موطن ہین ایک موجود فی الحال جس سے بالفعل نزول فیوض وبرکات وانوار واسرار کا قلوب عارفین پر ہوتا ہے اور دوسرا موجود فی المآل یعنی واقعات محشر اور اس شعر آن نمکسار معانی معنوی است الخ مین عالم غیب کو جو مستتر کہا گیا تھا ہر چند کہ قرائن مقامیہ سے اسکا مصداق عالم فیوض کہ عالم معانی مقابل عالم اجسام ہے معیّن ہے لیکن قبل تامل فی القرینہ ممکن ہے کہ کوئی شخص اس حکم کو دونون مواطن کے لیے عام سمجھ جاتا حالانکہ عالم محشر مستتر نہ ہوگا اسلیے آگے بنائً علی ظاہر الاطلاق وانتعمیم اس حکم استتار سے عالم محشر کا استدراک فرماتے ہین گو یک رنگی مین وہ بھی شریک ہے باعتبار معنے عدم اختلاف احوال کا خلاف

الاحوال فی الدنیا کے وہان جس چیز کا جو حال ہے وہ محصل اور متعین ہو مرحومیت یا مطرودیت وغیر ذلک ۔

لیک یکرنگی کہ اندر محشر ست
لیکن جو یکرنگی محشر مین ہے
بر بد و بر نیک کشف و ظاہر ست
نیک و بد پر مکشوف اور ظاہر ہے

کہ معانی آن جہان صورت شود
کہ معانی اوس عالم مین صورت ہو جاوینگے
نقشہای ما در خورِ خصلت شود
ہمارے نقوش مناسب خصلت کے ہو جاوینگے

گردد آنگہ فکر نقشِ نامہ ہا
اوسوقت افکار مکتوبات کے نقوش ہو جاوینگے
این بطانہ روی کارِ جامہ ہا
یہ استر کپڑون کا روکار ہو جاوے گا

این زمان سرہا مثالِ گاوِ پیس
اسوقت تو اسرار مثل گاو ابلق کے ہین
دوکِ نطق اندر ملل صد رنگ ریس
گویائی کا تکلہ مذاہب مین صدہا رنگ کا کاتتا ہے

نوبتِ صد رنگی ست و صد دلی
صد رنگی اور صد دلی کی نوبت ہے
عالمِ یک رنگ کے گردد جلی
عالم یک رنگ کب ظاہر ہو گا

نوبتِ زنگی ست رومی شد نہان
زنگی کی نوبت ہے اور رومی پوشیدہ ہو رہا ہے
این شب ست و آفتاب اندر رہان
یہ شب ہے اور آفتاب قید مین ہے

نوبتِ گرگ ست و یوسف زیر چاہ
نوبت گرگ کی ہے اور یوسف زیر چاہ ہین
نوبتِ قبطی ست و فرعون ست شاہ
نوبت قبطی کی ہے اور فرعون بادشاہ ہے

تا ز رزقِ بیدریغ و خیرہ خند
تاکہ رزق بے دریغ ۔ لا ابالی سے
این سگان را حصہ باشد روزِ چند
ان کتون کا بھی چند روز تک کچھ حصہ ہو جاوے

در درونِ بیشہ شیران منتظر
بیشہ کے اندر شیر منتظر ہین
تا شود امرِ تعالوا منتشر
تاکہ حکم تعالوا مشتہر ہو جاوے

پس برون آیند آن شیران ز مرج
پس شیر چراگاہ سے باہر آوینگے
بیحجاب بے حق نماید دخل و خرج
بدون کسی حجاب کے حق تعالی آمد و خرج ظاہر کرینگے

جوہرِ انسان بگیرد بر و بحر
جوہر انسان بر و بحر پر قبضہ کرے گا
پیسہ گاوان بسملانِ روزِ نحر
ابلق گائین یوم نحر کے ذبائح ہونگے

روزِ نحر رستخیز سہمناک
یوم نحر قیامت ہولناک کا
مومنان را عید و گاوان را ہلاک
اہل ایمان کی عید ہے اور گایون کی ہلاکت ہے

جملہ مرغانِ آب آن روزِ نحر
تمام مرغان آب اوس یوم نحر مین
ہمچو کشتیہا روان بر روی بحر
کشتیون کی طرح رواں ہونگے سطح بحر پر

تا کہ یہلک من ہلک عن بینہ — تا کہ ینجو من نجا و استیقنہ
تا کہ ہلاک ہو جو کوئی ہلاک ہو بعد دلیل کے — تا کہ نجات پاوے جو کوئی نجات پاوے اور جو یقین کرتا ہو اوسکا

تا کہ بازان جانب سلطان روند — تا کہ زاغان سوے گورستان روند
تا کہ باز بجانب سلطان چلے جاوین — تا کہ زاغ بجانب گورستان چلے جاوین

کاستخوان و اجزاے سرگین ہمچونان — نقل زاغان آمدست اندر جہان
کیونکہ ہڈی اور اجزاء سرگین کے مثل روٹی کے — زاغون کی خوراک ہے جہان مین

قند حکمت از کجا زاغ از کجا — کرم سرگین از کجا باغ از کجا
کہان قند حکمت کہان زاغ — کہان کرم سرگین کہان باغ

نیست لائق غزو نفس و مرد غرعہ — نیست لائق عود و مشک کون خر
شایان نہین جہاد نفس اور مرد کم ہمت — شایان نہین عود اور مشک اور مقعد خر

چون غزا ندہد زنان را ہیچ دست — کے دہد آنکہ جہاد اکبر ست
جب زنانون کو جہاد حاصل نہین ہوتا — جو جہاد اکبر ہے وہ کب حاصل ہوگا

جز بنادر در تن زن رستمے — گشتہ باشد خفیہ ہمچو مریمے
بجز اوسکے کہ نادراً عورت کے قالب مین کوئی رستم — مخفی ہو گیا ہو مریم جیسا

آنچنان کہ در تن مردان زنان — خفیہ اند و ماندہ از ضعف جنان
جس طرح سے کہ مردون کے قالب مین عورتین — مخفی ہین اور ضعف قلب کے سبب رہ گئے ہین

آن جہان صورت شود در مادگی — ہر کہ در مردی ندید آمادگی
اوس عالم مین مصور ہو جاویگا انوثت مین — وہ شخص کہ جسنے مردانگی مین آمادگی نہ دیکھی ہوگی

روز عدل و عدل و داد اندر خورست — کفش زآن پا کلاہ آن سرست
دن عدل کا ہے اور عدل اور عطا تناسب ہین — کفش تو پاؤن کے حصہ مین ٹوپی سر کے حصہ مین ہے

تا بہ مطلب در رسد ہر طالبے — تا بغرب خود رود ہر غاربے
تا کہ مطلب تک پہونچ جاوے ہر طالب — تا کہ اپنے مغرب مین چلا جاوے ہر غروب ہونیوالا

نیست ہر مطلوب از طالب دریغ — جفت تابش شمس و جفت آب میغ
کوئی مطلوب مین طالب سے بخل نہین ہے — تابش کا قرین شمس ہے اور پانی کا قرین ابر ہے

(تقریر ربط اشعار کے قبل ذکر ہو چکی ہے یعنی گو عالم غیب کا ایک موطن اور اوسکی یک رنگی مستتر ہے) لیکن (اوسکا دوسرا موطن اور اوسکی یکرنگی مستتر نہین یعنی جو یک رنگی محشر مین ہے (وہ اپنے وقت مین)

عہ غر بفارسی بفتح و تخفیف بمعنے بد دل و زن فاحشہ کذا فی الغیاث ۱۲ منہ

نیک و بد (سب) پر کشوف اور ظاہر ہے (اور وجہ اوسکی یہ ہے) کہ معانی اوس عالم مین صورت ہوجاوینگے
(یعنی) ہمارے نقوش (وصور ظاہرہ) مناسب (ہماری) خصلت کے ہوجاوینگے (پس جو چیز مثل معانی کے
دنیا مین مستور تھی وہ وہان مثل صورت کے ظاہر ہوجاویگی اور) اوسوقت افکار (باطنہ گویا) مکتوبات کے
نقوش ہوجاوینگے (اور) یہ استر (کے مشابہ جو فعل مستور ہے وہ گویا) کپڑون کا روکار (یعنی ابرہ)
ہوجاویگا (کما قال تعالیٰ یَوْمَ تُبْلَى السَّرَائِرُ وقال تعالیٰ وَحُصِّلَ مَا فِي الصُّدُورِ) اسوقت تو (یعنے دنیا مین
ایسا خلط ملط ہورہا ہے کہ) اسرار (وخیالات پوشیدہ) مثل گاؤ ابلق کے (ہورہی) ہین (اور) گوبلی کا
گلہ مذاہب (مختلفہ) مین صد ہا رنگ کا کاتتا ہے (یعنی جسطرح گاؤ ابلق مین مختلف رنگ مقترن ہین
اسی طرح نیک و بد خیالات مین اقتران واختلاط ہورہا ہے اور مذاہب مختلفہ والے طرح طرح کی
بولیان بول رہے ہین جس سے حق و باطل متشابہ ہورہا ہے غرض اس طور پر اسوقت) صد رنگی وصد دلی
(یعنی تردد) کی نوبت (آرہی) ہے (دیکھیے) عالم یک رنگ (جسمین رنگہاے مختلفہ مین پورا تمایز
وتعین ہوجاوے) کب ظاہر ہوگا (یہان استخبار سے مقصود اخبار ہے یعنی عنقریب آنیوالا ہے اسوقت)
زنگی کی نوبت ہے اور رومی پوشیدہ ہورہا ہے (اور) یہ شب (کا وقت) ہے اور آفتاب قید
(حجاب) مین ہے (جیسا رات کو آفتاب حجاب مین ہوتا ہے اور اسوقت) نوبت گرگ کی ہے اور
یوسف زیر چاہ ہین (اور اسوقت) نوبت قبطی کی ہے اور فرعون بادشاہ (ہورہا) ہے (دونون شعر کا
حاصل یہ ہے کہ یہان بکثرت ایسا بھی واقع ہے کہ باطل اور اہل باطل غالب اور حق اور اہل حق
مغلوب ہین آگے اسکی حکمت بیان کرتے ہین یعنی یہ اس لیے ہے) تاکہ رزق بے دریغ لاابالی سے
ان کتون کا بھی چند روز تک کچھ حصہ ہوجاوے (ورنہ اگر اعمال کے حقائق وآثار کا یہین ظہور
ہوجاتا تو ایسے لوگون کو تمتع کا کون وقت ملتا) بیشہ کے اندر شیر منتظر (بیٹھے) ہین تاکہ حکم تعالوا مشتہر
ہوجاوے پس (اوسوقت) شیر چراگاہ (بیشہ) سے باہر آوینگے (اور) بدون کسی حجاب کے حق تعالیٰ
آمد وخروج (ہر چیز کا) ظاہر کردینگے (اور اوسوقت) جوہر انسان (یعنی انسان کامل) بر وبحر پر قبضہ
کریگا (یعنی اوسکی سلطنت کا وقت ہوگا اور) ابلق گائین (کہ حق وباطل کو ملتبس کرتے تھے) یوم
نحر کے ذبائح ہونگے (پس) یوم نحر قیامت ہولناک کا اہل ایمان کی عید ہے اور گایون کی ہلاکت
ہے (اس سے شعر بالا کی بھی شرح ہوگئی اور) تمام مرغان آب اوس یوم نحر مین کشتیون کی طرح
روان ہونگے سطح بحر پر (یعنی جس طرح مرغ شناوری مین بے خوف ہوتا ہے اسطرح لاخوف علیہم اونکی
شان ہوگی اور یہ کشف تمام سرائر کا اس لیے ہوگا) تاکہ ہلاک ہو جو کوئی ہلاک ہو بعد دلیل کے
(اور) تاکہ نجات پاوے جو کوئی نجات پاوے اور جو یقین رکھتا ہو اوس (یوم) کا (مطلب یہ کہ ہلاک
اور نجات ایسی دلیل واضح سے ہو جسمین خود صاحب معاملہ کو بھی شک نہ رہے اور یہ بدون کشف تام

سرائر کے نہین ہوتا اس لیے ایسا کیا گیا اور یہان یہ بات کہ یہ مین تفسیر قرآن کی مقصود نہین کیونکہ وہ آیت بدر مین ہے بلکہ مقصود تشبیہ ہے اوس سے کیونکہ اوس واقعہ کا لقب بھی مثل قیامت کے بطشہ کبریٰ آیا ہے تو ایک کی تشبیہ دوسرے سے نہایت ہی اوفق وانسب ہے۔ اور آگے اسی غایت کا اعادہ باختلاف عنوان ہے یعنی) تاکہ باز بجانب سلطان چلے جاوین (اور) تاکہ زاغ بجانب گورستان چلے جاوین کیونکہ ہڈی اور اجزا سرگین کے مثل روٹی کے زاغون کی خوراک ہے جہان ہین (اس لیے وہ قبرستان مین جایا کرتے ہین پس اسی طرح محشر مین اپنے اپنے مناسب حالت اور مقام مین جا پہونچین گے آگے تتمہ ہے بالا کا یعنی) کہان قند حکمت (اور) کہان زاغ (اور) کہان کرم سرگین (اور) کہان باغ (کہ باہم تناسب نہین اسی طرح) شایان نہین جہاد نفس اور مرد کم ہمت (جسطرح) شایان نہین عود اور مشک اور مقعد خر (اور) جب زنانون کو جہاد (اصغر) حاصل نہین ہوتا (بوجہ اونکی کم ہمتی کے تو) جو جہاد اکبر ہے وہ تو کب حاصل ہوگا (زنانہ سے مراد عام ہے عورت اور عورت خصلت کو اور جہاد نفس جہاد اکبر اس لیے ہے کہ مزاحمت طویلہ ہے اور عورت پر یہ حکم بنا علی الاکثر ہے اس لیے آگے خود استثنا فرماتے ہین کہ عورتون سے جو غزوہ نہین ہوتا تو) بجز اوسکے کہ نادرًا عورت کے قالب مین کوئی رستم (دل) مخفی ہو گیا ہو مریم جیسا (کامل کہ حدیث مین جہان عورتون پر عدم کمال کا حکم فرمایا ہے وہان مریم علیہا السلام کو مستثنے فرمایا ہے کما فی المشکوٰۃ بروایت ابی موسیٰ عن الشیخین یعنی کوئی صورۃً عورت اور سیرۃً مرد ہو وہ اس سے مستثنیٰ ہے آگے اسکے عکس کا ذکر فرماتے ہین کہ) جسطرح سے کہ مردون کے قالب مین عورتین مخفی ہین اور ضعف قلب کے سبب (غزا سے) رہ گئے ہین (پس یہ صورۃً مرد ہین اور سیرۃً عورت ہین اسلیے اوپر کہا گیا تھا کہ نیست لائق غزو نفس و مرد غر یہانتک یہ مضمون تناسب عدم تناسب کا مذکور ہوا آگے یہ بتلاتے ہین کہ اس مثال مین بھی دنیا مین ظاہر و باطن مختلط و مختلف ہو رہا محشر مین اسکا بھی تمیز ہو جاویگا یعنی) اوس عالم مین مصور ہو جاویگا اوس وقت مین وہ شخص کہ جس نے مردانگی مین آمادگی نہ دیکھی ہوگی (اسکا یہ مطلب نہین کہ بعضے مرد عورتون کی شکل مین ظاہر ہونگے بلکہ مطلب یہ ہے کہ یہ صفت زنانہ پن کی دنیا مین کبھی لباس و شکل و گفتار و دعویٰ مردانہ سے مخفی ہو جاتی ہے وہان یہ چیزین اوسکے ساتھ نہ ہونگی غرض بوجہ ظہور اسرار و جزاے وفاق کے وہ) دن عدل کا ہے اور عدل اور (عمل کی موافق) عطا یہ دونون) متناسب ہین (اور وہ عدل یہ ہے کہ) کفش تو پاؤن کے حصہ مین (اور) ٹوپی سر کے حصہ مین ہے تاکہ مطلب تک پہونچ جاوے ہر طالب (اہل حق تو طلب اختیاری کے موافق اور اہل باطل طلب اضطراری یعنی حالی و استعدادی کے موافق کہ نار و حرمان اونکے استعداد کا مقتضا ہے اور) تاکہ اپنی مغرب مین چلا جاوے ہر غروب ہونیوالا (یعنی جو تلمیع و تلبیس اور خداع و تاویل و تسویل تھی سب غائب ہو جاویگی اور کشف حقائق

کے لیے اسکا لزوم ظاہر ہے آگے تاکید ہے تا مطلب اکی کی مع مثال کے یعنی) کسی مطلوب مین طالب سے بخل نہین ہے (چنانچہ آتابش کا قرین شمس ہے اور پانی کا قرین ابر ہے) اور یہ قران حق تعالیٰ ہی کا بنایا ہوا ہے قال تعالیٰ اعطیٰ کل شئ خلقہ لیس اونکی شان عدل ایسی ہے اور اوس شان عدل کا زیادہ ظہور تو قیامت ہی مین ہوگا جسکا یہانتک بیان چلا آیا مگر دنیا مین بھی ظہور ہوتا ہے جو قدرے تامل کے بعد صاف معلوم ہوجاتا ہے اگلے اشعار مین اس ظہور فی الدنیا کے آثار کو بیان فرماتے ہین)۔

هست دنیا قهرخانهٔ کردگار
دنیا کردگار کا دار القہر ہے

قهر بین چون قهر کردی اختیار
اگر تونے قہر اختیار کیا ہے تو قہر ہی دیکھنا

استخوان وموی مقهوران نگر
مقہورین کی ہڈیان اور بال دیکھے

تیغ قهر افگنده اندر بحر و بر
تیغ قہر نے بحر وبر مین ڈال رکھا ہے

پر و بالِ مرغ بین بر گردِ دام
مرغ کے پر او بال جال کے گردا گرد دیکھ لے

شرحِ قهرِ حق کننده بی کلام
وہ بلا کلام قہر حق کی شرح کرنیوالے ہین

مُرد او بر جاش خریشته نشاند
وہ تو مرگیا اپنی جگہ پر بڑا سا پشتہ بٹھلا گیا

وانکه کهنه گشت پشته هم نماند
اور جو پرانا ہوگیا پشتہ بھی نہ رہا

هر کسی را جفت کرده عدلِ حق
ہر شخص کو قرین کر رکھا ہے عدل حق نے

پیل را با پیل وبق را جنسِ بق
ہاتھی کو ہاتھی کے ساتھ مچھر کو جنس مچھر کے ساتھ

مونسِ احمد بمجلس چار یار
احمد صلے اللہ علیہ وسلم کے مونس مجلس مین اصحاب رہے ہین

مونسِ بوجهل عتبه و ذو الخمار
ابوجہل کے مونس عتبہ اور ذو الخمار ہین

کعبهٔ جبریل وجانها سدرهٔ
جبرئیل علیہ السلام اور روحانیات کا کعبہ سدرہ ہے

قبلهٔ عبد البطون شد سفرهٔ
قبلہ بندہ شکم کا دستارخوان ہے

قبلهٔ عارف بود نورِ وصال
عارف کا قبلہ نورِ وصال ہے

قبلهٔ عقلِ مفلسف شد خیال
عقلِ فلسفی کا قبلہ خیال ہے

قبلهٔ زاهد بود یزدانِ بَر
زاہد کا قبلہ یزدانِ محسن ہے

قبلهٔ طامع بود همیانِ زر
طامع کا قبلہ ہمیانِ زر ہے

قبلهٔ مردانِ حق اعمالِ نیک
مردانِ حق کا قبلہ اعمالِ نیک ہین

قبلهٔ نا اهل جهلِ مرده ریگ
نااہل کا قبلہ جہلِ ذلیل ہے

قبلهٔ معنی وران صبر و درنگ
اہل معانی کا قبلہ صبر اور تانی ہے

قبلهٔ صورت پرستان نقشِ سنگ
صورت پرستون کا قبلہ نقشِ سنگ ہے

قبلۂ باطن نشینان ذوالمنن
باطن نشینون کا قبلہ ذوالمنن ہے
قبلۂ عاشق حق آمد اے پسر
عاشق کا قبلہ حق تعالیٰ ہے اے لڑکے
قبلۂ فرعون دنیا سربسر
فرعون کا قبلہ دنیا ہے سربسر
ہمچنین برمی شمر تازہ و کہن
اسیطرح شمار کرتا رہ جدید اور قدیم
رزق ما در کاس زرین شد عقار
ہمارا رزق پیالۂ زرین مین شراب ہے
لائق آن کہ بُد اُو خود دادہ ایم
وہ جس چیز کے لائق تھا ہم نے خود دی ہے
عاشق نان ساختیم آن خواجہ را
اوس خواجہ کو ہم نے روٹی کا عاشق بنادیا ہے
خوے آن را عاشق نان کردہ ایم
ہم نے اوسکی سرشت کو روٹی کا عاشق کردیا ہے
چون بجوئے خود خوشی و خرمی
جب تو اپنی عادت پر خوش اور خرم ہے
مادگی خوش آیدت چادر بگیر
اگر تجھکو مؤنث ہونا پسند کرے تو چادر لے
غازیی خوش آیدت جوشن بپوش
غازی ہونا خوش معلوم ہو جوشن پہن لے
این سخن پایان ندارد آن فقیر
یہ مضمون انتہا نہین رکھتا وہ فقیر

قبلۂ ظاہر پرستان روے زن
ظاہر پرستون کا قبلہ روے زن ہے
قبلۂ باطل بلیس ست اے پدر
اہل باطل کا قبلہ ابلیس ہے اے پدر
قبلۂ خر بندہ چہ بود کون خر
بندۂ خر کا قبلہ کیا ہوگا مقعد خر ہوگا
ور ملولی رو تو کار خویش کن
اور اگر تو ملول ہے تو جا اپنا کام کر
وان سگان را آب تتماج و تغار
اور اون کتون کیلیے آش کا پانی ہے اور تغاری
درخور آن رزق بفرستادہ ایم
اوسکے لائق رزق ہم نے بھیجا ہے
سیر از جان ساختیم این را چرا
اوس کو ہم نے جان سے سیر کردیا ہے۔ کس سبب سے ہوا
جان این راست جانان کردہ ایم
اسکی جان کو ہم نے مست محبوب کردیا ہے
پس چرا از خورد خویت میرمی
پھر کس لیے اپنی عادت کے مناسب چیز سے تو بھاگتا ہے
رستمی خوش آیدت خنجر بگیر
تجھکو رستم ہونا خوش معلوم ہو تو خنجر لے
ور بحیزی مائلی رو کون فروش
اور اگر تو مخنث ہونیکی طرف مائل ہے تو جا مقعد فروخت کر
گشتہ است از زخم درویشی عقیر
زخمی۔ فقر سے زخم رسیدہ ہو رہا ہے

(ربط اشعار کے قبل بیان ہوچکا یعنی دنیا مین بھی عدل خداوندی کے آثار ظاہر ہوتے ہین جسکا بیان یہ ہے کہ) دنیا کردگار کا دار القہر بھی) ہے (احقر نے لفظ بھی مین اشارہ کیا ہے ایک اشکال کی دفع کی طرف وہ اشکال یہ ہے کہ قہر کی تخصیص کیون کی باوجودیکہ اوس مین قہر کی طرح رحم بھی

ظاہر ہوتا ہے نیز غرض مقام یعنی بیان عدل بھی اس پر دال ہے کیونکہ عدل کا ظہور تو دونون کے
مجموع سے ہوتا ہے جواب یہ ہے کہ مقصود تخصیص نہین بلکہ مقصود مبالغہ اور دلالت علی الرحمۃ بالاولی
ہے اس طرح سے کہ دنیا تو مظہر رحمت زیادہ ہے کہ یہان کفار پر بھی بعض اقسام رحمت فائض ہین
پس اسکا دار الرحمۃ ہونا تو کیا بعید ہوتا وہ تو دار القہر بھی ہے یعنی بعض اوقات ظاہرًا بھی اور
باطنًا تو ہمیشہ ظالمین پر قہر نازل ہوجاتا ہے پس) اگر تونے قہر (وظلم) اختیار کیا ہے تو (پاداش
مین) قہر ہی دیکھنا (آگے امم ہالکہ مقہورہ کا نمونہ کے طور پر ذکر کرتے ہین جیسے قرآن مجید مین جابجا
انذار اہل مکہ کے بعد عاد و ثمود و قریٰ لوط وغیرہ کا ذکر فرمایا ہے یعنی) مقہورین کی ہڈیان اور بال
(یا اور آثار جو دلالت اور تذکیر مین ویسے ہی ہون) دیکھ لے تیغ قہر نے (اون مقہورین کو) بحر
دبر مین ڈال رکھا ہے (آگے مثال ہے کہ) مرغ کے پر و بال جال کے گرداگرد دیکھ لے وہ لا کلام
(یعنی بلا شبہ) قہر حق کی شرح کرنیوالے ہین وہ (مقہور) تو مر گیا (اور) اپنی جگہ پڑا سا پشتہ بھلا گیا
(یہ اسناد ہے سبب کیطرف کیونکہ اوسکا مرنا اور مدفون ہونا ہی سبب اس پشتہ یعنی قبر بننے کا ہوا
اور جو پرانا ہو گیا (یعنی جس مقہور کو زیادہ زمانہ گذر گیا اوسکا) پشتہ بھی نہ رہا (یعنی قبر بھی مٹ گئی پس
یہ نزول قہر علی موجبات القہر ظہور ہے عدل حق کا آگے اور آثار ہین اسی عدل حق کے ظہور کے کہ)
ہر شخص کو (اوسکے مناسب کے ساتھ) قرین کر رکھا ہے عدل حق نے (چنانچہ) ہاتھی کو ہاتھی کے ساتھ
(اور) مچھر کو جنس مچھر کے ساتھ (اور) احمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مونس مجلس مین اصحاب اربعہ ہین (اور)
ابو جہل کا مونس عتبہ اور ذو الخمار ہین (فی الحاشیۃ عتبہ نام کافر قریشی کہ در جنگ بدر کشتہ شد و ذو الخمار
کافرے بود در جاہلیت کہ سر و روئے خود پوشیدہ میداشت اور) جبریل علیہ السلام اور روحانیات
(یعنی بعض ملائک) کا کعبہ (یعنی جہت توجہ یا محل عبادت) سدرہ ہے (جیسا حدیث معراج مین ان
ملائکہ کو بصورت نورانی زرین پروانہ کے معائنہ فرمانا وارد ہے اور جبریل علیہ السلام کے لیے اوسکا
مقام ہونا مشہور ہے اور) قبلہ (توجہ) بندۂ شکم کا دستار خوان ہے (اور) عارف کا قبلہ نور وصال ہے
(اور) عقل فلسفی کا قبلہ خیال ہے (اور) زاہد کا قبلہ یزدان محسن ہے (اور) طامع کا قبلہ ہمیان زر ہے
(اور) مردان حق کا قبلہ اعمال نیک ہین (اور) نا اہل کا قبلہ جہل ذلیل ہے (مردہ ریگ مال میراثی
وزبون وضائع وناچیز و بیقدر اور) اہل معانی کا قبلہ صبر و تأنی ہے (اور) صورت پرستونکا قبلہ
نقش سنگ ہے (اور) باطن نشینون کا قبلہ ذو المنن ہے (اور) ظاہر پرستون کا قبلہ روئے زن ہے
(اور) عاشق کا قبلہ حق تعالیٰ ہے اے لڑکے (اور اہل) باطل کا قبلہ ابلیس ہے اے پدر (اور) فرعون
کا قبلہ دنیا ہے سر بسر (اور) بندۂ خر کا قبلہ کیا ہوگا مقعد خر ہوگا اسی طرح شمار کرتا رہ جدید اور قدیم
(کو کہ اونمین اسی طرح باہم تناسب و تجاذب ہے) اور اگر تو (باوجود ان امثلہ سے نہ سمجھنے کے اور دوسر

امثلہ کو شمار کرنیکی طرف محتاج ہونے کے پھر بھی اون کے شمار کرنیسے) طول ہے تو جا اپنا کام کر (یعنی ہمارا کیا نقصان ہے تو جان اور تیرا کام جانے ہمکو کیا ضرور ہے کہ تیرے سمجھانے کی کوشش کرین ہمکو خود اپنا سمجھنا کافی ہے اور عجیب لطیفہ ہے کہ عین اس اعراض عن التفہیم مین بھی مقصود کی تعلیم ہے کیونکہ مخاطب کا نہ سمجھنا اوسکے لائق ہے اور ہمارا سمجھنا ہمارے لائق ہے پس اسمین بھی ظہور ہوا عدل الٰہی کا کہ ہر ایک کو وہ چیز ملی جو اوس کے لائق تھی شعر آیندہ مین یہی مضمون ہے پس ظاہرًا ترک ہے اضافۂ امثلہ کا اور واقع مین اضافہ ہے کیونکہ یہ خود بھی مقصود کی ایک مثال ہوگئی پس فرماتے ہین کہ) ہمارا (یعنی عارفین کا) رزق پیالۂ زرین مین شراب (طہور) ہے (یعنی حقائق و معارف کہ انمین سے مضمون مقام بھی ہے) اور اون (دُنیوی) کُتّون کے لیے آش کا پانی ہے اور تغاری (جسمین رکھکر دیا جاتا ہے مراد لذات خسیسہ جنمین منہمک ہوکر علوم حقہ سے انکار وکسل کرتا ہے چونکہ اس شعر مین پھر بیان ہوگیا مضمون مقام کا آگے پھر اوسکا سلسلہ جاری فرماتے ہین لیکن چونکہ مصرعہ ورملولی رَو تو کارِ خویش کن مین اوس سے اعراض بھی فرما چکے ہین اسلیے اگلا بیان دوسرے طرز ہوتا ہے یعنی بمقولۂ حق تعالیٰ پس گویا اشارہ اس طرف ہوگیا کہ ہمتو اس مضمون کو ختم کر چکے لیکن حق تعالیٰ مثل تکلم حق از شجرۂ موسیٰ علیہ السلام ہماری زبان سے فرماتے ہین کہ) وہ (ایک) جس چیز کے لائق تھا ہمنے خود (اوسکو وہی چیز) دی ہے اور اوس (دوسرے) کے لائق رزق (اوسکے پاس) ہمنے بھیجا ہے (آگے قدرے تفصیل ہے اوس دی ہوئی چیز کی کہ) اوس (ایک) خواجہ کو ہمنے روٹی کا عاشق بنادیا ہے (اور) اس (دوسرے) کو ہمنے جان سے سیر کردیا ہے (کہ ہر شخص کے لائق یہی تھا آگے خود سوال فرماتے ہین کہ) یہ کس سبب سے ہوا (شعر آیندہ مین اسکا جواب دیتے ہین کہ سبب اسکا یہ ہے کہ) ہم نے اوس (ایک) کی سرشت (باطنی) کو روٹی کا عاشق کردیا ہے (اور) اس (دوسرے) کی جان کو ہمنے مست محبوب (حقیقی) کردیا ہے (یہان ظاہرًا مسبب سبب متحد معلوم ہوتے ہین پس تغایر کی توجیہ یہ ہے کہ مسبب جو کہ شعر سابق مین مذکور ہے وہ ظہور ہے آثار حب دنیا و حب مولیٰ کا افعال جوارح پر اور سبب جو شعر لاحق مین مذکور ہے وہ رسوخ ہے انکے ملکات کا باطن مین اور ملکۂ باطن کا سبب ہونا افعال ظاہر کے لیے ظاہر ہے آگے بطور تفریع یہ مضمون ہے کہ ان ملکات باطنی اور ان افعال ظاہری پر جزا بھی مناسب ہی مرتب ہوتی ہے اور یہ بھی ظہور ہے عدل حق کا جسکا بیان ہورہا ہے اور اس تفریع بالفاء کے ضمن مین تفریع بالقاف یعنی ملامت بھی ہے اوس شخص کو جو اخلاق و افعال ذمیمہ کو خوش خوش اختیار کرتا ہے اور اوسکی جزا کو ناگوار سمجھتا ہے پس فرماتے ہین کہ) جب تو اپنی عادت (ظاہری و باطنی) پر خوش اور خرّم ہے پھر کس لیے اپنی عادت کے مناسب چیز سے (کہ وہ جزا روفاق ہے) تو بھاگتا (اور گھبراتا) ہے (سزا) اوس پر بھی راضی رہ کہ

الشیٔ اذا ثبت ثبت بلوازمہ آگے اس رفتار باللوازم کی مثالین ہین کہ) اگر تجھکو مؤنث ہونا پسند آوے تو (زنانی) چادر (خوشی سے) لے (اور اگر تجھکو رستم (وشجاع) ہونا خوش معلوم ہو تو (خوشی سے) خنجر لے (اور اگر) غازی ہونا خوش معلوم ہو جوشن پہن لے (جوکہ لباس جنگ کی ایک نوع ہے جسمین آہنی تختے جڑے ہوئے ہوتے ہین) اور اگر تو مخنث ہونیکی طرف مائل ہے تو جا مقعد فروخت کر دے مضمون بیان ٹھہرا دیا آگے تمہید ہے رجوع بقصہ کی یعنی) یہ مضمون (بیان آثار عدل الٰہی) انتہا نہین رکھتا (کما قال تعالیٰ قل لو کان البحر مدادا لکلمات ربی لنفد البحر قبل ان تنفد کلمات ربی الآیہ) وہ فقیر (دعا کنندہ روزی بے کسب) زخم فقر (و ناداری) سے زخم رسیدہ ہو رہا ہے (اور طالب ہے اپنے مقصود کا اوسکی کامیابی کا جلدی ذکر کرو التغیر العقور عقرہ عقرا جرحہ من اقرب الموارد آگے رجوع بقصہ ہے)۔

خواب دیدنِ فقیر و نشان دادنِ ہاتف او را از گنج نامہ

دید در خواب او شبی و خواب کو
اوسنے خواب مین ایک شب دیکھا اور خواب کہان تھا
واقعہ بے خواب صوفی راست خو
واقعہ بلا خواب تو صوفی کی عادت ہوتی ہے

ہاتفی گفتش کہ اے دیدہ تعب
ایک ہاتف نے اوس سے کہا کہ اے مشقت دیکھے ہوئے شخص
رقعۂ از پیشِ وراقان طلب
ایک پرچہ کاغذی لوگونکے پاس سے تلاش کر

خفیہ زان وراق کت ہمسایہ است
خفیہ طور پر اوس کاغذی سے جو کہ تیرا ہمسایہ ہے
سوی کاغذ پارہاش آور تو دست
اوسکے پارہاے کاغذ کیطرف تو ہاتھ بڑھانا

رقعۂ شکلش چنان رنگش چنین
ایسا رقعہ جسکی شکل ایسی ایسی اور اوسکا رنگ ایسا ایسا ہے
پس بخوان آن را بخلوت ای حزین
پھر اوسکو خلوت مین پڑھنا اے حزین

چون بدزدی آن ز وراق ای پسر
جب تو اے پسر اوسکو وراق سے خفیہ طور پر لے چکے
پس برون رو ز انبہی شور و شر
پھر باہر چلا جانا ہجوم شور و شر سے

تو بخوان آن را بخود در خلوتی
تو اوسکو خود تنہائی مین پڑھنا
ہین مجو در خواندنِ آن شرکتی
خبردار اوسکے پڑھنے مین شرکت مت ڈھونڈھنا

ور شود آن فاش ہین غمگین مشو
اور اگر وہ ظاہر بھی ہو جاوے تو خبردار غمگین مت ہونا
کہ نیابد غیرِ تو زان نیم جو
کیونکہ تیرے سوا کوئی اوسمین سے آدھا جو بھی نہین پا سکتا

ور شود آن دیر ہین زنہار تو
اور اگر اوسمین دیر ہو جاوے تب بھی خبردار تو
وردِ خود کن دمبدم لَا تَقْنَطُوْا
اپنا ورد دمبدم لَا تَقْنَطُوْا ہی رکھنا

این بگفت و دست خود آن مژده ور
یہ کہا اور اوس بشارت دہندہ نے اپنا ہاتھ
بر دل او زد کہ رو رحمت ببر
اوسکے قلب پر مارا کہ جا رحمت لے جا

چون بخویش آمد ز غیبت آن جوان
جب وہ جوان غیبت سے افاقہ مین آیا
می نگنجید از فرح اندر جہان
تو خوشی کے سبب عالم مین نسماتا تھا

زہرۂ او بر دریدے از قلق
اوسکا پتہ اضطراب سے پھٹ جاتا
گر نبودے عون رفق و لطف حق
اگر حق تعالی کی مہربانی اور لطف کی مدد نہوتی

یک فرح آن کز پس ہنصد حجاب
ایک فرحت یہ کہ نوسو حجابون کے پیچھے سے
گوش او بشنید از ان حضرت خطاب
اوسکے کان نے اوس درگاہ سے خطاب سنا

از حجب چون حسّ سمعش در گذشت
حجابون سے جب اوسکا حاسۂ سمع گذر گیا
شد سرافراز و ز گردون بر گذشت
تو وہ سرافراز ہوا اور آسمان سے آگے بڑھ گیا

کے بود کان حسّ چشمش ز اعتبار
یہ کب ہوگا کہ اوس شخص کا حاسۂ بصر بھی عبرت گیری سے
ز ان حجاب غیب ہم یابد گذار
اوس حجاب غیب سے گذ جاوے

چون گذارہ شد حواسش از حجاب
جب اوسکے حواس حجاب سے گذر جاتے ہین
پس پیاپے گردش دید و خطاب
پھر علی التواتر اوسکو رؤیت اور خطاب ہوتا ہے

چون سپاہ زنگ پنہان شد ز روم
جب سپاہ زنگی روم سے پنہان ہو جاتی ہے
تیغ زد خورشید و پیدا شد علوم
تو خورشید تلوار مارتا ہے اور علوم ظاہر ہوتے ہین

یک فرح آن کز سوال آمد خلاص
ایک فرحت یہ تھی کہ سوال سے خلاصی ہوئی
خواہش حاصل شدن آن گنج خاص
اوسکو وہ گنج خاص حاصل ہو جاوے گا

یک فرح آن کہ نہ شد ردّش دعا
ایک فرحت یہ کہ اوسکی دعا رد نہین ہوئی
عاقبت آمد اجابت مرد را
انجام کار اوسکو اجابت حاصل ہوئی

جانب دکّان ورّاق آمد او
وہ وراق کی دکان کی جانب آیا
دست میزد او بمشقش سو بسو
اوسکے مشقی کاغذ مین ہر طرف ہاتھ مارتا تھا

پیش چشمش آمد آن مکتوب زود
اوسکی آنکھ کے روبرو وہ لکھا ہوا جلدی سے آگیا
با علاماتے کہ ہاتف گفتہ بود
اون ہی علامات سے جو ہاتف نے کہی تعین

در بغل زد گفت خواجہ خیر باد
بغل مین مار لیا اور کہا کہ صاحب خیر کے ساتھ رہو
این زمان وا میرسم اے اوستاد
ابھی لوٹ کر آتا ہون اے اوستاد

رفت در کنج خلوتے آن را بخواند — وز تحیر واله و حیران بماند
ایک گوشۂ تنہائی مین گیا اور اسکو پڑھا — اور حیرت سے واله و حیران رہ گیا

کہ بدینسان گنجنامہ بے بہا — چون فتادہ ماند اندر مشتہا
کہ اس طرح کا یہ گنجنامہ بے بہا — کس طرح سے مشتی کا غذون مین پڑا رہ گیا

باز اندر خاطرش این فکر جست — کز پئے ہر چیز یزدان حافظ است
پھر اوسکے دل مین اس فکر نے حرکت کی — کہ ہر چیز کے لیے حق تعالی محافظ ہین

کے گذارد حافظ اندر اکتناف — کہ کسے چیزے رُباید از گزاف
نگہبان پناہ دہی کے اندر کب چھوڑتا ہے — کہ کوئی شخص کوئی چیز بھی بے ضابطہ لے سکے

گر بیابان پُر شود زر و نقود — بے رضاے حق جُوے نتوان ربود
اگر تمام صحرا زر اور نقود سے پُر ہو جاوے — بدون مرضی حق کے کوئی ایک جَو بھی نہین لے سکتا

ور بخوانی صد صحف بے سکتۂ — بے قدر یادت نماند نکتۂ
اور اگر تو سو صحیفے بلا سکتہ پڑھ جاوے — بدون تقدیر ایک نکتہ بھی تجھکو یاد نہین رہسکتا

ور کنی خدمت نخوانی یک کتیب — علمہاے نادرہ یابی ز جیب
اور اگر تو خدمت کرے اور ایک کتاب بھی نہ پڑھے — تو علوم نادرہ گریبان سے تجھکو ملجاوین

شد ز جیب آن کف موسیٰ ضو فشان — کان فزون آمد ز ماہ آسمان
گریبان ہی سے وہ ید موسیٰ نور افشان ہو گیا تھا — کہ وہ ماہ آسمان سے بھی فائق تھا

کانچہ می جستی ز چرخ با نہیب — سر برآوردہ است اے موسیٰ ز جیب
کہ جس چیز کو تم آسمان باعظمت سے تلاش کرتے تھے — وہ اے موسیٰ گریبان سے ظاہر ہوئی ہے

تا بدانی کآسمانہاے سمی — ہست عکس مدرکات آدمی
تاکہ تجھکو معلوم ہو جاوے کہ آسمانہاے رفیع — آدمی کے قوئ مدرکہ کے عکس ہین

نے کہ اول دست یزدان مجید — از دو عالم پیشتر عقل آفرید
کیا یہ بات نہین ہے کہ دست حق تعالی نے — دونون عالم سے اول عقل کو پیدا کیا

این سخن پیدا و پنہانست و بس — کہ نباشد محرم عنقا مگس
یہ مضمون ظاہر ہے اور بہت مخفی ہے — کیونکہ عنقا کا محرم مکھی نہین ہوتی

باز سوے قصہ باز آ اے پسر — قصۂ گنج و فقیر آور بسر
اے پسر پھر قصہ کی طرف آ — قصہ گنج اور فقیر کا ختم کر

اوس (شخص) نے خواب مین ایک شب دیکھا اور خواب کہان تھا (یعنی اوسکو یقظہ کے مقابلہ مین

خواب کہدیا ورنہ وہ بین النوم والیقظہ تھا جسکو اصطلاح مین واقعہ کہتے ہین اور اس سے تعجب
مت کرنا کیونکہ) واقعہ بلا خواب تو صوفی کی (اکثر) عادت ہوتی ہے (تو اگر اوسکو بھی ایسا اتفاق
ہوگیا تو تعجب کی کیا بات ہے اگرچہ وہ صوفی نہ ہو اور اگر صوفی تھا تو اور بھی تعجب نہین اور وہ بات جو
دیکھی یہ تھی کہ) ایک ہاتف (غیب) نے اوس سے یہ کہا کہ اے مشقت دیکھے ہوئے شخص ایک پرچہ (جسکا پتہ
آگے آتا ہے) کاغذی لوگون کے پاس سے تلاش کر خفیہ طور پر اوس کاغذی سے جو کہ تیرا ہمسایہ ہو
اوسکے پارہاے کاغذ کیطرف تو ہاتھ بڑھانا (وہ) ایسا رقعہ (ہے) جسکی شکل ایسی ایسی اور اوسکا رنگ ایسا ایسا
ہے (رقعہ بدل ہے لفظ رقعہ واقعہ شعر ہاتفی الخ سے) پھر اوسکو خلوت مین پڑھنا اے حزین جب تو اے
پسر اوسکو وراق سے خفیہ طور سے لے چکے پھر باہر چلا جانا ہجوم شور و شر سے الخ اگر شبہ ہو کہ کسی کی ملک
کی کوئی چیز اوس سے خفیہ و بلا اذن لینا کب جائز ہے جواب یہ ہے کہ اگر وہ چیز متقوم نہ ہو تو اوسمین
اذن کی حاجت نہین یہ پرچہ ردی ہوگا جسکو اوس نے بیکار کاغذات مین ڈال دیا ہوگا اور یا
یہ بھی ممکن ہے کہ وہ اسی آخذ کی ملک ہوگا کسی طرح اسکے یہان سے اوسکی ردی مین چلا گیا ہوگا جیسے
حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانہ مین وہ گائے اوس دعا کرنیوالے کے گھر مین آگھسی تھی اوسی کی
ملک تھی جسکے ساتھ مولانا نے اس صاحب قصہ کو شروع قصہ کے اس شعر مین تشبیہ بھی دی ہے ہمچو آن
شخصے کہ روزی حلال الخ غرض) تو اوسکو خود تنہائی مین پڑھنا خبردار اوسکے پڑھنے مین کسیکی شرکت
مت ڈھونڈھنا تاکہ دوسرون پر ظاہر نہ ہو) اور اگر (کسی طرح سے) ظاہر بھی ہوجاوے تو خبردار غمگین
مت ہونا کیونکہ تیرے سوا کوئی اوسمین سے آدھا جو بھی نہین پاسکتا (یعنی وہ سب تیری ہی قسمت
کا ہے اس شق کا حکم اس لیے بتلا دیا گیا کہ لوگون کو دوسرے قرائن سے اسکا پتہ لگ گیا تھا کہ یہ کسی
خزانہ کی تلاش مین ہے چنانچہ قصہ مین آگے آویگا کہ وہ خبر بادشاہ تک پہونچگئی مگر اوسکو خزانہ نہین ملا
اور آخر مین اسی شخص کو ملا اور یہ بات کہ اس شخص کو وہ خزانہ کس طرح مباح ہوگیا یا تو اس طرح
ہوسکتی ہے کہ قصہ گاؤ کی طرح وہ بھی اسکی ملک ہو اور یا یون کہا جاوے کہ جب لقطہ کا مالک
نہ ملسکے تو وہ لاقط مسکین کا حق ہے) اور اگر اوس (کے ملنے) مین دیر ہوجاوے تب بھی خبردار تو
اپنا ورد دمبدم لَا تَقْنَطُوا ہی رکھنا۔ یہ (مضمون اوس ہاتف نے) کہا اور اوس بشارت دہندہ نے
(کہ وہی ہاتف تھا جس نے بعد ندا کے قریب آکر بھی گفتگو کی ہوگی) اپنا ہاتھ اوسکے قلب پر مارا
(تاکہ قلب مین قوت و استقلال پیدا ہو اور کہا) کہ جا (سامان) رحمت (کہ خزانہ ہے) لیجا اور ممکن
ہے کہ یہ کلام اور ہاتھ مارنا بھی بعید ہی سے ہوا اور باوجود نظر نہ آنیکے ایسا معلوم ہوا ہو جیسے کسی نے
ہاتھ مارا ہے بہرحال) جب وہ جوان (اس) غیبت (واقعہ) سے افاقہ مین آیا تو خوشی کے سبب عالم
مین (پھولا) نہ سماتا تھا (اس قدر خوش تھا کہ) اوس کا پتہ (شدت) اضطراب سے دو کر غایت فرح مین

بھی ہوتا ہے) پھٹ جاتا اگر حق تعالیٰ کی مہربانی اور لطف کی مدد نہ ہوتی (یعنی شادی مرگ ہو جاتی آگے اوس شدت فرح کے سبب کی تفصیل ہے کہ اوسکو کئی فرحتین جمع ہو گئی تھین سب ملکر فرح شدید ہو گیا تھا چنانچہ) ایک فرحت یہ کہ نوسو حجابون کے پیچھے سے اسکے کان نے اوس درگاہ (عالی) سے خطاب (اور کلام) سُنا (نوسو سے مراد کثرت اور ممکن ہے کہ ہفت آسمان اور آٹھوین نوین کرسی و عرش مین سے ہر ایک کو بجاے سوسو حجاب کے قرار دیکر مجموعہ کو نوسو سے تعبیر کیا ہو اور ممکن ہے کہ بطور علم ضروری اوسکو معلوم ہو گیا ہو کہ یہ خطاب بالاے عرش سے ہے اِس لیے از پس نہصد حجاب کہا گیا ہو اور اسی پر نظر کر کے مصرعۂ بالا این بگفت و دست خود آن مرد هوری دوسری توجیہ کو ظاہرا رجحان معلوم ہوتا ہے غرض ان کثیر) حجابون سے جب اوسکا حاسۂ سمع گذر گیا تو وہ سرفراز ہوا اور (رتبہ مین) آسمان سے آگے بڑھ گیا (حاسۂ سمع کا حُجب سے گذرنا یہ ہے کہ اِس حاسۂ کو ایسی چیز کا ادراک ہوا جو وراء الحجب ہے ورنہ ظاہر ہے کہ یہ حجب سے گذرنا تو اوس صَوت کی صفت ہے نہ کہ سامع کے سمع کی آگے مولانا کا مقولہ بطور تمنی کے ہے کہ) یہ کب (میسر) ہوگا کہ اوس شخص کا (جسکا حاسۂ سمع حجب سے بالمعنی المذکور گذر گیا ہے اوسکا) حاسۂ بصر بھی عبرت گیری (کی برکت) سے (کہ عبرت و تفکر مصحح ہے نظر کی) اوس حجاب (عالم) غیب سے گذر جاوے (پس کلمہ تم قید حس چشمش کی ہے نہ کہ زان حجاب غیب کی یعنی یہ مطلب نہین کہ جسطرح فلان حجاب سے گذری ہے اسیطرح عالم غیب سے بھی گذر جاوے کیونکہ اسکے قبل چشم کا کسی حجاب سے بھی گذرنا مذکور نہین بلکہ مطلب یہ ہے کہ جسطرح ان حجب عالم غیب کہ سمٰوات سبعہ و کرسی و فلک سب اوسکے آحاد ہین حاسۂ سمع گذرا ہے اسی طرح ان حجب سے حاسۂ بصر بھی گذر جاوے یعنی یہ شخص مثل مکالمت کے رؤیت قلبیہ سے مشرف ہو جسطرح یہ سمع بھی قلبی ہی ہے اس سمع و بصر قلبی کو حاسہ کہنا مجاز ہے اور یہ مسموع جس طرح صوت حادث ہے اسی طرح جو صورت مرئی ہوگی وہ بھی حادث ہوگی لیکن مولانا کے ظاہر کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ رؤیت کو سمع پر مزیت ہے کہ سمع کے بعد رؤیت کی تمنا کرتے ہین شاید وجہ اوسکی یہ ہو کہ رؤیت مین بہ نسبت سماع کے عادۃً قرب زیادہ ہوتا ہے واللہ اعلم احقر کو اسکے قبل اس مسئلہ کی تحقیق کا اتفاق نہین ہوا اور یہ بھی ممکن ہے کہ باوجود مزیت نہ ہونے کے تمنا جامعیت کی ہو کہ جسطرح ایک دولت میسر ہوئی دوسری بھی میسر ہو جاوے آگے مجموعہ کے حصول پر تفریع ہے کہ) جب اوس کے حواس حجاب سے گذر جاتے ہین پھر علی التواتر اوسکو رؤیت اور خطاب (میسر) ہوتا ہے (جسکی تحقیق اسکے قبل کے اشعار کی شرح مین گذری ہے آگے رؤیت و خطاب کے علاوہ ایک تیسری چیز کے میسر ہونے کی تفریع ہے کہ) جب سیاہ زنگی (یعنی ظلمت بشریہ) روم سے (یعنی انوار و تجلیات سے) پنہان (یعنی مغلوب) ہو جاتی ہے تو خورشید (وجود حقیقی فناء کی) تلوار مارتا ہے اور (فناء کے بعد جب بقاء و تخلق باخلاق الٰہیہ

حاصل ہوتا ہے تو صفت علمیہ حضرت حق کے ساتھ مناسبت ہونیسے) علوم لدنیہ ظاہر ہوتے ہین
(مجموعہ اشعار کا حاصل یہ ہوا کہ اعمال واخلاق کی اصلاح سے کہ فنائے حسی ہے اور شعر چون سپاہ آخ
مین مذکور ہے اور فکر ومراقبات کی مزاولت سے کہ فنائے علمی اور اس شعر سے پہلے مذکور ہے عالم غیب
بفتح اللام وعالم الغیب بکسر اللام سے نسبت ہوکر واردات وعلوم ومعارف میسر ہوتے ہین اللہم
ارزقنا بجودک وفضلک یہ مضمون بطور جملۂ معترضہ کے تھا آگے پھر قصہ ہے کہ ایک فرحت تو وہ تھی
جو مذکور ہوئی (اور) ایک فرحت یہ تھی کہ سوال سے خلاصی ہوئی (اب) اسکو وہ گنج خاص حاصل ہوجائیگا
(خلاص عن السوال پر فرح من حیث السوال نہین کہ سوال تو عبادت ہے بلکہ من حیث تضمنہ للتعب
والنصب ہے اور) ایک فرحت یہ کہ اوسکی دعا رد نہین ہوئی انجام کار اوسکو اجابت حاصل ہوئی
(بس یہ وجوہ تھے فرحت شدیدہ کے غرض ان فرحتون کو لیے ہوئے) وہ وراق کی دُکان کیجانب
آیا (اور) اوس (وراق) کے مشقی کاغذ مین ہر طرف ہاتھ مارتا تھا (مشقی کاغذ کے دو معنے ہوسکتے ہین
ایک وہ کاغذ جسکے بنانے مین اوسنے اپنی صنعت کی مشق کی یعنی اوسکا بنایا ہوا کاغذ ایک یہ کہ خوشخطی
کی تعلیم کے لیے مشق کردہ وصلیان بکتی ہونگی اور گو اوسکی لکھی ہوئی نہ ہون لکھوائی ہوئی ہون مگر
یہ اونکی تجارت کرتا ہو اسلیے ادنیٰ ملابست سے اسکی طرف اضافت کردی ہو چنانچہ اس سرخی کے شروع
کے دوسرے شعر کے دوسرے مصرعہ مین ایک نسخہ یہ بھی ہے ع رقعۂ در مشق وتاقان طلب۔ وہان
بھی یہی دو توجیہ ہوسکتی ہین واللہ اعلم خلاصہ یہ کہ کاغذون مین ڈھونڈھتے ڈھونڈھتے) اوسکی آنکھ
کے روبرو وہ لکھا ہوا (پرچہ) جلدی سے آگیا اون ہی علامات سے جو ہاتف نے کہی تھین (بس
کاغذ لیتے ہی) بغل مین مار لیا (اور وراق سے) کہا کہ صاحب خیر کے ساتھ رہو (یعنی خدا کے سپرد
اب جاتا ہون کچھ کام ہے اوسکو کرکے پھر) ابھی آتا ہون اے استاد (اور) ایک گوشۂ تنہائی مین
گیا (اور) اوسکو پڑھا اور (مضمون پڑھکر کہ اوس مین خزانہ کا پتہ لکھا تھا) حیرت سے والہ وحیران
رہ گیا کہ اس طرح سے یہ گنجنامہ بے بہا کس طرح سے مشقی کاغذون مین پڑا رہ گیا (ظاہرا اس سے
مصرعہ دست میزد کی توجیہ ثانی کو ترجیح معلوم ہوتی ہے) پھر اسکے دلمین (اس سوال تحیر کے
جواب مین) اس فکر نے حرکت کی کہ ہر چیز کے لیے حق تعالیٰ محافظ ہین (وہ) نگہبان (حقیقی) پناہ دہی
کے اندر کب چھوڑتا ہے کہ کوئی شخص کوئی چیز بھی بے ضابطہ لے سکے اگر تمام صحرا زر اور نقود سے
پُر ہوجاوے (جسکو سب دیکھین بھی لیکن) بدون مرضی (یعنی مشیت) حق کے کوئی ایک جو بھی نہین
لے سکتا اور اگر تو سو صحیفے بلا سکتہ پڑھ جاوے (یعنی کہین رکاوٹ واٹکاؤ نہ ہو گو پھر بھی) بدون تقدیر
(خداوندی) ایک نکتہ بھی تجھکو یاد نہین رہ سکتا اور اگر تو خدمت (وعبادت) کرے (اور)
ایک کتاب بھی نہ پڑھے (اور وہ علم دینا چاہین) تو علوم نادرہ گریبان (یعنی سینہ) سے تجھکو

ملجا دین (مطلب یہ کہ اگر وہ چاہین تو بلا اسباب کے مسبب کو عطا کر دین اور باوجود اسباب کے بھی اگر وہ نہ چاہین تو مسبب مرتب نہ ہو آگے تائید ہے مصرعہ علمہاے نادرہ یابی زجیب کی کہ جیسے گریبان ہی سے وہ ید موسیٰ نور افشان ہوگیا تھا کہ وہ (نور) ماہ آسمان سے بھی فائق تھا (اور یہ ارشاد ہوا تھا) کہ جس چیز کو (یعنی نور کو) تم آسمان با عظمت سے تلاش کرتے تھے وہ اے موسیٰ گریبان سے ظاہر ہوئی ہے (یہ مثال تائیدی ختم ہوئی آگے مولانا اس قصۂ موسوی کے ایراد کی ایک اور غرض بھی علاوہ غرض مذکور تائید کے بتلاتے ہین کہ ہم یہ قصہ اسلیے بھی لائے) تاکہ تجھکو معلوم ہو جاوے کہ آسمانہاے رفیع آدمی کے (بعض) قوی مدرکہ کے (بمنزلہ) عکس (کے) ہین (تشبیہ عکس کے ساتھ تابع ہونے مین ہے اور یہ تابعیت مقصودیت مین ہے اور اس بعض مدرکات سے مراد عقل کامل جامع ہے معرفت حق کا اور معرفت ہی مقصود اصلی من الخلق ہے کما اشتہر کنت کنزا مخفیا الخ پس اصلی مقصود خلائق مین سے وہ ہوگا جو یہ عقل و معرفت رکھتا ہو اور باقی کائنات سموات و ارض اوسکے قوام و بقاء کے لیے ہین قال تعالی ہو الذی خلق لکم ما فی الارض الخ تو قصۂ ید بیضا سے بھی انسان کے افضل من السموات ہونے کی تائید ہوئی کہ انسان کامل کے ہاتھ مین وہ نور تھا جو آسمان مین نہ تھا اور تابدانی کے بھی یہی معنے ہین آگے اس بعض مدرکات یعنی عقل کی مقصودیت پر استدلال ہے کہ) کیا یہ بات نہین ہے کہ دست حق تعالی نے اول عقل کو پیدا کیا (جیسا بعض روایات مین ہے اول ما خلق اللہ العقل اور اصل یہی ہے کہ افضل کو تقدم ہو گو اوسی عالم مین ہو فلا ینقض ببعثتہ صلے اللہ علیہ وسلم آخراً ۱۲ اور تمام عالم اسکے بعد پیدا ہوا اور گو یہ حدیث متکلم فیہ ہے مگر اثبات مدعا یعنی مقصودیت عقل و شرف عقل اس پر موقوف نہین آیت وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون اسپر دلالت کرنے کے لیے کافی ہے اور شاید کوئی اس مقام پر شائق ہو تا بحث کیفیت اولیت فی الخلق کا اس لیے اوسکو روکنے کے لیے فرماتے ہین) یہ مضمون (اجمالاً تو بوجہ سمعی ہونیکے) ظاہر ہے اور (تفصیلاً بوجہ کشفی ہونیکے اہل قال سے) بہت مخفی ہے کیونکہ عنقا کا محرم (اور واقف) مکھی نہین ہوتی (پس ماہیت عقل مثل عنقا کے ہے اور نظر فکری مثل مگس کے وہ اوس سے واقف نہین ہوسکتی آگے تمہید ہی رجوع بقصہ کی کہ) اے لیسر پھر قصہ کیطرف آ قصہ گنج اور فقیر کا ختم کر۔

تمامی قصۂ آن فقیر

اندر ان رقعہ نوشتہ بود این	کہ برون شہر گنجے دان دفین
اوس پرچہ مین یہ لکھا تھا	کہ شہر سے باہر ایک خزانہ مدفون سمجھ

آن فلان قبه که در وے مشہد ست
وہ فلانا گنبد جو ہے کہ جسمین مزار ہے

پشتِ او در شہر و رُو در فدفدست
جس کی پشت شہر کیطرف اور دروازہ صحرا مین ہے

پشت با وے کن تو رُو با قبله آر
تو اُسکی گنبد کی طرف پشت کرنا اور قبلہ کیطرف مُنہ کرنا

وانگہان از قوس تیرے وا گذار
اور اُسوقت کمان سے ایک تیر چھوڑنا

چون فگندی تیر از قوس اے سعاد
جب تو کمان سے تیر پھینک چکے اے سعاد

بر کن آن موضع که تیرت اوفتاد
تو وہ جگہ کھود جہان تیر گرے

پس کمانِ سخت آورد آن فتی
پس وہ جوان کمانِ سخت لایا

تیر پرانید در صحنِ فضا
تیر کو صحن خلا مین اوڑایا

بیل آورد و تبر او شادشاد
بیلچہ اور تبر خوش خوش لایا

کند آن موضع که تیرش اوفتاد
وہ موقع کھودا جہان اوسکا تیر پڑا تھا

گُند شد ہم او و ہم بیل و تبر
وہ شخص بھی گُند ہو گیا اور بیلچہ و تبر بھی

خود ندید از گنجِ پنہانی اثر
خزانۂ مخفی کا کچھ اثر بھی نہ دیکھا

ہمچنین ہر روز تیر انداختے
اسیطرح ہر روز تیر پھینکا کرتا

لیک جاے گنج را نشناختے
لیکن خزانہ کے موقع کو نہ پہچانتا

چونکه این را پیشه کرد او بر دوام
جب اُسنے یہ ہمیشہ کا وتیرہ کر لیا

فجفجے افتاد اندر خاص و عام
تو خاص و عام مین ایک چرچا واقع ہو گیا

ہر کسے در گفتگوے اوفتاد
ہر شخص ایک گفتگو مین واقع ہو گیا

کاینچنین بازی نباشد در نہاد
کہ اس طرح کا لعب تو طبیعت مین ہو نہین سکتا

ہر کسے در گفتگوے فاسدے
ہر شخص ایک گفتگوے فاسد مین تھا

ہر طرف برخاسته یک حاسدے
ہر طرف ایک حاسد اُوٹھ کھڑا ہوا

اوس پرچہ مین یہ لکھا تھا کہ شہر سے باہر ایک خزانہ مدفون سمجھ وہ فلانا گنبد جو ہے کہ جسمین (کسیکا) مزار ہے جسکی پشت شہر کی طرف اور دروازہ صحرا مین ہے تو اوس (گنبد) کی طرف پشت کرنا (اور) قبلہ کی طرف مُنہ کرنا اور اوسوقت (یعنی جبکہ اس طرح کھڑا ہو جاوے) کمان سے ایک تیر چھوڑنا (مطلب اسکا جیسا کہ بالکل آخر قصہ مین آوے گا یہ تھا گفت گفتم در کمان تیرے بنہ + نے بگفتم من کہ اندر کش توزہ + من نگفتم کاین کمان راسخت کش + در کمان نہ گفتمت نے بر کشش) اے تغیر از قوس تیرے واگذار این بود کہ تیر را در کمان نہادہ بگذار پس جائیکہ تیر تو بیفتد گنج زیر سا بطلب یعنی تیر چھوڑنا یہ نہین کہ کمان مین تیر رکھکر کمان کھینچکر تیر چلانا بلکہ مراد یہ ہے کہ کمان مین تیر رکھکر ویسے ہی بلا کھینچے چھوڑ دے

اوس کو چھوڑدے جہان تیر گرے وہ جگہ ہے خزانہ کی چونکہ دفن کرنیوالے کو خزانہ کا عام سے مخفی کرنا تھا اس لیے اوس رقعۂ یادداشت مین جبکو کسی خاص خاص کے لیے لکھا ہوگا ایسا عنوان اختیار کیا کہ بدون تفسیر کے کسی کی سمجھ مین نہ آوے اور ان خاص خاص کو بتلا دیا ہوگا پھر شاید اون جاننے والون کا سلسلہ نہ رہا ہوگا اور پرچہ یادداشت رہ گیا چنانچہ اس شخص نے بھی یہی ظاہری مطلب سمجھا اور مدتون حیران رہا پھر رجوع الی الغیب کرنیسے یہ تفسیر بتلائی گئی اور کامیاب ہوا چنانچہ یہ سب آگے آدیگا خلاصہ یہ کہ اوس پرچہ مین یہ تھا کہ تو اس طرح کھڑا ہو کر کمان سے تیر چھوڑنا اور جب تو کمان سے تیر پھینک چکے اے سعاد تو وہ جگہ کھود جہان تیرا تیر گرے (یعنی بے کمان کھینچے جہان تیر گرے اور چونکہ یہ تیر بے کھینچے بھی اسی شخص کے ہاتھ سے گریگا جب یہ اوسکو انگلیون مین سے چھوڑدے اسلیے فکندی کہا گیا اور سعاد ایک محبوبہ کا نام ہے مراد مطلق مخاطب مشابہ سعاد در محبوبیت یعنی اے عزیز) پس وہ جوان (غلط فہمی کے سبب ایک) کمان سخت لایا (اور اوسمین رکھکر زور سے کھینچکر) تیر کو صحن خلا مین اوڑایا (یعنی چلایا اور) بیلچہ اور تبر خوش خوش لایا (اور) وہ موقع کھودا جہان اوسکا تیر جاکر پڑا تھا (کھودتے کھودتے) وہ شخص بھی کُند ہوگیا اور بیلچہ و تبر بھی (کُند ہوگیا مگر اوس) خزانۂ مخفی کا کچھ اثر بھی نہ دیکھا اسی طرح ہر روز تیر پھینکا کرتا لیکن خزانہ کے موقع کو نہ پہچانتا جب اوس نے یہ ہمیشہ کا وتیرہ کرلیا تو خاص و عام مین (اسکا) ایک چرچا واقع ہوگیا (فجفج سخنے کہ درافواہ افتد بطریق اخفاء سخن باہم آہستہ گفتن از لطائف کذا فی الغیاث اور) ہر شخص ایک گفتگو مین واقع ہوگیا کہ اسطرح کا شغل تو طبیعت مین ہو نہین سکتا (یعنی تفریح کا یہ طریق طبعًا نہین ہوسکتا کہ تیر چلایا کرے اور زمین کھودا کرے ضرور اس مین کوئی اور نکتہ ہے اور) ہر شخص ایک گفتگوے فاسد مین (مشغول تھا (اور) ہر طرف ایک حاسد اوٹھ کھڑا ہوا۔

فاش شدن خبرِ گنجنامہ و رسیدن بگوشِ بادشاہ

پس خبر کردند سلطان را ازین
پس خبر کردی بادشاہ کو اس کی

آن گروہے کش بدیدند اندر کمین
اوس جماعت نے کہ اوسکی گھات مین تھے

عرضہ کردند آن سخن را زیردست
اوس مضمون کو ان لوگون نے مخفی طور پر عرض کردیا

کان فلانی گنجنامہ یافتہ است
کہ فلان شخص نے ایک گنجنامہ پایا ہے

چون شنید آن شخص کاین با شہ رسید
جب اوس شخص نے سُنا کہ یہ بات بادشاہ کو پہونچ گئی

جز کہ تسلیم و رضا چارہ ندید
تو بجز تسلیم و رضا کے چارہ نہ دیکھا

پیش ازان کاشکنجہ بیند زان قباد
قبل اسکے کہ کوئی سختی دیکھے اوس بادشاہ کیطرف سے
رقعہ را آورد پیش شہ نہاد
رقعہ کو لاکر بادشاہ کے سامنے رکھدیا

گفت تا این رقعہ را یابیدہ ام
کہا کہ جب سے مین نے یہ رقعہ پایا ہے
گنج نے و رنج بیحد دیدہ ام
خزانہ تو نہین اور رنج بیحد مین نے دیکھا ہے

خود نشد یک حبہ از گنج آشکار
خزانہ مین سے تو ایک حبہ بھی ظاہر نہین ہوا
لیک پیچیدم بسے مانند مار
لیکن سانپ کیطرح مین نے بل بہت کھائے ہین

رفت ماہے تا چنینم تلخ کام
ایک مہینہ گذرا ہے کہ مین اسیطرح تلخ کام ہون
کہ زیان و سود این بر من حرام
کہ اسکا زیان اور نفع مجھپر حرام ہے

بو کہ بخت بر کند زین کان غطا
شاید آپکا نصیبہ اس معدن سے پردہ ہٹاوے
اے شہ فیروز جنگ دز گشا
اے بادشاہ نصرت جنگ فاتح قلعہ

مدت شش ماہ و افزون بادشاہ
چھ مہینہ اور کچھ زیادہ مدت تک بادشاہ
تیر می انداخت و بر می کند چاہ
تیر پھینکتا تھا اور کنوان کھودتا تھا

ہر کجا سخت کمانے بود جست
جہان کہین کوئی شخص سنجیدہ کمان ستعد ہوتا تھا
تیر می انداخت ہر سو گنج جست
وہ تیر چلاتا ہر طرف خزانہ تلاش کیا

غیر تشویش و غم و طامات نے
بجز تشویش اور غم اور بے معنے باتونکے کچھ نہین
ہمچو عنقا نام فاش و ذات نے
عنقا کی طرح نام تو مشہور اور ذات نہین

چونکہ تعویق آمد اندر عرض و طول
جب درنگ عرض و طول مین ہوئی
شاہ شد زان گنج دل سیر و ملول
تو بادشاہ اوس خزانہ سی سیر دل اور ملول ہوگیا

جملہ صحرا گز گز آن شہ چاہ کند
بادشاہ نے تمام جنگل مین ایک ایک گز پر کنوان کھود ڈالا
می ندید از گنج او جز ریشخند
خزانہ سے بجز دل لگی کے کچھ نظر نہ آتا تھا

پس طلب کرد آن فقیر دردمند
پس اوس فقیر دردمند کو طلب کیا
رقعہ را از خشم پیش او فگند
رقعہ کو غصہ سے اوسکے سامنے پھینکدیا

گفت گیر این رقعہ کش آثار نیست
کہا کہ یہ رقعہ لے کہ اوسکے کچھ آثار نہین ہین
تو بدین اولےٰ تری کت کار نیست
تو اسکا زیادہ مستحق ہے کیونکہ تجھکو کوئی کام نہین ہے

نیست این کار کسے کش ہست کار
یہ اوس شخص کا کام نہین جسکو کوئی کام ہو
گر بسوزد گل نگردد گرد خار
اگر پھول جل جاوے تو وہ خار کے گرد نہین پھرتا

نادرا افتد اہلِ این ماخولیا	منتظر کش رُوید از آہن گیا
ایسا مالیخولیا والا شاذ و نادر واقع ہوتا ہے	جو اس کا منتظر ہو کہ اوسکے آہن سے گھاس جمے
سخت جانی باید این فن را چو تو	تو کہ داری جانِ سخت این را بجو
اس کام کے لیے کوئی سخت جان تجھ جیسا چاہیے	تو جان سخت رکھتا ہے اسکو ڈھونڈھ
گر نیابی نبودت ہرگز ملال	ور بیابی آن بتو کردم حلال
تجھکو اگر نہ ملا تو تجھکو ملال نہ ہوگا	اور اگر تجھکو مل گیا تو مین نے تجھکو معاف کیا

پس خبر کردی بادشاہ کو اس (واقعہ) کی اوس جماعت نے کہ اوسکی گھات مین تھے (اور) اوس مضمون کو اون لوگون نے مخفی طور پر (بادشاہ سے) عرض کر دیا کہ فلان شخص نے ایک گنجنامہ پایا ہے (جسمین پتہ گنج کا لکھا ہے) جب اوس شخص نے سُنا کہ یہ بات بادشاہ کو پہونچ گئی تو بجز تسلیم و رضا کے چارہ نہ دیکھا قبل اسکے کہ کوئی سختی دیکھے اوس بادشاہ کی طرف سے رقعہ کو لا کر بادشاہ کے سامنے رکھدیا (اور) کہا کہ جب سے مین نے یہ رقعہ پایا ہے خزانہ تو نہین اور (اولٹا) رنج بیحد مین نے دیکھا ہے خزانہ مین سے تو ایک حبہ بھی ظاہر نہین ہوا لیکن سانپ کی طرح مین نے بل بہت کھائے ہین ایک مہینہ گذرا ہے کہ مین اسی طرح ناکام ہون کہ اسکا زیان اور نفع (سب) مجھپر حرام ہے (یعنی خزانہ ملتا تو پھر اوسمین تصرف و تجارت وغیرہ کرنیسے سود و زیان کا اندازہ ہوتا جب خزانہ ہی نہین ملا تو سود و زیان سے کیا تعلق اسلیے یہ رقعہ آپ رکھیے) شاید آپکا نصیبہ اس معدن سے پردہ ہٹادے اے بادشاہ نصرت جنگ فاتح قلعہ چھ مہینہ اور کچھ زیادہ مدت تک بادشاہ تیر پھینکتا تھا اور کنوان کھودتا تھا (یعنی زمین کھودتے کھودتے پانی تک پہونچا دیتا تھا اور) جہان کہین کوئی شخص سنجیدہ کمان (یعنی مجرب الرمی) مستعد (دستیاب) ہوتا تھا وہ (بلایا جاتا اور بحکم شاہی) تیر چلاتا (اسطرح سے) ہر طرف خزانہ تلاش کیا (سختہ بالضم و بالفتح بمعنے سنجیدہ و وزن کردہ شدہ مگر باوجود ان تمامتر کوششون کے) بجز تشویش اور غم اور بے معنے باتون کے کچھ نہین (ملا) عنقا کی طرح نام تو مشہور اور ذات (کہین) نہین (غرض) جب درنگ (اسقدر) عرض و طول مین (واقع) ہوئی تو بادشاہ اوس خزانہ سے سیر دل اور ملول ہو گیا بادشاہ نے تمام جنگل مین ایک ایک گز پر کنوان کھود ڈالا (مگر) خزانہ سے بجز دل لگی کے کچھ نظر نہ آتا تھا پس اوس فقیر دردمند کو طلب کیا (اور) رقعہ کو غصہ سے اوسکے سامنے پھینکدیا (اور) کہا کہ یہ رقعہ لے کہ اوس کے کچھ آثار نہین ہین تو اُس کا زیادہ مستحق ہے کیونکہ تجھکو کوئی کام نہین ہے یہ اوس شخص کا کام نہین جسکو کوئی کام ہو (کیونکہ) اگر پھول جل جاوے تو وہ (کام والا) خار کے گرد نہین پھرتا (یعنی فوت مقصود کے وقت وہ فضول کام اختیار نہین کرتا دنیا مین) ایسا مالیخولیا والا شاذ و نادر واقع ہوتا ہے جو اسکا منتظر ہو کہ اوسکے آہن سے گھاس جمے اس کام کے لیے کوئی سخت جان تجھ جیسا چاہیے

تو جان سخت رکھتا ہے اسکو ڈھونڈھ (کیونکہ) تجھکو اگر نہ ملا تو تجھکو ملال نہ ہوگا (کیونکہ تیرا کوئی حرج تو ہوا ہی نہین بوجہ اسکے کہ تجھکو کوئی کام نہین جسکا حرج ہوتا) اور اگر تجھکو مل گیا تو مین نے تجھکو معاف کیا (تجھ سے کچھ تعرض نہ ہوگا)۔

انتقال ازمولانا

عقل راہِ ناامیدی کے رود
عقل ناامیدی کے راستہ پر کب چلتی ہے

عشق باشد کان طرف بر سر دود
عشق ہی ہوتا ہے کہ اوسکی طرف سر کے بل دوڑتا ہے

لاابالی عشق باشد نے خرد
لاابالی عشق ہوتا ہے نہ کہ عقل

عقل آن جوید کزان سودے برد
عقل تو وہی طلب کرتی ہے جس سے کوئی نفع حاصل کرے

ترک تازے تن گدازِ بے حیا
غارتگر ہے تن گداز ہے بے حیا ہے

در بلا چون سنگِ زیرِ آسیا
بلا مین جیسا پتھر چکی کے نیچے

سخت رو دے کہ ندارد ہیچ پشت
سخت رو ایسا کہ پشت ہی نہین کرتا

بہرہ جوئی را درونِ خویش کشت
بہرہ جوئی کو اوسنے اپنے باطن مین قتل کر ڈالا ہے

پاک می بازد نہ جوید مزدِ او
وہ پاکبازی کرتا ہے وہ اجرت نہین ڈھونڈھتا

آنچنانکہ پاک می گیرد ز ہو
جسطرح کہ وہ حق تعالیٰ سے پاک طور پر لیتا ہے

می دہد حق ہستیش بے علتے
حق تعالیٰ اوسکو ہستی عطا فرماتے ہین بدون علت کے

می سپارد باز بے علت فتے
پھر یہ جوانمرد بدون علت کے حوالہ کر دیتا ہے

کہ فتوت دادنِ بے علت ست
اسلیے کہ فتوت بے علت دینا ہے

پاکبازی خارج از ہر ملت ست
پاکبازی ہر ملت سے خارج ہے

زانکہ ملت فضل جوید یا خلاص
کیونکہ اہل ملت تو فضل ڈھونڈھتے ہین یا خلاصی

پاکبازانند قربانانِ خاص
پاکباز لوگ قربانانِ خاص ہین

نے خدا را امتحانے می کنند
نہ وہ خدا تعالیٰ کا امتحان کرتے ہین

نے درِ سود و زیانے می زنند
نہ وہ سود و زیان کے دروازہ کو کھٹکھٹاتے ہین

(اوپر بادشاہ کا حال مذکور ہوا ہے کہ شاہ شد زان گنج دل سیر و ملول اور بادشاہ کا قال اوس فقیر کے خطاب مین مذکور ہوا ہے کہ تنبا بی نبود ث ہرگز ملال جس سے بادشاہ کا ناکامی سے ملول ہونا

ع یہ سرخی مترجم نے بڑھائی ہے ۱۲

اور فقیر کا باوجود ناکامی کے ملول نہ ہونا معلوم ہوا آگے اس فرق کی وجہ پھر اوس وجہ کی تعمیم ارشاد
فرماتے ہین یعنی فرق دونون مین یہ تھا کہ بادشاہ کی طلب تو ناشی تھی عقل سے اور فقیر کی طلب ناشی
تھی عشق سے اور قاعدہ کلیہ ہے کہ) عقل نا امیدی کے راستہ پر کب چلتی ہے (بلکہ غایت مقصود سے
مایوس ہونیکے وقت طلب کو چھوڑ دیتی ہے اس شان کا) عشق ہی ہوتا ہے کہ اوس (راہ نا امیدی)
کی طرف سر کے بھل دوڑتا ہے (کیونکہ عاقل کے لیے تو محرک غایت تھی جسکا تصور پہلے اور ترتب پیچھے
ہوتا ہے جب ترتب کی توقع نہین رہتی تصور مین قوت تحریک نہین رہتی اور عاشق کے لیے محرک
غایت نہین بلکہ محض محبت ہے جو پہلے بھی تھی اور اب بھی ہے اوسکو کسی غایت کا تصور ہی نہین تا
کہ اوس مین توقع یا عدم توقع سے قوت یا ضعف ہو اس لیے بادشاہ تو نا امید ہو کر بیٹھ رہا اور فقیر کو
امید و نا امیدی سے بحث ہی نہ تھی طلب خود مطلوب تھی اور یہی فرق ہے اون اہل طاعت مین
جنکا محرک جلب نفع اُخروی و دفع مضرِ اُخروی ہے اور اون اہل طاعت مین جنکا محرک محض حبِ
حق ہے اور یہی وجہ ہے کہ اگر کسی قرینہ عقلی یا حالی سے عدم قبول طاعات کا علم ہو جاوے تو پہلا شخص
طاعات و اعمال مین سست ہو جاویگا اور دوسرا ویسا ہی مستعد رہیگا گو جنت کو یہ شخص بھی طلب
کرتا ہے اور دوزخ سے پناہ مانگتا ہے مگر اس شخص کی نیت مین اس مسئول و مامول کی اجابت موقوف علیہ
طاعات کا نہین اور غالباً مقصود مولانا کا ان اشعار سے اسی محبت و عشق الٰہی کی تحصیل کی ترغیب
ہے آگے اسی مضمون کو مفصل فرماتے ہین کہ) لاابالی عشق ہوتا ہے نہ کہ عقل یعقل تو وہی طلب کرتی ہے
جس سے کوئی نفع (کہ غایت ہے شئ مطلوب کی) حاصل کرے (وہ عاشق) غارتگر ہے (کہ اپنے نفع کو
لٹا دیا ہے) ترکتاز تاختن بر سبیل غارت مثل تاختن ترکان و بمعنے مرد سپاہی و غارتگر کذا فی الغیاث
اور وہ عاشق) تن گداز ہے (اور عرفی حیا بمعنے ننگ و ناموس مذموم کے اعتبار سے) بیحیا ہے (اور) بلا
(و مجاہدہ) مین (ایسا ہے) جیسا پتھر چکی کے نیچے (اور) سخت رو ایسا کہ (مقصود کی طرف کبھی) پشت ہی
نہین کرتا (خواہ اوس پر کچھ ہی گذر جاوے اور) بہرہ جوئی کو اوس نے اپنے باطن مین قتل کر ڈالا
ہے (بہرہ جوئی و کامیابی سے غرض ہی نہین رکھتا) وہ پاکبازی کرتا ہے (یعنی) وہ اجرت (بطور
مدار امر کے) نہین ڈھونڈتا (پاکبازی سے یہی مراد ہے یعنی طلبش پاک و خالی ست از غرض و غایت)
جس طرح سے کہ وہ حق تعالیٰ سے پاک طور پر لیتا ہے (یعنی اوسکو جو کچھ عطا ہوتا ہے حق تعالیٰ کی اوسمین
کوئی غرض نہین ہوتی گو دونون بے غرضیون مین بون بعید ہے کہ ممکن مین گو طلب غرض نہ ہو مگر
حصول تو ہے غرض کا جس سے وہ مستکمل ہے اور حق تعالیٰ اس سے بھی منزہ ہین آگے اسی شعر کی
تفسیر ہے کہ) حق تعالیٰ اوسکو ہستی عطا فرماتے ہین بدون علت (غائیہ یعنی غرض) کے پھر (وہ ہستی) یہ
جوانمرد بدون علت (غائیہ یعنی غرض) کے (حضرت حق کی درگاہ مین) حوالہ کر دیتا ہے (اور ہمنے

جو سپردن کے محکوم علیہ کو بعنوان فتےٰ ذکر کیا تو) اس لیے کہ فتوت (یعنی جوانمردی) بے علت (و بیغرض) دینا ہے (اور ایسی) پاکبازی (کہ غایت کا تصور بھی نہو) ہر ملت (کی صورت ظاہری) سے خارج ہے کیونکہ اہل ملت (بمعنے صورت ظاہری) تو (طاعات) فضل (یعنی ثواب) ڈھونڈھتے ہین یا (عذاب سے) خلاصی (ڈھونڈھتے ہین یہ اونکی غایت ہوتی ہے اور) پاکباز لوگ قربانانِ خاص ہین (کہ) نہ وہ خدائے تعالیٰ کا امتحان کرتے ہین (کہ دیکھین اعمال پر کیا دینگے کہ یہ صورت امتحان ہے جسمین محض ظاہر پرست مبتلا ہین اور) نہ وہ سود دزیان کے دروازہ کو کھٹکھٹاتے ہین (ملت مین صورت ظاہرہ کی قید اسلیے لگائی کہ اخلاص عاشقانہ تو داخل ملت اسلام ہے مگر اہل صورت نہین جانتے اہل حقیقت جانتے ہین)

تسلیمِ گنجنامہ بآن فقیر کہ ما ازان بگذشتیم

چونکہ رقعہ گنج پر آشوب را
جب گنج پر آشوب کے رقعہ کو
شہ مسلم داشت آن مکروب را
بادشاہ نے اوس غمزدہ کو تسلیم کردیا

گشت او ایمن زخصمان وزنیش
وہ بیخوف ہوگیا مخالفین سے اور نیش سے
رفت و می پیچید در سودای خویش
چلا گیا اور اپنے خیال مین بل کھانے لگا

یار کرد او عشقِ دور اندیش را
اوسنے عشقِ دور اندیش کو رفیق بنا لیا
کلب لیسد خویش ریشِ خویش را
کتا اپنے زخم کو آپ ہی چاٹتا ہے

عشق را در پیچشِ خود یار نیست
عشق کا اپنے پیچ وتاب مین کوئی رفیق نہین ہے
محرمش در دہ یکے دیار نیست
اوسکا محرم بستی مین ایک گھروالا نہین ہے

نیست از عاشق کسے دیوانہ تر
عاشق سے زیادہ کوئی دیوانہ نہین ہے
عقل از سودای او کورست وکر
عقل اوسکے خیالات سے کور اور کر ہے

زانکہ این دیوانگیِ عام نیست
کیونکہ یہ عام جنون نہین ہے
طب را ارشادِ این احکام نیست
طب کو ان احکام کی رہبری نہین ہے

گر طبیبے را رسد زینگون جنون
اگر کسی طبیب کو یہ جنون ہوجاوے
دفترِ طب را فرو شوید بخون
تو وہ دفترِ طب کو خون سے دھوڈالے

طب جملہ عقلہا مدہوش اوست
طب تمام عقلون کی اوسکی مغلوب الحیرت ہے
روے جملہ دلبران روپوش اوست
تمام دلبرون کا چہرہ اوسکا روپوش ہے

روی در روی خود آرای عشق کیش
اپنی توجہ اپنی طرف کر اے عاشق

قبلہ از دل ساخت آمد در دعا
اوسنے دل سے قبلہ بنایا دعا مین مشغول ہوا

پیش از ان کو پاسخے نشنیدہ بود
اوسکے قبل بھی کہ اوسنے کوئی جواب نہین سُنا تھا

بے اجابت بر دعا ہا می تنید
بلا اجابت ہی دعاؤن پر مستعد رہتا تھا

چونکہ بے دف رقص می کرد آن علیل
جبکہ بغیر دف ہی کے وہ بیمار رقص کرتا تھا

سوے او نے ہاتف و نے پیک بود
اوسکی طرف نہ ہاتف تھا اور نہ قاصد تھا

بے زبان می گفت امیدش تعال
بدون زبان کے اوسکی امید تعال کہتی تھی

آن کبوتر را کہ بام آموخت ست
جس کبوتر (روح السالک) کو کہ بام (حق تعالیٰ) سکھلا دیا ہے

نیست اے مفتون ترا جز خویش خویش
بجز اپنے تیرا کوئی اپنا نہین اے مفتون

لیس للانسان الا ما سعی
انسان کو بجز اوسکے کچھ نہین ملتا جسکی وہ سعی کرے

سالہا اندر دعا پیچیدہ بود
برسون دعا مین غلطان پیچان تھا

از کرم لبیک پنہان می شنید
کرم سے لبیک مخفی سُنتا تھا

ز اعتماد جود خلاق جلیل
بنا بر اعتماد جود خلاق جلیل کے

گوش امیدش پُر از لبیک بود
اوسکا گوش امید لبیک سے پُر تھا

از دلش می رُفت آن دعوت ملال
وہ بُلانا اوسکے دل سے ملال کو صاف کردیتا تھا

تو مخوان میرانش کان پر دوخت ست
تو اوسکو بُلا مت۔ اوسکو ہنکا نے۔ کیونکہ وہ پر سیا ہوا ہے

جب (اوس) گنج پُر آشوب کو بادشاہ نے اوس غمزدہ کو تسلیم کردیا (پُر آشوب اسلیے کہا کہ اوسکی تلاش مین بہت پریشانی اوٹھائی پس بعد تسلیم کے) وہ بیخوف ہوگیا مخالفین سے اور (اونکی) نیش سے (رقعہ لیکر دربار شاہی سے) چلا گیا اور اپنے (اوسی) خیال مین بل کھانے لگا (اور) اوس نے عشق دور اندیش کو رفیق بنالیا (یہان ظاہرًا اشکال ہوتا ہے کہ اوپر کے اشعار مین آچکا ہے کہ عشق غایت کا تصور نہین کرتا اور یہان سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ دور تک کی غایت سوچتا ہے جواب یہ ہے کہ یہان غایت کا سوچنا مراد نہین ہے بلکہ یہ دور اندیشی یہ ہے کہ غایت سے بھی آگے نکل کر بدون قصد غایت کے کام کرتا ہے تو یہ بُعد للغایت نہین عن الغایت ہے آگے اس مصرعہ کے مضمون کی ایک مثل ہے کہ قاعدہ ہے کہ کتا اپنے زخم کو (علاج کے لیے) آپ ہی چاٹتا ہے دوسرے رفیق کو نہین ڈھونڈھتا اسی طرح عاشق اپنے عشق مین دوسرے رفیق کو نہین ڈھونڈھتا بس وہ ہے اور اوسکا عشق آگے اس سے زیادہ اس کی تصریح ہے کہ) عشق کا اپنے پیچ و تاب مین کوئی (دوسرا) رفیق نہین ہے (اور) اوسکا محرم بستی مین ایک گھر والا نہین ہے آگے اسی قبیل کے مضامین متعلق عشق کے ہین جس طرح اشعار بالا مین بعض بھی آثار عشق کے

مذکور ہوئے تھے یعنی) عاشق سے زیادہ کوئی دیوانہ نہین ہے (کہ غایت کا تصور بھی نہین کرتا جو کہ مقتضائے عقل کا ہے اور اسی لیے) عقل اوسکے خیالات سے کورا ور کر ہے (یعنی اوسکے ان خیالات کا کہ باوجود جنون نہ ہونے کے تصور غایت نہ ہو ادراک نہین کر سکتی) کیونکہ یہ عام جنون نہین ہے (جسکی بحث طب مین ہے اور اوسکی ماہیت عقل کو معلوم ہو سکتی ہے اور اوسکی عدم تصور غایت کی علت عقل سمجھ سکتی ہے کہ وہ علت جنون ہے اور) طب کو ان احکام (عشقیہ) کی رہبری (حاصل) نہین ہے (کیونکہ طب مین ایک مسئلہ بھی یہ نہین ہے کہ کوئی شخص فاعل مختار صحیح العقل کوئی فعل اختیاری بلا تصور غایت کے کیا کرتا ہے بلکہ طب ظاہری تو صدور افعال اختیاریہ کے لیے سبق تصور غایت کو شرط کہتی ہے مگر عشق مین اسکے تخلف سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ شرط عادی ہے عقلی نہین) اگر کسی طبیب کو یہ جنون (عشقی) ہو جاوے (جو مجازاً جنون ہے) تو وہ دفتر طب کو خون سے دھو ڈالے (یعنی گریہ عاشقانہ و آثار عشق کے غلبہ سے طب سب اوسکو ذہول ہو جاوے) طب تمام عقلون کی اوس (عشق) کی مغلوب الحیرۃ ہے (اور) تا دلبرون کا چہرہ اوس (عشق) کا روپوش (یعنی برقعہ) ہے (جس سے جمال عشق پوشیدہ ہوگیا اور صورت پرست اون صورتون کو مقصود سمجھنے لگے اور اونکو اپنا رفیق بنانا چاہا جس سے اس حکم مین شبہہ ہونے لگا عشق را دہ بخشش خود یار نیست الخ اور جو حقیقت بین ہین وہ ان صورتون کو روپوش اور خود عشق کو مقصود سمجھکر اوسکو بدون تعلق کسی صورت کے اپنے دل مین جگہ دیتے ہین اور بجز عشق کے کسی صورت کو اپنا رفیق بنانا نہین چاہتے اور ظاہر ہے کہ جس صورت مین محبوب ہونا محتمل تھا جب اوسی سے قطع نظر کرلی تو دوسرون کو کیا رفیق بنا دینگے اب وہ حکم عشق را دہ بخشش خود یار نیست الخ صحیح ہوگیا اور مقصود نفی موافقت خلق کی ہے نہ کہ موافقت خالق کی کہ عشق کے رفیق بنانے سے تو مقصود بالذات وہی ہے کیونکہ اس عشق غیر متعلق بالصور کا متعلق وہی ہے آگے اس پر تفریع ہے کہ جب یہ بات ہے تو) اپنی توجہ اپنی طرف کرلے عاشق (اور کسی رفیق کو مت ڈھونڈھ کیونکہ اس راہ مین) بجز تیرا کوئی اپنا نہین اے مفتون (یعنی اے عاشق آگے پھر قصہ ہے یعنی) اوس (فقیر) نے دل سے قبلہ بنایا (اور) دعا مین مشغول ہوا (یعنی دلکو واسطۂ توجہ الی اللہ بنایا مطلب یہ کہ دل سے متوجہ ہوا جس طرح کعبہ بھی واسطۂ توجہ الی اللہ ہی ہے خود متوجہ الیہ بالذات نہین اور وہ دعا مین اس لیے مشغول ہوا کہ جانتا تھا کہ) انسان کو بجز اوس کے کچھ نہین ملتا جسکی وہ سعی کرے (یہ ایک آیت ہے جسکا یہ ترجمہ ہے اور یہ آیت بالقرینۂ مقام وسببِ نزول جسکو احقر نے اپنی تفسیر مین لکھا ہے خاص ہے اون اعمال و ثمرات کے ساتھ جو ہبہ کا محل نہین مثلاً ایمان کہ ایک کا ایمان دوسرے بے ایمان کو نہین ملتا اور جیسے قرب و تعلق خاص حق تعالی کے ساتھ کہ یہ بھی غیر مقرب کو دینے سے نہین ملتا پس تلاوت قرآن و صدقات کے ثواب پہونچنے کی اس سے نفی نہین ہوتی جیسا معتزلہ نے سمجھا ہے اور گو

مین نے تفسیر مین تقریر ترجمہ مین ایمان ہی کا ذکر کیا ہے لیکن وہ تخصیص ذکری بخصوصیت مضمون ہے
تخصیص حکمی نہین لیس اس مقام پر اس شخص کی دعا کا جو ثمرہ اصلی ہے یعنی تعلق خاص حق تعالی کے
ساتھ وہ بھی باعتبار اس آیت مین داخل ہو جاویگا اور اس کے ثمرہ ہونے کی طرف اس حدیث مین اشارہ
قریب لصراحت ہے الدعاء مخ العبادۃ کیونکہ عبادت کا ثمرہ مطلق قرب ہے تو مخ العبادۃ کا ثمرہ قرب
خاص ہوگا اور اس ثمرہ کے ترتب مین ثمرہ غیر اصلیہ یعنی حصول کنز کی نیت کی مزاحمت کا شبہہ نہ کیا
جاوے کیونکہ حدیث مطلق ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر دنیا کے لیے بھی عبادت ہو تب بھی اس ہیئت
تضرع و فروتنی مین یہ خاصہ ہے کہ حق تعالی کی عنایت خاصہ کا یہ مورد ہو جاتا ہے خاصکر اگر یہ تفسیر مین
کر لیا جاوے کہ اوس شخص کا طلب کنز بھی تفرغ للعبادۃ کے لیے ہو واللہ اعلم آگے تائید ہے اسکی کہ یہ شخص
دل سے دعا مین متوجہ ہوا جسکا دعوی تھا مصرعہ قبلہ از دل ساخت الخ مین یعنے اب کیون نہ دل سے
دعا کرتا وہ تو) اوس (وقت) کے قبل بھی (یعنی بشارت گنجنامہ سے پہلے) کہ (اوس وقت تک) اوس نے
(عالم غیب سے) کوئی جواب نہین سنا تھا بر سون دعا مین غلطان پیچان تھا اور) بلا (بشارت) اجابت
دعاؤن پر مستعد رہتا تھا (اور) کرم سے لبیک مخفی سنتا تھا (مراد اس سے توفیق دعا کما قال مولانا
فی موضع گفت آن اللہ تو لبیک ماست الخ پس) جبکہ بدون دف ہی کے وہ بیمار (عشق) رقص کرتا
تھا بنا بر اعتماد وجود خلاق جلیل کے (اس حالت مین کہ) اوسکی طرف نہ ہاتف تھا اور نہ قاصد تھا (پھر بھی)
اوس کا گوش امید لبیک (مخفی بالمعنی المذکور آنفًا) سے پر تھا (اور) بدون زبان کے اوسکی امید تعال
(یعنی آجا) کہتی تھی (اور) وہ بلاتا (تعال مذکور کا) اوسکے دل سے ملال (وکسل) کو صاف کر دیتا تھا (یہ سب
بے دف سے یہان تک شرط ہے معمول کلمۂ شرط چونکہ کا اور جزا اسکی مقدر ہے جسپر قرینۂ مقام دال ہے
یعنی چون درچنین حالت کہ اسباب شوق نبود دعا میکرد پس اکنون کہ اسباب شوق ہم بوجود آمد
دآن بشارت و کلام ہاتف بہ نشان دادن گنج ست پس چرا دعا نکند و از شوق رقص نکند اور ایسا
حذف قرینہ سے سب زبانون مین مستعمل ہے مثلاً ہمارے محاورہ مین کہا جاوے کہ فلان شخص جب
بے کہے ہماری خدمت کیا کرتا ہے بس اس کہنے سے جزا خود سمجھ مین آجاتی ہے گو مذکور نہ ہو یعنی کہنے
سے تو کیون نہ خدمت کریگا اور شعر پیش ازان کو پاسخے الخ مین آن اسم اشارہ ہے جسکا مشار الیہ
وقت پاسخ شنیدن ہے اور کو پاسخے شنیدہ بود بیان ہے اس پیش ازان کا گو متبادر ترکیب یہ
معلوم ہوتی ہے کہ آن بجائے موصول کے ہو اور کو پاسخے شنیدہ بود صلہ ہو اس موصول کا یعنی آن
بیان ہو لیکن یہ ترکیب اس لیے مراد نہین کہ اس مین معنے فاسد ہونگے تقدیر کلام یہ ہوگی کہ پیش از پاسخ
شنیدن اور یہ ظاہر الفساد ہے کیونکہ وہ وقت تو خود پاسخ شنیدن کا اور قبل ہے پاسخ شنیدن سے
نہ کہ قبل پاسخ شنیدن سے کہ اس صورت مین وہ وقت ہونا چاہیے پاسخ شنیدن کا اور اس صورت مین

یہ مطلب ہوگا کہ جب پانچ شنیدن کے وقت وہ ایسا مشغول تھا تو پانچ نشنیدن کے وقت بدرجۂ اولی مشغول ہونا چاہیے اور یہ ظاہر الفسا د ہے لان الامر بالعکس بندہ نے اپنی تقریر ترجمہ مین اس ترکیب کو ظاہر کردیا ہے آگے ایسی روح کو جسکی یہ شان مذکور ہو کہ بدون مشاہدۂ ثمرات بھی کہ وہ ثمرات اسباب شوق ہوتے ہین خدمت وطاعت مین مستعد و مشغول ہو جسکا سبب صرف عشق ہو سکتا ہے جیسا اشعار مقام و اشعار سابقہ مین مفصل مذکور بھی ہوا ہے پس ایسی روح کو اوس کبوتر سے تشبیہ دیتے ہین جو بام سے مانوف ہو گیا ہو کہ ہنکانے سے بھی نہین ہٹتا پس فرماتے ہین کہ) جس کبوتر کو کہ بام (پر رہنا) سکھلا دیا ہے تو اوسکو بکلامت (بلکہ) اوسکو ہنکا دے (وہ تب بھی نہ ٹلے گا) کیونکہ وہ (ایسا جاہے جیسے گویا وہ) پر سیا ہوا ہے (مخوان میران انشائیہ تبقدیر خبریہ ہے یعنی اگرا ور انخوانی بلکہ برانی تاہم نخواہد رفت چہ جائیکہ نرانی بلکہ بخوانی چراخواہد رفت پس یہی حالت ہے روح عاشق کی کہ فرضًا اگر اوسکو نکالا بھی جاوے تب بھی در نہ چھوڑے چنانچہ بعض بزرگون کو بعض حالات یا بعض واردات سے شبہ مردود ہونیکا ہو گیا ہے لیکن وہ یہی کہتے رہے۔ توانی ازان دل بپرداختن + کہ دانی کہ بے او توان ساختن + اور اس کی برکت سے اونکا وہ شبہہ دور کیا گیا کہ ؎

قبول ست گرچہ ہنر نیستت کہ جز ما پناہے دگر نیستت

اور اس تذکرۂ عشق وعشاق سے مولانا کو جوش پیدا ہوا اس لیے آگے مولانا حسام الدین کو مخاطب بنا کر عاشقانہ ومستانہ کلام شروع کردیا جو سرخی تک چلا گیا ہے)۔

اے ضیاء الحق حسام الدین برانش اے ضیاء الحق حسام الدین اوسکو نکال دو	**کز ملاقاتِ تو بر رُستست جانش** کیونکہ تمھاری ملاقات سے اوسکی جان کو نشو ونما ہوا ہے
گر برانی مرغِ جان را از گزاف اگر طائر روح کو بیوجہ نکال دوگے	**ہم بگردِ بامِ تو آرد طواف** تب بھی وہ تمھارے بام کے گرد چکر لگاتا رہیگا
چینۂ و نقلش ہمہ بر بامِ تست اوس کا دانہ اور غذا سب تمھارے بام پر ہے	**پر زنان بر اوج مستِ دامِ تست** وہ بلندی پر اوڑتا ہوا بھی تمھارے دام کا عاشق ہے
گر دمے منکر شود دُزدانہ روح اگر کسی وقت روح چورون کیطرح منکر ہوجاتی ہے	**در ادای شکرت اے رنجِ فتوح** آپ کے ادا ے شکر مین اے خزانۂ فیوض
شحنۂ عشقِ مکرر کینہ اش تو اوسکا شحنۂ عشق جو مکرر کینہ ہے	**طشتِ پُر آتش نہد بر سینہ اش** اوسکے سینہ پر طشتِ پُر آتش رکھدیتا ہے
کہ بیا سوے مہ و بگذر ز گرد کہ ماہ کیطرف آ اور غبار سے علیحدہ ہو	**شاہِ عشقت خواند زو تر باز گرد** تجکو شاہِ عشق نے بلایا ہے جلدی واپس چل

گرد این بام و کبوترخانہ من
اس بام اور کبوتر خانہ کے گرد میں

جبرئیل عشقم و سدرہ ام توئی
میں جبرئیل عشق ہوں اور میرا سدرہ تم ہو

جوش دہ آن بحر گوہر بار را
تم اوس دریائے گوہر بار کو جوش میں لاؤ

چون تو آن او شدی بحر آن تست
جب تو اوسکا ہو گیا تو دریا تیرا ہو جاتا ہے

این خود آن نالہ است کہ کرد آشکار
یہ تو صرف وہ نالہ ہے جو اوسنے ظاہر کر دیا ہے

دو دہان داریم گویا ہمچو نے
ہم نے کی طرح گویا دو منہ رکھتے ہیں

یک دہان نالان شدہ سوئے شما
ایک منہ تم لوگوں کی طرف نالان ہو رہا ہے

لیک داند ہر کہ او را منظر ست
لیکن اسکو وہی جانتا ہے جسکو نظر ہے

دمدمہ این نائے از دمہائے اوست
اس نئے کا شور بلند اوسکے نفخات سے ہے

گر نبودے با لبش نے را سمر
اگر نئے کی قصہ گوئی کو اوسکے لب سے تلبس نہوتا

با کہ خفتی وز چہ پہلو خاستی
تم کس کے پاس سوئے تھے اور کس پہلو سے اوٹھے تھے

یا ابیت عند ربی خواندہ
یا تم نے ابیت عند ربی پڑھ لیا ہے

نعرۂ یا نار کونی بارداً
نعرے یا نار کونی بردا

چون کبوتر پر زنم مستانہ من
کبوتر کی طرح مستانہ پرواز کر رہا ہوں

من سقیمم عیسی مریم توئی
میں بیمار ہوں تم عیسے بن مریم ہو

خوش بپرس امروز این بیمار را
اچھی طرح پوچھ تو آج اس بیمار کو

گرچہ این دم نوبت بحران تست
اگرچہ یہ وقت تیرے بحران کی باری کا ہے

زانکہ پنہان ست یارب زینہار
جسقدر مخفی ہے اے اللہ اوس سے پناہ

یک دہان پنہانست در لبہائے وے
ایک منہ اوسکے لبوں میں چھپا ہوا ہے

ہائے ہوئے درفگندہ در ہوا
اوسنے ہائے ہو فضا میں ڈال رکھا ہے

کہ فغان این سرے ہم زان سرست
کہ اس طرف کا فغان یہ بھی اوسی طرف سے ہے

ہائے ہوئے روح از ہیہائے اوست
روح کا ہائے ہو اوسکے ہائے ہو سے ہے

نے جہانے پر نکردی از شکر
تو نے ایک عالم کو شکر سے پر نہ کر دیتی

کہ چنین پر جوش چون دریاستی
کہ اسطرح دریا کے مثل پرجوش ہو رہے ہو

در دل دریائے آتش راندۂ
یا کہ دریائے آتش کے قلب میں اپنے کو چلایا ہے

عصمت جان تو گشت اے مقتدا
تمہاری جان کی عاصم ہو گئی اے مقتدا

(یہ بیان ہے آثار عشق کا جسکا ربط اشعار سابقہ کے اخیر میں مذکور ہوا یعنی جس روح کا ہائے

قبل کے شعر مین بیان ہوا ہے کہ وہ مثل کبوتر بام آموختہ کے پر دوختہ ہے نکالنے سے بھی نہین نکلتی اُس روح کو جیسا یہ تعلق حق تعالی سے ہے ایسا ہی ہادی الی الحق سے بھی ہے کیونکہ تعلق للحق یہ بھی تعلق بالحق کی ایک قسم اور بوجہ مقدمہ ہونیکے لازم ہے چنانچہ) اے ضیاء الحق حسام الدین (کہ تم ہادی الی الحق ہو) اوس (کبوتر روح یعنے صاحب روح) کو نکالدو (اور نکالکر دیکھ لو وہ کبھی بھی نہ ٹلے گا) کیونکہ تمہاری ملاقات سے اوسکی جان کو نشو ونما ہوا ہے (یعنی تمہارا تعلق اوسکی غذا ہے اور غذا ملنے کی جگہ سے طائر کب ہٹتا ہے پس) اگر طائر روح کو بوجہ (بھی) نکالدو گے تب بھی وہ تمہارے بام کے گرد چکر لگاتا رہیگا (کیونکہ) اوسکا دانہ اور غذا سب تمہارے بام پر ہے (اسلیے) وہ بلندی پر اوڑتا ہوا بھی تمہارے دام کا عاشق ہے (یعنی پھر تمہارے ہی بام پر آجاویگا جو کہ بمنزلہ دام کے ہے مطلب یہ کہ تمہارے آستانہ کو نہ چھوڑیگا خواہ ظاہر مین کہین پھرآوے اور از گزاف بمعنے بیوجہ مین مبالغہ ہے اس طرح سے کہ بیوجہ نکالنے مین احتمال رنج وکینہ کا ہوسکتا ہے جب اس سے بھی اوسکو تکدر نہ ہوا تو اگر کسی وجہ صحیح مثلاً اوسکی کسی خطا وغیرہ پر یہ طرد ہو جسمین اوسکو خود اپنی خطا پر ندامت بھی ہوگی تب تو بدرجہ اولی اوسکے لزوم مین خلل نہ آویگا وہذہ الفائدۃ لقولہ از گزاف من الملہمات وللہ الحمد اور چونکہ عاشق حق واہل حق سے بھی اقتضاے بشریت سے گاہ گاہ اداے حقوق عشق ومحبت من الطاعات والمراقبات مین کوتاہی ہوجاتی ہے مگر چونکہ سویدار قلب عشق سے معمور رہتا ہے پھر اوسیکا غلبہ ہوکر حالتِ اصلیہ کی طرف عود ہوتا ہے اور حالتِ گذشتہ پر سخت تندم وتالم ہوتا ہے آگے اسکا بیان فرماتے ہین کہ) اگر کسی وقت (یہ) روح (عاشق) چور ون (اور خائنین حقوق محبت) کی طرح (حالاً) منکر (یعنے غافل بھی) ہوجاتی ہے (کہ غفلت اعتقاداً انکار نہین ہے حالاً مشابہتِ انکار ہے اور یہ غفلت) آپکے اداے شکر مین (ہوتی ہے) اے خزانہ فیوض (وبرکات) تو اوس (روح) کا شحنۂ عشق جو کہ رکینہ (ہونیکی صفت نرکھتا) ہے (ذکر رکینہ لبسیار کینہ کہ در کشیدن کینہ بیکبار اکتفا نمی کند بلکہ بکرات کینہ میکشد پس ایسا شحنۂ عشق) اوس (روح) کے سینہ پر طشت پُر آتش لکھدیتا ہے (یعنی پھر آتشِ عشق بھڑکتی ہے جیسا اس شعر کی تمہید مین مذکور ہوا اور وہ شحنۂ عشق اوسکو کہتا ہے) کہ ماہ (یعنی نور) کیطرف آ اور غبار (یعنی ظلمات) سے علیحدہ ہو (ماہ ونور سے مراد طاعات وخدمات کہ منورِ قلب ہین اور غبار وظلمات سے مراد معاصی ومقتضیات لبشریت کہ مکدرِ قلب ہین اور وہ شحنۂ عشق کہتا ہے کہ) تجھکو شاہ عشق نے بلایا ہے جلدی واپس چل (بہتر یہ ہے کہ شحنۂ عشق مذکور فی الشعر السابق سے مراد خود عشق اور شاہ عشق سے مراد حضرت محبوب حقیقی لیا جاوے یعنی وہ غلبۂ عشق پھر حضرت حق کی طرف متوجہ کردیتا ہے پس یہ مضمون لبطور دفع دخل کے ہے کہ ہمارے اوپر کے مضمون پر شبہہ نکیا جاوے کہ ہم اس لزوم کے خلاف کا بھی مشاہدہ کرتے ہین جواب یہ ہوا کہ یہ لزوم معدوم نہین ہوا تھوڑی دیر کے لیے

مکتوم ہو گیا آگے پھر رجوع ہے مضمون اشعار تتمۂ اول اے ضیاء الحق الخ گر برانی الخ چینۂ الخ کی طرف اور درمیان مین یہ اشعار تتمۂ گردمے الخ شحنۂ عشق الخ کر بیا الخ بطور دفع دخل کے آ گئے تھے جیسا بیان ہوا پس مولانا ضیاء الحق کو من حیث الشعار ف خطاب کرتے ہین کہ) اس بام اور کبوتر خانہ (یعنی تمہارے آستانہ) کے گرد مین کبوتر کی طرح مستانہ پرواز کر رہا ہون مین (گویا) جبرئیل عشق ہون اور میرا سدرہ تم ہو (اور) مین بیمار ہون تم عیسی بن مریم ہو۔ تم (اپنے فیوض و برکات سے) اوس دریاے گوہر بار کو جوش مین لاؤ (گوہر بار اسلیے کہا کہ افاضہ مین حقائق و معارف تکلم صادر ہوتے ہین اور) اچھی طرح پوچھو آج اس بیمار کو (اشارہ ہے کہ مسترشد کو استفاضہ اور مرشد کو افاضہ زیبا ہے آگے مطلق عاشق کو خطاب ہے تشویق حصول عشق کے لیے کہ عشق حق ایسی چیز ہے کہ) جب تو اوسکا (یعنی حضرت حق کا) ہو گیا (اس طرح سے کہ تو اوسکا عاشق ہو گیا) تو دریا (مجازاً و استعارۃً حق تعالی کو کہا ہے یعنی وہ) تیرا ہو جاتا ہے (کما قیل من کان للہ کان اللہ لہ) اگرچہ یہ وقت (یعنی اوسکا ہو جانیکے قبل) تیرے بحران کی باری کا ہے (یعنی جیسے منازعت طبیعت بمرض خطرناک ایک خطرناک حالت ہے اسیطرح قبل فنا فی العشق تذبذب کی حالت ہے کبھی خیر غالب کبھی شر غالب بخلاف حالت فنائے عشقی کے کہ مصداق کذلک الایمان اذا خالط بشاشۃ القلوب کا ہو جاتا ہے آگے مولانا پر توحید کا غلبہ ہو گیا اوس غلبہ مین فرماتے ہین کہ مین جو اشعار تتمۂ بعد الستۃ المذکورۃ ما بقا گردِ این بام الخ جبرئیل عشقم الخ جوش دہ الخ مین آہ و نالہ عاشقانہ کر رہا ہون۔ یہ بھی میری طرف سے نہین بلکہ حضرت محبوب کیطرف سے ہے اور وہ بھی سب آہ و نالہ نہین بلکہ) یہ تو صرف وہ نالہ ہے جو اوس (محبوب حقیقی) نے (میری زبان پر) ظاہر کر دیا ہے (اور) جسقدر مخفی ہے (وہ تو اس کثرت سے ہے کہ) اے اللہ اوس سے پناہ (دے مقصود پناہ مانگنا نہین ہے کیونکہ وہ تو خیر محض ہے یہ محاورات مین کنایہ کثیر اور باہیبت ہونیسے ہے اور نسبت نالہ کی جو حضرت حق کی طرف کی توجیہ اوسکی مشہور ہے کہ جب اختیار عبد کا فنا بمعنے معدوم یا مغلوب ہو جاتا ہے یا سالک اوسکا مشاہدہ نہین کرتا ہے یا اوسکا اجتماع ہو جاتا ہے تو صدور کی نسبت مضمحل ہو کر خلق ہی کی نسبت مطمح نظر رہجاتی ہے اور اوسکا منسوب الیہ ظاہر ہے کہ حق تعالی ہین اور ممکن ہے کہ اس عنوان مین تنبیہ اس پر ہو کہ عاشق کو اپنے عشق پر ناز نکرنا چاہیے یہ بھی اون ہی کیطرف سے عطا ہے اور ظاہر کو قلیل اور مخفی کو کثیر کہنے مین اشارہ اس طرف ہو سکتا ہے کہ صاحب تمکین کا ضبط غالب ہونا چاہیے اظہار سے آگے اوسی عنوان توحید سے ان آثار عشقیہ کے اودھر سے ہونیکا مضمون فرماتے ہین جو کہ مصرعہ این خود آن نالہ است الخ مین تھا یعنے) ہم نے کی طرح دو منہ رکھتے ہین (جنمین سے) ایک منہ اوس (محبوب حقیقی) کے لبو مین چھپا ہوا ہے (اور) ایک منہ تم لوگونکی طرف نالان ہو رہا ہے (اور) اوسنے ہاے ہو (کا شور) فضائے عالم مین ڈال رکھا ہے لیکن اسکو وہی جانتا ہے جس کو نظر (معرفت) ہے کہ اس طرف کا فغان یہ بھی اوسی طرف سے ہے (غرض) اس نے کا شور بلند (کما فی الغیاث آواز

نقارہ) اوس (محبوب حقیقی) کے نفخات سے ہے (اور) روح کا ہائے ہوا اوس (محبوب حقیقی) کے ہائے ہوئے ہے (یعنی عشاق کا نالہ مثل مثال نے کے سب اوسی طرف سے ہے بالمعنی الذی ذکر آگے ایک دلیل اِنّی اس آہ و نالہ کی اوس جانب سے ہونیکی فرماتے ہین کہ) اگر نے کی قصہ گوئی (یعنے عاشق کے نفخات) کو اوس (محبوب حقیقی) کے لب سے تلبس نہ ہوتا تو نے ایک عالم کو شکر (یعنی جذبات و تاثیرات عشقیہ) سے پُر نکر دیتی (یعنی اون کے نالہ و آہ مین یہ اثر انجذاب الی الحق کا نہ ہوتا پس اسمین یہ اثر محمود ہونا دلیل ہے کہ یہ اودھر سے بلا توسط ہے اور اس قید بلا توسط سے ایک شبہہ کا جواب ہو گیا کہ یون تو تمام شرور و قبائح بھی اودھر ہی سے ہین حالانکہ اونمین اثر محمود نہین پس اثر کا محمود نہ ہونا کیسے مستلزم ہوا اوس طرف سے نہ ہونیکو جیسا اس استدلال کا مقتضا ہے جواب یہ ہے کہ مطلق اودھر سے ہونا ملزوم نہین ہے اثر کے محمود ہونیکا بلکہ کسی چیز کا اودھر سے بلا توسط اختیار عبد ہونا یہ ملزوم ہی اثر کی محمودیت کو پس جہان اثر محمود نہ ہوگا وہ چیز بتوسط اختیار عبد اودھر سے ہو گی اور جو چیز بلا اختیار عبد ہوگی وہ سب خیر محض ہے وفیہ قیل ع در طریقت ہر چہ پیش سالک آید خیر اوست آور عاشق کے افعال قریب قریب غیر اختیاری کے ہین فصح الاستدلال المذکور فی ہذا الشعر ؎ گر نبودے با لبش نے راسمر + اور یہ شعر شروع دفتر اول مین بھی بعض الفاظ کے تفاوت سے گذرا ہے اوسکی وجہ ایک حاشیہ مین نہایت لطیف لکھی ہے السلطان یتصرف فی ملکہ کیف یشاء آگے اشعار ثلثہ مین پھر خطاب بقرینہ مضمون ہے مولانا ضیاء الحق کو مثل اشعار سابقہ کے جنکے درمیان مین اشعار ثلثہ متضمن دفع دخل مقدر آگئے تھے اور بقرینہ مضمون اس لیے کہا کہ ان اشعار ثلثہ کے بعد پھر صریح خطاب ہے اونکو پس فرماتے ہین کہ) تم (اے ضیاء الحق تبلاؤ تو شب کو) کس کے پاس سوئے تھے اور کس پہلو سے (جاگتے) اوٹھے ہو کہ اس طرح دریا کی مثل پُر جوش ہو رہے ہو (اوپر کلام مستانہ خود مولانا نے کیا ہے پھر ضیاء الحق کیطرف نسبت کرنے مین اسپر تنبیہ ہے کہ یہ میرا جوش و خروش فیض ہے ضیاء الحق کا پس گویا کہ یہ اون ہی کا جوش ہے پس اسمین یہ بھی اشارہ ہو گیا کہ مسترشد مین جو کمال ہو اوسکو مرشد کا کمال سمجھے اور گو بعض حشی مین اسکو خطاب اپنے نفس کی طرف ٹھہرایا ہے مگر مین نے اسکو اسلیے پسند نہین کیا کہ اسی مضمون کے تیسرے شعر مین اے مقتدا سے ندا واقع ہوئی ہے اور اپنے نفس کو ایسی ندا مستبشع ہے اور مراد اس استفہام سے اخبار ہے اونکی معیت حق سے یعنی یہ اسرار ناشی ہین غلبۂ معیت سے چونکہ کلام غلبۂ مستی مین ہے ایسے عنوانات عفو ہین) یا تم نے ابیت عند ربی پڑھ لیا ہے (اس مصرعہ مین کر وجہ واقعیت مین فی البیت السابق کی گویا تعیین کر دی یعنی تم اور کسی کے پہلو مین شب باش ہوئے ہو یا کہ رب تعالی کے قرب مین شب باش ہوئے ہو پوچھنے سے مراد مجازاً اوس حال سے موصوف ہو جانا) یا کہ دریائے آتش (یعنی عشق) کے قلب مین اپنے کو چلا یا ہے (کہ ایسا آتشین کلام تمسے صادر ہو رہا ہے اور مصرعہ

ثانیہ مین لفظ یا بقرینہ مقام مقدر ہے اور یہ تردید علی سبیل منع الخلو ہے کیونکہ دونون سبب جمع ہین طلب اور عشق بھی اور معیت و وصول بھی اب یہان ایک شبہہ ہوا کہ اگر عشق کی خاصیت آتش کی سی ہے تو اوس سے ضیاء الحق سالم کیسے رہے اِسکا آگے جواب دیتے ہین کہ اے ضیاء الحق مشککین کو ہمین ناحق شک ہے اونکو خبر نہین کہ) ندای یا نار کونی برداً تمھاری جان کی عاصم ہوگئی (یعنی حق تعالی نے مثل ابراہیم علیہ السلام کے تمکو اوس نار عشق کا تحمل بلکہ اوسمین تلذذ عطا فرما دیا اسلیے سالم رہنا عجیب نہین اور ہرچند کہ مولانا ضیاء الحق حضرت مولانا جلال الدینؒ کے پیر نہین ہین مگر اکثر اون سے اسی طرز سے مخاطبت کرنا آپکی عادت ہے چونکہ اشعار مقام کے کئی شعر مین مولانا ضیاء الحق کے فضائل کا مضمون ہے اور شعر اخیر مین اونکی ایک فضیلت پر شبہہ کرنیوالونکا جواب بھی دیا ہے آگے بھی اونکو خطاب صریح کرکے بیان ہی اونکے بعض فضائل کا مع مذمت اونکے منکرین فضائل کے)۔

اے ضیاء الحق حسام دین و دل
اے ضیاء الحق حسام دین اور حسام دل

کے توان اندود خورشیدے بگل
خورشید کو کیچڑ سے کب لیپ سکتے ہین

قصد کردستند این گل پارہا
ان مٹی کے ٹکڑون نے اس کا قصد کیا ہے

کہ بپوشانند خورشید ترا
کہ تمھارے خورشید کو پوشیدہ کردین

در دل کہ لعلہا دلال تست
پہاڑونکے قلب مین لعل تمھارا پتہ بتلا رہے ہین

باغہا از خندہ مالا مال تست
باغ خندہ سے تمھارے ہی سب مالا مال ہین

محرم مردیت را کو رستمے
تمھاری مردی کا محرم کوئی رستم کہان ہے

تا ز صد خرمن یکے جو گفتمے
تاکہ مین سو خرمن مین سے ایک جو کہتا

چون بخواہم کز سرت آہے کنم
مین جب چاہتا ہون کہ تمھارے اسرار سے کوئی آہ کرون

چون علی سر را فرو چاہے کنم
تو مثل حضرت علیؓ کے سر کو کنوین کے اندر کردیتا ہون

چونکہ اخوان را دل کینہ ورست
چونکہ بھائیون کے پاس دل کینہ ور ہے

یوسفم را قعر چہ اولی ترست
میرے یوسف کے لیے قعر چاہ اولی تر ہے

مست گشتم خویش بر غوغا زنم
مین مست ہوگیا اپنے کو غوغا پر ڈالے دیتا ہون

چہ چہ باشد خیمہ بر صحرا زنم
کنوان کیا ہے مین خیمہ صحرا مین لگاؤنگا

بر کف من نہ شراب آتشین
میرے ہاتھ پر شراب آتشین رنگ رکھدو

وانگہان کر و فر مستانہ بین
اور اوسوقت کر و فر مستانہ دیکھو

منتظر گو باش بے گنج آن فقیر
کہدو فقیر بغیر گنج کے منتظر رہے

زانکہ ما غرقیم این دم در عصیر
کیونکہ ہم اِسوقت شراب مین خود غرق ہورہے ہین

از خدا خواه اے فقیر ایندم پناہ
اے فقیر اس وقت خدا ہی سے پناہ کی درخواست کر

کہ مرا پروائے این اسناد نیست
کیونکہ مجکو پروا اس سند کی نہین ہے

بادِ سبلت کے بگنجد واب رُو
ہوائی نخوت اور جاہ کب سماوے گی

دردہ اے ساقی یکے رطلِ گران
اے ساقی ایک بڑا پیالہ دیدے

نخوتش بر ماسبالے میزند
اوسکی نخوت ہیبر مونچھونکو تاؤ دیتی ہے

ماتِ اُو شو ماتِ اُو شو ماتِ اُو
تو اوسکا مغلوب ہو جا۔ تو اوسکا مغلوب ہو جا۔ تو اوسکا مغلوب ہو جا

از پسِ صد سال انچہ آید برو
سو برس کے بعد جو کچھ اوسپر آویگا

اندر آئینہ چہ بیند مردِ عام
عامی شخص آئینہ مین ایسی کیا چیز دیکھتا ہے

انچہ لحیانی بخانہ خود ندید
جو چیز داڑھی والے نے اپنے گھر مین نہین دیکھی

از مین غرقہ شدہ یاری مخواہ
مجھ غرق شدہ سے کوئی امداد مت چاہ

از خود و از ریشِ خویشم یاد نیست
مجکو اپنی اور اپنی داڑھی کی بھی یاد نہین ہے

در شرابے کہ نگنجد تارِ مُو
اوس شراب مین کہ جسمین ایک تارِ مو نہ سما سکے

خواجہ را از ریش و سبلت وارہان
ان میان کو داڑھی اور مونچھ سے چھڑا دے

لیک ریش از رشکِ ما بر میکند
لیکن وہ ہمارے اوپر حسد کرنیکے سبب اپنی ہی داڑھی نوچتا ہے

کہ ہمیدانیم تزویراتِ اُو
اسلیے کہ ہم اوسکی تزویرات کو جانتے ہین

پیر می بیند معیّن مو بمو
شیخ معیّن طور پر مو بمو دیکھ لیتا ہے

کہ نہ بیند پیر اندر خشت خام
جسکو شیخ کچی اینٹ مین نہین دیکھ لیتا

ہست بر کوسہ یکایک آن پدید
وہ بے ریش پہ ایک ایک کرکے ظاہر ہے

اے ضیاء الحق حسام دین اور حسام دل (دین سے مراد احکام شرعیہ اور دل سے مراد احوال قلبیہ یعنی مقامات و احوال دونون کے متعلق تمہاری ارشادات و تصرفات جاری و نافذ ہین جسطرح سے حسام جاری ہوتی ہے) خورشید کو کیچڑ سے کب لیپ سکتے (اور چھپا سکتے) ہین (اسیطرح تمہارے کمالات پر منکرین کب پردہ ڈال سکتے ہین گو) ان مٹی کے ٹکڑون (اور ٹھیکرون) نے اسکا قصد کیا ہے کہ (بزعم خود) تمہارے خورشید کو پوشیدہ کردین (مگر انکی اس کوشش سے کیا ہوتا ہے کیونکہ) پہاڑونکے قلب مین لعل تمہارا پتہ بتلا رہے ہین (چنانچہ لعل کی دلالت فیض خورشید پر ظاہر ہے اور) باغ خندہ (و شگفتگی) سے (جو مالا مال ہے وہ) تمہارا ہی مالا مال (کیا ہوا) ہے (چنانچہ آفتاب سے باغ کی شگفتگی بھی ظاہر ہے اور پہاڑ سے مراد اہل مقامات و تمکین کہ اونکو وقار مین پہاڑ سے تشبیہ دی اور لعل سے مراد اونکے قلوب اور باغ سے مراد اہل احوال و تلوین کہ رنگا رنگی و عروض بہار و خزان سے اونکو باغ سے تشبیہ دی اور

خندہ سے مراد انکے ذوقیات و مواجید کہ مثل شگفتگی باغ کے وہ ظاہر ہوتے ہین مطلب یہ کہ اہل مقام سب تمہارے کمالات کے معترف اور اہل حال و مریدین بکثرت تمہارے برکات سے معترف ہین پھر کسی کے انکار سے کیا ہوتا ہے اور تمہارے فضائل تو بہت کثرت سے ہین مگر) تمہاری مردی (و کمال) کا محرم کوئی رستم (یعنے مرد کامل وقابل فہم اسرار) کہان ہے تاکہ ستو خرمن مین سے (بقدر) ایک جو (کے) کہتا اور ما ور مرویت ما زائداست وزائد آمدنش درغیاث نوشتہ مراد محرم کی نایابی نہین بلکہ کمیابی ہے اور حرکت بیان کو مخاطبین کی کثرت سے زیادہ ہوتی ہے لیکن اس حالت کمیابی محرم مین بھی کبھی کبھی مجھکو جوش بیان اسرار و فضائل حسامیہ ہوتا ہے تو اس جوش مین) مین جب چاہتا ہون کہ تمہارے اسرار سے کوئی آہ کرون (یعنی انکا کوئی شمہ ظاہر کرون) تو مثل حضرت علیؓ کے (اپنے) سر کو کنوے کے اندر کر دیتا ہون (اور کنوے کے اندر اسرار کہدیتا ہون تاکہ شدت ضبط سے تنگی بھی نہ ہو اور نامحرم سے خطاب بھی نہ ہو حاشیہ مین ہے از حضرت مولائے درویشان و امام حقیقت کیشان مشہور ست کہ بارہا چون از کتمان بعضے اسرار دلتنگ شدے وہمدمے نیافتے سر فروچاہ بردہ راز خود در آن چاہ گفتے وگاہے آب چاہ خون شدے اھ واللہ اعلم بصحتہا لکن حصل المقصود لایراد علیہا آگے سر را فرو چاہ کرنیکی وجہ بتلاتے ہین کہ) چونکہ بھائیونکے پاس دل کینہ کش ہے (اسلیے) میرے یوسف کے لیے قعر چاہ اولی تر ہے (کہ وہان گزند قتل سے تو بچگئے تھے پس اسیطرح میرے اسرار اس حالت مین حسّاد سے پوشیدہ ہی اچھے کہ اضاعت سے تو محفوظ رہین گے آگے جوش مستی کا ایسا غلبہ ہوگیا کہ کتمان بھی قدرت سے نکلنے لگا اس حالت مین فرماتے ہین کہ) مین مست ہوگیا (اسلیے ضبط سے عاجز ہوکر) اپنے کو غوغا پر ڈالے دیتا ہون کنوان (بیچارہ) کیا ہے مین تو خیمہ صحرا مین لگاؤنگا (یعنے علی الاعلان اسرار کہونگا) میرے ہاتھ پر (اے حسام الدین) شراب آتش رنگ رکھدو اور اسوقت (میرا) کر و فر مستانہ دیکھو گو وہ فقیر بدون گنج کے منتظر رہے کیونکہ ہم اسوقت شراب مین خود غرق ہو رہے ہین ذہمکو فقیر کا کام کرنے کی فرصت نہین ہے اسلیئے) اے فقیر اسوقت خدا ہی سے پناہ کی درخواست کر (کہ تجھکو تعب اور کلفت ناکامی سے پناہ دے اور خزانہ تک پہونچا دے باقی) مجھ غرق شدہ سے کوئی امداد مت چاہ (مین تیرے اس کام مین خالی تذکرہ کی بھی مدد نہین دے سکتا) کیونکہ مجھکو پروا اس سند (خزانہ یعنے رقعہ) کی نہین ہے (کہ اوسکی عبارت کا مطلب بیان کرون جو خزانہ کے ملنے کا ذریعہ ہوجاوے اور اوسکی پروا تو کیا ہوتی) مجھکو اپنی اور اپنی داڑھی کی بھی یاد نہین ہے (داڑھی سے مراد جاہ و آبرو یعنے جب مجھکو جان اور آن کی بھی جو کہ اکثر کے نزدیک جان سے بھی عزیز ہے چنانچہ مشہور ہے کہ جان جائے پر آن نہ جائے تو اس حالت مین فقیر کے روپیہ ملنے کی مجھکو کیا پروا ہوگی آگے غلبہ عشق مین جاہ ونخوت کے فنا ہوجانیکو بتلاتے ہین کہ) ہوائے نخوت اور جاہ کب سماویگی اوس شراب مین کہ جسمین ایکتار مو نہ سما سکے (یعنی جب عشق نے اتنی جگہ بھی قلب مین نہین چھوڑی

دموسہ جاوبھی کہ مشابہ تار موہے اسکے تو خود دعوم جاہ لوکہاں آویگا جس طرح جس شیشۂ شراب مین تارمو لٹکتا ہے ہوا ہے معتدبہ کیب سماوی گی باد بمعنی ہوا و بمعنی نخوت غیاث مین لکہا ہے اور سبلت بمعنی بروت مشہور ہے اور بمعنی کبر بھی آتا ہے جیسا ہمارے محاورات مین مونچھونکا تاؤ بولتے ہین آگے اسی غلبۂ عشق کو مجلس نخوت سے نجات کا علاج تبلاتے ہین کہ) اے ساقی (اس مجوس نخوت کو شراب کا) ایک بڑا پیمانہ دیدے (رطل گران پیمانۂ بزرگ از برہان کذا فی الغیاث آوردہ شراب دیگر) ان میان کو داڑھی اور مونچھ سے چھڑادے (یعنی کبر ونخوت سے کہ بعض اہل کبر داڑھی بھی ابروہی کے لیے رکھتے ہین اسلیے یہ کنایہ ہوگا کبر وجاہ سے چنانچہ جب داڑھی نہ رکھنے کا فیشن سبب جاہ ہوتا ہے وہ اوسکو اختیار کرلیتے ہین مراد ساقی سے بقرینۂ مقام مولانا حسام الدین یعنی فیض عشق سے اس متکبر کا علاج کردو) اس (متکبر) کی نخوت ہمپر مونچھونکو تاؤ دیتی ہے (سبال بکسر جمع سبلت کذا فی الغیاث یہ اسناد مجازی الی السبب ہے یعنی متکبر ہمپر یعنی عشاق پر تفاخر کرتا ہے) لیکن (اوسکے اس تفاخر سے ہمکو کوئی ضرر نہین پہونچتا اوسیکو ضرر پہونچتا ہے چنانچہ) وہ ہمارے اوپر حسد کرنیکے سبب سے اپنی ہی داڑھی نوچتا ہے (یہ کنایہ ہے ضرر یابی سے مطلب یہ ہے کہ گرفتارانِ ننگ وناموس اہل عشق کی تحقیر کرکے خود متضرر ہوتے ہین آگے اوس متکبر کو بطور صنعت التفات کے اسی مضرت حسد وتفاخر کے بارہ مین خطاب کرتے ہین کہ خیر اچھی بات ہے) تو اوس (حسد وتفاخر) کا مغلوب (وتابع) ہوجا تو اوسکا مغلوب ہوجا (جیسا تو ہورہا ہے یہ امر توبیخی ہے اور مین توبیخ) اسلیے (ذکر رہا ہون) کہ ہم (یعنی عارفین) اوس (حسد وتفاخر) کی تزویرات (یعنی مکرو فریب) کو (خوب) جانتے ہین (تو نہین جانتا اسلیے اوسکا اتباع کررہا ہے اور اوسکی مضرات کو تزویرات اسلیے کہا کہ خود اوس حاسد متکبر کو بھی اوسکی خبر نہین فہو کقولہ تعالی وما یخدعون الا انفسہم لاسیما علی قرأۃ وما یخادعون من المفاعلۃ وہذا التفسیر لہذا الشعر مما من اللہ تعالی بہ علی خاصۃ وللہ الحمد آگے عارفین کا اخلاق ذمیمہ کے مضرات دقیقہ عمیقہ بعیدہ مستقبلہ پر مطلع ہوجانیکا مضمون ہے کہ) سو برس کے بعد جو کچھ (ضرر) اوس (صاحب حسد واخلاق ذمیمہ) پر آویگا شیخ (مبصر ماہر اوسکو) معین (یعنی متمیز) طور پر (دلالۃ التعیین اعلی ماتمیز بہ الشئی) موجود (پہلے سے) دیکھ لیتا ہے (سو برس سے مراد مدت دراز مثلاً اگر کسی کی عمر سو برس سے زیادہ ہو اور وہ آج ایک خلق ذمیم کو اپنے نفس مین متمکن کرلے تو اوسکے بعضے مضرات جو سو برس کے بعد ظاہر ہون اور خاص اوس شخص کو اب وقوع کے وقت اوسکا مشاہدہ ہو شیخ مبصر اوسکو اوس روز جانتا تھا جس روز یہ خلق ذمیم متمکن ہوا تھا یہ تفسیر ہے اس شعر کی کشف کونی وغیرہ سے اسکا کوئی تعلق نہین کیونکہ یہ کشف لوازم کمالِ مشیخت سے نہین آگے اسی مضمون کی ایک مثال ہے کہ) عامی شخص (یعنی غیر عارف) آئینہ مین ایسی کیا چیز دیکھتا ہے جسکو شیخ کچی اینٹ مین نہین

عـــہ یعنے اوسکا علاج ہونا تبلاتے ہین ۱۲ منہ

دیکھ لیتا (کچی کی تخصیص شاید اسلیے ہو کہ کچی اینٹ مین بعض اوقات ایک قسم کی چمک پیدا ہوجاتی ہے جب وہ زیادہ پک جاتی ہے اور کچی مین بالکل شفافی نہین ہوتی تو وہ آئینہ سے ابعد ہے آگے اسی کی دوسری مثال ہے کہ جسطرح) جو چیز داڑھی والے نے اپنے گھر مین نہین دیکھی وہ بے ریش (لڑکے) پر ایک ایک کرکے ظاہر ہے (مثلاً داڑھی والا اپنے محارم کے اعضاء مستورہ کو نہین دیکھ سکتا اور بعض اعضا بچون سے نہین چھپائے جاتے مثلاً ماں جوان بیٹے کے سامنے کمر نہین ملوا سکتی تو اوسکو یہ نہین معلوم ہوسکتا کہ آجکل اسکی کمر کیسی ہے اور بچہ اگر اجنبی بھی ہو اوسکے سامنے کمر کھول سکتی ہے اور وہ بچہ دیکھ سکتا ہے تو اس داڑھی والے کو اپنے گھر کی یہ خاص خبر نہین جو اوس بچہ کو اس غیر گھر کی ہے اسیطرح خود صاحب خُلقِ ذمیم کو اپنے خُلق کے مضار کی وہ خبر نہین جو اس شیخ کو برائے خَلق کی خبر ہے اور کوسہ کے لغوی معنے یہ ہین کہ کسیکہ بعد از وقت بر آمدن ریش موے ریش او نروئیدہ باشد کذا فی الغیاث لیکن یہان مجازاً اطلاقاً للمقید علی المطلق مطلق بے ریش مراد ہے آگے پھر خطاب ہے مغرورِ نفس و مغبونِ عشق کو جیسا ماتِ اوشواگخ مین تھا مگر پہلا خطاب توبیخی تھا اور یہ آگے خطاب ارشادی و ترغیبی ہے جسمین ترغیب تحصیلِ محبت و معرفت و بیان وصف محبوب و معروف مع دیگر متعلقات کے مذکور ہین)۔

رو بدریا کن کہ ماہی زادۂ
تو دریا کیطرف توجہ کر کہ تو ماہی زادہ ہے
ہمچو خس در ریش چون افتادۂ
تنکے کی طرح داڑھی مین کیون اُلجھ رہا ہے

خس نۂ دور از تو رشکِ گوہری
تو تنکا تو نہین ہی تجھسے خس ہونا دور ہی تو تو رشک گوہر ہے
درمیانِ موج و بحر اولےٰ تری
تو درمیان موج اور بحر کے زیادہ اَولیٰ ہے

بحرِ وحدانیست فرد و زوج نیست
وہ بحر واحدِ محض ہے فرد اور زوج نہین ہے
گوہر و ماہیش غیرِ موج نیست
اُسکا گوہر اور ماہی مغایرِ موج نہین ہے

اے محال و اے محال اشراکِ او
اے مخاطب محال ہی اور اے مخاطب محال ہی اوسکا شریک ہونا
دور از ان دریا و موجِ پاکِ او
یہ بعید ہے اُس دریا اور اوسکی موج سے

نیست اندر بحر شرک و پیچ پیچ
دریا مین تو شرک اور اینچ پینچ کچھ نہین ہے
لیک با احول چہ گویم ہیچ ہیچ
لیکن احول سے کیا کہون۔ کچھ بھی نہین۔ کچھ بھی نہین

چونکہ جفتِ احولانیم اے شمن
چونکہ ہم احولون کے ساتھ قرین ہین اے بت پرست
لازم آمد مشرکانہ دم زدن
ضروری ہوا مشرکانہ باتین کرنا

آن یکی زان سوے وصف ست و حال
وہ وحدت وصف اور حال سے اوس طرف ہے
جز دوئی ناید بمیدانِ مقال
بدون دوئی کے میدانِ مقال مین نہین آسکتی

یا چو احول این دوئی را نوش کن
تو یا تو احول کیطرح اس دوئی کو نوش کر
یا دہان بربند و لب خاموش کن
یا منہ بند کر اور لب کو خاموش کر

یا بنوبت گہ سکوت و گہ کلام
یا نوبت بہ نوبت کبھی سکوت اور کبھی کلام
احولانہ طبل میزن والسلام
احولون کی طرح نقارہ بجایا کر اور سلام

چون بہ بینی محرمے گو سرِ جان
جب تو کوئی محرم دیکھے تو رازِ جان کہدیا کر
گل بہ بینی نعرہ زن چون بلبلان
تو پھول دیکھے تو بلبلون کی طرح نعرہ لگایا کر

چون بہ بینی مشکِ پُر مکر و مجاز
جب تو مشکِ پُر مکر اور پُر مجاز کو دیکھے
لب بہ بند و خویشتن را خنب ساز
تو لب بند کر لیا کر اور اپنے کو مٹکا بنا لیا کر

دشمنِ آبست پیشِ او مجنب
وہ دشمن پانی کا ہے اوسکے سامنے حرکت مت کر
ورنہ سنگِ جہلِ او بشکست خنب
ورنہ اوسکا سنگِ جہل مٹکے کو توڑ دیگا

با سیاستہائے جاہل صبر کن
تو جاہل کی ایذا دُون پر صبر کر
خوش مدارا کن بعقلِ من لدن
اچھی طرح مدارات کر عقلِ لدنی کے ساتھ

صبر با نا اہل اہلان را جلیست
صبر کرنا نا اہلون کے ساتھ اہلون کے لیے جلا ہے
صبر صافی میکند ہر جا دلیست
صبر صاف کر دیتا ہے جس جگہ کوئی دل ہے

آتشِ نمرود ابراہیم را
آتش نمرودی ابراہیم علیہ السلام کے لیے
صفوتِ آئینہ آمد در جلا
صفائی آئینہ کی ہو گئی جلا مین

جور و کفرِ نوحیان و صبرِ نوح
قوم نوح کا جور اور کفر اور نوح علیہ السلام کا صبر
نوح را شد صیقلِ مرآتِ روح
نوح علیہ السلام کے لیے آئینۂ روح کا صیقل ہو گیا

تو دریا کی طرف توجہ کر کہ تو ماہی زادہ ہے تنکے کی طرح داڑھی مین کیون اولجھ رہا ہے (دریا سے واجب تعالیٰ کو تشبیہ دی وجہ تشبیہ امور وجدانی کا منشا ہونا امور متکثرہ کے لیے گو وجہ تشابہ مختلف ہو اور ماہی سے مراد عاشق وجہ تشبیہ ظاہر ہے حضرت آدم خلیفۃ اللہ کا عاشق ہونا اور مخاطب کا عاشق زادہ ہونا ظاہر ہے اور داڑھی سے مراد کبر و نخوت وجہ دلالت شرح شعر دردہ اے ساقی آگے مین گذر چکی ہے مطلب ظاہر ہے کہ گرفتار نفس کیون ہو رہا ہے محبت و معرفت کے ساتھ توجہ بحق کر اور) تو تنکا یعنے حقیر تو نہین ہے (جو ریش بمعنے کبر مین پھنس رہا ہے) تجھسے خس ہونا دور ہے تو رشک گوہر ہے (گوہر سے مراد وہ ملائکہ معلوم ہوتے ہین کہ نور سے پیدا ہوئے ہین جیسا گوہر نورانی ہوتا ہے اور اونکی مناسبت حضرتِ حق سے مثل مناسبت گوہر کی دریا سے ظاہر ہے کہ گوہر دریا کے موجودات شریفہ سے ہے لیکن اشتیاق و شوق دریا سے خالی ہے اسیطرح ملائکہ کائنات شریفہ سے ہین لیکن انسان کا سا عشق و شوق اون مین نہین ہے

کما ہو مشہور فی الفن پس رشک گوہر کا حاصل رشک ملائکہ ہوا اور نوع انسان کی تفضیل نوع ملائکہ پر معلوم ہے
فعم قولہ رشک گوہری آمد عجب تو رشک گوہر ہے تو تو درمیان موج اور بحر کے زیادہ اَولیٰ ہے (جس طرح
گوہر احق بالبحر ہوتا ہے یعنی تجھکو متوجہ الی الحق رہنا زیادہ بہتر ہے چونکہ اوپر بحر سے تشبیہ دینے مین ایہام
مماثلت کا ہوتا ہے وشتان ما بین المشابہۃ والمماثلۃ اسلیے آگے اس ایہام کے دفع کرنے کو مشبہ کی شان
بتلاتے ہین کہ) وہ بحر واحد محض ہے فرد اور زوج نہین ہے (اور) اوسکا گوہر اور ماہی مغائر موج نہین
ہے (یعنے یہ بحر مشبہ بہ تو وحدت حقیقیہ کے ساتھ متصف نہین اور بحر مشبہ واحد حقیقی ہے جسمین کثرت عددی
کو کیا ہوتی اسی لیے اوس سے زوجیت واثنینیت کی نفی کی اوسمین تو وحدت عددی بھی نہین اسی لیے اوس سے
فردیت کی بھی نفی کی کیونکہ بوجہ تقابل زوجیت کے اوسکا محل بھی عدد ہی ہے اور عدد کم منفصل سے ہے جو
مقولات تسعہ مین سے ایک مقولہ سے ہے اور اسلیے قسم ہے ممکن کی تو واجب تعالیٰ پر مقسم ہی صادق نہین آتا
قسم تو کیونکر صادق آویگی اسی لیے حسب نقل بحر العلوم فقہ اکبر مین حضرت امام ہمام نے فرمایا ہے اللہ واحد
لیس وحدتہ کوحدۃ الاعداد بل بمعنے انہ لا شریک لہ اھ اور گو واحد اصطلاحًا عدد نہین ہے لیکن جزو تو ہے
عدد کا تو وہ اس اعتبار سے عددی ہے حق تعالیٰ کسی متکثر کا جزو بھی نہین تو وہ اس سے بھی منزہ ہوا پس
بحر مشبہ و بحر مشبہ بہ مین مماثلت نہ ہوئی وہو المطلوب اور گوہر سے ملائکہ مراد ہونا شرح شعر بالا مین مذکور
ہوا ہے اور ماہی سے مراد انسان کامل لیا جاوے بوجہ اسکے کہ مثل ماہی کے اوسمین شوق وعشق کی ایک
خاص شان ہے اور موج سے مراد صفت وجود کہ محققین کے نزدیک زائد علی الذات نہین جیسے موج کہ زائد
علی البحر نہین پس معنے مصرعہ ثانیہ کے یہ ہوے کہ اوسکے خواص عباد خواہ ملائکہ ہون یا بشر اونکا وجود عین وجود
حق ہے جسکی تفسیر مع اوسکے اقسام اور مع تعیین اوس قسم عینیت کے جو منجملہ جمیع اقسام خاص مقبولان حق
مین صادق آتی ہے شرح دفتر اول مین گذر چکی ہے پس یہان مغائرت لغویہ کی نفی نہین ہے بلکہ مغائرت
اصطلاحیہ کی نفی ہے اور حاصل اوس عینیت کے معنے کا یہ ہے کہ خلق کی جو احتیاج خالق کی طرف ہے وجود
وتوابع وجود مین اوس احتیاج کی معرفت و استحضار تام ہو جانا جسکا مخصوص بخواص عباد ہونا ظاہر ہے
آگے معنے عینیت مین جو کہ مصرعہ گوہر و ماہیش (الخ) مین مذکور تھے ترقی کرتے ہین کہ خواص عباد کی کیا تخصیص
ہے کوئی موجود بھی اوسکا مغائر نہین وہ نہ اگر کوئی دوسرا موجود ہوگا تو اشتراک فی الوجود لازم آویگا (اور)
اے مخاطب محال ہے اور اے مخاطب محال ہے (کسیکو) اوسکا شریک کرنا یہ بعید ہے اوس دریا اور اوسکی
موج سے (یعنی نہ اوسکی ذات مین کوئی شریک ہے اور نہ اوسکی صفت وجود مین بلکہ لا موجود الا اللہ اور
یہ حکم سب موجودات کو شامل ہے پس اسطرح یہ ترقی ہوگئی ما سبق سے اور اس عینیت کی تفسیر بھی شرح دفتر اول
مین گذر چکی ہے جسکا حاصل ہے کسی مخلوق کے وجود کا مستقل نہ ہونا اور وجود مستقل مین واجب تعالیٰ کا
منفرد ہونا اور سب کائنات کا وجود مین واجب کا محتاج ہونا اور اسی تعلق احتیاج کا نصب العین

ہو جانا وحدۃ الوجود ہے اور مخلوق کے اسی وجود غیر مستقل کے ساتھ وجود مستقل کا سا معاملہ کرنا گو بلا فساد اعتقاد ہو اہل حال کے کلام مین شرک سے تعبیر کیا جاتا ہے اسی کو اس شعر مین اشراک کہا ہے اور اسی کو آگے شرک اور احولی یعنی یک را دو دیدن فرماتے ہین کہ) دریا مین تو شرک اور ایچ بیچ کچھ نہین ہے لیکن احول سے کیا کہون (پھر خود ہی جواب دیتے ہین کہ) کچھ بھی نہین (کہتا) کچھ بھی نہین رکھتا اور ایچ بیچ سے مراد خفا واشکال ہے یعنی اس وحدۃ الوجود کا اثبات اور اس اشراک فی الوجود کا انتفا رنہایت واضح ہے علماً تو بعد تفسیر مذکور کے سب کے لیے اور حالاً خاص اہل بصیرت کے لیے لیکن جو صاحب حال نہو اور اسلیے وہ دوسرے وجودات کا مشاہدہ کرتا ہو اوس سے کیا کہون کہ مین جس توحید کو کہہ رہا ہون جسمین سب ممکنات کی نفی کی جاتی ہے وہ وجدانی ہے اور وہ وجدان کا فاقد ہے اسلیے اوس سے کچھ کہنا بیکار ہے اوس سے اوسی توحید کی گفتگو کی جا سکتی ہے جسمین دوسرے موجودات کو اول ثابت ماننا پڑے تاکہ اون سے استدلال کیا جاوے وجود صانع پر جیسا متکلمین کی توحید ہے آگے یہی مضمون ہے یعنی) چونکہ ہم احولونکے ساتھ قرین (ہو رہے) ہین اے بت پرست (اسلیے) ضروری ہوا مشرکانہ باتین کرنا (یعنی کلموا الناس بقدر عقولہم پر نظر کرکے دوئی و وجود غیر پر نظر رکھنے والونکے مذاق کی موافق کلام کرنا چاہیے اور ایسی ہی نظر والیکو مجازاً بت پرست کہدیا اور اس شرک کا اصطلاحی ہونا اور بھی معلوم ہوا آگے علت ہے ملازم آمد مشرکانہ دم زدن کی یعنی یہ اسلیے کہ) وہ وحدت وصف (یعنے بیان لفظی) اور خیال (یعنی تصور ذہنی) سے اوس طرف (یعنے خارج) ہے (اسوجہ سے) بدون دوئی کے میدان مقال مین نہین آسکتی (مطلب ان دونون سو ہونیکا یہ ہے کہ بیان اور خیال سے اوسکا ادراک تام نہین ہوسکتا کیونکہ دوقیات کا ادراک اتصاف ہی سے ہوتا ہے باقی وہ وحدت گفتگو مین جب آدیگی تو استدلال بالمصنوعات یا مثال من المصنوعات سے اور دوئی سے یہی مراد ہے آگے مصرعہ جز دوئی الخ پر تفریع ہے یعنی جب بدون دوئی کے اوس یکی کا بیان مقال مین نہین آسکتا بس) تو یا تو احول کی طرح اس دوئی کو نوش (یعنی گوارا) کر (اور بواسطۂ دوئی کے توحید کا بیان کر اور) یا (اگر یہ گوارا نہ ہو تو) منہ بند کر اور لب کو خاموش کر (اور) یا (اگر کبھی کلام مین مصلحت معلوم ہو اور کبھی سکوت مین تو یون کر کہ) نوبت بنوبت کبھی سکوت اور کبھی کلام (کیا کر اور ان مجموعی نوبتون مین) احولون کی طرح نقارہ بجایا کر (کہ اوسکو ایک نقارہ کے دو نظر آتے ہین اسیطرح اس مجموعہ مین تیری نظر بھی دو چیزون پر ہو گی ایک مصلحت سکوت پر دوسری مصلحت تکلم پر اور یہ خود غلبۂ توحید کا خلاف ہے اسلیے اسکو احولانہ طبل زدن سے تشبیہ دی آگے اوس نوبت کی تفسیر ہے جسکو مین نے شرح شعر ہذا کی شروع مین اختلاف مصلحت سے تعبیر کیا ہے یعنی وہ نوبت بنوبت یہ ہے کہ) جب تو کوئی محرم (اسرار) دیکھے تو راز جان کہدیا کر (آگے اسکی مثال ہے کہ) تو پھول دیکھے تو بلبلونکی طرح نعرہ لگایا کر (راز جان توحید عارفین کو اسلیے کہا کہ اوس توحید ذوقی کے ساتھ

روح کو اتصاف ہوتا ہے اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ سکوت و گہ کلام مین کلام سے مراد تکلم بتوحید المتکلمین نہین ہے وہ تو مصرعہ یا چو احول این دوئی را نوش کن ہیں مذکور ہوا بلکہ تکلم بتوحید العارفین مراد ہے پس کل تین شقین ہوئین ایک تکلم بتوحید المتکلمین. دوسرے سکوت محض تیسرے توحید متکلمین سے بالکل سکوت اور توحید العارفین کا کبھی تکلم جب کوئی مخاطب صحیح ملے اور کبھی سکوت جب مخاطب صحیح نہ ہو چنانچہ تکلم کی شق تو اس شعر مین آچکی آگے سکوت کی شق ہے کہ) جب تو مشک پُر کھا ور پُر مجاز کو دیکھے تو لب بند کر لیا اور اپنے کو مٹکا بنا لیا کر (یہان مٹکہ سے مراد خاص جسمین کوئی چیز مثلاً پانی بھر کر سر بھر کر دیا ہو چنانچہ ایک حاشیہ منقولہ عن مرشدی مین لکھا ہے خُنب ساز ساکت و سر بمہر اھ اسیطرح مشک سے مراد وہ خاص جسمین ہوا بھر دی ہو چنانچہ لفظ پُر مکرر اوسکا قرینہ ہے کہ دیکھنے والے تو سمجھین کہ اوس مین پانی ہے اور وہان پانی نہین اسی کو پُر مکر کہا اور مراد اس سے غیر عارف ہے کہ دعوی سے پُر ہے اور نظر بخلق سے بھی پُر ہے جسکو پُر مجاز کہا یعنی جب غیر عارف کو دیکھے خاموش ہو جا) وہ (غیر عارف جو پُر باد ہونے مین مشابہ مشک کے ہے) دشمن پانی کا ہے اوسکے سامنے حرکت مت کر (یعنی زبان کو اسرار کے ساتھ حرکت مت دے) ورنہ اوسکا سنگ جہل مٹکے کو توڑ دیگا (یعنی متکلم کو تکلیف دیگا اسلیے کہ بوجہ الناس اعداء ما جہلوا وہ دشمن ہے اسرار کا اور اس اعتبار سے وہ مشابہ پتھر کے بھی ہے تو دو تشبیہین دو اعتبار سے ہین یہا تک تو اوس ایذا کا بیان تھا جو تکلم اسرار پر ہوتی کہ اوسکا انسداد عدم تکلم ہے لیکن بعض اوقات بدون اظہار اسرار محض حسد یا بدگمانی سے بھی اہل اللہ کو عوام یا خواص کالعوام ایذا پہونچاتے ہین خواہ زبان سے یا ہاتھ سے اور اوسکا انسداد قدرت مین بھی نہین آگے اسکی نسبت فرماتے ہین کہ وہان بجاے انسداد کے صبر ہے پس) تو جاہل کی ایذاؤن پر صبر کر (اور بجاے انتقام اوسکی) اچھی طرح مدارات کر عقل لدنی کے ساتھ (یعنی اس عقل عارفانہ کا یہی مقتضا ہے وہذا کما قال اللہ تعالیٰ اِدْفَعْ بِالَّتِیْ ہِیَ اَحْسَنُ الی قولہ تعالیٰ وَمَا یُلَقّٰهَآ اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِیْمٍ آگے اس صبر کی فضیلت ہے کہ) صبر کرنا نا اہلون کے ساتھ اہل کے لیے جلا (و تنویر) ہے (یعنی) صبر صاف کر دیتا ہے جس جگہ کوئی دل ہے (یعنی جس دل مین جتنی قابلیت ہوتی ہے ویسا ہی جلا کرتا ہے چنانچہ) آتش نمرود حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے صفائی آئینہ (قلب) کی ہو گئی جلا مین (صفوت احد معانیہ صاف شدن کذا فی الغیاث اور) قوم نوح کا جور اور کفر اور نوح علیہ السلام کا صبر نوح علیہ السلام کے لیے آئینہ روح کا صیقل ہو گیا آگے اس پر حکایت لاتے ہین شیخ ابو الحسن خرقانی رح کی کہ اونکو اپنی بی بی کی ایذاؤن پر صبر کرنے سے کیا درجہ نصیب ہوا جسکو خود اونھون نے اسطرح بیان فرمایا ہے ~~گر نہ صبرم می کشیدے بار زن~~ + ~~کے کشیدے شیر نر بیگار من~~ +

آمدن آن مرید شیخ ابو الحسن خرقانی بزیارت شیخ رحمہ اللہ تعالیٰ

(ربط اوپر گذرا)

رفت درویشی ز شہرِ طالقان
ایک درویش شہرِ طالقان سے

بہرِ صیتِ بوالحسن تا خارقان
شیخ ابوالحسن کی شہرت کے سبب خارقان کیطرف چلا

کوہہا ببرید و وادیِ دراز
بہت سے پہاڑ اور وادیِ دراز قطع کیے

بہرِ دیدِ شیخ با صدق و نیاز
شیخ کی زیارت کیواسطے صدق و نیاز کے ساتھ

آنچہ در رہ دید از جور و ستم
راستہ مین جو کچھ جور و ستم دیکھا

گرچہ درخورد است کوتہ می کنم
اگرچہ لائقِ بیان ہے مین مختصر کرتا ہون

چون بمقصد آمد از رہ آن جوان
جب مقصود پر وہ جوان راہ سے پہونچا

خانۂ آن شاہ را جست او نشان
اُن بادشاہ کے گھر کا پتہ تلاش کیا

چون بصد حرمت بزد حلقہ درش
جب بصد ادب اُسکے دروازہ کی زنجیر کھٹکھٹائی

زن برون کرد از درِ خانہ سرش
تو عورت نے گھر کے دروازے سے اپنا سر باہر کیا

کہ چہ می خواہی بگو اے بوالکرم
اے صاحب کرم تو کیا چاہتا ہے کہہ

گفت بر قصدِ زیارت آمدم
اُسنے کہا مین بقصدِ زیارت آیا ہون

خندۂ زد زن کہ خہ خہ ریش بین
عورت نے ایک قہقہہ لگایا کہ کیا خوب کیا خوب داڑھی تو دیکھ

این سفر گیری و این تشویش بین
اِس سفر کے اختیار کرنیکو اور اس پریشانی کو دیکھ

خود ترا کارے نبود آن جایگاہ
کیا تجھکو کوئی کام نہ تھا اُس جگہہ

کہ بہ بیہودہ کنی این عزمِ راہ
کہ فضول اِس راہ کا تونے عزم کیا

اشتہائے گول گردی آمدت
گردشِ احمقانہ کی تجھکو رغبت ہوئی

یا ملولیِ وطن غالب شدت
یا وطن سے ملال تجھپر غالب ہوا

یا مگر دیوت دوشاخہ بر نہاد
یا شاید شیطان نے تجھپر دوشاخہ لگا دیا

بر تو وسواسِ سفر را بر کشاد
اور تجھپر وسوسہ سفر کا کھولا

گفت نافرجام و فحش و دمدمہ
اوسنے نافرجام اور فحش اور لغو باتین کہین

من نتانم باز گفتن آن ہمہ
مین اون سب کو نہین کہہ سکتا

از مثل و ز ریشخندِ بے حساب
مثل اور استہزا بے حساب سے

آن مرید افتاد در غم و اضطراب
وہ مرید غم اور اضطراب مین واقع ہوگیا

ایک درویش شہر طالقان سے شیخ ابوالحسن کی شہرت کے سبب (یعنے اونکی شہرت سنکر) خارقان کی طرف چلا (طالقان نام شہریست معروف و خارقان نام دہیست از خراسان نزدیک بسطام و او اخرقان

نیز گویند کذا فی حاشیۃ ولی محمدؒ اور) بہت سے پہاڑ اور وادی دراز (جو راستہ مین واقع ہوتے تھے) قطع کیے شیخ کی زیارت کے واسطے صدق و نیاز کے ساتھ (اور) راستہ مین جو کچھ جور و ستم (مراد تکلیف و مصیبت) دیکھا اگرچہ لائق بیان ہے (لیکن) مین (کلام) مختصر کرتا ہون (غرض) جب (منزل) مقصود پر وہ جوان راہ سے پہونچا اون بادشاہ (ملک باطن) کے گھر کا پتہ تلاش کیا جب بصد ادب اونکے دروازہ کی زنجیر کھٹکھٹائی تو (اونکی) عورت نے گھر کے دروازے سے اپنا سر باہر کیا (شاید عجوزہ ہوگی جیسا آگے ایک شعر مین آدیگا شمع حق را پُف کنی تو اے عجوز+ اور پوچھا) کہ اے صاحب کرم تو کیا چاہتا ہے کہہ اوس نے کہا مین بقصد زیارت (شیخ کے) آیا ہون عورت نے ایک قہقہہ لگایا (اور کہا) کیا خوب کیا خوب (ذرہ اپنی داڑھی تو دیکھ (اور باین ریش فش) اس سفر کے اختیار کرنے کو اور اس پریشانی کو دیکھ (معلوم ہوتا ہے کہ تجھکو اوس جگہ (یعنی اپنے وطن مین) کوئی کام نہ ہوگا کہ فضول اس راہ کا تو نے عزم کیا (کیا) بیمعنے کردی گردش احمقانہ کی تجھکو رغبت ہوئی یا وطن سے ملال (یعنی جی اوکتا جانا) تجھپر غالب ہوا یا شاید شیطان (موسوس) نے تجھپر دوشاخہ (بمعنے چوبے بطور شکنجہ کہ بر گردن مجرمان نہند کذا فی الغیاث) لگا دیا (اور) تجھپر وسوسہ سفر (راہ) کا کھولا (اسی وسوسہ کو جسمین یہ گرفتار ہوا تشبیہ دی ہے دوشاخہ سے حاصل یہ ہے کہ) اوس (عورت) نے نا فرجام اور فحش اور لغو باتین کین مین (ادب کے سبب) اون سب کو نہین کہہ سکتا (کہ بلا ضرورت اونکو نقل کرنا بھی سوء ادب ہے اور) مثل اور استہزا بے حساب سے وہ مرید غم اور اضطراب مین واقع ہو گیا (غم تو ادسکی بکواس کا اور اضطراب غصہ کی بیچینی سے اور مرید کے معنے متعارف نہین ہ: نہ وہ اسطرح اجنبیانہ طور پر آکر پتہ نہ پوچھتا اور بہر صیت کے بھی کوئی معنے نہ ہوتے بلکہ مراد معتقد اور یہی معنے سرخی مین بھی مراد ہین)۔

پرسیدن مرید کہ شیخ کجاست و جواب نافرجام شنیدن از حرم او

اشکش از دیدہ بجست و گفت او	باہمہ آن شاہِ شیرین نام کو
اوسکا آنسو آنکھ سے جاری ہو گیا اور کہا کہ	باوجود ان کے وہ شاہ شیرین نام کہان ہین
گفت آن سالوس زراقِ تھی	دامِ گولان و کمندِ گمرہی
کہنے لگی کہ وہ مکار ریا کار کورا	احمقون کا جال اور گمراہی کی کمند
صد ہزاران خام ریشان ہمچو تو	اوفتادہ از وے اندر صد عتو
لاکھون بے عقل تجھ جیسے	اوسکے سبب صد ہا سرکشی مین واقع ہو گئے

گر نہ بینیش و سلامت وا روی — خیر تو باشد نگردی زو غوی
اگر تو اوسکو نہ دیکھے اور سلامتی سے چلا جاوے — تو یہی تیری خیر ہے تو اوس سے گمراہ نہوگا

لاف کیشی کاسہ لیسی طبل خوار — بانگِ طبلش رفتہ اطراف و دیار
وہ ایک شیخی باز۔ کاسہ لیس۔ بسیار خوار ہے — اوسکے نقارہ کی آواز اطراف و دیار میں پہونچ گئی

سبطیند این قوم گوسالہ پرست — بر چنین گاوے ہمین مالند دست
سبطی ہیں یہ قوم گوسالہ پرست — ایسی گاؤ پہ ہاتھ پھیر رہے ہیں

جیفۃ اللیل ست و بطال النہار — ہر کہ او شد غرۂ این طبل خوار
وہ شخص جیفۃ اللیل اور بطال النہار ہے — کہ جو اس بسیار خوار کا فریفتہ ہوجاوے

ہشتہ اند این قوم صد علم و کمال — مکر و تزویرے گرفتہ کاینست حال
اس قوم نے تمام علم و کمال کو چھوڑ رکھا ہے — مکر و فریب اختیار کر رکھا ہے کہ یہ حال ہے

آلِ موسیٰ کو دریغا تا کنون — عابدانِ عجل را ریزند خون
افسوس آلِ موسیٰ کہاں ہیں تا کہ اب — وہ گوسالہ پرستوں کی خونریزی کردیں

کو رہِ پیغمبر و اصحابِ او — کو نماز و سبحہ و آدابِ او
کہاں ہے سنت پیغمبرؐ اور اونکے اصحابؓ کی — کہاں ہے نماز اور تسبیح اور اوسکے آداب

شرع و تقویٰ را فگندہ سوے پشت — کو عمرؓ کو امرِ معروف و درشت
شرع اور تقوی کو پسِ پشت ڈال رکھا ہے — عمرؓ کہاں ہیں کہاں ہے امر بالمعروف اور سخت

کاین اباحت زین جماعت فاش شد — رخصتِ ہر مفلسِ قلاش شد
کیونکہ یہ اباحت اِس جماعت سے شائع ہوئی ہے — ہر مفلسِ قلاش کی رخصت ہوگئی ہے

اوس (معتقد) کا آنسو آنکھ سے جاری ہوگیا اور کہا کہ باوجود ان سب (عیوب فرضیہ مزعومہ) کے (مین پوچھتا ہون کہ) وہ شاہ شیرین نام کہاں ہین کہنے لگی کہ وہ مکار ریاکار (کمالات سے) کورا اور احمقون کا جال اور گمراہی کی کمند (اور ایسا کہ) لاکھون بیعقل (کما فی الغیاث) تجھ جیسے اوسکے سبب صدہا سرکشی (یعنی ضلالت) مین واقع ہوگئے (آن سالوس سے یہانتک مبتدا ہوگئے خبر ہے کہ) اگر تو اوسکو نہ دیکھے اور سلامتی سے (اوسکے پاس سے) چلا جاوے تو یہی تیری خیر ہے (کہ اس صورت مین) تو اوس سے گمراہ نہ ہوگا (ورنہ تو بھی بد دینی مین مبتلا ہوجاوے گا اور جب نہ دیکھنا بہتر ہے تو پھر پتہ پوچھکر کیا کریگا) وہ ایک شیخی باز (اور) کاسہ لیس (اور) بسیار خوار ہی (کذافی حاشیۃ ولی محمد مگر باوجود ان عیوب کے) اوسکے نقارہ کی آواز (تمام) اطراف و دیار مین پہونچ گئی (آگے وہ شیخ کے معتقدین کی مذمت کرتی ہے کہ تشبیہاً) سبطی ہین یہ قوم گوسالہ پرست (اسلیئے) ایسی گاؤ پر (محبت سے) ہاتھ پھیر رہے ہین وہ شخص (بھی) جیفۃ اللیل اور بطال النہار ہے کہ جو اس بسیار خوار کا فریفتہ ہوجاوے

(یعنی اُسکے معتقد ہونیکا یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ وہ بھی رات بھر مردار کی طرح سوتا ہے اور دن بھر بیکار رہتا ہی کیونکہ یہ خود بھی ایسا ہی ہے کہ نہ دنیا کا کام کرے نہ دین کا نہ کوئی اُسکے یہان تعلیم وتلقین پس لامحالہ اسکا یہی نتیجہ ہوگا آگے وہ مطلقًا اس جماعت صوفیہ کی مذمت کرتی ہے کہ) اس قوم نے تمام علم وکمال کو چھوڑ رکھا ہے (اور) مکر وزرق اختیار کر رکھا ہے (اور اوسکو کہتے ہین) کہ یہ (باطنی) حال ہے افسوس آل موسیٰ کہان ہین تاکہ اب ان گوسالہ پرستونکی خونریزی کرین (آل موسیٰ سے علماء حقانی کو تشبیہ دی کہ جملہ صوفیہ پر رد کرتے ہین) کہان ہی سُنت پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم کی اور اون کے اصحاب کی (اور) کہان ہے نماز اور تسبیح اور اوسکے آداب (یعنی ان لوگون نے ان سب کو مٹا دیا چنانچہ آگے فرماتے ہین کہ ان لوگون نے) شرع اور تقویٰ کو پس پشت ڈال رکھا ہے (افسوس) عمر کہان ہین (اور) کہان ہے امر بالمعروف سخت (یعنی اسکی ضرورت ہے) کیونکہ یہ اباحت (اور استحلال حرام جو جہلا مین شائع ہے یہ) اس جماعت سے شائع ہوئی ہے (اور یہ جماعت) ہر مفلس قلاش کی رخصت (کا سبب) ہوگئی ہے (قلاش بمعنے بے نام وننگ ومفلس ومرد بے خیر ومجرد ولوند کذا فی الغیاث مطلب یہ کہ دنیا مین جو آزادی اور بیباکی اور خلاف شرع باتین پھیل رہی ہین اور اس صفت کے لوگ اکثر مفلس ہوتے ہین کہ نہ اونمین کوئی تہذیب ہوتی ہے نہ آبرو کا خیال ہوتا ہے ورنہ اہل وجاہت اتنے آزاد نہین ہوتے تو یہ سب ایسے صوفیونکا اثر ہے کہ وہ شریعت کی بے وقعتی کرتے رہتے ہین اور عام لوگ اونکے معتقد ہوتے ہین پس اونکے دلون مین سے بھی پابندی نکل جاتی ہے) ف عجب نہین مولانا کا مقصود اس کلام مین اشارہ کرنا ہو غیر متشرع درویشون کی مذمت کی طرف۔

جواب مرید وزجر کردن آن طعانہ را از کفر وبیہودہ گوئی

بانگ زد بر وے جوان وگفت بس
روز روشن از کجا آمد عسس

اوس پر جوان نے ایک ڈانٹ دی اور کہا بس
روز روشن مین عسس کہان سے آگیا

نور مردان مشرق ومغرب گرفت
آسمانہا سجدہ کردند از شگفت

مردون کے نور نے مشرق ومغرب کا احاطہ کر رکھا ہی
آسمانون نے تعجب سے سجدہ کر رکھا ہے

آفتاب حق برآمد از حمل
زیر چادر رفت خورشید از خجل

آفتاب حق حملون سے نکلا
تو خورشید خجلت کے سبب زیر چادر چلا گیا

ترہات چون تو ابلیسے مرا
کے بگرداند ز خاک این سرا

تجھ جیسے ابلیس کی خرافات مجھکو
کب ہٹا سکتی ہے اس گھر کی خاک سے

من بیادے نامدم ہیچون سحاب
مین ہوا کا لایا ہوا نہین آیا ہون مثل سحاب کے
تا کہ گردے باز گردم زین جناب
تا کہ ایک غبار سے مین اس درگاہ سے لوٹ جاؤن

عجل با آن نور شد قبلہ کرم
اوس نور کے ہوتے ہوے گوسالہ بھی قبلہ کرم ہوگیا
قبلہ بے آن نور شد کفر و صنم
بدون اوس نور کے قبلہ بھی کفر اور بت ہوگیا

ہست اباحت کز ہوا آمد ضلال
جو اباحت ہوا سے ہوئی ہو وہ تو ضلال ہے
ہست اباحت کز خدا آمد کمال
جو اباحت خدا سے ہوتی ہو کمال ہے

کفر ایمان گشت و دیو اسلام یافت
کفر ایمان ہوگیا اور شیطان نے اسلام اختیار کرلیا
آن طرف کان نور بے اندازہ تافت
اوس طرف کہ وہ نور غیر محدود درخشان ہوا

مظہر عشق ست و محبوب بحق
مظہر عشق ہے اور محبوب بالحق ہے
از ہمہ کروبیان بردہ سبق
تمام کروبیون سے سبقت لے گیا ہے

سجدہ آدم را بیان سبق اوست
آدم کے سامنے سجدہ ہونا اوسکی سبقت کا بیان ہے
سجدہ آرد مغز را پیوستہ پوست
ہمیشہ مغز کے سامنے پوست سجدہ کیا کرتا ہے

شمع حق را پف کنی تو اے عجوز
تو شمع حق کو پھونک مار رہی ہے اے عجوز
ہم تو سوزی ہم سرت اے گندہ پوز
تو بھی جل جائیگی اور تیرا سر بھی اے گندہ دہن

کے شود دریا ز پوز سگ نجس
دریا دہن سگ سے کب نجس ہوتا ہے
کے شود خورشید از پف منطمس
خورشید پھونک سے کب محو ہوتا ہے

حکم بر ظاہر اگر ہم میکنی
اگر تو ظاہر ہی پر حکم کرتی ہے
چیست ظاہر تر بگو زین روشنی
تو اس روشنی سے ظاہر تر بتلا کیا چیز ہوگی

جملہ ظاہرہا بہ پیش این ظہور
تمام ظواہر اس ظاہر کے روبرو
باشد اندر غایت نقص و فتور
غایت نقص و قصور مین ہین

ہر کہ بر شمع خدا آرد پفو
جو شخص شمع خدا پر پھونک مارے گا
شمع کے میرد بسوزد پوز او
شمع تو کب بجھے گی اوسکا منھ جل جاویگا

چون تو خفاشان بسی بینند خواب
تجھ جیسے خفاش بہت سے خواب دیکھتے ہین
کاین جہان ماند یتیم از آفتاب
کہ یہ عالم آفتاب سے یتیم رہ جاوے

موجہاے تیز دریاہاے روح
روح کے دریاؤن کی تیز موجین
ہست صد چندان کہ بد طوفان نوح
جتنا طوفان نوح تھا اوس سے سو حصے زیادہ ہین

لیک اندر چشمِ کنعان موے رست
لیکن کنعان کی آنکھ مین بال جم آیا ہے

کوه و کنعان را فرو برد آن زمان
پہاڑ کو بھی اور کنعان کو بھی اوسوقت

مہ فشاند نور و سگ وع وع کند
چاند نور افشانی کرتا ہی اور کتا بھون بھون کرتا ہے

شبروان و ہمرہانِ مہ بتگ
جو لوگ شب کو چلنے والے ہین اور چاند کے ہمراہ ہین دوڑنے مین

جزو سوے کل روان مانند تیر
بجز و کل کی طرف تیر کے مانند روان ہوتا ہے

نوح و کشتی را بہشت و کوه جست
اوسنے نوح اور کشتی کو چھوڑ دیا اور پہاڑ پر جا کود ا

نیم موجے تا بقعرِ امتہان
ایک آدھی موج قعرِ ذلت مین لے گئی

سگ ز نورِ ماه کے مرتع کند
کتا نورِ ماه سے کب اقتباس کرتا ہے

ترکِ رفتن کے کنند از بانگِ سگ
بانگِ سگ سے چلنا کب ترک کرتے ہین

کے کند وقف از پےِ ہر گنده پیر
کب توقف کرتا ہے ہر گنده پیر کی وجہ سے

اوس (معترضہ) پر جوان نے ایک ڈانٹ دی اور کہا بس (چپ ہو) روز روشن مین عکس کہان سے آگیا (یہ ایک تمثیل ہے کہ جسطرح دن مین عکس کی گنجایش نہین اسیطرح شیخ مین ان کلمات و مضامین کا احتمال نہین مرد روشن مین ہے جو مثل شب تاریک کے ہین) اور روز روشن سے تشبیہ دینے مین اشارہ ہے اونکے نورانی ہونے کی طرف اور اسی نورانیت کا مضمون تمام اشعار مقام مین چلا گیا کہین نور کہا اور کہین آفتاب کہین شمع کہین ماه کما ستعلم چنانچہ فرماتے ہین کہ) مردون کے نور نے مشرق و مغرب کا و احاطہ کر رکھا ہے آسمانون نے تعجب سے سجده کر رکھا ہے (مطلب یہ کہ مردان حق کے فیوض و برکات کے ایسے انوار عالم مین پھیل رہی ہین کہ آسمان جو کہ مطلع الانوار و مہبط الامطار ہے اونکو دیکھکر اس شرمندگی سے سر جھکا دیتا ہے کہ ایسے انوار اور امطار تو میرے اندر بھی نہین اور ظاہر بھی ہے کہ کہان انوار و فیوض باطنی اور کہان اشعہ و غیث ظاہری اور یہ تو آسمان کی حالت تھی اور آفتاب کی حالت یہ ہے کہ جب) آفتاب حق تجلون (یعنی مسہریون) سے نکلا تو یہ) خورشید (ظاہری) خجلت کے سبب زیر چادر چلا گیا (اور اسکی وجہ بھی وہی ہے کہ نور باطنی کہان اور نور ظاہری کہان پس جب شیخ میرے اعتقاد مین ایسے ہین تو تجھ جیسے ابلیس کی خرافات مجھکو کب ہٹا سکتی ہے اس گھر کی خاک سے (کیونکہ) مین ہوا (یعنی افواہی شہرت) کا لایا ہوا نہین آیا ہون مثل سحاب کے (جو کہ ہوا سے آتا ہے تاکہ ایک (راوی) غبار سے (جس سے کلمات شنیعہ معترضہ کو تشبیہ دی) مین اس درگاه سے لوٹ جاؤن (جیسا تو کہتی ہے سلامت و امدی جس طرح ہوا سے آئی ہوئی چیز گرد کی حرکت سے ہٹ جاویگی اسوجہ سے کہ گرد کی حرکت بھی ہوا کی حرکت سے ہوگی اور اسکے اجزا مین بہ نسبت سحاب کے صلابت ہے اور اجزاے سحاب مین رخوت پس لامحالہ وه اوس سے منتشر یعنی پراگنده ہو جاوینگے خلاصہ یہ کہ جو ہوا سے آوے وه ہوا سے جاوے مین افواہی

مرح سنکر نہین آیا کہ انما ہی مذمت سنکر چلا جاؤن اور تو جو شیخ کو گوسالہ سے تشبیہ دیتی ہے تو یاد رکھ کہ جو نور شیخ مین ہے وہ ایسا ہے کہ) اوس نور کے ہوتے ہوے گوسالہ بھی قبلۂ کرم ہو گیا (اور) بدون اوس نور کے قبلہ بھی کفر اور بت ہو گیا۔ یہ دونون جملے معنے قضایا شرطیہ ہین با آن نور اور بے آن نور دال علی الشرط ہین اور شد ماضی دونون مصرعون مین بمعنے مضارع ہین جیسا جملہ شرطیہ مین معروف ہے پس تقدیر جملونکی یہ ہے کہ اگر آن نور در عجل باشد عجل قبلہ بود و اگر آن نور در قبلہ نباشد قبلہ عجل بود اور وجہ اوسکی ظاہر ہی کہ شیخ مین جو نور ہے وہ نور حق ہے جو اس مظہر خاص مین ظاہر ہو رہا ہے مثلاً اسم ہادی شیخ مین متجلی ہے اور نور حق کے لیے یہ حکم ظاہر ہے کہ کعبہ جو جہت سجدہ بنا تو اوس نور کے تلبس و تعلق سے جب مدار مسجدیت کا یہ سب ہے تو ظاہر ہے کہ اگر کعبہ مین اسکا انتفاء اور کسی دوسری مخلوق مثلاً عجل ہی مین اوسکا تحقق فرض کیا جاوے تو عجل کی طرف مثل کعبہ سجدہ کرینگا اور کعبہ کی طرف مثل عجل کے سجدہ کی ممانعت کا حکم نازل ہوتا خلاصہ یہ ہوا کہ اگر شیخ کو عجل ہی مان لیا جاوے تب بھی مضر نہین لانہ محل لظہور نور النور تعالیٰ اور تو جو کہتی ہے کہ این اباحت زین جماعت فاش شد الخ تو اباحت کی بھی دو قسمین ہین ایک محمود ایک مذموم یعنی) جو اباحت ہوا دے نفسانی سے ہوئی ہو وہ تو ضلال ہے (اور) جو اباحت خدا دے برتر سے ہوتی ہو وہ کمال ہے دیس محققین کاملین مین جس اباحت کا شبہہ خشک ظاہر پرستون کو ہو جاتا ہے اوسکی حقیقت یا غایۂ حال ہے جیسے سماع و وجد وغیرہ یا کسی مرض باطنی کا علاج ہے مثلاً کسی سالک مین عجب و کبر کا احساس ہوا اوسکو مجاہدات و ریاضات چھڑا کر توسع فی اللذات والمباحات کا حکم فرمایا اور یا کسی وارد کا اتباع ہے۔ مثلاً کسی رخصت پر اسلیے عمل کیا کہ اوسوقت شکر یا اظہار افتقار مطلوب معلوم ہوا و مثل ذٰلک اور یہ سب من حیث سبب کمال یا مسبب عن الکمال ہے اور اسکو باصطلاح فقہ اباحت کہین گے باصطلاح کلام اباحت نہ کہین گے یعنی استحلال حرام اور جو اباحت جہلا مین ہے جسکا منشاء اتباع ہوی ہے اعتقاداً یا عملاً وہ ضلال محض ہے اور یہ اباحت باصطلاح کلام ہو فشتان ما بینہما۔ یہ تیری غلطی ہے کہ معنے مذموم کو شیخ کی طرف منسوب کرتی ہے اور وہ نور ایسا ہے کہ) کفر (مبدل بہ) ایمان ہو گیا اور (اس سے مراد یہ ہے کہ). شیطان نے اسلام اختیار کر لیا (اور یہ امر) اوس طرف (ہوا) کہ (جہان) وہ نور غیر محدود درخشان ہوا (مراد اس طرف سے ذات مقدس نبویہ ہے صلی اللہ علیہ وسلم حدیثون مین آیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے ساتھ بھی ایک شیطان ہے ولکن اللہ تعالیٰ اعانني علیہ فاسلم یعنی وہ اسلام لے آیا بناءً علی کون الصیغۃ للمضی کما ہو الاشہر فی الروایۃ اور اسلام سے آنیکے بعد کفر کا مبدل بایمان ہونا ظاہر ہے اور نور کو جو غیر محدود کہا اگر بمعنے غیر متناہی بالفعل ہے تو معنے یہ ہونگے کہ نور حق کہ غیر متناہی ہے ذات نبوی میں متجلی ہوا گو محل تجلی مین لا متناہی بالفعل نہین اور اگر بمعنے لا تقف عند حد ہے تو معنے یہ ہونگے کہ حضور کا نور جو کہ یوماً فیوماً متزائد ہے اوسکی یہ شان ہے اور حاصل دونون

توجہونکا ایک ہی ہی کہ مرتبۂ مظہر مین وہ نور نبوی ہی اور مرتبۂ ظاہر مین نور الٰہی مقصود ہے گمشدہ فرایسا ہی کہ اس فرعون کے پاس ایمان آیا
تو وہ بھی مسلمان ہوگیا اور یہ ایسا ہی کہ اس نور والا مظہر عشق ہی اور محبوب الحق ہی (مظہر عشق یعنی عاشق حق اور محبوب بالحق یعنے
محبوب بعلاقۂ حق خلاصہ یہ کہ حق کا تو محب ہے اور مخلوق کا محبوب کما ورد فی الحدیث فیوضع له القبول فی الارض
ای بعد کونہ محبوبًا فی السموات اور احقر کے وجدان مین یہ لفظ محبوب بی حق معلوم ہوتا ہے اور عطف ہے عشق پر یعنی
محبوبی حق کا مظہر اسکا بھی وہی مطلب ہوا کہ اصل مین حق تعالیٰ محبوب ہے یہ اوس محبوبیت کا مظہر ہوگیا اور
اس نور والا) تمام کر و بیون سے سبقت لے گیا ہے (کیونکہ یہ نور علیٰ سبیل الکمال خواص بشر مین ہوگا اور اونکی
فضیلت ملائکہ پر معروف فی الکلام ہے آگے اس سبقت کی ایک دلیل اتی ہے یعنی) آدم کے سامنے (فرشتون کا سجدہ
ہونا اسی) اوس (نور والے) کی سبقت کا بیان ہی (کیونکہ) ہمیشہ مغز کے سامنے پوست سجدہ کیا کرتا ہے (مغز سے مراد
افضل اور پوست سے مراد ادنیٰ بس یہ دلیل ہے افضلیت آدم علیہ السلام کی ملائکہ سے اور اس فضیلت کی وجہ
وہی نور حق ہے جو شیخ مین بھی حسب استعداد پایا جاتا ہے آگے اسی نور کی بنا پر شیخ کو شمع سے تشبیہ دیتے ہین
کہ یہ تو شمع حق ہے نیس تو جو اسکی خان مین تشنیع کر رہی ہے تو گویا) تو شمعِ حق کو پھونک مار رہی ہے اے عجوز (تو یہ
سمجھ لینا کہ ایسا کرنیسے) تو بھی جل جائیگی اور تیرا سر بھی (جل جاویگا جو سر پھونک مارنیکے وقت اوس شمع کے قریب
ہو رہا ہے اس سر کا جل جانا اولاً ہوگا اور تمام بدن کا ثانیاً) اے گندہ دہن (اور اس سے شیخ کا کوئی ضرر نہین
کیونکہ) دریا دہن سگ سے کب نجس ہوتا ہی (اور اسیطرح) خورشید پھونک سے کب محو (اور خاموش) ہوتا ہی (پس شیخ
تو دریا اور خورشید کی مثال ہے وہذا کما قال اللہ تعالیٰ یریدون لیطفئوا نور اللہ بافواہہم ویابی اللہ الا ان
یتم نورہ الآیۃ یہ گفتگو تو باطن شیخ کے اعتبار سے ہے کہ وہ ایسے نور کا تجلی گاہ ہے اور) اگر (تجھکو باطن کا ادراک
نہین ہے اور اسلیے اوسکی تصدیق نہین کرتی اور اسلیے) تو ظاہر ہی پر حکم کرتی ہے (جیسا اکثر ظاہر پرستان
خشک اوسی کی بنا پر بزعم خود اوسکو خلاف شرع کم فہمی سے سمجھکر اہل اللہ کا انکار کیا کرتے ہین) تو (شیخ کے اس
(تقویٰ کی) روشنی سے (جو کہ مشاہد خاص و عام ہے) ظاہر تر بتلا (اور) کیا چیز ہوگی (یعنی اس سے بڑھکر کیا
تقویٰ ہوگا جو اونکو حاصل ہی اور شیخ کا ظاہر بھی اتنا شریعت سے آراستہ ہے کہ اور متقیون کے) تمام ظواہر (شیخ
کے) اس ظاہر کے روبرو غایت نقص و قصور مین ہین (غرض جسطرح سے اونکا باطن مثل شمع نورانی ہی ایسا ہی
اونکا ظاہر بھی پس) جو شخص (ایسی) شمع خدائی پر پھونک مار یگا شمع تو کب بجھیگی (کما قال تعالیٰ یریدون
ان یطفئوا الآیۃ خود) اوسی کا منھ جل جاویگا (آگے اوسی نور مذکور کی بنا پر شیخ کو آفتاب سے اور منکر کو
خفاش سے تشبیہ دیتے ہین کہ) بہت جیسے خفاش بہت سے خواب دیکھتے ہین کہ یہ عالم آفتاب سے یتیم رہ جاوے (وجہ
بوجہ تربیت خاصہ کے مثل پدر عالم کے ہے مطلب یہ ہی کہ شیخ مثل آفتاب کے ہے تیرا یہ خیال انکار و نفی کا مثل
اس خواب کے فاسد ہے عالم ایسے کاملین سے معمور ہے جن مین شیخ بھی ہین آگے وبال انکار کا بیان ہے کہ)
روح کے دریاؤن کی تیز موجین (ایسی ہین کہ) جتنا طوفان نوح تھا اوس سے سو حصے زیادہ ہین (یعنے اونکو

ع یعنی شیخ محمد سعید حقانی رحمۃ اللہ علیہ

منغص ومکدر کرنا مشابہ تیز موج کے ہے ہلاک ہونے مین اور دریا ہاے روح کی ترکیب مثل یلتقین المار کے ہی) لیکن کنعان کی آنکھ مین بال جم آیا ہے (اسلیے وہ اوس موج سے ڈرتا نہین اور اس سببسے) اوسنے نوح (یعنی اہل اللہ) اور کشتی (یعنے اونکی محبت واتباع) کو چھوڑ دیا اور پہاڑ (یعنی مال وجاہ) پر جا کو دا (مگر) پہاڑ کو بھی اور کنعان کو بھی اوسوقت ایک آدھی موج (یعنی موج خفیف) قعر ذلت مین لے گئی (یعنی اونکی تھوڑی سی کدورت سببسے ہلاک ہوگئی ونعم ماقیل شعر: بس تجربہ کردیم درین دیر مکافات * با دُرد کشان ہر کہ درافتاد برافتاد) آگے اوسی نور مذکور کی بنا پر شیخ کو ماہتاب سے اور منکرین مشاغبین کو کلاب سے تشبیہ دیتے ہین کہ) چاند نور افشانی کرتا ہے اور کتا بھون بھون کرتا ہے (اوسی نفرت کے سبب) کتا نور ماہ سے کب اقتباس کرتا ہے (مرتع چراگاہ ومصدر میمی اسی طرح منکر بجاے استفادہ کے انکار واعتراض کرتا ہے لیکن) جو لوگ شب کے چلنے والے ہین اور چاند کے ہمراہ ہین دوڑنے مین (یعنی اپنی سیر مین اوسکے متبع ہین کہ اوسکی رفتار کو یا اوسکے نور کو رہبر بناکر چلتے ہین وہ لوگ) بانگ سگ سے چلنا کب ترک کرتے ہین (اسی طرح) جزو (یعنی تابع ومعتقد) کل کی طرف (یعنی متبوع ومعتقد فیہ کی طرف) تیر کیطرح ماند روان ہوتا ہی (اور) کب توقف کرتا ہے ہر گندہ پیر کی وجہ سے (جیسطرح مسافر شب رو بانگ سگ کے سبب توقف نہین کرتا)۔

جانِ شرع و جانِ تقویٰ عارف ست
شریعت کی جان اور تقویٰ کی جان عارف ہے
معرفت محصولِ زُہدِ سالف ست
معرفت زُہد گذشتہ کا محصول ہے

زُہد اندر کاشتن کوشیدن ست
زُہد بونے مین کوشش کرنا ہے
معرفت آن کشت را رُوئیدن ست
معرفت اوس کھیتی کا پیدا ہونا ہے

پس چو تن باشد جہاد و اعتقاد
پس مجاہدہ اور عقائد مثل تن کے ہوئے
جانِ این کشتن نبات ست وحَصَاد
اس بونے کی جان روئیدگی ہی اور کھیتی کا کاٹنا ہے

امرِ معروف او و ہم معروف اوست
وہ امر بالمعروف بھی ہین اور وہ پسندیدہ بھی ہین
کاشفِ اَسرار و ہم کشوف اوست
وہ کاشفِ اسرار ہین اور مکشوف بھی ہین

شاہ امروزینہ و فرداے ماست
وہ ہمارے امروز و فردا کے بادشاہ ہین
پوست بندہ مغزِ نغزش دائماست
پوست ہمیشہ اپنے مغز نغز کا بندہ ہوتا ہے

چون انا الحق گفت شیخ و پیش برد
شیخ نے انا الحق کہا اور آگے لے گئے
پس گلوے جملہ کوران را فشرد
پس تمام نابیناؤن کے حلق کو دبا دیا

چون اَنا ے بندہ لا شد از وجود
جب بندہ کی انانیت نفی ہوگئی وجود سے
پس چہ ماند تو بیندیش اے جَحُود
پھر کیا رہ گیا تو ہی سوچ لے اے مُنکر

گر ترا چشم ست بکشا در نگر
اگر تیری آنکھ ہے تو کھول اور دیکھ

بعد لا آخر چہ می ماند دگر
بعد نفی کے آخر اور کیا رہتا ہے

اے بریدہ آن لب و حلق و دہان
اے مخاطب کٹ جائیو وہ لب اور حلق اور دہان

کہ کند تف سوے ماہ و آسمان
جو کہ چاند کی یا آسمان کیطرف تھوک پھینکے

تف بر ویش باز گردد بے شکے
تھوک اسیکے منھ کی طرف بلا شبہ لوٹے گا

تف سوے گردون نیابد مسلکے
تھوک آسمان کی طرف کوئی راہ نپا دیگا

تا قیامت تف برو بارد ز رب
قیامت تک اسپر تھوک برستا ہے رب کیطرف سے

ہمچو تبت بر روان بولہب
جس طرح ابو لہب کی جان پر تبت فی

(اور تو جو کہتی ہے کہ ہم شرع و تقویٰ را افگندہ سوے پشت تو شیخ کی شان مین یہ بھی باطل کیونکہ شیخ عارف ہین اور) شریعت کی جان اور تقویٰ کی جان عارف ہے (اسکی دو توجیہ ہو سکتی ہین ایک یہ کہ عارف پر حمل جان کا مبالغۃً مثل زید عدل کے ہو یعنے عارف موصوف بہ حقیقت تقویٰ و حقیقت شرع ست اور ایک یہ کہ حمل تشبیہاً ہو یعنی چون تشرع و تقویٰ قائم ست بہ عارف مثل قیام الصفۃ بالموصوف پس عارف سبب بقاء شرع و تقویٰ شدہ مثل جان شرع و تقویٰ بودہ چراکہ جان سبب بقاء صاحب جان می باشد مطلب دونون توجیہون پر ایک ہی ہو کہ عارف پورا متقی ہوتا ہے کیونکہ) معرفت (جو اسکو حاصل ہوئی ہو وہ) زہد گذشتہ کا محصول (یعنی ثمرہ) ہے (پس معرفت موقوف ہے زہد و تقویٰ پر اور موقوف کا وجود دلیل ہے وجود موقوف علیہ کی اور موقوف کا وجود مشاہد ہے پس وجود تقویٰ کا ثابت ہوا آگے اسی کی مثال ہے کہ) زہد کی ایسی مثال ہو کہ گویا (وہ) بونے مین کوشش کرتا ہے (اور) معرفت (گویا) اوس کھیتی کا پیدا ہونا ہے پس (اس بنا پر) مجاہدہ (یعنی عمل صالح) اور عقائد صحیحہ کہ مجموعہ عبارت ہے شرع و تقویٰ سے) مثل تن کے ہوئے (اور) اس بوتے (یعنی اعتقاد و عمل) کی جان (اور مقصود کہ معرفت ہے) روئیدگی ہے اور کھیتی کا کٹنا ہے (وجہ تشبیہ یہ کہ جسطرح تن تابع اور جان مقصود ہے اسیطرح اعمال ظاہری و باطنی مقدمہ اور معرفت کاملہ جسمین محض ذات حق کی طرف التفات اور غیر سے قطع التفات ہو جاوے بوجہ اسکے کہ قرب مقصود کی فرد کامل ہو غایت مقصود ہے اون اعمال کی پس وہ حکم صحیح ہو گیا معرفت محصول زہد سالف ست اور اسمین مولانا کا اس طرف اشارہ ہے کہ جو معرفت بدون شریعت اور تقویٰ کے حاصل ہو وہ حقیقی معرفت نہین ہے یا حال و خیال باطل ہو یا محض علم عقلی ہے اور تو جو کہتی ہے کہ زعم کو امر معروف درشت جس سے مقصود یہ ہے کہ شیخ امر معروف سے عاری ہین اسلیے کسی دوسرے آمر بالمعروف کی ضرورت ہو جو انکی بھی اصلاح کرے سو خوب سمجھ لے کہ) وہ امر بالمعروف بھی ہین (یہ حمل مبالغہ ہے مثل زید عدل کے یعنی امر کرتے کرتے گویا خود امر بن گئے) اور وہ (اپنے افعال کے اعتبار سے) پسندیدہ بھی ہین (تو دوسرا ان کو کیا امر بالمعروف

کر دیا جبکہ اُنکے افعال خود معروف ہین یہ تو باعتبار ظاہر کے اونکی حالت ہے اور باعتبار باطن کے) وہ کاشف اسرار (باطنی) ہین اور (خود راز) مکشوف بھی ہین (یہ حمل بھی مبالغۃً ہے مطلب یہ کہ راز باطنی سے خود ایسے متصف بھی ہین گویا کہ خود ہی راز ہی ہوگئے خالی یہی نہین کہ ز بانی ہی بیان کرنیوالے ہین خلاصہ یہ کہ ظاہرًا و باطنًا کامل اور کاشف ہو ہمیشہ کمل بصیغۂ اسم الفاعل بھی ہین غرض یہ ہے کہ) وہ ہمارے امروز وفردا کے (یعنی دنیا و عقبیٰ کے) بادشاہ ہین (اور قاعدہ ہے کہ) پوست ہمیشہ اپنے مغز نغز کا بندہ (اور طفیلی) ہوتا ہے (اضافت مغز نغز کی پوست کی طرف بادنیٰ ملابست ہے یعنی اسیطرح ہم چونکہ مثل پوست کے ہین اور یہ مثل مغز کے اسلیے اوس قاعدہ کے موافق ہم انکے طفیلی اور یہ ہمارے شاہ ہین آگے دفع ہے ایک دخل مقدر کا وہ یہ ہے کہ اوپر جو اونکو صاحب شرع و تقویٰ کہا ہے اس پر یہ شبہہ ہوتا ہے کہ بعض اوقات شیخ یا امثال شیخ سے بعض اقوال خلاف شرع صادر ہو جاتے ہین جیسے انا الحق وغیرہ پھر اونکو صاحب شرع کہنا کہان صحیح ہے آگے اس شبہہ کا جواب ہی کہ) جب (ایسے) شیخ نے انا الحق کہا اور (دعوے کو حد ظاہر شرع سی) آگے لے گئے پس (واقع مین اونھون نے کوئی خلاف بات نہین کہی چنانچہ اہل بصیرت اسکو سمجھتے ہین البتہ) تمام نابیناؤن کے حلق کو دبا دیا (یعنی اونکو غصہ اور تنگی ضرور پیش آئی لیکن اس سے واقع مین خلاف شرع ہونا لازم نہین آتا چنانچہ حقیقت اوسکی یہ ہی کہ) جب بندہ کی انانیت (وہستی) نفی ہوگئی وجود (ذہنی والتفات ذہنی) سے پھر (ذہن مین) کیا رہ گیا تو ہی سوچ لے اے منکر اگر تیری (بصیرت کی) آنکھ ہے تو کھول اور دیکھ (کہ) بعد نفی (غیر) کے اور کیا رہتا ہے (بجز اثبات حق کے حاصل جواب یہ ہوا کہ مقصود قائل انا الحق کا اپنے اتحاد مع الحق کا حکم کرنا نہین ہے کہ یہ شرعًا وعقلًا باطل ہے بلکہ اپنے انا کی نفی اور اللہ کا اثبات ہی جیسا قرآن مین ہی اجعل الآلھۃ الٰھًا واحدًا ای نفی سائر الآلھۃ واثبت مکانھا الٰھًا واحدًا اور حدیث مین ہے من جعل الھموم ھمًّا واحدًا ھم الآخرۃ ای نفی جمیع الھموم واثبت مکانھا ھمًّا واحدًا اور یہی معنے ہین انا الحق و ہمہ اوست کے یعنی انا و ہمہ چیزے نیست ہرچہ ہست حق ست و اوست کما ذکرتہ فی شرح الاشعار الابتدائیۃ من الدفتر الاول اور یہ نفی بھی باعتبار وجود خارجی کے نہین ہوتی بلکہ التفات اور شہود کے اعتبار سے ہوتی ہے البتہ بدون غلبۂ حال کے ایسے موہم عنوانات کی اجازت نہین اور غلبۂ حال مین خود شریعت معذور رکھتی ہے پس اس سے شبہہ مخالفت شرع کا جاتا رہا اور اس تحقیق کی بعد بھی اگر کوئی اعتراض ہی کیا کرے تو اوسکا منشا اشتباہ نہین بلکہ عناد ہے جسپر ناگواری امر طبعی ہی اسلیے مولانا اس ناگواری کی حالت مین فرماتے ہین کہ) اے مخالف کٹ جاویو وہ لب اور حلق اور دہان جو کہ چاند کی یا آسمان کی طرف تھوک پھینکے تھوک اوسی کے منھ کی طرف بلاشبہہ لوٹیگا تھوک آسمان کی طرف کوئی پہونچا دیگا (مطلب یہ کہ اون اہل کمال کا اس سے کچھ ضرر نہ ہوگا یہی شخص متضرر ہوگا جیسا حدیث مین ہے من قال لاخیہ کافر فان لم یکن کذلک رجع الی صاحبہ او کما قال ﷺ) قیامت تک اوسپر تھوک برستا رہیگا

رب کی طرف سے جس طرح ابو لہب کی جان پر تبت (کی بد دعا برسی) ف یہ بد دعا بالغض فی اللہ کا ایک شعبہ ہو سکتا ہے

طبل و رایت ہست مِلکِ شہریار
طبل اور علم ایسے شہریار کی ملک مین ہین
آسمانہا بندۂ ماہِ وی اند
تمام آسمان اوسکے چاند کے غلام ہین
زانکہ لولاک ست بر توقیعِ او
کیونکہ اوسکے فرمانِ شاہی پر لولاک ہے
گر نبودے او نیابیدے فلک
اگر وہ نہوتا تو نہ پاتا فلک
گر نبودے او نیابیدے بحار
اگر وہ نہوتا تو نہ پاتے دریا
گر نبودے او نیابیدے زمین
اگر وہ نہ ہوتا تو نہ پاتی زمین
گر نبودے او نیابیدے جبال
اگر وہ نہوتا تو نہ پاتے پہاڑ
گر نبودے او نیابیدے جہان
اگر وہ نہ ہوتا تو نہ پاتا عالم
رزق ہا ہم رزق خوارانِ وے اند
رزق بھی اوس شخص کے رزق خوار ہین
ہین کہ معکوس ست در امر این گرہ
آگاہ ہو کہ صیغۂ امر مین یہ عقدہ معکوس ہے
از فقیر ستت ہمہ زر و حریر
تیرے پاس سب زر و حریر فقیر کی طرف سے ہے

سگ کسے کہ خواند او را طبل خوار
وہ کتا ہے کہ اوسکو طبل خوار کہے
مشرق و مغرب جملہ نان خواہِ وی اند
مشرق و مغرب سب اوس سے روٹی مانگنے والے ہین
جملہ در انعام و در توزیعِ او
سب اوسکے انعام اور بخشش مین ہے
گردش و نور و مکانی ملک
گردش اور نور اور ملائکہ کے لیے مکان بننے کو
ہیئتِ ماہی و گوہرِ شاہوار
ماہی اور دُرِ شاہوار کی ہیئت کو
درد روں گنج و بیرون یاسمین
اندر سے گنج اور باہر سے یاسمین کو
زر و لعل و مومیائی بے سوال
زر اور لعل اور مومیائی کو بلا سوال کے
بے تقاضا رزقہاے بیکران
بلا تقاضا رزقِ وافر کو
میوہ ہا لب خشک بارانِ وی اند
میوے بھی اوس شخص کی بارش کے خشک لب ہین
صدقہ بخشِ خویش را صدقہ بدہ
اپنے صدقہ دینے والے کو صدقہ دے
ہین زکوٰتے دہ غنی را اے فقیر
ہان زکوٰۃ دے غنی کو اے فقیر

(اور تو جو شیخ کو طبل خوار کہتی ہے کما فی ہذہ المصرعۃ لاف کیشے کاسہ لیسے طبل خوارۂ سو سمجھ رکھ کہ طبل اور علم (سب ایسے) شہریار کی مِلک مین ہین وہ کتا ہے کہ اوسکو طبل خوار کہے (حاصل یہ ہے کہ طبل خوار بمعنے بسیار خوار وہ ہے جو حریص ہے زیادہ کھانیکا اور شیخ مثل ایک شہریار صاحب سامان کے ہے اور جسکے پاس اتنا سامان ہو وہ عادۃً ادنی چیزون کا حریص نہین ہوتا پس شیخ کو حریص کہنا کلبیت و بدنفسی ہے

اور جو ملک باطن کا بادشاہ ہو اوسکی شان تو یہ ہے کہ) تمام آسمان اوسکے چاند (یعنی نورسند کو راشعار متصلہ
سرخی) کے ذکر نور حق ہے) غلام ہین (اور) مشرق و مغرب سب اوس سے روٹی مانگنے والے ہین (یعنی حدوث
اور بقار و کمالات تابع وجود ہین اوسکے طفیلی ہین) اور یہ حکم تمام مقبولین کو عام ہے آگے اس حکم کی دلیل ہے
یعنی) کیونکہ اوس (مقبول) کے فرمان شاہی پر (نشان) لولاک ہے (یعنی بادشاہ حقیقی نے اوسکو رتبہ لولاک
و مقصودیت کا دیا ہے اور باقی) سب (مخلوقات) اوسکے انعام اور بخشش مین ہو (یعنی دوسری مخلوقات کو
اسلیے پیدا کیا کہ وہ آلہ وسامان وانعام واکرام مقبولین ہو مثلاً آسمان اور زمین وما بینہما سے مقصود یہ ہے
کہ انکو پیدا کرکے انکو مقبولین کے لیے سامان نعمت واسباب عیش بنادے کما قال تعالیٰ ھو الذی خلق لکم
ما فی الارض جمیعاً ثم استوی ای لکم بقرینۃ العطف الی السماء فسوٰھن سبع سمٰوٰت یہ معنے ہین جملہ در انعام و
در توزیع اوسکے اور مضمون لولاک علی المشہور مخصوص ہو حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مگر یہ
مخصوصیت اولاً ہے اور ثانیاً آپکے توسط سے تمام مقبولین کے لیے ہے بیان اوسکا یہ ہے کہ مقصود خلق عالم سے
احببت ان اعرف ہے اور معارفت صفت مقبولین کی ہے پس مقصود اولاً خلق عالم سے وجود عارفین و مقبولین
کا ہوا اور بقیہ مخلوقات انکے تبعاً وتطفلاً پس آسمانون کو انکی نورانیت مین اور مشرق و مغرب کو انکی غذا و بقا
بقا مین اوسکا محتاج کہنا شعر آسمانہا آخ مین صحیح ہوا آگے شعر زرقہا آخ تک یہی مضمون ہو یعنی) اگر وہ نہوتا
تو فلک گردش اور نور اور ملائکہ کے لیے مکان بننے (کی صفات) کو نہ پاتا اگر وہ نہوتا تو دریا ماہی اور دُرِ
شاہوار کی ہیئت کو نہ پاتے اگر وہ نہوتا تو زمین اندر سے گنج (یعنی معادن) اور باہر سے یاسمین کو نہ پاتی
اگر وہ نہوتا تو مہیا شدہ زر اور لعل اور مومیائی کو نہ پاتے بلا سوال (مومیائی سے مراد اوسکی وہ قسم ہے جو کانی
ہوتی ہے اور بلا سوال کے معنے ظاہر ہین کہ جبال وغیرہ اوسکی درخواست نہین کرتے اور اللہ تعالیٰ پیدا
کردیتے ہین) اگر وہ نہوتا تو عالم بلا تقاضا رزق وافر نہ پاتا (مجموعۂ عالم کا تقاضا نکرنا تو ظاہر ہے اور اگر یہ حکم
ہر ہر جزو کے اعتبار سے ہو تب بھی اسطرح صحیح ہے کہ تقاضا موقوف علیہ نہین ہے عطاء رزق کا چنانچہ اگر کوئی
بھی نہ مانگے بلکہ یہ درخواست کرین کہ ہمکو بالکل نہ ملے تب بھی ضرور ملیگا اور خود) رزق بھی اس شخص کے
رزق خوار ہین (اور خود) میوے بھی اس شخص کی بارش کے خشک لب (اور آب خوار) ہین (رزق خواری سے
مراد نشو ونما و اخضرار اور ظاہر ہے کہ خود ارزاق وما قوات بھی اپنے تکون مین ان امور کے محتاج ہین اور
مثل دیگر اجزاء عالم کے یہ تکون بھی مقبولین کے طفیل مین ہے پس یہ حکم صحیح ہو گیا اور یہی تقریر ہے مضمون
مصرعۂ ثانیہ کی آگے مضمون سابق پر ایک تفریع ہے بطور لطیفہ کے یعنی) آگاہ ہو کہ صیغۂ امر مین (جو مصرعۂ
آئندہ مین آتا ہے) یہ عقدہ معکوس ہے (اور وہ امر بعد اعتبار عکس کے یہ ہے کہ) اپنے صدقہ دینے والے کو
صدقہ دے (واقع مین تو) تیرے پاس سب زر وحریر فقیر کی طرف سے ہو ہان زکوٰۃ دے غنی کو ای فقیر (مطلب
یہ ہے کہ یہ مضمون اوپر ثابت ہو چکا کہ جو کچھ عالم مین ہے یہ طفیل مقبولین کا ہے پس اگر کوئی مقبول بظاہر غیر

متمول ہو اور کسی دنیادار متمول کو کہا جاوے کہ تو اسکی خدمت مالیہ کر تو یہ بات بنا بر مضمون مذکور بالا اس اعتبار سے اولٹی ہے کہ واقع مین تو یہ دنیا دار اس تمول مین اوسی مقبول کا طفیلی اور محتاج ہے جس سے اوس مقبول کا غنی اور اس دنیادار کا فقیر ہونا لازم آتا ہے تو فقیر کو کہا جاتا ہے کہ تو غنی کو دے اور اس کا عقدۂ مشکلہ اور معکوس ہونا ظاہر ہے اور بعض فقرا کے اعتبار سے اس حکم کا صحیح ہوجانا صحت تفریع کے لیے کافی ہے پس اسپر یہ شبہہ واقع نکیا جاوے کہ اگر کوئی فقیر بھی مثل معطی کے دنیا پرست ہو تو وہان یہ حکم کیسے صحیح ہوگا) ف مقصود یا ان مضامین سے مولانا کے ارشادات ہین گو بلسان مرید ہین آگے خود مرید کا خطاب ہے۔

چون تو ننگی جفتِ آن مقبول روح
تجھ جیسی ننگِ خلق زوجہ ہے اوس مقبول الروح کی

چون عیالِ کافر اندر عقدِ نوح
جیسے زوجۂ کافرہ نوح علیہ السلام کے عقد مین

گر نبودے نسبتِ تو زین سرا
اگر تیرا تعلق اس گھر سے نہوتا

پارہ پارہ کردمے این دم ترا
مین اسیوقت تیرے ٹکڑے ٹکڑے کرڈالتا

دادمے آن نوح را از تو خلاص
اور اوس نوح کو تجھے خلاصی دیتا

تا مشرف گشتمے من در قصاص
تا کہ مین قصاص مین مشرف ہوتا

لیک با خانۂ شہنشاہِ زمن
لیکن شاہِ زمان کے گھر کے ساتھ

این چنین گستاخیے ناید ز من
مجھے ایسی گستاخی نہین ہوسکتی

رو دعا کن کہ سگِ این موطنی
جا دعا دے کہ تو اس مقام کی کُتیا ہے

ورنہ اکنون کردمے من کردنی
ورنہ مین اسوقت جو کام کرنیکا تھا کرتا

تجھ جیسی ننگ (خلق) زوجہ ہے اوس مقبول الروح کی (وترکیبہ کحسن الوجہ) جیسے زوجۂ کافرہ نوح علیہ السلام کے عقد مین اگر تیرا تعلق اس گھر سے (یعنی حضرت شیخ کی زوجیت سے) نہ ہوتا مین اسوقت تیرے ٹکڑے ٹکڑے کرڈالتا (اور) اوس نوح (صفت شیخ) کو تجھ سے خلاصی دیتا تا کہ مین قصاص مین مشرف ہوتا (اسکی دو توجیہ ہوسکتی ہین ایک یہ کہ مین جو تجھسے قصاص یعنے انتقام ان کلمات کا لیتا مجھکو نصرت شیخ کا شرف حاصل ہوتا اور ایک یہ کہ مین تیرے قتل کے قصاص مین اگر مارا جاتا تو اس سے بھی شرف حاصل ہوتا کہ ایسے شیخ کی محبت مین میری جان فدا ہوئی) لیکن شاہ زمان کے گھر کے ساتھ مجھے ایسی گستاخی نہین ہوسکتی جا (شیخ کی جان کو) دعا دے کہ تو اس مقام کی کُتیا ہے (کہ وہ مقام ہے میرے محبوب کا اور کوے محبوب کا کتا بھی باقدر ہوتا ہی) ورنہ مین اسوقت جو کام کرنیکا تھا وہ کرتا (یعنی تجھکو قتل کرڈالتا)۔

بازگشتن مرید از وثاق شیخ و پرسیدن از مردم و نشان دادنِ ایشان کہ شیخ بفلان بیشہ رفتہ است

بعد از ان پرسان شد او از ہر کسے ‌‌ ‌ شیخ را می جست از ہر سو بسے
اسکے بعد وہ ہر شخص سے پوچھتا ہوا چلا ‌ ‌ شیخ کو ہر طرف سے بہت جستجو کرنے لگا

پس کسے گفتش کہ آن قطب دیار ‌ ‌ رفت تا ہیزم کشد از کوہسار
پس کسینے اوس سے کہا کہ وہ قطب عالم ‌ ‌ گئے ہین تاکہ پہاڑ سے لکڑیان لاوین

آن مرید ذو الفقار اندیش تفت ‌ ‌ در ہوای شیخ سوی بیشہ رفت
وہ معتقد سریع الفکر جلدی سے ‌ ‌ محبت شیخ مین بیشہ کی طرف چلا

دیو می آورد پیش ہوش مرد ‌ ‌ وسوسہ تا خفیہ گردد مہ ز گرد
شیطان اوس شخص کی عقل کے سامنے ‌ ‌ وسوسہ لاتا تھا تاکہ غبار سے چاند مخفی ہوجاوے

کاینچنین زن را چرا این شیخ دین ‌ ‌ دارد اندر خانہ یار و ہمنشین
کہ ایسی عورت کو کس لیے یہ شیخ دین ‌ ‌ گھر مین یار اور ہمنشین بنا کر رکھتے ہین

ضد را با ضد ایناس از کجا ‌ ‌ با امام الناس نسناس از کجا
ضد کو ضد سے انس کہان سے ‌ ‌ امام الناس کے ساتھ بن مانس کہان سے

باز او لاحول می کرد آتشین ‌ ‌ کاعتراض من برو کفرست و کین
پھر وہ لاحول سوزندہ کہتا تھا ‌ ‌ کہ میرا اعتراض اون پر کفر و کینہ ہے

من کہ باشم با تصرفہائے حق ‌ ‌ کہ بر آرد نفس من اشکال و دق
مین کون ہوتا ہون تصرفات حق کے روبرو ‌ ‌ کہ میرا نفس اشکال اور اعتراض لاتا ہے

باز نفسش حملہ می آورد زود ‌ ‌ زین تعرض در دلش چون کاہ دود
پھر اوسکا نفس جلدی سے حملہ کرتا تھا ‌ ‌ بواسطہ اس تعرض کے اوسکے دلمین جیسے گھاس دہوئین کو

کہ چہ نسبت دیو را با جبرئیل ‌ ‌ کہ بود با او بصحبت ہم مقیل
کہ شیطان کو جبریل سے کیا مناسبت ‌ ‌ کہ وہ اوسکے ساتھ مصاحبت مین ہمخواب ہون

چون تواند ساخت با آزر خلیل ‌ ‌ چون تواند ساخت با رہزن دلیل
آزر کے ساتھ خلیل کیونکر موافقت کرسکتے ہین ‌ ‌ رہزن کے ساتھ رہبر کیونکر موافقت کرسکتا ہے

اسکے بعد (یعنی اس معترضہ کی مکالمت سے فارغ ہوکر) وہ (معتقد) ہر شخص سے پوچھتا ہوا چلا (اور) شیخ کو ہر طرف سے بہت جستجو کرنے لگا پس کسی نے اوس سے کہا کہ وہ قطب عالم گئے ہین تاکہ پہاڑ سے لکڑیان لاوین (یہ سنکر) وہ معتقد سریع الفکر جلدی سے محبت شیخ مین بیشہ کی طرف چلا (اور راہ مین) شیطان اوس شخص کی عقل کے سامنے وسوسہ لاتا تھا تاکہ غبار (وسوسہ) سے چاند (اعتقاد کا) مخفی ہو جاوے (اور وہ وسوسہ یہ تھا) کہ ایسی عورت کو کس لیے یہ شیخ دین گھر مین یار اور ہمنشین بنا کر رکھتے ہین ضد کو ضد سے انس کہان

(رہو سکتا ہے) امام الناس کے ساتھ بن مانس کہان سے دمیل کھا سکتا ہے نسناس حیوانے کہ انسان مشابہت دارد (کذا فی الحاشیہ حاصل وسوسہ کا یہ ہے کہ اس سے شبہہ ہوتا ہے کہ شیخ مغلوب شہوت ہونگے کہ ایسی عورت کا رکھنا گوارا کرتے ہین چنانچہ آیندہ شیخ نے جو اسکا جواب دیا ہے کان تحمل از ہوا بے نفس نیست + آن خیالِ نفسِ نست این جا مایست الی قولہ با آن ابلہ کشیم و صد چو او ہسنے زعشقِ رنگ نے سودا ے بود وہ قرینہ ہے اس تعیین کا) پھر (اس وسوسہ کے بعد) وہ لاحول سوزندہ (وساوس) کہتا تھا (اسی سوزندگی کی وجہ سے نشین کہا) کہ میرا اعتراض ان پر کفر اور کینہ (کے مثل قبیح) ہے مین کون ہوتا ہون تصرفات حق کے روبرو کہ (جسپر) میرا نفس اشکال اور اعتراض لاتا ہے (دق احد معانیہ اعتراض و مواخذہ کردن در کار کسے کذا فی الغیاث مطلب یہ کہ متصرف احوال شیخ مین حق تعالیٰ ہین جس حال مین مصلحت جانتے ہین رکھتے ہین مین اعتراض کرنیوالا کون ہوں اور) پھر اوسکا نفس جلدی سے حملہ کرتا تھا بواسطہ اس تعرض (بحال شیخ و وسوسہ کے رجو) اوسکے دل مین (پیدا ہوتا تھا اور نفس اوس وسوسہ کو اس طرح جلدی سے پیدا کرتا تھا) جیسا گھاس دھوئین کو پیدا کرتا ہے کما فی الحاشیہ یعنی چنانکہ کاہ دودمی آرد بر دودی وہ وسوسہ وہی تھا جو اوپر مذکور ہوا اور آگے بھی دوسرے عنوان سے مذکور ہے یعنے یہ کہ شیطان کو جبرئیلؑ سے کیا مناسبت کہ وہ (جبرئیل) اوسکے ساتھ مصاحبت مین ہمخواب ہوں (اور) آزر کے ساتھ خلیلؑ کیونکر موافقت کرسکتے ہین (اور) رہزن کے ساتھ رہبر کیونکر موافقت کرسکتا ہے۔

یافتنِ مُریدِ شیخ را نزدیکِ بیشہ سوارِ شیرے

اندرین بود او کہ شیخ نامدار
وہ اسی مین تھا کہ شیخ نامدار

زود پیش افتاد بر شیرے سوار
دفعۃً سامنے آگئے ایک شیر پر سوار ہوئے

شیرِ غران ہیزمش را می کشید
شیر غران اونکی لکڑیون کو لادے لاتا تھا

بر سرِ ہیزم نشستہ آن سعید
ہیزم کے اوپر وہ سعید بیٹھے ہوے

تازیانہ مارِ نر بود از شرف
اونکا چابک ایک نر سانپ تھا بوجہ بزرگی کے

مار را بگرفتہ چون خرزن بکف
سانپ کو تازیانہ کیطرح ہاتھ مین لے رکھا تھا

تو یقین میدان کہ ہر شیخے کہ ہست
تو یقیناً جان لے کہ جو شیخ بھی ہے

ہم سواری میکند بر شیرِ مست
وہ شیر مست پر سواری کرتا ہے

گرچہ آن محسوس و این محسوس نیست
اگرچہ وہ محسوس ہے اور یہ محسوس نہین ہے

لیک آن بر چشمِ جان ملبوس نیست
لیکن وہ چشمِ باطن پر ملتبس نہین ہے

صد ہزاران شیر زیر ران شان
لاکھوں شیر اونکی ران کے نیچے

لیک آن یک را خدا محسوس کرد
لیکن مُ وس ایک کو خدا تعالی نے محسوس کر دیا

دیدش از دور و بخندید آن خدیو
اوسکو دور سے دیکھا اور ہنسے وہ بزرگ

از ضمیر او بدانست آن جلیل
اوسکے خیالِ مضمر سے بھی وہ بزرگ واقف ہوگئے

خواند بر وے یک بیک آن ذوفنون
ایک ایک کرکے سب کہدیا اوسکے سامنے اُن ذوفنون نے

بعد از ان در مشکلِ انکارِ زن
اوسکے بعد انکارِ زن کے اشکال کے بارہ مین

کان تحمل از ہواے نفس نیست
کہ وہ تحمل شہوتِ نفس سے نہین ہے

گر نہ صبرم میکشیدے بارِ زن
اگر میرا صبر عورت کے بار کو نہ برداشت کرتا

اُشترانِ بختیم اندر سبق
ہم سابقیت مین شترانِ قوی ہین

من نیم در امر و فرمان نیم خام
مین امر اور فرمان مین نیم خام نہین ہون

عام ما و خاصِ ما فرمانِ اوست
ہمارا عام اور ہمارا خاص اوسکا حکم ہے

دورم از تحسین و تشویقش ہمہ
مین اوسکی تحسین و تشویق سے بالکل دور ہون

فردیِ ما جفتیِ ما نہ از ہوا است
ہمارا فرد ہونا۔ ہمارا جفت ہونا خواہشِ نفس سے نہین ہے

پیشِ دیدہ غیب بین ہیزم کشان
چشمِ غیب بین کے روبرو وہ ہیزم کش ہین

تا کہ بیند نیز او کہ نیست مرد
تاکہ ایسا شخص بھی دیکھ لے جو کہ مرد نہین ہے

گفت آن را مشنو اے مفتونِ دیو
کہا کہ اوسکو مت سُن اے بہکائے ہوئے شیطان کے

ہم ز نورِ دل بلے نعم الدلیل
بسبب نورِ دل کے۔ ہاں بہت خوب دلیل ہے

آنچہ در رہ رفت با وے تاکنون
جو کچھ راستہ مین اوسکے ساتھ ہوا تھا اب تک

برگشاد آن خوش سراینده دہن
اُن خوش گونے منھ کھولا

آن خیالِ نفسِ تست اینجا مایست
وہ تو تیرے نفس کا خیال ہے اس مقام مین مت کھڑا ہو

کے کشیدے شیرِ نر بیگارِ من
تو شیرِ نر میری اِس بیگار کو کب برداشت کرتا

مست و بیخود زیرِ محملہاے حق
مست اور بیخود حق تعالی کے محملون کے نیچے

تا بیندیشم من از تشنیعِ عام
تاکہ تشنیعِ عام سے اندیشہ کرون

جانِ ما بر رُو دوان جویانِ اوست
ہماری جان چہرہ کے بل دوڑنیوالی اوسکی جویان

فارغ از تکذیب و تصدیقش ہمہ
اور اوسکی تکذیب و تصدیق سے بالکل فارغ ہوں

جانِ ما چون مُہرہ در دستِ خدا است
ہماری جان مُہرہ کیطرح خدا تعالی کے ہاتھ مین ہے

بارِ آن ابلہ کشیم وصد چو او
اوس احمق کا اور اوس جیسے سیکڑونکا ہم بوجھ اوٹھاتے ہین

نے ز عشقِ رنگ و نے سوداے بو
نہ عشقِ رنگ سے اور نہ خیالِ بو سے

این قدر خود درس شاگردانِ ماست
یہ مقدار تو ہمارے شاگردونکا سبق ہے

کرّو فرّو ملحمہ ما تا کجاست
ہمارا کرّو فر اور رزمگاہ تو کس جگہ ہے

تا کجا آنجا کہ جا را راہ نیست
کس جگہ تک۔ اوس جگہ تک کہ جگہ کو رستہ نہین ہے

جز سنا برقِ مہِ اللہ نیست
بجز روشنی برقِ ماہِ حق کے نہین ہے

از ہمہ اوہام و تصویرات دور
تمام اوہام اور تصورات سے دور ہے

نور و نور و نور و نور و نور و نور و
نور ہی نور ہے نور ہی نور ہے نور ہی نور ہے

بہرِ تو مَن پست کردم گفتگو
مین نے تیرے لیے گفتگو کو پست کر دیا تھا

تا بسازی با رفیقِ زشت خو
تاکہ تو رفیقِ زشت خو کے ساتھ موافقت رکھے

تا کشی خندان و خوش بارِ حرج
اور تاکہ تو خندان و فرحان بارِ تنگی کو برداشت کرے

از پئے اَلصَّبْرُ مِفْتَاحُ الْفَرَجْ
الصبر مفتاح الفرج کے لیے

چون بسازی با خسیِّ این خسان
جب تو ان کمینونکی کمینگی کے ساتھ موافقت کریگا

گردی اندر نورِ سُنَّتہا رسان
تو نورِ سُنَن مین تورسائی حاصل کرنیوالا ہوگا

کانبیا رنجِ خسان بس دیدہ اند
کیونکہ انبیا علیہم السلام نے کمینونکی بہت اذیتین دیکھی ہین

از چنین ماران بسے پیچیدہ اند
ایسے سانپون سے بہت پیچ وتاب کھائے ہین

وہ اسی (تدافع) مین تھا کہ شیخ نامدار دفعتہً سامنے آگئے ایک شیر پر سوار ہوئے شیر غران اونکی لکڑیونکو لادے لاتا تھا (اور) ہیزم کے اوپر وہ سعید بیٹھے ہوئے (اور) اونکا چابک ایک نر سانپ تھا بوجہ بزرگی کے (اور) سانپ کو تازیانہ کیطرح ہاتھ مین لے رکھا تھا (خرزن تازیانہ کذا فی الغیاث) بیچ مین مولانا فرماتے ہین کہ یہ سواری شیر کچھ شیخ ابوالحسنؒ کے ساتھ مخصوص نہین بلکہ) تو یقیناً جان لے کہ جو شیخ (کامل) ہے وہ شیر مست پر سواری کرتا ہے اگرچہ وہ (یعنی شیخ ابوالحسن کا شیر پر سوار ہونا) محسوس ہے اور یہ (یعنی ہر شیخ کا شیر پر سوار ہونا) محسوس نہین ہے لیکن وہ (غیر محسوس) چشم باطن پر ملتبس (اور مشتبہ یعنی مخفی) نہین ہے (اور ایک شیر نہین بلکہ) لاکھون شیر اونکی ران کے نیچے چشم غیب بین کے روبرو ہیزم کش ہین لیکن اوس ایک کو (یعنی شیخ ابوالحسن کی سواری شیر کو نمونہ کے طور پر) خدا تعالیٰ نے محسوس کر دیا تاکہ ایسا شخص بھی دیکھ لے جو کہ مرد کامل و باطن بین) نہین ہے (اور ایسون کو بھی انکار نہ رہے مراد مولانا کی اس شیر سے جس پر سب شیوخ کاملین سوار ہوتے ہین نفس امارہ ہے کہ غلبہ شریت مشابہ شیر کے ہے وہ حضرات اوسکو مغلوب کرکے اوسکے خلاف طبع اوس سے کام لیتے ہین اسکو دفتر اول خاتمہ قصہ خرگوش مین

بعد مضمون اہلاک شیر کے اسطرح فرمایا ہے ۔ اے شہان کشتیم ما خصم برون ٭ ماند خصمے زو بتر در اندرون ٭ کشتن این کار عقل و ہوش نیست ٭ شیر باطن سخرۂ خرگوش نیست ۔ الیٰ قولہٖ سہل شیرے دان کہ صفہا بشکند ٭ شیر آنست آنکہ خود را بشکند ۔ تا شود شیر خدا از عون او ٭ وارہد از نفس و از فرعون او ۔ اور اس شیر نفس کا محسوس عوام نہ ہونا اور مدرک خواص ہونا ظاہر ہے اور شعر صد ہزاران شیر الخ مین انسے مراد یا تو جنود نفس ہین من القویٰ والنوازع الشہویۃ والغضبیۃ التی لاتنحصر اور نفس کے اسی مبدائیت للشرور کی بنا پر مولانا نے دفتر اول قصہ آتش افروزی بادشاہ یہودی مین یہ ارشاد فرمایا ہے ۔ مادر بتہا بت نفس شماست ٭ زانکہ آن بت مار و این بت اژدہاست ۔ الیٰ قولہٖ ہر نفس نکرے ٭ در رہر مکرازان ٭ غرق صد فرعون با فرعونیان ۔ اور انکی ہیزم کشی ان کا غالب نہ آنا کما قال تعالیٰ ان النفس لامارۃ بالسوء الا ما رحم ربی اور یا مراد جنود ابلیس ہین اور انکی ہیزم کشی اون کا غالب نہ آسکنا کما قال تعالیٰ انہ لیس لہ سلطان علی الذین آمنوا وعلیٰ ربہم یتوکلون آگے پھر قصہ ہے کہ) اوس (معتقد) کو دور سے دیکھا اور جیسے وہ بزرگ (اور) فرمایا کہ اوس (وسوسہ وخطرہ) کو مت سُننا اے بہکائے ہوئے شیطان کے (اور وجہ اس فرمانے کی یہ ہوئی کہ اوسکے خیال مضمر سے بھی وہ بزرگ واقف ہو گئے بسبب نور دل کے (پس کلمہ آنکہ در مصراع اول صلہ است دانست را بتضمین او معنے آگاہ شدن را وکلمہ ہم در مصراع ثانی قید ست دانست را یعنی ضمیر او را ہم دانست چنانکہ دیگر واقعات طریق را دانست کہ در شعر آیندہ خواندہ بردی الخ مذکور خواہد شد اور نور دل سے مراد کشف آگے اس نور دل کی مدح ہے کہ) ہان (واقعی) یہ خوب دلیل ہے (کہ مصداق ہے حدیث اتقوا فراسۃ المؤمن فانہ ینظر بنور اللّٰہ کی گو بوجہ ظنی ہونیکے کسی کے ضرر مین حجت نہین اور جسطرح اس وسوسہ کا علم ہو گیا اسی طرح دوسرے واقعات کا بھی جو اسکو پیش آئے تھے چنانچہ) اون ذوفنون نے اوسکے سامنے ایک ایک کرکے جو کچھ رستہ مین اس کے ساتھ ہوا تھا (اوس سے لیکر) ابتک (جو کچھ ہوا) سب کہدیا اسکے بعد انکار زن کے (سبب جو) اشکال (اور وسوسہ اس کو پریشان کر رہا تھا اوس) کے بارہ مین اون خوش گو نے منہ کھولا (اور فرمایا) کہ (میرا) وہ تحمل (اوس عورت کے معاملہ مین) شہوت نفس سے نہین ہے وہ (شہوت نفس کا خیال) تو صرف) تیرے نفس کا خیال ہے اس مقام مین مت کھڑا ہو (یعنی اس خیال سے درگذر بلکہ وجہ اوسکی میا صبر ہے جو مامور بہ ہے سو) اگر میرا صبر (اوس) عورت کے بار (مخالفت وایذار) کو نہ برداشت کرتا تو شیر نر میرے اس بیگار کو کب برداشت کرتا اور میری کیا تخصیص ہے مین اوس جماعت سے ہون کہ) ہم (سب کے سب) سابقیت (فی السفر الی الخیرات) مین شتران قوی ہین (اور) مست اور بیخود حق تعالیٰ کے محلونکے نیچے (یعنی احکام الٰہیہ کے تحت مین شوق وہمت سے چلتے ہین بختی بالضم نوعے از شتر قوی و بزرگ منسوب بہ بخت نصر کہ مادہ شتر عرب و نر شتر عجم را جفت ساختہ بود نتیجہ را بختی گویند کذا فی الغیاث باختصار تیس اوس جماعت مین ہونیکے سبب میری بھی یہ حالت ہے کہ) مین امر (تکوینی) و فرمان (تشریعی) مین نیم خام (و نیم پختہ) نہین ہون

تا کہ تشنیع عام سے اندیشہ کردن (جسمین وہ عورت بھی داخل ہے مثلاً اوس سے یہ اندیشہ ہوتا کہ یہ بُرا بھلا کہے گی تو
لوگونکو شبہہ ہوگا کہ جب بیوی ہی معتقد نہین ہین تو یہ کامل نہ ہونگے اور ایسے وسوسہ کرنیوالے بھی داخل ہین کہ
ایسی عورت کو رکھنا دلیل ہے شیخ کی شہوت پرستی کی غرض مین کچھ اندیشہ نہین کرتا کہ سراسر یخنہ ہون اور ہملوگ عام
کو جو کہ از تشنیع عام مین مذکور ہے یا خاص ذکر وہ بھی عام کی ایک فرد ہے جسکا مصداق وہ عورت اور موسوس ہی
جو کہ اوس عام مین داخل ہے جیسا ابھی مذکور ہوا کیا جانین) ہمارا تو عام اور ہمارا خاص اوس کا حکم ہے (مطلب
یہ کہ ہمارا مطمح نظر اوسکا حکم ہے چونکہ کسی کو عام پر کسیکو خاص پر نظر ہوتی ہے پس لفظ عام وخاص مجازاً عبارت
ہے مطمح نظر سے اور) ہماری جان چہرہ کے بل دوڑنیوالی اوسکی جویان ہے (اول) مین اوس (عام) کی (جسکا ذکر
شعر سابق علی السابق کے مصرعۂ ثانیہ مین ہے) تحسین وتشویق سے بالکل دور ہون (یعنی نہ اسکی طمع ہے کہ وہ
مجھکو اچھا سمجھین نہ اسکی طمع ہے کہ وہ میری تعریف کرکے دوسرون کو میرا مشتاق کرین اسطرح مین) اوسکی تکذیب
وتصدیق سے بالکل فارغ ہون (یعنی مجھکو خواہ جھوٹا سمجھین یا سچا سمجھین سب سے آزاد ہون اور چونکہ عام مین
خاص بھی داخل ہے اسی سے فارغ عن الخاص ہونا بھی مفہوم ہوگیا فصح قولہ فی الشعر السابق عام او خاص او زمان
اوست الخ اور میری تقریر سے مثل تکذیب وتصدیق کے تحسین وتشویق مین بھی تقابل معلوم ہوگیا گو مثل تکذیب
وتصدیق کے غایت خلاف نہ سہی کہ تضاد حقیقی کہلاتا ہے لیکن یہ بھی تو تقابل ہے کہ تحسین کی غرض کا دوسرے سے
متعلق ہونا ضروری نہین اور تشویق مین ضروری ہے پس یہ تقابل مشابہ تضاد مشہوری کے ہوگیا کہ جنمین غایت
خلاف نہین ہوتا من وجہٍ خلاف ہونا کافی ہوتا ہے کالحمرۃ والسواد فسقط ما فی الحواشی ہہنا من قول بعضہم
ان التقابل لیس بضروری وتاویل بعضہم للفظ التشویق بسلب التشوق یحصل التقابل خلاصہ یہ کہ مین متبع
نفس نہین ہون کہ مدح وذم پر نظر ہو بلکہ متبع امر ہون اور) ہمارا فرد ہونا (اور) ہمارا جفت ہونا خواہش
نفس سے نہین ہے (بلکہ بامر حق ہے اور) ہماری جان مُہرہ کی طرح خدا تعالی کے ہاتھ مین ہے (یقلب کیف
یشاء مطلب یہ کہ ہم جو اوس عورت سے نباہ کرتے ہین یہ بھی بحکم حق ہے یہ تو جفتی ہے اور اگر ہمکو حکم ہو جائے
کہ اوسکو چھوڑ دو تو یہ فردی بھی بحکم حق ہوگی غرض یہ کہ) اوس احمق (عورت) کا اور اوس جیسے سیکڑون
(احمقون) کا ہم بوجھ اوٹھاتے ہین نہ عشق رنگ سے اور نہ خیال بو سے (رنگ وبو کنایہ ہے حسن ظاہری سے
اور محبوب اکثر خوشبو وغیرہ کا بھی استعمال کرتے ہین اسطرح حقیقی معنے بھی ہوسکتے ہین آگے اسمین ترقی ہے کہ)
یہ مقدار (اتباع احکام وتعلق مع اللہ کی جسکا بیان کیا گیا یہ) تو ہمارے شاگردون (اور مریدون) کا سبق ہی
ہمارا کر وفر اور رزمگاہ (یعنے مرتبہ) تو کس جگہ (پہونچا ہوا) ہے (آگے جواب دیتے ہین کہ) کس جگہ تک (بتلاوٗن
اوس جگہ تک (ہے) کہ (وہان) جگہ کو بھی نسبت نہین (ملتا اور وہان) بجز روشنی برقِ ماہِ حق کے نہین (حاصل
اس دونون شعرون کا یہ ہے کہ یہ جو صبر واتباع احکام کا بیان کیا گیا یہ تو تعلق مع اللہ کے مراتب مین سے مرتبہ
مجاہدہ کا ہے جو ادنی مریدین کو بھی حاصل ہوتا ہے ہمکو تو بفضلہ تعالی مراتب تعلق مع اللہ مین سے مرتبہ مشاہدہ

تو معائنہ کا میسر ہے اور چونکہ متعلق مشاہدہ و معائنہ یعنی التفات بحت الی صفات الحق وذات الحق کا صفات وذات حق ہے اور ظاہر ہے کہ وہ حیز و مکان سے منزہ ہے اسلیے یہ حکم صحیح ہوا کہ جا راہ نیست اور اوس کو آن جا بمعنے آن مرتبہ کہنا مجازاً ہے اور ماہ حق سے مراد تمثیلاً حق تعالیٰ اور روشنی برق سے مراد تمثیلاً نور حق یعنی اوس مرتبہ مین بجز نور حق کے کچھ نہین اور یہ ظاہر ہے کیونکہ صفات وذات سب نور ہی ہے چنانچہ آگے اسکی بالکل تصریح ہے کہ وہ مرتبہ) تمام اوہام و تصورات سے دور ہے زاور سرتاسر) نور ہی نور ہے نور ہی نور ہے نور ہی نور ہے دیہ شبہہ نہ کیا جاوے کہ جب وہ خیال و تصور سے منزہ ہے تو انکی رسائی وہان کیسے ہوئی اصل یہ ہے کہ یہان پوری رسائی کا حکم کرنا مقصود نہین ہے مطلب یہ ہی کہ ہمارا التفات گو با توجہ ہی سہی ایسے مرتبہ کی طرف ہے جسکا تصور وادراک بکنہہ محال و ممتنع ہے اور یہ شبہہ بھی نہ ہو کہ التفات با توجہ تو سب کو حاصل ہی اصل یہ ہی کہ ایسا التفات کہ غیر کی طرف التفات نہ ہو اور اسیکو مشاہدہ و معائنہ کہتے ہین مخصوص عارفین کاملین کے ساتھ ہے مطلب یہ کہ ہم بفضلہ تعالیٰ اس رتبہ تک پہونچے ہوئے ہین جو آخر مین کہا ہے باقی مین نے جو ابتدا مین اپنی حالت بیان کی تھی من قولہ اشتران بختیم الی قولہ بار آن ابلہ کشیم یہ گفتگو بطور تنزل کے تھی اور مین نے تیرے (نفع کے) لیے گفتگو کو پست کر دیا تھا تاکہ تو اُس سے یہ نفع حاصل کرے کہ) رفیق زشت خو کے ساتھ موافقت رکھے (اور) تاکہ تو خندان و فرحان بار تنگی کو برداشت کرے الصبر مفتاح الفرج (کا مرتبہ حاصل کرنے) کے لیے (مطلب یہ کہ میری غرض اصلی تیری مخاطبت سے تعلیم تھی اخلاق و سلوک کی اور اس غرض کیلیے یہ گفتگو مرتبہ مجاہدہ کی کافی ہے اسلیے ابتداے کلام مین صرف اسی مرتبہ کی گفتگو کی گئی تھی یہ تقریر ہے بہر تو من پست کردم الخ و تاکشی الخ کی مگر بعد مین اس احتمال سے کہ کبھی کوئی مخاطب کاملین کی حالت کو اسی پر مقتصر سمجھے مرتبہ مشاہدہ کو بھی ذکر کر دیا گو غرض اصلی مقام یعنی تعلیم مین اسکی ضرورت نہ تھی چنانچہ قدر خود دوس سے از وہم و اوہام الخ تک ذکر کی گئی اور اوسی اصلی غرض پر نظر کرکے پھر اوسی مرتبہ مجاہدہ کے ذکر کی طرف عود فرمایا کہ) جب تو ان کمینوں کی کمینگی کے ساتھ موافقت کریگا تو نور سنن (انبیاء) مین تو رسائی حاصل کرنیوالا ہوگا کیونکہ انبیاء علیہم السلام نے کمینوں کی بہت اذیتین دیکھی ہین (اور) ایسے سانپون سے بہت پیچ و تاب کھائے ہین (اور صبر فرمایا ہے پس یہ اونکی سنت ہوئی اگر تو ایسا کریگا تو اونکی سنت کا متبع ہوگا اور اون سنن کے انوار سے مشرف ہوگا) ف آگے حکمت مذکور ہے ابرار کے ساتھ ان اشرار و اہل شر و اعداء ابرار کی تکوین کی کہ ظہور لہ اسماء ہے اور ہر زمانہ مین ابرار و اشرار مین تصادم و تزاحم کے مستمر رہنے کی جس سے اوس حکمت کا ظہور ہوا اور اسکے ضمن مین من وجہ آیہ اِنِّی جَاعِلٌ فِی الاَرضِ خَلِیفَۃً کی تفسیر بھی ہے۔

حکمت در آیہ اِنِّی جَاعِلٌ فِی الاَرْضِ خَلِیفَۃً

چون مراد و حکمِ یزدانِ غفور
جب مقصود اور حکم یزدان غفور کا

بے ز ضدے ضد را نتوان نمود
اور بدون ایک ضد کے دوسری کو ظاہر نہین کیا جاسکتا

پس خلیفہ ساخت صاحب سینۂ
پس ایک صاحب سینہ کو خلیفہ بنایا

پس صفاے بیحد و دش داد او
پھر اوسکو خارج از حد و صفائی عطا فرمائی

دو علم بر ساخت اسفید و سیاہ
دو پرچم بلند کیے سفید اور سیاہ

درمیانِ آن دو لشکر گاہِ زفت
ان دونون لشکرگاہ عظیم کے درمیان

ہمچنان دورِ دوم ہابیل شد
اسی طرح دور دوم مین ہابیل ہوے

ہمچنان این دو علم از عدل و جور
اسی طرح یہ دونون پرچم عدل اور جور سے

ضدِ ابراہیم گشت و خصمِ او
وہ ضد ابراہیم کا ہوا اور انکا مخالف

چون درازی جنگ آمد ناخوشش
جب جنگ کی درازی اوسکو ناخوش معلوم ہوئی

پس حکم کرد آتش را و نکر
پس آتش کو فیصل کنندہ اور عذاب بنایا

دور دور و قرن قرن این دو فریق
دور دور اور قرن قرن مین یہ دونون فریق

سالہا اندر میان شان حرب بود
برسون اونکے درمیان حرب ہوتی رہی

بود در قدمت تجلی و ظہور
علم قدیم مین تجلی اور ظہور تھا

وان شہِ بے مثل را ضدے نبود
اور اوس شاہ بے مثل کی کوئی ضد تھی نہین

تا بود شاہیش را آئینۂ
تاکہ وہ اوسکی شاہی کا آئینہ ہوجاوے

وانگہ از ظلمت ضدش بنہاد او
اور اوسوقت ظلمت سے اوسکی ضد مقرر کی

آن یکے آدم دگر ابلیسِ راہ
ایک آدم علیہ السلام دوسرا ابلیسِ راہ

جالش و پیکار آنچہ رفت رفت
جنگ و پیکار جو کچھ بھی جاری رہی جاری رہی

ضدِ نورِ پاکِ او قابیل شد
اونکے نور مقدس کا ضد قابیل ہوا

تا بنمرود آمد اندر دور دور
نمرود تک دور دور ہوتے ہوے آئے

وان دو لشکر کین گزار و جنگجو
اور وہ دونون لشکر کین گزار اور جنگجو رہے

فیصلِ آن ہر دو آمد آتشش
تو ان دونون کا فیصل آتش قرار پائی

تا شود حل مشکلِ آن دو نفر
تاکہ ان دونون شخصون کی مشکل حل ہوجاوے

تا بفرعون و بموسیِ شفیق
فرعون اور موسیٰ شفیق تک پہونچے

چون ز حد رفت و ملولی میفزود
جب حد سے گذر گئی اور ملولی بڑھانے لگی

عہ بکسر اول ہمیشگی ۱۲ منہ

آب دریا را بحکم سازید حق
تو آب دریا کو حق تعالے نے محکوم بنایا

تا کہ ماند کہ برد زین دو سبق
تاکہ کون عاجز رہتا ہے کون ان دو مین سے سبقت لیجاتا ہے

تا کہ فرعون را بآن فرعونیان
یہانتک کہ فرعون کو مع ان فرعونیون کے

آب دریا غرق شان کرد آن زمان
آب دریا نے اونکو اوسوقت غرق کردیا

ہم نگرسازید از بہر ثمود
ثمود کے لیے بھی عذاب بنایا اوس صیحہ کو

صیحہ کہ جانِ شان را در ربود
اوس صیحہ کو جسنے اونکی روح سلب کرلی

ہم نگرسازید بہرِ قومِ عاد
قوم عاد کے لیے بھی عذاب بنایا

زود خیزے تیز رَو یعنے کہ باد
ایک زود خیز تیز رَو کو یعنی ہوا کو

ہم نگرسازید بر قارون زکین
عذاب بنایا قارون کے لیے بھی بسبب کینہ کے

تا فرو بردش چو اژدرہا زمین
یہانتک کہ اوسکو اژدہا کی طرح زمین نگل گئی

تا حلیمیِ زمین شد جملہ قہر
یہانتک کہ زمین کا حلم بالکل قہر بن گیا

بُرد قارون را و گنجش را بقعر
قارون کو اور اوسکے خزانہ کو قعر تک لے گیا

لقمۂ را کان ستونِ این تن ست
وہ لقمہ کہ اس تن کا ستون ہے

دفعِ تیغِ جوعِ نان چون جوشن ست
گرسنگیِ نان کی تلوار کا جوشن کی طرح دفعیہ ہے

چونکہ حق قہرے نہد در نانِ تو
جب حق تعالی تیری روٹی مین قہر رکھدے

چون خناق آن نان بگیرد در گلو
تو خناق کیطرح وہ روٹی تیرے گلے مین پھنس جاوے

این لباسی کہ ز سرما شد مجیر
یہ لباس جو کہ سرما سے پناہ دہندہ ہے

حق دہد اُو را مزاجِ زمہریر
حق تعالی اوسکو مزاج زمہریر کا دیدے

تا شود بر جسمت این جُبّہ شگرف
یہانتک کہ ہوجاوے یہ جُبّہ عجیب تیرے جسم پر

سرد ہمچون یخ گزندہ ہمچو برف
یخ کی طرح سرد۔ برف کی طرح ایذا رسان

تا گریزی از وشق ہم از حریر
یہانتک کہ تو بھاگنے لگے پوستین سے اور حریر سے بھی

زو پناہ آری ابسوئے زمہریر
اوس سے زمہریر کی طرف پناہ لیجاوے

تو دو قلہ نیستی یک قُلّہ
تو دو قُلّہ نہین ہے بلکہ ایک قُلّہ ہے

غافل از قصۂ عذابِ ظُلّہ
تو قصۂ عذابِ ظُلّہ سے غافل ہے

امرِ حق آمد بشہرستان و دِہ
حق تعالی کا حکم پہونچا شہر اور دیہات مین

خانہ و دیوار را سایہ مدہ
گھرون اور دیوارون کو کہ سایہ مت دو

مانع باران مباش و آفتاب
بارش اور آفتاب کی مانع مت ہو

که بمردیم اغلب اے مهترا مان
کہ ہم بگمانِ اغلب مر گئے اے حضرت امن دلوایئے

چون عصا را مار کرد آن چست دست
جب عصا کو سانپ بنا دیا اوس چابکدست نے

همچنین تا دور و طورِ مصطفےٰ
اسیطرح دور اور طور مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم تک

سنگ در تسبیح آمد در شتاب
سنگریزہ تسبیح مین آیا فوراً

منکر آن دید و فرو ناورد سر
منکر نے اوسکو دیکھا اور سر کو نہین جھکایا

تا بدان کز رسل شد ندامت شتاب
یہانتک کہ اوس رسول کے پاس امتی لوگ دوڑتے ہوئے

باقیش از دفتر تفسیر خوان
اسکا بقیہ دفتر تفسیر سے پڑھ لے

گر ترا عقلی ست این نکته بس ست
اگر تجھکو عقل ہے تو یہی نکتہ کافی ہے

با ابو جهل آن سپهدار جفا
اوس ابو جہل سپہدار ظلم کے ساتھ

از میانِ اصبعین آفتاب
آفتاب کے دونون انگشت کے درمیان مین سے

دشمنی او کور کردش از نظر
اوسکی عداوت نے اوسکو نظر کرنے سے کور کردیا

(وجہ ربط اوپر مذکور ہو چکی ہے کہ بیان حکمت ہے تکوین اشرار مع الابرار کی یعنی) جب مقصود اوس حکم تکوینی یزدان غفور کا (علم قدیم مین اپنی) تجلی اور ظہور (بعطف تفسیری) تھا اور بدون ایک ضد کے (دوسری ضد کو عادۃً بمرتبۂ ظہور علمی) ظاہر نہین کیا جاسکتا اور اوس شاہ بے مثل کی کوئی ضد تھی نہین (کما سیاتی فی ف اور اسی طرح خود ظہور ذات غیبی بحت بھی مرآۃ پر موقوف ہے کما سیاتی فی ف اسلیے دو چیزون کا وجود قرین حکمت ہوا ایک مرآۃ دوسری اوس مرآۃ کی ضد کہ وہ بالواسطہ ضد کہی جاسکتی ہے ذات حق کی اور ضد ہی کی طرح من وجہ سبب ظہور علمی بھی حق تعالیٰ کی ہو سکتی ہے کما سیاتی ایضاً فی ف کیونکہ ضد بلا واسطہ تو محال ہی کما مر من قولہ وان شہ بے مثل را الخ) پس دو ان دو چیزون کے وجود کا یہ سامان کیا کہ) ایک صاحب سینہ کو یعنی انسان کامل کو کہ وجہ خلافت اوسکی نور قلب و صدر ہے اپنا) خلیفہ بنایا تا کہ وہ اوسکی شاہی کا آئینہ ہو جاوے (شاہی سے مراد استجماع جمیع کمالات کہ شاہی کا مستحق ایسا ہی شخص سمجھا جاتا ہے اور) پھر اوس (خلیفہ) کو خارج از حدود صفائی عطا فرمائی (جس سے وہ مرآۃ ہو گیا وہذا ہو المعنی بقولہ علیہ السلام اِنَّ اللہ خلق آدم علی صورتہ ای علی صفتہ) اور اوسوقت ظلمت سے اوسکی ضد مقرر کی (پس اس طرح دونون چیزین حاصل ہو گئین آگے) پس خلیفہ اور ظلمت کا مصداق متعین فرماتے ہین دو علم افراخت الخ یعنی ایک آدم واشالہ جا ذکر فی التفصیل الآتی دوسرا ابلیس واشالہ کذلک پھر دور تک تفصیلاً ایسے ہی متقابلین کا ذکر چلا گیا ہے پس اسطرح سے ظہور ہو گیا تمام کمالات آلہیہ کا اور حکمت معلوم ہو گئی تکوین اشرار مع الابرار کی وہذا ہو المقصود آن اشعار ابعہ مین جو استدلال مذکور ہے ایک فائدہ مین اوسکی تقریر بقیہ اشعار کی شرح سے پہلے

مناسب معلوم ہوتی ہے فاقول بحول اللہ تعالیٰ) ف حاصل تقریر مقام کا یہ ہے کہ حق تعالیٰ کو اپنا کمالِ ظہور منظور ہوا اور کمالِ ظہور کسی شے موجود فی الخارج کا یہ ہے کہ اوسکی ذات کا بھی ظہور ہوا اور اسکو ظہورِ واقعی کہنا چاہیے اور اوسکی طرف التفات بھی ہوا اور اسکو ظہورِ علمی کہنا چاہیے پس کمالِ ظہور مجموعہ ہے ظہورِ واقعی و علمی کا اور ظہورِ واقعی کبھی بلا واسطہ ہوتا ہے جب وہ شے مشاہد ہو جیسے اجسام حاضرہ عند الحس اور کبھی بواسطہ امور دالّہ کے جو اوسکے مناسب ہوں ہوتا ہے جب وہ شے مشاہد نہ ہو جیسے روح کہ بواسطۂ افعال و حرکات اوسکا ظہور ہوتا ہے اور ظہورِ علمی عادۃً ہمیشہ بواسطہ ایسی چیز کے ہوتا ہے جو اوصاف میں اوسکے مقابل اور مقولہ یعنی جنس عالی میں اوسکا مشارک ہو اسکو عرف میں ضد کہتے ہیں اور یہ عام ہے ضد اصطلاحی سے کیونکہ اصطلاحی میں متضادین کا قابل حلول ہونا بھی ضروری ہے اور متضادین عرفی میں یہ ضروری نہیں مثلاً زید و عمرو کو وقت اختلاف اوصاف کے عرفاً ضد کہیں گے اور اصطلاحاً نہ کہیں گے اور اسی ظہور علمی کا عادۃً موقوف ہونا ضد پر حاصل ہے قول مشہور الاشیاء تعرف باضدادہا کا مثلاً دھوپ ہے کہ اوسکی ذات کا ظہور تو طلوع شمس سے ہو جاتا ہے لیکن التفات اوسکی طرف اور تنبّہ اوسکے وجود پر کہ حاصل ہو اوسکی معرفت کا یہ موقوف ہے مشاہدہ ظل پر کہ اوسکی بالمعنی المذکور ضد ہے پس اللہ تعالیٰ کا کمال ظہور بھی اس تقریر کے موافق موقوف ہوگا ایک تو اوسکی ذات کے ظہور پر اور دوسرے کسی ضد کے وجود پر اور چونکہ وہ ذات مشاہد نہیں ہے غیب بحت ہے اسلیے ظہور ذات تو بواسطہ کسی دوسرے امر دال کے ہوگا جو اوسکے مناسب ہو ایسے ہی امر دال کو عرف قوم میں مظہر اور مثال اور مرآۃ کہتے ہیں جسکا مصداق اونکے نزدیک انسان کامل ہے اور یہ مقدمہ کلام میں صریحاً و قصداً مذکور نہیں لیکن مطوی ہے اور شعر پس خلیفہ ساخت صاحب سینۂ + تا بود شاہیش را آئینۂ + اوس پر دال ہے پس ظہور ذات حق تو بواسطہ اس مظہر اور خلیفہ کے ہوا اور چونکہ اوسکی کوئی ضد بالمعنی المذکور نہیں کیونکہ اوسکے لیے کوئی جنس بھی نہیں پس مشارک فی الجنس کہاں ہوگا اور یہی مضمون ہے اس شعر کا ع بے ز ضدے ضد را نتوان نمود + وان شہ بے مثل را ضدے نبود + اسلیے ظہور علمی اوسکی ضد کے واسطہ سے تو ہو نہیں سکتا اور ظہور علمی عادۃً موقوف ہے وجود ضد پر اسلیے اسکی یہ صورت ہو گئی کہ وہ جو واسطہ تھا ظہور ذات کا یعنی انسان کامل اوس واسطہ کی ایک ضد موجود کی گئی تاکہ وہ ضد اولاً اوس واسطہ کی کاشف و سبب ظہور علمی ہو اور ثانیاً بواسطہ اوس واسطہ کے ذات حق کی کاشف اور سبب ظہور علمی ہو اور یہی مضمون ہے اس شعر کا ع پس صفائی بے حدودش داد او + وانگہ از ظلمت ضدش بنہاد او + پس جس طرح اوسکا ظہور واقعی بواسطہ مثال کے ہوا اسی طرح اوسکا ظہور علمی بواسطہ ضد اوس مثال کے ہوا اور مظہریت کی اس تقریر پر بعض کائنات مظاہر حق ہونگے اور بعض کائنات اون مظاہر کے اضداد ہونگے اور اس مظہریت کی بعض تقریرات مشہورہ یہ

یہ مظہریت جمیع کائنات کو عام ہے والاحکام تختلف باختلاف الاعتبارات فافہم انتہت الفائدۃ (اب بقیہ اشعار
کی شرح لکھتا ہون یعنی حق تعالیٰ نے خلیفہ و ضد خلیفہ پیدا کر کے گویا) دو پرچم بلند کیے (ایک) سفید (دوسرا)
سیاہ (یعنی) ایک آدم علیہ السلام (اور) دوسرا ابلیس راہ (یعنی جو راہ حق مین ابلیسی واغوا کرتا ہے اور
ان) دونون لشکرگاہ عظیم مین جنگ وپیکار جو کچھ بھی جاری رہی جاری رہی (یعنی تخالف آدم و ابلیس کا
صفات مین افعال مین سب امور مین مشہور ہے یہ تو دَورِ اول مین واقع ہوا) اسی طرح دَورِ دوم مین (ایک)
ہابیل تھا (اور) اوسکے نور مقدس کا ضد قابیل تھا اسی طرح یہ دونون پرچم (سفید و سیاہ یعنی عدل و جور
نمرود (کے زمانہ) تک دَور بدَور ہوتا ہوا آیا (بس) وہ ضد ابراہیم کا ہوا اور اونکا مخالف ہوا اور وہ دونون لشکر
ہدایت و ضلالت کے کین گذار اور جنگ جو (رہے) جب (اس) جنگ (فیما بین ابراہیم علیہ السلام و نمرود)
کی درازی اوسکو (یعنی حق تعالیٰ کی) ناخوش معلوم ہوئی تو (بحکم حق) اون دونون کا فیصل آتش قرار پائی
بس (حق تعالیٰ نے) آتش کو فیصل کنندہ اور عذاب (نمرود کے لیے) بنایا (وہ فیصل بھی عذاب بنے) تاکہ ان
دونون شخصونکی مشکل حل ہوجاوے (ذکر بعضتین یعنی عذاب ہم آندہ اور عذاب سے مراد شاید خسارہ ہو کما قال
تعالیٰ بعد ذکر بردا النار فجعلناہم الاخسرین یعنی وہ آتش ابراہیم علیہ السلام کو تو ضرر رسان نہ ہوئی اور اوسکو
زیان رسان ہوئی یہ دونون کا فیصلہ ہوا اور تحکیم کی نسبت الی اللہ سے شبہہ نہ کیا جاوے کہ آگ تو نمرود نے
جلائی تھی جواب یہ ہے کہ ایقاد اوس کا فعل تھا اور بعد اوسکی ایقاد کے تحکیم فعل حق تعالیٰ کا ہے اسی طرح)
دَور دَور اور قرن قرن مین یہ دونون فریق (اہل ہدایت و اہل ضلالت کے) فرعون اور موسیٰ شفیق تک
(پہونچے اور) سالہا اونکے درمیان حرب ہوتی رہی (اور) جب (حرب) حد سے گذر گئی اور (منتظران فیصلہ
کی) ملولی بڑھانے لگی تو آب دریا کو حق تعالیٰ نے حکم بنایا تاکہ (ظاہر ہوجاوے کہ) کون عاجز (ومغلوب) رہتا ہے
(اور) کون ان دو مین سے سبقت (وغلبہ) لیجاتا ہے یہانتک کہ فرعون کو مع اون فرعونیونکے آب دریا نے
اونکو اوسوقت غرق کردیا (اسیطرح) ثمود کے لیے بھی عذاب بنایا اوس صیحہ کو جسنے اونکی روح سلب کرلی (اسیطرح)
قوم عاد کے لیے بھی عذاب بنایا ایک زرد خیز تیز رو کو یعنی ہوا کو (اسیطرح) عذاب بنایا قارون کے لیے بھی بسبب
(اوسکے) کینہ کے (جو اوسنے موسیٰ علیہ السلام سے کیا) یہانتک کہ اوسکو اژدہا کی طرح زمین نگل گئی یہانتک
کہ زمین کا حلم بالکل قہر بن گیا (اور) قارون کو اور اوسکے خزانہ کو قعر (زمین) تک لے گیا (اور اے
مخاطب اس سے تعجب مت کر کہ زمین کا سکون اور حلم سبب عذاب ہوگیا کیونکہ حق تعالیٰ کی ایسی قدرت ہے کہ
وہ لقمہ کہ اس تن کا ستون (وما بہ القوام) ہے (اور) گرسنگی نان کی تلوار کا جوشن کی طرح دفعیہ ہے دیکھ)
جب حق تعالیٰ تیری روٹی مین (جسکا وہ لقمہ جزو ہے) قہر رکھدے تو خناق کی طرح وہ روٹی تیرے گلے مین
پھنس جاوے (اسیطرح) یہ لباس جو کہ سرما سے پناہ دہندہ ہے حق تعالیٰ (اگر چاہے) اوسکو مزاج زمہریر کا دیدے
(یعنے بجاے گرمی کے اوسمین سخت سردی پیدا ہوجاوے) یہانتک کہ وہ جبہ عجیب تیرے جسم پر برف کیطرح سرد

(اور) برف کی طرح ایذا رسان ہوجاوے یہانتک کہ تو (اوسکی سردی کے سبب) وشق (یعنی پوستین) سے اور حریر سے بھی (جو کہ دفع برد کے لیے موضوع ہین) بھاگنے لگے (اور) اوس سے زمہریر کی طرف پناہ لیجاوے (یعنے وہ گرم کپڑے ایسے سرد ہوجاوین کہ سردی مین زمہریر سے بھی صدہا درجہ بڑھ جاوین کہ تم اونکی سردی کے سامنے زمہریر کو گرم اور غنیمت سمجھکر زمہریر کی پناہ لینا چاہو جب حق تعالیٰ کی ایسی قدرت ہے تو سکون ارض کا اونکے حکم سے مبدل بہ قہر ہونا کیا بعید ہے آگے اور عذابون کا ذکر ہے کہ) تو قلتین نہین ہے بلکہ ایک قلہ ہے (چونکہ بعض فقہاء کے قول پر قلتین کی مقدار کامل ہے اسلیے یہ کنایہ کامل سے ہے خواہ متکلم حنفی ہون یا شافعی پس بعض محشین نے جو مولانا کا حنفی ہونا مناقب العارفین سے نقل کیا ہے محل اشکال نہین مطلب یہ کہ تو عبرت وبصیرت مین کامل نہین ناقص ہے اسلیے) تو قصۂ عذاب ظُلّہ سے غافل ہے (جو اصحاب ایکہ پر آیا اور وہ قصہ یہ ہے کہ) حق تعالیٰ کا شہر اور دیہات مین گھر اور دیوار کو حکم پہونچا کہ تو سایہ مت دے (اور) مانع بارش اور (مانع) آفتاب مت ہو (کیونکہ جو چیزین سایہ افگن ہین بحکم حق ہین اگر حق تعالیٰ سایہ دار چیزونکے اندر سے دھوپ کو چھان دین تو وہ سایہ افگن نہین ہوسکتین پس یہی حکم ہوگیا) یہانتک کہ اوس رسول (یعنی شعیب علیہ السلام) کے پاس امتی لوگ دوڑے گئے کہ ہم گمان اغلب (جو قریب بالیقین ہے) مرگئے اے حضرت امن (دلوائیے) اسکا بقیہ دفتر تفسیر سے پڑھے (یہ سوال اور اسکا جو جواب دیا ہو میری نظر سے نہین گذرا عجب نہین اونھون نے ایمان لانیکو ذریعہ اس سے بچنے کا بتلایا ہو اور اونھون سے نہمانا ہو اور پھر گرمی سے گھبرا کر ظُلّہ کے نیچے جمع ہوکر ہلاک ہوگئے ہون اسیطرح دَوْرِ موسوی مین) جب عصا کو سانپ بنادیا اوس چابک دست (یعنی موسیٰ علیہ السلام) نے (چابک دست بوجہ فوریت کے کہا قال تعالیٰ فاذا ہو ثعبان) (اے مخاطب) اگر تجھکو دین کی عقل ہے تو یہی نکتہ کافی ہے (یعنی اثبات کمال حق وقبول دین حق کے لیے) اسی طرح دَور اور طَور مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم تک (وہی تقابل ابرار و اشرار کا پہونچا چنانچہ آپکا معاملہ) اوس ابوجہل سیہدار ظلم کے ساتھ (واقع ہوا اوسمین سے ایک یہ ہوا کہ) سنگریزہ تسبیح مین آیا فوراً آفتاب حق (یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کی دونون انگشت کے درمیان مین سے (جسکا قصہ اسطرح ہے ؎ سنگہا اندر کفِ بوجہل بود ✲ گفت اے احمد بگو این چیست زود ✲ مگر منکر (یعنی ابوجہل) نے اوسکو دیکھا اور سرحرم نہین کیا اوسکی عداوت نے اوسکو نظر (وفکر) کرنے سے کور کردیا۔ آگے بمناسبت شعر اخیر کے بطور استقبال کے نظر کی ضرورت اور اوسکے نافع ہونیکے شرائط کہ امعان و استعانت بصحبت کاملین ہے ذکر فرماتے ہین۔

تو نظر داری و لے امعانش نیست	چشمۂ افسردہ است وکردہ ایست
تو نظر رکھتا ہے ولیکن اوسمین امعان نہین ہے	ایک چشمۂ جامد ہے اور دہ رکو دکیے ہوے ہے

زین همی گوید نگارندهٔ فکر
اسی وجہ سے مصوّر الافکار فرماتے ہین
آن نمی خواہد کہ آہن کوب سرد
حق تعالیٰ یہ نہین چاہتا کہ تو ٹھنڈے لوہے کو ٹھونکتا رہ
تن بمردت سوے اسرافیل ران
تیرا تن مرگیا ہو تو اسرافیل کیطرف روان ہو
در خیال از بسکہ گشتی مکتسی
تو خیال مین از بسکہ پیچیدہ ہو رہا ہے
او خود از لبِ خرد معزول بود
وہ خود ہی مغز عقل سے برکنار تھا
گر ز خود و ز لبِ خود معزول گشت
وہ اگر اپنے سے اور اپنے مغز سے برکنار ہوا
ہین سخن خا نوبتِ لب خائی ست
ہان اے سخن خا۔ لب خائی کا موقع ہے
چیست امعان چشمہ را کردن روان
امعان کیا چیز ہے چشمہ کو جاری کرنا
آن حکیمے اکہ جان از بندِ تن
وہ ایک فلسفی جسکی جان بندِ تن سے
یا روان شد خود بہ سوے بادیہ
یا بادیہ کی طرف روانہ ہوئی ہے
دو لقب را او برین ہر دو نہاد
اوسنے اِن دونون پر دو لقب رکھے ہین
در بیانِ آنکہ بر فرمان رود
اوس شخص کے بیان کی لیے ہے جو کہ فرمانِ حق پر چلتا ہے

کہ بکن اے بندہ امعانِ نظر
کہ اے بندہ امعانِ نظر اختیار کر
لیک اے پولاد بر داؤد گرد
لیکن اے فولاد تو داؤد علیہ السلام کے پاس جمع کر
دل فسردت رو بخورشیدِ روان
تیرا دل افسردہ ہوگیا ہو تو خورشید روح کی طرف جا
تک بسوفسطائی بد ظن رسی
تو سوفسطائی بد اعتقاد کیطرف پہونچا جاتا ہے
شد ز حس محروم و معزول از وجود
حس سے بھی محروم ہوا اور وجود سے بھی برکنار ہوا
از وجودِ حسِ خود مفضول گشت
تو اپنے وجود حس سے بھی علیحدہ ہو گیا
گر بگوئی خلق را رسوائی ست
اگر خلق سے کہدوگے تو رسوائی ہے
چون ز تن جان رست گویندش روان
چونکہ تن سے روح چھوٹ جاتی ہے تو اوسکو روان کہتے ہین
باز رست و شد روان اندر چمن
چھوٹ کر چمن مین روانہ ہوئی ہے
ہمچو موش از زاویہ در زاویہ
چوہے کی طرح ایک بل سے دوسرے بل مین
بہر فرق اے آفرین بر جانش باد
فرق کرنے کیلیے ای مخاطب۔ اوسکی روح پر آفرین ہو
گر گلے را خار خواہد آن شود
اگر وہ گل کو خار چاہے تو وہی ہوجاتا ہے

تو نظر (عقلی) رکھتا ہے ولیکن امعان نہین امعان بمعنی تیز کردن نظر و در رفتن در کارے یعنی در کارے غور کردن کذا فی الغیاث نیک نگریستن و بمعنی روان شدن آب کذا فی المنتخب یا لامعان من ہذا بمعنی روان کردن آب باشد یعنی تعمق سے فکر نہین کرتے اسلیے) وہ (مثل) ایکسا چشمہ جامد (کے

ہے اور وہ رکو دلیے ہوئے ہے (اسی طرح تیری قوت فکریہ مطالب حقیقیہ مین توجہ نہین کرتی) اسکی وجہ سے معمور بالانکار (یعنی حق تعالیٰ) فرماتے ہین کہ اے بندہ امعانِ نظر اختیار کر اشارہ ہے اس آیت کی طرف فارجع البصر ہل تریٰ من فطور ثم ارجع البصر کرتین الآیۃ کذا فی الحاشیۃ اور ظاہر ہے کہ بار بار نظر کرنا یہی امعان ہے اور اسی پر قیاس کرینگے نظر عقلی کو کہ وہ مطلوبیت مین اس سے زیادہ ہے اور یا اشارہ ہے اس قسم کی آیات کی طرف وکاین من آیۃ فی السموات والارض یمرون علیہا وہم عنہا معرضون کہ شکایت مستلزم ہے امر بالنظر کو پس ایک شرط تو نافعیت نظر کی اوسکا امعان ہے اور دوسری شرط آگے ہے یعنی) حق تعالےٰ (امر بالنظر مین) یہ نہین چاہتا کہ لوہے کو ٹھنڈا کوٹا رہ (یعنی صرف غور اور فکر مطلوب نہین کہ اگر اوس کے ساتھ استعانت بمقبولین و متبعین وحی نہین تو وہ نظر عقلی فلاسفہ کی سی نظر ہو گی جو حقیقت بینی کے لیے کافی نہین جیسے کوئی ٹھنڈا لوہا پیٹا کرے کہ کوشش تو کی مگر بیکار سو یہ مطلوب نہین) لیکن (مطلوب حق یہ ہے کہ) اے فولاد تو داؤد علیہ السلام کے پاس رجوع کر (یعنی جو شخص اپنے زمانہ کا داؤد صفت ہو جسکی صحبت مین اہل قساوت متاثر ہوتے ہون اوس سے تعلق پیدا کر مقصود اس سے امر ہے صحبت کاملین کا کہ ایک شرط نافعیت نظر کی یہ ہے چنانچہ مقبولین کے مستفیضین اور عقل محض کے متبعین کی صحت نظر اور نور فہم مین فرق عظیم مشاہد ہے آگے صحبت مقبولین کے اس اثر کی کہ اوس سے نظر نافع اور صحیح ہو جاتی ہے وجہ بتلاتے ہین کہ اگر تیرا تن مرگیا ہو تو اسرافیل کی طرف روان ہو اور اگر تیرا دل افسردہ ہو گیا ہو تو خورشید روح کیطرف جا (یعنی ایسی روح کی طرف کہ تنویر مین مثل خورشید کے ہو حاصل وجہ کا یہ ہوا کہ اولیاء اللہ کی صحبت چونکہ محیی قلب ہے جسکے اعتبار سے وہ حیات بخشی مین اسرافیل علیہ السلام سے بھی اکمل ہین اور حیات قلب کا دخل ادراک کے صحیح ہونے مین ظاہر ہے اسلیے یہ صحبت موجب صحت ادراک ہی مگر) تو (بوجہ اسکے کہ) خیال (فاسد) مین ازبسکہ پیچیدہ (مثل کسوت پوشیدہ کے) ہو رہا ہے (اسلیے بجائے صحبت مقبولین کے) تو سوفسطائی بداعتقاد کی طرف پہونچا جاتا ہے (جو کہ تمام عالم کو خیال فاسد بتلاتا ہے پس تیرا خیال فاسد مجانست کا سبب ہو کر تجکو اوسکی طرف لیے جاتا ہے اور ظاہر بات ہے کہ جب وہ حقائق ہی کا منکر ہے تو امعان نظر حقائق مین کیون کریگا اسواسطے تو بھی اوسکی صحبت مین حقائق سے اعمی رہیگا آگے اسکے اسی انکار حقائق کا بیان فرماتے ہین کہ) وہ خود ہی مغز عقل سی برکنار تھا اور (سوفسطائی ہونیکے سبب وہ) حس سے بھی محروم ہوا اور (اس سے بڑھکر یہ کہ اپنی) وجود (کے اعتقاد) سے بھی برکنار رہا (اور یہی مضمون بالفاظ دیگر یہ ہے کہ) وہ اگر اپنے (وجود کے اعتقاد) سے اور اپنے مغز (عقل) سے برکنار رہا تو اوسکے ساتھ یہ بھی ہے کہ اپنے وجود حس سے بھی علیحدہ ہو گیا (دونون شعرون مین سے ہر شعر مین تین حکم کیے ہین مغز عقل سے جدا ہونا حس سے محروم ہونا اپنے وجود کے اعتقاد سے علیحدہ ہونا حکم اول تو اس اعتبار سے کہ انکار حقائق ظاہر ہے کہ عقل صحیح کے خلاف ہے اور عقل کا مغز یہی ادراک صحیح ہے اور دوسرا حکم اسلیے کہ جب وہ سوفسطائیت کے سبب منکر حقائق ہی اور

بہت اشیاء کے حقائق مدرک بالحواس ہین تو گویا جس سے بھی محروم ہوا کیونکہ کوئی حاسہ اسکے کام نہ آیا اور تیسرا حکم بھی یہی ہے کہ وہ جب ہر حقیقت کا منکر ہے تو اپنے وجود کی حقیقت کا بھی منکر ہوگا پس انکا اعتقاد وجود کا حکم صحیح ہوگیا خلاصہ یہ کہ تو ایسے شخص کی صحبت اختیار کرتا ہے اگر یہ شبہ نہ ہو کہ اہل اللہ کی صحبت سے گریز کرنیوالے سب تو سوفسطائیہ کی صحبت اختیار نہین کرتے پھر یہ حکم کیسے صحیح ہوگا جواب یہ ہے کہ غیر اہل نظر اگر اعتقاداً سوفسطائی نہین تو عملاً و حالاً تو ہین کیونکہ جب حقائق مقصودہ کی طرف اونھون نے توجہ نہ کی تو یہ مشابہ اون ہی کے ہوگئے جو کہ ان حقائق کے منکر ہین اور دوسرے حقائق ان حقائق کے سامنے غیر معتد بہ ہین پس انکا انکار گویا تمام حقائق کا انکار ہے پس اسطرح یہ لوگ سوفسطائی ہوگئے اور ان دو شعرون مین جو لُبِ عقل کا ذکر ہوا معلوم ہوتا ہے کہ اس سے اسکے بعض مدرکات غامضہ مثل اسرار توحید وغیرہ کی طرف ذہن منتقل ہوکر اوسکے بیان کا کچھ جوش ہوا ہے خصوص جبکہ اس سے اوپر شروع سُرخی مین مسئلۂ ظہور حق بواسطۂ خلق کا بھی مذکور ہوکر اوسکا سلسلہ یہانتک پہونچا ہے مگر ساتھ ہی ضعف فہم عامہ سامعین کی طرف بھی نظر پہونچی ہے اسلیے اوس سے سکوت کو ترجیح دیکر اپنے نفس کو مخاطب کر کے کہتے ہین کہ) ہان اے سخن خار یعنی سخن گو اب) لب خائی (یعنے سکوت) کا موقع ہے (پس بجاے سخن خائی کے لب خائی کو اختیار کرو اور) اگر خلق سے (وہ اسرار) کہدو گے تو رسوائی (کی بات) ہے (انکار و اعتراض کا رسوائی ہونا ظاہر ہے اور اس سے متکلم کا تو کوئی ضرر نہین مخاطب کو یہ ضرر ہے کہ شاید کوئی ارشاد نافع قبول کر لیتا جیسے اسی مقام پر جس مضمون کا ذکر ہو رہا ہے یعنی امعان نظر و صحبت اہل نظر اس سے شاید مخاطب کو نفع ہوتا تو انکار و اعتراض کی بدولت اس سے بھی محروم ہو جاویگا اسلیے اون اسرار کو چھوڑ کر پھر مضمون مقام یعنی امعان کے متعلق فرماتے ہین کہ) امعان (لغت مین) کیا چیز ہے چشمہ کو جاری کرنا (جیسا کہ شعر اوّل کے حل کے ضمن مین نقل کیا گیا ہے اور اصل یہی ہے کہ علوم مین جبتک کہ دوسرے معنے کی طرف نقل کرنا کسی دلیل سے ثابت نہ ہو الفاظ کو اپنے معانی لغویہ پر رہنا چاہیے پس اس بنا پر امعان نظر کے معنے ہونگے روان کردن نظر اور یہ نظر کی روانی یہی تحریک قوت فکریہ ہے جو ذریعہ ہے ادراک حقائق صحیحہ کا پس ہم اس قول زین ہمیگوید الخ مین اسی کا امر کر رہے ہین آگے دوسرے مصرعہ مین روانی نظر کے اس معنے کی تائید مین جو کہ نظر کے لیے بضمن تفسیر لفظ امعان ثابت کیا گیا ہے فرماتے ہین کہ دیکھو) جو کہ تن سے روح چھوٹ جاتی ہے (خواہ حقیقۃً جیسے موت کے وقت خواہ حکماً جیسے نوم کے وقت یا توجہ الی المعقولات والمغیبات کے وقت) تو اوسکو (فارسی مین) روان کہتے ہین (اور یہ ابھی ثابت ہو چکا ہے کہ بدون دلیل نقل الفاظ اپنے معانی لغویہ پر رہتے ہین تو روح کے لیے روان ہونا ثابت ہوا اور چونکہ الفاظ مین یہ بھی اصل ہے کہ اشتراک نہ ہو اسلیے اسکو مستقل لُغت نہ کہین گے بلکہ روان بمعنے جاری کہا اسکو بھی ایک فرد کہین گے تو دیکھو روانی کا اطلاق غیر آب وغیر اجسام پر بھی ہوا جبکہ اوسکے مناسب اوسمین روانی ہو پس جیسی روح کے لیے ایک روانی اوسکے مناسب ثابت ہوئی اسی طرح نظر و فکر کے لیے اوسکے مناسب روانی کا

ثابت کرنا بعید نہ ہوا فصح تفسیر نا لامعان النظر بماذکر آگے روح کے روان کہنے کو ایک حکیم سے احتجاجاً علی
معتقدی الفلاسفۃ نقل کرتے ہین کہ) وہ ایک فلسفی جسکی جان بندتن سے چھوٹ کر (خدا کو معلوم کہ) جنین
(بہشت) مین روانہ ہوئی ہے یا ہاویہ کی طرف روانہ ہوئی ہے چوہے کی طرح (کہ ایک بل سے دوسرے
بل مین دجاتا ہے اسی طرح ہاویہ مین جانے کی تقدیر پر وہ ایک سجن یعنی دنیا سے دوسری سجن یعنی ہاویہ مین
گئی ہو) اوس (فلسفی) نے ان دونون (روحون) پر (کہ ایک روح انسانی ہے دوسری روح حیوانی)
دو لقب رکھے ہین (دونون مین) فرق کرنیکے لیے اے مخاطب (مین اس فرق کی وجہ سے دعا کرتا ہون کہ
اوسکی روح پر آفرین ہو) بعض محشین نے اسکے حل مین شیخ ابو علی بن سینا کا قول اوسکے رسالہ معراجیہ سے
نقل کیا ہے کہ روان نفس ناطقہ است و جان روح حیوانی اھ پس اس فلسفی سے مراد شیخ ابو علی ہوگا یعنی
دیکھو ابو علی بھی روان صرف نفس ناطقہ کو کہتا ہے روح حیوانی کو نہین کہتا اس سے معلوم ہوا کہ اوسنے
بھی معنے روانی کا اعتبار کیا ہے چونکہ روح حیوانی یعنی بخار خاص کہین منتقل ہو کر نہین جاتا یہان ہی
مثل چراغ کے منطفی ہو جاتا ہے اوسکو روان نہین کہا اور نفس ناطقہ عالم غیب کی طرف جاتا ہے بالمعنی
المناسب لہا اسلیے اوسکو روان کہا پس احتجاج للتائید صحیح ہوگیا اور یہ جو درمیان مین فرمایا کہ بہشت
مین گیا ہے یا دوزخ مین وجہ اوسکی یہ ہے کہ بعض نے اوسکی تکفیر کی ہے پس مولانا نے اسمین اشارہ فرمایا کہ
اسمین احتیاط اور علم الٰہی کی طرف حوالہ کرنا بہتر ہے اور بوجہ اوسکے دعوے اسلام کے اوسکے موجبات کفر مین
تاویلات مناسبہ کرلی جاوین اور اگر شبہ ہو کہ باوجود شک کے اوسکے اسلام و کفر مین اوسکو دعا کیسے دی
کہ نفع دعا کا بلکہ جواز دعا کا بھی موقوف ہے اسلام پر جواب یہ ہے کہ دعا عمل ہے اوسکے جواز کے لیے ظن بھی
کافی ہے اور اوسکا دعویٰ اسلام دلیل ظنی ہے اسلام کی اور اوسکے مومن و کافر عند اللہ ہونے کا حکم یہ
اعتقاد ہے اسکے لیے دلیل یقینی ضروری ہے اوسکو حوالہ بعلم حق کیا اور اگر شیخ کا اسلام ثابت مان لیا جاوے
جیسا کہ ظاہر یہی ہے تو یہ تردید اس اعتبار سے ہوگی کہ اوسکے بعض عقائد بدعیہ پر عفو یا عذاب غیر مخلد دونون
محتمل ہین اور حدیث افتراق مین فی النار کے یہی معنے ہین اور دعا مسلم مبتدع کے لیے بھی جائز بلکہ افضل ہے
اور شعر دو لقب را اوبرین ہر دو نہاد آخ مین این ہر دو کا مشار الیہ گو یہان مذکور نہین لیکن اوس کے
قول کے شہرت کی بنا پر غیر مذکور کو بجاے مذکور کے قرار دیکر اشارہ کر دیا اور یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ مصرع
چون زتن جان رست گویندش روان مین ایک تو صریحاً مذکور ہے اور علوم بلاغت مین مقرر ہوا ہے
کہ ایک مقابل کا ذکر دوسرے مقابل کے ذکر پر بھی دال سمجھا جاتا ہے و نظائرہ کثیرۃ قال تعالیٰ بیدک
الخیر ای والشر وقال تعالیٰ وجعل لکم سرابیل تقیکم الحر ای والبرد وغیر ذلک پس اسطرح سے ذکر روان دال ہوا
ذکر جان پر بھی پس اسطرح دونون مشار الیہ مذکور ہوگئے اور چونکہ اس قول سے احتجاج کرنا مستلزم ہے
اسکے اعتقاد صحت کو اسلیے اوسکے اس قول پر بصیغۂ دعا اوسکی تحسین کی آگے فرماتے ہین کہ اگرچہ یہ مضمون کہ

روح کو روان کہتے ہین ظاہرا نظر کی روانی کی معنے کے تائید مین لایا گیا ہے لیکن اصل مین اس مضمون کا لانا) اوس شخص کے بیان (حال) کے لیے ہے جو کہ فرمان حق پر چلتا ہے (اور وہ حال اوس کا جسکا کہ بیان کرنا مقصود ہے بنا بر مقبولیت یہ ہے کہ) اگر وہ (مثلاً) گل کو خار (بنوانا حق تعالیٰ سے) چاہے تو خدا کے بنانے سے وہی ہو جاتا ہے (یعنی صرف تائید تفسیر امعان کی اصلی مقصود نہین بلکہ مقصود اصلی یہ ہے کہ اس تائید سے امعان کی تفسیر محقق ہو پھر اوس تفسیر کے موافق امعان پر عمل کرے اور امعان پر عمل کرنیسے اوسکو ایسے حضرات کی معرفت ہو کیونکہ عدم امعان ہی انکی معرفت و اتباع سے مانع تھا چنانچہ امعان کے مضمون سے پہلے غیر اہل امعان کی حالت کا بیان کیا گیا تھا کہ ابو جہل معجزات دیکھکر بھی منکر رہا اور اوسکی عداوت نے اوسکو نظر نہ کرنے دیا یہی حاصل تھا عدم امعان کا اسی پر امعان کا مضمون شروع ہو گیا تھا غرض عدم امعان جو کہ مانع تھا وہ مرتفع ہو اور امعان حاصل ہوا ور امعان سے ایسے حضرات کی معرفت ہو اور معرفت سے اونکی اتباع کرے پس اسطرح سے اصل مقصود اس مضمون اطلاق روان بر روح سے ایسے فرمانبردارونکا حال و وصف بیان کرنا ہوا تا کہ اونکو معلوم کر کے اونکی اتباع کرے پس دربیان مین لفظ در بمعنے فی اجلیہ ہے کما فی قولہ علیہ السلام عذبت فی ہرۃ ای لہرۃ اور دوسرے مصرعہ مین جو حال بیان کیا ہے مقصود حصر نہین ہے بلکہ منجملہ اوسکے احوال کے یہ بھی ہے اور یہ کنایہ ہے مقبولیت سے کیونکہ یہ بھی ایک مقبولیت کا اثر ہے پس حاصل اس حال کا بیان ہوا اوسکی مقبولیت کا یعنی یہ سب مضمون لغرض بیان مقبولیت مقبولین کے ہے تا کہ سامع اونمین داخل ہو آگے ہود علیہ السلام کا قصہ متضمنہ بعض آثار مقبولیت بتائید مضمون مقبولیت بیان فرماوینگے) ف احقر اس ایک شعر اخیر کی شرح سوچنے مین غالباً ایک گھنٹہ یا کچھ زیادہ پریشان رہا حواشی متعددہ سے بھی شفا نہ ہوئی آخر حضرت مرشد رحمۃ اللہ تعالیٰ کی اتنی عبارت اس شعر کے متعلق حاشیہ پر نظر آئی یعنی اطلاق روان بر جان اھ جسکو مین مبتدا سمجھا اور دربیان آنکہ الخ کو خبر سمجھا اور رجوع بحق کیا اللہ تعالیٰ نے حضرت مرشد کی برکت سے اس شعر کا حل قلب مین اوس طور پر القا فرمایا جیسا لکھا گیا و الظن انہ لا یوجد احسن من ہذا و اللہ اعلم و فوق کل ذی علم علیم فقط

معجزہ ہود علیہ السّلام در تخلیصِ مومنان

(اس قصہ سے حضرت ہود علیہ السلام اور مومنین دونون کی مقبولیت ظاہر ہوتی ہے کیونکہ صدور معجزہ اور نجات عن العذاب دونون آثار مقبولیت سے ہین اور یہی مقبولیت وجہ ربط ہے اس کی ماقبل کے ساتھ جیسا اوپر مذکور ہوا اور عنوانِ گل و خار کی خصوصیت سے ربط اور بھی مؤکد ہو جاویگا کہ ہوا کہ فرحت بخشی مین مثل گل کے ہے حضرت ہود علیہ السلام اور مومنین کی استدعا پر خواہ بے استدعا

قائل ہوا اگر اونھون نے بد دعا کی ہو یا حالی ہو اگر اونھون نے بد دعا نہ کی ہو لیکن حق تعالیٰ نے اونپر ظلم ہونیکے سبب عذاب نازل کیا ہو تو سبب نزول عذاب اونکے لیے انتقام لینا ہوا اور یہ استدعا حالی ہے کما قال تعالیٰ فی قصۃ نوح علیہ السلام جَزَاءً لِّمَن كَانَ كُفِرَ اور ہر حال مین یہ مضمون اول کے دو تین شعر مین مذکور ہو کر پھر ایک مناسبت سے دوسرے مضمون کی طرف انتقال فرمادینگے اور اوس کے بعد متعدد انتقالات ہونگے چنانچہ معلوم ہوگا۔

ہود گرد مؤمنان خطے کشید
ہود علیہ السلام نے مؤمنین کے گرد ایک خط کھینچ دیا

مؤمنان از دستِ بادِ ضائرہ
مؤمنین بادِ ضرر رسان کے ہاتھ سے

باد طوفان بود و اُو کشتی عیے
ہوا تو طوفان تھی اور وہ کشتی تھا بالیقین

باد طوفان بود و کشتی لطفِ او
ہوا طوفان تھی اور کشتی لطفِ حق تھا

پادشاہے را خدا کشتی کند
ایک بادشاہ کو خدا تعالیٰ کشتی کر دیتا ہے

قصدِ شاہ آن نے کہ خلق ایمن شوند
بادشاہ کا یہ قصد نہین ہوتا کہ خلق مامون رہین

آن خراسی می دود قصدش خلاص
وہ چکی مین چلنے والا جانور دوڑتا ہے اوسکا قصد خلاصی ہوتی ہے

قصدِ او آن نے کہ آبے بر کشد
اُوسکا یہ مقصود نہین ہوتا کہ پانی کھینچے

گاو بشتابد ز بیمِ زخمِ سخت
بیل ضربِ شدید کے خوف سے دوڑتا ہے

لیک دادش حق چنین خوف و وجع
لیکن حق تعالیٰ نے اوسکو ایسا خوف درد کا دیدیا ہے

ہمچنین ہر کاسبے اندر دکان
اسیطرح ہر صاحب کسب دکان مین

تا ز باد آن قوم او رنجے ندید
یہانتک کہ ہوا سے اُنکی اوس قوم نے کوئی تکلیف نہین دیکھی

جملہ بنشستند اندر دائرہ
سب کے سب دائرہ کے اندر بیٹھ گئے

ہست ازین طوفان و این کشتی بسے
اس طوفان اور اس کشتی سے بہت ہین

بس چنین کشتی و طوفان دارد او
حق تعالیٰ بہت سی کشتی اور طوفان رکھتا ہے

تا بحرصِ خویش بر صفہا زند
یہانتک کہ وہ اپنی حرص سے صفون پر حملہ کرتا ہے

قصدش آنکہ ملک گردد پاے بند
اوسکا قصد یہ ہوتا ہے کہ ملک مسخر ہوجاوے

تا بیابد او ز زخم آن دم مناص
تاکہ وہ ضرب سے اوسوقت رہائی حاصل کرے

یا کہ کنجد را بدان روغن کند
یا کہ اوس دوڑنے سے کنجد کو روغن کردے

نے براے بُردنِ گردون و رخت
نہ کہ گاڑی اور اسباب کے لیجانے کے لیے

تا مصالح حاصل آید در تبع
تاکہ تبعًا مصلحتین بھی حاصل ہوجاوین

بہر خود کوشد نہ اصلاحِ جہان
اپنے لیے کوشش کرتا ہے نہ کہ اصلاحِ عالم مین

هر یکے بر درد جوید مرہمے
ہر شخص اپنے درد پر مرہم تلاش کرتا ہے

حق ستونِ این جہان از ترس ساخت
حق تعالیٰ نے اِس عالم کا ستون خوف سے بنایا ہے

حمد ایزد را کہ ترسے را چنین
حضرت ایزد کے لیے حمد ہے کہ اُسنے خوف کو اسطرح

اینہمہ ترسندہ اند از نیک و بد
یہ سب نیک اور بد خائف ہین

پس حقیقت بر ہمہ حاکم کسے ست
پس حقیقت مین سب پہ حاکم کوئی ایسا شخص ہے

ہست اُو اندر کمین اے بوالہوس
وہ گھات مین ہے اے بوالہوس

ہست اُو محسوس اندر مکمنے
وہ محسوس ہے ایک گھات مین

آن حسے کہ حق بر آن حس مظہر ست
وہ حس جس حس پر کہ حق تعالےٰ ظاہر ہے

حسِ حیوان گر بدیدے آن صور
حس حیوانی اگر اُن صور کو ادراک کر لیا کرتی

آن کہ تن را مظہرِ ہر روح کرد
جسنے جسم کو ہر روح کا مظہر کیا

گر بخواہد عین کشتی را بجو
وہ اگر چاہے تو عین کشتی کو خاصیت مین

ہر دمت طوفان و کشتی اے مقل
اے قلیل البضاعۃ ہر وقت تیرے طوفان اور کشتی کو

گر نہ بینی کشتی و دریا بہ پیش
اگر تو کشتی اور دریا سامنے نہین دیکھتا

در تبع قائم شدہ زین عالمے
تبعیت مین اِس سے عالم قائم ہو گیا ہے

ہر یکے از ترس جان در کار باخت
ہر شخص نے نفس کے خوف سے جان بازی کر رکھی ہے

کرد او معمار و اصلاحِ زمین
سبب عمارت اور سبب اصلاحِ دنیا کر دیا

ہیچ ترسندہ نہ ترسد خود ز خود
کوئی ڈرنے والا خود بخود نہین ڈرتا

کہ قریب ست او اگر محسوس نیست
کہ وہ قریب ہے اگرچہ محسوس نہین ہے

تا نگردی فارغ از شب اے عسس
تاکہ تو اے عسس شب سے بیفکر نہ ہو جاوے

لیک محسوسِ حسِ این خانہ نے
لیکن وہ اس خانہ کے حواس کا محسوس نہین ہے

نیست حسِ این جہان آن دیگر ست
وہ اِس عالم کی حس نہین ہے اُس عالم کی حس دیگر ہے

بایزیدِ وقت بودے گاؤ و خر
تو گاؤ و خر بایزیدِ وقت ہو جایا کرتے

وانکہ کشتی را براقِ نوح کرد
اور جسنے کشتی کو نوح علیہ السلام کا بُراق بنایا

او کند طوفانِ تو اے نور جو
وہ تیرا طوفان بنا دے اے طالبِ نور

با غم و شادیت کرد او متصل
اُسنے غم اور خوشی کے ساتھ متصل کر رکھا ہے

لرزہا بین در ہمہ اجزائے خویش
تو اپنے تمام اجزا مین لرزے دیکھ لے

چون نہ بیند اصل ترسش را عیون
جب اپنے خوف کے مبدا کو آنکھوں والا نہین دیکھا
مشت بر اعمیٰ زند یک جلف مست
کسی اندھے کو کوئی جفا کار مست ایک گھونسا لگائے
زانکہ آن دم بانگ اشتری شنید
کیونکہ اُوسوقت وہ خچر کی آواز سن رہا تھا
باز گوید کور کین سنگ بود
پھر اندھا کہتا ہے نہین یہ پتھر تھا
دین نبود و آن نبود و اُو نبود
یہ بھی نہ تھا۔ اور وہ بھی نہ تھا۔ اور وہ بھی نہ تھا
ترس و لرزہ باشد از غیرے یقین
خوف اور لرزہ غیر کیطرف سے ہوتا ہے بالیقین
آن حکیمک وہم خواند ترس را
وہ مردک حکیم خوف کو وہم کہتا ہے
ہیچ وہمے بے حقیقت کے بود
کوئی وہم بلا حقیقت کب ہوتا ہے
کے دروغے قیمت آرد بے زراست
کب جھوٹ بات رونق پاتی ہے بدون سچ کے
راست را دید اُو رواجے و فروغ
سچ کا اُسنے رواج اور فروغ دیکھا
اے دروغے کز صدقت این نواست
اے جھوٹ جسکا یہ سامان سچ کے سبب سے ہے

ترس دارد از خیالِ گونہ گون
خیالاتِ گونا گون سے وہ خوف رکھتا ہے
کور پندارد لگدزن استر ست
اندھا خیال کرے کہ لات مارنیوالا کوئی خچر ہے
کور را گوش ست آئینہ نہ دید
اندھے کا آئینہ کان ہے نہ کہ آنکھ
یا مگر از قبۂ پُر طنگ بود
یا شاید کسی قبۂ پُر آواز سے تھا
آنکہ اُو ترس آفرید اینہا نبود
جس شخص نے قلب مین خوف پیدا کیا وہی ذی سبب چیزین ظاہر کین
ہیچکس از خود نہ ترسد اے حزین
کوئی شخص از خود نہین ڈرا کرتا اے حزین
فہم کژ کرد ست اُو این درس را
اُسنے اِس درس کے متعلق فہم کو کج کردیا ہے
ہیچ قلبے بے صحیحے کے رود
کوئی کھوٹا بدون کھرے کے کب چلتا ہے
در دو عالم ہر دروغ از راست خاست
دونون عالم مین ہر جھوٹ سچ ہی کے سبب پیدا ہوا ہے
بر امیدِ آن روان کرد اُو دروغ
اُوسکی امید پر اُسنے جھوٹ کو جاری کردیا
شکرِ نعمت کن مکن انکار راست
تو نعمت کا شکر کر سچ کا انکار مت کر

ہود علیہ السلام نے مومنین کے گرد (عذاب صرصر کے وقت) ایک خط کھینچدیا یہانتک کہ ہوا سے اونکی اوس قوم (مومنین) نے کوئی تکلیف نہین دیکھی (اور وہ) مومنین باد ضرر رسان کے ہاتھ سے سب کے سب (اوس) دائرہ کے اندر بیٹھ گئے (پس وہ) ہوا تو طوفان تھی اور وہ (دائرہ) کشتی تھا بالیقین (عسے بیاے مجہول مالا عسیٰ بالف مقصورہ کلمۂ ترجی ست و بمعنے یقین ہم آمدہ اور) اس (قسم کے) طوفان اور اس (قسم کی) کشتی (دین) سے بہت لا (افراد) ہین (اور بعنوان دیگر اس مضمون کو یون سمجھو کہ ایسا طوفان تھی وہ

کشتی لطف حق تھا جو بواسطہ دائرہ کے فاعل تھا اور اختلاف عنوان اسی جزو مین ہے اور حق تعالی بہت سی کشتی اور طوفان رکھتا ہے (یعنی بہت سی چیزون کو آلۂ ضرر اور بہت سی چیزونکو اوس ضرر سے آلۂ حفاظت بنایا ہے اور یہ تکثیر ان آلات کے اعتبار سے ہے نہ کہ مؤثر حقیقی کے اعتبار سے جسکو ایک شعر مین لطف ہوسے تعبیر کیا ہے کیونکہ لطف تو امر واحد ہے البتہ اگر لطف کے تعلقات کا اعتبار کیا جاوے تو اوسمین بھی تعدد کا حکم صحیح ہو سکتا ہے کیونکہ اوسکا تعلق ایک محل کے ساتھ اور ہے اور دوسرے محل کے ساتھ دوسرا کما ہو مقرر فی علم الکلام مطلب یہ کہ حق تعالی کا تصرف نہایت وسیع ہے اوسنے کسی چیز کو نافع بنا دیا کسی چیز کو مضر آگے ان کشتیون یعنی اشیار نافعہ تکوین حق کی مختصر سی تفصیل ہے تاکہ مضمون کا خوب استحضار ہو جاوے اور اسمین مضمون سابق یعنی بیان آثار مقبولیت مقبولین سے انتقال ہو گیا طرف مضمون توسع فی الاشیار النافعۃ والمضرۃ کے پس فرماتے ہین کہ مثلاً) ایک بادشاہ کو خدا تعالی کشتی (حکمی) کر دیتا ہے (جس عام آدمی طوفان مفسدین سے امن پاتے ہین آگے اوسکے کشتی بنانے کی ایک تفریع ہے یعنی) یہانتک کہ وہ اپنی حرص سے (اعدار کی) صفون پر حملہ کرتا ہے (اور اوس) بادشاہ کا یہ قصد نہین ہوتا کہ خلق مامون رہو کر رہین (بلکہ) اوسکا قصد (صرف) یہ ہوتا ہے کہ ملک مسخر ہو جاوے (مگر اوسپر امن بھی مرتب ہو جاتا ہے تقریر تفریع کی یہ ہوئی کہ خدا تعالی کو اوس سے کشتی کا کام لینا تھا تو اوسمین یہ مادۂ حرص پیدا کر دیا اور اسکی فرع حملہ بر اعدار ہوا اور اس پر بسبیت امن مرتب ہو گیا تو تا بحرص خویش الخ اصل مین فرع ہے ایداع حرص کی مگر کشتی کردن چونکہ بعادتِ حق اوسکو مستلزم ہے اسلیے کشتی کردن کا ذکر گویا اوس ایداع کا ذکر ہے پس تفریع صحیح ہے اور تفصیل کی اس مثال مین انتقال فی انتقال ہے کیونکہ ایک انتقال تو یہ تھا کہ بعض اشیار نافع اور بعض مضر ہین اور دوسرا انتقال یہ ہوا کہ اشیار نافعہ مین جو ذی اختیار ہین اونمین بعض وہ ہین جنکا نافع ہونا ارادی و قصدی نہین ہے یعنی وہ کوئی کام اپنی مصلحت کے لیے کرتے ہین مگر بلا قصد اوسپر دوسرونکی بھی مصلحت مرتب ہو جاتی ہے اور زیادہ ایسی ہی ہین چنانچہ بادشاہ کی مثال مین معلوم ہوا آگے اسکی اور مثال ہے یعنی دیکھو کہ) وہ چکی مین چلنے والا جانور دوڑتا ہے (اور) اوسکا قصد (اپنی) خلاصی ہوتی ہے تاکہ وہ ضرب سے اوسوقت رہائی حاصل کرے اوسکا یہ مقصود نہین ہوتا کہ پانی کھینچے (اگر اوسکو کنوے سے پانی کھینچنے کے کام مین لگایا گیا ہو) یا کہ اوس دوڑنے سے کنجد کو روغن کر دے (یعنی تیل نکالنا بھی اوسکو مقصود نہین بلکہ وہ) بیل (تو صرف) ضرب شدید کے خوف سے دوڑتا ہے (کہ نہین چلونگا تو مار کھاؤنگا اوسکی صرف یہ غرض ہوتی ہے) نہ کہ گاڑی اور اسباب کے لیجانیکے لیے (وہ دوڑتا ہو) لیکن حق تعالی نے اوسکو ایسا خوف درد کا دیدیا ہے (درد سے مراد وہ تکلیف جو مارنے سے اوسکو پہونچیگی) تاکہ تبعاً (دوسری) مصلحتین بھی حاصل ہو جاوین (آگے اس قاعدہ کی تعمیم فرماتے ہین خواہ بمعنے استغراق یا بمعنے اغلبیت و اکثریت اگر کوئی فاعل قاصدِ مصلحتِ غیر مان لیا جاوے جیسے اہل اللہ کہ اونکا مقصود ہی دوسرونکو نفع پہونچانا

ہوتا ہے لیکن اگر اسمین بھی اسیر نظر کی جاوے کہ خود اسمین بھی اونکا قصور رضائے حق ہے اور وہ اون ہی کی مصلحت ہے تو پھر کوئی مخلوق ایسی نہ نکلے گی پس فرماتے ہین کہ) اسی طرح ہر صاحب کسب کان مین اپنے (نفع کے) لیے کوشش کرتا ہے نہ کہ اصلاح عالم مین (غرض) ہر شخص (اپنے ہی) درد پر مرہم تلاش کرتا ہے (اور) تبعیت مین اسی سے عالم قائم ہو گیا ہے (آگے ایک تیسرا انتقال ہے یعنی ان امثلہ مین جو ان اشیاء کی نفع رسانی غیر ارادی کا مبنیٰ معلوم ہوا کہ فعل مین اپنی مصلحت کی تحصیل اور ترک مین اوس مصلحت کے فوت کا خوف ہے اسمین بھی حکمت ہے پس اوس حکمت کا بیان فرماتے ہین کہ) حق تعالیٰ نے اس عالم کا ستون خوف (کے مادہ) سے بنایا ہے (کہ ہر شخص نے (اپنے) نفس (کی مصلحت فوت ہونے) کے خوف سے جان بازی کر رکھی ہے (حاصل اس حکمت کا بقاء وقیام عالم ہوا جسکا ترتب اوپر کے اشعار کے حل مین معلوم ہوا آگے اس حکمت پر شکر کرتے ہین کہ) حضرت ایزد کے لیے حمد ہے کہ اوسنے خوف کو اسطرح سبب عمارت اور سبب اصلاح دنیا کر دیا (آگے ایک چوتھا انتقال ہے یعنی اس تخویف کو دلیل اپنی قرار دیکر وجود صانع پر استدلال کرتے ہین کہ دیکھو ایک مقدمہ تو یہ ہے جو کہ اوپر مذکور ہے یعنی یہ کہ) یہ سب نیک اور بد (جو اوپر مذکور ہوئے کسی نہ کسی چیز سے) خائف ہین (مثلاً خوف مصلحت ہی سے ڈرتے ہین پس کلمہ از در قولہ از نیک و بد بمعنی من بیانیہ ہے اور دوسرا مقدمہ گو اوپر مذکور نہین مگر بالکل ظاہر ہے کہ) کوئی ڈرنے والا خود بخود نہین ڈرتا (کیونکہ خوف ایک حادث ہے اور حادث کا وجود بدون محدث کے محال ہے اور اگر وہ محدث بھی حادث ہو تو پھر اوسکے لیے محدث کی ضرورت ہو گی لامحالہ کسی محدث قدیم پر سلسلہ ٹھہریگا پس اس سے ثابت ہوا کہ خوف نہ خود یعنی بلا محدث پیدا ہوا اور نہ باحداث المحدث الحادث حادث ہوا) پس (ضرور) حقیقت مین سب (حوادث) پر حاکم (و متصرف) کوئی ایسا شخص ہے کہ وہ قریب ہے اگرچہ محسوس نہین (کما قال تعالیٰ ونحن اقرب الیہ منکم ولکن لا تبصرون اور تقریر مذکور سے صانع و مؤثر کا وجود اور تصرف تو صریح ثابت ہے لفظ حاکم سے یہی تصرف مراد ہے باقی قریب ہونا اسطرح ثابت ہو سکتا ہے کہ تصرف من حیث التصرف عقلاً مستلزم ہے قرب متصرف المتصرف فیہ کو چنانچہ اگر دونون مین کوئی تعلق نہ ہو تو تصرف کا وجود محال ہے پس گونہ تعلق ہونا ضرور ہوا اور قرب کی ایک قسم یہ بھی ہے اور اسمین صاحب قرب کا محسوس ہونا بھی ضرور نہین اور حق تعالیٰ کے قرب کا بھی مجملاً ہی حکم کیا جا سکتا ہے باقی کنہ تو اوسکی کسیکو معلوم ہی نہین آگے ایک پانچوان انتقال ہے اوسکے قریب اور غیر محسوس ہونیکے متعلق یعنی) وہ گھات مین (مخفی) ہے اے بوالہوس تا کہ تو اے عسس شب (کی خدمت) سے بیفکر نہ ہو جاوے (جیسے اگر عسس کو علم ہو جاوے کہ بادشاہ کسی گھات مین چھپا ہوا مجھکو دیکھ رہا ہے تو وہ شب کو گشت کرنے کہ اوس کا فرض منصبی ہے غافل اور بیفکر نہ ہو گا اسیطرح ہر شخص کو چاہیے کہ جن امر کا جو شخص بھی عسس کی طرح مکلف ہے اپنے وقت خدمت مین کہ مشابہ شب عسس کے ہے بیفکر نہ ہو اور یہ تفریع ہے قرب پر کیونکہ قرب کی جو دلیل اوپر بیان کی گئی یعنی تصرف وہ قرب کے ساتھ علم متصرف کو بھی مستلزم ہے اور علم پر اس کا متفرع ہونا ظاہر

پس مجموعہ قرب و علم و اختفار مدلول ہے اندر کمین کا اور اختفار کو تفریع میں ہان معنی کو دخل نہیں کہ عدم جواز فراغ عدم اختفار میں نہیں ہوتا اور یہین تو زیادہ ہوتا ہے بلکہ باین معنے ہے کہ اختفار کو مانع عدم جواز فراغ و مقتضی جواز فراغ نہ سمجھو بلکہ قرب و علم کو اگرچہ وہ مقرون ہے اختفار کے ساتھ مستلزم عدم جواز فراغ سمجھو اور یہ شعر گویا ترجمہ ہے قولہ تعالیٰ کا ان ربک لبالمرصاد یہ مضمون تو متعلق تھا قرب کے آگے غیر محسوس ہونیکے متعلق مضمون ہے کہ ہم نے جو غیر محسوس کہا ہے تو مراد مطلق غیر مدرک نہیں بلکہ مراد غیر مدرک بہذہ المدرکات العامۃ من الحواس والعقل المتوسط ہے باقی عقل عالی و قوت قدسیہ سے اوسکا ادراک ہوتا ہے اسی مضمون کو اسطرح فرماتے ہیں کہ) وہ محسوس (یعنی مدرک) ہی ایک گھات میں (یعنی جس کمینگاہ میں وہ مخفی ہے جو وہان پہونچے اوسکو وہ مدرک ہوگا مراد اس سے باطن اور غیب ہی چنانچہ جسکی عقل و روح کو غیب سے تعلق ہو جاتا ہے اوسکو ادراک خاص و عرفان حسب استعداد بشری حق تعالیٰ کا ایسا ہوتا ہے کہ عقلاء و حکماء کو نہیں ہوتا اور اندر رہنے میں کمین کی ظرفیت مراد نہیں کہ حق تعالیٰ تقید بالحادث سے منزہ ہین بلکہ تجلی خاص کا تعلق مراد ہے کما فی قولہ تعالیٰ الرحمٰن علی العرش استویٰ و قولہ علیہ السلام یرحمکم من فی السماء) لیکن وہ اس خانہ (قالب) کے حواس کا محسوس نہیں ہی (اسکا صدق حواس پر تو ظاہر ہے کہ وہ حال فی الجسم ہین اور عقل متوسط چونکہ محتاج ان حواس کی ہے کما ثبت ان المحسوسات مبادی المعقولات اسلیے وہ بھی مضاف الی الجسم ہوئی اور عقل قدسی بوجہ عدم احتیاج الی الاستدلال کے اس اضافت سے منزہ ہے اور میری تقریر سے معلوم ہوا ہوگا کہ حواس این خانہ سے مراد عام ہے حواس اور عقل کو اور یہ بھی معلوم ہوا ہوگا کہ ادراک منفی سے مراد ادراک خاص ہی جو قوت قدسیہ سے ہوتا ہے اور جس سے عقلاء محروم ہین پس یہ شبہہ نہ رہا کہ حق تعالیٰ پر محسوس فی الکمین ہونیکا حکم کیسے صحیح ہوسکتا ہے اوسکا ادراک بالحواس تو اس حیات دنیویہ تک ممتنع ہے اور نہ یہ شبہہ رہا کہ اگر حواس سے مراد عام لیا جاوے تو اس عقل متوسط سے بھی جسکو حس این خانہ کہا ہے ادراک ہوتا ہے میری تقریر سے سب شبہات رفع ہوگئے آگے بھی اسی مضمون کا حاصل فرماتے ہین کہ) وہ حس جس حس پر کہ حق تعالیٰ ظاہر ہے وہ اس عالم (ظاہر) کی حس نہیں ہی اوس عالم (باطن) کی حس دوسری ہے (اسی شعر کے سب اجزاء کی شرح اوپر کے شعر مین کردی گئی ہی آگے بھی اسی مضمون کی تاکید ہے کہ) حس حیوانی (شامل للعقل المتوسط) اگر ان صور (مدرکۂ عقل عالی) کو ادراک کرلیا کرتی تو گاؤ خر (سب) بایزید وقت ہوجایا کرتے (تجلیات مدرکۂ عقل عالی کو صور سے تعبیر کرنا اشارہ لطیف ہے ایک مسئلہ مہمہ کی طرف وہ یہ کہ ہر چند کہ عقل عالی کا ادراک بمقابلۂ عقل متوسط کے از بس عمیق ہے لیکن کنہ حق اوس عقل عالی سے بھی مخفی ہے پس کنہ کے مقابلہ مین وہ تجلیات بھی مرتبۂ صور مین ہین جن سے حق تعالیٰ منزہ ہے کما قیل کل ما خطر ببالک فہو ہالک واللہ اجل و اعلیٰ من ذلک و قیل ہو وراء الوراء ثم وراء الوراء الیٰ ما لا نہایۃ لہ ہے اور گاؤ خر سے مراد بھی

بالمعنی اللغوی ہین تو اسپر یہ شبہہ ہوتا ہے کہ حس حیوانی کو اگر عقل متوسط کو شامل نہ کہا جاوے تب تو اس
حکم کی ضرورت ہی نہین کیونکہ کوئی شخص اسکا قائل نہین کہ حق تعالیٰ کا ادراک حواس جسمانیہ سے ہوتا ہے
سب متفق ہین کہ بوجہ تجرد کے اوسکا ادراک مخصوص ہے عقل کے ساتھ پھر اسکی نفی کی کیا ضرورت ہے و نیز
عقل متوسط کے لیے اُسکے ادراک کو صحیح کہا جاویگا حالانکہ یہ بھی مقصود مقام کے خلاف ہے اور اگر حواس کو
عقل متوسط کو عام کہا جاوے جیسا کہ مقتضا مقام کا بھی یہی ہے تو استلزام کا حکم غلط ہے کیونکہ گاؤخر مین قوت
عاقلہ کہان ہے مگر اس شبہہ کا جواب یون ہوسکتا ہے کہ حیوانات مین بھی کسی قدر قوت عاقلہ کے وجود کے
قائل ہوجاوین چنانچہ ظاہر قصہ ہدہد اور اوسکی تقریر سے جو کہ مذکور فی القرآن ہے اسی کو ترجیح معلوم ہوتی
ہے اور اگر گاؤخر سے مراد گرفتاران شہوات بطن و فرج لیے جاوین گو اونمین عقل متوسط بھی ہے تو کلام
پر کوئی غبار ہی نہین یہانتک مضمون ہوگیا اوسکے غیر محسوس ہونیکا آگے عود ہے مضمون بالا قریب سرخی
باد طوفان بود و کشتی لطف ہو + بس چنین کشتی و طوفان دارد او کی طرف اور بیان ہے حق تعالیٰ کے
کشتیہاے ظاہری و باطنی کے مالک ہونے اور اون کشتیونمین متصرف ہونیکا جو مدلول تھا شعر مذکور آنفا کے
مصرعۂ ثانیہ کا پس فرماتے ہین کہ) جسنے جسم کو ہر روح کا (یعنی جو جو روح جس جس جسم کے متعلق ہے) مظہر کیا
(اور یہ ظاہر ہے کہ ظہور آثار و افعال روح کا بواسطہ جسم کے ہوتا ہے) اور جسنے کشتی کو نوح علیہ السلام کا براق
(یعنی مرکب محافظ) بنایا وہ (ایسا قادر و متصرف ہے کہ) اگر چاہے تو عین کشتی کو (جو کہ آلہ تھا حفاظت کا) خاصیت
مین وہ تیرا طوفان بنادے اے طالب نور (یعنی طالب علم صحیح مطلب یہ کہ عین نفع کو ضرر بنانے پر وہ قادر
ہین آگے اسکی ایک نظیر بیان فرماتے ہین کہ دیکھو) اے قلیل البضاعۃ ہر وقت تیرے (ایک) طوفان در (ایک)
کشتی کو اوسنے غم اور خوشی کے ساتھ متصل کر رکھا ہے (یعنی غم کے ساتھ ایک طوفان ہے اور خوشی کے ساتھ
ایک کشتی اور وہ طوفان و کشتی خود غم اور خوشی ہی ہین پس یا مدخولہ با غم و شادیت گویا تجریدیہ ہے
چنانکہ در لقیت بزید اسدا مطلب یہ کہ تیرے قلب کے اندر ہر وقت کا غم اور خوشی کیونکہ ہر وقت ان دونون
کیفیتونمین سے کچھ نہ کچھ تو رہتی ہے یہ بمنزلہ طوفان اور کشتی کے ہین ضرر اور نفع مین پھر یہ بھی دیکھ لو کہ بکثرت
ایسا ہوتا ہے کہ جو بناء ہوتی ہے خوشی کی وہی بعینہ خیال کے بدلنے سے یا کسی حال کے بدلنے سے بناء ہوجاتی
ہے غم کی و بالعکس مثلاً اول کسی شخص کے آنیسے اس خیال سے کہ ہماری مدد کریگا خوشی ہوئی پھر یا تو خیال
بدل گیا یا خود اوس شخص کا حال بدل گیا پس اس خیال سے کہ ہماری مخالفت کریگا وہی آنا سبب غم ہوا
وھوالمذکور فیما قبل گر بخواہد عین کشتی را بجو + او کند طوفان تو ای نور جو + اور کبھی اسکا عکس واقع ہوکر
سبب غم سبب خوشی ہوگیا اور یہ اوپر مذکور نہین ہوا مگر ایک مقابل دوسرے مقابل پر دلالت کرنیکے لیے
کافی ہے اور اس شعر مین جو غم و خوشی کے ہر وقت طاری رہنے کا حکم کیا ہے اسپر شبہہ ہوسکتا تھا کہ ہم تو
زیادہ اوقات ان دونون سے خالی دیکھتے ہین تو یہ طریان اکثری بھی نہین جسمین ہر دم کہنے کی گنجایش ہو

للاکثر حکم الکل ہوتی پس یہ حکم کیسے صحیح ہوا آگے اس شبہہ کا جواب دیتے ہین کہ) اگر تو کشتی (خوشی) اور دریا دی غم کا طوفان اپنے) سامنے نہین دیکھتا (جیسا تونے شبہہ کیا ہے کہ مجھکو اکثر اوقات اس سے خالی گذرتے ہین تو) تو (اوسپر استدلال کرنیکے لیے) اپنی تمام اجزا مین (وقتاً فوقتاً) لرزے دیکھلے (جو کہ امید وبیم کے تعاقب سی وقتاً فوقتاً پیدا ہوتے ہین یعنی ایک بیم سے ایک لرزہ دوسرے بیم سے دوسرا لرزہ اوسان دونون لرزونکے درمیان جو وقت فاصل اور لرزہ سے خالی ہو جیسا کہ تعاقب کے لوازم سے ہے اوسمین امید ایک مقدمہ تو یہ ہوا جو شعر مین مذکور ہے اور دوسرا مقدمہ جو مطوی ہے بین او غیر محتاج الی الذکر ہے یعنی امید کا تعلق کسی خوشی کی بات سے ہوتا ہے اور بیم کا کسی غم کی بات سے اور ان دونون کیفیتون سے شاذونادر کسی وقت قلب خالی رہتا ہے پس امید وبیم جو علامت ہے وجود خوشی ووجود غم کی جب اکثر اوقات انکا طریان رہا تو حکم ہر دمست طوفان وکشتی الخ صحیح ہو گیا منشا اشتباہ کا یہ ہوا تھا کہ معترض نے غم اور خوشی کے وہ درجات مراد سمجھے تھے جس سے انسان مغلوب ہو جاوے اور جواب مین یہ بتلا دیا کہ مراد ہماری اوسکے عام درجات ہین خواہ غالب یا غیر غالب اور یہ سوال صرف لفظ ہر دم کے اعتبار سے واقع ہوتا ہے ورنہ جو اصل مضمون ہے کہ خدا تعالی مضر کو نافع اور نافع کو مضر کر دیتے ہین وہ اوسوقت بھی صادق ہی کہ ایسا گاہ گاہ ہو جاوے آگے عود ہے مضمون انتقال رابع کی طرف جو کہ یہان سے نودس شعر اوپر مذکور ہوا تھا نیمہ ترسندہ اند الخ پس حقیقت الخ یعنے یہ لرزہ اور ترس جیسا کہ اوپر مذکور ہوا دلیل انی ہے کسی مخوف قدیم کی مگر بعض منکران حق اس خوف کو مخوف حادث کی طرف جسمین مؤثر حقیقی ہونے کی صلاحیت بھی نہین منسوب کرتے ہین یہی مضمون ہے اشعار آیندہ کا یعنی) جب اپنے خوف کے مبدا (حقیقی) کو (ظاہری) آنکھون والا (جو کہ باطنی آنکھون سے جس سی اوس مبدا کا ادراک کرتا اعمی ہے) نہین دیکھتا (اسلیے) خیالات گونا گون سی (اونکو مخوف حقیقی اعتقاد کرنیکی بنا پر) وہ خوف رکھتا ہے (مراد اس شخص سے فلسفی و دہری ہے کہ وہ منکر حق ہو کر ہر شئے کا فاعل حقیقی اسباب طبعیہ کو سمجھتا ہے چنانچہ ایسے ایسے خوفونکا فاعل بھی اونکے سبب طبعی کو کہ وہ خیالات ہین جنمین بکثرت غیر واقعی بھی ہوتے ہین سمجھتا ہے آگے اس شخص کور باطن کی مثال ہے یعنی اس شخص کی ایسی حالت ہے جیسے) کسی اندھے کو کوئی جفا کار دست ایک گھونسا لگائے (اور وہ) اندھا خیال کرے کہ لات مارنیوالا کوئی خچر ہے (یعنی کسی خچر نے لات ماردی ہے) کیونکہ اوسوقت وہ خچر کی آواز سن رہا تھا اوس سی قیاس کر لیا کہ بس مارنیوالا بھی یہی ہو گا اور قاعدہ ہے کہ) اندھے کا آئینہ (جسمین انطباع ورتسام محسوسات کا ہوتا ہے) کان ہے نہ کہ آنکھ (اسلیے اوسنے کان کے مسموع سے استدلال کیا) پھر (کسی قرینہ سے وہ) اندھا کہتا ہے نہین (خچر نہین تھا) یہ پتھر تھا (جو کسی نے پھینک کر مارا) یا شاید کسی قبہ نما و الے سے (لگا) تھا (طنگ بالفتح بمعنے صدا و آواز کذا فی الغیاث مراد اس سے سہل یہ ہے کہ پہاڑ ہو کہ ارتفاع مین او اور اوسکے اندر صدا کے منعکس ہونے مین مشابہ قبہ کے ہے مطلب یہ کہ کسی پہاڑ پر سے لڑھک کر پتھر

پھر کسی قرینہ سے اسکا غلط ہونا بھی معلوم ہوا تو کہتا ہے کہ) یہ بھی نہ تھا اور وہ بھی نہ تھا اور وہ بھی نہ تھا (یعنی نفی
اوپر کے تینون اسباب سے متعلق ہین استر سنگ زننده کو وغیرہ) حاصل یہ کہ حقیقت نہ معلوم ہونیسے وہ ان
اسباب غیر واقعیہ کو اسباب سمجھا یہی حال ہے دہری کا آگے مولانا اوس دہری کو حقیقت امر پر دلالت فرماتے
ہین کہ) جس شخص نے قلب مین خوف پیدا کیا اوسی نے یہ سب چیزین (ذہن کو رمین) ظاہر کین (یعنی ان خیالات
کا خالق بھی وہی ہے جو خوف کا خالق ہے اسمین زیادہ رد ہو گیا اوسپر کہ وہ تو خوف کا محدث ان خیالات کو
تبلاتا تھا مولانا نے تبلادیا کہ یہ خیالات بیچارے خود اپنے تکون مین بھی اوسی محدث حقیقی کے محتاج ہین آگے
اسی کی مزید تقریر ہے کہ) خوف (جو کہ شعر اینهمہ ترسنده اندالخ مین مذکور تھا) اور لرزہ (جو کہ مصرعہ لرزہا بین الخ
مین مذکور تھا) غیر کی طرف سے (کہ وہ مخوف ہی) ہوتا ہے بالیقین کوئی شخص از خود (بلا مخوف کے) نہین ڈرا
کرتا لے حزین (جسکی تقریر شعر اینهمہ ترسنده اندالخ کی شرح مین گذر چکی مگر) وہ مردک حکیم (جو کہ دہری ہے
اس) خوف (کے سبب) کو وہم کہتا ہے (یعنی یہ کہتا ہے کہ اوہم خلاق الاشیا بس اوسی وہم نے کچھ خیالات
ذہن مین پیدا کردیے کہ وہ سبب ہوگئے خوف کے پہلے مصرعہ ترس دارد از خیال گونہ گون مین اوس کا
اعتقاد یہ نقل کیا ہے کہ وہ خیالات کو علت خوف کہتا ہے اور یہان یہ نقل کیا کہ وہ قوت واہمہ کو علت کہتا
ہے مگر دونون مین تنافی نہیں اصل یہ ہے کہ خوف کو مسبب خیالات سے اور خیالات کو مسبب وہم سے تبلاتا ہے
یعنی اوسکے نزدیک خوف کا سبب قریب خیالات اور سبب السبب وہم ہے ایک جگہ سبب قریب کی طرف نسبت
کردی ایک جگہ سبب بعید کی طرف والکل صحیح اور مقولہ حکیم کے اس دوسرے عنوان مین بقرینہ انطباق رد
آئندہ کے ایک خاص استدلال کی طرف اشارہ ہے تقریر اوسکی یہ ہے کہ خوف کا سبب بعض اوقات خیالات
غیر واقعیہ ہوتے ہین اور امور غیر واقعیہ کو محدث کی ضرورت نہین ہوتی پس سلسلہ سبب حدوث خوف کا
خیالات سے آگے چلنا ضرور نہ ہوا جسکا تم عموماً بھی اور مصرعہ آنکہ او ترس آفرید اینها نمود مین خصوصاً دعویٰ
کررہے ہو فقولہ وہم خواند الخ فیہ تعرض بالرد الی ذلک المصراع ایضاً جب خیالات سے آگے سبب کا سلسلہ
نہین پھر محدث قدیم کے وجود کی ضرورت نہ ہوئی آگے اوسکے اس خیال کا رد ہے کہ) اوس (دہری) نے
اس درس کے متعلق (اپنی) فہم کو کج کردیا ہے (جسکی آگے ایک دلیل ہے اور وہ یہ کہ یہ مقدمہ ظاہر ہے کہ)
کوئی وہم بلا حقیقت کب ہوتا ہے (یعنی نہین ہوتا اور توضیح کے لیے اوسکی یہ مثال ہے کہ) کوئی کھوٹا بدون
کھرے کے کب چلتا ہے (اور یہ مثال ہے کہ) کب جھوٹ بات رونق پاتی ہے بدون سچ کے (وجود کی چنانچہ
دونوں عالم مین ہر جھوٹ سچ ہی کے سبب پیدا ہوا ہے (مطلب اس پیدا ہونے کا یہ ہے کہ) سچ کا اوس
(جھوٹ بولنے والے) نے رواج اور فروغ دیکھا اوس (رواج وفروغ) کی امید پر اوسنے جھوٹ کو جاری
کردیا (آگے بطور تفریع کے جھوٹ کو فرضی مخاطب بنا کر کہتے ہین کہ) اے جھوٹ جسکا یہ سامان (مقبولیت)
سچ کے سبب سے ہے تو نعمت کا شکر کر (یعنی) سچ (کے وجود) کا انکار مت کر (کہ دنیا مین سچ کوئی چیز ہی نہین

تقریر و توضیح اس مقدمہ کی یہ ہے کہ وہم سے اگر کوئی غلط خیال بھی کسی سلیم الحس کو پیدا ہوگیا ہو جو سبب ہوگیا خوف کا تب بھی خود یہی دلیل ہے بعض اوقات مین اوس خیال کی واقعیت کی کیونکہ وہ خیال اگر کبھی واقعی نہوتا تو پھر اوسکے احتمال سے اندیشہ و خوف ہی کیون ہوتا مثلاً کسی وجہ سے کسی کو خیال غلط پیدا ہوگیا کہ مجھکو کوئی مار نہ ڈالے تو یہ خوف تب ہی پیدا ہوسکتا ہے جب ایسے واقعات کبھی ہو بھی جاتے ہون جس طرح کھوٹا جو چل جاتا ہے تو خود یہ دلیل ہے کہ کھرا بھی دنیا مین ہے اوسی کا دھوکا دیکر تو کھوٹا چلا دیا جاتا ہے اور جسطرح جھوٹ جو چل جاتا ہے تو یہ خود دلیل ہے کہ سچ بھی دنیا مین ہے اوسی کا دھوکا دیکر تو جھوٹ چلایا جاتا ہے پس اگر کھوٹا یا جھوٹا وجود خالص یا وجود راست کا انکار کرے تو کفران عظیم ہے کہ اپنی ہی بنا و قدر کو منہدم کرتا ہے جب یہ مقدمہ ثابت ہوگیا تو جواب کی تقریر یہ ہے کہ اگر ہم مان بھی لین کہ یہ خیالات غیر واقعیہ ہین تب بھی یہ خود دلیل ہین ان خیالات کے بعض اوقات مین واقعی ہونے کی اور واقعیت کے وقت انکو محدث قدیم کی حاجت ہوگی پس ہر خیال غیر واقعی اسطرح پر مستلزم ہوگیا وجود محدث کو کیونکہ خیال غیر واقعی مستلزم ہے خیال واقعی کو اور خیال واقعی مستلزم ہے وجود صانع کو پس خیال غیر واقعی مستلزم ہوگیا وجود صانع کو وہذا ہو المطلوب اور مین نے سلیم الحس کی قید اسلیے لگائی کہ ماؤف الحواس بسا اوقات ایسی چیز فرض کرکے ڈرتا ہے جسمین عادۃً کبھی واقعیت نہین ہوتی لیکن کوئی شخص اس مادہ خصوصیت مجنون سے اس مقدمہ کے منقوض ہونیکا شبہ نہ کرے کیونکہ جب بعض واقعیات سے وجود صانع کا ثابت ہوجائیگا تو اگر ایک مادہ دال نہ بھی ہو مدعا پر تو مدعا مین کوئی قدح نہین ہوا کیونکہ فن مین مقرر ہے کہ انتفاء دلیل خاص مستلزم نہین انتفاء مدلول کو ممکن ہے کہ دوسری دلیل وجود مدلول پر دال ہو اور یہ جواب علی سبیل التنزل ہے ورنہ ہم اول ہی سے حکیم کے اس قول پر کہ بعض اوقات خیالات غیر واقعیہ ہوتے ہین اور امور غیر واقعیہ کو محدث کی ضرورت نہین مواخذہ کرسکتے ہین اور پوچھتے ہین کہ خیالات کے غیر واقعی ہونے کے کیا معنے اگر یہ ہے کہ اون امور کا وجود خارجی نہین تو مسلم مگر پھر یہ مسلم نہین کہ ایسے امور غیر واقعیہ کو محدث کی ضرورت نہین کیونکہ وجود ذہنی بھی ایک قسم ہے وجود واقعی کی اور اس مرتبہ مین بھی محدث کی احتیاج ہے اور اگر یہ معنے ہین کہ اون امور کا وجود ذہنی بھی نہین تو بداہۃً غلط پس دلیل اصل ہی سے منہدم ہے اسکے بعد مولانا کو پھر مضمون سابق کشتی کا یاد آیا مگر کچھ اثر اس مضمون رد فلسفی کا بھی ذہن مین باقی ہے اسلیے آگے تردد کو ظاہر کرینگے کہ ان مین سے کونسا مضمون بیان کرون پھر ترجیح دینگے کشتی کے مضمون کو پھر مضمون کشتی سے ایک چھوٹا انتقال کرینگے عزلت عن العامہ کی ترغیب و اختلاط مع العامہ سے ترہیب کی طرف)

از مفلسف گویم و سودائے او	**یا ز کشتیہا و دریاہائے او**
فلسفی اور اوسکے خیال کے متعلق کچھ کہون	یا حق تعالیٰ کی کشتیون اور دریاؤن کے متعلق کہون
بل ز کشتیہاش کان بندِ دل ست	**گویم از کل جزو در وے داخل ست**
بلکہ اوسکی کشتیون ہی کے متعلق کیونکہ وہ قلوب کا مسخر کرنیوالا ہے	مین کل کے متعلق کہتا ہون جزو بھی اوسمین داخل ہے

هر ولی را نوح و کشتیبان شناس
ہر ولی کو نوح اور کشتیبان سمجھ
کم گریز از شیر و اژدرہای نر
تو شیر اور اژدہاے نر سے کم بھاگ
در تلاقی روزگارت می برند
ملاقات مین تیرا وقت ضائع کرتے ہین
چون خرِ تشنہ خیالِ ہر یکے
مثل پیاسے گدھے کے ہر ایک کا خیال
نشف کرد از تو خیالِ آن وشات
اون چغل خورون کے خیال نے تجھسے چوس لیا
پس نشانِ نشفِ آب اندر غصون
پھر شاخون کے اندر پانی کے نشف کی علامت
عضو چون شاخِ تر و تازہ بود
عضو مثل تر و تازہ شاخ کے ہوتا ہے
گر سبد خواہی توانی کردنش
اگر تجھکو ٹوکرا بنانا منظور ہو تو اوسکو بنا سکتا ہے
چون شد آن ناشف زنشفِ بیخِ خود
جب وہ شاخ ناشف یعنی جڑ سے ناشف بننے سے جاتی رہے
پس بخوان قامُوا کُسَالیٰ از نُبیٰ
پھر قرآن سے قاموا کسالی پڑھ لے

صحبتِ این خلق را طوفان شناس
اِس خلق کی صحبت کو طوفان سمجھ
ز آشنایان و زخویشان کن حذر
آشناؤن اور اقارب سے احتیاط کر
یاد ہاشان غائبی ات می چرند
اونکی یادین تیری غیبت کو چرتی ہین
از قفِ تن فکر را شربت کیے
قیف جسم سے فکر کے شربت کو چوسنے والا ہے
شبنمے کہ داری از بحر الحیات
اوس شبنم کو جو بحر الحیات سے تو رکھتا تھا
آن بود کہ می بجنبد در رکون
وہ ہوتی ہے کہ وہ میلان مین جنبش کرتی ہین
می کشی ہر سو کشیدہ می شود
کہ تو جس طرف کھینچے وہ کھنچ جاتا ہے
ہم توانی کرد چنبر گردنش
نیز اوسکو گردن کی ہنسلی بنا سکتا ہے
ناید آن سوے کہ امرش می کشد
تو وہ اوسطرف نہین آتی کہ حکم اوسکو کھینچتا ہے
چون نیابد شاخ از بیخش طبی
جبکہ شاخ اپنی جڑ سے پستان نہ پاوے

(ربط اوپر مذکور ہوا یعنی اثناے مضمون رد علی الفلسفی مین اوپر والا مضمون کشتی ہاے حق کا یاد آیا پس اولاً بطور تردد کے فرماتے ہین کہ اسوقت یہ دونون مضمون ذہن مین جمع ہو گئے تو مین آیا فلسفی اور اوسکے خیال کے متعلق کچھ کہون یا حق تعالیٰ کی کشتیون ور دریاؤن (یعنی طوفان) کے متعلق کہون (آگے مضمون کشتی کو ترجیح دیکر خود ہی جواب دیتے ہین کہ مین فلسفی کے متعلق نہین کہتا) بلکہ اوسکی کشتیون ہی کے متعلق کہتا ہون) کیونکہ وہ (مضمون) قلوب کا مسخر کرنیوالا ہے (کیونکہ اوسمین مقصوداً بالذات ذکر ہے عنایت و لطف و حفاظت حق کا اور محبوب کا ذکر مسخر قلب ہوتا ہی ہے اگرچہ تبعاً ما عنہ الحفظ یعنی طوفان و قہر کا بھی ذکر ہوگا بخلاف ذکر فلسفی کے کہ اوسمین خود اوسی کا ذکر مقصود ہے اگرچہ ردّ و ابطال کے لیے سہی مگر خود ردّ و ابطال ہی تو مقصود بالذات نہین مقصود بالتبع ہی ہے کیونکہ اگر

اوسکے اضرار کا اندیشہ نہ ہوتا تو خود دردمین کوئی مضے عبادت مقصودہ کے نہین اور حق تعالیٰ کا ذکر خود عبادت مقصودہ ہے اور نیز کشتیون کا ذکر فلسفی کے مذکر کو بھی متضمن ہوجاویگا اسطرح سے کہ آگے ابھی آتا ہے کہ صحبت عامہ خلق کہ اوسمین فلسفی بھی داخل ہے طوفان ہے اور اوس سے حفاظت کی کشتی صحبت اہل اللہ ہے پس اہل اللہ کا ذکر کہ مظہر لطف حق ہین اور کشتی کا حاصل یہی لطف حق ہے اس کشتی کا یہ ذکر متضمن ہوگیا ذکر فلسفی کو بھی جو کہ فرد ہے عامہ خلق کی جس سے تحرز کے لیے اوسکا ذکر کیا گیا ہے تو اسطرح دونون کا ذکر ہوجاویگا اور اس کا عکس نہین ہے اسلیے) ہین کُل کے متعلق (مضمون) کہتا ہون جزو بھی اوسمین داخل ہے (ذکر کشتی کو کُل اور ذکر فلسفی کو جزو تشبیہًا کہا کیونکہ کُل کا ذکر جسطرح مستلزم ہوتا ہے ذکر جزو کو اسیطرح کشتی کا ذکر مستلزم ہوگیا ذکر فلسفی کو جیسا ابھی مذکور ہوا اور اسی تضمن اور استلزام کی نسبت کہدیا ہے کہ وہی داخل ست آگے مشابہ کشتی ہونے کی حیثیت سے اولیاء اللہ کی صحبت کی ترغیب اور مشابہ طوفان ہونیکی حیثیت سے عامہ خلق کی صحبت سے تحذیر اور اوسکے مضار کا مضمون آخر اشعار مقام تک بعنوان خاص چلا گیا ہے پس اس عنوان کے اعتبار سے یہ انتقال سادس ہے گو معنون کے اعتبار سے تفصیل ہے مضمون سابق کشتی کی پس فرماتے ہین کہ) ہر ولی کی صحبت کو کشتی اور اوس ولی) کو نوح اور کشتیبان سمجھ (اور) اس (عامہ) خلق کی صحبت کو طوفان سمجھ (آگے تفریع ہے عامہ خلق کو طوفان سمجھنے پر کہ جب وہ ایسے ضرر رسان ہین تو) تو شیر اور اژدہا سے نہ سہی کم بھاگ (لیکن) آشناؤن اور اقارب سے (بہت) احتیاط کر کہ وہ شیر و اژدہا سے بھی زیادہ ضرر رسان ہین چنانچہ اونکا ضرر یہ ہے کہ) ملاقات مین تیرا وقت ضائع کرتے ہین (اور) اونکی یادین تیری غیبت (کے اوقات) کو چرتی ہین (یعنی انکا تعلق حضور و غیبت دونون مین مضیع وقت ہے حضور مین بواسطہ ملاقات اور غیبت مین بواسطۂ یاد اور اس سب سے دین برباد ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ شیر و اژدر دین کو ضائع نہین کرتے آگے احباب اقارب کے ان تعلقات اور یاد و خیال کے ضرر کا بیان ہے کہ) مثل پیاسے گدھے کے ہر ایک (دوست اور عزیز) کا خیال قیف جسم سے فکر (روحانی) کے شربت کو چوسنے والا ہے (قیف بالکسر مخفف قیف ظرفیکہ بآن آب وغیر آن در ظروف دہان تنگ و شیشہ می کنند کذا فی الحواشی مطلب یہ کہ روح مین جو قوت متفکرہ ہے اور اوسکو ایک نسبت حق تعالیٰ کے ساتھ ہے کہ وہ نسبت اوس قوت متفکرہ کو حق تعالیٰ کی طرف منصرف کرتی ہے اور یہ نسبت بوجہ حلاوت بخشی کے مشابہ شربت کے ہے اور بوجہ تعلق روح بالجسم کے اوسکا اثر اعضاء جسم پر بھی ظاہر ہوتا ہے یعنی طاعت و خدمت وغیرہ اوسکو احباب و اقارب کی نفسانی یادین سلب کرلیتی ہین اور یہ سلب اولًا و بالذات متعلق ہوتا ہے روح سے کہ روح مین سے وہ فکر زائل ہوجاتی ہے اور ثانیًا و بالعرض متعلق ہوتا ہے جسم سے کہ اوس توجہ کا جو اثر تھا طاعت و خدمت اب وہ جسم اوسمین کسل کرتا ہے اسی تعلق بالعرض کے اعتبار سے اس شعر مین از قیف تن فرمایا اور تعلق بالروح کا ذکر کرینکی یا تو ضرورت نہ سمجھی کہ وہ تو اوسکا متعلق بہ اولی ہی ہے اوسمین کس کو خفا

ہو سکتا ہے خاصکر جبکہ ما بالعرض دال بھی ہوتا ہے ما بالذات پر اور یا اسلیے ذکر نہین کیا کہ اوسکے آثار تو بواسطہ جسم ہی کے شاہد ہونگے اور جسم کو نیف سے تشبیہ دینا اس وجہ سے ہے کہ نیف واسطہ ہوتا ہے وصول الشئے من الشئے الی الشئی کا اسی طرح جسم واسطہ ہے وصول الشئی ای الاثر من الشئے ای الروح الی الشئے ای الاعضاء کا جسطرح بیخ درخت واسطہ ہے وصول البلۃ من الارض للبلولۃ الی الاغصان کا چنانچہ اسی بنا پر آگے اعضاء کو غصون سے اور جسم کو باعتبار اوسکے قوی باعثہ وارادیہ کے بیخ سے تشبیہ دینگے فافہم توجیہ اجزاء الکلام السابقۃ واللاحقۃ باسہل وجہ واقربہ وللہ الحمد آگے اوس غربت مذکورہ کے مصداق کی تعیین اور مضمون مذکور کی زیادہ تبیین فرماتے ہین کہ) اون چغلخوردن (یعنی احباب واقارب مذکورین) کے خیال (یعنی یاد اور توجہ وتعلق) نے تجھے چوس لیا (اور خشک کردیا) اوس شبنم (مشابہ شربت) کو جو بحر الحیوۃ (الحقیقیہ) سے تو اپنے پاس) رکھتا تھا (یعنی وہ جو ایک فطری تعلق مع اللہ تھا وہ ضعیف یا زائل ہوگیا اور بحر الحیوۃ تعلق تام کو کہا کہ حیوۃ حقیقیہ کا سبب وہی ہے اور من وجہ تعلق بمنزلہ اوس کے قطرات وشبنم کے ہے اور جاننا چاہیے کہ جوسنا اور نشف دو قسم ہے ایک وہ جو مذکور ہوا کہ خیال ناشف ہوگیا تعلق مع اللہ کا تن سے اور حاصل اس نشف کا زوال وذہاب ہے تعلق مع اللہ کا جس طرح کسی شاخ سے ہوا اور دھوپ اوسکی نمی کو خشک کردیتی ہے اور دوسری قسم یہ کہ اعضا ناشف ہون تعلق مع اللہ کے تن سے باعتبار اوسکے قوی باعثہ وارادیہ کے اور حاصل اس نشف کا اکتساب وتحصیل ہے تعلق مع اللہ کی جسطرح شاخین پانی کو جڑ سے چوس کر تر وتازہ ہوجاتی ہین اور اول نشف کا صلہ حرف از اور دوسرے کا حرف در ہوگا چنانچہ اوپر کہا گیا ہے نشف کرد از تو اور آگے آویگا نشف آب اندر غصون اور چونکہ ان دونون عادۃً تنافی حقیقی ہے کہ ہر ایک کا وجود دوسرے کی عدم کی دلیل ہے وبالعکس اور اوپر اول کے وجود کا حکم کیا گیا ہے اور اوسکی کوئی دلیل مذکور نہین ہوئی آگے اسکی دلیل ذکر کرتے ہین کہ وہ عدم ہے ثانی کا اور اوس ثانی کے عدم کو اوسکے آثار وعلامات کے عدم سے ثابت کرتے ہین اور فرماتے ہین کہ تمنے ایک مضمون تو سن لیا یعنی دعوے) پھر (دوسرا مضمون سن لو یعنی دلیل وہ یہ کہ یہان نشف ثانی نہین دیکھا جاتا اور نشف ثانی کے نہ ہونے کی دلیل یہ ہے کہ اوسکے آثار نہین کیونکہ شاخون کے اندر پانی کے نشف کی علامت یہ ہوتی ہے کہ وہ میلان مین جنبش کرتی ہین (یعنی انکو جس طرف لچک دو مڑ جاتی ہین چنانچہ ظاہر ہے اسی طرح) عضو (بھی) مثل تر وتازہ شاخ کے ہوتا ہے کہ تو جس طرف کھینچے وہ کھنچ جاتا ہے (آگے مشبہ بہ کی حالت کی تفصیل ہے کہ) اگر تجھکو ٹوکرا بنانا منظور ہو تو اوسکو جا سکتا ہے نیز اوسکو گردن کی ہنسلی بنا سکتا ہے (اور یہ سب اوسی وقت تک ہے کہ وہ نمی کو جڑ سے کشش کرتا ہو اور تازہ ہو اور) جب وہ شاخ ناشف اپنی جڑ سے ناشف بننے (کی صفت) سے جاتی رہے (یعنی یہ اوس صفت سے دور ہوجاوے) تو (پھر) وہ اوس طرف نہین آتی کہ حکم (موڑنیوالے

کا) اوسکو کھینچتا ہے دیس ہی حال شبہ کا ہے) پھر اسکی تصدیق کے لیے) قرآن سے فَامحُوا کسالی ٹپڑھلے جبکہ شاخ اپنی جڑ سے پستان (مراد شیر یعنی رطوبت) نہ پاوے (یعنی جب قویٰ جسمانیہ ارادیہ و باعثہ سے مدد نہ پہونچے) تو عبادات مین کسل ہوگا پس نشاط و حرکت یہ آثار تھے نشف ثانی کے انکا نہ ہونا دلیل ہے نشف ثانی نہ کے نہ ہونے کی اور نشف ثانی کا نہ ہونا دلیل ہے نشف اول کے ہونیکی و ہوالمطلوب المذکور فی تمہید شعر پس نشانِ نشفِ آب الخ پس لفظ پس شعر پس نشان اور شعر پس نجوان مین تعقیب ذکری کے لیے ہے و تُبی بضم اول و کسرِ ثانی موحدہ و یاے معروف بفارسی قرآن کذافی الغیاث و ثُبی بالکسر و الضم پستان بہائم و سباع کذافی المنتخب آگے اس ہی قصہ کی طرف عود کا قصد کرکے پھر اوسکو ترک کرکے مضمون عشق و غنار کی طرف انتقال فرماتے ہین اور یہ انتقال سابع ہے)۔

آتشین ست این نشان کوتہ کنم
بر فقیر و گنج و احوالش زنم

یہ علامت آتشین ہے۔ کوتاہ کرتا ہون
فقیر اور گنج پر اور اوسکے احوال پر متوجہ ہوتا ہون

آتشے دیدی کہ سوزد او نہال
آتش جان بین کز و سوزد خیال

تونے ایسی آگ تو دیکھی ہے کہ وہ درخت کو جلاوے
آتشِ جان کو دیکھ کہ وہ خیال کو جلاتی ہے

نہ آتشِ عشق ست سوزان جان و دل
لیک بے انوار زو آن جان و دل

آتشِ عشق سے جان و دل سوزان ہے
لیکن بے نور ہے اوس سے وہ جان و دل

نے خیال و نے حقیقت را امان
زینچنین آتش کہ شعلہ زد ز جان

وہ خیال کو امن ہے اور نہ حقیقت کو
ایسی آتش سے جسنے جان سے شعلہ مارا ہے

خصم بر شیر آمد و ہر روبہ او
کُلُّ شَیْءٍ هَالِکٌ اِلَّا وَجْهَه

وہ شیر پر اور ہر روباہ پر غالب آگیا
ہر شئی ہالک ہے بجز اوسکی ذات کے

در وجوہِ وجہ او رو خرج شو
چون الف در بسم در رو درج شو

اوسکی ذات کی تجلیات مین جا فنا ہوجا
تو الف کی طرح بسم مین جا اور درج ہوجا

آن الف در بسم پنہان کردہ ایست
ہست او در بسم و ہم در بسم نیست

اوس الف نے بسم مین پنہان طور پر قیام کیا ہے
وہ بسم مین ہے اور نہین بھی ہے

ہمچنین جملہ حروفِ گشتہ مات
وقتِ حذفِ حرف از بہرِ صلات

اسی طرح تمام وہ حروف جو معدوم ہوجاتے ہین
اوس حرف کے حذف کے وقت بوجہ اتصالات کے

او صلہ ہست و بے و سین ز و وصل یافت
وصلِ بے و سین الف را بر نتافت

وہ ہمزہ و اسطۂ وصل ہے اور ب و س نے اوسی سے اتصال پایا ہے
ب و س کا اتصال الف کو برداشت نہ کر سکا

چونکہ حرفے برنتابد این وصال | واجب آمد کہ کنم کوتہ مقال
جبکہ ایک حرف کو برداشت نہین کرتا یہ وصال | تو ضروری ہوا کہ مین کلام کو کوتاہ کر دون

چون یکے حرفے فراقِ سین وبے ست | خامشی اینجا مہم تر واجب ست
جب ایک حرف فراق ہے سؔ وبؔ کا | خاموشی اس جگہ مہم تر واجب ہو

ہمچون الف از خود فنا شد مکتنف | بے وسین بے او ہمیگویند الف
جب الف اپنے سے فنا ہوگیا۔ اور پناہ لینے والا | تو بؔ وسؔ بدون اوسکے کہہ رہے ہین کہ یہان الف ہے

مَارَمَیتَ اِذْرَمَیتَ بے وی ست | ہمچنین قال اللہ از ضمنش بجست
مَارَمَیتَ اِذْرَمَیتَ بدون اوسکے ہے | اسطرح اوسکے ضمن سے قال اللہ مستفاد ہوا

تا بُود دارو ندارد او عمل | چونکہ شد فانی کند دفعِ علل
جب تک دوا رہتی ہے وہ عمل نہین کرتی | جبکہ وہ فانی ہوگئی تو امراض کا دفعیہ کرتی ہو

(اوپر شعر پس نشان نشف آب را الی شعر چون شد آن ناشف مین حرکت کی اطاعات کو نشان تعلق مع اللہ کا جنکو اوس سے اوپر شبنم بحر الحیوٰۃ کہا ہے اور عدم حرکت کو نشان عدم تعلق مع اللہ کا فرمایا ہے چونکہ حقیقت اس تعلق کی بوجہ علوم مکاشفہ مین سے ہونیکے غامض اور دقیق ہے کہ وہ راجع ہے تحقیق علاقہ فیما بین الروح والحق کی طرف جو کہ منشار ہے مسئلہ وحدۃ الوجود و اسرار توحید و بارد فنا و بقا و احوال عشق کا جنکا اظہار ظاہر ہے کہ عوام کے مناسب نہین اسلیے فرماتے ہین کہ) یہ علامت (کا مضمون) آتشین ہے (کہ عام سامعین کو مضر ہے اسلیے مین اسکی) کوتاہ کرتا ہون (اور اس مضمون کو چھوڑ کر) فقیر اور گنج پر اور اوسکے احوال پر متوجہ ہوتا ہون (مگر قصہ شروع نہین کرنے پائے کہ اون اسرار و واردات کا بیساختہ غلبہ ہوگیا جنکا غموض باعث ہوا تھا اونکے ترک ذکر کا مگر مغلوبیت مین معذوری ہے اس لیے اون اسرار و واردات کی طرف بالانتقال السابع منتقل ہوگئے پس فرماتے ہین کہ) تونے ایسی آگ تو (بہت) دیکھی ہے کہ وہ درخت کو جلادے (مگر) آتش جان کو دیکھ کہ وہ خیال کو جلاتی ہے (آگے اور آتش جان کا مصداق مع اشارہ بوجہ تسمیہ بتلاتے ہین کہ) آتش عشق سے جان و دل سوزان ہے (پس آتش جان کا مصداق آتش عشق ہوئی اور آتش جان اس اعتبار سے کہی گئی کہ جان کے لیے مثل آتش کے سوزندہ ہے جس سوزندگی جان کا ایک اثر یہ ہے کہ جان کے خیالات کو جو کہ ماد من کے ساتھ متعلق تھے سوختہ و فنا کر دیا) لیکن (باوجود اوسکے ایسے سوزندہ ہونیکے) بے نور ہے اوس سے وہ جان و دل (یہ اشارہ ہے جان بے نور کی طرف قرینہ اسکا عنوان مبتدا رکا ہے حاصل یہ کہ فاعل تو بہت قوی ہے مگر فاعلیت کے شرائط مین سے وجود قابل بھی ہے جو جان قابل نہ ہو وہ اوس سے احتراق تو کیا حاصل کرتا جو موقوف ہے قابیت تلبس پر اوسکو تو نور بھی حاصل نہین جو بعید سے بھی حاصل ہوجاتا ہے چنانچہ

چراغ اور آفتاب سے دور ہونے پر بھی نور حاصل کیا جاتا ہے اور جو جان قابل ہے اوسکے اعتبار سے یہ فاعل ایسا موثر ہے کہ وہ صرف مفنی خیال ہی نہیں بلکہ مفنی حقائق بھی ہے پس) نہ خیال کو امن ہے اور نہ حقیقت کو ایسی آتش سے جس نے جان سے شعلہ مارا ہے (یعنی جس عشق نے جان کو سوختہ کر دیا اوسکا اثر اس جان و متاثر و قابل مین یہ ہے کہ اوس سے فنار علمی کہ علوم و خیالات سے متعلق ہے اور فنار حسی کہ موجودات واقعیہ یعنی اخلاق ذمیمہ سے متعلق ہے دونون متحقق ہوگئین اور ان دونون فناؤن کے اعتبار سے یون کہہ سکتے ہین کہ) وہ (یعنی عشق) شیر (یعنی موجود قوی) پر (کہ موجود خارجی ہے) اور ہر روباہ (یعنی موجود ضعیف) پر (کہ وہ موجود ذہنی ہے) غالب آگیا (چنانچہ ارشاد ہے کہ) ہر شے ہالک ہے بجز اوسکی ذات (مستلزم للصفات) کے (استدلال اس طرح ہوا کہ اس سے حق تعالیٰ کے وجود کا استقلال اور دوسرے موجودات کا اضمحلال ثابت ہوا اور ظاہر ہے کہ جب موجود قوی کے آثار غلبہ کرتے ہین جیسا کہ عشق مین ایسا ہی ہوتا ہے پس اوسوقت موجود ضعیف بعض مغلوب بعض مسلوب ہو جاوینگے پس کل شیٔ ہالک سے استدلال صحیح ہوگیا آگے بعد بیان خواص و آثار عشق کے ان خواص و آثار یعنی قرب و وصل و فنا کی تحصیل کی ترغیب بطور تفریع علی الآیۃ کے فرماتے ہین یعنی) اوس (محبوب حقیقی موصوف فی الآیۃ باستقلال الوجود) کی ذات کی تجلیات مین جا فنا ہو جا (کہ اوسکا استقلال وجود اور ہمارا اضمحلال وجود اسیکو مقتضی ہے وہذا التقریر التفریع علی الآیۃ پس وجہ سے مراد ذات کہ اس لفظ کا استعمال ذات مین آتا ہے اور وجوہ سے مراد تجلیات کہ وہ اطوار ہین ظہور حق کے کہ وجوہ کے معنے اطوار کے آتے ہین کما فی المنتخب آگے اس فنا کی ایک مثال ہے کہ) تو الف (یعنی ہمزہ) کی طرح بسم مین جا اور درج ہو جا (آگے وجہ تشبیہ کا بیان ہے کہ) اوس الف (یعنی ہمزہ) نے بسم مین پنہان طور پر قیام کیا ہے (ایست حاصل مصدر ایستادن پس) وہ (من وجہ) بسم مین ہے اور (من وجہ) نہین بھی ہے (حاصل تقریر کا یہ ہے کہ بسم اصل مین باسم تھا ہمزہ وصل دو کلمون کے درمیان آکر حذف ہو جاتا ہے اسلیے جب بائے جارہ اسم پر آئی ہمزہ حذف ہو کر وہ ب س سے ملگئی پس وہ ہمزہ لفظاً و ظاہراً تو موجود نہین اور معنےً اور باطناً موجود ہے پس اسی طرح فنا مین اوس فانی کا وجود من وجہ رہتا ہے اور من وجہ نہین رہتا یعنے حسًا تو رہتا ہے یعنی معدوم و مفقود نہین ہوتا لیکن التفاتاً و استحضاراً نہین رہتا یعنے معلوم و مشہود نہین ہوتا پس وجہ تشبیہ وجود من وجہ و عدم من وجہ ہے گو وجہ شبہ طرفین تشبیہ مین مختلف ہو آگے اور تشبیہ ہے کہ) اسی طرح تمام وہ حروف جو معدوم ہو جاتے ہین اوس حرف کے حذف کے وقت بوجہ اتصالات (کلمات) کے (مثلاً غلام زید اصل مین غلام لزید تھا جب غلام کو زید کے ساتھ اضافت کے لیے متصل کیا اس اتصال کی وجہ سے لام محذوف ہو کر معدوم ہو گیا پس یہ حرف لام بھی من وجہ موجود ہے اور من وجہ معدوم جیسا ہمزہ وصل مین بیان کیا گیا اس مثال پر مضمون ترغیب فنا کا جو خرج شو اور درج شو کا مدلول ہے ختم ہوا

اور چونکہ وجہ ترغیب یہ ہی کہ وہ موقوف علیہ ہے وصل کا اور وصل مطلوب ہے اور مطلوب کا موقوف علیہ بھی
مطلوب ہوتا ہے آگے اسکا موقوف علیہ ہونا یعنی فنا رکا شرط وصال ہونا بھی اوسی مثال سے دوسرے
اعتبار سے واضح کرتے ہیں کہ دیکھو) وہ (ہمزہ) واسطۂ وصل ہے اور ب اور س نے اوسی سے اتصال پایا ہے
دگر، ب وس کا اتصال (اوس) الف (یعنی ہمزہ) کو برداشت نہیں کرسکا (یعنی وصل ب وس کا وجود الف
کے ساتھ جمع نہیں ہوسکا پس جس طرح مشبہ بہ میں حذف ہمزہ شرط اتصال فیما بین ب وس ہے باوجودیکہ
یہ ہمزہ واسطۂ اتصال بھی ہے چنانچہ اگر بجائے اس ہمزہ کے کوئی دوسرا ایسا حرف ہوجو حذف نہیں ہوتا
تو اوسکے ماقبل و مابعد میں وصل نہ ہوتا مثلاً ہمزہ قطعی ہوتا تو وہ بحالہ فاصل رہتا اسیطرح مشبہ میں حذف و
فنا ہستی وخودی شرط وصل فیما بین العبد والحق ہے گو وہی ہستی واسطۂ وصل بھی ہے چنانچہ ظاہر ہے کہ
یہ فنا رمصطلح ایک حالت وجودیہ ہے جسکا ثبوت کسی کے لیے فرع ہے ثبوت مثبت لہ کی اور میں نے جو
اس شعر کی تمہید میں یہ لفظ بڑھایا ہے کہ دوسرے اعتبار سے وجہ اوسکی یہ ہے کہ اوپر ہمزہ سے عبد فانی
کو تشبیہ دی تھی اور ب وس سے جانب حق کو اور یہاں عبد کو ب یا س سے اور اوسکے وجود کو ہمزہ سے
اور حق کو احدالطرفین الباقی سے تشبیہ دی دلصحۃ کل وجہ کما سیاتی فی الشعر السابق علی الاخیر و برتافتن
بمعنی برداشتن کذا فی الغیاث آگے اس برتافتن مشبہ بہ سے علاوہ توضیح اشتراط مذکور فیما قبل کے
ایک اور فائدہ نکالکر بطور تفریع فرماتے ہیں کہ) جب ایک حرف کو برداشت نہیں کرتا یہ وصال تو ضروری
ہوا کہ میں کلام کو کوتاہ کردوں (کیونکہ کلام میں تو بہت حروف بلکہ کلمات بلکہ جملے ہیں یہ مجھکو وصال حق سے
کیوں نہ مانع ہونگے اسلیے مجھکو چاہیئے کہ کلام کو بھی حذف کردوں اور توضیح اسکی یہ ہے کہ کلام بھی تو آثار
ہستی سے ہے اور فنا میں ان آثار کا عدم ضروری ہے پس عدم کلام ضروری ہوا اور یہ حکم کہ فنا رکے لیے
عدم کلام ضروری ہے باعتبار بعض مراتب فنا رکے ہے مثلاً استغراق محو ممکن ہے کہ مولانا اسوقت اس مرتبہ
کو اپنے اوپر وارد کرنا چاہتے ہوں اسلیے کلام کو مانع سمجھا اوہ ا التقریر لہذا الشعر ما فتحنی اللہ تعالیٰ بہ ولا فخر
وانما لہ الحمد والشکر آگے بھی اسی کی تاکید ہے کہ) جب ایک حرف (یعنی ہمزہ سبب) فراق ہے س وب کا
(دیس) خاموشی اس جگہ بہت واجب ہے اور ان دونوں شعر کو ماقبل کا ہم معنے بھی کہہ سکتے ہیں پس یہ تقریر
ہوگی ہر گاہ کہ در حرف این حالت است کہ انوجود یک حرف فراق بے وسین ست پس در وصل عاشق چہ
طور گنجایش وجود عاشق باشد دریں مقام مجال مقال نیست خاموشی واجب ست اھ کذا فی الحاشیۃ
ونسبہا الی مرشدی ولکن ان یرجع ہذا الی ما قلت باضافۃ مقدمۃ وہی ہذہ وکلام ومقال از آثار
وجود عاشق ست پس آن ہم گنجایش ندارد واللہ اعلم چونکہ فنا رکا ثمرہ بقا ہے آگے اوسکو اوسی مثال
اول اعتبار سے بیان فرماتے ہیں کہ) جب الف اپنے سے فنا ہوگیا (اور ب وس کی) پناہ لینے والا ہوگیا
یعنی اونکے بیچ میں جاکر پوشیدہ ہوگیا فقولہ مکتنف معطوف بتقدیر العاطف) تو ب وس بدوں اوسکے

(وجود ظاہری کے) کہہ رہے ہین (کہ یہان) الف (معتبر ہے چنانچہ اس مرکب کی تحلیل الی المفردات کے وقت اس ب وس ہی کے درمیان مین الف کے وجود کا حکم کیا جاتا ہے پس اسناد ہمیگویند کی ب وس کی طرف اسناد مجازی ہے سبب دال کی طرف پس اسی طرح جب عبد فانی فی الحق ہوجاتا ہے تو پھر حق تعالی کا مقولہ بھی) مَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ بدون اوس کے (وجود کے واقع ہوتا) ہے (یہ مقولہ تو افعال عبد کی نسبت ہے اور) اسیطرح اسکے ضمن سے (ما قلت اذ قلت ولکن) قال اللہ مستفاد ہوا (یہ اقوال عبد کی نسبت ہو اور اسکے ضمن سے حاصل ہونا استرال علت و مبنی کی وجہ سے ہی اور یہی اشتراک سے اسکا عموم بھی ہر فانی کے لیے ہوگو مورد خاص ہی اور حاصل بقا کا یہی ہی کہ اسکے اقوال و افعال بوجہ کمال موافقت حق کے گویا عین اقوال و افعال حق کے ہوتے ہین جیسے عبد سے صادر ہی نہین ہوے اور اس شعر کی تمہید مین مین نے یہ کہا ہے کہ اول اعتبار سے وجہ اوسکی یہ ہے کہ سابق مین ب وس کو مشبہ بہ جانب حق کا قرار دیا تھا اور ہمزہ کو مشبہ بہ عبد کا فی قولہ آن الف در بسم الخ اور بعد مین ب وس کو مشبہ بہ مجموعہ عبد وحق کا اور ہمزہ کو مشبہ بہ وجود عبد کا فی قولہ او صلہ است الخ کما ذکر تہ فی تمہید الشعر الثانی اور یہان پھر مثل سابق ہی ب وس کو مشبہ بہ جانب حق کا اعتبار کیا ہے چنانچہ تقریر شعر چون الف از خود الخ سے ظاہر ہے اسلیے مین نے اس شعر کی تمہید مین کہا تھا کہ اول اعتبار سے اب یہ بات رہ گئی ہے کہ شعر اول و شعر اخیر مین جو ب وس کو مشبہ بہ جانب حق کا قرار دیا اس مین کس حرف سے کس شان کی تشبیہ زیادہ الیق ہے سو احقر کے ذوق مین اقرب یہ معلوم ہوتا ہے کہ ب کو مشبہ بہ ذات و صفات حق کا اور س کو مشبہ بہ افعال حق کا کہا جاوے اسلیے کہ اس ب جارہ مین یہ صفات ہین ایک بساطت کیونکہ حرف مفرد ہے کسی کلمہ کا جزو نہین ہے اور نہ اسمین اور کوئی حرف جزو ہے پس بسیط ہوا بخلاف س کے کہ کلمہ اسم کا جزو ہے دوسرے استقلال یعنی کلمہ ہونے مین مستقل ہے کسی کا محتاج نہین اور وہ استقلال مراد نہین جو اسم اور فعل کے خواص مین سے ہے بخلاف س کے کہ مستقل کلمہ نہین چنانچہ ظاہر ہے تیسرے عامل اور مؤثر ہونا چنانچہ کلمہ اسم کو اوسنے جر کیا اور ظاہر ہے کہ جب کلمہ اسم وجود مین مستتبع ہے حرف س کا کیونکہ کل مستتبع ہوتا ہے جزو کو وہ متاثر ہے حرف جر سے تو تابع مین بھی اس تاثر کا اثر ضرور ہوگا پس س بھی متاثر ہوا ب سے اور یہ اوصاف ذات و صفات واجب تعالی کے زیادہ مناسب ہین کہ وہ بسیط بھی ہین مستقل بھی ہین موثر بھی ہین خواہ اسمین اتنا اور اعتبار کر لیا جاوے کہ ذات واجب کو ذات ب سے اور صفات حق کو نقطہ ب سے کہ باوجود تابع ہونیکے ذات سے منفک نہین اسیطرح صفات باوجود تابع فی الوجود ہونے کے ذات سے منفک نہین بہر حال ذات و صفات کو تو ب سے تشبیہ دینا زیادہ مناسب ہے اور افعال حق کو س کے ساتھ کیونکہ وہ بوجہ ممکن ہونیکے تعلق بالمرکب کی صورت مین تبعاً ترکیب کے ساتھ بھی موصوف ہونگے اور اونمین احتیاج فی الوجود و تاثر بھی ہوگا پس معنے یہ ہونگے کہ جسطرح ہمزہ ب وس مین فنا ہوگیا اسیطرح عبد بھی ذات و صفات حق اور افعال حق مین فنا ہوجاتا ہے چنانچہ فنا کی یہی تین قسمین مشہور بھی ہین

فنا فی الذات فنا فی الصفات فنا فی الافعال اور یہی تقریر ہے جسکا وعدہ شعر وصلہ است کے حل کے اخیر مین کیا گیا تھا بقولی کما سیاتی الخ اور مضمون بقا مین جو تشبیہ مذکور ہے تقریر اوسکی یہ ہے کہ جسطرح فنا ہمزہ کے بعد یہ کہنا صحیح ہے کہ ہمزہ موصوف با لوجود نہین اگر وہ موصوف با لوجود ہے تو اوسکا موصوف با لوجود ہونا یہی ہے کہ ب و س موصوف با لوجود ہین و ہو معنے قولہ بے وسین بدا وہمگو یند الف اسیطرح فنا عبد کے بعد یہ کہنا صحیح ہے کہ عبد موصوف بالفعل و بالقول نہین ہے و ہذا معنے ما رمیت و ما قلت اگر وہ موصوف بالفعل و بالقول ہے و ہو معنے اذ رمیت و اذ قلت تو اوسکا موصوف بالفعل و بالقول ہونا یہی ہے کہ حق تعالی موصوف بالفعل و بالقول ہے و ہو معنے ولکن اللہ رمی ولکن اللہ قال یہانتک فنا کے اشتراط و نافعیت کا مضمون ختم ہوا آگے اسی اشتراط و نافعیت کی ایک مثال ہے کہ دیکھو) جب تک دوا (اپنی صورت نوعیہ پر باقی) رہتی ہے وہ عمل (اور اثر) نہین کرتی (اور) جب وہ فانی ہو گئی (اور بہ تبدل صورت بدن مین ساری ہوئی) تو امراض کا دفعیہ کرتی ہے (تو دیکھو اس مثال سے بھی فنا (دوا کا شرط عمل و نافع صحت و دافع مرض ہونا واضح ہوا چونکہ ان مضامین کے نہایت نافع و عالی ہونے پر نظر واقع ہونیسے مثنوی کی مدح کا جوش ہوا جسکے یہ مضامین جز ہین اسلیے آگے اشعار مین مثنوی کی مدح اوسکی مقبولیت و بقا و برکت و اشتمال معانی و اسرار غیر محدودہ سے بطور انتقال ناگہان کے فرماتے ہین)۔

گر شود بیشہ قلم دریا مدید
اگر بیشہ قلم ہوجاوے اور دریا روشنائی

مثنوی را نیست پایانی امید
مثنوی کے ختم کی توقع نہین

چار چوب خشت زن تا خاک ہست
خشت زن کا قالب خاک تک ہے

میدہد تقطیع شعرش نیز دست
اسکے اشعار کی تقطیع بھی میسر رہے گی

چون نماند خاک و بادش حف کند
جب خاک نہ رہے گی اور ہوا اوسکو صاف کردیگی

خاک سازد بحر او چون کف کند
تو اوسکا دریا خاک بنادیگا جبکہ کف لادیگا

چون نماند بیشہا سر در کشند
جب بیشے نہ رہینگے اور روپوش ہو جاوینگے

بیشہا از عین دریا سر کشند
تو اور دوسرے بیشے عینِ دریا سے ظاہر ہونگے

بہر این گفت آن خداوند فرج
اسی لیے اوس مالکِ کشادگی نے فرمایا

حدثوا عن بحرنا اذ لا حرج
ہمارے دریا سے حکایتین کیے جاؤ کیونکہ تنگی نہین ہے

باز گرد از بحر و رو در خشک نہ
تو دریا سے ہٹ منھ خشکی کی طرف کر

ہم ز لعبت گو کہ کودک را است بہ
کھیل کی بات بھی کہہ لے کیونکہ کودک کے لیے بہتر ہے

تا ز نعبت اندک اندر صبا	جانش گردد با یم عقل آشنا
تا کہ کھیل سے تھوڑا تھوڑا لڑکپن مین	اوسکی جان دریا ے عقل سے آشنا ہوجاوے
عقل از ان بازی ہمی گیرد صبی	گرچہ با عقل ست در ظاہر ابی
لڑکا اوس کھیل سے عقل حاصل کر لیتا ہے	اگرچہ بظاہر وہ عقل کے ساتھ منافی ہے
کودک دیوانہ بازی کے کند	جزو می باید تا کہ کل را ے کند
دیوانہ لڑکا کب کھیل کرتا ہے	جزو تو ضروری ہے تا کہ کل کا مخراغ لگالیوے

اگر بیشہ (شامل علی الاشجار) قلم ہو جاوے (اور دریا روشنائی (ہو جاوے مدید بکسر دال ویاے مجہول اما لمداد تب بھی) مثنوی (کے مضامین وبرکات) کے ختم (و انقطاع) کی توقع (و احتمال) نہین (امید بضم اول وکسر میم ویاے مجہول الخ کذا فی الغیاث فصحت القافیۃ آگے اس مضمون کی تفصیل ہے مع ایک مثال کے یعنی جسطرح) خشت زن کا قالب (یعنی سانچہ موجود) خاک تک (باقی) ہے (اسیطرح وجود خاک زمین تک) اس (مثنوی) کے اشعار کی تقطیع بھی میسر (و موجود) رہیگی (دست دادن میسر شدن کذا فی الغیاث مطلب یہ کہ مثنوی اسقدر اسرار وبرکات بے شمار پر مشتمل ہے کہ اگر اشجار کو اقلام اور بحر کو مداد بنا دین تو اوسکی مضامین کی شرح ختم نہ ہو کیونکہ وہ کلمات اللہ یعنی معاملات حق کے متعلق مضامین ہین وقال اللہ تعالی قل لو کان البحر مدادا الخ اور اوسکی برکات بھی قیامت تک رہینگی بلکہ امید ہے کہ اوسکے خود الفاظ بھی باقی رہین گے چنانچہ تقریبا سات سو برس تک لفاظ بھی ویسے ہی مقبولیت کے ساتھ منقول چلے آتے ہین اور اگر تقطیع شعر سے مراد معنے مجازی لیے جاوین یعنی معانی اشعار مقطعہ تو یہ تقریر ہو گی کہ میرے وقت سے قیامت تک اسکے معانی من صدر الی صدر و من لسان الی لسان مسلسل چلے جاوین گے خواہ ان ہی الفاظ مین یا دوسرے الفاظ مین اور اسکا تحقق اس طرح ہو سکتا ہے کہ سلسلہ معارف کا بذریعہ صحبت تمام عارفین مقبولین سے برابر قائم ہے اور قیامت تک عارفین کے وجود کے ساتھ وہ بھی ممتد رہیگا کما قال صلی اللہ علیہ وسلم لا یزال طائفۃ من امتی منصورین علی الحق الحدیث وتقطیع وزن کردن شعر کہ الفاظ را ازہم جدا کردہ خوانند آگے ترقی فرماتے ہین کہ اس عالم کے بعد بھی اسکی برکات رہینگی یعنی) جب (یہ) خاک (یعنی دنیا) نہ رہیگی (جسکا اوپر ذکر تھا تا خاک ہست) اور ہوا اوس (خاک) کو صاف (اور مستاصل) کر دیگی (فی المنتخب حف پاک وسادہ کردن سر وروے را از موے وخشک شدن گیاہ در زمین وگرفتن بروت وپیراستن ریش وخشک شدن موی سر از بے روغنی الخ اور ہوا سے مراد وہ ہوا ہے جس کے اثر سے قیامت کے روز زمین اور پہاڑ اسطرح اوڑتے پھرینگے جیسا ارشاد ہے اذا رجت الارض رجا وبست الجبال بسا فکانت ہباء منبثا اور ارشاد ہے وتکون الجبال کالعہن المنفوش اور ارشاد ہے کلا اذا دکت الارض دکا دکا یعنی جب یہ عالم نہ رہیگا) تو اس (مثنوی) کا دریا ایک اور خاک (یعنی زمین)

بنا دیگا جب کہ کف لاویگا کف لانا کنایہ ہے جوش سے یعنی اس عالم کے بعد جب معانی مثنوی کا دریا جوش کریگا تو وہ ایک اور زمین یعنی عالم کو بنا دیگا اور پھر اوس عالم مین اسکے معانی و برکات ظاہر ہون گے شرح اسکی یہ ہے کہ مصداق ان معانی مثنوی کا کلمات اللہ ہین خواہ وہ بالفاظ مثنوی ہون یا دوسرے الفاظ سے اور یہی کلمات اللہ معنون دحقیقت مین مثنوی کی اور جوش سے مراد ہے اقتضاء آثار اور وہ آثار جزا و ثمرات ہین اون کلمات کے اعتقاد و انقیاد کے اور زمین جدید سے مراد ارض الجزا جسکا ذکر اس آیت مین داورثنا الارض نتبوأ من الجنۃ حیث نشاء اب مطلب ظاہر ہے کہ یہ کلمات اللہ ایسے دائم البرکات ہین کہ جب یہ دار العمل منقطع ہو جاویگا تو وہ کلمات اللہ جنمین تمام دین آگیا مقتضی ہونگے کہ عامل کو اوسکے اعتقاد و انقیاد کی جزا ملے پس حق تعالی دار الجزا کو ظاہر فرما کر اون کلمات اللہ پر جزا دینگے اور یہ ہے وہ برکت دائمہ پس اسناد خاک سازو کی مجازی ہے سبب اور مقتضی کی طرف آگے بھی اس عالم کے انقطاع پر اوس عالم کا ظہور بتلاتے ہین کہ) جب (اس عالم کے) بیشے نہ رہین گے (اور پردۂ عدم مین) روپوش ہو جاوینگے تو (اور دوسرے) بیشے (اوس عالم کے) عین دریا سے ظاہر ہونگے (یعنے کلمات اللہ کا اقتضا جزا سبب ہوگا اوس عالم کے ظہور کا قال تعالی ان الساعۃ آتیۃ اکاد اخفیھا لتجزی کل نفس بما تسعی آگے تفریع ہے اون کلمات اللہ کی لا تناہی پر جسکا ذکر شعر گرشود بیشہ الخ مین تھا یعنے چونکہ وہ محدود و معدود نہین) اسی لیے اوس الک کشادگی (یعنی حضرت حق) نے فرمایا ہے کہ ہمارے (کلمات اللہ کے) دریا سے حکایتین کیے جاؤ کیونکہ (اوسین) تنگی (اور انقطاع) نہین ہے (تو کسی وقت بھی لا تحدثوا کی نوبت نہ آویگی یہ روایت بالمعنی ہے یہ مضمون ناشی ہوتا ہے آیۃ قل لو کان البحر الخ سے آگے تمہید ہے رجوع بقصہ کی اور چار شعر کے بعد راجع بقصہ ہونگے پس فرماتے ہین کہ) تو دریا (کے ذکر) سے (جسکا ذکر اوپر سے کرتے آتے ہو اب بس) ہٹ (اور) منہ خشکی کی طرف کر (یعنی قصۂ ظاہرہ کی طرف توجہ کر جسکو اون معانی کے ساتھ ایسی ہی نسبت ہے جیسی خشکی کو دریا کے ساتھ کہ وقوعاً خشکی مین تنگی ہے اور دریا مین فراخی آگے رجوع الی القصہ کی مثال ہے کہ) کھیل کی بات بھی کہہ لے کیونکہ کودک کے لیے (وہی) بہتر (یعنی مناسب) ہے (اور بہتر اسلیے ہے) تاکہ کھیل سے تھوڑا تھوڑا لڑکپن مین اوسکی جان دریائے عقل سے آشنا ہو جاوے (یعنی کھیل ہی سے عقل اور کمال کی باتین سیکھ لے یعنی قصہ بھی مقصود بالعرض ہے کیونکہ قصص سے شدہ شدہ ذکر علمی اور عبرت کا بھی خوگر ہو جاتا ہے جس طرح بچونکو لکڑی کی تلوار دیتے ہین کہ اوس سے مشق کر کے سچ مچ کی تلوار کا ماہر ہو جاوے ورنہ اگر پہلے ہی سے اوسکو تلوار دیدی جاوے تو ضرور ہے کہ سب سے پہلے اپنا ہی ہاتھ پاؤن کاٹ کر رکھدے اسی طرح اسرار بلا واسطہ عوام کے مناسب نہین ہان قصص کے ضمن مین کچھ کچھ علوم نافعہ اونکو بتلائے جائین تو ترقی کر کے علوم حقیقیہ کی صلاحیت بھی اونمین ہو جاویگی

اسی واسطے کہا تھا کہ اسرار کو چھوڑ کر قصہ کہو آگے بھی شعر سابق کا مضمون ہے کہ) لڑکا اوس کھیل سے عقل حاصل کرلیتا ہے اگرچہ بظاہر وہ (کھیل) عقل کے ساتھ منافی ہے (لیکن واقع مین دونون مین بہت مناسبت ہے چنانچہ یہ مناسبت بھی ہے کہ کھیل سبب ہوجاتا ہے عقل کا جیسا اوپر ذکر کیا گیا اور یہ بھی مناسبت ہے کہ عقل بھی سبب ہوتا ہے کھیل کا چنانچہ اس کا آگے ذکر ہے کہ) دیوانہ لڑکا کب کھیل کرتا ہے (کیونکہ اوسمین بھی عقل کی ضرورت ہوتی ہے خلاصہ یہ ہوا کہ اول تھوڑی عقل ہوتی ہے جو کھیل کے سمجھنے کرنے کو کافی ہو پھر کھیل مین لگا دیے جاتے ہین پھر اوس سے عقل کو ترقی ہوجاتی ہے اسیطرح قصہ کو علوم مقصودہ سے بظاہر تباعد ہے اور اسکا اقتضا یہ ہوسکتا ہے کہ علوم کے لیے قصص کو نہ بیان کیا جاوے لیکن انمین یہی نسبت ہے کہ جسکو تھوڑی سی عقل ہو جس سے قصص کے مدلولات وغایات ظاہرہ کو سمجھ لے اوسکو قصص سنائے جاتے ہین پھر اگر وہ غور کیا کرے تو اوس سے تفکر و تذکر کی شدہ شدہ عادت ہوکر اوسمین اسرار و معانی کی قابلیت ہوجاتی ہے پھر اسرار تبلا دیے جاتے ہین آگے اول تھوڑی سی عقل کی ضرورت کو تبلاتے ہین کہ) جزو (یعنے ادنی اور بقدر ضرورت) تو ضروری ہے تاکہ کل (یعنی اعلے اور اکمل) کا سراغ لگا لیوے (جیسا ابھی اوپر اسکی شرح کی گئی یہ تمہید تھی رجوع بقصہ کی آگے رجوع بقصہ فرماتے ہین مگر شروع کے ساتھ ہی اور مضمون کیطرف انتقال بھی فرما جاینگے

رُجوع بقصۂ فقیرِ گنج طلب

نک خیالِ آن فقیرِ بے ریا
اب اوس فقیر بے ریا کے خیال نے

عاجز آورد از بیا و از بیا
عاجز کردیا بیا بیا سے

بانگِ او تو نشنوی من بشنوم
اوسکی آواز تو نہین سنتا مین سنتا ہون

زانکه در اسرار همرازِ ویم
کیونکہ مین اسرار مین اوسکا ہمراز ہون

طالب گنجش مبین خود گنج اوست
تو اوسکو طالب گنج مت دیکھ وہ خود گنج ہے

دوست کے باشد بمعنے غیر دوست
دوست باعتبار باطن کے دوست کا غیر کب ہوتا ہے

سجده خود را می کند هر لحظه او
وہ ہر لحظہ اپنے ہی سامنے انقیاد کر رہا ہے

سجده پیشِ آئینه است از بهر رُو
آئینہ کے سامنے سجدہ کرنا چہرہ کے لیے ہوگا

گر بدیدے ز آئینه او یک پشیز
اگر وہ آئینہ مین سے بقدر ایک پائی کے بھی دیکھ لیتا

بے خیالے زو نماندے هیچ چیز
تو بجز ایک خیال کے اوسکی کوئی چیز بھی باقی نہ رہتی

هم خیالاتش هم او فانی شدے
اوس کے خیالات بھی اور وہ خود بھی فانی ہوجاتے

دانشِ او محوِ نادانی شدے
اوسکا علم عدم علم مین محو ہوجاتا

داشتِ دیگر زنا دانیِ ما
ہمارے عدم علم سے ایک دوسرا علم
اسجدوا لآدم ندا آمد ہمے
سجدہ کرو آدم علیہ السلام کو ـ ندا آرہی تھی
احولی از چشم ایشان دور کرد
اللہ تعالیٰ نے اُنکی آنکھ سے احولی کو دور کردیا تھا
لا اِلٰہ گفت و الّا اللہ گفت
اُوسنے لا اِلٰہ الا اللہ کہا ہے
آن حبیب و آن خلیلِ بارشد
وہ حبیب اور وہ خلیل ہادی
سوے چشمہ کہ دہان زینہا بشوے
چشمہ کی طرف کہ منہ ان اسرار سے دھودے
ور بگوئی خود نگردد آشکار
اور اگر تو کہے گا تو وہ ظاہر تو نہوگا
لیک من اینک پریشان می تنم
لیکن مین اسوقت پریشان بیان کررہا ہون
صورتِ درویش و نقشِ گنج گو
درویش کی صورت کو اور گنج کے نقش کو کہہ
چشمۂ رحمت بر ایشان شد حرام
چشمۂ رحمت ان پر حرام ہوگیا
خاک ہا پُر کردہ دامن می کشند
دامن بھر بھر کر مٹی لارہے ہین
کے شود این چشمۂ دریا مدد
یہ چشمہ جسکو دریا سے مدد مل رہی ہے
لیک گوید با شما من بستہ ام
لیکن وہ کہتاہے کہ مین تمہارے ساتھ بندھی ہون

سر برآورد ے عیان کانی انا
عیانًا ظاہر ہوتا کہ انی انا اللہ
کادمید و خویش بیندیش دمے
کہ تم سب آپ دم ہی ہو اور اپنے کو ایک دم تو دیکھو
تا زمین شد عین چرخِ لاجورد
یہانتک کہ زمین عین آسمانِ لاجوردی ہوگئی
گشت لا الّا اللہ و وحدت شگفت
وہ لا خود الّا اللہ ہوگیا اور وحدت ظاہر ہوگئی
وقت آن آمد کہ گوشم را کشد
وقت اِس بات کا آگیاہے کہ ہمارا کان کھینچے
زانچہ پوشیدیم از خلقان مگوی
جو چیز ہم نے خلائق سے مخفی کی ہے وہ مت کہہ
تو بقصدِ کشف گردی جرم دار عـہ
تو قصدِ اظہار سے مجرم ہو جاوے گا
قائلِ این سامعِ این ہم منم
قائل بھی اسکا سامع بھی اسکا مین ہی ہون
رنج کیشند این گروہ از رنج گو
یہ گروہ رنج کیش ہین تو رنج کی بات کو کہہ
مینخورند از زہرِ قاتل جام جام
زہر قاتل کے جام کے جام پی رہے ہین
تا کنند این چشمہا را خشک بند
تا کہ ان چشمونکو خشک اور بند کردین
ملتبس زین مشت خاک نیک و بد
کب انباشتہ ہوسکتاہے اس مشتِ خاک نیک بد سے
بے شما من تا ابد پیوستہ ام
بدون تمہارے مین ابد سے اتصال رکھتا ہون

رانحت

عـہ یہ بضرورت قافیہ دی مجہول باید خواند یا بالعکس چنانچہ نیست را وہ قافیہ چیست میخوانند ۱۲ منہ عـہ دار بالدال المہملہ ۱۲ م

قوم معکوس اند اندر مشتها
یہ لوگ مرغوبات میں معکوس ہیں
خاک خوار و آب را کردہ رہا
خاک تو کھاتے ہیں اور پانی کو ترک کر رکھا ہے

ضد طبع انبیا دارند خلق
خلائق طبع انبیائر کے خلاف طبیعت رکھتے ہیں
اژدہا را متکا دارند خلق
خلائق اژدہا کو تکیہ گاہ بنائے رہتے ہیں

چشم بند خلق چون دانستهٔ
خلق کی آنکھ بند کرنیوالی چیز کو جب تو نے معلوم کیا
ہیچ دانی کز چہ دیدہ بستهٔ
تجکو یہ بھی معلوم ہے تو نے کیسی چیز سے آنکھ بند کی ہے

بر چہ بکشادی بدل آن دیدہ ہا
کیسی چیز پر بدل میں یہ آنکھیں تو نے کھولی ہیں
یک بیک بئس البدل دان آن ترا
تو سراسر اوسکو اپنے لیے بئس البدل جان

لیک خورشید عنایت تافته است
لیکن خورشید عنایت چمکا ہے
آئسان را از کرم دریافته است
مایوسون کو کرم سے پا لیا ہے

نرد بس نادر ز رحمت باخته
بہت عجیب نرد رحمت سے کھیلی ہے
عین کفران را انابت ساخته
عین کفران کو انابت کر دیا ہے

ہم ازین بدبختی خلق آن جواد
خلق کی اسی شقاوت سے اوس جواد نے
منفجر کردہ دو صد چشمہ وداد
دو سو چشمے محبت کے جاری کر دیے

غنچہ را از خار سرمایہ دہد
وہ غنچہ کا سرمایہ خار سے عطا فرماتا ہے
مہرہ را از مار پیرایہ دہد
اور وہ مہرہ کو سانپ سے لباس عطا فرماتا ہے

از سواد شب برون آرد نہار
وہ تاریکی شب سے دن کو ظاہر کرتا ہے
وز کف معسر برویاند یسار
اور وہ تنگدست کے ہاتھ سے توانگری پیدا کرتا ہے

آرد سازد ریگ را بہر خلیل
وہ خلیل اللہ علیہ السلام کے لیے ریگ کو آٹا بنا دیتا ہے
کوہ با داؤد سازد ہم رسیل
پہاڑ بھی داؤد علیہ السلام کے ساتھ ہم آہنگ ہو جاتا ہے

کوہ با وحشت در آن ابر ظلم
پہاڑ جو کہ با وحشت ہے اوس ابر ظلمات میں
بر کشاید بانگ چنگ و زیر و بم
ظاہر کرتا ہے بانگ چنگ کو اور زیر و بم کو

خیز اے داؤد از خلقان نفیر
اُوٹھو اے داؤد جو خلائق سے نفرت کرنیوالے ہو
ترک آن کردی عوض از ما بگیر
تم نے اوسکو ترک کر دیا ہم سے عوض تو

حد ندارد گنج بے پایان او
حق تعالی کا گنج بے پایان حد نہیں رکھتا
با زر و سوے فقیر گنج جو
پھر متوجہ ہو فقیر طالب گنج کی طرف

اب اوس فقیر بے ریا کے خیال نے عاجز (وتنگ) کر دیا بیاد کے تقاضے سے (یعنی اوسکے اتمام قصہ کا

جو خیال آیا تو وہ خیال متقاضی ہے کہ اتمام قصہ کی طرف متوجہ ہوا جاوے۔ یا اسلیے کہا کہ طلب گنج مین اوسکی دوسری غرض نہ تھی خود گنج ہی مقصود تھا ممکن ہے کہ اسمین اشارہ ہو کہ جب غیر حق کی طلب مین لوگ اخلاص کرتے ہین تو طلب حق مین تو بدرجۂ اولیٰ اسکا اہتمام ضروری ہے واللہ اعلم اب یہان ایک سوال پیدا ہوا کہ تم جو کہتے ہو کہ اوسکا خیال بیا وبیا کہہ رہا ہے تو ہم نے تو نہین سُنا اسلیے جواب دیتے ہین کہ (اوسکی آواز تو نہین سُنتا رگہ) مین سُنتا ہون کیونکہ مین اسرار مین اوسکا ہمراز ہون (چنانچہ ایک گنج مجازی کا وہ طالب ہے اور ایک گنج حقیقی کا مین طالب ہون جو مصداق قول کنت کنزًا مخفیا الخ ہے تو مجھ مین اور اوسمین مناسبت ہوئی اور اپنے مطلوب کی طلب مین چونکہ مجھکو بھی تقاضا ہوتا ہے اس سے مجھکو اسکا اندازہ ہوتا ہے کہ اسی طرح اوسکو بھی اپنے مطلوب کی مطلب مین تقاضا ہوتا ہوگا بخلاف اوس شخص کے جسپر کسی چیز کی طلب اس قدر غالب نہین اوسکو تقاضاے فقیر کا اندازہ نہین ہوسکتا یہ معنے ہین تو نشنوی من بشنوم کے اور یہی مراد تھی سوال مین کہ ہمنے تو نہین سُنا یعنے ہماری سمجھ مین تو نہین آیا کہ اوس مین تقاضا ہوگا کیونکہ ایسے لوگ تو کم ہی ہین کہ اونمین کسی چیز کی طلب بدرجۂ تعشق وجنون اسلیے عدم ادراک تقاضا عجیب نہین چونکہ اس شعر کے دوسرے مصرعہ مین اپنا اور اوسکا اشتراک اسرار مین بیان فرمایا ہے آگے اون اسرار کا بیان ہے اول اوسکے اسرار کا اور پھر اوسی قبیل کے اپنے اسرار کا چنانچہ اشتراک کا مقتضا بھی ظاہرًا یہی ہے کہ دونو نکا اسرار متجانس ہون پس فرماتے ہین کہ) تو اوسکو طالب گنج مت دیکھ (بلکہ) وہ خود گنج ہے (کیونکہ) دوست باعتبار باطن کے دوست کا غیر کب ہوتا ہے (چنانچہ ابھی آتا ہے آگے اسپر تفریع یا اسکی تائید ہے کہ) وہ زجو معشوق کے ساتھ انقیاد وخضوع سے پیش آرہا ہے تو واقع مین وہ) ہر لحظہ اپنے ہی سامنے انقیاد کررہا ہے (وجہ یہ کہ وہ مطلوب بنا، طلب کے اعتبار سے اس طالب کا آئینہ ہے جیسا انشاء اللہ تعالیٰ ابھی اسکی شرح آتی ہے اور ظاہر ہے کہ) آئینہ کے سامنے سجدہ کرنا (اپنے ہی) چہرہ کے لیے ہوگا (کیونکہ اوسمین اپنا چہرہ نظر آویگا تو وہ سجدہ اوسکے سامنے ہوگا خواہ اوسکا التزام ہو جیسا کہ جب صورت ہی کو سجدہ کرنا ہو یا لازم آجاوے جب آئینہ کو سجدہ کرنا ہو کیونکہ وہ کمال جس سے اوسکو مسجود ومقصود بنایا یہی ہے کہ وہ چہرہ کا آلۂ رویت ہے پس مبنی سجدہ کا وہی چہرہ ٹھہرا پس اسی طرح آدمی جس چیز سے محبت کرتا ہے واقع مین وہ اپنے ہی سے محبت کرتا ہے مثلاً خزانہ کا طالب ہے تو اوسکی طلب کی جو بنا ہے وہ عائد اور راجع اسی کے نفس کی کسی کیفیت کی طرف ہے مثلاً لذت وراحت وقضاء شہوات ودفع مضرات ومثل ذلک پس اوس مطلوب مین اسکو یہ بات نظر آرہی ہے کہ اُس سے یہ اغراض نفسانیہ پوری ہونگی اسلیے اوسکی طلب کررہا ہے تو واقع مین وہ اپنا ہی محب ہوا یہ معنے ہین دوست کے باتسد بمعنے غیر دوست اور بمعنے یعنی بباطن اسلیے فرمایا کہ ظاہرًا تو دوسری ہی چیز مطلوب ہے

اور یہ اپنی مطلوبیت امر مخفی و محتاج الی التامل ہے اور یہی معنے ہین آئینہ ہونے کے کہ وہ مطلوب طالب کا
آئینہ ہے اور ابھی جو دو وعدے کیے تھے پورے ہوگئے یہ تو بیان ہوگیا اسرار طالب گنج اور اوسکے امثال کا اب
بیان کرتے ہین اپنے اور اپنے امثال یعنی طالب حق کے اسرار کا اسی لیے آگے کہین ضمائر غائب کی ہین جیسا کہ
متصل کے دو شعر مین اور کہین ضمیر متکلم کی ہے جیسا تیسرے شعر مین نا داتی ا ادروہ اسرار یہ ہین کہ جس طرح
صورتِ مذکورہ اور اوسکے امثال مین مطلوب ظاہری دوسری چیز ہے اور مطلوب باطنی اپنا نفس اور وہ
مطلوب ظاہری اس مطلوب باطنی و مقصود بالذات کا آئینہ ہونیسے ظاہراً مطلوب و مقصود بالعرض
ہوگیا اسیطرح واقع مین اس مطلوب باطنی کے پردہ مین ایک اور مطلوب باطنی ہے کہ حقیقت مین مطلوب
بالذات وہ ہے اور اوسکے اعتبار سے پہلا مطلوب بالذات بھی مطلوب بالعرض ہے اور پہلا مطلوب بالعرض
تو بدرجۂ اولیٰ مطلوب بالعرض ہوگا یعنی اوس مطلوب حقیقی باطنی کے اعتبار سے تمام مطلوبات بالذات و
مطلوبات بالعرض سب مطلوب ظاہری ہین اور صرف اسلیے مطلوب بالعرض ہوگئے ہین کہ وہ آئینہ ہین اس
مطلوب حقیقی کے خواہ کسیکو اوسکی مطلوبیت بالذات کا قصد والتزام ہو جیسا عارفین کو ہوتا ہے یا نہو
مگر لازم جب بھی آہی جاویگا جیسا محجوبین کو کیونکہ جو کمال کسی مخلوق کا مبنی اوسکی محبوبیت و مطلوبیت کے
ہوگا وہ واقع مین راجع الی الحق ہی ہوگا کما ذکرت نظیرہ فی شرح الشعر سجدۂ خود را الخ کیونکہ اونکے
سوا کوئی موصوف بالکمال حقیقۃً ہے ہی نہین لیکن چونکہ اس محجوب کو اوس مخلوق کی صفت
مرآتیت کی طرف التفات نہین اسلیے مرئی اوس سے محجوب ہے اور عارف اوس مخلوق کو اسی حیثیت سے
دیکھتا ہے اسلیے وہ مرئی کا مشاہدہ کرتا ہے اور یہی مضمون حاصل ہے اشعار آیندہ کا چنانچہ اول ہی کے
دو شعر مین آئینہ کی دید کو تمام خیالات اور خود اپنی ذات کے فنا کا سبب کہنا اسپر دلالت کے لیے کافی ہے
کیونکہ ذات و خیالات کی غیبت عن المشاہدہ کے لوازم مین سے ہے حق تعالیٰ کا مقصود و مطلوب مرئی
بالذات سمجھنا اور خلق کو مرآۃ سے زیادہ نہ سمجھنا پس اسی کو فرماتے ہین کہ) اگر وہ (طالب) آئینہ مین سے بقدر
ایک پائی کے بھی دیکھ لیتا (یعنی جس طرح مرئی ہونیکی حیثیت سے مخلوق کو بتمامہ دیکھا اگر مرآتیت کی حیثیت سے
کچھ بھی نظر کرتا) تو بجز ایک (وجود ضعیف مشابہ) خیال کے اوسکی کوئی چیز بھی باقی نہ رہتی (یعنی) اوسکے
(تمام) خیالات (و علوم) بھی (جو متعلق بغیر تھے) اور وہ خود بھی (سب) فانی ہوجاتے (یعنی اسکو نہ اپنی ذات
کی طرف التفات رہتا نہ دوسروں کا علم اور خیال رہتا جیسا کہ غیبت مین ہوتا ہے خلاصہ یہ کہ) اوسکا علم
(اس) عدم علم مین محو ہوجاتا (شعر اول کی شروع مین جو او کا مرجع طالب کو کہا گیا ہے یا تو اسکی توجیہ
طالب حق سے کی جاوے تو یہ اطلاق باعتبار مایؤل کے ہوگا یعنی بعد دید کے اور فی الحال اسپر طالب حق
صادق نہین آتا کیونکہ گر بدیدے سے معلوم ہوتا ہے کہ اوسکو دید قلیل بھی نہین اور طالب حق کسی وقت
بھی اس دید قلیل سے خالی نہین اور یا طالب غیر حق مراد لیا جاوے جو بعد دید کے طالب حق ہوجاویگا اور

بے خیالے مین کلمہ بے بمعنے غیر ہے کما فی قولہ تعالیٰ ولا الضالین اور خیال سے مراد وجود موہوم اصطلاحی جسکی نسبت مولانا نے دفتر اول مین ایک جگہ فرمایا ہے نیست بود و ہست بر شکل خیال اور اگر کلمہ بے کو بمعنے غیر نہ لیا جاوے اپنے معنے مشہور نفی پر محمول کیا جاوے تو بے خیالے کے معنے ہونگے بے مزاحمت خیالے یعنی اوسکی کوئی چیز بھی باقی نہ رہتی اور اس فنا مین ادنیٰ خیال بھی مزاحم نہ ہوتا کیونکہ مزاحم وہ شے ہو سکتی ہے جو خود موجود ہو اور جب یہان خیالات بھی فنا ہو جاتے ہین جیسا شعر آئندہ مین ہے تو پھر کسی خیال کی مزاحمت کیسے ہوتی کذا رأیت فی حاشیۃ مرشدی قدس سرہ قولہ بے خیالے لقولہ بے مزاحمت اشارۃ الی حذف المضاف وہو احسن من توجیہات سائر المحشین اور پشیز کا ترجمہ پائی اسلیے مناسب معلوم ہوا کہ غیاث مین اسکے معنے پول ریزہ کو چک کہ از مس باشد لکھے ہین اور ہمارے وقت کے سکہ مین پائی اسکا مصداق ہے اور غیبت مین علوم کا محو و مبدل بہ عدم علم ہونا ظاہر ہے اسی لیے مصرعۂ اخیرہ کو مین نے خلاصہ کہا ہے اور اس مصرعہ مین عدم علم کے حکم سے شاید کوئی شخص جہل متعارف سمجھ جاتا جو کہ مذموم ہے اسلیے فرماتے ہین کہ یہ عدم علم ایسا ہے کہ) ہمارے (اس) عدم علم کو ایک دوسرا علم عیاناً ظاہر ہوتا (اور وہ یہ ہے) کہ اِنِّیْ اَنَا اللّٰہُ (حاصل یہ کہ وہ عدم علم باعتبار علم بخلق کے ہے جو کہ مذموم ہے نہ کہ باعتبار علم بحق کے کہ وہ مطلوب ہے یعنی اس عدم علم بخلق سے علم بحق و مشاہدہ نصیب ہوگا جیسا کہ غیبت و فنائے اتم کے لیے لازم ہے اور چونکہ غیبت مین مشاہدہ کا غلبہ ہو گیا اسلیے گاہے کلمات منصورانہ کا صدور بھی ہو جاویگا اور اس سے ان کلمات کا مطلوب ہونا نہ سمجھا جاوے مقصود صرف اثبات ہے مشاہدۂ حق کا جسکی ایک دلیل اِنِّیْ یہ صدور بھی ہے اور چونکہ مبنیٰ ان کلمات منصورانہ کا حق تعالیٰ کا ظہور بالمعنی المصطلح ہے متکلم مین اور متکلم کی مظہریت خاصہ ہی حق تعالیٰ کے لیے مثل شجرۂ طور کے اور غلبۂ مشاہدہ مین اسی کا انکشاف ہوتا ہے اسلیے آگے تائید کے لیے اس مظہریت کی ایک اور تفریع بیان کرتے ہین کہ دیکھو اسی پر حق تعالیٰ کا حکم ہوا تھا ملائکہ کو کہ سجدہ کرو آدم علیہ السلام کو (کیونکہ وہ مظہر خاص تھے کمالات حق کے کما ورد فی الحدیث ان اللہ خلق آدم علیٰ صورتہ تو اس سے بھی ثابت ہوا کہ مظہر خاص کے ساتھ بعض احکام ظاہر کے صورۃً متعلق ہو جاتے ہین جیسا آدم علیہ السلام کے سامنے سجدہ کرایا گیا پس اگر یہ قول اِنِّیْ انا اللہ بھی کہ منجملہ احکام ظاہر کے ہے مظہر کی طرف صورۃً منسوب ہو جاوے تو اسمین کیا بُعد ہے اور دونون جگہ صورۃً اسلیے کہا گیا کہ واقع مین مسجود حق تعالیٰ ہین آدم علیہ السلام سمت سجدہ تھے جسطرح کعبہ کہ اسی مظہریت تجلیات خاصہ کے سبب جہت سجدہ ہے کما قال مولانا فی بعض المقامات کعبہ را ہر دم تجلی میفزود اور جہت سجدہ واقع مین مسجود نہین صورۃً بادی النظر مین مسجود ہے اسی طرح اِنِّیْ انا اللہ کا قائل حقیقۃً منصور نہین ہے محض صورۃً قائل ہے واقع مین قائل حق تعالیٰ ہین جسطرح شجرۂ طور واقع مین اسکا قائل نہ تھا قول حق اوس سے ظاہر ہوا اور مولانا کی یہ تائید قصۂ مسجودیت آدمیہ سے موقوف اسپر ہے کہ یہ سجدہ سجدۂ عبادت لیا جاوے کیونکہ اِنِّیْ انا اللہ کے مشابہ اُس صورت مین ہوگا کہ مسجود حقیقی حق تعالیٰ ہین اور

یہ مسجود صوری یعنی جہت سجدہ جسطرح انی انا اللہ کا قائل ومستحق قول حقیقۃً اللہ تعالیٰ ہین اور صورۃً منصور
وذہب الیہ لبعض المفسرین ایضاً بخلاف سجدۂ تحیت کے کہ وہ مشابہ انی انا اللہ کے نہین کیونکہ سلام وتحیت کا استحقاق
شرعاً مخلوق کے لیے بھی ثابت ہی بس اس مسجودیت آدمیہ سے انی انا اللہ کی توجیہ حاصل ہوگئی جو مقصود تھا مقام
مین اور اسپر ایک سوال ہوا وہ یہ کہ اس قصہ سے تو صرف آدم علیہ السلام ہی کا مظہر خاص ہونا ثابت ہوا
دوسرونکا مظہر خاص ہونا لازم نہین آیا پھر اس مظہریت کی بنا رپر دوسرون سے انی انا اللہ کے صدور کی
کیسے گنجایش ہوگی اوسکا جواب دیتے ہین کہ اوس سجدہ کے وقت بلسان حال یہ بھی) ندا آرہی تھی کہ تم
سب (امثال آدم من اولاد آدم) آدم ہی ہو اور اپنے کو ایک دم تو دیکھو (کہ اپنی معرفت سے حق کی معرفت
ہو اور معرفت حق سے تمھاری مظہریت للحق مثل مظہریت آدم کے ظاہر ہو جس سے تمکو معلوم ہو کہ تم سب
حکماً آدم بھی ہو اور مسجودِ ملائکہ بھی ہو وجہ اوسکی یہ ہے کہ آدم علیہ السلام کی مسجودیت کی بنار خلافت ہے
جسکی تکمیل کے لیے علم اسمار عطا فرمایا اور یہ خلافت وعلم اسمار تمام امثال آدم کے لیے عام ہے پس مسجودیت
بھی عام ہے چنانچہ وقت سجدہ صلب آدم انکو بھی متضمن تھی جسکی بنا رپر اہبطوا کا انکو خطاب ہوا تھا اور
مسجودیت دلیل ہے مظہریت کی جیسا اوپر بیان ہوا پس تمام امثال آدم مظہر ہوئی حق تعالیٰ کی پس
جمیع امثال آدم سے غلبۂ مشاہدہ مین اس قول انی انا اللہ کے صدور کی گنجایش نکل آئی اور وہ شبہہ
جاتا رہا آگے فرماتے ہین کہ جسطرح آدم علیہ السلام کی مظہریت واقع مین مبنی تھی سجدۂ ملائکہ کی اسی طرح
ملائکہ کو اس مظہریت کا علم بھی عطا فرما دیا تھا اور اس مظہریت خاصہ کو مکشوف کرکے) اللہ تعالیٰ نے اون (ملائکہ) کی آنکھ سے احولی (دو بینی) کو (جو
ابلیس مین تھی) دور کر دیا تھا یہانتک کہ (اوس کشف سے) زمین (یعنی طین آدم اونکی نظر مین) عین آسمان لاجوردی (یعنی
عالم انوار ہو کر نمایان) ہوگئی (یعنی ابلیس کی طرح اونھون نے طینت پر نظر نہین کی بلکہ اونکی نوریت و
مظہریت پر نظر کی یہ سب بیان تھا مظہریت آدم کا تائید مظہریت قائل انی انا اللہ کے لیے آگے پھر اوسی قائل
انی انا اللہ کی نسبت فرماتے ہین کہ ظاہر مین تو اوسنے انی انا اللہ کہا ہے لیکن واقع مین) اوسنے لا کہکر الا اللہ
کہا ہے (مگر اسطرح کہا ہے کہ) وہ لا خود الا اللہ ہو گیا اور وحدت ظاہر ہوگئی (مطلب یہ کہ اور لوگ تو اسطرح
کہتے ہین کہ اونکا تلفظ بنفی الغیر جدا ہے اور اثبات حق جدا اور اس شخص کی نفی عین اثبات ہے کیونکہ
اورونکی نفی واثبات تو لفظی وقالی ہے اور الفاظ مین تعاقب ضروری اور اس شخص کی نفی واثبات علمی
اور حالی ہے کہ غیر کو فنا کرکے حق کا مشاہدہ کیا اور یہ دونون جمع ہوسکتے ہین بلکہ نفی غیر ومشاہدۂ حق
ایک ہی چیز ہے اسلیے اسکا لا اور اسکا الا اللہ ایک ہی ہے یعنی جسکی نفی کرتا اوسکو بھی فانی فی الحق اور لاشئے
قرار دیکر اوسکو بھی عین حق بمعنے تابع حق مثل ان اللہ ہو الدہر کے کہدیا جو حاصل ہی انی انا اللہ کا پس معنون
تو لا اکا لا الا اللہ اور انی انا اللہ کا ایک ہی ہے صرف عنوان کا تفاوت ہے جسکی بنا پر بوجہ ایہام کے غیر مغلوب
کو اوس کا تلفظ جائز نہین یہانتک بیان ہوا عارفین کے بعض اسرار کا جسکی تمہید مصرعۂ بالا زانکہ در اسرار

ہمراز دیم + مین تھی اور یہ مضمون یہان ختم ہوگیا اور چونکہ یہ اسرار نہایت غامض و دقیق و مضر عوام
ہین چنانچہ ظاہر ہے اسلیے آگے انکے بالاختیار اظہار کا شرعاً ممنوع ہونا فرماتے ہین کہ اے وہ حبیب اور وہ خلیل ہادی
(یعنی اللہ تعالیٰ کہ محبوب و خلیل حقیقی ہین) وقت اس بات کا آگیا ہے کہ ہمارا کان (پکڑ کر) کھینچے چشمہ رحمت
یعنی شریعت کما سیاتی ہذا اللقب فی الشعر الخامس من ہہنا حیث قال چشمۂ رحمت لیس اس چشمہ) کی طرف (کھینچے
اور یون کہے) کہ (اس چشمہ کا پانی لیکر منھ ان اسرار (مذکورہ) سے دھودے (یعنی جو اثر اظہار اسرار کا ہین
کے اندر لگا ہوا وسکو زائل کردے اور) جو چیز ہمنے (عام) خلائق سے مخفی کی ہے وہ مت کہہ اور اگر تو کہے ہی گا
تو وہ ظاہر تو (ہرگز) نہ ہوگا (لیکن) تو قصد اظہار سے مجرم ہوجاویگا (حاصل یہ کہ اب جو اسرار کا اظہار
باعتبار ظاہر الفاظ کے حد شرع سے متجاوز ہوگیا اسلیے حق تعالیٰ احکام شرعیہ کی طرف متوجہ فرماکر حکم کرتے ہین
کہ شریعت کو غالب رکھو اور اظہار اسرار مت کر جسکو ہم نے عامہ سے پوشیدہ رکھا ہے کہ علوم وحی مین ظاہر
نہین کیا گو عارفین پر کشفاً ظاہر کردیا ہے مگر عام مصالح اوس سے متعلق نہین اسلیے ممانعت اونکے اظہار
کی فرمائی اور شعر دیگر گوئی کا حاصل یہ ہے کہ اظہار کی غایت یہ ہوتی ہے کہ سامعین پر ظاہر ہوجاوے
اور وہ غموض کے سبب ظاہر ہوگا نہین پھر اظہار عبث بھی ہوا یہ معنے ہین نگہ دوکے اور چونکہ عبث کے
ساتھ مضر بھی ہے اسلیے موجب گناہ بھی ہوگا یہ معنی ہین گردی جرم دار کا اور یہ سب اوس صورت مین ہے کہ
باختیار اظہار ہو ممکن ہے کہ مولانا کو غلبۂ سابقہ سے کچھ افاقہ ہوگیا اوسوقت احکام شرعیہ متوجہ ہوجاوینگے
اور یہ ارشاد حق تعالیٰ کا یا الہام سے ہوا ہو یا خطاب عام احکام شرعیہ کو اسطرح تعبیر کردیا اور احکام شریعت
وعلوم وحی کو چشمۂ رحمت کہنے کی وجہ ظاہر ہے کہ اوسپر عمل کرنے مین کوئی خطرہ ہی نہین بخلاف علوم مکاشفہ
کے کہ جسطرح وہ موجب سبق مراتب کا ہے اگر وہ حق ہو اسی طرح سبب طرد بعید کا بھی ہے اگر حق سے منحرف ہو
اور چونکہ تامل سے تنبہ ہوسکتا تھا اور اوسمین غفلت ہوگئی اسلیے ایسے وقت معذور بھی نہین ہوتا ایس اسوجہ
سے وہ بہت خطرناک ہے اسی لیے محققین ایسے مکاشفات مین قطعی اعتقاد اور یقینی اعتماد نہین کرتے اور
ولا تقف ما لیس لک بہ علم کو اپنا ہنجار رکھتے ہین آگے بعض حالات کے اعتبار سے بطور استدراک کے فرماتے
ہین کہ) لیکن مین اسوقت (یعنی تکلم کے وقت) پریشان (وار اسرار) بیان کررہا ہون (کیونکہ قائل
بھی اسکا (اور) سامع بھی اسکا مین ہی ہون (یعنی ممانعت یہ ہے آنچہ پوشیدیم از خلقان مگر جس کا
مطلب یہ تھا کہ آنچہ از خلق پوشیدیم با خلق مگو سو مین جو کہہ رہا ہون کوئی شخص خلائق مین سے اوسکو
سنتا ہی نہین بس مین ہی کہنے والا مین ہی سننے والا ہون پس مین نے امر حق کے بھی خلاف نہین کیا اور
اسرار کے ساتھ بھی تکلم کردیا معلوم ہوتا ہے کہ وہ افاقہ پھر مغلوب ہوگیا اور سکر غالب ہوگیا اسی لیے یہی تمام
کہہ رہے ہین اور اسی لیے کوئی سامع انکو مشہود نہین ہوتا جیسا کہ سکر کے لوازم سے ہے چنانچہ لفظ پریشان
مین اس طرف اشارہ بھی ہے کہ مجھکو افاقہ و صحو نہین ہے اور یہی ہے وہ حال جسکی نسبت مین نے اس شعر کی

تمہید مین کہا تھا کہ بعض حالات کے اعتبار سے الخ پس اس تقریر پر یہ استدراک محض باعتبار ظاہر کے ہی کیونکہ پہلی ممانعت مخصوص تھی حالت افاقہ کے ساتھ اور یہ اظہار اوس حالت مین نہین ہی کہ استدراک حقیقی ہو سکے اور اس سے یہ شبہہ بھی جاتا رہا کہ باوجود ممانعت کے انکو اظہار کی کیسے ہمت ہوئی اور یہ شبہہ بھی جاتا رہا کہ اگر سکر مین یہ اظہار ہے تو پھر استدراک سے کیا معنے سو معلوم ہو گیا کہ ممانعت حالت اختیار مین ہے اور اظہار حالت اضطرار مین پس مخالفت ممانعت کی بھی نہین ہوتی اور استدراک بھی حقیقی نہین محض ظاہری ہی یہان پہونچکر پھر افاقہ ہوا اور دو مضمون یاد آئے ایک قصہ طالب گنج کا دوسرا مضمون چشمۂ رحمت یعنی شریعت کا جسکا اوپر شعر سوے چشمہ الخ مین بضمن اسرار ذکر آیا تھا پس منتظرین قصہ کی رعایت سے با دل ناخواستہ اول قصہ شروع کرنے کا ارادہ کیا مگر مصالح دینیہ کی رعایت غالب آکر مضمون چشمۂ رحمت کی طرف عود کیا جسکا سلسلہ آخر اشعار مقام تک چلا گیا چنانچہ ذکر قصہ کا ارادہ اس طرح ظاہر کیا کہ اپنے نفس کو خطاب فرماتے ہین کہ) درویش (طالب گنج) کی صورت (قصہ) کو اور (قصہ) گنج کے نقش (والفاظ) کو کہہ تاکہ دل کی کراہت کو ظاہر کیا کہ) یہ گروہ (منتظرین قصۂ ظاہری اور غیر منتظرین حصۂ باطنی کا) رنج کیش (لوگ) ہین (اس لیے اے نفس) تو رنج کی بات (یعنی قصہ) کو کہہ (رنج اسلیے کہا کہ ؎ ہرچہ جز ذکر خدای احسن ست + گر شکر خواری ست آن جان کندن ست + اور اسی سے کراہت دل کی معلوم ہوتی ہے اسی لیے وہ مضمون پھر چھوٹ گیا اور چشمۂ رحمت کا مضمون کہ افادۂ عامہ کے اعتبار سے مضمون اسرار سے بھی زیادہ ضروری ہی شروع کر دیا یعنی یہ گروہ رنج کیش ایسا ہے کہ قصہ سے تو دلچسپی رکھتے ہین جو کہ کار آمد فی نفسہ نہین اور کام کی چیز سے اعراض کرتے ہین جسکا شعر آیندہ مین ذکر فرماتے ہین یعنی) چشمۂ رحمت (کہ شریعت ہے جسکے اس لقب کی وجہ اوپر گذری ہے بضمن شرح شعر سوے چشمہ الخ پس وہ چشمۂ رحمت) انپر (بمنزلہ) حرام (کے) ہو گیا (یعنی جس طرح حرام کو ترک کر دینا ضروری ہے اسطرح انھون نے شریعت کو چھوڑ رکھا ہے (اور) زہر قاتل (یعنی فلسفہ) کے جام کے جام پی رہے ہین (گو اپنے کو مسلمانون مین بھی شمار کرتے ہین لیکن اونکے عقائد واعمال واقوال سے شریعت کا منہدم ہونا لازم آتا ہے جیسے ہمارے زمانہ کے دلدادگان علوم جدیدہ کہ باوجود دعوی خیرخواہی اسلام کے پھر اسلام کو سخت ضرر پہونچا رہے ہین اور اونکی یہ حالت ہی کہ) وہ ان بھر بھر کر مٹی (یعنی شبہات لا رہے ہین تاکہ ان چشمونکو (یعنی شرائع کو) خشک (اور) بند کر دین (یعنی اوسکو صورت اصلیہ پر نہ رہنے دین جیسا فلاسفہ مدعیان اسلام نے بھی چاہا کہ شریعت کو اپنی تحقیقات فلسفیہ پر منطبق کرکے رواج دین لیکن) یہ چشمہ جسکو دریا سے مدد مل رہی ہے کب انباشتہ ہو سکتا ہے اس مشت خاک نیک یا بد سے (دریا سے مراد امداد وحفاظت حق تعالی کہ دین حق کے لیے موعود ہے قال اللہ تعالی وانا لہ لحافظون وقال تعالی ویابی اللہ الا ان یتم نورہ وقال صلی اللہ علیہ وسلم لا یزال طائفۃ من امتی منصورین علی الحق الحدیث اور باوجود کثرت شبہات کے مشت خاک اسلیے کہا کہ امداد حق کے مقابلہ مین تو وہ سب لاشئی ہے اور

نیک و بد مین اشارہ اس طرف ہو سکتا ہے کہ اونمین ممکن ہی کہ بعضے نیک نیتی سے ایسی حرکت کرتے ہون جیسا ہمارے زمانہ مین ایک مدعی خیرخواہ نے یہی دعویٰ کیا کہ فلاسفۂ جدیدہ قرآن کو نہین مانتے جبتک کہ اون کے فلسفہ پر منطبق نہ کر دیا جاوے اس مصلحت سے یہ تاویلات کی جاتی ہین لیکن مولانا اسکو بھی مشت خاک ہی فرماتے ہین کیونکہ اسکی تو ایسی مثال ہی کہ کوئی شخص کہے کہ مین چشمۂ صافی مین اسلیے خاک جھونکتا ہون کہ فلان کثیف الطبع جو دیہات مین ہمیشہ گندہ تالابونکا پانی پیتا تھا وہ بدون اسکے کہ اس پانی کو اوسی تالاب کے رنگ پر میلا کر دیا جاوے پانی نہین پیتا کیا یہ عذر مقبول ہی کہ اوس ایک ناپاک کے لیے چشمہ کو مکدر کر دین کہ دوسرے لطیف الطبع لوگونکی طبیعت اوسکو قبول نہ کرے اوپر کہا تھا کہ وہ چشمہ انکے بند کرنیسے بند نہین ہوتا آگے اس سے استدراک کرتے ہین کہ گو واقع مین تو بند نہین ہوتا) لیکن وہ (چشمہ) کہتا ہے کہ مین تمھارے ساتھ (گویا) بند ہی ہون (اور) بدون تمھارے (یعنی اورونکے ساتھ) مین ابد سے اتصال رکھتا ہون (مطلب یہ کہ تمھارے حق مین میرا وہی اثر ہے جو چشمہ بندشدہ کا ہوتا ہے یعنی تمکو پانی سے محروم رکھونگا اور دوسرونکے ساتھ ابد الآباد تک جاری ہون یہ مضمون بھی ظاہر ہے کہ جو لوگ ایسی کوشش کرتے ہین وہ خود برکات دین سے اسطرح محروم ہو جاتے ہین کہ وہ دین باوجودیکہ دوسرونکے لیے ہادی ہے مگر اونکے حق مین گویا مضل ہو گیا قال تعالیٰ یضل بہ کثیراً و یہدی بہ کثیراً اور دین کے برکات کا ابد یعنی غیر متناہی ازمنہ تک چلا جانا بھی ظاہر ہے کہ خلود اہل جنت یہ اوسی کی برکت ہے آگے ان مذکورین کی بےعقلی بیان کرتے ہین کہ) یہ لوگ مرغوبات مین معکوس (الطبع) ہین (کہ) خاک تو کھاتے ہین (جس سے اوس چشمہ کو انباشتہ کرنا چاہتے ہین) اور پانی کو ترک کر رکھا ہے (جو کہ اوس چشمۂ صافی مین جاری ہے یعنی شرائع کو چھوڑ کر علماً تاویلات باطلہ کو اور عملاً تسویلات عاطلہ کو اختیار کرتے ہین آگے بھی اسی شعر کی تاکید ہے کہ) خلائق طبع انبیاء کے خلاف (طبیعت) رکھتے ہین (اور اس اعتبار سے گویا) خلائق اژدہا کو دایہ (تکیہ گاہ) بنا کے رہتے ہین (آگے ان علوم فلسفیہ کی مذمت اور علوم وحی و شرائع کو چھوڑ کر اوسکی تحصیل و مشغولی کی وخامت فرماتے ہین کہ اے مخاطب) خلق کی آنکھ بند کرنیوالی چیز کو جب تونے (ہمارے اوپر کے کلام یعنی لیک گوید الخ قوم معکوس الخ ضد طبع الخ سے) معلوم کر لیا (جس سے سبب چشم بندی کا تو معلوم ہو گیا کہ عدم التفات الی علوم الوحی و انہماک فی الفلسفہ و مخالفت انبیاء علیہم السلام ہے اب یہ پوچھتا ہون کیا) تجکو یہ بھی معلوم ہے (کہ) تونے کیسی چیز سے آنکھ بند کی ہی (اور) کیسی چیز پر (اوسکے) بدلے مین یہ آنکھین تونے کھولی ہین (الخ چاروہ جسمین اوس چیز کی ذات کی تعیین سے سوال مقصود نہین تعیین تو ان ہی اشعار ثلثہ مین ہو چکی ہے جسکی نسبت دانستہ کا حکم کیا ہے بلکہ مقصود اوس چیز کی صفت سے سوال کرنا ہے کما فی قولہ تعالیٰ فی قصۃ البقرۃ ماہی الذی اجیب عنہ بقولہ لا فارض الخ و بقولہ لبقرۃ لا ذلول الخ آگے خود جواب دیتے ہین کہ) تو سر بسر اوسکو اپنے لیے بئس البدل جان (یعنی دونون کی صفت مجملاً اس سے سمجھ لے

کہ یہ علوم فلسفیہ شرائع کا بئس البدل ہے یعنی وہ اس سے اشل یا اسکا مماثل تو کیا ہوتا اوسکے مشابہ و ملاحق بھی نہین جس سے بعض مصالح و آثار مین بدل ہی ہونے کی اوسمین صلاحیت ہو بلکہ یہ انفع بغایت اور وہ مضر بغایت ہی جس سے بئس البدل کہنا صحیح ہے اور اس انفعیت و اضریت کا تحقق اس سے بڑھکر کیا کہ ایک مفضی الی الجنان رزقنا اللہ اور دوسرا مفضی الی النیران حفظنا اللہ ہے یہ تو فلاسفہ کا ذکر تھا جنکا اصل اعتقاد فلسفہ پر ہے گو شرائع کو بھی کھینچ تان کر اوسپر منطبق ہو جانیسے مان لیتے ہین حتی کہ اگر منطبق نہ ہوتا اون سے توقع نہ تھی کہ پھر شرائع کی تصدیق کرتے آگے ایک دوسری گروہ کا ذکر ہے جو طرز و طریق بحث و استدلال مین بظاہر اون ہی کے ہمرنگ ہین مگر اونمین تدین ہے اور اصل اعتقاد اونکا شرائع پر ہی ہے مگر بوجہ قلت فہم و غلبہ وہم کے بعض نصوص کے ظواہر جنکو سلف نے بھی ظاہر ہی پر محمول رکھا بوجہ معارضہ اونکے بعض علوم تخمینیہ خرصیہ طبعیہ و ریاضیہ و آلہیہ کے اون کے زعم مین واجب التاویل ہین اسلیے وہ اونکو ظاہر سے منصرف کر کے اپنی محامل مزعومہ پر محمول کر کے مخالفت سلف کی اختیار کر لیتے ہین اور اونکی حالت سے یہ بھی یقینی ہے کہ اگر ان سے تاویل نہ ہو سکتی تو تاویل کی فکر و کوشش مین تو لگے رہتے مگر شرائع کا ہرگز انکار نہ کرتے یہ جماعت اہل بدعت مثل معتزلہ و خوارج وغیرہم کے متکلمین کی ہے چونکہ اوپر کے مضمون سے شبہہ انکے اشتمال کا بھی ظاہر تشابہ سے ہو سکتا ہے اسلیے مضمون بالا سے انکا استدراک کرتے ہین یعنی گو مشتغلین فلسفہ سب مذموم ہین) لیکن (تاہم اونمین سب کا درجہ مذمت ایک نہین بلکہ بعضے ونمین جو دین کو اصل مقصود سمجھتے ہین ایسے ہین کہ اونکی نسبت یہ مضمون ہے کہ) خورشید عنایت (حق اونپر ایک درجہ مین) چمکا ہی (اور گو وہ بوجہ عدم اتباع سلف و ترک ظواہر نصوص بنائً علی علومہم الخرصیۃ ادراک حقائق اصلیہ سے محروم اور مایوس ہین کیونکہ اسباب ادراک کے یہی تھے تو اونکو ترک کر دینے سے ادراک صحیح کی کیا توقع رہی لیکن تاہم اوس عنایت حق نے ان) مایوسون کو کرم سے بالیا ہے (یعنی انپر بھی ایک درجہ کا کرم فرمایا ہے اور انکی ساتھ) بہت عجیب نرد رحمت سے کھیلی ہے (یعنی انکے) عین کفران کو (بجاے) انابت کر دیا ہے (یہ مصرعہ تفسیر ہے مصرعۂ اولیٰ و شعر سابق کی شرح اسکی یہ ہے کہ تمہید شعر لیک خورشید الخ مین اس گروہ کا مصداق بتلا چکا ہون کہ مبتدعین کے متکلمین ہین اور اونکا فساد عقائد ظاہر ہے کفران اسی فساد عقائد کو کہا ہے مگر چونکہ وہ عقائد حد کفر تک نہین محض بدعت تک ہین اسلیے بعد عقوبت علی البدعۃ مثل عقوبت علی الاعمال الفسقیۃ خواہ بلا عقوبت مثل عفو عن الاعمال الفسقیۃ یہ عقائد موجب نجات بھی ہو جاوینگے اور یہی مطلب ہے عین انابت ساختہ کا یعنی اثر آن را مثل اثر انابت ساختہ اور عین کہنا مبالغہ ہے گو ابلی حق کے درجہ تک نہ پہونچین اور یہی مطلب ہے خورشید عنایت اور کرم کے ترجمہ مین میرے اس کہنے کا کہ ایک درجہ مین اور ایک درجہ کا اور یہ شبہہ نکیا جاوے کہ یہ نجات اوس عقیدہ بدعیہ سے تو نہین ہوئی بلکہ جو جزو اوسمین حق تھا اوس سے نجات ہوئی پھر یہ حکم کہ کفران کو انابت بنا دیا کہاں صحیح ہوا جواب یہ ہی

کہ واقعی سائل کا یہ کہنا صحیح ہے مگر چونکہ اوس مجموعہ مین جزو حق و جزو باطل مین اقتران شدید ہے
اور ایک دوسرے سے منفک نہین اسلیے مجموعہ کو شئے واحد قرار دیکر اوسکو ایک جزو کے اعتبار سے کفران
اور ایک جزو کے اعتبار سے انابت قرار دیکر اوسی کو سبب تعذیب اور اوسی کو موجب نجات کہدیا اوس طرح
سے دونون حکم صحیح ہوگئے آگے بھی یہی مضمون ہے کہ خلق (مذکور یعنی مبتدعین متکلمین) کی اسی شقاوت سے
(کہ عقیدۂ حقہ مین ایک جزو باطل ملا دیا) اوس جواد (مطلق) نے دو سو چشمے محبت (و رحمت) کے جاری
کردیے (یعنی اونکو بھی ایک درجہ مین محبوب و مرحوم بنادیا جیسا اوپر مذکور ہوا آگے اللہ تعالی کی اُس
شان کو کہ سبب ضرر کو سبب نفع کا بنا دیتے ہین چند امثلہ سے واضح کرتے ہین کہ) وہ (ایسا قادر مطلق ہے
کہ) وہ غنچہ کا سرمایہ خار سے عطا فرماتا ہے (یعنی خار دار درخت سے جس سے قطع نظر عادت سے کبھی توقع ہی
نہین ہو سکتی کہ اسمین پھول کھلیگا انبار کے انبار غنچے آتے ہین جو شگفتہ ہو کر گل ہو جاتے ہین اس انبار
کو سرمایہ کہدیا گیا اور) وہ مُہرہ کو سانپ سے لباس عطا فرماتا ہے (یعنی سانپ کے اندر مُہرہ پیدا کرتا ہے
کہ وہ سانپ اوس پر مشتمل ہونیکے اعتبار سے بمنزلہ اوسکے لباس کے ہو جاتا ہے اور) وہ تاریکی شب سے
دن کو ظاہر کرتا ہے اور وہ (بعض اوقات) تنگدست کے ہاتھ سے توانگری پیدا کرتا ہے (کہ وہ جس
چیز مین ہاتھ ڈالے ثروت ہی بڑھتی چلی جاتی ہے اور) وہ خلیل اللہ علیہ السلام کے لیے ریگ کو آٹا
بنادیتا ہے (یہ ایک مشہور معجزہ ہے مجھکو سند محفوظ نہین اور اوسکے حکم و قدرت سے) پہاڑ بھی داؤد ع
کے ساتھ ہم آہنگ ہو جاتا ہے کما قال تعالی اِنَّا سَخَّرْنَا الْجِبَالَ مَعَهٗ يُسَبِّحْنَ الآیۃ فی المنتخب سیل نامرب
آنکہ در زیر انداختن و جز آن شریک و موافق باکسے باشد و ہم پیغام او وکلمہ آہنم بمعنے نیز ست نہ کہ مرکب
باز سیل آگے بیان ہے اوس پہاڑ کی آہنگ کا یعنی) پہاڑ جو کہ باوحشت ہے اوس ابر ظلمات مین (کہ
ایسے وقت اوسکا ایحاش اور بڑھ جاتا ہے) ظاہر کرتا ہے بانگ چنگ کو اور زیر و بم کو (ابر مین تسبیح کرنیکا
کوئی خاص واقعہ میری نظر سے نہین گذرا مگر جب وہ تسبیح دائم تھی تو ابر مین بھی ہوتی ہوگی اور اوس
تسبیح جبل کے متعلق یہ ارشاد ہوا قالاً یا حالاً کہ) او شوا اے داؤد جو خلائق سے نفرت کرنیوالے ہو (کذا فی
الغیاث) تمنے اوس (مخلوق کو) ترک کردیا ہم سے (اوسکا) عوض لو (یعنی بجلے اوس مخلوق کے تمہارے
اُنس کے لیے ہم نے اس جبل کو مسبح کردیا (حاصل سب امثلہ کا وہی ہے جو ان امثلہ کی تمہید مین لکھا گیا
کہ حق تعالی کی ایسی شان ہے کہ جس جگہ جس چیز کی امید نہ ہو وہان اوسکو پیدا کرتے ہین پس اسی طرح
مبتدعین کے عقائد مین بوجہ فساد کے نجات کی امید نہ تھی مگر اللہ تعالی نے نجات مرتب فرمائی اور جاننا
چاہیے کہ متکلمین اہل سنت و اہل حق جو کہین کہین تاویل کرتے ہین وہ تاویل اسمین داخل نہین کیونکہ
اوسکا سبب دلائل قطعیہ سمعیہ یا عقلیہ کے معارضہ کا دفع کرنا ہے جو کہ ضروری ہے اور غرض اوسکی حفاظت
عقول عامہ کی اور اسمین سلف کی مخالفت نہین بلکہ اونکے عقائد سے شبہات کو دور کرنا بھی غرض ہے پس

سبب اور غایت دونون مغائر ہین سبب و غایت تاویل مبتدعین سے کیونکہ وہان سبب ہے علوم خصوصیہ اور غایت ہے اون علوم کی صحت کی حفاظت فشتان ما بینہما فتاویل اہل البدعۃ یشابہ حیلۃ اسقاط الزکوٰۃ فی فساد الغرض وتاویل اہل السنۃ یشابہ حیلۃ تصحیح العقد فی صحۃ الغرض وقد ورد الاذن الشرعی فی ہذہ الحیلۃ حیث قال صلی اللہ علیہ وسلم لبلال بع الجمع بالدراہم ثم ابتع بالدراہم الحدیث واللہ اعلم ولہ الحمد علی حل ہذہ الاشعار العویصۃ وقد اقلقتنی واز عجتنی کثیرا ولم یشفنی حاشیۃ ولاشرح لاسیما فی نصفہا الاول فرجعت الی اللہ تعالی وبدأت فی حلہا متوکلا علیہ فکانما انشطت من عقال وارتفعت الحجب عن المقصود باسہل وجہ واحسنہ وذلک من فضل اللہ تعالی وان لم اکن اہلا لذلک آگے رجوع الی القصہ کی تمہید ہے یعنی) حق تعالی کا گنج بے پایان حد نہین رکھتا یعنی اونکے معاملات کے متعلق مضامین غیر محدود ہین کما قال تعالی قل لو کان البحر الخ اسلیے سردست مین اسی قدر پر اکتفا کرکے) پھر متوجہ ہو فقیر طالب گنج دکے قصہ کی طرف (اسکے بعد قصہ کی طرف عود ہوگا) ف یہ شعر اخیر اکثر نسخون مین نہین ہے مگر مناسب مقام سمجھکر بعض نسخون سے لکھدیا گیا۔

انابت طالب گنج و پشیمانیٔ او از تعجیل و بے صبری

گفت آن درویش کاے دانائے راز
اُس درویش نے کہا کہ اے دانائے اسرار

دیو حرص و آز مستعجل تگی
مستعجل اسیر ہونے کی حرص اور ہوس کے دیو نے

من ز دیگے لقمۂ ننددوختم
مین نے دیگ مین سے ایک لقمہ بھی حاصل نہ کیا

خود نگفتم چون درین ناموقنم
مین نے یہ نہ کہا جبکہ مین اسمین یقین کرنیوالا نہ تھا

قول حق را ہم ز حق تفسیر جو
کلام حق کی تفسیر کلام حق ہی سے تلاش کر

آن گرہ کو زدہم او بکشایدش
جو گرہ اوسنے لگائی ہے وہی اوسکو کھولتا ہے

از پے این گنج کردم یاوہ تاز
اِس خزانے کیلیے مین نے بے سود دوڑ دھوپ کی

نے تانی جُست و نے آہستگی
نہ تحمل کو طلب کیا اور نہ آہستگی کو

کف سیہ کردم دہان را سوختم
ہاتھ سیاہ کرلیے۔ مُنھ جلالیا

زان گرہ زن این گرہ را حل کنم
کہ اس عقدہ کو اوسی عقدہ لگانیوالے سے حل کرون

ہین مخا ثر از گمان اے یاوہ گو
ہان تخمین سے نراژ خائی مت کر اے یاوہ گو

مُہرہ کو انداخت او بر بایدش
جو مُہرہ اوسنے ڈالا ہے وہی اوسکو اوٹھاتا ہے

گرچہ آسانت نمود این سان سخن	کے بود آسان رموز من لدن
اگرچہ تجکو اِس قسم کا کلام آسان معلوم ہوا ہو	رموز لدنیہ کب آسان ہوتے ہین
گفت یارب توبہ کردم زین شتاب	چون تو در بستی تو کن ہم فتح باب
عرض کیا کہ اے رب مین نے تعجیل سے توبہ کی	جب آپنے در بند کیا ہے تو آپ ہی دروازہ کھولیے
بر سرِ حرفہ شدم بارِ دگر	در دعا کردن بُدم ہم بے ہنر
مین بار دگر پھر حرفہ کے سر ہو گیا	مین دعا کرنے مین بھی بے ہنر ہی تھا
کو ہنر کو من کجا دل مستوی	این ہمہ از عکسِ تست و خود توئی
ہنر کہان ہے مین کہان ہون دل برقرار کہان ہے	یہ سب آپ ہی کا عکس ہے اور خود آپ ہی ہین

اوس درویش نے (پھر دعا کی اور) کہا کہ اے دانائے اسرار اِس خزانہ کے لیے مین نے بے سود دوڑ دھوپ کی (اور) مستعجل الاسیر ہونے کی حرص اور ہوس کے دینے نہ تحمل کو طلب کیا اور نہ آہستگی کو (اضافت حرص دراز کی بیانیہ ہے یعنی آن حرص مستعجل الاسیر بودن کہ بمنزلۂ دوست دراغوا میری ایسی مثال ہو گئی کہ جیسے) مین نے دیگ مین سے ایک لقمہ بھی حاصل نہ کیا (لیکن) ہاتھ سیاہ کر لیے (اور) مُنھ جلا لیا اور اوسنے یہ بھی اپنی غلطی دعا مین عرض کی کہ مین نے (دل مین) یہ نہ کہا (یعنی یہ نہ سمجھا فالکلام نفسی) جبکہ مین اس (تفسیر بشارت غیبیہ) مین یقین کرنیوالا نہ تھا (یعنی جب کمان سے تیر پھینکنے کی تفسیر مزعوم کا مجھکو یقین نہ تھا کیونکہ وہ تو غلط نکلی تو باوجود تصدیق بشارت کے اوسکی اس تفسیر کا یقین نہ ہونا ظاہر ہے تو اوسوقت مین نے یہ غلطی کی کہ یون نہ سمجھا) کہ اس عقدہ کو اوسی عقدہ لگانیوالے سے حل کردن (یعنی جب اول ایک دو بار مین ناکامی ہوئی تھی تو مجھکو اوسی وقت یہ سمجھنا چاہیے تھا مگر مین برخلاف اسکے کوشش ہی مین ترقی کرتا رہا آگے مولانا کا ارشاد ہے کہ) کلام حق کی تفسیر کلام حق ہی سے تلاش کر (خواہ وحی جلی ہو یا وحی خفی جیسا کہ حدیث یا قواعد نقلیۂ قطعیہ کہ وہ سب وحی کی طرف مستند ہین) ہان (محض) تخمین سے ژاژ خائی مت کر اے یاوہ گو (کیونکہ ان الظن لا یغنی من الحق شیئا) جو گرہ اوسنے لگائی ہے وہی اوسکو کھولتا ہے جو مہرہ اوسنے ڈالا ہے وہی اوسکو اوٹھاتا ہے (اور کسی کی مجال نہین کہ اوس مہرہ کو اوسکی جگہ سے اوٹھا کر بازی لیجاوے اور) اگرچہ تجکو اس قسم کا کلام (جیسا تیر ڈالنے کا تھا کلام حق مین) آسان معلوم ہوا ہو (لیکن یہ سمجھنا چاہیے کہ) رموز لدنیہ کب آسان ہوتے ہین (یعنی باعتبار مدلول لغوی وغیرہ کے آسان دیکھکر محض رائے سے اوسکا کوئی محمل متعین مت کرلے ممکن ہے اوسکی مراد مین کوئی جز و خفی ہو کہ وہ من اللہ ہی منکشف ہو گی جیسے جب تک من الفجر نازل نہ ہوا صرف خیط ابیض و اسود کا لفظ سنکر بعض صحابہ لغوی معنی سمجھ گئے جسکو وحی نے مفسر کیا حالانکہ اسمین کچھ زیادہ غموض نہ تھا پس سہل ظاہری کو بھی وحی ہی سے حل کرو آگے پھر قصہ ہے کہ) اوسنے (دعا مین) عرض کیا کہ اے رب مین نے تعجیل سے توبہ کی (اب آپ سے التجا ہے کہ) جب آپنے در بند کیا ہے تو آپ ہی دروازہ کھولیے (مین نے اون اسباب

توحرفہ کو چھوڑ کر تو دعا کی تھی کہ بلا اسباب روزی عطا فرما چنانچہ بشارت بھی ملی مگر مین نے یہ غلطی کی کہ) مین بالیدیگر پھر حرفہ کے سر ہو گیا (یعنی اوس بشارت پر اپنی راے سے ایسے طور پر عمل کیا کہ وہ بشارت پر عمل نہ ہوا بلکہ جس حرفہ کو چھوڑا تھا گویا پھر اوسی کو اختیار کر لیا کیونکہ اپنی راے سے اسباب اختیار کرنا یہی تو حرفہ ہے اور یہ تیراندازی لبطرز خاص اپنی ہی راے سے تھی تو گویا عہد ترک حرفہ کو توڑ ڈالا اور اس سے مجھکو ثابت ہوا کہ مین دعا کرنے مین بھی بے ہنر ہی تھا یعنی حرفہ چھوڑ کر دعا اختیار کی تھی مجھسے وہ بھی سلیقہ سے نہ ہوا کیونکہ اجابتِ دعا مین جو بشارت ہوئی اوسپر صحیح عمل نہ ہوا پس دعا کے ساتھ بھی پورا تمسک نکیا اور بر سر حرفہ شدم کی ایک اور توجیہ ایک حاشیہ مین لکھی ہے بر سر حرفہ شدن کنایہ از گناہ و تقصیر ست اے گناہ کردم عفو فرما اھ اگر یہ ثابت ہو جاوے تو بہت سہل ہے یعنی مجھسے غلطی ہوئی کہ اوس بشارت کے معنے اپنی طرف سے گڑھ لیے جس سے معلوم ہوا کہ مجھکو دعا کا تمسک بھی نہین آتا تو آپ معاف فرما دیجیے اوپر ہنر کی نفی خاص دعا سے تھی آگے اس نفی کی تعمیم ہے یعنی مجھ مین) ہنر کہان ہے (بلکہ خود مین رہی) کہان ہون (اور) دلِ برقرار کہان ہے (یعنی میرا وجود اور ادراک علمی معتبر بہ دِل و ہنر عملی سب ہیچ ہے بلکہ مجھ مین جو کچھ ہے) یہ سب آپ ہی (کے کمالات) کا عکس ہے اور (بلکہ) خود آپ ہی ہین (یعنی مین عکس کے درجہ مین بھی نہین ہون یہ نفی مبالغۃً بالنظر الی اضمحلال الوجود ہے اور پہلا اثبات بالنظر الی الوجود ہے ولو ضعیفًا فلا تعارض آگے اپنی ادراکات اور ہنر و کمالات کا ہیچ ہونا سطح بیان کرتے ہین کہ وہ میرے قبضہ مین بھی نہین چنانچہ ہر شب وہ مسلوب ہو جاتے ہین ادراک کا سلب تو ظاہر ہے اور ہنر کا اسلیے کہ وہ عمل ہے اور موقوف ہے علم پر جب موقوف علیہ سلب ہو گیا موقوف بھی سلب ہو گیا اور ہر روز وہ عود کر آتے ہین اور یہ دونون بلا میرے اختیار کے ہین پس معلوم ہوا کہ مین اور یہ سب ہیچ و مضمحل الوجود والبقاء ہین فصح قولہ کو ہنر الخ موجود حقیقی وہی ہے جسکے قبضہ مین یہ سب ہے فصح قولہ انہم الخ پس اس مضمون کی تفصیل اشعار آیندہ مین بطور انتقال کے فرماتے ہین دو شعر اوس فقیر کی زبان سے اور اوسکے بعد مولانا کی زبان سے)۔

هر شبے تدبیر و فرہنگم بخواب
ہر شب میری تدبیر اور عقل سونے مین

ہمچو کشتی غرقہ می گردد در آب
مثل کشتی کے پانی مین غرق ہو جاتی ہے

خود نہ من می مانم و نے آن ہنر
نہ مین خود رہتا ہون اور نہ وہ ہنر

تن چو مردارے فتادہ بے خبر
تن مثل مُردہ کے بے خبر پڑا ہوا ہوتا ہے

تا سحر جملہ شب آن شاہِ عُلا
صبح تک تمام شب وہ شاہِ عُلا

خود ہمی گوید اَلَسْتُ و خود بلیٰ
خود ہی اَلَسْتُ فرماتا ہے اور خود ہی بلیٰ

کو بلی گو جملہ را سیلاب بُرد
بلی کہنے والے کہان ہین سب کو سیلاب لے گیا

یا نہنگے کرد کل را خُرد مُرد
یا کسی نہنگ نے سبکو ریزہ ریزہ کر دیا

صبحدم چون تیغ گوہر بار خود — از نیام ظلمت شب بر کشد
صبح کا زمانہ جب اپنی شمشیر گوہر بار کو — ظلمت شب کے نیام سے باہر نکالتا ہے

آفتاب شرق شب را طے کند — این نہنگ آن خوردہا را قے کند
آفتاب شرقی شب کو طے کر لیتا ہے — یہ نہنگ اُن کھائی ہوئی چیزونکو قے کرتا ہے

رستہ چون یونس ز جوف آن نہنگ — منتشر گردیم اندر بوی و رنگ
ہم یونس علیہ السلام کیطرح اوس نہنگ کے جوف ہی سے نکلکر — بو اور رنگ مین پھیل پڑتے ہین

خلق چون یونس مسبح آمدند — کاندران ظلمات پُر راحت شدند
مخلوق مثل یونس علیہ السلام کے تسبیح گو ہو گئے تھے — کہ اُون ظلمات مین پُر راحت ہو گئے تھے

ہر یکے گوید بہنگام سحر — چون ز بطن حوت شب آید بدر
ہر شخص ہنگام سحر مین کہتا ہے — جبکہ بطن حوت شب سے باہر آتا ہے

کای کریمے کاندران لیل وحش — گنج رحمت بنہی و چندین چشش
کہ اے ایسے کریم کہ اوس شب باوحشت مین — آپ خزانۂ رحمت رکھتے ہین اور اسقدر لذت

چشم تیز و گوش تازہ تن سبک — از شب ہمچون نہنگ ذو الحبک
آنکھ تیز اور کان تازہ اور بدن ہلکا ہو گیا — شب کیوجہ سے جو نہنگ کے مشابہ اور سیاہ زلفون والی ہے

ہر شب میری تدبیر (یعنی قوت علمیہ) اور عقل (یعنی قوت عملیہ) سونے مین مثل کشتی کے پانی مین غرق ہو جاتی ہے (بلکہ) نہ مین خود رہتا ہون اور نہ وہ ہنر (بس) تن مثل مردہ کے بے خبر پڑا ہوا ہوتا ہے (یہی بیخبری تفسیر ہے خود نہ من مانم کی حاصل یہ کہ مصداق تن کا عرفاً حی ہے اور ظاہری اثر حیوٰۃ کا خبر اور ہوش ہے بخلاف ادراک کے کہ وہ اثر کہ وہ عام ناظرین کے سامنے ظاہر نہین بس ہوش کا نہ ہونا گویا حیوٰۃ کا نہونا ہے پس عرفاً مصداق تن کا مثل منعدم کے ہو گیا اور اسمین ماقبل سے ترقی ہو گئی پس مجموعہ شعرین مین تین چیزونکی نفی ہو گئی قوت علمیہ قوت ادراکیہ ہوش آگے بلسان مولانا اسی مضمون کی مزید توضیح ہے کہ) سحر تک تمام شب وہ شاہ عُلا (یعنی حق جل و عُلا) خود ہی الست فرماتا ہے اور خود ہی بلٰی (یعنی سوال و جواب خود ہی فرماتا ہے کیونکہ اور) بلٰی کہنے والے (یعنی جواب دینے والے) کہان ہین سب کو (خواب مشابہ) سیلاب لے گیا یا (ایک دوسری تشبیہ سے یون کہو کہ) کسی نہنگ نے سب کو ریزہ ریزہ (یعنی ہلاک) کر دیا (کذا فی الغیاث فی معنے خرد مرد) شب بھر تو یہ قدرت حق تعالیٰ کی ظاہر ہوئی پھر بعد گذرنے شب کے دوسری یہ قدرت ظاہر ہوئی کہ صبح کا زمانہ جب اپنی شمشیر گوہر بار (یعنی آفتاب منبع الاشعہ) کو ظلمت شب کے نیام سے باہر نکالتا ہے (اور) آفتاب شرقی (یعنی طالع من الشرق) شب کو طے کر لیتا ہے (یعنی شب کے اندر معدل النہار کی دوسری قوس کو قطع کر لیتا ہے پس یہ مصرعہ بحذف عاطف معطوف ہے

ماقبل پیدا ہو سب ملکر شرط ہے آگے جزا ہے کہ (اوسوقت) یہ نہنگ اون کھائی ہوئی چیزونکو قے کرتا ہے (یعنی ہوش وحواس مدرکہ و ہنر و تدبیر سب عود کر آتے ہین اور) ہم (اوسوقت) یونس علیہ السلام کی طرح اوس نہنگ (شب) کے جوف سے نکلکر بو او ر رنگ مین (یعنی ادراکات سے کام لینے مین) پھیل پڑتے ہین (اور) مخلوق مثل یونس علیہ السلام کے (بطن شب مین بزبان حال) تسبیح گو (اور ثنا خوانِ حق) ہو گئے تھی (اس بات پر کہ اون ظلمات مین پر راحت ہو گئے تھے (جس طرح یونس علیہ السلام بطن حوت مین تسبیح خوان تھے قال تعالیٰ فلولا انہ کان من المسبحین وقال تعالیٰ فنادیٰ فی الظلمات ان لا الٰہ الا انت سبحٰنک الخ اور یہ تشبیہ صرف تسبیح مین ہے گو باعث مختلف ہو چنانچہ مشبہ مین راحت کو باعث قرار دیا اور مشبہ بہ مین طلب نجات من الظلمات باعث تھا پھر بعد شب گذرنے کے) ہر شخص ہنگام سحر مین کہتا ہے جبکہ بطنِ حوتِ شب سے باہر آتا ہے کہ اے ایسے کریم کہ اوس شب با وحشت مین آپ خزانہ رحمت (یعنی راحت) رکھتے ہین اور اس قدر لذت (ایک منفعت تو شب مین یہ ودیعت رکھی یعنی اوسمین سونا موجب لذت وراحت ہوا اور دوسری منفعت اس سونے کے واسطے یہ رکھی کہ) آنکھ تیز اور کان تازہ اور بدن ہلکا (ہو گیا) شب کی وجہ سے جو مشابہ ہے نہنگ کے اور جو سیاہ زلفون والی ہے (شب کی وجہ سے یہ معنے کہ وہ اوس کا سبب بواسطہ ہے فی المنتخب جاک موے جعد وہچنین جبکہ جبک۔ جمع آگے ایک انتقال ہے بطور جملہ معترضہ کے اور اوس کے بعد شورِ شب شکستہ الخ سے پھر یہی مضمون متعلق آثار شب کے آویگا)۔

از مقامات وحش روزین سپس　　　ہیچ نگریزیم ما با چون تو کس

اسکے بعد ہم اون مقامات سے جو کہ موحش نما ہین　　　ہرگز نہ بھاگین گے آپ ایسی ذات کے ہوتے ہوے

موسیٰ آن را نار دید و نور بود　　　زنگیی دیدیم شب را حور بود

موسیٰ علیہ السلام نے اوسکو آگ دیکھا اور وہ نور تھا　　　ہم نے شب کو ایک زنگی سمجھا وہ حور تھی

ما نمی خواہیم غیر از دیدۂ　　　دیدۂ تیزے گشتہ بگزیدۂ

ہم بجز دیدہ کے کچھ نہین چاہتے　　　ایسا دیدہ کہ تیز۔ خوش۔ پسندیدہ ہو

بعد ازین ما دیدہ خواہیم از تو بس　　　تا نپوشد بحر را خاشاک و خس

اسکے بعد ہم آپ سے صرف دیدہ مانگتے ہین　　　تاکہ دریا کو خس وخاشاک نہ ڈھانپ لے

ساحران را چشم چون رست از عمی　　　کف زنان بودند بے این دست و پا

ساحرون کی آنکھ جب نابینائی سے چھوٹ گئی　　　تو وہ بدون اس دست و پا کے کف زنان تھے

چشم بند خلق جز اسباب نیست　　　ہر کہ لرزد بر سبب ز اصحاب نیست

خلائق کی آنکھ کی بندش بجز اسباب کے اور کچھ نہین ہے　　　جو شخص اسباب پر لرزے اصحاب سے نہین

لیک حق اصحاب و نا اصحاب را
لیکن حق تعالیٰ نے اصحاب و نا اصحاب کے لیے

در کشاد و بُرد تا صدرِ سرا
دروازہ کھول رکھا ہے اور صدر مکان تک لیگئے ہین

با کفش نامستحق و مستحق
اوسکے کف مین غیر مستحق اور مستحق

معتقانِ رحمت اند از بندِ رق
آزاد کردگانِ رحمت ہین قید غلامی سے

در عدم ما مستحقان کَے بُدیم
عدم مین ہم مستحق کب تھے

کہ برین جان و برین دانش زدیم
کہ ہم اس حیات اور اس علم پر پہونچ گئے

اے بکردہ یار ہر اغیار را
اے خدا جسنے تمام اغیار کو یار بنایا ہے

وی بدادہ خلعتِ گُل خار را
اور اے خدا جسنے خار کو خلعتِ گُل عطا فرمایا ہے

خاکِ ما را ثانیًا پالیز کن
آپ ہماری خاک کو دوبارہ سرسبز کردیجیے

ہیچ نے را بار دیگر چیز کن
لاشئے کو دوبارہ شئے کردیجیے

این دعا تو امر کردی ز ابتدا
اس دعا کا بھی آپ ہی نے ابتدا سے حکم کیا ہے

ورنہ خاکے را چہ زہرہ این ندا
ورنہ ایک خاک کو کیا طاقت تھی اس پکارنے کی

چون دعا مان امر کردی ای عُجاب
جب دعا کرنیکا ہمکو آپنے حکم فرمادیا ہے اے عجیب الکمالات

این دعاے خویش را کن مستجاب
تو پھر اپنی اس دعا کو قبول بھی کیجیے

(یہ انتقال ہے بیان آثار شب سے ایک دوسرے مضمون مناسب کی طرف خواہ بلسان مولانا خواہ بلسان متکلم مذکور اشعار سابقہ کہ ہر کیے گوید بہنگام سحر الخ یعنے اے اللہ جس چیز کو ہمنے وحشت ناک سمجھا تھا یعنی شب کو وہ ایسی راحت بخش ثابت ہوئی اس سے ہمکو معلوم ہوا کہ ہماری دید کا کچھ اعتبار نہین آپ کی طرف سے جو چیز ہو وہ محمود اور موجب راحت ہی ہے گو بظاہر وحشت ناک ہو پس) اسکے بعد (یعنی اپنی غلطی ثابت ہونے کے بعد) ہم اون مقامات سے جو کہ موحش نما ہین (ہرگز) نہ بھاگین گے آپ ایسی ذات کی تجویز کے ہوتے ہوئے (بلکہ یہ سمجھین گے کہ ہر چہ از دوست میرسد نیکوست آگے اسکی تائید ہے کہ ہر شئے کا ہمارے خیال کے موافق ثابت ہونا ضرور نہین چنانچہ) موسیٰ علیہ السلام نے اوسکو آگ دیکھا اور وہ (واقع مین) نور تھا (اسیطرح) ہمنے شب کو ایک زنگی سمجھا (اور) وہ حور تھی (پس جب ہماری دید موجود صحیح نہین ہے تو اب آپسے) ہم بجز دیدہ (صحیح بین) کے کچھ نہین چاہتے (اور وہ) ایسا دیدہ (ہو) کہ تیز (اور) خوش (اور پسندیدہ ہو اور یہ حصر اضافی ہے بمقابلۂ دیدہ غلط بین کے نہ کہ حقیقی کہ اوس سے جمیع مطلوبات کی نفی لازم آوے آگے بھی اسی کی تاکید ہے کہ) اسکے بعد یعنی اپنی غلطی ثابت ہونیکے بعد) ہم آپسے صرف دیدہ (صحیح بین) مانگتے ہین تاکہ (حقائق واقعیہ کے) دریا کو (موانع حق بینی کا) خس وخاشاک نہ ڈھانپ لے (آگے چشم حق بین کی خوبی بیان کرتے ہین کہ وہ ایسی چیز ہے کہ) ساحرونکی آنکھ جب نابینائی سے چھوٹ گئی

تو وہ بدون اس (ظاہری) دست و پا کے کف زنان (اور رقص کنان) تھے (یعنی مسرت روحانی اون کو
نصیب ہوگئی آگے حق بینی کے موانع کی تعیین فرماتے ہین کہ) خلائق کی آنکھ کی پٹی بجز اسباب (طبعیہ) کے
اور کچھ نہین (اسمین اصل سبب بتلایا ہے کہ تمام موانع شہویہ و غضبیہ کا مرجع کوئی نہ کوئی سبب طبعی ہی کما یظہر
با لتامل آگے اسپر تفریع ہے کہ جب یہ اسباب چشم بند ہے تو) جو شخص (محض) اسباب (کی بناء) پر لرزے
(ڈرے وہ) اصحاب (دید صحیح) سے نہین (کیونکہ اوسکی یہ حالت دلیل ہے اوسکے چشم بندگی اور محض ہین نے
اسلیے کہا کہ اسباب کو اسباب کے درجہ مین سمجھکر اوس سے متاثر ہونا مگر مؤثر حقیقی جل وعلا شانہ کو علماً و عملاً
سمجھنا عین عرفان ہے۔ آگے بطور استدراک کے غیر اصحاب دید کو اسلیے امید دلاتے ہین کہ شاید کوئی ایسا
شخص رجوع بحق کرے اور متردد ہو کہ یہ رجوع مفید ہوسکتا ہے اسلیے فرماتے ہین کہ اگرچہ جامد علی الاسباب
فی الحال تو اصحاب دید سے نہین ہے) لیکن (اگر وہ رجوع بحق کرے تو) حق تعالیٰ (کی ایسی رحمت ہے کہ
اوس) نے اصحاب اور نا اصحاب (سب) کے لیے دروازہ (رحمت کا) کھول رکھا ہے اور (سب کو) صدر مکان
تک لے گئے ہین (آگے بھی یہی مضمون ہے کہ) اوسکے کف (لطف) مین غیر مستحق اور مستحق (سب) آزاد کردگان رحمت
ہین قید غلامی (نفس ہوا) سے (استحقاق سے مراد استحقاق واجب نہین اور عدم استحقاق سے مراد عدم استعداد
نہین کیونکہ پہلا استحقاق منفی ہے اور دوسرا استحقاق ثابت ہے بلکہ مراد اس سے استحقاق ظاہری و عدم
استحقاق ظاہری ہے جو اعمال صالحہ و خدمت کا سبب سمجھا جاتا ہے مطلب یہ کہ خواہ اعمال صالحہ پہلے سے
نہ ہون مگر رجوع ہو تو غیر عاملین پر بھی خدا تعالیٰ کا فضل ہوجاتا ہے اور اونکو بھی چشم صحیح بین عطا فرما کر کامیاب
کردیتے ہین آگے تائید مع الترقی ہے اوپر کے مضمون کی کہ رجوع سے تو کیون نہ فضل ہوتا بعض اوقات
بلا استحقاق و بلا رجوع بھی فضل ہوچکا ہے چنانچہ) عدم (کی حالت) مین ہم (بالمعنی المذکور) مستحق (وجود کی کب تھے
ہم نے کونسی خدمت و طاعت کی تھی یا کونسا رجوع کیا تھا کہ خدمت و طاعت بالمعنی الاعم اوسکو بھی شامل
ہے) کہ ہم (اوسکی بدولت) اس حیات اور اس علم پر پہونچ گئے (بعض فضل بلا استحقاق ہی تھا آگے حق تعالیٰ کی
اس شان کے استحضار سے دعا کا جوش ہوا ہیں عرض کرتے ہین کہ) اے خدا جسنے تمام (اون اغیار کو جو کہ
طلب سے یا کبھی محض فضل سے یار ہوگئے ہین اونکو آپ ہی نے) یار بنایا ہے اور اے خدا جسنے خار کو خلعت گل
عطا فرمایا ہے (یعنی ناقص کو کامل بنایا ہے) آپ ہماری خاک کو دوبارہ سرسبز کر دیجیے (دوبارہ اسلیے کہا کہ
ایکبار حیات جسمی عطا فرمائی ہے اب حیات روحانی عطا کیجیے پالیز بیارے معروف باغ و بستان و کشت زار
کذا فی الحاشیۃ) اور اس لاشئے کو دوبارہ شئے (معتد بہ) کر دیجیے (یعنی ایکبار شئے بمعنی موجود کیا اب بمعنی موجود
معتد بہ یعنی موصوف بالکمال کر دیجیے آگے مثل حیات جسمی عطا شدہ و روحی بدعا طلب کردہ شدہ کے خود اس
دعا کا بھی من اللہ ہونا فرماتے ہین کہ) اس دعا کا بھی آپ ہی نے ابتداء سے حکم کیا ہے (ابتداء سے مراد یہ کہ
ہمارے طلب کے قبل کیونکہ اسکی طلب بھی آج کبھی نہین ہوئی کہ آپ ہمکو دعا کی اجازت دیجیے) ورنہ (اگر آپ کا

(مرنہ ہوتا تو) ایک (مشت) خاک کو کیا طاقت تھی اس پکارنے کی (یعنی دعا کی کیونکہ درخواست کی ہمت کے لیے منادیٰ اور منادی مین عادۃً تقارب و تناسب شرط ہے تو ظاہر ہے کہ اس صورت مین ہماری کیا ہمت ہوتی مگر آپنے اجازت دیدی اسلیے دعا کر لیتے ہین آگے اس پر تفریع ہے کہ پس) جب دعا کرنیکا ہمکو آپنے حکم فرمادیا ہے اے عجیب (الکمالات) تو (پھر) (نی اس دعا کو قبول بھی کیجیے (دعاے خویش باعتبار نسبت اذن کے کہا گیا اسکی شرح ہمارے استاد حضرت مولانا محمد یعقوبؒ کے اس ارشاد سے ہو گی کہ اگر حاکم عرضی کا مضمون خود تبلا کر کہے کہ اس مضمون کی عرضی ہمکو دو تو وہ عرضی ضرور مقبول ہوگی اھ پس اس صورت مین اوس عرضی کے مضمون کو کہہ سکتے ہین کہ یہ مضمون حاکم ہی کا ہے یہی توجیہ دعاے خویش کی ہے اور عجیب الکمالات ہونا اس سے ظاہر ہے کہ بلا اپنی کسی مصلحت کے خود دعا کرنے کی رہنمائی فرماتے ہین آگے پھر عود ہے مضمون بالا آثار و خواص شب اور اس مضمون کی غرض کی طرف جو اوپر کے اس شعر مین مذکور تھی ہر شبے تدبیر و فرہنگم لرخ۔

شب شکستہ کشتیِ فہم و حواس　　نے امیدی ماندہ نے خوف و نہ یاس
شب کے وقت فہم و حواس کی کشتی شکستہ ہوگئی　　نہ امید رہی نہ خوف اور نہ نا امیدی

بردہ در دریاے حیرت ایزدم　　تا ازچہ فن پُر کند بفرستدم
ایزد تعالیٰ مجھکو دریای حیرت مین لے گیا　　تاکہ کس فن سے پُر کرکے مجھکو بھیجتا ہے

آن یکے را کردہ پُر نور و جلال　　وین دگر را کردہ پُر وہم و خیال
اُوس ایک کو نور اور جلال سے پُر کردیا　　اور اس دوسرے کو وہم اور خیال سے پُر کردیا

گر بخویشم ہیچ راے و فن بُدے　　راے و تدبیرم بحکمِ من بُدے
اگر از خود میری کچھ راے اور فن ہوتا　　تو میری راے اور تدبیر میرے حکم مین ہوتے

شب نرفتے ہوش بے فرمانِ من　　زیرِ دامِ من بُدے مرغانِ من
شب کو میرا ہوش بدون میرے فرمان کے زائل نہوتا　　میرے طیور میرے دام کے تحت مین ہوتے

بودمے آگہ ز منزلہاے جان　　وقتِ خواب و بیہشتی و امتحان
مین رُوح کے منازل سے آگاہ ہوتا　　وقت خواب اور بیہوشی اور امتحان کے

چون کفم زین حل و عقدِ او تہی ست　　اے عجب این معجبیِ من زچیست
جب میرا ہاتھ اسکے اِس حل و عقد سے خالی ہے　　تو تعجب ہے کہ میری یہ خود بینی کاہے سے ہے

شب کے وقت فہم و حواس کی کشتی شکستہ ہوگئی (اور آب خواب مین غرق ہوگئی جسکے سبب) نہ امید رہی اور نہ خوف اور نہ نا امیدی (کیونکہ یہ سب موقوف ہین فہم و حواس پر اور اوس خواب کے وقت) ایزد تعالیٰ مجھکو دریاے حیرت مین لے گیا تاکہ (دیکھا چاہیے کہ) کس فن سے پُر کرکے مجھکو (حالت بیداری کی طرف) بھیجتا ہے (آگے اوسکا بیان ہے کہ) اوس ایک (کے ادراکات) کو نور و جلال سے پُر کردیا (مراد

عارفین ہین) اور اس دوسرے کو وہم وخیال سے پُر کر دیا (مراد فلاسفہ ہین شرح اسکی یہ ہے کہ جس خیال مین آدمی اکثر اوقات رہتا ہے جب قوت متفکرہ کو فراغ ملتا ہے وہ اوس خیال مین تصرف کرتی ہے جس سے اوسکے متعلق بہت سی مجہولات معلوم ہوجاتے ہین اور خواب مین پورا فراغ ملتا ہے تو اکثر ایسا ہوتا ہے کہ بعد بیداری کے عارفین کے معارف اور فلاسفہ کے فلسفیات مین اضافہ ہوجاویگا اسی کو نور وجلال اور وہم وخیال سے پُر کرنا فرمایا آگے ان آثار وخواص پر اس مضمون کی غرض کی تفریع فرماتے ہین کہ اس سے ثابت ہوا کہ) اگر از خود میری کچھ رائے (علمی) اور فن (عملی) ہوتا (یعنی مستفاد من اللہ نہ ہوتا) تو میری رائے اور تدبیر میرے حکم (واختیار) مین ہوتی (جیسا غیر مستفاد من الغیر کی شان ہے آگے مصرعۂ ثانیہ کی تفسیر ہے یعنی) شب کو میرا ہوش بدون میرے فرمان کے زائل نہ ہوتا (بلکہ بالکل زائل ہی نہ ہوتا اور) میرے طیور (حواس) میرے دام کے تحت مین (یعنی قبضہ مین) ہوتے (اور) مین (اپنی) روح کے منازل سے آگاہ ہوتا وقت خواب اور بیہوشی اور امتحان کے (یعنی مجھکو سونے مین یا کم از کم جاگنے کے بعد یہ معلوم ہوتا کہ میری روح کس کس حال اور کس کس خیال مین مشغول رہی ہے حالانکہ اکثر اوقات سوتے مین بھی کچھ نہین معلوم ہوتا اور نہ جاگنے کے بعد یاد رہتا ہے اور امتحان حالت خواب ہی کو کہا کہ اوس سے امتحان (ظہور ہوتا ہے انسان کی بیچارگی کا پس یہ عطف تفسیری ہے آگے اس پر تفریع کرتے ہین ثبوت بیچارگی کی یعنی) جب میرا ہاتھ (یعنی میرا اختیار) اوس (روح) کے اس حل وعقد (یعنی تغیر وتبدل) سے خالی ہے (یعنی یہ میرے اختیار مین نہین) تو تعجب ہے کہ دیکھو میری (یا اور کسی کی) یہ خود بینی کاہے سے ہے (یعنی بلا سبب ہے اور نادانی ہے آگے پھر عود ہے حکایت طالب گنج کی اس دعا کی طرف کہ گفت یا رب توبہ کردم الخ مع اوس کے سیاق وسباق کے)۔

دیدہ را نا دیدہ خود انگاشتم
مین نے دیکھی ہوئی چیز کو آن دیکھی سمجھ لیا

باز زنبیل دعا بر داشتم
پھر زنبیل دعا کو مین نے اُٹھایا ہے

چون الف چیزے ندارم اے کریم
اے کریم مین الف کی طرح کوئی چیز نہین رکھتا

جز دلے دل تنگ تر از چشم میم
بجز ایک دل کے جو کہ چشم میم سے بھی زیادہ دلتنگ ہی

این الف وین میم اُم بود ماست
یہ الف اور یہ میم ہمارے وجود کی اُم یعنی اصل ہے

میم اُم تنگ ست الف زو تر گداست
اُم کی میم تنگ ہی اور الف اوس سے بھی زیادہ کامل گدا

این الف چیزے ندارد غافلی ست
یہ الف کوئی چیز نہین رکھتا یہ غافلی ہے

میم دلتنگ آن زمان عاقلی ست
میم دلتنگ ہے وہ زمانہ عاقلی کا ہے

در زمان بیخودی ہیچ من
زمانۂ بیخودی مین تو خود ہیچ ہوتا ہون

در زمان ہوش بیچارہ ہیچ من
زمانۂ ہوش مین مین بیچارہ ہیچ ہوتا ہون

ہیچ دیگر بر چنین ہیچے منہ
دوسرا ہیچ ایسے ہیچ پر نہ رکھیے
خود نہ دارم ہیچ بہ سازد مرا
خود ندارم ہیچ مجھکو اچھا بنا دے گا
ورنہ دارم ہم تو دارائیم کن
اگر مین کچھ نہین رکھتا تو آپ میری رکھوالی کیجیے
ہم در آبِ دیدہ عریان بیستم
مین آبِ دیدہ مین بھی عریان ہو کہ کھڑا ہون
ز آبِ دیدہ بندۂ بے دیدہ را
آبِ دیدہ سے بندۂ بے بصیرت کو
ور نماند آب آبم دہ ز عین
اور اگر پانی نرہے تو آپ پانی بھی آنکھون سے مجکو دیجیے
ق
او چو آبِ دیدہ جُست از جودِ حق
آپ نے جب آبِ دیدہ کی طلب کی جودِ حق سے
چون نباشم ز اشکِ خون باریک ریس
تو مین کیونکر اشکِ خونی سے کام کا انجام دینے والا نہون
چون چنان چشم اشک مفتون بود
جب ایسی آنکھ آنسوؤن پر عاشق ہو
قطرۂ زان زین دو صد جیحون بہ است
ویسے آنسوؤن مین تو ایک قطرہ بھی دو سو جیحون سے بہتر ہے
چونکہ باران جُست آن روضہ بہشت
جب کہ بارش کی خواہش کی اوس باغ بہشت نے
اے اخی دست از دعا کردن مدار
اے میرے بھائی دعا کرنیسے ہاتھ مت روکیو
نان کہ سدّ و مانعِ این آب بود
روٹی جو کہ حجاب اور مانع اس آب کی ہو

نامِ دولت بر چنین ہیچے منہ
دولت کا نام ایسے ہیچ پر نہ رکھیے
چون ز وہم دارم ست این صد عنا
کیونکہ دارم کے وہم سے یہ صدہا رنج ہین
رنج دیدم راحت افزائیم کن
مین نے رنج دیکھا ہے آپ میری راحت افزائی کیجیے
بر درِ تو چونکہ دیدہ نیستم
آپ کے در پر چونکہ میرے پاس دیدہ نہین ہے
سبزہ بخش و نباتے زین چرا
سبزہ اور نبات دیجیے اس چراگاہ سے
ہمچو عینین نبی ہطّالتین
مثل پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھونکے کہ جاری ہونیوالی تہین
باچنین اجلال و اقبال و سبق
باوجود ایسے اجلال و اقبال و اسباب مسابقت کے
من تہیدستِ فضولِ کاسہ لیس
مین کہ تہیدست فضول کاسہ لیس ہون
اشکِ من باید کہ صد جیحون بود
تو میرے آنسو تو چاہیے کہ سو جیحون ہون
کہ بدان یک قطرہ جن و انس رست
اسلیے کہ اوس ایک قطرہ کے سبب جن و انس چھوٹ گئی
چون نجوید آب شورہ خاکِ زشت
تو خاکِ شورہ زشت کیونکر پانی نہ ڈھونڈھے
با قبول و با ردِ او ویت چہ کار
اوسکے قبول یا رد سے تجھکو کیا کام
دست زان نان می بباید شُست زود
اوس روٹی ہی سے جلدی ہاتھ دھونا چاہیے

زاب دیدہ نانِ خودرا پختہ کن	خویش را موزون وچست وسختہ کن
آبِ دیدہ سے اپنی نان کو پختہ کر	اپنے کو موزون اور مستعد اور سنجیدہ کر

(اور اوس طالب گنج نے اپنی دعا مین عرض کیا کہ) مین نے (اسوقت) دیکھی ہوئی چیز کو اَن دیکھی سمجھ لیا (اور از سرِ نو) پھر زنبیل دعا کو مین نے اوٹھایا ہے (کہ اس زنبیل مین مراد ملے مطلب یہ ہی کہ گو مین نے پہلے خواب مین بشارت اور بیداری مین گنج نامہ دیکھا ہے لیکن دوبارہ اس طرح دعا کرتا ہون کہ گویا نہ مین نے خواب مین کچھ دیکھا اور نہ بیداری مین جیسا بالکل شروع مین دعا کی تھی مقصود یہ ہے کہ اب مجھکو اسطرح جواب عطا ہو کہ گویا مین بالکل خالی الذہن ہون کنایہ ہے اس سے کہ بہت واضح ارشاد ہو جیسا اَن جان سے ارشاد ہوا کرتا ہے پس یہ شبہہ نکیا جاوے کہ اجابت آیندہ مین جو جواب ملا ہی وہ تو بشارت سابقہ ہی پر مبنی ہے دفع وسوسہ یہ ہی کہ یہ کنایہ ہے کمال ایضاح سے اور وہ حاصل ہی اسکی ایسی مثال ہے جیسے شاگرد عرض کرے کہ مجھکو ابتدا سے اس طرح پڑھا دیجیے کہ جیسے مین نے گویا کچھ پڑھا ہی نہین آگے بمناسبت دیدہ را نادیدہ انگاشتن کے کہ دال ہے خاص امر مین عجز و بیچارگی و نابودی پر مطلقاً اپنی عاجزی و بیچارگی ونابودی ونادار ی معروض ہی نیز اس اعتراف بعجز وقصور کو کہ مکمل تفرع و توکل و مزیل مقاطع دعوی ہے اجابت دعا مین بھی دخل ہے جو کہ مقام کا مقصود ہی یعنی) اے کریم مین الف کی طرح کوئی چیز (اپنے پاس) نہین رکھتا جسطرح الف نہ نقطہ رکھتا ہے نہ حرکت نہ کوئی مخرج جسپر وہ اعتماد کرتا ہو محض جوف دہان اوسکا مخرج ہے اسی طرح مین بھی کوئی معتد بہ چیز نہین رکھتا) بجز ایک دل کے جو کہ چشم میم سے بھی زیادہ دل تنگ ہے دل کو ایک شخص قرار دیکر اوسکو دل تنگ کے ساتھ موصوف کیا گیا اور میم سے مراد خط نسخ کا میم ہے جسکی یہ شکل ہے م اسکے سرے کو چشم سے تشبیہ دی اور تنگی اوسکی معاین ہی مطلب یہ کہ اول تو میرے پاس کچھ ہے نہین اور اگر برائے نام کچھ ہے تو وہ صرف ایک دل ہے کہ علوم واعمال وحیوٰۃ کا معدن ہے اور تمام صفات وکمالات انسانیہ فطریہ واکتسابیہ بوجہ راجع الی العلم والعمل والحیوٰۃ ہونے کے راجع الی القلب ہی ہین پس یہ کہنا صحیح ہو گیا کہ بجز قلب کے میرے پاس کچھ نہین اور اس اعتبار سے الف سے تشبیہ دی گئی کہ دہان بھی بجز صوت کے کچھ نہین اور چونکہ صفات مذکورہ قلب کی بمقابلۂ صفات واجب کے بالکل ضعیف وقلیل اور محدود وغیر مستقل اور بوجہ آمیزش اضداد کے گاہ گاہ موجب پریشانی ہین مثلاً علم مین جہل ملنے سے ادراک تام نہ ہونیسے تردد واضطراب اور قدرت مین عجز ملنے سے عمل کے اتمام نہ ہونیسے کلفت وضیق کا وقوع ہو گا اسلیے اوسکی نسبت تنگ تر از چشم میم کہنا بھی صحیح ہو گیا اور یہی حال ہے وحدۃ الوجود کا کہ مرتبۂ استقلال مین چیزے نداشتن اور مرتبۂ عدم استقلال مین چیزے داشتن کا حکم کیا جاتا ہے آگے الف اور میم کے ساتھ تشبیہ دینے پر تفریع ہے کہ بس) یہ الف اور یہ میم (جیسی حالت) ہمارے وجود (و توابع وجود) کی اُم یعنی اصل ہے (کہ) اُم کی میم (بھی) تنگ ہے (اور) الف (بوجہ خلو محض کے)

اوس سے بھی زیادہ کامل گدا (ونادار) ہے (جیسا اوپر دونون مصرعون کا مضمون مذکور ہوا ہے اور یہان ایک لفظی لطیفہ اتفاقیہ بھی ہو گیا ہے کہ لفظ ام بمعنے اصل بھی مرکب ہی الف عرفی اور میم سے پس گویا خود یہ لفظ بھی جبکہ اسمین اضافت الینا کا اعتبار کیا جاوے مشیر ہے کہ مضاف الیہ کی اصل اور حقیقت ایسی ہے جیسا یہ لفظ ہی جو دال ہے معنی اصلی پر اور وہ اصل اوسکا مدلول ہے پس دال و مدلول دونون کی شان متماثل و متشابہ ہی آگے بعض اعتبارات سے دونون تشبیہون کو دو حالتون پر تقسیم کرتے ہین کہ یہ جو کہا ہے کہ) یہ الف کوئی چیز نہین رکھتا (اور مین اسکے مشابہ ہون) یہ (تو باعتبار حالت) غافلی (طبعی کے) ہے (اور یہ جو کہا ہے کہ) میم دل تنگ ہی (اور مین اوسکے مشابہ ہون) وہ زمانہ عاقلی (طبعی) کا (یعنی اوس زمانہ کا حال) ہے (اس شعر کی تمہید مین جو مین نے کہا ہے کہ بعض اعتبارات سے شرح اوسکی یہ ہے کہ اوپر تو بلا تقسیم دو حالتونکے ہر حال مین دو حیثیتو ن سے دونون حرفون سے تشبیہ دی تھی کہ نفس وجود کے ثبوت کی حیثیت سے میم کے مشابہ ہے اور وجود معتد بہ کے نفی کی حیثیت سے الف کے مشابہ ہے تو ہر حالت مین دونون تشبیہین صادق و مجتمع ہین اور یہان ایک تشبیہ ہے حالت غافلی بالمعجمہ والفاء مین اور ایک تشبیہ ہے حالت عاقلی بالمہملہ والقاف مین پس کسی حال مین دونون تشبیہین مجتمعاً صادق نہین تو بظاہر سابق اور لاحق مین تعارض ہوا سو احقر کے اس کہنے مین کہ بعض اعتبارات سے اشارہ ہے اس تعارض کے دفع کی طرف یعنی یہان خود وجود غیر مستقل ہی مین جو کہ مبنی تھا تشبیہ میم کا دو حالتونکا اعتبار کیا ایک یہ حالت کہ اوس وجود غیر مستقل کے آثار مقصودہ یعنی علم و عمل ظاہر نہون گو موجود ہون اسکو زمانہ غافلی بالفاء کہا ہی کہ غفلت مین ادراک اور علم کا نہ ہونا تو ظاہر ہے اور چونکہ عمل موقوف ہے علم پر اسلیے علم کے نہ ہونیسے عمل کی نفی بھی کیجاویگی اور یہ بھی ظاہر ہے کہ قوت علمیہ و قوت عملیہ اسوقت بھی معدوم نہین ہوتی سو اس حالت کے اعتبار سے تشبیہ الف سے دی اور دوسری حالت وہ کہ اوسمین اس وجود غیر مستقل کے آثار مذکورہ ظاہر بھی ہون اوسکو زمانہ عاقلی بالقاف کہا ہے اور اوس حالت کے اعتبار سے تشبیہ میم سے دی فاندفع التعارض آگے اسی مضمون کا ملخص ہی کہ) زمانہ بیخودی (طبعی) مین (جو کہ بیداری و ہوش مین بھی ہوتی ہے یعنی اوسمین) تو بیچ ہوتا ہون (جسکو اوپر کہا ہے (من الف چیزے ندارم غافلی ست اور) زمانہ ہوش (یعنی خیالات و اشغال کے ہجوم طبعی) مین مین پیچاپیچ ہوتا ہون (جسکو اوپر کہا ہی میم دل تنگ آن زمان عاقلی ست اور پیچاپیچی و تنگی کا ایک ہی حاصل ہے جیسا اس پیچ و تنگی کا اتحاد آخر شرح شعر من الف چیزے ندارم الخ مین خصوصیت سے بیان کیا گیا ہے جسکا حاصل علوم و اعمال مین پریشانی ہے آگے اس بیچ اور پیچ کی بنا پر ایک دعا ہے کہ اے خدا ایک بیچ او پیچ مین تو مین فطرةً مقید ہی ہون چنانچہ شعر من الف چیزے ندارم الخ مین غافلی اور عاقلی مین طبعی کی قید مین نے اسی لیے لگا دی تھی آپ) دوسرا بیچ ایسے بیچ (مذکور فی المصراع الثانی السابق) پر نہ رکھیے (اور) دولت کا نام ایسے پیچ (مذکور فی المصراع الاول السابق) پر نہ رکھیے (اور یہ بیچ پیچ اور نام دولت فطری نہین ہے مکتسب عبد اور مذموم ہے کیونکہ مراد

اس ہیچ دیگر سے شہوات و اغراض کی تحصیل مین سعی و انہماک ہے اور نام دولت سے مراد یہ ہے کہ اوس غفلت طبعیہ کو کہ وقت ہے تعطل قوٰی علمیہ و عملیہ کا اسوجہ سے کمال مقصود و دولت سمجھنے لگے کہ یہ حافظ عن الشر تو ہے کیونکہ اوسوقت یہ قوٰی کاسب شر بھی نہین ہوتے اور اس لیے اسکو باقی رکھے اور اکتساب علوم نافعہ و اعمال صالحہ نکرے اور بزعم خود اپنا یہ حال سمجھے جیسا مولانا نے بہت آگے ایک بادشاہ کے تین بیٹون کو وصیت کرنے کی حکایت کے قبل ارشاد فرمایا ہے ؎ باخود آمد گفت[عہ] اے بحر خوشی + اے نہادہ ہوشہا در بیہشی + خواب در بنہادۂ بیدار ایے + بستۂ در بیدلی دلدارئے جیسا بہت لوگ اس جہل مین مبتلا ہین اور ظاہر ہے کہ یہ دونون حالتین یعنی انہماک فی الشہوات و البقاء العری عن الکمالات دونون مکتسب اور مذموم ہین اول کا مذموم ہونا تو ظاہر ہے اور دوسرے کی مذمومیت کی وجہ کہ وہی جواب ہے ایسے لوگونکے منشا غلط کا یہ ہے کہ گو وہ حالت حافظ عن الشر ہے لیکن مانع عن الخیر بھی تو ہے اور باوجود قدرت کے کمالات سے محروم رہنا یقینا مذموم پس مطلب شعر کا یہ ہے کہ اے اللہ اوس نقصان فطری کے ساتھ جسپر ملامت نہین یہ دوسری آفتین جو موجب ملامت ہین پیدا نہو جاوین اور باوجود مکتسب ہونے کے منہ فعل کی اسناد حق تعالی کی طرف باعتبار خالقیت کے ہے اور اس مین اشارہ بھی ہے کہ باوجود مکتسب ہونے کے اس سے بچنا آپ ہی کی توفیق سے ہوسکتا ہے ہم اس سے بھی عاجز ہین آگے استحضار عجز مذکور فی قولہ چیزے ندارم و نحوہ کی مدح کرتے ہین کیونکہ وہی سبب ہوتا ہے التجاء الی الحق کا چنانچہ اوسکے بعد ہی دوسرے شعر مین اسی بناء پر التجاء بھی شروع کر دی یعنی) خود ندارم ہیچ (کا اعتقاد و اعتراف) مجھکو اچھا بنا دیگا کیونکہ دارم کے وہم (فاسد) سے یہ صدہا رنج (پیش آئے) ہین (کیونکہ رنج کا اصلی سبب اپنے علم و عمل کو کافی و موثر سمجھنا اور اس بناء پر اوسکے نتائج کا منتظر رہنا اور پھر اوسکے خلاف بکثرت پیش آنا اور نیز اوسکو کافی سمجھکر آئندہ اکتساب کمالات کا نکرنا ہے کہ ایک سے رنج دنیا اور دوسرے سے رنج آخرت پیش آتا ہے بخلاف استحضار اپنے ضعف و عجز کے کہ یہ حق تعالی پر نظر پہونچاتا ہے اور اوسکے ہر حکم مین خیر سمجھتا ہے اور اوسکے احکام پر عمل کرکے اکتساب کمالات کرتا ہے اور اس سے دنیا و آخرت کی راحت ہوتی ہے آگے استحضار عجز پر التجاء الی الحق کو متفرع کرتے ہین کہ مین شعر خود ندارم کا بھی اقرار کرتا ہون) اور (یہ بھی التجا کرتا ہون کہ) اگر مین کچھ نہین رکھتا (جیسا کہ یقینی ہے تو یہ شرط شک کے لیے نہین بلکہ تحقیق کے لیے ہے) تو آپ میری رکھوال کیجیے (فی الغیاث ہر پادشاہ را دارا گویند و گاہے اشارت بذات حق تعالی کنند چہ دارا بمعنے دارندہ و حق تعالی دارندۂ ہمہ عالم ست و دارائی بمعنے بادشاہی امر مختصر او

[عہ] یہ اشعار اسلیے نقل کیے گئے کہ مین شعر ہذا کی شرح مین بہت پریشان ہوا اور حواشی سے بوجہ عدم توافق سباق بالموعود کے شفا نہوئی آخر مین نے بسم اللہ کرکے مولانا کے کلام سے تفسیر سمجھنے کے لیے ایک مقام نکالا اور یہ اشعار نکلے جس سے بحمد اللہ شعر مقام حل ہوگیا اسلیے تتمیما للتفسیر و اظہارا للنشاط یہ اشعار بھی لکھدیے ۱۲ منہ

مین نے اوسی شعر ندارم مین وہم وآرم سے اپنا رنج مین ہونا بھی عرض کیا تھا اس پر عرض کرتا ہون کہ مین نے رنج دیکھا ہے آپ میری راحت افزائی کیجیے (یعنی جو سبب ہے اوس رنج کا وہم وآرم اوسکو زائل کر دیجیے کہ حقائق پر نظر ہونے سے راحت ہو جاوے آگے بھی التجا کا مضمون ہے مع اشارہ کے اوسکے بعض آداب یعنی بکا، کی طرف یعنی آپ آداب تضرع والتجا بھی مجھکو عطا فرمائیے کہ) مین آب دیدہ مین بھی عریان ہو کر آپ کے در پر کھڑا ہون چونکہ میرے پاس دیدہ (تر یا دیدۂ حقیقت بین) نہین ہے (اور یہ عریانی اسی حقیقت بینی سے یا دیدۂ تر سے ہے اور یا عریانی سے مراد علانیہ یعنی مجھکو تضرع مین استنکاف بھی ہو مطلب کہ میرے پاس آداب تضرع بھی نہین حقیقت بینی و دیدۂ تر و خلوص یہ بھی سب آپ ہی بخشیے آگے دور تک گریہ ہی کی طلب کی مدح ہو کہ گریۂ قلب بھی حکماً اسمین داخل ہے بوجہ اسکے کہ بکا عین فعل اختیاری نہین جو موقوف علیہ ہو ثواب کا یعنی) آب دیدہ سے (اس) بندۂ بے بصیرت کو سبزہ اور نبات دیجیے اس چراگاہ سے (مراد سبزہ و نبات سے تازگی احوال و اعمال اور چراگاہ سے مراد دُنیا کہ مزرعۃ الآخرۃ ہے) اور اگر (میرے پاس یہ) پانی (گریہ کا) نہ ملے (جس سے وہ سبزہ و نبات جمتا) تو آپ پانی بھی آنکھون سے مجھکو دیجیے مثل پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم کی آنکھون کے کہ جاری ہونے والی تھین (اشارہ ہے حدیث اللّٰھم ارزقنی عینین ھطالتین کی طرف) آپنے جب آب دیدہ کی طلب کی جود حق سے (جیسا حدیث موصوف کے الفاظ اس مین صریح ہین) باوجود ایسے بزرگی اور اقبال اور اسباب مسابقت (وافضلیت) کے تو مین کیونکہ اشک خونی سے کام کا انجام دینے والا نہ ہون یعنی مین کہ تہیدست فضول کاسہ لیس (دُنیا) ہون مجھکو تو اسکی زیادہ حاجت ہے فی الغیاث سبق بفتحتین آنچہ گرو بندند بدان در اسپ دوانیدن و جز آن و فیہ باریک رسیدن در کارے بغور تمام وا رسیدن واندک اندک بکمال خوبی سر انجام دادن اھ آگے بھی یہی مضمون ہو کہ) جب ایسی آنکھ آنسوؤن پر عاشق ہو تو میرا آنسو تو چاہیے کہ سو جیحون (کی برابر) ہو (کیونکہ) اوس آنسو مین سے تو ایک قطرہ بھی انس (میرے) دو سو جیحون سے بہتر ہے (اس لیے اگر وہان ایک قطرہ گرے تو یہان دو سو جیحون سے زیادہ بہانا چاہیے اسلیے حکم بالا اشکسان باید الخ صحیح ہو گیا اور دو سو جیحون سے مین نے بہتر) اسلیے (کہا) کہ اوس ایک قطرہ کے سبب جن وانس (عذاب سے) چھوٹ گئے (مطلب یہ کہ جن وانس مین جنکو نجات ہوئی سبب اوسکا آپ کی دعا و بکا ہے خواہ دنیا مین جیسے احادیث مین امت کے لیے آپکا دعائین مانگنا اور ان دعاؤن پر وعدے حق تعالیٰ کے ہونا وارد ہے خواہ آخرت مین جیسے احادیث شفاعت مین آیا ہے اور یہ شبہ نہ ہو کہ بعض کو اعمال صالحہ سے نجات ہوگی بات یہ ہے کہ وہ اعمال صالحہ بھی آپ کی دعا کی برکت سے صادر ہوئے کہ آپنے اسکی بھی دعائین کی ہین چنانچہ اکثر دعائین بصیغۂ متکلم مع الغیر ہین اور یا یون کہا جاوے کہ حصر کا حکم مقصود نہین بلکہ مطلب یہ ہو کہ رستگاری کا یہ بھی ایک سبب ہے سو اس سے بھی فضیلت ثابت ہو جاویگی آگے بھی یہی مضمون ہے کہ) جبکہ بارش کی خواہش کی

اوس باغ بہشت نے (جوکہ بدون بارش بھی محض آب رحمت ہی سے سرسبز و شاداب ہے) تو خاک شوره زشت (یعنی ہم جیسے) کیونکر پانی نہ ڈھونڈے (یہانتک داعی نے اپنے متعلق مضمون بیان کیے ہین آگے مولانا امر فرماتے ہین دعا کا جبکہ اوپر سے اوسکی فضیلت معلوم ہو چکی یعنی) اے میرے بھائی دعا کرنے سے ہاتھ مت روکیو اوسکے قبول یا رد (ظاہری) سے تجھکو کیا کام (ظاہری اس لیے کہا کہ مغنےً تو ہمیشہ دعا قبول ہی ہوتی ہے گو بصورت قبول متعارف نہی کیونکہ ایک صورت قبول کی یہ بھی ہے کہ اوس سے اچھی کوئی دولت عطا ہو جاوے خواہ دنیا مین یا آخرت مین اور خواہ دولت آفاقی یا دولت نفسی مثل دولت انابت الی اللہ و کمال استعداد وصول الی اللہ و نحو ذلک آگے امر فرماتے ہین بکا کا ایک خاص عنوان سے یعنی اوس کے مانع کے ارتفاع کا امر فرماتے ہین جس سے وہ امر لازم آجاویگا یعنے) روٹی جوکہ حجاب اور مانع اس آب (دیدہ) کی ہے اوس روٹی ہی سے جلدی ہاتھ دھونا چاہیے (روٹی سے مراد اسباب) شہوت۔ بمناسبت آب کے اوس کو نان کہنا لطافت شعری ہے یعنی شہوات مانع ہین خشوع سے اونکی تقلیل و تعدیل کر چنانچہ شعر آیندہ کا یہی مطلب ہے کہ) اپنے کو موزون اور مستعد اور سنجیدہ کر (کذا فی الغیاث فی تفسیر سختہ) آب دیدہ سے اپنی نان کو پختہ کر (و مفہوم کلی ذلک قد مضےٰ اب حکایت دعا طالب گنج کے بعد آگے قصہ ہے اوسکی اجابت دعا کا)

الہام آمدن فقیر را و کشف شدن آن مشکل برو

اندرین بود او کہ الہام آمدش
وہ اسی مین تھا کہ اوسکو الہام ہوا

کشف شد این مشکلات از ایزدش
یہ مشکلات منجانب اللہ اوسکو منکشف ہوگئین

گفت گفتم در کمان تیرے بنہ
کہا کہ مین نے کہا تھا کہ کمان مین تیر رکھ

کے بگفتم من کہ اندر کش تو زہ
مین نے کب کہا تھا کہ تو زہ کو کھینچ

من نگفتم کاین کمان را سخت کش
مین نے نہین کہا تھا کہ کمان کو سخت کھینچ

در کمان نہ گفتمت نے بر کنش
مین نے تجکو کہا تھا کہ کمان مین رکھ نہ کہ اوسکو باہر کر

از فضولی تو کمان افراشتی
تونے فضول کاری سے کمان کو بلند کیا

صنعت قواسیی بر داشتی
کمان سازی کی صنعت کا تو حامل ہوا

ترک این سختہ کمانی رو بگو
جا تو اس سنجیدہ کمانی کو ترک کر

در کمان نہ تیر و پریدن مجو
کمان مین تیر رکھ اور اوڑنے کی فکر مت کر

چون بیفتد بر کن آنجا می طلب
جب تیر گر پڑے کھود۔ اوسی جگہ تلاش کر

زور بگذار و بزاری جو ذہب
زور چھوڑدے اور زاری سے زر کو ڈھونڈھ

وہ (فقیر طالب گنج) اس (دعا) مین (مشغول) تھا کہ (دفعۃً) اوسکو الہام ہوا (اور) یہ مشکلات منجانب اللہ اوسکو منکشف ہوگئین (یعنی ہاتف نے) کہا کہ مین نے (تو یہ) کہا تھا کہ کمان مین تیر کو رکھ (اور ڈالدے اور) مین نے (یہ) کب کہا تھا کہ توزہ (یعنی چلہ) کو کھینچ (یعنی) مین نے (یہ) نہین کہا تھا کہ اس کمان کو سخت کھینچ (یہ قید واقعی ہے مقصود مطلق کھینچنے کی نفی ہے جیسا اوپر مطلق کہا ہے کے نگفتم من کہ اندر کش توزہ بلکہ) مین نے تجھکو (صرف یہ) کہا تھا کہ کمان مین رکھ (دے) کہ اوسکو (کمان سے) باہر کر (جیسا کمان کھینچکر تیر پھینکنے کے لیے یہ لازم ہے فی چراغ ہدایت بر کردن برآوردن بخلاف اس کے کہ تیر کو کمان مین رکھکر کھینچا نہ جاوے تو وہ کمان کے اندر ہی رہیگا اور یہی مراد تھی جیسا ابھی شعر اخیر مین آتا ہے) تو نے فضول کاری سے کمان کو بلند کیا (جیسا دور پھینکنے کے لیے کرتے ہین اور) کمان سازی کی صنعت کا تو حامل ہوا (کمان سازی سے مراد کمان کشی کہ کمان سازی کے لیے عادۃً کمان کشی لازم ہے کیونکہ کمان کشی ہی سے تو وہ اپنی کمان مصنوع کی جانچ کرتے ہین پس اب تجھکو بتلایا جاتا ہے کہ) جا تو اس سنجیدہ کمانی (و مہارتِ تیر اندازی) کو ترک کر (اور) کمان مین تیر رکھ (اور یہ رکھنا تو موافق عادت کے ہوگا) اور (تیر کے) اوڑنے (اور دور گرنے) کی فکر مت کر (اور یہ امر خلاف عادت ہوگا اور یہی پردہ رکھا تھا اوس خزانہ کے پتہ مین کیونکہ عبارت از قوس تیرے واگذار سے متبادر یہی ہے کہ تیر نہادن در قوس بھی موافق عادت کے ہو اور تیر گذاردن بھی موافق عادت کے ہو اور واقع مین مراد یہ تھی کہ اول امر تو موافق عادت کے ہو اور یہی معنے ہین در کمان نہ کے اور گذاردن موافق عادت کے نہ ہو اور یہی معنے ہین پریدن مجو کے پس صورت اوسکی یہ ہوگی کہ کمان مین تیر رکھکر کھڑے ہون اور پھر اوسکو ویسے ہی ہاتھ سے چھوڑ دین تو تیر اس صورت مین قبہ کے پاس ہی گریگا وہان خزانہ ڈھونڈ دا اور اگر کسی کو شبہ ہو کہ پھر کمان کو کیا دخل ہوا ویسے ہی ہاتھ مین لیکر چھوڑ دین تب بھی اوتنے ہی فاصلہ سے گریگا جواب یہ ہے کہ عادت یہ ہے کہ کمان مین تیر رکھنے کے وقت ہاتھ پورا کھنچا ہوا ہوتا ہے اور تیر کچھ کمان سے باہر ہوتا ہے اور کچھ کمان کے اندر تو اسطرح کمان مین رکھکر تیر ڈالدینے سے ایک خاص فاصلہ کا اندازہ متعین ہوگیا جو صرف ہاتھ مین تیر لیکر ڈالدینے سے نہین ہوسکتا غرض) جب تیر گر پڑے کھود (اور) اوسی جگہ (خزانہ) تلاش کر زور چھوڑ دے (جسکا استعمال کمان کشی مین کرتا تھا) اور زاری سے زر کو ڈھونڈھ (یہان قصہ ختم ہوا آگے انتقال ہے مضمون معارف و سلوک کیطرف)

آنچہ حق ست اقرب از حبل الورید وہ جو حق ہے حبل الورید سے بھی نزدیک تر ہے	**تو فگندہ تیرِ فکرت را بعید** تو اپنے تیرِ فکر کو دُور پھینک رہا ہے
اے کمان و تیر ہا بر ساختہ اے جو کہ کمان اور تیر کو تیار کیے ہوے ہے	**صید نزدیک و تو دُور انداختہ** صید تو نزدیک ہے اور تو دُور پھینک رہا ہے

هر که او دورست دور از روے او
جو شخص دور ہے۔ وہ روے محبوب سے دور ہی

هر که دور انداز تر او دور تر
جو شخص زیادہ دور انداز ہے وہی دور زیادہ ہی

فلسفی خود را از اندیشہ بکشت
فلسفی نے اپنے کو فکر سے مار ڈالا

گو بدو چندانکہ افزون میدود
اوس سے کہدے کہ وہ جتنا دوڑتا ہے

کاز مراد دل جدا تر می شود
کیونکہ وہ اپنی قوت بازو کو آزمارہا ہے

وز چنین گنج ست او مهجور تر
اور ایسے خزانہ سے وہی مہجور زیادہ ہے

گو بدو کو را سوے گنج ست پشت
اوس سے کہدے کہ خزانہ کیطرف اوسکی پشت ہے

از مراد دل جدا تر می شود
مراد دلی سے زیادہ جدا ہوتا جاتا ہے

جاهدوا فینا بگفت آن شهریار
اوس بادشاہ نے جاهدوا فینا فرمایا ہے

جاهدوا عنا نگفت اے بیقرار
اور جاهدوا عنا نہین فرمایا ہے اے بیقرار

همچو کنعان کو ز ننگ نوح رفت
مثل کنعان کے جو نوح علیہ السلام سے ننگ کرکے گیا

بر فراز قلۂ آن کوہ زفت
اوس کوہ عظیم کی چوٹی کے اوپر

هر چہ افزون تر همی جست او خلاص
وہ جسقدر زیادہ خلاصی ڈھونڈھتا تھا

سوے کہ می شد جدا تر از مناص
پہاڑ کیطرف۔ جاے پناہ سے زیادہ جدا ہوتا جاتا تھا

همچو این درویش بهر گنج و کان
مثل اِس درویش کے کہ گنج اور معدن کیلیے

هر کمانے کو گرفتی سخت تر
وہ جتنی بھی زیادہ سخت کمان لیتا تھا

هر صباحے سخت تر جستی کمان
ہر صبح کو سخت سے سخت کمان تلاش کرتا تھا

بودے از گنج و نشان بدبخت تر
گنج اور نشان سے زیادہ محروم ہوتا جاتا تھا

این مثل اندر زمانہ جانی ست
یہ مثل زمانہ مین جان کے قابل ہے

جان نادانان برنج ارزانی ست
جان جہلاکی رنج کے سزاوار ہے

زانکہ جاهل داشت ننگ از اوستاد
اسوجہ سے جاہل نے اوستاد سے عار رکھی

لاجرم رفت و دکانے نو کشاد
لامحالہ وہ گیا اور نئی دکان کھولی

آن دکان بالاے استادان کار
وہ دکان جو اوستادانِ فن سے اوپر ہے

گندہ و پر کژدم ست و پر زمار
وہ گندہ اور پر کژدم اور پر مار ہے

زود ویران کن دکان و باز گرد
تو دکان جلدی ویران کر اور رجوع کر

سوئے سبزہ و گلستان و آب خورد
سبزہ اور گلستان اور پانی کی نہر کیطرف

لیک چون کنعان کو ز کبر و ناشناخت
لیکن کنعان کیطرح کہ اوسنے کبر اور عدم معرفت کے سبب

از گہر عاصم سفینہ فوز ساخت
کو محافظ سے کشتی نجات بنائی تھی

علم تیر اندازیش آمد حجیب
اوسکا علم تیراندازی اوس کا حجاب ہو گیا

وان مراد او را بدے حاضر بجیب
اور وہ اوسکی مراد اوسکی جیب مین موجود تھی

اے بسا علم و ذکاوات و فطن
اے بہت سے علوم اور ذکاوتین اور زیرکی

گشتہ رہرو را چو غول و راہزن
رہرو کے لیے مثل غول اور راہزن کی ہو گئین

بیشتر اصحاب جنت ابلہ اند
اکثر اہل جنت بھولے بھالے ہین

تا ز شر فیلسوفی می رہند
تاکہ فلسفی کے شر سے محفوظ رہتے ہین

خویش را عریان کن از فضل و فضول
تو اپنے کو فضیلت اور فضول سے معرا کر لے

تا کند رحمت ترا ہر دم نزول
تاکہ رحمت تجھپر ہروقت نزول فرماوے

زیرکی ضد شکست ست و نیاز
زیرکی شکستگی اور نیاز کی ضد ہے

زیرکی بگذار و با گولی بساز
تو زیرکی کو چھوڑدے اور بلاہت کے ساتھ موافقت کر

زیرکی دان دام بررو و طمع گاز
زیرکی کو سوہان سائی کا جال جان اور طمع کو کمینگاہ صیاد

تا چہ خواہد زیرکی را پاکباز
پھر زیرکی کو پاکباز آدمی کیا چاہے گا

زیرکان با صنعتے قانع شدہ
جو زیرک لوگ ہین وہ صنعت پر قانع ہوئے ہین

ابلہان از صنع در صانع شدہ
اور ابلہ لوگ صنع سے صانع مین مشغول ہو گئے

زانکہ طفل خرد را مادر نہار
کیونکہ طفل خورد کے لیے ماں دن بھر

دست و پا باشد نہادہ بر کنار
ہاتھ پاؤن ہوتی ہے یعنی اوسکو آغوش مین لیو رہتی ہے

(مقولہ ہے مولانا کا بطور انتقال کے یعنی جس طرح قصہ مذکورہ مین مطلوب قریب تھا اور وہ اوسکو بعید سمجھکر طلب کرتا تھا اور واصل نہ ہوتا تھا اسی طرح) وہ جو حق ہے (جو کہ تیرا بلکہ سب کا مطلوب حقیقی ہے وہ) حبل الورید (یعنی رگ گردن) سے بھی نزدیک تر ہے (کما قال تعالی فی سورۃ قٓ) (اور) تو اپنے تیر فکر کو (بہت) دور (دور) پھینک رہا ہے (مطلب یہ کہ تو نظر فکری سے اوسکی معرفت حاصل کرنا چاہتا ہے مثل فلاسفہ کے جو کہ موقوف ہے تامل فی المقدمات و مقدمات المقدمات وہکذا الی الوسائط البعیدۃ پر حالانکہ وہ جس طرح مدرک باسم الفاعل ہونے مین قریب ہے اسی طرح مدرک باسم المفعول ہونے مین بھی قریب ہے گو وہ ادراک بکنہہ نہ ہو لیکن حکما کے ادراک سے وہ ادراک بدرجہا اصوب واقرب ہے اور یہ ادراک بذریعہ اتباع وحی انبیا علیہم السلام حاصل ہوتا ہے اسطرح کہ اول اونکی تقلید سے معرفت صحیحہ یقینیہ میسر ہو گئی کہ حق تعالی مثلاً کن کن صفات سے موصوف ہے اور کن کن اوصاف سے

منزہ ہے اور مثلاً کیا کیا صفات اوس کے خواص مین سے ہین اور مثلاً عالم معاد مین وہ کس کس عمل اور کس کس خُلق پر کیا کیا معاملہ کرینگے و مثل ہذا دیگر امور تک حکما رانظار فکریہ سے آج تک نہین پہنچ سکے تو مؤمن اول ہی قدم مین حکما رسے آگے ہے اور نیز تقلیداً ہی اوسکو قرب حق کا گو مجملاً ہی سہی یقین ہوجاتا ہے اور قبول حق کی برکت سے اوسکو برکات بھی وہی میسر ہوتے ہین جو مشاہدہ حق سے ہوتے پھر جب عقائد و احکام مین انبیار کا اتباع کامل کرنا شروع کرتا ہے تو اوسکے یہ علوم تصدیقیہ اجمالیہ ترقی پاکر مشاہدات تفصیلیہ بقدر الاستعداد ہوجاتے ہین یعنی علم الیقین کا عین الیقین ہوجاتا ہے اور وہ قرب بھی بلاکیف وجداناً مشہود ہوتا ہے اور اس درجۂ معرفت مین حکما اوس کے سامنے محض جاہل و حمقار معلوم ہوتے ہین اس مضمون کو مولانا اس طرح فرماتے ہین کہ انچہ حق ست اقرب الخ اور آگے بھی اسی کی تفصیل ہے یعنی) اے (شخص) جو کہ کمان اور تیر کو تیار کیے ہوئے ہے (مراد انظار فکریہ) صید (یعنی مطلوب) تو نزدیک ہے اور تو (تیر کو) دور (دور) پھینک رہا ہے (کما مر فی شرح الشعر السابق آور اس دور اندازی سے مقصود سے اور بعد بڑھتا چلا جاتا ہے چنانچہ فرماتے ہین کہ) جو شخص (فکراً زیادہ) دور ہے (یعنی وہ قوت فکریہ کو زیادہ دور پہونچاتا ہے بقولہ فکرا تیز) وہ روے محبوب سے (اور زیادہ) دور ہے کیونکہ وہ اپنی قوت بازو کو آزما رہا ہے (اور تیر کو بہت دور پھینک رہا ہے آگے بھی اسی کی تاکید ہے کہ) جو شخص زیادہ دور انداز ہے وہی (مقصود سے) دور زیادہ ہے اور ایسے خزانہ سے وہی مہجور زیادہ ہے (آگے فلسفی کی ناکامی کی تصریح فرماتے ہین کہ) فلسفی نے اپنے کو فکر (ونظر) سے مار ڈالا (یعنی فکر ونظر کی تعب مین عمر گذار دی مگر) اوس سے کہدے کہ خزانہ کی طرف اوس کی پشت ہے (اور) اوس سے کہدے کہ وہ جتنا دوڑتا ہے مراد دلی سے زیادہ جدا ہوتا جاتا ہے (پس گو اسنے کوشش کی مگر ہر کوشش تو موصل نہین چنانچہ) اوس بادشاہ (حقیقی) نے (مدح کوشش مین) جاہدوا فینا فرمایا ہے (یعنی ہماری طرف آنے مین جو کوشش کرتے ہین اونکو بشارت فرمائی ہے اور) جاہدوا عنا نہین فرمایا ہے اے بیقرار (جس کے معنی ہین ہماری طرف سے جانے مین کوشش کرنا آور بے قرار مین بھی اشارہ ہے حرکت کی طرف مگر چونکہ وہ فینا نہین عنا ہے اس لیے بے سود بلکہ مضر ہے خلاصہ یہ ہوا کہ کوشش کی دو قسم ہین ایک فی القرب ایک فی البعد اول نافع ہے دوسری مضر پس ہر کوشش موصل نہ ہوئی ایسی مثال ہے کوشش مذموم کی گو وہ بھی فرد ہے کوشش کی یعنی) مثل کنعان کے جو نوح علیہ السلام سے ننگ کرکے گیا اوس کوہ عظیم (الشان) کی چوٹی کے اوپر (تو دیکھیے کوشش تو یہ بھی تھی لیکن اس کوشش کا اثر یہ تھا کہ) جس قدر زیادہ وہ (طوفان سے) خلاصی ڈھونڈھتا تھا (اسی قدر) پہاڑ کی طرف (دواقعی) جاے پناہ سے (کہ وہ قرب تھا نوح علیہ السلام کا) زیادہ جدا ہوتا جاتا تھا (اور) مثل اس درویش (صاحب قصہ) کے کہ گنج و معدن کے لیے ہر صبح کو سخت سے سخت

کمان تلاش کرتا تھا دمگر) جتنی بھی زیادہ سخت کمان لیتا تھا وہ گنج اور نشان (گنج) سے زیادہ محروم ہوتا جاتا تھا (پس معلوم ہوا کہ کوشش وہی مفید ہے جو طریقہ سے ہو کہ وہی موصل الی المطلوب ہوتی ہے اور وہ طریقہ اتباع ہے اہل حق کا جیسا آیندہ شعر اول کی شرح مین بقرینۂ اشعار آیندہ این تمثّل الی قولہ تنے چو کنعان بیان کیا گیا ہے اور اشعار آیندہ مین مولانا اسکی تصریح فرماتے ہین کہ زور آزمائی و نظر دوانی تو طریقۂ کامیابی و وصول قرب حق کا نہین اب ہم طریقہ بتلاتے ہین سو اوّل بطور تمہید کے یہ سمجھ لے کہ) یہ (لایک) مثل زمانہ مین جان (دین رکھنے) کے قابل ہے (وہ یہ کہ) جان جہلاء کی رنج (و تعب) کے سزاوار (کذا فی الغیاث) ہے اسوجہ سے کہ جاہل نے اوستاد سے عار رکھی (اور اوسکا اتباع کر کے کمالات حاصل نہ کیے اور اس لیے) لامحالہ وہ (اُس کی خدمت سے دور ہو کر) گیا اور نئی دوکان (دعوی کمال و ہنر کی) کھولی دگر) وہ دوکان جو استادان فن سے اوپر (ہو کر کھلی) ہے وہ (محض) گندہ (بالفتح بمعنے آلودۂ نجاست یا بالضم بمعنے آلودہ چیز ہائے بیکار) اور پُر کژدم اور پُر مار (یعنی سراسر ضرر رسان) ہی (تو جب وجہ رنج کی معلوم ہوئی کہ عار عن الاستاد ہے اسی سے ثابت ہوا کہ کامیابی کا طریقہ صرف اتباع اہل حق ہے اور اون سے مخالفت سبب ناکامی کا ہے آگے مدعی و معرض عن اتباع اہل الحق کو خطاب بطور تفریع علی ماقبلہ کرتے ہین کہ اے شخص) تو دوکان جلدی ویران کر اور سبزہ و گلستان اور پانی کے نہر کی طرف رجوع کر (کذا فی الغیاث یعنی ایسی جگہ جا جہان تجھکو علوم و معارف و کمالات میسر ہون اور مار و کژدم یعنی جہل و ذمائم سے محفوظ رہے اور وہ جگہ خدمت و صحبت ہے اہل حق کی چنانچہ آگے اسکے مقابلہ سے بھی اسپر دلالت ہوتی ہے یعنی) نہ کہ کنعان کی طرح کہ اوس نے کبر اور عدم معرفت (حقیقت) کے سبب کوہ محافظ (بزعم خود) سے کشتی نجات بنائی تھی (جس کا باطل ہونا جلدی ہی محقق ہو گیا اور اوس کنعان کی ایسی مثال ہو گئی جیسا وہ شخص تھا کہ) اوس کا علم تیر اندازی اوس (کے مقصود) کا حجاب ہو گیا اور وہ اوس کی مراد اوس کی جیب مین موجود (و قریب) تھی (اسی طرح کنعان کی نجات قریب تھی مگر اوسنے دور جا کر ڈھونڈھی پس تو ایسا مت ہو جانا بلکہ اہل حق ہی کر ساتھ لازم رہنا کہ اونکی تقلید و اتباع تیری تحقیق و نظر سے بدرجہا اسلم و اصلح ہے چنانچہ آگے اسی کو فرماتے ہین کہ) اے بہت سے علوم اور ذکاوتین اور زیرکی راہرو کے لیے مثل غول اور راہزن کے ہو گئین (کما فی الحدیث ان من العلم لجہلاً اور وہ علم اس کا مصداق ہے علمے کہ رہ بحق ننماید جہالت ست آگے اس ذکاوت مذمومہ کے مقابلہ مین جو عدم ذکاوت ہے کہ داعی ہے اتباع اہل حق کی طرف اوسکی مدح فرماتے ہین کہ) اکثر اہل جنت بھولے بھالے ہین (اشارہ ہے اکثر اہل الجنۃ البُلہ کی طرف دوسری صحیح حدیث ہے المؤمن غر کریم الخ) تا کہ فلسفی کے شر سے محفوظ رہتے ہین (یعنی یہ فائدہ ہے اونکی بلاہت کا آگے اوس ذکاوت کی مذمت اور اس بلاہت کی فضیلت پر تفریع ہے کہ جب یہ بات ہے تو) تو اپنے کو

فضیلت (مزعومہ) اور فضول (علوم و دعاوی) سے متخلی کرے تاکہ رحمت (رحمت حق) تجھ پر ہر وقت نزول فرمادے (وہ رحمت وصول الی الحق ہے آگے مزید تعیین کرتے ہین زیرکی مذموم کی کہ وہ) زیرکی شکستگی اور نیاز کی ضد ہے تو (اس) زیرکی کو چھوڑ دے اور بلاہت (بالمعنی المذکور) کے ساتھ موافقت کر (اور اس) زیرکی کو سوہان سائی کا جال جان اور طمع (کی چیزون) کو کمینگاہ صیاد (جب وہ ایسی چیز ہے) پھر زیرکی کو پاکباز آدمی کیا چاہیگا (بزوفی المنتخب بسوہان سائیدن مراد نقصان دین و روح فی الغیاث کا نوکا زہ مغاکے کہ صیادان دران نشیتند و بران شاخہاے درخت گذارند تا صید او را نہ بیند اھ مرادیہ کہ وہ ایک دام جان نزدا و ایمان فرسا ہے اور جو اکثر مصرف ہے زیرکی کا یعنے مصالح عاجلہ وہ بھی سامان ہلاکت ہے پس ایسی چیز پاکبازون کی مرغوب نہ ہونا چاہیے اور زیرکی مذکور کے اعتبار سے) جو زیرک لوگ ہین وہ صنعت پر قانع ہوگئے ہین (اور شب و روز صنائع ہی کی تحصیل مین مشغول ہین جن مین صناعات نظریہ بھی داخل ہین اور) ابلہ لوگ صنع سے (تجاوز کرکے) صانع مین (مشغول) ہوگئے کیونکہ (انھون نے دیکھا کہ) طفل خورد کے لیے ماں دن بھر ہاتھ پاؤن (کی طرح) ہوتی ہے (یعنی اوسکو آغوش مین لیے رہتی ہے (جسکا سبب بچہ کا کسی بات سے آگاہ نہ ہونا ہے پس انھون نے بھی علوم مذمومہ کے بارہ مین یہی شان اختیار کی تو رحمت حق نے اونکو آغوش مین لے لیا آگے ایک حکایت اسکی تائید مین ہے کہ ایک یہودی اور ایک نصرانی اور ایک مسلمان ہم سفر ہوئے کہین حلوا ملا اون دونون نے مسلمان کو چالاکی سے محروم کرنا چاہا اللہ تعالی نے اوسکے بھولے پن پر لطف فرما کر ایسا سامان کیا کہ وہ اوسیکو نصیب ہوا اور چالاک محروم رہے یہی حالت حلواے روحانی یعنی معارف و برکات کی سمجھو فقط) ف اشعار مقام مین سے شعر اول کے حل مین بندہ نے یہ لکھا ہے حالانکہ وہ جس طرح مدرک باسم الفاعل ہونے مین قریب ہے اسی طرح مدرک باسم المفعول ہونے مین بھی قریب ہے گو وہ ادراک بکنہہ نہ ہواھ اس عبارت سے دو مضمونون کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے اول مضمون یہ ہے کہ قرآن مجید مین جو آیہ نحن اقرب الیہ من حبل الورید جسکا حوالہ اس شعر مین ہے آئی ہے اسی طرح اس مضمون کی چند مقامات پر آیات آئی ہین اور ان مقامات پر ذکر حق تعالی کے عالم و مطلع ہونیکا ہے جس سے اکثر علماء نے اون آیات کی تفسیر قرب علمی سے کی ہے مگر مولانا نے اس آیت سے قرب فی المعلومیت پر استدلال کیا ہے پس اسکی دو توجیہ ہو سکتی ہین ایک یہ کہ مولانا نے مطلق قرب کے ساتھ تفسیر کی ہو جیسا اکثر صوفیہ و سلف اس طرف گئے ہین جو قرب عالمیت و قرب معلومیت و قرب ذات بلا کیف سب کو محتمل یا شامل ہے (اس صورت مین استدلال صحیح ہو جاویگا اور دوسری توجیہ یہ ہو سکتی ہے کہ تفسیر تو قرب فی العالمیت ہی کی ہو لیکن حاصل یہی ہو کہ علم مین جو قریب ہوگا وہ ذاتا بھی قریب ہو جبتک کوئی سبب دل کا اوس مین حاصل نہ پایا جاوے اصل یہی کہ موافق حکم کرینگے اور یہان دل کی کوئی دلیل نہین اس لیے قرب ذاتی بھی آیت سے لازم ہوگا اور قرب ذات مستلزم قرب

فی المعلومیة کو ہے اس طرح سے قرب فی المعلومیۃ پر بھی استدلال صحیح ہو جاویگا اور میری وہ عبارت دونون توجیہون پر چسپان ہو سکتی ہے ایک مضمون تو یہ تھا اور دوسرا مضمون یہ ہے کہ عارفین نے حق تعالیٰ کو وراء الوراء ثم وراء الوراء الی ما لا یتناہی فرمایا ہے جو دال ہے بُعد پر پھر قُرب کا حکم کیسے صحیح ہوگا میری عبارت مین جو ادراک بکنہہ کی نفی ہے اوس مین اسکے جواب کی طرف اشارہ ہو گیا یعنی قُرب مطلق ادراک کے اعتبار سے ہے اور بُعد ادراک بکنہہ کے اعتبار سے فتوافقا۔

ف بحمد اللہ تعالیٰ بیان عُشر خامس ختم ہو گیا آگے انشاء اللہ تعالیٰ عشر سادس آتا ہے اور جس مضمون پر یہ عُشر خامس ختم ہوا ہے اوسی کے قریب کے مضمون پر عُشر رابع ختم ہوا تھا یعنی حقیقت بینی کے لیے چشم حقیقت بین کی ضرورت ہے چشم ظاہر بین کافی نہین ورنہ فلاسفہ و مدعیان زیرکی راہ گم نہ کرتے اس سے بھی علوم فلسفیہ و زیرکی دنیوی کی تزئیف ہوتی ہے اور یہی مضمون اس مقام مین ہے پس دونون کا خاتمہ متناسب ہوا اور چونکہ عُشر رابع کا خاتمہ عُشر خامس کے فاتحہ سے اور عُشر خامس کا خاتمہ عُشر سادس کے فاتحہ سے متناسب ہی جیسا کہ دونون کے خاتمہ پر تقریر کی گئی ہے اس لیے عُشر خامس وسادس کے فاتحون مین بھی تناسب معلوم ہوا چنانچہ ظاہر ہے اور ایسا تناسب و تقارب اتنے اجزاء کا منجملہ لطائف ہے وقد تم ہذا العُشر للثانی والعشرین من شہر اللہ المحرم یوم الجمعۃ ۱۳۳۳ من الہجرۃ ووقع فی اثناء مدۃ کتابتہ اربع جمع لکن الجمعتین منہا اعنی الاولیٰ والاخریٰ قد وقع فیہما شئی من الکتابۃ ولو قلیلاً فاستثنیت الجمعتان من ہذہ المرۃ فکان کل زمان کتابتہ عشرین یوماً وللہ الحمد علی الفراغ من ہذا الخطب الطویل فی ہذا الزمان القلیل وللہ الحمد اولاً وآخراً و باطناً وظاہراً وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد وآلہ واصحابہ اجمعین برحمتک یا ارحم الراحمین۔

وبتمام ھذا العُشر تم الربع الثانی من شرح ھذا الدفتر

والحمد للہ العلیّ الجلیل الاکبر

العشر السادس من شرح الدفتر السادس من المثنوی للمولوی المعنوی فتح فیه المنتصف صفر ۱۳۳۳ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

داستان آں سہ مسافر مسلمان و جہود و ترسا کہ منزلے رفتند و لقمہ یافتند ترسا و جہود سیر بودند و مسلمان صائم

(وجہ ربط عشر خامس کے آخر میں مذکور ہو چکی ہے)

یک حکایت بشنو اینجا اے پسر

ایک حکایت سن اس مقام میں اے پسر

تا نگردی ممتحن اندر ہنر

تاکہ ہنر میں تیرا امتحان نہ ہونے لگے

آں جہود و مومن و ترسا مگر

اس یہودی اور مؤمن اور عیسائی نے غالباً

ہمرہی کردند باہم در سفر

سفر میں باہم معیت اختیار کی

با دو گمرہ ہمرہ آمد مؤمنے

دو گمراہوں کے ساتھ ایک مؤمن ہمراہ ہو گیا

چوں خرد با نفس و با اہریمنے

جس طرح عقل نفس کے ساتھ اور شیطان کے ساتھ

مروزی و رازی افتند در سفر

ایک مرو کا رہنے والا اور ایک رے کا رہنے والا بسفر میں

ہمرہ و ہم سفرہ پیش ہمدگر

ہم طریق اور ہم سفرہ ایک دوسرے کے سامنے واقع ہو جاتے ہیں

در قفص افتند زاغ و چغد و باز

قفس میں زاغ اور چغد اور باز واقع ہو جاتے ہیں

جفت شد در حبس پاک و بے نماز

حبس میں ایک پاک اور ایک بے نماز مجتمع ہو گئے

کردہ منزل شب بیک موضع بہم ۔ مشرقی و مغربی قانع بہم

باہم منزل کی شب کے وقت ایک مقام میں ۔ ایک مشرقی اور ایک مغربی نے باہم گر قانع ہو کر

ماندہ در منزل ز رہ خُرد و شگرف ۔ روزہا باہم ز سرما و ز برف

منزل میں رہگئے ہیں راہ سے ایک خُرد اور ایک بزرگ ۔ کئی روز تک باہم گر بوجہ سرما اور برف کے

چوں کشاید راہ و بردارند بند ۔ بگسلند و ہر یکے جائے روند

جب رستہ کھلجاوے گا اور مانع کو مرتفع کردیں گے ۔ تو باہم قطع تعلق کردینگے اور سب ایک جگہ چلے جاویں گے

چوں قفس را بشکند شاہ خرد ۔ جمع مرغاں ہر یکے سوئے پرد

جب قفس کو شاہ عقل توڑ ڈالے ۔ تو جماعت طیور کی ہر ایک ایک طرف کو اوڑ جائے

پر کشادہ پیش ازیں پر شوق و یاد ۔ در ہوائے جنس خود سوئے معاد

اس سے پہلے شوق و یاد میں بھرے ہوئے پر کھولے ہوئے تھے ۔ اپنے ہم جنس کی محبت میں مقام عود کی طرف

پر کشادہ ہر دمے با اشک و آہ ۔ لیک پریدن ندارد روئے و راہ

پر کھولے ہوئے تھے ہر دم اشک و آہ کے ساتھ ۔ لیکن اوڑنے کی کوئی صورت اور طریق نہ تھا

چونکہ رہ واشد پرد ہر یک چو باد ۔ سوئے آں کز یاد آں پر می کشاد

جب راہ کشادہ ہوگیا ہر ایک ہوا کی طرح اوڑ جاتا ہے ۔ اسی کی طرف جسکی یاد سے وہ پر کھولتا تھا

آں طرف کش بود اشک و سوز و آہ ۔ چونکہ فرصت یافت آں سو کوفت راہ

جسطرف کہ اُس کا گریہ اور سوز اور آہ تھا ۔ جب اُس نے فرصت پائی اُسطرف راہ چلنا شروع کردیا

در تن خود بنگر ایں اجزائے تن ۔ از کجا جمع آمدند اندر بدن

تو اپنے تن میں ان اجزائے تن کو دیکھ لے ۔ کہ بدن میں کہاں سے جمع ہو گئے

آبی و خاکی و بادی و آتشی
آبی اور خاکی اور بادی اور آتشی

عرشی و فرشی و رومی و کشی
عرشی اور فرشی اور رومی اور کشی

از امید عود ہر یک بستہ طرف
ہر ایک امید عود سے ٹکٹکی لگائے ہوئے ہے

اندریں منزل ہم از بیم برف
اس منزل میں مجتمع ہیں خوف برف سے

برف گوناگوں جمود ہر جماد
برف گوناگوں سکون نے ہر ساکن کا

در شتائے بُعد آں خورشید داد
اس خورشید عدل کے بُعد کے زمستان میں

چوں بتابد تف آں خورشید خشم
جب اُس خورشید قہر کی گرمی چمکے گی

کوہ گردد کاہ ریگ و کاہ پشم
پہاڑ تو گھاس ہو جاوے گا ریگ گھاس مثل اُون کے ہو جاوے گا

در گداز آید جمادات گراں
گداختگی میں آویں گے جمادات ثقیلہ

چوں گداز تن بوقت نقل جاں
مثل گداختگی تن کے وقت نقل روح کے

ایک حکایت سن اس مقام میں اے پسر تاکہ ہنر (اور زیرکی) میں تیرا امتحان ہونے لگے (جسکا انجام ناکامی ہو اور یہ غایت کے لئے ہے یعنی حکایت سننے سے یہ فائدہ ہوگا کہ تو ہنر اور زیرکی کا دعویٰ نکریگا جس کی مذمت حکایت کے قبل کے اشعار میں بھی تھی اور اُسی کی تائید میں یہ حکایت لائے ہیں اور حکایت سننے سے یہ فائدہ اس لئے ہوگا کہ اسمیں چالاکی کی مضرت جو کہ یہودی اور ترسا کو پہونچی مذکور ہے وہ حکایت یہ ہے کہ) اُس یہودی اور مؤمن اور عیسائی نے غالباً (کسی ضرورت سے قصداً) سفر میں باہم معیت اختیار کی (یا شاید اتفاق سے مرافقت ہوگئی ہو اور) دو گمراہوں کے ساتھ ایک مؤمن ہمراہ ہوگیا جس طرح عقل (کہ) نفس کے ساتھ اور شیطان کے ساتھ (ہمراہ ہوگئی جنکا اجتماع انسان میں ظاہر ہے کہ عقل آمر بالخیر مثل مؤمن کے ہے اور نفس و شیطان آمر بالشر مثل یہود و ترسا کے ہیں آگے اس اجتماع کی اور مثال ہے کہ جیسے کبھی) ایک مرو کا رہنے والا اور ایک رے کا رہنے والا سفر میں ہم طریق اور ہم سفرہ ایک دوسرے کے سامنے واقع ہو جاتے ہیں۔ (اور جس طرح کبھی) قفس میں زاغ اور جغد (مشابہ یہود و ترسا) اور باز (مشابہ مؤمن) واقع ہو جاتے ہیں (اور جس طرح) جس میں ایک پاک اور ایک بے نماز مجتمع ہوگئے (اور جس طرح) باہم منزل کی (ہو) شب کے وقت ایک مقام میں ایک مشرقی اور ایک مغربی نے باہم گر قانع ہو کر (اور جس طرح گویا) منزل میں رہ گئے ہیں راہ سے (تجاوز کرکے) ایک خُرد اور ایک بزرگ کئی روز تک باہم گر بوجہ سرما اور برف کے (ان سب مثالوں میں مابہ الاشتراک اجتماع اتفاقی عارضی ہے آگے اُس کے عارضی ہونے کی

تفریع ہے کہ جب رستہ کھل جاویگا اور مانع کو (مرتفع کرنے والے) مرتفع کردینگے (مثلاً برف جو کہ مانع تھا موقوف ہوگیا) تو باہم
قطع تعلق کردینگے اور سب ایک جگہ چلے جاویں گے (سب سے مراد مروزی ورازی اور مشرقی ومغربی اور عمرو وبزرگ اسی طرح)
جب قفس کو شاہ عقل توڑ ڈالے (شاہ خرد سے مراد انسان صاحب عقل یعنی کوئی آدمی اسکو توڑ ڈالے) تو جماعت طیور کی ہر ایک
ایک طرف کو اڑ جائے (طیور سے مراد زاغ اور جغد اور باز جو اوپر مذکور تھے یہ حالت تو قفس شکستن کے بعد ہوئی باقی) اس
(قفس شکنی) سے پہلے (بھی یہ حالت تھی کہ) شوق اور یاد میں بھرے ہوئے (سب طیور) پر کھولے ہوئے تھے اپنے ہمجنس کی
محبت میں (اپنے اپنے) مقام عود کی طرف (پر کھولنے سے مراد مستعد ہونا یعنی اسوقت بھی اوڑنے کے لئے کہ اپنے اپنے وطن
یعنی مسکن مشارکات فی النوع میں پہونچ جاویں پھڑ پھڑاتے تھے جسمیں پر کا کسیقدر کھلنا ظاہر ہے اور آگے یہی مضمون بلفظ دیگر ہے
کہ سب) پر کھولے ہوئے تھے ہر دم اشک وآہ کے ساتھ (کنایہ ہے شوق سے) لیکن اوڑنے کی کوئی صورت اور طریق نہ تھا کیونکہ
قفس مانع تھا پس) جب (قفس ٹوٹنے سے) راہ کشادہ ہوگیا ہر ایک (پرندہ) ہوا کی طرح اوڑ جاتا ہے اسی (مقام) کی طرف جسکی
یاد (اور شوق) سے وہ پر کھولتا تھا (اور پھڑ پھڑاتا تھا یعنی) جس طرف کہ اسکا گریہ اور سوز اور آہ (یعنی اشتیاق) تھا جب اس نے وسعت
پائی اُس طرف راہ چلنا شروع کردیا (حاصل یہ کہ اجتماع عارضی واتفاقی جو کہ مورد حکایت میں اور اُس کے امثلہ میں ہوا تھا اُس کے
یہ آثار ہیں کہ قسری ہوتا ہے اور اجتماع کے وقت بھی انجذاب الی المجانس ہوتا ہے اور بمجرد ارتفاع مانع کے سب مجتمعات اپنی اپنی
مقتضائے طبعی کی طرف راجع ہوتے ہیں پس اسی کلیہ اور مواد مذکورہ کی موافق) تو اپنے تن میں (بھی) ان اجزائے تن کو دیکھ لے کہ تن
میں کہاں سے جمع ہوگئے (ایک) آبی (ہے) اور (ایک) خاکی (ہے) اور (ایک) بادی (ہے) اور (ایک) آتشی (ہے گویا ایک)
عرشی (ہے) اور (ایک) فرشی (ہے) اور (ایک) رومی (ہے) اور (ایک) کشی (ہے یعنی باشندۂ شہر کش از ماوراء النہر کذا فی الغیاث
مراد مطلق موصوف باوصاف مختلفہ چنانچہ اجزائے بدن کا اختلاف بالماہیۃ وبالخواص ظاہر ہے اور ان اجزائی بدنیہ مختلفہ میں)
ہر ایک امید عود (الی الاصل) سے ٹکٹکی لگائے ہوئے ہے (اور) اس منزل (دنیا) میں مجتمع ہیں خوف برف سے (جیسے وہ مسافرین مختلف
الاحوال خوف برف سے جمع ہوگئے تھے آگے اُس برف کا مصداق بتلاتے ہیں کہ) برف گوناگوں سکون ہے ہر ساکن کا اُس خورشید
عدل کے بُعد سے زمستان (کے زمانہ) میں (مطلب یہ کہ دنیا عالم ابتلا ہے اور آخرت عالم ظہور عدل ہے اور یہ وقت حیوۃ دنیویہ کا
اُس عالم آخرت سے بُعد کا وقت ہے پس یہ مشابہ ہے موسم زمستان کے کہ اُس میں برف گرتا ہے جس سے ہر متحرک چیز جامد ہوجاتی ہے
اسی طرح زمانہ بُعد ظہور عدل میں کہ زمانہ حیوۃ دنیویہ کا ہے ان سب اجزاء مختلفۃ الطبع کو حرکت بالفعل الی اصولہا سے سکون ہوگیا ہے
چنانچہ ظاہر ہے ورنہ سب میں انفکاک ہوکر حیوۃ زائل ہوجاوے پس وہ برف یہی کہ اُس کے قسر سے یہ سب جمع ہورہے ہیں اور)
جب اُس خورشید قہر کی گرمی چمکے گی (خورشید قہر سے مراد وہی خورشید عدل ہے باوجودیکہ عدل میں لطف اور قہر دونوں ظاہر
ہونگے مگر اُس کو خورشید خشم اس لئے کہا کہ لطف تو اس عالم ابتلا میں بھی ظاہر ہورہا ہے وہ تو رہے ہی گا صرف خشم اپنے محل میں ظاہر
ہوجاویگا مطلب یہ کہ جب عالم عدل ظہور پاویگا جسکا مبدا قیامت ہے اُسوقت) پہاڑ تو گھاس (اور ریگ) ہوجاویگا (اور پھر وہ
ریگ اور گھاس مثل اون کے (منتشر ومتفرق) ہوجاویگا (قال تعالیٰ وَتَکُوْنُ الْجِبَالُ کَالْعِہْنِ الْمَنْفُوْشِ وقال تعالیٰ
وبست الجبال بسا فکانت ھباء منبثا پس اُسوقت) گداختگی (اور حرکت) میں آدیں گے جمادات ثقیلہ (یعنی جبال

وغیرہا) مثل گداختگی (وانحلال اجزار) تن کے وقت نقل روح کے (کہ روح نکلتی ہے سب اجزار مضمحل ومنحل ہوکر روح اپنے مقر میں اور سب اجزار کے عناصر اپنے مستقر میں پہونچ جاتے ہیں جیسا آفتاب نکلنے سے اجزار مایہ منجمد گداختہ ہوکر مرکز ما رکی طرف حرکت کرنے لگتے ہیں مطلب یہ کہ مواد مذکورہ سابقہ کو دیکھکر اپنی حالت میں غور کر اور عبرت پکڑ اور اس اجتماع پر مغرور مت ہو اور روح کی اصل کو یاد کر کے اُس عالم سے مناسبت بڑھا آگے رجوع ہے قصہ کی طرف)

چوں رسیدند ایں سہ ہمرہ منزلے　　ہدیہ شاں آورد حلوا مقبلے

جب یہ تینوں ہمراہی ایک منزل میں پہونچے　　تو اُن کیلئے ہدیہ کے طور پر حلوا لایا ایک صاحب اقبال

برد حلوا پیش آں ہر سہ غریب　　محسنے از مطبخ انی قریب

اُن تینوں مسافروں کے سامنے حلوا لایا　　ایک محسن مطبخ انی قریب سے

نان گرم و صحن حلوائے عسل　　بُرد آں کاندر ثوابش بُد امل

نان گرم اور صحنک حلوائے شہد کی　　لایا وہ شخص کہ ثواب میں اُسکی امید تھی

الکیاسة والادب لاہل المدر　　الضیافة والقری لاہل الوبر

زیرکی اور تہذیب تو اہل شہر میں ہے　　ضیافت اور مہمانداری اہل دیہات میں ہے

الضیافة للغریب والقری　　اودع الرحمن فی اہل القری

مسافر کی ضیافت اور مہمانی　　اللہ تعالیٰ نے اہل قریہ میں ودیعت رکھی ہے

کل یوم فی القری ضیف حدیث　　ما لہ غیر الالہ من مغیث

(ہر روز دیہات میں ایک نیا مہمان ہوتا ہے　　جسکا اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی مددگار نہیں ہوتا

کل لیل فی القری وفد جدید　　ما لہم ثم سوی اللہ المجید

ہر شب دیہات میں جدید واردین ہوتے ہیں　　جنکا اُس جگہ سوا اللہ بزرگ کے کوئی نہیں ہوتا

تخمہ بودند آں دو بیگانہ ز خور　　بود صائم روز آں مومن مگر

وہ دونوں بیگانے تو خورش سے تخمہ کے قریب تھے　　وہ مومن دن میں غالبا روزہ سے تھا

چوں نماز شام آں حلوا رسید　　بود مومن ماندہ در جوع شدید

جب نماز مغرب کے وقت وہ حلوا پھونچا　　وہ مومن سخت بھوک کی حالت میں رہا ہوا تھا

آں دو کس گفتند ما از خور پریم
اُن دونوں شخصوں نے کہا ہم تو خورش سے پُر ہیں

صبر گیریم از خور امشب تن زنیم
آج کی شب خورش سے صبر اختیار کریں خاموش رہیں

گفت مومن امشب ایں خوردہ شود
مومن نے کہا کہ آج کی شب تو یہ کھالیا جاوے

پس بدو گفتند زیں حکمت گری
پس وہ دونوں اُس سے کہنے لگے کہ اس حکمت سے

گفت اے یاراں کہ نے ما سہ تنیم
اُس نے کہا کہ اے رفیقو یہ بات نہیں ہم تین شخص ہیں

ہر کہ خواہد قسم خود برجاں زند
جسکا جی چاہے اپنا حصہ جان کو لگالے

آں دو گفتندش ز قسمت در گذر
اُن دو نے اُس سے کہا کہ تقسیم سے درگذر

گفت قسام آں بود کو خویش را
اُس نے کہا کہ قسام وہ ہوتا ہے جس نے اپنے کو

ملک حق و جملہ قسم او ستی
تو ملوک حق اور تمامتر اُس ہی کا حصہ ہے

امشبش بنہیم و فرداش خوریم
آج کی شب اسکو رکھدیں اور اسکو کل کھائیں گے

بہر فردا لوت را پنہاں کنیم
کل کے واسطے طعام لذیذ کو چھپا کر رکھیں

صبر را بنہیم تا فردا بود
صبر کو رکھدیں تاکہ کل کا روزہ ہو جاوے

قصد تو آنست تا تنہا خوری
تیرا قصد یہ ہے تاکہ تو تنہا کھالے

چوں خلاف افتاد ما قسمت کنیم
جب اختلاف واقع ہوا تو ہم تقسیم کریں

وانکہ خواہد قسم خود پنہاں کند
اور جسکا جی چاہے اپنا حصہ چھپاکر رکھدے

گوش کن قسام فی النار از خبر
القسام فی النار کو حدیث سے سُن

گرد قسمت بر ہوا نے بر خدا
ہوا پر تقسیم کردیا نہ کہ خدا پر

قسم دیگر را دہی دو گوستی
تو دوسرے کو حصہ دیتا ہے دو کا قائل ہے

این اسد غالب شدے ہم بر سگاں
یہ شیر کتوں پر غالب بھی ہو جاتا

گر نبودے نوبت آں بد رگاں
اگر اُن بد طینتوں کا دور دورہ نہ ہوتا

این اسد غالب شدے ہم بر بقور
یہ شیر گایوں پر غالب بھی ہو جاتا

گر نبودے نوبت آں گاوِ زور
اگر اُس گاو مکار کا دور دورہ نہ ہوتا

قصد شاں آں کاں مسلماں غم خورد
اُن کا قصد یہ تھا کہ وہ مسلمان غم کھاوے

شب برود در بے نوائی بگذرد
شب اس پر بے سامانی میں گذرے

بود مغلوب او بہ تسلیم و رضا
وہ مغلوب تھا تسلیم و رضا کے ساتھ

گفت سمعاً طاعۃً اصحابنا
کہنے لگا کہ سن لیا اور مان لیا اے ہمارے ہمراہیو

پس بخفتند آں شب و برخاستند
پس اُس شب کو سب سو گئے اور اُٹھے

بامداداں خویش را آراستند
صبح کے وقت اپنے آپ کو آراستہ کیا

روے شستند و دہان و ہر یکے
باہر و اندر سے موتھ دھویا اور ہر ایک

داشت اندر وِرد راہ و مسلکے
اور اد میں ایک طریق و مسلک رکھتا تھا

یک زمانے ہر یکے آورد روے
ایک خاص وقت میں ہر شخص اپنے ورد کی طرف متوجہ ہوا

سوئے وِرد خویش از حق فضل جوے
حق تعالیٰ سے فضل کا جویاں تھا

مؤمن و ترسا جہود و گبر و مغ
مؤمن اور ترسا اور یہودی اور گبر و مغ

جملہ را رو سوئے آں سلطان الغ
سب کا رخ اُس سلطان معظم کی طرف ہے

مؤمن و ترسا جہود و نیک و بد
مؤمن اور ترسا اور یہودی اور نیک و بد

جملگاں را ہست روسوئے احد
سب کا رخ احد کی طرف ہے

بلکہ سنگ و خاک و کوہ و آب را	ہست واگشت نہانی با خدا
بلکہ سنگ اور خاک اور کوہ اور آب کو بھی	ایک رجوع نہانی خدا کے ساتھ ہے

جب یہ تینوں ہمراہی ایک منزل میں پہونچے (کہ وہ کوئی گانو تھا بدلیل اشعار عربیہ آئندہ) تو اُن کے لئے ہدیہ کے طور پر حلوا لایا ایک صاحب اقبال (یعنی) اُن تینوں مسافروں کے سامنے حلوا لایا ایک محسن مطبخ انی قریب سے (اشارہ ہے آیت واذا سألك عبادی عنی فانی قریب اجیب دعوة الداع اذا دعان کی طرف یعنی چونکہ حق تعالیٰ علماً ولطفاً قریب ہیں اور دعا و حاجات عباد کے مجیب ہیں اُن کی حاجت کے انجام کے لئے انھوں نے اس مہدی کے واسطہ سے حلوا بھیجا اشارہ اس طرف ہے کہ وہ شخص برائے نام مہدی تھا اور معطی حقیقی حضرت حق ہیں کما فی الحدیث انما انا قاسم واللہ یعطے غرض) نان گرم اور صحنک حلوائے شہد کی لایا وہ شخص کہ ثواب میں اُس کی امید تھی (قرائن مقالیہ سے معلوم ہوتا ہے وہ مہدی مسلمان ہے ورنہ می بلرزد عرش از مدح شقی اسکو مقبل اور محسن نہ فرماتے اسی طرح راجی ثواب نہ کہتے کہ یہ رجا مشروطہ بہ ایمان ہے اور بدون اس کے وہ رجا نہیں غرور ہے۔ اُس کو بدون رد کے نقل نہ فرماتے اس اثبات اسلام سے ختم قصہ پر کام لیا جاویگا اور وہاں بھی یہاں کا حوالہ دیا جاویگا انشاء اللہ تعالیٰ آگے دیہاتیوں کا مہمان نواز ہونا بیان فرماتے ہیں اور اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ منزل کوئی گانو تھا پس ارشاد ہے کہ اکثر) زیرکی اور تہذیب تو اہل شہر میں (ہوتی) ہے (اور) ضیافت اور مہمانداری (اکثر) اہل دیہات میں (ہوتی) ہے (ضیافت و قری میں عطف تفسیری ہے آگے بھی یہی مضمون ہے کہ) مسافر کی ضیافت اور مہمانی اللہ تعالیٰ نے اہل قریہ میں ودیعت رکھی ہے ہر روز دیہات میں ایک نیا مہمان ہوتا ہے جسکا اللہ کے سوا کوئی مددگار نہیں ہوتا (اور) ہر شب دیہات میں جدید وارد ہوتے ہیں جنکا اس جگہ سوا اللہ بزرگ کے کوئی نہیں ہوتا (آگے قصہ ہے کہ جسوقت حلوا پہونچا تو) وہ دونوں (یہودی و ترسا جو خدا سے) بیگانے (تھے وہ) تو خورش سے (خوب پُر ہونے کے سبب) تخمہ کے قریب تھے (اور) وہ مؤمن (دن میں غالباً روزہ سے تھا جب نماز مغرب کے وقت وہ حلوا پہونچا وہ مؤمن سخت بھوک کی حالت میں رہا ہوا تھا اُن دونوں شخصوں نے کہا ہم تو خورش سے پر ہیں (اس لئے) آج کی شب اسکو رکھدیں اور اس کو کل کھائیں مگر آج کی شب خورش سے صبر اختیار کریں (اور خاموش رہیں کل کے واسطے (اس) طعام لذیذ کو چھپا کر رکھدیں مؤمن نے کہا کہ آج کی شب تو یہ کھا لیا جاوے (اور) صبر کو رکھدیں تاکہ کل کے روز ہو جاوے (نہ یہ کہ آج کے لئے صبر تجویز کیا جاوے اور کل کے لئے کھانا) پس وہ دونوں اُس سے کہنے لگے کہ اس حکمت سے تیرا قصد یہ ہے تاکہ تو تنہا کھالے (کیونکہ بوجہ سیری کے ہمسے تو کچھ کھایا نہ جاویگا تو ہی سارا کھا جاویگا) اُس (مؤمن) نے کہا کہ اے رفیقو یہ بات نہیں (جو تم سمجھے بلکہ) ہم تین شخص ہیں جب (ہماری رائے میں) اختلاف واقع ہوا تو ہم (سب اسکو باہم) تقسیم کرلیں (پھر بعد تقسیم) جسکا جی چاہے اپنا حصہ جان کو لگالے (یعنی کھالے) اور جسکا جی چاہے اپنا حصہ چھپا کر رکھدے (اور پھر لے) اُن دو نے اُس سے کہا کہ تقسیم سے درگذر (یعنی اسکو تجویز مت کر اور) القاسم فی النار کو حدیث سے سن (ترجمہ اسکا یہ ہے کہ تقسیم کنندہ جہنم میں ہے اگر یہ حدیث ہو جسکی مجھکو تحقیق نہیں تو اس کے یہ معنی نہیں جو ان قائلین نے سمجھے حقوق مشترکہ میں باہم

افراز و امتیاز کر دینا تو تمام ملل میں عبادت ہے بلکہ مراد اس سے وہ قسام ہے جو اپنی نفسانی غرض مثل رشوۃ وغیرہ کے لئے ایک شریک کے نفع کے لئے دوسرے کو ضرر پہونچا دے جیسے آج کل اکثر امین تقسیم ہوتے ہیں مگر ان دونوں نے اپنے مطلب کے لئے حدیث میں تحریف کی آگے مؤمن نے اُس کے صحیح معنی بیان کئے یعنی) اُس (مؤمن) نے کہا کہ قسام (جہنمی) وہ (قسام) ہوتا ہے جس نے اپنے کو ہوا (ئے نفسانی) پر تقسیم کر دیا نہ کہ خدا پر (آگے بطور التفات کے ایسے قسام کو خطاب ہے کہ) تو مملوک حق اور تمام تر اُس ہی کا حصہ ہے (پھر افسوس ہے کہ باوجود اس کے) تو دوسرے کو حصہ دیتا ہے (اور) دو کا قایل ہے (اس طرح سے کہ دوسرے کی ایسی اطاعت کرتا ہے جیسی اُس واحد حقیقی کی اطاعت کرنا چاہئے تھا یہ تفسیر قسام ناری کی لازم کے ساتھ کر دی اصل تفسیر یہی ہے جو احقر نے بذیل شعر آں دو گفتندش کے بتلائی ہے جسمیں قسام کا مفعول ہوا اور متعلق شرکا کے حقوق ہیں نہ کہ ذات قسام کی لیکن اُسکا منشا کہ اُس کے لئے لازم ہے یہی ہے کہ اُس شخص نے اپنے کو بجائے خدا و حکم خدا کے سپرد کرنے کے ہمہ تن ہوائے نفسانی اور نفس کے کہ دیگر را کا مصداق بھی ہے حوالہ کر دیا پس بعض محشین کا یہ قول مؤمن ایں حدیث را بحسب بطن تفسیر کردہ است اھ تکلف غیر ضروری بلکہ عدول عن الصواب ہے غرض مؤمن نے جواب دیکر اُن کو لاجواب تو کر دیا مگر رائے میں اسکو غلبہ نہیں ہوا کیونکہ یہ ایک تھا وہ دو تھے مولانا اسی کو فرماتے ہیں کہ) یہ شیر کتوں پر (رائے میں) غالب بھی ہو جاتا اگر اُن بد طینتوں کا دور دورہ نہ ہوتا (اھ) یہ شیر گایوں پر غالب بھی ہو جاتا اگر اُس گاؤ مکار کا دور دورہ نہ ہوتا اُن (دونوں) کا قصد یہ تھا کہ وہ مسلمان غم کھاوے (اور) شب اُس بے سامانی (اور گرسنگی) میں گذرے وہ (مؤمن) مغلوب تھا (اس لئے) تسلیم و رضا کے ساتھ کہنے لگا کہ سن لیا اور مان لیا اے ہمارے ہمراہیو (تسلیم و رضا سے مراد اُن کی رائے ہونے کی حیثیت سے نہیں ہے حیثیت تو کراہت کی تھی بلکہ کائن من اللہ ہونے کی حیثیت سے ہے پس بس وجہ عدم رضا تھی اور بس وجہ رضا اب شبہ آگے تمام حلوا کھا جانے کے منافات رضا کا نہ ہوگا) پس (اس گفتگو کے بعد اُس شب کو سب سو گئے (خواہ حقیقۃً خواہ صورۃً جیسا مؤمن کہ شاید اُسکو نیند نہ آئی ہو یا کم آئی ہوگی) اور (پھر نیند پوری کر کے) اور اٹھے (اور) صبح کے وقت اپنے آپ کو آراستہ کیا (یعنی) باہر اور اندر سے منہ دھویا اور ہر ایک (اپنے اپنے) اوراد میں ایک طریق اور مسلک رکھتا تھا (یعنی ہر شخص کا اس کے مذہب کے موافق کچھ خاص خاص وظیفہ اور معمول بھی تھا اُسی کے موافق) ایک خاص وقت میں ہر شخص اپنے ورد کی طرف متوجہ ہوا (اس حالت میں کہ) حق تعالی سے فضل کا جویاں (تھا آگے مولانا کا مقولہ ہے کہ) مؤمن اور ترسا اور یہودی اور گبر اور مغ (اس میں عطف تفسیری ہے) سب کا رخ (اپنے اپنے قصد کے موافق) اُس سلطان معظم کی طرف ہے (خواہ وہ قصد طریق صحیح کے موافق ہو جیسا اہل حق کا قصد ہے یا نہ ہو جیسا اہل باطل کا قصد ہے آگے بھی یہی مضمون ہے کہ) مؤمن اور ترسا اور یہودی اور نیک اور بد سب کا رخ احد کی طرف ہے (آگے ترقی ہے یعنی) بلکہ سنگ اور خاک اور کوہ اور آب کو بھی ایک رجوع (و توجہ) نہانی خدا تعالی کے ساتھ ہے (رجوع و توجہ نصوص سے ظاہر ہے فَقَالَ لَهَا وَلِلْأَرْضِ ائْتِيَا طَوْعًا أَوْ كَرْهًا قَالَتَا أَتَيْنَا طَائِعِينَ وقال أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ يَسْجُدُ لَهُ مَنْ فِي السَّمَاوَاتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُومُ وَالْجِبَالُ وَالشَّجَرُ وَالدَّوَابُّ وغیر ذلک اور نہانی ہونا اس لئے کہ عامہ کو محسوس نہیں قال تعالی وَلَٰكِن لَّا تَفْقَهُونَ تَسْبِيحَهُمْ آگے تتمہ ہے قصہ کا)

ایں سخن پایاں ندارد ہر سہ یار یہ مضمون انتہا نہیں رکھتا تینوں رفیقوں نے	**رو بہم کردند آں دم یار وار** ایک دوسرے کی طرف منہ کیا اُس وقت رفقا کی طرح

آں یکے گفتا کہ ہر یک خواب خویش
اُس ایک نے کہا کہ ہر شخص اپنا اپنا خواب

انچہ دید او دوش گو آور بہ پیش
جو کچھ اُس نے شب گذشتہ میں دیکھا ہو اُس ہی کو کہو پیش کر

ہر کہ خوابش بہتر ایں را او خورد
جسکا خواب اچھا ہو اس کو وہ کھاوے

قسم ہر مفضول را فاضل برد
ہر کمتر کے حصّہ کو مہتر لے جاوے

آنکہ اندر عقل بالاتر رود
جو شخص عقل میں فائق تر ہو

خوردنِ او خوردنِ جملہ بود
اُس کا کھانا سب کا کھانا ہو گا

فائق آید جاں پُر انوار او
اُس کی روحِ پُر انوار فائق ہو گی

باقیاں را بس بود تیمار او
باقیوں کے لئے اُس شخص کی خدمت ہی کافی ہے

عاقلاں را چوں بقا آمد ابد
چونکہ عقلاء کو ابد تک بقا حاصل ہے

پس بمعنے ایں جہاں باقی بود
پس معنیً یہ عالم باقی ہو گا

پس جہود آورد انچہ دیدہ بود
یہودی لایا اُس نے جو کچھ دیکھا تھا

تا کجا شب روح او گردیدہ بود
کہ کہاں کہاں شب کو اُسکی روح پھری تھی

گفت در رہ موسیٰ آمد بہ پیش
کہنے لگا کہ راستہ میں موسیٰ میرے سامنے آئے

گربہ بیند دنبہ اندر خواب خویش
بلی اپنے خواب میں دنبہ ہی کو دیکھتی ہے

در پئے موسیٰ شدم تا کوہ طور
میں موسیٰ کے پیچھے پیچھے کوہ طور تک گیا

ہر سہ ما گشتیم ناپید از نور
ہم تینوں نور سے مستور و غائب ہو گئے

ہر سہ سایہ محو شد زاں آفتاب
تینوں سایہ اُس آفتاب سے محو ہو گئے

بعد ازاں زاں نور شد یک فتح باب
بعد ازاں اُس نور سے ایک فتح باب ہوا

نور دیگر از دلِ آں نور رست
ایک دوسرا نور اُس نور کے وسط سے پیدا ہوا

پس ترقی جست آں ثانیش جست
پھر اُسکے ثانی نے بہت جلد ترقی حاصل کی

ہم من وہم موسیٰ وہم کوہ طور
میں بھی اور موسیٰ بھی اور کوہ طور بھی

ہر سہ گم گشتیم زاں اشراق نور
ہم تینوں گم ہوگئے اُس تابش نور سے

بعد ازاں دیدم کہ کُہ سہ شاخ شد
بعد ازاں میں نے دیکھا کہ کوہ تین ٹکڑے ہوگیا

چونکہ نورِ حق درو نفاخ شد
جبکہ نور حق اُس میں دم ڈالنے والا ہوا

وصفِ ہیبت چوں تجلی زد برو
صفت ہیبت نے جب اُسپر تجلی فرمائی

می گسست از ہم ہمی شد سو بسو
تو وہ ایک دوسرے سے منقطع ہوکر ایک ایک طرف جارہا

زاں یکے شاخے کہ آمد سوئے یم
اسمیں سے ایک شعبہ تو وہ تھا جو دریا کی طرف آیا

گشت شیریں آبِ تلخ ہمچو سم
آب تلخ جو مشابہ زہر کے ہے شیریں ہوگیا

آں یکے شاخش فرو شد در زمیں
ایک شعبہ اُس کا زمین کے اندر اُتر گیا

چشمۂ زاد و بروں آمد معیں
ایک چشمہ پیدا ہوا اور جاری ہوکر باہر نکلا

کہ شفائے جملہ رنجوراں شد آب
کہ پانی تمام مریضوں کیلئے شفا ہوگیا

از ہمایونیِ وحیِ مستطاب
بسبب برکت وحی مستطاب کے

واں یکے شاخے دگر پرید زود
اور وہ ایک اور شعبہ جلدی سے

تا جوارِ کعبہ کہ عرفات بود
قریب کعبہ تک اڑا کوہ عرفات ہوگیا

باز زاں صعقہ چو با خود آمدم
پھر اس بے ہوشی سے جب میں خودی میں آیا تو

طور بر جا بود نے افزوں نہ کم
طور جگہ پر تھا نہ زیادہ اور نہ کم

لیک زیر پائے موسیٰ ہمچو یخ — می گدازید و نماندش شاخ و شیخ

لیکن موسیٰ ؑ کے زیر قدم مثل یخ کی طرح پگھل رہا تھا — اور اس میں شاخ اور سختی نہ رہا

با زمیں ہموار شد کہ از نہیب — گشت بالائیش ازاں ہیبت نشیب

پہاڑ ہیبت سے زمین کی برابر ہوگیا — اس کا ارتفاع اس ہیبت سے نشیب ہوگیا

باز با خود آمدم زاں انتشار — باز دیدم طور و موسیٰ برقرار

پھر اس انتشار سے میں خودی میں آیا — پھر طور اور موسیٰ ؑ کو برقرار دیکھا

واں بیاباں سربسر در ذیلِ کوہ — پُر خلائق شکل موسیٰ باشکوہ

اور وہ صحرا سربسر دامن کوہ میں — ایسی مخلوق سے پُر ہے جو موسیٰ ؑ کی ہمشکل باشکوہ ہیں

چوں عصا و خرقۂ او خرقہ شاں — جملہ سوئے طور خوش دامن کشاں

اُن ہی کے عصا اور خرقہ جیسا اُن کا خرقہ ہے — سب کے سب طور کی طرف خوش بخوش دامن کشاں ہیں

جملہ کفہا در دعا افراختہ — نغمۂ ارنی بہم در ساختہ

سب نے ہاتھوں کو دعا میں بلند کر رکھا ہے — ترانہ ارنی ملکر آراستہ کر رکھا ہے

باز آں غشیاں چو از من رفت زود — صورتے ہر یک دگر گونم نمود

پھر جب وہ بیہوشی بھی مجھسے جلدی جاتی رہی — تو ہر ایک کی صورت مجکو اور طرح کی دکھلائی دی

انبیا بودند ایشاں اہل وُد — اتحاد انبیا ام فہم شد

وہ انبیاء تھے جو اہل مودت ہیں — مجکو انبیاء کا اتحاد مفہوم ہوا

باز املاکے ہمی دیدم شگرف — صورت ایشاں بُدہ از اجرام برف

پھر میں ملائکہ کو دیکھنے لگا عجیب عجیب — جنکی صورت اجرام برف سے تھی

حلقۂ دیگر ملائک مستعین — **صورت ایشاں ہمہ از آتشین**

ایک دوسری جماعت ملائکہ کی استعانت چاہ رہی تھی — اُن کی صورت تمامتر آتش کی تھی

زیں نسق می گفت آں شخص یہود — **بس جہودی کاخرش محمود بود**

اس طرح سے وہ یہودی کہہ رہا تھا — بہت سے یہودی ہیں جنکا انجام اچھا ہوا ہے

ہیچ کافر را بخواری منگرید — **کہ مسلماں مردنش باشد امید**

کسی کافر کو حقارت سے مت دیکھو — کیونکہ اُس کے مسلمان ہوکر مرنے کا احتمال ہوتا ہے

چہ خبر داری ز ختم عمر او — **تا بگردانی ازو یکبارہ رو**

تو اُس کے خاتمہ عمر کی کیا خبر رکھتا ہے — تاکہ تو اُس سے ایکبارگی اعراض کرتا ہے

بعد ازاں ترسا درآمد در کلام — **کہ مسیحم رو نمود اندر منام**

اس کے بعد ترسا کلام میں آیا — کہ مجکو مسیح ؑ نے خواب میں دیدار دکھلایا

من شدم با او بچارم آسماں — **مرکز و مثوائے خورشید جہاں**

میں اُن کے ساتھ آسمان چہارم پر پہونچا — جو مرکز و مقام ہے آفتاب عالم کا

خود عجب ہائے قلاع آسما — **نسبتش نبود بآیات جہاں**

خود قلعہاے آسمان کے عجائب کو — کوئی نسبت نہیں عجائب عالم کے ساتھ

ہر کسے داند اے فخر البنین — **کہ فزوں باشد فن چرخ از زمیں**

تمام اشخاص جانتے ہیں اے فخر فرزنداں — کہ فضل ہوتا ہے حال آسمان کا زمین سے

یہ مضمون (کہ سب مطیع حق ہیں طوعاً یا کرہاً) انتہا نہیں رکھتا کیونکہ افراد اطاعت کے بقدر افراد مطیعین ہیں اور وہ خود غیر محصور عادۃً ہیں تو بعد احد اسب کی اطاعت کا مضمون بھی عادۃً غیر محدود ہے اس لئے اسکو ترک کرکے قصہ بیان کر دوہ یہ کہ تینوں فریقوں نے

(اپنے اوراد سے فارغ ہوکر) ایک دوسرے کی طرف منہ کیا اُسوقت رفقار کی طرح (یعنی سب آمنے سامنے ہوکر ملکر باتیں کرنے
بیٹھے) اُس ایک نے کہا کہ ہر شخص اپنا اپنا خواب جو کچھ اُس نے شب گذشتہ میں دیکھا ہو اُس سے کہو کہ پیش کر (تاکہ) جسکا خواب
(سب سے) اچھا ہو اس (حلوے) کو وہ (تنہا) کھاوے (اور) ہر کمتر کے حصہ کو بہتر لے جاوے (وجہ اُس کی ترجیح کی یہ ہے کہ
اچھا خواب غالبًا علامت ہو اُس کی عقل کی افزونی کی ہیں) جو شخص عقل میں فائق تر ہو اُس کا کھانا (گویا) سب کا کھانا ہوگا
(کیونکہ وہ بوجہ کمال کے اکیلا قائم مقام سب کے ہے کما قیل ؎ لیس علی اللہ بمستنکر ÷ ان یجمع العالم فی واحد ÷ نیز عقل
کی افزونی دلیل ہے اُس کی روح کے فائق ہونے کی ہیں) اُس (اچھا خواب دیکھنے والے) کی روح پر انوار (بھی) فائق ہوگی
(ان وجوہ سے اُس کو ترجیح ہونا چاہیئے اور) باقیوں کے لئے اُس شخص کی خدمت ہی کافی ہے (کیونکہ ایسے اچھے شخص کی
خدمت کرنا یہ بھی باطنی حصہ ہے تیمار غمخواری و خدمت کردن کذا فی الغیاث اور اچھا خواب بعادۃ غالبہ عقل اور روح کے
فائق ہونے کی علامت اس لئے ہے کہ سچے خواب میں اتصال ہوتا ہے ملاء اعلیٰ کے ساتھ اور عقل اور روح میں جسقدر استعداد
کامل ہوگی اُسکو اتصال و ادراک زیادہ ہوگا اور مصرعہ بالا خوردن او خوردن جملہ بود سے صاحب عقل کا بجائے سب کے ہونا
جو مفہوم ہوتا ہے آگے اس پر ایک تفریع بطور جملہ معترضہ کے ہے یعنی) چونکہ (عقلار قائم مقام سب کے ہوتے ہیں اور) عقلار کو ابد
تک بقار حاصل ہے (چنانچہ نصوص قطعیہ میں اہل ایمان کا خلود مع النعیم مصرح ہے اور عاقل حقیقی وہی ہے جو صانع کی بہمہ
وجوہ تصدیق کرے) پس معنیً یہ عالم باقی ہوگا (کیونکہ وہ عقلار اس عالم کے اجزار میں سے قائم مقام کل اجزار کے ہیں پس اُنکے
بقار کو اس عالم کے کل اجزار کا بقا کہا جاویگا اور کل اجزار کا مجموعہ یہ عالم ہے پس کل اجزار کے بقار سے اس عالم کے بقار کا حکم صحیح
ہوگا پس ظاہرًا یہ عالم فانی ہے اور باطنًا توجیہ مذکور سے یہ عالم باقی ہے پس دونوں حکم یعنی خوردن عاقل خوردن جملہ بود اور بقار
عاقل بقار جملہ بود متناظر اور جزئی ہیں کلیہ قیام العاقل مقام الکل کی اور مقصود اس تفریع سے مدح ہے عاقل حقیقی کی اور اس فیصلہ
میں مؤمن کا اتفاق معلوم نہیں بلکہ غالبًا یہ تدبیر نکالی گئی ہے اُسکے محروم کرنے کی یا تو اس لئے کہ اس تجویز کنندہ نے اسی طرح دوسرے
نے بھی کوئی عجیب خواب دیکھا ہو جیسا آگے یہودی و ترسا کا خواب آتا ہے اور اُنھوں نے اُن خوابوں کو اپنا عجیب سمجھا ہو کہ یہ گمان
نہ ہوا ہو کہ مسلمان نے ایسا خواب دیکھا ہوگا اس لئے دونوں متفق ہوگئے ہوں اور یا خواب وغیرہ کچھ نہ دیکھا ہو اور ارادہ یہ ہو کہ عجیب
عجیب خواب گھڑ کر مستحق ہو جاوینگے اور مؤمن کو قرائن سے سمجھا ہوگا کہ یہ سلیم ہے یا تو گھڑ نہ سکے گا یا گھڑیگا نہیں پس محروم رہیگا اور
خواب دیکھنے کی تقدیر پر بھی دو احتمال ہیں یا تو خیال کا تصرف ہو اور یا قابل تعبیر ہو اس بنا پر کہ آئندہ وہ مؤمن ہونیوالا ہو اور
ان ہی دونوں احتمالوں پر مولانا کے آئندہ دو مقولے منطبق ہوتے ہیں احتمال اول پر تو مصرعہ قریبہ گر بہ بیند الخ اور احتمال ثانی پر مصرعہ
قریب ختم اشعار مقام پس جہود سے کا خرش محمود بود مع مابعد خود جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا کی رائے میں بھی کوئی احتمال متعین
نہیں ہے ہر احتمال پر ایک ایک کلام فرمادیا غرض اس فیصلہ کے بعد) یہودی (معرض بیان میں) لایا اُس نے جو کچھ دیکھا تھا کہ
کہاں کہاں شب کو اُس کی روح پھری تھی کہنے لگا کہ راستہ میں موسیٰ علیہ السلام میرے سامنے آئے (مولانا فرماتے ہیں کہ) بلی اپنے
خواب میں دنبہ ہی (کے گوشت) کو دیکھتی ہے (آگے تتمہ ہے خواب کا کہ) میں موسیٰ علیہ السلام کے پیچھے پیچھے کوہ طور تک گیا (اور)
ہم تینوں نور (حق) سے مستور غائب ہو گئے (یعنی موسیٰ علیہ السلام بھی اور طور بھی اور میں بھی یعنی ہم) تینوں (کہ اُس نور کو سامنے

مثل) سایہ (کے تھے) اُس آفتاب (نورِ حق) سے محو ہوگئے بعد ازاں اُس نور سے ایک فتح باب ہوا (یعنی ایک فیض کا دروازہ کھلا اور وہ یہ تھا کہ) ایک دوسرا نور اُس (پہلے) نور کے وسطے سے پیدا ہوا پھر اُس (نورِ اول) کے ثانی نے بہت جلد ترقی حاصل کی (یعنی اُس نورِ ثانی میں وسعت و تزائد ہوا اس قدر کہ) میں بھی اور موسیٰ علیہ السلام بھی اور کوہ طور بھی ہم تینوں گم ہوگئے اُس تابش نور سے (نورِ اول میں لفظ غائب تھا اور نورِ ثانی میں لفظ گم ہے جو استعمال میں غائب سے ابلغ ہے کیونکہ گم ہونے کو تو غائب ہونا لازم ہے اور غائب ہونے کو گم ہونا لازم نہیں جیسے کسی چیز کا نشان معلوم ہو مگر آنکھوں کے روبرو نہ ہو تو اس بنا پر یہ نورِ ثانی قوی تھا اور ترقی جُست بھی ظاہراً اسی پر دال ہے) بعد ازاں میں نے دیکھا کہ کوہ (طور) تین ٹکڑے ہوگیا جبکہ نورِ حق اُس میں دم ڈالنے والا ہوا (یعنی حق تعالیٰ کی) صفتِ ہیبت نے جب اُس پر تجلی فرمائی تو وہ ایک دوسرے سے منقطع (وجدا) ہو کر ایک ایک طرف جا رہا (پس) اُس میں سے ایک شعبہ تو وہ تھا جو دریا (ئے شور) کی طرف آیا (اور اُس کی برکت سے) آبِ تلخ جو مشابہ زہر کے ہے شیریں ہوگیا (اور اگر اس کو خواب بھی مانا جاوے تو اسکی کوئی تعبیر مناسب ہوگی بالفعل دریا کے شور ہونے سے شبہ نہ کیا جاوے اور) ایک شعبہ اُس کا زمین کے اندر اتر گیا (جس کی برکت سے) ایک چشمہ پیدا ہوا اور جاری ہو کر باہر نکلا کہ (وہ) پانی تمام مریضوں کے لئے شفا ہوگیا بسبب برکتِ وحی مستطاب کے (یعنی کوہِ طور کہ محلِ وحی ہے اُس وحی کی برکت اُس کے اس شعبہ میں بھی تھی اُس سے یہ اثر اس چشمہ میں پیدا ہوا) اور وہ ایک اور (یعنی تیسرا) شعبہ جلدی سے قریب کعبہ تک اڑا (اور) کوہِ عرفات ہوگیا (کہ قریب ہے کعبہ سے گو اقرب نہیں) پھر اس بیہوشی سے (جسکو اوپر گم گشتیم سے تعبیر کیا تھا جس کے مدلول کا ایک جزو حواس گم شدن بھی ہے) جب میں خودی میں آیا تو (دیکھا کہ) طور (اپنی) جگہ پر تھا نہ زیادہ اور نہ کم (یعنی اصلی حالت پر تھا پارہ پارہ نہ تھا جس سے کمی ہو جاتی) لیکن (فوراً اسمیں ایک اور تغیر شروع ہوا وہ یہ کہ) موسیٰ علیہ السلام کے زیرِ قدم وہ برف کی طرح پگھل رہا تھا اور اُس میں شاخ (یعنی جزوِ مرتفع) اور سخت (یعنی جزوِ صلب) نہ رہا (یعنی وہ) پہاڑ ہیبت سے زمین کی برابر ہوگیا (اور) اُس کا ارتفاع اُس ہیبت (تجلی) سے نشیب ہوگیا پھر اُس انتشار (حواس) سے میں خودی میں آیا (تو) پھر طور اور موسیٰ علیہ السلام کو (بحالتِ اصلیہ) برقرار دیکھا اور (ایک بات پھر عجیب دیکھی کہ) وہ صحرا سر بسر دامنِ کوہ میں ایسی مخلوق سے پُر ہے جو موسیٰ علیہ السلام کی ہم شکل (اور) باشکوہ ہیں (یعنی) ان ہی کے عصا اور خرقہ جیسا اُن کا (عصا اور) خرقہ ہے (اور) سب کے سب طور کی طرف خوش بخوش دامن کشاں (جا رہے) ہیں (اور) سبنے ہاتوں کو دعا میں بلند کر رکھا ہے (اور) نغمہ ارنی ملکر آراستہ کر رکھا ہے پھر جب وہ بیہوشی بھی مجھ سے جلدی جاتی رہی تو ہر ایک کی صورت مجھکو اور طرح کی دکھلائی دی (یعنی مختلف جیسی واقع میں ہے) وہ انبیاء علیہم السلام تھے جو اہلِ مودت (حق) ہیں (اُن کی تشابہ اشکال سے) مجھکو انبیاء کا اتحاد مفہوم ہوا پھر میں ملائکہ کو دیکھنے لگا عجیب عجیب جنکی صورت اجرامِ برف سے تھی ایک دوسری جماعت ملائکہ کی (حق تعالیٰ سے) استعانت چاہ رہے تھے اُن کی صورت تمامتر آتش کی تھی اس طرح سے وہ یہودی کہہ رہا تھا (اور اگر یہ واقعی خواب بھی ہو تو تعجب مت کر کیونکہ بہت سے یہودی ایسے ہیں جنکا انجام اچھا ہوا ہے (تو ایسا شخص بوجہ مومن فی علم اللہ ہونے کے ایسا مبارک خواب دیکھ سکتا ہے آگے اس پر تفریع ہے کہ کسی کافر کو حقارت (کی نظر) سے مت دیکھو کیونکہ اُس کے مسلمان ہو کر مرنے کا احتمال ہوتا ہے تو اُس کے خاتمہ عمر کی کیا خبر ہے (کہ کس حالت پر ہوگا) تاکہ تو اُس سے یکبارگی (اور بالکلیہ براہ تحقیر) اعراض کرتا ہے (مراد تحقیر سے وہ اہانت نہیں جو کافر کیلئے

مامور بہ اور شعبہ ہے بغض فی اللہ کا جسکا منشا حق تعالیٰ کی محبت ہے بلکہ مراد اس سے وہ تحقیر ہے جس کا منشا اپنے ایمان پر عجب اور کبر نفس ہے) اسکے بعد ترسا کلام میں آیا کہ مجھکو مسیح علیہ السلام نے خواب میں دیدار دکھلایا (اور) میں ان کے ساتھ آسمان چہارم پر پہنچا جو مرکز اور مقام ہے آفتاب عالم کا (اور ظاہر بات ہے کہ) خود قلعہائے آسمان کے عجائب کو کوئی نسبت نہیں عجائب عالم سفلی کے ساتھ (بلکہ) تمام اشخاص جانتے ہیں اے (فرزند) فخر فرزندان کہ افضل ہوتا ہے حال آسمان کا زمین (کے حال) سے (فن بمعنی حال از غیاث مطلب ان اخیر کے دو شعر کا یہ ہے کہ مجھکو تطویل کلام کی یہودی کی طرح حاجت نہیں سماء وما فیہا کا اعجب و الطف ہونا ظاہر ہے پس میرا خواب یقیناً احسن ہوا اسکے خواب سے اسلئے حلوے کا استحقاق مجھکو ہوا اس مضمون کا تتمہ یہاں سے تین سرخی کے بعد تحت عنوان رجوع بتقریر ترسا تین شعر میں اور آویگا جملگان داند الخ اور درمیان میں اس مضمون یعنی آیات سما کے اعظم من آیات الارض ہونے کی تائید میں ایک حکایت شتر اور گاؤ اور گوسفند کی آگئی جس کی ان اشعار اخیرہ میں وجہ تائید مصرح ہے کہ مرا خود حاجت الخ خود ہمہ کس الخ داند ایں را الخ پس بعض محشین کی تقریر وجہ ربط میں کہ جہود و ترسا بسبب گلہ زنی از خوردن حلوا محروم ماند و مؤمن گلہ زنی بگذاشت و آں حلوا را بخورد چنانکہ قچ و گاؤ بسبب گلہ زنی از خوردن بند گیاہ بے نصیب شد و شتر آں را بخورد علاوہ بعید و خلاف مقام ہونے کے قبل از وقت ہے کیونکہ ہنوز حلوا خوردن مؤمن کا ذکر بھی نہیں آیا بلکہ تقریر ترسا بھی پوری نہیں ہوئی) **ف** عیسی علیہ السلام کا آسمان چہارم پر ہونا بناءً علی المشہور العام فرما دیا ورنہ حدیثوں میں آپ کا آسمان دوم پر ہونا مذکور ہے علیٰ ہذا خورشید کا فلک چہارم پر ہونا بناءً علی تخمین الریاضیین ہے ورنہ اسپر دلیل نہونیکا اعتراف ان کو بھی ہے۔

حکایت شتر و گاؤ و قچ کہ بندی گیاہ در راہ یافتند

اشتر و گاؤ و قچ در پیش راہ	**یافتند اندر روش بند گیاہ**
ایک اونٹ اور ایک بیل اور دنبہ نے راستہ کے سامنے	چلنے کی حالت میں ایک گھاس کا پولہ پایا
گفت قچ بخش ار کنیم ایں را یقیں	**ہیچ کس از ما نگردد سیر ازیں**
دنبے نے کہا کہ اگر اس کو تقسیم کرتے ہیں تو یقیناً	ہم میں سے ایک بھی اس سے سیر نہ ہوگا
لیک عمر ہر کہ باشد بیشتر	**ایں علف او راست اولیٰ گو بخور**
لیکن جس کی عمر سب سے زیادہ ہو	یہ گھاس اسکے لیے اولیٰ ہے کہو کہ کھالے
کہ اکابر را مقدم داشتن	**آمدست از مصطفےٰ اندر سنن**
کیونکہ بڑوں کو مقدم رکھنا	وارد ہے مصطفےٰ ﷺ سے حدیثوں میں

گرچہ پیران را دریں دورِ لئام	**در دو موضع پیش می دارند عام**
اگرچہ بڑے بوڑھوں کو لیئموں کے اس زمانہ میں	دو موقعہ میں عام لوگ آگے رکھتے ہیں
یا دراں لوتی کہ او سوزاں بود	**یا براں پل کز خلل ویراں بود**
یا تو اُس کھانے میں جو جلتا ہوا ہو	یا اُس پُل پر جو کہ خلل سے ویران ہو
خدمت شیخے بزرگے قائدے	**عام نارد بے قرینہ فاسدے**
خدمت کسی شیخ بزرگ پیشوا کی	عام لوگ بدون شمول کسی غرض فاسد کے نہیں کرتے
خیر شاں اینست چہ بود شر شاں	**قبح شاں را باز داں از فر شاں**
اُن کی خیر تو یہ ہے اُن کا شر کیسا ہوگا	تو اُن کی قبح کو اُنکی خوبی سے پہچان لے

ایک اُونٹ اور ایک بیل اور ایک دُنبہ نے راستہ کے سامنے چلنے کی حالت میں ایک گھاس کا پولہ پایا دنبہ نے کہا کہ اگر اسکو تقسیم کرتے ہیں تو یقیناً ہم میں سے ایک بھی اس سے سیر نہ ہوگا لیکن (یوں کرو کہ) جسکی عمر سب سے زیادہ ہو یہ گھاس اُسکے لئے اولیٰ ہے (اُس سے) کہو کہ کھالے کیونکہ بڑوں کو مقدم رکھنا وارد ہے مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم سے حدیثوں میں (جیسا حدیث میں ہے کبر الکبر) اگرچہ بڑے بوڑھوں کو لیئموں کے اس زمانہ میں دو موقع میں عام لوگ آگے رکھتے ہیں یا تو اُس کھانے میں جو جلتا ہوا ہو رکھتے ہیں کہ آپ شروع کیجئے تاکہ کھانے کے قابل وہ کریں اور اُس وقت خود کھاویں (۲) یا اُس پُل پر جو کہ خلل سے ویران ہو رکھتے ہیں آگے چلئے تاکہ جو کچھ ضرر ہو اسکو ہو یہ تو سن کے اکابر سے خود غرض لوگ معاملہ کرتے ہیں اسی طرح رتبہ کے اکابر سے اہل غرض لوگ برتاؤ کرتے ہیں کہ اُنکی خدمت و تعظیم دنیوی اغراض کیلئے کرتے ہیں چنانچہ) خدمت کسی شیخ بزرگ پیشوا کی عام لوگ بدون شمول کسی غرض فاسد کے نہیں کرتے (آگے اس سے استنباط کرتے ہیں کہ) اُن (دنیا پرستوں) کی خیر تو (کہ خدمت اُسکی ایک فرد ہے) یہ ہے اُنکا شر کیسا ہوگا تو اُنکی قبح کو اُنکی (اس) خوبی سے پہچان لے (یعنی اس خوبی ظاہری سے کہ وہ بھی شر ہے اُنکے شر حقیقی کا اندازہ کر لے قیاس کن زگلستان من بہار مرا + آگے اس پر ایک حکایت ہے کہ ایسوں کی خیر جب مُضر ہے تو شر کیسا ہوگا۔)

مثل در بیان حال خود پرستاں و شر ایشاں در لباس خیر

سوئے جامع می شدی یک شہریار	**خلق را میزد نقیب و چوبدار**
جامع مسجد کو ایک بادشاہ جا رہا تھا	خلق کو نقیب اور چوبدار مارتا جاتا تھا

آں یکے را سر شکستے چوب زن

چوب زن ایک کا سر توڑتا تھا

واں دگر را بر دریدے پیرہن

اور دوسرے کا کرتہ پھاڑتا تھا

درمیاں بیدلے دہ چوب خورد

درمیان میں ایک آزاد شخص نے دس لکڑیاں کھائیں

بے گنا ہے کہ بروا ز راہ گرد

بدون خطا کے۔ کہ چل راستہ سے ہٹ

خوں چکاں رو کرد با شاہ و بگفت

خون ٹپکتے ہوئے بادشاہ کی طرف منہ کیا اور کہا

ظلم ظاہر بیں چہ پرسی از نہفت

ظلم ظاہر دیکھ باطن سے تو کیا پوچھتا ہے

خیر تو اینست جامع میروی

تیری خیر تو یہ ہے تو جامع مسجد جا رہا ہے

تا چہ باشد شر و ضرت ای غوی

سو تیرا شر اور ضرر تو کیا کچھ ہوگا اے گمراہ

یک سلامی نشنود پیر از خسے

ایک سلام بھی کوئی شیخ کسی خسیس سے ایسا نہیں سنتا

تا نہ پیچد عاقبت ازوی بسے

جسکے بعد انجام کار اسکے سبب بہت پیچ و تاب نہ کھاتا ہو

گرگ دریابد ولی را بہ بود

کسی ولی کو گرگ ملجاوے تو بھی اس سے بہتر ہے

زانکہ دریابد مرا او را نفس بد

کہ اسکو کوئی نفس بد ملجاوے

زانکہ گرگ ارچہ کہ بس استمگریست

کیونکہ گرگ اگرچہ بہت ظالم ہے

لیکش آں فرہنگ و کید و مکر نیست

لیکن اسمیں یہ تدبیر اور کید و مکر نہیں ہے

ورنہ کے اندر فتادی او بدام

ورنہ وہ جال میں کب واقع ہوجاتا

مکر اندر آدمی باشد تمام

مکر آدمی ہی میں پورا پورا ہوتا ہے

مکر زان او ست کو دارد درم

مکر اس شخص کا حصہ ہے جو روپیہ رکھتا ہے

بشنود آواز و گوید من کرم

آواز سنتا ہے اور کہتا ہے میں بہرا ہوں

جامع مسجد کو ایک بادشاہ جا رہا تھا خلق کو نقیب اور چوبدار مارتا جاتا تھا چوب زن ایک کا سر توڑتا تھا اور دوسرے کا کرتہ پھاڑتا تھا (اس) درمیان میں ایک آزاد (بزرگ) شخص نے دس لکڑیاں کھائیں بدون خطا کے (اور چوبدار نے مارکر کہا) کہ چل رستہ سے ہٹ (بے سر و دل بے پروا کذا فی الغیاث و در حاشیہ است مراد صاحب کمال پس از مجموع بآزاد بزرگ ترجمہ کردم) خون ٹپکتے ہوئے بادشاہ کی طرف مونہہ کیا اور کہا (یہ تو) ظلم ظاہر دیکھو (کہ خون ٹپکنے سے نظر آ رہا ہے اور ظلم) باطن سے تو کیا پوچھنا ہے (ظلم باطن سے مراد یا تو دل دکھنا ہے اور یا وہ ظلم جسکو بادشاہ سے بھی پوشیدہ کرنے کی کوشش کیجاتی ہے اور یہ کہا کہ) تیری خیر تو یہ ہے (آگے اسکی تفسیر ہے یعنی) تو جامع مسجد جا رہا ہے سو تیرا شر اور ضرر تو کیا کچھ ہوگا اے گمراہ (یہ شرح ہو گئی شعر سابق علی العنوان کی خیر شان اینست الخ پھر رجوع ہے اس سے قبل کے شعر کیطرف خدمت شیخے الخ جس سے مضمون خیر شان اینست الخ کو مستنبط فرمایا تھا یعنی ان اہل غرض کیغرض پرستی سے یہاں تک نوبت پہونچتی ہے کہ) ایک سلام بھی کوئی شیخ کسی خسیس (دنی الطبع غرض پرست) سے ایسا نہیں سنتا جسکے بعد انجام کار اسکے سبب بہت پیچ و تاب کھاتا ہو (یعنی سلام بھی چونکہ غرض سے ہوتا ہے اول بگمان خلوص اسکے ساتھ خصوصیت کا معاملہ کرتا ہے پھر یہ شخص خود شیخ سے یا بذریعہ اظہار تعلق مع الشیخ کے اسکے دوسرے منتسبین سے دنیا کی کارروائیاں کرتا ہے جب اخیر میں معلوم ہوتا ہے تو شیخ کو سخت کلفت ہوتی ہے چنانچہ شب و روز ان واقعات کا جا بجا مشاہدہ ہوتا ہے آگے ان خود غرض نفس پرستوں کا گرگ سے زیادہ ضرر رساں ہونا بیان فرماتے ہیں کہ اگر کسی ولی (بزرگ) کو گرگ ملجاوے تو یہ اس سے بہتر ہے کہ اسکو کوئی نفس بد (والا) ملجاوے کیونکہ گرگ اگرچہ بہت ظالم ہے لیکن اسمیں یہ تدبیر اور کید اور مکر نہیں ہے ورنہ وہ جال میں کب واقع ہو جاتا (یہ) مکر (و تدبیر) آدمی ہی میں پورا پورا ہوتا ہے (چنانچہ اسکے بعض مکر کا مثال کے طور پر آگے بیان ہے یعنی) مگر اس شخص کا حصہ ہے جو روپیہ رکھتا ہو (اور حاجتمند کی) آواز (بھی) سنتا ہے اور (پھر) کہتا ہے میں بہرا ہوں (تاکہ دینا نہ پڑے پس اس مکر سے گرگ خالی ہے اور نفس پرست خود غرض اس سے مالی ہے پس اسکا ضرر گرگ سے دو وجہ سے زیادہ ہے ایک یہ کہ گرگ کا ضرر آنی ہے اور اس شخص سے ہر وقت کلفت ہوتی ہی دوسرے یہ کہ گرگ کا ضرر جانی ہے اور اس سے بعض اوقات خود شیخ کو بھی دینی ضرر پہونچتا ہے کہ اپنی غرض فاسد کے لئے مثلاً کسی کی چغلی کھادی اسپر سختی کرادی جس سے ارتکاب ظلم کا گناہ شیخ کو ہوا اور بعض اوقات یہ شخص شیخ کو خلائق کی گمراہی اور ضرر دینی کا آلہ بناتا ہے کہ اپنی غرض کیلئے شیخ کیطرف بعض اقوال و افعال غیر واقعیہ کو منسوب کرتا ہے جس سے لوگوں کو اس سے سوء ظن ہوتا ہے اور سوء ظن کا ان کو گناہ ہوتا ہے اور بعض اوقات دوسرے بزرگوں سے بھی قیاساً علی ہذا الشیخ سوء ظن ہو کر سب کا اتباع چھوڑ کر اپنی رائے کے متبع بنکر گمراہ ہو جاتے ہیں)

بازگشتن بہ قصہ اشتر و گاؤ و قچ

گفت قچ با گاؤ و اشتر کای رفاق	چوں چنیں افتاد ما را اتفاق
دنبے نے بیل اور شتر سے کہا کہ اے رفیقو	جب ہم کو ایسا اتفاق واقع ہوا ہے

هر یکے تاریخ عمر املا کنید — پیر تر اولیٰ ست باقی تن زنید

تو ہر ایک عمر کی تاریخ بیان کرو — جو زیادہ مسن ہو وہ احق ہے باقی خاموش رہو

گفت قچ مرج من اندر آں عہود — با قچ قربان اسماعیل بود

دنبہ نے کہا کہ میری چراگاہ اُن زمانوں میں — دنبہ قربانی اسماعیل ؑ کے ساتھ تھی

گاؤ گفتہ بودہ ام من سالخورد — جفت آں گاؤم کش آدم زرع کرد

بیل نے کہا میں ہوں کہنہ سال — میں اُس بیل کی جوڑی ہوں جس سے آدم ؑ نے زراعت کی تھی

جفت آں گاؤ کش آدم جد خلق — در زراعت در زمیں می کرد فلق

میں اُس بیل کی جوڑی ہوں کہ اُس سے آدم جد خلق — زراعت میں زمیں کے اندر شگاف کرتے تھے

چوں شنید از گاؤ قچ اشتر شگفت — سر فرود آورد و آں را بر گرفت

جب بیل اور دنبے سے شتر نے یہ عجیب بات سُنی — تو سر نیچا کیا اور اُسکو لے لیا

در ہوا بر داشت آں بند قصیل — اشتر بختی سبک بے قال و قیل

ہوا میں اُس خوید کے دستہ کو اُٹھا لیا — شتر بختی نے سہولت کے ساتھ بدون قال و قیل

کہ مرا خود حاجت تاریخ نیست — کاینچنیں جسمے و عالی گردنے ست

کہ مجھکو خود حاجت تاریخ کی نہیں — کیونکہ ایسا جسم اور ایسی بلند گردن ہے

خود ہمہ کس داند اے جان پدر — کہ نباشم از شما من خرد تر

خود تمام اشخاص جانتے ہیں اے جانِ پدر — کہ میں تم سے تو چھوٹا نہوں گا

داند ایں را ہر کہ ز اصحاب نہاست — کہ نہادِ من فزوں تر از شماست

اسکو ہر وہ شخص جانتا ہے جو اہل عقل سے ہے — کہ میری سرشت تم سے زیادہ ہی ہے

نوبت رسیدن بہ مسلمان

پس مسلماں گفت کای یاران من
پس مسلمان نے کہا کہ اے میرے رفیقو

پیشم آمد مصطفےٰ سلطان من
میرے پاس مصطفےٰ میری بادشاہ تشریف لائے

سید سادات سلطان رسل
سب سرداروں کے سردار اور پیغمبروں کے بادشاہ

مفخر کونین و ہادی سبل
فخر کونین اور رہنما طریقوں کے

پس مرا گفت آں یکی بر طور تاخت
پس مجھ سے فرمایا کہ ایک تو طور پر پہونچا

با کلیم اللہ نرد عشق باخت
اسنے حضرت کلیم اللہ کے ساتھ عشق کی نرد کھیلی

واں دگر را عیسیٰ صاحبقراں
اور دوسرے کو حضرت عیسےٰ صاحبقراں

برد بر اوج چہارم آسماں
آسمان چہارم کی بلندی پر لے گئے

خیز اے پس ماندۂ دیدہ ضرر
اے پیچھے رہے ہوئے ضرر دیکھے ہوئے

بارے ایں حلوائے یخنی را بخور
تو اٹھ ہاں اس رکھے ہوئے حلوے کو کھالے

آں ہنرمندان پر فن راندند
وہ ہنرمندان پر فن تو روانہ ہوگئے

نامۂ اقبال و منصب خواندند
انھوں نے اقبال اور منصب کا نامہ پڑھا

آں دو فاضل فضل خود در یافتند
ان دو صاحب فضیلت نے اپنی فضیلت کو حاصل کرلیا

با ملائک از ہنر در بافتند
ہنر سے ملائکہ کے ساتھ منسلک ہوگئے

اے سلیم گول و اپس ماندہ ہیں
اے سادہ لوح کم فہم پیچھے رہا ہوا ہاں

برجہ و بر کاسۂ حلوا نشیں
جلدی اٹھ اور کاسۂ حلوا پر جا بیٹھ

مه برادیگر و قتنا قنا در نطف یا ولادت او قران زبر و یا مشتری یا قران ماه با زہره یا مشتری باشد در آن شخص مولود را با دو شاہی ... [illegible]

دنبہ نے بیل اور شتر سے کہا کہ اے رفیقو جب ہم کو ایسا اتفاق واقع ہوا ہے (جس کا ذکر شروع قصہ کے اس شعر میں ہے گفت قچ بخش ار نیم این رالقیں ٭ ہیچ کس از مانگرد دسیر ازیں) تو ہر ایک (اپنی) عمر کی تاریخ بیان کرو (اطلاق المقید علی المطلق لان الاملاء ھو البیان الغرض خاص ای الاستکتاب) جو زیادہ مسن ہو وہ حق ہو باقی خاموش رہو دیں) دنبے نے کہا کہ میری چراگاہ ان (پرانے) زمانوں میں قربانی اسماعیل علیہ السلام کے ساتھ تھی (پس میں ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ کا ہوں) بیل نے کہا میں ہوں کہنہ سال میں اُس بیل کی جوڑی ہوں کہ جس سے آدم علیہ السلام نے زراعت کی تھی میں اُس بیل کی جوڑی ہوں کہ اُس سے آدم جد خلق زراعت میں زمین کے اندر شگاف کرتے تھے (جو قلبہ رانی میں ہوتا ہے تو میں آدم علیہ السلام کے وقت کا ہوا اور دُنبہ سے میری زیادہ عمر ہوئی) جب بیل اور دنبہ سے شتر نے عجیب بات سُنی تو سر نیچا کیا اور اُس (پولہ) کو (منہ میں) لے لیا (اور) ہوا میں اُس خوید کے دستہ کو اُٹھا لیا شتر بختی نے سہولت کے ساتھ بدون قال و قیل (یعنی بلا استفسار رفقائے) اور یہ کہا) کہ مجھکو خود حاجت تاریخ (بیان کرنے) کی نہیں کیونکہ (میرے پاس) ایسا جسم اور ایسی بلند گردن ہے خود تمام اشخاص جانتے ہیں ای جان پدر کہ میں تم سے تو کسی حال میں) چھوٹا نہوں گا اسکو ہر وہ شخص جانتا ہے جو اہل العقل سے ہے کہ میری نشت تم سے زیادہ ہی ہے دلپس عمر بھی میری تم سے زیادہ ہی ہوگی یہ ایک لطیفہ ہے جو مثال کی تطبیق کیلئے کافی ہے پس ترسا نے کہا کہ اسیطرح آسمان افضل و اعلیٰ ہے زمین سے پس میرا خواب آسمان میں جانیکا اس یہودی کے خواب سے کہ اسنے اپنے کو زمین پر دیکھا اعجب و اعظم ہے آگے اشعار میں یہی مضمون ہے) ف فی الغیاث بختی نوعے از شتر قوی بزرگ و سرخ رنگ کہ از جانب خراسان آرند واین منسوب بہ بخت نصر بادشاہ است کہ مادہ شتر عربی و نر شتر عجم را جفت ساختہ بود

رجوع بہ تقریر ترسا

جملگاں دانند کایں چرخ بلند	**ہست صد چندانکہ ایں خاک نژند**
سب جانتے ہیں کہ یہ چرخ بلند ہے	صد ہا حصہ زیادہ اس خاک پست سے
کو کشاد قلعہائے آسماں	**کو نہاد بقعہائے خاکداں**
کہاں تو وسعت قلعہائے آسمان کی	کہاں ذات خانہ ہائے خاکدان کی
کو عجائبہائے بام آسماں	**کو خرابیہائے کنج خاکداں**
کہاں عجائب بام آسمان کے	کہاں ویرانے گوشہ خاکدان کے

سب جانتے ہیں کہ یہ چرخ بلند ہے صد ہا حصے زیادہ اس خاک پست سے (کذا فی الغیاث فی معنی نژند) کہاں تو وسعت قلعہائے آسمان کی کہاں ذات خانہ ہائے خاکدان کی۔ کہاں عجائب بام آسمان کے کہاں ویرانے گوشۂ خاکدان کے (مقصود ان اشعار کا سرخی ہذا کے قبل مذکور ہوا ہے کہ ترجیح دینا ہے اپنے خواب کو خواب یہودی پر)

من بفرمان چناں شاہِ جہاں
میں ایسے شاہ عالم کے حکم کے موافق

خوردم آں دم کاسۂ حلوا و ناں
اُس وقت کاسۂ حلوا اور روٹی کھا گیا

پس بگفتندش کہ اے ابلہ حریص
پس اُن دونوں نے اُس سے کہا کہ اے ابلہ حریص

اے عجب خوردی ز حلوائے خبیص
تعجب ہے تونے حلوای روغن و خرما کھالیا

گفت چوں فرمود آں شاہ مطاع
اُسنے جواب دیا کہ جب اُس شاہ واجب الاطاعت نے حکم دیا

من کہ باشم تا کنم زاں امتناع
تو میں کون ہوں کہ اُس سے انکار کروں

تو جہودا از امر موسے سرکشی
تو یہودی ہے بھلا حکم موسوی سے سرکشی کرسکتا ہے

گر بخواند در خوشی یا ناخوشی
اگر وہ آسانی یا سختی میں بلادیں

تو مسیحی ہیچ از امر مسیح
تو عیسائی ہے کبھی حکم عیسوی سے

سر توانی تافت در خوب و قبیح
سرتابی کرسکتا ہے اچھی حالت میں اور بری حالت میں

من ز فخر انبیا چوں سرکشم
میں فخر انبیا سے کیونکر سرکشی کرتا

خوردہ ام حلوا و ایں دم سرخوشم
میں نے حلوا کھالیا اور اس وقت خوش ہوں

پس بگفتندش کہ واللہ خواب راست
پس دو نوں نے اُس سے کہا کہ واللہ خواب صادق

تو بدیدی و یں بہ از صد خواب ماست
تونے ہی دیکھا ہے اور یہ ہمارے صدہا خواب سے بہتر ہے

خواب تو بیداری ست اے ذو نظر
خواب تیرا بیداری ہے اے صاحب نظر

کہ بہ بیداری عیانستش اثر
کہ بیداری میں اُسکا اثر عیاں ہے

خواب تو بیداری ست اے خوش نہاد
خواب تیرا بیداری ہے اے خوش نہاد

کہ تو در خوابت رسیدی با مراد
کہ تو اپنے خواب میں مراد کو پہونچ گیا

خواب تو بیداری ست اے نیکخو | کہ ازاں خوابت رسد امر کلوا
خواب تیرا بیداری ہے اے نیک خو | کہ اُس خواب سے تجھکو حکم کُلُوا پہونچتا ہے

خواب تو بیداری ست اے نیکمرد | کہ ازاں خواب تو روئے ماست زرد
خواب تیرا بیداری ہے اے نیک مرد | کہ تیرے اُس خواب سے ہمارا منہ زرد ہے

خواب تو بیداری ست ای سیر جاں | کہ ہماں را ظاہرا دیدی عیاں
خواب تیرا بیداری ہے اے سیر جاں | کہ اسکو ظاہراً بھی عیاں دیکھ لیا

خواب تو مانند خواب انبیاست | کہ شد ایں خواب تو بے تعبیر راست
خواب تیرا مانند خواب انبیاؑ کے ہے | کہ تیرا یہ خواب بدون تعبیر ہی صادق ہوگیا

پس مسلمان نے کہا کہ اے میرے رفیقو میرے پاس مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم میرے بادشاہ تشریف لائے سب سرداروں کے سردار اور پیغمبروں کے بادشاہ فخر کونین اور رہنما طریقوں کے پس مجھ سے فرمایا کہ ایک تو طور پر پہونچا (اور) اُس نے حضرت کلیم اللہ علیہ السلام کے ساتھ عشق کی نرد کھیلی اور دوسرے کو حضرت عیسیٰ صاحبقران علیہ السلام آسمان چہارم کی بلندی پر لے گئے اے پیچھے رہے ہوئے ضرر دیکھے ہوئے تو اُٹھ ہاں اس رکھے ہوئے حلوے کو کھالے (کہ بالکل خسارہ میں تو نہ رہے فی الغیاث یعنی انچہ بیدار نہ از مال یا طعام کہ بوقت حاجت بکار آید اور مجھسے فرمایا کہ) وہ ہنرمنداں پُرفن تو (طور اور چرخ پر) روانہ ہوگئے (اور) اُنھوں نے اقبال اور منصب کا نامہ پڑھا ان دو صاحب فضیلت نے اپنی فضیلت کو حاصل کرلیا (اور) ہنر سے ملائکہ کے ساتھ منسلک ہوگئے اے سادہ لوح کم فہم پیچھے رہا ہوا ہاں جلدی اُٹھ اور کاسۂ حلوا پر جا بیٹھ (پس) میں ایسے شاہ عالم کے حکم کے موافق اُس وقت کاسہ حلوا اور روٹی کھا گیا پس ان دونوں نے اُس (مسلمان) سے کہا کہ اے ابلہ حریص تعجب ہے تونے (تنہا) حلوائے روغن و خرما کھالیا (کذا فی الغیاث فی معنی الخبیر) اُس نے جوابدیا کہ جب اُس شاہ واجب الاطاعت نے حکم دیا تو میں کون ہوں کہ اُس (حکم) سے انکار کروں تو یہودی ہی بھلا حکم موسوی سے سرکشی کرسکتا ہے اگر وہ (تجھکو) آسانی یا سختی میں بلاویں (اور) تو عیسائی ہے کبھی حکم عیسوی سے سرتابی کرسکتا ہے اچھی حالت میں اور بُری حالت میں (تو) میں فخر انبیاء (کے حکم) سے کیونکر سرکشی کرتا میں نے حلوا کھالیا اور اس وقت خوش ہوں پس تو دونوں نے اُس سے کہا کہ واللہ خواب صادق تونے ہی دیکھا ہے اور یہ ہمارے صد با خواب سے بہتر ہے خواب تیرا بیداری ہی اے حسن نظر کہ بیداری میں اُس کا اثر عیاں ہے (کہ حلوا کھایا ہوا ہے) خواب تیرا بیداری ہے اے خوش سیما (کہ تو اپنے خواب میں مراد کو پہونچ گیا خواب تیرا بیداری ہے اے نیکخو کہ اُس خواب سے تجھکو حکم کلوا (بخورید) پہونچتا ہے خواب تیرا بیداری ہی اے نیکمرد (کہ تیرے اُس خواب سے ہمارا منہ زرد ہی (یعنی ہم شرمندہ ہیں) خواب تیرا بیداری ہے اے سیر جان (کہ تیری جان نعمت سے پُر ہے) کہ اُسکو ظاہراً بھی عیاں دیکھ لیا خواب تیرا

مانند خواب انبیاء کے ہے کہ تیرا یہ خواب بدون تعبیر ہی صادق ہوگیا (یعنی بلا تاویل بصورتہ واقع ہوگیا) **ف** اگر اُن یہود و ترسا کا خواب مخترع تھا تو ظاہر یہ ہے کہ یہ مسلمان اس بات کو سمجھ گیا اور اسنے بھی حلوا کھا کر خواب تصنیف کیا ہی اور اس صورت میں تائید اسکی کہ ہنر و زیرکی کام نہیں آتی جو کہ مقصود ہے مولانا کا اس حکایت سے جیسا شروع حکایت میں بھی احقر نے لکھدیا ہے بزعم اُس یہود و ترسا کے یہ ہوگی کہ وہ اپنے کو بڑا ہنرور سمجھتے تھے مگر محروم رہے اور خواب بنانا گو ناجائز ہے مگر ایک عامی کا فعل موجب اشکال نہیں اور اگر اُن دونوں کا خواب واقعی ہے تو اُس کا بھی صحیح ہوسکتا ہے اور اسپر یہ اشکال ہوگا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں حق غیر کھانے کی کیسے اجازت دی جواب یہ ہے کہ مہدی حلوہ کا مؤمن تھا جسکے قرائن شروع حکایت کے بیس شعر کے بعد اشعار ثلثہ چوں رسید ند الخ کی شرح میں مذکور ہوئے ہیں اور اُسنے وہ حلوا اس مؤمن ہی کی ملک کیا ہوگا مگر اسنے براہ مروت اُن دونوں کو اباحت کے طور پر شریک کرلیا ہوگا اور حاجت اسی کو زیادہ تھی اسلئے اس کا تنہا کھانا جو نہ شریعت کے خلاف ہے اور نہ مروت کے ماموز من النبی ہوسکتا ہے اور ایک اشکال ظاہر اس صورت میں یہ متوہم ہوتا ہی کہ اشعار ہنرمنداں الخ میں کفار کے لئے ایسے مدائح حضور نے کیسے فرمائے اس کا جواب یہ ہوسکتا ہے کہ شاید وہ بعد میں ایمان لانے والے ہوں کما قال مولانا من قبل بسجودی کا خرش محمود بود۔

در گذر از فضل واز جلدی وفن
فضیلت اور چستی اور ہنرمندی سے باز آ

کار خدمت دارد و خُلق حسن
خدمت اور خلق حسن کام آتا ہے

بہر ایں آورد ما یزداں بروں
اسی کے واسطے ہم کو حق تعالیٰ باہر لائے ہیں

ما خلقت الانس الا لیعبدون
میں نے انسان کو صرف اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا ہی

سامری را آں ہنر چہ سود کرد
سامری کو اُس ہنر نے کیا نفع دیا

کاں فن از باب اللّٰہش مردود کرد
کہ اُس فن نے باب حق سے اُسکو مردود کیا

چہ کشید از کیمیا قاروں ببیں
قاروں نے کیمیا سے کیا حاصل کیا

کہ فرو بردش بقعر خود زمیں
کہ اُسکو زمین اپنے قعر میں لے گئی

بوالحکم آخر چہ بربست از ہنر
ابوالحکم نے ہنر سے کیا جمع کیا

سرنگوں رفت او زکفراں در سقر
وہ کفران سے سرنگوں دوزخ میں گیا

خود ہنر آں داں کہ دید آتش عیاں
بہ تحقیق ہنر اُسکو جان کہ آتش کو معائنۃً دیکھ لیا

نے گپ دلّ علی النار الدخان
نہ یہ دعویٰ کہ دخان دلالت کرتا ہے نار پر

ای دلیلت گندہ تر پیش لبیب | در حقیقت از دلیل آں طبیب
ای شخص تیری دلیل عاقل کے روبروزیادہ گندی ہے | حقیقت میں اس طبیب کی دلیل سے بھی

چوں دلیلت نیست جز ایں ای پسر | گوہ می خور در کمیزی می نگر
جب تیرے پاس بجز اسکے اور دلیل نہیں ہی | تو گوہ کھاتا رہ موت میں نظر کرتا رہ

ای دلیل تو مثال آں عصا | در کفت دلّ علیٰ عیب العمیٰ
ای شخص تیری دلیل اُس عصا کی مثال ہے | جو تیرے ہاتھ میں ہے کہ عیب نابینائی پر دلالت کر رہی ہے

ای دلیل ما چو فکر ما ذلیل | پیشی ما پیش دانایاں قلیل
ای شخص ہماری دلیل ہماری نتیجۂ فکر کی طرح ذلیل ہے | ہمارا پیش ہونا عارفین کے سامنے کم قدر ہے

غلغل و طاق و طرنب و گیر دار | کہ نمی بینم مرا معذور دار
غلغلہ اور دھوم دھام اور آفت برپا ہے | کہ مجکو نظر نہیں آتا مجھکو معذور رکھ

(اسمیں بیان ہے مقصود قصہ کا جو کہ قصے کے قبل ان اشعار میں مذکور تھا ای لسا علم وذکاوت الابیات السبعۃ یعنی) فضیلت اور چستی اور ہنرمندی (کے دعوی) سے باز آ (کیونکہ) خدمت (یعنی طاعت حق) اور خلق حسن (مع الخلق جس میں تواضع بھی داخل ہی) کام آتا ہی (آگے اسکی دلیل ہی یعنی) اسی (خدمت وطاعت) کے واسطے ہم کو حق تعالیٰ (پردہ عدم سے) باہر لائے ہیں (چنانچہ ارشاد ہی کہ میں نے انسان اور جن) کو صرف اپنی عبادت کیلئے پیدا کیا ہے (تنگی وزن سے لفظ جن نظم میں نہیں آسکا مگر مراد پوری آیت ہے آگے ہنرمندی مذموم مانع عن الحق کی مثالیں ہیں کہ دیکھو) سامری کو اُس ہنر (اصطناع گوسالہ) نے کیا نفع دیا کہ اُس فن نے باب حق سے اُسکو مردود کیا قارون نے کیمیا سے کیا حاصل کیا کہ اُسکو زمین اپنے قعر میں لیگئی ابو الحکم (ابوجہل) نے ہنر سے کیا جمع کیا وہ کفران سے سرنگوں دوزخ میں گیا (آگے بعض ہنر مقصود اور بعض ہنر غیر محمود کی تعیین بطور تمثیل ہی یعنی) بتحقیق ہنر اُسکو جان کہ آتش کو معاینۃً دیکھ لیا نہ یہ دعوی کہ دخان دلالت کرتا ہی نار پر (مراد اول سے علوم دینیہ ومعارف یقینیہ کہ قلب ذوقاً اُن کے معلومات کا مشاہدہ کرتا ہی جس سے الصدق طمانینۃ کا تحقق ہوتا ہے اور مراد ثانی سے علوم استدلالیہ تخمینیہ غیر موصلہ الی الحق کہ خود مدعی کو بھی اُنمیں تذبذب ہوتا ہی جس سے الکذب ریبۃ کا تحقق ہوتا ہی مگر بضرورت صورت دلیل کے اُسکی تحقیق کا دعوی کرتا ہے آگے بھی اسی کی نسبت فرماتے ہیں کہ) ای شخص تیری دلیل (مذکور بوجہ مانع عن الحق ہونے کے) عاقل (یعنی عارف) کے روبرو زیادہ گندی ہی حقیقت میں اُس طبیب کی دلیل سے بھی (مراد اس سے قارورہ ہی جس سے وہ استدلال کرتا ہے اور مقصود اس سے تشبیہ ہی من حیث الاستدلال تقبیح شرعی نہیں کیونکہ اُس سے

استدلال بوجہ مطلوب کے مباح ہونے کے کہ ادراک ہے کیفیت مزاج کا شرعاً جائز ہی بلکہ قبیح شرعی کو تشبیہ دینا ہی قبیح عرفی سے تنفیر کے لیئے اور اس کو اُس سے زیادہ گندہ اس لئے کہا کہ اسکی نجاست ظاہری اور سریع الزوال ہی اور اسکی باطنی و صعب العلاج ہی خصوص اسوجہ سے کہ صاحب دلیل اُسکو نجس بھی نہیں سمجھتا بلکہ ان خرافات پر فخر کرتا ہی آگے اس نجس پر تفریع ہی کہ) جب تیرے پاس بجز اس (دلیل نجس) کے اور دلیل نہیں ہے (جو کہ عارفین کے پاس ہے اور نہ تجھکو اُسکی طلب ہے بلکہ فرحوا بما عندھم من العلم کی حالت ہی اور اُسی پر قناعت ہے تو) تو (جان) گوہ کھاتا رہ (اور) موت میں نظر کرتا رہ (یعنی ان ہی فاذورات باطنیہ میں مبتلا رہ) اے شخص تیری دلیل اُس عصا کی مثال ہے جو تیرے ہاتھ میں ہے کہ عیب نابینائی پر دلالت کر رہی ہے (یعنی نابینا کے ہاتھ میں عصا ہونا جیسے دال ہے اُسکے کور ہونے پر اسی طرح تیرے یہ علوم و ادلہ جزافیہ دال ہیں علوم صحیحہ سے تیری کوری ہونے پر) اے شخص ہماری دلیل ہماری منتجہ فکر (یعنی دعویٰ) کی طرح ذلیل ہے (کیونکہ دعویٰ کا مہمل و باطل ہونا مستلزم ہے دلیل کے اہمال و بطلان کو اور) ہمارا (ان علوم جزافیہ کے ساتھ) پیش ہونا (اور روبرو آنا) عارفین کے ساتھ (بالکل) کم قدر ہے (ان دونوں مصرعوں میں و مالی لا اعبد کے طرز پر حکم ہے اور مقصود مخاطب بالا کی مذمت ہے اور ان علوم جزافیہ کی ایسی مثال ہے جیسے کوئی اندھا شخص آ رہا ہے اور اُسکا ایک) غلغلہ اور دھوم دھام اور (ایک) آفت بر پا ہی کہ مجھکو نظر نہیں آتا مجھکو معذور رکھ (یعنی اتنے شور و غل و اہتمام سے یہ مہمل مضمون ظاہر کیا اسی طرح ان فلاسفہ کا کر و فر و دعویٰ تو اسقدر اور ادلہ و علوم جب پیش کئے تو سب کا حاصل یہ ثابت ہوا کہ ہم اہل مشاہدہ نہیں ہیں جا بالغیب ہانک رہی ہیں اور مقصود سے دور ہیں جسطرح آگے حکایت ہے کہ وہ مسخرہ ایسے تو اہتمام سے آیا اور کہا تو یہ کہ تم نے جو سمرقند جانیکا اشتہار دیا ہی سنلو کہ میں نہیں جاسکتا)

منادی کردن سید ملک ترمذ کہ ہر کہ در سہ یا چہار روز بسمرقند رود و بفلان مہم چندین خلعت و زر دہم و شنیدن دلقک در دہ و تاختن نزد آن سید ملک کہ من باشم نتوانم

سید ترمذ کہ آنجا شاہ بود
شہر ترمذ کا سردار کہ اُس جگہ کا بادشاہ تھا

مسخرہ او دلقک دلخواہ بود
اُس کا مسخرہ دلقک محبوب دل تھا

داشت کارے در سمرقند او مہم
بادشاہ ایک ضروری کام سمرقند میں رکھتا تھا

جست الاغے تا شود او مستتم
اُس نے ایک قاصد تلاش کیا تاکہ وہ تمام کو پہونچانیوالا ہو

زد منادی کانکہ او در پنج روز
منادی کرائی کہ جو شخص پانچ روز میں

آردم پیغام خوب با فروز
میرے پاس پیغام خوب بارونق لاوے

بخشم او را زر و گنج بیشمار
تا شود میر و عزیز اندر دیار

میں اُس کو زر اور گنج بیشمار دوں گا
یہاں تک کہ وہ امیر اور معزز ہو جاوے گا دیار میں

دلقک اندر دہ بُد و آں را شنید
بر نشست و تا بہ ترمذ میدوید

دلقک کسی گانو میں تھا اُسنے یہ سُنا
بیٹھا اور ترمذ تک دوڑنے لگا

مرکبے دو اندراں رہ شد سقط
از دوانیدن فرس را زاں نمط

دو مرکب بھی اُس رستہ میں ہلاک ہوئے
بسبب اس طرح گھوڑا دوڑانے کے

پس بدیواں در دوید از گرد راہ
وقت ناہنگام رہ جست او بشاہ

پھر دار العدالت میں دوڑ کر آیا گرد راہ سے
ناہنگام وقت میں اُسنے پادشاہ کے پاس راہ ڈھونڈا

فجفجے در جملہ دیواں فتاد
شورشے در وہم آں سلطاں فتاد

تمام دار العدالت میں ایک کھچ پچ ہونے لگی
ایک شورش اُس بادشاہ کی قوت واہمہ میں واقع ہوگئی

خاص و عام شہر را دل شد ز دست
تا چہ تشویش و بلا حادث شدست

شہر کے عوام و خواص کا دل قابو سے نکل گیا
کہ کیا تشویش و بلا پیدا ہوئی ہوگی

یا عدوی قاہرے در قصد ماست
یا بلائے مہلکے از غیب خاست

یا کوئی دشمن جلاد ہمارے قصد میں ہے
یا کوئی مہلک بلا غیب سے اُٹھی ہے

کہ ز دہ دلقک بسیران درشت
چند اسپ قیمتی در راہ کشت

جس کے سبب دلقک نے گانو سے رفتار سخت میں
کئی گھوڑے قیمتی راستہ میں ہلاک کر دیئے

جمع گشتہ بر سرائے شاہ خلق
تا چرا آمد چنیں اشتاب دلق

بادشاہ کی محلسرائے پر خلقت جمع ہوگئی
کہ اسقدر تیز دلقک کیوں آیا ہے

از شتاب او وجد و اجتہاد
اُس کی تعجیل اور کوشش و اہتمام سے

غلغل و تشویش در ترمذ فتاد
ایک غلغلہ اور تشویش ترمذ میں واقع ہوگئی

آں یکے دو دست بر زانو زناں
ایک دونوں ہاتھ زانو پر ماررہا تھا

واں دگر از وہم واویلا کناں
اور دوسرا وہم سے واویلا کررہا تھا

از نفیر و فتنہ و خوف و نکال
فریاد اور فتنہ اور خوف اور عقوبت سے

ہر دلے رفتہ بصد گونہ خیال
ہر دل صدہا طرح کے خیال کی طرف جارہا تھا

ہر کسے فالے ہمیزد از قیاس
ہر شخص قیاس سے ایک فال لگارہا تھا

تا چہ آتش او فتاد اندر پلاس
کہ کونسی آگ ٹاٹ میں لگ گئی ہوگی

راہ جست و راہ دادش شاہ زود
اُسنے رستہ چاہا اور بادشاہ نے اُسکو جلدی رستہ دیدیا

چوں زمیں بوسید گفتا ہے چہ بود
جب اُس نے زمین بوسی کی پوچھا ہائیں کیا ہوا

ہر کہ می پرسید حالے زاں ترش
جو شخص اُس ترش رو سے حال پوچھتا تھا

دست بر لب می نہاد او کہ خمش
وہ لب پر ہاتھ رکھتا تھا کہ چپ

وہم می افزود زیں فرہنگ او
اُس کی اس ترکیب سے اور وہم بڑھتا تھا

جملہ در تشویش گشتہ دنگ او
سب تشویش میں اُسکے سبب دنگ ہورہے تھے

کرد اشارت دلقک اے شاہ کرم
دلقک نے اشارہ کیا کہ اے بادشاہ ذی کرم

یک دمے بگذار تا من دم زنم
تھوڑی دیر چھوڑ دیجئے پھر بولوں گا

تا کہ باز آید بمن عقلم دمے
تاکہ میری عقل ذرا ٹھکانے ہوجاوے

کہ فتادم در عجائب عالمے
کیونکہ میں عجیب عالم میں واقع ہورہا ہوں

بعد یک ساعت که شاه از وهم و ظن
تھوڑی دیر کے بعد جبکہ وہم و گمان سے

تلخ گشتش هم گلو و هم دهن
بادشاہ کا حلق اور موںہ سب تلخ ہوگیا

کو ندیده بود دلقک را چنین
کیونکہ اُسنے دلقک کو اس حالت میں نہ دیکھا تھا

که ازو خوشتر نبودش همنشین
کیونکہ اُس سے زیادہ خوش مزاج اُسکا کوئی ہمنشیں تھا

دائما دستان و لاغ افراشتے
ہمیشہ افسانے اور ظرافت نکالا کرتا تھا

شاه را او شاد و خندان داشتے
بادشاہ کو وہ شاد اور خنداں رکھا کرتا تھا

آنچنان خندانش کردے در نشست (در مجلس ۱۲)
اُسکو اس قدر خنداں کرتا تھا مجلس میں

که گرفتے شه شکم را با دو دست
کہ بادشاہ دونوں ہاتھوں سے اپیٹ پکڑ پکڑ لیتا تھا

هم ز زور خنده خوی کردے تنش (غلبہ ۱۲)
نیز غلبۂ خندہ سے اُس کا جسم عرق لے آتا تھا

رو در افتادے ز خنده کردنش
موںہ کے بل گر پڑتا تھا اُسکے یا اپنے خندہ کرنے سے

باز امروز این چنین زرد و ترش
پھر بھی آج کے دن اسطرح سے زرد اور ترش

دست بر لب می زند کاے شه خمش
لب پر ہاتھ مارتا ہے کہ اے بادشاہ خاموش رہ

وهم در وهم و خیال اندر خیال
وہم اندر وہم اور خیال اندر خیال

شاه را تا خود چه آید از نکال
بادشاہ کو ہوگیا کہ دیکھئے کیا وبال آتا ہے

که دل شه با غم و پرهیز بود
وجہ یہ کہ بادشاہ کا دل پر غم اور پر حذر تھا

زانکه خوارزم شاه بس خونریز بود
اس سبب سے کہ خوارزم شاہ بہت خونریز تھا

جاے تخت او سمرقند گزین
اُس کا پایہ تخت سمرقند پسندیدہ تھا

بد وزیرے داهی او را همنشین
ایک چالاک وزیر اُس کا ہم نشیں تھا

بس شہاں آں طرف را کشتہ بود
اس نواح کے بہت بادشاہوں کو قتل کر چکا تھا

یا بہ حیلت یا بہ سطوت آں عنود
یا تو کسی حیلہ سے یا غلبہ سے وہ معاند

ویں شہ ترمد از و در وہم بود
اور یہ شاہ ترمد اس کی طرف سے وہم میں تھا

وز فن دلقک ہمی وہمش فزود
اور دلقک کی چال سے اس کا وہم اور بڑھتا تھا

گفت زوتر باز گو تا حال چیست
بادشاہ نے کہا جلدی سے کہہ کیا حال ہے

ایں چنیں آشوب و شور تو ز کیست
تیرا اسقدر آشوب اور شور کس شخص کے سبب ہے

گفت من در دہ شنیدم آنکہ شاہ
دلقک نے کہا کہ میں نے گاؤں میں سنا تھا کہ بادشاہ نے

زد منادی بر سر ہر شاہ راہ
ہر سڑک کے نکڑ پر منادی کرائی ہے

کہ کسے خواہم کہ تازد در سہ روز
کہ میں ایسا شخص چاہتا ہوں کہ تین روز میں وہ

تا سمرقند او چو پیک با فروز
سمرقند کو جا دوڑے مثل پیک شاندار کے

گنجہا بدہم ورا اندر عوض
تو اسکو معاوضہ میں خزانے دوں گا

چوں شود حاصل ز پیغامش غرض
جب اسکے پیغام سے غرض حاصل ہو جاوے

من شتابیدم بر تو بہر آں
میں تمہارے پاس اس لئے دوڑ کر آیا ہوں

تا بگویم کہ ندارم آں تواں
تاکہ عرض کروں کہ میں ایسی قوت نہیں رکھتا ہوں

ایں چنیں کارے نیاید خود ز من
ایسا کام مجھ سے نہیں بن سکتا

تار ایں امید را بر من متن
اس امید کے تار کو مجھ پر نہ تننئے

گفت شہ لعنت بریں زودیت باد
بادشاہ نے کہا کہ تیری اس اضطراب پر لعنت ہو

کہ دو صد تشویش در شہر اوفتاد
کہ شہر میں دو سو تشویشیں واقع ہو گئیں

آتش افگندی دریں مرج و حشیش	از برای اینقدر اے خام ریش
تونے ایک آگ ڈالدی اس چراگاہ اور گھاس میں	محض اتنی بات کے واسطے اے احمق مسخرے

(وجہ مناسبت حکایت کی ماقبل میں مذکور ہو چکی ہے یعنی) شہر ترمذ کا سرا کہ اس جگہ کا بادشاہ تھا اُس کا مسخرہ دلقک مجوب دل تھا (دلقک نام مسخرہ کذافی الغیاث) بادشاہ ایک ضروری کام سمرقند میں رکھتا تھا اس نے ایک قاصد تلاش کیا (کذافی الغیاث فی معنی الالاغ بالضم) تاکہ وہ (قاصد اُس مہم کا) اتمام کو پہونچانے والا ہو (پس اس غرض کے لئے) منادی کرائی کہ جو شخص پانچ روز میں میرے پاس پیغام خوب (یعنی صحیح) بارونق (یعنی با اطمینان) لادے میں اسکو زر اور گنج بیشمار دوں گا یہاں تک کہ وہ امیر اور معزز ہو جائیگا (اپنے) دیار میں دلقک کسی گاؤں میں تھا اُس نے (بھی) یہ (اشتہار) سُنا (سواری پر) بیٹھا اور ترمذ تک دوڑنے لگا دو مرکب بھی اُس رستہ میں ہلاک ہوئے بسبب اسطرح (تیزی سے) گھوڑا دوڑانے کے پھر دار العدالت میں دوڑکر آیا گرد راہ سے (اور) نا ہنگام وقت میں اُس نے بادشاہ کے پاس راہ ڈھونڈا (یعنی گرد بھی نہیں جھاڑی اور بموقع جلدی کی وجہ سے اُسی طرح جا پہنچا پس) تمام دار العدالت میں ایک کھچر پچر ہونے لگی ایک شورش اُس بادشاہ کے قوت واہمہ میں واقع ہوئی شہر کے عوام و خواص کا دل قابو سے نکلگیا کہ کیا تشویش اور بلا پیدا ہوئی ہوگی یا کوئی دشمن جلاد ہماری قصد میں ہے یا کوئی مہلک بلا غیب سے اُٹھی ہے جسکے سبب دلقک نے گاؤں سے رفتار سخت میں کئی گھوڑے قیمتی راستہ میں ہلاک کردیئے بادشاہ کی محلسرائے پر خلقت جمع ہوگئی کہ اسقدر تیز دلقک کیوں آیا ہے اُسکی تعجیل اور کوشش و اہتمام سے ایک غلغلہ اور تشویش ترمذ میں واقع ہوگئی ایک دونوں ہاتھ زانو پر مار رہا تھا اور دوسرا وہم سے واویلا کر رہا تھا فریاد اور فتنہ اور خوف اور عقوبت سے ہر دل صدہا طرح کے خیال کی طرف جا رہا تھا ہر شخص قیاس سے ایک فال لگا رہا تھا کہ کونسی آگ ٹاٹ میں لگ گئی ہوگی (کنایت از حادثہ عظیم کذافی الحاشیۃ) اُس (دلقک) نے (بادشاہ تک) رستہ چاہا اور بادشاہ نے اُس کو جلدی رستہ دیدیا جب اُسنے زمین بوسی کی پوچھا ہا میں کیا ہوا (مگر) جو شخص (اہل دربار میں سے) اُس ترش رو سے حال پوچھتا تھا وہ لب پر ہاتھ رکھتا تھا کہ چپ۔ اُسکی اس ترکیب سے اور وہم بڑہتا تھا سب تشویش میں اُس کے سبب تنگ ہو رہے تھے دلقک نے اشارہ کیا کہ اے بادشاہ ذی کرم تھوڑی دیر (مجھکو) چھوڑ دیجئے پھر (دم لیکر) بولوں گا تاکہ میری عقل ذرا ٹھکانے ہو جاوے کیونکہ میں ایک عجیب عالم میں واقع ہو رہا ہوں تھوڑی دیر کے بعد جبکہ وہم اور گمان سے بادشاہ کا حلق اور منہ سب تلخ ہو گیا کیونکہ اُس نے دلقک کو (کبھی) اسحالت میں نہ دیکھا تھا کیونکہ اس سے زیادہ خوش مزاج اُس کا کوئی ہمنشیں نہ تھا ہمیشہ افسانے اور ظرافت نکالا کرتا تھا بادشاہ کو وہ شاد اور خنداں رکھا کرتا تھا اُسکو اسقدر خنداں کرتا تھا مجلس میں کہ بادشاہ دونوں ہاتھوں سے پیٹ پکڑ پکڑ لیتا تھا نیز غلبہ خندہ سے اسکا جسم عرق لے آتا تھا منہ کے بھل گر پڑتا تھا اُس کے یا اپنے خندہ کرنے سے پھر بھی آج کی دن اس طرح سے زرد اور ترش لب پر ہاتھ مارتا ہے کہ اے بادشاہ خاموش رہ۔ وہم اندر وہم اور خیال اندر خیال بادشاہ کو ہوگیا کہ دیکھئے کیا وبال آتا ہے وجہ یہ تھی کہ بادشاہ کا دل پر غم اور پر حذر تھا اس سبب سے کہ خوارزم شاہ بہت خونریز تھا اُسکا پایہ تخت سمرقند پسندیدہ تھا۔ ایک چالاک وزیر اُس کا ہمنشین تھا وہ تدبیریں تسخیر ملک کی بتلاتا تھا) اُس نواح کے بہت بادشاہوں کو

قتل کرچکا تھا یا تو کسی حیلہ سے یا غلبہ سے وہ ساندا اور یہ شاہ ترمذ اُس کی طرف سے وہم میں تھا اور دلقک کی (اس) چال سے اُس کا وہم اور بڑھتا تھا۔ بادشاہ نے کہا جلدی سے کہہ کیا حال ہے تیرا اسقدر آشوب اور شور کس شخص کے سبب ہے۔ دلقک نے کہا کہ میں نے گانو میں سنا تھا کہ بادشاہ نے ہر طرف کے نکڑ پر منادی کرائی ہے کہ میں ایسا شخص چاہتا ہوں کہ تین روز میں وہ سمرقند کو جادوڑے مثل پیک شاہ نذارکے تو اُس کو معاوضہ میں خزانے دوں گا۔ جب اُسکے پیغام سے غرض حاصل ہو جاوے (وہ غرض صرف پیغام رسانی ہے) میں تمہارے پاس اس لئے دوڑ کر آیا ہوں تا کہ عرض کروں کہ میں ایسی قوت نہیں رکھتا ہوں ایسا کام مجھسے نہیں بن سکتا اس امید کے تار کو مجھپر نہ تنئے۔ بادشاہ نے کہا کہ تیری اس اضطراب پر لعنت ہو کہ شہر میں دو سو تشویشیں واقع ہوگئیں (یہ کونسی کہنے کی بات تھی اور پھر کہنا بھی اسقدر اہتمام سے) محض اتنی بات کے واسطے اے احمق مسخرے۔ تونے ایک آگ ڈالدی اس چراگاہ اور گھاس میں (یعنی جس طرح گھاس میں آگ لگا دینے سے پریشانی ہوتی ہے تونے ایسا پریشان کیا جزو مقصود حکایت کا تو ختم ہوگیا آگے بترتیب انتقال اور حکایت کا اکمال ہے)

یعنی اولاً انتقال ہے اور پھر حکایت کا اکمال ہے ۱۲ منہ

همچو ایں خامان باطبل و علم
جیسے یہ خاماں باطبل و علم ہیں

که انا ما ئیسم در فقر و عدم
کہ ہم امام ہیں فقر و فنا میں

لاف شیخی در جہاں انداختہ
لاف مشیخت جہان میں ڈال رکھی ہے

خویشتن را بایزیدے ساختہ
اپنے کو بایزید بنا رکھا ہے

ہم زخود سالک شدہ واصل شدہ
خود ہی سالک بھی ہوگئے خود ہی واصل بھی ہوگئے

محفلے واکردہ در دعوی کدہ
ایک مجلس کھول رکھی ہے دعویٰ خانہ میں

خانۂ داماد پر از شور و شر
دولھا کا گھر تو شور و شر سے پُر ہو رہا ہے

قوم دختر را نبودہ زو خبر
دولہن کے خاندان کو اُسکی خبر بھی نہیں

ولولہ کہ کار نیمے راست شد
جوش و خروش ہے کہ آدھا کام تو ٹھیک ہوگیا ہے

شرطہای کاں زسوے ماست شد
جو ضروریات ہماری طرف سے ہیں وہ سب ہوگئیں

خانہا را روفتیم آراستیم
ہمنے گھروں کو صاف و آراستہ کرلیا ہے

زیں ہوس سرمست و خوش برخاستیم
اس شوق سے ہم مست اور خوش اُٹھے ہیں

زاں طرف آمد یکے پیغام نے ۔ آمد ایں سو مرغکے زاں بام نے

اُس طرف سے ایک پیغام بھی نہیں آیا ۔ اُس بام سے اسطرف ایک چھوٹا سا پرندہ بھی نہیں آیا

زیں رسالات مزید اندر مزید ۔ یک جوابے از حوالی شاں رسید

اتنے بسیار در بسیار پیاموں میں سے ۔ ایک جواب بھی اُن لوگوں کی طرف سے پہونچا ہے؟

نے ولیکن یار ما زیں آگہ ست ۔ زانکہ از دل سوئے دل لابد رہ ست

نہیں۔ لیکن ہمارا محبوب اس سے آگاہ ہے ۔ کیونکہ دل سے دل کی طرف لابد راستہ ہے

پس ازاں یارے کہ امید شماست ۔ از جواب نامہ رہ خالی چراست

تو پھر اُس محبوب کیطرف سے کہ تمہارا محل امید ہے، ۔ جواب نامہ سے راستہ خالی کیوں ہے

صد نشان ست از سرار و از جہار ۔ لیک بس کن پردہ زیں سر بر مدار

صدہا آثار ہیں باطن سے اور ظاہر سے ۔ لیکن بس کرو پردہ اس راز سے مت اٹھاؤ

باز رو تا قصۂ دلق جہول ۔ کہ بلا بر خویش آورد از فضول

پھر رجوع کرو دلقک جاہل کے قصہ کی طرف ۔ کہ اپنے اوپر ایک فضول حرکت سے بلا لایا

(یہاں بطور انتقال کے مقولہ ہے مولانا کا کہ اُس دلقک مسخرہ کی اس بے بنیاد طمطراق کی ایسی مثال ہے) جیسے خیامان باطیل وعلم میں (یعنی مشائخ مزورین جنھوں نے شہرت کا سامان فراہم کر رکھا ہے اور بزبان قال یا حال اس بات کے مدعی ہیں) کہ ہم امام ہیں فقر وفنا میں (اور) لاف مشیخت جہان میں ڈال رکھی ہے (اور) اپنے کو بایزید بنا رکھا ہے خود ہی سالک بھی ہو گئے (پھر) خود ہی واصل بھی ہو گئے (یعنی بوجہ عار وکبر کسی شیخ کامل سے استفادہ بھی نہیں کیا اور) ایک مجلس کھول رکھی ہے دعوی خانہ میں (اور ان مشائخ کی اس شہرت بے بنیاد کی ایسی مثال ہے جیسے) دولہا کا گھر تو شور وشر سے پُر ہو رہا ہے (مگر) دولہن کے خاندان کو اُس کی خبر بھی نہیں (آگے اُس شور وشر خانۂ داماد کا بیان ہے کہ دولھا والوں کو) جوش وخروش ہے کہ آدھا کام تو ٹھیک ہو گیا ہے (یعنی) جو ضروریات ہماری طرف سے ہیں وہ سب ہو گئیں (مثلاً) ہم نے گھروں کو صاف وآراستہ کر لیا ہے (اور) اس شوق سے ہم مست اور خوش اٹھے ہیں (دولھا ہذا تو آدھا کام یعنی ہماری طرف کا مکمل ہو گیا ہے آدھے کی کسر رہی ہے یہ تو ادھر ہو رہا ہے اور خانۂ عروس کی حالت یہ ہے کہ) اُس طرف سے ایک پیغام بھی نہیں آیا (اور) اُس بام سے اسطرف ایک چھوٹا سا پرندہ بھی (نامہ لے کر) نہیں آیا (ان دولھا والوں سے

اگر کوئی پوچھتا ہے کہ تمہارے) اتنے بسیار در بسیار پیاموں میں سے (کسی پیام کا کوئی) ایک جواب بھی ان لوگوں کی طرف سے (تم کو) پہونچا ہے (وہ جواب دیتے ہیں کہ) نہیں (جواب تو نہیں آیا) لیکن ہمارا محبوب اس سے آگاہ ہے کیونکہ دل سے دل کی طرف لابد راستہ ہے (یہی حالت ہے شیخان مکار کی کہ نہ ان کو حق تعالیٰ سے کوئی نسبت ہے نہ اور دوسرے علامات قبول ہیں اور پھر دعویٰ ہے کہ ہم محبوب و مقبول ہیں گو کوئی علامت نہیں مع لانا اس جواب پر جرح فرماتے ہیں کہ اگر تمہارے اور محبوب حقیقی کے درمیان تعلقات ہیں) تو پھر اس محبوب کی طرف سے کہ تمہارا محل امید ہے جواب نامہ سے راستہ خالی کیوں ہے (یعنی جواب کیوں نہیں آتا مطلب یہ ہے کہ علامات و آثار قبول کیوں نہیں جو نصوص میں آئی ہیں مثلاً حدیث میں ہے یوضع لہ القبول فی الارض اور مثلاً اذا راؤ ذکر اللہ اور مثلاً قرآن میں علامات اولیاء میں فرمایا ہے الذین امنوا وکانوا یتقون یہ آثار لازمہ کیوں نہیں اور جب آثار لازمہ نہیں تو مؤثر ملزوم کا دعویٰ کیسا کہ وجود ملزوم بدون لازم محال ہے آگے مولانا ان آثار کی نسبت فرماتے ہیں کہ) صدہا آثار ہیں باطن سے اور ظاہر سے لیکن بس کرو (اور) پردہ اس راز سے مت اٹھاؤ (یہ بات علامات باطنہ کے اعتبار سے فرمائی کیونکہ علامات ظاہرہ جو قرآن و حدیث سے ابھی مذکور ہوئیں ان سے تو پردہ اٹھ چکا ہے اور حفاظت خلق کے لئے اس سے پردہ اٹھنا ضرور بھی تھا اب صرف علامات باطنہ رہ گئیں جن کا ادراک وجدان و فراست صحیحہ سے ہوتا ہے اس کا بیان ضروری تو اس لئے نہیں کہ عوام فاقد قوت قدسیہ اس سے پہچان نہیں سکتے اور خواص کو بتلانے کی ضرورت نہیں اور مناسب اس لئے نہیں کہ عوام شاید اپنے وجدان غیر صحیح کو صحیح سمجھ کر ممکن ہے کسی مزور کو ان علامات سے موصوف اور کسی کامل منتہی لطیف النسبۃ کو اس سے معرا سمجھ کر ضرر اور غلطی میں پڑ جاویں پس اس لئے اس کو چھوڑ کر) پھر رجوع کرو دلقک جاہل کے قصہ کی طرف کہ اپنے اوپر ایک فضول حرکت سے بلا لایا (جو بعد میں مذکور ہے گفت دلقک راسوی زنداں برید اور جہالت ہونا اس حرکت کا ظاہر ہے)

پس وزیرش گفت کای حق را ستن

پس وزیر نے بادشاہ سے کہا کہ اے حق کے ستون

دلقک از دہ بہر کارے آمدست

دلقک گاؤں سے کسی اور کام کے لئے آیا ہے

زاب و روغن کہنہ را نو می کند

آب و روغن سے کہنہ کو نیا کرتا ہے

غمدرا بنمود و پنہاں کرد تیغ

اس نے نیام کو ظاہر کیا ہے اور تلوار کو پوشیدہ کر لیا ہے

بشنو از بندہ کمینہ یک سخن

بندۂ کمترین سے ایک بات سن لیجئے

رائے او گشت و پشیماں زاں شدست

اس کی رائے بدل گئی ہے اور اس سے پشیمان ہوا ہے

او بمسخرگی برونشو می کند

تمسخر سے خلاصی کی صورت کرتا ہے

باید افشردن مر او را بیدریغ

اس کو بے دریغ شکنجہ میں کسنا چاہیئے

او میاں بنمود و پنہاں کرد کارد
اُس نے غلاف کو ظاہر کیا اور چاقو کو چھپایا ہے

بیگماں او را ہمی باید فشارد
بلاشبہ اُس کو شکنجہ میں کسنا چاہیئے

پستہ را یا جوز را تا نشکنی
پستہ کو یا اخروٹ کو جب تک توڑو نہیں

نی نماید دل نہ بدہد روغنی
نہ تو وہ مغز ظاہر کرتا ہی اور نہ اجزاء چرب کو دیتا ہی

مشنو این دفع وی و فرہنگ او
آپ اُس کے اس ٹالنے کو اور ترکیب کو نہ سُنیئے

در نگر در ارتعاشش و رنگ او
آپ اُس کے کانپنے کو اور رنگ کو دیکھیئے

گفت حق سیماہم فی وجہہم
حق تعالی نے فرمایا ہی کہ اُنکی نشانی اُنکے چہرہ میں ہی

زانکہ غمازست و سیما و منم
کیونکہ یہہ نشانی غماز اور نمام ہے

این معاین ہست ضد آں خبر
یہہ معائنہ کیا ہوا اُس خبر کے خلاف ہے

کہ بشر بسرشتہ آمد این بشر
کہ شرارت میں خمیر کیا ہوا ہے یہہ بشر

گفت دلقک با فغان و با خروش
دلقک کہنے لگا فغاں و خروش کے ساتھ

صاحبا در خون این مسکین مکوش
کہ اے وزیر اس غریب کے خون میں کوشش نہ کیجیئے

بس گمان و وہم آید در ضمیر
بہت سے گمان اور خیال آتے ہیں دل میں

کاں نباشد حق و صادق ای امیر
جو کہ واقعی اور راست نہیں ہوتے اے امیر

ان بعض الظن اثم ست ای وزیر
ان بعض الظن اثم ہے اے وزیر

نیست استم راست خاصہ بر فقیر
ظلم کرنا ٹھیک نہیں ہے خاصکر غریب پر

شہ نگیرد آنکہ می رنجاندش
بادشاہ تو اُسپر بھی گرفت نہیں کرتے جو اُنکو رنجیدہ کرے

از چہ گیرد آنکہ می خنداندش
کس سبب سے گرفت کریں گے ایسے شخص پر جو اُنکو ہنسایا ہو

گفتِ صاحب پیش شہ جاگیر شد
وزیر کی بات بادشاہ کے سامنے جاگزین ہوگئی
کاشف این مکر و این تزویر شد
وہ اس مکر و تزویر کی کاشف ہوگئی

گفت دلقک را سوئے زندان برید
بادشاہ نے حکم دیا دلقک کو جیلخانہ میں لے جاؤ
چاپلوس و زرق او را کم خرید
اُس کی خوشامد اور فریب کو مت قبول کرو

میزنیدش چون دہل اشکم تہی
اُس کو پیٹتے رہو دہل خالی شکم کی طرح
تا دہل وار او دہد تان آگہی
تاکہ دہل کی طرح وہ تم کو آگاہی دے

زانکہ ہم پُر ہم تہی باشد دہل
وجہ یہ ہے کہ دہل پُر بھی ہوتا ہے اور تہی بھی ہوتا ہے
بانگ او آگہ کند ما را ز کل
اُسکی آواز ہم کو کل صفتوں سے آگاہ کر دیتی ہے

تا بگوید سرِ خود را از اضطرار
تاکہ مضطر ہوکر یہ اپنا راز کہدے
آنچنانکہ گیرد این دلہا قرار
اس طور سے کہ یہ قلوب مطمئن ہوجاویں

چون طمانینہ ست صدقِ با فروغ
چونکہ صدق بافروغ سبب طمانینت کا ہے
دل نیارامد بگفتار دروغ
جھوٹ بات سے دل کو سکون نہیں ہوتا

کذب چون خس باشد و دل چون دہان
جھوٹ مثل تنکے کے ہوتا ہے اور قلب مثل دہان کے
خس نگردد در دہان ہرگز نہان
تنکا دہان کے اندر ہرگز مخفی نہیں رہتا

تا درو باشد زبانے میزند
جب تک وہ اس میں رہتا ہے زبان چلاتا رہتا ہے
تا بدانش از دہان بیرون کند
یہاں تک کہ دانائی سے باہر نکال دیتا ہے

خاصہ کاندر چشم افتد خس ز باد
خاصکر جبکہ آنکھ میں ہوا سے تنکا پڑ جاوے
چشم افتد در نم و بند و کشاد
آنکھ اشک میں اور بند ہونے اور کھلنے میں واقع ہوجاتی ہے

تا دہان و چشم زین خس وارہد	ما پس این خس را زنیم اکنوں لگد
تاکہ دہان اور چشم اس خس سے خلاصی پائے	پس ہم بھی اُس خس کو اب لاتیں ماریں گے

(برونسو مخلصی کذا فی الحاشیہ میان بوسط چیزی بمعنی سیف غلاف تیغ وغیرہ را گویند چرا کہ سلاح درمیان آن میماند کذا فی الغیاث ملخصا صاحب بمعنی وزیر کذا فی الغیاث ۱۲ م) پس وزیر نے بادشاہ سے کہا کہ اے حق کے ستون ۔ بندۂ کمترین سے ایک بات سن لیجئے ۔ دلقک گاؤں سے کسی اور کام کے لئے آیا ہے (اور یہاں آکر) اُسکی رائے بدلگئی ہے اور اُس سے پشیمان ہوا ہے (اسلئے اُسنے یہ بات بنائی ہے اور اُس راز کو آپ سے پوشیدہ کرنا چاہتا ہے پس یہ) آب روغن سے کہنہ کو نیا کرتا ہے (کنایہ ہے تلبیس سے اور) تمسخر سے (اپنی) خلاصی کی صورت کرتا ہے اس نے نیام کو ظاہر کیا ہے اور تلوار کو پوشیدہ کرلیا ہے (یہ بھی کنایہ ہے تلبیس سے اس لئے) اسکو بیدریغ شکنجہ میں کسنا چاہیئے اُس نے غلاف کو ظاہر کیا اور چاقو کو چھپایا ہے بلا شبہ اُس کو شکنجہ میں کسنا چاہیئے پستہ کو یا اخروٹ کو جب تک توڑو نہیں تو وہ مغز ظاہر کرتا ہے اور نہ اجزاء چرب کو دیتا ہے آپ اُس کے اس ٹالنے کو اور ترکیب کو نہ سنئے آپ اُس کے کانپنے کو اور رنگ کو دیکھئے حق تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اُنکی نشانی اُن کے چہرہ میں ہے کیونکہ یہ نشانی غماز اور نمام (یعنی مخبر) ہے یہ معائنہ کیا ہوا (رنگ و ارتعاش) اُس خبر کے خلاف ہے (جو یہ دلقک زبان سے کہہ رہا ہے پس معائنہ کا اعتبار ہوگا نہ کہ اُسکے دعوےٰ وخبر کا اور وہ مدلول رنگ و ارتعاش کا یہ ہے) کہ شرارت میں خمیر کیا ہوا ہے یہ شبر (غالب یہ ہے کہ وزیر کو غصہ میں یہ ترکیب اسکے سزا دلوانیکی سوجھی ہے اور غصہ اس موقع تمسخر پر آیا تاکہ سزا سے پھر آئندہ یہ ایسی حرکت نہ کرے) دلقک بڑا گھبرایا اور) کہنے لگا فغان و خروش کی ساتھ کہ اے وزیر اس غریب کے خون میں کوشش نہ کیجئے ۔ بہت سے گمان اور خیال آتے ہیں دل میں جو کہ واقعی اور راست نہیں ہوتے اے امیر ان بعض الظن اثم (ارشاد) ہے اے وزیر ظلم کرنا ٹھیک نہیں ہے خاصکر غریب پر بادشاہ تو اسپر بھی گرفت نہیں کرتے جو اُن کو رنجیدہ کرے (پھر) کس سبب سے ایسے گرفت کرینگے ایسے شخص پر جو اُن کو ہنساتا ہو (یہ بادشاہ کی خوشامد کے لئے کہا مگر) وزیر کی بات بادشاہ کے سامنے جاگزیں ہوگئی (اور اُسکے خیال میں وہ (بات) اس مکر و تزویر (دلقک) کی کاشف ہوگئی (یعنی بادشاہ یہ سمجھا کہ وزیر نے اسکا واقعی مکر کھولا ہے پس) بادشاہ نے حکم دیا دلقک کو جیلخانہ میں لیجاؤ اُسکی خوشامد اور فریب کو مت قبول کرو اُسکو پیٹتے رہو ڈھول خالی شکم کیطرح تاکہ ڈھول کیطرح وہ ہم کو آگاہی (حقیقت حال سے) دے (اور اوپر کے شعر کے دو مصرعوں میں جو اسکو ڈھول کے ساتھ دو حیثیت سے تشبیہ دی جنمیں سے اول مقتضی ہے ڈھول کے تہی ہونے کو اور ثانی مقتضی ہے ڈھول کے پُر ہونے کو کہ آگاہی موقوف ہے پُر ہونے پر تو) وجہ (ان دونوں تشبیہ کی) یہ ہے کہ ڈھول پُر بھی ہوتا ہے اور تہی بھی ہوتا ہے (اور) اُسکی آواز ہم کو (ان) کل صفتوں سے آگاہ کردیتی ہے (یعنی آواز اُسکی اسپر دال ہے کہ یہ ہوا سے پُر ہے اور اسپر بھی کہ اسمیں کوئی جسم صلب نہیں پس یہی حالت اسکی ہے کہ صدق سے خالی اور کذب سے پُر ہے اس لئے اسکو پیٹو) تاکہ مضطر ہوکر یہ اپنا راز کہدے دیگر) اس طور سے کہ یہ قلوب مطمئن ہوجاویں (یعنی جی کو لگجاوے کہ اس نے سچ کہدیا ہے) چونکہ صدق باعث طمانینت کا ہے جھوٹ بات سے دل کو سکون نہیں ہوتا جھوٹ مثل تنکے کے ہوتا ہے اور قلب مثل دہان کے تنکہ دہان کے اندر ہرگز مخفی نہیں رہتا جب تک وہ (تنکہ) اُس (دہان) میں رہتا ہے زبان چلاتا رہتا ہے یہاں تک کہ دانائی سے باہر نکال دیتا ہے خاصکر جب کہ آنکھ میں ہوا سے تنکا پڑجاوے آنکھ (فوراً) اشک میں اور بند ہونے اور کھلنے میں واقع ہوجاتی ہے پس ہم بھی اس

(دلقک مشابہ) خس کو اب لائیں ماریں گے تاکہ دہان اور چشم اس خس سے خلاصی پائے (یعنی سب کو پریشانی سی نجات ہو)

گفت دلقک ای ملک آہستہ باش
روی حلم و مغفرت را کم خراش

دلقک نے کہا اے بادشاہ ذرا توقف کیجئے
حلم و مغفرت کے چہرہ کو خراش نہ دیجئے

تا بدیں حد چیست تعجیل و نقم
من نمی پرم بدست تو درم

اس حد تک کس لئے ہے تعجیل اور انتقام
میں اڑا تو نہیں جاتا آپ ہی کے ہاتھ میں ہوں

آں ادب کہ باشد از بہر خدا
اندراں مستعجلی نبود روا

جو تادیب خدا کے لئے ہوتی ہے
اس میں تعجیل روا نہیں ہوتی

وانچہ باشد طبع و خشم عارضی
می شتابد تا نگردد منقضی

اور جو مقتضائے طبیعت اور غصہ عارضی کا ہوتا ہے
اسمیں تعجیل کرتا ہے تاکہ ختم نہ ہو جاوے

ترسد ار آید رضا خشمش رود
انتقام و ذوق از و فائت شود

ڈرتا ہے کہ اگر رضا آجاوے تو اسکا غصہ جاتا رہیگا
انتقام اور ذوق اس سے فوت ہو جاویگا

شہوت کاذب شتابد در طعام
خوف فوت ذوق و نبود جز سقام

اشتہائے کاذب میں تعجیل کرتا ہی طعام میں
بسبب خوف فوت ہوجانے ذوق کے اور وہ بجز مرض کے کچھ نہیں ہے

اشتہا صادق بود تاخیر بہ
تا گوارندہ شود آں بے گرہ

اشتہا صادق ہو تو تاخیر بہتر ہے
تاکہ وہ خوب ہضم ہو گرہ نہ ہو جاوے

تو پئے دفع بلایم میزنی
تا بہ بینی رخنہ را بندش کنی

آپ مجکو دفع بلا کے لئے مارتے ہیں
تاکہ آپ رخنہ کو دیکھیں اسکو بند کر دیں

تا ازاں رخنہ بروں ناید بلا
غیر آں رخنہ بسے دارد قضا

تاکہ اس رخنہ سے بلا ظاہر نہ ہو
اس کے علاوہ اور رخنہ قضا کی پاس ہیں

چارهٔ دفع بلا نبود ستم

دفع بلا کا چارہ ظلم کرنا نہیں ہے

چاره احسان باشد و عفو و کرم

چارہ احسان اور عفو و کرم ہے

گفت الصدقه ترد للبلا

ارشاد فرمایا ہے کہ صدقہ رد کرتا ہے بلا کو

داوِ مرضاک بصدقه یا فتی

دوا کر اپنے مریضوں کی صدقہ سے اے فتے

صدقه نبود سوختن درویش را

درویش کو جلانا صدقہ نہیں ہے

کور کردن چشم حلم اندیش را

چشم حلم اندیش کو کور کرنا

گفت شه نیکوست خیر و موقعش

بادشاہ نے کہا کہ خیر کرنا اور اُسکا واقع ہونا اچھی بات ہے

لیک چون خیرے کنی در موضعش

لیکن جب کہ خیر کرے اُسکے موقعہ پر

موضع رخ شه نهی ویرانی است

تو شاہ کے موقعہ پر رُخ رکھدے تو ویرانی ہے

موضع شه پیل هم نادانی ست

شاہ کے موقعہ پر پیل یہ بھی نادانی ہے

در شریعت هم عطا هم زجر هست

شریعت میں عطا بھی ہے زجر بھی ہے

شاه را صدر و فرس را درگه ست

بادشاہ کے لئے صدر ہے اور گھوڑی کیلئے دروازہ جگہ ہی

عدل چه بود وضع اندر موضعش

عدل کیا چیز ہے اُس کے موقعہ پر رکھنا

ظلم چه بود وضع در ناموقعش

ظلم کیا چیز ہے اُس کے غیر محل میں رکھنا

عدل چه بود آب ده اشجار را

عدل کیا چیز ہے درختوں کو پانی دے

ظلم چه بود آب دادن خار را

ظلم کیا چیز ہے خار کو پانی دینا

نیست باطل هرچه یزدان آفرید

عبث کوئی چیز نہیں جو کچھ بھی خداتعالی نے پیدا کیا ہے

از غضب وز حلم وز نصح و مکید

غضب اور حلم اور خلوص اور چال میں سے

خیر مطلق نیست زینہا ہیچ چیز
ان میں سے کوئی چیز نہ تو خیر مطلق ہے

شر مطلق نیست زینہا ہیچ نیز
ان میں سے کوئی چیز شر مطلق بھی نہیں

نفع وضر ہر یکے از موضع ست
ہرایک کا نفع اور ضرر موقع کے اعتبار سے ہے

علم زین رو واجبست ونافعست
اس جہت سے علم واجب اور نافع ہے

اے بسا زجرے کہ بر مسکیں رود
اے شخص بہت دفع زجر کہ مسکین پر جاری ہوتا ہے

در ثواب از نان وحلوا بہ بود
وہ ثواب میں نان وحلوا سے بھی بہت ہوتا ہے

زانکہ حلوا گرمی وصفرا کند
اس سبب سے کہ حلوا تو گرمی اور صفرا کرتا ہے

سیلیش از خبث مستنقا کند
تپانچہ اسکو گندگی سے صاف کرتا ہے

سیلئے در وقت بر مسکین بزن
طمانچہ وقت میں مسکین پہ مار

کہ رہاند آنش از گردن زدن
کہ وہ اسکو گردن مارنے سے رہائی دے گا

زخم در معنے فتد بر خوی بد
چوٹ حقیقت میں اوس خلق مذموم پر واقع ہوگی

چوب بر گرد او فتد نے بر نمد
لکڑی گرد پر پڑتی ہے نہ کہ نمدہ پر

بزم وزندان ہست ہر بہرام را
بزم اور زندان ہر بادشاہ کے پاس ہوتی ہیں

بزم مخلص را وزندان خام را
بزم تو مخلص کے لئے اور زندان خام کے لئے

شق باید ریش را مرہم کنی
شگاف کی ضرورت ہے زخم کو مرہم کرنے لگے

چرک را در ریش مستحکم کنی
تو مادہ خبیثہ کو زخم میں اور مستحکم کردے گا

تا خورد مر گوشت را در زیر آن
انجام یہہ ہوگا کہ گوشت کو اندر ہی اندر کھائے گا

نیم سودے باشد و پنجہ زیان
آدھا تو فائدہ ہوگا اور پچاس حصہ نقصان ہوگا

مرگ ناگہ در میاں پنہاں شود	از تف آں اندروں ویراں شود
موت ناگہاں درمیاں میں پوشیدہ ہوجاویگی	اُس کی گرمی سے اندر کی جگہ خراب ہوجاوے گی

دلقک نے کہا ای بادشاہ ذرا توقف کیجیے حلم و مغفرت کے چہرہ کو خراش نہ دیجئے۔ اس حد تک کس لیئے ہے تعجیل اور انتقام۔ میں اڑا تو نہیں جاتا آپ ہی کے ہاتھ میں ہوں۔ جو تادیب خدا کے لیئے ہوتی ہے اسمیں تعجیل روا نہیں ہوتی اور جو (ادب) مقتضائے طبیعت اور غصہ عارضی کا ہوتا ہے اُس میں تعجیل کرتا ہے تاکہ ختم نہو جائے (یعنی) ڈرتا ہے کہ اگر رضا آجائے تو اُس کا غصہ جاتا رہیگا (اور اُسکے جانے سے) انتقام اور ذوق (نفس) اُس سے فوت ہوجاویگا (اُس غصہ کو عارضی اس اعتبار سے کہا کہ اس کا سبب رضائے نفس ہے جو مومن کے اعتبار سے حالتِ اصلیہ نہیں ہے اُسکی اصلی حالت رضائے حق ہے اسکی ایسی مثال ہے کہ) اشتہائے کاذب میں تعجیل کرتا ہے طعام میں بسبب خوف فوت ہوجانے ذوق کے اور وہ (تعجیل طعام) بجز مرض کے کچھ نہیں ہے (اور اگر) اشتہا صادق ہو تو تاخیر بہتر ہے تاکہ وہ (طعام) خوب ہضم ہو گرہ (اور سدہ) نہ ہوجاوے آپ مجھکو دفع بلا کے لیئے مارتے ہیں (کہ مارنے سے وہ راز جو آپکے خیال میں موہوم ہوگیا ہے بتلا دوں تاکہ اُسکی وہ مضرت جو آپکے نزدیک مزعوم ہے دفع ہوجاوے یعنی مجھکو اس لیئے مارتے ہیں) تاکہ آپ (اُس) رخنہ کو دیکھ لیں (اور) اُسکو بند کردیں تاکہ اُس رخنہ سے بلا ظاہر نہو (لیکن) اُس کے علاوہ اور رخنے قضا کے پاس ہیں (اگر بلا مقدر ہے تو ایک رخنہ کے بند کرنے سے کیا ہوتا ہے دوسری) دفع بلا کا چارہ ظلم کرنا نہیں ہے (بلکہ اُس کا) چارہ احسان اور عفو و کرم ہے (چنانچہ پیغمبر نے) ارشاد فرمایا ہے کہ صدقہ رد کرتا ہے بلا کو (یعنی) دوا کر اپنے مریضوں کی صدقہ سے اے فتی (اور) درویش کو جلانا صدقہ نہیں ہے (اور اسی طرح) چشم حلم اندیش کو کور کرنا صدقہ نہیں ہے) بادشاہ نے کہا کہ (واقع میں جیسا تو کہتا ہے چارہ احسان باشد الخ) خیر کرنا اور اُس کا واقع ہونا (بیشک) اچھی بات ہے لیکن جبکہ خیر کرے اُسکے موقع پر (جب اچھی بات ہے ورنہ اچھی بات نہیں چنانچہ اگر) تو شاہ کے موقع پر (شطرنج میں) رخ رکھدے تو (بساط شطرنج کی) ویرانی ہے (اسی طرح) شاہ کے موقع پر پیل (رکھدے) یہ بھی نادانی ہے (اسی واسطے) شریعت میں عطا بھی ہے زجر بھی ہے۔ بادشاہ کے لیئے صدر (مجلس) ہے اور گھوڑے کے لیئے دروازہ کی جگہ ہے (در بمعنی دروازہ وگاہ بمعنی موضع چنانکہ آرامگاہ یعنی ہر شے کا جدا موقع ہے اور یہی عدل ہے کیونکہ) عدل کیا چیز ہے (ہر شئے کا) اُسکے موقع پر رکھنا (اور) ظلم کیا چیز ہے (کسی شے کا) اُسکے غیر محل میں رکھنا (مثلاً) عدل کیا چیز ہے درختوں کو پانی دے (اور) ظلم کیا چیز ہے خار کو پانی دینا (وجہ یہ کہ) عبث کوئی چیز نہیں ہے جو کچھ بھی خدا تعالیٰ نے پیدا کیا ہے غضب اور حلم اور خلوص اور چال میں سے (بلکہ ہر شے اپنے موقع پر کام کی ہے غرض) ان میں سے کوئی چیز نہ تو خیر مطلق ہے (کہ ہر جگہ نافع ہو اور اسی طرح سے) ان میں سے کوئی چیز

شر مطلق بھی نہیں (کہ ہر جگہ مضر ہو بلکہ) ہر ایک کا نفع اور ضرر موقع کے اعتبار سے ہے اس جہت سے علم واجب اور نافع ہے (کہ اُس سے ہر شئے کا موقع معلوم ہوتا ہے آگے مثالوں میں موقع کی تفصیل ہے یعنی) اے شخص بہت دفعہ زجر کہ مسکین پر جاری ہوتا ہے وہ ثواب میں نان و حلوا (دینے) سے بھی بہتر ہوتا ہے (اور ظاہر بین کو اُسکی مسکنت پر نظر کر کے اُسپر رحم آتا ہے اور وہ بہتر ہونا) اس سبب سے (ہے) کہ حلوا تو (بعض اوقات) گرمی اور (تولید) صفرا کرتا ہے (اور) طمانچہ اُسکو گندگی (اخلاق) سے صاف کرتا ہے (اور ظاہر ہے کہ اعطاء نافع اکثر فی الثواب ہے اعطاء مضر سے) طمانچہ (مناسب) وقت میں مسکین پر مار کہ وہ اُسکو گردن مارنے سے رہائی دیگا (یعنی بعض

اوقات نرمی و رعایت سے اُس مسکین میں کوئی ایسا عیب پیدا ہو جاوے جس سے کوئی فعل گردن زدنی صادر ہو تو یہ سختی اُس عیب اور اُس کے نتیجہ سے حفاظت کریگی پس یہہ) چوٹ حقیقت میں اُس خلق مذموم پر واقع ہوگی (کہ اسکا ازالہ مقصود ہے جیسے) لکڑی (باعتبار قصد کے) گرد پر پڑتی ہے نہ کہ نمدہ پر (گو ظاہراً اُس پر پڑتی ہے) بزم اور زندان (دونوں چیزیں) ہر بادشاہ کے پاس ہوتی ہیں بزم تو مخلص کے لئے اور زندان خام (فی الاخلاص) کے لئے شگاف کی ضرورت ہے زخم کو (اگر ایسے وقت زخم کا) مرہم کرنے لگے تو مادہ خبیثہ کو زخم میں اور مستحکم (اور قائم) کر دیگا (کیونکہ مرہم سے منھ بند ہو کر سب مادہ فاسدہ اندر ہی رہ جاویگا) انجام یہ ہوگا کہ گوشت کو اندر ہی اندر کھا لیگا آدھا تو فائدہ ہوگا اور پچاس حصہ نقصان ہوگا (کیونکہ اُس (مادہ خبیثہ) کی گرمی (والتہاب) سے اندر کی جگہ خراب ہو جاویگی (پھر) موت ناگہان درمیان میں پوشیدہ ہو جاویگی (یعنی مادہ خبیثہ سرایت کر کے مفضی الی الہلاک ہو جاویگا)

گفت دلقک من نمی گویم گذار
دلقک نے کہا کہ میں یہہ نہیں کہتا کہ چھوڑ ہی دیجئے

لیک می گویم تحری پیش آر
لیکن میں کہتا ہوں کہ تحقیق کو پیش نظر رکھئے

ہیں رہ صبر و تانی در مبند
ہاں راستہ ضبط و تحمل کا بند نہ کیجئے

صبر کن اندیشہ می کن روز چند
توقف کیجئے اور چندے تامل کیجئے

در تانی بر یقینے بر زنی
تامل کرنے سے امر یقینی پر آپ جا پہونچیں گے

گوشمال من بایقانے کنی
میری سزا یقین کے ساتھ کریں گے

در روش یمشی مکبا خود چرا
رفتار میں یمشی مکبا کا مصداق کیوں بنا جاوے

چوں ہمی شاید شدن بر استوا
جب کہ ممکن ہے حالت استوار پر چلنا

مشورت کن با گروہ صالحاں
مشورہ کیجئے گروہ صالحین سے

بر پیمبر امر شاورہم بداں
پیغمبر پر شاورہم کا حکم سمجھئے

امرہم شوری برائے ایں بود
امرہم شوری اسواسطے ہے

کز تشاور سہو و کژ کمتر شود
کہ باہم مشورہ کرنے سے سہو اور کجی کم ہوتی ہے

ایں خردہا چوں مصابیح انور است
کیونکہ یہہ عقول مثل چراغوں کے نورانی ہیں

بیست مصباح از یکے روشن تر است
بیس چراغ ایک سے زیادہ نورانی ہیں

بوکه مصباحے فتد اندر میاں — مشتعل گشته ز نور آسماں

ممکن ہے کہ کوئی چراغ درمیان میں ایسا واقع ہو — جوکہ نور آسمان سے مشتعل ہوا ہو

غیرت حق پردهٔ انگیخته است — سفلی و علوی بهم آمیخته است

غیرت حق نے ایک پردہ ڈال رکھا ہے — سفلی و علوی کو باہم ملا رکھا ہے

گفت سیروا می طلب اندر جہاں — بخت و روزی را همی کن امتحاں

ارشاد فرمایا ہے کہ چلو پھرو عالم میں — طالع اور رزق کو تلاش کرتا رہ امتحان کرتا رہ

در مجالس می طلب اندر عقول — آنچناں عقلے کہ بود اندر رسول

مجالس میں عقول میں — ایسی عقل کو بھی طلب کر جیسی رسولؐ میں تھی

زانکه میراث از رسول آنست و بس — کو بہ بیند غیبہا از پیش و پس

کیونکہ رسول سے میراث یہی عقل ہے اور بس — جوکہ امور مخفیہ کو آگے اور پیچھے سے دیکھ لے

در بصرہا می طلب ہم آں بصر — کہ نتابد شرح آں ایں مختصر

ابصار میں بھی اس بصر کو طلب کر — کہ یہ مختصر مجموعہ اسکی شرح کا تحمل نہیں کرسکتا

بہر ایں کردست منع آں باشکوہ — از ترہب وز شدن خلوت بکوہ

اسی واسطے منع فرمادیا ہے اس عظیم الشان نے — رہبانیت سے اور پہاڑمیں خلوت سے

تا نہ گردد فوت ایں نوع التقا — کان نظر بخت ست و اکسیر بقا

تاکہ اسی قسم کی ملاقات فوت نہ ہو جاوے — کیونکہ ایسی نظر طالع ہے اور اکسیر بقا ہے

در میان صالحاں یک اصلحے ست — بر سر توقیعش از سلطاں صحے ست

صالحین کے درمیان میں ایک اصلح ہے — اسکے فرمان پر سلطان کیطرف سے ایک صح ہے

کاں دعا شد با اجابت مقترن
که وه دعا اجابت سے مقرون ہوگئی

کفو او نبود کبار انس و جن
اُس کے ہمسر اکابر انس و جن بھی نہیں ہیں

در مرے اش آنکہ حلو و حامض ست
ایسے شخص کی ساتھ مجادلہ کرنے میں جو شخص شیریں اور ترش ہے

حجت ایشاں بر حق داحض ست
اُن لوگوں کی حجت حق تعالیٰ کے نزدیک لچر ہے

کہ چو ما او را بخود افراشتیم
کہ جب ہم نے اُسکو خود بلند رتبہ کیا ہے

عذر و حجت از میاں بر داشتیم
تو عذر و جدال کو درمیان میں مرتفع کردیا ہے

قبلہ را چوں کرد دست حق عیاں
جب قبلہ کو تصرف حق نے معائن کردیا

پس تحری بعد ازیں مردود داں
پھر تحری کو اسکے بعد مردود جان

ہیں بگرداں از تحری روی و سر
ہاں تحری سے منہ اور سر پھیر لے

کہ پدید آمد معاد و مستقر
کیونکہ معائن ہوگیا محل رجوع اور محل قرار

یکزماں زیں قبلہ گر ذاہل شوی
اگر ایک ساعت بھی اس قبلہ سے غافل ہو جاوے گا

سخرۂ ہر قبلۂ باطل شوی
تو بیگاری ہر قبلہ باطل کا ہوجاوے گا

چوں شوی تمییز دہ را ناسپاس
جب تو تمیز دہندہ کا ناسپاس ہو جاوے گا

بجہد از تو خطرۂ قبلہ شناس
تو تجھ سے وہ خیال جو کہ قبلہ شناس ہے سلب ہو جاویگا

گر ازیں انبار خواہی بر و بر
اگر تو اس انبار سے نیکی اور گندم چاہتا ہے

نیم ساعت روز ہمراہاں مبر
تو تو آدھی ساعت کیلئے بھی توجہ ہمراہوں سے مت قطع کر

کاندراں دم کہ ببری زاں معیں
کیونکہ جس وقت تو اس معیں سے قطع تعلق کریگا

مبتلا گردی تو با بئس القریں
تو تو بری قریں کے ساتھ مبتلا ہو جاویگا

دلقک نے کہا کہ میں یہ نہیں کہتا کہ (مجھکو) چھوڑ ہی دیجیے لیکن میں (یہ ضرور) کہتا ہوں کہ تحقیق کو پیش نظر رکھیے (یعنی جو کچھ کرنا ہو تحقیق سے کیجیے ہاں راستہ ضبط اور تحمل کا بند نہ کیجیے توقف کیجیے اور چندے تامل کیجیے (کیونکہ) تامل کرنے سے امر یقینی پر آپ جا پہنچیں گے (اور) میری سزا یقین کے ساتھ کرینگے (اور) رفتار میں یمشی مکبا کا مصداق کیوں بنا جاوے جبکہ ممکن ہو حالت استوا پر چلنا (اقتباس ہے اس آیت سے افمن یمشی مکبا علی وجہہ اھدی امن یمشی سویا علی صراط مستقیم یمشی مکبا کا ترجمہ یہہ ہے کہ چلتا ہو اوندھا گر کر) خلاصہ یہہ کہ یہہ تحقیق کر لیجیے کہ واقعی کیا میں کوئی راز رکھتا ہوں جسکو بدلکر میں نے یہ تمسخر کی بات بنائی ہو یا اپنی عادت کے موافق تمسخر ہی مقصود تھا اور اپنے تامل کے علاوہ) مشورہ (بھی) کیجیے گروہ صالحین سے (اور مشورہ ایسی چیز ہے کہ) پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم پر شاورہم کا حکم سمجھیے (آگے منفعت مشورہ کی مذکور ہے کہ) امرہم شوری اس واسطے ہو کہ باہم مشورہ کرنے سے سہو اور کجی کم ہوتی ہے کیونکہ یہہ عقول مثل چراغوں کے نورانی ہیں (اور ظاہر ہے کہ) بیس چراغ ایک (چراغ) سے زیادہ (ہی) نورانی ہیں ممکن ہے کہ کوئی چراغ (ان چراغوں کے) درمیان میں ایسا واقع ہو جو کہ دوسری عامہ عقول کے درمیان میں ہے جسکا ذکر اس شعر میں ہے بو کہ مصباحے فتد اندر میاں وجہ اسکی خفا کی یہ ہے کہ) غیرت حق نے ایک پردہ ڈال رکھا ہے (اور) سفلی و علوی کو باہم ملا رکھا ہو (غیرت سے مراد حکمت جو مثل غیرت کے مقتضی ہے اخفا کو یعنی حکمت اخفا نے ایسی عقل کو عقول عامہ سے مشتبہ و ملتبس کر رکھا ہے اور وہ حکمت ابتلا ہے آگے تفریع ہے اختلاط مذکور پر کہ اسی واسطے) ارشاد فرمایا ہو کہ (زمین میں) چلو پھرو (یعنی) عالم میں طالع اور رزق کو تلاش کرتا رہ (اور مواقع احتمال کا) امتحان کرتا رہ (معلوم ہوتا ہو دو آیتوں کا مضمون ملا دیا ہو ایک مضمون یہہ ہے سیروا فی الارض فانظروا کیف کان عاقبۃ المکذبین و سیروا فی الارض فانظروا کیف بدأ الخلق ثم اللہ ینشئ النشاۃ الاخرۃ اور ایک مضمون یہہ ہے فامشوا فی مناکبہا و کلوا من رزقہ الایہ طالع سے مراد نظر علمی کہ سبب سعادت ہو جو کہ اول مضمون ہو اور رزق سے مراد دوسرا مضمون اور ظاہر ہے کہ نظر علمی عادۃً موقوف ہو صحبت اہل نظر و اہل علم پر پس امر بنظر علمی مستلزم ہے طلب اہل علم و اہل نظر کو مطلب یہہ کہ جسطرح طلب رزق کا امر ہے اسی طرح طلب اہل عقل کا بھی چنانچہ آگے اسی کی تصریح ہے کہ آیت کے معنی میں یہہ بھی داخل ہے کہ) مجالس میں (جاکر) عقول میں ایسی عقل کو بھی طلب کر جیسی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں تھی (یعنی عقل حق بین) کیونکہ (بروے حدیث ولکن ورثوا العلم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے میراث یہی عقل ہے اور بس جو کہ امور مخفیہ (غامضہ دینیہ) کو آگے اور پیچھے سے دیکھ لے (آگے پیچھے سے مراد احاطہ ہے ضروریات کا یعنی جمیع ما ہو الضروری فی الوصول الی الحق کو محیط ہو اسی طرح) ابصار میں بھی اس بصر کو طلب کر کہ یہہ مختصر مجموعہ اسکی شرح کا تحمل نہیں کر سکتا (یعنی میری کتاب اسکی شان کے بیان کے لیئے کافی نہیں عقل چونکہ مدرک معقولات کی ہوتی ہے اور بصر مدرک محسوسات کی شاید یہہ مطلب ہو کہ نور حق کی مدد سے اس عارف کے ادراک معقولات کی شان بھی دوسرے عقلا سے متفاوت ہوتی ہے اور اسکے ادراک محسوسات کی شان بھی دوسرے اہل احساس سے متفاوت ہوتی ہے چنانچہ ظاہر ہے اور یہہ بھی احتمال ہو کہ بصر سے مراد بصیرت لیا جاوے اور یہہ شعر در بسر طالع الخ بطور تفسیر کے ہو شعر در مجالس الخ کی اور لفظ ہم کے یہ معنی نہیں کہ مثل عقل کے ایسی بصر کو بھی طلب کر بلکہ یہ معنی ہوں کہ دوسرے ابصار میں ایسی بصر کو بھی طلب کر آگے اس وجوب طلب اہل عقل و بصر پر تفریع ہے کہ) اسی واسطے منع فرما دیا ہے اس (پیغمبر) عظیم الشان نے رہبانیت سے اور پہاڑ میں خلوت (اختیار کرنے) سے تاکہ اس قسم کی ملاقات (اہل عقل و اہل بصر کے ساتھ) فوت نہ ہو جاوے کیونکہ ایسی نظر (جسکا اوپر عقل اور بصر کہا ہے) طالع ہو اور اکسیر بقا ہو اور طالع کی توجیہ مذیل شرح گفت سیر و الخ گذر چکی ہو اور اکسیر بقا اس لیے کہا کہ اس سے حیوۃ حقیقیہ باقیہ

حاصل ہوتی ہے غرض ایسا شخص) صالحین کے درمیان ایک اصلح (یعنی سب سے زیادہ صالح) ہے (اور) اُس کے (نام زد) فرمان سلطان (حقیقی) کی طرف سے ایک صح (لکھا ہوا) ہے (جو کہ علامت ہے منظوری کی اجراء فرمان کی مطلب یہ کہ اُسکی مقبولیت منظور شدہ عند اللہ ہے اور اُس صح کا حاصل یہ ہے) کہ (اُس عارف کی) وہ دعا (جو ہر مومن کرتا ہے کہ اے اللہ مجھکو مقبول بنا لے) اجابت سے مقرون ہوگئی (اور وہ شخص مقبول ہوگیا اور مقبولیت بھی ایسی عظیم ہوئی کہ اسمیں) اُس کے ہمسر اکابر انس و جن بھی نہیں ہیں (یعنی اپنے زمانہ میں اُن اتقیاء انس و جن سے جو عارف نہیں وہ افضل ہے آگے ایسے شخص کے مخالف کی حالت کا بیان ہے کہ) ایسے شخص کے ساتھ مجادلہ کرنے میں جو شخص شیریں اور ترش ہے اُن لوگوں کی حجت حق تعالےٰ کے نزدیک لچر (اور باطل) ہے (آگے بیان ہے عند الحق اُسکی حجت کے باطل ہونے کا یعنی گویا حق تعالیٰ اس باب میں یہ فرماتے ہیں) کہ جب ہم نے اُس (عبد مقبول) کو خود بلند رتبہ کیا ہے تو (مخالفین کے) غدر و جدال کو درمیان میں مرتفع کر دیا ہے (یعنی لاشئے و باطل قرار دیا ہے چنانچہ اہل حق کے مخالفین کی حجج کا بطلان ظاہر ہے لقولہ تعالیٰ فماذا بعد الحق الا الضلال اور اسی لیئے اُسمیں کوئی اثر معتدبہ بھی نہیں ہوتا لقولہ تعالیٰ یریدون ان یطفئوا نور اللہ بافواھھم ویابی اللہ الا ان یتم نورہ ولو کرہ الکافرون ھو الذی ارسل رسولہ بالھدیٰ ودین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ ولو کرہ المشرکون ولقولہ تعالیٰ قل جاء الحق ومایبدئ الباطل ومایعید الایہ اور ان اشعار کان عاشد الابیات الثلثہ میں اشارہ ہے اس آیت کے مضمون کیطرف والذین یحاجون فی اللہ من بعد ما استجیب لہ حجتھم داحضۃ عند ربھم الایہ فقولہ کان عاشد با اجابت مقترن اشارۃ الی قولہ تعالیٰ من بعد ما استجیب لہ وقولہ در مری اش اشارۃ الی قولہ تعالیٰ یحاجون وقولہ حجت ایشاں الخ اشارۃ الی قولہ تعالیٰ حجتھم داحضۃ اور ہر چند کہ آیت میں محاجہ فی اللہ مذکور ہے اور استجابت بھی للہ مذکور ہے لیکن اہل حق سے محاجہ کرنا بھی حق ہی میں محاجہ ہوگا اور اسی طرح استجابت للہ بواسطہ ایسے ہی عباد کے قبول قول کے ہوگا جنکے مسئولات مجاب عند اللہ ہو کر وہ عباد مقبول ہو چکے ہیں اس لیئے آیت کا اشتمال مضمون اشعار کو صحیح ہے اور حلو و حامض سے مراد متردد و مذبذب ہے کہ کبھی نرم ہو جاتا ہے کبھی گرم اور اس میں اشارہ اسطرف ہے کہ جب اُن کے معاملہ میں تردد و شک کرنے والا مطرود ہے تو معاند تو بالاولیٰ ایسا ہوگا آگے مثال ہے اہل حق کے معاملہ میں اہل باطل کی حجت کے داحض ہونیکی کہ) جب قبلہ کو تصرف حق نے معاین کر دیا پھر تحری (و قیاس محض) کو اسکے بعد مردود جان (حاصل مثال کا ظاہر ہے کہ جسطرح کعبہ معاینہ کی ہوتے ہوئے تحری پر عمل جائز نہیں اسیطرح حق کے سامنے باطل لاشے ہے (اور یہاں سے بیس شعر اوپر گفت و لقاس الخ میں جو تحری کو واجب الاتباع کہا ہے اور یہاں تحری کو ممنوع الاتباع سو وہاں تحری کے اور معنی ہیں یعنی تحقیق حق میں اجتہاد و کوشش کرنا اور یہاں اور معنی ہیں یعنی دلیل صحیح کے سامنے محض رائے پر عمل کرنا فلا تعارض آگے شعر سابق کی تاکید ہے یعنی) ہاں تحری سے منہ اور سر پھیر لے کیونکہ معاین ہوگیا (قبلہ جو کہ تیرا) محل رجوع اور محل قرار (قلب ہے اسی طرح اہل حق کو مثل قبلہ کے اپنا مرجع بنا اور اہل باطل سے روگردانی کر ورنہ) اگر ایک ساعت بھی اس قبلہ (مذکورہ) سے غافل ہو جاویگا تو بیگاری ہر قبلۂ باطل کا ہو جاویگا (یعنی اُنکے دست اضلال میں گرفتار ہو جاویگا اور انجام اُسکا اکثر یہ ہے کہ بعد چندے استعداد بھی حق شناسی کی مضمحل ہو جاتی ہے آگے اسی کو فرماتے ہیں کہ) جب تو تمیز دہندہ کا ناسپاس ہو جاویگا تو تجھ سے وہ خیال جو کہ قبلہ شناس ہے سلب ہو جاویگا (تمیز دہ سے مراد عارف جسکی تعلیم و توجہ سے حق و باطل میں امتیاز کرنے کا سلیقہ پیدا ہوتا ہے اور ناسپاسی سے مراد بیقدری و مخالفت اور اسپر اصرار کرنے سے استعداد کا اضمحلال مشاہد ہے پس جب اُسکی مخالفت و مجانبت ایسی مضر ہے تو) اگر تو اس انبار (معرفت حق) سے نیکی اور گندم (یعنی ذخیرہ) چاہتا ہے تو تو آدھی ساعت کے لیئے بھی توجہ (قابل ہمراہی) ہمراہیوں سے مت قطع کر کیونکہ جسوقت تو اس معین سے قطع تعلق کریگا تو تو بُرے قرین کے ساتھ مبتلا ہو جاویگا (جس کا انجام خسار و ہلاک ہے جس طرح آگے حکایت آتی ہے

کہ ایک مینڈک نے چوہے سے دوستی کی اور ایک ڈورا دونوں نے اپنے پاؤں میں باندھ لیا اتفاق سے چوہے کو ایک زاغ پکڑ کر ہوا میں اُڑا تو اُس ڈورے کے سبب مینڈک بھی ہوا میں معلق ہوا اور پچھتایا کہ ناجنس کے ساتھ دوستی کا یہ انجام ہوا پس یہہ حکایت مضمون متلا گردی نو مابئس القرین کے ساتھ مربوط ہوئی)

قصۂ تعلق موش با چغز

(وجہ ربط ابھی مذکور ہوئی چغز غوک کذا فی الغیاث اشر بفتح اول وکسر ثانی متکبر و از حد درگذشتہ بسیار شادی کنندہ کذا فی المنتخب)

از قضا موشے و چغزی باوفا
قضارا ایک چوہا اور ایک مینڈک باوفا

بر لب جو گشتہ بودند آشنا
ندی کے کنارہ پر آشنا ہوگئے تھے

ہر دو تن مربوط میقاتے شدند
دونوں پابند ایک معین وقت کے ہوگئے تھے

ہر صباحے جمع یکجامی شدند
ہر صبح کو ایک جگہ جمع ہوا کرتے تھے

نرد دل باہمد گرمی باختند
دل کی نرد ایک دوسرے سے کھیلتے تھے

وز وساوس سینہ می پرداختند
اور خیالات سے سینہ کو خالی کرتے تھے

ہر دو را دل از تلاقی متسع
دونوں کا دل باہم ملاقات سے کشادہ ہوتا تھا

ہمد گر را قصہ خوان و مستمع
ایک دوسرے سے قصہ کہتے بھی تھے اور سنتے بھی تھے

راز گویاں بازبان و بے زباں
راز گو تھے بازبان بھی اور بے زبان بھی

الجماعۃ رحمۃ را تاویل داں
الجماعۃ رحمۃ کے معنے جاننے والے تھے

آں اشر چوں جفت آں شاد آمدے
وہ مسرور جب اس مسرور کا قرین ہوتا

پنجسالہ قصہ اش یاد آمدے
تو پانچ پانچ سال کا قصہ اُسکو یاد آتا

قضارا ایک چوہا اور ایک مینڈک باوفا ندی کے کنارہ پر آشنا ہوگئے تھے دونوں پابند ایک معین وقت کے ہوگئے تھے (یعنی) ہر صبح کو ایک جگہ جمع ہوا کرتے تھے دل کی نرد ایک دوسرے سے کھیلتے تھے اور خیالات سے سینہ کو خالی کرتے تھے (جیسے دو دوستا باہم جمع ہو کر اپنے اپنے مافی الضمیر کو بیان کیا کرتے ہیں) دونوں کا دل باہم ملاقات سے کشادہ ہوتا تھا ایک دوسرے سے قصہ کہتے بھی تھے اور سنتے

بھی تھے راز گو تھے بازبان بھی اور بے زبان بھی (یعنی قالاً بھی اور حالاً بھی گویا) الجماعۃ رحمۃ کے معنی جاننے والے تھے (کیونکہ جو اس کے معنی جائیگا وہ اسپر عمل کریگا پس وہ اس پر عامل تھے شل عالم کے) وہ (ایک) سرور (محبت) جب اس (دوسرے) سرور (محبت) کا قرین ہوتا تو پانچ پانچ سال کا قصہ اُس کو یاد آتا (مراد اشرو شادسے مطلق محبؔ محبوب اور متحابین میں ایسا ہونا معتاد ہے)۔

جوشش نطق از دل نشان دوستی ست
جوشش گویائی کا دل سے علامت محبت کی ہے

بستگی نطق از بے الفتی ست
بستگی گویائی کی بسبب بے الفتی کے ہے

دل کہ دلبر دید کے ماند ترش
دل کہ جس نے دلبر کو دیکھ لیا وہ ترش کب رہتا ہے

بلبلے گل دید کے ماند خمش
کسی بلبل نے گل کو دیکھ لیا وہ خاموش کب رہتی ہے

ماہیِ بریاں ز آسیب خضر
ماہی بریاں اثر خضر سے

زندہ شد در بحر گشت او مستقر
زندہ ہوگئی دریا میں رواں ہوگئی

یار چوں با یار خود بنشستہ شد
جب یار اپنے یار کے پاس بیٹھتا ہے

صد ہزاراں لوح دل دانستہ شد
تو لاکھوں لوح قلب معلوم ہوجاتے ہیں

لوح محفوظ ست پیشانیِ یار
لوح محفوظ ہے یار کی پیشانی

راز کونینش نماید آشکار
اسکو کونین کے اسرار آشکارا کردیتی ہے

ہادیِ راہ ست یار اندر قدوم
ہادی طریق ہے یار سلوک میں

مصطفےٰ زیں گفت اصحابی نجوم
اسی سے مصطفےٰ نے فرمایا ہے اصحابی کالنجوم

نجم اندر ریگ و دریا رہنما ست
ستارہ خشکی اور دریا میں رہنما ہوتا ہے

چشم اندر نجم نہ کو مقتدا ست
آنکھ ستارہ سے لگائے رکھ کہ وہ مقتدا ہے

چشم را با روے او میدار جفت
تو آنکھ کو اسکے چہرے کے قرین رکھ

گرد منگیزان ز راہ بحث و گفت
غبار مت اٹھا مباحثہ و مکالمت کے طریقہ سے

زانکہ گرد تخم پنہان از غبار
اس لئے کہ تخم اُس غبار سے پوشیدہ ہوجاتا ہے

چشم بہتر از زبان با عثار
چشم بہتر ہے زبان بالغزش سے

تا بگوید آنکہ وحیستش شعار
تاکہ وہ شخص کہے جس کا شعار وحی ہے

کاں نشاند گرد و نگیزد غبار
کیونکہ یہ عمل گرد کو ساکن کر دیتا ہے غبار کو حرکت نہیں کرتا

چوں شد آدم مظہر وحی و وداد
جب آدم علیہ السلام وحی اور مودت کے مظہر ہوئے

ناطقہ او علم الاسما کشاد
تو اُنکی قوت ناطقہ نے علم الاسمار کو کھول دیا

نام ہر چیزے چنانکہ ہست آں
ہر چیز کا نام جس طرح سے کہ وہ چیز ہے

از صحیفہ دل روی گشتش زباں
اُن کی زبان صحیفۂ دل سے سیراب ہوگئی

فاش می گفتے زباں از رویتش
زبان صاف صاف اُس ہر چیز کے دیکھنے سے کہہ رہی تھی

جملہ را خاصیت و ماہیتش
سبکی خاصیت اور ماہیت کو

آنچناں نامے کہ اشیارا سزد
ایسے نام جو کہ اشیار کے مناسب تھے

نے چنانکہ حیز را خوانند اسد
نہ ایسا کہ حیز کو شیر کہدیتے ہیں

نوح نہ صد سال در راہ سوی
نوح علیہ السلام نو سو سال تک صراط مستقیم میں

بود ہر روزیش تذکیر نوی
اُن کا ہر روز نیا وعظ ہوتا تھا

لعل او تازہ زیاقوت القلوب
اُن کا لب لعل تازہ تھا یاقوت القلوب سے

نے رسالہ خواندہ نے قوت القلوب
نہ تو اُنھوں نے رسالہ پڑھا تھا اور نہ قوت القلوب

وعظ را ناموختہ ہیچ از شروح
اُنھوں نے وعظ کو کچھ شروح سے بھی نہیں سیکھا تھا

بلکہ ینبوع کشوف و شرح روح
بلکہ چشمہ مکاشفات اور انشراح روح سے سیکھا تھا

زاں مئے کاں مے چونوشیدہ شود
اُس شراب سے کہ وہ شراب جب پی لیجاوے

آب نطق از گنگ جوشیدہ شود
تو گونگے میں آب نطق جوش کرنے لگے

طفل نوزادہ شود حبر و فصیح
طفل نوزادہ عالم اور فصیح ہوجاوے

حکمت بالغ بخواند چوں مسیح
وہ عیسی علیہ السلام کیطرح حکمت بالغہ پڑھنے لگے

از گہے کہ یافت زاں مے خوش لبی
جسوقت سے اُس شراب سے خوش لبی حاصل کی تھی

صد غزل آموخت داؤد نبی
صد ہا غزل داؤد علیہ السلام نے سیکھ لی تھی

جملہ مرغاں ترک کردہ چیک چیک
تمام طیور اپنی چیں چیں ترک کرتے

ہمزبان و یارِ داؤد ملیک
داؤد علیہ السلام صاحب ملک کے ہمزبان اور رفیق ہوگئے

چہ عجب گر مرغ گردد مستِ او
تعجب کیا ہو اگر پرندہ اُن کا مست ہوجاوے

چوں شنید آہن صدای دستِ او
جب کہ لوہے نے اُنکے ہاتھ کی آواز سُن لی

صرصرے بر عاد قتالے شدہ
وہ صرصر جو عاد پر قتال ہوچکی تھی

مر سلیماں را چو حمالے شدہ
سلیمان علیہ السلام کے لئے مثل حمال کے ہوگئی تھی

صرصرے می برد بر سر تخت شاہ
وہ صرصر اپنے سر پر تخت شاہی کو لے چلتی تھی

ہر صباح و ہر مسا یک ماہہ راہ
ہر صباح اور ہر شام ایک مہینے کے راستہ تک

ہم شدہ حمال و ہم جاسوسِ او
وہ ہوا اُنکی حمال بھی تھی اور اُنکی جاسوس بھی تھی

گفتِ غائب را کناں محسوسِ او
قائلِ غائب کی گفتار کو اُنکو محسوس کراتی تھی

باد چوں گفتار غائب یافتی
وہ ہوا جب کسی غائب کی گفتار کو پاتی

سوئے گوشِ آں ملک بشتافتی
تو اُن بادشاہ کے کان کیطرف دوڑتی

کاں فلانی ایں چنیں گفت ایں زماں	اے سلیمانِ شہِ صاحبقراں
کہ فلاں شخص نے ایسی بات اسوقت کہی ہے (بیائے معروف ترجمہ ہے)	اے سلیمان شاہ صاحبقراں

(یہاں سے مقولہ ہے مولانا کا اور چند شعر اول کے علت ہیں ماقبل کی کہ دونوں کی ملاقات سے اُن کو مضامیں یاد آتے تھے پھر اُس سے انتقال ہے دوسرے مضامین ارشادیہ کیطرف یعنی اُن دونوں کو جو مضامین کی آمد ہوتی تھی وجہ اُس کی یہ ہے کہ) جوش گویائی کا (جو) دل سے (اُٹھتا ہے یہ) علامت محبت کی ہے (پس محبت اُسکی علت ہوئی اور) بستگی گویائی کی بسبب الفتی کے ہے دل کہ جس نے دلبر کو دیکھ لیا وہ ترش (اور منقبض) کب رہتا ہے (دیکھنے کو دل کی طرف نسبت کرنا باوجودیکہ دیکھنا فعل آنکھ کا ہے اس لئے کہ یہ حواس جواسیس ہیں اصل مدرک قلب یا نفس ہے باختلاف العبارات آگے مثال ہے مضمون مصرعہ اولیٰ کی کہ) کسی بلبل نے گل کو دیکھ لیا وہ خاموش کب رہتی ہے (آگے اور مثال ہے کہ جیسے) ماہی بریاں اثر (چشمہ) خضر علیہ السلام سے (کہ عین الحیات ہے اور اضافت اُسکی خضر علیہ السلام کیطرف بادنیٰ ملابسہ ہے کہ وہ مقام تھا لقاءِ خضر علیہ السلام کا پس وہ ماہی) زندہ ہوگئی (اور) دریا میں رواں ہوگئی (جیسا احادیث میں مصرح ہے پس اسی طرح محبوب کے ملنے سے ایک قسم کی حیات و تازگی قلب میں پیدا ہوتی ہے جس سے نطق کو جوش ہوتا ہے آگے بطور انتقال کے صحبت شیخ کے برکات اور پھر چشم را باروی اولع سے اُسکے بعض آداب اور پھر علوم شیخ کامل کا موہوب ہونا چوں شد آدم الخ سے پھر ایسے مقبولین کے بعض دوسرے احوال موہوبہ جملہ مرغاں الخ سے مذکور ہیں پس ارشاد ہے کہ جسطرح متحابین للطبع کی تلاقی مظہر اسرار محبت مجازیہ ہوتی ہے اسیطرح متحابین فی اللہ کی تلاقی مظہر اسرار محبت حقیقیہ یعنی محبت حق ہوتی ہے کہ اُس تحابب کا اصلی سبب محبت حق ہی ہے پس جو اثر لقاء حق کا ہے تو وہی اثر لقاء ہادی الی الحق کا ہوتا ہے چنانچہ) جب یار (یعنی طالب) اپنے یار (یعنی مرشد) کے پاس بیٹھتا ہے (لوقوع الماضی فی موقع الشرط) تو لاکھوں لوح قلب معلوم ہوجاتے ہیں (یعنی مرشد کے قلب کے فیض و برکات و علوم و معارف و واردات جو پہلے سے ظاہر نہ تھے منعکس و منکشف ہوتے ہیں چنانچہ شب و روز سالکین کو اسکا مشاہدہ ہوتا ہے آگے بھی بعنوان دیگر یہی مضمون ہے کہ) لوح محفوظ (کے مشابہ) ہے یار (یعنی مرشد) کی پیشانی (کہ) اُس (طالب سالک) کو کونین کے اسرار آشکارا کر دیتی ہے (یعنی اُسکی زیارت کہ مستلزم ہے صحبت کو کہ اصل مؤثر یہی ہے سبب ہوجاتی ہے انکشاف اسرار متعلقہ سلوک کا خواہ وہ عالم شہادت کے متعلق ہوں جیسے امراض و علل و معالجات کا معلوم ہونا خواہ عالم غیب کے متعلق ہوں جیسے معاملات مع الحق کا معلوم ہونا آگے اسپر تفریع ہے کہ پس اس سے ثابت ہوا کہ) ہادی طریق ہی یار (بالمعنی المذکور) سلوک میں (کہ جسکی صحبت بھی سبب ہدایت ہے چہ جائیکہ تعلیم) اسی سے مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اصحابی کالنجوم (یعنی میرے اصحاب مثل ستاروں کے ہیں یعنی وجہ تشبیہ ذریعہ ہدایت ہونا ہے چنانچہ اُسی حدیث میں اس وجہ تشبیہ کی بھی تصریح ہے بایہم اقتدیتم اہتدیتم اور اسکو آگے مولانا خود بھی فرماتے ہیں کہ) ستارہ خشکی اور دریا میں رہنما ہوتا ہے (کما قال تعالیٰ وھو الذی جعل لکم النجوم لتھتدوا بھا فی ظلمات البر والبحر پس) آنکھ ستارہ سے اگاہ رکھ کہ وہ مقتدا ہے (کما مر آنفا من الحدیث آگے آداب مرشد بطور تفریع علی التشبیہ المذکور بتلاتے ہیں کہ جب اُسکی شان نجم کی سی ہے تو) تو آنکھ کو اُسکے چہرہ کے قریب رکھ (یعنی اُسکی زیارت و صحبت و انتظار تعلیم و فیض کو اختیار کر اور) غبار مت اُٹھا مباحثہ و مکالمت کے طریقہ سے (یعنی اُسکے ساتھ رد و قدح و سوال بطور اعتراض و اشکال مت کرو کہ اسکا اثر مثل غبار کے ہے کہ قلب شیخ کو مکدر کر دیتا ہے جس سے فیض بند ہوجاتا ہے آگے اسکی علت ہے یعنی) اس لئے کہ

نجم اُن عبارسے پوشیدہ ہوجاتا ہے (جسکی تطبیق کی توجیہ ابھی گذری پس) چشم (جو اُسکی زیارت و توقع وانتظار افادہ میں مشغول ہو) بہتر ہے زبان بالعرش سے (جو مباحثہ میں مشغول ہو جو کہ لغزش اور خطاکی بات ہے پس جب اس زبان سے وہ چشم بہتر ہے تو تو حسب مضمون مصرعہ چشم را بارو ی او میدار جفت چشم ہی سے کام لے) تاکہ وہ شخص (خود) کے جس کا شعار (اور طریقہ) وحی (کا اتباع) ہے (علماً و عملاً کیونکہ یہ عمل (یعنی قیل و قال نکرنا اور منتظر افادہ رہنا) گرد کو ساکن کر دیتا ہے عبار کو متحرک نہیں کرتا (یعنی اس سے شیخ مکدر نہیں ہوتا اور تا بگوید متعلق میدار جفت کے ہے جیسا میں نے تقریر بھی اسی کیموافق کی ہے اور اس کا یہہ مطلب نہیں کہ بالکل اُسکے سامنے مت بولو کیونکہ بالکل نہ بولنا بھی مانع فیض ہے کیونکہ ہر ضرورت شیخ کو خود نہیں معلوم ہوتی تو بالکل نہ بولنے سے بعض احوال مخفی رہیں گے نیز باہم موانست و مناسبت بھی پیدا نہیں ہوتی مطلب یہہ ہے کہ بطور معارضہ کے کلام مت کرو چنانچہ اور پربھی مصرعہ گرد منگیزان الخ کی تقریر میں اس قید کی تصریح کر دی گئی ہے آگے بمناسبت وحی ستش شعار مذکور فی ھذا الشعر کے مرشدین لے اللہ کے علوم و بعض دیگر برکات کا مستفاد من الوحی و موہوب من اللہ ہونا ارشاد فرماتے ہیں اور چونکہ اسمیں اصل حضرات انبیاء علیہم السلام ہیں کہ خود بلا واسطہ مستفید و مقتبس ہیں حضرت حق سے کیونکہ ملئکہ کا توسط محض سفارت بطور واسطہ فی الاثبات کے ہے افادہ نہیں اور اولیاء و عارفین اس میں تابع ہیں انبیاء علیہم السلام کے کہ بواسطہ ان حضرات کرام کے وہ ان علوم و برکات سے مستفید و مقتبس ہوتے ہیں اسلیئے اس مقام پر حضرات انبیاء ہی کے استفادہ علوم و برکات من اللہ کا ذکر کیا ہے اول آدم علیہ السلام کا پھر نوح علیہ السلام کا پھر عیسی علیہ السلام کا پھر داود علیہ السلام کا پھر سلیمان علیہ السلام کا کہیں علوم کا کہیں دوسرے برکات کا اور اولیاء تابعین کا حکم سوق کلام سے معلوم ہو جاویگا کیونکہ اوپر سے اولیاء و عارفین ہی کا ذکر چلا آتا تھا اور وحی ستش شعار میں اُن کا تابع وحی ہونا مذکور تھا آگے اہل وحی کا ذکر فرمایا جس نے واضح طور پر دلالت کی کہ یہہ متبوعین ایسی ہی علوم و برکات میں اُن تابعین کیلئے واسطہ فی الثبوت یا واسطہ فی العروض ہیں یعنی اگر اُن فیوض ثابتہ للانبیاء کے خصوصیات پر بھی نظر کیجائے تب تو اولیاء کے لئے یہ حضرات واسطہ فی العروض ہیں کیونکہ وہ خصوصیات اولیاء کے لئے غیر جائز الثبوت ہیں اور اگر اطلاق کا درجہ لیا جاوے تو واسطہ فی الثبوت ہیں اور موجب کسی اشکال کا نہیں باقی دونوں کے صفات میں حقیقت و مجاز کا تفاوت ہونا ظاہر بھی ہے پس خلاصہ مقصود مقام کا یہہ ہو کہ عارفین جن کے فیوض کا ہم ذکر کر رہے ہیں یہیں وہ تابع و مشابہ انبیاء کے ہیں جو مدلول ہے جملہ وحی ستش شعار کا چنانچہ ان متبوعین کی یہہ شان تھی کہ) جب آدم علیہ السلام وحی اور مودت (یعنی محبت و مقبولیت حق) کے مظہر ہوئے تو اُنکی قوت ناطقہ نے علم اسماء کو کھولدیا (پس اتباع کی برکت سے یہی شان ہو جاتی ہے عارفین کی اور جلیسان و مستفیدان عارفین کی کما یدل علی الاول قولہ وحی ستش شعار و علی الثانی راز کونین نماید آشکار آگے شرح ہے علم الاسماء کشاد کی کہ) ہر چیز کا نام (و وصف) جس طرح سے کہ وہ چیز ہے (اُسکے نطق کے ساتھ) اُنکی زبان صحیفہ دل سے سیراب ہوگئی (یعنی زبان نے اُسکے ساتھ ایسا پورے طور سے نطق کیا کہ وہ سیراب ہوگئی . . . .

. . . . کذا فی المنتخب فی معنی روی اور از صحیفہ دل اسلیئے بڑھایا کہ اصل محل وحی قلب ہی ہے اور میں نے نام کے ساتھ وصف بھی بڑھا دیا دلیل اسکی میری تفسیر میں ہے اور شعر آیندہ میں خود مولانا نے بھی اسکی تصریح فرمائی ہے غرض زبان (آدم علیہ السلام کی) صاف صاف (سب اسماء کو) اُس ہر چیز کے دیکھنے سے (کہ مسمیات ہیں اُن اسماء کے) کہہ رہی تھی (یعنی وہ سب مسمیات اُن کے سامنے مرئی اور منکشف تھے دیکھتے جاتے تھے اور زبان سے کہتے جاتے تھے آگے مفعول ہے میگفتی ای سب کی خاصیت اور ماہیت کو (اور چونکہ اسماء کی بھی تفسیر اسلیئے میں نے اسماء کو مفعول کے طور پر نکال دیا آگے بدل ہے خاصیت

وماہیتش کا یعنی) ایسے نام جو کہ (واقع میں اُن) اشیاء کے مناسب تھے (یعنی اسماء و اوصاف و خواص و حقائق واقعیہ) نہ ایسا کہ حیز (یعنی بزدل کو از تمسخرا) شیر کہدیتے ہیں (یعنی غیر واقعی نہیں ول نام ہر چیزے کو مقول کہنا پھر خاصیت وماہیتش کو میگفتی کا مفعول بنانا پھر آنچناں نامی کو اُس کا بدل بتانا یہ دلیل ہے اسکی کہ اسماء سے مراد صرف اعلام و الفاظ نہیں بلکہ مع خواص و غیرہا ہے اسی کو میں نے ابھی کہا تھا کہ مولانا نے بھی اسکی تصریح فرمائی ہے یہ تو بیان ہوا آدم علیہ السلام کے علوم وہبیہ کثیرہ وافرہ کا آگے بیان ہے نوح علیہ السلام کے علوم موہوبہ غزیرہ متکاثرہ کا کہ) نوح علیہ السلام نوسو سال تک صراط مستقیم (کی دعوت) میں (اس حالت پر رہے کہ) ان کا ہر روز نیا وعظ ہوتا تھا (اور ظاہر ہے کہ علم مکتسب میں اتنی وسعت کہاں کہ نوسو سال تک ہر روز نیا وعظ ہو کیونکہ اگر سال تین سو ساٹھ دن کا لیا جاوے تو نوسو سال کے تین لاکھ چوبیس ہزار دن ہوتے ہیں اگر کم سے کم ہر وعظ میں دس ہی مضمون لکھے جاویں تو بتیس لاکھ چالیس ہزار مضمون ہوتے ہیں بیچارہ اکتساب کہاں تک ساتھ دے سکتا ہے یہ وسعت وہب ہی سے ہوسکتی ہے اور یہ ضرور نہیں کہ مقاصد اتنے تھے مقصود تو چند اصول یا کچھ فروع بھی ہونگے یہ سب ان مقاصد کے طرق تھے کہ ایک ایک مقصود کو ہزاروں طرق سے بیان فرماتے تھے جو اور بھی زیادہ عجیب ہے کیونکہ مضامین مختلفہ کو اسالیب مختلفہ سے بیان کرنا آسان ہے بہ نسبت اسکے کہ ایک مضمون کو تنوع اسالیب سے بیان کیا جاوے) اُن کا لب لعل تھا نہ تھا یا قوت القلوب سے (مراد اس سے اُن کا قلب ہے جو اور قلوب سے افضل تھا یعنی اُنکے قلب سے مضامین کا جوش ہوتا تھا اور لب سے تازہ مضامین نکلتے تھے) نہ تو اُنھوں نے رسالہ (یعنی امام قشیری کا) پڑھا تھا اور نہ قوت القلوب (ابوطالب مکی کی پڑھی تھی کذا فی الحواشی اھ) انھوں نے وعظ کو کچھ شروح سے بھی نہیں سیکھا تھا (یعنی مکتسب نہ تھا) بلکہ چشمہ مکاشفات اور انشراح روح سے سیکھا تھا (مراد وحی ہے یعنی موہوب تھا آگے اُس علم وہبی کی خاصیت مدحیہ ہے کہ) اُس شراب (الٰہی) سے (وہ وعظ حاصل کیا تھا) کہ وہ شراب جب پی لی جاوے تو لونگے میں آب نطق جوش کرنے لگے (اور اُس سے) طفل نوزادہ عالم اور فصیح ہوجاوے (اور) وہ (طفل) عیسیٰ علیہ السلام کی طرح حکمت بالغہ پڑھنے لگے (چنانچہ خود عیسیٰ علیہ السلام نے بھی طفولیت ہی میں اس علم وہبی سے کیسے حکمت آمیز مضامین فرمائے انی عبد اللہ اتانی الکتٰب الی قولہ ابعث حیا تشبیہ کے پیرایہ میں عیسیٰ علیہ السلام کے علوم کا بھی ذکر ہوگیا آگے داؤد علیہ السلام کے علوم کا ذکر ہے کہ) جس کو قریب سے اُس شراب (الٰہی) سے خوش لبی حاصل کی تھی صدہا غزل (یعنی کلام رقت انگیز و محبت آمیز خواہ از قبیل مناجات باشد) داؤد علیہ السلام نے سیکھ لی تھی (جن علوم و مضامین پر دوسرے آثار عجیبہ و برکات غریبہ اور بھی یہ مرتب ہوئے کہ) تمام طیور اپنی چیں چیں (کی آواز) ترک کرکے داؤد علیہ السلام صاحب ملک (وسلطنت) کے ہمزبان اور رفیق ہوگئے (کما قال تعالیٰ یجبال اوبی معہ والطیر آگے مولانا اس سے تعجب کو رفع فرماتے ہیں کہ) تعجب کیا ہے اگر پرندان کا مست ہوجاوے جبکہ لوہے نے ان کے ہاتھ کی آواز سن لی (یہ سننا مجاز ہے یعنی اُن کے ہاتھ لگانے سے لوہا نرم ہوگیا گویا وہ ہاتھ کی آہٹ سنتا اور پہچانتا تھا قال تعالیٰ والنالہ الحدید مقصود یہ کہ جب اُنکی برکت سے جماد متاثر ہوتا تھا تو حیوان کا تاثر کیا عجیب ہے یہاں داؤد علیہ السلام کے علوم اور دوسرے برکات کا بیان ہوگیا آگے سلیمان علیہ السلام کے بعض برکات علاوہ علوم کے قصداً اور بعض طرق بعض علوم وہبیہ کے استطراداً اخیر شعر میں بیان فرماتے ہیں جس طرح داؤد علیہ السلام کے علوم کا قصداً بیان فرمایا تھا اور دوسرے برکات کا استطراداً جسکی استطرادیت کی طرف احقر نے تمہید شعر حملہ مرغان الخ میں اس قول سے اشارہ بھی کردیا تھا جن علوم و مضامین پر دوسرے آثار الخ پس فرماتے ہیں کہ) وہ صرصر (یعنی باد تند) جو عاد پر قتال ہوچکی تھی سلیمان علیہ السلام کے لئے مثل حمال کے ہوگئی تھی (چنانچہ) وہ صرصر اپنے سر پر

تخت شاہی کو لے چلتی تھی ہر صباح اور ہر شام ایک مہینہ کے راستہ تک (کما قال تعالیٰ غدوھا شہر و رواحہا شہر) اور صرصر اُس کو تیز روی کے سبب کہا کما قال تعالیٰ ولسلیمان الریح عاصفۃ نہ کہ سخت روی کے سبب کہ اس کا انتفار تو دوسری آیت میں مذکور ہے فسخرنا لہ الریح تجری بامرہ رخاءً یہ ذکر ہوگیا دوسری برکات کا آگے استطراداً علوم کے متعلق بھی کچھ بیان ہے کہ) وہ ہوا اُنکی حمال بھی تھی اور انکی جاسوس (ومخبر) بھی تھی (یعنی) اقائل غائب کی گفتار کو اُن کو محسوس (ومعلوم) کراتی تھی (اس طرح سے کہ) وہ ہوا جب کسی غائب کی گفتار کو پاتی تو اُن بادشاہ کے کان کیطرف دوڑتی کہ فلاں شخص نے ایسی بات اسوقت کہی ہے اے سلیمان شاہ صاحبقران (ظاہر ہے کہ یہ طریقہ علم بالاقوال کا مکتسب اور اختیاری نہیں پس موہوب ہوا تو ایک قسم علم وہبی کی یہ بھی ہوئی جبکہ اسمیں یہ لحاظ بھی ہو کہ یہ خبر پہونچنا کسی نہ کسی عمل وغرض سے تعلق رکھے چنانچہ انبیاء علیہم السلام کا مقصود ہر امر میں یہی دین ہوتا ہے تو وہ علم وہبی محمود و مقصود بھی ہوا ورنہ نفس خبر من حیث خبر علوم وہبیہ میں شمار نہیں کیجاتی اور یہ خبر پہونچانا ہوا کا اضطراری بواسطہ تسخیر ہے پس اسناد ایصال خبر کی اُس کی طرف ان اشعار میں اسناد مجازی الی السبب ہے آگے عود ہے قصہ کیطرف)

تدبیر موش با چغز کہ میان ما وسیلتے باید کہ بوقت حاجت نمی توانم بر تو آمدن و سخن گفتن

این سخن پایان ندارد گفت موش
یہ مضمون انتہا نہیں رکھتا چوہے نے کہا

چغز را روزے کہ اے فخر وحوش
مینڈک سے ایک روز کہ اے فخر وحوش

وقتہا خواہم کہ گویم با تو راز
بہت اوقات چاہتا ہوں کہ تجھ سے اسرار کہوں

تو درون آب داری ترکتاز
تو پانی کے اندر دوڑ لگاتا پھرتا ہے

بر لب جو من ترا نعرہ زناں
میں ندی کے کنارہ پر تجھکو آوازیں دیتا ہوں

نشنوی در آب بانگ عاشقاں
تو پانی کے اندر عاشقوں کی آواز نہیں سنتا

من دریں وقت معیّن اے دلیر
میں اس معین وقت میں اے دلیر

می نگردم از محاکات تو سیر
تیرے ساتھ بات چیت کرنے سے سیر نہیں ہوتا

پنج وقت آمد نماز اے رہنموں
پانچ وقت وارد ہی نماز اے رہنما

عاشقاں را فی صلوٰۃ دائمون
عاشقوں کے لئے ہم فی صلوٰۃ دائمون ہے

نے بہ پنج آرام گیرد آں خمار
نہ پانچ سے سکون حاصل کرتا ہے وہ خمار

کاندراں سرہاست نے پانصد ہزار
جوکہ ان سروں میں ہے نہ پانچ سو سے

نیست زرغبّا نشان عاشقاں
نہیں ہے زرغبّا نشان عشاق کا

سخت مستسقی ست جان صادقاں
صادقین کی روح سخت مستسقی ہے

نیست زرغبّا وظیفہ ماہیاں
زرغبّا معمول مچھلیوں کا نہیں ہے

زانکہ بے دریا ندارند انس جاں
کیونکہ بدون دریا کے وہ انس روح نہیں رکھتے

آب ایں دریا کہ ہائل بقعہ ایست
اس دریا کا پانی کہ ایک ہولناک موقع ہے

با خمار ماہیاں خود جرعہ ایست
مچھلیوں کی خمار کے سامنے خود ایک جرعہ ہے

یک دم ہجراں بر عاشق چو سال
ہجر کا ایک لحظہ بھی عاشق کے نزدیک مثل سال کے ہے

وصل سال متصل پیشش خیال
متواتر ایک سال کا وصل بھی اسکے سامنے ایک خیال ہے

عشق مستسقی ست مستسقی طلب
معشوق بھی مستسقی ہے اور مستسقی کا طالب ہے

در پے ہم این و آں چوں روز و شب
یہ اور وہ ایکدوسرے کے پیچھے مثل روز اور شب کے ہیں

روز بر شب عاشق ست و مضطر ست
دن تو شب پر عاشق ہے اور مضطر ہے

چوں بہ بینی شب برو عاشق تر ست
جب دیکھو تو شب اسپر زیادہ عاشق ہے

نیست شاں از جستجو یک لحظہ ایست
اُن کو طلب سے ایک لحظہ بھی توقف نہیں ہے

از پے ہم شاں یکے دم ایست نیست
ایکدوسرے کے پیچھے اُنکو ایک دم بھی توقف نہیں ہے

ایں گرفتہ پائے آں آں گوش ایں
اس نے اس کا پاؤں پکڑ رکھا ہے اُس نے اس کا کان

ایں برآں مدہوش و آں بیہوش ایں
یہ اسپر مدہوش ہے اور وہ اس پر بے ہوش ہے

در دل معشوق جملہ عاشق ست
معشوق کے دل میں بالکل عاشق ہی ہے

در دل عذرا ہمیشہ وامق ست
عذرا کے قلب میں ہمیشہ وامق ہے

در دل عاشق بجز معشوق نیست — در میان شان فارق و مفروق نیست

عاشق کے دل میں. بجز معشوق کے کچھ نہیں ہے — اُن کے درمیان کوئی فارق اور مفروق نہیں ہے

بر یکے اشتر بود این دو درا — پس چہ زر عنّا بگنجد این دو را

ایک شتر پر یہ دو جرس ہیں — پھر زرعنا کیا گنجایش رکھتا ہے ان دونوں کی لئے

ہیچ کس با خویش زُر غبّاً نمود — ہیچ کس با خود بنوبت یار بود

کسی شخص نے اپنے ساتھ بھی زرعبا کو ظاہر کیا ہے — کوئی شخص اپنے ساتھ نوبت سے یار ہوا ہے

آں یکے نے کہ عقلش فہم کرد — فہم ایں موقوف شد بر مرگ مرد

وہ ایسا اتحاد نہیں ہے کہ عقل نے اسکو سمجھ لیا ہو — اس کا سمجھنا موقوف ہے. موت شخص پر

جز مگر مردے کہ پیش از مرگ مُرد — رخت ہستی را بسوئے یار برد

مگر بجز اُس شخص کے کہ مرنے سے پہلے مرگیا — رخت وجود کو محبوب کی طرف لے گیا

ور بعقل ادراک ایں ممکن بُدے — قہر نفس از بہر چہ واجب شدے

اور اگر عقل سے اُس کا ادراک ممکن ہوتا — تو مجاہدہ نفس کسلئے ضروری ہوتا

باچناں رحمت کہ دارد شاہ ہش — بے ضرورت چوں بگوید نفس کش

باوجود ایسی رحمت کے کہ سلطان العقول رکھتا ہے — بے ضرورت کیوں کر فرماتے کہ نفس کشی کر

(یہاں سے عود ہے قصہ کیطرف پھر چار پانچ ہی شعر کے بعد انتقال ہے مضمون ارشادی کیطرف یعنی) یہ مضمون (مذکور فما قبل متعلق بیان آثار و برکات قبول عند اللہ) انتہا نہیں رکھتا (کما قال تعالیٰ ویزیدہم من فضلہ واللہ یرزق من یشاء بغیر حساب اس لئے قصہ بیان کیا جاتا ہے کہ) چوہے نے کہا مینڈک سے ایک روز کہ اے فخر خوش بہت اوقات چاہتا ہوں کہ تجھ سے اسرار (دل) کہوں (مگر) تو پانی کے اندر دوڑ لگاتا پھرتا ہے (اور) میں ندی کے کنارہ پر تجھکو آوازیں دیتا ہوں (اور) تو پانی کے اندر عاشقوں کی آواز نہیں سنتا (یا تو پانی حائل ہونے سے کہ تجھ میں ہوا نہیں پہونچتی اور یا اس لیئے کہ پانی دور تک ہو اور تو بعض اوقات اس کنارہ سے دور چلا جاتا ہے اور) میں (بوجہ غایت محبت کے) اس معین وقت میں (جو کہ میری تیری ملاقات کے

لئے مقرر ہے جیسا شروع قصہ میں ہے ہر صباحے گوشۂ می آمد بلے دلبر تیرے ساتھ بات چیت کرنے سے سیر نہیں ہوتا (دوسری وقت بھی جی چاہتا ہے کہ تجھ سے طول بات کروں اور تجھکو خبر نہیں ہوتی اس لیے کوئی ایسی تدبیر ہونا چاہیے کہ تجھکو خبر کر سکوں جس کا بیان شرحی آئندہ سے آئندہ میں آویگا کہ بدست آرند یک رشتہ دراز ؁تا ز جذب رشتہ گردد کشف راز ؁اب یہاں سے بمناسبت می نگردم از محاکات تو سیر کے انتقال ہے بیان آثار محبت وفنا کی طرف یعنی) پانچ وقت وارد ہے نماز لئے رہنما (لیکن) عاشقوں کے لئے ھم فی صلوٰۃ دائمون ہے (کیونکہ) نہ پانچ سے سکون حاصل کرتا ہے وہ خمار (عشاق کا) جو کہ ان سروں میں ہے (اور) نہ پانچسو سے (اس لئے ان کے لیئے ارشاد ہے مضمون فی صلوٰۃ دائمون کا مولانا نے اس آیت کی تاویل بطور علم اعتبار کے فرمائی ہے تفسیر مقصود نہیں تقریر یہ ہے کہ نماز گو پانچ وقت ہے مگر یہ باعتبار وجوب کے ہے اور عوام اسی پر اکتفا کرتے ہیں اور عشاق کی حالت یہ ہے کہ باوجودیکہ فرض ان پر بھی یہی پانچ ہیں لیکن ان کو اس سے سکون نہیں ہوتا اس لئے باستثنائے اوقات مکروہہ ہمہ وقت نوافل میں مشغول ہوتے ہیں اور فضائل ناجین میں جو ارشاد ہے والذین ھم علی صلوٰتھم دائمون اسکا یہی محمل ہے بطور علم اعتبار کے اور فضائل میں مذکور ہونا مستلزم افتراض کو نہیں ہوگا اور مضمون مقام اس تاویل پر موقوف نہیں اگر آیت اپنی تفسیر منقول پر رہے کہ دوام سے مراد محافظت علی الخمس ہے تب بھی حدیث جعلت قرۃ عینی فی الصلوٰۃ وغیرہ سے عشاق کی کثرت صلوٰۃ کی مرغوبیت پھر مشاہدہ سے اسمیں انکی مشغولیت ظاہر و ثابت ہے اور حدیث لا یزال عبدی یتقرب الی بالنوافل میں مشروعیت نوافل کی ترقی قرب محبین کے لئے ہونیکی طرف بھی اشارہ ہے اس مجموع سے مقصود مقام حاصل ہو گیا اور اسطرح اس آیت میں تخصیص بالعشاق کا حکم کیا گیا آگے ایک حدیث میں تخصیص العشاق کا حکم ہے یعنی آیت میں تو یہ کہا تھا کہ یہ عاشقوں کے ساتھ مخصوص ہے اور حدیث میں یہ کہیں گے کہ اس سے عاشق مخصوص ہیں یعنی آیت سے تو غیر عشاق خارج ہیں اور حدیث سے عشاق خارج ہیں لیکن آیت میں تعبیر الکلام تھا اور حدیث میں تفسیر ہے چنانچہ فرماتے ہیں کہ) نہیں ہے (مضمون حدیث) زر غباً کا یعنی ملاقات کیا کر ایک دن فصل کر کے پس یہ مضمون) نشان عشاق کا (یعنی یہ امر جو کہ شرعی نہیں ارشادی ہے عشاق کے حق میں نہیں کیونکہ) صادقین (یعنی طالبان صادق) کی روح سخت مستسقی (و مشتاق سیر ناشونده) ہے (بلکہ انکی وہ شان ہے جیسا حضرت ابو ہریرہ رضے مروی ہے کنت الزمھم لصحبتہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اس لزوم کو جائز رکھنا جس سے یہ حدیث مرفوع تقریری ہو گئی صریح دلیل ہے حدیث زر غباً کے مطلق نہ ہونے کی چنانچہ اس کا شان ورود بھی قرینہ ہے اسکی تقیید کا جیسا کہ مقاصد حسنہ میں ہے کہ ابو ہریرہ سے پوچھا گیا کہ کل تم کہاں تھے انہوں نے کہا کہ بعض اعزہ کی ملاقات کو گیا تھا آپنے فرمایا یا ابا ھریرۃ زر غباً تزدد حباً ظاہر یہی ہے کہ جس ملاقات کا ابو ہریرہ رضہ نے ذکر کیا اسی کی نسبت یہ فرمایا گیا پس معلوم ہوا کہ ایسے تعلقات کے حق میں فرمایا جیسا عام اعزہ سے ہوتا ہے پس اس مجموع لزوم وشان ورود مذکور سے دونوں میں تطبیق اسطرح ہوئی کہ لزوم کا موقع تعلق شدید و محبت قوی ہے اور غب کا موقع تعلق غیر قوی و محبت غیر شدید ہے محصل ما قالہ المولوی اور مقاصد میں اس حدیث کے طرق جمع کئے ہیں اور باوجود درجہ صحت تک نہ پہونچنے کے ایک گونہ اس میں قوت کا حکم کیا ہے آگے بھی یہی مضمون شعر ہذا کا ہے یعنی) زر غباً معمول مچھلیوں کا نہیں ہے کیونکہ بدون دریا کے وہ انس روح نہیں رکھتے (عشاق کو ماہی سے اور خدمات و تعلقات محبوب کو دریا سے تشبیہ دی ہے آگے بھی اسی کے مناسب تعبیر ہے کہ) اس دریا کا پانی کہ ایک ہولناک موقع ہے مچھلیوں کی خمار (اشتیاق) کے سامنے خود ایک جرعہ ہے (جس سے سیری نہیں ہوا کرتی اسی طرح ان کو دریا سے سیری نہیں ہوتی) ہجر کا ایک لحظہ بھی عاشق کے نزدیک مثل سال کے (کثیر) ہے (اور) متواتر ایک سال کا

وصل بھی اُسکے سامنے (مثل) ایک خیال (کے قلیل) ہے (یہاں تک مرزخہا کے مخصوص بغیر اہل المحبت ہونے کا مقتضی جانب محب سے ہونے کا بیان ہوا تھا آگے اُس کا مقتضی جانب محبوب سے بھی ہونیکا بیان ہے تو اسمیں سابق سے مبالغہ ہو گیا عاشق تو عاشق عشق کا اثر معشوق پر بھی ہوتا ہے اور بھی اس قول میں جانب محبوب سے بھی اس لئے کہا گیا کہ محب کی جانب سے تو مقتضی ہے ہی اُس کے ساتھ محبوب کی جانب سے بھی وجود مقتضی کا حکم کرتے ہیں جس کا حاصل یہ ہوگا کہ یہ تعلق محبت جانبین سے اسی کو مقتضی ہے کہ نہ وہ اس سے سیر ہو نہ یہ اُس سے اگرچہ حیثیت عدم سیری کی متفاوت ہے پس فرماتے ہیں کہ) معشوق بھی مستسقی (و سیر نا شوندہ و مشتاق) ہے اور مستسقی (یعنی عاشق) کا طالب ہے (اور عاشق کا مستسقی و طالب ہونا تو معلوم ہی ہے پس یہ امر محقق ہوا کہ) یہ اور وہ (یعنی عاشق و معشوق) ایک دوسرے کے پیچھے مثل روز اور شب کے ہیں (کہ وہ اس کا طالب ہے اور وہ اُس کا کما قال تعالیٰ یغشی اللیل النہار یطلبہ حثیثا الآیۃ علی الاحتمالین کون ضمیر الفاعل للنہار والمفعول للیل وبالعکس اسی طرح عاشق و معشوق کا حال ہے پس شعر ہذا میں عشق لپنے معشوق ہے مبالغہ جیسا دفتر اول کے دیباچہ کے اس شعر میں یہی معنے تھے ؎ چوں نباشد عشق را پروائے او ؛ او چو مرغے ماند بے پروائے او ؛ اور معشوق من حیث المعشوقیت کا طالب ہونا بایں معنے ہے کہ وہ یہ چاہتا ہے کہ مجھپر کوئی عاشق ہو اور یہ عاشق خواہ کتنے ہی ہو جاویں یا ایک ایک عاشق کسی حد محبت تک بھی پہنچ جائے مگر معشوق اس میں بس نہیں کرتا زیادہ کثرت اور قوت چاہتا ہے اور اگر وہ معشوق کسی وجہ سے عاشق بھی ہو جائے جیسے بعض دو شخص میں دونوں جانب سے عشق ہوتا ہے تو وہ اس حکم میں داخل نہیں یہاں وہ طالب مراد ہے جو من حیث المعشوقیۃ ہو اور عاشق کے طالب ہونے کے معنے ظاہر اور معلوم ہیں آگے تشبیہ چوں روز و شب کی شرح ہے کہ) دن تو شب پر عاشق ہے اور مضطرب ہے جب (بغور) دیکھو تو شب اسپر زیادہ عاشق ہے ان (روز و شب) کو طلب سے ایک لحظہ بھی توقف نہیں ہے ایکدوسرے کے پیچھے ان کو ایک دم بھی توقف نہیں ہے اس نے اسکا پائوں پکڑ رکھا ہے (اور) اس نے (یعنی دن نے) اسکا (یعنی رات کا) کان یہ اسپر مدہوش ہے اور وہ اسپر بیہوش ہے (یہ سب تعبیرات ہیں طلب کی اور طلب یعنی مطلق تعاقب ہے اور یطلبہ حثیثا میں یہی تعاقب مراد ہے آگے مشبہ یعنی محب و محبوب کے متعلق احکام جو کہ مقصود مقام ہے مذکور ہیں کہ) معشوق کے دل میں بالکل عاشق ہی ہے (یہ مطلب نہیں کہ اور کچھ ہے ہی نہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ عاشق اُسکے دلمیں اتنا ہے کہ گویا دوسری چیز نہیں ہے اور وجہ اسکی یہ ہے کہ وہ اپنے کو سب سے زیادہ مترفع رکھنا چاہتا ہے اور معشوق ہونے سے اس کا ترفع بہت زیادہ بڑھتا ہے اور اس کا ذریعہ کسی کا عاشق ہونا ہے اس لئے یہ خیال کہ عاشق مجھپر عاشق رہے بہت زیادہ اسکو پسند اور دلنشین ہوگا آگے مصرعہ اولیٰ کلیہ کا ایک جزئیہ ذکر فرماتے ہیں کہ) عذرا کے قلب میں ہمیشہ وامق ہے (عذرا نام معشوقہ خاصہ و وامق نام عاشق خاص یہ حکم تو جانب معشوق میں تھا آگے جانب عاشق کا حکم تبلاتے ہیں کہ) عاشق کے دلمیں بجز معشوق کے کچھ نہیں ہے (اور یہ ظاہر ہے آگے مجموعہ حکمین مذکورین طلب من جانب العاشق و طلب من جانب المعشوق پر تفریع ہے کہ) ان کے درمیان کوئی فارق اور مفرق نہیں ہے (بہتر یہ ہے کہ مفروق سے مراد مفروق بہ ہو یعنی ان میں ایسا تعلق ہے کہ نہ کوئی بالاختیار والمباشرۃ اسکو قطع کر سکتا ہے اور فارق سے یہ مراد ہو کہ نہ کوئی بالآلیۃ و التسبب اسکو قطع کر سکتا ہے اور مفرق سے یہ مراد ہو اور یہ حکم بالکل ظاہر ہے جب تک دونوں صفت عاشقیت و معشوقیت سے موصوف ہونگے اسوقت تک اس حکم کا ثبوت لازم ہے آگے اس تعلق و عدم فرق کی مثال ہے کہ گویا) ایک شتر پر یہ دو جرس ہیں (کذا فی الغیاث فی معنے درا بالفتح و بالکسر پس جسطرح ان دونوں جرس میں تقارب و تعلق ہے کہ جب تک ایک شتر کی گردن میں ہیں ان میں فصل و فرق نہیں ہو سکتا

اسی طرح جب تک دونوں اس وصف سے موصوف ہیں انمیں بھی عدم فرق لازم ہے آگے دونوں جانب سے مقتضی خصوصیت زرغبا بغیر ال
المحبت کے تحقق پر تفریع ہے اس مقتضی یعنی خصوصیت مذکورہ کی جنس کا اوپر بھی ذکر تھا یعنی جب دونوں طرف یہ مقتضے مذکور متحقق ہے تو پھر زرغبا
کیا گنجائش رکھتا ہے ان دونوں کے لیے (آگے اسکی مزید توضیح ہے کہ بھلا) کسی شخص نے اپنے ساتھ بھی زرغبا کو ظاہر کیا ہے (یعنی) کوئی شخص اپنے
ساتھ نوبت (اور باری) سے (مراد ناغہ کرتا ہے) یار (ومصاحب) ہوا ہے (کیونکہ اپنے ساتھ تو ہر وقت ہی رہیگا تو جس شخص سے ایسی محبت ہو
جیسی اپنے سے اسکے ساتھ زرغبا کا تعلق کیسے ہوگا یہاں تک مطلق محبت کے آثار واحکام کا بیان تھا جو کہ محبت مجازیہ کو بھی شامل تھی مگر چونکہ
مقصود مولانا وجملہ عارفین کا محبت مجازیہ کے آثار کے ذکر سے بھی محبت حقیقیہ کیطرف متوجہ کرنا ہوتا ہے اور وہ صرف توطیہ ہوتا ہے اس لئے
آگے احکام محبت حق کیطرف انتقال فرماتے ہیں کہ جسطرح ہم نے محب ومحبوب مجازی میں تشبیہ مذکور شعر مذا یعنی ہیچ کس با خویش الخ میں اتحاد کا
حکم کیا ہے ایسے ہی اتحاد کا فیما بین المحب والمحبوب الحقیقی حکم جابجا عارفین کے کلام میں پاؤگے مگر اسکو اس مجازی پر قیاس مت کر لینا کیونکہ
وہ ایسا اتحاد نہیں ہے کہ عقل نے اسکو سمجھ لیا ہو اسکا سمجھنا موقوف ہے موت شخص پر (حاصل یہ کہ محبت مجازیہ میں تو عاشق کو معشوق کے
سامنے اپنے وجود سے محض ذہول ہوجاتا ہے مگر واقع میں اسکا وجود بھی ایسا ہی مستقل ہوتا ہے جیسا معشوق کا بخلاف محبت حقیقیہ کے کہ وہاں
ذہول بھی ہوتا ہے اور اضمحلال واقعی بھی منکشف ہوتا ہے اور اسی منکشوفیت کے اعتبار سے اسکو محبت پر مبنی کہا گیا ورنہ اضمحلال تو واقع میں پہلے
سے بھی ہے مگر محبت سے اس کا انکشاف بھی ہوگیا اسی کو اصطلاح میں اتحاد وفنا بھی کہتے ہیں اور چونکہ یہ امر ذوقی ہے مدرک بالعقل نہیں ہوتا
بلکہ مشاہدہ پر موقوف ہے اور موت سے سب کو مشاہدہ ہوجاویگا اسلیئے اس شعر میں دو حکم فرمائے ایک غیر مفہوم بالعقل ہونا دوسرا مفہوم بالموت
ہونا اور چونکہ علاوہ موت کے ایک اور طریق بھی ہے اسکے مشاہدہ کا اس لئے آگے حکم کلی مذکور فی المصراع الثانی سے بطور استثناء کے فرماتے
ہیں کہ) مگر بجز اس شخص کے کہ مرنے سے پہلے مرگیا (اور) رخت وجود کو محبوب کی طرف لے گیا (اور اسکے نذر کر دیا یعنی موت قبل الموت حاصل
کرلی اسکو بھی ذوق اسکا ہوسکتا ہے) اور اگر عقل (نظری) سے اسکا ادراک ممکن ہوتا تو مجاہدہ نفس کس لیئے ضروری ہوتا (کیونکہ) باوجود ایسی
رحمت (وشفقت) کے کہ سلطان العقول (یعنی حق تعالیٰ) رکھتا ہے بے ضرورت کیونکر فرماتے کہ نفس کشی کر (اگر باوجود اسکے جو پھر مجاہدہ کا
حکم فرمایا حیث قال اتقوا اللہ حق تقاتہ وقال تعالیٰ جاھدوا فی سبیلہ اس سے معلوم ہوا کہ اسکی بڑی ضرورت ہے اور وہ ضرورت
اصل تو یہ ہے کہ حق تعالیٰ کی معرفت ہو لیکن اسکی معرفت اور اپنے وجود وہستی کا مضمحل سمجھنا متلازم ہیں اور وہ کشف اضمحلال موقوف ہے
مجاہدہ پر اسلیئے مجاہدہ ضروری ہوا تاکہ اس سے اضمحلال وفنا ذوقا منکشف ہو اور اسکے ساتھ معرفت حق نصیب ہو کما قیل من عرف
نفسہ فقد عرف ربہ پس امر بوجوب المجاہدہ سے توقف انکشاف اضمحلال وفنا کا کہ دوسری تعبیر اسکی اتحاد ہے ذوق پر اور عقل فکری
کا اسکے لئے کافی نہ ہونا ثابت ہوا اور یہی مقصود تھا کلام سابق میں پس مقصود اول تو یہ حکم مذکور ثابت ہوا اور چونکہ مقصود اس انکشاف وعلم
سے حصول ہے فنا واتحاد مذکور کا اسلیئے اسکے ضمن میں توقف حصول فنا واتحاد کا بھی مجاہدہ پر ثابت ہوا اور یہ حصول ومعرفت حق
چونکہ متلازم ہیں اسلیئے معرفت حق کی مقصودیت بھی مجاہدہ سے ثابت ہوگئی گو اس مقام میں اس کا ذکر صراحۃ نہیں ہے مگر بوجہ اسکی
مقصودیت کے اسکی مدلولیت کی بھی تقریر کر دی گئی)

مبالغہ کردن موش چغز را در لابہ و زاری در وصلت کہ در امر من تاخیر میندار و تعلل

گفت اے یار عزیز مہرکار
چوہے نے کہا اے یار عزیز مہرکار

من ندارم بے رخت یکدم قرار
میں بدون تیرے رخ کے ایکدم قرار نہیں رکھتا

روز نور و مکسب و تابم توئی
دن کو میرا نور اور کسب اور روشنی تو ہی ہے

شب قرار و سلوت و خوابم توئی
شب کو میرا قرار اور تسلی اور نیند تو ہی ہے

از مروت باشد ار شادم کنی
مروت کی بات ہوگی اگر تو مجھکو شاد کردیا کرے

وقت و بے وقت از کرم یادم کنی
وقت بے وقت کرم سے مجھکو یاد کرلیا کرے

در شبانروزے وظیفہ چاشتگاہ
شب و روز میں معمول چاشت کے وقت

راتبہ کردی وصال اے نیکخواہ
تونے معین کرلیا ہے وصال کو اے خیرخواہ

من بدیں یکبار قانع نیستم
میں اس ایکبار پر قانع نہیں ہوں

در ہوایت طرفہ انسانیستم
تیری محبت میں ایک عجیب انسان کے ہوں

پانصد استسقاستم اندر جگر
میرے جگر میں پانسو استسقار ہیں

با ہر استسقا قرین جوع البقر
ہر استسقار کے ساتھ جوع البقر مقرون ہے

بے نیازی از غم من اے امیر
تو میرے غم سے بے پرواہ ہے اے امیر

دہ زکات حسن و بنگر در فقیر
حسن کی زکوۃ دے اور محتاج میں نظر کر

ایں فقیر بے ادب نادرخورست
یہ محتاج بے ادب نالائق ہے

لیک لطف عام تو زاں برترست
لیکن آپ کا لطف عام اس سے ارفع ہے

می نجوید لطف عام تو سند
آپ کا لطف عام سند نہیں ڈھونڈھتا

آفتابے بر حدثہا میزند
آفتاب نجاستوں پر اثر کرتا ہے

نور او را زاں زیانے نا بدہ　　واں حدث از خشکیے ہیزم شدہ

اُس کے نور کو اس سے کوئی نقصان نہیں ہوا　　اور وہ نجاست خشک ہونے کے سبب ایندھن ہوگئی

تا حدث در گلخنے شد نور یافت　　بر در و دیوار حمامے بتافت

نجاست چولہے میں پہونچی روشنی ہوگئی　　حمام کے در و دیوار پر تاباں ہوئی

بود آلایش شد آرایش کنوں　　چوں برو برخواند خورشید آں فسوں

وہ آلائش تھی اب آرائش ہوگئی　　جب کہ اس پر آفتاب نے وہ افسوں پڑھ دیا

شمس ہم معدہ زمیں را گرم کرد　　تا زمیں باقی حدثہا را بخورد

آفتاب نے نیز معدۂ زمین کو گرم کردیا　　یہاں تک کہ زمین باقی نجاستوں کو کھا گئی

جزو خاکی گشت و رست ازوے نبات　　ہکذا یمحو الالہ السیئات

وہ جزو خاکی ہوگئی اور اس سے نباتات اوگے　　اسیطرح اللہ تعالے سیئات کو محو کردیتے ہیں

جزو خاکی گشت و شد او پر ز نور　　ہکذا یغفر لمن یعطی الغفور

جزو خاکی اس سے پر از نور ہوگیا　　اسی طرح مغفرت فرماتا ہے غفور اس شخص کیلئے جسپر عطا فرماتا ہے

جزو خاکی گشت ازوے بارشاد　　ہکذا یرحم اللہ للعباد

جزو خاکی اس سے باسامان ہوگیا　　اسی طرح رحمت فرماتا ہے اللہ بندوں کیلئے

با حدث کاں بدترین ست ایں کند　　کش نبات و نرگس و نسرین کند

وہ نجاست کے ساتھ جو کہ سب سے بدتر ہے یہ کرتا ہے　　کہ اس کو نبات اور نرگس اور نسرین کردیتا ہے

تا بہ نسرین مناسک در وفا　　حق چہ بخشد در جزاء در عطا

تو نسرین عبادات کے ساتھ ایفاء حق کی حالت میں　　حق تعالے کیا کچھ دیدینگے جزاء اور عطاء میں

چوں خبیثاں را چنیں خلعت دہد — طیبین را تا چہ بخشد در رسد

جب خبیثوں کو ایسا خلعت دیتے ہیں — تو طیبین کو تو کیا کچھ بخشدینگے حصہ میں

آں دہد حق شاں کہ لا عین رات — کاں نہ گنجد در زبان و در لغت

حق تعالیٰ ان کو وہ دیئگے جو آنکھ نے نہیں دیکھا — جو کہ زبان اور لغات میں نہیں سما سکتا

ما کئیم ایں را بیاں کن یا رمن — روز من روشن کن از خلق حسن

ہم کون ہیں اسکو آپ ہی بیان کیجئے اے میرے محبوب — میرے دن کو خلق حسن سے روشن کیجئے

منگر اندر زشتی و مکروہیم — کہ ز پر زہری چو مار کوہیم

آپ میری زشتی اور مکروہیت کو نہ دیکھئے — کیونکہ میں پر زہر ہونے کی وجہ سے مثل پہاڑی سانپ کے ہوں

ایکہ من زشت و خصالم جملہ زشت — چوں شوم گل چوں مرا او خار کشت

ای محبوب میں بھی زشت ہوں اور میری تمام خصائل بھی زشت ہیں — میں گل کیسے ہوجاؤں جب اسنے مجھکو خار پیدا کیا

نو بہارا حسن گل دہ خار را — زینت طاؤس دہ ایں مار را

اے نو بہار آپ خار کو گل کا حسن دیدیجئے — اس سانپ کو زینت طاؤس دیدیجئے

در کمال زشتیم من منتہی — لطف تو در فضل و در فن منتہی

میں کمال زشتی میں مرتبہ نہایت تک پہنچا ہوا ہوں — آپ کا لطف فضل میں اور ہنر میں مرتبہ نہایت تک پہونچا ہوا ہے

حاجت ایں منتہی زاں منتہی — تو بر آرائے غیرت سرو سہی

حاجت اس کامل کی اس کامل سے — بر لائیے اے غیرت سرو سہی

چوں بمیرم فضل تو خواہد گریست — از کرم گرچہ زحاجت او بریست

جب میں مرجاؤں گا تو تیرا ہی لطف روئیگا — بوجہ کرم کے اگرچہ وہ محتاج ہونے سے بری ہے

بر سر گورم بسے خواہد نشست   خواہد از چشم لطیفش اشک جست

میری گور پر بہت دنوں بیٹھا رہے گا   اُسکی چشم پر لطف سے اشک نکلے گا

نوحہ خواہد کرد بر محرومیم   چشم خواہد بست از مظلومیم

وہ میری محرومی پر نوحہ کرے گا   اور وہ میری مظلومی سے آنکھ نیچی کریگا

اندکے زاں لطفہا اکنوں بکن   حلقۂ در گوش من کن زیں سخن

تھوڑا سا اُن الطاف میں سے ابھی کردے   ان باتوں میں سے میرے کان میں ایک ہی حلقہ ڈالدے

آنکہ خواہی گفت تو با خاک من   بر فشاں بر مدرک غمناک من

تو جو جو باتیں میری خاک سے کہے گا   میری جان بادراک غمناک پر چھڑک دے

دستگیرم در چنیں بیچارگی   شاد گردانم دریں غمخوارگی

میری دستگیری کر ایسی بیچارگی میں   مجھکو شاد کردے اس غمخوارگی میں

صوفئے را گفت خواجہ سیم پاش   کاے قدمہای ترا جانم فراش

کسی صوفی سے کسی خواجہ سیم بخش نے کہا   کہ تیرے قدم کے لئے میری جان فرش ہے

یکدرم خواہی تو امروز اے شہم   یا کہ فردا چاشتگاہے سہ درم

اے میرے شاہ صاحب تو آج ایکدرم چاہتا ہے   یا کہ کل چاشت کے وقت تین درم

گفت من بر درہمے راضی ترم   کہ دہی امروز و فردا صد درم

اُس نے کہا کہ میں ایک درم پر زیادہ راضی ہوں   جو کہ تو آج ہی دیدے اور کل کو سو درم

سیلئے نقد از عطائے نسیہ بہ   نک قفا پیشت کشیدم نقد دہ

نقد چپت بھی اودھار عطا سے بہتر ہے   اب تیرے سامنے قفا پیش کرتا ہوں نقد دیدے

خاصہ آں سیلے کہ از دست تو است
خاصکر وہ چپت جو تیرے ہاتھ سے ہے

ہم قفا ہم سیلیش مست تو است
کیونکہ قفا اور اس کا چپت تیری عاشق ہیں

ہیں بیا اے شادی جان جہاں
ہاں آجا اے سرور جان کے اور جہان کے

خوش غنیمت دار نقد ایں زماں
اس وقت کے نقد کو خوب غنیمت رکھ

در مدزد آں روۓ ماہ از شبرواں
نہ چاند کا سا منہ رات کے چلنے والوں سے مت چھپا

سر مکش زیں جوۓ اے آب رواں
اے آب رواں اس ندی سے سر مت پھیر

تا لب جو خندد از ماۓ معیں
تاکہ آب رواں سے ندی کا لب خندہ ہوجائے

وز لب جو سر بر آرد یاسمیں
اور لب جو سے یاسمن ظاہر ہو

چوں بہ بینی بر لب جو سبزہ مست
تو ندی کے کنارہ پر جب سبزہ مست دیکھے

پس بداں از دور کانجا آب ہست
پس دور سے جان لے کہ اس جگہ پانی ہے

گفت سیماھم وجوہ کردگار
سیماھم فی وجوھھم فرمایا ہے کردگار نے

کہ بود غماز باراں سبزہ زار
کیونکہ بارش کا مخبر سبزہ زار ہوتا ہے

گر ببارد شب نہ بیند ہیچکس
اگر شب کو بارش ہو کوئی نہ دیکھے

کہ بود در خواب ہر نفس و نفس
کیونکہ نیند میں ہوں ہر شخص اور ہر سانس والا

تازگی ہر گلستان جمیل
ہر باغ باجمال کی تازگی

ہست بر باران پنہانی دلیل
باران مخفی پر علامت ہوگی

چوہے نے کہا اے یار عزیز مہر کار میں بدون تیرے رخ کے ایکدم قرار نہیں رکھتا دن کو میرا نور اور کسب اور روشنی تو ہی ہے (یعنی دن ان منافع کے لیے موضوع ہے تو بجاۓ ان منافع کے تو ہی میرا مطلوب ہے اور یہی معنی کر) شب کو میرا قرار اور تسلی اور نیند تو ہی ہے۔ مروت کی بات ہوگی اگر تو مجھکو شاد کر دیا کرے۔ وقت بے وقت کرم سے مجھکو یاد کر دیا کرے (مطلب یہ معلوم ہوتا ہے کہ کوئی ذریعہ باہمی

اطلاع کا تجویز کرکے کبھی میں بلایا کروں تو آجایا کرا ور یہ مصرع اول میں ہے اور کبھی تو بھی مجھکو بلایا کرا ور یہ مصرعہ ثانی میں ہے اور مجموعہ) شب و روز میں معمول چاشت کے وقت تو نے معین کرلیا ہے وصال کو اے خیر خواہ (او پر صباح کا لفظ آیا ہے مگر صباح عرفاً عام ہے قبل زوال تک کو) میں اس ایک بار (کی ملاقات) پر قانع نہیں ہوں (اور) تیری محبت میں (بمنزلہ) ایک عجیب انسان کے ہوں (کہ جیسے انسان دور دور کے خیالات سوچتا ہے اسی طرح مجھکو تیری محبت میں دور دور کے خیالات آتے ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ کوئی تدبیر اطلاع باہمی کی ہونا چاہیئے) میرے جگر میں پانسو استسقا ہیں (لان سببہ برد الکبد کما مر حوابہ اور) ہر استسقا کے ساتھ جوع البقر مقرون ہے (یعنی میری حالت شدت اشتیاق سے مشابہ اس شخص کے ہے جسکو استسقا اور جوع البقر دونوں مرض ہوں کہ پیاس بھی نہ بجھے اور بھوک بھی نہ بجھے) تو میرے غم (عشق) سے بے پروا (و بے خبر) ہے اے امیر (ورنہ اتنی بے فکری تجھکو نہوتی کہ میں جس چیز کو سوچ رہا ہوں تو نہیں سوچتا مجھکو اپنے) حسن کی زکوۃ دے اور (اس) محتاج پر نظر کر (زکوۃ اور فقیر کے لفظ سے اے امیر کا تناسب کسقدر با موقع ہے) یہ محتاج بے ادب نالائق ہے لیکن آپ کا لطف (و رحم) عام اس سے ارفع ہے (یعنی وہ میری بے ادبی و نالائقی کو مانع عن التوجہ نہیں سمجھتا میری نزدیک اس شعر این فقیر الخ سے دور تک انتقال ہے خطاب الی المحبوب المجازی سے طرف خطاب الی المحبوب الحقیقی کے جیسا سیاق میں نظر کرنے سے صاف ظاہر ہے اور اسی لئے ضمیر مخاطب کا ترجمہ بعنوان ادب کیا ہے پھر جہاں سے عود ہوگا خطاب الی المجازی کیطرف وہاں بھی متنبہ کردیا جاوے گا یعنی اے محبوب حقیقی آپ کا لطف ایسا عام ہے کہ لیاقت کاملہ کے ساتھ مشروط نہیں اور لیاقت میں کاملہ کی قید اسلئے لگائی کہ ضروری درجہ لیاقت کا کہ مصداق اس کا مطلق ایمان ہے نصاً شرط ہی توجہ لطف کی کیونکہ مراد یہاں لطف سے رحمت مختصہ باہل الایمان ہے دلیل اسکے مراد ہونے کی یہ ہے کہ اس لطف کو طلب کر رہے ہیں اور ظاہر ہے کہ جو رحمت عام ہے کفار کو بھی اسکی طلب پر مومن اکتفا نہیں کرتا پس اس لطف کو جو شعر میں عموم کے ساتھ موصوف کیا ہے مراد اس سے وہ عموم نہیں جو رحمت شاملہ للکفار میں عموم ہے بلکہ اس عموم کے مقابل خصوص کا اعتبار کرنے کے بعد پھر اسمیں عموم بایںمعنی معتبر ہے کہ سب اہل ایمان کو جن میں عصاۃ بھی ہیں شامل ہے خصوصیت متقین کی نہیں پس یہ لطف من وجہ خاص بھی ہے یعنی بمقابلہ عام للکفار کے اور من وجہ عام بھی ہے یعنی بمقابلہ خاص للابرار کے کہ ایک رحمت ایسی خاص بھی ہے جو اتقیا و ابرار ہی کے ساتھ متعلق ہے ایک اس سے بھی اخص ہے جو حضرات انبیاء علیہم السلام کے ساتھ متعلق ہے خوب سمجھ لو آگے اسی لطف خاص مذکور کے عموم کے احکام و افعال بیان کرتے ہیں کہ) آپکا لطف عام سند (استحقاق کی یعنی علت و شرط) نہیں ڈھونڈھتا (بلکہ) آفتاب (کی طرح) نجاستوں پر اثر کرتا ہے (جس کا آگے تتمہ ہے) اس (آفتاب) کے نور کو اس (نجاست) سے کوئی نقصان نہیں ہوا اور وہ نجاست (اس آفتاب کے اثر سے) خشک ہونے کے سبب (بمنزلہ) ہیزم (کے) ہوگئی (یہاں تک کہ وہ) نجاست (حمام کے) چولھے میں پہونچی (اور) روشنی ہوگئی (اور) حمام کے در و دیوار پر تاباں ہوئی (چنانچہ ظاہر ہے کہ سوختہ حمام کا اگرچہ سرگین وغیرہ ہی ہو جلنے کے وقت خود بھی صاحب نور ہوتا ہے اور حمام کے در و دیوار کو بھی اسپر عکس پڑنے سے منور کرتا ہے پس) وہ (پہلے) آلایش تھی (اور) اب آرایش (کا آلہ) ہوگئی (چنانچہ تنویر کا موجب آرایش ہونا ظاہر ہے) جبکہ اسپر آفتاب نے وہ افسوں پڑھ دیا (آفتاب کے اثر پہونچنے کو افسون خوانی سے تشبیہ دی کہ افسوں کا بھی اثر پہونچتا ہے اور جو نجاست سرگین وغیرہ حمام وغیرہ میں نہیں پہونچا جس سے وہ تنور اور منور ہوتا بلکہ وہ زمین ہی پر مدت دراز تک پڑا رہا اسپر آفتاب کا اور طرح فیض پہونچا وہ یہ کہ) آفتاب نے نیز معدۂ زمین کو گرم کردیا یہاں تک کہ زمین باقی نجاستوں کو کھا گئی (اور جسطرح معدہ کی گرمی سے کھانا

ہضم ہو کر جزو بدن ہو جاتا ہے اسی طرح) وہ (نجاست گرمی زمین سے) جزو خاکی ہو گئی اور اس سے نباتات اگے (چنانچہ کھاد سے پیداوار زمین میں قوت ہونا مشاہد ہے اور اس استحالہ کو حرارت کا سبب بنانا اس لیئے ہے کہ برودت کا خاصہ حفظ صورت ہے چنانچہ برف میں گوشت تک نہیں بگڑتا پس باوجود برودت مزاج ارض کے اس سے ایسا استحالہ ہونا یہ عارض حرارت سے ہے جو آفتاب سے مکتسب ہے خواہ سطح ارض پر ہو یا اعماق ارض میں ہو جیسا احتباس کے وقت اور مصرعہ آفتاب برحد شامی زند سے اس مصرعہ جزو خاکی گشت ورست از وی نبات تک خواص مشبہ بہ کے بیان کئے اب تطبیق تشبیہ کے ساتھ مشبہ کا وصف بیان کرتے ہیں کہ) اسی طرح اللہ تعالیٰ سیئات کو محو کر دیتے ہیں (اور حسنات سے مبدل کر دیتے ہیں کما ہو منصوص یعنی جسطرح آفتاب سے بعد تصرفات مذکورہ کے وہ انجاس متبدل ہو کر ان میں سے نجاست کا وصف زائل ہو گیا اور وہ سبب ہو گیا انوار جمع نور بالضم بمعنے روشنی اور انوار جمع نور بمعنے شگوفہ کا اسی طرح رحمت حق سے بعد مغفرت کے وہ سیئات متبدل ہو کر ان میں سے وصف استخباث کا زائل ہو گیا اور اس کا بدل یعنی حسنات سبب ہو گیا انوار رضوان وانوار جنان کا آگے بھی یہی تطبیق ہے کہ جسطرح جزو خاکی اس (آفتاب) سے پر از نور ہو گیا (جیسا مثال حمام میں بیان کیا) اسی طرح مغفرت فرماتا ہے غفور اس شخص کے لیئے جسپر عطا فرماتا ہے (اور جسطرح) جزو خاکی اس (آفتاب) سے باسامان ہو گیا (کذافی المنتخب فی معنی رشاد جیسا مثال انبات میں بیان کیا اور ازہار و اشجار کا سامان فرحت و حاجت ہونا ظاہر ہے) اسی طرح رحمت فرماتا ہے کہ (حق) بندوں کے لیئے (یہاں تک ذکر تھا ناقابل کے ساتھ رحمت فرمانے کا آگے اسی سے استنباط کر کے ذکر فرماتے ہیں قابل تام کے ساتھ رحمت فرمانے کا وکون هذا القابل تاما بمقابلة الناقص المذکور والا فالکل ناقص بالنظر الی عظمة حق الحق تعالیٰ یعنے) وہ (آفتاب معنوی جب) نجاست (سیئات) کے ساتھ جو کہ سب سے بدتر ہی بھیہ (معاملہ لطف کا) کرتا ہے کہ اسکو نبات اور نرگس اور نسرین (یعنی حسنات) کر دیتا ہے تو نسرین عبادات (و حسنات) کے ساتھ ایفاء حق کی حالت میں حق تعالیٰ کیا کچھ دیدیں گے جزاء (ثواب موعود) اور عطاء (ثواب مزید غیر موعود) میں (حاصل اس کا یہ ہے کہ) جب خبیثوں کو ایسا خلعت دیتے ہیں تو طیبین کو تو کیا کچھ بخشدیں گے حصہ میں (کذافی الغیاث فی معنی رسد آگے اس دینے کا اجمالاً بیان ہے کہ) حق تعالیٰ ان کو وہ دینگے جو آنکھ نے نہیں دیکھا جو کہ زبان اور لغات میں نہیں سما سکتا (اشارہ ہے طرف حدیث قدسی اعددت لعبادی الصالحین ما لا عین رأت ولا اذن سمعت ولا خطر علی قلب بشر آگے مناجات ہے جسمیں اول درخواست ہے بیان نعم کی بطور تفریع کے اپنے عجز عن البیان پر جو اوپر مذکور تھا پھر درخواست ہے ان نعم فضل و کرم کے عطاء کی اور ساتھ ساتھ اپنے ناقابل ہونے کا مضمون ہے پس فرماتے ہیں کہ) ہم کون (چیز) ہیں (کہ نعم مذکورہ کو بیان کر سکیں) اسکو آپ ہی بیان کیجیے اے میرے محبوب (مطلب یہ کہ آپ ہی پورا بیان کر سکتے ہیں لیکن ہماری استعداد کے موافق ہمپر بھی ذوقاً ظاہر کر دیجئے کہ طلب میں ترقی ہو اور اسکے ساتھ) میرے دن کو خلق حسن سے روشن کیجئے (یعنی وہ نعمتیں خلق حسن یعنی فضل و کرم سے عطا بھی کیجئے کہ یوم السرور نورانی ہوتا ہے اور گو میں اسکے قابل نہیں ہوں لیکن) آپ میری زشتی اور مکروہیت کو نہ دیکھئے کیونکہ میں پر زہر ہونے کی وجہ سے مثل پہاڑی سانپ کے ہوں (کہ خشک پہاڑ کے سانپ زیادہ زہری ہوتے ہیں اور اسی قرینہ سے مراد خشک پہاڑ ہے) اے محبوب میں بھی زشت ہوں اور میرے تمام خصال بھی زشت ہیں میں گل کیسے ہو جاؤں جب اس نے مجھکو خار پیدا کیا (اسمیں التفات ہے خطاب سے غیبت کیطرف اور مقصود اس سے اپنا بیان

عذر نہیں ہی بلکہ اپنا عجز بیان کرتاہے تاکہ زشتی کا درجہ بالغہ ثابت ہوجاوے مگر عجز بدرجۂ جبر نہیں ورنہ زشتی کو اپنی اور اپنے خصال وافعال کیطرف منسوب نکرتے کیونکہ افعال اضطراریہ موصوف بالقبح والذم نہیں ہوتے آگے پھر خطاب کے صیغوں سے کلام ہے کہ) اے نو بہار (کے مشابہ فی اعطاء النضرۃ) آپ خار کو گل کا (سا) حسن دیدیجئے (لان من شانک تبدیل السیٔات بالحسنات کما مر اور) اس سانپ کو زینت طاؤس دیدیجئے (مصرعہ اول ناظر ہے مصرعہ بالا چوں شوم گل الخ کی طرف اور مصرعہ ثانیہ ناظر ہے مصرعہ سابقہ از بالاکہ پُر زہر ہے چو مار کو ہیم کیطرف) میں کمال زشتی میں مرتبہ نہایت تک پہونچا ہوا ہوں (اور) آپکے لطف فضل میں اور ہنر میں مرتبہ نہایت تک پہونچا ہوا ہی (یہ مشاکلۃً کہا گیا ہے ورنہ فضل و لطف کی تو کوئی نہایت ہی نہیں مراد دونوں مصرعوں میں کمال ہے گویا ایک کا کمال بوصف تناہی ہے دوسرے کا کمال بوصف عدم تناہی اور جب میں قبح میں کامل ہوں اور آپ کا لطف حسن میں تو) حاجت اس (قبح) کامل کی اس (حسن) کامل سے برلائیے ای غیرت سرو سہی (یعنی اے جامع المحاسن اور میرے نزدیک یہاں خطاب الی المحبوب الحقیقی ختم ہوگیا آگے عود ہے خطاب الی المحبوب المجازی کیطرف جیساکہ تمثیل آیندہ کا انطباق اسی پر موقوف ہے ورنہ خدا تعالی کے معاملہ عاجلہ کو ان کے معاملہ آجلہ پر ترجیح دینا لازم آویگا. اس قول میں کہ سیلئے نقد از عطائے نسیہ اور اس کا کون قایل ہوسکتا ہے اور اس صورت میں یہ احکام آئندہ کہ خواہد گریست اور اشک خواہد جست اور نوحہ خواہد کرد اور نیز اثبات اپنی مظلومی کا سب بے تکلف درست ہوجاویگا صرف دو خدشے خفیف رہ جاویںگے ایک لفظی کہ اوپر بھی فضل کا ذکر آیا ہے لطف تو در فضل الخ اور آیندہ بھی ہے چوں بمیرم فضل تو الخ تو ظاہرا دونوں فضل کا فاعل ایک ہوگا مگر یہ ضرور نہیں دوسرا معنوی کہ آگے فضل کو حاجت سے بری کہا ہی لیکن خاص حاجت الی المتکلم سے بری کہنا صحیح ہوسکتا ہے حاصل یہ کہ وہ ہوش اس غوک سے اس شعر سابق علی الانتقال الی الخطاب للمحبوب الحقیقی بے نیازی از غم من اے امیر الخ کے مضمون سے مرتبط کرکے کہتا ہے کہ تو آج تو میرے غم عشق سے بے نیاز و بے پرواہ ہے لیکن) جب میں مرجاؤں گا تو تیرا ہی لطف (مجھکو) روئیگا بوجہ کرم کے اگرچہ وہ (میری طرف) محتاج ہونے سے بری ہی (یعنی یہ رونا اسلئے ہوگا کہ میرے مرنے سے اسکی کوئی حاجت جو مجھ سے متعلق تھی فوت ہوگئی بلکہ وہ رونا مقتضا کرم کا ہوگا کہ اہل کرم دوسروں کی مصیبت سے کڑھا کرتے ہیں اور موت کا مصیبت ہونا ظاہر ہے قال تعالی فاصابتکم مصیبۃ الموت مطلب یہ ہوا کہ میرے مرنے پر کل تو ہی بیٹھکر رویگا تو آج اتنی بے پروائی مت کر آگے بھی یہی مضمون بلفظ دیگر بطور التفات من الخطاب الی الغیبۃ ہے کہ) وہ (محبوب) میری گور پر بہت دنوں بیٹھا رہے گا (اور) اسکی چشم پر لطف سے اشک نکلے گا (اور) وہ (محبوب) میری محرومی (عن صلہ) پر نوحہ کریگا (یعنی افسوس کریگا کہ میں نے اسکو اپنے وصل سے باوجود اسکی درخواست کے کیوں محروم رکھا اور) وہ (محبوب) میری مظلومی سے آنکھ نیچی کرے گا (یعنی یہ یاد کرکے شرمندہ ہوگا کہ میں نے ناحق اسپر ظلم کیا۔ آگے پھر التفات ہے غیبت سے طرف خطاب کے کہ اے محبوب انجام کار یہ سب الطاف میرے حال پر تو مبذول کرے ہی گا تو) تھوڑا سا ان الطاف میں سے ابھی (مجھپر مبذول) کردے (اور جو جو باتیں اس وقت میری قبر پر بیٹھکر کریگا) ان باتوں میں سے میرے کان میں ایک حلقہ ڈال دے (یعنی تیری باتیں کہ بمنزلہ حلقۂ زیور گوش کے ہیں انہیں سے ایک ہی بالی میرے کان میں ڈالدے یعنی ایک ہی وہ بات کرلے چنانچہ آگے اسکی تصریح ہے کہ) تو جو جو باتیں میری خاک (گور) سے کہیگا (ان میں سے کچھ) میری جان با ادراک غمناک پر (اب) چھڑک دے (غرض) میری دستگیری کر ایسی بیچارگی میں (اور) مجھکو شاد کردے اس غمخوارگی میں (اور جو کچھ قلیل و کثیر کرنا ہو ابھی کردے وعدوں سے قناعت نہیں ہوتی کہ نقد قلیل بہتر ہے نسیہ کثیر سے جیساکہ ایک تمثیلی قصہ ہے کہ کسی صوفی نے کسی خواجہ محتشم

نے کہا کہ تیرے قدم کے لیئے میری جان فرش ہے (یعنی تیرے قدموں کے نیچے اپنی جان بچھاتا ہوں یہ مدح و تعظیم ہے یہ بتلا کہ) اے میرے شاہ صاحب تو آج ایک درم (لینا) چاہتا ہے یا کہ کل چاشت کے وقت تین درم۔ اس نے کہا کہ میرا ایک درہم پر زیادہ راضی ہونا جو کہ تو آج ہی دیدے اور کل کو سو درم (بھی دے تب بھی آج کا ایک درم اچھا اور یہ تو درم ہے نقد تو ایسی چیز ہے کہ) نقد چپت بھی ادھار عطا سے بہتر ہے۔ اب تیری سامنے قفا پیش کرتا ہوں نقد دیدے (کیونکہ انتظار کی کلفت تو رفع ہوئی تو اس میں ایک خاص وجہ سے ارجحیت ہوگی نیز من کل الوجوہ ادھار سے نقد کا ارجح ہونا بوجہ مذکور عام بھی ہے پھر خاصکر وہ چپت جو تیرے ہاتھ سے ہے کیونکہ (میری) قفا اور اس کی چپت (لگانا یعنی چپت کھانا یہ سب) تیرے عاشق ہیں (وہ من کل الوجوہ عطا نسیہ سے بہتر ہے اور وہ عطا سے تو ظاہر ہی ہے اور تیری عطا سے بھی جب کہ وہ عطا ہوتی تو یہ سیلی نہوتی اور اسکی وجہ یہ ہے کہ اسمیں تو قرب ابھی ہوتا ہے اور اسمیں بعد ہے اور قرب ایسی چیز نہیں کہ اس کا تاخر اسکے تقدم سے کسی وجہ سے بھی ارجح ہو گو یہ قرب بصورت قہر ہوگا لیکن معنی لطف ہی ہے اور مومنین کے بعض اقسام قرب کے تاخر کا وسوسہ نہ کیا جائے کیونکہ اس قرب کی اسوقت ان میں استعداد نہیں ہے اور جو قرب انکی استعداد کے لائق ہے اس سے یہ اسوقت بھی محروم نہیں یعنی قبول و رضا و نسبت و معیت اب قصہ تمثیلی ختم کر کے حاصل تمثیل کی درخواست کرتا ہے کہ) ہاں آجا اے سرو جان کے اور جان کے (یہ مبالغہ ہے) اسوقت کے نقد کو خوب غنیمت رکھ (اور) وہ چاند کا سامنہ رات کے چلنے والوں سے (کہ طالب ہیں چاند کے) مت چھپا (اور) اے آب رواں (غیر منقطع) اس ندی سے (کہ محتاج ہے آب رواں کی اور اسکی طالب ہے) سرمت پھیر تا کہ آب رواں سے ندی کا لب خندہ ہو جاوے (یعنی وہ شاداں و رونق دار ہو) اور (پھر) لب جوے یاسمین ظاہر ہو (پانی سے پھولوں کا پیدا ہونا ظاہر ہے مطلب یہ کہ فرحت اور آثار فرحت نمایاں ہوں آگے مقولہ ہے مولانا کا بطور انتقال کے طرف مضمون ارشادی کے کہ بنا علے مضمون الشعر المذکور) تو ندی کے کنارہ پر جب سبزہ مست دیکھے (اور اتفاق سے یہ علوم نہ تھا کہ یہاں ندی ہے اور یہ اس کا کنارہ ہے مثلاً اشجار وغیرہ حائل تھے مگر اس سبزہ کو جب دیکھے) پس دور سے جان لے کہ اسجگہ پانی ہے (خواہ ندی ہو یا مثل ندی کے مقصود بقرینہ شعر آیندہ یہ ہے کہ جب انوار و برکات کسی شخص پر دیکھو سمجھ لو کہ صاحب نسبت ہے کہ آب نسبت سے یہ پھول کھلے ہیں اسی کی نسبت) سیماهم فی وجوههم فرمایا ہے کردگار نے کیونکہ بارش کا مخبر سبزہ زار ہے اگر شب کو (مثلاً) بارش ہوا (اور) کوئی نہ دیکھے کیونکہ نیند میں ہوں ہر شخص اور ہر سانس و الا (یعنی حیوانات مگر) ہر باغ پائمال کی تازگی (جو صبح کو نظر آویگی) باران مخفی پر علامت ہوگی (کہ شب کو مینہ برسا ہے گو وہ دیکھا نہیں گیا آگے پھر رجوع ہے طرف قصہ کے۔

رجوع بحکایت موش و چغز آبی

اے اخی من خاکیم تو آبی اے میرے بھائی میں خاکی ہوں اور تو آبی ہے	لیک شاہ رحمت و وہابی لیکن تو شاہ ترحم اور منسوب الی الوہاب ہے
اینچناں کن از عطا و از قسم تو ایسا کر عطا اور حصہ بخشی سے	کہ گہ و بیگہ بخدمت میرسم کہ وقت اور بے وقت میں خدمت میں پہنچا کروں

برلب جو من بجاں میخوانمت — می نہ بینم از اجابت مرحمت

لب نہر پر میں جان سے تجھکو بلاتا ہوں — منظوری کی عنایت میں نہیں دیکھتا ہوں

آمدن در آب برمن بستہ شد — زانکہ ترکیبم زخاکی رستہ شد

پانی میں آنا مجھپر مسدود ہے — کیونکہ میری ترکیب خاک سے ناشی ہوئی ہی

یا رسولے یا نشانے کن مدد — تا ترا از بانگ من آگہ کند

یا توکوئی قاصد یا کوئی علامت مدد کیلئے مقرر کر — تاکہ تجھکو میرے پکارنے سے آگاہ کردے

بحث کردند اندریں کار آں دو یار — آخر ایں بحث آں آمد قرار

ان دونوں یاروں نے اس بارہ میں بحث کی — اس بحث کا انجام یہ قرار پایا

کہ بدست آرند یک رشتہ دراز — تا ز جذب رشتہ گردد کشف راز

کہ ایک لمبا ڈورا ہاتھ میں لاویں — تاکہ اس ڈورے کے کھینچنے سے کشف راز ہوجاوے

یک سرے بر پای ایں بندہ دوتو — بستہ باید دیگرش بر پائے تو

ایک سرا تو اس بندہ خمیدہ یا مطاعت العقیدہ کے پاؤنمیں بندھا ہوا ہونا چاہئے اسکا دوسرا سرا تیری پاؤں میں

تا بہم آیم زیں فن ما دو تن — اندر آمیزیم چوں جاں با بدن

تاکہ اس ترکیب سے ہم دونوں شخص مجتمع ہوسکیں — ملجایا کریں جسطرح جان نے بدن کے ساتھ

ہست تن چوں ریسماں بر پای جاں — می کشاند بر زمینش زآسماں

جسم مثل ریسمان کے ہے روح کے پاؤں میں — وہ اس کو آسمان سے زمین پر کھینچ لیتا ہے

چغز جاں در آب خواب بیہشی — رستہ از موش تن آید در خوشی

چغز روح آب خواب بیہوشی میں — موش تن سے چھوٹ کر خوشی میں آتا ہی

موش تن زاں ریسماں بازش کشد — چند تلخی زیں کشش جاں می چشد

موش جسم اُس ریسمان سے اسکو پھر کھینچ لیتا ہے — بہت تلخیاں اس کھینچ لینے سے روح چکھتی ہے

گر نبودے جذب موش گندہ مغز — عیشہا کردی درون آب چغز

اگر موش گندہ مغز کی کشش نہوتی — تو چغز پانی کے اندر بہت سے عیش کرتا

باقیش چوں روز برخیزی زخواب — بشنوی از نور بخش آفتاب

اس کا بقیہ جب تو روز معہود کو خواب سے اُٹھے گا — تو سُن لیگا آفتاب نور عطا کرنے والے سے

یک سر رشتہ گرہ بر پائے من — زاں سر دیگر تو بر پا عقد زن

ایک سرا ڈوریکا میری پاؤں میں گرہ لگا ہوا ہو — اُس دوسرے سری کی گرہ تو پاؤں پر لگائے

تا توانم من دریں خشکی کشید — مر ترا ناک شد سر رشتہ پدید

تاکہ میں اس خشکی میں کھینچ سکوں تجھکو — اب مقصود کی صورت سمجھ میں آگئی

تلخ آمد بر دل چغز ایں حدیث — کہ مرا در عقد آرد ایں خبیث

چغز کے قلب پر یہہ بات تلخ معلوم ہوئی — کہ مجھکو بند میں لانا چاہتا ہے یہ خبیث

(موش نے غوک سے کہا کہ) ای میرے بھائی (اگرچہ) میں خاکی ہوں (اور) تو آبی ہے (اور اس کا مقتضا یہ تھا کہ بوجہ عدم تجانس کے تو مجھپر مہربانی نہ کرتا) لیکن (باوجود اسکے چونکہ) تو شاہ ترحم اور منسوب لطف الوہاب (یعنی مظہر رحمت حق) ہے (اس لیئے میں تجھ سے درخواست ترحم کی کرتا ہوں چنانچہ جسکی رحمت کا تو مظہر ہے وہ بھی باوجود عدم تجانس کے بندوں پر رحمت فرماتا ہے پس اس ترحم کے مقتضا سے) تو ایسا کر عطا اور حصہ بخشی سے (جو کہ مقتضا ہے اُس ترحم کا) کہ وقت بے وقت میں (تیری) خدمت میں پہونچتا رہوں (اب تو یہ کیفیت ہے کہ) لب نہر پر (آکر) میں (دل و) جان سے تجھکو بلاتا ہوں (مگر) منظوری کی عنایت میں نہیں دیکھتا ہوں (اور کنارہ سے آگے بڑھکر) پانی میں آنا مجھپر مسدود ہے کیونکہ میری ترکیب (عنصر) خاک سے ناشی ہوئی ہے (اس لیئے آگے چل کر تجھکو نہیں بلا سکتا پس اسلیئے اسکی ضرورت ہے کہ) یا تو کوئی قاصد (جو باوجود خشکی میں رہنے کے ہر وقت پانی میں پہونچ سکے کہ میں اُس سے کہدیا کروں اور وہ تیرے پاس تو جہاں ہو پہونچ جاوے) یا کوئی (اور) علامت (اطلاع کی) مدد کے لیئے مقرر کر تاکہ تجھکو میرے پکارنیسے آگاہ کردے (قاصد تو مباشرۃً اور علامت تسبیبًا غرض) اُن دونوں یاروں نے اس بارہ میں بحث (وگفتگو) کی

(اور) اس بحث کا انجام یہ قرار پایا کہ ایک لمبا ڈورا ہاتھ میں لاویں تاکہ اس ڈوری کے کھینچنے سے کشف راز ہوجاوے (اس طریقہ سے کہ) ایک سرا تو اس بندۂ گزیدہ (یا عشق یا بندہ) مضاعف العقیدہ (کذا فی الحواشی) کے پاؤں میں بندھا ہوا ہونا چاہیے (اور) اس کا دوسرا سرا میری پاؤں میں (بندھا ہوا رہے) تاکہ اس ترکیب سے ہم دونوں شخص مجتمع ہوسکیں (کہ جب خبر کرنا چاہا ڈورا کھینچ لیا اور) ملا یا کریں جس طرح جان (ملی ہوئی) ہے بدن کے ساتھ (آگے انتقال ہے ظاہری قصہ سے باطنی حصہ کیطرف کہ اسی طرح یہ) جسم مثل ریسمان کے ہے روح کے پاؤں میں وہ (جسم) اس (روح) کو آسمان سے زمین پر کھینچ لیتا ہے (جیسا وہ چوہا ریسمان سے مینڈک کو کھینچ لیتا تھا پس روح مثل غوک کے ہوئی چنانچہ آیندہ شعر میں مع شرح فرماتے ہیں کہ) جغز روح آب خواب بیہوشی میں موش تن سے چھوٹ کر خوشی میں آتا ہے (یعنی بیہوشی و استغراق کی نیند سے جو کہ بوجہ راحت بخش ہونے کے مشابہ پانی کے ہے تعلقات مخصوصۂ جسم سے اس روح کو ذہول اور ملاء اعلی کی طرف اسکو کچھ مشغولی ہوجاتی ہے اور اوپر جسم کو ریسمان سے تشبیہ دی گئی ہے اور یہاں موش سے سوا و پر تسامح ہے مراد جسم سے تعلق ہے جسم کا پس جسم مشابہ موش کے ہوا اور علاقہ جسم مشابہ ریسمان کے اور کھینچنا یہ ہے کہ جسم ہی کا مزاج و خواص و طبیعت و عوارض سبب ہوتا ہے جاگ اٹھنے کا پس گویا جسم سبب ہوتا ہے روح کے ادھر متوجہ ہوجانیکا ورنہ اگر جسم سے مفارقت ہوجاوے اور اس سے علاقہ نہ رہے تو پھر احکام و افعال جسم سبب نہیں ہوتے توجہ روح کے چنانچہ آگے اسی تعلق و مفارقت کا ایک ایک شعر میں بیان ہے کہ) موش جسم اس ریسمان سے اس (روح) کو پھر کھینچ لیتا ہے بہت تلخیاں اس کھینچ لینے سے روح چکھتی ہے اگر موش گندہ مغز کی کشش نہ ہوتی (جیسا بعد مفارقت کے) تو جغز (روح) پانی کے اندر بہت سے عیش کرتا (ایک حالت تو اس کشش کی یہ ہے اور) اس (مضمون) کا بقیہ جب تو روز نفخ صور (یعنی قیامت) کو خواب (مرگ) سے اٹھے گا (یعنی دوبارہ زندہ ہوگا) تو سن لیگا آفتاب کو نور عطا کرنے والے سے (یعنی حق تعالی سے اور یہ سننا حالی ہوگا جو سماع قالی سے اوضح فی الانکشاف ہے مطلب یہہ اس روز اس عود الروح الی الجسم کے کامل درجہ کا مشاہدہ ہوجاویگا اور کامل ہونا اس کا ظاہر ہے کیونکہ وہ عود بعد مفارقت تام کے ہوگا بخلاف خواب کے کہ مفارقت من وجہ ہوتی ہے اور جس درجہ کی مفارقت ہوگی اسی درجہ کا عود ہوگا ان ناقصا فناقص وان تاما فتام آگے پھر مقولہ ہے موش کا یعنی) ایک سرا (اس) ڈورے کا میری پاؤں میں گرہ لگا ہوا رہے (اور) اس دوسرے سرے کی گرہ تو (اپنی) پاؤں پر لگالے تاکہ میں اس خشکی میں کھینچ سکوں تجھکو (بس) اب مقصود کی صورت سمجھ میں آگئی۔ جغز کے قلب پر یہ بات تلخ معلوم ہوئی کہ مجھکو بند میں لانا چاہتا ہے یہ خبیث۔

ہر کراہت در دل مرد بہی
جو کراہت مرد روشن ضمیر کے قلب میں آتی ہے

چوں در آید زآفتے نبود تہی
وہ کسی آفت سے خالی نہیں ہوتی

وصف حق داں آں فراست را نہ وہم
اس فراست کو وصف حق جان نہ کہ وہم

نور دل از لوح کل کردست فہم
نور دل نے لوح کل سے فہم کیا ہے

امتناع پیل از سیراں بہ بیت
ہاتھی کا ٹھٹکنا بیت اللہ شریف کی طرف چلنے سے

باجد آں پیلبان و بانگ ہیت
باوجود اس پیلبان کی کوشش کے اور بانگ ہیا کے

جانب کعبہ نرفتی پائے پیل — با ہمہ لت نے کثیر و نے قلیل

جانب کعبہ کے نہیں چلتا تھا پاؤں ہاتھی کا — باوجود تمام تر لاتیں مارنے کے نہ بہت اور نہ تھوڑا

گفتیئے خود خشک شد پاہائے او — یا بمرد آں جان ہول افزائے او

یوں کہو کہ اُسکے پاؤں خشک ہی ہوگئے تھے — یا اُس کی وہ جان ہول افزا مرگئی تھی

چونکہ کردندی سرش سوئے یمن — پیل نر دو اسپہ گشتے گام زن

جب اُس کا رُخ یمن کی طرف کرتے — تو وہ فیل نر تیزی سے قدم اُٹھانے لگتا

حس پیل از زخم غیب آگاہ بود — چوں بود حس ولیؑ با ورود

فیل کی حس اثر غیب سے باخبر تھی — تو ولی صاحب واردات کی حس کی تو کیا کیفیت ہوگی

نے کہ یعقوب نبی گفت آں زماں — کہ ازو جستند یوسف را نہاں

کیا یہ بات نہیں ہوئی کہ یعقوب پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا اُس وقت — کہ اُن سے یوسف علیہ السلام کو خفیہ طور پر مانگا

نے کہ یعقوب نبی آں پاک خو — بہر یوسف با ہمہ اخوان او

کیا یہ بات نہیں ہوئی کہ یعقوب نبی پاک خو نے — یوسف علیہ السلام کے لیئے اُنکے بھائیوں سے

از پدر چوں خواستند آں دادراں — تا برندش سوئے صحرا یک زماں

جب اُن بھائیوں نے باپ سے مانگا — تاکہ اُن کو ایک زمانہ کے لیئے صحرا کی طرف لیچلیں

جملہ گفتندش میندیش از ضرر — یک دو روزش مہلتے دہ اے پدر

سب نے اُنسے کہا کہ آپ ضرر سے اندیشہ نہ کیجئے — ایک دو روز اُن کو مہلت دیدیجئے اے پدر

تو چرا ما را نہ پنداری امیں — یوسف خود نسپری با حافظیں

آپ ہم کو معتمد کیوں نہیں سمجھتے — اپنے یوسف کو محافظین کے سپرد نہیں کرتے

تا بہم در مرجہا بازی کنیم — ما دریں دعوت امین و محسنیم

تاکہ ہم سبزہ زاروں میں ملاعبت کریں — ہم اس درخواست میں معتمد اور نیک معاملہ ہیں

گفت ایں دانم کہ نقلش از برم — می فروزد در دلم رنج و سقم

یعقوب علیہ السلام نے فرمایا میں یہ جانتا ہوں کہ میرے پاس سے اسکا لیجانا — میرے دل میں رنج اور کلفت کو مشتعل کرتا ہے

ایں دلم ہرگز نمی گوید دروغ — کہ ز نور عرش دل دارد فروغ

میرا یہ دل ہرگز دروغ نہیں کہتا — کیونکہ نور عرش سے وہ دل روشنی رکھتا ہے

آں دلیل قاطعی بد بر فساد — از قضا آں را نکرد او اعتداد

وہ خرابی پر دلیل قاطع تھا — قضا کے سبب انہوں نے اسکو معتد بہ قرار نہیں دیا

درگذشت از وی نشانے آنچناں — کہ قضا در فلسفہ بود آں زماں

وہ دلیل جو اس درجہ کی تھی ان سے گذر گئی — کیونکہ قضا حکمت میں تھی اسوقت

ایں عجب نبود کہ کور افتد بچاہ — بوالعجب افتادن بینائے راہ

یہ عجیب نہیں کہ نابینا گر پڑے کنوئیں میں — بڑا تعجب گر پڑتا ہے بینائے راہ کا

ایں قضا را گونہ گوں تصریفہاست — چشم بندش یفعل اللہ ما یشاست

اس قضا کے انواع انواع تصرفات ہیں — اسکی چشم بندی یفعل اللہ مایشاء ہے

ہم بداند ہم نداند دل فنش — موم گردد بہر آں مہر آہنش

قلب اسکے فن کو جانتا بھی ہے اور نہیں بھی جانتا ہے — اسکی مہر کے لئے اسکا آہن موم ہوجاتا ہے

گوئیا دل گویدے کہ میل او — چوں دریں شد ہرچہ باشد بش گو

گویا قلب کہتا ہے کہ اے شخص اسکا جب اسمیں میلان ہے تو پھر جو کچھ بھی ہو ہونے دے

خویش را ہم زیں معقل می کند　　در عقالش جان معقل می کند

وہ اپنے کو اس سے معقل بھی کر دیتا ہے　　اُسکی رسن میں جان کو بستہ کر دیتا ہے

گر شود مات اندریں آں بو العلا　　آں نباشد مات باشد ابتلا

اگر وہ صاحب مرتبہ عالیہ اسمیں کم ہمت ہو جاتا ہی　　تو وہ کم ہمت نہیں ہوتا ایک امتحان ہوتا ہی

یک بلا از صد بلایش وا خرد　　یک ہبوطش بر معارج ہا برد

ایک بلا اُسکو سو بلاؤں سے چھڑا لیتی ہے　　ایک ہبوط اُس کو مراتب عالیہ پر لیجاتا ہے

خام شوخے کہ رہا نیدش مدام　　از خمار صد ہزاران زشت خام

وہ شوخ خام کہ اُس کو شراب نے　　لاکھوں زشت خام کے خمار سے چھڑا دیا تھا

عاقبت او پختہ و استاد شد　　جست از رق جہاں آزاد شد

انجام کار وہ پختہ اور استاد ہو گیا　　دنیا کی غلامی سے نکل گیا۔ آزاد ہو گیا

از شراب لایزالی گشت مست　　شد ممیز از خلائق باز رست

شراب لایزالی سے وہ مست ہو گیا　　وہ خلائق سے ممیز ہو گیا وہ چھوٹ گیا

ز اعتقاد سست پر تقلید شاں　　وز خیال دیدۂ بے دید شاں

اُن کے اعتقاد سست پُر تقلید سے　　اور اُن کے دیدۂ بے بصیرت کے خیال سے

(یہاں سے مقولہ ہے مولانا کا بطور انتقال کے بمناسبت مضمون بالا کے کہ چغز کے قلب پر یہ بات تلخ معلوم ہوئی یعنی یہ تو ایک جنبہ تھا کہ جس بات کا انجام ضرر ہونے والا تھا وہ چغز کے قلب کو مکروہ معلوم ہوئی لیکن یہ حکم کلی بھی ہے کہ) جو کراہت مرد روشن ضمیر کے قلب میں آتی ہو (من البہار یعنی روشنی) وہ کسی آفت سے خالی نہیں ہوتی (اور) اُس فراست کو وصف حق جان نہ کہ وہم نور دل نے لوح کل سے (اُسکو) فہم کیا ہے (وصف حق سے مراد خاص صفت علم ہے اور اُسی کو لوح کل اس اعتبار سے کہا ہے کہ کل معلومات اُسکے روبرو حاضر ہیں۔ اور نور دل سے مراد وہی فراست مذکورہ مصرعہ اولے پس مصرعہ ثانیہ تفسیر ہے مصرعہ اولے کی اور اسی لوح کل و علم حق کو حدیث میں نور اللہ سے اور اس فراست و نور قلب کو نظر سے تعبیر فرمایا ہے حیث قال علیہ

السلام اتقوا فراسۃ المومن فانہ ینظر بنور اللہ اور اس فراست کے استناد الی صفۃ علم الحق کا مبنی مسئلہ مظہریت صفات عبد بصفات الحق اور تناسب بین الظاہر والمظہر ہے کما اشار الیہ الحدیث الذی رواہ البیہقی عن ام الدرداء فی فضل ہذہ الامۃ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن اللہ تبارک وتعالیٰ قال یا عیسیٰ انی باعث من بعدک امۃ اذا اصابہم ما یحبون حمدوا اللہ وان اصابہم ما یکرہون احتسبوا وصبروا ولا حلم ولا عقل فقال یا رب کیف یکون ہذا لہم ولا حلم ولا عقل قال اعطیہم من حلمی وعلمی کذا فی المشکوٰۃ آخر باب البکاء علی المیت اور اس فراست کی صحت شب و روز خواص عباد میں مشاہد ہے اور کسی جگہ تخلف ہو جانا قادح اسکی کلیت کا نہیں کیونکہ وہ مشروط ہے ارتفاع عوارض کے ساتھ اور چونکہ عوارض غیر صاحب وحی میں ہر وقت محتمل ہیں اسلئے یہ فراست حجت شرعیہ نہیں اور حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح یہ واقعات میں جاری ہے اسی طرح احکام شرعیہ غیر ظاہرۃ الدلیل میں بھی کما قال علیہ السلام الاثم ما حاک فی صدرک وقال علیہ السلام استفت قلبک اور احتمال عوارض یہاں بھی ہے آگے شعر ہر کراہت الخ کی دلیل ہے کہ انسان کامل میں ہونے کا کیا تعجب ہے بعض اوقات جانوروں کو اللہ تعالیٰ ایسا ادراک دیدیتا ہے چنانچہ ابرہہ کے قصہ میں) ہاتھی کا ٹھٹکنا بیت اللہ شریف کی طرف چلنے سے باوجود اس فیلبان کی کوشش کے اور بانگ بیا کے (ہیست اسم فعل ہے بمعنے بیا اور امتناع الخ یا مبتدا ہے محذوف الخبر یا خبر ہے محذوف المبتدا یعنی دلیل برآں ست آگے اس امتناع کا بیان ہے کہ) جانب کعبہ کے نہیں چلتا تھا پاؤں ہاتھی کا باوجود (فیلبان کے) تمام تر لاتیں مارنے کے نہ بہت (چلتا تھا) اور نہ تھوڑا (چلتا تھا گویا) یوں کہو کہ اسکے پاؤں خشک ہی ہوگئے تھے یا (یوں کہو کہ) اسکی وہ جان ہول افزا (کہ دوسرے اسکو دیکھکر ہول کھاویں) مرگئی تھی (لیکن) جب اس کا رخ یمن کیطرف کرتے تو وہ فیل نر تیزی سے قدم اٹھانے لگتا (پس حس حالت میں کہ) فیل کی حس اثر غیب سے باخبر تھی تو ولی صاحب واردات کی حس کی تو کیا کیفیت ہوگی (یہ تقریر ہوئی استدلال کی جو کہ ظاہر ہے آگے پھر دعوی کی تقریر ہے یعنی) کیا یہ بات نہیں ہوئی کہ یعقوب پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا اس وقت کہ ان سے (بھائیوں نے) یوسف علیہ السلام کو خفیہ طور پر مانگا (اس گفت کا مفعول آگے آویگا تکرار گفت کے ساتھ ایں دائم الخ اور خفیہ کے معنے یہ ہیں کہ مانگنے کی غرض خفیہ تھی) کیا یہ بات نہیں ہوئی کہ یعقوب نبی پاک خو نے یوسف علیہ السلام کے لئے ان کے بھائیوں سے (اس با اخوان کا عامل آگے آویگا گفت ایں دائم الخ اور درمیان کے جملے خواستند اور گفتند یہ سب حال واقع ہوجاوینگے یعنی) جب ان بھائیوں نے (کذا فی الغیاث) باپ سے مانگا تاکہ ان کو ایک زمانہ کے لئے صحرا کی طرف لیجاویں سب نے ان سے کہا کہ آپ ضرر (و تکلیف) سے اندیشہ نہ کیجئے۔ ایک دو روز ان کو مہلت دیدیجئے اے پدر آپ ہم کو معتمد کیوں نہیں سمجھتے (اور) اپنے یوسف کو (ہم) محافظین کے سپرد نہیں کرتے (کما قال تعالیٰ ما لک لا تامنا علی یوسف وانا لہ لناصحون تاکہ ہم سبزہ زاروں میں ملاعبہ کریں ہم اس درخواست میں معتمد اور نیک معاملہ ہیں یعقوب علیہ السلام نے فرمایا میں یہ جانتا ہوں کہ میرے پاس سے ان کا لیجانا میرے دل میں رنج اور کلفت کو مشتعل کرتا ہے کما قال تعالیٰ انی لیحزننی ان تذہبوا بہ اور کوئی آفت آنے والی معلوم ہوتی ہے کما قال واخاف ان یاکلہ الذئب اور میرا یہ دل ہرگز دروغ نہیں کہتا۔ کیونکہ نور عرش سے وہ دل روشنی رکھتا ہے (کوئی شخص شبہ نہ کرے کہ ان کو گرگ نے تو نہیں کھایا تھا تو وہ خیال دل کا تو غلط ہوگیا جواب یہ ہے کہ قلب کو اجمالاً اسی قدر منکشف ہوا تھا کہ کوئی آفت آویگی اور یہ صحیح تھا باقی تعیین اس آفت کی وہ منکشف نہوئی تھی اسکو راہ سے بطور احتمال فرمایا جیسا کہ اخاف کا مدلول صریح ہے کہ وہ محض احتمال تھا اور رائے کا غلط ہو جانا مضر نہیں۔ اور اسی طرح اس تمام قصہ

یوسفی میں جو خیال یعقوب علیہ السلام کے صحیح ہوئے وہ کشف تھا اور جو صحیح نہیں ہوئے وہ تفصیل کے درجہ میں رائے تھے اور اجمال کے درجہ میں وہ بھی کشف تھا اور اس درجہ میں ایک بھی غلط نہیں ہوا اور گو کشف و فراست کا خلاف واقع ہونا بوجہ اُس کے ظنی ہونیکے ممکن ہے جیسا اوپر فراست کی ظنیت کو احقر نے تصریحًا لکھا ہے مگر میں نے یہاں اس جواب کو اس لئے اختیار نہیں کیا کہ یعقوب علیہ السلام صاحب وحی ہیں اور ظاہر یہی ہے کہ اُن کا کشف و فراست مستند الی الوحی ہے اس لئے اُس کو ظنی کہنا زیبا نہیں چنانچہ آگے مولانا بھی اُس کو دلیل قاطع کہہ رہے ہیں یعنی) وہ (اُن کے دلکا حزن) خرابی (واقع ہونے) پر دلیل قاطع تھا (لیکن) قضا کے سبب اُنہوں نے اُس کو (معمول بہ ہونیکی حیثیت سے) معتد بہ نہیں قرار دیا (گو قطعی ہونے کے سبب معتقد فیہ سمجھا اسلئے) وہ دلیل جو اُس درجہ (قطعیت) کی تھی اُن (کے عمل) سے گذر گئی کیونکہ قضا (اپنی) حکمت میں تھی اُسوقت (نشان دلیل کو اسلئے کہا کہ دلیل انی علامت ہوتی ہے مدلول کی اور مطلق دلیل کا اطلاق دلیل انی ہی پر ہوتا ہے اور لمی کا اصل لقب علت ہے اور یہاں کشف یعقوبی مؤثر فی الواقعہ نہ تھا بلکہ صرف دال علی الواقعہ تھا پس اُسکو نشان کہنا بلا تکلف صحیح ہوا اور آنچناں کا ترجمہ ہے ویسا اور ویسے کا مطلب ہے عظیم الشان یعنی قطعی جیسا اوپر کے شعر میں اسکو دلیل قاطع کہا ہے پس نشان آنچناں اور دلیل قاطع اپنی اپنی دونوں جزو کے اعتبار سے کالمترادف ہیں اور میں نے جو مصرعہ از قضا آنرا نکرد اواعتداد کی تقریر کی ہے اُس سے یہ شبہ دفع ہوگیا کہ جب وہ قطعی تھا تو اُن کو اُس کا معتد بہ قرار نہ دینا جائز کیسے ہو سکتا ہے تقریر دفع ظاہر ہے کہ صرف حادثہ کا وقوع منکشف ہوا تھا سو وقوع کو غیر معتد بہ نہیں سمجھا و اشرت الیہ بقولی گو قطعی ہونے کے سبب الخ اور یہ حکم منکشف نہ ہوا تھا کہ اس کشف پر عمل کرو اور یوسف علیہ السلام کو نہ جانے دو اسلئے عمل کو غیر معتد بہ و غیر مہتم بالشان سمجھنا جائز تھا و اشرت الیہ بقولی معمول بہ ہونیکی حیثیت سے الخ بلکہ جب قضا کا تعلق اُس واقعہ سے مع اُسکی حکمتوں کے اور مع عدم نہی عن ارسال یوسف کے مکشوف ہوا تو رضا بالقضا کا مقتضی یہی عدم اعتداد بالکشف بدرجہ عمل تھا اور اس واقعہ میں جو حکمتیں تھیں اُنکی طرف مولانا نے اس شعر کے مصرعہ ثانیہ کہ قضا در فلسفہ الخ میں اشارہ کیا ہے کیونکہ فلسفہ کے معنے حکمت ہیں پس بعض کا فریب کے ساتھ تفسیر کرنا پھر اُسکی توجیہ تصحیح کی کرنا تکلف و تعسف ہے اور شعر این دلم الخ کی اخیر شرح میں جو میں نے کہا ہے کہ اُسکو ظنی کہنا زیبا نہیں باوجودیکہ ظاہر عبارت اس تقدیر استناد الی الوحی پر یہ ہے کہ ظنی کہنا صحیح نہیں وجہ اسکی یہ ہے کہ خود اس تقدیر استناد کی نسبت اسکے قبل کہا گیا ہے کہ ظاہر یہی ہے الخ پس اگر یہ استناد قطعی ہوتا تو وہ دوسری عبارت واجب تھی اب چونکہ یہ استناد خود ظنی ہے اسلئے پہلی عبارت اختیار کیگئی خوب سمجھ لو یہ سب مضامین ان تینوں شعروں کے متعلق یعنی این دلم الخ و آن دلیل الخ و در گذشت الخ نہایت ضروری ہیں آگے مولانا یعقوب علیہ السلام کے عدم اعتداد عمل بالکشف پر ظاہر کے اعتبار سے تعجب فرماتے ہیں کہ) یہ عجیب نہیں کہ نابینا گر پڑے کنویں میں۔ بڑا تعجب گر پڑنا ہے بینائے راہ کا (اور میں نے جو یہ کہا کہ ظاہر کے اعتبار سے الخ وجہ اُسکی یہ ہے کہ حقیقت میں یہ اسلئے عجیب نہیں کہ وہ بینا دھوکہ یا غفلت سے نہیں گرا جو تعجب ہو بلکہ اُس بینا کو جہاں اسکی بینش ہوئی کہ یہ کنواں ہے یہ بھی بینش ہوئی کہ میرا گرنا اسمیں مشیت و رضا دونوں امر کا متعلق بفتح اللام ہے اسلئے قصدًا اسمیں گر پڑا کہ ضرب الحبیب للعاشقین زبیبٌ والرضا بالقضاء للعارفین نصیبٌ و قد مر تقریرہ فی شرح مصراع کہ قضا در فلسفہ الخ آگے بھی اسی تعجب باعتبار الظاہر پر تفریع ہے کہ) اس قضا کے انواع انواع تصرفات ہیں اسکی چشم بندی (یعنی اُس قضا کا لوگوں کی آنکھیں بند کر دینا) یفعل اللہ ما یشاء (سے سبب ہے اور یہ بس مبالغۃً سبب کو مسبب پر محمول کر دیا یہ تو اُسکی ترکیب تھی آگے تفسیر ہے کہ وہ تصرف اور چشم بندی اسطرح ہے کہ عارف ذی کشف کا) قلب اُس (قضا) کے فن (و تدبیر) کو (من وجہ) جانتا بھی ہے اور (من وجہ) نہیں بھی جانتا ہے (اور یہ دونوں وجہ مصرعہ از قضا آنرا

نہ کرد اواعتداد کی شرح میں گذر چکی ہیں یعنی مرتبۂ علم واعتقاد میں توجانتا ہے اور مرتبہ عمل میں نہ لانے کے سبب گویا نہیں جانتا جیساکہ علم بلا عمل کو بہت آیات میں عدم علم کے حکم میں ٹھیرایا ہے پس مطلب نداند بالنون کا عمل نمی کند ہے اسی کو او پر چشم بند اور اسی کو تصریفات متنوعۂ قضا کہا ہے پس یہ چشم بندبھی باعتبار ظاہر کے ہے یعنی صورت چشم بندی کی سی ہے ورنہ وہ توجاننے کے بعد تسلیم وتفویض کرتا ہے اسلئے اس شعر کی تمہید میں کہا گیا ہے کہ تعجب باعتبار الظاہر پر تفریع ہے آگے مصرعہ ثانیہ میں اس بداند بالبار پر تفریع ہے کہ اسی وجہ سے) اُس (قضا) کی مہر (کرنے) کے لئے اُس (قلب) کا آہن (کلجین الماریعنی قلب قوی غیر متاثر من الحوادث وہو قلب اہل التمکین) موم (کیطرح) ہوجاتا ہے (جسپر مہر کرنا متعارف ہے یعنی تسلیم وتفویض اختیار کرلیتا ہے اور کشف پر اسطرح عمل نہیں کرتا کہ احتیاط وحذر اختیار کرے اس کا حاصل وہی ہے جسکو اوپر ایک جگہ عدم اعتداد فی درجۃ العمل اور ایک جگہ نداند سے تعبیر کیا ہے تو اس اخیر تعبیر کے اعتبار سے گویا بداند بالبار پر نداند بالنون متفرع ہوا آگے مصرعہ موم گردد الخ کی مزید شرح ہے یعنی) گویا (وہ) قلب (مذکور اپنے سے) کہتا ہے کہ اے شخص اُس (محبوب صاحب قضا) کا جب اسمیں میلان ہے تو پھر جو کچھ بھی ہو ہونے دے (مراد اس سے تسلیم ورضا جیسا پہلے گذرا ہے اور اس رضا وتسلیم کے سبب) وہ اپنے کو اس (بداند بالبار) سے منغفل بھی کردیتا ہے (اور نداند بالنون کا مصداق ہوجاتا ہے اور) اُس (قضا) کی رسن میں (اپنی) جان کو بستہ (ومقید) کردیتا ہے (اس کا حاصل وہی تسلیم ورضا ہے آگے یہ بتلاتے ہیں کہ ظاہر میں تو اس کی یہ حالت تدبیر و احتیاط سے تقاعد کرنا حالت نقصان کی معلوم ہوتی ہے لیکن چونکہ تفویض وتسلیم ورضا بالقضا تو اس کا منشا ہے اور مراتب قرب وقبول وترقی علوم ومعارف اس سے ناشی ہیں اسلئے یہ حالت عین کمال کی ہے پس شعر گر شود مات سے شعر زاعتقاد سست تک یہی مضمون ہے چنانچہ فرماتے ہیں کہ) اگر وہ صاحب مرتبہ عالیہ (یعنی عارف) اس (معاملہ) میں (تدبیر سے) کم ہمت ہوجاتا ہے تو وہ (واقع میں) کم ہمت نہیں ہوتا (اُس کا یہ حال) ایک امتحان ہوتا ہے (یعنی وہ ظہور ہوتا ہے اسکے کمال رضا بالقضا کا اسکو امتحان کہدیا کیونکہ غایت امتحان کی یہی ظہور ہے فاطلق السبب و ارید المسبب اسمیں تو اُسکی اس حالت کے منشار کی طرف اشارہ ہوگیا کہ وہ تفویض ورضا ہے اور آگے اس سے جو ثمرات ناشی ہوتے ہیں اُن کا ذکر ہے یعنی یہ) ایک بلا اسکو سو بلاؤں سے چھڑا لیتی ہے (اور اسکا یہ) ایک (ظاہری) ہبوط اُس کو مراتب عالیہ پر لے جاتا ہے (یعنی ایک بلا کو جو اُس نے دل سے قبول کیا اُس سے بہت سے اُسکے اخلاق درست ہوئے گناہ معاف ہوئے جو کہ اصلی بلائیں ہیں اور ظاہر میں تو یہ اُسکی پستی ہے کہ گرفتار بلا ہوکر اپاہج بیٹھا ہے لیکن رضا بالقضا کے سبب اُسکا قرب بڑھتا ہے اس ثمرہ کا حاصل تو حال ومقام کی ترقی ہوئی آگے دوسرا علم کی ترقی کا مذکور ہے کہ) وہ شوخ (یعنی عاشق) خام (یعنی ناقص) کہ اُسکو شراب (عشق الٰہی) نے (ایک درجہ میں) لاکھوں (خیالات) زشت خام کے خمار (وغلبہ وہجوم) سے چھڑا دیا تھا (اُسکو بھی ان حوادث میں رضا وتسلیم اختیار کرنے سے یہ نفع ہوتا ہے کہ ان خیالات غیر اللہ کا زوال اور اُسکی نظر توحید بجائے حال کے مقام ہوجاتا ہے چنانچہ) انجام کار (اگر اُسنے رضا کو اختیار کرلیا تو) وہ پختہ اور استاد ہوگیا (اور) دنیا کی غلامی سے نکلگیا (یعنی خلق سے اُسکی نظر بدرجۂ رسوخ مرتفع ہوگئی اور) آزاد ہوگیا (اور) شراب لایزالی سے وہ مست ہوگیا (اور) وہ خلائق سے (اس صفت میں) ممیز ہوگیا (اور) وہ چھوٹ گیا (کس چیز سے اگلے شعر میں بتلاتے ہیں کہ) اُن کے اعتقاد سست پر تقلید سے (کہ غیر حق کے وجود کو معتد بہ سمجھتے ہیں تقلید عقل متوسط کے) اور (وہ چھوٹ گیا) اُنکے دیدۂ بے بصیرت کے خیال سے (دیدہ سے مراد دیدۂ عقل یعنی ہرچند کہ وہ حصول عشق ابتدائی سے بھی غافل عن الخلق وشاغل مع الحق تھا اور ظاہرا اسکو درجۂ علم حاصل تھا مگر یہ علم اس کا پختہ نہ تھا رضا وتفویض سے کہ شعبہ ہے عبدیت کا ان علوم

ثمرہ است تفویض ورضا مراد از بلا گرفتار

میں رسوخ وکمال حاصل ہوگیا پس رضا بالقضا سے احوال وعلوم سب میں ترقی ہوئی یہ بیان ہوگیا اُسکے ثمرات کا اور شوخ کی لغوی معنے بیباک کے ہیں مگر چونکہ عشق کے لوازم عادیہ سے ہے بیباکی نہ بمعنے بے حیائی بلکہ بمعنی دلیری وعالی ہمتی وآزادی اس لئے مجازاً شعر خام شوخ الخ میں یہ تعبیر کیگئی ہے **ف** ان اشعار کی شرح جیسی ہوگئی ہے مجھکو ویسی امید نہ تھی وللہ الحمد وھو الذی ینزل الغیث من بعد ما قنطوا وینشر رحمتہ وھو الولی الحمید

اے عجب چہ فن زند ادراک شاں — **پیش جزر ومد بحر بے نشاں**

تعجب کی بات ہے اُن کا ادراک کیا تیر مارے گا — دریائے بے نشان کے اُتار چڑھاؤ کے سامنے

زاں بیاباں ایں عمارتہا رسید — **ملک وشاہی ووزارتہا رسید**

اس بیابان سے یہ سب عمارتیں پہونچی ہیں — ملک اور شاہی اور وزارتیں پہونچی ہیں

زاں بیابان عدم مستان شوق — **میرسند اندر شہادت جوق جوق**

اُس صحرائے عدم سے مستان شوق — پہونچ رہے ہیں شہادت میں جوق جوق

کارواں بر کارواں زیں بادیہ — **می رسد در ہر مسا وغادیہ**

قافلہ پر قافلہ اس صحرا سے — پہونچ رہے ہیں ہر شام اور ہر صبح میں

آید وگیرد وثاق ما گرو — **کہ رسیدم نوبت ما شد تو رو**

آتا ہے اور ہمارے گھر کو قبضہ کرکے لے لیتا ہے — کہ میں آپہونچا ہوں میری باری ہوگئی تو جا

چوں پسر چشم خرد را واکشاد — **زود بابا رخت بر گردوں نہاد**

جب بیٹے نے ہوش کی آنکھ کھولی — تو جلدی سے بابا نے سامان آسمان پر رکھا

جادۂ شاہ ست آں زیں سو رواں — **واں ازاں سو صادران وواردان**

یہ ایک سڑک اعظم ہے کہ ایک ادھر سے جارہا ہے — اور دوسرا ادھر سے صادر ہیں اور وارد ہیں

نیک بنگر ما نشستہ می رویم — **می نہ بینی قاصد جائے نویم**

خوب دیکھ ہم بیٹھے بیٹھے چل رہے ہیں — تو یہ نہیں دیکھتا کہ ہم ایک نئی جگہ کے قصد کرنیوالے ہیں

بہر حالے می نگیری راس مال
تو حال کے لئے راس المال نہیں لیا کرتا

بلکہ از بہر غرض ہا در مآل
بلکہ خاص اغراض کے لئے مآل میں

پس مسافر آں بود اے رہ پرست
پس مسافر وہی ہے اے ابن السبیل

کہ مسیر و روش در مستقبل ست
کہ سیر اور توجہ اسکی مستقبل میں ہو

ہمچناں کز پردۂ دل بے کلال
جسطرح سے کہ پردۂ قلب سے بلاتعب

و مبدم در میرسد خیل خیال
دمبدم پہونچا کرتے ہیں سواران خیال

گر نہ تصویرات از یک مغرسند
اگرچہ تصورات ایک منبت سے نہیں ہیں

در پے ہم سوئے دل چوں میرسند
تو ایک دوسرے کے پیچھے قلب کیطرف کیوں آرہے ہیں

جوق جوق اسپاہ تصویرات ما
جوق جوق ہمارے تصورات کا لشکر

سوئے چشمہ دل شتاباں از ظما
چشمۂ قلب کی طرف دوڑتے ہیں تشنگی سے

جرہا پر می کنند و مے روند
وہ تصورات گھڑے بھر بھر کر چلے جاتے ہیں

دائما پیدا و پنہاں می شوند
ہمیشہ ظاہر اور غائب ہوتے رہتے ہیں

فکر ہا را اختران چرخ داں
افکار کو اختران چرخ جان

دائر اندر چرخ دیگر آسماں
دائر ہیں دوسرے آسمان کے دائرے میں

سعد دیدی شکر کن ایثار کن
تونے سعد دیکھا تو شکر کر اور دوسروں پر بھی ایثار کر

نحس دیدی صدقہ و استغفار کن
نحس دیکھا تو صدقہ کر اور استغفار کر

اوپر تصرفات قضا کے وہ مصالح مذکور تھے جو راجع الی الدین یا بعنوان دیگر راجع الی الباطن تھے چنانچہ بر معارج ابروی باز رست تک کے حل میں حالی اور علمی ثمرات کی تقریر ہو چکی ہے آگے تصرفات قضا کے وہ مصالح مذکور ہیں جو راجع الی الدنیا یا بعنوان

ودیگر راجع الی الظاہر ہیں چنانچہ معلوم ہوگا اور یہ مضمون مستقلاً ذکر فرمایا جاتا ہے ماقبل کا تتمہ نہیں ہے یعنی عارف کو جو تفویض و
رضا للقضا سے ترقی ہوتی ہے جس کا اوپر ذکر تھا یہاں یعنی مابعد میں یہ مقصود نہیں کہ قضا کے ان تصرفات نوع آخر کے تفویض سے
بھی ترقی ہوتی ہے گو وہ بھی سبب ترقی ہے مگر یہاں اسکا ذکر نہیں ہے چنانچہ تمام اشعار مقام میں کہیں بھی اس کا ذکر نہیں پس
چونکہ یہ تتمہ نہیں بلکہ مستقل ہے اسلئے اسکو انتقال کہا جاویگا دوسرے مضمون کیطرف بمناسبت آخر اشعار بالا از اعتقاد دست
الخ کے یعنی اس شعر سے جو عوام کا تحقیق و بصیرت سے خالی ہونا مذکور ہے اسکے متعلق ہم مضمون آئندہ ذکر کرتے ہیں وہ یہ کہ تعجب
کی بات ہے (اگر عوام بحالت عوام یعنی بے بصیرت ہونے کے ادراک حقائق مذکورہ فیما بعد کا کریں) ان (بیچاروں) کا ادراک
(بحالت مفروضہ واقعیہ) کیا تیر مار یگا دریائے بے نشان کے اُتار چڑھاؤ (یعنی گھٹاؤ بڑھاؤ) کے سامنے (مراد اس دریا سے عالم
غیب ہے جہاں سے تصرفات قضا کا تعلق عالم شہادت سے ہوتا ہے اور جزر و مد سے مراد ان تصرفات کا تنوع و تلون ہے اور اسکو
بے نشان کہنا بوجہ اسکے غائب عن الحواس ہونے کے ہے جس طرح سے بے پتہ چیز محسوس نہیں ہوا کرتی مطلب یہ کہ بے بصیرت
آدمی بیچارہ تصرفات قضا کو جن کا نزول عالم غیب سے ہوتا ہے کیا سمجھے گا اور مقصود اس نفی ادراک سے ان کا عذر بیان کرنا نہیں جیسا
ظاہراً عنوان بے نشان سے معلوم ہوتا ہے کہ شاید یہ مطلب ہو کہ جب وہ بے نشان ہے تو اسکا کوئی کیا ادراک کرے بلکہ مقصود
ترغیب ہے تحصیل بصیرت کی دلیل اسکی اشعار آئندہ ہیں نیک بنگر الخ بہر جالس الخ پس مسافر الخ فکرہا را الخ سعد دیدی الخ حاصل
یہ کہ بلا بصیرت تو ادراک ہوتا نہیں اور ادراک ضروری ہے پس بصیرت حاصل کرنا چاہیئے آگے شرح ہے اس جزر و مد یعنی تصرفات کی
یعنی) اس بیابان (عالم غیب) سے یہ سب عمارتیں (عالم شہادت کی) پہونچی ہیں (اور) ملک اور شاہی اور وزارتیں
(سب وہاں ہی سے) پہونچی ہیں (چنانچہ ظاہر ہے کہ عالم شہادت مسبب احکام عالم غیب ہی سے ہے اور اوپر بحر اور یہاں
بیابان کہنا محض اختلاف عنوان باختلاف اعتبارات ہے اول باعتبار تشبیہ اسکے تصرفات کے جزر و مد کے ساتھ اور ثانی
باعتبار اس کی وسعت و سرا حجت کے ان قیود خاصہ عالم شہادت سے جیسا صحرا اسافرخ ہوتا ہے قیود خاصہ آبادی سے آگے ابہام
مذکور کی تفسیر کی تصریح ہے یعنی اوپر عنوان بیابان مبہم تھا آگے اسکو عدم کے ساتھ مقید کیا جو کہ اہل فن کے عرف خاص میں عالم غیب
پر اطلاق کیا جاتا ہے اسی طرح اوپر ملک و شاہی مبہم تھا آگے اسکو شہادت سے تعبیر کیا پس شعر آئندہ شعر مذکور کی تفسیر ہوگئی اور
اُس کے بعد پھر اُسی کی تفصیل چلی گئی پس فرماتے ہیں کہ) اس صحرائے عدم سے مستان شوق (یعنی کائنات کہ حکم تکوینی کی اطاعت
میں مشابہ ہیں مستان شوق کے) پہونچ رہے ہیں (عالم) شہادت میں جوق جوق (جسکی تفصیل یہ ہے کہ) قافلہ پر قافلہ اُس
صحرائے عدم (یعنی غیب) سے (عالم شہادت میں) پہونچ رہے ہیں ہر شام اور ہر صبح میں (اس طرح سے کہ ایک نیا قافلہ) آتا
ہے اور ہمارے (یعنی پرانے آئے ہوئے قافلہ کے) گھر کو قبضہ کر کے لے لیتا ہے (اور بزبان حال کہتا ہے) کہ میں آپہونچا ہوں میری باری
(آنے کی) ہوگئی (اب) تو (یہاں سے) جا (اس مضمون کا ایک مادہ تحقیق یہ بھی ہے کہ) جب بیٹے نے ہوش کی آنکھ کھولی
تو جلدی سے باپ نے (اپنا) سامان آسمان پر (لے جاکر) رکھا (یہ ایک مثال ہے اکثر ایسا ہی ہوتا ہے کہ اولاد کے ہوش
سنبھالنے کے بعد ماں باپ مرجاتے ہیں غرض) یہ (مسافت بین عالم الغیب و عالم الشہادۃ) ایک شاہراہ اعظم ہے کہ (اسمیں)
ایک ادھر سے (ادھر) جا رہا ہے اور دوسرا ادھر سے (ادھر آ رہا ہے تو کچھ) صادر ہیں اور (کچھ) وارد ہیں (صادر کے

یعنی کام کر کے واپس ہونے والا اور وارد کے معنی نیا آنے والا یہ تو بیان ہوا تصرفات قضا کا آگے ترغیب ہے اس تصریف کو بنظر بصیرت ادراک کرنے کی جیسے عدم پر او پر بکیر مذکور تھی ای عجب چہ فن زند ادراک شان الخ میں پس ارشاد ہے کہ) خوب (غور سے) دیکھ (کہ) ہم بیٹھے بیٹھے چل رہے ہیں (چنانچہ ظاہر ہے کہ گو ہم فی المکان حرکت نہ کریں اور نشستن سے یہ مراد ہے مگر فی الزمان عالم غیب کی طرف حرکت کر رہے ہیں اور سیر و یم سے یہ مراد ہے) تو (واقعات میں غور کر کے) یہ نہیں دیکھتا کہ ہم ایک نئی جگہ کے قصد کرنے والے ہیں (دنیا کہنا عوام کے حال کے اعتبار سے ہے کہ عالم شہادت کو اپنی اصلی جگہ سمجھتے ہیں ورنہ اول اور قدیم مقام تو عالم غیب ہی ہے نیک نگر میں تو صریح امر ہے نظر عبرت و بصیرت حاصل کرنیکا اور می نہبینی میں بھی جو کہ استفہام توبیخی ہے مقصود امر ہے اسی نظر عبرت و بصیرت کا اب اس نظر کی جو غایت ہے کہ وہی مقصود ہے امر بالنظر سے اسکی طرف متوجہ کرتے ہیں یعنی تجھکو دنیا کی تجارت کے متعلق یہ معلوم ہے کہ) تو حال کے لئے راس المال نہیں لیا کرتا بلکہ خاص اغراض کے لئے (لیا کرتا ہے) مآل میں (چنانچہ ظاہر ہے کہ تاجر جو راس المال لے کر تصرف کرتا ہے مقصود بالذات خود وہ راس المال یا تصرف نہیں ہوا کرتا بلکہ ربح جو مآل ہے مقصود ہوتا ہے اسی طرح تو عمر کا راس المال لیکر دنیا میں آنے کو سمجھ کہ مقصود اس عمر سے مقاصد حالیہ اکل و شرب و تمتع و تلذذ نہیں بلکہ مقصود اس سے مقاصد مآلیہ ہیں یعنی مثوبات آخرت اور وہ موقوف ہیں بعض خاص تصرفات فی العمر پر کہ وہ اعمال صالحہ و طاعات ہیں پس تجھکو چاہیئے کہ اغراض حالیہ سے اعراض کر کے اغراض مآلیہ میں مشغول ہو اور یہی مقصود تھا نظر عبرت کی تحصیل سے آگے اسکی سابق سے زیادہ تصریح ہے چنانچہ فرماتے ہیں کہ) پس مسافر (فہیم) وہی ہے اے ابن السبیل کہ سیر اور توجہ اسکی مستقبل میں ہو (یہاں تک تو بیان تھا عالم غیب اور عالم شہادت میں ان اشیاء کے ورود و صدور کا جن کو یہاں سے ذہاب کے بعد پھر ایاب نہیں ہوتا آگے بیان ہے ایسی اشیاء کے صدور و ورود کا جنکو اکثر صدور و ذہاب کے بعد پھر بھی ورود و ایاب ہو جاتا ہے کہ یہ ورود و صدور سابق سے زیادہ عجیب ہے اور راز اس میں یہ ہے کہ پہلی اشیاء موجودات خارجیہ ہیں بعد عدم عن الخارج کے بعد پھر اس عالم میں ان کا وجود حسب عادۃ الٰہیہ عود نہیں کرتا اور یہ اشیاء موجودات ذہنیہ ہیں یعنی خیالات اور ان کا عود خلاف عادت الٰہیہ نہیں اسی کو فرماتے ہیں کہ ان موجودات مذکورہ کا عالم غیب سے عالم شہادت میں آنا اور جانا ایسا ہے جس طرح سے کہ پردۂ قلب سے بلا تعب (یعنی بے تکلف) دمبدم پہونچا کرتے ہیں سواران خیال (از پردۂ دل میں تو مبدا ان کا بتلایا ہے اور منتہا ان کا دوسرے شعر آئندہ میں ہے فی قولہ سوئے دل وفی قولہ سوئے چشمہ دل اور اسطرح مبتدا و منتہا قلب ہی ہوا تو میرے نزدیک دل سے مراد مبدا میں تو قلب حقیقی ہے جو کہ لطیفہ مجردہ ہے اور موجودات عالم غیب سے ہے اسی لیے مولانا نے اسکو پردہ یعنی انچہ در پردہ باشد سے تعبیر کیا ہے اور منتہا میں مراد قلب صنوبری ہے جو کہ مضغہ لحمیہ و مورد خیالات و موجودات عالم شہادت سے ہے پس خیالات کا عالم غیب سے عالم شہادت کی طرف آنا اس سے ظاہر ہوگیا آگے اسکی تائید ہے کہ یہ سب خیالات اسی لطیفہ قلبیہ من اجزاء عالم الغیب سے ہیں یعنی) اگر یہ تصورات ایک منبت (یعنے جای درخت نشاندن وجای روئیدن) سے نہیں ہیں تو ایک دوسرے کے پیچھے قلب (صنوبری) کی طرف کیوں آرہے ہیں (یہ استدلال اقناعی مقدمہ عادیہ سے ہے یعنی عادت یہ ہے کہ ایسا تعاقب کہ بلا کسی کے اہتمام کے ایک دوسرے کے پیچھے برابر آرہا ہو عادۃً موقوف ہے خاص اس تناسب پر کہ وہ سب چیزیں ایک جگہ مجتمع رہے ہیں اور ہم دیکھتے ہیں کہ خیالات جو قلب صنوبری میں وارد ہیں ان میں ایسا ہی تعاقب ہے کہ خود بخود ایک خیال کے بعد دوسرا اور دوسرے کے بعد تیسرا الی ما لا یقف عند حد سلسلہ وار

چلے آتے ہیں تو ضرور اُن میں بھی ایسا ہی تناسب ہے اور چونکہ وہ اعراض ہیں اُن میں بلاواسطہ محل کے اجتماع ہو نہیں سکتا تو لامحالہ وہ چندے ایک محل میں جمع رہے ہیں اور قلب صنوبری کے قبل بجز قلب حقیقی کے اور کوئی محل ثابت نہیں ہوا پس ظناً واقناعاً ثابت ہوا کہ وہ سب قلب حقیقی میں مجتمع تھے اور یہی معنی ہیں از بیک مغز سند کے عزم (جوق جوق ہماری تصورات کا لشکر چشمہ قلب (صنوبری) کی طرف دوڑتے ہیں تشنگی (یعنی اشتیاق) سے (اور اس اشتیاق سے ویسے ہی معنی مراد ہیں جیسے اوپر سیر زاں بیاباں عدم میں مستان شوق میں مراد تھے یعنی حکم تکوینی سے مثل شائق کے مطیع ہیں اور یہاں تک ذکر تھا اُن خیالات کے ورود کا آگے ذکر ہے صدور کا یعنی) وہ تصورات گھڑے بھر بھر کر (واپس) چلے جاتے ہیں (چونکہ اوپر کہا ہو از ظما اس لئے اُسکی مناسبت سے یہاں اُن خیالات کے ذہاب بعد حصول غایا تھا کو اس عنوان سے تعبیر کیا اور وہ غایات خواہ واقعی ہوں یا خیالی مثلاً یہ خیال آیا کہ روپیہ حاصل کروں اور جب روپیہ حاصل ہوگیا وہ خیال جاتا رہا یہاں تو غایت واقعیہ حاصل ہوئی یا یہ خیال آیا کہ میں فلاں شخص سے رتبہ میں بڑا ہوں اور اپنے نزدیک کچھ تائیدات خیالیہ سے تسلی کر کے وہ خیال ختم ہوگیا یہاں غیر واقعی غایت حاصل ہوگئی و مثل ذالک اور اس میں ان خیالات کے مصالح بھی معلوم ہوگئے کہ ان ہی غایات پر تمام کارخانۂ عالم چل رہا ہے گو غیر واقعی ہی کیوں نہوں اور یہ جاتا رہنا اکثر ایسا ہوتا ہے کہ پھر عود کر آتا ہے تو ضرور اس اثنا میں وہ کسی خزانہ میں رہا ہے کہ اُس سے پھر چلا آتا ہے جیسا حکما نے ہر قوت مدرکہ کا ایک ایک خزانہ جدا جدا مانا ہے سو اگر کوئی شخص خزانۂ حقیقی صرف قلب حقیقی کو مان لے اور ان خزائن کو محض وسائط مانے جیسے حکما نے اصل مدرک نفس کو مانا ہے اور باقی مدرکات کو آلات تو اسمیں کیا استبعاد ہے اور اس صورت میں ان سب خیالات کا صدور عالم غیب کیطرف ظاہر ہوجاویگا مولانا کا ظاہر کلام اسی پر منطبق ہوتا ہے اور کبھی اگر بالکل نسیان ہوجاوے تو ممکن ہے کہ وہ اس مقام پر مذکور نہو اگر اکثر خیالات کا صدور بھی مذکور ہو نفس مدعا کے اثبات میں کافی ہے کیونکہ ایجاب کلی کا دعوی مقصود بھی نہیں چونکہ اس صدور کے بعد پھر بھی کبھی ورود ہوتا ہے اور یہی ورود بعد الصدور مابہ الامتیاز ہے اشیاء سابقہ و اشیاء لاحقہ میں اس لئے ورود اول پھر صدور پھر ورود ثانی بعد الصدور کا سلسلہ جاری رہنے کی بنا پر فرماتے ہیں کہ یہ خیالات) ہمیشہ ظاہر اور غائب ہوتے رہتے ہیں (اور جسطرح اشیاء سابقہ کے ورود و صدور پر نظر اعتبار و استبصار کی ترغیب دی تھی اسی طرح ان اشیاء لاحقہ کے ورود و صدور مذکور پر ایسی ہی نظر کی ترغیب ہے پس فرماتے ہیں کہ ان) افکار کو (مثل) اختران چرخ (کے) جان (جو) دائر ہیں دوسرے آسمان کے دائرہ میں (مراد اس دیگر آسمان سے قلب حقیقی بھی کہ اول وہاں گردش کرتے ہیں اور اُسکا احساس اس شخص کو نہیں ہوتا اور صنوبری بھی کہ ثانیاً اُسمیں گردش کرتے ہیں اور اُسکا احساس بھی ہوتا ہے آگو اس گردش کے محسوس ہونے پر جو کہ قلب صنوبری میں آنیکے وقت ہوگا تفریع کرتے ہیں کہ اگر) تو نے سعد دیکھا تو شکر کر اور دوسروں پر بھی ایثار کر (یعنی دوسروں کو بھی نفع پہونچا) اور اگر) نحس دیکھا تو صدقہ کر اور استغفار کر (مطلب یہ کہ جسطرح نجومی کواکب میں سعد و نحس مانتے ہیں وہ تو مہمل ہیں مگر ہاں ان خیالات میں سعد و نحس ضرور ہیں یعنی جو خیال سبب طاعت ہو وہ سعد ہے اور جو جاذب الی المعصیت ہو وہ نحس ہے پہلے خیال پر شکر بجالا اور دوسرے پر پناہ مانگ اور یہی مراد ہے اعتبار و استبصار سے) **ف** میں ان اشعار کے ارتباط میں ماقبل کے ساتھ اور شعر اول میں جو لفظ بحر واقع ہوا ہے اُسکی مراد میں دو دن بہت بہت دیر متحیر رہا جب عاجز ہوگیا دعا کی کہ مولانا کے کلام کی تفسیر اُن ہی کے کلام سے واضح فرمادی جاوے پس بسم اللہ کر کے اس دفتر سادس کو بند کر کے کیفما اتفق

کھولا تو یہ اشعار نکلے ؎ طالب الدنیا و توفیرا تہا ﴿ طالب العلم و تدبیرا تہا ﴿ پس درین قسمت چو بگماری نظر ﴿ غیر دنیا باشد این علم اے پدر ﴿ غیر دنیا پس چہ باشد آخرت ﴿ کت کند زینجا و باشد رہبرت ﴿ غیر دنیا آخرت باشد یقین ﴿ کان برد زینجات آنجا اے امین ﴿ اس سے توارتباط ظاہر ہوگیا جسکو میں نے ان اشعار کی شرح کے اول میں لکھا ہے کہ اوپر مصالح راجع الی الدین تھے اور آگے راجع الی الدنیا ہیں پھر دوبارہ کھولا تو اس بحث کے اختتام کا یہ شعر نکلا ؎ دندراں حسبہ اش سقای زرع بود ﴿ آب نہر آں روز بہر ش می کشود ﴿ اس سے تعبیر بحر کی سمجھ میں آگئی کہ مراد اس بحر سے موجود حادث ہے اس لئے عالم غیب انکی تفسیر کردی گئی موجود قدیم مراد نہیں کہ کبھی اسکو بھی مجازاً بحر سے تعبیر کردیتے ہیں بحکم واما بنعمۃ ربک فحدث اس واقعہ کو ذکر کیا گیا و للہ الحمد علے ما الھم وافہم

ما کسیم این را بیا ای شاہ من ہم اسکے لئے کیا چیز ہیں ای میری بادشاہ آپ توجہ فرمائیے	طالعم مقبل کن و چرخے بزن میری طالع کو با اقبال کر دیجئے اور ایک گردش دیجئے
روح را تاباں کن از انوار ماہ روح کو روشن کیجئے انوار ماہ سے	زاں کہ ز آسیب ذنب شد جاں سیاہ کیونکہ وہ جان صدمہ ذنب سے سیاہ ہوگئی ہے
روح را زاں نور مہ کن ملتہب روح کو اس نور ماہ سے مشتعل کیجئے	کہ سیہ شد جان من ز آسیب تب کیونکہ میری روح سیاہ ہوگئی ہے صدمہ تپ سے
از خیال و وہم و ظن بازش رہاں خیال اور وہم اور ظن اسے اسکو چھڑا دیجئے	از چہ و جور رسن بازش رہاں چاہ اور جور رسن سے اسکو چھڑا دیجئے
تا ز دلداری خوب تو دلے تاکہ آپ کی دلداری خوب سے ایک دل	پر برآرد بر پرد ز آب و گلے پر پیدا کرے آب و گل سے اڑ جاوے
اے عزیز مصر جانم دست گیر ای میرے مصر روح کے عزیز دستگیری کیجئے	عذر ایں زندانی خود در پذیر اپنے اس قیدی کا عذر قبول کیجئے
اے عزیز مصر در پیماں درست اے عزیز مصر جوکہ درست عہد ہیں	یوسف مظلوم در زندان تست یوسف مظلوم آپکے زندان میں ہے

در خلاص او یکے خوابے ببیں
اسکی خلاصی کے لیے ایک خواب دیکھ لیجیے

زود کاللہ یحب المحسنین
جلدی سے کیونکہ اللہ تعالیٰ دوست رکھتا ہے احسان کرنے والوں کو

ہفت گاو لاغری پر گزند
سات گائے لاغر پر ضرر

ہفت گاو فربہش را میخورند
اسکی سات گائے فربہ کو کھا رہی ہیں

ہفت خوشہ خشک زشت و ناپسند
سات خوشہ خشک اور زشت اور ناپسند

سنبلات تازہ اش را میچرند
اسکے تازہ خوشوں کو چر رہے ہیں

قحط از مصرش بر آمد اے عزیز
اے بادشاہ اسکے مصر سے قحط ظاہر ہوا ہے

ہیں مباش اے شاہ ایں را مستجیز
ہاں اے بادشاہ اسکو جائز نہ رکھیے

یوسفم در حبس تو اے شہ نشاں
میں یوسف ہوں آپکے حبس میں اے بادشاہ ایک نشان بھیجیے

ہیں ز دستان زنانم وا رہاں
ہاں عورتوں کے مکر سے مجھکو چھڑا دیجیے

از سوے عرشی کہ بودم مربط او
عرش کی جانب سے کہ وہ میرا مسکن تھا

شہوت مادر فگندم کاہبطوا
مجھکو ماں کی شہوت نے گرا دیا کہ اترو

پس فتادم زاں کمال مستتم
پس میں اس کمال تام سے گر گیا

از فن زالے بزندان رحم
ایک پیرزال کے فن سے زندان رحم میں

روح را از عرش آرد در حطیم
روح کو عرش سے ایک شکستہ مکان میں لے آتا ہے

لاجرم کید زناں باشد عظیم
لاجرم عورتوں کا کید عظیم ہوتا ہے

اول و آخر ہبوط من ز زن
میرا اول ہبوط اور آخری ہبوط عورت ہی سے ہوا

چونکہ بودم روح و چوں ہستم بدن
جبکہ میں روح تھا اور جبکہ میں بدن ہوں

بشنو ایں زاری یوسف در عثار
یوسف کی یہ زاری ٹھوکر کھاتے ہیں سن لیجئے

یا براں یعقوب بیدل رحم آر
یا اُس یعقوب بیدل پر رحم کیجئے

نالہ از اخواں کنم یا از زناں
میں نالہ بھائیوں سے کروں یا عورتوں سے

کہ فگندندم چو آدم از جناں
جنھوں نے مجھکو آدم علیہ السلام کی طرح جنت سے باہر پھینکدیا

زاں مثال برگ دے پژمردہ ام
میں اس لئے مثل خزاں کے پژمردہ ہو رہا ہوں

کز بہشت وصل گندم خوردہ ام
کہ بہشت وصل سے گیہوں کھالیا

چوں بدیدم لطف و اکرام ترا
جب میں نے آپکے لطف و اکرام کو دیکھا

واں سلام سلم و پیغام ترا
اور آپکے سلام صلح اور پیام کو

من سپند از چشم بد کردم پدید
تو میں نے چشم بد کے سبب اسپند کو نکالا

در سپندم نیز چشم بد رسید
سپند میں بھی مجھکو چشم بد لگ گئی

دافع ہر چشم بد از پیش و پس
ہر چشم بد کی دافع پیچھے سے اور آگے سے

چشمہائے پرخمار تست و بس
آپ کی پرخمار آنکھیں ہیں اور بس

چشم بد را چشم نیکویت شہا
چشم بد کو آپ ہی کی چشم خوب اے بادشاہ

مات و مستاصل کند نعم الدوا
عاجز اور از بیخ برکندہ کرتی ہے وہی اچھی دوا ہے

بل ز چشمت کیمیا ہا می رسد
بلکہ آپکی چشم سے کیمیائیں پہونچتی ہیں

چشم بد را چشم نیکو می کند
وہ چشم بد کو چشم خوب کردیتی ہیں

چشم شہ بر چشم باز دل زدست
چشم شاہی نے باز قلب کی چشم پر اثر کیا

چشم بازش سخت باہمت شدست
اُس شاہ کے باز کی چشم نہایت باہمت ہوگئی

تا زبس ہمت کہ یابید از نظر
یہاں تک کہ غایت ہمت کے سبب جو کہ آپ نے نظر سے پائی ہے

می نگیرد باز شہ جز شیر نر
باز شاہی بجز شیر نر کے کسی کو نہیں پکڑتا

شیر چہ کاں شاہباز معنوی
شیر کیا چیز ہے بلکہ وہ شاہباز معنوی

ہم شکار تست و ہم صیدش توئی
آپکا شکار بھی ہے اور آپ اُسکے صید بھی ہیں

شد صفیر باز جاں در مرج دیں
باز روح کی آواز چراگاہ دین میں

نعرہاے لا احب الآفلیں
لا احب الآفلیں کے نعرے ہیں

باز دل را کز پے تو می پرید
باز قلب کو جو کہ آپ کے لئے اُڑ رہا تھا

از عطاے بیحدت چشمے رسید
آپکے عطائے غیر محدود سے ایک بینا آنکھ وصول ہوئی

یافت بینی بوی و گوش از تو سماع
بینی نے قوت شامہ اور کان نے آپکی طرف سے قوت سامعہ

ہر حسے را قسمتے آمد مشاع
حاصل کی ہر حس کا حصہ مشہور ہے

ہر حسے را چوں دہی رہ سوئے غیب
جس حس کو بھی جب آپ غیب کیطرف راہ دیتے ہیں

نبود آں حس را فتور مرگ و شیب
تو اُس حس کو ضعف موت اور بڑھاپے کا نہیں ہوتا

مالک الملکی بحس چیزے دہی
آپ مالک الملک ہیں حسکو ایسی چیز دیدیتے ہیں

تاکہ بر حسہا کند آں حس شہی
تاکہ اور حسوں پر وہ حس بادشاہی کرے

جہد کن تا حس تو بالا رود
تو کوشش کر تاکہ تیری حس بالا کی طرف جاوے

تاکہ کار حس ازاں بالا شود
تاکہ حس کا فعل اسکے سبب بالا ہو جاوے

(یہاں سے انتقال ہے دوسرے مضمون کیطرف جو مضمون بالا کا عین تو نہیں مگر مناسب ہے یعنی اوپر اشیا مختلفہ کا عالم غیب سے عالم شہادت میں اضطراراً وتکویناً متوجہ ہونے کا مضمون تھا اب اسکی مناسبت سے اپنے اختیاراً وقصداً عالم شہادت

میں متوجہ ہونیکا یعنی مقتضیات غضب و شہوات میں مبتلا ہوجانے کا جوکہ اکثر اہلِ غفلت کی حالت ہے مضمون ہے گو اُس کے
ساتھ تبعًا اظہار عجز و استجلاب ترحم کے لیے کہیں کہیں توجہ اضطراری مذکور کا بھی ذکر ہے لیکن مقصودًا توجہ اختیاری ہی
مذکور ہے اور اسکو بطریق مناجات والتجا بجناب حق سبحانہ و تعالیٰ ذکر کیا ہے جسکا حاصل استدعا ہے اس بلیّہ سے نجات و خلاصی
کی اور طلب ہے عنایت و اصلاح کی اور بیان ہے اس عنایت و کرم کے بعض آثار و خواص کا لیکن حسب عادت ایک آدھ
جگہ غلبۂ حال میں کلام مستانہ بھی ہوگیا ہے جسمیں بعض عنوانات و تعبیرات ظاہر کے خلاف اور محتاج تاویل ہیں یہ خلاصہ ہے
اِن سب اشعار کا پس کہتے ہیں کہ میں نے جو اوپر کہا ہے کہ خیالات نحسہ و مضرہ کہ جو کہ عالم غیب سے اضطرارًا آتے ہیں تدارک کی تدبیر
طاعات بدنیہ و مالیہ سے کرو اور اُنکی غوائل میں قصدًا و اختیارًا مت پھنس جاؤ کہ اُن کے مقتضا پر عمل مت کرنے لگو اس طرح
سے کہ شہوات و غضب میں مبتلا ہوجاؤ سو گو میں نے اُسکی تدبیر کرنے کو کہا ہے لیکن اصل تو یہ ہے کہ اس تدبیر کا نافع و مؤثر ہونا بھی
حق تعالیٰ ہی کے فضل و توفیق پر موقوف ہے اسلئے اُسکی درگاہ میں مناجات کرتا ہوں کہ وہ ان بلیات سے نجات بخشے وہ
مناجات و استرحام یہ ہے) ہم اس (تدارک مذکور) کے لئے کیا چیز ہیں (یعنی ہماری تدبیر کیا کافی ہے) ای میرے (حقیقی) بادشاہ
آپ توجہ فرمائیے (اور) میرے طالع کو با اقبال کر دیجئے (یعنی حالات نحسہ مذکورہ کی تبدیل کر دیجئے) اور (اُس کو اکب خیالات نحسہ کو)
ایک گردش دیجیے (جس سے وہ سعد ہوجاویں آگے بلفظ دیگر اسکی تفسیر ہے یعنی میری) روح کو روشن کیجیے انوار ماہ (ذکر و طاعات و حسنات)
سے کیونکہ وہ جان (یعنی روح) صدمۂ ذنب سے (کہ ایک نقطہ ہے بمنزلہ دو نقطوں کے جسمیں آفتاب کے آجانے سے اسکو کسوف ہو جاتا
ہے جسکی تحقیق عشر ثالث کے شروع میں بذیل شعر کز ذنب پرہیز کن الخ گذری ہے مراد اس سے ظلمت ہے سیئات و غفلت کی یعنی اس
ظلمت غفلت و معصیت سے) سیاہ ہوگئی ہے روح کو اُس نور ماہ سے مشتعل کیجیے کیونکہ میری روح سیاہ ہوگئی ہے صدمۂ تپ (شہوت
و غضب) سے (شہوت و غضب میں حرارت طبعیہ ہونے سے اُس کو تپ سے تشبیہ دینا نہایت مناسب ہے) خیال اور وہم اور ظن
(ان تصورات نحسہ مضرہ مفضی الی المعاصی) سے اُس (روح) کو چھڑا دیجیے (اور) چاہ اور جور رسن (یعنی اعمال مضرہ مفضی الی الہلاک
والبوار) سے اسکو چھڑا دیجیے (اور احوال مبعدہ عن الحق دو ہی ہیں علوم مضرہ و اعمال مضرہ دونوں سے نجات طلب کی گئی)
تاکہ آپکی دلداری خوب سے ایک دل (یعنی میرا دل) پر پیدا کرلے (اور) آب و گل (یعنی تعلقات مذمومہ عالم شہادت) سے اُڑ جاوے
(اور جلدی سے نکل جاوے دلے کی تنکیر تحقیر کے لیئے ہے بغرض ترحم کے) اے میری مصر روح کے عزیز (بادشاہ میری) دستگیری کیجیے
(اور) اپنے اس قیدی کا عذر قبول کیجیے (عزیز کا اطلاق مصر کے وزیر و بادشاہ دونوں پر آتا ہے یہاں بادشاہ مراد ہے روح کو یوسف
علیہ السلام سے تشبیہ دی بوجہ زنداں میں گرفتار ہونے کے اور چونکہ اُن کو شاہِ مصر نے چھوڑا تھا اسلئے حق تعالیٰ کو عزیز سے تشبیہ دی
یعنی میں زندان غضب و شہوت میں مبتلا ہوں مجھکو خلاصی دیجیے) اے عزیز مصر جو کہ درست عہد ہیں (کما قال تعالیٰ ومن اوفی
بعہدہ من اللہ) یوسف مظلوم آپ کے زندان میں ہے (یہ اضافۃ تملیکیہ ہے اور یہ مطلب کہ آپ نے پھنسا دیا اسکو تو بیان درست
ہیں قطع کر دیا اشارہ اسطرف ہے کہ آپکی طرف سے تو وفا ہی وفا ہے یہ سب جفا میری طرف سے ہے اور مظلوم اسلئے کہا کہ نفس و
شیطان نے روح پر تعدی کر رکھی ہے آگے اسی مضمون کا ایک عنوان محتاج تاویل ہوگیا ہے یعنی) اُس (یوسف) کے خلاصی کے لیئے
ایک خواب دیکھ لیجیے جلدی سے کیونکہ اللہ تعالیٰ دوست رکھتا ہے احسان کرنے والوں کو (مراد تو جہ ہے جو سبب ہو جاوے خلاصی کا

جیسا شاہ مصر کا خواب بواسطہ تعبیر یوسف علیہ السلام کے اُن کی خلاصی کا سبب ہو گیا تھا اور وہ تاویل ہی تشبیہ ہے اور تشبیہ بھی من کل الوجوہ نہیں کہ سب اجزاء مشبہ بہ کے مقابل مشبہ میں بھی اُتنے ہی امور ہیں من رؤیتہ للمنام وطلب تعبیرہ ثم ذکر احد المفتیین لہ ثم تعبیر یوسف ونحو ذلک کما ھو ظاہر اور اللہ یحب المحسنین میں وضع مظہر موضع مضمر ہے مطلب یہ کہ آپ مجھپر توجہ فرمایئے کیونکہ آپ تو اہل احسان کو دوست رکھتے ہیں تو خود کیوں نہ احسان فرماویں گے ولکن لا تظفر باحسن من ھذا الوجہ لھذا الکلام اب لفظ خواب یہیں کی مناسبت سے بعض اجزاء خواب کے مناسب عنوان سے عرض حاجت کرنے لگے کہ روح کی ایسی حالت ہو گئی ہے کہ) سات گائیں لاغر پُر ضرر اس (روح) کے سات گائے فربہ کو کھا رہی ہیں (اور) سات خوشہ خشک اور زشت اور ناپسند اُسکے تازہ خوشوں کو چر رہے ہیں (مراد یہ کہ اُسکے احوال سیئہ اُسکے احوال حسنہ کو ضرر پہونچا رہے ہیں اور اس شعر کی تمہید میں جو میں نے تقریر کی ہے اس سے یہ اشکال جاتا رہا کہ جب اللہ تعالیٰ کو بادشاہ مصر سے تشبیہ دی تو اللہ تعالیٰ میں اسکا تحقق بے معنے ہے وجہ دفع ظاہر ہو کہ مقصود تشبیہ من کل الوجوہ نہیں ہے محض مناسبت لفظیہ مقام سے یہ بھی ایک تعبیر ہے مقصود کی اسی طرح ایسی ہی مناسبت سے شعر آیندہ کا بھی عنوان ہے یعنی) اے بادشاہ اس (یوسف روح) کے مصر سے قحط ظاہر ہوا ہے ہاں اے بادشاہ اس (قحط) کو جائز نہ رکھیے (اسکی تدبیر کیجیے مطلب یہ کہ مجھ میں غلبہ غفلت و معصیت سے دواعی طاعت و ذکر کے ضعیف و مضمحل ہو گئے ہیں آپ اُن کو تقویت دیجیے) میں (مثل) یوسف (کے) ہوں آپ کے حبس میں اے بادشاہ ایک نشان بھیج دیجیے (جیسے سلاطین سند حکم استخلاص کے لیے ایسا کرتے ہیں مراد یہاں صرف یہ ہے کہ اسکا حکم کر دیجیے) ہاں عورتوں کے مکر سے مجھکو چھڑا دیجیے (مراد اس سے مکاید و شہوات نفس ہیں جو سبب ہو گئے غفلت و معصیت میں مقید ہو جانیکا آگے اس شہوت نفس معہ مکاید ان کی تسبب کی ایک صورت ایک لطیفہ کے طور پر فرماتے ہیں کہ) عرش کی جانب سے (یعنی عالم علوی و عالم ارواح کی جانب سے) کہ وہ میرا مسکن تھا مجھکو ماں کی شہوت نے (عالم سفلی میں) گرا دیا کہ آ گرو (یعنی ماں کا جماع جو مسبب ہے شہوت سے اسکا سبب ہو گیا چنانچہ ظاہر ہے کہ جماع سے علوق حمل کا ہوا پھر اس سے روح کا تعلق ہوا مطلب یہ کہ شہوت نفس مجھکو دو طرح ضرر رساں ہوئی ایک تو مباشرۃً کہ خود معاصی و شہوات مذمومہ میں مبتلا ہوا اور دوسرے تسببًا کہ ماں باپ کو شہوت ہوئی اس سے باہم صحبت ہوئی اس سے میری روح میرے بدن سے متعلق ہوئی پھر میں اپنے ہاتھوں مبتلا ہوا تو وہ شہوت گو مباح تھی مگر بوسائط میں اس سے متضرر ہوا گو اپنی سوء اختیار ہی سے ہوا تو شہوت کا ایک امر خطرناک ہونا تو اس سے ثابت ہوا اور ظاہر ہے کہ اسکو دستان زناں کی تائید میں لانا لفظًا لطیفہ ہے کہ دیکھو عورتوں سے یہ نقصان مجھکو ہوا اور معنے بالکل محققانہ مضمون ہے جیسا ابھی تسبب سے توجیہ کیگئی آگے بھی اسی لطیفہ کی صورت میں اس مضمون کی تتمیم ہے کہ) پس میں اس کمال تام (یعنی سکونت عالم علوی) سے گر گیا ایک پیر زال (یعنی مادر) کی فن (شبق) سے زندان رحم میں (جسکی تقریر اوپر ہو چکی) روح کو (فن مذکور) عرش سے ایک شکستہ (و ویران) مکان (عالم) میں (فی المنتخب حطیم شکستہ) لے آتا ہے لاجرم (یہ مضمون صحیح ہے کہ) عورتوں کا کید عظیم ہوتا ہے (آگے اسی مضمون کی تائید ہے اسی عنوان سے کہ) میرا اول ہبوط (بضمن ہبوط آدم علیہ السلام) اور آخری ہبوط (بواسطہ تعلق روح بحمل) عورت ہی سے ہوا (اول و آخر کی آگے تفسیر ہے یعنی) جبکہ میں روح تھا اور جبکہ میں بدن (ہو گیا) ہوں (ہبوط آدم کے وقت سبب کا نمونا اور تعلق روح کے وقت بدن کا ہونا ظاہر ہے اشارہ ہے قصہ مشہورہ کی طرف کہ آدم علیہ السلام کو حضرت حوا علیہا السلام نے گیہوں کھانے کا ایک تاویل سے مشورہ دیا اور گندم کھانا

بھی ایک فرد ہے شہوت بطن کی جیساکہ شہوت مادیا ایک فرد ہے شہوت فرج کی) یوسف (روح) کی یہ زاری (اُسکے) ٹھوکر کھانے میں سن لیجیے (یعنی وہ ٹھوکر کھاکر پریشانی میں زاری کر رہا ہے اور) یا اُس یعقوب بیدل پر رحم کیجیے (یعقوب سے مراد مرشد و شیخ کذا فی الحاشیہ عن مرشدی رح کہ جسطرح یعقوب علیہ السلام مربی یوسف علیہ السلام تھے اسی طرح شیخ مربی مرید ہے اسمیں اشارہ اس طرف ہے کہ جو شخص اپنی اصلاح چاہتا ہے جیسا مولانا اس مقام پر اسکی درخواست کر رہے ہیں خواص عباد بھی اُسکے لئے دعا و ہمت کیا کرتے ہیں پس مطلب یہ ہوا کہ اگر میری درخواست بوجہ فقدان شرائط قابل قبول نہیں تو اپنے خاص بندوں ہی کی دعا کی برکت سے میری اصلاح فرما دیجیے اور اسمیں یہ بھی تعلیم ہو جاویگی کہ عباد صالحین سے بھی دعا کے لئے رجوع کرنا چاہیے اپنی دعا پر تکیہ نہ کرے جیسے شروع اشعار میں اسکی تعلیم تھی کہ کوشش و تدبیر پر تکیہ نہ کرے بلکہ التجا بجناب حق سبحانہ بھی کرے) میں نالہ بھائیوں سے کروں یا عورتوں سے جنہوں نے مجھکو آدم علیہ السلام کی طرح جنت سے باہر پھینکدیا (میرے نزدیک اخوان میں بمشارکت حسد کے اشارہ ہے غوائل غضب کی طرف اور زنان میں جیساکہ اوپر بیان ہو چکا ہے اشارہ ہے غوائل شہوت کی طرف مطلب یہ کہ میں اپنے شر شہوت و غضب دونوں سے نالاں ہوں اور فگند ندم الخ کی وہی تقریر ہے جو اول و آخر ہٰذا من الخ کی شرح میں گذر چکی ہے) میں اُس لئے مثل خزاں کے پژمردہ ہو رہا ہوں کہ بہشت وصل (و قرب) سے (جہاں بجید فوائد ذکر و طاعات و سرور روح کے تھے اور ابتلاء کے لئے وہاں دواعی شہوت و غیرہ کی بھی تھی میں نے براہِ نادانی اُس جنت میں) گیہوں (جو کہ شجرۂ منہی عنہا تھا) کھالیا (اس لیے مبعود ہو کر افسردہ ہوا ہوں اور توبہ کر کے عود کرنا چاہتا ہوں اُس حالت مالوفہ کی طرف بہشت وصل کہا ہے دواعی طاعت کو اور اُسکے ساتھ دواعی معصیت کا بھی مجتمع ہونا ظاہر ہے اسکے بعد باقی تقریر ظاہر ہے یہاں تک طلب تھی ترحم کی اپنے فضائح و مفاسد کے اظہار کے ساتھ آگے استجلاب ہے عنایت کا حضرت حق کے مدائح و محامد اور اُس عنایت کے خواص و آثار کے بیان کے ساتھ کہ ادب دعا کا یہی ہے کہ اپنی نا اہلی اور حضرت حق کے کمالات عرض کرے پس کہتے ہیں کہ) جب میں نے آپکے لطف و اکرام کو دیکھا (جس کا ہر وقت مشاہدہ ہوتا ہے) اور آپکے سلام صلح (و عدۂ قبول توبہ) اور پیام (دعوت الی دار السلام) کو (دیکھا جس کا مقتضا یہ تھا اور یہی واقع بھی ہوا کہ عدو مبین یعنی شیطان لعین کو حسد ہوا اور وہ اضرار و اغوار کے درپے ہو کما قال تعالیٰ فقلنا للملائکۃ اسجدوا لاٰدم فسجدوا الا ابلیس ۔ ءاسجد لمن خلقت طینا قال ارءیتک ھٰذا الذی کرمت علیّ لئن اخرتن الی یوم القیٰمۃ لاحتنکن ذریتہ الا قلیلا پس اسکے دفع کے لئے میں نے تدبیر اور کوشش کی جسکو آگے ایک خاص عنوان سے تعبیر کرتے ہیں کہ جب میں نے یہ لطف دیکھا) تو میں نے چشم بد کے سبب اسپند کو نکالا (کہ اس سے چشم بد کو دفع کروں گا جیسا بعض میں متعارف تھا کہ اس غرض کے لیے اسپند جلاتے تھے یہ ماخذ ہے اس کنایہ کا لیکن اُس) سپند (جلانے) میں بھی مجھکو چشم بد لگ گئی (چشم بد اسی حسد و قصد اغوار ابلیس کو کہا اور اُس سے بچنے کی تدابیر کرنے کو سپند سوختن کہا پھر اُن تدابیر میں بھی خلل ڈالنے کو جیساکہ شیطان کا طریقہ مستمرہ ہے کہ اُن میں بھی طرح طرح کے علمی و عملی غلطیوں میں مبتلا کر دیتا ہے چشم بد رسیدن در سپند سے تعبیر کیا مطلب یہ ہوا کہ قبل اہتمام تدبیر تو ابلیس کا تختۂ مشق ہوں ہی بڑی مصیبت یہ ہے کہ بعد اہتمام تدبیر بھی اُس کے پنجہ میں گرفتار ہوں جب یہ حالت ہے تو بس اصلی تدبیر آپکی حفاظت و عنایت ہے آگے اسی کو کہتے ہیں کہ) ہر چشم بد کی دافع پیچھے سے اور آگے سے (یعنی جسطرف سے بھی چشم بد ہو) آپکی پُرخمار آنکھیں ہیں اور بس (مراد چشمہائے پرخمار سے عنایت محبوبانہ ہے آگے بھی اُسکی خاصیت کا بیان ہے کہ) چشم بد کو آپ ہی کی چشم خوب اے بادشاہ۔ مجاز اور از بیخ برکندہ کرتی ہے (اور اسکی) وہی اچھی دعا (یعنی موثر حقیقی) ہے (نہ کہ سپند تدبیر یعنی وہ علت حقیقیہ نہیں مگر بوجہ مامور بہ

ہونے کے اسکا کرنا بھی عبادت ضروری ہے اور اکثر اسی پر وہ علت حقیقی بھی متوجہ ہو جاتی ہے آگے اس خاصیت مذکورہ کے بیان میں ترقی کرتے ہیں یعنی آپکی چشم دافع تو کیوں نہوتی) بلکہ (دافع سے بڑھکر ہے وہ یہ کہ) آپ کی چشم سے کیمیائیں پہونچتی ہیں (یعنی) وہ چشم بد کو چشم خوب کر دیتی ہے (یہ تفسیر کیمیا کی جسکی خاصیت تبدیل خواص ہے مراد اس سے یہ ہے کہ اپنی خواص عباد کی نظر و توجہ میں یہ خاصیت رکھدیتے ہیں کہ انکے محل عنایت پر چشم بد ابلیسی اثر نہیں کرتی بلکہ ہر طرح محفوظ رہتے ہیں قال تعالی انہ لیس لہ سلطان علی الذین اٰمنوا وعلی ربھم یتوکلون ونقل تعالی عنہ لاغوینھم اجمعین الا عبادک منھم المخلصین اور یہ ظاہر ہے کہ ایمان اور توکل اور اخلاص یہ سب برکت صحبت انبیاء ریا من صحب الانبیاء ولو بوسائط کی ہے پس یہ حکم مذکور صحیح ہوگیا اور اس میں اشارہ ہو سکتا ہے اسطرف کہ تدبیر و دعا کے ساتھ صحبت مقبولین کا بھی اہتمام رکھے کہ انکی طرف رجوع کرنا عین رجوع الی الحق ہے کیونکہ وہ ہادی الی الحق ہیں قال تعالی ان الذین یبایعونک انما یبایعون اللہ الایہ اور اس شعر میں تو خواص عباد کی نظر کی وہ خاصیت مذکور تھی جو باعتبار تاثیر فی الغیر یعنی المستفید ہے کہ دوسروں سے چشم بد کی دافع ہو جاتی ہے جیسا ذکر کیا گیا آگے اسکی وہ خاصیت مذکور ہے جو انہیں فی نفسہ ہے یعنی باعتبار مستفید کے نہیں اور یہ مطلب نہیں کہ اسکا اپنے کسی غیر سے تعلق نہیں کیونکہ نظر کے لئے کسی منظور الیہ کے ساتھ متعلق ہونا ضروری ہے پس فرماتے ہیں کہ) چشم شاہی نے باز قلب کی چشم پر اثر کیا (اس سے) اس شاہ کے باز کی چشم نہایت باہمت ہوگئی یہاں تک کہ غایت ہمت کے سبب جو کہ اسنے نظر (شاہی) سے پائی ہے باز شاہی بجز شیر نر کے کسی کو نہیں پکڑتا (یعنی ادنی درجہ کے جانوروں کو نہیں پکڑتا مراد اس سے یہ ہے کہ وہ عالم شہادت کی طرف التفات نہیں کرتا بلکہ عالم غیب کیطرف متوجہ رہتا ہے چنانچہ اہل اللہ کی یہ حالت ظاہر ہے آگے اور ترقی ہے کہ) شیر کیا چیز ہے بلکہ وہ شاہباز معنوی (یعنی صاحب معنے و باطن) آپکا شکار بھی ہے اور آپ اسکے صید بھی ہیں (مطلب ترقی کا یہ ہوا کہ وہ عالم غیب کیطرف بھی التفات بالذات نہیں کرتا بلکہ صرف آپ ہی کی طرف کرتا ہے چنانچہ یہ بھی ظاہر ہے مگر کچھ غلبہ حال کچھ مشاکلہ شکار تست کی اسکی تصحیح کی توجیہ ہے اور ان دونوں حکموں میں تعارض نہ سمجھا جاوے عالم غیب کیطرف التفات کا اثبات بمقابلہ دنیا کے ہے اور اسکی طرف التفات کی نفی بمقابلہ حق تعالی کے ہے اور مجموع شکار تست و صیدش توئی کا حاصل یحبہم و یحبونہ ہے آگے شعر مذکور پر تفریع ہے کہ) باز روح کی آواز چراگاہ (یعنی شکارگاہ) دین میں لا احب الآفلین کے نعرے ہیں اور آفلین سے مراد کل ممکنات پس وہی مضمون حاصل ہوگیا شیر چہ باشد آگے بھی اسی باز شاہی یعنی جانباز الہی کے بقیہ افعال و اوصاف ہیں کہ) باز قلب کو جو کہ آپکے لئے اڑ رہا تھا (یعنی رضائے الہی کے لئے مجاہدہ کر رہا تھا) آپکے عطائے غیر محدود سے (اس کو) ایک بینا آنکھ حصول ہوئی (یعنی مشرف بہ بصیرت و مشاہدہ ہوا اور آنکھ کے علاوہ اسکی) بینی نے قوت شامہ اور کان نے آپکی طرف سے قوت سامعہ حاصل کی (اور ان حواس مذکورہ میں سے) ہر حس کا حصہ (مدرکات کا) مشہور (اور معلوم) ہے (کہ باصرہ کے مثلاً مدرکات الگ ہیں اور سامعہ کے الگ پس اہل اللہ کو جو باصرہ عطا ہوتا ہے اس سے وہ مبصرات حقیقت کو دیکھتے ہیں اور جو سامعہ عطا ہوتا ہے اس سے وہ مسموعات حقیقت کو سنتے ہیں وعلی ہذا اور مراد اس باصرہ سامعہ سے جس کا یہاں ذکر ہے وہ ہی حواس ہیں جو حدیث میں مذکور ہیں کنت بصرہ الذی یبصر بہ وسمعہ الذی یسمع بہ اسی طرح دوسرے قوی فاعلہ مثل ید و رجل کی نسبت فرمایا ہے حاصل یہ کہ ایسا شخص مبصر للحق و بالحق اور سامع للحق و بالحق ہو جاتا ہے جسکو فانی فی الحق و باقی بالحق کہا جاتا ہے چنانچہ آگے بطور تفریع کے اسی بقاء کا ذکر ہے یعنی) ہر حس کو بھی جب آپ غیب کی طرف راہ دیدیتے ہیں (یعنی عالم حقائق سے اس کا تعلق ہو جاتا ہے جس کا اوپر ذکر تھا)

تو (پھر) اُس حس کو ضعف موت اور بڑھاپے کا (لاحق) نہیں ہوتا (بوجہ اسکے کہ وہ باقی ببقاء حق ہوجاتا ہے اور گو نفس بقاء میں محروبین بھی شریک ہیں مگر وہ بقاء ہلاکت سے بھی بدتر ہے کما قال تعالیٰ لا یموت فیہا ولا یحییٰ وقال تعالیٰ ویاتیہ الموت من کل مکان وما ھو بمیت اس لیے اُسکو معتد بہ قرار نہیں دیا اور عارف واصل کے چونکہ سب افعال طبعاً مرضی حق ہوجاتے ہیں اور یہی معنی ہیں بقاء بالحق کے اسلیے وہ بقاء جو حیوۃ طیبہ کے ساتھ ہو معتد بہ قرار دیا گیا آگے اس حس کی تفضیل کی دوسرے حواس پر تصریح ہے اگرچہ ماقبل سے بھی مفہوم ہے یس کہتے ہیں کہ) آپ مالک الملک ہیں حس کو ایسی چیز (یعنی ایسی خاصیت) دیدیتے ہیں تاکہ اور (لوگوں کے) حسوں پر وہ حس بادشاہی کرے (جیسا اوپر ابصار للحق وبالحق وسمع کذلک کا بیان ہوچکا یہاں مناجات ختم ہوئی اخیر شعر میں مضمون بالا پر تفریع کے طور پر ارشاد کی طرف انتقال ہے گویا ایک قسم کا عود ہے مضمون سابق علے المناجات کی طرف کہ وہاں ترغیب تھی تحصیل بصیرت وتصحیح نظر کی مثلاً اس شعر میں تکرار ما احسان ہیچ خرخ دادہ تھا اور اسکے اوپر اسی شعر میں نیک بنگر الخ جیسا دونوں کی شرح میں اسکا بیان بھی ہوا ہے پس اسی قسم کا مضمون اس آئندہ کے اخیر شعر میں ہے کہ جب تم کو حسائس واولک کے مراتب مجملا اوپر اشعار مناجات میں معلوم ہوگئے تو) کوشش کرتا کہ تیری حس بالا کی طرف جاوے تاکہ (اس) حس کا فعل اس (بالا جانے) کے سبب بالا ہوجاوے (بالا کی طرف جانا اور فعل کا بالا ہونا سب اوپر کے اشعار سے واضح ہوچکا ہے)

ف آگے اسی مضمون پر کہ حس میں ترقی ہوجانا نافع ہوتا ہے حکایت لاتے ہیں سلطان محمود کی اور راہ میں چوروں کے ملنے کی اور ہر چور کے اپنے اپنے کمال بیان کرنے کی اور پھر چوری کرنے اور پکڑے جانے کی اور سلطان کے روبرو پیش ہونے کی اس چور کے حس کے نافع ہونے کی جو احساس میں اوروں سے بڑھا ہوا تھا کہ شب تاریک میں دیکھے ہوئے شخص کو پہچان لیتا تھا جس نے سلطان کو پہچانا اور اسکے بعض اوصاف کو جتلایا اور سبکو رہائی ہوگئی چنانچہ اس قصہ کے اخیر میں اسکی بھی تصریح ہے کہ اسکی حس کو دوسرے حواس پر فضیلت تھی ان اشعار میں ◯ آں ہنرہا گردن ما را بہ بست الخ اور ◯ جز ہماں خاصیت آں خوش حواس الخ اور اسکی تصریح ہے کہ وہ فضیلت نافع بھی ہوئی اس شعر میں ◯ شاہ را شرم آمد از وی روز بار کہ بشب بر روئے شہ بودش نظار اور اسکے حس کا بڑھا ہوا ہونا معنے بھی ہوسکتا ہے کہ اسکی حس شاہ بیں تھی بہرحال خواہ صورۃً بڑھی ہوئی ہو یا معنیً ترقی حس سے یہ نفع ہو لازم بھی اور متعدی بھی کہ اور بھی اسکے ساتھ چھوٹے وکذلک من فاق نظرہ علی الناظرین بان یشاھد الحق فنظرہ ھذا نافع لہ ولغیرہ ممن معہ من المستفیدین والمحبین لہ یہ وجہ ہوگئی ربط کی واللہ اعلم **ف**[۲۰]

یہاں عشر سادس ختم کردیا گیا گو یہاں پر ختم کردینے سے اس عشر کا متن اپنے دو سابق عشروں کے متن سے تخمیناً بقدر عشر العشر کم ہے لیکن اس سے آگے بڑھنے میں چونکہ سلطان محمود کا قصہ پورا ہونے کے قبل کوئی سرخی نہیں تھی کم از کم وہاں تک پہونچنا ضرور ہوتا اور اول تو وہاں تک بھی زیادہ بڑھجاتا پھر وہاں پہونچکر اُسکے متصل موش وچغز کا تتمہ حکایت مذکور ہے اسکا چھوڑنا بھی گوارا نہوتا اور اُس کو لینے سے بہت ہی زیادہ بڑھجاتا اسلئے یہاں ہی ختم کرنا مناسب ہوا جیسے عشر ثالث بھی اسکے قریب مصلحت سے اتنی ہی مقدار پر ختم کردیا گیا تھا جسکا اُسکے اخیر میں ذکر بھی کیا گیا ہے اور اتفاق سے بلا قصد عشر ثانی بھی اتنی ہی مقدار کا ہے پس یہ عشر سادس اپنے دو سابق عشروں سے تو بقدر عشر العشر کے کم ہے اور ان دو سابق عشروں سے دو سابق عشروں کے برابر ہے یہ تو متن کی کمی کی مصلحت تھی اور اتفاق سے اسکی شرح اپنے ہر سابق عشر سے اندازہ کرنے سے مقدار میں کم معلوم ہوتی ہے جسکی وجہ صرف یہ ہے کہ بجز یہ عشر اپنے سابق اعشار سے آسان معلوم ہوتا ہے اسلئے شرح زیادہ نہیں کرنا پڑی البتہ اسکا صرف تھوڑا حصہ یعنی تحقیق احکام فراست من ابتداء شعر ◯ ہر کراہت در دل مرد بہی الخ جو کہ سرخی رجوع بحکایت موش وچغز آبی میں ہے یہ غامض اور دقیق معلوم ہوا سو اسی مقام سے شرح میں طول ہوگیا ہے **ف**[۳۰] موش وچغز کی حکایت ہی

عشر میں بوجہ مذکور فت سابق پوری نہ ہوسکی لیکن مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس تتمہ کا خلاصہ یہاں بھی نقل کر دیا جاوے تاکہ ناظرین کو بے لطفی نہ ہو وہو ھذا

آن سر رشتہ عشق رشتہ می کشد ... بر امید وصل چغز با رشد

چوں غراب البین آمد ناگہاں ... در شکارش موش و بردش زاں مکاں

چوں بر آمد بر ہوا موش از غراب ... منسحب شد چغز نیز از قعر آب

موش در منقار زاغ و چغز ہم ... در ہوا آویختہ پا در رقم

وقد کتب ھذا العشر فی اسبوعین من آخر صفر سنہ ۱۳۳۱ھ ویتلوہ العشر
السابع انشاء اللہ تعالیٰ اتمہ اللہ کما فی الاعشار بالخیر والبرکۃ
واعاننی بفضلہ فی ھذہ الحرکۃ وصلی اللہ تعالیٰ
علی خیر خلقہ محمد وآلہ اولا وآخرا و
باطنا وظاھرا وماضیا وغابرا
سلاما متکاثرا
متوافرا
فقط

عارف باللہ حضرت مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ کی نادر روزگار،
اور معرکہ آرا کتاب "مثنوی معنوی" کی جامع اور لاجواب شرح

کلیدِ مثنوی

حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہ

19

یہ وہ مقبول خاص و عام کتاب ہے کہ خواندہ ناخواندہ سب ہی اس سے دلچسپی لیتے ہیں مگر مضامین عالیہ ہونے کی وجہ سے مطالب سمجھنے میں بڑی دقت پیش آتی ہے اور بعض اوقات نوبت الحاد و زندقہ تک پہنچ جاتی ہے، حضرت حکیم الامت نے اشعارِ مثنوی کو واضح کر کے اور مسائل تصوف کو عام فہم بنا کر نہایت خوبی سے سمجھا دیا ہے حقیقت یہ ہے کہ اِس سے معتبر اور شریعت و طریقت کا پاس و ادب رکھ کر مضامین کو حل کرنے والی کوئی اور شرح نہیں لکھی گئی

ادارہ تالیفاتِ اشرفیہ
بیرون بوہڑ گیٹ
ملتان

عارف باللہ حضرت مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ کی نادر روزگار، اور معرکہ آراء کتاب "مثنوی معنوی" کی جامع اور لاجواب اردو شرح

کلیدِ مثنوی

از:

حکیم الامۃ مجدد الملۃ حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی نوراللہ مرقدہ

جلد 19

یہ وہ مقبول خاص و عام کتاب ہے کہ خواندہ، ناخواندہ سب ہی اس سے دلچسپی لیتے ہیں۔ مگر مضامین عالیہ ہونے کی وجہ سے مطالب سمجھنے میں بڑی دقت پیش آتی ہے اور بعض اوقات نوبت الحاد و زندقہ تک پہنچ جاتی ہے۔ حضرت حکیم الامت نے اشعارِ مثنوی کو واضح کر کے اور مسائل تصوف کو عام فہم بنا کر نہایت خوبی سے سمجھا دیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس سے معتبر اور شریعت و طریقت کا پاس ادب رکھ کر مضامین کو حل کرنیوالی اور کوئی شرح نہیں لکھی گئی۔

ادارہ تالیفاتِ اشرفیہ
بیرون بوہڑ گیٹ • ملتان

قال تعالیٰ كما ارسلنا فيكم رسولا منكم يتلوا عليكم اياتنا ويزكيكم ويعلمكم الكتب والحكمة ويعلمكم ما لم تكونوا تعلمون

چوں در کریمهٔ صدر قوله یتلو ویعلمکم الکتب بر فضل علم نظم ومعنی و قوله یزکیکم بر شرف علم کلام وعقائد وعلم سلوک و قوله والحکمة بر مزیت علم اسرار و علم اصول دال باوضح بیان ست و ازاں جزو بودن تصوف که مشتمل بر سلوک و اسرارست از علم دین نیک عیان است و باتفاق اهل مذاق مثنوی را در کتب ایں فن خاص شان ست لاکن از اغلاقش محتاج تبیان ست بناءً علیه ایں شرح اردو که معنونش را

کلید مثنوی

عنوانست و ایں نصف اخیر جلد ششم از انست و بنام نامی مؤلفش مولانا اشرف علی حنفی مشهور عالمیانست که ذات ستایشش رهنمای گمرهان و مقتدای جهانیانست و در و حل متن را چناں حل کرده که نهایت امکانست و مسائل را بطوری تقریر نموده که هم موافق تحقیق اهل اتقان و هم مطابق حدیث و قرآنست و حل اشکالات و اغلاط را بطرزی دور ساخته که مورث اطمینان دلهاانست و جابجا ملفوظات سیدنا الحاج محمد امداد الله که معطر آذان و مشام ارواحانست هم در مطاویش سپرده و باهتمام خاکسار انام حقیر محمد شبیر علی عفی عنه

در مطبع اشرف المطابع واقع تهانه بهون طبع گردید سنه ۱۳۴۶

العشر السابع من شرح الدفتر السادس من المثنوی للمولوی المعنوی افتتح فیه لغرہ ربیع الاول ۱۳۳۲ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حکایت سلطان محمود غزنوی و رفاقت او شب با دزداں

(وجہ ربط آخر عشر سابق میں گذر چکی)

شب چو شہ محمود بر میگشت فرد
شبکو جو سلطان محمود تنہا پھر رہا تھا

با گروہ دزد شبرو باز خورد
رات کے چلنے والے گروہ دزد کے ساتھ مڈ بھیڑ ہوگئی

پس بگفتندش کہ اے بوالوفا
پس چوروں نے اس سے کہا کہ تو کون ہے اے صاحب وفا

گفت شہ من ہم یکے ام از شما
بادشاہ نے کہا کہ میں بھی تم ہی میں کا ایک ہوں

آں یکے گفت اے گروہ مکر کیش
ایک نے کہا کہ اے گروہ مکر کیش

ہیں بگوید از فن و فرہنگ خویش
ہاں سب اپنے اپنے فن اور دانائی کو بیان کرو

تا بگوید با حریفاں در سمر
تاکہ رفیقوں سے افسانہ گوئی میں بیان کرے

کو چہ دارد در جبلت از ہنر
کہ وہ جبلت میں کیا ہنر رکھتا ہے

آں یکی گفت اے گروہ فن فروش
ایک بولا کہ اے گروہ فن کے دعوی کرنے والے

ہست خاصیت مرا اندر دو گوش
میرے دونوں کانوں میں خاصیت ہے

کہ بدانم سگ چہ میگوید بہ بانگ
کہ میں جان لیتا ہوں کتا اپنی آواز میں کیا کہتا ہے

قوم گفتندش ز دیناری دو دانگ
جماعت نے اسکو کہا کہ تو دینار میں سے دو دانگ کی برابر ہے

آں دگر گفت اے گروہ زر پرست
دوسرا بولا اے گروہ طالب زر

جملہ خاصیت مرا چشم اندر ست
تمامتر خاصیت میری آنکھ میں ہے

ہر کرا شب بینم اندر قیرواں
میں جس کو شب تاریک میں دیکھ لوں

روز بشناسم مر او را بیگماں
دن کو بلا کسی شک کے اسکو پہچان لوں

گفت یک خاصیتم در بازو ست
ایک بولا میری خاصیت بازو میں ہے

کہ زنم من نقبہا با زور دست
کہ میں ہاتھ کے زور سے نقب لگا لیتا ہوں

گفت یک خاصیتم در بینی ست
ایک نے کہا میری خاصیت ناک میں ہے

کار من در خاکہا بو بینی ست
میرا کام خاک کے اندر بو کا دریافت کر لینا ہے

سر الناس معادن داد دست
راز الناس معادن کا حاصل ہوگیا

کہ رسول آں را پئے چہ گفتہ است
کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اسکو کس بات سے فرمایا ہے

من ز خاک تن بدانم کاندراں
میں خاک تن سے جان لیتا ہوں کہ اسکے اندر

چند نقد ست و چہ دارد او ز کاں
کتنا نقد ہے اور وہ معدن سے کسقدر رکھتی ہے

در یکے کاں زر بے اندازہ درج
کسی کان میں تو زر بے حساب مندرج رہتا ہے

واں دگر دخلش بود کمتر ز خرج
اور دوسری کان کی آمدنی خرچ سے کم ہوتی ہے

ہمچو مجنوں بو کنم ہر خاک را
میں مجنوں کی طرح ہر خاک کو سونگھتا ہوں

خاک لیلیٰ را بیابم بے خطا
خاک لیلیٰ کو بلا غلطی پالیتا ہوں

بو کنم وانم ز ہر پیراہنے
میں سونگھ لیتا ہوں ہر قمیص سے جان لیتا ہوں

گر بود یوسف وگر آہرمنے
اگر وہ یوسف ہو تب بھی اور اگر اہرمن ہو تب بھی

ہمچو احمد کو برد بو از یمن
مثل احمد صلی اللہ علیہ وسلم کے کہ یمن کیطرف سے خوشبو پاتے ہیں

زاں نصیبے یافت این بینی من
اُس سے ایک حصہ پایا ہے میری ناک نے

کہ کدامی خاک ہمسایہ زر است
کہ کونسی خاک قرین زر ہے

یا کدامیں خاک صفر و ابتر است
یا کونسی خاک خالی اور مقطوع ہے

گفت یک آں خاصیت در پنجہ ام
ایک بولا میری وہ خاصیت میرے پنجہ میں ہے

کہ کمندے افگنم طول علم
کہ کمند پھینکدیتا ہوں ارتفاع کوہ تک

قصر اگرچہ چند باشد بس بلند
قصر اگرچہ کتنا ہی بہت بلند ہو

کنگرہ اش در سخت گردانم کمند
اُسکے کنگرہ کے اندر کمند کو مضبوط لگا دیتا ہوں

ہمچو احمد کہ کمند انداخت جانش
مثل احمد صلے اللہ علیہ وسلم کے کہ اُنکی روح نے کمند ڈالی

تا کمندش برد سوی آسمانش
یہاں تک کہ وہ کمند آپکو آسمان کیطرف لیگئی

ہمچو احمد کہ کمند انداخت سخت
مثل احمد صلے اللہ علیہ وسلم کے کہ آپنے مضبوط کمند ڈالی

کہ کمندش برد سوی تخت و بخت
کہ وہ کمند آپکو تخت اور بخت کی طرف لے گئی

گفت حقش اے کمند انداز بیت
حق تعالیٰ نے آپسے فرمایا کہ اے کمند انداز بیت المعمور کے

آں ز من داں ما رمیت اذ رمیت
اُسکو میری طرف سے جانئے ما رمیت اذ رمیت

پس بپرسیدند زاں شہ کای سند
پھر سب نے سلطان سے پوچھا کہ اے مستند

مر ترا خاصیت اندر چہ بود
تیری کس چیز میں خاصیت ہے

گفت در ریشم بود خاصیتم
سلطان نے کہا کہ میری خاصیت میری داڑھی میں ہے

کہ رہانم مجرماں را از نقم
کہ میں مجرموں کو سزاؤں سے چھڑا دیتا ہوں

مجرماں را چوں بجلاداں دہند
جب مجرموں کو جلادوں کے حوالہ کر دیں

چوں بجنبد ریش من ایشاں رہند
اگر میری داڑھی ہل جاوے وہ چھوٹ جاویں

چوں بجنبانم برحمت ریش را
جب میں ترحم سے داڑھی کو ہلا دوں

طے کنند آں قتل و آں تشویش را
تو ختم کر دیں اس قتل اور تشویش کو

قوم گفتندش کہ قطب ما توئی
قوم نے اس سے کہا کہ بس قطب ہمارا تو ہی ہے

کہ خلاص روز محنت ما توئی
چونکہ یوم مشقت کا سبب خلاصی تو ہی ہے

بعد ازاں جملہ بہم بیروں شدند
اس کے بعد سب جمع ہو کر باہر چلے

سوئے قصر آں شہ میموں شدند
اور اس بادشاہ مبارک کے قصر کی طرف چلے

چوں سگے بانگے بزد از دست راست
ایک کتے نے جو داہنے ہاتھ کی طرف سے ایک آواز کی

گفت می گوید کہ سلطاں با شماست
کہا کہ یہ یوں کہتا ہے کہ سلطان تمہارے ہمراہ ہے

خاک بو کرد آں دگر از ربوہ
اس دوسرے نے ایک ٹیلہ کی خاک سونگھی

گفت کایں ہست از وثاق بیوہ
کہا کہ یہ کسی بیوہ کے گھر کا جزو ہے

پس کمند انداخت استاد کمند
پھر استاد کمند نے کمند پھینکی

تا شدند آں سوئے دیوار بلند
یہاں تک کہ دیوار بلند کے اس جانب گئے

جائے دیگر خاک را چوں بوئی کرد
دوسری جگہ خاک کو جب سونگھا

گفت خاک مخزن شاہی ست فرد
کہنے لگا کہ خزانۂ شاہی کی خاک ہے جو فرد ہے

نقب زن زد نقب و در مخزن رسید
نقب زن نے نقب دیا اور خزانہ تک پہونچا

ہر یکے از مخزن اسبابے کشید
ہر شخص نے خزانہ سے کچھ کچھ اسباب نکالا

بس زر و زربفت و گوہرہای زفت
بہت سا زر اور زربفت اور بڑے بڑے موتی

قوم بردند و نہاں کردند تفت
وہ قوم لے گئی اور جلدی جلدی پوشیدہ کر دیا

شہ معین دید منزلگاہ شاں
سلطان نے بالتعیین اُنکی منزلگاہ دیکھ لی

حلیہ و نام و پناہ و راہ شاں
اُن کا حلیہ اور نام اور حفاظت کی جگہ اور رستہ دیکھ لیا

خویش را دزدید از ایشاں باز گشت
اپنے کو اُن سے مخفی کر لیا اُن کے پاس سے لوٹ گیا

روز در دیواں بگفت آں سرگذشت
دن کو عدالت میں وہ سرگذشت بیان کی

پس رواں گشتند سرہنگاں مست
پس مست سرہنگ روانہ ہوگئے

تا کہ ہر سرہنگ دزدی را ببست
یہاں تک کہ ہر ہر سرہنگ نے ایک ایک چور کو باندھ لیا

دست بستہ سوئے دیواں آمدند
مشکیں کسی ہوئی سب عدالت میں حاضر ہوئے

وز نہیب جاں ہمہ لرزاں شدند
اور خوف جان سے سب لرزاں تھے

چونکہ استادند پیش تخت شاہ
جب تخت شاہی کے سامنے کھڑے ہوئے

یار شب شاں بود آں شاہ چوں ماہ
اُن کا رفیق شب تھا وہ سلطان جو مثال ماہ کے تھا

آنکہ شب بر ہر کہ چشم انداختے
جو شخص کہ شب کو جس پر نظر ڈالتا تھا

روز دیدے بے شکش بشناختے
دن کو دیکھتا بدون کسی شک کے اُسکو پہچان لیتا

شاہ را بر تخت دید و گفت این — **بود با ما دوش شب گرد و قرین**
اُس نے بادشاہ کو تخت پر دیکھا اور کہا کہ یہ — شب گذشتہ میں ہمارے ساتھ شب گرد اور قرین تھا

آنکہ چندین خاصیت در ریش اوست — **این گرفت ما ہم از تفتیش اوست**
وہ شخص کہ اتنی بڑی خاصیت اسکی داڑھی میں ہے — یہ ہماری گرفتاری بھی اُسی کی تفتیش سے ہے

عارف شہ بود چشمش لاجرم — **بر گشاد از معرفت لب با حشم**
اُس کی آنکھ سلطان کی عارف تھی اسلئے اُس نے — مجمع سے بنابر معرفت لب کھولے

وہو معکم گفت او این شاہ بود — **فعل ما می دید و سرّ ما می شنود**
اُسنے کہاکہ وھو معکم یہ بادشاہ تھا — وہ ہمارا فعل دیکھ رہا تھا اور ہمارا راز سن رہا تھا

چشم من رہ برد شب شہ را شناخت — **جملہ شب با روی ماہش عشق باخت**
میری آنکھ نے پتہ لگالیا شب کے وقت بادشاہ کو پہچان لیا — تمام شب اُسکے روی چوں ماہ سے عشق بازی کی

امت خود را بخواہم من ازو — **کو نگرداند ز عارف ہیچ رو**
اپنے گروہ کو میں اس سے مانگ لوں گا — کیونکہ وہ جان پہچان والے سے بالکل اعراض نہ کرے گا

(ایک) شب کو جو سلطان محمود تنہا پھر رہا تھا رات کے چلنے والے گروہ دزد کے ساتھ مٹ بھیڑ ہوگئی پس چوروں نے اُس سے کہا کہ تو کون ہے اے صاحب وفا۔ بادشاہ نے کہاکہ میں بھی تم ہی میں کا ایک ہوں (وہ سمجھے کہ چور ہے اور ساتھ لے لیا۔ پھر باتیں کرنے لگے) ایک نے کہاکہ اے گروہ مکر کیش (چوروں کا مکر کیش ہونا ظاہر ہے) ہاں سب اپنے اپنے فن اور دانائی کو بیان کرو تاکہ (اپنے) رفیقوں سے افسانہ گوئی میں بیان کرے کہ وہ (اپنی) جبلت میں کیا ہنر رکھتا ہے ایک بولاکہ اے گروہ فن کے دعوی کرنیوالے میرے دونوں کانوں میں (ایک) خاصیت ہے کہ میں جان لیتا ہوں کتا اپنی آواز میں کیا کہتا ہے جماعت نے اُسکو کہاکہ تو دینار میں سے دو دانگ کی برابر ہے (یعنی قلیل الفن ہے کیونکہ دانق چھٹا حصہ ہے درم کا اور درم دسواں حصہ ہے دینار کا تو دانق سلطان کھوا حصہ ہوا دینار کا پس دو دانگ تیسواں حصہ ہوا گویا اٹھنی میں سے ایک پیسہ) دوسرا بولا اے گروہ طالب زر تمامتر خاصیت میری آنکھ میں ہے میں جسکو شب تاریک میں (جو کہ روغن قیر کی مانند ہو) دیکھ لوں دن کو بلا کسی شک کے اُسکو پہچان لوں (فی الغیاث قیر بالکسر روغن سیاہ کہ بر شتران گرگین مالند وفیہ وآن حرف تشبیہ یعنی مانند) ایک بولا میری خاصیت بازو میں ہے کہ میں ہاتھ کے

زور سے نقب لگا لیتا ہوں (خواہ کیسی ہی مضبوط دیوار یا زمین ہو) ایک نے کہا میری خاصیت ناک میں ہے میرا کام خاک کے اندر
بو کا دریافت کر لینا ہے (مولانا درمیان میں جملہ معترضہ کے طور پر اس اختلاف اوصاف مذکورہ حکایت سے ایک استنباط کرتے ہیں کہ
اس سے) راز الناس معادن (کمعادن الذہب والفضۃ) کا حاصل ہو گیا کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو کس بات سے فرمایا ہے
(مطلب یہ کہ جسطرح ان لوگوں کے اوصاف و خواص متعلق بدنیا مختلف تھے اسی طرح لوگوں کے اوصاف و خواص متعلق بالدین مختلف
ہوتے ہیں جسکو جناب رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں ارشاد فرمایا ہے پس یہ خواص دینیہ چونکہ مخفی تھے مولانا نے موقع پاکر
اس مثال مذکور فی الحکایت سے اسکی توضیح کر دی اور اسی اختفا کے سبب اُس کو راز کہا اور اسکی وضاحت کو یہاں دست کہا اور اختلاف
خواص دینیہ کو جو کہ مبنی ہے اس ارشاد کا جسے تعبیر کیا اور اُسکے مبنی ہونے کو راز کا مدلول قرار دیا اور خیارہم فی الجاهلیۃ کو منافی
ان خواص کے دینی ہونے کے نہ سمجھا جائے کیونکہ جاہلیت کے ساتھ ان خواص کا مرتبہ استعداد میں جمع ہونا ممکن و واقع ہے آگے پھر قصہ ہے
کہ اُس شخص نے کہا کہ) میں خاک تن (زمین یعنی ظاہر سطح زمین کی خاک) سے جان لیتا ہوں کہ اُس کے اندر کتنا نقد ہے اور وہ معدن
سے کسقدر رکھتی ہے (چنانچہ) کسی کان میں تو زر بحساب مندرج رہتا ہے اور دوسری کان کی آمدنی خرچ سے کم ہوتی ہے (یعنی اُسکے نکالنے
میں جسقدر صرف ہوا ہے اس میں سے اُتنا بھی حاصل نہیں ہوتا تو پہچاننے سے یہ فائدہ ہے کہ ایسی کان کے کھودنے کا اہتمام نہ کیا جاوے) میں
مجنوں کی طرح ہر خاک کو سونگھتا ہوں (اور اوس سے) خاک لیلی کو بلا غلطی پا لیتا ہوں (جیسا کہ مجنوں کا قصہ مشہور ہے کہ لیلی کی قبر کو کسی نے بتلایا نہیں تھا اسکی مٹی سونگھ کر پہچان
لیا) میں سونگھ لیتا ہوں (اور) ہر قمیص سے جان لیتا ہوں اگر وہ (صاحب قمیص) یوسف ہو تب بھی اور اگر اہرمن ہو تب بھی
(یہ سب بعبارت مولانا تشبیہات ہیں ادراک کے یقیناً صحیح ہونے کی اسی طرح تشبیہ آیندہ بھی یعنی) مثل احمد صلی اللہ علیہ وسلم کے
کہ یمن کی طرف سے خوشبو پاتے ہیں (اشارہ ہے حدیث انی لاجد نفس الرحمن من ههنا واشار الی الیمن کیطرف رواہ الطبرانی کذا فی کنز العمال
ج ۶ ص ۲ جسکا مصداق اویس قرنی تابعی خصوصاً اور دوسرے اہل یمن ناصرین اسلام عموماً ہیں پس) اُس (مطلق ادراک بالشامہ نہ کہ ادراک
مدلول حدیث) سے ایک حصہ پایا ہے میری ناک نے کہ کونسی خاک قرین زر ہے یا کونسی خاک خالی اور مقطوع (المال) ہے ایک بولا
میری وہ خاصیت (جسکے اظہار کے لئے اس وقت فرمائش ہے) میرے پنجہ میں ہے کہ (اُس پنجہ کے زور سے) کمند پھینک دیتا ہوں ارتفاع
کوہ تک (کذا فی المنتخب بمعنی عَلَم) قصر اگرچہ کتنا ہی بہت بلند ہو (مگر) اُسکے کنگرہ کے اندر کمند کو مضبوط لگا دیتا ہوں (آگے اسکی بھی
تشبیہ بعبارت مولانا ہے کہ) مثل احمد صلی اللہ علیہ وسلم کے کہ اُن کی روح نے (عشق آلہی کی) کمند ڈالی یہاں تک کہ وہ کمند آپکو آسمان
کی طرف لے گئی (کیونکہ معراج کا سبب محبوبیت ہے اور محبوبیت متفرع ہوتی ہے محبیت پر آگے اس سے ترقی ہے کہ) مثل احمد صلی اللہ علیہ وسلم
کہ آپ نے مضبوط کمند (عشق آلہی کی) ڈالی کہ وہ کمند آپکو تخت (یعنی عرش) اور بخت (یعنی مقام قرب) کیطرف لے گئی (اور عرش کا
آسمان کی نسبت مقام ترقی ہونا اور مقام قرب خاص کا عرش کی نسبت مقام ترقی ہونا ظاہر ہے آگے بطور مقالسہ کے اس کمند اندازی
کو ایک آیت کے مضمون سے مؤید فرماتے ہیں کہ) حق تعالیٰ نے آپ سے فرمایا کہ اے کمند انداز بیت المعمور کے (کہ لیلۃ المعراج میں وہاں بھی آپ
پہونچے) اُس (کمند اندازی) کو میری طرف سے جانیئے (جسکی دلیل قیاسی یہ ہے کہ) ما رمیت اذ رمیت (ولکن اللہ رمی پس جسطرح
سنگریزہ انداز گو ظاہر میں آپ تھے مگر واقع میں میں تھا کہ محل مقصود تک اُسکو میں نے پہونچایا اسی طرح کمند انداز محبت گو ظاہر میں آپ
ہیں مگر واقع میں میں ہوں کہ محل مقصود تک اُس کو بھی میں نے ہی پہونچایا کہ اس محبیت پر ثمرہ محبوبیت و مقبولیت کو مرتب فرمایا

آگے پھر قصہ ہے کہ) پھر سب نے سلطان سے پوچھا کہ ای مستند تیری کس چیز میں خاصیت ہے (جیسے کسی کے کان میں ہے کسی کی ناک میں وغیرہما) سلطان نے کہا کہ میری خاصیت میری ڈاڑھی میں ہے کہ میں مجرموں کو سزاؤں سے چھڑا دیتا ہوں جب مجرموں کو جلادوں کے حوالہ کردیں اگر میری داڑھی ہل جاوے وہ چھوٹ جاویں (کیونکہ بادشاہ کے اختیار میں ہے رہائی کا حکم دینا اور حکم خواہ زبان سے ہو یا اشارہ سر سے دونوں حالت میں داڑھی کو حرکت ہوگی) جب میں ترحم سے داڑھی کو ہلا دوں تو ختم کردیں اُس قتل اور اُس تشویش کو قوم نے اُس سے کہا کہ بس قطب ہمارا تو ہی ہے چونکہ یوم مشقت کا سبب خلاصی تو ہی ہے (کیونکہ اوروں کے ہنروں سے چوری کی تو تکمیل ہوگئی مگر یہہ کسر رہگئی تھی کہ اگر پکڑے جاویں تو کیا ہو تیرے ہنر سے یہہ کسر بھی مٹ گئی اور بالکل ہی بےفکری ہوگئی) اسکے بعد سب جمع ہوکر باہر چلے اور اُس بادشاہ مبارک کے قصر کیطرف چلے ایک کتے نے جو داھنے ہاتھ کی طرف سے ایک آواز کی (تو اُس شناسندۂ آواز سگ نے) کہا کہ یہہ یوں کہتا ہے کہ سلطان تمہارے ہمراہ ہے اُس دوسرے نے ایک ٹیلہ کی خاک سونگھی (یا ہوشیاری سے خاک کو سونگھا در بعض نسخ ربوہ بیار موحدہ واقع ست و معنی آں ہمانست کہ نوشتہ شد و در بعضے ربوہ بیار تحتیہ واقع ست و ظاہر تا فیہ بیوہ مقتضی ہمیں ست لیکن این لغت بنظر بنا مدہ دو احتمال بذہن می آید یکے آنکہ این مخفف کریوہ باشد کہ ہم معنی ربوہ است چنانچہ نظیرش بعد بست اشعار می آید در شب و بنا کہ محجوب ست شید کہ در حاشیہ مخفف خورشید نوشتہ است و دیگر آنکہ در ریو بمعنی مکر و فریب ہا زائد کردہ باشند چنانچہ نظیرش بعد دہ اشعار از حکایت ترک مخمور گذشتہ لفظ را مانندۂ این جسم داں کہ ہا را در ماند زائد کردہ اند پس معنے آں باشد کہ از فن و فرہنگ خاک را بو کرد زیادہ ازیں تحقیق نشدہ من ظفر بہ فلیلحق یا اور سونگھ کر) کہا کہ یہہ کسی بیوہ کے گھر کا جزو ہے (بیوہ ہونا مالک کا بالتخصیص مدرک قوت شامہ کا نہیں ہوا بلکہ شم سے اتنا معلوم ہوا ہوگا کہ یہاں مال نہیں ہے تو ایسا گھر غریبوں ہی کا ہوتا ہے تو بیوہ کی تخصیص تمثیلا ہے اور یہہ پشتہ زمیں مقصود ان لوگوں کا نہ تھا قصر شاہی کی راہ میں یہہ جگہ آگئی اُس نے صرف اپنے کمال کا یقین دلانیکو یہ بھی خبر دیدی اور اُس پشتہ پر کوئی عمارت بنی تھی جسکی دیوار بہت بلند تھی) پھر اُستاد کمند نے کمند پھینکی یہاں تک کہ دیوار بلند کے اُس جانب گئے (پھر) دوسری جگہہ خاک کو جب سونگھا کہنے لگا کہ خزانہ شاہی کی خاک ہے جو (اور خاکوں سے) فرد (اور ممتاز) ہے (یعنی اُن خاکوں سے ممتاز ہے جسکے نیچے خزانہ نہیں پھر) نقب زن نے نقب دیا اور خزانہ تک پہونچا (اور) ہر شخص نے خزانہ سے کچھ کچھ اسباب نکالا۔ بہت سا زر اور زربفت اور بڑے بڑے موتی وہ قوم لیگئی اور جلدی جلدی پوشیدہ کردیا سلطان نے بالتعیین اُنکی منزلگاہ دیکھ لی (اور پہچان لیا) اُن کا حلیہ اور نام اور حفاظت کی جگہ اور رستہ دیکھ لیا (اور) اپنے کو اُن سے مخفی کرلیا (اور) اُن کے پاس سے لوٹ گیا (اور) دن کو عدالت میں وہ سرگذشت بیان کی پس مست سرہنگ روانہ ہوگئے یہاں تک کہ ہر ہر سرہنگ نے ایک ایک چور کو باندھ لیا مشکیں کسی ہوئی سب عدالت میں حاضر ہوئے اور خوف جان سے سب لرزاں تھے جب تخت شاہی کے سامنے کھڑے ہوئے (تو اُس شناسندۂ شب کو معلوم ہوا جیسا آئندہ شعر میں تصریح ہے پس یہاں یہ جملہ جزائیہ مقدر ہے یعنی یہہ معلوم ہوا کہ) اُن کا رفیق شب تھا وہ سلطان جو مثال ماہ کے ہے (تشبیہ یا تو تابانی میں ہے یا رفاقت شب میں کہ شب کو ماہ بھی رفیق ہوتا ہے) جو شخص کہ شب کو جسپر نظر ڈالتا تھا دن کو دیکھتا (اور) بدون کسی شک کے اُسکو پہچان لیتا اُسنے بادشاہ کو تخت پر دیکھا اور کہا (یا تو اپنے دل میں یا رفیقوں سے) کہ یہہ شب گذشتہ میں ہمارے ساتھ شب گرد اور قرین تھا (اور یہ بھی اُسی کا قول ہے) وہ شخص کہ اتنی بڑی خاصیت (یعنی تخلیص مجرمین) اُس کی داڑھی میں ہے ہماری گرفتاری بھی اُسی کی تفتیش سے ہے (اور یہ ظاہر بھی ہے کیونکہ سلطان کی معیت اُنکے ساتھ بغرض تفتیش کے تھی کہ یہ کہاں چوری کرینگے اور کیا

رہتے ہیں مثلاً اور اس شعر کا مضمون بعبارت مولانا اشارہ ہے امر بتعدیل رجار و خوف و نہی عن الغرور کیطرف کہ اسی طرح حق تعالیٰ کی ساتھ معاملہ رکھے کہ اُسکے لطف پر مغرور نہو اسکو منتقم و قاہر بھی سمجھتا رہے اور ڈرتا رہے) اُس (تیز بین) کی آنکھ سلطان کی عارف تھی اسلیئے اُسنے مجمع سے بنا بر معرفت لب کھولے (اور) اُسنے کہا کہ (ایک صورت ہے وان لم یکن کما ذکر فی الایہ) وھو معکم (کا مصداق) یہ بادشاہ تھا (فی العبارۃ تقدیم و تاخیر و تقدیرہ ہکذا گفت او وھو معکم ایں شاہ بود بحذف المضاف اور) وہ ہمارا فعل دیکھ رہا تھا اور ہمارا راز سن رہا تھا (اسمیں بھی بعبارت مولانا اشارہ ہے امر بالمراقبہ کی طرف کہ حق تعالیٰ کو سمیع و بصیر ہر وقت سمجھے اور وھو معکم کو نصب العین رکھے کہ مانع ہو مخالفت سے) میری آنکھ نے پتہ لگا لیا شب کے وقت بادشاہ کو (ایسا خوب) پہچان لیا کہ جسکی بنا پر اس وقت بھی پہچان لیا اور) تمام شب اُسکی روی چوں ماہ سے عشق بازی کی (اس لئے اس وقت رات کی بات عرض کر کے) اپنے گروہ کو میں اس سے مانگ لوں گا کیونکہ وہ (رعایت مروت سے اپنے) جان پہچان والے سے بالکل اعراض نہ کرے گا (بلکہ عرض قبول کر کے سب کو چھوڑ دیگا اسمیں بعبارت مولانا اشارہ ہی کہ اسی طرح قیامت کے روز جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کو اور دوسرے اولیاء و عارفین بھی اپنے اتباع کو حق جل و علا شانہ سے شفاعت کر کے انشاء اللہ تعالیٰ بخشوا لیں گے اور حق تعالیٰ انکی شفاعت کو اسلیئے قبول فرمالینگے کہ وہ محبوب ہیں اور چونکہ یہ محبوبیت مسبب ہے محبیت سے اور محبیت مرتب ہے معرفت مطلوبہ یعنی علم مع العمل و الحال پر اور سبب کا سبب سبب ہے اسلیئے مدار اس استخلاص کا تعبیر میں معرفت پر رکھا گیا تو جسطرح شعر آنکہ چندیں خاصیت مع مابلیہ میں اشارہ تھا معاملہ حق تعالیٰ کی طرف عصاۃ کے ساتھ اسی طرح اس شعر چشم من مع مابلیہ میں اشارہ ہی معاملہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم و دیگر مقبولین کیطرف ان عصاۃ کے ساتھ چنانچہ آگے اسکو صراحۃً ذکر فرما رہے ہیں)

چشم عارف دان امان ہر دو کون
عارف کی آنکھ کو دونوں عالم کے لئے امن جان

کہ بدو یابید ہر بہرام عون
کہ اسی کی بدولت ہر بادشاہ نے مدد پائی ہے

زاں محمد شافع ہر داغ بود
اسی لیئے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہر داغ کے شافع ہوئے ہیں

کہ ز جز حق چشم او ما زاغ بود
کیونکہ غیر حق سے اُن کی آنکھ مازاغ تھی

در شب دنیا کہ محجوب است شید
شب دنیا میں جہاں کہ خورشید مخفی ہے

ناظر حق بود و زو بودش امید
آپ ناظر حق تھے اور آپکو حق سی امید تھی

از الم نشرح دو چشمش سرمہ یافت
الم نشرح سے آپکی دونوں آنکھوں نے سرمہ حاصل کیا

دید آنچہ جبرئیل آں بر نتافت
آپنے وہ چیز دیکھی جسکو جبرئیل برداشت نہ کرسکے

مر یتیمے را کہ سرمہ حق کشد — گردد او دُرِّ یتیم با رشد

جس یتیم کے حق تعالی سرمہ لگاویں — وہ دریتیم باہدایت ہوجاوینگے

نور او بر دُرّہا غالب شود — آنچناں مطلوب را طالب شود

اُن کا نور دوسرے موتیوں پر غالب ہوجاویگا — ایسے مطلوب کے طالب ہوجاوینگے

در نظر بودش مقامات العباد — لاجرم نامش خدا شاہد نہاد

آپ کی نظر میں بندوں کے مقامات تھے — لاجرم آپ کا نام خدا تعالی نے شاہد رکھا

آلتِ شاہد زبان و چشمِ تیز — کہ ز شب خیزش ندارد سِر گریز

شاہد کا آلہ زبان اور چشم تیز ہے — کہ آپ کے قلب شب بیدار سے راز مخفی گریز نہیں کرتا

گر ہزاراں مدعی سر بر زند — گوش قاضی جانب شاہد کند

اگر مدعی ہزار سر پٹکے — تب بھی قاضی کان بجانب شاہد کے کرتا ہے

قاضیاں را در حکومت این فن است — شاہد ایشاں را دو چشم روشن است

حکام کا حکومت میں یہی فن ہے — شاہد اُن کے لئے دو چشم روشن ہے

گفت شاہد زاں بجای دیدہ است — کہ بدیدہ بے غرض سر دیدہ است

شاہد کا قول اس لیے بجائے دیدہ کے ہے — کہ اس نے دیدۂ بے غرض سے حقیقت کو دیکھا ہے

مدعی دیدہ است اما با غرض — پردہ باشد دیدۂ دل را غرض

مدعی نے دیکھا ہے مگر بغرض — غرض دیدۂ دل کے لیئے حجاب ہوجاتا ہے

حق ہمی خواہد کہ تو زاہد شوی — تا غرض بگذاری و شاہد شوی

حق تعالے چاہتے ہیں کہ تو زاہد ہوجاوی — تاکہ تو غرض کا تارک ہوجائے اور شاہد ہوجاوے

حق ہمی گوید غرض را ترک کن
حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تو غرض کو ترک کردے

کایں غرضہا پردۂ دیدہ بود
کہ یہ اغراض حجاب دیدہ ہوتا ہے

پس نہ بیند جملہ را با طم و رم
پس وہ مجموعہ کو مع رطب و یابس کے نہیں دیکھتا

در دلش خورشید چوں نوری فشاند
آپکے قلب میں خورشید نے جب نور افشانی فرمائی

پس بدید او بے حجاب اسرار را
پس آپنے اسرار کو بے حجاب دیکھ لیا

در زمیں حق را و در چرخ سمی
زمیں میں اور چرخ بلند میں حقتعالیٰ کی کوئی چیز

باز کرد از حق دو چشم خویشتن
حق تعالیٰ سے اپنی دونوں آنکھیں اس شخص نے کھول لی ہیں

باز کرد از رطب و یابس حق نورد
حق تعالیٰ نے رطب و یابس سے پیچ کھول دیا ہے

پس چو دید آں روح را چشم عزیز
پھر جب اس روح کو چشم عزیز نے دیکھ لیا

تا قبول افتد ترا با ما سخن
تاکہ ہمارے نزدیک تیری بات مقبول واقع ہو

بر نظر چوں پردہ پیچیدہ بود
نظر پر وہ مثل پردہ کے لپٹا ہوا رہتا ہے

حبک الاشیاء یعمی و یصم
تیری محبت کرنا کسی شئے سے کورا ور کر کر دیتا ہے

پیشش اختر را مقادیری نماند
تو آپکے سامنے کواکب کی کوئی قدر نہ رہی

سیر روح مومن و کفار را
ارواح مومنین اور کفار کی سیر کو

نیست پنہاں تر ز روح آدمی
روح انسانی سے زیادہ مخفی نہیں

آنکہ صاحب رفعت آمد در سنن
جوکہ احادیث میں صاحب رفعت ہے

روح را من امر ربی مہر کرد
روح پر من امر ربی کی مہر لگادی ہے

پس بروپنہاں نماند ہیچ چیز
پس آپ پر کوئی چیز مخفی نہ رہی گی

شاهدِ مطلق بود در هر نزاع — **بشکند گفتش خمار هر صداع**

آپ ہر نزاع میں شاہدِ کامل ہیں — آپ کا قول ہر دردِ سر کا خمار زائل کر دیتا ہے

نام حق عدل ست شاہد آن او ست — **شاہد عدل ست زین رو چشم دوست**

نام حق تعالے کا عدل ہے شاہد اُس کا مخصوص ہوتا ہے — اسلئے یہ شاہد عدل باصرہ ہیں دوست کے

منظر حق دل بود در دو سرا — **کہ نظر در شاہد آید شاہ را**

قلب دونوں جہاں میں محل نظر حق ہوگیا — کہ بادشاہ کی نظر شاہد میں ہوا کرتی ہے

عشق حق و سر شاہد بازیش — **بود مایہ جملہ پردہ سازیش**

حق تعالیٰ کی محبت اور حق تعالیٰ کا راز محبت — اُس کی تمامتر پردہ سازی کا سرمایہ تھا

پس ازاں لولاک گفت اندر لقا — **در شب معراج شاہد باز ما**

پس اسی واسطے ملاقات کے وقت لولاک الخ فرمایا — شب معراج میں ہماری محب نے

این قضا بر نیک و بد حاکم بود — **بر قضا شاہد نہ حاکم می شود**

یہ قضا نیک و بد پر حاکم ہوتی ہے — قضا پر کیا شاہد حاکم نہیں ہوتا

شد اسیرِ آن قضا میرِ قضا — **شاد باش اے چشم تیز مرتضیٰ**

جو ذات کہ اسیر قضا تھی وہ امیر قضا ہوگئی — شاد باش اے چشم تیز بین مرتضوی

(اور پر بلسان صاحبِ قصہ کہ عارف سلطان محمود تھا بعبارت خود بضمن معاملہ حق و معاملہ نبوی جو مضمون فضائل و خواص معرفت و بصیرت کا اشارۃً و اجمالاً مولانا نے ذکر فرمایا تھا ان اشعار میں مولانا اُسی کو بلسان خود مثل عبارت خود صراحۃً و تفصیلاً بیان فرماتے ہیں یعنی معرفت و بصیرت کے ایسے فضائل و خواص ہیں کہ) عارف کی آنکھ کو دونوں عالم کے لئے امن جان کہ اُسی کی بدولت ہر بادشاہ نے (کا طلاق حاتم علی مطلق الجواد) مدد پائی ہے (یعنی جنکے پاس ظاہری اسباب و سامان بھی ہیں عون فی الحاجات کے لئے وہ سامان کافی نہیں وہ بھی محتاج بصیرت عارف کا ہے وجہ احتیاج یہ ہے کہ امان دنیا کا موقوف ہے اُسکے بقا اور دفع بلا پر اور بقا اُس کا حسب حدیث موقوف ہے اللہ تعالیٰ کا نام لیے جانے پر کما قال صلی اللہ علیہ وسلم لا تقوم الساعۃ حتی

یقال فی الارض اللہ اللہ اور یہہ نام لیا جانا موقوف ہی معرفت حق پر خواہ کسی درجہ کی معرفت ہو اسی طرح دفع بلا و نزول مطر وغیرہ کا سبب ہونا عباد صالحین خصوص ابدال کی برکت سے حدیثوں میں وارد ہی منہا ما قال صلی اللہ علیہ وسلم هل تنصرون وترزقون الا بضعفائکم اور اس خطاب میں ملوک و امرا بھی داخل ہیں اور صلاح موقوف ہے معرفت پر اور امان آخرت کا موقوف ہے ایمان و اعمال صالحہ پر اور یہہ موقوف ہے علم و معرفت حق پر نیز آخرت کا امان بعض کے لئے بواسطہ شفاعت متحقق ہوگا اور شافع ہونا موقوف ہے مقبولیت و محبوبیت پر اور وہ موقوف ہے محبیت پر اور وہ موقوف ہے معرفت پر جیسا کہ یہی تقریر مختصر اشعر بالا امت خود را لخ کی شرح میں بیان بھی کیگئی ہے پس یہ کہنا صحیح ہوگیا کہ چشم عارف داں اماں ہر دو کون الخ اور ہر دلغ کا عموم اگر اہل ایمان تک محدود ہو تب تو کوئی اشکال نہیں اور اگر کفار کو بھی عام ہو تو شفاعت کو عام کہا جاویگا تخفیف عقوبت کے لئے بھی اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے آپکے لیئے ایک قسم شفاعت کی یہہ بھی ثابت کی ہے کہ آپکی شفاعت سے کفار کو بھی عقوبت میں تخفیف ہوجاویگی اور اس صورت میں لا یخفف عنہم العذاب کو خاص کہا جاویگا اس تخفیف کے غیر کے ساتھہ یا یوں کہینگے کہ جو عذاب انیر میں انکے لیئے مقدر ہوچکے گا اس سے تخفیف نہوگی حاصل دونوں توجیہوں کا ایک ہی ہے صرف الفاظ کا اختلاف ہے اور ابو طالب کے لیئے تخفیف آپکی برکت سے خود صحاح میں مصرح ہی آگے اسپر تفریع ہے کہ) اسی لیئے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہر داغ (یعنی جرم) کے شافع ہوئے ہیں کیونکہ غیر حق سے انکی آنکھ (بدلیل) مازاغ (ہٹی ہوئی) تھی (تقریر ترجمہ سے تقدیر کلام کی ظاہر ہوگئی اور بدون تقدیر کے ظاہر عبارت مشکل ہے کیونکہ مازاغ کا مدلول تو یہہ ہے کہ مازاغ عن الحق اور اس مصرعہ کے ظاہر سے یہہ مفہوم ہوتا ہی کہ مازاغ عن غیر الحق پس تقدیر کے بعد یہہ حاصل ہوا ان بصرہ کان مصروفا عن غیر الحق بدلیل قول اللہ تعالی ما زاغ البصر ای بصرہ عن الحق فالمذکور فی الآیۃ یستلزم المقدر ای صرفہ عن غیر الحق اور مصرعہ ثانیہ تعلیل ہے مصرعہ اولی کی یعنی آپ شافع ہوئے بوجہ عارف کامل ہونے کے پس تفریع ما قبل پر ظاہر ہوگئی اور عارفیت پر اس کا ترتب شعر چشم عارف کی شرح میں مذکور ہوچکا ہے آگے بھی اسی کی تفصیل ہے کہ) شب دنیا میں جہاں کہ خورشید (حقیقی) مخفی ہی آپ (وہاں بھی) ناظر حق تھے اور آپکو حق سے امید تھی (یعنے یقین بوجہ وعدہ کے کہ آپکو ذریعہ امان امت کا بنایا جاویگا چنانچہ قیامت میں اس کا ظہور ہوگا) الم نشرح سے آپکی دونوں آنکھوں نے سرمہ حاصل کیا (یعنی شرح صدر کے سبب آپکی معرفت و بصیرت میں ترقی ہوگئی جیسے سرمہ سے بصر میں ترقی ہوتی ہے پس) آپنے وہ چیز دیکھی جسکو جبرئیل برداشت نہ کرسکے (بلکہ انھوں نے تو اس مقام پر پہونچنے تک کے متحمل نہ ہوسکنے کو ظاہر فرمایا کہ ع اگر یک سر موئے برتر پرم * فروغ تجلی بسوزد پرم * کذا فی نشر الطیب عن شفاء الصدور بروایۃ ابن عباس) جس یتیم کے حق تعالی سرمہ لگادیں (اس سرمہ کا شعر سابق میں ذکر ہوا ہے) وہ (بصیرت میں مثل در یتیم (کے یکتا اور) باہدایت ہوجاوینگے (اور) ان کا نور (اس سرمۂ حق سے) دوسرے موتیوں پر (یعنی اور انوار پر) غالب ہوجاویگا (اور نور کی افزونی سے حقائق کا ادراک زیادہ ہوجانے کے سبب) ایسے مطلوب (یعنی سر گشتہ) کے طالب ہوجاوینگے (چنانچہ ایسا ہی ہوا اور ادراک حقائق کا دخل اسمیں ظاہر ہے اسلیئے اسی ادراک سے معلوم ہوا کہ مطلوب حقیقی بنانے کے قابل وہی ہی جسنے یہہ نور عطا فرمایا بصیرت کے اس خاصہ کا حاصل تو یہہ ہوا کہ حق تعالی کی معرفت حاصل ہوئی اب دوسرا خاصہ اسکا آگے مذکور ہے کہ حقائق محدثہ کی بھی معرفت کاملہ آپ کو حاصل ہوئی اور کاملہ سے مراد محیطہ نہیں کہ خواص باری تعالی سے ہی بلکہ نبوت کیلئے جتنے مراتب کی ضرورت ہی ان میں کوئی کمی نہیں رہی آیندہ اشعار میں جہاں جہاں الفاظ ظاہرۃ العموم ہیں جیسے مقامات العباد - او پنہان نماند - ہیچ چیز اور

ہر نزاع وہاں استغراق عرفی مراد ہے حقیقی نہیں اور جو الفاظ مطلق ہیں جیسے ندارد مگر گریزاور دید اسرار رااور سیر روح مومن وکفار رادہ اور بھی بہن ہے کیونکہ اطلاق مستلزم عموم کو نہیں پس آپکی اس معرفت تامہ متعلقہ بالمحدثات کا بیان یہہ ہے کہ) آپکی نظر مین بندونکے مقامات تھے (مقامات سے مراد احوال و اعمال جو محل ہیں جزا کے اور نظر میں ہونا بعض کا تو مشاہدہ سے اور بعض کا عرض اعمال سے کما فی المواہب عن سعید بن المسیب) لاجرم آپکا نام خدا تعالی نے شاہد رکھا (کما قال تعالی انا ارسلناك شاهدا ومبشرا ونذیرا الخ پس آپ کا شاہد نام رکھا جانا دلیل انی ہے در نظر بود ش کی کہ تحمل شہادت کا موقوف علی المعرفت ہونا ظاہر ہے آگے یہی مضمون تحمل شہادت کا مع اضافہ مضمون متعلق ادائی شہادت کے مذکور ہے یعنی) شاہد کا آلہ زبان اور چشم تیز (یعنی صحیح بین) ہے (چشم تو تحمل کے لئے اور زبان اداکے لئے اس مجموعہ سے تکمیل ہوجاتی ہی شہادت کی چنانچہ آپ کا شاہد نام رکھا جانا چشم کی بھی دلیل ہوئی جیسا اوپر مذکور ہوا اور ادا کی بھی چنانچہ قرآن مجید میں ہی وجئنا بك علی هؤلاء شهیدا اور یکون الرسول علیکم شهیدا) چونکہ چشم کے ظاہر لفظ سے متبادر مشاہدہ کا حکم ہوتا ہی اور آپنے جمیع واقعات مشہود فیہا کا مشاہدہ نہیں فرمایا اسلئے دوسرے مصرعہ میں چشم تیز واقع فی المصراع الاول کی تفسیر ہے کہ چشم تیز سے مراد یہہ ہے کہ) آپکے قلب شب بیدار سے راز مخفی (متعلق بہ مقامات العباد) گریز (اور سبقت) نہیں کرتا (یعنی چشم سے مراد باصرہ نہیں بلکہ بصیرت و ادراک قلب ہے اور بصیرت آپکو بواسطہ عرض اعمال و اعلام حق تعالی کے سب واقعات مشہود فیہا کی حاصل ہے اور شب خیز کہنے میں اشارہ ہی مضمون حدیث تنام عینای ولا ینام قلبی کیطرف اور اس شہادت پر یہہ شبہ نہ کیا جاوے کہ واقعہ غیر مشاہدہ کی شہادت کیسے صحیح ہوسکتی ہے اس کا جواب یہہ ہے کہ اس اشتراط کی علت تیقن ہے اور شریعت نے احکام دنیویہ میں تیقن کی شرط مشاہدہ ٹھیرایا ہی تو اگر احکام اخرویہ میں دوسرا واسطہ تیقن کا قرار دیا جاوے تو اسمیں اشکال کیا ہی دوسرے خود احکام دنیویہ میں بھی بعض حقوق میں شہادت علی الشہادہ کو جائز رکھا گیا ہے سو اس کو اسکی نظیر بھی کہہ سکتے ہیں رہا نصاب شہادت میں تعدد ہونا یہہ بھی ایک امر راجع الی القانون ہی وہاں دوسرا قانون ہوسکتا ہی دوسرے بعض حقوق میں دنیا میں بھی تعدد شرط نہیں کشہادۃ القابلۃ علی الولادۃ یہاں تک آپکے شاہد ہونیکا مدار یعنی عارف ہونا بیان کیا ہے آگے بھی اسکا تتمہ دردلش خورشید الخ سے آویگا۔ درمیان میں مطلق شاہد میں بھی مدار شہادت معرفت کا ہونا اور شاہد کی فضیلت اور اس فضیلت کی شرط اسلئے مذکور ہے تاکہ آپکے لیئے ان کا بھی اثبات ہوجاوے فان الشیء اذا ثبت ثبت بلوازمہ یعنی عام قاعدہ سے شاہد کی یہہ فضیلت و مقبولیت ہے کہ) اگر مدعی ہزار سر پٹکے (پس ہزاراں قید مدعی نیست قید سر بر زند ہست) تب بھی قاضی (حاکم) کان بجانب شاہد کے کرتا ہے (اور یہہ ظاہر ہے کہ مدعی کیسا ہی ثقہ ہو مگر مدعا علیہ کے انکار پر محض اسکے دعوی سے حق نہیں دلاتے البتہ شاہد کے قول پر بشرائطہ حق دلاتے ہیں) حکام کا حکومت میں یہی فن ہی (جو مذکور ہوا پس) شاہد ان (حکام) کے لئے (گویا) دو چشم روشن ہے (یعنی مشاہدہ سے اس کا بیان بمنزلہ اسکے ہے کہ گویا حاکم نے خود مشاہدہ کر لیا تو وہ بمنزلہ چشم کے آلہ ہے اسکے مشاہدہ حکمیہ کا بلکہ اس مسئلہ کی بنا پر کہ قضاء قاضی بعلمہ جائز نہیں یہہ مشاہدہ حکمیہ مشاہدہ حقیقیہ سے ارجح و اقوی ہی آگے اس کا نکتہ بیان کرتے ہیں کہ مدعی کا قول معتبر نہیں حالانکہ وہ بھی مثل شاہد واقعہ کا مشاہدہ کرنے والا ہے اور شاہد کا قول معتبر ہے حالانکہ وہ مشاہدہ میں مدعی سے بڑھا ہوا نہیں پس فرماتے ہیں کہ فرق ان دونوں میں یہہ ہے کہ) شاہد کا قول (قالو تما) اسلئے بجا کر دیا گیا ہے (کما مر قبل) کہ اسنے دیدہ بے غرض سے حقیقت کو دیکھا ہے (اور مدعی نے (بھی گو) دیکھا ہے مگر بہ غرض (دیکھا ہے اور اکثر ایسا ہوتا ہے کہ) غرض دیدۂ دل کے لیے حجاب ہوجاتا ہے (اسلئے حقیقت

کا کوئی جزو اس سے مخفی رہ جاتا ہے اور مشاہدہ تام نہیں ہوتا یا وہ قصداً کسی جزو کو مخفی رکھتا ہے اور اس لئے مشاہدۂ تام کا اظہار حاکم کے سامنے نہیں ہوتا اور چونکہ اکثر ایسا ہوتا ہے اس واسطے حاکم کے نزدیک وہ مشاہدہ محتمل ہوگیا اور محتمل میں قابلیت دلیل بننے کی نہیں ہوتی اور حاکم کو دلیل کی ضرورت ہے اسلئے قول مدعی پر حکم نہیں ہوسکتا بخلاف شاہد کے کہ وہ بے غرض ہے اس لئے وہاں یہ احتمالات نہیں اور دوسرے احتمالات کذب وغیرہ کا انسداد شاہد کی عدالت سے کرلیا گیا ہے مگر غرضمندی کا احتمال منفی ہے اور یہی وجہ ہے کہ جہاں قوی احتمال غرض و انتفاع کا ہو ایسے شخص کی شہادت بھی مقبول نہیں جیسے اصول کی فروع کے لئے و بالعکس یا غایت صداقت میں یا غایت عداوت میں کما ہو مبسوط فی الفروع الفقہیہ اس مضمون کا تتمہ تین شعر کے بعد پس نہ بیند الخ میں آتا ہے گویا نیے متصل کا بھی تتمہ ہے پس اسکی تتمیت مشترک ہے اور درمیان میں ایک مضمون جو بمنزلہ جملہ معترضہ کے ہے بطور تفریع کے ماقبل پر مذکور ہے یعنی جس طرح شاہد عند القاضی وہی ہوتا ہے جو علم قاضی میں بے غرض ہو اسی طرح شاہد عند اللہ بھی وہی ہوتا ہے جو علم الٰہی میں یعنی واقع میں بے غرض ہو پس اسی کو فرماتے ہیں کہ) حق تعالیٰ چاہتے ہیں کہ تو زاہد ہو جاوے تاکہ (زہد کے سبب جسکی حقیقت ہے دنیا و اغراض دنیا سے بے رغبتی) تو غرض کا تارک ہو جاوے اور شاہد ہو جاوے (آگے اسی کی تاکید ہے کہ) حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تو غرض کو ترک کر دے تاکہ ہماری نزدیک تیری بات مقبول و واقع ہو (یہ قید با ما قرینہ ہے اسکا کہ مراد اس شہادت مذکورہ فی الشعر السابق میں شہادت عند اللہ ہے جیسا بندہ نے اس شعر کی تمہید میں لکھا ہے گویا مولانا کے اس کلام میں اشارہ ہو جاویگا تفسیر آیۃ لتکونوا شہداء علی الناس کیطرف یعنی اس آیت میں جو علی القول المشہور المنصور شہادت یوم القیمۃ مخاطبین کی مذکور ہے تو اسکی قابلیت جب ہوگی کہ زہد و اخلاص اختیار کیا جاوے اور اسمیں ترغیب بھی ہوگی زہد و اخلاص کی اسی طرح اس سے شرح ہو جاویگی حدیث انتم شہداء اللہ فی الارض کی جبکہ صحابہ رض نے ایک جنازہ کی تعریف کی اور ایک جنازہ کی مذمت کی اس وقت آپنے یہ ارشاد فرمایا تھا حاصل شرح کا یہ ہو کہ ہر شخص کا بھلا برا کہنا علامت ناجی یا جانی ہونے کی نہیں بلکہ جو قابلیت شہادت کی رکھتے ہوں یعنی بلا کسی غرض کے مدح یا قدح کریں بخلاف اس شخص کے جسکو اس میت سے کوئی نفع دنیوی تھا یا وہ اسکو کوئی ضرر پہونچاتا تھا ایسے شخص کا قول علامت و شہادت نہیں ہے آگے علت ہے مضمون شعر مذکور کی یعنی قبول سخن کا مدار ترک غرض پر اسلئے رکھا گیا ہے) کہ یہ اغراض حجاب دیدہ ہوتا ہے (جیسا اوپر بھی مذکور ہوا اور) نظر پر وہ مثل پردہ کے لپٹا ہوا رہتا ہے (پس وہ غشاوہ مانع ابصار ہوتا ہے آگے تفریع ہے مصرعہ متصلہ بر نظر چوں پردہ پیچیدہ بود اور مصرعہ منفصلہ پردہ باشد دیدۂ دل را غرض پر کہ ایک شہادت عند الخلق میں ہے اور ایک شہادت عند الخالق میں یعنی دونوں جگہ جب غرض حجاب قلب ہوتا ہے پس (اس حجاب کے سبب) وہ (واقعہ کے) مجموعہ کو مع (اسکے) رطب و یابس کے نہیں دیکھتا (فی المنتخب طم بالکسر آب دریا و رم بالکسر خاک نمناک و عرب گویند جاء بالطم والرم یعنی تر و خشک اھ مختصراً و می گویم کہ چوں رم بمقابل طم باشد پس قید نمناک در خاک ملحوظ نبود واگرچہ نمناک بود لاکن بمقابلہ آب دریا خشک پنداشتہ شود یہاں رطب و یابس کنایہ ہے جمیع اجزاء سے اگرچہ ان میں دونوں وصف نہوں مطلب یہ کہ صاحب غرض کی نظر محیط نہیں ہوتی کیونکہ مسئلہ حکمیہ ہے کہ) تیری محبت کرنا کسی شئے سے (فالاشیاء للحبس) کو اندھا اور بہرا کر دیتا ہے (یعنی اسکے عیوب کو وہ نہ سنتا ہے نہ دیکھتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ بعض اغراض سے بعض خطا نظر میں ہوتی ہے اسی پر دوسرے اغراض مثل بغض کو اور دوسری خطائی النظر کو قیاس کرلیا جائے گا یہاں تک شاہد کی فضیلت اور شرط بیان

کرکے پھر عود کرتے ہیں مضمون سابق یعنی آپکی عارفیت کی طرف کہ مدلہ ہے شاہد ہونے کا یعنی آپکی عارفیت کی یہ شان ہے کہ آپکے قلب میں خورشید (معنوی یعنی حضرتِ حق) نے جب نورافشانی فرمائی (یعنی اپنی صفت علم کا فیض اکمل عطا فرمایا) تو آپکے سامنے کواکب کی کوئی قدر نہ رہی (یعنی تمام اہل علوم و اہل معارف سے آپ کا علم اکمل و افضل ہوگیا جسطرح قمر کے سامنے کہ نور بھی شمس سے مستفید ہے دوسرے کواکب ماند ہو جاتے ہیں حتی کہ بعض تو نظر بھی نہیں آتے اور بعض گو نظر آتے ہیں مگر ان کا نور ضعیف معلوم ہوتا ہے جب آپکو حق تعالیٰ نے اپنی صفت علمیہ کا ایسا مظہر اکمل فرمایا) پس آپنے اسرار کو بے حجاب دیکھ لیا (یعنی) ارواح مومنین اور کفار کی سیر (اور اس سیر کے محل یعنی جنان و نیران) کو (دیکھ لیا جیسا اوپر اس سیر کے مدار کو کہ اعمال و احوال ہیں ملاحظہ فرمانا اس شعر میں مذکور ہوا ہے درنظر بودش مقامات العباد الخ پس وہاں عمل مذکور تھا یہاں جزا اور اس شعر کی تمہید میں ایک ضروری بحث اطلاق و عموم کے تحقیق میں لکھی ہے یہاں کے لئے بھی دیکھ لیجائے آگے آپکی کمال معرفت و بصیرت کو جسکا اوپر دعوی تھا پس بدید او بیحجاب اسرار را الخ جسکے مصرعہ ثانیہ میں دلیل آیندہ کا ایک مقدمہ بھی ہے سیر روح الخ ایک خاص دلیل سے بیان کرتے ہیں کہ دیکھو) زمین میں اور چرخ بلند میں حق تعالیٰ کی کوئی چیز روح انسانی سے زیادہ مخفی نہیں (یہ ایک مقدمہ ہوا آگے دلیل ہے اس مقدمہ کی کہ چنانچہ) حق تعالیٰ (کی تعلیم) سے اپنی دونوں آنکھیں ایسے شخص نے کھول لی ہیں جو کہ (آیات و) احادیث (کے علم) میں صاحب رفعت (یعنی فاضل کامل) ہو (پس) حق تعالیٰ نے (قرآن و حدیث میں اپنے کلام سے یا رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام سے سب ضروری) رطب و یابس (یعنی ہر قسم کے معلومات) سے پیچ (یعنی پردہ) کھول دیا ہے (یعنی بیان فرما دیا ہے کما قال تعالے تبیانا لکل شئ ای مما لابد منہ فی الدین لیکن باوجود اسکے) روح پر من امر ربی کی مہر لگا دی ہے (یعنی اجمالی جواب پر اکتفا کرنے سے اور تفصیل بیان نہ فرمانے سے اسکو قرآن میں مخفی رکھا جہانکہ دوسرے مغیبات کا مفصل بیان فرما دیا ہے اسی طرح حدیث میں بھی چنانچہ جنت اور دوزخ اور حور اور غلمان اور ملئکہ و عرش و کرسی و بیت المعمور و سدرۃ المنتہی سب کی معتد بہ تفصیل ہے مگر روح میں بالکل اجمال ہے یہ دلیل ہوئی اس مقدمہ کی نیست پنہاں ترز روح آدمی اور رطب و یابس سے مراد وہ اشیاء ضروریہ فی الدین ہیں جن کا علم نقل پر موقوف ہے پس اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اشیاء حسیہ کا علم بھی قرآن سے حاصل ہو وہ تو خود محسوس ہیں ان سے اخفی ہونا روح کا تو محتاج اثبات ہی نہیں اور ضروریہ فی الدین کی قید سے قرآن مجید میں تمام علوم کا مذکور ہونا یا صاحب وحی کے علم کا مثل علم حق کے محیط ہونا بھی لازم نہ رہا آگے ایک مصرعہ میں دوسرا مقدمہ ہے اور دوسرے مصرعہ میں مدعا ہے یعنی یہ تو تم کو معلوم ہوگیا کہ روح سے مخفی زیادہ کوئی چیز نہیں) پھر جب اس روح (اخفی) کو (آپکی) چشم عزیز نے دیکھ لیا (جس کا اوپر بھی مثل یہاں کے بلادلیل ذکر ہوا ہے سیر روح الخ اور یہ دوسرا مقدمہ ہے) پس (اس صورت میں) آپ پر کوئی چیز مخفی نہ رہیگی (یہ مطلوب ہے جو اوپر اس عنوان سے مذکور ہوا تھا پس بدید او بیحجاب اسرار را الخ اور ہیچ چیز کے عموم کی تحقیق اوپر شعر درنظر بودش الخ کی تمہید میں مکرر دیکھ لیجاوے اب دو امر باقی رہگئے ایک یہ کہ اسکی کیا دلیل ہے کہ آپنے روح کو دیکھا ہے دوسرے یہ کہ اسکی کیا دلیل ہے کہ روح کو دیکھنا مستلزم ہے دیگر اشیاء مخفیہ کے دیکھنے کو سو امر اول کی دلیل سہل ہے کیونکہ نزدیک اہل کشف کا مشاہدہ کرتا ہے روح کو اور چونکہ یہ علوم عالیہ سے ہے اسلئے اسمیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا واسطہ اور اعلم ہونا ضروری ہے پس اس سے ثابت ہوا کہ آپنے بھی مشاہدہ فرمایا ہے اور اسپر اگر یہ شبہ ہو کہ اوپر صاحب رفعت در سنن سے بھی علم روح کا مکتوم ہونا آچکا ہے پھر یہ کہ اس اشتراک سے آپکا اعرف

واعلم ہونا جو کہ مقصود مقام ہے کیسے ثابت ہوگا جواب یہ ہے کہ اُس صاحب رفعت سے مراد فاضل غیر صاحب کشف وشہود ہے اور
اشتراک کا جواب یہ ہے کہ آپ واسطہ فی الثبوت ہیں پس بالعرض کو جو اشتراک ہوتا ہے وہ قادح اعرفیۃ کا نہیں اور اس باب مشاہدہ
روح میں حدیث تجلی لی کل شیٔ سے استدلال مناسب نہیں کیونکہ یہ کل شیٔ مقید ہے ضروری فی الدین کے ساتھ اور امر ثانی کی دلیل
استلزام عادی ہے اور اُسکی ظنیت اسلئے مضر نہیں کہ مستقل دلائل سے بھی آپکا اعلم الخلق ہونا ثابت ہے اور اثبات شاہدیۃ کاملہ کے
لیئے بھی اعلمیت کافی ہے یہاں تک بیان ختم ہوا آپکے شاہدیت کے مدار کا کہ اعلمیت و عارفیت ہے آگے بیان ہے اُس شاہدیت کے
آثار کا کہ مقبولیت و کاشفیت ہے اور یہاں بھی اول عارفیت پر شاہدیت کی تفریع اور اُس شاہدیت پر کاشفیت کی تفریع کرکے وہ
مضمون فرماتے ہیں یعنی تقریر بالا سے ثابت ہوا کہ) آپ ہر نزاع (وخصومت) میں (جو قیامت کے روز واقع ہوگی جس کا اوپر
ذکر ہوا ہے فی قولہ در شب دنیا الی قولہ در نظر بودش بلکہ دنیا میں بھی دین کے ابواب احکام میں آپ) شاہد کامل ہیں (اور شاہد ہونے
سے ثابت ہوا کہ) آپکا قول ہر درد سر کا خمار زائل کر دیتا ہے (جیسے کہ شاہد کی یہی شان ہوتی ہے کہ خصومت و تعب اختلاف
اُس سے رفع ہو جاتا ہے چنانچہ قیامت میں بھی خاص خصومات رفع ہونگی اور یہاں بھی امور دینیہ میں آپ فاصل ہیں اور اس وصف
شاہد کا اوپر بھی ذکر آیا ہے گر ہزاراں مدعی الخ میں کاشفیت کا بیان ہو چکا آگے آپکی مقبولیت و محبوبیت کا ذکر ہے کہ یہ بھی شان ہوتی ہے
مطلق شاہد کی کہ حاکم عادل کے نزدیک مقبول و محبوب ہوتا ہے فذکر المحبوبیۃ التی ہی من آثار الشاہدیۃ لمطلق الشاہد
ھھنا کذکر المعرفۃ التی ہی مدار الشاہدیۃ لمطلق الشاہد فیما مضے من قولہ گر ہزاراں مدعی الخ کما قد ذکر فی تمہیدہ خصوص
جبکہ اور اوصاف موجبہ محبت بھی اُنہیں مجتمع ہوں جیسے آپ میں ہیں اسی کو فرماتے ہیں کہ) نام حق تعالیٰ کا عدل (یعنی عادل) ہے
(اور) شاہد (عدل مطلقاً) اُس کا (یعنی مطلق حاکم عادل کا) مخصوص ہوتا ہے (پس) اس لیئے یہ شاہد عدل (یعنی رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم) باصرہ ہیں (یعنی بمنزلہ باصرہ کے محبوب منظور علم ہیں) دوست (یعنی حق تعالیٰ) کے (جن کا نام عدل ہے کما ذکر اور
اس تشبیہ میں احتیاج ملحوظ نہیں جیسا کہ نفس کیلئے باصرہ مظہر احساس احتیاج کے ساتھ ہے تعالی اللہ عن ذلک اور اس تشبیہ میں
تلمیح ہے مضمون بالا شاہد ایشاں را دو چشم روشن ست کیطرف مگر قطع نظر احتیاج سے آگے تائید مدعائے مقام کے لئے ایک دوسرے
خاص شاہد کی محبوبیت کا ذکر فرماتے ہیں کہ شاہدیۃ کا اثر محبوبیت اس درجہ ہے کہ) قلب دونوں جہاں میں محل نظر حق ہوگیا (کما
ورد ان اللہ لا ینظر الی صورکم ولکن ینظر الی قلوبکم پس وہ اس لیئے محل نظر حق ہوگیا) کہ بادشاہ (حاکم) کی نظر شاہد میں ہوا
کرتی ہے (اور قلب میں شان شاہدیۃ کی ہے کما ورد استفت قلبک فاعتبر صلی اللہ علیہ وسلم شہادۃ القلب بالشرط الخاص
فی المحل الخاص پس اس سے تائید ہوگئی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب ہونیکی آگے تفریع ہے آپکی محبوبیۃ مطلقہ پر کہ آپ اس محبوبیت
میں تمام خلق سے ایسے اکمل و اسبق ہیں کہ) حق تعالیٰ کی محبت (جو آپکے ساتھ ہے) اور حق تعالے کا راز محبیت (جو رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم سے متعلق ہے شاہد بازی کنایہ است از عشق بازی ولایخفے لطافۃ لفظ الشاہد وان استعمل فی معنی آخر) اُسکی تمام تر پردہ
سازی (یعنی ایجاد عالم) کا سرمایہ (اور اصل) تھا (یعنی ایجاد عالم کا اصل سبب یہی محبت ہے جو حق تعالیٰ کو آپکے ساتھ ہے
اُس محبت سے آپکو ایجاد کرنا مقصود تھا اور باقی عالم آپکے طفیل میں پیدا فرمایا اور اسی واسطے اس ایجاد کو پردہ سازی سے تعبیر کیا گیا
زیراکہ پردہ سازی آں باشد کہ شخصے کار کند و مراد و غرض انساں کار چیزے دیگر باشد کذا فی الحاشیۃ آگے اسپر تفریع ہے تائید

کے لیے یعنی چونکہ آپ ہی اصل مقصود ہیں) پس اسی واسطے ملاقات کے وقت لولاک الخ فرمایا شب معراج میں ہمارے محب (اللہ سو
یعنی حق تعالیٰ) نے (تا ابد اس سے ظاہر ہے آگے مثل موقنین مذکورین گر ہزاراں مدعی الخ اور نام حق عدل ست الخ کے اول ایک خاصہ
مطلق شاہد کا پھر اُس سے استدلال کرکے ویسا ہی خاصہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کہ وہ احبیۃ مقصودہ مقام میں اور بھی اظہر ہے
بیان فرماتے ہیں یعنی قاعدہ ہے کہ) یہ قضا (یعنی حکم حاکم) نیک و بد (سب) پر حاکم ہوتی ہے (چنانچہ ظاہر ہے لیکن شاہد کی یہ شان
ہے جو تم کو بھی معلوم ہے کہ) قضا پر کیا شاہد حاکم نہیں ہوتا (یعنی حاکم خود شاہد کا تابع ہوتا ہے تو اس سے شاہد کی بڑی شان ظاہر ہوئی
کہ جو سب پر حاکم ہے شاہد خود اُسپر حاکم ہے یہ تو قاعدہ عامہ ہے اسی سے اُس خاص مدعای مقام کو سمجھ لو کہ) جو ذات (نبویہ) کہ
(بحیثیت محبوبیۃ مطلقہ کے) اسیر قضا ہو گئی (نہ بمعنے متبوع بلکہ بمعنے من یراعی موافقتہ اور وہ بھی اضطراراً نہیں نعوذ باللہ جسطرح
کہ قاضی موافقت میں مضطر ہے بلکہ یعنی ان یقصد موافقتہ بالاختیار اور یہ امر نصوص صریحہ صحیحہ سے ثابت ہے قال تعالیٰ
ولسوف یعطیک ربک فترضی وقال تعالیٰ فلنولینک قبلۃ ترضاھا وفی الحدیث عن عائشۃ رض ما اری ربک الا یسارع
فی ھواک آگے اس تمام شان محبوبی مذکور پر جوش میں آکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں بطور خطاب عرض کرتے ہیں کہ) شاد
باش ای چشم تیز بین مرتضوی (کہ اس معرفت سے یہ شان محبوبیت مطلقہ کی آپکو عطا ہوئی یہاں فضائل نبویہ میں مضمون مقام پر
کفایت کرکے آگے پھر عود ہے مضمون شعر بالا یعنی اولین اشعار مقام چشم عارف الخ کی طرف جس میں امان کا ایک خاص طریق مذکور ہے
یعنی مناجات جس میں سب کے لیے عارف امان کی درخواست کر رہا ہے اور مرجو القبول ہونے سے امان بھی متوقع الحصول ہے

عارف از معروف پس درخواست کرد	**کای رقیب ما تو اندر گرم و سرد**
پس عارف نے معروف سے یہ درخواست کی	کہ اے ہمارے واقف احوال تکلیف اور راحت میں
ای مشیر ما تو اندر خیر و شر	**از اشارتہای دل ما بے خبر**
اے ہمارے مشیر خیر اور شر میں	ہم اشارات قلب سے بے خبر ہیں
ای مرا تا لا نراہ روز و شب	**چشم بند ما شدہ دیدہ سبب**
اے وہ ذات کہ وہ روز و شب ہمکو دیکھتا ہے ہم اسکو نہیں دیکھتے	ہمارا مانع ابصار سبب بینی ہے
چشم من از چشمہا بگزیدہ شد	**تا کہ در شب آفتابم دیدہ شد**
میری آنکھ اور آنکھوں سے متمیز ہوئی	یہاں تک کہ ظلمت میں آفتاب مجھکو دکھائی دے گیا
لطف معروف تو بود ای منتہی	**پس کمال البر فی اتمامہ**
یہ لطف معروف ہو چکا ہے اے کامل	پس کمال احسان اُسکے اتمام میں ہے

۴ عبدیت کے) اسیر قضا (یعنی تابع حق الخ) وہ بحیثیت

ربنا اتمم نورنا فی الساهره
اے میری رب ہمارے نور کو زمین محشر میں تمام فرمایئے

النجنا من مفضحات القاهره
ہم کو رسوا کنندہ قہروں سے نجات دیجئے

یار شب را روز مہجوری مده
رفیق شب کو ہجوری کا دن مت دیجئے

جان قربت دیده را دوری مده
اُس روح کو جو کہ قرب دیدہ ہے دوری مت دیجئے

بعد تو مرگیست با درد و نکال
آپکی دوری ایک موت ہی جو درد و عقوبت کے ساتھ مقرون ہے

خاصه بعدے کاں بود بعد الوصال
خاصکر وہ بُعد جو بعد وصال کے ہو

آنکه دیدستت مکن نادیده اش
جسنے آپ کو دیکھ لیا اُس کو اَن دیکھا نہ کیجئے

آب زن بر سبزهٔ بالیده اش
اُسکے سبزۂ بالیدہ پر پانی چھڑک دیجئے

من نکردم لا ابالی در روش
میں نے سلوک میں بے پروائی نہیں کی

تو مکن هم لا ابالی در خلش
تو آپ بھی بے پروائی نہ کیجئے عقوبت میں

هیں مراں از روی خود او را بعید
ہاں ایسے شخص کو اپنے قرب سے دور نہ نکالئے

آنکه او یکبار آں روی تو دید
جس نے ایک بار آپ کا رُخ دیکھ لیا

دید روے جز تو شد غُلّ گلو
آپکے رُخ کے سوا اور کسی چیز کی دید طوق گلو ہے

کُلّ شیٔ ما سوی اللّٰه باطلٌ
تمام اشیاء ماسوی اللہ باطل ہیں

باطلند و می نمایندم رشد
یہ سب باطل ہیں اور مجھکو صواب دکھلائی دیتے ہیں

زانکه باطل باطلاں را می کشد
کیونکہ باطل باطلوں کو کھینچتا ہے

ذره ذره کاندریں ارض و سماست
ذرہ ذرہ جو کہ اس ارض و سما میں ہے

جنس خود را ہر یکے چوں کہرباست
اپنے جنس کے لیئے ہر واحد مثل کہربا کے ہے

معدہ ناں را می کشد تا مستقر
معدہ روٹی کو استقرار گاہ تک کھینچتا ہے

می کشد مر آب را تف جگر
پانی کو حرارت جگر کھینچتی ہے

چشم جذاب بتاں زیں کو بہا
آنکھ کشش کرنے والی ہے معشوقوں کے ان کوچوں سے

مغز جویاں از گلستاں بوبہا
مغز طالب ہے روائح کا باغ سے

زانکہ حس چشم آمد رنگ کش
کیونکہ حاسہ باصرہ رنگ کا کشش کرنے والا ہے

مغز و بینی میکشد بوہای خوش
مغز اور شامہ روائح طیبہ کو کشش کرتا ہے

زیں کششہا ای خدای راز داں
ان جذبات سے اے خدائے راز داں

تو بجذب لطف خود ماں دہ اماں
آپ اپنے جذب لطف کے طفیل ہم کو امان دیجئے

غالبی بر جاذباں اے مشتری
آپ سب جاذبوں پر غالب ہیں اے خریدار

شاید ار در ماندگاں را واخری
ممکن ہے اگر آپ در ماندوں کو خرید لیجئے

(اسمیں عود ہے شعر مذکور بالا چشم عارف داں اماں الخ کیطرف اُسکے مضمون عام میں سے ایک وجہ خاص یعنی شفاعت کی حیثیت سے اور اسمیں اشعار متصلہ کی مناسبت کا بھی لحاظ ہے یعنی اشعار بالا کے اول میں مذکور ہوا ہے کہ عارف سبب امان خلق کا ہوتا ہے اور اشعار متصلہ کے اخیر میں مذکور ہوا ہے کہ بوجہ محبوب ہونے کے اُنکی درخواستیں مقبول ہوتی ہیں اسکا اقتضا یہ ہوا کہ) بس عارف نے (جسمیں انبیاء اصل ہیں اور غیر انبیاء تابع ہیں) معروف (یعنی حضرت حق) سے یہہ درخواست (ومناجات) کی (جسمیں بعض متعلق قیامت کے ہیں اور بعض عام ہیں) کہ اے ہمارے واقف احوال تکلیف اور راحت میں (یعنی ہر حال میں) اور اے ہمارے مشیر خیر اور شر میں (خیر میں تو ترغیب کے ساتھ اور شر میں ترہیب کے ساتھ اور طریق خاص اُس مشورہ کا غیر صاحب وحی کے لیئے بعد خطابات شرعیہ عامہ مشترکہ کے یہہ ہے کہ قلب کو اسپر متنبہ ہوتا ہے جیسا حدیث میں ہے الاثم ما حاک فی صدرک اور الصدق طمانینۃ والکذب ریبۃ چنانچہ دوسرا مصرعہ اسپر دال ہے یعنی آپ تو اسطرح قلب کو اشارہ و تنبہ فرما دیتے ہیں مگر) ہم (ان) اشارات قلب سے (بالاضافۃ الی المفعول) بیخبر (رہتے) ہیں (اور اسپر عمل نہیں کرتے وفی نسخۃ از اشارتہات دل مابے خبر و ہو ظاہر) اے وہ ذات کہ وہ روز و شب ہم کو دیکھتا ہے (اور) ہم اُسکو نہیں دیکھتے (اور) ہمارا مانع ابصار سبب بینی ہے (چنانچہ ظاہر ہے کہ اسباب اکثر کے لیے محجوب ہو جاتے ہیں توجہ و معرفت حق و حقیقت سے پس ابصار سے مراد بصیرت ہے اور اس تمام مناجات میں عارف نے جن احوال کو اپنی طرف منسوب کیا ہے اُن میں بعض ظاہر اشان عارفیت پر منطبق نہیں ہوتے جیسے از اشارتہا الخ اور چشم بند ما

اوپر کے اشعار میں اور بعض آگے بھی آوینگے سو انکی دو توجیہ ہوسکتی ہیں ایک یہ کہ محمول کیا جاوے تواضع پر کیونکہ ہر مرتبہ میں طلب ترقی ہے مرتبۂ فوق کی تو وہ مرتبہ ماتحت ناقص معلوم ہوتا ہے اور یا عارف نے اس درخواست میں عوام غیر عارفین کو بھی شریک کر رکھا ہے ایسے احوال انکے اعتبار سے ذکر کیئے گئے اور بعض جو عارفیت کی شان کے مناسب ہیں جیسے آگے آتا ہے چشم من الخ اور نہ کردم لاابالی الخ اس سے دعوی مقصود نہیں بلکہ اعتراف بالنعمۃ اور ادائے شکر اور اس کو بقیہ نعم کی درخواست کا توطیہ قرار دینا کہ جب اتنی نعمتیں دی ہیں تو اور بھی عطا فرمایئے تاکہ لائتم نعمتی کا مصداق ہو جاوے کدعاء یوسف علیہ السلام رب قد آتیتنی من الملک وعلمتنی من تاویل الاحادیث فاطر السموات والارض انت ولیی فی الدنیا والآخرۃ توفنی مسلما والحقنی بالصالحین پس اسی طرح یہ عرض کرتے ہیں کہ ای اللہ باوجودیکہ اسباب مانع ابصار ہیں عوام کے لیئے تو زیادہ اور میرے لئے بھی ایک درجہ میں مگر باوجود اسکے آپکی رحمت وفضل ولطف وکرم سے کما یدل علیہ صیغۃ بگزیدہ شد) میری آنکھ اور آنکھوں سے متمیز ہوئی یہاں تک کہ ظلمت (دنیا) میں آفتاب مجھکو دکھلائی دیگیا (مطلب یہ کہ مجھکو حسب استعداد نعمت معرفت نصیب ہوئی جب آپکا) یہ لطف معروف (اور معمول) ہو چکا ہے اے کامل پس کمال احسان (جسکے آپ اہل ہیں) اس (احسان) کے اتمام میں ہے (یعنی احسان میں اور ترقی فرما اور اسکی اور تکمیل فرما جس کا بیان آخر اشعار تک چلا گیا یعنی اے میرے رب ہماری نور کو زمین محشر میں (کذا فی المنتخب فی الساہرہ) تام فرمایئے (اور) ہم کو رسوا کنندہ قہروں سے نجات دیجئے (اور) رفیق شب کو مجوری کا دن مت دیجئے (مراد شب سے دنیا جیسا اسکے قبل مصرعہ تاکہ در شب الخ کی شرح میں یہی تفسیر کیگئی ہے اور اس عنوان میں رعایت ہے قصہ رفاقت محمود وقت شب کی جیسا اسکے قبل بھی ای رقیب ما تو اندر گرم و سرد او تاکہ در شب آفتابم دیدہ شد میں اسکی رعایت ہے چونکہ اسی قصہ سے ان مضامین کیطرف انتقال ہوا ہے اسلئے اس رعایت میں ایک خاص استحسان بھی ہے اور میری) اس روح کو جو کہ قرب دیدہ ہے دوری مت دیجئے آپکی دوری (مطلقا) ایک (سخت) موت ہے جو درد وعقوبت کے ساتھ مقرون ہے۔ خاصکر وہ بعد جو بعد وصال کے ہو (جیسی معرفت کے بعد طرد ہو نعوذ باللہ من الحور بعد الکور) جس نے آپکو نظر معرفت سے) دیکھ لیا اس کو (مطرود کر کے) آن دیکھا نہ کیجئے (بلکہ) اسکے سبزۂ بالیدہ پر پانی چھڑکئے (جس سے اسکو زیادہ نشو ونما ہو یعنی اسکی معرفت کو مع اسکے مقصود کے کہ قرب ہے ترقی دیجئے) میں نے سلوک (طریق) میں بے پروائی (اور سرکشی وتولی مذکور فی الآیۃ الآتیۃ) نہیں کی (کہ نہ قرب کی طلب ہوتی اور نہ بعد سے استعاذہ گو اسباب قرب کی کم توفیق ہوئی مگر اسکی دھن میں رہا) تو آپ بھی (مجھسے) بے پروائی (واستغنا مذکور فی قولہ فکفروا وتولوا واستغنی اللہ) نہ کیجئے عقوبت میں (از خلیدن) ہاں ایسے شخص کو اپنے قرب سے دور نہ نکالیئے جسنے ایکبار آپ کا رخ (بنظر معرفت وبصیرت) دیکھ لیا آپکے رخ کے سوا اور کسی چیز کی دید طوق گلو کیطرح قید وبند ہے (کیونکہ) تمام اشیاء ماسوی اللہ باطل (یعنی مستہلک) ہیں (اور مستہلک میں نظر کرنے کا ظاہر ہے کہ انجام ضرر ہے) یہ سب (ماسوی اللہ) باطل ہیں اور مجھکو صواب دکھلائی دیتے ہیں (فی المنتخب رشد نغتحتین براہ شدن) کیونکہ باطل باطلوں کو کھینچتا ہے (صواب نمودن ظاہر ہے کہ سبب ہوگا کشش کا تو می نمایندم رشد قوت میں اس کلام کے ہوا کہ مرا بسوئے خود می کشد اب تعلیل مدلول مصرعہ ثانیہ جسمیں ایک مقدمہ ومن باطلم مطوی ہے جسکی دلیل موضوع کا فرد ہونا ہے کل شئی محکوم علیہ بالباطل کا واضح ہوگئی یعنی این باطلاں مرا بسوے خود از جہت می کشند کہ من ہم باطلم وباطل باطلاں را می کشد آگے اس مصرعہ ثانیہ کی تائید ہے کہ) ذرہ ذرہ جو کہ اس ارض وسما میں ہے اپنے جنس کیلیئے ہر واحد مثل کہربا کے (جاذب) ہے (چنانچہ) معدہ روٹی کو استقرارگاہ تک کھینچتا ہے (اور) پانی کو حرارت جگر کھینچتی ہے (ان امثلہ

معلوم ہوا کہ جنس سے مراد معنی اصطلاحی نہیں بلکہ مطلق مناسب گو اُن میں اصطلاحی تجانس نہو آئندہ امثلہ میں بھی معنی ہیں یعنی) آنکھ کشش کرنے والی ہے معشوقوں کی ان کوچوں سے (یعنی معشوق جو بن سنور کر نکلتے ہیں اسی واسطے کہ کوئی ہم کو دیکھے اور مفتون ہو تو آنکھ انکی جذاب ہوئی اسی طرح) مغز طالب ہے روائح کا باغ سے کیونکہ حاسہ باصرہ رنگ (ورغن) کا کشش کرنے والا ہے (اس لئے رنگ والی اسکے سبب کھینچ آئی گما ذکر تو ان میں باہم مناسبت تھی) ور مغز اور شامہ روائح طیبہ کو کشش کرتا ہے (کہ انمیں باہم مناسبت ہے اور یہ کشش اس قول حکماء پر اور زیادہ ظاہر ہے جو کہتے ہیں کہ بعض اجزاء مشموم کے منفصل ہو کر شامہ تک پہونچتے ہیں پس جب اس قاعدہ مؤیدہ بالا امثلہ کی موافق مجھکو اشیاء باطلہ مستھلکہ اپنی طرف منجذب اور مائل کرتی ہیں اور یہ میری لئے مضر و مہلک ہے پس) ان جذبات سے اے خدائے راز دان (جو کہ کشش مخفی اور اسکے اسباب و مضار پر مطلع ہیں) آپ اپنے جذب لطف کے طفیل ہم کو امان دیجئے (یعنی اپنے لطف سے اپنی طرف منجذب کر لیجئے کہ ان جذبات کے مضار سے امان و نجات ہو) آپ سب جاذبوں پر غالب ہیں اے خریدار (اشارۃ الی قولہ تعالیٰ ان اللہ اشتری من المؤمنین انفسہم واموالہم بان لہم الجنۃ) ممکن (اور آپکا مقدور) ہے اگر آپ درماندوں کو (ان جذبات سے) خرید لیجئے (یعنی چھڑا لیجئے کیونکہ آپ ان سب پر غالب ہیں گو ہم درماندہ ہونے کے سبب خود نہیں بچ سکتے اور اے مشتری میں اشارہ کیا ہے کہ حق تعالیٰ بھی جاذب ہوتے ہیں کیونکہ اشتراء کے لوازم میں سے جلب المشتری المبیع اور عجب نہیں کہ اس عنوان مشتری و غالبی میں اس شبہ کا جواب ہو کہ جذب تو فعل مجانس کا ہے پھر باطل کو حق کسطرح جذب کریگا جسکی درخواست شعر بالا میں کی ہے زیں کششہا الخ دوسرے اسوقت بھی تو باطل جذب کریگا بوجہ مجانست کے پھر اس جذب باطل کا ہی اثر ہوگا حاصل جواب کا یہ ہے کہ فعل جذب کا مجانس کیلئے ثابت ہونا مستلزم حصر کو نہیں کہ غیر مجانس جذب ہی نہ کر سکے۔ مجانس کا تو وہ فعل طبعی ہے لیکن غیر مجانس بھی اگر اپنی قدرت و اختیار سے جذب کرے تو کوئی مانع نہیں گو وہ جذب طبعی نہو گا ارادی ہوگا اور اگر وہ جاذب غالب ہو تو اور جاذب اثر نہ کرینگے آگے تتمہ ہے قصہ کا۔)

رو بشه آورد چون تشنه بابر
اسنے بادشاہ کی طرف منہ کیا جیسا تشنہ ابر کیطرف

آنکه بود اندر شب قدر او چو بدر
اُس کی طرف جو کہ شب قدر میں بدر کیطرح تھا

چون لسان وحال او بود آن او
چونکہ اسکی زبان اور حال اُسکے ساتھ خصوصیت رکھتا تھا

آن او با او بود گستاخ گو
جو شخص اُسکے ساتھ خصوصیت رکھتا ہوگا وہ اسکی ساتھ جرأت سے کلام کریگا

گفت ما گشتیم چون جان بند طین
کہا کہ ہم ایسے ہو گئے جسطرح روح قید ہو جاتی ہے خاک میں

آفتاب جاں توئی در یوم دین
آپ آفتاب روح ہیں یوم جزا میں

وقت آں شد اے شہ مکتوم سیر
اسبات کا وقت آگیا اے بادشاہ جسکا چلنا مخفی ہے

کز کرم ریشے بجنبانی بخیر
کہ براہ کرم ڈاڑھی ہلا دیجئے خیر کے ساتھ

هر یکے خاصیتے خود وا نمود
ہر شخص اپنی اپنی خاصیت دکھلا چکا

آں ہنرہا جملہ بدبختی فزود
اُن تمام کمالات نے شقاوت ہی بڑھائی

آں ہنرہا گردن ما را بہ بست
اُن ہنروں نے ہماری گردن باندھ دی

زاں مناصب سرنگونسایم و پست
ہم اُن منصبی کاموں سے سرنگوں اور پست ہیں

آں ہنر فی جیدہا حبل مسد
وہ ہنر فی جیدہا حبل من مسد ہے

روز مردن نیست زاں فنہا مدد
مرنے کے دن ان فنوں سے مدد نہ ملے گی

جز ہماں خاصیت آں خوش حواس
بجز اُسی خاصیت اُس خوش حواس کے

کہ بشب بد چشم او سلطاں شناس
کہ شب میں جسکی آنکھ سلطان شناس تھی

آں ہنرہا جملہ غول راہ بود
وہ سب ہنر تمامی غول طریق تھے

غیر چشمے کو ز شاہ آگاہ بود
بجز اُس آنکھ کے کہ وہ بادشاہ سے آگاہ تھی

شاہ را شرم آمد از وے روز بار
بادشاہ کو اُس سے شرم آگئی پیشی کے دن

کہ بشب بر روے شہ بودش نظار
اس لئے کہ شب میں روی شاہ پر اُسکی نظر تھی

واں سگ آگاہ از شاہ وداد
اور وہ کتا جو شاہ محبوب سے آگاہ تھا

خود سگ کہفش لقب باید نہاد
اُسکا لقب خود سگ کہف رکھنا چاہیے

خاصیت در گوش ہم نیکو بود
کان میں جو خاصیت تھی وہ بھی اچھی تھی

گو ببانگ سگ ز شیر آگہ شود
کیونکہ اُس خاصیت والا بانگ سگ کے سے شیر سے آگاہ تھا

سگ چو بیدار است شب چوں پاسباں
جب سگ بیدار ہے شب کے وقت مثل پاسبان کے

بیخبر نبود ز شب خیز شہاں
وہ بیخبر نہیں ہے بادشاہوں کی شب خیزی سے

ہیں ز بدناماں نباید ننگ داشت
ہاں بدناموں سے ننگ رکھنا نہ چاہیئے

ہوش بر اسرار شاں باید گماشت
ہوش اُن کے کمالات خفیہ پر مسلط رکھنا چاہئے

ہر کہ او یکبار خود بدنام شد
جو شخص ایک بار بدنام ہوگیا ہو

خود نباید نام جست و خام شد
تو خود نام ڈھونڈھنا اور خام ہونا نہ چاہئے

اے بسا زر کہ سیہ تابش کنند
اے شخص بہت زر ایسا ہوتا ہے کہ اسکو سیاہ رنگ کردیتے ہیں

تا شود ایمن ز تاراج و گزند
تاکہ وہ تاراج اور گزند سے مامون ہوجائے

ہر کسے کے پے برد در سر ما
ہر شخص ہمارے راز مخفی کا کب سراغ لگا سکتا ہے

باز کن دو چشم سوی ما بیا
دونوں آنکھیں کھول ہماری طرف آ

اُس (دزد شاہ شناس) نے بادشاہ کی طرف منھہ کیا جیسا تشنہ ابر کیطرف (توجہ کرتا ہے آگے بادشاہ کی صفت ہے یعنی) اُس (بادشاہ) کیطرف جو کہ شب قدر میں بدر کیطرح تھا (یہہ اندر شب قید ہے بدر کی یعنی اگر شب قدر میں چاند بھی پورا ہو تو نور علی نور ہوگا وہ بادشاہ ایسا ہی تھا کیونکہ ملک دنیا بودش و ہم ملک دین چنانچہ محمودؒ کے مناقب مشہور ہیں اور اسمیں اشارہ ہوسکتا ہے کہ شب قدر غیر عشرہ اخیرہ میں بھی کبھی ہوتی ہے چنانچہ ایک قول یہہ بھی ہے اور روایات عشرہ کو اکثر پر محمول کیا جاویگا جیسا کہ لفظ تحروا اس کا قرینہ بھی ہوسکتا ہے آگے اس توجہ الی السلطان کا طریق اور توجہ کے بعد جو کلام کیا اُس کا بیان ہے یعنی) چونکہ اُس (دزد شاہ شناس) کی زبان اور (اُس کا) حال اُس (بادشاہ) کے ساتھہ خصوصیت رکھتا تھا (اور قاعدہ کلیہ ہے کہ) جو شخص اُس (بادشاہ) کے ساتھہ خصوصیت رکھتا ہوگا وہ اُسکے ساتھہ جرأت سے کلام کریگا (اس سبب سے اُسنے بھی جرأت کی ساتھہ اور وہ طریق توجہ یہہ تھا بادشاہ سے یہہ) کہا کہ ہم (اسوقت) ایسے (قید) ہوگئے جس طرح روح قید ہوجاتی ہے (جسم) خاک میں (کہ اسمیں قید ہونے کے سبب مکلف ہوکر اور معاصی کی مرتکب ہوکر مستحق سزا کی ہوجاتی ہے یہی حالت ہماری ہے کہ ہم مقید اور مستحق سزا ہوگئے ہیں ہماری تو یہہ مثال اور یہہ حالت ہے اور) آپ آفتاب روح (کے مثال) ہیں یوم جزا میں (وجہ تشبیہ یہہ ہے کہ آفتاب سے روح کو جیسا اطبا نے کہا ہے انشراح و انبساط ہوتا ہے اور ان کا انشراح موقوف ہے خلاصی پر حاصل یہہ کہ آج کا دن مشابہ ہے یوم الجزاء کے اور اسمیں آپ سبب ہیں ہماری خلاصی کے جس کا طریقہ شعر آیندہ میں آتا ہے اور شعر بالا میں چوں شرط ہے اور شعر ثانی جزا اور مصرعہ ثانیہ شعر بالا کا جملہ معترضہ۔ حاصل جملہ شرطیہ کا یہہ ہے کہ وہ عارف تھا بادشاہ کا اور خصوصیت سے یہی مراد ہے اور جملہ معترضہ کا حاصل یہہ ہے کہ جسقدر شناسائی زیادہ ہوتی ہے دل کھلا ہوا زیادہ ہوتا ہے چنانچہ یہہ امر طبعی اور مشاہد اور موافق عادت کے ہے اور گستاخی

اور جرات سے یہی مراد ہی نہ کہ بیباکی و بیحیائی اور اسمیں من وجہ اشارہ اسطرف بھی ہی کہ اسی طرح عارف حق ایک گونہ حق تعالیٰ کیساتھ بے تکلف ہوتا ہی مگر ادب کے ساتھ اور قرینہ اس اشارہ کا اوپر کے بعض اشعار میں بھی اس عارف شاہ کے حالات سے انتقال ہے عارف حق کے حالات کی طرف کما فی قولہ چشم عارف دان امان الخ اور بعض اشعار میں عارف حق کے حالات میں عنوانی رعایت ہی اس عارف شاہ کے قصہ کی کما فی قولہ چشم من از چشمہا الخ کما ذکر ثمہ آگے تتمہ ہے کلام کا یعنی جب آپ ہی سبب ہیں خلاصی کے تو اب) اس بات کا وقت آگیا ای بادشاہ جسکا (شب کا) چلنا (اوروں سے) مخفی ہی (مگر مجھپر ظاہر ہوگیا آگے بیان ہی کہ کا ہے کا وقت آگیا یعنی اس بات کا) کہ براہ کرم ڈاڑھی ہلا دیجئے خیر کے ساتھ (یعنی ہماری خیر اسکے ساتھ مقرون ہے) ہر شخص اپنی اپنی خاصیت کھلا چکا (جس کا رات تذکرہ تھا مگر) اُن تمام کمالات نے شقاوت ہی بڑھائی (چنانچہ) اُن ہنروں نے ہماری گردن باندھ دی (اور) ہم ان منصبی کاموں سے سرنگوں اور پست ہیں وہ (ہمارا) ہنر فی جیدھا حبل من مسد (کی مثال) ہی (یہ آیت ابولہب کی بیوی کی شان میں ہی وزن شعر کے سبب من نہ اسکا یعنی اُسکی گردن میں دوزخ میں مضبوط رستی کی مشابہ زنجیر ہوگی کذا فی تفسیری مطلب یہ کہ سبب عقوبت کا ہوگیا اور اس میں انتقال ہی وخامت عاقبت حبل ہنر کی طرف اشارہ اور دوسرے مصرعہ میں صراحۃً یعنی) مرنے کے دن ان فنون سے (کچھ) مدد نہ ملیگی (اور مراد ان ہنروں سے اُن چوروں کے صرف وہ فنون ہیں جو سرقہ میں معین ہیں جیسے خاک کو سونگھ کر خزانہ تبلا دینا کہ یہ مفضی ہوا سرقہ کیطرف جو کہ سبب ہے عقوبت کا اسی طرح کمند ڈال کر چڑھ جانا اسی طرح نقب لگانا ان سب کا سبب سرقہ ہونا ظاہر ہے اور کتے کی آواز پہچاننا اور تاریکی میں دیکھے ہوئے شخص کو پہچان لینا یہ اس عموم میں داخل نہیں چنانچہ آگے جز ہمان خاصیت ہیں صورت شناسی کا استثنا بھی ہی اور نیز اوپر بھی اسکے منافع وخواص مذکور ہو چکے ہیں جسکی مناسبت سے معرفت حق کے فضائل و برکات مفصلاً مذکور ہوئے تھے اور صوت شناسی یعنی آواز کی شناخت کی مدح عنقریب آتی ہے خاصیت در گوش الخ اور اسمیں بھی استماع للحق کی نافعیت و کفایت اجمالاً مذکور ہوگی اور اس صورت شناسی و صوت شناسی کا نافع ہونا ظاہر بھی ہی چنانچہ ایک کا نفع تو ظاہر ہوا کہ بادشاہ کے ترحم کا سبب ہوا اور دوسرے سے بھی اگر کام لیا جاتا تو وہ سبب ہوجاتا چوری سے بچ جانیکا کیونکہ اُس صوت سے یہ معلوم ہوگیا تھا کہ بادشاہ ہمارے ساتھ ہے تو چاہیے تھا کہ سرقہ سے رک جاتے مگر کام نہ لینے سے اس کا نفع ظاہر نہوا اور اس سے یہ شبہ بھی جاتا رہا کہ اگر یہ دونوں صفت نافع تھے تو پھر گرفتار کیوں ہوئے جواب یہ ہے کہ گرفتاری یا سبب گرفتاری یعنی سرقہ میں ان وصفوں کو دخل نہیں چنانچہ ظاہر ہے یہ گرفتاری سرقہ سے ہوئی جس کا ان وصفوں سے کوئی تعلق نہیں اسی واسطے آگے ان دونوں کا استثنا ہے ایک کا یعنی صورت شناسی کا نفظاً دوسری کا یعنی صوت شناسی کا معنےً چنانچہ فرماتے ہیں کہ یہ سب فنون مضر تھے) بجز اُسی خاصیت اُس خوش حواس کے کہ شب میں جسکی آنکھ سلطان شناس تھی (آگے اسکی تاکید ہے کہ) وہ سب ہنر تمامی غول طریق تھے بجز اُس آنکھ کے کہ وہ بادشاہ سے آگاہ تھی (جیسے شناسائی کو واسطہ بناکر اوپر کی گفتگو کی جسکا اثر یہ ہوا اور یہی سبب اس استثنا کا ہی کہ) بادشاہ کو اُس سے شرم آگئی پیشی کے دن (از بار یعنی بارگاہ یعنی دربار یا بار یافتن یعنی حاضر شدن ہر دو معنی در غیاث ست وتفسیر ہر دو بلفظ یعنی از احقر اور شرم) اسلیے (آگئی) کہ شب میں روئے شاہ پر اُسکی نظر تھی (مخفف نظارہ بمعنی نگریستن بفتح وتخفیف از غیاث یعنی بادشاہ کو اس سے شرم آگئی کہ جب اُسنے رات کے دیکھنے سے دن کو پہچان لیا تو میری رفاقت اور محبت اسکو اولاً اور دوسروں کو اسکے واسطے سے متحقق ہوگئی تو ایسے شخصوں کو کیا سزا دوں جنکا میرا رفیق ہونا معلوم ہے تو اصل سبب شرم کا یہ ہے مگر اسکا سبب معرفت ہے اور اس کا سبب شب کا دیکھنا ہے تو شب کا دیکھنا سبب بعید ہوا

ظہور و تحقق رفاقت کا اُسکی طرف منسوب کر دیا یہ تو استشنار لفظاً تھا صوت شناسی کا آگے معنیً استشنار ہے صوت شناسی کا بعد ایک قطعہ کے کہ اسمیں بھی ایک شناسندہ شاہ کی مدح ہے یعنی) اور وہ کتا جو شاہ محبوب سے آگاہ تھا اُس کا لقب خود سگ (اصحاب) کہف کہنا چاہیئے (کہ اُسنے بھی شاہان دین کو پہچانا تھا اس لیئے ساتھ ہو لیا تھا تو اس شعر کے مضمون کو ماقبل سے بھی مناسبت ہوئی کہ ماقبل میں ایک شناسندہ کی مدح تھی اور اسمیں ایک شناسندہ کی مدح ہے اور مابعد سے بھی مناسبت ہے کہ مابعد میں اس سگ شناسندہ کی آواز شناس کی مدح ہے چنانچہ فرماتے ہیں کہ جس طرح آنکھ کی خاصیت والا بوجہ معرفت اچھا تھا اور اُسی معرفت کے سبب یہ سگ بھی اچھا تھا اسی طرح ایک کے) کان میں جو خاصیت تھی وہ بھی اچھی تھی کیونکہ اُس خاصیت والا بانگ سگ کے سبب شیر (یعنی شاہ) سے آگاہ تھا (جسکی ممدوحیت کی تقریر تمہید شعر جز یہاں خاصیت الخ میں لکھ چکا ہوں اور اسمیں اشارہ ہے استماع للحق کی نافعیت کی طرف جسکے ذکر کا وعدہ تمہید مذکور میں احقر نے کیا ہے تقریر اسکی یہ ہے جو کہ بعض حواشی میں لکھی ہے یعنی مرتبہ صاحب دید از ہمہ بالاتر ست واگر آں نبود مرتبہ شنید کہ بگفتن کسے از حق آگاہ شود ہم کمالے ست اھ کما قال تعالی وقالوا لو کنا نسمع او نعقل الخ جس کا حاصل یہ ہے کہ محقق نہو تو مقلد ہی ہو اور اسکا دوسرے درجہ میں ہونا عنوان ہم نیکو بود سے بھی ظاہر کر دیا ہے اور مراد دید سے بصیرت ہے یہاں تک مضمون مقصود مقام ختم ہو چکا آگے سگ کے فعل مذکور یعنی آگاہی از شاہ پر متفرع کر کے ایک مستقل مضمون کیطرف انتقال فرماتے ہیں یعنی) جب (یہ بات معلوم ہے کہ) سگ بیدار ہے شب کے وقت مثل پاسبان کے (جیسا قصہ میں بھی مذکور تھا اور یہ بھی معلوم ہے کہ) وہ بیخبر نہیں ہے بادشاہوں (یعنی بزرگوں) کی شب خیزی سے (اور یہ ظاہر ہے کہ جو شب کو بیدار رہیگا دوسرے کی شب خیزی سے بھی آگاہ ہوگا اور قصہ میں بھی مع زیادت تحقیق شناخت شاہ مذکور تھا پس جب سگ میں یہ خاصیت ہے تو اس سے یہ مضمون سمجھو کہ) ہاں بدنامی سے (محض بدنامی کے سبب) ننگ رکھنا نہ چاہیئے (بلکہ) ہوش اُنکے کمالات خفیہ پر مسلط رکھنا چاہیئے (چنانچہ کتا بدنام تو ہے مگر اُس میں دیکھو یہ ایک وصف کیسے کام کا ہے کہ قابل عمل ہے اسی طرح ظاہری وعرفی ذلت پر نفرت نکرے ممکن ہے کہ اسمیں کوئی خوبی ہو اُسکو متبع کر کے اُس کا اتباع اور اُسکی قدر کرے البتہ اگر بدنام کے ساتھ بدکام بھی ہو تو اُس سے بغض فی اللہ کا معاملہ ضروری ہے بلکہ اگرچہ بدنام نہ بھی ہو اور مقصود یہاں صرف یہ مضمون ہے نہ کہ کتے کے فضائل بیان کرنا جس سے اُسکے اقتنار کی بھی پر شبہ ہو سکے اہل نظر کی عادت ہے کہ حیوانات بلکہ جمادات تک سے عبرت حاصل کیا کرتے ہیں جیسا بکثرت ان حضرات کے بلکہ حکماء کے کلام میں بھی فرضی مکالمات حیوانات ونباتات وجمادات کے مذکور ہیں جن کا مبنی یہی ہے گلستان کے اول ہی میں اس قسم کی ایک حکایت ہے ؎

گلے خوشبوئے در حمام روزی ✽ رسید از دست محبوبے بدستم ✽ بدو گفتم کہ مشکی یا عبیری ✽ کہ از بوئے دلاویز تو مستم ✽
بگفتا من گلے ناچیز بودم ✽ ولیکن مدتے با گل نشستم ✽ جمال ہمنشیں در من اثر کرد ✽ وگرنہ من ہماں خاکم کہ ہستم ✽

آگے بھی اسی مضمون کی تفصیل ہے کہ) جو شخص ایک بار بدنام ہو گیا ہو تو خود (دوسروں کو تو اُس کا) نام ڈھونڈتا اور خام (و ناقص) ہونا نہ چاہیئے (یعنی صرف اُس نام پر مدار کار نہ رکھے کہ یہ خام شدن ہے ممکن ہے کہ اسمیں کوئی خوبی ہو جسکی مثال آگے ہے یعنی) اے شخص بہت ذرا ایسا ہوتا ہے کہ اُسکو (قصداً) سیاہ رنگ کر دیتے ہیں تاکہ وہ تاراج اور گزند سے مامون ہو جاوے (دیکھنے والے اُسکی سیاہی دیکھکر لوہا وغیرہ سمجھکر چھوڑ دیں فی الغیاث ستیاب رنگے باشد سیاہ و بنفسجی کہ آہن صیقل دیدہ را بہ آب لیموں وگرمی آتش رنگ کنند اھ اور اُسوقت وہ زر بزبان حال کہتا ہے کہ) ہر شخص ہماری راز مخفی کا کب سراغ لگا سکتا ہے۔

(اے طالب فنون آنکھیں کھول (اور) ہماری طرف آکہ پاس آکر کسوٹی سے پتہ لگیگا ورنہ دور رہا جاہل و محروم رہیگا حاصل اس مضمون کا وہی ہے جو شعر ہیں زبدناماں الخ کی شرح میں مذکور ہوا ہے آگے اسکی تائید میں گاو بحری کی حکایت لاتے ہیں کہ اُسکے گوہر شب چراغ کے حاصل کرنے کے لئے تاجر اُسپر گارا رکھدیتا ہے پھر موقع سے اُٹھا لیتا ہے تو دیکھو اگر کوئی شخص صرف ظاہر پر نظر کرے تو گارا ہی چنانچہ یہی سمجھکر وہ گاو دریائی اُسکو چھوڑ دیتی ہے مگر اُسکے باطن میں کیسا بے بہا گوہر ہے چنانچہ تاجر اس راز سے آگاہ ہے وہ نہیں چھوڑتا) ف شعر سنگ چو بیدار ست کا مصرعہ اول شرط ہے اور مصرعہ ثانیہ بحذف عاطف اُسپر معطوف ہے اور شعر مابعد ہیں زبدناماں الخ جزا ہے اور میری تقریر ترجمہ سے بھی یہ ترکیب ظاہر ہوتی ہے اور اس مثال میں اور اسی طرح اس سے اوپر زر سیہ تاب کی مثال میں اشارہ اس طرف ہے کہ کبھی اہل کمال اپنے کمال کو اور کبھی ایزد متعال ان کے کمال کو قصداً بھی مخفی کر دیتے ہیں لبعض الحکم من الابتلاء ونحوہ واللہ اعلم۔

قصہ چریدن گاو بحری در نور گوہر شب چراغ و ریختن تاجر خاک بر گوہر تابنده

گاو آبی گوہر از بحر آورد
دریائی گاو دریا سے گوہر کو نکال کر لاتا ہے

بنہد اندر مرج و گردش می چرد
سبزہ زار میں رکھتا ہے اور اسکے گرد چرتا ہے

در شعاع نور گوہر گاو آب
نور گوہر کی شعاع میں وہ گاو دریائی

می چرد از سنبل و سوسن شتاب
سنبل اور سوسن جلدی جلدی چرتا ہے

زاں فگندہ گاو آبی عنبر ست
اس لئے گاو آبی کا پس افگندہ عنبر ہوتا ہے

کہ غذایش نرگس و نیلوفرست
کیونکہ اُسکی غذا نرگس اور نیلوفر ہیں

ہر کہ باشد قوت او نور جلال
جس کی غذا نور جلال ہو

چوں نزاید از لبش سحر حلال
کیونکر اُسکے لبوں سے سحر حلال پیدا نہوگا

ہر کہ چوں زنبور وحیست نقل
جسکا حصہ زنبور کی طرح الہام ہو

چوں نباشد خانہ او پر عسل
کیونکر اُس کا گھر پُرعسل نہوگا

می‌چرد در نور گوہر آں بقر
وہ گاؤ نور گوہر میں چرتا رہتا ہے

ناگہاں گردد ز گوہر دور تر
اچانک وہ گوہر سے دور چلا جاتا ہے

تاجرے بر در نہد وحل سیاہ
کوئی تاجر اس گوہر پر سیاہ کیچڑ رکھ دیتا ہے

تاشود تاریک مرج و سبزہ گاہ
تاکہ وہ سبزہ زار اور سبزہ گاہ تاریک ہوجائے

پس گریزد مرد تاجر بر درخت
پھر مرد تاجر درخت پر بھاگ جاتا ہے

گاؤ جویاں مرد را باشاخ سخت
وہ گاؤ اسکو مضبوط سینگ لئے ہوئے ڈھونڈھتا ہے

چند بار آں گاؤ تازد گرد مرج
چند بار وہ گاؤ چراگاہ کی اطراف میں پھرتا ہے

تاکند آں خصم را در شاخ درج
تاکہ اس مخالف کو سینگ میں لپیٹ لے

چوں ازو نومید گردد گاوِ نر
جب وہ گاؤ نر اس سے ناامید ہوجاتا ہے

آید آنجا کہ نہادہ بد گہر
تو وہاں آتا ہے جہاں موتی رکھا تھا

وحل بیند فوق درِ شاہوار
کیچڑ دیکھتا ہے در شاہوار کے اوپر

پس ز طین بگریزد او ابلیس وار
پس کیچڑ سے بھاگ جاتا ہے ابلیس کیطرح

کاں بلیس از متن طین کور و کرست
کہ وہ ابلیس ما بین الطین سے کور و کر ہے

گاؤ کے داند کہ در گل گوہرست
گاؤ کب جانتا ہے کہ گل کے اندر گوہر ہے

اهبطوا افگند جاں را در حضیض
حکم اهبطوا نے روح کو پستی میں ڈال دیا

از نمازش کرد محروم ایں محیض
اس روح کو نماز سے محروم کردیا اس حیض نے

اے رفیقاں زیں مقیل و زاں مقال
اے رفیقو اس قیلولہ اور اس مقولہ سے

اتقوا ان الھویٰ حیض الرجال
پرہیز کرو بتحقیق ہوائے نفسانی حیض الرجال ہے

اهبطوا افگند جاں را در بدن — تا بگل پنہاں بود در عدن
حکم اہبطوا نے روح کو بدن میں ڈال دیا — تاکہ گل میں در عدن پنہاں ہوجاوے

تا جرش داند ولیکن گاو نے — اہل دل دانند ہر گل کاو نے
اُسکو تاجر جانتا ہے اور گاؤ نہیں — اہل دل جانتے ہیں ہر مٹی کا کھودنیوالا نہیں

ہر گلے کاندر دل او گوہریست — گوہرش غماز طین دیگریست
جس گل کے قلب میں کوئی گوہر ہے — اُس کا یہ گوہر دوسری گل کا مخبر ہے

واں گلے کز رشّ حق نوری نیافت — صحبت گلہائے پُر دُر بر نتافت
اور جس گل نے نور پاشی حق سے نور نہیں پایا — گلہائے پُر دُر کی صحبت کو برداشت نہیں کرسکا

ایں سخن پایاں ندارد موش ما — ہست بر لبہائے جو در گوش ما
یہ مضمون انتہا نہیں رکھتا اُس ہماری چوہے کی آواز — لب جو پر ہمارے کان میں ہے

دریائی گاؤ (گائے یا بیل) دریا سے گوہر کو نکال کر لاتا ہے (اور) سبزہ زار میں (اُسکو) رکھتا ہے اور اُسکے گرد چرتا ہے (رات کو ایسا کرتا ہوگا تاکہ اُسکی روشنی سے نظر آوے) نور گوہر کی شعاع میں وہ گاؤ دریائی سنبل اور سوسن (وغیرہ) جلدی جلدی چرتا ہے اسلئے گاؤ آبی کا پس افگندہ عنبر ہوتا ہے کیونکہ اُسکی غذا نرگس اور نیلوفر (وغیرہ) لطیف اور خوشبودار نباتات ہیں (یہ ایک مشہور قول ہے بعض نے اُسکو رد کرکے عین فی البحر یا نباتات فی البحر اسکی ماہیت لکھی ہے کما نقلہ العلامۃ الشامی فی کتاب الطہارۃ اور صاحب غیاث نے تحقیق کیا ہے کہ وہ ایک موم ہے جو زنبور عسل سے جسکی غذا انواع گیاہ خوشبودار ہے حاصل ہوتا ہے الخ آگے انتقال ہے کہ جس طرح گاو بحری کا خوشبو کھانا سبب ہوتا ہے خوشبو حاصل ہونے کا اسی طرح جسکی (روحانی) غذا نور جلال (ذکر و طاعت) ہو کیونکہ اُسکے لبوں سے سحر حلال (کلام موثر) پیدا ہوگا جسکا حصہ زنبور کی طرح الہام (حق) ہو کیونکہ اُس کا گھر (یعنی دہن) پر عسل ہوگا (نقل بتغیر تحقیق غنیمت و ہبہ من القاموس اشارہ ہے آیت واوحی ربک الی النحل الی قولہ کلی من کل الثمرات الی قولہ یخرج من بطونہا اس آیت میں مذکور ہے کہ نحل سے عسل حاصل ہونا الہام سے مسبب ہے اسی طرح صاحب الہام کے منہ سے معارف ظاہر ہوتے ہیں جو مسبب ہیں الہام سے اور بعض نے خانہ سے مراد دل لیا ہے مگر اُسکو بطون نحل سے تشبیہ دینا زیادہ مناسب ہوتا البتہ فم مثل خانہ عسل کے ظاہر اور مظہر عسل ہے غرض) وہ گاؤ نور گوہر میں چرتا رہتا ہے اچانک (چرتے چرتے

وہ گوہر سے دور چلا جاتا ہے (اُسوقت) کوئی تاجر (جو اِسی غرض سے وہاں گیا ہوا ہوتا ہے) اُس گوہر پر سیاہ کیچڑ رکھدیتا ہے تاکہ وہ سبزہ زار اور سبزہ گاہ تاریک ہوجاوے (کیونکہ وہ موتی کو چھپا کر شعاعوں کو روکدیتا ہے) پھر (کیچڑ رکھتے ہی) مرد تاجر درخت پر بھاگ جاتا ہے (اور) وہ گاؤ اُسکو مضبوط سینگ لیئے ہوئے ڈھونڈتا ہے چند بار وہ گاؤ چراگاہ کے اطراف میں پھرتا ہے تاکہ اُس مخالف کو سینگ میں لپیٹ لے (مگر وہ درخت پر پامون بیٹھا رہتا ہے پس) جب وہ گاؤ نر اُس سے ناامید ہوجاتا ہے تو وہاں آتا ہے جہاں (اول) موتی رکھا تھا (مگر وہاں آکر) کیچڑ دیکھتا ہے (جو) در شاہوار کے اوپر (رکھدیا گیا تھا) پس کیچڑ سے بھاگ جاتا ہے ابلیس کیطرح کہ وہ ابلیس (بھی) مابین الطین سے (یعنی ما فی بطن الطین سے) کور وکر ہے (اسی طرح) گاؤ کب جانتا ہے کہ گل کے اندر گوہر ہے (اس تشبیہ بابلیس میں اشارہ ہے اُسکے سبب اباء کی طرف خلقتنی من نار وخلقتہ من طین پس اُسنے صرف طین آدم کو دیکھا اس طین کے اندر جو روح متصف بالکمالات تھی اُسکو نہ دیکھا' فی المنتخب تن ما بین پیر تیر تا بیان تیر اس شعر میں تو روح آدم علیہ السلام کا طین بدن میں مستور ہونا مذکور تھا آگے تمام بنی آدم کی روح کی یہی کیفیت کہ تکوینیہ ہے اور اُسکے ساتھ بعض کے سوء اکتساب سے روح کی ایک دوسری کیفیت کہ اختیاریہ ہے بیان فرماتے ہیں کہ) حکم اھبطوا نے روح کو پستی میں (جسکی تفسیر آگے ہے در بدن) ڈال دیا (یعنی ارواح کو حکم ہوا کہ نیچے زمین میں اُترو اور زمین میں اُترنا یہی کہ بدن خاکی سے متعلق ہوجاؤ اور ممکن ہے کہ یہ اھبطوا وہی ہو جو قصہ آدم علیہ السلام میں واقع ہوا ہے نہ تو جنت سے بدن بھی لیکر آئے اور دوسروں کے ابدان یہاں بنتے ہیں پھر روح متعلق ہوجاتی ہے تو اور ونکی صرف روح مخاطب ہوگی بضمن خطاب آدم علیہ السلام اسی لیے جمع کا صیغہ آیا حاصل دونوں توجیہ کا ایک ہی ہے سو یہ ہبوط تو اضطراری اور غیر مذموم تھا مگر یہ سبب ہوگیا بعض کے لیئے بواسطہ سوء اکتساب کے دوسرے تنزل معنوی کا یعنی معاصی کا آگے اس سبب کی تقریب سے اُس مسبب کا بھی ذکر کرتے ہیں ترہیب کے لئے کما یدل علیہ اتقوا الآتی یعنی) اُس روح کو نماز (یعنی قرب) سے محروم کردیا اُس حیض (یعنی گناہ) نے (جس کا ذکر شعر آئندہ میں ہے الھوی حیض الرجال یعنی) اے رفیقو اس قیلولہ (یعنی عیش غیر مباح) اور اس مقولہ (یعنی تکلم بالجناح) سے پرہیز کرو بتحقیق ہوائے نفسانی (مقرون بالمعصیت) حیض الرجال ہے (کہ مانع قرب حق ہے اس ہبوط معنوی کا ذکر اُسکے سبب بعید یعنی ہبوط صوری کے ساتھ ایسا ہے جیسا قرآن مجید میں انا عرضنا الامانۃ الی قولہ حملھا الانسان کے بعد انہ کان ظلوما جھولا لیعذب اللہ الخ ارشاد ہوا ہے ظاہر ہے کہ محض عرض یا حمل نہ ظلومیت و جہولیت کو مستلزم ہے نہ تعذیب کو مگر چونکہ بواسطہ وہ سبب ہوگیا اسکا اسلیئے بصورت ترتب کے اس کا ذکر فرمادیا جیسا وہ اسکے مقابل یعنی یتوب کا بھی بواسطہ حسن اکتساب کے آیت میں سبب قرار دیا گیا اسی طرح از نماز ش کرد الخ میں بعد ہبوط اضطراری کے بصورت ترتب اس کا ذکر بھی لایا گیا آگے اسی اھبطوا در حضیض مبہم کی تفسیر ہے یعنی) حکم اھبطوا نے روح کو بدن میں ڈالدیا تاکہ گل (بدن) میں (روح کا) در عدل پنہاں ہوجاوے (اور جسطرح) اُس (گوہر) کو تاجر جانتا ہے اور گاؤ نہیں (جانتا اسی طرح گوہر روح با کمال کو) اہل دل جانتے ہیں ہر مٹی کا کھودنے والا (باحث عن احکام الجسم) نہیں (جانتا آگے اہل دل اننہ کا بیان ہے کہ) جس گل کے قلب میں کوئی گوہر ہے (یعنی جس بدن میں کوئی روح صاحب کمال ہے) اُسکا یہ گوہر دوسرے گل کا مخبر ہے (یعنی اُسکو دوسرے بدن کی روح باکمال کا بھی پتہ لگجاتا ہے کہ ولی را ولی می شناسد) اور جس گل نے (جو کہ اُس مذکور کی ضد ہے کہ اُس نے) نور پاشی حق سے نور نہیں پایا (یعنی وہ مہتدی نہ ہوا کما فی الحدیث المرفوع

ان اللہ خلق خلقہ فی ظلمۃ فالقی علیہم من نورہ فمن اصابہ من ذلک النور اہتدی ومن اخطأہ ضل رواہ احمد والترمذی کذافی المشکوۃ وہ) گل ہای پر در کی صحبت کو برداشت نہیں کرسکا (چنانچہ معاندین کو اہل اللہ سے نفور دیکھا جاتا ہے آگے رجوع ہے قصہ موش وچغز واقعہ عشر سادس کیطرف کہ) یہ مضمون (مذکور اختفار کمال درصورت ظاہر الابتذال) انتہا نہیں رکھتا (لکثرۃ جزئیاتہ اسلئے اسکو رہنے دو اور وہ قصہ پورا کرو کیونکہ) اس ہمارے چوہے کی آواز لب جو پر ہماری کان میں ہے (جو چغز سے بول رہا ہے یعنی ہم اس قصہ کو بھولے نہیں)

رجوع بقصۂ موش وچغز وربودن زاغ موش وچغز را

آں سرِ رشتۂ عشق رشتہ می کشد
وہ عشق کا خمیر کیا ہوا ڈورے کو کھینچ رہا ہے

بر امید وصل چغز بارشد
چغز صاحب رشد کی امید وصل پر

می تند بر رشتۂ دل دمبدم
تن رہا ہے رشتۂ دل پر دمبدم

کہ سر رشتہ بدست آوردہ ام
کہ ڈورے کا سرا میں نے ہاتھ میں لے لیا ہے

ہمچو تاری شد دل وجاں در شہود
مثل تار کے ہوگیا دل وجان مشاہدہ میں

تا سر رشتہ بمن روے نمود
تب کہیں یہ سر رشتہ مجھکو نظر آیا ہے

چوں غراب البین آمد ناگہاں
جب فراق کا کوا آیا ناگہاں

در شکار موش و بردش زاں مکاں
شکار موش میں اور اُسکو اُس جگہ سے لے گیا

چوں بر آمد بر ہوا موش از غراب
جب چوہا غراب کے سبب ہوا میں آیا

منسحب شد چغز نیز از قعر آب
تو چغز بھی قعر آب سے کھنچ گیا

موش در منقار زاغ و چغز ہم
موش تو منقار زاغ میں اور چغز بھی

در ہوا آویختہ پا در رقم
ہوا میں معلق پاؤں بندھا ہوا ڈوری میں

خلق می گفتند زاغ از مکر و کید
عام خلق کہہ رہے تھے کہ زاغ نے مکر وحیلہ سے

چغز آبی را چگونہ کرد صید
چغز آبی کو کیونکر شکار کیا ہے

چون شد اندر آب و چونش در ربود — چغز آبی کے شکار زاغ بود

وہ پانی کے اندر کیسے گیا اور اسکو کیسے اچک لیا — چغز آبی زاغ کا شکار کب تھا

چغز گفتا این سزای آن کسی — کو چو بے آبان شود جفت خسی

چغز نے کہا کہ یہ سزا اُس شخص کی ہے — جو کہ بے آبروؤں کیطرح کمینوں کا قرین ہوجاوے

ای فغان از یار ناجنس ای فغان — همنشین نیک جوئید ای مهان

اے لوگو فریاد ہے یار ناجنس سے اے لوگو فریاد ہے — ہمنشیں صالح ڈھونڈھو اے بزرگو.

وہ عشق کا خمیر کیا ہوا (چوہا) ڈوری کو کھینچ رہا ہے چغز صاحب شد کی امید وصل پر (اور) تن رہا ہے (یعنی عجب ناز کر رہا ہے) رشتۂ دل (یعنی تعلق قلب) پردمبدم کہ ڈوری کا سرا میں نے ہاتھ میں لے لیا ہے (یعنی اپنے علاقہ محبت کے استحکام پر خوش ہے کہ اُسکا ایک ذریعہ میری ہاتھ آگیا اور اُس سے کام لیکر جسوقت چاہتا ہے چغز کو کھینچ لیتا ہے جیسا شعر اول میں ہے اور وہ اپنی اس مشقت کے بعد کارگذاری وکامیابی پر اتراتا ہے اور کہتا ہے کہ) مثل تار کے ہوگیا (میرا) دل وجان (شوق) مشاہدہ میں تب کہیں یہ سر رشتہ مجکو نظر آیا ہے (یعنی مشقت اور سوچ میں میرا دل تار تار ہوگیا تب اس تدبیر کا ظہور ہوا پھر اس کا جو انجام ہوا اُسکو ذکر فرماتے ہیں کہ) جب فراق کا کوا آیا ناگہاں شکار موش میں اور اُسکو اُس جگہ سے (اُٹھا) لے گیا جب چوہا غراب کے سبب ہوا میں آیا تو چغز بھی قعر آب سے کھنچ گیا (کیونکہ دونوں ایک رشتہ میں منسلک تھے اور بعض اقسام غراب کو جاہلیت میں سبب فراق احبا کا سمجھتے تھے اس سے یہ محاورہ ہوگیا مطلق منحوس اور مضر شے میں اور یہاں اُس غراب سے مضرت کا وقوع ظاہر ہے کہ) موش تو منقار زاغ میں اور چغز بھی ہوا میں معلق پاؤں بندھا ہوا ڈورے میں عام خلق (اس تماشہ کو دیکھکر) کہہ رہے تھے کہ (دیکھو) زاغ نے مکر وحیلہ سے چغز آبی کو کیونکر شکار کیا ہے (یعنی) وہ (زاغ) پانی کے اندر کیسے گیا اور اُس (چغز) کو کسطرح اوچک لیا (ورنہ بھلا) چغز آبی زاغ کا شکار کب تھا چغز نے (دلمیں) کہا کہ یہ سزا اُس شخص کی ہی جو کہ بے آبروؤں کی طرح کمینوں کا قرین ہوجاوے (یعنی صحبت اشرار کا یہ نتیجہ ہے اور ایسی صحبت چونکہ سبب ہوتا ہے بے آبروئی کا اس لیئے ایسی صحبت والیکو تشبیہ دی بے آبروؤں کے ساتھ اور بے آبان میں عجیب لطیفہ ہے کہ وہ چغز آبی تھا اور موش بے آب تھا آگے مولانا نتیجہ قصہ کا بتائید شعر سابق فرماتے ہیں کہ) اے لوگو فریاد ہے یار ناجنس سے اے لوگو فریاد ہے ہمنشیں صالح ڈھونڈو اے بزرگو (ناجنس سے مراد بد کہ وہ نیکوں کا مجانس نہیں اور ہمنشین نیک جوئید میں اشارہ اسطرف ہے کہ چغز کو جو موش کی صحبت سے ضرر ہوا وہ اختلاف صنفی کے سبب نہیں ہوا اگر وہ عاقل ہوتا تو یہ اختلاف مضر نہ تھا کیونکہ وہ ایسی مہمل حرکت ہی نہ کرتا بلکہ اسیلئے ضرر ہوا کہ وہ نیک یعنی عاقل نہ تھا پس مجانست سے مراد اوصاف حمیدہ میں اشتراک ہے نہ کہ جنس و

نوع منطقی میں اسی طرح ناجنسی سے مراد اوصاف مذکورہ میں اختلاف ہے پس اب یہ شبہ بھی نہ رہا کہ انسان کو اگر انسان کی صحبت ہو وہ کیوں مذموم ہے وہ تو دونوں متجانس ہیں چنانچہ اشعار مابعد میں آگے کی سرخی تک یہی مضمون ہے اس تقریر میں وہاں تک کا ربط ظاہر ہو گیا)

عقل را افغاں ز نفس پر عیوب
عقل کو نفس پر عیوب سے فغاں ہے

ہمچو بینی بدے بر روئے خوب
جیسے بُری ناک خوبصورت چہرہ پر

عقل می گفتش کہ جنسیت یقیں
عقل اُس سے کہتی تھی کہ جنسیت یقیناً

از رہ معنے ست نے از آب و طیں
راہ اوصاف سے ہے نہ کہ آب و گل سے

ہیں مشو صورت پرست و ایں مگو
ہاں تو صورت پرست مت ہو اور یہ مت کہہ

سر جنسیت بصورت در مجو
حقیقت تجانس کو صورت سے مت ڈھونڈھ

صورت آمد چوں جماد و چوں حجر
صورت مثل جماد اور مثل حجر کے ہے

نیست جامد را ز جنسیت خبر
جماد کو جنسیت کی کچھ خبر نہیں

جاں چو مور و تن چو دانہ گندمے
روح مثل چیونٹی کے اور جسد مثل دانہ گندم کے ہے

می کشاند سو بسویش ہر دمے
وہ چیونٹی اُس گندم کو ہر دم کھینچے لئے پھرتی ہے

مور داند کاں حبوب مرہتن
چیونٹی جانتی ہے کہ وہ مقبوضہ حبوب

مستحیل و جنس من خواہد شدن
مستحیل اور میری جنس ہو جاوینگے

آں یکے مورے گرفت از راہ جو
ایک چیونٹی نے تو راستہ سے جَو لے لیا

مور دیگر گندمے بگرفت و دو
دوسری چیونٹی نے ایک گندم لے لیا اور دوڑنا

جو سوئے گندم نمی تازد ولے
جَو گندم کی طرف نہیں دوڑتا لیکن

مور سوئے مور می آید بلے
ایک چیونٹی دوسری چیونٹی کی طرف آرہی ہے البتہ

رفتن جو سوئے گندم تابع ست
جو کا جانا گندم کی طرف تابع ہے

مور را بیں کو بہ جنسش راجع ست
چیونٹی کو دیکھ کہ وہ اپنے جنس کی طرف حرکت کررہی ہے

تو مگو گندم چرا شد سوی جو
تومت کہہ کہ گندم کیوں گیا جو کی طرف

چشم را بر خصم نہ نے بر گرو
چشم کو صاحب معاملہ پر رکھ نہ کہ مقبوض پر

مور اسود بر سر لبد سیاہ
سیاہ چیونٹی سیاہ نمدہ کی سطح پر ہو

مور پنہاں دانہ پیدا پیش راہ
تو چیونٹی مخفی رہیگی دانہ ظاہر راستہ کے سامنے ہوگا

عقل گوید چشم را نیکو نگر
عقل آنکھ سے کہے گی کہ خوب غور سے دیکھ

دانہ ہرگز کے رود بے دانہ بر
دانہ بدون دانہ بر کے ہرگز نہیں چل سکتا۔

زیں سبب آمد سوی اصحاب کلب
اسی سبب سے اصحاب کیطرف کتا آیا

ہست صورتہا حبوب و مور قلب
صورتیں حبوب ہیں اور قلب مور ہے

زاں شود عیسی سوئے پاکان چرخ
اسی سے عیسی علیہ السلام قدسیان چرخ کیطرف چلے جاتے ہیں

بد قفصہا مختلف یک جنس فرخ
قفص تو مختلف ہیں چوزے ایک جنس ہیں

ایں قفص پیدا و آں فرخش نہاں
یہ قفص تو ظاہر ہے اور اس کا وہ چوزہ مخفی ہے

بے قفص کش کے قفص گردد رواں
بدون قالب کش کے قالب کب متحرک ہو سکتا ہے

اے خنک چشمے کہ عقلستش امیر
اے مخاطب وہ آنکھ ٹھنڈی رہے کہ عقل اسکی حاکم ہو

عاقبت بیں باشد و حبر و قریر
وہ عاقبت بین ہو اور دانشمند اور خنک ہو

فرق زشت و نغز از عقل آورید
فرق قبیح اور حسن کا عقل سے لاؤ

نے ز چشمے کز سیہ گفت و سپید
نہ کہ آنکھ سے کہ سیاہ و سفید سے حکایت کردیتی ہے

چشم غرہ شد بہ خضرائے دمن
آنکھ فریفتہ ہوگئی سبزگیں پر جمع ہوئے سبزہ پر

عقل گوید بر محکِ ماش زن
عقل کہتی ہے کہ اسکو ہماری کسوٹی پر لگا

آفت مرغ ست چشم کام بین
مرغ کی آفت ہے چشم مرغوب بین

مخلص مرغ ست عقل دام بین
مرغ کی خلاصی کا سبب ہے عقل دام بین

دام دیگر بد کہ عقلش در نیافت
ایک دوسرا دام اور بھی تھا جسکو عقل دریافت نہ کرسکی

وحی غائب بین بدان سو زان شتافت
وحی غیب بین اسطرف اس سبب سے دوڑی

جنس و ناجنس از خرد تانی شناخت
جنس اور ناجنس کو تو عقل سے شناخت کرسکتا ہے

سوی صورتہا نشاید زود تاخت
صورتوں کی طرف جلدی دوڑنا نہ چاہیئے

نیست جنسیت بصورت لی و لک
جنسیت صورت سے نہیں جو میرے لیے اور تیرے لیے حاصل ہے

عیسے آمد در بشر جنس ملک
عیسے علیہ السلام بشر میں رہکر ملئکہ کے جنس تھے

برکشیدش فوق این نیلی حصار
اُن کو اس نیلے قلعہ پر کھینچ لیا

مرغ گردونی چو چغزش زاغ وار
طائر آسمانی نے مثل اس موش کی چغز کے مانند زاغ کے

(انتقال ہے قصہ سے طرف ارشاد کے جو اس سے اوپر کے شعر میں مجمل تھا یہاں مفصل ہے اور ربط کی تقریر اس شعر کی شرح میں مذکور ہو چکی ہے کہ تحذیر ہے صحبت ناجنس سے اور تفسیر ہے ناجنس کی یعنی ہم نے جو ناجنس سے فغاں بغرض تحذیر کیا ہے اس ناجنس سے مراد غیر متوافق فی الخلق بفتح الخاء نہیں بلکہ غیر متوافق فی الخلق بضم الخاء ہے چنانچہ اسی بنا پر روح اور نفس میں باوجود اسکے کہ حقیقۃ خلقیۃ بفتح الخاء میں باہم متوافق یعنی جنس قریب میں شریک ہیں کہ جوہر مجرد کی دونوں نوع ہیں اگر روح اور نفس کچھ ذاتیات میں بھی مختلف ہوں یا اس معنے کر متوافق ہیں کہ نوع میں شریک ہیں اگرچہ دونوں میں عوارض ہی کا اختلاف ہو کہ داعی الی الخیر کو روح اور داعی الی الشر کو نفس کہا جاوے گو یہ دعوت الی الشر وامر بالسوء کبھی مجاہدہ وغیرہ سے بدلکر اسکی صفت لوامہ و مطمئنہ ہو جاوے جیسے ایک اقلیم کا آدمی دوسری اقلیم میں رہکر وہاں کے لوگوں کی عادات راسخ کرلے لیکن اصل کے اعتبار سے وہ صنفاً مختلف ہی رہیگا اور اسطرح ان دونوں میں صرف اختلاف صنفی ہی ہو اور یہ دو احتمال اس لیے نکالے ہیں کہ انکی حقیقت کسی دلیل قطعی سے معلوم نہیں ہوئی اور ذوقاً مجھکو دوسرا احتمال اقرب معلوم ہوتا ہے واللہ اعلم حاصل یہ کہ روح

نفس میں باوجودیکہ حقیقۃ خلقیہ بفتح الخاء میں باہم توافق ہے اور اس اعتبار سے ناجنس نہیں ہیں لیکن چونکہ حقیقۃ خلقیہ بضم الخاء میں باہم متوافق نہیں یعنی اوصاف میں مختلف ہیں چنانچہ نفس باعتبار اقتضاء اپنی اصل صنف کے امارہ بالسوء ہے اور روح آمر بالخیر ہے اسلئے اس اعتبار سے یہ ناجنس ہیں اور یہاں اس کلام بالا میں کہ اے فغاں از یار ناجنس اے فغاں ناجنس سے یہی مراد ہے پس اس بناء پر عقل (یعنی روح صاحب قوت عاقلہ) کو نفس پر عیوب سے فغاں ہے (کہ وہ نفس عدم تجانس کے سبب باعتبار روح کے ایسا ہے) جیسے بری ناک خوبصورت چہرہ پر (روح کو بعنوان عقل تعبیر کرنے میں اشارہ ہے اسکے وصف دعوت الی الخیر کیطرف اسلئے کہ عقل کا اقتضاء للخیر مشہور ہے اور نفس کو پرعیوب کے ساتھ موصوف کرنا اس کے امارہ بالسوء ہونے پر صریح دال ہے تو دونوں صفت کے ذکر میں اوّل درجہ انکے اختلاف صنفی کیطرف اشارہ ہوگیا اور جسطرح ان دونوں وصف یعنی عاقلیت و معیوبیت کے ایراد میں دلالت ہوگئی روح اور نفس کے مختلف الاوصاف ہونے پر جسکا ذکر اس شعر کی تمہید کے آخر میں ہوا ہے اور شعر آئندہ میں بھی از رہ معنی ستیں اسکا ذکر ہوگا اسی طرح اسی شعر آئندہ میں روح اور نفس کے توافق فی الجنس یا فی النوع کو جسکا ذکر شعر عقل را افغاں الخ کی تمہید کے اول میں احقر نے کیا ہے بیان فرماتے ہیں اور اسی کو دیکھکر احقر نے تمہید میں ربط ہر دو شعر اور توضیح معنے کے لئے لکھا تھا پس فرماتے ہیں کہ) عقل (یعنی روح) اس (نفس) سے (فغاں کے وقت) کہتی تھی کہ جنسیت یقیناً راہ اوصاف (باطنیہ) سے ہے نہ کہ آب و گل (یعنی صورت و حقیقت خلقیہ بکسر الخاء) سے (اور اے نفس مجھکو یعنی روح کو تیرے ساتھ شرکت وصفی و خلقی بضم الخاء ہی نہیں گو شرکت صوری و خلقی بکسر الخاء ہو اسلئے تجھ سے میں فغاں کرتی ہوں آگے اسی تحقیق مذکور متعلق تجانس کی تفصیل و توضیح ہے بمقولہ مولانا پس فرماتے ہیں کہ) ہاں تو صورت پرست مت ہو (یعنی شرکت خلقیہ بالکسر پر نظر مت کر) اور یہ مت کہہ (کہ صورت معتبر ہے اور) حقیقت تجانس کو صورت (بالمعنی المذکور) سے مت ڈھونڈھ (آگے صورت بالمعنے المذکور کو کہ شامل ہے ذوی العقول کو بھی چنانچہ اسی بناء پر روح و نفس ہیں اور پر شرکت صوری کا حکم کیا گیا اس صورت کو تشبیہ دیتے ہیں صورت بمعنی جسد محض کے ساتھ کہ غیر ذوی العقول میں سے ہے اور تشبیہ دیکر صورت مشبہ بہ کے لیے حکم مذکور عدم اعتداد بالصورۃ کا ثابت کرکے صورت مشبہ کے لئے اس حکم کے اثبات سابق کی توجیہ کرتے ہیں کیونکہ صورت مشبہ کے احکام بوجہ اسکے کہ وہ خود خفی الوجود ہے خفی تھے اور صورت مشبہ بہ کے احکام بوجہ اسکے کہ وہ خود محسوس ہے ظاہر ہیں پس مقصود استدلال نہیں کیونکہ حکم مذکور نظری نہیں بدیہی ہے مگر چونکہ بدیہی جلی بھی نہیں بلکہ خفی ہے اس لیے تشبیہ و تمثیل سے اسکی توضیح مناسب ہوئی پس فرماتے ہیں کہ) صورت (جسدیہ) مثل جماد اور مثل حجر کے ہے (یعنی اگر اسکے ساتھ روح کا تعلق ملحوظ نہ ہو تو وہ فی نفسہ جماد ہے چنانچہ ظاہر ہے کہ وہ مجموعہ ہے چند عناصر کا مثل دیگر جمادات کے اور مثل اسلئے کہا کہ اور جمادوں سے اسکو یہ فرق ہے کہ اسکے ساتھ بالفعل روح کا بھی تعلق ہے اس اعتبار سے مثل جماد کے ہوا لیکن فی نفسہ جماد ہی ہے اور مقصود اس مقام پر یہی ہے خصوصیت مماثلت کی مقصود نہیں وسیاق القرینۃ علیہ ایک مقدمہ تو یہ ہوا اور جماد کو جنسیت کی کچھ خبر نہیں (دوسرا مقدمہ یہ ہوا وہذا قرینۃ ما ادعیت قبل والالم یتکرر الاوسط فلا ینتج نتیجہ یہ نکلا کہ صورت کو جنسیت کی کچھ خبر نہیں اور اسکے ساتھ ایک مقدمہ یہ منضم ہوگا کہ جنسیت معتبرہ معتد بہا مبحوث عنہا فی الفنون المقصودہ وہ ہے جسکی جنس کو خبر بھی ہو جسکی دلیل یہ حدیث ہے الارواح جنود مجندۃ فما تعارف منہا ائتلف وما تناکر منہا اختلف کہ اسمیں ائتلاف کہ مستلزم ہے

تناسب اخلاق واوصاف کو جو حقیقت ہے تجانس کی مبنی کیا گیا ہے تعارف پر والضد علی الضد اور تعارف اور تناکر دونوں مستلزم ہیں خبر و شعور کو اس سے صاف معلوم ہوا کہ جنسیت معتبرہ وہ ہی جسکی اُس مجانس کو خبر بھی ہو پس جب صورت کو جنسیت کی خبر نہیں پس اُسکا تجانس معتبر بھی نہیں پس ثابت ہو گیا کہ صورت میں تجانس کا اعتبار نہیں پس اس صورت مشبہ بہ میں تجانس کے غیر معتبر ہونے سے صورت مشبہ میں بھی تجانس کے غیر معتبر ہونے کی توضیح ہو گئی آگے اس صورت مشبہ بہ کی بے خبری از جنسیت کو کہ مطلوب تھا قیاس اول کا ایک مثال سے واضح کرتے ہیں جسمیں ایک شبہ کا بھی دفع ہے جو اس مطلوب پر واقع ہوتا ہے کہ ہم تو جسد کو بھی حساس اور متحرک دیکھتے ہیں جس سے اُسکی باخبری ثابت ہوتی ہے پھر یہہ دعویٰ کیسے صحیح ہوا حاصل دفع کا اُس مثال کے بعد یہہ ہو گا کہ اُس کا حساس سمجھنا دھوکہ ہے وہ حساس نہیں بلکہ حساس روح ہے اسی طرح متحرک وہ خود نہیں اُسکی محرک روح ہے پس وہ دعویٰ بلا غبار صحیح رہا تقریر مثال کی یہہ ہے کہ) روح مثل چیونٹی کے اور جسد مثل دانہ گندم کے ہے وہ چیونٹی اُس گندم کو ہر دم کھینچنے لیئے پھرتی ہے (اور ایک شبہ مقدمہ ثانیہ قیاس ثانی پر خود اس مثال سے واقع ہو سکتا تھا کہ دانہ اگر چیونٹی کی جنس نہیں ہے تو چیونٹی کو اُسکی رغبت کیوں ہے اور اگر جنس ہے تو دانہ بے خبر ہے تو جنسیت کے لیئے باخبری ضروری نہوئی تو مقدمہ ثانیہ قیاس ثانی کا غلط ہو گیا شعر آیندہ میں اُسکا جواب دیتے ہیں کہ) چیونٹی جانتی ہے کہ وہ مقبوضہ حبوب مستحیل اور میری جنس ہو جاوینگے (جیسا کہ غذا ہونے کے بعد ہوتا ہے حاصل جواب کا یہہ ہے کہ دانہ بالفعل تو چیونٹی کی جنس نہیں اور اُسکی حالت بالفعل کی اُس کا مدار رغبت بھی نہیں اُسکو رغبت ہے آئندہ کے حالت کے اعتبار سے اور اُسوقت وہ اُسکی جنس ہو جاویگا اور جب وہ جنس ہو چکیگا تو ذی روح ہونے کے سبب باخبر بھی ہو گا پس وہ مقدمہ بھی صحیح رہا اب ایک اور شبہ ہو سکتا تھا قیاس اول کے مطلوب پر کہ اگر اجساد باخبر نہوتے تو اُن میں باہم ایک کا دوسرے کی طرف چلنا پھرنا کیسے ہوتا اور یہہ بھی ویسا ہی شبہ ہے جیسا اسی مطلوب پر پہلے بھی ہوا تھا جس کا جواب جان چو مور ایع میں دیا ہے اور اسکا جواب بھی اُسی طرح کا ہے تقریر جواب اُسی مثال سے ہے کہ فرض کرو کہ) ایک چیونٹی نے تو راستہ سے جو (کا دانہ) لے لیا (اور) دوسری چیونٹی نے ایک گندم لے لیا اور دوڑنا (اختیار کیا فقولہ دو معطوف علی قولہ گندمی و معمول کشلہ لقولہ گرفت یعنی دویدن گرفت اور پھر مثلاً وہ جو لینے والی چیونٹی گندم والی کیطرف چلی تو ظاہر ہے کہ) جو (خود) گندم کیطرف نہیں دوڑتا لیکن ایک چیونٹی دوسری چیونٹی کیطرف آ رہی ہے البتہ (اور ظاہر میں کم فہم حقیقت داں کو جو یہہ معلوم ہو گا کہ جو جا رہا ہے گندم کیطرف تو یہہ) جو کا جانا گندم کیطرف تابع ہے (حرکت مور کے اور واقع میں) چیونٹی کو دیکھ کہ وہ اپنے جنس کیطرف حرکت کر رہی ہے تو (تعجب سے یوں) مت کہہ کہ گندم کیوں گیا جو کی طرف (بلکہ) چشم کو صاحب معاملہ (یعنی مور) پر رکھ نہ کہ (اُسکے) مقبوض پر (ومعاہ خصما بمناسبۃ لفظ الرھن الذی یقتضی بالفریقین الذین یختصمان احیانا) حاصل جواب یہہ ہوا کہ ایک کا دوسرے کیطرف چلنا پھرنا بالذات نہیں بلکہ بواسطہ روح محرک کے ہے اب ایک شبہ اس جواب پر یہہ ہے کہ ہم تو مشاہدۃً اجساد کو متحرک دیکھتے ہیں روح کا تو کہیں نشان بھی نہیں دیکھتے آگے اُسکا جواب ایک مثال میں دیتے ہیں کہ فرض کرو کہ) سیاہ چیونٹی سیاہ نمدہ کی سطح پر ہو تو چیونٹی (نظر سے) مخفی رہیگی (اور) دانہ ظاہر راستہ کے سامنے ہو گا (لیکن) عقل آنکھ سے کہیگی کہ خوب غور سے دیکھ (کیونکہ) دانہ بدون دانہ بر کے ہرگز نہیں چلسکتا (حاصل جواب یہہ ہوا کہ اسی طرح یہاں گو مشاہدہ روح کا نہیں ہوتا مگر دلیل عقلی سے ثابت ہے کہ وہی محرک ہے پس وہ مطلوب صحیح رہا اور مثال صورت مشبہ بہ سے حکم متعلق

بصورت مشبہ واضح ہوگیا کہ جنسیت میں شرکت خلقیہ بالکسر معتبر نہیں شرکت خلقیہ بالضم معتبر ہے آگے اس حکم پر بعض تفریعات ہیں
جن میں تفریع اول کے عنوان تعبیری میں مثال صورت مشبہ بہ کے الفاظ کی رعایت ہے یعنی) اسی (حکم مذکور کے) سبب سے
اصحاب (کہف) کی طرف کتا (دوڑکر) آیا (کیونکہ) صورتیں (بمنزلہ) جوب (کے) ہیں اور قلب (بمنزلہ) مور (کے) ہے (اور
اُس کلب کے قلب میں مثل اصحاب کہف کے توحید و معرفت و حب حق تھی اس سے آپس میں معنی جنسیت کے تھے گو صورۃً نوعیہ میں
متخالف تھے یہ فرع ہوئی شرکت اوصاف کے معتبر و مؤثر ہونے کی اور رعایت مثال کی محض لفظاً ہے اُس مثال پر یہ تفریع نہیں
آگے دوسری تفریع ہے یعنی اور) اسی (حکم مذکور کے سبب) سے عیسیٰ علیہ السلام قدسیاں چرخ کیطرف چلے جاتے ہیں (کہ ان سب کے)
قفس (یعنی قوالب) تو مختلف ہیں (لیکن) چوزے (یعنی ارواح جو اُس تن میں ہیں) ایک جنس ہیں (یعنی گو ایک بشر اور دوسرے
ملئکہ ہیں مگر اوصاف روحیہ کے اشتراک سے اسمیں تجانس ایسا تھا کہ اُسکے بعض آثار نہایت ہی قوی و خارق عادت ظاہر بھی
ہوگئے کہ وہ ملحق بالملئکہ ہوگئے آگے روح کے اختفا کو کہ وہی سبب ہوجاتا ہے حکم مذکور میں تشکیک کا فرماتے ہیں جیسا شعر مذکور
مور اسود الخ میں بھی اسکو فرمایا تھا یعنی) یہ قفس (یعنی قالب) تو ظاہر ہے اور اُسکا وہ چوزہ (یعنی روح) اخفی ہے (لیکن عقل سے
سمجھنا چاہیئے کہ) بدون قالب کش کے قالب کب متحرک ہوسکتا ہے (یہاں قالب کی تشبیہ قفس اس اعتبار سے نہیں کہ طیر مقید فی القفص
قفس کو لیئے پھرتا ہے یہ تو واقع کے خلاف ہے بلکہ اور یہ تشبیہ صرف باعتبار تقیید الطیر فی القفص کے دیگئی ہے اُسی اعتبار سے یہاں
بھی اُس عنوان سے تعبیر فرمادیا خوب سمجھ لو چونکہ اس شعر کے مصرعہ ثانیہ میں اشارۃً اور اوپر کے ایک شعر عقل گوید الخ میں صراحۃً عقل کو
اس تلبیس غلط انداز کا رافع بتلایا ہے اسلئے آگے عقل کی مدح کرتے ہیں کہ) اے مخاطب وہ آنکھ ٹھنڈی رہے کہ عقل اُسکی حاکم ہو (کہ
اپنی ادراکات میں اُسکی تابع رہی جہاں اپنے مشاہدہ کو اُسکے حکم کے خلاف دیکھے اپنی غلطی سمجھے اور اُسکے اتباع کے سبب) وہ
عاقبت بین ہو اور دانشمند اور خنک (یعنی روشن) ہو (افسوس ہے کہ اہل سائنس مشاہدہ بلکہ تخمین کے ایسے غلام ہیں کہ اس دولت
اتباع عقل صحیح سے بالکل محروم ہیں آگے بھی تتمہ ہے مدح کا کہ) فرق قبیح اور حسن کا عقل سے لاؤ نہ کہ آنکھ سے کہ (صرف) سیاہ و سپید سے
حکایت کردیتی ہے (یعنی محض الوان کا ادراک کرتی ہے حقائق کا ادراک نہیں کرسکتی یہ کام عقل ہی کا ہے اسلئے آنکھ نے دانہ کو متحرک
دیکھا اور ابدان کو مجتمع و متلاقی دیکھا اور بشر اور کلب کی صورت مختلف دیکھی اور قالب عیسوی کو ملئکہ کا مغائر دیکھا اور دھوکہ میں
پڑگئی عقل نے سب جگہ رہبری کی آگے کچھ امثلہ سے عقل کی ترجیح چشم پر ذکر فرماتے ہیں کہ) آنکھ فریفتہ ہوگئی سرگیں پر جمے ہوئے سبزہ پر
(مگر) عقل کہتی ہے کہ اسکو ہماری کسوٹی پر لگا (تاکہ اسکی پوری حالت واقعیہ معلوم ہونے پر وہ فریفتگی نہ رہے اسی طرح اسکی اور مثال
ہے کہ) مرغ کی آفت ہے چشم مرغوب بیں (یعنی جو صرف دانہ کو دیکھتی ہے اور) مرغ کی خلاصی کا سبب ہے عقل دام بیں (یعنی جو جال
کو بھی دیکھکر مرغ کو بچاتی ہے اسی طرح علوم نافعہ میں بھی مشاہدات کے اغلاط و التباسات کو دلائل صحیحہ عقلیہ ہی رفع کرتے
ہیں اب چونکہ مدح عقل سے احتمال یہ بھی تھا کہ شاید کوئی شخص احکام سمعیہ ثابتہ بالوحی پر بھی اسکو ترجیح دینے لگے اور افسوس ہے
کہ اہل سائنس اس بلا میں بھی مبتلا ہیں اسلئے آگے اس پر تنبیہ فرماتے ہیں کہ گو عقل کو ہم نے اس شعر میں دام بیں کہا ہے یعنی رافع التباس و
کاشف حقیقت لیکن) ایک دوسرا دام اور بھی تھا جسکو عقل (مذکور) دریافت نہ کرسکی وحی غیب بیں اُس (عقل کی) طرف اس
سبب سے دوڑی (کہ عقل اس دام کو نہ سمجھ سکی اور پھنسنے یا پھنسانے کے قریب ہے میں اُسکو رہبری و اطلاع کردوں مطلب یہ کہ

بعض اغلاط ایسے خفی ہیں جیسے مبدا و معاد کے متعلق اشتباہات و شکوک ہیں کہ جن لوگوں نے محض عقل کا اتباع کیا جیسے فلاسفہ و اشباہہم و منہم بعض من یدعی العقل فی عصرنا وہ ان اغلاط سے نہ بچ سکے ان اغلاط سے وحی سننے پردہ اٹھایا اور اسی لئے اس کو غیب میں کہا یعنی کوئی غلطی کیسی ہی غائب و مخفی ہو وحی اسکے ادراک کا سبب اور ذریعہ بن جاتی ہے پس غیب بینی بمعنی غیب یابی کے سبب کو غیب بیں کہا گیا اور شتافتن میں اشارہ ہے رحمت حق کیطرف کہ جس طرح بچہ کو کنوئیں میں گرنے سے بچانے کے لئے اس کا شفیق باپ دوڑتا ہے اس شعر میں استعمال عقل کی تعدیل کر کے آگے پھر عود ہے تجانس میں اوصاف کے معتبر اور صورت کے غیر معتبر ہونے کا اور اسکے ادراک کے لئے عقل سے کام لینے کا جو رافع التباس ہے پس فرماتے ہیں کہ) جنس اور ناجنس کو تو عقل سے شناخت کر سکتا ہے (جو تلاقی ہے کہ اسمیں اوصاف کا اعتبار ہے پس اوصاف ہی کا اعتبار کرنا چاہیئے اور) صورتوں کی طرف جلدی (یعنی بے سوچے سمجھے) دوڑنا نہ چاہیئے (کیونکہ) جنسیت صورت سے نہیں جو میرے لئے اور تیرے لیے حاصل ہے (بلکہ جنسیت اوصاف سے ہے چنانچہ) عیسے علیہ السلام بشر میں رہ کر ملئکہ کے جنس تھے (اسی سبب سے) اُن کو اس نیلے قلعہ (یعنی آسمان) پر کھینچ لیا طائر (قدسی) آسمانی نے (یعنی ملئکہ نے بامر حق بالرفع) مثل اُس موش کے چغز کے مانند زاغ کی (مصرعہ ثانیہ میں دو تشبیہ ہیں جو چغز اور زاغ وار تشبیہ اول کا مشبہ عیسیٰ علیہ السلام اور تشبیہ ثانی کا مشبہ طائر گردونی یعنی جسطرح چغز کو زاغ لے گیا بتبعیت موش کے اسی طرح عیسے علیہ السلام کو ملئکہ لے گئے بتبعیت اوصاف مشترکہ کے اور یہ تشبیہ صرف برکشیدن میں ہے نہ کہ وصف مضرت میں جیسا اُس قصہ کے ایراد کا مبنی وہی مضرت تھا یہاں اُسکا اعتبار نہیں کیا گیا آگے قصہ ہے اس حکم کی تاکید و تائید میں کہ جنسیت کا مدار تناسب فی الوصف ہے نہ تشارک فی النوع کہ عبد الغوث کوئی آدمی ہوگا اُس میں مناسبت اوصاف جن سے تھی سالہا سال اُن ہی میں رہا پھر اتفاق سے اپنے وطن میں آگیا مگر اُس مناسبت کی کشش سے پھر اُن ہی میں چلا گیا اور اپنے گھر والوں میں باوجودیکہ اُن کا ابن النوع تھا نہ رہ سکا واللہ اعلم اس قصہ کی کیا تفصیل اور حقیقت ہے معلوم نہیں)

بردن پریان عبد الغوث را مدتے در میان خود و بعد ازاں بشہر آمدن پیش فرزنداں و باز پیش پریاں رفتن

بود عبد الغوث ہم جنس پری
عبد الغوث جنات کا ہم جنس تھا

چون پری نہ سال در پنہان پری
مثل جنات کے نو سال خفیہ اُڑتے رہے

چونکہ بربودند او را از وطن
جب وہ جنات اُسکو وطن سے لے اُڑے

گشت ناپیدا از فرزند و زن
وہ غائب ہو گیا فرزند اور زن سے

شد زنش را نسل از شوئے دگر — واں یتیمانش زمرگش در سمر

اسکی بی بی کے دوسرے شوہر سے بچے ہوگئے — اور اسکے وہ یتیم اسکی موت سے حکایت کیا کرتے

کہ مرا ورا گرگ زد یا رہزنے — یا فتاد اندر چہے یا مکمنے

کہ اس کو بھیڑیے نے مار لیا یا کسی ڈاکو نے — یا کسی کنوئیں میں گر پڑا یا کسی پوشیدہ جگہ میں

جملہ فرزندانش در اشغال مست — خود نگفتندے کہ بابائے بُدست

اسکے تمام فرزند کاروبار میں مست رہتے — یہ بھی نہ کہتے کہ کوئی بابا بھی تھا

بعد نہ سال آمد آں ہم عاریہ — گشت پیدا باز شد متواریہ

وہ نو سال کے بعد آیا وہ بھی عارضی طور پر — ظاہر ہوا پھر پوشیدہ ہوگیا

یک بیک فرزند و زن را دید باز — گشت پنہاں کس ندیدش باز راز

یکایک فرزند و زن کو دیکھا — پھر پنہاں ہوگیا پھر کسی نے اسکا راز نہ دیکھا

یک مہے مہمان فرزندان خویش — بود و زاں پس کس ندیدش رنگ بیش

ایک ماہ اپنے فرزندوں کا مہمان — رہا اور اسکے بعد کسی نے اسکا رنگ سامنے نہ دیکھا

برد ہمجنسی پریانش چناں — کہ رباید روح را زخم سناں

جنات کی ہمجنسی اسکو اسطرح اڑا لے گئی — جیسا کہ روح کو زخم سنان اوڑا دیتی ہے

عبدالغوث جنات کا ہمجنس تھا (اور) مثل جنات کے نو سال خفیہ اڑنے میں (رہا) جب وہ جنات اسکو وطن سے لے اڑے وہ غائب ہوگیا فرزند اور زن سے (اور خفیہ اڑنا یا تو اسطرح ہوگا کہ وہ جنات اسکو پکڑے ہوئے اڑتے ہوں گے یا دفعۃً بخطف جن غائب ہونے کو اڑنا کہدیا اور ان میں رہنے سے اسمیں دوسرے اوصاف بھی اُن کے مناسب پیدا ہوگئے ہوں گے۔) اسکی بی بی کے دوسرے شوہر سے بچے ہوگئے اور اسکے وہ یتیم اسکی موت سے حکایت کیا کرتے (جو شعر آئندہ میں ہے) کہ اسکو بھیڑیے نے مار لیا یا کسی ڈاکو نے (قتل کردیا) یا کسی کنوئیں میں گر پڑا یا کسی پوشیدہ جگہ (غار وغیرہ) میں (گر گیا) اسکے تمام فرزند (اپنے) کاروبار میں مست (یعنی منہمک) رہتے۔ یہ بھی نہ کہتے کہ (ہمارے) کوئی بابا بھی تھا (یعنی خاص تعلق

کے طور پر یاد نہ کرتے تو یہ منافی نہ ہوا اُس اوپر کے مضمون کے کہ وہ اسکی موت کی حکایت بیان کیا کرتے پھر اتفاقاً) وہ نو سال کے بعد آیا (اور) وہ (آنا) بھی عارضی طور پر ظاہر ہوا پھر پوشیدہ ہوگیا (الثار للمبالغۃ کما فی العلامۃ) یکایک فرزند و زن کو دیکھا (اور) پھر پنہاں ہوگیا پھر کسی نے اُسکا راز نہ دیکھا ایک ماہ اپنے فرزندوں کا مہمان رہا اور اُسکے بعد کسی نے اُسکا رنگ (چہرہ کا اپنے) سامنے نہ دیکھا (چونکہ مبصرہ کو ادراک لون ہی کا ہوتا ہے اور جہت مقابل ہی سے یہ ادراک ہوتا ہے اسلئے رنگ او رپیش کہا گیا آگے دوسری بار جانے کی وجہ بتلاتے ہیں کہ) جنات کی ہمجنسی اُسکو اسطرح اُڑا لے گئی جیسا کہ روح کو زخم سنان اُڑا دیتی ہے (کہ پھر عود ہی نہیں کرتی وہ بھی ایسا ہی غائب ہوا کہ پھر عود ہی نہیں کیا وجہ تشبیہ یہی ہے اور یہ دوبارہ جانا ظاہری الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ قسراً نہیں ہوا قصداً و شوقاً ہوا اُن میں رہکر اُن سے موانست و مناسبت بڑھ گئی ہوگی کہ وہ یاد آئے اور یہاں جی نہ لگا اُن کا مقام وغیرہ جانتا ہو چلا گیا جیسا بعض نسخ میں سرخی کی عبارت میں بشہر آمدن کے بعد یہ الفاظ بھی زائد ہیں وا ز پریاں ناشکیفتن بحکم جنسیت و ہمدلی با ایشاں) **ف** کئی سال ہوئے مدرسہ دیوبند میں ایک نوعمر بنگالی طالبعلم جو صبیح تو نہ تھا مگر قدری ملیح تھا تحصیل علم کرتا تھا ایک شب اُسپر کچھ اثر ہوا جو جن کا اثر سمجھا گیا اُس شب میں احقر وہاں حاضر تھا مجھ سے بھی اُسنے قصہ بیان کیا تھا بعد چندی سُنا گیا کہ اُس کو جن اُڑا لیگئے اور ایک حسین لڑکی کے سامنے جا بٹھلایا اور ہر قسم کے اسباب عیش و آرام کے وہاں مہیا پائے اور اُس سے فرمائش کیگئی کہ اس سے نکاح قبول کرو اُسنے رونا شروع کیا اور نا منظوری ظاہر کی اور بتصریح علماء ہماری شریعت میں واقعی جن کے ساتھ آدمی کا نکاح جائز بھی نہیں پھر وہ لوگ اسکو اسی طرح لیکر اُڑے اور سہارنپور کے جنگل میں چھوڑ گئے پھر وہ دیوبند پہونچا اور اُسکے بعد اپنے گھر چلا گیا غالباً اخبار میں دیکھا تھا کہ وہاں سے بھی اسی طرح غائب ہوگیا پھر نہیں معلوم ہوا کہ کیا ہوا ممکن ہے کہ عبد الغوث کو بھی کوئی ایسا قصہ پیش آیا ہو مگر اتنا فرق رہا کہ عبد الغوث اُن میں رم گیا اور یہ طالب علم اُن سے رم کر گیا واللہ اعلم آگے قصہ سے انتقال ہے ارشاد کیطرف جسمیں عود ہے مضمون سابق علی القصہ کیطرف کہ بیان تھا مدار جنسیت و خواص و آثار جنسیت کا چنانچہ قصہ کے قبل متصل ہی شعر جنسیت بصورت الخ میں مدار جنسیت اور شعر برکشید ش الخ میں بعض آثار جنسیت کا ذکر تھا آگے بھی قریب سرخی تک بعض میں مضمون اول بعض میں مضمون ثانی مذکور ہے کما یظہر لک بالمطالعۃ۔

چوں بہشتی جنس جنت آمدست	**ہم ز جنسیت شود یزداں پرست**
چونکہ بہشتی بہشت کی جنس ہے	جنسیت کی وجہ سے وہ یزداں پرست ہوتا ہے
نے نبی فرمود جود و محمدہ	**شاخ جنت داں بدنیا آمدہ**
کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں کہ جود اور محمودیت کو	شاخ جنت کی جاں دنیا میں آئی ہوئی
مہرہا را جملہ جنس مہر خواں	**قہرہا را جملہ جنس قہر داں**
محبتوں کو تمامتر محبت کی جنس کہہ	قہروں کو تمامتر قہر کی جنس جان

لاابالی لاابالی آورد
لاابالی آدمی لاابالی کو لاتا ہے

زانکه همجنسند ایشاں در خرد
کیونکہ وہ دونوں عقل کے نزدیک باہم ہمجنس ہیں

بود جنسیت در ادریس از نجوم
ادریس علیہ السلام میں کواکب کی جنسیت تھی

هشت سال او باز حل بد هم قدوم
آٹھ سال وہ زحل ستارہ کے ساتھ ہم نشاں رہے

در مشارق در مغارب یار او
مشارق میں مغارب میں اُسکے رفیق رہے

هم حدیث و محرم اسرار او
اُسکے ہم سخن اور محرم اسرار رہے

بعد غیبت چونکه آورد او قدوم
بعد غیبت کے جبکہ تشریف لائے

در زمیں می گفت او درس نجوم
تو زمیں میں وہ نجوم کا درس فرماتے تھے

پیش او استارگاں خوش صف زده
اُنکے سامنے کواکب خوب صف لگائے ہوئے ہوتے

اختراں در درس او حاضر شده
کواکب اُن کے درس میں حاضر ہوتے

آنچناں که خلق آواز نجوم
اسطرح سے کہ خلائق کواکب کی آواز

می شنیدند از خصوص و از عموم
سُنتے تھے خواص میں سے بھی اور عوام میں سے بھی

جذب جنسیت کشیده تا زمیں
جذب جنسیت زمیں تک کھینچ لائی

اختراں را پیش او کرده مبیں
کواکب کو ادریس علیہ السلام کے سامنے بیان کنندہ کر دیا

هر یکے نام خود و احوال خود
ہر ایک نے اپنا نام اور اپنا حال

باز گفته پیش او شرح رصد
اُن کے سامنے مثل شرح آلات رصد کے کہد یا

چیست جنسیت یکے نوع نظر
جنسیت کیا چیز ہے ایک ہی قسم کی نظر ہونا

که بداں یابند ره در همد گر
کہ جسکی وجہ سے ایک دوسرے میں راہ پاویں

آں نظر کہ کرد حق دروی نہاں

جو نظر کہ حق تعالیٰ نے اُس شخص میں رکھی ہے

چوں نہد در تو تو گردی جنس آں

جب تجھ میں رکھدے تو اس شخص کی جنس ہوجاویگا

ہر طرف چہ می کشد تن را نظر

ہر طرف کیا چیز کھینچ رہی ہے جسد کو نظر

بے خبر را کہ کشاند باخبر

بیخبر کو کون کھینچ رہا ہے باخبر

چونکہ اندر مرد خوئے زن نہد

جبکہ مرد کے اندر عورت کی خاصیت رکھدے

او مخنث گردد و کون میدہد

تو وہ مخنث ہوجاویگا اور لواطت کرانے لگے گا

چوں نہد در زن خدا خوئے نری

جبکہ عورت کے اندر خدا تعالیٰ ذکورۃ کی خصلت رکھدے

طالب زن گردد آں زن سعتری

تو وہ عورت طالب زن یعنی دوسری عورت کی استعمال کرنیوالی ہوجائیگی

چوں نہد در تو صفات جبرئیل

جب تیرے اندر جبرئیل علیہ السلام کی صفات رکھدے

ہمچو فرخے برہوا جوئی سبیل

تو مثل بچہ طائر کے تو عالی کی طرف راہ ڈھونڈھنے لگے

منتظر بنہادہ دیدہ در ہوا

تو منتظر ہے ہوا میں تاک لگائے ہوئے

از زمیں بیگانہ عاشق بر سما

زمین سے بیگانہ آسمان پر عاشق

چوں نہد در تو صفتہای خری

جب تیرے اندر خری کی صفات رکھدے

صد پرت گر ہست بر آخر پری

تو اگر تیری سو پر بھی ہیں تب بھی تو آخور ہی پر اڑیگا

از پے صورت نیامد موش خوار

صورت کے سبب موش بیقدر نہیں ہے

از خبیثی شد زبون موش خوار

خبث کی وجہ سے وہ چوہا کھانیوالے جانور کا مغلوب ہوگیا

طعمہ جوی و خائن و ظلمت پرست

لقمہ جو ہے اور خائن ہے اور ظلمت پرست ہے

از پنیر و فستق و دوشاب مست

پنیر اور پستہ اور شیرۂ انگور سے مست ہے

باز اشہب را چو باشد خوی موش — ننگِ موشاں باشد و عارِ وحوش

اگر باز سفید میں موش کی خصلت ہو — تو وہ ننگ موشاں اور عار وحوش ہو جائیگا

خوی آں ہاروت و ماروت ای پسر — چوں بگشت و داد شاں خوی بشر

اُن ہاروت و ماروت کی خصلت ای پسر — جب بدل گئی اور اُن کو بشر کی خصلت دیدی

در فتادند از لنحن الصافون — در چہ بابل بہ بستہ واژگون

تو وہ مقام لنحن الصافون سے گرگئے — چاہ بابل میں اس حال میں کہ بندھے ہوئے ہیں نگونسار ہیں

لوح محفوظ از نظرشاں دور شد — لوح ایشاں ساحر و مسحور شد

لوح محفوظ اُن کی نظر سے دور ہوگئی — اُن کی لوح ساحر اور مسحور کا شغل رہ گیا

سر ہماں و پر ہماں ہیکل ہماں — موسیٰ بر عرش و فرعونے مہاں

سر وہی اور پر وہی ہیکل وہی — موسے علیہ السلام تو عرش پر اور فرعون ذلیل

(ربط اوپر بیاں ہوچکا یعنی جنسیت کے مدار و آثار کا مزید بیان ہے کہ) چونکہ بہشتی بہشت کی جنس (یعنی اسکے ساتھ مناسبت رکھتا ہے (امسی) جنسیت کی وجہ سے وہ یزداں پرست ہوتا ہے (یہ مناسبت اس حدیث سے ثابت ہے ان اللہ تعالیٰ خلق للجنۃ اھلا وخلق للنار اھلا رواہ مسلم کذا فی المشکوٰۃ اور) کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں کہ جود اور محمودیت شاخ جنت کی جان دنیا میں آئی ہوئی (الفاظ حدیث مرفوع کے یہ ہیں السخاء شجرۃ فی الجنۃ فمن کان سخیا اخذ بغصن منہا فلم یترکہ الغصن حتی یدخلہ الجنۃ والشح شجرۃ فی النار فمن کان شحیحا اخذ بغصن منہا فلم یترکہ الغصن حتی یدخلہ النار رواہ البیہقی فی شعب الایمان کذا فی المشکوٰۃ پس جنت کے ساتھ جنتی کی مناسبت تو حدیث اول سے ثابت ہوئی اور جنت کے ساتھ عبادت کی مناسبت حدیث ثانی سے ثابت ہوئی اور ایک مقدمہ بھی اسکے ساتھ منضم کیا جاوے یعنی مناسب کا مناسب مناسب ہوتا ہے تو نتیجہ یہ نکلا کہ جنتی اور عبادت میں بھی مناسبت ہوئی پس اس مناسبت کی وجہ سے دونوں میں یہ ملابست ہوگی کہ جنتی فاعل ہوگا اور عبادت اُسکا فعل ہوگا وہذا معنے قولہ ہم ز جنسیت شود یزداں پرست اور محمودہ مصدر میمی مبنی للمفعول ہے اور عطف تفسیری ہی جود کا شاید اشارہ اسطرف ہو کہ جود سے مراد وہ جود ہے جس سے عند اللہ محمود بھی ہو جاوے یعنی خالصًا للہ ہو نہ ویسا جود جسپر قیامت میں کہا جاویگا لکنک فعلت لیقال ھو جواد فقد قیل رواہ مسلم کذا فی المشکوٰۃ اور دوسری عبادات کا مناسب ہونا جنت کے ساتھ دوسرے دلائل سے ثابت ہے جن میں دلیل مشترک یہ ہے کہ وہ شرط ہیں

مباحث لطیفہ متعلقہ قصہ ادریس علیہ السلام

دخول جنت کی نصًّا اور تخصیص ذکری جودکی نمونہ کے طور پر ہے پس حکم مذکور سب عبادات کو عام ہوگیا یا محمدہ سے مراد مطلق نکوکاری کہ سبب ہے محمودیت کا تو عطف تغایر کے لیئے ہوگا اور بنی فرمود کا تعلق اس کے ساتھ ان الفاظ سے نہ ہوگا کہ شاخ جنت دان الخ بلکہ دوسرے الفاظ سے ہوگا اور شاخ جنت دان الخ اُسکے اعتبار سے روایت بالمعنے کے طور پر ہوگا اور جیسی ان مذکورات میں ایکدوسرے کی جنس ہی اسی طرح) محبتوں کو تمامتر محبت کی جنس کہہ (اور) قہروں کو تمامتر قہر کی جنس جان (اور یہہ بالکل ظاہر ہے اسی طرح) لاابالی (یعنی بیباک) آدمی لاابالی کو لاتا ہے (یعنی اُسکا جاذب ہے) کیونکہ وہ دونوں عقل کے نزدیک باہم ہمجنس ہیں (والجنس یمیل الی الجنس اسی طرح) ادریس علیہ السلام میں کواکب کی جنسیت (یعنی اُن سے مناسبت) تھی (موہوب یا مکسوب ریاضت سے واللہ اعلم اسلئے) آٹھ سال وہ زحل ستارہ کے ساتھ ہم نشان رہے (یعنی) مشارق میں (اور) مغارب میں اُس (زحل) کے رفیق رہے (اور) اُسکے ہم سخن اور محرم اسرار رہے (اشارہ ہی قصہ مشہورہ کیطرف کہ وہ حیات دنیویہ ہی میں آسمان پر پہونچ گئے اور زحل اہل ہیئت کے مشہور قول پر فلک ہفتم پر ہے شاید مقصود مولانا کا اُس آسمان کی تعیین ہو کہ وہ آسمان ہفتم پر پہونچے تھے چونکہ وہاں بقول مشہور زحل بھی ہے پس دونوں کا ایک مسکن ہوا اور ممکن ہی کہ اُسکے ساتھ علاوہ مساکنت کے کوئی اور روحی مناسبت بھی ہو جیسا کہ بعض عملیات سے بھی کواکب کے ساتھ کچھ مناسبتیں پیدا کر لی جاتی ہیں مولانا کے طرز کلام سے شعر در مشارق کے مصرعہ ثانیہ میں اسکا بھی دعوی معلوم ہوتا ہے پس مصرعہ اولے دال ہوگا شرکت مساکنت پر کہ جب وہ فلک زحل کو لیکر چلتا تھا جس سے زحل کے لیئے مشارق ومغارب ثابت ہوتے تھے تو ان مشارق ومغارب میں ادریس علیہ السلام بھی اُسکے قرین رہتے تھے اور مصرعہ ثانیہ دال ہوگا مناسبت روحیہ پر اور اس دعوی کے کل مقدمات شہرت پر مبنی ہیں جن میں بعض کی شہرت تو اس وقت بھی ہی اور بعض کی مولانا کے وقت میں غالبًا شہرت ہوگی اگر ثابت بھی نہوں تو اصل مقصود مقام میں کوئی قدح نہیں کہ وہ مستقل دلائل سے ثابت ہی آگے ادریس علیہ السلام کے قصہ کی تتمیم ہے اور وہ بھی مبنی علی المشہور ہوگا یعنی) بعد غیبت کے جبکہ (واپس) تشریف لائے تو زمین میں وہ نجوم کا درس فرماتے تھے (یعنی کواکب کے آثار وخواص کو جنپر وہاں رہکر مطلع ہوئے تھے جن میں سے زحل کا تو اوپر ذکر ہوا ہے اور اوروں پر مطلع ہونا بھی کسی دلیل سے مولانا کو ثابت ہوگیا ہوگا ظاہر فرماتے تھے اور اس سے علم نجوم کے بطلان میں شبہ نہ کیا جاوے کیونکہ یہہ ضرور نہیں کہ یہہ خواص وہی ہوں جن کا منجمین بلا دلیل دعوی کرتے ہیں بلکہ اُن کے علاوہ اور خواص ہوں کیونکہ مطلق خواص کا انکار تو شریعت نے بھی نہیں کیا بلکہ بعض کا تصریحًا اور بعض کا اشارۃً اثبات کیا ہی ہو الذی جعل الشمس ضیاء والقمر نورا وقال تعالی لا تنفروا فی الحر حیث اثبت الحرارۃ للشمس وقال تعالی ثم یھیج فتراہ مصفرا حیث اشار الی کون الشمس سببا للاصفرار اور یہہ آثار مشاہدہ سے بھی ثابت ہیں تو اسکی نفی نص کیوں کرتی اسی طرح اور کچھ خواص واقعیہ علاوہ دعوی منجمین کے ہوں مگر وہ منقول نہوں اس لئے اب اُن کا دعوی بھی جائز نہو جیسا رمل کے باب میں مسلم کی حدیث مرفوع ہے کان نبی من الانبیاء یخط فمن وافق خطہ فذاک کذا فی المشکوۃ آگے مجلس درس کی کیفیت بیان فرماتے ہیں کہ اُس جنسیت مذکورہ فی قولہ بود جنسیت در ادریس الخ کی وجہ سے) اُنکے سامنے کواکب خوب صف لگائے ہوئے ہوتے (اور) کواکب اُنکے درس میں حاضر ہوتے (اور) اسطرح سے (حاضر ہوتے) کہ خلائق (اُن) کواکب (کے بولنے) کی آواز (جس کا ذکر عنقریب شعر ہر یکے نام الخ میں آتا ہے) سنتے تھے خواص میں سے بھی اور عوام

میں سے بھی (وہی) جذب جنسیت (جوکہ ادریس علیہ السلام کو آسمان پر لے گئی تھی وہی) زمین تک کھینچ لائی کواکب کو
(اور ان کو اُسنے) ادریس علیہ السلام کے سامنے بیان کنندہ کردیا (جس کا بیان یہ ہے کہ ان کواکب میں سے) ہر ایک نے اپنا نام
اور اپنا حال ان کے سامنے مثل شرح آلات رصدیہ کے کہدیا (یہ تشبیہ اقوی کے ساتھ نہیں ہے کیونکہ آلات رصدیہ سے اتنے
احوال مفصل نہیں معلوم ہوتے صرف احکام سیر کے معلوم ہوتے ہیں بلکہ تشبیہ اشہر واعرف کے ساتھ ہے کہ آلات رصدیہ کا اس غرض
کے لئے موضوع ہونا معروف ہے نحو قولہ تعالیٰ مثل نورہٖ کمشکوٰۃ الآیہ فی الغیاث رصد چوترہ کہ بلندی ہفت صد گز بر قلعہ کوہ
بلندی سازند و منجمان برآں نشستہ احوال کواکب معلوم کنند الی آخر ما قال اطال وافاد واجاد اور شعر جذب جنسیت الخ میں مع
شعر بالا بود جنسیت الخ یہ بتادیا کہ اس جنسیت کے دو اثر ظاہر ہوئے ایک صعود ادریس علیہ السلام کا دوسرا ہبوط کواکب کا اور
کواکب کا آنا اور بولنا جو ذکر فرمایا ہے کوئی قول اس باب میں ہوگا اور بولنے میں تو صرف عوام کو اشکال ہوسکتا ہے کہ بے جان
چیزیں کیسے بولیں لیکن سہل جواب یہ ہے کہ اسکو خرق عادت پر محمول کیا جاوے اور کواکب کے آنے میں اہل علم کو یہ اشکال واقع ہوگا
کہ ستارے بعضے تو زمین سے بھی بڑے ہیں اور بعضے اگر زمین سے بڑے نہوں تب بھی بہت بڑے بڑے ہیں اگر بہت سے جمع ہو کر آئے
تو مجلس میں کیسے سما دینگے بلکہ ایک ستارہ کے لیئے بھی مجلس کافی نہیں ہے تو اس حکم کی یہ توجیہ ہوسکتی ہے کہ یا تو اس قضیہ کو
استارگان الخ اختران الخ غیر مسورہ ہونے کے سبب قوۃ جزئیہ میں کہا جاوے تو جو زمین سے بڑے ہیں ان کو یہ حکم شامل نہ کہا جاوے
اُنکے خواص پر مطلع ہونے کا دوسرا طریقہ ہوگا اور جو زمین میں آسکتے ہیں ان کا آنا علیٰ سبیل الاجتماع نہ مانا جاوے بلکہ دو دو چار چار
کی حاضری فرض کیجاوے تاکہ صف زدہ صادق آسکے باقی یہ کہ مجلس ایک کے لیئے بھی کافی نہوگی تو ممکن ہے کہ بالکل زمین پر
مستقر نہوں قریب زمین کے آجاویں یعنی فضا کے ایسے حصہ میں ہیں کہ اسمیں اُنکی گنجائش ہو اور تا زمین کے معنے تا قرب زمین
کہے جاویں اور گو اُس وقت بھی بعید ہوں گے لیکن اضافی قرب کافی ہے اور آواز اُنکی اگر بلند ہو تو اُنکی دور سے بھی سُنی جاسکتی ہے
جیسے رعد کی آواز اور یہ سب اُس وقت ہے جب آنا اور حاضر ہونا باشباحہا مانا جاوے ورنہ اگر بارواحہا مان لیا جاوے تو روح
کے لیئے کسی مقدار متعین کا ہونا ثابت نہیں ممکن ہے کہ اُس میں یہ احکام بسہولت جاری ہوجاویں بعض حکماء بھی افلاک کے لیئے
ارادہ اور نفس کے قائل ہوئے ہیں اور اس صورت میں ہبوط [illegible] ان کے ہبوط کو روحانی مان لیا ممکن ہے کہ ادریس علیہ السلام کا صعود
بھی روحانی ہو یعنی اُنکی روح کو ارواح کواکب سے کوئی [illegible] خاص اتصال ہوگیا ہو جسکی ابتداء میں تو یہ کواکب کیطرف متوجہ ہوں ادراک
اسرار کے لیئے اور انتہا میں کواکب [illegible] حاضر ہو کر اُنکی طرف متوجہ ہوگئے ہوں کشف اسرار کے لیئے ......

...... اور یہ تقدیر قدرے قریب ہوجاویگی تفسیر محقق وراجح کے کہ رفعناہ مکانا علیا میں رفعت اور
مکان اور علو سب معنوی ہیں حسی نہیں کما ہو المشہور اور معنے یہ ہوں گے کہ ہم نے ان کو بلند رتبہ پر پہونچایا ای من النبوۃ والصدیقیۃ
المذکورین فی الآیۃ ونحوہما اور ہر حال میں یہ اوپر تمہید شعر بعد غیبت الخ میں بیان کرچکا ہوں کہ اصل مقصود مقام اس قصہ کے ان اجزاء
مذکورہ پر موقوف نہیں آگے تجانس کی حقیقت بعض متجانسات کے اعتبار سے بیان فرماتے ہیں کہ وہ حقیقت فرد ہے اس حقیقت
اصطلاحیہ کی جو [illegible] اشعار بالا عقل ہر زاغاں الخ کے سیاق وسباق میں مذکور ہوئی ہے یعنی اشتراک فی الاوصاف اور ان اوصاف
میں سے [illegible] ایک وصف نظر اور فکر ہے پس اسمیں جو دو شخص شریک ہوں ان کو بھی متجانس کہا جاویگا چنانچہ اس شعر میں اسی کو

فرماتے ہیں کہ) جنسیت کیا چیز ہے (آگے خود جواب دیتے ہیں کہ) ایک ہی قسم کی نظر (دو شخصوں میں) ہونا کہ جسکی وجہ سے ایک دوسرے
میں راہ پاویں (یعنی اُس تماثل نظر سے اُسکو اُسکے اسرار کا ادراک ہو اور اُسکو اُسکے اسرار کا آگے اسی کی شرح ہے کہ) جو نظر کہ حق تعالیٰ
نے (مثلاً) اُس شخص میں (ودیعت) رکھی ہے جب (ویسی ہی نظر) تجھ میں (ودیعت) رکھدی تو اُس شخص کی جنس ہوجاوے گا
(آگے وہ مضمون ہے جو سرخی ہذا سے تقریباً بیس شعر اوپر آیا تھا صورت آمد چوں جماد الخ جان چو مورا الخ جسکا حاصل یہ تھا کہ تجانس اجساد
میں معتبر نہیں کیونکہ وہ بیخبر ہیں ارواح میں معتبر ہے کہ وہ باخبر ہیں اور اسکی دلیل نہایت شرح وبسط سے اُن ہی شعروں کی شرح میں گذر
چکی ہے یہاں پھر اُس مضمون کی طرف اسلئے عود کرتے ہیں کہ ابھی شعر چیست جنسیت الخ میں نظر کو مابہ التجانس کہا ہے اب عود کر
یہ بتلاتے ہیں کہ بس تجانس بھی موصوف بالنظر میں ہوگا نہ کہ مُعرّا عن النظر یعنی جسد میں اسکی بھی شرح وہاں دیکھ لیجاوے پس فرماتے ہیں)
ہر طرف کیا چیز کھینچ رہی ہے جسد کو (آگے خود ہی جواب دیتے ہیں کہ) نظر (اور فکر کھینچ رہی ہے چنانچہ ظاہر ہے کہ حرکت ارادیہ مسبوق بالعلم
ہوتی ہے) بے خبر (یعنی جسد) کو کون کھینچ رہا ہے (ایک) باخبر (آگے بقیہ امثلہ تجانس کے لاتے ہیں یعنی) جبکہ مرد کے اندر (خدا تعالیٰ)
عورت کی خاصیت رکھدی تو وہ (اس زنانہ وصف کے سبب جنس اناث میں داخل ہوکر) مخنث ہوجاویگا اور لواطت کرانے لگے گا
(اور اسی طرح اسکے برعکس) جبکہ عورت کے اندر خدا تعالیٰ ذکورۃ کی خصلت رکھدی تو وہ عورت (اس مردانہ وصف کے سبب جنس ذکور
میں داخل ہوکر) طالب زن یعنی دوسری عورت کی استعمال کرنے والی ہونے لگی گی (سعتری در ترکیب تفسیر ست طالب زن را کذا فی
الغیاث فی معناہ بالفتح بمعنے زنے کہ با آلت چرمین بازن دیگر جماع کند اسی طرح) جب تیرے اندر جبرئیل علیہ السلام کے صفات (ملکوتیہ)
رکھدی تو مثل بچہ طائر کے تو (بھی) عالی کی طرف (کہ عالم غیب ہے) راہ ڈھونڈنے لگے (یعنی توجہ تیری عالی کیطرف ہوجاوے جیساکہ
مشاہد ہے اور) تو (اس صورت میں) منتظر رہے (یعنی) ہوا میں تاک لگائے ہوئے (اور) زمین (یعنی عالم سفلی) سے بیگانہ (غیر
مانوس اور) آسمان (یعنی عالم علوی) پر عاشق (اسی طرح) جب تیرے اندر خری کی صفات (بہیمیت وغیرہ) رکھدے تو اگر تیرے سو پر
بھی ہیں (جن سے عالم بالا کی طرف پرواز کرسکے یعنی اگر ترقی وعروج کے کتنے ہی اسباب تجھکو حاصل ہوں) تب بھی تو آخور ہی پر
اڑیگا (یعنی جلدی جلدی دوڑیگا کیونکہ اعتبار صفت کا ہے صورت کا نہیں پس ہر حال میں وہی فعل جو مقتضا صفت کا ہی ظاہر
ہوگا آگے بھی صورت کے غیر معتبر اور صفت کے معتبر ہونے کی تائید بعض مواد سے ہے یعنی) صورت کے سبب موش بیقدر نہیں ہے (ورنہ
کوئی بدصورت جانور عزیز نہ ہوتا والواقع خلافہ کالجاموش بلکہ) خبث کی وجہ سے وہ چوہا کھانے والے جانور کا مغلوب (اور شکار)
ہوگیا (اور وہ خبث یہ ہے کہ وہ) لقمہ جو ہے اور (لقمہ جوئی میں) خائن ہے اور (خائن ہونے کی حالت میں) ظلمت پرست ہے (کہ
ظلمت میں خیانت کا خوب موقع ملتا ہے آگے بیان ہے طعمہ جوئی کا کہ) پنیر اور پستہ اور شیرہ انگور سے مست ہے (یعنی یہ اشیاء جن کو
انسان لطیف المزاج اپنے لیئے ذخیرہ کرتا ہے یہ اُن کا حریص ہے اس سے مبغوض بھی ہے اور پھر انکی طلب وحرص میں اپنی پناہ سے
نکلکر ادہر ادہر پھرتا ہے تو اُس حالت میں موش خوار جانور کا شکار ہوجاتا ہے پس مطلق زبونی و ذلت بھی اور خاص زبونی
یعنی صید بنجانا مسبب ہوا اُسکے اوصاف خبیثہ مذکورہ سے اور جب مدار ذلت موش کا یہ اوصاف خبیثہ ہیں تو ظاہر ہے کہ)
اگر باز سفید میں (یعنی جسمیں سیاہی پر سفیدی غالب ہو اور یہ صفت نفیس ہے) موش کی خصلت ہو (یعنی خبث حرص وغیرہ)
تو (چونکہ مدار اوصاف ہی ہیں اسلیئے) وہ ننگ موشاں اور عار وحوش ہوجاویگا (باز اور موش دونوں وحوش میں سے ہیں

آگے ایک اور مادہ سے اعتبار اوصاف کی تائید ہے کہ) ان ہاروت و ماروت کی خصلت اے پسر جب بدلگئی اور ان کو (خداتعالیٰ نے) بشر کی خصلت (یعنی شہوت وغیرہ) دیدی تو وہ مقام نحن الصافون سے (جوکہ اس آیت میں مذکور ہے وما منا الالہ مقام معلوم وانا لنحن الصافون) گرگئے چاہ بابل میں اس حال میں کہ بندھے ہوئے ہیں (اور) نگونسار (لٹک رہے) ہیں (اور) لوح محفوظ (جس کا وہ پہلے سے مطالعہ کرتے تھے) اُن کی نظر سے دور ہوگئی (اور بجائے لوح محفوظ کے) اُن کی لوح (جو اُن کے مطالعہ میں رہنے لگی) ساحر اور سحور کا شغل رہگیا (مراد اس شغل سے سحر ہے یعنی اُن کا محل مطالعہ سحر رہ گیا یہ بنا ہے علی المشہور فرمادیا باقی اگر یہ ثابت بھی نہیں تب بھی موقوف علیہ ثبوت مدعا کا نہیں جیسا قصہ ادریسیہ میں لکھا گیا اور تحقیق اسکی احقر کی تفسیر میں ہے آگے ایک اور مادہ ہے اعتبار اوصاف وعدم اعتبار صورت کی تائید میں کہ دیکھو موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کی صورت ظاہرہ یکساں ہی چنانچہ دونوں کا وہی سر ہی (یعنی جیسا ایک کا ویسا دوسرے کا) اور پر (یعنی دست و بازو) وہی ہیکل (کالبدی) وہی (مگر اختلاف اوصاف سے باہم اسقدر فرق ہے کہ) موسیٰ علیہ السلام تو عرش (قرب) پر اور فرعون (طرد ولعنت سے) ذلیل ف پر کے معنے غیاث میں گوشہ وکنارہ ہر چیز بھی لکھے ہیں دست و بازو بھی عرضاً جسد کے کنارہ پر ہیں اسلئے اسکے ساتھ تفسیر کی مگر کہیں منقول نہیں دیکھا اور بعض محشین نے لفظ پر کو اپنے ظاہر پر رکھکر ہاروت و ماروت کے پر مراد لئے ہیں کہ اُن کے پر وغیرہ بدستور باقی تھے یعنی صورت ملکیہ میں تغیر نہوا تھا سو اس بقاء صورت ملکیہ میں تو احقر کو کلام نہیں بلکہ اس کا قایل ہونا خود مقام کے زیادہ مناسب ہے کہ ذکر ہو رہا ہے صورت کے عدم اعتبار کا اور یہ حکم بقاء صورت کی تقدیر پر اظہر ہے لیکن دوسرا مصرعہ ذوقاً اس حمل سے آبی ہے اور وہ اس معنے پر چسپاں نہیں ہوتا جب تک کہ تکلف شدید نہ کیا جاوے اور وہ تکلف یہ ہے جو بعض محشین نے کیا ہے موسیٰ کنایت از معنے وصفات ملکی فرعون کنایت از صورت ہاروت و ماروت الخ اور مجھکو ذوقاً یہ بھی بہت بعید معلوم ہوتا ہے واللہ اعلم۔

در پئے خوباش و باخوش خو نشین	**خوپذیری گل و روغن ببین**
توخصال کی طلب میں رہ اور خوشخصال کے پاس بیٹھ	گل اور روغن کی خوپذیری دیکھ لے
خاک گورا زمرد حق یابد شرف	**تا نہد بر گور او دل روی و کف**
خاک گور بھی مرد حق سے شرف پاتی ہے	یہاں تک کہ اسکی گور پر قلب اپنا روی اور کف رکھتا ہے
خاک از ہمسائگی جسم پاک	**چون مشرف آمد و اقبالناک**
جب کہ خاک بوجہ ہمسائگی جسم پاک کے	مشرف اور اقبالناک ہے
پس تو ہم الجار ثم الدار گو	**گر دلے داری برو دلدار جو**
پس تو بھی الجار ثم الدار کہہ	اگر تو قلب رکھتا ہے جا دلدار کو ڈھونڈھ

خاک او ہم سیرت جاں می شود — سرمۂ چشم عزیزاں می شود

اُسکی خاک جان کی ہم سیرت ہوجاتی ہے — سرمۂ چشم عزیزاں ہوجاتی ہے

اے بسا در گور خفتہ خاک وار — بہ ز صد احیا بنفع و انتشار

اے مخاطب بہت سے لوگ گور میں خاک کی طرح سوتے ہوئے — بہتر ہیں صدہا زندوں سے نفع میں اور بشارت میں

سایۂ بود او و خاکش سایہ مند — صد ہزاراں زندہ در سایہ وید

وہ سایہ تھا اور اُس کی خاک سایہ مند ہوگئی — لاکھوں زندہ اُسکے سایہ میں ہیں

(شعر اول میں بطور تفریع علی ما قبلہ کے ترغیب ہے تزکیۂ اخلاق اور محبت اہل تزکیہ کی اور اشعار باقیہ میں منافع و برکات مذکور ہیں اہل تزکیہ اور اُنکی صحبت کے یعنی جب ثابت ہوگیا کہ اعتبار صورت کا نہیں بلکہ صفات و خصال کا ہی پس) تو خصال (حسنہ) کی طلب میں رہ اور (اُسکی طلب و تحصیل کی اعانت و سہولت کے لیۓ) خوشخصال کے پاس بیٹھ (یعنی اُسکی صحبت و تعلق اختیار کر اور اُس صحبت کے نفع و تاثیر معلوم کرنے کے لیۓ) گل اور روغن کی خوبذیری دیکھ لے (کہ روغن میں پھول ڈالنے سے روغن میں اُسکا اثر کیسے آجاتا ہے اور کلام میں مجاز ہے کیونکہ خوبذیری تو فعل روغن کا ہوا اور منسوب کیا گیا مجموعہ کیطرف پس یہ نسبت مجموع کیطرف باعتبار اُسکے ایک جزو کے ہے اور کلام میں ایسا بہت شائع ہے اور اُن کی صحبت کی تجھ میں تو کیوں نہ تاثیر ہوتی اُن کی برکت تو ایسی ہو کہ اُنکی قبر میں بھی سرایت کرتی ہے پس اسی کو فرماتے ہیں کہ) خاک گور بھی مرد حق سے شرف پاتی ہے یہاں تک کہ اُس (مرد حق) کی (اُس) گور پر قلب (طالب کا) اپنا روی اور کف رکھتا ہے (یعنی اُسکی طرف متوجہ ہوتا ہے اور اس سے جواز تقبیل و لمس قبر کا لازم نہیں آتا کیونکہ یہہ روی اور کف قلب کا ہے اور نہادن کنایہ ہے توجہ سے اور یہہ توجہ استفادۂ باطنہ کے لیۓ ہے اور اس سے استعانت ممنوعہ کا جواز لازم نہیں آتا اور ہر چند کہ مقصود توجہ سے مقبور ہے لیکن جہت توجہ تو قبر ہی ہے جیسے معبود حق سبحانہٗ تعالیٰ ہیں مگر جہت عبادت بیت اللہ ہے اور ظاہر ہے کہ جہت ہونا بھی شرف ظاہر ہے اور بعض قبور کیلئے اور شرف بھی بدلیل مستقل ثابت ہے جیسے سید القبور یعنی قبر سید اہل القبور صلے اللہ علیہ وسلم آخر الدہور کے باب میں علمانے لکھا ہے کہ جس خاک سے جسم اطہر ملصق ہے وہ عرش سے بھی افضل ہے کذا حققہ العلامہ الشامی آگے تفریع ہے مقبور کی شرف بالذات اور قبر کے شرف بالعرض پر کہ) جبکہ خاک بوجہ ہمسایگی جسم پاک کے مشرف اور اقبالناک ہے پس تو بھی الجار ثم الدار کہہ (کہ اول ہمسایہ کو دیکھ پھر گھر لے اور) اگر تو قلب (سلیم) رکھتا ہے جا دلدار کو ڈھونڈھ (مراد دلدار سے مرشد کامل کہ محبوب خالق ہونے سے محبوب خلق بھی ہو تقریر تفریع کی یہہ ہے کہ جب قبر کی یہ برکت اہل اللہ کے جوار سے ہے پس تو بھی ایسے جار کو تلاش کر کے اُسکو اپنا محبوب و متبوع بنا اور جس مقام پر ایسا شخص ہو اُس شخص کے لیۓ اس مقام کا بھی قصد کر آگے تاکید ہے مضمون خاک گور از مرد حق الخ کی یعنی) اُسکی خاک (بعض برکات کے اعتبار سے) جان کی ہم سیرت ہوجاتی ہے (اُس کا بیان یہہ ہے کہ وہ) سرمۂ چشم عزیزاں ہوجاتی ہے (سرمہ کی خاصیت ہے افزایش نور پس حاصل اسکا یہہ ہے کہ صاحب نسبت کا نور نسبت

اہل قبور کے فیض سے بڑھ جاتا ہے پس گویا اس شعر میں شعر خاک گور الخ کی تاکید کے ساتھ اُسکے ایک جزو تا بهند برگور او الخ یعنی توجہ کا ثمرہ بھی مذکور ہوگیا یعنی طالبان برکات اُسکی طرف صرف متوجہ ہی نہیں ہوتے بلکہ وہ توجہ مفید بھی ہوتی ہے اور لفظ سرمہ میں اشارہ اُس فائدہ کی تعیین کی طرف بھی کردیا جسکی تقریر اوپر کرچکا ہوں اور وہ تقویت ہے نسبت کی شرح اُسکی یہ ہے کہ اہل قبور سے نسبت کا استفادہ تو نہیں ہوسکتا اسکے لئے تو صحبت حی کی ضرورت ہے البتہ نسبت حاصلہ کی تقویت ہوجاتی ہے پس اس شعر میں دو مسئلے مذکور ہوگئے ایک اثبات افادۂ اہل قبور دوسرے تعیین فائدہ حاصل من اہل القبور اور یہ فائدہ باوجودیکہ استفادہ اہل قبور سے ہی مگر نسبت کرنا قبور کیطرف ملابست کے سبب ہے کیونکہ اُن میں بھی ایک قسم کی برکت ہونا بعض شرح شعر خاک گور الخ مذکور ہوچکا ہی اور اس اثبات افادۂ اہل قبور میں مبالغہ ہوگیا مضمون شعر اول ترغیب صحبت اہل اللہ میں کہ جب وہ صحبت بعد اُن کی ممات کے بھی نافع ہے تو اُنکی حیات میں تو کسقدر نافع ہوگی چنانچہ آگے اسکی تصریح ہے کہ اے مخاطب بہت سے لوگ گور میں خاک کی طرح (یعنی بے جان) سوتے ہوئے بہتر ہیں صدہا زندوں سے نفع میں اور بشارت میں (جسکی وجہ یہ ہے کہ) وہ (حیات میں مثل) ستا (کے پناہ عالم) تھا اور (اس وجہ سے بعد ممات) اُس کی خاک (بھی) سایہ مند ہوگی لاکھوں زندہ اُسکے سایہ میں ہیں (آگے اسپر حکایت لاتے ہیں کہ کسی شخص نے ایک سخی کے بھروسہ قرض کرلیا تھا کہ اُس کو کچھ دیا کرتا تھا جب اُس سے مانگنے کے لیئے آیا تو وہ سخی مرچکا تھا بہت پریشان ہوا آخر خواب میں اُس سخی نے بشارت دی کہ وہ اتنا روپیہ اُسکے قرض کے لیئے رکھ گیا تھا اُس سے قرض ادا کیا گیا تو دیکھئے اس مردہ سے ایسا نفع ہوا کہ بہت سے زندوں سے بھی نہیں ہوتا اور جب مشتغل بالدنیا فی الظاہر سے ایسا وقوع میں آیا تو مشتغلین بالحق فی الظاہر والباطن سے کیا مستبعد ہے اور میں نے فی الظاہر اسلئے کہا کہ آگے ایک سرخی استغفار کردن الخ میں مولانا کے بعض اشعار سے اُس محتسب کا خواص رجال سے ہونا معلوم ہوتا ہے من قولہ باز عقلش الخ)

داستان آں مرد وظیفہ دار از محتسب تبریز کہ وامہا کردہ بود برامید وظیفہ و اورا خبر نبود از وفات او واز ہیچ زندہ ام گزاردہ نشد الا از محتسب متوفی گزارد شد بیت

لیس من مات فاستراح بمیت	انما المیت میت الاحیاء
آں یکے درویش ز اطراف دیار ایک فقیر اطراف دیار سے	جانب تبریز آمد وام دار تبریز کی طرف آیا قرضدار ہوکر
نہ ہزارش وام بود از زر مگر اُسکا قرضہ سکۂ طلائی کے نو ہزار تھے	بود در تبریز بدر الدیں عمر تبریز میں بدر الدین عمر تھا

محتسب بود و بدل بحر آمده — هر سر موئیش یکے حاتم کده

وہ محتسب تھا اور دل سے ایک دریا تھا — اس کا ہر سر مو ایک حاتم خانہ تھا

حاتم ار بودے گدائے او شدے — سر نہادے خاک پائے او شدے

اگر حاتم ہوتا تو اس کا گدا ہوتا — سر رکھدیتا اسکے پاؤنکی خاک ہوجاتا

گر بدادے تشنہ را بحر زلال — از کرم شرمندہ بودے زاں نوال

اگر وہ تشنہ کو آب شیریں کا تمام دریا بھی دیدیتا — تو بوجہ کرم کے اس عطا سے شرمندہ ہوتا

ور بکردے ذرۂ را مشرقے — بود آں در ہمتش نالائقے

اور اگر وہ ذرہ کو مشرق بھی بنا دیتا — تو اسکی ہمت کے مقابلہ میں یہ بھی ناسزاوار تھا

بر امید او بیامد آں غریب — کو غریباں را بدی خویش و قریب

اسکی امید پر وہ غریب الوطن آیا — کیونکہ وہ غریب الوطن لوگوں کا عزیز اور قریب تھا

با درش بود آں غریب آموختہ — وام بیحد از عطایش توختہ

وہ غریب الوطن اسکے دروازہ کا ہلا ہوا تھا — بیحد قرض اسکی عطا سے ادا کرچکا تھا

ہم بہ پشتی آں کریم او وام کرد — کہ بہ بخششہاش واثق بود مرد

اس نے اسی کریم کے اعتبار پر قرض لیا تھا — کہ اسکی بخششوں پر وہ شخص وثوق رکھتا تھا

لاابالی گشتہ بود و وام جو — بر امید قلزم اکرام خو

وہ لاابالی اور طالب قرض ہوگیا تھا — دریائے اکرام خصلت کی توقع پر

وام داراں رو ترش او شادکام — ہمچو گل خنداں ازاں روضُ الکرام

قرضدار لوگ رو ترش تھے وہ شادکام تھا — مثل گل کے خنداں تھا اس باغ کرام کے سبب

گرم شد پشتش ز خورشید عرب
اسکی پشت آفتاب عرب سے گرم ہوگئی

چہ غمستش از سبال بولہب
تو اس کو ابولہب کی مونچھوں پر تاؤ دینے سے کیا غم ہے

چونکہ دارد عہد و پیوند سحاب
جب کوئی شخص عہد اور علاقہ سحاب کا رکھتا ہو

کے دریغ آید ز سقا بانش آب
تو اسکو پانی دینے میں سقوں سے کیا بخل ہوگا

ساحران واقف از دست خدا
ساحر لوگ جوکہ حق تعالیٰ کے دست شفقت سے واقف ہیں

کے نہند ایں دست و پا را دست و پا
وہ ان دست و پا کو دست و پا کے رتبہ میں کب کہتے ہیں

روبہی کہ ہست او را شیر پشت
جس روباہ کی پشتی پر شیر ہو

بشکند کلہ پلنگاں را بمشت
وہ چیتوں کا کلہ گھونسہ سے توڑ ڈالے گی

در ربط اوپر ذکر ہوچکا اور سرخی میں صفت وظیفہ دار کی دلیل اس مقام کا آٹھواں شعر ہے بادرش بو دانغ اور شعر عربی کا ترجمہ احقر نے مثنوی ہی کی ہم وزن اس طرح پر نظم کیا ہے ؎ نیست مردہ مستریح از مرگ خود ؛ مرادہست آں زندہ کو بیکار شد مضمون مقام یہ ہے کہ) ایک فقیر اطراف دیار سے تبریز کی طرف آیا قرضدار ہوکر (آمد یعنے رسید نہیں اسکے پہونچنے کا ذکر سرخی آیندہ کے مابعد میں آویگا بلکہ آمد یعنی سامان آمدن کردا زسفر وغیرہ غالباً) اُس کا قرضہ سکہ طلائی کے نو ہزار تھے (یعنی نو ہزار دینار اور) تبریز میں (آنے کی وجہ یہہ تھی کہ وہاں) بدرالدین عمر (نام کا ایک شخص) تھا (اور) وہ (عہدہ کے اعتبار سے) محتسب تھا اور (سخاوت میں) دلسے ایک دریا تھا (اور) اُس کا ہر سر مو ایک حاتم خانہ تھا اگر (اُسکے زمانہ میں) حاتم (بھی) ہوتا تو اُس کا گدا ہوتا (اور اُسکے سامنے سر رکھدیتا (اور) اُسکے پاؤں کی خاک ہوجاتا (اور سخاوت کے ساتھ کریم النفس ایسا تھا کہ) اگر وہ (کسی) تشنہ کو آب شیریں کا تمام دریا بھی دیدیتا (جوکہ ظاہر ہے کہ عطائے کبیر ہے) تو (بجائے اسکے کہ اس پر فخر کرتا اور اُلٹا) بوجہ کرم کے اُس عطا سے (اُسکو قلیل سمجھکر) شرمندہ ہوتا (جیسا کریموں کا شیوہ ہے) اور اگر وہ ذرہ کو مشرق بھی بنادیتا (کہ اُس سے آفتاب طلوع ہوا کرے) تو اُسکی ہمت کے مقابلہ میں یہ بھی نامنزاوار تھا (یعنی وہ اپنی ہمت کے نزدیک اسکو بھی اُدنیٰ درجہ کی بات سمجھتا تھا غرض) اُس (محتسب) کی امید پر وہ غریب الوطن آیا۔ کیونکہ وہ غریب الوطن لوگوں کا (گویا) عزیز اور قریب تھا وہ غریب الوطن اُسکے دروازہ کا ہلا ہوا تھا (اور اسکے قبل) بعید قرض اُسکے عطا سے ادا کرچکا تھا (کذا فی الغیاث فی معنی توختن اور) اُس (فقیر) نے اسی کریم کے اعتماد پر قرض لیا تھا کہ اُسکی بخششوں پر وہ شخص وثوق رکھتا تھا کہ میں جب جاکر کہوں گا فوراً اتنا دیدیگا کہ قرض ادا کردوں گا پس) وہ لاابالی اور طالب قرض ہوگیا تھا (اُس) دریائے اکرام خصلت کی توقع پر (دوسرے) قرضدار لوگ (جو محتسب سے تعلق نہ رکھتے تھے غایت اندیشہ و غم سے) روترش تھے (کہ دیکھئے ہمارا قرض کس طرح ادا ہوگا اور) وہ شادکام تھا (اور) مثل گل کے خنداں تھا

اس باغ کرام کے سبب (مراد محتسب ہے یعنی جو کرمیوں میں ایسا تھا جیسے خشک وخاردار درختوں کے مقابلہ میں باغ وجہ تشبیہ تازگی وشگفتہ روئی اور بعض محشین نے وام داراں سے مراد قرضخواہ لئے ہیں لیکن شعراول میں یہی لفظ آیا ہے اور وہاں یقیناً قرضدار مراد ہے پس اشتراک لفظ کے لئے دلیل کی ضرورت ہے ولا دلیل آگے اس فقیر کی شادکامی کی مثال ہے کہ کوئی شخص فرض کرو کہ اُسکی پشت آفتاب عرب (یعنی سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم) سے گرم ہوگئی (ہو) تو اُس کو ابولہب کی مونچھوں پرتاؤ دینے سے (یعنی اُسکی کبر وظلم و ایذار) سے کیا غم ہے (آگے دوسری مثال ہے کہ) جب کوئی شخص عہد و علاقہ سحاب (یعنی سحاب ہے) رکھتا ہو تو اُسکو پانی دینے میں سقوں سے کیا بخل ہوگا (کیونکہ ان کے لینے سے سحاب تو خالی نہ ہوگا اور اُسکی نظر اُسپر ہے آگے تیسری مثال ہے کہ) ساحر لوگ جو کہ خدا تعالیٰ کے دست شفقت سے واقف ہیں وہ ان (ظاہری) دست و پا کو دست و پا کے رتبے میں کب رکھتے ہیں (چنانچہ فرعون کی اس دھمکی سے متاثر نہوئے آگے چوتھی مثال ہے کہ) جس روباہ کی پشتی پر شیر ہو وہ چیتوں کا کلہ گھونسہ سے توڑ ڈالیگی (کیونکہ اُسکی نظر شیر پر ہونے سے وہ پلنگ سے نہ ڈریگی جس طرح حضرت جعفر کی نظر حق پر تھی تو جمعیت کفار سے نہیں ڈرے آگے یہی قصہ ہے پھر اُس سے دوسرے مضامین مناسبہ کی طرف منتقل ہوگئے)

آمدن جعفرؓ بہ تنہا بگرفتن قلعہ و مشورت کردن ملک آں قلعہ با وزیر در دفع او و گفتن وزیر ملک را کہ زنہار ملک را بوی تسلیم کن کہ او مؤیدست

(ربط اوپر مذکور ہوچکا)

چونکہ جعفرؓ رفت سوئے قلعۂ	قلعہ پیش کام خشکش جرعۂ
جب جعفرؓ ایک قلعہ کی طرف گئے	قلعہ اُن کے گھوڑے کے تالو کے روبرو ایک گھونٹ تھا
یکسوارہ تاخت تا قلعہ بہ کر	تا در قلعہ بہ بستند از حذر
وہ تن تنہا قلعہ کی طرف حملہ کے ساتھ دوڑ پڑے	یہاں تک کہ قلعہ کا دروازہ خوف سے بند کرلیا
زہرہ نے کس را کہ پیش آید بہ جنگ	اہل کشتی را چہ زہرہ با نہنگ
کسی کی تاب نہوئی کہ اُن کے سامنے جنگ کے ساتھ آوے	کشتی والوں کو کیا طاقت ہے نہنگ کے ساتھ
روئے آورد آں ملک سوی وزیر	کہ چہ چارہ است اندریں وقت اے مشیر
وہ بادشاہ وزیر کی طرف متوجہ ہوا	کہ اس وقت کیا تدبیر ہے اے وزیر

گفت آنکہ ترک گوئی کبر و فن — پیش او آئی بہ شمشیر و کفن

اسنے کہا یہی ہے آپ کبر اور فن کو ترک کریں — ان کے سامنے شمشیر و کفن لیکر جا پہونچیں

گفت آخر نے یکے مردیست فرد — گفت منگر خوار در فردی مرد

بادشاہ نے کہا آخر ایک ہی تو شخص ہے تنہا — وزیر نے کہا کہ اس شخص کی تنہائی میں بے وقعتی کی نظر نہ دیکھ

چشم بکشا قلعہ را بنگر نکو — ہمچوں سیماب ست لرزاں پیش او

ہاں آنکھ کھول کے قلعہ کو اچھی طرح دیکھئے — سیماب کی طرح انکے سامنے لرزاں ہو رہا ہے

شستہ در زیں آنچناں محکم پے ست — گوئیا شرقی و غربی با ویست

یہ شخص زین کے اندر ایسا ثابت قدم بیٹھا ہوا ہے — گویا شرقی و غربی اسکے ہمراہ ہیں

چند کس ہمچو فدائی تاختند — خویشتن را پیش او انداختند

چند شخص مثل فدائیوں کے دوڑے — اپنے کو انکے سامنے لا ڈالا

ہر یکے را او بگرزے می فگند — سرنگوں سار اندر اقدام سمند

ہر ایک ایک کو گرز سے گرا رہے تھے — گھوڑے کے پیروں میں سرنگوں کرکے

دادہ بودش صنع حق جمعیتے — کو ہمی زد یک تنہ بر امتے

حق تعالیٰ نے ان کو ایسی جمعیت عطا فرمائی تھی — کہ وہ یکہ و تنہا ایک جماعت پر حملہ کر رہے تھے

چشم من چوں دید روی آں قباد — کثرت اعداد از چشمم فتاد

جب میری آنکھ نے اس عظیم الشان کا منہ دیکھا — تو کثرت عدد میری نظر سے گر گئی

اختراں بسیار و خورشید ایکیست — پیش او بنیاد ایشاں مندکیست

اگر ستارے بہت اور خورشید ایک ہی ہے — اسکے سامنے انکی بنیاد ریزہ ریزہ ہے

گر ہزاران موش پیش آرند سر　　گربہ را نے ترس باشد نے حذر
اگر ہزاروں چوہے سر نکال ہیں　　بلی کو نہ خوف ہوتا ہے نہ احتیاط

گربہ پیش آیند موشان ای فلان　　نیست جمعیت درون جان شان
اگر بہت سے چوہے سامنے آجاویں　　اُنکی جان کے اندر جمعیت نہیں ہے

ہست جمعیت بہ صورتہا فشار　　جمع معنے خواہ ہین از کردگار
جمعیت بواسطہ صورتوں کے لغو ہے　　جمعیت باطن کو حق تعالیٰ سے مانگ

نیست جمعیت ز بسیاری جسم　　جسم را بر باد قایم دان چو اسم
جمعیت کثرت اجسام سے نہیں ہے　　جسم کو تو ہوا پر قائم جان مثل نام کے

در دل موش ار بدے جمعیتے　　جمع گشتے چند موش از حمیتے
اگر چوہے کے باطن میں جمعیت ہوتی　　تو چند چوہے حفاظت کی غرض سے جمع ہوجاتے

بر زندے چون فدائی حملۂ　　خویش را بر گربہ بے مہلۂ
ایک حملہ میں اپنے کو فدائیوں کی طرح　　بلی پر جا ڈالتے بلا مہلت کے

آن یکے چشمش بکندی از ضراب　　وان دگر گوشش دریدی ہم بناب
لیک تو اُس کی آنکھ ضرب سے نکال لیتا　　اور دوسرا اُس کا کان دانت سے چیر ڈالتا

وان دگر سوراخ کردی پہلوش　　از جماعت گم شدے بیرون شوش
اور دوسرا اُسکے پہلو میں سوراخ کر ڈالتا　　جماعت کے سبب اُسکی خلاصی مفقود ہوجاتی

لیک جمعیت ندارد جان موش　　بجہد از جانش بہ بانگ گربہ ہوش
لیکن چوہے کی جان جمعیت نہیں رکھتی　　اُسکی جان سے بلی کی آواز کے سبب ہوش نکلجاتا ہے

گر بود اعداد موشاں صد ہزار
اگر چوہوں کی تعداد لاکھ تک ہو

خشک گردد از یکے گربہ نزار
وہ ایک لاغر بلی سے خشک ہو جاتے ہیں

از رمہ انبہ چہ غم قصاب را
گلہ کی کثرت سے قصاب کو کیا غم

انبہی ہش چہ بندد خواب را
ہوش کی کثرت کیا روک سکتی ہے نیند کو

مالک الملک ست جمعیت دہد
وہ مالک الملک ہے جمعیت دیتا ہے

شیر را تا بر گلہ گوراں جہد
شیر کو یہاں تک کہ گورخروں کے گلہ پر جا کودتا ہے

در زمانے شاں لسبازد تزت و مرت
تھوڑے زمانہ میں اُن کو تتر بتر کر دیتا ہے

کس نیارد گفتنش از راہ برت
اُسکو کوئی یہ کہنے کا یارا نہیں رکھتا کہ راستے سے ہٹ

صد ہزاراں گور دہ شاخہ دلیر
لاکھوں گورخر دس دس سینگ والے دلیر

چوں عدم باشند پیش ہول شیر
ہول شیر کے سامنے کالعدم ہو جاتے ہیں

جب جعفرؓ ایک قلعہ کی طرف (اُسکو فتح کرنے) گئے (اور وہ) قلعہ اُن کے گھوڑے کے تالو کے روبرو ایک گھونٹ (کی برابر) تھا (کہ اُس سے سیری نہ ہوتی دوسری فتوحات کا اشتیاق ہوتا اسمیں مبالغہ ہی کہ وہ تو وہ اُن کا گھوڑا بھی ایسا شجاع تھا اور) وہ تن تنہا قلعہ کی طرف حملہ کے ساتھ دوڑ پڑے یہاں تک کہ (قلعہ والوں نے) قلعہ کا دروازہ خوف سے بند کر لیا کسی کی تاب نہ ہوئی کہ اُن کے سامنے جنگ کے ساتھ آوے (آگے مثال ہے کہ) کشتی والوں کو کیا طاقت ہے نہنگ کے ساتھ (مقابلہ کر سکیں) وہ بادشاہ (وہاں کا) وزیر کی طرف متوجہ ہوا کہ اس وقت کیا تدبیر ہے اے وزیر اُس (وزیر) نے کہا (تدبیر) یہی ہے آپ کبر اور فن (حرب) کو ترک کریں (اور) انکے سامنے شمشیر و کفن لیکر جا پہونچیں بادشاہ نے کہا آخر ایک ہی تو شخص ہے تنہا (پھر ایسی رائے کیوں دیجاتی ہے) وزیر نے کہا کہ اس شخص کی تنہائی میں بے وقعتی کے ساتھ نظر نہ کیجئے۔ آنکھ کھولئے قلعہ کو اچھی طرح دیکھئے (کہ) سیماب کی طرح ان کے سامنے لرزاں ہو رہا ہے (حقیقۃً بطور خارق کے ہوگا یا حکماً برعدۃ اہلہا) یہ شخص زین کے اندر (بےفکری سے) ایسا ثابت قدم بیٹھا ہوا ہے گویا (تمام) شرقی و غربی اسکے ہمراہ ہیں (چنانچہ دیکھیے کہ انکی ابتداء آمد میں اہل قلعہ میں سے) چند شخص مثل فدائیوں کے (کہ یکہ خود را فدائے مخدوم خود کند و او را فدوی هم گویند ان کے مقابلہ کے لئے) دوڑے (تھے اور) اپنے کو ان کے سامنے لا ڈالا (تھا مگر) یہ ایک ایک کو گرز سے گرا رہے تھے گھوڑے کے پیروں میں سرنگوں کر کے۔ حق تعالیٰ نے ان کو (اُس وقت) ایسی جمعیت (قلبیہ) عطا فرمائی تھی کہ وہ یکہ تنہا ایک جماعت پر حملہ کر رہے تھے جب میری آنکھ نے (اس وقت) اس عظیم الشان کا منہ دیکھا تو کثرت عدد میری نظر سے

گرگئی (اور معلوم ہوگیا کہ کثرت عدد کوئی چیز نہیں بلکہ اصل چیز جمعیت ہے جس کا ذکر دادہ بود کش میں ہوا ہے اور یہ فطری ہی یا بعد اکتساب مجاہدات کے حصول نسبت سے وہبی ہے آگے مولانا اسکی چند مثالیں فرماتے ہیں کہ مدار جمعیت پر ہے **مثال اول** اگر ستارے بہت اور خورشید ایک ہی ہے (لیکن) اُس (خورشید) کے سامنے اُن (کواکب) کی بنیاد ریزہ ریزہ ہے (من الاندکاک مجردہ دک۔ **مثال ثانی**) اگر ہزاروں چوہے سر نکال لیں بلی کو نہ (اُن سے) خوف ہوتا ہے نہ احتیاط (ہوتی ہے) اگر بہت سے چوہے جمع ہوکر) سامنے آجاویں (مگر) اُن کی جان کے اندر جمعیت نہیں ہے (اور بلی میں جمعیت ہے گو بلی ایک ہے اور چوہے کثیر پس معلوم ہوگیا جمعیت بواسطہ (جسمی) صورتوں کے لغو ہے (بلکہ) جمعیت باطن کو خدا تعالیٰ سے مانگ جمعیت کثرت اجسام سے نہیں ہے جسم کو تو ہوا پر قائم جان مثل نام کے (کہ اُس کا قائم با لہوا ہونا بوجہ اسکے کہ وہ ایک صوت ہے ظاہر ہے پس اسی طرح مشبہ کو ناپائدار ناقابل اعتبار سمجھ اور وجہ تشبیہ یہی ناا عتباری ہے گو جسم ہوا پر قائم نہیں پس اس تکلف کی حاجت نہیں جو بعض محشین نے کیا ہے اجسام حیوانات بر انفاس قائم اند و انفاس ہوا اند اھ) اگر چوہے کے باطن میں جمعیت ہوتی تو چند چوہے (اپنی) حفاظت کی غرض سے جمع ہوجاتے (کذا فی الغیاث فی معنے الحمیۃ بکسر الحار و سکون المیم و تخفیف الیا راور جمع ہوکر) ایک حملہ میں اپنے کو فدائیوں کی طرح بلی پر جا ڈالتے بلا مہلت کے۔ ایک تو اسکی آنکھ ضرب سے نکال لیتا اور دوسرا اُس کا کان دانت سے چیر ڈالتا اور دوسرا اُسکے پہلو میں سوراخ کر ڈالتا (غرض) جماعت (موشاں) کے سبب اُس (بلی) کی خلاصی (کی صورت) مفقود ہوجاتی (یعنی کوئی سبیل اسکی خلاصی کی نہ رہتی) لیکن چوہے کی جان جمعیت نہیں رکھتی (اسلئے) اُس کی جان سے بلی کی آواز کے سبب ہوش نکلجاتا ہے۔ اگر چوہوں کی تعداد لاکھ تک ہو وہ (سب) ایک لاغر بلی سے خشک ہوجاتے ہیں **مثال ثالث**۔ گلہ کی کثرت سے قصاب کو کیا غم **مثال رابع** ہوش (و حواس) کی کثرت کیا روک سکتی ہے نیند کو (بلکہ سب پر نیند غالب آکر سب کو فنا کر دیتی ہے **مثال خامس** جسکی تمہید یہ ہے کہ) وہ مالک الملک ہے جمعیت دیدیتا ہے شیر کو (یہاں سے مثال شروع ہوئی ہے) یہاں تک کہ وہ گورخروں کے گلہ پر جا کودتا ہے (اور) تھوڑے زمانہ میں اُن کو تتر بتر کر دیتا ہے (اور) اُسکو (اُن گورخروں میں سے) کوئی یہ کہنے کا یارا نہیں کہتا کہ راستہ سے ہٹ (کذا فی الغیاث بالعم بر و واز راہ یکسو شواہ بلکہ) لاکھوں گورخر دس دس سینگ والے دلیر ہول شیر کے سامنے کالعدم ہوجاتے ہیں۔

مالک الملک ست بدہد ملک حسن

وہ مالک الملک ہے وہ ملک حسن عطا فرماتا ہے

یوسفے را تا بود چوں ماہ مزن

ایک حسین کو جیسا بادل کا پانی

در رخے بنہد شعاع اخترے

کسی رخ میں وہ ایک آفتاب کی سی شعاع رکھدیتا ہے

کہ شود شاہے غلام دخترے

کہ ایک بادشاہ ایک لڑکی کا غلام ہوجاتا ہے

بنہد اندر روئے دیگر نور خود

وہ دوسرے رُخ میں اپنا نور رکھدیتا ہے

کہ ہمی بیند نیم شب ہر نیک و بد

جس سے وہ آدھی رات میں ہر نیک و بد کو دیکھ لیتا ہے

یوسف و موسیٰ ز حق بردند نور
یوسف علیہ السلام اور موسیٰ علیہ السلام نے حق تعالیٰ سے نور حاصل کیا تھا

روے موسیٰ بارقے انگیختہ
موسیٰ علیہ السلام کا چہرہ ایک برق پیدا کرتا تھا

نور رویش آنچناں بردے بصر
اُن کے چہرہ کا نور اسطرح سے نگاہ کو سلب کر لیتا تھا

او ز حق درخواستہ تا توبرہ
اُنھوں نے حق تعالیٰ سے درخواست کی تاکہ نقاب

توبرہ گفت از گلیمت ساز ہیں
ارشاد ہوا کہ نقاب اپنے کمبل کا بنالو ہاں

کاں کسا بر نور صبرے یافتہ است
کہ اُس کمبل نے نور پر تحمل حاصل کیا ہے

جز چنیں خرقہ نخواہد شد صواں
بجز اس خرقہ کے اور کوئی چیز اسکا حامل نہیں ہو سکتا

کوہ قاف ار پیش آید بہرِ سد
اگر کوہ قاف بھی بند کرنے کے لئے آجاوے

از کمال قدرتِ ابدانِ رِجال
کمال قدرت سے مردان خدا کے ابدان نے

در رخ و رخسار و در ذات الصدور
رُخ اور رخسار میں بھی اور سینہ والے قلب میں بھی

پیش رو او پردۂ آویختہ
اُن کے چہرے کے سامنے نقاب لٹکا رہتا تھا

کہ زمرد از دو دیدہ مار کر
جیسا کہ زمرد بہرے سانپ کی دونوں آنکھوں سے

گر دد آں نور قوی را ساترہ
اس نور قوی کا ساتر بنجاوے

کاں لباس عارفی آمد یقیں
کہ وہ بالیقین عارف کا لباس ہے

نور جاں در تار و پودش تافتہ است
نور جان اُسکے تانے بانے میں روشن رہا ہے

نور ما را بر نتابد غیر آں
ہمارے نور کو اسکے سوا اور کوئی برداشت نہیں کر سکتا

ہمچو کوہ طور نورش بر درد
تو مثل کوہ طور کے یہ نور اُسکو بھی پھاڑ ڈالے

یافت اندر نور بیچوں احتمال
نور بے کیف میں تحمل حاصل کیا ہے

آنچہ طورش بر نتابد ذرۂ
جس چیز کو طور ذرہ برابر برداشت نہیں کر سکتا

قدرتش جا سازد از قارورۂ
قدرت حق اُس کی جگہ بنا دیتی ہے ایک آبگینہ میں

آنچہ طورش بر نتابد اے کیا
جس چیز کو طور نہیں برداشت کر سکا اے لطیف

قدرتش اندر زجاجے ساخت جا
قدرت نے اُسکی جگہ ایک شیشہ میں کر دی

گشت مشکوۃ زجاجی جاے نور
مشکوۃ زجاجی اس نور کی جگہ بن گیا

کہ ہمی درّد ز نور آں قاف وطور
کہ اس نور سے وہ کوہ قاف اور طور پارہ پارہ ہوتا ہے

جسم شاں مشکوۃ داں دل شاں زجاج
اُن کے جسم کو مشکوۃ جان اُن کے قلب کو زجاج

تافتہ بر عرش وافلاک ایں سراج
یہ مصباح عرش وافلاک پر تاباں ہے

نور شاں حیران ایں نور آمدہ
اُن کا نور اس نور سے دنگ ہو گیا

چوں ستارہ زیں ضحے فانی شدہ
وہ اس نور چاشت سے فانی ہو گیا

زیں حکایت کرد آں ختم رسل
اسی سے حکایت کی ہے اس خاتم رسل صلی اللہ علیہ وسلم نے

از ملیک لایزال ولم یزل
بادشاہ ابدی وازلی سے

کہ نگنجیدم در افلاک وخلا
کہ میں نہیں سمایا ہوں افلاک اور خلا میں

در عقول و در نفوس باعلا
عقول میں اور نفوس میں جو کہ علوی ہیں

در دل مومن بگنجیدم چو ضیف
قلب مومن میں مہمان کی طرح سما گیا ہوں

بے ز چوں و بے چگونہ وز کیف
بلا چوں اور بلا چگون اور بلا کیف کے

تا بدلالی آں دل فوق وتحت
تاکہ اس قلب کی دلالی سے مخلوقات فوقیہ اور تحتیہ

یابد از من پادشاہی ہا وبخت
مجھ سے سلطنتیں اور سعادت پاویں

بے چنیں آئینہ ایں خوبی من
بدون ایسے آئینہ کے میرے جمال کو

برتتابدے زمین و نے زمن
کوئی برداشت نہ کرسکتا تھا نہ زمیں اور نہ آسمان

بر دو کون اسپ ترحم تاختیم
ہم نے دونوں عالم پر ترحم کا گھوڑا دوڑایا

بس عریض آئینہ برساختیم
بہت وسیع آئینہ ہم نے بنایا

ہر دمے زیں آئینہ پنجاہ عرس
ہر ساعت اس آئینہ پنجاہ شادی والے سے

بشنو آئینہ ولے شرحش مپرس
آئینہ سنا رہ ولیکن اُسکی شرح مت پوچھ

حاصل آں کز لبس خویشش پردہ ساخت
حاصل یہ کہ موسیٰ علیہ السلام نے اپنی ہی لباس سے اسکا پردہ بنایا

کہ نفوذ آں قمر را می شناخت
کیونکہ وہ اُس قمر کے نفوذ کو پہچانتے تھے

گر بدے پردہ ز غیر لبس او
اگر اُن کے لباس کے سوا اور کوئی نقاب ہوتا

پارہ گشتی گر بدے کوہ دو تو
تو وہ پارہ پارہ ہوجاتا اگر مضاعف جسم کا بھی پہاڑ ہوتا

ز آہنیں دیوارہا نافذ شدے
لوہے کی دیواروں سے پار ہوجاتا

توبرہ با نور حق چہ فن زدے
نقاب تو نور حق کے سامنے کیا تیر مارتا

گشتہ بود آں توبرہ صاحب تفے
وہ نقاب مصاحب حرارت عشق کا رہا تھا

بود وقت سوز خرقہ عارفے
سوز کے وقت وہ ایک عارف کا خرقہ رہ چکا تھا

گشتہ بود آں توبرہ ستار نور
وہ نقاب نور کا ساتر ہوگیا تھا

ز انکہ بود از خرقۂ یک باحضور
اسلئے کہ وہ ایک صاحب حضور کے خرقہ کا جزو تھا

ز آں شود آتش رہین سوختہ
آگ یا لوہا اسلئے چقماق کا مرہون ہے

کوست با آتش ز پیش آموختہ
کہ وہ پہلے سے آگ کے ساتھ خو آموختہ ہے

در ہوائے و عشق آں نور رشاد — خود صفورا ہر دو دیدہ باد داد
اس نور ہدایت کی محبت اور عشق میں — خود حضرت صفورا نے دونوں آنکھیں کھودیں

اولاً بر بست یک چشم و بدید — نور روئے او و آں چشمش پرید
اولاً انھوں نے ایک آنکھ بند کرلی — اور انکے چہرہ کے نور کو دیکھا اور انکی وہ آنکھ غائب ہوگئی

بعد ازاں صبرش نماند و آں دگر — برگشاد و کرد خرج آں قمر
اسکے بعد اُن کو صبر نہ رہا اور وہ دوسری بھی — کھولدی اور اُس ماہ پر بذل کرڈالی

ہمچناں مرد مجاہد ناں دہد — چوں برد زو نور طاعت جاں دہد
اسیطرح مجاہدہ کرنے والا شخص روٹی حوالہ کرتا ہے — جب اُسپر نور طاعت اثر کرتا ہے توجان حوالہ کردیتا ہے

پس زنے گفتش ز چشم عبہری — کہ ز دستت رفت حسرت میخوری
پس اُن سے ایک عورت نے کہا کہ چشم نرگسین سے — جوکہ تمھارے ہاتھ سے جاتی رہی کیا تم کچھ حسرت کرتی ہو

گفت حسرت میخورم کہ صد ہزار — دیدہ بودے تا ہمی کردم نثار
اُنھوں نے جواب دیا کہ مجھے حسرت کرتی ہوں کہ ایک لاکھ — آنکھ ہوتی تاکہ میں نثار کردیتی

روزنِ چشمم ز مہ ویراں شدست — لیک مہ چوں گنج در ویراں نشست
میرا دریچہ چشم ماہ سے ویران ہوگیا ہے — لیکن ماہ خزانہ کی طرح ویرانہ میں جم گیا ہے

کے گذارد گنج کایں ویرانہ ام — یاد آرد از رواق و خانہ ام
خزانہ اس بات کی کب نوبت آنے دیگا کہ میرا ویرانہ — میرے ایوان اور خانہ کو یاد کیا کرے

حق شنید ایں زود چشمش باز داد — دید موسیٰ را ز نورش ساز داد
حق تعالیٰ نے اسکو سنا بہت جلد اُن کو پھر آنکھیں دیدیں — موسیٰ علیہ السلام کی دید کیلئے اپنے نور سے انکو سامان دیدیا

از خزینۂ خاص بد ویراں نشد	از نظر آں نور زو پنہاں نشد
خزانۂ خاص سے تھا ویران ہوا	نظر کرنے سے وہ نور اُن سے غائب نہیں ہوا

(اوپر ذکر تھا حق تعالیٰ کے ایک عطائے خاص یعنی ہیبت وجلال کا آگے اس امر کی تصریح کے لیے کہ عطائے حق کسی خاص کمال وصفت میں منحصر نہیں ذکر فرماتے ہیں دوسری عطا یعنی حُسن وجمال کا پھر دو ہی شعر کے بعد اس جمال سے جس کا منشاء حسن متعارف ہو منتقل ہو کر اُس جمال کے متعلق مضمون فرماوینگے جسکا سبب نورِ حق ہو خواہ اُس کا اثر صرف باطن پر ہو یا ظاہر پر بھی ہو پس ارشاد ہے کہ) وہ مالک الملک ہے وہ ملک حُسن عطا فرماتا ہے ایک حسین کو جیسا بادل کا پانی (خالص غیر مکدر ہوتا ہے یعنی ایسا صاف حسن عنایت فرماتا ہے اور یوسفی میں یائے تنکیر قرینہ ہے اس کا کہ مراد مطلق حسین ہے جیسے حاتم سے کبھی مطلق سخی مراد لیتے ہیں) کسی رخ میں وہ ایک آفتاب کی سی شعاع رکھدیتا ہے کہ (اُسکے سبب) ایک بادشاہ ایک (ادنیٰ) لڑکی (کنیز وغیرہ) کا غلام ہو جاتا ہے (یہ تو جمال معتاد تھا اور کسی کو دوسرا جمال غیر معتاد خارق عادت خواہ باطنی محض یا مع الظاہری عطا فرماتا ہے جسکا آگے بیان ہے یعنی) وہ دوسرے رُخ میں اپنا نور رکھدیتا ہے جس سے وہ آدھی رات میں ہر نیک وبد کو دیکھ لیتا ہے (ظاہر یہ ہے کہ رخ سے مراد رخ باطن ہو کما قالوا فی قولہ تعالیٰ انی وجہت وجہی للذی فطر الایۃ لان المتوجہ الی اللہ تعالیٰ فی الاصل ھو القلب پس یہ جمال باطنی محض ہے جسکا اثر ادراک حقائق وامتیاز بین الخیر والشر ہے جسکو نیک وبد کہا ہے اور نیم شب عبارت ہوگی اسباب تلبیس واشتباہ سے یعنی شبہات اسکو مانع نہیں ہوتے اور ممکن ہو کہ یہ نور کشف کو بھی شامل کہا جاوے تو خارق ہونا اور ظاہر ہو جاویگا گو اول بھی عام حکماء کی حالت کے اعتبار سے خارق ہو اور قرینہ اس کے باطن ہونیکا یہ بھی ہے کہ اس جمال معبر بعنوان النور کا خاصہ ادراک فرمایا ہے فی قولہ کہ بیند الخ حالانکہ جمال ظاہری کے لئے آلۂ ادراک ہونا ضروری کیا بلکہ واقع بھی نہیں مدرک باسم المفعول البتہ ہوتا ہے آگے اُس جمال غیر معتاد کا بیان ہو جو باطن کے ساتھ جسم پر بھی ظاہر ہو جیسے یوسف علیہ السلام کا حُسن کہ سب کو معلوم ہے اور موسیٰ علیہ السلام کا حُسن کہ بعد تجلی طور کے بعض نے لکھا ہے کہ حُسن کی کیفیت ہو گئی تھی کہ کوئی شخص دیکھ نہیں سکتا تھا جو دیکھ لیتا اندھا ہو جاتا تھا اسلئے آپ چہرہ پر نقاب رکھتے تھے اور بعض نے لکھا ہے کہ حضرت شاہ بدیع الدین قطب المدار اسی شان موسوی سے مشرف تھے اس لئے اُن کے چہرہ میں بھی یہی اثر تھا اور وہ بھی نقاب رکھتے تھے واللہ اعلم آگے دور تک یہی مضمون ہے یعنی) یوسف علیہ السلام اور موسیٰ علیہ السلام نے حق تعالیٰ سے نور (خاص) حاصل کیا تھا رُخ اور رُخسار میں بھی اور سینہ والے قلب میں بھی (یعنی باطن میں بھی چنانچہ نبوت بلکہ ولایت کے لئے بھی لازم ہے اور ظاہر جسم پر بھی چنانچہ لکھا گیا) موسیٰ علیہ السلام کا چہرہ ایک برق پیدا کرتا تھا (جس کے دیکھنے کی کوئی تاب نہ لاتا تھا اس لئے اُنکے چہرہ کے سامنے نقاب لٹکا رہتا تھا (بارق بمعنی روشن است مبالغۂ روشنی را بارق گفتہ) اُن کے چہرہ کا نور اس طرح سے نگاہ کو سلب کر لیتا تھا جیسا کہ زمرد بہرے سانپ کی دونوں آنکھوں سے (نگاہ کو سلب کر لیتا ہے فی الحاشیۃ مار کر تا ریکہ گزیدہ او را ہیچ افسوں وپازہر اثر نکند وآں را تازی حیۃ الاصم گویند اھ) انھوں نے حق تعالیٰ سے درخواست کی تاکہ نقاب اُس نور قوی کا ساتر

بنجاوے (یعنی یہ دعا کی کہ کوئی چیز ایسی بتلا دیجئے کہ وہ حاجب ہوسکے اور خود اس نے تجویز نہیں کر سکے کہ بظاہر متعارف نقاب کا حاجب ہونا ایسے تیز نور سے مستبعد ہے وہ تو اس نقاب سے بھی نفوذ کرنے لگے گا جیسے نور آفتاب کو بادل نہیں چھپا سکتا) ارشاد ہوا کہ نقاب اپنے کمبل کا بنا لو ہاں (یعنی کمبل کا کنارہ آگے کو کر لیا کرو جس سے چہرہ چھپ جاوے ہم اسمیں حاجبیت کا خاصہ پیدا کر دینگے اور کمبل کی تخصیص اس لئے ہے) کہ وہ بالیقین عارف کا (یعنی اے موسیٰ تمھارا) لباس ہے (اس لئے اس میں تمھارے تلبس سے یہ خاصہ ہو جاویگا جسکی شرح آگے ہے) کہ اس کمبل نے نور پر تحمل حاصل کیا ہے (اور) نور جان (یعنی نور موسوی) اس کے تانے بانے میں روشن رہا ہے (پس اسکو ایک قسم کی مناسبت موجبۂ تحمل ہے باقی) بجز اس خرقہ کے اور کوئی چیز اس کا حامل نہیں ہوسکتا (اور) ہمارے نور کو اس کے سوا اور کوئی (حجاب) برداشت نہیں کر سکتا (فی المنتخب صوان بہر سہ حرکت جامہ داں و تختہ کہ درآں رخت نگاہدار ند آہ اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس کا حامل ہونا محتاج جعل نہیں یا دوسری چیز بعد جعل کے بھی حامل نہیں ہوسکتی بلکہ ایک حکمت ہے اسکو جعل میں ترجیح دینے کی دوسری اشیاء پر) اگر (فرضاً) کوہ قاف بھی (اس کے) بند کرنے کے لئے آجاوے تو مثل کوہ طور کے یہ نور (رخ موسوی) اسکو بھی پھاڑ ڈالے (اس سے یوں نہ سمجھا جاوے کہ یہ نور وہی تجلی طوری تھی اس کا تحمل تو موسیٰ علیہ السلام کو بھی نہ ہوا تھا کما قال تعالیٰ وخر موسیٰ صعقا بلکہ اس کا ایک ایسا اثر تھا جسکو موسیٰ علیہ السلام تحمل کر سکتے تھے اور دوسری اشیاء تحمل نکر سکتیں الا النقاب المجعول الآن وھذا کقولہ تعالیٰ لو انزلنا ھذا القرآن علی جبل لرأیتہ خاشعا متصدعا الآیہ وقلبہ صلی اللہ علیہ وسلم وان خشع لہ لکن لم یتصدع بل تحملہ چنانچہ آگے مولانا اس کساء ملابس موسیٰ کے تحمل سے انتقال فرماتے ہیں اہل اللہ کے قوالب ملابسہ کالکساء الموسوی وقلوب حاملہ کالوجہ الموسوی کے تحمل کے مضمون کی طرف جو حاصل تھا میرے ایراد آیت لو انزلنا کا پس فرماتے ہیں کہ) کمال قدرت (حق) سے مردان خدا کے ابدان (وقوالب) نے نور بے کیف میں تحمل حاصل کیا ہے (اور یہ ظاہر ہے کہ اس نور سے اُن کے قوالب منعدم ومنہدم نہیں ہوئے گو یہ تحمل بواسطہ قلوب کے ہو ورنہ قلوب کے انشقاق کو قوالب کی موت لازم تھی) جس چیز کو طور ذرہ برابر برداشت نہیں کر سکتا قدرت حق اُسکی جگہ بنا دیتی ہے ایک آبگینہ میں (مراد اس سے قلب ہے کما سیاتی اوپر قوالب کے تحمل کا ذکر تھا یہاں قلوب کے تحمل کا اول بالذات اور ثانی بالعرض مراد اس چیز سے نور حق ہے اور ذرہ میں اشارہ ہے اُس تقریر کی طرف جو احقر نے بضمن شرح شعر کوہ قاف الخ کے لکھی ہے یعنی جس قلیل کو موسیٰ علیہ السلام نے برداشت کر لیا طور اُس قلیل کو بھی برداشت نہ کر سکا) جس چیز کو طور نہیں برداشت کر سکا اسے لطیف (کذا فی الغیاث) قدرت (حق) نے اُسکی جگہ ایک شیشہ میں (یعنی قلب میں) کر دی (اور اس شعر میں اور اسی طرح اس کے ماقبل ومابعد کے شعروں میں جگہ سے مراد اگر خود نور کی جگہ ہے تو نور حق سے مراد نور مجعول بجعل الحق من المعرفۃ والمحبۃ والعلم والحال ونحو ذلک ہے اور اگر نور حق سے مراد نور قدیم ہے جیسا انچہ طور ش برتابد سے ظاہر یہی ہے تو جگہ سے مراد نور کی جگہ نہیں بلکہ اُس نور کے ظہور وتعلق حادث کی جگہ ہے آگے قالب کے تحمل میں قلب کے واسطہ ہونے کی تصریح ہے یعنی) مشکوٰۃ زجاجی اُس نور کی جگہ بن گیا کہ اُس نور سے وہ کوہ قاف اور طور پارہ پارہ ہوتا ہے (اشارہ ہے طرف آیت نور کے جسمیں یہ جملہ بھی ہے مثل نورہ کمشکوٰۃ فیھا مصباح المصباح فی زجاجۃ اور اشارہ ہے طرف تاویل خاص کے کہ مشکوٰۃ بمعنی طاقچہ چراغ سے مراد جسم مؤمن کا اور زجاجہ بمعنی شیشہ سے مراد قلب مؤمن کا اور مصباح سے نور حق کہ زجاجہ کو نورہ

سے اولاً اس کا تعلق ہے اور مشکوٰۃ سے ثانیاً پس مشکوٰۃ کو زجاجی کے ساتھ موصوف کرنے میں اشارہ ہوگیا اس تعلق اولاً و ثانیاً کی طرف چنانچہ آگے اس تفسیر کی تصریح بھی فرماتے ہیں کہ) اُن (رجال حق) کے جسم کو مشکوٰۃ جان (اور) اُن کے قلب کو زجاج (اور پھر ثالثاً اس مشکوٰۃ و زجاج کے واسطہ سے) یہ مصباح (یعنی نور حق) عرش و افلاک پر تاباں ہے (اور ارض پر بالاولی جو کہ جملہ اللہ نور السموات والارض کا مدلول ہے جسکے بعد مثل نورہ الخ فرمایا ہے گویا مولانا اشارۃً فرماتے ہیں کہ سموات وارض پر تجلی ہونے کی صورت قرآن میں یہ بتلائی ہے مثل نورہ کمشکوٰۃ الخ اور اس توسط کا ذکر آگے تصریحاً اس شعر میں آویگا تا بدلالی الی بردو کون ابر ترحم تا ختیم الخ جسکا حاصل یہ ہے کہ مقصود دونوں عالم سے انسان ہے خصوص انسان کامل کما قال تعالیٰ ولو یؤاخذ اللہ الناس بما کسبوا ما ترک علی ظہرھا من دابۃ الآیہ فاستلزم ہلاک الناس ہلاک الجمیع بل علی ما قلت پس اولاً عنایت حق انسان پر متوجہ ہے اور ثانیاً باقی مخلوق پر جسمیں سب علویات و سفلیات آگئے کما ورد لفظ الخلق الشامل للجمیع فی القول المشہور الثابت معناہ بالدلیل المنصور کنت کنزاً مخفیاً الخ کما ذکرتہ فی شرح الشطر الثانی من الدفتر الاول اور اسمیں چونکہ غایت معرفت کو ٹھہرایا ہے اور کمال معرفت انسان کامل کو ہے انسان کامل کا واسطہ ہونا اس سے بھی ثابت ہوگیا و نیز حدیثوں میں مصرح ہے کہ بقاء عالم زمین پر اللہ کا نام لینے والوں سے ہے اور جب یہ نہ رہیگا تو قیامت آجاویگی اور ظاہر ہے کہ زمین پر یہ نام پاک لیا جانا بدولت اہل ایمان خصوص اہل عرفان کے ہے کہ اول یہ ختم ہونگے پھر معرفت و علم نہ رہنے سے اہل ایمان گم ہوں گے اور قیامت آجاویگی پس ہر طرح تجلی علی سائر الخلق کا واسطہ انسان کامل ہوا اسی کو کہا ہے تافتہ بر عرش الخ) اُن (عرش و فلک) کا نور (جو خاص اُن کے استعداد کے موافق اُن کو عطا ہوا ہے) اس نور (رجال حق) سے دنگ ہو گیا۔ (لکونہ اعجب و اعظم منہ لانہ نور معرفۃ الحق والعرش والسموات لیس معرفتہا کمعرفۃ الانسان فنورہ اقوی و اشد اور) وہ (نور عرش و افلاک) اس نور چاشت سے (یعنی نور رجال حق سے کہ مشابہ نور آفتاب وقت چاشت کے ہے) فانی (یعنی مضمحل اور کالعدم) ہوگیا (آگے اسکی تائید ایک روایت مشہور عند الصوفیہ سے کرتے ہیں کہ) اسی سے حکایت کی ہے اُس خاتم رسل صلی اللہ علیہ وسلم نے بادشاہ ابدی و ازلی سے (یعنی حدیث قدسی ہے) کہ میں نہیں سمایا ہوں افلاک اور خلا (یعنی فوق العرش) میں (کیونکہ تحت العرش خلا نہیں ہے گو امتناع ثابت نہ ہو اور اسی طرح میں نہیں سمایا) عقول میں اور نفوس میں جو کہ علوی ہیں (فالسفلی بالاولی لیکن) قلب مومن میں مہمان کی طرح سما گیا ہوں (تشبیہ ضیف کے ساتھ اکرام و محبوبیت میں ہے اور پورا دخل دینے میں جیسا مہمان محبوبیت کی راہ سے دخیل و حاکم ہوتا ہے اور یہ سمانا ظرفیت و مظروفیت کا نہیں بلکہ) بلا چون اور بلا چگون اور بلا کیفیت کے (آگے ایک حکمت اس سمانے کی ہے بلا قصد حصر کے یعنی اس لئے سمایا) تاکہ اُس قلب (صاحب نور حق) کی دلالی (یعنی توسط) سے مخلوقات فوقیہ (سماویہ) اور تحتیہ (ارضیہ) مجھ سے سلطنتیں اور سعادت پاویں (کما ذکر التفصیل بقدر الضرورۃ فی شرح شعر جسم شان مشکوٰۃ الخ اور جس روایت کا حوالہ دیا جا رہا ہے اسمیں ایسا مضمون تصریحاً مذکور نہیں لیکن دوسرے دلائل سے جسکا بیان شعر جسم شان کی شرح میں ہوا ہے اس کے ساتھ منضم کر دیا نیز اگر اس روایت میں بھی غور کیا جاوے تو اشارۃً اس سے بھی مستنبط ہو سکتا ہے کیونکہ قلب مومن میں گنجائش ہونا اور ارض و سما میں نہ ہونا مستلزم ہے زیادت شرف و اختصاص بالحق کو قلب مومن کے لئے اور عادۃً اشرف و مختص عند السلطان متبوع اور واسطہ ہوتا ہے غیر اشرف و غیرہ

مختص کیلئے عنایات وعطیات میں آگے بھی اُس روایت کے حاصل مضمون کا تتمہ ہے کہ) بدون ایسے آئینہ کے میرے جمال کو کوئی برداشت نہ کرسکتا تھا نہ زمین اور نہ آسمان (لان الزمان علی المشہور مقدار حرکتہ) ہم نے دونوں عالم پر ترحم کا گھوڑا دوڑایا (اور) بہت وسیع آئینہ ہم نے بنایا (وسیع حکماً مراد ہے من حیث خاصیتہ وکونہ محلاً للتجلی الواسع آگے اس آئینہ کی فخامت ہے کہ) ہر ساعت اس آئینہ پنجاہ شادی و... آئینہ (کانام) ستارہ ولیکن اُسکی شرح مت پوچھ (یعنی اس آئینہ کے احوال وحکایات میں سے اتنا ہی سُن لے کہ یہ ایک عجیب آئینہ ہے مطلب یہ نہیں کہ فقط نام ہی سُن لے مطلب یہ ہے کہ اجمالاً اس کا حال سُن لے جتنا ہم نے بیان کردیا اس کو مبالغۃً شنو آئینہ کہدیا چنانچہ دلیل اسکی یہی ہے کہ اس کو مقابل کہا ہے شرحش مپرس یعنی تفصیل مت پوچھ اور ظاہر ہے کہ تفصیل کے مقابل اجمال ہے پس اجمال کی اجازت ہے اور تفصیل سے نہی ہے اور وجہ اس نہی کی یہ ہے کہ اس کے آئینہ ہونے کی حقیقت موقوف ہے اس کے تجلی گاہ ہونے کی ادراک پر اور یہ ادراک موقوف ہے ادراک تجلیات پر اور یہ امر ذوقی ہے شرح اور قال سے منکشف نہیں ہوتے اور ان ہی تجلیات حق سے کہ ہر تجلی مایہ سرور ومتاع حبور ہے اُسکو پنجاہ عرس کہا گیا ہے اور یہ دلالت علی الفخامت اس صیغہ نہی سے ہے کما فی قولہ تعالیٰ ولا تسأل عن اصحاب الجحیم علی قراءۃ النہی اور جس روایت کا حوالہ ان اشعار میں ہے خاص اس مضمون کی نسبت تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ثابت نہیں البتہ اسرائیلیات میں یہی مضمون اور حدیث مرفوع میں اس کے مشابہ مضمون ثابت ہے چنانچہ امام احمد زہد میں وہب بن منبہ سے یہ روایت کی ہے ان اللہ تعالیٰ فتح السموات لحزقیل حتی نظر الی العرش فقال حزقیل سبحٰنک ما اعظمک یارب فقال اللہ تعالیٰ ان السموات والارض ضعفن عن ان یسعنی ووسعنی قلب المومن الوادع اللین اور حدیث مرفوع طبرانی نے اس طرح روایت کی ہے ان للہ آنیۃ من اہل الارض وانیۃ ربکم قلوب عبادہ الصالحین و احبہا الیہ الینہا وارقہا کذا فی المقاصد الحسنۃ فی باب المیم بلفظ ما وسعنی سمائی ولا ارضی ولکن وسعنی قلب عبدی المؤمن وفیہا ومعناہ وسع قلبہ الایمان بی ومحبتی ومعرفتی اھ۔ اور مراد صوفیہ کی بھی وسعت سے یہی ہے نہ کہ تحیز وتمکن وحلول کما قال مولانا بے زچون وبے چگونہ بے زکیف والتحیز والتمکن والحلول متکیف فان قیل ان المعرفۃ والمحبۃ ایضاً متکیف قلت ان التجلی الذی من آثارہ ہذہ المعرفۃ والمحبۃ غیر متکیف اب احقر کہتا ہے کہ بعد تعیین معنی روایت کے یہ مضمون خود قرآن مجید سے ثابت ہے قال تعالیٰ انا عرضنا الامانۃ علی السموات والارض والجبال فابین ان یحملنہا واشفقن منہا وحملہا الانسان الآیہ فان حاصل معنی حمل الامانۃ ہو معنی الوسع المذکور یہ مضمون استطراداً الذکر الجمال الموسوی مذکور ہوا ہے آگے پھر اُسی مضمون سابق جمال موسوی کی تتمیم ہے کہ) حال یہ موسیٰ علیہ السلام نے اپنے ہی لباس سے اُس (نور) کا پردہ بنایا کیونکہ وہ اُس قمر (یعنی نور حق) کے (اثر) نفوذ کو پہچانتے تھے (کہ یہ بڑے بڑے حجابوں اور نقابوں میں سے پار ہو جاویگا اور مستور نہ ہوگا بجز میرے لباس کے کہ باعلام حق اُس کے ساتھ ہو نیکا یقین تھا اور موسیٰ علیہ السلام اُس کے نفوذ کو جیسا جانتے تھے واقع میں بھی ایسا ہی نفوذ تھا چنانچہ) اگر اُن کے لباس کے سوا اور کوئی نقاب ہوتا تو وہ پارہ پارہ ہو جاتا اگر (حجم موجود بالفعل سے) مضاعف حجم کا بھی پہاڑ ہوتا (اور) لوہے کی دیوار وہ بھی پارہ ہو جاتا (اور) نقاب (بیچارہ) تو نور حق کے سامنے کیا تیر مارتا اور وہ نقاب کساء موسوی کا جو کافی ہو گیا تھا تو اُسکی وجہ یہ

تھی کہ) وہ نقاب بصاحب حرارت عشق کا رہا تھا (یعنی) سوز (عشق موسوی) کے وقت وہ ایک عارف (کامل یعنی موسیٰ علیہ السلام) کا خرقہ رہ چکا تھا پس وہ اس تلبس و اعتیاد کے سبب اس نور کا حامل و متحمل ہو سکتا تھا آگے بھی اسی کی تاکید ہے یعنی) وہ نقاب نور کا ساتر ہو گیا تھا اس لئے کہ وہ ایک صاحب حضور (و قرب الٰہی) کے خرقہ کا جزو تھا (حقیقت اس مضمون کی بضمن شرح شعر کان کسا از نور الخ و شعر جز چنیں خرقہ الخ ذکر کر چکا ہوں آگے اس تحمل کسا للملابستہ بموسیٰ عم کی مثال ہے کہ) آگ یا لوہا اس لئے چقماق کا مرہون ہے کہ وہ پہلے سے آگ کے ساتھ خو آموختہ ہے (کتب لغت کے مطالعہ اور اہل تجربہ کی تحقیق سے معلوم ہوا کہ چقماق جس سے آگ حاصل کیجاتی ہے وہ تین قسم پر ہے پتھر۔ لوہا۔ خاص درختوں کی لکڑی جیسے مرخ اور عفار اور ہر حال میں یہ دو چیزیں ہوتی ہے جنمیں سے ایک کو دوسرے پر مارنے سے آگ پیدا ہوتی ہے اوپر والے کو زند اور نیچے والے کو زندہ کہتے ہیں اور مرخ اور عفار میں عفار اوپر ہوتا ہے اور مرخ نیچے اور جس چیز میں اس چقماق سے آگ لیجاتی ہے کہ جس سے آگے کوئی چیز سلگائی جاتی ہے اسکو عربی میں حراقہ اور فارسی میں سوختہ کہتے ہیں اور یہ بھی کئی قسم کا ہوتا ہے کوئی گھاس یا روئی کپڑا جلا ہوا یا بے جلا ہوا کوئلہ مسلم یا پیس کر بطور ٹکیہ کے بنا ہوا سو جلے ہوئے کو سوختہ کہنا ظاہر ہے اور بے جلے کو سوختہ کہنا مجاز ہے باعتبار مآل کے اور ہر حال میں اس سوختہ میں مادّہ آتش گیر ہونا لازم ہے کہ اسی سے وہ آگ کو جلدی قبول کر لیتا ہے یہ تو تحقیق ہے آتش زند اور آتش گیر کی اور نسخہ اس شعر میں دو ہیں زاں بود آتش اور زاں بود آہن نسخہ اول کی تقریر یہ ہے کہ آتش اس لئے سوختہ کی گرفتہ اور محمول ہو جاتی ہے یعنی سوختہ حامل آتش کا ہو جاتا ہے کہ وہ پہلے سے آتش کا خوگرفتہ ہے اگر وہ پہلے سے سوختہ ہو چکا ہے تب تو ظاہر ہے اور اگر پہلے سے سوختہ نہیں ہے تو آموختہ کے معنی مناسب اور قابل کے ہوں گے یعنی اسکو چونکہ آتش سے پہلے سے مناسبت ہے اور نسخہ ثانیہ کی تقریر یہ ہے کہ آہن چقماق اس لئے سوختہ کا قرین ہے چنانچہ بعض نسخوں میں رہین کی جگہ قرین ہے اور چونکہ قران دونوں جانب سے ہوتا ہے مراد بطور لازم کے یہ ہوگی کہ سوختہ اس لئے قرین ہے چقماق کا یعنی اس سے اس لئے آتش گیر ہے کہ وہ سوختہ ہے آتش سے خوگرفتہ ہے بالمعنی الذی ذکر فی النسخۃ الاولی اور ہر حال میں متحمل کو حامل سے تشبیہ دی کہ دونوں میں یہ الاشتراک تناسب ہے ورنہ ظاہر ہے کہ سوختہ آتش کا متحمل کسی حال میں نہیں پس ظاہر نقاب کے تحمل کو اس کے ساتھ تشبیہ دینا محل شبہ ہے مگر وضوح مقصود کے بعد شبہ دفع ہو گیا آگے پھر قصہ جمال ہے یعنی کسی کا اسکی تاب لا سکنے کا اور باوجود اس کے طالب صادق کے نزدیک اسکی محبوبیت و مطلوبیت کا مذکور جیسا جمال ظاہری کی محبوبیت کا در رخے بنہد الخ میں تھا یعنی) اس نور ہدایت کی محبت اور عشق میں خود حضرت صفورا (زوجہ مطہرہ موسیٰ علیہ السلام) نے (اپنی) دونوں آنکھیں کھو دیں (نور ہدایت اس لئے کہا کہ وہ آیت قدرت حق بھی تھی جس سے کمال صانع و توحید پر دلالت ہوتی تھی آگے بباد دادن کا بیان ہے کہ باوجود اس امر کے جاننے کے کہ تحمل نہ ہوگا غایت اشتیاق سے) اولاً انھوں نے ایک آنکھ بند کر لی اور (ایک آنکھ سے) ان کے چہرہ کے نور کو دیکھا اور ان کی وہ آنکھ (یعنی اسکی نگاہ) غائب ہو گئی (اور ایک آنکھ اس لئے بند کر لی تھی کہ ایک تو باقی رہے گی لیکن باوجود اسکے جاتے رہنے کے بھی) اس (دیکھنے) کے بعد ان کو (پھر دیکھنے سے) صبر نہ رہا اور وہ دوسری (آنکھ) بھی کھول دی (اور اس سے بھی دیکھ لیا) اور اس ماہ (حسن موسیٰ) پر بذل کر ڈالی (آگے اس کی مثال ہے کہ) اسی طرح مجاہدہ کرنے والا شخص (اولاً) روٹی (اور غذائے لذیذ مجاہدہ کے) حوالہ کرتا ہے

(یعنی ترک لذات کرتا ہے پھر) جب اُس پر نور طاعت (پورا) اثر کرتا ہے تو جان حوالہ کر دیتا ہے (ظاہراً یا باطناً پھر عود ہے قصہ کی طرف کہ جب ایسا ہوا) پس اُن سے ایک عورت نے کہا کہ چشم نرگسیں سے جو کہ تمھارے ہاتھ سے جاتی رہی کیا تم کچھ حسرت کرتی ہو (عبہر نرگس کہ درمیان آں زرد باشد بخلاف شہلا کہ سیاہ باشد کذا فی الغیاث) انھوں نے جواب دیا کہ (آنکھ جاتی رہنے کی تو حسرت نہیں البتہ) یہ حسرت کرتی ہوں کہ (میرے پاس) ایک لاکھ آنکھ ہوتی تاکہ میں (اُن سبکو) نثار کر دیتی (اور آنکھ جانے کی اس لئے حسرت نہیں کہ مجھکو ایک بڑی دولت میسر ہو گئی وہ یہ کہ) میرا دریچہ چشم (اگرچہ) ماہ (حسن موسوی) سے ویران ہو گیا ہے لیکن (وہ) ماہ خزانہ کی طرح (اُس) ویرانہ میں جم گیا ہے (یعنی جو اس چشم کے برکات کی قوۃ حافظہ ہے یعنی خیال اُس میں وہ مخزون اور متمکن ہو گیا ہے پس میں ہر وقت اُس کے مشاہدہ سے متمتع ہوں وہ دولت یہ ہے پس وہ) خزانہ (صورت جمال) اس بات کی کب نوبت آنے دیگا کہ میرا (یہ) ویرانہ (وجود) میرے ایوان اور خانہ کو یاد کیا کرے (کذا فی الغیاث فی معنی روزن و فی معنی رواق) حق تعالیٰ نے اس (بات) کو (بنظر قبول) سنا (یعنی یہ بات پسند آئی اور) بہت جلد اُن کو پھر آنکھیں دیدیں۔ موسیٰ علیہ السلام کی دید کے لئے اپنے نور (خاص) سے اُن کو سامان دیا (الاضافۃ فی نورش للتشریف پھر موسیٰ علیہ السلام کے چہرہ پر) نظر کرنے سے وہ نور (دوبارہ دیا ہوا) اُن سے غائب نہیں ہوا (چونکہ وہ) خزانۂ خاص سے تھا (جسمیں خاصیت تحمل کی رکھی تھی وہ) ویران نہوا (چونکہ بہت اوپر شعر یوسف دموسیٰ زحق الخ میں دونوں حضرات کے نور کا مجملاً ذکر تھا پھر نور موسوی کی تفصیل بیان کر چکے آگے نور یوسفی کی قلیل تفصیل ہے اور اُس سے جمال محبوب حقیقی کے مشاہدہ کے مضمون کی طرف انتقال ہے)

نور روئے یوسفی وقت عبور	**می فتادے در شباک ہر قصور**
نور رخ یوسف علیہ السلام عبور کے وقت	مکانات کی جالیوں میں جھلکتا تھا
پس بگفتندے درونِ خانہ در	**یوسف ست ایں سو بسیراں در گذر**
پس لوگ گھر کے اندر کہا کرتے تھے	کہ یوسف اس طرف کو چلتے ہوئے گذر رہے ہیں
زانکہ بر دیوار دیدندے شعاع	**فہم کردندیش اصحاب بقاع**
کیونکہ دیوار کے اوپر شعاع دیکھتے تھے	اُسکو گھر والے سمجھ جاتے تھے
خانۂ راکش دریچہ است آں طرف	**دارد از سیران آں یوسف شرف**
جس خانہ کا دریچہ اُس طرف ہے	وہ اُس محبوب حقیقی کی توجہ سے شرف رکھتا ہے
ہیں دریچہ سوئے یوسف باز کن	**وز شگافش فرجۂ آغاز کن**
ہاں دریچہ یوسف کی طرف کشادہ کر	اور اُسکے شگاف سے تفرج شروع کر

عشق ورزی آں دریچہ کردن ست
عشق ورزی وہ دریچہ کرنا ہے

کز جمال دوست دیدہ روشن ست
جمال محبوب سے دیدہ روشن ہے

پس ہمارہ روئے معشوقہ نگر
پس ہمیشہ معشوقہ کا رخ دیکھتا رہ

ایں بدستِ تست بشنو اے پسر
یہ تیرے ہاتھ میں ہے سن اے پسر

راہ کن در اندرونہا خویش را
اپنے بواطن میں راہ کر لے

دور کن ادراک غیر اندیش را
اس ادراک کو دور کر دے جو غیر کا تصور کرے

کیمیا داری دوائے پوست کن
تو اپنے پاس کیمیا رکھتا ہے تو پوست کی دوا کر

دشمنان را زیں صناعت دوست کن
دشمنوں کو اس صناعت سے دوست کر لے

چوں شدی زیبا بداں زیبا رسی
جب تو جمیل ہو جاویگا تو اس جمیل تک پہنچ جاویگا

کہ رہاند روح را از بیکسی
کہ روح کو بیکسی سے چھڑا دیتا ہے

پرورش مر باغ جانہا را امش
باغ ارواح کے لئے اُسکا ادنے نم مربی ہے

زندہ کردہ مردۂ غم را دمش
مردۂ غم کو اس کے دم نے زندہ کر دیا ہے

نے ہمہ ملک جہان دوں دہد
یہی نہیں کہ وہ کل دنیائے دنی ہی کا ملک دیتے ہیں

صد ہزاراں ملک گوناگوں دہد
لاکھوں ملک گونا گوں دیتے ہیں

بر سر ملک جمالش داد حق
علاوہ دولت جمال کے اُن کو حق تعالی نے

ملکت تعبیر بے درس و سبق
دولت تعبیر بلا درس اور بلا سبق دی تھی

ملکت حسنش سوئے زندان کشید
دولت حسن اُن کو زندان کے طرف لائی

ملکت علمش سوئے کیوان کشید
دولت علم اُن کو زحل کی طرف لایا

ملک علم از ملک حسن استوده تر	شه غلام او شد از علم و هنر
دولت علم دولت حسن سے زیادہ محمود ہے	بادشاہ علم و ہنر کے سبب اُن کا غلام ہو گیا

نور رخ یوسف علیہ السلام عبور (راہ) کے وقت مکانات کی جالیوں میں جھلکتا تھا (جس طرح تاریک شب میں کوئی مشعل لیکر سڑک پر گذرے تو دیوار اور کیواڑ کے سوراخوں میں سے مکان کے اندر شعاعیں پڑتی ہیں) پس لوگ گھر کے اندر کہا کرتے تھے کہ یوسف اس طرف کو چلتے ہوئے گذر رہے ہیں کیونکہ دیوار کے اوپر شعاع دیکھتے تھے اُسکو گھر والے سمجھ جاتے تھے (آگے انتقال ہے تجلی محبوب حقیقی کے مضمون کی طرف کہ اسی طرح) جس خانہ (دل) کا دریچہ (جسکی تفسیر شعر ثالث میں ہے) اُس طرف (یعنی محبوب حقیقی کی طرف) ہے وہ اُس محبوب حقیقی کی توجہ سے شرف رکھتا ہے۔ (والتعبیر بالسیر کحدیث من اتانی یمشی اتیته هرولة) ہاں دریچہ یوسف کی طرف کشادہ کر اور اُس کے نرگاف سے تفرج (وسیر) شروع کر (آگے دریچہ کشودن کی تفسیر ہے کہ) عشق ورزی وہ دریچہ کرنا ہے (کہ اسی کی بدولت) جمال محبوب سے دیدہ (قلب) روشن ہے (چنانچہ ظاہر ہے کہ محبوب کیلئے محبت ہم لازم ہے اور اس کے لئے قرب و مشاہدہ لازم ہے) پس (اس طریق سے) ہمیشہ معشوق کا رُخ دیکھتا رہ۔ یہ تیرے ہاتھ میں ہے سُن اے پسر (کیونکہ محبت مع الحق اختیاری ہے اور اُسپر بواسطہ محبوبیت کے مشاہدہ کا ترتب لازم ہے) اپنے بواطن میں راہ (مذکور) کر لے (اور) اُس ادراک کو دور کر دے جو غیر کا تصور کرے۔ تو اپنے پاس کیمیا رکھتا ہے (یعنی عشق الٰہی کہ اُسکی خاصیت تبدیل ذمائم ہے پس) تو پوست (یعنی جسم اور اُسکی شہوات) کی دوا (اُس کیمیا سے) کر (کہ وہ مبدل بحمائد ہو جاویں اور) دشمنوں کو (کہ نفس و شیطان ہیں) اس صناعت (کیمیائے مذکور) سے دوست کر لے (کہ نفس مطمئنہ ہو جاوے اور شیطان مشابہ دوست کے ہو جاوے عدم اضلال میں لاستثناء المخلصین من الاغواء) جب تو (اس تبدیل سے) جمیل ہو جاویگا تو اُس جمیل تک (جس کے جمال کا ذکر ہو رہا ہے) پہونچ جاویگا (لانہ جمیل یحب الجمال اور وہ ایسا جمیل ہے) کہ روح کو بیکسی سے چھڑا دیتا ہے (کہ اپنی معیت نصیب کر دیتا ہے بخلاف محبوبان دنیا کے کہ محبین سے اعراض کرتے ہیں اور وہ ایسا مربی و محسن ہے کہ) باغ ارواح کے لئے اُس کا ادنی نم (فضل کا) مربی ہے (اور) مردۂ غم کو اُس کے دم (التفات) نے زندۂ (جاوید) کر دیا ہے (اور) یہی نہیں کہ وہ کل دنیائے دنی ہی کا ملک دیتے ہیں (کہ وہ متاع قلیل ہے بلکہ) لاکھوں ملک گوناگوں دیتے ہیں (کہ وہ خیر کثیر ہے یعنی معرفت و محبت جیسا یوسف علیہ السلام کو اس حسن کے علاوہ بوجہ اُن کے محبیت محبوبیت کے وہ بھی کہ حسن سے افضل ہے کما سیاتی فی قولہ بلکت حسنش الخ عطا فرمادیا جسکا بیان آگے ہے اور یہ عود یا انتقال نہایت ہی لطیف و عجیب طریق سے ہوا ہے عود باعتبار نفس قصہ کے کہا اور انتقال باعتبار خصوصیت مضمون کے کہ قصہ سابقہ میں علم کا ذکر نہ تھا بہر حال فرماتے ہیں کہ) علاوہ دولت جمال کے اُن کو حق تعالیٰ نے دولت تعبیر بلا درس اور بلا سبق (متعارف) دی تھی (جو کہ دولت جمال سے بھی اکمل تھی جسکی دلیل یہ بھی ہے کہ) دولت حسن اُن کو زندان کی طرف لائی (اور) دولت علم (ومنہ التعبیر) اُن کو زحل (یعنی مرتبہ رفیع) کی طرف لایا۔ (چنانچہ) بادشاہ (مصر) علم و ہنر کے سبب اُن کا غلام ہو گیا (پس ثابت ہوا کہ) دولت علم

دولت حسن سے زیادہ محمود ہے (ملکت بالنظم بادشاہی از منتخب کتاب الغیاث آگے عود ہے قصہ درویش و محتسب کی طرف)

رجوع بحکایت مرد وام دار و آمدن به تبریز و آگاہی از فوت محتسب

آں غریب ممتحن از بیم وام
وہ غریب الوطن جو کہ اندیشہ قرض سے محنت زدہ تھا

در رہ آمد سوئے آں دار السلام
راہ میں آیا اس دار السلامۃ کی طرف

شد سوئے تبریز و کوی گلستاں
تبریز کی طرف اور مقام گلستاں کی طرف چلا

خفتہ امیدش فراز گلستاں
اسکی امید پھولوں کے اوپر چیت لیٹی ہوئی تھی

زد ز دار الملک تبریز سنی
دار السلطنۃ تبریز روشن سے

بر امیدش روشنی بر روشنی
اسکی امید پر روشنی بالائے روشنی واقع ہوئی

جانش خنداں شد ازاں روضہ رجال
اسکی روح شگفتہ ہوگئی اس باغ مردان سے

از نسیم یوسف مصر وصال
ہوائے یوسف مصر وصال سے

گفت یا حادی انخ لی ناقتی
کہنے لگا اے شتربان میرے ناقہ کو بٹھلا دے

جاء اسعادی و طارت فاقتی
میری امداد آگئی اور میرا فاقہ بھاگ گیا

ابرکی یا ناقتی طاب الامور
بیٹھ جا اے میری ناقہ سب کام خوب ہوگئے

ان تبریزا مناجات الصدور
بے شک شہر تبریز دلوں کی گفتگو کی جگہ ہے

اسرحی یا ناقتی حول الریاض
چرتی رہ اے میری ناقہ باغوں کے گرد

ان تبریزا انا نعم المفاض
بے شک تبریز ہمارے لئے خوب محل فیض ہے

ساربانا بار بکشا ز اشتراں
اے ساربان اسباب کھولدے اونٹوں پر سے

شہر تبریز ست و کوی دلستاں
یہ شہر تبریز ہے اور محبوب کا مقام ہے

فرّ فردوسی ست ایں فالیز را
فردوس کا ساشکوہ ہے اس چمن کیلئے

شعشعه عرشی ست ایں تبریز را
عرش کی سی روشنی ہے اس تبریز کے لئے

ہر زمانے فوح روح انگیز جاں
ہر وقت خوشبو راحت انگیز روح کی

از فراز عرش بر تبریزیاں
فوق عرش سے تبریزیوں پر ہے یا ہو

چوں وثاق محتسب جست آں غریب
جب اس غریب الوطن نے محتسب کا گھر تلاش کیا

خلق گفتندش کہ بگذشت آں حبیب
تو لوگوں نے اس سے کہا کہ وہ محبوب گذر گیا

او پریر از دار دنیا نقل کرد
وہ پرسوں دار دنیا سے انتقال کر گیا

مرد و زن از واقعه او روئے زرد
مرد و زن اس کے واقعہ سے زرد رو ہیں

رفت آں طاوس عرشی سوئے عرش
وہ طاؤس عرشی عرش کی طرف چلا گیا

چوں رسید از ہاتفانش بوئے عرش
جبکہ اس کے پاس ہاتفوں سے عرش کو خوشبو پہونچی

سایہ اش گرچہ پناہ خلق بود
اس کا سایہ اگرچہ پناہ خلق تھا

در نوردید آفتابش زود زود
اسکو آفتاب نے جلدی جلدی تہ کر ڈالا

راند او کشتی ازیں ساحل پریر
اس نے اس ساحل سے کشتی پرسوں آخرت کیطرف روانہ کردی

گشته بود آں خواجه زیں غمخانه سیر
وہ خواجہ اس غمکدہ سے سیر ہو گیا تھا

نعرہ زد مرد و بے ہوش او فتاد
اس شخص نے ایک نعرہ مارا اور بیہوش ہوکر گر پڑا

گوئیا او نیز در پے جاں بداد
گویا اس نے بھی اس کے پیچھے جان دیدی

پس گلاب و آب بر رویش زدند
پس لوگوں نے اسکے منہ پر گلاب اور پانی چھڑکا

ہمرہاں بر حالتش گریاں شدند
ہمراہی لوگ اسکی حالت پر گریاں ہوئے

تا بشب بے خویش بود و بعد ازاں	نیم مردہ بازگشت از غیب جاں
شب تک بیخود رہا اور اس کے بعد	غیب سے جان واپس ہوئی نیم مردہ

استغفار کردن آں غریب از اعتماد بر مخلوق و یاد نعمت ہائے خالق کردن و انابت نمودن ثم الذین کفروا بربہم یعدلون

چوں بہوش آمد بگفت اے کردگار	مجرمم بودم بخلق امیدوار
جب ہوش میں آیا کہنے لگا کہ اے کردگار	میں خطاوار ہوں کہ میں مخلوق سے امیدوار ہوا
گرچہ خواجہ بس سخاوت کرد و جود	ہیچ آں کفو عطائے تو نبود
اگرچہ خواجہ نے بہت سخاوت اور جود کی ہے	بالکل ہی وہ آپ کی عطا کے ہم پلہ نہ تھی
او کلہ بخشید و تو سر پُر خرد	او قبا بخشید و تو بالا و قد
اس نے ٹوپی دی تھی اور آپ نے سر دیا جو پُر عقل ہے	اس نے قبا دی تھی اور آپ نے قد و قامت دیا
او زرم داد و تو دست زر شمار	او ستورم داد و تو عقل سوار
اس نے مجھکو زر دیا اور آپ نے ہاتھ دیا جو زر کو شمار کرتا ہے	اس نے مجھکو مرکب دیا اور آپ نے عقل دی جو سوار ہوتی ہے
خواجہ شمعم داد و تو چشم قریر	خواجہ نقلم داد و تو طعمہ پذیر
خواجہ نے مجھکو شمع دی اور آپ نے چشم خنک	خواجہ نے مجھکو نقل دیا اور آپ نے طعام کا قبول کرنے والا دیا
او وظیفہ داد و تو عمر و حیات	وعدہ اش زر و عدۂ تو طیبات
اس نے تنخواہ دی اور آپ نے عمر اور حیات دی	اس کا وعدہ زر تھا آپ کا وعدہ پاکیزہ نعمتیں

او وثاقم داد و تو چرخ و زمیں
اس نے مجھکو گھر دیا اور آپ نے آسمان اور زمین

در وثاق او و صد چوں او رہیں
آپ کے گھر میں وہ اور اُس جیسے سیکڑوں مرہون ہیں

آنچہ او داد اے ملک ہم از تو داد

کہ دل و دستِ ورا کردی تو راد
جو چیز اُس نے دی ہے اے بادشاہ وہ بھی آپ ہی کی طرف سے دی ہے کیونکہ اُس کے دل اور ہاتھ کو آپ ہی نے سخی بنایا ہے

زر ازانِ تست او زر نافرید
زر آپ ہی کی ملک ہے اُس نے زر نہیں پیدا کیا

ناں ازان تست نانش از تو رسید
روٹی آپ ہی کی ملک ہے روٹی آپ کی طرف سے اُسکو پہونچی

آں سخا و رحم ہم تو دادیش
وہ سخا و رحم بھی اُسکو آپ ہی نے دیا

کز سخاوت می فزودے شادیش
کہ سخاوت سے اُس کی فرحت بڑھتی تھی

من مر او را قبلۂ خود ساختم
میں نے اُسکو اپنا قبلہ بنالیا

قبلہ ساز اصل را انداختم
جو اصل قبلہ ساز ہے اُسکو نظر انداز کردیا

ما کجا بودیم کاں دیّان دیں
ہم کہاں تھے کہ وہ حاکم حکم

عقل می کارید اندر ماء و طیں
عقل کو بو رہے تھے آب و گل میں

چوں ہمی کرد از عدم گردوں پدید
جبکہ وہ عدم سے آسمان کو ظاہر کر رہے تھے

ویں بساط خاک را می گسترید
اور اس بساط زمین کو بچھا رہے تھے

ز اختراں می ساخت او مصباحہا
کواکب سے وہ چراغ بنا رہے تھے

وز طبائع قفل با مفتاحہا
اور اجسام طبعیہ سے قفل مع مفتاحوں کے

اے بسا بنیادہا پنہان و فاش
اے شخص بہت سی مصنوعات مخفی اور ظاہر

مضمر ایں سقف کرد و ایں فراش
اس سقف اور اس فرش میں مضمر کی ہیں

وہ غریب الوطن جوکہ (اس) اندیشۂ قرض سے (کہ دیکھئے کیونکر ادا ہو) محنت زدہ تھا راہ میں آیا (جوکہ) اُس دار السلطنۃ کی طرف (پہونچتا تھا یعنی) تبریز کی طرف اور مقام (مشابہ) گلستاں کی طرف چلا (اور) اُسکی امید پھولوں کے اوپر چپٹ لیٹی ہوئی تھی (یعنی اُس امید سے اُسکو راحت اور بے فکری ہوتی تھی کہ محتسب میری مراد پوری کردیگا اور) دار السلطنۃ تبریز روشن سحر اُس کی امید پر روشنی بالائے روشنی واقع ہوئی (یعنی امید میں قوت ہوتی جاتی تھی یہ تو راستہ کا قصہ ہے پھر جب تبریز پہونچا تو) اُسکی روح شگفتہ ہوگئی اُس باغ مرداں (طالب) سے (مراد اس سے تبریز ہے آگے اس کا بدل الاشتمال ہے یعنی) ہوائے یوسفِ مصرِ وصال سے (روح تازہ ہوگئی یعنی محتسب جوکہ مشابہ تھا یوسف علیہ السلام کے جوکہ مصر میں رہتے تھے جہاں یعقوب علیہ السلام کو اُن کا وصال میسر ہوا اُس محتسب کے خیال قرب سے جو مشابہ ریح یوسف کے تھا روح شگفتہ ہوگئی اور جوش شوق میں کہنے لگا) اے شتر راں میرے ناقہ کو بٹھلا دو (یعنی ٹھہرا دے کہ منزل مقصود آگئی اور اُس منزل میں) میری امداد آگئی (کذا فی المنتخب یاری کردن) اور میرا ناقہ بھاگ گیا (آگے ناقہ کو خطاب ہوکہ) بیٹھ جا اے میری ناقہ سب کام خوب ہوگئے بے شک شہر تبریز دلوں کی گفتگو کی جگہ ہے (یعنی وہی مقام ہے جس کے لئے مدتوں سے حدیث النفس ہوا کرتا تھا) چرتی رہ اے میری ناقہ باغوں کے گرد (اور پہ کہا تھا بیٹھ جا جو سفر کے ختم پر دال ہے یہاں کہتے ہیں کہ سفر ختم کرکے یہاں ہی اقامت کرے اور اقامت میں ظاہر ہے کہ چرنے کی بھی ضرورت ہوگی) بے شک تبریز ہمارے لئے خوب محل فیض ہے (تبریز کی یہ مدح اسی طرح آگے بھی مع تبریزیوں کے ذکر کے گو اُس مسافر کی لسان سے ادا کیا ہے لیکن اصل میں یہ مولانا کا جوش ہے حضرت شمس تبریزی رح کے موطن ہونے سے اس کا تذکرہ بتقریب قصہ کے بہانہ ہوگیا اُس کے ساتھ اظہار عشق و محبت کا کما قیل ومن دیدنی حب الدیار لاھلھا) اے ساربان اسباب کھولدے (اور اوتار دے) اونٹوں پر سے یہ شہر تبریز ہے اور محبوب کا مقام ہے فردوس کا سا شکوہ ہے اس چمن کے لئے (فی الحاشیہ پالیز باغ و بستان و کشت زار را گویند عموماً و کشت خربزہ را خصوصاً اھ اور) عرش کی سی روشنی ہے اس تبریز کے لئے ہر وقت خوشبو راحت انگیز روح کی فوق عرش سے تبریز پر ہے یا ہو (الاول اخبار والثانی دعاء آگے پھر قصہ ہے کہ) جب اُس غریب الوطن نے محتسب کا گھر تلاش کیا تو لوگوں نے اُس سے کہا کہ وہ محبوب (حاجتمنداں) گذر گیا وہ پرسوں دار دنیا سے انتقال کر گیا (کذا فی الغیاث فی معنی پریر بیائے مجہول و قیل بوزن حریر) مرد و زن اُس کے واقعہ سے زرد رو (اور غمگین) ہیں (یا تو پرسوں بمعنی حقیقی ہے یا مراد زمانہ قریب) وہ طاؤس عرشی عرش کی طرف چلا گیا جبکہ اُس کے پاس ہاتفوں سے عرش کی خوشبو پہونچی (عرشی شاید اس اعتبار سے کہا ہو کہ بعض ابرار کی ارواح قنادیل عرش میں معلق رہتی ہیں اور بوئے عرش شاید اُس خوشبو کو کہا ہو جسکا ذکر حدیث میں ہے کہ مومن کی قبض روح کیلئے فرشتے جنت کا حریر خوشبو دار لیکر آتے ہیں اور ہاتف ان ہی فرشتوں کو کہا ہو) اُس کا سایہ اگرچہ پناہ خلق تھا اُسکو آفتاب (قضا) نے جلدی جلدی تہ کر ڈالا (یعنی محو کردیا آفتاب سے سایہ کا محو ہونا ظاہر ہے جس سے پھر بجائے سایہ کے دھوپ آجاتی ہے اور وہ آرام جاتا رہتا ہے) اُس نے اس ساحل (دنیا) سے کشتی پرسوں آخرت کی طرف روانہ کردی وہ خواجہ اس غمکدہ (دنیا) سے سیر (اور ملول) ہوگیا تھا (اس لئے دنیا کو چھوڑ دیا یہ سنکر) اُس شخص نے (فرط غم سے) ایک نعرہ مارا اور بے ہوش ہوکر گر پڑا گویا اُس نے بھی اُس کے پیچھے جان دیدی پس لوگوں نے اُس کے منہ پر گلاب اور پانی چھڑکا ہمراہی لوگ اُسکی حالت پر گریاں ہوئے (یا تو سفر میں بھی دو چار آدمی رفیق ہوں گے یا نیا مسافر دیکھکر پوچھنے پاچھنے کو کچھ لوگ ساتھ ہو لئے ہوں) شب تک بیخود رہا اور اُس کے بعد (عالم) غیب سے جان واپس ہوئی

(یعنی ہوش آیا مگر) نیم مردہ جب ہوش آیا (تو دوسرا ہوش بھی آیا جس سے اعتماد علی المخلوق کی غلطی سمجھ میں آئی اور حق تعالیٰ کی نعمتیں یاد کر کے اُس کی طرف رجوع ہوا اور توبہ کی یہ حاصل تھا سرخی کا چنانچہ آگے اشعار میں یہی مضمون ہے یعنی) کہنے لگا کہ اے کردگار میں خطاوار ہوں کہ میں مخلوق سے امیدوار ہوا (کیونکہ معطی حقیقی اور منعم کامل آپ ہیں اُسکی عطا کو آپ کی عطا سے کیا نسبت جسکی آگے کچھ تفصیل ہے یعنی) اگرچہ خواجہ (مرحوم) نے بہت سخاوت اور جود کی ہے (مگر) بالکل بھی وہ آپ کی عطا کے ہم پلہ نہ تھی (چنانچہ) اُس نے ٹوپی دی تھی (اور وہ بھی محض ظاہراً) اور آپ نے سر دیا جو پُر عقل ہے (یہ سر وہ ظاہر میں بھی نہ دیسکا اسی طرح) اُس نے قبا دی تھی اور آپ نے قد و قامت دیا اُس نے مجھکو زر دیا اور آپنے ہاتھ دیا جو زر کو شمار کرتا ہے اُس نے مجھکو مرکب دیا اور آپنے عقل دی جو (بواسطہ جسم کے اُس مرکب پر) سوار (اور اُس میں متصرف اور حاکم) ہوتی ہے خواجہ نے مجھکو شمع دی اور آپ نے چشم خنک (یعنی روشن کہ بدون اُس کے شمع محض بیکار ہے) خواجہ نے مجھکو نقل (اور طعام) دیا اور آپ نے (اُس) طعام کا قبول کرنے والا (معدہ) دیا اُس نے تنخواہ دی اور آپ نے عمر اور حیات دی (کہ جس کے بدون تنخواہ محض لاشے ہے اور) اُس کا وعدہ زر تھا آپ کا وعدہ پاکیزہ نعمتیں (جنت کی) اُس نے مجھکو گھر دیا اور آپ نے آسمان اور زمین آپکے (اس) گھر میں وہ اور اُس جیسے سینکڑوں مرہون (منت) ہیں (بلکہ) جو چیز اُس نے دی ہے (جسکا ذکر اشعار بالا میں ہوا ہے) اے بادشاہ وہ بھی آپ ہی کی طرف سے دی ہے (یعنی اُسمیں بھی حقیقۃً وہ معطی نہیں ہے) کیونکہ اُس کے دل اور ہاتھ کو (بھی جو کہ آلات عطا ہیں) آپ ہی نے سخی بنایا ہے (کذا فی الغیاث فی معنی راد اور) زر (بھی جو کہ متعلق ہے عطا کا حقیقۃً) آپ ہی کی ملک ہے اُس نے زر نہیں پیدا کیا۔ (اسی طرح) روٹی (بھی) آپ ہی کی ملک ہے روٹی آپ کی طرف سے اُسکو پہونچی (اور) وہ سخا و رحم (جو کہ منشا ہے عطا کا وہ) بھی اُسکو آپ ہی نے دیا کہ سخاوت سے اُسکی فرحت بڑھتی تھی (جس سے آگے پھر وہ سخاوت کرتا تھا پس سب آپ کی طرف سے ہوا تو وہ حقیقی معطی اُن چیزوں میں بھی نہیں ہوا اسی لئے احقر نے اوکلہ بخشید کی شرح میں ظاہراً لکھ دیا تھا اور باوجود اس کے میری یہ غلطی ہے کہ) میں نے اُسکو اپنا قبلہ (توجہ) بنا لیا (اور) جو اصل قبلہ ساز ہے اُسکو نظر انداز کر دیا (قبلہ ساز یعنی اُس قبلہ توجہ یعنی محتسب کو بنایا آگے تعداد ہے بعض نعم مختصہ بحق کی بطریق التفات من الخطاب الی الغیبۃ کی یعنی) ہم (اُسوقت) کہاں تھے کہ (جس وقت) وہ حاکم حکم (کذا فی المنتخب فی معنی الدیان والدین) عقل کو بو رہے تھے آب و گل میں (یعنی اُسکو جسم کے ساتھ متعلق کر رہے تھے اور ہم اُسوقت کہاں تھے) جبکہ وہ عدم سے آسمان کو ظاہر کر رہے تھے اور اس بساط زمین کو بچھا رہے تھے (اور) کواکب سے وہ چراغ بنا رہے تھے اور اجسام طبعیہ (شاملہ للعناصر والعنصریات و الفلکیات) سے قفل مع مفتاحوں کے (بنا رہے تھے مراد مفتاح سے اسباب اور قفل سے مسببات کہ اسباب سے مسببات کے آثار کے ابواب کشادہ و ظاہر ہوتے ہیں آگے تعمیم بعد تخصیص ہے یعنی) اے شخص بہت سی مصنوعات (جن میں بعض) مخفی (ہیں) اور (بعض) ظاہر اس سقف (آسمان) اور اس فرش (زمین) میں مضمر (اور ودیعت) کی ہیں (اس میں سب ما فی السموات و الارض آ گئے اور مضمر کے معنی یہاں مستور کے نہیں مطلق موضوع و مودع کے ہیں اس اعتبار سے کہ اگر کوئی آسمان و زمین سے خارج ہو اُس کے اعتبار سے وہ مستور بھی ہونگی)

آدم اصطرلاب اوصاف علوست آدم اُس کے اوصاف عالیہ کا اصطرلاب ہے	وصف آدم مظہر آیات اوست آدم کا وصف اُسکے آیات کا مظہر ہے

ہرچہ در وے می نماید عکس اوست　　ہمچو عکس ماہ کاندر آب جوست

جو کچھ اسمیں دکھلائی دیتا ہے اُس کا ظل ہے　　مثل عکس ماہ کے کہ آب جو میں ہے۔

بر صطرلابش نقوش عنکبوت　　بہر اوصاف ازل دارد ثبوت

آدم کے اصطرلاب پر عنکبوت کے نقوش　　اوصاف قدیمہ کے لئے ثبت ہیں

تا ز چرخ غیب و ز خورشید روح　　عنکبوتش درس گوید با شروح

تاکہ عنکبوت آدم فلک غیب اور آفتاب　　روح کا درس مع شروح کے کرے

عنکبوت و ایں صطرلابش رشاد　　بے منجم در کف عام اوفتاد

یہ عنکبوت اور یہ اصطرلاب رہنما　　بلا واسطہ منجم کے عوام کے ہاتھ میں پڑگیا ہے

انبیا را داد حق تنجیم ایں　　غیب را چشمے بباید غیب بیں

اسکی منجمی حق تعالیٰ نے انبیاء ہی کو دی ہے　　غیب کیلئے چشم غیب بیں ہی کی ضرورت ہے

در چہ دنیا فتادند ایں قروں　　عکس خود را دید ہر یک چہ دروں

چاہ دنیا میں یہ اہل زمانہ گر پڑے ہیں　　اپنے عکس کو ہر ایک نے چاہ کے اندر دیکھا ہے

عکس در چہ دید از بیروں ندید　　ہمچو شیر گول کاندر چہ دوید

عکس کو کنویں کے اندر دیکھا اور باہر سے نہ دیکھا　　مثل شیر احمق کے کہ چاہ کے اندر دوڑ پڑا

از بروں داں ہرچہ در چاہت نمود　　ورنہ آں شیری کہ در چہ شد فرود

تو باہر سے سمجھ جو کچھ تجھکو چاہ میں دکھلائی دیا　　ورنہ تو بھی وہ شیر ہوگا جو چاہ کے اندر ہو پہنچا

برد خرگوشیش از رہ کای فلاں　　در تگ چاہست آں شیر ژیاں

اسکو ایک خرگوش راستہ سے لیگیا کہ اے فلاں　　قعر چاہ میں ہے وہ شیر ژیاں

در رو اندر چاہ و کیں از وے بکش
چل چاہ کے اندر اور کینہ اس سے نکال

چوں ازو غالب تری سر بر کنش
جب تو اس سے غالب تر ہے اسکا سر جدا کردے

آں مقلد سخرۂ خرگوش شد
وہ غیر محقق خرگوش کا تابع ہوگیا

از خیال خویشتن پُر جوش شد
اپنے خیال سے پُر جوش ہوگیا

او نگفت ایں نقش و او در آب نیست
اُس شیر نے یوں نہ کہا کہ یہ محض نقش ہے اور وہ شیر پانی میں نہیں ہے

ایں بجز تقلیب آں وہاب نیست
یہ بجز منقلب کردینے اُس کثیر العطا کے اور کچھ نہیں

تو ہم از دشمن چو کینہ میکشی
تو بھی دشمن سے کینہ نکال رہا ہے

اے زبون شش غلط در ہر ششی
اے تابع تمام جہات کی غلطیوں کے تو ششدر ہورہا ہے

آں عداوت اندرو عکس حق ست
وہ عداوت اُسمیں حق کا عکس ہے

کز صفات قہر آنجا مشتق ست
کہ وہاں کی صفات قہر سے مستفاد ہے

واں گنہ در وے ز عکس جرم تست
اور وہ گناہ اُسمیں تیرے جرم کا عکس ہے

باید آں خو را ز طبع خویش شست
اُس خلق کو اپنی طبیعت سے دھونا چاہیئے

خُلق زشتت اندر و رویت نمود
تیرا خلق مذموم اُسکے اندر تجھکو نمایاں ہوا

کہ ترا او صفحۂ آئینہ بود
کہ وہ تیرے لئے تختۂ آئینہ ہوگیا

چونکہ قبح خویش دیدی ای حسن
جب تونے اُس آئینہ میں اپنے قبح کو دیکھ لیا اے حسن

اندر آئینہ بر آئینہ مزن
تو تو آئینہ پر ضرب مت لگا۔

می زند بر آب استارہ سنی
پانی پر ایک روشن ستارہ کا عکس پڑتا ہے

خاک تو بر عکس اختر می زنی
تو ستارہ کے عکس پر مٹی مار رہا ہے

کاین ستاره نحس در آب آمدست
کہ یہ منحوس ستارہ پانی کے اندر آیا ہے

تا کند او سعد ما را زیر دست
تاکہ وہ ہمارے طالع نیک کو مغلوب کرے

خاک استیلا بریزی بر سرش
اُس کے سر پر غلبہ کی خاک ڈال رہا ہے

چونکہ پنداری ز شبهه اخترش
چونکہ تو اسکو شبہ کی وجہ سے ستارہ خیال کر رہا ہے

عکس پنهان گشت و اندر غیب راند
عکس پوشیدہ ہوگیا اور غیبت میں چلا گیا

تو گمان بردی که آن اختر نماند
تونے یہ گمان کیا کہ وہ ستارہ نہیں رہا

آن ستاره نحس هست اندر سما
وہ منحوس ستارہ آسمان میں ہے

هم بدانسو بایدش کردن دوا
اسی طرف اُسکی تدبیر بھی کرنا چاہیئے

بلکه باید دل سوی بیسوی بست
بلکہ دل کو بے جہت کی طرف لگانا چاہیئے

نحس این سو عکس نحس بیسوست
اس جہت کی نحوست بے جہت کی سوء القضا کا عکس ہے

داد داد حق شناس و بخششش
عطار تو عطاء حق کو سمجھ اور اُسکی بخشش کو

عکس آن داد است اندر پنج و شش
پنج اور شش میں اُس عطار کا عکس ہے

گر بود داد خسان افزون ز ریگ
اگر کمینہ مخلوق کی عطا ریگ سے بھی زیادہ ہو

تو بمیری وان بماند مرده ریگ
تو مرجاویگا اور وہ میراث رہجاوے گی

عکس آخر چند پاید در نظر
عکس آخر نظر میں کب تک باقی رہیگا

اصل بینی پیشه کن ای کژنگر
اصل بینی کو پیشہ کرلے اے کج بیں

حق چو بخشش کرد بر اهل نیاز
حق تعالیٰ نے جب اہل نیاز پر بخشش فرمائی

با عطا بخشیدشان عمر دراز
تو عطا کے ساتھ اُن کو عمر دراز بھی عطا فرمائی

خالدین شد نعمت و منعم علیه

نعمت اور منعم علیہ دونوں خالد ہو گئے

محیی الموتی ست فاجتازوا الیه

وہ مردوں کو زندہ کرنے والے ہیں پس اسی کی طرف التجا کرو

داد حق با تو در آمیزد چو جان

عطائے حق تیری ساتھ جان کی طرح ملجاتی ہے

آنچنانکه آں تو باشی و تو آں

اس طرح سے کہ وہ تو تو ہو جاتا ہے اور تو وہ ہو جاتا ہے

گر نماند اشتہائے نان و آب

اگر نان و آب کی رغبت نہ رہے

بدہدت بے ایں دو قوت مستطاب

تو وہ تجھکو بدون ان دونوں کی غذائے طیب عطا فرماتا ہے

فربہی گر رفت حق در لاغری

اگر فربہی جاتی رہی ہو تو حق تعالی لاغری میں

فربہی پنہانت بخشد آں سری

تجھکو باطنی فربہی عطا فرما دیتے ہیں اس طرف کی

چوں پری را قوت از بو مید ہد

جبکہ وہ جن کو خوشبو سے غذا دیتے ہیں

ہر ملک را قوت جان او مید ہد

فرشتہ کو غذائے روح وہ دیتے ہیں

جان چہ باشد کہ تو سازی زو سند

جان کیا چیز ہے کہ تو اس سے سہارا ڈھونڈھتا ہے

حق بعشق خویش زندہ ات میکند

حق تعالی اپنے عشق سے تجھکو زندہ کر دیتے ہیں

زو حیات عشق خواہ و جاں مخواہ

تو اس سے حیات عشق مانگ اور جان مت مانگ

تو ازو آں رزق خواہ و نان مخواہ

تو اس سے وہ رزق مانگ اور روٹی مت مانگ

خلق را چوں آب داں صاف و زلال

خلق کو مثل آب صاف اور زلال کے جان

اندراں تاباں صفات ذو الجلال

اسکے اندر تاباں ہیں صفات ذوالجلال

علم شان و عدل شان و لطف شاں

ان لوگوں کا علم اور ان کا عدل اور انکا لطف

چوں ستارہ چرخ در آب رواں

مثل ستارہ چرخ کے ہے آب رواں میں

بادشاہی زیبد آں خلاق را
بادشاہی اُسی خلاق کو زیبا ہے

بادشاہاں جملگی عاجز ورا
تمام بادشاہ اُسکے سامنے عاجز ہیں

بادشاہاں مظہر شاہی حق
تمام بادشاہ مظہر ہیں بادشاہی حق کے

فاضلاں مرآت آگاہی حق
تمام فاضل آئینہ ہیں علم حق کے

قرنہا بگذشت وایں قرن نویست
بہت سے قرن گذر گئے اور یہ ایک جدید قرن ہے

ماہ آں ماہ ست آب آں آب نیست
چاند وہی چاند ہے پانی وہ پانی نہیں ہے

عدل آں عدل ست و فضل آں فضل ہم
عدل وہی عدل ہے فضل وہی فضل ہے

لیک مستبدل شد آں قرن وامم
لیکن متبدل ہو گئے وہ اہل قرن اور جماعتیں

قرنہا بر قرنہا رفت اے ہمام
قرون پر قرون چلدئے اے سردار

ایں معانی برقرار و بر دوام
یہ صفات قرار اور دوام پر ہیں

آب مبدل شد دریں جو چند بار
پانی بدل گیا اس نہر میں چند بار

عکس ماہ و عکس اختر برقرار
عکس چاند کا اور عکس ستارہ کا برقرار ہے

پس بنااش نیست بر آب رواں
پس اس کی بنا آب رواں پر نہیں ہے

بلکہ بر اقطار عرض آسماں
بلکہ اطراف وسعت آسمان پر ہے

ایں صفتہا چوں نجوم معنوی ست
یہ صفات مثل کواکب معنویہ کے ہیں

وانکہ بر چرخ معانی مستوی ست
جاں لے کہ فلک معانی پر قائم ہیں

خوبرویاں آئینہ خوبی او
تمام خوبرو اوسکے حسن کے آئینہ ہیں

عشق ایشاں عکس مطلوبی او
اُن کی معشوقی اُسکی مطلوبی کا عکس ہے

ہم باصل خود رود ایں خد و خال	**دائما در آب کے ماند خیال**
یہ سب خد و خال اپنی اصل ہی کی طرف چلا جاتا ہے	دائما پانی میں عکس کب رہتا ہے
جملہ تصویرات عکس آب جوست	**چوں بمالی چشم خود خود جملہ اوست**
سب صورتیں عکس ہیں آب جو کی	اگر تو اپنی آنکھ ملے تو سب وہی خود ہے

(اصطرلاب آلتے ست کہ ورقہا ےباشد کہ ازاں احوال آفتاب بہ نسبت ارض معلوم می شود و طول بلدان و عرض آنہا من بحر العلوم وقال ولی محمد صطرلاب بضم ترازوے آفتاب و آں طاسے و حلقہ ایست کہ بداں موازنہ ساعات معلوم می شود آه وعنکبوت در اصطلاح منجمان صفحہ بالائیں اصطرلاب را گویند مثل نسج عنکبوت سوراخ دارد من بحر العلوم کذا فی الحواشی اوپر مقصود انعم و آیات آفاقیہ کا اور تبعاً آیات انفسیہ کا بیان تھا اور یہاں سے برعکس اور یہ سب مولانا کے مقولات ہیں بلسان اس قرضدار غریب الوطن کے یعنی منجملہ نعم و آیات عظیمہ عجیبہ حق تعالیٰ کے خود انسان ہے جسکے عظیم و عجیب ہونے کا بیان یہ ہے کہ) آدم (اور ان کی اولاد) اُس کے (یعنی حق تعالیٰ کے) اوصاف عالیہ کا اصطرلاب (یعنی آلہ معرفت) ہے (اور) آدم کا وصف اُس کے (یعنی حق تعالیٰ کے) آیات کا مظہر ہے مصرعہ اولیٰ میں انسان کا مظہر اسمار الٰہیہ ہونا اور مصرعہ ثانیہ میں مظہر یعنی جامع حقائق کونیہ ہونا مذکور ہے آگے پھر مظہر اسمار الٰہیہ ہونا مذکور ہے یعنی) جو کچھ اُسمیں (یعنی انسان میں) دکھلائی دیتا ہے اُس کا (یعنی حق تعالیٰ کا) ظل ہے مثل عکس ماہ کے کہ آبجو میں ہے۔ آدم کے اصطرلاب پر (یعنی اُنکی ذات پر جو مشابہ اصطرلاب کے ہے آلہ معرفت ہونے میں فالاضافۃ کلجین الماء) عنکبوت کے نقوش (یعنی صفات آدم کہ مشابہ عنکبوت کے ہیں تبعیت للذات و آلیت للمعرفۃ میں) اوصاف قدیمہ (حق تعالیٰ) کے (انکشاف کے) لئے ثبت ہیں تاکہ (جسطرح آلہ مذکورہ آفتاب کے احوال کا کہ اُن کو احوال فلک بھی کہا جاسکتا ہے اور اس اعتبار سے فلک کی احوال کا بھی کاشف ہے اسی طرح عنکبوت آدم فلک غیب اور آفتاب روح کا درس مع شروح کے (یعنی اُس کا کاشف ہو اور غیب اور روح سے مراد بقرینہ مقام صفات حق ہیں غیب ہونا تو اُس کا ظاہر ہے اور روح بمعنی حیات بخش کہا گیا اور صفات حق کا دخل حیات بخشی میں ظاہر ہے کہ احیار جو کہ فعل حق ہے موقوف ہے ارادہ و قدرت و علم پر عقلاً اور کلام پر عادۃً لقولہ تعالیٰ انما امرہ اذا اراد شیئاً ان یقول لہ کن فیکون پس حاصل معنی یہ ہوا کہ تاکہ صفات آدم کاشف ہوں صفات حق کے والمسئلۃ مشہورۃ عند القوم لا یحتاج الی البیان ھٰہنا آگے اُس کاشفیت کے توقف علی اتباع صاحب الوحی کو بیان فرماتے ہیں تاکہ اپنے عقل و کشف پر اعتماد کرکے اُن سے مستغنی نہ ہو جاوے پس فرماتے ہیں کہ اگرچہ) یہ عنکبوت اور یہ اصطرلاب ہنما (و کاشف) بلا واسطہ منجم کے (جسکا مصداق آگے آتا ہے) عوام کے ہاتھ میں پڑ گیا ہے (چنانچہ ظاہر ہے کہ ہر شخص کو ذات انسانی و صفات انسانیہ کا مشاہدہ حسیہ حاصل ہے خصوصاً اپنی ذات و صفات کا علم حضوری ہر وقت میسر ہے لیکن) اس (اصطرلاب اور عنکبوت) کی منجمی (وطریقہ استعمال و جعل آلیت) حق تعالیٰ نے انبیا رہی کو دی ہے (کیونکہ

غیب کے (دیکھنے کے) لئے چشم غیب بین ہی کی ضرورت ہے (اگرچہ وہ غیب بینی کسی آلہ ہی کے واسطے سے ہو مگر آخر باصرہ میں تو اُس کے دیکھنے کی قوت ضروری ہے جسطرح سے کوئی شخص آئینہ یا عینک کے ذریعہ سے دیکھتا ہو مگر آخر آنکھ میں تو استعداد کی حاجت ہو ہی گی پس صفات حق غیب ہیں تو ان کا مشاہدہ اگرچہ بواسطہ مرآۃ مخلوق کے ہو مگر اُس چشم میں ایسی قوت ہونا ضروری ہے اور وہ قوت اولاً و بالذات انبیاء علیہم السلام کو حاصل ہے اور دوسروں کو ثانیاً و بالعرض اُن کے متابعت کے طفیل سے اس لئے اِس اصطرلاب مذکور کا کاشف ہونا موقوف ہوا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت پر کہ اُس سے حق تعالیٰ بصیرت میں نور دیتا ہے جس سے مظہر سے ظاہر کا مشاہدہ کشفیہ کرتا ہے پس اصطرلاب مذکور کا عطاء تکوینی تو عام ہوا القولہ در کف عام او فتاد اور اُس کا نفع تشریعی خاص ہوا القولہ انبیاء را الخ ھٰکذا ینبغی ان یفھم المقام آگے مظہریت انسان للحق کے بعد دو مضمون مختلط طور پر بیان کئے گئے ہیں ایک مظہریت عالم للحق اور زیادہ مقصود یہی معلوم ہوتا ہے گو ذکر میں یہ مؤخر ہے حیث ذکر فی قولہ داد و داد حق شناس الخ مع مایلیہ۔ اور دوسرا مضمون مظہریت عالم للانسان اور اس کے ساتھ ساتھ عوام کی غفلت اس مظہریت سے اور اس عالم مضاف الیہ للمظہریت میں ایک انسان کے اعتبار سے دوسرا انسان بھی داخل ہے کالمرایا المتعاکسۃ جسکے بیان کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ انسان چونکہ مظہر اتم ہونے سے مثال اشبہ ہے حضرت حق کی وعبر عنہ بقولہ علیہ السلام ان اللہ تعالیٰ خلق آدم علی صورتہ اس لئے انسان اس شان میں بھی مثال ہوگا حق تعالیٰ کی کہ جسطرح عالم حق تعالیٰ کا مظہر ہے اسی طرح ایک درجہ میں انسان کا بھی مظہر ہے جسکا راز جامعیت ہے انسان کی پس جو کچھ عالم میں ہے اُسکی اصل گویا انسان میں ہے اور فرع عالم میں جسکی شرح یہ ہے کہ اصل عالم کی صفات حق ہیں اور یہ صفات انسان میں باتم وجہ ظاہر ہیں پس گویا عالم کی اصل انسان میں ہوئی اور یہ دوسرا مضمون ذکر میں مقدم ہے حیث ذکر فی قولہ عکس خود را دید الخ اور بعض اشعار میں دونوں مضمون مجتمع ہیں کما فی قولہ آں عداوت الخ و قولہ واں گنہ الخ و غیرہ پس فرماتے ہیں کہ) چاہ دنیا میں یہ اہل زمانہ گر پڑے ہیں (جسکی وجہ یہ ہے کہ) اپنے عکس کو ہر ایک نے چاہ کے اندر دیکھا ہے (اور غلطی سے یہ سمجھا کہ یہ ہمارا غیر ہے اس لئے اُس پر حملہ کر کے چاہ میں جا رہے جیسا شیر کا قصہ دفتر اول میں مفصل ہے اور مجمل اس مقام پر بھی اشارہ کیا ہے پس اُس) عکس کو کنوے کے اندر دیکھا (کہ اندر کوئی میرا مغائر ہے) اور باہر سے نہ دیکھا کہ میرا ہی عکس ہے اور میں باہر ہوں) مثل شیر احمق کے کہ چاہ کے اندر دوڑ پڑا (اسی طرح تو اکثر اوقات دوسروں کے ساتھ معاملہ کرنے میں غلطی کرتا ہے مثلاً عداوت کا منشاء دوسرے میں سمجھتا ہے اور واقع میں وہ منشاء تیرے اندر ہوتا ہے اس لئے) تو باہر سے سمجھ جو کچھ تجھکو چاہ میں دکھلائی دیا (باہر سے مراد اپنی ذات اور چاہ سے مراد دوسرا شخص اور ہر چہ سے مراد صفات مناشی عداوت مثلاً) ورنہ تو بھی وہ شیر (یعنی اُس کے مشابہ) ہوگا جو چاہ کے اندر پہونچا اُسکو ایک خرگوش راستہ سے لیگیا (جسطرح تجھکو نفس لے جاتا ہے) کہ اے فلانے قعر چاہ میں ہے وہ شیر زیاں چل چاہ کے اندر اور کینہ اُس سے نکال۔ جب تو اُس سے غالب تر ہے اُس کا سر جدا کر دے (یہ سب مقولہ خرگوش کا ہے) وہ (شیر) غیر محقق خرگوش کا تابع ہو گیا (جسطرح تو اپنے نفس کا تابع ہو جاتا ہے اور) اپنے خیال سے پر جوش ہو گیا (جس طرح تو بکثرت اپنے خیالات غیر واقعیہ کا تابع ہو کر دوسروں سے الجھتا ہے) اُس شیر نے (تحقیق حقیقت کی کر کے) یوں نہ کہا کہ یہ محض نقش ہے (میرا) اور وہ شیر (دوسرا) پانی میں نہیں ہے

(یعنی اگر تحقیق کرتا تو اس مجموعہ مقولہ کو کہتا ہو) یہ (نہ کہنا اور نہ سمجھنا بھی) بجز منقلب کر دیتے اُس کثیر العطا کے اور کچھ نہیں (یعنی یہی اُن ہی کا تصرف تکوینی ہے کہ حقیقت مخفی ہو گئی جسمیں بہت سی حکمتیں ہیں کہ اُن کے اعتبار سے یہ بھی خیر اور نافع ہے کثیرین کو اور اسی نفع کے بنا پر مقلب کو وہاب کہا یہ تو شیر کی حکایت ہوئی اسی طرح دوسرے شخص میں منشار عداوت کا توہم کرکے) تو بھی دشمن سے کینہ نکال رہا ہے اے نالع تمام جہات کی غلطیوں کے تو (حقیقت کے نہ جاننے سے) ششدر ہو رہا ہے (یہانتک بیان ہوا اسکا کہ اجزار عالم تیرے مظہر ہیں اور تو نہیں سمجھتا آگے کہتے ہیں کہ اجزار عالم من وجہ حق کے مظہر اور من وجہ تیرے مظہر ہیں اس طرح سے کہ) وہ عداوت (کی صفت) اُسمیں (قطع نظر خصوصیت متعلق کے) حق کا عکس ہے (اس طور پر) کہ وہاں کی صفات قہر سے مستفاد ہے اور وہ گناہ (جو) اُس میں (ہے یعنی ظلم وغیرہ جو عداوت سے صادر ہوا وہ) تیرے جرم کا عکس ہے (یہ باعتبار اکثر کے ہے پس اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ہر ظلم کا سبب مظلوم ہی کا جرم ہے اور مقصود مقام اس حکم اکثری سے بھی حاصل ہو گیا کیونکہ مقصود غفلت عام کا ازالہ ہے کہ جس جگہ ایسا ہے وہاں بھی تحقیقی نظر نہیں کیجاتی حقیقت مضمون ہر دو شعر کی یہ ہے کہ حسن و قبح افعال اختیاریہ عبد میں ہے مبادی فطریہ میں نہیں حتی کہ عداوت جو کہ مبدار ہے ظلم کا مثلاً اگر اپنے محل میں صرف ہو حسن ہے اسمیں اگر قبح ہوتا ہے تو صرف الی غیر المحل سے اور یہ صرف فعل اختیاری ہے اس لئے نفس عداوت کو صفات قہریہ حق کا ظل کہا اور گناہ مثلاً ظلم کو کہ قبیح ہے دوسرے عبد کے فعل کا ظل کہا یہ معنی تھے میرے قول کی تمہید میں کہ اجزار عالم من وجہ حق کے مظہر ہیں اور من وجہ تیرے مظہر ہیں آگے مصرعہ اولیٰ پر تفریع ہے کہ جب اُس عدو کا گناہ تیرے جرم کا عکس ہے تو بجائے اس کے کہ عدو سے اولجھتا ہے تجھکو اپنے) اُس خلق (مذموم) کو (کہ سبب ہوا اُس کے ظلم کا) اپنی طبیعت سے دھونا چاہیئے (کیونکہ) تیرا خلق مذموم اُس (عدو) کے اندر تجھکو نمایاں ہوا (اس طرح سے) کہ وہ تیرے لئے (بمنزلہ تختہ آئینہ (کے) ہو گیا (پس) جب (ہماری اس تنبیہ سے) تو نے اُس آئینہ میں اپنے قبح کو دیکھ لیا اے حسن تو تو آئینہ پر ضرب مت لگا (لفظ اندر آئینہ مصرعہ ثانیہ میں معمول ہے دیدی کا آگے پھر بیان ہے مظہریت عالم للحق کا کہ عداوت عدو کو عکس قہر حق نہ سمجھنے کی اور اُس سے اُلجھنے کی جسکی تحقیق ابھی شعر آں عداوت اندرو عکس حق ست الخ میں کی گئی ہے ایسی مثال ہے کہ جیسے مثلاً) پانی پر ایک روشن ستارہ کا عکس پڑتا ہے (اور) تو (اُسکو پانی کے اندر سمجھکر جبکہ اُس ستارہ کو منحوس جانتا ہے اُسکو غائب کرنے کے لئے تاکہ نحوست کا اثر نہو) ستارہ کے عکس پر مٹی مار رہا ہے (کہ اُسکو دفن کر دوں اور خاک زنی کے وقت یوں کہتا جاتا ہے) کہ یہ منحوس ستارہ پانی کے اندر آیا ہے تاکہ وہ ہمارے طالع نیک کو مغلوب کرے (بس یہ سمجھ کر) اُس کے سر پر (بزعم خود) غلبہ کی خاک ڈال رہا ہے چونکہ تو اُس کو شبہ کی وجہ سے ستارہ خیال کر رہا ہے (اتفاق سے تھوڑی دیر میں وہ) عکس پوشیدہ ہو گیا اور (افق) غیبت میں چلا گیا تو تے یہ گمان کیا کہ وہ ستارہ نہیں رہا (میں نے اُسکو دفن کر دیا حالانکہ جسوقت تو اُسکو پانی میں سمجھکر یہ تدبیر کر رہا ہے اُسوقت) وہ منحوس ستارہ (جو تیرے زعم غیر واقعی میں منحوس ہے) آسمان میں ہے (سو) اُسی طرف اُسکی تدبیر بھی کرنا چاہیئے (یعنی اگر تیرے خیال میں کوئی تدبیر ضروری ہے تو اُس طرف کر جہاں وہ ستارہ ہے پانی میں مٹی بھرنے سے کیا فائدہ) بلکہ تحقیق تو یہ ہے کہ اگر جہت آسمان کے اندر ستارہ کا ہونا بھی معلوم ہو جاوے تاہم آسمان پر بھی نظر مت کرو بلکہ) دل کو بے جہت کی طرف لگانا چاہیئے (کیونکہ) اس جہت (والے ستارہ) کی نحوست بے جہت کی سور القضا کا عکس ہے (اس ترقی بلفظ بلکہ میں مقصود بھی ظاہر ہو گیا مثال ممثل کا یعنی اسی طرح ممثل میں حضرت حق پر نظر کر اور نحس بے سوکی اس تفسیر کے بعد کوئی اشکال نہ رہا جیسے حدیث میں ہے بالقدر خیرہ وشرہ و ممکن

ان یہی نحسًا لان مسببہ النحس کما سمی الجزاء سیئۃ لان سببہ السیئۃ اور جس طرح عداوت عدو عکس ہے صفات قہریہ حق کا اسی طرح احسان محسن عکس ہے صفات لطیفہ حق کا اسی کو آگے فرماتے ہیں کہ) عطا (حقیقی) تو عطا حق کو سمجھ اور اس کی بخشش کو (اور) پنج (حواس) اور شش (جہات) میں (جو کچھ عطا واقع اور مدرک[۵] ہے وہ) اس عطار کا عکس ہے (آگے عطائے خلق کا غیر معتدبہ ہونا بتلاتے ہیں تاکہ حکم مذکور داد داد حق شناس الخ کی مزید توضیح ہو جاوے کہ) اگر کمیۃ مخلوق کی عطا ریگ (بیابان) سے بھی زیادہ ہو (تب بھی) تو مر جاویگا اور وہ (عطا) میراث رہ جاویگی (پس مخلوق کی عطا ناپائدار ہے بخلاف حق تعالیٰ کے کہ وہ اگر کسی حکمت سے کوئی عطا بقصد چند روزہ ہی دیں تب تو وہ چند روزہ ہوگی جیسے مال دنیا لیکن اگر بقصد دوام دینا چاہیں تو وہ دائم رہے گی جیسے ایمان و اعمال صالحہ و حیوۃ طیبہ من الدنیا الی آخر الابد اور مخلوق تو بقصد بھی ایسا نہیں کر سکتی پس عطائے مخلوق غیر معتدبہ ہوئی آگے تفریع ہے عکس آں وادست فی الشعر القریب پر یعنی جب یہ عطا عکس ہے تو) عکس آخر (تیری) نظر میں کب تک باقی رہیگا (یعنی نظر میں باقی مت رکھ بلکہ) اصل بینی کو پیشہ کرلے اسے کج بین (یعنی حق تعالیٰ پر نظر کر جو اصل معطی ہیں آگے عطائے حق کی ایک خاص شان بیان کرتے ہیں تاکہ مقابلہ ظاہر ہو مضمون تو بمیر داں بماند مردہ ریگ کا یعنی) حق تعالیٰ نے جب اہل نیاز (و اہل اطاعت) پر بخشش فرمائی (من ثمرات الاعمال) تو عطا کے ساتھ ان کو عمر دراز بھی عطا فرمائی (مراد اس سے حیات جنت ہے جسکو میں نے ابھی چند سطر اوپر حیوۃ طیبہ من الدنیا الی آخر الابد کہا تھا اس لئے) نعمت اور منعم علیہ دونوں خالد ہوگئے (کما صرح بہ فی النصوص القطعیۃ) دو مردہ کو زندہ کرنے والے ہیں (ممکن ہے کہ اس میں ایک شبہ کا جواب ہو وہ یہ کہ اہل نیاز کو بھی جو عمر عطا فرمائی ہے وہ موت سے تو منقطع ہو جاویگی جواب یہ دیدیا کہ اگر اس موت کا اعتبار بھی کیا جاوے تو خود وہ موت بھی منقطع و مبدل بحیات ہو جاویگی پھر دوام ہو جاویگا اور ہمارا مقصود اس سے بھی حاصل ہے الذی ذکرتہ قریبًا بقولی لیکن اگر بقصد دوام دینا چاہیں الخ جب ان کی ایسی شان ہے) پس اسی کی طرف التجا (و رجوع) کرو (فی الحاشیۃ یعنی لتضرعوا الیہ من جار الی اللہ ای تضرع بالدعاء ۱۲ صراح اھ آگے ایک در شان عطائے حق کی مذکور ہے یعنی) عطائے حق (میں یہ امتیاز ہے کہ وہ) تیرے ساتھ جان کی طرح ملجاتی ہے اس طرح سے کہ وہ (عطا) تو تو ہو جاتا ہے اور تو وہ (عطا) ہو جاتا ہے (چنانچہ مہضم کے بعد یہ حکم ظاہر ہے اور مخلوق اس پر قادر نہیں ہاتھ میں دیدیا یا بہت سے بہت حلق میں ڈالدیا لیکن استحالہ پر قدرت کہاں یہ تو غذائے حسی کے متعلق عطا کا بیان تھا آگے غذائے روحانی کا ذکر ہے جسکا اوپر بھی دوسرے عنوان سے ذکر ہوا ہے فی قولہ حق چو بخشش کرد الخ و فی قولہ خالدین شد الخ یعنی وہ ایسے صاحب عطا ہیں کہ) اگر تجھکو بوجہ انہماک فی الذکر و الطاعات کے اس) نان و آب (حسی) کی رغبت (زیادہ) نہ ہے (کما ہو مشاہد فی اہل الذکر اور بدون اشتہار کے کھایا پیا نہیں جاتا اور بے کھائے پئے ضعف ہو جاتا ہے اس لئے ضعف و فتور محتمل ہو) تو وہ تجھکو بدون ان دونوں (یعنی نان و آب) کے غذائے طیب (روحانی) عطا فرماتا ہے (وھو المذکور فی قولہ علیہ السلام یطعمنی ربی و یسقینی جس سے اکثر تو جسم بھی قوی رہتا ہے ورنہ طبیعت تو ضرور قوی رہتی ہے و کل ذلک مشاھد آگے بھی اسی کا تتمہ ہے کہ) اگر (حالت مذکورہ میں جسمانی) فربہی بھی جاتی رہی ہو تو حق تعالیٰ لاغری میں تجھکو باطنی فربہی (قوت روحانی) عطا فرما دیتے ہیں اس طرف کی (اور چونکہ بلا غذائے معتاد قوت کا رہنا مستبعد تھا اس لئے آگے مثال سے استبعاد کو دفع کرتے ہیں کہ اسکو مستبعد مت سمجھو) جبکہ وہ

---

[۵] حکم بالوقوع باعتبار الجہات است و بالادراک باعتبار الحواس ۱۲ منہ۔

جن کو خوشبو سے غذا دیتے ہیں (اور) فرشتہ کو غذائے روح وہ دیتے ہیں (استدلال میں تدریج ہے یعنی جن کے لئے صرف خوشبو
تغذیہ کے لئے کافی ہوتی ہے جس سے ثابت ہوا کہ بدون آب و نان بھی تغذیہ ممکن ہے آگے اس سے بھی ترقی ہے کہ فرشتہ کو
اسکی بھی ضرورت نہیں ہوتی کہ خوشبو اگر جسم نہیں تو اوصاف جسم سے تو ہے اُسکو محض روحی غذا ذکر و طاعت کافی ہے پس
اگر انسان کے لئے بھی کسی خاص درجہ میں اسکو کافی کر دیں تو بعید ہی کیا ہے اور جن کی غذا خوشبو ہونا مولانا کو کسی دلیل سے تحقیق
ہوا ہوگا اکثر آسیب زدوں کے قصے تو سنتے ہیں کہ خوشبو اور پھول کی فرمائش کیا کرتے ہیں واللہ اعلم آگے بھی اسی کی تاکید و تائید ہے
کہ) جان (حیوانی جو آب و نان سے متغذی ہے) کیا چیز ہے کہ تو اُس سے (حیات میں) سہارا ڈھونڈتا ہے (اور سمجھتا ہے کہ
کہ بدون اس کے حیات کیسے ہوگی چنانچہ بعضے جنتیوں کے خلود میں ایسے ہی شبہات نکالتے ہیں کہ اُن کا مدار حیات بھی
غذا ہے پس اُس کیلئے تغیر و تبدل و فنا و اضمحلال لازم ہے پھر خلود کیسے ہو سکتا ہے تو واقع میں جان حیوانی مدار حیات نہیں بلکہ)
حق تعالیٰ اپنے عشق سے تجھکو زندہ کر دیتے ہیں (جب تو اس کا اہل ہوتا ہے حتی کہ جنت کے قبل دجال کے زمانہ میں ذکر اللہ
سے اہل ایمان زندہ رہیں گے آگے اس پر تفریع ہے یعنی جب عشق حق ایسی حیات بخش چیز ہے تو) تو اُس سے حیات عشق
مانگ اور جان (حیوانی کی پائندگی و درازی) مت مانگ (اور) تو اُس سے وہ رزق (روحانی) مانگ اور (صرف) روٹی مت
مانگ (آگے پھر عود ہے مظہریت عالم للحق کی طرف یعنی) خلق کو مثل آب صاف اور زلال کے جان اُس کے اندر تاباں ہیں
صفات ذوالجلال۔ اُن لوگوں کا علم اور ان کا عدل اور ان کا لطف مثل ستارہ چرخ کے (عکس کے) ہے آب رواں میں (حقیقی)
بادشاہی اُسی خلاق کو زیبا ہے (اور باقی) تمام بادشاہ اُس کے سامنے عاجز ہیں (کیونکہ اُن کی بادشاہی ظل ہے اُسکی بادشاہی کا
اور ظل عاجز و لاشے ہوتا ہی ہے ذی ظل کے سامنے آگے اسی کی تصریح ہے کہ) تمام بادشاہ مظہر ہیں بادشاہی حق کے (اور) تمام
فاضل (اور عالم) آئینہ ہیں علم حق کے۔ بہت سے قرن گذر گئے اور (اُن کے بعد) یہ (زمانہ حال) ایک جدید قرن ہے (ان تمام
قرون میں یہ حکم باقی ہے کہ) چاند وہی چاند ہے (مگر) پانی وہ پانی نہیں ہے (جیسے آب رواں میں اگر چاند کا عکس پڑتا ہو تو پانی
ہر آن میں نیا آجاتا ہے مگر اس نئے میں جو عکس ہوگا وہ بھی اسی چاند کا ہوگا اسی طرح مظاہر میں تبدل ہے ظاہر میں نہیں چنانچہ)
عدل وہی عدل ہے (جسکو اوپر کہا ہے پادشاہان مظہر شاہی حق اور) فضل (و علم) وہی فضل ہے (جسکو اوپر کہا ہے فاضلان
مرأت الخ) لیکن متبدل ہو گئے وہ اہل قرن اور جماعتیں (عادلوں اور فاضلوں کی پس) قرون پر قرون چلدیئے ای سردار (لیکن)
یہ صفات (کہ صفات حق ہیں) قرار اور دوام پر ہیں (پس اسکی وہی مثال ہے جو اوپر آچکی کہ) پانی بدل گیا اس نہر میں چند بار (لیکن)
عکس چاند کا اور عکس ستارہ کا برقرار ہے (یہ مثالیں دونوں ایک ہی چیز کی ہیں آگے اس پر ایک تفریع ہے کہ جب آب رواں کے
تبدل سے ماہ و اختر نہیں بدلتا) پس (ثابت ہوا کہ) اس (ماہ و کوکب) کی بنا آب رواں پر نہیں ہے بلکہ اطراف وسعت آسمان
(یعنی آسمان وسیع) پر ہے (یہ حکم مشبہ بہ یعنی کواکب کا ہوا اور اُنکا آسمان کے اجزاء پر ہونا ظاہر ہے آگے مشبہ کیلئے یہ حکم ثابت کرتے
ہیں کہ بس اسی طرح) یہ صفات (حق) مثل کواکب معنویہ کے ہیں (اُن کو بھی کواکب حسیہ کی طرح) جان لے کہ فلک معانی پر قائم
ہیں (چرخ معانی سے تشبیہ دی ذات حق تعالیٰ کو کہ وہ محل استقرار صفات ہے آگے مشبہ کے حکم پر تفریع ہے کہ پس معلوم ہوا کہ تمام
خوبرو اُس کے حسن کے آئینہ ہیں (اور) اُن کی معشوقی اُسکی مطلوبی کا عکس ہے (جب یہ عکس ہیں اور وہ اصل تو) یہ سب خد و خال

اپنی اصل ہی کی طرف چلا جاتا ہے (جیسا عکس کواکب راجع الی الکواکب ہوجاتا ہے) دائماً پانی میں عکس کب رہتا ہے (پس یہ) سب صورتیں (مظاہر کی) عکس ہیں آب جو کی (یہ اضافت الی الظرف ہے یعنی ایسے عکس جو آب جو میں نمایاں ہیں اور) اگر تو اپنی آنکھ ملے (یہ کنایہ ہے تصحیح نظر سے یعنی اگر نظر صحیح سے دیکھے) تو (وجود حقیقی کے اعتبار سے) سب وہی خود ہے (یعنی اور موجودات چونکہ عکس اور ظل اور تابع اور مستہلک اور لاشئے اور غیر معتد بہ ہیں اس لئے وہ قابل شمار نہیں پس ہمہ اوست کی توجیہ یہاں بھی یہی کہا جاویگا کہ جملہ اوست یعنی چیزے دیگر قابل موجود گفتن نیست کما بینتہ فی مفتتح الدفتر الاول واللہ اعلم وللہ الحمد علی حل المقام باسہل وجہ واحسنہ ولم اکن اہلاً لذالک وذلک فضلہ العظیم ولطفہ الجسیم)۔

بازعقلش گفت بگذر زیں حول
پھر اس سے عقل نے کہا کہ یہ بھینگا پن چھوڑ دے
خل دوشابست و دوشابست خل
سرکہ تو شیرہ انگور ہے اور شیرہ انگور سرکہ ہے

خواجہ را چوں غیر گفتی از قصور
جب تو نے خواجہ کو غیر کہا قصور کے سبب
شرم دار اے احول از شاہ غیور
تو شرم رکھ اے احول شاہ غیور سے

خواجہ را کو در گذشت ست از اثیر
اس خواجہ کو جو کہ کرۂ ناری سے آگے بڑھ گیا
جنس ایں موشان تاریکی مگیر
ان موشان تاریکی کی جنس مت سمجھ

خواجہ را جاں بیں مبیں جسم گراں
اس خواجہ کو جان سمجھ جسم ثقیل مت سمجھ
مغز بیں او را مبینش استخواں
اس کا مغز دیکھ اسکی ہڈی مت دیکھ

خواجہ را از چشم ابلیس لعیں
اس خواجہ کو چشم ابلیس لعیں سے مت دیکھ
منگر و نسبت مکن او را بطیں
اور اسکو طین کی طرف منسوب مت کر

ہمرہ خورشید را شپر مخواں
مصاحب خورشید کو شپر مت کہہ
آنکہ او مسجود شد ساجد مداں
جو مسجود ہوگیا ساجد مت جان

عکسہا ماند و ایں عکس نیست
یہ عکوس کے مشابہ ہے اور یہ عکس نہیں ہے
در مثال عکس حق بنمود نیست
مشابہ عکس ہیں حق تعالیٰ تجلی میں ہے

آفتابے دید وا وجامد نماند
روغن گل روغن کنجد نماند

آفتاب کو دیکھا اور وہ منجمد نہیں رہا
روغن گل روغن کنجد نہیں رہا

چوں مبدل گشتہ اند ابدال حق
نیستند از خلق برگرداں ورق

جب ابدال حق مبدل ہو گئے
تو وہ خلائق میں سے نہیں رہے ورق الٹ

قبلہ وحدانیت دو چوں بود
خاک مسجود ملائک چوں شود

قبلۂ توحید دو کیونکر ہوسکتے ہیں
خاک مسجود ملائکہ کیونکر ہوسکتی ہے

چوں دریں جو دید عکس سیب مرد
دامنش را دید آں پر سیب کرد

جب کسی شخص نے اس ندی میں سیب کا عکس دیکھا
اس کے دیکھنے نے اسکے دامن کو سیب سے مالا مال کردیا

انچہ در جو دید کے باشد خیال
چونکہ شد از دیدنش پر صد جوال

تو اس نے جو کچھ ندی میں دیکھا تھا وہ خیال کب ہوگا
جبکہ اس کے دیکھنے سے صدہا گونین بھر گئیں

تن ببین و جان مکن کان بکم وصم
کذبوا بالحق لما جاءھم

تن کو مت دیکھ اور مصیبت میں مت پڑ کہ ان گونگوں بہروں نے دین حق کی تکذیب کی تھی جبکہ وہ ان کے پاس آیا

ما رمیت اذ رمیت احمد بدست
دیدن او دیدن خالق شدست

ما رمیت اذ رمیت احمد صلی اللہ علیہ وسلم ہوئے ہیں
آپ کا دیکھنا خالق کا دیکھنا ہے

حق مرا ورا برگزید از انس و جاں
رحمۃ للعالمینش خواند ازاں

حق تعالیٰ نے آپکو انسان اور جن سے منتخب فرمایا ہے
اس سبب سے آپکو رحمۃ للعالمین فرمایا ہے

خدمت او خدمت حق کردن ست
روز دیدن دیدن آں روزن ست

آپکی خدمت کرنا حق تعالیٰ کی خدمت کرنا ہے
آفتاب دیکھنا اس دریچہ کا دیکھ لینا ہے

خاصہ ایں روزن درخشاں از خودست — بے ذریعۂ آفتاب و فرقدست

خاصکر یہ دریچہ تو از خود ہی درخشاں ہے — بدوں ذریعۂ آفتاب اور فرقد کے ہے

ہم ازاں خورشید زد بر روزنے — لیک از راہ و سوئے معہودنے

اسی خورشید سے ایک دریچہ پر شعاع پڑی ہے — لیکن متعارف منفذ اور جہت سے نہیں،

در میان شمس و ایں روزن رہے — ہست روزن ہا نشد زاں آگہے

شمس کے اور اس دریچہ کے درمیان میں ایک منفذ ہے — دوسرے دریچے اس سے آگاہ نہیں

تا اگر ابرے بر آید چرخ پوش — اندریں روزن بود نورش بجوش

تاکہ اگر کوئی ابر چرخ کا ساتر آجاوے — اس دریچہ میں اس کا نور جوش میں رہے

غیر راہ ایں ہوا و شش جہت — درمیان روزن و خور مالفت

بدون راہ اس ہوا اور شش جہت کے — دریچہ اور آفتاب کے درمیان الفت ہے

مدحت و تسبیح او تسبیح حق — میوہ میروید ز عین ایں طبق

آپ کی مدح اور تنزیہ تسبیح ہے حق تعالیٰ کی — عین اس طبق سے میوہ پیدا ہوتا ہے

سیب روید زیں طبق خوش لخت لخت — عیب نبود گر نہی نامش درخت

سیب پیدا ہوتا ہے اس طبق سے خوب بار بار — تو عیب نہیں ہے اگر تو اس کا نام درخت رکھدے

ایں سبد را تو درخت سیب خواں — کہ میان ہر دو رہ آمد نہاں

تو اس ٹوکرے کو درخت سیب کہہ — کیونکہ دونوں کے درمیان میں کوئی راہ مخفی ہے

آنچہ روید از درخت باردر — زیں سبد روید ہماں نوع از ثمر

جو چیز درخت ثمردار سے پیدا ہوتی ہے — اس ٹوکرہ سے بھی وہی نوع پھل کی پیدا ہوتی ہے

پس سبد را تو درخت بخت بیں
پس تو ٹوکرہ کو درخت نصیب در دیکھ

زیر سایہ ایں سبد خوش می نشیں
اس ٹوکرہ کے زیر سایہ خوش ہو کر بیٹھا کر

ناں چو اطلاق آورد اے مہرباں
روٹی اگر اسہال لاوے اے مہرباں

ناں چرا می خوانیش سقمونیا خواں
تو اسکو روٹی کس لئے کہتا ہے سقمونیا کہہ

خاک رہ چوں چشم روشن کرد و جاں
خاک راہ نے جب چشم اور جان کو روشن کر دیا

خاک او را سرمہ بین و سرمہ داں
تو اس کی خاک کو سرمہ دیکھ اور سرمہ جان

چوں ز روئے ایں زمیں تابد شروق
جب اس زمین کی سطح سے روشنی دے طلوع آفتاب

من چرا بالا کنم رو در عیوق
تو میں کس لئے اوپر کی طرف ستارہ عیوق میں توجہ کروں

شد فنا ہستش مخواں ای چشم شوخ
آپ فنا ہو گئے آپ کو ہست مت کہہ اے شوخ چشم

در چنیں جو خشک کے ماند کلوخ
ایسی ندی میں کلوخ کب خشک رہ سکتا ہے

پیش ایں خورشید کے تابد ہلال
اس خورشید کے سامنے ہلال کب روشن ہو سکتا ہے

با چناں رستم چہ باشد زور زال
ایسے رستم کے سامنے کیا ہو سکتا ہے زور زال کا

طالب ست و غالب ست آں کردگار
وہ کردگار طلب کرتے ہیں اور غالب ہیں

تا ز ہستی ہا بر آرد او دمار
تاکہ ہستیوں کو ہلاک کر ڈالیں

دو مگوی و دو مخواں و دو مداں
دو مت کہہ اور دو مت پڑھ اور دو مت جان

بندہ را در خواجہ خود محو داں
غلام کو تو اپنے آقا میں محو جان

خواجہ ہم در نور خواجہ آفریں
یہ خواجہ بھی خالق خواجہ کے نور میں

فانی ست و مردہ و مات و دفیں
فانی ہے اور میت ہے اور مدفون ہے

چوں جدا بینی زحق ایں خواجہ را	**گم کنی ہم متن وہم دیباچہ را**
اگر تو اس خواجہ کو حق سے جدا دیکھے گا	تو تو اصل اور مقدمہ کو گم کر دے گا
چشم دل راہیں گذارہ کن زطیں	**ایں یکے قبلہ ست دو قبلہ مبیں**
تو چشم دل کو متجاوز کر طین سے	یہ ایک ہی قبلہ ہے دو قبلے مت دیکھ
چوں دو دیدی ماندی از ہر دو طرف	**آتشے در خف فتاد و رفت خف**
اگر تو نے دو دیکھے تو تو دونوں طرف سے رہا	آگ سوختہ میں واقع ہو گئی اور وہ سوختہ بھی جاتا رہا

(تفسیر) اوپر کے اشعار میں تمام خلائق کا ظل حق ہونا جس معنی کے اعتبار سے بیان کیا تھا جسکو شرح اشعار کے اخیر میں احقر نے ظاہر بھی کر دیا ہے اور جسکو مولانا نے اخیر شعر کے مصرعہ ثانیہ میں بعنوان عینیت ذکر کیا ہے جو سابق کے ساتھ محض عنوان تعبیری ہی میں مختلف ہے اور معنون ایک ہی ہے یعنی اگر وجود کے مرتبہ ضعیف پر بھی نظر کیجاوے تو جملہ تصویر آں عکس آنجو ست کے عنوان سے تعبیر کیا جاویگا اور اگر مرتبہ ضعیف پر نظر نہ کیجاوے تو چوں بمالی چشم خود خود جملہ اوست کے عنوان سے حکم کیا جاویگا اور دونوں تعبیروں کا معبر عنہ ایک ہی ہے یعنی وجود واجب کا اصل و متبوع اور مستقل ہونا اور وجود ممکن کا فرع اور تابع اور مضمحل ہونا بلکہ اگر ظل خاص یعنی عکس مرئی فی الماء و فی المرآۃ کی حقیقت میں غور کیا جاوے تو وہ بھی عین ہی ہے کیونکہ پانی یا آئینہ میں کوئی مغائر چیز موجود نہیں ہو جاتی بلکہ شعاع بصری اُس جسم شفاف سے لوٹکر عین مرئی پر واقع ہوتی ہے اور اُس سے عین وہ مرئی ہی نظر آتا ہے بہرحال یہ معنی تمام خلائق اور اُن کی جمیع صفات کو عام اور شامل ہیں آگے اس عینیت پر ایک قید زائد کر کے اُسکو خاص کرتے ہیں متصفین بصفات کمال و متخلقین باخلاق ایزد متعال کے ساتھ اور وہ قید یہی اتصاف و تخلق ہے اور چونکہ اس قید کے اعتبار سے ان متخلقین کو بہ نسبت عام خلائق کے کہ صرف معنی اول کے مصداق تھے حق تعالیٰ کے ساتھ زیادہ مناسبت ہے اس لئے اس معنی ثانی کی تعبیر کے لئے عنوان بھی اقوی و ابلغ اختیار کرتے ہیں یعنی معنی اول کو ظل اور عکس کہا تھا یہاں ظل اور عکس کی نفی کر کے اسکو عینیت و اتحاد بمعنی الوحدۃ قا کہتے ہیں جیسا اوپر بھی معنی اول کو بالکل اخیر میں اس عنوان سے بھی تعبیر کر دیا تھا مگر وہاں یہ تعبیر تبعاً بغرض کشف بعض وجوہ معنی اول تھی کہ وہ عدم اعتداد ہے وجود ممکن کا وجود واجب کے سامنے اور یہاں یہ تعبیر قصداً ہے بغرض افادہ ترقی و زیادت معنی عینیت للمتخلقین المذکورین کے اور اُن دونوں معنی میں فرق اور اُن کی تحقیق باختلاف الفاظ شروع دفتر اول میں بذیل حکایت بقال و طوطی گذر چکی ہے اُس کا ملاحظہ موجب زیادت بصیرت ہوگا اور جیسا احقر نے اوپر شرح اشعار بالا آدم اصطرلاب الخ کی تمہید میں لکھا ہے کہ یہ سب مقولات مولانا کے ہیں بلسان اُس قرضدار غریب الوطن کے وہی بیان ہے

تحقیق مسئلہ حصول و اتحاد ... [illegible] (marginal note, partly illegible)

سمجھئے بلکہ یہاں تو اس سے بڑھکر باز عقلش گفت میں تصریح بھی ہے اس مقولہ کے انتساب کی اُنکی طرف اور اس نسبت کی تصریح سے مضامین اشعار بالا کی نسبت بھی اُنکی طرف لازم آگئی کیونکہ اگر مضامین بالا کو مولانا کی طرف منسوب کہا جاوے تو باز عقلش گفت کے کوئی معنی نہوں گے کہ لفظ باز صریح دال ہے کہ اُس کے قول اول کے بعد اُس کے عقل کا یہ قول ثانی واقع ہوا پس ارشاد فرماتے ہیں کہ جب وہ ظلیت اور عکسیت کا مضمون دل میں یا زبان سے کہہ چکا تو) پھر اُس سے عقل نے کہا کہ یہ دو بینی (جو کہ حکم ظلیت وعکسیت سے لازم آتی ہے) چھوڑ دے (کیونکہ محل التکلم فیہ یعنی محتسب کریم مذکور متصف بصفت حق کہا سیاتی خواجہ را چوں غیر گفتی الخ مع بالعدہ کی حق تعالیٰ کے ساتھ ایسی مثال ہے جیسے کہ) سرکہ تو شیرہ انگور ہے اور شیرہ انگور سرکہ ہے (اور چونکہ مثال کے لئے مثل ہونا لازم نہیں اور مثال میں کوئی خاص مابہ الاشتراک ملحوظ ہوتا ہے اس لئے تمام اوصاف میں اشتراک لازم نہیں آتا سو اس مثال سے مقصود صرف یہ ہے کہ پہلے جو چیز متصف بالعصیریت تھی وہ اب تبدل وصف عصیریت بوصف الخلیۃ کے سبب موصوف بالخل ہوگئی اور ایک کو دوسرے کا ظل نہیں کہتے بلکہ عین کہتے ہیں اسی طرح اس محتسب کریم نے جب اپنے اوصاف نقص مقتضائے امکان کو اوصاف کمال ثابتہ بالذات للواجب الحق سے متبدل کرلیا اس تبدل وصف کے سبب وہ موصوف بصفات حق ہوگیا پس یہاں بھی جسطرح بالمعنی الشامل للخلق اسکو ظل کہا جاسکتا ہے اس خصوص مناسبت مع الحق فی صفاتہ الکمالیہ پر نظر کرکے بغرض امتیاز عن عامۃ الخلق عین اصطلاحاً کہنا نامناسب نہ ہوگا پس باوجود دونوں عنوانوں کے معنون ہونے کے تمائز فی مابین العام والخاص مرجح ہے اس کا کہ دونوں کی تعبیت فی الاتصاف کو جدا جدا عنوانوں سے تعبیر کیا جاوے نیز ایک اور فرق بھی دونوں اتصافوں میں ہے کہ اول اتصاف تکوینی ہے دوسرا تشریعی یہ بھی مقتضی ہے کہ دونوں کی تعبیر الگ الگ عنوان سے ہو خواہ کوئی عنوان ہوتا۔ چونکہ صوفیہ کی اصطلاح پر یہ دونوں عنوان اس فرق کے مودی ہیں اور اصطلاح جاننے والوں کو غلطی کا ابہام نہیں ہوتا اس لئے انھوں نے اسکو اختیار کیا باقی جہاں غلط فہمی کا احتمال ہو وہاں تحریم تعبیر مذکور کا فتویٰ دیا جاویگا آگے مثال مذکور فی المصراع الثانی من الشعر السابق کا مقصود بیان کرتے ہیں کہ) جب تو نے خواجہ کو غیر کہا قصور (نظر) کے سبب تو شرم رکھ اے احول شاہ غیور (حقیقی یعنی حق تعالیٰ) سے (کہ اُس کے غیر کے لئے صفت کمال ثابت کرتا ہے گو اُس غیر کو درجۂ ظل ہی میں ثابت کیا جاوے سو کسی مرتبہ میں بھی اسکو ثابت مت کر اور جملہ شرم دار مشیر ہے اس طرف کہ یہ نفی غیر مقتضی غیرت دقیقہ کا ہے گو عقلاً اُس غیر کا ثبوت صحیح ہو آگے اُس خواجہ کا خواص میں سے ہونا مبنی ہے اُس کے لئے اس حکم خاص کے ثابت کرنے کا بتلاتے ہیں کہ) اس خواجہ (محتسب) کو جو کہ کرہ ناری سے آگے بڑھ گیا (یعنی اُسکی روح سماء او علیین میں چلی گئی وبذلک دل علیٰ کونہ مقبولاً لان غیر المقبول لا یتصعد روحہ فی السماء کما قال تعالیٰ فیھم لا تفتح لھم ابواب السماء تو اس خواجہ مقبول حق کو) ان موشان تاریکی (مقیدان ظلمت محبت دنیا) کی جنس مت سمجھ (اور اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اولاً اپنی توقع میں غلط کا ہونے کی بنا ء یہ بیان کی ہے کہ وہ محتسب کیا چیز تھا محض ظل تھا تو اُس سے توقع مت رکھ اور اب جبکہ اس ظلیت کے حکم میں غلطی ثابت ہوئی اور خواجہ کو مظہر کرم حق سمجھا تو چاہیئے کہ پھر اُس سے توقع لگانا غلطی نہ ہو حالانکہ اسکی غلطی ظاہر ہے سو اس سے یہ لازم نہیں آتا کیونکہ وہ توقع اُس کے استقلال بالکرم کے خیال پر تھی اب جب اُس کا عدم استقلال ثابت ہوگیا اولاً اُسکی ظلیت پر نظر کرکے اور ثانیاً اُسکی عینیت مصطلحہ پر نظر کرکے کہ یہ اور بھی زیادہ قاطع توقع ہے کیونکہ اسمیں تو اُسکے وجود غیر مستقل

کی بھی نفی کردی جو ظل کے لئے تھا تو نفی ظل سے زیادہ عدم استقلال ثابت ہوا نہ کہ استقلال جو کہ ظل سمجھنے سے پہلے متوہم تھا جیسا احقر نے ابھی شرح شعر خواجہ را چوں غیر الخ میں اسکی تقریر کی ہے پس مقصود عود نہیں ہے صحت توقع کی طرف بلکہ وہ عدم توقع بحالہٖ ہے صرف ایک نظری غلطی تھی توحید میں جسکو رفع کر رہے ہیں نیز سابق سے شبہ ذم محتسب کا ہوتا تھا اسکو بھی دفع کر دیا پس نظری غلطی کے ساتھ یہ عملی غلطی تھی آگے بھی اُس کا مقبول و مظہر خاص ہونا بیان کرتے ہیں کہ) اس خواجہ کو جان سمجھ جسم ثقیل مت سمجھ (یعنی اُس کی حیثیت روحیہ متصفہ بالکمال پر نظر کر اوصاف جسمیہ مشترکہ کو مت دیکھ) اُس کا مغز دیکھ اُسکی ہڈی مت دیکھ۔ اس خواجہ کو چشم ابلیس لعین سے مت دیکھ اور اسکو (صرف) طین کی طرف منسوب مت کر مصاحب خورشید کو شپرست کہہ (کیونکہ وہ تو خورشید سے بھاگتا ہے اُس کا مصاحب کیونکر ہو سکتا ہے پس اسی طرح جو شخص حق تعالےٰ کے ساتھ معیت و بحکم حدیث انا جلیس من ذکرنی مجالست معنویہ رکھے اسکو کاحد من کل ظلمة الدنیا کہ مشابہ شپر کے ہے مت سمجھو یہ مضمون وہی ہے جو جنس این موشان الخ میں تھا آگے وہ مضمون ہے جو خل دو شاب ست الخ اور خواجہ را چوں غیر الخ میں تھا یعنی) جو مسجود ہو گیا (اسکو) ساجد مت جان (تقریر اسکی یہ ہے کہ آدم علیہ السلام مسجود ملئکہ ہوے اور غیر اللہ مسجود ہوتا نہیں ولو للتحیة لانہا تعظیم والمستحق لہ بالذات ہو اللہ تعالیٰ پس معلوم ہوا کہ وہ بحیثیت خصوصیت آدمیہ مسجود نہ تھے بلکہ بحیثیت مظہریت صفات الٰہیہ کہ حاصل ہے معنی خلافت کا مسجود تھے والحکم الثابت للشئ بالحیثیة الخاصة ہو الثابت لتلک الحیثیة پس مسجود در حقیقت صفات حق ہوئیں یہ دلیل ہو گئی عینیت مصطلحہ کی جو اوپر مذکور تھی بعد اثبات عینیت مصطلحہ کے عکسیت کی نفی کرتے ہیں کہ) یہ (خواجہ مع امثالہ) معکوس کے مشابہ ہے اور یہ (خواجہ) عکس نہیں ہے (اور اُس) مثل عکس ہیں حق تعالیٰ تجلی میں ہے (نمودن مصدر بباء جارہ بمعنی در و یا زائد یعنی در نمودن است اور عکس کی نفی کا مبنیٰ اثبات عینیت مصطلحہ ہے خواص کیلئے اور چونکہ ظاہراً عوام و خواص کی حالت اتصاف میں تشابہ ہے اور عوام سے ظلیت کی نفی نہیں کی اسلئے مشابہ عکس کہدیا آگے تبدل اوصاف خواص کی جو مبنیٰ تھا حکم بالعینیة المذکورہ کا مثالیں ہیں **اول**) آفتاب کو دیکھا اور وہ (یعنی یخ بقرینہ مقام) منجمد نہیں رہا (بلکہ متبدل بآب ہو گیا **مثال ثانی**) روغن گل (جو اصل میں روغن کنجد تھا اور پھولوں میں بسا دینے سے روغن گل ہو گیا اب وہ) روغن کنجد نہیں رہا (وجہ تمثیل مطلق تبدل ہے نہ دوسری خصوصیات پس مثال اول پر یہ شبہ بھی نہیں واقع ہوتا کہ مشبہ بہ میں تو تبدل باوصاف متجلی یعنی حق ہوا ہے اور مشبہ میں تبدل باوصاف متجلی یعنی خورشید نہیں ہوا آگے تصریح ہے مدعائے مقام کی بعد امثلہ کے یعنی اسی طرح) جب ابدال حق (باعتبار اپنے اوصاف کے) مبدل ہو گئے (یعنی اُن کے اوصاف مبدل ہو گئے) تو وہ (عام) خلائق میں سے نہیں رہے ورق اولٹ (یعنی اس مضمون سے فارغ ہو کر آگے چل اسمیں کلام مت کر آگے پھر وہی مضمون ہے انکہ او مسجود شد الخ یعنی) قبلۂ توحید دو کیونکر ہو سکتے ہیں (یعنی جو توجہ کہ بمقتضائے توحید ہے یعنی توجہ خالص جسمیں دوسرا من وجہ بھی شریک نہیں ولو توجہ التحیة کما ذکرتہ فی شرح آنکہ او مسجود شد الخ اُس کا قبلہ یعنی جہت توجہ دو نہیں ہو سکتی یعنی) خاک (جو کہ عنصر آدم ہے) مسجود ملئکہ کیونکر ہو سکتی ہے (آگے مشابہ عکس کی جو کہ واقعی عکس نہو جسکا شعر عکسہا را مانذ الخ میں ذکر تھا ایک مثال دیتے ہیں کہ فرض کرو) جب کسی شخص نے اس ندی میں (یعنی کسی ندی میں) سیب کا عکس دیکھا (یعنی اول نظر میں عکس سمجھا مگر تحقیق کیلئے

ہاتھ ڈالا اور) اُس کے دیکھنے نے اُس کے دامن کو سیب سے مالا مال کر دیا (یعنی دیکھنا سبب اس کا ہو گیا مطلب یہ کہ ہاتھ ڈالتے ہی سیب واقعی اُسکو ملے) تو (اس صورت میں) اُس نے جو کچھ ندی میں دیکھا تھا وہ خیال (اور عکس) کب ہوگا جبکہ اُس کے دیکھنے سے صدہا گونیں بھر گئیں (وہ تو واقعی سیب ہوگا تو اس مثال میں جیسے اولاً عکس سمجھا مگر دلیل سے ثابت ہوا کہ عین ہے اسی طرح یہاں بھی آثار و برکات مختصہ بصفات حق مثل معظمیت و مسجودیت آدم یا نافعیت مثل سخاء و کرم محتسب جب صفات خلق پر مرتب ہوئی تو دلیل سے ثابت ہوا کہ عکس نہیں بلکہ عین ہے بالتفسیر المذکور مراداً یہاں بھی مثال سے صرف بعض اعتبار سے عکس نہونا مقصود ہے اور اس عدم عکسیت میں تماثل ضروری نہیں تاکہ اشکال لازم آوے کہ مثال میں تو عین من کل الوجوہ ہے اور ممثل میں نہیں آگے ان مضامین کو بطور تخصیص بعد التعمیم بعد اثبات لجمیع الخواص کے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے کہ اخص الخواص ہیں خاصۃً دور تک ثابت کرتے ہیں جیسا صریح الفاظ دال ہیں یعنی آپ کے) تن (ظاہری) کو مت دیکھ (کہ مار وطین سے ہے) اور مصیبت (جہل) میں مت پڑ (کہ مار وطین کے دیکھنے پر مرتب ہے) کہ اُن گونگوں بہروں (یعنی کفار) نے (اسی مار وطین کو دیکھکر) دین حق کی تکذیب کی تھی جبکہ وہ اُن کے پاس آیا (یہ اقتباس ہے شروع سورۂ انعام کی آیت سے یعنی اُنھوں نے یہی کہا کہ یہ وحی کا لانے والا ہم جیسا بشر ہے کما فی سورۃ الانعام ہنالك وقالوا لولا انزل علیہ ملك الخ پس اس مضمون کا اعادہ ہوا آپ کیلئے یعنی مضمون ہنگر و نسبت مکن ا ور الطین کا) مادمیت اذرمیت (کے مصداق) احمد صلی اللہ علیہ وسلم ہوئی ہیں (جس سے عینیت مصطلحہ معلوم ہوئی آگے اسکی تفریع ہے کہ پس) آپکا دیکھنا (من وجہ) خالق کا دیکھنا ہے) بناءً علی العینیۃ المذکورۃ ونظیرہ ایضاً قولہ من یطع الرسول فقد اطاع اللہ) حق تعالیٰ نے آپ کو انسان اور جن سے منتخب فرمایا ہے (اس لئے کہ آپ کو یہ اختصاص مبحوث عنہ حضرت حق کے ساتھ سب سے زیادہ تھا) اس سبب سے آپکو رحمۃ للعالمین فرمایا ہے (اور ظاہر ہے کہ سب کے لئے واسطۂ رحمت وہی ہوگا جو سب سے افضل و اقرب و احب ہو) آپ کی خدمت کرنا حق تعالیٰ کی خدمت کرنا ہے (کما سبق من یطع الرسول اور اسکی ایسی مثال ہے کہ) آفتاب دیکھنا اُس دریچہ کا دیکھ لینا ہے (اس میں مبتدا موخر اور خبر مقدم ہے یعنی اگر دریچۂ تاباں از آفتاب کو دیکھ لیا گویا آفتاب کو دیکھ لیا پس جو بندۂ مقبول حق تعالیٰ کے نور سے منور ہے اور اُس سے تعلق رکھتا ہے اُس کا دیکھ لینا بعض اعتبارات سے حضرت حق کا دیکھ لینا ہے کہ مظہر ظاہر کے لئے مظہر باسم الفاعل من الاظہار ہوتا ہے اور یہ حکم تمام انبیاء و اصفیاء کے لئے عام تھا اس لئے آپ کی پھر تخصیص ہے یعنی) خاصکر یہ دریچہ (تعین محمدی) تو از خود ہی درخشاں ہے (از خود کے معنی بلا واسطۂ حق نہیں کہ خلاف واقع بھی ہے اور حکم سابق روز دیدن الخ کے بھی خلاف ہے بلکہ بلا واسطۂ خلق مراد ہے چنانچہ ظاہر ہے کہ تمام خلائق کے لئے آپ خود واسطۂ فیض الٰہی ہیں آپ کیلئے کوئی بھی واسطہ نہیں آگے اسی کا ذکر ہے کہ یہ درخشانی) بدون ذریعۂ آفتاب (یعنی دیگر انبیاء) اور (ستارہ) فرقد (یعنی دیگر اصفیاء) کے ہے (پس آپ کا کمال حق تعالیٰ کے اعتبار سے بالعرض ہے اور مخلوق کے اعتبار سے بالذات اور میرے ترجمہ سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اس شعر میں آفتاب کا مصداق مغائر ہے شعر بالا میں مصداق روز بمعنی آفتاب اور شعر آئندہ میں مصداق خورشید سے) اُسی خورشید (حقیقی) سے ایک دریچہ (یعنی تعین محمدی) پر شعاع پڑی ہے لیکن متعارف متعذا و جہت سے نہیں (چنانچہ حق تعالیٰ کا تنزہ اس سے ظاہر ہے

تقریر لطیف متعلق بحدیث انہ لیغان علی قلبی

بلکہ) شمس (حقیقی) کے اور اس دریچہ کے درمیان میں ایک منفذ (خاص معنوی) ہے دوسرے دریچے اس سے آگاہ نہیں کیونکہ ہر مقام کی تجلی کا ادراک اسی مقام والا کر سکتا ہے اور وہ منفذ خاص معنوی اس لئے ہے) تاکہ اگر کوئی ابر چرخ کا ساتر آجاوے (تب بھی) اس دریچہ میں اس (شمس) کا نور جوشش (اور غلبہ) میں رہے (وہ ابر مانع اور حائل نہ ہو سکے جیسا آسمان ظاہری پر ابر آجانے سے اس کا نور کسیقدر بند ہو جاتا ہے عجب نہیں کہ اس ابر سے مراد وہ ہو جسکی نسبت ارشاد ہے انہ لیغان علی قلبی تو مولانا نے اسمیں یہ بتلا دیا کہ وہ غین مانع یا منقص تجلی نہیں کیونکہ وہ تجلی جو آپ کے قلب پر ہوتی ہے اسقدر قوی النور ہے کہ خود اس غین کو بھی منور کر دیتی ہے چنانچہ ظاہر ہی ہے کہ وہ تعلقات و توجہات الی الخلق جو مصداق ہیں اس غین کا اور عامہ کے لئے ساتر تجلیات ہیں آپ کے لئے موجب زیادت قرب اور عین طاعت تھے پس خود ان کی ظلمت جو ان کی اصل وضع کا مقتضا تھا بالکلیہ محو ہو گئی اور یہی حکم سب انبیاء علیہم السلام کے لئے عام ہے بخلاف اولیاء کے کہ ان کے لئے بعجب بشریہ کسی وقت ساتر تجلیات ہو جاتے ہیں گو قوی الستر نہ ہوں پس یہاں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تخصیص کی دوسرے اولیاء کے اعتبار سے ہے نہ کہ انبیاء علیہم السلام کے اعتبار سے گو آپ کی نورانیت اوروں سے زیادہ ہو یہ اور بات ہے) بدول راہ اس ہوا اور (بدون اس) شش جہت کے دریچہ اور آفتاب کے درمیان الفت (اور تعلق) ہے (بخلاف دریچہ حسی آفتاب حسی کے کہ جہت اور درمیانی ہوا جو اولاً متکیف ہوتی ہے شعاعوں سے شرط ہے تنویر و تنور کے لئے) آپ کی مدح (یعنی اثبات الکمالات لہ صلے اللہ علیہ وسلم) اور تنزیہ (یعنی نفی النقائص عنہ صلی اللہ علیہ وسلم کما فی الحدیث لم یکن رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فحاشا ولا متفحشا ولا صخابا فی الاسواق ومثل ذلک یہ سب) تسبیح ہے حق تعالے کی (کہ حق تعالیٰ سے آپ استفادہ میں بہت قریب ہیں کہ کسی اور مخلوق کا واسطہ نہیں ہے اور ظاہر ہے کہ موصوف بالعرض کی مدح مستلزم ہے اسکے مابالذات قریب کیلئے اور وہ حضرت حق ہے بخلاف دوسرے اہل کمال کی مدح کے کہ جب آپ ان کے لئے واسطہ فیض ہیں تو ان کی مدح بواسطہ آپ کے مدح حق ہوئی یہ فرق ہے دونوں مقام میں آگے آپ کے اسی استفادہ من الحق بلا واسطہ خلق کو فرماتے ہیں کہ آپ کی ایسی مثال ہے جیسے گویا) عین اس طبق سے میوہ پیدا ہوتا ہے۔ (آگے میوہ کی تفسیر تمثیلی ہے یعنی مثلاً) سیب پیدا ہوتا ہے اس طبق سے خوب بار بار۔ تو (اس حالت میں) عیب نہیں ہے اگر تو اس طبق کا نام درخت رکھدے (کیونکہ اسمیں درخت کی خاصیت ظاہر ہوئی آگے طبق کی تفسیر ہے کہ طبق سے مراد سبد یعنی ٹوکرا ہے یعنی اس صورت میں) تو اس ٹوکرے کو درخت سیب کہہ کیونکہ دونوں کے درمیان میں کوئی راہ مخفی ہے (جسکی وجہ سے) جو چیز درخت ثمردار سے پیدا ہوتی ہے اس ٹوکرہ سے بھی وہی نوع پھل کی پیدا ہوتی ہے (جب یہ بات ہے) پس تو ٹوکرہ کو درخت نصیب ور دیکھ (اور) اس ٹوکرہ کے زیر سایہ خوش ہو کر بیٹھا کر (جس طرح کہ درخت سیب کے نیچے اس توقع میں بیٹھا تھا کہ کوئی پھل ہاتھ آویگا وہی توقع اس سے رکھ گو درخت سے بالذات اور اس سے بالعرض لاتصالہ بالشجرۃ کما ذکر فی شعر ایں سبد را فی قولہ کہ میاں ہر دو راہ آمد۔ اور وہ راہ نہاں یہ ہو سکتی ہے کہ مثلاً کسی صناع نے اظہار صنعت عجیبہ کے لئے کسی درخت سیب کی جو کہ ادنی قسم کا تھا ہری لکڑیوں کا ایک ٹوکرا ایسی طرح بنایا کہ ان لکڑیوں کے سب سرے باہر چھٹے رہے اور ان سب شاخوں کے دونوں کناروں کو کسی اعلی درجہ کے درخت سیب میں پیوند کر دیا اور وہ اس کا جزو بنگیا پس اس کے بعد جب

ان شاخوں میں پھل لگنے لگا تو اس حصہ میں یہ پھل آویگا جو کہ اس ٹوکرہ کا سطح بالائی ہے تو ناواقف جس نے کبھی ایسا نہ دیکھا ہوگا اسکی ہیئت دیکھکر اسکو ٹوکرہ سمجھیگا اور خیال کریگا کہ کسی نے پھول توڑکر اسمیں جمع کردئے ہیں اور جو واقف ہو وہ اس ٹوکرہ کو درخت ہی کہیگا پس اسی طرح آپ میں اور منبع فیض حقیقی میں ایک تعلق بلا واسطہ ہے جس سے بعض صفات حق کے آثار آپ میں نمایاں ہوتے ہیں پس اس اعتبار سے آپکو مظہر اتم حق کہا جاویگا اور بعض امور میں جو معاملہ حضرت حق کے ساتھ ہوتا ہے کہ شجرۃ التفاح اُن کی مثال میں مذکور ہوا ہے وہی معاملہ آپ کے ساتھ ہوگا کما مر من قولہ تعالیٰ من یطع الرسول الخ گو حضرت حق کے ساتھ بالذات اور آپ کے ساتھ بالعرض آگے توضیح کے لئے ایک مثال ہے بطور ذیل کے شعر بس سید الخ کے مضمون کیلئے یعنی بعد اشتراک خاصہ کے اُس سید کو درخت کہنا ایسا ہی صحیح ہے جیسے مثلاً) روئی اگر اسہال (کی صحت ظہور میں) لاوے اے مہربان تو اسکو روئی کس لئے کہتا ہے سقمونیا کہہ (مثال سے صرف مقصود اسقدر ہے کہ اسی طرح مثل میں بھی خواص کے اعتبار سے اُسکو درخت کہو اور جمیع خصوصیات میں اشتراک ضروری نہیں اور ایک مثال ہے کہ فرضاً) خاک راہ نے جب چشم اور جان کو روشن کردیا تو اُس (راہ) کی خاک کو سرمہ دیکھ اور سرمہ جان (یہاں بھی یہی مقصود ہے کہ اعتبار خواص کا ہے اور ایک مثال ہے کہ فرضاً) جب اس زمین کی سطح سے روشنی دے طلوع آفتاب (کذا فی المنتخب) تو میں کیلئے اوپر کی طرف ستارہ عیوق میں توجہ کروں (فی المنتخب عیوق بالفتح وتشدید یا ستارہ ایست سرخ رنگ روشن در کنارہ راست کاہ کشاں کہ پس ثریا برآید و پیش آں شود اھ یہاں بھی یہی مقصود ہے کہ جب اجرام علوی کا خاصہ اجرام سفلیہ میں ظاہر ہونے لگے پھر اُن ہی کو حکماً اجرام علویہ سمجھیں گے کیونکہ اعتبار خاصہ کا ہے پس اسی طرح تخلق باخلاق اللہ سے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بھی بعض امور میں معاملہ مثل حق تعالیٰ کے کیا جاویگا اور یہ مضمون تخلق کا پندرہ سولہ شعر اوپر از بیت از درخت الخ سے شروع ہوا تھا درمیان میں تائید کے لئے امثلہ لائے تھے اب پھر عود علی البدء ہے یعنی) آپ (صفات حق میں) فنا ہو آپ کو ہست (مبائن ومغائر مقابل عینیت مشبہہ بمقام) مت کہہ ای شوخ چشم (یعنی آپ کے لئے ایسی مبائنت کا حکم کرنا جرأت علی الغلط ہے آگے مثال ہے کہ) ایسی ندی میں (یعنی تجلی حق میں) کلوخ کب خشک رہ سکتا ہے (بلکہ فنا فی الماء ہوجاتا ہے اسی طرح آپ کے جسم اطہر مخلوق من الطین تک میں اسی تجلی وتخلق نے سرایت کی ہے آگے اور مثال ہے کہ) اس خورشید کے سامنے ہلال کب روشن ہوسکتا ہے (آگے اور مثال ہے کہ) ایسے رستم کے سامنے کیا ہوسکتا ہے زور زال کا (اسی طرح تجلی واجب کے سامنے آپ کی ہستی کیونکر فنا نہ ہوتی اور گو یہ فنا فی جنب الوجود الواجب عام ہے تمام ممکنات کو مگر یہاں مطلق تجلی مراد نہیں بلکہ جس تجلی سے تخلق وغلبۂ حال بھی ہوجاوے سو یہ خاص ہے خواص کے ساتھ خصوص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ باعتبار اُس کے درجہ عظمیٰ کے یہاں تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق مضمون تھا آگے پھر عام ہے سب خواص کو اور چونکہ اہل ظاہر اس فنا مذکور کو مستبعد سمجھتے ہیں کیونکہ ظاہراً تو ہوش وحواس ان کے بحالہ رہتے ہیں پھر فنا کیا چیز ہوتی ہے اس لئے اس استبعاد کو دفع کرتے ہیں کہ) وہ کردگار (فنا ہستی عبدکی) طلب (اور ارادہ) کرتے ہیں اور (اس فنا پر) غالب (یعنی قادر بھی) ہیں تاکہ ہستیوں کو ہلاک (وفنا) کرڈالیں (پس جب اُن کو قدرت بھی ہے اور اُن کو وہ مطلوب اور خواستہ بھی ہے اور تخلف مراد کا اُن کے ارادہ سے ممتنع ہے تو لامحالہ یہ فنا واقع ہوگا گو بقاء ہوش وحواس کے ساتھ یہ عجیب ہو لیکن اللہ تعالیٰ عجائب پیدا

بھی قادر ہیں اور گو فنا کی ایک قسم جو کہ فنا اخلاق ہے وہ محسوس بھی ہے لیکن اُس کے ساتھ بھی جو حال عطا ہوتا ہے یعنی اس تخلق سے ایک خاص بے کیف تعلق حق کے ساتھ وہ ذوقی ہونے کے سبب اُن کو محسوس نہیں ہوتا پس استبعاد باعتبار مجموعہ تخلق وحال مقارن کے تھا جسکو دفع کر دیا پس اس تمام تر تقریر کے بعد فانی فی الحق کو اور حق کو بمعنی مغائرت مقابلہ عینیت مذکورہ فی المقام) دوست کہہ اور دوست پڑھ اور دوست جان (بلکہ) غلام (یعنی مبتدی) کو تو اپنے آقا (یعنی مرشد کامل) میں محو جان (کہ اولاً تخلق باخلاق شیخ ہوتا ہے اور پھر یہ سمجھ کہ) یہ خواجہ (یعنی مرشد) بھی خالق خواجہ (یعنی اپنے خالق) کے نور (و تجلی) میں فانی ہے اور میت ہے اور مدفون ہے (یہ سب تاکید ہے یہ بعد تخلق باخلاق شیخ کے ہوتا ہے کہ جب صاحب نسبت ہو جاتا ہے پھر اس کا معاملہ حق تعالیٰ کے ساتھ معاملہ مرشد سے جدا بھی ہو سکتا ہے اور تخلق باخلاق الرسول صلی اللہ علیہ وسلم یہ تخلق باخلاق اللہ ہی کے مفہوم میں آگیا) اگر تو اس خواجہ (یعنی مرشد) کو حق سے جدا (مبائن و مغائر بالمعنی المذکور مراد) دیکھے گا تو تو اصل (یعنی مقصود) اور مقدمہ (یعنی طریق دونوں) کو گم کر دیگا (یعنی طریق ہی میں غلطی ہوگی تو مقصود تک کیسے رسائی ہوگی اور یہ غلطی طریق میں اس لئے ہوگی کہ اس صورت میں مرشد کو کامل نہ سمجھیگا کیونکہ کمال کے لئے تخلق باخلاق الٰہیہ لازم ہے جب تخلق کا معتقد نہ ہوا تو کمال کا معتقد نہ ہوا پھر اتباع و فیض کیسے ہوگا اس لئے تخلق کا اعتقاد ضروری ہے اور یہی ہے فنا و عینیت محکوم بہا فی المقام) تو چشم دل کو متجاوز کر طین (اوصاف بشریہ خواص عباد خصوص مرشد) سے (اور یہ سمجھ کہ) یہ ایک ہی قبلہ ہے دو قبلے مت دیکھ (کہ حق تعالیٰ ایک قبلہ توجہ ہے اور فانی فی الحق دوسرا قبلہ توجہ بلکہ حق تعالیٰ ہی کو قبلہ توجہ اور فانی فی الحق کو مظہر اتم اُس قبلہ کا سمجھ اور) اگر تو نے دو دیکھے تو تو دونوں طرف سے رہا (چنانچہ ظاہر ہے کہ دو مقصود کی طرف توجہ نہیں ہوتی ہر ایک دوسرے سے حاجب ہوگا اور یہاں ہر واحد سے حجاب مضر اور دونوں طرف سے رہ جانیکی ایسی مثال ہوگی جیسے) آگ (چقماق سے) سوختہ میں (کذا فی الغیاث) واقع ہوگئی (اور کوئی شخص اُسکو اصل معدن نار یعنی چقماق کا مغائر سمجھکر چقماق کی طرف متوجہ ہوگیا) اور (اتنے میں) وہ سوختہ بھی جاتا رہا (یعنی اُسکی آگ بجھ گئی اب اور سوختہ نہیں اور چقماق سے آگ نکلنے کے لئے سوختہ شرط ہے وہ مثال ہوگئی نہ خدا ہی ملا نہ وصال صنم یہی نتیجہ ہوگا شیخ کو مقصود کا مغائر مطلق سمجھنے کا آگے اس دو بینی کے مضر ہونے پر ایک حکایت بطور مثال کہے ہے)

مثل دو بینی همچو آن غر نیست شهر کاشان ست که عمر نام داشت که حباز بسبب این نامش بدکان دیگر حواله کردو او فهم نکرد که همه دکانها یکے ست (ربط اوپر مذکور ہو چکا ہے)

گر عمر نامی تو اندر شهر کاش | **کس نیفروشد بصد دانگت لواش**

اگر تو عمر نام کا شخص ہے شہر کاش میں | تو تیرے ہاتھ کوئی شخص سو دانگ کو بھی روٹی نہ بیچے گا

چوں بیک دکان بگفتے من عمرم — ایں عمر راناں فروشید از کرم

جب وہ ایک دوکان پر کہتا کہ میں عمر ہوں — اس عمر کے ہاتھ روٹی فروخت کردو از راہ کرم

او بگوید رو بداں دیگر دکاں — زاں یکے ناں بہ ازیں پنجاہ ناں

تو وہ کہتا ہے جا اس دوسری دوکان پر — کہ اُسکی ایک روٹی اس پچاس روٹی سے بہتر ہے

گر نبودے احول او اندر نظر — او بگفتے نیست دکان دگر

اگر وہ نظر میں احول نہ ہوتا تو — وہ کہتا کہ دوسری دوکان تو ہے ہی نہیں

پس زدے اشراق آں نا احولی — بر دل کاشی شدے عمر علی

بس اس نااحولی کا نور — کاشی کے دل پر اثر کرتا وہ عمر علی ہوجاتا

ایں ازیں جا گوید آں خباز را — ایں عمر راناں فروش اے نانبا

یہ یہاں سے اُس نان بائی کو کہتا ہے — کہ اس عمر کے ہاتھ روٹی فروخت کردے اے نان بائی

چوں شنید او ہم عمر از احولی — در کشید آں ناں کہ ہست آنِ علی

جب اُس نے بھی عمر نام سُنا تو احولی کے سبب — وہ روٹی ہٹالی کہ یہ تو علی کا حق ہے

پس فرستادش بدکان بعید — چوں شنید او ہم عمر ناں درکشید

پس اس نے اُسکو ایک اور دور کی دوکان میں بھیجدیا — اس نے بھی جب عمر نام سنا تو روٹی ہٹالی

کیں عمر را ناں دہ اے انبار من — راز یعنی فہم کن زآواز من

کہ اس عمر کو روٹی دیدی اے میرے شریک — یعنی میری اس صوت سے راز کو سمجھ لے

او ہمت زانسو حوالہ می کند — ہیں عمر آمد کہ تا بر ناں زند

وہ بھی تجھکو اُس طرف سے حوالہ کردیگا — ہاں عمر آیا ہے تاکہ روٹی پر فائز ہو

چوں بیک دکاں عمر بودی برو | در ہمہ کاشاں زناں محروم شو
جب تو ایک دوکان پر عمر ہوگیا تو چلا جا | تمام کاشان میں روٹی سے محروم رہ

ور بیک دکاں علی گفتی بگیر | ناں ازینجا بے حوالہ بے زحیر
اور اگر ایک دوکان پر تو نے علی کہدیا | تو اس جگہہ سے روٹی لیلے بدون حوالہ کے بدون کلفت کے

احول دو بیں چوبے بر شد ز نوش | احول صد بینی اے مادر فروش
جب احول دو بین بے ثمر رہگیا نوش سے | تو تو احول صد بیں ہے اے تارک الاصل

اندریں کاشانِ دنیا زاحولی | چوں عمر می گرد چوں نبوی علی
تو اس کاشان دنیا میں احولی کے سبب | اُس عمر کی طرح پھر تارہ جبکہ تو علی نہیں ہے

ہست احول را دریں ویرانہ دیر | گوشہ گوشہ نقل نوکہ ثم خیر
اس دیر ویرانہ میں احول کو | گوشہ گوشہ میں انتقال حالت ہے کہ وہاں اچھا ہے

ور دو چشم حق شناس آمد ترا | دوست پر بیں عرصۂ ہر دو سرا
اور اگر تجھکو چشم حق شناس حاصل ہوجاوے | تو محبوب سے پُر دیکھ لے دونوں عالم کے میدان کو

وارہیدی از حوالہ جا بجا | اندریں کاشاں پر خوف و رجا
تو جا بجا کے حوالہ سے چھوٹ جاتا | اس کاشان میں جو پر خوف و رجا ہے

(کاش نام ہے ایک شہر کا کذا فی الغیاث اور کاشان کو بھی اسمیں ایک شہر کا نام لکھا ہے مولانا نے ان اشعار میں کہیں پہلے نام سے تعبیر کیا ہے کہیں دوسرے نام سے معلوم ہوتا ہے وہ ایک ہی شہر دونوں نام سے مشہور ہوگا پس اُس تکلف کی ضرورت نہیں جو بعض حواشی میں کیا گیا ہے کہ کاشان کو بمعنی کاشانہ لیا ہے اور یہ شہر اہل رفض کا ہے کذا قال محمد افضل وہاں کوئی شخص سنی ناواقف جسکا نام عمر تھا مسافرانہ جا پہونچا دکان سے روٹی خریدنا چاہا مگر اس کا نام سُنکر تعصب سے بہانہ کردیتے وہ علت نہ سمجھتا تھا دوسری دوکان پر بھی اسی سبب روٹی نہ ملتی مولانا اس حکایت کو تقدیم خلاصہ نتیجہ ذکر فرماتے ہیں کہ)

اگر تو عمر نام کا شخص ہے شہر کاش میں تو تیرے ہاتھ کوئی شخص سو دانگ کو بھی روٹی نہ بیچیگا (فی الغیاث لواش بفتحہ و شین معجمہ در ترکی نان تنک و نرم از گندم اھ چنانچہ اس نام کے آدمی کا قصہ یہ ہوا کہ وہ کاش میں پہونچا اور روٹی خریدنا چاہا لیکن) جب وہ ایک دوکان پر (غالبًا پوچھنے پر کہ پوچھنے کا سبب تعصب ہوگا) کہتا کہ میں عمر ہوں اس عمر کے ہاتھ روٹی فروخت کر دو از راہ کرم تو وہ (دوکاندار) کہتا ہے جا اس دوسری دُکان پر (اور بہانہ یہ کرتا) کہ اُس (دوکان) کی ایک روٹی اس (دوکان کی) پچاس روٹی سے بہتر ہے (لپائی پکائی یا مزہ کے اعتبار سے چنانچہ دوسری دکان پر بھی اُس غریب کو یہی مصیبت پیش آتی مولانا فرماتے ہیں کہ) اگر وہ (مسافر) نظر میں احول (اور غلط بین) نہوتا تو وہ (اپنے دل میں) کہتا کہ (یہاں) دوسری دوکان تو ہے ہی نہیں (بلکہ اس معنی میں سب ایک ہی ہیں کہ عمر نام بتلانے پر روٹی نہ دینگے مطلب یہ ہے کہ اگر اُسکو حقیقت واقعہ کی معلوم ہوتی کہ وجہ روٹی نہ ملنے کی یہ ہے تو اپنے دل میں اسکو سمجھکر اپنا نام علی یا اس کے مثل بتلا دیتا پس نگفتے کا یہ مطلب ہے اور یہ مطلب نہیں کہ اُس دوکاندار کو یہ جواب دیتا کیونکہ اس جواب سے کچھ بھی فائدہ نہ تھا وہ اس اتحاد اہل دوکان کو تسلیم کرنے کے بعد روٹی نہ بیتا کیونکہ مانع تو مرتفع نہ ہوا تھا آگے نبودے احول اور بگفتے پر جو کہ مستلزم تھا علی نام بتلانے کو تفریع ہے کہ اگر ایسا ہوتا) پس اُس نا احولی (و علم حقیقت) کا نور کاشی (دوکاندار) کے دل پر اثر کرتا (اور) وہ عمر (اُسکی نظر میں) علی ہو جاتا (مراد اُس سے خاص وہ کاشی نہیں جو انکار کر چکا ہے وہ تو اسکو بہانہ سمجھتا بلکہ دوسرا دوکاندار جو وہاں سے دور ہو جسکو اس قصہ کی اطلاع نہو کیونکہ پاس والوں کو تو اُس پہلے نے اطلاع کر دی تھی جیسا آیندہ اشعار میں ہے مطلب یہ کہ حقیقت کا علم سبب ہوتا دوسرے بازار میں علی وغیرہ نام بتلانے کا اور چونکہ ظاہرا کوئی دلیل تکذیب کی نہ تھی یہ بتلانا سبب ہوتا اُسکی تصدیق کا پس وہ شخص اسکا نام علی ہی سمجھتا اور روٹی دیدیتا تو علم بالحقیقۃ بواسطہ سبب ہوتا کاشی کی نظر میں اس مسمی بعمر کے مسمی بعلی ہونے کا اور چونکہ علم کی حقیقت نور ہے کما حققہ اہل المعقول اس لئے اشراق سے تعبیر کیا گیا پس نا احولی سے مراد علم اور زدی بر دل سے مراد یہ تصدیق اور شدی عمر علی سے مصدق بہ۔ یہ حل ہے مفردات و مراد شعر کا مگر چونکہ اُسکو حقیقت کی اطلاع نہ ہوئی تو اُس کا یہ حال ہوا کہ یہ (ایک دوکاندار) یہاں سے اُس (دوسرے) نانبائی کو (پکار کر) کہتا ہے کہ اس عمر کے ہاتھ روٹی فروخت کر دے ای نانبائی (جس سے غرض یہ بتلانا ہے کہ اس کا نام یہ ہے تو بھی مت دیجو چنانچہ) جب اُس نے بھی یہی عمر نام سنا تو احولی (و غلط بینی) کے سبب وہ روٹی ہٹا لی (اس خیال سے) کہ یہ (روٹی) تو علی (نام والے) کا حق ہے (اس شعر میں مولانا نے ان دوکانداروں کے لئے بھی احولی کا حکم کیا کہ حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ کو جدا جدا سمجھکر ایک سے بغض دوسرے سے محبت رکھتے جو سبب ہوا اس نام والے کو روٹی نہ دینے کا اور دوسرے نام والے کو روٹی دینے کا اور اوپر مسافر کے لئے احولی کا حکم کیا ہے جسکی توجیہ گذر چکی تو اس بنا پر حکایت کا مقصود کہ ترتب ضرر ہے دوبینی پر دو طرح ثابت ہوا ایک یہ کہ وہ مسافر مشتری امر دنیاوی کی حقیقت میں احول تھا اُسکو دنیا کا ضرر ہوا اور یہ لوگ بائع امر دینی کی حقیقت میں احول تھے ان کو دین کا ضرر ہوا پس جس مرتبہ کی احولی ہوگی اسی مرتبہ کا ضرر ہوگا اب اس شعر کے بعد ہمارے زمانہ کے احولوں میں سے کسی احول کو اسکی گنجایش نہیں رہی کہ مولانا پر تشیع کا شبہ کرے کہ دیکھو اس حکایت سے نعوذ باللہ حضرت عمرؓ کے حرمان کا حکم لازم آتا ہے اول تو یہ مثال ہے جسکو ممثل لہ کے ساتھ من وجہ اشتراک ہوتا ہے نہ کہ من کل الوجوہ اور وہ وجہ مشترک یہاں حرمان ہے ایک

نفع دنیا سے جو کہ کوئی موجب ذم نہیں گو مثل لہ میں جو حرمان ہے یعنی احول از حقائق نافعہ فی الدین اسمیں جو حرمان ہے وہ موجب ذم ہو دوسری مثال بین بھی حضرت عمرؓ کا ذکر نہیں ہے اس نام کے ایک مسافر کا ذکر ہے تیسرے اگر ایسا ہی استدلال ہے تو اس سے بڑھکر محبان علی کو یہاں مولانا نے احول کہا ہے تو ایک خارجی کہہ سکتا ہے کہ نعوذ باللہ مولانا خارجی اور شیعوں کے بیحد مخالف تھے اور واقع میں وہ نہ شیعی ہیں اور نہ خارجی ہماری طرح سنی ہیں یہ تو الزامی جواب تھا شبہ تشیع کا اور تحقیقی جواب یہ ہے کہ اول ہی دفتر میں حکایت کنیزک کے ضمن میں بادشاہ کا خطاب طبیب الٰہی کو اس طرح نقل کیا ہے ای مرا تو مصطفےٰ من چوں عمر الخ اور اس دفتر سادس میں شیعان حلب کی تحمیق نقل فرمائی ہے اور نیز اسی دفتر میں حضرت صدیق رضہ کے کسقدر فضائل قصۂ اشتراء بلال میں ذکر کئے ہیں اور دفتر چہارم میں خلفاء ثلثہ کی مدح منبر نشینی کے قصہ میں ارشاد فرمائی ہے ؎

منبر مہتر کہ سہ پایہ بدست	رفت بوبکرؓ و دوم پایہ نشست
واں سوم پایہ عمرؓ در دور خویش	از برائے حرمت اسلام کیش
دور عثمان آمد و بالائے تخت	بر شد و بہ نشست آں مسعود بخت الخ

تو ان تصریحات کے بعد اس شبہ کی کیا گنجائش رہی لیکن شاید تقیہ کی پناہ لینا چاہیں تو خدا تعالیٰ ہزاروں درجات عالیہ بڑہاوے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے کہ انھوں نے ہمیشہ کے لئے اس پناہ کی بنیاد اوکھاڑ ڈالی ہے اب اس کے سایہ میں بیٹھنا بالکل مصداق ہے مضمون ام من اسس بنیانہ علی شفا جرف ھار فانھار بہ فی نار جہنم الایہ کا احقر نے یہ زائد علی المقام کلام اس لئے کیا کہ ایکبار میرے کانوں میں یہ بات پڑی تھی کہ بعض متحیرین شیعہ مولانا اور دوسرے بعض اکابر کی نسبت اپنی جماعت میں سے ہونے کے مدعی ہیں) بس اس (دوسرے دکاندار) نے اس (مسافر) کو ایک اور دوکی (تیسری) دکان میں بھیجدیا (دور قید واقعی ہے وہ ذرا دور ہوگی مگر) اس نے بھی جب عمر نام سنا تو روٹی ہٹالی (اور اس دوسری دوکان والے نے جب تیسری دکان پر بھیجا تھا تو یہ کہکر بھیجا تھا جو آگے مذکور ہے اور اسی لئے اس نے بھی روٹی ہٹالی تھی یعنی یہ کہا تھا) کہ اس عمر کو روٹی دیدے اے میرے شریک یعنی میری اس صوت (و کلمات) سے راز کو سمجھ لے (وہ راز یہ کہ اس کا ایسا نام ہے اسکو روٹی مت دینا چنانچہ وہاں بھی نہ ملی وھکذا الی ان انتھت الحوانیت کلھا یہ قصہ تھا اس مسافر مسمی عمر کا اب عود ہے شعر اول کیطرف یعنی اسی طرح اگر ایسے شہر میں یہ نام بتلاویگا تو اگر ایک جگہ چھوڑ کر دوسری جگہ جاویگا تو) وہ بھی تجھکو اس طرف سے (یہاں کہ تو بعد میں گیا ہے یہ کہکر تیسری جگہ) حوالہ کردیگا (کہ) ہاں عمر آیا ہے تاکہ روٹی پر فائز ہو (تو اسکو دینا مت غرض یہ کہ) جب تو ایک دُکان پر عمر ہو گیا تو (جس دکان پر چاہے) چلا جا (کہیں روٹی نہ ملیگی پس اس نام کے بتلانے سے) تمام کاشان میں روٹی سے محروم رہ۔ اور اگر ایک دوکان پر تونے (اپنا نام) علی کہدیا تو اس جگہ سے روٹی لیلے بدون حوالہ (دوسری دکان) کے (اور) بدون کلفت کے (آگے تطبیق ہے مثال کی ممثل لہ پر بطور دلالت بالاولی کے یعنی) جب احول دو بین بے ثمر رہ گیا نوش (یعنی مقصود شیریں) سے تو تو احول صد بین ہے اے تارک الاصل (گو محاورہ میں مادر فروش گالی ہے مگر احقر نے مولانا کی شان اور خصوصیت مضمون پر نظر کرکے مجازاً یہ معنی لئے فان الام ھی الاصل والبیع مستلزم ترک المبیع اور ظاہر ہے کہ دو بینی یا صد بینی میں اصل یعنی یک بینی کا ترک ضرور ہے اور حکایت مسافر کاشی میں دو کانیں دو سے زیادہ تھیں پس مراد دو سے تقلیل ہے

یعنی جب اشیاء قلیلہ کے تغائر سمجھنے میں یہ ضرر ہے تو اشیاء کثیرہ کے تغائر سمجھنے میں جسمیں تو مبتلا ہو رہا ہے کہ عموماً کائنات لاتحصی کو موجودات مستقلہ سمجھ رہا ہے باوجود اُن کے ظل ہونے کے جسکی بحث شعر جملہ تصویرات الخ تک میں مذکور ہے جو سرخی مقام سے اڑتیس شعر اوپر ہے اور خصوصاً خاص متخلقین باخلاق الٰہیہ کو غیر بالمعنی الاصطلاحی سمجھ رہا ہے کہ وہ بھی کثیر ہیں جسکی بحث شعر بازعقلش الخ واقع بعد الشعر المذکور سے ہے اور اشعار آیندہ قریبہ بھی بعضے بحث اول کے مضمون کے ہیں بعض ثانی کے کما سانبہ علیہ قریباً انشاء اللہ تعالیٰ بہرحال تیرے اس تغائر سمجھنے اور صدبینی میں کسقدر ضرر اور حرمان ہوگا جسکو آگے اول بعنوان مناسب قصہ مثال پھر بعنوان ممثل لہ بیان فرماتے ہیں یعنی وہ ضرر و حرمان یہ ہے کہ) تو اس کاشان دنیا میں (اس احولی کے سبب اُس (مسمی بہ) عمر کی طرح (محروم) پھر تارہ جبکہ تو (مسمی بہ) علی نہیں ہے (یہ کنایہ ہے بقاء احولی سے کیونکہ اُس مسافر کی ناحقیقت بینی اس نام پر جمود کا سبب ہوا مطلب یہ کہ غلط بینی کے سبب دنیا میں مقصود حقیقی سے محروم رہیگا اور یہاں کے اس حرمان کو آخرت کا حرمان لازم ہے قال تعالیٰ من کان فی ھذہٖ اعمیٰ فھو فی الاٰخرۃ اعمیٰ حاصل یہ کہ) اس دیر ویرانہ (دنیا) میں احول (وغلط بین) کو گوشہ گوشہ میں انتقال حالت ہو (اس خیال سے) کہ وہاں (یہاں سے) اچھا ہے (اسی طرح وہاں سے پھر اور جگہ مطلب یہ کہ واحد حقیقی کو مقصود نہ سمجھنے سے ہمیشہ قبلہ توجہ بدلتا ہے جیسا غیر حق کے طالبین کی کیفیت مشاہد ہے) اور (نہیں تو) اگر تجھکو چشم حق شناس (یعنی بصیرت و معرفت حق سبحانہ و تعالیٰ) حاصل ہو جاوے تو محبوب سب پُر دیکھ لے دونوں عالم کے میدان کو (اور اگر تو عالم کو محبوب سے پُر دیکھ لیتا تو) تو جابجا کے حوالہ سے چھوٹ جاتا اس کاشان (دنیا) میں جو (بوجہ عالم ابتلاء ہونے کے) پر خوف و رجا ہے (ان اشعار میں اجزاء عالم کے مظاہر حق ہونے کا مضمون ہے اور آگے اشعار مابعد میں متخلقین بالاخلاق الالٰہیہ کے مظہر خاص ہونے کا مضمون مذکور ہوگا اور وہ تنبیہ یہی ہے جسکا وعدہ میں نے شعر احول دوبین الخ کی شرح میں کیا تھا)

اندریں جو غنچہ دیدی با شجر اس ندی میں تو نے غنچہ مع شجر کے دیکھ لیا ہے	**ہمچو ہر جو تو خیالاتش ظن مبر** تو اسکو اور ندیوں کی طرح خیال گمان مت کر
کہ ترا از عین عکس ایں نقوش کہ ان نقوش کے عین عکس سے	**حق حقیقت گردد و میوہ فروش** حضرت حق حقیقت اور میوہ دینے والا ہو جاوے
چشم ازیں آب از حول حُر میشود اس پانی سے آنکھ احولی سے آزاد ہو جاتی ہے	**عکس می بیند سبد پُر می شود** یہ شخص عکس دیکھتا ہے سبد پُر ہو جاتا ہے
پس بمعنی باغ باشد ایں نہ آب پس معنی یہ باغ ہوگا نہ کہ پانی	**پس مشو عریاں چو بلقیس از حباب** سو تو بلقیس کی طرح حباب سے برہنہ مت ہو

بازگوناگونست برپشت خراں
ہیں بیک چوب ایں خراں راتو مراں

طرح طرح کے اسباب ہیں گدھوں کی پشت پر
ہاں ایک ہی لکڑی سے سب گدھوں کو مت ہانک

بریکے خربار لعل وگوہر ست
بریکے خربار سنگ ومرمر ست

ایک گدھے پر لعل وگوہر کا بوجھ ہے
ایک گدھے پر سنگ اور مرمر کا بوجھ ہے

برہمہ جوہا تو ایں حکمت مراں
واندریں جو ماہ بیں عکسش مخواں

تو ان سب ندیوں پر اپنا یہ حکم مت جاری کر
اور اس ندی میں خود چاند کو دیکھ اسکو عکس مت کہہ

آب خضر ست ایں نہ آب دام ودد
ہرچہ اندروے نماید حق بود

آب خضر ہے نہ کہ چرندہ اور درندہ کا پانی
اسمیں جو کچھ نظر آتا ہے وہ واقعی ہے

زیں تنگ جو ماہ گوید من مہم
من نہ عکسم ہم حدیث و ہمرہم

اس قعر جو سے چاند بول رہا ہے میں چاند ہوں
میں عکس نہیں ہوں ہم سخن اور ہمراہ ہوں

اندریں جو انچہ بربالاست ہست
خواہ بالا خواہ دروے دار دست

اس ندی میں جو اوپر ہے وہی ہے
خواہ تو اوپر اور خواہ اس کی طرف ہاتھ بڑھا

ازدگر جوہا مگیر ایں جوئے را
ماہ داں ایں پرتو مہروی را

دوسری ندیوں سے اس ندی کا قیاس مت لے
ماہ سمجھ اس عکس ماہرو کو

اندریں جو ہرچہ داری تو مراد
باز بیں وشکر گو بہر زیاد

اسمیں طلب کرلے تو جو کچھ مراد رکھتا ہے
پھر دیکھ لے اور شکر کر افزونی کیلئے

اندریں جو ہرچہ میخواہی بہ بیں
از نعیم و ناز و تاج و ملک و دیں

اس ندی میں جو کچھ تو چاہتا ہے دیکھ لے
ناز ونعم اور تاج وملک اور دین سے

جملہ مطلوبات خلق ہر دو کون	**گشت موجود اندر و بے بُعد و بون**
تمامی مطلوبات خلائق کونین کے	اُسکے اندر موجود ہیں بدون بُعد اور دوری کے
ایں سخن پایاں ندارد آں غریب	**گریہ کرد از درد آں مرد لبیب**
یہ مضمون پایاں نہیں رکھتا اُس مسافر نے	گریہ کیا اُس مرد عاقل کے رنج سے

(ربط اوپر مذکور ہوا اور اس ربط کے اعتبار سے یہ عود ہے مضمون اشعار باز عقلش گشت الخ کی طرف اور اس عود میں اُن اشعار بالا میں سے امثلہ مذکورہ چوں دریں جو الخ اور عکس ہارا ماند الخ اور سیب ردید الخ اور خواجہ را کو در گذشت الخ کی رعایت خصوصیت کے ساتھ ہے کہ دوسرے الفاظ سے پھر وہی مثالیں لائی گئی ہیں پس فرماتے ہیں کہ متخلقین بالاخلاق الالٰہیہ کا بہ نسبت دوسرے اجزاء عالم کے حق تعالیٰ کے ساتھ مظہریت کا خاص تعلق سمجھنا چاہیے جسکا بیان پہلے بھی ہوا ہے اور پھر بھی ہوتا ہے اور چونکہ پہلے اشعار بالا محال علیہا کی شرح میں مقصود مقام خوب حل ہو چکا ہے یہاں صرف حل ترجمہ پر اکتفا کیا جاویگا یعنی) اس ندی میں (جب) تو نے غنچہ مع شجر کے دیکھ لیا ہے تو اُسکو اور ندیوں کی طرح (محض) خیال (اور عکس) گمان مت کر (تا) کہ (عکس نہ سمجھنے سے) ان نقوش (وجودات اہل اللہ) کے عین عکس (مزعوم) سے حضرت حق (درجۂ) حقیقت (میں ثابت ہو جاوے) اور میوہ دینے والا (ثابت) ہو جاوے (یعنی تجکو یہ ثابت ہو جاوے کہ یہ عکس حق نہیں بلکہ حقیقت حق ہے جو میوہ دے رہا ہے کیونکہ پانی کے اندر جسکو عکس سمجھا تھا وہ درخت تھا جسکا ذکر یہاں شعر اول میں ہے اور وہ میوہ بخش بھی تھا جسکا ذکر وہاں اوپر شعر چوں دریں جو دید الخ میں بھی تھا اور شعر آئندہ میں بھی ہے یعنی) اس (ندی کے) پانی سے آنکھ احولی سے آزاد (اور رہا) ہو جاتی ہے (اور یہ برکت اہل اللہ کی ظاہر ہے کہ بصیرت راست بین میسر ہو جاتی ہے اور) یہ شخص (اول نظر میں) عکس دیکھتا ہے (لیکن اُس سے) سیر ہو جاتا ہے (جب یہ ہے) پس معنیٰ یہ باغ (و درخت) ہوگا نہ کہ پانی (جسمیں محض عکس ہو) سو تو بلقیس کی طرح حباب (کے گمان) سے برہنہ (ساق) مت ہو (جس طرح بلقیس کو شیشہ پر یہی غلط گمان ہوا کہ یہ پانی ہے قال تعالیٰ حسبتہ لجۃ وکشفت عن ساقیہا تشبیہ محض اسمیں ہے کہ اُس نے غیر آب یعنی شیشہ کو آب سمجھا اسی طرح تو غیر آب یعنی باغ کو آب مت سمجھ کما فی المصراع الاول آگے عوام اور خواص کے تمائز کی مثال ہے یعنی طرح کے اسباب ہیں گدھوں کی پشت پر ہاں ایک ہی لکڑی سے سب گدھوں کو مت ہانک (آگے بیان ہے اُن اسباب کے مختلف ہونے کا یعنی) ایک گدھے پر لعل و گوہر کا بوجھ ہے (اور) ایک گدھے پر سنگ و مرمر کا بوجھ ہے (بس اسی طرح) تو ان سب ندیوں پر اپنا یہ (ایک) حکم (کہ ان سب میں ماہ کا عکس ہے) مت جاری کر اور اس ندی (خاص) میں (جسکا ذکر اس شعر میں ہوا ہے اندریں جو غنچہ دیدی الخ) خود چاند کو دیکھ اُسکو (چاند کا) عکس مت کہہ (اس ندی کا پانی) آب خضر (یعنی آب حیات) ہے نہ کہ چرندہ اور درندہ (کے پینے) کا پانی (کذا فی الغیاث فی معنی دام و دد) اُس (پانی) میں جو کچھ نظر آتا ہے

وہ واقعی ہے (عکس نہیں) اس قمر جو سے چاند بول رہا ہے میں چاند ہوں۔ میں عکس نہیں ہوں (بلکہ) ہم سخن اور ہمراہ ہوں (جو منافی ہے عکس ہونے کے) اس ندی میں جو اوپر ہے وہی (اندر) ہے (اب) خواہ تو اوپر اور خواہ اس (ندی میں نظر آنیوالے) کی طرف ہاتھ بڑھا (جو اوپر سے ملیگا وہی اندر سے یعنی خواہ بلا واسطہ حضرت حق سے فیض لو یا اہل اللہ کے واسطہ سے وہ ایک ہی فیض ہے اور یہ تخییر کے لئے نہیں کیونکہ مبتدی کو واسطہ کی ضرورت تو ہوتی ہے بلکہ حکم ہے تساوی کا دونوں فیض میں باعتبار حقیقت کے گو استعداد طالب سے طریق متساوی نہ ہو) دوسری ندیوں سے اس ندی کا قیاس مت لے۔ ماہ سمجھ اس عکس ماہ رو کو (عکس بعض اعتبارات سے کہدیا حسب زعم مخاطب) اسمیں طلب کرے تو جو کچھ مراد رکھتا ہے۔ پھر (بنظر تحقیق) دیکھ لے (نظیرہ ثم ارجع البصر کرتین) اور شکر افزونی (نعمت) کے لئے اس ندی میں جو کچھ تو چاہتا ہے دیکھ لے۔ ناز و نعم اور تاج و ملک (حقیقی) اور دین سے تمامی مطلوبات خلائق کونین کے اُس کے اندر موجود ہیں بدون بُعد اور دوری کے (یعنی سب مطلوبات قریب سے ملجاوینگے لان من کان اللہ لہ کان لہ کل شئ آگے تمہید ہے رجوع بہ قصہ کی کہ) یہ مضمون (مظہریت انسان کامل کا) پایاں نہیں رکھتا (چنانچہ اُن کے برکات و فضائل کی کثرت ظاہر ہے قصہ پورا کرو یعنی) اُس مسافر نے (بہت گریہ کیا اُس مرد عاقل (محتسب مرحوم کی وفات) کے رنج سے (بوجہ اپنے قرض سے مایوس ہونے کے)

توزیع کردن پایمرد در محلہ شہر و جمع شدن اندک چیزے و رفتن آں غریب بتربت محتسب بزیارت و ایں قصہ را بر سر گور او بطریق نوحہ گفتن

واقعہ آں وام او مشہور شد
اُس کے اس قرضہ کا قصہ مشہور ہوگیا

پایمرد از درد او رنجور شد
مددگار اُس کے درد سے متاثر ہوا

از پئے توزیع گرد شہر گشت
چندہ کیلئے شہر کے اطراف میں پھرا

از طمع میگفت ہر جا سرگذشت
طمع سے ہر جگہ اُنکی سرگذشت بیان کرتا تھا

ہیچ ناورد از رہ کدیہ بدست
سوال کے ذریعہ سے وہ سائل کچھ وصول نہ کرسکا

غیر صد دینار آں کدیہ پرست
بجز سو دینار کے

پایمرد آمد بدو دستش گرفت
وہ مددگار اُس کے پاس آیا اُس کا ہاتھ پکڑا

شد بگور آں کریم بس شگفت
اُس کریم کی گور پر جو کہ عجیب تھا گیا

گفت چوں توفیق یابد بندۂ

کہا کہ جب کوئی بندہ اسکی توفیق پاوے

کو کند مہمانیٔ فرخندۂ

کہ وہ کسی صاحب نصیب کی مہمانی کرے

مال خود ایثار راہ او کند

وہ اپنا مال اُسکی بابت صرف کرے

جان خود ایثار جاہ او کند

اپنی جان اُسکی جاہ پر صرف کرے

شکر او شکر خدا باشد یقیں

اُسکی شکرگذاری خدا تعالیٰ کی شکرگذاری ہے یقیناً

چوں باحساں کرد توفیقش قریں

چونکہ خدا تعالیٰ نے اُسکی موفق ہونے کو احسان کے ساتھ مقرون فرمایا

ترک شکرش ترک شکر حق بود

اُسکی شکرگذاری کا ترک کرنا شکر حق کا ترک کرنا ہوگا

حق او لاشک بحق ملحق شود

اُس کا حق بلاشک حق تعالیٰ کے ساتھ ملحق ہوگا

شکر می کن مر خدا را در نعم

تو نعمتوں میں خدا تعالیٰ کا شکر کرتا رہ

نیز می کن شکر و ذکر خواجہ ہم

نیز خواجہ کا بھی شکر اور ذکر کرتا رہ

رحمت مادر اگرچہ از خدا است

ماں کی محبت اگرچہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ہے

خدمت او ہم فریضہ ست و سزاست

اُس کی خدمت بھی واجب اور مناسب ہے

زیں سبب فرمود حق صلوا علیہ

اسی سبب سے فرمایا ہے حق تعالیٰ نے صلوا علیہ

کہ محمد بود محتاج الیہ

کیونکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم محتاج الیہ تھے

در قیامت بندہ را گوید خدا

قیامت میں بندہ سے خدا تعالیٰ فرماوینگے

ہیں چہ کردی آنچہ دادم من ترا

ہاں تونے کیا کیا میں نے جو کچھ تجھکو دیا تھا

گوید اے رب شکر تو کردم بجاں

وہ کہے گا اے رب میں نے آپکا جان سے شکر کیا

چوں ز تو بود اصل آں روزی و ناں

چونکہ اس روزی اور نان کی اصل آپ ہی کی طرف سے تھی

گویدش حق نے نکردی شکر من | چوں نکردی شکر آں اکرام و فن

حق تعالیٰ اس سے فرماوینگے نہیں تو نے میرا شکر ادا نہیں کیا | جبکہ تو نے اس اکرام اور فعل کا شکر نہیں کیا

بر کریمے کردہ ظلم و ستم | نے ز دست او رسیدت نعمتم

تو نے ایک کریم پر ظلم و ستم کیا | کیا تجھکو اس کے ہاتھ سے میری نعمت نہ پہونچی تھی

چوں بگور آں ولی نعمت رسید | گشت گریاں زار آمد در نشید

جب وہ اس ولی نعمت کی قبر پر پہونچا | زار زار گریہ کرنے لگا اور گیت گانے لگا

گفت اے پشت و پناہ ہر نبیل | مرتجا و غوث ابناء السبیل

کہا اے پشت و پناہ ہر عظیم الشان کے | امیدگاہ اور مددگار مسافروں کے

اے غم ارزاق ما بر خاطرت | اے چو رزق عام احسان و برت

اے شخص ہمارے رزقوں کا بار تیری خاطر پر تھا | اے شخص تیرا احسان اور نیکی مثل رزق عام کے تھا

اے فقیران را عشیرہ و والدین | در خراج و خرج و در ایفائے دیں

اے شخص تو فقیروں کیلئے بمنزلہ کنبہ اور والدین کے تھا | آمدنی میں اور خرچ میں اور ادائے قرض میں

اے چو بحر از بہر نزدیکاں گہر | دادہ و تحفہ سوئے دوراں مطر

اے شخص تو نے بحر کی طرح نزدیکوں کے لئے گوہر دئے تھے | اور دور والوں کی طرف بارش کو تحفہ دیا تھا

پشت ما گرم از تو بودای آفتاب | رونق ہر قصر و گنج ہر خراب

ہماری پشت تجھ سے گرم تھی اے آفتاب | تو رونق تھا ہر قصر کا اور خزانہ تھا ہر ویرانہ کا

اے در ابرویت ندیدہ کس گرہ | اے چو میکائیل راد و رزق دہ

اے شخص تیری ابرو میں کسی نے بل نہیں دیکھا | اے شخص جو کہ مثل میکائیل کے جوانمرد اور رزق دینے والا تھا

اے دلت پیوستہ با دریائے غیب
اے شخص تیرا دل دریائے غیب سے متصل تھا

یاد ناوردہ کہ از مالم چہ رفت
تو نے کبھی یہ خیال نہیں کیا کہ میرے مال میں سے کیا چلا گیا

اے من و صد ہمچو من در ماہ و سال
اے شخص میں اور مجھ جیسے صدہا ہر ماہ اور ہر سال میں

نقد ما و جنس ما و رخت ما
ہمارا نقد اور ہماری جنس اور ہمارا سامان

این ہمہ از حق بد و تو واسطہ
یہ سب چیزیں حق تعالی کی طرف سے تھیں اور تو واسطہ تھا

تو نہ مردی ناز و بخت ما بمرد
تو نہیں مرا ہمارا ناز اور نصیبا مرگیا

واحد کالالف در رزم و کرم
تو ایک مثل ہزار کے تھا شجاعت اور سخاوت میں

حاتم ار مردہ بمردہ مید ہد
حاتم اگر ایک بیجان چیز ایک بیجاں کو دیتا ہے

تو حیاتے مید ہی در ہر نفس
تو تو ہر سانس میں ایسی حیات دیتا تھا

اے بقاف مکرمت عنقائے غیب
اے شخص کہ کرم سے کوہ قاف میں عنقائے غیب ہے

سقف قصر ہمتت ہرگز نکفت
تیرے قصر ہمت کی سقف کبھی شگافتہ نہیں ہوئی

مر ترا چون نسل تو گشتہ عیال
تیرے لئے تیری اولاد کی طرح بطور عیال کے ہوتے تھے

نام ما و فخر ما و بخت ما
ہمارا نام اور ہمارا فخر اور ہمارا طالع

در میان ما و حق تو رابطہ
ہمارے اور حق تعالی کے درمیان رابطہ تھا

عیش ما و رزق مستوفا بمرد
ہمارا عیش اور رزق تمامہ مرگیا

صد چو حاتم گاہ ایثار و نعم
سو حاتم کی مثل تھا بوقت صرف کرنے نعمتوں کے

گردگانہائے شمردہ مید ہد
وہ معدودے چند اخروٹ دیتا ہے

کز نفیسی می نگنجد در نفس
جو کہ نفاست کے سبب بیان میں نہیں آتی

تو حیاتے میدہی بس پائدار	**زر نقد بے کساد و بے شمار**
تو حیات دیتا تھا بہت پائدار	زر نقد بے کساد اور بے شمار
وارثے نابودہ یک خوئے ترا	**اے فلک سجدہ کناں کوئے ترا**
تیرے اس خلق کا وارث کوئی نہیں ہوا	اے شخص فلک تیرے کوچہ کو سجدہ کرتا ہے
خلق را از گرگ غم لطف شباں	**چوں کلیم اللہ شبان مہرباں**
خلائق کیلئے گرگ غم سے تیرا لطف محافظ تھا	مثل حضرت کلیم اللہ علیہ السلام کے محافظ مہربان

اُس کے اس قرضہ کا قصہ مشہور ہوگیا (اور کوئی شخص تھا باہمت) مددگار (وہ) اُس کے درد سے متاثر ہوا (اور تحصیل) چندہ کیلئے شہر کے اطراف میں پھرا (اور قسم کی) طمع سے ہرجگہ اُسکی سرگذشت بیان کرتا تھا (مگر) سوال کے ذریعہ سے وہ سائل (للمدیون لا لنفسہ) کچھ وصول نہ کرسکا بجز سو دینار کے (جسکو اُس کے قرضہ سے کہ نو ہزار تھا کچھ بھی نسبت نہیں یعنی نوے حصہ میں سے ایک حصہ اس کے بعد) وہ مددگار اُس کے پاس آیا (اور) اُس کا ہاتھ پکڑا (اور اسکو ہمراہ لیکر) اُس کریم کی گور پر جو کہ عجیب (وغریب شخص) تھا گیا (اور اُس سے راہ میں) کہا کہ جب کوئی بندہ اسکی توفیق (منجانب اللہ) پادے کہ وہ کسی صاحب نصیب کی مہمانی کرے (مہمان کو صاحب نصیب کہنا اس لئے ہے کہ اُس کو نفع مہمانی کا پہونچنا یہ صاحب نصیبی ہے اور وہ مہمانی کرنا اس طرح ہو کہ) وہ اپنا مال اُسکی بابت صرف کرے (اور) اپنی جان اُس (مہمان) کی جاہ پر صرف کرے (یعنی اُس کا اکرام اپنی جان سے کرے سو جو میزبان ایسا موفق و خادم ہو) اُسکی شکر گذاری خدا تعالی کی شکر گذاری ہے یقیناً چونکہ خدا تعالی نے اُس کے موفق ہونے کو (اُس کے) احسان کے ساتھ مقرون فرمایا (یعنی توفیق احسان کو مفضی الی الاحسان بنایا اور اُس کریم کا شکریہ اسی بنا پر ہے پس مستلزم ہوگا شکریہ جاعل بنا کو اور اسی سے لازم آویگا کہ) اُسکی شکر گذاری کا ترک کرنا شکر حق کا ترک کرنا ہوگا (غرض) اُس کا حق بلاشک حق تعالی (کے حق) کے ساتھ ملحق ہوگا تو نعمتوں میں خدا تعالی کا شکر کرتا رہ نیز خواجہ (محسن) کا بھی شکر اور ذکر (خیر وثنا) کرتا رہ (اشارۃ الی حدیث فان لم تکافئوہ فاثنوا علیہ خیرا فان ذلک من المکافاۃ آگے اسپر تفریع ہے کہ) ماں کی محبت (اولاد کے ساتھ) اگرچہ خدا تعالی کی طرف سے ہے (لیکن خدا تعالی ہی کے فرمانے سے) اُسکی خدمت بھی واجب و مناسب ہے (کوئی خدمت واجب ہے کوئی مناسب ہے آگے اسکی تائید ہے کہ) اسی سبب سے فرمایا ہے حق تعالی نے صلوا علیہ (وسلموا تسلیما یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر صلاۃ وسلام بھیجو) کیونکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم (نعم دینیہ میں) محتاج الیہ (اور واسطہ) تھے (جیسے ماں نعم دنیویہ میں واسطہ تھی آگے اسکی دلیل حدیث سے ہے اور حاشیہ میں بحر العلوم کا شیخ عبد الطیف سے اس کو نقل کرنا لکھا ہے اور حدیث کے الفاظ یہ لکھے ہیں اذا حشر الخلائق یوم القیمۃ جیئ بعبد اصطنع الیہ عبد من عبادہ معروفا فیقال لہ ھل شکرت عبدی فیقول یارب علمت ان

ذلك منك فشكرتك عليك عليه فيقول الله عزوجل لم تشكرني اذ لم تشكر من اجريت ذلك على يدہ اور مخرج کا نام نہیں لکھا مولانا اسی مضمون کو فرماتے ہیں کہ) قیامت میں بندہ سے خدا تعالیٰ فرماوینگے ہاں تو نے کیا کیا میں نے جو کچھ تجھکو دیا تھا۔ وہ کہے گا اے رب میں نے آپ کا جان (ودل) سے شکر کیا چونکہ اُس روزی اور نان کی اصل آپ ہی کی طرف سے تھی۔ حق تعالیٰ اُس سے فرماوینگے نہیں تو نے میرا شکر ادا نہیں کیا جبکہ تو نے (محسن کے) اُس اکرام اور فعل کا شکر نہیں کیا۔ تو نے ایک کریم پر ظلم وستم کیا۔ کیا تجھکو اُس کے ہاتھ سے میری نعمت نہ پہونچی تھی (یہ سب مضمون منجانب پایمرد کے منقول ہے مقصود اس سے اُس قرضدار کو یہ بتلانا ہے کہ جب یہ شخص تیرا محسن رہ چکا ہے جسکی ذیل شروع داستان کے اشعار کی تمہید میں احقر نے ذکر کی ہے تو اس کا مقتضا یہ ہے کہ اسکی شکرگذاری کر جو کہ اب بصورت زیارت قبر و دعائے مغفرت اُس کے لئے ممکن ہے یہ کام تو کرلے چونکہ یہ شکر محسن شکر حق ہوگا اور شکر حق موجب مزید نعمت ہے ممکن ہو کہ یہ سبب ہو جاوے تجھکو اسقدر مال مل جانے کا غرض اُس پایمرد کے کہنے پر وہ محتسب کی قبر کی طرف چلا اور) جب وہ اُس ولی نعمت کی قبر پر (اس پایمرد کے ہمراہ) پہونچا (زیارت و دعا کے بعد کچھ اسکی یاد کا کچھ اپنی مصیبت کا غلبہ ہوکر) زار زار گریہ کرنے لگا اور (غم کا) گیت گانے لگا (یعنی اُسکو خطاب کرکے یہ) کہا ای پشت پناہ ہر عظیم الشان کے (اور) امیدگاہ اور مددگار مسافروں کے (یعنی معمولی مسافر بھی اور اہل حاجت معززین بھی تجھسے منتفع ہوتے تھے) اے شخص ہمارے رزقوں کا بار تیری خاطر پہ تھا۔ ای شخص تیرا احسان اور نیکی مثل رزق عام کے (سبکو شامل) تھا اے شخص تو فقیروں کیلئے بمنزلہ کنبہ اور والدین کے تھا آمدنی میں اور خرچ میں اور ادائے قرض میں اے شخص تو نے بحر کی طرح نزدیکوں کے لئے گوہر دئے تھے اور دور والوں کی طرف بارش کو تحفہ دیا تھا۔ ہماری پشت تجھسے گرم (اور قوی) تھی اے آفتاب۔ تو رونق تھا ہر قصر کا اور خزانہ تھا ہر ویرانہ کا۔ اے شخص تیری ابرو میں کسی نے (کبھی) بل نہیں دیکھا۔ اے شخص جو کہ مثل میکائیل کے جوانمرد اور رزق دینے والا تھا۔ اے شخص تیرا دل دریائے غیب سے متصل تھا (اس لئے اُسمیں کبھی انقطاع فیض کا نہ ہوتا تھا) اے شخص کہ کرم کے کوہ قاف میں عنقائے غیب (کی طرح جلیل القدر) ہے تو نے کبھی یہ خیال نہیں کیا کہ میرے مال میں سے کیا چلا گیا۔ تیرے قصر ہمت کی سقف کبھی تگافتہ (اور شکستہ) نہیں ہوئی (از کفتن بفتح کاف عربی بمعنی شگافتن کذا فی الغیاث) اے شخص میں اور مجھ جیسے صدہا ہر ماہ اور ہر سال میں تیرے لئے تیری اولاد کی طرح بطور عیال کے رہتے تھے + ہمارا نقد اور ہماری جنس اور ہمارا سامان ہمارا نام اور ہمارا فخر اور ہمارا طالع یہ سب چیزیں حق تعالیٰ کی طرف سے (ہمارے پاس) تھیں اور تو واسطہ تھا (اور) ہمارے اور حق تعالیٰ کے درمیان رابطہ تھا (صرف) تو نہیں مرا بلکہ تیرے مرنے سے) ہمارا ناز (ونعم) اور نصیبہ مر گیا (اور) ہمارا عیش اور رزق تمامہ مر گیا تو ایک مثل ہزار کے تھا شجاعت اور سخاوت میں۔ سو حاتم کی مثل تھا بوقت صرف کرنے نعمتوں کے (یعنی حاتم سے بڑھکر تھا آگے اس بڑھے ہوئے ہونے کا بیان ہے کہ) حاتم اگر ایک بے جان چیز ایک بے جان کو دیتا ہے (یہ تو اُس کے عطا میں کیفاً کمی ہے اور پھر اس کی ساتھ یہ بھی ہے کہ) وہ معدودے چند اخروٹ دیتا ہے (یہاں محط فائدہ مفہوم معدود کا ہے یعنی وہ عطا محصور و محدود بھی ہے اور یہ کمی کمّاً ہے اور عطا اور معطی لہ کو بیجان اس لئے کہا کہ بہت جلد بیجان ہونے والا ہے تو اگر حاتم کی یہ حالت ہے) تو (تیری یہ کیفیت ہے کہ) تو ہر سانس میں ایسی حیات دیتا تھا جو کہ (نہایت) نفاست کے سبب بیان میں نہیں آتی (از نفس بمعنی دم چوں کلام از صوت است وصوت را دم لازم لہذا مجازاً بمعنی بیان گرفتہ شد یہ تو اُس کی ترجیح ہوئی کیفاً کہ وہ عطا حیات ہے اور ترجیح

کنایہ ہے کہ) تو حیات دیتا تھا بہت پائدار (یہاں محط فائدہ پائدار ہے کما کان فی مقابلۃ شمردہ الدال علی المفضولیۃ الکمیۃ وھذا دال علی الافضلیۃ الکمیۃ غالباً اس حیات خالدہ سے مراد اعانت فی الدین للدیں ہے یا تو بلا واسطہ اگر اس محتسب کے اہل اللہ ہونے پر نظر کیجاوے جیسا ایک سرخی گذشتہ استغفار کردن کے بعض اشعار بازعقلش الخ میں مولانا کے کلام سے بھی معلوم ہوتا ہے اور یا بواسطہ جبکہ باوجود اس کے تحقق کے اس کا لحاظ نکیا جاوے صرف اس کا اعتبار کیا جاوے کہ اس کی عطا معین فی الطاعات ہوتی تھی فالاول کالمباشرۃ والثانی کالتسبب اور آگے جو فرمایا ہے کہ) زر نقد بے کساد (یعنی جید اور (مقدار میں) بیشمار (دیتا تھا۔ سو اس میں دو احتمال ہیں اول یہ کہ حرف عاطف مقدر ہو یعنی حیات پائدار یعنی فیض باطنی کے علاوہ حسی نعمتیں بھی دیتا تھا ثانی یہ کہ حیات پائدار یعنی سبب حیات کا بیان ہو یعنی وہ حیات سببہ بھی کماً وکیفاً کامل ہے اور اس کا سبب یعنی مال بھی کماً وکیفاً کامل ہے بے کساد اس کے کمال کیفی پر اور بے شمار اس کے کمال کمی پر دال ہے خلاصہ یہ کہ تو ایسا تھا ایسا تھا اور) تیری اس خلق (مذکور) کا وارث کوئی نہیں ہوا (یعنی تو ان اخلاق کا اپنے وقت میں خاتم ہو گیا) اے شخص فلک (مرتفع) تیرے کوچہ (متسفلہ) کو سجدہ کرتا ہے (یعنی تیرے یہاں کی سافل چیز کی شان دوسری عالی چیز سے بڑھی ہے) خلائق کے لئے گرگ غم سے تیرا لطف محافظ تھا (اور محافظ بھی کیسا کہ) مثل حضرت کلیم اللہ علیہ السلام کے محافظ مہربان (تھا جنکی مہربانی بحال گوسفند کا بیان آگے آتا ہے اور پھر ایک حدیث موید کے ایراد کے بعد خطاب محتسب مذکور فی القصہ کی طرف عود ہوگا)

گریختن گوسفند از کلیم اللہ وشفقت ومہربانی او

گوسفندے از کلیم اللہ گریخت
ایک بکری حضرت کلیم اللہ کے پاس سے بھاگ گئی

پائے موسیٰ آبلہ شد نعل ریخت
موسیٰ علیہ السلام کا پاؤں پر آبلہ ہو گیا خستہ ہو گیا

در پئے او تا بشب در جستجو
اس کے پیچھے شب تک تلاش میں رہے

واں رمہ غائب شدہ از چشم او
اور وہ گلہ ان کی نظر سے غائب ہو گیا

گوسپند از ماندگی شد سست ماند
وہ بکری تکان سے سست ہو گئی اور رہ گئی

پس کلیم اللہ گرد از وے فشاند
پس حضرت کلیم اللہ نے اس سے گرد جھاڑی

کف ہمی مالید بر پشت وسرش
اس کی پشت اور سر پر ہاتھ پھیرتے تھے

می نوازش کرد ہمچوں مادرش
ماں کی طرح اسپر نوازش فرماتے تھے

نیم ذرہ تیرگی و خشم نے — غیر مہر و رحم و آب چشم نے

آدھا ذرہ بھی کدورت اور غیظ نہیں — بجز مہربانی اور رحم اور آب چشم کے نہیں

گفت گیرم بر منت رحمے نبود — طبع تو بر خود چرا استم نمود

فرمانے لگے کہ میں نے فرض کیا کہ تجھکو مجھپر رحم نہیں آیا — تیری طبیعت نے اپنے اوپر کس لئے ظلم کیا

با ملائک گفت یزداں آں زماں — کہ نبوت را ہمی زیبد فلاں

ملائکہ سے حضرت حق نے اسوقت فرمایا — کہ نبوت کے لئے فلاں شخص زیبا ہیں

مصطفےٰ فرمود خود کہ ہر نبی — کرد چوپانیش برنا یا صبی

خود مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ہر نبی نے — بکریوں کی چوپانی کی ہے جوان ہوکر یا طفل ہونیکے وقت

بے شبانی کردن و آں امتحاں — حق ندادش پیشوائی جہاں

بدون شبانی کرنے کے اور بدون اس امتحان کے — حق تعالی نے انکو جہان کی پیشوائی نہیں دی

تا شود پیدا وقار و صبر شاں — کردشاں پیش از نبوت حق شباں

تاکہ ان کا وقار اور صبر ظاہر ہوجاوے — اُن کو حق تعالی نے نبوت سے پہلے شبان بنایا ہے

گفت سائل ہم تو نیز اے پہلواں — گفت من ہم بودہ ام دہرے شباں

کسی سائل نے عرض کیا کہ آپنے بھی اے سید الخلائق — آپ نے فرمایا کہ میں بھی ایک زمانہ تک شبان رہا ہوں

ہر امیرے کو شبانی بشر — آنچناں آرد کہ باشد مؤتمر

جو حاکم کہ بشر کی شبانی — اس طرح سے بجالاوے کہ وہ حکم کا امتثال کرنے والا ہو

حلم موسیٰ وار اندر رعی خود — او بجا آرد بتدبیر و خرد

تو وہ اپنی شبانی میں حلم موسوی رکھتا ہے — وہ تدبیر وخرد سے بجالاتا ہے

لاجرم حقش دهد چوپانئے	بر فراز چرخ مہ روحانئے
لامحالہ حق تعالیٰ اُس کو ایک چوپانی عطا فرماتا ہے	فلک قمر کے اوپر روحانی چوپانی
آنچنانکہ انبیا را زیں رعا	بر کشید و داد رعی اصفیا
جسطرح سے انبیا کو اس رعی سے	مرتفع کردیا اور رعی مقبولین عطا فرمائی
خواجہ بارے تو دریں چوپانیت	کردی آنچہ کور گردد شانیت
اے خواجہ البتہ تو نے اپنی اس چوپانی میں	وہ کیا جس سے تیرا دشمن اندھا ہوجاوے
دانم آنجا در مکافات ایزدت	سروری جاودانہ بخشدت
میں جانتا ہوں کہ اُس عالم میں حق تعالیٰ تجھکو	فضیلت دائمی عطا فرماوے گا

ایک بکری حضرت کلیم اللہ کے پاس سے بھاگ گئی (شعیب علیہ السلام کے پاس رہنے کے زمانہ میں بکریاں چرانا قرآن میں منصوص ہے) موسیٰ علیہ السلام کا پانو (اُس کی تلاش میں دوڑنے سے) پُرآبلہ ہوگیا (اور) خستہ ہوگیا (فی الغیاث نعل افگندن و نعل ریختن دویدن دماندن اسپ از رفتار آمد) اُس کے پیچھے شب تک تلاش میں (پھرتے) رہے اور وہ گلہ (جسمیں سے وہ بکری بھاگ گئی تھی) اُن کی نظر سے غائب ہوگیا (یعنی اُس کی تلاش میں اتنی دور نکل گئے کہ اصل گلہ بھی نظر نہ آتا تھا) وہ بکری (آخر) تکان سے سست ہوگئی اور (کسی جگہ) رہگئی (تب وہ حضرت کلیم اللہ کو ملی جب وہ ملی) پس حضرت کلیم اللہ نے اُس سے گرد جھاڑی (اور) اُس کے پشت اور سر پر (شفقت سے) ہاتھ پھیرتے تھے (اور) ماں کی طرح اُس پر نوازش فرماتے تھے (اور باوجود اس قدر اذیت برداشت کرنے کے) آدھا ذرہ بھی کدورت اور غیظ نہیں (اور) بجز مہربانی اور رحم اور آب چشم کے نہیں (یعنی اُسکی تکلیف کو دیکھکر رقت ہوتی تھی اور اس بکری سے) فرمانے لگے کہ میں نے فرض کیا کہ تجھکو مجھپر رحم نہیں آیا (اس لئے مجھکو تھکایا لیکن) تیری طبیعت نے اپنے اوپر کس لئے ظلم کیا (اپنے اوپر تو رحم کرنا چاہئے تھا) ملائکہ سے حضرت حق نے اُس وقت فرمایا کہ نبوت کے لئے فلاں شخص (یعنی حضرت کلیم اللہ) زیبا ہیں (اور یہ قصہ رعی غنم کا نبوت کے قبل تھا جیسا قرآن مجید میں ہے کہ بعد رعی غنم کے جب مدین سے واپس آتے لگے ہیں راستہ میں کوہ طور پر نبوت عطا ہوئی آگے موسیٰ علیہ السلام کے قصۂ رعی غنم کی مناسبت سے دوسرے انبیاء علیہم السلام کے رعی غنم کا مضمون فرماتے ہیں کہ) خود مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ہر نبی نے بکریوں کی چوپانی کی ہے (کما فی البخاری) جوان ہوکر یا طفل ہونے کے وقت (اور ایک معنی یہ بھی ہوسکتے ہیں کہ خواہ وہ نبی جوان ہو یا صبی یعنی خواہ اُسکو شباب میں نبوت ملی ہو یا شباب کے قبل کما یفہم من ظاہر قولہ تعالیٰ وآتیناہ

ف تحقیق اعطاے نبوت قبل از چہل سال

الحکم صبیاً اور اس پر یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ مشہور یہ ہے کہ کسی نبی کو چالیس سال کے قبل نبوت نہیں ملی لیکن چونکہ یہ حدیث ثابت نہیں کما فی المقاصد الحسنۃ ص۱۷۰ فی تحقیق حدیث ما من نبی نبیٔ الا بعد الاربعین قال ابن الجوزی موضوعٌ اس لئے یہ شبہ رفع ہو گیا آگے بھی حدیث رعی غنم انبیاء کے متعلق مضمون ہے جسمیں خود اسکی حکمت بیان کی ہے حدیث میں یہ مضمون نہیں ہے یعنی) بدون شبانی کرنے کے اور بدون اس امتحان کے (جسکا بیان شعر آیندہ میں ہے) حق تعالےٰ نے اسکو (یعنی کسی نبی کو) جہان کی پیشوائی نہیں دی (اور وہ امتحان کہ یہی حکمت ہے یہ ہے کہ) تاکہ اُن (انبیاء) کا وقار اور صبر ظاہر ہو جاوے (اس لئے) اُن کو حق تعالیٰ نے نبوت سے پہلے شبان بنایا ہے (اور اس میں صبر و حلم کی عادت اس طرح پڑتی ہے کہ بکریاں اکثر مختلف جوانب بکھر جاتی ہیں اُن کے جمع رکھنے اور نگرانی میں پریشانی ہوتی ہے جسطرح موسیٰ علیہ السلام کے قصہ مذکورہ میں اس بکری نے پریشان کیا آگے پھر حدیث مذکور بخاری کا تتمہ ہے کہ) کسی سائل نے (حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے) عرض کیا کہ آپ نے بھی اے سید الخلائق (بکریاں چرائی ہیں) آپ نے فرمایا کہ میں بھی ایک زمانہ تک شبان رہا ہوں (آپ کے جواب کے الفاظ یہ ہیں نعم کنت ارعی علی قراریط لاھل مکۃ اھ والقیراط نصف دانق والدانق سدس الدرھم او ھو اسم موضع فیکون علی بمعنی فی کذا قالوا آگے مقولہ ہے مولانا کا کہ) جو حاکم کہ بشری شبانی اس طرح سے بجا لاوے کہ وہ (اس میں) حکم کا امتثال کرنے والا ہو (یعنی جسطرح سے کہ وہ مامور ہوا تھا فی الغیاث مؤتمر بکسر میم دوم فرمانبردار مشورت کنندہ از لطائف و منتخب) تو وہ (حاکم) اپنی شبانی میں حلم موسوی رکھتا ہے (اور چونکہ) وہ (اسکو) تدبیر و خرد سے بجا لاتا ہے لامحالہ حق تعالیٰ اسکو ایک (خاص) چوپانی (مذکور فی المصراع الثانی) عطا فرماتا ہے (یعنی) فلک قمر کے اوپر (اوسکو) روحانی چوپانی (یعنی مقام ارشاد و تربیت عباد۔ جیسا کہ حضرات انبیاء نے جب حق رعی ادا فرمایا تو اللہ تعالیٰ نے اُن کو نبوت کہ رعی روحانی ہے عطا فرمائی اور فلک قمر چونکہ حد ہے دنیا کی تو اس سے فوق کنایہ ہوا فوق الدنیا سے کہ وہ رعی اخروی و دینی ہے آگے مقولہ ہے اُس قرضدار کا بخطاب محتسب مقبور کے پس) جسطرح سے (حق تعالیٰ نے) انبیاء کو اس رعی سے (منصب عالی نبوت پر) مرتفع کر دیا اور رعی مقبولین عطا فرمائی (یہ عطف تفسیری ہے اسی طرح) اے خواجہ البتہ تو نے اپنی اس چوپانی (خلق) میں وہ (کام) کیا جس سے تیرا دشمن (اور حاسد) اندھا ہو جاوے (یعنی جل مرے یا یہ کہ باوجود حسد کے اسکو عیب بینی کی گنجایش نہ ملے غالباً اسمیں اقتباس ہے ان شانئک ھو الابتر سے تو تجھکو بھی انبیاء کی طرح تیری استعداد کے موافق اس رعی پر ثمرہ عطا فرمایا ہے جسکا بیان یہ ہے کہ) میں جانتا ہوں کہ اُس عالم میں حق تعالیٰ تجھکو فضیلت دائمی عطا فرماویگا (حاصل اشعار ثلثہ یعنی آنچنانکہ الی دائم آنجا کا انبیاء کے رعی غنم پر منصب عالی نبوت کے ترتب کے ساتھ تشبیہ دینا ہے محتسب کے رعی غنم پر منصب عالی جنت کے ترتب کو آگے خطاب میں حکایت ہے اپنے قرضہ اور مخاطب کے فقدان پر غم و الم کی)۔

براُمید کفِّ چوں دریائے تو	بر وظیفہ دادن و ایفائے تو
تیرے کف مشابہ دریا کی امید پر	تیرے وظیفہ دینے اور تیرے ایفاء پر

وام کردم نہ ہزار از زر گزاف
میں نے نو ہزار زر بے احتیاطی سے قرض کر لئے

تو کجائی تا کہ صد چندان کرم
تو کہاں ہے تا کہ سو حصّہ کرم

تو کجائی تا دو صد لطف و عطا
تو کہاں ہے تا کہ دو سو لطف و عطا

تو کجائی تا کہ خندان چوں چمن
تو کہاں ہے تا کہ چمن کی جگہ خندان کرتا ہوا

تو کجائی تا مرا خندان کنی
تو کہاں ہے تا کہ مجھکو خندان کرے

تو کجائی تا بری در مخزنم
تو کہاں ہے تا کہ مجھکو خزانہ میں لیجاوے

من ہمی گویم بس و تو مفضلم
میں تو کہوں بس اور تو کہ مجھپر کثیر الفضل ہے

چوں ہمی گنجد جہانے زیر طین
ایک پورا جہاں خاک کے نیچے کیونکر سماتا ہے

حاش للہ تو برونی زین جہاں
حاش للہ تو اس جہاں سے باہر ہے

تو کجائی تا شود این درد صاف
تو کہاں ہے تا کہ یہ تلچھن صاف ہو

با من خستہ بجا آری نعم
مجھ خستہ کے ساتھ تو بجا لاوے البتہ

با غریب خستہ دل آری بجا
غریب خستہ دل کے ساتھ تو بجا لاوے

گوئیم بستان دو صد چندان زمن
تو مجھکو کہے کہ مجھسے دو سو حصے لے

لطف و احسان چوں خداوندان کنی
آقاؤں کی طرح لطف و احسان کرے

تا کنی از وام و فاقہ ایمنم
تا کہ قرض اور فاقہ سے مجھکو مامون کرے

گفتہ کاین ہم گیر از بہر دلم
یوں کہتا ہو کہ یہ بھی لے لے میری خاطر سے

چوں بگنجد آسمانے در زمین
ایک آسمان زمین کے نیچے کیونکر سماتا ہے

ہم بوقت زندگی ہم این زماں
زندگی کے وقت میں بھی اور اس زمانہ میں بھی

در ہوائے غیب مرغے می پرد — سایۂ او بر زمیں می گسترد

فضائے عالم غیب میں ایک مرغ اڑ رہا ہے — اُس کا سایہ زمیں پر مبسوط ہے

جسم سایہ سایۂ دل است — جسم کے اندر خور پایہ دل ست

جسم جو ہے تو قلب کے ظل الظل کا مثل ہے — جسم کب لائق مرتبہ قلب کے ہے

مرد خفتہ روح او چوں آفتاب — در فلک تاباں وتن در جامہ خواب

آدمی سوتا ہوتا ہے اُسکی روح آفتاب کی طرح — فلک میں تاباں ہوتی ہے اور جسم لباس خواب میں ہوتا ہے

جاں نہاں اندر خلا ہمچو سجاف — تن تقلب می کند زیر لحاف

روح مخفی ہے خلاء میں مثل پردہ کے — جسم کروٹ لیتا ہے لحاف کے نیچے

روح چوں من امر ربی مختفی ست — ہر مثالے کہ بگویم منتفی ست

روح جبکہ امر رب سے ہے مختفی ہے — جو مثال کہوں وہ منتفی ہے

اے عجب کو لعل شکر بار تو — واں جوابات خوش و اسرار تو

اے شخص عجب ہے وہ تیرا لب شکر بار کہاں ہے — اور تیرے وہ جوابات خوش اور اسرار کہاں ہیں

اے عجب کو آں عقیق قند خا — آں کلید قفل مشکلہائے ما

اے شخص عجب ہے وہ عقیق قند خا کہاں ہے — وہ کلید ہمارے مشکلات کے قفل کی کہاں ہے

اے عجب کو آں دم چوں ذوالفقار — آنکہ کردے عقلہا را بے قرار

اے شخص عجب ہے وہ سخن مشابہ ذوالفقار کے کہاں ہے — وہ جو عقلوں کو بے قرار کر دیتا تھا

چند ہمچو فاختہ کاشانہ جو — کو و کو و کو و کو و کو و کو

کب تک آشیانہ ڈھونڈھنے والی فاختہ کی طرح — کوکو اور کوکو اور کوکو کرے گا

کو ہمانجا کہ صفات رحمت ست — قدرت ست و نزہت ست و فطنت ست

وہ کہاں ہے وہیں ہے جہاں صفات رحمت ہیں — قدرت ہے اور فرحت ہے اور علم ہے

کو ہمانجا کہ دل و اندیشہ اش — دائم آنجا بد چو شیر و بیشہ اش

وہ کہاں ہے وہیں ہے جہاں اس کی توجہ اور فکر — ہمیشہ تھی مثل شیر اور اس کے بیشہ کے

کو ہمانجا کہ امید مرد و زن — میرود در وقت اندوہ و حزن

وہ کہاں ہے وہیں ہے جہاں تمام مرد وزن کی امید — اندوہ اور حزن کے وقت رجوع ہوتی ہے

کو ہمانجا کہ بوقت علتے — چشم پرّد بر امید صحتے

وہ کہاں ہے وہیں ہے جہاں علالت کے وقت — آنکھ اٹھتی ہے صحت کی امید پر

آں طرف کہ بہر دفع زشتئے — بادجوئی بہر کشت و کشتئے

وہ اس طرف ہے جہاں سے تو دفع خرابی کیلئے — ہوا کی استدعا کیا کرتا ہے زراعت اور کشتی کے واسطے

آں طرف کہ دل اشارت می کند — چوں زباں یاہو عبارت می کند

وہ اس طرف ہے جہاں قلب اشارہ کیا کرتا ہے — جبکہ زبان یا ہو کو عبارت میں لاتی ہے

او مع اللہ ست بے کو کو ہمی — کاش جولاہا نہ ماکو گفتمے

وہ اللہ کے پاس ہے بدون کوکے ہے — کاش جولاہوں کی طرح میں ماکو کہتا

عقل ما کو تا بہ بیند غرب و شرق — روحہا را می زند صد گونہ برق

ہماری عقل کہاں ہے تاکہ مغرب و مشرق کو دیکھے — ارواح پر صدہا اقسام کی برق واقع ہورہی ہیں

جزر و مدش بد بہ بحرے در زبد — منتہی شد جزر و باقی ماند مد

اسکو زبد میں بحر کے ساتھ گھٹنا بڑھتا ہوتا تھا — گھٹاؤ موقوف ہوگیا اور بڑھاؤ باقی رہگیا

نہ ہزارم وام و من بے دست رس
نوہزار دینار تو میرا قرض ہے اور میں بے دست رس ہوں

ہست صد دینار ازیں توزیع و بس
سو دینار چندہ کے ہیں اور بس

حق کشیدت ماندہ ام در کشمکش
حق تعالیٰ نے تجھکو اٹھالیا میں کشمکش میں رہ گیا

میروم نو میدا ے خاک تو خوش
ناامید جاتا ہوں اے شخص طاب ثراک

ہمتے میدار در پر حسرتت
کچھ ہمت لگا اپنے مالامال حسرت کے لئے

اے ہمایوں روی و دست و ہمت
اے مبارک ہے تیرا رخ اور ہاتھ اور ہمت

آمدم بر چشمۂ اصل عیوں
میں ایسے چشمہ پر آیا تھا جو سب چشموں سے بڑھکر ہے

یافتم دروے بجائے آب خوں
اسمیں میں نے بجائے پانی کے خون پایا

چرخ آں چرخ ست و تاب آں تا نیست
آسمان تو وہی آسمان ہے اور روشنی وہ روشنی نہیں

جوئے آں جوی ست آب آں آب نیست
ندی وہی ندی ہے پانی وہ پانی نہیں

محسناں ہستند کو آں مستطاب
محسن ہیں وہ پاکیزہ کہاں

اختراں ہستند کو آں آفتاب
اختر تو ہیں وہ آفتاب کہاں

تو شدی سوئے خدا اے محترم
تو خدا کے پاس چلا گیا اے محترم

پس بسوے حق روم من نیز ہم
پس میں بھی خدا کے پاس جاتا ہوں

مجمع و پاے علم ماوی القروں
محل اجتماع اور پائے علم اور ماوا تمام اہل قروں کا

ہست حق کل لدینا محضروں
حق تعالیٰ ہی ہے بدلیل کل لدینا محضروں کے

تیرے کف مشابہ دریا کی امید پر (اور) تیرے وظیفہ دینے اور تیرے ایفاء (قرض کی امید) پر میں نے نوہزار (دینار) زر بے احتیاطی سے قرض کر لئے تو کہاں ہے تاکہ یہ الجھن صاف ہو (یعنی یہ مشکل آسان ہو) تو کہاں ہے تاکہ سو حصہ کرم مجھ

خستہ کے ساتھ تو بجالاوے البتہ (یعنی کرم متوقع سے اتنا زیادہ کرم کرے) تو کہاں ہو تاکہ دو سو لطف و عطا غریب خستہ دل کے ساتھ تو بجالاوے تو کہاں ہے تاکہ چمن کی جگہ خندہ کرتا ہوا تو مجھکو کہے کہ مجھسے دو سو حصے لے (یعنی قرض سے بھی اتنا زیادہ لے) تو کہاں ہے تاکہ مجھکو خنداں کرے (اور) آقاؤں کی طرح لطف و احسان کرے۔ تو کہاں ہو تاکہ مجھکو خزانہ میں لے جاوے تاکہ قرض اور فاقہ سے مجھکو مامون کرے (اس طرح سے کہ) میں تو کہوں بس اور تو کہ مجھپر کثیر الفضل (والاحسان) ہے یوں کہتا ہو کہ یہ (اور) بھی لے لے میری خاطر سے (اور مجھکو یہ تعجب ہے کہ) ایک پورا جہاں خاک کے نیچے کیونکر سماتا ہے (اور) ایک آسمان زمین کے نیچے کیونکر سماتا ہے (یعنی تو اکیلا کہ بمنزلہ تمام عالم کے ہے کما قیل ﷺ لیس علی اللہ بمستنکر ان یجمع العالم فی واحد × اور بمنزلہ آسمان کے ہے قبر میں کیسے آگیا یہ تعجب شاعرانہ مضمون ہے آگے اس سے اضراب محققانہ ہے یعنی) حاش للہ (تو زمین میں کیوں سماتا وہ تو محض جسم ہے اور باقی جو مصداق اصلی ہے انت کا اُس کا حکم تو یہ ہے کہ) تو اس جہاں سے باہر ہے زندگی (دنیوی) کے وقت میں بھی اور اس زمانہ میں بھی (وجہ اُسکی ظاہر ہے کہ مصداق انت کا روح ہے اور وہ اس عالم متحیز سے خارج ہے علی ما رآہ المکاشفون اور جسم سے تعلق اُسکو محض تدبیر کا ہے حلول کا نہیں ویستوی فیہ الحیوۃ والممات پس تعجب رفع ہو گیا آگے یہی مضمون ہے کہ) فضائے عالم غیب میں (مراد عالم مجردات ہے) ایک مرغ اُڑ رہا ہے (اور) اُس کا سایہ زمین پر مبسوط ہے (اسمیں روح کو مرغ سے اور جسم کو اُس کے سایہ سے تشبیہ دی یعنی مصداق انت کا روح ہے باقی یہ جسم تو اُس کا ایک ظل ہے آگے اس ظلیت کی تحقیق ہے کہ ظل بھی بواسطہ بلکہ بوسائط تو بہت ہی متنزل درجہ میں ہوا اس طرح سے کہ) جسم جو ہے تو قلب (حقیقی والمراد بہ الروح) کے ظل الظل کا ظل ہے (تقریر اُسکی یہ ہے کہ قلب سے مراد روح اور یہ مراد لینا اتحاد لطائف کے قول پر تو ظاہر ہے جیسا بعض اہل کشف کا قول ہے اور تغائر لطائف کے قول پر مجاز استعارہ ہوجاویگا لان کلا منہما یشابہ الآخر فی بعض الاوصاف واد ناھا التجرد سو قلب سے مراد روح ہوئی اور روح حقیقی اہل کشف کے نزدیک دو ہیں ایک سراجی کہ وہ روح اعظم وا ... ہے مربی تمام ارواح کی اور دوسری زجاجی کہ وہ ہر شخص کی جدا جدا ہے اور یہ روح زجاجی استفادہ آثار میں تابع ہے روح سراجی کی تو یہ زجاجی اُس سراجی کی بایمعنی ظل ہوئی یعنی کالظل فی التبعیۃ پھر اس کا تعلق اجسام کے ساتھ بواسطہ روح حیوانی کے ہے تو افادہ آثار حیوۃ وغیرہ میں یہ روح حیوانی اس روح زجاجی کی تابع اور ظل ہے اور اُس روح سراجی کی ظل الظل ہوئی پھر جسم استفادہ آثار حیوۃ وغیرہ میں اس روح حیوانی کا تابع اور ظل ہے پس اس بنا پر یہ جسم اُس روح سراجی کا کہ اصل الارواح ہے ظل ظل الظل ہوا یعنی تین بار لفظ ظل ہے اول مضاف دوسرا مضاف الیہ و مضاف تیسرا مضاف الیہ یہ معنی ہیں اس مصرعہ کے جسم سایہ سایۂ سایہ دل ست اور ایک توجیہ یہ بھی ہو سکتی ہو کہ بجائے روح سراجی کے روح زجاجی کو کہا جاوے اور اُس کا ظل عالم مثال کو اور اُس کا ظل روح حیوانی کو اور اُس کا ظل جسم کو آگے اس ظلیت بوسائط پر تفریع ہے کہ پس) جسم کب لائق مرتبہ قلب (یعنی روح) کے ہے (یعنی چہ نسبت خاک را با عالم پاک آگے اسی پر ادراحکام متفرع فرماتے ہیں یعنی) آدمی سوتا ہوتا ہے (اور) اُسکی روح (وھذہ قرینۃ علی ارادۃ الروح بالقلب فیما سبق) آفتاب کی طرح فلک (عالم مجردات) میں تاباں ہوتی ہے اور جسم لباس خواب میں ہوتا ہے روح مخفی ہے (عالم غیب کے) خلا میں مثل پردہ (اندر دفی) کے دفی المنتخب سجاف بالکسر پردہ یا آنکہ سجف دو پردہ کہ بر در آویزند و درمیان آنہا فرجہ باشد و ہر یا رچہ آنرا سجاف گویند اھ جسم کرد

لیتا ہے لحاف کے نیچے (چونکہ اوپر ایک شعر میں روح کو مرغ سے اور ایک شعر میں آفتاب سے اور ایک شعر میں سحاب سے تشبیہ دی ہے شاید اس تشبیہ و تمثیل سے کسی کو غلط فہمی ہوتی ہو اس لئے آگے اس پر تنبیہ کرتے ہیں کہ) روح جبکہ امر رب سے ہے (اور یہ اُسکی حقیقت اجمالی ہے اور مرتبہ تفصیل میں عالم کے علم سے) مختفی ہے (اس لئے) جو مثال (اُس کے ایضاح کے لئے) کہوں وہ (اُسکی کشف کنہ کی حیثیت سے) منتفی ہے (یعنی وہ کاشف کنہ نہیں ہے اور یہ اشعار متضمن احکام روح مولانا کا مقولہ تھا آگے پھر اُس قرضدار کا خطاب ہے محتسب کو یعنی) ای شخص عجب ہے، وہ تیرا لب شکر بار کہاں ہے اور تیرے وہ جوابات خوش اور اسرار کہاں ہیں ای شخص عجب ہے، وہ عقیق قندخا (یعنی لب شیریں کلام) کہاں ہے وہ کلید ہمارے مشکلات کے قفل کی کہاں ہے (یعنی لب یا زبان) اے شخص عجب ہے وہ سخن مشابہ ذوالفقار (شمشیر حضرت علی کے اسرعۃ نفوذ میں) کہاں ہے وہ جو عقلوں کو بے قرار کر دیتا تھا (یعنی عقلا اُس سخن کی بلاغت و کمال سے حیران رہ جاتے تھے آگے خود اپنے نفس کو جواب کے لئے خطاب کرتا ہے کہ) کب تک آشیانہ ڈھونڈھنے والی فاختہ کی طرح کو کو اور کو کو اور کو کو کریگا (یعنی اگر معلوم نہ ہوتا تو خیر یہ سوال بموقع نہ تھا اور اب تو محض بموقع ہے کیونکہ معلوم ہے کہ وہ کہاں ہے چنانچہ سُن تو جو کہتا ہے کہ) وہ کہاں ہو (سو تو بھی جانتا ہے کہ) وہیں ہو جہاں صفات رحمت ہیں (جہاں) قدرت ہے اور فرحت ہے اور علم ہے (یعنی اللہ کے پاس ہو کما سیاتی او مع اللہ ست آگے بھی سوال وجواب کی یہی توجیہ ہو یعنی) وہ کہاں ہے وہیں ہے جہاں اُس (متوفی صالح) کی توجہ اور فکر ہمیشہ (رہتی) تھی مثل شیر اور اُس کے بیشہ کے (کہ شیر ہمیشہ بیشہ کی طرف توجہ رکھتا ہے اسی طرح صلحاء ہمیشہ حق تعالیٰ کی طرف متوجہ رہتے ہیں) وہ کہاں ہے وہیں ہے جہاں تمام مرد و زن کی امید اندوہ اور حزن کے وقت رجوع ہوتی ہے (یعنی اللہ کے پاس ہے) وہ کہاں ہے وہیں ہے جہاں علالت کے وقت آنکھ اُٹھتی ہے صحت کی امید پر (آگے محض جواب ہیں بلا اعادہ سوال کے یعنی) وہ اُس طرف ہے جہاں سے تو دفع خرابی کے لئے ہوا کی استدعا کیا کرتا ہے زراعت اور کشتی کے واسطے (یعنی جب ہوا بند ہو جانے سے زراعت اور سیر کشتی میں خلل آنے لگتا ہے تو خدا تعالیٰ سے ہوا مانگتے ہو) وہ اُس طرف ہے جہاں قلب اشارہ کیا کرتا ہے جبکہ زبان یاھو (یعنی ای آن ذات پاک) کو عبارت میں لاتی ہے (ظاہر ہے کہ اس ضمیر کا مرجع قلب ذات حق ہی کو قرار دیتا ہے آگے ابہام مذکور کی تعیین کرتے ہیں یعنی) وہ (متوفی) اللہ کے پاس ہو (اور یہ پاس ہونا) بدوں کو کو (یعنی بدون کیجا وسوال عن الاین والمکان) کے ہے (یعنی اس مع اللہ ہونے سے یہ نہ سمجھنا کہ اُس کا مکان نعوذ باللہ اللہ تعالیٰ کا بھی مکان ہے اور گو وہ مکانی ضرور ہے حقیقۃً اگر روح سے مرتبہ روح نفس جسم لطیف کا لیا جاوے جسکی نسبت حدیثوں میں عروج و خروج و ہبوط وغیرہ آیا ہے وتحقیقہ فی رسالتی الفتوح اور یا حکماً اگر روح سے مرتبہ روح مجرد کا لیا جاوے مگر اُس کا متعلق وہی جسم لطیف مذکور ہے کہ لذائذ حسیہ اُس کا تنعم اُسی پر موقوف ہے تو ہر حال میں مکانی ہوا مگر مع اللہ ہونا اس مکانیت کے اعتبار سے نہیں بلکہ باعتبار قرب و قبول کے ہے پس حق تعالیٰ کے لئے گنجائش اس سوال کی نہیں بلکہ اس موقع پر ایسا سوال تو چونکہ ہمکو اپنے لئے زیبا ہے اس لئے) کاش جولاہوں کی طرح (بجائے آن کو کے) میں ماکو کہتا (ماکو کے دو معنی ہیں ایک یہ کہ ہم کہاں ہیں اور یہاں یہی مراد ہے دوسرے آلے ست آہنی جولاہگاں کہ ہندی آنرا نال گویند وما شورہ را یعنی نے پارہ

کوچک میان تہی را ریسمانے بر آں پیچیدہ در ماکو نہادہ می بافند کذا فی الغیاث وحاشیۂ ولی محمد یہاں یہ مراد نہیں محض لطیفہ و ظرافت کے طور پر یہ تشبیہ دیدی اور اس تشبیہ ظریفانہ میں اشارہ اس طرف ہو سکتا ہے کہ جیسے تو جولاہے زیادہ عقل رکھتے ہیں باوجودیکہ کم عقل مشہور ہیں کہ وہ ہر وقت ماکو ماکو کہتے ہیں ہماری طرح آن کو تو ایسے موقع پر نہیں کہتے جس سے ایہام ہو اپنیۃ حق تعالیٰ کا آگے اس موقع پر ہمکو اپنے لئے اس سوال کے زیبا ہونے کی وجہ نہ کہ حق تعالیٰ کے لئے جسمیں ماکو کی تفسیر بھی عقل ماکو کے ساتھ ہے بتلاتے ہیں جسکی طرف احقر نے تمہید مصرعہ کاش چولاہا نہ میں اشارہ کیا ہے یعنی) ہماری عقل کہاں ہے تاکہ مغرب و مشرق کو دیکھے (اور اس میں ہر طرف یہ دیکھے کہ کاملین امثال متوفی کی) ارواح پر صدہا اقسام کی برق (یعنی تجلیات آلہیہ سو وقت بھی) واقع ہو رہی ہیں (یعنی ہمکو اپنی عقل و بصیرت کی درستی کو ڈھونڈنا چاہیئے اگر بصیرت درست ہو جاوے تو مقبولین کے مرنے کے قبل بھی اُن کو جو معیت حق تعالیٰ کے ساتھ ہے وہ مدرک ہو جاوے اور یہ سوالات اُن کے وفات کے بعد بھی نہ کئے جاویں بلکہ سمجھ لیں کہ اُن کو حیات میں بھی حق تعالیٰ کے ساتھ معیت تھی اور وہی معیت اب بھی ہے اور چونکہ اس سے شبہ ہوتا تھا تماثل من کل الوجوہ کا حیات و ممات میں اس لئے دونوں کا تفاوت جو کہ حکم مذکور کے منافی بھی نہیں بیان فرماتے ہیں کہ) اُس (روح) کو (جبکہ وہ جسم مشابہ) زبد میں (اتھی مراد حالت حیات) بحر (حقیقی کی تعلق) کے ساتھ گھٹنا بڑھنا (اہر واحد) ہوتا تھا (اور بعد ممات) گھٹاؤ موقوف ہو گیا اور بڑھاؤ باقی رہ گیا (تقریر مقام کی یہ ہے کہ گو نفس معیت تو حالت حیات میں تھی لیکن اُس میں گاہے ترقی گاہے دوسرے مشاغل سے تنزل ہو جاتا تھا اب بعد ممات چونکہ بجز مشاہدہ کے کوئی شغل نہیں اس لئے اب فتور نہیں ہوتا لیکن یہ تفاوت اُس سوال کا مصحح تو نہیں ہوا اور یہی مطلب تھا تمہید شعر جزر و مدش میں احقر کے اس قول کا جو کہ حکم مذکور کے منافی بھی نہیں آہ آگے پھر خطاب ہے اُس قرضدار کا اُس متوفی کو یعنی) تو ہزار دینار تو میرا قرض ہے اور میں بے دست رس ہوں (کل یہ) سو دینار چندہ کے ہیں اور بس حق تعالیٰ نے تجھکو اٹھا لیا (اور) میں کشمکش میں رہ گیا (اب) ناامید جاتا ہوں اے شخص طاب ثراک۔ کچھ ہمت لگا اپنے مالا مال حسرت (سائل) کے لئے اے مبارک ہے تیرا رخ اور ہاتھ اور ہمت۔ میں ایسے چشمہ پر آیا تھا جو سب چشموں (یعنی اسخیار) سے بڑھکر ہے۔ اسمیں میں نے بجائے پانی کے خون پایا آسمان تو وہی آسمان ہے اور روشنی وہ روشنی نہیں۔ ندی وہی ندی ہے پانی وہ پانی نہیں (یعنی عالم نہیں بدلا مگر تیرا فیض نہیں اور) محسن ہیں (مگر) وہ پاکیزہ کہاں (گیا) اختر تو ہیں (مگر) وہ آفتاب کہاں (گیا) تو خدا کے پاس چلا گیا اے محترم پس میں بھی خدا کے پاس جاتا ہوں (یعنی مرتا ہوں کیونکہ) محل اجتماع اور ملجائے علم (یعنی مرجع لان الناس یرجعون الی ما تحت الرایۃ) اور ماوا تمام اہل قرون کا حق تعالیٰ ہی ہے بدلیل کل لدینا محضرون کے (مختصر من آیۃ یٰسٓ وفی ایۃ قبلہا ذکر القرون ایضًا)۔

نقشہا گر بے خبر گر با خبر	در کف نقاش باشد محتضر
نقوش خواہ بے خبر ہوں خواہ باخبر ہوں	نقاش کے ہاتھ میں محضر ہوتے ہیں

دمبدم در صفحۂ اندیشہ شاں
ساعۃً فساعۃً صفحۂ فکر میں اُن نقوش کو
ثبت و محوے میکند آں بے نشاں
وہ بے نشان ثبت و محو فرماتا ہے

خشم می آرد رضا را میبرد
غصّہ کو لاتا ہے رضا کو زائل کرتا ہے
بخل می آرد سخا را می برد
بخل کو لاتا ہے سخاوت کو زائل کرتا ہے

گہ برد حقد و صفا آرد ہمی
کبھی کینہ کو زائل کرتا ہے اور صفا کو لاتا ہے
بدرود عجز و عطا کارد ہمی
کم ہمتی کو قطع کرتا ہے اور عطا کو کاشت کرتا ہے

نیم لحظہ مدرکاتم شام و غدو
آدھا لحظہ بھی میرے قوی مدرکہ شام اور صبح
ہیچ خالی نیست زیں اثبات و محو
اس اثبات و محو سے خالی نہیں

کوزہ گر با کوزہ باشد کارساز
کوزہ گر کوزہ کے ساتھ صنعت گری کرتا ہے
کوزہ از خود کے شود پہن و دراز
کوزہ خود بخود عریض وطویل کب ہوجاتا ہے

چوب در دست درو گر معتکف
چوب نجار کے ہاتھ میں جاگیر ہوتی ہے
ورنہ چوں گردد بریدہ و مؤتلف
ورنہ مفصول اور موصول کب ہوسکتی ہے

جامہ اندر دست خیاطے بود
کپڑا خیاط کے ہاتھ میں ہوتا ہے
ورنہ از خود چوں بدوزد یا درد
ورنہ از خود کب سل سکتا ہے یا پھٹ سکتا ہے

مشک با سقا بود اے منتہی
مشک سقا کے ساتھ ہوتی ہے اے منتہی
ورنہ از خود چوں شود پُر یا تہی
ورنہ از خود کب ہوسکتی ہے پُر یا خالی

ہر دمے پر می شوی تی می شوی
تو ہر دم پُر ہوتا ہے اور خالی ہوتا ہے
پس بداں کہ در کف صنع وئی
پس جان لے کہ تو اُس کے دست صنعت میں ہے

چشم بند از چشم دوز آگہ بود
چشم بند بہ نسبت چشم دوز کے آگاہ ہے

صنع از صانع چساں پیدا شود
صنعت صانع سے کیونکر ظاہر ہوتی ہے

چشم داری تو بچشم خود نگر
تو آنکھ رکھتا ہے تو اپنی آنکھ سے دیکھ

منگر از چشم سفیہ بے خبر
سفیہ بے خبر کی آنکھ سے مت دیکھ

گوش داری تو بگوش خود شنو
تو کان رکھتا ہے اپنے کان سے سُن

گوش گولاں را چرا باشی گرو
احمقوں کے کان کا کیوں پابند ہوگیا۔

بے ز تقلیدے نظر را پیشہ کن
بدون کسی تقلید کے نظر کا طریقہ اختیار کر

ہم بہ رائے و عقل خود اندیشہ کن
نیز اپنی عقل اور رائے سے فکر کر

بشنو از من یک حکایت در نظیر
نظیر میں مجھ سے ایک حکایت سن لے

تا شوی از سر گفت من خبیر
تاکہ میرے قول کی حقیقت سے تو باخبر ہو جاوے

(اور حق تعالیٰ کے مرجع ہونے کی دلیل بیان کی تھی وان کل لما جمیع لدینا محضرون جو ظاہر اسوق ہے محضریت فی المآل کے لئے اب آگے ایک مثال کے ساتھ ترقی کرتے ہیں طرف اثبات محضریت فی الحال کے یعنی مسخر تصرف الحق کے یعنی حق تعالیٰ کے سامنے تمام کائنات بمنزلہ نقوش کے نقاش کے سامنے ہیں اور) نقوش (باعتبار محل نقش کے) خواہ بے خبر ہوں (یعنی اُن کا محل بے خبر ہو کالنقوش فی الجماد) خواہ باخبر ہوں (کالنقوش فی الحیوان دونوں حالت میں) نقاش کے ہاتھ میں محضر (مع الانقیاد) ہوتے ہیں (آگے بعض صورتیں اور مثالیں انقیاد الخلق للحق کی بیان فرماتے ہیں کہ) ساعۃ فساعۃ صفحۂ فکر میں اُن نقوش کو (کہ علوم و ادراکات ہیں) وہ بے نشان (یعنی غیر مدرک الکنہ بالآثار) ثبت و محو فرماتا ہے (نہ محل بار کر سکتا ہے نہ حال اسی طرح کبھی احوال کو بھی چنانچہ) غصہ کو لاتا ہے رضا کو زائل کرتا ہے بخل کو لاتا ہے سخاوت کو زائل کرتا ہے کبھی کینہ کو زائل کرتا ہے اور صفا کو لاتا ہے (کبھی) کم ہمتی کو قطع کرتا ہے اور عطا (وہمت) کو کاشت کرتا ہے (یہ سب احوال ہیں اور شعر دمبدم میں علوم کا ذکر ہو بھی چکا اور آگے بھی ہے کہ اسی طرح) آدھا لحظہ بھی میرے قوی مدرکہ شام اور صبح اس اثبات و محو سے خالی نہیں (چنانچہ ظاہر ہے کہ ہر وقت اس کا وقوع ہوتا رہتا ہے آگے اس صنع سے استدلال کرتے ہیں صانع پر جسکی غایت عنقریب خود بتلا وینگے چشم داری تو بچشم خود نگر جسکا حاصل نظر تحقیقی ہے جو مخصوص ہے

عارفین کے ساتھ تو گویا اس میں ایک مراقبہ کی تعلیم ہے اور تقریر استدلال کو کئی مثالوں سے واضح کیا ہے اول) کوزہ گر کوزہ
کے ساتھ صنعت گری کرتا ہے (اور) کوزہ خود بخود عریض و طویل کب ہو جاتا ہے (ثانی) چوب نجار کے ہاتھ میں جاگیر
ہوتی ہے ورنہ مفصول و موصول کب ہو سکتی ہے (ثالث) کپڑا خیاط کے ہاتھ میں ہوتا ہے ورنہ از خود کب سل سکتا ہے
یا پھٹ سکتا ہے (رابع) مشک سقا کے ساتھ ہوتی ہے الے منتہی ۔ ورنہ از خود کب ہو سکتی ہے پُر یا خالی (اسی طرح جب) تو ہر دم
پُر ہوتا ہے اور خالی ہوتا ہے پس (اس سے) جان لے کہ تو اُس کے دست صنعت میں ہے (اور اس جاننے کے مراتب مختلف ہیں ایک
ابتدائی دوسرا انتہائی اور ہر چند کہ مقصود مرتبہ انتہائی ہے جسکو آگے بچشم خود اور بے تقلیدی کہیں گے لیکن اگر وہ دفعۃً میسر نہ ہو
تو مرتبہ ابتدائی ہی کو حاصل کرے کہ بالکلیہ نظر نہ کرنا تو کوری ہی ہے اگلے شعر میں صاحب مرتبہ ابتدائی کو چشم بند اور فاقد النظر مطلقاً
کو چشم دوز سے تشبیہ دیکر فرماتے ہیں کہ) چشم بند بہ نسبت چشم دوز کے (پھر کسی قدر) آگاہ ہے (کہ صنعت صانع سے ہے کیونکہ ظاہر ہوتی ہے
(کیونکہ چشم بند کو چشم کشائی کی ہر وقت قدرت ہے اور چشم کشائی اُسکی ترقی ہے اسی طرح مبتدی فی البصیرت ترقی کرکے منتہی فی
البصیرت ہو سکتا ہے بخلاف چشم دوز کے کہ اُسکی استعداد کالمفقود ہو گئی اسی طرح عمی و اعراض موجب تعطل بصیرت ہے، اور اس
مرتبہ ابتدائیہ کا مرغوب فیہ ہونا اضافی بمقابلہ عمی کے ہے باقی اصل مقصود بصیرت انتہائی محققانہ ہے آگے اُسکو فرماتے ہیں کہ)
تو (بفضلہ تعالیٰ) آنکھ رکھتا ہے تو اپنی آنکھ سے دیکھ (اور) سفیہ بے خبر کی آنکھ سے مت دیکھ (یعنی ایسی آنکھ سے مت دیکھ جیسی
آنکھ سفیہ بے خبر کی ہوتی ہے جسکے پاس نہ دلیل عقلی ہے یدل علیہ لفظ سفیہ نہ دلیل نقلی ہے یدل علیہ لفظ بے خبر فہو کما قال
تعالیٰ وقالوا لو کنا نسمع او نعقل الایہ یعنی بالکل فاقد النظر مت ہو اسی طرح) تو کان رکھتا ہے اپنے کان سے سُن (اور) احمق
(سے) کان کا کیوں پابند ہو گیا (یعنی اپنے کان کو احمقانہ کان رکھنے کا کیوں مقید ہو گیا گوش ہوش سے سُن خلاصہ یہ کہ) بدون
کسی تقلید کے نظر (تحقیقی) کا طریقہ اختیار کر۔ نیز اپنی عقل اور رائے سے فکر کر امراد نظر عارفانہ ہے کیونکہ اُس کے سامنے نظر استدلالی
عقلی متعارف داخل نظر تقلیدی ہے کیونکہ وہ لوگ خود استدلال میں بھی مقلد ہیں گو اعراض محض سے غنیمت ہے کہما مر آگے
نظر تحقیقی کے صحیح بین اور نظر تقلیدی کے غلط بین ہونے کی تائید میں ایک حکایت لانا چاہتے ہیں اُسکی تمہید کے لئے فرماتے ہیں کہ)
نظیر میں مجھسے ایک حکایت سُن لے تاکہ میرے قول کی حقیقت سے تو باخبر ہو جاوے (اُس حکایت کا خلاصہ یہ ہے کہ خوارزم شاہ کو کسی
امیر کا گھوڑا جو واقع میں بھی عمدہ تھا پسند آیا اُس نے اُسکو جبراً لینا چاہا اُس نے عماد الملک سے مدد چاہی اُس نے اُسکی برائی کرکے
اُسکے دل سے اوتار دیا تو نظر تقلیدی غلط بینی کا سبب ہو گئی جیسا اول نظر تحقیقی صحیح بینی کا سبب تھی پس وجہ تشبیہ صرف اتنا امر ہے
قطع نظر اس سے کہ وہ نظر تحقیقی ایک عارض کے سبب مضر تھی کہ سبب تھا ظلم کا اور یہ نظر تقلیدی نافع اور محافظ ہوئی اُس ظلم سے سو تمثیل میں اسکا
لحاظ نہیں ہے خوب سمجھ لو تاکہ بعض محشین کی طرح لغزش نہ ہو) **ف** الحمد للہ کہ یہاں عشر سابع ختم ہوا اور اسکا متن دوسرے عشروں سے اتنا ہی
مقدار میں زیادہ ہے جتنا عشر سادس اوروں سے کم تھا اور حکایت اُس قرضدار کی انشاء اللہ تعالیٰ عشر ثامن میں پوری ہوگی خلاصہ اُس کا یہ ہے کہ
بامیر دے محتسب کو خواب میں دیکھا کہ مجھکو اس کا قرضہ معلوم تھا اور احتمال تھا کہ یہ آدیگا اس لئے میں نے اتنا مال اسکے قرضہ کے لئے فلاں جگہ دفن کر دیا ہے
میرے وارثوں سے کہدے کہ سب اسکو دیدیں فقط والیوم الثانی والعشرون من ربیع الاول وخرج من المدۃ ثلث جمع فبقی تسعۃ عشر یوما ھو
زمان کتابۃ شرح ھذا العشر ولله الحمد وصلی الله علی خیر خلقه محمد وآله واصحابه اجمعین

العشر الثامن من شرح الدفتر السادس

من المثنوی المعنوی افتتح فیہ لثمان بقین من شہر ربیع الاول ۱۳۵۳ھ من الہجرۃ

دیدن خوارزم شاہ در سیران در موکب خود اسپ نادر تعلق او باں آں اسپ و سرد کردن عماد الملک آں را از دل شاہ و گزیدن شاہ گفت او را بر دیدہ خود چنانکہ حکیم در الٰہی نامہ گوید

چوں زبان حسد شود نخاس ٭ نشناسند یوسف از کرباس ٭ از دلالی برادران یوسف

در دل مشتریاں چنداں حسن پوشیدہ شد کہ وکانوا فیہ من الزاہدین (قد سبق وجہ الربط)

بود امیرے را یکے اسپ گزیں
ایک امیر کے پاس ایک عمدہ گھوڑا تھا

در گلہ سلطاں نبودش یک قریں
سلطان کے گلہ میں بھی اُسکے جوڑ کا ایک نہ تھا

او سوارہ گشت در موکب پگاہ
وہ امیر حشم میں صبح کو سوار ہوا

ناگہاں دید اسپ را خوارزم شاہ
ناگاہ گھوڑے کو خوارزم شاہ نے دیکھا

چشم شہ را فر و رنگ او ربود
بادشاہ کی آنکھ کو اسکی شان اور رنگ نے فریفتہ کرلیا

تا برجعت چشم شہ بر اسپ بود
واپسی تک بادشاہ کی آنکھ گھوڑے پر رہی

بر ہر آں عضوے کہ افگندے نظر
جس عضو پر بھی نظر ڈالتا تھا

ہر یکیش خوشتر نمودے زاں دگر
ہر عضو اُسکو دوسرے عضو سے خوشنما معلوم ہوتا تھا

غیر چستی و گشی و رو حنت
علاوہ چستی اور رعنائی اور سبکروی کے

حق بر وافگندہ بُد نادر صفت
حق تعالیٰ نے اُسپر اور بھی عجیب صفتیں القار فرمائی تھیں

پس تجسس کرد عقل بادشاہ
پس بادشاہ کی عقل نے بہت ٹٹولا

کایں چہ باشد کو زند بر عقل راہ
کہ یہ گھوڑا کیا چیز ہے کہ عقل کی رہزنی کرتا ہے

چشم من پُرست و سیرست و غنی
میری آنکھ تو پُر ہے اور سیر ہے اور غنی ہے

از دو صد خورشید دارد روشنی
دو سو خورشید سے روشنی رکھتا ہوں

اے رخ شاہاں بر من بیذقے
اے دل بادشاہوں کا رُخ تو میرے سامنے پیادہ ہے

نیم اسپم در رباید بے حقے
ایک آدھا گھوڑا مجھکو فریفتہ کرتا ہے ناحق

جادوے کردست جادو آفریں
جادو کردیا ہے جادو آفریں نے

جذبہ باشد آں نہ خاصیات ایں
جذب ہے نہ کہ اس کی خاصیتیں

فاتحہ خواند و بسے لاحول کرد
اُس نے فاتحہ پڑھی اور بہت لاحول کی

فاتحہ اش در سینہ می افزود درد
فاتحہ اُس کے سینے میں اور درد زیادہ کرتی تھی

زانکہ اورا فاتحہ خود میکشید
اس لئے کہ اُسکو فاتحہ والا خود کھینچ رہا تھا

فاتحہ در جرّ و در دفع آمد وحید
فاتحہ والا کھینچنے میں اور دفع کرنے میں یگانہ ہے

گر نماید غیر ہم تمویہ اوست
اگر وہ غیر کو دکھلاتے ہیں تو وہ اُن کا ملمع کرنا ہے

ور رود غیر از نظر تنبیہ اوست
اور اگر غیر کسی کی نظر سے جاتا رہے تو وہ اُنکا متنبہ کرنا ہے

پس یقیں گشتش کہ جذبہ آں سریست
پس بادشاہ کو یقین ہوگیا کہ یہ اُس طرف کی کشش ہے

کار حق ہر لحظہ نادر آوریست
حق تعالیٰ کا کام ہر لحظہ نادر چیزوں کو پیدا کرنا ہے

اسپ سنگیں گاو سنگیں ز ابتلا
پتھر کا گھوڑا پتھر کی گائے ابتلا کے سبب

می شود مسجود از مکر خدا
مسجود ہو جاتا ہے خدا کی تدبیر خفی سے

پیش کافر نیست بت را ثانیئے
کافر کے نزدیک بت کا کوئی ثانی ہی نہیں

نیست بت را فر و نے روحانیئے
نہ بت میں کوئی عظمت ہو نہ کوئی روحانی ہے

چیست آں جذب نہاں اندر نہاں
وہ جاذب خفی در خفی کیا ہے

در جہاں تابندہ از دیگر جہاں
عالم میں دوسرے عالم سے ظاہر ہوتا ہے

عقل محجوب ست و جان ہم زیں کمیں
عقل اور روح اس سر خفی سے محجوب ہیں

می نمی بینم تو می تانی ببیں
میں تو اسکو نہیں دیکھ سکتا اگر تو دیکھ سکے تو دیکھ

چونکہ خوارزم شہ ز سیران باز گشت
جب خوارزم شاہ سیر سے واپس ہوا

با خواص ملک خود ہمراز گشت
اپنے خواص سلطنت کے ساتھ ہمراز ہوا

پس بسرہنگاں بفرمود آں زماں
پس سرہنگوں کو حکم دیا اسوقت

تا بیارند اسپ را زاں خانداں
تاکہ اس کے گھر سے گھوڑے کو لے آویں

ہمچو آتش در رسید آں گروہ
وہ جماعت آگ کی طرح پہونچی

ہمچو کاہے گشت امیر ہمچو کوہ
امیر جو مثل کوہ کے تھا مثل کاہ کے ہوگیا

جانش از درد و حنیں تا لب رسید
اسکی جان درد اور نالہ سے لب تک پہونچی

جز عماد الملک زنہارے ندید
بجز عماد الملک کے کوئی پناہ نہ دیکھی

کہ عماد الملک بد پایۂ علم
کیونکہ عماد الملک مرجع الخلق تھا

بہر ہر مظلوم و ہر مغبون غم
ہر مظلوم اور ہر زیاں رسیدہ غم کے لئے

محترم تر خود نه بد زو سرورے — پیش سلطان بود چون پیغمبرے

اُس سے زیادہ معزز کوئی سردار نہ تھا — سلطان کے نزدیک مثل پیغمبر کے تھا

بے طمع بود و اصیل و پارسا — رائض و شب خیز و حاتم در سخا

بے طمع تھا اور اصیل اور پارسا — ریاضت کرنیوالا اور شب بیدار اور سخاوت میں مثل حاتم کے

بس ہمایوں رای و باتدبیر و داد — آزمودہ رائے او در ہر مراد

نہایت مبارک رائے اور باتدبیر و عدل — ہر مطلب میں مجرب الرائے

ہم ببذل جاں سخی و ہم بمال — طالبِ خورشید غیب او چون ہلال

نیز بذل جان میں بھی سخی اور مال میں بھی — وہ خورشید غیب کا طالب بھی ہلال کی طرح

در امیری او غریب و محتبس — در صفات فقر و خلت ملتبس

امیری میں وہ غریب اور پابند ہونے والا — صفات درویشی اور دوستی کے ساتھ متلبس

بود ہر محتاج را ہمچون پدر — پیش سلطان شافع و دفع ضرر

وہ ہر محتاج کے لئے مثل باپ کے تھا — سلطان کے سامنے سفارشی اور دافع ضرر

مر بداں را ستر چون حلم خدا — خُلق او بر عکس خَلقان و جدا

بدوں کیلئے پردہ پوش مثل حلم خدا تعالیٰ کے — اُسکے اخلاق خلائق سے برعکس اور جُدا

بارہا میشد بسوئے کوہ فرد — شاہ با صد لابہ او را منع کرد

بارہا تنہا پہاڑ کی طرف چلا جایا کرتا — بادشاہ نے صدہا خوشامد کے ساتھ اُسکو منع کیا

ہر دم ار صد جرم را شافع شدے — چشم سلطاں را از و شرم آمدے

ہر وقت اگر سو جرموں کی بھی شفاعت کرتا — تو بادشاہ کو اُس سے شرم آجاتی

رفت او پیش عماد الملک راد | سر برہنہ کرد و بر خاک اوفتاد

وہ امیر عماد الملک جوانمرد کے پاس گیا | سر کو برہنہ کیا اور زمین پر گر پڑا

کہ حرم با ہر چہ دارم گو بگیر | تا بگیرد حاصلم را ہر مغیر

کہ کنیز خاص مع تمامی اُن اشیاء کے جو میں رکھتا ہوں کہدیجیو کہ آپ سب لیلیجیے | تاکہ میرے تمام حاصل کو ہر لوٹنے والا لیلے

آں یکے اسپ ست جانم رہن اوست | گر برد مُردم یقیں اے خیر دوست

وہ ایک گھوڑا ہے میری جان اُسمیں اٹکی ہوئی ہے | اگر وہ لے لیں گے میں یقیناً مرجاؤنگا اے خیر دوست

گر برد ایں اسپ را از دست من | من یقیں دانم نخواہم زیستن

اگر بادشاہ اس گھوڑے کو میرے ہاتھ سے لیگا | تو مجھے یقین ہے کہ میں زندہ نہ رہونگا

چوں خدا پیوستگی ات دادہ است | بر سرم مال اے مسیحا زود دست

چونکہ خداتعالی نے آپ کو قرب عطا فرمایا ہے | میرے سر پر اے مسیحا جلدی ہاتھ پھیرئے

از زن و زر و عقارم صبر ہست | ایں تکلف نیست بے تزویری ہست

زن اور زر اور جائداد سے مجھکو صبر ہے | یہ تکلف نہیں بلا کسی فریب کے

اندریں گر می نداری باورم | امتحاں کن امتحاں گفت و فرم

اگر اس امر میں میرا آپ یقین نہیں کرتے | تو امتحان کر لیجئے امتحان میرے قول اور دعوی کا

آں عماد الملک گریاں چشم مال | پیش سلطاں در دوید آشفتہ حال

عماد الملک روتا ہوا آنکھیں ملتا ہوا | بادشاہ کے سامنے آشفتہ حال دوڑا

لب ببست و پیش سلطاں ایستاد | راز گویاں با خدا رب العباد

لب بند کر لئے اور بادشاہ کے روبرو کھڑا ہو گیا | خدائے رب العباد سے راز کہتا ہوا

ایستادہ راز سلطاں می شنید
کھڑا ہوا بادشاہ کا وہ راز سن رہا تھا

واندراں اندیشہ اش ایں می تنید
اور اس حالت میں اسکی قوت فکریہ یہ مضمون بنا رہی تھی

کای خدا گر آنجواں کژ رفت راہ
کہ اے خدا اگر یہ جوان ٹیڑھا راستہ چلا ہے

کہ نشاید ساختن جز تو پناہ
کہ آپ کے سوا کسی کو پناہ بنانا نہ چاہیئے

تو از آنِ خود بکن بروے مگیر
تو آپ اپنی شان کا معاملہ کیجئے اُسپر مواخذہ نہ کیجئے

گرچہ او خواہد خلاص از ہر اسیر
اگرچہ وہ خلاصی کی درخواست ہر اسیر سے کرتا ہے

زانکہ محتاجند ایں خلقاں ہمہ
اسلئے کہ یہ تمام مخلوق محتاج ہیں

از گدائے گیر تا سلطاں ہمہ
گدا سے لیکر بادشاہ تک سب کو لے لو

با حضور آفتاب باکمال
آفتاب باکمال کے موجود ہوتے ہوئے

رہنمائی جستن از شمع و ذبال
رہنمائی تلاش کرنا شمع اور بتی سے

با حضور آفتاب خوش مساغ
آفتاب خوش رفتار کے ہوتے ہوئے

رہنمائی جستن از شمع و چراغ
رہنمائی تلاش کرنا شمع اور چراغ سے

بیگماں ترک ادب باشد ز ما
بلاشبہ ہماری جانب سے ترک ادب ہے

کفر نعمت باشد و فعل ہوا
کفران نعمت ہے اور ہوائے نفس کا فعل ہے

لیک اغلب ہوشہا در افتکار
لیکن اغلب عقلیں فکر کرنے میں

ہمچو خفاش اند ظلمت دوستدار
خفاش کی طرح ظلمت کی دوست رکھنے والی ہیں

در شب ار خفاش کرمے میخورد
شب میں اگر خفاش کوئی کرم کھاتا ہے

کرم را خورشید ہم می پرورد
تو کرم کو خورشید ہی پرورش کرتا ہے

در شب ار خفاش از کرمے ست مست
شب میں اگر خفاش کرم سے مست ہے

کرم از خورشید جنبیدہ شدہ است
تو کرم خورشید ہی سے متحرک ہوا ہے

آفتابے کہ ضیا زو میزہد
آفتاب جس سے کہ ضیا جوش زن ہے

دشمن خود را نوالہ میدہد
وہ اپنے دشمن کو نوالہ دیتا ہے

لیک شہبازے کہ او خفاش نیست
لیکن جو شہباز کہ خفاش نہیں ہے

چشم بازش راست بین و روشنیست
اس کی چشم کشادہ راست بیں اور روشن ہے

گر بشب جوید چو خفاش او نمو
اگر وہ شب میں خفاش کیطرح خروج کی طلب کرے

در ادب خورشید مالد گوش او
تو تادیب میں خورشید اسکی گوشمالی کردیتاہی

گویدش گیرم کہ آں خفاش لُد
وہ اس سے کہے گا کہ وہ ضدی خفاش

علتے دارد ترا بارے چہ شد
تو علت رکھتا ہے مگر تجھکو کیا ہوگیا

مالشت بدہم بزجر و اکتیاب
میں تجھکو مالش دونگا زجر اور غم کے ساتھ

تا نتابی سر دگر از آفتاب
تاکہ دوبارہ تو آفتاب سے سرتابی نہ کرے

ارزحنت فی الشعر الخامس در کتب لغت از نظر نگذشتہ و در بعض حواشی احتمالاً مخفف رحانیت گفتہ و حوالہ بر منہج قوی کردہ چنانکہ در شعر سعدی بیر بفتا سلہ حتی مکنہ) ایک امیر (شاہی) کے پاس ایک عمدہ گھوڑا تھا۔ سلطان (خوارزم شاہ) کے گلہ میں بھی اُس کے جوڑ کا ایک نہ تھا وہ امیر (سلطان کے) حشم میں صبح کو سوار ہوا (الموکب الجماعۃ رکبانا او مشاۃ کذا فی الحاشیہ من اقرب الموارد) ناگاہ گھوڑے کو خوارزم شاہ نے دیکھا بادشاہ کی آنکھ کو اُسکی شان اور رنگ نے فریفتہ کرلیا واپسی تک بادشاہ کی آنکھ گھوڑے پر رہی جس عضو پر بھی نظر ڈالتا تھا ہر عضو اُسکو دوسرے عضو سے خوشنما

معلوم ہوتا تھا علاوہ حسن اور رعنائی اور سیکروں سے حق تعالیٰ نے اُس پر اور بھی عجیب صفتیں القا فرمائی تھیں پس بادشاہ کی عقل نے (اپنے دل میں) بہت ٹٹولا۔ کہ یہ گھوڑا کیا چیز ہے کہ (اس طرح سے) عقل کی رہزنی کرتا ہے میری آنکھ تو (گھوڑوں سے) پُر ہے اور سیر ہے اور غنی ہے (اور) دو سو خورشید سے روشنی رکھتا ہوں (یعنی آنکھ میں اسقدر غنا کی روشنی ہے جیسے فرض کیا جاوے کہ دو سو خورشید سے مستفید ہوئی ہے) اے دل بادشاہوں کا رُخ تو (کہ شطرنج میں شریف مہرہ ہے) میرے سامنے پیادہ ہے (کہ شطرنج میں خسیس مہرہ ہے یعنی بڑے بڑے بادشاہ میرے سامنے ادنی ہیں باوجود میری اس شان و عظمت کے) ایک آدھا گھوڑا (یعنی ادنی درجہ کا) مجھکو فریفتہ کرتا ہے ناحق (بے شک) جادو کر دیا ہے جادو آفرین نے (یہ اُس کا) جذب ہے نہ کہ اس (گھوڑے) کی خاصیتیں (اور اس خیال کے دفع کے لئے) اُس نے فاتحہ پڑھی اور بہت لاحول کی (لیکن) فاتحہ اُس کے سینہ میں اور درد زیادہ کرتی تھی (یعنی اثر نہ کرتی تھی نہ یہ کہ وہ سبب تھی زیادت درد کی یہ تو خلاف واقع ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ فاتحہ پڑھنے کی حالت میں بھی درد ایسا بڑھتا جاتا تھا جیسے گویا فاتحہ سے درد بڑھ رہا ہے پس کلام مبنی ہے استعارہ پر کہ اقتران افزونی درد مع الفاتحہ کو تشبیہ دی سببیت افزونی درد من الفاتحہ کے ساتھ آگے باوجود فاتحہ کے درد بڑھنے کی علت بیان فرماتے ہیں یعنی) اس لئے (درد بڑھتا تھا) کہ اُسکو فاتحہ والا (یعنی حق تعالیٰ) خود کھینچ رہا تھا (کذا نقل عن مرشدی فیما بین السطور بقولہ رب الفاتحہ اور اسکی دو توجیہ ہو سکتی ہیں یا تو مضاف محذوف ہے کما یدل علیہ ظاہر قولہ رب الفاتحہ اور یا یہ کہا جاوے کہ فاتحہ کلام ہے اور کلام ایک مرتبہ میں صفت ہے اور صفات غیر ذات نہیں ایک مقدمہ تو یہ ہوا کہ اور رب الفاتحہ میکشید اور دوسرا مقدمہ یہ ہے کہ) فاتحہ والا کھینچنے میں اور دفع کرنے میں (دونوں میں) یگانہ ہے (کہ کوئی اُس کا مزاحم نہیں ہو سکتا پھر درد کیوں نہ بڑھتا یہ تقریر ہوگئی تعلیل کی اور یہ کشیدن رب الفاتحہ تو علت حقیقیہ ہے باقی اس کا ظہور اس طرح ہوتا ہے کہ ایسے میلان کے وقت اکثر مستعیذ زبان سے فاتحہ ولا حول پڑھتا ہے دل کو اس شئے کے حصول کی حدیث النفس سے خالی نہیں کرتا اور عزم و ہمت کے ساتھ خالی کرنا بھی نہیں چاہتا پس اسکا وہ حال ہوتا ہے ؎

سبحہ بر کف توبہ بر لب دل پر از ذوق گناہ معصیت را خندہ می آید بر استغفار ما

سو یہ عدم خلوص سبب ہوتا ہے عدم تاثیر استعاذہ کا ورنہ اُن کی شان یہ ہی یجیب المضطر اذا دعاہ اور الذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا آگے حق تعالیٰ کے جر و دفع کی صورت کو بیان فرماتے ہیں کہ) اگر وہ غیر کو (نظر میں) دکھلاتے ہیں (یعنی وہ غیر نظر میں استحسان کے ساتھ سما جاتا ہے اور یہ جر ہے) تو وہ اُن کا ملمع کرنا ہے (کہ غیر حسین حسین معلوم ہوتا ہے اور یہ جر کی صورت ہے) اور اگر غیر کسی کی نظر سے جاتا رہے (اور یہ دفع ہے) تو وہ اُن کا متنبہ کرنا ہے (کہ اس کے غیر مستحسن ہونے پر آگاہ فرما دیتے ہیں اور یہ دفع کی صورت ہے اور مراد یہ درجہ خاص ہے استحسان کا کہ ضرورت سے زائد مستحسن معلوم ہونے لگے جس سے عقل و دین مختل ہو جاویں اتنے ہی استحسان کو مصرعہ اولی میں تمویہ کہا ہے احقر کو بھی اس وقت ایک تمویہ میں ابتلا اور ایک تنبیہ کی استدعا ہے اے اللہ رحم و کرم فرما اور اے ناظرین آپ بھی میرے لئے دعا کریں ہر تمویہ سے نجات کی اور نجات کے بعد حفاظت کی اور موت کے بعد مغفرت کی اللھم نج اشرف علی واحفظ اشرف علی واغفر

لا مشرف علی آمین) پس بادشاہ کو یقین ہوگیا کہ یہ اُس طرف کی کشش ہے (اور) حق تعالیٰ کا کام ہر لحظہ نادر چیزوں کو پیدا کرنا ہے (چنانچہ) پتھر کا گھوڑا (اور) پتھر کی گائے ابتلار کے سبب (بت پرستوں کا) مسجود ہو جاتا ہے خدا کی تدبیر خفی سے (حتی کہ) کافر کے نزدیک بت کا کوئی ثانی ہی نہیں (ہوتا حالانکہ) نہ بت میں کوئی (ظاہری) عظمت ہے (اور) نہ کوئی روحانی (صفت) ہے (پھر یہ کہ) وہ جاذب خفی درخفی (یعنی بہت ہی خفی) کیا ہے (جو کہ اس) عالم میں (ایک) دوسرے عالم سے (باعتبار اثر کے) ظاہر ہوتا ہے (یعنی اُس کا اثر ظاہر ہوتا ہے یہ تو سوال تھا آگے جواب ہے کہ) عقل اور روح (کہ ایک کا فعل ادراک بالدلیل اور دوسرے کا فعل ادراک بالکشف ہے دونوں) اس سر خفی سے محجوب ہیں (فی المنتخب لکین پنہاں شوندہ سو) میں تو اُس (جاذب) کو نہیں دیکھ سکتا اگر تو دیکھ سکے تو دیکھ (کیونکہ مصداق اس کا سر قدر ہے اور کنہ اس کا کسی کو معلوم نہیں اور گو نفس جاذب سب کو معلوم ہے کہ حکم حق ہے لیکن مراد یہاں جاذب مع حکمۃ الجذب ہے جو حاصل ہے سر قدر کا سو وہ کسی کو مفصلاً معلوم نہیں اور معلوم ہونا متعذر بھی ہے اس لئے اس میں خوض سے نہی آئی ہے) جب خوارزم شاہ سیر سے واپس ہوا (اور) اپنے خواص سلطنت کے ساتھ ہمراز ہوا پس سرہنگوں کو حکم دیا اُس وقت تاکہ اُس (امیر) کے گھر سے گھوڑے کو لے آویں (پس) وہ جماعت آگ کی طرح پہونچی (اور اُن کے سامنے) امیر جو مثل کوہ کے تھا (عجز میں) مثل کاہ کے ہوگیا (اور) اُسکی جان درد اور نالہ سے لب تک پہونچی (اور اُسوقت) بجز عماد الملک کے (کہ وہ مقرب شاہی تھا) کوئی پناہ نہ دیکھی کیونکہ عماد الملک مرجع الخلق تھا ۔ ہر مظلوم اور ہر زیاں رسیدۂ غم کے لئے (اور) اُس سے زیادہ معزز کوئی سردار نہ تھا (اور) سلطان کے نزدیک مثل پیغمبر کے تھا (تقدس و مقبول الامر ہونے میں) بے طمع تھا اور حمیل اور پارسا ریاضت کرنے والا اور شب بیدار اور سخاوت میں مثل حاتم کے (اور) نہایت مبارک رائی با تدبیر و عدل (اور) ہر مطلب میں مجرب الرائی نیز بذل جان میں بھی سخی اور (بذل) مال میں بھی (اور) وہ خورشید غیب (ذات حق) کا طالب بھی ہلال کی طرح (کہ وہ طالب ہوتا ہے نور شمس حسی کا کہ نور القمر مستفاد من نور الشمس اور) امیری میں وہ غریب اور (مساکین کے ساتھ) پابند ہونے والا (ناظر الی قولہ تعالیٰ واصبر نفسک مع الذین یدعون ربہم اور) صفات درویشی اور دوستی (حق) کے ساتھ متلبس (اور) وہ ہر محتاج کے لئے مثل باپ کے تھا (اور) سلطان کے سامنے (مجرموں کا) سفارشی اور دافع ضرر (اور) بدوں کے لئے پردہ پوش مثل حلم خدا تعالیٰ کے (اور) اُس کے اخلاق (اور) خلائق سے برعکس اور جدا (اور شجاع ایسا کہ) بارہا تنہا پہاڑ کی طرف چلا جایا کرتا (جہاں کہ درندے وگزندے بکثرت ہوتے اور) بادشاہ نے صدہا خوشامد کے ساتھ اُسکو (وہاں جانے سے) منع کیا ہر وقت اگر سو مجرموں کی بھی شفاعت کرتا تو بادشاہ کو اُس سے شرم آجاتی (یعنی مقبول الشفاعۃ تھا غرض) وہ امیر (اس) عماد الملک جوانمرد کے پاس گیا سر کو برہنہ کیا اور زمین پر گر پڑا (اور بصورت غایت تضرع کی ہے اور کہا) کہ کنیز خاص مع تمامی اُن اشیاء کے جو میں (اپنی ملک میں) رکھتا ہوں (بادشاہ سے) کہدیجے کہ آپ یہ سب لیلیجیے (اس طرح سے کہ وہ حکم دیدیں) تاکہ میرے تمام حاصل (و مملوک چیزوں) کو ہر لوٹنے والا لیلے (یعنی حکم دیدیں اُس کے لوٹ لینے کا مطلب یہ کہ خواہ میرا تمام مال حتی کہ کنیز خاص کہ محبوبہ ہوتی ہے وہ لیلیں بجز اس گھوڑے کے اور حرم کے یہ معنی غیاث میں لکھے ہیں پس بمعنی منکوحہ لینے کی کوئی حاجت نہیں اگرچہ اس معنی میں بھی

آتا ہے کما فی الغیاث جیسا بعض محشین نے لیا ہے اور یہ یاد نہ رکھا کہ کیا کوئی شریف آدمی گھوڑے پر بیوی کو نثار کر سکتا ہے
یہاں صرف استیعاب جنس مال کا مقصود ہے صرف) وہ ایک گھوڑا (ایسا) ہے (کہ) میری جان اسمیں اٹکی ہوئی ہے اگر وہ
(اسکو) لے لیں گے میں یقیناً مر جاؤنگا ای خبر دوست (کہ خیر سی محبت رکھتی ہو) اگر بادشاہ اس گھوڑے کو میرے ہاتھ سے لیگا تو مجھے یقین ہے کہ میں زندہ نہ رہونگا چونکہ
خدا تعالیٰ نے آپکو قرب (ایسا) یا کہ بادشاہ کا) عطا فرمایا ہی میرے سر پر ایسے جلدی (شفقت کا) ہاتھ پھیر یے (قرب بادشاہ کا اس حکم میں دخل ظاہر ہے
اور قرب حق کا دخل اس طرح ہوگا کہ ایسے حضرات خدا ترس و خادم خلق و رحیم ہوتے ہیں اور ان کا دخل ظاہر ہے) زن (مملوکہ)
اور زر اور جائداد (وغیرہ سب) سے مجھکو صبر ہے (اور) یہ تکلف (اور تصنع کی بات) نہیں بلا کسی فریب کے۔ اگر اس امر میں
میرا آپ یقین نہیں کرتے تو امتحان کر لیجئے میرے قول اور دعوی کا (فی الغیاث فر بمعنی شان و شوکت اھ چوں عادۃً
اظہار شوکت بدعوی می باشد مجازاً بمعنی دعوی گرفتہ اطلاقاً للملزوم علی اللازم یعنی میری سب چیزیں لیکر دیکھ لیجئے کہ اسکو
گوارا کرتا ہوں یا نہیں مگر گھوڑے لینے پر صبر نہیں ہوتا وہ دلوا دیجئے بس) عماد الملک روتا ہوا آنکھیں ملتا ہوا بادشاہ کے
سامنے (گھوڑا پہونچنے کے قبل بدلیل قولہ اسپ را اندر کشیدند قبل عنوان رجوع بحکایت) آشفتہ حال دوڑا (اور) لب بند کر کے
اور خاموش) بادشاہ کے روبرو کھڑا ہو گیا (لیکن دل دل میں) خدائے رب العباد سے راز کہتا ہوا (جسکا بیان آگے آتا ہے
کا اے خدا الخ) کھڑا ہوا بادشاہ کا تو راز سن رہا تھا (یعنی اسکی باتوں سے اس کے مافی الضمیر کو معلوم کر رہا تھا) اور اس حالت
میں اسکی قوت فکریہ (خدا سے راز کہنے کے لئے) یہ مضمون بنا رہی تھی (خلاصہ یہ کہ سلطان مجازی کے راز کا تو شنوا تھا اور
سلطان حقیقی سے راز کا گویا تھا اور وہ مضمون یہ تھا) کہ اے خدا اگر یہ جوان (مراد وہ امیر ہے) ٹیڑھا راستہ چلا ہے (اور
وہ یہ کہ مجھکو اس نے پناہ بنایا ہے اور یہ راستہ ٹیڑھا اس لئے کہ آپ کے سوا کسی کو پناہ بنانا نہ چاہئے (یہ شرط ہے
اور جزا آگے ہے یعنی اگر اس نے ایسی حماقت کی ہے) تو آپ اپنی شان کا معاملہ کیجئے (یعنی) اس پر مواخذہ نہ کیجئے (کہ وہ معاملہ
یہی ہے) اگرچہ وہ (اپنی حماقت کے سبب) خلاصی کی درخواست ہر اسیر سے کرتا ہے (یعنی مخلوق تو خود اسیر احتیاج ہے
کما سیاتی اس سے طلب خلاصی سراسر خطا ہے جسکا مقتضا یہ ہے کہ آپ اس سے ناخوش ہو کر اسکو خلاصی نہ دیں مگر آپ
اسپر نظر نہ کیجئے اور اسکی وہ حاجت جسمیں مجھکو واسطہ بنایا ہے پوری کر دیجئے آگے اسیری مذکور فی المصراع الثانی القریب کی
دلیل ہے یعنی میں نے جو اسیر کہا تو) اس لئے کہ یہ تمام مخلوق محتاج ہیں گدا سے لیکر بادشاہ تک سب کو لیلو (آگے تفصیل ہے
مضمون نشاید ساختن جز تو پناہ کی یعنی) آفتاب باکمال کے موجود ہوتے ہوئے۔ رہنمائی تلاش کرنا شمع اور بتی سے (اور
اسی کی تاکید یہ ہے کہ) آفتاب خوش رفتار کے ہوتے ہوئے رہنمائی تلاش کرنا شمع اور چراغ سے (یہ مبتدا تھا آگے خبر ہے
کہ یہ فعل) بلاشبہ ہماری جانب سے ترک ادب ہے (اور) کفران نعمت ہے اور ہوائے نفس کا فعل ہے (اس لئے اوپر کہا گیا ہے
کہ نشاید ساختن جز تو پناہ اور چونکہ اس کے خلاف ادب اور کفران ہونے کا مقتضا یہ تھا کہ اس پر مواخذہ ہو اور اوپر درخواست
کی گئی ہے تو از آن خود بکن بر روے مگیر تو یہ درخواست ظاہراً بے محل ہے اسلئے آگے بطور استدراک کے کہتے ہیں کہ بلاشبہ
ہے تو یہ بڑی گستاخی) لیکن (سبب اس گستاخی کا یہ ہے کہ) اغلب عقلیں فکر کرنے میں خفاش کی طرح ظلمت کی دوست
رکھنے والی ہیں (یعنی فکر کر کے بھی اسباب کی طرف کہ معنیٰ بر ظلمت ہیں اکثر نظر جاتی ہے کہ مدار تشبیہ بالخفاش یہ ہے و سبب کی

طرف کم جاتی ہے گو اعتقاد صحیح ہو مگر حال نہیں ہے جیسا خفاش کو توجہ اور تعلق آفتاب سے نہیں مگر باوجود اس کے آفتاب کا اس کے ساتھ یہ معاملہ ہے کہ وہ خفاش کے ساتھ احسان کرتا ہے چنانچہ) شب میں اگر خفاش کوئی کرم کھاتا ہے تو (اس) کرم کو خورشید ہی پرورش کرتا ہے (ایسی چیزیں حرارت آفتاب سے بواسطہ عفونت کے پیدا ہوتی ہیں آگے اسی کی تاکید ہے کہ) شب میں اگر خفاش کرم (کے ملنے) سے مست (وشاداں) ہے (کہ اب اسکو کھاؤنگا) تو (وہ) کرم خورشید ہی سے متحرک ہوا ہے (غرض) آفتاب جس سے کہ ضیاء جوش زن ہے وہ اپنے دشمن (یعنی خفاش) کو (کہ نفور ہے آفتاب سے) نوالہ (اور غذا مثل کرم مذکور) دیتا ہے (اسی طرح کیا یہ بات نہیں (یعنی ہے) کہ جو خفاش (طبع) راہ گم کرتا ہے (کہ غیر کی طرف التجا لیجاتا ہے) آخر وہ بھی خورشید (حقیقی) ہی سے سہارا پاتا ہے (چنانچہ ظاہر ہے کہ حق تعالیٰ ہی اُن کی بھی کاربرآری اور حاجت برآری فرماتے ہیں خلاصہ یہ ہوا کہ مثل آفتاب کے حق تعالیٰ کا معاملہ بھی ہے پس یہ عنایت و معاملہ رعایت نظرًا الی جہل المشتغلین بالاسباب بسبب جرأت ہوا اس درخواست مذکور بروے مگیر کا پس جواب ہو گیا اس کے بے محل ہونے کا مختصر یہ کہ اُن کے لطف وکرم کے بھروسہ یہ دعا کی جاتی ہے اور ان اشعار میں بیان تھا معاملہ عوام کا کہ اُن کی اسباب بینی پر دار وگیر نہیں ہوتی اگر وہ حد شرعی کے اندر ہے تب تو آخرت میں بھی نہیں اور اگر حد سے متجاوز ہے تو صرف دنیا میں اکثر نہیں آگے بیان ہے معاملہ خواص کا کہ اُن کو باوجود حد شرعی سے متجاوز نہ ہونے کے اس وجہ سے کہ ان کے ساتھ خاص معاملہ ہے غفلت کے ساتھ اسباب پر نظر کرنے سے بکثرت متنبہ کر دیا جاتا ہے یعنی ہرچند کہ خفاش خاصیتوں کے ساتھ خورشید حقیقی کا یہ معاملہ ہے) لیکن جو شہباز (صفت) کہ خفاش نہیں ہے (بلکہ) اُسکی چشم کشادہ راست بین اور روشن ہے اگر وہ شب (غفلت) میں خفاش کی طرح خروج کی طلب کرے (یعنی آفتاب سے من وجہ اعراض کرکے صرف رات کو نکلے) تو تادیب میں خورشید اُسکی گوشمالی کر دیتا ہے (نمو لغت میں خاص برآمدن نبات از زمین ہے کما فی المنتخب یہاں مقید بولکر مطلق مراد لیا گیا آگے بیان ہے تادیب کا کہ) وہ (آفتاب) اُس (شہباز) سے کہیگا کہ وہ ضدی خفاش تو (باصرہ میں) علت رکھتا ہے (اس لئے آفتاب کی طرف نظر نہیں کر سکتا اللہ جمع الدا طلق الجمع ههنا للمبالغة او يراد بالخفاش الجنس) مگر تجھکو کیا ہو گیا (کہ باصرہ میں قوت رکھکر پھر اعراض کیا اس لئے) میں تجھکو مالش دزلگاز جر اور غم کے ساتھ تاکہ دوبارہ تو آفتاب سے سرتابی نکرے (چنانچہ ظاہر اور معلوم ہے کہ عوام سے مباحات پر مواخذہ نہیں ہوتا مگر خواص سے اسپر بعضے مواخذات ہوتے ہیں جیسا آگے اس کی تائید میں حضرت یوسف علیہ السلام کا قصہ ذکر فرماتے ہیں کہ اُنھوں نے جو زندانی سے فرمایا اذکرنی عند ربك اسپر یہ اثر مرتب کیا گیا فلبث فی السجن بضع سنین)

ف جاننا چاہئے کہ ایسے مواخذات کا حاصل کوئی دنیوی کلفت ہے

نہ کہ مواخذہ اخرویہ ورنہ مباح شرعی مباح

نہ رہے گا وھذا خلف

مواخذہ یوسف صدیق علیہ السلام بحبس بضع سنین بسبب یاری خواستن از غیر حق کہ اذکرنی عند ربک

آنچنانکہ یوسف از زندانئے
جیسا یوسف علیہ السلام نے ایک زندانی سے
با نیاز خاضعے سعدانئے
جو کہ با نیاز خاضع مغلوب غم تھا

خواست یاری گفت چوں بیروں روی
یاری چاہی فرمایا کہ جب تو باہر جاوے
پیش شہ گردد امورت مستوی
بادشاہ کے نزدیک تیرے معاملات درست ہوجاویں

یاد من کن پیش تخت آں عزیز
تو میرا بھی ذکر کرنا اس عزیز کے روبرو
تا مرا ہم واخرد زیں حبس نیز
تاکہ مجھکو بھی اس حبس سے خلاصی دیدے

کے دہد زندانئے در اقتناص
ایک زندانی جو خود شکار کردگی میں ہے
مرد زندانی دیگر را خلاص
دوسرے زندانی شخص کو کب رہائی دے سکتا ہے

اہل دنیا جملگاں زندانی اند
اہل دنیا سب زندانی ہیں
انتظار مرگ دار فانی اند
موت دار فانی کے منتظر ہیں

جز مگر نادر یکے فردانئے
بجز نادر کسی یکتا کے
تن بزندان جان او کیوانئے
جسکا تن تو زندان میں ہو روح اسکی کیوانی ہو

پس جزائے آنکہ دید او را معین
پس اس امر کی جزا میں کہ انھوں نے اسکو معین دیکھا
ماند یوسف حبس در بضع سنین
یوسف علیہ السلام حبس چند سال اور رہے

یاد یوسف دیو از عقلش سترد
یاد یوسف کو شیطان نے اُسکے ذہن سے محو کر دیا

وز دلش دیو آں سخن از یاد بُرد
اور اُس کے دل سے شیطان نے وہ بات یاد سے نکالدی

زیں گنہ کامد ازاں نیکو خصال
اس لغزش سے کہ اس نیکو خصال سے صادر ہوئی

ماند در زنداں ز داور ہفت سال
وہ زندان میں حق تعالیٰ کی طرف سے سات سال اور رہے

کہ چہ تقصیر آمد از خورشید داد
کہ کونسی کمی ہوئی تھی خورشید عطا کی طرف سے

تا تو چوں خفاش افتی در سواد
جس سے تم خفاش کی طرح ظلمت میں پڑجاؤ

ہیں چہ تقصیر آمد از بحر سحاب
ہاں کونسی کمی ہوئی تھی بحر اور سحاب کی طرف سے

تا تو یاری خواہی از ریگ و سراب
جس سے تم ریگ اور سیراب سے یاری چاہنے لگو

عام اگر خفاش طبعند و مجاز
عوام اگر خفاش طبع اور مجاز پرست ہیں

یوسفا داری تو آخر چشم باز
اے یوسف آخر تم تو چشم کشادہ رکھتے ہو

گر خفاشے رفت در کور و کبود
اگر کوئی خفاش کوری وکبودی میں چلا گیا

باز سلطاں دیدہ را بارے چہ بود
اُس باز کو جو سلطان کو دیکھے ہوئے ہے آخر کیا ہوگیا

پس ادب کردش بدیں جرم اوستاد
پس اس لغزش پر اُن کو مصلح نے تادیب فرمائی

کہ مساز از چوب بوسیدہ عماد
کہ چوب بوسیدہ سے ستون مت بناؤ

لیک یوسف را بخود مشغول کرد
لیکن یوسف علیہ السلام کو اپنے میں مشغول فرمالیا

تا نیاید در دلش زاں حبس درد
تاکہ اُن کے دل میں اُس حبس سے کلفت نہو

آنچناں انسش و مستی داد حق
انکو حق تعالیٰ نے ایسا انس اور سکر عطا فرمایا

کہ نہ زنداں یادش آمد نے غسق
کہ اُن کو نہ زندان کا خیال آیا نہ تاریکی کا

نیست زندانے وحش تر از رحم
رحم سے زیادہ کوئی زندان موحش نہیں ہے

ناخوش و تاریک و پر خون و وخم
ناخوش اور تاریک اور پرخوں اور ناگوار

چوں کشادت حق دریچہ سوئے خویش
لیکن چونکہ حق تعالیٰ نے تیرے لئے اپنی طرف ایک دریچہ کھولدیا ہے

در رحم ہر دم فزاید تنت بیش
تو رحم ہی میں ہر وقت تیرا جسم زیادہ ہی زیادہ بڑھتا چلا جاتا ہے

اندراں زندان ز ذوق بیقیاس
اُسی زندان میں بوجہ ذوق بیحساب کے

خوش شگفت از غرس جسم تو حواس
تیرے درخت جسم سے حواس خوب شگفتہ ہو گئے

زاں رحم بیروں شدن بر تو درشت
اُس رحم سے باہر آنا تجھپر گراں ہوگیا

می گریزی از زہارش سوئے پشت
تو اُسکی فرج سے پشت کی طرف بھاگنے لگتا ہے

راہ لذت از دروں داں نز بروں
لذت کا راستہ داخل سے جان نہ کہ خارج سے

ابلہی داں جستن قصر و حصوں
قصر اور قلعوں کا تلاش کرنا ابلہی جان

آں یکے در کنج مسجد مست و شاد
ایک شخص گوشۂ مسجد میں مست اور شاد ہے

واں یکے در باغ ترش و بے مراد
اور ایک شخص باغ میں ترش رو اور بے مراد ہے

قصر چیزے نیست ویران کن بدن
قصر کوئی چیز نہیں بدن کو ویران کردے

گنج در ویرانی ست اے میر من
خزانہ ویرانی ہی میں ہے اے میرے امیر

ایں نمی بینی کہ در بزم شراب
کیا تو یہ نہیں دیکھتا کہ بزم شراب میں

مست آنگہ خوش شود کو شد خراب
مست اُسوقت خوش ہوتا ہے جب وہ خراب ہو جاوے

گرچہ پر نقش ست خانہ بر کنش
اگرچہ یہ گھر پرنقش ہے

گنج جو و ز گنج آباداں کنش
خزانہ ڈھونڈلے اور خزانہ سے اُسکو آباد کردے

خانهٔ پرنقش و تصویر و خیال — **وین صور چون پرده بر گنج وصال**

خانہ پرنقش وتصویرات وخیالات — اور یہ تصویرات گنج وصال پر مثل حجاب کے ہیں

پرتو گنج ست و تابشہائے زر — **کہ دریں سینہ ہمی جوشد صور**

یہ اس گنج کا عکس ہے اور زر کی شعاعیں ہیں — کہ اس سینہ میں تصویرات جوش کر رہی ہیں

ہم ز لطف و عکس آب باشرف — **پردہ شد بر روے آب اجزائے کف**

نیز آب باشرف کی لطافت اور جھلک سے — حاجب ہو گئے کف کے اجزا جو کہ روئے آب پر ہیں

ہم ز لطف و جوش جان باثمن — **پردہ بر روے جاں شد شخص تن**

نیز روح باقیمت کی لطافت اور جوش سے — حاجب ہو گیا چہرۂ روح پر یہ شخص بدن

پس مثل بشنو کہ در افواہ خاست — **کانچہ بر ما میرود آں ہم ز ماست**

پس وہ مثل سن لے جو کہ زبانوں پر جاری ہے — کہ ہم پر جو گذرتا ہے وہ ہماری ہی طرف سے ہے

زیں حجاب ایں تشنگانِ کف پرست — **ز آب صافی اوفتادہ دور دست**

اس حجاب کے سبب یہ تشنگاں کف پرست — آب صاف سے دور واقع ہو گئے

(سعداں گیاہے ست وگرہ بند نعل وگرہ رشتۂ تراز وکما فی الصراح واین جا بمعنی گرہ مناسب می نماید یعنی منسوب بگرہ اے غمگین کن (قال ولی محمد قلتُ زیراکہ از غم وتنگی بر دل مشابہ گرہ می افتد اور قاموس میں اس گیاہ کو خاردار کہا ہے تو سعدانی کے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں آنکہ خار غم در دل داشتہ باشد دونوں حال ہیں حاصل معنی مغلوب غم ہوئے وجہ ربط اوپر مذکور ہوئی یعنی خواص کی تو اس طرح تادیب ہوتی ہے) جیسا یوسف علیہ السلام نے ایک زندانی سے جو کہ (خود) بانیاز (یعنی عاجز اور) خاضع (یعنی پست اور قبل خلاص کلفت زنداں سے) مغلوب غم تھا (کہ یہ مغلوبیت وتاثر بھی دلیل ہے نفی قدرت وکبریائی کی حاصل معنی یہ کہ انھوں نے زندانی عاجز سے) یاری چاہی (یعنی یوں) فرمایا کہ جب تو (زنداں سے) باہر جاوے (اور) بادشاہ کے نزدیک تیرے معاملات درست ہو جاویں تو میرا بھی ذکر کرنا اس عزیز (یعنی شاہ مصر) کے روبرو (قال تعالیٰ وقال للذی ظن انہ ناج منہما اذکرنی عند ربک اور لفظ تخت تابع ہے جیسا زنجیر فیل وضرب

بندوق) تاکہ مجکو بھی (تیری طرح) اس حبس سے خلاصی دیدے (تتمیم مضمون کے قبل مولانا ہملوگوں کو خطاب کرتے ہیں نہ کہ
یوسف علیہ السلام کو بطور فرض کے تاکہ یہ محذور لازم آوے کہ غیر نبی کو کیا منصب ہے نبی کو نصیحت کرنے کا یا نعوذ باللہ اُن کی
غلطی نکالنے کا ہاں نبی کو نصیحت یا اُن کا تخطیہ حق تعالیٰ فرما سکتے ہیں کما سیأتی کہ چہ تقصیر آمد الخ یا دوسرے نبی کچھ فرما سکتے
ہیں کما سیأتی من الحدیث اور غیر نبی اُسکو نقل کر سکتا ہے پس یہ خطاب ہمکو ہے کہ حق تعالیٰ نے یوسف علیہ السلام کو
جو نصیحت فرمائی جسکو ہم بدوں حق تعالیٰ کے فرمائے ہوئے و دخل فیہ الحدیث ایضاً ہرگز نہیں سمجھ سکتے تھے ہمکو بھی
اس نصیحت پر عمل کرنا چاہئے اور غیر حق پر اتنی نظر بھی نہ رکھنا چاہئے خصوص اہل دنیا پر پس اسی کو فرماتے ہیں کہ یہ معلوم
اور ظاہر ہے کہ) ایک زندانی جو خود گرفتار کردگی (اور بستگی کی حالت) میں ہے (یعنی زندان میں ہے وہ) دوسرے زندانی شخص
کو کب رہائی دے سکتا ہے (ایک مقدمہ تو یہ ہوا جو بہت ظاہر ہے اور دوسرا مقدمہ یہ ہے کہ) اہل دنیا سب زندانی ہیں یعنی
زندانیوں کی طرح عاجز و مغلوب ہیں اور محبان دنیا گرفتار شہوات وغیرہ بھی چنانچہ ایک کھلی علامت اُن کے زندانی ہونے کی
یہ ہے کہ) موت دارِ فانی کے منتظر ہیں (جیسا زندانی منتظر خلاص کا ہوتا ہے پس دونوں مقدموں سے یہ مدعا ثابت ہوا کہ ایک
گرفتار دنیا دوسرے گرفتار دنیا کو خلاصی نہیں دے سکتا پس اُس سے کیا استعانت کیجاوے اور اس کا یہ مطلب نہیں کہ بعد مرگ
بالمعنی المانع عن الاستعانة بہ زندانی نہیں رہتا کیونکہ اس معنی کا حاصل تو غیر حق و مسخر القدرة الالٰہیہ ہونا ہے اور
یہ معنی مشترک ہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ اہل دنیا علاوہ اس معنی مشترک کے دوسرے اعتبار سے بھی زندانی ہیں کہ گرفتار شہوات
وغیرہ ہیں اس پر نظر رکھنا اور بھی زیادہ قبیح ہے پس یہ گرفتاری موت پر منتہی ہوجاتی ہے اسی طرح اہل مجاہدہ اس گرفتاری سے
حیات میں بھی رہا ہو جاتے ہیں جسکا شعر آئندہ میں استثنار کرتے ہیں اور اسی لئے باوجود استعانت مذکورہ کے مذموم علی
الاطلاق رہنے کے ایک اور استعانت اس زندان شہوات سے رہائی پانے والوں سے جائز بلکہ محمود ہو جاتی ہے چنانچہ
اہل حق سے امر دین میں استعانت محمود ہے کہ وہ استعانت بالحق اور للحق ہی ہے قال تعالیٰ من یطع الرسول فقد
اطاع اللہ وقال تعالیٰ فاسئلوا اہل الذکر ان کنتم لا تعلمون وقال تعالیٰ کونوا مع الصادقین وقال تعالیٰ
واتبع سبیل من اناب الی وہ استثنار یہ ہے کہ سب اہل دنیا یعنی محبین للدنیا گرفتار ہیں بجز نادر کسی یکتا (یعنی کامل
کے جسکا تن تو زندان (دنیا) میں ہو (مگر) روح اُسکی کیوانی (یعنی عالی مشابہ مقیم فلک سابع زحل) ہو (آگے تتمیم ہے مضمون
قصۂ یوسف علیہ السلام کی یعنی چونکہ انھوں نے اُس زندانی سے وہ درخواست کی) پس اس امر کی جزا میں کہ انھوں نے اُسکو
معین دیکھا یوسف علیہ السلام حبس میں چند سال اور رہے (جسکی صورت یہ ہوئی کہ) یاد یوسف کو شیطان نے اُس زندانی
کے ذہن سے محو کر دیا اور (مطلب اسکا یہ ہے کہ) اُس کے دل سے شیطان نے وہ بات یاد سے نکالدی۔ (قال تعالیٰ
فانساہ الشیطان ذکر ربہ پس) اس لغزش سے کہ اُس نیکو خصال سے صادر ہوئی۔ وہ زندان میں حق تعالیٰ کی طرف
سے سات سال اور رہے (قال تعالیٰ فلبث فی السجن بضع سنین والبضع ما بین الثلث والتسع اور اسکو مولانا
کا لفظ گناہ سے تعبیر کرنا بطور حکایت من اللہ کے ہے کہ انکو حق ہے زلت کو عصیان فرمانے کا کما قال تعالیٰ وعصی
آدم ربہ فغوی ورنہ عصمت انبیا کی عموماً اور تشبث بالاسباب فی مرتبة التدبیر کا معصیت نہونا خصوصاً نصوص قطعیہ

سے ثابت ہے پس لفظ گناہ اپنے معنی پر نہیں + رہا یہ عتاب سو اس لئے تھا کہ یوسف علیہ السلام کی شان یہ تھی کہ فاضل کو چھوڑ کر افضل کو اختیار فرماتے کہ وہ عدم استعانت مطلقاً تھی اسباب ظنیہ سے کیونکہ یہ تدبیر اسباب یقینیہ عادیہ سے نہ تھی جسکا ترک کرنا ناجائز ہوتا اور یہ امر کہ ان کا لبث فی السجن اسوجہ سے تھا مدلول قرآنی تو نہیں ہے جیسا احقر نے تفسیر میں لکھدیا ہے مگر ایک حدیث میں وارد ہوا ہے جسکی سند کی مجھکو تحقیق نہیں لیکن اگر سند صحیح ہی ہو تب بھی اُسکی توجیہ ابھی عرض ہوئی ہے بقولی یوسف علیہ السلام کی شان یہ تھی الخ اور وہ حدیث یہ ہے عن ابن عباسؓ مرفوعاً فی حدیث طویل ملح فیہ اولاً علی صبر یوسف وکرمہ فی التانی فی الخروج من السجن ثم قال ثانیاً ولولا الکلمۃ لما لبث فی السجن حیث یبتغی الفرج من عند غیر اللہ قولہ اذکرنی عند ربک کذا فی کنز العمال عن الطبرانی وابن مردویہ وابن النجار جلد ۶ صہ ۱۲۹ ۲۰۲۷ اور مصرعہ ثانیہ میں زردا ور آیا ہے وہ جیسا صراحۃً لبث کے من اللہ ہونے پر دال ہے اسی طرح اشارۃً مقولہ آئندہ کے من اللہ ہونے کا قرینہ ہوسکتا ہے یعنی حضرت داور کی طرف سے اس یاری کے سبب لبث ہونے کے متعلق ارشاد ہوا) کہ کونسی کمی ہوئی تھی خورشید عطا کی طرف سے جس سے تم خفاش کی طرح ظلمت (شب) میں پڑ جاؤ ہاں کونسی کمی ہوئی تھی بحر اور سحاب کی طرف سے جس سے تم ریگ اور سراب سے یاری چاہنے لگو۔ عوام اگر خفاش طبع اور مجاز پرست ہیں (مگر) اے یوسف آخر تم تو چشم کشادہ رکھتے ہو اگر کوئی خفاش کوری وکبودی میں چلا گیا (تو تعجب نہیں مگر) ان باز کو جو سلطان کو دیکھے ہوئے ہے آخر کیا ہو گیا پس اس لغزش پر اُن کو مصلح (حقیقی) نے تادیب فرمائی کہ (آیندہ کو) چوب پوسیدہ سے ستون مت بنانا (یہ تو حاصل ہوا عتاب و تادیب کا) لیکن (چونکہ اس حالت میں بھی یوسف علیہ السلام مقبول و محبوب تھے اسلئے عین اس عتاب میں یہ عنایت بھی فرمائی کہ) یوسف علیہ السلام کو اپنے میں مشغول فرمالیا (یعنی تجلیات خاصہ میں مستغرق فرمادیا) تاکہ ان کے دل میں اُس حبس سے کلفت نہ (پیدا) ہو (یعنی) اُنکو حق تعالیٰ نے ایسا انس اور سکر عطا فرمایا کہ انکو نہ زندان کا خیال آیا نہ تاریکی کا (جو کہ زندان میں تھی آگے اس استبعاد کو کہ زندان و تاریکی سے کیسے کوئی مانوس ہوسکتا ہے دفع فرماتے ہیں کہ دیکھو) رحم (مادر) سے زیادہ کوئی زندان موحش نہیں ہو (کہ) ناخوش (بھی) اور تاریک اور پرخون اور ناگوار (یعنی فی نفسہ وہ ایسا ہے چنانچہ ظاہر ہے) لیکن (باوجود اس کے) چونکہ حق تعالیٰ نے تیرے لئے (وہاں) اپنی طرف ایک دریچہ کھولدیا ہے تو (اُس) رحم ہی میں ہر وقت تیرا جسم زیادہ ہی زیادہ بڑھتا چلا جاتا ہے (اور) اُسی زندان (رحم) میں بوجہ ذوق بیحساب کے (اور وہ دریچہ یہی ذوق تکوینی وعدم توحش من الرحم ہے پس اس ذوق کی وجہ سے اُسی زندان میں) تیرے درخت جسم سے (تیرے) حواس (کے پھول کیسے) خوب شگفتہ ہوگئے (اور نشو و نما بدن اور قویٰ کا موقوف ہی ملائمت و مناسبت پر اور عدم ملائمت و منافرت میں تو ذبول ہوتا ہے اور وہ ذوق و انس ایسا غالب تھا کہ) اُس رحم سے باہر آنا تجھ پر گراں ہوگیا (کہ) تو (بوقت قرب ولادت کبھی کبھی) اس (حاملہ) کی فرج سے (کذا فی الغیاث اُسکی) پشت کی طرف بھاگنے لگتا ہے (یعنی رحم کے بالائی حصہ میں جو محاذی پشت کی ہے چڑھ جاتا ہے چنانچہ تولد کے وقت کبھی ایسا ہی ہوتا ہے تو اگر طبعاً وہ جگہ مانوس نہ ہوتی تو ایسا کبھی واقع نہ ہوتا تو اس رحم کی مانوسیت سے وہ استبعاد دفع ہوگیا اور زہارش میں مرجع عورت ہے لفظ رحم مصرعہ اولیٰ میں اُس پر قرینہ دالّہ ہے اور یہ شبہ نکیا جاوے کہ پھر جب وہ محل ایسا مانوس ہے تو چاہیئے اُس سے خروج

ہی ہو بات یہ ہے کہ جب حق تعالیٰ اسکو چاہتے ہیں تو خروج کو مقتضا طبیعت کا اور مانوس بہ بنا دیتے ہیں پس وقت وضع
کے قبل تک رحم مانوس بہ رہتا ہے اور اُسوقت کے قریب خروج من الرحم کو مانوس بہ بنا دیتے ہیں اور جو مقصود تھا یعنی
دفع استبعاد وہ مدت مقدرہ تک مانوسیت رحم کے ثابت ہونے سے بھی حاصل ہو گیا وہ مانوسیت ابدیہ پر موقوف نہیں آگے
اس مانوسیت فیما لا یتوقع ظاہراً کی لِم تفصیلاً بیان کرتے ہیں جسکو اجمالاً اوپر یوسف را بجو مشغول کرد اور ز ذوق بقیا اس
میں بھی ذکر کر چکے ہیں یعنی) لذت کا راستہ داخل سے جان نہ کہ خارج سے (یعنی لذت کا مدار اسباب خارجیہ نہیں بلکہ
اُس کا مدار قلب ہے اُس میں انس پیدا ہونے سے لذت ہوتی ہے گو ظاہری اسباب اُس کے خلاف ہی ہوں پس) قصر
اور قلعوں کا (لذت کے لئے) تلاش کرنا ابلہی جان (چنانچہ رحم جیسے تنگ جگہ میں حصول ذوق ہوتا ہے چنانچہ اسی سبب
سے) ایک شخص گوشہ مسجد میں مست اور شاد ہے (اور ظاہر میں گو وہ گوشہ ویران ہی ہو) اور ایک شخص باغ میں ترش رو
اور بیزار ہے (حالانکہ ظاہراً بہار کی جگہ میں ہے اسکی وجہ یہی ہے کہ پہلے شخص کے قلب میں کوئی خوشی کا خیال ہے اور
دوسرے کے قلب میں کوئی غم کا خیال ہے آگے بطور انتقال کے اس قاعدہ مذکورہ پر ایک مستقل مضمون کی تفریع ہے جس کا
اوپر ذکر نہ تھا یعنی جب معلوم ہو گیا کہ اصل اعتبار باطن کا ہے اور اُس کے مقابلہ میں ظاہر کوئی چیز نہیں تو تجکو تن پروری و
تن آرائی چھوڑ کر عمارت باطن میں مشغول ہونا چاہیئے مقصود امر ہے مجاہدہ و ریاضت و اصلاح باطن کا اسی کو فرماتے ہیں
کہ) قصر کوئی چیز نہیں (کما علمت ابلہی دان پس) بدن کو (کہ مشابہ قصر ہے) ویران کر دے (کیونکہ) خزانہ ویرانی ہی میں
(ہوتا) ہے اے میرے امیر (پس اسی طرح جب مجاہدہ سے مقتضیات مذمومہ قوی جسمانیہ شہوت و غضب کو مغلوب کریگا
کہ یہ اُن کی ویرانی ہے نفس صفات حمیدہ سے متصف ہو کر مورد تجلیات بنے گا کہ یہ گنج ہے یہ ایک مثال تھی آگے اس ویرانی
کے مطلوب ہونے کی دوسری مثال ہے کہ) کیا تو یہ نہیں دیکھتا کہ بزم شراب میں مست اُسوقت خوش ہوتا ہے جب وہ
(باعتبار حواس بدنیہ کے) خراب (اور ویران) ہو جاوے (یعنی اُسکے حواس معطل ہو جاویں مراد اس سے کامل نشہ ہے
کہ یہ اُس کے لوازم سے ہے اسی طرح تجھپر جب مستی حق ان ادراکات کے خاص افعال و آثار پر کہ توجہ الی غیر الحق و انہماک فی
اللذات ہے غالب ہو جاوی جب فرح حقیقی حاصل ہو گی اور چونکہ ظاہراً اس ویرانی مذکور میں ایک درجہ کی دنیوی مضرت ہے
اور یہ خیال مانع ہمت ہو سکتا تھا اس لئے اس خیال کو رفع کر کے ہمت بڑہاتے ہیں کہ) اگرچہ یہ گھر پر نقش (و جمیل) ہے
(اور اس لئے ویران کرنا مضر معلوم ہوتا ہے کہ یہ نقش و نگار بھی سب مٹ جاوینگے لیکن واقع میں مضر نہیں پس اُسکو ویران
کر کے اُسمیں سے) خزانہ ڈھونڈھ لے اور (اُسی) خزانہ سے اُسکو آباد کر دے (حاصل یہ ہوا کہ اسکی ایسی مثال ہے کہ کسی گھر کے
اندر بنیاد کے نیچے خزانہ مدفون ہو جو بدوں بنیاد نکالے ہوئے حاصل نہ ہوا اور پھر اُس خزانہ سے پہلے سے بھی اچھا گھر بنا دیا
جاوے تو اُس ویرانی کو مضر کون کہے گا اسی طرح جب اخلاق و مقتضیات کو زائل کر دگے اُس سے اچھے اخلاق و ملکات
میسر ہوں گے جس سے آخرت میں تو خیر اور ابقی ملے ہی گا باقی دنیا میں بھی ایسی حیوۃ طیبہ میسر ہو گی جسپر سلاطین بھی غبطہ
کریں اس لئے یہ ویرانی سبب زیادہ آبادی کا ہو گئی اس سے تو ویرانی مذکور کا مضر نہ ہونا بلکہ انفع ہونا ثابت ہوا لیکن واجب
ہونا اور اُس کے ترک کا مضر ہونا ثابت نہیں ہوا اور مطلوب یہی تھا جیسا کہ اوپر ویران کن بدن اور خانہ پر نقش میں امر مفید

وجوب ہے، آگے اسکو فرماتے ہیں یعنی جس خانہ پُرنقش و نگار کے انہدام کو اور اُس نقش و نگار کے انعدام کو مانع تخریب و استیصال سمجھ رہے ہو فی الحقیقت اُس گھر کا اور اُن نقوش کا رہنا مضر اور مانع مقصود ہی کیونکہ یہ) خانہ پُرنقش و تصویرات و خیالات اور (اُس خانہ میں جو) یہ تصویرات (ہیں یہ سب) گنج وصال پر مثل حجاب کے ہیں (خیال عطف تفسیری ہے مطلب یہ ہے کہ یہ خیالات کہ بمنزلہ نقوش و تماثیل کے ہیں چنانچہ اُن کا صور ذہنیہ ہونا ظاہر ہے یہ مانع ہیں توجہ تام الی اللہ سے اور یہ بھی ظاہر ہے اور بدون توجہ تام کے معیت و قرب کہ وصل اُس سے عبارت ہے میسر نہیں ہوتا اس لئے ان کا نہ مٹانا مضر ہے یہ ایک مثال ہوئی ادراکات متعلقہ غیر کے مانع عن المقصود ہونے کی آگے اس مثال کی تتمیم ہے کہ) یہ اُس گنج کا عکس ہے اور زر (گنج) کی شعاعیں ہیں کہ اس سینہ میں تصویرات جوش کر رہی ہیں (یعنی یہ تصورات محبوبہ جو تمہارے قوی مدرکہ میں ہجوم کرتے ہیں ان کی نسبت اُس مقصود حقیقی کے ساتھ ایسی ہے جیسے عکس و شعاع کو زر و گوہر خزانہ کے ساتھ تو عکس کو جب کوئی شخص ایسا محبوب سمجھتا ہے اگر وہ اصل کا مشاہدہ کرلے تو عکس کو یاد بھی نکرے نیز عکس کے جمال و محبوبیت سے اصل کے جمال و محبوبیت پر استدلال کر کے اُسکے مشاہدہ کا اشتیاق اور رغبت بھی ہونا چاہئے لیکن جب تک عکس سے نظر نہ ہٹا وے اصل کا مشاہدہ ہو نہیں سکتا اسی طرح جن صور ذہنیہ سے تمکو محبت و عشق ہے کہ انکا الٹنا نہیں چاہتے یہ سب عکس اور ظل ہیں محبوب حقیقی کا ؎ حسن خویش از روئے خوباں آشکارا کردہ الخ پس ع چہ باشد آں نگار خود کہ بندد ایں نگارہا۔ تو اصل کا مشاہدہ کرو تاکہ ان کی کچھ بھی وقعت نہ رہے لیکن بدون ان سے نظر ہٹائے ہوئے اُس کا مشاہدہ ممکن نہیں پس یہ صور خیالیہ حجاب مقصود ہیں ان کو رفع کرو آگے اسی حاجبیت و مانعیت کی دوسری مثال ہے کہ) نیز (اسکی ایسی مثال ہے جیسے) آب باشرف کی لطافت اور جھلک سے حاجب ہو گئے کف کے اجزاء جو کہ روئے آب پر ہیں (کہ باوجودیکہ اُسی سے ناشی مگر اُس سے ہی حجاب ہو گئے اسی طرح صور خیالیہ اُسی موجود حقیقی سے ناشی اور اُسکا حجاب ہو گئے آگے اس مانعیت کی تیسری مثال ہے کہ) نیز روح باقیمت کی لطافت اور جوش (عشق حق) سے حاجب ہو گیا چہرہ روح پر یہ شخص بدن (چنانچہ ظاہر ہے کہ غلبۂ احکام جسمیہ سے روح کے یہ آثار مغلوب و مضمحل ہو رہے ہیں آگے اس تقریر مذکور پر ایک تفریع ہے یعنی جب تقریر مذکور سے معلوم ہوا کہ مانع عن المقصود ایسی چیزیں ہیں کہ وہ ہمارے ہی ادراکات و صفات ہیں جو کہ ہمارے اندر موجود ہیں پس (اس سے) وہ مثل سن لے (کہ صادق آگئی) جو کہ زبانوں پر جاری ہے کہ ہم پر جو گذرتا ہے وہ ہماری ہی طرف سے ہے (چنانچہ ہم پر بلا ء بُعد عن الحق کا منشا ہمارے ہی اندر کی چیزیں ہیں آگے اسی حاجبیت مذکورہ کا ایک مثال میں جو اوپر بھی شعر ہم زلطف و عکس آب الخ میں آچکی ہے پھر ایسے طور پر اعادہ ہے کہ اُس میں اس حاجبیت کا خصوصیت کے ساتھ ایک عملی اثر بھی تصریحاً مذکور ہے یعنی رجوع الی غیر الحق جس سے علاوہ تائید مقام کے ایک قسم کی تمہید بھی ہو گئی قصۂ عماد الملک اور اُس کے مضمون مذکور بالا یا حضور آفتاب الخ کی طرف رجوع کرنیکی جو کہ مابعد کے شعر سے ہے آفتابا الخ اور یہ طریق رجوع کا نہایت ہی لطیف واقع ہوا پس فرماتے ہیں کہ) اس حجاب (مذکور) کے سبب یہ تشنگان کف پرست آب صاف سے دور واقع ہو گئے (اور تشنگی نے کف کے طالب ہو گئے اور عملی غلطی یہ ہے جیسا وہ امیر صنا اسپ عماد الملک کی طرف رجوع لایا اور گویا یہانتک سب عماد الملک کے اقوال ہیں بدلیل قولہ القریب در عماد الملک ایں اندیشہ ہا الخ اور آگے تو صراحۃً اُسی کا قول ہے آفتابا و سیاقی)

آفتابا با تو چو قبلہ و امام

اے آفتاب تجھ جیسے قبلہ اور امام کے ہوتے ہوئے

شب پرستی و خفاشی می کنیم

ہم شب پرستی اور خفاشی کر رہے ہیں

سوئے خود کن این خفاشان را مطار

آپ ان خفاشوں کی پرواز کو اپنی طرف کیجئے

زین خفاشی شان بخر اے مستجار

اس خفاشی سے انکو چھڑا دیجئے اے وہ ذات سبکی پناہ چاہی جاتی ہے

این جوان زین جرم ضالست و مغیر

یہ جوان اس جرم سے گمراہ ہے اور غارت کنندہ ہے

کہ بمن آمد ولے او را مگیر

کہ یہ میرے پاس آیا لیکن اسپر مواخذہ مت فرما

در عماد الملک این اندیشہا

عماد الملک کے اندر یہ خیالات

گشت جوشان چون اسد در بیشہا

جوشزن ہو رہے تھے جیسا شیر بیشہ میں

ایستادہ پیش سلطان ظاہرش

اس کا ظاہر سلطان کے روبرو کھڑا تھا

در ریاض غیب جان طاہرش

اسکی روح پاک ریاض غیب میں تھی

چون ملائک او باقلیم الست

مثل ملائکہ کے وہ اقلیم الست میں

ہر دمے می شد ز شرب تازہ مست

ہر لحظہ شراب نوشی تازہ سے بمست ہو رہا تھا

اندرون سور و برون چون پرغمے

باطن میں تو شادی تھی اور ظاہر مثل پرغم کے تھا

در تن ہمچون لحد خوش عالمے

تن مشابہ لحد میں ایک لطیف عالم تھا

او درین حیرت بدو در انتظار

وہ اسی حیرت اور انتظار میں تھا

تا چہ پیدا آید از غیب و سرار

کہ دیکھئے کیا ظاہر ہوتا ہے غیب اور نہاں سے

اسپ را اندر کشیدند آن زمان

گھوڑے کو اسوقت خوارزم شاہ کے روبرو

پیش خوارزم شاہ سرہنگان کشان

سرہنگ کشاں کشاں لائے

الحق اندر زیر ایں چرخ کبود — آنچناں اسپے بقد وتگ نبود

واقعی اس چرخ کبود کے نیچے — ویسا گھوڑا قد میں اور دوش میں نہ تھا

می ربودے رنگ او ہر دیدہ را — مرحبا آں برق وسہ زائیدہ را

اس کا رنگ ہرآنکھ کو چھینے لیتا تھا — مرحبا اس مولود من البرق والقمر پر

ہمچو مہ ہمچوں عطارد تیز رو — گوئیا صرصر علف بودش نہ جو

وہ مثل چاند کے مثل عطارد کے تیز رو تھا — گویا بادِ صرصر اس کا چارہ تھا نہ کہ جو

ماہ عرصہ آسمان را در شبے — می برد اندر مسیر و مذہبے

چاند میدان آسمان کو ایک شب میں — قطع کرتاہے سیر اور رفتار میں

چوں بیک شب مہ برید ابراج را — از چہ منکر می شوی معراج را

جب ایک شب میں قمر برجوں کو قطع کر لیا — کس سبب سے تو منکر ہوتاہے معراج کا

صد چو ماہ ست آں عجب در یتیم — کہ بیک ایماے او مہ شد دو نیم

وہ عجیب دریتیم تو سو چاند جیسے ہیں — کہ آپ کے ایک اشارہ سے چاند دو ٹکڑے ہو گیا

آں عجب کو در شگاف مہ نمود — ہم بقدر ضعفِ حسِ خلق بود

وہ عجیب معاملہ جو آپ نے شق القمر میں ظاہر فرمایا — محض ادراک خلق کے ضعف کی مقدار پر تھا

کار و بار انبیاء و مرسلوں — ہست از افلاک و اختر ہا بروں

انبیاء و مرسلین کے کار و بار — تو افلاک وکواکب سے بھی باہر ہیں

تو بروں رو ہم ز افلاک دوار — وانگہاں نظارہ کن آں کاروبار

تو افلاک گردندہ سے باہر جا — اور اس وقت اس کار وبار کو دیکھ

در میان بیضۂ چوں فرخہا
مثل چوزہ پرند کے بیضہ کے اندر ہے
نشنوی تسبیح مرغان ہوا
مرغان ہوا کی تسبیح کو نہیں سنتا

معجزات اینجا نخواہد شرح گشت
معجزات اس مقام پر شرح میں نہیں آسکتے
زاسپ و خوارزم شاہ گوی و سرگذشت
اسپ اور خوارزم شاہ کا قصہ اور سرگذشت کہو

آفتاب لطف حق بر ہر چہ تافت
جس چیز پر بھی لطف حق کا آفتاب چمک گیا
از سگ و از اسپ فر کہف یافت
خواہ وہ سگ ہو یا اسپ ہو اس نے پرتو کہف کا پالیا

تاب لطفش را تو یکساں ہم مداں
تو اسکے شعاع لطف کو بھی یکساں مت جان
سنگ را و لعل را داد او نشاں
سنگ کو اور لعل کو اس نے نشان دیا ہے

لعل را زاں ہست گنج مقتبس
لعل کے پاس اس سے ایک خزانہ حاصل شدہ ہے
سنگ را گرمی و تابانی و بس
سنگ کے پاس گرمی اور تابش ہے اور بس

آنکہ بر دیوار افتد آفتاب
وہ دھوپ جو دیوار پر واقع ہوتی ہے
آنچناں نبود کز آبے اضطراب
وہ ویسی نہیں ہوتی جیسے کسی پانی سے جنبش کرتی ہوئی

رجوع بحکایت سلطان و اسپ و پشیمان کردن عماد الملک شاہ را

چوں دمے حیراں شد از وے شاہ فرد
جب تھوڑی دیر تک اس سے حیران ہو چکا وہ شاہ یکتا
روئے خود سوئے عماد الملک کرد
تو اپنا رخ عماد الملک کی طرف کیا

کاے اخی بس خوب اسپے نیست ایں
کہ اے بھائی کیا بہت عمدہ گھوڑا نہیں ہے یہ
از بہشت ست ایں مگر نے از زمیں
بہشت سے آیا ہے یہ غالبا زمین کا نہیں ہے

پس عماد الملک گفتش اے خدیو
پس عماد الملک نے اسکو جواب دیا کہ ای بادشاہ

چوں فرشتہ گردد از میل تو دیو
آپ کی رغبت سے دیو بھی مثل فرشتہ کے ہو جاتا ہے

در نظر آنچہ آوری گردید نیک
جس چیز کو آپ نظر میں لے آویں وہ عمدہ ہی ہو گئی

بس گش و رعناست ایں مرکب ولیک
یہ مرکب بہت خوب اور زیبا ہے لیکن

ہست ناقص آں سر اندر پیکرش
وہ سر جو اُس کے دھڑ میں ہے وہ ناقص ہے

چوں سر گاوست گوئی ایں سرش
گویا اُس کا یہ سر مثل سر گاؤ کے ہے

در دل خوارزم شہ ایں دم کار کرد
خوارزم شاہ کے دل میں یہ کلام کام کر گیا

اسپ را در منظر شہ خوار کرد
اُس نے اسپ کو نظر شاہ میں بیقدر کر دیا

چوں غرض دلالہ گشت و واصفے
جب غرض دلال اور بیان کرنے والی ہو جاوے

از سہ گز کرباس یابی یوسفے
تو تین گز پارچہ سے تو یوسف کو پا سکتا ہے

چونکہ ہنگام فراق جاں شود
جب مفارقت روح کا وقت ہوتا ہے

دیو دلال دُر ایماں شود
شیطان گوہر ایمان کا دلال ہوتا ہے

پس فروشد ابلہ ایماں را شتاب
پس احمق ایمان کو جلدی سے بیچ ڈالتا ہے

اندراں تنگی بیک ابریق آب
اس تنگی کے وقت پانی کی ایک لیٹیا کے عوض

واں خیالے باشد و ابریق نے
اور وہ ایک خیال ہوتا ہے اور لٹیا نہیں ہوتی

قصد آں دلالہ چوں تخریق نے
اس دلال کا قصد بجز پارہ پارہ کرنے کے نہیں ہے

ایں زماں کہ تو صحیح و فربہی
اسوقت کہ تو تندرست اور قوی ہے

صدق را بہر خیالے میدہی
صدق کو ایک خیال کے واسطے دے ڈالتا ہے

میفروشی ہر زماں درے زکاں
تو ہر وقت معدن میں سے ایک موتی بیچ ڈالتا ہے

می ستانی ہمچو طفلے گردگاں
بچہ کی طرح ایک اخروٹ لے لیتا ہے

پس دراں رنجوری و روز اجل
پس اس رنجوری اور یوم مرگ میں

نیست نادر گر بود اینت عمل
کچھ عجیب نہیں اگر تیرا یہ عمل واقع ہو

در خیالت صورتے جوشیدۂ
تیرے خیال میں ایک صورت جوش کرتی ہے

ہمچو جوزے وقت دق پوسیدۂ
چوٹ مارنے کے وقت مثل جوز پوسیدہ کے

ہست از آغاز چون بدر آں خیال
شروع سے وہ خیال مثل بدر کے ہے

لیک آخر میشود ہمچوں ہلال
لیکن آخر میں وہ مثل ہلال کے ہوجاتا ہے

گر تو اول بنگری در آخرش
اگر اول ہی سے نظر کرلیا کرے اسکے آخر میں

فارغ آئی از فریب فاترش
تو تو اس کے فریب سست سے فارغ ہوجاوے

جوز پوسیدست دنیا اے امیں
دنیا جوز پوسیدہ ہے اے امیں

امتحانش کم کن از دورش ببیں
اس کا امتحان مت کر اسکو دور ہی سے دیکھ لے

شاہ دید آں اسپ را با چشم حال
بادشاہ نے تو اس اسپ کو چشم حال سے دیکھا

واں عماد الملک با چشم مآل
اور اس عماد الملک نے چشم مآل سے دیکھا

چشم شہ دو گز ہمی دید از لُغَز
بادشاہ کی آنکھ دو گز دیکھتی تھی پیچدار سوراخ سے

چشم آں پایاں نگر پنجاہ گز
اس انجام بیں کی آنکھ پچاس گز دیکھتی تھی

تا چہ سرمہ است آنکہ یزداں میکشد
کیسا کچھ سرمہ ہے جو خدا تعالی لگا دیتے ہیں

کز پس صد پردہ بیند جان رشد
جس سے سو حجابوں میں سے بھی راہ راست کو دیکھ لیتی ہے

چشم مہتر چوں بآخر بود جفت
سیدنا صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھ چونکہ آخر کے ساتھ مقرون تھی

پس بداں دیدہ جہاں را جیفہ گفت
پس اس آنکھ سے دنیا کو جیفہ فرمایا

زین یکے ذمش کہ او بشنود حسب — **بس فسرد اندر دل شہ مہر اسپ**

اُس کی اس ایک ہی مذمت سے کہ بادشاہ نے سنی اور بس — بالکل افسردہ ہوگیا اسپ کا میلان بادشاہ کے دل میں

چشم خود بگذاشت چشم او گزید — **ہوش خود بگذاشت قول او شنید**

اپنی آنکھ چھوڑ دی اُسکی آنکھ کو اختیار کیا — اپنے ہوش کو چھوڑ دیا اُس کے قول کو سن لیا

ایں بہانہ بود آں دیان فرد — **از نیاز آں در دل شہ سرد کرد**

یہ ایک بہانہ تھا اُس دیاں فرد نے — نیاز سے اُسکو شاہ کے دل میں سرد کردیا

در بہ بست از حسن او پیش بصر — **آں سخن بد درمیان چوں بانگ در**

اُس نے اس کے حسن سے نظر کے سامنے دروازہ بند کردیا — وہ قول درمیان میں مثل بانگ در کے تھا

پردہ کرد آں نکتہ را بر چشم شہ — **کہ ازاں پردہ نماید مہ سیہ**

اُس نکتہ کو شاہ کی آنکھ پر حجاب کردیا — کہ اُس پردہ سے چاند سیاہ دکھلائی دینے لگا

پاک بنّاے کہ بر سازد حصوں — **در جہان غیب از گفت و فسوں**

اس تعمیر بنانے والے نے جو کہ قلعے بناتا ہے — عالم غیب میں گفتار اور افسوں سے

(عماد الملک کی لسان سے رجوع ہے مضمون سابق باحضور آفتاب باکمال الخ کی طرف یعنی) اے آفتاب تجھ جیسے قبلہ اور امام کے ہوتے ہوئے (دوسرے کی طرف جو ہم حاجات میں رجوع کرتے ہیں تو گویا) ہم شب پرستی اور خفاشی کر رہے ہیں (پس) آپ ان خفاشوں کی پرواز کو اپنی طرف کھینچئے (اور) اس خفاشی سے انکو چھڑادیجئے اے وہ ذات جسکی پناہ چاہی جاتی ہے یہ جوان (مالک اسپ) اس جرم سے گمراہ ہے اور غارت کنندہ (کمال توحید) ہے (آگے بیان ہے اُس جرم کا) کہ یہ میرے پاس (حاجت لیکر) آیا لیکن اس پر مواخذہ مت فرما (یہ عود ہے مضمون بالا شعر کا اے خدا گر آں جوان کژ رفت راہ الخ و شعر تو ازاں خود بکن پروی مگیر الخ کی طرف غرض) عماد الملک کے (ذہن کے) اندر یہ خیالات (مذکورہ از شعر کا اے خدا الخ الی شعر ایں جواں الخ) جوش زن ہو رہے تھے جیسا شیر بیشہ میں (جوش و خروش میں ہوتا ہے اور) اُس کا ظاہر (جسم) سلطان کے روبرو کھڑا تھا (اور) اُسکی روح پاک ریاض غیب میں (ان واردات اور مناجات میں مشغول) تھی مثل ملائکہ کے وہ اقلیم الست میں (یعنی مقام الہام و مکالمت حق میں جسطرح الست

بربکم مع جوابہ میں مکالمت مع الحق ہوئی) ہر لحظہ شراب نوشی تازہ سے مست ہو رہا تھا (یعنی سکر سے حال غالب ہوتا تھا اور خطاب من الحق گو اوپر صراحۃً مذکور نہیں لیکن ایسے مضامین چونکہ ملہم من اللہ ہوتے ہیں اس لئے ان کو کلام حق میں داخل کیا جسپر الست دال ہے جو کہ کلام حق تھا اور ملئکہ سے تشبیہ اسی غلبۂ حال میں دی جسکا ذکر قرآن مجید میں حسب تفسیر منصوص فی الحدیث ہے حتی اذا فزع عن قلوبہم الآیہ عماد الملک کی مجموعی حالت یہ تھی کہ اس کے) باطن میں تو شادی تھی اور (اس کا) ظاہر مثل پر غم کے تھا (شادی کی وجہ مکالمت حق تھی اور غم کی وجہ فکر معاملہ صاحب اسپ تھی اور اس مجموعہ کے اعتبار سے گویا اس کے) تن مشابہ لحد میں ایک لطیف عالم تھا (یعنی جسم تنگی غم سے مثل لحد تنگ کے تھا اور اس کے اندر ان الہامات سے ایک شادی کا عالم تھا اور) وہ (معاملہ اسپ کے متعلق) اسی حیرت اور انتظار میں تھا کہ دیکھیئے کیا ظاہر ہوتا ہے غیب اور نہاں سے (کہ دفعۃً) گھوڑے کو اس وقت خوارزم شاہ کے روبرو سرہنگ کشاں کشاں لائے (فقولہ او دریں حیرت بد معمول لقولہ اسپ را اندر کشیدند کما اشرت الیہ بالترجمۃ آگے گھوڑے کے اوصاف ہیں کہ) واقعی اس چرخ کبود کے نیچے ویسا گھوڑا قد میں اور دوش میں (اسوقت) نہ تھا اس کا رنگ ہر آنکھ کو چھینے لیتا تھا (کما یکاد البرق یخطف ابصارھم) مرحبا اس (اسپ) مولود من البرق والقمر پر (وجہ شبہ نور و صفائی ہے) وہ مثل چاند کے (اور) مثل عطارد کے تیز رو تھا (مراد چاند اور عطارد کی حرکت یومیہ نہیں ہے کیونکہ اسمیں تو سب کواکب سیارہ کہ ان ہی میں کلام ہے متساوی ہیں تو تخصیص بے معنی ہوگی بلکہ مراد ان کی حرکات خاصہ بلا واسطہ فلک معدل النہار کے اور بواسطہ حوامل کے ہیں جو کہ افلاک شاملہ للارض میں محرک قریب ہیں کواکب کے یعنی بہ نسبت مدیر فی العطارد اور ممثل فی جمیع الکواکب اور مائل فی القمر کے کہ یہ تینوں بواسطۂ حوامل کے محرک ہیں اس لئے حوامل کو قریب کہا گیا ورنہ بہ نسبت تداویر غیر شاملہ للارض کے یہ حوامل بعید ہیں مگر ان تداویر کی تحریک سے دائرۂ شاملہ للارض نہیں بنتا اور حرکات مبحوثہ فی المقام میں دوائر شاملہ للارض ہی معتبر ہیں پس حرکات راسمۂ دوائر شاملہ میں محرک قریب حوامل ہیں اسی لئے ان حرکات کو خاصہ کہا گیا پس ان حرکات خاصہ مرتسمہ بتحریک الحوامل میں سے جو کہ من المغرب الی المشرق ہونے میں مشترک ہیں سب سے زیادہ سریع حرکت قمر اور عطارد کی ہے چنانچہ عطارد کی حرکت یوم ولیلہ میں ایک درجہ اور اونچاس دقیقہ اور سولہ ثانیہ اور چالیس ثالثہ ہیں اور قمر کی حرکت چوبیس درجہ اور بائیس دقیقہ اور ترپن ثانیہ اور بائیس ثالثہ ہیں اور اس قدر سریع اور کسی کوکب کی حرکت نہیں چنانچہ زحل کی دو دقیقہ اور پینتیس ثالثہ ہیں اور مشتری کی چار دقیقہ اور اونچاس ثانیہ اور سولہ ثالثہ ہیں اور مریخ کی اکتیس دقیقہ اور سولہ ثانیہ اور چالیس ثالثہ ہیں اور زہرہ اور شمس کی انچاس دقیقہ اور آٹھ ثانیہ اور بیس ثالثہ ہیں یعنی ان میں سے کسی میں ایک بھی درجہ نہیں اور درجہ کہتے ہیں منطقہ کے تین سو ساٹھ حصص میں سے ایک حصہ کو اور پھر ایک درجہ کے ساٹھ حصوں میں سے ایک حصہ کو دقیقہ کہتے ہیں پھر ساٹھویں دقیقہ کو ثانیہ اور ساٹھویں ثانیہ کو ثالثہ اسی طرح رابعہ و خامسہ و سادسہ وغیرہ کہلاتے ہیں ہذا کلہ من شرح الجغمینی اس تفصیل سے وجہ تخصیص ماہ اور عطارد کی مفہوم ہوگئی ہوگی آگے تیز روی کے لئے ایک اور تشبیہ دیتے ہیں کہ) گویا باد صرصر اس کا چارہ تھا کہ جو (مثل دوسرے گھوڑوں کے کہ جو وغیرہ کھاتے ہیں اور اس نے گویا بجائے جو کے صرصر کھائی اس لئے دوسرے گھوڑے اسکی برابر تیز نہ چل سکتے تھے آگے چاند کی سرعۃ سیر کو کہ شعر بالا میں مشبہ بہ تھی تصریحاً فرماتے ہیں کہ) چاند میدان آسمان کو ایک شب میں قطع کرتا ہے سیر اور رفتار کے

(گو ظاہر الفاظ سے یہاں حرکۃ یومیہ متبادر ہوتی ہے کیونکہ حصہ مرئیہ آسمان کو قطع کرنا اسی حرکت سے ہوتا ہے لیکن اسکی نفی کی دلیل اوپر گذر چکی ہے باقی یہ کہ حرکت خاصہ میں یہ حکم عرصۂ آسمان راکیسے صحیح ہوگا سو اسکی توجیہ یہ ہو سکتی ہے کہ عرصہ سے مراد حصہ معتد بہا ہو نہ کہ جمیع عرصہ چنانچہ ظاہر معنی پر بھی جمیع عرصہ مراد نہیں ہو سکتا بلکہ صرف حصۂ مرئیہ اور اگر ظاہر کو ترک نہ کیا جاوی تو کواکب مشترکہ متساویہ فی الحکم میں سے قمر کی تخصیص کو تمثیلاً کہا جاویگا آگے اس سرعت سیر قمر سے ایک مسئلہ اعتقادیہ کے عدم امتناع پر استدلال کرتے ہیں کہ) جب ایک شب میں قمر نے برجوں کو قطع کرلیا (پھر) کس سبب سے تو منکر ہوتا ہے معراج کا (کیونکہ آپ قمر سے بدرجہا افضل و اکمل ہیں کما سیاتی فی الشعر الآتی پس مفضول کے لئے جب یہ صفت عجیبہ ثابت ہے تو اگر افضل کے لئے ہو تو کیا استبعاد ہے اور برج منطقۃ البروج کا بارہواں حصہ ہے اگر قمر کی حرکت یومیہ لیجاوے تب تو ایک شب میں وہ تقریباً چھ برج کو قطع کرتا ہے تو یہ حکم صحیح ہوگیا اور گو برج کا اعتبار فلک ثامن پر کیا گیا ہے لیکن اسکو جب قاطع عالم فرض کیا جاوی تو افلاک ممثلہ پر بھی ان بروج کو متوہم مان لیتے ہیں اور اگر حرکت خاصہ مراد لی جاوے تو اسکی حرکت خاصہ مذکورہ عنقریب بقدر ایک برج کے بھی نہیں کیونکہ مقدار برج کی کہ بارہواں حصہ ہے منطقہ کا جو کہ تین سو ساٹھ درجہ پر منقسم ہے تیس درجہ ہوتے ہیں اور قمر چوبیس درجہ مع قدرے کسر قطع کرتا ہے تو اس صورت میں ابراج سے مراد اجزاء ابراج لیں گے آگے آپ کی افضلیت کو بیان کرتے ہیں یعنی) وہ عجیب درِ یتیم (یعنی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) تو سو چاند جیسے ہیں (یعنی چاند سے صدہا درجے بڑھے ہوئے ہیں چنانچہ ایک علامت افضلیت کی یہ ہے) کہ آپ کے ایک اشارہ سے چاند دو ٹکڑے ہوگیا (سو آپ کی اکرام و اظہار کرامت کے لئے چاند کی ہیئت و ترکیب کو بدل ڈالنا دلیل ہے آپکی مقصودیت اور چاند کی تبعیت کی اور مقصود تبع سے افضل ہوتا ہے ایک مقدمہ یہ ہوا دوسرا مقدمہ اوپر کے شعر میں گذرا کہ چاند کے لئے یہ سرعت سیر جائز رکھی گئی پس مدعا ثابت ہوگیا کہ پھر افضل کے لئے اس کا کیا استبعاد ہے جیسا احقر نے شعر بالا کی شرح میں اسکی تقریر بھی کردی ہے اور اصل مقصود اس سے رفع استبعاد ہے ورنہ استدلال میں نظیر کی حاجت نہیں ہوا کرتی اور صاحب حمید یہ نے سرعت سیر کا استبعاد ایک اس سے زیادہ سہل نظیر سے رفع کیا ہے وہ یہ کہ تحقیقات جدیدہ ہیئت میں یہ ثابت ہے کہ مشتری ستارہ ہماری زمین سے چودہ سو حصے بڑا ہے پھر وہ ایک گھنٹہ میں تیس ہزار میل چلتا ہے یعنی ایک منٹ میں پانچ سو میل اور ایک بار سانس لینے کی مقدار میں نو دس میل اور طبعی قاعدہ ہے کہ جسم متحرک جسقدر زیادہ چھوٹا ہوگا وہ سرعت حرکت کو زیادہ قبول کریگا تو اب دیکھنا چاہیئے کہ اس حساب سے جو جسم زمین کی برابر ہو اسکی حرکت کسقدر سریع ہو سکتی ہے اور پھر جسم انسان کی نسبت زمین کے ساتھ دیکھکر اسکی نسبت مشتری کی ضخامت سے کیجاوے تو اسکی حرکت کسقدر سریع ہو سکتی ہے تو اس بناء پر تو معراج میں جسقدر حرکت سریع ہوئی ہے اس سے بدرجہا زائد سرعت غیر مستبعد ہے آگے دلیل فضل نبوی مذکور فی قولہ صد چو ماہ ست الخ میں ترقی فرماتے ہیں کہ آپ کے فضل کا منتہا یہی شق قمر نہ سمجھا جاوی کیونکہ) وہ عجیب معاملہ جو آپ نے شق القمر میں ظاہر فرمایا محض ادراک خلق کے ضعف کی مقدار پر تھا (یعنی اس سے زیادہ عجائب کے ادراک کا وہ تحمل نہ کرسکتے ورنہ) انبیاء و مرسلین کے (کہ آپ ان سب میں افضل ہیں) کار و بار (یعنی تصرفات) تو افلاک و کواکب سے بھی باہر ہیں (میرے ذوق میں اسکی توجیہ یہ ہے کہ افلاک و کواکب تو مادی ہیں

اور ارواح بقول اکثر اہل کشف مجرد ہیں جنکو بوجہ عدم تحیز و عدم تمکن کے بھی بروں از افلاک و اختر کہنا صحیح ہے اور مادیات سے فوق فی المرتبہ ہونے کے اعتبار سے بھی بروں از افلاک و اختر کہنا صحیح ہے اور انبیاء کا تصرف ارواح میں ہوتا ہے ارشاد و تربیت کے ساتھ چنانچہ ظاہر ہے بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا تو عالم ارواح میں ہونے کے وقت تصرف فی الارواح حتی فی ارواح الانبیاء نقل کیا گیا ہے اور واقع میں یہ اس سے زیادہ عجیب ہے اور غیر انبیاء کے تصرف فی الارواح سے شبہ نہو کیونکہ یہ بتعیت انبیاء رہی اسی وجہ سے غیر متبع اس سے عاری ہی پس وہ بھی انبیاء ہی کا معجزہ ہوا آگے اس تصرف خارج عن الافلاک و الکواکب کے ادراک کا طریقہ بتلاتے ہیں تاکہ کوئی عدم ادراک کے سبب انکار نہ کر سکے یعنی) تو افلاک گردندہ سے باہر جا۔ اور (پھر) اسوقت اس کاروبار (انبیاء) کو دیکھ (دوار مخفف دوار بالتشدید اور حالت موجودہ میں تو) مثل چوزہ مرغ کے بیضہ کے اندر ہے (اسلئے) مرغان ہوا کی تسبیح کو نہیں سنتا (یعنی جیسا چوزہ محبوس بیضہ مرغان ہوا کی صوت نہیں سن سکتا اسی طرح تو گرفتار سفلیات ہے علویات کا ادراک نہیں کر سکتا اس سے رہائی حاصل کر اور عالم باطن سے مناسبت پیدا کر کہ بروں رو کے یہی معنی ہیں پس تو بھی ان تصرفات فی الارواح کا مشاہدہ کرنے لگیگا آگے عود ہے قصہ کی طرف اور پھر فوراً ہی انتقال ہے مضمون حصہ کی طرف یعنی) معجزات (باعتبار کشف کنہ کے) اس مقام پر شرح میں نہیں آسکتے (لتوقفہا علی المناسبۃ بعالم الغیب الموقوفۃ علی الصفا والجلاء اس لئے) اسپ درخوارزم شاہ کا قصہ اور سرگذشت کہو (کہ وہ گھوڑا نہایت لطیف تھا کما ذکر قریبا من قولہ الحق اندر وقولہ میر بود سے وقولہ ہمچو مہ الخ آگے فرماتے ہیں کہ وہ گھوڑا ہو یا اور کوئی لطیف چیز ہو سب کی لطافت ظل ہے لطف حق کا پس) جس چیز پر بھی لطف حق کا آفتاب چمک گیا خواہ وہ سگ ہو یا اسپ ہو اس نے پرتو کہف کا پالیا (کذا فی الغیاث یعنی جس طرح اصحاب کہف کو پرتو حاصل ہوا گو دونوں جگہ اختلاف استعداد سے یہ پرتو مختلف ہوگا چنانچہ اس اختلاف کو آگے تصریحاً بیان فرماتے ہیں کہ) تو اس کے شعاع لطف کو بھی یکساں مت جان (چنانچہ) سنگ کو اور لعل کو اس نے (جدا جدا) نشان دیا ہے (یعنی دونوں کو مابہا شے خواص میں ممتاز بنایا جسکا حاصل وہی اختلاف افاضہ حسب اختلاف استعداد ہے آگے اس اختلاف آثار و خواص کا بیان ہے کہ) لعل کے پاس اس (لطف حق کی تاثیر) سے ایک خزانہ حاصل شدہ ہے (اس کے آثار کا اور) سنگ کے پاس (اس سے) گرمی اور تابش (یعنی گرمی بعطف تفسیری) ہے اور بس (یعنی اسمیں لعل کی روشنی و زینت نہیں ہے آگے اسکی مثال ہے کہ) وہ دھوپ جو دیوار پر واقع ہوتی ہے وہ (نور و صفا میں) ویسی نہیں ہوتی جیسی کسی پانی سے جنبش کرتی ہوئی (نظر آوی یعنی پانی میں زیادہ روشن ہوگی چونکہ لطیف ہے اور دیوار کثیف ان اشعار میں مسئلہ مظہریت خلق للخالق کا اجمالاً بیان فرمادیا اور تفصیل اس مسئلہ کی بارہا گذر چکی ہے خصوص دفتر اول کی شرح کے حصہ اول میں قصہ طوطی ماروز یر کے بعد بعنوان اصطلاحی واسطہ فی العروض و فی الثبوت بہت مفصل لکھا گیا ہے پھر رجوع ہے حکایت کی طرف کہ) جب تھوڑی دیر تک اس (اسپ کے جمال) سے حیران ہوچکا وہ شاہ یکتا تو اپنا رخ عماد الملک کی طرف کیا (اور کہا) کہ اے بھائی کیا بہت عمدہ گھوڑا نہیں ہے یہ بہشت سے آیا ہے یہ غالباً زمین کا نہیں ہے پس عماد الملک نے اسکو جواب دیا کہ اے بادشاہ (یوں تو) آپ کی رغبت سے دیو بھی مثل فرشتہ کے ہوجاتا ہے (اور) جس چیز کو آپ نظر میں لے آویں (سمجھنا چاہئے کہ) وہ عمدہ ہی ہوگئی (یعنی ادب تو یہی ہے کہ جس چیز کو آپ مرغوب رکھیں اور اچھی بتلاویں ہم لوگ بھی

چاہیئے کہ اُسکو یہی کہیں کہ واقع میں عمدہ ہے کما قیل اگر شہ روز را گوید شب ست این خصوص جبکہ آپ خود ہی پوچھیں جیسا اسوقت آپ پوچھ رہے ہیں اے اخی بس خوب اسپے نیست این تو جواب میں یہی کہنا چاہیئے کہ ای اخی بس خوب اسپے ہست این لیکن اگر اس حسن ادب سے قطع نظر کر کے اظہار حقیقت کی اجازت دیجاوے تو حقیقت تو یہ ہے کہ) یہ مرکب (اگرچہ اکثر وجوہ سے بہت خوب اور زیبا ہے لیکن (من کل الوجوہ زیبا نہیں چنانچہ) وہ سر جو اُس کے دھڑ میں ہے وہ ناقص (اور بد صورت) ہے گویا اُس کا یہ سر مثل سر گاؤ کے ہے (ولم ارتض بما قال بعضهم فی تقریرہ بسبب میل توزیرا کہ حب از رویت قبح در محبوب مانع می آید لانہ لا معنی للتخصیص بقولہ از میل تو وقولہ انچہ آوری خطاب للسلطان خاصۃ لان ہذا الامر عام لکل محب بخلاف ما قلت فان وجہ التخصیص فیہ الادب السلطانی بس) خوارزم شاہ کے دل میں یہ کلام کام کر گیا (اور) اُس (کلام) نے اسپ کو نظر شاہ میں بیقدر کر دیا (اور اُسکی واپسی کا حکم آگے مذکور ہوگا مولانا نتیجہ حکایت جسپر حکایت لائے تھے بیان فرماتے ہیں جو حکایت سے پہلے بھی مذکور ہوا ہے اور شروع سرخی میں بھی اُس کا ذکر فرمایا ہے یعنی) جب غرض (کسی متاع کے معاملہ میں) دلال اور (بیع کی حالت) بیان کرنے والی ہوجاوے (وصف الغرض بوصف صاحبہ) تو تین گز پارچہ سے تو یوسف کو پا سکتا ہے (جیسے اخوان یوسف کو چونکہ حضرت یوسف علیہ السلام کو کنعان سے جدا کرنا مقصود تھا اس غرض کے غلبہ سے اُن کی حسن و جمال کے موافق بھی قیمت نہ کہی کیونکہ اسمیں احتمال تھا کہ شاید نہ بک سکیں بلکہ بہت معمولی داموں پر بیچ ڈالا کما قال وشروہ بثمن بخس دراہم معدودۃ اسی طرح یہاں چونکہ عماد الملک کے بیان وصف اسپ کا منشا ایک غرض تھی کہ نظر شاہ میں اُسکو بیقدر کر دے اس لئے وہ خوار اور ارزان شمار ہونے لگا اور وجہ تشبیہ صرف یہ ہے قطع نظر اس سے کہ یہ غرض محمود تھی یا مذموم کہ تشبیہ میں مماثلت من کل الوجوہ ضروری نہیں اور اسکو احقر آخر عشر سابع میں بضمن تقریر ربط اس حکایت کے ذکر بھی کر چکا ہے آگے اس کلیہ چون غرض الخ کا ایک جزئیہ اُس کی تائید کے لئے فرماتے ہیں کہ) جب مفارقت روح کا وقت ہوتا ہے (اُسوقت) شیطان گوہر ایمان کا دلال ہوتا ہے (یعنی ایمان کو ارزاں بتلاتا ہے جسکی صورت آگے آتی ہے) بس (اُس کے اغوا سے) احمق (جسکو دین کی عقل نہیں ہوتی) ایمان کو جلدی سے بیچ ڈالتا ہے اُس تنگی کے وقت پانی کی ایک لٹیا کے عوض (کہ اُسوقت پیاس غالب ہوتی ہے اور شیطان ابریق آب دکھلا کر کہتا ہے کہ اگر ایمان ترک کر دے تو یہ تجھکو دیدوں یہ صورت ہے ایمان کے ارزاں بتلانے کی یعنی بدلالت حال نہ بدلالت قال) اور وہ (محض) ایک خیال ہوتا ہے اور لٹیا (پانی کی) نہیں ہوتی (اور) اُس دلال (یعنی شیطان) کا قصد بجز (ایمان کے) پارہ پارہ کرنے کے نہیں ہے (پس اس پر احمق فی الدین ایمان کو ترک کر دیتا ہے اور چونکہ ظاہراً اس میں استبعاد تھا کہ خیال کے عوض اپنا دین کون چھوڑ دیتا ہوگا آگے اُسکو دفع کرتے ہیں کہ اسمیں استبعاد ہی کیا ہے دیکھو) اسوقت کہ تو تندرست اور قوی ہے (مگر) صدق (یعنی تقویٰ و عبادت) کو (لذت دنیا کے) ایک خیال کے واسطے دے ڈالتا ہے (جسکی مثال ایسی ہے کہ گویا) تو ہر وقت معدن میں سے ایک موتی بیچ ڈالتا ہے (اور) بچہ کی طرح ایک اخروٹ لے لیتا ہے (چنانچہ شب و روز اکثر لوگوں کی حالت سے اس کا مشاہدہ ہوا کرتا ہے جب صحت و قوت میں تیرا یہ حال ہے جسمیں ہمت و ضبط بھی آسان تھا) پس اُس رنجوری اور یوم مرگ میں (کہ نہ قوت ہے نہ ہمت) کچھ عجیب نہیں اگر تیرا یہ عمل واقع ہو اکہ پانی سے صبر نہ کر سکے اور اُس کا کہنا مان لے اس سے وہ استبعاد دفع ہوگیا اور اس

تائید ہوگئی اُس کلیہ چوں غرض الخ کی کیہاں بھی شیطان صاحب غرض تھا اس لئے اس نے ایمان جیسے گوہر بے بہا کو کیسا حقیر نظر میں دکھلایا۔ احقر کہتا ہے کہ محض رفع استبعاد مستلزم وقوع نہیں اُس کے لئے مستقل دلیل ثبوت کی حاجت ہے جو کہیں نہ دیکھی گئی نہ سُنی گئی غالباً بناءً علی المشہور ایسا لکھدیا یا کسی خاص مقام پر کسی بزرگ کو یہ مکشوف ہوا ہو تب بھی استمرار وکلیت لازم نہیں یا کسی محتضر نے اپنا حال بیان کیا ہو تب بھی دوام لازم نہیں اور اگر کہیں ایسا واقع بھی ہوا ہو تو اس سے یہ نہ سمجھا جاوے کہ بدحواسی و بیہوشی کی حالت میں بھی ترک ایمان کا وقوع ہو سکتا ہے اور اس اعتقاد سے اپنے حسن خاتمہ سے مایوس نہ ہو جاوے کیونکہ ایسی حالت میں تو انسان مکلف ہی نہیں رہتا اور غیر مکلف کا ہر فعل عفو ہے بلکہ اس کی توجیہ یہ ہوگی کہ جو شخص اُسوقت باوجود بقاءِ عقل و ہوش قصداً اللہ و رسول کی تکذیب کرے وہ مسلوب الایمان ہوتا ہے ورنہ نہیں جیسا کہ حالت حیات میں بھی تفصیل ہے بلکہ سوءِ خاتمہ اکثر تو اس طرح ہوتا ہے کہ ایمان حالت حیات ہی میں ضائع کرچکا تھا استہزاء بالدین یا شبہات باطلہ کے اعتقاد سے مگر حیات میں اس پر تنبہ نہ ہوا تھا اُسوقت تنبہ ہوگیا کہ وقت ہی کشف حقائق کا ہے سلب حادث نہیں ہوا بلکہ ظاہر ہوا آگے بمناسبت ابطال خیال ابریق مذکور کے مطلقاً خیالات باطلہ کی حقیقت کی تحقیق اور اُن سے تحذیر کا حکم فرماتے ہیں کہ) تیرے خیال میں (بعض اوقات) ایک صورت (مرغوبہ) جوش کرتی ہے (اور مستحسن معلوم ہوتی ہے مگر) چوٹ مارنے کے وقت (یعنی امتحان و تحقیق کے وقت) مثل جوز بوسیدہ کے (ثابت ہوتی ہے آگے اسکی تفسیر ہے کہ) شروع سے وہ خیال مثل بدر کے (کامل الحسن معلوم ہوتا) ہے لیکن آخر میں وہ مثل ہلال کے ہو جاتا ہے (آخر سے مراد یا تو آخر حسی کہ دنیا کی ہر شے جمیل آخر میں قبیح ہو جاتی ہے یا آخر نظری یعنی فکر سے اُسکی حقیقت کو کہ اُس کے آثار کا مرجع و منتہی ہے دیکھا جاوے یا نظر سے اُس کے آخر حسی کو سوچا جاوے کہ یہ چیز ایسی ہو جاویگی دونوں طرح سے اُس کا نقص مدرک ہوگا پس) اگر اول ہی سے نظر کرلیا کرے اُس کے آخر میں (وہذا الیوید التوجیہ الاخیر) تو تو اُس کے فریب سے فارغ ہو جاوے (یعنی اُس کے خیال استحسان حالی سے مغرور نہ ہوا کرے آگے اس خیال باطل مذکور کے مفہوم کا ایک مصداق بتلاتے ہیں جو کہ راس ہے تمام اشیاءِ باطلہ کا بلکہ کوئی شے باطل اُس سے خارج نہیں پس فرماتے ہیں کہ) دنیا (مثل) جوز بوسیدہ (کے) ہے اے امین (پس) اُس کا امتحان مت کر (کہ توڑنے سے بے مغز ہی ثابت ہوگا سو پہلے ہی سے قرائن صحیحہ سے اُسکو بوسیدہ سمجھ اور اُسکو دور کر اسی طرح دلائل صحیحہ نقلیہ و عقلیہ سے دنیا کو باطل و مستہلک سمجھ کہ امتحان کی ضرورت نہ رہے) اُسکو دور ہی سے دیکھ لے (اور معرفات مذکورہ سے پہچان لے خصوص جبکہ بارہا تجربہ بھی ہو چکا ہو من جرب المجرب الخ آگے اسکی تائید اس قصہ زیر بحث کے ایک جزو سے کرتے ہیں کہ اسمیں من وجہ رجوع لطیف بھی ہے قصہ کی طرف مگر اس رجوع میں اُس غرض سابق کے علاوہ غرض دوسری بدل گئی ہے کما ستعلم یعنی اول بینی میں جو کہ اوپر کے اشعار میں مرہوب عنہ ہے اور آخر بینی میں جو کہ مرغوب فیہ ہے ایسا فرق ہے کہ) بادشاہ نے تو اس اسپ کو چشم حال سے دیکھا (اور یہ اول بینی تھی اور اُس کے سبب مصرت ظلم میں مبتلا ہوا) اور اس عماد الملک نے چشم مآل سے دیکھا (اور یہ آخر بینی تھی اور اُس کے سبب دافع ظلم ہوا چنانچہ آگے گھوڑے کے واپس کردینے کا ذکر آویگا آگے بھی اسی مضمون کی تاکید ہے یعنی) بادشاہ کی آنکھ دو گز (مسافت کو) دیکھتی تھی بجیدار سوراخ سے (فی الغیاث بضم لام و فتح عین معجمہ و زای معجمہ سوراخ موش دشتی و آن بغایت بجیدار باشد لہذا نام نوعے از کلام مبہم کہ بفارسی چیستان گویند

اور ظاہر ہے کہ جب سوراخ سید ہانہ ہوگا تو اس سے نگاہ دور نہ جاویگی اور) اُس انجام بیں (عماد الملک) کی آنکھ یہاں گڑ دیکھتی تھی (اس سے شبہ نکیا جاوی کہ ایراد حکایت کی غرض سابق میں جسمیں بادشاہ کی نظر کو تحقیقی اور صحیح بیں اور عماد الملک کی نظر کو غرضی اور غلط انداز قرار دیا ہے اور اس حکایت کی اس دوسری غرض میں جسمیں بادشاہ کی نظر کو اول بیں اور غلط بیں اور عماد الملک کی نظر کو آخر بیں اور صحیح بیں ٹھہرایا ہے تنافی ظاہر ہے بات یہ ہے کہ اعتبارات مختلفہ سے دونوں حکم صحیح ہیں پہلا حکم باعتبار حسن صورت اسپ کے تھا جو کہ واقع کے مطابق تھا اس لئے اُسمیں نظر حسن بیں محقق تھی اور نظر قبح نما باغرض اور غلط انداز تھی اور دوسرا حکم باعتبار قبح عمل اخذ و غصب کے ہے کہ یہ بھی مطابق واقع کے ہے اس لئے اُسمیں نظر اول بیں کہ وہ اول تحصیل اسپ ہے غلط بیں ہے اور نظر آخر بیں کہ وہ آخر وبال ہے اُس اخذ و غصب کا صحیح بیں ہے پس حکایت سے دونوں غرضیں حاصل ہوئیں ایک غرض سبب ہے ایراد حکایت کا دوسری غرض مسبب ہوگئی ایراد حکایت سے اور دونوں غرضیں اپنے اپنے مقام میں صحیح ہیں اور مجموعہ ہر دو مقام سے دو مسئلے حاصل ہوئے اول یہ کہ تحقیق فی نفسہ افضل ہے تقلید سے یہ مسئلہ حکایت سے پہلے مذکور تھا چشم داری تو بچشم خود نگر الخ گوش داری تو بگوش خود شنو الخ بے ز تقلیدے نظر را پیشہ کن الخ دوسرا مسئلہ یہ کہ بعض تقلید بعض تحقیق سے باعتبار خصوص محل کے افضل ہے جیسا بادشاہ نے اپنی تحقیق چھوڑ کر عماد الملک کی تقلید کی کما سیأتی قریبا چشم خود بگذاشت الخ یہ مسئلہ یہاں بھی مذکور ہوا ہے اور اس سُرخی کے اخیر میں بھی دوسرے عنوان سے مذکور ہوگا گر کردآں عماد الملک الخ حیلہ محمود الخ مکر حق الخ اگرچہ یہ بھی معلوم ہو جاوے کہ اس محقق کے بعض اقوال کسی مصلحت وحکمت سے خلاف تحقیق ہیں جیسا یہاں بادشاہ کو یہ امر محسوس بھی ہوگیا تھا چنانچہ یہاں سے تین بتیس شعر کے بعد بادشاہ کا یہ قول اس پر دال ہے بادل خود شہ بفرمود الخ آگے بمناسبت مضمون پایان بینی کے اس پایاں بینی کی مدح کرتے ہیں کہ) کیسا کچھ سرمہ ہے جو خدا تعالیٰ (کسی آنکھ میں) لگا دیتے ہیں جس سے سو حجابوں میں سے (بعض) روح راہ راست کو دیکھ لیتی ہے (چنانچہ) سیدنا صلے اللہ علیہ وسلم کی آنکھ چونکہ آخر کے ساتھ بھڑ رہی تھی پس اُس آنکھ سے (دیکھ کر) دنیا کو جیفہ فرمایا (اشارہ ہے الدنیا جیفۃ وطالبوہا کلاب کی طرف اور اس کے حدیث ہونے کی مجھکو تحقیق نہیں آگے قصہ ہے کہ) اُس کی اس ایک ہی مذمت سے کہ بادشاہ نے سنی اور بس (یعنی اور زیادہ سنی بھی نہیں) بالکل افسردہ ہوگیا اسپ کا میلان بادشاہ کے دل میں (یعنی اُس کے دل سے اتر گیا اور اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ اُسکی نظر میں مذموم و مکروہ ہوگیا بیقدری سے مذمومیت لازم نہیں کیونکہ محبوبیت و مبغوضیت کے درمیان میں ایک واسطہ بھی ہے کہ لا محبوب ہے لا مبغوض یہ واسطہ بیقدری کے ساتھ جمع ہو سکتا ہے خلاصہ یہ ہے کہ وہ دل فریبی نہ رہی پس اب یہ شبہ نہیں وارد ہوتا کہ آگے اشعار بادل خود الخ سے معلوم ہوتا ہے کہ بادشاہ اس ذم کا معتقد و مصدق نہیں ہوا اور یہاں معلوم ہوتا ہے کہ اس مضمون ذم سے وہ متاثر ہوا جواب یہ ہے کہ تاثر مرتبہ تصدیق تک نہیں ہوا صرف وہ شغف جاتا رہا باقی یہ کہ باوجود عدم تصدیق کے شغف کیسے زائل ہوا بات یہ ہے کہ بفحوائے ان من البیان لسحرا بعض عنوانات میں حق تعالیٰ نے خاص اثر رکھا ہے کہ باوجود عدم تصدیق وہ اپنا کام کر جاتے ہیں جسکا غیبی راز تو مولانا کے اس کلام میں عنقریب آتا ہے ایں بہانہ بود الخ پاک بنائے اور حسی راز یہ ہے کہ اس عنوان سے کوئی خیال خاص ذہن میں جاگزیں ہو جاتا ہے وہ خیال اثر کرتا ہے جیسے اہل معقول نے شعر کی مثال میں نقل کیا ہے کہ کوئی شخص شہد کی نسبت مہوع

وغیرہ کہنے لگے اور اس سے نفس میں انقباض ہو جاوے جیسے ایک شخص شہتوت اسلئے نہیں کھا سکتا تھا کہ اسکو دیکھکر کیڑوں کا خیال آجاتا تھا دیکھئے باوجود عدم تصدیق بلکہ تصدیق عدم کے کیسا اثر ہو جاتا ہے پس سب اشکال رفع ہو گیا اور گھوڑ سے دل اوترنے کے بعد بادشاہ نے) اپنی آنکھ چھوڑ دی (یعنی اس کے مقتضا پر کہ استحسان واخذ ہے عمل ترک کر دیا اور) آنکی آنکھ (کے مقتضا) کو اختیار کیا (اور) اپنے ہوش (وتحقیق) کو چھوڑ دیا (اور) اس کے قول کو (تقلیداً) سن لیا (عنقریب اس تحقیق وتقلید کی بحث لکھ چکا ہوں آگے مولانا اس افسردگی کا غیبی راز جسکو احقر بھی لکھ چکا ہے فرماتے ہیں جسکا خلاصہ یہ ہے کہ حوادث ناسوتیہ کے اصل اسباب عالم غیب میں ہیں جن کے ساتھ اسباب عالم شہادت کی ایسی نسبت ہے جیسی بانگ درکو در کے ساتھ یعنی اصل موثروہ اسباب غیبیہ میں جسطرح اصل موثر ستر مافی البیت میں در ہے نہ بانگ درخواہ بعض اوقات یہ اسباب غیبیہ خود بھی ان اسباب ناسوتیہ ہی سے حادث ہوئی ہوں کما سیاتی پاک بنائے کہ بر ساز د حصون مثلاً عماد الملک نے ایک بات کہی اور وہ بوجہ اخلاص ونیاز وحسن نیت مقبول ہو گئی اس کی برکت سے قضاء حق نافذ ہوئی اور بادشاہ کا دل پھیر دیا اسی کو فرماتے ہیں کہ) یہ ایک بہانہ تھا (کہ عماد الملک کا قول اس کا ظاہری سبب بواسطہ خاص خیال کے ہو گیا ورنہ واقع میں) اس دیان فرد نے (عماد الملک کی عجز و) نیاز (یعنی دعا والتجافی الباطن الیہ کو رقبل عنوان مواخذہ یوسف بقولہ کای خدا اگر آنجواں الخ وبعد ختم مضمون عنوان مذکور بقولہ آفتابا الخ) سے اسکو شاہ کے دل میں سرد کر دیا (اور اس دیان) نے اس (اسپ) کے حسن سے (شاہ کی) نظر کے سامنے دروازہ (جسمیں سے حسن جھلکتا تھا) بند کر دیا (اور یہ نیاز خود اصلی سبب نہیں بلکہ اصلی سبب قضاء حق ہے مگر اس نیاز کے مقبول ہونے سے وہ قضاء حق واقع ہوئی اسلئے مجازاً اسکو سبب اصلی کہدیا پس سبب اصلی یہ تھا اور) وہ قول (عماد الملک کا) درمیان میں مثل بانگ در کے تھا (یعنی جسطرح دروازہ بند کرنے کے وقت کیواڑ کی آواز بھی ہوتی ہے مگر اس آواز کو مافی البیت کے مستور ہونے میں کوئی دخل نہیں ہوتا لیکن جس شخص نے فقط آواز سنی ہو اور دروازہ نہ دیکھا ہو اور آواز سننے کے بعد اندر کی چیزوں کو مستور پایا ہو تو وہ شخص ان کی مستوریت کا سبب اس آواز ہی کو سمجھے گا اسی طرح جو شخص سبب غیبی کو نہ دیکھے وہ اس حسن بندی اسپ کو اس صوت کی طرف کہ مثلاً کلام ہے عماد الملک کا منسوب کریگا اور وجہ تشبیہ در اور بانگ در سے موثریت وعدم موثریت ہے پس یہ شبہ نکرنا چاہئے کہ بانگ در تو مسبب ہوتی ہے اور یہاں اس کا مشبہ یعنی قول عماد سبب تھا راز غیبی یعنی قضاء رکا اور) اس نکتہ (یعنی حملہ عماد الملک کو شاہ کی آنکھ پر حجاب کر دیا کہ اس پردہ سے چاند سیاہ دکھلائی دینے لگا (سیاہ سے مراد کم نور نہ کہ بدرنگ مکروہ جیسا ابھی اسکی تحقیق گذری ہے کہ بادشاہ کی نظر میں اتنا حسین نہیں رہا تھا نہ یہ کہ زشت ومکروہ ہو گیا تھا آگے فاعل مذکو ہے پردہ کر دکا یعنی حجاب کر دیا) اس تعمیر بنانے والے (کاریگر) نے جو کہ قلعے بناتا ہے عالم غیب میں گفتار اور افسوں سے (یہ تخصیص بعد تعمیم ہے کہ افسوں ایک قسم ہے گفتار کی خواہ افسوں متعارف ہو یعنی سحر وغیرہ یا غیر متعارف جیسے عماد الملک کا قول کہ مثل افسوں کے تھا یعنی ان اقوال ظاہری سے عالم غیب میں کچھ آثار پیدا ہوتے ہیں مثل قبول عند اللہ جسکی برکت سے قضا نافذ ہو جاوے مثلاً اور اسی کو مشابہ حصون کہا گیا ابرام واستحکام میں اور اصل میں موثر حوادث مسببہ ناسوتیہ میں وہ ہیں رہتے اسباب ناسوتیہ سو اگر خود ان آثار غیبیہ کے سبب ہیں کما فی ہذہ القصہ تب تو وہ اسباب ناسوتیہ بواسطہ ان آثار غیبیہ کے

موثر ہوں گے اور اگر وہ اسباب ناسوتیہ سبب ان اسباب غیبیہ کے نہیں ہیں جیسے خود اسباب ناسوتیہ سے قضا متعلق ہوتی ہے تو پھر یہ اسباب ناسوتیہ مع اپنے مسببات کے اسباب غیبیہ سے مسبب ہوں گے بہر حال اصل موثر اسباب غیبیہ ہی ہوے آگے اسی مضمون موثریت اسباب غیبیہ کی تفصیل کی طرف مع دیگر فروع ولواحق کے انتقال ہے)

بانگ درداں گفت را از قصر راز / **تا کہ بانگ واشد ست ایں یا فراز**

گفتار کو قصر مخفی کے دروازہ کی آواز سمجھ / کہ یہ کشادہ ہونے کی بانگ ہوئی ہے یا بستہ ہونیکی

بانگ در محسوس و در از حس بروں / **تبصرون ایں بانگ و در لا تبصرون**

یہ بانگ در تو محسوس ہے اور در خارج از حس ہے / تبصرون یہ بانگ در ہے اور در لا تبصرون ہے

چنگ حکمت چونکہ خوش آواز شد / **تا چہ در از روض جنت باز شد**

اگر حکمت کا چنگ خوش آواز ہوا / تو کونسا در روضۂ جنت سے کھل گیا

بانگ گفت بد چو در وا میشود / **از سقر تا خود چہ در وا می شود**

اگر گفتار بد کی بانگ آدیختہ ہوتی ہے / تو سقر کا کونسا در کشادہ ہو جاتا ہے

بانگ در بشنو چو دوری از درش / **آں خنک آں را کہ واشد منظرش**

تو بانگ در سن لے اگر تو اس کے در سے دور ہے / اے شخص اس کے لئے تو چین ہی جسکا منظر کشادہ ہو گیا

چوں تو می بینی کہ نیکی می کنی / **بر حیات و راحتے بر می تنی**

جب تو دیکھے کہ تو نیکی کر رہا ہے / تو حیات اور راحت کی تیاری کر رہا ہے

چونکہ تقصیر و فسادے میرود / **آں حیات و ذوق پنہاں می شود**

جب کوئی تقصیر اور فساد جاری ہو رہا ہے / تو وہ حیات اور ذوق غائب ہو رہا ہے

دید خود مگذار از دید خساں / **کہ بمردارت کشند ایں کرگساں**

تو اپنی دید کو دید خساں کی وجہ سے مت چھوڑ / کیونکہ یہ کرگس تجھکو مردار کی طرف کھینچتے ہیں

چشم چوں نرگس فرو بندی کہ چی
آنکھ جو کہ نرگس کی طرح ہے تو بند کرے کہ کیا بات ہے

ہیں عصا ام کش کہ کورم اے اخی
ہاں میرا عصا پکڑ کر کھینچ کہ میں اندھا ہوں اے بھائی

وین عصا کش کہ گزیدی در سفر
اور یہ عصا کش جو تو نے سفر میں اختیار کیا ہے

چوں بہ بینی باشد از تو کور تر
اگر تو دیکھے تو تجھ سے بھی زیادہ اندھا ہے

دست کورانہ بحبل اللہ زن
حبل اللہ سے کورانہ تمسک کر

جز بامر و نہی یزدانی متن
بجز امر و نہی ربانی کے قصد مت کر

چیست حبل اللہ رہا کردن ہوا
حبل اللہ کیا چیز ہے ہوی کا ترک کرنا

کیں ہوا شد صرصرے مر عاد را
کہ یہی ہوا عاد کے لئے صرصر ہو گئی تھی

خلق در زندان نشستہ از ہواست
خلق زندان میں ہوا ہی سے بیٹھی ہے

مرغ را پرہا بہ بستہ از ہواست
مرغ کے پر ہوا ہی سے بندھ جاتے ہیں

ماہی اندر تابۂ گرم از ہواست
ماہی گرم توے میں ہوا ہی سے ہے

رفتہ از مستوریاں شرم از ہواست
مستورات سے اسی ہوا سے شرم رخصت ہو جاتی ہے

خشم شحنہ شعلۂ نار از ہواست
شحنہ کا غصہ ہوا ہی کا شعلۂ نار ہے

چار میخ و ہیبت دار از ہواست
چار میخ اور ہیبت دار ہوا ہی سے ہے

شحنۂ اجسام دیدی بر زمیں
تو نے شحنہ اجسام کو زمین پر دیکھ لیا

شحنۂ احکام جاں راہم بہ بیں
شحنہ احکام روح کو بھی دیکھ

روح را در غیب خود اشکنجہ ہاست
روح کیلئے بھی غیب میں شکنجے ہیں

لیک تا نجہی شکنجہ در خفاست
لیکن جب تک تو نہیں نکلتا وہ شکنجہ مخفی ہے

چوں رہیدی بینی اشکنجہ دمار
جب تو چھوٹے گا تو اس شکنجۂ ہلاکت کو دیکھے گا

زانکہ ضد از ضد گردد آشکار
اسلئے کہ ایک ضد دوسری ضد سے آشکارا ہوتی ہے

آنکہ در چہ زاد و در آب سیاہ
جو شخص کنوئیں میں اور آب سیاہ میں پیدا ہوا ہو

او چہ داند لطفِ دشت و رنج چاہ
وہ کیا جانے لطف دشت کو اور رنج چاہ کو

چوں ہوا کردی رہا از بیم حق
جب تونے خوف حق سے ہوا کو ترک کردیا

در رسد سغراق از تسنیم حق
تو تجھکو تسنیم حق سے پیالہ ملیگا

لا تطرق فی ہواک سل سبیل
اپنی ہوا میں کبھی مت چل سبیل کی درخواست کر

من جناب اللہ نحو السلسبیل
درگاہ الٰہی سے بجانب سلسبیل کے

لا تکن طوع الہوی مثل الحشیش
تو مطیع ہوا مت ہو مثل گھاس کے

ان ظل العرش اولی من عریش
بے شک سایۂ عرش اولیٰ ہے جھونپڑے سے

(اوپر حوادث ناسوتیہ میں اسباب غیبیہ کے موثر ہونے کا بیان تھا آگے اسی کی قدرے تفصیل پھر دوسرے مضامین اس کے مناسب مذکور ہوتے ہیں پس فرماتے ہیں کہ) گفتار (ظاہری) کو قصر مخفی (فی عالم الغیب) کے دروازہ کی آواز سمجھ (اور سوچ) کہ یہ کشادہ ہونے کی بانگ ہوئی ہے یا بستہ ہونیکی (یعنی اگر اس گفتار کا اثر کسی مطلوب کا بسط ہے تو گویا وہ آواز ہے در کے کھلنے کی اور اگر قبض ہے تو گویا وہ آواز ہے در کے بند ہونے کی واللہ یقبض ویبسط والیہ ترجعون اور مصداق اس قصر کا اوپر لفظ حصون واقع شعر سابق کی شرح میں مذکور ہو چکا ہے اور) یہ بانگ در تو محسوس ہے (کہ کائنات عالم شہادت سے ہے) اور در خارج از حس ہے (کہ کائنات عالم غیب سے ہے پس) تبصرون (کا ایک مصداق) یہ بانگ در ہے اور در لا تبصرون (کا ایک مصداق) ہے (یعنی قرآن مجید میں جو ہے فلا اقسم بما تبصرون وما لا تبصرون اُن کا ایک ایک مصداق یہ بھی ہے آگے چنگ حکمت سے اسی بانگ در اور در کی دوسری قسم کی بعض جزئیات کا ذکر فرماتے ہیں جو جزئیات مذکورۂ سابقہ سے مختلف ہیں اور وہ اختلاف یہ ہے کہ اوپر در کے ساتھ موثرات غیبیہ کو تشبیہ دی تھی اور آگے آثار غیبیہ کو تشبیہ دیتے ہیں چنانچہ اوپر قضا ونحوہ کو در قرار دیا تھا اور گفتار ظاہری کو بانگ اور قضا موثر غیبی ہے اور آگے مثوبات جنان وعقوبات نیران کو در قرار دینگے اور گفتار طاعات ومعاصی کو بانگ اور مثوبات وعقوبات آثار ہیں اور تشبیہ اول میں تو کوئی اشکال نہیں مگر تشبیہ ثانی

میں یہ اشکال ہوتا ہے کہ جب مثوبات و عقوبات آثار ہیں تو وہ در کے مشابہ کیسے ہوئے کہ در تو بانگ میں موثر ہوتا ہے سو توجیہ
اس تشبیہ کی یہ ہے کہ مبنی اس کا محض خفاو ظہور ہے قطع نظر تاثیر و تاثر سے یعنی جس طرح در مخفی ہوتا ہے اور بانگ ظاہر
اسی طرح مثوبات و عقوبات مخفی ہیں اور اقوال طاعت و معصیت ظاہر ہیں اور اقوال ظاہرہ محض علامت ہیں مثوبات
کی اور آگے علت بھی ہیں اُنکی اور علامت بھی اور مقصود مشترک جزئیات سابقہ و لاحقہ میں یہ ہوا کہ ناسوت پر نظر کو
مقتصر مت رکھو اصل چیز قابل نظر عالم غیب ہے موثر آکان او اثراً اُس کے بعد ایسے اعمال سے تحذیر کریں گے جن سے عالم غیب
میں اثر بد و مضر پیدا ہوا اور وہ عمل اتباع ہوی ہے احقر نے شروع تمہید میں مضامین مناسبہ یہی مضامین مراد لئے ہیں پس
اول اُن جزئیات قسم ثانی میں سے بعض کا بطور مثال کے ذکر فرماتے ہیں کہ مثلاً اگر (گفتار) حکمت (و علم) کا چنگ
خوش آواز (ادر ظاہر) ہوا تو (سمجھ لو کہ خبر نہیں) کونسا در روضہ جنت سے کھل گیا (اور اسی طرح) اگر گفتار بد کی بانگ آویختہ
(کذا فی الغیاث فی معنی درو الیعنی متعلق بکام و زبان) ہوتی ہے تو (سمجھ لو کہ خبر نہیں) سقر کا کونسا در کشادہ ہوجاتا ہے
(یعنی حسنہ سے عالم غیب میں جنت کا اثر اور سیئہ سے دوزخ کا اثر مرتب ہوتا ہے اور) تو بانگ در سن لے اگر تو اُس کے در سے
دور ہے (اور) اے شخص اُس کے لئے تو چین ہے جسکا منظر کشادہ ہوگیا (اور اُسکو در نظر آگیا مطلب یہ کہ ہمنے جو جنت
و سقر کو مرتب کہا ہے اعمال پر تو اگر وہ نظر نہ آدیں تو اعمال تو محسوس ہیں جو اُن پر دال بھی ہیں پس شک مت کر اور
آگے ترغیب دی ہے ترقی کی کہ بصیرت مفتوح ہوجاوے اور ذوقاً جنان و نیران کا ادراک ہونے لگے کما للعارفین تو سبحان اللہ
آگے اسی کی تاکید ہے دوسرے عنوان سے کہ طاعت پر راحت و ثواب کا اور معاصی پر عقوبت کا عالم غیب میں ترتب
ہوتا ہے پس فرماتے ہیں کہ) جب تو دیکھے کہ (عالم ناسوت میں) تو نیکی کر رہا ہے تو (سمجھ لے کہ) حیات (دائمہ) اور
راحت کی تیاری کر رہا ہے (جسکا تحقق عالم غیب میں ہو رہا ہے اور اسی طرح) جب (ناسوت میں) کوئی تقصیر اور
فساد جاری ہو رہا ہے تو (اُس سے عالم غیب میں) وہ حیات (مذکورہ) اور ذوق (روحانی) غائب (و زائل) ہو رہا ہے
(کہ اس زوال کا ترتب بھی عالم غیب میں ہے اور یہ جو ہمنے کہا ہے کہ چوں تو می بینی کہ نیکی می کنی اور یہ کہا ہے کہ چونکہ تقصیر
و فسادے می رود تو اس باب میں یعنی اعمال حسنہ و سیئہ کے تمیز میں) تو اپنی دید کو دید خسان کے وجہ سے مت چھوڑ کیونکہ
یہ کرگس تجھکو مردار کی طرف کھینچتے ہیں (مطلب یہ کہ جن اعمال سے استدلال مثوبات و عقوبات پر کیا جاتا ہے اُن کی
تعیین میں تحقیق سے کام لینا محبان دنیا کی رائے پر مدار مت رکھنا کہ وہ تو تجھکو دنیا ہی کی طرف لیجاتے ہیں جس سے مثل
اُن کے تیرا بھی یہ حال ہوجاویگا افمن زین لہ سوء عملہ فراٰہ حسنا جیسا کفار کو گمراہوں کی تقلید سے پیش آیا اور
ایسا نہ کرنا کہ) آنکھ جو کہ نرگس کی طرح کھلی ہوئی ہے (یعنی تحقیق پر قادر ہے اور اہل حق کی تقلید بھی ایک قسم ہے تحقیق
کی اُسکو) تو بند کرلے (اور گمراہوں سے پوچھتا پھرے) کہ کیا بات ہے (اور اُن گمراہوں سے یہ کہے کہ) ہاں میرا عصا
پکڑ کر کھینچ کہ میں اندھا ہوں اے بھائی اور (حقیقت یہ ہے کہ) یہ عصا کش جو تو نے سفر میں اختیار کیا ہے اگر تو (غور سے)
دیکھے تو تجھ سے بھی زیادہ اندھا ہے (کیونکہ ضال کا قصد تو اس تقلید میں احیاناً اہتدا کا بھی ہوتا ہے بخلاف مضل کے
کہ ہمیشہ اضلال ہی کا قصد کرتا ہے غرض ایسے شخص کی تقلید مت کر بلکہ اول تو تحقیق و مشاہدہ کا مرتبہ حاصل کرکہ

عارف اور مبصر ہوتا ہے جنکو اعمال کا حُسن و قبح دلیل شرعی کے ساتھ ذوق و وجدان سے بھی مدرک ہوتا ہے اور اگر یہ میسر نہ ہو
اور ذوق و وجدان نصیب نہ ہو تو ظاہر شریعت ہی کا اتباع اعتقاد کے ساتھ کر آگے اسی کو کہتے ہیں کہ اگر تو محقق نہ ہو تو حبل اللہ
سے کورانہ (و مقلدانہ) تمسک کر (اور) بجز امر و نہی ربانی کے (اور کسی امر کا) قصد مت کر (کہ یہی امر و نہی یعنی احکام ظاہرہ
شریعت مقدسہ کے حبل اللہ ہے اور اتباع شرع کی ضد چونکہ اتباع ہوی ہے اور اتباع شرع مستلزم ہے ترک ہوی کو اس لئے
آگے حبل اللہ کی تفسیر اس لازم سے کرتے ہیں کہ) حبل اللہ کیا چیز ہے ہوی (نفسانی) کا ترک کرنا (اور اسمیں اشارہ ہے اتباع احکام
کے تسہیل طریق کی طرف یعنی ہوی نفسانی جو کہ اُس سے مانع ہے اسکو ترک کر دینا معین ہوتا ہے اسمیں اور اکثر اغلاط سے
محافظت کا سبب ہوتا ہے آگے مذمت ہے اتباع ہوی کی بغرض اُس سے تحذیر کے جیسا کہ شعر چنگ حکمت کی تمہید میں
بھی احقر نے اس کا ذکر کیا ہے یعنی ہمنے جو رہا کردن ہوا کا امر کیا ہے تو وجہ اُسکی یہ ہے) کہ (وہ نہایت مذموم اور مضر ہے چنانچہ)
یہی ہوا عاد کے لئے صرصر ہو گئی تھی (یعنی عقوبت کا سبب یہی اتباع ہوی نفسانی و ترک احکام الٰہیہ تھی اور) خلق (کثیر) زندان
(متعارف) میں ہوی ہی سے بیٹھی ہے (کہ ارتکاب جرائم کا سبب ظاہر ہے کہ یہی ہے اور) مرغ کے پر ہوی ہی سے بندھ جاتے
ہیں (کہ وہ حرص دانہ سے دام میں پھنس جاتا ہے اور) ماہی گرم توے میں ہوی ہی سے ہے (کہ کھانے کی حرص سے شست
میں اولجھ گئی اور) مستورات سے اسی ہوی سے شرم رخصت ہو جاتی ہے (کہ مال یا لذت کی حرص میں عورتیں فحش اختیار
کرتی ہیں اور) شحنہ کا غصہ (مجرمین پر) ہوی ہی کا شعلہ نار ہے (کہ اُن مجرمین کا اتباع ہوی سبب اس خشم کا ہوا اور) چارمیخ
(کہ ایک نوع ہے عقوبت کی فی الغیاث کہ مجرم را بچہار میخ دست و پا بندند) اور ہیبت دار ہوی ہی سے ہے (یہ آثار تو ہوی سے
ناسوت میں مرتب ہوتے ہیں جنکا مورد اولاً جسم ہے اور اُس کے واسطہ سے روح آگے عالم غیب میں اس ہوی پر آثار کے ترتب
کو بتلاتے ہیں جنکا مورد اولاً روح اور اُس کے واسطہ سے جسم ہے اور زیادہ مقصود یہی بتلانا ہے جسکا ذکر اوپر بھی ہو چکا ہے
کہ اعمال کے آثار عالم غیب میں متحقق ہوتے ہیں پس فرماتے ہیں کہ) تو نے شحنۂ (معذب) اجسام کو زمین پر دیکھ لیا (نظر کو بڑھا کر)
شحنۂ احکام روح کو بھی دیکھ (یعنی روح کے لئے جو آثار اعمال بد سے ثابت ہوتے ہیں وہ ہو معنی الاحکام اور وہ آثار مشابہ شحنہ ہیں
تنغیص و تعذیب روح میں اُن کو بھی سمجھ آگے اُس کا بیان ہے کہ) روح کے لئے بھی (عالم) غیب میں شکنجے (عقوبتیں) ہیں لیکن
جب تک تو (اس عالم سے) نہیں نکلتا وہ شکنجہ مخفی ہے (اور یہ ظاہر بات ہے مگر) جب تو (اس عالم سے) چھوٹے گا
تو اُس شکنجۂ ہلاکت کو دیکھے گا اس لئے کہ ایک ضد دوسری ضد سے آشکارا ہوتی ہے (حاصل یہ کہ یہاں تو خود کدورات
و ظلمات میں مبتلا ہے جو کہ ایک قسم کا شکنجہ ہے تو نے فضاء و وسعت دیکھی ہی نہیں جس سے زندان دنیا کا شکنجہ ہونا معلوم
ہوتا مرنے کے بعد عالم قدس کا فضا و وسعت دیکھے گا پھر اپنی حالت حرمان پر نظر کر کے سمجھ میں آویگا کہ میں شکنجہ میں ہوں اور
اسی حکمت سے قبر میں کافر کو جنت بھی دکھلائی جاتی ہے تاکہ عقوبت کا پورا ادراک ہو کہ حسرت فوت نعیم کو اس ادراک کے تام
ہونے میں دخل ہے اور آشکارا سے یہی ادراک تام مراد ہے ورنہ نفس ادراک عقوبت اسپر موقوف نہیں آگے شعر بالا کی ایک تائید ہے
یعنی) جو شخص کنوئیں میں اور آب سیاہ میں پیدا ہوا ہو (اور وہاں ہی رہا ہو) وہ کیا جانے لطف دشت کو اور رنج چاہ کو
(لطف دشت کو تو اس لئے نہیں جانتا کہ اُس نے اُس کا کبھی مشاہدہ ہی نہیں کیا اور رنج چاہ کو اس لئے نہیں جانتا کہ اسکی

ضد کو کہ لطف دشت ہے نہیں دیکھا پس اسی طرح جو شخص ہمیشہ سے کدورات دنیا میں مبتلا ہے وہ عالم غیب کے نہ لطف کو جانے نہ عقوبت کو اور یہی مضمون تھا شعر سابق کا پس اس لئے وہاں جا کر بعد مشاہدہ عالم قدس کے وہاں کی عقوبت کا ادراک تام ہوگا حتی کہ جن حضرات کو اُس عالم کا لطف ذوق و بصیرت سے دنیا ہی میں محسوس ہو جاتا ہے وہ ظلمات اعمال و کدورات احوال کا یہاں بھی ادراک کرنے لگتے ہیں اور صدور معاصی سے بیحد پریشان و منقبض ہوتے ہیں اور بعد توبہ و اقلاع و اصلاح کے بیحد مسرور و منشرح ہوتے ہیں اور اس شعر کے مضمون پر یہ شبہ نکیا جاوے کہ جب چاہ میں پیدا ہوا اور یہ ضد ہے لطف دشت کی اور ضد سے ادراک ضد کا ہوتا ہے تو چاہیئے کہ اسکو لطف دشت کا ادراک ہوا کرے پھر اس کے کیا معنی او چہ داند لطف دشت بات یہ ہے کہ ضد سے دوسری ضد کا ادراک جب ہوتا ہے جبکہ اُس دوسری ضد کا بھی مشاہدہ ہو جاوے تب مقالسہ و موازنہ سے ادراک تام ہوتا ہے اور یہ نہیں کہ صرف ایک ہی ضد کا ادراک اس کے لئے کافی ہے آگے پھر عود ہے ترغیب ترک ہوی اور تحذیر اتباع ہوی کی طرف یعنی ترک ہوی ایسی نافع چیز ہے کہ) جب تو نے خوف حق سے ہوا کو ترک کر دیا تو تجھکو تسنیم حق سے پیالہ ملیگا اکذا فی الغیاث فی معنی سغراق اور پیالہ سے خواہ حسی مراد ہو جیسا جنت میں ملیگا یا معنوی جیسا عارفین کو یہاں ثمرات عطا ہوتے ہیں جب ترک ہوا ایسی چیز ہے تو اسکے اتباع سے ہمیشہ پرحذر رہ اور) اپنے ہوی (نفسانی) میں کبھی مست چل (اور) سبیل کی درخواست کر درگاہ الہی سے بجانب سلسبیل کے (من جناب اللہ اور نحو السلسبیل متعلق ہے سل کے یعنی سلسبیل تک پہونچنے کا راہ اللہ سے مانگ کہ وہ اتباع ہے احکام حق کا اور) تو مطیع ہوی (نفسانی) مست ہو مثل گھاس کے (کہ تابع ہوائے عنصری ہوتا ہے پس ہوی بالف مقصورہ بھی مشابہ ہے ہوا بالف ممدودہ کے اور) بیشک سایہ عرش (جو ترک ہوا سے میسر ہوگا جیسا حدیث میں ہے کہ ایک وہ شخص بھی عرش کا سایہ پاویگا جسکو کوئی عورت برے کام کے لئے بلاوے اور وہ خدا کے خوف سے باز رہے پس یہ سایہ) اولی ہے جھوپڑے سے (یعنی لذت دنیا کے دینے سے کہ مثل سایہ عریش کے خسیس المرتبہ و زائل ہے پس اس ظل عرش کو ظل عریش پر ترجیح مت دے آگے شاہ کا قصہ ہے اور اسمیں بھی رجوع لطیف ہو گیا اُس کی طرف کہ شاہ نے بھی ہوائے نفسانی کو ترک کر کے گھوڑا واپس کر دیا تھا چنانچہ آگے مذکور ہے مع دیگر افادات کے) **ف** شعر زین یکے ذکش الخ سے اس مقام تک شرح لکھنے کے وقت معلوم نہیں کس سبب سے میری طبیعت بستہ رہی جسکی وجہ سے عبارت میں بیساختگی نہیں رہی واللہ یفعل ما یشاء و یحکم ما یرید +

گفت سلطان اسپ را واپس برید	**زود تر زین مظلمہ بازم خرید**
بادشاہ نے کہا کہ گھوڑے کو واپس لیجاؤ	بہت جلد مجھکو اس مظلمہ سے چھڑاؤ
بادل خود شہ بفرمود این قدر	**شیر را مفریب زین راس البقر**
اپنے دل سے کہا کہ اس قدر	شیر کو اس راس البقر سے فریب مت دے

پائے گاؤ اندر میاں آری زد او
تو براہ حیلہ گاؤ کی ٹانگ کو بیچ میں گھسیڑ دیتا ہے

رُوند و زد حق بر اسپے شاخ گاؤ
جل حق تعالیٰ اسپ پر شاخ گاؤ کو نہیں لگاتا

بس مناسب صنعت ست ایں شہر زاؤ
بہت ہی مناسب الصنعت ہے وہ

کے نہد بر جسم اسپ او عضو گاؤ
جسم اسپ پر گاؤ عضو کو کیسے رکھدیگا

زاؤ ابداں را مناسب ساختہ
بانئی تعمیرات نے ابدان کو مناسب بنایا ہے

قصرہائے منتقل پرداختہ
چلتے پھرتے کوشک آراستہ کئے ہیں

درمیان قصرہا تخریجہا
ان کوشکوں کے درمیان میں منافذ ہیں

از سوئے ایں سوئے آں صہریجہا
اس کی طرف سے اُسکی طرف کو نہریں ہیں

وز دروں شان عالمے بے منتہا
اور اُن کے درمیان میں ایک بے نہایت عالم ہے

درمیان خرگہے چندیں فضا
ایک خیمہ کے اندر اتنے بڑے بڑے میدان ہیں

قبض و بسط چشم و دل از ذوالجلال
قبض و بسط بصر اور بصیرت کا جو ذوالجلال کی طرف سے ہوتا ہے

دمبدم چوں می کند سحر حلال
دمبدم کس طرح سے سحر حلال کرتا ہے

گہ چو کابوسے نماید ماہ را
وہ کبھی ماہ کو کابوس کی مشابہ دکھلا دیتا ہے

گہ نماید روضہ قعر چاہ را
کبھی قعر چاہ کو باغ دکھلا دیتا ہے

زیں سبب در خواست از حق مصطفےٰ
اسی سبب سے مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے حق تعالیٰ سے درخواست کی

زشت را ہم زشت و حق را حق نما
آپ زشت کو زشت اور حق کو حق ہی دکھلایئے

تا بآخر چوں بگردانی ورق
تاکہ انجام کار میں جب آپ ورق اُلٹیں

از پشیمانی نیفتم در قلق
میں پشیمانی سے قلق میں نہ پڑوں

مکر کہ کرد آں عمادِ الملک فرد ‌ ‌ **مالک الملکش بداں ارشاد کرد**

جو کید کہ عماد الملک فرد نے کیا تھا ‌ ‌ اسکو مالک الملک نے اسکی طرف رہنمائی فرمائی تھی

حیلۂ محمود ایں باشد ولیک ‌ ‌ **تو ممیز باش مر بد را ز نیک**

یہ حیلہ محمود ہوتا ہے لیکن ‌ ‌ تو مذموم کو محمود سے متمیز کرنے والا رہ

مکر حق سرچشمۂ ایں مکرہاست ‌ ‌ **قلب بین الاصبعین کبریاست**

تدبیر حق ان سب حیل کا سرچشمہ ہے ‌ ‌ قلب حضرت کبریا کی دو انگشت کے درمیان میں ہے

آنکہ سازد در دلت مکر و قیاس ‌ ‌ **آتشے داند زدن اندر پلاس**

جو ذات کہ تیرے دل میں حیلہ اور قیاس کو پیدا کرتی ہے ‌ ‌ وہ ٹاٹ میں آگ لگانا بھی جانتی ہے

بادشاہ نے کہا کہ (اس) گھوڑے کو (مالک کی طرف) واپس لیجاؤ (اور) بہت جلد مجھکو اس مظلمہ (اخذ اسپ) سے چھڑاؤ (اور اس حکم دینے کے بعد) اپنے دل سے کہا کہ اس قدر شیر کو (یعنی مجھکو) اس راس البقر (کے عنوان) سے (جو عماد الملک کے کلام میں مذکور ہے چوں سرگاو است گوئی ایں سرش) فریب مت دے (مطلب اس کا یہ ہے کہ میں اتنا نادان اور ناواقف نہیں کہ اس مضمون چوں سرگاو است الخ کو مطابق واقع کے سمجھ جاؤں کیونکہ ایسا وہ کرسکتا ہے جو گھوڑوں کی پہچان نہ رکھتا ہو میں جانتا ہوں کہ عماد الملک نے ایک تدبیر کی ہے استخلاص اسپ کی مگر چونکہ اسمیں اس کو میرا بھی استخلاص مقصود ہے ظالمیت سے اور اس امیر کا مظلومیت سے اور یہ مقصود محمود ہے اور مقصود محمود کا ذریعہ وطریق بھی محمود ہے بشرط عدم مقتضی ذم کے اس لئے میں نے اس کے اس مضمون کو باوجود غیر واقعی سمجھنے کے قبول کرکے اس پر عمل کرلیا اور اللہ تعالیٰ نے بھی توفیق عمل کے ساتھ یہ مدد فرمائی کہ وہ مضمون موثر ہوگیا جس سے وہ خیال افسردہ ہوگیا باقی میں گھوڑے کو اب بھی حسین سمجھتا ہوں اور حق اس مضمون کا یہ تھا کہ عماد الملک اس کا مخاطب ہوتا لیکن اسمیں ایہام ہوتا عدم قبول کا نیز اظہار ہوتا عماد الملک کے کید کے منکشف ہوجانے کا اس لئے اپنے قلب کو خطاب کیا اور وجہ تصحیح خطاب قلب کی یہ ہے کہ قلب نے عماد الملک کی موافقت کی جس سے اس اسپ کا خیال چھوڑ دیا پس گویا قلب بھی اس مضمون میں انکا مشارک ہے اور صیغہ نہی مفریب سے مقصود اس فریب وتدبیر کی ممانعت نہیں ہے بلکہ یہ انشا بمعنی خبر ہے یعنی وہ فریب تو نیا یم اور راس البقر سے تعبیر حکایۃ لقول العماد ہے آگے بھی یہی مضمون ہے کہ) تو (موافقۃ للعماد) براہ حیلہ (کما فی الغیاث فی معنی داؤ) گاؤ کی ٹانگ کو بیچ میں گھسیڑے دیتا ہے (یہ محاورہ ہے کہ اس کا مضمون تشبیہ اس معاملہ اسپ میں ملائے دیتا ہے) چل (میں تیرے اس حیلہ کو مطابق واقع کے

نہ سمجھونگا کیونکہ علاوہ اس کے کہ میں گھوڑوں کی پہچان میں مہارت رکھتا ہوں کما یدل علیہ کلمۃ شیر المذکورۃ فی الشعر اسا بو ایک وجہ یہ بھی ہے کہ میں خوب جانتا ہوں کہ) حق تعالیٰ اسپ پر شاخ گاو (یعنی سر گاو) کو نہیں لگاتا (وھذا من اطلاق الحال علی المحل او اللازم الاکثری علی الملزوم غرض یہ کہ اس قول کی تصدیق واقعی سے دو امر مانع ہیں ایک یہ کہ میں گھوڑوں کو پہچانتا ہوں وہ ویسا ہی ہے جیسا میں نے سمجھا تھا گو توفیق حق میری رغبت جاتی رہی فان زوال المیل لا یستلزم زوال العلم دوسرا یہ کہ حق تعالیٰ کی صنعت کلیًا و دوامًا کامل و مناسب ہے اور اس مانع ثانی میں مانع اول سے ترقی ہے کیونکہ مانع اول کا حاصل تو یہ ہے کہ وہ عرفًا بھی حسین ہے دوسرے کا حاصل یہ ہے کہ اگر بالفرض عرفًا بھی حسین نہ ہو جیسے بہت سی اشیاء و حیوانات و انسان کریہ الصورت و قبیح المنظر اور بھدی سمجھے جاتے ہیں مگر نظرًا الی حکمۃ الباری فی صنعہ میں پھر بھی حسین سمجھتا ہوں اور اس تقدیر تنزل پر تقریر میں ترقی ظاہر ہے گویا جزو قصہ تو جواب بمانع اول ہی ہے اور جواب بمانع ثانی ایک گونہ انتقال ہے قصہ سے حصہ کی طرف جسمیں مستقلاً یہ بتلانا ہے کہ قبیح عرفی کو بھی قبیح حقیقی نہ سمجھنا چاہیئے کہ اس میں بھی حکمتیں ہیں بلکہ جو چیزیں حقیقۃً بھی قبیح ہیں جیسے افعال قبیحہ یا ان کے فاعلین کہ شرع نے اُن کو قبیح بتلایا ہے جس کے بعد اُن کے قبیح حقیقی میں کوئی شک نہیں اُن قبائح حقیقیہ کو بھی من کل الوجوہ قبیح نہ سمجھنا چاہیئے بلکہ اُن کو حقیقۃً قبیح کہا جاویگا اور بالنظر الی الحکم المودعۃ فیھا للعارض ۔ غیر قبیح کہا جاویگا کما قال مولانا رح فی بعض المقامات ؎ کفر ہم نسبت بخالق حکمت ست ✦ ور بما نسبت کنی کفر آفت ست اسی لئے محققین نے کہا ہے کہ شر مطلق کوئی چیز نہیں اور یہاں تو گھوڑا شرعًا و حقیقۃً بھی قبیح نہیں اس لئے اسکو حقیقۃً حسن کہا جاویگا کہ دلیلِ قبحِ حقیقی مطلقًا منتفی اور دلیلِ حسن یعنی کمالِ صنعت و تضمنِ حکم و مصالح موجود چنانچہ حکیم مذکور مصرعہ مذکورہ کا یعنی حسن صنع حق کا ہونا آگے مصرحًا مذکور ہے یعنی) یہ صناع شہر (یعنی خالق عالم کما فی الغیاث زاد و معمار) بہت ہی مناسب الصنعت ہے (اسکی ترکیب مثل حسن الوجہ کے ہے ای مناسبۃ صنعتہ پھر) وہ جسم اسپ پر گاؤ کے عضو کو (مثلًا سر کو) کیسے رکھدیگا (بلکہ اُس) بانی تعمیرات نے (تمام) ابدان کو مناسب بنایا ہے (تخصیص ابدان کی اس لئے ہے کہ محسوس وہی ہیں اور اُن ہی میں حسن و قبح کا حکم کرنے کی عادت ہے ورنہ ارواح بھی اس حکم مناسبت صنع میں شریک ہیں اور اُس بانی نے) چلتے پھرتے (یعنی زندہ) کوشک آراستہ کئے ہیں (کذا فی الغیاث فی معنی پرداختن آگے اُن کی آراستگی کا بیان ہے یعنی) ان کوشکوں کے درمیان میں منافذ ہیں (ارادۃً بالتخریج سببہ وکون المنافذ سبب التخریج لاشیاء وکذا الدخول ظاہرٌ اور) اس (ایک منفذ) کی طرف سے اُس (دوسرے منفذ) کی طرف کو نہریں (جاری) ہیں (ان قصرہائے منتقل و متحرک سے مراد ابدان حیوانات کے ہیں جن میں انسان بھی داخل ہے اور یہ وصف اُس کے عجیب ہونے کے سبب بڑھایا ورنہ قصر عرفی تو غیر منقول ہوتا ہے انکو کوشک تشبیہًا کہا کہ اُن میں بالکل ایک عجیب پتلی گھر کا سا کارخانہ ہے اور منافذ سے مراد بدن کے وہ تمام حصے ہیں جنسے عروق متصل ہیں کہ تغذیہ کے لئے دم اُن میں نفوذ کرتا ہے اور نہروں سے مراد یہی عروق ہیں اور اُن کا بدن بھر میں جال کی طرح پھیلا رہنا معلوم ہے جسکی تفصیل علم تشریح میں خوب مبسوط ہے جس کے مطالعہ سے حق تعالیٰ کی صنعت کی عظمت معلوم کرکے حیرت ہوتی ہے یہ تو مطلق ابدان حیوانات کا حکم مشترک تھا آگے بطور تخصیص بعد التعمیم

کے خاص ابدان انسانیہ مع ما فیہا من القویٰ الخاصہ کے متعلق مضمون فرماتے ہیں کہ ان ہی قصر ہائے ابدان مذکورہ میں بعض ابدان وہ ہیں کہ یہ احکام عامہ مذکورہ تو اُن کے لئے ثابت ہیں ہی) اور (ان کے علاوہ خاص احکام یہ ہیں کہ) اُن کے درمیان میں ایک بے نہایت عالم ہے (جسمیں تعجب کی بات یہ ہے کہ یہ تو ایسی بات ہو گئی کہ جیسے گویا) ایک خیمہ کے اندر اتنے بڑے بڑے میدان ہیں (مراد اس سے انسان کا مظہر جامع ہونا ہے جسکی تفسیر یہ ہے کہ تمام اجزاء عالم جن اسماء الٰہیہ کے مظاہر ہیں انسان بمفرداً اُن سب اسماء کا مظہر ہے اور عالم کی حقیقت اُن اسماء کے آثار ہیں جب انسان تمام اسماء کا مظہر ہوا تو لامحالہ اُن سب اسماء کے آثار کا بھی جامع ہوگا اور یہی آثار حقیقت تھے عالم کے پس اس طرح سے وہ تمام عوالم بے منتہا بمعنی کثیرہ کا جامع ہوا اور تحقیق و تفصیل اس مسئلہ کی احقر کے رسالہ انوار الوجود میں بقدر ضرورت مذکور ہے اور عوالم کو جمع اسلئے لائے کہ ہر نوع ایک عالم ہے جیسا قرآن مجید میں اسی بناء پر عالمین فرمایا ہے اور چونکہ اسماء الٰہیہ میں سے قابض و باسط بھی ہے اور انسان پر ان کی بھی تجلی ہوتی ہے اس لئے اُن کے بعض آثار بیان فرماتے ہیں کہ) قبض و بسط بصر اور بصیرت کا جو ذوالجلال کی طرف سے ہوتا ہے (کہ وہ تجلی ہے قابض و باسط کی وہ) دمبدم کس طرح سے سحر حلال (یعنی تصرف صواب لاقترانہ بالحکمۃ) کرتا ہے (یعنی) وہ کبھی ماہ کو کابوس کی مشابہ دکھلا دیتا ہے (اور) کبھی قعر چاہ کو باغ (کے مشابہ) دکھلا دیتا ہے (کابوس ایک دماغی مرض ہے جس سے سوتے میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کسی نے دبا لیا اور آواز تک نہیں نکلتی مراد اس سے موجب انقباض و تنگی مطلب یہ کہ کبھی ماہ کہ موجب انبساط ہے بشکل موجب انقباض معلوم ہوتا ہے اور یہ تجلی ہے قابض کی اور کبھی چاہ کہ موجب انقباض ہے بشکل موجب انبساط معلوم ہوتا ہے اسکو عجیب اور قوی ہونے کے سبب سے سحر کہا اور حلال اس لئے کہا کہ حق تعالیٰ کا ہر تصرف خیر ہے گو کسی خاص کے ضرر کے اعتبار سے اُس کے حق میں خلاف خیر ہو اور مصداق اس موجب انبساط و موجب انقباض کا حق و باطل ہے کہ حق کا سبب راحت ہونا اور باطل کا سبب کلفت ہونا ظاہر ہے خلاصہ یہ ہوا کہ قابض کی تجلی سے کبھی ایسے اسباب جمع ہو جاتے ہیں کہ حق بصورت باطل نظر آنے لگتا ہے اور اُس سے منقبض اور معرض ہو جاتا ہے اور باسط کی تجلی سے کبھی ایسے اسباب جمع ہو جاتے ہیں کہ باطل بصورت حق نظر آنے لگتا ہے اور اُس سے منبسط و مرتبط ہو جاتا ہے یہ حاصل ہوا ان دونوں شعروں کا اور تخصیص اُن دو اسماء کی ذکر کے ساتھ تمثیلاً ہے اور نکتہ ترجیح کا یہ ہو سکتا ہے کہ ان کی تجلی محل تنبہ ہے تاکہ حق و باطل میں تمیز کی کوشش کرے کہ اُس تمیز کے اسباب بھی اختیار میں دئے ہیں اور ان آثار مذکورہ کا محل اصل میں قلب ہے مگر چشم کے ذکر میں عجب نہیں اس طرف اشارہ ہو کہ اکثر اس غلطی کا سبب اولاً ادراک حسی ہوتا ہے چنانچہ حواس کو جواسیس قلب کہا جاتا ہے مثلاً کسی چیز کو دیکھکر یا کسی بات کو سنکر شہوت یا غضب کا غلبہ ہوا اور اُس سے عقل مغلوب ہو کر غلطی میں مبتلا ہو گئی اور یہ دونوں شعر تمام نسخوں میں مقدم و مؤخر تھے مگر میرے قلب پر بیساختہ بجید تقاضا معلوم ہوا کہ شعر قبض و بسط الخ کو مقدم لکھوں اور گہ چہ کابوسے الخ کو مؤخر جسکی وجہ یہ ہے کہ تقریر مطلب اسی طرح آسان معلوم ہوئی اور اگر نسخوں کی ترتیب پر رکھا جاوے تو اس صورت میں نماید کا فاعل ضمیر مستتر راجع الی الحق ماننے سے یہ اقرب الی السیاق ہے کہ قبض و بسط مذکور مؤخراً کو مانا جاوے اور مصرعہ دمبدم بطور خلاصہ کے ہو جاویگا اور اوپر جس تصرف کا بیان ہے اُس کے وقوع پر ایک تفریع بطور اُسکی تائید کے کرتے ہیں کہ) اسی سبب سے مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم

نے حق تعالیٰ سے یہ درخواست کی (کہ اے اللہ) آپ زشت کو زشت اور حق کو حق ہی دکھلائیے (اشارہ ہے دعاء اللھم ارنا الاشیاء کما ھی کی طرف جس کے الفاظ حدیث میں میری نظر سے نہیں گذرے لیکن مضمون اس کا بہت حدیثوں میں وارد ہے مثلاً اھدنی ولا تضلنی کا یہی حاصل ہے آگے حضور کی اس دعا کی غایت ہے یعنی اے اللہ یہ دعا اس لئے کرتا ہوں کہ) تاکہ انجام کار میں جب آپ (حیات کا) ورق اولٹیں (یعنی حیات متبدل بہ وفات ہو جو وقت ہے انکشاف حقائق کا اور اسوقت حق و باطل میں تمیز ہو سو اسوقت) میں پشیمانی سے قلق میں نہ پڑوں (اس لئے اسی وقت مجھکو حفاظت میں رکھئے کہ التباس موجب للقلق سے بچا رہا ہوں فی چراغ ہدایت ورق گشتن و دگرگوں شدن حال اھ قلت ولیو خذ من ھذا ان ورق گردانیدن دگرگوں کردن حال + اور چونکہ ظاہراً اس مضمون بالا سے غلط بینی و غلط اندازی کا مطلقاً مضر ہونا مفہوم ہوتا ہے حالانکہ بعض افراد اس کے نافع بھی ہیں جیسے عماد الملک نے اُس گھوڑے کی غلط نابست کر کے غلط اندازی کی اور وہ سبب ہوگئی بادشاہ کے معصیت سے بچنے کا اس لئے آگے بطور استدراک کے اُس کا استثنا کرتے ہیں اور من وجہ اسمیں اطافت کے ساتھ رجوع بھی ہوگیا قصہ کی طرف باعتبار بحث کے اُس کے ایک جزو سے یعنی ہر تلبیس قابل استعاذہ نہیں بلکہ بعض تلبیس مطلوب بھی ہے چنانچہ) جو کید کہ عماد الملک فرد نے کیا تھا اُسکو مالک الملک نے اُس کی طرف رہنمائی فرمائی تھی (یعنی الہام سے سو) یہ حیلہ محمود ہوتا ہے (کما قال تعالیٰ کذلک کدنا لیوسف اب اس سے متبع نفس سے احتمال تھا کہ وہ تمام حیل کو محمود ہی سمجھنے لگے جیسے بعض نے حیل باطلہ کا نام حیل شرعیہ رکھا ہے اس لئے فرماتے ہیں کہ گو بعض حیل محمود بھی ہوتے ہیں) لیکن تو (حیلہ) مذموم کو (حیلہ) محمود سے متمیز کرنے والا رہ (جسکا قاعدہ یہ ہے کہ جس حیلہ سے کوئی مصلحت شرعیہ فوت نہ ہو وہ جائز ہے اور جس سے کوئی مصلحت شرعیہ حاصل ہوتی ہو وہ محمود ہے اور جس سے کوئی مصلحت شرعیہ ضائع ہوتی ہو وہ مذموم اور باطل ہے مثال الجائز قولہ علیہ السلام لبلال بع الجمع بالدراھم ثم ابتع بالدراھم مثال المحمود صنع عماد الملک مثال المذموم حیلۃ اسقاط الزکوۃ او حیلۃ اکل الرباء اور چونکہ امثال حیلہ عماد الملک کے اختیار کرنے میں ممکن تھا کسی کو اپنی ذہانت و فطانت پر ناز و عجب ہو جاتا اس لئے آگے اس پر تنبیہ فرماتے ہیں کہ) تدبیر حق ان سب حیل کا سرچشمہ ہے (کما قال تعالیٰ واللہ خیر الماکرین اور) قلب حضرت کبریا کی دو انگشت کے درمیان میں ہے (پس یہ ذکاوت اور زیرکی تمھاری خانہ زاد بھی نہیں بلکہ مستعار اور مستفاد ہے حضرت حق سے اور پھر اُس کے القا و افادہ میں وہ مضطر بھی نہیں اُن کی قدرت و اختیار میں ہے پھر تمھارا عُجب عجب ہے پھر یہ بھی نازنہ کرنا کہ القا کے قبل قبل تو ہمکو عجب نامناسب تھا کہ شاید القا نہ ہوتا لیکن القا کے بعد تو وہ ہماری صفت بن گیا اور افادہ سے مستغنی ہوگئے سو یہ ناز نہ کرنا اس لئے کہ) جو ذات کہ تیرے دل میں حیلہ اور قیاس کو پیدا کرتی ہے وہ (تیرے) ٹاٹ (یا لالن) میں آگ لگانا بھی جانتی ہے (یعنی تیرے ذخیرۂ علم حاصل کو معدوم بھی کر سکتی ہے کما قال تعالیٰ ولئن شئنا لنذھبن بالذی اوحینا الیک ثم لا تجد لک بہ علینا وکیلا الا رحمۃ من ربک الآیہ اور وجہ اُس کی ظاہر ہے کہ وہ قادر مطلق ہیں پھر بھی عجب و استغنار کی کہاں گنجائش رہی آگے تتمہ ہے

قصہ محتسب و قرضدار کی جو عشر سابع میں شروع ہوا تھا۔

بعض حیلے محمود ہوتے ہیں بعض مذموم

بازگشتن بحکایت غریب و امداد و خواب دیدن پامرد

بے نہایت آمد ایں خوش سرگذشت
بے ختم رہگئی وہ سرگذشت

چوں غریب از گور خواجہ باز گشت
جب غریب الوطن خواجہ کی قبر سے واپس ہوا

پامردش سوئے خانہ خویش برد
تو پامرد اُس کو اپنے گھر لے گیا

مہر صد دینار را با او سپرد
مہر سو دینار کی اسکو سپرد کردی

نوتش آورد و حکایتہاش گفت
تکلف کا کھانا اسکے سامنے لایا اور اس سے بہت سی حکایات بیان کیں

کز امید اندر دلش صد گل شگفت
کہ اس کے دل میں امید کے صدہا گل شگفتہ ہوگئے

انچہ بعد العسر یسرا و دیدہ بود
اُس نے جو کچھ دشواری کے بعد آسانی دیکھی تھی

با غریب از قصہ آں لب کشود
اُس غریب الوطن کے سامنے اُس کے قصہ کا بیان کیا

نیم شب بگذشت افسانہ کناں
قصہ کہانی کہتے ہوئے آدھی رات گذر گئی

خواب شاں انداخت تا مرعائے جاں
خواب نے اُن کو چراگاہ ارواح کی طرف جا ڈالا

دید پامرد آں ہمایوں خواجہ را
پامرد نے اس مبارک خواجہ کو

اندراں شب خواب در صدر سرا
اُس شب میں خواب میں مکان کے صدر میں دیکھا

خواجہ گفت اے پامرد با نمک
خواجہ نے کہا کہ اے پامرد بانمک

انچہ میگفتی شنیدم یک بیک
وہ غریب الوطن جو کچھ کہہ رہا تھا میں نے ایک ایک کرکے سنا

لیک پاسخ دادنم فرمان نبود
لیکن جواب دینے کا مجھکو اذن نہ تھا

بے اشارت لب نیارستم کشود
بدون اشارہ کے میں لب کشائی نہیں کرسکتا تھا

ما چو واقف گشتہ ایم از چون و چند
ہم چونکہ واقف ہو گئے ہیں کیفیت و کمیت سے

مہر بر لبہائے ما بنہادہ اند
ہمارے لبوں پر مہر رکھدی ہے

تا نگردد رازہائے غیب فاش
تاکہ اسرار غیب فاش نہ ہو جاویں

تا نگردد منہدم نظم معاش
تاکہ انتظام معاش منہدم نہ ہو جاوے

تا ندرد پردۂ غفلت تمام
تاکہ پردۂ غفلت بالکل ہی دریدہ نہ ہو جاوے

تا نماند دیگ حکمت نیم خام
تاکہ دیگ حکمت نیم خام نہ رہجاوے

تا نگردد ہیچکس واقف بر آں
تاکہ کوئی شخص اس پر واقف نہ ہو

تا نسوزد پردۂ دعوے دراں
تاکہ اہل دعوے کا پردہ نہ جل جاوے

تا نیفتد از طبق سرپوش غیب
اس مصلحت سے کہ طبق سے حجاب غیب زائل نہ ہو جاوے

می نہ بیند دیدنی را عین ریب
قابل دید چیز کو چشم اہل ریب کی نہیں دیکھتی ہے

ما ہمہ گوشیم گر شد نقش گوش
ہم سراپا گوش ہیں اگر نقش گوش جاتا رہا ہے

ما ہمہ نطقیم لیکن لب خموش
ہم سراپا نطق ہیں لیکن خاموش لب ہیں

ما ہمہ عینیم گر شد نقش عین
ہم سراپا چشم ہیں اگر نقش چشم جاتا رہا ہے

بل ہمہ عینیم ما بے میغ و غین
بلکہ ہم تو سراپا آفتاب ہیں بدوں ابر و غبار کے

غرق دریائیم گرچہ قطرہ ایم
ہم غرق دریا ہیں اگرچہ قطرہ ہیں

جملگی شمسیم گرچہ ذرہ ایم
ہم تمامی شمس ہیں اگرچہ ذرہ ہیں

بے حجاب دُردِ گل آبیم صاف
ہم بلا حجاب دُرد گل کے آب صاف ہیں

در جہانِ جاوداں گشتہ معاف
عالم جاودانی میں معاف ہو گئے

ہر چہ ما دادیم دیدیم این زماں / **کان جہاں پردہ است و عین ست این جہاں**

ہم نے جو کچھ دیا تھا اسوقت ہم نے دیکھ لیا / کہ وہ جہاں پردہ ہے اور یہ جہاں ظاہر ہے

روز کشتن روز پنہاں کردن ست / **تخم در خاکے پریشاں کردن ست**

بونے کا دن پنہاں کرنیکا دن ہے / تخم کو خاک میں بکھیر دینا ہے

وقت بدرودن گہ منجل زدن / **وقت اظہار آمد و پیدا شدن**

کاٹنے کا وقت درانتی لگانیکا / وقت پاداش کا اور ظاہر ہونیکا دن ہے

(نہایت بمعنی ختم یعنی) بے ختم رہ گئی وہ سرگذشت (قرضدار کی اور بیچ میں اور اور مضمون آگئے اب اُسکو ختم کیا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ) جب (وہ) غریب الوطن (آلخ اور بعض نسخوں میں بجائے آن کے این خوش سرگذشت ہو تو معنی یہ ہوں گے کہ یہ مضمون لطیف عجائب تصرفات الٰہیہ کا جو متصل اشعار بالا میں مذکور ہوا ہے بے نہایت ہے احاطہ میں نہیں آ سکتا اس لئے قصہ اُس غریب کا پورا کرو کہ جب وہ غریب الوطن) خواجہ (محتسب) کی قبر سے (بہت سا درد و غم ظاہر کر کے) واپس ہوا تو (وہ) پایمرد اُسکو اپنے گھر لے گیا (اور) مہر سو دینار کی (مراد محفوظ کیسہ مشابہ مہر زدہ) اُسکو سپرد کر دی (جو اُس نے چندہ کیا تھا اور حکایت خوارزم شاہ کے قبل جو وامدار کا یہ قول بخطاب محتسب آیا ہے ہست صد دینار ازیں توزیع و بس وہ مستلزم اسکو نہیں کہ اُس کے قبضہ میں آگیا تھا اُس قول کے لئے تو اس کا علم ہی کافی ہے سو علم چندہ کا اُسکو بھی تھا اور دینار دیکر تکلف کا کھانا اُس کے سامنے لایا اور اُس سے بہت سی (ایسی) حکایات بیان کیں کہ (اُن کو سنکر) اُس کے دل میں امید کے صدہا گل شگفتہ ہوگئے (اور اُسکی یہی غرض تھی ان حکایات کے بیان کرنے سے جس سے اسکی ناامیدی کم ہو چنانچہ آگے اُن حکایات کی کیفیت بیان کرتے ہیں کہ وہ کس قسم کی حکایات تھیں یعنی) اُس (پایمرد) نے (اپنی عمر میں) جو کچھ دشواری کے بعد آسانی دیکھی تھی (جو اکثر شخصوں کو پیش آتی ہے کہ مصیبت کے بعد راحت بھی ہو جاتی ہے) اُس غریب الوطن کے سامنے اُس کے قصہ کا بیان کیا (اور اسی طرح) قصہ کہانی کہتے ہوئے آدھی رات گذر گئی (اور پھر) خواب نے اُن کو چراگاہ ارواح (یعنی عالم ارواح) کی طرف جاذلا (یعنی خواب سبب ہو گیا اُن کی ارواح کے متوجہ ہو جانیکا اُس عالم کی طرف جیسا کہ خواب کا خاصہ ہے کہ اُس سے روح ملاء اسفل سے ملاء اعلیٰ کی طرف متوجہ ہو جاتی ہے اور) پامرد نے اُس مبارک خواجہ (یعنی محتسب) کو اُس شب میں خواب میں (اپنے یا اُس کے) مکان کے صدر (مقام) میں دیکھا (اور خواب میں) خواجہ (محتسب) نے کہا کہ اے پامرد بانمک (ملیح الافعال) وہ غریب الوطن (میری قبر پر) جو کچھ کہہ رہا تھا میں نے ایک ایک کر کے سب سنا (اور بعض نے میگفتی ہیں یای معروف خطاب کی سمجھی ہے تو تقدیر عبارت کی یہ ہوگی کہ اے پامرد آں غریب را از من بگو کہ انچہ میگفتی الخ

حکمت عدم کلام موتیٰ باوجود سماع ۔ بیان مصالح اختفاء اسرار عالم غیب مع جواب بعض شبہات ۔

اور ہر حال میں یہ سماع موتیٰ کی دلیل ہے اور گو قصہ دلیل محتج بہ نہیں لیکن دوسری حدیثیں صحیحہ بھی اس باب میں وارد ہیں مگر مسئلہ مختلف فیہ ہے اور کلام کی جانبین کو گنجائش ہے غرض اس نے کہا کہ میں سنتا تو تھا) لیکن جواب دینے کا مجھکو اذن نہ تھا (اور) بدون اشارہ (غیبی یعنی بدون اجازت) کے میں لب کشائی نہیں کر سکتا تھا (مطلب یہ کہ جواب موقوف تھا اذن پر اور موقوف علیہ منتفی تھا اس لئے موقوف بھی منتفی رہا آگے حکمت بیان کیجاتی ہے اذن نہ ہونے کی وہ یہ کہ) ہم چونکہ واقف ہو گئے ہیں (عالم غیب کی) کیفیت و کمیت (یعنی احوال خاصہ) سے (اس لئے) ہمارے لبوں پر (قضا و قدر نے) مہر رکھدی ہے۔ تاکہ اسرار (خاصہ) غیب فاش نہ ہو جاویں تاکہ (ان اسرار کے فاش ہونے سے) انتظام معاش منہدم (و مختل) نہ ہو جاوے (اور انہدام انتظام معاش میں ظہور اسرار کے دخل کی وجہ آگے آتی ہے یعنی) تاکہ پردۂ غفلت بالکل ہی دریدہ نہ ہو جاوے (یعنی ظہور و مشاہدہ اسرار سے غفلت کا بالکلیہ ارتفاع ہو جاویگا اور امور معاشیہ کا مبنی تحقق ہے من وجہ غفلت کا کما قال مولانا فی بعض المواضع استن این عالم اے جان غفلت ست اس لئے اس مشاہدہ سے معاش کا انتظام مختل ہو جاویگا حدیث میں بھی وارد ہے جس سے اسکی لم بھی مفہوم ہوتی ہے. قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لو تعلمون ما اعلم لضحکتم قلیلا ولبکیتم کثیرا وما تلذذتم بالنساء علی الفرش ولخرجتم الی الصعدات تجأرون الی اللہ وفی الحاشیۃ عن الجامع الصغیر قال صلی اللہ علیہ وسلم لو تعلمون ما انتم ملاقوہ بعد الموت ما اکلتم طعاما علی شہوۃ ابدا ولا دخلتم بیتا تستظلون بہ ولمررتم الی الصعدات تلدمون صدورکم وتبکون علی انفسکم رواہ ابن عساکر عن ابی الدرداء کذا فی المنہج القوی اھ واللم ھو غلبۃ الہیبۃ من الہیئۃ الحاضرۃ وکونہ مفہوما من الحدیث ظاہر اور یہ رفع غفلت ایک تو سبب ہوتا اختلال معاش کا کما ذکر اور دوسرے سبب ہوتا حکمۃ ابتلاء کے تعطل کا کما سیأتی یعنی) تاکہ دیگ حکمت نیم خام نہ رہ جاوے (کیونکہ جب حق تعالیٰ نے غفلت پیدا فرمائی ہے تو ظاہر ہے کہ اس میں بہت سی حکمتیں ہیں لان فعل الحکیم لا یخلو عن الحکمۃ وہ سب معطل ہو جاتیں اور بزرگوں کے کلام میں بعض حکمتوں کی تعیین بھی ہے مثلاً ازدیاد اجر مجاہدہ لاہل الایمان اور استدراج لاہل الطغیان جن کا حاصل اخیر میں ظہور اسماء الٰہیہ ہے باقی یہ کہ پھر اس ظہور میں کیا حکمت ہے یہ سوال بیکار ہے کیونکہ ان سوالات کا تو کہیں سلسلہ ہی قطع نہ ہوگا اخیر میں جو کہنا پڑیگا وہ اسی جگہ کہہ لیا جاوے یعنی لا یسئل عما یفعل وھم یسئلون اور اس کا مقتضا بیشک یہ تھا کہ اول ہی سے ایک حکمت کا بھی بیان نہ کیا جاتا مگر نفوس ضعیفہ کو من وجہ حکمت معلوم ہونے سے قدرے تسلی ہو جاتی ہے باقی زیادہ کاوش کرنے سے پھر خود وہ تسلی بھی زائل ہو جاتی ہے پس مصلحت تسلی دونوں امر کو مقتضی ہوئی بیان من وجہ کو اور عدم کاوش کو اور نیز ظہور اسرار سے جس طرح غفلت رفع ہو جاتی جس پر دو اثر مرتب ہوتے تخلل معاش و بطلان حکمت کما ذکر اسی طرح ظہور اسرار سبب ہو جاتا اطلاع عام کا اور وہ سبب ہو جاتا تفضیح مدعین کا شعر آئندہ میں اس کا ذکر ہے یعنی ظہور اسرار اس لئے بھی نہیں کیا گیا) تاکہ کوئی شخص اس سے واقف نہ ہو (قرینہ مقام سے یہاں مراد یہ ہو کہ سب واقف نہ ہوں یعنی نفی العموم ہے نہ کہ عموم النفی کیونکہ انبیاء علیہم السلام میں یہ عموم النفی منقوض ہوتی ہے کما ذکر فی الحدیث الماور آنفا لو تعلمون ما اعلم حیث اثبت لنفسہ العلم اور ایسی ترکیب دونوں معنوں میں مستعمل ہوتی ہے مثال نفی العموم قولہ تعالیٰ عند البعض لا تدرکہ الابصار و مثال عموم

النفی قولہ تعالیٰ عند الجمیع وما اللہ یرید ظلما للعباد اور یہ اطلاع عام اس لئے پسند نہیں کی گئی) تاکہ اہل دعوی کا پردہ نہ جل جاوے (اور ان کی رسوائی نہ ہو جاوے کہ حق تعالیٰ کو عالم امتحان میں ستاری عیوب کی بھی مقصود ہے تو جب معلوم ہو جاتا کہ فلانا دوزخی ہے مردود ہے اس کا سب دعوی صلاح و تقدس کا خاک میں ملجاتا بخلاف اس صورت کے کہ اطلاع عام نہیں ہے صرف اہل وحی کو اطلاع ہے جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت لوگوں کے کفر ابدی پر مطلع کر دیا گیا تھا کہ آپ خود متخلق باخلاق اللہ ہیں آپ نے ان کی تفضیح عام نہیں فرمائی گو خاص کو بتلا دیا جیسا اللہ تعالیٰ نے آپ کو بتلایا تو یہ ستاری کے خلاف نہیں اور عوام ایسی ستاری کب کرتے اور جس طرح اطلاع عام سبب ہو جاتا تفضیح مدعین کا کما ذکر اسی طرح یہ اطلاع عام سبب ہو جاتا عالم غیب کے عالم شہادت بن جانے کا شعر آئندہ میں جسکا ذکر ہے اور اس شعر کا مصرعہ اولی رتبۃً مؤخر اور مصرعہ ثانیہ مقدم ہے کما یظہر من ترجمتی یعنی) اس مصلحت سے کہ طبق (اسرار) سے حجاب غیب زائل نہ ہو جاوے قابل دید چیز کو (جو کہ عالم غیب میں ہے) چشم اہل ریب کی نہیں دیکھتی ہے (مطلب یہ کہ گو وہ چیزیں صالح للرؤیۃ ہیں کما اشار الیہ بقولہ دیدنی یعنی مانع للرؤیۃ ان اشیاء کی ذات نہیں لیکن چشم عوام سے جن میں اکثر اہل ریب ہوتے ہیں وبہذہ المناسبۃ ارید باہل الریب العوام وان لم یکن فی بعضہم ریب وہ مخفی رکھی گئیں کہ پھر عالم غیب عالم غیب نہ رہیگا وقد دل علی ہذا قولہ تا نیفتد اور حق تعالیٰ کو دونوں عالم کا ممتاز رکھنا بھی مقصود ہے ورنہ استخلاف کے لئے ارض تجویز نہ فرمائی جاتی اور خواص کی اطلاع سے یہ امر لازم نہیں آتا جیسا ابھی تفضیح کے مضمون میں اسکی تقریر کی گئی ہے اور شعر ماجو واقف سے شعر تا نیفتد تک میں عدم تکلم اموات کی جو غایات و حکم مرتبہ و مسببہ بعضہا من بعض مذکور ہیں ان کا حاصل اجمالی جسکی تفصیل بضمن شرح کافی طور سے ہو چکی ہے یہ ہے کہ تکلم سبب ہو جاتا ظہور اسرار کا اور ظہور اسرار سبب ہوتا دو امر کا رفع غفلت و اطلاع عام پھر رفع غفلت و اطلاع عام دو دو امر کے سبب ہوتے رفع غفلت تو خلل معاش و بطلان حکمت کا اور اطلاع عام تفضیح مدعین و استحالہ عالم شہادت بعالم غیب کا واللہ الحمد علی ما الہمنی اور اگر شبہ ہو کہ اگر موتی کو تکلم کا اسی قدر اذن ہوتا جتنا مثلاً محتسب نے خواب میں کہدیا تو اسرار غیب ظاہر نہ ہوتے اور اگر اسکو بھی سر غیب کہا جاوے تو وہ اب بھی ظاہر ہو گیا خواب میں سہی جواب میں کہا جاویگا کہ یہ تو سر غیب نہیں ہے اپنے ایک دنیوی مال کا ایک دنیوی موقع بتلایا ہے مگر اذن تکلم سے مراد تکلم معتاد کتکلم الاحیاء کا اذن ہے سو وہ مخصوص نہ ہوتا اتنے ہی کلام کیساتھ اور غیر معتاد تو بطور خرق عادت کے اب بھی کبھی واقع ہو جاتا ہے کما فی حکایات کثیرۃ نقل فیہا کلام الموتی من الابرار بالفرح والسرور و بعض الفجار بالویل والثبور مطلب یہ کہ چونکہ کلام معتاد کا اذن نہیں ہے للمصالح المفصلۃ المذکورۃ اس لئے اتنے کلام پر بھی اس طرح مجھکو قدرت نہیں ہے پس شبہ دفع ہو گیا اور اگر دوسرا شبہ ہو کہ بعض اموات نے منام میں بعض اسرار غیب بھی بتلا دئے ہیں اس کا جواب یہ ہے کہ اول تو خواب حجت نہیں اس لئے وہ اظہار کی فرد متیقن نہیں دوسرے یہ طریق عام نہیں نہ باعتبار مطلعین کے نہ باعتبار اسرار مطلع علیہا کے سو اسکو اظہار اسرار غیب نہ کہیں گے جیسا ابھی مضمون تفضیح و استحالہ عالم غیب کے متعلق اسکا بیان ہو چکا ہے آگے بلسان محتسب مضمون سماع موتی مذکور فی قولہ المار من شنیدم یک بیک کے مضمون کلام و اطلاع موتی فی عالم الغیب مذکور فی قولہ ماجو واقف گشتہ ایم کی تائید کے لئے فرماتے ہیں کہ) ہم سراپا گوش ہیں اگر (ظاہری) نقش گوش جاتا رہا ہے (اور) ہم سراپا

نطق ہیں لیکن خاموش لب ہیں (ہمہ گوش ہونا تو دونوں عالم کے اعتبار سے مراد ہے عالم غیب کے اعتبار سے تو ظاہر ہے کیونکہ وہ گوش غیبی ہے اور عالم شہادت کے اعتبار سے اسی گوش غیبی کے واسطہ سے کسی خاص تعلق کی بناء پر جو کہ مکشوف اور بعض کے قول پر منصوص بھی ہے مگر بالنص الظنی دلا لتہا علی عموم الموتی والازمان بقید قرب المکان لا من البعید کزعم اہل البطلان اور ہمہ نطق ہونا محض عالم غیب کے اعتبار سے کہ وہاں اموات کا باہم تکلم نصوص کثیرہ میں وارد ہے من الآیات والروایات اور عالم شہادت کے اعتبار سے نہیں جیسا اوپر مصرح ہے پاسخ دادنم فرمان نبود اور اسی لئے اس استدراک بھی کیا بقولہ لیکن لب خموش یعنی خاموش باعتبار عالم شہادت اور ہمہ گوش میں استدراک نہیں کیا گیا یہ توسمع وتکلم میں گفتگو تھی آگے ابصار کا مضمون ہے کہ) ہم سراپا چشم ہیں اگر (ظاہری) نقش چشم جاتا رہا ہے (یہ چشم ہونا عالم غیب کے اعتبار سے تو ظاہر ہے باقی عالم شہادت کے اعتبار سے سو بعض اکابر کے کلام سے اس کا بھی تحقق مفہوم ہوتا ہے چنانچہ حضرت عائشہ رضہ کا بعد دفن عمر رضہ کے اُس مقام پر اپنے نہ جانے کو معلل بعلت حیاء من عمر رضہ فرمانا بقول اُن بعض کے دال اسی پر ہے کہ موتی کو مثل سماع کے ابصار بھی حاصل ہے واللہ اعلم آگے ترقی کرتے ہیں ثبوت قوۃ مدرکہ کالسمع والبصر المذکورین وقوت فاعلہ کالنطق للاموات میں یعنی صرف سمع وبصر ونطق ہی پر انحصار نہیں ہے) بلکہ ہم تو سراپا آفتاب ہیں بدون ابر وغبار کے (فی المنتخب غین تیرگی اھ مطلب یہ کہ ہماری روح کا نور ادراک آفتاب کی طرح قوی ہے جسکو کوئی حجاب ساتر نہیں اور مراد اُن ہی مدرکات کی تعلق کی قید سے ہے جو اس کے مناسب ہیں پس یہ ضرور نہیں کہ تمام اموات کو دوسرے اموات کے تمام مدرکات بھی منکشف ہوں اور اسمیں قوت مدرکہ کی ترقی مذکور ہوئی اور قوۃ فاعلہ کی ترقی آگے آتی ہے ہر چہ ما دادیم دیدیم جیسا وہاں دیدیم کی تفسیر سے معلوم ہوگا اور شعر مذکور میں تو مدرکات ظاہرہ حسیہ کے ادراک اقوی ہونے کا مضمون تھا چونکہ ایک قسم ادراک کی باطنی مثل ذوق ووجدان بھی ہے بلکہ یہ اول سے زیادہ مقصود ہے کہ وہ اول اس ثانی ہی کے آلات ہیں بالخصوص اگر اس کا تعلق حقائق ومعارف کے ساتھ ہو کہ اہل معرفت کی بڑی دولت تو یہی ذوق ووجدان ہے کہ الذ النعم ہے اس لئے آگے اموات مقبولین کے لئے اس ادراک کی بھی اقوی ہونے کا مضمون فرماتے ہیں کہ) ہم غرق دریا (ئے قرب) ہیں اگرچہ (خود) قطرہ ہیں (اور) ہم (باعتبار اسی قرب کے گویا کہ) تمامی شمس ہیں اگرچہ (خود) ذرہ ہیں (جملگی شمسیم کی توجیہ لفظی اتحاد اصطلاحی سے سمجھنا چاہئے پس ہمکو یہ ادراک ذوقی بھی بوجہ اکمل میسر ہے اور اسمیں ذکر تھا اس ذوق کا جو قرب حق سے نصیب ہوا ہے آگے ایک دوسرے ذوق کا ذکر ہے جو صفا عن کدورات المعاصی والامن عن ثمرات المعاصی من البعد والطرد سے میسر ہو جیسا مقبولین کو اس عالم میں ہوتا ہے اور یہ متمم ہے ذوق اول کا کیونکہ اگر قرب کے ساتھ یہ صفا، وامن نہ ہو تو لذت قرب کامل نہو یعنی) ہم بلا حجاب دُرد گل کے آب صاف ہیں (یعنی دواعی معصیت سے اس طرح صاف ہوگئے اور) عالم جاودانی میں معاف ہوگئے (مصرعہ اولی میں صفا کا اور مصرعہ ثانیہ میں امن کا مضمون ہے یہاں تک ادراکات کا اقوی ہونا مذکور ہوا آگے قوت فاعلہ کے اقوی ہونے کا بیان ہے یعنی) ہم نے جو کچھ دیا تھا اسوقت ہم نے دیکھ لیا۔ (یعنی اُسکی جزا پالی اور وہ جزا یہ ہے کلوا واشربوا ھنیئا بما کنتم تعملون ونحوہ اور اکل وشرب کا تعلق قوی فاعلہ سے ظاہر ہے اور قرب الٰہی مذکور فی السابق وہ زیادت علی الجزا ہے قال للذین احسنوا الحسنی وزیادۃ کما فسرہ بہ

فی الحدیث پس شعر سابق کی دلالت جزاء پر قصداً نہیں گو لزوماً ہو لان من لوازم القرب هذا الجزاء الخ آگے اسکی علت بتلاتے ہیں کہ دنیا کا دیا ہوا دنیا میں نہ ملا یہاں ملا یعنی یہ اس لئے ہے) کہ وہ جہاں (یعنی دنیا اعمال کا) پردہ ہے اور یہ جہان (یعنی عالم غیب باعتبار اُن اعمال کے) ظاہر ہے (فی المنتخب فی معانی العین حاضر از ہر چیز اھ مطلب یہ کہ چونکہ دنیا دار الابتلاء ہے اس کا مقتضی یہی ہے کہ اعمال کا ثمرہ ظاہراً وہاں نہ ملے ورنہ مصلحت ابتلاء فوت ہو جاویگی جیسا کہ ظاہر ہے اور عالم غیب دار الجزاء ہے اس کا مقتضی یہی ہے کہ یہاں ملجایا کرے ورنہ دار الجزاء نہ رہیگا دنیا میں ثمرات ظاہر نہ ہونے کے اعتبار سے اسکو پردہ کہا کہ ساتر ہوتا ہے کیونکہ اعمال تو اعراض منقضیہ ہیں اگر ثمرہ ملتا تو وہ اعمال حکماً مرئی رہتے جب یہ نہیں تو خود وہ عالم اعمال کا بھی ساتر ہوگیا اور عالم غیب میں ثمرات ظاہر ہونے سے اسکو ظاہر کہا یعنی وہ اعمال اسمیں ظاہر ہوں گے بواسطۂ ظہور الجزاء اور چونکہ یہ مضمون بلسان اموات ہے اور اموات سے عالم غیب قریب ہے اور دنیا بعید ہوگئی اس لئے دنیا میں اسم اشارہ بعید اور عالم غیب میں اسم اشارہ قریب لایا گیا آگے مولانا دنیا کے ساتر اعمال اور آخرت کے کاشف ثمرات ہونیکی ایک مثال دیتے ہیں کہ دیکھو) بونے کا دن پنہاں کرنے کا دن ہے (اور بونا) تخم کو خاک میں بکھیر دینا (اور زیر خاک دفن کر دینا) ہے (اور) کاٹنے کا وقت (یعنی) داتی لگانیکا وقت (وہ) پاداش کا اور ظاہر ہونے کا دن ہے (اور یہ قاعدہ مستمرہ ہے پس اسی طرح دنیا مزرعۃ الآخرت ہے اعمال بونے کے وقت مستور ہو جاوینگے اور آخرت وقت الحصاد ہے اُسوقت وہ ظاہر ہو جاویں گے)۔

گفتن خواجہ در خواب بآن پایمرد وجوہ وام آن دوست راکہ بہ تبریز آمدہ بود و نشان دادن جائے دفن آن سیم را و پیغام بوارثان کہ البتہ ازاں ہیچ باز مگیرید

بشنو اکنوں راز مہمان جدید
اب مہمان جدید کا راز سن

من ہمیدیدم کہ او خواہد رسید
میں سمجھتا تھا کہ وہ پہونچے گا

من شنیدہ بودم از وامش خبر
میں نے اُس کے قرضہ کی خبر بھی سُنی تھی

بستہ بہر او دو سہ پارہ گہر
اُس کے واسطے دو تین جواہرات کے قطعے رکھدیئے تھے

کہ وفائے وام او ہست آن و بیش
کہ وہ اُس کے وفاء قرضہ کیلئے کافی اور زیادہ تھے

تا کہ ضیفم را نگردد سینہ ریش
تاکہ میرے مہمان کا سینہ زخمی نہو جائے

وام دارد از ذہب او نہ ہزار
وام را از بعض ایں گو وا گذار

وہ نو ہزار دینار زر قرضہ رکھتا ہے
اُس سے کہدے کہ اسکے ایک جزو سے قرض کو ادا کردے

فضلہ ماند زیں بسے گو خرج کن
در دعا گوئی مرا ہم درج کن

اسمیں بہت سا باقی رہے گا کہدے کہ خرچ کر
دعا گوئی میں مجھکو بھی شامل کر

خواستم تا آں بدست خود دہم
در فلاں دفتر نوشت ست ایں رقم

میں نے تو یہ چاہا تھا کہ اسکو اپنے ہاتھ سے دوں
فلاں دفتر میں یہ رقم لکھی ہوئی ہے

خود اجل مہلت ندادم تا کہ من
خفیہ بسپارم بدو درّ عدن

خود اجل نے مجھکو مہلت نہ دی تاکہ میں
خفیہ اُسکو یہ دُرِ عدن دیدیتا

لعل و یاقوت ست بہر وام او
در خنورے و نوشتہ نام او

اُس کے قرض کے لئے لعل و یاقوت
ایک ظرف میں ہیں اور اُس کا نام لکھا ہوا ہے

در فلاں طاقیش مدفوں کردہ ام
من غم آں یار پیشیں خوردہ ام

فلاں طاق میں میں نے اُسکو دفن کردیا ہے
میں نے پیشگی ہی اُس دوست کی غمخواری کرلی ہے

قیمت آنرا نداند جز ملوک
فاجتہد فی البیع ان لا یخدعوک

اُسکی قیمت کو بجز ملوک کے کوئی نہیں جانتا
سو بیع میں خوب کوشش کرنا کہ لوگ تجھکو دھوکہ نہ دے سکیں

در بیوع آں کن تو از خوف غرار
کہ رسول آموخت سہ روز اختیار

تو معاملات میں دھوکہ کے احتمال سے وہ کر
جو کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے سکھلایا ہے تین روز کے خیار کا

از کسادِ آں مترس و در مپفت
کہ رواج آں نخواہد ہیچ خفت

اُسکے نرخ اُتر جانے سے مت ڈرنا اور مت پڑنا
کیونکہ اُس کا چلن ہرگز سست نہوگا

وارثانم را سلام من بگو
میرے وارثوں کو میرا سلام کہنا
ویں وصیت را بگو ہم مو بمو
اور اس وصیت کو بھی مو بمو کہدینا

تا ز بسیاری آں زر نشکہند
تاکہ وہ اس زر کی کثرت مقدار سے نہ ڈریں
بے گرانی پیش آں مہمان نہند
بدوں گرانی کے اُس مہمان کے آگے رکھدیں

ور بگوید او نخواہم ایں فرہ
اور اگر وہ یہ کہے کہ میں اسقدر کثیر نہیں چاہتا
گو بگیر و ہر کرا خواہی بدہ
تو کہو کہ لیلے اور جسکو چاہے دیدے

زانچہ دادم باز نستانم نقیر
میں جو کچھ دیچکا ہوں اُسمیں سے ذرہ برابر بھی نہ لونگا
سوئے پستاں باز ناید ہیچ شیر
پستان کی طرف دودھ ہرگز واپس نہیں جاتا

گشتہ باشد ہمچو سگ قی را اکول
مسترد نحلہ بر قول رسول ✣
ہبہ کا واپس کرنے والا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے موافق مثل سگ کے آکل قے ہوتا ہے

ور ببندد در نباید آں زرش
گو بریزند آں عطا را بر درش
اور اگر وہ دروازہ بند کرلے اور اُسکو اس زر کی ضرورت نہ رہے تب بھی اس عطیہ کو اُسکے دروازہ پر بکھیر دیں

ہر کہ آنجا بگذرد زر می برد
جو شخص اُس جگہ گذرے وہ زر لے جارہا ہے
نیست ہدیہ مخلصان را مسترد
مخلصین کے ہدیہ کی واپسی نہیں ہوا کرتی

بہر او بنہادہ ام آں از دو سال
میں نے اُسکے لئے دو سال سے رکھ چھوڑا ہے
کردہ ام من نذرہا با ذو الجلال
میں نے حضرت ذوالجلال سے نذریں کر رکھی ہیں

ور روا دارند چیزے زاں ستد
اور اگر وہ لوگ اُسمیں سے کوئی چیز لینا روا رکھیں گے
بیست چنداں خود زیاں شاں میرسد
تو بیس حصہ زائد خود اُن کو زیاں واقع ہوجائیگا

گر روانم را پژولانند زود
اگر وہ میری روح کو پریشان کرینگے تو فوراً ہی

صد در محنت پریشاں برکشود
اُن پر صدہا ابواب کلفت کے کشادہ ہوگئے

از خدا امید دارم من لبق
خدا تعالیٰ سے میں زبان آور یہ امید رکھتا ہوں

کہ رساند حق را باستحق
کہ حق صاحب حق کو پہونچاوے گا

دو قضیہ دیگر او را شرح داد
اُس نے اُس سے دو معاملے اور ظاہر کئے

لب بذکر آں نخواہم برکشاد
میں اُس کے ذکر کے ساتھ لب نہ کھولوں گا

تا بماند دو قضیہ سر و راز
تاکہ دونوں معاملے مخفی اور راز رہیں

ہم نگردد مثنوی چندیں دراز
نیز مثنوی اسقدر دراز نہو جاوے

بر جہید از خواب انگشتک زناں
وہ نیند سے چٹکیاں بجاتا ہوا اُٹھا

گہ غزل گویاں و گہ نوحہ کناں
کبھی غزل گاتا ہوا اور کبھی نوحہ کرتا ہوا

گفت مہماں درچہ سوداہاستی
مہمان نے کہا کہ تو کن خیالات میں ہے

پایمردا مست وخوش برخاستی
اے پایمرد تو مست اور خوش اُٹھا ہے

تا چہ دیدی خواب دوش ای بوالعلا
آخر تو نے خواب میں گذشتہ شب کو کیا دیکھ لیا ای صاحب علو

کہ نمی گنجی تو در شہر و فلا
کہ تو شہر اور جنگل میں نہیں سماتا

خواب دیدہ پیل تو ہندوستاں
تیرے فیل نے ہندوستان کو خواب میں دیکھ لیا ہے

کہ رمیدستی ز حلقہ دوستاں
جسکے سبب تو دوستوں کے حلقہ سے بھی رم کرنے لگا

گفت سوداناک خوابے دیدہ ام
اُس نے کہا کہ میں نے ایک پرستی خواب دیکھا ہے

در دل خود آفتابے دیدہ ام
اپنے دل میں میں نے ایک آفتاب دیکھا ہے

خواجه را دیدم بخواب اے بوالعلا — آں سپرده جاں براے کبریا

میں نے اے صاحب علو خواب میں خواجہ کو دیکھا ہے — اُس جان باختہ برائے کبریا کو

خواب دیدم خواجۂ بیدار را — آں سپرده جاں پیٔے دیدار را

میں نے خواب میں خواجہ بیدار کو دیکھا ہے — اُس جان باختہ برائے دیدار کو

خواب دیدم خواجۂ معطی المنیٰ — واحد کالالف ازامر خدا

میں نے خواب میں خواجہ آرزو بخش کو دیکھا ہے — جو تنہا بمنزلہ ہزار کے تھا حکم خدا سے

مست و بیخود اینچنیں بر می شمرد — تاکہ مستی عقل و ہوشش را ببرد

مست اور بیخود ہوا ہوا اسی طرح شمار کر رہا تھا — یہانتک کہ مستی نے اُسکی عقل اور ہوش کو مسلوب کر دیا

درمیانِ خانہ افتاد و دراز — خلق انبہ گرد او آمد فراز

گھر کے درمیان میں لمبا لمبا پڑ گیا — خلق کا اُس کے گرداگرد انبوہ فراہم ہو گیا

باخود آمد گفت اے بحر خوشی — اے نہادہ ہوشہا در بیہشی

آپے میں آیا عرض کرنے لگا کہ اے بحر خوشی — اے وہ ذات جس نے بیہوشی میں بہت سے ہوش رکھے ہیں

خواب در بنہادۂ بیدارئے — بستۂ در بیدلی دلدارئے

آپنے خواب کے اندر بیداری رکھی ہے — آپنے بیدلی کے اندر دلداری کو وابستہ کر رکھا ہے

خواجگی پنہاں کنی در ذل فقر — طوق دولت بستہ اندر غل فقر

خواجگی کو آپ ذلت فقر میں پنہاں کر دیتے ہیں — آپنے طوق دولت کو باندھ رکھا ہے طوق فقر میں

ضد اندر ضد پنہاں مندرج — آتش اندر آب سوزاں مندرج

ایک ضد دوسری ضد میں خفیہ مندرج ہے — گرم پانی کے اندر آتش مندرج ہے

روضه اندر آتش نمرود درج
آتش نمرود کے اندر گلزار درج ہے

دخلها رویان شده از بذل و خرج
آمدنیاں ناشی ہوتی ہیں بذل اور خرچ سے

تا بگفته مصطفی شاه نجاح
یہانتک کہ مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم سلطان کامیابی نے

السماح یا اولی النعما رباح
ارشاد فرمایا کہ اے اہل نعمت سخاوت کرنا نفع حاصل کرنا ہے

ما نقص مال من الصدقات قط
مال صدقات کے سبب کبھی کم نہیں ہوتا

انما الخیرات نعم المرتبط
خیرات بہت اچھا رابطہ ہے

جوشش و افزونی زر در زکوة
زر کی جوشش اور افزونی زکوة میں ہے

عصمت از فحشا و منکر در صلوة
فحشا و منکر سے محفوظی صلوة میں ہے

آں زکوتت کیسه ات را پاسباں
تیری وہ زکوة تیرے کیسہ کی پاسبان ہے

واں صلاتت ہم ز گرگانت شباں
اور تیری وہ صلوة بھی بھیڑیوں سے شبان ہے

میوهٔ شیریں نہاں در شاخ و برگ
میوۂ شیریں نہاں ہیں شاخ و برگ میں

زندگیِ جاوداں در زیر مرگ
زندگی جاودانی موت کے تحت میں ہے

زبل گشته قوتِ خاک از شیوهٔ
سرگین شیوہ سے خاک کی غذا بنا

زاں غذا زاده زمیں را میوهٔ
اس غذا سے زمین میں میوہ پیدا ہوا

در عدم پنہاں شده موجودئے
عدم میں پنہاں ہوگئی موجودیت

در سرشت ساجدے مسجودئے
طینت ساجد میں ایک مسجودیت ہے

آہن و سنگ از برونش مظلمے
آہن و سنگ باہر سے تاریک ہیں

اندروں نورے و شمع عالمے
اندر نور اور شمع عالم ہے

درج در خوفے ہزاراں ایمنی
خوف کے اندر ہزاروں امن درج ہیں

در سواد چشم چندیں روشنی
سیاہی چشم میں کسقدر روشنی ہے

اندرونِ گاوِ تن شہزادۂ
گاوِ تن میں ایک شہزادہ ہے

گنج در ویرانۂ بنہادۂ
خزانہ ایک ویرانہ میں رکھا ہوا ہے

تا خرے پیرے گریزد زاں نفیس
تاکہ ایک بڈھا گدھا اُس نفیس چیز سے بھاگے

گاو بیند شاہ نے یعنی بلیس
وہ گاؤ کو دیکھے شاہ کو نہ دیکھے مراد اس گدھے سے ابلیس ہے

(تتمہ ہے قصہ کا یعنی محتسب نے خواب میں یہ بھی کہا کہ) اب مہمان جدید کا راز سُن میں (قرائن سے زندگی میں) سمجھتا تھا کہ وہ (یہاں) پہونچے گا۔ میں نے اُس کے قرضہ کی خبر بھی سنی تھی (اس لئے) اُس کے واسطے دو تین جواہرات کے قطعے رکھدئے تھے کہ وہ اُس کے وفار قرضہ کے لئے کافی اور (بلکہ) زیادہ تھے (اور میں نے اس لئے رکھدئے تھے) تاکہ میرے مہمان کا سینہ زخمی نہ ہو جاوے (اب اُسکی حالت یہ ہے کہ) وہ نو ہزار دینار زر قرضہ رکھتا ہے اُس سے کہدے کہ اُس کے ایک جزو سے قرض کو ادا کردے (اور) اُسمیں بہت سا باقی رہے گا (اُسکی نسبت) کہدی کہ خرچ کر (اور) دعا گوئی میں مجھکو بھی شامل کر میں نے تو یہ چاہا تھا کہ اُسکو اپنے ہاتھ سے دوں۔ فلاں دفتر میں یہ رقم لکھی ہوئی ہے۔ خود اجل نے مجھکو مہلت ندی تاکہ میں خفیہ اُسکو یہ درعدن (دی دینا رخفیہ دینا بسبب کرم کے تاکہ لینے والا شرمندہ نہ ہو) اُس کے قرض کے لئے لعل و یاقوت ایک ظرف میں (رکھے) ہیں اور اُس کا نام (بھی) لکھا ہوا ہے (فی الغیاث خنو ظرف وکاسہ وآوندو مطبخ و بمعنی کندوی غلہ وکندوسے آب آمدہ اور) فلاں طاق میں میں نے اُسکو دفن کردیا ہے (اور) میں نے پیشگی ہی اُس دوست کی غمخواری کرلی ہے (سرخی میں سیم کہا ہے اور اُس کے بعد دوسرے شعر میں گوہر اور یہاں لعل و یاقوت اور آیندہ چھ سات شعر کے بعد زر سو یا تو سب چیزیں ہوں گی یا حسب قول محشی گوہر عام ہوگا لعل و یاقوت کو بھی اھ اور سیم و زر سے مراد مطلق مال ہوجاویگا خواہ استعارۃً بمشارکت وصف مالیت یا بطور مجاز مرسل کہ یہ اشیاء بواسطہ بیع کے سبب ہوسکتی ہیں حصول سیم و زر کے اور وہ لعل و یاقوت قیمتی اسقدر ہیں کہ) اُسکی قیمت کو بجز ملوک کے کوئی نہیں جانتا اُس سے کہدینا کہ بیع میں خوب کوشش کرنا کہ لوگ تجھکو دھوکہ نہ دے سکیں (اور احتیاط یہ ہے کہ) تو معاملات میں دھوکہ کے احتمال سے وہ (طریقہ اختیار) کر جو کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے سکھلایا ہے (یعنی) تین روز کے خیار کا (اشارہ ہے اس حدیث کی طرف قال رجل للنبی صلی اللہ علیہ وسلم انی اخدع فی البیوع فقال اذا بایعت فقل لا خلابۃ ولی الخیار ثلثۃ ایام کذا فی الہدایۃ واخرج الحاکم معناہ وفیہ فجعل لہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الخیار ثلثۃ ایام وفیہ فقال لہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعو قل لا خلابة واخرجه الشافعی والبیهقی وابن ماجه والطبرانی فی الاوسط والکبیر کذا فی نصب الرایة لابن حجر ص ۲۷۹ اور) اُس کے نرخ اوتر جانے سے ست ڈرنا اور (اس اندیشہ میں) ست پڑنا (یعنی کم قیمت پر بیچ ڈالنے کے لئے اس احتمال سے جلدی مت کرنا کہ شاید پھر اتنے کو بھی نہ بکے) کیونکہ اسکا چلن ہرگز سست نہ ہوگا (یہ سب تو اُس مقروض سے کہنا اور) میرے وارثوں کو میرا اسلام کہنا اور اس وصیت کو بھی موبمو کہدینا تاکہ وہ اس زر کی کثرت مقدار سے نہ ڈریں (کذا فی الغیاث فی معنی شکوہیدن اور) بدون گرانی (خاطر) کے (وہ سب) اُس مہمان کے آگے رکھدیں (ممکن ہے کہ سب ورثہ بالغ ہوں کہ رضامندی سے اس تبرع کو جائز رکھ سکیں یا بالغین اپنے حصہ میں اس رقم کو لگالیں اور گرانی کے اسباب میں سے اس وصیت کے قبول کا قضاءً عدم لزوم بھی ہوسکتا ہے) اور اگر وہ (مہمان) یہ کہے کہ میں اسقدر کثیر نہیں چاہتا (فی الغیاث فرہ بروزن گرہ بمعنی زیادتی وزیادہ وافزون اھ) تو (اے ورثہ اُس سے) کہو کہ (ہمسے) بیلے اور جسکو چاہے دیدے (فالخطاب فی قولہ گو لکل واحد واحد اور اس کہنے کی وجہ یہ ہو کہ) میں جو کچھ دے چکا ہوں (اور دینے کی نیت اور وصیت بمنزلہ دینے کے ہے) اُس میں سے ذرہ برابر بھی نہ لونگا (اور ورثہ کا لینا بجائے میرے لینے کے ہی فی المنتخب نقیر مغاک و چاہک کہ اندر خرما اور یہ نہ لینا میرے عزم کے اعتبار سے ایسا لازم ہے جس طرح سے) پستان کی طرف دودھ ہرگز واپس نہیں جاتا (نیز یہ امر علاوہ خلاف طبع ہونے کے شرعاً بھی غیر مرضی ہے چنانچہ) ہبہ کا واپس کرنے والا رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے موافق مثل سگ کے آکل قے ہوتا ہے (حدیث یہ ہو للعائد فی ہبتہ کالکلب یعود فی قیئہ اور یہ بچا لینا اور نہ دینا گو استرداد ہبہ نہیں مگر اُس کے مشابہ ہو اور قبیح کا مشابہ اگر قبیح بھی نہو تاہم غیر حسن و غیر مرضی ہوگا) اور (اُسکو یہ رقم دینے کا یہانتک اہتمام کرنا چاہیئے کہ) اگر وہ (بے لئے اپنے گھر چلا جاوے اور گھر میں جاکر اندر سے) دروازہ بند کرلے اور اُسکو اس زر کی ضرورت نہ رہے تب بھی اس عطیہ کو اُس کے دروازہ پر بکھیر دیں (تاکہ) جو شخص اُس جگہ گذرے وہ (دیکھا جاوے کہ) زر لے جارہا ہے (یہ دو معنی استرداد کے تو جانب معطی میں ہیں کرم اور حدیث کما ذکر کلاہما اور ایک مانع آخذ کی جانب ہو وہ یہ کہ) مخلصین کے ہدیہ کی واپسی نہیں ہوا کرتی (مستر مصدر میمی ہے یعنی میں اخلاص سے دیتا ہوں اس لئے نہ لینا مناسب نہیں) میں نے اُس کیلئے دو سال سے رکھ چھوڑا ہے (اور) میں نے حضرت ذوالجلال سے نذریں کر رکھی ہیں (خواہ معلق کسی کامیابی پر خواہ مطلق کہ اتنا مال اہل حاجت کو دونگا اس لئے اگر ایک حاجتمند نہ لے دوسرے حاجتمندوں کو بطریق مذکور پہونچا دیا جاوے اور باوجود عدم تعیین فقیر کے نذر میں اس طریق کے اختیار کرنے کا مبنی بقدر امکان رعایت تعیین کی اولویت ہے جسکا انکار نہیں ہوسکتا اور یہ نذر اگر بالقلب تھی تب تو بے دئے مرجانے میں ترک واجب نہیں ہوا اور اگر باللسان تھی تب وصیت بجائے ادا کے ہے اور وصیت بالنطق کے حکم میں وصیت بالکتابة بھی ہے اور شاید زبانی کہنے کا باوجود عزم کے موقع نہ ملا ہو اس لئے ترک واجب کا شبہ نہوگا البتہ ایسی وصیت مکتوبہ بلا شہادت قضاءً حجت نہوگی لیکن دیانةً جبکہ قلب شہادت دے کہ یہ اُسی کا لکھا ہوا ہے اُسپر عمل کرنا قواعد سے ضروری معلوم ہوتا ہے گو اس کا جزئیہ نہیں ملا مگر بالغین کو صرف اپنے حصہ میں ضرور ہوگا اور اس تقریر سے شعر تا بسیاری آن زرالخ کی شرح میں جو عدم لزوم میں

قضاء کی قید لگائی ہے اسکی وجہ بھی معلوم ہو گئی) اور اگر وہ (وارث) لوگ اسمیں سے کوئی چیز لینا روا رکھیں گے تو (اس بچائے ہوئے مال سے) بیس حصہ زائد خود ان کو زیان واقع ہو جاویگا (جس صورت میں ان ورثہ کو اس کا قبول کرنا قواعد شرعیہ سے لازم ہو اس صورت میں تو اس کا ترتب محل اشکال نہیں کہ معاصی سے کبھی بلکہ اکثر دنیا کا خسارہ بھی ہو جاتا ہے اور جس صورت میں اسکا قبول کرنا لازم نہ ہو مثلاً موصی نے کسی اور سے وہ وصیت لکھوادی ہو یا ایسے قلم سے خود لکھا ہو کہ اسکا خط نہ پہچانا جاوے اور قلب شہادت نہ دے کہ اسکا لکھا ہوا یا لکھایا ہوا ہے تو اس صورت میں یہ نہ دینا صرف ایک خواب صالح کی مخالفت ہو گی جو معصیت نہیں پھر اس زیان کا ترتب کیا معنی سو تحقیق اسکی یہ ہے کہ ایسے منام یا الہام کی مخالفت خواہ وہ اپنا منام یا الہام ہو یا دوسرے کا بشرطیکہ مدعی کا صدق شہادتِ قلب سے معلوم ہو گو بوجہ معصیت نہ ہونے کے ضرر آخرت کا موجب تو نہیں لیکن دنیوی ضرر کا سبب ہو جاتا ہے اور یہاں اسی کا حکم کیا ہے گناہ ہونیکا دعوی نہیں کیا فلا اشکال اور شعر آئندہ سے ظاہراً یہی شق عدم لزوم شرعی کی معلوم ہوتی ہے کہ اسمیں اس زیان کو روح کے پریشان کرنے پر مرتب کیا ہے نہ کہ ترک واجب پر چنانچہ اس کا مضمون یہ ہے کہ) اگر وہ (وارثین) میری روح کو پریشان کریں گے (فی الحاشیہ بشوریدن درہم و پریشان کردن اھ) تو (یہ سمجھ لیں کہ گویا) فوراً ہی انپر صدہا ابواب کلفت کے کشادہ ہو گئے (اور یہ پریشانی روح کی بصورت مخالفت مبنی ہے ثبوت عرض اعمال احیاء علی الاموات پر اسکی روایات شرح الصدور فی تذکرۃ الموتی والقبور میں سیوطی رحمہ نے نقل کی ہیں اور) خدا تعالی سے میں زبان آور یہ امید رکھتا ہوں کہ حق صاحب حق کو پہونچاویگا (فی الغیاث لبق چرب زبان اور اس صفت میں شاید اشارہ اس طرف ہو کہ گو احتیاط و ہوشیاری سے سب احتمالات پر کلام وافی کر رہا ہوں مگر مجھکو اپنی اس زبان آوری و احاطہ احتمالات و شقوق پر وثوق نہیں ہے جیسا بعض سحر بیانوں کو ہوتا ہے بلکہ خدا ہی سے امید رکھتا ہوں اور خواب میں) اس نے اس (پامرد) سے دو معاملے اور ظاہر کئے (مگر) میں اس کے ذکر کے ساتھ لب نہ کھولوں گا تاکہ (وہ) دونوں معاملے مخفی اور راز میں رہیں نیز مثنوی اسقدر دراز نہ ہو جاوے (احقر اس مقام میں سوچ رہا تھا کہ وہ دو مضمون کیا ہوں گے گو سوچنے سے سمجھ میں آنے کی امید نہ تھی مگر دفعۃً قلب پر القا ہوا کہ کوئی ایسے معاملے ہوں گے جنکا تعلق محتسب کے ورثہ سے ہو اور بجز محتسب اور ان اہل معاملہ کے کسی کو اسکی اطلاع نہ ہو اور اسکو ظاہر کرنا اپنی کسی مصلحت ناموس کے خلاف بھی سمجھتے ہوں تو محتسب نے ان مضمونوں کو اس رؤیا کے صادق ہونے کی علامت کیلئے بیان کیا ہو تاکہ جب ورثہ سے ظاہر کئے جاویں تو ان کو اس خواب میں تزویر و سازش کا احتمال نہ رہے جیسے رمال وغیرہ نشانی کے لئے دیدیتے ہیں اور ان کا دو ہونا یا تو اس لئے ہے کہ زائد نہ ہونگے یا چونکہ اسمیں عملی اثر شہادت کا ہے اسلئے صرف دو پر اکتفا کیا ہو اور ممکن ہے کہ مولانا کے وقت میں ان ورثہ کے بقایا موجود ہوں اور اظہار ان کے لئے مضر ہو اس لئے مولانا نے باوجود کسی خاص سلسلہ سے معلوم ہونے کے ظاہر کرنا جائز نہ سمجھا ہو اور دوسری مصلحت یہ بھی بیان فرمائی کہ مثنوی طویل نہ ہو جاوے اور گو اس سے زیادہ طول نہ ہوتا مگر موضوع مثنوی میں اسکو دخل نہ تھا تو بلا ضرورت طول قلیل بھی نازیبا تھا اور لفظ چندیں اسی کی طرف مشیر ہے یعنی اتنی قدر بھی درازی نہ ہو لکونہ خلاف موضوعہا اور

احقر کا یہ وارد گو معتدبہ نہیں مگر مجھکو اس مقام میں ایک گونہ تسلی ہوگئی وفوق کل ذی علم علیم غرض یہ خواب دیکھکر (وہ) نیند سے (غلبہ وجد میں) چٹکیاں بجاتا ہوا اٹھا کبھی غزل گاتا ہوا اور کبھی نوحہ کرتا ہوا (غزل مستی فرح زیارت محتسب وامید کامیابی مقروض سے اور نوحہ محتسب کی داغ مفارقت کے تازہ ہو جانے سے) مہمان نے کہا کہ تو کن خیالات میں ہے۔ اے یا میر دتو (بہت ہی) مست اور خوش اٹھا ہے آخر تو نے خواب میں (اس) گذشتہ شب کو کیا دیکھ لیا اے صاحب علو کہ تو (اس کے جوش میں) شہر اور جنگل میں نہیں سماتا (وہ شب سب گذر چکی ہو یا اس کا اکثر حصہ اس لئے دوش کہنا صحیح ہوا معلوم ہوتا ہے) تیرے فیل نے ہندوستان کو خواب میں دیکھ لیا ہے جسکے سبب تو دوستوں کے حلقہ سے بھی رم کرنے لگا (فی الحاشیہ این مثل مشہور ست کہ چوں پیل بخواب ہندرامی بیند کہ وطن اصلی اوست درشوق آں قیود رامی شکند اھ پس یہ تمثیل ہے غلبہ مستی و شوق کی) اس نے کہا میں نے ایک پرستی خواب دیکھا ہے (در بیجا سودا بمعنی عشق گرفتہ شد کما فی الغیاث) اپنے دل میں میں نے ایک آفتاب دیکھا ہے (آگے آفتاب کی تفسیر ہے یعنی) میں نے ای صاحب علو خواب میں خواجہ کو دیکھا ہے اوس جان باختہ برائے کبریا کو (دیکھا ہے) میں نے خواب میں خواجہ بیدار (دل) کو دیکھا ہے اس جان باختہ برائے دیدار (حق) کو (دیکھا ہے) میں نے خواب میں خواجہ آرزو بخش کو دیکھا ہے جو تنہا بمنزلہ ہزار کے تھا حکم خدا سے (غرض) مست اور بیخود ہوا ہوا اسی طرح (اس کے اوصاف کو) شمار کر رہا تھا کہ میں نے ایسے خواجہ کو دیکھا ایسے خواجہ کو دیکھا) یہانتک کہ مستی نے اسکی عقل اور ہوش کو مسلوب کر دیا (یعنی اسی جوش وخروش میں بیہوش ہوگیا اور) گھر کے درمیان میں لمبا لمبا پڑ گیا۔ خلق کا اس کے گرداگرد انبوہ فراہم ہوگیا (فی الغیاث فراز فراہم آہ) بہت دیر کے بعد آپے میں (یعنی ہوش میں) آیا (اور حق تعالیٰ کی یہ قدرت عجیب وصنعت غریب یاد کر کے کہ خواب میں جس سے کہ اس عالم سے بیہوشی ہو جاتی ہے کیسے مضامین علمیہ مذکورہ فی قولہ لیک پاسخ دادتم فرمان بنود الی قولہ ہرچہ ما دادیم دیدیم این زمان۔ اور کیسے واقعات مخفیہ مذکورہ فی قولہ بشنو اکنوں راز مہمان جدید الی قولہ از خدا امید دارم من بجود ذیل میں اس عالم غیب کے ساتھ بیداری اور ہوش متوجہ ہونے کی منکشف فرمائے یہ یاد کر کے غلبہ شوق میں حق تعالیٰ سے بطور مناجات) عرض کرنے لگا کہ اے بحر خوشی (یعنی معطی خوشی کعطا ر البحر الکثیر اور) اے وہ ذات جس نے بیہوشی میں (مثل خواب واقع قریب) بہت ہوش (ودیعت) رکھے ہیں (کالفوائد المرئیۃ فی الرؤیا اور) آپ نے خواب کے اندر بیداری (مثل انکشاف عجائب عالم غیب) رکھی ہے (اور چونکہ اس حکم میں بوجہ تضاد فیما بین خواب وبیداری وہوش وبیہوشی کے ایک ضد کا دوسری ضد کے لئے سبب بننا لازم آتا ہے اور ظاہراً مستبعد ہے دفع استبعاد کے لئے اس کے اور چند نظائر بھی بیان فرماتے ہیں کہ اے اللہ آپ کی ایسی قدرت اور بھی بہت جگہ ظاہر ہوئی مثلاً ایک یہ کہ) آپ نے بیدلی (یعنی عاشقی) کے اندر دلداری (یعنی محبوبیت) کو وابستہ کر رکھا ہے (چنانچہ محبیت حق کو محبوبیت عند الحق لازم ہے اور مثلاً دوسرے یہ کہ) خواجگی (وعزت) کو آپ ذلت فقر میں پنہاں کر دیتے ہیں (اشارہ ہے حدیث ذیل کے جزو ثانی کی طرف روی مسلم قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ما نقصت صدقۃ من مال وما زاد اللہ عبدا بعفو

الا عزا وما تواضع احد للہ الا رفعہ اللہ کذا فی الحاشیہ ولینظر لفظ الحدیث فانی لا اذکرہ ھکذا اھ) آپ نے طوق دولت کو باندھ رکھا ہے طوق فقر میں (چنانچہ فقر میں دولت باطنی کہ ہفت اقلیم بھی اُس کے سامنے گرد ہے مشاہد ہے غرض یہ کہ) ایک ضد دوسری ضد میں خفیہ مندرج ہے (چنانچہ بعض نظائر گذرے تیسری نظیر یہ ہے کہ) گرم پانی کے اندر آتش مندمج (اور داخل) ہے (اور وہ ان ہی اجزار ناریہ کے اندماج سے گرم ہے چوتھی نظیر یہ کہ) آتش نمرود کے اندر گلزار درج ہے (پانچویں نظیر یہ کہ) آمدنیاں ناشی ہوتی ہیں بذل اور خرچ سے یہانتک کہ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سلطان کامیابی نے (اسی بنا پر) ارشاد فرمایا (ما نقصت صدقۃ من مال جو حدیث مذکور عنقریب کا پہلا جزو ہے جسکا حاصل مطلب یہ ہے) کہ ای اہل نعمت سخاوت کرنا (گو ظاہر میں نکالنا ہے مال کا مگر باطناً) نفع حاصل کرنا ہے (یعنی) مال صدقات کے سبب کبھی کم نہیں ہوتا (اور وجہ اُسکی یہ ہے کہ) خیرات بہت اچھا رابطہ (حق تعالیٰ کے ساتھ جب اُس سے رابطہ درست ہوگیا وہ برکت عطا فرماتے ہیں اور یہی مراد ہے کم نہونے سے پس) زر کی جوشش اور افزونی (معنوی) زکوٰۃ میں ہے (جسطرح سے کہ) فحشاء منکر سے محفوظی صلوٰۃ میں ہے (سو) تیری وہ زکوٰۃ تیرے کیسہ کی پاسبان ہے اور تیری وہ صلوٰۃ بھی (نفس و شیطان کے) بھیڑیوں سے (بمنزلہ) شبان ہے (یہاں ظاہراً وضع الضد فی ضدہ کے موقع میں صلوٰۃ کا ذکر بیموقع معلوم ہوتا ہے کیونکہ یہاں وضع الضد فی ضدہ نہیں ہے بلکہ نہی عن الفحشاء والمنکر تو اُسکی وضع کے ظاہراً بھی مناسب ہے سو احقر کے نزدیک مقصود اس کے ایراد سے تشبیہ دینا ہے وضع الضد فی ضدہ کو وضع الشئے فی مناسبہ کے ساتھ مطلب یہ کہ قدرت کے نزدیک وضع الضد فی ضدہ بھی اُسی قدر آسان ہے جیسا وضع الشئے فی مناسبہ کو عام بھی سہل و مقدور حق جانتے ہیں پس ایضاح دفع استبعاد کے لئے یہ تشبیہ لائے وقد اشرت الی ہذا القول جسطرح فی تمہید ترجمہ مصرع عصمت الخ چھٹی نظیر یہ کہ) میوۂ شیریں نہاں ہیں شاخ و برگ میں (حالانکہ شاخ و برگ شیریں نہیں ساتویں نظیر یہ کہ) زندگی جاودانی موت کے تحت میں ہے (اور یہ ظاہر ہے کہ خیالات آخرت کا سلسلہ موت ہی سے شروع ہوتا ہے یا مراد فنار و بقار ہے کہ فنار سبب ہے بقار کا آٹھویں نظیر یہ کہ) سرگین شیوہ (یعنی تصرف حق) سے (اولاً) خاک کی غذا بنا (چنانچہ اُس کا خاک ہوجانا معلوم ہے پھر) اُس غذا سے زمین میں میوہ پیدا ہوا (اور کجا سرگین گندہ اور کجا میوۂ پاکیزہ نویں نظیر یہ کہ) عدم میں پنہاں ہوگئی موجودیت (مراد عدم سے ممکنات کہ اصل اُن کی عدم ہے اور موجودیت یعنی وجود سے حضرت واجب کہ وجود اُس کا عین ہے اور پنہانی سے مراد علاقہ ظاہریت و مظہریت اور اسی کو دوسرے مصرعہ میں لعنوان دیگر لاتے ہیں کہ) طینت ساجد (یعنی ممکن) میں ایک مسجودیت ہے (مراد مسجود یعنی واجب ہے مبالغۃً مصدر سے تعبیر کیا دسویں نظیر یہ کہ) آہن و سنگ باہر سے تاریک (و بے نور) ہیں (مگر اُن کے) اندر نور اور شمع عالم ہے (چنانچہ باطن چقماق سے آگ کا نکلنا ظاہر ہے گیارھویں نظیر یہ کہ) خوف کے اندر ہزاروں امن درج ہیں (کما قال تعالیٰ ان الذین یخشون ربھم بالغیب لھم مغفرۃ واجر کبیر بارھویں نظیر یہ کہ) سیاہی (مردمک) چشم میں کسقدر روشنی ہے (تیرھویں نظیر یہ کہ) گاؤتن میں ایک شہزادہ ہے (گویا کہ) خزانہ ایک ویرانہ میں رکھا ہوا ہے (گاؤتن کی ترکیب مثل لجین المار کے ہے یعنی تن کہ مشابہ گاؤ کے ہے اور یہ تشبیہ ظاہر ہے کیونکہ روح انسانی سے قطع نظر کرکے تن انسانی اور گاؤ دونوں بوجہ روح حیوانی کے یکساں ہیں اور شہزادہ

مراد روح کہ وہی خلیفۃ اللہ ہے کیونکہ انسان کی خلافت اُسی سے ہے اور روح کا مشابہ گنج اور تن کا مشابہ ویرانہ ہونا ظاہر ہے اور ان نظائر سے اوپر خواب اور بیداری اور ہوش اور بیہوشی کہ کبھی بدون خواب کے بھی متحقق ہوتی ہے کالسکر والاستغراق دو مادے اس وضع الضد فی الضد کے وہ تھے کل پندرہ ہوگئے جو اس مقام پر مذکور ہیں اور ان قضایا محکوم فیہا بہذا الوضع میں بعض شخصیہ ہیں کقولہ روضہ اندر آتش نمرود درج بعض جزئیہ ہیں کقولہ زندگی جاوداں در زیر مرگ کیونکہ مرگ کفار میں اس کا تحقق نہیں لان حیاتھم الاخروی اردأ من الموت اور بعض کلیہ ہیں وھی کثیرۃ اور چونکہ یہاں بیان کرنا مقصود ہے قدرت کے عجیب ہونے کا اس لئے مطلق تحقق بھی جو کہ شخصیہ و جزئیہ میں ہوتا ہے اس کیلئے کافی ہے تحقیق دائم ولازم ضروری نہیں تاکہ عدم کلیۃ سے نقض کا شبہ ہو آگے ایک حکمت بتلاتے ہیں نظیر اخیر یعنی اندرون گاؤ تن شہزادہ کی یعنی یہ اسلئے بھی کہا) تاکہ ایک بڈھا گدھا اُس نفیس چیز سے بھاگے (اور) وہ گاؤ کو دیکھے شاہ کو نہ دیکھے مراد اُس گدھے سے ابلیس ہے (چنانچہ اُس نے یہی کہا کہ خلقتنی من نار و خلقتہ من طین اور میں نے لفظ بھی اسواسطے کہا کہ حق تعالیٰ کی حکمتیں اس میں منحصر نہیں) **ف** آگے شعر اخیر قولہ تا خرے پیرے الخ کے مضمون کے مناسب ایک حکایت ہے کہ جس طرح آدم علیہ السلام میں دو چیزیں تھیں ایک صورت ایک معنی اسی طرح شاہ چین کے پاس دو چیزیں تھیں ایک دختر کہ وہ صورت ہے جسکی تصویر دیکھکر تین شہزادے کہ بھائی تھے عاشق ہوگئے تھے اور اُسکی طلب میں چین پہونچے تھے دوسری چیز کمالات باطنیہ کہ معنی ہے کیونکہ وہ عارف بھی تھا لقولہ رہ شاہ رامکشوف یکیک حال شان الخ وقولہ گرچہ شہ عارف بد از کل پیش پیش الخ اور کمال کیساتھ صاحب تکمیل بھی تھا لقولہ شاہزادہ پیش شہ حیران ایں + ہفت گردوں دیدہ دریک مشت طین۔ وفی الحاشیہ علیہ ظاہر ایں ست کہ بادشاہ عارف بود جیسا سب سے پہلی حکایت والا بادشاہ مصداق تھا ملک دنیا بود مش وہم ملک دین کا اور جسطرح ابلیس نے صورت کو دیکھا معنی کو نہ دیکھا اسی طرح اُن تینوں میں سے بڑا بھائی طلب صورت ہی کی دھن میں رہا اور معنی یعنی کمال کا استفادہ نہ کیا اور اسی میں بدون حصول مطلوب مرگیا لقولہ او از ان خورشید چوں سہ میگداخت ولقولہ نارسیدہ عمر او آخر رسید اور منجھلے بھائی نے گو استفادہ معنی کا شروع کیا لیکن اپنے کو صاحب کمال سمجھکر عجب و استغنا عن المربی میں مبتلا ہوگیا جس نے شاہ کو مکدر کرکے اُسکو مسلوب الحال کردیا اور وہ بھی اس حال میں مرگیا لقولہ از نواز شہائے آں شاہ وحید + در تن خود غیر جان جانے بدید الی الابیات السبعۃ ولقولہ اندرون خویش استغنا بدید گشت طغیانی و استغنا پدید لقولہ ابر دا و را لعد سالے سوئے گور اور چونکہ عجب وکبر علامت ہے غلبہ احکام صورت کی خواہ وہ اپنی ہی صورت ہو جسمیں وہ اور صورت دختر متماثل ہیں اس لئے یہ بھی طالب صورت ہی کے ساتھ ملحق ہوگیا پس یہ دونوں صورت بین ہوئے اور جس طرح ملائکہ نے معنی کو دیکھا تھا اسی طرح چھوٹے بھائی نے کمالات کا استفادہ کیا اور مربی کے آداب و حقوق کو پورا ادا کیا اور گو صورت کی طرف میلان طبعی رہا مگر طلب معنی اور تفویض الی رائے المربی میں وہ میلان مغلوب رہکر حدود سے متجاوز نہیں ہوا جو کہ باطن کو مضر نہیں اور اس کی برکت سے معنی کے ساتھ اُسکو صورت بھی حاصل ہوگئی لقولہ رہ اجماللہ وان سوم کاہل ترین ہر سہ بود صورت و معنی بکلی در ربود وقولہ دختر و ملک و خلافت او گرفت یعنی سلطنت ظاہری و خلافت باطنی ولقول صاحب الاختتام تفصیلاً کسب ہا میکرد وره طے

می نمود + جد ہا میکرد و نورش می فزود + در دلش ہر دم ز سلطان چوں قمر + نور نو وارد شدے شام و سحر + دم نمیز د لیک از مطلوب خود + داشت در دل شعلۂ محبوب خود + و قولہ گر سزا وارم بداں در ثمین + خود شہم بنواز داز لطف گزیں + حب جاہ و شاہی و حرص و ہوا + در سرش را ہے ندارد ماسوا + جز خدا و حب خاصان خدا + در دل او نیست را ہے ہیچ را + گفت با اصحاب شہ کیں خوش جواں + می نیز رد جز بآں دخت جوجان ؁ اور چونکہ اُس شعر اخیر سے صورت بینی کی مذمت اور معنی بینی کی مدح مفہوم ہوتی تھی اس حکایت لانے سے بھی اسی کی تائید ہوگئی کہ دیکھو صورت بینی سے کیسی مضرت ہوئی کہ صورت سے بھی حرمان رہا اور اکثر ہوا پرستوں کا یہی حال ہوتا ہے اور معنی بینی کی کیسی برکت ہوئی کہ صورت و معنی دونوں نصیب ہوگئے اور اکثر خدا پرستوں کے لئے یہی ہوتا ہے وہذا التقریر للمناسبۃ مما من اللہ تعالیٰ بہ علیّ خاصۃً وللہ الحمد اور گو بعد ختم حکایت خاتم مثنوی نے اسکو دوسرے مضمون پر بھی منطبق کیا ہے مگر اس سے غرض مذکور کی نفی کا شبہ نکیا جاوے ومثل ہذا کثیر فی ہذا الکتاب ونظیرہ قصۃ آدم علیہ السلام فی اول سورۃ الاعراف حیث شرعہا للترغیب فی الطاعۃ بذکر النعم والتحذیر عن المعصیۃ بتذکیر قصۃ ابلیس ثم بعد ختمہا استنبط منہا کون ابلیس عدوًا للبنی آدم فی اضلالہ لہم وامرہ لہم بالفحشاء والعری عن اللباس الحسی والمعنوی کما فی تفسیری۔

حکایت آں بادشاہ و وصیت کردن سہ پسر خود را کہ دریں سفر در ممالک من فلاں جا چنیں ترتیب نہید و فلاں جا چنیں نواب نصب کنید واما اللہ اللہ بفلاں قلعہ میروید و گرد آں مگردید الی آخرہ

بود شاہے شاہ را بُد سہ پسر + ہر سہ صاحب فطنت و صاحب نظر

ایک بادشاہ تھا بادشاہ کے تین لڑکے تھے — تینوں صاحب فطانت اور صاحب نظر

ہر یکے از دیگرے استودہ تر — در سخا و در وغا و کرو فر

ہر ایک دوسرے سے زیادہ افضل تھا — سخاوت میں اور جنگ اور کروفر میں

پیش شہ شہزادگاں استادہ جمع — قرۃ العینانِ شہ ہمچوں سہ شمع

بادشاہ کے سامنے شہزادے جمع ہوکر کھڑے ہوتے — تین شمع کی طرح سب بادشاہ کے قرۃ العین تھے

از رہ پنہاں ز عینین پسر — می کشید آبے نخیلِ آں پدر

ایک مخفی راستہ سے پسر کی دونوں آنکھوں سے — پانی چوستا تھا اس باپ کا درخت خرما

تا ز فرزند آب ایں چشمہ شتاب — میرود سوئے ریاض مام و باب

تاکہ فرزند سے یہ چشمہ جلدی جلدی — جاتا رہتا ہے ماں اور باپ کے باغوں کیطرف

تازہ می باشد ریاض والدین — گشتہ جاری عین شاں زیں ہر دو عین

والدین کے باغ تازہ رہا کرتے ہیں — اُن کا چشمہ ان دونوں آنکھوں سے جاری رہتا ہے

چوں شود چشمہ ز بیماری علیل — خشک گردد شاخ و برگ آں نخیل

جب چشمہ مرض کی وجہ سے علیل ہو جاتا ہے — تو اُس درخت کے شاخ و برگ خشک ہو جاتے ہیں

خشکی نخلش ہمی گوید پدید — کہ ز فرزنداں شجر نم میکشید

اسکے نخل کا خشک ہو جانا صریحاً کہتا ہے — کہ وہ شجر فرزندوں سے رطوبت کھینچ رہا تھا

اے بسا کاریز پنہاں ہمچنیں — متصل با جان تاں یا غافلیں

اے شخص بہت سے پنہاں چشمے اسی طرح — تمھاری روح کے ساتھ متصل ہیں اے غافلو

اے کشیدہ ز آسمان و از زمیں — مایہا تا گشتہ جسم تو سمیں

اے شخص آسمان اور زمین سے — بہت سی غذائیں کھینچی ہیں یہانتک کہ تیرا جسم فربہ ہوگیا

تن ز اجزائے جہاں دزدیدۂ — پارہ پارہ زیں و آں ببریدۂ

تو نے تن اجزائے عالم سے چرایا ہے — اس سے اور اُس سے تو نے پارہ پارہ قطع کیا ہے

از زمین و آفتاب و آسماں — پارہا بر دوختی بر جسم و جان

زمین اور آفتاب اور آسمان سے — بہت سے پارے تو نے جسم اور جان پر گانٹھے ہیں

تا تو پنداری کہ بردی رایگان
یہاں تک کہ تو یہ گمان کرنے لگتا ہے کہ تو مفت اُڑا لیے ہے

باز نستانند از تو این و آن
تجھسے اسکو اور اُسکو واپس نہ لیں گے

کالۂ دزدیدہ نبود پائیدار
متاع مسروق پائدار نہیں ہوتی

لیک آرد دزد را تا پائیدار
لیکن سارق کو زیر دار لے آتی ہے

عاریہ است ایں کم ہمی باید فشارد
یہ عاریت ہے ذرا قدم کم جمانا چاہیئے

کانچہ بگرفتی ہمی باید گزارد
کیونکہ تونے جو کچھ لیا ہے یہ ادا کرنا بھی ضروری ہے

جز نفخت کاں ز وہاب آمدست
بجز نفخت کے کہ وہ حضرت وہاب کیطرف سے آئی ہے

روح را باش آں دگرہا بیہدست
تو روح کی فکر میں رہ وہ دوسری چیزیں سب بیہودہ ہیں

بیہدہ نسبت بجاں میگویمش
میں اُسکو بیہودہ بہ نسبت روح کے کہتا ہوں

نے بہ نسبت با صنیع محکمش
نہ کہ حق تعالیٰ کے صنیع محکم کے اعتبار سے

ایک بادشاہ تھا (اور اُس) بادشاہ کے تین لڑکے تھے تینوں صاحب فطانت اور صاحب نظر ہر ایک دوسرے سے زیادہ افضل تھا سخاوت میں اور جنگ اور کرّ و فر میں (یعنی ہر یک میں دوسرے سے افضلیت کا شبہ ہوتا تھا یعنی سب ان صفات میں کامل تھے اور یہ شبہ نکیا جاوے کہ معاملہ عشق دختر و خدمت شاہ چین میں آگے دو کا خام اور ایک کا پختہ نکلنا مذکور ہوگا جسکا حکایت کے قبل تمہید میں بھی ذکر ہوا ہے اور یہ اُس کے معارض ہے جواب یہ ہے کہ یہاں اور صفات کا ذکر ہے اور وہاں دوسری صفات کا پس ایک میں متماثل تھے دوسرے میں متفاوت و متفاضل اور) بادشاہ کے سامنے شہزادے جمع ہوکر کھڑے ہوتے (اور) تین شمع کی طرح سب بادشاہ کے قرۃ العین تھے (جس طرح شمع سے آنکھوں کو روشنی اور خنکی پہونچتی ہے اسی طرح ان سے آنکھیں خنک اور روشن ہوتیں اور قرۃ العینان میں الف نون جمع کے لئے ہے جیسا فارسی میں آتا ہے اور عین کی جمع نہیں ہے بلکہ قرۃ العین مرکب کی جمع ہے اور) ایک مخفی راستہ سے (ہر) اُس پسر کی دونوں آنکھوں سے پانی چوستا تھا اُس باپ کا درخت خرما (دونوں آنکھوں سے مراد ذات ہے فرزند کی اور نکتہ اس تعبیر میں یہ ہے کہ فرزند کی طرف نگاہ کرنے میں تو والدین کو راحت ہوتی ہی ہے لیکن فرزند یا ہر محبوب جو والدین یا محب کی طرف نظر محبت سے دیکھتا ہے اور والدین یا محب اس نگاہ کو دیکھتے ہیں جو علامت ہے اُس کے محب ہونے کی بھی اس سے جو راحت ہوتی ہے

وہ بے نظیر ہے اور جو قوت قلب بادشاہ کو فرزندوں کی طرف نظر کرنے سے پہونچتی تھی اُس کو پانی سے اور بادشاہ کو درخت سے تشبیہ دی اور وجہ تشبیہ قوت حاصل کرنے کا اشتراک ظاہر ہے آگے میکشید کی غایت ہے بطور لام عاقبت کے یعنی) تاکہ فرزند (کی طرف) سے یہ چشمہ (قوت وراحت قلب کا) جلدی جلدی جاتا رہتا ہے ماں اور باپ کے باغوں کی طرف (یعنی کشیدن کی عاقبت یہ رفتن ہے اور اس کشیدن و رفتن میں تقدم و تاخر ذاتی ہے اور زماناً مقارنت ہے اور چونکہ اس قوت پہونچنے کا موقوف علیہ نظر الوالدین الی الولد ہے اس لئے کشیدن کو علت اور رفتن کو معلول قرار دیا آگے اس پر تفریع ہے کہ) والدین کے باغ تازہ رہا کرتے ہیں (اور) اُن (والدین) کا چشمہ یعنی جس چشمہ سے وہ سیراب ہوتے ہیں فرزند کی) ان دونوں آنکھوں (یعنی اُسکی ذات) سے جاری رہتا ہے (چنانچہ اُسکی دلیل یہی ہے کہ) جب چشمہ (یعنی فرزند) مرض کی وجہ سے علیل ہو جاتا ہے تو اُس درخت (یعنی والدین) کے شاخ و برگ خشک ہو جاتے ہیں (چنانچہ فرزند کی علالت سے والدین کی پژمردگی ظاہر ہے جسطرح چشمہ کی کمی سے درخت کی تازگی کم ہو جاتی ہے پس) اُس کے نخل کا خشک ہو جانا صریحاً کہتا ہے کہ وہ شجر فرزندوں سے رطوبت کھینچ رہا تھا آگے اس اعتذار سے دوسرے اعتذار عام کی طرف جو تمام متنفسوں کو شامل ہے انتقال فرماتے ہیں کہ) اے شخص بہت سے پنہاں چشمے اسی طرح (جیساکہ والدین کی اعتذار میں مذکور ہوا) تمھاری روح (حیوانی) کے ساتھ متصل ہیں ای غافلو جس سے تمھاری روح حیوانی کو قوۃ اور قوت پہونچتی ہے اور حیوانی کی تخصیص کا قرینہ آگے شعر جز نفخت میں آویگا آگے اُن پنہانی چشموں کا بیاں ہے کہ) اے شخص (تیرے جسم نے) آسمان اور زمین سے بہت سی غذائیں کھینچی ہیں یہانتک کہ تیرا جسم فربہ ہو گیا (غذا کا ملنا اور اُسمیں زمین و آسمان کو بواسطہ یا بلا واسطہ دخل ہونا ظاہر ہے) تونے (یہ) تن اجزائے عالم سے چرایا ہے (یعنی حاصل کیا ہے اور) اس (جزو عالم) سے اور اُس (جزو عالم) سے تونے پارہ پارہ قطع کیا ہے (اور وہاں سے قطع کر کے اپنے پاس جمع کیا ہے چنانچہ) زمین اور آفتاب اور آسمان سے بہت سے پارے تونے (اپنے) جسم اور جان (یعنی روح حیوانی) پر گانٹھے ہیں (چنانچہ بدن اور روح طبی یہ سب ان ہی اغذیہ سے حاصل ہوتی ہیں اور دزدیدن سے تعبیر کرنا باعتبار اس اخذ کے مخفیہ اور جلد واپس ہو جانے کے ہے اور اسی لئے آگے اس سے غافل ہونے کی غلطی بیان کرتے ہیں کہ تو ان چیزوں سے ہمیشہ غذا حاصل کرتا رہتا ہے) یہانتک کہ تو یہ گمان کرنے لگتا ہے کہ تو (اس جسم و جان کو) مفت لے اوڑا ہے (یعنی مفت کا مال ہاتھ آگیا ہے کوئی اس کا مالک نہیں ہے جو اسکو واپس لے اس لئے تو یہ سمجھتا ہی کہ) تجھسے اس (جزو مسروق) کو اور اُس (جزو مسروق) کو واپس نہ لیں گے (یہ تنبیہ ہے اس پر کہ اُس کے زوال و ذہاب سے غافل ہو جانا جیسا اکثر غافلین کی شان ہے وتتخذون مصانع لعلکم تخلدون یہ بڑی غلطی ہے اور ایسی مثال ہے جیسے کوئی کسی کا مال چرا کر بفکر ہو جاوے حالانکہ متاع مسروق پایدار نہیں ہوتی (مالک قادر جب توجہ کرے تب ہی لیلے) لیکن سارق کو (البتہ) زیر دار لے آتی ہے (اسناد ہے سبب کی طرف اسیطرح وہ متاع تجھسے مسترد ہو گی اور تو دار ہلاک کے نیچے آویگا اور یہ ہلاک بمعنی موت تو عام ہے مجرم و غیر مجرم کو اور تشبیہ صرف اخذ خفیہ و استرداد بالموت میں ہو گی اور ہلاک بمعنی العقوبت مقید ہو گا جرم کے ساتھ چونکہ مخاطب اہل غفلت ہیں اسلئے

اس ہلاک کا عدم عموم صحت کلام میں قادح نہیں غرض) یہ (متاع) عاریت ہے ذرا قدم کم جمانا چاہئے کیونکہ تو نے جو کچھ لیا ہے یہ ادا کرنا بھی ضروری ہے (کیونکہ مسروق مثل عاریت کے ہر وقت شرف سقوط وزوال پر ہے کیونکہ تمھاری ملک نہیں کی گئی اور یہ حکم اجسام وارواح حیوانیہ سب کو شامل ہے) بجز نفخت (فیہ من روحی کے مصداق) کے (کہ وہ روح انسانی عارف وعاشق ہے) کہ وہ حضرت واہب (بکثرت ہبہ کنندہ) کی طرف سے آئی ہے (اور مثل موہوب کے جو ملک کردی جاتی ہے گو یہاں اب بھی واہب ہی مالک ہے مگر بقار وعدم استرداد میں موہوب سے تشبیہ دی گئی یہ بھی زائل وفانی نہیں کی جاتی چنانچہ روح مذکور کی ابدیت وحیات دائمہ معلوم ہے وان عرض علیہ الفناء لا دفی لحظۃ وقت النفخ فہی غیر معتد بہا اور یہی قرینہ ہے اس کا کہ اوپر لفظ جان سے مراد روح حیوانی تھی آگے غرض اس مضمون کے بیان کی بتلاتے ہیں کہ ہمارا مقصود اجسام وروح حیوانی کے بیان فنار اور روح انسانی کے ذکر بقار سے یہ ہے کہ) تو روح کی فکر (اصلاح) میں رہ وہ دوسری چیزیں (مذکورہ سابقہ اجسام وروح حیوانی) سب بیہودہ ہیں (یعنی قابل اہتمام والتفات نہیں چنانچہ آگے یہی تفسیر کرتے ہیں کہ) میں اسکو بیہودہ بہ نسبت روح (انسانی) کے کہتا ہوں (کہ اس کے درجہ میں قابل اہتمام والتفات نہیں) نہ کہ حق تعالیٰ کے صنیع محکم (وباحکمت) کے اعتبار سے (کہ اس اعتبار سے کوئی چیز بھی بیہودہ نہیں قال تعالیٰ ربنا ما خلقت ھذا باطلا وبالمعنی الاول فی الحدیث الا کل شئ ما خلا اللہ باطل فثبت للباطل المعنیان بالکتاب والسنۃ احدہما اثبت والآخر منفی)۔

بیان استمدادِ عارف از سرِ چشمۂ حیوۃ ابدی و مستغنی شدن از استمداد و اجتذاب چشمہائے بے وفا کہ علامۃ ذلک التجافی عن دار الغرور کہ آدمی چون مدد ہائے این چشمہا اعتماد کند در طلب چشمۂ دائم سست شود چنانکہ حکیم الٰہی سفر ماید

رباعی
کاریز درون جان تو می باید ✽ کز عاریہ ہا ترا درے نکشاید
یک چشمۂ آب از درون خانہ ✽ بہ زان جوئے کہ از بروں می آید

حبذا کاریز اصل چیزہا	فارغت آرد ازیں کاریزہا
بہت خوب ہے چشمہ جو کہ اصل ہے اشیاء کی	تجکو ان کاریزوں سے فارغ کردے گی

چشمۂ آبے درونِ خانہ
گھر کے اندر ایک چشمہ پانی کا بہتر ہے

بہ ز رودے کاں نہ در کاشانہ
اُس نہر سے جو گھر کے اندر نہ ہو

تو ز صد ینبوع شربت می کشی
تو صدہا چشمہ سے شربت کھینچ رہا ہے

ہر چہ زاں صد کم شود کاہد خوشی
جو چیز بھی اُن سو میں سے کم ہو جاوے تو خوشی گھٹ جاتی ہے

چوں بجوشد از دروں چشمہ سنی
جب اندر سے ایک چشمہ روشن جوش کرنے لگے

ز استراقِ چشمہ ہا گردی غنی
تو چشموں سے خفیہ حاصل کرنے سے تو غنی ہو جاوے

قرۃ العینت ز آب و گل بود
تیرا قرۃ العین اگر آب و گل سے ہو

راتبہ ایں قرّہ دردِ دل بود
تو ثمرہ اس قرّہ کا درد دل ہوگا

قلعہ را چوں آب آید از بروں
قلعہ کا پانی جب باہر سے آتا ہو

در زمانِ امن باشد بر فزوں
تو زمانۂ امن میں تو وہ ترقی پر ہوگا۔

چونکہ دشمن گردِ آں حلقہ کند
جب دشمن اُس قلعہ کے گرد محاصرہ کرلے

تا کہ اندر خونِ شاں غرقہ کند
تاکہ خون میں اُن کو غرق کرے

آب بیروں را ببرّند آں سپاہ
وہ سپاہ بیرونی پانی کو قطع کردیں

تا نباشد قلعہ را زانہا پناہ
تاکہ قلعہ کو اُن سپاہ سے پناہ نہ ہو سکے

آں زماں یک چاہ شورے از دروں
اُس وقت ایک شور کنواں اندر

بہ ز صد جیحونِ شیریں از بروں
بہتر ہے سو جیحوں شیریں سے جو باہر سے ہوں

قاطع الاسباب لشکر ہائے مرگ
سپاہ مرگ قاطع الاسباب

ہمچو دَے آید بقطعِ شاخ و برگ
خزاں کی طرح شاخ و برگ کی قطع کرنے کیلئے آتی ہے

در جہاں نبود مددشاں از بہار — جز مگر در جاں بہارِ روئے یار

تو اُن کو بہار سے کوئی مدد نہیں پہونچتی — بجز اس کے اگر روح میں روئے یار کی بہار ہو

زاں لقب شد خاک را دار الغرور — کو کشد پا را سپس یوم العبور

اسی سبب سے عالم خاک کا لقب دار الغرور ہوا ہے — کیونکہ وہ قدم پیچھے ہٹا لیتا ہے مرور کے دن

پیش ازاں بر راست و بر چپ میدوید — کہ بچینم درد تو چیزے نچید

اس سے پہلے دائیں بائیں دوڑتا پھرتا تھا — کہ تیری تکلیف میں اپنے اوپر لیلونگا کچھ لی تو نا

او بگفتے ہر ترا وقت غماں — دور از تو رنج و دہ کہ در میاں

وہ تجھکو غموں کے وقت کہا کرتا تھا — کہ رنج تجھسے دور ہے اور دس پہاڑ درمیان میں ہیں

چوں سیاہِ رنج آمد بست دم — خود نمی گوید ترا من دیدہ ام

جب سیاہ رنج آگئی اُس نے دم بند کر دیا — تو وہ خود یہ بھی نہیں کہتا کہ میں نے تجھکو دیکھا ہے

حق پئے شیطاں بدیں ساں زد مثل — کو ترا در رزم آرد با حیل

حق تعالیٰ نے شیطان کی ایک حالت اس طرح سے بیان کی — کہ وہ تجھکو جنگ میں لے آتا ہے حیلوں سے

کہ ترا گوید کہ پشتم من ترا — در بلاؤ در جفا و در عنا

کہ تجھسے کہتا ہے کہ میں تیرا مددگار ہوں — بلائیں اور جفائیں اور مشقت میں

کہ ترا یاری دہم من با توام — در خطرہا پیش تو من می دوم

کہ میں تجھکو مدد دونگا میں تیری ساتھ ہوں — خطرات میں تیرے سامنے دوڑوں گا

اسپرت باشم گہِ تیر خدنگ — مخلص تو باشم اندر وقت جنگ

میں تیرا سپر ہونگا تیر خدنگ کے وقت — میں تیرا مخلص ہونگا وقت تنگ میں

جان فدائے تو کنم در انتعاش
تجھپر جان فدا کردوں گا نشاط میں

رستمی شیری ہلا مردانہ باش
تو رستم ہے تو شیر ہے خبردار مردانہ رہنا

سوئے کفرش آورد زیں عشوہا
ان ہی فریبوں سے اُسکو کفر کی طرف لے آتا ہے

آں جوال خدعہ و مکر و دغا
وہ تھیلہ خداع اور مکرو دغا کا

چوں قدم بنہاد در خندق فتاد
جب اُس نے قدم رکھدیا اور خندق میں گرگیا

او بقاہا قاہ خندہ لب کشاد
تو اُس نے قہقہۂ خندہ کے ساتھ لب کھولدیئے

ہیں بیا من طمعہا دارم ز تو
ہاں آ میں تجھسے امیدیں رکھتا ہوں

گویدش رو رو کہ بیزارم ز تو
وہ اُسکو جواب دیتا ہے جا جا میں تجھسے بیزار ہوں

تو نترسیدی ز عدل کردگار
تو تو نہ ڈرا عدل کردگار سے

من ہمی ترسم تو دست از من بدار
میں تو ڈرتا ہوں تو مجھسے ہاتھ اُٹھالے

گفت حق او خود جدا شد از بہی
حق تعالی فرمائیں گے کہ وہ خود صلاح سے جدا ہو چکا تھا

تو بدیں تزویرہا ہم کے رہی
تو بھی ان حیلوں سے کب چھوٹ سکتا ہے

گفت حق او خود ز نیکی شد جدا
حق تعالی فرماوینگے کہ وہ خود نیکی سے جدا ہو چکا تھا

کے رہی ہم تو بدیں تزویرہا
تو بھی ان حیلوں سے کب چھوٹ سکتا ہے

فاعل و مفعول در روز شمار
فاعل اور مفعول روز شمار میں

روسیاہ اند و حریف و سنگسار
روسیاہ ہیں اور ایک دوسرے کے شریک اور مرجوم

رہزدہ و رہزن یقیں در حکم وداد
راہزدہ اور راہزن بالیقین حکم و عدل میں

در چہ بُعد اند و در بئس المہاد
چاہ لعنت میں ہیں اور بستر زشت میں

غول را و گول را کو را فریفت | از خلاص و فوز می باید شگفت

شیطان کو بھی اور اُس احمق کو بھی جسکو اوس نے فریب دیا | خلاص اور کامیابی سے صبر کر لینا چاہیے

ہم خر و خرگیر اینجا در گِل اند | غافل اند اینجا و آنجا آفل اند

یہاں گدہا اور گدہے کا پکڑنے والا دونوں دلدل میں ہیں | یہاں غافل ہیں اور وہاں غائب ہیں

جز کسانے را کہ واگردند از آں | در بہار فضل آیند از خزاں

بجز اُن لوگوں کے جو اُس سے رجوع کریں | بہار فضل میں آجاویں خزاں سے

توبہ آرند و خدا توبہ پذیر | امر او گیرند و او نعم الامیر

توبہ کریں اور خدا تعالیٰ توبہ قبول کرنیوالا ہے | وہ لوگ اُسکے حکم کو قبول کریں اور وہ بہت اچھا صاحب حکم ہے

چوں بر آرند از پشیمانی حنیں | عرش لرزد از انین المذنبیں

جب ندامت کے سبب آواز نالہ نکالتے ہیں | تو عرش کانپنے لگتا ہے گنہگاروں کی آواز گریہ سے

آنچناں لرزد کہ مادر بر ولد | دست شاں گیرد ببالا می کشد

ایسا کانپتا ہے جیسے ماں بچہ پر | اُس کا ہاتھ پکڑتا ہے اوپر کھینچ لیتا ہے

کاے خداتاں و اخریدہ از غرور | نک ریاض فضل و نک رب غفور

کہ اے لوگو تمکو خدا تعالیٰ نے دھوکہ سے چھڑا دیا | اب فضل کے باغ ہیں اور اب رب غفور ہے

بعد ازیں تاں برگ و رزق جاوداں | از سحاب حق بود نز ناوداں

اسکے بعد تمکو سامان اور رزق جاوداں | سحاب حق سے نصیب ہوگا نہ کہ پرنالہ سے

چونکہ دریا بر وسائط رشک کرد | تشنہ چوں ماہی بترک مشک کرد

جب دریا نے وسائط پر غیرت کی | تو تشنہ نے ماہی کی طرح مشک کو ترک کر دیا

کاین حدیث از حد امکان ست بیش	قصۂ شہزادگاں آور بہ پیش
کیونکہ یہ مضموں حد امکان سے زیادہ ہے	شہزادوںکا قصہ پیش کرو

(اوپر حظوظ جسم کے فانی اور حظوظ روح کے باقی ہونے کا مضمون تھا آگے بھی اول پر دوسری کی ترجیح اور تفضیل اور اسکی ترغیب تحصیل کی تفصیل ہے اور اسکی توضیح کے لئے آغاز میں ایک تمثیل ہے پس فرماتے ہیں کہ) بہت خوب ہے چشمہ (باطن و روح) جو کہ اصل ہے (معتدبہ) اشیاء کی (یعنی واردات من العلوم والحالات کی اور روح کا ان واردات کے لئے اصل ہونا ظاہر ہے یا اشیاء سے مراد اسباب لذات جسمیہ اور اصل بمعنی ارجح یعنی اُن مستلذات سے وہ کاریز ارجح ہے باعتبار اپنے متعلق یعنی کمالات باطنیہ مذکورہ کے اور مضمون مصرعہ ثانیہ ظاہراً اسی کا مؤید ہے یعنی) وہ کاریز (باطنی) تجھکو ان (ظاہری) کاریزوں سے (یعنی قویٰ مدرکہ و عاملہ جسمانیہ سے کہ منبع ہے لذات و حظوظ کا) فارغ کردیگی (یہ مصرعہ ظاہراً قرینہ ہے کہ کاریزہا اور چیزہا کا ایک مصداق ہے یعنی اصل کاریزہا اور فارغ کرنے کا راز ظاہر ہے کہ حظوظ روحانی صاف اور باقی ہیں اور حظوظ جسمانی مکدر اور منقطع ہیں چونکہ اس شعر میں دونوں حظوظ کو کاریز سے تشبیہ دی ہے آگے اسی عنوان سے تقریر ہے ارجحیۃ کی یعنی) گھر کے اندر ایک چشمہ پانی کا بہتر ہے اُس نہر سے جو گھر کے اندر نہو (اور نہر عادۃً چشمہ سے زائد ہوتی ہے یعنی حظ قلیل باطنی افضل ہے حظ کثیر ظاہری سے اس کے بہتر ہونے کی وجہ آگے شعر قلعہ را چوں آب آید الخ میں آدیگی جسکا حاصل باہر کے پانی کا انقطاع اور اندر کے پانی کا عدم انقطاع ہے) تو (اب تو) صد چشمہ سے (جو کہ خارجی ہیں) شربت کھینچ رہا ہے (یعنی اسباب حظوظ خارج سے ہیں اس لئے) جو چیز بھی اُن سو میں سے کم ہو جاوے تو خوشی گھٹ جاتی ہے (یعنی سامان حظ باہر کی چیزیں ہیں کہ کبھی رہیں کبھی نہ رہیں مثلاً اموال و اولاد و حشم و خدم کہ اگر کسی وقت ایک چیز یا سب سے جدائی ہو جاوے بس غم ہے پریشانی ہے اور) جب اندر سے ایک چشمہ روشن جوش کرنے لگے تو (ان مذکورہ) چشموں سے خفیہ (آب لذت) حاصل کرنے سے تو غنی ہو جاوے (اور اندروں کا مقابلہ میں آنا قرینہ ہے کہ شعر بالا میں صد ینبوع سے مراد خارجی ہیں آگے ہر چہ زاں صد کم شود کاہد خوشی کی ایک مثال ہے کہ مثلاً) تیرا قرۃ العین (یعنی مایہ سرور) اگر آب و گل سے ہو تو مژدہ اس قرۃ کا درد دل ہوگا (کیونکہ فراق سے ہر شے کی موت ہے اور اُس کا نتیجہ کلفت بخلاف حظوظ باطن کے کہ اُس کے اسباب کا حاصل قرب حق ہے جو دولت سرمدی ہے آگے تعلیل ہے مضمون چشمہ آبے دروں خانہ الخ کی یعنی دیکھو) قلعہ کا پانی جب باہر سے آتا ہو تو زمانہ امن میں تو وہ ترقی پر ہوگا (کیونکہ کارکن قلعہ سے باہر جاکر قلعہ کی طرف چھوڑ دینگے لیکن) جب دشمن اُس قلعہ کے گرد محاصرہ کرلے تاکہ خون میں اُن (قلعہ والوں) کو غرق کرے (یعنی ہلاک کرے اور) وہ سپاہ (دشمن کی اُس) بیرونی پانی کو قطع کردیں (اندر نہ جانے دیں) تاکہ قلعہ (والوں) کو اُن سپاہ (دشمن) سے پناہ نہو سکے (کیونکہ پناہ حاصل ہونا موقوف ہے سامان رسد خورد و نوش پر یہ سب شرط تھی اور جزا یہ ہے کہ) اُسوقت ایک شور کنواں اندر بہتر سو میٹھے

شیریں سے جو باہر سے ہوں (اسی طرح مثل سیاہ قاطع آب کے جب) سیاہ مرگ قاطع الاسباب خزاں کی طرح شاخ و برگ (یعنی اسباب حظوظ خارجیہ) کے قطع کرنے کے لئے آتی ہے تو اُن (مرنے والوں) کو بہار (منقضی) سے (جو اُس شاخ و برگ کا سبب تھا) کوئی مدد نہیں ہوپہنچتی (یعنی بہار عمر و حظ دنیا تو منقضی ہو گئی وہ اُن کو مسرور نہیں کرسکتی) بجز اس کے کہ اگر روح میں روئے یار کی بہار ہو (وہ بہار اس خزاں کو موجب غم نہیں ہونے دیتی کما قیل ؎ ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق + ثبت ست بر جریدۂ عالم دوام ما + آگے تفریع ہے مضمون در جہاں نبود مدد شان از بہار یعنی چونکہ جس بہار سے توقع مدد کی یعنی جس لذت سے توقع فرحت بخشی کی تھی وہ امید وقت پر غلط نکلی) اسی سبب سے عالم خاک (یعنی دنیا) کا لقب دار الغرور ہوا ہے (کما ہو منصوص فی حدیث العنوان والیضا یفہم من قولہ تعالیٰ وما الحیوۃ الدنیا الا متاع الغرور) کیونکہ وہ (دار یعنی دیار و اہل دار یعنی دنیوی یار غار) قدم پیچھے ہٹا لیتا ہے عرور (من الدنیا) کے دن (اور) اُس (یوم المرور) سے پہلے (یہ حال تھا کہ) دائیں بائیں دوڑتا پھرتا تھا (اور کہتا تھا) کہ تیری تکلیف میں اپنے اوپر لیلونگا (مگر) کچھ لی تو نا (اور) وہ (یار دنیوی) تجکو غموم کے وقت کہا کرتا تھا کہ (غم نکر رنج تجھسے ابت دور ہے اور (وجہ اُسکی یہ ہے کہ) دس پہاڑ (تیرے اور اُس رنج کے) درمیان میں ہیں (یعنی میں معاون موجود ہوں کسی رنج کو تجھ تک نہ آنے دونگا اس طرح حائل ہو جاؤنگا جیسے گویا درمیان میں دس پہاڑ کھڑے ہوں مطلب یہ کہ میری قوی اعانت تیرے ساتھ ہے مگر) جب سیاہ رنج آگئی (اور) اُس نے (اگر) دم بند کر دیا تو (اب) وہ خود یہ بھی نہیں کہتا کہ میں نے (کبھی) تجکو دیکھا (بھی) ہے (اس طرح سے الگ ہو گیا اور غرور اور دھوکہ کی حقیقت یہی ہے کہ پہلے تو امید دلادے اور عین وقت پر آنکھیں چرادے پس کشد پا را اور بیش ازاں دونوں مضمونوں کا مجموعہ علت ہوئی جملہ زاں لقب شد کی آگے اس غرور کی ایک مثال دیتے ہیں جو کہ قرآن مجید سے ماخوذ ہے یعنی) حق تعالیٰ نے شیطان کی ایک حالت اس طرح سے بیان کی کہ وہ تجھکو جنگ میں لے آتا ہے حیلوں سے (وہ حیلہ یہ ہے) کہ تجھسے کہتا ہے کہ میں تیرا مددگار ہوں بلائیں اور جفائیں اور مشقت میں (اور کہتا ہے) کہ میں تجکو مدد دونگا میں تیرے ساتھ ہوں (اور) خطرات میں تیرے سامنے دوڑونگا (اور) میں تیرا اسپر ہونگا تیر خدنگ کے وقت (در نسخہ ست محکم کہ ازاں تیر میسا زندا ور) میں تیرا مخلص ہونگا وقت تنگ میں (اور) تجھ پر جان فدا کر دونگا نشاط (و شوق کی حالت) میں (یعنی شوق سے تجھپر فدا ہو جاؤنگا نہ کہ کراہت سے فی الغیاث فارسیان بمعنی عیش و نشاط استعمال کنند اھ اور بڑھاوے دینے کے لئے کہتا ہے کہ) تو رستم ہے تو شیر ہے خبردار مردانہ رہنا (غرض) ان ہی فریبوں سے اُس کو کفر کی طرف لے آتا ہے (مراد یہ کہ قتال کی طرف کیونکہ دین کے سبب مسلمانوں سے قتال کرنا کفر ہے آگے فاعل ہے آورد کا یعنی) وہ تھیلہ خداع اور مکر و دغا کا (یعنی شیطان کہ جامع ہے ان ذمائم کا اور) جب (اُس کے بہکانے سے) اُس (بہکائے میں آجانے والے) نے (آگے) قدم رکھدیا اور خندق میں گر گیا (یعنی مصیبت میں پھنس گیا) تو اُس (شیطان) نے قہقہہ خندہ کے ساتھ لب کھولدئے (اُس وقت وہ شخص شیطان سے کہتا ہے کہ) ہاں (حسب وعدہ مدد کے لئے) آ میں تجھسے امیدیں رکھتا ہوں وہ اُسکو جواب دیتا ہے جا جا میں تجھسے بیزار ہوں (اور یہ بھی کہتا ہے کہ) تو تو نے ڈرا عدل کر دگار

(مضمون المر...)

(کہ اہل حق کے مقابلہ میں آگیا مگر میں تو (خدا سے) ڈرتا ہوں تو مجھ سے ہاتھ اٹھالے (اور اس کا مثال غرور ہونا ظاہر ہے کہ اول توقع دلائی پھر خلاف کیا اور دھوکہ یہی ہے اب یہاں احتمال تھا کہ گو یہاں دھوکہ میں آنے سے یہ خسارہ ہوا لیکن شاید قیامت میں اس شخص کا یہ عذر پذیرا ہو جاوے کہ مجھکو شیطان نے بہکا دیا تھا تو اس صورت میں دار الغرور کا ضرر ممتد نہ ہوگا تو اس سے حذر بھی چنداں مہتم بالشان نہ ہوگا جیسا مولانا کے کلام سے جو قبل شعر زاں لقب شد الخ سے زیادہ اہتمام معلوم ہوتا ہے آگے اس احتمال کو دفع کرتے ہیں کہ ایسا عذر بعض مجرمین کرینگے بھی مگر اُن کے جواب میں) حق تعالیٰ فرماوینگے کہ وہ (شیطان) خود صلاح سے جدا ہو چکا تھا (اور یہ بات سبکو اور تجھکو بھی بتلادی گئی تھی پھر تونے اس کا اتباع کیوں کیا پس اس حالت میں) تو بھی ان حیلوں سے کب چھوٹ سکتا ہے (یہی اس لئے کہا کہ جسطرح شیطان بھی نہ چھوٹے گا آگے بھی اسی کی تاکید ہے کہ) حق تعالیٰ فرماوینگے کہ وہ خود نیکی سے جدا ہو چکا تھا تو بھی ان حیلوں سے کب چھوٹ سکتا ہے (جسطرح وہ نہ چھوٹے گا چنانچہ آگے تصریح ہے دونوں کے معذب ہونے کی یعنی) فاعل (مراد شیطان کہ فاعل ہے اضلال کا) اور مفعول (مراد یہ فریب خوردہ کہ مفعول بہ ہے فعل اضلال کا دونوں کے دونوں) روز شمار میں روسیاہ ہیں اور ایک دوسرے کے شریک (فی العذاب) اور مرجوم (و مطرود آگے تفسیر ہے فاعل و مفعول کی یعنی) راہ زدہ اور راہزن بالیقین حکم و عدل میں چاہ لعنت میں ہیں اور بستر زشت (یعنی جہنم) میں (آگے اس تفسیر کے مفہوم کا مصداق ہے یعنی) شیطان کو بھی اور اس احمق کو بھی جسکو اس نے فریب دیا خلاص اور کامیابی سے صبر کرلینا چاہیئے (کذا فی الغیاث بالکاف العربی یعنی ناامید ہو جانا چاہیئے آگے اس مضل بکسر الصاد اور مضل بفتح الضاد کی ایک مثال ہے کہ) یہاں گدہا اور گدہے کا پکڑنے والا دونوں دلدل میں (پھنسے) ہیں (اول مثال ہے ضال کی اور دوسری مضل کی اور جب اوپر کے کلام سے دونوں جگہ کا خسارہ ان دونوں کا ثابت ہو گیا تو بطور خلاصہ مجموع کے کہتے ہیں کہ) یہاں غافل ہیں (کہ حق کی طرف توجہ نکی) اور وہاں (جنت سے) غائب ہیں (فھو کقولہ تعالیٰ ومن کان فی ھذہٖ اعمیٰ فھو فی الآخرۃ اعمیٰ واضل سبیلا اور شعر حق پے شیطان الخ سے یہاں تک کا مضمون تین آیتوں سے ماخوذ ہے جو بترتیب منقول ہیں الاول قولہ تعالیٰ واذ زین لھم الشیطان اعمالھم وقال لا غالب لکم الیوم من الناس وانی جار لکم فلما تراءت الفئتان نکص علی عقبیہ وقال انی برئ منکم انی اری مالا ترون انی اخاف اللہ الایہ والثانی قولہ تعالیٰ الم اعھد الیکم یابنی آدم ان لا تعبدوا الشیطان انہ لکم عدو مبین وان اعبدونی ھذا صراط مستقیم ولقد اضل منکم جبلا کثیرا افلم تکونوا تعقلون والثالث قولہ تعالیٰ فکان عاقبتھما انھما فی النار خالدین فیھا الایہ اور چونکہ اس مضمون عدم قبول عذر فی الآخرۃ سے شبہ ہوتا تھا عدم قبول توبہ فی الدنیا کا بھی اس لئے آگے تائبین کا ان فریب خوردوں سے استثنا کرتے ہیں یعنی ضالین کو سب کو خلاص و فوز سے مایوس ہو جانا چاہیئے) بجز اُن لوگوں کے جو اس (ضلال) سے رجوع کریں (یعنی دنیا میں تائب ہو جاویں کما سیاتی اور ہمارے فضل میں آجاویں خزاں سے (نکلکر یعنی) توبہ کریں اور خدا تعالیٰ توبہ قبول کرنے والا ہے (قال تعالیٰ وھو الذی یقبل التوبۃ عن عبادہ ابر) وہ لوگ اس کے حکم کو قبول کریں (یعنی توبہ کر کے اعمال صالحہ بھی اختیار کئے کما قال تعالیٰ الا من تاب وامن وعمل

عملاً صالحا) اور وہ بہت اچھا صاحب حکم ہے (پس یہ لوگ) جب ندامت (و توبہ) کے سبب آواز نالہ نکالتے ہیں تو عرش کا پنپنے لگتا ہے گنہگاروں کی آواز گریہ سے (اور) ایسا کانپتا ہے جیسے ماں (اپنے) بچہ پر کانپ دھتی ہو جب وہ روتا ہو پس عرش اسوقت) اُس کا ہاتھ پکڑتا ہے (اور) اوپر کھینچ لیتا ہے (جیسے ماں بچہ کو گود میں لے لیتی ہے اور عرش اُن سے کہتا ہے) کہ اے لوگو تمکو خدا تعالیٰ نے (دنیا اور شیطان کے) دھوکہ سے چھڑا دیا (واضافتی الغرور الی الدنیا والشیطان ماخوذ من قولہ تعالیٰ فلا تغرنکم الحیوۃ الدنیا ولا یغرنکم باللہ الغرور) اور چھڑانا یہ کہ بعد حدوث کے اس میں بقا نہ ہوا سو) اب (تمھارے لئے) فضل کے باغ ہیں اور اب رب غفور ہے (اور اب) اس (توبہ) کے بعد تمکو سامان اور رزق جاودانی سحاب حق سے نصیب ہوگا نہ کہ پرنالہ سے (سحاب سے مراد وہب اور ناوداں سے مراد کسب کیونکہ ناوداں مصنوع عبد ہے اور سحاب مصنوع حق مطلب یہ کہ اس رزق میں کسب و تلاش کو کہ وسائط رزق ہیں دنیا میں دخل نہیں محض موہوب بلا ان وسائط کے ہے آگے ایک انتقال ہے کہ جنت میں تو توکل بمعنے ترک اسباب مظنونہ سب ہی کے لئے عام ہوگا کما یدل علیہ از سحاب حق بود الخ مگر خواص اہل اللہ دنیا میں بھی اس فضیلت سے مشرف ہیں چنانچہ) جب بے ریا (یعنی حضرت حق) نے وسائط (واسباب مظنونہ) پر غیرت کی (یعنی اُن خواص کو ذوقاً حق تعالیٰ کے ساتھ اپنے معاملہ میں یہ کشوف ہوا کہ وہ ان کے لئے اشتغال بالاسباب المذکورہ کو پسند نہیں فرماتے وہذا ہو المراد بالغیرۃ کما فی الحدیث ومن غیرتہ حرم الفواحش ان لم تکن ہذہ الغیرۃ الی مایقتضی التحریم) تو (اُس) تشنہ (رضائے حق) نے ماہی کی طرح مشک کو ترک کر دیا کہ ماہی دریا کے ہوتے ہوئے مشک کیطرف توجہ نہیں کرتی اسی طرح ان حضرات نے ایسے اسباب کو چھوڑ دیا اور جنت کے ذکر میں انکا ذکر اس لئے بھی مناسب ہے کہ اس درجہ کے توکل کو دخول جنت بغیر حساب میں دخل ہونا حدیث سے ثابت ہے۔ کما قال علیہ السلام ہم الذین لا یسترقون ولا یتطیرون ولا یکتوون وعلی ربہم یتوکلون اور اسباب میں مظنونہ کی قید اس لئے لگائی کہ اسباب مقطوعہ تو جنت میں بھی متروک نہونگے کالاکل والشرب للتمتع والتلذذ قال تعالیٰ کلوا واشربوا الا فاللہ قادر علی اعطاء اللذۃ بدون ہذہ الاسباب آگے رجوع ہے قصہ کی طرف یعنی) شہزادوں کا قصہ پیش کرو کیونکہ یہ مضمون (مذکور متعلق غرور دنیا یا توبہ یا توکل یا ہر واحد) حد امکان سے زیادہ ہو (یعنی اُس کا محیط بیان متعذر ہے کہ ہر مضمون کا بسط طویل ہے)۔

رواں شدن شہزادگاں در ممالک پدر بعد از وداع و اماده کردن شاه وقت وداع وصیت خود را

عزم رہ کردند آں ہر سہ پسر	سوئے املاک پدر رسم سفر
عزم راہ کیا اوں تینوں لڑکوں نے	باپ کی املاک کی طرف بطریق سفر کے

در طواف شہرہا و قلعہاش — از پئے تدبیر دیوان و معاش

اس کے شہروں اور قلعوں کے دورہ کی غرض سے — تدبیر دفتر اور محاصل کی غرض سے

خواستند از شہ اجازت گاہ عزم — داد اجازت شاں چو نیت دید جزم

انھوں نے عزم کے وقت بادشاہ سے اجازت چاہی — اس نے انکو اجازت دیدی جب نیت پختہ دیکھی

دست بوس شاہ کردند و وداع — پس بدیشاں گفت آں شاہ مطاع

اُنھوں نے بادشاہ کی دست بوسی کی اور وداع کیا — پھر ان سے اس بادشاہ مطاع نے کہا

ہر کجاتاں دل کشد عازم شوید — فی امان اللہ دست افشاں روید

تمکو دل جس جگہ لیجاوے عازم ہوجاؤ — فی امان اللہ کودتے پھاندتے چلے جاؤ

غیر آں یک قلعہ نامش ہش ربا — تنگ آرد بر کلہ داراں قبا

بجز اس ایک قلعہ کے کہ اس کا نام ہوش ربا ہے — وہ تاجداروں کو تنگی میں ڈالدیتا ہے

اللہ اللہ زاں دژ ذات الصور — دور باشید و بترسید از خطر

اللہ کے واسطے اللہ کے واسطے اس تصویروں والے قلعہ سے — دور رہنا اور خطر سے ڈرنا

روی و پشت برجہاش و سقف و پست — جملہ تمثال و نگار و صورت ست

اسکی روی اور پشت اور برج اور چھت اور فرش — سب کا سب نقش و نگار و تصویر ہی ہے

ہمچو آں حجرہ زلیخا پر صور — تا کند یوسف بناگاہش نظر

مثل اس حجرہ زلیخا کے کہ پر تصویر تھا — تاکہ یوسف علیہ السلام اچانک اسپر نظر کریں۔

چونکہ یوسف سوئے او می ننگرید — خانہ را پر نقش خود کرد از مکید

چونکہ یوسف علیہ السلام اسکی طرف نہ دیکھتے تھے — اس نے گھر کو اپنی تصویر سے پُر کردیا کید کے لئے

روی او را بیند او بے اختیار	تا بہر سو بنگرد آن گلعذار
بلا اختیار اُس کا چہرہ دیکھیں	تاکہ وہ گلعذار جسطرف دیکھیں

عزم راہ کیا اُن تینوں لڑکوں نے باپ کی املاک کی طرف بطریق سفر کے (املاک بالفتح جمع ملک بالکسر کذا فی الغیاث اور امکا یہ سفر اُس (باپ) کے شہروں اور قلعوں کے دورہ کی غرض سے (تھا اور یہ دورہ) تدبیر دفتر اور محاصل کی غرض سے (تھا پس لفظ در شروع شعر میں اجلیہ ہے کما فی الحدیث عذبت فی هرة اور متعلق ہے سفر مذکور فی الشعر السابق کے اور از تے متعلق ہے طواف کے واشرت الی ھذا کلہ فی الترجمۃ اور) انھوں نے عزم (سفر) کے وقت بادشاہ سے اجازت چاہی (اور) اُس (بادشاہ) نے اُن کو اجازت دیدی جب نیت پختہ دیکھی (پس) انھوں نے بادشاہ کی دست بوسی کی اور (اسکو) وداع کیا پھر اُن سے اُس بادشاہ مطاع نے کہا (کہ) تمکو دل جس جگہ لیجاوے عازم ہوجاؤ فی امان اللہ کودتے پھاندتے چلے جاؤ (فی الغیاث دست افشاندن رد کردن وترک کردن وبمعنی رقص کردن نیز آمدہ مطلب یہ کہ جہاں دل چاہے جاؤ) بجز اُس ایک قلعہ کے کہ اُس کا نام ہوش ربا ہے وہ تاجداروں کو تنگی میں ڈالدیتا ہے (کیونکہ اُسمیں نہایت حسین وجمیل تصویریں ہیں کہ سلاطین اُنکو دیکھکر صاحب تصاویر کے عاشق ہوکر مصیبت میں پڑجاتے ہیں اس طرح کہ قبا باوجود فراخ ہونے کے اُنپر تنگ ہوجاتی ہے جیسا خاصہ ہے مصیبت کا لقولہ تعالیٰ وضاقت علیہم الارض بما رحبت) اللہ کے واسطے اللہ کے واسطے اُس تصویروں والے قلعہ سے دور رہنا اور خطر سے ڈرنا اُس (قلعہ) کی روی اور پشت اور برج اور چھت اور فرش سب کا سب نقش ونگار وتصویر ہی ہے (اور اگر کسی کو اشکال ہو کہ ان تصویروں کا اُس قلعہ میں باقی رکھنا کیسے جائز ہوا جواب دو ہیں ایک یہ کہ شاید امم سابقہ میں کسی کا قصہ ہو اور ان میں اسکی اجازت تھی جیسا مثنوی میں سب سے پہلی حکایت بھی امم سابقہ کی ہے حیث قال بود شاہے در زمانے پیش ازیں والدلیل ھناک قتل الصائغ لصحۃ الجاریۃ فانظر ثمہ دوسرا جواب یہ کہ شاید یہ شخص محتاط نہ ہوا اور مولانا نے بھی کہیں اس بادشاہ کے دیندار ہونے کا ذکر نہیں فرمایا جیسا شاہ چین کے کامل ہونیکا بیان فرمایا ہے مگر یہ قلعہ شاہ چین کے عمل میں نہ تھا رہا یہ کہ یہ لڑکے اُن تصویروں کو دیکھنے کیسے گئے حالانکہ بعض اشعار مثنوی سے ان کا دیندار ہونا معلوم ہوتا ہے جواب بر تقدیر امم سابقہ میں سے نہ ہونے کے یہ ہو سکتا ہے کہ احیاناً صدور لمم کا قادح صلاح نہیں ہے قال اللہ تعالیٰ الا اللمم آگے اس قلعہ ذات الصور کی تشبیہ ہے کہ) مثل اُس حجرہ زلیخا کے کہ پُر تصویر تھا تاکہ یوسف علیہ السلام اچانک اُس (تصویر) پر نظر کریں (اور تصویر کے دیکھنے سے زلیخا کی طرف میلان ہوجاوے کیونکہ وہ تصویر زلیخا کی تھی چنانچہ آگے اسکی تفصیل ہے کہ) چونکہ یوسف علیہ السلام اُسکی (یعنی زلیخا کی) طرف (بوجہ عفت کے) نہ دیکھتے تھے (اس لئے) اُس نے گھر کو اپنی تصویر سے پُر کردیا کید (میلان) کے لئے (اُس کید کا بیان آگے آتا ہے یعنی) تاکہ وہ گلعذار (یعنی یوسف علیہ السلام) جس طرف دیکھیں بلا اختیار (وبلا ارادہ بواسطہ تصویر کے) اُس کا چہرہ دیکھیں (اور اُسکو دیکھکر میلان پیدا ہو مگر اللہ تعالیٰ نے اس پر بھی محفوظ رکھا مطلب یہ کہ ایسا ہی وہ قلعہ تھا)

بہر دیدہ روشناں یزدانِ فرد ‏— شش جہت را مظہر آیات کرد

یزداں واحد نے روشن چشموں کے لئے ‏— شش جہت کو دلائل کا مظہر کر رکھا ہے

تا بہر حیوان و نامی کانگرند ‏— از ریاضِ حسن ربانی چرند

تاکہ وہ جس حیوان اور جس نامی کو دیکھیں ‏— حسن ربانی کے باغوں سے غذا پاویں

بہر ایں فرمود با آں اسپہ او ‏— حیث وَلَّیتُم فثم وجہہ

اسی لئے اس نے اس گروہ سے فرمایا ہے ‏— کہ تم جس طرف منہ کرو ادھر ہی وجہ حق ہے

از قدح گر در عطش آبے خورند ‏— در درونِ آب حق را ناظر اند

وہ لوگ اگر پیاس میں پیالہ سے پانی پیتے ہیں ‏— پانی کے اندر حق تعالیٰ کے دیکھنے والے ہیں

آنکہ عاشق نیست او در آب در ‏— صورتِ خود بیند اے صاحب نظر

جو شخص عاشق نہیں وہ پانی کے اندر ‏— اپنی صورت تو دیکھتے ہیں اے صاحب نظر

صورتِ عاشق چو فانی شد درو ‏— پس در آب اکنوں کرا بیند بگو

عاشق کی صورت جب اسمیں فانی ہو گئی ‏— پس پانی میں وہ اب کسکو دیکھ رہا ہے کہو

حسنِ حق بینند اندر روے حور ‏— ہمچو مہ در آب از صنع غیور

وہ لوگ روئے حور میں حسن حق کو دیکھتے ہیں ‏— مثل چاند کے پانی میں غیور کے فعل سے ہے

غیرتش بر عاشقے و صادقیست ‏— غیرتش بر دیو و بر استور نیست

اسکی غیرت عاشق اور صادق پر ہے ‏— اس کی غیرت شیطان اور بہیمہ پر نہیں ہے

دیو اگر عاشق شود ہم گوئے برد ‏— جبرئیلے گشت و آں دیوی بمرد

اگر دیو عاشق ہو جاوے تو وہ بھی گوئے سبقت لیگیا ‏— وہ جبرئیل ہو گیا اور وہ دیوی کی صفت زائل ہو گئی

کہ یزیدے شد ز فضلش بایزید	اسلم الشیطاں درینجا شد پدید
کہ ایک یزید اس کے فضل سے بایزید ہو گیا	اسلم الشیطان اس جگہ ظاہر ہو گیا

(ان اشعار میں انتقال ہے کہ جسطرح زلیخا نے یوسف علیہ السلام کے لئے تمام اجزا حجرہ کو پر تصویر کر رکھا تھا کہ ذریعہ ہو مشاہدہ جمال زلیخا کا اسی طرح) یزدان واحد نے روشن چشموں (یعنی عارفین) کے لئے شش جہت (عالم) کو (اپنی) دلائل (قدرت وکمالات) کا منظر کر رکھا ہے (پھر وہ دلائل مظہر ہیں صفات وکمالات حق کے فالجہات مظہر للآیات ظہرت فیہا الایات والآیات ظہرت فیہا الکمالات) تاکہ وہ جنس حیوان اور جنس (جسم) نامی کو (کہ حیوان کے لئے جنس قریب ہے) دیکھیں (بزیادۃ الالف فی نگرند کما فی قول مولانا جرجیہ بود بستنے اشکستہ را الواقع فی الدفتر الاول قبیل عنوان زیادت تاویل مگس) حسن ربانی کے باغوں سے غذا پاویں (چنانچہ عارفین کا ہر چیز میں حق تعالیٰ کے صفات وکمالات کا مشاہدہ کرنا ظاہر ومعلوم ہے اور مظہریت الجہات للآیات مذکورہ مصرعہ شش جہت سے اصل مقصود اسی مظہریۃ الآیات للکمالات مذکورۂ شعر تاہم حیوان کا حکم کرنا ہے) اسی لئے اس نے (یعنی یزدان فرد نے) اس گروہ (عارفین) سے فرمایا ہے کہ تم جسطرف منہ کرو وہی وجہ حق ہے (یہ مضمون ہے اس آیت کا فاینما تولوا فثم وجہ اللہ وزن شعر میں وہ الفاظ نہیں آسکے اور یہاں ظاہراً دو اشکال ہیں ایک یہ کہ اس کے مخاطب تمام مؤمنین ہیں تخصیص عارفین کی نہیں دوسرے یہ کہ سبب نزول اس کا صلوٰۃ بالتحری ہے نہ کہ مشاہدہ کمالات حق کا تمام آفاق میں جواب اشکال اول کا یہ ہے کہ مراد فرمود بالّٰ سے مطلق خطاب نہیں بلکہ خطاب اولاً ہے اور ظاہر ہے کہ مخاطب اول قرآن مجید کے صحابہ ہیں اور دوسرے مخاطب ثانیاً اور صحابہ کا عارف ہونا ظاہر ہے پس مراد یہ ہے کہ مخاطب اول اس مضمون کے عارفین ہیں اور جواب اشکال ثانی کا یہ ہے کہ گو سبب نزول خاص ہے مگر الفاظ تو عام ہیں جسمیں صلوٰۃ بالتحری اور مشاہدہ جمال وکمال حق دونوں آگئے اور چونکہ مضمون فی نفسہ صحیح اور دوسری نصوص میں مصرح ہے اس لئے اگر اس آیت کے عموم میں بھی اسکو لیلیا جاوے تو قواعد صحیحہ کے خلاف نہیں وہ نصوص یہ ہیں سنریہم آیاتنا فی الآفاق وفی انفسہم اور اولم ینظروا فی ملکوت السموات والارض وما خلق اللہ من شیء اور ومن آیاتہ ان خلقکم من تراب الی قولہ ومن آیاتہ ان تقوم السماء والارض الایات فی الروم اور اگر اسپر اشکال ہو کہ یہ نصوص عارفین کے ساتھ خاص نہیں جواب یہ ہے کہ رؤیت ونظر واعتبار کے مراتب مختلف ہیں اُن کا درجۂ اکمل عارفین کے ساتھ خاص ہے اور مطلق انکا عام ہے جیسا کہ بعض آیات میں باوجود عموم لغیر المؤمنین کی بھی تخصیص اہل علم کی واہل عقل کی واہل ایمان کی فرمادی ہے باعتبار اصل انتفاع یا کمال انتفاع کے آگے اسی کی قدرے تفصیل ہے کہ) وہ (عارف) لوگ اگر پیاسے ہیں پیالہ سے پانی پیتے ہیں پانی کے اندر حق تعالیٰ کو دیکھنے والے ہیں (اور باوجود اس حکم کے بدیہی ہونے کے بوجہ اس کے کہ بعض پر خفی ہے آگے اس پر ایک خاص تنبیہ کہ دوسری تنبیہات سے لطیف تر ہے فرماتے ہیں کہ یہ ظاہر ہے کہ) جو شخص (حق تعالیٰ کا) عاشق نہیں (جیسا اکثر محجوبین ہیں) وہ

پانی کے اندر اپنی صورت تو (ہر حال میں خواہ وہ عارف بھی ہو ضرور ہی) دیکھتے ہیں اے صاحب نظر (کیونکہ جسم صقیل پر نظر کرنے کو اپنی صورت کا نظر آنا لازم ہے اور پانی پینے والا پانی میں عادۃً نظر کرتا ہی ہے پس لامحالہ اسکو اپنی صورت تو ضرور ہی نظر آویگی پھر) عاشق کی صورت جب اس میں (یعنی ذات حق میں) فانی ہوگئی (جیسا عارفین اس دولت سے مشرف ہوتے ہیں) پس (یہ بتلاؤ کہ) پانی میں وہ اب کسکو دیکھ رہا ہے کہو (مطلب یہ کہ اپنی صورت تو اسکو اب بھی نظر آویگی بوجہ فنا کے وہ اپنی صورت رہی نہیں تو پھر وہ جو نظر آرہی ہے وہ کیا ہے لامحالہ یہی کہوگے کہ وہ صورت حق ہے یعنی مظہر حق پس ہمارا دعوی مذکورہ یعنی در درون آب حق را ناظر ند ثابت ہوگیا آگے ترقی ہے مضمون مذکور میں یعنی پانی تو کوئی دل ربا چیز نہیں اگر اس سے نظر منتقل ہوجاوے جمال حق کی طرف تو بعید نہیں ان کے مشاہدہ کی یہ کیفیت ہے کہ) وہ لوگ روئے حور میں (بھی جو کہ اپنی طرف دل کو کشش کرکے دوسری طرف منتقل ہونے نہیں دیتا وہ اس میں بھی) حسن حق (ہی) کو دیکھتے ہیں (اور حور کی طرف ملتفت نہیں ہوتے چنانچہ میں نے حضرت مولانا فضل رحمٰن صاحب گنج مرادآبادی قدس سرہٗ کا مقولہ غالباً بواسطہ سُنا ہے کہ جب ہم جنت میں جاوینگے اور ہمارے پاس حوریں آوینگی ہم ان سے صاف کہدینگے کہ بی اگر ہمکو قرآن سناؤ تو بیٹھ جاؤ ورنہ جاؤ انتہی آگے مضمون مصرعہ اول کی تشبیہ ہے یعنی) مثل چاند کے پانی میں (کہ چاند کا عاشق گو ظاہر میں پانی کو دیکھ رہا ہے مگر مقصود اس کا چاند ہی کو دیکھنا ہے اور یہ ان کا حسن حق کو مجھے حور میں دیکھنا) غیور (یعنی حق تعالیٰ) کے فعل سے ہے (مراد فعل سے فعل غیرت ہے یعنی سبب اس کا یہ ہے کہ حق تعالیٰ غیور ہیں کما فی الحدیث ان سعدًا الغیور وانا اغیر منه والله اغیر منی پس وہ غیور ہونے کے سبب اسکو گوارا نہیں کرتے کہ ان کا عاشق غیر پر نظر کرے جب عاشق کو یہ دلیلاً وذوقاً معلوم ہوگیا پس اگر اسکی نظر غیر پر پڑ بھی جاتی ہے وہ قصداً بھی اور حالاً بھی اس میں بھی حق تعالیٰ ہی کو مشاہدہ کرتا ہے تاکہ یہ غیر منظور بالذات نہ ہوجاوے محض مرآۃ کے درجہ میں رہے آگے ایک سوال کا جواب ہے کہ اگر سبب اس کا غیرت ہے تو چاہیئے کہ کسی کی نظر بھی غیر پر نہ پڑا کرے اسمیں عارفین کی کیا تخصیص ہے اسکا جواب دیتے ہیں کہ) اُنکی غیرت عاشق اور صادق پر ہے اُنکی غیرت شیطان اور بہیمہ (صفت انسان) پر نہیں ہے (کیونکہ مدعی محبت پر محبوبین کو اس درجہ خاصہ کی غیرت ہوا کرتی ہے گو نفس غیرت سب پر ہو فلا ینقض لقوله علیه السلام ومن غیرته حرم الفواحش ءم کون التحریم عامًا پس عارفین کی وہ تخصیص معلوم ہوگئی اور پر دیو و مثلہ کے لئے جو حکم کیا ہے غیرتش بر دیو و برا ستور نیست اس سے آگے ایک استثناء فرماتے ہیں کہ البتہ) اگر دیو عاشق ہوجاوے تو وہ بھی گوئے سبقت لیگیا وہ جبرئیل (کی طرح عارف) ہوگیا اور (اسکی) وہ دیوی کی صفت زائل ہوگئی (اور اس حدیث میں اس کے لئے بھی عارف کے احکام ثابت ہوگئے اور یہ استثنا ایسا ہے جیسا قرآن مجید میں جابجا ذم کفار کے بعد الا الذین آمنوا فرما دیا جاتا ہے کما فی قوله تعالیٰ ولئن اذقنا الانسان منا رحمة الی قوله انه لفرح فخور ثم قال الا الذین صبروا وعملوا الصلحت الایه آگے حدیث سے اس استثنا کی تائید ہے کہ) اسلم الشیطان (کا مضمون) اس جگہ ظاہر ہوگیا کہ ایک یزید (صفت) اس کے فضل سے بایزید (صفت) ہوگیا (تو اس استثنا میں یہ استبعاد مت کرو کہ شیطان کس طرح زائل الشیطنت اور عارف ہوسکتا ہے حدیث کو الفاظ یہ ہیں ولکن الله اعانني علیه فاسلم علی روایة الماضی الغائب لا المضارع المتکلم)

این سخن پایاں ندارد اے گروہ — ہیں نگہدارید ازاں قلعہ وجوہ

یہ مضمون انتہا نہیں رکھتا اے گروہ — ہاں محفوظ رکھنا اُس قلعہ سے نفوس کو

ہیں مبادا کہ ہوس تاں رہ زند — کہ فتید اندر شقاوت تا ابد

ہاں ایسا نہو کہ ہوس تمھارا راہ مارے — کہ تم ابد تک شقاوت میں پڑ جاؤ

از خطر پرہیز آمد مفترض — بشنوید از من حدیث بے غرض

خطرہ سے پرہیز کرنا فرض ہے — مجھسے کلام بے غرض سن لو

در فرج جوئی ہمہ تن تیز بہ — از کمینگاہِ بلا پرہیز بہ

کشائش طلبی میں ہمہ تن سرگرم بہتر ہے — کمینگاہ بلا سے پرہیز بہتر ہے

گر نمی گفت ایں سخن را آں پدر — ور نمی فرمود ازاں قلعہ حذر

اگر وہ باپ اس مضمون کو نہ کہتا — اور اگر اُس قلعہ سے حذر کرنیکا حکم ندیتا

خود بداں قلعہ نمی شد خیل شاں — خود نمی افتاد آں سو میل شاں

تو خود ہی اُس قلعہ کی طرف اُن کی جماعت نہ جاتی — خود ہی اُسطرف اُن کا میلان واقع نہوتا

کاں نبد معروف وبس مہجور بود — از قلاع واز مناہج دور بود

کیونکہ وہ مشہور نتھا اور بالکل متروک تھا — قلعوں سے اور راستوں سے دور تھا

چوں بکرد آں منع دل شاں زاں مقال — در ہوس افتاد و در کوئے خیال

جب اُس نے منع کیا تو اُن کا دل اُس مقال سے — ہوس میں اور کوئے خیال میں واقع ہوگیا

رغبتے زیں منع در دل شاں برست — کہ بباید سرِّ آں را باز جست

اس ممانعت سے اُن کے دل میں ایک رغبت پیدا ہوگئی — کہ اُس کے راز کو تفحص کرنا چاہیئے

کیست کز ممنوع گردد ممتنع
وہ کون شخص ہے جو منع کی ہوئی چیز سے باز رہ جاوے

چونکہ الانسان حریص ما منع
جبکہ انسان منع کی ہوئی چیز پر حریص ہوتا ہے

نہی بر اہل تقی تبغیض شد
نہی اہل تقویٰ پر موجب تنفیر ہو گئی

نہی بر اہل ہوا تحریص شد
نہی اہل ہوا پر موجب ترغیب ہو گئی

پس ازیں یغوی بہ قوماً کثیر
پس اسی طور سے بذریعہ قرآن قوم کثیر کو اللہ تعالیٰ گمراہ کرتا ہے

ہم ازیں یہدی بہ قلباً خبیر
نیز اسی طور سے بذریعہ قرآن قلب آگاہ کو اللہ تعالیٰ ہدایت کرتا ہے

کے رمد از نے حمام آشنا
بانس سے پلا ہوا کبوتر کب بھاگتا ہے

بل رمد زان نے حمامات ہوا
بلکہ اس بانس سے ہوائی کبوتر بھاگ جاتے ہیں

پس بگفتندش کہ خدمت ہا کنیم
پس بادشاہ سے زنگو نے کہا کہ ہم خدمتیں کریں گے

بر سمعنا و اطعنا ہا تنیم
سمعنا و اطعنا پر آمادہ رہیں گے

رو نگردانیم از فرمان تو
آپ کے حکم سے روگردانی نہ کریں گے

کفر باشد غفلت از احسان تو
آپ کے احسان سے غفلت کرنا کفران کی بات ہے

لیک استثنا و تسبیح خدا
لیکن استثنا اور خدا کی تسبیح کرنا

ز اعتماد خود بد از ایشان جدا
اپنے اوپر اعتماد کرنے کے سبب ان سے بعید رہا

ذکر استثنا و حزم ملتوی
ذکر استثنا کا اور احتیاط کا جو کہ ملفوف ہے

گفتہ شد در ابتدائے مثنوی
ابتدائے مثنوی میں کیا گیا ہے

صد کتاب ار هست جز یک باب نیست
اگر سو کتاب ہیں بجز ایک باب کے نہیں

صد جہت را قصد جز محراب نیست
سو جہت کا مقصود بجز محراب کے نہیں

این طرق را منتہی یک خانہ است — این ہزاران سنبل از یک دانہ است

ان سب راستوں کا منتہی ایک گھر ہے — یہ ہزاروں خوشے ایک دانہ سے ہیں

گونہ گونہ خوردنیہا صد ہزار — جملہ یک چیزست اندر اعتبار

گونا گونہ مطعومات لاکھوں — سب ایک ہی چیز ہیں غور کرنے میں

از یکے چون سیر گشتی تو تمام — سرد شد اندر دلت پنجہ طعام

جب تو ایک سے پورا سیر ہو چکا — تو تیرے دل میں پچاس طعام سرد ہو گئے

در مجاعت پس تو احول بودۂ — کہ یکے را صد ہزاران دیدۂ

تو بھوک میں احول ہو رہا تھا — کہ ایک کو لاکھوں دیکھ رہا تھا

گفتہ بودیم از سقام آن کنیز — در طبیبان و قصور فہم نیز

ہم نے اس کنیز کے مرض کی حکایت بیان کی تھی — اور اطبا اور قصور فہم کی بھی

کان طبیبان ہمچو اسپ بے فسار — غافل و بے بہرہ بودند از سوار

کہ وہ طبیب مثل اسپ بے رسن کے — سوار سے غافل اور بے بہرہ تھے

کامشان پر زخم از قرع لگام — سمشان مجروح از تحویل گام

ان کے تالو پر زخم ہے لگام کے جھٹکوں سے — ان کا سم مجروح ہے قدم کی تحریک سے

ناشدہ واقف کہ نک بر پشت ما — رائضے چستست استادی نما

واقف نہ ہوئے کہ اس وقت ہماری پشت پر — ایک گھوڑوں کا سدھانے والا ہوشیار جو کمال ظاہر کر رہا ہے

نیست سرگردانی ما زین لگام — جز ز تصریف سوار دوست کام

ہماری سرگردانی جو اس لگام سے ہو رہی ہے — بجز تصرف سوار کامیاب کے نہیں ہے

ما پے گل سوے بستان ہا شدہ
ہم باغوں کی طرف پھول کیلئے گئے تھے

گل نمودہ آن و آن خارے بدہ
وہ پھول دکھلائی دیا اور وہ خار تھا

ہیچ شان این نے کہ گویند از خرد
اُن کو بالکل توفیق نہ ہوئی کہ عقل سے کہتے

بر گلوے ما کہ می کوبد لگد
ہمارے حلق پر کون لاتیں مار رہا ہے

آن طبیبان آنچنان بندہ سبب
وہ اطبا اس طرح سے بندۂ سبب ہو گئے

گشتہ اند از مکر یزدان محتجب
اضلال حق کے سبب محجوب ہو گئے

گر بہ بندی در صطبلے گاو نر
اگر تو کسی اصطبل میں ایک بیل باندھ دے

باز یابی در مقام گاو خر
پھر بیل کی جگہ ایک گدھا پاوے

از خری باشد تغافل خفتہ وار
تو حماقت میں داخل ہو گا سوتے ہوئے شخص کی طرح سے تغافل کرنا

کہ نجوئی تا کیست این خفیہ کار
کہ تو اُس کی تلاش نہ کرے کہ یہ خفی الصنعت کون ہے

خود نگفتہ کاین مبدل تا کیست
یہ نہیں کہتا کہ یہ تبدیلی کرنے والا کون ہے

نیست پیدا او مگر افلاکیست
وہ محسوس ہے نہیں شاید افلاکی ہے

تیر سوے راست پرانیدۂ
تو نے داہنی جانب تیر چلایا تھا

سوے چپ رفتہ است تیرت دیدۂ
تیرا تیر بائیں جانب چلا گیا تو نے دیکھا ہے

سوے آہوے بصیدی تاختی
تو آہو کی طرف صید کرنے کیلئے دوڑا

خویش را تو صید خوکے ساختی
تو نے اپنے کو ایک خوک کا صید بنا دیا

در پے سودے دویدہ بہر کبس
کوئی شخص ایک نفع کے پیچھے دوڑا لوٹنے کی غرض سے

نا رسیدہ سود و افتادہ بحبس
نفع تک تو رسائی نہ ہوئی اور حبس میں پڑ گیا

چاہہا کندہ برائے دیگراں — خویش را دیدہ فتادہ اندراں

دوسروں کے لئے کنوے کھودے تھے — اُس میں اپنے کو گرا ہوا دیکھا

در سبب چوں بے مرادت کرد رب — پس چرا بدظن نگردی در سبب

جب تجکو پروردگار نے سبب میں بے مراد کردیا — پھر تو سبب کے بارے میں کس لئے بدگماں نہیں ہوتا

بس کسے از مکسبے خاقاں شدہ — دیگرے زاں مکسبہ عریاں شدہ

بہت آدمی ایک کمائی سے نواب ہوگئے — دوسرا اُسی کمائی سے ننگا ہی رہ گیا

بس کس از عقد زناں قاروں شدہ — بس کس از عقد زناں مدیوں شدہ

بہت آدمی عورتوں کے نکاح سے قاروں ہوگئے — بہت آدمی عورتوں کے نکاح سے مقروض ہوگئے

پس سبب گرداں چو دمّ خر بود — تکیہ بروے کم کنی بہتر بود

پس سبب دم خر کی طرح گھومتا ہے — اس پر اعتماد کم کرے تو بہتر ہے

در سبب گیری نہ گردی ہم دلیر — کہ بس آفت ہاست پنہانش بزیر

مباشرت اسباب میں بھی دلیر نہ ہوجانا — کیونکہ اسکے تحت میں بہت سی آفتیں مخفی ہیں

سر استثناست ایں حزم و حذر — زانکہ خر را بُز نماید ایں قدر

استثنار کا راز بھی احتیاط اور حذر ہے — اسلئے کہ یہ قدر خر کو بُز کرکے دکھلا دیتی ہے

آنکہ چشمش بست گرچہ گربز ست — زاحولی اندر دو چشمش خر بز ست

جسکی آنکھ بند کردی اگرچہ وہ سیانا ہے — احولی کے سبب اُسکی دونوں آنکھ میں گدھا بکری ہے

چوں مقلب حق بود ابصار را — او بگرداند دل و افکار را

جب حق تعالیٰ ابصار کی تقلیب کردیتے ہیں — تو وہ قلب اور فکر کو بھی منقلب کردیتے ہیں

چاه را تو خانهٔ بینی لطیف
تو کنوئے کو ایک لطیف گھر دیکھتا ہے

دام را تو دانهٔ بینی ظریف
تو دام کو دانۂ تازہ دیکھتا ہے

مشرکاں را در دو چشم اہل بدر
اللہ تعالیٰ نے اہل بدر کی آنکھ میں مشرکین کو

کم نموده تا ندارد ہیچ قدر
کم کرکے دکھلایا تاکہ وہ مجمع کچھ وقعت نہ رکھے

ایں تسفسط نیست تقلیب خداست
یہ سوفسطائیت نہیں ہے خدا تعالیٰ کی تقلیب ہے

می نماید که حقیقتہا کجاست
اور یہ دکھلاتے ہیں کہ حقائق کہاں ہیں

آنکه انکار حقایق می کند
جو شخص حقائق کا انکار کرتا ہے

جملگی او بر خیالے می تند
وہ تو بالکلیہ خیال ہی پر تنا ہوا ہے

او نمی گوید که حسبان خیال
وہ یہ نہیں کہتا کہ یہ خیال سمجھنا

ہم خیالے باشدت چشمے بمال
بھی تیرا ایک خیال ہوگا تو آنکھ مل

یہ مضمون (صفات عشاق صادقین کا) انتہا نہیں رکھتا اے گروہ (اس لئے قصہ کی طرف رجوع کیا جاتا ہے کہ بادشاہ نے لڑکوں سے کہا کہ) ہاں محفوظ رکھنا اُس قلعہ سے (اپنے) نفوس کو (اور ممکن ہے کہ قلعہ مضاف ہو وجوہ بمعنی صور کی طرف اور مگذارید کا مفعول مقدر ہو یعنی خود را نگہدارید از قلعہ صور) ہاں ایسا نہ ہو کہ ہوس تمہارا راہ مارے کہ تم ابد تک شقاوت میں پڑ جاؤ خطرہ سے پرہیز کرنا فرض ہے (قال تعالیٰ ولا تلقوا بایدیکم الی التهلكة) مجھے کلام بے غرضی سن لو کشایش طلبی میں ہمہ تن سرگرم (ہونا) بہتر ہے (اور) کمینگاہ بلا سے پرہیز بہتر ہے (یعنی ضرر موجود کے دفع میں بھی کوشش کرنا ضرور ہے ہو المصراع الاول اور ضرر محتمل سے بچنے میں بھی کوشش کرنا ضرور ہے وہو المصراع الثانی آگے ایک خاصہ طبیعت کا بیان فرماتے ہیں کہ) اگر وہ باپ اس مضمون کو نہ کہتا اور (تفسیر اس مصرعہ کی یہ ہے کہ اگر اُس قلعہ سے حذر کرنے کا حکم نہ دیتا تو خود ہی اُس قلعہ کی طرف اُن کی جماعت نہ جاتی (اور) خود ہی اُس طرف اُنکا میلان واقع نہ ہوتا کیونکہ وہ (قلعہ) مشہور نہ تھا اور بالکل متروک تھا (اور) قلعوں سے اور راستوں سے دور تھا اس لئے وہاں جانے کا کوئی احتمال قریب نہ تھا مگر) جب اُس نے منع کیا تو اُن کا دل اُس مقال سے ہوس میں اور کھوئے خیال میں واقع ہوگیا (اور) اس ممانعت سے اُن کے دل میں ایک رغبت پیدا ہوگئی کہ اُس (قلعہ) کے راز کو تفحص کرنا چاہئے

وہ کون شخص ہے (یعنی کم ہے) جو منع کی ہوئی چیز سے باز رہ جاوے جبکہ (یہ بات تجربہ کی ہے کہ) انسان منع کی ہوئی چیز پر حریص ہوتا ہے (آگے اُس کیست کا مصداق ہو کہ تحقق میں قلیل ہے بتلاتے ہیں کہ) نہی (شرعی) اہل تقوی پر فعل ممنوع سے) موجب تنفیر ہوگئی (وہ مصداق یہ ہے اور اُسکی قلت ظاہر ہے اور) نہی (شرعی) اہل ہوا پر (فعل ممنوع کی) موجب ترغیب ہوگئی (اور یہی کثیر ہے اور قضیۂ الانسان حریص علی مامنع کا یہی موضوع ہے) بس اسی طور سے بذریعہ قرآن قوم کثیر کو اللہ تعالی گمراہ کرتا ہے نیز اسی طور سے بذریعہ قرآن قلب آگاہ کو اللہ تعالی ہدایت کرتا ہے (مطلب یہ کہ جسطرح ایک ہی نہی میں حسب اختلاف استعداد اثر مختلف ہوا اسی طرح قرآن کا ایک ہی مضمون کسی کے لئے سبب ضلالت اور کسی کے لئے سبب ہدایت ہو جاتا ہے پس اس تشبیہ بالنہی سے آیت قرآنی یضل به کثیرا ویهدی به کثیرا کا استبعاد دفع کردیا گو مقام میں مقصود نہیں مگر تائیداً للمقام یہ وتائیداً له بالمقام ذکر فرمادیا آگے مطلقاً ایک چیز میں دو اثر ہونے کی کہ مقصود مقام بھی اسمیں داخل ہے تمثیل ہے کہ) بانس (کی چھڑ) سے پلا ہوا کبوتر کب بھاگتا ہے بلکہ اُس بانس سے ہوائی (یعنی جنگلی) کبوتر بھاگ جاتے ہیں (تو دیکھو ایک ہی چیز پر مختلف اثر مرتب ہوئے توحش عدم توحش اور اس بانس میں دو غرضیں محتمل ہیں ایک تو اوڑانے کے لئے کہ چھتری پر نہ بیٹھیں بلکہ پرواز کرکے آویں مگر پروردہ کبوتر اکثر بار بار لوٹ لوٹ کر پھر آبیٹھتے ہیں دوسری بانس میں کوئی چیپ وغیرہ لگاکر برائے کبوتر پکڑنے کے لئے تو اس سے اجنبی کبوتر فوراً اوڑ جاتا ہے اور پروردہ بیٹھے رہتے ہیں یہ دونوں غرضیں اسی وقت ایک کبوتر باز نے بیان کیں جو اتفاق سے اس مقام کے لکھنے کے وقت مسجد میں آگیا تھا اللہ تعالی اس مقام کے حل کے صلہ میں اُسکی اصلاح فرماوے) پس بادشاہ سے لوگوں نے کہا کہ ہم خدمتیں کرینگے (یعنی) سمعنا واطعنا پر آمادہ رہیں گے (اور) آپ کے حکم سے روگردانی نکرینگے (کیونکہ) آپ کے احسان (مربیانہ) سے غفلت کرنا کفران کی بات ہے لیکن استثنار (یعنی انشاء اللہ تعالی کہنا) اور خدا کی تسبیح (اور ذکر) کرنا کہ عین استثنار ہے یا شامل للاستثنار) اپنے اوپر اعتماد کرنے کے سبب ان سے بعید رہا (یعنی انھوں نے اپنے وعدہ کے ساتھ انشاء اللہ تعالی نہ کہا اور تسبیح میں جو دو احتمال کئے گئے یہ اتباع ہے مفسرین کا کہ سورۂ نون کی آیت قال اوسطهم الم اقل لكم لولا تسبحون میں انھوں نے تسبیح کی دو تفسیریں کی ہیں ایک متبادر دوسری استثنار فی الکمالین قیل معناه هلا تستثنون وسمی الاستثناء تسبیحا لانه تعظیم الله واقرار بان له القدرة وتنزیه له عن العجز وقیل کان استثناءهم سبحان الله اه یعنی کان اصطلاحهم فی مقام الاستثناء کلمة سبحان الله چونکہ دفتر اول کی سب سے پہلی حکایت میں ترک استثنار کی ونامت مفصلاً ذکر فرمائی ہے اس مقام پر بطور عذر اکتفاء علی الاجمال فی ہذا المقام کے اُسکو یاد دلاتے ہیں کہ) ذکر استثنار کا اور احتیاط کا جو کہ (استثنار کے ضمن میں ملفوف ہے (یعنی استثنار کی غرض احتیاط ہے کہ اپنے پر وثوق نہ کرے حق تعالی پر اعتماد کرے اس استثنا و احتیاط کا ذکر) ابتدائے مثنوی میں کیا گیا ہے (چونکہ دونوں مقام ایک ہی کتاب کے جزو ہیں اس لئے گویا دونوں مقام ایک ہی ہیں وہاں کا ذکر مثل یہاں کے ذکر کے ہے آگے اس سے ترقی کرتے ہیں کہ ایک کتاب کے دو جزو تو کالمتحد کیوں نہ ہوتے واقع میں تو یہ ہے کہ) اگر (ایک مضمون کی) سو کتابیں (وہ سب بھی) بجز ایک باب کے نہیں (یعنی وہ بھی کالمتحد ہیں آگے اسکی چند مثالیں ہیں

اول) سو جہت کا مقصود بجز محراب (یعنی قبلہ) کے نہیں (چنانچہ تمام سطح زمین پر مختلف مقامات میں نماز کی جہات ظاہرا مختلف ہیں مگر قصد توجہ الی الکعبۃ الواحدہ کے اعتبار سے سب کا متحد ہیں اسی طرح مقصود کتب مختلفہ کا جب واحد ہو مثلاً معرفت حق وہ سب ایک ہی ہیں مثال دوم) ان سب راستوں کا منتہی ایک گھر ہے (مثال سوم) یہ ہزاروں خوشے ایک دانہ سے ہیں (مثال چہارم) گونا گونہ مطعومات لاکھوں (باعتبار غرض کے) سب ایک ہی چیز ہیں غور کرنے (کے وقت) میں (چنانچہ اُس اتحاد کا ثمرہ یہ ہے کہ) جب تو ایک سے پورا سیر ہو چکا (اور سیری کے سبب اُس طعام سے دل سرد ہو گیا) تو تیرے دل میں پچاس طعام سرد ہو گئے (پس بقیہ اطعمہ بھی اس حکم میں اُس طعام کے شریک ہو گئے پس گویا سب ایک ہی تھے) تو بھوک میں (مثل) احول (کے) ہو رہا تھا کہ ایک کو لاکھوں دیکھ رہا تھا کہ کبھی ایک کی رغبت ہوتی تھی کبھی دوسرے کی جسکی بنا تعدد ہے اُن کا ورنہ مختلف طرف حرص نہ ہوتی جب سیری ہو گئی تو اُسوقت کسی کی طرف رغبت نہ رہنے سے اُن کا اتحاد حکمی مکشوف ہو گیا آگے عود ہے شعر مذکور ذکرا ستشنار الیٰ قولہ گفتہ شد کی طرف کہ) ہمنے اُس کنیز کے مرض کی حکایت بیان کی تھی اور اطبار اور (اُن کی) قصور فہم کی بھی (حکایت بیان کی تھی جسکا حاصل یہ تھا) کہ وہ طبیب مثل اسپ بے رسن کے سوار سے غافل اور بے بہرہ تھے (فی الغیاث فسار مخفف افسار نیز بمعنی رسن اسپ یعنی جسطرح یہ گھوڑا بوجہ اس کے کہ وہ راکب سے خالی ہوتا ہے راکب سے غافل ہوتا ہے اس طرح وہ اطبا باوجودیکہ اُن کے سر پر ایک متصرف غالب موجود ہے مگر پھر بھی وہ اس گھوڑے کی طرح اُس متصرف و محرک سے غافل تھے پس تشبیہ غفلت میں ہے نہ کہ خلو عن الراکب میں چنانچہ آگے ان کے اس عدم خلو کی تصریح ہے کہ باوجودیکہ) ان کے تالو پر زخم ہے لگام کے جھٹکوں سے (اور) اُن کا سُم مجروح ہے قدم کی تحریک سے (جسکا سبب راکب کا تصرف ہے مگر پھر بھی) واقف نہ ہوئے کہ اسوقت ہماری پشت پر ایک گھوڑوں کا سدھانے والا ہوشیار ہے جو کمال ظاہر کر رہا ہے (اور اُن کو یہ خبر نہ ہوئی کہ) ہماری سرگردانی جو اس لگام سے ہو رہی ہے (کہ جدہر لگام کا جھٹکا لگتا ہے اودہر چلنا پڑتا ہے یہ سرگردانی) بجز تصرف سوار کامیاب کے نہیں ہے (دوست کام آنکہ مقصود خود رسد یہ سوار کی صفت ہے اور اس قید میں اشارہ ہے متصرف حقیقی کے ارادہ سے امتناع تخلف مراد کی طرف انھوں نے یہ نہ دیکھا جس سے تصرف مذکور پر استدلال کر سکتے کہ) ہم باغوں کی طرف پھول کے لئے گئے تھے (مگر) وہ (مطلوب) پھول دکھلائی دیا اور (واقع میں) وہ خار تھا (مراد اس سے ظہور ہے نتیجہ خلاف توقع کا مثلاً اسباب طبیہ سے امید تھی صحت کی اور بالعکس مرض بڑھ گیا اگر اس میں غور کرتے تو اسباب کو بقبضہ مسبب سمجھتے مگر) اُن کو بالکل توفیق نہوئی کہ عقل سے کہتے (کہ) ہمارے حلق پر کون لاتیں مار رہا ہے (یعنی ہم میں ہمارے خیال کے خلاف کون تصرف کر رہا ہے پس) وہ اطبار اس طرح سے (جیسا کہ گھوڑے کی تشبیہ میں مذکور ہوا) بندۂ سبب ہو گئے (اور) ضلال حق کے سبب (حقیقت بینی سے) محجوب (اور محروم) ہو گئے (آگے ان اطبار و بندگانِ اسباب کی دوسری مثال ہے کہ) اگر تو کسی اصطبل میں ایک بیل باندھ دے (اور) پھر (اُس) بیل کی جگہ ایک گدہا (بندہا ہوا) پاوے تو حماقت میں داخل ہوگا سوتے ہوئے شخص کی طرح سے یہ تغافل کرنا کہ تو اسکی تلاش نہ کرے کہ خفی الصنعت کون ہے (جس نے ایک کو کھول کر دوسرے کو باندہ دیا اسکو تلاش نکرے اور یوں سمجھ لے کہ وہ آپ سے آپ کھل گیا اور یہ آپ سے آپ بندھ گیا۔

اسی طرح اسباب کے ایک اثر متوقع کے دوسرا اثر غیر متوقع سے بدلنے کے وقت مبدالاسباب) یہ نہیں کہتا کہ یہ تبدیلی کرنیوالا کون ہے (اگر عقل سے کام لیتا تو سمجھتا کہ ہے تو کوئی ضرور اور) وہ محسوس ہے نہیں (پس) شاید افلاکی (یعنی غائب عن الحواس) ہے (پس اس طرح سے اسکو متصرف کا پتہ لگ جاتا اور نصوص ظاہرہ میں حق تعالیٰ کے صفات میں علی العرش اور فی السماء وارد ہے بالمعنی الذی یعلمہ اللہ تعالیٰ آگے معتقدان تاثیر اسباب کے تخلف مراد کی تیسری مثال ہے کہ) تونے داہنی جانب تیر چلایا تھا (مگر) تیرا تیر بائیں جانب چلا گیا تونے دیکھا ہے (یہ صاف دلیل ہے کہ علاوہ تیر اور کمان کے کوئی اور متصرف ہے آگے اسکا چوتھا مادہ تمثیلی ہے کہ) تو آہو کی طرف صید کرنے کے لئے دوڑا (مگر) تونے اپنے کو ایک خوک کا صید بنا دیا (یعنی بجائے صائد آہو بننے کے مصید خوک بن گیا تو یہ تخلفِ مراد دلیل ہوگی اسباب کے غیر موثر مستقل اور مسبب کے موثرِ مستقل ہونے کی آگے پانچویں تمثیل ہے تبدیل کی کہ) کوئی شخص ایک نفع کے پیچھے دوڑا لوٹنے کی غرض سے (لوٹنے سے مراد خوب نفع حاصل کرنا والکبس کما فی الغیاث شبخون بردن یعنی غارت کردن مگر) نفع تک تو رسائی نہ ہوئی اور حبس میں پڑ گیا (چھٹی تمثیل) دوسروں کیلئے کنوے کھودے تھے (مگر) اسمیں اپنے کو گرا ہوا دیکھا (پس) جب (ان مواد مذکورہ اور نیز دیگر مواد کثیرہ میں) تجھکو پروردگار نے (بکثرت) سبب کے اثر میں بے مراد کر دیا پھر تو سبب کے بارہ میں کس لئے بدگمان نہیں ہوتا (مراد بدگمانی سے احتمال عدم تاثیر سبب آگے اس عدم استقلال تاثیر اسباب کی اور مثالیں ہیں کہ دیکھو) بہت آدمی ایک کمائی سے نواب ہو گئے (اور) دوسرا اسی کمائی سے ننگا ہی رہ گیا (اور پہلا سرمایہ بھی اسکی نذر کر بیٹھا) بہت آدمی عورتوں کے نکاح سے قارون ہو گئے (مثلاً کوئی مالدار عورت مل گئی اور) بہت آدمی عورتوں کے نکاح سے مقروض ہو گئے (مثلاً عورت بد انتظام یا بدخواہ ہوئی یا مہر وغیرہ کی نالش ہو گئی آگے اس سب پر تفریع ہے کہ) پس (معلوم ہوا کہ) سبب (طبعی) دم خر کی طرح (مختلف جوانب کو) گھومتا ہے (جس طرح دم خر کبھی ایک طرف کو ہلتی ہے کبھی دوسری طرف کو اسی طرح اسکی تاثیر مستقل نہیں متبدل ہوتی رہتی ہے جب یہ بات ہے تو) اسپر اعتماد کم کرے تو بہتر (یعنی واجب) ہے (اور اسکا مقتضائے اصلی تو یہ تھا کہ باستثناء اسباب مامور بہا باقی اسباب کو بالکل ہی ترک کر دیا جاوے لیکن یا تنی ہمت نہ ہو تو مباشرت اسباب کی اجازت ہے لیکن اس) مباشرۂ اسباب میں بھی دلیر نہ ہو جانا (دلیری سے مراد اس کو موثر مستقل سمجھنا) کیونکہ اس کے تحت میں بہت سی آفتیں مخفی ہیں (اور ہمنے جس استثناء کی اور پر تاکید کی ہے اس استثناء کا راز یہی احتیاط اور حذر ہے (اعتماد علی الاسباب والتدابیر سے) اسلئے کہ یہ (قضاؤ) قدر (احیاناً) خر کو مُہرہ کر کے دکھلا دیتی ہے (یعنی قضاو قدر کے غلبہ سے غلط بینی واقع ہو جاتی ہے جیسا اوپر کی مثالوں میں نتیجہ متوقعہ غلط نظر آیا اور امر دیگر واقع ہوا اور) جسکی آنکھ (قضا و قدر نے) بند کر دی اگرچہ وہ (کتنا ہی) سیانا ہے (مگر) احولی کے سبب اسکی دونوں آنکھ میں گدہا بکری (معلوم ہونے لگتا) ہے (فی الغیاث گربز بالضم و بائے موحدہ نیز مضموم بمعنی مکار و حیلہ گر اھ) جب حق تعالیٰ (جو کہ مالک ہیں قضاو قدر کے) ابصار کی تقلیب کر دیتے ہیں تو وہ قلب اور فکر کو بھی منقلب کر دیتے ہیں (کیونکہ ان کی قدرت حواس اور عقل پر برابر ہے اور مشاہدہ حواس کی غلطی سے عقل کی غلطی بکثرت واقع ہوتا ہے پس جب وہ حواس میں تغیر فرما سکتے ہیں تو اس مشاہدہ پر عقل میں بدرجہ اولیٰ تغیر فرما سکتے ہیں اور اسکو اولیٰ کہنا ایسا ہے جیسے ارشاد ہے وھو اھون علیہ ای باعتبار عادۃ الناس اما باعتبار القدرۃ فہما سواء آگے اس تقلیب ابصار و بصائر کی اور مثالیں ہیں کہ) تو (بعض اوقات) کنوے کو (یعنی مضرت کو) ایک لطیف گھر (یعنی

منفعت) دیکھتا ہے (اور بعض اوقات) تو دام کو دانۂ تازہ دیکھتا ہے (یہ تو تقلیب بصیرت ہوئی او تقلیب بصر اس طرح ہوئی کہ) اللہ تعالیٰ نے (صحابہ) اہل بدر کی آنکھ میں مشرکین کو کم کر کے دکھلایا (کما قال تعالیٰ واذ یریکموهم اذ التقیتم فی اعینکم قلیلا) تاکہ وہ مجمع (مشرکین کا ان کی آنکھ میں) کچھ وقعت نہ رکھے (اور جرأت کے ساتھ ان سے مقابلہ کریں تاکہ باطل سے حق غالب ہو جاوے قال تعالیٰ لیقضی اللہ امرا کان مفعولا اور قرآن مجید میں اسی آیت میں منصوص ہے ویقللکم فی اعینہم مگر تقلیب بصر مؤمنین ان کے لئے نافع ہوئی اور تقلیب بصر مشرکین ان کے لئے مضر ہوئی یہاں تک مضمون عدم استقلال اسباب کا ختم ہو گیا مگر اس تقلیب مذکور سے شبہ واقع ہو سکتا ہے مذہب سوفسطائیہ کا کہ وہ حقائق کے منکر ہیں اور عالم کو خیال کہتے ہیں سو تقلیب میں بھی یہی ہو گا کہ جسکو حقیقت سمجھا تھا وہ خیال تھا اس شبہ کو دفع فرماتے ہیں کہ) یہ سوفسطائیت نہیں ہے خدا تعالیٰ کی تقلیب ہے اور یہ دکھلاتے ہیں کہ حقائق کہاں ہیں (آیا عباد کے قبضہ میں ہیں یا خدا تعالیٰ کے قبضہ میں مطلب یہ کہ ہم حقائق کے تو قائل ہیں مگر ان کو من کل الوجوہ خدا تعالیٰ کے قبضہ میں مانتے ہیں تاثیراً کہ جب وہ چاہیں اثر دیں جب چاہیں نہ دیں اور حسباناً بھی کہ اگر وہ چاہیں حقیقت اپنی اصل پر نظر آوے اور جب چاہیں اپنی اصل پر نظر نہ آوے بخلاف سوفسطائیہ کے کہ وہ تو اصل حقائق ہی کا انکار کرتے ہیں فشتان ما بینہما چنانچہ فرماتے ہیں کہ) جو شخص حقائق کا انکار کرتا ہے وہ تو بالکلیہ خیال ہی برتتا ہوا ہے (اور ہم اس کے قائل نہیں کما ذکر آگے سوفسطائی پر ایک خاص رد فرماتے ہیں کہ وہ ہر چیز کو تو خیال کہہ رہا ہے تو) وہ یہ نہیں کہتا (یعنی کیوں نہیں کہتا) کہ یہ خیال سمجھنا بھی تیرا ایک خیال ہو گا (یعنی جب وہ حکم کلی کرتا ہے ہر چیز کے خیال ہونے اور غیر واقعی ہونے کا تو دو حال سے خالی نہیں اگر وہ اس حکم کلی کو بھی خیال اور غیر واقعی کہتا ہے تو خود اپنے مذہب کے غیر واقعی اور باطل ہونے کا معترف ہے اور اگر اسکو واقعی مانتا ہے تو وہ حکم کلی نہ رہا تب بھی اپنے مذہب کا ترک لازم آیا پس شق اول میں بطلان کا التزام ہے اور شق ثانی میں لزوم پس ہر شق پر وہ مذہب باطل ٹھہرا آگے مولانا فرماتے ہیں کہ) تو آنکھ مل (کر دیکھ تاکہ حقیقت واقعیہ نظر آوے کہ اثبات ہے حقائق کا اور غیر مستقل ہونا ہے ان حقائق کا اور یہی مذہب ہے اہل حق محققین کا کما ذکر تفصیلہ) **ف** یہ تفصیل تاثیر اسباب کے متعلق ہے اور ترک استثناء کے ضرر کی تفصیل نہیں پس شعر ذکر استثناء الخ کی تمہید میں جو احقر نے اکتفاء علی الاجمال کہا ہے اس پر شبہ نہ کیا جاوے فقط۔

رفتن شہزادگان سوئے قلعۂ ممنوع عنہا بحکم الانسان حریص علی ما منع و وصیتہائے پدر را فراموش کردن و در بلا افتادن و گفتن نفس لوامہ بایشان کہ الم یاتکم نذیر و گفتن ایشان در جواب لو کنا نسمع او نعقل ما کنا فی اصحاب السعیر شعر ۵ ماندگی خویش نمودیم ولیکن خوئے بد تو بندۂ بسیار خریدن

این سخن پایان ندارد آں فریق	**برگرفتند از پے آں دژ طریق**
یہ مضمون انتہا نہیں رکھتا اس فریق نے	اس قلعہ کی طرف رستہ لیا

بر درخت گندم منہی زدند
وہ درخت گندم ممنوع پر جا پہونچے

از طویلہ مخلصاں بیروں شدند
مخلصین کے مسکن سے باہر نکل گئے

چوں شدند از منع و نہیش گرم تر
جب اُنکی ممانعت کے سبب وہ زیادہ پرشوق ہو گئے

سوئے آں قلعہ برآوردند سر
تو اُس قلعہ کی طرف منہ اٹھاکر چلے

بر ستیز قول شاہ مجتبےٰ[ف۱]
قول شاہ برگزیدہ کے خلاف

تا بقلعہ صبر سوز ہش ربا
قلعۂ صبر سوز و ہوش ربا کی طرف آئے

آمدند از رغم عقل پند توز
برعکس عقل پند خواہ کے

در شب تاریک برگشتہ ز روز
دن سے شب تاریک کی طرف پھر گئے

اندراں قلعہ خوش ذات الصور
اُس قلعہ پاکیزہ ذات الصور میں

پنج در در بحر و پنجے سوئے بر
پانچ دروازے دریا کی طرف تھے اور پانچ خشکی کی طرف

پنج ازاں چوں حس ظاہر رنگ و بو
اُن میں سے پانچ حواس ظاہرہ کی طرح تھے کہ مدرک رنگ و بو کے ہیں

پنج ازاں چوں حس باطن راز جو
ان میں سے پانچ حواس باطنہ کی طرح تھے جو کہ راز جو ہیں

زاں ہزاراں صورت و نقش و نگار
ان ہزاروں تصویروں اور نقش و نگار سے

می شدند از سو بسو خوش بیقرار
ادہر سے اودہر خوش بخوش بے قرار آجا رہے تھے

یہ مضمون (تقلیب و تبدیل ابصار و بصائر کا) انتہا نہیں رکھتا (کیونکہ افعال حق میں سے ہے جو کہ لا تقف عند حد ہیں اسلئے قصہ بیان کیا جاتا ہے کہ) اُس فریق نے اُس قلعہ کی طرف رستہ لیا (اور گویا) وہ درخت گندم ممنوع پر جا پہونچے (اور گویا) مخلصین (مطیعین) کے مسکن سے باہر نکل گئے (یعنی) جب اُس (بادشاہ) کی ممانعت کے سبب وہ زیادہ پرشوق ہو گئے تو اُس قلعہ کی طرف منہ اٹھاکر چلے (اور) قول شاہ برگزیدہ کے خلاف قلعہ صبر سوز و ہوش ربا کی طرف آئے

ف۱ اگر کسی را اشکال افتد کہ بالا در ذیل سرخی رواں شدن شہزادگان الخ بضمن شرح شعر روئے دشت الخ بجواب اشکالے گفتہ بودی کہ اُس بادشاہ کو دیندار ہونیکا ذکر نہیں فرمایا الخ و لفظ مجتبےٰ بر دینداریش دلالت میکند۔ جوابش اینکہ اجتبار عام ست دینی و دنیوی را پس مراد آں تواں شد کہ درمیان شاہان در مال و جاہ یا دیگر صفات کمال متعارف برگزیدہ بود ۱۲ منہ

برعکس (مقتضائے عقل پند خواہ کے (فی الغیاث توختن حاصل کردن وخواستن اہ گویا) دن کی شب تاریک کی طرف پھر گئے (راحت کو دن سے اور مصیبت کو رات سے تشبیہ دی گئی اور) اُس قلعہ پاکیزہ ذات الصور میں پانچ دروازے دریا کی طرف تھے (کہ دریا کے سفر کرنے والے آسانی سے آسکیں) اور پانچ خشکی کی طرف تھے (آگے ان دروازوں کی تشبیہ ہے کہ) اُن میں سے پانچ حواس ظاہرہ کی طرح تھے کہ رنگ و بو (وغیرہ مدرکات ظاہرہ) کے مدرک ہیں (فالمضاف محذوف وہو مع المضاف الیہ صفۃ للحس اور) اُن میں سے پانچ حواس باطنہ کی طرح تھے جو کہ راز جو ہیں (یعنی مدرکات باطنہ کے مدرک ہیں رنگ و بو کے ساتھ لفظ وغیرہ بمعنی مدرکات ظاہرہ اس لیے بڑھایا کہ باصرہ و شامہ کے سوا کہ مدرک رنگ اور بو ہیں بقیہ تین حواس کہ سامعہ ذائقہ ولامسہ ہیں دوسرے مدرکات ظاہرہ کے مدرک ہیں پس تخصیص تمثیلاً ہے اور حواس باطنہ کے متعلق اگر یہ شبہ ہو کہ حس مشترک تو مدرک معانی کا نہیں بلکہ مدرک صور ہے اسکو راز جو بمعنی مدرک للمدرکات الباطنہ کیسے کہا جواب یہ ہے کہ وہ صور ظاہرہ بعد تجرید عن المادہ کے ظاہر نہیں رہتیں کیونکہ وہ تجرید کے ساتھ ظاہر میں متحقق نہیں پس حس مشترک اُن کو اُسی وقت ادراک کرتا ہے جب وہ باطن ہو جاتی ہیں اور اُس تشبیہ میں اسی طرف اشارہ معلوم ہوتا ہے کہ قالب انسان بھی مثل اُس قلعہ ہوش ربا کے ہے جسمیں ان حواس کی راہ سے ایسے بیشمار مدرکات کا ادراک ہوتا ہے جس سے انسان مسلوب العقل مغلوب الحرص والشہوت ہو کر مبتلائے مصیبت دنیوی و اخروی ہو جاتا ہے اس لئے ان صور کی طرف متوجہ ہونا کہ مشابہ ہے قلعہ میں داخل ہونے کے واجب الحذر ہے واللہ اعلم اور جب شہزادے اُس قلعہ میں داخل ہوئے تو) اُن ہزاروں تصویروں اور نقش و نگار (کے دیکھنے) سے (جو اُس میں مرتسم تھیں اُن کی یہ کیفیت تھی کہ) ادھر سے ادھر خوش بجوش بیقرار آ جا رہے تھے (یعنی تصویریں ایک سے ایک بڑھکر اسقدر عجیب و خوشنما تھیں کہ کبھی ایک کو دیکھتے پھر فوراً ہی دوسری کے دیکھنے کو دل چاہتا کسی ایک جگہ اُن کو قرار نہ تھا خوش بجوش تماشا دیکھتے پھرتے تھے پس بیقرار سے مراد تماشے کی بیقراری نہ کہ عشق کی کہ وہ تو ایک ہی تصویر سے ہوگی جسکا ذکر سرخی آئندہ میں آویگا اور لفظ خوش بھی اس مصرعہ میں اس کا قرینہ صریحہ ہے آگے انتقال ہے مضمون ارشادی کی طرف)۔

زیں قدح ہائے صور کم باش مست　　تانگردی بت تراش و بت پرست

ان صورتوں کے پیالوں سے مست مت ہو　　تاکہ تو بت تراش اور بت پرست نہ ہو جاوے

از قدحہائے صور بگذر مایست　　بادہ در جام ست لیک از جام نیست

صورتوں کے پیالوں سے گذر جا قرار مت پکڑ　　بادہ جام میں تو ہے لیکن جام سے نہیں ہے

سوے بادہ بخش بکشا پہن گوش　　تا از آں سو بشنوی بانگ و خروش

بادہ بخش کی طرف خوب کان کھول　　تاکہ تو اُس طرف سے بانگ اور خروش سنے

گوش دار آوازت آید دمبدم
کان کو متوجہ رکھ تجھکو دمبدم آواز آئیگی
چون رسد بادہ نیاید جام کم
جب بادہ ملجاویگا تو جام کی کچھ کمی نہیں ہے

آدما معنے دلبندم بجوے
اے آدم میرے معنی دلبند کو طلب کرو
ترک قشر و صورت گندم بگوے
پوست اور صورت گندم کو ترک کرو

چونکہ ریگے آرد شد بہر خلیل
جب کہ ریگ حضرت خلیل اللہ علیہ السلام کیلئے آٹا ہو گیا تھا
دانکہ معزولست گندم ای نبیل
تو جان لوکہ گندم معزول ہے اے بزرگ

صورت از بے صورت آمد در وجود
صورت بے صورت سے وجود مین آئی ہے
ہمچناں کز آتشے زادست دود
جیسے آگ سے دہواں پیدا ہوا ہے

کمترین عیب مصور در خیال
ادنی درجہ کا عیب مصور فی الخیال کا تو یہ ہے
چوں بپایے بنیش آرد ملال
کہ جب تو اسکو متواتر دیکھتا رہے تو وہ ملال لاتا ہی

حیرت محض آردت بے صورتے
بے صورت تیرے اندر حیرت محضہ لاتی ہے
زادہ صد گوں آلت از بے آلتے
صدہا قسم کے آلات ایک بے آلات سے پیدا ہوئے

بے ز دستے دستہا بافد ہمی
وہ بدوں ہاتھ کے ہاتھوں کو ترکیب دیتا ہے
جان جاں سازد مصور آدمی
روح الروح آدمی کو مصور کرتا ہے

آنچناں کاندر دل از ہجر و وصال
جس طرح سے کہ دل میں ہجر و وصال سے
می شود بافیدہ گوناگوں خیال
اقسام اقسام خیالات پیدا ہوتے ہیں

ہیچ ماند ایں موثر با اثر
بھلا کہیں یہ موثر اثر کے ساتھ کچھ مشابہت رکھتا ہے
ہیچ ماند بانگ و نوحہ با ضرر
بھلا کہیں فغاں و نوحہ ضرر کے ساتھ کچھ مشابہت رکھتا ہے

نوحہ را صورت ضرر بے صورت ست — دست خایند از ضرر کش نیست دست

نوحہ کی تو صورت ہے ضرر بے صورت ہے — لوگ ہاتھ چباتے ہیں ضرر سے جسکے ہاتھ نہیں ہے

ایں مثل نالائق ست اے مستدل — حیلۂ تفہیم را جہد المقل

یہ مثال غیر لائق ہے اے مستدل — تدبیر تفہیم کے لئے ایک نادار کی کوشش ہے

صنع بے صورت نگارد صورتے — تن بروید با حواس و آلتے

بے صورت کی صنعت صورت کو پیدا کرتی ہے — تن کو پیدا کرتا ہے مع حواس و آلات کے

تا چہ صورت باشد آں بر وفق خود — اندر آرد جسم را در نیک و بد

تاکہ جونسی بھی صورت ہو وہ اپنے موافق — جسم کو نیک و بد میں لے آوے

صورت نعمت بود شاکر شود — صورت محنت بود صابر شود

صورت نعمت کی ہو تو شاکر ہو جاتا ہے — صورت مشقت کی ہو تو وہ صابر ہو جاتا ہے

صورت رحمے بود بالاں شود — صورت زخمے بود نالاں شود

صورت رحم کی ہو تو پھول جاتا ہے — صورت زخم کی ہو تو وہ نالاں ہوتا ہے

صورت شہرے بود گیرد سفر — صورت تیرے بود گیرد سپر

کسی شہر کی صورت آجاوے تو سفر اختیار کرتا ہے — تیر کی صورت آجاوے تو سپر لے لیتا ہے

صورت خوباں بود عشرت کند — صورت غیبی بود خلوت کند

حسینوں کی صورت آجاوے تو عشرت کرتا ہے — کوئی صورت غیبی آجاوے تو خلوت کرتا ہے

صورت محتاجی آرد سوئے کسب — صورت بازو وری آرد بغصب

محتاجی کی صورت کسب کی طرف لاتی ہے — بازو وری کی صورت غضب کی طرف لاتی ہے

ایں ز حد و اندازہا باشد بروں
یہ حد اور اندازہ سے خارج ہے

داعیِ فعل از خیال گونا گوں
فعل کا داعی گونا گوں خیالات سے

بے نہایت کیشہا و پیشہا
غیر متناہی مذاہب اور پیشے

جملہ ظل صورت اندیشہا
سب ظل ہیں صورت خیالات کے

بر لبِ بام ایستادہ قوم خوش
لب بام پر کوئی قوم خوش کھڑی ہے

ہر یکے را بر زمیں بیں سایہ اش
ہر ایک کے سایہ کو زمیں پر دیکھ لے

صورت فکر است بر بام مشید
صورت فکر بام بلند پر ہے

واں عمل چوں سایہ بر ارکاں پدید
اور وہ فعل سایہ کی طرح اعضاء پر ظاہر ہے

فعل بر ارکان و فکرت مکتتم
فعل تو ارکان پر ہے اور فکر مکتتم ہے

لیک در تاثیر و وصلت دو بہم
لیکن تاثیر اور اتصال دونوں مقارن ہیں

آں صور در بزم کز جام خوشی ست
بزم میں جو صورتیں کہ جام خوشی سے ہیں

فائدہ او بیخودی و بیہشی ست
اُن کا فائدہ بیخودی اور بیہوشی ہے

صورتِ مرد و زن و لعب و جماع
صورت مرد و زن کی اور لعب اور جماع

فائدہ اش بیہوشی وقت وقاع
اس کا فائدہ بیہوشی ہے وقت جماع کی

صورت نان و نمک کاں نعمت ست
صورت نان و نمک کی جو کہ نعمت ہے

فائدہ اش آں قوت بے صورت ست
اُس کا فائدہ قوت بے صورت ہے

در مصاف آں صورت تیغ و سپر
جنگ میں وہ صورت تیغ و سپر کی

فائدہ اش بے صورتے یعنی ظفر
اُس کا فائدہ ایک بے صورت ہے یعنی ظفر

مدرسہ تعلیم و صور تہائے وے — چوں بدانش متصل شد گشت طے

مدرسہ تعلیم کا اور اس کی صورتیں — جب علم سے متصل ہوگئیں تو وہ تمام ہوگئیں

این صور چوں بندۂ بے صورت اند — پس چرا در نفی صاحب نعمت اند

جب یہ صورتیں بے صورت کے تابع ہیں — پھر کس لئے یہ صاحب نعمت کی نفی میں ہیں

پس صورہا بندۂ بے صورت اند — پیش او رویند و در نفی او فتند

پس صورتیں تابع ہیں بے صورت کے — اسی کے سامنے تو پیدا ہوں اور نفی میں واقع ہوں

این صور دارد ز بے صورت وجود — چیست پس بر موجد خویشش جحود

یہ صورتیں بے صورت سے وجود رکھتی ہیں — پھر ان کو اپنے موجد پر جحود کیا ہے

خود ازو یابد ظہور انکار او — نیست غیر عکس خود این کار او

اس کا انکار خود اسی سے ظہور پاتا ہے — اس کا یہ فعل بجز اپنے عکس کے نہیں ہے

صورت دیوار و سقف ہر مکاں — سایۂ اندیشۂ معمار داں

ہر مکان کی صورتِ دیوار اور سقف کو — خیال معمار کا ظل جان

گرچہ خود اندر محلِ افتکار — نیست سنگ و چوب و خشتے آشکار

اگرچہ محل فکر میں — سنگ اور چوب اور خشت ظاہر نہیں ہے

فاعل مطلق یقیں بے صورت ست — صورت اندر دست او چوں آلت ست

فاعل مطلق یقیناً بے صورت ہے — صورت اسکے ہاتھ میں مثل آلہ کے ہے

گہ گہ آں بے صورت از کتم عدم — مر صور را رو نماید از کرم

وہ بے صورت گاہ گاہ پردۂ غیب سے — صورتوں کو تجلی دکھلا دیتے ہیں کرم سے

تا مدد گیرد ازو ہر صورتے | از کمال و از جمال و قدرتے

تاکہ اس سے ہر صورت مدد حاصل کرے | کمال سے اور جمال سے اور قدرت سے

باز بے صورت چو پنہاں کرد رو | آمدند از بہر کد در رنگ و بو

پھر بے صورت نے جب تجلی مستتر کر لی | تو وہ لوگ کدیہ کے لئے رنگ اور بو میں آگئے

صورتے از صورت دیگر کمال | گر بجوید باشد آں عین ضلال

ایک صورت دوسری صورت سے اگر کمال | ڈھونڈھے تو وہ عین ضلال ہے

جز مگر آں صورتے کاں میر راد | بابت ارشاد کردش از وداد

بجز اس صورت کے جسکو اس حاکم عظیم نے | لائق ارشاد کے کیا ہو مودت سے

پس چہ عرضہ می کنی اے بے ہنر | احتیاج خود بمحتاج دگر

پس کیا پیش کرتا ہے تو اے بے ہنر | اپنی احتیاج دوسرے محتاج کی طرف

چوں صور بندہ است بر یزداں مگو | ظن مبر صورت بہ تشبیہش مجو

جب صورتیں بندہ ہیں تو یزداں پر اطلاق مت کر | صورت کا گمان مت کر اسکو تشبیہ سے مت ڈھونڈھ

در تضرع جوی و در افنائے خویش | کز تفکر جز صور ناید بہ پیش

تضرع میں اور اپنے فنا کرنے میں اسکو طلب کر | کیونکہ تفکر سے بجز صورتوں کے کوئی چیز پیش نہ آویگی

ور ز غیر صورتت نبود فرہ | صورتے کاں بے تو زاید در تو بہ

اور اگر بدون صورت کے تجھکو انبساط نہیں ہوتا | تو جو صورت بدون تیرے تیرے اندر پیدا ہو وہ بہتر ہے

صورت شہرے کہ آنجا میروی | ذوق بے صورت کشیدت اے روی

اس شہر کی صورت کہ تو وہاں جاتا ہے | تجھکو ذوق نے کھینچا ہی جو کہ بے صورت ہے اے سیر ایں مجبور

پس بمعنی می‌روی تا لامکاں | کہ خوشی غیر زماں ست و مکاں

پس باطناً تم لامکاں کی طرف جارہے ہو | کیونکہ خوشی غیر زمانی اور غیر مکانی ہے

صورت یارے کہ سوئے او شوی | از برائے مونسی اش می روی

کسی دوست کی صورت جسکی طرف تو جارہا ہے | تو اُس کے انس کی وجہ سے جارہا ہے

پس بمعنی سوئے بے صورت شوی | گرچہ زاں مقصود غافل آمدی

پس باطناً تو بے صورت کی طرف جارہا ہے | اگرچہ اُس مقصود سے تو غافل ہے

پس حقیقت حق بود معبود کل | کز پے ذوق است سیران سُبُل

پس درحقیقت حق تعالیٰ ہی معبود کل ہے | کیونکہ ذوق ہی کے لئے راستوں کا چلنا ہے

لیک بعضے رو سوئے دم کردہ اند | گرچہ سر اصل ست سر گم کردہ اند

لیکن بعض نے توجہ دم کی طرف کی ہے | اگرچہ سر اصل ہے انھوں نے سر کو گم کردیا ہے

لیک آں سر پیش ایں ضالان گم | می دہد داد سرے از راہ دُم

لیکن وہ سر ان ضالیں گم کے سامنے | سر کی عطا دم کے واسطے سے عطا کرتا ہے

آں ز سر می یابد آں داد ایں ز دم | قوم دیگر پا و سر کردند گم

وہ شخص سر سے پاتا ہے یہ عطا اور یہ شخص دم سے | ایک اور قوم نے پاؤں اور سر گم کردیے

چونکہ گم شد جملہ جملہ یافتند | از گم آمد سوئے کل بشتافتند

چونکہ سب گم ہوگئے انھوں نے سبکو پالیا | گم ہونے کے سبب وہ کل کی طرف دوڑے

(بمناسبت صورت پسندی مذکورہ شعر زاں ہزاراں صورت الخ کے بطور انتقال کے ارشاد فرماتے ہیں کہ) ان (ظاہری) صورتوں کے بیانوں سے سست نہ ہو (یعنی اُن کا فریفتہ ست ہو اور اُن کو قدح کرنے کی تحقیق شعر آئندہ

سے جل میں آویگی) تاکہ تو بت تراش اور بت پرست (کے مشابہ) نہ ہو جاوے (کہ وہ بھی ایک صورت کا عاشق ہوتا ہے گو اُس کا عشق درجہ معبودیت تک پہونچ جاتا ہے اور تیرا درجہ مقصودیت تک رہتا ہے لیکن اتنی مشابہت بھی مذموم ہے پس) صورتوں کے پیالوں سے گذر جا (اور ان پر) قرار مت پکڑ (کیونکہ) بادہ (جمال گو اس) جام میں تو ہے لیکن جام سے نہیں ہے (بلکہ بادہ بخش کا ڈالا ہوا ہے پس شائق بادہ کا پیالہ پر عاشق ہونا حماقت ہے بادہ بخش پر عاشق ہونا چاہیئے کہ بادہ کا مرجع وہی ہے اسی طرح صورت ظاہری مثل جام کے ہے پس قدحہائے صور میں اضافہ مثل لجین الماء کے ہے اور اُسکا حسن مثل بادہ کے اور حق تعالیٰ مثل بادہ بخش کے پس مرجع حسن و جمال اور اصلی حسین و جمیل وہی ہیں اُن پر عاشق اور اُن کا طالب ہونا چاہیئے چنانچہ آگے اسکی تصریح بھی ہے کہ) بادہ بخش کی طرف خوب کان کھول (یعنی اُدہر متوجہ ہو اور گوش کی تخصیص میں شاید اشارہ اس طرف ہو کہ دنیا میں مطلوب حقیقی کی رویت بالبصر نہیں ہو سکتی اور تجلیات مبصرہ مثالی ہوتی ہیں عین حق نہیں ہوتیں البتہ حصول نسبت و قرب سے جن واردات سے مشرف ہوتا ہے وہ عین احکام حق ہوتے ہیں جو گوش باطن یعنی القار سے منکشف ہوتے ہیں اس لئے گوش بکشا کہا چشم بکشا نہیں کہا) تاکہ تو اُس طرف سے بانگ او در خروش (واردات کا) سُنے (بانگ و خروش کا ہونا ضروری نہیں اور اگر ہو تو وہ صوت مثالی ہوتی ہے کیونکہ قول اور الحن آواز نے انکشاف واردات کو سماع بانگ و خروش سے مجازاً تعبیر کردیا اطلاقاً للسبب فی الجملۃ علی المسبب اُس طرف) کان کو متوجہ رکھ تجھکو مبدم آواز آویگی (یعنی واردات کا القار ہوگا اور) جب بادہ (حسن حقیقی کا) ملجاویگا تو جام کی کچھ کمی نہیں ہے (یعنی اُن واردات سے حق تعالیٰ کی صفات و افعال کی معرفت ہوگی اور تمام اجزار عالم اُن صفات و افعال کا مظہر معلوم ہوگا اور ان سب میں ان صفات و افعال کا مشاہدہ کریگا یہ معنی ہیں نیاید جام کم کے پس اس حالت میں یہ کسی صورت کا مقید اور فریفتہ نہوگا آگے بطور حکایت عن الحق کے خطاب ہے آدم علیہ السلام کو جس سے مقصود خطاب ہے بنی آدم کو یعنی) اے آدم میرے معنی دلبند کو طلب کرو (اور) پوست اور صورت گندم کو ترک کرو (صورت کا عطف قشر پر تفسیری ہے اشارہ ہے قصۂ نہی عن الشجرہ کی طرف اور معنی سے مراد صفات و افعال حق یعنی توجہ الی الخلق کو کہ مشابہ اکل شجرہ کے ہے ترک کرکے توجہ الی الحق کرو آگے صورت کا غیر معتدبہ ہونا بیان فرماتے ہیں کہ) جبکہ ریگ حضرت خلیل اللہ علیہ السلام کے لئے آٹا ہوگیا تھا (یہ آپکا معجزہ مشہور ہے) تو (اس سے) جان لو کہ گندم (باعتبار صورت کے) معزول (اور قابل قطع نظر کرنے کے) ہے اے بزرگ (تو دیکھو کہ باوجود گندم کی صورت نہ ہونے کے ریگ سے گندم کا کام لیا گیا کہ اُس سے آرد حاصل ہوگیا جس سے معلوم ہوا کہ صورت مقصود اور مدار مقصود نہیں پس اُسکی طلب میں مت پڑو آگے صورت کا معنی بے صورت کے تابع ہونا بیان فرماتے ہیں دو طور سے۔

اول یہ کہ بے صورت علت فاعلی ہوتی ہے صورت کی وہذا الی قولہ فعل بارکان الخ دوسرے یہ کہ بے صورت علت غائی ہوتی ہے صورت کی وہذا من قولہ متصلاً بالبیت المذکور آں صور در بزم الخ اور دونوں قسم کی علیۃ میں تبعیت ظاہر ہے۔ اول میں وقوع ثانی میں قصداً پس فرماتے ہیں کہ) صورت بے صورت سے وجود میں آئی ہے جیسے آگ سے دھواں پیدا ہوا ہے (تشبیہ صرف تسبب میں ہے قطع نظر باصورت و بے صورت ہونے سے کیونکہ آتش جس سے کہ دھواں پیدا ہوتا ہے

وہ یقیناً بوجہ امتزاج بالاجزاء الارضیہ کے صورت حسیہ رکھتی ہے گو نارِ صرفہ کو غیر محسوس کہا گیا ہے پھر ظاہراً صورت سے مراد مطلق صورت مادیہ ہے گو محسوس نہ ہو چنانچہ شعر آئندہ متصل اور اشعار متعددہ غیر متصلہ میں خیال کو بھی صورت کے عموم میں داخل کیا ہے تو نارِ صرفہ بھی اس معنی کر باصورت ہے پس تشبیہ صرف تسبیب ہی میں ہوئی آگے تائید مضمون صورت کے غیر قابل طلب اور معنی کے قابل طلب ہونے کے لئے جو کہ شعر صورت از بے صورت الخ کے قبل مذکور تھا صورت کی ایک خاصیت ذامہ اور بے صورت کی ایک خاصیت مادحہ کا بیان ہے کہ) ادنیٰ درجہ کا عیب مصور فی الخیال کا (کہ ایک فرد ہے باصورت کی) تو یہ ہے کہ جب تو اسکو متواتر دیکھتا رہے (اور سوچتا رہے) تو وہ ملال (اور افسردگی) لے آتا ہے (بخلاف غیر مصور بے صورت کے کہ وہ ملال کا سبب کبھی نہیں ہوتا بلکہ وہ) بے صورت تیرے اندر حیرت محضہ لاتی ہے (شرح اسکی یہ ہے کہ ملال ہوتا ہے احاطہ مدرک و تمام ادراک سے اور حیرت ہوتی ہے عدم احاطہ مدرک و عدم تمام ادراک سے تو باصورت میں تو تمام ادراک ہو سکتا ہے اُس وقت ملال بھی ہو سکتا ہے اور بے صورت میں تمام ادراک نہیں ہوتا پس ملال بھی نہیں ہوتا بلکہ حیرت ہوتی ہے اور ظاہر ہے کہ حیرت میں ادراک کا شوق بڑھیگا اور شوق میں لذت ہوتی ہے اور ملال کا سبب انقباض ہونا ظاہر ہے پس باصورت کا خاصہ انقباض ہوا اور بے صورت کا خاصہ شوق و انشراح ہوا اور اول کا موجب ذم اور دوسرے کا موجب مدح ہونا ظاہر ہے اور ادنیٰ کہنے سے معلوم ہوا کہ اور عیوب اس سے بھی زیادہ ہیں اور جب صورۃ خیالیہ جو کہ کسی قدر قیود سے مجرد بھی ہے مگر حلول فی المادی کے سبب مادی ہے جب وہ ایسی ہے تو صورت مقیدہ بقیود کثیرہ تو اس خاصیت میں اس سے زیادہ ہوگی کہ ادراک اُسکو زیادہ احاطہ کریگا جس سے ملال زیادہ ہوا اور اگر کوئی کہے کہ ہمکو تو صورت معشوقہ سے کبھی ملال نہیں ہوتا جواب اس کا یہ ہے کہ اول تو مطلق صورت سے ملال کا وقوع تحقیق مدعا کے لئے کہ ترجیح بیان کرنا ہے بے صورت کا صورت پر کافی ہے کیونکہ بے صورت سے کبھی بھی ملال نہیں ہوتا اور یہ ترجیح کے لئے کافی ہے دوسرے مقصود بیان کرنا اصل خاصیت کا ہے قطع نظر عوارض سے اور یہاں عدم ملال ایک عارض سے ہے کہ وہ شہوت وغیرہ ہے چنانچہ اکثر بعد قضاء شہوت ملال مشاہدہ کیا جاتا ہے اور اس عدم ملال کا راز بھی وہی عدم ادراک تام ہے کہ قبل قضاء شہوت خاص لذت کا ادراک نہیں تھا اسلئے شوق تھا کہ اسمیں کیسی لذت ہوگی جب یہ ادراک بھی تام ہو گیا ملال پیدا ہو گیا اور یہ تفاوت درمیان باصورت و بے صورت کے اثناء مضمون تابعیت صورت للمعنی میں جو کہ شعر صورت از بے صورت الخ سے شروع ہوا ہے بطور جملہ معترضہ کے مذکور ہوا ہے اب پھر اسی مضمون تابعیت کی طرف عود ہے یعنی بے صورت کا باصورت سے وجود میں آنا جو کہ اجمالاً شعر صورت از بے صورت الخ میں مذکور ہوا اس کا اعادہ مع تفصیل یہ ہے کہ) صدہا قسم کے آلات ایک بے آلات سے پیدا ہوئے (یہ اعادہ ہوا اس مضمون کا کیونکہ بے آلت سے مراد یہی بے صورت ہے اس لئے کہ باصورت میں صورت ہی آلہ ہوتی ہے افعال کی چنانچہ حیوان میں ہاتھ پاؤں آنکھ کان بطش و مشی و بصر و سمع کے لئے اور غیر حیوان میں مادہ و صورت شخصیہ اس کے افعال و خواص کے لئے وہ ظاہر آگے مختلف عنوانات سے اسکی تفصیل ہے کہ) وہ (بے آلات و بے صورت یعنی حق تعالیٰ) بدون ہاتھ کے (کہ جزو ہے ذی ید کا ذی آلات کے) ہاتوں کو ترکیب دیتا ہے (یعنی) روح الروح (مراد حق تعالیٰ کہ محیی روح ہے) آدمی کو (کہ ذی صورت و آلات ہے) مصور کرتا ہے جس طرح سے کہ دل میں ہجر و وصال کے اثر سے اقسام اقسام خیالات پیدا

ہوتے ہیں (ہجر اور وصال چونکہ امور اضافیہ سے ہیں صفات حقیقیہ سے نہیں اسلئے انکا وجود انتزاعی ہوگا انضمامی نہوگا اور صفات انتزاعیہ کسی مادی میں حلول کئے ہوئے نہیں ہوتیں اسلئے اُن کو مادی نہ کہا جاویگا پس وہ بے صورت ہوئیں اور خیال حال فی الدماغ المادی ہے اسلئے وہ باصورت ہوا اور ہجر کی حالت میں ہجر سے اور وصال کی حالت میں وصال سے مختلف حالات کا قلب و دماغ میں پیدا ہونا اہل مذاق عشقی کو معلوم ہے پس اس مثال میں بھی بے صورت موثر و فاعل ہوا باصورت میں پس اس میں **جان جان ساز مصور آدمی** کی بھی تشبیہ ہوگئی اور خود ایک مادہ تحقق تاثیر غیر مصور فی المصور کا اضافہ مُعین فی التفصیل بھی ہوگیا آگے اس ہجر و وصال اور گوناگوں خیال کا مصور و غیر مصور ہونے میں تفاوت جو کہ مدار تھا تشبیہ بالا کا بیان فرماتے ہیں کہ) بھلا کہیں یہ موثر (یعنی ہجر و وصال) اثر (مذکور یعنی خیال) کے ساتھ کچھ مشابہت رکھتا ہے (آگے اسکی مثال ہے کہ) بھلا کہیں فغان و نوحہ (کہ اثر ہے کلفت و ضرر کا) ضرر کے ساتھ (کہ موثر ہے فغاں و نوحہ میں) کچھ مشابہت رکھتا ہے (یعنی نہیں رکھتا کیونکہ) نوحہ کی تو صورت ہے (کہ حال فی المادہ ہے اور) ضرر بے صورت ہے (کہ حقیقت اُسکی فقدان مطلوب ہے جو کہ امر اضافی و غیر حال فی المادہ ہے اس مثال سے تفاوت ہجر و وصال و خیال میں بھی معلوم ہوگیا کہ موثر بے صورت ہے اور اثر باصورت جو اجمالاً مصرع ہیچ ماند ایں موثر با اثر میں مذکور ہوا تھا آگے نوحہ کے باصورت اور ضرر کے بے صورت ہونے کی ایک خاص عنوان سے توضیح ہے کہ ضرر رسیدہ) لوگ ہاتھ چباتے ہیں (اُس) ضرر (کے سبب) سے جسکے ہاتھ نہیں ہے (ضرر کے ہاتھ نہ ہونا ظاہر ہے مراد نفی ہے صورت کی جسکو احقر ابھی بیان کرچکا ہے اور دست خائیدن کا حال فی المادی ہونا ظاہر ہے اور چونکہ شعر آنچناں کاندر دل الخ مثال تھی صنع حق بلا آلات مذکور فی قولہ بے زدستے الخ کی اور ہیچ ماند بانگ الخ مثال تھی اُس مثال کی اور اُس کے واسطہ سے مثال تھی اُسی صنع کی پس ایک بواسطہ اور ایک بلاواسطہ دونوں مثالیں صنع حق کی ہوگئیں چونکہ احتمال تھا کہ کوئی شخص شبہ یعنی صنع حق کو بالکل ان امثلہ مشبہ بہا کے مماثل من کل الوجوہ سمجھ جاوے جو کہ خلاف واقع ہے اس لئے آگے اسپر تنبیہ فرماتے ہیں کہ) یہ مثال غیر لائق ہے اے مستدل (صرف) تدبیر تفہیم کے لئے ایک نادار کی کوشش ہے (کہ وہ بقدر کفایت انفاق نہیں کرسکتا اپنی وسعت کے موافق کرسکتا ہے اسی طرح ہماری یہ تشبیہات کشف حقیقت کے لئے کافی نہیں ہماری وسعت کے قدر من وجہٍ تفہیم کے لئے لائی گئی ہیں ورنہ کہاں سبب حادث غیر قادر و غیر مختار و غیر مستقل و غیر عالم اور کہاں علت قدیم و قادر و مختار و مستقل و عالم آگے بعد تشبیہات و دفع ایہام ناشی عن التشبیہ عود ہے مضمون بے زدستے الخ کی طرف یعنی) بے صورت کی صنعت صورت کو پیدا کرتی ہے (یعنی) تن کو پیدا کرتا ہے مع حواس و آلات (یعنی اعضاء و جوارح و خیالات) کے (کہ صورت کا مصداق ہے اور خیال کا صورت کے افراد میں سے ہونا احقر شرح شعر آنچناں کاندر دل از ہجر و وصال میں لکھ چکا ہے اور آئندہ کئی شعر کے مضمون کا یہی مبنی ہے الی قولہ صورت فکر ست اس کے بعد کے بعض اشعار میں افعال کو صورت کہا ہے جو کہ ظاہر ہے آگے بعض افراد صورت کی نگارش کے بعض آثار کو کہ وہ تصرفات ہیں صورت نگار کے بیان فرماتے ہیں یعنی صورت نگاری اس لئے کرتے ہیں) تاکہ جونسی بھی صورت ہو وہ (صورت) اپنے مقتضا

کے) موافق جسم کو (افعال) نیک و بد میں لے آوے (اس صورت سے مراد بقرینۂ سیاق خیال ہے اور خیال کا مدار افعال ہونا ظاہر ہے چنانچہ آگے اسکی تفصیل ہے کہ اگر وہ) صورت نعمت کی ہو (جو دماغ مادی میں پیدا ہو) تو (وہ صاحب خیال) شاکر ہو جاتا ہے (اور فعل شکر اُس سے پیدا ہوتا ہے اور محل شکر کا زبان اور جوارح اور قلب ہے اور یہ سب اجزاء ہیں جسم کے پس جملۂ اندر آرد جسم را در نیک و بد کا تحقق ظاہر ہو گیا اسی طرح مواد آتیہ میں دیکھ لیا جاوے اور وہ یہ ہیں کہ اگر وہ) صورت مشقت کی ہو تو وہ (صاحب خیال) صابر ہو جاتا ہے (اور اگر) صورت رحم کی ہو (یعنی یہ خیال آجاوے کہ فلاں صاحب اختیار ہم پر رحم کریگا) تو (صاحب خیال خوشی سے) پھول جاتا ہے (اور اگر) صورت زخم کی ہو تو وہ (صاحب خیال) نالاں ہوتا ہے (اور اگر اُس کے دماغ میں) کسی شہر کی صورت (دخیال) آجاوے تو سفر اختیار کرتا ہے (اور اگر اُس کے خیال میں) تیر کی صورت آجاوے (کہ کوئی تیر میری طرف شاید آجاوے) تو (حفاظت کے لئے) سپر لے لیتا ہے (اور اگر خیال میں) حسینوں کی صورت (اور خیال) آجاوے تو (اُن کے قرب و وصال کا سامان کر کے اُن کے ساتھ) عشرت کرتا ہے (اور اگر خیال میں) کوئی صورت غیبی آجاوے (مثلاً تجلیات و واردات کا خیال) تو (اُس کی تحصیل کے لئے) خلوت (اختیار) کرتا ہے (اور) محتاجی کی صورت (موجودہ یا متوقعہ) کسب کی طرف لاتی ہے (اور) بلند وری (یعنی قوی بازو شدن) کی صورت غضب کی طرف لاتی ہے (اور یہ ظاہر ہے کہ غضب سے پہلے اس خیال کا آنا ضروری ہے کہ میں زور آور ہوں غضب کر سکتا ہوں پس مقصود قوت بازو کا شرط بتلانا ہے نہ کہ علت تاکہ نقض لازم آوے کہ خیال قوت بازو کے لئے غضب لازم نہیں اور) یہ حد و اندازہ (یعنی شمار) سے خارج ہے (آگے اس اسم اشارہ کا مشار الیہ بتلاتے ہیں کہ یہ سے مراد) فعل کا داعی (اور سبب ہے آگے اس داعی کا بیان ہے پس از بیانیہ ہے یعنی) گوناگوں خیالات سے (مطلب یہ کہ جو خیالات محرک افعال ہیں اُن کے افراد بیشمار ہیں چنانچہ) غیر متناہی مذاہب اور (غیر متناہی) پیشے سب (کے سب) ظل (اور اثر) ہیں صورت خیالات کے (یہ اضافہ بیانیہ ہے پس اس سببیت خیال و مسببیت افعال کی ایسی مثال ہے کہ جیسے) لب بام پر کوئی قوم خوش کھڑی ہے (خوش کی قید اتفاقی ہے اُن میں) ہر ایک کے سایہ کو زمین پر دیکھ لے (پس جس طرح یہ شخص سبب اور ظل مسبب ہے اسی طرح خیال سبب اور فعل مسبب ہے چنانچہ تصریحاً فرماتے ہیں کہ) صورت فکر (دماغ میں ہونے کے سبب گویا) بام بلند پر ہے اور وہ فعل (جو اُس کا مسبب ہے) سایہ کی طرح اعضاء پر ظاہر ہے (اور ہم نے جو صرف عمل کو پدید کہا اُسکی وجہ یہ ہے کہ) فعل تو ارکان پر ہے (جو کہ محل افعال ہیں اور وہ خود بھی اور اُن کے ساتھ افعال کا قیام اور حلول بھی ظاہر ہے) اور فکر مکتتم ہے (باعتبار محل کے بھی کہ دماغ ہے اور خود اپنی صورۃ نوعیہ کے اعتبار سے بھی کہ محسوس نہیں اگرچہ محل کا مشاہدہ بھی کیا جاوے اور اتصاف اور قیام کے اعتبار سے بھی تو گو ظہور و کمون کا دونوں میں فرق ہے) لیکن تاثیر (اُس فکر کی) اور اتصال (اور ترتب اُس عمل کا اپنے موثر پر یہ) دونوں مقارن ہیں (یعنی عمل کے وقت خیال کا وجود لازم ہے خواہ وہ خیال اُسی وقت حادث ہوا ہو یا اُس وقت تک باقی ہو جب خیال شرط ہے پس وجود عمل کا خود دلیل ہے اُس کے وجود کی پس اُس کے مکتتم ہونے سے اُس کے وجود کا انکار نہ کرنا چاہئے اور استدراک بقولہ لیک در تاثیر کا محط فائدہ یہی وجود ہے اس فکر کا نہ کہ خصوصیت مقارنت کی کہ وہ خصوصیت اتفاقی و واقعی ہے اور یہانتک صورت کا بے صورت کے لئے تابع ہونا اس طور پر کہ بے صورت علت فاعلی ہے صورت کی مذکور ہوا آگے اُس صورت کا بے صورت کے لئے تابع

ہونا اس طور پر کہ بے صورت علت غائی ہے صورت کی مذکور ہوتا ہے وقد نبہت علیہ من قبل فی تمہید شرح شعر صورت از بے صورت آمد الخ اور وہ علت غائی ہونا بے صورت کا صورت کے لئے اس طرح ہے کہ) بزم (شراب) میں جو صورتیں کہ جام خوشی سے (حاصل ہوتی) ہیں (مثل شرب خمر و افعال متعلقہ آں) ان کا فائدہ (یعنی علت غائی) بے خودی اور بیہوشی ہے (جو کہ بوجہ امر عدمی و امر اضافی ہونے کے بیصورت ہے اور ایسے امور کا بیصورت ہونا شرح شعر آنچنان کاندر دل الخ میں ذکر کیا گیا ہے اور افعال کا افراد صورت ہونا ظاہر ہے اور اسی طرح) صورت مرد و زن کی اور لعب اور جماع (یہ عطف تفسیری ہے صورت کا) اس (صورت) کا فائدہ (علت غائی) بے ہوشی ہے وقت جماع کی (غایت لذت کو بیہوشی فرمایا اور اسکا غایت ہونا ظاہر ہے اور اسی طرح) صورت نان و نمک کی جو کہ نعمت ہے اس کا فائدہ (اور غایت) قوت بے صورت ہے، (اسکو بیصورت کہنا بالمعنی المذکور فی المواد السابقۃ نہیں یعنی غیر حال فی المادہ کیونکہ قوت کا حلول مادہ میں ظاہر ہے بلکہ بمعنی غیر صورت محسوسہ اور ظاہر ہے کہ قوت محسوس و مرئی نہیں ہے پس یہ مادہ مثال نہ ہوگی کلیہ مذکورہ کی بلکہ نظیر ہوگی اسکی یعنی بطور قیاس تمثیل کے ایک بیصورت باحد المعنیین کو دوسری بیصورت بالمعنی الآخر پر حکم متبوعیت میں قیاس کر لیا اور شعر آئندہ متصل مدرسہ تعلیم الخ میں دانش کو بیصورت کہنا بھی قول مشہور پر کہ علم مقولہ کیف سے ہے اسی اعتبار سے ہے پس وہ بھی نظیر ہے اور شعر آئندہ متصل در مصاف الخ میں ظفر اس معنی مذکور سابق کے اعتبار سے بیصورت ہے پس وہ مثال ہے یعنی اسی طرح) جنگ میں وہ صورت تیغ و سپر کی اس کا فائدہ ایک بے صورت ہے یعنی ظفر (اسی طرح) مدرسہ تعلیم کا اور اس کی صورتیں (و اسباب تعلیم مثل کتب وغیرہ) جب علم سے متصل ہو گئیں (یعنی علم اُن پر مرتب ہو گیا جو کہ مدرسہ و اسباب تعلیم کی غایت ہے) تو وہ (صورتیں) تمام ہو گئیں (یعنی اُن اسباب سے اس حیثیت خاصہ سے تعلق نہ رہا جیسا کہ حصول غایت کے بعد وسائط سے تعلق ختم ہو جاتا ہے مثلاً منزل پر پہونچکر سواری چھوڑ دی جاتی ہے و مثل ذلک اور یہ علامت ہے علم کے غایت ہونے کی اور وہ بے صورت ہے بایں معنی کہ غیر محسوس ہے نہ بایں معنی کہ غیر حال فی المادہ ہے کیونکہ قول مشہور پر یہ مقولہ کیف سے ہے جو کہ صفت منضمہ ہے پس انسان مادی میں جو علم ہوگا حال فی المادہ ہوگا اور اگر مقولہ اضافہ سے ہو تو امور اضافیہ کا بیصورت ہونا بمعنی غیر حال فی المادہ اوپر مذکور ہو چکا ہے اور بدانش متصل گشت الخ میں مقصود اتصال کا حکم کرنا نہیں ہے کیونکہ اسکو مقصود مقام میں کوئی دخل نہیں بلکہ مقصود اس کا غایت ہونا ہے تاکہ اس کے بیصورت ہونے سے مقصود مقام کی تائید ہو اور یہاں تک جب صورت کی تبعیت بیصورت کے لئے فاعلاً یا غایۃً بیان فرما چکے آگے اس تبعیت پر تفریع ہے کہ) جب یہ صورتیں بیصورت کے تابع ہیں پھر کس لئے یہ (صورتیں) صاحب نعمت کی نفی میں ہیں (جیسے دہریہ منکر ہیں صانع عالم کے آگے بھی تفریع ہے تاکید تفریع اول کے لئے یعنی جب دلائل تبعیت مذکورہ کے بیان کر دئے گئے) پس (اُن سے ثابت ہو گیا کہ) صورتیں تابع ہیں بیصورت کے (پھر تعجب ہے کہ اُسی کے تصرف سے) اُسی کے سامنے تو پیدا ہوں اور (اُسی کی) نفی میں واقع ہوں (اور اس مصرعہ ثانیہ کی ایک توجیہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ یہ تائید ہو مضمون مصرعہ اولی کی یعنی بندہ ہونے کی دلیل یہ بھی ہے کہ وہ اُسی کے سامنے پیدا ہوتے ہیں اور اُسی کے سامنے عدم میں واقع ہو جاتے ہیں اور یہ سب اُسی کے تصرف سے ہوتا ہے اس سے بندہ ہونا ظاہر ہو گیا مگر اول توجیہ سیاق و سباق کے زیادہ مناسب ہے کہ دونوں جگہ اس کی تصریح ہے

حیث قال قبلہ پس چرا در نفی صاحب نعمت اند؛ قال بعدہ چیست پس برموجد خویشش جحود + آگے بھی اسی کی تاکید ہے کہ) یہ صورتیں بے صورت سے وجود رکھتی ہیں۔ پھر اُن کو اپنے موجد پر جحود کیا ہے (آگے خود ان کے اس انکار سے بھی اُس کے وجود پر استدلال کرتے ہیں کہ) اُس (منکر کا (یہ) انکار (بھی) خود اُس (صانع) ہی سے ظہور پایا ہے (اور) اُس (صانع) کا یہ فعل (یعنی خلق انکار فی المنکر) بجز اپنے (یعنی صانع کے) عکس (و اثر) کے نہیں ہے (یعنی انکار منکر بھی مجعول ہے اس صانع کا اور یہ مضمون ہے مصرعہ اولیٰ کا اور دلیل اُسکی یہ ہے کہ انکار حادث ہے اور ہر حادث کیلئے جاعل و محدث کی ضرورت ہے پس جاعل اس انکار مجعول کا حادث تو ہو نہیں سکتا لاستلزام الدور او التسلسل پس لا محالہ قدیم ہوگا پس جاعل قدیم ہوگا اور اُس کا یہ جعل اُس کا اثر حادث ہوا اور یہ مضمون ہے مصرعہ ثانیہ کا آگے بعد تفریعات کے پھر عود ہے بے صورت کے علت فاعلیہ للصورۃ ہونے کی طرف یعنی) ہر مکان کی صورت دیوار و سقف کو خیال معمار کا ظل جان اگرچہ محل منکر (یعنی ذہن) میں سنگ اور چوب اور خشت ظاہر نہیں ہے (لیکن اُن کا خیال ہے اور وہی سبب فاعلی ہے صورت عمارت کا اور اس شعر میں اندیشہ و خیال کو جسکا باصورت ہونا اور یہ معلوم ہو چکا بیصورت کہنا بمعنی غیر المحسوس ہے یہ بمعنی غیر حال فی المادہ آگے خلاصہ ہے تمام مقام کا یعنی غرض یہ کہ) فاعل مطلق یقیناً بے صورت ہے (اور) صورت اس کے ہاتھ میں مثل آلہ کے (تابع محض) ہے (کہ یقلبہا کیف یشاء اس مقام میں اتنا مضمون مقصود موثریت غیر المصور فی الصور یہ احکام مذکور ہوئے ہیں ۱ حق تعالیٰ کا صانع ہونا ۲ اُس کا ذاتاً مستور ہونا کما یدل علیہ المثال المذکور فی قولہ فعل برارکان و فکرت مکتتم و ایضاً یدل علیہ نقل النفی عن الدہریین فی قولہ پس چرا در نفی صاحب نعمت اند و ما یلیہ قبلہ و بعدہ لان سبب انکارھم ھو ھذا الاستتار ۳ اُس کا تصرفاً ظاہر ہونا کما یدل علیہ اثبات الصنع لہ فی اشعار متعددۃ و ایضاً یدل علیہ خود ازو یابد ظہور الخ اور اسی ظہور کی بنا پر تعجب علی الانکار فرمایا گیا اور یہ ظہور استدلالی ہے جو معاندین پر حجت ہے آگے حق تعالیٰ کا ذوقاً و وجداناً ظاہر ہونا بیان فرماتے ہیں جو عارفین کو عطا ہوا ہے جس سے طالبین منتفع ہوتے ہیں پس فرماتے ہیں کہ گو) وہ بیصورت (ابصار سے مستور ہے مگر گاہ گاہ بصائر پر ظاہر و متجلی ہوتے ہیں چنانچہ) گاہ گاہ پردۂ غیب سے (فالعدم اضافی) صورتوں کو (یعنی بعض اہل صور مثل انبیاء علیہم السلام و اولیاء کرام کو) تجلی دکھلا دیتے ہیں کرم سے (اسمیں اشارہ ہے عدم استحقاق وجوبی کی طرف جس کے معتزلہ قائل ہوئے ہیں اور اس تجلی سے مراد انکشاف ذوقی ہے آگے اس تجلی کی غایت ہے جسکو احقر نے اس شعر کی تمہید میں اس عبارت میں لکھا ہے جس سے طالبین منتفع ہوتے ہیں اھ یعنی اس لئے تجلی دکھلاتے ہیں تاکہ اُن سے ہر صورت (جنپر وہ تجلی نہیں ہوئی تھی یعنی عوام طالبین) مدد حاصل کرے (آگے بیان ہے مدد کا یعنی) کمال سے اور جمال سے اور قدرت سے (مطلب یہ کہ حق جلشانہ کے کمال اور جمال اور قدرت و جمیع صفات الٰہیہ سے فیض حاصل کرے بواسطہ اُن اہل تجلی یعنی شیوخ عارفین کے پس ازو میں از بمعنی بواسطہ ہے اور مرجع اس کا صور مذکور فی الشعر السابق ہے اور کمال و ما عطف علیہ میں مضاف مقدر ہے یعنی از فیض کمال الخ اور اس میں از بیانیہ ہے اور وہ فیض کمال مصداق ہے مدد کا پس تقدیر عبارت یہ ہوئی تاکہ طالب بواسطہ عارفین فیض صفات

الیہ حاصل کند اور اس غایت کا وہی حاصل ہے جو احقر کی عبارت تمہید یہ مذکورہ آنفا کا حاصل ہے گویا یہ مضمون بطور استدراک کے ہے مضمون بالا یعنی ذم قصد صورت سے یعنی قصد صورت مطلقاً مذموم ہے لیکن جو صورت اس بے صورت کی طرف موصل ہو وہ مستثنےٰ ہے کیونکہ اس کے قصد سے بالذات قصد بےصورت ہی کا ہوتا ہے اور اس تجلی میں دو مرتبے ہیں ایک نفس تجلی ایک غلبہ تجلی مرتبہ اولیٰ تو ان کو ... ما میسر رہتا ہے اور مرتبہ ثانیہ دائم نہیں ہوتا آگے اس مرتبہ ثانیہ کی متعلق فرماتے ہیں کہ) پھر (اس) بےصورت نے جب تجلی مستتر کرلی (یعنی اس کا غلبہ نہ رہا جیسا کاملین کو کبھی کبھی پیش آتا ہے) تو (اسوقت) وہ لوگ گدیہ (یعنی احتیاج الی اللوازم البشریہ) کے لئے رنگ اور بو (یعنی اسباب طبعیہ) میں آگئے (مطلب یہ کہ غلبہ تجلی کے وقت تو لوازم بشریت مغلوب ہوتے ہیں اور عدم غلبہ کے وقت وہ لوازم پھر ظاہر ہوتے ہیں شاید حکیم اعلیٰ بیان کردیا ہو کہ ان کے خواص بشریہ دیکھکر ان کی نسبت مع اللہ میں شبہ نکرے اور ان سے استفاضہ بند نکردے کیونکہ عدم غلبہ مستلزم عدم تعلق کو نہیں ہے آگے بھی مضمون مستدرک منہ اور استدراک کا اجمالاً اعادہ ہے یعنی) ایک صورت دوسری صورت سے اگر کمال ڈھونڈھے تو وہ عین ضلال ہے بجز اس صورت کے جسکو اس حاکم عظیم نے لائق ارشاد کے کیا ہو مودت (و محبوبیت یعنی مقبولیت) سے (فی الغیاث بابت لائق اھ آگے تفریع ہے مستدرک منہ پر یعنی جب صورت کی احتیاج الی غیر الصورۃ معلوم ہوگئی) پس کیا بیش کرتا ہے تو اے بے ہنر اپنی احتیاج دوسرے محتاج کی طرف (آگے حق تعالیٰ کی تنزیہ صورت سے بیان کرتے ہیں جیسا پہلے بھی اسکو بےصورت کہنے سے یہ مذکور ہوا تھا پس یہ مضمون بےصورتی کا اعادہ ہے اور مقصود اس سے اصلاح بھی ہے بعض اہل سلوک کی کہ حق تعالیٰ کو کسی تجلی مثال یا اپنے خیال کے مطابق اعتقاد کرلیتے ہیں پس فرماتے ہیں کہ) جب صورتیں بندہ (اور محتاج) ہیں (کما ہو ظاہر و مذکور ایضاً فی قولہ المار قریباً ایک صور چوں بندہ بےصورت اند) تو یزداں پر (اس کا زبان سے بھی) اطلاق مت کر (اور دل سے بھی) صورت کا گمان مت کر (یہ تو درجہ عمل و اعتقاد کا ہوا اور بدون اعتقاد کے بھی قصداً اسکو کسی ذی صورت مثل دریا و آفتاب وغیرہ کے ساتھ مشابہ تصور کرکے) اسکو تشبیہ (کے ذریعہ) سے مت ڈھونڈھ (یعنی مراقبات میں بھی اس سے کام مت لے گو بعض قلیل کے لئے بعض مشائخ کے کلام سے اس اخیر صورت کی اجازت معلوم ہوتی ہے مگر اکثر کے لئے موجب مفسدہ ہی ہے اسی لئے محققین حال بھی اس سے منع فرماتے ہیں کما حققہ مرشدی رح فی ضیاء القلوب غرض نہ تکلماً نہ تصدیقاً نہ تصوراً اختیاراً کسی طرح اسکو ذی صورت نہ قرار دے بلکہ تضرع میں اور اپنے فنا کرنے میں اس کو طلب کر کیونکہ تفکر (یعنی تصور اختیاراً) سے (اکثر کو) بجز صورتوں کے کوئی چیز پیش نہ آویگی (یعنی مجاہدہ سے اپنی نفی اصطلاحی کردو تو تجلی کیفیت میسر ہوگی جسمیں کسی قید خیالی کو بھی استقرار نہ ہوگا گو کوئی توجہ قید خیالی سے تو خالی نہوگی لیکن عدم استقرار کے سبب ملازم کے ساتھ فوراً خلا بھی ہوجاویگا پس مثل اسی کے ہوگا جیسے کوئی قید خیال میں ہی نہیں بخلاف غیر حالت مجاہدہ کے کہ خیال خاص کو استقرار ہوگا اور وہ بھی صورت ہے کما قیل کل ماخطر ببالک فہو ھالک واللہ اجل و اعلیٰ من ذٰلک اور مصرع اولیٰ در تضرع الخ میں بھی عدم استقرار اور مصرعہ ثانیہ کہ تفکر الخ میں بھی استقرار مراد ہے اور احقر نے جو تصور منہی عنہ میں اختیاراً کی قید لگائی وجہ اسکی یہ ہے کہ اگر کوئی شخص ایسا ضعیف ہو کہ بدون اختیار کے اسکو کسی نہ کسی قید کا

حق تعالیٰ کے لئے ضرور خیال آجاتا ہے اور بدوں اُس قید کے حق تعالیٰ کا اُسکو تصور ہی نہیں ہو سکتا تو وہ معذور ہے
اور اُسکو اسکی اجازت ہے مولانا آگے اسی کو فرماتے ہیں یعنی اختیار سے تو ایسا مت کر) اور اگر بدون (تصور) صورت
کے تجھکو انبساط (وانشراح) نہیں ہوتا (اور حق تعالیٰ کا تصور ایسا نہیں جمتا جس سے سیری وتسلی ہوجاوے) تو جو صورت
بدون تیرے (تجویز اختیاری کے) تیرے اندر پیدا ہو وہ بہتر ہے (لقولہ تعالیٰ لا یکلف اللہ نفسا الا وسعہا کما سأل
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جاریۃً این اللہ قالت فی السماء فقال علیہ السلام انہا مؤمنۃ آگے
عود ہے اُس مضمون کی طرف جو شعر آں صور در بزم الخ سے شروع ہوا تھا یعنی بےصورت کا صورت کے لئے غایت ہونا
یعنی) اُس شہر کی صورت کہ تو وہاں جاتا ہے (اُسکی طرف) تجھکو ذوق نے کھینچا ہے جو کہ بےصورت ہے (کما سیاتی)
اے سیراب ہونے والے (اس خطاب میں علاوہ درستی وزن کے لفظ ذوق کے ساتھ مناسبت بھی ہے کہ ذوق مقتضی
ہوتا ہے سیرابی کو اور مصرعہ ثانی خبر ہے مصرعہ اولی کی اور خبر میں عائد مقدر ہے مبتدا کی طرف یعنی کشید ت سوئے او کما
اشرت الیہ فی الترجمۃ مطلب یہ کہ آدمی کسی شہر کو جاتا ہے تو مقصود اُس کی کامیابی کا ذوق ہوتا ہے اور شہر بادیت در
ہے اور ذوق جو کہ اُس کی غایت ہے بےصورت جب یہ بات ہے) پس (اُس شہر کو جانے میں گو ظاہراً تم ایک مکان
کی طرف کہ صورت ہے جا رہے ہو لیکن) باطناً تم لامکان کی طرف (کہ اُسکی غایت اور بےصورت ہے) جا رہے ہو
کیونکہ خوشی (جسکو اوپر ذوق کہا ہے) غیر زمانی اور غیر مکانی ہے (کما سیاتی اسی طرح) کسی دوست کی صورت جسکی
طرف تو (محبت سے) جا رہا ہے (تو ظاہر میں تو صورت کی طرف جا رہا ہے مگر واقع میں) تو اُس کے اُنس کی وجہ سے
جا رہا ہے (جو کہ بےصورت ہے کما سیاتی) پس (ان دونوں مادوں میں کہ شہر کی طرف اور دوست کی طرف جانا ہے) باطناً
تو بےصورت کی طرف جا رہا ہے اگرچہ اس مقصود (بےصورت) سے تو غافل ہے (اور یہ کہہ رہا ہے کہ میں صورت کے قصد سے
جا رہا ہوں ان چار شعر میں ذوق اور خوشی اور مونسی کو بےصورت اور بواسطہ بےصورت ہونیکے غیر زمانی ومکانی کہا ہے اگر
ان مفہومات کی تفسیر ایسی کی جاوے جس سے وہ صفات انتزاعیہ اور امور اضافیہ قرار پاویں تب تو یہ حکم ظاہر ہے کیونکہ
وہ حال فی المادہ نہ ہونگی تو مکانی بھی نہ ہونگی اور زمانیت چونکہ فرع ہے تحقق کی اور امور اضافیہ بدون اعتبار معتبر وانتزاع
منتزع فی انفسہا متحقق نہیں اس لئے زمانی بھی نہ ہونگی اور اگر ان کی تفسیر صفات انضمامیہ سے کیجاوے تو اس حکم کی توجیہ
ہوگی کہ مثل اُس صورت مقصودہ ظاہرہ کے یہ صورت نہیں ہیں یعنی اُن کے مقابلہ میں مثل بےصورت کے ہیں اور یہ ظاہر ہے
کیونکہ شہر اور یار بوجہ جوہریت کے بلاواسطہ مادی ومتحیز ہیں اور یہ اوصاف بوجہ عرضیت کے بواسطہ محل کے مادی ومتحیز
ہیں بلاواسطہ نہیں اس لئے محل کے مقابلہ میں انکو بےصورت کہدیا اور اس سے بھی مدعا ظاہر ہوگیا کہ قصد صورت سے
واقع میں ایسی چیز کا قصد ہے جو اُس کے اعتبار سے تو بےصورت ہے پس بےصورت کا اگرچہ وہ من وجہ ہی بےصورت ہے
غایت ہونا صورت من کل الوجوہ کے لئے ثابت ہوگیا آگے اس ذوق کے مطلوب ہونے پر ایک ایسے مضمون کی تفریع
ہے کہ اُس سے سلسلہ صورت کے تابع وغیر مطلوب اور بےصورت کے متبوع ومطلوب ہونے کا چلا تھا جو کہ شروع سرخی
کے تھوڑے بعد ان اشعار میں مذکور ہے زین قدحہائے صور کم باش الخ اور از قدحہائے صور بگذر الخ اور سوی بادہ بخش

بکشا الخ جسکا حاصل حق تعالیٰ کا مطلوب حقیقی و مستحق مطلوبیت ہونا ہے پس فرماتے ہیں کہ جب ذوق کا مقصود ہونا شعر بالاسے معلوم ہوگیا پس (اس سے ثابت ہوا کہ) درحقیقت حق تعالیٰ ہی معبود کل ہے کیونکہ ذوق ہی کے لئے (سب) راستوں کا چلنا (ہوتا) ہے (جیسا مثال قصد بلاد و قصد اہل وداد سے معلوم ہوا ایک مقدمہ تو یہ ہے اور دوسرا یہاں مطوی ہے وہ یہ کہ ذوق بخشی فعل ہے حق تعالیٰ کا لیکن اوپر شرح سرخی کے بعد یہ بھی مذکور ہوا ہے سوئے بادہ بخش بکشا ہین گوش الخ کیونکہ بادہ بخشی اور ذوق بخشی ایک ہی بات ہے پس کسی چیز سے ذوق کا قصد کرنا جس سے کوئی بھی خالی نہیں جبکہ ذوق بخش حق تعالیٰ ہے واقع میں حق تعالیٰ سے اُن کا طلب کرنا ہے اور معبود کل میں عبادت سے یہی مراد ہے پس سب اُسی کے عابد ہوئے پھر اگر عابد کو اسکی خبر نہ ہو جیسا کہ شعر بالا میں مذکور ہے گرچہ زان مقصود غافل آمدی اُسوقت یہ عبادت اضطراری و تسخیری کہلاتی ہے وھو المراد فی قولہ تعالیٰ بل لہ ما فی السموات والارض کل لہ قانتون اور اگر عابد کو اسکی خبر ہو تو وہ عبادت اختیاری اور تشریعی کہلاتی ہے پھر ان عابدین بالاختیار میں مراتب مختلف ہیں بعضے وہ جنکی طلب اور توجہ الی الحق بواسطۂ افعال حق ہے بعضے وہ جنکی طلب اور توجہ بواسطہ صفات حق ہے بعضے وہ جنکی طلب اور توجہ بلا کسی واسطہ کے خاص ذات کی طرف ہے اور اول درجہ عوام کا ہے دوسرا خواص کا تیسرا اخص الخواص کا اور تیسرے درجہ کا بلا واسطہ ہونا بایں معنی نہیں کہ افعال و صفات تصور میں بھی مراۃ نہیں ہوتے کیونکہ ذات کا تصور تو بکنہہ ممتنع ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ افعال وصفات کی طرف التفات نہیں ہوتا جس طرح درجہ دوم میں افعال کی طرف نہیں ہوتا اور درجہ اول میں افعال کی طرف بھی ہوتا ہے آگے ان ہی تین درجوں کو بیان کرتے ہیں یعنی بعض تو غافل ہونے کے سبب صرف عابد تسخیری تھے جنکا اس شعر اور شعر سابق میں ذکر ہے اور بعضے توجہ و عابد اختیاری ہیں کما یدل علیٰ ھذا التوجہ قولہ فی الشعر الاتی رو کردہ اند) لیکن (ان میں بھی سب برابر نہیں بلکہ) بعض نے تو توجہ دُم کی طرف کی ہے (اور) اگرچہ سر اصل ہے (مگر) انھوں نے سر کو گم (یعنی فراموش) کر دیا ہے (دُم چونکہ بالکل ادنیٰ اور تابع ہوتی ہے اس سے افعال کو تشبیہ دی کہ بوجہ حدوث کے صفات سے ادنیٰ و صفات کے تابع ہوتی ہے چنانچہ صفات کا افعال کے لئے منشا ہونا ظاہر ہے اور سر سے صفات کو تشبیہ دی اور اسمیں درجۂ اول کا ذکر ہے کہ عوام کو افعال حق کی طرف زیادہ التفات ہوتا ہے اسی واسطے اُن کو ہمارے حضرت مرشد رح عاشق احسانی فرماتے تھے کہ اُن کی زیادہ محبت کا سبب عطاء نعم و بذل احسان ہوتا ہے جو کہ فعل ہے اور اُن کی محبت اس حیثیت سے کم ہوتی ہے کہ خود حق تعالیٰ صاحب جمال و جلال و کمال ہیں) لیکن (چونکہ اُن کی استعداد جو فی الحال اُن کو حاصل ہے اسی قدر ہے اسلئے اُن کی یہ توجہ بھی مقبول و مثمر ہوتی ہے اور) وہ سران ضالین گم کے سامنے سر کی عطا دُم کے واسطہ سے عطا کرتے ہیں (سر سے مراد صفات جیسا ابھی اوپر مذکور ہوا مطلب یہ کہ یہ عوام مذکورین گو متوجہ الی الافعال ہیں جسکا مقتضا یہ تھا کہ یہ فیوض صفات سے محروم رہتے کیونکہ صفات کا حق اُنھوں نے ادا ہی نہیں کیا مگر صفات آلہیہ ان کو توجہ الی الافعال کے واسطہ سے وہی فیوض و برکات عطا فرماتے ہیں جو توجہ الی الصفات کے واسطہ سے عطا ہوتی چونکہ منشا فیوض کا صفات آلہیہ ہیں جیسا اہل فن میں مشہور ہے اس لئے عطا ان کو صفات کی طرف منسوب کیا اور باوجود ان کے عمل کے مقبول ہونے کے

افعال وصفات وذات اقسام عابدین تسخیری و تشریعی و مراتب طالبین از مراقبین

ان کو ضالان گم کہنا باعتبار درجۂ مافوق کے ہے کہ اس درجہ تک تو ان کی رسائی نہیں ہوئی اُس سے تو غایب اور ذاہل ہی ہیں جیسا اوپر کے شعر میں بھی گم کردہ اندا سی اعتبار سے کہا ہے اور می دہد داد سرے ازراہ وہم یا عتبار نفس نافعیت کے کہا ہے ورنہ ظاہر ہے کہ دونوں مساوی نہیں ہیں کما قال تعالیٰ اولٰئک اعظم درجۃ من الذین انفقوا من بعد و قاتلوا وکلا وعد اللہ الحسنیٰ خلاصہ یہ کہ) وہ (ایک شخص (جو متوجہ الی الصفات ہے) سر سے پاتا ہے یہ عطا اور یہ شخص (مذکور بالا جو متوجہ الی الافعال ہے) دُم سے (پاتا ہے اس مصرعہ کے اول میں بیان ہے درجہ دوم کا اور آگے درجہ سوم کا ذکر ہے کہ) ایک اور قوم نے پاؤں اور سر (دونوں) گم کردئے (یعنی افعال اور صفات سے آگے نظر بڑھا کر ملتفت الی الذات ہوگئے آگے ان کی فضیلت بیان کرتے ہیں کہ) چونکہ (ان کی نظر سے) سب گم ہوگئے (یعنی بجز ذات کے کسی طرف التفات نہ رہا اسلئے) انھوں نے سب کو پالیا (یعنی مراقبۂ افعال و صفات سے جو فیوض و برکات ہوتے وہ سب ان کو میسر ہوگئے کیونکہ ذات سب کا مبداء ہے اُس کا حاصل ہونا سب کا حاصل ہونا ہے اور یہی معنی ہیں مصرعہ ثانیہ کے کہ) گم (اور فنافی الذات) ہونے کے سبب وہ کل کی طرف (یعنی ذات کی طرف اولاً اور توابع ذات کی طرف بواسطہ ذات کے) دوڑے (ذات کو کل بوجہ مجمع الکل ہونے کے کہا) ف - آگے عود ہے قصہ کی طرف -

دیدن آں سہ پسر شاہ در قلعۂ ذات الصور نقش روئے دختر شاہ چین را و بیہوش شدن ہر سہ برادر و در فتنہ افتادن و تفحص کردن کہ ایں صورت کیست

ایں سخن پایاں ندارد آں گروہ	**صورتے دیدند با فر و شکوہ**
یہ مضمون انتہا نہیں رکھتا اُس گروہ نے	ایک تصویر دیکھی نہایت آن بان کی
خوبتر زاں دیدہ بودند آں فریق	**لیک زیں رفتند در بحر عمیق**
اُس فریق نے اُس سے بھی زیادہ حسین دیکھے تھے	لیکن اس سے وہ بحر عمیق میں چلے گئے
زانکہ افیوں شاں ازیں کاسہ رسید	**کاسہا محسوس و افیوں ناپدید**
کیونکہ اُن کو افیوں اس کاسہ سے پہونچی	کاسے تو محسوس ہیں اور افیون غیر محسوس ہے
کرد فعل خویش قلعۂ ہش ربا	**ہر سہ را انداخت در چاہ بلا**
قلعہ ہوش ربا نے اپنا کام کردیا	تینوں کو چاہ بلا میں ڈالدیا

تیر غمزہ دوخت دل را بیگماں — الاماں یا ذا الاماں زیں بے اماں

تیر غمزہ نے دل کو سچ مچ چھید دیا — اے امن دینے والے اس بے پناہ سے پناہ دیجئے

آں سہ شہ را صورت سنگیں بسوخت — آتشے در دین و دل شاں برفروخت

اُن تینوں بادشاہوں کو پتھر کی تصویر نے جلا دیا — ایک آگ اُن کے دین اور دل میں بھڑکا دی

چونکہ روحانی بود خود چوں بود — فتنہ اش ہر لحظہ دیگر گوں بود

وہ اگر جاندار ہو تو کیا کیفیت ہو — اُس کا فتنہ تو ہر لحظہ دوسری طرح کا ہو

عشق صورت در دل شہزادگان — چوں خلش میکرد مانند سنان

تصویر کا عشق شہزادوں کے دل میں — جب سنان کی طرح چبھ رہا تھا

اشک میبارید ہر یک ہمچو میغ — دست میخائید و میگفت اے دریغ

ہر ایک ابر کی طرح اشکباری کرتا تھا — ہاتھ چباتا تھا اور کہتا تھا ہائے افسوس

ما کنوں دیدیم شہ زآنما ز دید — چند ما سوگند داد آں بے ندید

ہمنے تو اب دیکھا بادشاہ نے اول سے دیکھ لیا تھا — ہمکو کتنی قسمیں دی تھیں اُس بے نظیر نے

انبیا را حقِ بسیارست ازاں — کہ خبر کردند از پایانِ ماں

انبیا علیہم السلام کے حقوق اس لئے بہت ہیں — کہ اُنھوں نے ہمارے انجام سے خبر دیدی ہے

کانچہ میکاری نروید جز کہ خار — ویں طرف پری نیابی زو مطار

کہ تو جو کچھ بو رہا ہے اُس سے بجز خار کے کچھ نہ جمے گا — اور تو اس طرف اڑ رہا ہے تو اس سے طیران کی جگہ نہ پاوے گا

تخم از من بر کہ تا ریعے دہد — با پر من پر کہ تیر آں سو جہد

تو تخم مجھ سے لیجا تاکہ وہ نفع دے — تو میرے پر سے اُڑ کہ تیر ادھر ہی نکل جاوے

تو ندانی واجبی آں وہست
تو اسکے وجوب کو نہیں جانتا اور وہ ہے

ہم تو گوئی آخر آں واجب بدست
تو بھی آخر میں کہنے لگے گا کہ وہ واجب تھی

از تو است اما نہ ایں توئی کہ تن ست
وہ تیری ہی طرف سے ہے لیکن اس توئی کا نہیں جو کہ تن ہے

آں توئی کہ برتر از ما و من ست
اس توئی کا ہے جو کہ ما و من سے برتر ہے

ایں توئی ظاہر کہ پنداری توئی
یہ ظاہری توئی جسکو تو توئی سمجھتا ہے

ہست اندر سوئی تو در بے سوئی
یہ جہت کے اندر ہے اور تو بے جہت میں ہے

بر صدف لرزاں چرائی اے گہر
تو اے گوہر صدف پر کیوں لرزاں ہے

توئی خود را تنے مداں میدان شکر
تو اپنی توئی کو بانس مت جان شکر جان

توئی بیگانہ است با تو ایں توئی
یہ توئی ایسی توئی ہے جو تیرے ساتھ بیگانگی رکھتی ہے

توئی خود دریاب و بگذر از دوئی
تو اپنی توئی کو دریافت کر اور دوئی سے گزر جا

توئی آخر سوئے توئی اولت
تیری آخری توئی تیری اولی توئی کی طرف

آمدست از بہر تنبیہ و صلت
آئی ہے تنبیہ اور وصل کے لئے

توئی تو در دیگرے آمد دفیں
تیری ایک توئی دوسری میں مستتر ہے

من غلام مرد خود بیں چنیں
میں ایسے خود بیں شخص کا غلام ہوں

آنچہ در آئینہ می بیند جواں
جوان جس چیز کو آئینہ میں دیکھتا ہے

پیر اندر خشت بیند پیش ازاں
بوڑھا اس سے پہلے خشت میں دیکھ لیتا ہے

ز امر شاہ خویش بیروں آمدیم
ہم اپنے بادشاہ کے حکم سے باہر ہو گئے

با عنایات پدر باغی شدیم
باپ کی عنایات کے ساتھ ہم گردنکشی کرنے والے ہوئے

سہل دانستیم قول شاہ را — واں عنایت ہائے بے اشباہ را

ہمنے بادشاہ کے قول کو سہل جانا — اور اُن عنایات بے مثل کو

نک در افتادیم در خندق ہمہ — کشتہ و خستہ بلائے ملحمہ

اب ہم خندق میں گر پڑے — کشتہ اور مجروح بلا بدون کارزار کے

تکیہ بر عقل خود و فرہنگ خویش — بود ماں تا ایں بلا آمد بہ پیش

ہمکو اپنی عقل اور دانائی پر اعتماد — ہوگیا جس سے یہ بلا پیش آئے

بے مرض دیدیم خویش و بے زرق — آنچناں کہ خویش را بیمار دق

بدون کسی مرض کے اور بدون غلامی کے ہمنے اپنے کو — ایسا دیکھا جیسا اپنے کو بیمار دق

علتِ پنہاں کنوں شد آشکار — بعد ازاں کہ بند گشتیم و شکار

علت مخفیہ اب ظاہر ہوئی — بعد اسکے کہ ہم مقید اور شکار ہوگئے

سایۂ رہبر بہ است از ذکر حق — یک قناعت بہ کہ صد لوت و طبق

رہبر کا سایہ ذکر حق سے بہتر ہے — ایک قناعت بہتر ہے صدہا طعام و طبق سے

در قناعت خواندہ باشی اے حسن — ذکر ذکر حق و ذکر بو الحسن

تونے قناعت کے باب میں پڑھا ہوگا اے حسن — قصہ ذکر حق کا اور قصہ ابوالحسن کا

چشم بینا بہتر از سہ صد عصا — چشم بشناسد گہر را از حصے

چشم بینا بہتر ہے تین سو عصا سے — چشم موتی کو سنگریزہ سے پہچانتی ہے

در تفحص آمدند اندر زماں — صورت کہ بود عجب ایں در جہاں

تفحص میں واقع ہوئے اسی وقت — یہ تصویر عجیب کسکی ہے جہاں میں

بعد بسیار تفحص در مسیر
بعد تفحص بسیار کے اثنائے سیر میں

کشف کرد آں راز را شیخ بصیر
اس راز کو کسی شیخ صاحب بصیرت نے حل کیا

نز طریقِ گوش بل از وحیِ ہوش
راہ گوش سے نہیں بلکہ الہام ہوش سے

رازہا بد پیش او بے روے پوش
اسرار اُن کے سامنے بے حجاب تھے

گفت نقش رشک پرویں ست ایں
اُن شیخ نے کہا کہ یہ ایک رشک پرویں کا نقشہ ہے

صورت شہزادۂ چین ست ایں
یہ شہزادی چین کی تصویر ہے

دخترے دارد شہِ چین بے ہمال
شاہ چین ایک دختر بے مثال رکھتا ہے

در بہا و در کمال و در جمال
خوبی میں اور کمال میں اور جمال میں

ہمچو جان و چوں پری پنہاں ست او
وہ مثل روح کے اور مثل پری کے پنہاں ہے

در مکتم پردۂ ایوان ست او
وہ ایک مکتوم پردۂ ایوان میں ہے

سوے او نے مرد رہ دارد نہ زن
اُسکی طرف نہ مرد راہ رکھتا ہے اور نہ عورت

شاہ پنہاں کرد او را از فتن
شاہ نے اُسکو فتنوں سے پنہاں کر رکھا ہے

غیرتے دارد ملک بر نام او
بادشاہ اُسکے نام پر اسقدر غیرت رکھتا ہے

کہ نپرد مرغ ہم بر بام او
کہ پرندہ بھی اُسکے بام پر نہیں اڑ سکتا۔

وائے آں دل کش چنیں سودا فتاد
شامت اوس دل کی جسکو ایسا خیال واقع ہو گیا

ہیچ کس را ایں چنیں سودا مباد
کسی شخص کو خدا کرے ایسا خیال نہ ہووے

ایں سزا آنکہ تخم جہل کاشت
یہ سزا ہے اُس شخص کی جس نے جہالت کا تخم بویا

واں نصیحت را کساد و سہل داشت
اور اُس نصیحت کو بے قدر اور سرسری قرار دیا

اعتمادے کرد بر تدبیر خویش — **کہ برم من کار خود با عقل پیش**
اپنی تدبیر پر یہ اعتماد کیا — کہ میں عقل سے اپنا کام پیش لیجاونگا

نیم ذرہ زاں عنایت بہ بود — **کہ ز تدبیر خرد سہ صد رصد**
آدھا ذرہ اس توجہ کا بہتر ہوتا ہے — اس سے کہ تدبیر عقل سے تین سو حصے دیکھ بھال کے

ترک مکر خویشتن گیر اے امیر — **پا بکش پیش عنایت خوش بمیر**
اے امیر تو اپنی تدبیر کو ترک کر — پاؤں باہر نکال لے۔ توجہ کے سامنے فنا ہوجا

ایں بقدر حیلۂ معدود نیست — **زیں حیل تا تو نمیری سود نیست**
یہ بقدر حیلۂ معدود کے نہیں۔ — جب تک تو فنا نہ ہوگا ان حیلوں سے کچھ نفع نہیں ہے

تا نمیری سود کے خواہی ربود — **رو بمیر و بہرہ بردار از وجود**
جب تک تو مرے گا نہیں نفع کب حاصل کریگا — جا مرجا اور ہستی کا حصہ حاصل کر۔

یہ مضمون (فضیلت طالب ذات کا) انتہا نہیں رکھتا (اسلئے قصہ کی طرف عود کرتا ہوں کہ) اس گروہ نے ایک تصویر دیکھی نہایت آن وبان کی (اور گو) اس فریق نے اس سے بھی زیادہ حسین دیکھے تھے لیکن اس سے وہ (حیرت کے ایک) بحر عمیق میں چلے گئے کیونکہ ان کو افیوں اس کاسے سے پہونچی (حسن کو افیوں سے تشبیہ دی زوال عقل وہوش میں اور) کاسے تو محسوس ہیں اور افیون غیر محسوس ہے (یعنی ہر ایک کو محسوس نہیں چنانچہ ایک شخص کو ایک میں حسن معلوم ہوتا ہے دوسرے کو اسمیں حسن نہیں معلوم ہوتا غرض) قلعہ ہوش ربا نے اپنا کام کر دیا (اور) تینوں کو چاہ بلا میں ڈالدیا تیر غمزہ نے دل کو بیچ بیچ چھید دیا (آگے بطور جملہ معترضہ کے تفخیم امر کیلئے دعا ہے کہ) اے امن دینے والے اس بے پناہ (بلا سے) پناہ دیجیو ان تینوں بادشاہوں کو پتھر کی تصویر نے۔ لا دیا (اور) ایک آگ ان کے دین اور دل میں بھڑکا دی (اور) وہ اگر جاندار ہو (یعنی خود صاحب تصویر جو کہ زندہ ہے وہ سامنے آجاوے) تو کیا کیفیت ہو اس کا فتنہ تو ہر لحظہ دوسری طرح کا ہو اور (اس) تصویر کا عشق شہزادوں کے دل میں جب سنان کی طرح چبھ رہا تھا ہر ایک ابر کی طرح اشکباری کرتا تھا (اور) ہاتھ چباتا تھا اور کہتا تھا اے افسوس ہم نے تو اب دیکھا (اور) بادشاہ نے (یعنی ہمارے باپ نے) اول سے دیکھ لیا تھا ہم کو کتنی قسمیں دی تھیں اس بے نظیر نے (آگے انتقال ہے کہ) انبیاء علیہم السلام کے حقوق اسلئے بہت ہیں کہ انھوں نے (اسی طرح) ہمارے انجام سے (ہمکو) خبر دیدی ہے (اور وہ خبر یہ ہے) کہ (اے متبع نفس) تو جو کچھ بو رہا ہے (یعنی منافع کے لئے عمل کر رہا ہے جو کہ ناشی ہے رای اور

ہوا ہے) اُس سے بجز خار (اور خسارہ و عدم ربح) کے کچھ نہ چنے گا (کیونکہ ضرر آخرت کے ہوتے ہوئے نفع دنیا کالعدم ہے) اور تو اس طرف (یعنی عالم سفلی وسعی للدنیا کی طرف) اوڑ رہا ہے (تا کہ مضار سے پناہ میں ہو جاؤں جیسا پرندہ تیر و کلوخ وغیرہ سے بچنے کے لئے اوڑ جاتا ہے دل علیہ قولہ الآتی کہ تیر آں سو جہد) تو اس (اوڑنے) سے طیران کی جگہ نہ پاویگا (یعنی ایسی جگہ نہ ملیگی جہاں ضرر سے محفوظ رہے کیونکہ ضرر دنیوی سے بچ جانا ضرر آخرت کے ہوتے ہوئے کالعدم ہے تو تیری کاشت جو جلب منافع کے لئے ہے اور تیری پرواز جو دفع مضرت کے لئے ہے دونوں بیکار ہیں بس) تو تخم مجھ سے لیجا (یعنی میری تعلیم کے موافق عمل کر) تا کہ وہ نفع دے (کہ وہ نفع آخرت ہی ہو) تو میرے پر سے اوڑ (یعنی مضرت سے استخلاص کا طریقہ مجھ سے سیکھ) کہ تیرا مضر سنگ اُدھر ہی نکل جاوے (اور تجھ تک نہ پہونچے یہ مقولہ ہو چکا انبیاء علیہم السلام کا آگے مولانا کا مقولہ ہے کہ اس مقولہ مذکورہ انبیاء علیہ السلام کا حاصل اُن کی تقلید کا وجوب ہے سو) تو (اے متبع نفس اسوقت) اُس کے وجوب کو نہیں جانتا اور وہ (وجوب واقع میں) ہے (بعد چندے جب حقیقت کا انکشاف ہوگا) تو بھی آخر میں کہنے لگے گا کہ وہ واجب تھی (اور اوپر انبیاء علیہم السلام کے مقولہ میں جو مذکور ہوا ہے کہ میرے پر سے اوڑ مثلاً سو اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ فعل جلب منفعت اخرویہ و دفع مضرت اخرویہ کا انبیاء کا فعل ہوگا تیرا فعل نہ ہوگا تا کہ اُس پر شبہ ہو کہ آخر وہ جلب نفع و دفع ضرر بھی تو میرے ہی فعل وسعی کا اثر ہوا پھر انبیاء نے اپنی سعی کی طرف اسکو کیوں منسوب کیا کہ با پر من پر سو یہ شبہ اس لئے نہ ہوگا کہ ہم بھی تسلیم کرتے ہیں کہ) وہ (فعل) تیرے ہی طرف سے ہے لیکن (تیری قوی یعنی تیرے تو ہونے کے دو درجہ ہیں ایک درجہ تن کا دوسرا روح کا پس یہ فعل نافع و دافع ضرر جو تعلیم انبیاء سے تو نے کیا ہے) اُس قوی کا نہیں جو کہ تن ہے (بلکہ) اُس قوی کا ہے جو کہ ما و من (یعنی قیود جسمیہ) سے برتر ہے (مراد اس سے درجہ روح کا ہے ایک مقدمہ تو یہ ہوا اور دوسرا مقدمہ جو مشاہدہ سے ثابت ہی یہ ہے کہ روح میں قوۃ علمیہ و عملیہ ہونا جو کہ شرط ہے صدور اعمال نافعہ کی منحصر ہے معیت انبیاء علیہم السلام میں بدون اس معیت کے اگر لاکھوں کسب و ریاضات ہوں انکشاف حقائق و حصول اخلاص کے باب میں سب بالکل معطل ہیں چونکہ انبیاء علیہم السلام اس قوۃ علمیہ و عملیہ میں بمنزلہ واسطہ فی الثبوت کے ہوئے جسکی طرف نسبت اولاً و بالذات ہوتی ہے اس لئے اس علم و عمل کے آثار یعنی اعمال بشاہبہ اسی کے ہوں گے کہ اُنکی نسبت بھی انبیاء کی طرف گویا اولاً و بالذات اور امتی کی طرف ثانیاً و بالعرض ہے پس اُس نسبت الی الانبیاء کی ظاہر ہوگئی آگے بھی قوی کے ان ہی دو درجوں کا ذکر ہے کہ) یہ ظاہری (جسمی) قوی جسکو تو قوی سمجھتا ہے یہ جہت کے اندر ہے (چنانچہ ظاہر ہے) اور قوی باعتبار حقیقت روح کے) بے جہت میں ہے (بناءً علی تجرد الروح اور جب تیری جسمی قوی تیری حقیقت ہی نہیں ہے) دیکھنا تو اے گوہر (یعنی روح) صدف پر (یعنی جسم پر) کیوں لرزاں ہے (جیسا اہل تن ہر وقت تن ہی کی حفاظت کرتے رہتے ہیں حالانکہ صدف کے ٹوٹنے سے گوہر کا کچھ ضرر نہیں بلکہ اُس کے کمالات کا اور ظہور ہو جاتا ہے) تو اپنی قوی کو بانس مت جان (بلکہ) شکر جان (یعنی تن کو کہ بمنزلہ نے کے ہے اپنی حقیقت مت سمجھ بلکہ روح کو کہ بمنزلہ شکر کے ہے اپنی حقیقت جان) یہ (ظاہری و جسمی) قوی ایسی قوی ہے جو تیرے ساتھ بیگانگی رکھتی ہے (یعنی تیری حقیقت سے خارج ہے چنانچہ جسم کا حقیقت انسانیہ سے کہ روح ہے خارج ہونا ظاہر ہے پس) تو اپنی (حقیقی) قوی (کی حقیقت) کو دریافت کر اور (اُس کے مقتضا کی موافق) دوئی سے (کہ مقابل توحید ہے) گذر جا (مطلب یہ کہ جب اپنی حقیقت روحیہ کو دریافت کریگا تو معلوم ہوگا کہ جس

عمل ہیں تو بتلاتا ہے کہ وہ توجہ الی غیر الحق ہے جسکو دوئی کہا ہے اس سے روح کو منافرت ہے اور جو عمل انبیاء بتلاتے ہیں کہ اس
سب کا حاصل توجہ و تعلق مع الحق ہے جسکو بگذر از دوئی کہا ہے وہ روح کی غذا ہے پس اس کے معلوم ہونے کے بعد انبیاء
کا اتباع واجب قرار دیگا جو اس مقام میں مقصود ہے اور) تیری آخری توئی تیری اولی توئی کی طرف آئی ہے تنبیہ اور وصل
کے لئے (توئی آخر سے مراد روح اور توئی اول سے مراد تن یا تو اس لئے کہ بدن کا ادراک نشأۃ اولیٰ میں بھی ہوتا ہے اور
روح کا نشأۃ آخرت میں ہوگا پس باعتبار موطن ادراک کے اول و آخر کہدیا اور یا اس لئے کہ اشعار اربعہ بالا میں سب کے اول
مصرعوں میں تن کا ذکر ہے اور دوسرے مصرعوں میں روح کا پس باعتبار ترتیب ذکر کے اول آخر کہدیا اور تنبیہ سے مراد ازالۂ
غفلت و فصل عن ما سوی اللہ اور وصل سے مراد ذکر و قرب حق مطلب یہ کہ روح انسانی روح حیوانی کو کہ رأس البدن ہی متنبہ
کرتی ہے کہ وہ شہوات سے منفصل ہوکر عالم قدس سے متصل ہو پس تمکو چاہیئے کہ اس کا ادراک کرکے اس کے مقتضا پر عمل کرو
جسکا شعر سابق میں ذکر ہو چکا کہ وہ اتباع انبیاء ہے اور) تیری ایک توئی دوسری (توئی) میں مستتر ہے (مطلب یہ کہ
احکام جسمیہ کے غلبہ سے احکام روحیہ ایسے مغلوب ہوگئے کہ گویا روح جسم کے اندر مدفون ہوگئی تو بصیرت سے کام لیکر اس کے
مطلع ہو جسکو اوپر کہا تھا توئی خود دریاب آگے اس ادراک و اطلاع کی مدح ہے کہ) میں ایسے خود بین شخص کا غلام ہوں یعنی
گو خود بینی علی الاطلاق مذموم مشہور ہے لیکن یہ خود بینی کہ اپنی حقیقت کو سمجھکر اس کے مقتضا پر عمل کرے ممدوح ہے اور جو
مذموم ہے اس کے دوسرے معنی ہیں جسکا حاصل اسکا عکس ہے کیونکہ عجب و کبر مقتضائے وضع روح کے بالکل خلاف ہے
آگے رجوع ہے قصہ کی طرف یعنی وہ شہزادے بزبان حال کہنے لگے کہ) جوان (ناتجربہ کار) جس چیز کو آئینہ میں دیکھتا ہے (یعنی
وقوع و حضور حادثہ کے وقت کہ مثل محاذات آئینہ کے اسوقت وہ چیز مرئی ہوتی ہے) بوڑھا (تجربہ کار اس چیز کو) اس (جوان)
سے پہلے خشت میں دیکھ لیتا ہے (فی الحاشیہ خشت آہن کہ ہنوز آئینہ نساختہ باشند اھ مراد اس سے قبل الوقوع وجہ العلاقہ
یعلم مما مر آنفا فی تشبیہ المرآۃ افسوس ہے) ہم اپنے بادشاہ کے حکم سے باہر ہوگئے (اور) باپ کی عنایات کے ساتھ
ہم گردن کشی کرنے والے ہوئے ہم نے بادشاہ کے قول کو سہل جانا اور ان عنایات بے مثل کو بھی سہل جانا جسکی بدولت
اب ہم خندق میں گر پڑے (اس حالت میں کہ) کشتہ اور مجروح بلا (ہوگئے) بدون (ظاہری) کارزار کے (کہ اسمیں کشتہ
و مجروح ہونا عجیب نہیں ہوتا) ہمکو اپنی عقل اور دانائی پر اعتماد ہوگیا (اس سے یہ سمجھے کہ قلعہ میں جانے سے ضرر میں کیوں پڑنے
لگے) جس سے یہ بلا پیش آئی بدون کسی مرض کے اور بدون (کسی کی) غلامی کے ہمنے اپنے کو ایسا دیکھا جیسا اپنے کو بیمار مع
(دیکھتا ہے یعنی اگر مرض یا غلامی کی ذلت و مشقت سے اضمحلال ہو تو عجب نہیں ہم بدون ان اسباب کے ویسے ہی ہوگئے)
علت مخفیہ (جو ہمارے اندر مرتبہ استعداد میں تھی اور جسکو دیکھکر بادشاہ نے تحذیر کی تھی وہ مرتبہ فعلیت میں آنے کے بعد
اب (ہمکو) ظاہر ہوئی (آگے تفسیر ہے کنون کی یعنی) بعد اسکے کہ ہم (عشق میں) مقید اور (اس کے) شکار ہوگئے (آگے تین
شعر میں انتقال ہے مضمون وجوب اتباع شیخ کی طرف بمناسبت ظہور ضرر عدم اتباع پدر کے یعنی) رہبر کا سایہ (غیر محقق کے
لئے) ذکر حق سے بہتر ہے (جو کہ قبل سایۂ رہبر کے ہو وجہ یہ کہ نافعیت خاصہ ذکر کی جن شرائط سے مشروط ہے مثل خلوص و
استعداد خاص وہ شرائط غیر محقق کے لئے عادۃً مفقود ہیں استفادہ عن الشیخ پر اور شرطیں اشتغال الی ہے اشتغال فی الشرط

قبل الشرط سے مثلاً ایک شخص کو وضو نہ ہو جو کہ شرط نماز ہے تو اس شخص کو وضو کرنا افضل ہے بلا وضو نماز پڑھنے سے البتہ چونکہ یہ شرط شرعی ہے اس لئے یہ افضلیت بضمن وجوب ہوگی اور استفادہ عن الشیخ شرط عادی ہے اس لئے وجوب کا علی الاطلاق دعوی نکیا جاویگا مگر افضلیت کا حکم صحیح رہیگا اور بعد تحصیل شرط کے پھر ذکر ہی افضل ہے کیونکہ وہ مقصود ہے اور استفادہ طریق ہے اور مقصود افضل ہوتا ہے طریق سے جسطرح بعد وضو کر لینے کے وضو سے نماز افضل او واجب ہے اسی لئے استقرنے ذکر سے بہتر ہونے میں یہ قید لگادی ہے جو کہ قبل سایۂ رہبر کے ہو اھ اور یہ) ایک قناعت (واکتفار علی المرشد) بہتر ہے صد طعام وطبق (یعنی ذکر) سے (وجہ تشبیہ اس کا روحانی غذا ہونا ہے یہاں بھی ذکر سے وہی مراد ہے جو قبل تحصیل شرط ہو اور اس قناعت کا یہ مطلب نہیں کہ ذکر کرے ہی نہیں مقصود اصلی تو وہی ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ بمقابلہ مجاہدہ وریاضت وکثرت ذکر کے جو درجہ شرط میں اپنی رائے سے کئے جاویں استفادہ عن الشیخ پر کفایت کرے کہ شرط ہونے کی حیثیت سے وہ کافی ہے پھر اگر وہ کوئی ذکر ہی بتلاوے تو وہ بھی استفادہ مذکورہ کا جزو ہوگا اور اگر بجائے ذکر کے اور کچھ بتلاوے تو وہی شرط کا جزو ہوگا اور بعد محققیت پھر یہ حکم نہیں ہوگا خود اسکی تجویز صحیح ہوگی) تو نے (اس) قناعت (علی المرشد بالمعنی المذکور) کے باب میں پڑھا ہوگا اسے حسن قصہ ذکر حق کا (جو بدون استفادہ عن الشیخ کے تھا) اور قصہ ابو الحسن (خرقانی) کا (جبکہ انھوں نے شیخ بایزید بسطامی سے استفادہ کیا اگرچہ روحانی طور پر کیا تھا جسکو اصطلاح میں اویسیت کہتے ہیں اس قصہ سے معلوم ہوا ہوگا کہ قبل استفادہ کے ذکر سے اتنا نفع نہیں ہوا جتنا بعد استفادہ کے ہوا اور یہ قصہ مولانا نے بھی دفتر چہارم میں ذکر فرمایا ہے کہ حضرت بایزید کا گذر خرقان کی طرف ہوا تو آپ پر ایک حالت طاری ہوئی اور آپنے ابوالحسن خرقانی کے پیدا ہونے کی بشارت دی اور اُن کی مدح کی چنانچہ وہ بعد وفات حضرت بایزید کے پیدا ہوئے اور اُن کو بھی یہ قصہ معلوم ہوا وہ اُن کی قبر پر جایا کرتے اور فیض حاصل کرتے یہانتک کہ صاحب کمال ہو گئے اُس مقام کے بعض اشعار یہ ہیں

که حسن باشد مرید و امتم	درس گیرد ہر صباح از تربتم
ہر صباحی تیز رفتے بے فتور	بر سر گورش نشستے با حضور
تا مثال شیخ پیشش آمدے	تا کہ بے گفتے شکالش حل شدے
تا یکے روزے بیامد با سعود	گور ہا را برف نو پوشیدہ بود
بانگش آمد از حظیرہ شیخ حی	ہا انا ادعوک کے تسعی الی
حال او زان روز شد خوب و پدید	آں عجائب را کہ اول می شنید

مگر یہ بھی سمجھ لیا جاوے کہ شیخ میت سے استفادہ کافیہ بطور خرق عادت کے ہے اصل شرط استفادہ شیخ حی سے ہے آگے مثال ہے استفادہ عن الشیخ ومجاہدات واذکار بالرائے کی کہ) چشم بینا بہتر ہے تین سو عصا سے (جو نابینا کے پاس ہوں کیونکہ چشم (بینا) ہوتی کو سنگریزہ سے پہچانتی ہے (اور نابینا عصا سے نہیں پہچانتا اسلئے غلطی میں پڑتا ہے اسی طرح شیخ سے قائت دعوا مقصق طریق کی بصیرت اور امتیاز بین النافع والضار للباطن حاصل ہوتا ہے اور محض رائے سے نہیں ہوتا پھر رجوع ہے قصہ کی طرف کہ شہزادے اس تصویر کو دیکھکر صاحب تصویر کے تفحص میں واقع ہوے اسی وقت (کہ) یہ تصویر عجیب کسکی ہے

جہان میں بعد تفحص بسیار کے اثنائے سیر میں اس راز کو کسی شیخ صاحب بصیرت (وصاحب کشف) نے (جو کہ اُس نواح میں ہوں گے) حل کیا (جسکا بیان آگے آتا ہے اور اُس کا یہ حل کرنا) راہ گوش (وسماع روایت) سے نہیں (تھا کہ اُس شیخ نے کسی سے سُنا ہو اور سُنکر کہدیا ہو) بلکہ الہام ہوش سے (تھا۔ لفظ ہوش سے شاید بیداری مراد لیکر اشارہ اس طرف ہو کہ وہ الہام خواب کا نہ تھا کہ یہ تو عوام کو بھی ہوتا ہے بلکہ بیداری کا تھا آگے اُن شیخ کی مدح ہے کہ) اسرار اُن کے سامنے بیحجاب (ظاہر) تھے (یعنی کشف میں کامل تھے) ان شیخ نے کہا کہ یہ ایک رشک پروین کا نقشہ ہے (یعنی) یہ شہزادی چین کی تصویر ہے (فی الغیاث پروین شش ستارہ کوچک کہ باہم مجتمع اندو آں در ایام زمستان از اول شب نمایاں باشند اھ) شاہ چین ایک دختر بے مثال رکھتا ہے (جو) خوبی میں اور کمال میں اور جمال میں (بے مثل ہے فی الغیاث ہمال بالفتح ہمتا اھ) وہ (دختر) مثل روح کے اور مثل پری کے پنہاں ہے (اور) وہ ایک مکتوم پردۂ ایوان میں ہے (یعنی ایوان کے اندر خود ایک پردہ مکتوم ہے کہ اہل ایوان بھی اُس پردہ پر مطلع نہیں وہ اُس پردہ میں رہتی ہے) اُس کی طرف نہ مرد راہ رکھتا ہے اور نہ عورت شاہ (چین) نے اسکو فتنوں سے پنہاں کر رکھا ہے۔ بادشاہ اُس کے نام (تک) پر اسقدر غیرت رکھتا ہے کہ پرندہ بھی اُس کے بام پر نہیں اُڑ سکتا (اور یہ درجۂ قصوی ہے غیرت کا یعنی کوئی اُس کا نام لے یہ بھی ناگوار ہے آگے مولانا کا مقولہ ہے کہ) شامت اُس دل کی جسکو ایسا خیال واقع ہو گیا (جس کے حصول کی کوئی توقع قریب نہو) کسی شخص کو خدا کرے ایسا خیال نہو وے (کہ بجز پریشانی کے کوئی حاصل نہیں ابدًا یا زمانًا طویلًا اور) یہ سزا ہے اُس شخص کی جس نے جہالت کا تخم بویا اور (تخم جہالت بونا یہ ہے کہ) اُس نصیحت کو (جیسی باپ نے کی تھی) بیقدر اور سرسری قرار دیا (اور) اپنی تدبیر پر یہ اعتماد کیا کہ میں عقل سے اپنا کام پیش لیجاؤنگا (حالانکہ امر واقعی یہ ہے کہ) آدھا ذرہ اُس توجہ (مرشد شفیق) کا بہتر (وانفع) ہوتا ہے (جبکہ اُس پر عمل کیا جاوے) اس سے کہ تدبیر عقل سے تین سو حصے دیکھ بھال (اور احتیاط) ہو (فی الغیاث صد چشم داشتن آگے تفریع ہے اس پر بود پر یعنی جب یہ بات ہے تو) اے امیر (تو جو اپنی امارت اور انفاذ رائے کے گھمنڈ میں ہے) تو اپنی تدبیر (اور امارت مع استقلال رائے) کو ترک کر (اور اس خود رائی سے) پاؤں باہر نکال لے (اور) توجہ (مرشد) کے سامنے فنا ہو جا (یعنی مثل میت فی ید الغسال منقاد ہو جا اور) یہ (مقصود مدلول لقولہ کہ برم من کار خود با عقل پیش المذکور قریبًا) بقدر حیلہ معدود کے نہیں (معدود قید واقعی ہے یعنی تیری رائے اور عقل سے جو حیلے اور تدبیریں تجویز ہونگی وہ ایک حد اور شمار تک پہونچ کر ختم ہو جاوینگی اور آگے راہ سلوک میں ایسے مواقع پیش آوینگے جہاں وہ کام نہ دینگی اس لئے ضرورت ہے ان حیل کو چھوڑ کر انقیاد لامر الشیخ کی چنانچہ اسی کو فرماتے ہیں کہ) جب تک تو (امر شیخ کے سامنے) فنا نہوگا ان حیلوں سے کچھ نفع نہیں ہے۔ (غرض) جب تک تو (بالمعنی المذکور) مریگا نہیں نفع کب حاصل کریگا (پس) جام جاودہستی (وبقا) کا حصہ (کہ اصل نفع ہے) حاصل کر۔ **ف** اور جاننا چاہیئے کہ احقر نے جو عنایت کی تفسیر میں توجہ مرشد اور فنا کی تفسیر میں انقیاد للشیخ کہا ہے مقصود اس سے اُس کا بمقابلہ اجتہاد ورائے کے مقصود کہنا ہے ورنہ واقع میں وہ بھی مقصود بالذات نہیں بلکہ مقصود بالذات عنایت حق اور انقیاد للحق ہے مگر قصہ کی خصوصیت قرینہ اس کا ہوا کہ یہاں اس مقصود بالعرض ہی کا ذکر کرنا ہے کما نظہر بالنظر الی قولہ قبلہ واں نصیحت راکسا دو سہل داشت ونحوہ وقولہ قبل ذلک سایۂ رہبر بہ است ادر مقصود بالذات کا ذکر

حکایت آیندہ کے بعد ہے غیر مردن ہیچ فرہنگ دگر + در نگیرد با خداے حیلہ گر الی قولہ بلکہ مرگش بے عنایت نیز نیست اور اس حکایت کی مناسبت یہ ہے کہ جسطرح اُس طالب علم نے بہت سی تدبیروں سے صدر جہان سے لینا چاہا مگر نافع نہ ہوئیں ایک روز مردہ بنکر اُس کے سامنے پیش ہوا اور ملگیا چنانچہ اُس نے جب اپنی اس تدبیر پر فخر کیا کہ دیکھو کیسے لیلیا تو اُس نے یہی جواب دیا گفت لیکن تا نمردی اے عنود + از جناب من نبردی ہیچ سود +

حکایت صدر جہاں بخاری کہ ہر سائلے کہ بزبان بخواستے از صدقۂ او محروم شدے و آں دانشمند

در بخارا خوے آں صدر اجل — بود با خواہندگان حسن عمل

بخارا میں اُس صدر اعظم کی عادت — سائلین کے ساتھ حسن معاملہ تھا

داد بسیار و عطائے بے شمار — تا بشب بودے ز جودش از نثار

داد بسیار اور عطاے بے شمار — رات تک اُنکے جود سے سونا بکھرا جاتا تھا

زر بکاغذ پارہا پیچیدہ بود — تا وجودش بود می افشاند جود

وہ سونے کو کاغذ کے پرچوں میں لپیٹ لیتا تھا — جب تک وہ موجود رہتے وہ جود افشانی کرتا تھا

ہمچو خورشید و چو ماہ پاکباز — انچہ گیرند از ضیا بدہند باز

مثل خورشید اور مثل ماہ پاکباز کے — کہ جو کچھ روشنی حاصل کرتے ہیں دیدیتے ہیں

خاک را زر بخش کہ بود آفتاب — زر از و در کان و گنج اندر خراب

خاک کو زر دینے والا کون ہوتا ہے - آفتاب — زر معدن کے اندر اور خزانہ ویرانہ کے اندر اُسی سے ہے

ہر صباحے یک گرہ را راتبہ — تا نماند امتے زو خائبہ

ہر صبح میں ایک گروہ کا وظیفہ تھا — تاکہ کوئی گروہ اُس سے محروم نہ رہے

بتلایان را بدے روزے عطا
ایک دن تو مبتلایان مرض کے لئے عطا ہوتی

روز دیگر بیوگان را آں سخا
دوسرے روز وہ سخاوت بیوؤں کیلئے ہوتی

روز دیگر بر علویاں مقل
ایک دن نادار علویوں پر

با فقیہان روز دیگر مشتغل
ایک دن طالب علموں کے ساتھ مشغول ہوتا

روز دیگر بر تہیدستانِ عام
ایک دن عام تہیدستوں پر

روز دیگر بر گرفتارانِ دام
ایک دن گرفتاران قرض پر

روز دیگر بر یتیمان صغیر
ایک دن یتیم بچوں پر

روز دیگر بر ضعیفانِ اسیر
ایک دن ضعیف قیدیوں پر

روز دیگر بہرِ ابناء السبیل
ایک دن مسافروں کے لئے

روز دیگر مر مکاتب را کفیل
ایک دن مکاتب کے لئے کفیل

شرط او بود آں کہ کس با زباں
اس کی یہ شرط تھی کہ اس سے کوئی شخص زبان سے

زر نخواہد ہیچ و نگشاید دہاں
بالکل زر نہ مانگے اور منہ نہ کھولے

لیک خامش بر حوالیِ حشش
لیکن خاموشی کی حالت میں اسکے حاشیہ کے گرداگرد

ایستادہ مفلسان دیوار وش
مفلس لوگ دیوار کی طرح کھڑے رہتے تھے

ہر کہ کردے ناگہاں بالب سوال
جو شخص اتفاقاً لب سے سوال کر بیٹھتا

زو نبردے زیں گنہ یک حبہ مال
تو اس جرم کے سبب وہ اس سے ایک حبہ مال نہیں لے سکتا تھا

مَنْ صَمَتَ مِنْکُمْ نَجَا بُد یاسہ اش
من صمت منکم نجا اس کا قانون تھا

خامشاں را بود کیسہ و کاسہ اش
خاموشوں کے لئے اس کا کیسہ اور کاسہ تھا

برنکوشی داشت عشق و تاسہ اش — **بر خموشی بود عشق و پاسداش**

عدم جہد پر رکھتا اپنا عشق اور اشتیاق — خاموشی پر تھا اُس کا عشق اور قانون

نادرا روزے یکے پیرے بگفت — **دہ زکاتم کہ منم با جوع جفت**

اتفاقاً ایک روز کسی بڈھے نے کہدیا — مجکو زکوۃ دیدے کہ میں گرسنگی کا قرین ہوں

منع کرد از پیر و پیرش جد گرفت — **ماند خلق از جد پیر اندر شگفت**

اُس نے بوڑھے سے روک لیا اور بوڑھے نے اُسکا پیچھا لے لیا — خلقت بوڑھے کے سر ہونے سے تعجب میں رہ گئی

گفت بس بے شرم پیری اے پدر — **پیر گفت از من توئی بیشرم تر**

صدر جہاں نے کہا کہ تو بڑا بیحیا بڈھا ہے — بڈھے نے کہا تو مجھسے بھی زیادہ بیحیا ہے

ایں جہاں خوردی و خواہی تو زطمع — **کاں جہاں با ایں جہاں گیری بجمع**

کیونکہ یہ جہاں تو تو کھا گیا اور تو طمع کے سبب یہ چاہتا ہے — کہ وہ جہان بھی اس جہاں کے ساتھ جمع کرکے لیلے

خندہ اش آمد مال داد آں پیر را — **پیر تنہا برد آں توفیر را**

اُسکو ہنسی آگئی اُس بوڑھے کو مال دیدیا — بوڑھا تنہا اُس مال کثیر کو لے گیا

غیر ایں کس ہیچ خواہندہ ازو — **نیم حبہ زر ندید و نے تسو**

بجز اُس شخص کے کسی مانگنے والے نے اُس سے — آدھا حبہ زر بھی نہیں دیکھا اور نہ ایک تسو

نوبت و روز فقیہاں ناگہاں — **یک فقیہ از حرص آمد در فغاں**

طالب علموں کی باری اور دن میں اچانک — ایک طالب علم حرص سے فغاں کرنے لگا

کرد زاریہا بسے چارہ نبود — **گفت ہر نوعے نبودش ہیچ سود**

اُس نے بہتیری زاری کی کچھ مفید نہ ہوئی — سب ہی قسم کی باتیں کہیں اُسکو کچھ نفع نہ ہوا

روز دیگر بار کو پیچیدہ پا
کسی دن چیتھڑوں سے پاؤں کو لپیٹے ہوئے

پا کشاں اندر صف قوم مبتلا
پاؤں کو گھسیٹتا ہوا قوم مبتلایان مرض میں

تختہ ہا بر ساق بست از چپ و راست
تختیاں ساق پر چپ و راست سے باندھ لیں

تا گماں آید کہ او اشکستہ پاست
تاکہ گمان ہو کہ یہ شکستہ پا ہے

دیدش و بشناختش چیزے نداد
صدر جہاں نے اسکو دیکھا اور پہچان لیا اور کچھ نہیں دیا

روز دیگر رو بپوشید از لباد
اس نے کسی اور دن نمدہ سے منہ چھپایا

تا گماں آید کہ نابیناست او
اس غرض سے کہ یہ گمان ہو کہ یہ نابینا ہے

در میان اعمیان برخاست او
اندھوں کے درمیان اٹھا

ہم بدانستش ندادش آں عزیز
اس عزیز نے اس کو پھر بھی جان لیا

از گناہ و جرم گفتن ہیچ چیز
بوجہ بولنے کے گناہ جرم کے اسکو کوئی چیز نہیں دی

چونکہ عاجز شد ز صد گونہ مکید
جب وہ صدہا اقسام فریب سے عاجز آگیا

چوں زناں او چادرے بر سر کشید
تو اس نے عورتوں کی طرح سر پر ایک چادر اوڑھی

در میان بیوگان رفت و نشست
بیوہ عورتوں میں گیا اور بیٹھ گیا

سر فرو افگند و پنہاں کرد دست
سر نیچا کر لیا اور ہاتھ چھپا لیا۔

ہم شناسیدش ندادش صدقہ
اس نے اسکو پھر بھی پہچان لیا اس کو صدقہ نہ دیا

در دلش آمد ز حرمان حرقہ
اسکے دل میں محرومی سے ایک سوزش پیدا ہو گئی

رفت او پیش کفن خواہے پگاہ
وہ صبح کے وقت ایک کفن مانگنے والےکے پاس گیا

کہ بپیچم در نمد نہ پیش راہ
کہ مجکو ایک نمدہ میں لپیٹ دے راستہ میں رکھدے

ہیچ مگشا لب نشیں و می نگر — **تا کند صدر جہاں زینجا گذر**

لب بالکل مت کھولنا اور دیکھتا رہنا — تاکہ صدر جہاں اس جگہ سے گذرے

بو کہ بیند مردہ پندارد بظن — **زر در اندازد پئے وجہ کفن**

شاید کہ وہ دیکھے گمان سے مردہ سمجھے — امداد کفن میں زر ڈالدے۔

ہرچہ بدہد نیم آں بدہم بتو — **ہمچناں کرد آں فقیر حیلہ جو**

وہ جو کچھ دے گا اس کا نصف تجکو دونگا — اس فقیر حیلہ جو نے ایسا ہی کیا

در نمد پیچید و در راہش نہاد — **معبر صدر جہاں آنجا فتاد**

نمدہ میں لپیٹا اور اسکے راستہ میں رکھدیا — صدر جہاں کا عبور اس جگہ واقع ہوا

زر در اندازید بر روئے نمد — **دست بیروں کرد از تعجیل خود**

نمدہ کے اوپر زر ڈالدیا — اس نے جلدی سے خود ہاتھ باہر کردیا

تا نگیرد آں کفن خواہ آں صلہ — **تا نہاں نکند از وآں وہ ولہ**

تاکہ وہ کفن خواہ اس عطیہ کو نہ لے لے — تاکہ وہ متردد اس سے پوشیدہ نہ کرنے

مردہ از زیر نمد بر کرد دست — **سر بروں کرد از پئے دست او ز پست**

مردہ نے نمدہ کے نیچے سے ہاتھ باہر نکالدیا — ہاتھ کے پیچھے اس نے نیچے سے سر بھی نکالدیا

گفت با صدر جہاں چوں بستدم — **اے بہ بستہ بر من ابواب کرم**

صدر جہاں سے کہا میں نے کس طرح لے لیا — اے شخص جس نے مجھ پر ابواب کرم کو بند کردیا تھا

گفت لیکن تا نمردی اے عنود — **از جناب من نبردی ہیچ سود**

اس نے جواب دیا اے معاند جب تک تو مر نہیں گیا — میری بارگاہ سے تو کوئی نفع حاصل نہیں کرسکا

سرّ موتوا قبل موتٍ ایں بود | کز پس مردن غنیمت ہا رسد

راز موتوا قبل ان تموتوا کا یہی ہے | کہ مرنے کے پیچھے غنیمتیں پہونچتی ہیں

غیر مردن ہیچ فرہنگ دگر | در نگیرد با خدا اے حیلہ گر

بجز مرنے کے کوئی دوسری ہوشیاری | خدا تعالیٰ کے ساتھ اثر نہیں کرتی اے حیلہ گر

یک عنایت بہ ز صد گوں اجتہاد | جہد را خوف ست از صد گوں فساد

ایک عنایت بہتر ہے صدہا اقسام کی کوشش سے | کوشش کو سو طرح کے مفاسد سے اندیشہ ہے

واں عنایت ہست موقوفِ ممات | تجربہ کردند ایں رہ را ثقات

اور وہ عنایت موقوف ہے موت پر | اس راہ کا معتبر لوگوں نے تجربہ کرلیا ہے

بلکہ مرگش بے عنایت نیز نیست | بے عنایت ہاں وہاں جائے مایست

اس کی مرگ بھی بے عنایت نہیں ہے | خبردار خبردار بے عنایت کے کہیں مت کھڑا ہونا

آں زمرد باشد ایں افعی پیر | بے زمرد کے شود افعی ضریر

وہ زمرد ہے یہ افعی کمتہ ہے | بدون زمرد کے افعی کب اندھا ہوتا ہے

بخارا میں اُس صدر اعظم کی عادت سالکین کے ساتھ حسن معاملہ تھا (آگے بدل ہے حسن عمل کا یعنی) داد بسیار اور عطائے بے شمار (اور دن بھر) رات تک اُس کے جود سے سونا بکھیرا جاتا تھا وہ سونے کو کاغذ کے پرچوں میں لپیٹ (کر پڑیا سی بنا) لیتا تھا جب تک وہ (اُس کے پاس) موجود رہتے وہ جود افشانی کرتا تھا مثل خورشید اور مثل ماہ پاکباز کے کہ جو کچھ روشنی (عطائے حق سے) حاصل کرتے ہیں (اہل ارض کو) دیدیتے ہیں (اسی طرح اُس کے پاس جو کچھ خدا کا دیا ہوا ہوتا تقسیم کردیتا آگے ایک مشبہ بہ یعنی خورشید کی فیض بخشی بیان فرماتے ہیں کہ) خاک کو زر دینے والا کون ہوتا ہے آفتاب زر معدن کے اندر اور خزانہ ویرانہ کے اندر اسی (کے فیض) سے ہے (کیونکہ معدن میں سونے کے تکون میں جن بخارات کا دخل ہے وہ اثر آفتاب کا ہے پھر معدن سے نکالکر خزانہ میں پہونچتا ہے پس دونوں جگہ اُس کا وجود بسبب آفتاب سے ہوا اور اُس صدر جہاں کے یہاں) ہر صبح میں ایک ایک گروہ کا وظیفہ (مقرر) تھا (جسکا بیان آگے آویگا) تاکہ کوئی گروہ اُس سے

محروم نہ رہے (یعنی) ایک دن تو مبتلایان مرض کے لئے عطا ہوتی۔ دوسرے روز وہ سخاوت بیووں کے لئے ہوتی ایک دن
نادار علویوں پر (بذل ہوتا علویان را بالضرورت وزن بضم لام و سکون واو خوانده شود کذا فی الحاشیہ) ایک دن طالبعلموں کے
ساتھ مشغول ہوتا ایک دن عام تہیدستوں پر (عطا ہوتی) ایک دن گرفتاران قرض پر ایک دن یتیم بچوں پر ایک دن
ضعیف قیدیوں پر ایک دن مسافروں کے لئے (مخصوص تھا) ایک دن مکاتب (غلام) کے لئے کفیل (تھا مگر اس عطا
کے ساتھ) اسکی یہ شرط (عجیب) تھی کہ اس سے کوئی شخص زبان سے بالکل زر نہ مانگے اور منہ (بالکل) نہ کھولے لیکن
خاموشی کی حالت میں اس کے راستہ کے گرداگرد مفلس لوگ دیوار کی طرح کھڑے رہتے تھے (اور) جو شخص اتفاقاً لب سے
سوال کر بیٹھتا تو اس جرم کے سبب وہ اس سے ایک حبہ مال نہیں لے سکتا تھا من صمت منکم نجا (کا مضمون) اسکا قانون تھا
(یعنی اس کا شدت سے عامل تھا فی الغیاث یاسہ آرزو و حکم و قانون و سیاست اور) خاموشوں کیلئے اس کا کیسہ (زر)
اور کاسہ (طعام) تھا عدم جہد پر رکھتا اپنا عشق اور اشتیاق (تاسہ بیقراری و اضطراب کذا فی الغیاث اور) خاموشی
پر تھا اس کا عشق اور قانون۔ اتفاقاً ایک روز کسی بڈھے نے کہدیا مجھکو زکوٰۃ دیدے کہ میں گرسنگی کا قرین ہوں اس نے
(اس) بوڑھے سے (داد و ہش کو) روک لیا اور بوڑھے نے اس کا پیچھا لیلیا خلقت بوڑھے کے سر ہونے سے تعجب میں
رہ گئی (کہ بوجہ خلاف عادت ہونے کے اسکو ملیگا نہیں اور یہ اڑ رہا ہے تو ضرور اس پر سختی ہوگی یہ ڈرتا نہیں) صدر جہاں نے
کہا کہ اے باوا تو بڑا بیحیا بڈھا ہے (کہ اسقدر حریص ہے کہ انکار پر بھی تیری حرص نہیں گئی) بڈھے نے کہا تو مجھ سے بھی زیادہ
بیحیا ہے کیونکہ یہ جہاں تو تو کھا گیا (یعنی خوب اسباب و سامان جمع کیا) اور (اب) تو طمع (و حرص) کے سبب یہ چاہتا ہے
کہ وہ جہان بھی اس جہان کے ساتھ جمع کر کے لیلے (تو اگر حرص علامت ہے بیحیائی کی تو مجھسے بڑھکر حرص تجھ میں ہے
یہ اس نے ایک لطیفہ کہا بطور مدح بما یشبہ الذم کے بس اس لطیفہ سے) اسکو ہنسی آگئی (اور) اس بوڑھے کو مال دیدیا
(اور وہ) بوڑھا تنہا اس مال کثیر کو لیگیا (آن کا مشار الیہ وہ مقدار جو اسکو ملی تھی بس) بجز اس (بوڑھے) شخص کے (کہ
اسکو اپنے معمول کے خلاف عارض لطیفہ سنجی کے سبب دیدیا باقی) کسی (زبان سے) مانگنے والے نے اس سے آدھا حبہ زر
بھی نہیں دیکھا اور نہ ایک تسو (زر دیکھا فی الغیاث حبہ رتی و فیہ طسوج ربع دانگ کہ مقدار دو حبہ است معرب تسو ایک روز
یہ قصہ ہوا کہ) طالب علموں کی باری اور دن میں اچانک ایک طالب علم حرص سے فغاں کرنے لگا (اور اس کے انکار
پر) اس نے بہتیری زاری کی (مگر) کچھ مفید نہ ہوئی (اور مقصد برآری کے لئے) سب ہی قسم کی باتیں کہیں (مگر) اس (طالبعلم
کو ان سے) کچھ نفع نہ ہوا (اب اس نے صورت بدلکر دھوکہ دیکر اس سے لینا چاہا چنانچہ) کسی دن چیتھڑوں سے پانو
کو لپیٹے ہوئے پانو کو گھسیٹتا ہوا قوم مبتلایان مرض میں (اس حالت سے) آبیٹھا کہ تختیاں (مثل جبائر کے) ساق پر چپ
و راست سے باندھ لیں تاکہ گمان ہو کہ یہ شکستہ پا ہے (شعر روز دیگر الخ میں عامل مقدر ہے بقرینہ مقام چنانچہ تقریر ترجمہ میں
احقر نے اسی کو ظاہر کردیا یعنی آبیٹھا و فی الغیات رکو ور کوی و رکوہ و رکوک ہمہ بضمتین بمعنی لتہ و جامہ کہنہ و مطلق کرباس
لیکن) صدر جہاں نے اسکو دیکھا اور پہچان لیا اور کچھ نہیں دیا اس نے کسی اور دن نمدہ سے (کذا فی الغیات) منہ
چھپایا (اور) اس غرض سے کہ یہ گمان ہو کہ یہ نابینا ہے اندھوں کے درمیان (شامل ہو کر) اٹھا (جبکہ وہ لینے کے لئے

اُسکے پس لفظا متعلق برخاست کے ہے جو مصرعہ ثانیہ میں ہے نہ کہ بوشید کے جو شعر سابق میں ہے) اُس عزیز نے اُس کو پھر بھی جانلیا (اور) بوجہ بولنے کے (اُس) گناہ و جرم کے اُس کو کوئی چیز نہیں دی جب وہ صدہا اقسام فریب (کے استعمال) سے عاجز آگیا تو اُس نے (ایک دن) عورتوں کی طرح سر پر ایک چادر اوڑھی (اور) بیوہ عورتوں میں گیا اور بیٹھ گیا (اور) سر نیچا کر لیا اور ہاتھ (کپڑے میں) چھپالیا (اور کپڑے میں لپٹا ہوا پھیلادیا ہوگا مگر) اُس نے اُسکو پھر بھی پہچان لیا (اور) اُسکو صدقہ نہ دیا اُس (طالب علم) کے دل میں (اس) محرومی سے ایک سوزش پیدا ہوگئی (آخر) وہ (ایک روز) صبح کے وقت ایک کفن مانگنے والے کے پاس گیا (فی الحاشیہ عن الشیخ القوی کفن خواہ شخصیکہ از برائے مساکین و فقرا از اغنیا کفنہا جمع نماید تا بوقت حاجت بکار آید اھ گویم چنانکہ در زمان ما کار انجمن ہاست و ممکن ست کہ اوراہم چیزے در صلہ خدمت دادہ باشند اور اُس کے پاس جاکر کہا) کہ مجھکو ایک نمدہ (کمنہ) میں (جس سے فقر مترشح ہو) لپیٹ دے (اور اس ہیئت سے مجھکو اُس کے) راستہ میں رکھدے (تاکہ وہ مردہ سمجھے اور) لب بالکل مت کھولنا اور دیکھتا رہنا تاکہ صدر جہاں اس جگہ سے گذرے ۔شاید کہ وہ دیکھے (اور) گمان سے مردہ سمجھے (اور) امداد کفن میں (کچھ) زر ڈالدے (اور) وہ جو کچھ (کفن کے لئے) دیگا اُس کا نصف تجھکو دونگا (چنانچہ) اُس فقیر حیلہ جو نے ایسا ہی کیا (کہ اُسکو) نمدہ میں لپیٹا اور اُس (صدر جہاں) کے راستہ میں رکھدیا (اور) صدر جہاں کا عبور اُس جگہ واقع ہوا (اور مردہ سمجھکر) نمدہ کے اوپر زر ڈالدیا اُس (طالب علم) نے جلدی سے خود ہاتھ باہر کردیا تاکہ وہ کفن خواہ اُس عطیہ کو نہ لیلے تاکہ وہ (فقیر) متردد (اُس رقم کو) اُس سے پوشیدہ نہ کرلے (یعنی اگر وہ لیتا تو احتمال تھا کہ شاید اُسکو پوری اطلاع نکرتا کچھ خیانت کرلیتا اور وہ دلہ بمعنی متردد اُسکو بعض حالات کے اعتبار سے کہا کیونکہ خائن کبھی خیانت کے قبل سوچا بھی کرتا ہے کہ خیانت کروں یا نکروں غرض اُس حیلی) مردہ نے نمدہ کے نیچے سے ہاتھ باہر نکالدیا (اور) ہاتھ کے پیچھے اُس نے (کپڑے کے نیچے سے سر بھی نکالدیا (اور) صدر جہاں سے کہا (کہ دیکھو) میں نے کس طرح (تم سے) لیلیا اے شخص جس نے مجھپر ابواب کرم کو بند کردیا تھا اُس نے جواب دیا (کہ لیا تو سہی) اے معاند جب تک تو مر نہیں گیا (گو تشبیہاً ہی سہی اُس وقت تک) میری بارگاہ سے تو کوئی نفع (مالی) حاصل نہیں کرسکا (اور اس میں ایک لطیفہ ہے کہ انکار تو تجھسے تھا جب تو تو نہ رہا میرا انکار بھی نہ رہا اور ظاہری سیاق اس کا یہ معلوم ہوتا ہے کہ صدر جہاں غایت فراست سے اُسکی حرکات کے تشابہ سے پہچان لیتا تھا چونکہ اس حالت میں کوئی حرکت نہیں ہوئی کوئی ذریعہ شناخت کا نہ تھا آگے مولانا کا مقولہ ہے کہ) راز موتوا قبل ان تموتوا کا یہی ہے کہ مرنے کے پیچھے غنیمتیں پہنچتی ہیں (یہی مضمون اس حکایت سے پہلے بھی تھا تا نمیری سود کے خواہی ربود الخ) بجز مرنے کے کوئی دوسری ہوشیاری خدا تعالیٰ کے ساتھ اثر نہیں کرتی (یعنی نافع نہیں ہوتی لان اللہ تعالی منزہ عن التاثر ففی الکلام مجاز) اے حیلہ گر (اور یہ موت اس لئے نافع ہوتی ہے کہ یہ سبب ہے عنایت کا کما سیاتی فی قولہ واں عنایت الخ اور عنایت ایسی چیز ہے کہ) ایک عنایت (جسکو جذب کہتے ہیں) بہتر ہے صدہا اقسام کی کوشش سے (جسکو سلوک کہتے ہیں کیونکہ کوشش کو سو طرح کے مفاسد سے اندیشہ ہے (کہ عمل میں ریا ہوجاوے عجب ہوجاوے وغیر ذلک مما یسنح للسالکین) اور وہ عنایت (عادۃً) موقوف ہے موت (مذکور) پر اس راہ کا معتبر لوگوں نے تجربہ کرلیا ہے (اُس سے یہی مشاہدہ ہوا آگے ترقی ہے کہ یہ موت بھی واسطہ عادیہ ہے ورنہ لا ممتنع نہیں ہے ورنہ ممتنع صرف عنایت ہے پس اصل چیز وہی ہوئی چنانچہ یقینی بات ہے کہ اُس

(سالک) کی مرگ بھی بے عنایت نہیں ہے (اور عنایت کے موقوف علی الممات ہونے سے جو کہ اوپر مذکور ہے اور ممات کو موقوف علی العنایۃ ہونے سے جو یہاں مذکور ہے دور کا شبہ نہ کیا جاوے کیونکہ عنایت کے افراد بہت ہیں توفیق ممات اور عنایت سے ہوئی قال تعالیٰ وما کان لنفس ان تومن الا باذن اللہ پھر اس ممات کے بعد دوسری عنایت متوجہ ہوئی قال تعالیٰ ان رحمۃ اللہ قریب من المحسنین دونوں توقفوں میں اتنا فرق ہے کہ پہلا توقف بمعنی لولاہ لا متنع ہے اور دوسرا توقف مصحح لدخول الفار ہے مگر چونکہ عنایت کا ہر درجہ مطلوب ہے اس لئے ممات کی کوشش کیجاویگی تاکہ وہ دوسری فرد بھی حاصل ہو یہاں جو پہلے توقف کو بیان فرمایا ہے اس سے دوسرے توقف کی نفی یا اس کا غیر واقع ہونا بیان کرنا مقصود نہیں بلکہ صرف تصحیح عقیدہ وعدم وثوق علی فعل نفسہ پر تنبیہ کے لئے بیان کیا ہے باقی عمل میں دوسرا توقف بھی واجب الاستحضار ہے اور جب عنایت ایسی چیز ہے پس) خبردار خبردار (عنایت کے) کیس ستکبر ظاہر ہونا (یعنی جو کام کرے نظر عنایت پر ہو اور اسکی درخواست بھی ہو گو کام میں بھی سعی ضروری ہے حسب تعلیم انبیاء و اولیاء نہ بالرائے والھوی اور) وہ (عنایت مثل) زمرد (کے) ہے (اور) یہ (نفس مثل) افعی کہنہ (کے) ہے (سو) بدون زمرد کے افعی کب اندھا ہوتا ہے (کہ جسکے بعد پھر وہ ضرر نہیں پہونچا سکتا اسی طرح نفس کی شرارت اور مضرت اصل عنایت سے زائل ہوتی ہے اور ابن کا مشار الیہ گو مذکور نہیں مگر قرینہ مقام سے مفہوم ہوتا ہے دل علیہ الممات لکونہ مضافا الی النفس و دل علیہ ھذا التشبیہ ایضاً کما ھو مشہور) ف آگے عنایت واجتہاد کے اثر کے تفاوت کو ایک حکایت تمثیلی سے واضح فرماتے ہیں کہ عنایت مثل ہوگے زنخ کے ہیں کہ حفظ کے لئے قلیل بھی کافی ہیں اور اجتہاد مثل خشت کثیر کے بھی ناکافی ہے۔

حکایت امرد و کوسہ در خانقاہ با لوطی و تدبیر امرد

امردے و کوسۂ در انجمن
ایک امرد اور ایک کوسہ ایک انجمن میں

آمدند و مجمعے بد در وطن
آئے اور کوئی جلسہ تھا وطن میں

مشتغل ماندند قوم منتخب
قوم منتخب مشغول رہے

روز رفت و شد زمان ثلث شب
دن گذر گیا اور ثلث شب کا وقت ہوگیا

زاں عزب خانہ نرفتند آں دو کس
اس مجرد خانہ سے وہ دو شخص نہ گئے

ہم بخفتند آں سو از بیم عسس
اسی طرف سو گئے بوجہ خوف عسس کے

کوسہ را بد بر زنخداں چار مو
لیک ہمچو ماہ بدرش بود رو
کوسہ کے زنخدان پر چار بال تھے
لیکن اس کا چہرہ مثل ماہ بدر کے تھا

کودک امرد بصورت بود زشت
ہم نہاد اندر پس کون بیست خشت
کودک امرد صورت میں بدشکل تھا
پھر بھی اس نے مقعد کے پیچھے بیس اینٹیں رکھیں

لوطئے دب برد شب از گمرہی
خشت ہا را نقل کرد آں مشتہی
ایک لوطی بدفعل نے گمراہی سے رات گذاری
اس شہوت پرست نے اینٹوں کو منتقل کیا

دست چوں بروے زد او از جای جست
گفت ہی تو کیستی اے سگ پرست
جب اسپر ہاتھ ڈالا تو وہ جگہ سے اوچھلا
کہا ہائیں تو کون ہے اے نفس پرست

گفت ایں بیست خشت چوں انباشتی
گفت تو بیست خشت چوں برداشتی
وہ بولا تو نے یہ بیس اینٹیں کیوں جمع کی تھیں
اس نے کہا تو نے یہ بیس اینٹیں کیوں اٹھائی تھیں

گفت اے فی النار خرس مردہ ریگ
ابلہ و بدخاصیت مانند ریگ
کہا کہ اے دوزخی ریچھ کمینہ
ابلہ اور بدخاصیت مانند ریگ کے

کودک بیمارم و از ضعف خود
کردم اینجا احتیاط و مرتقد
میں ایک بیمار کودک ہوں اور اپنے ضعف سے
میں نے اس جگہ احتیاط کی بھی اور خوابگاہ بنائی تھی

گفت اگر داری ز رنجوری تفی
چوں نرفتی جانب دار الشفی
اس نے کہا اگر تو بیماری کی سوزش رکھتا ہے
تو تو شفاخانہ کی طرف کیوں نہ گیا

یا بخانہ یک طبیبے مشفقے
کو کشادے از مقامت مغلقے
یا کسی مشفق طبیب کے گھر
کہ وہ تیری بیماری کے اغلاق کو کشادہ کرتا

گفت آخر من کجا یارم شدن
اس نے کہا کہ آخر میں کہاں جانے کا یارا رکھتا ہوں

کہ بہر جا میروم من ممتحن
کہ جہاں جاتا ہوں مبتلائے محنت ہوتا ہوں

چون تو زندیقے پلیدے ملحدے
تیرے ہی مانند کوئی زندیق پلید ملحد

می برآرد سر به پیشم چون ددے
میرے سامنے ظاہر ہو جاتا ہے درندہ کی طرح

خانقاہے کو بود بہتر مکان
خانقاہ جو سب سے بہتر مکان ہوتا ہے

من ندیدم یک دمی در وے امان
میں نے وہاں تو ایک ساعت امان نہ دیکھا

رو بمن آرند مشتے خمر خوار
میری طرف متوجہ ہوتے ہیں چند شراب خوار

چشمہا پر نطفہ کف خایہ فشار
آنکھیں مستی کی بھری ہوئی ہاتھ عضو تناسل پر پھیرتے ہوئے

وانکہ ناموسی ست خود از زیر زیر
اور جو صاحب ناموس ہے وہ خود نیچے ہی نیچے

غمزہ دزدو میدہد مالش بہ کیر
خفیہ غمزہ کرتا ہے اور عضو تناسل کو ملتا ہے

یار با ناموس را غیر نظر
یار باناموس میں بجز نظر کے

نیست لیکن زان نظر دین پرخطر
اور کوئی حرکت نہیں لیکن اس نظر سے دین پر خطر ہے

خانقہ چو این بود بازار عام
جب خانقاہ یہ بازار عام ہے

چون بود خرگلۂ دیوان خام
تو شیاطین خام کا مجمع مشابہ گلۂ خران تو کیسا ہوگا

خر کجا ناموس و تقوی از کجا
خر کہاں ناموس اور تقوی کہاں

خر چہ داند خشیت و خوف و رجا
خر کیا جانے خشیت اور خوف اور رجا

عقل باشد ایمنی و عدل جو
امن اور عدل جوئندہ تو عقل ہوتی ہے

بر زن و بر مرد اما عقل کو
زن پر بھی اور مرد پر بھی مگر عقل کہاں ہے

ور گریزم من روم سوئے زناں
اور اگر میں بھاگتا ہوں عورتوں کی طرف جاتا ہوں

ہم چو یوسف افتم اندر افتتاں
تو یوسف علیہ السلام کی طرح ابتلا میں واقع ہوتا ہوں

یوسف از زن یافت زندان و فشار
یوسف علیہ السلام نے تو عورت ہی سے زندان اور شکنجہ پایا تھا

من شوم توزیع بر پنجاہ دار
میں پچاس دار پر منقسم ہوتا ہوں

آں زناں از جاہلی بر من تنند
وہ عورتیں جہالت سے مجھ پر گرتی ہیں

اولیاشاں قصد جانِ من کنند
ان کے اولیاء میری جان کا قصد کرتے ہیں

نے ز مرداں چارہ دارم نے ز زناں
نہ مردوں سے مجکو کوئی مفر ہے نہ عورتوں سے

چوں کنم چوں نے ازینم نے ازاں
میں کیا کروں جبکہ میں نہ انمیں سے ہوں نہ انمیں سے

بعد ازاں کودک بکوسہ بنگریست
بعد اسکے اس کودکے کوسہ کو دیکھا

گفت او باایں دو مو از غم بریست
کہنے لگا کہ یہ ان دو باتوں کے سبب غم سے بری ہے

فارغست از خشت و از پیکار خشت
یہ خشت سے اور پیکار خشت سے فارغ ہے

وز چو تو مادر فروش کنگ و زشت
اور تجھ جیسے مادر فروش کنگرا اور زشت سے بھی

بر زنخ چار موے بہر نموں
زنخ پر تین چار بال نمونہ کے طرز پر

بہتر از سی خشت گرداگرد کوں
بہتر ہیں تیس خشت سے گرداگرد مقعد کے

ذرۂ سایۂ عنایت بہترست
ایک ذرہ سایۂ عنایت کا بہتر ہے

از ہزاراں کوشش طاعت پرست
طاعت پرست کے ہزاروں مجاہدہ سے

زانکہ شیطاں خشت طاعت بر کند
کیونکہ شیطان خشت طاعت کو ہٹا دیتا ہے

گر دو صد خشتست خود را رہ کند
اگر دو سو خشت بھی ہیں تب بھی اپنے لئے وہ راہ کر لیتا ہے

باعنایت او ندارد زہرۂ
عنایت کے ساتھ وہ ذرا طاقت نہیں رکھتا

تا بہ سازد خویشتن را بہرۂ
کہ وہ اپنا کوئی حصہ بنا سکے

خشت گر بر پست بنہادہ توست
خشت اگر بہت بھی ہوں وہ تیری رکھی ہوئی ہیں

آں دو سہ مو از عطائے آں سوست
وہ دو تین بال اُس طرف کی عطا سے ہیں

در حقیقت ہر یکے مو را از اں
حقیقت میں اُن میں سے ایک ایک بال کو

خورد منگر ہیچو کوہے داں کلاں
چھوٹا مت سمجھ مثل پہاڑ کے بڑا سمجھ

کاں امان نامہ وصلہ شاہنشہی ست
کیونکہ وہ امن نامہ اور عطائے شاہنشہی ہے

خلعت خاص قطب آگہی ست
قطب معرفت کی سرداری کا خلعت ہے

تو اگر صد قفل بنہی بر درے
تو اگر سو قفل لگا دے کسی دروازے پر

بر کند آں جملہ را خیرہ سرے
اُس سب کو کوئی بے باک ہٹا سکتا ہے

شحنۂ از موم اگر مہرے نہد
کوتوال اگر موم کی بھی مہر کر دے

پہلواناں را از و دل بشکہد
تو پہلوانوں کا دل بھی اُس سے ڈریگا

شحنہ گر مہرے نہد از موم نرم
شحنہ اگر نرم موم کی بھی مہر کر دے

زاں بود کوتاہ پنجہ شیر گرم
تو اُس سے عاجز ہوتے ہیں بچاس شیر شجاع

آں دو سہ تار عنایت ہیچو کوہ
وہ دو تین تار عنایت کے جو مثل کوہ کے ہیں

سد شدہ چوں قرص ماہ در وجوہ
آڑ ہو گئے جس طرح نشان کی عظمت چہروں میں

خشت را مگذار اے نیکو سرشت
خشت کو بھی مت چھوڑ اے نیکو سرشت

لیک ہم امین مجتسب از دیو زشت
لیکن شیطان زشت سے بے خوف مت ہو

وانگہاں ایمن بخسپ و غم مدار	رو دو سہ موزاں کرم با دست آر
اور اسوقت بے خوف ہوکر سوجا اور غم مت رکھ	جا دو تین بال اس کرم کے ہاتھ میں لا

(وجہ ربط اوپر مذکور ہو چکی) ایک امرد (بے ریش) اور ایک کوسہ (یعنی کم ریش کہ دو تین بال سے زیادہ نہ ہوں) ایک انجمن میں آئے (یہ انجمن دینی تھی چنانچہ آیندہ اسکو خانقاہ کہا گیا ہے نہ بمعنی متعارف بلکہ بمعنی مسکن بیداران و یار رہنایان) اور (آنے کی وجہ یہ ہوئی کہ) کوئی جلسہ تھا (ان کے اس) وطن میں قوم منتخب (یعنی معززین و اعیان و مدعوین جلسہ کی کارروائی میں) مشغول رہے (کہ) دن (بھی) گذر گیا اور ثلث شب کا وقت ہو گیا اس مجرد خانہ سے وہ دو شخص (جنکا ذکر شعر اول میں ہے) نہ گئے اسی طرف (یعنی اس مکان انجمن میں) سو گئے بوجہ خوف عسس کے (کہ بے وقت نکلنے سے گرفتار نہ کرلے اور اسکو مجردخانہ اسلئے کہا کہ وہاں کے ہر وقت کے باشندے ایسے ہی لوگ تھے جیسے مدارس کی حالت ہے اس) کوسہ کے زنخدان پر چار بال تھے لیکن اس کا چہرہ مثل ماہ بدر کے تھا (اور وہ) کودک امرد صورت میں بدشکل تھا (مگر بدنیت لوگوں کے اندیشہ سے) پھر بھی اس نے مقعد کے پیچھے بیس (تیس) اینٹیں رکھ لیں (کہ سوتے ہوئے ان کی پناہ رہے کوئی مجھ پر دست درازی نکرے اور میں نے تیس کا لفظ اس لئے بڑھا دیا کہ آگے ابھی آتا ہے این سی خشت چوں الخ پس تخصیص بست کی تمثیلاً ہے) ایک لوطی بدفعل نے گمراہی (اور بدنیتی) سے رات گذاری (یعنی اسی خیال میں موقع کا انتظار کرتا رہا اور جب موقع پایا کہ سب سو گئے تو) اس شہوت پرست نے اینٹوں کو (وہاں سے) منتقل کیا (تاکہ اس تک پہونچے اور) جب اس پر ہاتھ ڈالا تو وہ (اپنی) جگہ سے (گھبرا کر) اوچھلا (اور) کہا ہائیں تو کون ہے اے نفس پرست (نفس کو سگ سے تشبیہ دیگئی اور دب بمعنی جماع ہے یہاں مبالغۃً صاحب جماع پر محمول کیا گیا) وہ (لوطی) بولا تو نے یہ تیس اینٹیں کیوں جمع کیں تھیں اس (امرد) نے کہا تو نے یہ تیس اینٹیں کیوں اٹھائی تھیں (اور امرد نے یہ بھی) کہا کہ اے دوزخی تجھ کمینہ ابلہ اور بدخاصیت مانند ریگ کے (کہ اس میں استحکام نہیں ہوتا یہی اسکی بدخاصیتی ہے اسی طرح تجھ میں قوت عفت و ضبط کی نہیں اور مردہ ریگ کے معنی غیاث میں ناچیز و فرومایہ کے لکھے ہیں غرض امرد نے کہا کہ اے نالائق) میں ایک بیمار کودک ہوں اور اپنے ضعف (و رنجوری) سے میں نے اس جگہ احتیاط کی تھی اور خوابگاہ بنائی تھی (کیونکہ ضعف و بیماری کے سبب مقاومت اشرار کی قوت نہ تھی اس لئے اینٹیں رکھکر لیٹ رہا تھا) اس (لوطی) نے کہا اگر تو بیماری کی سوزش رکھتا ہے تو تو شفاخانہ کی طرف کیوں نہ گیا۔ یا کسی مشفق طبیب کے گھر (کیوں نہ گیا) کہ وہ تیری بیماری کے اغلاق کو کشادہ کرتا (فالمعلق مصدر میمی) اس (امرد) نے کہا کہ آخر میں کہاں جانے کا یارا رکھتا ہوں کہ جہاں جاتا ہوں (وہاں ہی) مبتلائے محنت ہوتا ہوں (اس طرح سے کہ) تیرے ہی مانند کوئی زندیق پلید ملحد میرے سامنے ظاہر ہو جاتا ہے درندہ کی طرح خانقاہ جو سب سے بہتر مکان ہوتا ہے (کہ مسکن ہے عباد و زہاد کا) میں نے وہاں تو ایک ساعت امان نہ دیکھا (اور وہ بے امانی یہ ہے کہ) میری طرف متوجہ ہوتے ہیں چند شراب خوار آنکھیں مستی کی بھری ہوئی (اور) ہاتھ عضو تناسل پر پھیرتے ہوئے (اور اس

مستی شہوت سے تشبیہاً خمر خوار کہا گیا ورنہ اہل خانقاہ کا خمر خوار ہونا عادۃً بعید ہے اور یا یہ تقسیم اہل خانقاہ کی نہو مطلقاً فساق کی تقسیم ہے یہ تو اُن کا حال ہے جنہیں ذرا آزادی اور بیحیائی ہے) اور (اُن اہل خانقاہ میں یا مطلق اہل فسق میں علی التوجیہ الثانی) جو صاحب ناموس ہے وہ خود نیچے ہی نیچے خفیہ غمزہ کرتا ہے اور عضو تناسل کو ملتا ہے (اور یہ بات مسلم ہے کہ) یار با ناموس میں بجز نظر کے اور کوئی حرکت نہیں لیکن (یہ کیا تھوڑی بات ہے کیونکہ) اُس نظر سے (بھی) دین پر خطر ہے (پس ملامت وشناعت سے کوئی سالم نہیں پس) جب خانقاہ یہ بازار عام ہے تو شیاطین خام (تابع نفس) کا مجمع مشابہ گلۂ خراں تو کیسا ہوگا (آگے اس جوں بود کا بیان ہے کہ) خر کہاں ناموس اور تقوی کہاں خر کیا جانے خشیت اور خوف اور رجا وجہ یہ کہ) امن اور عدل جوینده تو عقل ہوتی ہے زن پر بھی اور مرد پر بھی (یعنی سب پر یہ اثر مذکور عقل سے ہوتا ہے) مگر (ایسے لوگوں میں) عقل کہاں ہے (اس لئے مشابہ خروں کے ہیں اور خشیت وغیرہ سے دور ہیں یہ تو میرا حال ہے مردوں میں) اور اگر میں (مردوں سے) بھاگتا ہوں (اور) عورتوں کی طرف جاتا ہوں تو یوسف علیہ السلام کی طرح (وہاں بھی) ابتلاء میں واقع ہوتا ہوں یوسف علیہ السلام نے تو (صرف) عورت ہی (کی وجہ) سے زندان اور شکنجہ (کما فی الغیاث فشار افشردن) پایا تھا (اور) میں بچاس دار پر منقسم ہوتا ہوں (یعنی عورتوں سے بھی اور مردوں سے بھی پھر دونوں طرف احاد کثیرہ ہیں) وہ عورتیں جہالت سے (خود) مجھ پر گرتی ہیں (اور) اُن کے اولیاء (ودارث غیظ سے) میری جان کا قصد کرتے ہیں (مگر میری اسمیں کیا خطا غرض) نہ مردوں سے مجھکو کوئی مفر ہے (اور) نہ عورتوں سے میں کیا کروں جبکہ میں نہ ان میں سے ہوں اور نہ اُن میں سے بعد اس کے اُس کودک نے کوسہ کو دیکھا کہنے لگا کہ یہ ان دو باتوں کے سبب غم سے بری ہے۔ یہ خشت سے اور پیکار خشت سے فارغ ہے اور تجھ جیسے مادر فروش کنگرا اور زشت سے بھی (فارغ ہے پیکار خشت کا مطلب یہ معلوم ہوتا ہے کہ اُسکو آلہ مدافعت بنایا جاوے جیسے پیکار میں بعض آلات مدافعت کے ہوتے ہیں پس) زنخ پر تین چار بال (گو) نمونہ (ہی کے طرز پر (ہوں) بہتر ہیں تیس خشت سے گرداگرد مقعد کے (آگے مولانا بطور تطبیق حکایت علی المطلوب السابق کے فرماتے ہیں کہ اسی طرح) ایک ذرہ سایۂ عنایت کا بہتر ہے طاعت پرست کے ہزاروں مجاہدہ سے کیونکہ شیطان خشت طاعت کو ہٹا دیتا ہے۔ اگر دو سو خشت بھی ہیں تب بھی اپنے لئے وہ راہ کر لیتا ہے (شرح اسکی سرخی کے قبل اس شعر کے حل میں گذری ہے) یک عنایت بہ زصد گون اجتہاد غرض وہ خشت اجتہاد میں تو خلل ڈال سکتا ہے لیکن) عنایت کے ساتھ وہ ذرا طاقت نہیں رکھتا کہ وہ اپنا کوئی حصہ بنا سکے خشت (مجاہدہ) اگر بہت بھی ہیں وہ تیری رکھی ہوئی ہیں (تو تیری طاقت کی مقاومت شیطان کی طاقت سے ممکن ہے اور) وہ دو تین بال (عنایت کے) اُس طرف کی عطا سے ہیں (اور طاقت شیطان مقاوم نہیں ہو سکتی قوت حق کی پس) حقیقت میں اُن میں سے ایک ایک بال کو چھوٹا مت سمجھ (بلکہ مثل پہاڑ کے بڑا سمجھ کیونکہ وہ امن نامہ اور عطائے شاہنشہی ہے (اور ایسے امن نامہ کے ہوتے ہوئے کوئی خطرہ نہیں ہو سکتا اور ایسی عطا کے ہوتے ہوئے کوئی کمی محتمل نہیں ہو سکتی آگے دوسری تعبیر ہے صلۂ شاہنشہی کی یعنی) قطب معرفت کی سرداری کا خلعت ہے (تعبیر اول میں عطا کی اضافت فاعل کی طرف ہے اور تعبیر ثانی میں مفعول کی طرف یعنی معطی حضرت حق ہے اور معطی قطب المعرفت یعنی عارف ہے آگے مجاہدہ اور عنایت کے تفاوت کی ایک اور مثال ہے کہ) تو اگر سو قفل لگا دے کسی دروازہ پر اُس

سب کو کوئی بے باک ہٹا سکتا ہے (اور) کوتوال اگر موم کی بھی مہر کردے تو پہلوانوں کا دل بھی اُس سے ڈریگا (کیونکہ وہ سرکاری مہر ہوگی اسپر دست اندازی کرنا سلطنت کا مقابلہ ہے آگے اسی کی تاکید ہے کہ) شحنہ اگر نرم موم کی بھی مہر کر دے تو اُس سے عاجز ہوتے ہیں بچاس شیر شجاع (بس مجاہدہ کی مثال بھاری قفل کی سی ہے اور عنایت کی مثال سرکاری مہر کی سی ہے آگے پھر مثال اول خشت و تار سو کی طرف عود ہے کہ) وہ دو تین تار عنایت کے جو مثل کوہ کے ہیں (تصرف شیاطین سے) آڑ ہو گئے جسطرح نشان (طاعت و سجود) کی عظمت (آڑ ہو گئی تھی جو کہ صحابہ و اشباہ صحابہ کے) چہروں میں نمایاں تھی۔ چہرہ سے مراد مطلق ذوات یعنی صحابہ میں جو ایک نور عظیم محلیت عنایت کا تھا اُس سے شیاطین مایوس عن التصرف ہو گئے تھے کما قال تعالیٰ انہ لیس لہ سلطان علی الذین آمنوا وعلیٰ ربھم یتوکلون اور صحابہ کا اس کا اول مصداق ہونا ظاہر ہے اور اُن کے اشباہ کا مصداق ثانی ہونا بھی اور ہرچند کہ اصل چیز عنایت ہے مگر اس سے یہ نہ سمجھنا کہ مجاہدہ و اعمال کو ترک کر دیا جاوے وقد ذکر شیئ من ہذا فی شرح شعر واں عنایت ہست موقوف ممات قبیل الحکایۃ بلکہ خشت کو بھی مت چھوڑا سے نیکو سرشت (یعنی مجاہدہ کرتا رہ) لیکن شیطان زشت سے بیخوف مت ہو (یعنی مجاہدہ پر اعتماد مت کر اور اُسکو باوجود ارتکاب کے ناکافی سمجھ کر عنایت کو بھی طلب کرتا رہ آگے اسی کو فرماتے ہیں کہ) جا (اور) دو تین بال اُس کرم (وعنایت) کے ہاتھ میں لا اور اُسوقت بیخوف ہو کر سو جا اور غم مت رکھ (یعنی اضرار شیطان سے مامون ہو جا اور اس سے مطلق امن جو کہ منافی ایمان ہے لازم نہیں آتا کیونکہ امن منافی وہ ہے کہ حق تعالیٰ سے بھی بیخوف ہو جاوے کما قال تعالیٰ فلا یأمن مکر اللہ الا القوم الخاسرون اور امن من الشیطان ابھی آیت انہ لیس لہ سلطان الآیہ میں گذر چکا ہے آگے بھی تائید ہے عنایت کی ترجیح کی عبادت و مجاہدہ پر ایک حدیث سے مع اُس کے مناسب مضامین کے)

نوم عالم از عبادت بہ بود
عالم کی نوم عبادت سے افضل ہے

آں سکون سابح اندر آشنا
پیراک کا شناوری میں وہ سکون بہتر ہوتا ہے

دست و پا ساکن بآب اندر سباح
جس کے ہاتھ پاؤں پانی میں ساکن ہوں

اعجمی زد دست و پا و غرق شد
اناڑی نے تو ہاتھ پاؤں مارے اور غرق ہو گیا

آنچناں علمے کہ مستنبہ بود
ایسا علم جو کہ متنبہ کرنیوالا ہو

بہ ز جہد اعجمی با دست و پا
اُس اناڑی کی کوشش سے جو کہ با دست و پا ہو

بہ رود از اعجمے با انطاح
وہ شناوری میں زیادہ اچھا چلیگا اُس اناڑی سے جو ٹکر مارتا ہو

میرود سباح ساکن چوں عمد
پیراک ساکن ہی ہو کر شہتیر کی طرح جا رہا ہے

علم دریائیست بیحد و کنار
علم ایک دریا ہے بیحد اور بے کنار

طالب علم ست غواص بحار
علم کا طالب دریاؤں کا غوطہ زن ہے

گر ہزاراں سال باشد عمر او
اگر ہزاروں سال کی اُس کی عمر ہو

او نگردد سیر خود از جستجو
وہ خود سیر نہیں ہوگا طلب سے

در بیان حدیث منہومان لایشبعان طالب العلم و طالب الدنیا
(رواہ فی المشکوٰۃ عن البیہقی بلفظ منہومان لایشبعان منہوم فی العلم لایشبع منہ ومنہوم فی الدنیا لایشبع منہا)

کاں رسول حق بگفت اندر بیاں
کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان میں فرمایا ہے

اینکہ منہومان ہما لایشبعاں
یہ کہ دو حریص سیر نہیں ہوتے

طالب الدنیا و توفیراتہا
طالب دنیا کا اور اُس کی ترقیوں کا

طالبُ العلم و تدبیراتہا
طالب علوم کا اور اُن کی تدبیرات کا

پس دریں قسمت چو بگماری نظر
پس اگر اس تقسیم میں تو نظر کو مسلط کرے

غیر دنیا باشد ایں علم اے پدر
تو یہ علم دنیا کا مغائر ہوگا اے پدر

غیر دنیا پس چہ باشد آخرت
دنیا کی مغائر پھر کیا چیز ہوتی ہے آخرت

کت کند زینجا و باشد رہبرت
جو کہ تجھکو اس جگہ سے دل برداشتہ کرے اور تیرا رہبر ہو

کان برد زینجات آنجا ای امیں	غیر دنیا آخرت باشد یقیں
کہ وہ تجھکو اس جگہ سے اُس جگہ لے جاوے اسے امیں	دنیا کا مغائر آخرت ہوگی یقینًا

(ان اشعار میں علی الترتیب والمناسبت یہ مضامین ہیں اول بعنوان خاص ایک تائید ترجیح عنایت بر عبادت کی جوکہ اصل مضمون ہے مقام کا اور وہ عنوان خاص اثبات افضلیت ہے علم و معرفت کا جوکہ آثار عنایت سے ہے مجاہدہ و عبادت بلا علم و معرفت سے دوسرا مضمون محدوحیت و مطلوبیت اس علم و معرفت کی تیسرا مضمون تعیین مصداق اس علم و معرفت کی اجمالاً فی المصراع الثانی من الشعر الاول وتفصیلاً فی العنوان الشارح لحدیث منہومان الخ اور ان تینوں مضمونوں کا ترتب و تناسب ظاہر ہے پس فرماتے ہیں کہ حدیث کا مضمون ہے کہ) عالم کی نوم (غیر عالم کی) عبادت سے افضل ہے (اور یہ مضمون ایک حدیث سے بانضمام ایک مقدمہ صحیحہ کے حاصل ہوتا ہے حدیث یہ ہے نوم العالم عبادۃ کما فی کنوز الحقائق للمناوی عن الغزالی ج ۲ ص ۱۲۶ وتمۃ الحدیث ونفسہ تسبیح یہ ایک مقدمہ ہے اور مقدمہ ثانیہ یہ ہے کہ عبادۃ العالم افضل من عبادۃ غیر العالم نتیجہ یہ ہوا کہ نوم العالم افضل من عبادۃ غیر العالم اور آگے مصرعہ ثانیہ سے اجمالاً اور اشعار اخیرہ سے تفصیلاً اُس علم کے تعیین مصداق سے ثابت ہے کہ وہ علم نافع فی الدین ہے اور علم نافع فی الدین منحصر ہے اُس علم میں جو ثمرہ عنایت کا ہو پس ثابت ہوا کہ عنایت بمقابلہ مجاہدہ کے ایسی چیز ہے کہ اُس کے ایک ثمرہ کے ساتھ مشرف ہونے والے شخص کی نوم جوکہ ظاہراً عدم عبادت ہے صاحب مجاہدہ کی عبادت سے افضل ہے اس سے عنایت یعنی جذب کی افضلیت مجاہدہ یعنی سلوک پر بالکل واضح ہے اور یہ علم ہر علم نہیں ہے بلکہ وہ) ایسا علم (ہے) جوکہ (نافع و مضر فی الآخرۃ پر) متنبہ کرنے والا ہو (کما سیعلم من الاشعار الاخیرۃ آگے اس استبعاد کو کہ نوم عالم افضل ہوجاوے عبادت غیر عالم سے ایک مثال سے دفع کرتے ہیں کہ اس کی نظیر دیکھ لو کہ) پیراک (ماہر) کا شناوری میں وہ (صوری) سکون بہتر اور انفع ہوتا ہے اُس اناڑی کی کوشش (اور حرکت) سے جوکہ با دست و پا ہے (یعنی جو دست و پا کو حرکت دے رہا ہے اور بہتر ہونے کے معنی یہ ہیں کہ جس (پیراک) کے ہاتھ پاؤں پانی میں ساکن ہوں وہ شناوری میں زیادہ اچھا چلیگا اُس اناڑی سے جو ٹکر مارتا ہو یعنی ہاتھ پاؤں مارتا چلتا ہو مطلب یہ کہ بہتر ہونا بمعنی بہتر رفتن کے ہے یعنی بہتری باعتبار رفتن و قطع مسافت کے ہے آگے اس کے رفتن کے ساتھ ناواقف کے نرفتن کی تصریح فرماتے ہیں تاکہ مفضل و مفضل علیہ دونوں کے حال کی تصریح سے افضلیت کا حکم خوب واضح ہوجاوے یعنی) اناڑی تو ہاتھ پاؤں (بھی) مارے اور (باوجود اس کے) غرق ہوگیا (اور) پیراک ساکن ہی ہوکر شہتیر کی طرح جا رہا ہے (جیسے بڑے بڑے لٹھے پانی میں چلے جاتے ہیں ڈوبتے نہیں باوجودیکہ اُن کو حرکت ذاتیہ نہیں ہوتی اسی طرح پیراک لیٹے بیٹھے بدون اس کے کہ اُن کے ہاتھ پاؤں کی حرکت ظاہر ہو گو کچھ حرکت لطیف غیر محسوس ہوتی بھی ہے چلے جاتے ہیں پس جس طرح اس نظیر میں ایک فن کے عالم کا سکون غیر عالم بالفن کے حرکت سے انفع ہے اسی طرح عالم باللہ کا بھی ایک سکون بطریق عبادت کے ظاہر نہیں اگر غیر عالم باللہ کی حرکت بطریق عبادت سے

فضل ہو جاوے تو تعجب کیا ہے اور راز اس میں یہ ہے کہ عبادت خاص افعال میں منحصر نہیں امتثال امر مع الاخلاص
روح ہے عبادت کی پس عارف کا نوم علی حسب مراتب العارفین باوجود طبعی ہونے کے ایسی نیتوں پر مبنی ہوتا ہے کہ ویسی نیت
غیر عارف کو ظاہری عبادات میں بھی میسر نہیں ہوتی اور امور طبعیہ اقتران نیت صالح سے عبادات فاضلہ بن جاتے ہیں
جیسا اس حدیث کا تتمہ ونفسہ تسبیح اسمیں نص ہے بلکہ عامل سے گذر کر عامل کے متعلقات کے بعض امور کا موجب قرب
وقبول ہونا نصوص میں وارد ہے چنانچہ صحاح میں ہے کہ جو گھوڑا بہ نیت اعلاء کلمۃ اللہ کے رکھا جاوے اس کا کھانا پینا
بلکہ ہگنا موتنا تک موجب عطائے حسنات ہوتا ہے پس اس سے ترجیح عنایت علی العبادات اچھی طرح ثابت ہو گئی آگے
اس علم کی مدح بغرض ترغیب طلب ہے کہ یہ) علم ایک دریا ہے بیحد اور بے کنار (اور اس) علم کا طالب دریاؤں کا غوطہ زن ہے
(کہ گوہر مقصود نکالکر لاتا ہے اور اس تشبیہ میں تشبیہ مذکور مضمون اول کی مناسبت کی بھی رعایت ہے چنانچہ ظاہر ہے
آگے اس کے بیحد وکنار ہونے کی توضیح ہے کہ) اگر ہزاروں سال کی اس (طالب علم) کی عمر ہو (تب بھی) وہ خود (ہرگز)
سیر نہیں ہوگا (اس کی) طلب سے (جیسا) کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (اس کے) بیان میں فرمایا ہے یہ کہ دو حریص
(کبھی) سیر نہیں ہوتے (ایک تو) طالب دنیا کا اور اسکی ترقیوں کا (اور ایک) طالب علوم کا اور ان کی تدبیرات کا (اور قواعد
سے یقیناً حدیث میں ایک حریص کی مذمت اور ایک کی مدح مقصود ہے جب حریص علم اس حیثیت سے ممدوح ہوا کہ وہ اسکی
طلب کو کبھی نہیں چھوڑتا تو ظاہر ہے کہ اسمیں ترغیب بھی ہوئی اسکی طلب الی مالا یحد کی اور اس میں باوجودیکہ یہ مضمون اول کی مناسبت سے
مذکور ہوا مگر اسکی بھی تائید ہے یعنی عنایت ایسی چیز ہے کہ اوس کے ثمرات ابدًا واجب الطلب رہتے ہیں) اور علم کو انواع کے علم ساتھ باؤل
کر کے اسکی طرف ضمیر مونث کا ارجاع صحیح ہو جاویگا اور یہ عدم سیری جیسا کہ اس حدیث سے ثابت ہے ایسے ہی مشاہدہ سے بھی آگے اس
علم کے مصداق کی تعیین کی تفصیل ہے جیسا کہ شعر اول میں اس کا اجمال تھا یعنی تم نے حدیث کا مضمون جو کہ دال ہے طالب
بیان اقسام پر سن لیا) پس اگر اس تقسیم میں تو نظر کو مسلط کرے تو (معلوم ہوگا کہ) یہ علم دنیا کا مغائر ہوگا اے پدر (کیونکہ تقسیم میں
ہر قسیم دوسرے قسیم کا مباین ہوتا ہے اور یہاں بواسطہ مقابلہ طالب دنیا اور طالب علم کے علم اور دنیا بھی قسیم ٹھیرائے گئے ہیں پس
لامحالہ یہ علم مغائر و مباین ہوگا دنیا کا اور) دنیا کی مغائر پھر کیا چیز ہوتی ہے (ظاہر ہے کہ) آخرت (مراد علم متعلق آخرت کیونکہ جو علم
متعلق بالدنیا ہے وہ تو دنیا کی فرد ہے لان الدنیا حالۃ عاجلۃ ثم بقاعاجلۃ اور علم دنیوی پر یہ تعریف صادق آتی ہے
اور وہ علم ہے مباین دنیا پس وہ اس علم دنیوی کا بھی مغائر ہوگا اور یہی علم لامحالہ وہ علم اخروی ہوگا) جو کہ تجھکو اس جگہ سے (یعنی
دنیا سے) دل برداشتہ کریں اور تیرا رہبر ہو (آگے بھی اسی کی تاکید ہے کہ) دنیا کا مغائر آخرت ہوگی یقیناً کہ وہ (یعنی اس کا علم) تجھکو
اس جگہ سے اس جگہ لیجاوے (یعنی متوجہ کرے) اے امین (پس جو علم کہ ثمرہ عنایت ہو اس کا مصداق علم نافع فی الآخرت ہوا پس
اسکو بھی حاصل کر کے مورد عنایت بنو وہو المراد فی قولہ تعالیٰ رب زدنی علماً فحیث امر صلی اللہ علیہ وسلم بطلب الزیادۃ فیہ مع کونہ اعلم
الخلق فکیف بنا اللہم زدنا علماً) ف الحمد للہ کہ اسوقت کہ شب جمعہ اٹھارہ تاریخ ربیع الثانی کی ہے یہ عشر ثامن اختتام کو پہنچا
آگے عشر تاسع بلکہ عاشر میں بھی قصہ شہزادگان مفتون تصویر دختر شاہ چین کا تتمہ مذکور ہوگا جسکی چند سطریں عین اس کے اختتام کے ساتھ
ہی لکھنے سے اس کا افتتاح بھی کر دیا واللہ الموفق لاتمام کل مرام وہو المفضال المنعام وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ
محمد سیدنا وسید الانام وعلی آلہ العظام وصحبہ الکرام ما دارت اللیالی والایام الی یوم القیام والی ما بعدہ
من ازمنۃ دار السلام فقط۔

فہرست مضامین عشر سابع و ثامن

عارف باللہ حضرت مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ کی نادر روزگار،
اور معرکہ آرا کتاب "مثنوی معنوی" کی جامع اور لاجواب شرح

کلیدِ مثنوی

حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہ

20

یہ وہ مقبول خاص و عام کتاب ہے کہ خواندہ ناخواندہ سب ہی اس سے دلچسپی لیتے ہیں مگر مضامین عالیہ ہونے کی وجہ سے مطالب سمجھنے میں بڑی دقت پیش آتی ہے اور بعض اوقات نوبت الحاد و زندقہ تک پہنچ جاتی ہے، حضرت حکیم الامت نے اشعارِ مثنوی کو واضح کر کے اور مسائل تصوف کو عام فہم بنا کر نہایت خوبی سے سمجھا دیا ہے حقیقت یہ ہے کہ اس سے معتبر اور شریعت و طریقت کا پاس و ادب رکھ کر مضامین کو حل کرنے والی کوئی اور شرح نہیں لکھی گئی

ادارہ تالیفاتِ اشرفیہ
بیرون بوہڑ گیٹ
ملتان

عارف باللہ حضرت مولانا جلال الدین رُومی رحمۃ اللہ علیہ کی نادر روزگار
اور معرکہ آراء کتاب مثنوی معنوی کی جامع اور لاجواب اُردو شرح

کلیدِ مثنوی

از :

حکیم الامۃ مجدد الملۃ حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہ

جلد ۲۰

یہ وہ مقبول خاص و عام کتاب ہے کہ خواندہ، ناخواندہ سب ہی اس سے دلچسپی لیتے ہیں۔ مگر مضامین عالیہ ہونے کی وجہ سے مطالب سمجھنے میں بڑی دقت پیش آتی ہے اور بعض اوقات نوبت الحاد و زندقہ تک پہنچ جاتی ہے۔ حضرت حکیم الامت نے اشعارِ مثنوی کو واضح کر کے اور مسائل تصوف کو عام فہم بنا کر نہایت خوبی سے سمجھا دیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس سے معتبر اور شریعت و طریقت کا پاس ادب رکھ کر مضامین کو حل کرنے والی اور کوئی شرح نہیں لکھی گئی

ادارہ تالیفاتِ اشرفیہ
بیرون بوہڑ گیٹ • مُلتان

كما أرسلنا فيكم رسولا منكم يتلو عليكم آياتنا ويزكيكم ويعلمكم الكتاب والحكمة ويعلمكم ما لم تكونوا تعلمون

چوں در کریمۂ صدر قولہ یتلو و یعلمکم الکتٰب بر فضل عام نظم و معنی و قولہ یزکیکم بر شرف علم کلام و عقائد و علم سلوک و قولہ والحکمۃ بر مزیت علم اسرار و علم اصول دال بادضح بیان ست و از جزو بودن تصوف کہ مشتمل بر سلوک و اسرار ست از علم دین نیک عیاں است و باتفاق اہل مذاق مثنوی را در کتب ایں فن خاص شان ست لاکن از اغلاقش محتاج تبیان ست بنا بر علیہ ایں شرح اردو کہ معنونش را

کلید مثنوی

عنوانست و ایں نصف اخیر جلد ششم از انست و نام نامی مولفش مولانا اشرف علی حنفی مشہور عالمیاست کہ ذات سامیش رہنمای گمرہان و مقتدای جہانیانست و در حل متن را چناں حل کردہ کہ نہایت امکانست و مسائل را بطوری تقریر نمودہ کہ ہم موافق تحقیق اہل اتقان و ہم مطابق حدیث و قرآنست و اشکالات و اغلاط را بطرزی دور ساختہ کہ مورث اطمینان و اذہانست و جا بجا ملفوظات سیدنا الحاج محمد امداد اللہ رحمہ اللہ معطر آذان و ملتذ اذہانست ہم در مطابعش سپردہ و باہتمام خاکسار انام حقیر محمد شبیر علی عفی عنہ

مطبع اشرف المطابع واقع تھانہ بھون طبع گردید

العشر التاسع من شرح الدفتر السادس من المثنوی المعنوی افتتح فیہ للشانہ من عشر ربیع الثانی ۱۳۳۳ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بحث شاہزادگان باہمدگر در آں قضیہ و مقالہ برادر بزرگتر

(وجہ ربط اوپر مذکور ہوئی)

رو بہم کردند ہر سہ مفتتن | ہر سہ را یک درد و یک رنج و حزن

تینوں مفتون ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہوئے | تینوں کا ایک ہی درد اور ایک ہی رنج و حزن تھا

ہر سہ در یک فکر و یک سودا ندیم | ہر سہ از یک رنج و یک علت سقیم

تینوں ایک ہی فکر اور ایک ہی خیال میں ندیم تھے | تینوں ایک ہی رنج اور ایک ہی علت سے سقیم تھے

در خموشی ہر سہ را خطرت یکے | در سخن ہم ہر سہ را حجت یکے

خاموشی میں تینوں کا ایک خیال تھا | تکلم میں تینوں کی ایک ہی حجت تھی

یک زمانے اشک ریزاں ہر سہ شاں | بر سر خوان مصیبت خوں فشاں

کسی وقت وہ تینوں اشک ریز ہوتے تھے | خوان مصیبت پر خون فشاں

یک زماں از آتش دل ہر سہ کس | بر زدہ با سوز چوں مجمر نفس

کسی وقت آتش دل سے تینوں آدمی | انگیٹھی کی طرح سوز کے ساتھ سانس لیتے تھے

آں بزرگیں گفت کای اخوان خیر — ما نہ نبودیم اندر نصح غیر

اُس بڑے نے کہا کہ اے اچھے بھائیو — کیا ہم دوسرے شخص کو نصیحت کرنے میں مردنہ تھے

از حشم ہر کہ بما کردے گلہ — از بلا و خوف و فقر و زلزلہ

حشم میں سے جو شخص ہم سے شکوہ کرتا — بلا اور خوف اور فقر وزلزلہ سے

ما ہمی گفتیم کم نال از حرج — صبر کن کالصبر مفتاح الفرج

تو ہم کہا کرتے تھے تنگی سے نالہ مت کر — صبر کر کہ صبر مفتاح ہے کشادگی کی

ایں کلید صبر ما اکنوں چہ شد — اے عجب منسوخ شد قانوں چہ شد

ہماری یہ کلید صبر اب کیا ہوئی — اے مخاطب تعجب ہے وہ قانون منسوخ ہوگیا یہ کیا ہوا

ما نمی گفتیم کاندر کشمکش — اندر آتش ہمچو زر خندید خوش

کیا ہم کہا نہ کرتے تھے کہ کشمکش میں — خوش بخوش زر کی طرح آتش میں خنداں رہو

ہر سپہ را وقت تنگا تنگ جنگ — گفتہ ما کہ ہیں مگردانید رنگ

ہر سپاہ کو جنگ کی تنگا تنگی میں — ہم کہا کرتے تھے کہ ہاں رنگ متغیر مت کرو

آں زماں کہ بود اسپاں را وطا — جملہ سرہا بریدہ زیر پا

جو وقت کہ گھوڑے کے پامال کرنے کا ہوتا تھا — کٹے ہوئے سرونکو پیروں کے نیچے

ما سپاہ خویش را ہی ہے کناں — کہ بہ پیش آئید قاہر چوں سناں

ہم اپنی سپاہ کو ہے ہے کرتے تھے — کہ زور کے ساتھ آگے بڑھو مثل سنان کے

جملہ عالم را نشاں دادہ بصبر — زانکہ صبر آمد چراغ و نور صدر

ساری دنیا کو تو ہم صبر کا پتہ بتلاتے تھے — کیونکہ صبر سینہ کا چراغ اور نور ہے

نوبت ما شد چه خیره سر شدیم
ہماری باری آئی تو ہم کیسے عاجز ہو گئے

چوں زنان زشت در چادر شدیم
زنان زشت کی طرح ہم چادر میں ہو گئے

اے دلے کہ جملہ را کردی تو گرم
اے دل کہ تو سب کو مستعد کیا کرتا تھا

گرم کن خود را و از خود دار شرم
اپنے کو بھی تو مستعد کر اور اپنے سے شرم رکھ

اے زباں کہ جملہ را ناصح بدی
اے زبان کہ تو سب کی ناصح بنتی تھی

نوبت تو گشت از چه تن زدی
تیری باری آئی ہے کس سبب سے خاموش ہے

اے خرد کو پند شکر خائے تو
اے عقل تیری پند شکر خا کہاں گئی

دور تست ایندم چه شد ہیہات تو
اس وقت تیری باری ہی تیری ہے ہے کیا ہوئی

اے ز دلہا بردہ صد تشویش را
اے عقل جو کہ بہت دلوں سے تشویش کو دور کیا کرتی تھی

نوبت تو شد بجنباں ریش را
تیری باری آئی ہے داڑھی کو ہلا -

از غری ریش ار کنوں دزدیدہ
اگر اب بزدلی سے تو نے داڑھی کو چھپا لیا

پیش ازیں بر ریش خود خندیدہ
تو اس کے قبل تو اپنے اوپر ہنستی تھی

وقت پند دیگرانی ہائے ہائے
تو دوسروں کی نصیحت کے وقت تو ہائے ہائے

در غم خود چوں زنانی وائے وائے
اپنے غم میں عورتوں کی طرح وائے وائے

چوں بدرد دیگراں درماں بدی
جب تو دوسروں کے درد میں علاج تھا

درد مہمان تو آمد تن زدی
درد تیرا مہمان ہوا ہے تو خاموش ہو گیا

بانگ بر لشکر زدن بد ساز تو
لشکر پر نعرہ لگانا تیرا طریقہ تھا

بانگ بر زن چه گرفت آواز تو
نعرہ لگا تیری آواز کیوں پکڑی گئی

انچه پنجه سال بافیدی بهوش — زاں نسیج خود بغلطاقے بپوش

تو نے پچاس سال جو کچھ ہوشیاری سے بناتھا — اپنے اس بنے ہوئے میں سے ایک بغلبندی پہن لے

از نوایت گوش یاراں بود خوش — دست بیروں آر و گوش خود بکش

تیری آواز سے احباب کے کان خوش تھے — اپنا ہاتھ نکال اور اپنا کان کھینچ

سر بدی پیوستہ خود را دم مکن — پا و دست و ریش و سبلت گم مکن

تو تو ہمیشہ سے سر تھا اپنے کو دم مت بنا — پا و دست و ریش و سبلت گم مت کر

بازی آں تست بر روئے بساط — خویش را در طبع آر و در نشاط

تفریح میں لانا برسر مجلس تیرا حق ہے — اپنے کو بھی تو خوش مزاجی اور نشاط میں لا

ایں حکایت گوش کن اے باخرد — تا بدانی اندریں معنے سند

یہ حکایت سن اے باخرد — تاکہ اس مضمون میں سند معلوم کرلے

تینوں مفتوں ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہوئے تینوں کا ایک ہی درد اور ایک ہی رنج وحزن تھا۔ تینوں ایک ہی فکر اور ایک ہی خیال میں ندیم تھے تینوں ایک ہی رنج اور ایک ہی علت سے سقیم تھے۔ خاموشی میں تینوں کا ایک خیال تھا تکلم میں تینوں کی ایک ہی حجت تھی (مطلب یہ کہ حالتیں دو ہوتی ہیں سکوت اور تکلم سو اگر وہ ساکت ہوتے تھے تو اسوقت ایک ہی خیال میں غرق ہوتے تھے اور اگر متکلم ہوتے تو ایک ہی دعوی یعنی عشق کا تینوں کا کلام مثبت ہوتا تھا) کسی وقت وہ تینوں اشک ریز ہوتے تھے (اور) خوان مصیبت پر خوں فشاں (ہوتے تھے اور) کسی وقت آتش دل سے تینوں آدمی انگیٹھی کیطرح سوز کے ساتھ سانس لیتے تھے۔ اُس بڑے (بھائی) نے کہا کہ اے اچھے بھائیو کیا ہم دوسرے شخص کو نصیحت کرنے میں مرد نہ تھے (مقصود اس سے مشورہ دینا ہے کہ اپنی پہلی ہمت کو یاد کرکے اب بھی ہمت باندھو اور اگر شبہ ہو کہ یہ سب باہم رقیب تھے انمیں تشاور وتناصح کیسے ہوسکتا ہے اسی طرح آگے سب کا متفق ہوکر چین کو روانہ ہونا اور ایک دوسرے کو طرق کامیابی میں رائے وغیرہ دینا آتا ہے یہ بھی مستبعد ہے جواب یہ ہے کہ باہم اتحاد وتحابب ان میں اسقدر ہوگا کہ وہ جسکو ملجاتی وہ دوسروں کیلئے اسپر راضی ہو جاتا اور اپنے لئے یاس کی راحت پر کفایت کرتا اور اثنائے قصہ میں بہت اشعار سے معلوم ہوا کہ یہ شہزادے صالح اور دیندار تھے تو دینداروں سے ایسا ہونا عجیب نہیں اور بڑے بھائی نے یہ بھی کہا کہ) حشم میں سے جو شخص ہم سے شکوہ کرتا

بلا اور خوف اور فقر و زلزلہ سے تو ہم (انکی فہمایش کے لئے) کہا کرتے تھے کہ تنگی سے نالہ مت کر (اور) صبر کر کہ صبر مفتاح ہے کشادگی کی (سو) ہماری یہ کلید صبر اب کیا ہوئی اے مخاطب تعجب ہے وہ قانون منسوخ ہو گیا یہ کیا ہوا کیا ہم (دوسروں کو) کہا نہ کرتے تھے کہ کشمکش میں خوش بخوش زر کی طرح آتش میں خنداں رہو ہر سپاہ کو جنگ کی تنگا تنگی میں ہم کہا کرتے تھے کہ ہاں رنگ متغیر مت کرو جو وقت کہ گھوڑے کے پامال کرنے کا ہوتا تھا کٹے ہوئے سرونکو ہیروں کے نیچے (اسوقت ہم اپنی سپاہ کو ہے ہے کرتے (یہ کلمہ زجر اور برانگیختگی کے لئے ہے جس سے مقصود یہ ہوتا تھا) کہ زور کے ساتھ آگے بڑھو مثل سنان کے ساری دنیا کو تو ہم صبر (و تحمل) کا پتہ بتلاتے تھے کیونکہ صبر سینہ کا چراغ اور نور ہے (جب) ہماری باری آئی تو ہم کیسے عاجز ہو گئے زنان زشت کی طرح ہم چادر (یعنی زنانہ لباس) میں ہو گئے اے دل کہ تو سبکو مستعد کیا کرتا تھا اپنے کو بھی تو مستعد کر اور اپنے سے شرم رکھ اے زبان کہ تو سبکی ناصح بنتی تھی (اب) تیری باری آئی ہے کس سبب سے خاموش ہے اے عقل تیری بند شکر خا کہاں گئی اسوقت تیری باری ہے تیری ہے ہے کیا ہوئی اے عقل جو کہ مت (لوگوں کے) دلوں سے تو تشویش کو دور کیا کرتی تھی (اب) تیری باری آئی ہے (اب تو) داڑھی کو ہلا۔ (اسمیں اشارہ ہے قصہ سلطان محمود کی طرف جو کہ عشر سابع میں مذکور ہوا ہے کہ شناسا چور نے کہا تھا کہ سبنے تو اپنی اپنی باری میں اپنا کمال ظاہر کیا اب تمھاری باری ہے داڑھی ہلاؤ تاکہ ہم سب چھوٹ جاویں سو یہاں اس قصہ سے تشبیہ دینا ہے اظہار کمال خرد کو اور وہ کمال آمادگی ہے صبر پر اور) اگر اب (ایسی ضرورت کے وقت میں) بددلی سے تو نے (اے عقل) داڑھی کو چھپا لیا تو (یہ سمجھا جاویگا کہ) اس کے قبل (جو تو اوروں کو ہنسا کرتی تھی گویا) تو اپنے اوپر ہنستی تھی (غر بفتح و تخفیف بمعنی بددل و زن فاحشہ کذا فی الغیاث و یا مصدریت) تو (اے نفس) دوسروں کی نصیحت کے وقت تو ہائے ہائے (کرتا تھا یہ بھی مثل ہے ہے کے کلمہ زجر کا ہے اور) اپنے غم میں عورتوں کی طرح وائے وائے (کرنے لگا) جب تو دوسروں کے درد میں علاج تھا (اب) درد تیرا مہمان ہوا ہے تو خاموش ہو گیا لشکر پر نعرہ لگانا تیرا طریقہ تھا (اب بھی تو) نعرہ لگا تیری آواز کیوں بگڑ گئی تو نے پچاس سال (تک) جو کچھ (تجربہ و استقلال) ہوشیاری سے بنا تھا اپنے اُس بنے ہوئے میں سے ایک بغلبند ہی پہن لے (بغلبند مثل مرزائی و بنڈی فی الغیاث بغلطاق و بغلتاق بمعنی قبا و کلاہ و فرجی و طاقیہ و بغلبند اہ این مرکب است از بغل و طاق) تیری آواز سے احباب کے کان خوش تھے اپنا ہاتھ نکال اور (اس سے) اپنا کان کھینچ (اور اپنے کو ملامت کر کہ اُس آواز پند سے خود کیوں نہیں منتفع ہوتا) تو تو ہمیشہ سے سر تھا اپنے کو دُم مت بنا (اور) پا دست و ریش و سبلت گم مت کر (یعنی قوت و ہمت و وضع کے مقتضا پر عمل کر) تفریح میں (دوسروں کو) لانا بر سر مجلس تیرا حق ہے (یعنی تجھکو اس میں کمال ہے کہ دوسروں کا ازالہ غم کرے سو) اپنے کو بھی تو خوش مزاجی اور نشاط میں لا (فی الغیاث بساط فرش و عرصہ شطرنج اھ و من مجازاً بمعنی مجلس گرفتم اور طرح و نشاط میں لانے کے مضمون کی) یہ حکایت سن اے با خرد تاکہ اس مضمون میں سند (اور نظیر) معلوم کر لے (کہ اول بادشاہ نے اُس طالب علم کو شراب پلانے کیلئے ساقی سے کہا تھا کہ بطبعش آر پھر واقعہ کنیزک سے جب بادشاہ غضبناک ہوا تو اُس طالب علم نے بھی اُس ساقی سے کہا کہ در طبعش آر یعنی جسطرح مجھکو نشاط میں لایا تھا اور میرا تقوی شکستہ کر دیا اب بادشاہ کو نشاط میں لا اور اسکا غضب شکستہ کر دے پس اسی طرح تجھکو

چاہیئے کہ جب اوروں کو نشاط میں لاتا تھا اب اپنے کو لا)

بمجلس کشیدن بادشاہے فقیہے راو بزخم مشرت لطبع آوردن

بادشاہے مست اندر بزم خوش
ایک بادشاہ بزم میں مست اور خوش تھا

می گذشت آں یک فقیہے بر درش
ایک طالب علم اُسکے دروازہ پر گذرا

کرد اشارت کش دریں مجلس کشید
بادشاہ نے اشارہ کیا کہ اسکو مجلس میں لاؤ

ویں شراب لعل در خوردش دہید
اور یہ شراب لعل اُسکے پینے کے لئے دو

پس کشیدندش بشہ بے اختیار
پس اُسکو بادشاہ کے پاس بے اختیار کھینچ کر لائے

شست در مجلس ترش چوں زہر مار
مجلس میں ترش ہوکر بیٹھ گیا زہر مار کی طرح

عرضہ کردش می نہ پذرفت او بخشم
اُس کے سامنے شراب پیش کی اُس نے غصہ میں قبول نہیں کی

از شہ و ساقی بگردانید چشم
بادشاہ اور ساقی سے نگاہ پھیر لی

کہ بعمر خود نخوردستم شراب
کہ میں نے اپنی تمام عمر میں شراب نہیں پی

خوشتر آید از شرابم زہر ناب
مجھکو شراب سے زہر خالص زیادہ پسند ہے

ہیں بجائے مے مرا زہرے دہید
ہاں بجائے شراب کے مجھکو زہر دیدو

تا من از خویش و شما از من رہید
تاکہ میں اپنے سے اور تم مجھسے چھوٹ جاؤ

مے نخوردہ عربدہ آغاز کرد
اُس نے شراب نہیں پی تکرار شروع کیا

گشتہ در مجلس گراں چوں مرگ و درد
مجلس میں موت اور بیماری کی طرح گراں ہوا

ایک بادشاہ بزم میں مست اور خوش تھا (اتفاقاً اُسوقت) ایک طالب علم اُس کے دروازہ پر (کو) گذرا بادشاہ نے اشارہ کیا کہ اسکو مجلس میں لاؤ اور یہ شراب لعل اسکے پینے کے لئے دو (یا یہ کہ اس کے لائق مقدار میں دو یعنی اتنی دو کہ غیر معتاد پی سکے والاول الصق بما سیاتی قریباً من ختم العنوان انچہ آنرا من نہ نوشتم وقولہ انچہ آنرا می خورم الخ) پس اُسکو بادشاہ کے پاس بے اختیار

کھینچ کرلائے مجلس میں ترش ہو کر بیٹھ گیا زہر مار کی طرح (بادشاہ یا ساقی نے) اُس کے سامنے شراب پیش کی اُس نے غصہ میں قبول نہیں کی (اور) بادشاہ اور ساقی سے نگاہ پھیر لی (اور کہا) کہ میں نے اپنی تمام عمر میں شراب نہیں پی مجھکو شراب سے زہر خالص زیادہ پسند ہے ہاں بجائے شراب کے مجھکو زہر دیدو تاکہ میں اپنے سے اور تم مجھ سے چھوٹ جاؤ (یعنی اپنی ہستی سے اور تم میری اس بے لطفی سے خلاصی پاؤ غرض) اُس نے شراب نہیں پی (اور) تکرار شروع کیا (اور اُس) مجلس میں موت اور بیماری کی طرح گراں ہوا (مولانا کے طرز کلام سے ان اشعار میں بھی اور مابعد میں بھی کہ اس طالب علم کو اہل نفس کے ساتھ تشبیہ دی ہے ذوقاً مفہوم ہوتا ہے کہ اُس کا یہ انکار خوف حق سے نہ تھا بلکہ خلاف طبع یا خلاف وضع ہونے سے تھا اور اس کا یہی قرینہ ہے کہ آگے آویگا کہ وہ اُس کنیز سے مرتکب فعل بد کا ہوا اگر خوف حق ہوتا تو وہاں بھی ہوتا اور اشعار مقام میں بھی اُس کا یہ قول اسی کا موید ہے کہ بعمر خود نخوردستم شراب اور نیز یہ قول بھی مزاہرے دہید کیونکہ زہر پینا بھی حرام ہے اور اگر اکراہ میں جائز کہا جاوے تو جواب میں زہر کا ذکر نہ کرتا کہ اسمیں زہر اور شراب برابر ہیں بلکہ اول صرف انکار شراب پر اکتفا کرتا پھر جب اکراہ کی نوبت آتی اس عذر کا اعتبار کر سکتا بہر حال زہر کا ذکر محض بے معنی ہے اسی لئے مولانا کی نظر میں اس انکار کی کوئی وقعت مفہوم نہیں ہوتی آگے انتقال ہے شراب ظاہری سے شراب معنوی کی اور اُس کے پیش کرنے اور انکار مضمون کی طرف)

ہمچو اہل نفس و اہل آب و گل	در جہاں بنشستہ با اصحاب دل
جس طرح اہل نفس اور اہل جسم	دنیا میں اہل دل کے پاس بیٹھے ہوئے ہوتے ہیں
حق ندارد خاصگاں را در مکوں	از مئی ابرار جز در شرب لوں
حق تعالیٰ خواص کو شراب ابرار سے خفا میں نہیں رکھتا	بجز حالت شرب کے کسی اور حالت میں نہیں رکھتا
عرضہ میدارند بر محجوب جام	حس نمی یابد ازاں غیر کلام
وہ لوگ محجوب پر جام پیش کرتے ہیں	حس اُس ہی بجز کلام کے اور کسی چیز کا ادراک نہیں کرتی۔
رو ہمی گرداند از ارشاد شاں	کہ نمی بیند بدیدہ داد شاں
وہ اُن کے ارشاد سے اعراض کرتا ہے	کیونکہ وہ آنکھ سے اُن کی عطا کو نہیں دیکھتا
گر ز گوشش تا بحلقش رہ بدے	سر نصح اندر درونش در شدے
اگر اُس کے کان سے اُسکے حلق تک راہ ہوتا	تو خیر خواہی کی حقیقت اُسکے دل میں پہونچتی

چون ہمہ نارست جانش نیست نور | کہ افگند در نار سوزاں جز قشور

چونکہ اس کی جان سراپا نار ہے نور نہیں ہے | نار سوزاں میں بجز پوست کے کون ڈالتا ہے

مغز بیروں ماند و قشر گفت رفت | کے شود از قشر معدہ گرم و تفت

مغز تو باہر رہ گیا اور کلام کا پوست گیا | پوست سے معدہ گرم اور قوی کب ہوتا ہے

نار دوزخ جز کہ قشر افشار نیست | نار را با ہیچ مغزے کار نیست

نار جہنم صرف پوست گیر ہے | نار کو مغز سے کچھ سروکار نہیں ہے

ور بود بر مغز نارے شعلہ زن | بہر پختن داں نہ بہر سوختن

اور اگر مغز پر کوئی نار شعلہ زن ہو | تو پختہ کرنے کے لئے جان نہ کہ جلانے کیلئے

تا کہ باشد حق حکیم ایں قاعدہ | مستمر داں تا بری زاں فائدہ

جب تک حق تعالیٰ حکیم ہیں یہ قاعدہ | مستمر جان تاکہ تو اس سے فائدہ حاصل کرے

مغز نغز و قشرہا مغفور ازو | مغز را پس چوں بسوزد دور ازو

مغز لطیف ہے اور بہت سے پوست اس سے مغفور ہو جائینگے | مغز کو وہ کیونکر جلادیگا یہ امر اس سے بعید ہے

(وہ طالب علم شراب صوری سے انکار کرنے کی حالت میں اُن شراب پینے والوں اور شراب پیش کرنے والوں میں اس طرح سے منقبض ہو کر بیٹھا) جس طرح اہل نفس اور اہل جسم (جو کہ شراب معنوی سے اعراض کرتے ہیں) دنیا میں اہل دل کے پاس (کہ شراب معنوی پیتے بھی ہیں اور پلانا بھی چاہتے ہیں) بیٹھے ہوئے ہوتے ہیں (اُن اہل دل کی حالت یہ ہے کہ) حق تعالیٰ (اُن) خواص (یعنی اہل دل) کو شراب (مخصوص بہ) ابرار سے خفا میں نہیں رکھتا (یعنی) بجز حالت شرب کے کسی اور حالت میں نہیں رکھتا (بلکہ اُن پر اُس شراب کو ظاہر کر دیتا ہے اور اُن کو پلاتا ہے پس کلمہ جز استثنار عن المذکور کے لئے نہیں ہے جسکا مدلول یہ ہو تا کہ بجز حالت شرب کے اور کسی حالت میں اُن کو شراب سے خفا میں نہیں رکھتا کیونکہ اس سے لازم آتا کہ حالت شرب میں اُن کو شراب سے خفا میں رکھتا ہے اور یہ معنی ظاہر الفساد ہے کیونکہ خفا عن الشراب تو عین عدم شرب ہے اور وہ نقیض ہے شرب کی پس دونوں کیسے جمع ہونگی بلکہ جز در شربون تقدیر عامل بدل ہے جملہ اولیٰ کا

اور تقدیر مجموعہ کی یہ ہے کہ حق تعالیٰ خاصگان را از شراب در کمون و بعد نمیدار د یعنی بجز حالت شرب در حالتے دیگر کہ آن عدم شرب و بعد ازاں باشد نمیدار داھا اور اس شعر میں تو خود انکے شرب کا بیان تھا آگے اُن کا دوسروں کے سامنے پیش کرنا مذکور ہے یعنی) وہ لوگ محجوب (لوگوں) پر (اُس کا) جام پیش کرتے ہیں (مگر اُن محجوبین کی) حس اُس (شراب معنوی) سے بجز کلام کے اور کسی چیز کا ادراک نہیں کرتی (اس لئے) وہ (محجوب شخص) اُن کے ارشاد سے (جو کہ جام ہے شراب معنوی کا) اعراض کرتا ہے کیونکہ وہ آنکھ سے انکی عطار کو نہیں دیکھتا (مراد شراب معنوی سے واردات حقائق و معارف ہیں کہ روح کو مست حق کر دیتے ہیں اور خواص کا ہر وقت اس سے مشرف رہنا اور وقتاً فوقتاً شفقت سے دوسروں کو بھی اُن سے نفع پہونچاتے رہنا ظاہر ہے اور جس طرح اُس طالب علم نے انکار کیا تھا اسی طرح محجوبین اُس سے اعراض کرتے ہیں اور انکار سے پیش آتے ہیں کیونکہ حقیقت سمجھنے کی تو وہ کوشش کرتے نہیں صرف ظاہری کلام سنتے ہیں جو بعض اوقات اپنے لفظی عنوان سے غیر ظاہر المراد ہوتا ہے اس لئے قبول نہیں کرتے) اگر اس (محجوب) کے کان سے اُس کے حلق تک (یعنی ذوق و وجدان تک) راہ ہوتا تو (اُس عارف کی) خیر خواہی کی (جو کہ ارشاد سے اُس کا مقصود ہے) حقیقت اُس کے دل میں پہونچتی (مگر) چونکہ انکی جان (بوجہ اسیر شہوت و غضب و غرض دنیوی ہونیکے) سراپا نار (کے مشابہ) ہے (اور) نور نہیں ہے (اسلئے اُس کے دل تک صرف اُسکا کلام ظاہری پہونچتا ہے جو کہ مشابہ پوست کے ہے حقیقت نہیں پہونچتی جو کہ مشابہ مغز کے ہے کیونکہ سب کو معلوم ہے کہ) نار سوزاں میں (عادۃً) بجز پوست کے (مغز کو) کون ڈالتا ہے (اس لئے اُس کے دل میں کہ مشابہ نار کے ہے صرف پوست پہونچا اور مصرعہ اولیٰ جو شرط ہے اسکی جزا مقدر ہے اور مصرعہ ثانیہ اُس جزا پر دال ہے چنانچہ میرے ترجمہ کی تقریر سے ظاہر ہے بس) مغز تو باہر رہگیا اور کلام کا پوست (اُس دل مشابہ نار میں) گیا (اور چونکہ وہ پوست تھا اس لئے اُس کی کوئی اثر نافع مرتب نہ ہوا کیونکہ) پوست سے معدہ گرم اور قوی کب ہوتا ہے (کیونکہ اُس سے تغذّی نہیں ہوتی اس لئے حرارت کو مدد نہیں پہونچتی اسی طرح صرف ظاہری الفاظ حرارت شوق و محبت کے پیدا کرنے کے لئے کافی نہیں خصوص جبکہ انکار بھی ہو آگے اسکی ایک نظیر ہے یعنی محجوب کے دل مشابہ نار میں قشر کا پہونچنا مغز کا نہ پہونچنا ایسا ہی ہے جیسے نار جہنم میں قشر ہی جاویگا مغز نہ جاویگا بیان اُس کا یہ ہے کہ) نار جہنم صرف پوست گیر ہے (انبا فشار دن بمعنی فشردن کذا فی مصدر الفیوض و گرفتن از لوازم آنست اور اس) نار کو مغز سے کچھ سروکار نہیں ہے (یعنی اصل میں وہ کفار ہی کے لئے ہے جو مشابہ پوست کے ہے مومن کے لئے نہیں جو مشابہ مغز کے ہے قال تعالیٰ اعدت للکفرین گو بعض مومن بھی اُس میں جاوینگے گر یہ موضوع کفار ہی کے لئے ہے باقی مومنین کا جانا کس لئے ہوگا اُس کو آگے فرماتے ہیں یعنی) اور اگر مغز پر کوئی نار شعلہ زن ہو تو (اُس کی) پختہ کرنیکے لئے جان نہ کہ جلانے کے لئے (جسطرح پوست کا جلانا ہی مقصود ہوتا ہے اور یہ عادتاً ظاہر ہے پس اسی طرح مومن کے جہنم میں جانے سے اصل مقصود احراق للتعذیب نہیں بلکہ معاصی کے اثر کا دور کرنا جس سے وہ جنت میں جانے کے قابل ہو جاوے جیسے کہ روغن آگ پر رکھنے سے اُس کا پختہ کرنا صاف کرنے کے لئے مقصود ہوتا ہے اور انکی تطہیر اور تہذیب و تزکیہ یہ امور مقصود ہیں اسی لئے کفار کی شان میں لا یزکیھم فرمایا ہے اور وعید میں مفہوم مخالف کا معتبر ہونا مشہور ہے اور مومنین کی شان میں حدیث ہے یخلص المومنون من النار فیحبسون علی قنطرۃ الی قولہ حتی اذا ھذبوا و نقوا

اذن لهم فی دخول الجنۃ رواہ البخاری ۔ آگے اسی کی تائید ہے ایک دلیل عقلی وارد بہ النقل سے بھی کہ) جب تک حق تعالیٰ حکیم ہیں (اور ظاہر ہے کہ ہمیشہ حکیم ہیں فیما لم یزل ولا یزال مطلب یہ کہ دواماً وابداً) یہ قاعدہ (احتراق القشر الا اللب بالنار کا) مستمر جان تاکہ تو اُس سے فائدہ حاصل کرے (فائدہ یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکیم ہونیکا اور یقین قوی ہو کہ اولاً کلی سے اعتقاد تھا پھر ان مواد جزئیہ سے اور اعتقاد بڑھ گیا غرض اس مغز یعنی مومن کا نار میں جانا تو ایک عارض کے سبب ہے کہ وہ مغز پختہ نہ تھا اُسکو حکمت پختگی کے لئے نار میں بھیجدیا باقی اصل وضع مغز کی بجعل حق و وعدۂ حق یہی ہے کہ وہ نار میں جاوے آگے اسکی مزید تائید ہے کہ) مغز (تو خود ایک لطیف (چیز) ہے اور بہت سے پوست (بھی) اُس سے مغفور ہو جاوینگے (اور نار سے بچ جاوینگے یعنی جن میں ایمان ہوگا اور معصیت کے سبب کہ اُس ہی من وجہ قشر سے مشابہ ہوگئے ہونگے دوزخ کے مستحق ہوگئے ہونگے وہ بھی اُن خالص مغزوں کی برکت و شفاعت سے خواہ قبل دخول نار یا بعد دخول نار ناجی ہو جاوینگے پس جب مغز کو اللہ تعالیٰ نے دوسروں کی نجات عن النار کا واسطہ بنایا ہے تو پھر) مغز کو وہ کیونکر جلا دیگا یہ امر اُس سے بعید ہے (یعنی جلانا حق تعالیٰ سے بعید ہے یا جلنا اُس مغز سے بعید ہے اور اس شعر کی ایک توجیہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ مومن عاصی کے دخول نار سے مغز کا احراق حق تعالیٰ کریں ہی گے نہیں کیونکہ اُس میں جو چیز اصل مغز کے مشابہ ہے یعنی قلب جو محل ہے ایمان کا وہاں تک آگ نہ پہونچیگی جیسا حدیث میں آیا ہے عن ابی امامۃ احفظوا القرآن فان اللہ لا یعذب بالنار قلبا وعی القرآن رواہ فی شرح السنۃ کذا فی المرقاۃ ج ۲ ص ۵۹۴ وھو مرفوع حکما ثم رایت فی شرح الاحیاء للزبیدی بروایۃ الحکیم الترمذی فی نوادر الاصول وبروایۃ تمام الرازی کما فی فوائدہ عن ابی امامۃ مرفوعاً ان اللہ لا یعذب قلبا وعی القرآن ج ۴ ص ۴۶۵ اور نار اللہ الموقدۃ التی تطلع علی الافئدۃ کفار کی شان میں ہے بلکہ قلب کے تعلق سے مواضع سجود کا بھی احراق نہ ہوگا کما فی الحدیث وحرم اللہ تعالیٰ علی النار ان تاکل اثر السجود فکل ابن آدم تاکلہ النار الا اثر السجود متفق علیہ اور پھر اُس مغز کی بدولت کیونکہ سبب نجات کا ایمان ہے جسکا محل قلب ہے وہ پوست یعنی بقیہ اعضاء و بدن مباشر معاصی بھی مغفور ہو جاویگا جب اُس سے یہ اور یہی مغفور ہیں تو اُس کو کیونکر سوختہ کیا جاویگا یہ احتراق اُس سے بعید ہے چنانچہ حدیث مذکور میں اسی بعد کی تصریح ہے اور مجھکو یہ توجیہ اچھی معلوم ہوتی ہے اور ذہن میں اولاً آئی بھی یہی تھی اگرچہ اتفاق سے لکھنے میں مؤخر ہوگئی واللہ اعلم) **ف** آگے پھر قصہ کی طرف اس طور سے رجوع ہے کہ اُس کے ابتدا ہی میں مضمون ارشادی منتقل الیہ مذکور کے ساتھ اُس کے بعض اجزاء کی بھی تطبیق ہے۔

از عنایت گر بکوبد بر سرش	**اشتہا آرد شراب احمرش**
اگر حق تعالیٰ عنایت سے اُس کی سرکوبی کردے	تو وہ اُسکو شراب احمر کی رغبت لے آتی ہے
ورنہ کوبد ماند او بستہ دہاں	**چون فقیہا زشرب و بزم این شہاں**
اور اگر وہ سرکوبی نہ کرے تو وہ بستہ دہن رہ جاوے	ان بادشاہوں کی شراب نوشی اور بزم سے فاقہ علم کی طرح

گفت شہ با ساقیش ای نیک پے
بادشاہ نے اپنے ساقی سے کہا اے نیک قدم

هست پنہاں حاکمے بر ہر خرد
ہر عقل پر ایک مخفی حاکم ہے

آفتاب مشرق و تنویر او
آفتاب مشرق اور اسکی تنویر

چرخ را چرخ اندر آرد در زمن
وہ آسمان کو فی الفور چکر میں لے آوے

عقل کو عقل دگر را سخرہ کرد
جس عقل نے کہ دوسری عقل کو مغلوب کردیا ہو

چند سیلی بر سرش زد گفت گیر
اسکے سر کئی چپت لگائے کہا کہ لے

مست گشت و شاد و خنداں شد چو باغ
مست اور شاد اور مثل باغ کے خندان ہوگیا

شیرگیر و خوش شد انگشتک بزد
نیم مست اور خوش ہوا چٹکیاں بجانے لگا

یک کنیزک دید در مبرز چو ماہ
بیت الخلا میں ایک کنیز چاند سی دیکھی

چہ خموشی دہ بطبعش آر ہے
تو خاموش کیا بیٹھا ہے دے اسکو نشاط میں لا ہاں

ہر کرا خواہد بفن از خود برد
جسکو چاہے فن سے خودی سے ہٹادے

چوں اسیراں بستہ در زنجیر او
مثل اسیروں کے اسکی زنجیر میں مقید ہیں

چوں بجوشد در دماغش نیم فن
جب اسکے دماغ میں ذرا سا فن بھی پڑھ دے

مہرہ زو دارد و بیست استاد نرد
وہ مہرہ اسی سے رکھتی ہے استاد نرد وہی ہے

در کشید از بیم سیلی آں زحیر
وہ مظلوم چڑھا گیا چپت کے خوف سے

در ندیمی و مضاحک رفت و لاغ
ندیمی اور مضحکات اور تمسخر میں آگیا

سوئے مبرز رفت تا میزک کند
بیت الخلا کی طرف چلا تاکہ پیشاب کرے

سخت زیبا روز قرناقان شاہ
بہت ہی حسین بادشاہ کی خدمت گاروں میں سے

چون بدید او را دہانش باز ماند
اس کو جو دیکھا منہ کھلا رہ گیا

عقل رفت و تن ستم پرداز ماند
عقل تو جاتی رہی اور تن مشغول ستم رہ گیا

عمرہا بودہ عزب مشتاق مست
سالہا سال مجرد مشتاق و مست رہ چکا تھا

بر کنیزک در زمان در زد دو دست
کنیز پر فوراً دونوں ہاتھ پھیلا دیئے

پس طپید آن دختر و نعرہ فراشت
بہتیرا تڑپی وہ لڑکی اور غل مچایا

بر نیامد باوی و سودے نداشت
اس سے بر نہ آئی اور کچھ مفید نہ ہوا

زن بدست مرد در وقت لقا
عورت مرد کے ہاتھ میں اختلاط کے وقت

چون خمیر آمد بدست نانبا
مثل خمیر کے ہوتی ہے نانبائی کے ہاتھ میں

بسرشد گاہیش نرم و گہہ درشت
وہ کبھی نرم گوندھتا ہے کبھی سخت

زو بر آید چاق چاق زیر مشت
اسمیں سے کچھ کچھ آواز نکلتی ہے مٹھی کے نیچے سے

گاہ پہنش وا کشد بر تختہ
کبھی اسکو تختہ پر پھیلا کر ڈال دیتا ہے

درہمش آرد گہے یک لختہ
کبھی اسکو دفعۃً سمیٹ لیتا ہے

گاہ در وے ریزد آب و گہہ نمک
کبھی اس میں پانی ڈالتا ہے اور کبھی نمک

از تنور و آتشش سازد محک
تنور اور آتش سے اس کا امتحان کرتا ہے

اینچنین پیچند مطلوب و طلوب
اسی طرح مطلوب و طالب باہم لپٹ جاتے ہیں

اندرین لعب اند مغلوب و غلوب
اس ملاعبت میں مغلوب اور غالب ہوتے ہیں

این لعب تنہا نہ شو را با زن ست
یہ ملاعبت نہ صرف شوہر کو عورت کے ساتھ ہے

ہر عشیق و عاشقے را این فن ست
ہر معشوق اور عاشق کا یہی طریقہ ہے

از قدیم و حادث و عین و عرض
قدیم اور حادث اور جوہر اور عرض سے

لیک لعب ہر یکے رنگے دگر
لیکن ہر ایک کا ملاعب دوسرے رنگ کا ہے

شوی و زن را گفته شد بہر مثیل
شوی وزن کو مثال کے لئے کہدیا گیا ہے

آں شب گردک نہ ینگا دست او
اُس شب عروسی میں کیا ایسا نہیں ہوا کہ مشاطہ نے اُسکا ہاتھ۔

کانچه با او تو کنی اے معتمد
کہ تو اے معتمد اس کے ساتھ جو کرے گا

ایں زن دنیا کہ ہست او دست تو
یہ زن دنیا کہ وہ تیری دست ہے

حاصل اینجا آں فقیہ از بیخودی
حاصل یہ کہ اس مقام پر بے خودی سے اُس طالب علم کی

آں فقیہ افتاد بر آں حور زاد
وہ طالب علم اُس حورزاد پر واقع ہو گیا

جاں بجاں پیوست و قالبہا چخید
جان سے جان مل گئی اور قالب سمٹ گئے

پیچشے چوں ویس و رامین مفترض
ایک التفاف ویس ورامیں کی طرح فرض ہے

پیچش ہر یک ز فرہنگے دگر
ہر ایک کا التفاف جدا طریقہ کا ہے

کہ مکن اے شوئے زن را بد گسیل
کہ اے شوہر تو زن کو بری طرح وداع مت کر

خوش امانت داد اندر دست شو
ایک مرغوب امانت کے طور پر شوہر کے ہاتھ میں دیا تھا

از بد و نیکی خدا با تو کند
بدی سے یا نیکی سے خدا تعالیٰ تیرے ساتھ کریگا۔

حق امانت دادش اندر دست تو
حق تعالیٰ نے اُس کو تیرے ہاتھ میں امانت دی ہے

نے عفیفی ماندش و نے زاہدی
نہ پارسائی رہی اور نہ زاہدی رہی

آتش او اندراں پنبہ فتاد
اُس کی آتش اُس کے پنبہ میں واقع ہو گئی

چوں دو مرغ سر بریده می طپید
دو مرغ سر بریدہ کی طرح مضطرب ہو رہے تھے

چہ سقایہ چہ ملک چہ ارسلاں

جام کیا چیز ہے بادشاہ کیا ہے شیر کیا ہے

چہ حیا چہ دین و زہد و خوف جاں

حیا کیا ہوتی ہے دین و زہد اور خوف جان کیسا ہوتا ہے

چشم شاں افتادہ اندر عین و غین

اُن کی آنکھیں عین وغین میں پڑی تھیں

نے حسن پیداست آنجا نے حسین

اُس جگہ نہ کوئی حسن ظاہر تھا نہ کوئی حسین

یافت ہر یک شاں ازاں دیگر مراد

اُن میں ہر ایک نے دوسرے سے مراد پائی

طبع ہر یک خرم و دل گشت شاد

ہر ایک کی طبیعت خرم ہوگئی اور دل شاد ہوا

شد دراز و کو طریق بازگشت

وقت دراز ہوگیا اور مراجعت کا راستہ کہاں

انتظار شاہ ہم از حد گذشت

بادشاہ کا انتظار بھی حد سے گزر گیا

شاہ آمد تا بہ بیند واقعہ

بادشاہ آیا تاکہ واقعہ دیکھے

دید آنجا زلزلہ والقارعہ

وہاں زلزلہ اور قارعہ دیکھا

آں فقیہ از بیم برجست و برفت

وہ طالب علم خوف سے اٹھ اور

سوئے مجلس جام را بربود تفت

مجلس کی طرف چلدیا جام کو فوراً لے لیا

شہ چو دوزخ پر شرار و پر نکال

بادشاہ دوزخ کی طرح جو کہ شراروں اور عقوبتوں سے پر ہے

تشنۂ خون دو جفت بدفعال

دونوں بدکار قرینوں کے خون کا پیاسا ہو رہا

چوں فقیہش دید رخ پر خشم و قہر

جب طالبعلم نے اس کا چہرہ خشم و قہر سے بھرا ہوا دیکھا

تلخ و خونیں گشتہ ہمچوں جام زہر

کہ مثل جام زہر کے تلخ اور خونیں ہوا ہوا ہے

بانگ زد بر ساقیش کای گرم دار

تو اس کے ساقی کو زور سے پکار کر کہا اے بارونق رکھنے والے

چہ نشستی خیرہ دہ در طبع آر

تو سست کیا بیٹھا ہے دے اس کو نشاط میں لا

خندہ آمد شاہ را گفت اے کیا　　آمدم با طبع آں دختر ترا

بادشاہ کو ہنسی آگئی کہا اے صاحب　　میں نشاط میں آگیا وہ کنیز تیری ہی رہی

بادشاہم کار من عدلست و داد　　زاں خورم کہ یار را جو دم بداد

میں بادشاہ ہوں میرا کام عدل و داد ہے　　میں اسی سے کھاتا ہوں جو میرے یار کو میری جود نے دیا

انچہ آں را من نہ نوشم ہمچو نوش　　کے دہم در خورد یار خویش و توش

جس چیز کو میں شیرینی کی طرح نوش نہ کروں　　میں اپنے یار کی خوراک اور توشہ میں کب دونگا

انچہ آنرا میخورم از نوش خوش　　میدہم در خورد یار از پنج و شش

جس نوش کو میں خوش ہوکر کھاتا ہوں　　وہی میں خوراک یار میں دیتا ہوں

زاں خورانم من غلاماں را کہ من　　میخورم بر خوان خاص خویشتن

ہر قسم سے میں غلاموں کو اس چیز میں سے کھلاتا ہوں　　جونہ میں اپنے خاص خوان پر کھاتا ہوں

زاں خورانم بندگاں را از طعام　　کہ خورم من خود ز پختہ یا کہ خام

میں غلاموں کو اسی طعام میں سے کھلاتا ہوں　　جو میں خود کھاتا ہوں خواہ پختہ ہو یا کہ خام ہو

من چو پوشم از خز و اطلس لباس　　زاں بپوشانم حشم را نے پلاس

میں اگر خز اور اطلس کا لباس پہنتا ہوں　　اسی میں سے حشم کو پہناتا ہوں نہ کہ پلاس

شرم دارم از نبی ذو فنون　　البسوہم گفت مما تلبسون

میں شرم رکھتا ہوں پیغمبر جامع الکمالات سے　　آپ نے فرمایا ہے کہ جو خود پہنو اسی میں سے غلاموں کو پہناؤ

مصطفی کرد ایں وصیت با بنون　　اطعموا الاذناب مما تاکلون

مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نصیحت فرمائی ہے فرزندوں سے　　اتباع کو اسی میں سے کھلاؤ جو خود کھاتے ہو

شد فقیہ و برد با خود جفت خوب — **از عطائے خاص کشاف الکروب**

طالب علم چلا گیا اور اپنے ساتھ ایک خوبصورت جوڑا لیگیا — عطائے خاص کشاف الکروب سے

دیگراں را بس بطبع آوردۂ — **در صبوری چست و راغب کردۂ**

تو دوسروں کو بہت نشاط میں لایا ہے — صبر میں چست اور راغب کیا ہے

ہم بطبع آور بمردی خویش را — **پیشوا کن عقل صبر اندیش را**

اپنے کو بھی تو مردانگی کے ساتھ نشاط میں لا — عقل صبر اندیش کو پیشوا کر

چوں قلاؤزی صبرت پر شود — **جان باوج عرش و کرسی بر شود**

جب صبر کی رہنمائی، تیرا پر ہو جاوے — تو روح اوج عرش و کرسی کے اوپر ہو جاوے

مصطفی بیں چونکہ صبرش شد براق — **بر کشانیدش بہ بالائے طباق**

مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ لے جب آپکا صبر براق ہو گیا — وہ آپ کو درجات فلک کے اوپر لے گیا

چوں صبوری پیشہ کرد ایوب راد — **از بلا او را در رحمت کشاد**

جب صبر کو پیشہ کیا ایوب علیہ السلام عظیم الشان نے — تو بلا کے سبب ان کے لئے باب رحمت کھل گیا

صبر صدر آمد بہر حالت کہ ہست — **صبر را مگذار تا بتواں ز دست**

صبر اعلیٰ درجہ کی چیز ہے ہر حالت میں جو حالت بھی ہو — صبر کو جب تک ممکن ہو ہاتھ سے مت چھوڑ

صبر مفتاح الفرج نشنیدۂ — **کاندریں تعجیل در پیچیدۂ**

تو نے الصبر مفتاح الفرج نہیں سنا ہے — جو تو اس تعجیل میں پیچیدہ ہو رہا ہے

حد ندارد ایں سخن کوتاہ کن — **وز حدیث عاشقاں بر گو سخن**

یہ مضمون حد نہیں رکھتا مختصر کرو — اور عشاق کے قصہ کی پھر بات کہو

کانتظارِ تست آں شہزادگاں	باز گرد اے عاشق و زو تر براں
کیونکہ وہ شہزادے تیرے منتظر ہیں	اے عاشق پھر لوٹ اور جلدی بیان کر

(اور جن محجوبین کا مثل اس طالب علم معرض عن الشراب الحسی کے شراب معنوی سے اعراض کرنا اور شعر رو ہمی گرداند الخ میں مذکور ہوا ہے) اگر حق تعالیٰ عنایت سے اُس کی سرکوبی کر دے (یعنی جبراً پلا دے جس طرح اس طالب علم کی سرکوبی کر کے جبراً پلانے کا آگے اس شعر میں ذکر آتا ہے چند سیلی بر سرش زد الخ) تو وہ (سرکوبی) اُس (محجوب) کو شراب احمر کی رغبت لے آتی ہے (اور پی لیتا ہے جسطرح اُس طالب علم نے بعد سرکوبی کے پی لی تھی اور تشبیہ صرف پینے میں ہے گو طالب علم کا رغبت سے پینا ثابت نہ ہوا اور گو مشبہ میں اشتہا آرد مذکور ہے نہ کہ شرب لیکن چونکہ وہ شرب پر دال ہے اس لئے حکماً وہ بھی مذکور ہے پس یہ شبہ لازم نہیں آتا کہ مشبہ غیر مذکور ہے اور مراد جبر سے اختیار کی جو کہ مدار تکلیف ہے نفی نہیں ہے بلکہ ایسے اسباب کا جمع کر دینا ہے جس سے وہ اُس شرب کو ضرور ہی باختیار کرے جیسے حدیث میں ہے یجرون الی الجنۃ بالسلاسل) اور اگر وہ (عنایت) سرکوبی نہ کرے (بلکہ اُس شخص کو معذول کر دے) تو وہ بستہ دہن (اور محروم) رہ جاوے ان بادشاہوں (یعنی خواص عارفین) کی شراب نوشی اور بزم سے (اُس) طالب علم کی طرح (کہ قبل سرکوبی کے معرض تھا پس از شرب متعلق ہے ماند بستہ دہاں کو ر کے ساتھ جو فعل ہے محجوب کا نہ کہ ماند بستہ دہاں مقدر کے ساتھ جو کہ فعل ہے فقیہ کا آگے اُس طالب علم کے شراب پینے کا قصہ جو کہ شعر از عنایت میں اشارۃً مذکور تھا صراحۃً مذکور ہے جو شعر متصل میں شروع اور شعر چند سیلی زد الخ میں تمام ہوا ہے یعنی) بادشاہ نے اپنے ساقی سے کہا اے نیک قدم تو خاموش کیا بیٹھا ہے (اسکو شراب) دے (اور) اسکو نشاط میں لا ہاں (مولانا یہاں اسی جزو تدبیر شراب خورانی فقیہ کی مناسبت سے ایک دوسرا انتقال فرماتے ہیں یعنی جس طرح سے اس بادشاہ نے فقیہ کو اُس کی مقتضائے رائے و عقل سے مغلوب کرنے کا سامان کیا کہ ساقی سے فرمائش کی لطبعش آر اسی طرح) ہر عقل پر ایک مخفی حاکم ہے (کہ) جسکو چاہے (اپنے) فن (و تصرف) سے خودی سے ہٹا دے (مطلب یہ کہ قدرت قدیمہ کے سب مسخر ہیں اس کے سامنے کسی کی تجویز نہیں چلتی) آفتاب مشرق اور اُسکی تنویر (یعنی ذات و صفت یا بالعنوان دیگر جوہر و عرض) مثل سیروں کے اُس کی زنجیر میں مقید ہیں وہ (حاکم مخفی) آسمان کو فی الفور چکر میں لے آوے جب اُس کے دماغ میں ذرا سا فن بھی پڑھ دے۔ (چرخ اندر یعنی اندر چرخ اور نیم فن سے مراد حکم مختصر مطلب یہ کہ اسکو مثل شاہان مجازی کے بہت سے اسباب جمع کرنے کی حاجت نہیں محض حکم فرما دینا کافی ہے اور ظاہر ہے کہ محض حکم بمقابلہ اسباب کے مختصر ہی ہے پس اصل حاکم و متصرف وہی ہیں باقی ظاہر ہیں) جس عقل نے کہ دوسری عقل کو مغلوب کر دیا ہو (حقیقت میں) وہ (عقل مغلوب کنندہ) مہرہ اُسی (حاکم حقیقی مخفی) سے رکھتی ہے (اور) استاد نرد وہی (حاکم حقیقی) ہے (مطلب یہ کہ اُس غالب میں قوت غلبہ بھی اُسی کی دی ہوئی ہے پس واقع میں ان الامر کلہ للہ اور ربک یخلق ما یشاء و یختار ما کان لھم الخیرۃ۔ اب پھر قصہ ہے یعنی ساقی نے شاہی حکم پا کر) اُس (طالب علم) کے سر پر کئی چپت لگائے (اور) کہا کہ (شراب) لے وہ مظلوم (فوراً) چڑھا گیا (زیادہ) چپت

(رہ گئے) کے خوف سے (از حیز بیش و معنی ناخوش و آزردہ چنانکہ زید عدل غیاث مختصراً جب شراب پی لی تو اس کے اثر سے) مست اور شاد اور مثل باغ کے خنداں ہوگیا (اور دوسرے اہل بزم کی طرح یہ بھی) ندیمی اور مضحکات اور تمسخر میں آگیا (اور) نیم مست اور خوش ہوا (کذا فی الغیاث فی معنی شیر گیر اور حالت مستی میں) چٹکیاں بجانے لگا (اور اسی حالت میں پیشاب کا تقاضا ہوگیا تو بیت الخلاء کی طرف چلا تاکہ پیشاب کرے (میزک شاشۂ غیاث) بیت الخلاء میں ایک کنیز چاند سی دیکھی بہت ہی حسین بادشاہ کی (خاص) خدمت گاروں میں سے (فی الغیاث قرناق بالضم خدمت گار و کنیز ک الخ) اسکو جو دیکھا (فرط حیرت سے) منہ کھلا رہ گیا عقل تو جاتی رہی اور تن مشغول ستم رہ گیا۔ (یعنی تمام بدن میں سناٹا ہوگیا جیسے کسی ظالم کے تسلط کے وقت ہوتا ہے اور اگر ستم پرداز کوئی خاص محاورہ ہو تو معلوم نہیں) سالہا سال مجرد مشتاق و مست رہ چکا تھا کنیز پر فوراً دونوں ہاتھ پھیلا دیئے بیتیاب ترٹپی وہ لڑکی اور غل مچایا (مگر) اس سے بر نہ آئی اور کچھ مفید نہوا عورت مرد کے ہاتھ میں اختلاط کے وقت مثل خمیر کے ہوتی ہے نانبائی کے ہاتھ میں۔ وہ (نانبائی) اس (خمیر) کو کبھی نرم گوندھتا ہے کبھی سخت۔ اس (خمیر) میں سے کھچا کھچ آواز نکلتی ہے مٹھی کے نیچے سے کبھی اس کو تختہ پر پھیلا کر ڈالدیتا ہے کبھی اسکو دفعۃً سمیٹ لیتا ہے کبھی اس میں پانی ڈالتا ہے اور کبھی نمک تنور اور آتش سے اس کا امتحان کرتا ہے (یعنی تنور اور آتش میں داخل کرکے اسکی خامی و پختگی کو دیکھتا رہتا ہے مطلب یہ کہ اس میں گوناگوں تصرف کرتا ہے یہی حال عورت کا مرد کے ہاتھ سے ہوتا ہے چنانچہ فرماتے ہیں کہ) اسی طرح مطلوب اور طالب باہم لپٹ جاتے ہیں (اور) اس ملاعبت میں مغلوب اور غالب ہوتے ہیں۔ (یعنی مرد غالب اور عورت مغلوب آگے اسکی تعمیم فرماتے ہیں ہر طالب و مطلوب کے لئے یعنی) یہ ملاعبت نہ صرف شوہر کو عورت کے ساتھ ہے (بلکہ) ہر معشوق اور عاشق کا یہی طریقہ ہے (آگے بیان ہے سواد تعمیم کا یعنی) قدیم اور حادث اور جوہر اور عرض سے (بھی) ایک التفات (کا ناشی ہونا) ویس اور رامین کی طرح فرض (یعنی ضروری) ہے (ویس نام معشوقہ و رامین نام عاشق او یہاں بہتر یہ ہے کہ قدیم سے مراد قدیم حقیقی نہو بلکہ قدیم اضافی لیا جاوے یعنی وہ حادث جو دوسرے حادث سے اسبق ہو عرف میں بھی اسکو قدیم کہتے ہیں مثلاً ارواح اقدم ہیں ابدان سے پس مجموعہ الفاظ سے مراد تمام اجزاء عالم ہیں مطلب یہ کہ کوئی جزو عالم اس اثر تجاذب و تناسب سے خالی نہیں کسی کو کسی سے اور کسی کو کسی سے چنانچہ یہ امر بالکل ظاہر ہے آگے ان تجاذبات کے تفاوت کا ذکر ہے یعنی گو نفس تجاذب تو تمام اجزاء عالم میں مشترک ہے) لیکن ہر ایک کا تلاعب (بمعنی تجاذب) دوسرے رنگ کا ہے (اور) ہر ایک کا التفات جدا طریقہ کا ہے (چنانچہ یہ بھی ظاہر ہے مثلاً کسی کا شعور کے ساتھ کسی کا بلا شعور پھر اہل شعور میں سے کسی کا شہوت و شرور کے ساتھ کسی کا بلا شرور پھر غیر اہل شرور میں سے کسی کا شہوانی سرور کے ساتھ جیسے زوجہ و جاریہ مملوکہ شرعیہ کسی کا غیر شہوانی سرور کے ساتھ جیسے اولاد و والدین کے ساتھ وغیر ذلک من الاقسام والاحکام آگے تعلقات مذکورہ تحابب میں سے جن تعلقات کے کچھ حقوق شریعت نے مکلفین پر وضع فرمائے ہیں اُن کے ادا و ایفاء کی ترغیب دیتے ہیں اور گو ان تعلقات کے حقوق دلائل مستقلہ سے ثابت ہیں مگر بمناسبت ذکر زن و شو کے شعر ایں لعب تنہا نہ شو را باز نست میں ان سب حقوق کو صرف نص وارد فی حقوق الزوجہ سے بطور دلالت مستنبط کرتے ہیں یعنی قرآن مجید میں جو حقوق زوجہ میں ارشاد ہوا ہے الطلاق مرتان فامساک بمعروف او تسریح باحسان تو ہمیں) شوی و زن کو مثال کے لئے کہدیا گیا ہے کہ اسے شوہر تو

زن کو بری طور پر وداع (وتسریح) مت کر (بلکہ یا تو رکھ اور یا خوبی کے ساتھ رخصت کر یعنی بدون اضرار کے جسکی وجہ یہ ہے کہ (اس شب عروسی میں کیا ایسا نہیں ہوا (یعنی ایسا ہوا) کہ مشاطہ نے اس (زن عروس) کا ہاتھ ایک مرغوب امانت کے طور پر شوہر کے ہاتھ میں دیا تھا (اور قالاً یا حالاً کہا تھا) کہ تو اے معتمد اس کے ساتھ جو (معاملہ) کریگا بدی سے یا نیکی سے خدا تعالی تیرے ساتھ کریگا پس تیرے ذمہ اس معاہدہ سے خواہ صراحۃً ہوا ہو یا خود عقد اسکو مستلزم ہو گیا ہو کما قال تعالی وکیف تاخذونه وقد افضی بعضکم الی بعض واخذن منکم میثاقاً غلیظا اس کے حقوق واجب ہو گئے سو اس آیت میں گو نصاً صرف ایک صاحب حق کا حق مذکور ہے مگر باشتراک علت کہ وہ اس کا صاحب تعلقات ہونا ہے یہی آیت حکماً تمام اہل تعلقات کے وجوب والے حقوق پر دال ہے یہ معنی ہیں قول مولانا کے کہ شوی وزن را گفتہ شد بہر مثل فی الغیاث گردک حجلہ ونیگا فی فصل الیار مع النون مشاطہ آگے زن حقیقی کے امانت ہونے سے جو کہ ابھی مذکور ہوا ہے زن حکمی یعنی دنیا کے امانت ہونے کے مضمون کی طرف منتقل ہوتے ہیں تا کہ اس امانت کے حقوق پر بھی تنبہ ہو یعنی) یہ زن دنیا کہ وہ تیری مست (اور تیری گلوگیر ہو رہی) ہے (جیسی منکوحہ ہوتی ہے) حق تعالی نے اسکو (بھی) تیرے ہاتھ میں امانت دی ہے (اسکے ساتھ بھی حسب امر الہی معاملہ کر کہ بقدر ضرورت اس سے قرب رکھ اور اسکو آخرت پر ترجیح مت دے اس کے ساتھ حسن معاملہ یہی ہے کہ اس میں گویا امساک بمعروف بھی ہے اخذ بقدر ضرورت کے اعتبار سے اور تسریح باحسان بھی ہے عدم ایثار علی الآخرۃ کے اعتبار سے آگے پھر قصہ ہے یعنی) حاصل یہ کہ اس مقام پر بیخودی سے اس طالب علم کی نہ پارسائی رہی اور نہ زاہدی رہی۔ (جسکا وہ دعوی بھگار رہا تھا اور) وہ طالب علم اس حورزاد پر واقع ہو گیا (اور) اس کی آتش (شہوت) اس (کنیز) کے پنبہ میں واقع ہو گئی (اور) جان سے جان مل گئی اور قالب سمٹ گئے (جیسے لذت جماع کے وقت ہوتا ہے فی الغیاث فی فصل الجیم الفارسی مع الخار خجیدن خود را ہم کشیدن وقت جماع اور) دو مرغ سر بریدہ کی طرح مضطرب ہو رہے تھے (یعنی قالبوں میں غایت لذت سے ایسی بے اختیار مضطربانہ حرکتیں پیدا ہوتی تھیں جیسے مرغ سر بریدہ میں اور اس طالب علم کو مستی میں کچھ یاد نہ رہا کہ) جام (شراب) کیا چیز ہے (اور) بادشاہ کیا ہے (اور) شیر کیا ہے (مراد اس سے بادشاہ بصفت قہر اور) حیا کیا ہوتی ہے (اور) دین وزہد اور خوف جان کیسا ہوتا ہے (سب رخصت ہو گیا اور) ان (دونوں) کی آنکھیں عین وغین (یعنی اندھیرا) میں پڑی تھیں (اس لئے ان کی نظر میں) اس جگہ نہ کوئی حسن ظاہر تھا نہ کوئی حسین (باعتبار صیغہ ہیئت کے حسن سے مراد مجازاً بڑا آدمی اور حسین سے چھوٹا آدمی بلا قید اچھے ہونے کے اطلاقاً للمقید علی المطلق اور عین وغین دونوں بمعنی ابر کے آتا ہے کذا فی المنتخب اور مراد اس سے مجازاً تاریکی ہے اطلاقاً للسبب علی المسبب مطلب یہ کہ شہوت سے ایسے اندھے ہو گئے کہ ان کی نظر میں کوئی نہ رہا ورنہ ایسی حرکت کیوں کرتے اور اگر کنیز پر شبہ اکراہ کا ہو تو اول میں یہ صحیح تھا مگر اشعار کثیرہ سے معلوم ہوتا ہے کہ بعد میں وہ کرہ مبدل بطوع ہو گیا ورنہ شور وفغاں یا اباء ومدافعت میں ایسی نوبت اور طمانینت نہیں ہو سکتی غرض) ان میں ہر ایک نے دوسرے سے مراد پالی (اور) ہر ایک کی طبیعت خرم ہو گئی اور دل شاد ہوا (ادھر) وقت (طالب علم کی مراجعت کا) دراز ہو گیا اور (وہاں) مراجعت کا راستہ کہاں (وہ تو اور ہی خرافات میں مبتلا ہو رہا ہے اور) بادشاہ کا انتظار بھی حد سے

گذر گیا (کہ وہ طالب علم ابتک کیوں نہیں آیا غرض) بادشاہ آیا تاکہ واقعہ دیکھے (کہ کس وجہ سے ابتک نہیں لوٹا) وہاں پہونچکر زلزلہ اور قارعہ دیکھا (کہ جسطرح قیامت کے قرعہ سے زمین کو زلزلہ آوے گا یہاں عورت زلزلہ میں اور طالب علم قرعہ میں ہے بس) وہ طالب علم خوف سے (فوراً) اُٹھا اور مجلس کی طرف چلدیا (اور جاکر ساقی کے ہاتھ سے) جام (شراب) کو فوراً لیلیا (اور) بادشاہ (کی یہ حالت کہ) دوزخ کی طرح جو کہ شراروں اور عقوبت سے پُر ہے دونوں بدکار قرینوں کے خون کا پیاسا ہو رہا جب طالب علم نے اُس کا چہرہ خشم و قہر سے بھرا ہوا دیکھا کہ مثل جام زہر کس تلخ اور خونین ہوا ہوا ہے تو اُس کے ساقی کو دور سے پکار کر کہا کہ اے (مجلس کی) بارونق رکھنے والے تو سست کیا بیٹھا ہے (فی الغیاث خیرہ بمعنی سست بادشاہ کو شراب) دے (اور) اسکو نشاط میں لا۔ (یہ وہی جملہ ہے جو بادشاہ نے اس فقیہ کے لئے اُسی ساقی سے کہا تھا یعنی تو نے جو تدبیر میری ترش روئی کی کی تھی وہی اسوقت بادشاہ کی ترش روئی کی کر) بادشاہ کو (اس لطیفہ سے) ہنسی آگئی (اور) کہا اے صاحب میں (بدون ساقی ہی کے) نشاط میں آگیا (جا تیرا قصور بھی معاف کیا اور) وہ کنیز (بھی) تیری ہی ہے (کیونکہ) میں بادشاہ ہوں میرا کام عدل و داد (یعنی انصاف یا عطا) ہے۔ میں اُسی سے کھاتا ہوں جو میرے یار کو میرے جود نے دیا (یعنی جو کچھ یار کو جود سے دیتا ہوں وہی خود کھاتا ہوں پس جو طریقہ میں نے تیری رائے سے ہٹانے کے لئے تجویز کیا تھا اُسی طریقہ سے میں خود بھی اپنی رائے سے ہٹتا ہوں اور غصہ کو ترک کرتا ہوں آگے بھی اسی کی تاکید ہے کہ) جس چیز کو میں شیرینی کی طرح نوش نہ کروں میں (اسکو) اپنے یار کی خوراک اور توشہ میں کب دونگا جس نوش کو میں خوش ہو کر کھاتا ہوں وہی میں خوراک یار میں دیتا ہوں ہر قسم سے میں غلاموں کو اُس چیز میں سے کھلاتا ہوں جو کہ میں اپنے خاص خوان پر کھاتا ہوں میں غلاموں کو اُسی طعام میں سے کھلاتا ہوں جو میں خود کھاتا ہوں خواہ پختہ ہو یا کہ خام ہو میں اگر خز اور اطلس کا لباس پہنتا ہوں اُسی میں سے حشم کو پہناتا ہوں نہ کہ یلاس میں شرم رکھتا ہوں پیغمبر جامع الکمالات سے آپ نے فرمایا ہے کہ جو خود پہنو اُسی میں سے غلاموں کو پہناؤ مصطفے صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ وصیت فرمائی ہے۔ (معنوی) فرزندوں سے (یعنی امت سے کہ) اتباع کو اُسی میں سے کھلاؤ جو خود کھاتے ہو (رواہ ابوذر عنہ صلی اللہ علیہ وسلم قصہ یہ ہے کہ) طالب علم چلا گیا اور اپنے ساتھ ایک خوبصورت جوڑا لے گیا عطائے خاص کشاف الکرب سے (اس کو حق تعالیٰ کی طرف نسبت بوجہ اب حلال ہو جانے کے کیا قصہ ختم ہوا اب رجوع کرتے ہیں اُس بڑے بھائی کے اس مقولہ کی طرف بازی آں تست بر روئے بساط + خویش را در طبع آر و در نشاط + یعنی اے نفس) تو دوسروں کو (ہمیشہ) بہت نشاط میں لایا ہے (اور دوسروں کو) صبر میں چست اور راغب کیا ہے اپنے کو بھی تو مردانگی کے ساتھ نشاط میں لا (اور) عقل صبر اندیش کو پیشوا کر (آگے مولانا کا مقولہ ہے) جب صبر کی رہنمائی تیرا پر ہو جاوے تو روح (تیری) اوج عرش و کرسی کے اوپر ہو جاوے مصطفے صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ لے جب آپ کا صبر (وتحمل علی اذی الکفار و استقامت علے الطاعات) براق ہو گیا وہ (براق) آپ کو درجات فلک کے اوپر لے گیا (صبرش شد براق میں مجاز ہے یعنی صبرش سبب براق شد اور توجیہ اسکی ظاہر ہے کہ آپ کی مقبولیت سبب ہے تجویز معراج کی اور تجویز معراج سبب ہے براق کی اور مقبولیت میں اعمال کو بھی دخل ہے اور صبر میں سب اعمال آگئے اور سبب کا سبب سبب ہوتا ہے پس صبر سبب ہو گیا براق کا

اور بحر العلوم نے اسکی توجیہ یہ کی ہے کہ براق صورت اعمال بود چنانکہ در فتوحات مذکور ست و صبر نیز عمل ست پس براق شدہ آمدہ باشد اور دیکھو) جب صبر کو پیشہ کیا ایوب علیہ السلام عظیم الشان نے تو بلا کے سبب (بواسطہ صبر کے) اُن کے لئے باب رحمت کھل گیا صبر اعلیٰ درجہ کی چیز ہے ہر حالت میں جو حالت بھی ہو (چنانچہ طاعت و مصیبت میں صبر علیہا ہے اور معاصی میں عنہا ہے پس) صبر کو جب تک ممکن ہو ہاتھ سے مت چھوڑ تو نے الصبر مفتاح الفرج نہیں سُنا ہے جو تو اس تعجیل (یعنی بے صبری) میں بیچیدہ ہو رہا ہے (بعد بیان فضائل صبر کے پھر رجوع ہے قصہ کی طرف یعنی) یہ مضمون (مدح صبر کا) حد نہیں رکھتا (اسکو مختصر کرو اور عشاق کے قصہ کی پھر بات کہو۔ اے عاشق پھر (قصہ کی طرف) لوٹ اور (قصہ کو) جلدی بیان کر کیونکہ وہ شہزادے تیرے منتظر ہیں۔

رفتن شہزادگان بعد از اتمام ماجرا بجانب ولایت چین تا بقدر امکان بمقصود نزدیک تر باشند اگر راہ بوصل مسدود ست بقدر امکان نزدیک شدن محمود ست

ہر سہ شہزادہ چو کار افتاد شاں
تینوں شہزادوں کو جب خود کام پڑا

عشق درخور گوشمالی داد شاں
عشق نے اُنکی موافق اُن کو گوشمالی دی

ایں بگفتند و رواں گشتند زود
یہ کہا اور فوراً روانہ ہو گئے

ہر چہ بود اے یار من آں لحظہ بود
جو کچھ ہونا تھا اے میرے یار اسی وقت ہو گیا

صبر بگزیدند و صدیقیں شدند
صبر اختیار کیا اور پختہ ہو گئے

بعد ازاں سوئے بلاد چین شدند
اسکے بعد بلاد چین کی طرف چل دیئے

والدین و ملک را بگذاشتند
والدین اور سلطنت کو چھوڑ دیا

راہ معشوق نہاں برداشتند
پردہ دار معشوق کے راستہ پر قدم اٹھایا

ہمچو ابراہیم ادہم از سریر
مثل ابراہیم ابن ادہم کے عشق نے

عشق شاں بے پا و سر کرد و فقیر
اُن کو تخت سے بے سروپا اور فقیر کر دیا

یا چو ابراہیم مرسل سرخوشے	خویش را افگند اندر آتشے
یا مثل ابراہیم پیغمبر علیہ السلام کے خوش ہو کر	اپنے کو آگ کے اندر ڈالدیا
یا چو اسمٰعیل صبار مجید	پیش عشق و خنجرش حلقے کشید
یا مثل اسمٰعیل علیہ السلام کامل الصبر صاحب المجد کے	عشق کے اور اُس کے خنجر کے روبرو حلق رکھدیا

تینوں شہزادوں کو جب خود (بلاسے) کام پڑا عشق نے اُن کی (حالت کی) موافق اُن کو گوشمالی دی (یعنی پہلے سنے تو اوروں کو مصائب سے متاثر نہونیکی تعلیم دیتے تھے جب خود کام پڑا تو متاثر ہوگئے اور درخور قید واقعی ہے اور یہ گوشمالی دینا اُن کے کلام بالا سے جسمیں یہی مضمون ہے ظاہر ہے غرض) یہ (کلام جو اس مضمون مذکور پر دال تھا) کہا اور فوراً (چین کو) روانہ ہوگئے (اور) جو کچھ ہونا تھا اسے میسر یا اُسی وقت ہوگیا (یعنی مزید مشورہ و تامل نہیں کیا چل کھڑے ہوئے اور اُس عشق پر) صبر اختیار کیا اور (اس میں) پختہ ہوگئے (اور اوپر جو اُن کے کلام سے صبر واستقلال کی نفی معلوم ہوتی ہے اُس استقلال سے مراد عشق سے متاثر نہ ہونا تھا سو یہ منفی تھا اور یہاں صبر مثبت سے مراد عشق پر ثبات ہے پس منفی صبر عن العشق ہے اور مثبت صبر علی العشق ہے فلا تعارض اور) اس کے بعد بلاد چین کی طرف چلدے والدین اور سلطنت کو چھوڑ دیا (اور) پردہ دار معشوق کے راستہ پر قدم اُٹھایا مثل ابراہیم بن ادہم کے عشق نے اُن کو تخت سے بے سروپا اور فقیر کردیا۔ (تشبیہ صرف عشق میں ہے قطع نظر خصوصیت مجاز و حقیقت کے) یا مثل ابراہیم پیغمبر علیہ السلام کے خوش ہو کر اپنے کو آگ کے اندر ڈالدیا (کوئی شبہ نکرے کہ کیا ابراہیم علیہ السلام اپنی خوشی سے آگ میں پڑے تھے بات یہ ہے کہ دعوت الی التوحید سبب تھا اس کا پس سبب کا خوشی سے اختیار کرنا بمنزلہ مسبب کے بخوشی اختیار کرنے کے ہے) یا مثل اسمٰعیل علیہ السلام کامل الصبر صاحب المجد کے عشق کے اور اُس کے خنجر کے روبرو حلق رکھدیا (آگے بمناسبت ذکر عشاق حقیقی کے جو اشعار بالا میں مشبہ بہ واقع ہوئے ہیں ایک اور عاشق کا قصہ ہے جو مجاز سے حقیقت کیطرف متوجہ ہوگیا تھا)

حکایت امرؤ القیس کہ بادشاہ عرب بود و باجمال و کمال و زنان عرب شیفتہ او بودند و او شاعر طبع بود مگر دانست اینہا ہمہ تمثال صورتی اند باید طالب معنی شد آخر نیم شب از ملک و فرزندان گریخت و خود را بدلقے نہاں کرد۔

امرء القیس از ممالک خشک لب

امرالقیس جوکہ ممالک سے خشک لب تھا

بود نازک طبع وہم صاحب جمال

وہ نازک طبع اور صاحب جمال بھی تھا

چونکہ زد عشق حقیقی بر دلش

جب عشق حقیقی نے اسکے دل پر اثر کیا ۔

نیم شب دلقے بپوشید و برفت

آدھی رات کو ایک دلق اوڑھی اور نکل گیا

تا بیامد خشت میزد در تبوک

یہانتک کہ تبوک میں آیا اور اینٹیں بنانے لگا

امرء القیس آمدست اینجا بکد

امرالقیس یہاں فقیری کی حالت میں آیا تھا

آں ملک برخاست آمد پیش او

وہ بادشاہ اٹھا اس کے پاس آیا

یوسف وقتی دو ملکت شد کمال

تو یوسف وقت ہے تیرے پاس دو ملک کامل طور پر ہیں

گشته مردان بندگان از تیغ تو

مرد تو تیری تلوار سے غلام ہیں

ہم کشیدش عشق از خطۂ عرب

اسکو بھی عشق نے خطۂ عرب سے علیحدہ کر دیا

شاعر و صاحب اصول اندر کمال

شاعر اور کمالات میں صاحب اصول تھا

سرد شد ملک و عیال و منزلش

تو اسپر ملک اور عیال اور گھر سرد ہوگیا

از میان مملکت بگریخت تفت

سلطنت سے جلدی سے بھاگ گیا۔

با ملک گفتند شاہے از ملوک

بادشاہ سے لوگوں نے کہا کہ ملوک میں سے ایک بادشاہ

شد شکار عشق و خشتے میزند

وہ شکار عشق ہوگیا اور اینٹیں بناتا ہے۔

گفت او را اے ملیک خوبرو

اس سے کہا کہ اے بادشاہ خوبرو

مر ترا رام از بلاد و از جمال

تیرے مسخر ہیں بلاد بھی اور جمال بھی

واں زناں ملک مہ بے میغ تو

اور وہ عورتیں تیری ماہ بے میغ کی ملک ہیں

پیش ما باشی تو بخت ما بود
تو ہمارے پاس رہے تو ہماری خوش نصیبی ہے

جان ما از وصل تو صد جان شود
ہماری جان تیرے قرب سے سو جان ہو جاوے

ہم من و ہم ملک من مملوک تو
میں بھی اور میرا ملک بھی تیرا مملوک ہے

اے بہمت ملکہا متروک تو
اے شخص ہمت میں بہت سے ملک تیرے متروک ہیں

فلسفہ گفتش بسے و او خموش
اس نے اس سے بہت ہی کچھ بے ہودگی کی باتیں کہیں اور وہ خاموش تھا

ناگہاں وا کرد از سر روے پوش
دفعۃً اس نے سر پر سے نقاب کو کھولا

تا چہ گفتش او بگوش از عشق و درد
کیا کچھ اسکے کان میں عشق اور درد کی بات کہدی

ہمچو خود در حال سرگردانش کرد
اپنی طرح فوراً اس کو بھی سرگرداں کر دیا

دست او بگرفت و با او یار شد
اس نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور اس کے ہمراہ ہو گیا

او ہم از تخت و کمر بیزار شد
وہ بھی تخت اور پٹکہ سے بیزار ہو گیا

تا بلاد دور رفتند آں دو شہ
بلاد بعیدہ تک وہ دونوں بادشاہ چلے گئے

عشق یک کرت نکردست ایں گنہ
عشق نے یہ گناہ کچھ ایک ہی بار نہیں کیا

بر بزرگاں شہد و بر طفلانست شیر
وہ بڑوں کے لئے شہد ہے اور بچوں کے لئے دودھ ہے

او بہر کشتی بود من الاخیر
وہ ہر کشتی کے لئے من الاخیر ہے

کہ چو در کشتی رود غرقش کند
کہ جس کشتی میں وہ جاوے اس کو غرق کردے

تا بقعر از پاے تا فرقش کشد
اسکو پاؤں سے سر تک قعر کی طرف لے جاوے

غیر ایں دو بس ملوک بیشمار
ان دو بادشاہوں کے سوا بہت سے بیشمار بادشاہ ہوئے ہیں

عشق شاں از ملک برد و از تبار
کہ عشق نے اُن کو ملک اور خاندان سے جدا کر دیا

قصۂ کیخسرو آں شاہ زماں	**ہست شہرہ درمیان انس و جاں**
چنانچہ اس شاہ زماں کیخسرو کا قصہ	انس و جن میں مشہور ہے
جان ایں سہ شہ بچہ ہم گرد چین	**ہمچو مرغاں گشتہ ہر سو دانہ چین**
ان تین شہزادوں کی جان بھی چین کے گرد	مرغوں کی طرح ہر طرف دانہ چنتی پھرتی تھی

(ربط اوپر مذکور ہوا بعض نسخوں میں سرخی کے ایک جملہ کے بعد کہ او شاعر طبع بود یہ عبارت اور زائد ہے وایں شعر از دست قفانبك من ذكرى حبيب ومنزل اس سے زیادہ تعیین ہو گئی اس امرالقیس کی کہ یہ وہی مشہور شاعر جاہلیت صاحب قصیدہ اولیٰ من القصائد السبعة المعلقة المشهورة ہے جسکا زمانہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے چوبیس سال پہلے ہوا ہے پس اس پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ اس کا حال جو شراح سبعہ معلقہ نے لکھا ہے اس سے تو ملک اور عظیم ہونے کے ساتھ اس کا افسق وافجر ہونا معلوم ہوتا ہے نیز حاشیہ میں بحر العلوم سے نقل کیا ہے امرالقیس شاعر معروف وشاعران کفار عرب بود و شیخ عبدالحق دہلوی قدس سرہ گفتہ کہ در حدیث مذمت امرالقیس واقع شدہ یقدم الشعراء الی النار الخ پھر مولانا کا یہ مضمون اس پر کیسے منطبق ہوگا غایت ما فی الباب یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ کوئی دوسرا امرالقیس ہوگا اور بعض نسخوں میں جو عبارت زائد ہے ممکن ہے کہ مولانا کے بعد کسی نے تخمین سے بڑھا دی ہو واللہ اعلم بہرحال مولانا فرماتے ہیں کہ) امرالقیس جو کہ ممالک سے خشک لب تھا (یعنی پہلے حکومت وملک کا حریص تھا یا یہ معنی ہوں کہ ممالک خشک لب سے تھا یعنی عرب کا تھا) اسکو بھی عشق نے خطہ عرب سے علٰحدہ کردیا (بھی اس لئے کہا کہ جسطرح سے سرخی سے قبل کے عشاق کو مرغوبات سے علٰحدہ کیا ہے) وہ نازک طبع اور صاحب جمال بھی تھا شاعر اور کمالات میں صاحب اصول تھا یعنی اس کے کمالات اصول صحیحہ کی موافق تھے آگے بیان ہے مصرعہ ہم کشیدش کا یعنی) جب عشق حقیقی نے اس کے دل پر اثر کیا تو اس پر ملک اور عیال اور گھر سرد ہو گیا (اور) آدھی رات کو ایک دلق اوڑھی اور نکل گیا سلطنت سے جلدی سے بھاگ گیا۔ یہاں تک کہ تبوک میں آیا اور اینٹیں بنانے لگا (وہاں کے) بادشاہ سے لوگوں نے کہا کہ ملوک میں سے ایک بادشاہ (یعنی امرالقیس یہاں فقیری کی حالت میں آیا تھا وہ شکار عشق ہو گیا اور اینٹیں بناتا ہے وہ بادشاہ اٹھا (اور) اس کے پاس آیا اس سے کہا کہ اے بادشاہ خوبرو تو یوسف وقت ہے (اور) تیرے پاس دو ملک کامل طور پر ہیں (یعنی) تیرے مسخر ہیں بلاد بھی اور جمال بھی مرد تو تیری تلوار سے (تیرے) غلام ہیں اور وہ عورتیں تیری ماہ بے میغ (یعنی حسن) کی ملک ہیں تو ہمارے پاس رہے تو ہماری خوش نصیبی ہے ہماری جان تیرے قرب سے سو جان (کی برابر) ہو جاتی ہیں بھی اور میرا ملک بھی تیرا مملوک ہے۔ اے شخص ہمت میں بہت سے ملک تیرے متروک ہیں (یعنی تو ایسا عالی ہمت ہے غرض یہ کہا اس نے اس سے بہت ہی کچھ ترکیبوں کی باتیں کہیں اور وہ خاموش تھا جب وہ سب کچھ کہہ چکا دفعۃً اس نے سر پر سے

نقاب کو کھولا (اور معلوم نہیں کہ) کیا کچھ اُس کے کان میں عشق اور درد کی بات کہدی (کہ) اپنی طرح فوراً اسکو بھی سرگردان کردیا (بس) اُس (شاہ تبوک) نے اُس (امرء القیس) کا ہاتھ پکڑ لیا اور اُس کے ہمراہ ہوگیا (اور) وہ بھی تخت اور تاج سے بیزار ہوگیا (اور) بلاد بعیدہ تک وہ دونوں بادشاہ چلے گئے (اور) عشق نے یہ گناہ کچھ ایک ہی بار نہیں کیا (بلکہ بکثرت ایسا کیا ہے کہ سب مال وجاہ چھڑا دیا اور اسکو گناہ باعتبار زعم مخاطب محجوب کے فرمایا کما قال تعالیٰ واذا تتلیٰ علیھم آیاتنا بینات تعرف فی وجوہ الذین کفروا المنکر یکادون یسطون بالذین یتلون علیھم آیاتنا قل افانبئکم بشر من ذلکم النار حیث یستلزم ظاہرا کون الآیات ایضا متضمنا للشر عیاذا باللہ ۔ وقال تعالیٰ قل لا تسئلون عما اجرمنا الآیہ وھو صلی اللہ علیہ وسلم بری من الجرم آگے بیان ہے عشق یک کرشمۂ کرد اس گنہ کا) وہ (عشق) بڑوں کے لئے (بمنزلہ) شہد (کے) ہے اور بچوں کے لئے (بمنزلہ) دودھ (کے) ہے (مطلب یہ کہ اس کا اثر ہونے کے لئے نہ بڑا ہونا شرط ہے نہ چھوٹا ہونا مانع بچوں پر بھی یہ یہی اثر کرتا ہے اس کا مشاہدہ ہر وقت ہوتا ہے کہ شیر خوار بچہ کو جس سے محبت ہو جاوے اگر اُس کے ساتھ جانے میں تمام گھر بار اور خاندان بھی چھٹتا ہو تو اسکو اسکی کچھ پرواہ نہیں ہوتی غرض) وہ (عشق) ہر کشتی کے لئے (بمنزلہ) من الاخیر (کے) ہے (جسکی شان یہ ہے) کہ جس کشتی میں وہ جاوے اسکو غرق کر دے (اور) اسکو پاؤں سے سر تک (دریا کی) قعر کی طرف لیجاوے (من الاخیر کے یہی معنی ہیں مطلب یہ کہ جس قلب میں پہونچے اسکو پورا غرق ہی کردے چنانچہ تم نے ابھی امرء القیس اور شاہ تبوک کا قصہ سنا اور) ان دو بادشاہ کے سوا بہت سے بیشمار بادشاہ ہوئے ہیں کہ عشق نے اُن کو ملک اور خاندان سے جدا کردیا چنانچہ اُس شاہ زمان کا قصہ انس وجن میں مشہور ہے (فی الحاشیہ شیخ محمد افضل گفتہ اشارت است بقصہ ترک کردن کیخسرو بادشاہی را چنانکہ بتفصیل در شاہنامہ مذکور ست اھ اسی طرح) ان تین شاہزادوں کی جان بھی چین کے گرد (عشق میں) مرغوں کی طرح ہر طرف دانہ چنتی پھرتی تھی (اس شعر میں تائید مضمون منتقل الیہ یعنی عموم اثر عشق کے ساتھ ساتھ رجوع بقصہ بھی ہو گیا چنانچہ آگے بھی قصہ ہی کے اشعار ہیں اور یہ رجوع نہایت لطیف ہے)

زہرہ نے تا لب کشاید از ضمیر

اُنکی یہ طاقت نہ تھی کہ مافی الضمیر سے لب کشائی کریں

زانکہ رازے با خطر بود و خطیر

کیونکہ وہ خطرناک اور عظیم راز تھا

صد ہزاراں سر بسوئے آں نہاں

لاکھوں سر اوس وقت ایک پیسہ کو ہو جاتے ہیں

عشق خونی چوں کند زہ بر کماں

جبکہ عشق خونی کمان پر چلہ چڑھا لیتا ہے

عشق خود بے خشم در وقت خوشی

عشق بدون خشم ہی کے خوشی کے وقت میں

خوئے دارد و میدم خیرہ کشی

عادت رکھتا ہے دمبدم بیباکانہ قتل کرنے کی

این بود آں لحظہ کو خوشنود شد — من چہ گویم چونکہ خشم آلود شد

یہ حالت تو اُس وقت ہے جبکہ وہ خوش ہوتا ہے — میں کیا کہوں جبکہ وہ خشم آلود ہو گیا ہو۔

لیک مرج جاں فدائے شیر او — کش کشد این عشق وایں شمشیر او

لیکن چراگاہ جان اُس کے شیر پر فدا ہے — کہ اُسکو یہ عشق اور اُسکی شمشیر قتل کرے

کشتنے بہ از ہزاراں زندگی — سلطنت ہا مردۂ ایں بندگی

ایک دفعہ کا قتل کرنا ہزاروں زندگی سے بہتر ہے — بہت سی سلطنتیں اس غلامی پر قربان ہیں

با کنایت راز ہا با ہمدگر — پست گفتندے بصد خوف و خطر

وہ شہزادے اسرار کو ایک دوسرے سے — بصد خوف و خطر پست آواز سے کہتے

راز را غیر خدا محرم نبود — آہ را جز آسماں ہمدم نبود

راز کا بجز خدا تعالیٰ کے کوئی محرم نہ تھا — آہ کا بجز آسمان کے کوئی ہمدم نہ تھا

اصطلاحاتے میان ہمدگر — داشتندے بہر ایراد خبر

کچھ اصطلاحیں خبر لانے کے لئے — آپس میں رکھتے تھے

ان (شہزادوں) کی یہ طاقت نہ تھی کہ مافی الضمیر سے لب کشائی کریں کیونکہ وہ خطرناک اور عظیم راز تھا کیونکہ احتمال تھا کہ اگر زبان سے کہدیں تو بادشاہ تک پہونچ جائے جسکی نسبت پہلے آیا ہے غیرتے دارد ملک برنام او اور اسلئے وہ غضبناک ہوکر اُن کو ہلاک کر ڈالے آگے یہی مضمون ہے کہ) لاکھوں سر اس وقت ایک پیسہ کے جاتے ہیں جبکہ عشق خونی کمان پر چلہ چڑھا لیتا ہے (مراد اس سے حالت خشم کی ہے اور عشق کا خشم دو طرح سے متحقق ہوتا ہے ایک یہ کہ معشوق خشمناک ہو ایک یہ کہ کوئی اور اس عشق کے سبب خشمناک ہو یہاں دوسری صورت تھی کہ شاہ چین اسی غیرت میں خشمناک ہو جاتا اس سے ان کو خوف تھا کہ ان کی جان کی پروا بھی نکرتا اور) عشق (تو ایسی چیز ہے کہ وہ) بدون خشم ہی کے خوشی کے وقت میں عادت رکھتا ہے دمبدم بے باکانہ قتل کرنے کی (اور یہ ظاہر ہے کہ معشوق کی ادائیں حالت رضا کی بھی ذبح کرتی ہیں) یہ حالت تو اُس وقت ہے جبکہ وہ (عشق) خوش ہوتا ہے (سو) میں (اُس وقت کی تو) کیا (بات) لکھوں جبکہ وہ خشم آلود

ہوگیا ہو لیکن (ان دونوں حال میں) چراگاہ جان اُس (عشق) کے شیر پر فدا ہے کہ اُس (جان) کو یہ عشق اور اُسکی شمشیر قتل کرے (یہ بیان ہے فدا ہونے کا یعنی اُس سے مقتول ہونیکے لئے فدا اور آمادہ ہے اور مرج جان اور شیر او میں اضافت مثل لجین الماء کے ہے یعنی عشق بمنزلہ ایک شیر کے ہے اور جان عاشق کی مشابہ اُس چراگاہ کے ہے جسکو وہ شیر بالکل چر جاوے مطلب یہ ہے کہ خواہ عشق راضی ہو یا غضبناک ہو عاشق بیچارہ دونوں حال میں اُس پر جانبازی کے لئے تیار ہے اور اُس کے نزدیک اُس کا) ایک دفعہ کا قتل کرنا ہزاروں زندگی سے بہتر ہے (اور اُس کے نزدیک) بہت سی سلطنتیں اس غلامی پر (جو کہ عشق میں حاصل ہے) قربان ہیں (پھر قصہ ہے کہ) وہ شہزادے (اپنے) اسرار کو ایک دوسرے سے بصد خوف وخطر پست آواز سے کہتے (جس طرح سرگوشی کرتے ہیں اور چونکہ اس سرگوشی کا ہر وقت اور بہت دیر تک موقع میسر نہیں ہوتا اس لئے اکثر اوقات اُن کے) راز کا بجز خدا تعالیٰ کے کوئی محرم نہ تھا (اور اُن کی) آہ کا بجز آسمان کے کوئی ہمدم تھا (اور گاہ گاہ بغرض اظہار بعض اسرار کے) کچھ اصطلاحین (دل کی) خبر (زبان پر) لانے کے لئے آپس میں رکھتے تھے (اُس سے کچھ غبار نکال لیتے تھے)

زیں لسان الطیر عام آموختند — طمطراق سروری اندوختند

اس منطق الطیر سے عام نے سیکھ لیا ہے — مقتدائیت کا کروفر حاصل کرلیا ہے

صورت آواز مرغست آں کلام — غافل ست از حال مرغاں مرد خام

وہ کلام صورت آواز طیور کے ہے — وہ مرد خام طیور کے حال سے غافل ہے

کو سلیمانے کہ داند لحن طیر — دیو گرچہ ملک گیرد ہست غیر

سلیمان کہاں ہیں کہ وہ لحن طیور کو سمجھیں — دیو اگرچہ ملک لے لے اجنبی ہے

دیو بر شبہ سلیمان کردہ ایست — علم مکرش ہست علمناش نیست

دیو نے سلیمان علیہ السلام کی تشبہ پر قیام کیا ہے — اسکو علم مکر تو ہے اسکو علمنا نہیں

چوں سلیمان از خدا بشاش بود — منطق الطیرے ز علمناش بود

سلیمان علیہ السلام چونکہ خدا تعالیٰ کی طرف سے بشاش تھے — ان کا منطق الطیر علمنا سے تھا

تو ازاں مرغ ہوائی فہم کن — کہ ندیدستی طیور من لدن

تو مرغ ہوائی سے سمجھ لے — کیونکہ طیور لدنیہ کو تو تو نے دیکھا بھی نہیں

جائے سیمرغان بود آں سوئے قاف — **ہر خیالے را نباشد دست باف**

اُن سیمرغوں کا مقام قاف کے اُس طرف ہے — ہر خیال کے لئے بھی آسان نہیں

ہر خیالے راکہ دید آں اتفاق — **انگہش بعد العیاں افتد فراق**

ہر ایسے خیال کو جس نے کہ اُسکو دیکھا ہو — اُس وقت بعد معائنہ کے اُسکو فراق کا اتفاق واقع ہو جائے

نے فراق قطع بہر مصلحت — **کامن ست از ہر فراق آں منقبت**

تو وہ فراق قطع کا نہیں ہوتا مصلحت کے لئے ہوتا ہے — کیونکہ وہ فضیلت ہر فراق سے مامون ہوتی ہے

بہر استبقائے آں جسم چو جاں — **لحظۂ در ابر گردد خور نہاں**

بغرض استبقا اُس جسم کے جو کہ مثل جان کے ہے — کسی وقت ابر میں آفتاب پوشیدہ ہو جاتا ہے

بہر استبقائے آں روحی جسد — **آفتاب از برف یک دم در کشد**

اُس روحی جسد کے باقی رکھنے کے لئے — آفتاب برف سے تھوڑی دیر کے لئے اپنے کو ایکسو کر لیتا ہے

بہر جان خویش جو زیشاں صلاح — **ہیں مدزد از حرف ایشاں اصطلاح**

تو اپنی روح کے لئے اُن سے اصلاح کا طالب ہو — ہاں اُن کے کلام سے اصطلاحیں مت چرا

(اوپر ذکر تھا اصطلاحات قالیہ ابنا الملک کا اُسکی مناسبت سے اُس سے انتقال ہے ایک مضمون متعلق اصطلاحات حالیہ اہل اللہ کی طرف یعنی جس طرح اُن شہزادوں کی اصطلاحات قالیہ کو دوسرا نہ سمجھتا تھا اسی طرح اہل اللہ کی اصطلاحات حالیہ مفسر بما سیاتی کو عام لوگ نہیں سمجھتے پھر باوجود اس کے جو بعضے محض براہ تقلید اُن کے اقوال و ملفوظات کو مجالس میں نقل کرتے ہیں اُنکی حقیقت یہ ہے کہ) اس منطق الطیر (یعنی کلام عارفین) سے (جو کہ غیر مفہوم عند العامہ ہونے میں مشابہ منطق الطیر کے ہے ان) عام (لوگوں) نے (جو کہ محض نقال ہیں) سیکھ لیا ہے (یعنی الفاظ و عبارات یاد کر لی ہیں اور اُن کو نقل کر کے) مقتدائیت کا کر و فر حاصل کر لیا ہے (یعنی غرض اُن کی صرف یہ ہے باقی نہ وہاں فہم ہے اور نہ تفہیم ہے مراد اس سے عارفین کا وہ کلام ہے جو اُن کے واردات و احوال و ذوق و وجدان سے ناشی ہے کہ اُسکو اہل واردات و احوال ہی سمجھتے ہیں اسی کو اصطلاحات حالیہ سے بندہ نے تعبیر کیا ہے گو وہ الفاظ اصطلاحی یعنی اصطلاحی

تہ ہوں مثلاً اگر کوئی عاشق کہے کہ ہائے جلگیا گو یہ کوئی اصطلاحی لفظ نہیں لیکن محض لغت دانی اس کے سمجھنے کے لئے کافی بھی نہیں وہ تو حیرت کریگا کہ یہ کہاں جلا ہے دوسرا عاشق البتہ اس جلنے کی حقیقت سمجھ جاویگا اور مقصود مولانا کا اس سے مذمت و شناعت ہے مزورین کی جیسا مثنوی میں مقامات کثیرہ پر ہے آگے اسی مضمون کی تفصیل ہے یعنی) وہ کلام (جسکو مزورین بے سمجھے نقل کر رہے ہیں مثل) صورت آواز طیور کے ہے (یعنی جیسے کوئی آواز طیور کی حکایت کرنے لگے کہ اس کا وہ مدلول نہیں جو منطق الطیر واقعی کا ہے اور واقع میں) وہ مرد خام (جو صوت طیر کی حکایت کر رہا ہے) طیور کے حال سے (کہ واقع میں وہ کس حال پر ان اصوات سے دلالت کا قصد کر رہے ہیں) غافل ہے (پس مرد خام منطق الطیر کو نہیں سمجھتا بلکہ اس کا سمجھنا یا تو اسکی مماثل کا کام ہے کہ طیر ہو یا اس سے اکمل کا کام ہے کہ سلیمان ہو اسی طرح ایسے اہل اللہ کا کلام یا تو ان کا مماثل سمجھے یا ان سے اکمل و افضل سمجھے مولانا نے آگے اسی دوسری صورت کو بطور تمثیل کے فرمایا ہے نہ کہ بطور تخصیص حکمی کے یعنی) سلیمان کہاں ہیں کہ وہ لحن طیور کو سمجھیں (وہ سمجھنا دیو کا کام نہیں کیونکہ) دیو اگرچہ (کسی دھوکہ سے) ملک لیلے (لیکن پھر بھی) اجنبی ہے (اسی طرح مزورین اگر کسی فریب سے شیخ و مقتدا بنجاویں مگر محجوب و ناواقف ہیں اور اس میں اشارہ ہے قصۂ انتزاع سلطنت سلیمانیہ کی طرف جیسا کہ مشہور ہے گو محققین کے نزدیک یہ ثابت نہیں آگے دیو کے غیر ہونے کی تفسیر ہے یعنی) دیو نے سلیمان علیہ السلام کی تشبہ پر قیام کیا ہے اسکو علم مکر تو ہے (مگر) اسکو علمنا (کا مرتبہ) نہیں (یعنی وحی و علم لدنی جسکی بدولت وہ منطق الطیر کو سمجھتے تھے یہ علمنا نہ ہونا تفسیر ہے غیر ہونے کی اور) سلیمان علیہ السلام چونکہ خدا تعالیٰ کی طرف سے (نعمتیں پاکر) بشاش تھے (کما یدل علیہ قولہ تعالیٰ وقالا الحمد للہ الذی فضلنا علی کثیر من عبادہ المومنین وقولہ یا ایہا الناس علمنا منطق الطیر واوتینا من کل شیٔ ان ہذا لہو الفضل المبین) ان کا منطق الطیر علمنا سے تھا (یعنی بتعلیم الٰہی تھا پس اسی طرح بدون تعلیم الٰہی قولی یعنی الہام یا عملی یعنی افاضۂ واردات ان اہل اللہ کا کلام سمجھ میں نہیں آسکتا آگے اس نہ سمجھنے کی تائید و تقویت ایک مثال سے کرتے ہیں کہ) تو (اس مضمون کو) مرغ ہوائی (کی حالت) سے سمجھ لے کیونکہ طیور لدنیہ کو تو تونے دیکھا بھی نہیں (اور ان طیور کو تو آنکھ سے دیکھا بھی ہے اور ان کی اصوات کو کان سے سنا بھی ہے اور باوجود اس کے ان کے حقائق مفہوم نہیں ہوتے تو ان بے دیکھے طیور کے بے سنے کلام کی حقیقت کو کیا سمجھے گا آگے جواب ہے اس سوال کا کہ تم نے کیسے کہدیا کہ طیور لدنیہ کو دیکھا نہیں ہم تو عارفین کو شب و روز دیکھتے ہیں جواب یہ ہے کہ) ان سیمرغوں کا مقام قاف سے اس طرف (یعنی خارج دوزار) ہے (اور وہاں تک نظر تو کیا پہونچتی جس سے تو ان کو دیکھتا وہ مقام تو) ہر خیال کے لئے بھی آسان نہیں (فی الغیاث دست باف کنایہ از آسان اھ حقیقت اسکی یہ ہے کہ عارف اصل میں روح ہے نہ کہ بدن اور وہی محل واردات و احوال ہے اور وہی اصل میں صاحب ارشاد و افاضہ ہے اور وہ بوجہ مجرد ہونیکے کما ذہب الیہ کثیر من المکاشفین مع قولہم بحدوثہ الذاتی والزمانی عالم اجسام سے ورا ہے اور یہی معنی ہیں آن سوئے قاف کے یعنی وراء الافلاک والعرش المشابہۃ بالقاف فی الاحاطۃ پس اس سے سب احکام ظاہر ہو گئے نہ دیدستی بھی اور اسی سے کلام او نشنید ستی بھی کیونکہ ان الکلام لفی الفواد الخ اور یہی فوا دو متکلم مرشد و مفیض ہے اور اسی طرح خیال

کی وہاں تک رسائی نہونے کا حکم بھی اور اسی سے اس شبہ کا جواب حاصل ہو گیا جو ندیستی پر ہوا تھا اور ہر خیال اسلئے کہا کہ اہل بصیرت تو اُس مقام موطن روح و محل فیوض غیبیہ وواردات لدنیہ کے مشاہدہ سے مشرف ہیں عیاناً اور وجداناً چنانچہ اس کے بعد کے شعر میں اُسی خیال کے دید کا ذکر آویگا اور یہ شعر آیندہ بھی مثل شعر جائے سیمرغان الخ جواب ہے ایک سوال کا وہ سوال یہ ہے کہ اس شعر جائے سیمرغان الخ کی تقریر سے یہ تو سمجھ میں آگیا کہ ہم اُس روح کا اور اُس کے مقام فیض کا مشاہدہ نہیں کرتے لیکن جنکو تم اہل مشاہدہ کہتے ہو اُن کی حالت سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھی مشاہدہ نہیں کرتے کیونکہ اُس مشاہدہ کے آثار اُن پر غالب نہیں دیکھے جاتے پس اس کا جواب دیتے ہیں کہ) ہر ایسے خیال کو جس نے کہ اُس (مقام فیوض وواردات) کو دیکھا ہو (اور) اُس وقت یعنی بعد معائنہ کے اُسکو فراق (و استتار) کا اتفاق واقع ہو جاوے تو وہ فراق قطع کا نہیں ہوتا (محض) مصلحت کے لئے ہوتا ہے کیونکہ وہ فضیلت (مشاہدہ کی) ہر فراق سے مامون ہوتی ہے (اس لئے فراق قطع کا احتمال نہیں محض مصلحت ہے اور وہ مصلحت یہ ہے یعنی) بغرض استبقاء اُس جسم کے جو کہ مثل جان کے (عزیز) ہے (اس لئے کہ روح کے بہت سے افادات جسم کے تعلق پر موقوف ہیں پس اُس کے استبقاء کیلئے کسی وقت ابر میں آفتاب (احوال وواردات کا) پوشیدہ ہو جاتا ہے (آگے بھی اسی کی تاکید ہے یعنی) اُس روحی جسد کے باقی رکھنے کے لئے (جو کہ لطافت وعزت میں مشابہ روح کے ہے) آفتاب (مفسر آنفاً) برف (بدن) سے تھوڑی دیر کے لئے اپنے کو ایک سو (یعنی محتجب) کرلیتا ہے (حاصل جواب یہ کہ آثار کا ہر وقت غالب نہ رہنا عدم مشاہدہ کے سبب نہیں بلکہ اسمیں ایک مصلحت ہے وہ یہ کہ اگر ہر وقت غلبہ رہے تو نفس و روح تدبیروں سے معطل ہو جاوے اور بدن فنا ہو جاوے اور مقصود ہے اُس کا استبقاء اس لئے حکمت حق مقتضی ہوتی ہے تجلیات کی استتار کو بعض اوقات میں جس طرح ابر میں آفتاب اسلئے پوشیدہ ہو جاوے کہ برف ایک دم سے نہ گھل جاوے اور لحظہ در ابر الخ میں اشارہ ہو سکتا ہے طرف توجیہ حدیث انہ لیغان علی قلبی کے باعتبار اُسکی تفسیر و نیز حکمت کے پس غالب نہ رہنا احوال کا تو عدم مشاہدہ کی دلیل نہیں اور گاہ گاہ آثار کا غالب ہونا مشاہدہ کی دلیل ہے پس مشاہدہ ثابت ہو گیا اور احتمال نقیض کا جاتا رہا آگے پھر رجوع ہے مضمون شعر اول کی طرف کہ جب اصطلاح آموزی مضر ہے تو) تو اپنی روح کے لئے اُن سے اصلاح کا طالب ہو ہاں اُن کے کلام سے اصطلاحیں مت چرا کہ اول نافع ہے ثانی مضر آگے اصطلاحات زلیخا سے مثال لاتے ہیں اصطلاحات ابناء الملک یا اصطلاحات اہل اللہ کی پس اسمیں عود ہے شعر زین لسان الطیر یا اصطلاحات کی طرف اور وجہ تمثیل دونوں احتمالوں پر نامحرم کا نہ سمجھنا اور محرم کا سمجھنا اور اس محرم کے سمجھنے سے ایک گونہ اپنی تسلی اور کبھی دوسرے کو افادہ ہے۔
وھذا کلہ یقع للعشاق علی الصور و علی المعانی)۔

آں زلیخا از سپنداں تا بعود	نام جملہ چیز یوسف کردہ بود
اس زلیخا نے سپندان سے لیکر عود تک	سب چیزوں کا نام یوسف رکھا تھا

نام او در نامہا مکتوم کرد — محرماں را سر آں معلوم کرد

اُن کے نام کو ناموں میں پوشیدہ کر رکھا تھا — محرموں کو اُس کا راز معلوم کرا رکھا تھا

چوں بگفتے موم ز آتش نرم شد — ایں بدے کاں یار با ما گرم شد

اگر کہتی کہ موم آتش سے نرم ہو گیا — تو یہ مطلب ہوتا کہ محبوب ہمارے ساتھ مہربان ہو گیا

ور بگفتے مہ بر آمد بنگرید — ور بگفتے سبز شد آں شاخ بید

اور اگر کہتی کہ چاند نکل آیا دیکھو — اور اگر کہتی کہ وہ شاخ بید سبز ہو گئی۔

ور بگفتے آبہا خوش می تنند — ور بگفتے خوش ہمی سوزد سپند

اور اگر کہتی کہ پانی خوب لہریں کھا رہے ہیں — اور اگر کہتی کہ سپند خوب جل رہا ہے

ور بگفتے برگہا خوش می طپند — دست برہم رقص و مستی می کنند

اور اگر کہتی کہ پتے خوب تھرتھراتے ہیں — ہتیلیاں بجاتے ہوئے رقص اور مستی کر رہے ہیں

ور بگفتے گل بہ بلبل راز گفت — ور بگفتے سر شہ شہباز گفت

اور اگر کہتی کہ گل نے بلبل سے راز کہا ہے — اور اگر کہتی کہ راز بادشاہ کا شہباز نے کہدیا ہے

ور بگفتے چہ ہمایونست بخت — ور بگفتے کہ بر افشانید رخت

اور اگر کہتی کہ نصیبا کیسا ہمایوں ہے — اور اگر کہتی کہ اسباب جھاڑ دو

ور بگفتے کہ سقا آورد آب — ور بگفتے کہ بر آمد آفتاب

اور اگر کہتی کہ سقا پانی لے آیا — اور اگر کہتی کہ آفتاب نکل آیا

ور بگفتے دوش دیگے پختہ اند — یا حوائج از پزش یک لختہ اند

اور اگر کہتی کل رات ایک دیگ۔ پکائی ہے — یا مصالح پکنے سے ایک ذات ہو گئے ہیں

ور بگفتے ہست نانہا بے نمک
اور اگر کہتی کہ روٹیاں بے نمک ہیں

ور بگفتے کہ بدرد آمد سرم
اور اگر کہتی کہ میرے سر میں درد ہوگیا

محرمان رازاں خبر بد کہ چہ گفت
ان کی محرموں کو خبر ہوتی کہ اس نے کیا کہا

گر ستودے اعتناق او بدے
اگر وہ تعریف کرتی تو یوسف علیہ السلام کا معانقہ ہوتا

صد ہزاراں نام اگر برہم زدے
اگر لاکھوں نام کو مخلوط کرتی تو

گرسنہ بودے چو گفتے نام او
وہ بھوکی ہوتی جب ان کا نام لیتی

تشنگیش از نام او ساکن شدے
اس کی تشنگی ان کے نام سے ساکن ہوجاتی

ور بدے دردیش زاں نام بلند
اور اگر اسکے کوئی درد ہوتا تو اس نام عالی سے

وقت سرما بودے اور اپوستین
وہ سرما کے وقت اس کا پوستیں ہوتا

ور بگفتے عکس می گردد فلک
اور اگر کہتی کہ فلک الٹا چلتا ہے

ور بگفتے دردسر شد خوشترم
اور اگر کہتی کہ میرا دردسر جاتا رہا میں تندرست ہوں

کہ مخالف باموافق گفت جفت
کہ مخالف بھی موافق کی ہمراہ ہوتا تھا

ور نکوہیدے فراق او بدے
اور اگر مذمت کرتی تو یوسف علیہ السلام کا فراق ہوتا

قصد او و خواہ او یوسف بدے
اس کا مقصود اور اسکا مطلوب صرف یوسف ہوتے

می شدے او سیر دست از جام او
تو وہ سیر اور ان کے جام سے مست ہوجاتی

نام یوسف شربت باطن شدے
یوسف علیہ السلام کا نام شربت باطن ہوجاتا

دردا و در حال گشتے سودمند
اس کا درد فی الحال فائدہ مند ہوجاتا

این کند در عشق نام دوست این
محبوب کا نام عشق میں یہی اثر کرتا ہے

عام میخوانند ہر دم نام پاک
این عمل نکند چو نبود عشق ناک

عام لوگ بھی ہر وقت نام پاک پڑھتے ہیں
یہ اثر نہیں کرتا جبکہ وہ عشقناک نہ ہو

انچہ عیسیٰ کردہ بود از نام ہو
میشد بے پیدا ورا از نام او

عیسیٰ علیہ السلام نے جو کام ذات پاک کے نام سے کیا تھا
وہ ان کے لئے خود ان کے نام سے بھی ظاہر ہو جاتا

چونکہ با حق متصل گردید جان
ذکر آں این ست ذکر اینست آں

جب روح حق تعالیٰ کے ساتھ متصل ہو گئی۔
تو اُس کا ذکر تو اس کا ہے اس کا ذکر اس کا ہے

خالی از خود بود و پر از عشق دوست
پس ز کوزہ آں تراود کہ دروست

وہ اپنے سے خالی اور عشق محبوب سے پُر ہو گیا
پس کوزہ سے وہی ٹپکے گا جو اُس میں ہے۔

خندہ بوی زعفران وصل داد
گریہ بوہائے پیاز آں بعاد

خندہ زعفران وصل کی خوشبو دیگا
گریہ اُس فراق کے پیاز کی بو

ہر یکے را ہست در دل صد مراد
این نباشد مذہب عشق و وداد

ہر شخص کے دل میں صدہا مراد ہیں
عشق و محبت کا یہ طریق نہیں ہوتا۔

یار آمد عشق را روز آفتاب
آفتاب آں روئے را ہمچوں نقاب

اہل عشق کے لئے دن کو محبوب ہی آفتاب ہوتا ہے
آفتاب اُس ذات کے لئے مثل نقاب کے ہے

آنکہ نشناسد نقاب از روی یار
عابد الشمس ست دست از وے بدار

جو شخص نقاب کو روئے یار سے متمیز نہ کرے
وہ عابد الشمس ہے اُس سے دست بردار ہو جا

روز او و روزی عاشق ہم او
دل ہم او و دلسوزی عاشق ہم او

عاشق کا روز بھی وہی ہے اور روزی بھی وہی ہے
عاشق کا دل بھی وہی ہے دلسوزی بھی وہی ہے

ماهیاں را نقد شد از عین آب — نان و آب و جامه و دارو و خواب

ماہیوں کے لئے نان اور آب اور جامہ — اور دارو اور خواب عین آب سے نقد وقت ہو گیا

همچو طفل ست او ز پستاں شیر گیر — او نداند در دو عالم غیر شیر

وہ مثل طفل کے پستان سے شیر گیر ہے — وہ دونوں عالم میں سوا شیر کے کچھ نہیں جانتا۔

طفل داند هم نداند شیر را — راه نبود ایں طرف تدبیر را

لڑکا دودھ کو جانتا بھی ہے نہیں بھی جانتا — اس طرف کسی تدبیر کو راہ نہیں ہے

گیج کرد ایں گرد نامه روح را — تا نیابد فاتح و مفتوح را

اس تعویذ مغرور نے روح کو پراگندہ مغز بنا رکھا ہے — تاکہ وہ فاتح کو اور مفتوح کو نہ پاوے

گیج نبود در روش بلکه اندرو — حالتش دریا بود نے سیل جو

سلوک میں پراگندہ مغز نہیں رہتا — بلکہ اس میں اُس کا حال دریا ہوتا ہے نہ سیل اور نہر

چوں بیاید او که یابد گم شود — همچو سیلے غرقهٔ قلزم شود

وہ جب آتا ہے کہ پاوے تو گم ہو جاتا ہے — سیل کی طرح غرق قلزم ہو جاتا ہے

دانه گم شد آنگہے او تیں شود — تا نمردی زر ندادم ایں بود

دانہ گم ہو گیا پھر وہ انجیر ہو جاتا ہے — جب تک تو مرا نہیں میں نے زر نہ دیا یہی ہوتا ہے

اُس زلیخا نے سپندان سے لیکر عود تک سب چیزوں کا نام یوسف کر رکھا۔ (یہ مطلب نہیں کہ ہر چیز کو یوسف کہا کرتی ہے
صورت میں تو اخفا کچھ بھی نہ ہوگا جو کہ اصطلاح سے مقصود ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ ہر چیز کے نام سے مراد یوسف ہوتے تھے
اس سے اخفار کی غرض کا حاصل ہونا ظاہر ہے سپند اور سپندان رائی یا اس کے مثل کوئی تخم ہے جسکو نظر بد کے دفع کیلئے
جلاتے ہیں اور عود کو خوشبو کے لئے جلاتے ہیں مطلب یہ کہ جلانے کی چیزوں میں بھی ادنیٰ سے اعلیٰ تک ہر چیز سے اشارہ
محبوب ہی کی طرف ہوتا تھا اسی طرح اور چیزوں کے نام سے بھی یعنی ہر وقت جو باتیں معمولی ہوتی رہتی ہیں اُن کو کلمات

اور تراکیب سے اُس نے تعلق محب و محبوب کے متعلق حالات کی خاص اصطلاحیں قرار دے رکھی تھیں پس اس طرح سے)
اُن کے نام کو (دوسرے) ناموں میں پوشیدہ کر رکھا تھا (اور) محرموں کو اُس کا راز معلوم کرا رکھا تھا (مثلاً) اگر کہتی کہ
موم آتش سے نرم ہوگیا تو (اُنکی اصطلاح خاص میں اسکا) یہ مطلب ہوتا کہ محبوب ہمارے ساتھ مہربان ہوگیا (مہربانی کو درجات
مختلف ہیں اس سے یوسف علیہ السلام کی ناجائز مہربانی لازم نہیں آتی) اور اگر کہتی کہ چاند نکل آیا دیکھو (تو اس کے بھی
اصطلاحی معنی ایسے ہی ہوتے مثلاً یہ کہ یوسف علیہ السلام آئے ہیں پس اسکی جزا مقدر ہے اسی طرح یہاں سے در بگفتے کہ
بدرد آمد سرم الخ تک اور وہ جزا یہی ہے جو اس مصرعہ کے بعد ترجمہ میں ظاہر کر دیگئی یعنی قولہ اس کے بھی اصطلاحی معنی
ایسے ہی ہوتے اور اس کے بعد جو میں نے یہ کہا ہے مثلاً یہ کہ یوسف علیہ السلام آئے ہیں یہ جزو جزا نہیں ہے ہر جگہ
اس کا شرح میں انتظار نہ کیا جاوے محض مثال ہے جو ہر جگہ مناسب شرط سمجھ لی جاوے) اور اگر کہتی کہ وہ شاخ بید سبز
ہوگئی (تو اس کا بھی کوئی ایسا ہی مطلب ہوتا) اور (اسی طرح) اگر کہتی کہ پانی خوب لہریں کھا رہے ہیں اور (اسی طرح)
اگر کہتی کہ سپند خوب جل رہا ہے (جسکا ذکر سب سے اول شعر میں بھی آیا ہے) اور (اسی طرح) اگر کہتی کہ پتے خوب تھر
تھراتے ہیں (یعنی) ہتیلیاں بجاتے ہوئے رقص اور مستی کر رہے ہیں اور (اسی طرح) اگر کہتی کہ گل نے بلبل سے راز
کہا ہے اور (اسی طرح) اگر کہتی کہ راز بادشاہ کا شہباز نے کہدیا ہے اور (اسی طرح) اگر کہتی کہ نصیبا کیسا ہمایوں ہے
اور (اسی طرح) اگر کہتی کہ اسباب جھاڑ دو اور (اسی طرح) اگر کہتی کہ سقا پانی لے آیا اور (اسی طرح) اگر کہتی کہ آفتاب
نکل آیا اور (اسی طرح) اگر کہتی کہ کل رات ایک دیگ پکائی ہے یا (یہ کہتی کہ) مصالح پکنے سے ایک ذات (یعنی خوب
مخلوط) ہوگئے ہیں اور (اسی طرح) اگر کہتی کہ روٹیاں بے نمک ہیں اور (اسی طرح) اگر کہتی کہ فلک اولٹا چلتا ہے اور
(اسی طرح) اگر کہتی کہ میرے سر میں درد ہوگیا اور (اسی طرح) اگر کہتی کہ میرا درد سر جاتا رہا میں تندرست ہوں (اسکا
ایسا ہی مطلب ہوتا اور) ان (اصطلاحات) کی محرموں کو خبر ہوتی کہ اس نے کیا کہا (اور یہ اصطلاحات اس لئے
مقرر کی تھیں) کہ (مجلس میں) مخالف بھی موافق کے ہمراہ ہوتا تھا (اُس سے اخفاء کے لئے ایسا کر رکھا تھا اسی طرح)
اگر وہ (کسی چیز کی) تعریف کرتی تو (اس سے مراد) یوسف علیہ السلام کا معانقہ ہوتا (اس سے معانقہ کا وقوع مراد نہیں
کیونکہ ذکر معانقہ ذکر وقوع میں منحصر نہیں بلکہ ذکر تمنائے معانقہ بھی ذکر معانقہ ہے) اور اگر (کسی چیز کی) مذمت کرتی
تو (مراد اس سے) یوسف علیہ السلام کا فراق ہوتا (غرض یہ ہے کہ) اگر لاکھوں نام (والفاظ) کو مخلوط کرتی تو (سب
الفاظ سے) اس کا مقصود اور اُس کا مطلوب صرف یوسف ہوتے (یہانتک تو حکمت بیان کی تھی زلیخا کے خاص
اصطلاح میں یوسف علیہ السلام کا نام لینے کی اور اس مقام پر ایرادِ حکایتِ زلیخا سے یہی اصل غرض بھی ہے کہ تشبیہ دیگئی
ہے اصطلاحات اہل اللہ کو اصطلاحات زلیخا سے آگے اُن کا مطلق نام لینے کی حکمت مذکور ہے قطع نظر مصطلح یا
مصرح سے پس گویا یہ ایک قسم کا انتقال ہے عشق کے ایک اثر کے ذکر سے اُس کے دوسرے اثر کے ذکر کی طرف یعنی ایک
اثر عشق کا غیرت علی المحبوب ہے جس پر اصطلاح تجویز کرنے کو اوپر متفرع کیا ہے دوسرا اثر اطمینان و استبشار بذکر المحبوب ہے
کما قال تعالیٰ الا بذکر اللہ تطمئن القلوب وقال تعالیٰ فاما الذین امنوا فزادتھم ایمانا وھم یستبشرون

اُس کا آگے ذکر ہے یعنی) وہ (زلیخا) بھوکی ہوتی جب اُن کا نام لیتی تو وہ سیر اور اُن کے جام سے مست ہو جاتی (اسی طرح) اُسکی تشنگی اُن کے نام سے ساکن ہو جاتی (اور اُس کے لئے) یوسف علیہ السلام کا نام شربت باطن ہو جاتا اور اگر اُس کے کوئی درد ہوتا تو اُس نام علی سے اُس کا درد فی الحال فائدہ مند ہو جاتا (اُسکی فائدہ مندی یہی ہے کہ صحت یاب ہو جاوے اور) وہ (نام) سرما کے وقت اُس کا پوستین ہوتا (یعنی مثل پوستین کے دافع سرما ہوتا غرض وہ مثل غذا و دوا و وقار کے دافع جوع و عطش و دافع وجع و مرض و دافع قر و برد ہوتا اور اس کا تعجب نکیا جاوے کیونکہ محبوب کا نام عشق میں یہی اثر کرتا ہے (اور اگر عشق نہیں ہے تو یوں تو) عام لوگ بھی ہر وقت نام پاک (حق تعالیٰ کا) پڑھتے ہیں۔ (لیکن) یہ اثر نہیں کرتا (جو کہ مذکور ہوا) جبکہ وہ (ذاکر) عشقناک نہو (چنانچہ عام میں یہ اثر نہ ہونا بھی ظاہر ہے اور اہل عشق میں وہ اثر ہونا بھی مشاہد ہے کہ اُسکی لذت میں بھوک پیاس اور مرض اور گرمی و سردی کا محسوس نہونا بلکہ اکثر دفع ہو جانا بھی حد تواتر تک پہونچ چکا ہے آگے بطور انتقال کے بمناسبت ذکر خواص اسم محبوب کے عشق کا ایک تیسرا اثر یعنی فنا فی المحبوب ذکر فرماتے ہیں یعنی عشق کا ایک اثر فنا المحب فی المحبوب ہے جس پر احکام کثیرہ متفرع ہوتے ہیں اُن میں سے ایک یہ کہ جیسی برکات محبوب کے نام میں ذکر کی گئیں اُسی کے مشابہ برکات اس فانی کے نام میں بھی ظاہر ہونے لگتی ہیں چنانچہ) عیسیٰ علیہ سلام نے جو کام ذات پاک کے نام سے کیا تھا (یعنی احیاء موتیٰ) وہ (کام) اُن کے لئے خود اُن کے نام سے بھی ظاہر ہو جاتا (یعنی اگر قم باذنی فرماتے تو مثل قم باذن اللہ فرماتے کے اُس کا بھی وہی اثر ظاہر ہوتا جسکا راز یہ تھا کہ وہ یا تو مثل شجرہ طور کے حاکی ہوتے اور محض ظاہر میں وہ کلام اُن کی طرف منسوب ہوتا ورنہ واقع میں حق تعالیٰ ہی کے طرف منسوب ہوتا اور اگر حاکی نہ ہوتے تو باذن فرماتے والثانی ارجح وانسب بمقام الانبیاء و کمل الاولیاء آگے یہی مضمون ہے کہ) جب (فانی کی) روح حق تعالیٰ کے ساتھ (بے تکیف) متصل ہو گئی تو اُس کا (یعنی حق تعالیٰ کا) ذکر تو اس کا (یعنی روح کا ذکر) ہے (اور) اس کا (یعنی روح کا) ذکر اس کا (یعنی حق تعالیٰ کا) ہے (اور یہ فرمانا متصل گردید الخ دونوں مرتبوں کو شامل ہے حکایت کشجرۃ الطور کو بھی اور صدور اقوال و افعال بالاذن کو بھی کما فی الحدیث کنت سمعہ و بصرہ اور مقبولین کو دونوں حالتیں پیش آتی ہیں الاول احیاناً والثانی اکثراً اور بعض آثار و برکات کے تشابہ سے تمام احکام کا اشتراک لازم نہیں آتا پس کسی کو یہاں یہ گنجایش نہیں کہ بزرگوں کے نام کے وظیفہ بنانیکو مثل اسماء الٰہیہ کے تجویز کرے کیونکہ یہ تعبد ہے جسمیں اشتراک باطل ہے فنا کا ایک حکم تو یہ ہوا اور دوسرا حکم اُن میں سے یہ ہے کہ فانی کو غیر محبوب کی طرف التفات نہیں رہتا اس لئے ہر وقت اُسی کے ذکر اور اُسی کی فکر میں غرق رہتا ہے آگے اسی کا بیان ہے کہ) وہ (فانی) اپنے سے خالی اور عشق محبوب سے پُر ہو گیا پس کوزہ سے وہی ٹپکے گا جو اُسمیں ہے (اور اُس میں صرف عشق محبوب ہے اس لئے اُسکی ہر حالت کا منشاء عشق محبوب ہی ہوگا چنانچہ اُس کا) خندہ زعفران وصل کی خوشبو دیگا (اور اُس کا) گریہ اُس فراق کے پیاز کی بو (دیگا یعنی اُس کا خندہ مسبب ہوگا وصل کے کسی درجہ سے اور اُس کا گریہ مسبب ہوگا فراق کے کسی درجہ سے گو وہ وصل سے بھی بڑھکر ہو مطلب یہ کہ غایت فنا سے اُس کے اکثر افعال طبعیہ بھی ناشی اُسی تعلق مع المحبوب سے ہونگے آگے بھی اسی عدم التفات الی غیر المحبوب کا بعبارت دیگر بیان ہے کہ) ہر شخص کھول میں

صدہا مراد (ہوتی) ہیں (مگر عشق و محبت کا یہ طریق نہیں ہوتا بلکہ اُسکی تو صرف ایک ہی مراد رہ جاتی ہے یعنی محبوب
چنانچہ) اہل عشق کے لئے دن کو محبوب ہی آفتاب ہوتا ہے (یعنی وہ آفتاب کو نور بخش نہیں سمجھتا بلکہ سمجھتا ہے کہ آفتاب میں
اصل ظہور نور حق ہی کا ہے باقی) آفتاب (اُس مظہریت سے قطع نظر کرکے فی نفسہ) اُس ذات کے لئے مثال نقاب کے
(حجاب) ہے (اور یہ بالکل ظاہر ہے کہ اگر اسمیں مظہریت کی حیثیت نہ دیکھی جاوے اس حیثیت سے قطع نظر کرکے اُسکو نور بخش
قرار دیا جاوے جیسے اہل طبعیات سمجھتے ہیں تو وہ حاجب عن اللہ ہے آگے ان ہی مظہریت سے قطع نظر کرنے والونکو
کہتے ہیں کہ) جو شخص نقاب کو روئے یار سے تمیز نہ کرے (یعنی جو نور کہ اصل میں روئے یار کا ہے اُسکو نقاب یعنی آفتاب
کی صفت سمجھ لے تو گویا نقاب اور روئے یار کو ایک سمجھ لیا) وہ عابد الشمس ہے اُس سے دست بردار (و بیزار) ہو جا
(اور میری تقریر سے معلوم ہو گیا کہ جس اتحاد پر انکار کیا ہے وہ یہ ہے کہ روئے یار کی طرف التفات نہ کرے اور آفتاب کی
طرف کرے اور جس اتحاد کا سبب اس کا عکس ہو یعنی روئے یار ہی کی طرف التفات ہو اور آفتاب کی طرف نہ ہو یہ عین
مذاق ہے صوفیہ و عارفین کا اور جا بجا مولانا نے اُس کا دعویٰ کیا ہے پس اس سے تعارض کا وہم بھی جاتا رہا خوب
سمجھ لو) عاشق کا روز بھی وہی (محبوب) ہے اور (اُسکی) روزی بھی وہی ہے (اور اُس) عاشق کا دل بھی وہی ہے
(اور اُسکی) دلسوزی بھی وہی ہے (جسطرح زلیخا کی غذا و دوا و کسار سب یوسف ہی تھے اور جیسا کہ) ماہیوں کے لئے نان
اور آب اور جامہ اور دارو اور خواب (یہ سب) عین آب سے نقد وقت ہو گیا (پس) وہ (عاشق بوجہ اقتصار نظر علی المحبوب
کے) مثل طفل کے پستان سے شیر گیر ہے وہ (طفل) دونوں عالم میں سوا شیر کے کچھ نہیں جانتا (اسی طرح عاشق بجز محبوب
کے کسی کو نہیں جانتا اور عاشق کی طفل کے ساتھ ایک تشبیہ تو یہ تھی اوندانند در دو عالم غیر شیر اور ایک تشبیہ اور ہے جو با وجود
مقصود مقام میں کہ قصر نظر علی المحبوب ہے دخیل نہ ہونے کے محض بطور ایک فائدہ مستقلہ مہمہ کے آگے بتلاتے ہیں یعنی) لڑکا
دودھ کو (من وجہ) جانتا بھی ہے (اور اُس کا وہ جاننا ہی قصر نظر کے لئے کافی ہے اور من وجہ) نہیں بھی جانتا (جاننا تو
صرف مطلوبیت کی حیثیت سے اور نہ جاننا حقیقت و کنہ کے اعتبار سے چنانچہ ظاہر ہے اسی طرح عاشق عارف حق تعالیٰ
کو اجمالاً و طلباً جانتا ہے اور اُسی پر قصر نظر مرتب ہو جاتا ہے اور کنہ کے اعتبار سے نہیں جانتا اور غالباً یہ تنبیہ اس لئے فرمائی
کہ قصر نظر سے شاید کسی کو ادراک کنہ کا شبہ ہو جاتا آگے بتلاتے ہیں کہ یہ عاشق جتنا جانتا بھی ہے) اس (جاننے کی) طرف
(بھی) کسی تدبیر کو راہ نہیں ہے (جس طرح طفل کو دودھ کا یہ علم کسی تدبیر سے نہیں ہوا اور مراد اس علم عارف سے علم ذوقی ہے
نہ کہ مکتسب اور واقعی وہ وہبی محض ہے کہ غیر عارفین اُس سے بھی محروم ہیں آگے محجوبین کے اُس علم سے اسی حرمان اور عارفین
کے اسی تشرف بالعرفان کو بیان فرماتے ہیں کہ محجوبین کی روح جو اس علم سے محروم ہے وجہ اُسکی یہ ہے کہ) اس تعویذ مصور
نے روح کو پراگندہ مغز بنا رکھا ہے تاکہ وہ فاتح (یعنی حق تعالیٰ) کو اور مفتوح (یعنی مخلوق) کو نہ پاوے (گرد بالفتح بمعنی
شہر کذا فی الغیاث اور گردنامہ وہ تعویذ جو کسی گریختہ کے لئے لکھیں کہ وہ جب کہیں جاوے پریشان ہو کر پھر اپنے شہر میں چلا
آوے اس سے تعلقات بدنیہ کو تشبیہ دیگئی ہے کہ سبب ہے آگے نہ بڑھ سکنے کا مطلب یہ کہ محجوب کی روح پر تعلقات بدنیہ
کا جو غلبہ ہے اس نے اُسکو جاہل اس علم سے بنا رکھا ہے اور یہ سلوک کے قبل ہوتا ہے اور) سلوک میں پراگندہ مغز (جاہل)

نہیں رہتا (نہ اس وجہ سے کہ اس سے بشریت جاتی رہتی ہے) بلکہ (اس وجہ سے کہ) اس (سلوک) میں اس کا حال دریا ہوتا ہے نہ کہ سیل اور نہر (اس طرح سے کہ) وہ جب (اس لئے) آتا ہے کہ (مطلوب کو) پاوے تو (اپنی ہستی سے) گم (اور فنا) ہوجاتا ہے (اور) سیل کی طرح غرق قلزم ہوجاتا ہے (جب) دانہ گم ہوگیا پھر وہ انجیر ہوجاتا ہے (جیسا صدر جہان نے کہا تھا کہ) جب تک تو مرا نہیں ہے تو نے زر ندیا (اس کا مصداق) یہی ہوتا ہے (جسکا قصہ عشر ثامن کے آخر میں گذرا ہے حاصل تقریر یہ ہوا کہ اس میں بشریت تو رہتی ہے مگر فنا سے اس کے احکام مغلوب ہوجاتے ہیں اور حق تعالیٰ اسکو یہ علم ہبہ فرماتے ہیں کہ فنا کی خاصیت عطائے ثمرات ہے کسی تدبیر سے حصول نہیں ہوتا جو کہ سیل و نہر کے مشابہ ہیں آگے پھر قصہ ہے)

بیطاقت شدن برادر بزرگتر بعد از مکث و متواری شدن در بلاد چین در شهر تختگاه و گفت که من رفتم الوداع تا خود را بر شاه چین عرضه کنم و نصیحت برادران او را و سود نا داشتن

آں بزرگیں گفت اے اخوان من
اس بڑے نے کہا کہ اے میرے بھائیو

ز انتظار آمد بلب ایں جان من
انتظار سے میری یہ جان لب پر آگئی

لاابالی گشته ام صبرم نماند
میں لاابالی ہوگیا مجکو صبر نہیں رہا

مر مرا ایں صبر در آتش نشاند
مجکو اس ضبط نے آگ میں بٹھلا دیا

طاقت من زیں صبوری طاق شد
میری طاقت اس صبر سے طاق ہوگئی

واقعه من عبرت عشاق شد
میرا واقعہ عشاق کے لئے عبرت ہوگیا

من ز جاں سیر آمدم اندر فراق
میں فراق میں جان سے سیر ہوگیا

زنده بودن در فراق آمد نفاق
فراق میں زندہ رہنا نفاق ہے

چند درد فرقتش بکشد مرا / سر ببر تا عشق سر بخشد مرا

کہاں تک اس کا درد فرقت مجکو قتل کرے گا / میرا سر کاٹ ڈال تاکہ عشق مجکو سر عطا کرے

دین من از عشق زنده بودن ست / زندگی زین جان و سر ننگ من ست

میرا مذہب عشق سے زندہ رہنا ہے / زندگی اس جان و سر کے ذریعہ سے میرے لئے ننگ ہے

تیغ جانہا را کند پاک از عیوب / زانکہ سیف افتاد محاء الذنوب

تیغ جانوں کو عیوب سے پاک کردیتی ہے / کیونکہ سیف ذنوب کی محو کردینے والی ہے

چون غبار تن بشد ماہم بتافت / ماه جان من ہوائے صاف یافت

جب غبار تن چلا گیا میرا چاند چمک گیا / میرے ماہ روح نے ہوائے صاف پائی

عمرہا بر طبل عشق آن صنم / ان فی موتی حیاتی می زنم

عمرہا عمر سے اس محبوب کے عشق کے نقارہ پر یہ صدا لگا رہا ہوں / کہ میری موت میں میری حیات ہے

دعوی مرغابیی کرده ست جان / کے ز طوفان بلا دارد فغان

مرغابی ہونے کا دعوی کیا ہے روح نے / طوفان بلا سے وہ کب فریاد کرے گی

بط را ز اشکستن کشتی چہ غم / کشتیش بر آب بس باشد قدم

بط کو کشتی شکستہ ہونے سے کیا غم / اسکی کشتی تو اس کا قدم کافی ہے پانی پر

زنده زین دعوی بود جان و تنم / من ازین دعوی چگونہ تن زنم

اس دعوے سے میری جان و تن زندہ ہے / میں اس دعوے سے کس طرح خاموش رہونگا

خواب می بینم ولے در خواب نے / مدعی ہستم ولے کذاب نے

میں خواب دیکھتا ہوں لیکن وہ خواب نہیں ہے / میں مدعی ہوں ولیکن کذاب نہیں ہوں

گر مرا صد بار تو گردن زنی

اگر تو مجکو سو بار بھی گردن مارے

ہمچو شمعم بر فروزم روشنی

میں مثل شمع کے ہوں اور بھی روشنی بڑہا دونگا۔

آتشش از خرمن بگیر د پیش و پس

آتش اگر خرمن کو آگے اور پیچھے سے لیلے

شبرواں را خرمن آں ماہ بس

شبرو لوگوں کے لئے اس ماہ کا خرمن کافی ہے

کرده یوسف را نہاں و مختفی

یوسف علیہ السلام کو نہاں اور پوشیدہ کر دیا تھا

حیلت اخوان ز یعقوب نبی

بھائیوں کے حیلہ نے یعقوب علیہ السلام سے

خفیہ کردندش بحیلت سازئے

انھوں نے اُن کو ایک حیلہ سازی سے مخفی کر دیا تھا

کرد آخر پیرہن غمازئے

آخر پیرہن نے غمازی کی

آں دو گفتندش نصیحت در سمر

اُن دونوں نے اُسکو تذکرہ میں نصیحت کی

کہ مکن ز اخطار خود را بے خبر

کہ تو خطروں سے اپنے کو بے خبر مت کر

ہیں منہ بر ریشہائے ما نمک

ہاں ہمارے زخموں پر نمک مت رکھ

ہیں مخور ایں زہر از جلدی و شک

ہاں یہ زہر مت کھا جلدی اور شک کی وجہ سے

جز بتدبیر یکے شیخ خبیر

بدون تدبیر کسی شیخ باخبر کے

چوں روی چوں نبودت قلب بصیر

تو کیونکر چلتا ہے جبکہ تیرے پاس قلب بصیر بھی نہیں

وائے آں مرغیکہ ناروئیدہ پر

خرابی ہے اس پرندہ کی کہ بدون پر جمے ہوئے

بر پرد بر اوج و افتد در خطر

بلندی پر اوڑے اور خطرہ میں پڑے

عقل باشد مرد را بال و پرے

آدمی کے لئے عقل بال و پر ہوتا ہے

چون ندارد عقل عقل رہبرے

اگر عقل نہ رکھے تو کسی رہبر کی عقل

یا مظفر یا مظفر جوئے باش یا تو مظفر یا مظفر کا طالب رہ	**یا نظر ور یا نظر ور جوئے باش** یا صاحب نظر یا صاحب نظر کا طالب رہ
بے ز مفتاح خرد ایں قرع باب بدون مفتاح عقل کے دروازہ کا یہ کھٹکھٹانا	**از ہوا باشد نہ از روئے صواب** ہوا سے ہوتا ہے نہ کہ از راہ صواب

اس بڑے (بھائی) نے کہا کہ اے میرے بھائیو انتظار سے میری یہ جان لب پر آگئی ہیں لاابالی (و بے باک) ہوگیا مجھکو صبر نہیں رہا مجھکو اس ضبط نے آگ میں جھلا دیا میری طاقت اس صبر سے طاق (یعنی جدا) ہوگئی میرا واقعہ عشاق کے لئے عبرت ہوگیا میں فراق میں جان سے سیر ہوگیا۔ فراق میں زندہ رہنا نفاق ہے۔ کہانتک اس کا درد فرقت مجھکو قتل کریگا (اس سے کہدو کہ) میرا سر کاٹ ڈال تاکہ عشق مجھکو سر عطا کرے (اشارہ ہے بطور انتقال کے احکام بقا بعد الفناء کی طرف کئی شعر تک) میرا مذہب عشق سے زندہ رہنا ہے زندگی اس جان و سر کے ذریعہ سے میرے لئے ننگ ہے (یعنی مجھکو یہ ظاہری زندگی نہیں چاہیئے معنوی زندگی چاہیئے) تیغ جانوں کو عیوب سے پاک کر دیتی ہے کیونکہ سیف ذنوب کی محو کر دینے والی ہے (یہ مضمون فضائل شہادت کے متعلق ہے اس میں فناء اصطلاحی کو اس شہادت پر قیاس کیا ہے) جب غبار تن چلا گیا میرا چاند چمک گیا۔ میری ماہ روح نے ہوائے صاف پائی (مفارقہ مادہ ہیولانی سے روح کی لطافت کا بڑھ جانا ظاہر ہے) عمر ہا عمر سے اس محبوب کے عشق کے نقارہ پر یہ صدا لگا رہا ہوں کہ میری موت میں میری حیات ہے (آگے اپنا بیخوف ہونا ہلاک و فنا سے بتلاتے ہیں کہ) مرغابی ہونے کا دعوی کیا ہے (میری) روح نے (تو پھر) طوفان بلا سے وہ کب فریاد کرے گی۔ بط کو کشتی شکستہ ہونے سے کیا غم۔ اسکی کشتی تو اس کا قدم کافی ہے پانی پر۔ اس دعوی (عشق) سے میری جان و تن زندہ ہے (پھر) میں اس دعوے سے کس طرح خاموش رہونگا۔ میں (غلبۂ عشق سے) خواب دیکھتا ہوں لیکن وہ خواب (واقعی) نہیں ہے (بلکہ یقظہ نہ ہونے سے عوام اسکو خواب سمجھتے ہیں اہل محبت پر ایسے حالات استغراق وغیرہ کا طاری ہونا بکثرت ہے اور) میں مدعی ہوں ولیکن کذاب نہیں ہوں (صادق ہوں) اگر تو مجھکو سو بار بھی گردن مارے میں مثل شمع کے ہوں اور بھی روشنی بڑھا دونگا (جیسے شمع کا گل توڑنے سے کہ وہ مشابہ سر بریدن کے ہے اسکی روشنی بڑھ جاتی ہے اسی طرح روح مفارقۃ مادہ سے خواہ وہ مفارقۃ حسًا ہو کما فی الفناء اللغوی یا توجہًا ہو کما فی الفناء الاصطلاحی زیادہ لطیف ہو جاتی ہے اور اس فناء سے جو جسمی و حسی ضرر ہوتا ہے عشاق اس سے نہیں ڈرتے کیونکہ اسکی ایسی مثال ہے کہ) آتش اگر (اپنے) خرمن (وغیرہ) کو آگے اور پیچھے سے (یعنی تمامہ) لیلے (یعنی کہیں آس پاس آگ نہ رہے جس سے مشعل وغیرہ سفر کے لئے لے سکیں لیکن) شب رو لوگوں کے لئے اس ماہ کا خرمن کافی ہے (آتش نہ رہنے سے ان کا کوئی ضرر نہیں پس جسم مادی مثل آتش عنصری کے ہے اور روح بمنزلہ ماہ کما قال سابقًا ماہ جان من الخ

پس فنا جسم مع بقا روح بھی مضر نہیں وہذا التوجیہ مما خصنی اللہ تعالیٰ بہ بفضلہ اس کے بعد شہزادہ اپنی کامیابی کی امید کی تقریر کرتا ہے یعنی دیکھو) یوسف علیہ السلام کو نہاں اور پوشیدہ کردیا تھا بھائیوں کے حیلہ نے یعقوب علیہ السلام سے (اور) انھوں نے ان کو ایک حیلہ سازی سے مخفی کردیا تھا (لیکن عشق ومحبت کے اثر سے) آخر پیرہن تے غمازی کی (اور یوسف علیہ السلام کو ظاہر کردیا اسی طرح گوشہ ٔ نے اس معشوقہ کو ایسا مخفی کر رکھا ہے کہ کوئی اس کا نام بھی نہیں لیتا اور پیام بھیجنا تو کیا معنی چنانچہ ختم سرخی سے پچیس تیس شعر قبل مذکور ہوگا کہ جو شخص پیام بھیجتا ہے شاہ چین اس سے کہتا ہے کہ میری دختر ثابت کرو ورنہ سزا ہوگی مگر باوجود اس کے اس اختفا کے مجھکو امید ہے کہ میرے عشق کی تاثیر اسکو ظاہر کرکے رہیگی اور میں مثل یعقوب علیہ السلام کے اس تک پہونچونگا وفی ہذا الباب قیل ؎

آہ من گر اثرے داشتے	یار بکویم گذرے داشتے)

ان دونوں (بھائیوں) نے اسکو تذکرہ میں نصیحت کی کہ تو خطروں سے اپنے کو بے خبر (اور غافل) مت کر (بلکہ جو خطرات اسمیں ہونیوالے ہوں ان کو بھی پیش نظر رکھ اور) ہاں ہمارے زخموں پر نمک مت رکھ (کہ ایک تو غم سے چور ہو ہی رہے ہیں اگر تمکو کچھ ضرر پہونچگیا ہمکو زیادہ صدمہ ہوگا اور) ہاں یہ زہر مت کھا جلدی اور شک کی وجہ سے (یعنی ایسے امر خطرناک کا قصد کرنا بمنزلہ زہر کے ہے جلدی کا مطلب تو ظاہر ہے اور شک کا مطلب یہ ہے کہ اس کا مضر ہونا یقینی ہے مگر تم اس ضرر کو مشکوک سمجھتے ہو یہ شکوک سمجھنا سبب ہوجاویگا اس زہر خوری کا آگے ایک قید ہے مخور این زہر کی بطور استثنا کے یعنی تو یہ زہر مت کھا) بدون تدبیر کسی شیخ باخبر کے (یعنی اگر کوئی اپنا شفیق وتجربہ کار بزرگ ہو خواہ دنیوی امور دنیویہ میں یا دینی امور دینیہ میں اسکی رائے اور مشورہ سے زہر خوری دو وقوع فی الخطر مضائقہ نہیں باقی بدون اس کے) تو کیونکر (ایسے راستہ کو) چلتا ہے جبکہ تیرے پاس قلب بصیر بھی نہیں (یعنی جبکہ تو محقق بھی نہیں تو بدون تقلید کسی محقق کے امر خطرناک میں اپنی رائے ناقص سے کیسے واقع ہوتا ہے اور یہ یا شہزادوں کا مقولہ ہے یا مولانا کا بطور انتقال کے اور اول احتمال پر آگے سے انتقال ہوگا خواہ متصلاً خواہ شعر عالمی الخ سے آگے غیر محقق کے لئے خود رائی کا ضرر مذکور ہوتا ہے یعنی) خرابی ہے اس پرندہ کی کہ بدون پر جمے ہوئے بلندی پر اوڑے اور خطر میں پڑے (آگے بتلاتے ہیں کہ پر کے مشابہ کیا چیز ہے یعنی) آدمی کے لئے (خود اپنی) عقل (کامل) بال وپر ہوتا ہے (اور) اگر عقل (کامل) نہ رکھے تو کسی رہبر کی عقل (بال وپر ہوتا ہے پس) یا تو مظفر (بعقل اور) یا مظفر کا طالب رہ (اور) یا صاحب نظر (وبصیرت) یا صاحب نظر کا طالب رہ (کیونکہ) بدون مفتاح عقل کے (خواہ وہ اپنی محققانہ عقل ہو یا کسی محقق کی عقل ہو جسکی تقلید کرے پس بدون اس کے) دروازہ کا یہ کھٹکھٹانا (جسکا تم ارادہ کرتے ہو) ہوا (ی نفسانی) سے ہوتا ہے نہ کہ از راہ صواب (و مصلحت چنانچہ یہی حال ہے سلوک باطنی کا کہ قبل از فوز بدرجۂ تحقیق کسی مرشد کامل کا اتباع حصول مقصود کے لئے موقوف علیہ ہے اور خود رائی کہ اس کا حاصل اتباع ہوی ہے موجب مضار کثیرہ بدنیہ وروحیہ وقد یعلمہا اھلہ فلا حاجۃ الی البیان آگے نظائر ہیں اتباع ہوی کے مضار کے) **ف** اور جاننا چاہیئے کہ غیر محقق کا اتباع بھی خود رائی کے حکم میں ہے آخر بحث تک اسکو مستحضر رکھو۔

عالمے در دام می بیں از ہوی
ایک عالم کو دام میں دیکھ بسبب ہوی کے

مار استادہ است بر سینہ چو مرگ
سانپ کھڑا ہوا ہے سینہ پر موت کی طرح

در حشائش چوں حشیشے او بپاست
گھانس میں ایک گھانس کی طرح وہ کھڑا ہے

چوں نشیند بہر خور بر روئے برگ
جب وہ کھانے کے لئے پتہ کے اوپر آ بیٹھتا ہے

کردہ تمساحے دہان خویش باز
ایک ناکو نے اپنا منہ کھول رکھا ہے

از بقیہ خور کہ در دندانش ماند
بقیہ خوراک سے جو کہ اس کے دانت میں رہ گیا ہے

مرغکان بینند کرم و قوت را
پرندے اس کیڑے اور غذا کو دیکھتے ہیں

چوں دہاں پر شد ز مرغاں ناگہاں
جب منہ پرندوں سے پر ہو گیا

ایں جہان پر ز نقل و پر ز ناں
یہ دنیا جو کہ نقل اور نان سے پر ہے

وز جراحتہاے ہم رنگ دوا
اور بسبب اُن زخموں کے جو دوا کی ہم رنگ ہیں

در دہاں بگرفتہ بہر صید برگ
منہ میں پتا لئے ہوئے شکار کرنے کے واسطے

مرغ پندارد کہ او شاخ گیاست
پرندہ سمجھتا ہے کہ وہ گھانس کی شاخ ہے

در فتد اندر دہان مار مرگ
تو مار مرگ کے منہ میں آگرتا ہے

گرد دندانہاش کرمان دراز
اس کے دانتوں کے گرد لمبے لمبے کیڑے ہیں

کرمہا روئید و بر دنداں نشاند
کیڑے پیدا ہو گئے ہیں اور اُس نے دانت پر جما رکھے ہیں

مرج پندارند آں تابوت را
چراگاہ سمجھتے ہیں اُس تابوت کو

درکشد شاں و فرو بندد دہاں
تو اچانک وہ اُن کو کھینچ لیتا ہے اور منہ بند کر لیتا ہے

چوں دہان باز آں تمساح داں
مثل اُس ناکو کے دہن کشادہ کے جان

بہر کرم و طعمہ اے روزی تراش
کیڑے اور غذا کے لئے اے روزی تراش

از فن تمساح دہر ایمن مباش
مگرنہنگ زمانہ سے بے خوف مت رہ

روبہ افتد پہن اندر زیر خاک
لومڑی پھیل کر زیر خاک پڑجاتی ہے

بر سر خاکش حبوب مکرناک
اُس کی سطح خاک پر دانہ مکرناک

تا بیاید زاغ غافل سوئے آں
تاکہ زاغ غافل اُسکی طرف آوے

پائے او گیرد بمکر آں مکرداں
وہ مکرداں مکر سے اُس کا پاؤں پکڑلے

صد ہزاراں مکر در حیواں چو ہست
جب لاکھوں مکر جانور میں ہیں

چوں بود مکر بشر کو مہتر ست
تو بشر کا مکر تو کیسا کچھ ہوگا کہ وہ تو سردار ہے

مصحفے بر کف چو زین العابدیں
ہاتھ میں تو قرآن ہے زین العابدین کی طرح

خنجرے پر زہر اندر آستیں
آستین میں خنجر پر زہر ہے

گویدت خنداں کہ اے مولائے من
تجھ سے ہنستا ہوا کہتا ہے کہ اے میرے مخدوم

در دل او بابلے پر سحر و فن
اس کے دل میں ایک بابل ہے سحر و فن کا بھرا ہوا

زہر قاتل صورتش شہد ست و شیر
زہر قاتل ہے صورت اُس کی شہد و شیر ہے

ہیں مرو بے صحبت پیر خبیر
خبردار بدون صحبت شیخ باخبر کے راستہ مت چلنا

جملہ لذات ہوا مکر ست و زرق
تمامی لذات ہوا مکر و دھوکہ ہے

سوز تاریکی ست گرد نور و برق
نور برق کے گرد سوز اور تاریکی ہے

برق نور کوتہ و کذب و مجاز
نور ضعیف اور کاذب اور غیر حقیقی کی برق ہے

گرد او ظلمات و راہ تو دراز
اُسکے گرد ظلمات ہیں اور تیرا راستہ دراز ہے

نے بنورش نامہ تانی خواندن
نہ اس کے نور میں تو خط پڑھ سکتا ہے

نے بمنزل اسپ تانی راندن
نہ منزل میں تو گھوڑا چلا سکتا ہے

لیک جرم آں کہ باشی رہن برق
لیکن اس جرم میں کہ تو برق کا مرہون ہو رہا ہے

از تو رو اندر کشد انوار شرق
تجھ سے انوار آفتاب روگردانی کرنے لگتے ہیں

خشم گیرد بر دلت آں آفتاب
تیرے قلب پر وہ آفتاب غصہ کرتا ہے

چوں تو جوئی از عطارد نور و تاب
جب تو عطارد سے نور اور تابش ڈھونڈھتا ہے

میکشاند مکر برقت بے دلیل
تجکو وہی برق دروغ بدون کسی رہبر کے لئے جا رہی ہے

در مفازہ مظلمے شب میل میل
میدان تاریک میں شب کے وقت ایک ایک میل کر کے

گاہ بر کہ گاہ بر جو او فتی
کبھی پہاڑ پر کبھی ندی میں تو گر گر پڑتا ہے

گہ بدیں سو گہ بداں سو او فتی
کبھی ادھر کبھی اُدھر گر پڑتا ہے

ایک عالم کو دام میں (مبتلا) دیکھ بسبب (اتباع) ہوا کے اور بسبب اُن زخموں کے جو کہ دوا کی ہمرنگ ہیں (اور حرکت ہوا کا یہی منشا ہے کہ اُن کا ظاہری نافع ہونا دیکھکر مضار میں پھنس جاتا ہے چنانچہ) سانپ کھڑا ہوا ہے سینہ پر موت کی طرح (اور) موںہ میں سنا لئے ہوئے ہے شکار کرنے کے واسطے (اور) گھانس میں ایک گھانس کی طرح وہ کھڑا ہے پرندہ سمجھتا ہے کہ وہ گھاس کی (کوئی) شاخ ہے جب وہ کھانے کیلئے پتہ کے اوپر آبیٹھتا ہے تو مار مرگ کے موںہ میں آگرتا ہے (دوسری نظیر یہ کہ) ایک ناکو نے اپنا موںہ کھول رکھا ہے اُس کے داتوں کے گرد لمبے لمبے کیڑے ہیں بقیہ خوراک سے جو کہ اُس کے دانت میں رہ گیا ہی کیڑے پیدا ہو گئے ہیں اور اُس نے دانت پر جما رکھے ہیں (یعنی اُن کو قصداً دفع نہیں کیا) پرندے اُس کیڑے اور غذا کو دیکھتے ہیں (اور) چراگاہ سمجھتے ہیں اُس تابوت (موت) کو جب (اُس کا) موںہ پرندوں سے پر ہو گیا تو اچانک وہ اُن کو کھینچ لیتا ہی اور موںہ بند کر لیتا ہے (اسی طرح) یہ دنیا جو کہ نقل اور نان سے پر ہے مثل اُس ناکو کے دہن کشادہ کے جان (پس) کیڑے اور غذا کے لئے اے روزی تراش مکر نہنگ زمانہ سے بخوف مت رہ (تیسری نظیر) لومڑی پھیل کر زیر خاک پڑ جاتی ہے اُس کے (پاس کی) سطح خاک پر دانے مکرناک (ہوتے ہیں) تاکہ زاغ غافل اُسکی طرف آوے (اور اُسوقت) وہ مکر داں مکر سے اُسکا پانوں پکڑ لے (اور) جب لاکھوں مکر جانور میں ہیں (جیسا اوپر مار و نہنگ و روباہ کا حال مذکور ہوا) تو بشر کا مکر تو کیسا کچھ ہوگا کہ وہ

(فہم میں سکا) سردار ہے (آگے اُس کے ایک مکر کا بیان ہے کہ) ہاتھ میں تو قرآن ہے زین العابدین کی طرح (اور) آستین میں خنجر پر زہر ہے (یعنی ظاہر موافق اور باطن مخالف) تجھسے ہنستا ہوا کہتا ہے کہ اے میرے مخدوم (اور) اُس کے دل میں ایک بابل ہے سحر وفن کا بھرا ہوا (وہ) زہر قاتل ہے (مگر) صورت اُسکی شہد اور شیر ہے (اسی طرح باطن میں بھی سمجھو کہ نفسانی تسویلات و شیطانی تلبیسات ہوتی ہیں جب یہ کیفیت ہے تو) خبردار بدون صحبت شیخ باخبر کے (سلوک کا) راستہ مت چلنا (آگے تمثیلاً اور بھی تلبیسات کا بیان ہے کہ) تمامی لذات ہوا مکر اور دہوکہ ہے (اور) نور برق کے گرد سونا و تاریکی ہے (سلوک میں دو قسم کے دہوکے ہوتے ہیں ایک یہ کہ اخلاق میں تلبیس کرتا ہے مثلاً کبھی توسع فی المباحات کو شیطان ذریعہ بناتا ہے انہماک فی اللذات کا کبھی تضیق فی المباحات کو ذریعہ بناتا ہے لذت جاہ کا مصرعہ اولیٰ میں لذات ہوا کا مدلول یہ قسم ہے دوسری قسم یہ کہ مکاشفات میں تلبیس کرتا ہے کہ احوال نفسانیہ کو احوال روحانیہ یا انوار حادثہ کو انوار قدیمہ خیال میں ڈالتا ہے مصرعہ ثانیہ کا مدلول یہ قسم ہے اور چونکہ ثانی اضر واشد ہے اول سے اسلئے آگے اسی کے بیان پر اکتفا فرماتے ہیں کہ) نور ضعیف اور کاذب اور غیر حقیقی کی برق ہے (اور) اُس کے گرد ظلمات ہیں اور تیرا راستہ دراز ہے (اور چونکہ اُس برق کا نور کوتہ و کذب مجاز ہے اس لئے) نہ اُس کے نور میں تو خط پڑھ سکتا ہے (اور) نہ منزل میں تو گھوڑا چلا سکتا ہے (یعنی اُس نور سے نہ سلوک تطری ہو سکتا ہے کہ معارف ہیں نہ سلوک قدمی کہ احوال صادقہ سے اتصاف ہے پس اس خود رائی سے نفع تو کچھ نہ ہوا) لیکن (حرمان حالی کے علاوہ ایک نقصان البتہ ہو گیا جس سے مآل میں بھی حرمان ہی رہا وہ یہ کہ) اس جرم میں کہ تو (اُس) برق (خلب) کا مرہون (اور گرفتار) ہو رہا ہے تجھسے انوار آفتاب روگردانی کرنے لگتے ہیں (مراد انوار آفتاب سے کاملین کہ مشابہ انوار آفتاب کے ہیں یا فیوض کاملین کہ کاملین مشابہ آفتاب کے اور اُن کے فیوض مشابہ اُس کے انوار کے آگے بھی اس اعراض کی تاکید ہے کہ) تیرے قلب پر وہ آفتاب (یعنی شیخ الوقت) غصہ کرتا ہے جب تو (اُسکو چھوڑ کر) عطارد سے (کہ وہ تیری رائے اور فہم ہے) نور اور تابش ڈھونڈتا ہے (چنانچہ یہ بھی مشاہد ہے کہ ایسے معجب برائی نفسہ سے شیوخ مکدر رہتے ہیں پس ایسے شخص پر آئندہ بھی سُبل مسدود رہتے ہیں پس اس حالت میں) تجھکو وہی برق دروغ بدون کسی (حقیقی) رہبر کے لئے جا رہی ہے میدان تاریک میں شب کے وقت ایک ایک میل کر کے (جس سے راہ دراز کا قطع کرنا مستبعد ہے اور دراز ہونے کی چار شعر قبل تصریح ہے۔ گرداد ظلمات و راہ تو دراز اور وہ میل میل چلنا بھی اس انداز سے ہے کہ) کبھی پہاڑ پر (اور) کبھی ندی میں تو گر پڑتا ہے کبھی اِدہر کبھی اُدہر گر پڑتا ہے (اوپر ایسے شخص سے تکدر شیوخ کا ذکر تھا آگے یہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شیخ وسیع الاخلاق غالب الاشفاق تکدر پر اپنی شفقت و خیر خواہی کو غالب کر کے ایسے شخص کو متنبہ بھی کرتا ہی یا بلا قصد اُس کے ارشادات اس باب کے متعلق اس کے کان میں پڑتے ہیں تو یہ شخص اُسی خود رائی کے سبب اُسکی تنبیہ کو قبول نہیں کرتا آگے متصلاً اسی کا ذکر ہے مع رد عذر اس متفرد کے)

خود نہ بینی تو دلیل اے راہ جو	**ورنہ بینی رو بگردانی از و**
اے راہ جو تو رہبر کو خود تو دیکھتا نہیں	اور اگر دیکھتا ہے تو اُس سے اعراض کرتا ہے

که سفر کردم دریں رہ شصت میل
کہ میں اس راہ میں ساٹھ میل سفر کر چکا ہوں

مر مرا گمراہ گوید آں دلیل
مجکو یہ رہبر گمراہ بتلاتا ہے

گر نہم من گوش سوے آں شگفت
اگر میں اس عجیب بات کی کان رکھوں

امر او را ہم ز سر باید گرفت
تو اُسکے معاملہ کو از سر نو شروع کرنا چاہیے

من دریں رہ عمر خود کردم گرو
میں نے تو اس میں تمام عمر صرف کردی

ہر چہ بادا باد اے خواجہ برو
جو کچھ بھی ہو سو ہو اے صاحب چلا جا

راہ کردی لیک در ظن چوں برق
تو نے راستہ تو طے کیا ہے لیکن خیال میں جو مثل برق کے ہے

عشر آں رہ کن پے وحی چو شرق
اس رستہ کا دسواں حصہ باتباع وحی جو کہ مثل آفتاب کے ہے طے کرلے

ظن لا یغنی من الحق خواندۂ
تو نے ان الظن لا یغنی من الحق شیئًا پڑھا ہے

وز چناں برقے ز شرقے ماندۂ
اور تو ایسے برق کے سبب آفتاب سے دور رہا ہے

ہے درآ در کشتی ما اے نژند
خبردار ہماری کشتی میں آجا اے سرگشتہ

یا تو ایں کشتی برآں کشتی بہ بند
یا تو اس کشتی کو اُس کشتی سے باندھ دے

گوید او چوں ترک گیرم گیر و دار
وہ کہتا ہے میں ریاست کو کیسے چھوڑ دوں

چوں روم من در طفیلت کور وار
تیرے طفیل میں اندھے کی طرح کس طرح چلوں

کور با رہبر بہ از تنہا یقیں
کور جو کہ راہبر کے ساتھ ہو وہ تنہا سے یقیناً اچھا ہے

زاں یکے ننگ ست و صد ننگ ست ازیں
اُس سے تو ایک ہی ننگ ہے اور اس سے صدہا ننگ ہیں

می گریزی از پشہ در کژدمے
تو پشہ سے عقرب کی طرف بھاگتا ہے

از نمے تو میگریزی در یمے
ایک نم سے تو ایک دریا کی طرف بھاگتا ہے

می گریزی از جفا ہاے پدر
تو باپ کی جفاؤں سے بھاگتا ہے

در میان لوطیان شور و شر
لوطیان با شور و شر کے درمیان میں

میگریزی ہمچو یوسف زاں دہے
تو یوسف علیہ السلام کی طرح اُس گاؤں سے جاتا ہے

تا ز نرتع نلعب افتی در چہے
یہانتک کہ نرتع و نلعب کے سبب ایک کنوئیں میں جا گرتا ہے

در چہ افتی زیں تفرج ہمچو او
تو اس تفرج کی وجہ سے اُس کی طرح کنوئیں میں تو گر پڑیگا

مر ترا لیک آن عنایت یار کو
لیکن تیرے ساتھ وہ عنایت ناصر کی کہاں ہے

گر نبودے آں بفرمان پدر
اگر یہ باذن پدر نہ ہوتا

بر نیاوردے ز چہ تا حشر سر
تو کنوئیں سے حشر تک بھی سر نہ نکال سکتے

آں پدر بہر دل او اذن داد
اُس پدر نے اُن کی خاطر سے اذن دیدیا تھا

گفت چوں اینست میلت خیر باد
فرمادیا تھا کہ جب تمھارا میلان یہ ہے کہ تو خدا بہتر کرے

ہر ضریرے کز مسیحے سر کشد
جو کور کہ کسی مسیح سے سرکشی کرے

او جہودانہ بماند از رشد
وہ یہودیوں کی طرح راہ راست سے دور رہ جاویگا

قابل ضو بود گرچہ کور بود
وہ قابل روشنی کے تھا گو کہ کور تھا

شد ازیں اعراض او کور و کبود
اس اعراض سے وہ بالکل ہی کور و کبود ہوگیا

گویدش عیسی بزن در من دو دست
اُس سے عیسی کہتے ہیں کہ دونوں ہاتھ سے مجکو پکڑلے

اے عمی کحل ضریری با من است
اے کور سرمہ کوری میرے پاس ہے

از من ار کوری بیابی روشنی
اگر تو کور ہے مجھسے روشنی پاوے گا

بر قمیص یوسف جان برزنی
قمیص یوسف روحانی سے جا ملے گا

کاروبارے کت رسد بعد شکست — **اندراں اقبال و منہاج رہ ست**

جو کاروبار کہ تجکو بعد شکستہ ہونے کے پہونچے — اس میں کہ اقبال اور منہاج راہ ہے

کاروبارے کان ندارد پا و دست — **ترک گیر اے بوالفضول گیج مست**

جو کاروبار کہ ہاتھ پاؤں نہ رکھتا ہو — ترک کردے اے بوالفضول احمق مست

کاروبارے کہ ندارد پا و سر — **ترک کن ہے پیر خر اے پیرہ خر**

جو کاروبار کہ سر پاؤں نہ رکھتا ہو — ترک کردے ہاں پیر کو اختیار کر اے بوڑھے گدھے

غیر پیر استاد و سرلشکر مباد — **پیر گردوں نے و لے پیر رشاد**

بجز پیر کے کوئی اُستاد اور سرلشکر نہ ہو — پیر زمانہ نہیں ولیکن پیر ارشاد

در زماں چوں پیر را شد زیر دست — **روشنائی دید آں ظلمت پرست**

جب پیر کے ہاتھ کے تحت میں آگیا تو فی الفور — اُس ظلمت پرست نے روشنی دیکھ لی

شرط تسلیم ست نے کار دراز — **سود نبود در ضلالت ترکتاز**

تسلیم شرط ہے نہ کہ کار دراز — راہ گم ہونے میں دوڑ دھوپ کچھ مفید نہیں

من نجویم زیں سپس راہ اثیر — **پیر جویم پیر جویم پیر پیر**

اس کے بعد میں فلک کا راستہ نہ ڈھونڈوں گا — پیر ڈھونڈوں گا پیر ڈھونڈوں گا پیر پیر

پیر باشد نردبان آسماں — **تیر پراں از کہ گردد از کماں**

پیر نردبان آسمان ہے — تیر کس سے پراں ہوتا ہے؟ کماں سے

اے راہ جو (خود رائے) تو رہبر کو خود تو دیکھتا نہیں اور اگر (کسی کی رہنمائی سے) دیکھتا ہے تو اُس سے اعراض کرتا ہی اور کہتا ہے) کہ میں اس راہ میں ساٹھ میل (یعنی طویل) سفر کر چکا ہوں (اور پھر بھی) مجھکو یہ رہبر گمراہ بتلاتا ہے (پس) اگر میں اس عجیب بات کی طرف کان رکھوں تو اس (سفر) کے معاملہ کو از سر نو شروع کرنا چاہیئے (گویا تمام طے شدہ سلوک

کالعدم قرار دوں سو یہ کیسے ہو سکتا ہے کیونکہ) میں نے تو اس میں تمام عمر صرف کر دی (سو اسکو کالعدم کیسے سمجھوں) تو جو کچھ بھی ہو سو ہوا اے صاحب (یعنی اے نفس یوں ہی) چلا جا (کبھی نہ کبھی پہونچ ہی رہے گا وہ محقق شفقت سے جواب دیتا ہے کہ) تو نے راستہ تو (بزعم خود) طے کیا ہے لیکن (محض) خیال میں جو کہ مثل برق کے ہے (جسکا اوپر ذکر آچکا ہے) اس رستہ کلو سواں ہی حصہ باتباع وحی جو کہ مثل آفتاب کے ہے طے کر لے (یہاں وحی عام ہے حقیقی اور حکمی یعنی نص و الہام غیر مخالف نص کو کہ وہ اتباع وحی سے سبب ہونے کے سبب مقتبس من الوحی ہے اور ظن سے مراد اس کا مقابل یعنی رائے محض) تو نے (قرآن مجید میں) ان الظن لا یغنی من الحق شیئا پڑھا ہے (جس سے مراد دعوی غیر مستند الی الوحی ہے پس دلیل شرعی ظنی جو مستند الی الوحی ہو وہ اس ظن غیر مغنی سے خارج ہے) اور تو ایسے برق کے سبب آفتاب سے دور رہا ہے خبردار ہماری کشتی میں آجا اے سرگشتہ (کذا فی الغیاث) یا تو (اپنی) اس کشتی کو (ہماری) اس کشتی سے باندھ دے (اول اشارہ ہے تفویض محض کی طرف جیسا مرید کرتا ہے پیر کے ساتھ اور دوسرا اشارہ ہے اپنی تجویز میں مشورہ لے لینے کی طرف جیسا چھوٹا برادر طریقت بڑے برادر طریقت کے ساتھ کرتا ہے) وہ (خود رائے جواب میں) کہتا ہے میں ریاست او متبوعیت) کو کیسے چھوڑ دوں (اور) تیرے طفیل (اور تابعیت) میں اندھے کی طرح کسطرح چلوں (مولانا اس عذر قبیح کو رد فرماتے ہیں تو جو کور وار کہتا ہے تو سمجھ لے کہ) کور جو کہ راہبر کے ساتھ ہو وہ تنہا سے یقیناً اچھا ہے (کیونکہ) اس (اتباع) سے تو ایک ہی ننگ ہے (کہ یہ ناواقف ہے) اور اس (رہروی بے رہبری) سے صدہا ننگ ہیں (دنیا میں بھی مبصرین کے نزدیک اور آخرت میں سب کے نزدیک پس تو ننگ خفیف سے بھاگ کر ننگ عظیم میں پڑتا ہے تیری ایسی مثال ہے جیسی گویا) تو پشہ سے عقرب کی طرف بھاگتا ہے (اور) ایک نم سے تو ایک دریا کی طرف بھاگتا ہے (اور) تو باپ کی جفاؤں سے بھاگتا ہے (اور) لوطیان با شور و شر کے درمیان میں (جاتا ہے اور) تو یوسف علیہ السلام کی طرح اس گانو (یعنی کنعان) سے جاتا ہے یہانتک کہ نرتع ونلعب کے سبب ایک کنویں میں جا گرتا ہے (یہاں تشبیہ صرف انقطاع عن المربی میں ہے گو مشبہ بہ میں محض صوری ہے وقد صرح بہ فیما سیاتی من قولہ گر نبودے ان لفرمان الخ اور مشبہ میں حقیقی پس کوئی اشکال نہیں اور تشبیہ مذکور سے شاید کسی کو شبہ ہوتا کہ پھر ہم بھی چاہ سے نکل آوینگے آگے اسکو دفع کرتے ہیں کہ یہ تشبیہ تام من کل الوجوہ نہیں ہے اس جزو خاص میں باہم فرق ہے جسکا بیان یہ ہے کہ) تو اس تفرج کی وجہ سے ان کی طرح کنویں میں تو گر پڑیگا لیکن (ان کی طرح نکلے گا نہیں کیونکہ ان کے ساتھ تو عنایت حق تھی اور تیرے ساتھ وہ عنایت ناصر (حقیقی) کی کہاں ہے (اور ان کے ساتھ عنایت ہونیکی وجہ یہ ہے کہ ان کا یہ جانا بھی باذن شیخ تھا ورنہ) اگر یہ (جانا) بہ اذن پدر نہوتا تو کنویں سے حشر تک بھی سر نہ نکال سکتے (بلکہ وہاں ہی ہلاک ہو جاتے اور تو خود اتباع شیخ سے بعید ہے پس اپنا قیاس ان پر صحیح نہیں اور اگر شبہ ہو کہ جب باوجود اذن شیخ کے بھی ان پر بلا آئی تو اتباع و عدم اتباع برابر ہوا ورنہ ان پر بلا کیوں آتی تو جواب اس کا یہ ہے کہ) اس پدر نے ان کی خاطر سے اذن دیدیا تھا (اور) فرما دیا تھا کہ جب تمھارا میلان یہ ہے تو (جاؤ) خدا بہتر کرے (مطلب یہ کہ وہ رائے حضرت یعقوب علیہ السلام کی ابتدائی نہ تھی پس اس جانے میں جتنا دخل تھا رائے یوسفی کا وہ سبب بلا کا ہوا اور جتنا دخل تھا اذن یعقوبی کا وہ سبب نجات کا ہوا

پھر بھی اتباع وعدم اتباع برابر ہوا اور جاننا چاہیئے کہ یہ جواب مولانا کا تبرعاً وتنزلاً ہے ورنہ شروع سے یہ جواب ہوسکتا ہے کہ یہ جاننا نہ سلوک سے متعلق ہے اور نہ اس میں کوئی دین کی مضرت ہوئی پس باوجود اذن کے بھی اس بلا کا آجانا اصل مدعا پر کہ تفرد عن الشیخ فی السلوک کا مضر دین ہونا ہے موجب اشکال نہیں ہے پھر عود ہے مضمون کور با رہبر الخ کی طرف یعنی کور بارہبر کا بہتر ہوتا تو معلوم ہوگیا اب کور بے رہبر کا بیان سنو کہ) جو کور کہ کسی مسیح سے سرکشی کرے وہ یہودیوں کی طرح راہ راست سے دور رہ جاویگا (اور قبل سرکشی کے) وہ قابل روشنی کے تھا (یعنی اس میں استعداد صالح تھی) گو کہ کور (اور نا واقف راہ) تھا (مگر جب اس نے سرکشی کی تو) اس اعراض سے وہ بالکل ہی کور و کبود ہوگیا (یعنی استعداد بھی فاسد ہوگئی گو باطل تو عمر بھر بھی نہیں ہوتی لان الاستعداد ھو مناط التکلیف والتکلیف باق مدۃ عمرہ فکذا الاستعداد) اس (کور) سے عیسی کہتے ہیں کہ دونوں ہاتھ سے مجھکو پکڑلے اے کور سرمۂ کوری میرے پاس ہے اگر تو کور ہے (تو کیا ہوا میرا اتباع کر) مجھ سے روشنی پاویگا (اور) قمیص یوسف روحانی سے جا ملیگا (مطلب یہ کہ اگر فاسد الاستعداد بھی خلوص کیساتھ کامل کا اتباع کرے پھر اسکی استعداد میں صلاحیت ہوجاتی ہے گو اکثر قدرے توقف سے سہی آگے بھی برکت اتباع شیخ کی اور نہی تفرد سے مذکور ہے یعنی) جو کاروبار کہ تجھکو بعد شکستہ ہونیکے پہونچے (شکستگی سے مراد انقیاد للشیخ ہے کہ اسمیں انکسار ہے نفس کا جاہ وریاست سے جسکا عذر ہونا خود رائے کی جانب سے اوپر مذکور ہوا تھا گو بیاد چوں ترک گیرم الخ میں گویا وہ خود رائے اس کا مخاطب بالاولی ہے یعنی عدم انکسار کے ثمرات تو دیکھ لئے اب انکسار کا ثمرہ دیکھ لینا کہ اس کے بعد جو کچھ حال پیش آویگا) اسمیں (دیکھے گا) کہ اقبال اور منہاج راہ ہے (پس) جو کاروبار کہ ہاتھ پاؤں نہ رکھتا ہو (مراد اس سے سلوک بطور خود بدون ارشاد مرشد کے اسکو) ترک کردے اے بوالفضول احمق مست (آگے پھر اسی کی تاکید ہے کہ) جو کاروبار کہ سر پاؤں نہ رکھتا ہو (ہمارے محاورات میں بے ڈھنگی چیز کو کہا کرتے ہیں کہ اس بات کے نہ سر ہے نہ پاؤں ہے اسکو) ترک کردے ہاں پیر کو اختیار کر اے بوڑھے گدھے (اور پیر وہ چیز ہے کہ خدا کرے) بجز پیر کے کوئی استاد اور سرشکر نہو (یعنی پیر ہی متبوع ہو ہر قوم کا اور مراد پیر سے) پیر زمانہ نہیں (ہے کہ زمانہ عمر اس کا زیادہ ہو یعنی بوڑھا ہو) ولیکن پیر ارشاد (یعنی مرشد کامل مراد ہے اور پیر کی ایسی برکت ہے کہ) جب پیر کے ہاتھ کے تحت میں آگیا تو فی الفور اس ظلمت پرست نے روشنی دیکھ لی (ظلمت پرست سے مراد جو کہ بطور خود سلوک کر رہا تھا یعنی وہ اس کا تجربہ کر کے دیکھ لے کہ بشرط خلوص پیر کے ساتھ تعلق شروع کرتے ہی وہ اپنے قلب میں نور ہدایت پاویگا اور یہ امر مشاہد ہے آگے ان برکات مذکورہ کی ایک شرط کو بیان فرماتے ہیں جسکو بندہ نے کہیں کہیں اثنائے تقریرات میں بعنوان خلوص ظاہر بھی کیا ہے اسکو مولانا عنوان تسلیم سے ذکر فرماتے ہیں یعنی ان سب برکات کیلئے) تسلیم شرط ہے نہ کہ کار دراز (یعنی مجاہدات طویلہ اور بدون شیخ کے اور عدم تسلیم للشیخ بھی بحکم عدم الشیخ ہے راہ سلوک گم ہے اور) راہ گم ہونے (کی حالت) میں دوڑ دھوپ (یعنی مجاہدات طویلہ متعبہ) کچھ مفید نہیں (چنانچہ محسوسات میں بھی اگر کوئی شخص بے راہ ہو اور بڑی زور سے دوڑے تو مقصود سے اور دور ہی ہوتا جاویگا جب ثابت ہوگیا کہ بدون شیخ کے مجاہدہ وسعی غیر مفید ہے پس) اس کے بعد میں فلک کا راستہ نہ ڈھونڈونگا (یعنی محض مجاہدہ سے ترقی کا قصد نہ کرونگا بلکہ اس کے قبل) پیر ڈھونڈونگا پیر ڈھونڈونگا پیر پیر (یہ تاکید در تاکید ہے اس سے شبہ نکیا جاوی کہ مولانا تو پیر کو اختیار کر چکے تھے پھر جویم

کے کیا معنی یہ جو یہ ایسا ہے جیسے وہ مالی لا اعبد یعنی اور دوں کو ترغیب دیتا ہے اپنے اوپر رکھ کر آگے علت ہے پیر جوئی کی یعنی پیر کو اس لئے ڈھونڈو نگا کہ) پیر نردبان آسمان ہے (یعنی ذریعہ ترقی باطن کا آگے اسکی ایک مثال ہے کہ) تیر کس سے پران ہوتا ہے (خود جواب دیتے ہیں کہ) کمان سے (اسی طرح مرید ببرکت پیر کے مقام عالی تک پہنچ جاتا ہے اور متفرد کو سعی کرے مگر اس طرح بیکار ہے جیسے نمرود آسمان پر کرگسوں کے واسطہ سے جانا چاہتا تھا اور ناکام رہا آگے یہی مضمون ہے۔)

بے ز ابراہیم نمرود گراں
بدون ابراہیم علیہ السلام کے نمرود غبی نے

کرد با کرگس سفر بر آسماں
کرگس کے ساتھ آسمان پر سفر کیا

از ہوا شد سوئے بالا او بسے
ہوا کے سبب اوپر کی طرف بہت گیا

لیک بر گردوں نہ پرد کرگسے
لیکن آسمان پر کرگس نہیں اڑتا

گفت ابراہیم اے مرد سفر
ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا اے سفر کرنے والے

کرگسست من باشم اینت خوبتر
تیرا کرگس میں ہو جاؤں یہ تیرے لئے اچھا ہے

چوں ز من سازی بہ بالا نردبان
جب تو اوپر کے لئے میری نردبان بناوے گا

بے پر پدین بر روی بر آسماں
تو بدون پرواز کے تو آسمان پر چلا جاویگا۔

آنچنانکہ میرود تا غرب و شرق
جس طرح سے غرب اور شرق تک

بے زاد و راحلہ دل ہمچو برق
بدون زاد و راحلہ کے دل برق کی طرح چلا جاتا ہے

آنچنانکہ میرود شب ز اغتراب
جس طرح ہو کہ شب کو مسافرت کے طور پر

حس مردم شہرہا در وقت خواب
آدمیوں کے حواس شہر در شہر سونے کے وقت چلے جاتے ہیں

آنچنانکہ عارف از راہ نہاں
جس طرح سے کہ عارف طریق باطن سے

خوش نشستہ میرود در صد جہاں
اچھا خاصا بیٹھا ہوا سو عالم میں چلا جاتا ہے

گر نداد ستش چنیں رفتار دست
اگر اس کو ایسی رفتار حاصل نہیں ہوئی

ایں خبرہا زاں ولایت از کیست
تو یہ خبریں اس اقلیم کی کس سے ہیں

ایں خبرہا ویں روایات محق
یہ خبریں اور یہ روایات حقہ

صد ہزاراں پیر بر وے متفق
لاکھوں شیوخ اُن پر متفق

یک خلافے نے میان ایں عیوں
ان بزرگوں کے درمیان ان میں ایک خلاف بھی نہیں

آنچنانکہ ہست در علم ظنوں
جیسا کہ علوم ظنیہ میں ہوتا ہے

آں تحری آمد اندر لیل تار
وہ تو شب تاریک میں تحری ہے

ویں حضور کعبہ و وسط نہار
اور یہ حضور کعبہ اور وسط نہار ہے

خیز اے نمرود پر جوی از کساں
اے نمرود اُٹھ آدمیوں سے پر طلب کر

نردبانے نایدت از کرگساں
تجھکو کرگسوں سے نردبان نہ ملے گی

عقل جزوی کرگس آمد اے مقل
عقل ناقص کرگس ہے اے قلیل الستاع

پرّ او با جیفہ خواری متصل
اُس کا پر مردار خواری سے متصل ہے

عقل ابدالان چو پر جبرئیل
اولیاء کی عقل مثل پر جبرئیل کے ہے

می پرد تا ظل سدرہ میل میل
جو کہ سایہ سدرہ تک درجہ بدرجہ اڑتا ہے

باز سلطانم گشم نیکو پیم
میں باز شاہی ہوں خوب ہوں نیک قدم ہوں

فارغ از مردارم و کرگس نیم
مردار سے فارغ ہوں اور کرگس نہیں ہوں

ترک کرگس کن کہ من باشم کست
تو کرگس کو ترک کر کہ میں تیرا یار بنوں

یک پر من بہتر از صد کرگس ست
میرا ایک پر تیرے صدہا کرگس سے افضل ہے

بايد استا پيشه را و کسب را	چند بر عميا دوانی اسپ را
پیشہ اور کسب کے لئے اُستاد کی ضرورت ہے	تو الا دھند کتنا دوڑا دے گا گھوڑے کو

بدون ابراہیم علیہ السلام کے نمرود غبی نے کرگس کے ساتھ آسمان پر سفر کیا (اور) ہوا (ئے نفسانی) کے سبب او پر کیطرف بہت (دور تک) گیا (بھی) لیکن (پھر بھی) آسمان پر (تو) کرگس نہیں اوڑتا۔ ابراہیم علیہ السلام نے (اُس سے) فرمایا (قالاُبا حالاگہ) اے سفر کرنے والے تیرا کرگس میں ہوجاؤں یہ تیرے لئے اچھا ہے (یعنی میرے اتباع سے عروج الی السماء بالمعنی الآتی کہ وہی مفید بھی ہے میسر ہو سکتا ہے پس) جب تو اوپر (جانے) کے لئے میری نردبان بناد یگا تو بدون (حسی) پرواز کے تو آسمان پر چلا جاویگا (مراد اس سے عالم غیب کے ساتھ تعلق ہوجانا ہے اسی اعتبار سے آگے مثالیں ہیں یعنی) جسطرح سے غرب اور شرق تک بدون زاد و راحلہ (یعنی اسباب سفر حسی) کے دل برق کیطرح چلا جاتا ہے (یہ جانا وہی تعلق و توجہ ہے) اور جسطرح سے کہ شب کو مسافت کے طور پر آدمیوں کے حواس شہر در شہر سونیکے وقت چلے جاتے ہیں (اسکی صورت بھی یہی تعلق و توجہ ہے) اور جسطرح سے کہ عارف طریق باطن سے اچھا خاصا بیٹھا ہوا سو عالم میں چلا جاتا ہے (یہ جانا بھی تعلق و توجہ ہے عوالم غیب کیطرف آگے اس جانیکی ایک دلیل ہے یعنی) اگر اس (عارف) کو ایسی رفتار حاصل نہیں ہوئی تو یہ خبریں اُس اقلیم کی کس سے (منقول) ہیں (یعنی کوئی نقل سابق تو پائی نہیں گئی اور دو علوم عقلی بھی نہیں محض کشفی و حالی ہیں اور وہ کشف موقوف ہے اُس عالم کے ساتھ تعلق ہونے پر پس خبر دلیل کشف ہے اور کشف دلیل تعلق اور یہی مدعا تھا اور اگر کوئی یہ احتمال کرے کہ ممکن ہے کہ محض خیالی خبریں خلاف واقع ہوں اور ایسی حکایت دلیل نہیں ہے تحقق محکی عنہ و تعلق الحاکی بہ کی اس کا جواب دیتے ہیں کہ ہمنے جو استدلال کیا ہے ایں خبرہا الخ سو مستدل یہ مطلق خبریں نہیں بلکہ) یہ خبریں اور یہ روایات حقہ (اور) لاکھوں شیوخ اُن پر متفق (اور) ان بزرگوں کے درمیان ان (خبروں) میں ایک خلاف بھی نہیں جیسا کہ علوم ظنیہ (عقلیہ) میں ہوتا ہے (پس یہ مثل تواتر کے دلیل ہے اُن اخبار کے صحیح ہونیکی پس محکی عنہ کا تحقق ثابت ہوگیا اور عقلی ہونا اس مضمون سے منفی ہے یک خلافے نے الخ پس لامحالہ اُن کے ساتھ تعلق کشفی ہوگا اور مجموعہ تحقق و تعلق سے مدعا محفوظ رہا اور مراد ان اخبار سے وہ مسائل کشفیہ ہیں جن میں اختلاف نہیں ہے اور وہ بہت ہیں کما لا یخفی علی صاحب الفن اور انبیاء ثابت الصدق بالدلائل العقلیہ نے تو خود بہت امور کے مشاہدہ کی خبر دی ہے پس یہ شبہ بھی رفع ہوگیا کہ انبیاء کا مشاہدہ اس دلیل سے ثابت نہو گا کیونکہ ممکن ہے کہ صرف وحی سے خبر دیدی ہو آگے علوم ظنیہ میں اختلاف اور ان علوم میں عدم اختلاف کی وجہ ایک مثال میں بتلاتے ہیں کہ) وہ (علم ظنی) تو شب تاریک میں تحری (کی مثل) ہے اور یہ (علم عارفین) حضور کعبہ اور وسط نہار (کی مثل) ہے (جسکا راز یہ ہے کہ یہ مشاہدہ ہے) اور وہ استدلال اے نمرود اُٹھ (اور مقبول) آدمیوں سے پر طلب کر تجھکو کرگسوں سے نردبان نہ ملیگی (اسی طرح عقل ناقص جیسی سالک خودرائی کی ہے) کرگس ہے اے قلیل الاتباع (یعنی قلیل العقل اور) اُس (کرگس) کا پر مردار خواری سے متصل (ہو رہا) ہے (اسی اتصال کے واسطہ سے نمرود نے کرگس سے کام لیا تھا اس سے تعلق بغیر الحق کو تشبیہ دیگئی اور) اولیاء کی عقل مثل پر جبرئیل

کے ہے جو کہ سایہ سدرہ تک درجہ بدرجہ اوڑتا ہے (یہ مقولہ ہے ابراہیم علیہ السلام کا کہ اسے نمرود) میں باز شاہی ہوں خوب
ہوں نیک قدم ہوں (اور) مردار سے فارغ ہوں اور کرگس نہیں ہوں تو کرگس کو ترک کر میں تیرا یار بنوں میرا ایک پر تیرے
صدہا کرگس سے افضل ہے تو الا دہند کتنا دوڑاویگا گھوڑے کو (یعنی اپنی رائے سے کہانتک سعی کریگا) پیشہ اور کسب کے لئے
استاد کی ضرورت ہے (یہ شعر جس طرح مضمون بالا کے مناسب ہے اسی طرح شہزادوں کی نصیحت کے بھی مناسب ہے پس
اسمیں اشارۃً ایک لطیف طریق سے قصہ کی طرف بھی رجوع ہوگیا چنانچہ آگے رجوع صریح ہے)

خویش را رسوا مکن در شہر چیں
اپنے کو شہر چین میں رسوا مت کر

عاقلے جو خویش از وی در مچیں
کسی عاقل کو ڈھونڈھ اپنے کو اس سے جدا مت کر

آنچہ گوید آں فلاطون زماں
وہ افلاطون زمانہ جو کچھ کہے

ہیں ہوا بگذار رو بر وفق آں
ہاں ہوائے نفسانی کو چھوڑ کر اس کے موافق چل

جملہ می گویند اندر چیں بجد
تمام آدمی چین میں اصرار کے ساتھ

بہر شاہ خویشتن کہ لم یلد
اپنے بادشاہ کے نسبت یہ کہتے ہیں کہ اس کے اولاد نہیں ہوئی

شاہ ما خود ہیچ فرزندے نداد
ہمارے بادشاہ کے کوئی فرزند نہیں ہوا

بلکہ سوئے خویش زن را رہ نداد
بلکہ اس نے اپنے پاس عورت کو رسائی نہیں ہونے دی

ہر کہ از شاہاں ازیں نوعش بگفت
بادشاہوں میں سے جس نے اسکو اس قسم کی بات کہی

گردنش با تیغ براں گشت جفت
اسکی گردن تیغ براں کے ساتھ مقرون کی گئی

شاہ گوید چونکہ گفتی ایں مقال
بادشاہ کہتا ہے کہ جب تو نے یہ بات کہی ہے

زود ثابت کن کہ من دارم عیال
تو جلدی ثابت کر کہ میں عیال رکھتا ہوں

مر مرا دختر اگر ثابت کنی
اگر تو نے میری لڑکی ثابت کردی

یافتی از تیغ تیزم ایمنی
تب تو میری تیغ تیز سے تو نے امن پایا

ورنہ بیشک من ببرم حلق تو
ورنہ بیشک میں تیرا حلق کاٹ ڈالوں گا

بر کشم از صوفیِ جاں دلق تو
تیری صوفی روح سے دلق کو اتار دونگا

سر نخواہی برد ہیچ از تیغ تو
تو تلوار سے سر کو نہ لیجاوے گا

اے بگفتہ لاف کذب آمیز تو
اے شخص جس نے ایک لغو دروغ آمیز بات کہی ہے

بنگر اے از جہل گفتہ ناحقے
اے شخص جس نے جہل سے ایک غیر واقعی بات کہی ہے

پر ز سرہائے بریدہ خندقے
سرہائے بریدہ سے پُر یہ خندق دیکھ لے

خندقے از قعر خندق تا گلو
ایک خندق ہے جو کہ اپنے قعر سے اوپر تک

پر ز سرہائے بریدہ زیں غلو
سرہائے بریدہ سے پُر ہے بوجہ غلو کے

جملہ اندر کار ایں دعوی شدند
تمام لوگ اس دعوے کے شغل میں لگے

گردن خود را بدیں دعوی زدند
اپنی گردن کو اس دعوے سے مارا

ہاں ببیں ایں را بچشم اعتبار
ہاں دیکھ لے اس کو چشم عبرت سے

اینچنیں دعوی میندیش و میار
ایسا دعوی نہ سوچ اور نہ لا۔

تلخ خواہی کرد بر ما عمر ما
تو ہم پر ہماری عمر کو تلخ کرے گا

کہ بریں میدارد اے دادر ترا
بالدال ۱۲
تجکو اے بھائی کون آمادہ کر رہا ہے

گر رود صد سال آں آگاہ نیست
اگر سو سال تک بھی ایسا شخص چلے جو کہ باخبر نہیں ہے

بر عمی آں از حساب راہ نیست
حالت کوری پر تو وہ راہ کے حساب میں نہیں ہے

بے سلاحے در مرو در معرکہ
بدون سلاح کے معرکہ میں مت جا

ہمچو بیباکاں مرو در تہلکہ
اور بے باکوں کی طرح ہلاکت میں مت جا

این بگفتند و بگفت آن ناصبور
انھوں نے یہ سب باتیں کہیں اور اُس بے صبر نے کہا

که مرا زین گفتها آید نفور
کہ مجکو ان باتوں سے نفرت ہوتی ہے

سینه پر آتش مرا چون منقل ست
میرا سینہ آتشدان کی طرح پر آتش ہے

کشت کامل گشت وقت منجل ست
کھیتی پختہ ہوگئی وقت درانتی کا ہے

صدر را صبری بد اکنون آن نماند
سینہ میں صبر تھا وہ اب نہیں رہا

بر مقام صبر عشق آتش نشاند
مقام صبر میں عشق نے آگ بجھادی

صبر من مرد آن شبی که عشق زاد
میرا صبر اسی شب میں مرچکا تھا جبکہ عشق پیدا ہوا تھا

درگذشت و حاضران را عمر باد
وہ فوت ہوچکا اور حاضرین کی عمر ہو

ای محدث از خطاب و از خطوب
اے شخص جو کہ خطاب اور حوادث کی باتیں کر رہا ہے

زان گذشتم آهن سردی مکوب
میں اُس سے گذر چکا ہوں تو آہن سرد مت کوٹ

سرنگونم هی رها کن پای من
میں سرنگوں ہوں ہاں میرا پاؤں چھوڑ

فهم کو در جمله اجزای من
میرے ان تمام اجزاء میں فہم کہاں ہے

اشترم من تا توانم می کشم
میں شتر ہوں جب تک ہوسکے گا بوجھ کھینچونگا

چون فتادم زار با کشتن خوشم
جب زار ہوکر گر پڑونگا تو کشتہ ہونیکے لئے خوش ہوں

بر سر مقطوع اگر صد خندق ست
سرہائے بریدہ پر اگر سو خندق بھی مشتمل ہیں

پیش درد من مزاح مطلق ست
میرے درد کے سامنے وہ محض خوش طبعی ہے

من نخواهم زد دگر از خوف و بیم
بالدال ۱۲
میں آئندہ خوف وہیم کے سبب

اینچنین طبل هوا زیر گلیم
ایسے طبل عشق کو زیر گلیم نہ بجاؤنگا

من علم اکنوں بصحرا میزنم
اب میدان میں علم لگاؤں گا

حلق کاں نبود سزائے ایں شراب
جو حلق کہ اس شراب کے لائق نہ ہو

دیدہ کو نبود ز وصلش در فرہ
جو آنکھ اُس کے وصل سے تازہ نہ ہو

گوش کاں نبود سزائے راز او
جو کان اُسکے راز کے لائق نہ ہو

اندراں دستے کہ نبود آں نصاب
جس ہاتھ میں وہ متاع وصل نہو

آنچناں پائے کہ از رفتار او
وہ پاؤں کہ اُسکی رفتار سے

آنچناں پا در حدید اولیٰ ترست
ویسا پاؤں آہن میں ہونا زیادہ لائق ہے

یا سر اندازی و یا روئے صنم
یا تو سراندازی ہے اور یا روئے صنم ہے

آں بریدہ بہ بہ شمشیر ضراب
وہ شمشیر قتال سے کٹا ہوا اچھا

آنچناں دیدہ سفید و کور بہ
ایسی آنکھ سفید اور کور بہتر ہے

برکنش کہ نبود آں بر سر نکو
اُسکو اکھاڑ ڈال کہ وہ سر پر اچھا نہیں

آں شکستہ بہ بہ ساطور قصاب
وہ قصاب کے چھرے سے شکستہ اچھا

جان نہ پیوند دیہ نرگس زار او
جان اس کی نرگس زار سے نہ مل جاوے

کانچناں پا عاقبت درد سرست
کیونکہ ایسا پاؤں انجام کار میں درد سر ہے

(دو بھائیوں نے اُس بڑے بھائی سے کہا کہ) اپنے کو شہر چین میں رسواست کر کسی عاقل کو ڈھونڈھ (اور) اپنے کو اس سے جداست کر (اور) وہ افلاطون زمانہ جو کچھ کہے ہاں ہوائے نفسانی کو چھوڑ کر اس کے موافق چل تمام آدمی چین میں اصرار کے ساتھ اپنے بادشاہ کی نسبت یہ کہتے ہیں کہ اُس کے اولاد نہیں ہوئی (یعنی) ہمارے بادشاہ کے کوئی فرزند نہیں ہوا (اور چونکہ عربی جملہ تھا اس لئے بعد میں فارسی میں تفسیر کیگئی) بلکہ اُس نے اپنے پاس عورت کو رسائی نہیں ہونے دی (اور) بادشاہوں میں سے جس نے اُسکو اس قسم کی بات کہی (کہ اُس کے اولاد ہے غالباً دختر کے لئے پیام بھیجنے کے ضمن میں یہ بات کہنا

مراد ہوگا) اُس کی گردن تیغ براں کے ساتھ مفروں کی گئی (یعنی) بادشاہ (اُس پیام والے سے) کہتا ہے کہ جب تونے
یہ بات کہی ہے (کہ میرے کوئی اولاد ہے) تو جلدی (اسکو) ثابت کر کہ میں عیال رکھتا ہوں۔ اگر تونے میرے لڑکی ثابت
کردی تب تو میری تیغ تیز سے تونے امن پایا ورنہ بیشک میں تیرا حلق کاٹ ڈالونگا (اور) تیری صوفی روح سے دلق کو (کہ
وہ جسم ہے) اُتار دونگا (اور) تو تلوار سے سر کو (سلامت) نہ لیجاویگا اے شخص جس نے ایک لغو دروغ آمیز بات کہی ہے
(فی الغیاث آسیغ بمعنی آمیز) اے شخص جس نے جہل سے ایک غیر واقعی بات کہی ہے سرہائے بریدہ سے پُر یہ خندق دیکھ
لے ایک خندق ہے جو کہ اپنے قعر سے اوپر تک سرہائے بریدہ سے پُر ہے بوجہ (اس) غلو کے (کہ میرے اولاد بتاتا ہے
اور ثابت نہیں کرسکتا۔ یہانتک مقولہ شاہ چین کا نقل کیا اب شہزادے کہتے ہیں کہ) تمام لوگ اس دعوے کے شغل میں لگے
(اور) اپنی گردن کو اس دعوے سے مارا ہاں دیکھ لے اسکو چشم عبرت سے (اور) ایسا دعوی نہ سوچ اور نہ لا تو ہمپر ہماری عمر کو
تلخ کریگا تجھکو اے بھائی کون آمادہ کر رہا ہے (فی الغیاث دادر بفتح دال ثانی بمعنی برادر و دوست) اگر سو سال تک بھی
ایسا شخص چلے جو کہ باخبر نہیں ہے حالت کوری پر تو وہ راہ کے حساب میں نہیں ہے (چنانچہ ظاہر ہے اسی طرح) بدوں سلاح
کے معرکہ میں مت جا اور بے باکوں کی طرح ہلاکت میں مت جا (مطلب یہ کہ کوئی کام بے طریقہ ٹھیک نہیں اور تو طریقہ
جانتا نہیں اس لیے جلدی مت کر کسی آگاہ کو ہم پہونچا تب اسکو شروع کر یہی بات کہ یہ بادشاہ باوجود عارف ہونیکے
جیسا اس حکایت کی تمہید میں احقر نے مع الدلیل اسکو بیان کیا ہے اس واقعی بات پر کہ اس کے اولاد ہے لوگوں کو قتل
کی وعید کیوں سناتا تھا اور پھر قتل کیوں کرتا تھا جیسا خندق کے مضمون سے معلوم ہوتا ہے سو میرے ذوق میں اسکا
جواب یہ ہے کہ وہ اس میں بھی بوجہ شیخ ہونے کے اخلاق کی تعلیم کرتا تھا کہ بدون دلیل دعوے کرنا گو مخاطب کے نزدیک
وہ صحیح ہی ہو لیکن دعوی خلاف احتیاط ہے اس سے روکنے کے لیے وعید کا طریقہ اختیار کیا تھا باقی اس پر قتل نہ کرتا تھا
اور خندق دوسرے واقعی مجرموں سے پُر ہوگی مگر بمصلحت وہ اپنے کلام میں اسکا ایہام دلاتا تھا کہ ان مقتولین کا یہی جرم تھا تا
خوب احتیاط سیکھیں) انھوں نے یہ سب باتیں کہیں اور (جواب میں) اس بے صبر نے کہا کہ مجھکو ان باتوں سے نفرت ہو گئی
میرا سینہ آتشدان کی طرح پر آتش ہے (فی الغیاث بنقل انگشتدان) وہ میرے صبر کی ایسی مثال ہے کہ) کھیتی پختہ ہو گئی
(اب) وقت درانتی (پڑنے) کا ہے (یعنی صبر انتہا کو پہونچ گیا اب اُسکی قطع برید کا وقت ہے) سینہ میں صبر تھا (مگر)
وہ اب نہیں رہا مقام صبر میں عشق نے آگ بھڑکا دی میرا صبر اُسی شب میں مر چکا تھا جبکہ عشق پیدا ہوا تھا وہ فوت ہو چکا
(اور اُس کے ساتھ میں بھی جلنے کو تیار ہوں) اور (بقیہ) حاضرین کی عمر ہو اے شخص جو کہ خطاب اور حوادث کی باتیں کر رہا ہے
(کہ اظہار میں ایسا ایسا حادثہ پیش آجاویگا) میں اُس سے گذر چکا ہوں تو آہن سرد ست کوٹ رہا ہے (حوادث کے لیے) سرنگوں
(اور منقاد ہوں) ہاں میرا پانو چھوڑ (کہ حوادث میں واقع ہوں) میرے ان تمام اجزا میں فہم کہاں ہے۔ میں شتر ہوں جتنا تک
ہو سکے گا بوجھ کھینچونگا (اور) جب (بار کی کثرت سے) زار ہو کر پڑونگا تو کشتہ ہونیکے لیے خوش ہوں (مگر اس خوف کے
سبب بوجھ کی کثرت سے نڈر ہونگا اور) سرہائے بریدہ پر اگرچہ سو خندق بھی مشتمل ہیں (مگر) میرے درد (عشق) کے سامنے
وہ محض خوش طبعی ہے (یعنی میں اُسکو ایک کھیل سمجھتا ہوں غرض یہ ہے کہ) میں آئندہ خوف و بیم کے سبب ایسے طبل عشق کو زیر گلیم

(یعنی مخفی) نہ بجاؤنگا (بلکہ) اب میدان میں علم لگاؤنگا (بس) یا تو سراندازی ہے اور یا روئے صنم ہے (وجہ اس فیصلہ کی یہ ہے کہ) جو حلق کہ اس شراب (وصال) کے لائق نہو وہ شمشیر قتال سے کٹا ہوا اچھا (اس لئے اول وصال کی کوشش کرونگا اور اگر وہ میسر نہوا تو اپنے حلق کے لئے کٹنا ہی پسند کرونگا اسی طرح) جو آنکہ اُس کے وصل سے تازہ نہو ایسی آنکھ سفید اور کور بہتر ہے (اسی طرح) جو کان اُس کے راز کے لائق نہو اُسکو اکھاڑ ڈال کہ وہ (کان) سر پر لگا ہوا اچھا نہیں (معلوم ہوتا اسی طرح) جس ہاتھ میں وہ متاع وصل نہو وہ (ہاتھ) قصاب کے چھرے سے شکستہ اچھا (فی الغیاث ساطور کارد بزرگ و خنجر اسی طرح) وہ پاؤں کہ اُسکی رفتار سے جان اُس (محبوب) کی نرگس زار سے نہ ملجاوے ویسا پاؤں آہن میں ہونا زیادہ لائق ہے کیونکہ ایسا پاؤں انجام کار میں درد سر (اور موجب کلفت فراق ہے اس لئے سزا کے لائق ہے) ف آگے بطور انتقال کے تشبیہ ہے اس طلب مجازی کی طلب حقیقت کے ساتھ کہ اس میں بھی کوشش و مجاہدہ انتہا کو پہونچا دینا چاہئے گو یہ بھی معلوم ہو جاوے کہ کوشش و مجاہدہ طریق وصول نہیں ہے اور اس اجمال کی تفصیل بھی آگے آویگی اور بہر حال سالک سے انتقال ہوگا خاص اس مضمون کی تعمیم کی طرف کہ جہد کی جاوے اور طریق سے اور مقصود حاصل ہو دوسرے طریق سے۔

بیان مجاہد کہ دست از مجاہدہ باز ندارد اگرچہ داند بسطت عطائی حق کہ آں مقصود دست از طرف دیگر و بسبب عمل دیگر بدید برساند کہ در وہم او نبودہ باشد و در یں طریق می عین ایستادہ ہمیں در می زند شاید کہ حق تعالیٰ آں روزی را از دیگر برساند کہ اول آں تدبیر کردہ باشد ویرزقہ من حیث لا یحتسب العبد یدبر واللہ یقدر و بود کہ بندہ را وہم بندگی بود کہ مرا از غیر ایں در برساند اگرچہ حلقہ ایں در میزنم حق سبحانہ و تعالیٰ او را ہم ازیں در روزی رساند فی الجملہ ایں ہمہ درہائی یک سرائے است

یا دریں رہ آیدم آں کار من
یا تو اس راہ میں میرا وہ مقصود حاصل ہو جاوے

یا چو باز آیم زرہ سوئے وطن
یا باز کی طرح راہ سے وطن کی طرف آجاؤں

بو کہ موقوف ست کامم بر سفر
ممکن ہے کہ میرا مقصود سفر پر موقوف ہو

چوں سفر کردم بیایم در حضر
جب سفر کر چکوں تو حضر ہی میں پاؤں

یار را چنداں بجویم جد و چست
میں محبوب کو جسقدر کوشش سے اور مستعد ہو کر طلب کرونگا

تا بدانم کہ نمی بایست جست
یہانتک کہ میں یہ جان لوں کہ طلب کرنے کی ضرورت نہیں

آں معیت کے رود در گوش من
وہ معیت میرے کان میں کب جاویگی

تا نگردم گرد دورانِ زمن
جب تک کہ دائرہ زمانہ کے گرد نہ پھرونگا

تا حساب خطوتان وقد وصل
یہانتک کہ خطوتان من قطعہما فقد وصل کا حساب

گرددم روشن شود اشکال حل
مجکو روشن ہوجاوے اشکال حل ہوجاوے

کے کنم من از معیت فہم راز
میں معیت کے راز کو کب سمجھ سکتا ہوں

جز مگر بعد از سفرہائے دراز
مگر بعد سفر ہائے دراز کے

حق معیت گفت و دل را مہر کرد
حق تعالیٰ نے معیت کی خبر بھی دی ہے اور دل پر مہر بھی کردی ہے

تا کہ عکس آید بگوشِ دل نہ طرد
تاکہ گوش دل میں جامعیت آجاوے نہ کہ مانعیت

چوں سفرہا کرد و دادِ راہ داد
جب بہت سے سفر کئے اور حق راہ کا ادا کیا

بعد ازاں مہر از دل او بر کشاد
اس کے بعد اس کے دل سے مہر کھولدی

چوں خطائیں آں حساب باصفا
مثل خطائیں اس حساب لطیف کے

گرددش روشن ز بعدِ دو خطا
اسکو وہ منکشف ہوتا ہے بعد دو خطا کے

بعد ازاں گوید اگر دانستمے
اس کے بعد کہتا ہے کہ اگر میں

ایں معیت را کے او را جستمے
اس معیت کو جانتا تو اسکی کب طلب کرتا

دانشش آں بود موقوف سفر
اس کا علم سفر پر موقوف تھا

نآید آں دانش بہ تیزی فکر
ذکاوت فکر سے یہ علم میسر نہیں آتا

آنچنانکہ وجہ وام شیخ بود
جیساکہ قرض شیخ کا طریق

بستہ و موقوف گریہ آں وجود
معلق اور موقوف تھا اس ہستی کے گریہ پر

کودک حلوائیے بگریست زار
ایک حلوا فروش لڑکا زار زار رویا

توختہ شد دام آن شیخ کبار
اس شیخ کبیر کا قرض ادا کر دیا گیا۔

گفتہ شد آن داستان معنوی
وہ پرمغز داستان

پیش ازیں اندر خلال مثنوی
اس کے قبل اثنائے مثنوی میں کہی گئی ہے

این سخن در دفتر دویم گذشت
یہ مضمون دفتر دوم میں گذرا ہے

گر نمی دانی کن آنجا باز گشت
اگر تجکو معلوم نہ ہو تو اس جگہ رجوع کرلے

در دلت خوف افگند از موضعے
حق تعالیٰ تیرے دل میں ایسے موضع سے خوف پیدا کر دیتا ہے

تا نباشد غیر آنت مطمعے
کہ بجز اسکے تیرے لئے کوئی امیدگاہ نہیں ہوتی

در طمع خود فائدہ دیگر نہد
خود طمع میں دوسرا فائدہ رکھتا ہے

وان مرادت از کسے دیگر دہد
اور وہ تیری مراد دوسرے شخص سے دیتا ہے

اے طمع بربستہ در یک جائے سخت
اے شخص جوکہ ایک جگہ میں سخت توقع باندھے ہوئے ہے

کایدم میوہ ازان عالی درخت
کہ مجکو اس درخت بلند سے میوہ ملیگا

آن طمع آنجا نخواہد شد وفا
وہ امید وہاں سے پوری نہ ہوگی

بل ز جائے دیگر آید آن عطا
بلکہ دوسری جگہ سے وہ عطا آوے گی

آن طمع را پس چرا در تو نہاد
اس طمع کو پھر کس لئے تیرے اندر رکھا

چون نبودش نیت اکرام و داد
جبکہ اسکا قصد اکرام اور عطا کا نہ تھا

از برائے حکمتے و صنعتے
کسی حکمت اور صنعت کے لئے

نیز تا باشد دلت در حیرتے
نیز تاکہ تیرا دل حیرت میں ہو جاوے

تا دلت حیران بود اے مستفید
که مرادم از کجا خواهد رسید

تاکہ تیرا دل حیران ہو جاوے اے مستفید
کہ میری مراد کہاں سے ملے گی

تا بدانی عجز خویش و جہل خویش
تا شود ایقان تو در غیب بیش

تاکہ تو اپنے عجز و جہل کو جان لے
تاکہ تیرا یقین بالغیب اور زیادہ ہو جاوے

ہم دلت حیران بود در منتجع
کہ چہ رویاند مصرف زین طمع

نیز تیرا دل حیران رہے مقام طلب آب و علف میں
کہ تصرف کرنے والا اس طمع سے کیا چیز پیدا کرتا ہے

طمع داری روزئے در درزلی
تا ز خیاطی بری زر تا زلی

تو روزی کی طمع خیاطی میں رکھتا ہے
تاکہ خیاطی سے زر حاصل کرے جب تک تو زندہ رہے

رزق تو در زرگری آرد پدید
کہ ز وہمت بود آں مکسب بعید

وہ تیرا رزق زرگری میں پیدا کرتا ہے
کہ وہ ذریعہ کمائی کا تیرے خیال سے بھی بعید تھا

پس طمع در درزلی بہر چہ بود
چوں ترا در جائے دیگر در گشود

پھر طمع خیاطی میں کس لئے تھی
جبکہ تیرے لئے دوسری جگہ دروازہ مفتوح فرمایا

بہر نادر حکمتے در علم حق
کہ نبشت آں حکم را در ماسبق

کسی عجیب حکمت کے لئے جو علم حق میں ہے
کہ اس حکم کو ماسبق میں لکھدیا ہے

نیز تا حیراں بود اندیشہ ات
تا کہ حیرانی بود کل پیشہ ات

نیز تاکہ تیری قوت فکریہ حیران رہے
تاکہ حیرانی تیرا پورا شیوہ ہو جاوے

یا وصال یار زیں سعیم رسد
یا ز راہ خارج از سعی جسد

خواہ میری اس سعی سے وصال محبوب ملجاوے
خواہ کسی ایسے طریق سے جو سعی جوارح سے خارج ہو

من نگویم زیں طریق آید مراد
میں یہ نہیں کہتا کہ اسی طریق سے مراد حاصل ہوجاویگی

می طپم تا از کجا خواہد کشاد
میں تو مضطربانہ حرکت کرتا ہوں کہ کسی جگہ سے فتح باب ہوگا

سر بریدہ مرغ ہر سو می فتد
سر بریدہ مرغ ہر طرف گرتا پھرتا ہے

تا کدامیں سو رہد جان از جسد
کہ کونسی طرف جان بدن سے خلاصی پاوے

یا مراد من برآید زیں خروج
خواہ میری مراد اس خروج سے برآوے

یا ز برج دیگر از ذات البروج
یا کسی دوسرے برج سے فلک ذات البروج میں سے

(شہزادہ کے مقولہ سے انتقال ہے سالک مجاہد کے مقولہ کی طرف بمناسبت لزوم طلب بالغ یعنی یہ سالک کہتا ہے کہ میں بھی بمثل اُس شہزادہ کے مطلوب حقیقی کی طلب میں کوشش بلیغ کرونگا کہ سفر باطنی ہے یہانتک کہ) یا تو اس راہ میں (سفر کے ذریعہ سے) میرا وہ مقصود حاصل ہوجاوے (اور) یا باز کی طرح راہ سے (یعنی سفر سے) وطن کی طرف (واپس) آجاؤں (اور وہ مقصود وطن میں آکر حاصل ہوجاوے باز کی ساتھ تشبیہ اس میں ہے کہ وہ عادۃً صید کیلئے سفر کرنے کے بعد وطن ضرور لوٹ آتا ہے اور چونکہ دریں رہ آیدم کے مقابل آیم زرہ سوئے وطن آیا ہے اس لئے اُس کے ترجمہ میں یہ نکالدیا ہے کہ سفر کے ذریعہ سے اور وطن سے مراد آگے آتی ہے اور یہ دونوں شقیں احتمال عقلی کے درجہ میں ہیں ورنہ آیندہ کے اشعار میں جیساکہ شرح کے بعد معلوم ہوگا شق متعین یہی ہے کہ وطن ہی میں مقصود حاصل ہوگا لیکن قبل اس کے وقوع کے طالب کی نظر میں تو دونوں ہی احتمال ہوسکتے ہیں آگے مصرعہ ثانیہ کی تائید ہے کہ) ممکن ہے کہ میرا مقصود سفر پر موقوف ہو (یعنی سفر اُس کے لئے شرط ہو پھر) جب سفر کر چکوں تو (اُس مقصود کو) حضر (و وطن) ہی میں پالوں (شرح اسکی جیسا مقام کے مجموعہ کلام سے مستفاد ہوتا ہے یہ ہے کہ مقصود سے مراد معیت حق اور سفر سے مراد مجاہدہ اور وطن و حضر سے مراد فطرت پس سالک اس معیت کی تحصیل کے لئے مجاہدہ کرتا ہے اور بعد مجاہدہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ معیت تو بدو فطرت سے حاصل تھی پس ایسی مثال ہوگئی کہ ایک چیز اپنے گھر میں موجود ہے مگر چونکہ اُسکو دیکھا نہیں یا پہچانتا نہیں اسلئے خبر نہیں کہ گھر میں ہے اُس کے ڈھونڈنیکو گھر سے نکلا بڑے بڑے سفر کئے سفر میں کسی نے پورا پتہ بتلایا کہ وہ ایسی ایسی چیز ہے اور تمہارے گھر میں ہے گھر میں آکر وہ ملگئی جسطرح اس سرخی کے بعد ایک حکایت آویگی کہ کسی بغدادی نے خواب میں دیکھا کہ مصر میں ایک خزانہ ہے وہ اُسکی تلاش میں مصر پہونچا کوتوال نے پکڑلیا اس نے کہا کہ میں چور نہیں ہوں صرف ایسا خواب دیکھا تھا اس لئے یہاں آیا ہوں اُس نے کہا کہ تو بھی عجیب شخص ہے خواب پر اتنا بڑا سفر کیا خواب میں تو مجھکو بارہا نظر آیا ہے کہ بغداد کے فلاں گھر میں کہ وہ اسی کا گھر تھا خزانہ ہے مگر میں نے کبھی اس پر کوئی عملدرآمد نہیں کیا اس شخص کو حیرت ہوگئی اور اپنے گھر آکر خزانہ تلاش کیا اور مل گیا تو پہلے

خواب کا مطلب یہ تھا کہ خزانہ کا پتہ مصر میں ہے پس اسی طرح معیت حق تعالیٰ کی فطری ہے مگر اس کا انکشاف ہر شخص کو نہیں ہے اس کے لئے مجاہدہ کیا جاتا ہے بعد مجاہدہ کے جب اس کا انکشاف ہوتا ہے دیکھتا ہے کہ یہ تو وہی ہے جو پہلے سے میسر تھی اور گو حق تعالیٰ نے یہ خبر دیدی ہے وھو معکم اینما کنتم جسکے بعد ظاہراً عدم انکشاف مستبعد ومستلزم تکذیب نص معلوم ہوتا ہے لیکن اسمیں دو مرتبہ ہیں ایک معیت عقلیہ اعتقادیہ عامہ دوسری معیت ذوقیہ حالیہ خاصہ تو آیت سے قبل ذوق مرتبۂ اولیٰ مفہوم ہوتا ہے چنانچہ اہل ظاہر نے یہی سمجھا ہے اور ذوق کے بعد مرتبہ ثانیہ بھی آیت کا مدلول معلوم ہوتا ہے پس اخبار الٰہی کے بعد عدم انکشاف مرتبہ ثانیہ کا کچھ مستبعد نہیں کیونکہ مرتبہ اولیٰ کے مان لینے سے بھی تصدیق آیت کی ہوجاتی ہے۔ اور اس معیت خاصہ حالیہ کا انکشاف حقیقۃً تو محض فضل و عنایت پر موقوف اور اس کا معلول ہے جسکو جذب کہتے ہیں لیکن عادۃً دو امر پر موقوف ہے ایک یہ سمجھنا کہ یہ معیت حاصل نہیں ہے دوسرا یہ کہ یہ طلب یعنی مجاہدہ سے حاصل ہوگی جسکو سلوک کہتے ہیں اور امر اول پر توقف اس لئے ہے کہ اگر کوئی شخص سمجھے کہ یہ مجھکو حاصل ہے تو وہ طلب ہی کیوں کریگا کہ تحصیل حاصل محال ہے اور امر ثانی پر توقف اس لئے ہے کہ اگر کوئی شخص یہ تو سمجھے کہ مجھکو حاصل نہیں مگر یہ نہ سمجھے کہ طلب مجاہدہ سے اس کا حصول ہوگا تو ظاہر ہے کہ وہ بھی طلب و مجاہدہ نہ کریگا اور گو بعد انکشاف کے یہ معلوم ہوگا کہ میرا یہ سمجھنا کہ مجھکو معیت حاصل نہیں خلاف واقع نکلا کیونکہ معیت تو حاصل تھی اور اسی طرح یہ بھی معلوم ہوگا کہ اس کا حصول مجاہدہ سے نہیں ہوا کیونکہ یہ قبل مجاہدہ بھی حاصل تھا لیکن پھر بھی ان دونوں امر کا اعتقاد ہونا کہ مجھکو حاصل نہیں اور یہ کہ مجاہدہ سے حاصل ہوگا مجھکو مفید ہوا کہ بدون اس کے مجاہدہ نکرتا اور بدون مجاہدہ اس کا انکشاف نہوتا اور بدون انکشاف یہ نہ معلوم ہوتا کہ یہ پہلے سے میسر ہے اور ان دونوں اعتقادوں کو جو خلاف واقع کہا گیا یہ باعتبار ظاہر نظر کے ہے ورنہ واقع میں دونوں اعتقاد مطابق واقع کے ہیں یعنی معیت کا جو درجہ اب حاصل ہوا ہے اس کا پہلے حاصل نہ ہونا بھی اور مجاہدہ کے بعد حاصل ہونا بھی لیکن اگر پہلے سے یہ معلوم ہوتا کہ صرف یہ درجہ حاصل نہیں اور نفس معیت حاصل ہے تو چونکہ اسوقت ان دونوں درجوں میں فرق نہیں کرسکتا تھا اسلئے درجۂ حاصلہ کو کافی سمجھکر درجۂ غیر حاصلہ کو طلب نہ کرتا اس لئے حاصل کے حصول کا استحضار اسکو مضر تھا پس ضرورت اسکی تھی کہ اس کا استحضار نہو پس اس عدم استحضار کو صورۃً اعتقاد عدم حصول کہا گیا اسکی ایسی مثال ہے کہ مبتدی کو جو کمالات حاصل ہیں اگر ان کو وہ مستحضر رکھے تو عجب وغیرہ کا خوف ہے اسلئے یہ کہا جاویگا کہ تم اپنے کو معرا سمجھو اور اس سے یہ شبہ بھی جاتا رہا کہ جہل قبیح ہے اور معیت حسن تو تحصیل حسن کیلئے اعتقاد قبیح شرط و موقوف علیہ کیسے ہوسکتا ہے ورنہ اس قبیح کی تحصیل کا مطلوب ہونا لازم آویگا کیونکہ بوجہ شرطیت کے بدون اسکی تحصیل کے اس حسن کا حصول ممکن نہیں عقلاً یا عادۃً جیسی شرط ہو البتہ اگر قبیح حسن کے لئے سبب محض ہو تو کچھ حرج نہیں کیونکہ بوجہ عدم توقف کے اسکی تحصیل تو لازم نہیں آتی جب وہ حاصل ہوگا اسکی طرف مفضی ہوجاویگا جسکی بہت سی مثالیں عشر ہٰذا کی آخری سرخی کے ذیل میں آوینگی قریب ختم عشر ہٰذا کے یہ چند احکام ہیں مبحث معیت کے متعلق اگلے اشعار میں یہ سب مذکور ہوتے ہیں اسی لئے احقر نے ان سے پہلے یہ تقریر کر دی کہ فہم اشعار میں سہولت ہو پس فرماتے ہیں کہ) میں محبوب کو جسقدر کوشش سے اور مستعد ہوکر طلب کرونگا یہاں تک کہ میں یہ جان لوں کہ (اب) طلب کرنے کی ضرورت نہیں (یعنی معیت خاصہ منکشف ہوجاوے کہ یہ

انتہا ہے سیر الی اللہ کی اور طلب سے یہی مراد ہے جو کہ یہاں منتہی ہو گئی آگے سیر فی اللہ رہتی ہے جسکا کہیں انتہا نہیں کما قال مولانا

	ہرچہ بروے میرسی بروے مایست		اے برادر بے نہایت درگہیست	۵

اور سیر الی اللہ سے مقصود بھی یہی سیر فی اللہ ہے پس اسکو اس مقام پر مقصود کہنا باعتبار مجاہدہ کے ہے کہ اسکی غایت مقصود تو یہی ہے باقی یہ سیر فی اللہ اس غایت کی بھی غایت ہے خوب سمجھ لو اور) وہ معیت (جسکے انکشاف کے بعد یہ حکم کیا گیا ہے تا ابد اخم کہ نمی بایست جست) میرے کان میں کب جاویگی (مراد اس سے اس کا مشاہدہ ہے اطلاقاً للخاص علی العام لان السمع قسم من المشاہدۃ یعنی اس کا مشاہدہ کب ہوگا) جب تک کہ دائرہ زمانہ کے گرد نہ پھر لونگا (یہ کنایہ ہے مجاہدہ سے آگے غایت ہے گردم گرد دوران زمن کی یعنی ہیں) یہانتک (پھرونگا) کہ خطوتان من قطعہما فقد وصل کا حساب مجھکو روشن ہو جاوے (اور) اشکال حل ہو جاوے (یہ ایک مشہور قول ہے جسکا ترجمہ یہ ہے یک قدم بر فرق خود نہ وان دگر در کوئے دوست اور یہ دو قدم کنایہ ہے مجاہدہ سے کہ اس سب کا حاصل فنا و بقا ہے جو کہ دو قدم کے مشابہ ہے اور اس کا حساب روشن ہونا کنایہ ہے حصول مقصود معیت سے اور حل اشکال سے بھی یہی مراد ہے پس مطلب یہ ہوا کہ اتنا پھرونگا کہ مجاہدہ کا ثمرہ یعنی حصول مقصود متحقق ہو جاوے آگے تفسیر ہے شعر آں معیت کے رود الخ کی کیونکہ رفتن معیت در گوش اور گشتن گرد دوران زمن میں قدرے ابہام تھا اس لئے دونوں مصرعوں میں دونوں کی تفسیر کرتے ہیں یعنی) میں معیت کے راز کو کب سمجھ سکتا ہوں (جو کہ مقصود ہے) مگر بعد سفر ہائے دراز (یعنی مجاہدہ) کے (فی الحاشیہ اجتماع لفظ جز با مگر از قبیل اجتماع لفظ نیز و ہم است اور گو آیت میں نص ہے وھو معکم اینما کنتم جس کے بعد معیت کی تصدیق کا مجاہدہ پر موقوف ہونا غیر صحیح معلوم ہوتا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ) حق تعالیٰ نے معیت کی خبر بھی دی ہے اور دل پر مہر بھی کر دی ہے تاکہ گوش دل (یعنی عقل استدلالی) میں (اسکی) جامعیت (کا مرتبہ) آجاوے نہ کہ مانعیت (کا مرتبہ مراد مرتبہ جامعیت سے معنی عام ہیں معیت کے جو مرتبہ عقلیہ اعتقادیہ ہے اور مراد مرتبہ مانعیت سے معنی خاص ہیں معیت کے جو مرتبہ ذوقیہ حالیہ ہے اور وجہ تعبیر ظاہر ہے کہ معنی عام سے اگر کسی خاص کی حد کی جاوے تو اس حد کا افراد محدود کے لئے جامع ہونا تو یقینی ہے مگر مانع نہوگا اور معنی خاص سے اگر حد کی جاوے تو وہ جامعیت کے ساتھ مانع بھی ہوگا مثلاً انسان کی تعریف حیوان کے ساتھ کرنا جامع تو ہے مگر مانع نہیں اور حیوان ناطق مانع بھی ہے اسی طرح معنی عام باعتبار معیت خاصہ کے جامع تو ہے مگر مانع نہیں اور معنی خاص مانع بھی ہے حاصل جواب کا یہ ہوا کہ معیت منصوص تو ہے مگر چونکہ معنی خاص کا انکشاف نہیں ہے جسکو مہر کرنا کہا ہے اس لئے وہ معنی خاص جو کہ جامع مانع ہے مفہوم نہیں ہوتے معنی عام جو کہ صرف جامع ہے مفہوم ہوتے ہیں پس آیت کی تفسیر ان معنی عام کے ساتھ کر لینے سے تصدیق بھی آیت کی ہو گئی اور معنی خاص کے لئے مجاہدہ کی ضرورت کا حکم بھی صحیح رہا پھر) جب بہت سے سفر کئے اور حق راہ (سلوک) کا ادا کیا (جسکو فرماتے ہیں سعی لہا سعیہا) اسکے بعد اس کے دل سے مہر کھولدی (اور انکشاف معیت خاصہ کا ہو گیا اسی ثمرہ کے ترتب علی المجاہدہ کو کسی نے اس طرح کہا ہے ۵

بسیار سفر باید تا پختہ شود خامے		صوفی نشود صافی تا در نکشد جامے	

یہانتک تو توقف انکشاف کا مجاہدہ پر بیان فرمایا جسکو حق نے اوپر اس قول میں لکھا ہے لیکن عادۃً دوام پر موقوف ہے الخ

آگے وہ مضمون ہے جسکو احقر نے اوپر اپنی تقریر کے اخیر میں ذکر کیا ہے اس قول میں کہ گو بعد انکشاف کے یہ معلوم ہوگا الخ چنانچہ فرماتے ہیں کہ مثل خطائیں (یعنی) اُس حساب لطیف کے (جسکو حساب خطائیں کہتے ہیں) اسکو وہ (مقصود یعنی معیّت) منکشف ہوتا ہے بعد دو خطا کے (اور یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ مثل عمل خطائیں کے وہ حساب با صفا یعنی جواب سوال انکو دو خطا کے بعد روشن ہوتا ہے اول حساب خطائیں کو سمجھنا چاہیے جو کہ مشبہ بہ ہے پھر تطبیق کی تقریر آسان ہو جاویگی سو جاننا چاہیے کہ اہل حساب کے نزدیک استخراج عدد مجہول کے کئی طریق اور عمل ہیں ایک عمل اربعہ متناسبہ کا دوسرا خطائیں کا تیسرا عکس و تحلیل و تعاکس کا چوتھا جبر و مقابلہ کا اس جگہ صرف عمل خطائیں کو بتلاتا ہوں اور توجیہ اول پر اُسکو غایت نفاست و لطافت کے سبب با صفا فرمایا ہے حتیٰ کہ بعض نے گو بلا سند ہے اُسکی نسبت لکھدیا ہے وھذا العمل من معجزات احد من الانبیاء واللہ اعلم۔

قاعدہ اُس کا یہ ہے کہ کسی عدد مجہول کے سوال کے جواب کے لئے ایک عدد جو چاہو فرض کرو مثلاً کسی نے سوال کیا کہ وہ کون عدد ہے کہ اگر اُس عدد پر اُس کا دو ثلث اور واحد صحیح بڑہا دیا جاوے تو دس حاصل ہو جاویں تو تم اس کا جواب دینے کے لئے جو عدد چاہو کیفما اتفق فرض کر لو مثلاً ہمنے اُس کے جواب کے لئے نو کا عدد لیلیا اور اسکا نام مفروض اول رکھ لو اور اُس میں وہ عمل کر کے دیکھو جو سائل نے بتلایا ہے یعنی نو پر اُس کا دو ثلث اور واحد بڑہاؤ چنانچہ ہمنے نو کے ساتھ یہ عمل کیا کہ اُسپر اُسکا دو ثلث یعنی چھ اور پھر ایک بڑہایا تو حاصل سولہ ہوئے سو کبھی تو اس عمل کرنے سے یہ عدد مفروض عدد مقصود کی مطابق نکلیگا تب تو جواب حاصل ہوگیا اور کبھی مطابق نہ نکلیگا غلط نکلے گا جیسا یہاں ہوا کہ نو کے ساتھ یہ عمل کرنے سے دس حاصل نہیں ہوا بلکہ سولہ حاصل ہوئی جیسا ابھی گذرا اب اس عدد حاصل یعنی سولہ اور اُس عدد مطلوب یعنی دس میں تفاوت دیکھیں گے سو یہاں تفاوت چھ کا ہے اس چھ کو خطاء اول کہیں گے پھر جواب معلوم کرنیکے لئے ایک اور عدد کیفما اتفق فرض کر لو مثلاً ہم نے دوسری بار میں چھ کا عدد لیلیا اور اس کا نام مفروض ثانی رکھ لو اور اسمیں وہی عمل کر کے دیکھو چنانچہ ہم نے چھ پر اُس کا دو ثلث یعنی چار اور ایک مجموعہ پانچ بڑہایا تو حاصل گیارہ ہوئے سو اگر اس عمل سے دس حاصل ہو جاتے تو چھ عدد مطلوب ہوتا لیکن یہاں بھی مطابق نہ نکلا اُس سے ایک زائد رہا پس اس تفاوت کو خطاء ثانی کہیں گے پھر مفروض اول کو مثلاً نو کو خطاء ثانی میں مثلاً ایک میں ضرب دینگے اور حاصل ضرب کو یعنی مثلاً نو کو محفوظ اول کہیں گے اور مفروض ثانی کو مثلاً چھ کو خطاء اول میں مثلاً چھ میں ضرب دینگے اور حاصل ضرب کو مثلاً چھتیس کو محفوظ ثانی کہیں گے اس کے بعد دیکھیں کہ خطاء اول مثلاً چھ اور خطاء ثانی مثلاً ایک آیا عدد مطلوب یعنی مثلاً دس سے زائد ہیں یا کم یا ایک زائد ہے ایک کم اگر دونوں زائد ہوں یا دونوں ناقص ہوں جیسے یہاں دونوں ناقص ہیں تب تو یہ دیکھو کہ خطاء اول اور خطاء ثانی میں کیا تفاوت ہے مثلاً یہاں یہ تفاوت پانچ کا ہے اور یہ دیکھو کہ محفوظ اول و محفوظ ثانی میں کیا تفاوت ہے مثلاً یہاں یہ تفاوت ستائیس کا ہے پس تفاوت بین المحفوظین کو مثلاً ستائیس کو تفاوت بین الخطائین پر مثلاً پانچ پر تقسیم کر دو حاصل قسمت عدد مطلوب ہوگا مثلاً ہم نے جب ستائیس کو پانچ پر تقسیم کیا تو حاصل ہوا پانچ صحیح اور پانچ خمس بس یہی عدد مطلوب ہے چنانچہ اگر اس پر اس کا دو ثلث اور ایک صحیح بڑہا دو تو دس حاصل ہو جاویگا اور اس بڑہانیکا یعنی جمع کرنے کا آسان طریق یہ ہے کہ اُس پانچ صحیح کو جنس کسر یعنی

خمس سے بنالو چنانچہ ایسا کرنے سے پانچ کے تو پچیس خمس ہوئے اور اسکو تجنیس کہتے ہیں اور دو خمس اس کے ساتھ پہلے سے تھے کل ستائیس خمس ہوئے پھر اس پر اس کے دو ثلث کو بڑھایا یعنی اٹھارہ خمس اور ملادیئے ستائیس اور اٹھارہ ملکر پینتالیس خمس ہوگئے اب ہمنے اسکو صحیح عدد اس طرح بنایا کہ اسکو پانچ پر تقسیم کردیا تو حاصل قسمت نو ہوا اسکو رفع کہتے ہیں پھر اس پر واحد صحیح بڑھادیا دس ہوگئے یہی مطلوب تھا یہ قاعدہ تو اسوقت تھا جبکہ خطائیں مطلوب پر زائد یا مطلوب سے ناقص ہوں اور اگر ایک زائد اور ایک کم ہو تو اس کا قاعدہ یہ ہے کہ مجموعہ محفوظین کو مجموعہ خطائیں پر تقسیم کردو حاصل قسمت عدد مطلوب ہوگا مثال خود نکال لو اصل قاعدہ کے لئے ایک مثال لکھدینا کافی ہے ہذا کلہ من خلاصۃ الحساب یہ تو مشبہ کی تحقیق تھی اب تطبیق تشبیہ کو سمجھو کہ جسطرح اس عمل میں دو خطا ایک خاص عمل سے سبب ہوگئیں وصول الی المطلوب کی اسی طرح مشبہ میں دو امر جنکا خلاف واقع ہونا بعد انکشاف کے معلوم ہوتا ہے ایک یہ کہ مجھکو معیت حاصل نہیں دوسرے یہ کہ مجاہدہ سے حاصل ہوگی یہ دونوں امر خلاف واقع ایک خاص وجہ سے واسطہ ہوگئے حصول مطلوب یعنی معیت کے چنانچہ ان دونوں امر کا خلاف واقع ہونا مع تفسیر خلاف واقع ہونے کے اوپر اس قول میں مذکور ہوا ہے اور گو بعد انکشاف کے الخ اور ان دونوں کا واسطۂ مطلوب ہونا اس قول میں مذکور ہوا ہے لیکن عادۃً دوام پر موقوف ہے الخ اور وہ خاص وجہ اس قول میں مذکور ہوئی ہے اور امر اول پر توقف اس لئے ہے الخ الحمد للہ کہ مقام توقع سے زیادہ حل اور واضح ہوگیا آگے بیان ہے معیت حاصلہ کے قبل المجاہدہ علم نہ ہونیکے ایک فائدہ کا جسکو اوپر کی تقریر میں اس قول میں احقر نے لکھا ہے لیکن پھر بھی ان دونوں امر کا الخ آگے اسی کو فرماتے ہیں یعنی) اس (انکشاف) کے بعد (شکراً للنعمۃ نہ کہ تاسفاً کما یمکن ان یتوہم) کہتا ہے کہ اگر میں اس معیت کو (پہلے سے یعنی قبل المجاہدہ) جانتا تو اسکی کب طلب کرتا۔ (اور بدون طلب کے ایسا انکشاف کب میسر ہوتا اور اس حالت میں اس انکشاف کے برکات سے محروم رہتا پس) اسکا (پورا) علم (کہ ذوقی و حالی ہے) سفر (و مجاہدہ) پر موقوف تھا (کیونکہ بدون ذوق کے صرف) ذکاوت فکر سے یہ علم میسر نہیں آتا (اور بدون مجاہدہ کے ذوق نہیں ہوتا پس بدون مجاہدہ کے یہ علم میسر نہوتا آگے اس توقف کی مثال ہے تاکہ رتبہ اس توقف کا واضح ہو کہ عادی ہے ورنہ اصل علت اسکی فضل و عنایت ہے جیسا احقر نے اسی تقریر میں اسکو بھی لکھا ہے اس قول میں اور اس معیت خاصہ حالیہ کا انکشاف الخ پس فرماتے ہیں کہ یہ توقف ایسا ہے) جیسا کہ (ادائے) قرض شیخ کا طریق معلق اور موقوف تھا اس ہستی (ضعیف) کے گریہ پر (آگے اس ہستی کی تعیین ہے یعنی) ایک حلوا فروش لڑکا زار زار رویا جسکے بعد) اس شیخ کبیر کا قرض ادا کردیا گیا (تو ظاہر ہے کہ گریہ کا ادائے قرض سے کوئی موثر تعلق نہیں محض ایک بہانہ تھا توجہ رحمت حق کے لئے اور اصل علت رحمت حق تھی اسی طرح مجاہدہ ایک بہانہ ہے توجہ رحمت حق کا اور اصل علت رحمت ہے آگے اس قصہ کا پتہ بتلاتے ہیں کہ) وہ پر مغز داستان اس کے قبل اشعار مثنوی میں کہی گئی ہے یہ مضمون (اسکی حکایت کا دفتر دوم میں گذرا ہے اگر تجھکو (قصہ) معلوم نہو تو اس جگہ رجوع کرلے یہانتک سالک کے مجاہدہ و طلب کا مضمون تھا جس کے ضمن میں یہ بھی مذکور ہوا ہے کہ سالک نے مجاہدہ کو سبب حصول مقصود کا سمجھا مگر وہ محض ایک بہانہ تھا مقصود اسکو دوسری جگہ سے یعنی عنایت حق سے ملا اس کے بعد ایک مثال دی جس سے معلوم ہوا کہ اسمیں کچھ تخصیص مقصود سلوک

کی نہیں دوسرے مقاصد میں بھی حق تعالیٰ خلاف توقع موقع سے مقصود عطا فرما دیتے ہیں آگے اسی کو بطور کلی کے بیان فرماتے ہیں تاکہ زیادہ تعمیم ہوجاوے جس کے عموم میں سالک کے معاملات بھی داخل ہیں کہ بعض اوقات وہ اپنی اصلاح و تربیت کے لئے ایک طریق تجویز کرتا ہے مگر یہ مقصود کسی دوسرے ایسے طریق یا عمل سے حاصل ہوتا ہے جسکا گمان بھی نہ تھا اور اہل سلوک اسکا شب و روز مشاہدہ کرتے ہیں سرخی میں اس عموم اور ان معاملات کی تصریح ہے اور اسی کے ساتھ اخیر میں شہزادہ کے قصہ کو چسپاں کر دینگے اور پھر اسی کلی کی تائید کے لئے وہ قصہ لا دینگے جسکو احقر اشعار مقام کی شرح میں اجمالاً لایا ہے پس یہ سب مضامین اول اشعار سے حکایت مستقبلہ تک باہم متناسق و متلاصق و متجاذب ہیں پس فرماتے ہیں کہ جیسا کہ اوپر معلوم ہو چکا کہ جس پر من کل الوجوہ سبب کا گمان ہوتا ہے وہ غیر سبب ثابت ہوتا ہے جیسے مجاہدہ وصول کے لئے اور جس پر من وجہ بھی سبب کا گمان نہیں ہوتا وہ من وجہ سبب ہوتا ہے جیسا گریہ کودک ادائے قرضہ کے لئے اور یہ دونوں سبب موثر حقیقی نہ ہونیکے اعتبار سے فی نفسہ ایک ہی درجہ کے ہیں مگر تفاوت صرف یہ ہوا کہ ایک کو سبب مستقل سمجھا تھا اور گمان غلط ہوا اور ایک کو کسی درجہ میں بھی سبب نہ سمجھا تھا اور وہ ایک درجہ میں سبب نکلا اسی طرح) حق تعالیٰ تیرے دل میں (بعض اوقات) ایسے موضع سے خوف پیدا کر دیتا ہے کہ بجز اس (موضع) کے تیرے لئے کوئی امیدگاہ نہیں ہوتی (یعنی جس جگہ سے اتنی بڑی امید ہو کہ امید منحصر ہوجاوے اس جگہ میں حق تعالیٰ جب چاہیں اسی موضع کو خوفناک جہاں امید کا احتمال بھی نہ رہے بنا دیتا ہے پس یہ تا بمعنی کاف بیانیہ ہے کما فی الغیاث و برائے بیان آید یعنی قائم مقام کاف بیانیہ و دو مثال آوردہ اور محشین نے دو توجیہ کی ہیں اول ضمیر انت راجع بسوئے مطلوب ست اگرچہ مذکور نیست لیکن مقام قرینہ است دوسری از ترک موضعے خوف پیدا میکند تا طمع تو غیر آں موضع بود آہ اب تمکو جو پسند آوے میری توجیہ پر یہ مادہ وہ ہوا کہ سبب متوقع کو غیر سبب بنا دیا پھر یہ کہ چندے اس کے طمع کا بننے میں کیا فائدہ ہوا اس کا جواب یہ ہے کہ) خود طمع میں دوسرا فائدہ رکھتا ہے (جسکا بیان عنقریب آتا ہے از برائے حکمت الخ) اور وہ تیری مراد دوسرے شخص سے دیتا ہے (جہاں خیال بھی نہ تھا یہ وہ مادہ ہوا کہ غیر سبب کو سبب متوقع بنا دیا سابق کا عکس) اے شخص جو کہ ایک جگہ میں سخت توقع باندھے ہوئے ہے کہ مجھکو اس درخت بلند سے میوہ ملیگا (سمجھ لے کہ بعض اوقات) وہ امید وہاں سے پوری نہ ہوگی بلکہ دوسری جگہ سے وہ عطا آویگی (اب پھر سوال رہا کہ اس طمع کو پھر کسلئے تیرے اندر رکھا جبکہ اس کا قصد (اس جگہ سے) اکرام اور عطا کا نہ تھا جواب یہ ہے کہ) کسی حکمت اور صنعت کے لئے (یہ طمع رکھی تھی یہاں تعیین نہیں کی اس حکمت کی ممکن ہے کہ مراد یہی ہو کہ حکمت کی تعیین ضروری نہیں اجمالاً اتنا سمجھ لینا کافی ہے یا بنا بر ظہور کے ذکر نہیں فرمایا وہ یہ کہ عقیدہ و عمل تمہارا درست رہے کہ کسی چیز کو موثر مستقل نہ سمجھو کہ خلاف توحید و توکل ہے یہ تو علوم ظاہرہ کے مناسب فائدہ ہے) نیز (علم باطنی کے مناسب بھی ایک فائدہ ہے وہ یہ کہ) تاکہ تیرا دل حیرت میں ہو جاوے (یعنی) تاکہ تیرا دل حیران ہو جاوے اے مستفید (اور حیرت اس میں ہو) کہ میری مراد کہاں سے ملے گی (اور حیرت کا یہ فائدہ ہے) تاکہ تو اپنے عجز (مقابل قدرت) و جہل (مقابل علم) کو جان لے (کہ میں کچھ اور سمجھا تھا مگر وہ غلط نکلا یہ جہل ہوا اور میں نے چاہا اور جگہ سے اور ملا اور جگہ سے یہ عجز ہوا

اور اس عجز و جہل کے جاننے کا یہ فائدہ ہے) تاکہ تیرا یقین بالغیب اور زیادہ ہو جاوے (کہ خدا تعالیٰ کو قادر اور عالم مطلق سمجھے اور حیرت اس تقریر میں تو مقصود بالعرض ہوئی چنانچہ اُس کا فائدہ مشاہدۂ عجز و جہل عبد اور اُسکا فائدہ مشاہدۂ قدرت و علم حق بیان کیا گیا اور یہ مشاہدہ ذوقی ہے اور از برائے حکمتے الخ کی شرح میں جو ایک فائدہ توجیہ صحت عقیدہ و عمل میں کہا گیا تھا وہ علم اعتقادی ہے پس قولہ شود ایقان تو در غیب بیش کے معنی یہ ہوں گے کہ در عقائد غیبیہ یقین باینطور بیش شود کہ ذوق ہم با اعتقاد منضم شود آگے حیرت کا فی نفسہ مقصود ہونا بھی فرماتے ہیں یعنی) نیز (یہ فائدہ ہے کہ) تیرا دل حیران رہے مقام طلب آب و علف میں کہ (دیکھئے) تصرف کرنے والا اس طمع سے کیا چیز پیدا کرتا ہے (پس یہ حیرت خود بھی ایک حال عالی ہے اور راز اس میں یہ ہے کہ یہ ایک تجلی کا اثر ہے اور یہ حیرت محمودہ کہلاتی ہے جسکا سبب تواتر و توارد تجلیات ہے جیسا بیان ہوا کہ حق تعالیٰ کے تصرفات متنوعہ اس کے پیش نظر ہو کر حیرت ہو گئی کہ خدا جانے اس سبب کو وہ فلاں طریق سے پیدا کریگا یا فلاں طریق سے پس یہ کثرت علوم سبب حیرت کا ہو گئی آگے بعضی مثالیں ہیں مضمون بالا کی یعنی) تو روزی کی طمع خیاطی میں رکھتا ہے تاکہ خیاطی سے زر حاصل کرے جب تک تو زندہ رہے (لیکن) وہ تیرا رزق زرگری میں پیدا کرتا ہے کہ وہ ذریعہ کمائی کا تیرے خیال سے بھی بعید تھا (اور جو سوال حکمت کا اوپر تھا وہ آگے پھر ہے مگر تکرار اس لئے نہیں کہ وہ ایک کلیہ پر سوال تھا یہ ایک جزئیہ پر ہے اور جزئیہ کی تحقیق امکن فی النفس ہوتی ہے یعنی سوال یہ ہے کہ) پھر طمع خیاطی میں کس لئے تھی جبکہ تیرے لئے دوسری جگہ دروازہ (رزق) مفتوح فرمایا (آگے جواب ہے کہ) کسی عجیب حکمت کے لئے جو علم حق میں ہے کہ اُس حکم کو ماسبق میں لکھدیا ہے نیز تاکہ تیری قوت فکریہ حیران رہے تاکہ حیرانی تیرا پورا شیوہ ہو جاوے آگے رجوع ہے قصہ کی طرف کہ شہزادہ نے کہا کہ یہی میرا عقیدہ ہے کہ کام اُن کے قبضہ میں ہے) خواہ میری اس سعی سے وصال محبوب ملجاوے خواہ کسی ایسے طریق سے جو سعی جوارح سے خارج ہو میں یہ نہیں کہتا کہ اسی طریق سے مراد حاصل ہو جاویگی میں تو مضطربانہ حرکت کرتا ہوں (اور دیکھتا ہوں) کہ کس جگہ سے فتح باب ہوگا (جیسا) سر بریدہ مرغ ہر طرف گرتا پھرتا ہے کہ کونسی طرف (اُسکی) جان بدن سے خلاصی پاوے (اسی طرح میں خیال کرتا ہوں کہ) خواہ میری مراد اس خروج (فی طلب المحبوبۃ الیٰ سلطان الصین) سے برآوے یا کسی دوسرے برج سے فلک ذات البروج میں سے (شاید یہ محاورہ بنا بر اصطلاح اہل نجوم کے ہو کہ وہ بروج کا دخل حوادث میں مانتے ہیں) **ف**۔ اسی مضمون کی تائید میں کہ گمان کچھ ہوتا ہے واقعہ کچھ ہوتا ہے جسکا گمان بھی نہیں ہوتا ایک حکایت لاتے ہیں جسکو بندہ اجمالاً اشعار مقام کی شروع شرح میں لکھ چکا ہے۔

حکایت مرد میراث یافتہ کہ در خرج اسراف کرد مفلس شد

بود زر میراثئے را بے شمار	**جملہ را خورد و بماند او عور زار**
ایک میراث یابندہ کے پاس بے شمار زر تھا	سب کو کھا گیا اور برہنہ زار رہ گیا

مال میراثی ندارد خود وفا | چوں بناکام از گذشتہ شد جدا

مال میراثی خود وفا نہیں رکھتا | جب کہ ناکامی کے ساتھ وہ متوفی سے جدا ہوگیا ہے

او نداند قدر ہم کاساں بیافت | کو بکد و رنج و کسبش کم شتافت

وہ قدر بھی نہیں جانتا کیونکہ اُس نے آسانی سے پالیا | اس لئے کہ وہ اُسکی مشقت اور تعب اور کمائی میں نہیں دوڑا

قدر جاں زاں می ندانی ای فلاں | کہ بدادت حق بہ بخشش رایگاں

تو جان کی قدر بھی اس لئے نہیں جانتا | کہ خدا تعالی نے تجکو مفت دیدی ہے

نقد رفت و کالہ رفت و خانہا | ماند چوں چغداں دراں ویرانہا

نقد بھی جاتا رہا اور متاع بھی اور گھر بھی | وہ مثل چغدوں کے ویرانوں میں رہ گیا

گفت یا رب برگ دادی رفت برگ | یا بدہ برگے و یا بفرست مرگ

کہا کہ اے رب آپنے سامان دیا تھا سامان جاتا رہا | یا تو سامان دیجئے اور یا موت بھیجئے

چوں تہی شد یاد حق آغاز کرد | یا رب و یا رب اجرنی ساز کرد

جب خالی ہوگیا یاد حق شروع کی | یا رب اور یا رب مجکو پناہ دے کا سامان مہیا کیا

چوں پیمبر گفت مؤمن مزہرست | در زمان خالیی نالہ گرست

جب پیمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مومن مزمار ہے | خلو کے وقت میں وہ نالہ گر ہوتا ہے

چوں شود پر مطربش بنہد ز دست | پر مشو کاسیب دست او خوش ست

جب وہ پر ہو جاتی ہے تو مطرب اُسکو ہاتھ سے رکھدیتا ہے | تو پر مست ہو کیونکہ اُسکے ہاتھ کا قرع خوش ہے

تی شو و خوش باش بین الاصبعین | کز مئے لا این سرمست ست این

تو تہی ہو جا اور بین الاصبعین خوش رہ | کیونکہ شراب لا مکان سے مکان سرمست ہے

رفت طغیان آب از چشمش کشاد
طغیان جاتا رہا پانی اسکی آنکھ سے کھل گیا

ابر چشمش زرع دیں را آب داد
اسکی ابر چشم نے زرع دین کو پانی دیا

در دعا و لابہ در زد ہر دو دست
دعا و تملق میں اس نے دونوں ہاتھ سے تمسک کیا

زر طلب شد بے تعب آں زر پرست
وہ زر پرست بلا تعب زر طلب ہوا

ایک میراث یابندہ کے پاس بیشمار زر تھا سبکو کھا گیا اور برہنہ زار رہ گیا (آگے عادت غالبہ کے موافق مال میراثی کے متعلق فرماتے ہیں کہ) مال میراثی خود وفا نہیں رکھتا جبکہ ناکامی کے ساتھ وہ متوفی سے جدا ہو گیا ہے (حالانکہ اس نے بہت محنت سے کمایا تھا مگر اس کے پاس بھی نہ رہا تو وارث کے پاس تو کیا رہے گا کیونکہ) وہ (تو اسکی) قدر بھی نہیں جانتا کیونکہ اس نے آسانی سے پا لیا اسلئے کہ وہ اس کے مشقت اور تعب اور کمائی میں نہیں دوڑا (آگے ایک شعر بطور انتقال کے ہے کہ) تو جان کی قدر بھی اس لئے نہیں جانتا کہ خدا تعالیٰ نے تجھکو مفت دیدی ہے (چنانچہ مشاہد ہے کہ اسکو نہ مضرات دنیویہ سے بچاتا ہے نہ مضرات اُخرویہ سے اور نہ اس پر حق تعالیٰ کا کوئی معتدبہ شکر ادا کیا جاتا ہے غرض اس شخص کا نقد بھی جاتا رہا اور متاع بھی اور گھر بھی (اور) وہ مثل جغدوں کے ویرانوں میں رہگیا (آخر حق تعالیٰ سے دعا میں کہا کہ اے رب آپنے سامان دیا تھا (مگر میری حماقت سے وہ) سامان جاتا رہا (اب) یا تو سامان دیجئے اور یا موت بھیجئے (کہ بے سامانی پر صبر نہیں ہوتا) جب خالی ہو گیا یاد حق شروع کی (اور) یا رباہ یا رب مجھکو (مصیبت سے) پناہ دے (اس) کا سامان مہیا کیا (آگے تہی شکمی و ناداری کی جسکا اوپر ذکر تھا چوں تہی شد ایک فضیلت بیان کرتے ہیں کہ وہ جالب ہے تضرع کی یعنی) جب پیمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مومن (کی مثال) مزمار (کی سی) ہے (اس لئے) خلو کے وقت میں وہ نالہ گر ہے (جیسے نے کہ مجوف ہونے کے وقت اس میں آواز خوش پیدا ہوتی ہے اور مصمت میں سے نہیں نکلتی اس حدیث کے یہ الفاظ لکھے ہیں المؤمن کمثل المزمار لا یحسن صوته الا بخلاء بطنه ۔ اس حدیث کی تو مجھکو تحقیق نہیں لیکن یہ امر فی نفسہ مشاہد اور مطابق واقع کے ہے آگے اسی کا تتمہ ہے کہ) جب وہ (نے) پُر (اور مصمت) ہو جاتی ہے تو مطرب اسکو ہاتھ سے رکھ دیتا ہے (کیونکہ اب اس میں سے آواز نہ نکلے گی اسی طرح جب تو پُر ہونے سے قابل نالہ کے نہ رہے تو تجھپر محبوب کا وسیلہ دست شفقت نہیں رہتا بس) تو پرمست ہو کیونکہ اس (محبوب) کے ہاتھ کا قرع (زیادہ) خوش ہے (یعنی نے پر بجانے کے وقت جسطرح زمار انگلیاں رکھتا اٹھاتا ہے جو ایک قسم کا قرع ہے مگر نے کی خوبی اسی سے ظاہر ہوتی ہے اسی طرح اگر محبوب تیرے اندر اس طرح کے تصرفات کرے جو سبب ہوں نالہ کا تو یہ سبب ہے تیری تہذیب و تکمیل کا پس تجھکو چاہیے کہ) تو تہی ہو جا اور بین الاصبعین خوش رہ (نی مخفف نہی) کیونکہ شراب لامکان سے مکان سرمست رہے (یعنی اگر تو ہوا و شہوت سے خالی رہا تو جس طرح خلو نے کے وقت زمار اس میں اپنی آواز بھرتا ہے جس سے مستی پیدا ہوتی ہے

(اسی طرح تیرے اندر کہ تونکانی ہے فیض ربانی کہ لامکانی ہے بھرا جاوے گا جو سبب ہوگا عشق ہستی کا خود تیرے لئے بھی اور دوسروں کے لئے بھی اسی کو شئے لاایں کہدیا گیا پس خلوکی اس خاصیت کے موافق اُس شخص کا) طغیان جاتا رہا (جسکا سبب کبھی استغنا ہو جاتا ہے قال تعالیٰ کلا ان الانسان لیطغی ان راٰہ استغنے اور) پانی اسکی آنکھ سے کھل گیا (یعنی آنسو جاری ہوگئے اور) اُس کے ابر چشم نے (اُس کے) زرع دین کو پانی دیا (اور) دعا و تملق میں اُس نے دونوں ہاتھ سے تمسک کیا (اور) وہ زر پرست (یعنی طالب زر) بلا تعب زر طلب ہوا (بے تعب قید زر کی ہے یعنی یہ دعا کرتا تھا کہ مجھکو بلا تعب زر ملجاوے جیسے اس دفتر کے عشر خاص کے شروع میں فقیر روزی طلب بے کسب کا قصہ آیا ہے آگے بمناسبت مضمون دعا کے تاخیر اجابت کی ایک حکمت جو کہ دعا میں واقع ہوتی ہے بیان فرماتے ہیں)

سبب تاخیر اجابت دعائے مومن

اے بسا مخلص کہ نالد در دعا
اے بہت سے مخلص کہ دعا میں نالہ کرتے ہیں

تا رود بالائے ایں سقف بریں
یہانتک کہ اس سقف عالی کے اوپر تک

پس ملائک با خدا نالند زار
پس ملائکہ خدا تعالیٰ سے زار زار نالہ کرتے ہیں

بندۂ مومن تضرع میکند
بندۂ مومن تضرع کر رہا ہے

تو عطا بیگانگاں را میدہی
آپ بیگانوں کو عطا دیتے ہیں

حق بفرماید نہ از خواری اوست
حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اسکی بیقدری کے سبب نہیں ہے

دود اخلاصش بر آید تا سما
اُس کے اخلاص کا دھواں آسمان تک پہونچتا ہے

بوئے مجمر از انین المذنبین
انگیٹھی کی خوشبو نالۂ گنہگاراں سے جاتی ہے

کاے مجیب ہر دعا وے مستجار
کہ اے اجابت کرنیوالے ہر دعا کے اور اے وہ ذات جسکی پناہ طلب کیجاتی ہے

او نمی داند بجز تو مستند
وہ بجز آپکے کسی کو تکیہ گاہ نہیں جانتا ہے

از تو دارد آرزو ہر مشتہی
آپ سے ہر خواہشمند آرزو رکھتا ہے

عین تاخیر عطا یاری اوست
عین یہی تاخیر عطا اُسکی امداد ہے

نالۂ مومن ہمی داریم دوست
ہم مومن کے نالہ کو دوست رکھتے ہیں

گو تضرع کن کہ ایں اعزاز اوست
کہو کہ تضرع کرتا رہ کیونکہ یہ اسکا اعزاز ہے

حاجت آوردش زغفلت سوئے من
حاجت اسکو غفلت سے میری طرف لائی ہے

آں کشیدش مو کشاں در کوئے من
اسی نے اسکو موکشاں میرے کوچہ میں پہنچایا ہے

گر برآرم حاجتش او وا رود
اگر میں اسکی حاجت پوری کردوں تو وہ واپس چلا جاویگا

ہم دراں بازیچہ مستغرق شود
اسی بازیچہ میں مستغرق ہوجاویگا

گرچہ می نالد بجاں یا مستجار
اگرچہ یہ جان سے نالہ کررہا ہے کہ اے مستجار

دل شکستہ سینہ خستہ سوگوار
دل شکستہ سینہ خستہ سوگوار

خوش ہمی آید مرا آواز او
مجکو اس کی آواز بھلی معلوم ہوتی ہے

واں خدایا گفتن و آں راز او
اور وہ اس کا خدایا کہنا اور اس کا وہ راز

زانکہ اندر لابہ و در ماجرا
اور یہ امر کہ وہ تملق اور ماجرا میں

می فریباند بہر نوعے مرا
ہر ہر طرح سے مجکو پھسلاتا ہے

طوطیان و بلبلاں را از پسند
طوطیوں اور بلبلوں کو پسندیدگی کی وجہ سے

از خوش آوازی قفس در میکشند
خوش آوازی کے سبب قفس کے اندر بند کردیتے ہیں

زاغ را و چغد را اندر قفص
زاغ اور چغد کو قفس کے اندر کب کرتے ہیں

کے کنند ایں خود نیامد در قصص
یہ بات قصوں میں خود نہیں آئی

پیش شاہد باز چوں آید دو تن
شاہد باز کے سامنے جب دو شخص آویں

آں یکے کمپیر و دیگر خوش ذقن
ایک بڑھیا اور دوسری خوش ذقن ہو

ہر دو نان خواہند او زوتر فطیر
دونوں روٹی مانگیں تو وہ شخص جلدی سے روٹی

آرد و کمپیر را گوید کہ گیر
لے آوے گا اور بڑھیا سے کہے گا کہ لے

واں دگر را کہ خوش ستش قد و خد
اور اُس دوسری کو جسکا قد اور رخسار خوبصورت ہے

کے دہد نان بل بتاخیر افگند
روٹی کب دے گا بلکہ تاخیر میں ڈالے گا

گویدش بنشیں زمانے بے گزند
اُس سے کہیگا کہ تھوڑی دیر بے گزند بیٹھ جا

کہ بخانہ نان تازہ می پزند
کہ گھر میں تازہ روٹی پکار ہے ہیں۔

چوں رسد آں نان گرمش بعد کد
جب گرم روٹی بعد مشقت کے آجاوے

گویدش بنشیں کہ حلوا میرسد
تو اُس سے کہتا ہے کہ بیٹھ جا کہ حلوا آتا ہے

ہم بدیں فن دار دارش میکند
اس ترکیب سے اسکو ذرا ٹھہر جا ذرا ٹھہر جا کرتا رہتا ہے

وز رہ پنہاں شکارش میکند
اور راہ پنہاں سے اُس کو شکار کرتا ہے

کہ مرا کاریست با تو یک زماں
کہ مجکو تجھسے ایک کام ہے ذرا تھوڑی دیر

منتظر می باش اے خوب جہاں
اور منتظر رہ اے حسین جہاں

تا بدیں حیلت فریباند ورا
تاکہ اس بہانہ سے اسکو پھسلا دے

تا مطیع و رام گرداند ورا
تاکہ اُس کو مطیع و مسخر کرلے

مثل آں کمپیر داں بیگانگاں
مثل اس بڑھیا کے بیگانوں کو سمجھ

شاہد خوش روئے مثل مومناں
شاہد خوش رو مثل مومنوں کے ہے

ایں جہاں زندان مومن زیں بود
یہ دنیا سجن مومن اسی لئے ہے

کافراں را جنت عاجلے شود
کافروں کے لئے جنت عاجلہ ہے

بیمرادی مومناں از نیک و بد | تو یقین میدان کہ بہر ایں بود

مومنوں کی بے مرادی خواہ وہ نیک ہو خواہ وہ بد ہو | تو یقین جان کہ اسی لئے ہوتی ہے

اے بہت سے مخلص کہ دعا میں نالہ کرتے ہیں (اور) اُس کے اخلاص کا دھواں (جو آہ و نالہ سے نکلتا ہے) آسمان تک پہونچتا ہے یہانتک کہ اس سقف عالی کے اوپر تک انگیٹھی کی خوشبو نالہ گنہگاران سے جاتی ہے (ان کے سینہ کو انگیٹھی سے تشبیہ دی کہ نالہ و گریہ سے گرمی پیدا ہوتی ہے اور مذنبین کی قید غیر مذنبین سے احتراز کیلئے نہیں واقعی ہے کیونکہ غیر نبی سے کسی نہ کسی درجہ میں ذنوب ضرور ہی صادر ہوتے ہیں غرض اُسکی نالہ و دعا کی تو یہ کیفیت ہوتی ہے مگر اجابت میں توقف واقع ہوتا ہے) پس (اُسوقت اس تاخیر کو دیکھکر) ملائکہ خدا تعالے سے زار زار نالہ کرتے ہیں کہ اے اجابت کرنے والے ہر دعا کے اور اے وہ ذات جسکی پناہ طلب کی جاتی ہے (یہ) بندۂ مومن تضرع کر رہا ہے (اور) وہ بجز آپ کے کسی کو تکیہ گاہ نہیں جانتا ہے آپ بیگانوں (یعنی کفار) کو عطا دیتے ہیں آپ سے ہر خواہشمند آرزو رکھتا ہے (اور باوجود اس کے اسکی عرض قبول فرمانے میں اسقدر توقف ہوا اس میں کیا مصلحت ہے) حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ (یہ تاخیر اجابت) اس کی بے قدری کے سبب نہیں ہے (بلکہ) عین یہی تاخیر عطا اسکی امداد (اور عطا) ہے جسکا بیان آگے آتا ہے یعنی وہ یہ کہ) ہم مومن کے نالہ کو دوست رکھتے ہیں (اے مخاطب اس مومن سے) کہو کہ تضرع کرتا رہ کیونکہ یہ (امر کہ یہ تضرع کرے اور ہم دینے میں دیر کریں) اس کا اعزاز ہے (جیسا آگے مثالوں میں آویگا) حاجت اسکو غفلت سے میری طرف لائی ہے اُسی (حاجت) نے اسکو ہو کشاں میرے کوچہ میں پہونچایا ہے (پس) اگر میں اسکی حاجت پوری کر دوں تو وہ (میرے کوچہ سے پھر غفلت کی طرف) واپس چلا جاویگا (یعنی) اُسی بازیچہ (و غفلت) میں مستغرق ہو جاویگا اگرچہ یہ جان سے نالہ کر رہا ہے کہ اے مستجار (اور اس حالت میں نالہ کر رہا ہے کہ) دل شکستہ سینہ خستہ سوگوار ہے اور اس نالہ کا مقتضا یہ تھا کہ اُسکی حاجت جلدی پوری کر دی جاتی لیکن توقف اس لئے ہے کہ مجھکو اسکی آواز بھلی معلوم ہوتی ہے اور اُس کا وہ خدایا کہنا اور اُس کا وہ راز اور یہ امر کہ وہ تملق اور ماجرا میں ہر ہر طرح سے مجکو پھسلاتا ہے (یہ سب اچھا معلوم ہوتا ہے اور می فریباند میں مجاز ہے یعنی ہر ہر نوع تملق می کند مثل آنکس کہ کسے را فریباند آگے مولانا مضمون بالا کی دو مثالیں بتلاتے ہیں ایک یہ کہ) طوطیوں اور بلبلوں کو پسندیدگی کی وجہ سے خوش آوازی کے سبب قفس کے اندر بند کر دیتے ہیں (اور) زاغ اور جغد کو قفس کے اندر کب کرتے ہیں یہ بات قصوں میں خود (کبھی سننے میں) نہیں آئی (دوسری مثال یہ کہ) شاہد باز (عاشق مزاج) کے سامنے جب دو شخص آویں (جن میں) ایک (تو) بڑھیا (ہو) اور دوسری خوش ذقن (حسین عورت) ہو (اور) دونوں (آکر) روٹی مانگیں تو وہ شخص جلدی سے روٹی لے آوے گا اور بڑھیا سے کہے گا کہ لے (تاکہ اُسکی صورت مکروہ اور آواز مکروہ جلدی دور ہو) اور اُس دوسری کو جسکا قد اور رخسارہ خوبصورت ہے۔ روٹی (جلدی) کب دے گا بلکہ (اُس کو) تاخیر میں ڈالے گا۔ اُس سے کہے گا کہ تھوڑی دیر بے گزند (یعنی

آرام سے) بیٹھ جا کہ گھر میں تازہ روٹی پکا رہے ہیں (پھر) جب گرم روٹی (بھی) بعد مشقت (انتظار) کے آجاوے تو اُس سے کہتا ہے کہ (ابھی اور) بیٹھ جا کہ حلوا آتا ہے (غرض) اسی ترکیب سے اُسکو ذرا ٹھہر جا ذرا ٹھہر جا کرتا رہتا ہے اور راہ پنہاں سے اُسکو شکار کرتا ہے (یعنی اپنی طرف مائل کرتا ہے اور کہتا ہے) کہ مجھکو تجھسے ایک کام ہے ذرا تھوڑی دیر اور منتظر رہ اے حسین جہاں تاکہ اس بہانہ سے اُسکو پھسلاوے تاکہ اُس کو مطیع اور مسخر کرلے (اور از رہ پنہاں اس لئے کہا کہ وہ عورت تو خالی الذہن ہے وہ یہ نہیں سمجھتی کہ اس کا یہ مقصود ہے پس) مثل اس بڑھیا کے بیگانوں (کفار) کو سمجھ (جسکو جلدی سے دیدیا اور مقصود ٹالنا ہے اور) شاہد خوش روئے مثل مومنوں کے ہے (جسکو دینے میں دیر کی اور مقصود اُس کے جمال کا دیکھنا ہے آگے اسپر ایک تفریع ہے کہ) یہ دنیا سجن مومن اسی لئے ہے (کہ اُسکی حاجات کم پوری ہوتی ہیں جس سے وہ تنگ ہونے لگتا ہے اور اصلی سبب نہیں جانتا جس طرح بلبل وطوطی کے لئے زندان تجویز کیا جاتا ہے اور وہ تنگ ہوتی ہیں اور) کافروں کے لئے (دنیا) جنت عاجلہ (حاضرہ) ہے (کہ اُس کی اکثر حاجات اُسکی غرض کے موافق پوری ہو جاتی ہیں غرض) مومنوں کی بمرادی خواہ وہ (مومن) نیک ہو خواہ بد ہو تو یقین جان کہ اسی لئے ہوتی ہے (جو اوپر مذکور ہوا) **ف** تاخیر اجابت کی علت یا حکمت کا اسی میں انحصار مقصود نہیں بلکہ منجملہ دیگر اسباب کے ایک یہ بھی ہے چونکہ یہ مشہور نہ تھی اس لئے اس پر تنبیہ مناسب ہوئی اور حدیث الدنیا سجن المؤمن وجنۃ الکافر کی ایک توجیہ یہ بھی ہے یہاں بھی اسی میں انحصار نہیں اور توجیہات بھی مشہور ہیں مثلاً یہ کہ مومن کو جو نعمتیں جنت میں ملنے والی ہیں دنیا میں کیسی ہی خوش عیشی ہو مگر اس کے اعتبار سے سجن ہے وعلیٰ ہذا کافر کی عقوبت کے اعتبار سے دنیا کی مصیبت بھی جنت ہے اور مثلاً یہ کہ مومن کا دنیا میں مثل سجن کے جی نہیں لگتا ولکافر ضد ذلک وہذا الاخیر یشہد ذوقی آگے پھر عود ہے قصہ کی طرف)

دیدن میراثی بخواب کہ در مصر بفلاں موضع گنجے ست و رفتن بشہر مصر بطلب آں و رسیدن بمصر و بیروں آمدن بکوئے در شب بجہت شبکوکی و گدائی و گرفتن عسس اورا و مراد او پس از رنج حاصل آمدن و عسیٰ ان تکرہوا شیئاً وہو خیر لکم و ان مع العسر یسرا۔

خواجہ چوں میراث خورد و شد فقیر	آمد اندر یارب و گریہ و نفیر
خواجہ نے جب میراث کھالی اور فقیر ہو گیا	تو یارب اور گریہ ونفیر میں مشغول ہوا

خود کہ کوبد ایں در رحمت نثار — کو نیابد در اجابت صد بہار

کون کھٹکھٹاتا ہے اس دروازہ رحمت پاش کو — جو کہ اجابت میں سو بہار نہ پاتا ہو

خواب دید و ہاتفے گفت او شنید — کہ غنائے تو بمصر آید پدید

اس نے خواب دیکھا اور ایک ہاتف نے کہا اس نے سنا — کہ تیری تونگری مصر میں ظاہر ہو گی

رو بمصر آنجا شود کار تو راست — کرد کدیہ ات را قبول و مرتجاست

تو مصر میں جا وہاں تیرا کام ٹھیک ہو جاوے گا — تیرے سوال کو قبول کر لیا وہ ایسا ہے جس سے امید کی جاتی ہے

در فلاں موضع یکے گنجے ست زفت — در پے آں بایدت تا مصر رفت

فلاں مقام میں ایک خزانہ عظیم ہے — اسکی تلاش میں تجکو مصر تک جانا چاہیے

بے درنگے ہیں ز بغداد اے نژند — رو بسوئے مصر و منبت گاہ قند

بلا توقف بغداد سے اے افسردہ — مصر میں اور قند کے پیدا ہونے کی جگہ میں جا

چوں ز بغداد آمد او تا سوے مصر — گرم شد پشتش چو دید او روئے مصر

جب وہ بغداد سے مصر کی طرف آیا — تو اس کی پشت قوی ہو گئی جب اس نے مصر کا منہ دیکھا

بر امید وعدۂ ہاتف کہ گنج — یابد اندر مصر بہر دفع رنج

امید وعدۂ ہاتف پر کہ خزانہ — مصر میں پاوے گا دفع رنج کے لئے

در فلاں کوی و فلاں موضع دفین — ہست گنجے سخت نادر بس گزین

فلاں محلہ اور فلاں موقع میں مدفون ہے — خزانہ نہایت نادر بہت پسندیدہ

لیک نفقہ اش بیش و کم چیزے نماند — خواست دقے بر عوام الناس راند

لیکن اس کا خرچ کم نہ بیش کچھ بھی نہ رہا — اس نے عام لوگوں کے سامنے گدائی چلانا چاہا

لیک شرم و همتش دامن گرفت
لیکن شرم و ہمت نے اس کا دامن پکڑ لیا

باز نفسش از مجاعت بر طپید
پھر اس کا نفس بھوک سے بے قرار ہوا

گفت شب بیرون روم من نرم نرم
کہا کہ رات کو آہستہ آہستہ باہر نکلونگا

ہمچو شبکوکے کنم من ذکر و بانگ
مثل شبکوک کے میں ذکر اور آواز کرونگا

اندریں اندیشہ بیروں شد بکوئے
اسی سوچ میں محلہ میں باہر نکلا

یک زماں مانع ہمی شد شرم و جاہ
کسی وقت تو شرم جاہ مانع ہوتی تھی

پای پیش و پائے پس تا ثلث شب
ایک پاؤں آگے اور ایک پاؤں پیچھے تہائی شب تک

ناگہانے خود عسس او را گرفت
دفعتہً عسس نے اسکو گرفتار کرلیا

اتفاقاً اندراں شبہائے تار
اتفاقاً ان تاریک شبوں میں لوگوں نے رات کو

خویش را در صبر افشردن گرفت
اپنے کو صبر میں دبانا شروع کیا

از گدائی کردن او چارہ ندید
گدائی کرنے سے اس نے چارہ نہ دیکھا

تا ز ظلمت نایدم از کدیہ شرم
تاکہ تاریکی کے سبب گدائی سے مجکو شرم نہ آوے

تا رسد از بامہایم نیم دانگ
تاکہ مجکو بالاخانوں سے آدہا ہی دانگ مل جاوے

واندریں فکرت ہمی شد سو بسوئے
اور اس فکر میں ہر طرف پھرتا تھا

یک زمانے جوع می گفتش بخواہ
کسی وقت بھوک اسکو کہتی کہ مانگ

کہ بخواہم یا بخسپم خشک لب
کہ مانگوں یا سوکھے ہی منہ سو جاؤں

چو بہا زد بے محابا ناشگفت
بے محابا بے توقف لکڑیاں مارنا شروع کیں

دیدہ بد مردم ز شب دزدان ضرار
چوری کرنے والوں سے مضرت دیکھی تھی

بود شبہائے مخوف و منتحس

راتیں خوفناک اور نامبارک تھیں

تا خلیفہ گفتہ کہ ببرید دست

یہاں تک کہ بادشاہ نے کہدیا تھا کہ ہاتھ کاٹ ڈالو

بر عسس کردہ ملک تہدید و بیم

عسس پر بادشاہ نے تہدید اور تخویف کی تھی

عشوہ شاں را از چہ رو باور کنید

ان کے چکمہ کو کس وجہ سے باور کرتے ہو

رحم بر دزداں و ہر منحوس دست

رحمت کرنا چوروں پر اور ہر منحوس دست پر

ہیں ز رنج خاص مگسل ز انتقام

ہاں خاص شخص کے رنج سے انتقام لینے سے مت درگذر

اصبع ملدوغ بر در دفع شر

ڈسی ہوئی انگلی کو دفع شر کے لئے کاٹ ڈال

گشتہ دزد انبہ در آں ایام بس

ان ایام میں چوروں کا بہت ہجوم تھا

اتفاقاً اندراں ایام دزد

اتفاقاً ان ایام میں چور لوگ

پس بجد می جست دزداں را عسس

پس عسس چوروں کو اہتمام سے تلاش کر رہا تھا

ہر کہ شب گردد اگر خویش منست

جو شخص کہ شب کو پھرتا ہوا اگرچہ وہ میرا ہی عزیز ہو۔

کہ چرا باشید بر دزداں رحیم

کہ تم لوگ چوروں پر کس لئے رحیم ہوتے ہو

یا چرا زیشاں قبول زر کنید

یا کس لئے ان سے زر قبول کرتے ہو۔

بر ضعیفاں زحمت و بی رحمی ست

ضعیفوں پر زحمت اور بے رحمی ہے

رنج او بگزیں و بنگر رنج عام

اسکے رنج کو اختیار کرلے اور عام کے رنج کو دیکھ

در تعدی و ہلاک تن نگر

تعدیہ میں اور جسد کے ہلاک ہوجانے میں نظر کر

کاں فقیر افتاد در دست عسس

کہ یہ فقیر عسس کے ہاتھ میں واقع ہوگیا۔

گشتہ بود انبوہ پختہ و خام دزد

مجتمع ہوگئے تھے دزد پختہ بھی اور خام بھی

در چنین وقتش بدید و سخت زد
ایسے وقت میں عسس نے اسکو دیکھا

بر سر و بر پشت چوب بی عدد
اسکے سر اور پشت پر بے شمار لکڑیاں زور زور سے ماریں

نعرہ و فریاد زاں درویش خاست
اس فقیر سے نعرہ و فریاد نکلنے لگا

کہ مزن تا من بگویم حال راست
کہ مار مت تاکہ میں تجھسے صحیح صحیح حال کہدوں

گفت اینک دادمت مہلت بگو
اس نے کہا کہ اس وقت میں نے تجھکو مہلت دی کہہ

تا بشب چوں آمدی بیروں بگو
کہ تو شب کو باہر کیوں نکلا بتلا

تو نۂ زینجا غریب و منکری
تو یہاں کا نہیں ہے پردیسی اور اجنبی ہے

راستی گو تا بچہ مکر اندری
سچ بتلا تو کس فکر میں ہے

اہل دیوان بر عسس طعنہ زدند
اہل دفتر نے تھانہ دار کو مطعون کر رکھا ہے

کہ چرا دزداں کنوں انبہ شدند
کہ کس لئے اب چور زیادہ ہوگئے ہیں.

انبہی از تست و از امثال تست
کثرت تجھسے اور تیرے ہمرنگ لوگوں سے ہے

وا نما یاراں زشت را نخست
پہلے اپنے بدمعاش یاروں کو بتلا

ورنہ کیں جملہ را از تو کشم
ورنہ سب کا کینہ تجھسے نکالوں گا

تا شود ایمن ز شر ہر محتشم
تاکہ ہر صاحب حشمت شر سے بے خوف ہوجاوے

گفت او از بعد سوگنداں پر
اس نے بہت سی قسموں کے بعد کہا

کہ نیم من خانہ روب و کیسہ بُر
کہ میں خانہ روب اور کیسہ بُر نہیں ہوں

من نہ مرد دزدی و بیدادیم
میں چوری اور ظلم کا آدمی نہیں ہوں

من غریب مصرم و بغدادیم
میں مصر کا تو پردیسی اور بغداد کا باشندہ ہوں

قصۂ آں خواب و گنج زر بگفت	**پس ز صدقِ او دل آنکس شگفت**
قصہ اُس خواب اور گنج زر کا کہا	پس اُس کے صدق سے اُس کا دل شگفتہ ہوگیا
بوے صدقش آمد از سوگند او	**سوز او پیدا شد از اسپند او**
اُسکی سوگند سے اُسکو صدق کی بو آئی	اُس کا سوز اُس کے سپند سے ظاہر ہوگیا

خواجہ نے جب میراث کھالی اور فقیر ہوگیا تو یارب اور گریہ و نفیر میں مشغول ہوا (آگے مولانا کا مقولہ ہے کہ) کون کھٹکھٹاتا ہے اس دروازہ رحمت پاش کو جو کہ اجابت میں سو بہار نہ پاتا ہو (یعنی وہ داعی کی دعا کو قبول کرتے ہیں وقت اجتماع شرائط کے بتعمیم صور اجابت کے پس) اُس نے خواب دیکھا اور (اُس خواب میں) ایک ہاتف نے کہا (اور) اس نے سنا (اور وہ بات جو کہی یہ تھی) کہ تیری تونگری مصر میں ظاہر ہوگی تو مصر میں جا وہاں تیرا کام ٹھیک ہو جاویگا (اللہ تعالیٰ نے تیرے سوال کو قبول کرلیا (اور) وہ ایسا (ہی) ہے جس سے امید کیجاتی ہے۔ فلاں مقام میں ایک خزانہ عظیم ہے اُسکی تلاش میں تجھکو مصر تک جانا چاہیے بلا توقف بغداد سے لے افسردہ مصر میں اور قند کے پیدا ہونے کی جگہ میں جا (عطف تفسیری ہے) جب وہ بغداد سے مصر کی طرف آیا تو اُسکی پشت قوی ہوگئی جب اُس نے مصر کا مونہ دیکھا (اور اُسکی پشت کا قوی ہونا جو کہ اوپر مذکور ہے) امید وعدہ ہاتف پر (تھا اور وہ وعدہ یہ تھا) کہ خزانہ مصر میں پاویگا دفع رنج کے لئے (اور اس کا یہ پتہ تھا کہ) فلاں محلہ اور فلاں موقع میں مدفون ہے خزانہ نہایت نادر (اور) بہت پسندیدہ (غرض اس وجہ سے وہ مصر کو دیکھکر خوش ہوا۔ اگر شبہ ہو کہ وہ خزانہ تو بغداد میں ملیگا جیسا آگے آتا ہے پھر ہاتف کے مصر کا پتہ بتلانیکی کیا توجیہ ہے جواب یہ ہے کہ مراد ہاتف کی یہ تھی کہ مصر میں فلاں مقام پر پہونچکر اس کا پتہ معلوم ہوگا چنانچہ ایسا ہی ہوا اور جس عسس سے اُسکو معلوم ہوا ہے ممکن ہے کہ اُسی ہاتف کے بتلائے پتہ پر اُسکو ملا ہو اور مصر میں مدفون ہونے کا حکم کرنا یہ بھی مجاز ہے یعنی اس خزانہ کی دلیل اُس موضع میں مستتر ہے اور تعبیر میں ایسے ہی تجوزات ہوا کرتے ہیں) لیکن (جیسے مصر کو دیکھکر خوش ہوا اُسی طرح وہاں پہونچکر اُسکو ایک تردد بھی ہوا وہ یہ کہ) اُس کا خرچ کم نہ بیش کچھ بھی نہ رہا سب راہ میں خرچ ہوگیا اور ضرورت خرچ کی ہوئی خورد و نوش کے لئے بھی اور شاید کچھ خزانہ کے اخراج یا تلاش میں بھی کچھ خرچ ہوتا کیونکہ خزانہ ملنا مونہ کا نوالہ تو ہے ہی نہیں اسلئے) اس نے عام لوگوں کے سامنے گدائی چلانا چاہا (دق فی الغیاث بالفتح بمعنی گدائی زیراکہ آں در دیگراں را کوفتن ست اھ مختصراً) لیکن (عادت نہ ہونے کے سبب) شرم و ہمت نے اُسکا دامن پکڑلیا (یعنی مانع ہوا پس) اپنے کو صبر میں دبانا شروع کیا (مگر) پھر اُس کا نفس بھوک سے بیقرار ہوا (اسلئے) گدائی کرنے سے اس نے چارہ نہ دیکھا (اپنے جی میں) کہا کہ رات کو آہستہ آہستہ باہر نکلونگا تاکہ تاریکی کے سبب گدائی سے مجھکو شرم نہ آوے مثل (گدائے) شبکوک کے (یعنی جو کہ شب کو درختوں پر بیٹھکر سوال کرے کذا فی الغیاث) میں ذکر (یعنی دعا

للمعطین) اور آواز (یعنی سوال) کرونگا تاکہ مجھکو بالاخانوں سے آدھا ہی دانگ مل جاوے (شاید اسکی وجہ یہ ہو کہ شب کو دینے کے لئے باہر نہ نکلتے ہوں بام پر سے ڈال دیتے ہوں گدا اٹھا لیتا ہو حاصل یہ کہ) اسی سوچ میں محلہ میں باہر نکلا اور اس فکر میں ہر طرف پھرتا تھا کسی وقت تو شرم وجاہ مانع ہوتی تھی کسی وقت بھوک اسکو کہتی کہ مانگ (اسی طرح) ایک پانو آگے اور ایک پانو پیچھے تہائی شب تک (متردد رہا) کہ مانگوں یا سوکھے ہی مونہ سو جاؤں (اسی حیص بیص میں تھا کہ) دفعۃً عسس نے اسکو گرفتار کرلیا (اور) بے محابا بے توقف لکڑیاں مارنا شروع کیں (فی الغیاث محابا بالضم اول در اصل محاباۃ بود فرو گذاشتن مروت و اعانت و فیہ شکیفتن بمعنی صبر کردن اھ اور وجہ اس عسس کے اس تشدد کی یہ تھی کہ) اتفاقاً ان تاریک شبوں میں لوگوں نے رات کو چوری کرنے والوں سے مضرت دیکھی تھی (اور) راتیں خوفناک اور نامبارک تھیں (لوقوع الضرر فیہا) پس عسس چوروں کو (نہایت) اہتمام سے تلاش کررہا تھا یہاں تک کہ بادشاہ نے کہدیا تھا کہ ہاتھ کاٹ ڈالو جو شخص کہ شب کو پھرتا ہو اگرچہ وہ میرا ہی عزیز ہو (اور) عسس پر بادشاہ نے تہدید اور تخویف کی تھی کہ تم لوگ چوروں پر کس لئے رحیم ہوتے ہو (اور) ان کے حیلہ کو کس وجہ سے باور کرتے ہو (مراد اس سے وہ عذر ہے جو رات کو نکلنے کے لئے تراشا جاوے) یا کس لئے ان سے (رشوت میں) زر قبول کرتے ہو (آگے مولانا فرماتے ہیں کہ) رحمت کرنا چوروں پر اور منحوس دست پر (حقیقت میں) ضعیفوں پر زحمت اور بیرحمی ہے ہاں خاص شخص کے رنج (کے خیال) سے انتقام لینے سے مت درگذر اس کے رنج کو اختیار کرلے اور عام کے رنج کو دیکھ (آگے اسکی مثال ہے کہ اگر انگلی میں سانپ کے کاٹنے سے ایسا زہر ہو جاوے کہ آگے تعدیہ کا اندیشہ ہو تو اس) ڈسی ہوئی انگلی کو دفع شر کیلئے (فوراً) کاٹ ڈال (اور اس کے) تعدیہ میں اور (تعدیہ کے سبب بقیہ) جسد کے ہلاک ہو جانے میں نظر کر (بس اسی طرح جسکا ضرر دوسروں پر پہونچے اسکو قطع یا قتل کردو حسب اجازت شریعت غرض) ان ایام میں چوروں کا بہت ہجوم تھا کہ (اسی زمانہ میں اتفاقاً) یہ فقیر عسس کے ہاتھ میں واقع ہوگیا (آگے بھی اسی کی تاکید ہے کہ) اتفاقاً ان ایام میں چور لوگ مجتمع ہوگئے تھے و زد پختہ بھی اور خام بھی (یعنی مشاق قدیم و نو آموز جدید) ایسے وقت میں عسس نے اسکو دیکھا اسکے سر اور پشت پر بیشمار لکڑیاں تر و ذرے ماریں اس فقیر سے نعرہ و فریاد نکلنے لگا کہ مار مت تاکہ میں تجھسے صحیح صحیح حال کہدوں اس نے کہا کا سوقت میں نے تجھکو مہلت دی کہہ کہ تو شب کو باہر کیوں نکلا بتلا (اور) تو یہاں کا (رہنے والا بھی) نہیں ہے پردیسی و اجنبی ہے۔ سچ بتلا تو کس فکر میں ہے اور اس عسس نے یہ بھی کہا کہ) اہل دفتر نے تھانہ دار کو (یعنی مجھکو) مطعون کر رکھا ہے کہ کس لئے اب چور زیادہ ہوگئے ہیں (سو یہ) کثرت تجھسے اور تیرے ہمرنگ لوگوں سے ہے۔ پہلے اپنے (ان) بدمعاش یاروں کو بتلا ورنہ سب کا کینہ تجھسے نکالونگا تاکہ ہر صاحب حشمت سر سے بیخوف ہو جاوے (تخصیص صاحب حشمت کی اسلئے ہے کہ چوری ایسوں ہی کے گھر ہوتی ہے) اس نے بہت سی قسموں کے بعد کہا کہ میں خانہ روب و کیسہ بر نہیں ہوں۔ میں چوری اور ظلم کا آدمی نہیں ہوں۔ میں مصر کا تو پردیسی اور بغداد کا باشندہ ہوں (اور پھر تمام) قصہ اس خواب اور گنج زر کا کہا پس اسکے صدق سے اس (عسس) کا دل شگفتہ ہوگیا (اور شبہ دزدی کا جاتا رہا اور) اسکی سوگند سے اسکو صدق کی بو آئی (اور ایسی مثال ہوئی کہ) اس کا سوز اس کے سینہ سے ظاہر ہوگیا آگے انتقال ہے صدق و کذب کی بیان خاصیت خاصہ کی طرف)۔

در بیان حدیث الصدق طمانینة والکذب ریبة فی الحاشیه ماتعریبه روی عن الترمذی واحمد والنسائی وحسنه الترمذی وصححه الحاکم

دل بیارامد ز گفتار صواب — آنچنانکه تشنه آرامد بآب

دل تسلی پاتا ہے گفتار صواب سے — جس طرح کہ تشنہ تسلی پاتا ہے آب سے

جز دل محجوب کورا علتیست — از نبی اش تا غبی تمییز نیست

بجز قلب محجوب کے کہ جسمیں کوئی علت ہے — جسکو نبی سے غبی تک کی تمیز نہیں ہے

ورنہ آں پیغام کز موضع بود — بر زند بر مہ شکافیده شود

ورنہ جو پیام کہ موضع سے ہو — وہ چاند پر اثر کرتا ہے وہ شگافیدہ ہوجاتا ہے

مہ شگافد واں دل محجوب نے — زانکہ مردودست او محبوب نے

وہ چاند تو شگافیدہ ہوجاتا ہے قلب محجوب نہیں ہوتا — کیونکہ وہ مردود ہے محبوب نہیں ہے

چشمہ چشم عسس زاشک مبل — نے ز گفت خشک بل از بوئے دل

عسس کی آنکھ چشمہ ہوگئی اشک ترکنندہ سے — گفتار خشک سے نہیں بلکہ بوئے دل سے

یک سخن از دوزخ آید سوئے لب — یک سخن از شہر جاں در کوئے لب

ایک بات دوزخ سے لب کی طرف آئی ہے — ایک بات شہر جان سے کوئے لب میں پہنچتی ہے

بحر جاں افزا و بحر پر حرج — در میان ہر دو بحر این لب مرج

بحر جان افزا ۔ اور بحر پر حرج — دونوں بحر کے درمیان میں یہ لب محل ہے مرج کا

بحر جان افزا و بحر عمر کاہ
بحر جان افزا اور بحر عمر کاہندہ

چوں بنیلو در میان شہر ہا
جیسے منڈی ہوتی ہے شہروں کے درمیان

کالۂ محبوب و قلب کیسہ بُر
متاع محبوب اور ردی کیسہ کا قطع کرنے والا

زیں بنیلو ہر کہ بازرگان ترست
اس منڈی والوں میں سے جو شخص زیادہ سوداگر ہے

شد بنیلو مر ورا دار الرباح
منڈی ایک شخص کے لئے دار نفع ہے

ہر یکے زاجزائے عالم یک بیک
ہر چیز اجزاء عالم میں سے ایک ایک کرکے

بر یکے قندست وبر دیگر چو زہر
ایک پر قند ہے اور دوسرے پر زہر

بر یکے دلوست وبر دیگر چو جور
ایک پر ڈلو ہے اور دوسرے پر مثل جور کے

بر یکے گنج ست وبر دیگر چو مار
ایک پر خزانہ ہے اور دوسرے پر مثل سانپ کے

ہر دو آں بر لب گذر دارند و راہ
دونوں لب پر گذر اور راہ رکھتے ہیں

از نواحی آمد انجا لبہا
اطراف سے اس جگہ حصے آتے ہیں

کالۂ پر سود و مستشرق چو در
متاع پر سود اور موتی کی طرح روشن ہونے والا

بر سرہ و بر قلب ہا دیدہ ورست
وہ خالص اور ناخالص پر صاحب نظر ہے

واں دگر را از عمی دار الجناح
اور اس دوسرے کے لئے بوجہ کوری کے دار گناہ ہے

بر غبی بندست و بر استاد فک
غبی کے لئے قید ہے اور استاد پر فک قید ہے

بر یکے لطف ست وبر دیگر چو قہر
ایک پر لطف ہے اور دوسرے پر مثل قہر کے

بر یکے نارست وبر دیگر چو نور
ایک پر نار ہے اور دوسرے پر مثل نور کے

بر یکے وردست وبر دیگر چو خار
ایک پر گلاب ہے اور دوسرے پر مثل خار کے

بر یکے شیریں و بر دیگر ترش
ایک پر شیریں اور دوسرے پر ترش

بر یکے پنہان و بر دیگر عیاں
ایک پر مخفی اور دوسرے پر مثل عیاں کے

بر یکے بند ست و بر دیگر گشاد
ایک پر قید ہے اور دوسرے پر کشادگی

بر یکے نوش ست و بر دیگر چو نیش
ایک پر نوش ہے اور دوسرے پر مثل نیش کے

بر یکے نقص ست و بر دیگر کمال
ایک پر نقص ہے اور دوسرے پر کمال

بر یکے روز ست و بر دیگر چو شب
ایک شخص پر دن ہے اور دوسرے پر مثل شب کے

بر یکے محبوب و بر دیگر عدو
ایک پر محبوب ہے اور دوسرے پر دشمن

بر یکے آب ست و بر دیگر چو خون
ایک پر پانی ہے اور دوسرے پر خون ہے

بر یکے حلوا و بر دیگر چو سم
ایک پر حلوا ہے اور دوسرے پر مثل زہر کے ہے

بر یکے مبہوت و بر دیگر چو ہش
ایک پر مبہوت اور دوسرے پر مثل ہوش کے

بر یکے سود ست و بر دیگر زیاں
ایک پر نفع اور دوسرے پر زیاں

بر یکے قید ست و بر دیگر مراد
ایک پر قید ہے اور دوسرے پر مراد

بر یکے بیگانہ بر دیگر چو خویش
ایک پر بیگانہ دوسرے پر مثل قرابت دار کے

بر یکے ہجر ست و بر دیگر وصال
ایک پر ہجر ہے اور دوسرے پر وصال

بر یکے عیش ست و بر دیگر تعب
ایک پر عیش ہے اور دوسرے پر تعب ہے

بر یکے راح ست و بر دیگر کدو
ایک پر شراب ہے اور دوسرے پر کدو

بر یکے اعجاز و بر دیگر فسون
ایک پر معجزہ ہے اور دوسرے پر افسون ہے

بر یکے سنگ ست و بر دیگر صنم
ایک پر پتھر اور دوسرے پر معشوق ہے

بر یکے جسم ست و بر دیگر چو روح
ایک پر جسم ہے اور دوسرے پر مثل روح کے ہے

بر یکے تیر ست و بر دیگر کمان
ایک پر تیر ہے اور دوسرے پر کمان ہے

ہر جمادے با نبی افسانہ گو
ہر جماد نبی کے ساتھ افسانہ گو

بر مصلے مسجد آمد ہم گواہ
مصلے پر بھی مسجد گواہ ہوگی

بر خلیل آتش بود ریحاں و ورد
حضرت خلیل علیہ السلام پر آتش ریحاں اور ورد ہوگی

بارہا گفتیم ایں را اے حسن
ہمنے اسی کو بارہا کہا ہے اے حسن

بارہا خوردی تو ناں دفع ذبول
تونے بارہا روٹی دفع اضمحلال کے لئے کھائی ہے

در تو جوعے میرسد نو ز اعتدال
تیرے اندر بوجہ اعتدال کے ایک گرسنگی تازہ پہونچ جاتی ہے

ہر کرا درد مجاعت نقد شد
جسکو الم جوع حاصل ہوگیا

بر یکے حبس ست و بر دیگر فتوح
ایک پر حبس ہے اور دوسرے پر فتوح ہے

بر یکے نان ست و بر دیگر سنان
ایک پر روٹی اور دوسرے پر سنان ہے

کعبہ با حاجی گواہ و نطق جو
کعبہ حاجی کے لئے گواہ اور ناطق ہوگا

کو ہمی آمد بمن از دور راہ
کہ وہ میرے پاس راہ دور سے آتا تھا

لیک بر نمرود آں مرگ ست و درد
لیکن نمرود پر وہ مرگ اور درد تھی

می نگردم از بیانش سیر من
میں اس کے بیان سے سیر نہیں ہوتا ہوں

ایں ہماں نان ست چوں نبوی ملول
یہ وہی روٹی ہے تو ملول کیوں نہیں ہوتا

کہ ہمی سوزد از و تخمہ و ملال
کہ اسکی وجہ سے تخمہ اور ملال سوخت ہوجاتا ہے

نو شدن با جزو جزوش عقد شد
جدید ہونا اسکے ایک ایک عضو کے ساتھ بندھ گیا

لذت از جوع ست نے از نقل نو
لذت بھوک کے سبب سے ہے نہ کہ غذائے جدید سے

با مجاعت از شکر بہ نان جو
بھوک کے ساتھ نان جویں شکر سے بہتر ہے

پس ز بے جوعی ست وز تخمہ تمام
وہ تیرا ملول ہونا بالکلیہ ناگرسنگی

آں ملالت نے ز تکرار کلام
اور تخمہ سے ہے نہ کہ تکرار کلام سے

چون ز دکان و مکیس و قیل و قال
دکان اور مماکسہ اور قیل و قال سے

در فریب مردمت ناید ملال
جو کہ لوگوں کے پھسلانے میں ہوتا ہے کیونکر ملال نہیں ہوتا

چون ز غیبت و اکل لحم مردماں
غیبت اور لوگوں کے گوشت کھانے سے

شصت سالت سیری نامد ازاں
ساٹھ سال میں تجھکو اس سے سیری نہ ہوئی

شعرہا در عشق قحبہ گفتہ تو
بہت سے اشعار تو نے قحبہ کے عشق میں کہے ہیں

بے ملالت ہمچو گل بشگفتہ تو
بلا ملال تو گل کی طرح شگفتہ رہا ہے

مدحہا در صید شلہ گفتہ تو
بہت مدحیں شرمگاہ کے حاصل کرنیکے لئے تو نے کہی ہیں

بے ملولی بارہا بشگفتہ تو
بلا ملال بارہا تو شگفتہ رہا ہے

بار آخر گوئیش سوزاں و چست
دوسری بار تو اسکو کہتا ہے شوقین اور چست ہو کر

گرم تر صد بار از بار نخست
سو بار اس سے زیادہ شائق پہلی بار سے

درد دارو ئے کہن را نو کند
مرض پرانی دوا کو جدید کردیتا ہے

درد ہر شاخ ملولی خو کند
مرض ملولی کی ہر شاخ کو قطع کردیتا ہے

کیمیائے نو کنندہ دردہاست
کیمیا نیا بنانے والی امراض ہیں

کو ملولی آں طرف کہ دردخاست
اس طرف ملولی کہاں جہاں مرض پیدا ہوا

هین مزن تو از ملولی آہ سرد
خبردار تو ملولی سے آہ سرد مت کر

درد جو و درد جو و درد درد
درد طلب کر اور درد طلب کر اور درد درد

خادع دردند درمانہائے ژاژ
بیہودہ معالجات درد کے دھوکہ دینے والے ہیں

رہزنند و زر ستانان رسم باژ
رہزن ہیں اور زر ستاں ہیں بطریق خراج کے

آب شورے نیست درمان عطش
آب شور تشنگی کا علاج نہیں

وقت خوردن گر نماید سرد و خوش
اگرچہ پینے کے وقت سرد اور خوش معلوم ہو

لیک خادع گشت و مانع شد ز جست
لیکن وہ خادع ہو گیا اور مانع ہو گیا

ز آب شیرینے کز و صد سبزہ رست
آب شیریں کی جستجو کرنے سے جس سے صدہا سبزہ پیدا ہوتے ہیں

ہمچنیں ہر زر قلبے مانع ست
اسی طرح ہر زر قلب مانع ہے

از شناس نقد زر ہر جا کہ ہست
معرفت زر خالص سے جہاں کہیں ہے

بال و پرت را بہ تزویرے برید
تیرے بال و پر کو تزویر سے قطع کر دیا

کہ مراد تو منم گیر اے مرید
کہ تیری مراد میں ہوں اسے مرید لے

گفت دردت چینیم و خود درد بود
کہا کہ تیرا مرض میں چن لونگا اور حالانکہ وہ خود مرض تھا

باطناً خار و بظاہر ورد بود
وہ باطناً خار تھا اور بظاہر گل تھا

رو ز درمان دروغین می گریز
جا جھوٹے علاج سے بھاگتا رہ

تا شود دردت مطیب مشک بیز
تاکہ تیرا درد پاکیزہ اور مشک بیز ہو جاوے

دل تسلی پاتا ہے گفتار صواب سے جس طرح کہ تشنہ تسلی پاتا ہے آب سے (جیسا کہ اس کے قلب کو اس کی حکایت سے تسلی ہو گئی) اور یہ مضمون حدیث کا ہے اور مقصود اس سے فی نفسہ صدق و کذب کی ایک خاصیت بیان کرنا ہے

اور عوارض سے تخلف ممکن ہے اور نیز ہر قلب کے اعتبار سے یہ حکم نہیں ہے بلکہ جسمیں صفت سلامت کی ہو اسی لئے مولانا قلب غیر سلیم کو آگے مستثنےٰ فرماتے ہیں یعنی) بجز قلب محجوب کے کہ جسمیں کوئی علت ہے جسکو نبی سے غبی تک کی تمیز نہیں ہے ورنہ (اگر قلب محجوب نہ ہو تو پھر) جو پیام (اور مضمون) کہ موضع (اصلی) سے ہو (مراد اس موضع سے محکی عنہ ہے یعنی جو حکایت کہ مطابق محکی عنہ کے ہو) وہ چاند پر (بھی) اثر کرتا ہے (اور) وہ (اس کے اثر سے) شگافیدہ ہوجاتا ہے (اور) وہ چاند تو (اس سے) شگافیدہ ہوجاتا ہے (مگر) قلب محجوب (متاثر) نہیں ہوتا کیونکہ وہ (قلب محجوب) مردود ہے (اور) محجوب نہیں ہے (پس مردود ہونے سے فاسد الادراک ہوگیا اور مراد چاند سے اگر قلب منور ہے تب تو مطلب ظاہر ہے اور اگر معنی حقیقی ہیں تو یہ بعض اوقات کے اعتبار سے ہے جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دعویٰ نبوت کا صادق تھا اور آپ کے صدق کے اظہار کیلئے اللہ تعالیٰ نے چاند کو منشق کردیا اور قلوب کفار متاثر نہ ہوئی اور اس انشقاق میں آپ کے صدق کو موثر کہنا اس طرح ہو سکتا ہے کہ آپ کا دعویٰ سبب ہوگیا حق تعالیٰ سے اس معجزہ کی درخواست کا اور وہ درخواست سبب ہوئی اس کے ظہور کا اور سبب کا سبب سبب ہوتا ہے پس دعویٰ سبب موثر فی الانشقاق ہوا چونکہ اس فقیر کی بات بھی سچی تھی اور عسس کی استعداد قلب کی باطل نہ ہوئی ہوگی گو ممکن ہے کہ پورا عدل ہوئے ضعیف ہوگئی ہو مگر ایمان کی وجہ سے باقی ہوگی اس لئے اس عسس کی آنکھ (مثل) چشمہ (کے) ہوگئی اشک ترکنندہ (یعنی کثیر) سے (یعنی وہ رونے لگا سو یہ اثر) گفتار خشک سے نہیں (ہوا) بلکہ بوئے دل سے (ہوا آگے علاوہ اثر طمانینت و ریبہ کے دیگر آثار میں کلاموں کا مختلف ہونا بیان فرماتے ہیں کہ) ایک بات دوزخ سے (کہ مثال ہے نفس کی نکلکر) لب کی طرف آتی ہے (اور) ایک بات شہر جان سے کہ مشابہ جنت کے ہے کوئے لب میں پہونچتی ہے (یعنی کسی بات کا منشا نفس ہوتا ہے اور کسی کا روح اور ہر ایک کا جدا اثر ہوتا ہے جسمیں سے ایک اثر طمانینت و ریبہ ہے پس ایک کلام تو جسکا منشا روح ہے گویا) بحر جان افزا (و مورث آثار محمودہ و منہا الطمانینۃ ہے) اور ایک کلام جسکا منشا نفس ہے گویا) بحر پر حرج (و مورث آثار مذمومہ و منہا الریبۃ ہے اور ان) دونوں بحر کے درمیان میں یہ لب محل ہے مرج کا (جسکے معنی ہیں خلط و ارسل یہ اشارہ ہے آیۃ مرج البحرین یلتقیان بینہما برزخ لا یبغیان کی طرف مطلب یہ کہ یہ دونوں کلام روحانی و نفسانی تو بوجہ اختلاف خواص کے گویا دو بحر مختلف مالح و عذب ہیں اور لب جن پر سے دونوں کلام گذرتے ہیں گویا وہ زمین ہے جو محل ہے مرج بحرین مختلفین کا چنانچہ لب کی وجہ تشبیہ آگے بصراحت ہے یعنی) بحر جان افزا (یعنی کلام طمانینت بخش) اور بحر غم کا ہندہ (یعنی کلام ریبت زایہ) دونوں لب پر گذر اور راہ رکھتے ہیں لیکن جسطرح دونوں بحروں کو اہل ذوق صحیح پہچان لیتے ہیں اسی طرح دونوں کلاموں کو ایسے لوگ متمیز کرلیتے ہیں آگے مثال ہے لبوں پر مختلف کلاموں کے آنے کی یعنی) جیسے منڈی ہوتی ہے شہروں کے درمیان (کذا فی الغیاث) اطراف (مختلفہ) سے اس جگہ حصے (یعنی اسباب مختلفہ) آتے ہیں (یعنی) متاع محجوب اور ردی کیسہ کا قطع کرنے والا (بھی اور) متاع پر سود اور موتی کی طرح روشن ہونے والا (بھی یہ سب آتے ہیں لیکن) اس منڈی والوں میں سے جو شخص زیادہ سوداگر ہے وہ خالص اور ناخالص پر صاحب نظر ہے (پس) منڈی ایک شخص

کے لئے دار نفع ہے اور اُس دوسرے کے لئے بوجہ کوری کے دار گناہ (و نقصان) ہے (اسی طرح مختلف و مختلط کلام باوجودیکہ ایک ہی منڈی یعنی لب و دہان میں جمع ہوتے ہیں اور اس لئے کالشئ الواحد ہیں مگر اہل بصیرت کو اُن میں امتیاز ہے اور وہ اُس امتیاز سے منتفع ہوتے ہیں اور غیر اہل بصیرت تلبیس و ضرر میں پڑتے ہیں پس ایک ہی کلام ایک کیلئے نافع دوسرے کے لئے مضر آگے بطور انتقال من الانتفاع بمعرفة خاصية الطمانينة والريبة والتضرر بعدم معرفتهما الی مطلق الانتفاع والتضرر اس اختلاف نفع و ضرر کی تعمیم کرتے ہیں کہ کلام ہی کی کیا تخصیص ہے) ہر چیز اجزاء عالم میں سے ایک ایک کر کے غبی کے لئے قید (اور گرفتاری) ہے اور استاد (یعنی عارف صاحب بصیرت) پر فک قید ہے (مثلاً ایک شخص اُن اجزاء کے تعلق میں خدا تعالیٰ سے دور ہو گیا دوسرا اُن ہی اجزاء کو مظہر سمجھ کر خدا تعالیٰ کا مقرب ہو گیا پس ایک ہی چیز) ایک (شخص) پر قند ہے اور دوسرے (شخص) پر زہر (یعنی ایک کے لئے خیر و نفع دوسرے کے لئے شر و ضرر) ایک پر لطف ہے اور دوسرے پر مثل قہر کے ایک پر دلو ہے اور دوسرے پر مثل حور کے ایک پر نار ہے اور دوسرے پر مثل نور کے ایک پر خزانہ ہے اور دوسرے پر مثل سانپ کے ایک پر گلاب ہے اور دوسرے پر مثل خار کے ایک پر شیریں اور دوسرے پر ترش ایک پر مبہوت اور دوسرے پر مثل ہوش کے ایک پر مخفی اور دوسرے پر مثل جلی کے ایک پر نفع اور دوسرے پر زیاں ایک پر قید ہے اور دوسرے پر کشادگی ایک پر قید ہے اور دوسرے پر مراد ایک پر نوش ہے اور دوسرے پر مثل نیش کے ایک پر بیگانہ دوسرے پر مثل قرابت دار کے ایک پر نقص ہے اور دوسرے پر کمال ایک پر ہجر ہے اور دوسرے پر وصال ایک شخص پر دن ہے اور دوسرے پر مثل شب کے ایک پر عیش ہے اور دوسرے پر رقیب ہے ایک پر محبوب ہے اور دوسرے پر دشمن ایک پر شراب ہے اور دوسرے پر کدو (جو ظرف شراب ہے) ایک پر پانی ہے اور دوسرے پر خون ہے ایک پر معجزہ ہے اور دوسرے پر افسوں ہے ایک پر حلوا ہے اور دوسرے پر مثل زہر کے ہے ایک پر بیچ (بیکار) ہے اور دوسرے پر معشوق (دلدار) ہے ایک پر جسم ہے اور دوسرے پر مثل روح کے ہے ایک پر حبس ہے اور دوسرے پر فتوح ہے ایک پر تیر ہے اور دوسرے پر کمان ہے ایک پر روئی اور دوسرے پر سنان ہے۔ ہر جماد (عام کے ساتھ جماد اور) بنی کے ساتھ افسانہ گو (اُس جماد میں سے ایک) کعبہ (ہے کہ وہ قیامت کے روز) حاجی کے لئے گواہ اور ناطق ہوگا (اور جنکو اُس سے تعلق نہیں اُن کے لئے ناطق بالشہادة والشفاعة نہ ہوگا تو یہاں بھی ایک چیز ایک کے حق میں ایک صفت کی دوسرے کے حق میں دوسری صفت کی اسی طرح) مصلے پر بھی مسجد گواہ ہوگی کہ وہ میرے پاس راہ دور سے آتا تھا (اور جنکو اُس سے علاقہ نہیں اُن کے لئے شہید و شفیع نہ ہوگی تو یہاں بھی ایک چیز دو شخصوں کے حق میں دو صفت کی ہوئی اسی طرح) حضرت خلیل علیہ السلام پر آتش ریحان اور ورد ہو گئی لیکن نمرود پر وہ مرگ اور درد تھی (چنانچہ اُس کے لئے سبب ہو گئی مرگ و درد ابدی کی) پس ان امثلہ سے مدعائے مذکور کہ ایک شے کسی کو نافع ہے کسی کو مضر بوجہ احسن و ابین ثابت ہو گیا آگے جواب ہے سوال مقدر کا کہ تم تو اس مضمون کو متعدد دفعہ بیان کر چکے ہو بار بار تکرار سے کیا فائدہ اُس کا جواب دیتے ہیں کہ واقعی ہمنے اسی (مضمون) کو بار بار کہا ہے اے حسن اجیبا دفتر اول میں بھی تحت سرخی تفسیر آیت مرج البحرین ان اشعار میں بیان کیا ہے در مقامے ہست ایں ہم زہر مار

الی قولہ ایں چنیں باشد تفاوت در امور لیکن) میں اس کے بیان سے سیر نہیں ہوتا ہوں (مطلب یہ کہ تم بوجہ بے رغبتی کے اس مضمون سے سیر ہو اس لئے تمکو یہ تکرار معلوم ہوتا ہے اور میں بوجہ رغبت کے اس سے سیر نہیں ہوں اس لئے مجھکو یہ تکرار معلوم نہیں ہوتا چنانچہ جو چیزیں تمکو مرغوب ہیں ان کا تم بھی تکرار بلا ملال کرتے ہو مثلاً) تو نے بارہا روٹی دفع اضمحلال کے لئے کھائی ہے یہ وہی روٹی ہے (جو اس سے پہلے بارہا کھائی ہے مگر) تو ملول کیوں نہیں ہوتا (یہ تو بطور جواب الزامی ہے آگے اس عدم ملال کی لم بتلاتے ہیں جس سے یہ جواب تحقیقی ہو جاویگا کہ وجہ روٹی سے ملول نہ ہونے کی یہ ہے کہ) تیرے اندر بوجہ اعتدال (مزاج) کے ایک گرسنگی تازہ پہونچ جاتی ہے کہ اسکی وجہ سے تخمہ اور ملال سوخت (اور فنا) ہو جاتا ہے (کیونکہ قاعدہ کلیہ ہے کہ) جسکو الم جوع حاصل ہو گیا (غذائے غیر جدید کا) جدید ہونا اس کے ایک ایک عضو کے ساتھ بندہ گیا (پس اصل) لذت (و رغبت) بھوک کے سبب سے ہے نہ کہ غذائے جدید سے بھوک کے ساتھ نان جویں شکر سے بہتر ہے (جو کہ بدوں بھوک کے ہو پس معلوم ہوا کہ) وہ تیرا ملول ہونا (مضمون مذکور کے اعادہ سے) بالکلیہ ناگرسنگی اور تخمہ سے ہے نہ کہ تکرار کلام سے (ورنہ ہر جگہ تکرار موجب ملولی ہوتا حالانکہ مرغوب کی تکرار سے بھی ملال نہیں ہوتا اسکی اور مثال لو کہ) دکان (تجارت) اور مماکسہ (بمعنی تنگی در بیع امالۂ مکاس بضم المیم) اور قیل و قال سے جو کہ (مشتری) لوگوں کے بھسلانے میں ہوتا ہے کیونکر ملال نہیں ہوتا (اور مثال لو کہ) غیبت اور لوگوں کے گوشت کھانے سے ساٹھ سال میں تجھکو اس سے سیری نہ ہوئی (اور مثال لو کہ) بہت سے اشعار تو نے قحبہ کے عشق میں کہے ہیں (اور) بلا ملال تو گل کی طرح شگفتہ رہا ہے بہت حیل (کسی قحبہ کی) شرمگاہ کے حاصل کرنے کے لئے تو نے کہی ہیں بلا ملال بارہا تو شگفتہ رہا ہے (پھر) دوسری بار تو اسکو کہتا ہے شوقین اور چست ہو کر (اور) سو بار میں زیادہ شائق پہلی بار سے (اور مثال لو کہ) مرض پرانی دوا کو جدید کر دیتا ہے مرض ملولی کی ہر شاخ کو قطع کر دیتا ہے (کذا فی الغیاث فی معنی خو) کیمیا (جو کہ پرانی چیزوں کو) نیا بنانے (والی ہے وہ) امراض ہیں اس طرف ملولی کہاں جہاں مرض پیدا ہوا (اور جیسا امثلہ بالا میں طلب اور درد کا خاصہ معلوم ہوا یہی حال ہے درد باطن اور طلب کا کہ اس کے ہوتے ہوئے تکرار کا خود تقاضا ہوتا ہے نہ کہ اس سے ملال ہو جب یہ معلوم ہو گیا پس) خبردار تو ملولی سے آہ سرد مت کر (بلکہ) درد طلب کر اور درد طلب کر اور درد درد (یہ تاکید ہے اور چونکہ عادۃً درد و طلب پیدا ہونے کا طریق صحبت ہے شیوخ کی اور اس میں بعض اوقات دھوکہ ہو جاتا ہے کہ مزور کو کامل سمجھکر اس سے رجوع کرے اس لئے اس سے تحذیر ہے کہ) بیہودہ (اور بے اثر) معالجات درد (و مرض) کے دھوکہ دینے والے ہیں (جیسے بے قاعدہ علاج مرض کے حق میں بالکل دھوکہ ہے دو وجہ سے ایک یہ کہ اسکو کافی سمجھا دوسرے یہ کہ صحیح علاج سے مستغنی رہا اور یہ شبہ نکیا جاوے کہ مرض حسی میں تو مرض کا ازالہ مقصود ہے اور عدم ازالہ دھوکہ ہے اور درد باطن میں بالعکس ہے پس تشبیہ کیسے صحیح ہے بات یہ ہے کہ یہاں بھی دھوکہ یہی عدم ازالہ مرض ہی ہے یہاں مرض درد نہیں ہے بلکہ عدم درد ہے بس حاصل دھوکہ کا یہ ہوا کہ عدم درد زائل نہ ہو یعنی درد پیدا نہو کہ یہی درد صحت باطنی ہے جب یہ معالجات ایسے ہیں تو اس معالجہ کے مدعی) رہزن ہیں اور زرستان ہیں بطریق

خراج کے (ہکذا فی الغیاث فی معنی باز مرادف باج اور ایسے لوگوں کا ٹکس لینا مشاہد ہے آگے اس خداع کی مثال ہے کہ جیسے) آب شور تشنگی کا علاج نہیں ہے اگرچہ پینے کے وقت سرد اور خوش معلوم ہو (سو اس میں نفع تو کچھ نہیں) لیکن (ضرر البتہ ہے وہ یہ کہ) وہ خادع ہوگیا اور (تفسیر خادع ہونے کی یہ ہے کہ) مانع ہوگیا آب شیریں کی جستجو کرنے سے جس سے صدہا سبزہ پیدا ہوئے ہیں (آگے اور مثال ہے کہ) اسی طرح ہر زر قلب مانع ہے معرفت زر خالص سے جہاں کہیں ہے (بس اسی طرح اس مزور نے) تیرے بال و پر کو (یعنی صلاحیت ترقی کو) تزویر سے قطع کردیا کہ تیری مراد میں ہوں اے مرید (مجھ سے مراد لے اور براہ تزویر یہ) کہا کہ تیرا مرض میں چین ہونگا اور حالانکہ وہ خود مرض تھا (اور) وہ باطنًا خار تھا اور بظاہر گل تھا (مولانا نصیحت فرماتے ہیں کہ اے طالب) جا جھوٹے علاج سے بھاگتا رہ تاکہ تیرا درد پاکیزہ اور مشک بیز ہوجاوے (یعنی تیری اس طلب پر ثمرات محمودہ قرب و وصول و نسبت مع اللہ مرتب ہوں آگے پھر عود ہے قصہ کی طرف۔)

گفتن عسس خواب خود را با غریب و نشان گنج دادن ہم در خانہ او

گفت نے دزدی و نے تو فاسقی
عسس نے کہا کہ تو نہ چور ہے اور نہ فاسق ہے

مرد نیکی لیک گول احمقی
نیک آدمی ہے لیکن بیوقوف احمق ہے

بر خیال خواب چندیں رہ کنی
خواب کے خیال پر تو اتنا راستہ قطع کرتا ہے

نیست عقلت را تسوی روشنی
تیری عقل میں ایک تسو بھر بھی روشنی نہیں ہے

بر خیالے اینچنیں راہ دراز
ایک خیال پر اتنا دراز راستہ

پیش گیری از سر جہل و آز
اختیار کرتا ہے جہل و حرص کی رو سے

بارہا من خواب دیدم مستمر
میں بارہا مدت مستمرہ سے یہ خواب دیکھ رہا ہوں

کہ بہ بغداد ست گنج مستتر
کہ بغداد میں ایک خزانہ مستتر ہے

در فلاں کوی و فلاں خانہ دفین
فلاں محلہ اور فلاں گھر میں مدفون ہے

بود آں خود نام خانہ و کوی ایں
وہ خود اسی شخص کے گھر اور محلہ کا نام تھا

هست در خانهٔ فلانے رو بجو / نام خانه و نام او گفت آں عدو

وہ فلانے گھر میں ہے جا تلاش کر / اُس عدو نے اسی شخص کے گھر کا نام اور اس کا نام بتلایا

دیده ام خود بارہا ایں خواب من / که به بغداد ست گنجے در وطن

میں نے بارہا یہ خواب دیکھا / کہ بغداد میں ایک خزانہ ہی وطن کے اندر

ہیچ من از جا نہ رفتم زیں خیال / تو بیک خوابے بیائی بے ملال

میں اس خیال کے سبب کبھی اپنی جگہ سے نہیں ہٹا / تو ایک ہی خواب پر بے ملال چلا آیا

خواب احمق لائق عقل وی ست / ہمچو او بے قیمت ست و لاشے ست

احمق کا خواب اسی کی عقل کے لائق ہے / اُس کی موافق بے قیمت اور لاشے ہے

خواب زن کمتر ز خواب مرد داں / از پے نقصان عقل و ضعف جاں

عورت کے خواب کو مرد کے خواب سے کم جان / بوجہ ضعف عقل اور ضعف جان کے

خواب ناقص عقل و گول آید کساد / پس ز بیعقلی چہ باشد خواب باد

خواب ناقص العقل اور احمق کا کاسد ہوتا ہی / پس بے عقلی سے تو خواب کیسا ہوگا محض ہوا ہوگا

گفت با خود گنج در خانہ من ست / پس مرا آنجا چہ فقر و شیون ست

اپنے دل میں کہنے لگا کہ خزانہ تو میرے ہی گھر میں ہے / پھر مجکو اس جگہ کیا فقر و ماتم ہے

بر سر گنج از گدائی مردہ ام / زانکہ اندر غفلت و در پردہ ام

خزانہ پر بیٹھا ہوا گدائی سے مردہ ہوں / اس لئے کہ غفلت اور پردہ میں ہوں

زیں بشارت مست شد دردش نماند / صد ہزار الحمد زیر لب بخواند

اس بشارت سے وہ مست ہوگیا اور اسکی کلفت نہ رہی / لاکھوں الحمد لبوں کے نیچے ہی نیچے پڑھیں

گفت بد موقوف این لت نعمتم
کہا کہ میری یہ نعمت لات پر موقوف تھی

آب حیوان بود در حانوت من
آب حیات میری دوکان ہی میں تھا

رو کہ بر لوت شگرفے بر زدم
چل کہ نعمت عجیبہ پر میں نے ہاتھ مارا ہے

کوری آن وہم کہ مفلس بدم
ناس ہو اس خیال کا کہ میں مفلس تھا

خواہ احمق دان و خواہی عاقلم
خواہ مجکو احمق جان خواہ مجکو عاقل سمجھ

یافتم ہر چہ کہ می خواہد دلم
میرا جس چیز کو دل چاہتا ہے وہ میں نے پا ہی لی

خواہ احمق دان مرا خواہی فرو
خواہ مجکو احمق جان خواہ کمتر

آن من شد ہر چہ میخواہی بگو
وہ خزانہ میری ملک ہو ہی گیا

من مراد خویش دیدم بیگمان
تو جو چاہے کہہ میں نے اپنی مراد دیکھ ہی لی

ہر چہ خواہی گو مرا اے بدہان
بلا کسی شک کے تو جو چاہے کہہ اے بدزبان

گو مرا پر درد گو اے محتشم
تو مجکو مریض کہہ اے صاحب احتشام

پیش تو پر درد و پیش خود خوشم
میں تیرے نزدیک پر مرض ہوں اور اپنے نزدیک خوش ہوں

وائے گر برعکس بودے این مطار
افسوس ہوتا اگر یہ مقام پرواز برعکس ہوتا

پیش تو گلزار و پیش خویش خوار
تیرے نزدیک گلزار ہوتا اور اپنے نزدیک خوار ہوتا

با فقیرے گفت روزے یک خسے
کسی فقیر سے کسی روز ایک کمینہ نے کہا

کہ ترا اینجا نمیداند کسے
کہ تجکو اس جگہ کوئی نہیں جانتا

گفت او گر می نداند عامیم
اس نے کہا اگر مجکو عامی آدمی نہیں جانتا

خویش را من نیک میدانم کیم
میں تو اپنے کو خوب جانتا ہوں کہ کون ہوں

وائے گر برعکس بودے درد و ریش
افسوس ہوتا اگر یہ درد اور ریش برعکس ہوتا

او بدی بینائے من من کور خویش
کہ وہ تو میرا بینا ہوتا اور میں اپنا نابینا ہوتا

احمقم گیر احمقم من نیک بخت
تو مجھکو احمق سمجھ میں احمق خوش نصیب ہوں

بخت بہتر از لجاج و روی سخت
نصیب بہتر ہے خصومت اور ترشروی سے

این سخن بر وفق ظنت می جہد
یہ مضمون تیرے گمان کے موافق نکل رہا ہے

ورنہ بختم داد عقلم می دہد
ورنہ میرا نصیبہ میری عقل کی داد دے رہا ہے

بازگشتن غریب مصر به بغداد و یافتن گنج را در خانہ خود

باز گشت از مصر تا بغداد او
وہ شخص مصر سے بغداد کی طرف واپس ہوا

ساجد و راکع ثنا گو شکر گو
سجدہ کرتا ہوا رکوع کرتا ہوا ثنا و شکر کرتا ہوا

جملہ رہ حیران و مست او زین عجب
تمام راستہ وہ حیران اور مست اس عجیب بات سے

ز انعکاس روزی و راہ طلب
روزی اور راہ طلب کے منعکس ہونیسے

کز کجا امیدوارم کردہ بود
کہ مجھکو کہاں سے تو امیدوار کیا تھا

وز کجا افشاند بر من سیم و سود
اور کہاں سے مجھپر چاندی اور نفع نثار فرمایا

این چہ حکمت بود کان قبلہ مراد
یہ کیا حکمت تھی کہ اس قبلۂ مقاصد نے

کردم از خانہ بروں گمراہ و شاد
مجھکو گھر سے باہر نکالا گمکردہ راہ اور شاد کرکے

تا شتابان در ضلالت می شدم
یہاں تک کہ میں غلط راہی میں شتاباں شتاباں جا رہا تھا

ہر دم از مطلب جدا تر می بدم
ہر لحظہ مطلب سے زیادہ جدا ہوتا جاتا تھا

حق وسیلت کرد اندر رشد و سود	باز آں عین ضلالت را بجود
حق تعالیٰ نے رشد اور نفع میں واسطہ بنا دیا	پھر اسی عین گمراہی کو جود سے

عسس نے کہا کہ تو نہ چور ہے اور نہ فاسق ہے نیک آدمی ہے لیکن بیوقوف احمق ہے (کہ محض) خواب کے خیال پر تو اتنا راستہ قطع کرتا ہے (معلوم ہوتا ہے) تیری عقل میں ایک تسو بھر روشنی بھی نہیں ہے (محض) ایک خیال پر اتنا دراز راستہ اختیار کرتا ہے جہل و حرص کی رُو سے میں بار ہا مدۃ مستمرہ سے یہ خواب دیکھ رہا ہوں کہ بغداد میں ایک خزانہ مستتر ہے (اور) فلاں محلہ اور فلاں گھر میں مدفون ہے (اور) وہ خود اسی شخص کے گھر اور محلہ کا نام تھا وہ فلانے گھر میں ہے جا تلاش کر (اور) اس عدو نے اسی شخص کے گھر کا نام اور اس کا نام بتلایا (غرض) میں نے بار ہا یہ خواب دیکھا کہ بغداد میں ایک خزانہ ہے وطن کے اندر (یعنی جنگل میں نہیں بلکہ آبادی میں مگر) میں اس خیال کے سبب کبھی اپنی جگہ سے نہیں ہٹا (اور) تو ایک ہی خواب پر بے ملال چلا آیا (واقعی) احمق کا خواب اسی کی عقل کے لائق (ہوتا) ہے (یعنی) اس (عقل) کی موافق (وہ بھی) بے قیمت اور لاشئے (ہوتا) ہے (اسی لئے) عورت کے خواب کو مرد کے خواب سے کم جان بوجہ ضعف عقل اور ضعف جان کے (اور جب) خواب ناقص العقل اور احمق کا کاسد ہوتا ہے پس بے عقلی سے تو خواب کیسا ہوگا محض ہوا ہوگا (یہ تفاوت مذکور ان خوابوں میں ہوتا ہے جسمیں کچھ تصرف متخیلہ کا بھی ہو عسس سے یہ سنکر) اپنے دل میں کہنے لگا کہ خزانہ تو میرے ہی گھر میں ہے پھر مجھکو اس جگہ کیا فقر و ماتم (ہو رہا) ہے۔ (باوجود اس کے کہ میں خود خزانہ پر بیٹھا ہوا (ہوں اور پھر) گدائی سے مردہ (ہو رہا) ہوں اس لئے کہ غفلت اور پردہ میں ہوں (یعنی اس لئے کہ اس کا علم نہیں ہے غرض) اس بشارت سے وہ مست ہوگیا اور اسکی کلفت (سفر کی یا عسس کی مار پیٹ کی) رہی لاکھوں الحمد لبوں کے نیچے ہی نیچے (یعنی چپکے چپکے) پڑھیں (اور اپنے نفس سے) کہا کہ میری یہ نعمت لات (گھونسہ کھانے) پر موقوف تھی (فی الغیاث لت زدن وکوفتن اھ ورنہ) آب حیات میری دوکان ہی میں تھا مگر اس کا ملنا اس سختی جھیلنے پر موقوف تھا اے نفس) چل کہ نعمت عجیبہ پر میں نے ہاتھ مارا ہے ناس ہو اس خیال کا کہ میں مفلس تھا (آگے دل ہی دل میں عسس کو خطاب ہے کہ) خواہ مجھکو احمق جان خواہ مجھکو عاقل سمجھ میرا جس چیز کو دل چاہتا ہے وہ میں نے پا ہی لی خواہ مجھکو احمق جان خواہ (احمق سے بھی کمتر وہ خزانہ میری ملک ہو ہی گیا تو جو چاہے کہہ میں نے اپنی مراد دیکھ ہی لی بلا کسی شک کے تو مجھکو جو چاہے کہہ لے بد زبان تو مجھکو مریض (بمرض حماقت) کہہ اے صاحب احتشام میں تیرے نزدیک پر مرض ہوں اور اپنے نزدیک خوش ہوں افسوس ہوتا اگر یہ مقام پر واز برعکس ہوتا (یعنی) تیرے نزدیک گلزار ہوتا اور اپنے نزدیک خوار ہوتا اس واقعہ کو مفاد سے شاید اس سے تعبیر کیا ہو کہ یہ محل ہے پرواز افکار کا آگے اسکی ایک مثال ہے کہ کسی فقیر سے کسی روز ایک کمینہ نے کہا کہ تجھکو اس جگہ کوئی نہیں جانتا اس فقیر نے کہا کہ اگر مجھکو عامی آدمی نہیں جانتا (تو کیا ہوا) میں تو اپنے

کو خوب جانتا ہوں کہ کون ہوں افسوس ہوتا اگر یہ درد اور ریش برعکس ہوتا کہ وہ تو میرا بینا (یعنی میرے کمالات کا معتقد) ہوتا اور میں اپنا نابینا (یعنی ان کمالات کا فاقد) ہوتا (مقصود درویش کا تفاخر نہیں ہے بلکہ تحدث بالنعمت اور عوام کے اعتقاد اور عدم اعتقاد کا عدم اعتبار ہے پس اسی مثال کی طرح) تو مجھکو احمق سمجھ میں احمق (سہی مگر) خوش نصیب (تو) ہوں نصیب بہتر ہے خصوصیت ' ر زشروئی سے (جو کہ ناداری میں پیش آتی ہے اور) یہ مضمون (کہ میں احمق ہوں) تیرے گمان کے موافق (میرے منہ سے) نکل رہا ہے (کہ میں اپنی احمقی کو تسلیم کر رہا ہوں) ورنہ (واقع میں خود) میرا نصیبہ میری عقل کی داد دے رہا ہے (یعنی خوش نصیبی ہی دلالت کر رہی ہے میرے عاقل ہونے پر کیونکہ عاقل ہونے سے جو مقصود ہے کامیابی وہ مجھکو حاصل ہے جب غایت حاصل ہوگئی طریق بھی حکماً موجود ہے گو حقیقۃً معدوم ہو آگے اس شخص کے بغداد کو واپس جانے اور خزانہ ملنے کی سرخی ہے اور اس کے ساتھ اس قصہ عجیبہ کی مناسبت سے دوسرے مضامین کی طرف انتقال ہے یعنی اس کے بعد) وہ شخص مصر سے بغداد کی طرف واپس ہوا سجدہ کرتا ہوا رکوع کرتا ہوا (حق تعالیٰ کی) ثنا و شکر کرتا ہوا تمام راستہ وہ حیران اور مست اس عجیب بات سے (یعنی طریق) روزی اور راہ طلب کے منعکس ہونے سے کہ مجھکو (حق تعالیٰ نے) کہاں سے تو امیدوار کیا تھا اور کہاں سے مجھپر چاندی اور نفع نثار فرمایا یہ کیا حکمت تھی کہ اس قبلہ مقاصد نے مجھکو گھر سے باہر نکالا گم کردہ راہ اور شاد کر کے (یعنی وہ خزانہ کا رستہ نہ تھا مگر میں اس خیال سے کہ وہاں خزانہ ملے گا خوش خوش جا رہا تھا) یہانتک کہ میں غلط راہی میں شتاباں شتاباں جا رہا تھا (اور) ہر لحظہ مطلب سے زیادہ جدا (اور دور) ہوتا جاتا تھا (ابتداء تو یہ تھی اور) پھر (انتہا یہ ہوئی کہ) اسی عین گمراہی کو (اپنے) جود و کرم سے حق تعالیٰ نے رشد اور نفع میں واسطہ بنا دیا (جیسا کہ عسس کے قصہ میں معلوم ہوا آگے حق تعالیٰ کے ایسے ہی عجائب تصرفات کہ اسباب برخلاف توقع مسببات کو مرتب فرماتے ہیں اور پھر قریب سرخی آئندہ کے اشعار ثلثہ اندریں فسخ الخ میں رجوع ہے قصہ کی طرف کہ وہاں پہونچکر وہ خزانہ ملگیا اور پھر شعر رابع میں کہ شعر اخیر ہے سرخی گذشتہ کا تمہید ہے رجوع بقصہ شہزادگان کی جو انشاء اللہ تعالیٰ عشر عاشر میں مذکور ہوگا)۔

بیان بعضے عجائب تصرفات الٰہیہ

گمرہی را منہج ایمان کنند	**کژ روی را مقصد احسان کنند**
وہ گمراہی کو طریق ایمان کا کر دیتے ہیں	کجروی کو اخلاص کا مقصد کر دیتے ہیں
تا نباشد ہیچ محسن بے وجا	**تا نگردد ہیچ خائن بے رجا**
تاکہ کوئی نیکی کرنے والا بے خوف نہ رہے	تاکہ کوئی عاصی بے امید نہ رہے

اندروں زہر تریاق آں خفی

زہر کے اندر تریاق اُس مہربان نے کر رکھا ہے

کرد تا گویند ذو اللطف الخفی

تاکہ لوگ صاحب لطف خفی کہیں

نیست مخفی در نماز آں مکرمت

وہ کرم نماز میں مخفی نہیں ہے

در گنہ خلعت نہد آں مغفرت

گناہ میں اُس مغفرت کی خلعت رکھدیتے ہیں

منکراں را قصد اذلال ثقات

منکروں کا قصد مقبولین کے ذلیل کرنے کا تھا

ذل شدہ عز و ظہور معجزات

وہ ذلت عزت اور ظہور معجزات ہو گئی

قصد شان ز انکار ذل دیں بدہ

اونکا قصد انکار سے دین کی ذلت تھی

عین ذل عز رسولاں آمدہ

عین ذلت رسولوں کی عزت ہو گئی

گر نہ انکار آمدے از ہر بدے

اگر ہر بد آدمی سے انکار واقع نہ ہوتا

معجزہ و برہان چرا نازل شدے

تو معجزہ اور برہان کس لئے نازل ہوتا

تا نہ گردد خصم تو مصداق خواہ

جب تک تیرا مخاصم دلیل مصدق کا خواہاں نہیں ہوتا

کے کند قاضی تقاضائے گواہ

حاکم گواہ کا تقاضا کب کرتا ہے

معجزہ ہمچوں گواہ آمد زکی

معجزہ مشابہ گواہ زکی کے ہے

بہر صدق مدعی در بیشکی

صدق مدعی کے لئے نفی شبہ میں

طعنہ چوں می آمد از ہر ناشناخت

جب ہر ناواقف طرف سے طعنہ واقع ہوتا تھا

معجزہ می داد حق و می نواخت

تو حق تعالیٰ معجزہ دیتے تھے اور نوازش فرماتے تھے

مکر آں فرعون سی صد تو بدہ

اُس فرعون کا مکر تین سو حصے تھا

جملہ ذل او و قمع او شدہ

وہ سب اُسکی ذلت اور اُسکے قلع قمع کا سبب ہو گیا

ساحراں آوردہ حاضر نیک و بد — تاکہ جرح معجزہ موسی کند

ساحروں کو اس نے جمع کیا ماہر کو اور غیر ماہر کو — تاکہ معجزہ موسیٰ میں جرح کرے

تا عصا را باطل و رسوا کند — اعتبارش راز دلہا بر کند

تاکہ عصا کو باطل اور رسوا کرے — اس کے اعتبار کو دلوں سے دور کرے

عین آں مکر آیت موسی شدہ — اعتبارِ آں عصا بالا شدہ

عین وہ مکر موسی علیہ السلام کا معجزہ ہوگیا — اس عصا کا اعتبار اور بالا ہوگیا

لشکر آرد او پگہ تا حول نیل — تا زند بر موسی و قومش سبیل

وہ پگاہ کے وقت لشکر لاتا ہے آپ نیل کے گرد و پیش تک — تاکہ موسی علیہ السلام پر اور اُن کی قوم پر راہ زنی کرے

ایمنی امت موسی شود — او بہ تحت ارض و ہامون رود

امت موسویہ کے امن کا سبب بن جائے — وہ زمین اور دشت کے تحت میں جائے

گر بمصر اندر بدے او نامدے — وہم از سبطی کجا زائل شدے

اگر وہ مصر ہی میں رہتا نہ آتا — تو وہم سبطی سے کہاں زائل ہوتا

آمد و در سبط افگند او گداز — کہ بداں کہ امن در خوف ست راز

وہ آیا اور سبطیوں میں اس نے اندیشہ ڈالا — کہ جان لے کہ امن خوف میں مخفی ہے

ایں بود لطف خفی کو را صمد — نار بنماید خود آں نورے بود

لطف خفی یہ ہوتا ہے کہ اُن کو حضرت صمد — نار دکھلادیں وہ خود ایک نور ہو

نیست مخفی مزد دادن در تقا — ساحراں را اجر بین بعد از خطا

اجر دنیا تقوی میں یہ مخفی نہیں ہے — ساحروں کے اجر کو دیکھ بعد گناہ کے

نیست مخفی وصل اندر پرورش　　ساحران را وصل داد او در برش

پرورش میں وصال مخفی نہیں ہے　　ساحروں کو وصل عطا فرمایا قطع میں

نیست مخفی سیر با پاے روا　　ساحران را سیر بیں در قطع پا

چلتے ہوے پاؤں سے چلنا مخفی نہیں ہے　　ساحروں کا چلنا دیکھ پاؤں قطع ہونیکی حالت میں

عارفان زانند دائم آمنون　　کہ گذر کردند از دریاے خوں

عارفین اسی سبب سے ہمیشہ بے خوف ہیں　　کیونکہ وہ دریاے خون سے گذر چکے ہیں

امن شان از عین خوف آمد پدید　　لاجرم باشند ہر دم در مزید

اُن کا امن عین خوف سے ظاہر ہوا ہے　　اس لئے وہ ہردم ترقی ہی میں رہتے ہیں

امن دیدی گشتہ در خوفے خفی　　خوف بیں ہم در امیدی اے صفی

تونے خوف میں امن خفی دیکھ لیا　　تو خوف کو امید میں دیکھ لے اے برگزیدہ

آں امیر از مکر بر عیسیٰ تند　　عیسیٰ اندر خانہ رو پنہاں کند

وہ امیر مکر سے عیسیٰ علیہ السلام کے درپے ہوتا ہے　　عیسیٰ علیہ السلام اپنے کو پنہاں کرتے ہیں

اندر آید تا شود او تاجدار　　خود ز شبہ عیسیٰ آمد تاجدار

وہ اندر آتا ہے تاکہ وہ سردار ہوجاوے　　وہ خود عیسیٰ علیہ السلام کی شبیہ بن جانیسے سردار ہوتا ہے

ہیں میاویزید من عیسیٰ نیم　　من امیرم بر جہوداں خوش پیم

ہاں مت لٹکاؤ کہ میں عیسیٰ نہیں ہوں　　میں تو یہودیوں کا امیر ہوں مبارک قدم ہوں

زوتر ش بر دار آویزید کو　　عیسیٰ ست از دست ما تخلیص جو

اسکو جلدی دار پر لٹکاؤ کہ یہ　　عیسیٰ ہے ہمارے ہاتھ سے خلاصی چاہتا ہے

چند لشکر میرود تا بر خورد
بہت سے لشکر جاتے ہیں تاکہ متمتع ہوں

برگ او بر گردد و بر سر خورد
اس کا ساماں منقلب ہوجاتا ہے اور سر پر کھاتا ہے

چند بازرگان رود بر بوئے سود
بہت سے سوداگر امید نفع پر جاتے ہیں

عید پندارد بسوزد ہمچو عود
عید گمان کرتا ہے عود کی طرح جلتا ہے

چند در عالم بود در عکس این
بہت دفعہ عالم میں اسکا عکس ہی ہوتا ہے

زہر پندارد بود آن انگبین
زہر سمجھتا ہے وہ شہد ہوجاتا ہے

بس سپہ بنہاد دل بر مرگ خویش
بہت سپاہ نے دلکو اپنی موت پر جمالیا ہے

روشنیہا و ظفر آید بہ پیش
روشنیاں اور غلبہ اُسکو پیش آتا ہے

ابرہہ با پیل بہر ذل بیت
ابرہہ مع فیل کے ذلت بیت کے لئے آیا

آمدہ تا افگند حی را چو میت
تاکہ زندہ کو مثل میت کے ڈالدے

تا حریم کعبہ را ویران کند
تاکہ حریم کعبہ کو ویران کرے

جملہ را زانجائے سرگردان کند
سب کو اُس جگہ سے پریشان کرے

تا ہمہ زوار گرد او تنند
تاکہ تمام زائرین اُس کے گرد جمع ہوا کریں

کعبۂ او را ہمہ قبلہ کنند
اُس کے کعبہ کو سب قبلہ بنالیں

وز عرب کینہ اندر گزند
اور عرب سے گزند پہونچاکر کینہ کشی کرے

کہ چرا در کعبہ ام آتش زنند
کہ کس وجہ سے میرے کعبہ میں آگ لگاتے ہیں

عین سعیش عزت کعبہ شدہ
اُس کی یہ عین سعی کعبہ کی عزت ہوگئی

موجب اعزاز آن بیت آمدہ
اُس بیت کے اعزاز کا موجب ہوگیا۔

مکیان را عزے بد صد شدہ — تا قیامت عز شاں ممتد شدہ

اہل مکہ کی عزت بھی جو کہ ایک حصہ تھی سو حصہ ہوگئی — قیامت تک ان کی عزت ممتد ہوگئی

او و کعبہ او شدہ مخسوف تر — از چہ است ایں از عنایات قدر

وہ اور اسکا کعبہ زیادہ غارت ہوگیا — یہ کس سبب سے ہوا عنایات قدر سے ہوا۔

از جہاز ابرہہ جیل عرب — گشتہ مستغنی ز فضہ و ز ذہب

ابرہہ کے سامان سے عرب کے گروہ — سیم و زر سے مستغنی ہوگئے۔

از جہاز ابرہہ ہمچوں ددہ — آں فقیران عرب منعم شدہ

ابرہہ مشابہ درندہ کے سامان سے — وہ فقیران عرب صاحب نعمت ہوگئے

از جہاز ابرہہ دون دنی — ایں فقیران عرب گشتہ غنی

ابرہہ حقیر و دنی کے سامان سے — یہ فقیران عرب غنی ہوگئے

او گمان بردہ کہ لشکر می کشد — بہر اہل بیت او زر می کشد

اس نے گمان کیا تھا کہ وہ لشکر کشی کررہا ہے — وہ بیت اللہ والوں کی زرکشی کررہا تھا

اندریں فسخ عزائم وین ہمم — در تماشا بود در رہ ہر قدم

ان ہی ارادوں کے فسخ ہونے میں اور ان ہی ارادوں میں — وہ تماشا میں تھا ہر قدم پر راہ میں

خانہ آمد گنج را او باز یافت — کارش از لطف خدائی ساز یافت

گھر پہونچا اس نے خزانہ کو پالیا — اس کے کام نے لطف خدائی سے سرانجام پایا

تا بدانی حکمت فرد حکیم — ایمنی ہا می نہند در خوف و بیم

تاکہ تو یکتا حکیم کی حکمت کو جان لے — وہ خوف و بیم میں بہت سے امن رکھتا ہے

یادم آمد قصہ شہزادگاں	گوش ہوش آور بمن بشنو بیان
مجھکو شہزادوں کا قصہ یاد آگیا	تو گوش ہوش میری طرف لا بیان سن۔

(ربط اوپر مذکور ہوا کہ مناسبت قصہ گنج یابی خلاف طریق مظنون ایسے ہی بعض عجائب تصرفات الٰہیہ کا بیان ہے جس سے مقصود توحید و توکل و خوف و رجا کی تعلیم ہے اور اسباب کو موثر مستقل نہ سمجھنے کی اور مسبب پر نظر رکھنے کی اور عدم امن و عدم قنوط کی اور جاننا چاہئے کہ یہ سب جو یہاں مذکور ہوں گے اسباب ہیں شرائط نہیں پس اسپر کوئی اشکال افضاء الشر الی الخیر کا لازم نہ آویگا جس کے عدم لزوم کی تقریر اوپر سرخی بیان مجاہد کے اشعار کے شرح میں گذری ہے دیکھ لیا جاوے یعنی) وہ (بعض اوقات) گمراہی کو طریق ایمان کا کر دیتے ہیں (اور کبھی اسکا عکس) کجروی کو اخلاص کا مقصد (و منتہائے قصد) کر دیتے ہیں (یعنی گمراہی سبب ایمان کا اور اخلاص سبب کجروی کا ہو جاتا ہے اس طرح سے کہ گمراہی مثلاً سبب ہوئی کسی مقبول شخص سے ایذا پہونچانے کے لئے اُس کے پاس جانیکا اور وہاں پہونچنا سبب ہوگیا اُس کے کسی کمال کی طرف دل منجذب ہونیکا اور وہ سبب ہوگیا ایمان کا اور اس کا عکس اس طرح کہ کبھی اخلاص پر نظر کرکے عجب پیدا ہوگیا اور عجب کا کجروی ہونا ظاہر ہے آگے دونوں حکموں کی بعض حکمتیں علی سبیل اللف والنشر غیر المرتب مذکور ہیں یعنی ایسا اس لئے کرتے ہیں) تاکہ کوئی نیکی کرنے والا بیخوف نہ رہے (فی الغیاث وجا بفتح ترس واندوہ یہ تو حکمت ہے مصرعہ ثانیہ کی اور) تاکہ کوئی عاصی بے امید نہ رہے (یہ حکمت ہے مصرعہ اولیٰ کی) زہر (مضر) کے اندر تریاق (نافع) اُس مہربان نے کر رکھا ہے تاکہ لوگ (اُسکو) صاحب لطف خفی کہیں (ورنہ اگر تمام الطاف مواقع مظنونہ ہی سے ظاہر ہوا کرتے تو ذواللطف تو کہا جاتا مگر ذواللطف الخفی نہ کہا جاتا چنانچہ) وہ کرم نماز میں مخفی نہیں ہے (کیونکہ نماز کا اجر و ثواب کے لئے سبب بن جانا ظاہر ہے اُنکا ذواللطف الخفی ہونا یہ ہے کہ) گناہ میں اُس مغفرت کی خلعت رکھدیتے ہیں (اس طرح سے کہ گناہ سے بعض اوقات اسقدر ندامت ہوتی ہے کہ وہ مغفرت کے لئے کافی ہوتی ہے اور ممکن ہے کہ اس شخص کی طاعات میں بوجہ آمیزش عجب وغیرہ کے یہ اثر نہو اسی طرح ان کی عجائب صنع سے یہ ہے کہ) منکروں کا قصد (طلب معجزات سے انبیاء) مقبولین کے ذلیل کرنے کا تھا (کہ اُن کا گمان یہی تھا کہ یہ امور ہو نہ سکیں گے تو یہ حضرات شرمندہ ہونگے) عین (وہ) ذلت (مزعومہ کفار) رسولوں کی عزت ہوگئی (کہ معجزات کا ظہور ہوا جس سے اُن کی عظمت اور بڑھ گئی چنانچہ آگے اسکی تصریح ہے کہ) اگر ہر بدآدمی سے انکار واقع نہ ہوتا تو معجزہ اور برہان کس لئے نازل ہوتا (آگے اسکی مثال ہے کہ دیکھو) جب تک تیرا مخاصم دلیل مصدق کا خواہاں نہیں ہوتا حاکم گواہ (پیش کرنے) کا تقاضا (تجھسے کہ تو مدعی ہے) کب کرتا ہے (پس) معجزہ (بھی) مشابہ گواہ زکی (و عادل) کے ہے صدق مدعی کے لئے نفی شبہ میں (یہ وجہ تشبیہ ہے کہ مشابہت اسمیں ہے پس گواہ کی طرح کہ انکار کے وقت پیش ہوتا ہے) جب ہر ناواقف طرف سے طعنہ واقع ہوتا تھا تو حق تعالیٰ معجزہ دیتے تھے اور نوازش فرماتے

تھے) آگے بھی اسی کی تائید ہے کہ کفار نے جو اسباب اذلال رسل اور اپنے اعزاز کے جمع کئے تھے وہ اسباب منعکس ہو گئے یعنی) اس فرعون کا مکر تین سو حصے تھا (جس سے مقصود اس کا اپنا اعزاز اور موسیٰ علیہ السلام کا اذلال تھا مگر) وہ سب اس کی ذلت اور اس کے قلع قمع کا سبب ہو گیا ساحروں کو اس نے جمع کیا ماہر کو اور غیر ماہر کو تاکہ معجزہ موسیٰ میں جرح کرے (یعنی) تاکہ عصا کو باطل اور رسوا کرے (اور) اس کے اعتبار کو دلوں سے دور کرے (مگر) عین وہ مکر موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ ہو گیا (یعنی سبب ہو گیا ان کے معجزہ کے ظہور قوت کا اور) اس عصا کا اعتبار اور بالا ہو گیا (لوگوں نے دیکھ لیا کہ وہ سب سحر کو نگل گیا اسی طرح حق تعالیٰ کی صنعت عجیبہ یہ ظاہر ہوئی کہ) وہ (فرعون) پگاہ کے وقت لشکر لاتا ہے آب نیل کے گرد و پیش (یعنی نزدیک) تک تاکہ موسیٰ علیہ السلام پر اور ان کی قوم (سبط) پر راہ زنی کرے (یہ اس کا بقصد اضرار آنا) امت موسویہ کے امن کا سبب بن جاوے (اس طرح سے کہ) وہ زمین اور دشت کے تحت میں جاوے (یعنی غرق سے ہلاک ہو جس سے سبطی ہمیشہ کے لئے بیفکر ہو گئے ورنہ) اگر وہ (فرعون) مصر ہی میں رہتا (اور سبطیوں کے تعاقب میں) نہ آتا تو وہم (و اندیشہ اس کی طرف کا سبطی کے دل) سے کہاں زائل ہوتا (مگر) وہ (مصر میں نہ رہا بلکہ تعاقب میں) آیا اور سبطیوں میں اس نے اندیشہ (جاں گداز) ڈالا (جس کے معنی انجام کے اعتبار سے یہ نکلے) کہ جان لے کہ امن خوف میں خفی ہے (اور حول نیل میں نیل سے مراد نہر نیل نہیں بلکہ آب نیلگوں ہے کیونکہ فرعون نیل میں غرق نہیں ہوا بحر اعظم میں غرق ہوا ہے نیز) لطف خفی یہ ہوتا ہے کہ ان کو (یعنی موسیٰ علیہ السلام کو) حضرت صمد نار دکھلادیں (اور) وہ خود ایک نور ہو (اور) اجر دنیا التقویٰ میں یہ (لطف) خفی نہیں ہے (بلکہ لطف جلی ہے البتہ لطف خفی دیکھنے کے لئے) ساحروں کے اجر کو دیکھ بعد گناہ کے (کہ وہ آئے مقابلہ کے لئے جو کہ گناہ تھا وہ آنا سبب ہو گیا معجزہ دیکھنے کا اور وہ ایمان کا اور وہ اجر کا اسی طرح) پرورش (و تنعیم) میں وصال مخفی نہیں ہے ساحروں کو وصل عطا فرمایا قطع (دست و پا) میں (مطلب یہ کہ آرام و راحت سے رکھنا تو ظاہر علامت ہے عنایت کی مگر لطف خفی یہ ہے کہ مقبولین کے ہاتھ پاؤں کاٹے جاویں اور واقع میں وہ مورد عنایت ہوں اسی طرح) چلتے ہوئے پاؤں سے چلنا مخفی نہیں ہے ساحروں کا چلنا دیکھ پاؤں قطع ہونے کی حالت میں (کہ ہاتھ پاؤں کہ آلہ ہے عمل کا وہ منقطع ہو گئے اور پھر ان کو قرب میں ترقی ہو رہی ہے یہ ہے لطف خفی آگے اس مذکور پر ایک تفریع ہے کہ) عارفین اسی سبب سے ہمیشہ (اسباب مخوفہ دنیویہ) سے بے خوف ہیں کیونکہ وہ دریائے خون (یعنی خطرات ظاہری یا باطنی) سے گذر چکے ہیں (اور دیکھ چکے ہیں کہ) ان کا امن عین خوف سے ظاہر ہوا ہے اس لئے وہ ہر دم (امید لطف کی) ترقی ہی میں رہتے ہیں (اور ان ابیات بالا میں امن درون زہر سے یہاں تک) تو نے خوف میں امن خفی دیکھ لیا (اب اشعار آئندہ میں) تو خوف کو امید میں دیکھ لے اے برگزیدہ (اس کے بعض مواد یہ ہیں کہ) وہ (یہودی) امیر مکر سے عیسیٰ علیہ السلام کے در پے ہوتا ہے (اور) عیسیٰ علیہ السلام (اس سے بچنے کے لئے) اپنے کو پنہاں کرتے ہیں (اور) وہ (ان کے پکڑنے کے لئے اس گھر کے) اندر آتا ہے تاکہ (اس کارگزاری کے صلہ میں اپنی قوم کی جانب سے) وہ سردار ہو جاوے (مگر تصرف حق سے) وہ خود عیسیٰ علیہ السلام

کی شبیہ بن جانے سے سردار ہوتا ہے (اور جب اسکی قوم اس کو دار پر چڑھانا چاہتے ہیں تو کہتا ہے کہ)
ہاں (مجھکو دار پر) مت لٹکاؤ کہ میں عیسیٰ نہیں ہوں میں تو یہودیوں کا امیر ہوں مبارک قدم ہوں (کہ
یہودی اور عدو عیسیٰ ہوں مگر قوم کہتی ہے کہ) اس کو جلدی دار پر لٹکاؤ کہ یہ عیسیٰ ہے
ہمارے ہاتھ سے خلاصی چاہتا ہے (چنانچہ وہ مصلوب کیا گیا تو دیکھو اس کو اس کارگزاری سے
امید تھی تاجدار ہونے کی اور ہو گیا تاجِ دار اسی طرح) بہت سے لشکر (کہیں) جاتے ہیں تاکہ متمتع ہوں
(مگر) اس کا سامان منقلب ہو جاتا ہے اور سر پر (ضربیں) کھاتا ہے (اسی طرح) بہت سے سوداگر امید نفع
پر (کہیں) جاتے ہیں (اور اس کو) عید گمان کرتا ہے (مگر) عود کی طرح جلتا ہے (اور) بہت دفعہ عالم میں
اس کا عکس بھی ہوتا ہے (کہ) زہر سمجھتا ہے (اور) وہ شہد ہوتا ہے (چنانچہ) بہت سپاہ نے دل کو اپنی
موت پر جالیا ہے (مگر) روشنیاں اور غلبہ اس کو پیش آتا ہے (آگے پھر ایک نظیر ہے مضمون ابیات بالا
کی کہ کفار نے اہل اللہ کی تذلیل کا قصد کیا اور وہ سبب ہو گیا ان کے اعزاز کا اور وہ نظیر قصہ ابرہہ کا ہے
کہ اس نے بیت اللہ کی تذلیل کا قصد کیا اور وہ سبب ہو گیا اس کے زیادہ اعزاز کا اور عازم تذلیل کے ہلاک وخسار کا
پس فرماتے ہیں کہ) ابرہہ مع فیل کے ذلت بیت کے لئے آیا تاکہ زندہ (لوگوں) کو (کہ خادم وحامی بیت اللہ ہیں)
مثل میت کے (ہلاک ومغلوب کرکے) ڈالدے تاکہ حریم کعبہ کو ویران کرے (اور) سب (سکان مکہ) کو اس جگہ
سے پریشان کرے تاکہ تمام (آفاقی) زائرین اس کے گرد جمع ہوا کریں (اور) اس کے کعبہ کو سب قبلہ بنالیں
اور (تاکہ) عرب سے گزند پہونچا کر کینہ کشی کرے کہ کس وجہ سے میرے کعبہ میں آگ لگاتے ہیں (جیسا کہ سیر میں
ہے کہ بنی کنانہ میں سے کسی نے اس کے کعبہ میں آگ لگا دی تھی پس وہ ان اغراض فاسدہ کے لئے آیا تھا مگر)
اس کی یہ سعی کعبہ کی عزت ہو گئی (یعنی) اس بیت کے اعزاز کا موجب ہو گیا (سب نے دیکھ لیا کہ یہ بیشک
بیت اللہ ہے اور کعبہ کے ساتھ) اہل مکہ کی عزت بھی جو کہ (پہلے سے) ایک حصہ تھی سو حصے ہو گئی (اور)
قیامت تک ان کی عزت ممتد ہو گئی (اور) وہ (خود) اور اس کا کعبہ (بھی) زیادہ غارت ہو گیا یہ کس
سبب سے ہوا عنایات (قضا رو) قدر سے ہوا (اور اس) ابرہہ کے سامان (ومال) سے عرب
کے گروہ سیم وزر سے مستغنی ہو گئے (یعنی بہت سا مال ان کے ہاتھ آیا جسکو چھوڑ کر وہ ہلاک ہوا
آگے بھی دو شعر میں اس کی تاکید ہے کہ) ابرہہ مشابہ درندہ کے سامان سے وہ فقیران عرب صاحب
نعمت ہو گئے ابرہہ حقیر ودنی کے سامان سے یہ فقیران عرب غنی ہو گئے (حاصل یہ کہ) اس نے گمان
کیا تھا کہ وہ لشکر کشی کر رہا ہے (اور واقع میں) وہ بیت اللہ والوں کی زرکشی کر رہا تھا (اب آگے
تتمہ ہے قصہ بغدادی کی کہ) ان ہی ارادوں کے فسخ ہونے میں اور ان ہی ارادوں میں وہ تماشا
میں تھا ہر قدم پر راہ میں (یعنی ہر قدم پر اس تماشا کو سوچ رہا تھا کہ دیکھو مصر کا کس طرح ارادہ ہوا اور پھر وہ
ارادہ کس طرح فسخ ہوا اور پھر بغداد کا ارادہ ہوا غرض اسی طرح) گھر پہونچا (اور) اس نے خزانہ کو پالیا اسکے

کام نے لطف خدائی سے سرانجام پایا (اور یہ قصہ ہم اس لئے بھی لائے) تاکہ تو یکتا حکیم کی حکمت کو جان لے (کہ) وہ خوف وبیم میں بہت سے امن رکھتا ہے (جس طرح عسس اس کے لئے سامان خوف کا تھا اور وہی سبب ہوا کامیابی کا آگے تمہید ہے رجوع بقصہ شہزادگان کی کہ) مجھکو شہزادوں کا قصہ یاد آگیا تو گوش ہوش میری طرف لا (اور مجھسے اس کا) بیان سن۔

ف الحمد للہ کہ عشر تاسع اختتام کو پہونچا اور وہ قصہ شہزادوں کا انشاء اللہ تعالیٰ عشر عاشر میں مذکور ہوگا اور ماشاء اللہ تعالیٰ یہ عشر تاسع بہت جلدی یعنی پورے آٹھ روز میں لکھا گیا کیونکہ ربیع الثانی اٹھارہ کو شروع ہوا تھا اور آج ستائیس ہے یہ دس ہوئے اور دو جمعہ نکالکر آٹھ روز رہ گئے حق تعالیٰ عشر عاشر کو بھی آسانی سے انجام کو پہونچاویں آمین وصلے اللہ تعالیٰ علے خیر خلقہ محمد وآلہ واصحابہ اجمعین ؁

مقام تھانہ بھون روز

یکشنبہ ۱۳۳۳ھ

ہجری

العشر العاشر من شرح المثنوی المعنوی افتتح فیه للثامن والعشرین یوم الاثنین من ربیع الثانی سنه ۱۳۳۳

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مکر کردن برادران پند برادر بزرگ را و قبول ناکردن او و بیطاقتی او وخود را بی دستوری بدربار بادشاه چین رسانیدن

آں دو گفتندش که اندر جان ما
ان دونوں نے اس سے کہا کہ ہماری جان میں

ہست پاسخہا چو نجم اندر سما
بہت سے جواب ہیں مثل ستارہ کے جو آسمان میں ہیں

گر نگوئیم آں نیاید راست نرد
اگر ہم وہ نہیں کہتے تب تو بازی راست نہیں آتی

ور بگوئیم آں دلت آید بدرد
اور اگر ہم وہ کہتے ہیں تو تمہارا دل دکھتا ہے۔

ہمچو چغزیم اندر آب از گفت الم
ہم مثل مینڈک کے ہیں پانی میں کہ کہنے سے الم ہوتا ہے

ور خموشی اختناق ست و سقم
اور خاموشی سے گھٹن اور بیماری ہے

گر بگوئیم آتشے را نور نیست
اگر ہم نہیں کہتے تو آتش میں نور نہیں ہے

ور بگوئیم آں سخن دستور نیست
اور اگر وہ بات کہتے ہیں تو اجازت نہیں ہے

در زماں بر جست کای خویشاں وداع
وہ دفعۃً کھڑا ہو گیا کہ اے اپنو رخصت

انما الدنیا وما فیہا متاع
بس دنیا و ما فیہا محض ایک متاع ہے

پس بروں جست او چو تیرے از کماں
پس وہ اس طرح نکل کر چل دیا جیسے کمان سے تیر

کہ مجال گفت کم بود آں زماں
کیونکہ بات چیت کی گنجائش اسوقت کم تھی

اندر آمد مست پیش شاہ چیں
مستانہ وار شاہ چین کے سامنے آ پہونچا

زود مستانہ بوسید او زمیں
جلدی سے مستانہ وار اُس نے زمین کو بوسہ دیا

شاہ را مکشوف یک یک حال شاں
بادشاہ کو ان کا ایک ایک حال مکشوف تھا

اول و آخر غم و زلزال شاں
اُن کا ابتدائی اور آخری غم اور متزلزل ہونا

میش مشغولست در مرعائے خویش
بھیڑ اپنی چراگاہ میں مشغول ہوتی ہے

لیک چوپاں واقف ست از حال میش
لیکن راعی حال میش سے واقف ہوتا ہے

کلکم راع بداند از رمہ
وہ بحکم کلکم راع کے جانتا ہے کہ گلہ میں سے

کہ علف خوار ست کہ در ملحمہ
کون تو علف خوار ہے اور کون لڑائی میں ہے

گرچہ در صورت از آں صف دور بود
اگرچہ وہ ظاہر میں اُس صف سے دور تھا

لیک چوں دف درمیاں سور بود
لیکن دف کی طرح مجلس شادی کے اندر تھا

واقف از سوز و لہیب آں وفود
واقف تھا اُس گروہ کے سوز و التہاب سے

مصلحت آں بد کہ خشک آوردہ بود
مصلحت یہ تھی کہ زبان کو خشک کر رکھا تھا

درمیان جاں شان بود آں سمی
وہ عالی جاہ اُن کی جان کے اندر تھا
لیک قاصد کردہ خود را اعجمی
لیکن اپنے کو قصداً ناواقف بنا رکھا تھا

صورت آتش بود پایان دیگ
آگ کی صورت دیگ کے نیچے ہوتی ہے
معنی آتش بود در جان دیگ
آگ کا باطن دیگ کی جان میں ہوتا ہے

صورتش بیروں و معنی اندروں
اُسکی صورت خارج ہے اور معنے داخل ہے
معنی معشوق جاں در رگ چو خوں
معشوق روح کے معنی خون کی طرح رگوں کے اندر ہے

شاہزادہ پیش شہ زانو شدہ
شاہزادہ بادشاہ کے سامنے زانوے ادب تہ کرکے جا بیٹھا
وہ معرف شارح حالش شدہ
مقامی معرف اُس کے حال کی شرح کرنے لگا

گرچہ شہ عارف بد از کل پیش پیش
اگرچہ بادشاہ سب کو پہچانتا تھا بہت پہلے سے
لیک می کردے معرف کار خویش
لیکن معرف اپنا کام کیا کرتا تھا

در دروں یک ذرہ نور عارفی
باطن میں ایک ذرہ نور عارفیت کا
بہ بود از صد معرف اے صفی
بہتر ہوتا ہے سو معرف سے اے برگزیدہ

گوش را رہن معرف داشتن
کان کو معرف کا مقید کر دینا۔
آیت محجوبی ست و حزر و ظن
علامت محجوب ہونے کی ہے اور تخمین و ظن کی

آنکہ او را چشم دل شد دیدبان
جس کی چشم دل دیدبان ہوگی
دید خواہد چشم او عین العیان
اُسکی آنکھ بالکل معائنہ کے طور پر دیکھے گی

با تواتر نیست قانع جان او
تواتر پر اُسکی جان قانع نہیں ہوتی
بل ز چشم دل رسد ایقان او
بلکہ چشم دل سے اُسکا یقین پہونچتا ہے۔

پس معرف پیش شاہ منتجب — در بیان حال او بکشود لب

پس معرف نے شاہ برگزیدہ کے سامنے — اس کے بیان حال میں لب کھولا۔

گفت شاہا صید احسان تو ست — بادشاہی کن کہ او آن تو ست

کہا کہ اے بادشاہ یہ آپ کے احسان کا شکار ہے — آپ بادشاہی کیجیے کہ یہ آپ کا ہو گیا ہے

دست در فتراک این دولت زدست — بر سر سرمست او میمال دست

اس نے اس دولت کے فتراک کے ساتھ تمسک کیا ہے — اسکے سر مست سر پر ہاتھ پھیر دیجئے

گفت شہ ہر منصبی و ملکتی — کالتماسش ہست یابد آن فتی

بادشاہ نے کہا جس منصب اور ملک کی — اسکو خواہش ہو وہ اس نوجوان کو ملیگا

بیست چندان ملک کو شد زان بری — بخشمش اینجا و من خود بر سری

جس ملک سے یہ بیزار ہوا ہے اس سے بیس گونہ — میں اس جگہ دونگا اور میں خود اسکے علاوہ

گفت تا شاہیت در وے عشق کاشت — جز ہوائے تو ہوائے کے گذاشت

معرف نے کہا کہ جب سے آپکی شاہی نے اسمیں آپکے عشق کا تخم بویا — بجز آپ کی محبت کے اسنے کوئی خواہش کب چھوڑی ہے

بندگی تش چناں در خورد شد — کہ شہی اندر دل او سرد شد

آپ کی غلامی اسکو ایسی سزاوار ہوئی — کہ شاہی اسکے دل میں سرد ہو گئی

شاہی و شہزادگی در باختہ است — از پئے تو در غریبی ساختہ است

اسنے شاہی اور شہزادگی سب تج دی ہے — آپکے لئے اس نے غربت کے ساتھ موافقت کی ہے

صوفئے کانداخت خرقہ وجد در — کے رود او بر سر خرقہ دگر

جس صوفی نے کہ وجد کے اندر خرقہ اتار کر پھینکدیا — وہ پھر اس خرقہ پر کب توجہ کرتا ہے

میل سوئے خرقۂ دادہ وندم
دیئے ہوئے خرقہ کی طرف میل کرنا اور نادم ہونا
آنچناں باشد کہ من مغبون شدم
یہ تو ایسا ہے کہ میں زیان خوردہ ہو گیا

باز دہ آں خرقہ ایں سوائے قریں
اے ہمنشیں میرا خرقہ ادہر واپس دے
کہ نمی ارزید آں یعنی بدیں
کیونکہ وہ اسکی برابر قیمت نہیں رکھتا۔

دور از عاشق کہ ایں فکر آیدش
عاشق سے بعید ہے کہ اس کو یہ خیال آوے
ور بیاید خاک بر سر بایدش
اور اگر آوے تو اسکے سر پر خاک چاہیئے

عشق ارزد صد چو خرقہ کالبد
عشق قالب جیسے سو خرقوں کی برابر قیمت رکھتا ہے
کہ حیاتے دارد و حس و خرد
جو کہ حیات اور حس اور عقل رکھتا ہے

خاصہ خرقہ ملک دنیا کابتر ست
خاص کر خرقہ ملک دنیا کہ وہ تو بالکل ہی ناقص ہے
پنج دانگ ہستیش درد سر ست
اس کی پنج دانگ ہستی دردسر ہے

ملک دنیا تن پرستان را حلال
ملک دنیا تن پرستوں کو نصیب ہو
ما غلام ملک عشق بے زوال
ہم تو ملک عشق بے زوال کے غلام ہیں

عامل عشق ست معزولش مکن
یہ عامل عشق ہے اسکو معزول نہ کیجیے
جز بعشق خویش مشغولش مکن
بجز اپنے عشق کے اسکو مشغول نہ کیجیے

منصبے کانم ز رویت محجب ست
جو منصب کہ میرے لئے آپکے دیدار سے حجاب ہے
عین معزولی ست نامش منصب ست
عین معزولی ہے نام اس کا منصب ہے۔

موجب تاخیر اینجا آمدن
اس جگہ آنے میں تاخیر کا موجب
فقد استعداد بود و ضعف تن
فقد استعداد اور ضعف تن تھا

بے زاستعداد بر کانے روی — بر یکے حبہ نگردی محتوی

بدون استعداد کے کسی معدن پر تو جاوے — تو ایک حبہ پر بھی تو قابض نہ ہوگا

ہمچو عنینے کہ بکرے را خرد — گرچہ سیمین تن بود کے برخورد

مثل ایک عنین کے کہ کسی باکرہ کو خریدے — اگرچہ وہ سیمین تن ہو یہ کب متمتع ہوگا

چوں چراغ بے زریت و بے فتیل — نے کثیرستش زنور و نے قلیل

مثل ایک چراغ بے روغن اور بے فتیلہ کے — اس میں نور سے نہ کثیر ہے نہ قلیل

در گلستان اندر آید اخشمے — کے شود مغزش ز ریحاں خرمے

باغ میں کوئی فاسد الشامہ آوے — اُس کا مغز پھول سے کب خوش ہوگا

ہمچو خوبے دلبرے مہمان غر — بانگ چنگ و بربطے در پیش کر

مثل ایک حسین دلبر کے کہ مہمان ہو نامرد کی — چنگ و بربط کی آواز ہو بہرے کے سامنے

ہمچو مرغ خاک کاید در بحار — زاں چہ یابد جز ہلاک و جز خسار

مثل مرغ خاکی کے کہ دریاؤں میں آوے — اُس سے کیا حاصل کریگا بجز ہلاکت اور زیان کے

ہمچو بے گندم شدہ در آسیا — جز سفیدی ریش و مو نبود عطا

مثل بے گندم شخص کے کہ چکی گھر میں گیا ہو — بجز داڑھی اور بالوں کے سفید ہونے کے کچھ عطیہ نہ ملیگا

آسیائے چرخ بر بے گندماں — مو سپیدی بخشد و ضعف میاں

آسیائے چرخ بے گندم لوگوں پر — بالوں کی سفیدی اور کمر کا ضعف دیتی ہے

لیک با با گندماں ایں آسیا — ملک بخش آمد و ہد کار و کیا

لیکن باگندم لوگوں پر۔ یہ آسیا — ملک بخش ہوا کارخانہ اور عظمت دیتا ہے

اول استعداد جنت بایدت — تا ز جنت زندگانی زایدت

اول تجکو جنت کی استعداد چاہئے — تاکہ جنت سے تیری زندگی پیدا ہو

طفل نو را از شراب و از کباب — چہ حلاوت از قصور و از قباب

طفل نوزائیدہ کو شراب و کباب سے — کیا حلاوت کوٹھیوں اور گنبددار مکان سے

حد ندارد این مثل کم جو سخن — تو برو تحصیل استعداد کن

یہ مثالیں انتہا نہیں رکھتیں کلام مت تلاش کر — تو جا تحصیل استعداد کی کر

بہر استعداد تا اکنون نشست — شوق از حد رفت و آن نامد بدست

یہ ابتک استعداد کے لئے بیٹھا رہا — شوق حد سے گذرا اور وہ ہاتھ نہیں آئی

گفت استعداد ہم از شہ رسد — بے ز جان کے مستعد گردد جسد

اس نے یہ کہہ لیا کہ استعداد بھی بادشاہ ہی سے ملجاویگی — بدون روح کے جسد صاحب استعداد کب ہوتا ہے

لطفہائے شہ غمش را در نوشت — شد کہ صید شہ کند او صید گشت

بادشاہ کے الطاف نے اسکے غم کو تہ کرکے رکھدیا — یہ آیا تھا اسلئے کہ بادشاہ کا شکار کرے وہ خود ہی شکار ہوگیا

ہر کہ در اشکار چون تو صید شد — صید را ناکردہ قید او قید شد

جو شخص بھی آپ جیسے صید کے شکار میں گیا ہوگا — وہ صید کو بدون قید کئے ہوئی خود قید ہوگیا ہوگا

ہر کہ جویائے امیری شد یقین — پیش از آن او در اسیری شد رہین

جو شخص امیری کا جویا ہوتا ہے یقیناً — اس سے پہلے وہ اسیری میں محبوس ہوجاتا ہے

عکس میدان نقش دیباجہ جہان — نام ہر بندہ جہان خواجہ جہان

ہر ذرہ عالم کے نقش کو منعکس سمجھ — ہر بندۂ جہاں کا نام خواجۂ جہاں ہے

اے تن کژ فکرت معکوس رو — **صد ہزار آزاد را کردی گرو**

اے تن جو کہ کج فکر ہے معکوس رفتار ہے — تو نے لاکھوں آزاد کو مقید کر دیا

مدتے بگذار ایں حیلت پزی — **چند دم پیش از اجل آزاد زی**

ایک مدت کیلئے اس حیلہ پزی کو چھوڑ دے — چند ساعت موت کے قبل آزاد ہو کر زندگی کر لے

ور در آزادیت چوں خر راہ نیست — **ہمچو دلوت سیر جز در چاہ نیست**

اور اگر گدھے کی طرح تجکو آزادی میں کوئی راہ نہیں ہے — مثل ڈول کے تیری سیر بجز چاہ کے اور کہیں نہیں ہے

مدتے رو ترک جان من بگو — **رو حریفے دیگرے جز من بجو**

تو ایک مدت کے لئے جا میری جان چھوڑ — جا اور کوئی ہمراہی میرے سوا تلاش کر

نوبت من شد مرا آزاد کن — **دیگرے را غیر من داماد کن**

میری باری ہو چکی مجکو آزاد کر — کسی دوسرے کو میرے سوا داماد بنا

اے تن صد کارہ ترک من بگو — **عمر من بردی کسے دیگر بجو**

اے تن صد فن تو مجکو چھوڑ — میری عمر تو تو نے برباد کی اب اور کسی کو ڈھونڈھ

ان دونوں (بھائیوں) نے اس (بڑے) سے کہا کہ (جتنے جسقدر تقریر کی ہے) ہماری جان (اور ہمارے ذہن) میں (اس کے) بہت سے جواب ہیں (جو واضح ہونے میں مثل ستارہ کے ہیں آسمان میں (لیکن ہم اس مشکل میں پڑ گئے کہ) اگر ہم وہ (جوابات) نہیں کہتے تب تو بازی راست نہیں آتی (یعنی کام نہیں بنتا کہ تمکو اپنی غلطی معلوم نہ ہو گی) اور اگر ہم وہ کہتے ہیں تو تمہارا دل دکھتا ہے (جیسا کہ عاشق کو نصیحت ناگوار ہوا کرتی ہے بس اس اشکال میں) ہم مثل مینڈک کے ہیں پانی میں کہ کہنے سے الم ہوتا ہے اور خاموشی سے گھٹن اور بیماری ہے (از گفت سے آخر تک بیان ہے وجہ شبہ کا اور مشبہ بہ میں خاموشی پر ترتب اختناق کا ظاہر ہے اور گفتن سے الم کا ہونا اس طرح ہے کہ پانی کے اندر بات کی جاوے تو منہ میں پانی بھر کر تکلیف ہوتی ہے غرض) اگر ہم نہیں کہتے تو (ایسی مثال ہے کہ جیسے بے پھونک مارے ہوئے) آتش میں نور نہیں ہے (اسی طرح بے کہے مافی الضمیر کا وضوح نہیں ہوتا) اور اگر وہ

بات کہتے ہیں تو عوارض کے سبب) اجازت نہیں ہے (وہ دونوں بھائی تو یہی کہتے رہے) وہ دفعۃً کھڑا ہو گیا کہ اے
لا بنو رخصت بس دنیا و مافیہا محض ایک متاع (فانی) ہے (ایک دن ختم ہونا ہے سو خطرات عشق ہی میں ختم ہو جاوینگے)
پس وہ اس طرح نکلکر چلدیا جیسے کمان سے تیر کیونکہ بات چیت کی گنجائش اُسوقت کم تھی (اور) مستانہ وار شاہ چین کے
سامنے آپہونچا (اور) جلدی سے مستانہ وار اُس نے زمین کو بوسہ دیا۔ بادشاہ (چونکہ صاحب کشف تھا اس) کو اُن
(سب بھائیوں) کا ایک ایک حال مکشوف تھا (یعنی) اُن کا ابتدائی اور آخری غم اور (عشق سے) متزلزل ہونا سب
معلوم تھا آگے اسکی مثال ہے کہ جسطرح) بھیڑ اپنی چراگاہ میں مشغول ہوتی ہے لیکن راعی حال میش سے واقف ہوتا ہے
(گو میش کو راعی کے اس باخبر ہونے کی بھی خبر نہیں) وہ (راعی) بحکم کلکم راع کے جانتا ہے کہ (اس) گلہ میں سے کون
تو علف خوار ہے اور کون لڑائی میں (مشغول) ہے (مراد اس سے جانوروں کی باہمی معمولی لڑائی اسمیں مولانا نے اشارہ
کیا ہے کہ شیخ کو اسی طرح طالبین کے حال کا تفقد ضروری ہے پھر قصہ فرماتے ہیں کہ) اگرچہ وہ (شاہ چین) ظاہر میں اُس
صف (یعنی جماعت شہزادگان) سے دور تھا لیکن دنت کی طرح مجلس شادی کے اندر تھا (اور) واقف تھا اُس گروہ
کے سوز و التہاب سے (مگر) مصلحت یہ تھی کہ زبان کو خشک کر رکھا تھا (کنایہ ہے خاموشی سے جسطرح تر زبانی کنایہ ہے تکلم سے
جسطرح محققین اہل کشف کا سکوت بمصالح مشاہد ہے) وہ عالی جاہ (بادشاہ باعتبار اطلاع اُن کے ضمائر کے گویا) اُن کی
جان کے اندر تھا لیکن اپنے کو قصداً ناواقف بنا رکھا تھا (قاصداً سے کہ حال ہے ضرورت شعر سے تنوین حذف ہو گئی آگے
مجموعہ در صورت ازاں صف دور بود اور درمیان جان شان بود کی مثال ہے کہ دیکھو) آگ کی صورت دیگ کے نیچے
(اور اُس سے خارج) ہوتی ہے (لیکن) آگ کا باطن (کہ حرارت ہے وہ) دیگ کی جان ہیں (اور اُس کے اندر) ہوتا ہے
(پس) اسکی صورت خارج ہے اور معنی داخل ہے (اسی طرح) معشوق روح (یعنی روح) کے معنی (اور اثر و تصرف) خون
کی طرح رگوں کے اندر ہے (باوجودیکہ روح بوجہ تجرد کے خارج عن البدن ہے اور معشوق روح میں اضافت بیانیہ ہے پھر قصہ
ہے یعنی) شاہزادہ بادشاہ کے سامنے زانوئے ادب تہ کر کے جا بیٹھا (اور) مقامی معرف اُس (شہزادہ) کے حال کی
شرح کرنے لگا (فی الغیاث معرف بمعنی کسیکہ در مجلس سلاطین و امرا مردمان را بجائی لائق ہر کدام نشاند و شخصے باشد کہ چوں
کسے پیش سلاطین و امرا رود و مجہول الحال باشد اوصاف و نسب و بیان کند تا در خور آں مواد عنایت بحال او باشد
و فی الحاشیۃ وہ معرفای معرف دہ و شہراہ ترجمۃ بحاصلہ اور) اگرچہ بادشاہ سب کو پہچانتا تھا بہت پہلے سے لیکن معرف
اپنا کام کیا کرتا تھا (چونکہ اُس کا فرض منصبی تھا آگے مولانا کا مقولہ ہے کہ) باطن میں ایک ذرہ نور عارفیت کا بہتر ہوتا ہے
سو معرف سے اے برگزیدہ (میرے ذوق میں یہاں مراد اس سے یہ ہے کہ شیخ کا طالبین کی حالت کو نور بصیرت سے پہچاننا
ضرور ہے محض راویوں کے بیان پر اعتماد کرنا نہ چاہیئے آگے اسی کی تفصیل ہے کہ) کان کو معرف (اور عام رواۃ) کا مقید
کر دینا (اور اُسی پر مدار رکھنا یہ) علامت محجوب (اور غیر ذی بصیرت) ہونیکی ہے اور (علامت) تخمین و ظن کی (ہے جو کہ
غیر مبصرین کا وظیفہ ہے پس وہ شیخ نہیں ہے حرز بفتح حائے مہملہ و سکون زائے معجمہ و در آخر رائے مہملہ تخمین کردن اور) جسکی چشم دل
دیدبان ہو گی اُسکی آنکھ (حال طالب کو) بالکل معاینہ کے طور پر دیکھے گی (عین العیان خواہ دید کا مفعول بہ نہیں ہے کہ معاینہ

کا دیکھنا تو عوام میں بھی مشترک ہی بلکہ اس کا مفعول مطلق ہے اور مفعول بہ مقدر ہے یعنی مخفی را عیاناً می بیند اور) تواتر (عرفی) پر اسکی جان قانع نہیں ہوتی بلکہ (حال طالب کے متعلق) چشم دل سے اسکا یقین (بدرجۂ جواز عمل) ہوچکا ہے (اور اور پر معاینہ سے بھی یہی مراد ہے عرفی کی قید سے یہ شبہ جاتا رہا کہ تواتر تو عقلاً حجۂ قطعیہ ہے اور سمعاً بھی اسکی حجیت ثابت ہے دفع شبہ یہ کہ وہ تواتر حقیقی ہے اور یہاں مراد کثرت روایت ہے جسکو بہت سے عوام محض تخمین و ظن سے اور بے تحقیق نقل کرتے ہیں چونکہ منتہا اسکا حس نہیں ہوتا اس لئے یہ تواتر سے خارج ہے عام کے زعم پر اسکو تواتر سے تعبیر فرما دیا اور حال طالب اور درجۂ جواز عمل کی تقیید سے یہ شبہ رفع ہوگیا کہ کیا کشف دلیل یقینی ہی رفع شبہ یہ کہ دل تو یہاں مطلق کشف کا ذکر نہیں صرف خاص حال طالب کے متعلق ہے کہ اسمیں طلب صادق ہی یا نہیں پھر یقین سے مراد وہ درجہ نہیں جس پر اعتقاد جائز ہوجاوے بلکہ وہ درجہ جسپر عمل جائز ہو سو اگر ذوق و وجدان و شرح صدر سے کسی کی نسبت اس کا طالب صادق نہ ہونا معلوم ہوجاوے سو اس سے ایسے تعلقات سے انکار کر دینا جو کہ شرعاً واجب نہیں ہیں جائز ہے البتہ امور واجبہ سے انکار کرنا جائز نہیں مثل تعلیم احکام ضروریہ پھر قصہ ہے یعنی) پس معرف نے شاہ برگزیدہ کے سامنے اس کے بیان حال میں لب کھولا (اور) کہا کہ ای بادشاہ یہ (شہزادہ) آپکے احسان کا شکار (کیا ہوا) ہے آپ (اسکے ساتھ) بادشاہی (اور بزرگی کا برتاؤ) کیجئے کہ یہ آپکا ہوگیا ہے (اور) اس نے اس (دولت کے فتراک کے ساتھ تمسک کیا ہے (فتراک بالکسر دوالے کہ بر پس و پیش زین اسپ آویزند بجہت بستن شکار وغیرہ) اس کے سرمست سر پر (جسکا دماغ آپ کی مستی و سودای عشق سے پر ہے شفقت کا) ہاتھ پھیریئے. بادشاہ نے کہا کہ جس منصب اور ملک کی اسکو خواہش ہو وہ اس نوجوان کو ملیگا جس ملک سے یہ بیزار ہوا ہے اس سے بیس گونہ میں اس جگہ دونگا اور میں خود اس کے علاوہ (اس کے حصہ میں رہونگا یعنی اسکو اپنا مورد عنایت رکھونگا فی الحاشیہ برسری علاوہ بار کیہ بالائے بار نہند اھ) معرف نے کہا کہ جب سے آپ کی شاہی نے اسمیں آپکے عشق کا تخم بویا ہے بجز آپ کی محبت کے اسکے (اس کے اندر) کوئی خواہش کب چھوڑی ہے آپ کی غلامی اسکو ایسی سزاوار ہوئی کہ شاہی اس کے دل میں سرد ہوگئی اس نے شاہی اور شہزادگی سب تج دی ہے (اور) آپکے لئے اس نے غربت کے ساتھ موافقت کی ہے (آگے مولانا شہزادہ کی ترک شاہی کو ایسے طور پر کہ پھر نہیں لینا چاہتا تشبیہ دیتے ہیں صوفی صاحب وجد کی خرقہ اندازی کے ساتھ یعنی اسی طرح) جس صوفی نے کہ وجد کے اندر خرقہ اوتار کر پھینکدیا وہ پھر اس خرقہ پر کب توجہ کرتا ہے۔ دئے ہوئے خرقہ کی طرف میل کرنا اور (دیدینے پر) نادم ہونا یہ تو ایسا ہے کہ (جیسے گویا جسکو خرقہ دیدیا ہے اس سے یوں کہتا ہے کہ) میں (اس معاملہ میں) زیان خوردہ ہوگیا (پس اے ہمنشیں (قوال وغیرہ) میرا خرقہ ادھر واپس دے کیونکہ وہ (وجد) اس (خرقہ) کی برابر قیمت نہیں رکھتا (بلکہ خرقہ زیادہ قیمتی ہے پس میں وجد کے عوض خرقہ دینا نہیں چاہتا اور وہ زیان ہی ہی یہ سب مقتضا اس صوفی حریص خرقہ کا ہے سو) عاشق سے بعید ہے کہ اسکو یہ خیال آوے (کہ برکات وجد پر خرقہ کو ترجیح دے اور اس لئے اس کو دیکر پھر واپس لے) اور اگر (ایسا خیال کسی کو) آوے تو اس کے سر پر خاک (ڈالنا) چاہئے (اگر یہ خرقہ کسی کو دیدیا تھا بشرطیکہ دینے کے وقت باوجود غلبۂ حال کے اتنا شعور و قصد ہو کہ شرعاً اس کے تصرفات صحیح ہوں تب تو پھر مانگنا

تفصیل الحکم خرقہ اندازی در وجد

شریعت کے بھی خلاف ہے اور اگر صرف اوتار دیا تھا اور کسی نے رسم کے طور پر اُٹھا لیا تو اُسوقت بعد القا و اعراض
کے کہ دعویٰ ترک ہے واپس لینا بوجہ علامت حرص ہونے کے باوجود اباحت کے زہد کے خلاف ہے پس یہ ذم کلی
مشکک کے طور پر باختلاف درجہ دونوں کے ساتھ متعلق ہوسکتی ہے آگے تفصیل ہے دور از عاشق کہ این فرآیدش
کی یعنی صوفی غیر عاشق کا یہ کہنا کہ نمی ارزیدآں یعنی بدیں مردود محض ہے کیونکہ) عشق (کہ وجد بھی اسی کے آثار سے ہے
وہ چیز ہے کہ وہ) قالب جیسے سو خرقوں کی برابر قیمت رکھتا ہے جو (قالب) کہ حیات اور حس اور عقل (بھی) رکھتا ہے
(مطلب یہ کہ خرقہ پارچہ تو کیا چیز ہے بدن جیسی حی حساس دراک چیز بھی اُس پر فدا ہے چنانچہ اہل مجاہدہ کا اپنے جسم کو
عشق میں فنا کر دینا مشاہد ہے آگے بطور دلالۃ بالاولیٰ کے کہتے ہیں کہ) خاصکر خرقہ مالک دنیا کہ وہ تو بالکل ہی ناقص ہے
(اور) اُس (کے ناقص ہونے کی دلیل ایک یہ بھی ہے کہ) (دنیا) کی پنج دانگ ہستی (محض) درد سر ہے (چنانچہ ظاہر ہے
پس جسم انسانی کے سامنے اُسکی کیا حقیقت ہے سو جب جسم ہی عشق میں بے قیمت سمجھا جاتا ہے تو دنیا کی تو کیا قیمت
ہوگی البتہ مثل اس صوفی خام کے دنیا دار اسکو بہت قیمتی سمجھتے ہیں پس اس صورت میں) ملک دنیا تن پرستوں کو
نصیب ہو (اور) ہم (عشاق) تو ملک عشق بے زوال کے غلام ہیں (اور اسی تشبیہ یا تصوفی میں شاہزادہ کے متعلق
بھی معرف کے معروضہ کا حاصل نکل آیا کہ جب اس نے سلطنت ترک کردی تو مثل خرقہ انداختہ کے پھر یہ اُس کا حریص
نہیں ہے اور پنج دانگ کنایہ ہے مجموعہ سے اور غیاث میں چار دانگ کی تحقیق اس طرح لکھی ہے کنایہ از چیزیکہ بہ نسبت
امثال خود دو چند باشد چہ دینار شش دانگ میباشد و دانگ ششم حصہ دینار ست پس چار دانگ بہ نسبت دو دانگ
زائد میباشد اھ اور پنج دانگ کی دلالت اس مفہوم پر زیادہ ظاہر ہے واللہ اعلم آگے پھر قصہ میں معرف کا قول ہے کہ) یہ
(شہزادہ) عامل عشق ہے (اس عمل و امارت سے) اسکو معزول نہ کیجئے (یعنی) بجز اپنے عشق کے اسکو (دوسرے عمل و
منصب میں) مشغول نہ کیجئے (کہ اس مشغولی سے منصب عشق سے معزولی لازم آویگی اور معرف نے یہ بھی کہا کہ حضور یہ شہزادہ
بھی عرض کرتا ہے کہ) جو منصب کہ میرے لئے آپکے دیدار سے حجاب ہے (محجب بصدر میمی بمعنی حجاب وہ) عین معزولی
ہے (اگرچہ) نام اُسکا منصب ہے (کما ذکر آنفا باقی حضور یہ شبہ نہ فرماویں کہ اگر یہ ہمارا ایسا عاشق ہے تو یہاں حاضر ہونے
میں اتنی تاخیر کیونکر کی سو) اس جگہ آنے میں تاخیر کا موجب فقد استعداد اور ضعف تن تھا (یعنی ایک تو حضوری کی لیاقت
وصلاحیت کی اور دوسرے بعد حضوری کے جو خدمت کرنا لازم ہے اُس خدمت کے لئے جسمانی قوت کی ان دونوں کی
ضرورت تھی اُس کے انتظار میں یہ تاخیر واقع ہوئی آگے مولانا کا مقولہ ہے استعداد کے مناط کار ہونے میں یعنی) بدون
استعداد کے (اگر کسی معدن پر تو جاوے تو ایک حبہ بھی تو قابض نہ ہوگا (استعداد متعلق معدن کے یہ ہے کہ اُس کی
معرفت ہو اور اُس سے استخراج کا طریقہ جانتا ہو ورنہ معدنیات سب مٹی میں آمیختہ ہوتی ہیں اول تو پہچان مشکل کہ یہاں معدن
ہے پھر استخراج مشکل تو حرمان لازم اسی میں مولانا کا مقصود بقرینہ قصہ تاخیر حاضری شہزادہ بدربار شاہ عارف بانتظار
استعداد یہ ہے کہ اسی طرح طالب کو چاہیئے کہ اول طلب و شوق اپنے اندر پیدا کرے کہ یہی استعداد ہے رجوع کی تب عارفین
سے استفادہ ہوسکتا ہے ورنہ گو وہ حضرات معادن فیوض و برکات ہیں لیکن اگر طلب و شوق نہیں ہے تو مثل فاقد الاستعداد

کے معادن سے محروم آویگا آگے اشتراط استعداد و حرمان فاقد الاستعداد کی چند مثالیں ہیں مثال اول (مثل ایک عنین
کے کہ کسی باکرہ (جاریہ) کو خرید لے ۔ اگرچہ وہ (کیسی ہی) سیمین تن ہو (مگر) یہ کب متمتع ہوگا (مثال دوم) مثل ایک چراغ بیروغن
اور بے فتیلہ کے اس میں نور سے نہ کثیر ہے اور نہ قلیل (مثال سوم) باغ میں کوئی فاسد الشامہ آوے اس کا مغز پھول سے
کب خوش ہوگا (مثال چہارم) مثل ایک حسین دلبر کے مہمان ہونا مرد کی (مثال پنجم) چنگ و بربط کی آواز ہو بہرے کے
سامنے (مثال ششم) مثل مرغ خاکی کے کہ دریاؤں میں آوے اس سے کیا حاصل کریگا بجز ہلاکت اور زیاں کے (مثال
ہفتم) مثل بے گندم شخص کے کہ چکی گھر میں گیا ہو بجز داڑھی اور بالوں کے سفید ہونے کے کچھ عطیہ نہ ملیگا (کیونکہ آٹا ملنے
کے لئے اُسکی استعداد یعنی باگندم ہونا شرط تھا آگے ایک انتقال ہے یعنی اسی طرح) آسیائے چرخ بے گندم (اور بے دولت
علم وعمل) لوگوں پر (صرف) بالوں کی سفیدی اور کمر کا ضعف دیتی ہے (یعنی زمانہ گذرنے سے بڑھاپا آجاتا ہے جیسا
اس شخص کی داڑھی آٹا اڑکر لگنے سے سفید ہوگئی تھی اور ہاتھ کچھ بھی نہ آیا) لیکن باگندم لوگوں پر یہ آسیائے چرخ
ملک بخش ہوا (اور اُن کو) کارخانہ اور عظمت (یعنی سلطنت معنوی) دیتا ہے (جس طرح آسیائے متعارف باگندم
لوگوں کو آٹا دیتی ہے مثال ہشتم جو کہ مضمون منتقل الیہ متعلق آسیا سے بھی من وجہ مفہوم ہوا تھا یعنی) اول تجھکو جنت
کی استعداد چاہیئے (جو کہ علوم نافعہ و اعمال صالحہ سے پیدا ہوتی ہے) تاکہ جنت سے تیری زندگی پیدا ہو (خواہ آخرت
میں اور وہ ظاہر ہے یا دنیا میں کہ حیوٰۃ طیبہ ہے مشابہ حیوٰۃ اہل جنت کے مثال نہم) طفل نوزائیدہ کو شراب وکباب سے
کیا حلاوت (اسی طرح) کوٹھیوں اور گنبددار مکانوں سے (کیا حلاوت اور چونکہ) یہ مثالیں انتہا نہیں رکھتیں (بیشمار ہیں
اسلئے اس کے متعلق) کلام (اور مثال) مت تلاش کر۔ تو جا (اور) تحصیل استعداد کی کر (آگے پھر قصہ میں معرف کا
قول ہے کہ) یہ اب تک استعداد کے لئے بیٹھا رہا (مگر اب) شوق حد سے گذرا اور وہ (استعداد علی سبیل الکمال اب بھی
ہاتھ نہیں آئی (مگر شدت شوق میں حاضر ہوگیا اور استعداد کامل کے متعلق اپنے دل میں) اس نے یہ کہہ لیا کہ استعداد
(کامل) بھی بادشاہ ہی سے مل جاویگی (اسکی یہ مثال ہے کہ) بدون روح کے جسد صاحب استعداد کب ہوتا ہے
(احقر نے جو یہاں استعداد میں کامل کی قید لگادی اس سے یہ شبہ مرتفع ہوگیا کہ جب شوق کا وجود متحقق مان لیا اور
یہی استعداد تھی حاضری کی پھر اس کے کیا معنی کہ آن نا مدبدست ور استعداد ہم ازشہ رسد وجہ دفع یہ ہے کہ استعداد
کے دو مرتبہ ہیں ایک بقدر ضرورت اُس کا تو تقدم ضروری ہے یعنی ضروری شوق وطلب اور یہ حاصل تھا اور ایک بدرجہ
کمال اس کا تقدم ضروری نہیں بلکہ اسکا کمال بعد تعلق ہی کے مشاہد ہے پس نفس استعداد شرط ہے حضور و رجوع کی اور
کمال استعداد مشروط ہے حضور و رجوع کے ساتھ چنانچہ اسکی جو یہاں مثال مذکور ہے وہ اس تقریر کی صاف دلیل ہے
کیونکہ جسد میں ایک تو استعداد ہے تعلق روح کی اُسکا تو تقدم تعلق روح پر ضروری ہے اور ایک استعداد کامل ہے صدور
افعال کی یہ تعلق روح سے متاخر ہوگی اور اس میں بھی اشارہ ہوگیا معاملہ طالب و شیخ کی طرف کہ نفس طلب و شوق بدرجہ
معتد بہ کا تو استفادہ و رجوع سے تقدم ضروری ہے اُس کا تو انتظار کرے لیکن کمال اُسکا خود استفادہ و رجوع سے متاخر ہوگا
اُس کا انتظار نہ کرے پس اول کا انتظار نہ کرنا یا دوسرے کا انتظار کرنا دونوں تفریط و افراط ہیں اور اول تعجیل اور مشابہ ادار

صلوٰۃ قبل الوقت ہے اور ثانی تسویف اور مشابہ تقویتِ صلوٰۃ الی مابعد الوقت ہے اور نیز معرف استمالت قلب شاہ کے لئے یا اظہار برکات ومحبوبیت شاہ کے لئے کہتا ہے کہ) بادشاہ کے (یعنی آپ کے) الطاف نے اس کے غم کو تہ کر رکھدیا (یعنی ختم کر دیا) یہ آیا تھا اس لئے کہ بادشاہ کا شکار کرے (یعنی آپ کو مسخر کرے) وہ (الطاف کو دیکھکر) خود ہی شکار (اور مسخر) ہو گیا (اور احقر نے اسکو معرف کا قول بخطاب شاہ کے شعر آئندہ کے قرینہ سے سمجھا کہ اس میں چوں تو خطاب صریح ہے اور وہی معرف کہتا ہے کہ شکار ہونے میں اسی کی کیا تخصیص ہے یہ قاعدہ تو عام ہے کہ) جو شخص بھی آپ جیسے صید کے شکار (اور تسخیر) میں گیا ہوگا وہ صید کو بدون قید کئے ہوئے خود قید ہو گیا ہوگا (چنانچہ اہل اللہ کا بھی یہی معاملہ دیکھا جاتا ہے کہ لوگ اُن کی خدمت واطاعت کرتے ہیں کہ یہ ہمسے محبت کرینگے مگر روز روز خود ہی اُن کے دام محبت میں زیادہ قید ہوتے جاتے ہیں یہانتک معقولہ ہو گیا معرف کا آگے مولانا تقیید وتقید محمود سے جوکہ اس شعر میں مذکور تھا کیونکہ اہل اللہ کو محب یا محبوب بنانا دونوں مطلوب ہیں انتقال فرماتے ہیں تقیید وتقید مذموم کی طرف جسمیں اہل دنیا مبتلا ہیں یعنی اُس تقیید کے لئے بھی تقید لازم ہے چنانچہ) جو شخص امیری (مالی یا جاہی) کا جویا ہوتا ہے یقیناً اُس (کے حصول) سے پہلے وہ اسیری میں محبوس ہو جاتا ہے (چنانچہ ظاہر ہے کہ اگر اُسکی محبت میں گرفتار نہوتا تو اسکو طلب ہی کیوں کرتا پس ارادہ کرتا ہے اُسکو مقبوض بنانے کا اور خود اُسکا مقبوض ہو چکا ہے آگے اسپر تفریع ہے کہ جب امیری کے لئے اسیری لازم ہے پس) چہرۂ عالم (یعنی ظاہر عالم) کے نقش کو منعکس سمجھ (کہ) ہر بندۂ جہان کا نام خواجۂ جہاں ہے (چنانچہ اوپر مذکور ہوا کہ ہے تو اسیر اور کہلاتا ہے امیر اور چونکہ اس اسیری کا اثر روح پر بھی ہوتا ہے چنانچہ روح پر عقاب بھی ہوگا اور یہ اسیری اُسکی اصل فطرت کے خلاف ہے اس تقریب سے آگے روح کا نفس وبدن کو خطاب مذکور ہے بطور شکایت کے جس سے مقصود تنبیہ ہے اس اسیری کے مضر ومذموم ہونے پر پس روح نفس و بدن سے کہتی ہے کہ) اے تن جو کچھ فکر ہے (کہ اسیری کو امیری سمجھتا ہے اور) معکوس رفتار ہے (کہ اسیری کی تحصیل کی کوشش کرتا ہے اول صفت میں قوۃ علمیہ کا اخلال مذکور ہے اور ثانی میں قوۃ عملیہ کا) تو نے لاکھوں آزاد کو (یعنی روح کو) مقید کر دیا (کیونکہ تیرے تقید سے اُس کا بھی تقید ہوا اور فاعل باوجودیکہ نفس ہے مگر بدن کو خطاب اس لئے ہے کہ اس نفس کے آلات معاصی میں یہی اعضاء وقویٰ بدنیہ ہیں) ایک مدت کے لئے حیلہ بزی کو چھوڑ دے (کہ حیل سے مال وجاہ کو حاصل کر رہا ہے) چند ساعت موت کے قبل (ان چیزوں سے) آزاد ہو کر زندگی کر لے (کہ تو اور میں دونوں اسیری سے خلاصی پا دیں) اور اگر گدھے کی طرح تجھکو آزادی میں کوئی راہ نہیں ہے (اور) مثل ڈول کے تیری سیر بجز چاہ کے (کہ قید ہے) اور کہیں نہیں ہے تو (خدا کے لئے) ایک مدت کے لئے جا میری جان چھوڑ (اور) جا اور کوئی ہمراہی میرے سوا تلاش کر (کیونکہ میری باری (مقید کرنے کی) ہو چکی مجھکو آزاد کر (اور) کسی دوسرے کو کبر سوا داماد بنا (جسطرح آئندہ حکایت میں قاضی نے اُس مکارہ عورت سے یا اُس کے شوہر مکار سے کہا تھا کہ ایک بلد تو نے مجھکو فریب میں پھنسا لیا تھا اب اور کسی کو جا کر فریب دے اور اسی لئے یہاں داماد کا لفظ مناسب ہوا کیونکہ اس عورت نے شوہر کے کہنے سے قاضی کو ہم بستری کی طمع دلا کر بلایا تھا جو داماد کے لئے ہوتا ہے خصوص باعتبار شوہر زن مذکورہ کے کہ عورت مثل دختر کے اُس کے اختیار میں تھی جس سے قاضی کی تشبیہ داماد کے ساتھ اور بھی اظہر ہو گئی) اے تن صدفن

(حیلہ گر) تو مجھکو چھوڑ میری عمر تو تونے برباد کی اب اور کسی کو ڈھونڈھ (جیسے قاضی نے کہا تھا کہ اب کوئی اور تلاش کر) اور اخیر کے تین اشعار یعنی مدتے رو الخ محض تحسر و تضجر پر مبنی ہیں ورنہ عدم افتراق کا امتناع اور عدم فائدہ ظاہر ہے ممکن اور مفید تو یہی ہے کہ اقتران میں نفس کی اصلاح ہو جاوے اور بجائے حاکم علی الروح ہونے کے وہ محکوم للروح ہو جاوے۔ آگے اس قاضی اور عورت کی حکایت ہے)۔

قصۂ زن جوحی عشوہ دادن او قاضی را و بمکر و حیلہ در صندوق کردن و شرح آں ارتباط و پر گذرا و فی الغیاث جوحی بالضم و حاء مہملہ مکسور نام مسخرہ کہ بغایت ظریف بود آمد

ہر زماں جوحی ز درویشی بفن
جوحی ناداری کے سبب مکر کرنے کے لئے

رو بزن کردے کہ اے دلخواہ من
بی بی کی طرف متوجہ ہوتا کہ اے میری چاہتی

چوں سلاحت ہست رو صیدے بگیر
جب تیرے پاس ہتیار ہے تو جا کوئی شکار پکڑ

تا بدوشانیم از صید تو شیر
تاکہ تیرے اس صید سے ہم دودھ دوہیں

قوس ابرو تیر غمزہ دام کید
ابرو کی کمان اور غمزہ کا تیر فریب کا جال

بہر چہ دادت خدا از بہر صید
خدا نے تجکو کاہے کے لئے دیا شکار کے لئے

رو پے مرغے شگرفی دام نہ
جا کسی عجیب مرغ کے لئے جال لگا

دانہ بنما لیک در خوردش مدہ
دانہ دکھلا لیکن اس کے کھانے میں مت دینا

کام بنما و کن او را تلخ کام
مقصد تو دکھلا اور اُسکو تلخ کام کر

کے خورد دانہ چو شد در حبس دام
وہ دانہ کب کھاویگا جب جال میں پھنس جاوے گا

شد زن او نزد قاضی در گلہ
اسکی بیوی قاضی کے پاس شکایت لیکر گئی
کہ مرا افغان ز شوے دہ دلہ
کہ میری فریاد ہے شوہر دہ دلہ سے

قصہ کوتہ کن کہ قاضی شد شکار
قصہ کوتاہ کرو کہ قاضی شکار ہوگیا
از مقال و از جمال آں نگار
اس نگار کی گفتگو سے اور جمال سے

گفت اید ر محکمہ است و غلغلہ
کہنے لگا اس وقت تو محکمہ اور غلغلہ ہے
من نتانم فہم کردن ایں گلہ +
میں اس شکایت کو سمجھ نہیں سکتا

گر بخلوت آئی اے سرو سہی
اگر تو خلوت میں آوے اے سرو سہی
وز ستمگاری شوشر حم وہی
اور ظلم شوہر سے میرے سامنے بیان کرے

فہم آں بہتر کنم بدہم سزاش
تو میں اسکو اچھی طرح سمجھوں اسکو سزا دوں
آنچہ حق باشد توزیں غمگیں مباش
جو کچھ حق ہو تو اس سے غمگین مت ہو

مر مرا معلوم گردد حال تو
مجکو تیرا حال معلوم ہو
شوہرت را نرم سازم بے عتو
تیرے شوہر کو نرم بلے نشوز کردوں

گفت زن در خانہ تو نیک و بد
عورت نے کہا تیرے گھر میں بھلا برا آدمی
ہر دم از بہر گلہ آید رود
ہر وقت شکوہ کے لئے آتا ہے جاتا ہے

گفت خانہ تو زہر نیک و بدے
کہا کہ تیرے گھر میں ہر بھلے برے کی
باشد از بہر گلہ آمد شدے
شکوہ کے لئے آمد و شد ہوتی رہتی ہے

خانہ سر جملہ پر سودا بود
خانۂ سردار تمام پر سودا رہتا ہے
صدر پر وسواس و پر غوغا بود
سینہ پر وسواس و غوغا رہتا ہے

باقی اعضا ز فکر آسوده اند — وان صدور از صادران فرسوده اند

باقی اعضا فکر سے آسودہ ہیں — اور یہ اعضای رئیسہ اسمیں فرسودہ رہتے ہیں

ہمچو شاخ از برگ واز میوہ کہن — گرد خالی تا رسد از امر کن

شاخ کی طرح پرانے برگ و میوہ سے — خالی ہوجا۔ تاکہ امر کن سے

برگہا و میوہ ہائے نور غیب — از پے آن کہنگی بے ہیچ وریب

نور غیب کے برگ اور میوے لگیں — اس کہنہ کے بعد بدون کسی شک کے

در خزان و باد خوف حق گریز — آن شقائقہائے پارین را بریز

تو خزاں اور ہوائے خوف حق کی طرف گریز کر — ان پرانے گلہائے لالہ کو ریختہ کردے۔

کین شقائق منع نو اشگوفہاست — کہ درخت دل برائے آن نماست

اسلئے کہ یہ گلہای لالہ مانع ہیں ان نئے شگوفوں کے — جن کے نما کے لئے یہ درخت دل ہے

خویش را در خواب کن زین افتکار — سر ز زیر خواب در یقظت برآر

اپنے کو اس فکر سے خواب میں کردے — سر زیر خواب سے بیداری کی طرف اٹھا

ہمچو آن اصحاب کہف اے خواجہ زود — رو بایقاظا کہ تحسبہم رقود *

مثل ان اصحاب کہف کے اے خواجہ جلدی سے — جا طرف بمضمون تحسبہم ایقاظا وہم رقود کے

گفت قاضی اے صنم تدبیر چیست — گفت خانہ این کنیزک بس تہی ست

قاضی نے کہا اے صنم تدبیر کیا ہے — کہنے لگی کہ اس لونڈی کا گھر بالکل خالی ہے

خصم در دہ رفت و حارس نیز نیست — بہر خلوت سخت نیکو مسکنے ست

مد مقابل تو گاؤں گیا ہے اور پاسبان بھی نہیں — تنہائی کے لئے بیحد عمدہ مسکن ہے

امشب ار امکاں بود آنجا بیا
آجکی رات اگر امکان ہو اس جگہ آجا

کار شب بے سمعہ است و بے ریا
رات کا کام بے شہرت اور بے اظہار ہے

جملہ جاسوساں ز خمرِ خواب مست
تمام تجسس کرنے والے شراب خواب سے مست ہیں

زنگیِ شب جملہ را گردن زدست
زنگی شب سب کی گردن مار دیتا ہے

خواند بر قاضی فسونہائے عجب
اس شکر لب نے قاضی پر عجیب افسوں پڑھے

آں شکر لب وانگہانے از چہ لب
اور پھر کیسے لب سے

چند با آدم بلیس افسانہ کرد
کتنا ہی آدم علیہ السلام کے ساتھ ابلیس نے افسانے کئے

چونکہ حوا گفت خور آنگاہ خورد
جب حوا علیہا السلام نے کہدیا کہ کھالو اسوقت کھالیا

اولیں خوں در جہانِ ظلم و داد
اول خون عالم ظلم و عدل میں

از کفِ قابیل بہر زن فتاد
قابیل کے ہاتھ سے عورت ہی کے سبب واقع ہوا

نوح بر تابہ چو بریاں ساختے
نوح علیہ السلام توے پر بریاں کرتے

واہلہ بر تابہ سنگ انداختے
واہلہ توے پر پتھر پھینکدیتی

مکرِ زن بر فنِ او چیرہ شدے
عورت کا مکر اُن کے فن پر غالب ہو جاتا

آبِ صاف وعظ او تیرہ شدے
اُن کے وعظ کا آب صافی مکدر ہوجاتا

قوم را پیغام کردے از نہاں
وہ قوم کو خفیہ طور سے پیام بھیجدیتی

کہ نگہدارید دین از گمرہاں
کہ تم لوگ دین گمراہوں سے محفوظ رکھنا

لوط را زن ہمچنیں بُد کافرہ
لوط علیہ السلام کی بیوی بھی ایسی ہی کافرہ تھی

خواندہ باشی قصۂ آں فاجرہ
تونے اس بددین کا قصہ پڑھا ہوگا

یوسف از کید زلیخائے جواں	**ماند در زنداں برائے امتحاں**
یوسف علیہ السلام زلیخائے جوان کے کید سے	زندان میں رہے امتحان کے لئے
ہر بلا کاندر جہاں بینی عیاں	**باشد از شومی زن در ہر مکاں**
جو بلا کہ جہاں میں تم عیاں دیکھو	وہ ہر جگہ شومی زن ہی سے ہوگا

جوحی (کہ ایک مسخرہ کا نام ہے) ناداری کے سبب مکر کرنیکے لئے (اپنی) بی بی کی طرف متوجہ ہوتا (اور کہتا) کہ اے میری چاہتی (بی بی) جب تیرے پاس (حسن وجمال کا) ہتیار ہے تو جا (اس کے ذریعہ سے) کوئی شکار پکڑ (یعنی کسی کو فریفتہ کر) تاکہ تیرے اس صید سے ہم دودھ دوہیں (یعنی اس سے کچھ وصول کریں کہ افلاس دور ہو) ابرو کی کمان اور غمزہ کا تیر (اور) فریب کا جال۔ خدا نے تجھکو کاہے کے لئے دیا۔ شکار کے لئے (پس) جا کسی عجیب مرغ کے لئے جال لگا (اور) دانہ دکھلا لیکن اس کے کھانے میں سست دینا۔ (یعنی وصال کی توقع دلا کر ناکام رکھنا) مقصد تو دکھلا اور اسکو تلخ کام کر (اور) وہ دانہ کب کھاویگا جب جال میں پھنس جاویگا (یعنی اول ہی سے کسی ترکیب سے کہیں بند کر دینا پھر وصال کہاں میسر ہوگا جیسا آگے صندوق میں بند کرنا مذکور ہوگا اس مشورہ کے بعد) اسکی بیوی قاضی کے پاس شکایت لیکر گئی کہ میری فریاد ہے شوہر دہ دلہ سے (جسکا دل دس طرف ہے میری طرف توجہ نہیں کرتا اور میرے نان و نفقہ کی خبر نہیں لیتا اور اس قسم کی طرح طرح کی باتیں کیں) قصہ کوتاہ کرو کہ قاضی شکار ہو گیا اس نگار کی گفتگو سے اور جمال سے کہنے لگا اسوقت تو محکمہ اور غلغلہ ہے میں اس شکایت کو سمجھ نہیں سکتا (اسلئے) اگر تو خلوت میں آوے اے سرو سہی اور ظلم شوہر سے میرے سامنے بیان کرے تو میں اسکو اچھی طرح سمجھوں (اور) اسکو سزا دوں۔ جو کچھ حق ہو تو اس سے غمگین بہت ہو مجھکو تیرا حال معلوم ہو تیرے شوہر کو ترم (اور) بے نشوز کر دوں عورت نے کہا تیرے گھر میں بھلا برا آدمی ہر وقت شکوہ کے لئے آتا ہے جاتا ہے (اور یہ بھی) کہا کہ تیرے گھر میں ہر بھلے برے کی شکوہ کے لئے آمد و شد ہوتی رہتی ہے (آگے مولانا دماغ و قلب مقیدان غیر اللہ کو خانہ قاضی سے تشبیہ دیکر مضمون ارشادی کی طرف انتقال فرماتے ہیں کہ اسی طرح) خانہ سر دار تمام پر سودا رہتا ہے۔ (اور) سینہ (بھی) پر وسواس و غوغا رہتا ہے (اور) باقی اعضا فکر سے آسودہ ہیں اور یہ اعضائے رئیسہ اس (فکر) میں فرسودہ رہتے ہیں (مقصود مولانا کا اس تنبیہ سے ترغیب ہے ان کو ماسوی اللہ سے خالی کرنے کی جسطرح آگے خانہ جوحی کا خالی ہونا مذکور ہوگا چنانچہ آگے اس اخلاء مقصود کی تصریح ہے کہ) شاخ کی طرح پرانے برگ و میوہ سے (یعنی خیالات سابقہ دنیویہ سے) خالی ہو جا تاکہ امر کن سے (یعنی حکم حق و عنایت حق سے) نو غیب کے برگ و میوہ (یعنی علوم و معارف و احوال اس شاخ قلب پر) لگیں اس کہنہ کے بعد بدون کسی شک کے (اور) تو خزانہ اور ہوائے خوف حق کی طرف گریز کر (اور) ان پرانے گلہائے لالہ کو ریختہ کر دے (مراد افکار دنیویہ اور چونکہ خوف حق سے یہ فنا ہو جاتے ہیں اس اعتبار سے

اُسکو خزاں سے تشبیہ دی ورنہ اصل بہار تو وہی ہے آگے علت ہی برزگی یعنی) اس لئے کہ یہ گلہائے لالہ (کہنہ) تابع ہیں
اُن نئے شگوفوں کی جن کے نما کے لئے یہ درخت دل (موضوع) ہے اور ان ہی جدید شگوفوں کے اعتبار سے وہ خوف
حق مثل بہار کے ہے آگے بھی ان ہی افکار غیر اللہ کے ازالہ کا دوسرے عنوان سے مضمون ہے کہ) اپنے کو اس فکر (ماسوی)
سے خواب (اور بے خبری) میں کردے (اور باعتبار حقیقت کے اس کے معنی یہ ہیں کہ) سر زیر خواب سے بیداری کی طرف
اٹھا کیونکہ غیر اللہ کے ساتھ بیداری حقیقت میں خواب ہے اللہ سے اور غیر اللہ سے خواب ہونا حقیقت میں بیداری ہے
اللہ کے ساتھ) مثل ان اصحاب کہف کے اے خواجہ جلدی سے جا طرف مضمون تحسبہم ایقاظا وہم رقود کے
(یعنی تو بھی ان کے مشابہ ہو جا اس بات میں کہ لوگ تجھکو باخبر از خلق جانیں اور تو بے خبر از خلق ہو پس مقصود تشبیہ ہے
نہ کہ تفسیر آگے قصہ ہے کہ) قاضی نے کہا اے صنم (پھر) تدبیر (خلوت کی) کیا ہے کہنے لگی اس لونڈی کا گھر بالکل خالی ہے
مد مقابل (یعنی شوہر) تو گانو گیا ہے اور (کوئی اسکی طرف سے) پاسبان بھی نہیں (جو ہماری نگرانی کرے) تنہائی کے
لئے بیحد عمدہ مسکن ہے (سو) آجکی رات اگر امکان ہو اس جگہ آجا رات کا کام بے شہرت اور بے اظہار ہے (کہ) تمام تجسس
کرنے والے شراب خواب سے مست (ہوتے) ہیں (اور) زنگی شب سبکی گردن ماردیتا ہے (اسی طرح سے) اس شکر
لب نے قاضی پر عجیب افسوں پڑھے اور پھر کیسے لب سے (پڑھے نہایت دلفریب لب سے آگے بعض فتن عورتوں کی تفریع ہے
کے مذکور ہیں کہ) کتنا ہی آدم علیہ السلام کے ساتھ ابلیس نے افسانے کئے (لیکن پختہ اثر نہ ہوا اور) جب حوا علیہا السلام نے
کہدیا کہ کھالو اسوقت کھالیا (یہ مبنی ہے ایک قول پر کہ وسوسہ ابلیس سے آدم علیہ السلام صرف متردد ہوئے تھے عزم نہوا
تھا اس نے حوا علیہا السلام کے دل میں وسوسہ ڈالا اور انھوں نے وہ وسوسہ آدم علیہ السلام کے دل میں جمادیا اور گندم
کھالیا اسی طرح) اول خون (اس) عالم ظلم و عدل میں قابیل کے ہاتھ سے عورت ہی کے سبب واقع ہوا (اسی طرح) نوح
علیہ السلام توے پر (ماہی کو) بریاں کرتے (کنایہ ہے سامان دعوت ایمان سے کہ غذائے روحانی ہے) واہلہ (ان کی زوجہ
اس) توے پر پتھر پھینکدیتی (جس سے سب غذا غارت ہوجاتی یعنی قوم کو بہکادیتی جس سے وعظ کا اثر باطل ہوجاتا جیسا
آگے آتا ہے یعنی) عورت کا مکر اُن کے فن (وعظ) پر غالب ہو جاتا (اور) اُن کے وعظ کا آب صافی مکدر ہوجاتا (اسطرح
کہ) وہ قوم کو خفیہ طور سے پیام بھیجدیتی کہ تم لوگ (اپنا) دین (ان) گمراہوں (یعنی نوح اور مومنین بہ نوح) سے محفوظ
رکھنا (اسی طرح) لوط علیہ السلام کی بیوی بھی ایسی ہی کافرہ تھی تو نے اس بددین کا قصہ پڑھا ہوگا (کہ وہ امرد مہمانوں کے
آنے کی اطلاع اپنی قوم کو کردیتی تھی یہاں فاجرہ سے مراد کافرہ ہے نہ کہ معنی مشہور کہ انبیاء کی ازواج اس سے منزہ ہیں
اسی طرح) یوسف علیہ السلام زلیخا کے جوان کے کید سے زندان میں رہے امتحان کے لئے (غرض) جو بلا (و فتنہ)
کہ جہان میں تم عیاں دیکھو وہ ہر جگہ شومی زن ہی سے ہوگا (ہر بلا کہنا بحکم للاکثر حکم الکل ہے اور اسکی اکثریت میں کوئی
شبہ نہیں آگے پھر قصہ ہے ۔

رفتن قاضی بخانۂ زن جوحی و حلقہ زدن جوحی بہ تندی و خشم بر در و گریختن قاضی در صندوق

مکر زن پایاں ندارد رفت شب
عورتوں کا مکر انتہا نہیں رکھتا شب کو

قاضی زیرک سوئے زن بہر دب
قاضی زیرک عورت کیطرف صحبت کے لئے گیا

زن دو شمع و نقل مجلس راست کرد
عورت نے جب شمع اور مجلس کی کوئی نقل درست کر رکھی

زاں نوازش شاد شد قاضی فرد
اس اکرام سے قاضی فرد خوش ہوا

چونکہ بنشستند باہم ساعتے
جب دونوں باہم ایک ساتھ بیٹھے

تا برآسایند اندر خلوتے
تاکہ خلوت میں آسودہ ہوں

چوں نشست او پہلوئے زن بامراد
جب وہ عورت کے پہلو میں بامراد بیٹھا

گشت جاں پر غمش زاں وصل شاد
اسکی جان پرغم اس وصل سے شاد ہوئی

اندر آں دم جوحی آمد در بزد
اسیوقت جوحی آپہونچا دروازہ کھٹکھٹایا

جست قاضی مہربی تا در خزد
قاضی جلدی سے اٹھا تاکہ کسی گریز کی جگہ میں جا گھسے

غیر صندوقے ندید او خلوتے
بجز صندوق کے اس نے کوئی خلوت نہ دیکھی

رفت در صندوق از خوف آں فتے
صندوق میں چلا گیا اس جوان کے خوف سے

اندر آمد جوحی و گفت اے حریف
جوحی اندر آیا اور کہنے لگا اے حریف

اے وبالم در ربیع و در خریف
میری وبال ربیع میں اور خریف میں

من چہ دارم کہ فدایت نیست آں

میں کیا چیز ایسی رکھتا ہوں جو تیری فدا نہیں ہے

گفت شخصے نزد قاضی رفتہ

ایک شخص نے کہا ہے کہ تو قاضی کے پاس گئی تھی

بر لب خشکم کشادستی زباں

میرے لب خشک پر تو نے زبان کھولی ہے

ایں دو علت گر بود اے جان مرا

اگر اے جان مجھ میں یہ دو علتیں ہیں

من چہ دارم غیر ایں صندوق و کاں

میرے پاس بجز اس صندوق کے کیا ہے کہ وہی

خلق پندارند زر دارم دروں

مخلوق یہ سمجھتی ہیں کہ میں اندر خانہ زر رکھتا ہوں

صورت صندوق بس زیباست لیک

صندوق کی صورت تو نہایت زیبا ہے لیکن

چوں تن زراق خوب و باوقار

جیسے ریاکار کا تن ہوتا ہے خوب اور باوقار

من برم صندوق فردا را بکو

میں یہ صندوق کل کو محلہ میں لے جاؤنگا

کہ ز من فریاد داری ہر زماں

کہ تو مجھسے ہر وقت فریاد کرتی رہتی ہے

در حقم ناگفتنیہا گفتہ

میری حق میں بہت سی نہ کہنے کی لائق باتیں کہی ہیں

گاہ مفلس خوانیم گہ قلتباں

کبھی تو مجکو مفلس کہتی ہو کبھی دیوث

آں یکے از تست و دیگر از خدا

تو ایک تو تیری طرف سے ہے اور ایک خدا کی طرف سے ہے۔

ہست مایہ تہمت و پایہ گماں

مایۂ تہمت اور بنار گمان ہے

داد وا گیرند از من زیں ظنون

ان گمانوں کے سبب لوگ مجھسے عطا کو رد کر لیتے ہیں

از عروض و سیم و زر خالیست نیک

امتعہ اور نقد سے بالکل خالی ہے

اندراں سلہ نیابی غیر مار

اس ٹوکرے کے اندر بجز سانپ کے تو اور کچھ نہ پاویگا۔

پس بسوزم در میاں چار سو

پھر چوراہہ کے درمیان جلا دونگا

تا ببیند مومن و گبر و جهود — کاندریں صندوق جز لعنت نبود

تاکہ مومن اور گبر اور یہود سب دیکھ لیں — کہ اس صندوق میں بجز بیہودگی کے کچھ نہ تھا

گفت زن هی درگذر ای مرد زیں — خورد سوگند آں کہ نکنم جز چنیں

عورت نے کہا کہ خبردار اس سے درگذر اے مرد — اس نے قسم کھالی کہ بجز اسکے کچھ نہ کرونگا

بارسن صندوق را در دم ببست — خویشتن را کردہ بد مانند مست

رسی سے فوراً باندھا — اپنے کو دیوانوں کی طرح بنا رکھا تھا

از پگہ حمال آورد او چو باد — زود آں صندوق بر پشتش نہاد

صبح ہی سے ہوا کی طرح حمال کو لے آیا — فی الفور وہ صندوق اسکی پشت پر رکھدیا

اندراں صندوق قاضی از نکال — بانگ میزد کاے حمال و ای حمال

اس صندوق کے اندر قاضی مصیبت کے مارے — آواز دیتا تھا کہ اے حمال اے حمال

کرد آں حمال پیش و پس نظر — کز چہ سو در میرسد بانگ و خبر

اس حمال نے آگے پیچھے نگاہ کی — کہ کس طرف سے آواز اور خبر آرہی ہے

ہاتفست ایں داعی من ای عجب — یا پری ام میکند پنہاں طلب

یہ میرا پکارنے والا کوئی ہاتف ہے اے عجب — یا کوئی جن مجکو خفیہ بلا رہا ہے

چوں پیاپے گشت آں آواز بیش — گفت ہاتف نیست باز آمد بخویش

جب علی الاتصال وہ آواز بڑھتی گئی — کہنے لگا کہ ہاتف نہیں ہے پھر آپے میں آیا

عاقبت دانست کاں بانگ و فغاں — بُد ز صندوق و کسے در وے نہاں

آخر جان لیا کہ یہ بانگ و فغاں — صندوق میں سے ہے اور کوئی اس میں پوشیدہ ہے

عاشقی کو در غم معشوق رفت — **گرچہ بیرونست در صندوق رفت**

جو عاشق کہ معشوق کے غم میں مبتلا ہوا ہو — اگرچہ وہ باہر ہے صندوق میں مقید ہوا ہے

عمر در صندوق برد از اندہان — **جز کہ صندوقی نہ بیند در جہان**

اس شخص نے غموں کے سبب عمر صندوق میں پوری کی ہے — بجز صندوق کے وہ دنیا میں کچھ نہیں دیکھتا

آن سری کہ نیست فوق آسمان — **از ہوس او را در آن صندوق دان**

جو سر کہ آسمان کے اوپر نہیں ہے — بسبب ہوس کے اسکو اس صندوق میں جان

چون ز صندوق بدن بیرون رود — **او ز گوری سوئی گوری می شود**

جب صندوق بدن سے باہر جاویگا — تو وہ ایک گور سے دوسری گور کی طرف جارہا ہے

این سخن پایان ندارد قاضیش — **گفت ای حمال وای صندوق کش**

اس مضمون کا انتہا نہیں قاضی نے اسکو — کہا اے حمال اور اے صندوق کش

از من آگہ کن درون محکمہ — **نائبم را زود تر با این ہمہ**

میرے حال سے خبردار کردے محکمہ میں — میرے نائب کو بہت جلدی مع اس تمام واقعہ کے

تا خرد این را بزر زین بی خرد — **ہمچنین بستہ بخانہ ما برد**

تاکہ وہ اسکو اس بے عقل سے خریدے — اسی طرح بندھا بندھایا ہمارے گھر تک لیجاوے

ای خدا بگمار قوم رحم مند — **تا ز صندوق بدن مان واخرند**

اے خدا رحم مند قوم کو مسلط کردے — تاکہ صندوق بدن سے ہمکو خریدلیں

خلق را از بند صندوق فسون — **کہ خرد جز انبیا و مرسلون**

خلق کو قید صندوق فسوں سے — کون خریدتا ہے بجز انبیاء و مرسلین کے

از هزاران یک کسے خوش منظرست
هزاروں میں کوئی ایک ہی شخص خوش نظر ہے
کہ بداند کو بصندوق اندرست
جو یہ جانے کہ وہ صندوق کے اندر ہے

آنکه داند تو نشانش این شناس
جو شخص جانتا ہے تو اسکی علامت یہ پہچان لے
کوز روح این جہاں دارد ہراس
کہ وہ اس عالم کی راحت سے ہراس رکھتا ہے

او جہاں را دیدہ باشد پیش ازاں
اس شخص نے اس جہان کو اس سے پہلے دیکھ لیا ہوگا
تا بداں ضد این ضدش گردد عیاں
جس سے اس ضد کے سبب یہ ضد اسکو عیاں ہو گئی

زیں سبب کہ علم ضالہ مومن ست
اس سبب سے کہ علم مومن کی گم شدہ چیز ہے
عارف ضالہ خودست و موقن ست
وہ اپنے گم شدہ چیز کا پہچاننے والا ہے اور یقین رکھنے والا ہے

آنکه ہرگز روز نیکو خود ندید
جس شخص نے کوئی روز نیک خود نہ دیکھا ہو
او دریں ادبار کے خواہد طپید
وہ اس ادبار میں کب مضطرب ہوگا

یا بطفلی در اسیری او فتاد
یا تو طفلی میں اسیری میں واقع ہوگیا ہے
یا خود از اول ز مادر بندہ زاد
یا خود اول ہی سے ماں سے غلام پیدا ہوا ہے

ذوق آزادی ندیدہ جان او
اسکی جان نے آزادی کا ذوق نہیں دیکھا
ہست صندوق صور میدان او
تصویرات کا صندوق اسکا میدان ہوگا۔

دائما محبوس عقلش در صور
ہمیشہ اسکی عقل تصویرات میں محبوس رہے گی
از قفص اندر قفص دارد گذر
ایک قفص سے دوسرے قفص میں گذر رکھے گا

منفذش نے از قفص سوئے علا
اس شخص کا منفذ قفص سے علو کی طرف نہیں ہے
در قفصہا می رود از جا بجا
قفسوں ہی میں ایک جگہ سے دوسری جگہ میں پھر رہا ہے

در نبی ان استطعتم فانفذوا
قرآن مجید میں یہ مضمون کہ اگر تم سے ہو سکے تو نکل جاؤ

این سخن با جن و انس آمد ز ہو
جن و انس کے ساتھ خطاب کرکے حق تعالیٰ کی طرف سے آیا ہے

گفت منفذ نیست از گردون شاں
یہ فرمایا کہ سموات سے انکو کوئی منفذ نہیں

جز بسلطان و بوحی آسماں
بجز قوت اور وحی آسمان کے

گر ز صندوقے بصندوقے رود
اگر ایک صندوق سے دوسرے صندوق میں جا رہا ہے

او سمائی نیست صندوقی بود
وہ شخص علوی نہیں ہے صندوقی ہے

فرجہ صندوق نو نو مسکرست
نئے نئے صندوقوں کی سیر مست کردینے والی ہے

در نیابد کو بصندوق اندرست
وہ اسکا ادراک نہیں کرتا کہ وہ صندوق کے اندر ہے

گر نشد غرہ بدیں صندوقہا
اگر وہ ان صندوقوں پر فریفتہ نہ ہوا

ہمچو قاضی جویدا طلاق و رہا
تو قاضی کی طرح وہ اطلاق اور رہائی ڈھونڈیگا

آنکہ داند ایں نشانش آں شناس
جو شخص اسکو جانیگا اسکی علامت یہ پہچان سے

کو نباشد بے فغاں و بے ہراس
کہ وہ بے فغاں اور بے ہراس ہوگا

ہمچو قاضی باشد او در ارتعاد
قاضی کی طرح وہ لرزہ میں رہے گا

کے شود زاں غم دلش یک لحظہ شاد
اس غم سے اسکا دل کب ایک لحظہ بھی شاد ہوگا

رہروے را گفت آں حمال شاد
اس حمال نے کسی راہرو سے خوش ہو کر کہا

کہ برو در محکمہ قاضی چو باد
کہ محکمہ قاضی میں ہوا کی طرح جا۔

نایبش را گوی کیں شد واقعہ
اس کے نائب سے کہہ کہ یہ حادثہ ہوگیا ہے

بر سر قاضی بیامد قارعہ
قاضی کے سر پر مصیبت آگئی ہے

شغل را بگذار زود اینجا بیا	**زود بخر بستہ این صندوق را**
کام چھوڑ اور جلدی یہاں آ	جلدی خرید سربستہ اس صندوق کو
چونکہ رہرو شد رسالت را رساند	**ہر کہ زو بشنید این خیرہ بماند**
جب وہ رہرو گیا پیام پہونچایا	جس نے اس سے سنا حیران رہ گیا
برد القصہ خبر صندوق کش	**نائب قاضی حسن را از غمش**
القصہ صندوق کش کی خبر نے	قاضی حسن کے نائب کو قاضی کے غم سے از جا رفتہ کر دیا
آتشے بر کردہ جوحی از ملا	**کہ بخواہم سوختن این صندوق را**
جوحی نے مجمع میں آگ روشن کر رکھی تھی	کہ میں تو اس صندوق کو جلاؤنگا
بر سر بازار جوشش عامہ	**چیست جوحی می نہد ہنگامہ**
بازار میں عوام الناس کا ایک جوش ہے	کیا قصہ ہے وہ جوحی ایک ہنگامہ برپا کر رہا ہے

عورتوں کا مکر (جسکا اوپر کے اشعار میں بیان ہے) انتہا نہیں رکھتا (اسکی بیشمار حکایات ہیں اس لئے اسکو چھوڑ کر قاضی کا قصہ بیان کرو کہ) شب کو قاضی زیرک عورت کی طرف صحبت کیلئے گیا عورت نے جب شمع اور مجلس کی کوئی نقل (از قسم فواکہ یا شیرینی وغیرہ) درست کر کے رکھی اس اکرام سے قاضی فرد خوش ہوا جب دونوں باہم ایک ساعت بیٹھے تاکہ خلوت میں آسودہ ہوں جب وہ (قاضی) عورت کے پہلو میں بامراد بیٹھا اسکی جان پر غم اس وصل سے شاد ہوئی اسی وقت جوحی آپہونچا اور دروازہ کھٹکھٹایا قاضی جلدی سے اٹھا تاکہ کسی گریز کی جگہ میں جا گھسے بجز صندوق کے اس نے کوئی خلوت نہ دیکھی صندوق میں چلا گیا اس جوان کے خوف سے (اور) جوحی اندر آیا اور کہنے لگا اے حریف (اور) میری وبال ربیع میں اور خریف میں (یعنی تمام اوقات میں) میں کیا چیز ایسی رکھتا ہوں جو تیرے فدا نہیں ہے کہ تو مجھسے ہر وقت فریاد کرتی رہتی ہے (یعنی جو چیز میرے پاس ہے تجھسے دریغ نہیں پھر کاہے کو شکایت کرتی رہا کرتی ہے مجھسے) ایک شخص نے کہا ہے کہ تو قاضی کے پاس گئی تھی (اور) میرے حق میں بہت سی نہ کہنے کی لائق باتیں کہی ہیں میرے لب خشک (یعنی خاموش) پر تو نے زبان کھولی ہے (یعنی باوجودیکہ میں تیری کوئی مذمت نہیں کرتا مگر تو نے میری شکایت کی ہے) کبھی تو مجھکو مفلس کہتی ہے کبھی دیوث اگر اے جان مجھمیں یہ دو علتیں ہیں تو ایک تو تیری طرف سے ہے

ہے (یعنی دیوث کہ اگر میں ایسا ہوں تو اس کا سبب تیری آوارگی ہوگی) اور ایک خدا کی طرف سے ہے (یعنی مفلس اور تو یہ بتلا کہ) میرے پاس بجز اس صندوق کے کیا ہے کہ وہی مایۂ تہمت اور بنائے گمان ہے مخلوق یہ سمجھتے ہیں کہ میں اندر خانہ زر رکھتا ہوں (ورنہ اتنا بڑا صندوق کس کام کا ہے اور) ان گمانوں کے سبب لوگ مجھ سے عطا کو روک لیتے ہیں (یعنی صدقہ وخیرات بھی مجھکو نہیں دیتے) صندوق کی صورت تو نہایت زیبا ہے لیکن امتعہ اور نقد سے بالکل خالی ہے جیسے (شیخ) ریاکار کا تن ہوتا ہے (کہ باہر سے) خوب اور باوقار (ہوتا ہے لیکن) اس لوکرے کے اندر بجز سانپ بچھو اور کچھ نہ پاویگا (کنایہ ہے اخلاق ذمیمہ وغیرہا شرور سے پس) میں یہ صندوق کل کو محلہ میں لیجاؤنگا پھر چوراہہ کے درمیان (رکھکر) جلا دونگا تاکہ مومن اور گبر اور یہود سب دیکھ لیں کہ اس صندوق میں بجز بیہودگی کے کچھ نہ تھا عورت نے کہا کہ خبردار اس سے درگذر اے مرد (مگر) اس نے قسم کھالی کہ بجز اس کے کچھ نکرونگا (پھر) رسی سے فوراً باندھا (اور) اپنے کو دیوانوں کی طرح بنا رکھا تھا صبح ہی سے ہوا کی طرح حمال کو لے آیا (اور) فی الفور وہ صندوق اسکی پشت پر رکھدیا اس صندوق کے اندر قاضی مصیبت کے مارے آواز دیتا تھا کہ اے حمال اے حمال۔ اس حمال نے آگے پیچھے نگاہ کی کہ کس طرف سے (یہ) آواز اور خبر آرہی ہے یہ میرا پکارنے والا کوئی ہاتف ہے اے عجب یا کوئی جن مجھکو خفیہ بلا رہا ہے جب علی الاتصال وہ آواز بڑھتی گئی کہنے لگا کہ ہاتف نہیں ہے (اور) پھر آپے میں آیا آخر جان لیا کہ یہ بانگ وفغان صندوق میں سے ہے اور کوئی اس میں پوشیدہ ہے (آگے مولانا کا مقولہ ہے کہ صندوق کے بند ہونے میں کچھ اس قاضی کی تخصیص نہیں) جو عاشق (مجازی) کہ معشوق کے غم (اور عشق) میں مبتلا ہوا ہو اگرچہ (ظاہر میں) وہ باہر ہے (لیکن معنیً) صندوق میں مقید ہوا ہے (کیونکہ دل کا پھنس جانا جسم کے پھنس جانے سے اشد ہے پس وہ تعلق اور تصور صندوق سے زیادہ قید ہے اور) اس شخص نے غموں کے سبب (جو عشق میں پیش آئے) عمر صندوق میں پوری کی ہے بجز صندوق کے وہ دنیا میں کچھ نہیں دیکھتا (آگے اور تعمیم کرتے ہیں کہ اسمیں عاشق مجازی کی بھی تخصیص نہیں بلکہ) جو سر کہ آسمان کے اوپر نہیں ہے (یعنی جسکی توجہ عالم سفلی میں ہے) بسبب (گرفتاری) ہوس کے اسکو اس صندوق میں جان (پس ایسا شخص) جب صندوق بدن سے باہر (نکل کر قبر میں) جاویگا تو (یوں سمجھو کہ) وہ ایک گور سے دوسری گور کی طرف جارہا ہے (یعنی یہ قبر اس کے لئے نئی چیز نہیں اس سے پہلے بھی وہ قبر ہی میں تھا کہ اس کا قالب مثل تابوت کے مشتمل تھا قلب میت محبوس فی تعلقات الدنیا وماسوی اللہ پر اور اس سے اوپر تعلقات ماسوی کو صندوق کہا اور یہاں بدن کو سو ان تعلقات ماسوی کا محل چونکہ قوی حالہ فی الجسم ہیں اس لئے دونوں تشبیہوں میں صرف عنوان کا تفاوت ہے معنون واحد ہے آگے پھر قصہ ہے کہ) اس مضمون کا انتہا نہیں (قصہ یہ ہے کہ) قاضی نے اس (حمال) کو کہا اے حمال اور اے صندوق کش میرے حال سے خبردار کردی محکمہ میں میرے نائب کو بہت جلدی مع اس تمام واقعہ کے تاکہ وہ اس (صندوق) کو اس بے عقل سے خرید لے اسی طرح بندھا بندھایا ہمارے گھر تک لیجاوے (آگے مولانا کا مقولہ ہے کہ) اے خدا (ہم پر) رحم مند قوم کو مسلط کر دے تاکہ صندوق بدن سے ہمکو خرید لیں (اس سے خلاصی دینے کے لئے مراد اس قوم سے باشفقت اہل ارشاد ہیں جو قلب کو تعلقات ماسوی سے پاک کر دیں آگے تعیین ہے قوم رحم مند کی یعنی)

خلق کو قید صندوق فسوں (و غرور) سے کون خرید (کر چھڑا) تا ہے بجز انبیاء و مرسلین (اور اُن کے وارثان صدق) کے (اول اولاً اور ثانی تبعاً آگے اکثر گرفتاران تعلقات ماسوی کا جہل بتلاتے ہیں کہ باوجودیکہ یہ لوگ صندوق میں ہیں مگر پھر بھی) ہزاروں میں کوئی ایک ہی شخص خوش نظر ہے جو یہ جانتا ہے کہ وہ صندوق کے اندر ہے (آگے اس جاننے والے کی علامت بتلاتے ہیں کہ) جو شخص (اس بات کو) جانتا ہے تو اُسکی علامت یہ پہچان ہے کہ وہ اس عالم کی راحت سے ہراس رکھتا ہے (یعنی یہاں کے سامان عیش و لذت سے اُسکو دلچسپی نہیں بلکہ توحش ہے بس) اس شخص نے اُس جہان کو اس سے پہلے دیکھ لیا ہوگا جس سے اُس ضد کے سبب یہ ضد اسکو عیاں ہو گئی (جس طرح صندوق کی تنگی کو وہ سمجھیگا جس نے عالم فراخ دیکھا ہوگا پس اسی طرح جس نے بصیرت سے اُس عالم کو دیکھ لیا ہے یہ عالم اور اُس کے تعلقات اسکو صندوق نظر آتے ہیں اور اُن سے وہ متوحش ہوتا ہے اور) اس سبب سے کہ علم مومن کی گم شدہ چیز ہے (جیسا حدیث میں ہے الکلمة الحکمة ضالة المؤمن فحیث وجدها فهو احق بها) وہ اپنی گم شدہ چیز کا پہچاننے والا ہی اور (اُس پہچاننے میں) یقین رکھنے والا ہے (جیسا مالک اپنی چیز کو یقین کے ساتھ پہچان لیتا ہے یہ دلیل ہے مضمون شعر بالا کی یعنی ہمنے جو اوپر کہا ہے کہ اُس نے اُس عالم کو دیکھا ہوگا اسکی دلیل یہ ہے کہ دار اصلی تو مومن کا وہی ہے وہاں سے جدا ہو جانا ایسا ہے جیسا کوئی گم ہو جانا پس جب انبیاء علیہم السلام نے اُس عالم کا تذکرہ فرمایا تو یہ مومن فوراً مثل ضالہ کے اسکو پہچان گیا اور اُس کے پہچاننے سے یہ عالم صندوق نظر آیا اور برخلاف اس کے) جس شخص نے کوئی روز نیک خود نہ دیکھا ہو (یعنی اسکو عالم علوی کی فراخی مشاہدہ نہ ہوئی ہو) وہ اس ادبار (دنیوی و تعلق ماسوی) میں کب مضطرب ہوگا (بلکہ اُسکی حالت یہ ہوگی ورضوا بالحیوة الدنیا واطمأنوا بها الآیہ اور ایسا شخص) یا تو طفلی میں اسیری میں واقع ہو گیا ہے یا خود اول ہی سے (یعنی طفلی کے بھی قبل) ماں سے غلام پیدا ہوا ہے (جو ایک قسم کی اسیری ہے اس لئے) اُسکی جان نے آزادی (اور حریت و خلاصی) کا ذوق نہیں دیکھا (پس ظاہر ہے کہ اسکو قید اور صندوں کی تنگی کیوں ناگوار ہوگی گو وہ صندوق ہی میں ہو بلکہ) تصویرات کا صندوق اُس کا میدان ہوگا (یعنی وہ اُسی کو میدان سمجھیگا اور اُن تصویرات کے تماشے کو منتہی مقصود کا سمجھے گا اور) ہمیشہ اُسکی عقل تصویرات میں محبوس رہے گی (اور وہ) ایک قفس سے دوسری قفس میں گذر رکھیگا (یعنی کبھی ایک تصور میں مبتلا ہو گیا کبھی اس سے نکلکر دوسرے میں مبتلا ہو گیا) اس شخص کا منفذ قفس سے علو کی طرف نہیں ہے قفسوں ہی میں ایک جگہ سے دوسری جگہ میں پھر رہا ہے (آگے نفوذ و خروج من حبس الدنیا کا طریق ایک آیت سے بطور علم اعتبار کے بتلاتے ہیں کہ) قرآن مجید میں یہ مضمون کہ اگر تم سے ہو سکے تو نکل جاؤ جن و انس کے ساتھ خطاب کر کے حق تعالی کی طرف سے آیا ہے (اور اس کے بعد) یہ فرمایا ہے کہ سموات سے انکو کوئی منفذ نہیں بجز قوت اور وحی آسمان کے (یہ عطف تفسیری ہے اُس آیت کی یہ تفسیر نہیں ہے کیونکہ آیت کا مدلول تعجیز عن النفوذ اور انتفار سلطان کا ہے اور مولانا نے امر فانفذوا کو طلب پر اور لاتنفذون الا بسلطان کو ترغیب تحصیل سلطان پر محمول فرمایا ہے اس کو علم اعتبار کہتے ہیں چونکہ مدعائے مقام آیت کی اس تفسیر پر موقوف نہیں بلکہ بدیہی و ضروری ہو اس لئے تفسیر کے انتفار سے مدعا کے ثبوت میں کوئی قدح نہیں لازم آتا بطور نکتہ کے ایک تائید ظاہری کر دی ہے سو اس کے لئے استدلال بطور

اعتبار بھی کافی ہے غرض یہ گرفتار صندوق اگر ایک صندوق سے دوسرے صندوق میں جا رہا ہے (جس سے تصورات دنیویہ کو تشبیہ دی گئی ہے) وہ شخص علوی نہیں ہے (جسکا ذکر بنا علی الاعتبار اس آیت میں ہے ان استطعتم ان تنفذوا من اقطار السموات والارض فانفذوا) بلکہ وہ شخص) صندوقی ہے (اور اس کے لئے) نئے نئے صندوقوں کی (تصورات دنیویہ کی) سیر سست کر دینے والی ہے وہ اسکا ادراک نہیں کرتا کہ وہ صندوق کے اندر ہے (اور) اگر کسی تنبیہ سے) وہ ان صندوقوں پر فریفتہ نہ ہوا تو قاضی کی طرح وہ اطلاق اور رہائی ڈھونڈیگا (اور) جو شخص اسکو جانیگا اس کی علامت یہ پہچان ہے کہ وہ بے فغاں اور بے ہراس نہ ہوگا (بلکہ) قاضی کی طرح وہ لرزہ میں رہیگا اس غم سے اسکا دل کب ایک لحظہ بھی شاد ہوگا (آگے پھر قصہ ہے کہ) اس حمال نے کسی راہرو سے خوش ہو کر کہا کہ محکمۂ قاضی میں ہوا کی طرح جا (شاید خوش ہونا اس لئے ہو کہ قاضی نے اس سے کسی انعام کا وعدہ کیا ہوگا) اس کے نائب سے کہہ کہ یہ حادثہ ہو گیا ہے قاضی کے سر پر مصیبت آگئی ہے کام چھوڑ اور جلدی یہاں آ جلدی خرید سربستہ اس صندوق کو جب وہ رہرو گیا اور پہونچا یا جس نے اس سے سنا حیران رہ گیا القصہ صندوق کش کی خبر سے قاضی حسن کے نائب کو قاضی کے غم سے از جا رفتہ کر دیا (حسن فرضی نام معلوم ہوتا ہے قاضی کا یا نائب کا) ادھر) جوحی نے مجمع میں آگ روشن کر رکھی تھی کہ میں تو اس صندوق کو جلاؤنگا (اور) بازار میں عوام الناس کا ایک جوش (اور ہجوم) ہے (آپس میں پوچھتے ہیں کہ) کیا قصہ (دوسرا جواب دے رہا ہے کہ) میاں) وہ جوحی ایک ہنگامہ برپا کر رہا ہے۔

آمدن نائب قاضی میان بازار و خریداری کردن صندوق را از جوحی

نائب آمد گفت صندوقت بچند	**گفت نہصد بیشتر زر میدہند**
نائب آیا کہا کہ تیرا صندوق کتنے کو ہے۔	جوحی نے کہا کہ نو سو سے تو زیادہ زر دے رہے ہیں
من نمی آیم فروتر از ہزار	**گر خریداری کشا کیسہ بیار**
میں ہزار سے نیچے نہیں اترتا۔	اگر تو خریدار ہو تو تھیلی کھول۔ لا
گفت شرمے دار اے کوتہ نمد	**قیمت صندوق خود پیدا بود**
نائب نے کہا کچھ تو شرم کر اے مفلس	صندوق کی قیمت تو خود ظاہر ہوتی ہے

گفت شرمے دار از اہل خرد — کس بدیں مقدار ایں را کے خرد

کہا کہ اہل عقل سے کچھ شرم کر — کوئی شخص اس مقدار سے اسکو کون خرید لیگا۔

گفت بے رویت شری خود فاسد ست — بیع ما زیر گلیم ایں راست نیست

جوحی نے کہا کہ بدون دیکھے ہوئے خود خریداری ہی فاسد ہے — ہماری بیع زیر گلیم ٹھیک نہیں ہے

برکشایم گر نمی ارزد مخر — تا نباشد بر تو حیفے اے پدر

میں کھولتا ہوں اگر تیرے کام نہ ہوگا مت خریدنا — تاکہ اے پدر تم پر ظلم نہ ہو۔

گفت اے ستار بر مکشائے راز — سر بستہ می خرم با من بساز

نائب نے کہا کہ اے پردہ پوش راز کو مت کھول — میں سربستہ خریدتا ہوں میرے ساتھ سودا بنالے

ستر کن تا بر تو ستاری کنند — تا نہ بینی ایمنی بر کس مخند

پردہ پوشی کر تاکہ تجھ پر بھی پردہ پوشی کریں — جب تک تو امن نہ دیکھ لے کسی پر مت ہنس

بس درین صندوق چوں تو ماندہ اند — خویش را اندر بلا بنشاندہ اند

بہت سے اس صندوق میں تیری طرح رہے ہوئے ہیں — انھوں نے اپنے کو بلا میں بٹھلا رکھا ہے

آنچہ بر تو خواہ آں باشد پسند — بر دگر کس آں کن از نفع و گزند

جس چیز کا ارادہ تجھکو اپنے اوپر پسند ہو — دوسرے شخص پر بھی وہی کر نفع اور نقصان سے

آنچہ تو بر خود روا داری ہماں — می بکن از نیک و از بد با کساں

جس چیز کو تو اپنے اوپر روا رکھے — نیک اور بد سے وہی اور لوگوں کے ساتھ بھی کر

آنچہ نہ پسندی بخود از نفع و ضر — بر کسے مپسند ہم اے بے ہنر

جس چیز کو اپنے لئے نہ پسند کرے نفع اور ضرر سے — اور کسی پر بھی پسند مت کر اے بے ہنر

زانکه بر مرصاد حق اندر کمین
اس لئے کہ مرصاد پر حق تعالیٰ یعنی کمین کے اندر سے

آن عظیم العرش عرش او محیط
وہ عظیم العرش ہے اس کا عرش محیط ہے

گوشۂ عرشش بتو پیوسته است
اسکے تخت کا گوشہ تیرے ساتھ متصل ہے

تو مراقب باش بر احوال خویش
تو اپنے احوال پر نگراں رہ

پس همین جا خود جزائے نیک و بد
پس اسی جگہ نیک وبد کی جزا

وان جزا کانجا رسد در یوم دین
اور جو جزا کہ وہاں قیامت کے دن اسلئے

بے حد و بے عد بود آنجا جزا
اس جگہ وہ جزا بے حد اور بے شمار ہو گی

گفت آرے انچه کردم استم ست
جو حق نے کہا کہ بے شک میں نے جو کچھ کیا ظلم ہے

گفت نائب یک بیک ما بادئیم
نائب نے کہا ہم ایک ایک کرکے سب بادی ہیں

می دهد پاداش پیش از یوم دین
یوم قیامت سے پہلے بھی پاداش دیدیتا ہے

تخت دادش بر همه جانها بسیط
اسکے عدل کا تخت تمام جانوں پر بسوط ہے

هین مجنبان جز بدین و داد دست
خبردار بجز دین اور عدل کے ست ہلاتا

نوش بین در داد و بعد از ظلم نیش
عدل میں تو نوش دیکھ لے اور ظلم کے بعد نیش دیکھ لے

می رسد با هر کسے چون بنگرد
پہونچ جاتی ہے اگر ہر شخص دیکھے۔

هیچ آن با این نماند نیک بین
وہ اسکے ذرا بھی مشابہ نہیں خوب دیکھ لے

دوزخ و نار ست جائے ناسزا
دوزخ اور نار ہے ناسزا کی جگہ

لیک هم میدان که بادی ظالم ست
لیکن یہ بھی جان لو کہ ابتدا کرنیوالا اصل ظالم ہے

با سواد روچه اندر شادئیم
باوجود روسیاہی ہم کیا خوشی میں مشغول ہیں

ہمچو زنگی کو بود شاداں وخوش
مثل حبشی کے کہ وہ شاداں اور خوش ہے

او نہ بیند غیر او بیند رخش
وہ تو دیکھتا نہیں دوسرا ہی آدمی اسکا منہ دیکھتا ہے

ماجرا بسیار شد در من یزید
ماجرا بہت ہوا نیلام میں

داد صد دینار وآں از وے خرید
اس نے سو دینار دیئے اور وہ اس سے خریدا

ہر دمے صندوقئی اے بد پسند
تو ہر وقت صندوق ہو رہا ہے اے بری عمل کے پسند کرنیوالے

ہاتفاں وغیبیانت می خرند
تجکو ہاتف اور غیبی لوگ خرید رہے ہیں۔

ایں یقیں میداں کاسیر وبندۂ
تو اسکو یقین جان لے کہ تو اسیر اور غلام ہو رہا ہے

زانکہ در صندوق غمہا ماندۂ
کیونکہ غموم کے صندوق میں رہا ہوا ہے

بند ہر چیہ گشتۂ از نیک وبد
تو جس چیز کا مقید ہو رہا ہے نیک وبد سے

ہر یکے بر تو چو صندوقیست سد
ہر چیز تجھ پر صندوق ہے جو کہ سد راہ ہے

تا نگردے زیں ہمہ آزاد تو
تو جب تک اس سبب آزاد نہ ہو گا

کے شوی ایجان زغم دلشاد تو
غم کے سبب اے جان تو کب دل شاد ہو گا۔

نائب آیا کہا تیرا صندوق کتنے کو ہے جوجی نے کہا کہ نوسوے تو زیادہ زردے رہے ہیں (مگر) میں ہزار سے نیچے نہیں اوترتا اگر تو خریدار ہو تو تھیلی کھول (اور قیمت) لا۔ نائب نے کہا کہ کچھ تو شرم کر اے مفلس (فی الحاشیہ ای باوجودیکہ لباس گلیم وصوف داری وآں ہم کوتہ دعوی امیرانہ میداری کہ چنداں قیمت صندوق می نہی آہ) صندوق کی قیمت تو خود ظاہر (اور معلوم) ہوتی ہے (آگے اسی کی تاکید ہے کہ نائب نے) کہا کہ اہل عقل سے کچھ شرم کر کوئی شخص اس مقدار سے اسکو کون خریدیگا جوجی نے کہا کہ بدوں دیکھے ہوئے خود خریداری ہی فاسد ہے۔ ہماری بیع زیر گلیم (یعنی مبیع کے مخفی رہتے ہوئے) ٹھیک نہیں ہے (اس لئے) میں کھولتا ہوں اگر تنے کا نہ ہو گا ست خریدنا تاکہ اے مدیر تیرے ظلم (یعنی غبن) نہ ہو (یہاں فاسد کے معنی صرف غیر تام ہیں کیونکہ خیار رویت کے رہتے ہوئے مشتری کو بعد ازدو واپسی کا اختیار رہے) نائب نے کہا کہ اے پردہ پوشش راز کو مت کھول میں سر بستہ خریدتا ہوں میرے ساتھ سودا بنالے

اور یہ بھی احتمال ہو کہ اول مصرعہ دعا ہو یعنی جوحی کی سختی کو دیکھکر حق تعالیٰ سے دعا کی ہو کہ اے اللہ خیر کیجیو قاضی کا پردہ مت کھولیو پھر دعا کر کے جوحی سے معاملہ کے متعلق کہا ہو اور اس جوحی سے یہ بھی چپکے سے کہا کہ خدا سے ڈر اور جس بنا پر تو قیمت بڑھا رہا ہے اس پر نا درست کریں) پردہ پوشی کر تاکہ تجھپر بھی پردہ پوشی کریں (اور) جب تک تو (یقینی) امن نہ دیکھ لے (اور وہ نجات آخرت کے بعد ہوگا) کسی پر مت ہنس بہت سے اس صندوق میں تیری طرح رہ چکے ہیں (اور تفسیر اسکی یہ ہے کہ) انھوں نے اپنے کو بلا میں بٹھلا رکھا ہے (اور چوں تو میں تنبیہ کردی کہ تو بھی کبھی نہ کبھی ایسی بلا میں گرفتار ہوگا کہ اسکا اخفا چاہتا ہوگا پس) جس چیز کا ارادہ تجھکو اپنے اوپر پسند ہو دوسرے شخص پر بھی وہی کر نفع اور نقصان سے (آگے بھی اسی کی تاکید ہے کہ) جس چیز کو تو اپنے اوپر روا رکھے نیک اور بد سے وہی اور لوگوں کے ساتھ بھی کر (اور) جس چیز کو اپنے لئے نہ پسند کرے نفع اور ضرر سے اور کسی پر بھی پسند مت کر اے بے ہنر (یہ مضمون حدیث کا ہے وان تحب للناس ما تحب لنفسك وتكره لهم ما تكره لنفسك او كما قال) اس لئے کہ مرصاد پر حق تعالیٰ یعنی کمین کے اندر سے یوم قیامت سے پہلے بھی (اکثر) پاداش دیدیتا ہے (سو تعجب نہیں ہے کہ اگر تو دوسرے کو رسوا کرے حق تعالیٰ تجھکو رسوا کردے وفيه اشارة الى قوله تعالى وان ربك لبالمرصاد اور لفظ اکثر میں یہ شبہ جاتا رہا کہ بعض اوقات یہاں پاداش نہیں ملتی جواب ظاہر ہے اور اگر پاداش کو مثل کے ساتھ خاص نکیا جاوے تو پھر یہ حکم کلی ہے چنانچہ اسکی تحقیق احقر کے رسالہ جزاء الاعمال دیکھنے سے ہو سکتی ہے) وہ عظیم العرش ہے اس کا عرش محیط ہے (اور) اسکی عدل کا تخت تمام جانوں پر بسوط (اور مشتمل) ہے (مراد تخت عدل سے خود عدل ہے یعنی اسکی صفت عدل کے احوا سے کوئی چیز خارج نہیں ہے ہر شخص کیلئے وہ اس کا ظہور کر سکتے ہیں چنانچہ آگے یہی مضمون ہے کہ) اس کے تخت (عدل) کا گوشہ تیرے ساتھ (بھی) متصل ہے (پس خبردار (اس گوشہ کو) بجز دین اور عدل کے مت ہلانا (یعنی جس کے ساتھ جو معاملہ کرو دین اور عدل کا خیال رکھنا ورنہ اگر اسکے خلاف تمنے اس گوشہ تخت عدل کو ہلایا یعنی دین اور عدل کے خلاف کسی کے ساتھ کوئی معاملہ کیا تو پھر حق تعالیٰ کے عدل کا یہ ظہور ہوگا کہ تمکو بھی ویسی ہی پاداش ملجاویگی آگے تفریع ہے یہاں پاداش ملنے پر کہ) تو اپنے احوال پر نگراں رہ (اور) عدل میں تو نوش دیکھ لے اور ظلم کے بعد نیش دیکھ لے پس اسی جگہ نیک و بد کی جزا پہنچ جاتی ہے اگر ہر شخص (غور سے) دیکھے اور جو جزا کہ وہاں قیامت کے دن ملیگی وہ اس کے ذرا بھی مشابہ نہیں خوب دیکھ لے (بلکہ) اس جگہ وہ جزا بے حد اور بے شمار ہوگی دوزخ اور نار ہے تا سزا کی جگہ (یہ سب مواعظ بلسان نائب ہیں) جوحی نے کہا کہ بیشک میں نے جو کچھ کیا (وہ فی نفسہ) ظلم ہے لیکن یہ بھی جان لو کہ (بالنظر الی سببہ ظلم نہیں کیونکہ حدیث میں ہے البادی اظلم یعنی) ابتدا کرنے والا اصل ظالم ہے (اس نے جیسا میرے ساتھ کیا کہ میری بی بی سے ارادہ بد کیا اس اعتبار سے مجھکو ایسا کرنا جائز ہے) نائب نے کہا (کہ ہمارا کیوں ہونہ ہے کہ بالتعیین کسی کو بادی کہیں کیونکہ اگر اپنے اعمال میں غور کریں تو من وجہ) ہم ایک ایک کر کے سب بادی ہیں (پس) باوجود روسیاہی (وابتلا بالمعاصی والفضل ئکے) ہم کسی کی بدحالی پر کیا خوشی میں مشغول ہیں مثل حبشی کے کہ وہ شاداں اور خوش ہے (کہ میں بدصورت نہیں ہوں وجہ یہ کہ) وہ تو دیکھتا نہیں دوسرا ہی آدمی اس کا مونہ دیکھتا ہے (پس اسی طرح ہر شخص اپنا عیب نہیں دیکھتا حالانکہ دیکھ سکتا ہے چنانچہ اسی واقعہ

میں جوحی نے یہ ابتداء کی کہ عورت کے ذریعہ سے مکر کرکے قاضی کو بلا کر پھنسایا پس یہ بھی اس اعتبار سے بادی ہوا حاصل قصہ یہ کہ) ماجرا بست ہوا نیلام میں اس نے سو دینار دئے اور وہ (صندوق) اس سے خرید ا (آگے مولانا بطور انتقال کے فرماتے ہیں کہ اسی طرح) تو ہر وقت صندوقی ہو رہا ہے اے برے عمل (و معصیت) کے پسند کرنے والے (اور یہی برا عمل صندوق ہے اور مقتضا اس کا تیرا اہلاک اور خسار تھا لیکن) تجھکو (نائب کی طرح) ہاتف اور غیبی لوگ خرید ا (کرچھڑا) رہے ہیں (یعنی قبل تیرے خزی و ہلاک کے تجھکو ارشاد طریق حق دلوتیہ و اصلاح کی طرف کر رہے ہیں کہ اس صندوق سے تجھکو خلاصی ہو اور مراد ان ہواتف غیبیہ سے اہل اللہ و اہل ارشاد ہیں کہ امت کی خیرخواہی کرتے ہیں) تو اسکو یقین جان لے کہ تو اسیر اور غلام ہو رہا ہے کیونکہ غموم کے صندوق میں (گرفتار) رہا ہوا ہے (غموم سے مراد علائق دنیویہ کہ معاصی کا راس ہیں اور سبب ہیں غموم کے آگے اس صندوق غموم کی یہی تفسیر ہے یعنی) تو جس چیز (یعنی علاقہ) کا مقید ہو رہا ہے نیک و بد سے (نیک و بد سے مراد نفس کا ملائم و غیر ملائم گو باعتبار مذموم ہونے کے سب بد ہے ان میں) ہر چیز تجھے صندوق ہے جو کہ سدراہ ہے (وصول الی فضاء القدس سے) تو جب تک اس سے آزاد نہ ہوگا غم کے سبب سے جان تیری تب دل شاد ہوگا (اور آزاد ہو کر البتہ حیوٰۃ طیبہ سے مشرف ہو سکتا ہے دنیا میں بھی آخرت میں بھی کما قال تعالیٰ من عمل صالحا من ذکر او انثیٰ وھو مؤمن فلنحیینہ حیوٰۃ طیبۃ آگے اس آزادی کی مدح اور ترغیب ایک حدیث سے مستنبط فرماتے ہیں)۔

در بیان حدیث نبوی من کنت مولاہ فعلی مولاہ (رواہ الشیخان)

زیں سبب پیغمبر با اجتہاد	**نام خود و آں علی مولا نہاد**
اسی سبب سے پیغمبر صاحب اجتہاد نے	اپنا نام اور علی کا نام مولا رکھا ہے
گفت ہر کو را منم مولا و دوست	**ابن عم من علی مولائے اوست**
فرمایا ہے کہ جس کا میں مولا اور دوست ہوں	میرے ابن العم علی بھی اس کے مولا ہیں
کیست مولا آنکہ آزادت کند	**بند رقیت ز پایت بر کند**
مولا کون ہوتا ہے وہ کہ تجھکو آزاد کرے	غلامی کی قید تیرے پاؤں سے جدا کرے

چوں بآزادی نبوت ہادی ست
جب آزادی کی طرف نبوت ہادی ہے
مومناں را ز انبیا آزادی ست
مومنین کو انبیاء کی بدولت آزادی ہے

اے گروہ مومناں شادی کنید
اے گروہ مومنین خوشی کرو
ہمچو سرو و سوسن آزادی کنید
مثل سرو اور سوسن کے آزادی کرو

لیک میگوئید ہر دم شکر آب
لیکن ہر وقت پانی کا شکر کہتے رہو
بے زباں چوں گلستاں خوش خضاب
بدون زبان کے مثل باغ خوش رنگ کے

بے زبان گویند سرو و سبزہ زار
بدون زبان کے ادا کرتے ہیں سرو اور سبزہ زار
شکر آب و شکر عدل نوبہار
پانی کا شکر اور موسم نوبہار کے عدل کا شکر

حلہا پوشیدہ و دامن کشاں
جوڑے پہنے ہوئے اور دامن کشاں
مست و رقاص و خوش و عنبر فشاں
مست اور رقاص اور خوش اور عنبر فشاں ہیں

جزو جزو آبستن از شاہ بہار
جزو جزو حاملہ ہے شاہ بہار کے سبب
جسم شاں چوں درج پر در شمار
اُن کا جسم ڈبہ کی طرح شمار کے موتیوں سے پر ہے

مریماں بے شوئے آبست از مسیح
بہت سی مریمیں بدوں شوہر کے مسیح کے ساتھ حاملہ ہیں
خامشاں بے لاف و گفتارے فصیح
خاموش بدوں دعوے اور گفتار کے فصیح

ماہ ما بے نطق خوش برتافتہ است
ہمارا چاند بے نطق کے خوب چمکتا ہوا ہے
ہر زباں نطق از فر او یافتہ است
ہر زبان نے نطق اس کے ہی نور سے پایا ہے

نطق عیسے از فر مریم بود
عیسی علیہ السلام کا نطق نور مریم علیہا السلام سے ہے
نطق آدم پرتو آں دم بود
آدم علیہ السلام کا نطق اس نفخ کا پرتو ہے

تا زیادت گردد از شکر ای ثقات	**پس نبات دیگرست اندر نبات**
تا کہ شکر سے زیادت عطا ہو اے ثقہ لوگو	بہت سی دوسری نباتات در نباتات ہیں
عکس آں اینجاست ذل من قنع	**اندریں طورست عز من طمع**
یہاں اُس کا عکس ہے کہ ذلیل ہوا وہ شخص جو قناعت کرے	اس طریق میں ہے کہ عزت پائی جس شخص نے کہ طمع کی
در جوال نفس خود چندیں مرو	**از خریداران خود غافل مشو**
اپنے نفس کی گون میں اتنا مست چل	اپنے خریداروں سے غافل مست ہو

اسی سبب سے (کہ آزادی بند تعلقات سے مطلوب و ممدوح ہے جیسا کہ سُرخی سے اوپر کا شعر دال ہے اور یہ کہ انبیاء و اولیاء تجھکو یہی آزادی دینا چاہتے ہیں جیسا کہ سرخی سے چار شعر اوپر کہا گیا ہے ہر دمے صندوقی الخ اور جیسا کہ سرخی سے تقریباً پچاس شعر اوپر کہا گیا ہے خلق را از بند صندوق فسوں + کہ خرد جز انبیاء و مرسلوں الخ) پیغمبر صاحب اجتہاد (و کوشش در آزاد کردن امت) نے اپنا نام اور علی رضؓ کا نام مولا رکھا ہے (چنانچہ ارشاد) فرمایا ہے کہ (اس امت میں) جسکا میں مولا اور دوست ہوں میرے ابن العم علی رضؓ بھی اُس کے مولا ہیں (اور) مولی کون ہوتا ہے (یعنی اس کے کیا معنی ہیں) وہ کہ تجھکو آزاد کرے (اور) غلامی کی قید تیرے پانوٴ سے جدا کرے (مولی کے معانی میں سے ایک معنی دوست و محبوب بھی ہیں اور ایک معنی معتق بکسر التاء بھی ہیں مشہور حدیث میں معنی اول ہیں اور حدیث خبر بمعنی انشاء ہے یعنی جو مجھکو محبوب سمجھے اُسپر واجب ہے کہ حضرت علی رضؓ کو بھی محبوب رکھے اور شان ورود بھی حدیث کا اسی کا قرینہ ہے اور اسکے بعد یہ دعا اللھم وال من والاہ بھی اسپر دال ہے لیکن مولانا نے حدیث کو جملہ خبریہ اور مولی کو بمعنی معتق قرار دیکر مقصود مقام پر استدلال کیا ہے جسپر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اور ورثۃ الانبیاء کا معتق یعنی آزادی دہندہ ہونا ثابت ہوا اور اسی سے مدح و ترغیب بھی مفہوم ہوئی اور یہی مدعا تھا مقام کا اسکی ایک توجیہ یہ ہو سکتی ہے کہ مولی کو بجائے مشترک لفظی کے مشترک معنوی کہا جاوے کہ اس معنی مطلق صاحب علاقہ و قرب کے ہیں اور اسکی یہ سب صورتیں ہیں یعنی محبوب ہونا معتق ہونا پس حاصل یہ ہوگا کہ حدیث سے مولی ہونا معلوم ہوا جو عام ہے دونوں معنی کو اور اصل عموم میں ارادہ ہے جمیع افراد ممکنۃ الاجتماع فی الوجود کا پس اس طرح سے محبوبیت و اعتاق دونوں ثابت ہوئے چنانچہ خود مولانا بھی شعر دوم میں مولا کی تفسیر میں دوست کا لفظ لائے ہیں آگے آپ کے اولاً اور آپ کے ورثہ کے تبعاً معتق ہونے پر تفریع کے طور پر مومنین کا اس آزادی سے مشرف ہونا اور انکو امر بالفرح والشکر ہے یعنی) جب آزادی کی طرف نبوت ہادی ہے مومنین کو انبیاء کی بدولت آزادی ہے اسے گروہ مومنین (خوب) خوشی کرو (اور) مثل سرو اور سوسن کے آزادی کرو (سرو کو پھل نہ ہونیکے سبب آزاد کہتے ہیں شاید سوسن کو بھی اسی لئے آزاد

کہتے ہوں) لیکن (نری رسمی خوشی کوئی چیز نہیں بلکہ حقیقی خوشی کرو وہ یہ کہ) ہر وقت پانی کا شکر کرتے رہو (جس نے مثل شجر سرو و سوسن کے تمہاری تربیت فرمائی اور آزادی کی صفت بخشی مطلب یہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ورثہ مربین کا شکر ادا کرو بحکم من لم یشکر الناس لم یشکر اللہ اور یہ شکر) بدون زبان کے (بھی ادا کرو) مثل باغ خوش رنگ کے (کہ بے زبان شکر ادا کرتا ہے مطلب یہ ہے کہ اول یہ کہا کہ خوشی کرو پھر کہا کہ رسمی خوشی نہیں بلکہ حقیقی خوشی یعنی شکر اب کہتے ہیں کہ شکر بھی صرف زبانی نہیں بلکہ زبان کے ساتھ جنانی اور ارکانی یعنی بالقلب والجوارح بھی کہ قلب سے محبت کی جاوے اور جوارح سے اطاعت و خدمت چنانچہ معنی شکر کا تعلق تینوں سے مشہور ہے پس بے زبان کہنے سے شکر باللسان کی نفی مقصود نہیں بلکہ اکتفا باللسان کی نفی مقصود ہے چنانچہ احقر نے اس کے ترجمہ میں لفظ بھی اس لئے بڑھا دیا فانظر مرۃ اخری اور اس میں گویا ایک قسم کی شرح ہو گئی آیت لا تفرح ان اللہ لا یحب الفرحین اور آیت قل بفضل اللہ وبرحمتہ فبذلک فلیفرحوا کی اور اس میں اشارہ ہے حقوق شیخ کی طرف کہ اس کا مربی ہونا مقتضی ہے اس کی خدمت و اطاعت کو اور سبب ہے ترقی برکات کا جس کی بیان سے ساتویں آٹھویں شعر میں تصریح بھی ہے تا زیادت گردد الخ آگے تشبیہ یعنی گلستان خوش خضاب کے بے زبان شکر کرنے کا مضمون ہے یعنی) بدون زبان کے ادا کرتے ہیں سرو اور سبزہ زار پانی کا شکر اور موسم نو بہار کے عدل کا شکر (کہ وہ سبب ہوا اشجار کو ان کے مناسب برگ و ثمر و گل کے عطا ہونے کا اور اسی لئے اس کے واسطے عدل کا اثبات کیا گیا اور ان کا شکر پانی اور بہار کے لئے یہ ہے کہ وہ پانی اور بہار کی فیض و عطا کا حالاً اظہار کر رہے ہیں چنانچہ آگے اسی کا بیان ہے کہ) جوڑے پہنے ہوئے اور دامن کشاں مست اور رقاص اور خوش اور عنبر فشاں ہیں (اور ان کا) جزو جزو حاملہ ہے شاہ بہار کے سبب (اور) ان کا جسم ڈبہ کی طرح ثمار کے موتیوں سے پر ہے (گویا) بہت سی مریم (ہیں کہ) بدون شوہر کے مسیح کے ساتھ حاملہ ہیں (یعنی مسیح ان کے بطن میں ہیں یہاں پھل پھول کو تشبیہ مسیح علیہ السلام سے دی اور وہ اشجار ظاہراً و قالاً) خاموش (ہیں اور حالاً) بدون دعوے اور گفتار کے فصیح (ہیں اور) ناطق ہیں شکر آب و بہار کے ساتھ اور بدلالت حال اپنی خاموشی و عدم نطق بالشکر مقالاً کے متعلق یہ کہہ رہے ہیں کہ) ہمارا چاند (جس سے ہم نے نور و سرور حاصل کیا مراد اس سے موسم بہار ہے خود) بے نطق کے خوب چمکتا ہوا ہے (اور) ہر زبان نے نطق اس کے ہی نور سے (کذا فی الغیاث) پایا ہے (مطلب یہ کہ ہم اگر ناطق بالشکر نہیں تو کیا ہوا خود ہمارا مشکور غیر ناطق ہے اور بے نطق ہی اسقدر افادہ کر رہا ہے کہ خود اہل نطق کا نطق بھی اسی کا فیض ہے پس جس طرح اس کا عدم نطق اس کے افادہ میں مضر نہیں ہمارا عدم نطق ہمارے شکر میں مضر نہیں اور جیسا اس کا عدم نطق افادہ میں نطق سے بڑھکر ہے کہ فیض نطق بھی اسی سے ہے اسی طرح ہمارا عدم نطق شکر میں نطق سے بڑھکر ہے کہ اہل نطق سے زیادہ ہم اس کے فیوض و برکات سے متصبغ ہیں کہ یہی اظہار ہمارے مناسب حال شکر ہے اور بہار کا دخل نطق میں بواسطہ ہے کہ وہ نشو و نما و تعدیل مزاج و انبات اغذیہ وغیرہا کا سبب ہے اور ان سب کا دخل نطق میں ظاہر ہے آگے تمثیل ہے مصرعہ ہر زبان نطق از فرادیافتہ است کی یعنی دیکھو) عیسی علیہ السلام کا نطق نور (و برکت) مریم علیہا السلام سے ہے (اور) آدم

علیہ السلام کا نطق اس نفخ (مذکور فی قولہ تعالیٰ ونفخت فیہ من روحی) کا پرتو (اور ظل) ہے (پس گو مریم علیہا السلام خود خاموش تھیں کما قال تعالیٰ ولن اکلم الیوم انسیا۔ اور صاحب النفخ یعنی حق تعالیٰ اس نطق متعارف سے منزہ ہیں مگر دونوں پیغمبروں کا نطق فیض غیر ناطقوں کا تھا اسی طرح مشبہ میں سمجھو آگے تتمہ ہے مضمون لیک میگویدالخ کا یعنی شکر مربی اور آزادی بخش کا کرتے رہو) تاکہ شکر سے زیادت عطا ہو ای ثقہ لوگو (کیونکہ یہاں) بہت سی دوسری نباتات در نباتات ہیں (فیوض و برکات کو نباتات سے تعبیر کرنا بمناسبت مشبہ بہ یعنی اشجار کے ہے کہ جیسے بہار ان کے اجزاء نبات کو ترقی بخشتی ہے اسی طرح شکر محسن سے باطنی فیوض میں ترقی ہوگی آگے ترغیب ہے طلب مزید کی جسکا طریق اوپر شکر بتلایا گیا مذمت ہے قناعت علی الحاصل کی یعنی) یہاں (دینی نعمتوں میں) اس (قول) کا عکس ہو (جو کہ دنیا کے باب میں وارد ہے کہ عز من قنع وذل من طمع اور وہاں یہی صحیح ہے لیکن اسکو یہاں مت جاری کرنا اور ہمت کم مت کرنا یہاں اسکا عکس ہے اس طرح سے) کہ ذلیل ہوا وہ شخص جو قناعت کرے (اور) اس طریق میں (اس کا دوسرا جزو بھی معکوس) ہے کہ عزت پائی جس شخص نے طمع کی (دین میں زیادت کا مطلوب ہونا ظاہر ہے حاصل مقام یہ کہ ان مربیوں کی اطاعت کر اور اپنی ہوا اور رائے سے) اپنے نفس کے گون میں (کہ اس نے تجھکو مثل صندوق کے اسمیں بند کر رکھا ہے) اتنا مت چل (جتنا تو چل رہا ہے اور) اپنے خریداروں سے (اور خلاصی و آزادی بخشنے والوں سے کہ شیوخ و مربی ہیں) غافل اور مستغنی و بے تعلق) مت ہو (بلکہ ان کی اطاعت کر کہ ان کا یہی شکر ہے اور تیرے لئے بھی سبب نجات ہو آگے پھر قصہ قاضی کا ہے)۔

باز آمدن زن جوحی سال دیگر نزد قاضی و شناختن او

بعد سالے باز جوحی از محن — **رو بزن کرد و بگفت اے چست زن**

ایک سال کے بعد پھر جوحی محنتوں سے — عورت کی طرف متوجہ ہوا اور کہا اے چالاک عورت

آں وظیفہ پار را تجدید کن — **پیش قاضی از گلہ من گو سخن**

اُس پار سال والے معمول کی پھر تجدید کر — قاضی کے روبرو میری شکایت کی بات کہہ

زن بر قاضی در آمد با زنان — **مر زنے را کرد آں زن ترجمان**

عورت قاضی کے پاس اور عورتوں کے ہمراہ آئی — ایک عورت کو اس عورت نے ترجمان بنایا

تا نہ بشناسد ز گفتن قاضیش

تاکہ بولنے سے قاضی اسکو پہچان نہ لے

یاد ناید از بلائے ماضیش

بلائے گذشتہ سے اسکو یاد نہ آجاوے

ہست فتنہ غمزۂ غماز زن

عورت کا غمزہ غماز بھی فتنہ کی چیز ہے

لیک آں صد تو شود ز آواز زن

لیکن وہ سوگونہ ہوجاتا ہے عورت کی آواز سے

چوں نمی تانست آوازے فراشت

چونکہ آواز نکال نہ سکتی تھی

غمزۂ تنہائی زن سودے نداشت

عورت کا خالی غمزہ کچھ مفید نہ ہوا

گفت قاضی رو تو خصمت را بیار

قاضی نے کہا جا اپنے مدعا علیہ کو لے آ

تا دہم کار ترا با او قرار

تاکہ اس کے ساتھ تیرے معاملہ کو قرار دوں

جوحی آمد قاضیش نشناخت زود

جوحی آیا قاضی نے اسکو جلدی نہیں پہچانا

کہ بوقت لقیہ در صندوق بود

کہ ملاقات کے وقت قاضی صندوق میں تھا

ز و شنیدہ بود آواز از بروں

باہر سے اسکی آواز سنی تھی

در شرا و بیع و در نقص و فزوں

خرید و فروخت میں اور کمی بیشی میں

گفت نفقہ زن چرا ندہی تمام

قاضی نے کہا تو عورت کا نفقہ پورا کیوں نہیں دیتا

گفت از جان شرع را ہستم غلام

کہنے لگا کہ جان سے شریعت کا تو غلام ہوں

لیک اگر میرم ندارم من کفن

لیکن اگر میں مرجاؤں تو کفن بھی نہیں رکھتا

در قمارم مفلس و شش پنج زن

میں قمار میں مفلس اور شش و پنج کرنیوالا رہتا ہوں

زین سخن قاضی مگر بشناختش

اس بات سے قاضی نے غالبا اسکو پہچان لیا

یاد آورد آں دغل وان باختش

وہ مکر اور اسکی وہ بازی یاد کی

گفت آں شش پنج با من باختی	**پار اندر شش درم انداختی**
کہنے لگا وہ شش و پنج تونے میری ہی ساتھ کھیلا تھا	پارسال تونے مجھکو حیرانی میں ڈالا تھا
نوبت من رفت امسال آں قمار	**با دگر کس بازو دست از من بدار**
میری نوبت توگذر گئی امسال وہ قمار	کسی دوسرے شخص کے ساتھ کھیلنا مجھسے ہاتھ اٹھا

ایک سال کے بعد پھر جوحی (افلاس کی) محنتوں سے عورت کی طرف متوجہ ہوا اور کہا اے چالاک عورت اس پارسال والے معمول کی پھر تجدید کر قاضی کے روبرو میری شکایت کی بات کہ عورت قاضی کے پاس دو عورتوں کے ہمراہ آئی ایک عورت کو اس عورت نے ترجمان بنایا تاکہ بولنے سے قاضی اسکو پہچان نہ لے (اور) بلائی گذشتہ سے اسکو یاد نہ آجاوے (سو بولنا تو اس لئے ممکن نہ تھا البتہ ویسے بہت غمزے کئے کہ قاضی کو لبھادی لیکن کام نہ چلا کیونکہ) عورت کا غمزۂ غماز بھی فتنہ کی چیز ہے لیکن وہ (فتنہ) سوگونہ ہو جاتا ہے عورت کی آواز سے (اور ایکی بار) چونکہ آواز نکال نہ سکتی تھی (اس لئے) عورت کا خالی غمزہ کچھ مفید نہ ہوا۔ قاضی نے کہا جا اپنے مدعا علیہ کو لے آتا کہ اس کے ساتھ تیرے معاملہ کو (انصاف کے ساتھ) قرار دوں (چنانچہ) جوحی آیا (اور) قاضی نے اسکو جلدی نہیں پہچانا (جلدی اس لئے کہا کہ اخیر میں تو پہچان لیگا کما سیاتی اور جلدی نہ پہچاننے کا سبب یہ ہوا کہ پارسال کی) ملاقات کے وقت قاضی صندوق میں تھا اسکی صورت نہ دیکھی تھی بلکہ صرف باہر سے اسکی آواز سنی تھی (صندوق کی) خرید فروخت میں اور (قیمت کی) کمی بیشی میں (بس) قاضی نے کہا تو عورت کا نفقہ پورا کیوں نہیں دیتا (کہ شریعت سے واجب ہے) کہنے لگا کہ جان سے شریعت کا تو غلام ہوں (انکار نہیں) لیکن (عذر ہے وہ یہ کہ میں اسقدر نادار ہوں کہ) اگر میں مرجاؤں تو میں کفن بھی نہیں رکھتا (اور) میں قمار میں مفلس اور شش و پنج (یعنی تدبیر و حیلہ) کرنے والا رہتا ہوں (یعنی جسطرح صاحب قمار طرح طرح کے حیلے مال حاصل کرنیکے لئے کرتا رہتا ہے اور پنج و شش قمار ہی کی اصطلاح ہے کما فی الحاشیہ شش و پنج کنایہ از قمار ست و شش و پنج بلازی کنایہ از مکر و فریب و حیلہ باشد برہان آھ اسی طرح میں بھی ہر طرح کی تدبیریں کرتا ہوں مگر مفلس ہی رہتا ہوں بس) اس بات سے قاضی نے غالبا اسکو پہچان لیا (اور) وہ مکر اسکی وہ بازی یاد کی (کیونکہ کچھ اس کے جواب میں ذکر تھا حیلہ و فریب کا کچھ شاید آواز پہچانی ہو غرض اسکا ذہن منتقل ہو گیا) کہنے لگا وہ شش و پنج (جسکا تو ذکر کرتا ہے کہ میں پنج و شش زندہ رہتا ہوں وہ) تونے مجھ ہی سے ساتھ کھیلا تھا (اور) پارسال تونے مجھکو حیرانی میں ڈالا تھا (سو) میری نوبت تو گذر گئی امسال وہ قمار کسی دوسرے شخص کے ساتھ کھیلنا مجھسے ہاتھ اٹھا (اور معاف کر اور اس سے زیادہ کارروائی اس لئے نہ کرسکا ہوگا کہ اول تو ثبوت نہیں پھر دوسرے اپنی رسوائی)۔

ف - آگے انتقال ہے بمناسبت مضمون تحفظ قاضی عن الغرور کے طرف بمضمون توقی اہل اللہ عن علائق الدنیا و ماسوی اللہ کے بغرض ترغیب طالبین کے ان کے اتباع میں اور ان علائق سے خروج میں بواسطہ ان کے اتباع کے اور ساتھ ساتھ مدح بھی ہے اہل اللہ کی اور بیان ان کے فضائل کا

از شش و از پنج عارف گشت فرد
ششش سے اور پنج سے عارف علیحدہ ہوگیا

محترز گشت ست زین شش پنج نرد
اس شش و پنج نرد سے محترز ہوگیا

رست او از پنج حس و شش جہت
وہ پنج حس اور شش جہت سے چھوٹ گیا

از ورائے آں ہمہ کرد آگہت
ان سب کے ماوراء سے اس نے تجکو آگاہ کیا ہے

شد اشاراتش اشارات ازل
اسکے اشارات اشارات ازل کے ہیں

جاوز الاوہام طرا و اعتزل
اس نے تمام اوہام سے تجاوز کیا ہے اور یکسو ہوا ہے

زین چہ شش گوشہ گر نبود برون
وہ اس چاہ شش گوشہ سے اگر خارج نہیں ہے

چون بر آرد یوسفے را از درون
تو یوسف کو اندر سے کیسے نکال لیتا ہے

وارد بالائے چرخ بے ستن
وہ وارد ہے چرخ بے ستون سے باہر

جسم او چون دلو در چہ چارہ کن
اس کا جسم مثل ڈول کے کنویں کے اندر تدبیر کر رہا ہے

یوسفاں چنگال در دلوش زدہ
طالبین نے اس کے دلو کے ساتھ تمسک کر رکھا ہے

رستہ از چاہ و شہ مصری شدہ
چاہ سے چھوٹ کر شاہ مصری ہوگئے

دلوہائے دیگر از چہ آب جو
دوسرے دلو تو چاہ سے پانی ڈھونڈتے ہیں

دلو او فارغ ز آب اصحاب جو
اسکا دلو پانی سے فارغ ہے یاروں کو ڈھونڈتا ہے

دلوہا غواص آب از بہر قوت
دوسرے دلو پانی میں غوطہ لگاتے ہیں قوت حاصل کرنیکے لئے

دلو او قوت و حیات جان حوت
اسکا دلو قوت ہے اور جان حوت کی حیات ہے

دلو ہا وابستۂ چرخ بلند
دوسرے دلو تو چرخ بلند سے وابستہ ہیں

دلو او در اصبعین زورمند
اس کا دلو قوی کے بین الاصبعین میں ہے

دلو چہ و حبل چہ و چرخ چی
دلو کیا چیز ہے اور رسن کیا چیز ہے اور چرخ کیا چیز ہے

این مثال بس رکیک است اے اخی
یہ مثال بالکل رکیک ہے اور اے بھائی

از کجا آرم مثال بے شکست
میں ناشکستہ مثال کہاں سے لاؤں

کفو او نی آید و نے آمد است
اُسکا مثل تو نہ آوے اور نہ آیا۔

صد ہزاران مرد پنہان در یکے
لاکھوں آدمی ایک میں پنہاں ہیں

صد کمان و تیر درج ناوکے
سو کمان اور تیر ایک ناوک میں درج ہیں

ما رمیت اذ رمیت فتنۂ
ما رمیت اذ رمیت کا مصداق ایک امتحان ہے

صد ہزاران خرمن اندر حفنۂ
لاکھوں خرمن ہیں ایک لپ کے اندر

آفتابے در یکے ذرہ نہان
ایک آفتاب ہے جو ایک ذرہ میں نہاں ہے

ناگہان آن ذرہ بکشاید دہان
ناگہاں وہ ذرہ منہ کھولدے

ذرہ ذرہ گردد افلاک و زمین
تو سب افلاک و زمین ذرہ ذرہ ہو جائیں

پیش آن خورشید چون جست از کمین
اُس خورشید کے سامنے جبکہ وہ کمین سے نکلنے لگے

این چنین جانے چہ درخورد تن است
ایسی روح کیا لائق تن ہے

ہین بشو اے تن ازین جان ہر دو دست
ہاں اے تن تو اس جان سے دونوں ہاتھ دھو ڈال

اے تن گشتہ وثاق جان بس است
اے تن جو کہ روح کا خانہ ہو رہا ہے بہت ہے

چند تاند بحر در مشکے نشست
کہاں تک دریا ایک مشک میں مقام کر سکتا ہے

اے ہزاران جبرئیل اندر بشر ۔ اے مسیحان نہاں در جوف خر

اے ہزاروں جبریل ہیں بشر کے اندر ۔ اے بہت سے مسیح نہاں ہیں جوف خر میں

اے کلیم اللہ نہاں اندر نمد ۔ واقف از خوف ست و رست از نیک و بد

اے کلیم اللہ ہیں نمد میں ۔ جو کہ خوف کی چیز سے واقف بھی ہیں اور نیک و بد سے چھوٹ بھی گئے ہیں

اے حبیب اللہ نہاں در غار تن ۔ گنج ربانی نہاں در مار تن

اے حبیب اللہ نہاں ہیں غار تن میں ۔ گنج ربانی ہے نہاں مار تن میں

اے ہزاران کعبہ پنہاں در کنیس ۔ اے غلط انداز عفریت و بلیس

اے ہزاروں کعبے پنہاں ہیں کنیسہ میں ۔ اے غلطی میں واقع کرنے والا عفریت اور ابلیس کا

سجدہ گاہ لامکانی در مکاں ۔ مر بلیسان را ز تو ویران دکاں

لامکانی کا سجدہ گاہ مکان میں ۔ ابلیسوں کی دکان تجھ سے ویران ہو گئی

کہ چرا من خدمت ایں طین کنم ۔ صورت دوں را لقب چوں دیں کنم

کہ میں اس مٹی کی خدمت کیوں کروں ۔ ادنیٰ درجہ کی صورت کا لقب دین کیوں کروں

نیست صورت چشم را نیکو بمال ۔ تا بہ بینی شعشع نور جلال

یہ صورت نہیں ہے آنکھ کو اچھی طرح مل ۔ تاکہ تو شعاع نور جلال کو دیکھے

شش سے اور پنج سے (بالتفسیر الاتی فی الشعر الاتی) عارف علیحدہ ہو گیا (اور) اس شش و پنج فرد (یعنی تدابیر تحصیل دنیا) سے (بھی محترز ہو گیا اور تفسیر مصرعہ اولیٰ کی یہ ہے کہ) وہ پنج حس اور شش جہت سے چھوٹ گیا ان میں ایک مدرک مبنی للفاعل اور ایک مدرک مبنی للمفعول ہے مطلب یہ کہ بجز حق تعالیٰ کے اس کا کسی سے تعلق نہیں رہا نہ مدرکات سے نہ مدرکات سے اور چونکہ اس پنج و شش سے خلاصی یافتہ ہے اسی لئے) ان سب کے ماوراء (و مافوق) سے اس نے تجھکو آگاہ کیا ہے (یعنی اس کا ماوراء محسوسات و مافوق العالم السفلی سے خبر دینا دلیل ہے اسکی کہ اسکو

عالم علوی سے اتصال ہے اور یہ علامت ہے عالم سفلی سے خلاصی پانیکی کہ بدون اسکے وہ اتصال نہیں ہوتا پس تا آگاہ کردن اُس رستن
پر مبنی ہے اور اُسکا یہ آگاہ کرنا علم مکتسب سے نہیں بلکہ اُسکے اشارات (حکما) اشارات ازل (یعنی علم الٰہی قدیم) کے ہیں (یعنی اسکا علم فیضی وہبی علم حق
کا ہے اور) اسنے تمام اوہام (یعنی علوم مکتسبہ تخمینیہ) سے تجاوز کیا ہے اور (اس سے یکسو ہوا ہے اور جسطرح آگاہ کردن کہ تعلیم وافادہ قالی ہے دلیل ہے رستن کی کما ذکر
اسی طرح طالبان را بیرون چاہ کردن کہ تربیت وافادہ حالی ہے دوسری دلیل ہے اس رستن کی اور رستن کے ساتھ رہانیدن کی آگے اس کے فرماتے
ہیں کہ) وہ (عارف) اس چاہ شش گوشہ سے (یعنی عالم شش جہت سے کہ مثل چاہ کے ہے) اگر خارج نہیں ہے تو یوسف
(یعنی طالب) کو اندر سے کیسے نکال لیتا ہے (کیونکہ جو شخص خود کنوئیں کے اندر ہو وہ دوسرے کو کنوئیں سے نہیں نکال سکتا
اسی طرح جو شخص خود تعلقات ماسوی اللہ میں آلودہ ہو اُسکی تعلیم و تربیت و صحبت میں عادۃً یہ اثر نہیں ہوتا کہ دوسرے
کے یہ تعلقات قطع ہو جاویں پس) وہ (باعتبار روح کے) وارد ہے اکالوارد الذی اخرج یوسف المذکور فی قولہ
تعالیٰ فارسلوا واردھم) جو کہ خیمے ستون سے باہر (یعنی عالم غیب میں اور) اُس کا جسم مثل ڈول کے کنوئیں کے اندر
تدبیر (اخراج یوسف کی) کر رہا ہے (اسمیں ایک سوال کا بھی جواب ہے اور بر آرد یوسفے را از درون کا طریق بھی ہے یعنی
اگر کسی کو شبہ ہو کہ تمہارا یہ کہنا کہ رست او از پنج حس و شش جہت کیسے صحیح ہو سکتا ہے جبکہ ہم عارف کو بھی اسی کنوئیں
میں مشاہدۃً دیکھتے ہیں پس جب یہ خود چاہ میں ہے تو دوسرے کو کیا نکالیگا جواب اسکا یہ ہے کہ عارف میں جو مرتبہ روح کا ہے
ان احکام کا محکوم علیہ وہ ہے سو وہ اس چاہ سے خارج ہے اور جسکو تم چاہ کے اندر دیکھتے ہو وہ اُس کا جسم ہے مگر وہ بھی
مقید ہونے کی حیثیت سے نہیں ہے بلکہ آلہ اخراج ہونیکی حیثیت سے جیسا دلو ہوتا ہے کہ وہ بھی چاہ کے اندر ہوتا ہے مگر
اُسمیں محبوس نہیں ہوتا بلکہ اگر کسی محبوس کو نکالتے ہیں تو اُس کا ذریعہ یہی دلو ہوتا ہے پس اسی طرح عارفین اپنے جسم سے
یہاں ہیں تاکہ تمکو اپنے اندر لیکر پھر تمکو اپنی روح کے افعال سے نکال لیں ورنہ اگر وہ جسم سے بھی تمہارے ساتھ نہ ہوتے
تو تمہاری خلاصی کی کوئی صورت نہ ہوتی یا اگر ان میں روح کا مرتبہ خارج نہ ہوتا تب بھی تمہارے اخراج کے لئے وہ
کافی نہ تھے جیسے فرض کرو کہ کوئی شخص ڈول سمیت کنوئیں کے اندر گر پڑے وہ دوسرے کو نہیں نکال سکتا اور اسی تشبیہ سے
بطور جملہ معترضہ کے ایک اور مسئلہ بھی واضح ہو گیا کہ جسطرح دلو کے ساتھ تمسک اسی وقت تک مفید ہے جب تک کہ رسن کے
واسطہ سے یہ دلو اُس وارد کے ہاتھ سے تعلق رکھے ورنہ اگر رسن چھوٹ جاوے ٹوٹ جاوے تو پھر یہ تمسک غیر مفید ہے
اسی طرح جسم کی صحبت و خدمت و تعلق اُسی وقت تک مفید ہے جب تک اس جسم کا علاقہ روح سے ہے ورنہ بعد مفارقت
کے تمسک بالجسم کعبدۃ القبور بالکل بیکار ہے آگے چارہ کہ نی مذکور فی ہذا الشعر کا فائدہ مرتبہ ہے کہ) طالبین نے اُسکی دلو کے
ساتھ تمسک کر رکھا ہے (اور اُسکی بدولت) چاہ سے چھوٹ کر شاہ مصری ہو گئے دوسرے دلو تو چاہ سے پانی ڈھونڈتے
ہیں (اور) اس (عارف) کا دلو پانی سے فارغ ہے یاروں کو ڈھونڈتا ہے (جو چاہ میں محبوس ہیں دوسرے دلووں سے
مراد دوسروں کے اجسام اور پانی سے مراد مطلوبات دنیویہ یعنی اور لوگ تمتعات کے طالب ہیں یہ شخص انقاذ کی
کوشش کرتا ہے اور یہ سب تشابہ ہے) دوسرے دلو پانی میں غوطہ لگاتے ہیں قوت حاصل کرنے کے لئے (اور) اس کا
دلو (خود) قوت ہے اور جان حوت کی حیات ہے (حوت سے مراد طالب حق جو اس چاہ عفن کدر نزر الماء میں محبوس

[illegible] عارفین [illegible] تمسک [illegible] مقصود [illegible]

ہونے کے بعد دلو کے ذریعہ سے نکلکر دریا سے اسکا اتصال ہوگیا) دوسرے دلو تو چرخ بلند سے وابستہ ہیں (اور) اسکا دلو قوی (مطلق) کے بین الاصبعین ہیں ہے (اور بالاے چرخ سے جسکو اوپر قریب کلام میں بھی کہا تھا وار دے بالاے چرخ سے بستن مطلب یہ کہ اوروں کے اجسام کا تمامتر تعلق عالم عناصر سے ہے جسمیں فلکیات متصرف ہیں اور اس عارف کے جسم کا معتدبہ تعلق کہ صدور طاعات ہے جوارح سے حق تعالیٰ سے ہے کما ورد کنت سمعہ الذی یسمع بی وبصرہ الذی یبصر بی اور ان اشعار میں عارف کے جسم و روح و مقام روح کو صریحاً اور تعلق جسد و روح کو مفہوماً تشبیہ دی ہے دلو اور رواسد اور بالائی چرخ اور رسن سے آگے ان مثالوں کا ناقص ہونا بتلاتے ہیں کہ) دلو کیا چیز ہے اور رسن کیا چیز ہے اور چرخ کیا چیز ہے (اور اسی کے ساتھ وارد بھی حکماً مذکور ہوگیا کہ وہ بھی کیا چیز ہے) یہ مثال بالکل رکیک ہی اور اے بھائی (اس سے مماثلت من کل الوجوہ مت سمجھ جانا رہا کوئی یہ کہے کہ پھر تام مثالیں لے آؤ سو اس کا جواب یہ ہے کہ) میں ناشکستہ (وغیر ناقص) مثال کہاں سے لاؤں (کیونکہ) اس (عارف) کا مثل تو (ان اشیاء محسوسہ میں) نہ (وجود میں) آوے اور نہ (کبھی وجود میں) آیا (اور یہ بالکل ظاہر ہے کہ انسان اشرف المخلوقات ہے خصوص روح کہ اصل عارف ہی وہ خود غیر محسوس ہے خصوص جب اس میں نسبت مع اللہ کا لحاظ کیا جاوے پس غیر اشرف میں اشرف کا مماثل اور محسوسات میں غیر محسوس کا مماثل اور متعلقات بماسوی اللہ میں متعلق مع اللہ کا مماثل کہاں پایا جاویگا پھر مثال کے تام ہونے کی کیا صورت ہے جب آویگی رکیک ہی آویگی آگے اسکی امثلیت اور افضلیت جو مصرعہ کفوا وسے آیدالخ میں مجملاً مذکور ہوئی ہے اور اس امثلیت و افضلیت کی بنا کہ اسکی روح کا تعلق مع اللہ ہے ذکر فرماتے ہیں یعنی وہ عارف ایسا ہے گویا) لاکھوں آدمی ایک میں پنہاں ہیں (اور گویا) سو کمان اور تیر ایک ناوک میں درج ہیں (فی الغیاث ناوک مصغر ناو ست چوبے باشد مجوف میاں خالی آہ فی الحاشیہ بعد ہذہ العبارۃ کہ دراں تیر نہادہ انداز ندالی قولہ دستور است کہ تیر را در ناوک نمی دارند بلکہ در ترکش دارند و تن عارف چناں ناوک ست کہ صد تیر و کمان درو مندرج ست آہ مختصراً مطلب اسکا ایسا ہے ؎ لیس علی اللہ بمستنکر ان یجمع العالم فی واحد کما قال تعالیٰ ان ابراھیم کان امۃ قانتاً للہ الایۃ۔ اور وہ عارف بوجہ نسبت فنا مع اللہ کے) مارمیت اذ رمیت کا مصداق (اور) ایک امتحان (الٰہی) ہے (قال تعالیٰ وجعلنا بعضکم لبعض فتنۃ اور امتحان ہونا اس کا اقل درجہ یہ ہے کہ لوگ اسکو اپنا مثل سمجھکر انکار و اعتراض سے پیش آتے ہیں اور اسکی روحی جانب کو نہیں دیکھتے اور وہ) لاکھوں خرمن ہیں ایک لپ کے اندر (یہ اور اوپر صد ہزاران مرد اور صد کمان اور بعد میں آفتاب یہ سب تشبیہات ہیں باعتبار وسعت روح اور ضیق جسم کے اور وہ گویا) ایک آفتاب ہے جو ایک ذرہ میں نہاں ہے (اور اگر) ناگہاں وہ ذرہ (جسمیں آفتاب نہاں ہے) سو نہ کھولدے (جس کے کھولنے سے اس آفتاب کی شعاعیں پھیلنے لگیں) تو سب افلاک و زمین ذرہ ذرہ ہو جاویں اس خورشید کے سامنے جب کہ وہ کمین سے (یعنی اس ذرہ سے جسمیں وہ پوشیدہ تھا) نکلنے لگے (اس کا نکلنا اسکی شعاعوں کا پھیلنا مطلب یہ ہی کہ اگر کبھی عارف کی زبان القاء افادات و اظہار واردات کیلئے کھلتی ہے جس سے روحانی فیض اس کا پھیلنے لگتا ہے تو اسوقت تمام عالم بیقدر اور ہیچ معلوم ہونے لگتا ہے خود

اسکی عظمت کے سامنے بھی اور اس لئے بھی کہ اس کلام سے دوسرے عالم کی عظمت ظاہر ہوتی ہے آگے جسم کا لاشی ہونا روح کے مقابلہ میں اس غرض سے بیان کرتے ہیں کہ اہل اللہ کو صرف جسمیت کی حیثیت سے نہ دیکھا جاوے جیسا آگے عنقریب شعر اخیر نیست صورت میں اسکی تصریح بھی ہے پس فرماتے ہیں کہ) ایسی روح (جسکا بیان ہوا) کیا لائق تن ہے (آگے شاعرانہ خطاب ہے کہ) ہاں اسے تن تو اس جان سے دونوں ہاتھ دھو ڈال (یعنی اسکو چھوڑ دے) اے تن جو کہ روح کا خانہ ہو رہا ہے (جتنا تونے اسکو اپنے اندر رکھا یہ رکھنا) بہت ہے (بس اب) کہانتک دریا ایک مشک میں مقام کر سکتا ہے (اس سے مقصود یہ نہیں کہ تو روح کو چھوڑ دے بلکہ شاعرانہ پیرایہ میں دونوں کا متناسب نہونا یعنی روح کا اعلیٰ اور جسم کا ادنیٰ ہونا بتلاتے ہیں آگے پھر وہی مضمون ہے آفتاب دیکے ذرہ او اسپر اسی مضمون کی تفریع ہے جو انجنیں جلسے میں مذکور ہوا تھا یعنی) اے (روح عارف کہ گویا) ہزاروں جبریل ہیں بشر کے اندر (اور) اے (روح عارف کہ گویا) بہت سے مسیح نہاں ہیں جوف خر میں (کہ مثال ہے تن کی اور) اے (روح عارف کہ گویا) کلیم اللہ ہیں نمد میں جو کہ خوف کی چیز ہے واقف بھی ہیں (یہ علم معرفت ہی) اور نیک و بد (یعنی نافع و مضر فی الدنیا) سے چھوٹ بھی گئے ہیں (یہ عمل بمقتضائے علم مذکور ہے اور) اے (روح عارف کہ گویا) حبیب اللہ نہاں ہیں غار تن میں (جس طرح رسول اللہ حبیب اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غار ثور میں جاکر پوشیدہ ہوئے تھے اور تو گویا) گنج ربانی ہے (جو) نہاں (ہے) مار تن میں (اور) اے (روح عارف کہ گویا) ہزاروں کعبے نہاں ہیں کنیسہ میں (ان سب اشعار میں تشبیہات روح وجسد کی ہیں وجہ تشبیہ ہر جگہ ظاہر ہے یعنی نفیس ہونا اور خسیس ہونا اور) اے (روح عارف) غلطی میں واقع کرنے والا عفریت اور ابلیس کا (کہ اس نے صرف جسم کو دیکھا کما یدل علیہ عذرہ خلقتہ من طین اس لئے غلطی میں پڑ گیا اور اے روح عارف کہ تو) لامکانی کا سجدہ گاہ (ہے) مکان میں (یعنی ملئکہ کا سجدہ گاہ بنا جنکو لامکانی کہنا بمقابلہ مکان عنصری کے ہے کہ مکان فلکی میں بوجہ کم تغیر ہونے کے ایک گونہ مشابہت ہے مجردات کے ساتھ جو حقیقۃً لامکانی ہیں اور در مکان کے معنی اس صورت میں مناسب ہیں کہ فی الارض لئے جاویں جیسا کہ ایک قول مشہور ہے کہ سجدہ قبل دخول جنت کے ہوا تھا اور اس پر اگر شبہ ہو کہ پھر اباء عن السجدہ کے بعد شیطان سے کہا گیا فاخرج منہا جس سے ظاہراً معلوم ہوتا ہے کہ سجدہ جنت میں تھا اسکا جواب یہ ہو سکتا ہے کہ ممکن ہے کہ اہل سموات سے سجدہ وہاں ہی کرایا گیا ہو اپنے کو ادھر متوجہ کر کے ساجد ہونے سے اور اباء عن السجدہ کی وجہ سے اسکو سموات سے خارج کر دیا گیا ہو واللہ اعلم اے روح) ابلیسوں کی دکان تجھ سے ویران ہو گئی (اور ویران اس لئے ہوئی کہ اس نے کہا) کہ میں اس مٹی کی خدمت (اور تعظیم) کیوں کروں (اور) ادنیٰ درجہ کی صورت کا لقب دین کیوں کروں (دین سے مراد دینی لقب یعنی سجدہ گاہ مثلاً پس اس سے مطرود ہو گیا یہی ویرانی ہے دکان کی مولانا ابلیس کا رد فرماتے ہیں کہ اے احمق) یہ صورت (محض) نہیں ہے آنکھ کو اچھی طرح مل تاکہ تو شعاع نور جلال کو دیکھے (کہ وہ روح ہے جو مثل شعاع کے ظل ہے نور حقیقی کا)۔

ف آگے پھر عود ہے قصہ کی طرف۔

باز آمدن بقصّہ شاہزادہ و ملازمت او بخدمت شاہ

شاہزادہ پیش شہ حیران این　　ہفت گردوں دیدہ در یک مشت طین

شاہزادہ بادشاہ کے سامنے اہیں حیران تھا　　اس نے ایک مشت گل میں ہفت آسمان دیکھے

ہیچ ممکن نے ببحثے لب کشود　　لیک جان با جان دمے خامش نبود

بحث میں لب کھولنا ذرا ممکن نہ تھا　　لیکن جان جان کی ساتھ ایک ساعت بھی خاموش نہ تھی

آمدہ در خاطرش کین بس خفی ست　　این ہمہ معنی ست پس صورت ز چیست

اسکے خطرہ میں یہ بات آئی کہ یہ نہایت مخفی ہے　　یہ سب باطن ہے صورت کس غرض سے ہے

صورتے از صورتت بیزار کن　　خفتۂ خفتہ را بیدار کن

یہ ایک صورت ہے تجکو صورت سے بیزار کرنیوالی　　ایک خفتہ دوسرے خفتہ کو بیدار کرنے والا

آں کلامت می رہاند از کلام　　واں سقامت می جہاند از سقام

وہ کلام تجکو کلام سے چھڑاتا ہے　　اور وہ مرض تجکو مرض سے نکال دیتا ہے

پس سقام عشق جان صحت است　　رنجہایش حسرت ہر راحت است

پس بیماری عشق صحت کی جان ہے　　اس کے رنج ہر راحت کا رشک ہیں

اے تن اکنوں دست خود از جان بشو　　ور نمی شوئی جز این جانے بجو

اے جسم اب اپنا ہاتھ روح سے دھو　　اور اگر نہیں دھوتا تو اس کے سوا اور جان تلاش کر

شاہزادہ بادشاہ کے سامنے اہیں حیران تھا (کہ) اس نے (وہاں) ایک مشت گل (یعنی تن شاہ) میں ہفت آسمان دیکھے (یعنی روح کامل دیکھی جو بمنزلہ ہفت گردوں بلکہ مجموعہ عالم کے بلکہ اس سے بھی افضل ہے جیسا اس سرخی سے

اوپر کے اشعار میں مذکور ہوا جنمیں یہ مضمون طین کا بھی ہے اور یہ حالت دیکھکر اُس کے دل میں سوال پیدا ہوتا تھا
جسکا ذکر تیسرے شعر میں ہے آمدہ درخاطرش مگر ہیبت کے مارے جسکا سبب علاوہ اُسکی ظاہری عظمت سلطنت کے
اُسکی کاملیت کا مشاہدہ بھی تھا بحث (و سوال) میں لب کھولنا ذرا ممکن نہ تھا لیکن (شہزادہ کی) جان (شاہ کی)
جان کے ساتھ ایک ساعت بھی خاموش نہ تھی (یعنی اُس کے دل میں سوال پیدا ہوتا تھا جسپر بادشاہ مطلع ہوتا تھا
یہ معنی ہیں خاموش نہ ہونیکے پھر خواہ اُس نے اپنے تصرف سے کوئی جواب اس کے قلب میں القا کیا ہو مثلاً دہی جواب
جو مولانا آگے نقل کرینگے تو اس صورت میں جان با جان خامش نبود دونوں طرف سے ہوجاویگا یا نکیا ہو اور ظاہر یہی ہے
بقرینہ عدم نقل جیسا میرے ترجمہ میں اس ہی ظاہر کو اختیار کیا گیا ہے تو اس صورت میں جان با جان خامش نبود
ایک جانب سے ہوجاویگا اور مولانا کا جواب دینا باقتضائے مقام ہوجاویگا اور وہ سوال یہ تھا کہ) اس کے خطرہ میں
یہ بات آئی کہ یہ (مسئلہ) نہایت خفی ہے (جسکا بیان آگے ہے یعنی یہ بات کہ) یہ سب (جو کہ ہفت گردوں کا جامع
بالتفسیر المذکور آنفاً دیکھا جاتا ہے) باطن (اور روح) ہے (کہ یہ وسعت اور جامعیت اُسی میں ہے پس جز مقصود انسان
میں وہی ہوا تو) صورت کس غرض سے ہے (اس لئے کہ اس صفت میں صورت کو کوئی دخل نہیں تو اگر روح کے تعلق سے
تن جسم کے ساتھ کیا فائدہ ہوا یہ سوال ہے آگے مولانا اسکا جواب دیتے ہیں کہ اس سوال منقول کو دیکھکر شاید اور کسی کو
بھی سوال پیدا ہو پس فرماتے ہیں کہ) یہ ایک صورت ہے تجھکو صورت سے بیزار کرنیوالی (جو ظاہر میں ایسا ہے کہ گویا)
ایک خفتہ دوسرے خفتہ کو بیدار کرنیوالا (خفتہ سے تشبیہ دی صورت کو کہ اصل صفت اُسکی غفلت ہے اور بیداری
اُس میں تعلق روح کے واسطہ سے آئی ہے مگر باوجود اس کے بھی اقتضائے بشریت سے اُس صفت اصلیہ کا اثر اُس
میں کم و بیش رہتا ہے اس لئے اُسکو خفتہ سے تشبیہ دی گئی اسمیں صورت کا فائدہ بیان کیا ہے جنکا حاصل یہ ہے
کہ عوام کو روح کامل سے اگر وہ بدن سے مجرد ہوتی بوجہ عدم مناسبت کے فیض نہ ہو سکتا جیسا عامہ کو کاملین اموات
سے نہیں ہوتا اب ان میں ما بہ الاشتراک صورت ہے جس سے باہم مناسبت ہو گئی فیض ممکن ہوا جسکا حاصل بیزاری
از صورت اور بیداری از غفلت ہے پس صورت ہے جو یہ بیزاری ہو رہی ہے جسپر سوال دال ہے یہ اس صورت ہی کا
طفیل ہے اور غفلت ہے جو یہ بیداری ہو رہی ہے جس سے سوال ناشی ہوا ہے یہ اس خفتہ ہی کی بدولت ہے اور اسی اشتراط
مناسبت کی بنا پر حق تعالیٰ نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات ممتن بہا میں من انفسکم بڑھایا ہے
آگے اسی کی کچھ تفصیل ہے یعنی) وہ کلام (جو کہ اُسکی صورت سے صادر ہوتا ہے اور مشتمل ہوتا ہے ارشاد پر) تجھکو کلام
(مانع عن المقصود) سے چھڑاتا ہے (ورنہ روح کا کلام کہاں سنا جاتا) اور وہ مرض (عشق جو کہ اُس کے جسم کو لاحق ہوتا
ہے) تجھکو مرض (باطنی) سے نکال دیتا ہے (اور جس عشق سے دوسرا متاثر ہوتا ہے وہی ہے جس کے آثار کا دوسرے
کو بھی ادراک ہو مثل غلبہ مواجید و احوال اور اس میں بوجہ ان کے صفات نفس ہونے کے جسم کی بھی شرکت ہے بخلاف
روح محض کے کہ اُس کا عشق اور اُس کے آثار ادراس لطیف ہیں چنانچہ کاملین پر جب اُسکا غلبہ ہوتا ہے عوام الناس اُس
حالت میں ان کے کمال کو نہیں پہچان سکتے پس مستفید بھی نہ ہوتے یہاں تک جواب ہو گیا آگے اس شبہ کا دفع ہے کہ

کیا عشق بیماری ہے جیسا تم کہتے ہو جواب دیتے ہیں کہ گو ظاہر ادہ بیماری ہے کما قال ۱۸ طبا لیکن جب اس میں یہ اثر ہے کہ می جہاند از سقام) پس (یہ) بیماری عشق (باعتبار اسی اثر کے تو صحت کی (بھی) جان ہے (کیونکہ صحت سے اصلی غرض راحت ہے اور) اس کے رنج (و غموم) ہر راحت کا رشک ہیں (چنانچہ مشاہد بھی ہے کہ جسقدر تعلق مع اللہ بڑھتا جاتا ہے راحت میسر ہوتی ہے پس اس غایت کے اعتبار سے وہ مرض صحت سے افضل ہوا پھر اگر کسی فن کی اصطلاح پر اسکو مرض کہا جاوے تو کیا مضائقہ اور کیا محل شبہ ہوا چونکہ ابھی مضمون جواب میں بھی اور سرخی سے پہلے بھی روح کی فضیلت ثابت ہوئی ہے اور مجموعہ مقامین سے جسم عوام کا بیقدر ہونا بھی کیونکہ اشعار مقام میں خواص کے تو جسم کی بھی برکت بیان کی ہے آگے بطور تفریع کے جسم محبوب کو خطاب ہے کہ) اے جسم اب اپنا ہاتھ روح سے دھو (یعنی روح کو اپنا مست سمجھ اور اسکو چھوڑ) اور اگر نہیں دھوتا تو اس کے سوا اور جان تلاش کر (جس میں یہ بھی داخل ہے کہ اسکی اصلاح کرے کہ گویا جان جدید ہوگی اور اس میں عود ہے سرخی سے تو شعر قبل کے شعر کی طرف انجنیں جانئے الخ آگے پھر قصہ ہے)۔

دربیان نوازش واحترام شاہ چین شاہزادہ غریب را

حاصل آں شہ نیک او را می نواخت
حاصل یہ کہ وہ بادشاہ اسپر خوب نوازش کرتا تھا

او ازاں خورشید چوں مہ میگداخت
وہ اس خورشید سے چاند کی طرح گھلتا تھا

آں گداز عاشقاں باشد نمو
عشاق کا وہ گداختہ ہونا نمو ہے

ہمچو ماہ اندر گدازش تازہ رو
ماہ کی طرح گدازش میں بھی تازہ رو ہیں

جملہ رنجوراں دوا دارند امید
تمام مریض دوا کی امید کرتے ہیں

نالد ایں رنجور کم افزوں کشید
یہ مریض نالہ کرتا ہے کہ میرا اور افزوں کردو

جملہ رنجوراں دوا جویند وایں
تمام مریض دوا تلاش کرتے ہیں اور یہ

رنج افزوں جوید و رنج وحنیں
رنج افزوں اور درد اور نالہ تلاش کرتا ہے

خوبتر زیں سم ندیدم شربتے
میں نے اس زہر سے خوبتر کوئی شربت نہیں دیکھا

زیں مرض خوشتر نباشد صحتے
اس مرض سے خوشتر کوئی صحت نہیں دیکھی

زیں گنہ بہتر نباشد طاعتے
اس گناہ سے بہتر کوئی طاعت نہ ہوگی

سالہا نسبت بدیں دم ساعتے
بہت سے برس اس دم کی نسبت ایک ساعت ہیں

مدتے بد پیش آں شہ زیں نسق
ایک مدت تک بادشاہ کے سامنے اسی طرح رہا

دل کباب و جان نہادہ بر طبق
دل کباب اور جان طبق پر رکھی تھی

گفت شاہ از ہر کسے یک سر برید
کہنے لگا کہ بادشاہ نے سب کا ایک ایک سر کاٹا

من ز شہ ہر لحظہ قربانم جدید
میں بادشاہ کی وجہ سے ہر وقت نیا قربان ہو رہا ہوں

من فقیرم از زر و از سر غنی
میں زر سے فقیر ہوں اور سر سے غنی ہوں

صد ہزاراں سر خلف دارد آں سنی
لاکھوں سر اسی صاحب نور نے عوض میں دئے ہیں

با دو پا در عشق نتواں تاختن
دو پاؤں سے عشق میں نہیں دوڑ سکتے

با یکے سر عشق نتواں باختن
ایک سر کے ساتھ عشقبازی نہیں کر سکتے

ہر کسے را خود دو پا و یک سرست
ہر شخص کے دو پاؤں اور ایک سر ہے

با ہزاراں پا و سر تن نادرست
ہزاروں پاؤں سر کے ساتھ کوئی تن نادر ہے

زیں سبب ہنگامہا شد کل ہدر
اسی سبب سے کل ہنگامے بے رونق ہو گئے

ہست ایں ہنگامہ ہر دم گرم تر
یہ ہنگامہ ہر وقت زیادہ رونق پر ہے

معدن گرمی ست اندر لامکاں
گرمی کا معدن لامکان میں ہے

ہفت دوزخ از شرارش یک دخاں
ہفت دوزخ اسکے شرارہ کا ایک دھواں ہے

حاصل یہ کہ وہ بادشاہ اس پر خوب نوازش کرتا تھا (اور) وہ اس خورشید (عشق) سے (جسکو نہ ظاہر کر سکتا تھا نہ تحمل کر سکتا تھا) چاند کی طرح (کہ شمس کے قرب سے اسکو محاق ہوتا ہے) گھلتا تھا (آگے مولانا عشق حقیقی کے خواص بیان

کرتے ہیں کہ) عشاق کا وہ (ظاہرا جسماً) گداختہ ہونا (باطناً وروحاً) نمو ہے (اور وہ) ماہ کی طرح گدازش میں بھی تازہ رہیں (کہ وہ محاق سے بھی نہیں گھبراتا جسکے بعد ہی بدر ہونے لگتا ہے یہ مثال ہر صرف توضیح کے لئے مدار اثبات اس پر نہیں ہے جسپر کوئی شبہ کیا جاوے کہ بدریت تو بعید ہونے سے ہوتی ہے) تمام مریض دوا کی امید (یعنی استدعا) کرتے ہیں (اور) یہ مریض (عشق حقیقی) نالہ کرتا ہے کہ میرا (مرض) اور افزوں تر گردد (اور یہ ظاہر بھی ہے کہ عاشق حق محبت میں زیادتی ہی چاہتا ہے) تمام مریض دوا تلاش کرتے ہیں اور یہ (مریض عشق) رنج افزوں اور درد اور نالہ تلاش کرتا ہے میں نے اس زہر سے خوبتر کوئی شربت نہیں دیکھا (اور) اس مرض سے خوش تر کوئی صحت نہیں دیکھی (جیسا سرخی سے پہلے بھی فرمایا ہے پس مقام عشق جان صحت ست الخ) اس گناہ سے بہتر کوئی طاعت نہو گی (گناہ باعتبار زعم منکران باطن کے کہا کہ وہ ہمیشہ عشاق کے افعال غامضہ پر مخالفت شرع کے اعتراضات کرتے رہتے ہیں) بہت سے برس اس دم (یعنی سخن یا افسون عشق) کے نسبت ایک ساعت ہیں (یعنی اگر عشق میں برس بھی گذر جاویں بوجہ سیری نہ ہونے کے وہ ایک ساعت معلوم ہوتی ہے آگے پھر قصہ ہے کہ) ایک مدت تک بادشاہ کے سامنے اسی طرح رہا کہ دل کباب (تھا) اور جان طبق پر رکھی تھی (یعنی جانبازی پر آمادہ تھا چنانچہ عنقریب آتا ہے کہ وہ جلدی ہی مر بھی گیا) اپنے دل میں کہنے لگا کہ بادشاہ نے سب کا ایک ایک سر کاٹا (جیسا اوپر مع توجیہ کے مضمون آچکا ہے کہ جو کوئی لڑکی کا نام لیتا تھا اس کا سر کاٹ ڈالتا تھا اور) میں بادشاہ کی وجہ سے ہر وقت نیا قربان ہو رہا ہوں (یعنی ایک بار قربان ہو کر پھر دوبارہ ہوتا ہوں اور یہ بہ نسبت سابق کے جدید ہوگا یہ وہ مضمون ہے ؎ کشتگان خنجر تسلیم را الخ آگے بلسان شہزادہ مقولہ ہے عاشق حقیقی کا یعنی) میں زر سے فقیر ہوں (کہ زر ندارم) اور سر سے غنی ہوں (کہ سرہا دارم و ہر دم فدایش میکنم آگے اس فدا کی علت ہے کہ فدا کیوں نہ کروں کیونکہ) لاکھوں سر اسی صاحب نور نے عوض میں دئے ہیں (یہ فدا مجاہدہ و فنا ہے اور خلف دادن مشاہدہ و بقا ہے آگے مجاہدہ و فنا میں عاشق کی ترقی کرنے کا مضمون ہے کہ صرف) دو پاؤں سے عشق میں نہیں دوڑ سکتے (بلکہ ہمہ تن مجاہدہ بننا ضرور ہے اور) ایک سر کے ساتھ عشق بازی نہیں کر سکتے (بلکہ سراپا فنا ہو جانا چاہیے معمولی طور پر) ہر شخص کے دو پانوں اور ایک سر ہے (اور) ہزاروں پاؤں کے ساتھ کوئی تن نادر ہے (اس نادر کا مصداق عاشق ہی ہے آگے اس پر تفریع ہے کہ) اسی سبب (اور فرق مذکور) سے کل ہنگامے بے رونق ہو گئے (اور) یہ ہنگامہ (عشق) ہر وقت زیادہ رونق پر ہے (مطلب یہ کہ اور رونکی طلب و شوق بوجہ شہوانی ہونے کے شہوت کے افسردہ ہو جانے سے یا حسن کے سرد ہو جانے سے منتہی ہو جاتی ہے اور دو پا و یک سر اسی قوی جسمانیہ کی طرف اشارہ ہے اور عشق حقیقی متزاید رہتا ہے آگے گرم تر ہونے کی وجہ بتلاتے ہیں کہ انکی گرمی ہونے کا سبب یہ ہے کہ اس) گرمی کا معدن لامکان میں ہے (یعنی اسکا تعلق حضرت حق سے ہے جسکا جمال غیر فانی اور ہر کہ اسکی روح ہے جسمیں ذہول نہیں یا یہ کہ وہ گرمی لامکان اور عالم غیب سے عطا ہوتی ہے بلا انقطاع ان دونوں وجہ سے وہ عشق متزاید ہے اور وہ گرمی عشق ایسی ہے کہ) ہفت دوزخ اس کے شرارہ کا ایک دھواں ہے (یعنی اس کے سامنے نار دوزخ بھی ضعیف ہے جیسا آگے حدیث آتی ہے پس اور دنیوی گرمی تو اس کے سامنے کیا ہو گی من الشہوۃ والغضب

اس سے مضمون زین سبب الخ متاید و واضح ہوگیا)۔

دربیان حدیث جزیا مؤمن فان نورک اطفاء ناری

(آوردہ فی المقاصد الحسنہ باب لتا ، مرفوعًا بلفظ تقول النار للمومن یوم القیمۃ جزیا مؤمن فقد اطفاء نورک لھبی عن الکبیر للطبرانی وکامل ابن عدی ونوادر الاصول للحکیم الترمذی واحد الرواۃ فیہ منصور بن عمار قال فیہ بعضھم انہ لیس بالقوی وقال بعضھم منکر الحدیث وقال بعضھم فی الحدیث ارجوان یکون صحیحا اھ ملخصًا بمعناہ)

زآتش مومن ازیں رو اے صفی — می شود دوزخ ضعیف و منطفی

اسی سبب سے اے برگزیدہ آتش مومن سے — دوزخ بھی ضعیف اور بجھنے والی ہوجاوے گی

گویدش بگذر سبک اے محتشم — ورنہ ز آتشہائے تو مرد آتشم

اس سے کہے گی کہ اے محتشم جلدی سے گذر جا — ورنہ تیری آتش سے میری آتش اب بجھی

کفر کہ کبریت دوزخ اوست بس — بین چہ می بچپاند اورا این نفس

کفر جو کہ دوزخ کی کبریت وہی ہے اور بس — دیکھ لے اسکو کس طرح پژمردہ کردیتا ہے اسوقت

کفر کان کبریت نار دوزخ ست — بین کہ چوں میرد ازو اے خودپرست

کفر جو کہ نار دوزخ کی کبریت ہے — دیکھ لے کہ اس سے کس طرح بجھ جاتا ہے اے خودپرست

زود کبریتت بدیں سودا سپار — تانہ دوزخ بر تو تازد نے شرار

تو اپنی کبریت اس طرف سپرد کردے — تاکہ نہ دوزخ تجھپر دوڑے نہ شرر

گویدش جنت گذر کن ہمچو باد — ورنہ گردد ہرچہ دارم من کساد

اس سے جنت بھی کہے گی توہوا کی طرح گذر جا — ورنہ جو کچھ میں رکھتی ہوں وہ سب بے رونق ہوجاویگا

کہ تو صاحب خرمنی من خوشہ چیں	**من بتے ام تو ولایتہائی چیں**
کیونکہ تو صاحب خرمن ہے میں خوشہ چین ہوں	میں بت ہوں تو ولایات چین ہے
ہست لرزاں زو جحیم و ہم جناں	**نے مراایں را لنے مراو راز واماں**
اس سے لرزاں ہے جہنم بھی جنت بھی	اس سے نہ اسکو امان ہے نہ اسکو

اسی سبب سے (کہ اوپر مذکور ہوا معدن گرمی ست الخ) اسے برگزیدہ آتش مومن سے (کہ نور عشق ہے) دوزخ بھی ضعیف اور بجھنے والی (یعنی بجھنے کے قریب) ہو جاویگی (جبکہ وہ صراط پر سے گذریگا اور دوزخ) اس سے کہیگی کہ اے محتشم جلدی سے گذر جا ورنہ تیری آتش سے میری آتش اب بجھی (اور اسکا نمونہ خود دنیا میں مشاہدہ میں آتا ہے جس سے حدیث کی مزید تائید ہوتی ہے وہ یہ کہ) کفر جو کہ دوزخ کی کبریت وہی ہے اور بس (کہ کبریت جسطرح جالب النار و آتشگیر ہے اسی طرح کفر ہے) دیکھ لے (کہ مومن کا نور) اسکو کس طرح پژمردہ کر دیتا ہے اسوقت (یعنی دنیا میں چنانچہ مومن کامل کی صحبت سے بشرط کسیقدر قابلیت کے صدہا کفار مومن ہو گئے اور ہوتے ہیں پس جب کفر جو کہ دوزخ معنوی ہے اس کے سامنے مضمحل ہو جاتا ہے اگر دوزخ صوری بھی اسی طرح مضمحل ہو جاوے تو تعجب کیا ہے فی الغیاث بخس بفتح اول و سکون خائے معجمہ پژمردہ و گداختہ آگے بھی اسی کی تاکید ہے کہ) کفر جو کہ نار دوزخ کی کبریت ہے دیکھ لے کہ اس (نور مومن) سے کس طرح بجھ جاتا ہے اسلئے خود پرست (آگے اس سے ایک فائدہ مستنبط کر کے اسکو اس پر متفرع فرماتے ہیں کہ) تو اپنی کبریت (وہستی) اس طرف (یعنی صاحب عشق و معرفت کے ہاتھ میں) سپرد کر دے تاکہ (وہ اس کے فیض سے گداختہ ہو کر فنا ہو جاوے اور پھر مادۂ آتشگیر کے نہ رہنے کے سبب) نہ دوزخ تجھپر دوڑے نہ شرر (اوپر تو اس کے نور کا اثر باعتبار جہنم کے بیان فرمایا تھا جو دلیل جزئی سے ثابت ہے آگے اسکا اثر باعتبار جنت کے فرماتے ہیں جو کہ دلیل کلی سے ثابت ہے یعنی) اس (عاشق) سے جنت بھی (بزبان حال) کہے گی (کہ) تو (مجھسے) ہوا کی طرح گذر جا ورنہ جو کچھ میں رکھتی ہوں وہ سب بے رونق ہو جاویگا کیونکہ تو (تشبیہا) صاحب خرمن ہے (اور) میں خوشہ چین ہوں (اور) میں بت ہوں (اور) تو ولایت چین ہے (جہاں بہت سے صنم مجتمع ہیں) مطلب اسکا یہ ہے کہ تو مجھسے زیادہ مظہر جمال و کمال حق ہے اور مجھ میں اور تجھ میں تفاوت امثلہ مذکورہ کا سا ہی ہے اور اس سے زیادہ ایک واضح مثال احقر کے ذہن میں آئی ہے اور وہ بھی حق تعالیٰ کی موہبت مولانا کے خدمت کلام کی برکت سے ہے وہ یہ کہ جنت ایک گھر ہے اور اہل جنت خصوص مقربین مثل مکرم مہمان کے و یدل علیہ قولہ تعالیٰ جنات الفردوس نزلا اور ظاہر ہے کہ ایسا مہمان اشرف ہوتا ہے گھر سے اور قواعد شرعیہ سے یہ بات بالکل ظاہر ہے کہ انبیاء و اولیاء نسبتہ جنت سے افضل ہیں اور مدار اس افضلیت کا وہی نور خاص حق ہے جو اسکو عطا ہوا ہے پس اسی نور کے سبب یہ نار پر بھی غالب ہے جیسا اول بیان کیا اور جنت سے بھی افضل ہے جیسا آخر میں بیان کیا اور گو یہ قول جنت کا کہیں منقول نہیں مگر بطور تمثیل کے

اس افضلیت کو اس عنوان سے تعبیر کیا یعنی اگر جنت ایسا کہتی تو اس کہنے سے جس افضلیت پر دلالت ہوتی وہ افضلیت دلائل سے ثابت ہے اسی لئے بندہ نے اس شعر کے ترجمہ میں زبان حال کا لفظ بڑہا دیا اور یہ توجیہ کہ نہایت ہی سہل ہے بہت پریشانی کے بعد ذہن آئی وللہ الحمد الذی جعل مع العسر یسرا۔ آگے مجموعہ حالین جنان و نیران بالنسبۃ الی العارف کا حاصل بیان فرماتے ہیں کہ) اس سے لرزاں ہے جہنم بھی جنت بھی اس سے نہ اسکو امان ہے اور نہ اسکو (یعنی لرزہ سے امن ہے اور مراد اس مقولہ نار و جنت سے وہی اظہار اپنے ضعف کا اور اقرار اسکی عظمت کا آگے پھر قصہ ہے)

وفات یافتن برادر بزرگ آن شاہزادگان

رفت عمرت چارہ را فرصت نیافت
اسکی عمر گذر گئی علاج کی فرصت نہ پائی

صبر بس سوزاں بد و جاں بر نتافت
صبر بہت سوزاں تھا اور جان برداشت نہ کر سکی

مدتے دنداں کناں ایں میکشید
ایک مدت تک ترساں اسکو جھیلتا رہا

نارسیدہ عمر او آخر رسید
بے پہونچے اسکی عمر ختم کو پہونچی

صورت معشوق از و شد در نہفت
صورت معشوق کی اس سے اختفار میں ہو گئی

رفت و شد با معنی معشوق جفت
گیا اور یعنی معشوق کے قرین ہو گیا

گفت لبسش گر ز شعر ششتر ست
کہا کہ اگر اس کا لباس شہر ششتر کے ریشمی کپڑے کا ہے

اعتناق بے حجابش خوشتر ست
اس کا معانقہ بلا حجاب زیادہ خوش ہے۔

من شدم عریاں ز تن او از خیال
میں تن سے عریان ہو گیا وہ خیال سے

می خرامم در نہایات الوصال
میں نہایات الوصال میں خراماں جا رہا ہوں

ایں مباحث تا بدینجا گفتنی ست
یہ مباحث یہاں تک تو کہنے کے قابل ہیں

ہرچہ آید زیں سپس بنہفتنی ست
اسکے بعد جو کچھ آتا ہے وہ چھپانے کے قابل ہے

گر بکوشی ور بگوئی صد ہزار
اگر تو لاکھ کوشش کرے اور اگر تو لاکھ کہے

ہست بیکار و نگردد آشکار
تو محض بے کار ہے اور وہ ظاہر نہ ہوگا

تا بدریا سیر اسپ و زیں بود
لب دریا تک تو اسپ اور زین کی سیر ہوتی ہے

بعد ازانت مرکب چوبیں بود
اسکے بعد تیرا مرکب چوبین ہوتا ہے

مرکب چوبیں بخشکی ابتر ست
مرکب چوبیں خشکی میں محض ضائع ہے

خاص آں دریائیاں را رہبر ست
خاص اُن دریائیوں کے لئے وہ رہبر ہے

ایں خموشی مرکب چوبیں بود
یہ خاموشی مرکب چوبیں ہے

بحریاں را خامشی تلقیں بود
دریائیوں کے لئے خاموشی تلقین ہوتی ہے

ہر خموشی کاں ملولت می کند
جو خموشی تجھکو ملول کرتی ہے

نعرہاے عشق زاں سو می زند
اُس طرف سے عشق کے نعرے لگا رہی ہے

تو ہمی گوئی عجب خامش چرا ست
تو تو یوں کہہ رہا ہے کہ عجب بات ہی یہ خاموش کیوں ہے

او ہمی گوید عجب گوشش کجا ست
وہ کہہ رہا ہے کہ عجب بات ہے اسکا کان کہاں ہے

من ز نعرہ کر شدم او بے خبر
میں نعرہ سے بہرا ہوگیا وہ بے خبر ہے

تیز گوشاں زیں سمر ہستند کر
تیز گوش اس قصہ سے بہرے ہیں

آں یکے در خواب نعرہ میزند
وہ ایک شخص خواب میں نعرہ مار رہا ہے

صد ہزاراں بحث و تلقین میکند
لاکھوں بحث و تلقین کر رہا ہے

ایں نشستہ پہلوے او بے خبر
یہ شخص اُس کے پہلو میں بے خبر بیٹھا ہے

خفتہ خود آنست و کر زاں شور و شر
خفتہ خود یہ شخص ہے اور اُس شور و شر سے بہرا

واں کسے کش مرکب چوبیں شکست
اور جس شخص کا مرکب چوبیں بھی شکستہ ہوگیا

غرقہ شد در آب او خود ماہی ست
وہ پانی میں غرق ہوگیا وہ خود ماہی ہے

نہ خموش ست و نہ گویا نادریست
نہ خاموش ہے اور نہ گویا ہے ایک نادر چیز ہے

حال او را در عبارت نام نیست
اُس کے حال کا عبارت میں کوئی نام نہیں -

نیست زیں دو ہر دو ہست آں بوالعجب
ان دونوں میں سے نہیں اور یہ دونوں ہے وہ بوالعجب

شرح ایں گفتن بروں ست از ادب
اسکی شرح کہنا ادب سے خارج ہے

ایں مثال آمد رکیک و بے ورود
یہ مثال رکیک اور غیر قابل ورود ہے

لیک در محسوس زیں بہتر نہ بود
لیکن محسوس میں اس سے بہتر نہیں تھی

حاصل آں شہزادہ از دنیا برفت
حاصل یہ کہ وہ شہزادہ دنیا سے چلا گیا

جانش پر درد و جگر پر سوز تفت
اس حالت میں کہ اُسکی جان پر درد تھی اور اُسکا جگر پرسوز گرم تھا

اُسکی عمر گذر گئی (اور) علاج (یعنی تدبیر وصال) کی فرصت نہ پائی۔ صبر (وضبط) بہت سوزاں تھا اور جان (اُسکی) برداشت نہ کرسکی۔ ایک مدت تک ترساں (کذا فی الغیاث فی معنی دندان کناں بضم کاف آنکہ غالباً بنابر آنکہ دریں حالت دنداں ظاہر می کند) اس (مشقت) کو جھیلتا رہا (مراد تک) بے پہونچے اُسکی عمر ختم کو پہونچی (آگے مولانا کا مقولہ ہے کہ) صورت معشوق کی اُس سے اختفا میں ہوگئی (دنیا سے) گیا اور معنی معشوق کے ساتھ قرین ہوگیا (احقر کے ذوق میں جو کہ اسی وقت موہوب ہوا اسکی تقریر یہ ہے کہ معشوق سے مراد حق تعالیٰ اور صورت سے مراد اُس کا مظہر مثلاً دختر شاہ کہ بحکم ؎

حسن خویش از روئے خوباں آشکارا کردہ — پس بچشم عاشقاں خود را تماشا کردہ

مظہر صفت جمال حق تھی اور معنی سے مراد حق تعالیٰ کی حقیقت جو اُس مظہر میں ظاہر ہے تو مطلب یہ ہوا کہ محبوب حقیقی کا جو مظہر تھا یعنی محبوب مجازی یہ تو مرنے سے ہمیشہ کے لئے ایسا مختفی ہوگیا کہ اب مشاہدت کی امید ہی نہ رہی اور یوں وہ دختر پہلے بھی مختفی تھی لیکن احتمال تو تھا مواصلت و مواجہت کا مرنے سے وہ بھی قطع ہوگیا لیکن محبوب حقیقی کے معنی یعنی حقیقت کا قرب اُسکو میسر ہوگیا اور یہ مبنی ہے ایک حدیث پر جسکو مقاصد حسنہ میں خطیب و جعفر سراج و ابن مرزبان و دیلمی

ہجر کشتۂ عشق مع العفة وزائل نبودن عشق حرام از عاشق و عذاب بودنش برو.

وطبرانی وخرائطی وبیہقی سے کسیقدر تضعیف کے ساتھ کہ بعد تعدد طرق کے وہ ضعف شدید نہیں رہتا بایں الفاظ وارد کیا ہے من عشق فعف فکتم فصبر فمات فھو شھید کے ۔ چونکہ شہزادہ متوفی سے عفت میں کوئی اخلال نہیں ہوا اور نہ ایسا اظہار کیا جس سے محبوب یا اُس کا کوئی اہل بتاذی یا رسوا ہو اس لئے وہ اس حدیث کی رو سے شہید ہوا اور شہید جس مرتبہ کا بھی ہو حق تعالیٰ کا مقبول اور واصل ہے پس شعر میں یہ معنی مراد ہیں آگے بھی اسی کے مطابق سمجھنا چاہئے یعنی اُس نے اپنے دل میں یہ حالت دیکھکر) کہا کہ اگر اُس (معشوق حقیقی) کا لباس (کہ مظہر مجازی ہے) شہر شستر کی ریشمی کپڑے کا ہو (یعنی اگرچہ مظہر بہت ہی حسین وجمیل ہو مگر) اُس (معشوق حقیقی) کا معانقہ (یعنی قرب) بلا حجاب (یعنی بے واسطہ مظہر ومحبوب مجازی کے) زیادہ خوش ہے (اور یہ ظاہر ہے مطلب یہ کہ گو دختر کی مواصلت حلال میں اُس کے جمال کو مرآۃ جمال حق بنانا بھی مفید تھا لیکن اب بلا واسطہ اس مرآۃ کے قرب حق میسر ہو گیا یہ اُس سے بدرجہ بیشمار اچھا ہوا) میں تن سے عریاں ہو گیا (اور) وہ (تن) خیال سے (بالکلیہ اس طرح عریاں ہوا کہ اُس کے ملابس میں بھی وہ خیال نہیں رہا اسلئے بفضلہ تعالیٰ) میں (اب) نہایات الوصال میں (کہ وصال حق ہے) خراماں جا رہا ہوں (اسمیں یہ بات بتلادی کہ اگر محبت حرام ہو تو مرنے سے بھی وہ اثر اور محبوب کا خیال روح میں بسبب ملابستہ سابقہ بدن کے باقی رہتا ہے جیسے اور معاصی کا اثر رہتا ہے جس سے وہ متالم ہوتی ہے اور بخلاف محبت حلال کے چونکہ اسمیں مضطر تھا اس لئے بوجہ معصیت نہ ہونے کے اللہ تعالیٰ اسکو روح سے زائل فرما دیتے ہیں تاکہ تالم وعقوبت نہ ہو اور وہ مانع قرب نہیں ہوتا بلکہ اُس مصیبت کی وجہ سے بھی کچھ اجر ملتا ہے چنانچہ اسکو درجہ شہادت دینے سے یہ امر صاف ظاہر ہے فی الغیاث شعر نوعے از جامہ باریک ابریشمی وفیہ ششتری نوعے از دیبائے نفیس منسوب بشہر ششتر اھ چونکہ مولانا کا ذہن لفظ جفت واعتناق ووصال سے مسائل توحید کی طرف چلا گیا اور اسکا مقتضا یہ تھا کہ اسکو بیان فرماتے اور باوجود اس کے پھر نہیں بیان کیا آگے اس کے بیان نہ کرنے کے متعلق مضامین ہیں پس فرماتے ہیں کہ) یہ مباحث یہانتک تو کہنے کے قابل ہیں (کہ اہل ظاہر بھی سمجھ سکتے ہیں اور اس لئے کوئی فتنہ محتمل نہیں اور) اس کے بعد جو کچھ (ذہن میں) آتا ہے وہ چھپانے کے قابل ہے (کیونکہ وہ اسرار ذوقیہ ہیں جس سے اہل ظاہر معرا ہیں اس لئے اُن کا اظہار فتنہ ہے اور دوسرے یہ کہ اگر فتنہ کا ضرر بھی نہ ہوتا ہم کچھ نفع بھی نہیں کیونکہ جب مخاطب میں ذوق نہ ہو تو اے سامع) اگر تو (اُس کے سمجھنے کی) لاکھ کوشش کرے اور (اے متکلم) اگر تو لاکھ کہے تو (بوجہ فقدان ذوق کے وہ) محض بیکار ہے اور وہ (کبھی) ظاہر نہ ہوگا (یعنی مفہوم نہ ہوگا تو عبث ہوا تو پھر کیوں ظاہر کیا جاوے آگے اسکی مثال ہے کہ کہنا ہر جگہ مفید اور کافی نہیں ہوتا یعنی جسطرح سے کہ) لب دریا تک تو اسپ اور زین کی سیر ہوتی ہے (پھر) اسکے بعد تیرا مرکب چوبیں ہوتا ہے (یعنی کشتی کی ضرورت ہوتی ہے اسی طرح مرتبہ حال سے جو کہ مشابہ دریا کے ہے پہلے پہلے یعنی مرتبہ قال تک تو تکلم کافی ہے جو کہ مشابہ اسپ وزین کے ہے پھر اس کے بعد ذوق کی ضرورت ہے جو کہ مشابہ کشتی کے ہے اور عوام میں ذوق ہے نہیں اس لئے تکلم مناسب نہیں اور سب جانتے ہیں کہ) مرکب چوبیں خشکی میں محض ضائع ہے (کذا فی الغیاث فی معنی ابتر لیکن) خاص اُن دریائیوں کے لئے وہ رہبر ہے (اسی طرح عوام کے سامنے کہ خشکی میں ہیں اسرار ذوقیہ کو بیان کرنا ایسا ہے جیسا خشکی میں کشتی چلانا کہ وہ اسرار بھی ضائع ہونگے اور کشتی کے ساتھ

مشابہت ذوق کے لئے قرار دیگئی ہے مگر چونکہ ذوقیات کا پیش کرنا مستلزم ذوق کے پیش کرنے کو بھی ہے اس لئے یہاں ذوقیات ہیں وہی تشبیہ معتبر مان لی گئی البتہ جو دریائی یعنی اہل حال ہیں اُن کے لئے وہ اسرار ذوقیہ رہبر ہوتے ہیں آگے شعر بالا کی شرح ہے کہ ہم نے جو کہا ہے مرکب چوبین الخ اور خاص آن الخ اسکی شرح یہ ہے کہ) یہ خاموشی (یعنی ذوق) مرکب چوبیں ہے (جو اہل خشکی کے لئے بیکار ہے البتہ) دریائیوں کے لئے (یہ) خاموشی (یعنی قلت نطق یا کسی وقت محض دلالۃ حال ہی بوجہ ذوق کے) تلقین ہوتی ہے (ذوق کو خاموشی سے اس لئے تعبیر کیا کہ ذوق کا نطق بوجہ غیر مفہوم للعوام ہونیکے اُن کے اعتبار سے مثل خاموشی ہی کے ہے جیسا شعر مابعد ہر خموشی اسپر دال ہے دوسرے وہ نطق چونکہ صرف افہام اہل ذوق کے لئے ہوتا ہے اور وہ بوجہ ذوق کے اسکو جلدی سمجھ لیتے ہیں اس لئے اُس کلام میں عوام کا سا اطناب نہیں ہوتا تو اُس نطق میں خاموشی جلدی ہو جاتی ہے چنانچہ کاملین محققین بہت بہت دیر میں کوئی بات کہدیتے ہیں اور پھر خاموش ہو کر بیٹھ جاتے ہیں اس لئے بھی ذوق کو خاموشی سے تعبیر کیا باقی یہ کہ باوجود مولانا کی تفسیر کرنے کے مرکب چوبین کو خشکی کے ساتھ احقر نے ذوق کے ساتھ کہاں سے تفسیر کی سو میں نے اسکو شعر تا بدریا الخ اور شعر مرکب چوبین الخ سے سمجھا کیونکہ وہاں ذوق کے ساتھ تفسیر کرنے سے تو توجیہ صحیح ہوگی جیسا مذکور ہوا اور اگر خاموشی کے ساتھ تفسیر کی جاوے تو عبارت شعر کی یہ ہوگی کہ بعدازاں خاموشی بود و خاموشی بہ خشکی ابتر ست اور اس کے کوئی معنی محصل نہیں خصوص اس سے اوپر کے شعر کے ساتھ کوئی ربط ہی نہ ہوگا گر بکوشی الخ کیونکہ سیاق سے معلوم ہوتا ہے کہ گر بکوشی الی قولہ ہست بیکار کی شعر آئندہ دلیل ہے پس اس بنا پر یہ عبارت ہوگی کہ بوجہ عدم ذوق گفتن بیکار ست چراکہ مثل کشتی در آنجا خاموشی موقوف علیہ فہم ست و خاموشی نیست پس گفتن بیکار ست اور اسکا مہمل ہونا ظاہر ہے اور ذوق کے ساتھ مفسر کرنے میں عبارت یہ ہوگی کہ بوجہ عدم ذوق گفتن بیکار است چراکہ مثل کشتی در آنجا ذوق موقوف علیہ فہم ست و ذوق نیست پس گفتن بیکار است اور اس کا صحیح ہونا ظاہر ہے آگے بھی مضمون شعر بالا کی مزید شرح ہے یعنی) جو خاموشی (اہل ذوق کی) تجھکو ملول کر رہی ہے (کیونکہ تیرا تو یہ دل چاہتا ہے کہ بس چرخہ سا چلتا ہی رہے اور اہل کمال محض ضرورت افادہ کے لئے تکلم کرتے ہیں جو کہ قلیل ہوگا کبھی بالکل ہی نہ ہوگا اُن کا حال مبدا افادہ ہوگا اس لئے عامی شخص اُن کے اس صمت سے ظاہر ہے کہ ضرور ملول ہوگا پس فرماتے ہیں کہ وہ خاموشی) اُس طرف سے (یعنی اہل ذوق کی طرف سے) عشق کے نعرے لگا رہی ہے (یعنی نطق طویل سے زیادہ افادہ کر رہی ہے پس) تو تو یوں کہہ رہا ہے کہ عجب بات ہے یہ خاموش کیوں ہے (اور) وہ کہہ رہا ہے کہ عجب بات ہے اس کا کان کہاں ہے (کہ یہ نعرہائے عشق کو نہیں سنتا اور وہ یہی کہتا ہے کہ) میں نعرہ (عشق سننے) سے بہرا ہو گیا (اور) وہ بے خبر ہے (اور اسی کی کیا تخصیص ہے سارے اہل دنیا) تیز گوش اس قصہ سے بہرے ہیں (اور یہ عارف نعرہ گو معلوم ہوتا ہے اور یہاں نعرہ شنو قرار دیا ہے مگر چونکہ نعرہ گوئی سبب نعرہ شنوی سے ہے اور دونوں مجاور ہیں اس لئے دونوں تعبیروں کا ایک ہی حاصل ہے آگے اسکی مثال ہے کہ کوئی نعرہ کرے اور پاس والا نہ سنے مثلاً) وہ ایک شخص خواب میں نعرہ مار رہا ہے (اور) لاکھوں بحث و تلقین (خواب میں) کر رہا ہے (اور) یہ (دوسرا) شخص اسکے پہلو میں بے خبر بیٹھا ہے (پس اس اعتبار سے) خفتہ خود یہ شخص ہے اور اُس شور و شر سے بہرا (بھی یہی ہے گو یہ اُسکو خفتہ

سمجھ رہا ہے پس اسی طرح اہل حال کے نعرہ کو عامی نہیں سنتا اور گو کان سے کچھ سن بھی لیا مگر مثل نہ سننے کے اور اس کا بولنا اس کے نزدیک مثل نہ بولنے ہی کے ہے یہ تو یہی کہیگا کہ کیا ذرا سی بات کردی اس سے کیا بھلا ہوا اور یہاں تک اہل عبارات اور اہل اذواق کا ذکر تھا آگے اہل فنا و استغراق کا بیان ہے یعنی ان اہل اسپ و اہل مرکب چوبین کا تو یہ حال تھا جو مذکور ہوا) اور جس شخص کا مرکب چوبیں ہی شکستہ ہو گیا (یعنی وہ ذوق بھی فنا ہو گیا) وہ پانی میں غرق ہو گیا (یعنی مشاہدہ یا معائنہ میں وہ مستغرق ہو گیا) وہ خود ماہی (کی مثال) ہے (کہ اس کے پاس مرکب چوبیں بھی نہیں ہوتا خود دریا میں بلا واسطہ رہتی ہے اسی طرح اس شخص کی توجہ الی المحبوب میں ذوق کا بھی واسطہ نہ رہا پس یہ شخص) نہ خاموش ہے (یعنی اہل ذوق کی سی اسکی خاموشی نہیں جو مقرون مع الذوق تھی) اور نہ گویا ہے (یا تو بالکل گویا نہیں اور یا اگر غلبۂ حال میں کچھ بولتا ہے تو اسکی اہل ظاہر بلکہ اہل ذوق کی سی بھی گویائی نہیں کیونکہ قصد و اختیار بالکل مفقود ہے غرض اس اعتبار سے نہ خاموش اور نہ گویا پس) ایک نادر چیز ہے (اور) اس کے حال کا عبارت میں کوئی نام نہیں (یہ مطلب نہیں کہ اصطلاح میں اسکا کوئی نام نہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ کوئی ایسا نام نہیں کہ وہ نام اسکی حالت کی تعبیر تام کیلئے کافی ہو اور اسکی حالت کے لئے کاشف ہو جاوے غرض یہ شخص ایک اعتبار سے تو) ان دونوں میں سے نہیں (یعنی نہ خاموش اور نہ گویا کما ذکر) اور (ایک اعتبار سے) یہ دونوں ہے وہ بوالعجب (یعنی گویا بھی اور خاموش بھی یعنی گویائی اگر ہے اپنی حالت کے مناسب ہے اور خاموشی بھی اپنی حالت کے مناسب اور ان دونوں معنی کا بھی ابھی شرح قولہ نہ خموش ست و نہ گویا ذکر ہوا ہے اور گویائی کی ایک توجیہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ خاموشی میں بھی اس کا حال اپنے آثار و برکات سے دوسروں کو ارشاد کر رہا ہے پس اس دلالت کے اعتبار سے گویا وہ گویا ہے اور بوالعجب باعتبار ظاہری صورت اجتماع عدم و ملکہ یا ارتفاع عدم و ملکہ یا مجموعہ اجتماع و ارتفاع کے فرمایا احتمال اول و ثالث کا عجیب ہونا تو بوجہ امتناع کے ظاہر ہے اور احتمال ثانی اس لئے عجیب ہے کہ محل صالح سے ارتفاع عدم و ملکہ ہر دو کا ممتنع ہے بخلاف ضدین کے کہ ان کا ارتفاع جائز ہے آگے اس مقام کی تفصیل سے عذر فرماتے ہیں کہ) اس کی شرح کہنا ادب (شریعت) سے خارج ہے (کیونکہ عوام الناس سمجھیں گے نہیں اگر اعتقاد کر لیا تو علماً گمراہ ہونگے اور اگر قائل کے ساتھ انکار و ایذار سے پیش آئے تو عملاً مرتکب گناہ ہونگے اور ہر حال میں اخلال بالشریعت لازم آیا اور ایسے بہت کم ہیں کہ نہ قول کی تصدیق کریں اور نہ قائل کی تفسیق کریں اور رہا تو باوجود اس شخص کے حال کے ناقابل فہم ہونے کے اوپر جو ہم نے تشبیہ ماہی سے دی ہے اس سے شبہ قابل فہم ہونیکا نہ کرنا کیونکہ) یہ مثال رکیک اور غیر قابل ورود ہے لیکن محسوس میں اس سے بہتر نہیں تھی (خلاصہ یہ کہ اس مثال سے بھی عوام کو شبہ ہو گا کہ شاید حق تعالیٰ نعوذ باللہ مثل دریا کے ہوا اور یہ مثل ماہی کے اسکے اندر چلا جاتا ہو حالانکہ حق تعالیٰ کسی کا ظرف بننے سے یا کسی کے ساتھ حساً متصل ہو جانے سے و مثل و لک سب سے منزہ ہے اس لئے یہ مثال بھی رکیک ہے لیکن اس سے قریب کوئی مثال ملی نہیں اس لئے اہل فہم کے لئے لے آئے کہ وہ سمجھ لیں گے کہ تشبیہ میں کسی خاص وصف کا لحاظ ہوتا ہے نہ کہ تمام اوصاف کا اور یہاں وصف جو کہ وجہ تشبیہ ہے صرف وہ ہے جو بضمن تقریر شعر وان کسے کش مرکب چوبیں شکست الخ مذکور ہوئی ہے اب اوپر کے قصہ کا حاصل فرماتے ہیں) حاصل یہ کہ وہ شہزادہ

دنیا سے چلا گیا اس حالت میں کہ اُسکی جان پر دردتھی اور اُس کا جگر پر سوز گرم تھا (آگے پھر قصہ ہے)۔

آمدن برادر میانہ بجنازہ ایں برادر کہ کوچک رنجور بود نواختن پادشاہ اورا و صد ہزار اغنائیم غیبی یعنی بدر رسیدن از نظر شاہ

کوچکیں رنجور بود آں وسط — برجنازہ آں بزرگ آمد فقط

چھوٹا تو بیمار تھا اور وہ منجھلا — فقط اُس بڑے کے جنازہ پر آیا

شاہ دیدش گفت قاصد کیں کیست — کہ ازاں بحرست وایں ہم ماہی ست

بادشاہ نے اُسکو دیکھا قصداً کہا کہ یہ کون ہے — یعنی اُسی بحر سے ہے اور یہ بھی ماہی ہے

پس معرف گفت پور آں پدر — ایں برادر زاں برادر خرد تر

پس معرف نے کہا کہ یہ بھی اُسی باپ کا بیٹا ہے — یہ بھائی اُس بھائی سے چھوٹا ہے

شہ نوازیدش کہ ہستی یادگار — کرد اورا ہم بداں پرسش شکار

بادشاہ نے اُسپر نوازش فرمائی کہ تو یادگار ہے — اسی پرسش سے اُسکو بھی شکار بنالیا۔

از نوازشہائے آں شاہ وحید — در تن خود غیر جان جانے بدید

اُس نے نوازش ہائے شاہ یکتا سے — اپنے تن میں جان کے علاوہ اور ایک جان بھی دیکھی

در دل خود دید عالی غلغلہ — کہ نیابد صوفی آں در صد چلہ

اپنے دل میں ایک عالی شان غلغلہ دیکھا — جسکو صوفی سو چلہ میں بھی نہ پاوے

در دل خود یافت عالی عالمے — کاں نیابد کس بصد خلوت ہمے

اپنے دل میں ایک رفیع الشان عالم پایا — جو کہ سو خلوت سے بھی نہ پاوے

عرصه و دیوار و کوه و سنگ تافت ‌‌ پیش او چون نار خندان می شگافت

میدان و در و دیوار اور کوہ اور سنگ سب روشن ہو گیا ‌‌ اس کے سامنے مثل انار خندان کے پھٹا جاتا تھا

ذره ذره پیش او چون آفتاب ‌‌ دمبدم می کرد صد گون فتح باب

ایک ایک ذرہ اسکے روبرو مثل آفتاب کے ہو گیا ‌‌ دمبدم سو طرح کا فتح باب کرتا تھا۔

باب گه روزن شدے گاہے شعاع ‌‌ خاک گه گندم شدے و گاه صاع

باب کبھی روزن ہو جاتا کبھی شعاع بنتا تھا ‌‌ خاک کبھی گندم ہو جاتی تھی اور کبھی صاع

در نظرها چرخ بس کهنه و قدید ‌‌ پیش چشمش هر دمے خلق جدید

نظروں میں افلاک بالکل کہنہ اور گوشت خشک تھے ‌‌ اسکی آنکھ کے سامنے ہر وقت ایک خلق جدید تھی

روح زیبا چونکه وارست از جسد ‌‌ از قضا بیشک چنیں چشمش رسد

روح زیبا جب جسد سے چھوٹ جاتی ہے ‌‌ تو حکم حق سے بے شک اسکو ایسی ہی آنکھ مل جاتی ہے

صد هزاران غیب پیشش شد پدید ‌‌ آنچه چشم محرمان بیند بدید

لاکھوں امور مخفیہ اسکے سامنے ظاہر ہو گئے ‌‌ واقفین کی آنکھ جو کچھ دیکھا کرتی ہے وہ اس نے بھی دیکھا

آنچه او اندر کتب بر خوانده بود ‌‌ چشم را در صورت آن بر کشود

اس نے جو کچھ کتابوں میں پڑھا تھا ‌‌ آنکھ کو اسکی صورت میں کشادہ کر دیا۔

از غبار موکب آن شاه نر ‌‌ یافت او کحل عزیزی در بصر

اس شاہ نر کے غبار لشکر سے ‌‌ اس نے سرمہ عزیزی بصر میں پایا۔

بر چنیں گلزار دامن می کشید ‌‌ جزو جزوش نعره زن هل من مزید

ایسے گلزار پر دامن کشیدہ چلتا تھا ‌‌ اس کا ایک ایک جزو ہل من مزید کا نعرہ لگاتا تھا۔

گلشنے کز بقل روید یک دم ست
جو گلشن کہ سبزہ سے پیدا ہو وہ ایک ساعت ہے

گلشنے کز عقل روید خرم ست
جو گلشن کہ عقل سے پیدا ہو وہ تازہ ہے

گلشنے کز گل دمد گردد تباہ
جو گلشن کہ گل سے پیدا ہو وہ تباہ ہو جاتا ہے

گلشنے کز دل دمد وا فرحتاہ
جو گلشن کہ دل سے پیدا ہو وہ سبحان اللہ

علمہائے بامزہ دانستہ ماں
ہمارے مزہ دار جانے ہوئے علوم کو

زاں گلستاں یک دو سہ گلدستہ داں
اس گلستاں سے ایک یا دو یا تین گلدستہ جان

زاں زبوں یک دو سہ گلدستہ ایم
ہم اس سبب سے ایک دو تین گلدستہ کے مغلوب ہوئے ہیں

کاں در گلزار بر خود بستہ ایم
کہ اس باب گلزار کو ہم نے اپنے اوپر مسدود کر رکھا ہے

آں چناں مفتاحہا ہر دم بناں
ایسی مفتاحیں ہر وقت روٹی کے عوض میں سر انگشت سے

می فتد ایجاں دریغا از بناں
گر رہی ہیں افسوس اے جان

ور دمے ہم فارغ آرندت زناں
اور اگر کسی وقت لوگ تجھکو فارغ کر دیتے ہیں

گرد چادر گردی و عشق زناں
تو تو چادر اور عورتوں کے عشق کے گرد پھرتا ہے

باز استسقات چوں شد موجزن
پھر جب تیرا استسقا موجزن ہوتا ہے

ملک و شہری بایدت پر ناں و زن
تجھکو ایک شہر چاہیے جو نان اور زن سے پر ہو

مار بودی اژدہا گشتی مگر
تو سانپ تھا تو اژدہا بن گیا۔

یک سرت بود ایں زماں ہفت سر
تیرے ایک سر تھا اسوقت سات سر ہو گئے

اژدہائے ہفت سر دوزخ بود
اژدہا سات سر والا دوزخ ہے

حرص تو دانہ است دوزخ فخ بود
تیری حرص دانہ ہے اور دوزخ جال ہے

دام را بدراں بسوزاں دانہ را
تو جال کو پھاڑ ڈال اور دانہ کو جلا دے

باز کن درہائے نو ایں خانہ را
پھر اس بیت کے ابواب جدید کو کشادہ کر دے

چوں تو عاشق نیستی اے نرگدا
اگر تو عاشق نہیں ہے اے حریص

ہمچو کوہے بے خبر داری صدا
تو مثل پہاڑ کے بے خبر ہے محض ایک صدا رکھتا ہے

کوہ را گفتار کے باشد ز خود
پہاڑ میں گفتار اپنے سے کب ہوتی ہے

عکس غیرست آں صدا اے معتمد
وہ صدا غیر کا عکس ہوتا ہے اے معتمد

گفت تو زاں رو کہ عکس دیگریست
تیری گفتار جس طریق سے کہ دوسرے کا عکس ہے

جملہ احوالت بغیر عکس نیست
تیرے تمام احوال بغیر عکس کے نہیں ہیں

خشم و ذوقت ہر دو عکس دیگراں
تیرا خشم اور تیرا ذوق دونوں دوسروں کا عکس ہے

شادی قوادہ و خشم عواں
قوادہ کی خوشی اور پولیس کا غصہ

آں عواں را آں ضعیف آخر چہ کرد
اس سپاہی کا اس غریب نے آخر کیا بگاڑا ہے

کہ دہد او را بکینہ زجر و درد
کہ اسکو کینہ سے زجر اور تکلیف دے رہا ہے

تا بکے عکس خیال لامعہ
کب تک یہ عکس کہ خیال لامع ہے

جہد کن تا گردوت ایں واقعہ
تو کوشش کر کہ یہ تیرا واقعہ ہو جاوے

تا کہ گفتارت ز حال تو بود
تاکہ تیری گفتار تیرے حال سے ہو

سیر تو با پر و بال تو بود
تیری سیر تیری پر و بال سے ہو

صید گیرد تیر ہم با پر غیر
شکار کو تیر بھی پکڑ لیتا ہے غیر کے پر سے

لاجرم بے بہرہ است از لحم طیر
لا محالہ وہ لحم طیر سے بے بہرہ ہے

باز صید آرد بخود از کوہسار	**لاجرم شاہش خوراند کبک وسار**
باز شکار لاتا ہے خود پہاڑ میں سے	لامحالہ بادشاہ اسکو کبک اور سار کھلاتا ہے
باز باپر خود آرد صید شبک	**لاجرم شاہش خوراند لحم کبک**
بازاپنے پروں سے لاتا ہے جال کا شکار	لامحالہ بادشاہ اسکو لحم کبک کھلاتا ہے

چھوٹا (بھائی) تو بیمار تھا اور وہ منجھلا (بھائی) فقط اس بڑے (بھائی) کے جنازہ پر آیا۔ بادشاہ نے اسکو دیکھا اور قصداً کہا (باوجودیکہ کشف سے جانتا تھا) کہ یہ کون ہے یعنی (کیا یہ بھی) اسی بحر سے ہے (جس سے یہ متوفی تھا) اور (کیا) یہ بھی ماہی ہے (جیسا وہ تھا بحر سے مراد محبت اور ماہی سے محب اور مضاف الیہ اسکا بروئے کشف تو دختر اور بنا بر علی قول المعرف کہ اس نے بڑے شاہزادہ کو محب شاہ بتلایا تھا خود شاہ ہے) پس معرف نے کہا کہ یہ بھی اسی باپ کا بیٹا ہے (جسکا وہ تھا یعنی) یہ بھائی اس بھائی سے چھوٹا ہے بادشاہ نے اسپر نوازش فرمائی کہ تو (متوفی کی) یادگار ہے (اور بادشاہ نے) اسی پرسش (وعنایت) سے اسکو بھی شکار (ومسخر) بنالیا (جیسا عموماً احسان میں خاصہ ہے خصوص جس سے مقصود معشوقہ کے ملنے کی امید ہو اسکا احسان و تلطف تو اور زیادہ موثر ہے خصوص جبکہ مقصود ظاہری کے ساتھ وہاں مقصود باطنی بھی منضم ہو جاوے جو کہ دیندار کی نظر میں اعظم المقاصد ہے) اس لئے نوازش ہائے شاہ کیتا ہے اپنے تن میں جان (متعارف) کے علاوہ اور ایک جان (یعنی حیوۃ قلب) بھی دیکھی (یعنی اپنے اندر اسکی صحبت سے برکات باطنی واحوال محمودہ معاینہ کئے چنانچہ فرماتے ہیں کہ) اپنے دل میں ایک عالی شان غلغلہ دیکھا جسکو صوفی سو چلہ میں بھی نہ پاوے (جیساکہ بعض اہل تصرف کی صحبت سے ایسا ہوتا ہے گو ایسے انعکاس کو استقرار نہیں ہوتا جب تک خود مجاہدہ سے رسوخ حاصل نکرے لیکن بطور انعکاس کے مشاہدہ ایسے آثار کا ضرور ہوتا ہے اور) اپنے دل میں ایک رفیع الشان عالم (احوال وبرکات کا) پایا جو کہ سو خلوت سے بھی (صوفی) نہ پاوے (اور ان انوار انعکاسیہ سے) میدان اور دیوار اور کوہ اور سنگ سب روشن ہو گیا (اور) اس کے سامنے (یہ سب) مثل انار خنداں کے پھٹا جاتا تھا (یعنی ہر چیز مظہر صفات کمالات حق کی نظر آتی تھی اور اس میں واردات و معارف منکشف ہوتے تھے اور) ایک ایک ذرہ اس کے روبرو مثل آفتاب کے ہو گیا (اور وہ ایک ایک ذرہ) دمبدم سو طرح کا فتح باب (علوم) کرتا تھا (اور وہ) باب (علم) کبھی روزن ہو جاتا (جس میں سے شعاعیں آیا کرتی ہیں اور) کبھی (خود) شعاع بنتا تھا (یعنی کبھی تو وہ علم خود مشہود بنتا تھا اور کبھی وہ دوسرے علم کا مبدا انکشاف و واسطہ ظہور مثل روزن کے بن جاتا تھا اور) خاک کبھی گندم ہو جاتی تھی (جو کہ مقصود ہے) اور کبھی صاع (پیمانہ جو کہ مقصود کا ظرف اور موصل الی المقصود و واسطہ ہے یہ مثال ہے مضمون مصرعہ اولی کی اور اس شاہزادہ کی نظر میں

(یہ ظاہری) افلاک بالکل کہنہ اور (مثل) گوشت خشک (کے معلوم ہوتے) تھے (اور) اُسکی آنکھ کے سامنے ہر وقت ایک خلق جدید تھی (یعنی کشف عجائب ملکوت سے یہ کائنات ناسوتیہ اُسکو بقدر معلوم ہوتے تھے جیسا کہ مقصود حقیقی کی تجلی کے وقت وہ ملکوت بھی ایسا ہی معلوم ہوتا ہے اور یہاں بقرینہ لفظ خلق مقصود حقیقی مراد نہیں ہو سکتا یہ انکشاف مذکور کچھ عجیب نہیں قاعدہ ہے کہ) روح زیبا جب جسد سے چھوٹ جاتی ہے (یعنی اُسکی توجہ لذات و تعلقات جسمانیہ کی طرف مغلوب ہو جاتی ہے جیسا مجاہدہ یا صحبت کے سبب سے ایسا ہو جاتا ہے) تو حکم حق سے بیشک اُسکو ایسی ہی آنکھ مل جاتی ہے (جس سے ایسے امور کا انکشاف ہونے لگتا ہے پس اسی طرح) لاکھوں امور مخفیہ اُس (شہزادہ) کے سامنے (بھی) ظاہر ہو گئے (اور) واقفین (اسرار) کی آنکھ جو کچھ دیکھا کرتی ہے وہ اُس نے بھی دیکھا (اور) اُس (شہزادہ) نے جو کچھ کتابوں میں پڑھا تھا۔ آنکھ کو اُسکی صورت (کے مشاہدہ) میں کشادہ کر دیا (یعنی استدلالیات مشاہد و مکشوف ہو گئے حالات انفسیہ بھی کائنات آفاقیہ بھی اور) اُس شاہ نر (یعنی شاہ چین) کے غبار لشکر (کی برکت) سے اُس نے سرمۂ عزیزی (اپنی) بصر میں پایا (غبار موکب کنایہ ہے صحبت سے کیونکہ صحبت سبب ہو گی اُسکی ہمراہی میں غبار آلودہ ہونے کا بھی اور عزیزی میں یا مصدری ہے یعنی عزیز شدن اور عزیز سے مراد صاحب باطن اور وہ) ایسے (عجیب غریب) گلزار پر (یعنی باغ علوم و احوال باطنی پر جسکا اوپر ذکر ہوا) دامن کشیدہ (و خراماں) چلتا تھا (اور باوجود اس کے) اُسکا ایک ایک جزو (شدت اشتیاق سے) ھل من مزید کا نعرہ لگاتا تھا (جیسا اہل باطن طالب ترقی کے ہوا کرتے ہیں اور ممکن ہے کہ دامن کشیدن کنایہ ہو نشان محو کرنے سے کہ عادت ہے جب قدم کا نشان محو کرنا چاہتے ہیں تو دامن خوب نیچا چھوڑ دیتے ہیں کہ اُس سے وہ نشان مٹتا چلا جاوے تو گلزار سے مراد گلزار حسی یعنی باغ و بہار دنیا پر وہ جھاڑ و پھیرتا چلا جاتا تھا اور گلزار معنوی کے اشتیاق میں ترقی ہوتی جاتی تھی اور یہ گلشن معنوی ایسی ہی چیز ہے چنانچہ) جو گلشن کہ سبزہ (وغیرہ) سے پیدا ہو وہ ایک ساعت (کا) ہے (یعنی تھوڑی مدت میں پژمردہ ہو جاتا ہے اور) جو گلشن کہ عقل (عالی) سے پیدا ہو (اس العلوم والاحوال) وہ (ہمیشہ) تازہ ہے جو گلشن کہ گل سے پیدا ہو وہ (جلدی) تباہ (اور ویران) ہو جاتا ہے (اور) جو گلشن کہ دل سے پیدا ہو وہ سبحان اللہ (اور وہ گلزار علوم و احوال کا ایسا ہے کہ) ہماری (ان) مزہ دار جانے ہوئی (رسمی علوم کو اُس گلستان (معنوی) سے ایک یا دو یا تین گلدستے جان (یعنی بہت قلیل و غیر ثابت جیسے گلدستہ بہ نسبت مجموعہ باغ کے) ہم اس سبب سے (اسی) ایک دو تین گلدستہ کے مغلوب (اور مفتون) ہو رہے ہیں کہ اس باب گلزار (معنوی) کو ہم نے اپنے اوپر مسدود کر رکھا ہے (یعنی اُن علوم و احوال کے محجوب ہونے سے ان علوم رسمیہ کو بڑا کمال مایۂ افتخار سمجھتے ہیں آگے اُن کے مسدود ہونے کی وجہ بتلاتے ہیں کہ) ایسی مفتاحیں (جن سے ابواب علوم و احوال باطنہ مفتوح ہوتے ہیں) ہر وقت روٹی کے عوض میں سرانگشت سے گر رہی ہیں افسوس اے جان (روٹی سے مراد لذات و شہوات بطن یعنی طلب دنیا میں اُن علوم و احوال کے اسباب کو ضائع کر رکھا ہے اور وہ اسباب یا مجاہدہ و صحبت ہے یا نور و بصیرت جو مجاہدہ و صحبت سے حاصل ہو علی سبیل منع الخلو) اور اگر کسی وقت لوگ تجھکو فارغ کر دیتے ہیں تو (اُسوقت) تو (عورتوں کی) چادر اور عورتوں کے عشق کے گرد پھرتا ہے (یعنی شہوت فرج کی طلب میں مشغول

ہو جاتا ہے غرض ہر وقت مختلف لذات وشہوات میں مبتلا رہتا ہے اور) پھر جب تیرا استسقا (ان لذات کے متعلق) موج زن ہوتا ہے (اُسوقت) تجھکو ایک شہر چاہیئے جو نان اور زن سے پر ہو (مطلب یہ ہے کہ قدر ضروری پر بھی اکتفا نہیں ہوس پڑھتی چلی جاتی ہے تتمۂ استسقائے مذکور کے تو) تو سانپ تھا (اور اب) تو اژدہا بن گیا (پہلے) تیرا ایک سر تھا (اور) اسوقت سات سر ہو گئے (اور) اژدہا سات سر والا دوزخ ہے (کما قال تعالی لہا سبعۃ ابواب پس تو ہفت سر ہو کر مشابہ دوزخ کے ہو گیا اور) تیری (تو) حرص دانہ ہے اور دوزخ جال ہے (یعنی جسطرح دانہ سبب ہوتا ہے جال میں گرفتار ہو جانے کا اسی طرح یہ حرص وشہوت سبب ہے گرفتاری دوزخ کا اب) تو (اس) جال کو (کہ دوزخ و معاصی میں) پھاڑ ڈال اور (اس) دانہ کو (کہ حرص و رغبت ہے معاصی کی) جلا دے (اور) پھر ابن بیت (علوم و احوال مذکورہ) کی ابواب جدید تازہ شگفتہ دائمی حسب ما ذکر) کو کشادہ کر دے (کیونکہ مانع یہی امور تھے کما مر فی قولہ کان درگلزار بر خود بستہ ایم وقولہ آنچنان مفتاحہا الخ اور) اگر تو (حق تعالی کا) عاشق (و طالب) نہیں ہے (جو کہ دولت ہائے مذکورہ سے مشرف ہوتا ہی اے حریص (دنیا کما ذکر اور اس حرص کو مانع ان علوم و احوال کا نہیں سمجھتا اور اسوجہ سے اپنے علوم رسمیہ پر قانع ہی تو سمجھ لے کہ اس حالت میں) تو مثل پہاڑ کے بے خبر ہے (اور) محض ایک صدا رکھتا ہے (یعنی جسطرح پہاڑ میں جا کر کوئی بولے تو پہاڑ میں بھی اسی کی نقل پیدا ہوتی ہے مگر پہاڑ کو کچھ خبر نہیں یہی کیفیت اس حالت میں تیرے علوم کی ہے جن پر تجھکو ناز ہے کہ خود تجھکو اُن کی حقیقت کی خبر نہیں دوسروں کی نقلیں تو بھی کر رہا ہے آگے وجہ تشبیہ کی تصریح ہے کہ) پہاڑ میں گفتار اپنے سے کب ہوتی ہے وہ صدا غیر کا عکس ہوتا ہے ای معتمد (یہی حال ہے تیری علوم کا کما ذکر آنفا اور شرح اسکی یہ ہے کہ اگر وہ علوم متعلق احوال کے ہیں تب تو وہ احوال چونکہ ذوقی ہیں اُن کا علم کافی بدون اتصاف اُن احوال کے نہیں ہوتا بلکہ وہ الفاظ ہی الفاظ ہوں گے جو دوسروں سے منقول ہیں اور اگر وہ علوم متعلق عقاید کے ہیں تو اُن میں انشراح کافی محض دلائل تخمینیہ سے نہیں ہوتا ضرورت ہے نور یقین کی جو موقوف ہے اتقیا و محض للوحی و ترک رائی پر اور یہ بھی بدون اتصاف بالاحوال المذکورہ کے کامل نہیں ہوتا پس مبتلائے دنیا کے یہ علوم بھی الفاظ ہی الفاظ ہونگے جو دوسروں سے منقول ہیں اسی کو مولانا نے فرمایا ہے عکس غیرست آں صدا ای معتمد آگے اس عکسیت میں تعمیم کرتے ہیں کہ جسطرح تیرے اقوال عکس غیر ہیں اور یہ بعد تقریر مذکور کے بالکل ظاہر ہے اسیطرح تیرے احوال بھی عکس غیر ہیں اور تیرا اُنکو اپنا حال سمجھنا تیرا دھوکہ ہے پس فرماتے ہیں کہ) تیری گفتار جس طریق سے کہ دوسرے کا عکس ہے (اسی طرح) تیرے تمام احوال بغیر عکس کے نہیں ہیں (چنانچہ) تیرا خشم (یعنی سخط) اور تیرا ذوق (یعنی رضا) دونوں دوسروں کا عکس ہے (جیسے) قوادہ (یعنی دلالہ) کی خوشی اور پولیس کا غصہ (کہ دوسروں کا عکس ہے چنانچہ قوادہ اس سے خوش ہوتی ہے کہ کوئی فاسق جال میں پھنسا تو بیچ میں مجھکو بھی روپیہ ملیگا تو یہ خوشی عکس ہے اُس فاسق کی شہوانی خوشی کی کہ اسکو شوق و رغبت فعل بد کی پیدا ہوئی پس اصل مبدا اس فعل کی خوشی کا اسمیں ہے باقی اس فعل پر جو قوادہ خوش ہوئی ہو حالانکہ اس فعل میں اسکو کوئی حظ نہیں وہ اُس شخص کی خوشی سے مسبب ہے اور گو روپیہ ملنے کو اسکی خوشی کا سبب کہہ سکتے ہیں مگر وہ روپیہ ملنا بھی اُسی شخص کے فعل سے مسبب ہے پس

ہر حال میں اسکی خوشی عکس ہوئی اس شخص کی خوشی کی اور پولیس کا ظالم اہلکار کہ اکثر عوان کا اطلاق اسی پر آتا ہے
اور اقتران ذکری قوادہ کے ساتھ بھی اسکا قرینہ ہے اسکا خشم ظالمانہ اکثر طمع زر میں ہوتا ہے ورنہ ظاہر ہے کہ اس سپاہی
کا اس غریب نے آخر کیا بگاڑا ہے کہ اسکو کینہ سے زجر اور تکلیف دی رہا ہے (اگر ایسا ہوتا تو اسکا خشم اصلی اور ناشی منشأ
صحیح سے ہوتا جب یہ نہیں تو معلوم ہوا کہ طمع زر سے ہے اور اسکی حقیقت یہ ہے کہ وہ مظلوم اس سے ناراض ہے
اسوجہ سے وہ اسکو زر دینا نہیں چاہتا پس اسکی ناراضی کا عکس اسکی ناراضی ہے اور چونکہ اس مظلوم کی ناراضی کا منشا
صحیح ہے یعنی اس عوان کا ظالم ہونا اور ناحق روپیہ کی خواہش کرنا اس لئے اس کے خشم کو اصلی کہیں گے اور یوں نہ
کہیں گے کہ وہ بھی خشم عوان کا عکس کہا جا سکتا ہے کہ چونکہ عوان نے مانگا اور اس نے ندیا اس سے وہ عوان ناراض
ہوا میری تقریر سے یہ شبہ رفع ہو گیا خلاصہ یہ کہ پس اسی طرح تیرے احوال دوسروں کے عکوس ہیں اور مراد تیرے
ذوق میں احوال مخاطب سے وہ احوال ہیں جنکو مخاطب باطنی سمجھتا ہے اور مقصود اس سے اس دھوکہ کا رفع کرنا ہے
کہ اوپر جنکو خطاب کیا ہے کہ علوم و احوال باطنیہ حاصل کرو ان میں سے بعض کے اس کہنے کا احتمال تھا کہ ہمکو تو ایسے
احوال بھی حاصل ہیں کیونکہ اکثر مغروران علم اپنے کو مقدس بھی سمجھتے ہیں خصوص اگر کسی قدر تھوڑی بہت طریقت
کی طرف توجہ بھی رہی ہو تو ایسے دھوکہ کا بہت زیادہ احتمال ہے پس مولانا اسکی تحقیق کرتے ہیں کہ وہ احوال جنکا
تجھکو توہم ہوا ہے وہ محض خیالات ہیں یا تو ان احوال کے توہم کے وقت کچھ اسباب دینیہ کے ساتھ دنیوی اغراض بھی
مقترن اور عارض ہو جاتی ہیں اور وہ احوال ان سے مسبب ہوتے ہیں اور دھوکہ ہوتا ہے کہ یہ مسبب ہیں اسباب دینیہ
سے مثلاً کسی وقت نماز یا قرآن میں لطف ہوا اور اتفاق سے اسوقت کسی امیر یا محبوب نفسانی کا قرب ہے اصل حظ
اس سے ہے مگر اسکو شبہ ہو گیا کہ نماز یا قرآن سے ہے اور یا کبھی ایسا ہوتا ہے کہ کسی بزرگ کی صحبت سے کچھ مناسبت
ہوئی تو وہ چند روزہ ان کا عکس ہے اور یہ شخص اسکو اپنی صفت اور حال سمجھ گیا غرض ہر حال میں وہ احوال متوہمہ خیالات
ہیں یہ حاصل ہے مولانا کی تحقیق کا اب آگے ترغیب دیتے ہیں کہ ان علوم رسمیہ پر کہ نقل و قال محض ہیں اور ان احوال
متوہمہ پر کہ عکوس و خیالات ہیں قناعت مت کرو بلکہ احوال صحیحہ جس کے اسباب اوپر مذکور ہوئے ہیں یعنی مجاہدہ و
انقیاد یہ حاصل کرو پس فرماتے ہیں کہ (کب تک (رہے گا) یہ عکس کہ خیال لامع ہے (جیسے بعض ماؤف العین لوگوں
کی نگاہ کی سامنے غیر واقعی خیالات چمک اٹھتے ہیں اور لامعہ صفت خیال کی اور خیال کی طرف اضافہ عکس کی
بیانیہ ہے) تو کوشش کر کہ یہ تیرا واقعہ (یعنی صفت واقعیہ) ہو جاوے (یعنی تو ان علوم و احوال سے متصف ہو جاوے)
تاکہ تیری گفتار تیرے حال سے ہو (اور) تیری سیر تیرے پر و بال سے ہو (یعنی تیرا کلام ناشی ہو حال اور بصیرت سے
نہ کہ نقل محض جیسے کوئی زور سے کے بال و پر سے اوڑے آگے ایک مثال میں فرق بیان کرتے ہیں تحقیق اور نقل الفاظ
میں یعنی دیکھو) شکار کو تیر بھی پکڑ لیتا ہے غیر کے پر سے (اس لئے) لامحالہ وہ لحم طیر سے بے بہرہ ہے (اور) باز شکار لاتا ہے
خود پہاڑ میں سے (اس لئے) لامحالہ بادشاہ اسکو کبک اور سار (کا گوشت) کھلاتا ہے (فی الحاشیہ سار جانور یست
پرندہ سیاہ کہ خالہائے سفید دارد و خوش آواز بود و بیشہ شکار ملخ کند اھ آگے تفسیر آرد بجو دکی اور تاکید بیت بالا کی ہے

یعنی) باز اپنے پروں سے لاتا ہے جال کا شکار (یعنی وہ شکار جو کبھی جال سے پکڑا جاتا ہے یہ قید واقعی ہے اس لئے) لامحالہ بادشاہ اسکو لحم کبک کھلاتا ہے (پس نقال مثل تیر کے ہے کہ دوسرے کے پر سے اڑتا ہے اور صاحب بصیرت مثل باز کے پس اسی طرح نقال ثمرات علم سے محروم رہتا ہے اور صاحب بصیرت فائز ہوتا ہے)۔

منطقے کز وحی نبود از ہواست

جو کلام کہ وحی سے نہ ہو۔ ہوا سے ہے

ہمچو خاکے در ہوا و در ہباست

مثل خاک کے ہوا اور غبار میں ہے

گر نماید خواجہ را ایں دم غلط

اگر میاں صاحب کو یہ دعویٰ غلط معلوم ہو

زاول والنجم برخواں چند خط

تو اول والنجم سے چند نقوش پڑھ لے

تا کہ ما ینطق محمد عن ھویٰ

ما ینطق عن الھویٰ

ان ھو الا بوحی احتویٰ

ان ھو الا وحی یوحی تک

تا بدانی کہ محمدؐ از ہوا

تا کہ تو معلوم کرلے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ہوا سے

وانگفت و گفت از وحی خدا

نہیں فرمایا اور وحی خدا سے فرمایا

احمدا چوں نیست از وحی یاس

اے احمد صلی اللہ علیہ وسلم جب آپکو وحی سے مایوسی نہیں ہے

جسمیاں را دہ تحری و قیاس

تو جسمیوں کو تحری اور قیاس عطا فرمایئے

بید را اگر میوہ نے باشد ظلال

درخت بید میں اگر میوا نہیں ہوتا تو سایہ تو ہوتا ہے

کز ضرورت ہست مردارے حلال

کیونکہ ضرورت کے سبب مردار حلال ہوجاتا ہے

گر تحری نیست در کعبہ وصال

اگر تحری کعبہ وصال میں نہیں ہے

لیک ہست اندر بیابان ضلال

لیکن بیابان ضلال میں تو ہے

بے تحری و اجتہادات ہدیٰ

بدوں تحری و اجتہاد ہدیٰ کے

ہر کہ بدعت پیشہ گیرد از ہویٰ

جو شخص ہوا سے بدعت کا پیشہ اختیار کرے

... القیاس ... ۱۲ منہ

همچو عادش بر برد باد و کشد — نے سلیمانست تا تختش کشد

تو اس شخص کو مثل عاد کے ہوا تباہ کردیگی اور قتل کردیگی — وہ سلیمان نہیں ہے تاکہ وہ اُن کے تخت کو کھینچے

عاد را باد است حمال خذول — همچو بره در کف مرد اکول

عاد کے لئے ہوا حمال مخالف ہے — مثل بکری کے بچے کے کھانیوالے کے ہاتھ میں

همچو فرزندش نهاده بر کنار — می برد تا بکشدش قصاب وار

مثل فرزند کے اُسکو آغوش میں رکھے ہوئے — لئے جارہا ہے تاکہ اسکو قصاب کی طرح قتل کرے

عادیان را باد ز استکبار بود — یار خود پنداشتند اغیار بود

عادوالوں کو یہ ہوا تکبر کی وجہ سے تھی — اُنھوں نے اپنا یار گمان کیا اغیار تھے

چون بگردانید ناگه پوستین — خرد آن بشکست آن بئس القرین

جب اُس نے پوستین اولٹ دیا — تو اُن کو اُس بئس القرین نے ریزہ ریزہ کرکے شکستہ کرڈالا

باد را بشکن که بس فتنه است باد — پیش از آن کت بشکند او همچو عاد

باد کو شکستہ کردے کہ یہ باد سخت فتنہ ہے — قبل اسکے کہ تجکو وہ عاد کی طرح شکستہ کردے

هود داده پند کای پر کبر خیل — بر کند از دست تان این باد ذیل

ہود علیہ السلام نصیحت کرتے تھے کہ اے پرتکبر جماعت — تمھارے ہاتھ سے یہ ہوا دامن چھڑا لے گی

لشکر حق ست باد و از نفاق — چند روزے با شما کرد اعتناق

ہوا لشکر حق ہے اور نفاق کے طور پر — اس نے چند روز تمھارے ساتھ معانقہ کر رکھا ہے

او بسر با خالق خود راست ست — چون اجل آید بر آرد باد دست

وہ باطن میں اپنے خالق کے ساتھ ہے — جب میعاد آویگی ہوا ہاتھ نکالے گی

ایں ہماں باد ست کامین میگذشت — بود ہمچوں جان و ہمچوں مرگ گشت

یہ وہی ہوا ہے جو باامن ہوکر گذرا کرتی تھی — مثل جان کے تھی اور مثل موت کے ہوگئی

دست آنکس کو بکردت دست بوس — وقت خشم آں دست میگردد دبوس

جس شخص کا ہاتھ تیری دست بوسی کیا کرتا تھا — غصہ کے وقت وہی ہاتھ گرز ہوجاتا ہے

باد را اندر دہن بیں رہگذر — ہر نفس آیاں رواں در کر و فر

اس ہوا ہی کا گذر منہ کے اندر دیکھ لے — ہر وقت آئندہ رونده ہے کروفر کے ساتھ

حلق و دندانہا ازو ایمن بود — حق چو فرماید بدنداں در رود

حلق اور دنداں اس سے ایمن رہتے ہیں — جب حق تعالیٰ حکم دیدیں تو وہ دانت کو اندر گھس جاتی ہے

کوہ گردد ذرۂ باد و ثقیل — درد دنداں داردش زار و علیل

ذرۂ باد کوہ اور ثقیل ہوجاتا ہے — درد دنداں اسکو زار اور علیل رکھتا ہے

یا رب و یا رب برآرد او زجاں — کہ ببر ایں باد را اے مستعاں

یارب یارب جان سے ظاہر کرتا ہے — کہ اس ہوا کو اے مستعان دور کر

اے دہاں غافل بدی زیں باد رو — از بن دنداں در استغفار شو

اے دہن تو اس ہوا سے غافل تھا۔ جا۔ — تہہ دل سے استغفار میں مشغول ہو

چشم سختش اشکہا باراں کند — منکراں را درد اللہ خواں کند

اس شخص کی چشم سخت آنسوؤں کو جاری کردیتی ہے — منکروں کو درد اللہ کا نام لینے والا کردیتا ہے

چوں دم یزداں نہ پذرفتی ز مرد — وحی حق را ہیں پذیرا شو ز درد

جب تونے کلام حق کو مرد سے قبول نہ کیا — تو وحی حق کو درد ہی کی وجہ سے قبول کرلے

باد گوید پیکم از شاہ بشر
ہوا کہتی ہے کہ میں مالک البشر کی طرف سے قاصد ہوں

گہ خبر خیر آورم گہہ شور و شر
کبھی خیر کی خبر لاتی ہوں کبھی شور و شر

من چو تو غافل ز شاہ خود کیم
میں تیری طرح اپنے بادشاہ سے غافل کب ہوں

زانکہ ماموم اسیر خود تنم
کیونکہ میں مامور ہوں اپنی اسیر نہیں ہوں

گر سلیماں وار بودی حال تو
اگر تیرا حال سلیمان علیہ السلام کی طرح ہوتا

چوں سلیمان گشتمے حمال تو
تو میں سلیمان کی طرح تیری حمال ہوتی

عاریستم گشتمے ملک کفت
میں عاریت ہوں تیرے ہاتھ کی مملوک ہو جاتی

کردمے بر راز خود من واقفت
میں تجکو اپنے راز پر واقف بناتی

لیک چوں تو باغئی من مستعار
لیکن چونکہ تو باغی ہے میں مستعار طور پر

می کنم خدمت ترا روزے سہ چار
تیری خدمت تین چار روز کرتی ہوں

پس چو عادت سرنگونیہا دہم
پھر عاد کی طرح تجکو بہت سی سرنگونی دونگی

زا سپہ تو باغیانہ برجہم
تیری سپاہ سے باغیوں کی طرح نکل جاؤں گی

تا بغیب ایماں تو محکم شود
انجام یہ ہوگا کہ تیرا ایمان بالغیب اسوقت محکم ہو

آں زماں کایمانت مایہ غم شود
جس وقت کہ ایمان لانا تیرے لئے مایۂ غم ہو جاوے

آں زماں خود جملگاں مومن شوند
اسوقت خود سب مومن ہو جاتے ہیں

آں زماں خود سرکشاں بر سر دوند
اسوقت خود تمام سرکش سر کے بل دوڑنے لگتے ہیں

آں زماں زاری کنند و افتقار
اس وقت زاری وافتقار کرتے ہیں

ہمچو دزد و راہزن در زیر دار
جیسے چور و ڈاکو زیر دار

لیک گر در غیب گردی مستوی
لیکن اگر تو غیب میں مستقیم ہوجاوے
مالک دارین و شحنہ خود توئی
تو تو مالک دارین اور شحنہ ہوجاوے

رو نماید بادشاہی مقیم
بلکہ دائم منہ دکھلائے گی
نے دو روزہ مستعار ست و سقیم
وہ دو روزہ مستعار اور سقیم نہیں ہے

رستی از بیگار و کار خود کنی
تو بیگار سے چھوٹ جاوے اور اپنا کام کرنے لگے
ہم تو شاہ و ہم تو طبل خود زنی
تو بادشاہ بھی ہوجاوے اور تو اپنا نقارہ بھی بجاوے

چوں گلو تنگ آورد بر ما جہاں
جب گلو ہم پر عالم کو تنگ کر رہا ہے
خاک خوردے کاشکے حلق و دہاں
تو کاش حلق و دہان خاک کھایا کرتا

(اوپر علوم بے بصیرت و احوال بے حقیقت کی تزئیف تھی جسمیں غالب مضمون احوال کے متعلق تھا آگے ایسے علوم کے متعلق مضمون ہے پس فرماتے ہیں کہ) جو کلام کہ وحی (اسکے فیض) سے (کہ مشروط ہے انقیاد وحی کے ساتھ علماً و عملاً) نہ ہو (وہ) ہوائے نفسانی) سے ہے (اور وہ) مثل خاک کے ہوا اور غبار میں ہے (یعنی اسمیں ثبوت اور قوت نہیں اور ادلہ شرعیہ سب وحی کے مدلول میں داخل ہیں اور) اگر میاں (منکر) صاحب کو یہ دعویٰ غلط معلوم ہو تو اول والنجم سے چند نقوش پڑھ لے (مراد نقوش سے الفاظ و جملے جو لکھنے کی حالت میں نقوش و اللہ علی المعروف ہوتے ہیں مگر پڑھنے کے اعتبار سے الفاظ کہے جاوینگے اور اس شعر میں لفظ اول میں ابتداء ان جملوں کی بتلائی تھی آگے ان کی نہایت بتلاتے ہیں یعنی اول سے پڑھ لے) ماینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحی تک تاکہ (اسکے پڑھنے سے) تو معلوم کرلے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ہوا سے نہیں فرمایا اور وحی خدا سے فرمایا (حاصل استدلال کا یہ ہے کہ اس آیت میں حق تعالیٰ نے وحی کے مقابل ہوی کو فرمایا ہے پس اس سے ثابت ہوا کہ جو نطق وحی سے نہ ہوگا وہ اسکے مقابل سے ہوگا۔ یعنی ہوی سے وھو المطلوب اور شعر تاکہ الخ میں تا بمعنی الی ہے نہ بمعنی لام اور مصرعہ اولیٰ میں نام مبارک اور مصرعہ ثانیہ میں لفظ احتوی وزن کے شعر کے لئے بڑھایا ہے اور احتوی بمعنی احاطہ ہے اور یہ صفت ہے وحی کی اور اس میں عائد الی الوحی کہ مفعول ہے احتوی کا مقدر ہے یعنی احتواہ اور ضمیر فاعل راجع ہے لفظ محمد صلی اللہ علیہ وسلم مذکور فی المصراع الاول کی طرف اور معنی ظاہر ہیں اور چونکہ اس پر ظاہراً شبہ ہوتا تھا کہ اس سے تو اجتہاد و قیاس شرعی کا بھی داخل ہوئی ہونا لازم آتا ہے کیونکہ وہ وحی نہیں ہے آگے اسکا جواب دیتے ہیں

جسکی طرف بندہ نے بھی شعر اول کی تقریر میں مختصراً اشارہ کر دیا ہے پس بعنوان خطاب حق للنبی صلی اللہ علیہ وسلم جواب شروع کرتے ہیں کہ) اے احمد صلی اللہ علیہ وسلم جب آپکو وحی سے مایوسی نہیں ہے تو جسمیوں کو (یعنی جو ملئکہ روحانیین منزلین وحی کا آپکی طرح بطریق قطعی مشاہدہ نہیں کرتے مراد یہ کہ غیر اصحاب وحی کو) تحری (یعنی اجتہاد) اور قیاس عطا فرمایئے (حاصل جواب کا یہ ہے کہ عدم تیسر وحی کے وقت وہ بھی حکماً بجائے اُسی کے ہے لان البدل لہ حکم المبدل ویفہم کونہ بدلا من قولہ چون نیستت الخ پس وہ بھی حجت ہے اور ہویٰ وہ ہے جو اس کے بھی علاوہ ہو یعنی رائے محض وتخمین بحت کہ وحی کی طرف مستند بھی نہیں باقی قیاس تو مظہر حکم ہوتا ہے اور مثبت اُس حکم قیاسی کا بھی وحی ہی ہے پس وہ ہویٰ میں داخل نہیں اور علاوہ دلالت بدلیت قیاس من الوحی علی کون القیاس فی حکم الوحی کے اسپر ایک اور دلالت بھی اس شعر میں ہے وہو قولہ جسمیان رادہ یعنی یہ بھی عطا فرمایا ہوا اور اجازت دیا ہوا حضور ہی کا ہے صلی اللہ علیہ وسلم اور دادن میں حکم دادن کا داخل ہونا ایسا ہے جیسا اس آیت میں وما اتاکم الرسول فخذوہ الخ اور مولانا کے اس کلام سے یہ بھی مستنبط ہو سکتا ہے کہ ضرورت کے وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی قیاس کی اجازت ہے کیونکہ جواز قیاس کو معلل کیا ہے یاس من الوحی سے کما ہو مفہوم قولہ چون نیستت الخ تو جب وقت ضرورت تک وحی نہ آئی تو علت پائی گئی پس جواز کا حکم بھی پایا جاویگا وعلیہ اکثر العلماء اور جسمیان کی جو میں نے تفسیر کی ہے اس میں تمام غیر اہل وحی داخل ہو گئے من العلماء والمجتہدین والاولیاء والمکاشفین گو بعض افراد اس تحری کے زیادہ قناعت بخش ہوں کعلوم اہل الاحوال لہم مگر درجہ میں وحی کی برابر نہ ہونگے آگے مضمون شعر ہذا کی مثال ہے یعنی) درخت بید میں اگر میوہ نہیں ہوتا تو سایہ تو ہوتا ہے (اسی طرح جس کے پاس وحی نہ ہو تحری وقیاس ہی درست اور واجب العمل ہے) کیونکہ ضرورت کے سبب مردار حلال ہو جاتا ہے (جو پہلے حلال نہ تھا اور حلال نہ ملنے کے وقت جب اضطرار شدید ہو حلال بلکہ بعض ائمہ کے نزدیک واجب ہو جاتا ہے کہ اگر نہ کھایا اور مر گیا تو گنہگار مریگا کما صرح الفقہاء بہ اسی طرح تحری واتباع دلیل ظنی جسمیں الہام واجتہاد سب داخل ہے پہلے جائز نہ تھا مگر وحی نہ ملنے کے وقت درست بلکہ واجب ہو گیا اور تشبیہ مردار کے ساتھ عدم جواز فی الاصل وجواز یا وجوب وقت الضرورۃ میں ہے آگے ایک مسئلہ جزئیہ سے بھی اسکی تائید ہے یعنی) اگر تحری کعبہ وصال میں نہیں ہے لیکن بیابان ضلال میں تو ہے (وصال سے مراد مشاہدہ کہ لازم است وصال را یعنی کعبہ مشاہدہ کردہ شدہ اور ضلال بمعنی ما وقع الضلال عنہ ای لم یدر ولم یعلم یعنی دیکھو ضرورت کے وقت اس تحری کی اجازت دی گئی جو کعبہ کے دیکھتے ہوئے جائز نہ تھی سو تحری واجتہاد کی دو قسم ہوئیں ایک بضرورت جسکی شریعت نے اجازت دی بشرائطہ اسکو نظراً الی الشعر الآتی اجتہاد ہدی سے ملقب کرنا مناسب ہے اور ایک وہ جو بلا ضرورت ہو یعنی دلیل شرعی کے ہوتے ہوئے کہ ان ادلہ نے سب ضرورتوں کو پورا کر دیا ہے پھر اجتہاد کرنا کہ اسمیں شرائط مفقود ہونگی کیونکہ منجملہ شرائط یہ بھی ہے کہ ضرورت ہو اور یہاں ضرورت نہیں لہٰذا اسکو اجتہاد غیر ہدی سے ملقب کیا جاوے کصنیع المدعین للحکمۃ فی زماننا اوپر قسم اول کا جواز بیان فرمایا ہے آگے دوسری قسم کا ابطال کرتے ہیں کہ) بدون تحری واجتہاد ہدی کے (یہ ہدی بواسطہ عطف کے دونوں کی قید ہے) جو شخص ہوا کی

نفسانی) سے بدعت کا پیشہ اختیار کرے (اس میں یہ بتلا دیا کہ اس صورت میں وہ تحری خود اور جو اس سے ثابت کیا ہے وہ بھی بدعت وضلالت ہوگا اور از ہوا قید واقعی ہے) تو اس شخص کو مثل عاد کے ہوا تباہ کردیگی اور قتل کردیگی (اس مصرعہ میں ہوی نفسانی کو ہوائے عنصری سے تشبیہ دیکر اسکی طرف کشتن کی اسناد بطور اسناد الی السبب کی ہے یعنی وہ اس اتباع ہوی سے ہلاک ہوجاویگا) وہ سلیمان نہیں ہے تاکہ وہ (ہوا) اس کے تخت کو کھینچے (یعنی وہ اگر اتباع تحری میں منقاد حق ہوتا جیسے تحری ہدی کے اختیار کرنے والے ہیں تو وہ سبب ہوجاتا اس کے ارتفاع رتبہ عنداللہ کا تو تحری مرتبۂ کلی میں ایک چیز ہے اس کے دو اثر ہیں ایک اثر اسکی ایک قسم کا اور دوسرا اثر دوسری قسم کا مثل ہوا کے کہ عاد کے ساتھ اور فعل اور سلیمان علیہ السلام کے ساتھ اور فعل آگے تشبیہ بہ ہوائے عاد کی مزید توضیح ہے کہ) عاد کے لئے ہوا حال مخالف ہے مثل بکری کے بچہ کے کھانیوالیکے ہاتھ میں (کہ) مثل فرزند کے اس کو آغوش میں رکھے ہوئے لئے جارہا ہے تاکہ اسکو قصاب کی طرح قتل کرے (پس اسی طرح ہوا جو عاد کو ان کی جگہ سے اٹھاتی ہے تو پٹکنے کے لئے اگرچہ اولاً ان کو موافقت کا دھوکہ ہوا کما سیاتی فی قولہ فلما رأوہ عارضاً اور) عاد والوں کو یہ (سزائے) ہوا تکبر (خصوص علی الانبیاء) کی وجہ سے تھی (کما قال تعالیٰ فاما عاد فاستکبروا فی الارض بغیر الحق ثم رتب علیہ قولہ تعالیٰ فارسلنا علیہم ریحاً صرصراً الآیہ) انھوں نے (اس کو) اپنا یار (اور موافق) گمان کیا (قال تعالیٰ فلما رأوہ عارضاً مستقبل اودیتہم قالوا ھذا عارض ممطرنا لیکن وہ) اغیار تھی (قال تعالیٰ بل ہو ما استعجلتم بہ ریح فیہا عذاب الیم الآیہ چنانچہ) جب اس نے پوستین اولٹ دیا (یعنی اس نے دوسری صورت جو کہ اصلی تھی ظاہر کی) تو ان کو اس بئس القرین نے ریزہ ریزہ کرکے شکستہ کرڈالا (اس کا انطباق مشبہ میں یوں ہوگا کہ اسوقت وہ رائے اور ہوا لذیذ معلوم ہوتی ہے مگر چونکہ منشا اس اتباع رائے کا تکبر ہے کہ اپنے کو قابل مزاحمت قواعد وحی کے سمجھتا ہے انجام میں یہ ہوی جسکا منشا تکبر تھا اس کو ہالک اور خاسر کرے گی آگے اس کبر کے ازالہ کا امر فرماتے ہیں جو مفضی الی الہلاک ہوگا کہ اے مخاطب) باد کو (یعنی کبر وہوا کو کہ مشابہ باد ہے) شکستہ کردے کہ یہ باد سخت فتنہ ہے (اور یہ شکستہ کرنا) قبل اس کے (ہونا چاہیئے) کہ تجھکو وہ عاد کی طرح شکستہ کردے (یعنی وقت عقوبت سے پہلے دار العمل ہی میں اسکی اصلاح کرلے جس کے لئے لازم ہے انقیاد للوحی آگے ہوائے نفسانی کے مشبہ بہ یعنی ریح عاد کی طرف رجوع ہے جس سے ایک اور فائدہ علاوہ فائدہ مذکورہ کے مستنبط کرینگے کہ اجزائے عالم سب مسخر قدرت ہیں جسکو جسکے لئے جب تک چاہے نافع بنادے اور اسی طرح مضر بنادے پس فرماتے ہیں کہ) ہود علیہ السلام نصیحت کرتے تھے کہ اے پر تکبر جماعت تمھارے ہاتھ سے یہ ہوا (اپنا) دامن چھڑا لیگی (یعنی دشمن ہوجاویگی کیونکہ یہ) ہوا لشکر حق ہے اور نفاق کے طور پر (یعنی ظاہری طور پر وہذا استعارۃ) اس نے چند روز تمھارے ساتھ معانقہ کر رکھا ہے (مگر) وہ باطن میں اپنے خالق کے ساتھ ہے جب (تمھاری ہلاکت کی) میعاد آویگی (یہ) ہوا ہاتھ (پانو) نکالیگی (اور) یہ وہی ہوا ہے جو باامن ہوکر گذرا کرتی تھی (یہ) مثل جان کے تھی اور (اب) مثل موت کے ہوگئی (اور اسکی ایسی مثال ہے کہ) جس شخص کا ہاتھ تیری دست بوسی کیا کرتا تھا غصہ کے وقت وہی ہا

گرز ہوجاتا ہے (اور شمال سے قطع نظر خود) اس ہوا ہی کا گذر مونہ کے اندر (بھی) دیکھلے (کہ) ہر وقت آیندہ روندہ ہے کروفر کے ساتھ (مراد اس سے سانس ہے کہ وہ بھی ہوا ہے اور بھی اس لئے کہا کہ کبھی صرف ناک کی راہ سے اسکی آمدو رفت ہوتی ہے اور) حلق اور دندان اس سے امین رہتے ہیں (ان کو ایذا نہیں پہونچاتی مگر اسی ہوا کو) جب حق تعالیٰ حکم دیدیں تو وہ دانت کے اندر گھس جاتی ہے (اور) ذرہ باد (اسوقت ایک) کوہ اور ثقیل ہوجاتا ہے (اور) درد دندان اس (دندان یا صاحب دندان) کو زار اور علیل رکھتا ہے (اسکی طبی توجیہ حسب قول حکیم محمد ہاشم سلمہ یہ ہے کہ مسوڑھوں میں کوئی تری مادہ پیدا ہوجاتا ہے اس سے بخارات اٹھکر مستحیل بریاح ہوکر اعصاب میں تمدید پیدا کرتے ہیں اس سے درد پیدا ہوجاتا ہے انتہی بلفظہ اور اسوقت) یا رب یا رب جان سے ظاہر کرتا ہے کہ اس ہوا کو اے مستعان دور کر (تو دیکھو وہی ہوا جو نافع تھی مضر ہوگئی اور اس مقام پر وہ فائدہ مستنبطہ حاصل ہوگیا آگے اس سے ایک اور مضمون کی طرف انتقال ہے کہ جب یہ سب مسخر حق ہیں تو اسکی اطاعت اور ذکر اختیار کریں پس فرماتے ہیں کہ) اے دہن تو اس ہوا سے غافل تھا۔ جا۔ (اور) تہ دل سے استغفار میں مشغول ہو (آگے تکلیف کا ایک نفع بیان کرتے ہیں کہ درد ایسی چیز ہے کہ) اس شخص (صاحب درد) کی چشم سخت آنسوؤں کو جاری کردیتی ہے (اور) منکروں کو درد اللہ کا نام لینے والا کردیتا ہے۔ آگے فرماتے ہیں کہ جب درد میں یہ خاصیت ہے تو تجھکو اس سے انتفاع چاہئے اور پہلی غفلت کو جو کہ باوجود استماع احکام کے زائل نہ ہوئی تھی اب زائل کردینا چاہئے پس فرماتے ہیں کہ) جب تو نے کلام حق کو (امر حق) سے قبول نکیا تو وحی حق کو (اس) درد ہی کی وجہ سے قبول کرلے (آگے اوپر کے دونوں مضمونوں کا مجموعہ ہے یعنی اجزائے عالم کا مسخر حق ہونا اور انقیاد للحق کا ضروری ہونا وذکر الاول فی اشعار کثیرۃ والثانی اولاً فی قولہ باد را بشکن الخ وثانیاً فی قولہ ای دہاں غافل بدی الخ وقولہ چوں دم بزدان الخ پس ارشاد فرماتے ہیں کہ) ہوا کہتی ہے میں مالک البشر کی طرف سے (مثل) قاصد (کے) ہوں کبھی خیر (اور نفع) کی خبر لاتی ہوں (اور) کبھی شور شر (کی خبر لاتی ہوں اور) میں تیری طرح اپنے بادشاہ سے غافل کب ہوں کیونکہ میں مامور ہوں اپنی امیر نہیں ہوں (اور ہوا یہ بھی کہتی ہے کہ) اگر (انقیاد میں) تیرا حال سلیمان علیہ السلام کی طرح ہوتا تو میں سلیمان کی طرح تیری حمال ہوتی (یعنی بامر حق تجھکو نفع ہی پہونچایا کرتی خواہ ظاہراً بھی یا صرف باطناً جیسا کہ مضار دنیویہ سے منافع آخرت اہل ایمان کو حاصل ہوتے ہیں اب تو بحالت تیرے عدم انقیاد کے دنیوی حوائج کے لئے تیرے کار آمد ہوتے ہیں) میں عاریت ہوں (انقیاد کی حالت میں) تیرے ہاتھ کی مملوک ہوجاتی (یعنی مثل مملوک کے ہر وقت خادم و نافع ہوتی اور) میں تجھکو اپنے راز پر واقف بناتی (یہ اسناد مجازی ہے یعنی سبب واقفیت کا ہوجاتی اس طرح سے کہ ہوا بھی آیات الٰہیہ سے ہے اور متضمن ہے حکم و مصالح کو کہ منجملہ ان کے بصیرت بالحق ہے کما قال تعالیٰ وفی الارض آیات للموقنین وفی انفسکم افلا تبصرون اور انقیاد للحق میں خاصہ ہے صحت بصیرت کا پس اگر انقیاد اختیار کرتا تو ہوا کے بھی ان اسرار کی اسکو بصیرت ہوتی) لیکن چونکہ تو باغی ہے (اس لئے) میں مستعار طور پر تیری خدمت (دنیویہ) تین چار روز کرتی ہوں (چنانچہ ہوا سے دنیوی انتفاع سبکا ظاہر ہے اور) پھر (مرنے پر) عاد کی طرح تجھکو بہت سی سرنگونی دونگی (اور) تیری سپاہ (اور نافع چیزوں) سے باغیوں کی طرح نکل جاونگی (اور سبب ضرر ہونگی سبب ضرر بننا یہی ہے کہ حق تعالیٰ اسپر سزا دینگے کہ باوجود میری سب

آیات اور نعم کے تو نے میرے ساتھ کفر کیا اور اس شعر سے پہلے یقیناً روز سہ چار سے مراد عمر حیوۃ دنیا ہے اور اس شعر میں اس کے بعد لفظ پس آیا ہے جو تعقیب کے لئے ہے اور حیوۃ دنیویہ سے معقب حالت موت ہے عین موت بھی اور ما بعد الموت بھی سو اس دلیل سے حکم سرنگو نہادہ ہم اور با عیانہ بر جہیم کا ظرف زمان حالۃ الموت ہوئی چنانچہ بندہ نے ترجمہ اسی کی موافق کیا ہے آگے اس حکم مذکور من حیث التقیید بہذا القید کی عاقبت فرماتے ہیں یعنی حالت موت میں تیرے لئے میری واسطہ عقوبت بننے کا) انجام یہ ہوگا کہ تیرا ایمان بالغیب اسوقت محکم ہو جس وقت کہ ایمان لانا تجھکو نافع نہو بلکہ غیر مقبول ہونیکی حسرت سے اور زیادہ) تیرے لئے مایۂ غم ہو جاوے (مراد اس سے وہ وقت ہے جسکو حق تعالیٰ فرماتے ہیں فلم یك ینفعهم ایمانهم لما رأوا بأسنا اور یتا کہ بمعنی لام عاقبت ہے آہیں اس شخص کی بغاوت الی آخر الحیوۃ پر وعید سنانا ہے کہ اسوقت حقیقت ان آیات سے متنبہ نہ ہونے کی معلوم ہوگی کہ جب معلوم ہونا مفید نہوگا اور معلوم کرکے ایسے وقت ایمان لاویگا اور حسرت ہوگی کہ میں ایمان بھی لاتا ہوں اور نافع نہیں ہوتا اور اگر ایمان نہ لاتا تو صرف عقوبت کا الم ہوتا یہ حسرت نہوتی جیسا کہ احقر نے ایانت مایۂ غم کی تفسیر میں اسکو ظاہر بھی کردیا ہے آگے اسوقت کی حالت کا بیان ہے کہ وہ ایسا وقت ہے کہ) اسوقت خود سب مؤمن ہو جاتے ہیں (اور) اسوقت خود تمام سرکش سر کے بل دوڑنے لگتے ہیں (اور) اسوقت زاری و افتقار کرتے ہیں جیسے چور اور ڈاکو زیر دار) اگر ایسا ہی کرتا ہے سو اسوقت ایمان و معذرت کچھ بھی نافع نہیں ہوگا) لیکن اگر تو غیب (کی حالت) میں (ایمان و قبول حق میں) مستقیم ہو جاوے (اور یہ ایمان قبل الموت میں ہوتا ہے) تو تو مالک دارین (بھی) اور شحنہ (بھی) ہو جاوے (مالک جس کے حق کے لئے دار پر دزد و راہزن مذکور فی الشعر السابق کو چڑھاتے تھے اور شحنہ وہ جو کہ دار پر چڑھاتا تھا مطلب یہ کہ پھر تو ایسا مامون ہو جاویگا جیسا خود مالک اور شحنہ اور تجھکو ملک دائم مہ نہ دکھلائیگی (جنت کا ایسا ہی ہونا ظاہر ہے اور) وہ ملک دائم) دو روزہ مستعار اور سقیم نہیں ہے (جیسی دنیا کی نعمتیں کہ تھیں کما ذکر فی قولہ عار سیتم یعنی نہ اس میں کما نقص ہے کہ دو روزہ ہو اور نہ کیفاً کہ سقیم اور ردی ہو اور) تو (اسوقت) بیگار (یعنی ذلت سے اطلاقاً للسبب علی المسبب او عکسہ) چھوٹ جاوے اور اپنا کام کرنے لگے (یہ مقابل ہے بیگار کا تو یہ کنایہ ہوگا عزت و حریت سے کہ اس میں بیگار نہیں ہوتی اور) تو بادشاہ بھی ہو جاوے اور تو اپنا نقارہ (عزت کا) بھی بجاوے (قال تعالیٰ واذا رأیت ثم رأیت نعیماً وملكا كبیرا وقال تعالیٰ وجنات لهم فیها نعیم مقیم یہ تو ایمان بالغیب کی صورت میں ہے اور اگر اس کے خلاف ہوا جسکا اوپر ذکر تھا آن زمان خود جملگان اور آن زمان زاری کنند تو اس صورت میں یہ حالت ہوگی کہ وہ سرکش و زاری کنندہ مثل دزد و راہزن کے عالم حرار کے معاینہ کے وقت حسرت کرینگے کہ جب (ہمارا یہ) گلو (جسکے انہماک میں ایمان سے بھی محروم رہے) ہمپر عالم کو تنگ (و تاریک اور محل عقوبت) کر رہا ہے تو کاش ہمارا یہ) حلق و دہان (بجائے لذیذ اور مرغوب اشیاء کے) خاک کھایا کرتا (اور ہم لذات میں منہمک نہوتے جس سے غفلت نہ بڑھتی اور ایمان کی توفیق ہو جاتی تو یہ روز بد دیکھنا نہ پڑتا ان لذات نے ہمکو تباہ کردیا اور بندہ نے عالم سے مراد عالم آخرت سمجھا ہے کیونکہ دنیا سے تو جا ہی رہا ہے یہاں کی تنگی و فراخی سے کیا بحث دوسرے اسمیں بہت مبالغہ ہو جاویگا کہ عالم آخرت باوجود اتنی بڑی فراخی کے اسپر تنگ ہو جاویگا فضلاً عن الدنیا) **ف** آگے انتقال ہے اس مضمون کی طرف کہ وہ باغی جو

حسرت کر رہا ہے کہ کاش میں دنیا میں خاک کھایا کرتا سو واقع میں دنیا میں تو خاک ہی کھا رہے ہیں مگر اس خاک کی صورت بدل گئی ہے جس سے یہ لذات معلوم ہوتی ہیں اور مقصود اس سے تزہید ہے اشیار دنیویہ میں کہ ان کے آغاز و انجام کو مستحضر رکھکر ان میں زیادہ منہمک نہ ہو جیسا وہ شخص منہمک ہوا جسکا اس شعر حیں گلو الخ میں مقولہ مذکور ہے کہ ایمان سے بھی محروم رہا۔

این دہان خود خاک خوارے آمدست
یہ دہن خود خاک کھانے والا ہے
لیک خاکے را کہ آن رنگین شدہ است
لیکن اس خاک کو کہ وہ رنگین ہو گئی ہے

این کباب و این شراب و این شکر
یہ کباب اور یہ شراب اور یہ شکر
خاک رنگین ست و نقشین اے پسر
خاک رنگین اور نقشیں ہے اے پسر

چونکہ خوردی و شد آنہا لحم و پوست
جب تونے کھالیا اور وہ لحم و پوست ہو گیا
رنگ لحمش داد و این ہم خاک کوست
تو اسکو لحم کا رنگ دیدیا یہ بھی خاک کوچہ ہے

ہم ز خاکے بخیہ بر گل می زنند
خاک ہی سے گارے پر بخیہ بناتے ہیں
جملہ را ہم باز خاکے می کنند
پھر سبکو خاک ہی کر دیتے ہیں

ہندو و قبچاق و رومی و حبش
ہندی اور قبچاقی اور رومی اور حبشی
جملہ یک رنگ اند اندر گور خوش
سب ایک رنگ ہیں گور میں اچھے طور پر

تا بدانی کان ہمہ رنگ و نگار
تاکہ تو جان لے کہ یہ سب رنگ و نگار
جملہ روپوش است و مکر و مستعار
سب حجاب ہے اور نمایش ہے اور مستعار

زانکہ باقی صبغۃ اللہ است و بس
کیونکہ باقی صرف اللہ ہی کا رنگ ہے
غیر آن بر بستہ دان ہمچون جرس
اس کا غیر اوپر سے لگایا ہوا جان مثل جرس کے

رنگ صدق و رنگ تقوی و یقین
صدق کا رنگ اور تقوی و یقین کا رنگ
تا ابد باقی بود بر عابدین
ابد تک باقی رہے گا عابدین پر

رنگ شک و رنگ کفران و نفاق — تا ابد باقی بود بر جان عاق

شک اور کفر و نفاق کا رنگ بھی — ابد تک باقی رہے گا روح عاق پر

چون سیہ روئی فرعون دغا — رنگ او باقی و جسم او فنا

جیسے فرعون دغاباز کی سیہ روئی ہے — کہ اسکا رنگ باقی ہے اور اُس کا جسم فانی

برق و فر روئے خوب صادقین — تن فنا شد وان بجا تا یوم دین

نور اور رونق روئے خوب صادقین کی — تن تو فنا ہو گیا اور وہ قائم رہے گی یوم دین تک

زشت آن زشت و خوب آن خوب و بس — دائم آن ضحاک و این اندر عبس

زشت وہی زشت ہے اور خوب وہی خوب ہے اور بس — ہمیشہ کیلئے وہ خندان اور یہ ترش روئی میں رہے گا

خاک را رنگ و فن و شنگے دہد — طفل خویان را بدان جنگے دہد

وہ خاک کو رنگ اور ڈھنگ اور شنگ دیتے ہیں — اطفال خصلت لوگوں کو اسپر جنگ دیتے ہیں

از خمیرے اشتر و شیرے پزند — کودکان از حرص آن کف می گزند

آٹے کا اونٹ اور شیر پکاتے ہیں — لڑکے انکی حرص سے ہاتھ چوستے ہیں

شیر و اشتر نان شود اندر دہان — در نگیرد این سخن با کودکان ◆

وہ شیر اور شتر منہ میں جاکر روٹی ہو جاتی ہے — یہ بات لڑکوں میں اثر نہیں کرتی

دامن پر خاک ما چون کودکان — رفتہ از سر جہد اسباب و دکان

ہم لڑکوں کی طرح ہیں دامن خاک سے پُر کئے ہوئے — دل سے اسباب اور دکان کا اہتمام نکلا ہوا

کودک اندر جہل و پندار و شکے ست — شکر باری قوت او اندکے ست

لڑکا جہل اور خیالات اور شک میں ہے — مگر خیر شکر ہے کہ اسکی قوت تو تھوڑی ہے

وائے زاں طفلاں کہ پیری می کنند
افسوس ان اطفال کے حال پر جو پیری کر رہے ہیں

طفل را استیزہ و صد آفت ست
طفل میں لڑائی اور سو آفت ہے

وائے زیں پیران طفل نا ادیب
افسوس ان پیران نابالغ بے ادب پر ہے

چوں سلاح و جہل جمع آید بہم
جب ہتیار اور جہل باہم جمع ہو جاویں

شکر کن اے مرد درویش از قصور
اے مرد فقیر تو کوتاہی سے شکر کر

شکر کہ مظلومی و ظالم نہٗ
شکر ہے کہ تو مظلوم ہے اور ظالم نہیں ہے

اشکم تہی لاف اللّٰہی نزد
شکم تہی نے الوہیت کا دعوی نہیں کیا

اشکم خالی بود زندان دیو
شکم خالی شیطان کا زندان ہے

اشکم پر لوت داں بازار دیو
شکم پر طعام کو شیطان کا بازار جان

لنگ مور انند و میری می کنند
لنگ مور ہیں اور سرداری کر رہے ہیں

شکر ایں کو بے فن و بے آلت ست
اس کا شکر ہے کہ وہ بے فن اور بے آلت ہے

گشتہ از قوت بلائے ہر لبیب
قوت کے سبب ہر عاقل کیلئے بلا ہو گئے

گشت فرعونے جہاں سوز از ستم
تو وہ شخص ایک فرعون ہو جاویگا جو ظلم سے جہاں سوز ہے

کہ ز فرعونی رہیدی وز کفور
کہ تو فرعونیت سے چھوٹ گیا اور کفران سے

ایمن از فرعونی و ہر فتنۂ
فرعونیت اور ہر فتنہ سے تو مامون ہے

کاتشش را نیست از ہیزم مدد
کیونکہ اُس کے آتش کو ہیزم کی مدد نہیں پہونچی

کش غم نان مانعست از مکر دیو
کیونکہ اسکو غم نان مانع ہے مکر و فریب سے

تاجران دیو را در وے غریو
تاجران شیطان کا اُس میں شور ہے

تاجران ساحر لاشے فروش
ان تاجران ساحر نے جو کہ لاشے فروش ہیں

عقلہا را تیرہ کردہ از خروش
عقلوں کو پریشان کر رکھا ہے خروش سے

خم رواں کردہ ز سحرے چوں فرس
مشکے کو سحر سے گھوڑے کی طرح چلتا کر رکھا ہے

کردہ کرباسی ز مہتاب و غلس
کپڑا بنا رکھا ہے چاندنی اور اندھیری سے

چوں بریشم خاک را بر می تنند
ابریشم کی طرح خاک کو تن رہے ہیں

خاک در چشم ممیز می زنند
ممیز کی آنکھ میں وہ لوگ خاک جھونک رہے ہیں

جندلے را رنگ عودی می دہند
پتھر کو عودی رنگ دے رہے ہیں

بر کلوخے ماں حسودی می دہند
کلوخ پر ہمکو رشک دے رہے ہیں

پاک آں کو خاک را رنگے دہد
پاک ہے وہ ذات جو خاک کو رنگ دیتا ہے

ہمچو کودک ماں بر آں جنگے دہد
کودک کی طرح ہمکو اس پر جنگ دیتا ہے

دامن پر خاک ما چوں طفلکان
ہم دامن کو خاک سے بچوں کی طرح بھرے ہوئے ہیں

در نظر ما خاک ہمچوں زر کان
ہماری نظر میں خاک مثل زر کان کے ہے

طفل را با بالغاں نبود جدال
طفل کو بالغین کے ساتھ جدال نہیں ہوتا

طفل را حق کے نشاند با رجال
طفل کو حق تعالیٰ مردوں کے برابر کب بٹھلاتا ہے

میوہ گر کہنہ شود تا ہست خام
میوہ اگرچہ کہنہ ہو جاوے جب تک خام ہے

پختہ نبود غورہ گویندش بنام
پختہ نہ ہو اس کا نام غورہ ہی کہیں گے

گر شود صد سالہ آں خام و ترش
اگر وہ خام و ترش سو برس کا ہو جاوے

طفل و غورہ است او بر ہر تیز ہش
وہ طفل اور غورہ ہی ہے ہر تیز ہوش کے نزدیک

گرچہ باشد موے و ریشش او سپید | **ہمدراں طفلی و خوفست و امید**

اگرچہ اس کے بال اور ریش سفید ہوجاویں | اُسی طفلی و خوف و امید میں ہے

ماند خواہم نارسیدہ یا رسم | **حق کند با من غضب یا خود کرم**

معلوم نہیں ہیں بے بہوبچارہ جاؤنگا یا پہونچ جاؤنگا | حق تعالیٰ میرے ساتھ غضب کرے یا خود کرم کرے

گر رسم یا نارسیدہ ماندہ ام | **اے عجب با من کند لطف و کرم**

اگر میں رسیدہ ہوجاوں تب بھی یا نارسیدہ ہوں تب بھی | اے لوگو عجب بات یہ ہے کہ وہ میرے ساتھ لطف و کرم ہی فرماویگا

با چنیں ناقابلی و دوریی | **بخشد ایں غورہ مرا انگوریی**

باوجود ایسی ناقابلیت اور دوری کے | وہ بخشدیگا میرے غورہ کو انگور ہونے کی صفت

نیستم امیدوار از ہیچ سو | **واں کرم می گویدم لاتیأسوا**

میں کسی طرف سے امیدوار نہیں ہوں | اور وہ کرم مجکو لاتیأسو کہہ رہا ہے

دائماً خاقان ما کردست طو | **گوش ما را میکشد لاتقنطوا**

ہمیشہ ہمارے بادشاہ نے جشن فرمایا ہے | ہمارے کان کو لاتقنطوا کھینچ رہا ہے

(ربط اوپر شرح اشعار بالا کے اخیر میں مذکور ہوچکا یہیں فرماتے ہیں کہ) یہ دہن خود خاک کھانیوالا ہے لیکن اُس خاک کو (کھاتا ہے) کہ وہ رنگین ہوگئی ہے (اس لئے اُسکو خاک نہیں سمجھتا اور اُس کے پیچھے ایمان تک کھو بیٹھتا ہے) یہ کباب اور یہ شراب اور یہ شکر (سب) خاک رنگین اور نقشین ہے اے پسر (چنانچہ اصل بھی سبکی خاک ہے اور مرجع بھی سب کا خاک ہی ہے کہ بقاعدہ کل شیٔ یرجع الی اصلہ وہ بھی خاک کے اصل ہونے پر دال ہے اور گو اور عناصر بھی ان کی ترکیب میں داخل ہیں مگر غالب خاک ہی ہے اور رنگینی یہی ہے کہ کسی جزء میں صورت فاکہیہ ہے کسی میں صورت طعامیہ رنگ تو کھانیکے قبل تھا اور) جب تو نے کھالیا اور وہ لحم و پوست ہوگیا تو (اُسوقت) اُسکو لحم کا رنگ دیدیا (پھر) یہ (لحم) بھی خاک کوچہ ہے (یعنی اخیر میں یہ لحم بھی مستحیل الی التراب ہوجاویگا اور یہ ظاہر ہے) خاک ہی سے گارے پر بخیہ بناتے ہیں (مثلاً جسم کے ساتھ اجزاء غذائیہ منضم ہوتے ہیں اور دونوں خاک ہیں) پھر سبکو خاک ہی کردیتے ہیں (چنانچہ) ہندی اور قبچاقی

(کہ ایک قوم ہے ترکوں کی) اور رومی اور حبشی (یہ) سب ایک رنگ (یعنی خاک) ہیں گور میں اچھی طور (یعنی پورے طور) پر تاکہ تو جان لے کہ یہ سب رنگ و نگار سب حجاب ہے اور نمائش ہے اور مستعار (یعنی عارضی) کیونکہ باقی صرف اللہ ہی کا رنگ ہے مراد اس سے رنگ اعمال کا ہے اور اضافہ تشریف کے لئے اشارۃً الی قولہ تعالیٰ صبغۃ اللہ ومن احسن من اللہ صبغۃ اور) اسکا غیر اوپر سے لگایا ہوا جان مثل جرس کے (کہ جزو حیوان نہیں اوپر سے باندھ دیتے ہیں اور الوان جسمیہ کا زائل ہو جانا اور الوان روحیہ کا کہ اعمال ہیں زائل نہ ہونا ظاہر ہے چنانچہ) صدق کا رنگ اور تقویٰ و یقین کا رنگ ابد تک باقی رہیگا عابدین پر (اور گو وہاں بقا جسم بشری کو بھی ہوگا اور یوں اس کے لئے لازم ہے لیکن وہ یہ یوں تعم نہ ہوگا بخلاف اعمال کے کہ وہ یہی اعمال ہوں گے یہ تو صبغۃ اللہ کا بقا رہا آگے اس کے مقابل یعنی اعمال کفریہ کا بقاء بتلاتے ہیں گو وہ صبغۃ اللہ میں داخل نہوا اور صبغۃ اللہ میں جو بقا رکا حکم کیا تھا وہاں حصر پر کوئی دلالت نہ تھی یعنی اعمال ایمانیہ کی طرح) شک اور کفر و نفاق کا رنگ بھی ابد تک باقی رہیگا روح عاق پر جیسے فرعون دغاباز کی سیہ روئی کہ اس (سیہ روئی) کا رنگ باقی ہے اور اسکا جسم فانی (اسیطرح) نور اور رونق روئے خوب صادقین کی (کہ) تن تو فنا ہو گیا اور وہ (خوب روئی) قائم رہے گی یوم دین (اور اس کے مابعد ابد) تک (اور سیہ روئی و خوب روئی میں رو سے مراد وجہ باطن ہے باقی روئے ظاہری تو جزو ہے جسم کا اور اسی کی ساتھ فانی ہیں جب یہ خوبی اور زشتی اعمال کی باقی ہے اور صورت ظاہر کی فانی تو) زشت (اصلی) وہی زشت ہے اور خوب (اصلی) وہی خوب ہے اور بس (کہ) ہمیشہ کے لئے وہ خوب خنداں اور یہ (زشت) ترش روئی میں رہیگا اور بعض محشین نے صبغۃ اللہ کو عام لیا ہے رنگ اعمال ایمانیہ و کفریہ کیلئے مگر میرا ذوق اسکو قبول نہیں کرتا غرض یہ کہ) وہ (حق تعالیٰ) خاک کو رنگ اور ڈھنگ اور شنگ (یعنی رونق و زیبائی) دیدیتے ہیں (مراد مطلق مرغوبیۃ خواہ انسان میں ہو یا اموال و اسباب میں اور یہ مرغوبیت دیکر) اطفال خصلت لوگوں کو اس پر جنگ دیدیتے ہیں (کہ ہر شخص چاہتا ہے کہ میں لوں اور دوسرے کو نہ لینے دوں جسطرح سے) آٹے کا اونٹ اور شیر پکاتے ہیں (اور) لڑکے اسکی حرص سے ہاتھ چوستے ہیں (کذافی الغیاث مزیدن مکیدن یعنی لڑکے یہ سمجھکر خوش ہوتے ہیں کہ ہم نے شیر لیا اور کھالیا ہم نے اونٹ لیا اور کھالیا حالانکہ محض صورت ہے شیر و شتر کی اور حقیقت اسکی روٹی اور آٹا ہے اور اس لئے) وہ شیر اور شتر منہ میں جاکر روٹی ہو جاتی ہے (حقیقت تو یہ ہے لیکن) یہ بات لڑکوں میں (کبھی) اثر نہیں کرتی (یعنی اگر ان سے کہو کہ حقیقت اسکی روٹی ہے یہ شیر و شتر نہیں ہے محض اسکی ہیئت ہے تم اس کے لئے لڑو مت روٹی کھالو تو کبھی اسکو نہ مانیں کہ اسکی حقیقت روٹی ہے بلکہ اس صورت ہی کو مقصود سمجھتے ہیں اسی طرح عوام الناس اس بات کو نہیں سمجھتے کہ حقیقت اسکی خاک ہے اور یہ صورتیں عارضی ہیں اصلی نہیں ہم اسپر جنگ نہ کریں اور جب یہ سب چیزیں جنمیں تنافس ہے خاک ہیں تو) ہم (صورت پرست لوگ ان کی مشغولی میں) لڑکوں کی طرح ہیں دامن خاک سے پر کئے ہوئے (اور ہمارے) دماغ سے اسباب اور دکان (مقصود) کا اہتمام نکلا ہوا (جیسے اطفال اس کھیل کے سامنے ان چیزوں کو جانتے بھی نہیں اور ان اشعار میں طالبان دنیا کو اطفال سے تشبیہ دی ہے آگے فرماتے ہیں کہ یہ ان سے بھی زیادہ بدحال ہیں کیونکہ) لڑکا (یہ مسلم ہے کہ) جہل اور خیالات اور شک میں ہے مگر خیر شکر ہے کہ اس کی قوت (عملیہ)

تو تھوڑی ہے (جسکے سبب اُس نقصان علم و عقل کا کوئی اثر مضر ظاہر نہیں ہوتا چنانچہ اُس خاک پر لڑتے بھی ہیں تو نہ ہتیار ہے نہ زور ہے نہ تدبیر اور چالاکی ہے یوں ہی معمولی تو تو میں میں ہوئی اور ختم ہوا اور زیادہ) افسوس ان اطفال کے حال پر ہے جو پیری کر رہے ہیں (یعنی) لنگ ہو رہیں (باعتبار ضعف قوت علمیہ و ناحقیقت شناسی دنیا کے) اور (پھر) سرداری کر رہے ہیں (یعنی سامان و اسباب سردارانہ مال و جاہ وغیرہ رکھتے ہیں جس سے اُن کو قوت عملیہ معتد بہا حاصل ہے اور پیری سے بھی یہی مراد ہیں نہ کہ مشیخت گو وہ بھی اس کے عموم میں داخل ہے پس مصرعہ ثانیہ کے دونوں جزو تفسیر ہیں مصرعہ اولی کے دونوں جزووں کی مطلب یہ کہ ان پیران نابالغ کا حال زیادہ بُرا ہے کہ قوت علمیہ تو انکی ناقص اور سامان اضرار و تجادل و تزاحم کا ان کے پاس وافر ہیں ان میں مضارت و مضادت بہت بڑھی ہوئی ہے جب یہ جنگ کرینگے خاک پر تو ان کی جنگ اطفال کی جنگ سے اضر اور ادہی وام ہو گی آگے بھی اسی کی تائید ہے کہ بیشک) طفل میں لڑائی اور سو آفت ہے (یہ مسلم مگر) اس کا شکر ہے کہ وہ بے فن اور بے آلت ہے افسوس (زیادہ) ان پیران نابالغ بے ادب پر ہے (کہ) قوت (و سامان) کے سبب ہر عاقل کے لئے بلا ہو گئے (یعنی حقیقی عقلاء کو ستاتے ہیں اور) جب ہتیار (کہ قوت عملیہ کی زیادتی ہے) اور جہل (کہ قوت علمیہ کی کمی ہے دونوں) باہم جمع ہو جاویں تو (اُس وقت) وہ شخص ایک فرعون ہو جاویگا جو ظلم سے جہاں سوز ہے (آگے قوت عملیہ مع الجہل کی مضرت ثابت ہوتے پر تفریع ہے کہ) اے مرد فقیر (نادار) تو (سامان کی) کوتاہی سے شکر کر کہ تو فرعونیت سے چھوٹ گیا اور کفران سے (فی المنتخب کفور بالضم ناسپاسی کردن) شکر ہے کہ تو مظلوم ہے اور ظالم نہیں ہے (اور) فرعونیت اور ہر فتنہ سے تو مامون ہے (آگے بھی ناداری کے اسلم ہونے کا مضمون ہے کہ دیکھو) شکم تہی نے الوہیت کا دعوی (کبھی) نہیں کیا کیونکہ اُس کے آتش (مادہ خبیثہ کبر) کو ہیزم کی مدد نہیں پہونچی (ہیزم سے مراد اسباب و سامان جاہ و قدرت آگے مثال ہے شکم تہی اور شکم پر کی زندان و بازار کے ساتھ یعنی) شکم خالی شیطان کا زندان ہے (یعنی شیطان وہاں ایسے تصرفات سے محبوس ہے) کیونکہ اُسکو غم نان مانع ہے (ایسے) مکر و فریب سے (کہ لاؤ خدائی کا دعوی کرو اور) شکم پر طعام کو شیطان کا بازار جان تاجران شیطان کا اُسمیں شور (مچ رہا) ہے (اور دھوکہ کی چیزیں اُس میں بیچ رہے ہیں آگے اسکی تفصیل ہے یعنی) اُن تاجران ساحر نے جو کہ لا شئے فروش ہیں عقلوں کو پریشان کر رکھا ہے خروش سے (اس پراگندگی میں مشتریوں کو تمیز نہ رہی عث و سمین میں فرق کرنے کی ان ساحر تاجروں نے) مٹکے کو سحر سے گھوڑے کی طرح چلتا کر رکھا ہے (کہ خریدار نظر بندی کے سبب اُسکو گھوڑا سمجھکر دام ڈبو دیتا ہے اور ان ہی ساحروں نے) کپڑا بنا رکھا ہے چاندنی اور اندھیری سے (کہ شعاعوں کو بشکل کپڑے کے نمایاں کر کے دام لے لیتے ہیں اسی طرح تاریکی کو شاید سیاہ کپڑا کر کے دکھلاتے ہوں اور یہ ساحر لوگ) ابریشم کی طرح خاک کو تن رہے ہیں (جسکو بورنا کہتے ہیں خریدار ریشم سمجھکر دام دیدیتا ہے اور) مینڈکی آنکھ میں وہ لوگ خاک جھونک رہے ہیں (اور) پتھر کو عودی رنگ دے رہے ہیں (اور) کلوخ پر ہمکو رشک دے رہے ہیں (یعنی سحر سے انکی ایسی صورت دکھلائی ہے کہ دیکھکر رغبت خریداری کی ہوتی ہے یہ سب مثالیں ہو گئیں تصرفات شیاطین کی آگے پھر عود ہے مضمون سابق کی طرف کہ یہ سب متاع دنیا خاک ہے جسپر مختلف رنگ اور نقش کر دئے گئے ہیں پس فرماتے ہیں

کہ) پاک ہے وہ ذات جو خاک کو رنگ دیتا ہے (اور) کودک کی طرح ہمکو اُسپر جنگ دیتا ہے (شاید تسبیح کے ساتھ اسکو شروع کرنے میں اشارہ ہوا ایک شبہ کے دفع کی طرف شبہ یہ کہ اشعار متصلہ میں جو تصرفات مذمومہ بیان کئے گئے ہیں اُن کا حاصل بھی تلبیس ہے اور خاک کو رنگین و نقشین کرنا جوکہ حق تعالیٰ کی جانب منسوب کیا گیا ہے یہ بھی ایک قسم کی تلبیس ہے جب دونوں متشابہ ہیں تو پھر اگر یہ قبیح ہے اور اس لئے شیطان کی طرف اُنکی نسبت صحیح ہوئی ہے تو حق تعالیٰ کی طرف کیسے صحیح ہوگی اور اگر یہ قبیح نہیں ہے اور حق تعالیٰ کی طرف اس لئے نسبت صحیح ہوئی تو پھر شیاطین کی طرف نسبت کرنا معرض ذم میں کیسے واقع ہوا جواب یہ ہے کہ شیاطین تو اس کے کاسب ہیں اور قبیح کا کسب قبیح ہے اور حق تعالیٰ خالق ہے اور قبیح کا خلق قبیح نہیں پس وہ قبیح کو خلق کرکے بھی قبح سے منزہ ہے لفظ پاک میں تنزیہ خاص مراد لیکر اس جواب کی طرف اشارہ ہوگیا آگے اسی رنگ کردن خالق اور جنگ کردن عام مخلوق کا مضمون ہے کہ) ہم دامن کو ایک خاک سے بچوں کی طرح بھرے ہوئے ہیں (اور اُس رنگین کرنے سے ہماری نظر میں خاک مثل زرکان کے (معلوم ہوتی) ہے (آگے ان فریفتگان رنگ اور شیفتگان جنگ کو بطور نصیحت کے فرماتے ہیں کہ قاعدہ ہے کہ) طفل کو بالغین کے ساتھ جدال (جائز) نہیں ہوتا (کیونکہ) طفل کو حق تعالیٰ مردوں کی برابر کب بٹھلاتا ہے (یہ کنایہ ہے عدم تساوی سے کما قال تعالیٰ ھل یستوی الاعمیٰ والبصیر وقال تعالیٰ ھل یستوی الذین یعلمون والذین لا یعلمون اور میں نے جو منو دجدال کا ترجمہ کیا ہے وہ اس پر مبنی ہے کہ خبر کو انشاء پر محمول کیا گیا کما قالوا فی قولہ تعالیٰ لا جدال فی الحج ای لا تجادلوا حاصل یہ ہوا کہ تم طفل ہو اور مردان حق بالغ ہیں اور طفل کو بالغ کے امر میں معارضہ نہ چاہئے اور بالغین حب دنیا سے منع کر رہے ہیں پس تم اُن کے کہنے پر چلو اور گو تم یہ کہو کہ ہم تو نابالغ نہیں آگے اُس کا جواب ایک تشبیہ سے دیتے ہیں کہ) میوہ اگرچہ کہنہ ہو جاوے (لیکن) جب تک خام ہے (اور) پختہ نہ ہوا اُس کا نام غورہ (بواؤ مجہول) ہی کہیں گے (جسکے معنی انگورہای نارسیدہ ترش ہیں کذا فی الغیاث آگے بھی اسی کی تاکید ہے کہ) اگر وہ خام و ترش سو برس کا ہو جاوے (اس طرح سے کہ خام توڑ کر سالہا سال کسی ترکیب سے محفوظ رکھا تب بھی) وہ طفل و غورہ ہی ہے ہر تیز ہوش کے نزدیک (پس اسی طرح تم اگرچہ بالغ لغوی یا بوڑھے ہو جاؤ مگر چونکہ تم میں پختگی عقل و بصیرت کی نہ آئی تھی اور اُسی حالت میں تم کہنہ سال ہو گئے تو مثل اُس میوۂ خام کہنہ کے تم بھی عقل کے اعتبار سے طفل و غورہ خام اور سن کے اعتبار سے کہنہ ہو گئے تو معنیٔ نابالغ بمعنی خام ہوئے پس وہ شبہ جاتا رہا چنانچہ شعر آیندہ میں یہی مضمون ہے کہ اسی طرح) اگرچہ اس (طفل عقل) کے بال اور ریش سفید ہو جاویں (لیکن یہ) اُسی طفلی اور (اُسی) خوف و امید میں ہے (جس میں پہلے تھا جسکا آگے بیان ہے اور جسکا حاصل یہ ہے کہ اُس کا نام اس شخص نے خود خوف و رجا رکھا ہے اُس رجا کی حقیقت غرور اور دھوکہ ہے جیسے کوئی شخص بدون تخم پاشی کے متوقع ہو کہ غلہ پیدا ہوگا اور اُس خوف کی حقیقت جبن و ضعف ہمت ہے جیسے کوئی شخص کاشتکاری اس لئے نہ کرے کہ شاید تخم ضائع ہو جاوے یا پیداوار برف سے ہلاک ہو جاوے ایسا ہی حال ہے محبین دنیا کا کہ عمل بالکل نہیں اور متوقع ہیں مقبولیت و مقربیت کے کہ

(حاشیہ:) [illegible]

اللہ تعالیٰ بڑے کریم ہیں بے عمل بھی فضل فرما دیتے ہیں اسی طرح عمل میں صدہا شبہات نکالتے ہیں کہ شاید مقبول نہو یا حبط ہو جاوے کیونکہ وہ بڑی بے نیاز ہیں عمل کی وہاں کیا قدر ہے اور یہ صورۃً خوف ورجا ہے حقیقۃً نہیں اور یہ خوف ورجا طفلانہ ہے اسی لئے طفل کے ساتھ اسکو مقرون کیا اور اسی معنی کے افادہ کی طرف بندہ نے ترجمہ شعر میں خوف وامید کے ساتھ لفظ "اسی کو نا" ہر کر دیا جو بواسطہ عطف کے کلام میں مکرر ہے یعنی ہمدران طفلی وہمدران خوف وامید تاکہ خوف ورجا حقیقی نہ سمجھا جاوے بلکہ خاص یہ خوف ورجا صوری سمجھا جاوے آگے اسی خوف ورجا کی تفسیر ہے کہ وہ اس خوف وامید طفلانہ میں رہتا ہے کہ) معلوم نہیں میں بے پہونچا رہ جاؤنگا یا پہونچ جاؤنگا (اور معلوم نہیں) حق تعالیٰ میرے ساتھ غضب کرے (یہ مرتب ہے نارسیدہ خواہم ماند پر) یا خود کرم ہے (یہ مرتب ہے رسم پر اس سے یہی مراد ہے کہ خالی احتمالات نکالتا رہتا ہے کہ معلوم نہیں کیا ہوگا شاید باوجود عمل نارسیدہ مانم وحق غضب کند یا بدون عمل رسم وحق کرم کند پھر اس کے بعد اپنی سن سمجھوتی کرتا ہے کہ دو احتمال بھی کیوں نکالے جاویں کہ نارسیدن پر غضب اور رسیدن پر کرم بلکہ بفحوائے سبقت رحمتی علی غضبی یہی سمجھنا چاہیئے کہ) اگر میں رسیدہ ہو جاؤں تب بھی یا نارسیدہ رہوں تب بھی اے لوگو عجیب بات یہ ہے کہ وہ (دونوں حال میں) میرے ساتھ لطف وکرم ہی فرما دیگا۔ (اور اسمیں نفس کی زیادہ تسویل ہے کیونکہ وہ خوف صوری گو خوف حقیقی نہ تھا لیکن اس کے واسطہ سے کبھی احتمال تو غضب کا ہو جاتا تھا یہ کسی وقت شاید نافع ہو جاتا اس میں اسکو بھی رخصت کر دیا اور یہ بھی کہتا ہے کہ) باوجود ایسی ناقابلیت اور دوری کے (میں کچھ عمل نہیں کرتا بلکہ معصیت کے کام کرتا ہوں ودل علی الاول قولہ ناقابلی ودل علی الثانی قولہ دوری) وہ بخشدیگا میرے غورہ کو انگور ہونے کی صفت (یعنی وہ مجھکو خام سے پختہ اور ناقص سے کامل کر دینگے اسمیں نارسیدن پر نجات کی امید سے ترقی کر کے ولی بننے اور رسیدن کا بھی یقین کر لیا اور یوں بھی کہتا ہے کہ) میں کسی طرف سے امیدوار نہیں ہوں (حتیٰ کہ عمل کی بھی ضرورت نہیں سمجھتا) اور وہ کریم مجھکو لاتأیسوا کہہ رہا ہے (اور) ہمیشہ ہمارے بادشاہ نے جشن فرمایا ہے (فی الغیاث طو بالضم وواؤ معروف معرب تو بواؤ مجہول در ترکی شادی عروسی را گویند اور) ہمارے کان کو لاتقنطوا کھینچ رہا ہے (اس سب کا حاصل وہی غرور ہے اور میرے ذوق میں آگے مولانا انتقال فرماتے ہیں رجاء حقیقی کی طرف جسمیں باوجود عمل کے اپنے عمل کو ہیچ سمجھنے سے حق تعالیٰ ہی کی رحمت پر نظر ہوتی ہے جیسا کاشتکار باوجود تخم پاشی کے بارش کا امیدوار حق تعالیٰ سے رہتا ہے)

گرچہ مازیں ناامیدی در گویم
اگرچہ ہم اس ناامیدی سے گڑھے میں ہیں

دست اندازیم چوں اسپان سپیس
ہم بعد اس کے ہاتھ پھینک رہے ہیں

چوں صلا زد دست اندازاں رویم
جب حق تعالیٰ نے صلا دی ہے تو ہم ہاتھ پھینکتے ہوئے چل رہے ہیں

در دویدن سوئے مرعائے انس
دوڑنے میں طرف چراگاہ انس کے

گام اندازیم وآنجا گام نے
ہم پاؤں پھینک رہے ہیں اور اس جگہ قدم نہیں
جام پردازیم وآں جا جام نے
ہم پیالہ خالی کر رہے ہیں اس جگہ جام نہیں

زانکہ آنجا جملہ اشیا جانی ست
اس لئے کہ اس جگہ تمام اشیار روحانی ہیں
معنی اندر معنی و ربانی ست
خلاصۃ الخلاصہ اور ربانی ہیں

ہست صورت سایہ معنی آفتاب
صورت تو سایہ ہے معنی آفتاب ہے
نور بے سایہ بود اندر خراب
نور بے سایہ تو ویرانی میں ہوتا ہے

چونکہ آنجا خشت بر خشتے نماند
جب وہاں خشت پر خشت نہ رہی
نور مہ را سایۂ زشتے نماند
تو نور ماہ کے لئے کوئی سایۂ زشت نہ رہا

خشت گر زریں بود بر کندنی ست
خشت اگر زریں بھی ہے تب بھی اکھاڑنے کے قابل ہے
چوں بہائے خشت وحی و روشنی ست
جبکہ خشت کی قیمت الہام ہے اور نور ہے

کوہ بہر دفع سایہ مندکے ست
دفع سایہ کے لئے پہاڑ ریزہ ریزہ ہے
پارہ گشتن بہر ایں نور اندکے ست
اس نور کے لئے پارہ پارہ ہوجانا تھوڑی بات ہے

بر بروں کہ چو زد نور صمد
پہاڑ کے ظاہر پر جب نور صمد نے تجلی فرمائی
پارہ شد تا در درونش ہم زند
تو وہ پارہ پارہ ہوگیا تاکہ اسکے باطن میں بھی داخل ہوجاوے

گرسنہ چوں بر کفش زد قرص نان
گرسنہ کے ہاتھ پر جب قرص نان لگتی ہے
واشگافد از ہوس چشم و دہاں
تو وہ ہوس سے آنکھ اور منہ پھاڑ دیتا ہے

صد ہزاراں پارہ گشتن ارزد ایں
لاکھوں ٹکڑے ہوجانا اسکے لئے زیبا ہے
از میان چرخ برخیز اے زمیں
آسمان کے بیچ میں سے اٹھ جا اے زمین

تاکہ نور چرخ گردد سایہ سوز
تاکہ نور آسمان سایہ سوز ہو جاوے

شب ز سایہ تست اے یاغی روز
شب تیرے ہی سایہ سی ہے ای دشمن دن کی

این زمین چون گاہوارہ طفلکاں
یہ زمین مثل گہوارہ اطفال کے ہے

بالغاں را تنگ میدارد مکاں
بالغوں کے لئے مکان کو تنگ رکھتا ہے

بہر طفلاں حق زمین را مہد خواند
اطفال کیلئے حق تعالیٰ نے زمین کو مہد فرمایا ہے

واندر وزاں شیر بر طفلاں فشاند
اور اس میں اس وجہ میں سے اطفال پر عطا فرمایا ہے

خانہ تنگ آمد ازیں گہوارہا
یہ گھر ان گہواروں سے تنگ ہو گیا ہے

طفلکان راز و د بالغ کن شہا
ان اطفال کو جلدی بالغ کر دے ای بادشاہ

ہاں مکن ای گاہوارہ خانہ تنگ
ہاں اے گہوارہ گھر کو تنگ مت کر

تا تواند رفت بالغ بے درنگ
تاکہ بالغ چل سکے بے درنگ۔

اے گوارہ خانہ را ضیق مدار
اے گہوارہ تو گھر کو . تنگ مت رکھ

تا تواند کرد بالغ انتشار
تاکہ بالغ آمد و رفت کر سکے

(ربط اوپر مذکور ہوا ہے یعنی انتقال ہے رجا حقیقی کی طرف جسکے ساتھ عمل بھی ہوتا ہے مگر اسکو بے اثر سمجھا جاتا ہے اور اتکال رحمت پر ہوتا ہے اور اس بے اثر سمجھنے کو خوف لازم ہے پس رجا کے ساتھ خوف بھی حکماً مذکور ہو گیا اور مامور بہ مجموعہ ہی ہے رجا اس قول کا مدلول ہے گرچہ ما زیں ناامیدی الخ جس سے مفہوم ہوتا ہے کہ ناامیدی نہ چاہیے اور اس کے ساتھ عمل ہونا جس سے وہ رجا حقیقی ہو جاوے اس قول کا مدلول ہے دست اندازیم و گام اندازیم اور اسکا بے اثر سمجھنا اس قول کا مدلول ہے انجا گام نے وانجا جام نے اور رحمت حق کا اصل موثر ہونا اس قول کا مدلول ہے جملہ شیار جانی ست معنی اندر معنی الخ اور رجا کے لئے خوف کے اعتبار کا لازم ہونا بھی اوپر مذکور ہوا اور پھر اس اتکال کے تعلق سے جذب حق کی ضرورت کا مضمون کہ وہی اصل موثر ہے وصول الی المقصود میں اور ضرورت کے ساتھ اسکی طلب مذکور ہے پس فرماتے ہیں کہ) اگرچہ ہم اس ناامیدی سے (جو ہماری حالت کا مقتضا ہے) گرتے

میں ہیں (حالت ناکارگی کو تشبیہ دی گرہے کے ساتھ جسمیں ہلاک محتمل ہے لیکن) جب حق تعالیٰ نے (دعوت الی رحمت کی) صلا دی ہے (کما قال تعالیٰ واللہ یدعوا الی دار السلام) تو ہم ہاتھ پھینکتے ہوئے (یعنی حرکت ممکنہ کرتے ہوئے) چل رہے ہیں (وہذا کقولہ رح گرچہ رخنہ نیست عالم راپدید + خیرہ یوسف وار می باید دوید + آگے رومیؒ کا معمول بتلاتے ہیں کہ) ہم بعد اسی (صلا) کے ہاتھ پھینک رہے ہیں دوڑتے ہیں طرف چراگاہ انس (و مقعد صدق) کے (جو مصداق ہے دار السلام مذکور آیت موصوفہ کا فی المنتخب بفتحتین مردم وقبیلہ کہ یکجا مقیم باشند و من لوازم المرعی للمجتمعین کونہ مانوس بہ فتح جہت بالحاصل اور) ہم (اودہر جانے کی طرف ہاتھ) پانو پھینک رہے ہیں (یعنی بقدر امکان کوشش کر رہے ہیں) اور اس جگہ (یہ) قدم (معتد بہ) نہیں (کیونکہ اس مقصود کے مقابلہ میں سعی کیا چیز ہے اور) ہم (اپنے زعم میں) پیالہ خالی کر رہے ہیں (جو کہ پوری شراب پینے میں ہوتا ہے یعنی بمقتضائے عبدیت وخدمت سے کا افراغ جہد ہے پورا مجاہدہ اختیار کرتے ہیں اور واقع میں) اس جگہ یہ جام (معتد بہ) نہیں (کما ذکر فی شرح قولہ گام نے آگے اس گام نے وجام نے کی وجہ کی توضیح ہے یعنی) اس لئے کہ اس جگہ (یعنی اس دربار کے لائق) تمام اشیاء روحانی (یعنی لطیف وخالص) ہیں (آگے جانی کی تفسیر ہے یعنی) خلاصۃ الخلاصہ اور ربانی ہیں (چونکہ شئے کا خلاصہ لطیف بمنزلہ اسکی روح کے ہے اس لئے روحانی بمعنی لطیف وخلاصہ کے ہوا جس کا مصداق ربانی میں بتلا دیا یعنی وہ اعمال جن میں کوئی نقص وشائبہ ریا وعجب وکراہۃ وتفریط ادب وحقوق وغیرہ کا نہ ہو اور خالص ابتغاءً لوجہ اللہ کئے گئے ہوں جس سے ان کو رب عظیم کی طرف منسوب کرنا صحیح ہو ورنہ اس میں دوسرے کا شائبہ ہونے سے وہ محل ہو جاویگا اس ارشاد کا انا اغنی الشرکاء عن الشرک مطلب یہ کہ اس حالت میں ظاہر ہے کہ جب ہمارے اعمال اس درجہ کے نہیں جیسا کہ حدیث میں ہے لن تحصوا اور لن یشاد الدین احد الا غلبہ تو گام نے وجام نے کا حکم مذکور صحیح ہو گیا اور باوجود اس کے اعمال کا قبول کرنا جیسا کہ جزاء بما کانوا یعملون اس پر دال ہے صاف دلیل ہے کہ وصول الی المقصود میں رحمت حق ہی موثر ہے کما قلت فی التمہید اور رحمت حق کا اصل موثر ہونا اور چونکہ حاصل اعمال کا سلوک ہے اور حاصل تاثیر رحمت حق کا جذب ہے تو اعمال کے عدم تاثیر اور رحمت حق کی تاثیر کا جو کہ یہاں تک اشعار میں مذکور ہوئی حاصل سلوک کی عدم تاثیر اور جذب کی تاثیر ہے اس لئے آگے اس جذب کے بعض احکام وآثار مثل فناء وبقاء اور ان کے خواص اور ان کی مطلوبیت بیان فرماتے ہیں یعنی) صورت تو سایہ ہے (اور) معنی آفتاب ہے (صورت سے مراد غلبہ احکام جسمانیہ کا کہ وہی سبب ہوتا ہے شوائب نقص فی الاعمال کا اور معنی سے مراد غلبہ احکام روحانیہ کا کہ اسی سے اعمال کا نقص مبدل بکمال مناسب للعبد لا الکمال اللائق بحقوق الحق تعالیٰ ہو جاتا ہے جس سے اعمال معنوی اور ربانی ہو جاتے ہیں جنکا شعر سابق میں ذکر تھا جسکا راز یہ ہے کہ یہ غلبہ اثر ہے فناء کا اور فناء میں وہ افعال عبد مصداق اس مضمون کے ہیں ؎

گریۂ او خندۂ او نطق او +	فہم او و خلق او و خلق او +
عقل او و وہم او و حس او +	نیست از وی ہست محض صنع او

کذا فی الدفتر الخامس من ہذا المثنوی فی عنوان بقیہ حال مرید مقلد در گریہ اس لئے وہ ان شوائب سے خالص

ہو جاتے ہیں آگے تفریع ہے مضمون مصرعہ اولیٰ پر یعنی جب صورت سایہ اور معنی آفتاب ہو تو) نور بے سایہ تو ویرانی میں ہوتا ہے (کیونکہ آبادی میں تعمیرات و اشجار وغیرہ کا سایہ پڑنے سے نور خالص نہیں ہوتا بلکہ مشوب بالظل ہوتا ہے اور) جب ہاں خشت پر خشت نہ رہی تو نور ماہ (یا آفتاب مذکور فی الشعر السابق) کے لئے کوئی سایہ زشت (وصفہ بہ لکونہ مانعاً عن النور) نہ رہا۔ (اسی طرح اگر احکام روحانیہ کا غلبہ جیسکے آثار ابھی مذکور ہوئے یعنی اعمال کی معنویت وربانیت چاہتے ہو تو فنار جسم کو اختیار کرو کہ اس پر دولت بقار مرتب ہوگی جس سے تم متعلق باخلاق اللہ و خالص الاعمال ہو جاؤ گے چنانچہ آگے اسی بقار کا عطار ہونا مذکور ہے کہ) خشت (جبکہ مانع نور ماہ خور ہو تو وہ) اگر زریں بھی ہو تب بھی اکھاڑ دینے کے قابل ہے جبکہ (اس) خشت کی قیمت الہام ہے اور نور ہے (یہ آثار ہیں بقار کے مطلب یہ کہ جب بقار باللہ صلہ ہے فنار کا تو فنار واجب التحصیل ہے اور اس فنار میں گو تن پروری و تن آرائی فوت ہوگی مگر اسکی پرواست کرنا کیونکہ فنار جسم حصول نور کے لئے وہ چیز ہے کہ) دفع سایہ کے لئے پہاڑ ریزہ ریزہ (ہو جاتا) ہے (اور) اس نور کے لئے پارہ پارہ ہو جانا تھوڑی بات ہو (یعنی طور پر جب تجلی ہوئی تو نور حق کے متجلی ہونے سے کہ دفع سایہ اس کے لئے لازم ہے جو مصرعہ اول میں ہو وہ ریزہ ریزہ ہو گیا اور) پہاڑ کے ظاہر (سطح) پر جب نور صمد نے تجلی فرمائی تو وہ پارہ پارہ ہو گیا تاکہ اس کے باطن میں بھی داخل ہو جاوے (جیسے) گرسنہ کے ہاتھ پر جب قرص نان لگتی ہے تو وہ ہوس سے انگیا اور مونہ (بھی) پھاڑ دیتا ہے (یہی حالت طور کی ہو گئی کہ گویا مونہ پھاڑ دیا کہ غذائے نور جسطرح اس کے ہاتھ یعنی ظاہر پر رکھی گئی اسی طرح اس کے مونہ یعنی باطن میں بھی پہونچا دی جاوے پس جسطرح اس نے نور کے لئے فنار صورت کو گوارا کر لیا تو بھی جسم کی پرواہ مت کر اس نور کے حاصل کرنے کے لئے فنا کر دے اور مقصود اس تشبیہ سے صرف توضیح ہے صورت کے غیر معتد بہ ہونے کی نور کے مقابلہ میں گو مشبہ بہ میں وہ فک اضطراری ہے اور مشبہ میں اختیاری آگے جسم کو خطاب کرتے ہیں جس سے مقصود صاحب جسم کو سنا کر اسکی ہمت بڑھانا ہے پس فرماتے ہیں کہ) لاکھوں ٹکرے ہو جانا (کوہ ذرہ میں یعنی جسم کے) اس (نور) کیلئے زیبا ہے (پس) آسمان کے بیچ میں سے اٹھ جاوے زمین تاکہ نور آسمان (مثلاً نور آفتاب) سایہ سوز ہو جاوے (یعنی جو میں نور ہی نور رہ جاوے کیونکہ) شب تیرے ہی سایہ سے ہے اے دشمن دن کی (یعنی مخالف نور آفتاب کی جیسا کہ اہل ہیئت نے کہا ہے کہ شب کی حقیقت سایہ ہے زمین کا کہ آفتاب جسوقت مثلاً ہمارے اعتبار سے زمین کی دوسری طرف ہوتا ہے تو زمین کا سایہ جو ہمیں پڑتا ہے وہ شب ہے مطلب یہ ہے کہ جسطرح مثلاً زمین کے اٹھ جانے سے ہر وقت جو میں نور ہی نور رہا کرے اسی طرح اگر جسم فنار ہو جاوے تو روح پر نور حق متجلی رہا کرے پس جب فنا کی یہ خاصیت ہے تو اسمیں کیوں پس و پیش کیا جاوے اور اس فنار مذکور میں جسطرح خود مامور بالفنار کے خطرات ضیاع حظوظ جسمانیہ کے مانع ہوتے ہیں اسی طرح کبھی دوسرے مقیدان احکام جسمانیہ کی طرف سے مزاحمت پیش آتی ہے خواہ موافقانہ جیسے نادان دوست بزعم خود خیر خواہی کیا کرتے ہیں خواہ مخالفانہ جیسے حساد و معاندین ایذا پہونچایا کرتے ہیں اور کام میں مشغول نہیں ہونے دیتے اوپر پہلی مانعیت کے متعلق مضمون تھا جسمیں ہمت دلائی تھی آگے دوسری مزاحمت کا مضمون ہے جسمیں حق تعالیٰ سے التجا ہے اس مزاحمت کے رفع کرنے کی فی قولہ زود بانغ کن اور مزاحمین کو اس لئے

شاید خطاب نہ کیا ہو کہ بیشمار ہیں کسے کسے سمجھائیں پس ارشاد ہے کہ) یہ زمین (یعنی عالم اجسام و ناسوت) مثل گہوارہ اطفال کے ہے (بوجہ اس کے کہ اس کے اکثر سکان طفلان عقل ہیں کما ذکر مفصلاً فی اشعار قبل اشعار المقام اور یہ گہوارہ) بالغوں کے لئے مکان کو تنگ رکھتا ہے (جیسے کسی گھر میں بہت بچے ہوں اور ہر ایک کیلئے ایک گہوارہ ہو تو سارا گھر گہواروں ہی سے بھر جاویگا اور بالغوں کو بیٹھنے اور چلنے کے لئے جگہ نہ رہے گی اسی طرح اہل دنیا کی مزاحمتیں کاملین کے ساتھ اور ان کو تنگ کرنا مشابہ اسی کے ہے جیسے مذکور ہوا آگے تائید نقلی ہے اس تشبیہ ارض بالمہد کی کہ دیکھو) اطفال کیلئے حق تعالیٰ نے زمین کو مہد فرمایا ہے (قال تعالیٰ جعل لکم الارض مھدًا) اور (پھر) اس (مہد) میں اس دودھ میں سے اطفال پر عطا فرمایا ہے (یعنی لذات دنیویہ مثل دودھ کے ہیں اور قرآن مجید میں جو مہد آیا ہے وہ بمعنی مطلق فراش کے ہے جو گہوارہ کو بھی مشتمل ہے پس یہ استدلال ایک قسم کا استیناس ہے اور مقصود اس استدلال پر موقوف نہیں اس لئے احتمال مضر نہیں اور) یہ گھر ان گہواروں سے تنگ ہو گیا ہے (کما ذکر تقریرہ مع المقصود بہ فی شرح مصراع بالغان را تنگ میدارد مکان پس) ان اطفال کو جلدی بالغ کر دے ای بادشاہ (یعنی اللھم اھد قومی تاکہ یہ مزاحمت چھوڑیں آگے خطاب مجازی ہے گہوارہ کو جس سے مقصود محض اظہار تمنی ہے بلا قصد خطاب پس فرماتے ہیں کہ) ہاں ای گہوارہ گھر کو تنگ مت کر تاکہ بالغ چل پھر سکے بے درنگ۔ ای گہوارہ تو گھر کو تنگ مت رکھ تاکہ بالغ آمد و رفت کر سکے (وھذا الانتشار کقولہ تعالیٰ فانتشروا فی الارض :-

ف اظہار عجز کے لئے اپنی حکایت بیان کرتا ہوں کہ ان اشعار کے حل میں ایسی طبیعت بستہ ہوئی کہ بڑی مشکل سے اتنا لکھا گیا جس سے اس کا اور تازہ یقین ہو گیا کہ آدمی کا نہ علم کچھ ہے نہ عمل۔ حق تعالیٰ ہی کام لے لیتے ہیں آگے رجوع ہے قصہ کی طرف۔

در بیان استغفار و عجب شاہزادہ و زخم خوردن از باطن شاہ

(حاصل مضمون اس سرخی کا یہ حکایت ہے کہ اس شاہزادہ کو شاہ چین سے فیوض و برکات حاصل ہوئی مگر اسکو گمان ہو گیا کہ میں جب کامل ہو گیا مجھکو شیخ کی اور اسکی خدمت کی کیا ضرورت رہی اس کا یہ وبال ہوا کہ وہ برکات سب مسلوب ہو گئے اور متنبہ ہو کر استغفار کیا اور اس کے بعد ایک سرخی اس قصہ کی اور آوے گی اس میں اسکا تتمہ ہے کہ استغفار میں باطنی مضرت سے تو محفوظ ہو گیا اب خواہ وہ کمال سابق عائد ہوا ہو یا نہ ہوا لیکن چونکہ شیخ کے قلب کو اس صدمہ ہو چکا تھا اور اس کے قلب میں تصرف کی قوت بھی تھی اس کے اثر سے شاہزادہ مر گیا کہ صاحب تصرف اگر اس کا قصد بھی نکرے مگر اسکو صدمہ ہونا اس دنیوی ضرر کا سبب ہو جاتا ہے کیونکہ ناگواری میں ایک گونہ توجہ اس شخص کے اضرار کی طرف طبعاً ہو جاتی ہے اور اس سے یہ اثر ہو سکتا ہے اور اس تقریر سے کئی مسئلے بھی معلوم ہو گئے جو ظاہر ہیں اب صرف حل عبارت شرح اشعار میں

کافی ہے)

چون مسلّم گشت بے بیع وشری
جب مسلم ہوگیا بدون بیع وشرار کے
از درون شاہ در جانش جری
باطن شاہ سے اسکے باطن میں روزینہ

قوت می خورد ے ز نور جان شاہ
وہ نور جان شاہ سے غذا کھاتا تھا
ماہ جانش ہمچو از خورشید ماہ
اسکا ماہ جان ایسا ہوگیا تھا جیسا خورشید سے ماہ

راتبہ جانی ز شاہ بے ندید
روزینہ روحی شاہ بے نظیر سے
دمبدم در جان مستش می رسید
دمبدم اس کی جان مست میں پہونچتا تھا

آں نہ کش ترسا و مشرک میخورند
وہ نہیں جسکو نصرانی اور مشرک کھاتے ہیں
زاں غذائے کش ملائک میخورند
اس غذا سے کہ اسکو ملائکہ کھاتے ہیں

اندرون خویش استغنا بدید
اس نے اپنے اندر استغنا دیکھا
گشت طغیانے ز استغنا پدید
استغنا سے ایک طغیان ظاہر ہوا

کہ نہ من ہم شاہ و ہم شہزادہ ام
کہ کیا میں شاہ بھی اور شاہزادہ بھی نہیں ہوں
چون عنان خود بدیں شہ دادہ ام
کیوں اپنی عنان اس بادشاہ کو میں نے دی رکھی ہے

چون مرا ماہے بر آمد بالمع
جب میرا ایک چاند بانور طلوع ہوچکا ہے
پس چرا باشم غبارے را تبع
پھر میں ایک غبار کا تابع کیوں ہوں

آب در جوئے من ست و وقت ناز
پانی میری نہر میں ہے اور وقت ناز کا ہے
ناز غیر از چہ کشم من بے نیاز
میں کہ بے نیاز ہوں غیر کا ناز کیوں اٹھاؤں

سر چرا بندم چو درد سر نماند
میں سر کیوں باندھوں جب درد سر نہ رہا
وقت روئے زرد و چشم تر نماند
روئے زرد اور چشم تر کا وقت نہیں رہا

چون شکرلب گشته‌ام عارض قمر　　باز باید کرد دکان دگر

میں جب شکرلب اور ماہ رخسار ہو گیا ہوں　　تو دوسری دکان کھولنا چاہیئے

زین منی چون نفس زائیدن گرفت　　صد ہزاران ژاژ خائیدن گرفت

اس انانیت سے جب نفس بڑھنا شروع ہوا　　تو لاکھوں بکواس بکنا شروع کیا

صد بیابان زان سوئے حرص و حسد　　تا بدانجا چشم بد ہم میرسد

حرص و حسد سے اس طرف صدہا بیابان ہوں　　وہانتک بھی نظر بد پہونچ جاتی ہے

بحر شہ کہ مرجع ہر آب اوست　　چون نداند آنچہ اندر سیل و جوست

بادشاہ کا دریا کہ ہر پانی کا مرجع وہ ہے　　کیونکر نہ جانیگا جو کہ سیل اور نہر میں ہے

شاہ را دل درد کرد از فکر او　　ناسپاسی عطائے بکر او

بادشاہ کے قلب کو اس کے خیال سے تکلیف ہوئی　　اسکی عطائے جدید کی ناسپاسی سے

گفت آخر اے خس واہی ادب　　این سزائے داد من بود اے عجب

کہا کہ آخر اے خسیس سست ادب　　یہی میری عطا کی سزا تھی عجیب بات ہے

من چہ کردم با تو زین گنج نفیس *　　تو چہ کردی با من از خوئے خسیس

میں نے تو تیرے ساتھ کیا کیا اس گنج نفیس سے　　تو نے میرے ساتھ کیا کیا خوئے خسیس سے

من ترا ماہے نہادم در کنار　　کہ غروبش نیست تا روز شمار

میں نے تیری آغوش میں ایسا چاند رکھدیا　　کہ قیامت تک اسکو غروب نہ ہوگا

در جزائے آن عطائے نور پاک　　تو زدی در دیدۂ من خار و خاک

تو نے اس نور پاک کی عطا کی عوض میں　　میری آنکھ میں خار اور خاک جھونکدیا

من ترا بر چرخ گشته نردبان

میں تو تیرے لئے چرخ پر نردبان ہوگیا

تو شده در حرب من تیر و کمان

تو میرے حرب میں تیرو کمان

درد غیرت آمد اندر شه پدید

شاہ میں درد غیرت پیدا ہوا

عکس درد شاه اندر وے رسید

درد شاہ کا عکس اس میں پہونچا

مرغ دولت در عتابش بر طپید

مرغ دولت اس کے عتاب کے سبب متحرک ہوا

پردهٔ آن گوشه گشته بر درید

اس گوشہ گشتہ کے پردہ کو اس نے پھاڑا

چون درون خود بدید آن خوش پسر

جب اپنا باطن اس اچھے لڑکے نے

در سیه کاری خود کرده اثر

اپنی سیہ کاری سے اثر کیا ہوا دیکھا۔

آن وظیفه لطف و نعمت گم شده

وہ روزینہ لطف ونعمت کا گم ہوگیا

خانه شادی او پر غم شده

اسکی خوشی کا گھر پرغم ہو گیا

باخود آمد او ز مستی عقار

وہ ہوش میں آیا مستی شراب سے

زان گنه گشته سرش خانه خمار

اس گناہ سے اس کا سر بھی خمار ہوا ہوا تھا۔

هر که خود بینی کند در راه دوست

جو شخص طریق محبوب میں خود بینی کرے

مغز را بگذاشت کلی دید پوست

اس نے مغز کو چھوڑدیا اور بالکلیہ پوست دیکھا

دشمن من در جهان خود بین مباد

میرا دشمن بھی جہان میں خود بین نہ ہو

زانکه از خودبین نیاید جز فساد

کیونکہ خودبین سے بجز فساد کے کچھ نہیں ظہور میں آتا

مے ازان آمد حرام اندر جهان

شراب اسی لئے جہان میں حرام ہوئی ہے

که خوری خودبین شوی اندر زمان

کہ اسکو پی کر فوراً تو خودبین ہوجاتا ہے

بہتر از خود در تصور نایدت — ویں ہمہ از نفس خود بیں زائدت

اپنے سے بہتر تیرے خیال میں کوئی نہیں آتا — اور یہ سب نفس خود بیں سے تیرے اندر پیدا ہوتا ہے

آنکہ با خود می خورد مے با خودست — اینچنیں میخوار خوار و مرتدست

جو شخص اپنی ساتھ شراب پیتا ہے وہ با خود ہے — ایسا شراب خوار ذلیل اور مرتد ہے

ہر کہ با او می خورد بادش حلال — وانکہ بے او دم زند بادش وبال

جو شخص اُسکی ساتھ شراب پیتا ہے اسکو حلال ہے — اور جو شخص بدون اسکے دعوی کرے اسکے لئے وبال ہے

چونکہ با او می خورد از جام ہو — چشم بکشایم بہ بینم روے او

جب وہ اسکے ساتھ شراب پیتا ہے جام حق سے — میں آنکھ کھولتا ہوں اُسکا جمال دیکھتا ہوں

بعد ازاں از خود بکلی بگسلم — ہم زمے خوردن شود ایں حاصلم

اس کے بعد اپنے سے بالکلیہ منقطع ہوجاتا ہوں — شراب پینے سے میرا حاصل یہ ہے

ایکہ میخواہی کہ از خود بگسلی — تا کے اندر بند ایں جان و دلی

اے شخص کہ اپنے سے منقطع ہونا چاہتا ہے — تو کب تک اس جان و دل کی قید میں ہے

جان بجاناں واگذار اے جان من — تا بہ بینی یار دل رنجان من

جان محبوب کو سپرد کردے اے میری جان — تاکہ تو میرے یار دل رنجان کا جمال دیکھے

دل بدلدار دہ و آزاد شو — غمخور او باش وازوے شاد شو

دل دلدار کو دیدے اور آزاد ہوجا — اُس کا غم کھایا کر اور اس سے خوش رہ

نفس خود بر خود سگرداں چیر تو — زود اورا باز گیر از شیر تو

اپنے نفس کو اپنے اوپر غالب مت کر — جلد اسکو دودھ سے علیحدہ کر

ہرچہ ہست آں مستے دارد یقیں
جو چیز ہے وہ یقیناً کچھ مستی رکھتی ہے

خواہ شیر و خواہ خمر و انگبیں
خواہ وہ شیر ہو خواہ خمر ہو خواہ انگبیں ہو

مستی گندم بداں اے آدمی
گندم کی مستی کو جان لے اے آدمی

کہ بکرد آں آدمے را اعجمی
کہ اس نے آدم علیہ السلام کو ناواقف بنا دیا

خورد گندم حلہ زو بیروں شدہ
انھوں نے گندم کھا لیا حلہ اُن سے علیحدہ ہو گیا

خلد بروے بادیہ و ہاموں شدہ
خلد اُن پر دشت اور صحرا ہو گیا

دید کاں شربت ورا بیمار کرد
اُس نے دیکھا کہ اُس شربت نے اُسکو بیمار کر دیا

زہر آں ما و منی ہا کار کرد
اُس ما و من کا زہر کام کر گیا

جان چوں طاؤس در گلزار ناز
روح جو مثل طاوس کے تھی گلزار ناز میں

ہمچو جغدے شد بویرانہ مجاز
مثل جغد کے ہو گئی ویرانۂ مجاز میں

ہمچو آدم دور ماند او از بہشت
مثل آدم علیہ السلام کے وہ بہشت سے دور رہ گیا

در زمیں میراند گاوے بہر کشت
جو کہ زمین میں کھیتی کے بیل کو چلاتے تھے

اشک میراند او کہ اے ہندوی زاؤ
وہ آنسو چلانے لگا کہ اسے چور اور اے معمار

شیر را کردی اسیر دم گاؤ
تو نے شیر کو دم گاؤ کا اسیر کر دیا۔

کردۂ اے نفس بد بارد نفس
اے نفس خبیث سرد سخن تو نے

بے حفاظی باشہ فریادرس
شاہ فریادرس کے ساتھ حفظ حق نہ کیا

دام بگزیدی ز حرص گندمے
تو نے جال کو اختیار کیا حرص گندم سے

بر تو شد ہر گندم او کژدمے
تجھ پر ہر گندم ایک کژدم ہو گیا

در سرت آمد ہوائے ماوُمن
تیرے دماغ میں ماوُمن کی ہوا بھر گئی

قید بیں بر پائے خود پنجاہ من
اپنے پاؤں پر پچاس من کی قید دیکھ لے

نوحہ میکرد ایں نمط بر جان خویش
اس طرح سے اپنی جان پر نوحہ کرتا تھا

کہ چرا گشتم ضد سلطان خویش
کہ میں اپنے سلطان کا مخالف کیوں ہو گیا۔

آمد او با خویش و استغفار کرد
وہ ہوش میں آیا اور استغفار کیا

با انابت چیز دیگر یار کرد
توبہ کے ساتھ دوسری چیز کو بھی منضم کیا

درد کان از وحشت ایماں بود
جو درد کہ وحشت ایمان سے ہو

رحم کن کان درد بیدرماں بود
رحم کر کیونکہ وہ درد لا علاج ہوتا ہے

مر بشر را خود مبا جامہ درست
بشر کا جامہ درست ہی نہ ہو

چوں رہید از صبر در حین صدر جست
وہ جہاں صبر سے چھوٹا فوراً صدر مقام ڈھونڈنے لگتا ہے

مر بشر را پنجہ و ناخن مباد
بشر کے پاس پنجہ اور ناخن ہی نہ ہو

کو نہ دیں اندیشد آنگہ نے سداد
کیونکہ وہ دین کا خیال کرتا ہے نہ راستی کا

آدمی اندر بلا کشتہ بہ است
آدمی بلا میں رہا ہوا اچھا ہے

نفس کافر نعمت ست و گمرہ است
نفس ناسپاس نعمت ہے اور گمراہ ہے

نفس کافر خود ہمی ندہد اماں
نفس کافر خود ہی امان نہیں دیتا

گشت طاغی چونکہ فارغ شد زناں
جب روٹی سے بھی بے فکر ہو جاوے تب تو پورا سرکش ہو جاتا ہے

آدمی خود مبتلا بہتر بود
آدمی مبتلا اچھا رہتا ہے

زانکہ زار و عاجز و مضطر بود
کیونکہ وہ زار اور عاجز اور مضطر رہتا ہے

جب سلم ہو گیا بدون بیع و شراء کے۔ باطن شاہ سے اُس کے باطن میں (روحانی) روزینہ (جری بکسر اول و فتح ثانی والف مقصورہ وظیفہ یعنی فیوض و برکات باطنی شاہزادہ پر فائض ہونے لگے اور ظاہر ہے کہ یہ محل بیع و شری نہیں) وہ نور جان شاہ سے غذا کھاتا تھا (اور) اُس کا ماہ جان ایسا ہو گیا تھا جیسا خورشید سے ماہ روزینہ روحی شاہ بے نظیر سے دمبدم اُسکی جان مست میں پہونچتا تھا (مست کہنا بوجہ ورود سکر کے) وہ (غذا) نہیں جسکو نصرانی اور مشرک کھاتے ہیں (کہ وہ غذائے جسمانی ہے بلکہ) اُس غذا سے کہ اُسکو ملک کھاتے ہیں (یعنی غذائے روحانی پس) اُس (شہزادہ) نے اپنے اندر (بوجہ حصول کمالات کے ایک) استغناء دیکھا (اور اُس) استغناء سے ایک طغیان ظاہر ہوا کہ کیا میں شاہ بھی اور شاہزادہ بھی نہیں ہوں (پھر) کیوں اپنی عنان اس بادشاہ کو میں نے دی رکھی ہے (اور) جب میرا ایک چاند بالنور طلوع ہو چکا ہے پھر میں ایک غبار کا تابع کیوں ہوں (یعنی دوسرے کے قلب سے جو شعاع پہونچیگی کہ وہ میرے چاند کے سامنے بمنزلہ غبار ہے میں اُس کا کیوں اتباع کروں) پانی میری نہر میں (موجود) ہے اور (اب) وقت ناز (اور استغناء) کا ہے (پھر) میں کہ بے نیاز ہوں غیر کا ناز کیوں اٹھاؤں میں سر کیوں باندھوں جب دردِ سر نہ رہا (یعنی امراض باطنی زائل ہو گئے پھر استفادہ عن الشیخ جو کہ اُسکا علاج تھا کیوں کروں اور) روئے زرد اور چشم تر کا وقت نہیں رہا (یہ بھی لوازم مرض سے ہے اور) میں جب شکرلب اور ماہ رخسار ہو گیا ہوں تو (اپنی) دوسری دکان (الگ) کھولنا چاہیئے (یعنی اب میں خود شیخ ہو کر رہ سکتا ہوں سب کا حاصل یہ کہ استفادہ میں شیخ کا محتاج نہ رہنا ہے غرض) اس انانیت سے جب نفس بڑھنا شروع ہوا تو لاکھوں بکواس (دل میں) بکنا شروع کیا (مولانا فرماتے ہیں کہ) حرص و حسد سے اُس طرف (یعنی آگے نکل کر اگر) صدہا بیابان (بھی) ہوں (مگر) وہاں تک بھی نظر بد پہونچ جاتی ہے (یعنی بعد تہذیب اخلاق بھی اندیشہ ہے فساد حال کا اور یہ نظر بد عُجب و خود بینی ہے جو اپنی ہی نظر ہے پس سالک کو بیفکر نہ رہنا چاہیئے اور ہر وقت یہ پیش نظر رکھے ؎

بے عنایات حق و خاصان حق	گر ملک باشد سیہ ہستش ورق

پھر قصہ ہے کہ بادشاہ کو کشف سے اسکی خبر ہو گئی کیونکہ) بادشاہ کا دریا (یعنی قلب) کہ ہر پانی (یعنی طالبین تابعین متعلقین) کا مرجع وہ ہی کیونکر نہ جانیگا جو کہ سیل اور نہر میں ہے (یعنی صاحب بصیرت کو بوجہ اس کے کہ اپنے متعلقین کی طرف توجہ ہوتی ہی جو سبب ہے کشف کا ان کی ایسے حالات عیاناً یا وجداناً مکشوف ہو جاتے ہیں) بادشاہ کے قلب کو اُس کے (اس) خیال سے تکلیف ہوئی (یعنی) اُسکی عطائے جدید کی ناسپاسی سے (تکلیف ہوئی اور اپنے دل میں) کہا کہ آخر اے خسیس بے ادب یہی میری عطا کی سزا تھی عجیب بات ہے میں نے تو تیرے ساتھ کیا کیا اس گنج نفیس سے (اور) تو نے میرے ساتھ کیا کیا خوئے خسیس سے میں نے تیری آغوش میں ایسا چاند رکھ دیا کہ قیامت تک (بھی) اُسکو غروب نہ ہوگا (مراد قلب منور اور) تو نے اُس نور پاک کی عطا کے عوض میں میری آنکھ میں خار اور خاک جھونک دیا (یعنی ناسپاسی سے صدمہ پہونچایا) میں تیرے لئے چرخ (یعنی عالم علوی) پر نردبان ہو گیا (اور) تو میرے حرب میں تیر و کمان (ہو گیا غرض) شاہ میں درد غیرت پیدا ہوا (غیرت اس پر کہ باوجود مجھسے فیض لینے کے اپنے کو بے نیاز سمجھتا ہے اور ایسی بڑی نعمت کی ناسپاسی کرتا ہے

اور اُس) درد شاہ کا عکس (اور اثر) اُسمیں پہونچا (یعنی اُس کے اندر اس کا ضرر ظاہر ہوا اور وہ یہ کہ) مرغ دولت (باطنی) اُس (بادشاہ) کے عتاب کے سبب (آشیانہ قلب شاہزادہ سے) متحرک ہوا (اور) اُس گوشہ گرفتہ (یعنی متفرد عن الخلق) کے پردہ (قلب) کو اُس (مرغ) نے پھاڑا (اور اوڑ گیا) جب اپنا باطن اُس اچھے لڑکے نے اپنی سیہ کاری سے اثر کیا ہوا دیکھا (کہ) وہ روزینہ لطف و نعمت کا گم ہو گیا (اور) اُسکی خوشی کا گھر پر غم ہو گیا (تب) وہ ہوش میں آیا مستی شراب (عجب) سے (اور) اُس گناہ سے اُس کا سر پر خمار ہوا ہوا تھا (مولانا فرماتے ہیں کہ) جو شخص طریق محبوب میں خود بینی کرے اس نے مغز کو چھوڑ دیا اور (بالکلیہ) پوست دیکھا (یعنی حقیقت اُسکی نظر سے محجوب ہو گئی) میرا دشمن بھی جہان میں خود بین نہ ہو (مطلب یہ کہ دشمن جس کے لئے انسان طبعاً برائی چاہتا ہے مگر یہ خود بینی ایسی برائی ہے کہ میں اپنے دشمن کے لئے اسکو گوارا نہیں کرتا) کیونکہ خود بیں (آدمی) سے بجز فساد کے کچھ نہیں ظہور میں آتا۔ شراب اسی لئے جہان میں حرام ہوئی ہے کہ اُسکو پیکر فوراً تو خود بیں ہو جاتا ہے (یعنی اُس کے پینے کے بعد) اپنے سے بہتر تیرے خیال میں کوئی نہیں آتا اور یہ سب نفس خود بین سے تیرے اندر پیدا ہوتا ہے (یہ حکمت حرمت خمر کی قرآن مجید سے مستنبط ہو سکتی ہے قال تعالیٰ انما یرید الشیطان ان یوقع بینکم العداوۃ والبغضاء فی الخمر والمیسر الآیہ اور عداوت اور بغضاء کا منشا اکثر خود بینی ہے کہ اپنے کو اوروں سے زیادہ مال کا مستحق سمجھے یا جاہ کا و مثل ذلک آگے ایک شبہ کا جواب ہے وہ یہ کہ بعض اوقات اہل اللہ سے بھی کلمات موہمہ عجب و دعوی خواہ از قبیل شطحیات یا کسی خاص کے خطاب میں صادر ہوتے ہیں اسکی کیا وجہ جواب دیتے ہیں کہ منشا دعوے کا ہمیشہ مستی ہوتی ہے لیکن تم اپنی مستی عجب و کبر پر اُن کی مستی حال یا مستی غیرت دین کو قیاس مت کرو دونوں میں فرق ہے چنانچہ اسی کو فرماتے ہیں کہ) جو شخص اپنی (خودی کے) ساتھ شراب (انانیۃ کی) پیتا ہے وہ باخود ہے (اور) ایسا شراب خوار ذلیل اور مرتد (طریقت) ہے (جیسا شہزادہ شیخ سے پھر گیا اور) جو شخص اُس کے ساتھ (یعنی مع الحق ہو کر) شراب (انانیۃ) پیتا ہے اُسکو حلال ہے اور جو شخص بدون اُس (کی معیت) کے دعویٰ (انانیۃ کا) کرے اُس کے لئے وبال ہے (عبر عن الاخبار بالانشاء مطلب یہ کہ اہل اللہ کا دعویٰ نفس سے نہیں ہوتا بلکہ وہ ناطق بالحق ہوتے ہیں بمنزلہ حاکی عن الحق کے کما ورد کنت سمعہ وبصرہ الخ) جب وہ اس (کی معیت) کے ساتھ شراب (انانیت کی) پیتا ہے جام حق سے (وہ بزبان حال یوں کہہ رہا ہے کہ) میں آنکھ کھولتا ہوں (اور) اُس (محبوب) کا جمال دیکھتا ہوں (یعنی مورد تجلیات حق ہو جاتا ہوں اور) اس کے بعد اپنے سے بالکلیہ منقطع ہو جاتا ہوں (یعنی فانی فی الحق ہو جاتا ہوں اور) شراب پینے سے (یعنی دعوی انانیت سے) میرا حاصل یہ (مقام) ہے (مطلب وہی جو ابھی لکھا گیا کہ میرے دعوی انانیت کا حاصل اور منشا یہ ہے کہ میں مورد تجلیات و فانی ہوں آگے اس مرتبہ کی ترغیب دیتے ہیں کہ) اے شخص کہ اپنے سے منقطع ہونا چاہتا ہے تو کب تک اس جان و دل کی قید میں ہے جان محبوب کو سپرد کر دے اے میری جان تاکہ تو میرے یار دل رنجان کا جمال دیکھے (دل رنجان سے مراد ہے رنج عشق دہندہ دل اور) دل دلدار کو دیدے اور آزاد ہو جا (اور) اُس کا غم کھایا کر اور اُس سے خوش رہ (حاصل یہ کہ منقاد للحق بدرجۂ فنا رہ) آگے فرماتے ہیں کہ منقاد للنفس مت ہو یعنی) اپنے نفس کو اپنے اوپر غالب مت کر (اور) جلدی اُسکو

(لذات دنیویہ سے) دودھ سے علیحدہ کر (مثل فطام طفل کے آگے یہ بتلاتے ہیں کہ دودھ سے مراد وہ ہے جس سے خود بینی کی مستی پیدا ہو خواہ مباح ہو مثل شیر و شہد کے یا غیر مباح مثل خمر کے سب کو چھوڑ اول کو انتہاءً ثانی کو مطلقاً یعنی) جو چیز (مرغوبات نفس سے) ہے وہ یقیناً کچھ مستی رکھتی ہے خواہ وہ شیر ہو خواہ خمر ہو خواہ انگبین ہو (چنانچہ) گندم کی مستی کو جان لے اے آدمی کہ اس نے آدم علیہ السلام کو ناواقف بنا دیا (پس یاد رآدمے واقعہ مصرعہ ثانیہ مجدول باشد) انھوں نے گندم کھالیا حلہ (بہشتی) ان سے علیحدہ ہو گیا (اور) خلد ان پر دشت اور صحرا ہو گیا آگے پھر قصہ ہے کہ اس (شہزادہ) نے دیکھا کہ اس شربت (خود بینی لذیذ) نے اسکو بیمار کر دیا (اور) اس ماہ من کا زہر کام کر گیا (اور اسکی) روح جو مثل طاؤس کے تھی گلزار نازمیں مثل جغد کے ہو گئی ویرانۂ مجاز (یعنی دنیا یا حالت متنزلہ) میں مثل آدم علیہ السلام کے وہ بہشت سے دور رہ گیا جو کہ زمین میں کھیتی کے بیل کو چلاتے تھے (کما رواہ اہل السیر مطلب یہ کہ کیفیات روحانی سے علائق جسمانی میں آگرا بس) وہ آنسو چلانے لگا (اور اپنے نفس سے کہا) کہ اے چور (جو میرے اندر چھپا ہوا تھا) اور اے معمار (جس نے خیالات فاسدہ کی تعمیر بنا کر کھڑی کر دی کذا فی الغیاث فی معنی ہندو و معنی زاؤ) تو نے شیر کو (یعنی مجھکو) دم گاؤ (یعنی علائق جسمانیہ) کا اسیر کر دیا اے نفس خبیث سرد سخن (کہ تیرے اس کلام نفسانی میں کوئی گرمی درونق نہ تھی) تو نے (اس) شاہ فریادرس (و دستگیر) کے ساتھ حفظ حق نکیا تو نے جال (بلائے زوال حال) کو اختیار کیا حرص گندم سے (یعنی لذت عجب سے) تجھپر ہر گندم ایک کژدم ہو گیا تیرے دماغ میں ماہ من کی ہوا بھر گئی اپنے پانوں پر پچاس من کی قید دیکھ لے (جس سے رفتار ترقی باطن کی رک گئی غرض) اس طرح سے اپنی جان پر توجہ کرتا تھا کہ میں اپنے سلطان کا مخالف کیوں ہو گیا (اور اب) وہ ہوش میں آیا اور استغفار کیا (اور) توبہ کے ساتھ دوسری چیز کو بھی منضم کیا (ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ مراد اس سے خود بادشاہ سے معاف کرانا ہے چونکہ معاف کرانے میں ذکر بھی کرنا ضروری ہے اور وہ ایسی حالت میں کہ باطن ہی میں خطا ہوئی ہے سخت دشوار ہے شاید مولانا نے عدم ذکر سے اسکی تعذر ذکر کی طرف اشارہ کیا ہو کہ تعذر سبب ہو جاتا ہے عدم ذکر کا واللہ اعلم آگے مولانا فرماتے ہیں کہ) جو درد کہ وحشت ایمان سے ہو (اے مخاطب اسیر) رحم کر (یعنی وہ واجب الرحم ہے) کیونکہ وہ درد لا علاج (یعنی متعسر العلاج و بطیئ البرء) ہوتا ہے (وھذا مشاھدٌ ایمان سے مراد ایمان کامل یعنی عرفان و فیضان ہا در وحشت سے مراد وحشتے کہ در مقدمۂ ایں ایمان بود یعنی از سلب ایں عرفان و فیضان باشد اور یہ وحشت اسقدر شدید ہوتی ہے کہ اگر کوئی شیخ کامل فوراً دستگیری نہ کرے تو اختلاف طبائع سے کبھی تو غم خفیف ہو کر حجاب شدید ہوتا چلا جاتا ہے حتی کہ بعضوں نے ایمان ہی کو جواب دیدیا نعوذ باللہ من الحور بعد الکور تفصیل اقسام حجاب کی احقر نے فوائد الفواد سے تعلیم الدین میں لکھی ہے جسکا اول مرتبہ اعراض اور آخری مرتبہ عداوت ہے اور کبھی اگر غم خفیف نہ ہوا تو خودکشی وغیرہ کی نوبت آجاتی ہے اور علاج اسکا صرف شیخ کامل کی تدبیر مناسب ہے آگے بعد ذم عجب بالکمال کے مذمت عجب بالمال وغیرہ اور فقدان اسباب عجب کے قابل قدر ہونے کا مضمون ہے یعنی فرماتے ہیں کہ) بشر کا جامہ (یعنی سامان دنیا) دست ہی نہ ہو (کم سامانی میں رہنا اچھا ہے کیونکہ) وہ جہان صبر (کی حالت) سے (یعنی کم سامانی سے کہ وہ محل صبر ہے) چھوٹا

فوراً صدر مقام (یعنی علو) ڈھونڈنے لگتا ہے (اور مراد اکثر بشر ہیں اور) بشر کے پاس پنجہ اور ناخن ہی نہ ہو (یہ ایسا مضمون ہے جیسے ہماری محاورات میں بولتے ہیں خدا گنجے کو ناخن نہ دے) کیونکہ وہ (پھر) دین کا خیال کرتا ہے نہ راستی کا آدمی بلا میں رہا ہوا اچھا ہے (کیونکہ نفس ناسپاس نعمت ہے اور گمراہ ہے نفس کا فرعون الکفران) خود (یعنی بے سامانی ہی (صاحب نفس کو) امان نہیں دیتا (اور اور پرے) جب روٹی سے بھی بےفکر ہو جاوے تب تو پورا سرکش ہو جاتا ہے (پس) آدمی (بلائے فقر وغیرہ میں) مبتلا اچھا رہتا ہے کیونکہ وہ (اس حالت میں) زار اور عاجز اور مضطر رہتا ہے (اور عجز وزاری کے ہوتے ہوئے مفاسد لازمہ و متعدیہ سب کم ہوتے ہیں بخلاف اجتماع اسباب طغیان کے اس سے طغیان اکثر مسبب ہو جاتا ہے جیسا آگے نمرود کا قصہ آتا ہے کہ اس کے لئے سامان سبب طغیان کا ہو گیا وھو کما قال تعالیٰ الم تر الی الذی حاج ابراھیم فی ربہ ان آتاہ اللہ الملک الآیہ)۔

خطاب حق تعالیٰ بعزرائیل علیہ السلام کہ ترا رحم برکہ بیشتر آمد ازیں خلائق کہ قبض کردی جان ایشان را وجواب دادن او

حق بعزرائیل می گفت ای نقیب
حق تعالیٰ عزرائیل سے کہنے لگے اے سردار

برکہ رحم آمد ترا از ہر کئیب
تجھکو تمام غمزدوں میں سے کس پر رحم آیا ہے

گفت بر جملہ دلم سوزد بدرد
انھوں نے عرض کیا سب ہی پر میرا دل درد سے سوختہ ہوتا ہے

لیک ترسم امر را اہمال کرد
لیکن حکم کے اہمال سے ڈرتا ہوں

تا بگویم کاشکے یزداں مرا
یہاں تک کہ کہنے لگتا ہوں کہ کاش حق تعالیٰ مجھکو

در عوض قربان کند بہر فتا
عوض میں قربان کردیں اس شخص کے لئے

گفت برکہ بیشتر رحم آمدت
فرمایا رب نے زیادہ کس پر تجھکو رحم آیا ہے

از کہ دل پر سوز و بریان تر شدت
کس شخص سے تیرا دل زیادہ پرسوز اور بریاں ہوا ہے

گفت روزے کشتئے بر موج تیز
انھوں نے کہا ایک روز ایک کشتی موج تیز پر

من شکستم ز امر تا شد ریزریز
میں نے حکم سے توڑی یہانتک کہ وہ ریزہ ریزہ ہو گئی

پس بگفتی قبض کن جان ہمہ
پھر آپ نے فرمایا کہ سبکی جان قبض کرلے
ہر دو بر یک تختۂ درماندند
دونوں ایک تختہ پر رہ گئے
چوں بساحل اوفگند آں تختہ باد
جب کنارہ پر اُس تختہ کو ہوا نے ڈالا
باز گفتی جان مادر قبض کن
پھر آپ نے فرمایا ماں کی جان قبض کر
چوں ز مادر بگسلیدم طفل را
جب ماں سے میں نے طفل کو قطع کیا
پس بدیدم دردہا تنہائے زفت
پس میں نے درد اور ماتمہائے عظیم دیکھے
گفت حق آں طفل را از فضل خویش
حق تعالی نے فرمایا اُس طفل کیلئے
بیشۂ پر سوسن و ریحان و گل
ایک ایسی بیشہ میں جو سوسن اور ریحاں اور گل سے پُر تھا
چشمہائے آب شیریں زلال
آب شیریں زلال کے چشمے

جز زنے و طفلکے راز آن رمہ
بجز ایک عورت اور ایک طفل کے اُس گروہ سے
تختہ را آں موجہا می راندند
تختہ کو وہ موجیں چلاتی تھیں
از خلاص ہر دو ام دل گشت شاد
تو دونوں کی خلاصی سے میرا دل خوش ہوا
طفل را بگذار تنہا ز امر کن
لڑکے کو تنہا چھوڑدے بسبب امر کن کے
خود تو میدانی چہ تلخ آمد مرا
خود آپ جانتے ہیں کسقدر مجھکو تلخ معلوم ہوا
تلخی آں طفل از فکرم نرفت
اُس طفل کی تلخی میری فکر سے نہ گئی
موج را گفتم فگن در بیشہ ایش
میں نے موج کو حکم دیا کہ اسکو ایک بیشہ میں ڈالدے
پر درخت میوہ دار و خوش اکل
درخت میوہ دار اور خوش میوہ سے پر تھا
پروریدم طفل را با صد دلال
میں نے طفل کو سو ناز کے ساتھ پالا

صد ہزاران مرغ مطرب خوش صدا
لاکھوں مرغ مطرب خوش صدا نے

اندران روضه فگنده صد نوا
اس باغ میں سو آوازیں ڈال رکھی تھیں

بسترش کردم ز برگ نسترن
میں نے برگ نسترن سے اس کا بستر بنایا

کردم اورا ایمن از صدمه فتن
اس کو صدمہ فتن سے مامون بنایا

گفته من خورشید را کورا مگز
میں نے خورشید کو حکم دیا کہ اسکو مت کاٹ

باد را گفته برو آہسته وز
ہوا کو کہا کہ اسپر آہستہ چل

ابر را گفته برو باران مریز
ابر کو کہا کہ اسپر بارش مت برسا

برق را گفته برو مگرائے تیز
برق کو حکم دیا کہ اسپر تیزی کے ساتھ میل مت کر

زین چمن اے دے مبر آن اعتدال
اے ماہ دے اس چمن سے اعتدال مت سلب کرنا

پنجہ اے بہمن بریں روضه ممال
اے بہمن اس باغ پر ہاتھ مت پھیرنا

کرامات شیخ شیبان راعی قدس اللہ سرہ

ہمچو آں شیبان که از گرگ عنید
مثل اس شیبان کے کہ گرگ معاند سے

وقت جمعه بر رما خط میکشید
جمعہ کے وقت مواشی پر خط کھینچ دیتے تھے

تا بروں ناید ازاں خط گوسپند
تاکہ نہ تو اس خط سے باہر گوسفند جاوے

نے در آید گرگ و دزد باگزند
نہ گرگ اور دزد باگزند آوے

بر مثال دائره تعویذ ہود
بر مثال دائرہ حصار ہود علیہ السلام کے

کاندراں صرصر امان آل بود
کہ اس صرصر میں وہ متعلقین کی پناہ تھا

ہشت روزی اندریں خط تن زنید
آٹھ روز تک اس خط کے اندر خاموش رہو

بر ہوا بردے و گندے بر حجر
خلا میں لیجاتی پتھر پر پھینکدیتی

یک گرہ را بر ہوا بر ہم زدے
ایک گروہ کو خلا میں ایک دوسرے سے ٹکرادیتی

آں سیاست راکہ لرزید آسماں
اس سزا کی جس سے کہ آسمان لرزتا ہے

گر بطبع ایں می کنی اے باد سرد
اے باد سرد اگر تو طبیعت سے ایسا کرتی ہے

ور بہ حرص ایں میکند گرگ نژند
اور اگر حرص سے گرگ خشمگین ایسا کرتا ہے

اے طبیعی فوق طبع ایں ملک بیں
ای طبعی طبیعت سے فوق یہ ملک دیکھ

مقریان را منع کن بندے بنہ
قرارت والوں کو منع کردے قید رکھدے

عاجزی و خیرہ کایں عجز از کجاست
تو عاجز ہے اور متحیر ہے کہ یہ عجز کہاں سے ہے

وز بروں مثلہ تماشا می کنید
اور باہر مثلہ ہونے کا تماشا دیکھتے رہو

تا دریدے لحم و عظم از ہمدگر
یہانتک کہ گوشت و استخواں ایک دوسرے سے جدا ہو جاتے

تا چو خشخاش استخواں ریزہ شدے
یہانتک کہ مثل خشخاش کے ہڈیاں چورچور ہو جاتیں

مثنوی اندر نگنجد شرح آں
مثنوی کے اندر گنجائش نہیں اس کے بیان کی

گرد خط دائرہ آں ہود گرد
تو تو ہود علیہ السلام کے خط دائرہ کے گرد گھوم آ

گو بیا در خط راعی کن گزند
تو کہہ کہ راعی کے خط کے اندر گزند کر

یا بیا و محو کن از مصحف ایں
یا آ اور قرآن مجید سے اس کو محو کردے

یا معلم را بمال و سہم دہ
یا معلم کو گوشمالی دے اور ہراس دلا

عجز تو دانی ازاں روز جزاست
تیرا عجز خوب جان لے کہ اس روز جزا سے ہے

عجزہا داری تو در پیش اے لجوج
تو بہت سے عجز درپیش رکھتا ہے اسے معاند

وقت شد پنہانیاں را نک خروج
اب پنہاں چیزوں کے خروج کا وقت ہوا ہے

خرم آنکہ عجز و حیرت قوت اوست
وہ شخص مبارک ہے کہ عجز اور حیرت اس کی غذا ہے

در دو عالم خفتہ اندر ظل دوست
دونوں عالم میں ظل دوست میں سویا ہے

ہم در اول عجز خود را او بدید
اس نے اول ہی میں اپنے عجز کو دیکھ لیا

مردہ شد دین عجائز را گزید
مردہ ہو گیا عجائز کے دین کو اختیار کیا

چوں زلیخا یوسفش بر وی بتافت
مثل زلیخا کے اسکے یوسف نے اسپر جلوہ کیا

از عجوزی در جوانی راہ یافت
اس نے عجوزی سے جوانی میں راہ پائی

زندگی در مردن و در محنت ست
زندگی موت اور مجاہدہ میں ہے

آب حیوان در درون ظلمت ست
آب حیات ظلمت کے اندر ہے

قصہ پروردن حق تعالیٰ نمرود را بے واسطہ مادر و دایہ در طفلی

حاصل آں روضہ چو جان عارفاں
حاصل یہ کہ وہ باغ مثل روح عارفین کے

از سموم و صرصر آسودہ اماں
سموم اور صرصر سے امن میں رہا

یک پلنگے بچہ نو زادہ بود
ایک چیتے نے نیا بچہ جنا تھا

گفتم او را شیر دہ طاعت نمود
میں نے اسکو حکم دیا اسکو دودھ دے اطاعت کی

پس بدادش شیر و خدمتہاش کرد
پس اسکو دودھ دیا اور اسکی بہت سی خدمتیں کیں

تا کہ بالغ گشت و زفت و شیر مرد
یہاں تک کہ بالغ ہو گیا اور فربہ اور شیر مرد

چوں فطامش شد بگفتم باپری
جب اُسکے دودھ چھڑانیکا وقت آیا تو میں نے جنات کو حکم دیا

تا درآموزید نطق و داوری
کہ بولنا اور حکومت کرنا سکھلاؤ

پرورش دادم مرا وراز آں چمن *
اُسکو میں نے اُس چمن سے پرورش دی

کہ بگفت اندر نگنجد فن من *
کیونکہ میرا فن گفتگو میں نہیں آتا

دادہ من ایوب را مہر پدر
میں نے ایوب علیہ السلام کو باپ کی سی محبت دی تھی

بہر مہمانی کرماں بے ضرر
کیڑوں کی مہمانی کیلئے بدون ضرر پہونچانیکے

دادہ کرماں را بر و مہر ولد
کیڑوں کو اُن پر اولاد کی سی مہرباپ پر دی تی

بر پدر من اینت قدرت اینت ید
عجیب قدرت ہے عجیب تصرف ہے

مادراں را مہر من آموختم
ماؤں کو محبت میں نے سکھلائی ہے

چوں بود شمعے کہ من افروختم
کیسی شمع ہوگی جسکو میں نے روشن کیا ہو

صد عنایت کردم و صد رابطہ
میں نے صدہا عنایت اور صدہا علاقے کئے

تا ببیند لطف من بے واسطہ
تاکہ وہ میرا لطف بے واسطہ دیکھے

تا نباشد از سبب در کشمکش
تاکہ وہ سبب سے کشمکش میں نہ رہے

تا بود ہر استعانت از منش
تاکہ اُسکی ہر استعانت میری طرف سے ہو

تا خود از ما ہیچ عذرے نبودش
تاکہ خود ہماری طرف سے اُسکو کوئی عذر نہ رہے

شکوہ نبود ز ہر یار بدش
ہر یار بد سے اُس کو شکوہ نہ رہے

ایں حضانت دید با صد رابطہ
اُس نے یہ پرورش دیکھی صدہا علاقوں کی ساتھ

کہ بپروردم ورا بے واسطہ
کہ میں نے اُسکو بلا واسطہ پرورش کیا

شکر او آں بود اے بندہ جلیل

اسکا شکریہ تھا اے بندہ جلیل

کہ شد او نمرود سوزندہ خلیل

کہ وہ نمرود سوزندہ خلیل ہوگیا

ہمچناں کیں شاہزادہ شکر شاہ

جسطرح کہ اس شاہزادہ نے شاہ کا شکر

کرد زاستکبار و استکثار جاہ

استکبار واستکثار جاہ سے کیا

کہ چرا من تابع غیری شوم

کہ کس لئے میں غیر کا تابع ہوں

چونکہ صاحب ملک و اقبالے بوم

جبکہ میں صاحب ملک واقبال ہوں

لطفہائے شہ کہ ذکر آں گذشت

شاہ کے الطاف جنکا ذکر گزر چکا ہے

از تکبر پردلش پوشیدہ گشت

تکبر کے سبب اُس کے دل پر پوشیدہ ہوگئے

ہمچناں نمرود آں الطاف را

اسی طرح نمرود نے اُن الطاف کو

زیر پا بنہادہ از جہل و عمی

زیر پا رکھدیا جہل اور کوری سے

ایں زماں کافر شدو رہ میزند

وہ اسوقت کافر ہوا ہے اور رہزنی کرتا ہے

کبر و دعوائے خدائی میکند

کبر اور دعویٰ خدائی کرتا ہے

رفت سوئے آسماں باجلال

آسمان باجلال کی طرف چلا ہے

باسہ کرگس تا کند با من قتال

تین کرگس کے ذریعہ سے تاکہ میری ساتھ قتال کرے

صد ہزاراں طفل بے تلویم را

لاکھوں طفل غیر قابل ملامت کو

کُشت وی تا یابد ابراہیم را

اُس نے قتل کردیا تاکہ ابراہیم علیہ السلام اُسکو ملجاویں

کہ منجم گفت اندر حکم سال

کیونکہ منجم نے کہدیا تھا ہسال کے احکام میں

زاد خواہد دشمنے بہر قتال

ایک دشمن قتال کیلئے پیدا ہوگا

ہین بکن در دفع آں خصم احتیاط

ہاں اُس خصم کے دفع میں احتیاط کر

ہر کہ می زائید می کشت از خباط

جو پیدا ہوتا تھا وہ اُسکو خبط سے قتل کر دیتا تھا

کوری او رست طفل وحی کش

اُس کی ناکامی کے ساتھ طفل جالب وحی

ماند خونہائے دگر در گردنش

بیچارہا دوسرے ہزاروں خون اُسکی گردن پر رہے

از پدر یابید آں ملک اے عجب

وہ سلطنت باپ سے پائی تھی اے عجب

تا غرورش داد ظلمات نسب

جس سے اُسکو ظلمات نسب نے دھوکا دیدیا!

دیگراں را گرام واب شد حجیب

اگر دوسروں کیلئے ماں اور باپ حجاب ہو گئے ہوں

او ز بابا یابید گوہرہا بجیب

تو اُس نے تو ہم سے بہت سے موتی جیب میں پائے ہیں

گرگ درندہ است نفس بد یقیں

نفس بد یقیں گرگ درندہ ہے

چہ بہانہ می نہی بر ہر قریں

تو ہر قریں پر کیا بہانہ رکھتا ہے

در ضلالت ہست صد کل را کُلہ

ضلالت میں سو گنجوں کی ٹوپی ہے

نفس زشت کفرناک پر سفہ

نفس زشت کفرناک پرسفاہت

زیں سبب می گویم اے بندہ فقیر

میں اسی سبب سے کہتا ہوں اے بندہ فقیر

سلسلہ از گردن سگ بر مگیر

زنجیر کتے کی گردن سے مت نکال

گر معلم گشت ایں سگ ہم سگ ست

یہ سگ اگر تعلیم یافتہ بھی ہو گیا ہے تاہم سگ ہی ہے

باش ذلت نفسہ کو بدرگ ست

ایسا ہو کر رہ کہ جسکا نفس ذلیل ہے کیونکہ وہ بدرگ ہے

فرض می آری بجا گر طائفی

فرض کی بجا آوری کر رہا ہے

بر سہیلے چوں ادیم طائفی

اگر تو سہیل پر مثل چرم طائف کے آمد و رفت کر رہا ہے

تا سہیلت وا خرد از تنگ پوست | **تا شوی چوں موزہ ہم پای دوست**

تا کہ سہیل تجھکو تنگ پوست سے خلاصی دیدے | تا کہ مثل موزہ کے تو دوست کے قدم کا قرین ہو جاوے

جملہ قرآن شرح خبث نفسہاست | **بنگر اندر مصحف آں چشمت کجاست**

تمام قرآن خبث نفوس کی شرح ہے | قرآن میں دیکھ لے تیری وہ آنکھ کہاں ہے

ذکر نفس عادیاں کالت بیافت | **در قتال انبیا مو می شگافت**

عاد کے نفس کا ذکر جنھوں نے آلات پائے تھے | قتال انبیاء میں موشگافی کرتے تھے

قرن قرن از نفس شوم بے ادب | **ناگہاں اندر جہاں میزد لہب**

ہر ہر قرن میں نفس شوم بے ادب سے | ناگہاں عالم میں شعلہ بھڑکتا تھا

(ربط اوپر بیان ہوا ہے کہ ذکر ہے طغیانِ نمرود کا اسباب دنیا سے اور اسکی ناسپاسی کا باوجود حق تعالیٰ کے نعم عظیمہ کے یعنی) حق تعالیٰ عزرائیل سے کہنے لگے ای سردار (بعض فرشتوں کے فی المنتخب نقیب مہتر) تجھکو تمام عمر دراز میں سے کس پر رحم آیا ہے انھوں نے عرض کیا سبھی پر میرا دل درد سے سوختہ ہوتا ہے لیکن حکم کے اہمال (و عدم امتثال) سے ڈرتا ہوں (اور دل) یہاں تک (سوختہ ہوتا ہے) کہ (کبھی دل میں) کہنے لگتا ہوں کہ کاش حق تعالیٰ مجھکو عوض میں قربان کردیں اس شخص کیلئے. فرمایا سب سے زیادہ کس پر تجھکو رحم آیا ہے (اور) کس شخص سے تیرا دل زیادہ پرسوز اور بریاں ہوا ہے انھوں نے کہا ایک روز ایک کشتی موج تیز پر میں نے حکم سے توڑی یہاں تک کہ وہ ریزہ ریزہ ہوگئی پھر آپنے فرمایا کہ سب کی جان قبض کرلے بجز ایک عورت اور ایک طفل کے اس گروہ سے دونوں ایک تختہ پر رہ گئے تختہ کو وہ موجیں چلاتی تھیں جب کنارہ پر اس تختہ کو ہوا نے ڈالا تو دونوں کی خلاصی سے میرا دل خوش ہوا پھر آپنے فرمایا ماں کی جان قبض کر لڑکے کو تنہا چھوڑ دی بسبب امر کن کے جب ماں سے میں نے طفل کو قطع کیا خود آپ جانتے ہیں کسقدر مجھکو تلخ معلوم ہوا بس میں نے (ماں کی جان قبض کرنے کے وقت اپنے دل میں) درد اور ماتمہائے عظیم دیکھے (اور) اس طفل کی تلخی میری فکر سے نہ گئی حق تعالیٰ نے فرمایا اس طفل کیلئے میں نے موج کو حکم دیا کہ اسکو ایک بیشہ میں ڈالدے (یعنی) ایک ایسے بیشہ میں جو سوسن و ریحان اور گل سے پُر تھا (اور) درخت میوہ دار اور خوش میوہ سے پر تھا (اور اس میں) آب شیریں زلال کے چشمے (تھے اور) میں نے طفل کو سو ناز کے ساتھ پالا (اور) لاکھوں مرغ مطرب خوش صدا نے اس باغ میں سو آوازیں ڈال رکھی تھیں (اور) میں نے برگ نسترن سے اس کا بستر بنایا اسکو صدمہ فتن سے مامون بنایا

ہیں نے خورشید کو حکم دیا کہ اسکو مت کاٹ ہوا کو کہا کہ اس پر آہستہ چل ابر کو کہا کہ اسپر بارش مت برسا برق کو حکم دیا کہ اسپر تیزی کے ساتھ میل مت کر (اور موسم کو حکم دیا کہ) اے ماہ دے (ماہ دماگہہ از شہور شتا کہ خزان کا مہینہ ہے) اس چمن سے اعتدال مت سلب کرنا (اور) اے بہمن (بھاگن کہ دے کے متصل ہی ہے) اس باغ پر ہاتھ مت پھیرنا (آگے تشبیہ کیلئے ایک قصہ ولی کا اور ایک قصہ نبی کا ہے کہ گرگ اور باز کو گزند پہونچانے سے منع فرما دیا تھا یعنی) مثل اس شیبان (راعی) کے کہ گرگ معاندسے (محفوظ رہنے کے لئے) جمعہ کے وقت مواشی پر خط کھینچدیتے تھے تاکہ نہ تو اس خط سے باہر گوسفند جاوے (اور) نہ گرگ اور دزد با گزند (اندر) آوے پرمثال دائرہ حصار ہود علیہ السلام کے کہ اس صرصر میں وہ (حصار) متعلقین (یعنی مومنین) کی پناہ تھا (اور فرمایا کہ) آٹھ روز تک اس خط کے اندر خاموش (بیٹھے) رہو اور باہر (عاد کے) مثلہ ہونے کا تماشہ دیکھتے رہو (مثلہ کے معنی قطع اطراف آگے بیان ہے مثلہ باد کا یعنی) خلا میں (وہ ہوا) لیجاتی (اور) پتھر پر پھینک دیتی یہانتک کہ گوشت و استخواں ایک دوسرے سے جدا ہو جاتے (اور) ایک گروہ کو خلا میں ایک دوسرے سے ٹکرا دیتی یہانتک کہ مثل خشخاش کے ہڈیاں چور ہو جاتیں اس سزا کی جس سے کہ آسمان لرزتا ہے مثنوی کے اندر گنجائش نہیں اس کے بیان کی (آگے رد ہے اہل طبیعات پر جو ان آثار و افعال کو لازم ذات اشیاء کہتے ہیں پس فرماتے ہیں کہ) اے باد سرد اگر تو طبیعت (کے مقتضا) سے ایسا کرتی ہے (کہ عاد ہلاک ہو رہے ہیں) تو تو ہود علیہ السلام کے خط دائرہ کے گرد گھوم آ (معلوم ہو جاویگا کہ وہ فعل طبعی ہے یا قسری کیونکہ اگر طبعی ہے تو ایک خط طبیعت کا کیسے مانع ہو گیا خطاب ہوا سے مقصود خطاب طبعی کو ہے) اور اگر حرص (طبعی سے) گرگ خشمگیں (کذا فی الغیاث احد معانی نژند) ایسا کرتا ہے تو (اس گرگ سے) کہہ کہ (شیبان) راعی کے خط کے اندر (جاکر) گزند کرا سے طبعی طبیعت سے فوق (اور خارج) یہ ملک دیکھ (اور ان آثار کے طبعی نہونیکا قایل ہو) یا آ اور قرآن مجید سے اس (قصہ) کو محو کر دے (اور) قراءت والوں کو منع کر دے (اور نیز) قید رکھدے یا معلم کو گوشمالی دے اور ہر اس دلا (قرآن مجید میں گو خط کا ذکر نہیں لیکن اصل مدعا منصوص ہے ولما جاء امرنا نجینا ھودا والذین اٰمنوا معہ برحمۃ منا خواہ خط ہو یا نہ ہو سب ایک ہی جگہ موجود کسی پر ہوا اثر کرے کسی پر نہ کرے دعوی طبعی کے ابطال کیلئے یہی کافی ہے مگر) تو (اس سے) عاجز ہے (کہ قرآن مجید سے محو کرسکے یا مقری و معلم کو سزا دینا اس محو کے لئے مفید ہو سکے کما قال تعالیٰ انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون) اور (تو اس سے) متحیر (بھی) ہے کہ یہ عجز کہاں سے ہے (یعنی ان خوارق عادات ہادمۂ طبعیات کے نصوص کیلئے تدابیر طبعیہ کیوں مفید و کافی نہیں باوجودیکہ بہت سے مخالفین ملت بھی ہوئے اس عجز سے تجھکو حیرت ہے سو میں اس عجز کا سبب بتلاتا ہوں کہ) تیرا عجز خوب جان لے (حملاً للخبر علی الانشار) کہ اس روز جزا سے ہے (یعنی اصل عجز کا زمانہ تو قیامت کا دن ہے کہ کسی کا کوئی ظاہری اختیار بھی اس دن نہ چلیگا لیکن جو اس روز ان عجزوں کو ظاہر کریں گے وہ کبھی کبھی یہاں بھی ان کا ظہور کر دیتے ہیں جیسے اصل یوم جزا وہ دن ہے لیکن دنیا میں بھی کبھی کبھی کوئی جزا ظاہر ہو جاتی ہے پس مقصود از آں روز جزا است سے بطور کنایہ کے انتقال کرنا ہے از آں مالک روز جزا است کی طرف لان یوم الجزاء یستلزم مالکالہ جیسا کنایہ میں ملزوم سے لازم کی طرف انتقال ہوتا ہے) تو بہت سے عجز در پیش رکھتا ہے اے معاندا

اب پنہاں چیزوں کے خروج (وظہور) کا وقت (نزدیک) ہوا ہے (قال تعالیٰ اقتربت الساعۃ یہانتک اُس
عجز کا ذکر تھا کہ باوجود کوشش مخالفت کے اُسمیں ناکامی رہی اسکو عجز مذموم کہنا چاہیئے آگے ایک دوسرے عجز کا ذکر
ہے یعنی غایت موافقت کیلئے اپنے قدرت وارادہ کو فنا کردیا اور من کل الوجوہ حق تعالیٰ کی رضا کے تابع ہوگیا اسکو عجز
محمود کہنا مناسب ہے اسی طرح حیرت دو ہیں مذمومہ جو جہل سے سبب ہے کما ذکر فی قولہ عاجزی وخیرہ اور محمودہ
جو کثرت علوم وتواتر تجلیات سے سبب ہے اوپر مذمومہ کا ذکر تھا آگے محمودہ کا ذکر ہے پس فرماتے ہیں کہ) وہ شخص مبارک
ہے کہ عجز (محمود) اور حیرت (محمودہ) اُسکی غذا ہے (اور وہ) دونوں عالم میں ظل دوست میں سویا ہے (اور مرحوم ومغرب ہے)
اس نے اول ہی میں اپنے عجز کو دیکھ لیا (اور احکام حق کے سامنے مثل) مردہ (کے) ہوگیا (اور) عجائز کے دین کو اختیار
کیا (کہ اُن میں انقیاد واعتقاد کا مادہ غالب ہوتا ہے اس میں اشارہ ہے روایت مشہور علیکم بدین العجائز کی
طرف جس کے لفظوں کا مقاصد حسنہ میں انکار کیا ہے اور معنی کو ثابت کہا ہے آگے اس فنا اور مشابہت بالعجائز
کا ثمرہ بتلاتے ہیں کہ اگر اُس نے ایسا کیا تو سمجھ لو کہ) مثل زلیخا کے اُس (شخص) کے یوسف نے اُسپر جلوہ کیا (اور
اُس نے عجوزی (کی صفت) سے جوانی (کی صفت) میں راہ پائی (اشارہ ہے بقاء بعد الفناء کی طرف پس) زندگی موت
اور مجاہدہ میں ہے (جسطرح) آب حیات ظلمت کے اندر ہے (آگے پھر عود ہے قصہ نمرود کی طرف یعنی) حاصل یہ کہ وہ باغ
مثل روح عارفین کے سموم اور صرصر سے امن میں رہا ایک چیتے نے نیا بچہ جنا تھا میں نے اُسکو حکم دیا کہ) اُس (طفل)
کو دودھ دی (اُس نے) اطاعت کی پس اُسکو دودھ دیا اور اُسکی بہت سی خدمتیں کیں یہانتک کہ بالغ ہوگیا اور فربہ
اور شیر مرد (ہوگیا پھر) جب اُس کے دودھ چھڑانیکا وقت آیا تو میں نے جنات کو حکم دیا کہ (اسکو) بولنا اور حکومت کرنا
سکھلاؤ اُسکو میں نے اُس چمن سے پرورش دی کیونکہ میرا فن (یعنی تصرف عجیب) گفتگو میں نہیں آتا (چنانچہ) میں نے
ایوب علیہ السلام کو باپ کی سی محبت دی تھی کیڑوں کی مہمانی کے لئے بدون ضرر پہونچانے کے (اُن کیڑوں کو اور
میں نے) کیڑوں کو اُن پر (یعنی ایوب علیہ السلام پر) اولاد کی سی مہر باپ پر دی تھی عجیب قدرت ہے عجیب تصرف ہے
(ایوب علیہ السلام کا قصہ مشہور ہے کہ اگر کوئی کیڑا گر جاتا تو اُسکو اٹھا کر پھر بدن میں رکھ لیتے مہر پدر سے یہ مراد ہے اور
مہر ولد بر پدر کا کوئی واقعہ کیڑوں کے متعلق معلوم نہیں ہوا شاید وہ اُن کی ایذا کے خیال سے نکلنا چاہتے ہوں مگر
وہ نکلنے نہ دیتے ہوں واللہ اعلم) ماؤں کو محبت میں نے سکھلائی ہے کیسی شمع ہوگی جسکو میں نے روشن کیا ہو (مراد یہ کہ
جو محبت میری رکھی ہوئی ہو وہ کیسی ہوگی غرض اسباب میں نے صدہا عنایت اور صدہا علاقے (کرم کے) کئے تاکہ وہ میرا لطف
بے واسطہ دیکھے تاکہ وہ سبب سے کشمکش میں نہ رہے (کیونکہ اسباب سے سبب کبھی تخلف بھی ہو جاتا ہے اور اس سے تردد
پیدا ہو جاتا ہے کشمکش سے یہ مراد ہے اور) تاکہ اُسکی ہر استعانت میری طرف سے ہو (یعنی وہ اور کسی پر نظر نہ کرے) تاکہ
خود ہماری طرف سے اُسکو کوئی عذر نہ رہے (یعنی گمراہ ہونے میں کوئی عذر نہ کرسکے کہ میں اسباب پر نظر کرنے کے سبب
آپ کی انعامات وآیات کی طرف متوجہ نہ ہوسکا اور) ہر یار بد سے اُسکو شکوہ نہ رہے (کہ فلاں قرین سوء نے مجھکو گمراہ
کردیا سواب افاضہ نعم بلا اسباب عادیہ میں اسکی گنجائش نہ رہی) اُس نے یہ پرورش دیکھی صدہا علاقوں کے ساتھ کہ میں نے

اُسکو بلاواسطہ پرورش کیا (مگر) اُس کا شکریہ تھا اے بندہ جلیل (عزرائیل) کہ وہ نمرود اور سوزندہ خلیل ہو گیا (آگے مولانا تشبیہ دیتے ہیں کہ) جسطرح کہیں شاہزادہ نے شاہ کا شکر استکبار اور استکثار جاہ سے کیا کہ کس لئے میں غیر کا تابع ہوں جبکہ میں صاحب ملک و اقبال ہوں شاہ کے الطاف جنکا (اوپر) ذکر گذر چکا ہے تجبر کے سبب اُس کے دل پر پوشیدہ ہو گئے اسی طرح نمرود نے اُن الطاف کو زیر پا رکھدیا جہل اور کوری سے (آگے تتمہ مقولہ حق ہے خطاب عزرائیل میں یعنی) وہ اسوقت کافر ہوا ہے اور رہ زنی کرتا ہے (یعنی) کبر اور دعویٰ خدائی کرتا ہے (اور) آسمان با جلال کی طرف چلا ہے تین کرگس کے ذریعہ سے تاکہ میرے ساتھ قتال کرے (اور) لاکھوں طفل غیر قابل ملامت (یعنی بے خطا) کو اُس نے قتل کردیا تاکہ ابراہیم علیہ السلام اسکو مل جاویں کیونکہ منجم نے کہدیا تھا سال (خاص) کے احکام (و واقعات کی پیشین گوئی) میں (کہ) ایک دشمن قتال کے لئے پیدا ہوگا۔ ہاں اُس خصم کے دفع میں احتیاط کر (پس) جو پیدا ہوتا تھا وہ اُسکو خبط سے قتل کردیتا تھا (مگر) اُسکی ناکامی کے ساتھ طفل جالبِ وحی (اُس کے ہاتھ سے) بچا رہا (اور) دوسرے ہزاروں خون اُسکی گردن پر رہے (کیا) وہ سلطنت باپ سے پائی تھی اے عجب جس سے اُسکو ظلمات نسب نے دھوکہ دیدیا اگر دوسروں کیلئے ماں اور باپ حجاب ہو گئے ہوں تو اُس نے تو (بلاواسطہ تربیت یا در وید کے خود) ہم سے بہت سے موتی (اپنی) جیب میں پائے ہیں (آگے مولانا قصہ سے مضمون ارشادی کی طرف انتقال فرماتے ہیں کہ یہ) نفس بدیقین گرگ درندہ ہے (جس نے نمرود کو بھی برباد کیا) تو ہر قرین پر کیا بہانہ رکھتا ہے (کہ میں فلانے کے سبب گمراہ ہو گیا گو ظاہراً وہ سبب گمراہی کا ہو جیسا اوپر آیا تھا دیگراں را اگر ام و اب شد حجیب حاصل یہ کہ نمرود کو تو ماں باپ بھی حجاب نہوئے اُسکی گمراہی اشد تھی باقی جن کے لئے یہ حجاب ہو جاتے ہیں وہ بھی ظاہری ہیں ورنہ اصل سبب خبث نفس ہے پس اُسکی گمراہی بھی شدید ہے اور) ضلالت میں (گویا) سو گنجوں کی ٹوپی ہے نفس (مذکور) زشت (اور) کفرناک (اور) پر سفاہت (یعنی جتنے جمال دین سے خالی ہیں مثل گنجے کے ان سب کا سر تاج اور سبب اُشرِ نفس ہے) میں اسی سبب سے کہتا ہوں اے بندہ فقیر (کہ) زنجیر (اس) کتے کی گردن سے مت نکال (یعنی اس سگ نفس کو قید مجاہدہ میں اسیر رکھ اور اس پر بےفکر مت ہونا کہ میں اسکی تہذیب کر چکا ہوں اب اسمیں شر کا احتمال نہیں رہا جیسا اس دھوکہ میں اکثر غیر محققین مبتلا ہو جاتے ہیں سو سمجھ لو کہ) یہ سگ اگر تعلیم یافتہ بھی ہو گیا ہے (جیسے کلاب الصید) تاہم سگ ہی ہے (قابل اطمینان نہیں پس اُس حالت میں بھی) ایسا ہو کر رہ کہ جسکا نفس ذلیل ہے کیونکہ وہ بدرگ ہے (پس اسکو مجاہدہ سے دبائے رکھنا ہی اسلم ہے یہانتک تو تعلیم تھی مجاہدہ کی آگے صحبت مرشد کی ترغیب ہے کیونکہ بدون اُس کے صرف مجاہدہ اصلاح نفس کیلئے ناکافی ہے پس فرماتے ہیں کہ) فرض (طریق) کی بجا آوری کر رہا ہے اگر تو سہیل (ستارہ) پر مثل چرم طائف کے آمد و رفت کر رہا ہے (آگے آمد و رفت کا فائدہ ہے یعنی) تاکہ سہیل تجھکو ننگ پوست (سریع الفساد) سے خلاصی دیدے تاکہ مثل موزہ کے تو دوست کے قدم کا قرین ہو جاوے (مشہور ہے کہ پوست پر سہیل کی شعائیں پڑنے سے اُسکی نظافت بڑھ جاتی ہے اور تغیر سے محفوظ ہو جاتا ہے پس سہیل سے مرشد کو تشبیہ دیکر ترغیب دیتے ہیں اُسکی ملازمت کی اور اُس کا ثمرہ بتلاتے ہیں اصلاح اور قابلیت قرب کی مثل موزہ کے کہ اصلاح ہو کر قابل قرب قدم کا ہو جاتا ہے آگے پھر خبث نفس کا

مضمون ہے جسکی اصلاح کا طریق اوپر مجاہدہ و صحبت مرشد بتلایا ہے یعنی) تمام قرآن خبث نفوس کی شرح ہے قرآن میں دیکھ لے تیری وہ آنکھ کہاں ہے (اور اُس نے دیکھتا کیوں نہیں آگے مفعول ہے بنگر کا یعنی دیکھ لے) عاد کے نفس کا ذکر جنھوں نے آلات (طغیان) پالئے تھے (اور) قتال انبیا میں موشگافی کرتے تھے (اسی طرح) ہر ہر قرن میں نفس شوم بے ادب سے ناگہاں عالم میں شعلہ (فساد) بھڑکتا تھا۔ (بہت سے قرون کے قصص قرآن مجید میں بھی ہیں فقط قولہ جملہ قرآن الخ آگے پھر قصہ ہے شہزادہ کا)۔

رجوع بداں قصہ شہزادہ کہ بہ نقصان آمد بداں طغیان و زخم خورد از خاطر شاہ و پیش از استکمال فضائل دیگر از دنیا رفت

قصہ کوتہ کن کہ رائے نفس کور
قصہ کوتاہ کر کہ نفس کور کی رائے

برد او را بعد سالے سوئے گور
اُسکو بعد ایک سال کے قبر کی طرف لے گئی

شاہ چوں از محو شد سوئے وجود
شاہ جب محو سے ہستی کی طرف آیا

چشم مریخیش آں خون کردہ بود
تو اُس کے چشم مریخی نے اُس کا وہ خوں کیا تھا

چوں بترکش بنگرید آں بے نظیر
جب ترکش کو اُس بے نظیر نے دیکھا

دید کم از ترکشش یک چوبہ تیر
تو اپنے ترکش سے ایک چوب تیر کم دیکھا

گفت کو آں تیر و از حق باز جست
کہنے لگا کہ وہ تیر کہاں ہے اور حق تعالیٰ سے جستجو کی

گفت اندر حلق او آں تیر تست
ارشاد ہوا کہ اُس کے حلق میں وہ تیرا ہی تیر ہے

عفو کرد آں شاہ دریا دل و لے
اُس شاہ دریا دل نے معاف کر دیا لیکن

آمدہ بد تیر او بر مقتلے
اُسکا تیر مقتل پر آچکا تھا

کشتہ شد در نوحہ او میگریست
وہ کشتہ ہو گیا اُس کے غم میں روتا تھا

اوست جملہ ہم کشندہ ہم ولی ست
وہ جامع ہے کشندہ بھی ہے وُلی بھی ہے

ورنہ باشد ہر دو او پس جملہ نیست
اور اگر وہ دونوں طرح کا نہو پس وہ جامع نہیں

ہم کشندہ خلق و ہم ماتم کنے ست
وہ کشندہ خلق بھی ہے اور ماتم کرنے والا بھی ہے

شکر میکرد آں شہید زرد خد
وہ شہید زرد رخسارہ شکر کرتا تھا

کان بزد بر جسم و بر معنی نزد
کہ وہ جسم پر پڑا اور روح پر نہیں پڑا

جسم ظاہر عاقبت خود رفتنی ست
جسم ظاہری تو انجام کار جانے ہی کی چیز ہے

تا ابد معنی بخواہد شاد زیست
ابد تک روح شاد زندہ رہے گی

آں عتاب ار رفت ہم بر پوست رفت
وہ عتاب اگر جاری ہوا پوست پر جاری ہوا

دوست بے آزار سوئے دوست رفت
محب بے عقوبت محبوب کے پاس چلا گیا

گرچہ او فتراک شاہنشہ گرفت
اگرچہ اس نے بادشاہ کا فتراک پکڑا تھا

آخر از عین الکمال او رہ گرفت
آخر نظر بد سے اس نے راستہ گرفتہ کر دیا

واں سوم کاہل تریں ہر دو بود
اور وہ تیسرا دونوں سے زیادہ کاہل تھا

صورت و معنی بکلی او ربود
اس نے صورت اور معنی کلی طور پر حاصل کیا

دختر و ملک و خلافت او گرفت
دختر اور سلطنت اور خلافت اس نے لی

می سزد گر زیں بمانی در شگفت
سزاوار ہے اگر تو اس سے تعجب میں رہے

من ز طول قصہ گشتستم ملول
میں طول قصہ سے ملول ہو گیا ہوں

من غریق بحر معنی تو عجول
میں غریق معنی ہوں تو مستعجل ہے

وانگہے از ذلت و عجز و نیاز
اور اسوقت ذلت اور عجز اور نیاز کی وجہ سے

یافت مقصود از کریم کارساز
مقصود کریم کارساز سے پایا۔

قصہ کوتاہ کرکہ نفس کور کی رائے اُس (شہزادہ) کو گور کی طرف لے گئی (یعنی مرگیا) شاہ جب محو (اور سکر) سے ہستی (اور صحو) کی طرف آیا تو (دیکھا کہ) اُس کے خشم مریخی نے اُسکا وہ خون کیا تھا (معلوم ہوتا ہے کہ بادشاہ کو غصہ آنے کے بعد کوئی حالت غالب ہوگئی جس میں غصہ کے آثار کی طرف التفات نہیں ہوا پھر افاقہ کے بعد معلوم ہوا کہ میرے غصہ کے اثر سے مرگیا آگے یہی مضمون بلفظ دیگر ہے کہ) جب ترکش کو اُس بے نظیر نے دیکھا تو اپنے ترکش سے ایک چوب تیر کم دیکھا (دل میں) کہنے لگا کہ وہ تیر کہاں ہے اور حق تعالیٰ سے جستجو کی ارشاد ہوا کہ اُس (شہزادہ) کے حلق میں وہ تیرا ہی تیر ہے (میرے ذوق میں اسکی تقریر یہ ہے کہ ہر کیفیت باطنی قبل ظہور کے شدید ہوتی ہے اور بعد ظہور کے خفیف اور ظہور کبھی اظہار سے ہوتا ہے کبھی بلا اظہار اُس کے اثر کے نافذ ہوجانے سے پس یہاں جو شاہ کو غصہ پیدا ہوا تھا اسکے بعد غلبۂ حال ہونے سے تو اُس کے بقاء و زوال کی طرف التفات نہیں ہوا جب شہزادہ کے مرنے کے قریب اس حالت سے افاقہ ہوا تو نفس کی طرف التفات کرنے سے غصہ نہ پایا تعجب ہوا کہ میں نے گو دل میں شہزادہ کی شکایت کی مگر زبان سے ظاہر نہیں کیا پس اظہار تو ہوا نہیں پھر کیا صورت اس غصہ کے نہ رہنے کی ہوئی پھر الہام سے معلوم ہوا کہ کہ اسکا ظہور دوسری طرح ہوگیا کہ اُس کا اثر نافذ ہوگیا جس سے شہزادہ مرنے کو ہے اور چونکہ یہاں شاہ نے غصہ میں یہ قصد نہیں کیا کہ یہ مرجاوے ایسی صورت میں معصیت نہیں ہوتی اسی طرح اگر غیر صاحب تصرف دعا کرے کسی کی موت کی اُس مرنے سے بھی قتل کا گناہ نہیں ہوتا کیونکہ دونوں صورتوں میں قتل کی مباشرۃ نہیں ہوئی بخلاف اس کے کہ صاحب تصرف ہمت بقصد قتل کے کرے اس صورت میں قتل کا گناہ ہوگا کہ مباشرت جس طرح دوسرے آلات سے مثل شمشیر و بندوق کے ہوتی ہے اسی طرح یہ ہمت بھی ایک آلہ ہے قتل کا اس سے بھی اُسکو قاتل کہیں گے احقر نے یہی مضمون لکھا تھا ایک درویش صاحب ریاضت و صاحب ریاست کے جواب میں اُنھوں نے یہ سوال کیا تھا کہ میں نے ایک شخص کو بد دعا دی تھی اور وہ مرگیا تو مجھپر قتل کا گناہ ہے یا نہیں اور میں اس سوال سے بیحد اس لئے خوش ہوا کہ یہ سائل کے فہم کی دلیل ہے کہ جسکو عام درویش اپنی کرامت سمجھتے اُن کو اسکی معصیت ہونیکا شبہ ہوا اور میں نے جو شاہ کے افاقہ کو قبل موت شہزادہ قرار دیا بعد موت نہیں سمجھا اُس کا قرینہ یہ شعر ہے یعنی) اُس شاہ دریا دل نے معاف کردیا لیکن اُس کا تیر مقتل پر آچکا تھا (اس سے صاف معلوم ہوا کہ شاہ کی یہ تحقیق کہ تیر کہاں گیا جو بعد افاقت ہوئی تھی شہزادہ کی موت کے قبل تھی غرض تیر مقتل پر پہونچنے سے) وہ کشتہ ہوگیا (شاہ) اُس کے غم میں روتا تھا (اور رونے کی وجہ یہ ہے کہ) وہ جامع ہے (یعنی اگرچہ) کشندہ بھی ہے (لیکن) ولی بھی ہے (جسکی لئے رحیم ہونا لازم ہے اور رحمت مقتضی ہے بکاء کو اور نرا کشندہ و صاحب تصرف نہیں ہے کہ ایسا ہونا کچھ بھی کمال نہیں کہ کفار بھی ایسے تصرفات مکتسب کرسکتے ہیں) اور اگر وہ دونوں طرح کا نہ ہو (بلکہ صرف صاحب تصرف ہی ہو اور ولی و رحیم نہ ہو) پس وہ جامع نہیں (بلکہ ناقص ہے اور چونکہ یہ شاہ جامع ہے اس لئے) وہ کشندہ خلق بھی ہے اور ماتم کرنے والا بھی ہے (اس کا یہ مطلب نہیں کہ جامعیت بمعنی کاملیت میں ولایت کافی نہیں صاحب تصرف ہونا ضروری ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ جامعیت بمعنی کاملیت میں صاحب تصرف ہونا کافی نہیں ولی ہونا بھی ضرور ہے چنانچہ میں نے

اپنی تقریر ترجمہ میں اسکو واضح کردیا ہے اور یہ شبہ کہ جب ولایت کے ساتھ تصرف نہ ہوا تو جامعیت کہاں ہوئی جواب اس کا یہ ہے جامعیت باعتبار اوصاف ولایت کے ہے نہ کہ غیر اوصاف ولایت کے مثلاً جامعیت کے لئے یہ ضرور نہیں کہ وہ پہلوان بھی ہو تصرف اسی مرتبہ میں ہے اسی لئے احقر نے اسکی تفسیر کاملیت کے ساتھ کردی اس عنوان ورنہ باشد ہر دو اویں جملہ نیست کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص نہایت خوشخط ہو اور لوگ اُسکو جامع العلوم بھی کہتے ہوں مگر وہ عالم نہ نکلے تو یوں کہنا صحیح ہوگا کہ یہ شخص صرف خوشخطی سے جامع العلوم نہیں ہوسکتا البتہ اگر اس میں خوشخطی کے ساتھ علوم بھی ہوتے تب البتہ جامع العلوم ہوتا تو اس سے ہرگز یہ لازم نہیں آتا کہ اگر کسی عالم میں خوشخطی نہ ہو تو اُسکو عالم نہ کہیں گے فافہم فانہ من مزلۃ الاقدام آگے قصہ ہے کہ) وہ شہید زرد رخسارہ (بوجہ شرمندگی) شکر کرتا تھا کہ وہ (عتاب) جسم پر پڑا اور روح (کی صفت یعنی ایمان) پر نہیں پڑا جسم ظاہری تو انجام کار جانے ہی کی چیز ہے ابد تک بعج شاد زندہ رہیگی وہ عتاب اگر جاری ہوا پوست پر جاری ہوا (جس سے) محب لبے عقوبت (اخرویہ) محبوب کے پاس چلا گیا۔ اگرچہ اُس نے بادشاہ کا فتراک پکڑا تھا (کہ سلوک طے کرونگا) آخر (اپنی ہی) نظر بد (یعنی خود بینی) سے اُس نے راستہ (سلوک کا) گرفتہ (یعنی مسدود) کردیا (جیسا مفصلاً بیان ہوا یہانتک دو شہزادوں کا قصہ ہوا) اور وہ تیسرا دونوں سے زیادہ کاہل تھا (کاہل سے مراد متحمل غیر مستعجل نہ اول کی طرح کہ طبیعت میں تقاضا وصل محبوبہ کا پیدا کرلیا اور شدت اضطراب سے مرگیا اور نہ دوسرے کی طرح کہ جلدی ہی کامل ہونیکا گمان کرلیا اور ہلاک ہوا ایس ایک مستعجل فی استدعار الوصال تھا دوسرا مستعجل فی ادعار الکمال تھا یہ تیسرا ایسا نہ تھا اس لئے) اس نے صورت اور معنی کلی طور پر حاصل کیا (یعنی) دختر اور سلطنت اور خلافت (باطنیہ) اُس نے لی سزاوار ہے اگر تو اس سے تعجب میں رہے (کیونکہ اتنا تحمل کم ہوتا ہے اور کم چیز تعجب خیز ہوتی ہی ہے اور اس پسر سوم کا پورا قصہ اختتام میں مذکور ہے مولانا نے صرف اسی ایک شعر میں اجمالاً فرماکر آگے اپنا عذر فرماتے ہیں کہ) میں طول قصہ سے ملول ہوگیا ہوں (کیونکہ) میں غریق معنی ہوں (اسلئے قصہ کے ذرا ذرا جز سے مضامین ارشادیہ کی طرف منتقل ہوجاتا ہوں اور تو مستعجل ہے (کہ اور مضامین چھوڑ کر قصہ کہوں تو بے مضامین کے مجھسے کہا نہیں جاتا اور مضامین کے ساتھ تجھسے سنا نہیں جاتا اور ملالت سامع سے ملالت متکلم لازم عادی ہے اس لئے میں نے ملول ہوکر چھوڑ دیا مگر ایک شعر اس قصہ کا اور رہ گیا ہے آگے اسکو فرماتے ہیں یعنی اس تیسرے نے تین چیزیں تو شرائط طریق بجا لاکر بادشاہ سے لیں دختر اور سلطنت اور خلافت کما ذکر) اور اسوقت ذلت اور عجز اور نیاز کی وجہ سے مقصود (حقیقی یعنی رضا و قرب و قبول) کریم کارساز سے پایا (اس میں ایک اشارہ اس طرف ہوگیا کہ یہ شیخ کے اختیار کی بات نہیں وہ صرف ہادی الی الطریق ہے باقی موصل الی المقصود حق تعالیٰ ہیں فالحد المعنیین للہدایۃ وظیفۃ الشیخ ای اراءۃ الطریق والثانی فعل الحق سبحانہ وتعالیٰ ای الایصال الی المقصود پس شیخ کی اطاعت کرو حق تعالیٰ کی طاعت میں لگا رہنا وابستہ ہے یہ آگے بمناسبت شعر دان سوم کاہل الخ ایک حکایت لاتے ہیں جسمیں تین کاہلوں کا ذکر ہے کوئی کاہل محمود تھا جو دنیا کے کام میں کاہل تھا وہی مذموم تھا جو عقبیٰ کے کام میں کاہل تھا کاہل محمود اس شہزادہ سوم کے مشابہ تھا اسی سے یہ حکایت لائی گئی اور یہ بھی

اختتام ہی میں اتمام کو پہونچی ہے)۔

مثل وصیّت کردن آں شخص کہ سہ پسر داشت کہ میراث او را بہ کاہل ترین اولاد او دہند

آں یکے شخصے بوقت مرگ خویش
اُس ایک شخص نے اپنے مرنے کے وقت

گفتہ بد اندر وصیت بیش بیش
وصیت کے بارہ میں بیش از بیش دفعہ کہا تھا

سہ پسر بودش چو سہ سرو رواں
اُسکے تین لڑکے تھے مثل تین سرو رواں کے

وقف ایشان کردہ او جان و رواں
اُن پر اُس نے جان و رواں وقف کر رکھی تھی

گفت ہر چہ کالہ و سیم و زر ست
کہا کہ جو کچھ اسباب اور سیم و زر ہے

آں برد زیں ہر سہ کو کاہل ترست
اُن تینوں میں سے وہ لے جو زیادہ کاہل ہے

گفت با قاضی و بس اندرز کرد
قاضی سے کہدیا اور بہت نصیحت کردی

بعد ازاں جام شراب مرگ خورد
بعد ازاں شراب موت کا جام پیا

گفت فرزندان بقاضی کاے کریم
فرزندوں نے قاضی سے کہا کہ اے کریم

نگذریم از حکم او ما یتیم
ہم تینوں یتیم اُس کے حکم سے تجاوز نکریں گے

سمع و طاعت می کنیم او راست
ہم سمع طاعت کرتے ہیں اُنکو اختیار ہے

ہر چہ او فرمود بر ما نافذ ست
اُس نے جو کچھ فرمایا ہے وہ ہمپر نافذ ہے

ما چو اسمٰعیل ز ابراہیم خود
ہم مثل اسمٰعیل علیہ السلام کے اپنے ابراہیم سے

سر نہ پیچیم ارچہ قرباں میکند
سرتابی نہیں کرتے اگرچہ قربانی کردے

گفت قاضی ہر یکے با عاقلیش ٭ تا بگوید قصۂ از کاہلیش

قاضی نے کہا ہر ایک اپنی عاقلی سے اپنی کاہلی کا قصہ بیان کرے

تا بہ بینم کاہلی ہر یکے ٭ تا بدانم حال ہر یک بے شکے

تاکہ میں ہر ایک کی کاہلی دیکھوں تاکہ میں ہر ایک کا حال بدون کسی شک کے جانوں

عارفاں از دو جہاں کاہلترند ٭ زانکہ بے شد یار خرمن می برند

عارفین دونوں جہان سے زیادہ کاہل ہیں اسلئے کہ بدون کھیتی کے خرمن حاصل کرلیتے ہیں

کاہلی را کردہ اند ایشان سند ٭ کار ایشان را چو یزداں میکند

انھوں نے کاہلی کو تکیہ گاہ بنا رکھا ہے چونکہ ان کا کام حق تعالیٰ کردیتے ہیں

کار یزداں را نمی بینند عام ٭ می نیاسایند از کد صبح و شام

عوام کار یزداں کو نہیں دیکھتے محنت سے صبح و شام آسودہ نہیں ہوتے

کار دنیا را ز کل کاہلترند ٭ در رہ عقبی ز مہ گو می برند

کار دنیا کے لئے تو سب سے زیادہ کاہل ہیں کار عقبی میں چاند سے بھی گیند لیجاتے ہیں۔

ایں گزیند ہر کہ او باشد رشید ٭ ہیں کہ دنیا رفت و عقبی در رسید

اسکو وہی اختیار کرتا ہے جو صاحب رشد ہو ہاں دنیا تو رخصت ہوئی اور آخرت آ پہونچی

مہتریں را گفت قاضی باز گو ٭ قصۂ از کاہلی اے مال جو

بڑے سے قاضی نے کہا کہ بیان کر کوئی قصہ کاہلی کا اے طالب مال

ہیں ز حد کاہلی گوئید باز ٭ تا بدانم حد آں از کشف راز

ہاں منتہا کاہلی سے حکایت بیان کرو تاکہ میں کشف راز سے اس کی حد جان لوں

ہیں زحد کاہلی شرحے دہید
ہاں کاہلی کی حد کی شرح کرو

تا بدانم من بچہ حد کاہلید
تاکہ میں جانوں تم کس حد تک کاہل ہو

بیگماں خود ہر زباں پردہ دل ست
بے شبہ خود ہر زبان دل کا پردہ ہے

چون بجنبد پردہ رویت حاصل ست
جب پردہ ہلتا ہے رویت حاصل ہوجاتی ہے

پردۂ کوچک چو یک شرحہ کباب
ایک چھوٹا سا پردہ کباب کے ٹکڑے کی برابر

می بپوشد صورت صد آفتاب
سو آفتاب کی صورت کو ڈہانک لیتا ہے

گر بیان نطق کاذب نیز ہست
اگر نطق کا بیان کاذب بھی ہے

لیک بوی از صدق و کذبش مخبر ست
لیکن بو اسکے صدق وکذب سے مخبر ہے

آں نسیمے کہ بیاید از چمن
جو نسیم کہ چمن سے آتی ہے

ہست پیدا از سموم گولخن
وہ متمیز ہے سموم گلخن سے۔

بوئے صدق و بوئے کذب گول گیر
بوئے صدق اور بوئے کذب جو کہ احمق کی پھنسانیوالی ہے

ہست پیدا در نفس چون مشک و سیر
سانس میں محسوس ہیں مثل مشک اور لہسن کے

بوئے اخلاص و نفاق بے مزہ
بوئے اخلاص اور بوئے نفاق بے لطف

ہست ظاہر ہمچو عود و انگزہ
ظاہر ہوجاتا ہے مثل عود اور ہینگ کے

گر ندانی یار را از دہ دلہ
اگر تو یار کو منافق سے نہ پہچانے

از مشام فاسد خود کن گلہ
تو اپنے دماغ فاسد سے شکوہ کرے

ور ندانی تو عجوز از شاہدے
اور اگر تو عجوز کو محبوبہ سے نہ پہچانے

بیگماں گشتست چشمت فاسدے
تو بلاشبہ تیری آنکھ فاسد ہوگئی ہے

ور تو نشناسی شکر را از صبر
بیگماں شد حس ذوق تو حذر

اور اگر تو شکر کو ایلوہ سے نہ پہچانے
تو بلاشبہ تیرا ذوق بے حس ہوگیا ہے

ور یکے شد صوت بلبل با غراب
ہست بیشک حس سمع تو خراب

اور اگر بلبل کی آواز غراب کے ساتھ متحد ہے
تو بلاشبہ تیری حس سمع خراب ہے

ور یکے گشت سمور و خار پشت
حس لمس تو بتو بنمود پشت

اور اگر سمور اور خار پشت تیری نزدیک متحد ہیں
تو تیری حس لمس نے تجھکو پشت دکھلادی ہے

بانگ حیزاں و شجاعاں دلیر
ہست پیدا چوں فن روباہ و شیر

بزدلوں کی اور شجاعان دلیر کی آواز
ظاہر ہے مثل فن روباہ اور شیر کے

چارۂ کار حواس خویش کن
وانگہے راہ طلب در پیش کن

اپنے حواس کا چارہ کار کر
اور اس وقت راہ طلب کو در پیش کر

یا زباں ہمچوں سر دیگے ست است
چوں بجنبد تو بدانی چہ ابا ست

یا زباں ٹھیک مثل سر دیگ کے ہے
جب وہ ہلتی ہے تو جان لیتا ہے کیا سالن ہے

از بخار آں بداند تیز ہش
دیگ شیریں را ز سکباج ترش

تیز ہوش اسکی بھاپ سے جان لیتا ہے
دیگ شیریں کو آش ترش سے

دست بر دیگ نوی چوں زد فتیٰ
وقت بخریدن بدید اشکستہ را

نئی ہنڈیا پر جب کسی صاحب سلیقہ نے ہاتھ مارا
خریدنے کے وقت تو شکستہ کو دیکھ لیا

آں یکے پرسید صاحب درد را
گفت در چندے شناسی مرد را

ایک شخص نے کسی صاحب درد سے پوچھا
کہا کہ تو کتنی مدت میں پہچان لیتا ہے آدمی کو

گفت دانم مرد را در حین پوز | ورنه گوید دانمش اندر سه روز

اس نے کہا کہ میں آدمی کو فی الفور دہن سے پہچان لیتا ہوں | اور اگر وہ نہ بولے تو اسکو تین روز میں پہچان لیتا ہوں

وان دگر گفت ار بگوید دانمش | ور نگوید در سخن پیچانمش

اور ایک دوسرے شخص نے کہا کہ اگر وہ بولے تب تو پہچانتا ہوں | اور اگر نہ بولے تو میں اسکو کسی بات میں لگا دیتا ہوں

گفت اگر این مکر بشنیده بود | لب ببندد در خموشی در رود

اس نے کہا اگر وہ یہ تدبیر سنے ہوئے ہو | وہ لب بند کرکے اور خاموشی میں چلا جاوے

گفت میرو گوئی تا هفتم زمین | تا ابد پوشیده بادم حال زین

اس نے کہا کہ تو کہدے کہ ساتویں زمین تک چلا جا | ابد تک اس شخص کا حال مجھپر مخفی ہی رہے

حال یک تن گر ندانم چه شود | واندرو نقصان دینم چه بود

اگر میں ایک شخص کا حال نہ ہی جانونگا تو کیا ہوجاویگا | اور اسمیں میرے دین کا کیا نقصان ہوجاویگا

مثل

آنچنانکه گفت مادر بچه را | گر خیالے آیدت در شب فرا

جیسا کہ ماں نے بچہ سے کہا | کہ اگر کوئی خیال رات کو تیرے سامنے آوے

یا بگورستان وجای سهمگین | تو خیال زشت بینی در کمین

یا گورستان اور خوفناک جگہ میں | تو کسی خیال زشت کو کمین گاہ میں دیکھے

دل قوی دار و بکن حمله برو | او بگرداند ز تو در حال رو

تو دل قوی رکھنا اور اسپر حملہ کر دینا | وہ فورا تجھسے رخ پھیر لے گا

زانکہ بے ترسے بسویش ہر کہ رفت
کیونکہ بیخوف ہوکر جو شخص اس کی طرف گیا

آں خیال دیووش بگریخت تفت
تو وہ خیال شیطان مثال فوراً بھاگ گیا

گفت کودک با خیال دیووش
لڑکے نے کہا کہ اس خیال شیطان مثال سے

انچنیں گر گفتہ باشد مادرش
اگر اسکی ماں نے بھی یوں ہی کہدیا ہو

حملہ آرد افتد اندر گردنم
وہ حملہ آور ہو اور میری گردن میں اولجھ جاوے

ز امر مادر پس من آنگہ چوں کنم
ماں کے حکم سے پھر میں اُسوقت کیا کرونگا

تو ہمی آموزیم کہ چست ایست
تو مجھکو سکھلاتی ہے کہ مضبوط کھڑا رہنا

آں خیال زشت راہم مادریست
اُس خیال زشت کی بھی تو کوئی ماں ہوگی

دیو مردم را ملقن آں یکے ست
آدمیوں کے شیطان کا تلقین کنندہ وہ ایک ہی ہے

غالب از وی گردد ار خصم اندکیست
اُس سے غالب آجاتا ہے اگرچہ خصومت کنندہ ضعیف بھی ہے

تا کدامیں سوئے باشد آں پرایش
خواہ کسی جانب بھی وہ توجہ ہو جاوے

اللہ اللہ رو تو ہم آں سوئے باش
اللہ اللہ تو جا اُسی طرف پہونچ جا

گفت اگر از مکر ناید در کلام
اُس نے کہا کہ اگر وہ مکر سے کلام میں نہ آوے

حیلہ را دانستہ باشد آں ہمام
وہ باہمت حیلہ کو جانتا ہو

سرّ اورا چوں شناسی راست گو
تو تو اُس کے راز کو کیونکر پہچانے ٹھیک ٹھیک کہہ

گفت من خامش نشینم پیش او
اُس نے کہا کہ میں اُس کے سامنے خاموش بیٹھ جاتا ہوں

صبر را سلم کنم سوے درج
صبر کو زینہ بناتا ہوں درجہ کی طرف

تا برآیم بر سر بام فرج
تاکہ میں بام کامیابی کی سطح پر پہونچ جاؤں

هست مر هر صبر را آخر ظفر
هر صبر کا انجام مرادرسی ہے

هست روزی بعد هر تلخی شکر
ہر تلخی کے بعد شکر نصیب ہوتی ہے

چون بجوشد در حضورش از دلم
جب اُسکی حاضری میں میرے دل سے

منطقے بیرون ازین شادی و غم
کوئی کلام جو اس شادی و غم سے خارج ہو جوش کرتا ہے

من بدانم کو فرستاد آن بمن
تو میں جان لیتا ہوں کہ یہ میرے پاس اُسنے

از ضمیر چون سهیل اندر یمن
ایسے ضمیر سے بھیجا ہے جو سہیل کے مشابہ ہے یمن میں

من بزرگی ورا گردن نهم
میں اُسکی بزرگی کے روبرو گردن جھکا دیتا ہوں

منتے هم بر دل و بر تن نهم
دل پر بھی اور تن پر بھی منت رکھتا ہوں

در دل من این سخن زان میمنه است
میرے دل میں یہ بات اسطرف سے آئی ہے

زانکه از دل جانب دل روزنه است
اسلئے کہ ایک دل سے دوسرے دل کی طرف روزنہ ہے

چون فتاد از روزن دل آفتاب
جب روزن قلب سے آفتاب جا گرا

ختم شد والله اعلم بالصواب
تو ختم ہوگئی اور اللہ ہی کو خوب معلوم ہے کہ صواب کیا ہے

اُس ایک شخص نے اپنے مرنے کے وقت وصیت کے بارہ میں بیش از بیش دفعہ (یعنی مکرر سہ کرر) کہا تھا اُسکے تین لڑکے تھے مثل تیں سرو رواں کے ان پر اس نے (اپنی) جان و رواں وقف کر رکھی تھی (غرض وصیت میں یہ) کہا کہ جو کچھ اسباب اور سیم و زر ہے ان تینوں میں سے وہ لے جو زیادہ کاہل ہو قاضی سے کہدیا اور بہت نصیحت (اور تاکید) کردی بعد ازاں شراب موت کا جام پیا۔ فرزندوں نے قاضی سے کہا کہ اسے کریم ہم تینوں یتیم اس کے حکم سے تجاوز نہ کرینگے (غالبًا یتیم بمعنی مطلق بے پدر کے ہیں گو بالغ ہوں اور یہی توجیہ ہو سکتی ہے اِس وصیت للوارث کے نفاذ کی کہ تینوں نے اسکو جائز رکھا تھا اسی طرح قاضی نے جو فیصلہ کیا جو کہ اختتام میں مذکور ہے گو کاہل کے معنی عرفی کے خلاف پر مبنی ہے اور اعتبار وصیت میں عرف کا ہوتا ہے لیکن بعد فیصلہ کے باہم توافق و تصالح اسکی بھی توجیہ ہو سکتی ہے بہر حال فرزند کہتے ہیں کہ) ہم سمع و طاعت کرتے ہیں اُسکو اختیار ہے اُس نے

جو کچھ فرمایا ہے وہ ہم پر نافذ ہے ہم مثل اسمٰعیل علیہ السلام کے اپنے ابراہیم سے سرتابی نہیں کرتے اگرچہ قربانی کردے قاضی نے کہا ہر ایک (اپنی عاقلی (اور فہم واحتیاط) سے اپنی کاہلی کا قصہ بیان کرے تاکہ میں ہر ایک کی کاہلی دیکھوں تاکہ میں ہر ایک کا حال بدوں کسی شک کے جانوں (مولانا بطور انتقال کے فرماتے ہیں کہ) عارفین دونوں جہان (کے لوگوں) سے زیادہ کاہل ہیں (یعنی دونوں جہان میں ان سے زیادہ کوئی کاہل نہیں سو ایک عالم میں تو کوئی کاہل ہی ہی نہیں قال تعالیٰ یسبحون اللیل والنہار لا یفترون۔ دنیا میں البتہ کاہل بھی ہیں پس مطلب یہ کہ دنیا میں بھی ان سے زیادہ کوئی کاہل نہیں کاہلی سے مراد تفویض وتوکل وفنا ارادات کہ صورۃً وعند العوام کاہلی سمجھی جاتی ہے آگے ان کی اس کاہلی کی وجہ تبلاتے ہیں یعنی یہ جو کاہل ہیں تو) اس لئے کہ بدون کھیتی کے خرمن حاصل کر لیتے ہیں (جیسا متوکلین کو یہ دولت نصیب ہوتی ہے کہ بدون اختیار اسباب کے مقاصد میسر ہو جاتے ہیں فی الغیاث شدیار زمینے را گویند کہ برائے زراعت بہ قلبہ رانی شگافتہ زیر وزبر کردہ باشندا ہ وفی الحاشیۃ شگافتن وقلبہ راندن زمین وزمینے کہ بجہت زراعت شگافتہ باشند آہ) انھوں نے کاہلی (مذکور) کو تکیہ گاہ بنا رکھا ہے چونکہ اُن کا کام حق تعالیٰ کر دیتے ہیں (اور چونکہ دوسرے) عوام (اس) کارزداں کو نہیں دیکھتے (اس لئے) محنت سے صبح وشام آسودہ نہیں ہوتے (اور وہ عارفین) کار دنیا کے لئے تو سب سے زیادہ کاہل ہیں (لیکن) کار عقبیٰ میں چاند سے بھی (سبقت کی) گیند لیجاتے ہیں (اور) اس (امر) کو وہی اختیار کرتا ہے جو صاحب رشد ہو (اور یوں سمجھے کہ) ہاں دنیا تو رخصت ہوئی اور آخرت (قریب) آپہونچی (جیسا ایک حدیث میں اس قسم کا مضمون ہے الا ان الدنیا مدبرۃ الا ان الاخرۃ مقبلۃ او نحوہ) بڑے (بیٹے) سے قاضی نے کہا کہ بیان کر کوئی قصہ (اپنی کاہلی کا اے طالب مال (اور دوسروں سے بھی کہا کہ) ہاں منتہا کاہلی سے حکایت بیان کرو تاکہ میں (تمہاری اس کشف راز (وبیان حقیقت) سے اُس (کاہلی) کی حد جان لوں (اور کم وبیش کا اندازہ کر لوں) ہاں (اپنی) کاہلی کی حد کی شرح کرو تاکہ میں جانوں تم کس حد تک کاہل ہو (آگے قصہ سے مولانا دوسرے مضمون کی طرف بمناسبت گوئید تا بدانم کے منتقل ہوتے ہیں اور اسی مضمون پر بدون عود الی القصہ کے مثنوی ختم فرما دینگے حاصل اس مضمون منتقل الیہ کا یہ ہے کہ کلام مطابق قول قاضی کے دلیل ہوتا ہے حال باطن پر کبھی تو الفاظ سے جیسا کہ اہل طریق اور عام عادت یہی ہے کبھی اثر سے جبکہ حکایت محکی عنہ کے خلاف ہو جبکہ سامع ذوق صحیح رکھتا ہو اور اس دوسری صورت میں اصل دال حالت ہوگی متکلم کی پس اس طور پر حال بھی مقال حکمی ہوگا جو اصل میں موضوع تھا دلالت علی الباطن کے لئے اب خواہ یوں تعبیر کیا جائے کہ مقال دال ہے عام اس سے کہ حقیقی ہو یا حکمی یا یوں تعبیر کیا جاوے کہ مقال ورحال دونوں دال ہیں بواطن اور سرائر پر اور دلالت حال کے لئے جو ذوق صحیح کا ہونا شرط ہے اس میں زیادہ معتبر وہ صحت ہو جو صلاح باطن سے ناشی ہوئی ہو اور اس کے درمیان میں یہ بھی تبلا دیا کہ اگر اتفاقاً کہیں یہ دلالتیں کافی نہ ہوں تو کسی کا اظہار کچھ ضروری بھی نہیں اُس کے درپے نہ ہو کما ھو مذکور فی قولہ گفت میر دانہ وقولہ حال یک تن الخ گو معاملہ میں احتیاط کا پہلو رکھنا ضروری ہو گا بس اسی مضمون پر کتاب ختم ہے اور شاید مقصود اس مضمون سے تنبیہ ہو

دو امر ایک یہ کہ شیخان مزورین کی رنگین باتوں پر نہ آنا چاہیئے استدلال بالحال سے بھی کام لینا چاہیئے دوسرا یہ کہ محض اپنے خیال سے کسی کے حال نیک یا بد کا جزم نہ کرنا چاہیے گو عمل میں احتیاط ملحوظ رکھی جاوے اور اس مضمون کا بوجہ مفید اور ہر وقت مفید ہونے کے خاتمہ افادات میں قابل وصیت ہونا بالکل ظاہر و باہر ہے سو اس پر کتاب ختم کردی گئی بس فرماتے ہیں کہ) بے شبہ خود ہر زبان دل کا پردہ ہی جب پردہ ہلتا ہے (داخل پردہ چیز کی) رویت حاصل ہوجاتی ہے (زبان کی تشبیہ پردہ کے ساتھ باعتبار اسکی ذات کے نہیں ہے کیونکہ اس پر دو اشکال ہوں گے ایک تو یہ کہ اگر کسی کی زبان ہی نہ ہو تو کیا یہ کہنا صحیح ہوگا کہ اسکے اسرار زیر پردہ نہیں اس سے اس کے سب اسرار ظاہر ہیں سو ظاہر ہے کہ یہ خلاف واقع ہے بلکہ اس کے اسرار بہ نسبت زبان والوں کے زیادہ مخفی ہونگے کہ کبھی احتمال بھی نہ ہوگا ظہور اسرار باللسان کا دوسرا یہ کہ اگر زبان کو خالی حرکت دی جاوے بلا تکلم کے تو پردہ تو اب بھی ہل گیا مگر اسرار ظاہر نہ ہونگے سو یہ تشبیہ باعتبار ذات لسان کے نہیں ہے بلکہ باعتبار اسکی صفت نطق و عدم نطق کے سو عدم نطق سکون پردہ کے مشابہ ہے اور نطق حرکت پردہ کے مشابہ ہے اس پر اشکال اول بھی واقع نہ ہوگا کیونکہ اصل پردہ عدم نطق ہے سو وہ مع اپنے اثر کے صادق ہے اور دوسرا اشکال بھی واقع نہ ہوگا کیونکہ یہ حرکت نطقیہ نہیں ہے اس لئے اظہار اسرار نہیں ہوا اب تشبیہ مذکور سے ایک اور سوال پیدا ہوتا تھا کہ اسرار تو بیشمار اور زبان ایک جرم صغیر سو اتنے چھوٹے پردہ کی پیچھے اتنے اسرار کیونکر آگئے اس کا جواب دیتے ہیں کہ اس کا تعجب مت کرو کیونکہ) ایک چھوٹا سا پردہ کباب کے ٹکڑے کی برابر (مثلاً ایک سر انگشت کہ کباب کے چھوٹے ٹکڑے سے بھی چھوٹی چیز ہے وہ) سو آفتاب کی صورت کو دھانک لیتا ہے (یہ جواب علی تقدیر التسلیم ظاہر اہے ورنہ جب اسکی ذات پردہ نہیں ہے تو یہ سوال ہی متوجہ نہیں ہوتا بہر حال یہ ثابت ہوا کہ نطق بوضعہ کاشف اسرار ہے اب اس پر ایک سوال ہوتا ہے کہ بعض اوقات آدمی اپنی مافی الضمیر کے خلاف جھوٹ بولتا ہے تو وہ بیان لسان کاشف اسرار و مظہر حقیقت کہاں ہوا اس کا جواب دیتے ہیں کہ) اگر نطق کا بیان کاذب بھی ہو لیکن (اسکی) بو اسکے صدق و کذب سے مخبر ہے (جیسا اکثر سلیم الحس کو لب و لہجہ سے اس کا ادراک ہوجاتا ہے پس نطق کاذب بھی دال ہوا ایک امر واقعی پر اور وہ امر واقعی جو متکلم کے ضمیر میں بھی ہو یہ ہے کہ یہ کلام کاذب ہے گو دوسرا اسرار اس کلام کاذب کے محکی عنہ واقعی کے تفصیل کے متعلق معلوم نہ ہوں سو یہ تو دعوی بھی نہیں کیا گیا کہ ہر نطق تمام اسرار کا کاشف بنجاتا ہے ایک سر واقعی کے لئے کاشف ہوجانا بھی اس حکم کی صحت کیلئے کافی ہے خوب سمجھ لو آگے لب و لہجہ کے مخبر عن الصدق والکذب ہونیکی مثال ہے کہ) جو نسیم کہ چمن سے آتی ہے وہ متمیز ہے سموم گلخن سے (کہ ایک خوشبودار فرحت بخش ہوگی ایک گرم و سوزندہ ہوگی اسی طرح) بوئے صدق اور بوئے کذب جو کہ احمق کی پھنسانے والی ہو (جسکو قوت ممیزہ نہیں یہ صفت ہے بوئے کذب کی یعنی یہ دونوں بو) سانس میں محسوس ہیں مثل مشک اور لہسن کے (کہ کھانے کے بعد سانس لیا جاتا ہے اسمیں خوشبو بدبو ان کی ہوتی ہے اسی طرح تکلم میں تنفس اس کا لازم عادی ہے بوئے صدق و بوئے کذب محسوس ہوجاتی ہیں اور آگے فرماتے ہیں کہ جسطرح لب و لہجہ سے ایک مافی الضمیر یعنی کلام کا صدق و کذب معلوم ہوجاتا ہے اسی طرح ایک دوسرا مافی الضمیر معلوم ہوجاتا ہے یعنی) اگر تو غلام

اور بوئے نفاق بے لطفی (اب و لہجہ سے) ظاہر ہو جاتا ہے مثل عود اور ہینگ کے (اور) اگر تو یار (موافق) کو (یار) منافق سے نہ پہچانے (اور اسوجہ سے تجھکو اس حکم مذکور میں شک ہو) تو (اس حالت میں تو) اپنے دماغ فاسد سے شکوہ کر (صدق حکم میں شبہ نہیں ہے اس میں سلامت حواس و صحت ذوق کا اشتراط بتلایا ہے آگے مثال کے لئے اس عدم تمیز کے بعض مواد و مواقع ہیں جنکا تعلق باصرہ و ذائقہ و سامعہ و لامسہ سے ہے یعنی) اور اگر تو عجوز کو محبوبہ سے نہ پہچانے تو بلاشبہ تیری آنکھ فاسد (الحس) ہو گئی ہے اور اگر تو شکر کو ایلوہ سے نہ پہچانے تو بلاشبہ تیرا ذوق حس بے حس ہو گیا ہے اور اگر بلبل کی آواز غراب (کی آواز) کے ساتھ (تیرے نزدیک) متحد ہے تو بلاشبہ تیری حس سمع خراب ہے اور اگر سمور اور خار پشت تیرے نزدیک متحد ہیں تو تیری حس لمس نے تجھکو (اپنی) پشت دکھلادی ہے (یعنی وہ حس تجھسے رخصت ہو کر چلی گئی) اور جسطرح یہ سب مدرکات سلیم الحس کے نزدیک متمیز ہیں اسی طرح) بزدلوں کی اور شجاعان دلیر کی آواز ظاہر ہے مثل فن روباہ اور شیر کے (کہ باہم متمیز ہیں روباہ کا فن مکر و حیلہ و جبن اور شیر کا فن شجاعت و جلادت اسی طرح بوئے صدق و بوئے کذب باہم واقع میں تو متمیز ہیں لیکن اگر تجھکو متمیز نہیں تو) اپنے حواس کا چارہ کار کر اور اسوقت راہ طلب کو در پیش کر (اس دوسرے مصرعہ میں مولانا کے اس مقصود کی تصریح ہے جسکو احقر نے تمہید مضمون منتقل الیہ میں لکھا ہے فی قولہ شیخان مزدرین کی رنگین باتوں پر الخ وہاں لفظ شاید لکھنے کے وقت یہ مصرعہ پیش نظر نہ تھا اور اوپر تو زبان کی تشبیہ تھی پردہ کے ساتھ آگے ایک اور تشبیہ ہے کہ) یا (یوں کہو کہ) زبان ٹھیک مثل سر دیگ کے ہے جب وہ ہلتی ہے تو جان لیتا ہے کیا سالن ہے (اور جیسے وہاں بوئے صدق و بوئے کذب کی نسیم و سموم سے تشبیہ تھی یہاں اسکو بخار سے تشبیہ دیکر فرماتے ہیں کہ) تیز ہوش (آدمی) اس کی بھاپ سے جان لیتا ہے دیگ شیریں کو آش ترش سے (سکباج آشے کہ در دے سرکہ انداز ند مرکب از سک بمعنی سرکہ و با بمعنی شوربا اور مثال مذکور میں تو مظروف دیگ کی تمیز کا ذکر تھا آگے خود ظرف کی تمیز سے مثال دیتے ہیں کہ) نئی ہنڈیا پر جب کسی صاحب سلیقہ نے ہاتھ مارا خریدنے کے وقت (اور اسکو بجایا) تو (اس سے) شکستہ کو دیکھ لیا (فی المنتخب فی کریم و ترجمت باللازم اور اس سے یہ بھی مفہوم ہو گیا کہ اگر سلیقہ نہیں تو جب آنکھ سے درار دیکھے گا تب پہچانے گا اور ان اخیر کی امثلہ سے یہ بھی حاصل ہوا کہ اہل ادراک باہم متفاوت ہیں کہ کسی نے شوربا کو ہلا کر دیکھ کر پہچانا کسی نے بھاپ سے ایسے ہی کسی نے ہنڈیا کی شکستگی کو ہاتھ سے پہچان لیا کسی نے آنکھ سے آگے اسی تفاوت پر ایک حکایت ہے کہ) ایک شخص نے کسی صاحب درد سے پوچھا (اور) کہا کہ تو کتنی مدت میں پہچان لیتا ہے آدمی کو (شاید صاحب درد ہونے کو اس پہچاننے میں اس طرح دخل ہو کہ ایسا شخص سخت دل نہیں ہوتا اور قساوت قلب مانع ہوتی ہے دوسروں کی حالت کی تحقیق سے جیسا عالم دنیا کی کیفیت دیکھی جاتی ہے کہ خواہ دوسرے کی جان نکل جاوے مگر ان کو اس بیچارگی کا احساس ہی نہیں ہوتا یا صاحب درد سے مراد صاحب باطن جس کے دل میں صرف درد عشق ہو مگر صاحب کشف نہ ہو جیسا دوسرا شخص جسکا ذکر عنقریب اس شعر میں آویگا واں دگر گفت اے صاحب کشف بھی تھا جیسا بالکل ختم اشعار کے قریب اس کا جواب اس پر دال ہے اس نے (جواب میں) کہا کہ میں آدمی کو فی الفور دہن سے (یعنی تکلم سے) پہچان لیتا ہوں اور اگر وہ نہ بولے تو اس کو تین روز

میں (چال ڈھال سے) پہچان لیتا ہوں (سو اس شخص کے ادراک کا تو یہ درجہ تھا) اور ایک دوسرے شخص نے (جو کہ وہاں موجود تھا اور ممکن ہے کہ اس سے بھی پوچھا گیا ہو یہ) کہا کہ اگر وہ بولے تب تو (فوراً) پہچان لیتا ہوں اور اگر نہ بولے تو میں اسکو (کسی بہانہ سے) کسی بات میں لگا دیتا ہوں (اور اُس وقت بولنے سے پہچان لیتا ہوں تو اس شخص کے ادراک کا یہ درجہ تھا تو اول میں اور اس میں ادراک کا تفاوت ہوا) اُس (سائل) نے (اس دوسرے شخص سے) کہا کہ اگر وہ یہ تدبیر سنے ہوئے ہو (کہ اس لئے بھی کلام کرایا کرتے ہیں تاکہ امتحان ہو جاوے اور اسوجہ سے) وہ (شخص) لب بند کرکے اور خاموشی میں چلا جاوے (تو کیسے پہچانیگا) اُس نے (جواب میں) کہا کہ تو (اُس سے) کہدے کہ ساتویں زمین تک چلا جا (اور) ابد تک اُس شخص کا حال مجھپر مخفی ہی رہے (لیکن یہ بتلا کہ) اگر میں ایک شخص کا حال نہ ہی جانوں گا تو کیا ہو جاویگا اور اُس میں میرے دین کا کیا نقصان ہو جاویگا (جو مجھکو یہ احتمال مضر ہو اور مجھکو اسکی تدبیر سوچنے اور بتلانے یا پوچھنے کی ضرورت ہو مطلب یہ کہ یہ سوال ہی لغو ہے اور اس سوال کی لغویت پر وہ شخص ایک مثل لایا کہ یہ احتمال نکالنا کہ یہ بیہودہ سوال کرنا ایسا ہی ہے) جیسا کہ ماں نے بچہ سے (اُسکے دل مضبوط رکھنے کو اور اوہام کا اعتبار نہ کرنے کو اُس کے فہم و مذاق کے موافق عنوان اختیار کرکے) کہا کہ اگر کوئی خیال رات کو تیرے سامنے آجاوے یا گورستان اور خوفناک جگہ میں تو کسی خیال زشت کو (زعم خود) کمین گاہ میں (مستعد حملہ کا) دیکھے تو دل قوی رکھنا اور اُسپر حملہ کر دینا وہ فوراً تجھسے رخ پھیر لیگا (اور بھاگ جاویگا) کیونکہ بے خوف ہو کر جو شخص اُسکی طرف گیا تو وہ خیال شیطان مثال فوراً بھاگ گیا لڑکے نے کہا کہ اُس خیال شیطان مثال ہی اگر اُس کی ماں نے بھی یوں ہی کہدیا ہو (اور اس لیئے) وہ حملہ آور ہو اور میری گردن میں اولجھ جاوے (اپنی) ماں کے حکم سے پھر میں اُسوقت کیا کرونگا تو مجھکو سکھلاتی ہے کہ مضبوط کھڑا رہنا (مگر) اس خیال زشت کی بھی تو کوئی ماں ہوگی (تو اس بچہ کی طرح تیرا سوال بھی لغو ہے آگے مولانا ایک انتقال فرماتے ہیں کہ کوئی وہمی آدمی اس مثل کو سنکر اس وہم میں نہ پڑے کہ ہمکو جسطرح اللہ تعالیٰ نے شیطان سے مغلوب نہ ہونے کا طریقہ اور امر فرمایا ہے کما قال تعالیٰ انہ لیس لہ سلطان علی الذین اٰمنوا وعلیٰ ربھم یتوکلون۔ جس سے ایمان اور توکل اختیار کرکے اُس کے مقابلہ میں ہم قوی الہمت رہیں اور اُسکو دفع کرنے میں اپنی کامیابی کا یقین رکھیں اسی طرح ایسا نہو کہ ایسی ہی بات کسی نے شیطان کو سکھلا دی ہو اور اسی طرح وہ ہمکو دفع کرنے میں ہمت کو قوی کرے تو اس صورت میں اُس بچہ کی طرح ہم بھی پوچھتے ہیں من آنگہ چوں کنم مولانا اُس کا جواب دیتے ہیں کہ یہ شبہ جب ہوتا جب نعوذ باللہ خدا کا کوئی مقابل اور ہر شیطان کا تلقین کنندہ ہوتا یہاں تو مقابل درکنار کوئی دوسرا تلقین کنندہ بھی نہیں بلکہ آدمیوں کے شیطان کا (یعنی اُس شیطان کا جو کہ آدمیوں پر مسلط ہے) تلقین کنندہ وہ ایک ہی ہے (جسکی شان یہ ہے کہ) اُس (کی مدد) سے (بڑے بڑے اقویا پر) غالب آجاتا ہے اگرچہ یہ خصومت کنندہ (مع الشیطان) ضعیف بھی ہے (اور یہ غلبہ ہر حالت میں ہے) خواہ کسی جانب بھی (اُس ضعیف کی) وہ توجہ منعطف ہو جاوے (یعنی خواہ قوی کے دفع کی طرف توجہ کرے یا ضعیف کی دفع کی طرف فی الغیاث پر اش توجہ منعطف است) اللہ اللہ (یہ تخصیص نہ تقویت کے لئے ہے) کو جا (اور) اُسی (واحد کی) طرف پہونچ جا تاکہ شیطان پر غالب رہے حاصل جواب کا یہ ہے کہ

(یہاں ملقن ایک ہی ہے اُسی نے تجھکو بھی (نہ شیطان کے) تلقین فرمایا ہے اور چونکہ اُس نے تلقین فرمایا اگر تو اُسکی کہنے پر عمل کریگا وھو معنی قولہ تو ہم آن سوئی باش تو وہ تیری ضرور مدد کریگا جسطرح اگر کوئی بادشاہ سپاہ کو حکم دے اور وہ حملہ کرے تو سلاح سے دوسری فوج سے وہ اس سپاہ کی ضرور مدد کریگا اور جب وہ مدد کریگا تو تو غالب آوے گا وھو معنی قولہ غالب از دے گردد الخ اور اُسی نے شیطان کو ابتلا رتصرف کی قدرت دیدی اُسکی تلقین سے یہ مراد ہے نہ یہ کہ حق تعالیٰ نے اُسکو مشورہ دیا کہ تو ایسا کیا کر اور یہ ظاہر ہے اور چونکہ وہ اللہ کا مخالف ہے مؤمن مطیع کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ اُسکی نصرت نہیں فرماتا اس لئے اس سوال کی گنجائش نہ رہی من انگہ چون کنم کیونکہ نہ ملقن دوسرا نہ تلقین مشورہ کی اور نہ مطیع امر کے مقابلہ میں اُسکی نصرت بلکہ خود ہی انسان بخوشی اُس کے اضرار کو قبول کرلیتا ہے تو اس سے بچنا کچھ مشکل نہیں ہے پس یہ توہم ہر طرح دفع ہو گیا یہ مضمون منتقل الیہ جو بطور جملہ معترضہ کے تھا تمام ہوا آگے پھر عود ہے اُس سائل اور مجیب دوم کی حکایت کی طرف یعنی) اُس (سائل) نے (مکرر پوچھا اور) کہا کہ اگر وہ مکر سے کلام میں نہ آوے (اسوجہ سے کہ) وہ با ہمت حیلہ کو جانتا ہو (کما قد ذکر فی قولہ گفت اگر ایں مکر بشنیدہ بود الخ) تو (پھر) تو اُس کے راز (مافی الضمیر) کو کیونکر پہچانے ٹھیک ٹھیک کہہ (راست گو میں غور کرنے سے ذوقاً مجھکو معلوم ہوتا ہے کہ سائل نے جواب اول کو بخصوصیت حال مجیب کہ وہ صاحب بصیرت ہوگا محض اس کات پر محمول کیا اور سمجھا کہ میری طرز سوال کے ناپسندیدہ ہونے سے یا اس خیال سے کہ سوال سے محض تکثیر کلام مقصود ہے تحقیق مقصود نہیں اس سے ایسا خشک جواب مدافعانہ دیدیا ہے ورنہ یہ بدوں کلام کے دوسرے کسی طریقہ کشف وغیرہ سے بھی حاضر کا ایسا حال جسمیں گفتگو ہے معلوم کرسکتا ہے اس لئے مکرر سوال کیا جسمیں راست گو بڑھانے سے یہ بات ظاہر کردی کہ مجھکو واقعی تحقیق ہی مقصود ہے اور شاید اسلئے بطریق ادب پوچھا ہو آگے اسکا جواب منقول ہے کہ) اُس نے (جواب میں) کہا کہ میں اُسکے سامنے خاموش بیٹھ جاتا ہوں (اور) صبر کو زینہ (اور ذریعہ وصول) بناتا ہوں درجہ (مقصودہ) کی طرف تاکہ میں بام کامیابی کی سطح پر پہونچ جاؤں (صبر سے مراد میرے ذوق میں قلب کو خطرات سے خالی کرکے وقت معتدبہ تک مراقب خاموش بیٹھنا چونکہ دونوں امر میں مشقت ہے خطرات سے خالی کرنا بھی مجاہدہ ہے اور محبوس ہو کر بیٹھنا بھی اسکو حق تعالیٰ نے بھی صبر فرمایا ہے قال تعالیٰ واصبر نفسک مع الذین یدعون ربھم الآیہ پس حاصل یہ ہوا کہ اس طرح صبر بالتفسیر المذکور کرکے بیٹھتا ہوں اور صبر ایسی چیز ہے کہ) ہر صبر کا انجام مراد رسی ہے (اور) ہر تلخی کے بعد شکر نصیب ہوتی ہے (یہ مقدمہ خاصیت صبر میں حکم مرتب آتی فیما بعد کی لم بتلانے کو بڑھا دیا کہ اس طرح بیٹھنے کو اطلاع خواطر میں کیا دخل ہے اور اس سے یہ نہ سمجھا جاوے کہ اس طریقہ سے کبھی تخلف مقصود کا ہوتا ہی نہیں اسکا حاصل یہ ہے کہ اسکی تو فی نفسہ یہی خاصیت ہے باقی کسی مانع و معارض سے تخلف ہو جاوے تو ممکن اور واقع ہے غرض یہ کہ میں اس طرح بیٹھتا ہوں اس کے بعد) جب اس کی حاضری میں میرے دل سے کوئی کلام (خواہ نفسی یا لفظی) جو اس شادی و غم سے خارج ہو (یعنی دنیوی نہو) جوش کرتا ہے تو میں جانلیتا ہوں کہ یہ میرے پاس اس نے ایسے ضمیر سے بھیجا ہے جو سہیل کو مشابہ ہے یمن میں (پس) میں اُسکی بزرگی کے روبرو گردن جھکا دیتا ہوں (اور) دل پر بھی اور تن پر بھی (یعنی اپنے ہر ہر بن مو پر) منت رکھتا ہوں (اور ممنون ہوتا ہوں اور سمجھتا ہوں کہ) میرے دل میں یہ بات اُس طرف سے آئی ہے (اطلاقاً للمقید علی المطلق لان المیمنۃ ھو الطرف

الایمن خاصۃ ولعل فعبیرہ بالایمن لکون جانب ھذا الرجل مبارکا اور اُدھر سے آنا جو سمجھتا ہوں تو اس لئے کہ ایک دل سے دوسرے دل کی طرف روزن (اور منفذ باطنی) ہے (جیسا اہل کشف مشاہدہ کرتے ہیں) و اسی سے اس فی جانب مقابل کا حال بھی معلوم ہوگیا کہ اگر اس عمل کے بعد کوئی بُرا خطرہ آوے تو اس سے پہچان ہوتی ہے اُس شخص کی حالت ناپسندیدہ کی اور اس عمل کا اثر تو اسی کو مقتضی ہے اور اس طریقہ کو اہل ریاضت نے اسی طرح لکھا ہے لیکن اس شق کو ذکر نکرنے کی وجہ بالفارحق یہ معلوم ہوئی کہ اشارہ اس طرف ہے کہ چونکہ یہ طریقہ حجت شرعیہ نہیں اس لئے اس بنا پر بدگمانی جائز نہیں اور حسن ظن جائز ہے پس حاصل جواب کا یہ ہوا کہ اگر اس طریقہ کے بعد بھلائی آتی ہے تو اُسکو اچھا شخص سمجھتا ہوں اور اگر بُرائی آتی ہے تو اُسکو بُرا نہیں سمجھتا اور اُسپر عمل نہیں کرتا خاموش ہو کر بیٹھ رہتا ہوں اور اُسکا ذکر ہی نہیں کرتا جیسا اسوقت بھی اُس کا ذکر نہیں کیا یہاں یہ جواب ختم ہوا اب مولانا اوپر کے متصل مضمون پر مبنی کرکے کتاب کو ختم فرمانا چاہتے ہیں یعنی جب یہ معلوم ہو گیا کہ دل میں روزن ہے اور واردات کے آنے کا منفذ وہی ہے پس اسی طرح ابتک آفتاب القا میرے قلب کے مقابل تھا اور اُسکی شعاعیں یعنی واردات روزن قلب سے پہونچ رہی تھیں مگر اب بحکمت خداوندی وہ آفتاب افق استتار میں غروب ہو گیا یعنی اب بجائے تجلی کے استتار ہو گیا جیسا عارفین کو دونوں حالتیں پیش آتی ہیں اور بعض مصالح اس میں تجلی سے بھی زیادہ ہوا کرتی ہیں سو جب روزن قلب (کی محاذاۃ) سے آفتاب (فیض زیر افق) جا گرا تو (کتاب ہذا) ختم ہو گئی اور اللہ ہی کو خوب معلوم ہے کہ صواب اور مصلحت اور حکمت کس وقت کس چیز میں) کیا ہے (پس جب وہی جانتے ہیں اور حکمت کے موافق کرتے بھی ہیں اور اسوقت انھوں نے ایسا کیا پس یقیناً اسی میں حکمت ہے اس لئے میں بھی اتباع اس حال کا کر کے بتکلف کلام کرنا نہیں چاہتا ختم کئے دیتا ہوں) **ف** اس مقام میں ایک مسئلہ کی طرف بھی اشارہ ہو گیا اور وہ مسئلہ وہی ہے جسکی طرف دفتر اول کے خاتمہ پر بھی اشارہ تھا تو دونوں دفتروں کا خاتمہ میں متوافق ہونا یہ بھی عجائب اتفاق سے ہے اور اُس مسئلہ کے متعلق شرح دفتر اول کے ختم کی عبارت نقل کر دینا کافی سمجھتا ہوں وھی ھذا **ف** اس مقام میں اشارہ ہے اس طرف کہ عارف کو بحکم وقت کلام کرنا چاہئے جب طبیعت اپنی اور سامعین کی حاضر ہو اور علوم و معارف کی آمد ہو اور اُس میں اعتدال ہو کہ نہ بیان میں تکلف ہو اور نہ اتنا غلبہ ہو کہ ضبط سے خارج ہونے کا اندیشہ ہو اسوقت افادہ فرماوے وفیہ قلت آنفا

گر نگوید بگو بگوئی و بجوش ۔۔۔ ور بگوید مگو مگوئی و خموش

خاتمۃ الترجمۃ من خاتمۃ ولدہ بہاؤالدین رحمہما اللہ تعالیٰ

شکر کایں نامہ بعنوانے رسید	گرم نشد نقد و باخوانے رسید

نردبان آسمان ست ایں کلام	ہر کہ ازایں بررود آید ببام
نے ببام چرخ کان اخضر بود	بل ببامے کز فلک برتر بود

تتمۃ الخاتمۃ من اختتام المثنوی للمولوی الکاندھلوی

روبحق آروبکن ختم کتاب	دم مزن واللہ اعلم بالصواب
ربّنا فالحمد لك فی کل حال	انت معنی السر فی کل المقال
انت مقصودی الیك وجہتی	خالصاً للہ کانت نہضتی
یا محیط الکل یا الٰہ الوریٰ	یا الٰہ العرش یا ربّ الثریٰ
کن انیس لقلب اختم لی بخیر	انت حسبی انت کافی لیس غیر

الفوائد الختمیّۃ من المترجم غفرلہٗ

فائدہ اولیٰ ۔ الحمدللہ کہ آج تیسری جمادی الاول یوم السبت سنہ ۱۳۳۳ھ کو کہ میری عمر اسوقت ایک دن کم ایک مہینہ زیادہ ترپین ۵۳ سال کی ہے بوجہ اس کے کہ ربیع الثانی ۱۲۸۰ھ کو میری ولادت ہوئی ہے یہ عشر عاشر بھی ختم ہوا بفضلہ تعالیٰ یہ عشر جو کہ چھ سو سے دو چار زیادہ اشعار پر مشتمل ہے کل چھ دن میں ختم ہوا جس سے سو شعر روزانہ کی شرح کا اوسط پڑتا ہے جو میری استعداد علمی و عملی سے بہت مستبعد ہے وَذٰلِكَ من فضل اللہ الکبیر المتعال ثم من برکۃ مولانا الجلال ۔

فائدۂ ثانیہ۔ اس دفتر میں دو قصے ناتمام رہ گئے ہیں ایک شہزادہ سوم کا دوسرا اُن کاہلوں کا اسکے متعلق حضرت سلطان بہاؤالدین ولد قدس سرہ نے اپنے خاتمہ میں ذکر فرمایا ہے کہ میں نے اپنے والد ماجد سے اس کے پورا نکرنے کی وجہ پوچھی تو انھوں نے یہ فرمایا ؂

ہست باقی شرح این لیکن درون	بستہ شد دیگر نمی آید بروں

الیٰ قولہ ؂

باقی این گفتہ آید بے زبان	دردل آنکس کہ دارد نور جان

اس آنکس کا مصداق مدت دراز کے بعد حق تعالیٰ نے مفتی الٰہی بخش کاندھلوی قدس سرہ کو بنایا اور اُنھوں نے اختتام میں اسکو اتمام کو پہونچایا کما انہ ذکرہ بنفسہ فی افتتاح الاختتام اور ایکبار بندہ نے شعر باقی این گفتہ آید الخ پر ایک حاشیہ منسوب بہ محمد افضل چھپا ہوا دیکھا چنانکہ آں باقی در مثنوی سلطان ولد قدس سرہٗ مذکور شدہ وقصہ شہزادگان درآں مثنوی تمام گردیدہ گویا حضرت مولانا قدس سرہٗ دردل سلطان ولد بے زبان فرمودہ آہ اسکو دیکھکر سخت تعجب ہوا اتفاق سے ایک جگہ اُس مثنوی سلطان ولد قدس سرہ کا موجود ہونا سنا گیا منگا کر دیکھا حاشیہ کا مضمون صحیح نہ پایا گیا یہ مدت کی بات تھی مجھکو یاد بھی نہ رہی اب پھر یہ حاشیہ نظر سے گذرا چونکہ پہلا دیکھا ہوا بالکل ذہن میں نہ تھا پھر وہ مثنوی منگائی تو اُس کے ساتھ میرا ایک خط نتھی ہوا ہوا اُسی زمانہ کا چسپاں ملا اُس سے معلوم ہوا کہ میں پہلے اسکی تحقیق کرچکا ہوں اور اُس خط میں لکھ چکا ہوں چنانچہ یہاں اُس کے بعض ضروری جملے نقل کرتا ہوں وھو ھذا ایک حاشیہ میں لکھا دیکھا تھا کہ دفتر ششم مثنوی مولانا رومیؒ کا اختتام سلطان ولدؒ کی مثنوی میں ہوا ہے یہ بات دیکھنا تھی سو غلط نکلی یا تو سنی سنائی لکھدی ہے یا کوئی اور مثنوی ہو آہ یہ خط دسمبر ۱۹۰۴ء کا لکھا ہوا ہے البتہ یہ مثنوی سلطان ولدؒ کی فی نفسہ بہت اچھی ہے میں تبرکاً ونیز بہ پہچاننے کے لئے اُس کے دو شعر ایک اول کا ایک آخر کا نقل کرتا ہوں ؂

بشنوید از نالہ و بانگ رباب	نکتہ ہائے عشق در ہر گونہ تاب
اے خنک جانے کہ آں صحبت گزید	شد ازاں صحبت مزید اندر مزید

فائدہ ثالثہ وھذا آخر الفوائد بعض نے مشہور کیا ہے کہ مولانا رحمہ نے خود ایک دفتر سابع بھی لکھا ہے چنانچہ میں نے

ایک قلمی مثنوی اسی مثنوی کے وزن پر اولاً مکہ معظمہ میں اور ثانیاً بعد نو دس سال کے ایک دوست کے پاس ۱۳۲۰ھ میں دیکھی اور اس کے اول ورق پر ایک بزرگ نے اس قول کے اثبات میں چند اشعار اسی وزن پر لکھدیئے تھے میں اس قول کو بدلائل خلاف واقع جانتا ہوں اس لئے میں نے اُن دوست کی درخواست پر نظم ہی میں اسی وزن پر اپنی رائے لکھدی جو ذیل میں منقول ہے مگر افسوس ہے کہ اسوقت وہ کتاب میسر نہوئی ورنہ اُس کا بھی اول و آخر پتہ کیلئے لکھدیتا غرض دفتر سابع کی نسبت مولانا کی طرف غیر صحیح ہے یہ ممکن ہے کہ کسی اور نے بطور خود لکھکر اس کا لقب دفتر سابع رکھدیا ہو چنانچہ حضرت مولانا شیخ محمد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے ایک ایسا ہی دفتر سابع لکھا ہے جس کے لکھنے کو اس نکتہ پر مبنی کیا ہے

ع گرد خانہ یار باید ہفت بار ۔۔۔ طوف کردن تا بود مقصد برآر

اور ایک شعر اس کا احقر بھی اپنی مثنوی زیر و بم میں لایا ہے ع

چوں قلم ایں زیر و بم را فاش کرد ۔۔۔ غیرت عشقش زباں دو قاش کرد

سو یہ اور بات ہے اب میں وہ اشعار اپنے بہ تخطیہ نسبت دفتر سابع بجانب مولانا الجلال نقل کرتا ہوں۔

رائے اشرف علی تھانوی در انتساب کتاب مشہور بدفتر ہفتم مثنوی معنوی بمولانا رومی اثباتاً و نفیاً و کل رای لا یجب ان یقبل

حمد نذر بادشاہ ذوالجلال ۔۔۔ صد درودے بر رسول خوشخصال

پس ازیں نازیم بخت خویش را ۔۔۔ کین سخن صافی گذشت از چشم ما

گوئیا جزوے ز عین مثنویست ۔۔۔ چونکہ شانش چوں کلام معنویست

ع پھر اتفاق سے رجب ۱۳۳۶ھ میں وہ کتاب مکرمی سید نورالحسن صاحب رئیس رتھیڑی ضلع مظفر نگر کے پاس ملگئی اب اُس کا اول و آخر پتہ کیلئے لکھتا ہوں۔

آغاز خطبہ - مجلد ہفتم از جملہ دفاتر مثنوی دلوا میر معنوی کہ خزینہ از ہار امانی و گنجینۂ انوار معانی اسرار اللہ است چشمۂ زندگانی زندہ دلان معظر قدمان آگاہ ست الخ -

آغاز نظم - ای ضیاء الحق حسام الدین سعید + دولتت پاینده فقرت بر مزید + چونکه از چرخ ششم کردی گذر + برفراز چرخ ہفتم کن مقر

شعر بنجم - ہم ضیاء الحق ہفت اندر علوم + اینچنیں ہفت دگر مولائے روم +

ختم نظم - حسبی اللہ با عنان اختیار + باتو دادیم اے قدیم کردگار + ۱۲ منہ

می نهد بر گام مولانا قدم / گوئیا هست این و آں از یک قلم

نیست لیکن از کلام آں همام / شاہدے چندیں بریں دارد قیام

اولا ایراد برهانِ کثیر / که عدد هفت ست گویا ناگزیر

ایں بعید از طرز مولاناست هاں / بهر تائید شمار دفتراں

ثانیاً دور ست از اہل علوم / خویش را دادن لقب مولائے روم

یا که خود را مولوی کردن خطاب / یا ز خود منت کشیدن در کتاب

ثالثاً گردے ششم را اختتام / باز هفتم را نمودے انصرام

رابعاً من دیده ام ایں نسخه را / نزد حضرت حاجی امداد ما

لیک با ایں اهتمامے کاں صفی / داشت در طبع کلام مولوی

هم ز بهر طبع ایں نسخه نداد / پس نه دانستش ز مولانائے راد

پس یقیں شد کایں سخن زاں شاه نیست / هاں مگر از غیر حق آگاه نیست

آئینه از تاب خورشید ار پرست / آئینه خورشید نیست لیکن چوں خورست

ور تو گوئی کاں دو بیت اولیں / میدهد از جزو بودن او یقیں

پس بداں کہ ایں خطاب شاعری ست	غائباں را نے دلیل حاضری ست
گفتہ ام انچہ کہ ذوق من بگفت	باز جوش طبع در نظمش بسفت

الاحقر اشرف علی غفرلہ

تمہید حصہ کلید مثنوی متعلقہ اختتام از مولانا کاندھلوی رح

بعد الحمد والصلوۃ یہ احقر عرض رسا ہے کہ کلید مثنوی شرح دفتر سادس مثنوی کی تمہید میں اس شرح سے بھی پہلے چند بار خاتمہ مثنوی مصنفہ حضرت مولانا الٰہی بخش کاندھلوی خاتم المثنوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی شرح لکھنے کا خیال پیدا ہونیکا ذکر کر چکا ہوں اور اس وقت تک یہی قصد تھا کہ اصل دفتروں کی شرح کا جو طرز اختیار کیا گیا ہے اسی طرز پر اسکو بھی لکھا جاوے لیکن بعد اتمام شرح دفتر سادس کے خاتمہ موصوفہ پر جو نظر استانف کی تو بوجہ غیر غامض وغیر دقیق ہونے کے بجائے شرح بطرز مذکور کے اس کا حل بطور تحشیہ کے جہاں جہاں ضرورت واقع ہو کافی معلوم ہوا نیز قلت فرصت احقر بھی اس اختیار کا مرجح ہوا اور اس صورت میں اس حل کے حامل المتن ہونے کی بھی حاجت نہیں صرف پتہ بتلانے کے لئے اولاً ایک سرخی پھر اس کے ذیل میں جو اشعار حل طلب ہیں خواہ لغۃً و ترکیباً خواہ تحقیقاً للمقام وتمہیداً ان کو کہیں تام کہیں غیر تام نقل کر کے حل ضروری لکھدیا جاویگا اسی طرح پھر دوسری سرخی اور اس کے اشعار اور چونکہ نسخہ کشوری ہر شخص کو بآسانی میسر ہو سکتا ہے اس لئے سرخیاں اسی نسخہ سے نقل کی گئی ہیں کہ اشعار کا ملنا سہل ہو واللہ المستعان فی کل حال وزمان ۔

نمقہ

اشرف علی عفی عنہ

عشرہ اخیرہ شعبان سنہ ۱۳۳۳ھ

قال الخاتم رح **ناثراً** افتتاح کلام بہ تمہید اختتام سراپا احتشام مثنوی معنوی۔

قال رح **ناظماً** ے جذب ذوق الخ **قلت** فعل میکشد کی نسبت اس جذب کی طرف یا فرضی اور شاعرانہ ہے یا مثل فیضان مولانا رومی رح کے جسکا ذکر اشعار مقام میں ہے مولانا حسام الدین کا بھی کچھ فیضان ہوا ہو احتمالان **قال** رح

ے پرتو خور الخ **قلت** داد آفتابی میں داد بمعنی عطا ہے مراد شعاع **قال** رح ہر زمانم الخ **قلت** یعنی بام دل پر کھڑی ہوئے اشارہ کرتے ہیں الخ **قال** رح ے چونکہ حد خود الخ **قلت** تن زدم خاموش شدم **قال** رح ے چونکہ قول الخ **قلت** پاک نظر **قال ناثراً** آغاز داستان بیان کردن **قال** رح ناظماً تشنہ گشتم الخ **قلت** قولہ آتشم پر دود گشت یعنی بخارات بدماغ رسید و قولہ برکوہ و دشت مراد اعضا **قال** رح ے نفس نالان الخ قولہ سیکنک فی الغیاث بالکسر و یائے معروف و کاف عربی مفتوح و فتح نون و کاف عربی دیگر بمعنی آہستہ و ایں لفظ ترکی ست از لغات ترکی نوشتہ شد **قال** رح از گرانی جا الخ **قلت** توجیہش از تکلف خالی نیست اظہر نسخہ دیگر ست از گراں جانی بخواب الخ **قال** رح ے از عطش البتین الخ **قولہ** برد بالفتح بمعنی سردی یعنی میں نے سردی ظاہری کو باطن کی طرف اپنے خیال میں منصرف کرلیا اور یہ تجویز کرلیا کہ یہ سردی وجود ظاہری کی حرارت باطنی کے لئے کافی ہوکر اسکو زائل کردیگی۔ **قال** رح ے کاہلی از آب الخ قلت فی المنہیۃ علی المصراع الثانی یعنی اسباب برودت باطنی کہ آب بود در دست داشتم اما بسبب کاہلی نتوانستم نوشید آہ منہ قدس سرہ۔ **قال** رح نفس را بکشند الخ قولہ یک دمے آبے فی المنہیۃ یعنی چنانچہ شراب نفس را بر شورش می آرد ہمچنیں زہاد آب را می پندارند آہ **قال** رح ے المنفس خویش الخ **قلت** کشاد فی الغیاث کشاد نامہ بضم کاف عربی و فارسی فرمان بادشاہی الخ یعنی تو اپنے نفس کے حکم کو مثل فرمان شاہی کے واجب الاتباع سمجھتا ہے کہ اسکی ہر بات کو مان لیتا ہے **قال** رح زین تردد الخ **قلت** اشجان جمع شجن بمعنی غم و فی الحاشیہ الخ دردو غم آہ لکن لمارہ **قال** رح ے کردیس الخ **قلت** مصراع ثانی صحیح ایچنیں ست کش ثواب بدنہ آمد الخ **قال** رح ے با نیاز الخ **قلت** جرع مراد ترس **قال** رح ے گفت زین الخ **قلت** دوہ بمعنی درندہ **قال** رح ے زیں سبب الخ **قلت** مصراع ثانی صحیح بدین سان ست کہ اتنک الخ۔

قال ناثراً حکایت **قال ناظماً** ے چوں نہ نہی الخ **قلت** مصرعہ ثانی کے معنی یہ ہیں کہ تیری نماز کا ناہی عن الفحشاء نہونا مخبر و مشعر اس سے ہے کہ بجائے ترقی کے رجعت و واپسی ہو رہی ہے **قال** رح ے ایچنین شد الخ **قلت** ایک نسخہ میں بے ریا کی جگہ بیریا واقع ہوا ہے حاصل دونوں کا ایک ہے کہ پیروں کے حکم ترک کرنے کا یہ انجام ہے اسی حکم کو بے ریا کے ساتھ موصوف کرسکتے ہیں۔ **قال ناثراً** رجوع بحکایت **قال ناظماً** ے گفت خوب آید الخ **قلت** یعنی اگر میں اسکو دور کردوں اور وہ دور بھی ہو جاوے تو سب سے بہتر تو یہی ہے لیکن اگر وہ نہ ہٹے اور حاصل ہی ہو جاوے تو اسکو گور یعنی آخرت کے لئے صرف کردونگا **قال** رح ے مال دنیا الخ **قلت** اندازی بخاک کا بیان شعر آئندہ میں ہے یعنی بہر گوہر خود الخ **قال** رح ے یعنی بہر گور خود الخ **قلت** انباز بمعنی شریک یعنی دوسرا اعمال بدنیہ کے ساتھ اس طاعت مالیہ کو بھی شریک کرلے و فی بعض الحواشی فراہم آوردن وہذا بعید من التکلف ان ثبت **قال** رح ے گاہ بسیار ست الخ **قلت** بگاوان یعنی مع گاوان یعنی اُن کو لیکر چرانے آئے اور اُن کو حلوب بالقوہ کہا ورنہ دسویں شعر میں بے شیر ہونا مصرح ہے **قال** چوں ز اکل الخ **قلت** مستطع از افتعال من السطوع **قال** رح ے گفت درویش الخ **قلت** بدوش از دوشیدن یعنی سب میں سے کیفما اتفق کسی ایک کو دوہ لے **قال** رح ے راہ حق را چوں الخ **قلت** چپ بمعنی چرا **قال** رح ے رو بر دوالخ **قلت** یعنی دامن علائق دنیویہ کو قطع کر ڈال تاکہ طے مسافت کے وقت تیرے دونوں

پانوں میں وہ دامن نہ الجھ جاوے اور شعر آئندہ میں جملہ گرتو بے جامہ روی اس میں صریح ہے **قال** رحمہ ۵ ور شعبہ تیشہ الخ
قلت خارہ سنگ سخت کذا فی الغیاث **قال** رحمہ ۵ تیشہ چہ بود الخ **قلت** ایک نسخہ میں ہے آن زنفی توجیہ یہ ہے
کہ اس نسخہ کو بیان کیا جاوے آن کا اور مصرعہ ثانی کی اصل یہ ہے کہ سنگ غیریت برتابد زراہ اور یہ صفت ہے نفی لا الٰہ
کی یعنی جو سنگ غیریت کو راہ سے ہٹا دیتی ہے۔

قال ناثراً قصہ دو شیدن گاؤ نازادہ از راہ امتحان و سوء الاعتقاد **قال ناظماً** ۵ خالطوہم الخ درحق ایشان زدند
یعنی درحق ایں علماء گفتند پس زدند بمعنی سخن زدند یا ش دندہ فاعل زدند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والجمعیۃ للتعظیم یا محدثین و اسناد
سوئے ایشان باعتبار نقل ست **قال** رحمہ ۵ چونکہ سلطان الخ **قلت** تشبیہ چوں سکر باعتبار زیادت دخل و خصوصیت
کے ہے **قال** رحمہ ۵ ایچنیں مردے الخ **قلت** شہرشہ نشین یعنی شہر یکہ پائے تخت بادشاہ بود **قال** رحمہ مدتے بگذشت الخ
قلت عین الوصول بمعنی چشمہ وصول و عرفان یا بمعنی عین واصل۔ **قال** رحمہ ۵ میزداد کشکنجر الخ **قلت** فی الغیاث
بضم اول و سکون شین معجمہ و فتح کاف عربی و سکون نون و جیم عربی مکسور و یائے معروف و راء مہملہ چیزیکہ بداں دیوار
قلعہ می شکنند و بمعنی توپ مجاز ست و ایں مخفف کوشک انجیر ست و معنی ترکیبی ایں لفظ قلعہ شکاف ست از جہانگیری
و سراج و در مؤید بمعنی گولہ نوشتہ آہ **قال** رحمہ ۵ بر مشیت ہائے او الخ **قلت** در بعض نسخ بر پشت ہائے او و اغلب آنکہ
غلط باشد یا معنی آنکہ بر چیزہائیکہ او ثبت فرمودہ **قال** رحمہ ۵ لاجرم الخ **قلت** مصرعہ ثانیہ بر دو گون ست اول یا نہ
غار چوں حرا بیروں کشید و ایں اظہر ست و دیگر باز غار چوں حرا را برگزید و توجیہش آنکہ در شہرہم خلوت را اختیار کردہ کہ مشابہ
غار حرا بود **قال** رحمہ گر کنی رادی الخ **قلت** یعنی اگر تو حصول مال و سامان کے وقت جوانمردی و ہمت ایثار کی کرے
تو تو مشابہ سکندر کے ہے ورنہ جیفہ پر مثل کلب شیر زندہ کے ہے بلغندر لغت میں نہیں ملا حاشیہ میں اس کے معنی الحاح کنندہ
و ابرام نمایندہ و چسپندہ و ستیزندہ لکھے ہیں **قال** رحمہ ابتلا الخ **قلت** یعنی واقع میں تو یہ سیم و زر ہی ہوی اور حسی ہے
لیکن شیطان جو اس کے ذریعہ سے اغوا کرسکتا ہے حق تعالیٰ نے امتحاناً شیطان کو یہ تصرف دیدیا ہے اس تصرف دینے کو
مجازاً سیم و زر دادن کہدیا **قال ناثراً** دربیان معنی آں حدیث کہ الدنیا مزرعۃ الآخرۃ و تفصیل آں **قال ناظماً**
۵ کستہ الخ **قلت** فی الغیاث در تحقیق کستی ماخوذ از کستن کہ بمعنی مالیدن ست و بمعنی کوفتن نیز آہ و در بعض نسخ
کفتہ بمعنی کوفتہ و فی الحواشی کشمان بمعنی مزرعہ و کشتار بمعنی مرغ بسمل آہ ولم اظفر بہما فی کتب اللغۃ **قال** رحمہ ۵ گرتو
نمافل الخ **قلت** کسیرج مروارید مراد ایمان۔ **قال ناثراً** رجوع بداستان ہ ویش و وداع گردانیدن دنیا از
مرد حقیقت اندیش **قال ناظماً** ۵ چوں رود الخ **قلت** بلغاک فی الحواشی شور و غوغا و گشن فی
الغیاث بفتحتین و در آخر نون بروزن چمن و بفتح اول و سکون ثانی نیز بمعنی بسیاری و انبوہی و گنجان از ہر چیزیکہ
باشد آہ **قال** رحمہ ۵ شیرج و کسبہ الخ **قلت** شیرج روغن کنجد و کسبہ فی الغیاث کسب بالضم کنجارہ روغن
و آں ثفل روغن ست مراد یہ کہ تعلقات جو روغن و کنجارہ کی طرح متلاصق ہیں کیسے جدا ہو جاویں گے یرغ فی الحواشی
شکنج و شکن و پیشانی چین زدہ اور جوان سے مراد بادشاہ **قال** رحمہ ۵ گرچہ زاید الخ و در بعض نسخ گرچہ زاید ولا یظہر

وجہہا وعندی اللہ کچھ زاید یعنی کونسی بات پیدا ہو جاوے گی قال رح ۵ واں دوم الخ قلت بیل سے
مراد مضمون یعنی میرا مضمون کہ قوت اور روانی میں مثل بیل کے ہے کاہلان دنیا کی مزید کاہلی کا سبب ہو گیا قال رح
ناظرا بیان نمودن آں پسر دوم حال کاہلی خود با قاضی قال رح ناظما نصرت الداخل الخ فی الحاشیہ شکلے ست
درعلم رمل سعد الخ قال رح ۵ شاہ ہر شب الخ قلت بیان ہے بانگ مذکور شعر بالا کا ودژم فی الغیاث بفتحتین
وزائے فارسی بمعنی افسردہ واندوہگیں و بکسر اول عن فتح ثانی آشفتہ آہ ملخصا قال رح ۵ نارو جنت الخ قلت
مصرع ثانی میں تازیانہ جنس اور مراد اس سے جمع ہے یعنی تازیانہ ہا پس خبر میں ناقلند کا آنا صحیح ہوا اور بعض نسخوں
میں کاہل ست اور ناقل ست واقع ہے اور یہ اظہر ہے۔ قال رح ۵ اسپ بحر الخ قلت یعنی اسپ مشابہ
بحر در تیز روی۔ قال رح ناظرا حکایت کردن آں پسر سوم الخ قال ناظما ۵ دوش بردم الخ قلت مصرعہ
ثانیہ میں کاو بمعنی کاوش و تفحص یعنی اس تجسس کیلئے کہ یہ گائے کہاں تک جاتی ہے میں پاسبانی کرتا تھا قال رح
۵ خود چراں الخ قلت امر ہے چریدن سے یعنی وہ گھاس چر کہ اس میں خار نہیں ہے مراد وہ منافع جسمیہ تبعیہ
بہو خار وازوں فی الحواشی درخت چرچیٹہ آہ ووازوں لو دنش مشاہد ست وقتادہ فی المنتخب بالفتح درختے ست
سخت وخاردار آہ قال رح ناظرا رجوع کلام بحکایت آں پسر سوم الخ قال ناظما ۵ درگذرزیں الخ قلت
مصرعہ ثانیہ میں ترددہ کے معنی دہندۂ تردد مراد حق تعالی قال رح ۵ روز من شد دیر الخ قلت فی الغیاث
دیر شدن بمعنی تمام شدن وخراب شدن ست بعد ازاں بمعنی فوت شدن مستعمل شدہ آہ قال رح ناظرا حکایت
در بیان آنکہ دنیا طالب ہارب خود و ہارب از طالب خود ست قال رح ناظما کفترے الخ قلت فی الحاشیہ
کبوتر اور مصراع ثانی میں از ہر سہ کے یہ معنی نہیں کہ وہ تینوں سے آگے تھا کیونکہ وہ تین تو اس ہمیت تھے بلکہ معنی یہ ہیں
کہ ان تینوں میں سے وہ آگے تھا قال رح ۵ در پے عاجز الخ قلت عاجز صفت مقدم ہے مرغ کی اور یہاں ریغ
کے معنی حاشیہ میں تیز رو اور دوندہ کے لکھے ہیں قال رح ۵ کافراں گفتند الخ قلت خبی بمعنی خفی مراد عالم
غیب قال رح ۵ دانہ در معنی الخ قلت گرد بمعنی خاک وغبار یعنی فرشتہ نبی کے سامنے گرد ہے یعنی مفضول
ہے کما ہو مقرر فی کتب الکلام قال رح ناظرا جواب گفتن آں صوفی الخ قال رح ناظما ۵ لیک زیبہا الخ قلت
مصرعہ ثانیہ میں زد بمعنی زود قال رح ۵ زاغ یعنی الخ قلت فرہ بمعنی غلبہ وسبقت وظفر کذا فی الغیاث قال رح
ناظرا در بیان معنی ایں حدیث الدنیا سجن المومن الخ قال رح ناظما ہیچ ناری یاد الخ قلت مصرعہ ثانیہ میں کشت
بمعنی زرع وسبزہ اور گندانہ بمعنی جزیلہ جو حاصل ہے خضراء الدمن کا قال رح ۵ خویش را الخ قلت گردہ جو مصرعہ
ثانیہ میں واقع ہے اس کے معنی غیاث میں ہیں گردہ بالفتح ودال مہملہ خاکہ نقاشان وآں زغال سودہ است کہ در پارچہ
بستہ باشد و برکاغذیکہ دراں بنفشہ گلہا وتصویرات سوزنہا زدہ باشند بمالند تا ازاں سوراخہا طرح نقش برکاغذ دیگر نشیند
وآں کاغذ سوزن زدہ رانیز گردہ گویند آہ قال رح ناظرا حکایت برسبیل تمثیل گوید قال رح ناظما ۵ چونکہ دید غیر الخ
قلت ساز در مصرعہ ثانیہ بمعنی سامان قال رح ۵ کلکے داری الخ قلت فی الحاشیہ کاف برائے تصغیر یعنی زاغ

شاید یہ حکم بمعنی حرج سے ہوا در مستقلاً کہیں نہیں ملا **قال** رح تا خشک الخ **قلت** فشک فی الحاشیہ دیوک بعربی ارضہ
کہ بیخ درختان می خورد آه کہ بعضے از آن دیمک گویند دکشمان بمعنی فرع دقد مرفی عنوان بیان معنی آن حدیث کہ الدنیا
مزرعة الآخرة یعنی جب تک نزرع ہستی میں حب غیر کی دیمک موجود ہے اُسمیں حب اللہ کا دانہ بونا غیر مفید ہے **قال** رح
این سخن پایان الخ **قلت** مصرعہ ثانیہ میں قند فاعل ہے بستہ کا اور مراد قند وحدت **قال** رح ناثراً رجوع بحکایت شاہزادہ
سوم الخ۔ **قال** رح ناظماً۔ اے ضیاء الحق الخ **قلت** مصرعہ ثانیہ میں چون بادین کے معنی یہ ہیں کہ چنانچہ بادین
جان پیغمبر را جذب میکرد ہمچنیں تو جان مرا اور یہ اشارہ ہے حدیث انی لاجد نفس الرحمن من قبل الیمن کی طرف
قال رح ۵ بے تکثر الخ **قلت** مصرعہ اول بیان ہے حیرت مذکورہ شعر کا اور مصرعہ ثانیہ جواب ہے اُس تردد کا یعنی
این وحدت ہستی مطلق راہست آنرا ہوش دارد تکثر در مرایاست **قال** رح ۵ پوتہ و پوتک الخ **قلت** فی الحواشی
خزینہ وگنجینہ اه شاید کاف برائے تصغیر باشد و پوتہ بایں معنی از نظر نگذشتہ و در غیاث ست پوت بواو مجہول و تائے فوقانی
بمعنی جگر و احشا یعنی در سینہ و شکم باشد اه شاید کہ گنجینہ را تشبیہاً گفتہ باشند مراد یہ کہ بڑا خزانہ اور چھوٹا خزانہ سب اُسکے
سپرد کر دیا **قال** رح ۵ بر ثبات ورنہ الخ **قلت** خفوق در مصرعہ ثانیہ بالضم غروب کردن ستارہ الخ کذا فی المنتخب
قال رح ۵ ز اضطراب عشق الخ **قلت** چکرہ فی الغیاث بالفتح وکاف عربی بمعنی رشحہ یعنی آبیکہ قطرہ بچکید آه در بمعنی
برائے۔ **قال** رح ۵ زن نباشد الخ **قلت** یعنی اگر نباشد احوار بمعنی احاطہ و ز انفہ بمعنی کج شوندہ یعنی زن اگر استعداد
حمل بسبب بلوغ وحیض نداشتہ باشد از گرد آوردن نطفہ در رحم محبی وسیلی پدید آید پس استعداد در ہر کار شرط است **قال** رح
ناثراً داستان آن سطیح الخ **قال** رح ناظماً چون لیکرم الخ **قلت** یعنی یہ مضمون نشتر سے بھی زیادہ دل میں کو نکل ہا
تھا اُس عجول بمعنی شتابندہ تر **قال** رح ۵ بیمرادش گفتم الخ **قلت** معنی مصرعہ ثانیہ کے یہ ہیں کہ وہ شخص وصال حیرت
میں فائز ہوا یعنی وہ بھی وصال تھا مگر معرفت تامہ نہونے سے اُس وصال وقرب کا اثر حیرت تھی **قال** رح ناثراً بیان
حال شہزادہ سوم واکتساب او **قال** رح ناظماً بے طلب بخشید الخ **قلت** تبوراک فی الغیاث طبل کوچک کہ فرازنان
دارند بجہت رمانیدن طیور **قال** رح ۵ ہر چکادے را الخ فی الحاشیہ تارک سر را گویند و فی الغیاث بدال مہملہ بمعنی
پیشانی و چکاد کہ مرغیست از گنجشک اندک بزرگ و خوش آواز و تاج بر سر دارد بعضے زاچندول گویند آه و ہر دو لغت
ماخذ معنی حاشیہ میتواں شد۔ **قال** رح ۵ نیست یکتارہ الخ **قلت** فی الغیاث یکتار کنایہ از اندک آه
وفی الحاشیہ چکارہ بجیم عربی وکاف فارسی راہہائے مختلف را گویند یعنی در سوال بطریق مختلف جاردم آه و در
بعض نسخ چکارہ بجیم فارسی وکاف عربی بمعنی ہیچکارہ و بیکار **قال** رح ۵ گفت پیغمبر الخ **قلت** فی الحاشیہ نضر
بکسر نون وضاد معجمہ شدہ زر غیر مضروب وفی المنتخب نض و ناض بالفتح وتشدید ضاد درم و دینار نقد شدہ آه
قال رح ۵ دید کان الخ **قلت** سر دیگر نہ بخت یعنی دوسرا خیال نہیں پکایا۔ نہالش نہال درخت بر نہ بخت یعنی
ثمرہ دیگر بپختہ نہ شد **قال** رح ۵ شاہ گفتا **قلت** فی الغیاث بالضم وواو معروف معرب توئی کہ بتائے فوقانی
وواو مجہول ست در ترکی شادی وعروسی را گویند **قال** رح ناثراً تمثیلات چند الخ **قال** رح ناظماً ہر کہ باتو دوست تر الخ

زوبر یعنی زود برندہ است **قال** رح ۵ صحبت عامی الخ **قلت** عین بمعنی چشم و غین بمعنی ابرو استر افعل التفضیل ساتر **قال** رح ۵ غین رین الخ **قلت** رین بمعنی زنگ ومنہ قولہ تعالیٰ بل ران علی قلوبہم اسمیں اشارہ ہے حدیث انہ لیغان علی قلبی کی طرف اور قرص افتاب سے مراد قلب نبوی یعنی جبتک ہاں اس اختلاط کا موافق رتبہ کے اثر ہوتا ہے تا بماچہ رسد **قال** رح ناثرا چند نالہ زار الخ **قال** رح ناظماً رفتہ رفتہ الخ **قلت** شد کی ضمیر وجود کی طرف اور اُس کا ملکوت ہونا مراد اس سے یہ کہ اُس کا ظہور ملکوت میں ہونا **قال** رح ۵ لیک اقسام عروج الخ **قلت** ایں درسے مراد باب عروج خواہ اضطراری ہو خواہ اختیاری اور خواہ جلال کی طرف ہو کما للکفار یا جمال کی طرف کما للمؤمنین اور فیض عام ہے مطلق تصرف کو نہ کہ مخصوص تصرف نافع کے ساتھ اور اسکو فیض اسلئے کہا کہ اس میں بھی افاضہ ہے بعض اسماء کے آثار کا **قال** رح ۵ وان عروج دیگین الخ **قلت** یہ دو بیتیں بعد میں مذکور ہے سابق میں مذکور نہیں اور اس شعر کے بعد تین شعر نسخہ کشوری میں کم ہیں اور ضروری ہیں اُن کو نقل کرتا ہوں

۵ ازرہ علم وعمل عارج شدند	پس بموت معنوی خارج شدند (آں از تقیدات)
پیش مردن مردہ گرد و شو فنا	تا عروجے حاصل آید مر ترا
از منازلہا کہ سالک آمدہ است	جہد کردہ ہم بدانسو پا زدہ است

بعد ازیں ایں شعر ست تا کہ وجہ حق الخ واحدی احدی بہائے معروف وتقدیر عاطف بینہما **قال** رح ۵ نے مشابہ آنکہ الخ **قلت** یعنی نہ بمرتبۂ آنکس کہ مطلوب کار او آخر کند با جتبائے محض چنانکہ انبیاء علیہم السلام وبعض اولیاء را افتاد **قال** رح ۵ بر سبزی الخ فی الحاشیہ خوشی را گویند دستاغ فی الحاشیہ زن عقیمہ **قال** رح ۵ در غارہ الخ **قلت** فی الحاشیہ غارہ زمین نمناک مراد لحد وزغارہ شاخ درخت وسان سان پارہ پارہ آہ وفی الغیاث سان پارہ وحصہ آہ **قال** رح ۵ سایہ عہد الخ **قلت** فی الحاشیہ زخشہ شعلہ آتش وچنگاری وبادکن یعنی از ہوائے طاعت آتش تیز نما۔ **قال** رح ۵ مہر چوں آئینہ الخ **قلت** بسیط بمعنی منبسط یعنی خورشید کہ نورش منتشر ست یعنی بوجہ کمال تعلق جسطرح آفتاب متجلی تھا اب یہ آئینہ بھی متجلی ہوگیا **قال** رح ۵ شعلہ عشق الخ **قلت** مراد از احمد مطلق عارف **قال** رح ۵ شد گریبان الخ **قلت** من کجا الخ کے معنی یہ ہیں کہ میں اور میری ہستی اس عشق کے سامنے کہاں قائم رہ سکتی ہیں **قال** رح ۵ قارعہ آمد الخ **قلت** مینا شیشہ **قال** رح ناثراً وتکون الجبال کالعھن المنفوش **قال** رح ناظماً جیست عالم الخ **قلت** اشارہ بقول صوفیہ العالم اعراض مجتمعۃ فی عین واحد آہ یعنی کالاعراض **قال** رح ۵ ہر زمان از فیض الخ **قلت** یعنی ہر آن میں اُس فیض سے جو موجود سابق کو متعلق

ہوا تھا موجود لاحق ہو جاتا ہے اور یہ فیض واحد بالذات ہے صرف متعلق کے اعتبار سے اُس میں تعدد ہے۔
قال رح ؎ موجد و مفتی الخ **قلت** معنی مصرعہ ثانیہ کے یہ ہیں کہ اُس کا موجد و مفتی ہونا یعنی مظہر و مبطن ہونا
ایسا مقارن ہے جیسے اُسکا اختفا یعنی بطون اُس کے ظہور کے ساتھ ایسا مقارن ہے کہ گویا وہ اختفا بنفسہٖ و بعینہٖ
اُس کا ظہور ہے **قال** رح ؎ مستمر مبنی الخ **قلت** مستمر حال ہے اور عدم بمعنی معدوم مفعول ثانی ہے مبنی کا
یعنی اعیان کو تم علی الاستمرار معدوم دیکھنے لگو **قال ناثراً** فامامن ثقلت موازینہ **قال ناظماً**
؎ ہر کرا در ضربت الخ **قلت** مراع مخفف مراعی اسم مفعول از مراعاۃ یعنی ثابت ماند و انا الحق نگفت **قال** رح
؎ وانکہ شد میزان الخ **قلت** مصرعہ ثانیہ کے یہ معنی ہیں کہ در جام عشق از حد رفت آں تنک ظرف **قال** رح
شعلہ الخ **قلت** مصرعہ ثانیہ کے معنی یہ ہیں کہ آتش عشق نے اسکو سوز کا تاج دیا **قال** تیز تر شد **قلت** سوختہ
مصرعہ ثانیہ میں مفعول ہے یافت کا اور مراد سوختہ سے آتش گیرندہ **قال** رح البتیین ؎ آتش سوزندہ الخ از سبب
آتش الخ **قلت** مطلب یہ کہ ایسا شخص وصال کامل سے مشرف نہ ہوگا اور یہی ہجران ہے اور چونکہ یہ شخص عاشق بھی ہے
گو وصل کامل نہیں اس لئے اس آتش میں دو صفتیں ہیں یہ آتش ہجران بھی ہے اور اس اعتبار سے اسکی سوزندہ ہے
اور اس اعتبار سے سوزندہ پر طیر و سیر بھی ہے کہ مانع ترقی ہو گئی اور آتش عشق بھی ہے اور اس اعتبار سے سوزندہ غیر بھی
ہے پس دونوں شعر کے دونوں حکم صحیح ہو گئے اور شمس سے دیدہ دوختن یہی ہے کہ واجب و ممکن میں تمائز نکیا۔
قال رح ؎ اے ایاز از حد الخ **قلت** یعنی اگر اپنی حد پر رہتا تو وصل کامل ہوتا **قال ناثراً** باز رجوع نمودن
بتفصیل الخ **قال** رح **ناظماً** ؎ نفس را پر ور دی الخ **قلت** مصرعہ ثانیہ میں شاد بہمزہ دو داد بمعنی قدم **قال**
؎ چوں ستاکے الخ **قلت** فی الغیاث ستاک بکسر اول و کاف عربی شاخ نو رستہ و نازک از درخت و ستاوند
فی الحاشیہ خانہ یک ستون چوں بنگلہ وغیرہ **قال** رح ؎ سنگ را سنبیدی الخ **قلت** فی الحاشیہ سوراخ کردی
دگور بمعنی بہرام گور اور مراد اس سے دونوں مصرعہ میں یہ ہے کہ فرض کردم **قال** رح آخر انفاسست الخ **قلت** سکنجیدن
فی الحاشیہ بضمتین و سین مہملہ و کاف عربی تراشیدن و گزیدن دسر فیدن و در ینجا بمعنی اخیر مرا دست یعنی دم
تو آخر بوقت مرگ در گلو گرفتہ خواہد شد و فی الغیاث فصل الشین المعجمہ مع کاف عربی شکنجیدن بکسر اول و ضم ثانی
گرفتن عضوے باشد بسر ناخن آہ و اینجا ہر دو نسخہ موجہ است و فی الغیاث چغوک بفتح سرخاب و بمعنی گنجشک آہ
باید کہ چنگ مخفف آں باشد و فی الغیاث چغیدن کشیدن و دم زدن آہ و چغریدن باید کہ مزید آں باشد **قال** رح
عہ رفت رفت الخ **قلت** یعنی انچہ رفت رفت از و بحث نیست **قال** رح ؎ نفس تو ہمچوں پدر الخ **قلت**
شروع است در تطبیق قصہ **قال** رح ؎ حسن و دین الخ **قلت** بار بمعنی بارگاہ کذا فی الغیاث **قال** رح
؎ تاکہ طوغما الخ **قلت** انوس من الانس **قال** رح ؎ ہست اینجا الخ **قلت** مراد بمعنی تلخی **قال** رح ؎
مانده دره الخ **قلت** یعنی صرف جرعہ نوشید و بکمال نہ رسید **قال** رح ؎ چوں نظر الخ **قلت** ستر حال ست
یعنی باطناً و پنہاں **قال** رح ؎ وآں دو را الخ **قلت** ان دونوں کو یہ حصہ ملا کہ دختر کے طالب تھے کہ یہی

ایک تعلق و تلبس ہے جسکا یہ ثمرہ ہوا کہ بادشاہ تک رسائی ہوئی اور مورد عنایت ہوئے اگرچہ اپنے نقصان کے سبب کمال قرب میسر نہیں ہوا **قال** رح ؎ ناقصے را الخ **قلت** یہ متعلق ہے ماقبل کے اور اس میں بیان اس کا ہے کہ جس کو قرب میسر ہوا وہ بھی اُس کا استحقاق نہیں محض فضل ہے **قال** رح ؎ چلچلہ الخ **قلت** فی الحاشیہ جانورے خرد ست کہ بہندی انجھاری گویند کرم راز یر خود می پرورد اھ زاد فی اخری و در چند روز بر شکل خود میگرداند **قال** رح ؎ گفت باشہزادہ الخ **قلت** پوپ تاج کہ بر سر طاوس وغیرہ باشد اھ وفی اخری سرتاج جملہ خدام ست **قال** رح غیر خدمت نے تر بوئش الخ **قلت** فی الحاشیہ بازی و ہزل را گویند اھ **قال** رح تار و مارش الخ **قلت** فی الغیاث تار و مار بمعنی زیر و زبر و گنج و پریشانی و پراگندہ گاہے ہمیں معنی تال مال تیز می آید اھ **قال** رح شاہ گفتا الخ **قلت** روز بازار بمعنی گرمی و رونق بازار **قال** رح ؎ لطف فرسود الخ **قلت** ہر دو برادر متوفی کا تابع باعتبار ترتیب زمانی کے کہا کہ اُن کی نوازش زمانًا مقدم تھی ورنہ ترتیب رتبہ کے اعتبار سے اُن دونوں پر یہ سابق ہے چنانچہ شعر آیندہ قصر ہا الخ اسکی دلیل صریح ہے یا ایک خاص اعتبار سے اسکو تابع محض بھی کہہ سکتے ہیں کہ یہ مجاہدہ کیا ہوا نہ تھا چنانچہ یہاں سے چودھویں شعر میں اسکی تصریح ہے چوں نبود ایں شاہ ملحق را جہاد اور اس صورت میں شعر قصر ہا الخ کے معنی یہ ہوں گے کہ اس کے اندازہ و حوصلہ سے زیادہ دیا گو اُن دو سے کم ہو۔ **قال** رح ؎ مرد باش الخ **قلت** نپے مرد گرد یعنی مرد کے پیچھے اور تابع پھرا ہو جا اور مصرعہ ثانیہ میں پوتک و پوتہ کے معنی حاشیہ میں خزانہ و دولت لکھے ہیں **قال** رح ؎ گر خلد خارے الخ **قلت** تارہ فی الحاشیہ سوزن **قال ناثرًا** اختتام کلام الخ **قال ناظمًا** بشنو از نے الخ **قلت** مراد از بدایت مبدا و قصد کردن منتہی مراد را ظاہر ست **قال** رح ؎ دورۂ میم الخ **قلت** مصرعہ ثانیہ میں لاکن مرکب ہے لا اور کن سے یعنی فنا کرا در آلات مرکب ہے الا اور تائے خطاب سے **قال** رح ؎ اللہ اللہ کو من الخ **قلت** لفظ کو اللہ اللہ کی خبر نہیں من کی خبر مقدم ہے **قال ناثرًا** مناجات الخ **قال ناظمًا** ؎ دوست را برین الخ **قلت** فی العبارت توختن حاصل کردن و خواستن و جمع کردن و بمعنی ادا کردن **قال** رح ؎ شکر احسان الخ **قلت** سر کردن شروع کردن و با تمام رسانیدن کذا فی الغیاث۔ **قال** رح اللہ اللہ ایں چہ نام خوش مذاق الخ **قلت** فی المنتخب رواق بالفتح الی قولہ خوش آمدن و بشگفت آمدن الخ نما لبا دریں تصرف کردہ رواق ساختہ است **قال** رح ؎ اللہ اللہ ایں چہ احسان کردۂ الخ مراد از چنیں برزخ اسم اللہ است کہ اسم من حیث ذاتہ ظاہر ست و من حیث کون مدلولہ باطنًا باطن ست **قال** رح ؎ اللہ اللہ لیس غیرک الخ۔ **قلت** ہل تری میں خطاب مطلق رائی کو ہے اور دیر بمعنی مطلق دار مجازًا اور بمعنی معروف اس کے دار عبادت نصاریٰ **قال** رح اللہ اللہ لا الہ الخ **قلت** اسمیں سوال ہے اور شعر آیندہ میں جواب ہے جسکا حاصل یہ ہے کہ یہ نفی اس لئے ہے کہ جو چشم کہ ظاہرًا اغیار کو دیکھ رہی ہے وہ اس نفی سے اُن اغیار کو مرتفع کردے اور اُسکی ہمت اسیقدر رہے نہ یہ کہ بالکل غیر کو نظر میں نہ آنے دے پس مقل مصرعہ اول میں بمعنی بردارندہ کما فی قولہ اقلت الغبراء اور ثانی میں بمعنی ذی قلت۔ **قال** رح ؎ چوں برآرم الخ **قلت** لیتنی کنت ترابا را بمعنی تاویلی فرود آوردند یعنی کاش خاک پائے قائل ہوجاے **قال** رح اللہ اللہ ستم الخ **قلت** راوق بمعنی شراب مجازًا کذا فی الغیاث **قال** رح انت مقصودی الخ **قلت** تہمت فی المنتخب قصد و ہمت وھذا الاختتام بعون اللہ المفضال العام والیوم یوم الاربعاء الثالث والعشرون من شعبان

فہرست مضامین عشر تاسع و عاشر

عارف باللہ حضرت مولانا جلال الدین رُومی رحمۃ اللہ علیہ کی نادر روزگار،
اور معرکہ آرا کتاب "مثنوی معنوی" کی جامع اور لاجواب شرح

کلیدِ مثنوی

حکیم الاُمّت مجدد الملت حضرت مولانا مُحمّد اشرف علی تھانوی نوراللہ مرقدہٗ

21

یہ وہ مقبول خاص و عام کتاب ہے کہ خواندہ ناخواندہ سب ہی اس سے دلچسپی لیتے ہیں مگر مضامین عالیہ ہونے کی وجہ سے مطالب سمجھنے میں بڑی دقت پیش آتی ہے اور بعض اوقات نوبت الحاد و زندقہ تک پہنچ جاتی ہے، حضرت حکیم الاُمت نے اشعارِ مثنوی کو واضح کر کے اور مسائل تصوف کو عام فہم بنا کر نہایت خوبی سے سمجھا دیا ہے حقیقت یہ ہے کہ اِس سے معتبر اور شریعت و طریقت کا پاس و ادب رکھ کر مضامین کو حل کرنے والی کوئی اور شرح نہیں لکھی گئی

اِدارہ تالیفاتِ اشرفیہ
بیرون بوہڑ گیٹ
مُلتان

سلسلہ معارف اشرفیہ جلد نمبر ۲۲

یعنی

ایک عظیم اسلامی انسائیکلوپیڈیا

دفتر پنجم جزو اول

کلیدِ مثنوی

جلد ۲۱

از حکیم الامۃ مجدد الملۃ حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہٗ

ناشر

ادارۂ تالیفاتِ اشرفیہ

بیرون بوہڑ گیٹ ملتان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرضِ ناشر

الحمدللہ ثم الحمدللہ "کلیدِ مثنوی" "دفترِ پنجم" آپ کے ہاتھوں میں ہے۔
اس سے قبل کلیدِ مثنوی ۲۰ جلدوں میں شائع کر چکے ہیں جس میں دفترِ پنجم شامل نہیں تھا۔

تلاشِ بسیار کے بعد اس کا قلمی مسودہ دار العلوم (کراچی) سے مل گیا جس کو پڑھنا کارے دارد تھا۔

اس سلسلہ میں حضرت مولانا مفتی عبدالقادر صاحب مدظلہ العالی کا خصوصی تعاون شامل رہا۔ اللہ پاک اُن کو جزائے خیر دیں۔ آمین!

بہرحال کئی مشکل مراحل سے گزر کر یہ آپ کے ہاتھوں میں ہے۔
اس میں بزرگوں کے مشورہ سے جناب محترم حضرت قاضی سجاد حسین صاحب نوراللہ مرقدہ کے ترجمہ کے ساتھ شائع کر رہے ہیں۔

اس طرح ترجمہ قاضی صاحب کا ہے اور شرح حضرت حکیم الامت مجددِ الملت حضرت مولانا الشاہ محمد اشرف علی صاحب تھانوی نوراللہ مرقدہٗ۔

اس کے جامع حضرت مولانا حبیب احمد صاحب ہیں ـــــ اللہ پاک ان سب حضرات کو اپنی شایانِ شان جزائے خیر دیں۔ آمین۔!

اللہ پاک محض اپنے فضل وکرم سے ہماری اس حقیر سعی کو شرفِ قبول نصیب فرمائیں۔ آمین ثم آمین ـــــــ طالبِ دعاء:

احقر محمد اسحاق عفی عنہٗ

جمادی الاوّل ۱۴۱۳ھ

دفتر پنجم ربع اوّل

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شہ[1] حسام الدیں کہ نورِ انجم ست
طالبِ آغازِ سِفرِ پنجم است
شاہ حسام الدین جو ستاروں کا نور ہیں
پانچویں کتاب کے شروع کرنیکے، طالب ہیں

اے ضیاء الحق حُسام الدینِ راد
اُوستادانِ صفا را اُوستاد
اے سخی ضیاء الحق حسام الدین!
(آپ) اہلِ باطن کے اُستادوں کے اُستاد ہیں

گر نبودے خلق محجوب و کثیف
ور نبودے حلقہا تنگ و ضعیف
اگر مخلوق محجوب اور کثیف نہ ہوتی
اگر گلے تنگ اور کمزور نہ ہوتے

در مدیحت دادِ معنیٰ دادمے
غیر ایں[2] منطق لبے بکشادمے
تو میں آپ کی تعریف کا حق ادا کردیتا
اس گفتگو کے علاوہ لب کُشائی نہ کرتا

لیک لُقمہ بازِ آں صعوہ نیست
چارہ اکنوں آب و[3] روغن کردنیست
لیکن باز کا لُقمہ ممولے کی ملکیت نہیں ہے
اب تدبیر، پانی اور تیل کرنا ہے

مدحِ تو حیف است با زندانیاں
گویم اندر مجمعِ رُوحانیاں
قیدیوں سے تیری تعریف کرنا ظلم ہے
روحانیوں کے مجمع میں کہوں گا

شرحِ تو غبن است با اہلِ جہاں
ہمچو رازِ عشق دارم در نہاں
دنیا داروں سے آپکی تشریح کرنا، ٹوٹا ہے
عشق کے راز کی طرح دل میں رکھتا ہوں

---

[1] شہ۔ یعنی ضیاء الحق حُسام الدین کا مطالبہ ہے کہ مثنوی کا پانچواں دفتر شروع کیا جائے۔ سِفر۔ کتاب یعنی مثنوی کا دفتر۔ گر نبودے۔ یہ شرط ہے دوسرا شعر جزاء ہے۔ محجوب۔ یعنی عوام میں تمہاری تعریف سننے کی اہلیت نہیں ہے ورنہ میں تمہاری بہت تعریف کرتا اور اُسکے علاوہ کوئی بات نہ کہتا۔

[2] ایں منطق۔ یعنی حُسام الدینؒ کی تعریف۔ لیکن عوام کے سامنے حسام الدین رہ کی تعریف کرنا ایسا ہی ہے جیسا کہ باز کی خوراک ممولے کو کھلائی جائے۔

[3] آب و روغن۔ اگر واؤ عطف نہ ہو تو معنیٰ یہ ہیں کہ پانی کو تیل کہنا پڑ رہا ہے یعنی عوام کے سامنے غیر حقیقی تعریف کرنی پڑ رہی ہے اگر نسخہ آب و روغن ہے تو اب معنیٰ یہ ہونگے کہ تعریف میں تکلف کرنا پڑ رہا ہے۔ زندانیاں۔ یعنی دنیا کے قیدی۔ غبن۔ ٹوٹا۔ عشق۔ عشق مخفی رکھا جاتا ہے۔

مدح[۵۱] تعریف است و تخریقِ حجاب
فارغ است از مدح و تعریف آفتاب

تعریف کرنا، پہچنوانا اور (جہالت کے) پردے کو چاک کرنا ہے
سورج، تعریف اور پہچنوانے سے بے نیاز ہے

مادحِ خورشید مدّاحِ خود است
کہ دو چشمم روشن و نامُرمدست

سورج کی تعریف کرنیوالا، اپنی تعریف کرنیوالا ہے
کہ میری دونوں آنکھیں روشن اور تندرست ہیں

ذمِ خورشیدِ جہان ذمِ خود ست
کہ دو چشمم کور و تاریک و بدست

دنیا کے سورج کی مذمت کرنا، اپنی مذمت ہے
کہ میری دونوں آنکھیں اندھی اور بے نور اور بُری ہیں

تو ببخشا بر کسے کاندر جہاں
شد حسودِ آفتابِ کامراں

آپ اُس کو معاف کر دیجئے جو دنیا میں
کامیاب سورج کا حاسد ہے

تا ندش پوشید ہیچ از دیدہا
وز طراوت دادنِ پوسیدہا

اس کو کوئی آنکھوں سے چھپا سکتا ہے!
اور بوسیدہ چیزوں کے تازگی بخشنے کو

یا[۵۲] ز نورِ بیحدش تانند کاست
یا بدفعِ جاہِ اُو تانند خاست

یا اُس کے لامحدود نور کو وہ گھٹا سکتے ہیں
یا اُس کے رُتبہ کو ہٹانے کے لئے وہ کھڑے ہو سکتے ہیں

ہر کسے کو حاسدِ گیہاں بُوَد
آں حسد خود مرگِ جاویداں بُوَد

جو شخص عالَم کا حاسد ہو
وہ حسد خود ہمیشہ کی موت ہے

قدرِ تو بگذشت از درکِ عقول
عقل اندر شرحِ تو شد بوالفضول

آپ کا مرتبہ عقلوں کے ادراک سے بالا ہے
آپ کی شرح کرنے میں عقل، بکواسی ہے

گرچہ عاجز آمد ایں عقل از بیاں
عاجزانہ جُنبشے باید دراں

اگرچہ عقل بیان سے عاجز ہے
اُس میں عاجزانہ ہی، حرکت کرنی چاہیئے

اِنَّ شَیْئًا کُلُّہٗ لَا یُدْرَكُ
اِعْلَمُوْا اَنْ کُلُّہٗ لَا یُتْرَكُ

وہ چیز جو پوری حاصل نہیں کی جا سکتی
جان لو، وہ سب نہیں چھوڑی جاتی

گرچہ[۵۳] نتواں خورد طوفانِ سحاب
کے تواں کردن بترکِ خوردِ آب

اگرچہ ابر کا طوفان پیا نہیں جا سکتا
(لیکن) پانی پینا کب چھوڑا جا سکتا ہے؟

آبِ دریا را اگر نتواں کشید
ہم بقدرِ تشنگی باید چشید

دریا کا (پورا) پانی اگرچہ نہیں کھینچا جا سکتا
پیاس کی بقدر ہی چکھ لینا چاہیئے

۵۱ مدح۔ جس طرح سورج مدح اور تعریف سے بے نیاز ہے اسی طرح حُسام الدین ہیں۔ نامرمد۔ دُکھتی ہوئی آنکھ۔ ذم۔ اگر کوئی شخص سورج کو تاریک کہے تو لوگ خود اُس کو اندھا کہیں گے۔۔۔۔ تو ببخشا۔ یعنی اے حُسام الدین آپ اُس کو معاف کریں جو آپ پر حسد کرتا ہے اس لئے کہ اُس کے حسد سے آپ کو نقصان نہیں ہے خود اُس کا نقصان ہے آپ آفتاب اور آپ کے فیوض آفتاب کے فیوض کی طرح ہیں اگر کوئی چاہے کہ آفتاب کو اور اُسکی فیض رسانی کو لوگوں کی آنکھوں سے چھپائے تو وہ خود حماقت میں مبتلا ہے۔ وز طراوت۔ سورج کی شعاعیں پھلوں کو تازگی عطا کرتی ہیں۔

۵۲ یا۔ سورج کے حاسد نہ اُس کا نور گھٹا سکتے ہیں نہ اُس کا رتبہ کم کر سکتے ہیں۔ گیہاں۔ جہان، یعنی حسام الدین جو کہ عالم اکبر ہیں۔ قدر۔ آپ کا رتبہ عام عقول سے بالاتر ہے اب جو بھی اس کی تعریف کی جائے کم ہے۔ گرچہ۔ حسام الدین کی پوری تعریف اگرچہ ناممکن ہے لیکن پھر بھی عاجزانہ اس کی کوشش کرنی چاہیئے کیونکہ جو چیز پوری حاصل نہ ہو سکے اُس کو پورے طور پر ترک نہ کرنا چاہیئے کچھ نہ کچھ اس میں سے حاصل کر لینا چاہیئے

۵۳ گرچہ۔ انسان بارش کا تمام پانی نہیں پی سکتا لیکن تھوڑا سا تو ضرور پی لیتا ہے۔ آبِ دریا۔ سارا دریا نہیں پیا جا سکتا تو بقدرِ امکان سیرابی حاصل کر لی جاتی ہے۔

راز[1] را گر می نیاری درمیاں — درکہا را تازہ کن از قشر آں
اگر تو راز کو درمیان میں نہیں لا سکتا ہے — اُس کے چھلکے سے یادوں کو تازہ کر دے

نُطقہا نسبت بتو قشرست لیک — پیشِ دیگر فہمہا مغزست نیک
آپکے اعتبار سے (ہماری) باتیں اگرچہ چھلکا ہیں لیکن — دوسروں کی سمجھ کے لئے اچھا گودا ہے

آسماں نسبت بعرش آمد فرو — ورنہ بس عالیست پیشِ خاکِ تود
آسمان، عرش کے اعتبار سے نیچا ہے — ورنہ خاک کے تودے کے اعتبار سے بہت بلند ہے

من بگویم وصفِ تو تارہ برند — پیش ازاں کز فوتِ آں حسرت خورند
میں آپ کی تعریف کرتا ہوں تاکہ وہ رہنمائی حاصل کریں — اُس سے پہلے کہ وہ اُس کے فوت ہونے سے حسرت کریں

نورِ حقّی و بحق جذابِ جاں — خلق در ظلماتِ وہم اند و گماں
آپ اللہ کا نور ہیں اور جان کو خدا کیطرف کھینچنے والے ہیں — لوگ وہم اور گمان کی اندھیروں میں ہیں

شرط[2] تعظیم است تا آں نورِ خوش — گردد ایں بیدیدگاں را سُرمہ کش
تعظیم شرط ہے، تاکہ وہ عمدہ نور — اِن اندھوں کے لئے سُرمہ لگانے والا بنی ہے

نور یابد مُستعدِ تیز گوش — کو نباشد عاشقِ ظلمت چو مُوش
سخت کوشش کرنے والا مستعد نور حاصل کرتا ہے — جو چوہے کی طرح اندھیرے کا عاشق نہ ہو

نور میکش اے حریفِ تیز کوش — گر نۂ چوں مُوش در ظلمت مکوش
اے سخت کوشش کرنے والے دوست! نور حاصل کرلے — اگر تو چوہے کی طرح نہیں ہے اندھیرے کی کوشش نہ کر

سُست چشماں کے ز شب جولاں کنند — کے طوافِ مشعلِ ایماں کنند
کمزور آنکھوں والے جو رات کو گھومتے ہیں — وہ ایمان کی مشعل کا طواف کب کرتے ہیں؟

نکتہا[3] ئے مُشکل باریک شُد — بندِ طبعے کو ز دیں تاریک شُد
مشکل باریک نکتے بن گئے — طبیعت کا بند کیونکہ وہ دین سے تاریک ہے

تا بر آراید ہُنر را تار و پُود — چشم در خورشید نتواند کشُود
جب تک کہ وہ ہُنر کا تانا بانا نہ سنوارے — سورج میں آنکھ نہیں کھول سکتا

ہمچو نخلے بر نیارد شاخہا — کردہ مُوشانہ زمیں سُوراخہا
وہ کھجور کے درخت کی طرح شاخیں نہیں نکال سکتا — جس نے چوہے کی طرح زمین کو سوراخ سوراخ کر رکھا ہے

ف[1] راز۔ یعنی حسام الدینؒ کی پوری تعریف عوام کے سامنے ناممکن ہے تب بھی اس کا کچھ حصہ بیان کردینا چاہیئے۔ نطقہا۔ اگرچہ حسام الدینؒ کی تعریف اُن کی تعریف کا مغز نہیں ہے بلکہ چھلکا ہے لیکن عوام کے لئے اُس میں بھی فوائد ہیں۔ آسمان۔ بلندی اور پستی فائدہ اور نقصان سب اضافی باتیں ہیں ایک چیز ایک کے لئے مفید دوسرے کیلئے غیر مفید ہے آپ کی تعریف عوام کے لئے مفید ہے اگرچہ وہ حقیقی نہیں ہے۔ من بگویم میں تعریف اسلئے کر رہا ہوں تاکہ وہ حقیقی تعریف تک رہنمائی حاصل کریں۔ نور حقی۔ تیری ذات کے ذریعہ مخلوق وہم وگمان سے گذر کر مرتبہ یقین حاصل کرسکتی ہے۔

ف[2] شرط۔ مرید اُس وقت فیض حاصل کرسکتا ہے جبکہ اُس کے دل میں شیخ کی عظمت ہو۔ نور یابد۔ فیض حاصل کرنے کے لئے استعداد اور کوشش ضروری ہے۔ گر نہ۔ چوہا اندھیرے کو پسند کرتا ہے بشست چشماں۔ چوہا اور چمگادڑ کبھی روشنی کا طواف نہیں کرتے ہیں۔

ف[3] نکتہائے۔ جن کے دلوں میں دین کی جانب سے تاریکی ہے اُن کے لئے علمی موشگافیاں حقیقت تک پہنچنے سے مانع بنگئی ہیں۔ تا بر آرید۔ یہ لوگ جب تک حقیقت بینی کے ہُنر سے آراستہ نہ ہونگے وہ شیخ حسام الدینؒ کی تعریف نہ سمجھیں گے۔ ہمچو۔ جو لوگ چوہے کی طرح زمین دوز سوراخوں میں رہنے کے عادی ہیں وہ کھجور کی طرح بار آور نہ ہوں گے۔

شرح شاہ حسام الدین جو کہ ہدایت و اضارت عالم میں نورستارگان کے مثابہ ہیں اور جس طرح ستاروں کا نور مسافرین دنیا کی رہنمائی کرتا اور اور عالم اجسام کو روشن کرتا ہے۔ یوں ہی وہ مسافرینِ آخرت کی رہنمائی کرتے اور ارواح کو منوّر کرتے ہیں۔

چاہتے ہیں کہ دفترِ پنجم شروع کیا جائے۔ بنابریں میں اس دفتر کو شروع کرتا ہوں اور کہتا ہوں کہ اے دانا اور صفائے باطن کے استادوں کے استاد ضیاء الحق حسام الدین ——— اگر مخلوق حقائق و معارف سے محجوب اور غلبۂ جسمانیت سے کثیف نہ ہوتی اور حلقہائے افہام مردم، تنگ اور کمزور نہ ہوتے تو میں آپ کی تعریف میں۔ کماحقہٗ مضامین عالیہ بیان کرتا اور سطحی گفتگو کے سوا اور نہایت دقیق گفتگو کرتا۔ لیکن کیا کہیئے کہ مخاطبین اس کے اہل نہیں اور قاعدہ ہے کہ باز کی غذا ممولے کو نہیں دی جاسکتی اسلئے مجبوراً سرسری تحسین پر اکتفا کرتا ہوں اور چونکہ محبوسین عالم ناسوت کے سامنے آپ کی تعریف ظلم ہے کیونکہ یہ تعریف بے محل ہے۔ اسلئے میں آپ کی تعریف ان لوگوں کے مجمع میں کرونگا جن پر یہ درج غالب ہے اور چونکہ اہل ناسوت کے سامنے آپ کی تعریف کرنا ایک قسم کا خسارہ ہے کیونکہ وہ اس کے قدردان نہیں یا یوں کہو کہ ان کے سامنے تعریف کرنا ان کو نقصان پہنچانا ہے کیونکہ وہ اس کی حقیقت تک نہیں پہنچ سکتے اسلئے غلط فہمی میں پڑ جائیں گے لہذا میں اُس کو ان سے اس اہتمام سے مخفی کرتا ہوں جیسے رازِ محش کو مخفی کیا جاتا ہے ——— نیز اس تعریف نہ کرنے کی ایک دوسری وجہ بھی ہے وہ یہ کہ مدح کا حاصل ممدوح کی خوبیوں کو ظاہر کر کے لوگوں کو ان سے آگاہ کرنا اور پردۂ اخفا جو ان پر پڑا ہوا ہے اسے پھاڑنا ہے اور آپکے اوصاف اس قدر واضح ہیں کہ اسکے اظہار کی ضرورت نہیں۔ اسلئے آپ مدح اور تعریف سے مستغنی ہیں جس طرح کہ آفتاب ان سے مستغنی ہے ——— اس پر اگر یہ کہا جائے کہ دیگر دفاتر میں جو اس کی تعریف کی گئی ہے نیز خود اسی مقام پر جو اس کی تعریف کی جائے وہ کس لیے ہے سو اس

کا جواب یہ ہے کہ یہ تعریف اس کی تعریف نہیں بلکہ خود اپنی تعریف ہے کیونکہ اگر کوئی آفتاب کی تعریف کرے تو یہ آفتاب کی تعریف نہ ہوگی بلکہ خود اپنی تعریف ہوگی کہ میری آنکھیں روشن اور مرض سے پاک ہیں۔

اسی طرح اگر کوئی آفتاب کی ملامت کرے تو یہ اس کی مذمت نہ ہوگی بلکہ خود اپنی مذمت ہوگی۔ کیونکہ اس کے معنی یہ ہوں گے کہ میں اندھا ہوں اور میری آنکھوں میں نور نہیں اور میری آنکھیں اچھی نہیں ہیں پس ایسا شخص جو کہ آفتاب کا دشمن ہو اور اس پر حسد کرے تم کو اس پر رحم کرنا چاہیئے کیونکہ وہ اسے کسی طرح بھی ضرر نہیں پہنچا سکتا اچھا نہیں بتلاؤں کیا وہ اسے لوگوں کی نظروں سے یا خراب اشیاء کو تر و تازہ کرنے سے غائب کر سکتا ہے؟ یا اس کے نور بے حد کو کم کر سکتا ہے؟ یا اس کے عالی شان رتبہ کو دور کرنے پر آمادہ کر سکتا ہے ہرگز نہیں۔ پس ایسا شخص جو آفتاب پر حسد کرنے کے ضمن میں تمام عالم پر حسد کرتا ہے کیونکہ اس کا فائدہ عالم کیطرف راجع ہے۔ اس کا حسد خود اس کے لیے موت دائمہ ہوتا ہے اور محسود کا اس سے کچھ ضرر نہیں ہوتا۔ اسلئے وہ ضرور قابل رحم ہے۔

خیر یہ مضمون تو اضطراری تھا۔ اب ہم اصل مقصود کی طرف عود کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ آپ کا رتبہ عالی ادراک عقول سے بالاتر ہے اور آپ کی حالت کی تفصیل کرنے میں عقل بیہودہ ہے یہ صحیح ہے لیکن ایسی حالت میں تعریف کو بالکل چھوڑ بھی نہ دینا چاہیئے۔ کیونکہ عقل تفصیل اوصاف سے عاجز ہے مگر تاہم عاجزانہ حرکت کی ضرورت ہے اسلئے کہ جو چیز کُل نہیں ہو سکتی اس کو بالکل نہیں چھوڑ دیا جاتا۔ دیکھو گو اَبر کا کُل پانی نہیں پیا جا سکتا لیکن پانی پینا بالکل نہیں چھوڑا جا سکتا۔ اور اگر دریا کا کل پانی نہیں پیا جا سکتا تو پیاس کی مقدار ضرور پینا چاہیئے۔

بنا بریں اگر ہم آپکے اسرار کو نہ بیان کر سکیں تو ہمیں چاہیئے کہ آپکے معمولی اوصاف بیان کرکے عقول کو تازہ کریں۔ کیونکہ ہمارے بیانات گو آپ کے اعتبار سے معمولی ہیں لیکن دوسری افہام کے لیے وہی عمدہ مغز ہیں۔ چنانچہ آسمان عرش سے تو ضرور پست ہے مگر زمین کے لئے بہت اونچا ہے۔ اس بنا پر مجھے چاہیئے کہ قبل اس کے کہ لوگوں کو آپ کی وصف کے فوت ہونے سے حسرت ہو میں آپکے اوصاف بیان کروں تاکہ ان کو گونہ آپ کی اوصاف پر اطلاع ہو جائے اچھا سنو! آپ سرتاپا نورِ خدا اور ارواح کو کھینچ کر خدا سے ملانے والے ہیں اور مخلوق اوہام و ظنون کی تاریکیوں میں محبوس ہے۔

اب خطاب کا رُخ بدل کر فرماتے ہیں کہ لوگو! یہ ضرور ہے کہ وہ ارواح کو.. کھینچ کر خدا سے ملا دیتے ہیں مگر اس کے لئے شرط یہ ہے کہ آدمی کے دل میں انکی عظمت ہو۔ جب یہ شرط پائی جائے گی اس وقت وہ نور اندھوں کو آنکھوں میں سرمہ لگا کر انکو حق بیں بنادے گا۔ نیز یہ بھی شرط ہے کہ وصول الی اللہ کے لئے جد وجہد بھی کرے کیونکہ نور باطن عادۃً اسی کو حاصل ہوتا ہے جو اس کے حاصل کرنے کے لیے مستعد ہو اور پوری کوشش کرے۔ اور چوہے کی طرح ظلمتِ ناسوت پر عاشق نہ ہو۔ پس اے عاقل شخص! تو وصولِ نور کی شرائط جمع کر کے نور حاصل کر۔ اور اگر تو موش صفت نہیں ہے تو ظلمتِ ناسوت میں مت کوشش کر۔ بلکہ اس سے باہر نکل کر نور حاصل کر۔ ہم نے موش صفت نہ ہونے اور مستعد ہونے کی شرط اسلئے لگائی ہے کہ جو لوگ اپنی چشمِ بصیرت کو ارتکاب معاصی سے کمزور کر چکے ہیں اور اسلئے وہ نور ایمان حقیقی سے متوحش ہو کر ظلمت معاصی میں.. سرگرداں ہیں۔ یہ لوگ مشعلِ ایمان حقیقی کے پاس سر پھینک سکتے ہیں۔

نیز یہ بھی یاد رکھو کہ علوم دینیہ کے مشکل اور دقیق مسائل ہیں طبیعت

کے لیے جو دین سے اندھی ہے بیڑی بن جاتے ہیں کیونکہ جب تک اسے کمال علم کا تانا بانا سنوارتے رہتی ہے اسوقت تک وہ آفتاب دین کے دیکھنے کے قابل نہیں ہو سکتی اور وہ درخت کی طرح زمین سے شاخیں نہیں نکالتی ۔ بلکہ چوہے کی طرح زمین کے اندر ہی سوراخ کرتی ہے یعنی ناسوت ہی میں منہمک رہتی ہے اور اس سے نکلنے کی کوشش نہیں کرتی اس سے ہمیشہ محروم رہتی ہے ۔

اس مقام پر چونکہ مولانا نے موانع وصول الی الحق کی طرف اشارہ فرمایا تھا لہٰذا آئندہ اسکی کافی طور پر تفصیل بیان فرماتے ہیں اور کہتے ہیں ۔

تفسیر[1] فَخُذْ اَرْبَعَةً مِّنَ الطَّيْرِ فَصُرْهُنَّ اِلَيْكَ (الآیۃ)

پس "پکڑ لے چار پرندے پھر ان کو اپنی طرف ہلا" کی آخر آیت تک تفسیر

چار وصف این بشر را دل فشار — چار میخ عقل گشتہ این چہار

یہ چار وصف انسان کے دل کو بھینچنے والے ہیں — یہ چاروں عقل کی چار میخ ہیں

تو خلیل وقتی اے خورشید ہُش — این چہار اطیار رہزن را بکش

اے ہوش کے سورج : تو خلیل دوراں ہے — ان چار ٹھگ پرندوں کو مار ڈال

زانکہ ہر مرغے ازینہا زاغ وش — ہست عقل عاقلان را دیدہ کش

اس لئے کہ ان میں سے ہر زاغ صفت پرند — عقلمندوں کی عقل کی آنکھ نکال لینے والا ہے

چار وصف تن چو مرغان خلیل — بسمل ایشاں دہد جاں را سبیل

جسم کے چار اوصاف حضرت خلیل کے پرندوں — ان کا قربان کرنا جان کو راستہ عطا کرتا ہے

اے خلیل اندر خلاص نیک و بد — سر ببر شاں تا رہد پاہا ز سد

اے خلیل! اچھے اور بُرے کو نجات دلانے کیلئے — اُن کا سر قلم کردے تاکہ پاؤں بندش سے چھوٹ جائیں

کُل توئی و جملگاں اجزائے تو — برکشا کہ ہست پاشاں پائے تو

تو مجموعہ ہے اور سب تیرے اجزاء ہیں — کھول دے کہ ان کا پاؤں تیرا پاؤں ہے

از تو عالم روح زارے میشود — پشت صد لشکر سوارے میشود

آپ کی وجہ سے دنیا روح زار بنتی ہے — ایک سوار تو لشکروں کی مدد بن جاتا ہے

[1] تفسیر حضرت ابراہیمؑ سے فرمایا گیا کہ اگر تجھے ہماری صفت زندہ کرنے اور مارنے میں شک ہے تو چار پرندوں کو ذبح کر ڈال یہ چار پرند بطخ، مور، کوا، مرغ تھے مولانا نے فرمایا ہے کہ ان چار پرندوں سے انسان کی چار بُری صفات مُراد ہیں جو کہ انسان کے لئے حقیقت بینی سے مانع ہیں انسان ان صفات کو ازالہ کردے تو حقیقت بیں بنجاتا ہے بطخ سے مراد حرص اور مور سے مراد حُب جاہ، کوّے سے مراد تمنا اور مُرغ سے مُراد شہوت ہے ۔ چار میخ سزا کا ایک طریقہ تھا ۔ ترجمہ ۔ اگر انسان ابراہیم خلیل اللہ کی طرح حقیقت بین بننا چاہتا ہے تو اس کو بھی ان چار صفتوں کو مٹا دینا چاہیے زانکہ ۔ یہ چاروں صفتیں کوے کی عادت رکھتی ہیں کہ کوا ہے پہلے عقل کی آنکھ نکالتا

زانکہ ایں تن شُد مقامِ چار خُو ۔ نامِ شاں شُد چار مرغِ فتنہ جُو
کیونکہ یہ جسم چار عادتوں کا مقام ہے ۔ اُن کا نام فتنہ کے جویاں چار پرندے پڑ گیا ہے

خلق را گر زندگی خواہی اَبد ۔ سَر بُبُر ایں چار مُرغِ شوم و بد
اگر آپ لوگوں کی ابدی زندگی چاہتے ہیں ۔ اِن بدبخت اور بُرے چار پرندوں کا سَر قلم کر دیجئے

باز شاں زندہ کُن از نوعِ دگر ۔ کہ نباشد بعد ازاں زیشاں ضرر
پھر ان کو دوسری طرح سے زندہ کر دیجئے ۔ کیونکہ اس کے بعد نقصان نہ پہنچے گا

چار مُرغِ معنویِ راہزن ۔ کردہ اند اندر دلِ خلقاں وطن
باطنی چار ڈاکو پرندوں نے ۔ لوگوں کے دل کے اندر وطن بنا لیا ہے

چونؔ امیرِ جُملۂ دلہا شوی ۔ اندریں دَوراں خلیفہ حق توئی
جب آپ تمام دلوں کے حاکم بن جائیں گے ۔ (پھر) اِس زمانہ میں اللہ کے خلیفہ آپ ہی ہیں

سَر بُبُر ایں چار مُرغِ زندہ را ۔ سَرمدی کُن خلقِ ناپائندہ را
اِن چار زندہ پرندوں کا سَر قلم کر دیجئے ۔ فانی لوگوں کو دائمی بنا دیجئے

بطؔ و طاؤس ست زاغ ست و خروس ۔ ایں مثالِ چار مُرغ اندر نفوس
بطخ اور مور ہے، کوا ہے اور مُرغا ہے ۔ نفسوں میں یہ چار پرندوں کی طرح ہیں

بطؔ حرص است و خروس آں شہوت ست ۔ جاہ چوں طاؤس و زاغ آں مُنیت ست
حرص بطخ ہے اور شہوت مُرغا ہے ۔ رُتبہ مور کی طرح ہے، آرزو نفس کا کوا ہے

مُنیتش آنکہ بُوَد اُمید ساز ۔ طامع تابید یا عُمرِ دراز
اُس کی آرزو یہ اُمید بندھاتی ہے ۔ ہمیشگی کا لالچی یا درازیٔ عمر (کا لالچی)

بطِ حرص آمد کہ نُوکش در زمیں ۔ در تر و در خشک میجوید دفیں
حرص بطخ ہے کہ اُس کی چونچ زمین میں ہے ۔ تر اور خشک میں دفینہ ڈھونڈتی ہے

یک زماں نبوُد مُعطل آں گلو ۔ نشنود از حکم جز اَمرِ کُلُوا
اُس کا حلق تھوڑی دیر کیلئے بھی معطل نہیں ہوتا ۔ وہ "کھاؤ" کے سوا کوئی حکم نہیں سُنتی ہے

ہمچو یغما چی کہ خانہ میکند ۔ زُود زُود انبانِ خود پُر میکند
اُس لٹیرے کی طرح جو گھر کر کھودتا ہے ۔ جلد جلد اپنا تھیلا بھرتا ہے

اندر انباں می فشارد نیک و بد ۔ دانہائے دُرّ و حَبّاتِ نخود
اچھا، بُرا تھیلے میں ٹھونستا ہے ۔ موتی کے دانے اور چنے کے دانے

ایک سوار کی ہمت اور بہادری بہت سے لشکروں کی پناہ ہوتی ہے — ۵۳ زانکہ۔ انسان کے جسم میں یہ چار خصلتیں ہیں جنکو چار پرندوں سے تعبیر کیا گیا ہے خلق۔ ان خصائل کے ازالے سے ابدی زندگی نصیب ہوگی۔ باز شاں۔ ان چاروں خصلتوں کو اس طرح قابو میں رکھو کہ ان کی مضرت سے بچ سکو۔

ہے یہ بھی انسان کو اندھا کر دیتی ہیں بس۔ جو شخص ان چاروں صفتوں کو مٹا لیگا اُس کی جان حقیقت تک رسا ہو جائے گی۔

۵۲ نے خیال یعنی اے حُسام الدین لوگوں میں سے صفات ذمیمہ کو دور کر دیجئے تا کہ اُنکو سلوک میں سیر حاصل ہو جائے۔ بحق ترانی یہ یہ شیخ کے اجزا کی طرح ہوتے ہیں۔ از تو۔ تیرے وجود سے یہ عالم عالمِ ارواح بنا ہوا ہے۔ پُشت۔

۵۵ چوں۔ جب آپ دلوں پر حکومت کرنے لگیں گے تو خلافتِ الٰہی کے مستحق ہونگے۔ سر ببر۔ ان رذائل کے ازالے سے حیاتِ سرمدی حاصل ہو جائیگی۔ بط۔ ان چار پرندوں جیسی انسان میں چار خصلتیں ہیں۔

۵۶ بط۔ بطخ سے مراد انسانی حرص ہے اور مرغے سے مراد انسانی شہوت ہے مور سے مراد انسان کی جاہ طلبی ہے اور کوے سے مراد انسان کی تمنا ہے۔ مُنیتش۔ ایک آرزو مند کی یہ تمنا ہوتی ہے کہ اس کو دنیوی زندگی ہمیشہ کے لئے حاصل ہو جائے یا کم از کم عمر دراز ہو جائے۔ بط۔ انسان کی حرص بطخ کی طرح ہے جو ہر جگہ اپنی چونچ خوراک کی جستجو میں گاڑتی پھرتی ہے۔ کُلوا۔ اللہ کے احکام میں سے اُس نے صرف "تم کھاؤ" کا حکم سُنا ہے۔ یغما چی۔ لٹیرا جلد جلد ہر چیز کو تھیلے میں بھرتا ہے

تا مبادا باغیٔ آید دگر — میفشارد در جوال او خشک و تر
ایسا نہ ہو کہ کوئی دوسرا لٹیرا آجائے — وہ بورے میں خشک و تر ٹھونستا ہے

وقت تنگ و فرصت اندک او مخوف — در بغل زد ہر چہ زد تر بیوقوف
وقت تنگ ہے فرصت تھوڑی ہے وہ ڈرا ہوا ہے — بے تامل جو کچھ ہے اُسنے بغیر سمجھے بوجھے بغل میں دبالیا

اعتمادش نیست بر سلطانِ خویش — کہ مبادا باغیٔ آید بہ پیش
اُس کو اپنے شاہ پر بھروسہ نہیں ہے — (اس بارے میں) ایسا نہ ہو کہ کوئی لٹیرا آجائے

لیک مومن ز اعتمادِ آں حیات — میکند غارت بمہل و بااناث
لیکن مومن اُس (اُخروی) زندگی کے بھروسہ پر — لُوٹتا ہے، تامل اور توقف سے

ایمن است از فوت و از باغی کہ او — می شناسد قہرِ شہ را بر عدو
وہ محرومی اور لٹیرے سے مطمئن ہے کیونکہ وہ — دشمن پر شاہ کے قہر کو جانتا ہے

وایمن ست از خواجہ تاشانِ دگر — کہ نیایندش مزاحم صرفہ بر
اور دوسرے ساتھیوں سے مطمئن ہے — کہ اُس سے مزاحمت کرنیوالے فائدہ مند ہونگے

عدلِ شہ را دید در ضبطِ حشم — کہ نیارد کرد کس بر کس ستم
خادموں کے معاملہ میں اس نے بادشاہ کے انصاف — کہ کوئی کسی پر ظلم نہیں کر سکتا ہے

لاجرم نشتابد و ساکن بود — از فواتِ حظِ خود ایمن بود
لامحالہ وہ جلدی نہیں کرتا اور سکون سے ہوتا ہے — اپنے حصہ کے فوت ہونے سے مطمئن ہوتا ہے

پس تأنی دارد و صبر و شکیب — چشم سیر و مؤثر ست و پاک جیب
پس وہ آہستہ روی اور صبر و شکیب اختیار کرتا ہے — سیر چشم ہے دوسروں کو ترجیح دینے والا ہے پاک دل ہے

کیں تأنی پرتوِ رحمان بود — واں شتاب از ہزۂ شیطان بود
کیونکہ یہ آہستہ روی اللہ (تعالٰے) کا سایہ ہے — اور وہ جلد بازی شیطانی حرکت ہے

زانکہ شیطانش بترساند ز فقر — بارگیرِ صبر را بکُشد بعقر
کیونکہ شیطان اس کو افلاس سے ڈراتا ہے — صبر کا بوجھ اٹھانیوالے کا پاؤں کاٹ ڈالتا ہے

از نبی بشنو کہ شیطاں در وعید — میکند تہدیدت از فقرِ شدید
قرآن سے سُن کہ شیطان دھمکانے میں — تجھے سخت افلاس سے ڈراتا ہے

تا خوری زشت و بری زشت از شتاب — نے مروت نے تأنی نے ثواب
تاکہ تو جلدی میں بُرا کھائے، بُرا کمائے — نہ انسانیت نہ آہستہ روی نہ ثواب

لاجرم کافر خورد در ہفت بطن — دین و دل باریک و لاغر زفت بطن
لامحالہ کافر سات پیٹ میں کھاتا ہے — دین اور دل کمزور اور لاغر ہے، پیٹ بھاری ہے

تا مبادا۔ اس کی جلد بازی اس لئے ہوتی ہے کہ کوئی دوسرا لٹیرا آکر شریک نہ بن جائے۔ اعتمادش۔ اس کو اپنے خدا پر بھروسہ نہیں ہوتا ہے۔ لیک مومن۔ مرد مومن چونکہ اخروی زندگی کا بھی عقیدہ رکھتا ہے اس لئے اُسمیں یہ جلد بازی نہیں ہوتی۔

ایمن۔ اس کو اطمینان ہوتا ہے کہ اس کا خدا اُس کے دشمن پر غالب ہے۔ خواجہ۔ اس کو دوسرے مومنوں کی طرف سے بھی اطمینان حاصل ہوتا ہے۔ عدلِ شہ۔ وہ خدائی انصاف پر یقین رکھتا ہے۔ لاجرم۔ مومن ان عقائد کی وجہ سے مطمئن رہتا ہے کہ اُس کا مقدر کوئی نہیں چھین سکتا۔

تأنی۔ بُردباری۔ مؤثر۔ اپنی ضرورت پر دوسروں کو ترجیح دینے والا۔ کیں۔ حدیث شریف ہے اَلتَّاَنِّیْ مِنَ الرَّحْمٰنِ وَالْعَجَلَۃُ مِنَ الشَّیْطٰنِ۔ حلم اور بُردباری اللہ کی جانب سے ہے اور جلدبازی شیطان کی جانب سے ہے۔ بارگیر۔ بوجھ اُٹھانے والا۔ عقر۔ ہاتھ پاؤں کاٹ دینا۔ فقر۔ قرآن پاک میں ہے اَلشَّیْطٰنُ یَعِدُکُمُ الْفَقْرَ "شیطان تمہیں فقر سے ڈراتا ہے۔"

تا خوری۔ شیطان فقر سے اس لئے ڈراتا ہے کہ انسان کھانے کمانے میں حرام سے پرہیز نہ کرے۔ کافر میں نہ مروت ہوتی ہے نہ بُردباری اور نہ وہ ثواب کا مستحق ہوتا

ہے۔ ہفت بطن۔ سات انتڑیاں۔ کافر اں۔ اِس مقصد سے کافروں کی بسیار خوری کو سمجھانا ہے۔

شرح آدمی کے اندر چار اوصاف ہیں جو دل کو تکلیف دیتے ہیں اور وہ چاروں عقل کے لئے شکنجہ ہیں پس اے صاحب عقل تاباں! تم اپنے وقت کے عقیل ہو تم کو چاہیئے کہ ان چاروں راہزن پرندوں کو مار ڈالو۔ کیونکہ ان میں ہر جانور کوے کی طرح عقلار کی عقلوں کی آنکھیں نکال لیتا ہے اور یہ چاروں اوصاف جسمانی جس کی تفصیل آئندہ آئے گی۔ مثل ابراہیم خلیل اللہ کے جانوروں کے ہیں جن کو انہوں نے بحکم سبحانہ، احیار موتے کے مشاہدہ کے لئے ذبح کیا تھا اور ان کا ذبح ہوجانا روح کو وصول الی الحق کا رستہ دیتا ہے پس اے خلیل وقت تم بھلے بُرے غرضکہ سب لوگوں کو ان کے پنجے سے ..... چھڑانے کے لیے ان کا سر اڑا دو۔ تاکہ لوگوں کے پاؤں اس مانع سے چھوٹ جائیں جو ان کو خدا کی راہ پہ چلنے سے روکتے ہیں تم کو اوروں کے پاؤں ضرور کھولنے چاہیں تاکہ لوگوں کے پاؤں گویا کہ تمہارے ہی پاؤں ہیں۔ اسلئے کہ تم کل یعنی متبوع ہو اور سب تمہارے اجزار یعنی تابع۔ تمہارے ایسا کرنے سے عالم پر روحانیت کا غلبہ ہوگا اور عالم روح زار بھلے گا۔ اور یہ کچھ بعید نہیں کیونکہ ایک سوار لشکروں کو سنبھال لیتا ہے۔ چونکہ جسم میں چار خصلتیں جاگزیں ہیں۔ جس کو چار فتنہ جو جانور کہتے ہیں اور جنہوں نے مخلوق کو تباہ کر رکھا ہے ـــــ اسلئے میں کہتا ہوں کہ اگر تم مخلوق کو ہمیشہ کے لئے زندہ کرنا چاہتے ہو تو اول ان بُرے اور منحوس چاروں جانوروں کے سر اڑا دو۔ اور ان کو پھر دوسری طرح یوں زندہ کردو کہ یہ مطیع نفس نہ رہیں۔ اور نقصان نہ پہنچا سکیں۔ بلکہ اس بقار بعد الفنا کے بعد مطیع عقل ہو جائیں۔ میں سر اڑانے کے لئے تم سے اسلئے کہتا ہوں کہ ان چار راہزن جانوروں نے لوگوں کے دلوں میں گھر کر لیا ہے اور ان کو نقصان پہنچا رہے ہیں جبکہ تم ان جانوروں کو مار کر تمام دلوں پر مسلط اور ان میں متصرف ہو جاؤ گے۔ اس وقت تم خلیفۂ حق ہوگے

بایں معنیٰ کہ اس وقت اس خلافت کا پورے طور پر ظہور ہوگا۔

پس ان چاروں زندہ جانوروں کا سر اڑا دو۔ اور مخلوق فانی کو حیاتِ ابدی عطا کر کے اسکو دائم البقار کر دو۔

فائدہ: ان اشعار میں یا تو خطاب خاص شیخ حسام الدین کو ہے کما ہو ظاہر السیاق یا مطلقاً مرشد کامل کو۔ یا ہر شخص کو۔ (فتدبر)

اب ان چاروں جانوروں کی تفصیل کرتے ہیں اور فرماتے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جن چار جانوروں کو مارا تھا۔ وہ یہ تھے بطخ، مور، کوّا، مُرغا۔ یہ چاروں جانور ان چار معنوی جانوروں کے مشابہ ہیں۔ جو نفوس میں گھر کئے ہوئے ہیں اور وہ جانور یہ ہیں۔ حرص، شہوت، جاہ، طولِ اَمل۔ پس بط شبیہ حرص ہے اور مرغا شبیہ شہوت، مور شبیہ جاہ اور کوّا شبیہ طولِ اَمل آدمی کی طولِ اَمل کی یہ کیفیت ہے کہ خواہ مخواہ امیدیں تراشتا ہے اور دنیا میں ہمیشہ رہنا یا کم از کم ایک عرصہ دراز تک رہنا چاہتا ہے۔ اسلئے اس کی اس طولِ اَمل کو کوّے سے مناسبت ہے کہ وہ دراز عمر ہوتا ہے۔ حرص بطخ ہے کیونکہ وہ زمین میں منہ دیئے ہوئے بر و بحر میں خزانہ ڈھونڈتی پھرتی ہے اور اس کا حلق ایک دم بیکار نہیں رہتا۔ اور وہ حکم گلوا کے سوا کوئی اور حکم سنتی ہی نہیں۔ اُس کی حالت ایسی ہوتی ہے کہ جیسے لُٹیرا جو کہ دوسروں کے گھر اجاڑتا ہے۔ اور جلد جلد اپنا تھیلا بھرتا ہے اور جو کچھ بُرا بھلا اسے ملتا ہے خواہ موتی ہوں یا چنے سب کو بلا امتیاز تھیلے میں ٹھونس لیتا ہے۔ اور بدیں خیال کہ مبادا کوئی اور باغی آکر شریک ہو جائے تر و خشک سب کو گون میں بھر لیتا ہے اس کی نظر میں وقت تنگ ہوتا ہے فرصت کم ہوتی ہے اس کے ساتھ ہی خوف زدہ بھی ہوتا ہے اسی لیے جو کچھ ہی ملتا ہے بدون اسکو دیکھے اپنی بغل میں دبا لیتا ہے اسکو اپنے بادشاہ پر اعتماد نہیں ہوتا اور وہ

ڈرتا ہے کہ مبادا کوئی باغی آجائے اور میرا مال چھین لے یا کم از کم اس میں شریک ہوجائے ۔ یہ تو حالت اہل دنیا کی تھی ۔ کہ وہ حق سبحانہٗ پر اعتماد نہ ہونے اور دنیا کو سطحی نظر بنانے کے سبب اسی میں منہمک اور اسی کی تحصیل میں مشغول ہیں ۔ لیکن کامل الایمان لوگ اپنی حیات کے اعتماد پر صبر و سکون کے ساتھ سامان دنیوی حاصل کرتا ہے کیونکہ وہ قبل از استکمال رزق مرجائے اور رزق کے فوت ہوجانے اور باغی سے مامون ہے کیونکہ وہ جانتا ہے کہ حق سبحانہٗ میرے دشمنوں پر غالب ہیں ۔ وہ ہرگز ان کو موقع نہیں دے سکتے ۔ کہ میرا حصہ اڑالیں اور وہ اس سے بے کھٹکے ہے ۔ کہ میرے ہم مشرب مومنین میرے مزاحم ہو کر خود مال اڑالیں گے غرضکہ نہ اُسے دشمنوں سے ڈر ہے نہ دوستوں سے اندیشہ ۔ اسلئے اطمینان کے ساتھ رزق مقدر حاصل کرتا ہے ۔ اور جو کہ وہ انتظام رعایا کے بارہ میں بادشاہ کا عدل دیکھتا ہے اور دیکھتا ہے کہ کوئی کسی پر ظلم نہیں کرسکتا اسلئے وہ جلدی نہیں کرتا ۔ اور سکون سے کام لیتا ہے اور اپنے حصہ کے فوت ہونے سے بے کھٹکے ہوتا ہے ۔ وہ نہایت تحمل اور صبر سے کام لیتا ہے اور نہایت سیر چشم اور صاحب ایثار اور پاکباز ہوتا ہے ۔

تحمل کو وہ اسلئے اختیار کرتا ہے کہ تحمل پرتوِ ہے حق سبحانہٗ کا ۔ اور عجلت کو اسلئے چھوڑتا ہے کہ عجلت اثر ہے تحریک شیطان کا ۔ کیونکہ شیطان فقر کی دھمکی دیتا ہے اور اس طرح اس پر اسپِ صبر کی کونچیں کاٹ کر اسے فنا کردیتا ہے باور نہ ہو تو قرآن سے سُن لو کہ وہ کہتا ہے اَلشَّیطَانُ یَعِدُکُمُ الْفَقْرَ یعنی شیطان تمہیں فقر کی دھمکی دیتا ہے اور مقصود اس دھمکی سے یہ ہے کہ تم ڈر کے مارے تحصیلِ دنیا میں عجلت کرو اور جلدی میں تمہیں بھلے بُرے کی تمیز نہ رہے اسلئے تم کھاؤ بھی بُرا اور کماؤ بھی برا ۔ نہ تم میں انسانیت رہے نہ صبر و تحمل اور نہ تمہیں ثواب ملے ۔ یہی وجہ ہے کہ کافر بحکم حدیث

سات آنتوں میں کھاتا ہے اور مومن ایک آنت میں کیونکہ وہ شیطان کا پورا محکوم ہوتا ہے اسلئے وہ اندھا دھند پیٹ بھر لیتا ہے اور مومن اس کا محکوم نہیں ہوتا اسلئے سوچ سمجھ کر کھاتا ہے۔ اب مولانا کافر کی سات آنتوں میں کھانے کا قصہ بیان.. فرماتے ہیں۔

در سببِ ورودِ ایں حدیثِ مُصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کہ
آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث کے وارد ہونے کا سبب کہ

اَلْکَافِرُ یَأْکُلُ فِیْ سَبْعَةِ اَمْعَاءٍ وَالْمُؤْمِنُ یَأْکُلُ فِیْ مِعًی وَاحِدٍ
کافر سات انتڑیوں میں کھاتا ہے اور مومن ایک انتڑی میں کھاتا ہے

کافراں مہمانِ پیغمبر شدند ۔۔۔ وقتِ شام ایشاں بہ مسجد آمدند
کافر، پیغمبر کے مہمان ہوئے ۔۔۔ شام کے وقت وہ (مسجدِ نبوی) میں آگئے

کامدیم اے شاہِ ما اینجا قُنُق[1] ۔۔۔ اے تو مہماں دارِ سُکّانِ اُفُق
کہ اے شاہ! ہم اس جگہ مہمان (بنکر) آئے ہیں ۔۔۔ اے وہ کہ آپ جہان کے رہنے والوں کے مہمان ہیں

بینوائیم و رسیدہ ما ز دُور ۔۔۔ ہیں بیفشاں بر سرِ ما فضل و نُور
ہم بے سروسامان ہیں اور دور سے آئے ہیں ۔۔۔ ہاں ہمارے سروں پر مہربانی اور نور چھڑک دیجئے

رُو بیاراں کرد آں سلطانِ راد ۔۔۔ دستگیرِ جملہ شاہان و عباد
اُس سخی شاہ نے دوستوں کی طرف رُخ کیا ۔۔۔ جو تمام بادشاہوں اور غلاموں کا دستگیر ہے

گفت اے یارانِ من قسمت کنید ۔۔۔ کہ شما پُر از من و خوئے منید
فرمایا، اے میرے دوستو! تقسیم کر لو ۔۔۔ کیونکہ تم میری (محبت) اور عادت سے بھرے ہوئے ہو

پُر بُوَد اجسامِ ہر لشکر ز شاہ ۔۔۔ زاں زنندے تیغ بر اعدا کے جاہ
ہر لشکر کے جسم بادشاہ سے بھرے ہوئے ہوتے ہیں ۔۔۔ اسی لئے مرتبہ کے دشمنوں پر تلوار چلاتے ہیں

تو بخشمِ[2] شہ زنی آں تیغ را ۔۔۔ ورنہ بر اخواں چہ خشم آید ترا
تو بادشاہ کے غصہ کی وجہ سے تلوار چلاتا ہے ۔۔۔ ورنہ بھائیوں پر تجھے کیا غصہ آئے!

بر برادر بے گناہے میزنی ۔۔۔ عکسِ خشمِ شاہ گرزِ دہ منی
بلاقصور بھائی پر تو مارتا ہے ۔۔۔ بادشاہ کے غصہ کے زیر اثر دس سیر کا گُرز

شہ یکے جانست لشکر پُر ازو ۔۔۔ روح چوں آبست وِیں اجسام جُو
بادشاہ ایک جان ہے لشکر اُس سے بھرا ہوا ہے ۔۔۔ روح پانی کی طرح ہے اور یہ جسم نہر (کی طرح) ہیں

[1] قُنُق۔ مہمان۔ اُفُق۔ اطرافِ عالم۔ یاراں۔ صحابہ کرام رضا کا آنحضور۔ عباد۔ عبد کی جمع ہے بندہ۔ قسمت۔ یعنی مہمانوں کو آپس میں بانٹ لو۔ پُر بُود۔ شاہ کی سیرت لشکریوں پر اثر انداز ہوتی ہے۔

[2] بخشم۔ دشمنوں پر بادشاہ کو غصہ ہوتا ہے اسی بنیاد پر لشکری تلوار چلاتے ہیں۔ شہ۔ بادشاہ لشکر کے لئے بمنزلہ روح کے ہے۔ آب۔ اگر بادشاہ خوب سیرت ہے تو لشکر بھی خوب سیرت ہوتا ہے۔

آبِ رُوحِ شاہ گر شیریں بُوَد — جملہ جُوہا پُر ز آبِ خوش شَوَد
اگر بادشاہ کی رُوح کا پانی میٹھا ہوتا ہے — ساری نہریں میٹھے پانی سے بھری ہوئی ہوتی ہیں

کہ رعیت دینِ شہ دارند و بس — اینچنیں فرمُود سُلطانِ عَبَس[۵۳]
کیونکہ رعایا فقط بادشاہ کا دین رکھتی ہے — (سورہ) عَبَس کے شاہ نے ایسا ہی فرمایا ہے

ہر یکے یارے یکے مہماں گزید — درمیاں بُد یک شِکم زفت و عَنِید
ہر دوست نے ایک مہمان منتخب کر لیا — اُن میں ایک پیٹو اور سرکش تھا

جسمِ ضخمے داشت کس اُو را نبُرد — ماند در مسجد چو اندر جام دُرد
بھاری جسم رکھتا تھا اُس کو کوئی نہ لے گیا — وہ مسجد میں رہ گیا جس طرح جام میں تلچھٹ

مُصطفٰے بُردش چو وا ماند از ہمہ — ہفت بُز بُد شیر دہ اندر رَمہ
جب وہ سب سے رہ گیا، مصطفٰےؐ اسکو لے گئے — گلّے میں سات بکریاں دودھ والی تھیں

کہ مقیمِ خانہ بُودندے بُزاں[۵۴] — بہرِ دوشیدن برائے وقتِ خوان
جو بکریاں گھر پر رُکی ہوئی تھیں — دسترخوان کے وقت دُہنے کے لئے

نان و آش و شیرِ آں ہر ہفت بُز — خورد آں بُو قحط عوج ابنِ غُز
روٹی اور سالن اور اُن ساتوں بکریوں کا دودھ — وہ قحط زدہ، عوج، غُز کا بیٹا کھا گیا

جملہ اہلِ بیت خشم آلُو شُدند — کہ ہمہ در شیرِ بُز طامع بُدند
تمام گھر والے غصّے میں بھر گئے — کہ سب بکریوں کے دودھ کے اُمیدوار تھے

معدہ طبلےٗ خوار[۵۵] ہمچو طبل کرد — قسمِ ہژدہ آدمی تنہا بخورد
پیٹو نے معدہ ڈھول کی طرح کر لیا — اٹھارہ آدمیوں کا حصّہ تنہا کھا گیا

وقتِ خفتن رفت و در حجرہ نشست — پس کنیزک از غضب در را ببست
سوتے وقت گیا اور حجرے میں بیٹھ گیا — لونڈی نے غصّے سے دروازہ بند کر دیا

از بُروں زنجیرِ در را در فگند — کہ ازو بُد خشمگین و دردمند
باہر سے دروازے کی زنجیر لگا دی — کیونکہ وہ اُس سے غصّہ میں اور رنجیدہ تھی

گبر را از نیم شب تا صبحدم — بس تقاضا آمد و دردِ شکم
کافر کو آدھی رات سے صبح تک — بہت تقاضا اور پیٹ میں درد ہوا

از فراشِ خویش سوئے در شتافت — دست بر در چوں نہاد اُو بستہ یافت
اپنے بستر سے دروازے کی جانب دوڑا — جب دروازہ پر ہاتھ رکھا اُس کو بند پایا

در کشادن[۵۶] حیلہ کرد آں حیلہ ساز — نوع نوع و خود نشد آں بند باز
اُس مکار نے دروازہ کھولنے کی تدبیر کی — طرح طرح لیکن، وہ دروازہ نہ کھلا

شد تقاضا بر تقاضا خانہ تنگ — ماند اُو حیران و بیدرمانِ و دنگ
تقاضے پر تقاضے کی وجہ سے گھر تنگ ہو گیا — وہ حیران اور پریشان اور لاچار ہو گیا

---

[۵۳] سلطانِ عَبَس۔ سورۂ عَبَس آنحضورؐ پر نازل ہوئی ہے آنحضورؐ نے فرمایا ہے۔ اَلنَّاسُ عَلٰی دِیْنِ مُلُوْکِھِمْ لوگ اپنے بادشاہوں کے دین پر ہوتے ہیں یعنی جیسا راجہ ویسی پرجا۔ درمیاں۔ اُن مہمانوں میں ایک بہت پیٹو تھا۔ جسمِ ضخمے۔ چونکہ وہ بہت موٹا تھا اُس کو کوئی اپنے گھر نہ لے گیا۔ بُز۔ یعنی آنحضورؐ کے گلّے میں سات بکریاں دودھ دینے والی تھیں۔

[۵۴] کہ مقیم۔ یہ دودھ والی بکریاں جنگل نہ جاتی تھیں تاکہ کھانے کے وقت اُن کا دودھ دوہ لیا جائے۔ قحط۔ قحط میں مبتلا انسان بسیار خور ہو جاتا ہے۔ غُز۔ ترکوں میں سے ایک قوم تھی جو ڈاکو تھی عوج کے باپ کا نام عُنُق تھا مولانا نے اُس کی بری عادتوں کی وجہ سے اُس کو غُز کا بیٹا کہا ہے۔ خشم آلو خشم آلودہ۔ طامع۔ اُمیدوار۔

[۵۵] طبلےٗ خوار۔ بسیار خور۔ ہژدہ۔ اٹھارہ۔ بس۔ چونکہ لونڈی کو اُس پر غصّہ آرہا تھا۔ در فگند یعنی زنجیر کو کنڈے میں ڈال دیا۔ تقاضا یعنی اُس کو بدہضمی کی وجہ سے قضائے حاجت کا تقاضا ہوا اور پیٹ میں درد ہوا۔

[۵۶] در کشادن اُس نے دروازہ کھولنے کی بہت تدبیریں کیں لیکن دروازہ نہ کھلا۔ حیلہ کرد۔ اُس نے قضائے حاجت کو دبانے کی یہ تدبیر کی کہ سو گیا۔ بر ید۔ اُس نے

حیلۂ کرد و بخواب اندر خزید
اُس نے تدبیر کی اور نیند میں مبتلا ہو گیا

خویشتن در خواب در ویرانہ دید
اُس نے خواب میں اپنے آپ کو ایک ویرانہ میں دیکھا

زانکہ ویرانہ بُد اندر خاطرش
کیونکہ اُس کے باطن میں ویرانہ تھا

شُد بخواب اندر ہمانجا منظرش
خواب میں بھی اُس کی اُسی جگہ نظر پڑی

خویش در ویرانۂ خالی چو دید
جب اُس نے اپنے آپ کو خالی ویرانہ میں دیکھا

اُو چناں محتاج اندر دم پرید
اُس ایسے ضرورتمند نے فوراً ہگ دیا

گشت بیدار و بدید آن جامہ خواب
بیدار ہوا اور اُس نے سونے کا بستر دیکھا

پُرحدث [۱۵] دیوانہ شد از اضطراب
نجاست سے بھرا ہوا پریشانی سے دیوانہ ہو گیا

زاندرونِ اُو برآمد صد خروش
اُس کے دل سے سینکڑوں آہیں نکلیں

زیں چنیں رُسوائیِ بے خاک پوش
مٹی میں نہ چھپنے والی ایسی رُسوائی سے

گفت خوابم بدتر از بیداریم
بولا میرا سونا میری بیداری سے بدتر ہے

کارِ نیکم بدتر از بدکاریم
میری نیکی، میری بدکاری سے (بھی) بُری ہے

بانگ [۱۶] می زد وا ثبورا وا ثبور
ہائے ہلاکت! ہائے ہلاکت کا شور کرتا تھا

آنچناں کہ کافراں روزِ نشور
جس طرح کافر حشر کے دن (کریں گے)

منتظر کہ کے شود ایں شب بسر
اِس کا منتظر کہ یہ رات کب ختم ہو گی

تا بر آید از گشادن بانگِ در
تاکہ دروازہ کھلنے کی آواز آئے

تا گریزد اُو چو تیرے از کماں
تاکہ وہ کمان سے تیر کی طرح بھاگ جائے

تا نہ بیند ہیچکس اُو را چناں
تاکہ اُس کو کوئی اِس حالت میں نہ دیکھے

قصہ بسیار است کوتہ میکنم
قصہ بہت ہے، میں مختصر کرتا ہوں

باز شد آں در رہید از درد و غم
دروازہ کھلا اُس کو درد و غم سے نجات ملی

۱۵ پُرحدث یعنی پاخانہ میں سنا ہوا ــــــ زاندروں۔ اُس کے دل میں اُس نازیبا حرکت سے بہت سی پریشانیاں پیدا ہو گئیں۔ گفت۔ جاگنے میں زیادہ کھالیا سوتے میں بستر پر پاخانہ پھر دیا۔

۱۶ بانگ۔ کفار حشر کے دن وا ویلا وا ثبورا ہائے تباہی ہائے ہلاکت کہیں گے نشور۔ حشر۔ بسر۔ یعنی رات کب ختم ہو گی۔ چناں یعنی پاخانہ میں سنا ہوا۔

شرح

کچھ کافر جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے یہاں مہمان ہوئے اور شام کے وقت مسجد نبوی میں آئے اور آکر عرض کیا آپ تمام عالم کے مہربان ہیں کیونکہ جس کسی کو جو کچھ ملتا ہے آپ ہی کے طفیل میں ملتا ہے۔ ہم بھی آپ کے مہمان ہیں ہم مفلس ہیں اور دور سے آرہے ہیں آپ ہم پر عنایت اور نور برسائیے! یہ سُنکر وہ شاہ اور تمام بادشاہوں اور دیگر بندوں کے دستگیر اپنے صحابہ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ صاحبو! ان کو تقسیم کر لو کیونکہ تم مجھ سے

اور میری خصلت سے پر ہو۔ اسلئے تم کو اسکی گرانی نہیں ہو سکتی۔

اب مولانا فرماتے ہیں کہ ہر لشکر بادشاہ سے پر ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ سلطان کے دشمنوں کے تلواریں مارتے ہیں اور تم اپنی بھائیوں کے تلوار مارتے ہو بادشاہی کے غصہ سے مارتے ہو ورنہ اپنے بھائیوں پر تمہیں کبھی غصہ آ سکتا ہے؟ اور تم اپنے بھائیوں کے بدن اسکے کہ انہوں نے تمہارا کوئی قصور کیا ہو۔ بادشاہ کے غصہ کے عکس سے تلوار مارتے ہو۔

اس سے ثابت ہوا کہ بادشاہ ایک جہان ہے اور لشکر اس سے پر ہے اور بادشاہ کی رُوح بمنزلہ پانی کے ہے اور سپاہیوں کے اجسام بمنزلہ نہروں کے۔ [**فائدہ: مقصود اس سے** یہ نہیں ہے کہ بادشاہ کی روح حقیقتاً فوج میں حلول کئے ہے۔ بلکہ مراد یہ ہے کہ لشکری بادشاہ کے خیالات سے متاثر ہوتے ہیں] یہ بھی وجہ ہے کہ اگر آب روح شاہ شیریں ہوتا ہے تو تمام ندیاں شیریں ہوتی ہیں۔ اور اگر شور ہوتا ہے تو وہ بھی شور ہوتی ہیں یعنی بادشاہ اگر اچھا ہوتا ہے تو رعایا بھی اچھی ہوتی ہے اور اگر بُرا ہوتا ہے تو رعایا بھی بری ہوتی ہے ——— کیونکہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ **الناس علیٰ دین ملوکھم** یعنی لوگ اپنے بادشاہوں کے دین پر ہوتے ہیں

خیر! یہ مضمون تو استطرادی تھا۔ اب سُنو! کہ ہر ایک صحابی نے ایک ایک مہمان بانٹ لیا۔ ان میں ایک مہمان بڑے پیٹ والا کافر تھا چونکہ اس کا جسم بہت بڑا تھا اسلئے اسے کوئی نہ لے گیا اور وہ مسجد میں یوں رہ گیا جیسے جام شراب میں تلچھٹ۔ پس جبکہ وہ سب سے بچ رہا تو اس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مکان پر لے آئے آپ کے گلہ میں سات بکریاں تھیں جو کہ دودھ دیتی تھیں اور مکان پر اس غرض سے موجود تھیں کہ کھانے کے وقت ان کا دودھ نکال لیا جائے۔ پس وہ شب بھو کا شبیہ عوج بن عنق تمام کھانا کھا گیا اور تمام بکریوں کا دودھ پی گیا۔ چونکہ تمام گھر والے دودھ کے طمع میں

تھے اور اس نے کسی کے لیئے ہی نہ چھوڑا۔ اسلیئے سب کو اس پر غصہ آیا۔ القصہ! اس بسیار خور نے اپنے معدہ کو ڈھول سا بنالیا اور اٹھارہ آدمیوں کا کھانا اکیلا کھا گیا۔ جب سونے کا وقت آیا تو حجرہ میں جاکر بیٹھ گیا۔ غصہ کے سبب سے ایک لونڈی نے آکر آگے سے دروازہ بند کر دیا اور باہر سے زنجیر لگادی کیونکہ وہ اس پر بہت غصہ تھی اور اس سے اُسے تکلیف پہنچی تھی۔ اور اس کافر کو آدھی رات سے صبح تک قضائے حاجت کی سخت ضرورت محسوس ہوتی رہی اور پیٹ میں درد بھی رہا۔ اسی اثنا میں وہ اپنے بستر سے اُٹھ کر دروازے کی طرف دوڑا جب دروازہ کو ہاتھ لگایا تو اُسے بند پایا اس چالاک نے دروازہ کھولنے کے لیے طرح طرح سے تدبیریں کیں مگر دروازہ نہ کھُلا۔ اُس کو قضائے حاجت کا تقاضے پر تقاضا ہوتا تھا ادھر مکان .. تنگ تھا اسلئے وہ سخت پریشان اور بے چارہ حیران تھا بالآخر وہ کسی تدبیر سے سوگیا تو اس نے خواب میں دیکھا کہ میں ایک جنگل میں ہوں جوکہ بیداری میں اُسے جنگل کا بہت خیال تھا کیونکہ اسے قضائے حاجت کی ضرورت تھی اسلیئے خواب میں بھی اُسے وہی نظر پڑا۔

القصہ؛ جب اُس نے اپنے کو سنسان جنگل میں دیکھا تو اسے ضرورت تو تھی ہی فوراً پاخانہ پھر دیا۔ جب آنکھ کھلی تو اُس نے کروٹوں کو گوہ میں لتھڑا ہوا پایا۔ یہ دیکھ کر فرط اضطراب سے دیوانہ ہوگیا اور اس رسوائی کے سبب جس کو خاک بھی نہیں دبا سکتی تھی۔ اس کے دل سے آہیں نکلتی تھیں اور کہتا تھا کہ میرا سونا تو جاگنے سے بھی برا نکلا اور جس کام کو میں اچھا جانتا تھا وہ تو اس سے بھی بُرا نکلا جس کو میں بُرا سمجھتا تھا۔ الغرض وہ ارے میں تباہ ہوگیا۔ ارے میں برباد ہوگیا کے یوں نعرے مارتا تھا۔ جیسے کافر قیامت میں نعرہ لگائیں گے۔ اور منتظر تھا کہ کب یہ رات ختم ہو کہ دروازہ کھلنے کی آواز آئے تاکہ میں یوں سٹک جاؤں جیسے کمان سے تیر۔ تاکہ کوئی شخص مجھے اس

حالت میں نہ دیکھے خیر قصہ تو لمبا ہے مگر میں اسے مختصر کرتا ہوں اور کہتا ہوں کہ اللہ اللہ کر کے دروازہ کھلا اور وہ اس تکلیف اور غم سے چھوٹ گیا۔

درِ حجرہ کُشادن مُصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم بر مہمانِ خود و خود را پنہاں کردن تا اُو خیالِ در کشا نیدہ را نہ بیند و خجل نشود و گستاخ بیروں رود

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مہمان کے لئے حجرے کا دروازہ کھولنا اور اپنے آپ کو چھپا لینا تاکہ وہ دروازہ کھولنے والے کی پرچھائیں کو نہ دیکھے اور شرمندہ نہ ہو اور بے دھڑک باہر چلا جائے

مُصطفےٰ[۳] صبح آمد و در را کُشاد
صبح کو مُصطفےٰ آئے اور دروازہ کھولا
صبح آں گمراہ را اُو راہ داد
صبح کو اُس گمراہ کو انہوں نے راستہ دیدیا

در کشاد و گشت پنہاں مُصطفےٰ
دروازہ کھولا اور مُصطفےٰ چُھپ گئے
تا نگردد شرمسار آں مُبتلا
تاکہ وہ مصیبت کا مارا شرمندہ نہ ہو

تا بروں آید رَوَد گستاخ اُو
تاکہ وہ باہر آجائے اور بے دھڑک چلا جائے
تا نہ بیند در کُشا را پُشت و رُو
تاکہ دروازہ کھولنے والے کی پُشت اور چہرے کو نہ دیکھے

یا[۱] نہاں شد در پسِ دیوار یا
یا تو دیوار کے پیچھے چُھپ گئے یا
از وَیش پوشید دامانِ خدا
اُن کو اُس سے خدا کے دامن نے چھپالیا

صبغۃ اللہ گاہ پوشیدہ کُند
اللہ (تعالےٰ) کا رنگ کبھی چھپا تا ہے
پردۂ بیچوں بَراں ناظر تَنَد
بے کیفیت کا پردہ دیکھنے والے پر پڑجاتا ہے

تا نہ بیند خصم را پہلوئے خویش
تاکہ وہ دشمن کو اپنے پہلو میں نہ دیکھے
قدرتِ یزداں ازیں بیش ست بیش
اللہ (تعالےٰ) کی قدرت بیش از بیش ہے

مُصطفےٰ می دید احوالِ شبش
مصطفےٰ اس کے رات کے احوال دیکھ رہے تھے
لیک مانع بود فرمانِ رَبش
لیکن اُن کیلئے اللہ (تعالےٰ) کا حکم مانع تھا

تا کہ پیش از خبط[۲] بکشاید رہے
تاکہ (صبح کے) دھاگے سے پہلے وہ راستہ کھولدیں
تا نیفتد زاں فضیحت در چَہے
تاکہ وہ اُس رُسوائی سے کنویں میں نہ گرے

لیک حکمت بود و امرِ آسماں
لیکن مصلحت تھی اور آسمان کا حکم
تا بہ بیند خویشتن را اُو چناں
کہ وہ اپنے آپ کو اس حالت میں دیکھ لے

---

[۳] مُصطفےٰ۔ آنحضورؐ کو مہمان کی یہ حرکت کس طرح معلوم ہوگئی تھی

دروازہ اس لئے نہ کھولا کہ اُس کو خوب شرمندگی ہو جو اُس کے ایمان لانے کا سبب بن جائے۔ تا نگردد۔ آنحضورؐ دروازہ کھول کر خود چھپ گئے تاکہ اُس کو مزید شرمندگی نہ ہو۔

[۱] یا نہاں۔ حضورؐ یا خود چھپے تھے یا خدا نے آپ کو اُس کی نگاہوں سے چھپا دیا تھا۔ صبغۃ اللہ۔ اللہ تعالیٰ کبھی آنکھوں پر ایسا پردہ ڈال دیتا ہے کہ انسان اپنے پہلو کے دشمن کو نہیں دیکھ سکتا۔ مصطفےٰ۔ آنحضورؐ کو اُس کے احوال کا علم ہوگیا تھا لیکن خدائی حکم تھا کہ رات کو دروازہ نہ کھولیں

[۲] خبط دھاگہ یعنی صبح صادق۔ لیکن شب میں دروازہ نہ کھولنا بظاہر اُس کے ساتھ دشمنی تھی لیکن اُس میں ہی اُس کی بھلائی مُضمر تھی۔ چونکہ جب اُس کافر نے صبح کو دروازہ کھلا دیکھا چپکے سے نکل بھاگا فضول۔ اُن صاحب کے لئے مناسب تھا کہ وہ اُس پاخانہ کو خود دھو دیتے۔

بس عداوتہا کہ آں یاری بُوَد
بہت سی عداوتیں ہوتی ہیں کہ وہ دوستی ہوتی ہیں
بس خرابیہا کہ معماری بُوَد
بہت سی بربادیاں ہوتی ہیں کہ وہ آبادی ہوتی ہیں

چونکہ کافر باب را بکشادہ دید
جب کافر نے دروازہ کھُلا دیکھا
نرم نرمک از کمیں بیروں دوید
گھات سے آہستہ آہستہ باہر بھاگ گیا

جامہ خوابِ پُر حدث یک فضول
سنے ہوئے کپڑے کو ایک سادہ لوح
قاصدا آورد در پیشِ رسولؐ
جان بوجھ کر آنحضورؐ کے سامنے لے آیا

کہ[1] ببیں کردست مہمانت چنیں
کہ دیکھئے آپ کے مہمان نے ایسا کیا ہے
خندہ زد رحمتہ للعالمیں
جہانوں کی رحمت مسکرا دیئے

کہ بیار آں مطہرہ اینجا بہ پیش
کہ وہ لوٹا سامنے لے آ
تا بشویم جملہ را با دستِ خویش
تاکہ سب کو اپنے ہاتھ سے دھو دوں

ہر کسے می جست کز بہرِ خدا
ہر شخص دوڑا کہ خدا کے لئے
جانِ ما و جسمِ ما قربانِ ترا
ہماری جان اور ہمارا جسم آپ پر قربان ہو

ما بشوئیم ایں حدث را تو بہل
اِس گندگی کو ہم دھو دینگے آپ رہنے دیں
کارِ دستست ایں نمط نہ کارِ دل
یہ ہاتھ کا کام ہے، نہ کہ دل کا

اے[1] لعمرک مر ترا حق عمر خواند
اے تیری جان کی قسم (والے) تجھے اللہ نے عمر کہا
پس خلیفہ کرد و بر کرسی نشاند
پھر قائم مقام بنایا اور کرسی پر بٹھایا

ما برائے خدمتِ تو میزیئم
ہم آپ کی خدمت کے لئے زندہ ہیں
چوں تو خدمت می کنی پس ما کئیم
جب آپ خدمت کریں تو پھر ہم کیا ہیں؟

گفت آں دانم ولیک ایں ساعتست
فرمایا میں یہ جانتا ہوں لیکن یہ وقت ہے
کہ[2] دریں شستن بخویشم حکمتست
کہ اِس میں میرے خود دھونے میں حکمت ہے

منتظر بودند کیں قولِ نبیؐ ست
وہ منتظر ہو گئے کہ یہ نبی کا فرمان ہے
تا پدید آید کہ ایں اسرار چیست
یہاں تک کہ معلوم ہو کہ یہ کیا راز ہے؟

او بجد می شست آں احداث را
وہ اُن نجاستوں کو کوشش سے دھوتے تھے
خاص ز امرِ حق نہ تقلید و ریا
خاص اللہ (تعالےٰ) کے حکم سے نہ کہ تقلید اور ریا سے

کہ دلش میگفت کیں را تو بشو
اُن کا دل کہہ رہا تھا کہ اِس کو آپ خود دھوئیں
کاندریں اینجا ہست حکمت تو بتو
کہ اِس جگہ اِس میں تہ بہ تہ حکمتیں ہیں

سلہ کہ ببیں۔ اُن صاحب نے آنحضورؐ کو بستر دکھا کر کہا۔ مطہرہ۔ لوٹا۔ ہر کسے۔ ہر صحابی نے کوشش کی کہ پاخانہ خود دھو دے۔ یہ کہ وہ آنحضورؐ صحابہ کے لئے دل و جگر تھے۔

سلہ اے۔ قرآن پاک میں ہے۔ لَعَمْرُكَ إِنَّهُمْ لَفِي سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُونَ ۔ تیری عمر کی قسم وہ اپنی مستی میں اندھے ہو رہے ہیں۔ خدا نے آنحضورؐ کی عمر کی قسم کھائی اور قسم ذات و صفات خداوندی کی کھائی جاتی ہے تو گویا آنحضورؐ کی عمر کو اپنی صفت قرار دیا ہے۔ ما۔ ہماری زندگی کا مقصد آپ کی خدمت ہے۔ اگر ہم خدمت نہ کریں تو زندگی بیکار ہے۔

سلہ کہ دریں۔ آنحضورؐ نے فرمایا ان سب باتوں کا مجھے یقین ہے لیکن پاخانہ خود میں اپنے ہاتھوں سے دھوؤنگا اسی میں حکمت پوشیدہ ہے۔ ایں اسرار یعنی خود دھونے کی حکمت کو دیکھ سکیں۔ او بجد۔ آنحضورؐ اپنے ہاتھوں نجاست کو خدائی حکم سے دھو رہے تھے ایسی کسی ریا اور تقلید کو دخل نہ تھا۔ تو بتو۔ بستہ ہوا۔

شرح

جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم صبح کے وقت تشریف لائے
اور دروازہ کھولا اور صبح کو اس کافر کو نکلنے کا راستہ دیا جس کی

تفصیل یہ ہے کہ آپ نے دروازہ کھولا اور خود چھپ گئے تاکہ وہ مصیبت زدہ شرمندہ نہ ہو اور بے تکلف باہر آ جائے اور وہ دروازہ کھولنے والے کا چہرہ یا ہیئت نہ دیکھے جس سے وہ شرمندہ ہو۔ اب آپ کے اختفار کی دو صورتیں ہیں یا تو آپ دیوار کے پیچھے چھپ گئے یا آپ ظاہر رہے مگر دامن حق سبحانہ نے اس سے آپ کو چھپا لیا یعنی چونکہ آپ خدا کے رنگ میں رنگے ہوئے اور اس کی صفات سے متصف تھے اور حق سبحانہ کی ایک صفت بطون و خفا بھی ہے اسلئے آپ مخفی ہو گئے ہونگے کیونکہ کبھی رنگِ خدا ہی منصبغ کو چھپا لیتا ہے اور بے کیف پردہ دیکھنے والے کی آنکھوں پر ڈال دیتا ہے یہاں تک کہ وہ اپنے مخالف کو اپنے پہلو میں بھی نہیں دیکھ سکتا۔ تم اسکو بعید نہ سمجھنا۔ اسلئے کہ حق سبحانہ کی قدرت اس سے بے انتہا زائد ہے۔ پس ایسا کرنا اس کے نزدیک کچھ بھی مشکل نہیں۔

القصہ! جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی رات کی حالت کو باعلامِ الٰہی دیکھ رہے تھے۔ مگر حکمِ الٰہی آپ کو دروازہ کھولنے سے مانع تھا۔ آپ چاہتے تھے کہ صبح سے پیشتر دروازہ کھول دیں تاکہ صبح کو رسوائی کے سبب وہ کنوئیں میں نہ ڈوب مرے مگر حکمت حق سبحانہ اور امر الٰہی یہی چاہتا تھا کہ وہ اپنے کو رسوا دیکھے اسلئے نہ کھول سکے۔

[فائدہ] میرے نزدیک تاکہ پیش از خبط الخ کی تقدیر او میخواست کہ پیش از خبط الخ ہے۔ ولم احصل ماقال المحشون] گو آپ کا یہ فعل بظاہر مخالفت تھا مگر نتیجہ اس کا بہتر تھا اور یہ کچھ مستبعد نہیں۔ کیونکہ بہت سی عداوتیں ایسی ہوتی ہیں جو مآل کے لحاظ سے دوستی ہوتی ہیں اور بہت سی ویرانیاں ایسی ہوتی ہیں جن کا انجام تعمیر ہوتا ہے لہٰذا وہ عداوتیں اور ویرانیاں قابل قدر ہوتی ہیں نہ کہ قابل ناگواری۔

الغرض! جب اس کافر نے دروازہ کھلا دیکھا تو دبے دبے پاؤں حجرہ سے

باہر بھاگ گیا جب وہ نکل گیا اور کوئی شخص اندر پہنچا تو وہ اس گوہ میں لتھڑے ہوئے کپڑے کو بالقصد جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں لایا اور کہا کہ ملاحظہ فرمائیں حضور کے مہمان نے یہ حرکت کی ہے۔ رحمت للعالمین نے دیکھ کر تبسم فرمایا۔ اور فرمایا کہ لوٹا لاؤ۔ ہم خود اپنے ہاتھ سے اُسے دھوئیں گے —— یہ سنکر یہ شخص دوڑا اور عرض کیا کہ آپ ہماری جانیں اور ہمارے جسم قربان ہوں برائے خدا آپ رہنے دیجیئے اس نجاست کو ہم دھوئیں گے ہم بمنزلہ ہاتھ کے ہیں اور آپ بمنزلہ دل کے۔ یہ کام ہاتھ کا ہے نہ کہ دل کا۔

حق سبحانہٗ نے آپ کو یعنی آپ کی حیات کو اپنی حیات کہا ہے۔ اس بنا پر آپ کو اپنا خلیفہ کر کے خلد میں اپنی جگہ کرسی پر بٹھلایا ہے یعنی بجائے لعمری کے لعمرک کہا ہے پس یہ کام آپکے شایان شان نہیں ہے ہم تو آپ ہی کی خدمت کے لیئے جیتے ہیں۔ پس جب آپ کام کریں گے تو ہم کس مرض کی دوا ہیں۔ آپنے فرمایا کہ میں یہی جانتا ہوں لیکن یہ ایک ایسا وقت ہے جس میں میرے اس کو اپنے ہاتھ سے دھونے میں ایک خاص مصلحت ہے جو تمہارے دھونے پر مرتب نہ ہوگی اسلیئے میں اسے خود دھوتا ہوں۔ لوگ منتظر تھے اور جانتے تھے کہ کہیں جلدی سے ظاہر ہو کہ یہ کیا بھید ہے کیونکہ یہ نبی کا قول ہے جو غلط نہیں ہو سکتا۔ اسلیے کوئی بھید ضرور ظاہر ہوگا۔

غرضکہ آپنے اسے خوب مل مل کے دھو رہے تھے اور یہ حکم حق سبحانہٗ تھا نہ تو کسی رسم کی پابندی کی بنا پر اور نہ دکھاوے کے لیے۔ امر حق ہم نے اسلیئے کہا ہے کہ خود بخود آپ کا دل متقاضی تھا کہ اسے آپ خود دھوئیں کیونکہ اس میں بہت سی مصلحتیں ہیں؛

سببِ رجوع کردنِ آں مہمان بخانۂ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم دراں ساعت کہ نہالینِ ملوّث اُورا بدستِ مبارکِ خود می شُست و خجل شدنِ اُو و جامہ چاک کردن و نوحہ کردنِ اُو بر خود و بر حالِ خود و مسلمان شدن

اُس مہمان کا آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر اُس وقت واپس آنے کا سبب جس وقت کہ وہ سَنے ہوئے نہالچوں کو اپنے دستِ مبارک سے دھو رہے تھے اور اُس کا اپنے اوپر اور اپنی حالت پر شرمندہ ہونا اور کپڑے پھاڑنا اور رونا اور مسلمان ہو جانا

کافرک[۳] را ہیکلے بُد یادگار
اُس حقیر کافر کے پاس ایک یادگار مورتی تھی

یاوہ دید آنرا و گشت او بیقرار
اُس نے اسکو گم شدہ پایا وہ بے قرار ہو گیا

گفت آں حُجرہ کہ شب جا داشتم
کہا کہ وہ حجرہ جہاں میں نے رات قیام کیا تھا

ہیکل آنجا بے خبر بگذاشتم
لاعلمی میں مورتی اُس جگہ چھوڑ آیا ہوں

گرچہ شرمیں بُود شرمش حرص بُرد
اگرچہ وہ شرمندہ تھا لیکن لالچ نے اسکی شرمندگی ختم کر دی

حرص اژدرہاست نے چیزیست خُرد
حرص اژدہا ہے، چھوٹی چیز نہیں ہے

از پئے[۱] ہیکل شتاب اندر دوید
مورتی کی خاطر جلدی سے اندر گھس گیا

در وُثاقِ مصطفےٰ آں را بدید
مصطفیٰؐ کے حجرے میں اُس کو دیکھا

کاں یدُاللہ آں حدث را ہم بخود
کہ وہ اللہ کے ہاتھ اُس نجاست کو خود

خوش ہمی شوید کہ دور از وے چشمِ بد
بہت اچھی طرح دھو رہے ہیں خدا انکو نظر بد سے بچائے

ہیکلش از یاد رفت و شُد پدید
مورتی اُس کے حافظہ سے نکل گئی اور پیدا ہو گیا

اندرو شورے گریباں را درید
اُسکے اندر ایک شور تھا جس نے اُسکے گریبان کو پھاڑ ڈالا

میزد اُو دو دست را بر رُو و سر
وہ دونوں منہ اور سر پر مارتا تھا

کلّہ را میکوفت بر دیوار و در
سر کو در و دیوار سے ٹکراتا تھا

آنچناں کہ خوں ز بینی و سرش
اس طرح کہ اُس کی ناک اور سر سے خون

شُد رواں و رحم کرد آں مہترش
بہہ پڑا اور اُن بزرگوار نے اُس پر رحم کیا

نعرہا[۲] زد خلق جمع آمد بَرُو
اُس نے نعرے مارے لوگ اُسکے پاس جمع ہو گئے

گبر گویاں ایّہا النّاس احذرو
کافر کہتا تھا اے لوگو! ڈرو

میزد اُو بر سر کہ اے بے عقل سر
وہ سر پیٹتا تھا کہ اے بے عقل سر!

میزد اُو بر سینہ کاے بے نور بر
وہ سینہ کوٹتا تھا کہ اے بے نور جسم!

---

[۳] کافرک۔ وہ مہمان اپنی مورتی بھول کر چلا گیا تھا۔ اگرچہ وہ شرمندہ تھا لیکن مورتی کی حرص نے اُس کو دوبارہ لوٹنے پر مجبور کر دیا۔

[۱] از پئے۔ وہ مورتی کیلئے واپس آیا تو اُس نے دیکھا کہ آنحضورؐ اپنے دستِ مبارک سے اُسکی نجاست دھو رہے ہیں۔ یداللہ۔ بیعتِ رضوان کے سلسلہ میں قرآن میں فرمایا گیا ہے یَدُ اللّٰہِ فَوْقَ اَیْدِیْہِمْ خدا کا ہاتھ ان کے ہاتھوں کے اوپر ہے۔ تو گویا اللہ تعالٰی نے آنحضورؐ کو اپنا ہاتھ قرار دیا ہے۔ ہیکلش۔ وہ آنحضورؐ کے ان کریمانہ اخلاق کو دیکھ کر اسقدر متاثر ہوا کہ مورتی کو بھول گیا اور دیوانہ وار اپنا سر دیواروں سے ٹکرانے لگا۔ خون بہا تو آنحضورؐ کو اُس پر ترس آنے لگا۔

[۲] نعرہا۔ وہ نعرے مارتا تھا اور کہتا تھا کہ آنحضورؐ کی مخالفت سے ڈرو۔ بے عقل سر یعنی بے عقل۔ بے نور بر۔ بر بمعنی کُل زمین۔ آنحضورؐ کی ذاتِ گرامی آسمان اور زمین کا مجموعہ ہے یعنی۔ زمین۔ جز کل۔ اُس کافر نے کہا کہ آنحضورؐ جو مجموعۂ عالم ہیں وہ خدائی حکم کے تابع ہیں اور میں جز ہو کر غدار اور سرکش بنا ہوا ہوں۔

سجدہ میکرد او کہ اے کُلِّ زمیں
وہ سجدہ کرتا تھا کہ اے عالم کے مجموعے!

شرمسارست از تو ایں جزوِ مہیں
یہ ذلیل جزو آپ سے شرمندہ ہے

توکہ کُلّی خاضعِ امرِ وئی
آپ جو کہ مجموعہ ہیں اُسکے حکم پر جھکے ہوئے ہیں

من کہ جزوم ظالم و لدّ و غوی
میں جو کہ جزو ہوں ظالم اور سرکش اور گمراہ ہوں

توکہ کُلّی خوار و لرزانی زحق
آپ کہ مجموعہ ہیں اللہ تعالیٰ سے خوار اور ڈر سے لرزاں ہیں

من کہ جزوم در خلاف و در سبق
میں جو کہ جزو ہوں خلاف اور سرکشی میں ہوں

ہر زماں[۳] میکرد رُو بر آسماں
ہر آن آسمان کی طرف منہ کرتا

کہ ندارم رُوی ایں قبلۂ جہاں
کہ اِس قبلۂ عالم کے سامنے میرا منہ نہیں ہے

چوں ز حد بیروں بلرزید و طپید
جب وہ حد سے زیادہ لرزا اور تڑپا

مصطفٰےؐ اش در کنارِ خود کشید
مصطفٰےؐ نے اُس کو اپنی بغل میں لے لیا

ساکنش کرد و بسے بنواختش
اُس کو سکون دلایا اور اُسکو بہت نوازا

دیدہ اش بکشاد و داد اشناختش
اسکی آنکھیں کھولیں اور اُنھوں نے اسکو پہچان لیا

تانگرید[۱] ابر کے خندد چمن
جب تک ابر نہیں روتا ہے چمن کب مسکراتا ہے!

تانگرید طفل کے جوشد لبن
جب تک بچہ روتا نہیں ہے دودھ کب جوش مارتا ہے!

طفلِ یک روزہ ہمیداند طریق
ایک روز کا بچہ بھی یہ راستہ جانتا ہے

کہ بگریم تا رسد دایۂ شفیق
کہ میں رو پڑوں، تاکہ مہربان دایہ آجائے

تو نمی دانی کہ دایۂ دایگاں
تو نہیں جانتا کہ دایوں کی دایہ

کم دہد بے گریہ شیر او رائیگاں
خواہ مخواہ بے روئے دودھ نہیں دیتی ہے

گفت ولیبکوا کثیرا گوش دار
اور چاہیئے وہ بہت روئیں کے قول کو یاد رکھ

تا بریزد شیرِ فضلِ کردگار
تاکہ اللہ (تعالیٰ) کی رحمت دودھ بہائے

گریۂ ابرست و سوزِ آفتاب
ابر کا رونا اور سورج کی جلن

اُستنِ دنیا ہمیں دو رشتہ تاب
دنیا کے ستون یہی دو رشتے چمکانے والے ہیں

گر نبودے[۲] سوزِ مہر و اشکِ ابر
اگر سورج کی جلن اور ابر کے آنسو نہ ہوتے

کے شُدے اجسام ما زفت و سطبر
ہمارے جسم موٹے اور بھاری کب ہوتے

کے بُدے معمور ایں ہر چار فصل
یہ چاروں فصلیں کب آباد ہوتیں؟

گر نبودے ایں تف و ایں گریہ اصل
اگر یہ جلن اور رونا بنیاد نہ بنتا

سوزِ مہر و گریۂ ابرِ جہاں
دنیا کے ابر کا گریہ اور سورج کا سوز

چوں ہمیدارد جہاں را خوش دہاں
جبکہ دنیا کو خوش بنا تا ہے

آفتابِ عقل را در سوز دار
عقل کے سورج کو سوزش میں رکھ

چشم را چوں ابر اشک افروز دار
آنکھوں کو ابر کی طرح آنسو بہانے والی رکھ

۳ہ ہر زماں ۔ وہ کافر ہر لحظہ آسمان کی طرف منھ کرکے کہتا تھا کہ میرا منھ اس قابل نہیں کہ آنحضورؐ کے روبرو ہوں۔ چوں آنحضورؐ نے اُسکی بیقراری کو دیکھ کر اُسکو سینے سے لگا لیا۔ ساکنش۔ آنحضورؐ نے اُس کو اطمینان دلایا اور اُس کو نورِ ایمان عطا فرما دیا۔

۱ہ تانگرید ۔ مقصد یہ ہے کہ آہ و زاری سے ہی مقصد حاصل ہوتا ہے۔ طفل۔ بچہ بھی جانتا ہے کہ جب تک نہ روؤنگا دایہ دوڑ کر نہ آئیگی۔ تو نمی دانی۔ لیکن عاقل بالغ انسان یہ نہیں سمجھ رہا ہے کہ رحمتِ خداوندی بغیر آہ و زاری کے متوجہ نہیں ہوتی ہے۔ گفت۔ قرآن میں ہے۔ فلیضحکوا قلیلا ولیبکوا کثیرا۔ تھوڑا ہنسو زیادہ روؤ۔ گریہ۔ ابر کے رونے اور سورج کی سوزش ہی سے دنیا کی تر و تازگی ہے۔

۲ہ گر نبودے ۔ اگر عالم میں سورج کی گرمی اور ابر کا پانی نہ ہو تو اجسام میں نشوونما نہ ہو۔ چار فصل۔ سال کی چاروں فصلوں کا مدار سورج کی گرمی اور ابر کی بارش پر ہے۔ آفتاب۔ انسان کو بھی اپنے کمال کے لئے عقل سے سوزش اور آنکھ میں آنسو درکار ہیں۔ تن جسم کی بہار روح کی خزاں ہے۔

چشمِ گریاں بایدت چوں طفلِ خُرد
تجھے چھوٹے بچہ کی طرح رونے والی آنکھیں رکھنا ہیں
کم خور آں نان را کہ نان آبِ تو بُرد
وہ روٹی نہ کھا جو تیری عزت کو برباد کر دے

تن چو با برگست روز و شب ازاں
جسم چونکہ سرسبز ہے اس کی وجہ سے ہمیشہ
شاخِ جاں در برگ ریزست و خزاں
جان کی شاخ پت جھڑ اور خزاں میں ہے

برگِ تن بے برگیٔ جانست زود
جسم کی سبزی، جان کا پت جھڑ ہے، جلد
ایں ببا ید کاستن آں را فزود
اِس کو گھٹانا، اُس کو بڑھانا چاہیئے

اِقْرِضُوا اللّٰہَ قرض دہ زیں برگِ تن
اللہ تعالیٰ کو قرض دو اس جسم کی توانائی میں سے
تا بروید در عوض در دل چمن
تاکہ بدلے میں دل میں چمن اُگے

قرض دہ کم کن ازیں لقمہ تنت
قرض دے اپنے جسم کے لقمے کو کم کر
تا نماید وجہِ لَا عَیْنٌ رَأَت
تاکہ جس کو آنکھ نے نہیں دیکھا وہ منہ دکھلائے

تن ز سرگیں خویش چوں خالی کند
جب تو جسم کو اپنے پاخانے سے خالی کریگا
پُر ز مشک و دُرِّ اجلالی کند
اجلال کے موتی اور مُشک سے بھرے گا

زیں پلیدی بر دہد پاکی برد
اِس ناپاکی سے نجات پالیگا اور پاکی حاصل کریگا
از یُطَهِّرکُم تنِ او بر خورد
وہ تمہیں پاک کرتا ہے سے اسکا جسم پھل کھائیگا

دیو میترساندت کیں ہین و ہیں
شیطان تجھے ڈراتا ہے کہ ہائیں ہائیں
زیں پشیماں گردی و گردی حزیں
اِس سے تو شرمندہ ہوگا اور غمگین بنے گا

گر گدازی زیں ہوسہا تو بدن
اگر تو اِن ہوسوں سے بدن کو گھلائے گا
پس پشیمان و غمیں خواہی شدن
تو شرمندہ اور غمگیں ہوگا

ایں بخور گرم ست و داروی مزاج
یہ کھالے، گرم ہے اور مزاج کی دوا ہے
واں بیا شام از پئے نفع و علاج
اور نفع و علاج کے لئے وہ پی لے

ہم بدیں نیت کہ ایں تن مرکبست
نیز اس نیت سے کہ یہ جسم سواری ہے
آنچہ خو کردست آنش اصوبست
جس کی اُسکو عادت ہے وہ اُس کیلئے بہتر ہے

ہیں مگرداں خو کہ پیش آید خلل
خبردار! عادت نہ بدل نقصان ہوگا
در دماغ و دل بزاید صد علل
دل اور دماغ میں سینکڑوں بیماریاں پیدا ہونگی

ایں چنیں تہدیدہا آں دیوِ دوں
اِس طرح کی دھمکیاں وہ کمینہ شیطان
آرد و بر خلق خواند صد فسوں
دیتا ہے اور لوگوں پر سینکڑوں منتر پڑھتا ہے

خویش جالینوس سازد در دوا
اپنے آپ کو دوا میں جالینوس بنا تا ہے
تا فریبد نفسِ بیمارِ ترا
تاکہ تیرے بیمار نفس کو فریب دے

کیں ترا سودست از درد و غمی
کہ یہ درد اور غم تیرے لئے مفید ہے
گفت آدم را ہمی در گندمی
گیہوں کے بارے میں آدمؑ سے یہی کہا

۳؎ برگِ تن جسم کی شادابی روح کی پژمردگی ہے جسم کو گھٹانا اور روح کو بڑھانا چاہیئے۔ اِقْرِضُوا۔ قرآن پاک میں ہے وَاَقْرِضُوا اللّٰہَ قَرْضًا حَسَنًا "اور اللہ کو قرض حسنہ دو" مولانا نے قرض کے معنی اللہ کے راستہ میں بدن کو گھٹانے کے لئے ہیں۔

۱؎ قرض دہ جسمانی خوراک کو کم کرو پھر جنت کی سیر حاصل ہوگی۔ تن جسم جب جسمانی فضلوں سے خالی ہوگا تو اسرار و انوار سے پُر ہو جائیگا۔ زیں پلیدی جسمانی ناپاکی دُور ہوگی تو پاکیزگی حاصل ہوگی۔ یُطَهِّرکُم قرآن پاک میں ہے اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْہِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَہْلَ الْبَیْتِ وَیُطَہِّرَکُمْ تَطْہِیْرًا بیشک خدا چاہتا ہے کہ اے اہلِ بیت تم سے پلیدی زائل ہو جائے اور وہ تمہیں بالکل پاک کر دے۔ دیو۔ جسمانی لذتیں ترک کرنے سے شیطان ڈراتا ہے اور طرح طرح کے وسوسے پیدا کرتا ہے۔

۲؎ ایں بخور شیطان مختلف چیزوں کے فوائد سمجھا کر ان کے کھانے کی ترغیب دیتا ہے۔ تن شیطان کہتا ہے کہ جسم روح کی سواری ہے اس کو کمزور نہ کرنا چاہیئے۔ جس جس چیز کی عادت ہو وہ نہ چھوڑ ورنہ بیماریاں اُٹھ کھڑی ہونگی۔ خویش۔ شیطان اپنے آپ کو حکیم جالینوس بنا کر مختلف مشورے دیتا ہے۔

پیش آرد ہی ہے و ہیہات را ۔ در لویشہ پیچد اُو لبہات را

اے ہائے اور افسوس کو پیش کرتا ہے ۔ تیرے ہونٹوں کو ڈوری سے باندھ دیتا ہے

ہمچو لبہائے فرس در وقت نعل ۔ تا[۱] نماید سنگ کمتر را چو لعل

جیسا کہ نعل (بندی) کے وقت گھوڑے کے ہونٹ ۔ تاکہ کمتر پتھر کو لعل (بنا کر) دکھاوے

گوشہایت گیرد و چوں گوش اسپ ۔ میکشاند سوی حرص و سوی کسب

تیرے کان پکڑتا ہے اور گھوڑے کے کان کی طرح ۔ حرص اور کمائی کی جانب کھینچتا ہے

بر زند بر پات نعلے ز اشتباہ ۔ کہ بمانی تو ز درد آں ز راہ

تیرے پاؤں میں شبہ کا نال جڑ دیتا ہے ۔ کہ تو اُس کی تکلیف سے راستے سے رُک جاتا ہے

نعل اُو ہست آں تردد در دو کار ۔ ایں کنم یا آں کنم ہیں ہوشدار

اُس کا نعل، دو کاموں میں تردد ہے ۔ یہ کروں یا وہ کروں خبردار! ہوشیار رہ

آں بکن کہ ہست مختار نبیؐ ۔ آں مکن کہ کرد مجنون و صبی

وہ کر جو نبیؐ کا پسندیدہ ہے ۔ وہ نہ کر جو پاگل اور بچہ نے کیا

حُفّت الجنّۃ بچہ محفوف گشت ۔ بالمکارہ کہ ازو افزود گشت

"جنت کو ڈھانپ دیا گیا ہے" کاہے سے ڈھانپا گیا ہے؟ ۔ ناپسندیدہ چیزوں سے جن کو اُسنے بڑھا رکھا ہے

صد[۲] فسوں دارد ز حیلت وز دہا ۔ کاں کند در سلہ گر ہست اژدہا

مکر اور حیلے کے سینکڑوں منتر رکھتا ہے ۔ کہ ٹوکری میں ڈال دیتا ہے خواہ اژدہا ہو

گر بود آب رواں بر بندد ش ۔ در بود حبر زماں بر خندد ش

اگر بہتا پانی ہو اُس کو روک دیتا ہے ۔ اگر عالم زمانہ ہو اُس کا مذاق اُڑاتا ہے

گر بود کوہے چو کہ بر بایدش ۔ دست بردِ خویشتن بنمایدش

اگر پہاڑ ہو اُس کو تنکے کی طرح اُڑا دیتا ہے ۔ اپنے غلبہ کی اُس پر نمائش کرتا ہے

عقل[۳] را با عقلِ یارے یار کن ۔ اَمْرُهُمْ شُوریٰ بخوان و کار کن

عقل کو کسی دوست کی عقل کا دوست بنا ۔ اُن کا معاملہ باہمی مشورہ ہے کو پڑھ اور کام کر

---

۱ تا نماید۔ شیطان کی یہ تمام باتیں اس لئے ہیں کہ وہ حقیر چیز کو بڑھیا بنا کر دکھا دے۔ گوشہایت۔ شیطان انسان کے کان پکڑ کر حرص اور مُضر کمائی کی جانب لے جاتا ہے۔ بر زند۔ شیطان شبہات اور وسواس کے ذریعہ صحیح راستے سے روک دیتا ہے۔ نعل۔ وہ شیطان جو نعل بندی کرتا ہے وہ تردد میں مبتلا کر دیتا ہے۔ آں بکن۔ جب تردد ہو تو وہ کام کر جو نبی نے کیا ہے طفلوں اور مجنونوں کا کام نہ کر۔ حُفّت۔ حدیث شریف ہے حُفّت الجنّۃ بالمکارہ جنت دل کی ناپسندیدہ چیزوں سے ڈھانپ دی گئی ہے

۲ صد فسوں۔ شیطان کو ایسے منتر آتے ہیں کہ اژدہے کو بھی ٹوکری میں بند کر لیتا ہے۔ گر بود۔ شیطان اپنے منتر کے ذریعہ چلتا دریا روک دیتا ہے اور بڑے بڑے عالموں کا مذاق اُڑا دیتا ہے پہاڑ کو تنکا بنا دیتا ہے اور اپنی چالاکی کی نمائش کرتا ہے۔

۳ عقل۔ شیطان سے بچنے کیلئے اپنی عقل کو شیخ کی عقل سے وابستہ کر دے اور اُس سے مشورہ کرے۔ نو آمن۔ وہ مہمان عرب جس نے بستر خراب کر دیا تھا اُس کی گریہ وزاری پر آنحضورؐ نے اُس کو بہت نوازا۔

شرح اس کافر کے پاس ایک ہیکل (تعویذ) جو بطور یادگار کے تھا۔ وہ گم ہوگیا۔ اور اس کے گم ہوجانے کے سبب اُسے بے چینی لاحق ہوئی اس نے اپنے دل میں کہا کہ جس حجرہ میں مَیں شب کو رہا تھا شاید اس میں چھوڑ آیا ہوں۔ وہاں سے چل کر لانا چاہیئے۔ گو وہ شرمندہ تھا مگر اس کی شرم کو اس کے حرص نے کھودیا۔ یہ حرص ایک اژدھا ہے کوئی معمولی چیز نہیں ہے۔ اسے خدا بچائے۔

الغرض! وہ اس ہیکل کی خاطر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مکان پر دوڑا ہوا آیا۔ وہاں آکر آپ کو دیکھا کہ آپ کا ہاتھ جس کو حق سبحانہٗ نے یدُاللہ فرمایا ہے۔ (ہٰذا ہوالمراد ولانلتفت الی ما قال بحر العلوم) چشم بد دور اس نجاست کو خود بغایت بے تکلف دھو رہا ہے۔ یہ واقعہ دیکھ کر وہ ہیکل کو تو بھول گیا اور اسکے اندر جوش اعتقاد سے ایک شورش پیدا ہوئی۔ اور اسنے اس شورش سے اپنا گریبان چاک کر ڈالا۔ وہ اپنے دونوں ہاتھوں سے اپنا منہ اور سر پیٹتا تھا۔ اور سر کو دیوار سے یوں ٹکراتا تھا کہ اس کے ناک اور سر سے خون جاری تھا۔ یہ دیکھ کر سید البشر کو اس پر ترس آیا وہ بہت کچھ ہاہو کر رہا تھا۔ جس سے لوگ اس کے گرد جمع ہوگئے اور اس کو سنبھالنے لگے مگر وہ یہ بھی کہتا تھا کہ مجھ سے الگ رہیں اور سر پھوڑنے دو۔ وہ اپنا سر پیٹتا تھا۔ اور کہتا تھا کہ اے بے عقل سر! تو توڑ ڈالنے کے قابل ہے اور سینہ کوٹتا تھا اور کہتا تھا کہ اے بے نور سینہ! تو پھاڑ ڈالنے کے قابل ہے وہ سجدہ کرتا تھا اور کہتا تھا کہ کل زمین۔ تیرا یہ ذلیل جزو تجھ سے شرمندہ ہے کیونکہ تو جو کہ کل ہے۔ حق سبحانہٗ کے حکم کے ساتھ سرفگندہ ہے اور میں کہ تیرا جزو ہوں ظالم اور جھگڑالو۔ اور گمراہ ہوں جو کہ تیرے لئے موجبِ ننگ ہے اور تو جو کہ کل ہے۔ یہ خدا کے

سامنے ذلیل اور اس کے خوف سے لرزاں ہے۔ لیکن میں کج مزاج ہوں۔ اس کا مخالف اور اس کی حدود سے بڑھ جانے والا ہوں۔ وہ آسمان کی طرف منہ کئے ہوئے تھا اور کہتا تھا کہ میں اس قبلہ جہاں کو نہیں منہ دکھلانے کے قابل ہوں [زمین کو قبلہ جہاں اسلئے کہا کہ وہ مرکز عالم ہے۔ وقال المحشون المراد من کل الارض ہو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ومن الارض ہو ... العالم ولیس کذلک کما لا یخفیٰ علی من لہ ذوق سلیم]

الغرض: جب کہ اس کا اضطراب اور بے قراری حد سے گزر گئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اپنی آغوش میں لے لیا اور اسکو تسکین دی اور بہت کچھ نوازا۔ اس کی آنکھیں کھولدیں اور اسے معرفت حق سبحانہٗ سے مالامال کردیا یہاں سے مولانا مضمون ارشادی کی طرف انتقال فرماتے ہیں اور رونے کی خوبی اور اسکی ضرورت بیان فرماکر اور اسکی ترغیب دیتے ہیں ــــ چنانچہ فرماتے ہیں کہ رونا اپنے اندر ثمرات عجیبہ رکھتا ہے۔ دیکھو جب تک ابر نہ روئے چمن کیسے کھِل سکتا ہے اور بچہ جب تک نہ روئے دایہ کا دودھ کیسے جوش میں آسکتا ہے غضب کی بات ہے کہ ایک دن کا بچہ تو مانگنے کا طریق جانتا ہے اور سمجھتا ہے کہ مجھے رونا چاہیئے۔ تاکہ دایہ شفیق ہوکر مجھے دودھ پلائے۔ مگر تم نہیں جانتے کہ مربی میرے یعنی حق سبحانہٗ۔ اپنی خاص نعمتوں سے بدوں روئے اور بیٹھے بٹھلائے بہت کم کسی کو بہرہ ور کرتے ہیں۔ تم حق سبحانہٗ کا ارشاد وَلْیَبْکُوا کَثِیْرًا سن لو۔ اور خوب روؤ۔ تاکہ عنایت حق کا دودھ تم پر برس پڑے

[فائدہ: جاننا چاہیئے کہ آیت میں وَلْیَبْکُوا کَثِیْرًا سے طلب گریہ مقصود نہیں ہے بلکہ اس سے توبیخ و تقریع منافقین مقصود ہے۔ مگر مولانا علیٰ سبیل الاعتبار یا بناء علی المشہور یہ کی تفسیر کی ہے جیساکہ ان کی عادت ہے] دیکھو!

گریۂ ابر اور سوزِ آفتاب یہ دو بٹی ہوئی ڈوری ہی عالم کا ستون ہیں جس پر بقائے عالم کا مدار ہے کیونکہ اگر سوزِ آفتاب اور گریۂ ابر نہ ہو تو ہمارے اجسام موٹے تازہ نہیں ہو سکتے۔ اور ہم بھوکوں مر جائیں اور اگر گرمئ آفتاب اور گریۂ ابر نہ ہو تو یہ چاروں فصلیں جو ہماری حیات کا مدار ہیں وجود میں نہیں آسکتیں اور جب ہم زندہ نہیں رہ سکتے تو عالم قائم نہیں رہ سکتا کیونکہ ان کا وجود انسان کے وجود کے تابع ہے۔ بس سے جب اصل نہ رہے گا تابع ہی نہ رہے گا۔ پس جبکہ معلوم ہوگیا کہ سوزِ مہر اور گریۂ ابر ایسی عظیم الشان چیزیں ہیں کہ ان پر بقاءِ عالم کا مدار ہے تو تم کو چاہیئے کہ اپنے آفتابِ عقل کو تاباں رکھو۔ تاکہ اس کی حرارت یعنی اثر سے تمہاری حالت درست ہو۔ اور اپنی آنکھ کو ابر کی طرح گریاں رکھو! تم کو رونے والے آنکھ کی یوں ہی ضرورت ہے۔ جیسے چھوٹے بچے کی۔ کیونکہ جس طرح اسے رو کر دایہ سے دودھ حاصل کرنے کی ضرورت ہے۔ بس ہم کو رونا چاہیئے اور روٹی کم کھانا چاہیئے یعنی تنعم میں نہ رہنا چاہیئے بلکہ مجاہدہ و ریاضت کرنی چاہیئے۔ کیونکہ روٹی (تنعّم) تم کو حق سبحانہٗ کے نزدیک بے وقعت کرتی ہے۔

اور چونکہ تنعم کے سبب تمہارا نفس ہمیشہ بُرا بُرا... رہتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تمہاری شاخِ جان پت جھڑ اور خزاں میں مبتلا ہے یعنی خراب خستہ حالت میں ہے ـــــ یاد رکھو! کہ جس قدر نفس کی حالت ٹھیک ہوگی اُسی قدر روح کی حالت خراب ہوگی پس سے تم کو چاہیئے کہ فوراً نفس کو گھٹاؤ اور روح کو بڑھاؤ۔

حق سبحانہٗ تعالےٰ فرماتے ہیں اَقْرِضُوا اللّٰہَ قَرْضًا حَسَنًا۔ اور یہ امر اپنے اطلاق سے جس طرح انفاقِ مال کو شامل ہے۔ یوں ہی صرف نفس کو بھی شامل ہے۔ پس تم کو سامان نفس خدا کی راہ میں صرف کرنا چاہیئے۔ تاکہ اسکے عوض میں تمہارے دل میں گلشن معارف پیدا ہو۔ میں یہ کہتا ہوں کہ حق سبحانہٗ کو قرض

دو۔ اور نفس کی غذا کم کر کے اسکو خدا کی راہ میں صرف کرو۔ تاکہ اس کے صلہ میں تمہارے سامنے وہ نعمتیں جلوہ گر ہوں۔ جن کو نہ آنکھوں نے دیکھا اور نہ کانوں نے سُنا اور نہ کسی شخص کے دل میں ان کا تصور آیا۔

پس جب کہ اس طریق سے نفس صفاتِ ذمیمہ سے جو کہ مثل گوبر کے ہیں پاک صاف ہو جاوے گا۔ اور امارہ سے مطمئنہ ہو جائے گا۔ اس وقت وہ صفاتِ حمیدہ سے جو کہ بمنزلہ مُشک اور بیش قدر موتیوں کے ہیں مالامال ہوگا۔ اور اس نجاست سے طہارت پاکر پاک صاف ہو جائے گا۔ اور حق سبحانہٗ تم پر بارانِ رحمت برسائیں گے جس سے تمہارا نفس تطہیر حق سبحانہٗ سے متمتع ہوگا اور نجاستِ شیطانی تم سے دور ہو گی۔

فیه اشارة الیٰ قوله تبارك وتعالیٰ وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً لِّيُطَهِّرَكُمْ بِهٖ وَيُذْهِبَ عَنْكُمْ رِجْزَ الشَّيْطٰنِ۔

(فائدہ: واضح رہے کہ مولانا کے کلام میں جہاں کسی تن کو فنا کرنے اور اسکو گھٹانے کا حکم ہے وہاں نفس مراد ہے کیونکہ جسم کو کمزور کرنا مقصود شرعی نہیں۔ بلکہ نفس کو مارنا مقصود ہے پس اگر نفس کو جائز راحت پہنچائی جائے تو کچھ مضائقہ نہیں ہے) اب مولانا تن پروری کے منشا کا قلع قمع کرنا چاہتے ہیں۔ اور فرماتے ہیں کہ تم جو نفس پروری میں مشغول ہو۔ اور اسکو تکلیف نہیں پہنچانا چاہتے اس کی وجہ یہ ہے کہ تم کو شیطان ڈراتا ہے اور کہتا ہے کہ دیکھو خبردار! تنعم میں کمی نہ کرنا ورنہ تم پشیمان اور مغموم ہوگے اور اگر تم نفس کو اس کی خواہشات سے روک کر اسے کمزور کرو گے۔ تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا۔ کہ تم پشیمان اور مغموم ہوگے پس تم یہ کھاؤ۔ کیونکہ یہ مزاج کی مصلح دوا ہے اور یہ پیو کہ اس سے تم کو نفع ہوگا اور تمہاری مرض کا علاج ہو جائے گا وعلیٰ ہذا القیاس!

غرضکہ وہ تنعم ہی میں مصروف رکھتا ہے اور وجہ یہ بیان کرتا ہے کہ جسم روح کی سواری ہے وہ باقی رہنا ضروری ہے پس اسکو باقی رکھنا چاہیئے اور جن چیزوں کا یہ عادی ہے۔ وہ اسکو دینی چاہئیں کیونکہ یہ ہی اس کے لئے بہتر ہے۔

دیکھو! عادت کو نہ چھوڑنا ورنہ نقصان ہوگا اور دل ودماغ میں سینکڑوں بیماریاں اٹھاؤ گے ـــــــ غرضکہ وہ کمینہ شیطان سینکڑوں حیلے کرتا ہے اور مخلوق پر سینکڑوں منتر پھونکتا ہے وہ اپنے آپ کو علاج میں جالینوس بنالیتا ہے تا کہ تمہارے نفس بیمار کو دھوکہ دے اور اسے خواہشات لایعنی پہ آمادہ کرے اور کہتا ہے کہ یہ شئے تم کو تکلیف اور رنج سے فائدہ بخشے گی تم کو اسے حاصل کرنا چاہیئے۔ اس کم بخت نے آدم علیہ السلام کو بھی گیہوں کے متعلق یہ ہی کہہ کر دھوکا دیا تھا۔ غرضکہ وہ بہت کچھ تحذیر کرتا ہے اور اس طرح تمہارے منہ میں ہانٹی دے کر تمہیں اپنے قابو میں کرلیتا ہے جس طرح کہ نعل لگانے کے وقت گھوڑوں کو ذھانٹی دیکر قابو میں کرلیتے ہیں تا آنکہ وہ ایک نہایت حقیر چیز کو تمہاری نظر میں نہایت وقیع کر دیتا ہے اور وہ تمہارے منہ کان پکڑلیتا ہے جس طرح گھوڑے کے کان پکڑلیتے ہیں۔ اور اس طرح اپنے قابو میں کر کے وہ تمہیں حرص اور کسب غیر ضروری کی طرف متوجہ کرتا ہے اور تمہارے پاؤں میں شبہ کی ایسے نعل ٹھوک دیتا ہے۔ جس کی تکلیف سے تم راہ راست پر نہیں چل سکتے اور وہ یہ ہے کہ جس اچھے کام کا تم ارادہ کرتے ہو وہ اس میں.. نقصان سمجھا کر تمہیں.. مذبذب کردیتا ہے اور تم کہتے ہو کہ یہ کام کروں یا اسکے خلاف پس تم کو خیال رکھنا چاہیئے اور وہ کام کرنا چاہیئے جو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پسندیدہ ہے اور وہ نہ کرنا۔ جو بچے اور دیوانہ یعنی اہل دنیا بے عقلی

کرتے ہیں یہ مسلّم ہے کہ تمکو نفس و شیطان کی مخالفت اور ترک تن پروری سے تکلیف ہوگی۔ مگر تم کو واضح رہے۔ کہ جنت ڈھکی اور گھری ہوئی ہے۔ تم پوچھوگے کہ کن چیزوں سے گھری ہوئی ہے۔ لو ہم بتائے دیتے ہیں ناگوار باتوں سے۔ جن سے کشت عمل میں ترقی ہوتی ہے اور بے حد ثمرات ملتے ہیں۔

پس جبکہ جنت ناگوار باتوں سے گھری ہوئی ہے تو اسکو حاصل کرنے کے لیے ان کا جھیلنا ضروری ہے۔ ہم پھر کہتے ہیں کہ اسکو چالاکی اور ہوشیاری کے سبب سینکڑوں تنتر یاد ہیں۔ جن سے اگر اژدھا ہئی تو وہ اسے ٹوکری میں بند کر سکتا ہے اور اگر بہتا... ہوا پانی ہو تو وہ اسے روک سکتا ہے اور اگر کوئی علّامۂ دھر ہو تو اس پر تحقیراً ہنستا ہے کہ یہ بے چارہ کیا چیز ہے جو مجھ سے بچ سکے گا اور اگر پہاڑ ہی ہو تو اسے سکّے کی طرح اڑا دیتا ہے اور اپنی کاریگری کا اسے مشاہدہ کراتا ہے۔ پس ایسی حالت میں تم کو چاہیئے کہ اپنی عقل کو شیخ کامل کی عقل کے ساتھ ملاؤ اور اَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ جو مومنین کی علامت بیان کی گئی ہے اسکو پڑھ کر اس پر عمل کرو۔

نواختن مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم آں عرب مہمان را و
مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا اس عرب مہمان کو نوازنا اور اس کو اضطراب اور

تسکین دادن اُو را از اضطراب و گریہ و نوحہ کہ بر خود میکرد
رونے اور اس نوحہ سے تسکین دینا جو وہ شرمندگی اور ندامت اور

از خجالت و ندامت و آتش نومیدی
ناامیدی کی آگ کی وجہ سے اپنے اوپر کر رہا تھا

ایں سخن پایاں ندارد آں عرب
اس بات کا خاتمہ نہیں ہے۔ وہ عرب

ماند از الطافِ آں شہ در عجب
اس شاہ کی مہربانیوں سے تعجب میں رہ گیا

خواستؔ دیوانہ شدن عقلش رمید
اس نے دیوانہ بننا چاہا اسکی عقل بھاگ گئی

دستِ عقلِ مصطفےٰ بازش کشید
حضرت مصطفیٰ کی عقل کے ہاتھ نے اسکو پھر کھینچا

لہ خواست وہ دیوانہ ہوجانے کے قریب تھا آنحضور نے اس کی عقل کو تھاما۔ گفتش۔ آنحضور نے اس سے فرمایا دیوانگی ختم کردے کیونکہ قدرت کو تجھ سے بہت کام لینا ہے۔ آب برزد۔ آنحضور نے اس کے منہ پر پانی چھڑکا تو وہ ہوش میں آیا اور کہنے لگا کہ مجھے شہادت کا کلمہ پڑھا دیجئے تاکہ گواہی حقیقی معنیٰ میں کلمۂ شہادت پڑھ لینے پر انسان دنیا سے نجات پاکر آخرت کا آدمی بن جاتا ہے۔ آنحضور جنگل۔

گفت ایں سو آ بیا مد آں چناں ۔۔۔ کہ کسے بر خیزد از خوابِ گراں

فرمایا ادھر آ، وہ اس طرح آیا ۔۔۔ کہ جیسے کوئی بھاری نیند سے اُٹھے

گفتش ایں سودا مکن ہین با خود آ ۔۔۔ کہ ازیں سُو ہست با تو کارہا

اُس سے فرمایا یہ دیوانگی نہ کر خبردار! ہوش میں آجا ۔۔۔ کیونکہ اس طرف تجھ سے بہت کام ہیں

آب بر رُوزد درآمد در سخن ۔۔۔ کلے شہیدِ حق شہادت عرضہ کُن

اُس کے منہ پر پانی چھڑکا، وہ بولا ۔۔۔ کہ اے اللہ (تعالیٰ) کے گواہ (کلمۂ) شہادت پیش کیجئے

تا گواہی بدہم و بیروں شوم ۔۔۔ سیرم از ہستی دراں ہامون شوم

تاکہ میں کلمۂ شہادت پڑھ لوں اور باہر نکل جاؤں ۔۔۔ میں ہستی سے سیر ہوگیا ہوں اس جنگل میں چلا جاؤں

ما[1] دریں دہلیزِ قاضی قضا ۔۔۔ بہرِ دعویِ اَلَستیم و بلےٰ

ہم قضا کے قاضی کی چوکھٹ پر ۔۔۔ اَلَست اور بلیٰ کے دعوے کی وجہ سے ہیں

کہ بلیٰ گفتیم و آں را ز امتحاں ۔۔۔ فعل و قولِ ما شہود ست و بیاں

کہ ہم نے بلیٰ کہا ہے اور اُسکی آزمائش کیلئے ۔۔۔ ہمارا قول و فعل گواہ اور بیان ہیں

از چہ در دہلیزِ قاضی تن زدیم ۔۔۔ نے کہ ما بہرِ گواہی آمدیم

ہم قاضی کی چوکھٹ پر خاموش کیوں ہوں؟ ۔۔۔ کیا ہم گواہی کے لئے نہیں آئے ہیں

چند[2] در دہلیزِ قاضی اے گواہ ۔۔۔ حبس باشی دہ شہادت از پگاہ

اے گواہ! قاضی کی چوکھٹ پر کب تک ۔۔۔ قید رہے گا، صبح سے گواہی دے دے

زاں بخواندندت بدینجا تا کہ تو ۔۔۔ آں گواہی بدہی و ناری عتو

اُنھوں نے تجھے یہاں اس لئے بُلایا ہے کہ تو ۔۔۔ وہ گواہی دیدے اور سرکشی نہ کرے

از لجاجِ خویشتن بنشستۂ ۔۔۔ اندریں تنگی لب و کف بستۂ

تو اپنے جھگڑالو پن سے بیٹھا ہوا ہے ۔۔۔ اس تنگی میں تو نے ہونٹ اور ہاتھ باندھ لئے ہیں

تا نہ بدہی آں گواہی اے شہید ۔۔۔ تو ازیں دہلیز کے خواہی رہید

اے گواہ! جب تک تو وہ گواہی نہ ادا کرے گا ۔۔۔ تو اس چوکھٹ سے کب چھٹے گا؟

یک[3] زماں کاریست بگذار و بتاز ۔۔۔ کارِ کوتہ را مکن بر خود دراز

تھوڑی دیر کا کام ہے، کردے اور بھاگ جا ۔۔۔ مختصر کام کو اپنے لئے لمبا نہ کر

خواہ در صد سال خواہی یکزماں ۔۔۔ ایں امانت را گزار و وا رہاں

خواہ سو سال میں اور خواہ تھوڑی دیر میں ۔۔۔ یہ امانت ادا کردے اور چھوٹ جا

[1] ما دریں۔ ازل میں خدا نے دریافت کیا تھا کہ کیا میں تمہارا خدا نہیں ہوں؟ تو ہم نے جواب دیا کہ "ہاں" اب ہم دنیا میں اس جواب کے ثبوت کے لئے بھیجے گئے ہیں تاکہ قول و فعل دو گواہوں کے ذریعہ اپنے "ہاں" کے دعوے کو ثابت کریں۔ کہ بلیٰ۔ ازل میں ہم نے "بلیٰ" کہا ہے ہمارا قول و فعل اس پر گواہ ہے

[2] چند۔ گواہوں کو قاضی کی عدالت میں خاموش نہ رہنا چاہیے۔ زاں۔ دنیا کی زندگی قول اور فعل گواہی کے لئے ہے۔ از لجاج۔ اگر گواہ عدالت میں پہنچ کر خاموشی اختیار کرے تو یہ اُس کا جھگڑالو پن ہے ...... تا نہ بدہی۔ جب تک گواہی نہ دے گا قاضی کی عدالت میں مقید رہے گا۔

[3] یکزماں۔ گواہی دینا تھوڑی دیر کا کام ہے۔ اس معاملہ کو دراز کرنا بے کار ہے۔ ایں نماز۔ ارکانِ اسلام پر عمل اعتقاد پر عملی گواہی ہے۔ بستر خود۔ یعنی اعتقاد۔ خوان۔ اگر میزبان مہمان کی خاطر تواضع کرتا ہے تو یہ اس بات کی گواہی ہے کہ وہ مہمان سے خوش ہے۔

شرح

خیر یہ گفتگو تو بے انتہا ہے۔ اب سنو! کہ وہ عرب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے الطاف و عنایات دیکھ کر دنگ رہ گیا۔

اور جوشِ محبت سے اسے دیوانہ ہوتا۔ اور اس کی عقل ۔۔۔۔ رفوچکر ہوتی جاتی۔ لیکن دست عقل مصطفےٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسے سنبھالا یعنی آپ نے فرمایا میاں اِدھر آؤ۔ اس پر وہ یوں مخمور آیا جیسے کوئی گہری نیند سے اٹھ کر آتا ہو تب آپ نے اس سے کہا کہ اس جنون کو چھوڑ دو اور آپے میں آؤ کیونکہ عالم ہوش میں تمہیں بہت سے کام کرنے ہیں اور اس کے منہ پر چھینٹا دیا اس پر وہ ہوش میں آیا اور کہا کہ اے خدا کے گواہ آپ مجھ پر کلمہ شہادت پیش فرمائیے تاکہ میں گواہی دیکر تنگنائی ہستی سے نکل جاؤں کیونکہ اس سے میرا جی بھر گیا ہے۔ اب میں صحرائے فنا میں پہنچ جاؤں ــــ اب مولانا اس شہادت کی تفصیل فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم قضیۂ اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ اور اس کے جواب بلیٰ کے لئے دہلیز قاضی قضا یعنی عالم ہستی میں آئے ہیں کیونکہ ہم نے سوال الست کے جواب میں جو کہ ہم سے لیا گیا ہے ۔ بلیٰ کہا تھا۔ پس اس کے ثبوت کی ضرورت ہے اور ہمارے اقوال و افعال اس کا ثبوت اور اس کے گواہ ہیں۔ جب ہمارے آنے کا یہ مقصد ہے تو سمجھ میں نہیں آتا کہ ہم دہلیز قاضی (ہستی) میں خاموش کیوں بیٹھے ہیں اور گواہی کیوں نہیں دیتے۔ کیا ہم گواہی کے لئے نہیں آسکتے تھے۔ ضرور آئے تھے۔ تو پھر یہ خاموشی کیوں ہے اور گواہی کیوں نہیں دی جاتی اور اپنے قول و فعل سے کیوں نہیں ثابت کیا جاتا کہ ہم نے جو اقرار کیا تھا۔ وہ صدق دل سے تھا۔ آخر تم اس دہلیز میں کب تک رہوگے۔ سویرے سے شہادت دیکر اپنے گھر عالم فنا میں کیوں نہیں چلے جاتے بس سویرے سے گواہی دیدو۔ فضول دیر کیوں کرتے ہو۔ تم کو میاں اسلئے بلایا گیا تھا کہ اپنے دعوے کا ثبوت دو اور.. سرکشی نہ کرو۔ مگر تم اپنی ضد سے ہاتھ منہ باندھے ہوئے دہلیز میں بیٹھے ہوئے ہو اور نہ قولی شہادت دیتے ہو نہ فعلی۔

یاد رکھو! کہ جب تک تم گواہی نہ دو گے اس وقت تک تم اس دہلیز خودی سے نہیں نکل سکتے ذرا سی دیر کا کام ہے۔ شہادت دیدو اور چلتے ہو۔ اور خواہ مخواہ ذرا سی بات کو طول نہ دو۔

قصہ کوتاہ تم اس امانت کو ادا کر کے اپنا پیچھا چھڑاؤ۔ یہ تمہیں اختیار ہے۔ خواہ برس میں اب کرو یا ذرا سی دیر میں۔ مگر اسکے بدوں پیچھا نہ چھوٹے گا۔

بیان آنکہ نماز و روزہ و حج و ہمہ چیزہای بیرونی گواہیہاست برنورِ اندرونی

اس کا بیان کہ نماز اور روزہ اور حج اور ظاہری تمام چیزیں باطنی نور کی گواہ ہیں

این نماز و روزہ و حج و جہاد — ہم گواہی دادنست از اعتقاد

یہ نماز اور روزہ اور حج اور جہاد — بھی عقیدہ پر گواہی دینا ہے

این زکوٰۃ و ہدیہ و ترکِ حسد — ہم گواہی دادنست از سرِّ خود

یہ زکوٰۃ اور ہدیہ اور حسد نہ کرنا — بھی، اپنے باطن پر گواہی دینا ہے

خوان و مہمانی پئے اظہار راست — کائے مہان ما باشما ہستیم راست

دسترخوان اور مہمانی اسکے اظہار کیلئے ہے — کہ اے بزرگو! ہم تمہارے مخلص ہیں

ہدیہ[1] ہا و ارمغان و پیشکش — شد گواہ آنکہ ہستم با تو خوش

ہدیے اور تحفہ اور نذرانہ — اس کے گواہ ہیں کہ ہم آپ سے خوش ہیں

ہر کسے کوشد بمالے یا فسوں — چیست؟ دارم گوہرے در اندروں

جو شخص مال (دینے) یا دعا کی کوشش کرتا ہو — کیا ہے؟ میں باطن میں جوہر رکھتا ہوں

گوہرے دارم ز تقوے یا سخا — این زکوٰۃ و روزہ بر ہر دو گوا

میں جوہر رکھتا ہوں تقوے کا یا سخاوت کا — یہ زکوٰۃ اور روزہ دونوں کے گواہ ہیں

روزہ[2] گوید کرد تقوی از حلال — با حرامش دان کہ نبود اتصال

روزہ کہتا ہے کہ اس نے حلال سے پرہیز کیا — سمجھ لے کہ حرام سے اس کا اتصال نہ ہوگا

وان زکوٰتش گفت کو از مالِ خویش — میدہد پس چون بدزد ز اہلِ کیش

اس کی زکوٰۃ نے کہا کہ وہ اپنے مال میں سے — دیتا ہے پس تو دینداروں کا کیسے چرائے گا؟

گر بطراری[3] کند پس دو گواہ — جرح شد در محکمۂ عدلِ اِلٰہ

اگر (کوئی گواہ) زبان درازی کرے گا تو دونوں گواہ — خدا کے انصاف کے محکمہ میں مجروح ہو گئے

[1] ہدیہ: کسی کو تحفہ دینا یہ بھی اس بات کا ثبوت ہے کہ تو اس سے خوش ہے۔ اور اگر کوئی شخص مال صرف کرتا ہے یا دعا دیتا ہے تو یہ اس بات پر گواہ ہے کہ اس شخص میں تقوے کا جوہر موجود ہے یا وہ سخی ہے۔

[2] روزہ: روزہ اس بات کا گواہ ہے کہ اس نے خدا کے حکم کے مطابق حلال کھانے کو بھی ترک کر دیا ہے تو پھر وہ حرام کب کھا سکتا ہے۔ اور زکوٰۃ اس بات کی گواہ ہے کہ جب وہ اپنا مال صرف کر رہا ہے تو کسی دینار کا مال کیسے چرا سکتا ہے....

[3] گر بطراری: اگر زکوٰۃ اور روزے میں ریا وغیرہ داخل کریگا تو یہ دونوں گواہ اللہ کے دربار میں عدالت سے گر کر مجروح ہو جائیں گے۔

هست صیادؔ ار کند دانہ نثار
شکاری ہے، اگر دانہ بکھیرتا ہے

نے ز رحم و جود بل بہرِ شکار
رحم اور سخاوت کی وجہ سے نہیں بلکہ شکار کرنے

هست گربہ روزہ دار اندر صیام
بلی روزہ دار ہے، روزوں میں

خفتہ کردہ خویش بہرِ صیدِ خام
ناتجربہ کار شکار کیلئے اپنے آپ کو سُلائے ہوئے ہے

کردہ بدظن زیں کژی صد قوم را
اس کجی سے اس نے سینکڑوں قوموں کو بدظن کردیا

کردہ بدنام اہلِ جود و صوم را
اُس نے سخیوں اور روزہ داروں کو بدنام کیا

فضلِ حق با ایں کہ او کژ می تند
باوجودیکہ وہ کجی کررہا ہے اللہ کا کرم

عاقبت زیں جملہ پاکش می کند
انجام کار ان سب سے اُس کو پاک کردیتا ہے

سبقؔ بُردہ رحمتش واں غدر را
اُس کی رحمت سبقت لے گئی اور اُس غدار کو

دادہ نورے کہ نباشد بدر را
وہ نور عطا کیا جو چودھویں کے چاند میں نہیں ہوتا ہے

کوشش را شستہ حق زیں اختلاط
اس ملاوٹ سے اللہ (تعالیٰ) نے اُس کی کوشش کو

غسل دادہ رحمت او را زیں خباط
رحمت نے اُس کو اس خبطی پن سے غسل دیدیا

تا کہ غفاریِ او ظاہر شود
تاکہ اُس کی غفاری ظاہر ہوجائے

سیّئاتِ جملہ را غافر شود
تمام گناہوں کو بخشنے والی بن جائے

لہ صیاد۔ شکاری پرندوں کو دانہ ڈالتا ہے لیکن یہ سخاوت نہیں ہے۔ گربہ۔ بلی بھی روزہ دار معلوم ہوتی ہے لیکن اس نے یہ صورت محض شکار کو پھانسنے کے لئے بنا رکھی ہے۔ کردہ بدظن۔ ریاکاری کے ساتھ روزہ رکھنے والا اور مال خرچ کرنے والا روزہ دار اور سخی کا بدنام کنندہ ہے۔ بفضل حق عبادت شروع میں ریا پھر عادت پھر حق ہے اُس کے بعد اللہ تعالیٰ اُس کو عبادت بنا دیتا ہے۔
لہ سبق بُردہ چونکہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سابق ہے اسلئے اللہ تعالیٰ ریاکار غدار کو بھی انجام میں نور بخش دیتا

شرح

خیر تو یہ نماز و روزہ و حج جس طرح فی نفسہا افعال حسنہ ہیں یوں ہی اعتقاد باطنی کے گواہ ہی ہیں اور جس طرح زکوٰۃ و ہدیہ و ترک حسد فی ذاتہا افعال حسنہ میں یوں ہی صفت باطنہ پر شاہد بھی ہیں و ہذا ہو المراد ولا تلتفت الی ما قال المحشون فانہم وقعوا فی الخبط فی حل المقام، مثلاً کوئی شخص لوگوں کے سامنے خوانِ یغما پیش کرتا ہے۔ تو یہ اظہار ہے۔ اس امر کا کہ صاحبو میں تم سے درست ہوں اور کوئی شخص کسی کو ہدیہ یا تحفہ یا نذر دیتا ہے تو یہ اظہار ہے اس بات کا۔ کہ میں تم سے خوش ہوں۔
غرضکہ جو شخص مال سے یا سحر نکالنے سے یا اور کسی طریق سے کوئی عمدہ کوشش کرتا ہے اس کا مدلول کیا ہے۔ یہی کہ میں اپنے باطن میں ایک اعلیٰ صفت رکھتا ہوں مثلاً زکوٰۃ دیتا ہے یا روزہ رکھتا ہے۔ تو اس کا مدلول یہ ہے کہ میرے اندر تقوے یا سخاوت کا جوہر موجود ہے۔

اور یہ دونوں فعل اس جوہر کے گواہ ہیں۔ کیونکہ روزہ کہتا ہے جب اس نے اکل و شرب و جماع سے جو کہ اس کے لیے فی الجملہ حلال تھے اجتناب کیا۔ تو وہ حرام کا ارتکاب نہیں کر سکتا۔ اور زکوٰۃ کہتی ہے کہ جب اس نے اپنا مال دیدیا تو وہ دوسرے لوگوں کا مال نہیں لے سکتا۔ جب یہ امر معلوم ہو گیا تو اب سنو! کہ روزہ و زکوٰۃ وغیرہ شہادت مذکورہ ضرور ادا کرتے ہیں۔ مگر یہ شہادت اسی وقت معتبر ہوگی۔ جبکہ یہ افعال خلوص سے کیے جائیں اور اگر چالاکی سے کئے جائیں گے تو محکمہ عدل حق سبحانہٗ میں ہر دو گواہ محروم ہو جائیں گے اور اگر وہ زکوٰۃ دیتا ہے تو وہ شکاری سمجھا جائے گا اور کہا جائے گا کہ اس کے اس فعل کا منشا رحم اور سخاوت نہیں۔ بلکہ اسکو شکار.. مقصود ہے۔ اور اگر وہ روزہ دار ہے تو اس حالت میں وہ روزہ دار ہی سمجھا جائے گا جیسے اپنے کو احمق شکار کو دام میں لانے کے لئے اپنے کو سوتا... بنا رکھا ہے۔ اور اس وقت یہ شخص بجائے اسکے کہ قابل تعریف ہو قابل ملامت ہو گا کہ وہ بدنام کنندہ نکونام چند ہے اور مخلص اہل سخا اور سچے روزہ داروں کو بدنام کرتا ہے۔

اسکی تو یہ حالت ہے مگر حق سبحانہٗ کا فضل و کرم دیکھو کہ باوجودیکہ وہ ٹیڑھی چال چلتا ہے۔ لیکن حق سبحانہٗ اپنے فضل سے خواہ اسکے استغفار کی بنا پر۔ یا اور کسی طاعت کیوجہ سے یا محض اپنے فضل سے انجام کار سے تمام برائیوں سے پاک کر دیتے ہیں کیونکہ ان کی رحمت ان کے غضب سے بڑی ہوتی ہے اور اس فریب کو جو کہ اصل میں طاعت ہے وہ نور دیتے ہیں کہ چودھویں رات کے چاند میں بھی وہ نور نہ ہوگا اور اسکے اعمال کو دھوکر آمیزش سیئات سے پاک کر دیتے ہیں اور اس کی رحمت ان کو غسل دیکر ان لغزشوں سے پاک صاف کر دیتی ہے۔ تاکہ اس کی شان غفاری ظاہر ہو اسلئے اسکی تمام برائیوں کو صاف

کرو تیا ہے۔ یہاں چونکہ طاعات مطہرہ ہیں النجاسات الروحانیہ کے تجنس اور حق کے پھر اسکو پاک کرنے کا بیان تھا۔ اسلیئے مولانا اس مضمون کی توضیح کے لیئے آگے پانی کا جو کہ مطہر من النجاسات الجسمانیہ ہے ناپاک ہو جانا۔ اور حق سبحانہٗ کا پھر اس کو پاک کرنا بیان فرماتے ہیں۔ اور کہتے ہیں:

پاک کردن آب ہمہ پلیدی ہا را و باز پاک کردن خدائے تعالیٰ آب را از پلیدی لاجرم حق تعالیٰ قدوس آمد

پانی کا تمام ناپاکیوں کو پاک کرنا اور پھر اللہ تعالیٰ کا پانی کو ناپاکی سے پاک کرنا لامحالہ اللہ تعالیٰ بہت پاک ثابت ہوا

آب بہر ایں ببارید از سماک[1] ✻ تا پلیداں را کند از خبث پاک
پانی ابر سے اس لئے برسایا ✻ تاکہ ناپاکوں کو نجاست سے پاک کردے

آب چوں بیکار گردد شد نجس ✻ تا چناں شد کاب را رد کرد حس
پانی جب بیکار ہوگیا ناپاک ہوگیا ✻ ایسا ہوگیا کہ پانی کو حس نے رد کردیا

حق ببردش باز در بحر صواب ✻ تا بشستش از کرم آں آب آب
اللہ تعالیٰ اس کو دوبارہ درستگی کے سمندر میں لے گیا ✻ یہاں تک کہ اس کے کرم نے پانی کو پانی سے دھو دیا

سال[2] دیگر آمد او دامن کشاں ✻ ہی کجا بودی؟ بدریای خوشاں
وہ دوسرے سال ناز و انداز سے آیا ✻ ہائیں؟ تو کہاں تھا؟ اچھوں کے دریا میں

من نجس زیں جا شدم پاک آمدم ✻ بستدم خلعت سوی خاک آمدم
میں اس جگہ سے ناپاک گیا، پاک آیا ہوں ✻ میں نے شاہی لباس حاصل کیا، زمین کی جانب آگیا ہوں

ہیں بیائید اے پلیداں سوی من ✻ کہ گرفت از خوی یزداں خوی من
خبردار! اے ناپاکو! میرے پاس آؤ ✻ کیونکہ میری عادت نے اللہ تعالیٰ کی عادت حاصل کرلی ہے

در پذیرم جملہ زشتیت را ✻ چوں ملک پاکی دہم عفریت را
میں تیری جملہ برائیوں کو قبول کرلیتا ہوں ✻ میں بھوت کو فرشتہ کی سی پاکی عطا کردیتا ہوں

ہے۔ کوشش۔ اللہ تعالیٰ نے اس عبادت کو جس میں ریا ہوتا ہے پاک صاف کردیتا ہے تاکہ اس کی غفاری کا مظاہرہ ہوسکے۔ پاک اللہ تعالیٰ پانی کے ذریعہ نجس کو پاک کردیتا ہے پھر اس ناپاک پانی کو از سر نو برسا کر پاک کردیتا ہے تاکہ اس کی صفت قدوسیت ظاہر ہوسکے

[1] سماک۔ ابر یا آسمان۔ خبث۔ نجاست۔ آب جب پانی ناپاک ہوجاتا ہے تو انسان اس کو استعمال نہیں کرتا ہے حضرت حق تعالیٰ اس کو پھر واپس بلو لیتا ہے اور اس کو

[2] سال دیگر۔ برسات کے موسم میں پھر وہ پانی پاک صاف ہوکر برس پڑتا ہے۔ جب اس پانی سے کوئی دریافت کرتا ہے تو وہ جواب دیتا ہے کہ میں جنتیوں کے دریا میں تھا۔ من نجس۔ میں اس دنیا میں ناپاک ہوگیا تھا اسلیئے چلا گیا تھا اللہ تعالیٰ نے مجھے پھر پاکی کی خلعت عطا فرمادی تو میں دوبارہ دنیا میں آگیا ہوں۔ ہیں۔ وہ پانی کہتا ہے کہ اے ناپاکو میری جانب آجاؤ میں تمہیں پاک کردونگا کیونکہ میں نے اللہ تعالیٰ کی صفت قدوسیت حاصل کرلی ہے۔ در پذیرم۔ میں سب برائیوں کو دھو دیتا ہوں اگر

چون شوم آلوده باز آنجا روم | سوئے اصلِ اصل پاکیہا روم

جب گندہ ہو جاتا ہوں پھر اُس جگہ چلا جاتا ہوں | اس پاکیوں کی اصل کی طرف چلا جاتا ہوں

دلقِ چرکیں بر کنم آنجا ز سر | خلعتِ پاکم دہد بارِ دگر

وہاں میلی گدڑی سر سے اُتار دیتا ہوں | وہ مجھے دوبارہ پاک لباس عنایت کر دیتا ہے

کارِ او این ست و کارِ من ہمیں | عالم آرا ایست ربّ العالمیں

اُس کا یہ کام ہے اور میرا یہ کام ہے | جہانوں کا پالنے والا، عالم کو سنوارنے والا ہے

گر نبودے این پلیدیہائے ما | کے بُدے این بارنامہ آب را

اگر یہ ہماری ناپاکیاں نہ ہوتیں | پانی کا یہ کارنامہ کب ہوتا؟

کیسہائے زر بدزدید از کسے | میرود ہر سو کہ ہیں کو مفلسے

کسی سے سونے کی تھیلیاں چُرائے ہوئے | ہر جانب بہتا ہے کہ ہاں مفلس کہاں ہے؟

تا بریزد بر گیاہِ رُستہ | تا بشوید روی ہر نا شُستہ

تاکہ اُگی ہوئی گھاس پر بہادے | تاکہ ہر نہ دُھلے ہوئے کا مُنہ دھو دے

تا بگیرد بر سر او حمّال وار | کشتیِ بے دست و پا را در بحار

تاکہ بوجھ اُٹھانے والے کی طرح سر پر لے لے | سمندروں میں بے دست و پا کشتی کو

صد ہزاران دارو اندر وے نہاں | زانکہ دارو زو بروید در جہاں

اُس میں لاکھوں دوائیں پوشیدہ ہیں | کیونکہ دوا دنیا میں اُسی سے اُگتی ہے

جانِ ہر درّے دلِ ہر دانہ | میرود در جُو چو دارو خانہ

وہ پانی، ہر درد کی جان اور ہر دانہ کا دل ہے | وہ اُس نہر میں چلا جاتا ہے جو دوا خانہ کی طرح ہے

زو یتیمانِ زمیں را پرورش | تشنگانِ خشک را از وے روش

زمین کے یتیموں کی اُس سے پرورش ہے | خشک پیاسوں کی اُس سے رفتار ہے

استعانت خواستن آب از حق تعالیٰ بعد از تیرہ شدن

پانی کا گدلا ہونے کے بعد حضرتِ حق تعالیٰ سے مدد چاہنا اور

وقبول کردن حق تعالیٰ دعائے آب را

اللہ تعالیٰ کا پانی کی دعا کو قبول کرنا

چون نماند مایہ اش تیرہ شود | ہمچو ما اندر زمیں خیرہ شود

جب اُس کا سرمایہ نہیں رہتا وہ گدلا ہو جاتا ہے | ہماری طرح زمین میں حیران ہو جاتا ہے

نالہ از باطن بر آرد کاے خدا | آنچہ دادی دادم و ماندم گدا

اندر سے فریاد کرتا ہے کہ اے خدا! | جو کچھ تو نے دیا تھا میں نے دیدیا اور میں فقیر ہو گیا

انسان شیطان بھی ہے تو اُس کو فرشتہ کی طرح پاک صاف بنا دیتا ہوں۔

۵۲ چون شوم۔ جب ناپاک ہو جاؤں گا پھر اُس دربار میں پہنچ جاؤں گا اور از سرِ نو پاکی حاصل کروں گا۔ کار او۔ اللہ تعالیٰ کا کام پاک کرنا ہے اور میرا کام دوسروں کو پاک کر کے آلودہ ہو جانا ہے۔ گر نبودے۔ اگر دنیا میں ناپاکی نہ ہوتی تو پانی کی صفت ظاہر نہ ہوتی کیسہائے۔ پانی ہر ضرورتمند کو سیراب کرتا ہے

۵۳ تا بریزد۔ پانی گھاس کو سیراب کرتا ہے ہر ناپاک کو پاک بناتا ہے دریا میں اپنے سر پر کشتی کو لئے پھرتا ہے۔ صد ہزاراں۔ بوٹیوں میں شفا کی خاصیت پانی سے پیدا ہوتی ہے۔ جان۔ پانی [illegible]

۵۴ زو۔ زمین کے بے سہارا اُس سے سہارا پکڑتے ہیں اور خشک اُس سے تری حاصل کرتے ہیں۔ استعانت۔ پانی نے اللہ تعالیٰ سے درخواست کی کہ گدلا ہو جانے کے بعد وہ پھر صاف ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ نے اُس کی دعا قبول فرمائی خیرہ۔ حیران۔ نالہ۔ پانی فریاد کرتا ہے کہ جو پاکی تو نے مجھے عنایت کی تھی وہ میں نے دوسروں کو دیدی۔ هل من مزید۔ کیا کچھ اور ہے!

رنجتم سرمایہ بر پاک و پلید
میں نے سرمایہ پاک اور ناپاک پر بہا دیا

اے شہ سرمایہ دِہ هَل مِن مَزِید
اے سرمایہ عطا کرنے والے شاہ! اور زیادہ عطا کر

ابر را گوید ببر جائے خوشش
ابر کو حکم فرماتا ہے کہ اُس کو اچھی جگہ لے جا

ہم تو خورشیدا بیا بالا برکششش
سورج تو بھی آ، اُس کو اوپر کھینچ لے

راہہائے مختلف میراندش
وہ اُسکو مختلف راستوں پر چلاتا ہے

تا رساند سوئے بحر بیحدش
یہاں تک کہ اُس کو لامحدود دریا تک پہنچا دیتا ہے

خود غرض زیں آب جانِ اولیاست
اِس پانی سے مقصود اولیاء کی جان ہے

کو غسولِ تیرگی ہائے شماست
کیونکہ وہ تمہاری تاریکیوں کو دھونیوالی ہے

چوں شود تیرہ ز غسلِ اہلِ فرش
جب وہ زمین والوں کو دھونے سے میلی ہوجاتی ہو

باز گردد سوئے پاکی بخشِ عرش
عرش کو پاکی بخشنے والے کی طرف واپس ہوجاتی ہو

باز آرد زاں طرف دامن کشاں
اسی جانب سے پھر لاتی ہو دامن پھیلائے ہوئے

از طہاراتِ محیط اُو دُرفشاں
وہ موتی برسانے والی محیط کی پاکیزگیوں کو

وز تیمم وارہاند جملہ را
سب کو تیمم سے نجات دلاتی ہے

وز تحری طالبانِ قبلہ را
اور قبلہ کے طلبگاروں کو اٹکل کرنے سے

زاختلاطِ خلق یابد اعتلال
لوگوں میں گھلنے ملنے سے وہ بیماری محسوس کرتی ہے

آں سفر جوید کارِحنا یا بلال
وہ سفر تلاش کرتی ہے جیسا کہ اے بلال ہمیں آرام

اے بلالِ خوش نوائے خوش صہیل
اے خوش نوا، خوش آواز بلال!

میذنہ بر رو بزن طبلِ رحیل
میذنہ پر جا، کوچ کا نقارہ بجا دے

جاں سفر رفت و بدن اندر قیام
جان سفر میں چلی گئی اور بدن قیام میں ہے

وقتِ رجعت زیں سبب گوید سلام
واپسی کے وقت اسی لئے سلام کرتی ہے

ایں مثل چوں واسطہ ست اندر کلام
یہ مثال گفتگو میں واسطہ کی طرح ہے

واسطہ شرط ست بہرِ فہمِ عام
عوام کے سمجھنے کے لئے واسطہ ضروری ہے

اندر آتش کے رود بے واسطہ
بغیر واسطہ کے آگ میں کب جاتا ہے؟

جز سمندر کو رہید از رابطہ
سوائے سمندر (کیڑے) کے جو واسطے آزاد ہوگیا ہے

واسطہ حمام باید مر ترا
تیرے لئے حمام کا واسطہ چاہئے

تا ز آتش خوش کنی تو طبع را
تاکہ تو گرمی سے طبیعت کو خوش کرے

چوں نتانی شد در آتش چوں خلیل
جبکہ تو خلیل (علیہ السلام) کی طرح آگ میں نہیں جاسکتا ہے

گشت حمامت رسول آبت دلیل
رسول تیرا حمام (اور) پانی تیرا رہنما بنا

سیری از حق ست لیک اہلِ طبع
پیٹ بھرنا اللہ کی جانب سے ہے لیکن طبیعت والا

کے رسد بے واسطہ ناں در شبع
پیٹ بھرنے کو روٹی کے واسطے کے بغیر کب پہنچتا ہے؟

---

۱۲ ابر۔ اِس فرہاد پر اختتام ابر کو حکم دیتا ہے کہ اِس پانی کو تو دوسری جگہ لے جا اور سورج کو حکم دیتا ہے کہ تو پانی کو اوپر کھینچ لے چنانچہ سورج اپنی گرمی سے اسکو بھاپ بنا کر اوپر کھینچ لیتا ہے۔

۱۳ خود غرض۔ اِس پانی کے احوال کے ذریعے سے مقصد اولیاء کرام کے حالات کو سمجھانا تھا اولیاء بھی تمہاری نجاستوں کو پاک کرتے ہیں۔ چوں۔ جب عوام کے اختلاط سے انہیں کدورت پیدا ہو جاتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتے ہیں اور تَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيلًا۔ اُس اللہ کی طرف رجوع کرنے پر عمل کرتے ہیں۔ باز آرد۔ جب شیخ تبتل اختیار کرلیتا ہے تو پھر اُس میں منجانب اللہ تطہیر کی طاقت آجاتی ہے۔ وز تیمم۔ اب وہ مریدوں کو طہارت کا ملہ عطا کرتا ہے اور یقین کے درجہ پر پہنچا دیتا ہے۔ اعتلال بیمار ہونا۔

۱۴ طبلِ رحیل۔ سفر کا نقارہ یعنی رجوع الی اللہ کا اعلان۔ جاں سفر۔ نماز کی حالت میں روح قرب الٰہی کا سفر اختیار کرلیتی ہے اور جسم رکوع و سجود ادا کرتا ہے نماز کے ختم پر جو سلام ہے وہ گویا روح واپس آکر سلام کرتی ہے۔ ایں مثل۔ رجوع الی اللہ کے سلسلہ میں آنحضورؐ کی یہ مثال مطلب سمجھانے کے لئے ایک واسطہ اور ذریعہ ہے۔ عوام بغیر مثال اور واسطے کے مقصد تک نہیں پہنچتے ہیں۔ اندر آتش۔ سمندر کیڑا بغیر کسی واسطہ کے آگ سے مستفید

ہوتا ہے دوسرے کسی واسطہ کے ذریعہ آگ سے فائدہ حاصل کرتے ہیں۔
۲ے حمام۔ حمام آگ سے گرم کیا جاتا ہے عوام اس کے

لطف از حق ست لیکن اہلِ تن
در نیابد لطف بے پردہ چمن
لطف اللہ کی جانب سے ہے لیکن جسم والا — چمن کے پردے کے بغیر لطف حاصل نہیں کرتا ہے

چوں نماند واسطہ تن بے حجیب
ہمچو موسیٰؑ نور مہ تا بد ز جیب
جب واسطہ نہیں رہتا جسم بغیر پردے کے — حضرت موسیٰؑ کی طرح چاند کا نور گریبان میں سے چمکتا

واسطہ سے آگ کی گرمی سے مستفید ہوتے ہیں چوں ثانی۔ حضرت ابراہیمؑ کو واسطہ کی ضرورت نہ تھی عوام کے لئے رسول بمنزلہ حمام اور ان کی شریعت بمنزلہ پانی کے ہے ——— تیری۔ پیٹ کا بھرنا منجانب اللہ ہے لیکن اس کے لئے روٹی واسطہ ہے لطف اللہ کی جانب سے ہے چمن اس کا واسطہ ہے۔ ۳ے چوں نماند۔ جب وسائط ختم ہو جاتے ہیں تو پھر براہ راست استفادہ ہونے لگتا ہے۔ اتمی چیز یعنی پانی کا دوسری چیزوں کو پاک کرنا اور پھر خود پاک ہو جانا فعل و قول۔ انسان کے فعل اور اقوال سے شخص کے باطن کا حال معلوم ہوتا ہے۔

شرح دیکھو! پانی آسمان سے اسلئے برسایا ہے وہ ناپاکوں کو نجاست سے پاک کرے۔ لیکن جب وہ بیکار اور ناپاک ہو جاتا ہے اور نوبت یہاں تک پہنچ جاتی ہے کہ بوجہ تغیر رائحہ یا طعم یا لون حس اس کو رد کر دیتی ہے تو حق سبحانہٗ پھر اسکو سمندر میں لے جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ آب آب یعنی مطہر آب سمندر اپنی سخاوت سے اسے دھو کر پاک کر دیتا ہے۔ دوسرے سال وہ پھر دامن کشاں آتا ہے۔ لوگ اس سے بزبانِ حال کہتے ہیں کہ ہیں! تو کہاں تھا تو وہ جواب دیتا ہے کہ اچھے دریا میں۔ میں یہاں سے ناپاک ہو کر گیا تھا۔ اب پاک ہو کر آیا ہوں۔ میں نے خلعت طہارت و تطہیر لے لی ہے اور خاک کی طرف آ گیا ہوں۔ پس اے ناپاکو! تم میری طرف آؤ کیونکہ اب میری طبیعت نے حق سبحانہٗ کے خلق غفاری سے حصہ لے لیا۔ اب میں تمہاری تمام برائیوں کو قبول کر لوں گا اور اگر شیطان کی طرح بھی کوئی ناپاک ہوگا۔ تو میں اسے فرشتہ کی طرح بنا دوں گا اور جب میں پھر ناپاک ہو جاؤں گا تو پھر وہیں لوٹ جاؤں گا۔ جہاں سے آیا تھا اور اسکی طرف چلا جاؤں گا جو تمام پاکیوں کا مبدٔ ہے۔ یعنی حق سبحانہٗ کی طرف۔ وہاں جا کر میلی گدڑی سر سے اتار ڈالوں گا اور وہ نئی پاک خلعت پھر عطا فرمائے گا۔
کہ وہ مجھے پاک خلعت دے اور میرا یہی کام کہ میں پھر اسکو ناپاک کر دوں خلعت پاک دینا

اس کا کام اسلئے ہے کہ وہ پروردگار عالم ۔ عالَم کو سنوارنے والا اور اسکی خرابیوں کو دُور کرنے والا ہے اس پر اگر کوئی یہ کہے کہ جب وہ عالَم آرار ہے تو اس نے ناپاکیاں کیوں پیدا کیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر ہماری ناپاکیاں نہ ہوتیں تو پانی کے لیے یہ شان و شوکت جواب ہے کب ہوتی کیونکہ یہ تو ناپاکیوں ہی کے سبب ہے بس جبکہ ناپاکیاں نہ ہوتیں تو یہ شان و شوکت بھی نہ ہوتی اور چونکہ اس کا وجود حق سبحانہٗ کی ان صفات کے ظہور کی وجہ سے جن کا ظہور اس سے متعلق ہے ضروری تھا اسلئے نجاسات کا وجود بھی ضروری ہوا ۔ اب مولانا پانی کے اوصاف بیان کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اس نے کسی سے سونے کی تھیلیاں چرا لی ہیں یعنی اوصاف نافعہ حق سبحانہٗ سے حاصل کر لیے ہیں اور ہر طرف ڈھونڈتا پھرتا ہے اور کہتا ہے کہ کوئی مفلس (حاجت مند) ہے کہ میں اسے نفع پہنچاؤں یہاں تک کہ جب وہ کہیں گھاس اگا ہوا دیکھتا ہے تو اس پر وہ اپنی منبع کا منہ کھول دیتا ہے یعنی اُسے سیراب کر دیتا ہے اور جہاں کہیں کوئی بے دُھلی شے ملتی ہے اسے دھو دیتا ہے نیز وہ حال کی طرح دریاؤں میں بے دست و پا کشتی کو سر پر اٹھا کر کنارے تک پہنچا دیتا ہے نیز اس میں لاکھوں ادائیں پوشیدہ ہیں ۔ کیونکہ ادویہ نباتیہ و حیوانیہ اسی سے پیدا ہوتی ہیں غرضکہ وہ ہر تکلیف کی محبوب جان ہے ۔ کیونکہ اس سے اس کا ازالہ ہوتا ہے ۔ اور ہر دانہ کا دل ہے .... کیونکہ اس سے اس کی پرورش ہوتی ہے اور وہ ندی میں بہتا ہے جو کہ مثل دواخانہ کے ہے ۔ یتیمانِ زمین (نباتات) اسکی پرورش پلتے ہیں اور تشنگاں خشک اُس سے سیراب ہوتے ہیں ۔ غرض کہ وہ خوب سخاوت کرتا ہے مگر جب اس کا سرمایہ ختم ہو جاتا ہے اور وہ مکدر ہو جاتا ہے اور ہماری طرح زمین میں آکر خراب ہو جاتا ہے تو وہ اپنے دل سے نالہ کرتا ہے اور کہتا ہے کہ اے خدا جو کچھ تو نے دیا تھا وہ سب صرف کر چکا اور اب مفلس رہ گیا ۔ میں نے اپنا سرمایہ پاک و ناپاک سب پر صرف کیا اور میرے پاس کچھ نہیں بچا ۔ اب اے سرمایہ دینے والے خدا اور دیجئے

اس پر حق سبحانہٗ ابر کو حکم دیتے ہیں کہ اسے عمدہ جگہ یعنی دریا میں پہنچا دو اور..
آفتاب کو حکم دیتے ہیں کہ بذریعہ تبخیر کے اسے اوپر کھینچ لو - پس ابر و خورشید اس
حکم کی تعمیل کرتے ہیں اور اس طرح سے حق سبحانہٗ اسے مختلف راستوں میں چلاتے
ہیں - اور دریا بے حد میں پہنچا دیتے ہیں - جہاں وہ پاک ہوتا ہے اور پاک ہو کر
دوسروں کو پاک کرنے آتا ہے اور یہی سلسلہ جاری رہتا ہے - پانی کی حالت کا بیان
تو ختم ہوا - مگر تم اس کو مقصود اصلی نہ سمجھنا - بلکہ اصلی مقصود اس سے اولیاء اللہ
کی حالت کا بیان ہے جو کہ تمہاری باطنی نجاستوں کو دھوتے ہیں - یعنی جب یہ لوگ
اہل دنیا کی تطہیر سے فی الجملہ مکدر ہو جاتے ہیں اور ان پر گونہ غفلت طاری ہو جاتی
ہے تو مطہرِ عرش (حق سبحانہٗ) کی طرف لوٹتے ہیں - اور وہاں سے وہ اس بحر
بے پایاں (حق سبحانہٗ) سے طہارت لے کر دامن کشاں اور دُرِ فشاں واپس
آتے ہیں اور لوگوں کو تیمم سے نجات دیتے ہیں - اور طالبان قبلہ کو تحری سے..
چھڑاتے ہیں (تیمم و تحری سے مراد ایمان تقلیدی ہے اور قبلہ سے حق سبحانہٗ) تفصیل
اس کی یہ ہے کہ جب آپ کی ارواح لوگوں کے اختلاط کے سبب گونہ مریض ہو جاتی
ہیں - اور طریان غفلت کے سبب ان کا مزاج اعتدال سے کسی قدر منحرف ہو جاتا ہے
تو اس نجاست معنوی سے پاک ہونے کے لئے وہ سفر چاہتی ہیں جس کی طرف
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے "اَرِحْنَا یَا بِلَالُ" سے اشارہ کیا جس کے معنی یہ ہیں کہ
ای حسن الصوت اور خوش آواز بلال تم منارہ پر جاؤ - اور روح کے عالم بالا
کی طرف سفر کا نقارہ بجاؤ - یعنی نماز کے لیے جو کہ معراج المومنین ہے اذان
دو - تاکہ ہم مشاہدہ محبوب حقیقی کے سبب اس تکلیف سے نجات پا دیں جو عوام
کے اختلاط کے سبب ہماری شان کے موافق مشاہدہ محبوب سے گونہ غافل ہو جانے
سے ہمارے روح کو پہنچی ہے - اور وہ لوگ نماز میں مشغول ہو جاتے ہیں - اس

وقت ان کی یہ حالت ہوتی ہے کہ روح بسیر معنوی حق سبحانہٗ کی طرف چلی جاتی ہے اور بدن کھڑا رہتا ہے اور چونکہ روح رخصت ہوجاتی ہے۔
یہی وجہ ہے کہ جب وہ اختتام نماز کے وقت واپس ہوتے ہیں نہ تو سلام کرتی ہے۔ جس طرح کہ آدمی غیبت جسمی کے بعد جب دوبارہ ملتا ہے تو سلام کرتا ہی پس جبکہ وہ تجدید مشاہدہ سے غفلت طاریہ کو زائل کر چکتے ہیں تو پھر لوگوں کی تطہیر میں مشغول ہوجاتے ہیں اور اس کو ایمان تقلیدی سے ایمان حقیقی تک پہنچاتے ہیں۔ اور مبتلایان ظن وگمان کو یقین سے بہرہ یاب کرتے ہیں اور جب پھر ان کا آئینۂ قلب کچھ مکدر ہوجاتا ہے تو اس کدورت کو پھر اسی تدبیر سے زائل کر دیتے ہیں وہکذا۔
رہی یہ بات کہ اس مقصود کو تمثیل کے پیرایہ میں کیوں بیان کیا تو اس کا جواب یہ ہے کہ کلام کے اندر مثال سامع اور مقصود کے درمیان واسطہ ہوتی ہے جو کہ سامع کو مقصود تک پہنچاتی ہے اور عوام کے مقصود کو سمجھنے کے لئے واسطہ کی ضرورت ہے۔ کیونکہ ان میں یہ قابلیت نہیں ہوتی کہ بلا واسطہ مثال مقصود تک پہنچ جاویں یہ کام خواص کا ہے۔ مثلاً آگ میں جانے کے لئے سمندر کو تو واسطہ کی ضرورت نہیں مگر اور کوئی تو نہیں جا سکتا۔ اسکی آگ سے اپنی طبیعت خوش کرنے کے لیے تو حمام کے واسطہ کی ضرورت ہے۔ نیز جب کوئی حضرت ابراہیمؑ کی طرح بلا واسطہ آگ میں نہ جا سکے تو اس کے لیے حمام ہی رسول ہے اور پانی ہی رہبر ہے۔ یعنی حمام اور پانی ہی کے توسط سے وہ آگ سے مستفید ہوسکتا ہے اور اسکے بغیر نہیں غرضکہ عادت اللہ یوں ہی جاری ہے کہ جب تک آدمی اس خاص درجہ تک نہیں پہنچتا جہاں تک پہنچکر بنا بر عادت الٰہیہ واسطہ کی ضرورت نہیں رہتی۔ اس وقت تک واسطہ ضروری ہے مثلاً پیٹ بھرنے والے حق سبحانہٗ ہیں لیکن

آدمی کو بدوں رُوٹی کے توسط کے سیری نہیں ہوتی - علیٰ ہٰذا لطف حق سبحانہٗ کی جانب سے ہے - مگر عادت بدوں توسط چمن وغیرہ کے پابند نفوس کو حاصل نہیں ہوسکتا ہاں جبکہ پردۂ تن اُٹھ جاتا ہے اور فیضان بلا حجاب کے شرط عادی متحقق ہوتی ہے اس وقت وہ حق سبحانہٗ سے موسیٰ علیہ السلام کی طرح بلا واسطہ مستفیض ہوتا ہے - اور جس طرح اسکو بلا توسط ماہ وغیرہ حق سبحانہٗ سے براہِ راست نور ملا تھا - یوں ہی اس پر بلا توسط فیضان ہوتا ہے -

(ہٰذا ہو المراد ولا یلتفت الی ماقال المحشون فانہم اخرجوا الکلام من الانسان وقالوا ما قالوا)

گواہی دادن فعل وقولِ بیرونی بر ضمیر ونورِ اندرونی

بیرونی قول و فعل کا دل اور اندرونی نور پر گواہی دینا

این ہنر ہا آب را ہم شاہدست — کاندرونش پُر ز نورِ ایزدست

یہ ہنر پانی کے بھی گواہ ہیں — کہ اس کا باطن خدائی نور سے پُر ہے

فعل وقول آمد گواہانِ ضمیر — زیں دو بر باطن تو استدلال گیر

فعل اور قول دل کے گواہ ہیں — ان دونوں سے تو باطن پر دلیل حاصل کیجے

چوں[1] ندارد سیر سِرّت در دروں — بنگر اندر بولِ رنجور از بروں

جب تیرا باطن اندر کی سیر نہیں کرسکتا ہے — تو بیمار کے پیشاب پر باہر سے غور کرے

فعل وقول آں بولِ رنجوراں بود — کہ طبیبِ جسم را بُرہاں بود

بیماروں کا قول و فعل وہ پیشاب ہے — جو جسمانی طبیب کے لیے دلیل ہے

واں طبیبِ روح در جانش رود — وز رہِ جاں اندر ایمانش رود

روحانی طبیب اُس کی روح میں گھستا ہے — اور روح کے راستہ سے اسکے ایمان میں چلا جاتا ہے

حاجتش نبود بقول وفعلِ خوب — اُحذَرُوہُم ہُم جَواسِیسُ القُلُوب

اُس کو اچھے فعل و قول کی ضرورت نہیں ہے — اُن سے ڈرو، وہ دلوں کے جاسوس ہیں

این[2] گواہِ فعل وقول از ز بحری — کو بدریا نیست واصل ہمچو جُوی

یہ فعل و قول کی گواہی اس میں تلاش کر — جو دریا سے نہر کی طرح ملا ہوا ہے

---

[1] چوں ندارد. طبیب مریض کے اندر کی حالت نہیں دیکھ سکتا تو وہ قارورہ کے ذریعہ حالت معلوم کرتا ہے. واں طبیب. شیخ جو روحانی طبیب ہے وہ مرید کے باطن کی سیر کرلیتا ہے لہٰذا اُس کو مرید کے قول و فعل سے استدلال کی ضرورت نہیں ہے شیوخ دلوں کے جاسوس ہوتے ہیں.

[2] این گواہ. عوام کو شیخ کے انتخاب میں شیخ کے قول وفعل سے اس کے باطن پر استدلال کرنا چاہیئے اور پتہ لگانا چاہیئے کہ اُس کا اتصال بحرِ حقیقت سے ہے یا نہیں تا چہ دارد. اُس کا قول وفعل اُس کے ضمیر کو بتائے گا. بہرِ صید. یہ معلوم کرلینا ضروری ہے کہ اُس کا ظاہر محض لوگوں کو پھنسانے کے لیے ہے یا اُس میں کوئی حقیقت پوشیدہ ہے

قول و فعلِ اُو گواہِ اُو بُوَد — کو بدریا مُتّصل چوں جُو بُوَد
اُس کا قول و فعل اُس کا گواہ ہوتا ہے — جو نہر کی طرح دریا سے ملا ہوا ہوتا ہے

بنگر اندر فعلِ اُو و قولِ اُو — تا چہ دارد در ضمیر آں راز جُو
اُس کے فعل اور اُس کے قول کو دیکھ — کہ وہ راز کو تلاش کرنے والا دل میں کیا رکھتا ہے

نورِ شِ اندر مرتبت چندست و چیست — بہرِ صید اُو دانہ پاشد یا نجیست
اُس کے مرتبہ میں نُور کتنا اور کیسا ہے — وہ شکار کے لئے دانہ ڈال رہا ہو یا سخی ہے

گر بُوَد صیّاد از وے دُور شو — واں فسون و فعل و قولش کم شنو
اگر وہ شکاری ہے اُس سے دُور ہو جا — اُس کا منتر اور فعل و قول نہ سُن

ور بُوَد صدّیق دست از وے مدار — تا رَساند مر ترا سُوئے بحار
اگر وہ صدیق ہے تو اُس سے دستبردار نہ ہو — تاکہ وہ تجھے سمندروں تک پہنچا دے

۳ ور بُوَد۔ اگر وہ محض بناوٹی شیخ ہے تو اُس کے قول و فعل کی طرف دھیان نہ کر۔ ور بُوَد۔ اور اگر وہ شیخ صادق ہے تو اُس سے وابستہ ہو جا تاکہ وہ حقیقت کے سمندر تک پہنچا دے۔ در بیان۔ اگر شیخ میں خدائی نور ہوتا ہے تو وہ تمام ظاہر ہو کر رہتا ہے اور اُس کے اظہار کیلئے شیخ کے کسی قول و فعل کی ضرورت نہیں ہے۔

در بیانِ آنکہ آں نورِ خدا خود را از اندرونِ سِرِّ عارف ظاہر
اس کا بیان کہ وہ خدائی نور جو خود کو عارف کے باطن سے بغیر عارف کے

کند بر خلقاں بے فعلِ عارف و بے قولِ عارف افزوں باشد
فعل کے اور بغیر عارف کے قول کے لوگوں پر ظاہر کرے وہ اُس نور سے

ازاں کہ بفعل و قولِ اُو ظاہر گردد چنانکہ چوں آفتاب بلند
بڑھا ہوا ہے جو اُس کے فعل اور قول سے ظاہر ہو جیسا کہ جب سورج نکلتا ہے تو

شود بیانگ خروس و اعلام مُوذّن و علاماتِ دیگر حاجت نیاید
اُسکو مرغے کی اذان اور مؤذن کے بتانے اور دوسری علامتوں کی ضرورت نہیں ہوتی ہے

لیک[۱] نورِ سالکے کز حد گذشت — نورِ اُو پُر شد بیابانہا و دشت
لیکن سالک کا وہ نور جو حد سے بڑھ گیا ہے — اُس کے نور سے جنگل اور بیابان پر ہو جاتے ہیں

شاہدیش فارغ آمد از شہود — و ز تکلّفہای و جانبازی و جود
اُسکی گواہی گواہیوں سے بے نیاز ہے — اور جسم کے تکلفات اور جانبازی سے

نورِ آں گوہر چو بیروں تافتست — زیں تسلّسہا فراغت یافتہ است
جبکہ اُس کے نور کا جوہر باہر چمک گیا ہے — اُس کو اِن مکاریوں سے نجات مل گئی ہے

پس[۲] مجو از وے گواہ فعل و گفت — کہ از و ہر دو جہاں چوں گُل شگفت
تو اُس سے فعل و قول کا گواہ نہ چاہ — کیونکہ دونوں جہاں اُسکی وجہ سے پھول کی طرح کھلے ہیں

ایں گواہی چیست؟ اظہارِ نہاں — خواہ قول و خواہ فعل و غیرِ آں
یہ گواہی کیا ہے؟ پوشیدہ کو ظاہر کرنا ہے — خواہ وہ (گواہی) قول ہو اور خواہ فعل اور اُسکے علاوہ ہو

۱ لیک۔ عارف باللہ میں وہ نور ہوتا ہے کہ اس سے عالم پُر ہو جاتا ہے۔ شاہدیش۔ اُس کے لئے گواہوں کی گواہی کی ضرورت نہیں ہے... نور آں۔ اُس کے جوہر کا نور ایسا روشن ہوتا ہے کہ اُس کے اظہار کے لئے کسی تکلف کی کوئی ضرورت نہیں ہے
۲ پس مجو۔ ایسے شیخ کی صداقت پر اس کے قول و فعل سے گواہی چاہنا مناسب نہیں ہے۔ کہ عرض بعرض فنا ہو جاتا ہے جوہر باقی رہتا ہے قول و فعل عرض ہے اور نورِ باطن جوہر ہے۔ جز تعبرست یعنی فانی ہے۔ وصف یعنی نورِ باطن۔ ایں نشان۔ سونے کو پہچاننے کے لئے کسوٹی پر کسا جاتا ہے وہ کس فنا ہو جاتا ہے اور سونا باقی رہتا ہے۔

کہ عرض اظہارِ سرِ جوہر ست
کیونکہ جوہر کے راز کا ظاہر کرنا عرض ہے

وصف باقی ویں عرض بر معبر
صفت باقی ہے اور یہ عرض گذرگاہ پر ہے

این نشانِ زر نماند بر محک
کسوٹی پر سونے کا یہ نشان (باقی) نہیں رہتا

زر بماند نیک نام و بے زشک
سونا نیک نام اور بے شک (باقی) رہتا ہے

این[۵۳] صلوٰۃ و این جہاد و این صیام
یہ نماز اور یہ جہاد اور یہ روزے

ہم نماند جاں بماند نیک نام
بھی نہ رہیں گے جان نیک نام رہیگی

جاں چنیں افعال و اقوالے نمود
جان نے ایسے افعال اور اقوال ظاہر کیئے

بر محکِ امر جوہر را بسود
جوہر کو امر کی کسوٹی پر گھسا

کاعتقادم راست ست اینک گواہ
کہ میرا عقیدہ درست ہے، یہ گواہ ہے

لیک ہست اندر گواہاں اشتباہ
لیکن گواہوں میں شبہ ہوتا ہے

تزکیہ باید گواہاں را بداں
سمجھ لے گواہوں میں عدالت ہونی چاہیئے

تزکیہ اش اخلاص و موقوفی بداں
اُس کی عدالت اخلاص اور تیرا اُس پر مطلع ہونا ہے

حفظِ لفظ اندر گواہِ قولی ست
قولی گواہ میں لفظوں کی نگہداشت ہے

حفظِ عہد اندر گواہِ فعلی ست
عملی گواہ میں عہد کی حفاظت ہے

گر گواہِ[۵۵] قول کژ گوید رَدست
اگر قولی گواہ ٹیڑھی بات کہے تو رَد ہے

ور گواہِ فعل کژ پوید بدست
اگر فعلی گواہ ٹیڑھا چلے تو بد ہے

قول و فعلِ بے تناقض بایدت
بغیر اختلاف کا قول و فعل تیرے لئے ضروری ہے

تا قبول اندر زماں پیش آیدت
تاکہ زمانہ میں قبولیت تیرے سامنے آئے

سعیکم شتیٰ تناقض اندرید
تمہاری کوششیں مختلف ہیں تم تناقض میں ہو

روز میدوزید و شب بر میدرید
دن کو سیتے ہو اور رات کو پھاڑتے ہو

پس گواہی با تناقض کہ شنود
تو تناقض کے ساتھ گواہی کون سنتا ہے؟

یا مگر حلمے کند از لطفِ خود
ہاں اگر اپنی مہربانی سے فیصلہ کرے

فعل[۵۶] و قول اظہارِ سرست و ضمیر
فعل اور قول راز اور دل کا اظہار ہے

ہر دو پیدا میکند سرِ ستیر
دونوں چھپے ہوئے راز کو ظاہر کر دیتے ہیں

چوں گواہت تزکیہ شد شد قبول
جب تیرے گواہ کی عدالت ثابت ہوگئی وہ مقبول ہوگیا

ور نہ محبوس ست اندر مول مول
ورنہ وہ ٹھہراؤ ٹھہراؤ میں پھنسا ہوا ہے

تا تو بستیزی ستیزند اے حروں
اے سرکش، جب تک تو جھگڑا کریگا وہ جھگڑیں گے

فانتظر ہم انہم منتظرون
پس قرآن کا انتظار کر وہ بھی منتظر ہیں

کہ تیری زبان سے کوئی غلط بات نہ نکلے گواہ فعلی ... عہدِ الست کی برابر نگہداشت رکھے۔

---

[۵۳] این صلوٰۃ۔ عبادات کے ذریعہ روح کو نیکنامی حاصل ہوتی ہے یہ عبادات فانی ہیں نیکنامی باقی رہتی ہے۔ جاں۔ روح اپنی نیکنامی کیلئے خدائی حکم کے مطابق افعال و اقوال ظاہر کرتی ہے اور بتاتی ہے کہ میرا اعتقاد درست ہے اور یہ افعال و اقوال اسکے گواہ ہیں لیکن ہر گواہ قابلِ قبول نہیں ہوتا بلکہ عادل گواہ قابلِ اعتبار ہوتا ہے اسلیئے گواہ کا تزکیہ یعنی اُسکی عدالت ثابت کرنا ضروری ہے افعال و اقوال کا تزکیہ یہ ہے کہ انمیں اخلاص ہو یا دخیرہ نہ ہو حفظِ لفظ۔ تیرا ایمان جو گواہِ قولی ہے اسمیں اسکی ضرورت:

[۵۵] گر گواہ قول۔ قولی گواہ ہے اگر کوئی لفظ غلط نکلے گا تو گواہ مردود ہو جائیگا فعلی گواہ میں اگر کوئی عمل عہدِ الست کے خلاف ہوگا تو وہ مردود ہو جائیگا۔ قول و فعل۔ ان دونوں گواہوں میں موافقت ضروری ہے ورنہ مردود ہو جائیں گے۔ سعیکم شتیٰ۔ تمہاری کوششیں مختلف ہیں قرآن پاک میں ہے اِنَّ سَعْیَکُمْ لَشَتّٰی۔ روز۔ دن میں کچھ رات میں کچھ اور کرتے ہیں۔ یا مگر۔ یہ گواہی مردود ہے۔ ہاں خدا اپنے فضل سے قبول کرسکتا ہے۔

[۵۶] فعل و قول۔ انسان کا قول و فعل اس کے دل میں چھپی ہوئی کیفیت ظاہر کرتے ہیں۔ چوں۔ اگر گواہوں کی نیکی ثابت ہوجاتی ہے تو گواہی مقبول ہوجاتی ہے ورنہ گواہ خود پھنس جاتا

شرح یہاں سے مولانا مضمون سابق کی طرف انتقال فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم نے کہا تھا کہ اقوال وافعال صفات باطنیہ پر دلالت کرتے ہیں اور اس مضمون کو ہم نے امثلہ و شواہد سے بیان کیا تھا۔

اب سنو! کہ جس طرح افعال واقوال مذکورہ صفات باطنہ مذکورہ پر دلالت کرتے ہیں۔ یوں ہی پانی کے صفات مذکورہ ہی اس پر دلالت کرتی ہیں کہ اس کا باطن نور حق سبحانہٗ یعنی اسکی صفت غفاری وجود سے لبریز ہے پس چونکہ اقوال وافعال صفت باطنہ پر شاہد ہیں لہٰذا تم کو چاہیئے کہ ان دونوں سے تم اس کے مصدر کی باطنی حالت معلوم کرو۔ کیونکہ جب تمہارا قلب دوسروں کے اندر رونے کی حالت نہیں معلوم کر سکتا۔ تو اب بجز اس کے کوئی چارہ نہیں کہ تم قارورہ سے اس کی حالت معلوم کرو۔ لہٰذا تم کو باہر سے قارورہ دیکھنا چاہیئے اور اس ذریعے سے اسکی حالت معلوم کرنی چاہیئے۔

قارورہ جو کہ انسان کے جسم کے لئے احوال باطنہ کو ظاہر کرتا ہے اس سے مراد ہماری اس مقام پر قول وفعل ہے اور مقصود یہ ہے کہ جب تم حالت باطنہ کو کشف سے نہیں معلوم کر سکتے تو اقوال وافعال سے معلوم کرو کیونکہ اسکے معلوم کرنے کا اس کے سوا تمہارے پاس اور کوئی ذریعہ نہیں۔ رہے طبیب روحانی! سوان کو اقوال وافعال کی ضرورت نہیں۔ وہ تو مریض کی جان کے اندر گھس جاتے ہیں۔ اور وہاں سے اسکے ایمان کی تہہ میں پہنچ جاتے ہیں اور معلوم کر لیتے ہیں کہ اس کا ایمان کمال ونقصان کے لحاظ سے کیا رتبہ رکھتا ہے۔

پس تم کو ان لوگوں سے ہوشیار رہنا چاہیئے۔ اور ان کے سامنے دلوں کی حفاظت رکھنی چاہیئے۔ کیونکہ یہ جواسیس القلوب ہیں مگر یہ صفت ان کی اختیاری اور دائمی نہیں ہے) اور یہ جو ہم نے کہا ہے کہ تم لوگوں کی اندرونی حالت کو ان کے

اقوال و افعال سے معلوم کرو۔ یہ علی الاطلاق نہیں ہے۔ بلکہ ان لوگوں سے متعلق ہے جو صورتاً حق سبحانہٗ سے تعلق رکھتے ہیں اور ان کا کمال ظاہر نہیں ہے۔ خواہ اس لیے کہ ان میں کوئی کمال نہیں یا اسلئے کہ کمال تو ہے مگر اس درجہ کا نہیں کہ خواہ مخواہ ظاہر ہو .... ایسے لوگوں کے افعال واقوال سے تم کو ان کی باطنی حالت پر استدلال کرنا چاہیئے کیونکہ ایسے لوگوں کا قول وفعل ان کا گواہ ہوتا ہے جو کہ حق سبحانہٗ کے ساتھ صوری اتصال رکھتے ہیں جس طرح ندی دریا سے صوری اتصال رکھتی ہے پس ایسے لوگوں کے قول وفعل کو ضرور دیکھنا چاہیئے تاکہ معلوم ہو کہ اُس کی باطنی حالت کیا ہے اور اس کا نور کیسا ہے اور کس قدر ہے۔ اور وہ مکّار اپنی ظاہری حالت سے لوگوں کو پھانسنے والا ہے۔ یا واقع میں اچھا شخص ہے جب یہ معلوم کر لو تو اگر وہ شکاری ہو۔ تو اُس سے دور رہو۔ اور اسکے افسون قول وفعل کو ہرگز نہ سُنو اور اگر وہ مخلص ہو تو اُس سے ہرگز مستغنی نہ ہو۔ بلکہ اس سے مستفیض ہو۔ تاکہ وہ تم کو حق جل شانہٗ تک پہنچا دے۔

رہے وہ لوگ جو کمال میں حد سے بڑھ گئے ہیں۔ اور جن کے برکات وانوار سے جنگل اور بیابان پُر ہیں۔ ان کی محبوبیت کے لئے گواہوں کی ضرورت نہیں اور نہ ان کو بناوٹ اور کثرتِ مجاہدات وریاضات کی ضرورت ہے چونکہ ان جواہرات (اہل اللہ) کا نور باہر چمکتا ہے اسلئے ان کو بناوٹوں سے جو کہ عاری عن الکمال کرتے ہیں استغناء حاصل ہے۔ پس ایسے لوگوں سے گواہانِ قولی وفعلی نہ طلب کرنے چاہییں۔ کیونکہ ان سے دونوں جہاں گل کی طرح شگفتہ یعنی ان کے فیض سے سرسبز و شاداب ہیں۔ (اس کا مطلب یہ ہے کہ ایسے لوگوں کو اعمال کی ضرورت نہیں کیونکہ یہ تو الحاد ہے۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ نہ تو یہ مکّار ہیں کہ مکّاروں کی طرح ان کو بناوٹ کی ضرورت ہو اور نہ یہ خفی الکمال ہیں۔ جس پر اعمال سے

استدلال کی حاجت ہو۔ بلکہ ان کا کمال خود ظاہر ہے۔ ایسی حالت میں کچھ ضرورت نہیں کہ ان کے اعمال پر نظر کی جائے گو واقع میں اعمال ہوں گے) یہاں تک مولانا نے اولا افعال و اقوال کا حالت باطنی پر شاہد ہونا۔ بیان کیا۔ اور اس سلسلہ میں متعدد مضامین بیان کئے اب ہر مضمون سابق کی طرف عود کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ جب افعال و اقوال صفت و حالت قلبیہ کے گواہ ہیں۔ تو اب سمجھو کہ اس گواہی کا کیا مقصد ہے۔ اس کا مقصد ایک مخفی امر کا اظہار ہے خواہ وہ گواہ فعل ہو۔ یا قول یا اسکے علاوہ کوئی اور شے۔ کیونکہ سب کی گواہی سے مقصد یہ ہے کہ حالت قلبیہ مخفیہ ظاہر ہو۔ ہم اس مقام پر استطرادًا یہ ہی بتلائے دیتے ہیں کہ وصف مشہود بہ باقی رہتا ہے۔ اور یہ اعراض (افعال و اقوال) جو کہ اسکے گواہ ہیں گذر جاتے ہیں۔ لان العرض لایبقی زمانین دیکھو کسوٹی پر سونے کا نشان قائم نہیں رہتا مگر اس کا کھرا پن ہمیشہ رہتا ہے۔ جس سے وہ ہمیشہ نیک نام اور غیر ملتبس الامر رہتا ہے۔

پس اسی طرح یہ زکوٰۃ اور جہاد اور روزہ ہی بحالہا باقی نہیں رہتے مگر جان کی صفت حمیدہ باقی رہتی ہے جس سے وہ ہمیشہ نیکنام رہتی ہے جب یہ استطرادی مضمون ختم ہوا۔ تو اب سمجھنا چاہیئے کہ جس وقت جان اس قسم کے کام کرتی ہے تو گویا کہ حکم حق کی کسوٹی پر اپنے کو گھستی ہے اور دعوٰی کرتی ہے کہ میرا اعتقاد الوہیت حق سبحانہٗ کی نسبت درست ہے اور یہ مذکورہ وغیرہ اس امر کے گواہ ہیں لیکن صرف اتنی بات سے اس کا دعوٰے ثابت نہیں ہوتا۔ کیونکہ گواہوں میں ہنوز شبہ ہے کہ وہ سچے ہیں یا جھوٹے اسلئے ضرورت ہے کہ ان گواہوں کا تزکیہ کیا جائے۔

اور تزکیہ ان کا اخلاص ہے اور اسی تزکیہ کے لئے تم کو روک رکھا ہے کہ گواہوں

کا تزکیہ کرا دو - اور دہلیز قاضی سے رخصت ہو جاؤ - یہ تو عام تزکیہ تھا اور دوسرا تزکیہ خاص ہے - جو ہر گواہ سے جداگانہ متعلق ہے - مثلاً گواہ قولی کا تزکیہ یہ ہے کہ الفاظ شہادت محفوظ رہیں - اور کوئی بات خلاف دعوے زبان سے نہ نکلے اور گواہ فعلی کا تزکیہ یہ ہے کہ جو عہد کیا گیا ہے اس پر قائم رہا جائے اور کوئی کام ایسا نہ کیا جائے جس سے بدعہدی ظاہر ہو - یہ تزکیہ بھی ضروری ہے - کیونکہ اگر گواہ قولی کوئی بے جا بات کہے گا تو مردود الشہادت ہو جائیگا - علیٰ ہذا اگر گواہ فعلی کوئی ایسا کام کرے گا جو معاہدہ کے خلاف ہے تو برا سمجھا جائے گا اور نامقبول ہوگا پس تمہارے لیے ضرورت ہے کہ تمہارے افعال و اقوال میں تناقض نہ ہو - تاکہ تم مقبول ہو جاؤ - اور تمہاری گواہی مان لی جائے لیکن تمہاری حالت اس کے خلاف ہے اور تمہاری سعی پراگندہ ہے - اور تم تناقض میں بتلا ہو تم دن کو سیتے ہو اور رات کو پھاڑ ڈالتے ہو - یعنی کبھی تم اچھے کام کرتے ہو اور کبھی بُرے - ایسی حالت میں تمہاری شہادت ہرگز قابل قبول نہیں کیونکہ شہادت مناقضہ نامقبول ہے اور اس صورت ضابطہ سے تمہاری رہائی کی کوئی سبیل نہیں - الا آنکہ حق سبحانہٗ اپنے فضل کی رو سے فیصلہ کریں اور ضابطہ سے کام نہ لیں - اس وقت تم کو نجات ہو سکتی ہے -

الحاصل : تمہارے اقوال و افعال تمہاری حالت قلبیہ کے مظہر ہیں اور دونوں اس امر مخفی کو ظاہر کرتے ہیں - پس جس وقت ان گواہوں کا تزکیہ ہو جائے گا مقبول ہونگے - ورنہ سچی شہادت ادا کرنے میں توقف کے سبب دہلیز قاضی میں محبوس رہیں گے اور جب تک تم سچی شہادت ادا نہ کرو گے اور اسکے ادا کرنے میں حیلہ و حجت کرو گے اسوقت تک کارکنان قضا بھی تمہارا پیچھا نہ چھوڑیں گے - پس تم بھی انتظار کرو - وہ بھی منتظر ہیں :-

عرضہ کردنِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم شہادت را بر مہمانِ خویش[۵۳]

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے مہمان پر کلمۂ شہادت پیش کرنا

این سخن پایاں ندارد، مصطفیٰؐ — عرضہ کرد ایمان و پذرفت آں فتی
اس بات کا خاتمہ نہیں ہے، مصطفیٰؐ نے — ایمان پیش کر دیا اور اس نوجوان نے قبول کر لیا

آں شہادت را کہ فرخ بودہ ست — بندہائے بستہ را بکشودہ ست
وہ (کلمۂ) شہادت جو بابرکت ہے — جس نے بندھی ہوئی بندشوں کو کھولا ہے

گشت مومن گفت او را مصطفیٰؐ — کامشباں ہم باش تو مہمانِ ما
وہ مومن بن گیا، اس کو مصطفیٰؐ نے فرمایا — تو آج کی رات بھی ہمارا مہمان رہ

گفت واللہ تا ابد ضیفِ توام — ہر کجا باشم بہر جا کہ روم
اس نے کہا خدا کی قسم ہمیشہ کیلئے آپ کا مہمان ہوں — جہاں کہیں بھی رہوں، جہاں بھی جاؤں

زندہ کردہ[۵۱] معتق و دربانِ تو — ایں جہان و آں جہان بر خوانِ تو
آپ کا زندہ کیا ہوا اور آزاد کیا ہوا، اور دربان ہوں — اس جہان میں اور اس جہان میں آپ کے دسترخوان پر ہوں

ہر کہ بگزیند جز ایں بگزیدہ خواں — عاقبت درد گلویش استخواں
جو اس منتخب دسترخوان کے علاوہ منتخب کریگا — انجام کار ہڈی اس کا گلا پھاڑ دے گی

ہر کہ سوئے غیر خوانِ تو رود — دیو با او داں کہ ہم کاسہ بود
جو آپ کے دسترخوان کے غیر کے پاس جائے گا — سمجھ لیجئے، شیطان اس کا ہم پیالہ ہوگا

ہر کہ از ہمسائگیِ تو رود — دیو بے شکے کہ ہمسایہ اش بود
جو آپ کے پڑوس سے جائے — بیشک شیطان اس کا پڑوسی ہوگا

در رود بے تو سفر او دور دست — دیو بد ہمراہ و ہم سفرہ ویست
اگر وہ دور و دراز آپ کے بغیر سفر کرے — شیطان اس کا ہمراہی اور شریک دسترخوان ہے

ور نشیند بے تو بر اسپ شریف — حاسد ما ہست دیو او را ردیف
اگر آپ کے بغیر وہ عمدہ گھوڑے پر بیٹھے — وہ ہمارا حاسد ہے، شیطان اس کے پیچھے سوار ہو

ور بچہ گیرد از و شہنازِ او[۵۲] — دیو در نسلش بود انبازِ او
اگر اس کی نازنین (بیوی) اس سے بچہ جنے — شیطان اس کی نسل میں اس کا شریک ہوگا

در نبی شارِکہم گفت ست حق — ہم در اموال و در اولاد از سبق
اللہ تعالیٰ نے قرآن میں "ان کا شریک بن جا" فرمایا — مالوں میں بھی اور اولاد میں بھی پہلے سے

گفت پیغمبر ز غیب ایں را جلی — در مقاماتِ نوادر با علیؓ
پیغمبرؐ نے واضح طور پر یہ غیب سے فرمایا — نادر مقامات میں حضرت علیؓ سے

ہے۔ موئل موئل یعنی اس کو حکم ہوگا کہ ٹھہر ارہ۔ فانتظرہم۔ قرآن پاک میں آنحضورؐ کو حکم ہے فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَانْتَظِرْ اِنَّهُمْ مُّنْتَظِرُوْنَ۔ اے نبی آپ ان سے روگردانی کرلیجئے اور انتظار کیجئے وہ بھی انتظار میں ہیں۔

[۵۳] عرضہ کردن پیش کرنا۔ شہادت۔ کلمۂ شہادت۔ فرخ۔ مبارک گشت۔ وہ کافر مہمان کلمہ پڑھ کر مسلمان ہوگیا۔ امشباں۔ آج کی رات۔ گفت اس نے کہا اب تو میں جہاں کہیں بھی رہوں آپ کے

[۵۱] زندہ کردہ۔ آپ نے مجھے حیاتِ ابدی عنایت کی ہے۔ معتق۔ غلامی سے آزاد شدہ۔ آں جہاں۔ عالمِ آخرت۔ ہر کہ۔ جو آپ کے دسترخوان سے بھاگے گا وہ ہلاک ہوگا اور شیطان اس کا ہم نوالہ اور ہم پیالہ بنیگا۔ ہمسائگی۔ جو آپ کا پڑوس چھوڑے گا شیطان اس کا پڑوسی بنے گا۔ سفرہ۔ دسترخوان۔

[۵۲] ور بچہ۔ اگر اس کی بیوی کے بچہ پیدا ہوگا اس پر شیطانی اثر ہوگا۔ شہناز۔ شاہ ناز یعنی بیوی۔ انباز۔ شریک۔ در نبی۔ قرآن پاک میں شیطان کو خطاب کیا گیا ہے وَشَارِكْهُمْ فِي الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ۔ اور ان کا مالوں اور اولاد میں شریک بن جا۔

یا رسول اللہ[۳] رسالت را تمام — تو نمودی ہمچو شمس بے غمام

اے اللہ کے رسولؐ پوری رسالت کو — آپ نے دکھادیا بغیر ابر کے سورج کی طرح

ایں کہ تو کردی دو[۲] صد مادر نکرد — عیسیٰ وافسونش با عاذر نکرد

جو کچھ آپ نے کیا دو سو ماؤں نے نہ کیا — حضرت عیسیٰؑ اور انکی دعا نے عاذر کیساتھ نہ کیا

از تو جانم از اجل نک جان برد — عاذر ار شد زندہ آں دم باز مرد

اب میری جان آپ کی وجہ سے موت سے جان بچالیگی — عاذر اگر اس وقت زندہ ہوا پھر مر گیا

گشت مہمان رسولؐ آں شب عرب — شیر یک بز نیمہ خورد و بست لب

عرب اس رات رسولؐ کا مہمان ہوگیا — ایک بکری کا آدھا دودھ پیا اور ہونٹ بند کرلئے

کرد الحاحش[۱] بخور شیر و رقاق — گفت گشتم سیر واللہ بے نفاق

آنحضورؐ نے اس سے اصرار کیا کہ دودھ اور روٹی کھالے — اس نے کہا میرا پیٹ بھر گیا خدا کی قسم ایمانداری سے

ایں تکلف نیست نے ناموس و فن — سیر تر گشتم ازاں کہ دوش من

یہ تکلف نہیں ہے، نہ شرم اور مکر — میں اس سے زیادہ پیٹ بھرا ہوں جتنا کہ کل (تھا)

در عجب ماندند جملہ اہل بیت — پر شد ایں قندیل زیک قطرہ زیت

سب گھر والے تعجب میں پڑ گئے — کہ یہ قندیل زیت کے ایک قطرے سے بھر گیا

آنچہ قوت مرغ بابیلے بود — سیری معدہ چنیں پیلے بود

جو ابابیل پرند کی خوراک ہو — ایسے ہاتھی کا اس سے پیٹ بھر جائے

غلغلہ افتاد اندر مرد و زن — قدر پشہ می خورد آں پیلتن

مرد و زن میں کھسر پھسر ہونے لگی — یہ ہاتھی جیسے جسم والا مچھر کی بقدر کھاتا ہے

حرص و وہم کافری سرزیر شد — اژدہا از قوت مورے سیر شد

کفر کی حرص اور وہم اوندھا ہوگیا — اژدھا چیونٹی کی خوراک سے سیر ہوگیا

آں گداچشمی[۲] و کفر از وے برفت — لوت ایمانیش لمتر کرد و زفت

وہ بھکاری پن اور کفر اس سے رخصت ہوا — اس کو ایمان کی عمدہ غذا نے موٹا تازہ کردیا

آنکہ از جوع البقر او می طپید — ہمچو مریم میوۂ جنت بدید

وہ شخص جو جوع البقر سے تڑپتا تھا — اس نے حضرت مریمؑ کی طرح جنت کے پھل دیکھ لئے

میوۂ جنت سوئے چشمش شتافت — معدہ چوں دوزخش آرام یافت

جنت کے پھل اس کی آنکھوں کی جانب دوڑ آئے — اس کے دوزخ جیسے معدہ نے آرام پالیا

ذات ایماں نعمت و لوتے ست ہول — اے[۳] قناعت کردہ از ایماں بقول

ایمان کی حقیقت نعمت اور عظیم لذیذ غذا ہے — اے وہ کہ جس نے ایمان کے بارے میں قول پر اکتفا کرلیا

---

[۳] یارسول اللہ۔ اس کو کلمہ مہمان نے کہا۔ غمام۔ ابر۔ دو صد مادر۔ ماں کی محبت مشہور ہے۔ عاذر۔ وہ شخص تھا جس کو حضرت عیسیٰؑ نے مرنے کے چالیس سال بعد زندہ کردیا تھا لیکن پھر وہ طبعی موت مرگیا تو انکی حیات عارضی تھی آپ نے مجھے ابدی زندگی عطا کردی ہے۔ گشت۔ وہی پیاسا خوراب مسلمان ہونے کے بعد ایک بکری کے آدھے دودھ سے سیر ہوگیا۔

[۱] کرد۔ آنحضورؐ نے مزید کھانے پر اصرار کیا۔ الحاح۔ اصرار۔ رقاق۔ چپاتی روٹی۔ دوش۔ شب گذشتہ۔ پر شد۔ یعنی آج یہ تھوڑی غذا سے سیر ہوگیا۔ آنچہ۔ ہاتھی کا پیٹ ابابیل کی خوراک سے بھر گیا۔ پیلتن۔ ہاتھی جیسے جسم والا۔ حرص کفر کی حالت کی حرص جاتی رہی۔

[۲] گداچشمی۔ لالچ۔ حرص۔ لوت۔ اب چونکہ وہ مومن ہوگیا ایمانی غذا نے اور موٹا تازہ کردیا جوع البقر۔ بیماری ہے جس میں کبھی پیٹ نہیں بھرتا ہمچو مریم۔ حضرت مریمؑ حاملہ ہونے کی صورت میں جنتی پھل کھاتی تھیں اور دنیاوی غذا سے بے نیاز رہیں۔ ذات ایماں۔ ایمان کی حقیقت عجب نعمت اور غذا ہے اگر وہ کسی کو حاصل ہوجائے تو پھر جسمانی غذا کی زیادہ ضرورت نہیں رہتی ہے

[۳] اے قناعت کردہ۔ جو لوگ صرف زبانی مومن ہیں وہ اس حقیقت کو نہیں سمجھ سکتے تو ایمان روح کی غذا ہے جب روح اور جسم کا اتحاد ہوجاتا

شرح خیر! یہ گفتگو تو ختم نہ ہوگی۔ اب سنو! کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکے سامنے ایمان پیش کیا اور اس نے اس شہادت توحید و رسالت کو قبول کرلیا جو کہ نہایت مبارک تھی اور جس نے اس کے معنوی بیڑیوں کو کھول کر اسے آزاد کردیا اور اس طرح وہ مومن ہوگیا۔ پس جب کہ وہ مومن ہوگیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے کہا کہ تم آج رات ہمارے ہی مہمان ہو۔ اس پر اس نے عرض کیا کہ حضور آج رات کیا۔ اب تو میں ہمیشہ کے لیے جہاں کہیں بھی ہوں اور جس جگہ ہی جاؤں آپ ہی کا مہمان ہوں۔ کیونکہ یہ غذائے ایمانی جس سے میں ہمیشہ متغذی رہوں گا۔ آپ ہی کے طفیل سے ہی ہے نیز میں موت روحانی سے آپ ہی کا زندہ کیا ہوا ہوں۔ اور آپ ہی نے مجھے نفس و شیطان کی غلامی سے آزاد کیا ہے اور میں آپ ہی کا درباں و خادم ہوں اور دنیا میں بھی آپ ہی کے دستر خوان پر ہوں اور آخرت میں بھی۔ کیونکہ اس وقت میری اصل غذا غذائے روحانی ہے اور وہ آپ کے طفیل سے ملی ہے اور آخرت میں جو کچھ ملے گا وہ ایمان ہی کے سبب ملے گا اور ایمان آپ ہی کے فیض سے ملا ہے اسلئے نعمائے اخرویہ بھی گویا کہ آپ ہی کی دی ہوئی ہے پس دونوں جہان میں آپ کے دستر خواں پر ثابت ہوگیا۔ (اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ زندہ کردہ الخ کی تقدیر من زندہ کردہ و معتق و درباں توام و دریں جہاں و در آں جہاں۔ بر خواں توام ہے۔ فلا نلتفت الی ماقال بحر العلوم و ولی محمد فانہ زل قدمہما فقالا ماقالا) غرضکہ میں آپ ہی کا مہمان ہوں اور آپ ہی کا مہمان رہنا چاہتا ہوں۔ کیونکہ جو شخص اس عمدہ دستر خوان معنوی کو چھوڑ کر دوسرا دستر خوان شیطانی و نفسانی اختیار کرتا ہے انجام کار اس کے گلے میں ہڈی پھنس جاتی ہے اور اس کا گلا پھاڑ ڈالتی ہیں یعنی یہ مہمانی اسکے لیے موجب رنج و کلفت ہو جاتی ہے

اور جو شخص آپ کے دسترخوانِ معنوی (ہدایت) کو چھوڑ کر دوسرے دسترخوان پر جاتا ہے۔ شیطان اس کا ہم پیالہ ہوتا ہے۔ اور جو شخص آپ کی مجاورت کو چھوڑتا ہے شیطان اس کا ہمسایہ ہوتا ہے اور اگر کوئی آپ کی ہدایت کے بغیر سفر دور دراز اختیار کرتا ہے تو اس کا رفیق اور شریک دسترخوانِ شیطانی ہوتا ہے اور اگر کوئی آپ (کی ہدایت) کے بغیر گھوڑے پر سوار ہوتا ہے اس کا ردیف.. ہمارا حاسد شیطان ہوتا ہے اور اگر بدوں آپ کی ہدایت کے اس کی بیوی اس سے حاملہ ہوتی ہے تو اسکی نسل میں شیطان شریک ہوتا ہے۔

غرضکہ کہ آدمی جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کے بغیر جو کام بھی کرتا ہے اس میں شیطان کی شرکت ہوتی ہے اور یہ امر بالکل صحیح ہے۔ چنانچہ حق سبحانہٗ نے اپنے کلام میں وشارکھم فی الاموال والاولاد فرمایا ہے۔ جسکے معنیٰ یہ ہیں کہ تو اس کے مالوں اور ان کی اولاد میں شریک ہو جا۔ اس سے شرکت فی النسل ثابت ہو گئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اس مضمون کو اپنے خاص مقامات میں حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ سے صاف صاف فرما دیا ہے خیر! یہ مضمون تو استطرادی تھا۔ اب سنو! کہ اس نے کہا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ نے مجھ پر اپنی رسالت کو یوں روشن کر دیا جیسے بے ابر آفتاب اور یہ شفقت جو آپنے مجھ پر کی سینکڑوں ماؤں نے اپنے بچوں پر نہیں کی اور جو احسان آپ نے مجھ پر کیا ہے وہ عیسٰی علیہ السلام اور اسکے افسون نے عاذر کے ساتھ نہیں کیا۔ کیونکہ آپنے میری روح کو موت کے پنجے سے ہمیشہ کے لیے چھڑا دیا اور عاذر دعائے حضرت عیسٰی علیہ السلام سے زندہ ضرور ہوا تھا مگر اس کے بعد مر گیا تھا اسلئے دونوں احسان برابر نہیں ہو سکتے۔

المقصتہ! وہ عرب اس شب بھی جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے یہاں مہمان ہوا اور ایک بکری کا آدھا دودھ پی کر منہ بند کر لیا۔ جب آنحضرت

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اصرار کیا کہ میاں! دودھ روٹی اور کھاؤ تو اسنے کہا بخدا میں غلط نہیں کہتا۔ میں بالکل سیر ہوگیا نہ یہ تکلف ہے اور نہ فقط ناموس کہ لوگ میرے زیادہ کھانے پر طعن کریں گے اور نہ چالاکی۔ بلکہ میں آج کل سے بھی زیادہ سیر ہوگیا ہوں یہ دیکھ کر کہ ایک قطرۂ روغن سے قندیل بھر گیا اور ذراسی غذا سے اتنا بڑا معدہ پُر ہوگیا۔ گھر کے لوگ بہت متعجب ہوئے اور کہا کہ حیرت کی بات ہے کہ جو غذا ابابیل سے چھوٹے جانور کی تھی کہ وہ اتنے بڑے ہاتھی کے معدہ کو پُر کردے اور مردوں اور عورتوں میں کھُس پھُس ہونے لگی کہ ارے ہاتھی کے کے ڈیل ڈول کا آدمی اور مچھر کی خوراک کھاتا ہے۔

اب سنو! کہ کم خوراکی کا سبب کیا تھا وجہ اسکی یہ تھی کہ حرص اور وہم جو کافروں میں ہوتے ہیں۔ جس کی تفصیل گذر چکی ہے اس سے زائل ہوچکی تھی اور غذائے ایمانی بڑھ گئی تھی۔ اور وہ شخص جو کہ اس سے قبل بھوک کی زیادتی سے بے قرار تھا اس نے مریم علیہا السلام کی طرح میوۂ جنت دیکھ لیا تھا۔ چونکہ میوۂ جنت اسکی نظر کے سامنے آگیا تھا اسلیئے اس کا دوزخ کا ہندِ معدہ ٹھنڈا ہو گیا تھا۔ (میوۂ جنت سے یا تو مراد طمانینت ہو۔ یا نور ایمان)۔ بہر حال..

حاصل یہ ہے کہ غذائے روحانی مل جانے سے اُسے غذائے جسمانی کی طرف رغبت نہ رہی تھی کیونکہ وہ اسکی نظر میں بے وقعت ہوگئی تھی اور اسکو اتنی ہی غذا کی ضرورت تھی جس سے حیات وقوت اعمال باقی رہے مگر دل چسپی نہ تھی جوکہ زیادہ کھانے کا باعث ہے اسلئے کم کھانے لگا تھا)

آگے ان لوگوں پر رد کرتے ہیں جو کہ غذائے ایمانی کے معنی عن الغذار الجسمانی ہونے کے مُنکر ہیں اور فرماتے ہیں کہ تمہیں حقیقت ایماں تو حاصل نہیں بلکہ زبانی ہی کلمہ پڑھتے ہو۔ تم کیا جانو! کہ غذائے ایمانی کے مُغنی عن الغذار الجسمانی

ہوتے ہی نہیں اسلئے انکار کرتے ہیں۔

یاد رکھو! کہ ایمان بہت بڑی نعمت اور بہت بڑی غذا ہے۔ اسکے مقابلہ میں غذائے حسی کی کوئی وقعت نہیں۔ پس اسکی بنا پر غذائے حسی سے ایک حد تک مستغنی ہوجانا کچھ بعید نہیں

دربیان آنکہ نورے کہ غذائے جان ست غذائے جسمِ اولیا شود تا او ہم یار می شود روح را کہ اسلم شیطانی علی یدی

اس کا بیان کہ وہ نور جو روح کی غذا ہے اولیاء کے جسم کی بھی غذا ہوتا ہے یہاں تک کہ وہ بھی روح کا دوست بن جاتا ہے کیونکہ (آنحضورؐ نے فرمایا ہے) میرا شیطان میرے ہاتھ پر اسلام لے آیا

گرچہ آں مطعوم جان ست و نظر ۔۔۔ جسم را ہم زاں نصیب ست اے پسر
اگرچہ وہ جان اور نظر کی خوراک ہے ۔۔۔ اے بیٹا! اس میں جسم کا بھی حصہ ہے

گر نگشتے دیو جسم آں را اکول[1] ۔۔۔ اسلم الشیطان نہ فرمودے رسول
اگر شیطان کا جسم اس کا کھانیوالا نہ بنتا ۔۔۔ (تو) رسول "شیطان اسلام لے آیا" نہ فرماتے

دیو زاں لوتے کہ مردہ حی شود ۔۔۔ تا نیاشامد مسلماں کے شود
شیطان اس غذا کہ جس سے مردہ زندہ ہوتا ہے ۔۔۔ جب تک نہ پی لیتا، مسلمان کب ہوتا

دیو بر دنیاست عاشق کور و کر ۔۔۔ عشق را عشقِ دگر برد کمر
شیطان دنیا کا اندھا اور بہرا عاشق ہے ۔۔۔ عشق کی کمر دوسرا عشق (ہی) توڑتا ہے

از نہانخانہ یقیں چوں مے چشد ۔۔۔ اندک اندک عشق رخت آنجا کشد
یقین کے دفینہ میں سے جب وہ شراب چکھتا ہے ۔۔۔ آہستہ آہستہ عشق اس جگہ پڑاؤ ڈالتا ہے

یا حریص البطن عرج ہٰکذا ۔۔۔ انما المنہاج تبدیل الغذا
اے پیٹ کے لالچی! اس طرح مائل ہو ۔۔۔ غذا کی تبدیلی ہی راستہ ہے

یا مریض القلب عرج للعلاج ۔۔۔ جملۃ التدبیر تبدیل المزاج
اے دل کے مریض! علاج کی طرف مائل ہو ۔۔۔ مکمل تدبیر مزاج کا بدلنا ہے

ایہا المحبوس فی رہن الطعام ۔۔۔ سوف تنجو ان تحملت العظام
اے کھانے کی رہن کے قیدی ۔۔۔ عنقریب تو نجات پا جائیگا اگر تو نے بڑے امتحانات برداشت کرلئے

ان فی الجوع طعاما وافرا ۔۔۔ افتقدہٗ وارتج یا نافرا
بھوکا رہنے میں بہت غذا ہے ۔۔۔ اس کو تلاش کر لے اور امید رکھ اے بھاگنے والے

ہے تو وہ نور جسم کی غذا بھی بن جاتا ہے نیز حدیث شریف کا مقصد یہ ہے کہ نفس امّارہ میرا تابع ہوگیا ہے۔ مولانا نے یہاں شیطان سے مراد جسم انسانی لیا ہے یعنی وہ بھی روح کا ساتھی بن گیا ہے۔ گرچہ آں یعنی نورِ ایمانی۔

[1] گر نگشتے۔ اگر وہ جسم روح کا ہم پیالہ اور ہم نوالہ نہ بنتا تو حضورؐ شیطان مسلمان ہوگیا نہ فرماتے۔ دیو شیطان اگر نور سے غذا حاصل نہ کرتا تو وہ مسلمان کب بن سکتا تھا۔ دیو جسم انسانی دنیا کا عاشق ہے جب تک آخرت کا عشق نہ پیدا ہوگا اس عشق کی کمر نہ ٹوٹے گی۔ از نہانخانہ جب اللہ تعالیٰ کی جانب دل میں یقین کی کیفیت پیدا ہونے لگتی ہے تو عشق نمودار ہوجاتا ہے۔ یا حریص۔ غذا کی تبدیلی سے مزاج بدلتا ہے اور اس سے مرض زائل ہوجاتا ہے، انسان کو غذاء جسمانی چھوڑ کر غذاء روحانی کا عادی بننا چاہیئے۔

[2] یا مریض۔ مزاج کے تغیر سے ہی امراض پیدا ہوتے ہیں جب مزاج کی تبدیل کر کے اس کو اصل

اِغْتَذِ بِالنُّورِ کُنْ مِثْلَ الْبَصَرْ — وَافِقِ الْاَمْلَاکَ یَا خَیْرَ الْبَشَرْ

نور کی غذا حاصل کر، آنکھ جیسا بن جا — اے انسانوں میں سے بہتر! فرشتوں کی موافقت کر

چوں ملک تسبیح حق را کن غذا — تا رہی ہمچوں ملائک از اذا

فرشتہ کی طرح اللہ کی تسبیح کو غذا بنالے — تاکہ تو فرشتوں کی طرح ہر تکلیف سے نجات پا جائے

جبرئیل ار سوئے جیفہ کم تند — او بقوت کے ز کرگس کم زند

اگرچہ جبرئیل مُردار کا رُخ نہیں کرتے ہیں — وہ قوت میں گدھ سے کم پرواز کب کرتے ہیں؟

پیل اگرچہ در زمیں آہستہ است — او ز پشہ باز گو چوں رستہ است

ہاتھی زمین میں اگرچہ آہستہ چلتا ہے — بتا وہ مچھر سے کب بچا ہے!

حبذا[1] خوانے نہادہ در جہاں — لیک از چشم خسیساں بس نہاں

دنیا میں عمدہ خوان رکھا ہوا ہے — لیکن کمینوں کی نگاہ سے بہت چھپا ہوا ہے

اِنکار کردنِ اہلِ تن غذائے رُوح را و لرزیدنِ ایشان

تن پروروں کا روحانی غذا سے انکار کرنا اور اُن کا جسمانی تھوڑی

بر غذائے خسیسِ جسمانی

غذا سے لرزنا

گر جہاں باغے پُر از نعمت شود — قسم موش و مار ہم خاکے بُود

اگر دنیا نعمت سے بھرا ہوا باغ بن جائے — چوہے اور سانپ کا حصہ پھر بھی مٹی ہے

قسم شاں خاکست گر دے گر بہار — میر کونی خاک چوں نوشی چو مار

اُن کا حصہ مٹی ہے خواہ خزاں ہو خواہ بہار ہو — تو جہان کا سردار ہے سانپ کی طرح مٹی کیوں کھاتا ہے

در میانِ چوب گوید کرمِ چوب — مر کرا باشد چنیں حلوائے خوب

لکڑی کا کیڑا لکڑی میں کہتا ہے — ایسا عمدہ حلوا کس کو نصیب ہے!

در میانِ[2] خاک گوید کرمِ خورد — ایں چنیں حلوا بعالم کس نخورد

چھوٹا سا کیڑا مٹی میں کہتا ہے — دنیا میں ایسا حلوہ کسی نے نہیں کھایا

کرمِ سرگیں در میانِ آں حدث — در جہاں نقلے نداند جز خبث

گوبر کا کیڑا اُس نجاست میں — دنیا میں سوائے نجاست کے کوئی خوراک نہیں جانتا ہے

جز نجاست ہیچ نشناسد کلاغ — شد نجاست مر ورا چشم و چراغ

کوا نجاست کے علاوہ کچھ نہیں پہچانتا ہے — نجاست ہی اس کا چشم و چراغ ہے

حالت میں لے آیا جائے تو مرض زائل ہو جاتا ہے ۔ عظام ۔ صبر کے مصائب برداشت کرنے سے مدت حاصل ہوتی ہے ۔ اِنّ ابی الجوع ۔ (شعر)

اندرون از طعام خالی دار
تا در آں نورِ معرفت بینی

وافق ۔ ملائکہ کی غذا نور ہے ۔

۵۳ چوں ملک ۔ فرشتوں کو تسبیح کے ذریعہ غذا و نور حاصل ہوتی ہے ۔ جبرئیل ۔ جبرئیلؑ کی طاقت نورانی

[1] حبذا ۔ نورانی خوان دنیا میں موجود ہے لیکن وہ کمینوں کی نگاہ سے پوشیدہ ہے وہ صرف ظاہری غذا پر بھروسہ کرتے ہیں ۔ انکار کردن ۔ دنیادار غذائے روح کے منکر ہیں ۔ اور جسم کی جسمانی غذا کی طرف مائل ہیں ۔۔۔۔ گر جہاں ۔ اگر پورا عالم باغ بن جائے تب بھی چوہے اور سانپ کی غذا مٹی ہوتی ہے یہی حال ان دنیاداروں کا ہے ۔ در میان ۔ لکڑی کا کیڑا لکڑی ہی کو بہترین حلوا سمجھتا ہے ۔

[2] در میان ۔ زمین کا کیڑا زمین ہی کو اپنا حلوا سمجھتا ہے ۔ کرم سرگیں ۔ گوبر کے کیڑے کو گوبر ہی بہتر غذا معلوم ہوتی ہے ۔ کلاغ ۔ کوا نجاست ہی کو بہترین غذا سمجھتا ہے ۔ مناجات ۔ دعا ۔

ہے اُن کی پرواز مُردار خور گدھ سے بہت زیادہ ہے ۔ پیل ۔ ہاتھی کا جسم بھاری بھرکم ہے لیکن مچھر اُس کو ہلاک کر سکتا ہے تو جسم کی طاقت پر مدار نہیں ہے ۔

شرح یہ مسلّم ہے کہ غذائے ایمانی روح اور عقل کی غذا ہے مگر جسم کو بھی اسے حصہ پہنچتا ہے اور وہ بھی اس سے بے بہرہ نہیں رہتا۔ کیونکہ اگر جسم جو کہ شیطان ہے اسکو نہ کھا سکتا۔ تو جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم الشیطان علی یدی نہ فرماتے کیونکہ اس حدیث میں شیطان سے مراد جسم ہے پس جب تک کہ وہ غذائے روحانی نہ کھائے جو کہ مردہ کو زندہ کر دیتی ہے اس وقت تک وہ مسلمان کیسے ہو سکتا ہے اور جبکہ وہ مسلمان ہو گیا تو یہ دلیل ہے اس بات کی کہ اس نے غذائے روحانی کھائی۔

پس ثابت ہوا کہ جسم بھی غذائے روحانی کھا سکتا ہے اور جب وہ غذائے روحانی کھا سکتا ہے تو اس سے غذائے جسمانی میں کمی آ سکتی ہے —— اور راز اس کا یہ ہے کہ شیطان جسم یعنی نفس دنیا پہ عاشق اور اسکی محبت میں اندھا اور بہرہ ہو رہا ہے۔ اور قاعدہ ہے کہ ایک عشق کو دوسرا عشق مضمحل کر دیتا ہے۔ پس جبکہ وہ نہاں خانہ یقین کی شراب چکھ لیتا ہے اور لذت ایمان سے آشنا ہو جاتا ہے تو رفتہ رفتہ اس کا عشق دنیا اور اسکی نعمتوں سے غذائے ایمانی کی طرف منتقل ہو جاتا ہے اور اب وہ غذائے جسمانی کا طالب نہیں رہتا اس طرح غذائے جسمانی میں کمی ہو جاتی ہے [توضیح اسکی یہ ہے کہ جسم کے اندر غذائے جسمانی کے لیے دو قسم کے تقاضے ہیں ایک تقاضائے طبیعت جس کو حق سبحانہٗ نے جسم میں اسلئے ودیعت رکھا ہے کہ وہ جسم کی اصلاح کرے اور بوقت ضرورت اس کے لیے غذا حاصل کرے جو کہ بدل ما یتحلل ہو کر تغذیہ و تنمیہ اعضا کرے اور دوسرا تقاضائے نفس جس کا منشا محض حرص، تلذذ و تنعم ہے پس جبکہ نفس غذائے روحانی سے آشنا ہو جاتا ہے تو اس کا تقاضائے غذائے جسمانی مضمحل ہو جاتا ہے اور صرف تقاضائے

طبیعت باقی رہ جاتا ہے وہ تقاضا بھی اس وقت ختم ہو جاتا ہے جبکہ بقدرت غذا اسکو مل جاتی ہے۔ پس اسی طرح غذائے جسمانی میں کمی آ جاتی ہے] پس جبکہ یہ امر ذہن نشین ہوگیا کہ تو اے پیٹ بھرنے کے شائقو! تم کو یوں ہی ترقی کرنی چاہیئے اور اپنے نفس کو اولاً ایمان کی چاٹ لگانی چاہیئے۔ اور رفتہ رفتہ اسے ترقی دینی چاہیئے۔

کیونکہ وصول الی الحق کا صحیح رستہ یہی ہے کہ غذا کو بدلا جائے۔ اور اے مریض القلب لوگو! تم علاج کی طرف توجہ کرو اور اپنے مزاج کی اصلاح کرو۔ کیونکہ حاصل تمام تدبیروں کا یہی ہے کہ مزاج کو بدلا جائے اور طریق اس کا یہی ہے کہ غذائے جسمانی کو کم کیا جائے اور غذائے روحانی کو بڑھا دیا جائے گو ایسا کرنے میں تم کو زحمتیں پیش آئیں گی ـــــ مگر اے محبوسین رہن طعام یاد رکھو! کہ اگر تم نے ان شدائد کو برداشت کر لیا تو تم ہلاکت ابدی سے بچ جاؤ گے۔ دیکھو بھوکے رہنے سے روح کو بہت بڑی غذا ملتی ہے۔ پس اے غذائے روحانی سے وحشت کرنے والو! تم اسے طلب کرو۔ اور اسی کے امیدوار رہو۔ اور غذائے جسمانی کے انہماک کو چھوڑو تم آنکھ کی مانند ہو جاؤ اور نور سے غذا حاصل کرو۔ اور اس امر میں فرشتوں کے مثل ہو جاؤ اور اس طرح بہتر انسان کہلانے کے مستحق ہو جاؤ اور تم فرشتوں کی طرح تسبیح حق کو اپنی غذا بناؤ تاکہ جس طرح فرشتے نجاسات (ظاہرہ و باطنہ) سے پاک ہیں یونہی تم ہی نجاست (باطنہ) سے پاک ہو جاؤ۔ تم کو شاید یہ خیال ہو کہ غذائے جسمانی کو کم کر دینے سے ہماری قوت گھٹ جائے گی۔ مگر یہ تمہاری غلطی ہے قوت کا مدار کچھ مُردار خواری ہی پر نہیں ہے۔

دیکھو! جبریل اگر مُردار نہیں کھاتے تو وہ قوت میں کرگس سے کم نہیں ہیں

جو کہ مُردار کھاتا ہے ـــــ تم اہل اللہ کی آہستہ رَوِی سے ان کے ضعف کا شبہ نہ کرنا اور یہ نہ کہنا کہ اگر ترک غذا سے ضعف نہیں ہوتا تو اُس سے اُن کی رفتار سُست کیوں ہو جاتی ہے اسلیے کہ ہاتھی اگرچہ زمین میں آہستہ چلتا ہے مگر مچھر کے قابو سے باہر ہے جو کہ رٹاتے کے ساتھ گھومتا ہے۔

غرضکہ عالم میں حق سبحانہٗ کا عجیب لنگر جاری ہے۔ مگر افسوس! کہ پست ہمت لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ ہے اور وجہ اسکی یہ ہے کہ وہ اسکے اہل نہیں چنانچہ اگر تمام دنیا نعمتوں سے لبریز باغ ہو جائے تو سانپوں اور چوہوں کو کیا ان کی غذا تو خاک ہی رہے گی۔ اور خواہ موسم خزاں ہو یا موسم بہار۔ ان کے حصہ میں تو مٹی ہی ہے۔

اب مولانا جملہ معترضہ کے طور پر فرماتے ہیں کہ ارے لوگو! تمہیں کیا ہو گیا تم اشرف المخلوقات ہو تم سانپوں کی طرح مٹی (غذائے ناسوتی) کیوں کھاتے ہو۔ اس جملہ معترضہ کو بیان فرما کر مضمون سابق کو بیان فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اہل دنیا کی حالت ایسی ہے جیسے لکڑی کا یا زمین کا یا گوہ کا کیڑا۔ یا کوا۔ کیونکہ لکڑی کے اندر کیڑا کہتا ہے کہ بھلا ایسے مزیدار غذا کسی کو مل سکتی ہے اور زمین کے اندر کیڑا کہتا ہے کہ دنیا میں بھی کسی نے ایسا حلوا نہیں کھایا جیسا میں کھاتا ہوں۔ اور گوہ کا کیڑا گوہ کے اندر رہتے ہوتے عالم بَر میں غذا بجُز گوہ کے جانتا ہی نہیں۔ اور کوا نجاست کے سوا اور کوئی غذا نہیں جانتا اور نجاست ہی اس کے لیے عزیز ہے۔

پس یہی حالت اہل دنیا کی ہے کہ وہ غذائے ناسوتی کے علاوہ جانتی ہی نہیں کہ کوئی اور بھی غذا ہے۔ بلکہ وہ انہی کو غذا سمجھتے ہیں۔ کلام کو یہاں تک پہنچا کر اب مولانا مناجات میں مشغول ہوتے ہیں اور فرماتے ہیں۔

مناجات

دعا

اے خدائے بے نظیر ایثار کن ٭ گوش را چوں حلقہ دادی زیں سخن

اے بے نظیر خدا! عنایت کر دے ٭ جبکہ تو نے اس کلام کا کان میں حلقہ پہنا دیا ہے

گوش ما گیر و بداں مجلس کشاں ٭ کز رحیقت میخورند ایں سرخوشاں

ہمارا کان پکڑ اور اُس مجلس میں کھینچ ٭ کیونکہ یہ مست تیری شراب پی رہے ہیں

چوں بما بوئے رسانیدی ازیں ٭ سر مبند آں مشک را اے رب دیں

جبکہ تو نے ہم تک اس کی خوشبو پہنچا دی ہے ٭ اے دین کے رب! اُس مشک کو بند نہ کر

از تو نوشند از ذکور و از اناث ٭ بے دریغی در عطا یا مستغاث

مذکر اور مؤنث تجھ ہی سے پی رہے ہیں ٭ اے فریادرس! تو عطیات میں بے روک ٹوک ہے

اے دعا ناگفتہ از تو مستجاب ٭ دادہ دل را ہر دمی صد فتح باب

اے وہ کہ نہ مانگی ہوئی دعا بھی تیری جانب سے قبول ہو ٭ تو نے ہر لمحہ دل کو سینکڑوں دروازوں کی کشادگیاں عطا کی ہیں

چند حرفے نقش کردی از رقوم ٭ سنگہا از عشق اُو شد ہمچو موم

تو نے حروف میں سے چند حرف تحریر کیے ٭ اس کے عشق سے بہت سے پتھر موم جیسے ہوگئے

نون ابرو صاد چشم و جیم گوش ٭ بر نوشتی فتنۂ صد عقل و ہوش

ابرو کا نون، آنکھ کا صاد، کان کا جیم ٭ تو نے لکھے ہیں جو سینکڑوں عقل و ہوش کیلئے فتنہ ہیں

زاں حروفت شد خرد باریک ریس ٭ نسخ میکن اے ادیب خوشنویس

تیرے اُن حروف سے عقل دقیق النظر ہوگئی ٭ اے خوشنویس ادیب! خوب لکھ

در خور ہر فکر بستہ بر عدم ٭ دم بدم نقش خیالِ خوش رقم

عدم پر ہر فکر کے مناسب قائم کر دیا ہے ٭ ہر لحظہ، حسین خیالی نقش

حرفہائے طرفہ بر لوح خیال ٭ بر نوشتہ چشم و ابرو خط و خال

خیال کی تختی پر عجیب حروف ٭ آنکھ اور ابرو اور خط و خال کے لکھ دیئے ہیں

بر عدم باشم نہ بر موجود مست ٭ زانکہ معشوقِ عدم وافی ترست

میں عدم کا عاشق ہوں نہ کہ موجود کا ٭ کیونکہ عدم والا معشوق زیادہ وفادار ہے

عقل را خط خوانِ آں اشکال کرد ٭ تا دہد تدبیرہا را زاں نورد

عقل کو اُن شکلوں کا پڑھنے والا بنا دیا ٭ تاکہ اُن کے بارے میں تدبیروں کو لپیٹ دے

---

۵۳ اے خدا۔ جب تو نے ہمیں توفیق عطا فرمائی ہے کہ ہم اسرار و حکم سن رہے ہیں تو پھر ہمیں اہل حال کی مجلس میں پہنچا دے۔ زیں سخن یعنی اسرار و حکم۔ رحیق۔ شراب۔ سرخوشاں مستاں۔ چوں جب تو نے ہمیں اہل دل کی باتیں سنا دی ہیں تو ان کرم سے مخفی نہ رکھ۔

۵۱ از تو۔ تیری عطا عام ہے تو ہمیں بھی محروم نہ کر۔ اے خدا۔ تیری وہ ذات ہے کہ تو نہ مانگی ہوئی دعائیں بھی قبول فرما لیتا ہے اور دل کو سینکڑوں اسرار سے مانوس کر دیتا ہے۔ چند حرفے۔ معشوقوں کے اعضاء چند حرفوں کے مشابہ ہیں نون ابرو کے، اور صاد آنکھ کے، حلقہ کے م اور جیم کان کے، یہ حضرت حق کی کاریگری ہے کہ چند حرف اس نے تحریر فرما دیئے جن کی تاثیر سے سنگدل عاشقوں کے دل موم ہو گئے ہیں۔ زآں۔ ان حروف کے ذریعہ عقل مصنوع سے صانع پر استدلال کرنے کے قابل ہو گئی۔ باریک ریس۔ دقیق فکر۔

۵۲ در خور۔ انسان جس طرح حسی حروف سے مقاصد اور مطالب اخذ کرتا ہے اسی طرح خیالی حروف بھی ہیں جن سے انسان مطالب اخذ کرتا ہے اس کے لوح خیال پر چشم و ابرو کے نقش قائم ہیں۔

بر عدم۔ مولانا فرماتے ہیں کہ صورت خیال سے عاشق کا اتحاد تام ہوتا ہے اور وہ ناقابل فنا ہے اس لئے میں صورت حسی پر صورت خیالی کو ترجیح

تشبیہ عقل بجبرئیلؑ و نظر او در غیب مانند نظر جبرئیلؑ در لوحِ محفوظ[۵۳]

عقل کی حضرت جبرئیلؑ سے مشابہت اور اس کی نظر کا غیب پر حضرت جبرئیلؑ کی طرح رہنا

چوں مَلک از لوحِ محفوظ آں خرد — ہر صباحے درس ہر روزہ بَرد

عقل فرشتہ کی طرح لوحِ محفوظ سے — ہر صبح کو ہر دن کا سبق حاصل کر لیتی ہے

بر عدم تحریرہا بیں با بیاں — واں سوادش حیرتِ سودائیاں

عدم میں وہ تحریریں دیکھ، باوجود بے نشان کے — اُن کی سیاہی دیوانوں کے لئے باعثِ حیرت ہے

ہر کسے شد بر خیالے ریش گاؤ — گشتہ در سودائے گنجے گنج گاؤ

ہر شخص . خیال میں احمق بنا ہوا ہے — خزانے کے خیال میں گنج گاؤ بنا ہوا ہے

از خیالے[۵۴] گشتہ شخصے پُر شکوہ — روئے آوردہ بمعدنہائے کوہ

ایک شخص خیال کی وجہ سے پُرشکوہ ہے — پہاڑ کی کانوں کی جانب رُخ کئے ہوئے ہے

وز خیالے آں دگر با جہدِ مُر — رُو نہادہ سوئے دریا بہرِ دُر

دوسرا . خیال کی وجہ سے تلخ کوشش کیساتھ — موتیوں کے لئے دریا کی جانب رُخ کئے ہوئے ہے

واں دگر بہرِ ترہّب در کنشت — واں یکے اندر حریصی سوئے کِشت

دوسرا رہبانیت کے لئے گرجا گھر میں ہے — دوسرا حرص میں کھیتی (باڑی) کی جانب ہے

از خیال آں رہزنِ رستہ شدہ — وز خیال ایں مرہمِ خستہ شدہ

وہ خیال کی وجہ سے بازار کا ڈاکو بنا — اور یہ خیال کی وجہ سے زخمی کا مرہم بنا ہوا ہے

در پری خوانی یکے دل کردہ گم — بر نجوم آں دیگرے بنہادہ سُم

ایک نے حاضرات میں دل کو گم کر دیا ہے — دوسرے نے ستاروں پر قدم رکھا ہے

آں یکے در کشتی از بہرِ رباح[۵۵] — آں یکے با فسق و دیگر با صلاح

ایک نفع کے لئے کشتی میں ہے — ایک فسق میں ہے اور دوسرا نیکی میں

ایں رَوِشہا مختلف بیند بروں — زاں خیالاتِ ملوّن ز اندروں

باہر یہ مختلف روشیں نظر آتی ہیں — اندر کے رنگا رنگ خیالات کی وجہ سے

ایں دراں حیراں شدہ کاں بر چہ ست — ہر چشندہ آں دگر را نافی ست

یہ اس میں حیران ہے کہ یہ (خیالات) کس بنا پر ہیں — ہر چکھنے والا دوسرے کا منکر ہے

آں خیالات ار نبُد نامؤتلف — چوں بروں شد رَوِشہا مختلف

اگر یہ خیالات مختلف نہیں ہیں — تو بیرونی روشیں کیوں مختلف ہیں

قبلۂ جاں را چو پنہاں کردہ اند — ہر کسے رُو جانبے آوردہ اند

چونکہ انھوں نے جان کے قبلہ کو چھپا دیا ہے — ہر شخص ایک جانب کو منہ کئے ہوئے ہے

---

[۵۳] تشبیہ ۔ جس طرح حضرت جبرئیلؑ لوحِ محفوظ سے پڑھتے ہیں اسی طرح عقل بھی غیب سے پڑھتی ہے اور روزانہ کا درس حاصل کرتی ہے۔ تحریرہا ۔ پردۂ غیب میں جو تحریریں ہیں مشتاق لوگ ان سے مطالب اخذ کرتے ہیں اور انکی سیاہی میں حیران رہتے ہیں۔ گنج گاؤ ۔ ایک خزانہ کا نام ہے جو بہرام شاہ کو زمین میں مدفون ملا تھا۔

[۵۴] از خیالے ۔ مختلف خیالات کی بنا پر جو کوششیں ہیں ان کا ذکر ہے ۔ وز خیالے ۔ کوئی شخص موتی کی صورتِ خیالیہ کی بنا پر دریا سے اُس کا جویاں ہے ۔ ترہب ۔ رہبانیت اختیار کرنا یعنی دنیاوی لذتوں کو ترک کر کے گرجا گھر میں بیٹھ جانا ... کنشت ۔ یعنی نصاریٰ کا عبادت خانہ۔ رستہ ۔ بازار ۔ پری خوانی ایسے عمل کرنا جس سے بھوت اور پریاں حاضر ہو جاتی ہیں اس کو حاضرات کہا جاتا ہے۔

[۵۵] رباح ۔ نفع ۔ قوتن ۔ حیراں ۔ یعنی ہر شخص دوسرے کے خیالات پر تعجب کا اظہار کرتا ہے: آں ۔ چونکہ ہر انسان کا خیال جداگانہ ہے اس لئے ہر شخص کا عمل بھی مختلف ہے نامؤتلف ۔ مختلف ۔ قبلۂ جاں ۔ انسانوں نے عقل سے صحیح کام نہیں لیا اس لئے مقصودِ حقیقی مخفی ہو گیا اور ہر شخص نے اپنی خواہش کے مطابق قبلہ کا ایک رُخ تجویز کر کے اُس کی طرف منہ کر لیا ہے۔

تمثیلِ[۱] روشہائے مختلف و وہمہائے گوناگوں باختلاف

مختلف روشوں اور مختلف قسم کے وہموں کی اندھیرے میں نماز کے وقت

تحرّی متحریاں در وقتِ نماز قبلہ را بوقتِ تاریکی و

قبلہ کی اٹکل کرنے والوں کی اٹکل کے اختلاف سے اور غوطہ زنوں کی سمندر

تحرّی غواصاں در قعرِ بحر

کی تہ میں اٹکل سے مثال

ہمچو قومے کہ تحرّی میکنند ‏ ‏ بر خیالِ قبلہ ہر سومی تنند
جس طرح لوگ اٹکل کرتے ہیں ‏ ‏ قبلہ کے خیال سے ہر جانب کو رُخ کرتے ہیں

چونکہ[۱] کعبہ رُو نماید صبح گاہ ‏ ‏ کشف گردد کہ گم کردہ ست راہ
جب صبح کو قبلہ رُونما ہوتا ہے ‏ ‏ واضح ہو جاتا ہے کہ کس نے غلطی کی ہے

یا چو غواصاں بزیرِ قعرِ آب ‏ ‏ ہر کسے چیزے ہمی گیرد شتاب
یا جس طرح غوطہ زن پانی کی گہرائی کے نیچے ‏ ‏ ہر شخص جلدی سے ایک چیز پکڑ لیتا ہے

بر اُمیدِ گوہر و دُرِّ ثمیں ‏ ‏ توبرہ پُر میکنند از آن و ایں
جوہر اور قیمتی موتی کی اُمید پر ‏ ‏ اُس اور اِس سے تھیلی بھر لیتے ہیں

چوں بر آیند از تگِ دریائے ژرف ‏ ‏ کشف گردد صاحبِ دُرِّ شگرف
جب گہرے دریا کی تہ سے باہر آتے ہیں ‏ ‏ عجیب موتی والا واضح ہو جاتا ہے

واں دگر کہ بُرد مروارید خُرد ‏ ‏ واں دگر کہ سنگریزہ و شبہ بُرد
اور وہ جس نے چھوٹا موتی حاصل کیا ہے ‏ ‏ اور وہ جس نے پتھر اور پوت حاصل کیا ہے

ھٰکَذَا نَبْلُوهُمْ بِالسَّاهِرَۃِ[۲] ‏ ‏ فِتْنَۃً ذَاتَ افْتِضَاحٍ قَاهِرَۃٍ
اسی طرح ہم ان کو میدان میں آزمائیں گے ‏ ‏ آزمائش میں جو زبردست رسوائی والی ہوگی

ہمچنیں ہر قوم چوں پروانگاں ‏ ‏ گردِ شمعے پر زناں اندر جہاں
اسی طرح ہر قوم پروانوں کی طرح ‏ ‏ دنیا میں ایک شمع کے چاروں طرف پرواز کر رہی ہے

خویشتن بر آتشے بر میزنند ‏ ‏ گردِ شمعِ خود طوافے می کنند
اپنے آپ کو ایک آگ پر پھینک رہی ہے ‏ ‏ اپنی شمع کے گرد طواف کر رہی ہے

بر اُمیدِ آتشِ موسیٰ بخت ‏ ‏ کز لہیبش سبزتر گردد درخت
نصیب کے موسیٰ کی آگ کی اُمید پر ‏ ‏ جس کی لپیٹ سے درخت زیادہ سرسبز ہوجاتا ہے

فضلِ آں آتش شنیدہ ہر رمہ[۳] ‏ ‏ ہر شرر را آں گماں بُردہ ہمہ
ہر جماعت نے اس آگ کی فضیلت سن لی ہے ‏ ‏ سب نے اس چنگاری کو وہ سمجھا ہے

---

[۱] تمثیل۔ حقیقی مقصود مخفی ہو جانے کی صورت میں لوگوں کا اختلاف ایسا ہی ہے جیسا کہ قبلہ کی حقیقی سمت معلوم نہ ہونے کی صورت میں ہر شخص ایک ایک جانب کو نماز پڑھتا ہے یا مختلف غوطہ خور موتی کے لئے مختلف سمتوں میں غوطہ لگاتے ہیں۔

[۱] چونکہ۔ جب صبح کو قبلہ رُونما ہوتا ہے تو ہر شخص کو غلطی کا احساس ہوتا ہے اسی طرح لوحِ محفوظ کا مکتوب جب واضح ہوگا تو غلط اندیشوں کو غلطی کا احساس ہوگا۔ دُرِّ ثمین قیمتی موتی۔ توبرہ۔ تھیلا۔ ژرف۔ گہرا۔ شگرف۔ عجیب۔

[۲] ساہرہ۔ روئے زمین، میدان۔ افتضاح۔ رسوا ہو جانا۔ شمعے یعنی مقصود۔ موسیٰ، حضرت موسیٰ کو خدا کی تجلی ایک درخت پر آگ کی صورت میں نظر آئی تھی۔ لہیب۔ لپٹ۔

[۳] رمہ۔ جماعت۔ آں یعنی نورِ موسوی۔ نورِ مطلوب۔ مابدی نورِ شبیہِ ظفر یعنی عشقِ خداوندی۔

چوں برآید صبحدم نورِ خلود
جب صبح کو ہمیشگی کا نور ظاہر کرے گا
وانماید ہر یکے چہ شمع بود
ہر شخص دیکھ لے گا کہ کیا شمع تھی

ہر کرا پر سوخت زاں شمعِ ظفر
جس کے اُس کامیابی کی شمع سے پر جلے ہیں
بدہدش آں شمع خوش ہفتاد پر
اُس کو وہ شمع ستر اچھے پر دیدے گی

جوقِ[۱] پروانہ دو دیدہ دوختہ
دونوں آنکھیں بند کئے ہوئے پروانوں کی جماعت
ماند زیرِ شمعِ بد پر سوختہ
بُری شمع کے نیچے پر جلی ہوئی رہ جائے گی

می طپد اندر پشیمانی و سوز
وہ سوزش اور شرمندگی میں تڑپے گی
میکند آہ از ہوائے چشم دوز
آنکھیں سی دینے والی خواہشِ نفسانی سے آہ کرے گی

شمع اُو گوید کہ چوں من سوختم
اُس کو شمع کہے گی جبکہ میں جل گئی
کے ترا برہانم از سوز و ستم
میں تجھے سوزش اور ستم سے کیسے رہائی دوں!

شمعِ اُو گریاں کہ من سر سوختہ
اُس کی شمع روئے گی کہ میں سر جلی
چوں[۲] کنم من غیر را افروختہ
دوسرے کو کیا روشن کروں؟

در تفسیر آیت یَا حَسْرَۃً عَلَی الْعِبَادُ
"بندوں پر حسرت ہے" آیت کی تفسیر

اُو ہمی گوید کہ از اشکالِ تو
وہ کہے گا کہ تیری صورت سے
غرہ گشتم دیر دیدم حالِ تو
میں دھوکا کھا گیا میں نے تیری حالت دیر میں دیکھی

شمع مُردہ بادہ رفتہ، دلربا
شمع مر کر چل گئی، دل رُبا نے
غوطہ خورد از ننگِ کژ بینیِ ما
غوطہ مار لیا، ہماری کج بینی کی ذلت سے

ظَلَّتِ الْاَرْبَاحُ خُسْرًا مُغْرَمًا
منافع ٹھونڈ والا نقصان بن گئے
نَشْتَکِیْ شَکْوٰی اِلَی اللّٰہِ الْعَمٰی
اندھے پن کا اللہ سے شکوہ کرتا ہے

حَبَّذَا[۳] اَرْوَاحِ اِخْوَانِ ثِقَات
ثقہ بھائیوں کی روحیں قابلِ مبارکباد ہیں
مُسْلِمَاتٌ مُؤْمِنَاتٌ قَانِتَاتٌ
مسلمان ہیں، مومن ہیں، دعا کرنے والی ہیں

ہر کسے روئے بسوئے بُردہ اند
ہر شخص نے ایک جانب رُخ کیا ہے
واں عزیزاں رُو بہ بے سُو کردہ اند
وہ باعزت ہیں جنہوں نے بے رُخ کی جانب رُخ کیا ہے

ہر کبوتر می پرد در مذہبے
ہر کبوتر ایک راستہ پر پرواز کرتا ہے
ویں کبوتر جانبِ بے جانبے
یہ کبوتر بے جانب کی جانب پرواز کرتا ہے

ہر عقابے می پرد از جا بجا
ہر باز ایک جگہ سے دوسری جگہ پرواز کرتا ہے
ویں عقاباں راست بیجائی سرا
ان بازوں کی سرا لامکانی ہے

ما نہ مرغانِ ہوا نے خانگی
ہم نہ ہوائی پرند ہیں، نہ پالتو
دانۂ ما دانۂ بے دانگی
ہمارا دانہ، بے دانگی کا دانہ ہے

۱؎ جوق۔ جو لوگ عقلِ سلیم سے کام نہیں لیں گے اور شیطان کے فریب خوردہ ہونگے وہ گم گشتہ راہ ہونگے تبیکنند۔ جو آنکھیں بند کرکے شہوات میں مبتلا ہو گئے ہیں وہ آہیں بھرینگے شمع اُو گوید۔ یعنی باطل معبود اُن سے برأت کرینگے۔

۲؎ چوں کنم۔ باطل معبود خود عذاب میں ہونگے وہ روشن کرکیا بچا سکیں گے۔ آگ باطل پرست۔ شمع یعنی باطل معبود منہ چھپائیں گے۔ ظلت۔ توقع نفع نقصان ثابت ہوگا اور یہ لوگ اپنے اندھے پن کا شکوہ کرینگے۔

۳؎ حبذا۔ مومنین کی روحیں مسلمات ہوں گی۔ واں عزیزاں جو لوگ حق پرست ہیں اور انہوں نے اپنا رخ ذات منزہ کی طرف کیا ہے وہ باعزت ہونگے۔ ویں کبوتر۔ یہ وہ روحیں ہیں جو مومنات ہیں۔ بے جانبے یعنی ذاتِ حق جو جہت سے منزہ ہے۔ ہر عقابے ہر باز کا ایک جانب کو رُخ ہے لیکن اخوانِ صفا کا مکان لا مکان ہے۔ ما نہ۔ وہ یہ کہتے ہیں۔

زاں[1] فراخ آمد چنیں روزیِ ما	کہ دریدن شُد قبادوزیِ ما
اسی لئے ہماری روزی اس قدر فراخ ہے	کہ ہمارا پھاڑنا قبا کو سینا ہے

دربیانِ آنکہ فرجی راچرا فرجی نام نہادند اوّل
اس کا بیان کہ شروع میں فرجی کو فرجی کیوں کہا گیا

صوفئے بدرید جُبّہ در حرج	پیشش آمد بعد بدریدن فرج
ایک صوفی نے تنگی میں جبّہ پھاڑ ڈالا	پھاڑنے کے بعد اُس کو فراخی میسر آ گئی
کردہ نامِ آں دریدہ فرجی[2]	ایں لقب شُد فاش زاں مردِ نجی
اُس نے اُس پھٹے ہوئے (جبّہ) کا نام کشادگی والا رکھ دیا	اس برگزیدہ کی وجہ سے یہ نام مشہور ہو گیا
ایں لقب شُد فاش و صافش شیخ بُرد	ماند اندر طبعِ خلقاں حرفِ دُرد
یہ لقب مشہور ہو گیا اور اُس کی حقیقت شیخ لے گیا	لوگوں کی طبیعت میں حرف تلچھٹ باقی رہ گئی
ہمچنیں ہر نام صافی داشتہ است	اسم را چوں دُردی بگذاشتہ است
اسی طرح ہر نام جو صفائی رکھتا تھا	اُس نے نام کو تلچھٹ کی طرح چھوڑا
ہر کہ گلخوار[3] است دُردی را گرفت	رفت صوفی سُوئے صافی ناشگفت
جو مٹی کھانے والا ہے اُس نے تلچھٹ لے لی ہے	صوفی صاف کی جانب تعجب کے بغیر چلا گیا
گفت لابد دُرد را صافی بُود	زیں دلالت دل بصفوت میرود
صوفی نے کہا، تلچھٹ کے لئے صفائی لازمی ہے	اس رہنمائی سے دل صفائی کی جانب جاتا ہے
دُردِ عُسر افتاد صافش یُسرِ اُو	صاف چوں خرما و دُردی بُسرِ اُو
تنگی تلچھٹ ہے اُس کا صاف اُسکی کشادگی ہے	صاف خرما کی طرح ہے اور تلچھٹ اُس کا کچا ہے
عُسر با یُسر است ہیں آیس مباش	راہ داری زیں ممات اندر معاش
تنگی کشادگی کے ساتھ ہے خبردار ! مایوس نہ ہو	اس موت سے تو زندگی میں راستہ پاتا ہے
صاف خواہی جُبّہ بشگاف اے پسر	تا ازاں صفوت برآری زود سر
اے بیٹا ! اگر تو صاف چاہتا ہے جُبّہ کو پھاڑ دے	تاکہ اُس میں سے جلد صفائی ظاہر ہو جائے

ہے کہ مجاز میں حقیقت پنہاں ہے۔ صفوت۔ نیز صاف۔ عُسر۔ مجاز کی مثال تنگی اور کچی کھجور کی سی ہے اور حقیقت کی مثال یُسر اور پکی کھجور کی ہے۔ ہر عسر تنگی کے بعد یُسر اور سہولت میسر آتی ہے۔ ممات۔ فنا کے بعد ہی بقا حاصل ہوتی ہے۔ صاف۔ اگر تو چاہتا ہے کہ حقیقت تک پہنچے تو ظاہر پرستی اور تن پروری چھوڑ دے بہت جلد حقیقت تک پہنچ جائے گا۔

[1] زاں۔ مشہور مقولہ ہے کہ گھر کھودنے سے ایندھن فراواں ہو جاتا ہے اور قبا چاک کر دینے سے روزی فراواں ہو جاتی ہے اُس کے استر ابرے وغیرہ کو زخت کر کے گزارا کیا جا سکتا ہے، یعنی اسبابِ ظاہری کو ختم کر دینے سے اللہ پر توکل ہو جاتا ہے۔ وَمَن یَتَوَکَّل عَلَی اللّٰہِ فَھُوَ حَسْبُہٗ۔ دربیان۔ جُبّہ کو شروع میں فرجی اسلئے کہا گیا کہ ایک فقیر نے اپنا جبّہ پھاڑ کر فروخت کر دیا اور اس سے اُس کو فراخدستی حاصل ہو گئی یعنی اُس نے وجودِ ظاہری کو فنا کیا تو اُس کو جاودانی بقا حاصل ہو گئی اس لئے اُس نے پھٹے ہوئے جبّہ کا نام فرجی یعنی کشادگی والا رکھ دیا۔ حرج۔ تنگی۔ فرج کشادگی۔

[2] فرجی۔ یعنی اُس جبّہ کا نام کشادگی والا پڑ گیا کیوں کہ اُس کے پھٹنے سے اُس فقیر کو کشادگی حاصل ہوئی تھی۔ فاش۔ مشہور۔ دُرد۔ تلچھٹ۔ ہمچنیں۔ دنیا کا قاعدہ ہے کہ ابتداءً کوئی نام کسی حقیقت کی بنیاد پر رکھا جاتا ہے، لیکن پھر اُس نام میں سے حقیقت گم ہو جاتی ہے اور صرف لفظ رہ جاتے ہیں۔

[3] گلخوار۔ یعنی دنیا پرستوں نے مجاز کو اختیار کر لیا اور حقیقت تک نہ پہنچے حقیقت پرست صوفی حقیقت تک پہنچ گیا۔ گفت۔ مجاز پرست کہتا

هست[1] صوفی آنکہ شد صفوت طلب
صوفی وہ ہے جو صفائی کا طالب ہو

نہ لباسِ صوف و خیاطی و دَب
نہ کہ اون کا لباس اور سینا اور نقش

صوفیٔ گشتہ بہ پیشِ ایں لئام
ان کمینوں کے لئے صوفی ہونا بن گیا ہے

اَلخیاطۃُ وَاللّواطۃُ وَالسّلام
سینا اور اغلام، والسلام

بر خیالِ آں صفا و نامِ نیک
صفا کے خیال اور بھلے نام کی وجہ سے

رنگ پوشیدن نکو باشد ولیک
رنگین پہننا اچھا ہوگا لیکن

بر خیالش گر روی تا اصلِ او
اگر اُس کے خیال سے تو حقیقت کی طرف جائے

ہمچناں کہ گربہ سوئے ناں بو
جس طرح کہ اپنی خوشبو کے ذریعہ روٹی کی جانب

بو[2] قلاوزست اے جویائے عشق
اے عشق کے تلاش کرنے والے! بُو رہنما ہے

نے ز بو یعقوب شد بینائے عشق
کیا بُو کی وجہ سے حضرت یعقوبؑ عشق کے بینا نہیں ہوئے

دورباشِ غیرتت آمد خیال
تمہارا خیال تیرے لئے دوشاخہ نیزہ ہے

گرد بر گردِ سراپردہ جلال
جلال کے پردے کے ارد گرد ہے

بستہ ہر جوئندہ را کہ راہ نیست
جس نے ہر تلاش کرنے والے کو باندھ دیا ہے کہ راستہ نہیں ہے

ہر خیالش پیش می آید کہ بیست
ہر خیال اُس کے سامنے آجاتا ہے کہ ٹھہر جا

جز مگر آں تیز گوش و تیز ہوش
سوائے اُس تیز کان والے اور تیز ہوش والے کے

کش بود از جیشِ نصرتہاش جوش
جس کو مددوں کے لشکر سے جوش حاصل ہے

بجہد[3] از تخییلہا بے شہ شود
وہ تخیلات سے نکل جاتا ہے بغیر اٹکے بڑھتا ہے

تیر شہ بنماید و بیروں رود
شاہی تیر دکھاتا ہے اور باہر نکل جاتا ہے

ہر کہ را در دست تیر شہ بود
جس کے ہاتھ میں بادشاہ کا تیر ہو

راہ یابد تا بمنزل می رود
راستہ پالیتا ہے منزل تک چلا جاتا ہے

[1] ہست۔ تصوف محض کمبل پوشی اور پیوند در پیوند گدڑی اور اُس کو منقش کرنے کا نام نہیں ہے۔ لئام کمینے۔ لواطت۔ اغلام۔ بر خیال نیکی تک پہنچنے کے لئے نیکوں کا لباس اختیار کرنا مفید ہے لیکن محض لباس اختیار کر لینا اور بدوں کے سے کام کرنا بُرا ہے۔ ہمچناں۔ نشانات سے منزلِ مقصود تک پہنچنا چاہیئے، محض نشان حاصل کرنا کافی نہیں ہے۔

[2] بُو۔ کسی چیز کی خوشبو سے اُس چیز تک پہنچا جاسکتا ہے۔ حضرت یعقوبؑ حضرت یوسفؑ کی خوشبوئے عشق کے بینا بنے اور اُن کی آنکھیں روشن ہوگئیں۔ دورباش۔ وہ دوشاخہ نیزہ جو پہرہ دار بادشاہوں کے آگے لیکر لوگوں کو ہٹاتا ہوا چلتا ہے یعنی مجاز میں پھنسنا اور مجازی خیال خدا کی غیرت کا دورباش ہے جو انسان کو اُس کے دربار سے ہٹا دیتا ہے۔ بستہ۔ یہ خیال حقیقت تک نہیں پہنچنے دیتا ہے۔

[3] بجہد۔ توفیقِ خداوندی جن کا ساتھ دیتی ہے وہ مجاز سے حقیقت تک پہنچتے ہیں۔

شرح چونکہ اوپر مولانا نے غذائے روحانی کی تفصیل بیان فرمائی تھی اسلئے اب اس کی درخواست کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اے خدائے بے نظیر! جب کہ تونے اس گفتگو کو ہمارا حلقہ گوش کیا ہے اور ہمارے کانوں تک پہنچایا ہے تو اب تو بخشش کر اور ہمارا کان پکڑ کر بقسر ہم کو اس مجلس تک پہنچادے جس میں یہ مست لوگ (اہل اللہ) تیری

وہ شراب یعنی شراب ایمانی پیتے ہوں تاکہ ہم کو بھی اس شراب کا کچھ حصہ مل جائے ۔ اور جبکہ تو نے اس مشک (ایمان) کی خوشبو ہم تک پہنچائی ہے اور اسکی صفت ہم کو معلوم کرائی ہے تو اب اس کے ڈبہ کو بندمت کر ۔ اور اس سے ہم کو مستفید کر ۔ کیونکہ آپ بڑے دینے والے ہیں چنانچہ کیا مذکر کیا مؤنث ۔ سب کو آپ بے دریغ دیتے ہیں اور وہ سب آپ ہی کا دیا کھاتے ہیں آپ بے مانگے دیتے ہیں اور قلوب عارفین پر ہر دم علوم و معارف کے سینکڑوں دروازے کھولتے ہیں اور آپ نے کتنے ہی ایسے عمدہ حروف ان کے لوح قلب پر نقش کئے ہیں ۔ جن سے سنگیں دلوں کا دل بھی موم ہو گیا اور آپنے ایسے نون ابرو و صاد چشم و جیم گوش (معارف نفیسہ) اس تختی پر لکھے ہیں جنہوں نے سینکڑوں عقل و ہوش کو مفتون کر لیا ۔

اور جن سے عقل باریک بین رخصت ہوگئی پس اے خوشنویس ادیب وہ پاکیزہ و ہوش ربا ہمارے لوح قلب پر بھی لکھئے ـــ اور جس طرح آپ نے علوم و معارف کو قلوب اہل اللہ پر القا ، فرمایا ہے یونہی ہمارے قلب پر بھی القا فرمائیے چونکہ مناجات میں تحریر نقوش کا تذکرہ تھا ۔ اسلئے مولانا اس تحریر کے متعلق .. مفصل گفتگو کرتے ہیں اور فرماتے ہیں ۔

کہ حق سبحانہٗ ہر دم ، ہر فکر کے مناسب اس کے غیر محسوس لوح پر ۔ نفیس نفیس نقوش و صور ذہنیہ منقش فرماتے ہیں اور اس لوح خیال پر عجیب عجیب حروف تحریر فرماتے ہیں ، جو با وجود نفیس حس میں مشترک ہونے کے چشم و ابرو و خط و خال کی طرح خصوصیات حس میں مختلف ہوتے ہیں ۔ میں ان صور غیر محسوسہ کی اسلئے تعریف کرتا ہوں کہ میں غیر محسوس پر عاشق ہوں نہ کہ محسوس پر ۔ اسلئے کہ غیر محسوس معشوق میں وفا اور پائیداری زیادہ ہے بہ نسبت محسوس کے ۔ وہو ظاہر خیں ! یہ تو جملہ معترضہ تھا ۔ اب ہم اصل مضمون بیان کرتے ہیں اور کہتے

ہیں کہ اُس نے لوح خیال پر صور ذہنیہ مرتسم کیں اور عقل کو ان کا پڑھنے والا اور مدرک بنایا۔ تاکہ وہ ان کو پڑھ کر تدبیرات میں ان کے مناسب تصرف کر سکے اور جس طرح فرشتے لوح محفوظ سے احکام روزانہ معلوم کرتے ہیں یوں ہی وہ اس لوح خیال سے ہر صبح کے وقت ہر روز کا سبق پڑھ لیتے ہیں یعنی ان امور کو معلوم کر لیتے ہیں جو اس کو ہر روز کرتے ہیں (ہر صباحی درس اور ہر روز کے قیود لازمی نہیں کیونکہ نہ یہ ضرور ہے کہ عقلی امور کو صبح ہی کے وقت سوچے اور نہ ہی یہ ضرور ہے کہ ہر روز سوچے اور نہ یہی کہ تمام دن کے کام سوچے پس یہ قیود اتفاقیہ ہیں) ــــ تم دیکھو کہ لوح غیر محسوس پر کیسے واضح حروف لکھے ہوئے ہیں ۔ جس کی سیاہی کی خوبی سے اہل خیال متحیر اور اس پر فریفتہ ہیں ۔ چنانچہ ہر شخص ایک خیال کو لپٹا ہوا ہے اور اس کی بنا پر ایک خزانہ کے عشق میں مبتلا ہو کر اس کی کھوج میں لگا ہوا ہے مثلاً ایک شخص ایک خیال کی شان و شوکت سے متاثر ہو کر پہاڑ کی کانوں میں سونے چاندی کی تلاش میں جاتا ہے ۔ دوسرا شخص دوسرے خیال کے سبب پوری کوشش سے موتیوں کی خاطر دریا کی طرف چلا ہے ــــ تیسرا شخص راہب بن کر گرجا میں بیٹھا ہے ۔ چوتھا حرص کی بنا پر اپنے کسب میں لگا ہے پانچواں ؛ محض خیال کی بنا پر لوگوں پر ڈاکہ ڈالتا ہے ۔ چھٹا شخص محض خیال کی بنا پر ایک مجروح کا مرہم اور ایک مبتلائے رنج کے لئے موجب راحت ہے ۔ ساتواں شخص عملیات پر دل کھوئے ہوئے ہے ۔ آٹھواں نجوم پر قدم جمائے ہوئے ہے نواں منافع کے لیے کشتی پر سوار ہے ۔ دسواں فسق میں مبتلا ہے گیارہواں نیک ہے ۔ پس یہ مختلف روشیں جو عالم بیرونی و اندرونی رنگا رنگ خیالات کے سبب دیکھتا ہے یعنی جو مساعی شتی اس عالم میں ظہور پذیر ہوتے ہیں وہ اپنے خیالات مختلفہ کا اثر ہیں ؛ اور دلیل اسکی یہ ہے کہ ہر ایک دوسرے کی روش میں حیران ہے اور کہتا

ہے کہ یہ شخص یہ کام کیوں کرتا ہے اس کو یہ نہ کرنا چاہیئے بلکہ وہ کرنا چاہیئے جو میں کرتا ہوں اور جو شخص جس کام کو اچھا سمجھتا ہے وہ اسی کو مانتا ہے اور دوسرے کے کاموں پر انکار کرتا ہے ——— پس یہ دلیل ہے اختلاف خیالات کی۔ کیونکہ اگر خیالات مختلف نہ ہوتے تو روشوں میں یہ تضاد کیوں کر ہوتا ۔

جب یہ معلوم ہو گیا کہ لوگ مختلف الخیال ہیں۔ تو اس سے یہ معلوم ہُوا کہ اس حالت میں ان کی ایسی مثال ہے ———

جیسے سمت قبلہ نا معلوم ہوتی ہے تو لوگ تحری کرتے ہیں اور ہر شخص بدیں خیال کہ قبلہ ادھر ہے ایک ایک طرف رُخ کر لیتا ہے مگر جب صبح ہو جاتی ہے اور کعبہ ظاہر ہو جاتا ہے تو اس وقت انہیں معلوم ہو جاتا ہے کہ کون غلطی پر تھا۔ یا مثلاً ہر غوطہ زن پانی کے نیچے کچھ نہ کچھ جلدی سے اٹھا لیتا ہے اور بیش بہا موتی کی توقع میں جو کچھ ہاتھ لگتا ہے اس سے توبرہ پُر کر لیتا ہے لیکن جب وہ اس گہرے دریا کی تہہ سے باہر آتے ہیں اس وقت وہ بھی ظاہر ہو جاتا ہے جسے بڑا موتی ملا اور وہ بھی جسے چھوٹا موتی ملا اور وہ بھی جسے کنکر اور پوتیہ ملی۔ کیونکہ مطلوب تو ان سے مخفی رہا ادھر ایک نے اپنے گمان کے موافق اٹھا لیا پس جس طرح ظہور صبح کے بعد متحریانِ قبلہ اور دریا سے نکلنے کے بعد غواصین کا امتحان ہوتا ہے یوں ہی حق سبحانہ فرماتے ہیں کہ ہم لوگوں کا زمین حشر میں زبردست امتحان لیں گے جو بہت سوں کے لئے رُسوائی بخش ہو گی کیونکہ اس وقت انہیں معلوم ہو گا کہ جس کو ہم قبلہ و مقصود سمجھے ہوئے تھے وہ حقیقت میں ایسا نہ تھا اور جس کو ہم گوہر شاہوار خیال کرتے تھے وہ گوہر شاہوار نہ تھا۔ نیز جس طرح شب تاریک میں متحریان قبلہ ایک ایک جہت کو قبلہ سمجھے ہوئے ہیں اور غواصین جو کچھ ان کے ہاتھ آتا ہے اس کو موتی سمجھ کر توبرہ میں بھرتے ہیں۔

یوں ہی تمام لوگ پروانوں کی طرح دنیا میں ایک شمع مقصود کے گرد اُڑ رہے

ہیں اور اس خیال سے اپنے کو آگ سے ٹکراتے اور اپنی شمع مقصود کے گرد طواف کرتے ہیں کہ یہ ہمارے موسائنجت کی مطلوب آگ ہے۔ جس کے شعلہ سے ہماری... امیدوں کے خشک درخت... ہرے بھرے ہو جائیں گے۔ ان لوگوں نے حقیقی آتش موسائنجت (مقصود حقیقی) کی چھوٹی مستی ہے اور ہر شرر کو وہ ہی آگ سمجھ لیا ہے یعنی جنس جس چیز کے اندر خوبی مشاہدہ کی اسکو مطلوب حقیقی خیال کرکے اس کے پیچھے ہو لیتا ہے۔ لیکن واقع میں ایسا نہیں ہے اسلئے جب یہ شب ظلمانی یعنی دُنیائے فانی ختم ہوگی اور بوقت صبح قیامت نور بقا جلوہ گر ہوگا۔ اس وقت ہر شخص کو معلوم ہوگا کہ وہ کیسی شمع تھی۔ جس پر وہ فریفتہ تھا اس وقت بعض کو معلوم ہوگا کہ وہ شمع تھی جس کی طلب کی تھی۔ اور اسی کی طلب میں انہوں نے اپنے قویٰ جسمانیہ کو صرف کیا تھا۔ ایسے لوگوں کو وہ شمع ظفر (حق سبحانہٗ) ان سوختہ پروں اور صرف کی ہوئی قوتوں کے معاوضہ میں بکثرت اُن سے بہتر پر اور قویٰ عطا کرے گی۔ اور بہت سے پروانے اندھے ہوں گے۔ جو بری شمعوں کے نیچے پر جلے پڑے ہوں گے یعنی انہوں نے اشیاء غیر مطلوبہ فی نفس الامر کے لئے اپنے قوٰے کو صرف کیا ہوگا یہ لوگ پشیمانی اور سوز ورفتے سے تڑپتے ہوں گے اور آنکھ بند کردینے والے خواہش نفسانی کے ہاتھ سے فریاد کرتے ہوں گے اور ان کی شمعیں بزبان حال کہتی ہوں گی کہ جبکہ ہم خود ہی جلی ہوئی ہیں تو تمہیں جلن سے کیونکر رہائی دے سکتی ہیں اور وہ روکر کہتی ہوں گی کہ ہمارا سر تو خود ہی جلا ہُوا ہے۔ اس لیے ہم خود روشن نہیں ہوسکتیں تو ہم تمہیں کیونکر روشن کرسکتی ہیں یعنی ہم خود ناقص اور عاری عن الکمال ہیں۔ پھر ہم... تمہیں کیا فائدہ پہنچا سکتی ہیں۔

ان کے جواب میں یہ لوگ کہتے ہوں گے کہ ہمیں تمہارے اشتباہ بالمقصود الحقیقی سے دھوکا ہُوا۔ اور افسوس ہے کہ ناوقت تمہاری حقیقت کھلی کیونکہ شمع گل

ہو چکی ہیں شراب ختم ہو چکے ہیں ۔ محبوب ہماری غلط بینی کی عار سے محجوب ہو چکا ہے یعنی اب مطلوب کا ملنا ناممکن ہو گیا ہے اور ہمارے منافع خسران ہو چکے ہیں اس وقت ہم اپنے اندھے پن کی خدا سے شکایت کرتے ہیں ۔

اب مولانا فرماتے ہیں کہ بڑے اچھے ہیں ہمارے معتمد بھائیوں ۔ اہل اللہ کی روحیں کہ وہ مسلمان اور مومن اور عابد ہیں اور دیگر لوگوں نے تو اپنا رُخ ایک ایک جانب کر رکھا ہے مگر وہ حق سبحانہٗ کی طرف متوجہ ہیں جو کہ ازجہات ہیں اور دیگر کبوتر... ایک ایک خاص سمت میں جارہے ہیں مگر یہ لوگ اس طرف جارہے ہیں جس کے لئے کوئی جہت نہیں اور دوسرے تمام عقاب ایک جگہ سے دوسری جگہ اُڑکر جارہے ہیں لیکن یہ عقاب ایسی جگہ جارہے ہیں جو فی الحقیقت کوئی جگہ یا گھر نہیں ہے یعنی عالمِ غیب کی طرف ۔ اور کہتے ہیں کہ ہم نہ ہوائی جانور ہیں نہ خانگی جو طالب جہت یا مکان ہوں اور ہماری غذا تو عدم الغذا ہے ۔ دون الجوع طعام الصدیقین ۔ رہی یہ بات کہ اس قدر فراخ ہماری روزی کیوں ہے اسکی وجہ یہ ہے کہ ہماری طبیعت تمہارے خلاف ہے کیونکہ دریدن قبا ، ہمارے حق میں قبا دوزی ہے اور جو شئے ہمارے لیے موجب فساد ہے وہ ہمارے لیے موجب اصلاح ہے پس جبکہ تمہاری طبیعتوں میں اختلاف ہے تو اس کے آثار میں یہی اختلاف ہوگا ۔ پس اسی سے جو چیز تمہاری غذا ہوگی ہماری غذا اس کے خلاف ہوگی ۔ پس چونکہ... تمہاری غذا دانہ ہے اسلئے ہماری غذا بے دانگی ہوگی ۔ چونکہ اوپر قبا چاک کرنے کا ذکر آیا تھا اسلئے مولانا اسکے ایک قصہ کی طرف انتقال فرماتے ہیں ۔

اور کہتے ہیں کہ ایک صوفی کو قبض پیش آیا تھا تو انہوں نے متوحش ہو کر کُرتہ پھاڑ ڈالا ۔ اس کے پھاڑ ڈالنے کے بعد اس کو بسط ہو گیا اس پہ انہوں نے کُرتہ کا نام فرجی رکھ لیا اور ان کا رکھا ہوا نام لوگوں میں مشہور ہو گیا ۔

القصہ! یہ نام مشہور ہوگیا اور اسکی حقیقت تو شیخ مذکور نے لیلی اور لوگوں کے اندر اسکی صورت اور نام رہ گیا اور کچھ فرجی ہی کی تخصیص نہیں بلکہ ہر ایسے نام سے جو دو چیزوں پر مشتمل تھا جن میں ایک کارآمد اور بمنزلہ حصہ صاف کے۔ تھی یعنی مغز اور دوسری ناکارہ اور بمنزلہ تلچھٹ کے یعنی صورت۔ کارآمد اور صاف شے کو لے لیا اور دوسری شے کو جو کہ بمنزلہ تلچھٹ کے تھی چھوڑ دیا یعنی اس کا مغز لے لیا اور وہ صورت جو کہ بے کار تھی اسے چھوڑ دیا۔

[فائدہ:- یاد رکھو کہ یہ تجزیہ وہیں ممکن ہے جہاں حقیقت اور مغز بدوں صورت کے پائی جاسکے اور صورت مقصود ہو لیکن جہاں حقیقت و مغز بدوں صورت کے پائے ہی نہ جاسکتے ہوں اور صورت بھی مقصود ہو جیسے صوم و صلوٰۃ وغیرہ امور شرعیہ وہاں یہ تجزیہ ممکن نہیں۔ فافہم ولاتزل]

خیر! یہ حالت تو شیخ مذکور کی تھی اب اوروں کی حالت سنو! ان میں جو گل خوار تھے انہوں نے تلچھٹ اور صورت غیر مقصودہ کو لے لیا اور جو صوفی تھے انہوں نے حصہ صاف اور مغز لے لیا کیونکہ انہوں نے کہا ہے کہ ہر درد کے پیچھے صاف ہوتا ہے اور درد کی دلالت بر صفا کے سبب اسکے صافی کی طرف ذہن منتقل ہوتا ہے۔ اس بنا پر ان کا ذہن درد سے صاف کی طرف منتقل ہوا۔ اور چونکہ درد بمنزلہ عُسر کے تھا اور صاف بمنزلہ یُسر کے اور صاف بمنزلہ پختہ چھوہارے کے تھا اور درد بمنزلہ کچے چھوہارے کے۔ اسلئے درد کو چھوڑ دیا اور صاف کو لے لیا۔ آگے مضمون ارشادی بیان فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اوّل اتنا سمجھ لو کہ ہم لوگوں کی ریاضات و مجاہدات۔ جو حالاً عُسر میں مآلاً یُسر ہیں۔

پس تم کو سختی حال کو دیکھ کر مایوس نہ ہونا چاہیئے اور اسکو اختیار کرنے سے گھبرانا نہ چاہیئے۔ کیونکہ تم اس موت (عُسر) سے حیات (یُسر) تک پہنچ گئے

جب یہ معلوم ہوگیا، تو آپ کہتے ہیں کہ اگر تم کو صفا کی ضرورت ہے تو تم قبائے ہستی کو چاک کرو ۔ اسسے تم بحرِ صفوت سے سر نکالوگے اور صفا تم کو مل جائیگی ایسا کرنے سے تم کو اس طریق کی دشواری مانع ہو سکتی تھی ۔ سو اسکو ہم پہلے ہی سے دفع کر چکے ہیں اب کوئی مانع نہ رہا ۔ پس تم کو ضرور صفا حاصل کرنی چاہیئے کیونکہ صوفی وہ ہے جو طالب صفا ہو ۔ اور پشمینہ پہننا ۔ گدڑی سینا ۔ اعلام کرنا تصوّف نہیں ہے مگر کیا کیجئے کہ نااہلوں نے تصوّف کو خراب کر دیا ۔ ان پاگلوں کے نزدیک حقیقت تصوف صرف اتنا ہے کہ گدڑی کا بنڈل اور رنڈی بازی کرلی ۔ اسلئے وہ واقعی حقیقت تصوّف کو حاصل نہیں کرنا چاہتے اور عوام بھی ان کی دیکھا دیکھی اسی روش پر چلتے ہیں ۔

ہاں تو ہم نے کہا تھا کہ صوفیانہ لباس تصوّف نہیں یہ صحیح ہے ۔ مگر اس نیت سے کہ اسسے صفا کا خیال رہے — بایں طور کہ اس سے تصوّف اور صوفیہ کی طرف ذہن منتقل ہو اور ان سے صفا کی طرف اور اس نام نیک کے سبب کہ یہ اہل اللہ کا لباس ہے، اگر کوئی رنگین لباس پہنے تو اچھا ہے مگر اس شرط سے کہ اس خیال ہی پر نہ جم جائے بلکہ اسسے حقیقت کی طرف یونہی ہے جس طرح بلی روٹی کی بُو سے روٹی کیطرف ۔ یہاں تک ان لوگوں کی اصلاح فرمائی تھی جو لباس صوفیانہ پہنتے تھے اور صوفی نہ تھے اب اسکی اصلاح فرماتے ہیں ۔ جو بوجہ حقیقت تصوّف حاصل نہ ہونے کے لباس صوفیانہ کو ناپسند کرتے ہیں ۔

اور فرماتے ہیں کہ اے طالب عشق ! یہ لباس مطلقاً بے سود نہیں ہے کیونکہ اسسے صورت صفا جس کو بوئے صفا کہنا چاہیئے حاصل ہوتا ہے اور جو حقیقت کی طرف رہنما ہوتی ہے ۔ دیکھ یعقوب علیہ السلام بوئے یوسف ہی سے تو صاحب عشق ہوگئے تھے ۔ یعنی ان کو بوئے مطلوب ہی سے تو مطلوب کا پتہ چلا تھا ۔ پس اپنے لئے صفا بے سود کیونکر ہو سکتی ہے اور جب وہ بے سود نہیں تو لباس صوفیانہ مطلقاً

بے سود کیونکر ہو سکتا ہے۔

خیر! یہ مضمون تو استطرادی تھا اب سنو! کہ جو چیز تم کو خدا تک نہیں پہنچنے دیتی۔ وہ تمہارا خیال غیر اللہ ہے کیونکہ خیالات مذکورہ سرا پردۂ جلال رب ذو الجلال کے ارد گرد پہرہ دار ہیں۔ جس کو غیرت خداوندی نے اسلئے قائم کیا ہے کہ وہ نا قابل حضوری لوگوں کو آگے نہ بڑھنے دیں ۔۔۔ بنا بریں وہ ہر طالب کو یہ کہہ کر رد کرتا ہے کہ ادھر جدھر تم جانا چاہتے ہو رستہ نہیں ہے۔ اور ہر خیال یہی کہتا ہے کہ ٹھہرو! آگے نہ جاؤ۔ بجز ان تیز گوش اور تیز ہوش لوگوں (اہل اللہ) کے۔ جو جیش تائیدات ربانیہ کے سبب سے جوش میں لڑتے ہوتے ہیں ان کو کوئی خیال نہیں روک سکتا۔ پس یہ لوگ تخیلات سے گذر کر مات سے بچ جاتے ہیں اور تیر شہ کھلا کر باہر نکل جاتے ہیں اسلیے کہ ان کے پاس تیر شہ ہوتا ہے اور قاعدہ ہے کہ جسکے پاس تیر شہ ہوتا ہے اسکو رستہ مل جاتا ہے اور وہ حضر شاہی تک پہنچ جاتا ہے

فائدہ: توضیح اسکی یہ ہے کہ زمانِ قدیم میں یہ قاعدہ تھا تیر پر بادشاہ کا نام لکھا ہوتا تھا پس جو شخص پہرہ والوں کو وہ تیر دکھلا دیتا تھا پہرہ والے اُسے نہ روکتے تھے گویا کہ وہ پروانہ شاہی ہوتا تھا۔

پس حاصل یہ ہوا کہ اہل اللہ کے پاس پروانہ شاہی ہوتا ہے یعنی تائید حق اسکے شامل حال ہوتی ہے اسلئے ان کو کوئی خیال نہیں روک سکتا۔

(فائدہ: یہ بھی ممکن ہے کہ تیر شہ سے مراد عشق حق سبحانہٗ مراد ہو)

فی المناجات

دُعا

اے قدیم رازدانِ ذُوالمنن ۔۔۔ در رہِ تو عاجزیم و ممتحن

اے احسانوں والے، راز کو جاننے والے قدیم! ۔۔۔ تیری راہ میں ہم عاجز ہیں اور مشقت میں ہیں

ایں دلِ سرگشتہ را تدبیر بخش ۔۔۔ ویں کمانہائے دوتو را تیر بخش

اس حیران دل کو تدبیر عنایت کر دے ۔۔۔ اِن خمیدہ کمانوں کو تیر عنایت کر دے

جرعۂ بر ریختی زاں خُفیہ جام[۱] ۔۔۔ بر زمینِ خاکِ مِن کاسِ الکِرَام

تونے اس پوشیدہ جام سے گھونٹ گرا دیا ہے ۔۔۔ خاک کی زمین پر کریموں کے پیالے سے

جُست بر زُلف و رُخ از جرعہ نشاں ۔۔۔ خاک را شاہاں ہمی لیسند ازاں

گھونٹ کا نشان زلف اور رُخ پر تلاش کیا ہے ۔۔۔ اسی وجہ سے شاہ خاک کو چاٹتے ہیں

جرعۂ حُسن ست کایں خاک گش ۔۔۔ کہ بصد دل روز و شب می بوسیش

حُسن کا گھونٹ ہے کہ یہ خاک بھلی ہے ۔۔۔ کہ تو دل و جان سے دن رات اُس کو چومتا ہے

جرعہ خاک آمیز چوں مجنوں کند ۔۔۔ مر ترا تا صاف اُو خود چوں کُند

مٹی میں ملا ہوا گھونٹ جبکہ مجنون بنا دیتا ہے ۔۔۔ تو تجھے اُس کا صاف کیا بنا دے گا؟

ہر کسے پیشِ کلوخے جامہ چاک[۲] ۔۔۔ کاں کلوخ از حُسن آمد جرعہ ناک

ہر شخص ایک مٹی کے ڈھیلے کے سامنے کپڑے پھاڑے ہوئے ہے ۔۔۔ کیونکہ وہ ڈھیلا حسن سے گھونٹ حاصل کئے ہوئے ہے

جرعۂ بر ماہ و خورشید و حمل ۔۔۔ جرعۂ بر عرش و کرسی و زُحل

ایک گھونٹ ہے چاند اور سورج اور برج حمل پر ۔۔۔ ایک گھونٹ ہے عرش اور کرسی اور زحل پر

جرعہ گوئیش اے عجب یا کیمیا ۔۔۔ کز آسیبش فنا گردد بقا

تعجب ہے تو اِس کو گھونٹ کہے یا کیمیا ۔۔۔ کہ اُس کے اثر سے فنا بقا بن جاتی ہے

جد طلب آسیب اُو اے ذو فنوں ۔۔۔ لَا یَمَسُّ ذَاکَ اِلَّا الطَّاھِرُوْن

اے ہنر مند! اُس کا اثر کوشش کا خواہاں ہے ۔۔۔ اُس کو نہیں چھو سکتے ہیں مگر پاک لوگ

جرعۂ بر لعل و بر زر و دُرر ۔۔۔ جرعۂ بر خمر و بر نُقل و ثمر

ایک گھونٹ ہے لعل اور سونے اور موتیوں پر ۔۔۔ ایک گھونٹ ہے شراب اور چبینے اور پھلوں پر

جرعۂ بر رُوئے خوبانِ لطاف ۔۔۔ تا چگونہ باشد آں رَواقِ صاف

ایک گھونٹ ہے نازک اندام حسینوں کے رُخ پر ۔۔۔ تو اُس چھنے ہوئے اور صاف کا کیا حال ہوگا؟

چوں[۳] ہمی مالی زباں را اندریں ۔۔۔ چوں شوی چوں بینی آں را بے زطیں

جبکہ تو اُس پر زباں کو ملتا ہے ۔۔۔ تو تیرا کیا حال ہوگا جبکہ اُس کو بغیر مٹی کے دیکھے گا

ف بجز ۔ تو حقیقت جس کے ساتھ وقتی ہے وہ ان خیالات سے فنا ہی تیر کی علامت دکھا کر آگے بڑھ جاتے ہیں ۔ تیر بخش ۔ فنا ہی تیر پر علامت ہوتی تھی جس کو دکھا کر کارکن ہر جگہ جا سکتا تھا ۔ ذوالمنن ۔ احسانوں والا اللہ تعالیٰ ۔ ممتحن ۔ مصیبت زدہ تیر بخش ہوگا۔

ف۱ جرعہ ۔ ولِلْاَرْضِ مِنْ کَاسِ الْکِرَامِ نَصِیْبٌ سخیوں کے پیالے سے زمین کو بھی حصہ ملتا ہے جیسے مظاہر قدرت میں حسنِ ازلی کی تجلی نمودار ہو گئی ہے جس کی وجہ سے لوگ ان کے شیدائی ہیں گش ۔ خوش ۔ مظاہر پرستی اُس کے حسنِ ازلی کی وجہ سے ہو رہی ہے ۔ خاک آمیز وہ تجلی جو مادیات میں ظہور پذیر ہے ۔ جب اُس نے دیوانہ بنا رکھا ہے تو جو تجلی اُس سے منزہ ہے، اُس کا کیا حال ہوگا۔

ف۲ ہر کسے ۔ جس قدر مظاہر ہیں وہ تجلی حقیقی سے سیراب ہیں خواہ وہ چاند اور سورج ہو یا عرش و کرسی وہ گھونٹ جو حقیقی تجلی سے حاصل ہوتا ہے اُس سے فانی بھی بقا حاصل کر لیتا ہے ۔ جد ۔ اِس گھونٹ کے حاصل کرنے کے لئے بہت سے مجاہدوں کی ضرورت ہے تاکہ باطنی طہارت حاصل ہو سکے۔ ..... جرعہ ۔ دنیا کی ہر مرغوب چیز نے اسی حسنِ ازلی سے گھونٹ حاصل کر لیا ہے حسین معشوق اسی کے جرعہ نوش ہیں۔

ف۳ چوں ۔ جبکہ اس گندہ جرعہ کو دیکھ کر تیرا یہ حال ہوا ہے اگر صاف جرعہ کو دیکھے گا تو کیا حال ہوگا ۔ چونکہ حسین معشوق سے مرت

چونکہ وقتِ مرگ آں جرعہ صفا — زیں کلوخِ تن بمردن شد جدا

چونکہ موت کے وقت وہ مصفیٰ گھونٹ — جسم کے اِس ڈھیلے سے مرنے پر جُدا ہوگیا

آنچہ ماند میکنی زودش دفیں — کیں چنیں زشتے ودو چوں بُد قریں

جو رہ گیا اُس کو تو جلدی سے دفن کر دیتا ہے — کہ یہ ایسا بد نما، اور کم رتبہ کیوں ساتھ تھا!

جاں[۱] چو بے ایں جیفہ بنماید جمال — کے توانم گفت لطفِ آں وصال

جان، جب اِس مُردار کے بغیر حُسن دکھائیگی — اُس وصال کا لطف میں کیا کہہ سکتا ہوں

مہ چو بے ایں ابر بنماید ضیا — شرح نتواں کرد ازاں کار و کیا

چاند جب اِس اَبر کے بغیر روشنی دکھائے گا — اس معاملہ اور پاکیزگی کی شرح نہیں کی جاسکتی

حبذا آں مطبخِ پُر نوش و قند — کیں سلاطیں کاسہ لیسانِ وے اند

سبحان اللہ، وہ کیسا شہد و شکر سے پُر مطبخ ہے — کہ یہ شہنشاہ اُس کا پیالہ چاٹنے والے ہیں

حبذا آں خرمنِ صحرائے دیں — کہ بُود ہر خرمن آں را خوشہ چیں

وہ دین کے صحرا کا خرمن کیا ہی عمدہ ہے — کہ ہر خرمن اُس کا خوشہ چین ہوتا ہے

حبذا دریائے عمرِ بے غمے — کہ بُود زو ہفت دریا شبنمے

بے غم عُمر کے دریا کے کیا کہنے ہیں — کہ اُس کے مقابل ساتوں دریا شبنم ہیں

جرعہ چوں ریخت ساقیِ الست — بر سرِ ایں شورہ خاکِ زیر دست

الست کے ساقی نے جب ایک گھونٹ بہایا — اِس نچلی بنجر زمین پر

جوش[۲] کرد آں خاک و مازاں جوشِ ایم — جرعۂ دیگر کہ بس بے کوششیم

اُس خاک نے جوش مارا اور ہم اُسی جوش میں ہیں — (اے خدا) دوسرا گھونٹ کہ ہم بے طاقت ہیں

گر روا بُد نالہ کردم از عدم — ور نبُود ایں گفتنی نک تن زدم

اگر جائز ہو تو معدوم (گھونٹ) کا نالہ کروں — اور اگر یہ ان کہنی ہے تو میں چُپ ہوا

ایں[۳] بیانِ بطِّ حرصِ منثنی ست — از خلیلِ آموزکاں بط کشتنی ست

یہ حرص کی اور دہری بط کا بیان ہے — خلیل (اللہ) سے سیکھ لے یہ بط مارڈالنے کے قابل ہے

ہست در بط غیرِ ایں بس خیر و شر — ترسم از فوتِ سخنہائے دگر

بط میں اس کے علاوہ اور بہت سے خیر و شر ہیں — میں دوسری باتوں کے چھوٹ جانے کے خوف زدہ ہوں

طاؤس۔ صوفیا کی اصطلاح میں مور سے مراد حب جاہ ہے۔ دورنگی۔ حب جاہ میں انسان نفاق سے کام لیتا ہے۔

کے وقت وہ جرعہ واپس لے لیا جاتا ہے تو تو اُسکو دیکھنا بھی پسند نہیں کرتا ہے۔ اور بہت جلد اُس کو دفن کر دیتا ہے اور اُس سے اپنی رفاقت پر تعجب کرتا ہے۔

[۱] جاں۔ صاف تجلّی سے وصل کی لذت کا بیان ناممکن ہے۔ مہ۔ دیدارِ حق کا لطف اور شرح ناقابلِ بیان ہے۔ حبذا۔ شاہانِ حقیقی اُس کے دربار سے جو لذتیں حاصل کرتے ہیں وہ عجیب و غریب ہیں۔ کہ بُود۔ مظاہرِ حسن خرمن کے خوشہ چین ہیں وہ خرمن قابلِ مبارکباد ہے۔ حبذا دریا۔ معنوی لذائذ کا دریا اس قدر وسیع ہے کہ ساتوں سمندر اُس کے سامنے شبنم کا قطرہ ہیں۔ زیر دست۔ عاجز۔

[۲] جوش کرد۔ مظاہرِ قدرت والے جرعہ سے ہم جوش میں ہیں ہم عاجزوں کو دوسرا جرعہ بھی عطا کر دے۔ گر روا۔ اگر دوسرے گھونٹ کے لئے ہماری فریاد جائز ہو تو ہم فریاد کریں ورنہ خاموشی اختیار کریں۔

[۳] ایں۔ صوفیا کی اصطلاح میں بط سے مراد انسان کی صفت حرص ہے مولانا اس کا بیان کر رہے تھے درمیان میں دوسری باتیں آگئیں، اب اُس کا بیان ختم کرکے دوسری مذموم صفات کا بیان شروع کرتے ہیں۔

شرح اے قدیم اور راز داں اور صاحبِ انعاماتِ بیکراں۔ ہم آپ کے راہ میں عاجز اور مصیبت زدہ ہیں پس آپ ہمارے دل سرگشتہ ضلالت کو چارہ کار اور اس سے نکلنے کی تدبیر سمجھائیے اور ان بڑی

کمانوں (ہمارے لہائے کشر) کو تیر(رائے صائب) عطا فرمائیے - آپ بڑی قدرت والے ہیں - چنانچہ آپ نے کمال مخفی کے جام سے جس سے اہل اللہ شراب محبت پیتے ہیں - خاک پر جرعہ گرایا اور اس کی چھینٹ زلف رخ حسیناں پر پڑی تو اس کا اثر یہ ہوا کہ بادشاہ تک انہیں چاٹتے ہیں -

یہاں سے مولانا مضمون ارشادی کی طرف انتقال فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ جرعہ حسن ہے جس سے یہ خاک اجسام حسیناں اس قدر اچھی ہے کہ تم رات دن اسے چومتے ہو پس تم خیال کرو کہ جب وہ جرعہ حسن جس میں خاک کی آمیزش ہے آدمی کو دیوانہ بنا دیتا ہے تو وہ حسن جو اپنی محوضت اور صرافت پر باقی ہے کیا حالت کریگا لیکن افسوس! کہ لوگوں نے اس حسن کو نظر انداز کر دیا ہے اور ہر ایک شخص اس ڈھیلے پر فدا ہے جو اس حسن سے ایک جرعہ حاصل کئے ہوئے ہے ـــــ اس مضمون ارشادی کو ختم کرکے پھر بیانِ قدرت شروع کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ ایک جرعہ آپنے چاند اور سورج اور برجِ حمل پر ڈالا ہے اور ایک جرعہ عرش وکرسی وزحل پر -

اب مولانا کو جوش ہوتا ہے اور فرماتے ہیں کہ اسے جرعہ کہا جائے یا کیمیا - نہیں اسے تو کیمیا کہنا چاہیئے کیونکہ اس میں قلبِ ماہیت کی خاصیت ہے اور اسکی اثر سے عدم منقلب بوجود ہو جاتا ہے ـــــ لوگو! تم اس عجیب الخاصیت جرعہ کے اثر کو نہایت کوشش سے حاصل کرو ...... تاکہ تمہاری قلبِ ماہیت ہو جائے اور تم نقصان سے کمال پر پہنچ جاؤ - مگر ایسے وہی ہو سکتے ہیں جو نجاسات روحانیہ اور اخلاق رذیلہ سے پاک ہوں - بس اول تم پاک ہو جاؤ -

دیکھو! ایک جرعہ اس کا لعل اور سونے اور موتیوں پر پڑا ہے اور ایک جرعہ شراب اور نقل اور پھلوں پر پڑا ہے اور ایک جرعہ حسینوں کے چہروں پر پڑا ہے

جس سے ان اشیاء کی وہ حالت ہوگئی ہے جو تم دیکھ رہے ہو ــــــ اب تم غور کرو کہ اس خالص اور خوش آئند شراب کی کیا حالت ہوگی۔ اور جبکہ تم اس جرعہ آمیز مٹی کو زبان سے چاٹتے ہو تو اس وقت تمہاری کیا حالت ہوگی جب اسکو بلاآمیزش خاک دیکھو گے۔

اور دیکھو! جبکہ انتقال کے وقت وہ جرعہ صفا اس جسم خاکی سے طریانِ موت کے سبب جدا ہو جاتا ہے تو جو کچھ رہ جاتا ہے اس کو تم فوراً دفن کر دیتے ہو اور تعجب سے کہتے ہو کہ ایسی مکروہ اور بری شے کیسے ہم سے مقرون تھی پس جبکہ وہ جرعۂ حسن اس قدر مکروہ شے کو اس درجہ محبوب بنا دیتا ہے تو جس وقت وہ جانِ جہاں بدون اس جسم مردار کے جب جلوہ دکھلائے گا تو میں نہیں کہہ سکتا کہ وہ وصال کس قدر پُر لطف ہوگا۔ اور جس وقت وہ چاند بدون اس امر (جسم) کے اپنی چمک دکھلائے گا تو میں نہیں کہہ سکتا کہ اس وقت اسکی کیا شان ہوگی۔

ارے وہ شیرینی و قند سے بھرا ہوا مطبخ جس کے لئے یہ سلاطین (اہل اللہ) کاسہ لیس ہیں۔ یعنی مطبخ جمال حق سبحانہ، نہایت عمدہ شے ہے اور وہ خرمنِ صحرائے دین یعنی کمال جس سے ہر خرمنِ کمال خوشہ چین ہے نہایت پاکیزہ چیز ہے اور وہ دریائے عمر تنعم یعنی یہ حیات بے غم کمال جس کے سامنے ساتوں سمندر بمنزلہ شبنم کے بے حقیقت ہیں نہایت عجیب شے ہے پس اس سے ضرور متمتع ہونا چاہیئے اس کی یہ شان ہے کہ جب ساقی الست (حق سبحانہ) نے اس عاجز اور شورہ خاک کے اوپر اپنے سراسر کمال کا ایک جرعہ ڈالا تو اس خاک کو جوش ہوا۔ اور اسکی ارضیت سے انسانیت تک ترقی کی۔ اور ہم اسی جوش نتیجہ ہیں۔ جب حال یہ ہے تو اے اللہ! تو ایک اور جرعہ ڈال دے کیونکہ ہم میں ابھی نقصان موجود ہے اور ہم بہت بے کوشش ہیں تاکہ ہم اس قفسِ نقص سے نکل کر اوجِ کمالِ انسانی پر پہنچ جائیں۔ جب دعا کر چکے تو اب مولانا پر حال غالب ہوا اور خیال ہوا کہ معلوم

نہیں کہ ہماری یہ درخواست زیبا ہے یا نازیبا۔ اسی حق سبحانہٗ کی جناب میں عرض کرتے ہیں کہ اے اللہ! اگر میرا یہ فعل مناسب تھا تو اس عدم کوشش کا رونا رو چکا، تو قبول فرما۔ اور اگر نامناسب تھا۔ تو معاف کیجئے۔ لیجئے میں خاموش ہوگیا اب آپ کو اختیار ہے۔ جو صادر فرمادیں۔ آپ حکیم ہیں۔ ہم آپکی مصالح میں دخل نہیں دیتے۔ خیر! یہ بیان تھا بطِ حرص کا۔ جو اشیار ناسوتہ پر راغب ہیں اور خلاصہ اس کا یہ ہے کہ تم کو حضرت خلیل اللہ سے سبق لینا چاہیئے اور سمجھنا چاہیئے کہ یہ بط مار ڈالنے کے قابل ہے۔ بط حرص میں علاوہ مذکورہ بالا اوصاف کے اور بھی بہت بُرے اوصاف ہیں۔ مگر میں ان کو بیان نہیں کرنا چاہتا۔ کیونکہ مجھے اندیشہ ہے کہ ایسا نہ ہو کہ اور مضامین ضروریہ رہ جائیں اسی لیے اسی قدر پر اکتفا کرتا ہوں۔

صفتِ طاؤس وطبع اُو وسببِ کشتنِ ابراہیم خلیل

مور کی صفت اور اُس کا مزاج اور حضرت ابراہیم خلیل اللہ

علیہ الصلوٰۃ والسلام اُورا

کے اُس کو مارڈالنے کا سبب

آمدیم اکنوں بطاؤسِ دورنگ ‌ ‌ ‌ کو کُند جلوہ برائے نام وننگ
اب ہم دو غلے مور (کے ذکر) پر آگئے ‌ ‌ ‌ کہ وہ فخر و مباہات کے ذریعہ نمائش کر رہا ہے

ہمتِ[ف] اُو صیدِ خلق از خیر وشر ‌ ‌ ‌ وز نتیجہ وفائدہ آں بے خبر
اُس کا ارادہ اچھے بُرے طریقوں پر مخلوق کا شکار کرنا ہے ‌ ‌ ‌ اور وہ نتیجہ اور فائدے سے بے خبر ہے

بیخبر چوں دام میگیرد شکار ‌ ‌ ‌ دام راچہ علم از مقصودِ کار؟
ایسا ہی لاعلم ہے جس طرح جال شکار پھانستا ہے ‌ ‌ ‌ جال کو کام کے مقصد کا کیا علم؟

دام را چہ ضر وچہ نفع از گرفت ‌ ‌ ‌ زیں گرفتِ بیہدہ اش دارم شگفت
گرفتار کرنے میں جال کا کیا نفع و نقصان؟ ‌ ‌ ‌ اُس کی اِس بیہودہ گرفت سے مجھے تعجب ہے

اے برادر دوستاں افراشتی ‌ ‌ ‌ باد وصد دلداری وبگذاشتی
اے بھائی! تو نے دوستوں کو بلند کیا ‌ ‌ ‌ سینکڑوں دلداریوں سے اور چھوڑ دیا

کارِ تو ایں بودہ ست از وقتِ ولاد ‌ ‌ ‌ صید مردم کردن از دام وداد
پیدائش کے وقت سے تیرا یہی کام رہا ہے ‌ ‌ ‌ جال اور بخشش کے ذریعہ لوگوں کا شکار کرنا

[ف] ہمت اور حُبِ جاہ میں انسان لوگوں کو پھانسنے کی کوشش کرتا ہے اور کب کے لئے جائز و ناجائز ذرائع اختیار کرتا ہے۔ جبجر یہ طاؤس اسی طرح لوگوں کو پھنساتا ہے جس طرح انجام سے بے خبر جال پھنساتا ہے اے برادر۔ حُبِ جاہ میں مبتلا کی دوستی ناپائیدار ہوتی ہے وہ حصولِ مقصد کیلئے دوست بناتا ہے اور اپنا فائدہ پورا کرکے دوستوں کو فراموش کردیتا ہے۔

زانٔ شکار وانبہی باد و بود
اُس شکار اور تگ و دو کی کثرت سے
دست در کُن ہیچ یابی تار و پود
(جال میں) ہاتھ ڈال کچھ تانا بانا تیرے ہاتھ آئیگا

بیشتر رفت و بیگاہ است روز
دن بیشتر چلا گیا اور نا وقت ہو گیا
تو بجد در صیدِ خلقانے ہنوز
تو ابھی تک لوگوں کو شکار کرنے کی کوشش میں ہے

آں یکے می گیر و ایں می ہل ز دام
اُس ایک کو پکڑ اور اس کو جال میں سے چھوڑ دے
ویں دگر را صید می کن چوں لئام
کمینوں کی طرح دوسرے کا شکار کر

باز ایں را می ہل و می جُو دگر
پھر اُس کو چھوڑ دوسرے کی تلاش کر
اینت لعبِ کودکانِ بے خبر
عجب بے خبر بچوں کا کھیل ہے

شب شود در دامِ تو یک صید نے
رات ہو جائیگی تیرے جال میں کوئی شکار نہیں ہے
دام بر تو جز صداع و قید نے
تیرے لئے جال سوائے دردِ سر اور قید کے کچھ نہیں

پس تو خود را صید میکردی بدام
تو نے جال سے خود اپنا شکار کر لیا
کہ شدی محبوس و محرومی ز کام
کیونکہ تو قیدی ہو گیا اور کام سے محروم رہا

در زمانہ صاحبِ دامے بوَد؟
کیا دنیا میں کوئی ایسا شکاری ہوگا
ہمچو ما احمق کہ صیدِ خود کند
ہم جیسا احمق! کہ خود اپنا شکار کرے؟

چوں شکارِ خوک آمد صیدِ عام
عوام کو پھانسنا سور کے شکار کی طرح ہے
رنج بیحد لقمہ خوردن زو حرام
مشقت بیحد، اور اُس میں سے لقمہ کھانا حرام ہے

آنکہ ارزد صید را عشق ست و بس
جو شکار کرنے کے قابل ہے وہ صرف عشق ہے
لیک اُو کے گنجد اندر دامِ کس
لیکن وہ کب کسی کے جال میں پھنستا ہے؟

تو مگر آئی و صیدِ اُو شوی
ہاں تو آ اور اُس کا شکار بن جا
دام بگذاری بدامِ اُو روی
اپنا جال چھوڑ اُس کے جال میں گرفتار ہو جا

عشق میگوید بگوشم پست پست
میرے کان میں عشق آہستہ آہستہ کہتا ہے
صید بودن خوشتر از صیادیست
شکاری بننے سے، شکار بن جانا بہتر ہے

گول میکن خویش را و غرّہ شو
اپنے آپ کو بیوقوف بنالے اور فریفتہ ہو جا
آفتابی را رہا کُن ذرّہ شو
سورج بننے کو چھوڑ، ذرہ بن جا

بر درم ساکن شو و بیخانہ باش
میرے دروازے پر پڑ رہ اور بے گھر بن جا
دعویِ شمعی مکُن پروانہ باش
شمع بننے کا دعویٰ نہ کر، پروانہ بن جا

تا بہ بینی چاشنیِ زندگی
تاکہ تو زندگی کا لطف دیکھے
سلطنت بینی نہاں در بندگی
بادشاہی کو غلامی میں چھپا ہوا دیکھے

۲ە زاں۔ محبت جاہ میں مبتلا کو سوچنا چاہیئے کہ ان حرکات سے اُس کو کیا حاصل ہوا۔ بیشتر۔ یہ شخص انھیں لغو باتوں میں عمر کو برباد کرتا ہے آں یکے۔ جس کسی کو پھنساتا ہے پھر اُس کو چھوڑتا ہے، دوسروں کو پھنساتا ہے غرض کہ یہی طفلانہ حرکات جاری رہتی ہیں

۳ە شب شود۔ روز عمر ختم ہو جاتا ہے یعنی شب کو موت آجاتی ہے وہ دوسروں کا شکار کرتا ہے لیکن خود محرومی کا شکار بن جاتا ہے۔ در زمانہ۔ وہ شکاری بڑا احمق ہے جو شکار کی بجائے خود شکار بن جائے۔ چوں۔ عوام کو پھانسنا سور کا شکار کرنا ہے کہ بڑی مصیبت سے جال میں پھنستا ہے اور اُس کا کھانا حرام ہے۔

۵ە آنکہ۔ اگر شکار کھیلنا ہو تو عشق کا شکار کر لیکن یہ وہ شکار ہے جو ہر کس و ناکس کے جال میں نہیں پھنستا ہے۔ تو۔ عشق کا شکار جب کر سکو گے کہ تم خود اُس کا شکار بنجاؤ گے۔ عشق۔ عشق کی صدا یہ ہے کہ شکاری بننے سے شکار بن جانا بہتر ہے۔ گول۔ عشق کے سامنے میں اپنے آپ کو بے عقل بنالو اور سورج بننے کی بجائے ذرہ بن جاؤ۔ بر درم۔ یہ عشق کا مقولہ ہے۔ خانماں برباد بن کر میرے در پر آپڑ شمع ہونے کے دعوے کو چھوڑ کر پروانہ بن جا۔

۶ە تا بہ بینی۔ جب یہ کیفیت ہو جائیگی تو حقیقی لذت حاصل ہوگی اور پھر انسان غلامی میں شاہی کرے گا۔ (شعر)

نعل بینی باژگونہ در جہاں
دنیا میں الٹی نعل بندی دیکھ لے

تختہ بند انرا لقب گشتہ شہاں
پھانسی پر چڑھنے والوں کا لقب بادشاہ ہو گیا ہے

بس طناب اندر گلو و تاج دار
گلے میں سولی کا پھندا اور تاج ہے

بر وے انبوہے کہ اینک تاجدار
اس پر مجمع ہے کہ یہ بادشاہ ہے

ہمچو گورِ کافراں بیروں حلل
جس طرح کافروں کی قبر کا باہر قیمتی کپڑے ہیں

واندروں قہر خدائے عزّ و جل
اور اندر خدائے عزّ و جلّ کا قہر ہے

چوں قبور آں را مجصّص کردہ اند
قبروں کی طرح اس پر بھی چونا کر دیا ہے

پردۂ پندار پیش آوردہ اند
گھمنڈ کا پردہ سامنے ڈال دیا ہے

طبعِ مسکینت مجصّص از ہنر
تیری بیچاری طبیعت ہنر سے آراستہ

ہمچو نخلِ موم بے برگ و ثمر
موم کی کھجور کی طرح بے برگ و ثمر ہے

بس حقیر گدایان عشق اور یہ شاہان بے کر خسروان بے نگینہ نقش بینی یعنی دنیا کے کام اُلٹے ہیں جو دنیا کے قیدی ہیں لوگ انکو شہ کہتے ہیں اور جو لوگ شاہ ہیں انکو فقیر اور گدا کہتے ہیں تاج دار سولی دینے کے وقت سر اور آنکھوں پر ایک ٹوپی اُڑھا دی جاتی ہے۔ تاجدار۔ بادشاہ۔ حلل۔ حُلّہ کی جمع ہے۔ لباس کا جوڑا۔ مجصّص۔ چونے اور گچھی سے بنا ہوا۔ نخل موم۔ کھجور کا موی درخت۔ و۔ بیان حضرت حق تعالیٰ کے صبر و قہر کو ہر شخص جانتا ہے اور ہر شخص صبر کا طالب اور قہر سے گریزاں۔

[illegible]

شرح اب ہم منافق طاؤس جاہ کی طرف آتے ہیں جو کہ شہرت اور عزت کے لئے اپنی شان و شوکت ظاہر کرتا ہے اسکی حالت یہ ہے کہ وہ پہلے بُرے لوگوں کو دام میں لاتا ہے مگر نتیجہ اور فائدہ اپنے فعل کا نہیں جانتا وہ اِس طرح نتیجہ سے بے خبر رہ کر شکار کرتا ہے۔ جسطرح کہ جال۔ کیونکہ جال کیا جانے کہ بُرے جانوروں کو پھانسنے کا کیا مقصد ہے۔ نیز جان کا اس کے پکڑنے سے کیا نفع نقصان۔ کچھ بھی نہیں —— پس یہی حالت اس طاؤس کی ہے پس اس لغو حرکت پر بھی تعجب ہوتا ہے کہ کیوں کی جاتی ہے اور یہ لوگ طالبین جاہ باوجود دعوائے عقل کے لوگوں کے شکار کے کیوں درپے ہیں۔

صاحبو! تم نے بہت ہی دلداروں سے دوست کھڑے کئے اور پھر اسکو چھوڑ دیا۔ اور بچپن سے تمہارا یہ ہی کام رہا کہ تم لوگوں کو دوستی کے جال میں پھانستے رہتے بھلا اس سے تمہیں کچھ ملا؟ تم ہی کہو گے کہ کچھ نہیں۔ پھر جب یہ حالت ہے تو تم کو چاہیئے کہ اس شکار کرنے اور کثرت ساز و سامان سے دست کش ہو جاؤ......دیکھو تمہاری

عمر کا بہت سا حصہ گذر چکا ہے اور وقت ناوقت ہوگیا ہے مگر ہنوز تم نہایت کوشش کے ساتھ لوگوں کو دام میں لانے میں مشغول ہوئے اور اسے پکڑ اسے چھوڑ۔ اسے پھانس اسے چھوڑ۔ اسے ڈھونڈ ــــ غرضکہ عجیب بچوں سا کا کھیل کر رہے ہو۔ تم یاد رکھو کہ جب رات ہوجائے گی یعنی موت آجائے گی اسوقت تمہاری حالت یہ ہوگی کہ تمہارے جال میں ایک بھی شکار نہ ہوگا یعنی نہ تمہارا کوئی ثنا خواں اور مجلس گرم کرنے والا تمہارا مونس ہوگا نہ غمخوار۔ بلکہ اس رات میں تم تنہا ہوگے اور اپنے کیئے کو بھگت رہے ہوگے۔ اور تمہارا جال تمہارے لیے بجز دردسر اور رقیبے کے کچھ نہ ہوگا۔ اور ثابت ہوگا کہ تم دوسروں کو نہیں پھانستے تھے بلکہ خود پھنس رہے تھے کیونکہ تم اس کام میں محبوس ہوگئے اور اصل مقصد سے محروم رہ گئے۔

بھلا عالم میں کوئی ہم سا احمق جال والا ہی ہوگا جو خود اپنا شکار کرے ہرگز نہیں۔ بلکہ صرف ہم ہی احمق ہیں جو خود اپنے کو جال میں پھانس رہے ہیں پس جب یہ معلوم ہوگیا کہ دوسروں کو جال میں پھانسنا اور معتقدین وثناخواں پیدا کرنا خود اپنے کو جال میں پھانسنا اور سراسر حماقت ہے تو اسے چھوڑنا چاہیئے اور سمجھنا چاہیئے کہ عوام کو پھانسنا بالکل ایسا ہے جیسا کہ سور کا شکار کہ اس میں تکلیف تو بے حد ہے۔ مگر اس کا ایک لقمہ کھانا بھی حرام ہے کیونکہ اس پھانسنے میں بجز نقصان کے نفع کچھ بھی نہیں۔ اچھا تو پھر شکار کرنے کی کیا چیز ہے وہ صید عشق ہی ہے اسے شکار کرنا چاہیئے لیکن وہ کب کسی کے دام میں آسکتا ہے اسلئے اسکی صورت یہ ہے کہ تم خود آکر اُس کے دام میں پھنس جاؤ اور اپنے دام صیاد۔۔۔کو .... چھوڑ کر اسکے جال میں آجاؤ عشق میرے کان میں چپکے چپکے کہتا ہے کہ صیاد مردم سے صید عشق ہونا بہتر ہے اسلئے تم دنیوی ہوشیاری کو چھوڑ دو۔ اور بے وقوف اور بھولے بن کر میرے دام

میں آجاؤ اور عزت و وقعت دنیوی کو چھوڑ کر تذلل و تمسکن اختیار کرو اور گھر بار چھوڑ کر میکدے پر پڑ جاؤ۔ اور مطلوبیت کو چھوڑ کر طالب بن جاؤ۔ تاکہ .. تمہیں لطفِ زندگی حاصل ہو۔ اور اس غلامی میں تمہیں سلطنت حاصل ہو جائے تم غور کرو گے تو تمہیں معاملہ برعکس نظر آئے گا اور تم دیکھو گے کہ قیدیوں کو یہاں کے عُرف میں بادشاہ کہتے ہیں۔

اور بہت سے لوگ جن کے گلوں میں علائق دنیا کی رسیاں پڑی ہیں اور سُولی پر لٹکے ہوئے ہیں لوگ ان کے گرد جمع ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ بادشاہ سلامت ہیں اور ان کی حالت قبور کفار کی سی ہے کہ ظاہر تو نفیس لباسوں سے آراستہ ہیں اور باطن میں قہر حق سبحانہٗ بھرا ہوا ہے۔

یعنی ان کا دل اخلاقِ رذیلہ اور نجاسات معنویہ سے پُر ہے ان لوگوں نے اپنے ظاہر کو قبور کفار کی طرح آراستہ کر رکھا ہے اور اس طرح اپنے عیوب پہ ایک پردہ ڈال دیا ہے جو منشا ہے انکے غرور اور دعوے اور تعلّی کا ــــ یہ تو ان جاہ پرستوں کی حالت تھی جو صرف ظاہری شان و شوکت رکھتے ہیں اور باطن میں کوئی کمال نہیں رکھتے۔ مگر اے صاحبِ کمال دنیوی تو اس سے دھوکا نہ کھانا اور اپنے کو صاحبِ کمال نہ سمجھنا۔ مانا کہ تیری طبیعت کمال دنیوی سے آراستہ ہے مگر وہ ایسے ہی ہے جیسے موم کا درخت کہ اس پر نہ پتے ہیں نہ پھل۔

دربیان آنکہ لطفِ حق راہمہ کس دانند و قہر را نیز ہمہ کس

اِس کا بیان کہ اللہ تعالیٰ کی مہر کو سب جانتے ہیں اور قہر کو بھی

دانند و ہمہ از قہرِ حق گریزانند و بلطفِ اُو آویزانند اما

سب جانتے ہیں اور سب اُس کے قہر سے گریز کرتے ہیں اور اُس کی مہر سے وابستہ ہیں

حق تعالیٰ قہر ہارا در لطف پنہاں کردہ و لطفہارا در قہر

لیکن اللہ تعالیٰ نے قہر کو مہر میں پوشیدہ کر دیا ہے اور مہر کو قہر میں

پنہاں کردہ نعلِ باژگونہ و تلبیس و مکر اللہ بود تا اہلِ تمیز

پوشیدہ کر دیا ہے اُلٹی چال اور بناوٹ اور اللہ کا داؤ تھا تاکہ اہلِ تمیز

وَ یَنْظُرُ بِنُوْرِ اللہ از بے تمیزاں و حالے بیناں و ظاہر بیناں

اور اللہ کے نور سے دیکھنے والے بے تمیزوں اور حال کو دیکھنے والوں اور ظاہر بینوں

جُدا شوند کہ لِیَبْلُوَکُمْ اَیُّکُمْ اَحْسَنُ عَمَلاً

سے جدا ہو جائیں کیونکہ (فرمایا ہے) "تاکہ وہ تمہیں آزمائے کہ کون عمل کے اعتبار سے اچھا ہے"

گفت درویشے بدرویشے کہ تو ۔۔۔ چوں بدیدی حضرتِ حق رابگو

ایک درویش نے دوسرے درویش سے کہا کہ تو نے ۔۔۔ حضرتِ حق کو کیسا دیکھا ہے ۔ بتا

گفت بیچوں دیدم اما بہرِ قال[1] ۔۔۔ باز گویم مختصر آں را مثال

اُس نے کہا میں نے بے مثال دیکھا لیکن کہنے کیلئے ۔۔۔ اُس کی ایک مختصر مثال بتاتا ہوں

دیدمش سوئے چپ اُو آذرے[2] ۔۔۔ سوئے دستِ راست جوئے کوثرے

میں نے اُس کی بائیں جانب آگ دیکھی ۔۔۔ (اور) دائیں جانب حوضِ کوثر دیکھی

سوئے چپش بس جہاں سوز آتشے ۔۔۔ سوئے دستِ راستش جوئے خوشے

اُس کی بائیں سمت جہاں سوز آگ ہے ۔۔۔ اُس کے دائیں ہاتھ کی جانب عمدہ نہر ہے

سوئے آں آتش گروہے بردہ دست ۔۔۔ بہرِ آں کوثر گروہے شاد و مست

ایک گروہ نے اُس آگ کی جانب ہاتھ بڑھایا ہے ۔۔۔ ایک گروہ اُس نہر کے لئے شاد اور مست ہے

لیک نعلِ باژگونہ بود سخت ۔۔۔ پیشِ پائے ہر شقی و نیک بخت

لیکن اُلٹی چال سخت ہوتی ہے ۔۔۔ ہر شقی اور نیک بخت کے لئے

ہر کہ در آتش ہمی رفت و شرر ۔۔۔ از میانِ آب برمیکرد سر

جو آگ اور چنگاریوں میں گیا ۔۔۔ اُس نے پانی میں سے سر اُبھارا

ہر کہ سوئے آب میرفت از میاں[3] ۔۔۔ اُو در آتش یافت میشد در زماں

جو آگ کی طرف گیا ۔۔۔ وہ فوراً آگ میں پایا گیا

[1] قہرِ قال ۔ یعنی ذاتِ حق کی چگونگی ناقابلِ بیان ہے لیکن سمجھانے کے لئے کچھ بیان کیا جاتا ہے۔

[2] آذرے ۔ لذائذِ نفسانی آخرت میں بصورتِ مار و کژدم نمایاں ہوں گے اور مجاہدات و عبادات کی سختیں بصورتِ حور و غلمان آخرت میں نمودار ہوں گی یہ اللہ تعالیٰ نے آزمائش کے لئے ایک تدبیر فرمائی ہے انسان اگر دنیا میں نفسانی لذائذ میں لگے گا جو بظاہر حوضِ کوثر ہیں تو وہ آگ کو حاصل کرتا ہے اور اگر عبادت کی سختیوں میں لگے گا جو بظاہر آگ ہیں وہ حوضِ کوثر حاصل کریگا۔

[3] زلال ۔ نیرپانی۔

هر کہ سوئے راست شد و آبِ زلال
جو داھنی جانب اور نیر پانی کی طرف گیا
سر ز آتش بر زد از سوئے شمال
اُس نے بائیں جانب آگ میں سے سر اُبھارا

وانکہ شد سوئے شمالِ آتشیں
جو آگ والی بائیں جانب گیا
سر بروں میکرد از سوئے یمیں[1]
وہ دائیں جانب سے سر اُبھارتا ہے

کم کسے بر سِرِّ ایں مضمر زدے
اِس پوشیدہ راز سے بہت کم لوگ واقف ہوئے
لاجرم کم کس دراں آذر شدے
لامحالہ بہت تھوڑے لوگ اُس آگ میں گئے

جز کسے کہ بر سرش اقبال ریخت
سوائے اُس شخص کے جس کے سر پر اقبالمندی نازل ہوگئی
کو رہا کرد آب و در آتش گریخت
کہ اُس نے پانی کو چھوڑ دیا اور آگ میں گھس گیا

کردہ ذوقِ نقد را معبود خلق
لوگوں نے نقد مزے کو معبود بنا لیا ہے
لاجرم زیں لعب مغبوں بود خلق
لامحالہ اِس کھیل سے لوگ ٹوٹے میں ہیں

جوق جوق و صف صف از حرص و شتاب
گروہ در گروہ اور صف[2] صف حرص اور عجلت کی وجہ سے
محترز ز آتش گریزاں سوئے آب
آگ سے بچنے والے ہیں پانی کی طرف دوڑنے والے ہیں

لاجرم ز آتش بر آوردند سر
لامحالہ انھوں نے آگ میں سے سر اُبھارا!
اعتبار الاعتبار اے بے خبر
اے بے خبر! عبرت حاصل کر، عبرت

بانگ میزد آتش اے گیجانِ گول
آگ پکارتی ہے اے بے وقوف احمقو!
من نیم آتش منم چشمہ قبول
میں آگ نہیں ہوں میں پسندیدہ چشمہ ہوں

چشم بندی[3] کردہ اند اے بے نظر
اے اندھے! اُنھوں نے نظر بندی کر دی ہے
در مِن آ و ہیچ مندیش از شرر
مجھ میں آ جا اور چنگاریوں کی فکر نہ کر

اے خلیل اینجا شرار و دود نیست
اے خلیل! یہاں چنگاری اور دھواں نہیں ہے
جز کہ سحر و خدعۂ نمرود نیست
سوائے نمرود کے دھوکے اور جادو کے کچھ نہیں ہے

چوں خلیلِ حق اگر فرزانۂ
اگر تو اللہ کے خلیل کی طرح عقلمند ہے
آتش آبِ تست و تو پروانۂ
آگ تیرا پانی ہے اور تو پروانہ ہے

جانِ پروانہ ہمی دارد ندے
پروانہ کی جان پکارتی ہے
کاے دریغا صد ہزارم پر بدے
کہ کاش میرے ہزاروں پر ہوتے

تا ہمی سوزید ز آتش بے اماں
تاکہ وہ بے اماں آگ سے جل جائے
کوری چشم و دلِ نامحرماں
نامحرموں کی آنکھ اور دل کے اندھے پن کے

بر من آرد رحم جاہل از خری
نادان کو گدھے پن سے مجھ پر ترس آتا ہے
من بر و رحم آرم از دانشوری
میں عقلمندی کی وجہ سے اُس پر ترس کھاتا ہوں

[1] یمین۔ داہنا۔ مضمر۔ پوشیدہ۔ ذوقِ نقد یعنی دنیاوی لذّتوں کا ذوق یعنی ٹوٹے میں مبتلا۔
[2] چشم بندی۔ نظر بندی۔ آتش نمرود۔ نمرود کی آگ حضرت خلیل اللہ کے لئے بظاہر آگ اور حقیقتاً گلزار تھی۔ ندے۔ آواز۔ خری۔ گدھاپن۔

خاصہ ایں آتش کہ جانِ آبہاست
خصوصاً وہ آگ جو پانی کی جان ہے

کارِ پروانہ[1] بعکسِ کارِ ماست
پروانہ کا معاملہ ہمارے معاملہ کے برعکس ہے

اُو بہ بیند نُور و دَر نارے رَوَد
وہ نور دیکھتا ہے اور آگ میں گرجاتا ہے

دل بہ بیند نار و در نورے شَوَد
دل آگ دیکھتا ہے اور نور میں پہنچ جاتا ہے

اینچنیں لَعب آمد از رَبِّ جلیل
ربِّ جلیل کی جانب سے یہی کھیل ہے

تا بہ بینی کیست از آلِ خلیل
تاکہ تو دیکھ لے کہ خلیل کی اولاد میں سے کون ہے

آتشے را شکلِ آبی دادہ اند
آگ کو پانی کی شکل دے دی ہے

واندر آتش چشمۂ بکشادہ اند
اور آگ کے اندر چشمہ جاری کر دیا ہے

ساحرے صحنِ برنجی را بہ فن
جادوگر جادوں کے طباق کو فن کے ذریعہ

می کند کرمش میانِ انجمن
انجمن میں اُس کو کیڑے بنا دیتا ہے

خانہ را اُو پُر زکژدُمہا نمُود
گھر کو بچھوؤں سے بھرا ہوا دکھا دیتا ہے

از دَمِ سحر و خود آں کژدم نبُود
جادو کے اثر سے حالانکہ وہ بچھو نہیں ہیں

چونکہ جادو می نماید صد چنیں
جبکہ جادو اس جیسی سینکڑوں باتیں دکھا دیتا ہے

چوں بود دستانِ جادو آفریں
تو جادو پیدا کرنے والے کی تدبیر کیسی ہوگی؟

لاجرم از سحرِ یزداں قرن قرن
لامحالہ خدا کے جادو سے گروہ در گروہ

اندر افتادند چوں زن زیرِ پہن[2]
عورتوں کی طرح نیچے چت گرے ہیں

لاجرم از سحرِ یزداں مَرد و زن
لامحالہ خدا کے جادو سے مرد و زن

رفتہ اندر چاہِ جاہِ بے رَسَن
پہنچ گئے ہیں جاہ کے بے رسی کے کنویں میں

ساحراں شاں بندہ بودند و غلام
جادوگر اُن کے بندے اور غلام تھے

اَندر اُفتادند چوں صَعوہ بَدام
ممولے کی طرح جال میں پھنس گئے

ہین بخواں قرآں ببیں سحرِ حلال
آگاہ! قرآن پڑھ لے حلال جادو کو دیکھ

سَرنگونی مکرہائے کالجبال[3]
(اور) پہاڑوں جیسے مکروں کے اوندھا ہونے کو

من نیم فرعون کایم سوئے نیل
میں فرعون نہیں ہوں کہ نیل (دریا) کی جانب آؤں

سوئے آتش میروم ہمچوں خلیل[4]
میں خلیل (اللہ) کی طرح آگ کی طرف جاتا ہوں

نیست آتش ہست آں مائے معیں
آگ نہیں ہے، وہ بہتا پانی ہے

واں دگر از مکر آبِ آتشیں
اور دوسرا مکر کی وجہ سے آتشیں پانی ہے

پس[5] نکو گفت آں رسولِ خوش جواز
اُس خوش رفتار رسولؐ نے خوب کہا ہے

ذرۂ عقلت بہ از صوم و نماز
تیرے لئے عقل کا ایک ذرہ روزے (اور) نماز سے بہتر ہے

---

[1] کارِ پروانہ۔ پروانہ نار کو نور سمجھ کر اُس میں گرتا ہے مومن نار کو نار سمجھ کر اُس میں داخل ہوتا ہے اور نور حاصل کر لیتا ہے۔ ساحر۔ کسی چیز کا حقیقت کے خلاف نظر آنا مستبعد نہیں ہے جادوگر جادوں کو کیڑوں کی شکل میں دکھا دیتا ہے۔ صحن۔ طباق۔ جادو آفریں۔ اللہ تعالےٰ۔ قرن۔ گروہ۔

[2] پہن۔ چت۔ جاہِ جاہ۔ یعنی جاہ پسندی کا کنواں بے رسن۔ یعنی گہرا کنواں۔ ساحراں شاں۔ ان گروہوں کے جادوگر بھی جادو آفریں کے جادو میں ممولے کی طرح پھنس کر رہ گئے۔

[3] مکرہائے۔ قرآن پاک میں ہے وَاِنْ کَانَ مَکْرُھُمْ لِتَزُوْلَ مِنْہُ الْجِبَالُ یعنی خدا نے اُنکے مکر کو برباد کر دیا اگرچہ ان کا مکر ایسا تھا کہ اُس سے پہاڑ ہل جائیں۔ من نیم۔ یہ فقیر کا مقولہ ہے یا مولانا کا۔ فرعون۔ فرعون نیل کو خشکی سمجھ کر پانی میں ڈوبا حضرت خلیل اللہ آگ کو آگ سمجھ کر گلزار میں پہنچے۔

[4]

[5] پس۔ یہ مولانا کا مقولہ ہے۔ جواز۔ رفتار۔ ذرۂ عقل۔ جبلاً عقلِ شرعی کی تکمیل کے لئے فرض ہوئی ہیں۔ کہ حسًّا شرعی اعتبار سے عقل اول ہیں ہے۔

زانکہ عقلت جوہر است ایں دو عرض ۔۔۔ ایں دو در تکمیلِ آں شد مفترض

کیونکہ تیری عقل جوہر ہے یہ دونوں عرض ہیں ۔۔۔ یہ دونوں اُس کی تکمیل کے لئے فرض کئے گئے ہیں

تا جلا باشد مر آں آئینہ را ۔۔۔ کہ صفا آید ز طاعت سینہ را

تاکہ اُس آئینہ پر جلا ہو جائے ۔۔۔ کیونکہ عبادت سے سینہ میں صفائی آتی ہے

لیک گر آئینہ از بُن فاسد ست ۔۔۔ صیقل آں را دیر باز آرد بدست

لیکن اگر آئینہ اصل سے خراب ہے ۔۔۔ اُس پر صیقل دیر سے چڑھتی ہے

واگزیں آئینہ کو اکیس است[۵۲] ۔۔۔ اَندکے صیقل گری اُو را بس ست

وہ آئینہ جو زیادہ ذہین ہے ۔۔۔ اُس کے لئے تھوڑی صیقل گری کافی ہے

تفاوتِ عقول در اصل فطرت برخلاف معتزلہ کہ می گویند

عقلوں کا فرق اصل فطرت سے ہے معتزلہ کے برخلاف جو کہتے

در اصل عقولِ جزوی برابر اند ایں افزونی و تفاوت از

ہیں کہ دراصل شخصی عقلیں برابر ہیں اُن میں بڑھوتری اور فرق تعلیم اور

تعلیم ست و ریاضت و تجربہ

ریاضت اور تجربہ کی وجہ سے ہے

ایں تفاوت عقلہا را نیک داں ۔۔۔ در مراتب از زمیں تا آسماں

عقلوں کے اِس فرق کو خوب سمجھ لے ۔۔۔ مرتبوں میں زمین سے آسمان تک

ہست عقلے ہمچو قرصِ آفتاب[۵۳] ۔۔۔ ہست عقلے کمتر از زہرہ و شہاب

ایک عقل سورج کی ٹکیہ کی طرح ہے ۔۔۔ ایک عقل زہرہ اور ٹوٹنے والے تارے سے کم ہے

ہست عقلے چوں چراغِ سرخوشے ۔۔۔ ہست عقلے چوں ستارہ آتشے

ایک عقل مست چراغ کی طرح ہے ۔۔۔ ایک عقل آگ کے شعلہ کی طرح ہے

زانکہ ابر از پیشِ اُو چوں واجہد ۔۔۔ نورِ یزداں بیں خردہا بر دہد

کیونکہ جب ابر اُس کے سامنے سے ہٹ جاتا ہے ۔۔۔ وہ عقلوں کو خدا کو دیکھنے والا نور عطا کرتی ہے

عقلہای خلق عکسِ عقلِ اُو ۔۔۔ عقلِ اُو مشک ست و عقلِ خلق بُو

مخلوق کی عقلیں اُس کی عقل کا عکس ہیں ۔۔۔ اُسکی عقل مشک ہے اور مخلوق کی عقل اُسکی خوشبو ہے

عقلِ کُل و نفسِ کُل مردِ خداست[۵۴] ۔۔۔ عرش و کرسی را مداں کز وے جداست

مردِ خدا، عقلِ کل اور نفسِ کل ہے ۔۔۔ یہ نہ سمجھ کہ عرش اور کرسی اُس سے جدا ہے

مظہرِ حق ست ذاتِ پاکِ اُو ۔۔۔ زُو بجو حق را و از دیگر مجو

اُس کی پاک ذات خدا کا مظہر ہے ۔۔۔ اُس سے اللہ کا طالب بن اور دوسرے سے نہ چاہ

---

۵۲ واگزیں۔ مولانا، مرشد کے لئے فرماتے ہیں کہ ایسے مُریدوں کو چُن لے جن کے دل تھوڑی سی صیقل سے چمک اٹھیں۔ ایں تفاوت۔ عقلوں میں فطری تفاوت ہے اور اُن کے مختلف مراتب ہیں۔

۵۳ قرص۔ ایک عقل کا نور سورج جیسا ہے اور دوسری عقل کا نور زہرہ وغیرہ ستاروں سے بھی کم ہے۔ زانکہ۔ عقلِ کُل یعنی ولی اللہ کی عقل کے سامنے سے جب ماسوی اللہ کا ابر ہٹ جاتا ہے تو وہ دوسری عقلوں کو خدا کو دیکھنے والا نور عطا کر دیتی ہے۔ عقلہائے۔ مخلوق کی عقلیں اُس کی عقل سے فیضیاب ہیں۔

۵۴ عقلِ کُل۔ عقلِ کُل حقیقت ملکی روحی ہے جس کا مظہر انسان ہے۔ زو بجو۔ انسانِ کامل جو مظہرِ عقلِ کل و نفسِ کل ہے اُس سے حق کی جستجو کر۔ عقلِ جزوی۔ عام انسان کی عقل بھی اگرچہ عقلِ کل سے مستفاد ہے لیکن دنیوی مشاغل نے اُس کو بے مقصد بنا دیا ہے۔ آں۔ یعنی عقلِ کامل نے اپنے آپ کو عشقِ حق کے جال کا شکار بنا کر صیاد کا حُسن سیکھ لیا یعنی وہ اخلاقِ خداوندی سے متصف ہو گئی اور عقلِ ناقص نے دوسروں کو جال میں پھانسنا چاہا خود جال میں پھنس گئی۔ آں عقلِ کامل خادم بنکر مخدوم بنی عقلِ ناقص نے مخدوم بننا چاہا تو عزت کے راستے سے بھٹک گئی۔ ز فرعونی۔ فرعون نے مخدومیت پسندی کو دریا

عقلِ جُزوی عقل را بدنام کرد — کامِ دنیا مَرد را بے کام کرد
جزوی عقل نے عقل کو بدنام کردیا ہے — دنیاوی مقصد نے انسان کو ناکام کردیا ہے

آں زصیدی حُسن صیّادے بدید — ویں زصیّادی غمِ صیدی کشید
اُس نے شکار بن سے شکاری کا حُسن دیکھا — اِس نے شکاری بن سے، شکار بن جانیکا غم پالیا

آں زخدمت نازِ مخدومی بیافت — ویں زمخدومی زراہِ عزّ بتافت
اُس نے خدمت کے ذریعہ مخدوم ہونیکا ناز حاصل کرلیا — اِس نے مخدوم بنکر عزت کے راستہ سے مُنہ موڑ لیا

آں زفرعونی اسیرِ آب شُد — وزاسیری سِبط از ارباب شُد
وہ فرعونیت کی وجہ سے پانی کا قیدی بن گیا — اور سبطی قیدی ہونے کی وجہ سے آقاؤں میں سے ہوگیا

لعبِ[۲] معکوس ست و فرزیں بند سخت — حیلہ کم کن کارِ اقبال ست و بخت
اُلٹا کھیل اور سخت فرزین بند (چال) ہے — تدبیر نہ کر اقبال اور نصیب کا معاملہ ہے

برخیال و حیلہ کم تَن تار را — کہ غنی رہ کم دہد مکّار را
خیال اور مکر کی بنا پر تانا نہ تن — (اللہ) بے نیاز مکّار کو راستہ نہیں دیتا ہے

مکر[۳] کُن در راہ نیکو خدمتے — تا نبوت یابی اندر اُمتے
اچھی خدمت کی راہ میں تدبیر کر — تاکہ تو اُمت میں (رہ کر) نبوت (کا رتبہ) پالے

مکر کُن تا وارہی از مکرِ خود — مکر کُن تا فرد گردی از حسد
تدبیر کر تاکہ تو اپنے مکر سے نجات پالے — تدبیر کر تاکہ تو حسد سے علیحدہ ہوجائے

مکر کُن تا کمتریں بندہ شوی — در کمی اُفتی خداوندہ شوی
تدبیر کر تاکہ تو ناچیز بندہ بنے — کمی اختیار کرے گا، آقا بن جائے گا

رُوبہی و خدمت اے گرگ کُہن — ہیچ بر قصدِ خداوندی مکُن
اے پُرانے بھیڑیئے! مکّاری اور خدمت — آقائی کے خیال سے کبھی نہ کر

لیک چوں پروانہ در آتش بتاز — کیسۂ زر بُر مدوز و پاک باز
لیکن پروانہ کی طرح آگ میں دوڑ جا — سونے کی تھیلی نہ سی اور پاک بن جا

زور[۱] را بگذار و زاری را بگیر — رحم سوئے زاری آید اے فقیر
زور کو چھوڑ، زاری اختیار کر — اے فقیر! رحم (خداوندی) عاجزی کیجانب آتا ہے

گر کُنی زاری بیابی رحمِ او — رحمِ او در زاری خود باز جُو
اگر تو عاجزی کرے گا اس کا رحم حاصل کریگا — اس کا رحم اپنی عاجزی میں تلاش کر

زاریِ مُضطر کہ تشنہ معنوی ست — زاری سرد و دروغ آن غوی ست
مجبور پیاسے کی عاجزی حقیقی ہے — جھوٹی، ٹھنڈی عاجزی، گمراہ کی ہے

گریۂ[۲] اِخوانِ یوسف حیلتست — کاندرونِ شاں پُر زرشک و علتست
یوسفؑ کے بھائیوں کی عاجزی مکّاری ہے — اُن کا باطن رشک و بیماری سے پُر ہے

میں غرق ہوگیا سبطی خادم اور قیدی بنا تو آقاؤں میں شمار ہوا۔

[۲] لعبِ معکوس یعنی خادمیت سے مخدومیت حاصل ہونا انسانی تدبیر سے ممکن نہیں ہے بلکہ فضلِ خداوندی پر موقوف ہے انسانی مکّاری و تدبیر فضلِ خداوندی کے منافی ہے۔

[۳] مکر کن۔ انسان خدمتگاری کی تدبیر اختیار کرے تو انبیا کے اخلاق سے متصف ہو جائیگا اور اُمّتی ہوتے ہوئے اُس میں انبیا کے اوصاف پیدا ہوجائیں گے۔ مکر کن۔

[illegible]

[۱] زور۔ اپنی تدابیر سے زور آزمائی نہ کر عاجزی اختیار کر اللہ تعالےٰ عاجزوں پر رحم فرماتا ہے۔ زاری حقیقی عاجزی ہو بناوٹی عاجزی سے مقصد پورا نہ ہوگا۔

[۲] گریہ۔ برادرانِ یوسفؑ بھی مصنوعی رونا رو رہے تھے ایسی گریہ و زاری بیکار ہے حکایت۔ اِس حکایت سے یہ سمجھایا ہے کہ اُس بدو کی طرح رونا بیکار ہے۔

شرح

ہم نے اوپر کہا تھا کہ تم اس عالم میں معاملہ برعکس دیکھو گے اب اس کی مزید توضیح سنو! ایک بزرگ سے دوسرے بزرگ نے کہا کہ آپ نے حق سبحانہ کو کس حالت میں دیکھا انہوں نے فرمایا کہ میں نے انہیں بے کیف دیکھا کیونکہ وہ کیف سے منزہ ہیں۔ مگر سمجھانے کے لئے بطور تمثیل کہتا ہوں کہ میں نے انہیں اس حالت میں دیکھا کہ ان کے بائیں جانب آگ ہے اور دائیں طرف حوضِ کوثر اور بائیں ہاتھ کی طرف عالم سوز آگ ہے اور دائیں ہاتھ کی طرف عمدہ نہر۔ سو کچھ لوگ آگ کی طرف ہاتھ بڑھا رہے ہیں اور کچھ لوگ حوضِ کوثر کے شوق میں خوش اور مست ہیں لیکن ان لوگوں میں سے ہر بدبخت اور سعادت مند کے سامنے الٹا معاملہ تھا کیونکہ جو شخص آگ میں جاتا تھا وہ حوض کوثر میں جا کر نکلتا تھا۔ اور جو شخص پانی میں جاتا تھا وہ آگ میں دیکھا جاتا تھا۔ اور جو شخص دائیں جانب اور آب شیریں کی طرف جاتا تھا وہ بائیں طرف آگ میں سے نکلتا تھا۔

اور جو بائیں آگ والی جانب جاتا تھا وہ دائیں طرف نکلتا تھا چونکہ اس راز سربستہ سے بہت کم لوگ واقف ہوتے تھے اسلئے بجز ان لوگوں کے جن کے سر پر خوش اقبالی کا مینہ برس رہا تھا۔ کیونکہ ایسے لوگ پانی کو چھوڑتے تھے اور آگ میں بھاگتے تھے۔ اور منشا اس کا یہ تھا کہ حق سبحانہ نے نفع عاجل کی چاٹ لوگوں کے دلوں میں پیدا کر دی تھی اسلئے خواہ مخواہ لوگ اس تماشہ سے خسارہ میں پڑتے تھے۔ کیونکہ جوق در جوق اور صف بصف لوگ بطمع نفعِ عاجل آگ سے بچتے تھے اور پانی کی طرف جاتے تھے اس کا نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ آگ میں جا کر نکلتے تھے جو کہ سراسر خسارہ تھا ـــــ اب مولانا فرماتے ہیں کہ صاحبو! اس تمثیل سے نصیحت حاصل کرو اور سمجھو کہ یہ تمثیل ہے۔ لذاتِ نفسانیہ اور مکروہاتِ نفسانیہ کی۔ کیونکہ لذاتِ نفسانیہ میں نفع عاجل ہے اور ضرر آجل اور مکروہاتِ نفسانیہ

بالعکس ہیں کہ ان میں ضرر عاجل ہے اور نفع آجل - بس تم لذاتِ نفسانیہ کو چھوڑ کر مکروہاتِ نفس کو اختیار کرو - تاکہ تم کو راحت نصیب ہو - اور اُلٹا کام نہ کرو - اس نصیحت کو ختم فرما کر قصّہ کی طرف رجوع کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ ان بزرگ نے کہا کہ آگ بزبان حال کہہ رہی تھی کہ اے احمقو! میں آگ نہیں کہ تم مجھ سے احتراز کرو بلکہ میں قابلِ قبول چشمہ ہوں - ارے اندھو! قضا و قدر نے بمصلحتِ امتحان نظر بندی کر رکھی ہے - پس تم ہمارے اندر آؤ اور ضرر کا خوف نہ کرو - اب مولانا فرماتے ہیں کہ اے مومن! یہاں نہ آگ ہے حقیقتاً آگ ہے نہ دھواں - بلکہ نظر بندی ہے حق سبحانہٗ کی جو کہ مشابہ ہے طلسم فریب نمرود سے - جو اس نے خلیل علیہ السلام کے ساتھ کیا تھا۔

(فائدہ: خبر کہ سحر و خدعہ ... نمرود نیست کے یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ یہ سحر اور فریبِ شیطان ہے واللہ اعلم) پس اگر تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرح عاقل ہے تو آگ میں گھس جا - اور مکروہاتِ نفس کو اختیار کرلے کیونکہ یہ آگ (مکروہاتِ نفس) ہی تیرے حق میں پانی - (موجبِ آرام) ہے اور تو حقیقت میں اس کا پروانہ اور اس سے نہ بھاگنے والا ہے اور اس پر عاشق اور طالب ہے۔

دیکھو! پروانہ آگ پر عاشق ہوتا ہے تو اسکی حالت یہ ہوتی ہے کہ وہ بزبانِ حال کہتا ہے کہ اے کاش! میرے لاکھوں پر ہوتے تاکہ ان سب کو اس آگ میں جلا دیتا - گو نامحرم میری اس لذّت سے واقف نہ ہوں - اور ان کی چشمِ بصیرت اور ان کے دل اندھے ہوں۔

ناداں لوگ اپنے گدھے پن سے مجھ پر ترس کھاتے ہیں - مگر میں اپنی دانائی سے ان پر رحم کھاتا ہوں اور کہتا ہوں - افسوس یہ بیچارے اندھے ہیں اور انہیں میری لذت کی خبر نہیں - پس جبکہ اس متعارف آگ کی یہ حالت ہے تو اس آگ کی جو عام

پانیوں سے ہزار گونہ بڑھ کر ہے کیا حالت ہوگی - اور جب پروانہ کی اس آگ کے لحاظ سے وہ حالت ہے جو مذکور ہوئی تو ہماری اس آگ کے لحاظ سے کیا حالت ہونی چاہیئے کہ پروانہ کا معاملہ ہمارے معاملہ کے برعکس ہے - چنانچہ وہ اسے نور اور راحت بخش سمجھتا ہے مگر حقیقت میں وہ نار بہت موذی ہوتی ہے اور دل اس آگ (مکروہات نفس) کو آگ یعنی مُضِر سمجھتا ہے مگر جب اس میں گھستا ہے تو نور میں پہنچ جاتا ہے - اور بے حد راحت پاتا ہے۔

اب سنو! کہ حق سبحانہ کے اس تماشہ کا منشا کیا ہے؟ وہ یہ ہے کہ لوگوں کا امتحان ہو اور ظاہر ہو جائے کہ کون گروہ خلیل علیہ السلام سے اور مومن ہے اور کون نہیں - اسلئے آگ کو پانی کی شکل عطا کی ہے اور آگ کے اندر چشمۂ آب جاری کیا ہے یعنی راحت کو تکلیف میں مخفی کیا ہے اور تکلیف کو راحت میں -

شاید یہ مضمون کسی کی سمجھ میں نہ آئے اور وہ کہے کہ بھلا ایسا کیونکر ہوسکتا ہے تو اسکے لیے ہم کہتے ہیں کہ ایک جادوگر چاولوں سے بھری صحنک کو بھری محفل میں کیڑوں سے پُر کر دیتا ہے اور چاولوں کو کیڑے بنا دیتا ہے اور لوگ ان چاولوں کو کیڑے ہی دیکھتے ہیں اور کیڑے ہی سمجھتے ہیں - حالانکہ واقع میں وہ چاول ہوتے ہیں - اور گھر کو جادو کے زور سے بچھوؤں سے بھر دیتا ہے حالانکہ وہاں واقع میں بچھو نہیں ہوتے بلکہ محض نظر بندی ہوتی ہے -

پس جبکہ جادوگر ایسے ایسے سینکڑوں تماشے دکھلا سکتا ہے تو اس سے تم سمجھ سکتے ہو کہ خود حق سبحانہ کا تصرف کیسا ہوگا - جس نے جادوگر کو پیدا کیا اور اس میں یہ قوت رکھی ——— پس ثابت ہوا کہ حق سبحانہ کا تصرف نہایت زبردست ہے اور اسی کا نتیجہ ہے کہ حق سبحانہ کی نظر بندی سے ہر زمانہ میں سینکڑوں جادوگر (عقلاء مدبرین) چاروں شانے چت گرے ہیں اور اسی کا نتیجہ ہے کہ لاکھوں

مرد عورتیں حق سبحانہ' کی نظر بندی سے جاہ کے بے پناہ کنوئیں میں گر پڑے ہیں اور باوجودیکہ لاکھوں ساحر انکے غلام تھے۔ مگر یوں جال میں پھنس گئے۔ جیسے کمزور ممولا۔ اور جادوگروں کی جادوگری نے اس میں کچھ فائدہ نہ پہنچایا اور حق سبحانہ' کے جال سے انہیں نہ بچا سکے۔ تم حق سبحانہ' کے اس سحر حلال کا اثر قرآن میں پڑھ لو۔ اور ساحروں کے پہاڑوں کی مانند زبردست جادوؤں کے سرنگوں دیکھ لو۔

خیر! یہ مضمون تو استطرادی تھا۔ اب سنو! میں تو خلیل علیہ السلام کی طرح آگ کو پسند کرتا ہوں اور اسی میں جاؤں گا۔ میں فرعون نہیں ہوں کہ دریائے نیل میں جاؤں۔ اور ہلاک ہوں کیونکہ جو آگ معلوم ہوتی ہے وہ آگ نہیں بلکہ شیریں پانی ہے اور دوسرا جو پانی معلوم ہوتا ہے وہ پانی نہیں ہے بلکہ تصرفِ حق سبحانہ' سے آگ بشکل پانی ہے۔ اور یہ انتخاب اثر ہے میرے عقلِ سلیم کا۔ اسلیے جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے خوب فرمایا ہے کہ تھوڑی سی عقل روزہ و نماز سے بہتر ہے کیونکہ عقل جوہر ہے اور یہ دونوں عرض۔ اور یہ دونوں اسی کی تکمیل کے لیے فرض ہوئے ہیں تاکہ ان سے آئینۂ عقل کو جِلا ہو۔ کیونکہ یہ عبادت ہیں اور عبادت کا خاصہ ہے کہ اس سے صفائے باطن حاصل ہوتی ہے پس لامحالہ ان سے تجلیۂ عقل ہوگا۔ پس نماز و روزہ خادم ہوئے اور عقل مخدوم۔ لہٰذا عقل روزہ و نماز سے بہتر ہوئی۔

اس مقام پر یہ بھی سمجھ لو کہ عبادت کا خاصہ تصفیۂ باطن و تجلیۂ عقل ضرور ہے مگر اختلاف منفعل سے اس کے اثر میں تفاوت لازم ہے اسی لیے جو آئینۂ عقل بُدِّ فطرت ہی سے خراب ہوتا ہے وہ صیقل گر کے بہت دیر میں قابو میں آتا ہے اور اس کی اصلاح بہت مشکل سے ہوتی ہے لیکن جو اعلیٰ درجہ کا آئینۂ عقل' دانا اور سلیم الفطرت ہوتا ہے مگر اس پر غبارِ جہل وغیرہ پڑا ہوتا ہے وہ بہت

جلد صاف ہوجاتا ہے اور اس کے لئے تھوڑی سی ریاضت کافی ہوجاتی ہے اب تم کو جملہ معترضہ کے طور پر سمجھنا چاہیئے کہ عُقول کے مراتب آپس میں زمین و آسمان کا مثل ہے اور اس تفاوت کو تم کو غور سے سمجھنا چاہیئے۔

تفصیل اس تفاوت کی یہ ہے کہ محض عقول تو مثل قرص خورشید ہے اور بعض عقلیں زہرہ ستارہ کی مانند ہیں اور کچھ چراغ روشن کی طرح اور کچھ چراغ مَدّھم کی طرح - جب یہ تفاوت معلوم ہوگیا تو اب سمجھو کہ ہم نے اوپر کہا تھا کہ جو آئینۂ عقل دانا ہے اس کے لئے تھوڑی سی صیقل گری کافی ہے - سو وجہ اسکی یہ ہے کہ ظلمت زنگ اسکی ذات میں نہیں ہوتی - بلکہ فی حد ذاتہ تو وہ روشن ہوتا ہے لیکن اس پر پردہ پڑا ہوتا ہے - جو اس آفتاب کے لئے بمنزلہ اَبر کے ساتر ہوتا ہے پس جب ادنےٰ تحریک سے وہ حجاب مرتفع ہوجاتا ہے اور وہ اَبَر دور ہو جاتا ہے تو اس کا خدائی نور ظاہر ہوتا ہے - اور دوسرے عقول کی تربیت کرتا ہے - جس کی عقل کی حالت نہایت عظیم الشان ..... ہے کہ مخلوق کی عقول گویا کہ اس کا عکس ہیں اور اسکی عقل گویا کہ مُشک ہے اور دوسروں کی عقول بُو یعنی اسکی عقل متبوع ہے اور دوسروں کی عقول تابع اور یہ شان اہل اللہ کی ہے لہٰذا یوں کہنا چاہیئے کہ عقلِ کل اور نفسِ کل اہل اللہ ہیں - اور تمام عقول و نفوس ان کے اجزاء - بلکہ عرش و کرسی کو بھی ان سے جُدا نہ سمجھنا چاہیئے - بلکہ اسکو بھی انہی کے اجزاء خیال کرنا چاہیئے - اسلئے کہ لوگ حق سبحانہٗ کے جملہ صفات کے مظہر تام ہیں اور اشیائے دیگر یا بعض صفات کے مظہر ہیں جیسے عرش و کرسی وغیرہ یا کل صفات کے مگر حجاب کے ساتھ جیسا کہ مجذوبین - پس جبکہ ان کی حالت یہ ہے تو تم کو انہی سے حق کو طلب کرنا چاہیئے - نہ کہ غیر سے - کیونکہ جو تعلق ان کو حق سبحانہٗ سے ہے وہ اور کسی کو نہیں -

خیر! تو اصلی اور حقیقی عقل تو وہی ہے جس ______________

کا اوپر بیان ہوا اور عقل دنیاوی حقیقت میں عقل نہیں بلکہ اس نے تو عقل کو بدنام ہی کیا ہے کیونکہ وہ نام میں تو اسکے ساتھ مشارک ہے۔ مگر صفت میں نہیں اسلئے اس کے نقص کو دیکھ کر مطلق عقل کے نقص کا شبہ ہوتا ہے اور مقصد دنیوی نے جو کہ اس عقلِ دنیوی کا مقتضیٰ ہے آدمی کو ناکام کیا کیونکہ وہ اس میں پھنسکر اپنے اصل مقصد سے دُور ہو گیا۔

اس عقل یعنی عقلِ مجاز نے تو جسدِ عشق ہو کر صیادی کا لُطف پایا کہ ان کا مطلوب اسے مِل گیا اور یہ عقل دنیاوی صیاد مردم ہو کر خود جال میں پھنس گئی اور اُس نے تو حق سبحانہٗ کی اطاعت کر کے نازِ مخدومی عالم حاصل کیا۔ اور یہ مخدوم الناس بن کر عزّت و شرف حقیقی کی راہ سے منحرف ہو گئی۔

شاید تم کو تعجب ہو کہ خدمت کا نتیجہ مخدومی اور مخدومی کا اثر ذلت کیونکر ہو سکتا ہے۔ اسلئے ہم اس مضمون کو ایک نظیر سے سمجھاتے ہیں۔

سُنو! فرعون نے سرکشی کی تو اس کا نتیجہ یہ ہُوا کہ پانی میں ڈوب گیا اور سبطی نے حق سبحانہٗ کی اطاعت کی تو اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اُسے سلطنت مِل گئی۔ پس یہ اُلٹا کھیل اور سخت پیچ ہے ـــــ تم کو چاہیئے کہ مخدوم بننے کی تدابیر کو چھوڑ دو اسلئے کہ اس کا تعلق تدبیر سے نہیں ہے بلکہ قسمت سے ہے اور تم عقل و تدبر کے اعتماد پر کام نہ کرو کیونکہ اس سے کامیابی ناممکن ہے۔

دیکھو! دولت مند لوگ فقیر کا مکر نہیں چلنے دیتے۔ بشرطیکہ انہیں معلوم ہو جائے۔ پس خدائے علیم و خبیر تمہاری چالوں کو نہ چلنے دیگا۔ ہمارا مقصود یہ نہیں کہ بالکل تدبیر چھوڑ دو۔ بلکہ مقصود یہ ہے کہ جو تدابیر مخالفتِ حق سبحانہٗ کے لیے کی جاتی ہیں انکو چھوڑ دو۔ اور اطاعتِ حق سبحانہٗ کے لئے ضرور تدابیر کرو اس کا

نتیجہ یہ ہوگا کہ ہم کو ایک ادنیٰ امتی یعنی خود اپنے اندر نبوت یعنی مرتبہ ارشاد ملے گا اور تم باوجود ایک عامی آدمی ہونے کے ولی اللہ ہو جاؤ گے۔

اور یہ تدبیر اس درجہ تک کرو کہ تم کو مرتبۂ فنا حاصل ہو جائے اور تم اپنی تدبیر سے چھوٹ جاؤ اور تمہاری شان ہو جائے کہ تمہاری تدبیر خدا کی تدبیر ہو جائے اور بے سمع و بے بصر الخ کے مرتبہ کو پہنچ جاؤ اور یہاں تک تدبیر کرو کہ تم حسد وغیرہ اخلاق رذیلہ سے پاک ہو جاؤ اور اس حد تک تدبیر کرو کہ تم حق سبحانہٗ کے عبد مسکین بن جاؤ اور تم اپنے کو گھٹاؤ تاکہ تم مخدوم ہو جاؤ۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ تم اس مقصد کے حاصل کرنے کی غرض سے اطاعت حق سبحانہٗ کرو کہ مخدوم ہو جاؤ۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ تم پروانہ کی طرح بدوں نتیجہ کے آگ میں گر جاؤ اور حق سبحانہٗ کی بے غرض اطاعت کرو مگر نتیجہ اس کا یہ ہوگا کہ تم مخدوم ہو جاؤ گے۔ ان دو باتوں میں بہت فرق ہے۔ غور سے سمجھو۔ ہم پھر کہتے ہیں کہ تم زور کو چھوڑ دو اور زاری کو اختیار کرو یعنی تدبیر خودی چھوڑو اور انقیاد حق سبحانہٗ اور تذلل اور تمسکن اختیار کرو اور اس صورت سے اس کا رحم طلب کرو۔ مگر یہ بھی سمجھ لو۔ انقیاد اور تذلل و تمسکن کی دو صورتیں ہیں ایک خلوص اور صدق دل سے دوسری بناوٹ اور مکر سے اول تو نتیجہ بخش ہے اور ثانی بے نتیجہ اور گمراہ کا فعل ہے۔

دیکھو! اخوانِ یوسف کا یوسف علیہ السلام کے گم ہو جانے پر رونا جھوٹ اور فریب ہے، کیونکہ ان کا ان کے دل میں حسد اور رشک بھرا ہوا ہے جو مقتضی ہے خوشی کو نہ کہ رونے کو۔ برخلاف یعقوب علیہ السلام کے کہ ان کا رونا دل سے تھا بس یہی حالت تم طاعت کی سمجھو کہ وہ بھی دو قسم پر منقسم ہے جیسا کہ بیان کیا گیا ہے لہٰذا تم گریۂ مکر نہ اختیار کرو۔ بلکہ گریۂ خلوص اختیار کرو۔

حکایت آں اعرابی کہ سگِ اُو از گرسنگی می مرد و انبانِ
اُس بدو کا قصہ جس کا کتا بھوک سے مر رہا تھا اور اُس کا تھیلا روٹیوں

اُو پُر نان بود و بر سگ نوحہ میکرد و شعر میگفت و میگریست
سے بھرا ہوا تھا اور کتے پر نوحہ کر رہا تھا اور شعر پڑھتا تھا اور روتا

و طپانچہ بر سر و رُو میزد و دریغش می آمد کہ لقمۂ نان ازاں انبان
تھا اور سر اور منہ پر طمانچے مارتا تھا اور اُسکو اس میں تأمل تھا کہ روٹی کا ٹکڑا

بسگ دہد و سُوال کردنِ شخص ازو و جواب شنیدن ازو
تھیلے میں سے کتے کو دے اور ایک شخص کا اُس سے سوال کرنا اور اُس سے جواب سُننا

آں سگے می مُرد و گریاں آں عرب
کتا مر رہا تھا اور وہ عرب روتا تھا

اشک می بارید و میگفت اے کرب[۵۳]
آنسو بہاتا تھا اور کہتا تھا، ہائے مصیبت

ہیں چہ سازم مر مرا تدبیر چیست
ہائیں کیا کروں میرے لئے کیا چارہ ہے؟

زیں سپس من چوں تعیم بے تو زیست
اس کے بعد میں تیرے بغیر کیسے تنہا رہوں گا؟

سائلے بگذشت و گفت ایں گریہ چیست
ایک سائل گذرا اور بولا یہ کیسا رونا ہے؟

نوحہ و زاری تو از بہر کیست
تیرا رونا اور گڑگڑانا کس چیز کے لئے ہے

گفت در مِلکم سگے بُد نیک خُو
اس نے کہا میری ملکیت میں ایک اچھی عادت کا کتا تھا

بِک ہمی میرد میانِ راہ اُو
وہ ابھی سڑک پر مر رہا ہے

روز[۵۵] صیاد م بُد و شب پاسباں
وہ دن میں میرا شکاری اور رات کو محافظ تھا

شیرِ نر بود اُو نہ سگ اے پہلواں
اے نوجوان! وہ کتا نہ تھا نر شیر تھا

تیز چشم و دُزد راں و صید گیر
تیز نگاہ والا، چور کو بھگانیوالا، شکار کو پکڑنیوالا تھا

می دویدے در پئے صید اُو چو تیر
وہ شکار کے پیچھے تیر کی طرح دوڑتا تھا

صید میکردے و پاسم داشتے
وہ شکار کرتا اور میری حفاظت کرتا تھا

دُزد را نزدیکِ من نگذاشتے
چور کو میرے پاس نہ آنے دیتا تھا

قانع و آزاد تُند و خصم راں
صابر اور آزاد، تیز مزاج اور دشمن کو بھگانیوالا تھا

نیک خو و باوفا و مہرباں
نیک طبیعت اور باوفا اور مہربان تھا

گفت رنجش چیست زخمے خوردہ است
اُس نے کہا اُس کو کیا مرض ہوا ہے، زخم لگا ہے؟

گفت جوع الکلب زارش کردہ است
اُس نے کہا جوع الکلب نے اُسکو بدحال کر دیا ہے

گفت[۵۶] صبرے کُن بریں رنج و حرض
اُس نے کہا اس رنج اور غم پر صبر کر

صابراں را فضلِ حق بخشد عوض
اللہ کی مہربانی صبر کرنیوالوں کو عوض عطا کرتی ہے

---

۵۳ کرب بمصائب، بے تو، یعنی کتے سے کہتا تھا گفت، بدو نے رونے کی وجہ بتائی۔

۵۵ روز یعنی دن میں میرے لئے شکار کر کے لاتا تھا اور رات کو میری حفاظت کرتا تھا۔ پاس۔ حفاظت۔ قانع یعنی تھوڑی خوراک پر گذارا کر لیتا تھا۔ جوع الکلب۔ کتے کی بھوک۔

۵۶ گفت۔ اس شخص نے بدو سے کہا کہ کتے کے مرنے پر صبر کر اللہ صابروں کو اچھا بدلہ دیتا ہے۔ حرض۔ آزاد۔ انبان۔ تھیلا۔ قوت۔ مدد غذا۔

بعد ازاں گفتش کہ اے سالارِ حُر | چیست اندر پشت ایں انبانِ پُر
اِس کے بعد اُس نے کہا اے آزاد سردار! | پیٹھ پر یہ بھرا ہوا تھیلا کیسا ہے؟

گفت نانِ زاد و لوتِ دوشِ من | می کشم از بہرِ قوتِ ایں بدن
اس نے کہا کل کی روٹی اور توشہ اور عمدہ کھانا ہے | اس جسم کی خوراک کے لئے اٹھائے ہوئے ہوں

گفت چوں ندہی بداں سگ نان و زاد | گفت تا ایں حد ندارم مہر و داد
اُس نے کہا اِس کُتّے کو روٹی اور توشہ کیوں نہیں دیتا؟ | بولا اِس حد تک مجھ میں محبت اور بخشش نہیں ہے

دست[۵۳] ناید بے درم در راہ ناں | لیک ہست آبِ دو دیدہ رایگاں
راستہ میں روٹی بغیر پیسہ کے نہیں ملتی ہے | لیکن دونوں آنکھوں کے آنسو مفت کے ہیں

گفت خاکت بر سر اے پُر باد مشک | کہ لبِ ناں پیشِ تو بہتر ز اشک
اُسے کہا اے ہوا سے بھری ہوئی مشک! تیرے سر پہ خاک | کہ روٹی کا ٹکڑا تیرے نزدیک آنسو سے بہتر ہے

اشک خون است و بغم آبے شدہ | می نیرزد خوں بخاک اے بیہدہ
آنسو خون ہے، جو غم سے پانی بن گیا ہے | اے بیہودہ! خون، خاک کی قیمت کا نہیں ہو

کُلِ خود را خوار کرد او چوں بلیس | پارۂ ایں کل نباشد جز خسیس
اُس نے اپنے آپ کو شیطان کی طرح ذلیل کر دیا | اس کل کا جزو ذلیل کے علاوہ کیا ہوگا؟

من غلام آنکہ[۵۴] نفروشد وجود | جز بداں سلطانِ با افضال جُود
میں اُس کا غلام ہوں جو وجود کو نہ فروخت کرے | (کسی کو) مہربانیوں اور سخاوت کے شاہ کے سوا

چوں بگرید آسماں گریاں شود | چوں بنالد چرخ یا رب خواں شود
جب وہ رو پڑے تو آسمان رونے لگے | جب وہ فریاد کرے تو آسمان فریادی بن جائے

من غلامِ آں مسِ ہمت پرست | کہ بغیرِ کیمیا نارد شکست
میں اُس صاحبِ ہمت تانبے کا غلام ہوں | جو علاوہ کیمیا کے (کسی کے سامنے) عاجزی نہ دکھائے

دست اشکستہ بر آور در دُعا | سُوئے اشکستہ پرد فضلِ خدا
دعا میں عاجز ہاتھ اُٹھا | اللہ (تعالیٰ) کا فضل عاجز کی جانب اُڑ کر آتا ہے

گر[۵۵] رہائی بایدت زیں چاہِ تنگ | اے برادر رو بر آذر بے درنگ
اگر تجھے اس تنگ کنویں سے رہائی درکار ہے | اے بھائی! بلا تاخیر آگ پر چل پڑ

مکرِ حق را بین و مکرِ خود بہل | اے ز مکرش مکرِ مکاراں خجل
اللہ (تعالیٰ) کی تدبیر پر نظر رکھ اپنی تدبیر چھوڑ دے | اُس کی تدبیر سے مکاروں کا مکر شرمندہ ہے

چونکہ مکرت شد فنائے مکرِ رب | بر کشائی یک کمینے بوالعجب
جبکہ تیری تدبیر اللہ (تعالیٰ) کی تدبیر میں فنا ہو گئی | تو ایک عجیب گھات (کی راہ) کشادہ کرے گا

---

[۵۳] دست ناید۔ یعنی روٹی قیمت سے ملے گی آنسو مفت کے ہیں ان کو نکلنے کے لئے خرچ کیا جا سکتا ہے۔ آشک۔ رنج میں خون آنسو بن جاتا ہے۔ بخاک۔ یعنی روٹی جو مٹی کی پیداوار ہے قیمتی ہے۔ کل خود۔ اُس بدبخت نے اپنے کو ذلیل کیا لہٰذا اُس کے آنسو بھی اسی جیسے ذلیل ہیں۔

[۵۴] آنکہ یعنی مرشدِ کامل ... من غلام۔ میں اُس مرشدِ کامل کا غلام ہوں جو ایسا باہمت کیمیا پرست ہے کہ وہ عاجزی کیمیا (یعنی ذاتِ باری تعالیٰ) کے سامنے ہی کرتا ہے۔ دستِ اشکستہ۔ عجز و شکستگی کے ساتھ دعا کی جاتی ہے تو فضلِ خداوندی آتا ہے۔

[۵۵] گر رہائی۔ سابق مضمون کی طرف رجوع فرما کر کہتے ہیں کہ مجاہدات کی آتش کی طرف چل پڑ تب دنیا سے نجات ملے گی۔ خجل۔ شرمندہ چونکہ جب انسان اپنی تدبیر کو خدائی تدبیر میں فنا کر دیتا ہے تو عجیب راہیں کھل جاتی ہیں۔ کمینہ۔ اُن راہوں کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ انسان کو ابدی عروج اور بقا حاصل ہو جاتا ہے اور اُس عروج کے بعد اُس کو علمِ لدنی حاصل ہو جاتا ہے۔

[۵۶] گر تو۔ انسان جب اُس مقام کو خوب سمجھ لیتا ہے تو اُسکے حصول کیلئے پوری کوشش کرتا ہے اور مغرور نہیں بنتا

تا ابد اندر عروج وارتقا ہمیشہ عروج اور ترقی میں	کہ کمینہ ایں لئیں باشد بقا کہ اس کمینہ کا ادنیٰ (درجہ) بقا ہوتا ہے	ہے۔ در بیان۔ انسان کی خود بینی انسان کیلئے سب سے زیادہ مہلک ہے ہاں اگر وہ صفات خداوندی سے متصف ہوگیا ہے تو پھر اُس کی خود بینی اپنی خود بینی نہیں رہتی ہے۔
تا بری بوئے زعلمِ من لدن تاکہ تجھے علم لدنی کی خوشبو حاصل ہو جائے	از برائے ایں کمیں سعیے بکن اس کمینہ کے لئے کوشش کر	
نیک دانی نیک باشد مرترا اچھی طرح سمجھ لے تیرے لئے اچھا ہوگا	گرتو احوالِ عروجِ خویش را اگر تو اپنے عروج کے احوال کو	

شرح اب مولانا گریہ دروغ کی نظیر میں ایک قصہ بیان فرماتے ہیں کہ ایک کتا جان توڑ رہا تھا۔ اور ایک عرب اس کے پاس بیٹھا ہوا نالہ و فغاں کر رہا تھا اور کہہ رہا تھا کہ ارے میں کیا کروں اور کیا تدبیر کروں کہ تو بچ جائے۔ میں تیرے بغیر کیوں کر جیوں گا۔ اتفاقاً ایک شخص کا ادھر کو گذر ہوا۔ اور کہا کہ یہ رونا کیسا ہے اور یہ تیری گریہ زاری کس کے لئے ہے اُس نے جواب دیا کہ میرے ملک میں ایک کتا تھا جو بہت ہی نیک خصلت تھا۔ وہ رستہ میں مر رہا ہے۔ میں اسکے غم میں رو تا ہوں۔ کیونکہ وہ دن کو میرے لئے شکار کرتا تھا اور رات کو پاسبانی کرتا تھا اُسے کتا نہیں کہنا چاہیئے۔ بلکہ وہ ایک شیر ببر تھا۔ اُس کی نظر نہایت تیز تھی۔ چوروں کو بھگاتا تھا۔ شکاری تھا اور شکار کے پیچھے یوں جاتا تھا جیسے تیر جاتا ہی وہ شکار کرتا تھا اور میرا خیال کرتا تھا یعنی خود نہ کھاتا تھا۔ بلکہ میرے لیے محفوظ رکھتا تھا۔

چور کو میرے پاس بھٹکنے نہ دیتا۔ قانع تھا۔ آزاد تھا۔ تیز تھا دشمن کو بھگاتا تھا۔ غرضکہ وہ نیک خصلت اور با وفا اور مہربان تھا اسنے کہا کہ اس کو تکلیف کیا ہے کیا کوئی زخم لگ گیا ہے کہا نہیں۔ بلکہ بھوک نے اُسے مار رکھا ہے اُس نے یہ خیال کر کے کہ کھانا نہیں ہے۔

اس نے کہا کہ اس تکلیف اور مرض الموت پر صبر کرو۔ حق سبحانہٗ تمہیں اس کا بدلہ دیں گے۔ کیونکہ وہ صابروں کو نعم البدل عطا فرماتے ہیں اسکے بعد اسے کچھ شبہ ہوا اور پوچھا کہ تمہارے ہاتھ میں یہ بھرا ہوا تھیلا کیسا ہے اُس نے کہا کہ اس میں میرا کل کا کھانا ہے اسکو میں اپنے جسم کے غذا کے لئے لئے جاتا ہوں اُس نے کہا کہ اس کھانے میں سے تم اسے کیوں نہیں دیتے اُس نے کہا کہ جناب! مجھے اتنی محبت نہیں ہے روٹی تو راہ میں بدوں ٹکوں کے ہاتھ نہ لگے گی۔ اور

آنسو مفت ہیں اسلیئے بجائے روٹی کے آنسو خرچ کرتا ہوں۔ اُسنے کہا او! نمائشی اور بناوٹی شخص! تیرے سر پہ خاک! کہ تیرے نزدیک روٹی کا ٹکڑا آنسوؤں سے بہتر ہے۔ ارے نالائق! تو آنسو کی حقیقت جانتا ہے کیا ہے؟

سُن لو! آنسو وہ خون ہے جو کہ غم سے پانی بن گیا ہے تجھے واضح ہو کہ خون کی قیمت خاک (نان) نہیں ہو سکتی تو نے اسکو بہت سستا بیچ ڈالا۔

اب مولانا فرماتے ہیں کہ صاحب گریہ دروغ کی بھی ایسی حالت ہے جیسے اس کُتے والے کی۔ اور اسنے اپنے کل کو ذلیل کرلیا۔ کیونکہ اُسنے اطاعت حق سُبحانہٗ چھوڑ دی۔ اسلیئے اس کے آنسو بھی بے قدر ہو گئے۔

کیونکہ ذلیل کُل کا جُزو بھی ذلیل ہی ہونا چاہیئے۔ پس میں ایسے ذلیل شخص کی کوئی وقعت نہیں کر سکتا۔ میں تو اس شخص کا غلام ہوں جو اپنا وجود سوائے حق جَلّ وعلا شانہٗ کے جو کہ صاحب افضال وجود ہیں دوسرے کے ہاتھ نہ بیچے؛ اور خدا کے سوا کسی کا غلام نہ ہو اور جس کے وقعت کی یہ حالت ہو کہ جب وہ روئے تو آسمان بھی رونے لگے اور جب وہ روئے تو آسمان بھی اس کے لیئے دست بدعا ہے اور میں اس عالی ہمّت تانبے کا غلام ہوں۔ جو بدوں کے کسی چیز سے شکستہ نہ ہو۔

یعنی اُس آدمی کو مانتا ہوں جو حق سُبحانہٗ کے سوا کسی کے سامنے اپنے کو ذلیل نہ کرے ——— خیر یہ مضمون تو استطرادی تھا اب ہم پھر مضمون سابق کی طرف عود کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تم تذلّل اختیار کرو۔ اور اپنے دست تضرّع کو دعا کے لیے اُٹھاؤ کیونکہ متذلّل و متمسکن ہی کی طرف فضل خدا متوجہ ہوتا ہے۔

اور اگر تم کو اس چاہ تنگ ناسوت سے نجات پانے کی خواہش ہے تو بے دھڑک آگ میں گھس جاؤ اور مکروہات نفس کو اختیار کرو۔ اور اے ایسے مدبّرو! جن کی تدبیر کے سامنے بڑے بڑے مدبّرین کی تدابیر شرمندہ ہیں: تم حق سبحانہٗ کی تدبیر کو پیش نظر رکھو۔ اور سمجھو کہ اسکے سامنے تمہاری نہ چلے گی۔ اسلیئے اپنی تدبیر کو جو اس

کے مخالف ہو چھوڑ دو۔ اور وہ تدبیر کرو۔ جس کو وہ پسند کرتا ہے پس جبکہ تم اس کے تدبیر میں اپنی تدبیر کو فنا کر دو گے اور اپنی تدابیر کو اسکی تدبیر کا تابع کر دو گے۔ تو وہ... تمہارے لیے ایک عجیب کمین گاہ کھول دیگا۔ جس میں سے تم بہت بڑے بڑے مقاصد پر فتحمند ہو سکو گے اور جس کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ تم کو بقا باللہ حاصل ہوگی۔ اور ہمیشہ تم کو عروج اور ترقی روحانی ہوتی رہے گی۔ پس تم اس کمین گاہ کے حاصل کرنے کے لیے سعی کرو۔ تاکہ تم کو علمِ لدُنی اور وہبی حاصل ہو۔

دربیانِ آنکہ ہیچ چشمِ بدآدمی راچناں مہلک نیست کہ چشمِ پسندِ خویشتن مگر کہ چشم او مبدل شدہ باشد بنورِ حق کہ ——

اس کا بیان کہ آدمی کے لئے کوئی نظر بد ایسی مہلک نہیں ہے جیسے کہ خود پسندی کی نظر ہاں اگر اُس کی آنکھ اللہ کے نور سے تبدیل ہوگئی ہو، کیونکہ (فرمایا گیا ہے)

بِیْ یَسْمَعُ وَبِیْ یُبْصِرُ واز خویشتن اُو بیخویش شدہ باشد

وہ میرے ذریعہ سُنتا ہے اور میرے ذریعہ سے دیکھتا ہے۔ اور وہ خود سے بیخود ہوگیا ہو۔

پرِ طاوست[1] مبین و پائے بیں ۔۔۔ تاکہ سوءُ العین نکشاید کمیں

اپنے طاؤسی پر کو نہ دیکھ پاؤں کو دیکھ ۔۔۔ تاکہ نظرِ بد گھات نہ کھولے

کہ بلغزد کوہ از چشمِ بداں ۔۔۔ یُزْلِقُوْنَكَ از نُبی برخواں عیاں

کیونکہ بد نظروں سے پہاڑ بھی جاتا ہے ۔۔۔ وہ تجھے پھسلا دینگے، قرآن میں صاف پڑھ لے

احمدِ چوں کوہ لغزید از نظر ۔۔۔ درمیانِ راہِ بے گِل بے مطر

پہاڑ جیسے احمدؐ نظر سے پھسل گئے ۔۔۔ ایسے راستے میں، جو بغیر کیچڑ اور بارش کے تھا

در عجب درماند کایں لغزش زچیست ۔۔۔ من نہ پندارم کہ ایں حالت تہیست

وہ تعجب میں رہگئے کہ یہ پھسلن کس چیز سے تھی ۔۔۔ میں نہیں سمجھ سکتا کہ یہ کیسی خاص، حالت خالی ہے

تا بیامد[2] آیت و آگاہ کرد ۔۔۔ کاں ز چشمِ بد رسیدت وز نبرد

یہانتک کہ آیت نازل ہوئی اور خبردار کردیا ۔۔۔ کہ وہ نظرِ بد اور خصومت سے ہوئی

گر بُدے غیرِ تو در دم لا شدے ۔۔۔ صیدِ چشم و سخرۂ افنا شدے

اگر تیرے سوا کوئی ہوتا فوراً ہلاک ہوجاتا ۔۔۔ نظر کا شکار اور فنا کے تابع ہوجاتا

معنیِ چشمِ بد آخر باز داں ۔۔۔ اِنْ یَّکَادُ از چشمِ بد نیکو بخواں

بالآخر نظرِ بد کے معنیٰ سمجھ لے ۔۔۔ نظرِ بد کے سلسلہ میں اِنْ یَّکَادُ پڑھ لے

---

[1] پرِ طاؤست۔ انسان کو اپنے عیوب پر نظر رکھنی چاہیئے ورنہ اُس کی نیکیوں کو نظرِ بد لگ جائے گی۔ کہ نظرِ بد کی بہت بُری کاری اور بڑی تاثیر ہے۔ یُزْلِقُوْنَكَ قرآن پاک میں ہے۔ وَاِنْ یَّكَادُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَیُزْلِقُوْنَكَ بِاَبْصَارِهِمْ اور قریب ہے کہ وہ تمہیں اپنی نگاہوں سے پھسلا دیں۔ بے گِل۔ نہ راستہ میں کیچڑ تھی نہ بارش۔ در عجب۔ اس حالت میں پھسلنے سے آنحضورؐ کو تعجب ہوا۔

[2] تا بیامد۔ آنحضورؐ کو پھسلنے کی وجہ وحیِ خداوندی سے معلوم ہوئی۔ کہ کفّار نے آنحضورؐ سے کہا کہ یہ نظرِ بد اس قدر سخت تھی کہ تم تو صرف پھسلے اگر کوئی اور ہوتا تو ہلاک ہی ہو جاتا۔ معنیِ چشمِ بد۔ اس آیت کو پڑھ کر نظرِ بد کی حقیقت سمجھ لو۔ آنحضورؐ چونکہ معصوم تھے لہٰذا ان پر اس کا اثر محض ذرہ کی تاثیر دکھانے کیلئے ہوا تھا۔

لیک آمد عصمتے دامن کشاں — ویں کہ لغزیدی بُداز بہرِ نشاں

لیکن دامن کھینچتی ہوئی حفاظت آپہنچی — یہ جو آپ پھسلے، پہچان کے لئے تھا

عبرتے[۱۵] گیر اندراں کُہ کُن نگاہ — برگِ خود عرضہ مکن اے کم زکاہ

عبرت حاصل کرلے اِس پہاڑ کو دیکھ — اے تنکے سے کم! اپنی شان نہ دکھا

۱۵ عبرتے۔ تا آنحضورؐ کے اِس واقعہ سے عبرت حاصل کرو جبکہ آنحضورؐ جیسے کوہِ پر اسکایہ اثر ہوا تو اپنی گھاس جیسی حیثیت پر اس کی تاثیر کو سمجھ لو۔ یارسول۔ لوگوں نے آنحضورؐ سے عرض کیا کہ اس وادی کے لوگ بلند پرواز گدھ کو بھی اپنی بدنظر سے متاثر کردیتے ہیں۔ از نظر۔ ان کی نگاہوں میں یہ اثر ہے کہ شیر کی کھوپڑی شق ہوجاتی ہے

تفسیر آیت وَاِنْ یَّكَادُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَیُزْلِقُوْنَكَ بِاَبْصَارِهِمْ لَمَّا سَمِعُوا الذِّكْرَ

اور قریب ہیں کافر کہ تمہیں اپنی نظروں سے پھسلادیں جبکہ انھوں نے ذکر سُنا اور

وَیَقُوْلُوْنَ اِنَّهٗ لَمَجْنُوْنٌ وَمَا هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِیْنَ

کہتے ہیں بے شک وہ مجنون ہے اور نہیں ہے وہ مگر جہانوں کا ذکر" آیت کی تفسیر

یارسول اللہ دراں وادی کساں — میزنند از چشمِ بد بر کرگساں

اے اللہ کے رسولؐ! اِس وادی میں ایسے لوگ ہیں — جو گدھوں پر نظرِ بد لگا دیتے ہیں

از نظرشاں کلۂ شیرِ عریں — واشگافد تا کُند آں شیر انیں

اُن کی نظر سے جھاڑی کے شیر کی کھوپڑی — پھٹ جاتی ہے یہاں تک کہ وہ شیر روتا ہے

بر شتر[۱۶] چشم افگند ہمچوں حمام — وانگہاں بفرستد اندر پے غلام

اونٹ پر موت جیسی نظر ڈالتا ہے — اور بعد میں غلام کو بھیج دیتا ہے

کہ بروازپیہ ایں اُشتر بخر — بیند اُشتر را سقط اُوراہ در

(کہتا ہے) کہ جا اُس اونٹ کی چربی خرید لا — وہ راستہ میں اونٹ کو مُردہ دیکھتا ہے

سر بُریدہ از مرض آں اُشترے — کو تگ با اسپ میکردے مرے

مرض کی وجہ سے اُس اونٹ کی گردن کٹی ہوئی ہو — جو دوڑ میں گھوڑے کا مقابلہ کرتا تھا

کز حسد وز چشمِ بد بے ہیچ شک — سیر و گردش را بگرداند فلک

بے شبہ حسد اور نظرِ بد سے — آسمان رفتار اور گردش کو اُلٹا کردیتا ہے

آب پنہان ست دولاب آشکار — لیک در گردش بُود آب اصلِ کار

پانی پوشیدہ ہے اور رہٹ ظاہر ہے — لیکن گردش میں پانی کام کی جڑ ہے

چشمِ نیکو[۱۷] شد دوائے چشمِ بد — چشمِ بد را لاکُند زیرِ لگد

نظرِ بد کی دوا اچھی نظر ہے — جو نظرِ بد کو پاؤں کے نیچے معدوم کردیتی ہے

سبق رحمت راست وآں از رحمت آست — چشمِ بد محصولِ قہر و لعنت ست

رحمت کو سبقت حاصل ہے اور یہ (خدا کی) رحمت سے — نظرِ بد، قہر اور لعنت کا نتیجہ ہے

رحمتش بر نقمتش غالب شود — چیرہ زان شُد ہر نبی بر خصمِ خود

اُس کی رحمت اُس کے غضب پر غالب آجاتی ہے — اِسی لئے ہر نبی اپنے مخالف پر غالب ہوگیا

۱۶ بر شتر۔ اگر کسی اونٹ کا گوشت اُن کو پسند آتا ہے تو اُس پر اپنی نگاہ ڈال کر فوراً غلام کو اُس کا گوشت خریدنے کے لئے روانہ کردیتے ہیں۔ کز حسد۔ حسد اور نظرِ بد کے اثر سے آسمان کی گردش اُلٹی ہوجاتی ہے۔ آب پنہاں۔ چشمِ بد کی تاثیر اگرچہ بظاہر چشمِ بد سے متعلق ہے لیکن اصل سبب تقدیرِ الٰہی ہے جو مخفی ہے جس طرح دولاب بظاہر متحرک نظر آتا ہے لیکن حرکت کا اصل سبب پانی ہے۔

۱۷ چشمِ نیکو۔ چشمِ بد کی اُس تاثیر کو عارف کی نظر فنا کردیتی ہے۔ سبق رحمت۔ نظرِ بد کی تاثیر قہرِ الٰہی ہے اور نیک نظر کی تاثیر رحمتِ الٰہی ہے اور رحمت قہر پر غالب ہے۔

گو نتیجہ رحمت ست و ضد اُو ۵۳ — از نتیجہ قہر بود آں زشت رُو
کیونکہ وہ رحمت کا نتیجہ ہے اور اُس کی ضد — بدصورت قہر کا نتیجہ ہے

حرصِ بط یکتاست و ایں پنجاہ تاست — حرصِ شہوت مار و منصب اژدہاست
بطخ کی حرص اکہری اور یہ پچاس گنا ہے — شہوت کی حرص سانپ ہے اور جاہ (کی حرص) اژدہا ہے

حرصِ بط از شہوتِ حلق ست و فرج — در ریاست بیست چنداں ست درج
بطخ کی حرص حلق اور شرمگاہ کی شہوت کی وجہ سے ہے — حُبِ جاہ میں اس کا بیس گنا داخل ہے

از الوہیت زند در جاہ لاف — طامعِ شرکت کجا باشد معاف
خدائی کی وجہ سے مرتبہ کی ڈینگیں مارتا ہے — شرکت کا لالچی کہاں معاف ہوتا ہے!

زلتِ آدم ز اِشکم بُود و باہ — وآں ابلیس از تکبر بُود و جاہ
حضرت آدمؑ کی لغزش پیٹ اور باہ کی وجہ سے تھی — اور شیطان کی آن تکبر اور جاہ کی وجہ سے تھی

لاجرم اُو زود استغفار کرد ۵۴ — واں لعیں از توبہ استکبار کرد
لامحالہ انھوں نے جلد توبہ کر لی — اور اُس ملعون نے توبہ سے تکبر کیا

حرصِ حلق و فرج ہم خود بدرگیست — لیک منصب نیست آں آہستگی ست
حلق اور شرمگاہ کی حرص بھی بدذاتی ہے — لیکن وہ جاہ نہیں ہے وہ تواضع ہے

بیخ و شاخِ ایں ریاست را اگر — باز گویم دفترے باید دگر
جاہ کی جڑ اور شاخ کو اگر — میں بیان کروں تو ایک دوسرا دفتر چاہیے

اسپِ سرکش را عرب شیطانش خواند — نے ستورے را کہ در مرعیٰ بماند
عرب نے سرکش گھوڑے کو شیطان کہا ہے — نہ کہ اُس گھوڑے کو جو چراگاہ میں رہا

شیطنت گردن کشی بُد در لغت ۵۵ — مستحقِ لعنت آمد ایں صفت
شیطنت لغت میں سرکشی ہے — یہ صفت لعنت کی مستحق ہے

صد خورندہ گنجد اندر گردِ خواں — دو ریاست جُو نگنجد در جہاں
ایک خوان کے گرد سو کھانے والے سما جاتے ہیں — دو سلطنت کے طالب دنیا میں نہیں سماتے ہیں

آں نخواہد کیں بُود بر پشتِ خاک — تا ملک بکشد پدر را ز اشتراک
وہ نہیں چاہتا کہ یہ رُوئے زمین پر رہے — شرکت کے ڈر سے بادشاہ باپ کو قتل کر دیتا ہے

آں شنیدستی کہ الملکُ عقیم ۵۶ — قطعِ خویشی کرد مُلکت جُو ز بیم
تو نے یہ سُنا ہے کہ سلطنت بانجھ ہے — سلطنت کے طلبگار نے خوف سے اپنائیت کو ختم کر دیا

کہ عقیم است و ورا فرزند نیست — ہمچو آتش با کسش پیوند نیست
کیونکہ وہ بانجھ ہے اور اُسکے اولاد نہیں ہے — آگ کی طرح اُس کا کسی سے رشتہ نہیں ہے

---

۵۳ گو نتیجہ۔ نبی رحمت ہے اور کافر قہر کا مظہر ہے۔ حرصِ بط۔ حُبِ جاہ کی بیماری شہوتِ بطن سے بہت بڑھی ہوئی ہے۔ از الوہیت۔ حُبِ جاہ میں الوہیت میں شرکت کا دعویٰ ہے اور شرک ناقابلِ معافی گناہ ہے۔ زلت۔ حضرت آدمؑ کی لغزش شہوتِ بطن و باہ کی وجہ سے تھی شیطان کی معصیت حُبِ جاہ کی وجہ سے تھی۔

۵۴ لاجرم۔ حضرت آدمؑ کی غلطی کا اثر زائل ہو گیا۔ شیطان معصیت میں مبتلا رہا۔ حرصِ حلق۔ کھانے اور شرمگاہ کی شہوت میں عموماً انکساری سے کام لینا پڑتا ہے۔ بیخ۔ حُبِ جاہ کی مذمت کے لئے دفتر درکار ہے۔ اسپ سرکش۔ سرکش گھوڑے میں تکبر اور بلندیٔ جاہ ہے اس کو شیطان کہا جاتا ہے گدھے میں شہوتِ بطن ہے اس کو شیطان نہیں کہا جاتا۔

۵۵ شیطنت۔ لغت میں شیطنت سرکشی اور تکبر کو کہا جاتا ہے اسی لئے یہ صفت لعنت کی مستحق ہے۔ صد۔ کھانے والے ایک دسترخوان پر دس جمع ہو جاتے ہیں لیکن دو بادشاہ دنیا میں بھی جمع نہیں ہو سکتے ہیں۔ آں نخواہد۔ ہر بادشاہ کی خواہش ہوتی ہے کہ وہ تنہا ساری دنیا پر سلطنت کرے۔

۵۶ آں شنیدستی۔ بادشاہت کو بانجھ کہا جاتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ بادشاہ شرکت کے ڈر سے سب رشتے کاٹ دیتا ہے۔ ہمچو آتش۔۔۔۔

هر چہ یابد آو بسوزد بر ذرد
وہ جس کو پاتی ہے جلا دیتی ہے پھاڑ دیتی ہے

چوں نیابد ہیچ خود را میخورد
جب کسی کو نہیں پاتی ہے خود کو کھا لیتی ہے

ہیچ شو وارہ تو از دندانِ اُو
لاشیئ بن جا اُس کے دانتوں سے نجات پا جا

رحم کم جو از دلِ سندانِ او
اُس کے اہرن (جیسے) دل سے رحم تلاش کر

چونکہ گشتی ہیچ از سنداں مترس
جب تو ناچیز بن گیا اہرن سے نہ ڈر

ہر صباح از فقرِ مطلق گیر درس
ہر صبح کو فقر مطلق سے سبق حاصل کرلے

ہستؔ الوہیت ردائے ذوالجلال
الوہیت اللہ (تعالیٰ) کی چادر ہے

ہر کہ در پوشد بر اُو گردد وبال
جو اوڑھتا ہے وہ اس کے لئے وبال بنجاتی ہے

تاج ازآنِ اُوست وآنِ ما کمر
تاج اُس کی ملکیت ہے اور ہماری ملکیت پیٹی ہو

وائے اُو کز حد خود دارد گذر
اُس کے لئے تباہی ہے جو اپنی حد سے بڑھے

فتنہ تست ایں پرِ طاؤسیت
تیرا یہ طاؤسی پر تیرے لئے فتنہ ہے

کاشتراکت باید و قدوسیت
کیونکہ تجھے شرکت اور قدوسیت درکار ہے

لہ ہست کبریائی اور الوہیت اللہ تعالیٰ کی چادر ہے جو اُس کو اوڑھے گا اُس کے لئے وہ وبال بنے گی۔ تاج۔ تاج خدا کی ملکیت ہے ہمارے لئے خدمتگذاری کی پیٹی ہے فتنہ۔ کبر و غرور جو پر طاؤس ہے یہ خدائی میں شرکت کا دعویٰ ہے۔

شرح

اوپر تحصیل عروج روحانی کی ترغیب دی تھی مگر چونکہ عروج مذکور کی حالت میں عجب کا اندیشہ ہوتا ہے اسلئے اس کی اصلاح فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جب تم کو عروج روحانی حاصل ہو جائے تو تم کو چاہیئے کہ حالات عروج نو۔۔ کو ٹھیک طور پر جانو۔ یعنی اس کو اس طرح نہ جانو کہ اس سے عجب پیدا ہو بلکہ اس طرح جانو کہ عجب نہ پیدا ہو کیونکہ اگر تم اس کو اس طرح جانو گے تو تمہارے لئے شر ہوگا۔

پس جبکہ تم کو یہ دولت حاصل ہو جائے تو تم کو اپنی خوبیوں پر نظر نہ کرنی چاہیئے۔ بلکہ تم کو اپنے عیوب پر نظر کرنی چاہیئے تاکہ تمہیں اپنی نظر نہ ہو جائے اور اس سے تمہارے کمالات کو صدمہ نہ پہنچ جائے۔ کیونکہ نظر بد بہت بُری بلا ہے اس سے پہاڑ کو لغزش ہو جاتی ہے آدمی تو کیا چیز ہے۔

تائید کے لیے ان یکاد الذین کفروا لیزلقونك بابصارھم پڑھ لو۔ شان نزول اس آیت کا (علی ما روی واللہ اعلم بصحتہ) یہ ہے

کہ جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم جو کہ وقار میں مانند کوہ تھے ان کو اثرِ نظرِ بد سے درمیان راہ لغزش ہوئی ۔ حالانکہ نہ وہاں کیچڑ تھا اور نہ بارش یہ حالت دیکھ کر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تعجب ہوا کہ یہ بے وجہ لغزش کیسی ! میں نہیں سمجھتا کہ یہ حالت بھید سے خالی ہو ۔ بلکہ ضرور اس میں کوئی نہ کوئی راز ہے آخر کار وحی آئی اور آپ کو مطلع کیا کہ یہ صدمہ آپ کو نظرِ بد اور اس کی مزاحمت سے پہنچا ہے اگر کوئی اور ہوتا تو فوراً فنا ہو جاتا اور چشم بد کا شکار اور منقاد فنا ہو جاتا ۔ مگر عصمت وحفظ خداوندی آپہنچی جس نے آپ کو بچالیا اور یہ بات کہ جب عصمت حق سبحانہٗ تھی تو پھر لغزش ہی کیوں ہوئی سو اس کا سبب یہ تھا کہ آپ کو اثر نظرِ بد کا پتہ لگ جائے ۔

اب مولانا فرماتے ہیں کہ اس بات سے تم کو نظر بد کی حقیقت معلوم ہونی چاہیئے اور چشم بد سے محفوظ رہنے کی آیت ان یکاد الخ کو پڑھنا چاہیئے کیونکہ اس میں دفع نظر کی خاصیت ہے اور اس کوہ وقار یعنی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حالت کو دیکھ کر اس سے عبرت حاصل کرنی چاہیئے اور تم جو کہ برگ کاہ سے بھی کم وزن ہو ۔ تم کو چاہیئے کہ اپنے کو صرصرِ چشم بد کے مقابلہ میں لاؤ

خیر یہ مضمون تو بطور جملہ معترضہ کے تھا ــــــ اب سنو! کہ حق سبحانہٗ نے فرمایا کہ اے ہمارے رسول اس وادی میں کچھ لوگ موجود ہیں ۔ جو بلند پرواز کرگسوں پر بھی اپنی نظر بد کا اثر پہنچاتے ہیں ان کی نظر میں شیرانِ بیشہ کا غول درہم برہم ہو جاتا ہے تا آنکہ وہ شیر رو دیتے ہیں ۔ اور یہ لوگ موت کی طرح اونٹ پر نظر ڈالتے ہیں اس کے بعد اپنے کمالِ تاثیر کے اعتماد پر اس کے پیچھے آدمی بھیجتے ہیں اور کہتے ہیں جاؤ اس اونٹ کی چربی خرید لاؤ ۔ چنانچہ وہ جاتا ہے اور اونٹ کو رستہ میں پڑا پاتا ہے اور وہ اونٹ جو دوڑ میں گھوڑوں کا مقابلہ کرتا تھا ایک لحظہ میں بیمار ہو کر مرجاتا ہے

یا ذبح ہوجاتا ہے کیونکہ نظر بد بُری بلا ہے اس میں یہ اثر ہے کہ اس کے ذریعہ سے آسمان کی گردش بدل سکتی ہے (وہو مبالغۃ فی عظیم التاثیر و ہذا ہو الصحیح لاما قال ولی محمد راڈا علیہ بالنظر الی قولہ ہیچ مشک وقال ان ہذہ اللفظۃ ینادی یا علی نداء ان المقصود ہو التحقیق ۔لا المبالغۃ)

اب مولانا فرماتے ہیں کہ اجی کیسی چشم بد۔ مؤثر تو فی الحقیقت ارادۂ خداوندی ہے اور چشم بد تو اسکے تابع ہوکر مؤثر ہے۔ اسلئے یوں کہنا چاہیئے کہ پانی (ارادہ الٰہی) مخفی ہے۔ اور پنچکی (چشمِ بد) ظاہر۔ مگر حرکت میں اصل پانی ہے اور پنچکی کی حرکت تو اسکے تابع (ہذا ہو المراد فلا نلتفت الی ما قال ولی محمد)

جب یہ مضامین استطرادیہ ختم ہوچکے تو ہم پھر ماسبق کی طرف غور کرتے ہیں۔ کہ تم اپنی نظر کو ٹھیک رکھو تاکہ نظر بد سے محفوظ رہو۔ کیونکہ نظر نیک علاج ہے نظر بد کا۔ اور یہ نظر اس نظر بد کو فنا کر دیتی ہے کیونکہ چشم نیک اثر ہے رحمت کا اور چشم بد نتیجہ ہے قہر و لعنت کا۔ اور حق سبحانہٗ فرماتے ہیں کہ میری رحمت میرے غضب پر غالب ہے اس بنا پر چشمِ نیک چشم بد پر غالب ہوگی۔ اور یہی وجہ ہے، کہ انبیاء اپنے دشمنوں پر غالب ہوتے ہیں کیونکہ انبیاء رحمت سے پیدا ہوتے ہیں اور مخالفین قہر و غضب سے۔ اسلئے انبیاء کو ان پر غالب ہونا چاہیئے۔

یہاں سے مقصد اصلی یعنی مذمتِ جاہ کی طرف عود فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ حرص جاہ نہایت ہی بد بلا ہے۔ حرص بط (یعنی حرص کا موزون، جماع) تو ایک ہی درجہ میں خطرناک ہے اور یہ یعنی حرص جاہ اس سے پچاس گونہ بڑھی ہوئی ہے اور ان دونوں حرصوں میں وہی نسبت ہے جو سانپ اور اژدھے میں۔ پس حرص شہوت تو بمنزلہ سانپ کے ہے اور حرص منصب و جاہ بمنزلہ اژدھے کے۔ کیونکہ طالب جاہ۔ جاہ کی حالت میں گویا کہ وہ

مدعیٔ الوہیت ہوتا ہے اور سبب اسکا یہ ہے کہ بڑائی حق سبحانہ کی صفت ہے اور وہ اسے اپنے ہی ساتھ مختص رکھنا چاہتے ہیں اور کسی کو اس میں شرکت کی اجازت نہیں دیتے۔ پس جبکہ کوئی شخص طالبِ جاہ ہوتا ہے تو وہ اس صفت میں حق سبحانہ کا شریک بننا چاہتا ہے اور ظاہر ہے کہ طالبِ شرکت قابل درگذر نہیں ہوسکتا۔ (الا ان یعفو اللہ عنہ بمنّہٖ وفضلہٖ) برخلاف حریص شہوت کے۔ کہ وہ عاصی ہے مگر طالبِ شرکت نہیں اسلئے طالب جاہ کی نسبت سے اس کا جُرم بہت کم ہے اور وہ قابل معافی ہے۔ ایک فرق تو یہ تھا۔ دوسرا فرق یہ ہے کہ حُبِّ جاہ میں توبہ کا احتمال بعید ہے بہ نسبت حرص شہوات کے۔

چنانچہ دیکھ لو۔ آدم علیہ السلام کی جو لغزش ہوئی تھی اس کا منشا حرصِ شکم اور حرصِ شہوت تھی (حرص شکم کا منشا ہونا تو ظاہر ہے۔ رہی حرص شہوت سو اس کے منشا ہونے کی وجہ یہ ہے کہ دانۂ گندم آپ نے حضرت حوّا کی ترغیب سے کھایا تھا اور جس چیز نے حضرت حوّا کی بات مان لینے پر مجبور کیا تھا وہ ان کی محبت تھی اور محبت کا منشا شہوت تھی۔ پس شہوت کا سبب ہونا ظاہر ہوگیا) اور ابلیس نے جو گناہ کیا تھا اور اس کا منشا تکبر اور حُبّ جاہ تھی اسلیے حضرت آدم علیہ السلام نے تو فوراً ہی توبہ کرلی اور ابلیس نے توبہ کرنے سے بھی تکبر کیا۔ (اور راز اس کا یہ ہے کہ شہوتِ بطن وفرج سے آدمی سیر ہو جاتا ہے کما ہو ظاہر برخلاف حُبّ جاہ کے کہ اس سے سیری نہیں ہوتی۔ بلکہ جس قدر بھی جاہ ہو آدمی اس سے زیادہ چاہتا ہے پس جبکہ شہوتِ بطن و فرج سے سیری حاصل ہوجاتی ہے تو آدمی کے عقل پر سے پردہ اٹھ جاتا ہے۔ اور عقل شناعت ہونے کا ادراک کرکے آدمی کے اندر انفعالی کیفیت پیدا کرتی ہے۔

برخلاف حبّ جاہ کے کہ اس سے سیری نہیں ہوتی کہ عقل کے اوپر سے حجاب دُور

ہوا اور وہ اس فعل کی شناعت کا احساس کرے اور اس سے ندامت پیدا ہو)
اس سے معلوم ہوا کہ حرص بطن و فرج بھی بدذاتی ہے مگر وہ جاہ نہیں ہے
بلکہ اسکی سبب تذلل ہے کیونکہ وہ شنیع ندامت ہے نہ کہ جاہ۔
اسلئے جس قدر حرص جاہ مذموم ہوگی اس قدر حرص بطن و فرج مذموم نہ ہوگی۔
الغرض جاہ نہایت ہی خطرناک چیز ہے اگر میں اس کا منشا اور اسکی
شاخیں بیان کروں تو اس کے لیے ایک دوسرے دفتر کی ضرورت ہے
اسلئے مختصر طور پر اس کا بیان کیا گیا ہے ـــــ اچھا! تھوڑی سی تفصیل اسکی
اور سن لو۔ دیکھو اسپ سرکش کو عرب شیطان کہتے ہیں۔ مگر اس گھوڑے کو
جو حرص بطن کے سبب چراگاہ میں رہ جائے شیطان نہیں کہتے کیونکہ لغت میں
شیطنت کے معنی گردن کے ہیں۔
پس یہ صفت سرکش گھوڑے میں تو پائی جاتی ہے اور چراگاہ میں رہ جانے
والے گھوڑے میں نہیں پائی جاتی اسلئے وہ لقب شیطان کا مستحق ہے۔ نہ کہ یہ۔
غرضکہ یہ صفت تکبر و تجبر مستحق لعنت ہے کیونکہ یہ صفت نہایت ہی مذموم
ہے۔ دیکھو! سو کھانے والے (حریص بطن) ایک دسترخوان پر بے تکلف کھانا کھا
لیتے ہیں مگر دو طالب ریاست جہاں میں نہیں سماتے اور ایک دوسرے کا
زندہ رہنا نہیں چاہتے۔ حتیٰ کہ بیٹا اگر ایک ملک کا بادشاہ ہو اور اس کا باپ دوسرے
ملک کا۔ تو تحرز عن الاشتراک کے سبب بیٹا باپ کو مار ڈالتا ہے۔
تم نے سنا ہوگا کہ الملک عقیم یعنی ملک بانجھ ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ سلطنت
تعلق قرابت کو قطع کر دیتی ہے حتیٰ کہ اولاد سے بھی تعلق منقطع کر دیتی ہے اسلئے
وہ بانجھ ہے اور اسکی اولاد نہیں اور وہ آگ کی طرح ہے جس کو اس سے علاقہ
نہیں۔ بلکہ جو کوئی اسکی سامنے آتا ہے سب کو نہس نہس کر دیتی ہے اور جب

کسی کو نہیں پاتی تو پیچ و تاب سے خود اپنے کو کھا جاتی ہے۔

پس اگر تم کو جاہ کے غائلہ سے بچنا منظور ہے تو اسکی صورت یہ ہے کہ اسے کم نہ کرو ——— اور خودی کو چھوڑ دو۔ کیونکہ خودی کو قائم رکھ کر اس کی توقع رکھنا کہ جاہ تم پر رحم کریگا اور تم کو ضرر نہ پہنچائے گا بالفضول ہے پس تم کو اس دل سخت سے رحم نہ ڈھونڈنا چاہیئے لیکن جب کہ تم خودی کو چھوڑ دو گے اس وقت تم کو اسکے سخت اور بے رحم دل سے کوئی خطرہ نہیں ——— پس تم کو ہر روز فقر کامل کا سبق لینا چاہیئے اور رفتہ رفتہ فقر کامل حاصل کرنا چاہیئے۔

دیکھو خدائی صفت ہے حق سبحانہٗ کی۔ پس جو کوئی اس کو اپنی صفت بنائے گا تو وہ صفت اسکے لیے وبال جان ہو جائے گی۔ شہنشاہی حق سبحانہٗ کا حق ہے اور ہمارا کام خدمت و اطاعت ہے۔ پس جو شخص اپنی حد سے بڑھ جائے اور شاہی کا طالب ہو اسکی حالت افسوس کے قابل ہے کیونکہ اسکے اسکو سوائے ضرر کے اور کچھ نہ حاصل ہوگا۔

یاد رکھو کہ یہ تمہاری شان و شوکت تمہارے لئے بڑے خطرہ کی چیز ہے کیونکہ اس کی بنا پر تم صفت خداوندی میں شرکت چاہتے ہو اور تم کو مخدوم مطاع بننے کی خواہش ہوتی ہے اور تم معائب سے پاک بننے کے خواہاں ہوتے ہو اور چاہتے ہو کہ بس لوگ ہمارے تنزیہ و تقدیس کیا کریں۔ لہذا اس کو چھوڑنا چاہیئے اور تذلل و تمسکن اختیار کرنا چاہیئے۔

قصۂ آں حکیمے کہ طاؤس را دید کہ پرِ زیبائے خود را بر می کند

اُس دانا کا قصہ جس نے مور کو دیکھا کہ وہ اپنے حسین پروں کو چونچ سے

بمنقار و می انداخت و تنِ خود را کل وزشت میکرد از تعجب

اُکھاڑ رہا ہے اور پھینک رہا ہے اور اپنے بدن کو گنجا اور بدنما بنا رہا ہے اُس نے

طاؤس را پرسید کہ دریغت نمی آید گفت می آید اما پیشِ ما

تعجب سے مور سے دریافت کیا کہ تجھے افسوس نہیں ہو رہا ہے، اُس نے کہا ہو رہا ہے

جان از پر عزیز تر است و ایں پر عدوِ جانِ من است ازیں

لیکن مجھے جان پروں سے زیادہ پیاری ہے اور یہ پر میری جان کے دشمن ہیں اس وجہ

جہت بر می کنم

سے میں اُکھاڑ رہا ہوں

پرِ خود می کند طاؤسے بدشت

ایک مور جنگل میں اپنے پر اُکھاڑ رہا تھا

یک حکیمے رفتہ بود آنجا بگشت

ٹہلتا ہوا ایک عقلمند وہاں پہنچ گیا

گفت طاؤسا چنیں پر می کنی

اُس نے کہا اے مور! ایسے بڑھیا پر

بیدریغ از بیخ چوں بر میکنی

تو بلا تامل، جڑ سے کیوں اُکھاڑ رہا ہے؟

خود دلت چوں میدہد تا ایں حلل

خود تیرا دل کیسے (اجازت) دیتا ہے؟ کہ یہ ایک

بر کنی و اندازیش اندر وحل

تو اُکھاڑتا ہے اور اس کو کیچڑ میں پھینک دیتا ہے

ہر پرت را از عزیزی و پسند

گرانقدری اور پسند کی وجہ سے تیرے ہر پر کو

حافظاں در طیِ مصحف می نہند

حُفاظ قرآن کے موڑ میں رکھتے ہیں

بہرِ تحریکِ ہوائے سود مند

مفید ہوا کو چلانے کے لئے

از پرِ تو بادبیزن می کنند

تیرے پروں کا پنکھا بناتے ہیں

ایں[لہ] چہ ناشکری و چہ بیباکی ست

یہ کیا ناشکری اور لاپروائی ہے

تو نمی دانی کہ نقاشش کیست

تو نہیں جانتا کہ اُس کا نقاش کون ہے؟

یا ہمی دانی و نازے میکنی

یا تو جانتا ہے اور ناز دکھا رہا ہے

قاصداً قطعِ طرازی میکنی

جان بوجھ کر نقش و نگار کو قطع کر رہا ہے

اے بسا نازا کہ گردد آں گناہ

بہت سے ناز ہیں جو گناہ بن جاتے ہیں

افگند مر بندہ را از چشمِ شاہ

غلام کو بادشاہ کی نظر سے گرا دیتے ہیں

ناز کردن خوشتر آید از شکر

ناز کرنا قند سے زیادہ بھلا لگتا ہے

لیک کم خایش کہ دارد صد خطر

لیکن اُس کو نہ چبا کیونکہ سینکڑوں خطرے رکھتا ہے

[لہ] کل۔ گنجا۔ دریغ۔ افسوس۔ دشت۔ جنگل۔ گشت۔ سیر و سیاحت۔ بیش قیمت۔ حُلل۔ لباس کا جوڑا۔ وَحَل۔ کیچڑ۔

[لہ] ہر پرت۔ اُس نے مور سے کہا تیرے پر تو ایسے پیارے ہیں کہ ہر شخص اُن کو قرآن میں رکھتا ہے۔ بہر تحریک۔ ہوا جھلنے کے لئے تیرے پروں سے پنکھے بنائے جاتے ہیں۔

[لہ] ایں چہ۔ مور سے کہا تیرا یہ اُکھاڑنا تیری بے باکی ہے تجھے معلوم نہیں کہ تیرے پروں پر نقاشی کس ذات نے کی ہے۔ یا ہمی دانی۔ اگر تو جانتا ہے کہ قدرت نے یہ نقاشی کی ہے تو پھر جان بوجھ کر ایسی کاریگری کو برباد کر رہا ہے اور ناز و انداز دکھا رہا ہے۔ اے بسا۔ اِس طرح کا ناز بربادی کا سبب ہوتا ہے اور یہ ناز بے جا غلام کو شاہ کی نظروں سے گرا دیتا ہے۔

[لہ] ناز کردن۔ انسان کو ناز کرنا پسند آتا ہے لیکن اُس میں خطرات بہت ہیں بے خطر راستہ نیازمندی کا ہے لہٰذا انسان کو یہی راستہ اختیار کرنا چاہیئے۔ اے بسا۔ ناز و انداز جب بڑھتا ہے تو وبال بن جاتا ہے۔ خوبی۔ ناز و انداز کی خوبی اگر کچھ بڑھاتی ہے تو اُس میں چھپا ہوا خوف انسان کو پگھلاتا ہے۔ وجہِ نیاز۔ نیازمندی اگرچہ لاغر کرتی ہے لیکن قلب کو روشن چاند بنا دیتی ہے۔ چاک۔ حضرت حق کی صفت ہے کہ وہ مُردے

ایمن آبادست آں راہِ نیاز
عاجزی کا راستہ، اطمینان کی جگہ ہے

ترکِ نازش گیر و با آں رہ بساز
ناز کرنا چھوڑ دے اور اُس راہ سے مانوس ہو جا

اے بسا نازآوری زد پر و بال
بہت سی نازآوروں نے پر و بال نکالے

آخر الامر آں بر آں کس شد وبال
بالآخر وہ اُس شخص پر وبال بنیں

خوبیِ ناز ار دمے بفرازدت
ناز کی خوبی، اگر فوراً تجھے اونچا کر دیتی ہے

بیم و ترسِ مضمرش بگدازدت
اُس کا چھپا ہوا خوف اور ڈر تجھے گھلاتا ہے

ویں نیاز ار چہ کہ لاغر میکند
یہ نیاز اگرچہ تجھے دُبلا کرتا ہے

صدر را چوں بدرِ انور میکند
سینہ کو روشن چاند کی طرح بنا دیتا ہے

چوں ز مُردہ زندہ بیروں میکشد
چونکہ وہ (اللہ تعالیٰ) مُردے سے زندہ پیدا کرتا ہے

ہر کہ مُردہ گشت او دارد رشد
جو مردہ بن گیا وہ ہدایت یافتہ ہے

چوں[۲] ز زندہ مُردہ بیروں میکند
جبکہ وہ زندہ سے مُردہ پیدا کرتا ہے

نفسِ زندہ سوئے مرگے می تند
زندہ نفس موت کی جانب چلا جاتا ہے

مُردہ شو تا مُخرِجُ الحیِّ الصَّمَد
مُردہ بن جا تاکہ (اللہ) زندہ کو پیدا کرنے والا بے نیاز

زندۂ زیں مُردہ بیروں آورد
زندہ کو، اُس مُردے سے پیدا کر دے

دے شوی بینی تو اخراجِ بہار
تو خزاں بن جا، تو بہار کا پیدا کرنا دیکھے گا

لیل گردی بینی ایلاجِ نہار
رات بن جا؛ تو دن کا داخل کرنا دیکھے گا

ہے زندہ پیدا کر دیتا ہے تو جو مردہ بنے گا اُس کو وہ زندگی عطا کر دے گا۔
[۲] چوں ز زندہ۔ چونکہ وہ زندہ سے مُردہ بھی پیدا کرتا ہے لہٰذا اگر تو نفس کو نہ مارے گا تو وہ مُردہ ہو جائیگا۔ مُردہ شو۔ تو فانی بن جا پھر وہ تجھے حیاتِ ابدی عنایت کر دے گا۔ دے شوی۔ تو اپنے اوپر خزاں طاری کرے گا تو بہار کا لطف دیکھے گا۔ رات بن جا تو دن کا پیدا ہونا دیکھے گا۔

بر مکن[۵] آں پر کہ نہ پذیرد رفو
پروں کو نہ اکھاڑ کیونکہ ان پر رفو نہ ہو سکیگا

روئے مخراش از عزا اے خوبرو
اے حسین! ماتم میں چہرے کو نہ چھیل

آنچناں روئے کہ چوں شمسِ ضحیٰ ست
وہ چہرہ جو چاشت کے سورج کی طرح ہے

آنچناں رخ را خراشیدن خطا ست
ایسے چہرے کو چھیلنا غلطی ہے

زخمِ ناخن بر چنیں رُخ کافری ست
ایسے چہرے پر ناخن کا زخم کافری ہے

کہ رُخِ مہ در فراقِ او گریست
جس کے فراق میں چاند کا چہرہ رو رہا ہے

یا نمی بینی تو روئے خویش را
یا تو اپنا چہرہ نہیں دیکھتا ہے

ترک کن خوئے لجاج اندیش را
جھگڑا کرنے والی عادت کو چھوڑ دے

[۵] بر مکن۔ بظاہر یہ حکیم کا مقولہ ہے جو اُس نے طاؤس سے کہا۔ عزا۔ ماتم۔ آنچناں۔ حسین چہرے کو بگاڑنا بہت بڑی غلطی ہے۔ لجاج۔ جھگڑا۔ دریاں۔ انکار کی وجہ سے نفسِ مطمئنہ کی صفائی میں فرق پڑتا ہے جیسا کہ آئینہ پر اگر کچھ لکھو پھر خواہ اُسکو صاف بھی کر دو لامحالہ اُسپر نشان باقی رہ جاتا ہے۔

شرح

فتنۂ تست ایں پرِ طاؤس۔ کی تائید میں مولانا ایک قصہ بیان فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ایک مور جنگل میں اپنے پَر اکھیڑ رہا تھا۔ اتفاقاً ایک حکیم بھی گھومتا ہوا وہاں پہنچ گیا۔ اور کہا کہ ارے مور! یہ عمدہ پَر تو یوں بے دریغ

کیوں اکھیڑتا ہے تیرا جی کیسے گوارا کرتا ہے۔ کہ اس قدر عمدہ لباس کو اتار کر کیچڑ میں ڈال دے۔ تجھے ان پروں کی قدر معلوم نہیں۔

اچھا مجھ سے سُن۔ یہ وہ باوقعت پر ہیں کہ ان کی گرامی قدر اور پسندیدہ ہونے کے سبب حفاظ ان کو قرآن میں رکھتے ہیں اور ہوا کو حرکت دینے کے لئے لوگ ان کا پنکھا بناتے ہیں۔ پس یہ کیا ناشکری ناسپاسی ہے کہ ایسی نعمت کی قدر نہیں کی جاتی۔ ارے تو جوان کو یوں پامال کرتا ہے۔ تجھے معلوم ہے کہ ان کا نقاش کون ہے۔

اور یہ کس نے بنائے ہیں اگر تو نہیں جانتا تو مجھ سے سُن! یہ حق سبحانہٗ کے بنائے ہوئے ہیں۔ پس جبکہ تو ان کی یوں بے وقعتی کرے گا تو وہ ضرور تجھ پر عتاب کریں گے یا تو جانتا ہے مگر ناز کرتا ہے اگر ایسا ہے تو یاد رکھ! کہ بہت سے ناز جرم قرار پاجاتے ہیں اور غلام کو شہنشاہ کی نظر سے گرا دیتے ہیں۔ ناز کرنا گو شکر سے زیادہ لذیذ ہے مگر اس میں خطرات بھی بہت ہیں اسلئے اس شکر کو کھانا نہیں چاہیئے۔ اور ناز کو اختیار نہیں کرنا چاہیئے۔ بلکہ عجز و نیاز اختیار کرنا چاہیئے۔ کیونکہ اس میں کوئی خطرہ نہیں۔ پس تُو ناز کو چھوڑ اور راہ نیاز اختیار کر۔

اب مولانا مضمون ارشادی کی طرف انتقال فرماتے ہیں اور کہتے ہیں۔ صاحبو! بہت ناز کرنے والوں نے بلند پرواز کی ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ وہ بلند پرواز ان کے لیے وبال ہو گئی پس تم کو ناز نہ کرنا چاہیئے۔ اور عجز و نیاز اختیار کرنا چاہیئے۔ کیونکہ اگر ناز میں خوبی ہے جو کہ تم کو کچھ دیر کے لئے سرفراز کرتی ہے تو اس میں خوف مخفی بھی ہے جو تم کو گھلا دے گا۔ یعنی گو حق سُبحانہٗ بعض اوقات لوگوں کے ناز اٹھا کر ان کو سرفراز فرماتے ہیں۔ مگر یہ ناز برداری دائم نہیں ہے بلکہ کسی کو اس پر عتاب بھی ہو جاتا ہے۔ جو ناز کرنے والوں کو گُھلا دیتا ہے۔ اور نیاز اگرچہ خوف اور فکر نا خوشی حق سبحانہٗ کے سبب لاغر کرتا ہے مگر فائدہ اس میں یہ ہے کہ وہ سینہ کو

چودھویں رات کے چاند کی مانند منور کر دیتا ہے۔

دیکھو جبکہ حق سبحانہٗ کی شان یہ ہے کہ وہ مردہ میں سے زندہ نکالتا ہے تو جو شخص مردہ ہو جائے اور عجز دنیاز اختیار کرے وہ ہی ٹھیک راہ پر ہے کیونکہ حق سبحانہٗ اس کو اس مردگی کے سبب حیات روحانی عطا فرمائیں گے اور جبکہ وہ زندہ میں سے مردہ نکالتا ہے تو اس کا اثر یہ ہے کہ نفس زندہ موت معنوی پاتا ہے۔

الحاصل! موت کا نتیجہ حیات ہے اور حیات کا نتیجہ موت۔ پس تم مُردہ ہو جاؤ یعنی اپنی خواہشات کو بالکل چھوڑ دو جن میں سے ناز بھی ہے اس کا نتیجہ یہ ہو گا۔ کہ مردہ میں سے زندہ نکالنے والا حیّ ہوا۔ اس مردہ میں سے زندہ نکالے گا یعنی اس مردگی کے سبب تم کو حیات معنوی عطا فرمائے گا۔ اور تم خزاں ہو جاؤ اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ تم دیکھو گے کہ حق سبحانہٗ اس سے بہار پیدا کرتے ہیں اور اگر تم رات اور معراعن الکمال ہو جاؤ گے تو اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ تم دیکھو گے کہ حق سبحانہٗ اس میں دن اور کمال کو داخل کرتے ہیں ــــــ القصہ تم نقص اور کمی اختیار کرو۔ اسی سے تم کو کمال حاصل ہو گا۔

خیر! یہ مضمون تو استطرادی تھا اب سنو! کہ اس حکیم نے مور سے کہا کہ تم اپنے پَروں کو نہ اکھیڑو اسلئے کہ پھر اس کی تلافی نہ ہو سکے گی۔ اور ماتم میں اپنا منہ نہ نوچو۔ کیونکہ وہ منہ جو آفتاب چاشت سے زیادہ روشن ہے ایسے منہ کو.. نوچنا سخت غلطی ہے اور ایسے چہرہ کو نوچنا نہایت ناشکری ہے جس کے فراق میں چاند بھی روتا ہے یا تم کو اپنا چہرہ نظر ہی نہیں آتا جو ایسا کرتے ہو ایسا تو نہیں ہے بلکہ تمہارا اسے نوچنا بنا بر تعنت ہے اسلئے تم خصلت تعنیت کو چھوڑ دو اور منہ نوچنے کو ترک کرو۔

دربیانِ آنکہ صفا وسادگیِ نفسِ مطمئنہ از فکرتہا مشوّش

اس کا بیان کہ افکار سے نفسِ مطمئنہ کی صفائی اور سادگی پریشان ہوجاتی ہے

میشود چنانچہ بر رُوی آئینہ چیزے نویسی اگرچہ پاک کنی

جیسا کہ تو آئینہ پر کوئی چیز لکھے اگرچہ تو دھوڈالے، داغ اور

داغے ونقصانے بماند

نقصان باقی رہ جاتا ہے

رُوی[۲۲] نفسِ مطمئنہ در جسد

جسم میں نفسِ مطمئنہ کا چہرہ

زخمِ ناخنہائے فکرت می کشد

فکر کے ناخنوں سے زخمی ہوجاتا ہے

فکرتِ بد ناخنِ پُر زہر داں

بُرے خیال کو زہریلا ناخن سمجھ

میخراشد در تعمق رُوی جاں

غور کرنے کی (صورت) میں وہ جان کا چہرہ چھیل دیتا ہے

تاکشاید عقدۂ اشکال را

جب تک کہ وہ کسی اشکال کی گرہ کھولتا ہے

در حدث کردہ ست زرّیں بال را

اُس نے سُنہرے بالوں کو ناپاک کرلیا ہے

عقدہ را بکشادہ گیر اے منتہی

اے انتہا کو پہنچنے والے! فرض کرلے گرہ کھل گئی

عقدۂ سخت ست بر کیسہ تہی

(یہ تیری) خالی تھیلی پر سخت گرہ ہے

درکشادِ[۲۳] عقدہا گشتی تو پیر

تو گرہوں کو کھولنے میں بوڑھا ہوگیا

عقدۂ چندے دگر بکشادہ گیر

فرض کرلے تونے اور چند گرہیں کھول لیں

عقدۂ کاں بر گلوئے ماست سخت

وہ پھندا جو ہمارے گلے میں ہے، سخت ہے

کہ ندانی کہ خسی یا نیک بخت

کیونکہ تو نہیں جانتا کہ تو بدبخت ہے یا نیک بخت

گر بدانی کہ شقیی یا سعید

اگر تو یہ جان لے کہ تو نیک بخت ہے یا بدبخت

آں بود بہتر ز فکرِ ہر عنید

ہر سرکش کے فکر سے بہتر ہے

حلِّ[۲۴] ایں اشکال کن گر آدمی

اگر تو آدمی ہے اس اشکال کو حل کرلے

خرج کن ایں دم اگر صاحب دمی

اگر تجھ میں دم ہے تو اس دم کو خرچ کر

حدِ اعیان وعرض دانستہ گیر

فرض کرلے اعیان اور عرض کی تعریف معلوم ہوگئی

حدِ خود را داں کہ نبوَد زیں گزیر

اپنی حقیقت جان لے کہ اسکے سوا چارہ نہیں ہے

چوں بدانی حدِ خود زیں حد گریز

جب تجھے اپنی حقیقت معلوم ہوگئی اس تعریف سے گریز کر

تا بہ بیحد در رسی اے خاک بیز

اے خاک چھاننے والے! تاکہ تو اُس ذات تک پہنچ جائے جسکی حقیقت ۔۔۔ معلوم ہو

۲۲ رُوی نفس۔ نفسِ مطمئنہ کا چہرہ فکروں کے ناخن سے زخمی ہوجاتا ہے خصوصاً بُرے افکار تو زہریلے ناخن ہیں جو روح تک کے چہرے کو بدنما بنادیتے ہیں۔ تاکشاید۔ جب انسان افکار کی کسی گرہ کو کھولتا ہے تو روح کے زرّیں پر ناپاک ہوجاتے ہیں جس سے اُس کی پرواز میں کمی آجاتی ہے۔ عقدہ۔ اِن دنیاوی افکار کی عقدہ کشائی ایسی ہے جیسے کسی خالی تھیلی کے منھ کی سخت گرہ کو کوئی شخص کھولے جو لاحاصل ہے۔

۲۳ درکشاد۔ چند گرہوں کے کھولنے میں تو بوڑھا ہوگیا، فرض کرلے کہ چند گرہیں تونے اور کھول لیں لیکن حاصل کیا ہوا۔ عقدہ کاں۔ تیرے شقی یا سعید ہونے کی گرہ جو تیرے گلے میں لگی ہوئی ہے اگر تو اُسکو کھول لے تو یہ سب سے بہتر ہے۔

۲۴ حل۔ اگر تو آدمی ہے تو اِس اشکال کو حل کر۔ حدِ اعیان۔ فلاسفہ عرض اور جوہر کی تعریف کرنے میں لگے رہتے ہیں اور خود اپنی حقیقت وماہیت سے بے خبر رہتے ہیں۔ چوں بدانی۔ مَنْ عَرَفَ نَفْسَہٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّہٗ جس نے اپنے آپ کو جان لیا اُس نے خدا کو جان لیا۔ نفس کی حقیقت کا جاننا خدا کی معرفت تک پہنچاتا ہے

عمر در محمول و در موضوع رفت | بے بصیرت عمر در مسموع رفت
محمول اور موضوع (کی تعریف) میں عمر گذر گئی | سنی سنائی باتوں میں بلا بصیرت کے عمر ختم ہو گئی

ہر دلیلے بے نتیجہ و بے اثر | باطل آمد در نتیجہ خود نگر
جو دلیل بے نتیجہ اور بے اثر ہو | باطل ہے، تو خود نتیجہ پر غور کرے

جز بمصنوعے ندیدی صانعی | بر قیاسِ اقترانی قانعی
تو نے مصنوع کے علاوہ صانع کو نہ دیکھا | تو اقترانی قیاس پر صابر ہو گیا

می فزاید در وسائط فلسفی | از دلائل باز بر عکسش صفی
فلسفی واسطوں میں اضافہ کرتا رہتا ہے | دلائل سے، پھر برگزیدہ شخص اسکے برعکس ہے

ایں گریزد از دلیل و از حجیب | از پئے مدلول سر بردہ بجیب
یہ دلیل اور پردے سے گریز کرتا ہے | مدلول کے لئے، گریبان میں منہ ڈالے ہوئے

گر دخاں اورا دلیلِ آتش است | بے دخاں ما را درآں آتش خوش است
اگر اس کے لئے دھواں آگ کی دلیل ہے | اس معاملہ میں بغیر دھویں کے ہمارے لئے آگ بھلی ہے

خاصہ ایں آتش کہ از قرب و ولا | از دخاں نزدیک تر آمد بما
خصوصاً یہ آگ کہ قرب اور دوستی کی وجہ سے | ہم سے دھویں سے زیادہ قریب آگئی ہے

پس سیہ کاری بود رفتن ز خواں | بہرِ تخییلات جاں سوئے دخاں
دسترخوان سے چل دینا، بدکاری ہے | دھویں کی جانب، جان کے خیالات کی خاطر

سے ہٹ کر دلائل سے اس ذات تک پہنچنا سیاہ کاری اور غلطی ہے۔

ملا قر. عمر در محمول و موضوع ... محمول کی تعریفوں میں عمر گذر جاتی ہے اور کوئی فائدہ ہاتھ نہیں آتا۔ ہر دلیلے جس دلیل کا کوئی نتیجہ برآمد نہ ہو وہ بیکار ہے تو اپنے انجام پر غور کرے۔ جز تو نے مشاہدہ نہیں کیا ہے محض مخلوق کے ذریعہ خالق کو سمجھا ہے۔ قیاس اقترانی۔ مثلاً عالم مصنوع ہے اور ہر مصنوع کا کوئی صانع ہے۔ می فزاید۔ فلسفی اپنی اور کو سمجھنے کے لئے وسائط میں اضافہ کرتا رہتا ہے اور برگزیدہ شخص اس کے برعکس مشاہدہ کرتا ہے وہ دلائل سے ہٹ کر مراقبہ میں مشاہدہ کرتا ہے۔

ملا گر دخاں۔ فلسفی اثر سے موثر کو سمجھتا ہے جیسی دھویں کے ذریعہ آگ تک پہنچتا ہے خاصہ۔ عارفوں کے لئے قرب اور عشق کی آگ دھویں کی نزدیک تر ہے۔ پس مشاہدہ

شرح

یہاں سے مولانا مضمون ارشادی کی طرف انتقال فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تمہارے نفسِ مطمئنہ عہ کا چہرہ ناخنہائے افکار لایعنی سے زخمی ہو رہا ہے۔ اور تمہارے افکار بیہودہ زہریلے ناخن ہیں جو غور و خوض کی حالت میں تمہارے روح کے صاف چہرہ کو زخمی کرتے ہیں۔ پس تم افکار بیہودہ سے بچو۔ اور اس نفسِ مطمئنہ اور روح کی سادگی و صفائی کو برباد نہ کرو۔

[واضح ہو کہ نفس کے حالات مختلفہ کے لحاظ سے مختلف نام ہیں پس جبکہ وہ طالب لذات

عہ اس مقام پر نفس کو مطمئنہ کہنے کی یہ وجہ ہے کہ وہ مولود علی الفطرۃ ہے اور ان تشویشات سے پاک ہے جو تربیت و صحبت سے اسے لاحق ہوتے ہیں۔ ۱۲ منہ۔

تو اس کا نام "امّارہ" ہوتا ہے اور جبکہ وہ اس درجہ پر پہنچتا ہے کہ افعال ذمیمہ سے اُسے ندامت ہو اور وہ اپنے کو ملامت کرے تو اسے "لوّامہ" کہتے ہیں اور جبکہ اسکی یہ حالت ہو کہ ذکر اللہ سے اُسے راحت حاصل ہو تو اُسے "مطمئنہ" کہتے ہیں اور جبکہ وہ اس سے بھی اوپر ترقی کر جائے اور آمر بخیرات ہو تو اسے "ملہمہ" کہتے ہیں۔ ہکذا قال بحر العلوم وعندی ان الملہمہ ہی المطمئنۃ۔ واللہ اعلم۔

اور تمہاری روح یا نفس مطمئنہ نے عقدات و اشکال کو کھولنے کے لئے اور مشکلات کو حل کرنے کے لیے اپنے بیش بہا بازوقوت دراکہ کو گندگی (نجاستہ افکار لالیعنی) میں لتھیڑ رکھا ہے لیکن ہم کہتے ہیں کہ اچھا فرض کرو کہ تم نے گرہ کھول لی اور مشکل کو حل کرلیا۔ مگر نتیجہ کیا ہے۔ کیونکہ یہ گرہ خالی تھیلی میں لگی تھی۔ جس کو کھولنے کے بعد تم کو کچھ بھی نہ ملے گا اور محنت اکارت ہوجائے گی۔ پس تم ان عقدوں کے حل کرنے میں کیوں مصروف ہو۔ انہیں چھوڑ دو۔ کیونکہ انہی گرہوں کے کھولنے میں تم بڈھے ہوگئے اور تمہارے ہاتھ کچھ نہ لگا۔

اب فرض کرو کہ تم نے کچھ گرہیں اور کھول لیں مگر نتیجہ کیا ہے اتنی گرہیں کھولنے پر تمہیں کیا مل گیا جو اور گرہوں کے کھولنے پر آمادہ ہو پس تم افکار دنیویہ کو چھوڑ دو اور جو گرہ تمہارے گلے میں لگی ہے یعنی یہ کہ تم شقی ہو یا سعید اور دوزخی ہو یا جنتی اگر تم اسے حل کرو اور جانو کہ تم شقی ہو یا سعید! یعنی اپنے نفس کا محاسبہ کرو۔ تو یہ ہر عنید کے فکر سے بہتر ہو ——— پس اگر انسان ہو تو اس اشکال کو حل کرو اور اگر تم متکلم ہو تو اس کلام کو جو متعلق بہ سعادت و شقادت ہے صرف کرو یعنی سعادت و شقادت کی تحقیق کرو۔ واللہ اعلم۔

اچھا مان لو! کہ تم نے جواہر و اعراض کی تعریف جان لی مگر اس کا نتیجہ کیا ہے ہم کو اپنی تعریف جاننی چاہیئے اور سمجھنا چاہیئے کہ میں کیا ہوں اور میری خلقت سے کیا غرض

ہے۔ کیونکہ یہ ضروری ہے اور اعیان و اعراض کے جاننے کی ضرورت نہیں اور جب
تمہیں اپنی حقیقت معلوم ہو جائے اور تم جان لو کہ تم حق سبحانہ، کے ذلیل بندے ہو۔
اور تمہاری تحقیق سے مقصود اطاعتِ حق سبحانہ، ہے تو تم اس حد یعنی اشیاءِ محدودہ
ناسوتہ سے بھاگو۔ اور انہیں چھوڑ دو۔ تاکہ تم حق سبحانہ، تک پہنچ جاؤ جو نامحدود ہیں
تمہاری عمر موضوع و محمول ہے جھگڑوں میں صرف ہوگئی۔ اور تم کو بصیرت و مشاہدہ
حق حاصل نہ ہو سکا۔ بلکہ تمہاری عمر صرف سُنی سُنائی باتوں میں ضائع ہوگئی۔

دیکھو! جس دلیل کا کوئی نتیجہ نہ ہو وہ باطل ہوتی ہے پس جبکہ ان دلائل کا جن
میں تم مصروف ہو کوئی نتیجہ نہیں تو اسے چھوڑ دو اور اپنے نتیجہ میں غور کرو کہ آخر تمہارا
انجام کیا ہوگا۔

تم نے اب تک صرف مصنوعات کو دیکھا ہے اور صانع کو نہیں دیکھا مگر اب تم کو
ایسا نہ کرنا چاہیئے اور صانع کو دیکھنا چاہیئے۔ نیز تم اب تک دلائل الوہیت پہ قناعت
کئے رہے ہو۔ مگر اب اسے چھوڑو اور مشاہدہ حاصل کرو۔ تم فلسفی نہ بنو۔ بلکہ برگزیدہ
حق بنو کیونکہ اول الذکر تو حق کو دلائل سے جانتا ہے اور دلیل واسطہ ہوتی ہے طالبؔ
مطلوب کے درمیان اسلیئے وہ جس قدر دلائل زیادہ کرتا ہے اتنے ہی وسائط بڑھاتا ہے
اور اتنے ہی دلائل اسکے بُعد عن الحق پہ قائم ہوتے ہیں مگر مؤخر الذکر ایسا نہیں کرتا۔
بلکہ وہ مشاہدہ اصطلاحی حاصل کرتا ہے اور وہ دلیل سے جو کہ حجاب اور پردہ ہے۔
بھاگتا ہے اور مراقبہ میں مشغول ہو کر جمال حق کا مشاہدہ کرتا ہے اور کہتا ہے کہ اگر فلسفی
اثر سے مؤثر کو جانتا ہے۔ ہم کو تو توسط آثار کی حاجت نہیں۔ ہم تو بدون اثر کے ہی
مؤثر کو جانتے ہیں اور یہ ہی ہم کو پسند ہے۔ اور بالخصوص یہ موثر (حق سبحانہ) جو کہ
اپنے قربِ محبت کے بہ نسبت آثار کے ہم سے زیادہ قریب ہے پھر اسکے جاننے کے
لیے ہم کو آثار کی کیا حاجت ہے۔ کیونکہ بڑی غلطی کی بات ہے کہ آدمی کھانے کو

چھوڑ کر تخیلات بے ہودہ کی بنا پر دھوئیں کی طرف جائیے۔ لہٰذا ہم آثار پر نظر نہیں کرتے اور مطلوب حقیقی کے مشاہدہ میں مصروف ہیں۔

دربیانِ قولِ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کہ لَا رَهْبَانِيَّةَ فِي الْإِسْلَامِ

آنحضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس قول کے بیان میں کہ اسلام میں رہبانیت نہیں ہے

برمکن پر را و دل برکن ازو
پروں کو نہ اکھاڑ، ان سے دل ہٹالے

زانکہ شرطِ ایں جہاد آمد عدو
کیونکہ اس جہاد کے لئے دشمن ضروری ہے

چوں عدو نبود جہاد آمد محال
جب دشمن نہیں ہے تو جہاد ناممکن ہے

شہوت ار نبود نباشد امتثال
اگر شہوت نہ ہو، تو حکم ماننا نہ ہوا

صبر نبود چوں نباشد مَیلِ تو
جب تیرا میلان نہیں ہے تو صبر نہ ہوگا

خصم چوں نبود چہ حاجت خیلِ تو
جب دشمن ہی نہیں ہے تیرے لشکر کی کیا ضرورت ہو؟

ہیں مکن خود را خصی رہبان مشو
خبردار! اپنے آپ کو خصی نہ کر، راہب نہ بن

زانکہ عفت ہست شہوت را گرو
کیونکہ عفت شہوت سے وابستہ ہے

بے ہوا نہی از ہوا ممکن نبود
بغیر نفسانی خواہش کے اس سے روکنا ممکن نہیں ہے

غازیی بر مردگاں نتواں نمود
اپنا مجاہد ہونا مُردوں پر نہیں دکھایا جاسکتا

اَنْفِقُوْا گفتست پس کسبے بکن
خرچ کرو، فرمایا ہے تو تو کمائی کر

زانکہ نبود خرج بے دخلِ کہن
کیونکہ پہلی آمدنی کے بغیر خرچ نہیں ہوسکتا ہے

گرچہ آورد اَنْفِقُوْا را مطلق او
اگرچہ اُنہوں نے صرف "خرچ کرو" فرمایا ہے

تو بخواں کہ اِکْسِبُوْا ثُمَّ اَنْفِقُوْا
تو پڑھ کہ کماؤ پھر خرچ کرو

ہمچناں چوں شاہ فرمود اِصْبِرُوْا
اسی طرح جب شاہ نے حکم دیا کہ "تم صبر کرو"

رغبتے باید کزاں تابی تو رُو
تو رغبت درکار ہے، تاکہ تو اس سے منہ موڑے

پس کُلُوْا از بہرِ دامِ شہوتست
تو "تم کماؤ"، شہوت کے جال کے لئے ہے

بعد ازاں لَا تُسْرِفُوْا آں عفت است
اس کے بعد "تم فضول خرچی نہ کرو" پاکدامنی کیلئے ہے

چونکہ محمولٌ بہٖ نبود لَدَیْہ
جبکہ خبر نہیں ہے، اُس کے پاس

نیست ممکن بود محمولٌ عَلَیْہ
مبتدا کا ہونا ناممکن ہے

چونکہ رنجِ صبر نبود مر ترا
جبکہ تجھے صبر کی تکلیف حاصل نہیں ہے

شرط نبود پس فرو ناید جزا
تو شرط نہ پائی گئی، لہٰذا جزاء موجود نہ ہوگی

لے درِ بیانِ معصیت کے اسباب اور قدرت کے ہوتے ہوئے اُس سے بچنا کمال ہے نہ کہ معصیت کی طاقت کو ختم کر کے معصیت سے بچنا اسی لئے آنحضورؐ نے فرمایا اسلام میں رہبانیت نہیں ہے۔ راہب معصیت کے اسباب اور اُس کی قدرت کو فنا کر ڈالتے تھے۔ برمکن پر کو نصیحت ہے کہ پر نہ اکھاڑ یعنی شہوت اور حبِ جاہ کے اسباب اور ذرائع کو ختم نہ کر کیونکہ یہ دشمن ہیں اور دشمن کے نہ ہوتے ہوئے جہاد کی فضیلت حاصل نہیں ہوسکتی ہے۔ شہوت۔ اگر انسان میں شہوت کا مادہ ہی نہیں ہے تو زنا نہ کرنے کے حکم کی فرمانبرداری کے کوئی معنی نہیں ہیں۔

لے صبر نبود۔ اگر انسان میں کسی چیز کی جانب میلان نہیں ہے تو اس سے صبر کرنے کے کوئی معنی نہیں ہیں۔ دشمن نہ ہو تو لشکر کی کوئی ضرورت ہی نہیں ہے۔ مشہور راہب اپنے فوطے نکلوا دیتے تھے تاکہ زنا نہ کرسکیں۔ غازیی۔ مرے ہوؤں کے ساتھ جہاد کوئی معنی نہیں رکھتا ہے۔ اَنْفِقُوْا۔ خرچ کرو اس حکم کی تعمیل جب ہی ہوسکتی ہے جبکہ انسان کمائے۔ گرچہ۔ اگرچہ قرآن میں صرف خرچ کرو آیا ہے لیکن اس کا مطلب یہی ہے کہ کماؤ اور خرچ کرو

لے ہمچناں۔ اسی طرح صبر کرو کے حکم کی تعمیل جب ہی ہو کہ رغبت موجود ہو۔ کُلُوْا۔ تم کھاؤ کا حکم شہوت کا جال ہے اور لَا تُسْرِفُوْا فضول خرچی نہ کرو عفت ہے۔ اب اگر کُلُوْا ممکن ہو تو لَا تُسْرِفُوْا کے کوئی معنی نہیں ہیں۔ چونکہ۔ جب خبر کا وجود ہی ہو تو مبتدا کا اس سے اتصال اور تعلق ناممکن ہے۔ رنج۔ صبر کرنے میں اگر کوئی کلفت ہی نہیں ہو تو اگلی

آں بجزائے دلنوازِ جانفزا وہ دل نواز، جانفزا جزاء	حبذا[1] آں شرط و شادا آں جزا وہ شرط اور جزا کیا ہی خوب ہے	[1] حبذا۔ مبری ٹھیک ہو تو اس کا بدلہ بھی ہوگا تو دونوں قابل مبارکباد ہیں۔

شرح اوپر ہم نے چہرہ کو نہ نوچنے کی تفصیل کی تھی اب ہم پَر نہ اکھیڑنے کی شرح کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تم اپنے پر نہ اکھیڑو اور قوی شہوانیہ کو تلف مت کرو۔ کیونکہ جس طرح جہاد کی شرط وجود کفار ہے اور جبکہ دشمن ہی نہ ہو تو جہاد محال ہے یوں ہی امتثال احکام الٰہیہ "اصبروا" وغیرہ ہی بدوں خواہش کے ناممکن ہے کیونکہ اگر تمہیں رغبت معاصی نہ ہو تو صبر از معاصی ناممکن ہے اور جب صبر از معاصی ناممکن ہے تو امر "اصبروا" بھی فضول ہے کیونکہ جب مزاحم ہی نہیں تو مدافعت کیونکر ہو سکتی ہے اور جب دشمن ہی نہیں تو فوج کی کیا ضرورت ہے پس تم اپنے کو خصی مت کرو۔ کیونکہ عفت و پارسائی موقوف ہے وجود شہوت پر۔ کیونکہ جب خواہش نفسانی ہی نہیں تو اس سے ممانعت بھی نہیں ہو سکتی اور جب ممانعت نہیں ہو سکتی تو امتثال جو کہ عفت ہے وہ بھی ممکن نہ ہوگا کیونکہ معدومات کی مزاحمت نہیں ہو سکتی اور مردوں پر جہاد نہیں ہو سکتا۔ اسلئے ضرورت ہے وجود شہوت کی اور وہ یہی ایک درجہ میں مطلوب شرعی ہے۔ جو کہ باقتضائے امر اصبروا وغیرہ ثابت ہے۔

مثلاً حق سبحانہٗ نے فرمایا ہے "انفقوا" تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اوّل کسب کرو کیونکہ کسب آمدنی ہے اور انفاق خرچ اور خرچ بدوں آمدنی سابق کے ناممکن ہے پس گو امر انفقوا مقید بقید اکسبوا نہیں۔ لیکن تم کو یہ قید مدنظر رکھنی چاہیئے اور اسکے معنی اکسبوا ثم انفقوا سمجھنے چاہئیں۔ بس یہی حالت اصبروا کی ہے اور اسکے لیے ضرورت ہے رغبت کی جس سے تم اعراض کرو۔ اور جس کو تم ترک کرو۔ یہی وجہ ہے کہ حق سبحانہٗ نے کلوا واشربوا ولا تسرفوا فرمایا ہے کیونکہ کلوا واشربوا سے

مقصود تو یہ ہے کہ شہوت پیدا ہو اور لاتسرفوا سے مقصود یہ ہے کہ عفت حاصل کرو اسلئے کہ شہوت سبب تکلیف بالعفت ہے پس جبکہ وہ شئی ہی نہ ہوگی۔ جسکی سبب سے آدمی کو مکلف بنایا گیا ہے تو آدمی کا مکلف ہونا ناممکن ہوگا۔ اور جبکہ مشقت صبر نہ ہوگی۔ تو گویا کہ شرط مفقود ہوگی اور جبکہ شرط مفقود ہوگی تو جزا ہی مرتب نہیں ہوسکتی اور فلاح جو کہ مرتب ہے صبر پر کما قال اللہ تعالےٰ ـــــ واصبروا وصابروا ورابطوا واتقوا اللہ لعلکم تفلحون " حاصل نہیں ہوسکتی۔ اسلئے سمجھنا چاہیئے کہ یہ شرط بھی اچھی ہے اور جزا بھی عمدہ ہے یعنی وہ جزا جو کہ دل نواز اور جانفزا ہے یعنی فلاح ورستگاری۔ پس اسے ضائع نہ کرنا چاہیئے۔

دربیان آنکہ ثواب عملِ عاشق از حق ہم حقیقت وے بس جل جلالہٗ

اس کا بیان کہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے عاشق کے عمل کا ثواب صرف اللہ جل جلالہٗ ہے

عاشقاں را شادمانی وغم اوست ۔۔۔ دستِ مزد و اُجرتِ خدمت ہم اوست

عاشقوں کی خوشی اور غم وہی ہے ۔۔۔ مزدوری اور خدمت کی اُجرت وہی ہے

غیرِ معشوق ار تماشائی بود ۔۔۔ عشق نبود ہرزہ سودائی بود

وہ اگر معشوق کے غیر کا تماشائی ہے ۔۔۔ عشق نہیں ہے وہ بیہودہ اور دیوانہ ہے

عشق آں شعلہ است کو چوں بر فروخت ۔۔۔ ہر چہ جز معشوق باقی جملہ سوخت

عشق وہ شعلہ ہے جب وہ روشن ہوگیا ۔۔۔ جو کچھ معشوق کے علاوہ ہے سب جل گیا

تیغِ لا در قتلِ غیرِ حق براند ۔۔۔ درنگر زاں پس کہ بعدِ لا چہ ماند

اُس نے "لا" کی تلوار اللہ کے سوا پر چلادی ۔۔۔ غور کرلے "لا" کے بعد کیا رہ گیا؟

ماند اِلّا اللہ باقی جملہ رفت ۔۔۔ شاد باش اے عشقِ شرکت سوز زفت

"اِلّا اللہ" رہ گیا باقی سب فنا ہوگیا۔ ۔۔۔ اے عشق شرکت کو جلانیوالے زبردست! تو خوش رہ

خود ہم او بود اولین و آخریں ۔۔۔ شرک جز از دیدۂ احول مبیں

صرف وہی اولین اور آخرین ہوگا ۔۔۔ تو بھینگی آنکھ کے سوائے شرک کو نہ دیکھ

دربیان۔ چونکہ پہلے معشوق میں جزا کا بیان تھا اب بتاتے ہیں کہ خدا کے عاشق کا بدلہ کیا ہے اور فرماتے ہیں کہ عاشق کے عمل کا بدلہ ذات خداوندی ہے۔ عاشقاں۔ عاشقوں کا رنج اور خوشی مزدوری اور اُس کی اجرت صرف ذاتِ خدا ہے۔ غیر معشوق۔ اگر وہ معشوق کی ذات کے علاوہ کسی چیز کا طالب ہے تو پھر اُس کا عشق عشق نہیں ہے بلکہ وہ دیوانہ ہے۔ عشق۔ جب عشق الٰہی نمودار ہوتا ہے تو ماسوی اللہ اُس کی آگ سے جل جاتا ہے۔ تیغ لا۔ کلمہ میں "لا" کہنے کے معنی یہ ہیں کہ اُس نے غیر کی نفی کردی ہے۔ الا اللہ۔ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اب اُس کے لئے سب کچھ صرف ذات خداوندی ہے۔ احول۔ غیر کو بالکل بلا فانا ہے۔ حکایت۔ بھینگے آنکھ ایک حکایت ہے بھینگے کو ایک کے دو نظر آتے ہیں۔

اے عجب حسنے بود جز عکس آں
تعجب ہے، کوئی حسن اس کے عکس کے سوا ہو

نیست تن را جنبشے از غیرِ جاں
جان کے غیر سے جسم میں حرکت نہیں ہوتی ہے

آں تنے را کہ بود در جاں خلل
جس جسم کی روح میں نقصان ہو

خوش نباشد گر بگیری در عسل
وہ اچھا نہ ہوگا، خواہ تو اس کو شہد میں ڈال دے

ایں کسے داند کہ روزے زندہ بود
یہ وہ شخص سمجھ سکتا ہے جو کسی دن زندہ رہا ہو

از کفِ ایں جانِ جاں جامے ربود
اس جانِ جاناں کے ہاتھ سے اس نے جام حاصل کیا ہو

وانکہ چشمِ او ندیدست آں رخاں
جس کی آنکھ نے وہ رخسار نہیں دیکھے

پیشِ او جانست ایں تفِ دخاں
اس کے نزدیک یہ دھوئیں کی سوزش جان ہے

چوں ندید او عمر عبد العزیزؒ
جس نے (حضرت) عمر بن عبد العزیزؒ کو نہ دیکھا ہو

پیشِ او عادل بود حجاج نیز
اس کے نزدیک حجاج ابن یوسف بھی عادل ہوگا

چوں ندید او مارِ موسیٰ را ثبات
جب اس نے (حضرت) موسیٰ کے سانپ کا ثبات نہیں دیکھا

در حبال السحر پندارد حیات
وہ جادو کی رسیوں میں زندگی سمجھے گا

مرغ کو ناخوردہ است آب زلال
جس پرندے نے نتھرا پانی نہ پیا ہو

اندر آب شور دارد پر و بال
وہ کھاری پانی میں اپنے بال و پر (تر) رکھتا ہے

جز بضد ضد را ہمی نتواں شناخت
ضد کو ضد کے سوا کسی ذریعہ سے شناخت نہیں کیا جا سکتا

چوں نہ بیند زخم نشناسد نواخت
جب ظلم کو نہیں دیکھا ہو نوازش کو نہیں پہچان سکتا

لاجرم دنیا مقدم آمدہ است
لامحالہ دنیا پہلے آئی ہے

تا بدانی قدرِ اقلیمِ الست
تاکہ تو الست کے جہان کی قدر جان لے

چوں ازینجا وارہی آنجا روی
جب تو اس جگہ سے نجات پا جائیگا وہاں چلا جائیگا

در شکر خانہ ابد شاکر شوی
تو ہمیشگی کے شکر خانہ میں شکر گذار ہوگا

گوئی آنجا خاک را می بیختم
تو کہے گا وہاں میں نے خاک چھانی

زیں جہانِ پاک می بگریختم
میں اس پاک عالم سے بھاگتا تھا

گشتہ بودم قانع از گنجے بمار
میں نے خزانہ کے بدلے سانپ پر بس کی

شادماں بودم ز گلزار بخار
میں چمن کی بجائے کانٹوں پر خوش تھا

اے دریغا پیش ازیں بودے اجل
ہائے افسوس! اس سے پہلے موت آجاتی

تا غذایم کم بدے اندر وحل
تاکہ میری خوراک کیچڑ کی نہ ہوتی

اے تعجب۔ جہاں کہیں بھی حسن کی جھلک ہے وہ اسی خدا کا پرتو ہے، جسم میں روح کی وجہ سے حرکت ہوتی ہے۔ اس شعر سے جو مطلب بنتا ہے اس کی اصلاح ناممکن ہے۔ اس لئے۔ ہر چیز کے حسن کو عکسِ خداوندی وہی کہے گا جس کی روحِ انسانی زندہ ہوگی۔

عمر۔ ابن عبد العزیزؒ اموی خلیفہ تھے۔ جن کا طلطلہ راشدہ میں شمار ہے، یعنی روحِ انسانی۔ حجاج ابن یوسف ثقفی عبد الملک ابن مروان عراق کا گورنر تھا جس کا ظلم و ستم مشہور ہے جس نے ہزار بے مقصد انسانوں کو قتل کیا۔

یعنی روحِ حیوانی۔ جوتی۔ اگر کسی نے اصل کو نہ دیکھا ہوگا وہ نقل سے دھوکا کھا جائے گا۔

ضرب۔ جو شخص حقیقت سے ناواقف ہوتا ہے وہ مجاز کو حقیقت سمجھ لیتا ہے جو مشہور مقولہ ہے تُعرَفُ الاشیاءُ بِاَضدادِھا چیزیں اپنی ضدوں سے پہچانی جاتی ہیں۔ لاجرم۔ دنیا کو بھگت کر آخرت کی قدر معلوم ہوگی۔ اقلیمِ الست۔ عالم آخرت۔ جوتی۔ انسان جب دنیا کی زندگی ختم کر کے عالمِ آخرت میں پہنچے گا تو بہت شکر گذار ہوگا۔ گوئی۔ پھر کہے گا کہ دنیا آخرت کے مقابلہ میں خاک اور مٹی تھی دنیا خارستان تھا اور آخرت گلستان ہے۔

دربیانِ حدیث مَامَاتَ مَنْ یَمُوْتُ اِلَّا وَتَمَنّٰی اَنْ یَمُوْتَ قَبْلَ

(اِس) حدیث کا بیان کہ ہر مرنے والا یہ ضرور تمنا کرے گا کہ وہ پہلے

مَامَاتَ اِنْ کَانَ بَرًّا لِیَکُوْنَ اِلٰی وُصُوْلِ الْبِرِّ اَعْجَلَ وَاِنْ کَانَ

مرجاتا اگر وہ نیک ہے تو اِس لئے کہ جلد بھلائی تک پہنچ جاتا اور اگر بد ہے

فَاجِرًا لِیَقِلَّ فُجُوْرُہٗ

تو اِس لئے کہ اُس کی بدکاری کم ہوتی

زیں بفرمودست آں آگہ رسولؐ — کہ ہر آنکہ مُرد و کرد از تن نزول
اِسی لئے باخبر رسولؐ نے فرمایا ہے — کہ جو شخص مرا اور جسم سے جُدا ہوا

نبوُد او را حسرتِ نقلان و موت — لیک باشد حسرتِ تقصیر فوت
اُس کو منتقل ہونے اور مرنے پر افسوس نہ ہوگا — لیکن کوتاہی اور فوت ہونے کی حسرت ہوگی

ہر کہ میرد خود تمنا باشدش — کہ بُدے زیں پیش نقلِ مقصدش
جو شخص مرتا ہے خود اُس کو تمنا ہوتی ہے — کہ اُس کا مقصود کی طرف منتقل ہوجانا اِس سے پہلے ہوجاتا

گر بُدے بد تا بدی کمتر بُدے — ور تقی تا خانہ زُود تر آمدے
اگر وہ بد تھا تو اِس لئے کہ بدی کم ہوتی — اور متقی تھا تو گھر جلدی آجاتا

گوید آں بد بیخبر می بودہ ام — دمبدم من پردہ می افزودہ ام
وہ بد کہے گا، میں بے خبر تھا — میں نے ہر وقت حجاب بڑھایا

گر ازیں زُود تر مرا معبر بُدے — ایں حجاب و پردہ ام کمتر بُدے
اگر اِس سے پہلے ہی میرے لئے راستہ ہوتا — میرا یہ حجاب اور پردہ بہت کم ہوتا

از حریصی[۵۲] کم دراں رُوئے قنوع — وز تکبر کم دراں چہرہ خشوع
حرص کی وجہ سے قناعت کے چہرے کو زخمی نہ بنا — اور تکبر سے عاجزی کے چہرے کو زخمی نہ کر

ہمچنیں از بخل کم در رُوئے جود — وز بلیسی چہرہ خوبِ سجود
اِسی طرح بخل کے ذریعہ سخاوت کا چہرہ زخمی نہ کر — اور شیطنت سے سجدہ کے حسین چہرے کو

بر مکن آں پرِ خلد آرائے را — بر مکن آں پرِ رہ پیمائے را
جنت کو آراستہ کرنے والے پر نہ اُکھاڑ — راستہ طے کرنے والے پر نہ اُکھاڑ

[۵۳] ابے دریغا۔ دنیا میں جس قدر وقت گزرا اُس پر افسوس کرے گا۔ درِ بیان۔ مرنے کے بعد ہر نیک و بد جلد مرجانے کی خواہش کا اظہار کرے گا اگر نیک ہوگا تو کہیگا کاش میں جلد اس بھلائی تک پہنچ جاتا اگر بد ہے تو کہیگا کہ کاش

[۵۱] ہر کہ۔ موت کے بعد ہر مُردے کی خواہش ہوگی کہ کاش وہ پہلے مرجاتا اگر نیک ہے تو اِس لئے یہ خواہش ہوگی کہ اب سے پہلے ہی جنت میں پہنچ جاتا اگر بد ہے تو اِس لئے کہ یہ سوچے گا اگر جلد مرجاتا تو بُرائیاں کم کرتا۔ دمبدم۔ بُرا انسان کہے گا کہ میں جس قدر زندہ رہا اُسی قدر گمراہی کے پردے زیادہ بڑھتے گئے۔ گر۔ اگر اِس سے پہلے مرجاتا تو یہ پردے کم ہوتے۔

[۵۲] از حریصی۔ یہ بھی حکیم کا مقولہ ہے جو اُس نے پر نوچنے پر مور سے کہا۔ قنوع۔ قناعت خشوع۔ عاجزی۔ دراں۔ دریدن یعنی پھاڑنا سے بنا ہے۔ ہمچنیں۔ مور کی تمثیل کے سلسلہ میں مولانا نے انسانی اُن صفات کو ذکر کیا ہے جو قدرت نے اُس میں ودیعت رکھی ہیں اور انسان اپنی بداعمالی سے اُن کو برباد کرتا ہے۔ خلد آرای۔ جنت کو آراستہ کرنیوالا۔

شرح اوپر مولانا نے جزائے عام کا ذکر فرمایا تھا۔ اب جزائے خاص کی شرح فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ فلاح تو جزائے عام تھی

اب جزاءِ خاص سُنو: عاشقوں کی خوشی اوران کا غم جو کچھ ہے وہی ہے اوران کی..
مزدوری اوران کی خدمت کا معاوضہ بھی وہی ہے کیونکہ عشاق اپنے مطلوب کے سوا کسی
اور چیز پر بھی نظر کریں تو وہ عشق نہ ہوگا بلکہ بوالہوسی ہوگی اسلئے کہ عشق کی شان
تو یہ ہے کہ جب اس کا شعلہ اُٹھتا ہے تو معشوق کے سوا سب کو بھسم کردیتا ہے
اور حق سبحانہٗ کے سوا سب پر نفی کی تلوار چلا دیتا ہے۔ پس جبکہ اس نے
خدا کے سوا سب کی نفی کردی۔ تو اب دیکھ لو۔ کیا رہ گیا کچھ بھی نہیں سب فنا ہوگئے
اور صرف حق سبحانہٗ باقی رہ گئے۔
جب یہ حالت ہے تو اس کے سوا عشاق کو اور کوئی شے کیونکر مطلوب ہوسکتی ہے
اب مولانا فرماتے ہیں کہ اے عشق شرکت سوز! خوش رہ تیرا کیا کہنا ہے۔ کہ تو نے
ذرا سی دیر میں وہ کام کردیا جو کسی شے سے عمر بھر نہ ہوسکتا تھا اور تو نے عاشق کو کامل
موحّد بنا دیا ــــ یہاں تک تو فنا بالنظر الی العاشق کا بیان تھا۔ اب فرماتے ہیں کہ
واقع میں بھی یہ ہوا ہے کہ وہی اول ہے اور وہی آخر۔ یعنی ازلی وابدی وہی ہے
اور کوئی نہیں اور جو ازلی وابدی ہے موجود کہلانے کا وہی مستحق ہے اور ممکنات
جو کہ محاط اور ممکن ہیں اور اپنے وجود کی حالت میں بھی کوئی مستقل وجود نہیں
رکھتیں بلکہ اسی کے پرتو سے موجود ہیں وہ حقیقتاً موجود کہلانے کی مستحق نہیں ہیں
کیونکہ یہ وجود جو ان کو حاصل ہے حق سبحانہٗ کے وجود کے مغائر نہیں ہے بلکہ اسی
کے وجود کی طرف منتسب اور اسی سے مکسوب ہے ــــ جس طرح کہ نورِ قمر نورِ شمس
سے مستفاد ہے۔ اسلئے موجود صرف حق سبحانہٗ ہے اور جو کوئی حق سبحانہٗ کے
سوا ہی کسی کو موجود مانے بایں معنی کہ ان کے وجود کو مستقل جانے یا اس کے
ساتھ ایسا معاملہ کرے جو موجود مستقل کے ساتھ ہونا چاہیئے وہ کج بین ہے بھلا
کہیں اس عکس حسین کے سوا ہی کوئی اور کون حسین ہوسکتا ہے اور جسم وجان کے

سوا کسی اور شئے کو بھی حرکت ہو سکتی ہے ہرگز نہیں - پس حق سبحانہٗ کے وجود کے سوا کوئی اور وجود ثابت کرنا سخت غلطی ہے - عشاق کی جو حالت ہم نے بیان کی ہے تمہاری سمجھ میں نہ آئے گی اسلئے کہ تم عاشق نہیں -

مثلاً جسکی مزاج میں اعتدال سے انحراف ہو اور اس کا مزاج فاسد ہو گیا ہو اسکو اگر تم شہد میں ڈبو دو تو اُسے مزہ نہیں آ سکتا تو اسکی وجہ یہ نہیں ہے کہ شہد میں مزہ نہیں ہرگز نہیں - بلکہ اس کا سبب وہی انحراف عن الاعتدال اور فساد مزاج ہے بس اس مضمون کو وہی سمجھ سکتا ہے جو کبھی بحیاتِ معنوی زندہ رہ چکا ہو - اور حق سبحانہٗ کے الطاف وعنایات دیکھ چکا ہو - اور جسنے حیات معنوی کی صورت ہی نہیں دیکھی وہ نہیں سمجھ سکتا کہ حق سبحانہٗ جانِ جان ہیں ان کا مل جانا ہر دولت کا مِل جانا ہے بلکہ وہ تو نفسِ دُخاں یعنی روح حیوانی ہی کو جان سمجھتا ہے اور اسی کے ارادے کے مطلوبات اکل و شرب راحت وآرام کی قدر کرتا ہے یہ بے چارہ بھی ایک درجہ میں معذور ہے کیونکہ اسنے ان کو دیکھا ہی نہیں اسنے تو یہی حالت دیکھی ہے مثلاً جسنے عمر بن عبدالعزیز کو نہ دیکھا ہو وہ حجاج ہی کو عادل سمجھے گا - اور جسنے اژدھائے موسیٰ کا استقلال نہیں دیکھا وہ جادو کی رسیوں ہی میں حیات جانے گا اور جس جانور نے شیریں پانی کبھی دیکھا ہی نہیں وہ آبِ شور ہی میں گرم پڑا رہے گا کیونکہ قاعدہ ہے کہ ایک ضد سے دوسری ضد معلوم ہوتی ہے - اور اُس نے دوسری ضد دیکھی ہی نہیں تو اسے اس ضد کی حالت کیونکر معلوم ہو سکتی ہے مثلاً جب کسی کو تکلیف ہی کسی سے نہیں پہنچی اسکو اعزاز واکرام کی حالت کیا معلوم ہو سکتی ہے -

بنا بریں دنیا کو عالمِ آخرت پر مقدم کیا گیا ہے تاکہ ہم کو عالمِ آخرت کی قدر معلوم ہو - اور جبکہ تم اس دار المحن سے چھوٹ کر عالمِ آخرت میں جاؤ - تو شکر خانہ

ابدی میں پہنچکر حق سبحانہ کا شکر ادا کرو - اور کہو میں وہاں خاک چھانتا تھا اور
اس جہاں پاک سے بھاگتا تھا اور میں سانپ کو لے کر خزانہ سے بے رغبت ہو گیا تھا - اور
کانٹے کو لے کر اور گلزار کو چھوڑ کر خوش تھا -

ہائے افسوس! مجھے اس سے پہلے موت کیوں نہ آ گئی - تاکہ میں اس کیچڑ میں سے
غذا کم کھاتا ـــــ اب مولانا فرماتے ہیں کہ یہ ہی وجہ ہے کہ جناب رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص مرتا اور جسم سے چھوٹتا ہے اسکو انتقال
اور موت کی حسرت نہیں ہوتی - بلکہ موت کی تقصیر اور اس کے اتنے عرصہ تک
فوت ہونے کی حسرت ہوتی ہے اور جو شخص مرتا ہے اسکی یہی خواہش ہوتی
ہے کہ اس سے پہلے اس کا مقصود کی طرف انتقال ہو جاتا - کیونکہ اگر وہ بد ہے ...
تو اسکی یہ خواہش اسلئے ہوتی ہے کہ بدی کم کرتا اگر وہ نیک ہے تو اسکی یہ تمنا
اسلئے ہوتی ہے کہ جلد اپنے گھر واپس آتا - اور برا آدمی کہتا ہے کہ میں متحیر
تھا اور دمبدم مجھ پر پردہ پڑ رہا تھا - پس اگر جلدی میرا اس دنیا سے گذر ہو جاتا
تو یہ حجاب اور پردہ کم ہوتے اور مجھے حق سبحانہ سے اتنا بعد نہ ہوتا جب مجھے پہلے
.... اور مرے ہوئے لوگوں کی حالت معلوم ہو گئی ... تو ہم کہتے ہیں کہ تو
بہرا نہ بن اور حرص نہ کر - اور حرص کر کے قناعت کے منہ کو نہ نوچ - اور تکبر نہ کر -
اور تکبر کر کے چہرۂ خشوع کو زخمی نہ کر ـــــ علیٰ ہذا بخل نہ کر اور بخل کر کے
جود و سخا کے منہ کو نہ نوچ اور ابلیس پن نہ کر - اور ابلیس پن کر کے سجدہ کے منہ کو نہ
نہ نوچ - اور اپنے خلد آزار اور راہ ہمسایوں کو نہ اکھیڑ یعنی قوای شہوانیہ کو فنا
نہ کر ـــــ خلاصہ یہ ہے کہ تو برائیاں نہ کر - اور برائیاں کر کے ان کی اضداد بھلائیوں
کو نقصان نہ پہنچا - مگر برائیوں کی قوت نہ کھو - کیونکہ جو آثار بھلائیوں پر برائیوں
کی قوت کے موجود ہونے کی صورت میں مرتب ہوں گے وہ اس صورت میں

چوں شنید[۵۴] ایں پند روئے بنگریست — بعد ازاں در نوحہ آمد می گریست
جب اُس نے نصیحت سُنی اور (ناصح کا) چہرہ دیکھا — اُسکے بعد نوحہ شروع کر دیا، رو پڑا

نوحہ و گریہ دراز و دردمند — ہر کہ آنجا بُود در گریہ اش فگند
نوحہ اور گریہ دراز اور دردمند تھا — وہاں جو بھی تھا اُس کو رُلا دیا

وآنکہ می پرسید پر کندن ز چیست — بیجواب شد پشیماں می گریست
اور جس نے پوچھا تھا کہ پَر کیوں نوچتا ہے؟ — بغیر جواب (سُنے) شرمندہ ہوگیا، رونے لگا

کز فضولی من چرا پرسیدمش — او ز غم پُر بود شورانیدمش
کہ بیہودہ پن سے میں نے اُس سے کیوں پوچھا! — وہ غم سے بھرا ہوا تھا میں نے اُسکو جوش دلا دیا

می چکید از چشمِ تر بر خاک آب — اندراں ہر قطرہ مُدرَج صد جواب
تر آنکھوں سے زمین پر آنسو ٹپک رہے تھے — ہر قطرے میں سینکڑوں جواب درج تھے

می چکید از چشمِ اُو گریہ بخاک — خاکِ گِل می شد ز اشکِ سہمناک
اُس کی آنکھ سے مٹی پر آنسو ٹپک رہے تھے — خوفناک آنسوؤں سے مٹی کیچڑ بن گئی

گریۂ[۵۵] با صدق بر جانہا زند — تا کہ چرخ و عرش را گریاں کند
سچائی کے ساتھ رونا روحوں کو متاثر کرتا ہے — حتیٰ کہ آسمان اور عرش کو رُلا دیتا ہے

گریۂ بے صدق بے سوزش بود — دیوِ دوں بر گریہ اش خنداں شود
بناوٹی رونا بغیر سوزش کا ہوتا ہے — کمینہ شیطان اُس کے رونے پر ہنستا ہے

گریۂ بے صدق باشد بیفروغ — آں ندارد چربیِ مانندِ دوغ
بناوٹی رونا بے فروغ ہوتا ہے — اُس میں چھاچھ کی طرح مکھن نہیں ہوتا ہے

عقل و دلہا بے گمانے عرشیند — در حجاب از نورِ عرشی می زیند
عقل اور دل بلاشبہ عرشی ہیں — دَر پردہ عرشی نور کے ذریعہ جیتے ہیں

در بیان آنکہ عقل و روح در آب و گِل جسد محبوس اند ہمچوں ہاروت و ماروت در چاہِ بابل

اِس کا بیان کہ عقل اور روح جسم کی مٹی، پانی میں اِس طرح قیدی ہیں جس طرح کہ ہاروت اور ماروت بابل کے کنوئیں میں

ہمچو[۵۶] ہاروت و چو ماروت آں دو پاک — بستہ اند ایں جا بچاہِ سہمناک
وہ دونوں پاک، ہاروت اور ماروت کی طرح — اِس جگہ خوفناک کنوئیں میں بند ہیں

عالمِ سفلی و شہوانی در اند — اندریں چہ گشتہ اند از جرم بند
وہ عالمِ سفلی اور شہوانی میں ہیں — جُرم کی وجہ سے اِس کنوئیں میں بند ہو گئے ہیں

---

۵۴ شنید۔ اُس مور نے سنا۔ رُوی۔ یعنی ناصح کا چہرہ۔ نوحہ۔ اس کے رونے نے دوسروں کو رُلا دیا۔ وآنکہ۔ وہ ناصح حکیم بھی رو پڑا۔ کز فضولی۔ اس سوال پر کہ پَر کیوں اُکھاڑتا ہے وہ سوال کرنیوالا شرمندہ ہوگیا۔ ہر قطرہ۔ آنسو کے ہر قطرے میں اس سوال کا جواب تھا۔ مُدرج۔ داخل۔

۵۵ گریہ۔ مولانا فرماتے ہیں جو سچائی کا رونا ہے اُس کی تاثیر محض دنیا تک نہیں بلکہ عرش تک پہنچتی ہے۔ گریۂ بے صدق۔ بناوٹی رونے پر شیطان مذاق اُڑاتا ہے۔ عقل و دلہائے۔ اَلْقَلْبُ عَرْشُ الرَّحْمٰنِ "دل خدا کا عرش ہے" تو چونکہ سچے رونے سے عرش متاثر ہوتا ہے لہٰذا عقل و دل جو عرشی ہیں وہ بھی متاثر ہوتے ہیں۔

۵۶ ہمچو۔ جس طرح ہاروت و ماروت کا تعلق عالمِ بالا سے تھا لیکن چاہِ بابل میں قیدی ہیں اسی طرح عقل اور روح بھی عالمِ بالا کی چیز ہوتے ہوئے انسانی بدن کے کنوئیں میں قیدی ہیں۔ عالمِ سفلی۔ ان دونوں نے چونکہ عالمِ سفلی اور شہوانی سے تعلق پیدا کیا لہٰذا جسم کے کنوئیں میں بند کر دیئے گئے ہیں۔ سحر و ضدِ سحر۔ اب نیک لوگ اُن سے اچھی تعلیمات حاصل کرتے ہیں اور بُرے لوگ بُری تعلیمات حاصل کرتے ہیں۔ بے اختیار یعنی شوق سے مجبور ہو کر۔

سحر و ضدِ سحر را بے اختیار
جادو اور اُس کا توڑ بغیر اختیار کے

زیں دو آموزند نیکان و شرار
نیک اور بد اِن دونوں سے سیکھتے ہیں

لیک اوّل پند بدہندش کہ ہیں
لیکن وہ شروع میں نصیحت کر دیتے ہیں کہ خبردار!

سحر را از ما میاموز و مچیں
جادو ہم سے نہ سیکھو، نہ حاصل کر

ما بیاموزیم[۱] ایں سحر اے فلاں
اے فلاں! ہم یہ جادو سکھاتے ہیں

از برائے ابتلا و امتحاں
ابتلاء اور آزمائش کے لئے

کامتحاں را شرط باشد اختیار
آزمائش کے لئے اختیار شرط ہے

اختیارے نبودت بے اقتدار
بغیر قدرت کے تیرے لئے اختیار نہ ہوگا

میلہا ہمچوں سگانِ خفتہ اند
خواہشات، سوئے ہوئے کتوں کی طرح ہیں

اندر ایشاں خیر و شر بنہفتہ اند
اُنکے اندر خیر اور شر پوشیدہ ہیں

چونکہ[۱] قدرت نیست خفتند ایں رَدہ
چونکہ (ان میں) قدرت نہیں ہے یہ گروہ سویا ہوا ہے

ہمچو ہیزم پارہا و تن زدہ
لکڑی کے ٹکڑوں کی طرح اور چپ ہے

تا کہ مُردارے دَر آید درمیاں
یہاں تک کہ کوئی مُردار بیچ میں آجاتا ہے

نفخِ صورِ حرص کوبد بر سگاں
حرص کے صور کی آواز کُتوں کو جھنجھوڑ دیتی ہے

چوں دراں کوچہ خرے مُردار شد
جب اُس گلی میں کوئی گدھا مر جاتا ہے

صد سگِ خفتہ بداں بیدار شد
اُس سے سینکڑوں سوئے ہوئے کتے جاگ جاتے ہیں

حرصہائے رفتہ اندر کتمِ غیب
غیب کے پردے میں گئی ہوئی حرصیں

تاختن آورد سر بر زد ز جیب
حملہ آور ہو گئیں، گریبان سے سر نکالا

مو بمو[۲] ئے ہر سگے دنداں شدہ
ہر کتے کا رونگٹا رونگٹا دانت بن گیا

وز برائے حیلہ دُم جُنباں شدہ
اور تدبیر کے لئے دُم ہلانے لگا

نیم زیرش حیلہ و بالا غضب
اُس کا آدھا نچلا حصہ حیلہ اور اوپر کا غصہ ہے

چوں ضعیف آتش کہ اُو یابد حطب
جس طرح کمزور آگ جو ایندھن پالے

شعلہ شعلہ میرسد از لامکاں
لامکاں سے شعلے ہی شعلے آجاتے ہیں

میرود دُود و لہب تا آسماں
دھواں اور لپٹ آسمان تک جاتی ہے

صد چنیں سگ اندریں تن خفتہ اند
ایسے سینکڑوں کتے اس جسم میں سوئے ہوئے ہیں

چوں شکارے نیست شاں بنہفتہ اند
چونکہ کوئی شکار نہیں ہے، وہ چھپے ہوئے ہیں

یا چو بازاں دیدہ دوختہ
یا آنکھیں سِلے ہوئے بازوں کی طرح ہیں

در حجاب از عشق صیدے سوختہ
شکار کے عشق میں زیرِ پردہ جلے ہوئے ہیں

تا کُلہ برداری و بیند شکار
یہاں تک کہ تو ٹوپی ہٹادے اور وہ شکار دیکھ لے

آنگہاں سازد طواف کوہسار
اُس وقت پہاڑ کے چکر کاٹتا ہے

سوئے ہوئے کتوں کی طرح ہیں

[۱] ما بیاموزیم۔ عقل سمجھاتی ہے کہ ہمارے سحر سکھانے میں ایک امتحان اور آزمائش ہے کہ سیکھنے والا اُسکو غلط استعمال کرتا ہے یا صحیح۔ امتحان۔ اس جادو کا سیکھنا و سکھنا سیکھنے والا کا اختیاری فعل ہے اسی لئے اُسکو دونوں باتوں پر قدرت ہے۔ میلہا۔ انسان کے اندر کی خواہشیں

[۱] چونکہ۔ انسان کا یہ سمجھنا کہ اُسمیں بُرائی کی طاقت نہیں ہے بہت بڑی غلطی ہے چونکہ برائی کا موقع حاصل نہیں اس لئے وہ قوت سوئی ہوئی ہے جب موقع ہوگا وہ فوراً بیدار ہو جائیگی۔ چوں دراں۔ انسانی خواہشوں کا حال سوئے ہوئے کتوں کی طرح ہے اُن کے سامنے جب کوئی مُردار آجاتا ہے پھر اُن کا حال دیکھو۔

[۲] مو بموی۔ اب کتے کا رونگٹا رونگٹا دانت بن جاتا ہے اور وہ حیلہ اور غصہ سے پُر ہو جاتا ہے۔ چوں ضعیف۔ آگ کو اگر ایندھن نہ ملے تو کس قدر پُرسکون ہوتی ہے اور ایندھن ملتے ہی کس قدر شعلہ زن بن جاتی ہے۔ صد چنیں۔ انسان کے اندر بُری صفتیں ان کتوں کی طرح سوئی ہوئی ہیں جب موقع ملتا ہے تو وہ پھر اپنی تیزی دکھاتی ہیں۔ یا چو۔ ان بُری صفتوں کی مثال کتوں سے دے لو یا اُس باز سے جس کی آنکھیں سلی ہوئی ہیں لیکن شکار کے عشق میں وہ دل سوختہ ہے۔ تا کلہ۔ شکار کے وقت باز کے سر پر سے ٹوپی ہٹادی جاتی

شہوتِ رنجور ساکن می بُوَد ۔۔۔ خاطرِ اُو سُوئے صحت میرود
بیمار کی خواہش جب تک سکون میں ہوتی ہے ۔۔۔ اُس کا مزاج صحت کی طرف چلتا ہے

چوں بہ بیند نان و سیب و خربزہ ۔۔۔ در مَصاف آید مزہ و خوفِ بزہ
جب وہ روٹی اور سیب اور خربوزہ دیکھتا ہے ۔۔۔ مزا اور بد پرہیزی کا خوف جنگ میں مبتلا ہو جاتے ہیں

گر بُوَد صبار دیدن سُود اُوست ۔۔۔ آں تہیج طبع سُستش را نکوست
اگر وہ صابر ہے تو دیکھنا اُس کے لئے مفید ہے ۔۔۔ وہ برانگیختگی اُس کی سُست طبیعت کے لئے بہتر ہے

وَر نباشد صبر پس نادیدہ بہ ۔۔۔ تیر دور اولٰے ز مردِ بے زرہ
اگر صبر نہ ہو تو نہ دیکھنا بہتر ہے ۔۔۔ بغیر زرہ کے آدمی سے تیر کا دور ہونا بہتر ہے

باز گرد و کُن حکایت را تمام ۔۔۔ تا چہ گفت اندر جوابش والسلام
واپس ہو اور حکایت کو پورا کردے ۔۔۔ کہ اُس (مور) نے اُسکے جواب میں کیا کہا والسلام

بشنو اکنوں تو ز طاؤس آں جواب ۔۔۔ تا بدانی ہر نکوئی را خطاب
اب تو مور سے وہ جواب سُن ۔۔۔ تاکہ تو ہر بھلائی کا خطاب جان لے

جوابِ دادنِ طاؤس آں حکیم سائل را
مور کا اُس سوال کرنے والے دانا کو جواب دینا

چوں ز گریہ فارغ آمد گفت رَو ۔۔۔ کہ تو رنگ و بُوئے را ہستی گرو
جب وہ (مور) رونے سے فارغ ہو گیا اُسنے کہا ۔۔۔ کہ تو رنگ و بُو کا غلام ہے

آں نمی بینی کہ ہر سُو صد بلا ۔۔۔ سُوئے من آید پئے ایں بالہا
کیا تو یہ نہیں دیکھتا کہ ہر جانب سینکڑوں بلائیں ۔۔۔ ان پَروں کی وجہ سے میری جانب آتی ہیں

اے بسا صیادِ بے رحمت مُدام ۔۔۔ بہرِ ایں پرہا نہد ہر سو دام
ہمیشہ بہت سے ناترس شکاری ۔۔۔ ان پَروں کے لئے میری ہر جانب جال پھیلاتے ہیں

چند تیر انداز بہرِ بالہا ۔۔۔ تیر سُوئے من کشد اندر ہوا
بہت سے تیر انداز پَروں کے لئے ۔۔۔ ہوا میں میری جانب تیر چلاتے ہیں

چوں ندارم زور و ضبطِ خویشتن ۔۔۔ زیں قضا و زیں بلا و زیں فتن
جبکہ میں طاقت اور اپنا بچاؤ نہیں رکھتا ہوں ۔۔۔ اس قضا اور اس بلا اور ان فتنوں سے

آں بہ آید کہ شوم زشت و کریہ ۔۔۔ تا بوم ایمن دریں کہسار و تیہ
یہ مناسب ہے کہ میں بھدا اور ناپسند بن جاؤں ۔۔۔ تاکہ میں اس پہاڑ اور جنگل میں محفوظ ہو جاؤں

بر کنم پرہائے خود را یک بیک ۔۔۔ تا نیندازد بدامم ہر کلک
میں ایک ایک کرکے اپنے پر نوچتا ہوں ۔۔۔ تاکہ کوئی منحوس مجھے جال میں نہ پھانسے

ہے تو پھر وہ شکار کرو دیکھ کر پہاڑوں کا چکر کاٹتا ہے۔

۵۳ شہوتِ رنجور۔ بیماری کے دوران مختلف غذاؤں کی شہوت و رغبت سکون پذیر ہوتی ہے لیکن جب وہ مختلف غذائیں دیکھتا ہے تو وہ شہوت بیدار ہو جاتی ہے۔

۵۴ گر بُوَد۔ اب اگر اس میں صبر کا مادہ ہے تو ان غذاؤں کا دیکھنا اُس کے لئے مفید ہے تاکہ اُس کی خواہشیں بیدار ہو جائیں اور اگر وہ صابر نہیں ہے تو اُس کے لئے مناسب ہے کہ وہ ان غذاؤں کو ہی نہ دیکھ پائے۔

۵۵ بشنو۔ اب ناصح حکیم کو مور نے جو جواب دیا وہ سنو اُس نے کہا اے ناصح تو محض رنگ و روپ کا عاشق ہے یہ نہیں دیکھتا کہ یہ پر میرے لئے کس قدر مصائب کا سبب ہیں۔ اے بسا شکاری میرا شکار محض ان پروں کی خاطر کرتے ہیں کوئی جال سے پکڑتا ہے کوئی مجھے تیر سے مارتا ہے۔

۵۶ چوں۔ جبکہ مجھ میں ان مصائب کے برداشت کرنے کی طاقت نہیں ہے تو بہتر یہی ہے کہ میں بدصورت بن جاؤں۔ کہسار۔ پہاڑ۔ تیہ۔ جنگل۔ کلک۔ منحوس۔ نزد من۔ پروں کے بچانے سے جان کا بچانا بہتر ہے۔ ابتر ناقص۔

نزدِ من جاں بہتر از بال و پر ست — جاں بماند باقی و تن اَبتر ست

میرے نزدیک جان، بال اور پر سے بہتر ہے — جان باقی رہے گی اور جسم ناقص ہے

ایں[1] سلاحِ عجبِ من شد اے فتیٰ — عجب آرد معجباں را صد بلا

اے نوجوان! یہ میری خودپسندی کا ہتھیار ہے — خودپسندی خودپسند کو سینکڑوں مصیبتوں میں مبتلا کر دیتی ہے

دربیانِ آنکہ ہنرہا و زیرکیہا و مالِ دنیا ہمچو پرِ طاؤس عدوِ جان اند

اس کا بیان کہ دنیا کا ہنر اور زہانتیں اور مال مور کے پروں کی طرح جان کے دشمن ہیں

پس ہنر آمد ہلاکت خام را — کز پے دانہ نہ بیند دام را

ہنر، ناقص کے لئے ہلاکت ہے — کیونکہ وہ دانہ کی وجہ سے جال کو نہ دیکھے گا

اختیار[2] آں را نکو باشد کہ او — مالکِ خود باشد اندر اِتّقوا

اختیار، اُس کے لئے بھلا ہوتا ہے جو — تم تقویٰ اختیار کرو کے معاملہ میں اپنے آپ پر قابو رکھے

چوں نباشد حفظ و تقویٰ زینہار — دور کن آلت بینداز اختیار

جب نگہداشت اور تقویٰ نہ ہو، خبردار! — آلہ کو پھینک دے، اختیار کو چھوڑ دے

جلوہ گاہ و اختیارم ایں پر ست — بر کنم پر را کہ در قصدِ سر ست

میری خودنمائی اور اختیار یہ پر ہیں — میں پر اکھیڑ رہا ہوں کیونکہ وہ سر کے درپے ہیں

نیست انگارد پرِ خود را صبور — تا پرش در نفگند در شر و شور

صابر اپنے (بال و) پر کو نیست سمجھتا ہے — حتیٰ کہ اُس کے پر شور و شر میں مبتلا نہیں کرتے ہیں

پس زیانش نیست پر گو بر مکن — گر رسد تیرے بہ پیش آرد مجن

تو اُس کو کوئی نقصان نہیں ہے کہہ دو پر نہ نوچے — اگر کوئی تیر آئے گا وہ ڈھال سامنے کر دیگا

لیک[3] بر من پرِ زیبا دشمنے ست — چونکہ از جلوہ گری صبریم نیست

لیکن میرے لئے حسین پر دشمن ہیں — چونکہ خودنمائی سے مجھ میں صبر نہیں ہے

گر بدے صبر و حفاظم راہبر — بر فزودے ز اختیارم کر و فر

اگر صبر اور حفاظت میرے رہبر ہوتے — تو اختیار سے میری کر و فر بڑھ دیتے

ہمچو طفلم یا چو مست اندر فتن — نیست لائق تیغ اندر دستِ من

میں فتنوں کے سلسلہ میں بچے یا مست کی طرح ہوں — میرے ہاتھ میں تلوار (ہونا) مناسب نہیں ہے

گر مرا عقلے بدے مُنزجر — تیغ اندر دستِ من بودے ظفر

اگر میرے پاس رک جانے والی عقل ہوتی — تو میرے ہاتھ میں تلوار، کامیابی ہوتی

عقل باید نور دہ چوں آفتاب — تا زند تیغے کہ نبود جز صواب

عقل، سورج کی طرح نور عطا کرنے والی چاہیئے — تاکہ ایسی تلوار چلائے جو ٹھیک ہی ہو

---

[1] ایں سلاحِ عجبِ من شد اے فتیٰ۔ میرے یہ پر میرے غرور و تکبر کا باعث ہیں لہٰذا تکبر سینکڑوں بلاؤں کا سبب بنتا ہے۔ در بیان جس طرح مور کے پر اُس کے مصائب کا سبب ہیں اسی طرح دنیا کے ہنر اور دنیا کی عقل بھی انسان کے لئے وبالِ جان ہے۔

[2] اختیار۔ گناہ کے کر سکنے اور نہ کر سکنے کا اختیار اُس شخص کے لئے مناسب ہے جس میں تقویٰ ہو اور اگر تقویٰ نہیں ہے تو پھر اُس کے لئے اختیار باقی رکھنا مناسب نہیں ہے۔ آلت۔ یعنی وہ اسباب و ذرائع جن سے بُرائی پر قدرت حاصل ہو سکے۔ جلوہ گاہ۔ مور نے کہا کہ میرے تکبر و غرور کے اسباب میرے پر ہیں لہٰذا میں اُنکو ہی ختم کئے دیتا ہوں چونکہ یہ ہلاکت کا ذریعہ اور سبب ہیں۔ صبور۔ جو صابر اور متقی ہو وہ ان اسباب کو کالعدم سمجھ سکتا ہے۔ پس۔ صابر اپنے صبر کی ڈھال سے اپنا بچاؤ کرے گا۔

[3] لیک۔ لیکن میں چونکہ ناچنے اور نمائش سے صابر نہیں ہوں لہٰذا میرے پر میرے دشمن ہیں۔ گر بدے۔ اگر انسان صابر ہو تو بُرائی پر قدرت ہوتے ہوئے بُرائی نہ کرنا بہت افضل ہے۔ ہمچو۔ میری مثال بچہ کی سی ہے جس کے ہاتھ میں تلوار دینا مناسب نہیں ہے وہ اُسکو غلط استعمال کریگا۔ عقل باید۔ تلوار عقلمند کے ہاتھ میں دینی چاہیئے تاکہ وہ تلوار کا

چون[۱] ندارم عقل تابان و صلاح
جبکہ میرے پاس روشن عقل اور نیکی نہیں ہے

پس چرا در چاه نندازم سلاح
تو میں ہتھیار کنویں میں کیوں نہ پھینک دوں؟

در چہ اندازم کنوں تیغ و مجن
اب میں تلوار اور ڈھال کنویں میں ڈال رہا ہوں

کایں سلاحِ خصمِ من خواہد شدن
کیونکہ یہ میرے دشمن کے ہتھیار بن جائیں گے

چوں ندارم زور و یاری و سند
جبکہ میں زور اور مدد اور سہارا نہیں رکھتا ہوں

تیغ او بستاند و برمن زند
وہ (دشمن) تلوار چھین لے گا اور مجھ پر چلا دے گا

رغمِ ایں نفسِ وقیحہ خوی را
اس بدخصلت نفس کی ذلت کے لئے

کو نپوشد رو خراشم روی را
جو منہ نہیں چھپاتا ہے میرا اپنا منہ نوچ رہا ہے

تا شود کم ایں جمال و ایں کمال
تاکہ یہ حسن اور یہ کمال کم ہو جائے

چوں نماند زد کم افتم در وبال
جب وہ نہ رہیگا تو میں اس کی وجہ سے بال میں نہ پھنسونگا

چوں بدیں نیت خراشم بزہ نیست
جبکہ میں اس نیت سے نوچ رہا ہوں کوئی گناہ نہیں

کز زخم ایں روی را پوشید نیست
کیونکہ زخم سے اس چہرے کی پردہ پوشی ہے

گر دلم خوی ستیری داشتے[۲]
اگر میرا دل پردہ پوشی کی عادت رکھتا

روی خوبم جز صفا نفراشتے
تو میرا حسین چہرہ صفائی کو ہی ظاہر کرتا

چوں ندیدم زور و فرہنگ و صلاح
جب میں نے (اپنے اندر) زور اور سمجھ اور نیکی دیکھی

خصم دیدم زود بشکستم سلاح
میں نے دشمن کو دیکھا فوراً ہی اپنے ہتھیار توڑ ڈالے

تا نگردد تیغِ من او را کمال
تاکہ میری تلوار اس کا کمال نہ بنے

تا نہ گردد خنجرم برمن وبال
تاکہ میرا خنجر مجھ پر وبال نہ بنے

میگریزم تا رگم جنباں بود
جبتک میری نبض حرکت کرتی رہیگی میں بھاگتا رہونگا

کے فرار از خویشتن آساں بود
لیکن اپنے آپ سے بھاگنا کب آسان ہے؟

آنکہ[۳] از غیرے بود او را فرار
جس شخص کو غیر سے بھاگنا ہو

چوں ازو برید گیرد او قرار
وہ جب اس سے جدا ہو گیا تو اسکو سکون ہو گیا

منکہ خصمم ہم منم اندر گریز
میں کہ اپنا دشمن خود ہوں، بھاگنے میں

تا ابد کارِ من آمد خیز خیز
ہمیشہ کے لئے میرا کام ہو گا اٹھو اٹھو

نے بہندست ایمن و نے در ختن
لہٰذا نہ ہندوستان میں امن ہے اور نہ ختن میں

آنکہ خصم اوست سایہ خویشتن
جس کا دشمن خود اس کا سایہ ہو

---

[۱] چوں۔ جبکہ مجھ میں عقل نہیں ہے تو مجھے اپنا ہتھیار یعنی پر کنویں میں پھینک دینے چاہئیں۔ چوں ندارم۔ اگر انسان میں تلوار سنبھالنے کی طاقت نہیں ہے تو دشمن اسکی تلوار چھین کر اس کا خاتمہ کر دے گا۔ رغم۔ میں اپنے نفس کو ذلیل کرنے کیلئے اپنے پر اکھاڑ رہا ہوں۔ تا شود۔ تاکہ اس جمال اور کمال کے اسباب ہی باقی نہ رہیں۔ چوں۔ جبکہ پر اکھاڑنے میں میری یہ مصلحت ہے تو پر نوچنا گناہ نہیں ہے۔

[۲] گر۔ دل اگر مجھ میں پردہ پوشی کی طاقت ہوتی تو میں پر نہ اکھاڑتا۔ چوں ندیدم۔ جب مجھ میں گناہ کے اسباب اختیار کر کے گناہ سے بچنے کی طاقت نہیں ہے تو ان اسباب ہی کو ختم کر رہا ہوں۔ تا نگردد۔ جب مجھ میں طاقت نہیں ہو تو یہ ہتھیار میرے خلاف استعمال ہو جائیگا۔ میگریزم۔ اب جبکہ اپنا دشمن میں خود ہوں تو جب تک میری جان میں جان ہے میں بھاگتا رہوں گا لیکن اپنے آپ سے گریز بہت مشکل ہے۔

[۳] آنکہ۔ دوسرے سے بھاگنے میں قرار ممکن ہے جب وہ دور ہو جائے تو ٹھہر سکتا ہے لیکن چونکہ میں خود اپنا دشمن ہوں تو میرا کام ہر وقت دشمن سے بھاگتے رہنا ہے۔ نے بہند۔ نہ میرے لئے ہندوستان میں قرار ممکن ہے نہ ختن میں کیونکہ میرا دشمن سایہ کی طرح میرے ساتھ ہے۔

شرح الغرض! جب طاؤس نے ناصح کی یہ نصیحت سُنی تو اس نے منہ اٹھا کر ناصح پر ایک نظر ڈالی اور اس کے بعد اُس نے رونا شروع کیا اس کی دراز اور درد سے بھری ہوئی نالہ وزاری نے جس قدر لوگ وہاں موجود تھے سب کو رُلادیا۔ اور جس نے سوال کیا تھا کہ تو پر کیوں اکھیڑتا ہے وہ بدوں جواب ہی کے پشیمان تھا کہ میں نے خواہ مخواہ اسسے کیوں پوچھا یہ تو خود ہی غم سے بھرا ہوا تھا۔ میں نے اُسے ناحق جوش دلایا اور بھڑکایا۔

القصہ! مور کی تیز آنکھ سے زمین پر آنسو گر رہے تھے اور اسکے ایک ایک آنسو میں اس سوال کے سوسو جواب موجود تھے۔ اور اسکے آنسو اس قدر کثرت سے گر رہے تھے کہ ان سے زمین میں کیچڑ ہو رہا تھا۔ اس کے رونے کا اثر دوسروں پر کیوں تھا اسکی وجہ یہ تھی کہ وہ گریہ سوزش درد سے ناشی تھا۔

اب تم سمجھو اکہ جو لوگ خدا کے لیے صدق دل سے روتے ہیں اُن کا اثر دوسروں پر بھی ہوتا ہے حتیٰ کہ ان کا رونا آسمان اور عرش کو رُلادیتا ہے لیکن اگر وہ رونا خلوص اور سوز دل سے نہیں ہوتا تو محض بے اثر ہوتا ہے اور شیطان اسکی اس سعی لاحاصل پر ہنستا ہے اور جو رونا سچے دل سے نہیں ہوتا اس میں نور و برکت نہیں ہوتی۔ کیونکہ اس میں چھاچھ کی طرح دُہنیتِ معنویہ نہیں ہوتی جو سبب ہے تنور معنوی کا۔

اچھا اب تم اس شبہ کا جواب سُنو! جو بادی النظر ہیں اس مقام پر پیدا ہوتا ہے تقریر شبہ یہ ہے کہ عقل و دل تو لطائف غیبیہ نہیں پھر ان میں عدم خلوص کیونکر آیا۔ اور ان کے گریہ میں تکدر کیسے پیدا ہوا اور جواب کی تقریر یہ ہے کہ یہ مسلم ہے کہ عقل و دل بے شک لطائف غیبیہ ہیں مگر وہ نور غیبی الٰہی سے محجوب ہو کر مصروف تعیش ہیں اسلئے وہ اپنے صرافت پر باقی نہیں رہیں اور

ان کے اقتضارات اپنی اصلی حالت پر باقی نہیں رہے۔ یہ وجہ ہے انکے
عدم خلوص کی اور یہ باعث ہے ان کے گریہ کے تکدر کا۔ اس مقام پر چونکہ
مجوبیت عقل و دل کا ذکر آگیا۔ اسلئے مناسب معلوم ہوتا ہے اسکے متعلق
کسی قدر مفصل مضمون بیان کر دیا جائے۔ سنو! یہ دونوں فی نفسہٖ پاک
اور مقدس لطیفے ہاروت و ماروت کی طرح عالمِ ناسوت کے ہولناک کنوئیں
میں مقید ہیں اور عالم سفلی... و شہوانی کے اندر موجود ہیں اور بجرم عبدیت
اس کنوئیں میں مقید ہیں (عبدیت کو جرم[ع] مجازاً و تشبیہاً کہا گیا ہے۔ جس طرح
کہ عالم کو کنواں اور دنیا میں پہنچنے کو قید کرنا تشبیہاً کہا گیا ہے۔ اور دلی محمدی نے
جرم کی تفسیر تعشق بر نفس و متابعت ہوٰی سے کی ہے مگر یہ تفسیر صحیح نہیں کیونکہ جرم حبس
سے پیشتر صادر نہ ہوا تھا۔ بلکہ حبس کے بعد ہوا ہے۔ پس یہ جرم حبس کا سبب
نہیں ہو سکتا۔ اور یہ دونوں اس کنوئیں میں محبوس ہو کر اچھی بُری باتیں لوگوں
کو سکھلاتے ہیں لیکن اول سیکھنے والے کو حالاً نصیحت کر دیتے ہیں اور کہہ دیتے ہیں کہ تم ہم سے
بُری باتیں نہ سیکھو اور یہ بھی کہہ دیتے ہیں کہ اگر تم یہ کہو کہ اگر ان کا سیکھنا برا
ہے تو تم سکھاتے کیوں ہو تو اس کا جواب یہ ہے کہ ہم آزمائش اور امتحان ان کے
لئے سکھلاتے ہیں۔ کیونکہ امتحان کے لیے اختیار شرط ہے اور اختیار بے قدرت
کے ممکن نہیں کیونکہ رغبات جو کہ منشا ہیں صدورِ افعال اختیاریہ کا۔ اسکی
مثال ایسی ہے جیسے سوئے ہوئے کتے۔ اور ان کے اندر بھلائیاں اور برائیاں
مخفی ہیں پس جبکہ قدرت نہیں ہوتی تو یہ سوئے رہتے ہیں اور ایسے ہوتے
ہیں جیسے لکڑی کے کندے اور خاموش ہوتے ہیں اسلئے وہ بھلائیاں اور
برائیاں جو ان میں مخفی تھیں ظاہر نہیں ہو سکتیں تا آنکہ کوئی مردار ان کے درمیان

ع کما قیل وجودک ذنب لا یقاس بہ ذنب ۱۲ منہ

آجاتا ہے یعنی کسی مطلوب پر ان کو قدرت حاصل ہو جاتی ہے اس وقت حرص صور پھونک کر ان کو جگاتی ہے اور جبکہ گلے میں کوئی گدھا مر جاتا ہے تو سینکڑوں کتے اس سے جاگ جاتے ہیں۔ اور ان کی حرصیں جو پردہ غیب میں مستور تھیں اس وقت حملہ آور ہوتی ہیں اور اس پردہ سے ظاہر ہوتے ہیں اور ان کتوں کی یہ حالت ہوتی ہے کہ ان کا بال بال اس مردار کے کھانے کے لیے دانت ہوتا ہے اور حیلہ کے لیے دم ہلاتا ہے اور ان کا نیچے ... کا حصہ سراسر حیلہ ہوتا ہے اور اوپر کا غضب اور اس طرح وہ سراسر حیلہ و غضب کے پتلے ہوتے ہیں — اور ان کی حالت مارے غصہ کے یہ ہوتی ہے جیسے کمزور آگ کو ایندھن مل جائے اور اس کے شعلے غیب سے ظاہر ہو رہے ہوں اور اس کا دھواں اور شعلے آسمان تک پہنچ رہے ہوں۔

الغرض؛ ایسے سینکڑوں کتے (رغبات) بدن کے اندر سوئے ہیں۔ اور چونکہ شکار (مطلوب) نہیں ہے اسلئے چھپے ہوئے ہیں لیکن جب شکار ہاتھ آجاتا ہے اور مطلوب پر دسترس ہوتی ہے اس وقت ان کا ظہور ہوتا ہے یا بہ تبدیل عبارت یوں کہو کہ رغبات کی حالت ایسی ہے جیسے آنکھیں سیئے ہوئے باز جو کہ شکار کے عشق میں بھن رہے ہیں۔ یہاں تک کہ ان کی آنکھوں سے ٹوپی اٹھا دی جاتی ہے اور وہ شکار کو دیکھ لیتے ہیں اس وقت تو ان کی یہ حالت ہوتی ہے کہ پہاڑوں کا چکر لگاتے ہیں اور شکار کو گرفتار کرنے کے لیے امکانی جدوجہد کرتے ہیں یا یوں کہو کہ رغبات کی مثال بیمار کی سی ہے کہ بیماری کی حالت میں اسکی خواہشات بالکل دبی ہوئی ہوتی ہیں اور اسکی طبیعت سراسر صحت کی طرف متوجہ ہوتی ہے۔ مگر جب وہ روٹی، سیب، خربوزہ وغیرہ ماکولات دیکھتا ہے تو اسوقت خواہش کو حرکت ہوتی ہے اور خواہش تلذذ اور خوف بدپرہیزی دونوں

کی آپس میں جنگ ہوتی ہے پس اگر بیمار صاحب ہمت ہو اور اپنے کو بد...
پرہیزی سے روک سکتا ہے تو اس کو ان کے دیکھنے میں فائدہ ہے کیونکہ اس سے
طبیعت میں انتعاش پیدا ہوتا ہے اور اس سے اسکو قوت حاصل ہوتی ہے۔
اور اگر تحمل کی قوت کمزور ہے تو اس کا نہ دیکھنا ہی اسکے لیے بہتر ہے جس طرح
کہ بے زرہ شخص سے تیر کا دور رہنا اچھا ہے۔ علی هذا القیاس:
جس وقت مرغوبات ناقابل حصول ہوتی ہیں اس وقت رغبات کو سکون ہوتا ہے
اور جس وقت وہ قابل حصول ہوتی ہیں اس وقت ان میں حرکت پیدا ہوتی ہے
اب اگر مرغوبات منہی عنہ ہوں اور قوت صبر ہی ہو تو ان کا موجود ہونا اس کے
لئے نافع ہے کیونکہ اس سے کف عن المعاصی متحقق ہونگے اور وہ اجر کا مستحق
ہوگا۔ اور قوت صبر کو ترقی ہوگی ــــ کیونکہ قاعدہ ہے کہ جس قوت سے کام
لیا جاتا ہے اسکو قوت ہوتی ہے اور اگر قوت تحمل ضعیف ہے تو اس کا نہ ہونا
ہی اسکے لیے بہتر ہے کیونکہ اگر اس صورت میں اجر کا مستحق نہ ہوگا تو معصیت
کا مرتکب بھی نہ ہوگا۔

(فائدہ) اس مقام پر یہ بھی بتلا دینا ضروری ہے کہ مولانا نے جو
معاصی کی موجودگی کو صابر کے حق میں مفید بتلایا ہے اس کے معنی یہ ہیں کہ اگر بلا
اختیار ایسی صورت پیش آجائے کہ اس میں وہ معصیت کا ارتکاب کر سکے
اور ایسی صورت میں وہ تحمل سے کام لے تو اس کا نتیجہ اس کے حق میں بہتر ہوگا
اور اس کے یہ معنیٰ نہیں ہیں کہ آدمی قدرت علی المعصیت حاصل کرنے کی
کوشش کرے تاکہ قادر ہوکر اس سے بچے ــــ مثلاً کسی عورت کو زنا پر اس
غرض سے رضامند کرے کہ جب یہ رضامندی ہو جائیگی اور مجھے پوری قدرت
حاصل ہو جائے گی تو میں باختیار خود اس سے بچوں گا اور اجر حاصل کروں گا کیونکہ ایسا

کرنے کی نہ اجازت ہے اور نہ یہ مفید ہے بلکہ یہ ایک شیطانی فریب ہے جس سے وہ دینداروں کو دھوکہ دیکر معاصی میں مبتلا کردیتا ہے۔

خوب یاد رکھو! خیر! اب لوٹنا چاہیئے اور حکایت کو ختم کرنا چاہیئے اور دیکھنا چاہیئے کہ طاؤس نے جواب میں کیا کہا ـــــ اچھا اب طاؤس کا جواب سنو! تاکہ تم کو وہ کلام معلوم ہو جو ہر قسم کی بھلائی کو متضمن ہے۔

شرح جب وہ رونے سے فارغ ہوا تو اُسنے کہا کہ جائیے اپنا کام کیجیے آپ حقیقت شناس نہیں بلکہ صرف رنگ و بو میں.. محبوس ہیں اور انہی کو آپ قابل قدر سمجھتے ہیں آپ یہ تو دیکھ رہے ہیں کہ میرا حُسن مٹ رہا ہے مگر یہ نہیں دیکھ سکتے کہ سینکڑوں بلائیں مجھ پر انہی پَروں کے سبب سے نازل ہوتی ہیں۔ بہت سے بے رحم انہی پَروں کے لیے ہر طرف میرے لئے جال بچھاتے ہیں اور کتنے ہی تیر انداز انہی پَروں کے سبب مجھ پر تیر چلاتے ہیں۔ پس جبکہ میں ان تقدیرات اور مصائبِ فتن سے بچنے کی قدرت اور تحمل نہیں رکھتا تو یہی بہتر ہے کہ میں بدصورت ہو جاؤں تاکہ میں اس جنگل اور کہسار میں مامون ہو جاؤں اور میں اپنے پَر ایک ایک کرکے اکھیڑتا ہوں تاکہ نالائق لوگ مجھے جال میں نہ پھانسیں۔ کیونکہ میرے نزدیک جان پَر و بال سے بہتر ہے کیونکہ جان تو باقی رہنے والی شے ہے اور جسم تو بگڑے ہی گا آج نہ بگڑے گا۔ کل بگڑیگا۔ اسلئے جان کا بچانا ضروری ہے۔

اب میں اس کا راز بتلاتا ہوں کہ پَروں کی بدولت مجھ پر آفت کیوں آتی ہے اسکی وجہ یہ ہے کہ یہ ذریعہ ہیں میرے عجب اور خود بینی کا اور خود بینی خود... بینوں کے لیے سینکڑوں بلائیں کھینچ لاتی ہے۔ کیونکہ خود بینی خود نمائی پر آمادہ کرتی ہے اور خود نمائی یا لوگوں کے اندر حرص پیدا کرتی ہے یا حسد۔ اور حرص حسد

دونوں سے آدمی کو ضرر پہنچتا ہے ۔ اسلئے خود بینی سے خود بین کو نقصان پہنچتا ہے
بنا بریں مجھے بھی ضرر ہوتا ہے کیونکہ میری خود بینی سے خود نمائی پیدا ہوتی ہے اور
خود نمائی سے لوگوں کو حرص ہوتی ہے اور وہ میرے در پے ہوتے ہیں ۔

اب مولانا انتقال فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جس طرح اس مور کے لیے پَر
موجب ہلاکت تھے یوں ہی ناقصین کے لیے کمال علمی وعملی مالی وجاہی موجبِ
ہلاکت ہے کیونکہ وہ منافع کی خاطر مضار کو نظر انداز کر دیتے ہے اور گو وہ کمال
شرط اعتبار ہے اور اختیار محمود ہے اسلئے بھی محمود ہے ـــ مگر مقدمہ محمودیت
اختیار علی الاطلاق صحیح نہیں بلکہ اختیار اسی کے لیے محمود ہے جو تقوٰی کے بارے
میں ضابط ہو ۔ اور تجنب عن المعاصی پر قدرت رکھتا ہو لیکن جبکہ حفظ نفس اور
تقوٰی نہ ہو اس وقت اختیار محمود نہیں ہے لہٰذا سامان معاصی کو دور کرنا چاہیئے
اور اختیار کو ساقط کرنا چاہیئے ۔

شرح ہاں ! طاؤس نے کہا کہ میرے اختیار یہ عجب کا منشا اور محل ظہور
میرے پَر ہیں اسلئے میں ان کو اکھیڑتا ہوں کیونکہ یہ تو میری
جان کے در پے ہیں ـــ ہاں جو اپنی طبیعت پر قابو رکھتا ہے اسکو یہ مُضر
نہیں کیونکہ وہ انہیں کالعدم سمجھے گا ۔ جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ پر اس کو خرابی
(عُجب) میں مبتلا نہ کریں گے پس اس کے لیے ان کا ہونا کچھ مضر نہیں اس سے
کہنا چاہیئے کہ تو پَر مت اکھیڑ ۔ کیونکہ اسکے پاس تیر بلا کے رکنے کی ڈھال یعنی صبر و
تحمل موجود ہے پس اگر کوئی تیر آئے گا تو وہ ڈھال پر روک لے گا لیکن میرے
لیے یہ عمدہ پَر دشمن ہیں کیونکہ میں اسکو جلوہ گری سے روکنے پر قادر نہیں ۔ اسی
لیے کہیں جلوہ گری کرتا ہوں اور لوگ مجھے دیکھ کر للچاتے ہیں اور میرے در پے ہوتے
ہیں ـــ ہاں اگر صبر اور نگہداشت طبیعت پر مجھے قدرت ہوتی تو اس اختیار سے

جوکہ مجھے عجب کے متعلق حاصل ہے میرے لئے شان و شوکت حاصل ہوتی —
کیونکہ حفاظت جان کے ساتھ حُسن بھی محفوظ رہتا۔ لیکن ایسا نہیں ہے۔ بلکہ
میری حالت ایسی ہے جیسے لڑکا۔ یا مست جوکہ اپنی بے عقلی کے سبب فتنوں میں
پھنسے ہوئے ہیں۔ ایسی حالت میں تیغ اختیار میرے ہاتھ میں مناسب نہیں
ہے۔ ہاں! اگر مجھے عجب سے باز رہنے والی عقل حاصل ہوتی تو تلوار میرے
ہاتھ میں موجب فتح ہوتی۔ القصہ! تلوار کو صحیح طور پر کام میں لانے کے
لئے ضرورت ہے ایسے عقل کی جو آفتاب کی طرح روشن ہو جوکہ مجھے حاصل
نہیں۔ تو جبکہ مجھے عقل روشن اور وصف راستی حاصل نہیں۔ ایسی
حالت میں مجھے تلوار (اختیار) کیوں رکھنی چاہیئے اور کیوں نہ کنوئیں میں ڈال
دینی چاہیئے۔ پس اب میں ڈھال سنوار کر کنوئیں میں ڈالتا ہوں۔ کیونکہ اگر
ایسا نہ کروں گا تو ایک روز یہ میرے دشمن کے ہتھیار ہو جائیں گے۔

اور جبکہ میں قوتِ صبر اور مدد عقل اور عقل حامی نہیں رکھتا تو وہ مجھ
سے تلوار لے لیگا اور میرے مارے گا — خلاصہ یہ کہ میرا اختیار متعلق بہ عجب
میرے دشمن کا معین ہوکر مجھے ضرر پہنچائے گا۔ اسلئے اس اختیار کو فنا
کر دینا لازم ہے پس میں اس بے حیا نفس کی خواہش کے خلاف جوکہ منہ کو نہیں
چھپا سکتا منہ نوچتا ہوں تاکہ میرا جمال و کمال کم ہو جائے اور جب وہ نہ رہے
تو اسکی بدولت میں مصیبت میں نہ پڑوں پس جبکہ میں اس نیت سے منہ..
نوچتا ہوں تو کچھ گناہ نہیں کیونکہ مقصود اس سے تغیر خلق اللہ نہیں۔ بلکہ منہ کا چھپانا
مقصود ہے — ہاں اگر میرا دل کمال کو چھپانے کی خصلت رکھتا تو میرا روئے
خوب صفائی بڑھاتا۔ لیکن جب میں اپنے اندر قوت صبر اور عقل و صلاح نہ دیکھی
اور دشمن کو دیکھا تو میں نے مجبوراً ہتھیار توڑ ڈالے تاکہ میری تلوار اس کیلئے کمال نہ ہو جائے

اور تاکہ میرا خنجر میرے لیے وبال نہ ہو جائے پس چونکہ میرا نفس میرا دشمن ہے اسلئے جب تک میں زندہ رہوں گا اس سے بھاگتا رہوں گا یعنی اس سے بچنے کی تدبیریں کرتا رہوں گا کیونکہ خود اپنے سے بھاگنا کچھ آسان نہیں۔ بلکہ سخت مشکل ہے اسلئے کہ جس کا دشمن اس کا غیر ہو اور اس سے وہ بھاگتا ہو۔ اسکی تو یہ حالت ہے کہ جب اس سے جدا ہو گیا سکون ہو گیا۔ اور بھاگنے کی ضرورت نہ رہی۔ مگر جبکہ میرا نفس ہی دشمن ہے اور میں ہی بھاگ رہا ہوں تو یہ زحمت تو ہمیشہ کے لئے ہے۔ اور ہمیشہ مجھے بھاگنا پڑے گا کیونکہ جس شخص کا دشمن خود اس کا سایہ ہو اسکو نہ ہند میں چین مل سکتا ہے نہ ختن میں نہ کہیں اور۔ اسلئے اسے ہمیشہ بھاگتے رہنے کی ضرورت ہے۔

در صفتِ آں بیخوداں کہ از شر خود و ہنر خود ایمن شدہ اند[1]

اُن بیخودوں کا بیان جو اپنے شر اور ہنر سے محفوظ ہو گئے ہیں کیونکہ وہ اللہ تعالے

کہ فانی اند در بقائے حق سبحانہ ہمچوں ستارگاں کہ فانی

کی بقا میں فانی ہو گئے جس طرح کہ ستارے دن میں سورج کی روشنی

اندبروز در نورِ آفتاب و فانی را خوفِ آفت و خطر نباشد

میں فانی ہیں اور فانی کے لئے آفت کا خوف اور خطرہ نہیں ہوتا ہے

چوں فناش از فقر پیرایہ شود ۔ اُو محمدؐ وار بے سایہ شود
جبکہ اُس کی فنا، فقر سے آراستہ ہو جائے ۔ وہ محمدؐ کی طرح بغیر سایہ کا ہو جاتا ہے

فقر فخری[2] را فنا پیرایہ شد ۔ چوں زبانہ شمع اُو بے سایہ شد
فقر میرا فخر ہے۔ کے لئے فنا زینت بنی ۔ شمع کے شعلے کی طرح وہ بے سایہ ہو گیا

شمع چوں گردد زبانہ پا و سر ۔ سایہ را نبود بگردِ اُو گذر
شمع جبکہ سر سے پاؤں تک شعلہ بن گئی ۔ اُس کے گرد سایہ کا گذر نہ ہوگا

موم از خویش و ز سایہ در گریخت ۔ در شعاع از بہرِ اُو کہ شمع ریخت
موم ہستی اور سایہ سے چلا گیا ۔ شعاعوں میں اُس کیلئے جس نے شمع بنائی تھی

---

[1] در صفت۔ وہ بیخود اپنے ہنر اور شر سے مطمئن ہیں جنھوں نے اپنا وجود وجودِ حق میں اس طرح فنا کر دیا ہے جس طرح ستارے دن کے وقت سورج کے نور میں فنا ہو جاتے ہیں۔ چوں فنا۔ جب فنا فی الحق حاصل ہو جاتی ہے تو وہ اسی طرح بے سایہ ہو جاتا ہے جس طرح آنحضورؐ تھے۔

[2] فقر فخری۔ چونکہ آنحضورؐ اپنی صفات، صفاتِ حق میں فنا کر چکے تھے لہذا اپنی صفات کے اعتبار سے آنحضورؐ کو فقر حاصل تھا جو حضورؐ کے لئے باعثِ فخر تھا تو پھر آنحضورؐ کی شمعِ وجود، شعلہ شمع کی طرح بے سایہ تھی۔ شمع۔ جب شمع مجسم شعلہ بن جائے تو اس کا سایہ نہیں رہتا ہے۔ موم۔ شمع کا موم اور سایہ اُس ذات کی شعاعوں میں گم ہو گیا جس نے شمع بنائی تھی۔

گفت ازبہر فنایت ریختیم — گفت من ہم در فنا بگریختم

اُس نے کہا میں نے تجھے فنا کیلئے بنایا ہے — اُس نے کہا میں بھی فنا میں دوڑ گیا

ایں شعاعِ باقی آمد مفترض — نے شعاعِ شمعِ فانیِ عرض

یہ باقی (باللہ) شعاع واقعی ہے — نہ کہ فانی ناپائیدار شمع کی شعاع

شمع چوں در نار شد کلی فنا — نے اثر بینی ز شمع و نے ضیاء

شمع جب آگ میں بالکل فنا ہوگئی — تو نہ شمع کا نشان دیکھے گا نہ روشنی

ہست اندر دفعِ ظلمت آشکار — آتشِ صورت بمومے پائدار

تاریکی کو رفع کرنے میں واضح ہے — کہ یہ آگ موم کی صورت سے پائیدار ہے

برخلافِ مومِ شمعِ جسم کاں — تا شود کم گردد افزوں نورِ جاں

جسم کی شمع کے موم کے برخلاف کیونکہ وہ — جس قدر گھٹے گا، جان کا نور بڑھے گا

ایں شعاعِ باقی و آں فانیست — شمعِ جاں را شعلۂ ربانیست

یہ شعاع باقی رہنے والی ہے اور وہ فانی ہے — جان کی شمع کا شعلہ خدائی ہے

ایں زبانۂ آتشے چوں نور بود — سایۂ فانی شدن زو دور بود

کیونکہ یہ آگ کا شعلہ نور ہے — فانی ہونے کا سایہ اس سے دور ہے

ابر را سایہ بیفتد بر زمیں — ماہ را سایہ نباشد ہمنشیں

زمین پر ابر کا سایہ پڑتا ہے — سایہ چاند کا ہمنشین نہیں ہوتا ہے

بیخودی بے ابریست اے نیک خواہ — باشی اندر بیخودی چوں قرصِ ماہ

اے نیک خواہ! بیخودی بے ابر کے ہوجانا ہے — تو بے خودی میں چاند کی طرح ہوگا

باز چوں ابرے بیاید راندہ — رفت نور از مہ خیالے ماندہ

پھر جب کوئی چلتا پھرتا ابر آجاتا ہے — چاند کا نور چلا جاتا ہے اُسکا ایک خیال رہ جاتا ہے

از حجابِ ابر نورش شد ضعیف — چوں ہلالے گشت آں بدرِ شریف

اس (چاند) کا نور ابر کی وجہ سے کمزور ہوگیا — وہ چودھویں کا بزرگ چاند پہلی رات کے چاند کی طرح ہوگیا

مہ خیالے می نماید ز ابر و گرد — ابرِ تن مارا خیال اندیش کرد

ابر اور گرد کی وجہ سے چاند ایک خیال معلوم ہونے لگتا ہے — جسم کے ابر نے ہمیں خیال کرنے والا بنا دیا

در وجود جان اسیقدر بڑھیگا جس قدر مانگی شمع یعنی جسم گھٹے گا۔ ایں شعاع۔ نور جان کا شعاع باقی اور نور شمع فانی ہے نور جان ربانی شعلہ سے منور ہے جو قائم و دائم ہے۔

گفت۔ شمع ساز نے شمع سے کہا کہ میں نے تجھے فنا کے لئے بنایا تھا اُس نے کہا کہ اسی لئے میں فنا ہوگئی ہوں۔ ایں شعاع۔ یہ خدائی شعاع حقیقی شعاع ہے عارضی اور فانی شعاع حقیقی نہیں ہے۔ شمع چوں۔ شمع جب اپنے آپ کو آگ میں فنا کر دیتی ہے تو اُس کا کوئی نشان باقی نہیں رہتا یہی حال فانی فی اللہ کا ہے۔ ہست۔ نور جان اور نور شمع میں یہ فرق ہے شمع کا نور شمع کے وجود سے وابستہ ہے ایں زبانہ۔ جس طرح نور ہونے کے وقت آگ کے شعلہ سے فنا کا سایہ دور ہو جاتا ہے اسی طرح جب جان میں نورِ حق ہو جاتا ہے تو فنا کا سایہ اُس سے دور ہو جاتا ہے۔ ابر۔ ابر چونکہ کثیف ہے اُس کا سایہ ہوتا ہے چاند نورِ خالص ہے اُس کے ساتھ سایہ نہیں ہوتا ہے۔ بیخودی۔ جب جان مقامِ فنا حاصل کر لیتی ہے تو اُس کی کثافت دُور ہوجاتی ہے اور وہ چاند کی طرح ہوجاتی ہے۔ باز۔ اگر روح میں کسی وقت خودی کی کیفیت پیدا ہوتی ہے تو اُس میں ابر جیسی کثافت پیدا ہوجاتی ہے نور جاتا رہتا ہے اور اُس نور کا محض ایک خیال وجود رہ جاتا ہے۔ از حجاب۔ ابر جس طرح چاند کا نور ابر کی وجہ سے کمزور پڑجاتا ہے اور چودھویں کا چاند پہلی رات کا سا چاند نظر آنے لگتا ہے یہی خودی کی صورت میں نورِ جان کی کیفیت ہوجاتی

لطفِ مہ بنگر کہ اینہم لطفِ اوست	کہ بگفت او ابرہا مارا عدوست
چاند کی مہربانی دیکھو، یہ بھی اُس کی مہربانی ہے	کہ اُس نے کہہ دیا کہ ابر ہمارے دشمن ہیں
مہ فراغت دارد از ابر و غبار	بر فرازِ چرخ دارد مہ مدار
چاند ابر اور غبار سے پاک ہے	چاند کا محور آسمان کی بلندی پر ہے
ابرِ ۵۳ ما را شد عدو و خصمِ جاں	کہ کند مہ را ز چشمِ ما نہاں
ابر، ہماری جان کا دشمن اور مخالف ہے	کیونکہ وہ چاند کو ہماری نظر سے چھپا دیتا ہے
حور را ایں پردہ زالے میکند	بدر را کم از ہلالے می کند
یہ پردہ حور کو بوڑھی عورت بنا دیتا ہے	چودھویں کے چاند کو پہلی رات کے چاند سے کمتر کر دیتا ہے
ماہ ما را در کنارِ عز نشاند	دشمنِ ما را عدوِّ خویش خواند
چاند نے ہمیں عزت کے پہلو میں بٹھا دیا	ہمارے دشمن کو اپنا دشمن کہہ دیا
ابر را تابے اگر ہست از مہ است	ہر کہ مہ خواند ابر را اُو گمرہ است
ابر میں اگر کوئی روشنی ہے تو وہ چاند کی وجہ سے ہے	جو ابر کو چاند کہے، وہ گمراہ ہے
نورِ مہ ۵۵ بر ابر چوں منزل شُدست	رُوئے تاریکش ز مہ مُبدل شُدست
چاند کا نور چونکہ ابر پر پڑ گیا ہے	اُس کا تاریک چہرہ چاند کی وجہ سے تبدیل ہو گیا ہے
گرچہ ہمرنگِ مہ است و دولتی ست	اندر ابر آں نورِ مہ عاریتی ست
(ابر) اگرچہ چاند کا ہم رنگ ہے اور صاحبِ دولت ہے	(لیکن) ابر میں چاند کا نور عارضی ہے
در قیامت مہر و مہ معزول شُد	چشم در اصلِ ضیا مشغول شُد
قیامت میں چاند اور سورج معزول ہو گئے	آنکھ اصل روشنی میں مشغول ہو گئی
تا بداند مِلک را از مُستعار	ویں رباطِ فانی از دار القرار
تاکہ ملکیت کی چیز کو مانگی ہوئی سے ممتاز کرے	اور اس فانی سرائے کو ہمیشگی کے گھر سے
دایہ ۵۶ عاریت بُود روزے سہ چار	مادرا مارا تو گیر اندر کنار
دایہ تین چار روز کے لئے عارضی ہوتی ہے	اے ماں! تو ہمیں گود میں لے لے
پرِّ من ابر ست و پردست و کثیف	ز انعکاسِ لطفِ حق شُد او لطیف
میرے پر ابر ہیں اور پردہ اور غلیظ ہیں	اللہ کے لطف کے منعکس ہونے سے وہ لطیف بن گئے ہیں
برکنم پر را و لطفش را ز راہ	تا بہ بینم حُسنِ مہ را ہم ز ماہ
میں پر کو اور اُس کے لطف کو راستے سے ہٹاتا ہوں	تاکہ میں چاند کا حسن چاند سے دیکھوں

ہے۔ حتہ۔ ابر اور گرد کے حجاب کی وجہ سے چاند کی ایک خیالی صورت رہ جاتی ہے۔ رجل جسم کے ابر کی وجہ سے نور حجاب کا ہے۔ لُطف۔ یہ اللہ تعالیٰ کا کرم ہے کہ تن پروروں کو اُس نے اپنا دشمن قرار دیا حالانکہ اُن کے خدا کے دشمن ہونے کے کوئی معنی نہیں ہیں کیونکہ آپکی خدا سے دشمنی متصور نہیں ہو سکتی وہ تو مومنین کے دشمن ہیں۔ حہ۔ چاند پر گرد و غبار کا کوئی اثر نہیں ہے وہ نور دیکھنے والوں کی آڑ ہے۔

۵۵ نورِ مہ۔ تعینات کا وجود وجودِ مطلق کا سایہ اور عکس ہے۔ گرچہ۔ ابر کو اگرچہ چاند کی ہمرنگی حاصل ہو گئی ہے لیکن یہ عارضی ہے۔ در قیامت۔ جب صرف ذاتِ حق باقی رہ جائے گی تب سب کو یقین آ جائے گا کہ دوسری چیزوں کا وجود محض عارضی تھا۔ رباط۔ سرائے یعنی دنیا۔ دار القرار۔ عالمِ آخرت۔

۵۶ دایہ۔ وہ چیزیں جن سے دنیا میں انسان فائدہ اٹھاتا ہے۔ مادرا۔ یعنی حضرت حق تعالیٰ جس کی ہر حالت میں معیت حاصل ہے۔ پرِّ من۔ یہ مور کا مقولہ ہے یعنی دنیاوی ہنر اور صوری صفات میرے لئے بمنزلہ ابر کے بن گئی ہیں اُن کو دور کر کے میں چاند کے حسن کا براہِ راست مشاہدہ کرنا چاہتا ہوں۔ من نخواہم۔ یہ عارضی صورتیں مجھے درکار نہیں ہیں میں موسیٰ صفت ہوں میں دایہ کا خواہشمند نہیں ہوں براہِ راست ماں سے مستفید ہونا چاہتا ہوں۔ من نخواہم۔ میں مظاہر کے ذریعہ ظاہر کا جلوہ نہیں چاہتا

—— ۵۳ ابر۔ ابر دیکھنے والے کا دشمن ہے کیونکہ اسکی نگاہ سے چاند کو چھپا دیتا ہے۔ حور را۔ یہ ابر ہماری نظر میں ایک خوبصورت چیز کو بدنما بناتا ہے اِس چاند کو کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا ہے۔ زال۔ بڑھی۔ ماہ۔ خدا نے ہمارے دشمن کو اپنا دشمن قرار دیکر ہماری عزت افزائی کی ہے۔ ابر را۔ تعینات میں

من نخواہم دایہ مادر خوشتر است
میں دایہ نہیں چاہتا، ماں بہتر ہے

موسیم من دایۂ من مادر است
میں موسیٰ ہوں، میری دایہ ماں ہے

من نخواہم لطفِ مہ از واسطہ
میں چاند کا لطف بالواسطہ نہیں چاہتا ہوں

کہ ہلاکِ خلق شد ایں رابطہ
کیونکہ یہ واسطہ لوگوں کیلئے ہلاکت کا سبب بنا ہے

یا مگر ابرے بگیرد خوئے ماہ [1]
یا ابر، چاند کی خصلت حاصل کرے

تا نگردد او حجابِ روئے ماہ
تاکہ وہ چاند کے چہرے کا پردہ نہ بنے

صورتش بنماید او در وصفِ لا
وہ اپنی صورت "لا" کی صفت میں دکھائے

ہمچو جسمِ انبیا و اولیا
جس طرح کہ انبیاء اور اولیاء کا جسم ہے

آں چناں ابرے نباشد پردہ بند
ایسا ابر حجاب نہیں بنتا ہے

پردہ در باشد بمعنی سودمند
حقیقتاً پردے کو چاک کرنے والا (اور) مفید ہوتا ہے

آں چناں [2] کاندر صباحِ روشنی
جس طرح کہ روشنی کی صبح میں

قطرہ می بارید و بالا ابر نی
بارش ہو اور اوپر ابر نہ ہو

معجزِ پیغمبری بود آں سقا
وہ سیرابی پیغمبر کا معجزہ تھی

گشتہ ابر از محو ہمرنگِ سما
فنا کی وجہ سے ابر آسمان کا ہم رنگ ہو گیا تھا

گشتہ ریزاں قطرہ قطرہ از سما
بوندیں آسمان سے ٹپکیں

گفتہ آمد شرحِ آں در ماجرا
اس کی تشریح پہلے گزر چکی ہے

بود ابر و رفتہ از وے خوئے ابر
ابر تھا لیکن اس سے ابر کی صفت جاتی رہی

ایں چنیں گردد تنِ عاشق بصبر
عاشق کا جسم صبر کے ذریعہ ایسا ہی ہو جاتا ہے

تن بود اما تنی گم گشت ازو
جسم ہوتا ہے لیکن جسمیت اس سے فنا ہو جاتی ہے

گشتہ مبدل رفتہ از وے رنگ و بو
وہ تبدیل ہو گیا اس کا رنگ و بو جاتا رہا

بہرِ غیر [3] است سر از بہرِ من
بہر غیر کے لئے ہیں، سر میرے لئے ہے

خانۂ سمع و بصر استونِ تن
(وہ سر) سمع اور بصر کا خانہ ہے (اور) جسم کا ستون

جاں فدا کردن برائے صیدِ غیر
دوسرے کے شکار کے لئے جان قربان کرنا

کفرِ مطلق داں و نومیدی ز خیر
پورا کفر سمجھ اور خیر سے ناامیدی

ہیں مشو چوں قند پیشِ طوطیاں
خبردار! ایسا نہ بن جیسے کہ طوطیوں کے سامنے شکر

بلکہ زہرے شو شو ایمن از زیاں
بلکہ زہر بن جا، نقصان سے محفوظ ہو جا

یا پئے [4] احسنت و شاباش و خطا
یا احسنت اور شاباش اور خطاب کے لئے

خویشتن مردار کن پیشِ کلاب
اپنے آپ کو کتوں کے سامنے مردار بنا دے

ہوں براہِ راست اس کا جلوہ چاہتا ہوں، مظاہر میں پھنس کر لوگ تباہ ہوئے ہیں۔

[1] یا مگر۔ اگر ذاتِ حق سے بواسطہ استفادہ ہو تو ایسے شیخ کے ذریعہ ہو جو باقی باللہ ہو تاکہ وہ حجاب نہ بن سکے۔ تصورِ شیخ سے اس کا وجود باقی باللہ ہو اور اپنی ذات کے اعتبار سے فانی ہو۔

[2] آں چناں۔ شیخ کامل ابر ہے لیکن ایسا ابر ہے جو آسمان کے ہم رنگ ہو چکا تھا بارش برستی نظر آ رہی تھی اور ابر نظروں سے غائب تھا جیسا کہ آنحضورؐ کے اس معجزہ میں کہ ہو چکا ہے جو پہلے ذکر کر دیا گیا ہے۔ بود۔ اس معجزہ میں ابر تھا لیکن اس میں ابر کی صفات باقی نہ تھیں جب عاشق صبر کرلیتا ہے تو اس کے جسم کی بھی یہی حالت ہو جاتی ہے کہ بظاہر مجسم ہے لیکن اس میں جسمانیت نہیں ہے۔

[3] پَر۔ یہ بھی مور کا مقولہ ہے کہ میرے سے پَر عزیز نہیں ہیں سَر عزیز ہے کیونکہ پَروں سے غیر لطف اندوز ہوتے ہیں اور سَر سے میری بینائی اور سماعت اور وجود کا تعلق ہے۔ جان فدا کر دی۔ دوسروں کے لطف کی خاطر جان قربان کرنا بیوقوفی ہے۔ ہیں۔ دنیا داروں کیلئے شکر نہ بن بلکہ زہر بن۔

[4] یا پئے۔ اگر لوگوں کی تحسین و آفرین چاہتا ہے تو [illegible] دنیا داروں کی خاطر اپنے آپ کو مردار بنا لے جو کسی طرح مناسب نہیں ہے۔

جیسے انبیاء اور اولیاء ہوتے ہیں۔ آں چناں۔ ایسی شخصیت پردہ نہیں ہوتی ہے بلکہ پردے کو چاک کرنے والی ہوتی ہے۔

پس خضر کشتی برائے آں شکست | تا کہ آں کشتی ز غاصب باز رست
حضرت خضر نے کشتی اس لئے توڑی | کہ وہ غاصب (بادشاہ) سے نکل گئی

فقر فخری بہر آں آمد سنی | تا ز طماعاں گریزم در غنی
فقر میرا فخر ہے، اسی لئے بہتر بنا | تا کہ لالچیوں سے (اور) غنی کی جانب گریز کروں

گنجہا را در خرابی زاں نہند | تا ز حرص اہل عمراں وا رہند
خزانوں کو ویرانے میں اسی لئے رکھتے ہیں | تا کہ آبادی والوں کی حرص سے نجات پا جائیں

پر نتانی کند رو خلوت گزین | تا نگردی جملہ خرج آن و ایں
تو پر نہیں اکھاڑ سکتا ہے، جا خلوت اختیار کرلے | تا کہ تو اِس اور اُس کا خرچہ نہ بنے

زانکہ تو ہم لقمۂ ہم لقمہ خوار | آکل و ماکولی اے جان ہشدار
کیونکہ تو لقمہ بھی ہے اور لقمہ کھانے والا بھی ہے | اے پیارے ہوش کر: تو کھانے والا اور غذا ہے

سے پس۔ حضرت خضر نے سالم کشتی کو اسی لئے عیبدار بنا دیا تھا کہ وہ دنیا دار ظالموں کی دست برد سے محفوظ رہے انسان لالچی چوروں سے محفوظ رہتا ہے۔

شرح اوپر مولانا نے سایہ کو دشمن فرمایا تھا اور دشمنی سے مراد دشمنی نفس تھی جو سایہ کی طرح غیر منفک ہے۔ اب اس دشمن سے نجات پانے کا طریقہ بیان فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جس وقت آدمی ترک جاہ کرکے تذلل و تمسکن اختیار کرتا ہے اور اس سے اس کا جسم فنا فی الروح سے مزین ہوتا ہے اور غلبہ روحانیت سے اقتضاءات روح حاصل کرلیتا ہے تو وہ یوں ہی سایہ مذکور سے جدا ہو جاتا ہے جس طرح جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سایہ معروف ہے کما ہو المشہور ــــــ اور جسوقت آدمی کا وہ فقر جسکو جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنا فخر فرمایا ہے زیور فنا سے آراستہ ہو جاتا ہے تو آدمی سایہ مذکور.. سے جدا ہو جاتا ہے۔ جیسے شعلہ شمع سایہ معروف ہے۔

ان دونوں تشبیہوں میں تو مشبہ بہ ابتداءً ہی بے سایہ ہے اب ہم اس مضمون کو ایسی تشبیہ سے سمجھاتے ہیں جسمیں مشبہ بہ اول باسایہ ہو اور پھر فنا ہو کر بے سایہ ہو گیا ہو اور کہتے ہیں دیکھو جسوقت موم سر پاؤں تک شعلہ بن جاتا ہے تو اب وہ بے سایہ ہو جاتا ہے اور سایہ اسکے پاس بھی نہیں بھٹک سکتا اس شخص کی خاطر جسنے شمع بنائی تھی۔ اپنی ہستی اور سایہ کو چھوڑ کر ــــــ

شعاع کے اندر پناہ لیتا ہے اور جس وقت کہ شمع گر بزبانِ حال کہتا ہے کہ میں نے تجھے فنا کے لئے بنایا تھا تو وہ بزبانِ حال جواب دیتا ہے کہ میں نے بھی فنا ہونے میں کمی نہیں کی۔ بلکہ میں نے خودی سے بھاگ کر فنا میں پناہ لی ہے۔ پس یہی حالت شمع جسم کی شعلہ روح کے نسبت ہوتی ہے۔ بلکہ اس میں یہ حالت بالاولیٰ ہوتی ہے کیونکہ شعاع روحانی مفروض شعاع باقی ہے نہ کہ شعاع شمع فانی وشل عرض فی عدم البقار۔ پس جبکہ شعاع فانی میں یہ خاصیت ہے تو شعاع باقی میں تو بالاولیٰ ہوگی۔

ہم نے شعلہ شمع کو فانی اور نور روح کو باقی اسلئے کہا کہ جب شمع آگ میں بالکل حل ہوجاتی ہے تو نہ شمع کا ہی نشان رہتا ہے نہ نور کا۔ کیونکہ یہ بات کھلی ہوئی ہے کہ آتش ظاہر ہے موم کے ساتھ قائم ہوکر دفع ظلمت کرتی ہے پس جب موم ہی نہ رہے گا تو آگ ہی باقی نہ رہے گی۔ برخلاف موم شمع جسم کے کہ وہ جس قدر کم ہوتا ہے اور اسکے اقتضامات جس قدر مغلوب ہوتے ہیں اتنی ہی نور روح کو ترقی ہوتی ہے پس نور روح شعلہ باقی ہے اور نور شمع شعلہ فانی۔ اور شمع روح کا شعلہ باقی کیوں نہ ہو وہ تو نور ربانی سے مشتعل ہے جس کے لیے فنا ہی نہیں پس جبکہ یہ شعلہ آتش روحانی نور حق سبحانہٗ ہے تو لامحالہ سایہ فنا اس سے دور ہوگا اور وہ گُل ہونے سے مامون ہوگا۔

اب ہم اصل مقصد کو دوسرے عنوان سے سمجھاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اَبر کے لیے سایہ ہوتا ہے چاند کے لیے سایہ نہیں ہوتا۔ جب یہ معلوم ہوگیا تو اب سمجھو کہ خودی اَبر ہے اور بےخودی و فنا ... عدمِ ابر۔ پس جب تم بےخود اور فانی ہوجاؤ گے تو اس وقت تم بےاَبر چاند ہوں گے۔ اور اس وقت تمہارا سایہ .. (یعنی نفس) نہ ہوگا جو تمہارا دشمن ہے پس تم خودی کو چھوڑ کر اس دشمن سے

پہنچ سکتے ہو اس مقام پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ کچھ مفید باتیں استطراداً بتلا دی جائیں۔ سو کہا جاتا ہے کہ جب چاند پر اَبر آجاتا ہے تو چاند کا نور غائب ہو جاتا ہے اور چاند بمنزلہ خیالی چیز کے ہو جاتا ہے اور پردۂ ابر سے اس کا نور مضمحل ہو جاتا ہے اور بدر بوجہ اضمحلال نور کے بمنزلہ ہلال کے ہو جاتا ہے۔

اور اس اَبر وگرد کے سبب وہ بمنزلہ ایک خیال کے ہو جاتا ہے جب یہ امر معلوم ہو گیا تو اب سمجھو کہ اَبرِ تن یعنی غلبہ جسمانیت نے ہم سے ماہتاب حقیقی کو چھپا دیا۔ اور اسکو ہماری نظر میں ایسا کر دیا جیسا خیال۔ مگر ماہتاب حقیقی کی عنایت دیکھو۔ کہ وہ ہم محجوبین سے اپنا کس درجہ ارتباط ظاہر کرتا ہے اور کہتا ہے کہ اَبر ہائے اجسام ہمارے دشمن ہیں۔ حالانکہ وہ اَبر وغبار سے فارغ ہے اور ہماری ربوبیت پر اس کا دورہ ہے جہاں تک ان اَبروں کی رسائی نہیں ہو سکتی اور اسلئے وہ انکی دشمنی سے غیر متاثر ہے۔ بلکہ اَبر مذکور ہمارا دشمن جانی ہے کہ ماہتاب حقیقی کو ہم سے پوشیدہ کرتا ہے اور اُس حور کی طرح حسین کو ہماری نظر میں بڑھیا کی طرح کریہہ الشکل بنا دیتا ہے اور اس بدر کو ہلال سے بھی کم کر دیتا ہے لیکن ماہتاب حقیقی نے ہم کو آغوش عزت میں بٹھلایا۔ اور ہم کو سرفرازی بخشی کہ ہمارے دشمن کو اپنا دشمن کہا جو کہ اسکے کمال کی ذرہ نوازی ہے۔

اس مقام پر یہ بھی بتلا دینا مناسب ہے کہ ممکنات میں جو کچھ بھی کمال ہے وہ پرتو ہے حق سبحانہٗ کا۔ اور وہ کمال اس کا ذاتی نہیں ہے اسلئے جو کوئی کسی ممکن کو خدا سمجھ جائے وہ گمراہ ہے جیسے آتش پرست، ستارہ پرست وغیرہ کیونکہ ممکنات بمنزلہ اَبر کے ہیں اور حق سبحانہٗ بمنزلہ ماہ کے۔ اور اَبر میں جو کچھ روشنی ہوتی ہے وہ اسکی ذاتی نہیں ہوتی بلکہ پرتو ہوتا ہے چاند کا۔

ایسی صورت میں اگر کوئی ابر کو چاند کہے اسکی غلطی ہے کیونکہ چاند کا نور اَبر پر

پڑا ہے اس سے اس کائنات تاریک منور ہوگیا ہے۔ پس گو وہ برنگِ ماہ اور دولت نور سے مالا مال ہوگیا ہے مگر بایں ہمہ وہ نور اس کا ذاتی نہیں ہے۔ بلکہ مستعار اور ماہ سے ماخوذ ہے یہی وجہ ہے کہ قیامت میں چاند اور سورج سے نور نہیں لیا جائے گا۔ اور آنکھ منبع ضیاء یعنی حق سبحانہ کا نظارہ کریگی تاکہ اسکو معلوم ہوجائے کہ یہ نور ان کی ملک نہ تھا بلکہ مستعار تھا اور وہ معلوم کرلے کہ دُنیا سرائے فانی تھی اور آخرت دار البقاء ہے کیونکہ اس سے معلوم ہوجائیگا کہ دُنیا محل نور مستعار تھی اور آخرت مقام نور اصلی ہے۔

جب یہ معلوم ہوگیا کہ اشیاء عالم کا حسن عاریتی ہے اور حق سبحانہ کا اصلی۔ پس سالک کی وہ تربیت جو ان اشیاء کے آیات اللہ ہونیکی وجہ سے ہوگی وہ بمنزلہ اس تربیت کے ہوگی جو بذریعہ دایہ کے ہو اور حق سبحانہ کی تربیت بلاواسطہ بمنزلہ اس تربیت کے ہوگی جو بذریعہ ماں کے ہو ـــ تو اب مولانا مناجات فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ دایہ تو دو چار روز کے لیے عاریت ہوتی ہے اور ہمیشہ کے لیے تو ماں ہی ہوتی ہے اسلئے میں کہتا ہوں کہ اے ماں! تو مجھے گود میں لیلے اور دایہ کو چھوڑتا ہوں۔

اب مولانا مضمون ارشادی کی طرف انتقال فرماتے ہیں (ویمکن ان یکون انتقالاً الی قصۃ الطاؤس الاول اقرب بالنظر الی المعنی والثانی اقرب بالنظر الی اللفظ) اور کہتے ہیں کہ بیان بالا سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ ہمارے کمالات مستحسنہ عند الخلائق جو کہ بمنزلہ پر طاؤس کے ہیں۔ فی نفسہ ابر اور پردۂ حق سبحانہ اور کثیف ہیں اور حق سبحانہ کے لطف کے عکس سے لطیف اور پاکیزہ ہوگئے ہیں پس ہمیں ان پردوں کو اور ان کے لطف کو رستہ سے ہٹانا چاہیئے تاکہ ہم ماہتاب حقیقی سے براہ راست حُسن کا مشاہدہ کرسکیں ہمیں اس دایہ کی ضرورت نہیں۔ ہمارے لیے تو ماں ہی اچھی ہے کیونکہ ہم بمنزلہ موسیٰ کے ہیں جن کے لیے ماں ہی

دایہ تھی اسلئے ہماری دایہ بھی ماں ہی ہے۔ ہم لطف ماہ حقیقی کو اَبر کے توسط سے نہیں دیکھنا چاہتے کیونکہ دسائط نہایت خطرناک ہیں کہ یہ بہت سے لوگوں کے لیئے راہزن ہوگئے ہیں اور وہ انہی وسائط میں مشغول ہوکر رہ گئے ہیں۔

اب مولانا محابیب و حضرات انبیار و اولیار کے شبہ کو دفع کرتے ہیں۔ جو اس کلام سے پیدا ہوتا ہے اور کہتے ہیں۔ لیکن وہ ابر جو ماہ کے رنگ میں رنگا گیا ہو تاآنکہ اس سے صفت حجابیت مسلوب ہوگئی ہوا ور وہ اس ماہ کے لیے پردہ نہ بنتا ہو۔ اور صورت اسکی قائم ہو۔ مگر اوصاف معدوم ہوں جیسے انبیار و اولیار کے اجسام۔ اب اَبر اس حکم سے مستثنیٰ ہے کیونکہ وہ ماہتاب حقیقی کا پردہ نہیں بنتا۔ بلکہ حقیقت میں وہ مُظہر ماہ اور نافع ہے ـــــ اُس اَبر کی مثال ایسی ہوتی ہے جیسے روزِ روشن میں آسمان سے مینہ برستا تھا اور اَبر نہ دِکھلائی دیتا تھا۔ یہ بارش پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ تھی اور ان کے معجزہ سے اَبر برنگ آسمان ہوگیا تھا۔ اسلئے وہ واقع میں موجود تھا مگر کالمعدوم تھا۔ اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ آسمان سے پانی برس رہا ہے۔

اسکی تفصیل دفتر اوّل داستان سوال عائشہؓ وآنحضرتؐ میں (کماقال بحرالعلوم) یا دفتر سوم غلام حبشی میں (کماقال ولی محمد) میں بھی گذر چکی ہے۔ سو یہ ابر واقع میں موجود تھا۔ مگر صفت ابریت اس سے سلب ہوگئی تھی۔ کیونکہ وہ آسمان کو چھپاتا نہ تھا بلکہ آسمان اسکے ہوتے ہوئے بھی یونہی ظاہر تھا جیسے اسکے عدم کی صورت میں بس یہی حالت عُشّاق خداوندی کے اجسام کے مجاہدات کی بدولت ہوجاتی ہے کہ وہ جسم ہوتے ہیں مگر صفات وخصائص جسمیہ ان سے جاتی ... رہتی ہے اور وہ بالکل بدل جاتے ہیں اور اوصاف جسمانیہ ان میں جاتے نہیں رہتے ایسے اجسام راہزن نہیں ہیں۔

یہ مضمون استطرادی ختم ہوا تو پھر مضمون ارشادی شروع کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ یہ کمالات تو اوروں کے لئے ہیں کہ ان سے انہی کو فائدہ ہوتا ہے اور سر خود اپنے لیے۔ کیونکہ وہ گھر ہے سمع و بصر کا اور ستون ہے جسم کا۔ یعنی کمالات جو مدارِ حیات روحانی و منافع روحانی ہیں ان کا نفع خود اپنی طرف راجع ہے پس دوسروں کے مقصود کے لیے اپنی جان دیدینا اور کمالات روحانیہ کو کمالات نفسانیہ پر قربان کردینا سراسر ناشکری اور ہر قسم کی بھلائی سے مایوسی کا سبب ہے۔

پس تم کو طوطیوں کے سامنے قند یعنی مرغوب و مطلوب خلائق نہ بننا چاہیئے بلکہ زہر اور نامرغوب ہونا چاہیئے۔ اور اس طرح نقصان سے بے کھٹکے ہوجانا چاہیئے اور اگر تم ایسا نہ کرو اور آفریں و شاباش اور خطاب عزت کے لیے اپنے کو ان کتوں کے سامنے مردار بناؤ۔ یعنی نام کے لیے اپنے کو لوگوں کے اغراض کے لیے وقف کردو تو تمہیں اختیار ہے۔ ہاں اگر بچنا چاہو۔ تو اسکی صورت وہی ہے جو ہم نے بیان کی کہ اپنے کو نامرغوب اور قابلِ نفرت خلائق بناؤ۔

دیکھو! خضر علیہ السلام نے کشتی کو اسلئے توڑ ڈالا تھا کہ وہ نامرغوب ہوجائے اور بادشاہ غاصب کے پنجہ سے چھوٹ جائے۔ اور بقولئے حدیثِ نبوی الفقر فخری فقر ہمارے لیے موجب فخر اس لئے ہے کہ ہم طامعین سے چھوٹ کر غنی (حق سبحانہٗ) کی پناہ میں چلے جائیں اور خزانوں کو غیر معروف اور اجاڑ مقامات پر اسی لیے رکھتے ہیں کہ آبادی کے لوگوں کی دست بردی سے بچ جائے اور اگر تم پر نہیں اکھیڑ سکتے اور فقر و تذلل و تمسکن اختیار نہیں کرسکتے اور اپنے کو نامرغوب خلائق نہیں بناسکتے تو خلوت اختیار کرو اور لوگوں سے اختلاط کم کردو۔ تاکہ لوگ تمہیں بالکل نہ کھاجائیں ـــــ کیونکہ جس طرح تم کھانے والے ہو یونہی دوسروں کی غذا بھی ہو۔ پس تم آکل و ماکول دونوں ہو۔ اسلیئے تم کو ہوشیار رہنا چاہیئے

در بیان آنکہ ماسوائے اللہ تعالیٰ ہر چیزے آکل و ماکول است

اس کا بیان کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ ہر چیز کھانے والی اور غذا ہے

ہمچو آں مرغے کہ قصدِ صیدِ ملخ میکرد و بصیدِ ملخ مشغول بود

اُس پرندہ کی طرح جو ٹڈی کے شکار کرنے کا ارادہ کرتا ہے اور ٹڈی کے شکار میں مشغول

و غافل بود از باز گرسنہ کہ از پسِ قفائ اُو قصدِ صیدِ او

ہوتا ہے اور اُس بھوکے باز سے غافل ہوتا ہے جو اُس کے پس پشت اُس کے شکار کرنے کا

داشت اکنوں اے آدمی صیادِ آکل از صیاد و آکلِ خود

ارادہ رکھتا ہے، اب اے کھانوالے شکاری انسان اپنے شکاری اور کھانوالے سے مطمئن نہ

ایمن مباش کہ اگرچہ نمی بینی اَش بنظرِ چشم بنظرِ دلیل و

بن کیونکہ اگرچہ تو اُس کو آنکھ کی نگاہ سے نہیں دیکھتا ہے دلیل اور عبرت کی

عبرتش می بین تا چشمِ تیرہ باز شود انشاء اللہ تعالیٰ

نظر سے دیکھ لے تاکہ تیری بے نور آنکھ کھل جائے اگر خدا چاہے

مُرغکے اندر شکارِ کرم بُود ؎ گربہ فرصت یافت اُو را در ربُود

ایک چھوٹا سا پرندہ کیڑے کے شکار میں مصروف تھا ؎ بلی کو موقع ملا وہ اُس کو اُچک لے گئی

آکل و ماکول بود اُو بے خبر ؎ در شکارِ خود ز صیادِ دگر

وہ کھانے والا اور لقمہ تھا اور بے خبر تھا ؎ اپنے شکار میں، دوسرے شکاری سے

دُزد گرچہ در شکارِ کالہ است ؎ شحنہ با خصمانش در دُنبالہ است

چور اگرچہ سامان کے شکار میں مصروف ہے ؎ کوتوال مع اُسکے دشمنوں کے اُسکے پیچھے ہے

عقلِ اُو مشغولِ رخت و قفلِ در ؎ غافل از شحنہ است و از آہِ سحر

اُس کی عقل سامان اور دروازے کے قفل میں مشغول ہے ؎ وہ کوتوال اور صبح کی آہ سے بے خبر ہے

اُو چناں غرق ست در سودائے خود ؎ غافل ست از طالب و جویائے خود

وہ اپنی دھن میں ایسا غرق ہے ؎ کہ اپنے طالب اور جویا سے غافل ہے

گر حشیش آب زلالے میخورد ؎ معدۂ حیوانش در پے میچرد

اگر گھاس نیر پانی پیتی ہے ؎ بعد میں اُس کو حیوان کا معدہ چر لیتا ہے

آکل و ماکول آمد آں گیاہ ؎ ہمچنیں ہر ہستیِ غیرِ الٰہ

وہ گھاس کھانے والی اور غذا بن گئی ؎ خدا کے سوا ہر موجود ایسا ہی ہے

لہ پرتش نی کنہ۔ اگر مور اپنے پرندہ کھا ڈالنے کے ذریعہ خلوت اختیار کرے تاکہ جلوہ سازی کا موقع ہی نہ رہے اور دوسرے ہضم نہ کر جائیں۔ تا نہ۔ جو انسان دوسروں کو پھنساتا ہے وہ خود بھی پھنس جاتا ہے دنیا کی ہر چیز دوسرے کا لقمہ اور دوسرے کو لقمہ بنانے والی ہے۔

لہ در بیان۔ تمام کائنات میں تنازع البقاء ہے ہر چیز دوسری چیز کو کھاتی ہے اور پھر کھانے والی چیز دوسری چیز کی غذا بن جاتی ہے ایک چڑیا کیڑے کا شکار کرتی ہے اور اس سے غافل ہے کہ باز اُس کا شکار کرنے کی فکر میں ہے جو انسان شکاری دوسرے کو کھانے والا ہے اُس کو اپنے کھانے والے سے بے فکر نہ ہونا چاہیئے خود اُس کو کھانے والا اگرچہ نظر نہیں آتا ہے لیکن اُس کو عقل کی آنکھ سے دیکھنا چاہیئے۔ کرم۔ کیڑا۔

لہ آکل۔ پرندہ کیڑے کو کھا رہا تھا لیکن وہ خود بلی کی خوراک تھا جس سے وہ غافل تھا۔ دزد۔ چور سامان کے درپے ہے اور کوتوال چور کے درپے ہے شحنہ۔ کوتوال۔ آہ سحر۔ یعنی مظلوم کی صبح کی بددعا۔ اُو چناں۔ چور اپنی دھن میں اس قدر منہمک ہے کہ اپنے دشمن سے بالکل غافل ہے۔

لہ گر حشیش۔ اگر گھاس پانی کو ہضم کرتی ہے تو حیوان کا معدہ اُس کو ہضم کر ڈالتا ہے۔

وَهُوَ یُطْعِمُکُمْ وَلَا یُطْعَمُ چو اُوست
چونکہ وہ تمہیں کھلاتا ہے اور کھلایا نہیں جاتا ہے

نیست حق ماکول و آکل لحم و پوست
تو اللہ (تعالیٰ) غذا اور گوشت پوست کا کھانیوالا نہیں ہے

آکل و ماکول کے ایمن بود
کھانیوالا اور غذا بنجانے والا کب مطمئن ہو سکتا ہے؟

زآں کلے کاندر کمیں ساکن بود
اُس کھانیوالے سے جو گھات میں بیٹھا ہوا ہے

امن ماکولاں جذوب ماتم ست
کھائے جانیوالوں کا اطمینان رنج کا سبب ہے

رو بداں درگاہ کو لایطعم ست
اُس درگاہ میں جا جو کھلایا نہیں جاتا ہے

ہر خیالے را خیالے میخورد
ہر خیال کو ایک خیال کھا جاتا ہے

فکر آں فکرِ دگر را می چرد
اُس کا فکر دوسرے فکر کو چر جاتا ہے

تو نتانی کز خیالے وارہی
تو نہیں کرسکتا کہ خیال سے نجات پا جائے

یا بخسپی تا ازاں بیروں جہی
یا سو جائے، تاکہ اُس سے باہر نکل جائے

فکر زنبورست و آں خواب تو آب
تیرا خیال شہد کی مکھی ہے اور نیند، پانی ہے

چوں شوی بیدار باز آید ذباب
جب تو جاگے گا پھر مکھی آجائے گی

چند زنبور خیالی در پرد
خیال کی بہت سی مکھیاں اڑتی ہیں

میکشد ایں سو و آں سو می برد
ادھر کھینچتی ہیں اور اُدھر لے جاتی ہیں

کمترین آکلانست ایں خیال
یہ خیال کھا جانے والوں میں سے سب سے چھوٹا ہے

واں دگرہا را شناسد ذوالجلال
دوسرے (کھانے والوں) کو خدا جانتا ہے

ہیں گریز از جوقِ اکالِ غلیظ
خبردار! بھاری (زیادہ کھانیوالوں کی جماعت سے بھاگ)

سوئے او کہ گفت ہستیمت حفیظ
اُس کی جانب جس نے فرمایا ہے ہم تیری حفاظت کرنیوالے ہیں

یا بسوئے آنکہ او ایں حفظ یافت
یا اُس کی جانب جس نے یہ حفاظت حاصل کرلی ہو

گر نتانی سوئے آں حافظ شتافت
اگر تو اُس حفاظت کرنیوالے کی جانب نہیں دوڑ سکتا ہو

دست را مسپار جز در دستِ پیر
شیخ کے ہاتھ کے سوا کسی کا ہاتھ نہ پکڑ

حق شدست آں دست او را دستگیر
اُس کے ہاتھ کا اللہ تعالیٰ ہاتھ پکڑنے والا بنگیا ہے

پیرِ عقلت کودکے خو کردہ است
تیری عقل کے پیر نے بچکانہ عادت ڈال لی ہے

از جوارِ نفس کاندر پردہ است
اُس نفس کے پڑوس کی وجہ سے جو پردے میں ہے

عقلِ کامل را قرینِ کن با خرد
عقل کامل کو عقل کا ساتھی بنا لے

تا کہ باز آید خرد زاں خوئے بد
تاکہ عقل، اُس بری عادت سے باز آجائے

• کمتر درجہ کی چیزیں جب اُن کا یہ حال ہے تو بڑی چیزوں کی حالت خدا ہی کو معلوم ہے۔ ہیں۔ انسان کو ان تباہ کن چیزوں سے بچنے کے لئے خدا کی پناہ حاصل کرنا ضروری ہے۔ یا بسوئے۔ اگر تم اپنا رابطہ براہِ راست خدا سے نہیں قائم کرسکتے ہو تو کسی برگزیدہ شیخ کو واسطہ بنالو۔

جبر آکل۔ خدا کے علاوہ ہر چیز دوسرے کو فنا کرتی ہے اور اُس کو دوسری چیز فنا کر ڈالتی ہے۔ وَهُوَ یُطْعِمُکُمْ۔ اللہ کی شان ہے کہ وہ دوسروں کو غذا عطا کرتا ہے خود غذا سے بے نیاز ہے۔ آکل و ماکول۔ دنیا کی کوئی چیز اپنے نگل جانے والے سے مطمئن نہیں ہوسکتی ہے۔ امن۔ ان فانی چیزوں کا اپنی فنا سے مطمئن رہنا بڑی مصیبت ناک چیز ہے اس معاملہ میں اللہ کی جانب رجوع ضروری ہے۔ ہر خیالے۔ یہ بات صرف مادیات میں ہی نہیں ہے بلکہ ایک خیال دوسرے خیال کو کھا جاتا ہے۔

تو نتانی۔ انسان تصورات اور خیالات سے کسی طرح نجات نہیں پاتا ہے اگر انسان خیالات کو ختم کرنے کے لئے سو بھی جاتا ہے تو وہ خیالات اُن شہد کی مکھیوں کی طرح باقی رہتے ہیں جو کسی غوطہ خور کی فکر میں باہر اڑ رہی ہیں تاکہ اُس کے پانی سے باہر نکلنے پر اُس کو چمٹ جائیں۔ چند زنبور۔ انسان خیالات کی خلش میں مبتلا رہتا ہے ایک خیال اُس کو ایک جانب کھینچتا ہے تو دوسرا خیال اُس کو دوسری جانب کھینچتا ہے۔

کمترین۔ انسان کو کھانے والی چیزوں میں سے خیالات •

دست۔ سپار لیکن اپنا ہاتھ حقیقی شیخ کے ہاتھ میں پکڑا دو کیونکہ اُس کے ہاتھ کو اللہ کی دستگیری حاصل ہے۔ پیر عقلت۔ تیری عقل بچکانہ عادت رکھتی ہے کیونکہ وہ پوشیدہ نفس کے پڑوس میں

چونکہ دستِ خود بدستِ او نہی — پس زدستِ آکلاں بیروں جہی

جبکہ تو اپنا ہاتھ اُس کے ہاتھ پر رکھ دے گا — تو کھانے والوں کے ہاتھ سے باہر نکل جائے گا

دستِ تو از اہلِ آں بیعت شود — کہ یَدُ اللّٰہِ فَوْقَ اَیْدِیْھِمْ بُوَد

تیرا ہاتھ اُن بیعت کرنیوالوں میں سے ہو جائیگا — کہ جن کے ہاتھوں پر خدا کا ہاتھ ہوتا ہے

چوں[12] بدادی دستِ خود در دستِ پیر — پیرِ حکمت کو علیم ست و خبیر

جب تونے اپنا ہاتھ شیخ کے ہاتھ میں پکڑا دیا — وہ پیرِ حکمت ہے کیونکہ وہ دانا اور باخبر ہے

کو نبیِ وقتِ خویش ست اے مُرید — زانکہ زو نورِ نبی آید پدید

اے مُرید: وہ اپنے وقت کا نبی ہے — کیونکہ اُس سے نبی کا نور جھلکتا ہے

در حُدیبیہ شُدی حاضر بدیں — واں صحابہ بیعتی راہم قریں

تو اِس وجہ سے حدیبیہ میں پہنچ گیا — اور اُن بیعت کرنے والے صحابہ کا ساتھی بھی بن گیا

پس زدہ[13] یارِ مُبشّر آمدی — ہمچو زرِ دہ دہی خالص شدی

تو تو "عشرہ مبشرہ" صحابہ میں سے ہوگیا — خالص سونے کی طرح تو خالص بن گیا

تا مَعیت راست آید زانکہ مَرد — با کسے جُفت ست کورا دوست کرد

تاکہ (خدا کی) معیت حاصل ہو جائے کیونکہ انسان — اُس کا ساتھی ہے جس کو اُس نے دوست بنایا ہو

ایں جہان و آں جہاں با اُو بود — ویں حدیثِ احمدِ خوش خُو بود

یہ جہان اور وہ جہان اُسکے ساتھ ہوگا — یہ خوش خلق احمدؐ کی حدیث ہے

گفت اَلْمَرْءُ مَعَ مَحْبُوْبِہٖ — لَا یُفَکُّ الْقَلْبُ مِنْ مَّطْلُوْبِہٖ

فرمایا۔ "انسان اپنے محبوب کے ساتھ ہے" — قلب اپنے مطلوب سے جدا نہیں ہوتا ہے

ہر کجا دام ست و دانہ کم نشیں — رَو[14] زبوں گیر از زبوں گیراں بہ بیں

جہاں کہیں دانہ اور جال ہے، نہ بیٹھ — جا عاجزوں کو پھنسانیوالوں میں کسی عاجز کو پھنسانیوالے کو دیکھ

اے زبوں گیرِ زبوناں ایں بداں — دست ہم بالای دست ست اے جواں

اے عاجزوں پر ظلم کرنے والے، یہ سمجھ لے — کہ تیرے ہاتھ کے اوپر بھی ہاتھ ہے اے جوان!

بگسل آں حبلے کہ حرص ست و حسد — یاد کن فِیْ جِیْدِھَا حَبْلٌ مِّسَد

اُس رَسّی کو توڑ دے جو حرص اور حسد ہے — "اُسکے گلے میں مونج کی رسّی ہے" کو یاد کرلے

دل فراز از دام واجب دیدہ است — دامِ تو خود بر پرت چفسیدہ است

دل نے جال سے علیحدگی ضروری سمجھی ہے — تیرا جال خود تیرے پَروں پر چسپاں ہے

تو[15] زبونی یا زبوں گیرے عجب — باش تو ترساں و لرزاں در طلب

تعجب ہے تو عاجز ہے یا عاجز پر ظلم کرنیوالا — تو طلب میں ترساں اور لرزاں رہا کر

ہے عقلِ کامل۔ تو اپنی عقل کو شیخ کی عقل سے وابستہ کردے وہ بچکانہ عادت چھڑا دے گا چونکہ جب تو شیخ کے ہاتھ میں ہاتھ دیدیگا وہ تجھے برباد کرنے والی چیزوں سے بچالے گا۔

[12] چوں بدادی۔ جب تو شیخ کی ہدایت کا پابند ہوگا تب تجھے تجربہ ہوگا وہ تجربہ کار ہے۔ کہ شیخِ وقت کو نبی کا پرتو حاصل ہوتا ہے۔ در حُدیبیہ۔ حدیبیہ کے مقام پر آنحضورؐ نے بیعتُ الرضوان لی تو اللہ تعالیٰ نے آنحضورؐ کے ہاتھ کو اپنا ہاتھ قرار دیا شیخ سے بیعت کرنے کے بعد تجھے بھی ویسی ہی فضیلت حاصل ہو جائے گی جیسی بیعت الرضوان کرنے والوں کو حاصل ہوئی تھی۔

[13] دہ یار مبشر۔ عشرہ مبشرہ وہ دس صحابہ جن کو آنحضورؐ نے اُنکی زندگی میں جنت کی بشارت دیدی تھی۔ چاروں خلیفہ حضرت زبیرؓ حضرت طلحہؓ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف حضرت ابو عبیدہ حضرت سعدؓ بن وقاص حضرت سعیدؓ بن زید دہ دہی۔ وہ خالص سونا ہوتا ہے جو تپانے سے اُسی وزن کا رہے جس وزن کا وہ تھا۔ گفت۔ حدیث شریف ہے اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّہٗ "انسان اُس کے ساتھ ہے جس سے وہ محبت کرتا ہے" یہ حکم دنیا اور آخرت دونوں کے لئے ہے۔

[14] رَو۔ دنیا میں کمزوروں پر ظلم کرنیوالوں کا حال دیکھ لے۔ اے زبوں۔ کمزوروں پر ظلم کرنے والوں کو یہ جان لینا چاہیئے کہ کوئی نہ کوئی اُس سے بھی زیادہ طاقتور ہوگا۔ بگسل۔ مولانا نے ابولہب کی بیوی کے گلے کی رَسّی کو حرص اور حسد کی رَسّی قرار دیا ہے۔ دل فراز۔ جبکہ عقلاً جال سے جدائی ضروری ہو

آکل و ماکولی اے مرغِ عجب — ہم تو صید و صید گیر اندر طلب

اے عجیب پرندے! تو کھانے والا اور کھایا ہوا ہے — تو طلب میں شکار بھی ہے اور شکاری بھی

حرصِ صیادی ز صید مُغفل ست — دلبری میکند کو بیدل ست

شکاری پن کی حرص شکار بن جانے سے غافل کرنیوالی ہے — وہ دلبری کر رہا ہے جو خود بیدل ہے

بَیْنَ اَیْدِیْ خلفہم سدًّا مباش — کہ نہ بینی خصم را واں خصم فاش

تو ان میں سے نہ بن جن کے آگے اور پیچھے دیوار ہے — کیونکہ تو دشمن کو نہیں دیکھتا ہے اور وہ دشمن ظاہر ہے

تو کم از مرغے مباش اندر نشید — بین ایدی خلف عصفورے بدید

تو سیٹی سننے میں پرندے سے کم نہ بن — چڑیا آگے اور پیچھے دیکھتی ہے

کم ز عصفورے مبو بنگر کہ آں — بین ایدی خلف چوں بیند عیاں

تو چڑیا سے کم نہیں ہے، دیکھ وہ — آگے اور پیچھے کھلا دیکھ لیتی ہے

چوں بنزد دانہ آید پیش و پس — چند گرداند سر و رو آں نفس

جب دانہ کے پاس آتی ہے آگے اور پیچھے — اس وقت سر اور چہرے کو کس قدر گھماتی ہے

کاے عجب پیش و پسم صیاد ہست — تا کشم از بیم اُو زیں لقمہ دست

کہ کہیں میرے آگے اور پیچھے شکاری تو نہیں ہے؟ — تاکہ اس کے ڈر سے اس لقمہ سے ہاتھ کھینچ لوں

تو بہ بیں پس قصۂ فجار را — پیش بنگر مرگِ یار و جار را

تو بدکاروں کے قصہ کو پیچھے دیکھ لے — آگے یار اور پڑوسی کے مرنے کو دیکھ لے

کہ ہلاکت داد شاں بے آلتے — اُو قرینِ تست در ہر حالتے

کہ انکو (اللہ تعالیٰ) نے بلا آلہ کے ہلاک کر دیا — وہ ہر حالت میں تیرے ساتھ ہے

حق شکنجہ کرد و گرز و دست نیست — پس بداں بے دست حق داور کیست

اللہ (تعالیٰ) نے شکنجہ میں کس دیا اور گرز اور ہاتھ نہیں ہے — تو سمجھ لے اللہ (تعالیٰ) بغیر ہاتھ کے سزا دینے والا ہے

آنکہ میگفتے اگر حق ہست کو — در شکنجہ اُو مقر می شد کہ ہُو

وہ جو کہتا تھا کہ اگر اللہ ہے تو کہاں ہے؟ — شکنجہ میں وہ مقر ہو گیا کہ وہ ہے

وآنکہ میگفت ایں بعید ست و عجیب — اشک میراند و ہمیگفت اے قریب

وہ جو کہتا تھا کہ یہ بعید اور عجیب ہے — وہ آنسو بہاتا ہے اور کہتا ہے اے نزدیک!

آنکہ جز انکارِ حق کارش نبود — بُرد حسرت عاقبت بے ہیچ سُود

وہ جس کا کام سوائے اللہ تعالیٰ کے انکار کے کچھ نہ تھا — انجام کار بلا فائدہ اُس نے حسرت کی

در نگر احوالِ فرعون و ثمود — قومِ لوط و قومِ صالح قوم ہُود

فرعون اور ثمود کے احوال دیکھ لے — قوم لوطؑ اور قوم صالحؑ اور قوم ہودؑ کے

حالِ نمرودِ ستمگر در نگر — در مآلِ قومِ نوحؑ افگن نظر

ظالم نمرود کی حالت دیکھ لے — قوم نوحؑ کے انجام پر نگاہ ڈال لے

تو تیرا جال خود تیرے پر لب سے چپکا ہوا ہے۔

لے آکل و ماکول۔ ہر انسان کو احتیاط کے ساتھ غور کرنا چاہیئے کہ وہ معلوم ہے یا عالم آکل و ماکول۔ ہر انسان کھانے والا اور دوسرے کی خوراک ہے لہٰذا وہ خود شکار بھی ہے اور شکاری بھی ہے۔ حرص۔ انسان کی شکاری پن کی عادت اُس کو خود شکار بن جانے سے غافل بنائے ہوئے ہے وہ دوسروں کا دل چھینتا ہے اور خود اُس کا دل چھن چکا ہے۔ بَیْنَ اَیْدِیْ۔ انسان کو ایسا غافل نہ ہونا چاہیئے کہ اُس کے سامنے غفلت کی ایسی دیوار ہو جو کھلے ہوئے دشمن کو بھی نہ دیکھنے دے۔

لے تو کم۔ چڑیا اپنے پھنسنے کے خوف سے اِدھر اُدھر کو دیکھ لیتی ہے۔ کم ز عصفورے۔ چڑیا آگا پیچھا دیکھ لیتی ہے تو چڑیا سے کم نہ بن۔ کاے عجب۔ وہ چڑیا اسلئے اِدھر اُدھر دیکھتی ہے کہ کوئی شکاری تو نہیں ہے تاکہ دانہ سے قطع نظر کروں۔ تو بہ بیں۔

لے کہ ہلاکت۔ اللہ تعالیٰ نے پہلے بدکاروں کو بغیر کسی ظاہری آلہ کے ہلاک کر دیا۔ حق۔ اللہ تعالیٰ نے اُس کو بغیر گرز اور ہاتھ کے سزا دیدی تجھے یقین کر لینا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ بغیر ظاہری ہاتھ کے سزا دیدیتا ہے۔ آنکہ۔ منکرِ خدا بھی سزا کے وقت خدا کا اقرار کر لیتا ہے۔ وآنکہ۔ جو منکر خدا کا وجود عقل سے دور سمجھتا تھا عذاب کے وقت اُس کو یا قریب کہہ کر پکارتا ہے۔ کارش نبود۔ خدا کے منکروں کا انجام کار حسرت

انسان کو چاہیئے بدکاروں کے انجام اور حشر سے عبرت حاصل کرے

تا بدانی حق سمیع ست و علیم
تاکہ تو جان لے کہ اللہ (تعالےٰ) سمیع اور علیم ہے

فارغ ست از ترس و پاک از باک و بیم
وہ خوف سے بے نیاز ہے اور ڈر اور پروا سے پاک ہے

بر کنم من میخ ایں منحوس دام
میں اس منحوس جال کی کھونٹی اکھاڑ رہا ہوں

از پئے کلمے نباشم تلخ کام
مقصد کے لئے (تاکہ) میں ناکام نہ بنوں

درخورِ عقل تو گفتم ایں جواب
تیری عقل کے مناسب میں نے یہ جواب دیدیا

فہم کن وز جستجو رو بر متاب
سمجھ لے اور جستجو سے منہ نہ موڑ

اُٹھانا پڑے گی۔
ٹ۵ در نگر۔ جن منکروں کو انجام کار حسرت اُٹھانی پڑی اُن کو شمار کیا گیا ہے۔ تا بدانی۔ اُن لوگوں اور قوموں کے انجام سے تمہیں معلوم ہو جائیگا کہ حق تعالیٰ مظلوموں کی فریاد سنتا ہے اور وہ سب کچھ جانتا ہے اور ظالموں کو تباہ کرنے میں اُس کو کوئی باک نہیں ہے۔ بر کنم۔ یہ بھی مور کا مقولہ ہے کہ یہ پر بمنزلہ جال کے ہیں لہٰذا میں انکو مقصد بر آری کے لئے اُکھاڑ رہا ہوں۔
ٹ۵ درخورد۔ مور نے ناصح حکیم سے کہا کہ تیری عقل کے مناسب میں نے یہ جواب دے دیا ہے۔ اب تو اس کو خوب سمجھ لے۔ جنب گشتن۔ حضرت ابراہیمؑ نے جو کوّے کو ہلاک کیا تو وہ کونسی انسانی بری صفت کے ازالہ کی طرف اشارہ تھا۔ اے خلیلؑ۔ حضرت ابراہیمؑ آپ فرمائیں کہ کوّے کو ہلاک کرنے میں کیا حکمت پنہاں ہے۔

شرح

دیکھو! ایک جانور ایک کیڑے کے شکار میں مشغول تھا کہ بلی کو موقع ملا اور اُسے اڑا لے گئی وہ جانور آکل بھی تھا اور ماکول بھی۔ مگر اپنے شکار کے شغل میں اپنے شکار سے غافل تھا۔

علیٰ ھٰذا چور اگر سامان کے شکار کے درپے ہوتا ہے تو کوتوال دیگر دشمنوں سمیت اس کے درپے ہوتا ہے مگر اس کی عقل سامان کے حاصل کرنے اور تالے توڑنے کی فکر میں مشغول ہو کر کوتوال اور مظلوم کی آہ سحر سے غافل ہوتا ہے اور وہ اپنے خیال میں یوں مستغرق ہوتا ہے کہ اسے اسکی فکر نہیں ہوتی کہ کوئی میرے بھی درپے ہے ——— اسی طرح گھاس آبِ شیریں پیتا ہے مگر بعد کو جانور اسے چر لیتے ہیں لہٰذا گھاس آکل بھی ہے اور ماکول بھی۔

القصہ! حق سبحانہٗ کے خلاف جتنی موجودات ہیں سب آکل بھی ہیں اور ماکول بھی لیکن خدا تعالیٰ چونکہ مصداق یطعمکم ولا یطعم ہے لہٰذا وہ ماکول و آکل اور لحم و پوست جسم اور جسمانی نہیں ہے ——— جب یہ معلوم ہو گیا تو اب سمجھو! کہ جو چیز آکل بھی ہے اور ماکول بھی وہ اُس آکل سے بے خوف نہ

نہیں ہوسکتی جو اسکی گھات میں لگا ہوا ہے کیونکہ وہ اگر بے خوف ہوگی تو لامحالہ اس پر تباہی آئے گی پس اگر تم کو ماکولیت سے بے خوفی کی ضرورت ہے تو درگاہ خداوندی میں پناہ لو۔ جو کہ آکل نہیں ہے۔ اسی طرح تم ماکولیت سے بے خوف ہوسکتے ہو ------ منجملہ کھانے والوں کے ایک خیال بھی ہے کیونکہ ایک خیال دوسرے خیال کو کھا جاتا ہے اور ایک فکر دوسرے فکر کو چٹ کر جاتا ہے۔

اب سنو! کہ تم سے نہیں ہوسکتا کہ تم خیال سے بالکل چھوٹ جاؤ اور نہ یہ ہی ہوسکتا ہے کہ جب تک اس خیال سے جدا نہ ہوجاؤ اسوقت تک سوجاؤ۔ ہاں جب وہ خیال جاتا رہے گا اسوقت تم کو نیند آسکتی ہے لیکن سوکر ہی تم اس سے بالکل نجات نہیں پاسکتے کیونکہ وہ بمنزلہ شہد کی مکھی کے ہے اور نیند بمنزلہ پانی کے اسلئے وہ صرف اس وقت تک جدا رہے گا جب تک نیند باقی رہے اور جس وقت نیند جاتی رہی اور تم جاگ گئے پھر فوراً آموجود ہوگا۔

غرضکہ یہ خیال کی مکھی ہمیشہ اُڑتی رہتی ہے اور کبھی تمہیں اِدھر لیجاتی ہے اور کبھی اُدھر۔ پس وہ ہمیشہ اس طرح تم کو کھاتی رہتی ہے اور خیال تو ادنےٰ درجہ کا آکل ہے اور آکل اس سے بھی بڑے ہیں جس کو خدائے ذوالجلال جانتا ہے۔ پس ہم کو چاہیئے کہ اس زبردست کھانے والی جماعت سے بھاگو۔ اور اس کے پاس پناہ لو۔ جو تمہاری حفاظت کی ذمہ داری کرتا ہے یعنی حق سبحانہٗ کے پاس، اور ماسوی اللہ کو چھوڑ کر بلا واسطہ حق سبحانہٗ سے تعلق پیدا کرلو ---- اور اگر تم سے یہ نہیں ہوسکتا تو اس شخص کے پاس پناہ لو جس نے حفاظت حق سبحانہٗ سے حاصل کرلی ہے اور اسکی حفاظت سے محفوظ ہوگیا ہے۔ یعنی شیخ کامل اور شیخ کامل کے علاوہ اپنے کو کسی کے سپرد نہ کرو۔ کیونکہ اسکے سوا جتنے ہیں ... سب کھانے والے ہیں اور صرف وہ ہے جو حفاظت کرنے والا ہے کیونکہ حق سبحانہٗ

ہی اسکے ممد و معاون ہیں جو کہ اسکو حفاظت میں مدد دیتے ہیں۔

تم نے اپنی عقل کو شیخ بنا رکھا ہے مگر یاد رکھو! کہ وہ طفلانہ حرکات کی خوگر ہے اور یہ بے ہودہ حرکات کرتی ہے اسلئے شیخیت اسکو شایاں نہیں ہے پس تم اپنی عقل کے ساتھ عقل کامل یعنی عقلِ شیخ کو ملاؤ تاکہ تمہاری عقل اُسکی صحبت سے خوئے بد یعنی طفلانہ خصائل سے باز آئے ——— دیکھو جبکہ تم اپنے کو شیخ کے سپرد کر دوگے اس وقت تم مردم خواروں سے بچ جاؤ گے۔ اور تمہارا ہاتھ ان مبایعین میں شمار ہوگا جس کی نسبت ید اللہ فوق ایدیھم وارد ہوا ہے اور جبکہ تم اپنے ہاتھ اس شیخ کے ہاتھ میں دیدو گے جو کہ دانا ہے اور جو کہ بمنزلہ نبیؐ وقت کے ہے کیونکہ بوجہ نیابت نبی کے نورِ نبی یعنی نورِ ہدایت اس سے ظاہر ہوتا ہے۔ تو اس ذریعہ سے تم حدیبیہ میں حاضر ہو جاؤ گے اور صحابہ مبایعین کے ساتھ ہو جاؤ گے۔ اور عشرہ مبشرہ میں داخل ہو جاؤ گے اور کُندن بن جاؤ گے۔ حتٰی کہ تمہاری صحابہ مذکورین کے ساتھ معیت درست ہو جائے گی کیونکہ ایسا کرنے سے تمہارے اندر ان صحابہ کی محبت پیدا ہوگی اور قاعدہ ہے کہ آدمی جس سے محبت کرتا ہے اسی کے ساتھ ہوتا ہے اِس جہاں میں بھی اور اُس جہاں میں بھی ——— اور یہ ہم اپنی طرف سے نہیں کہتے بلکہ حدیث نبوی ہے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی۔ چنانچہ آپنے فرمایا کہ المرء مع من احبہ یعنی آدمی اپنے محبوب کے ساتھ ہوتا ہے جس طرح کہ دل اپنے مطلوب کے ساتھ ہوتا ہے اور اس سے جُدا نہیں ہوتا اس بنار پر تم ان صحابہ کے ساتھ ہوئے۔

القصہ جہاں کہیں دام و دانہ اور سامانِ حرص ہو تم وہاں نہ بیٹھنا کیونکہ وہاں کوئی صیاد ضرور چھپا ہوگا۔ تم جاکر دیکھ لینا۔ ضرور تم کو ملے گا اور گو تم صیاد ہو ——— مگر تم کو واضح ہو کہ تمہارا بھی کوئی صیاد ہے اور تم سے

بھی زیادہ کوئی زبردست ہے پس تم دامِ حرص وحسد کو توڑ دو۔ ورنہ تم بھی پھندے میں آجاؤ گے یا ورنہ ہو تو فِیْ جِیْدِهَا حَبْلٌ مِّنْ مَّسَدٍ کو پڑھ لو۔ اور سمجھ لو کہ تم بھی کسی کے پھندے میں ہو۔

اہلِ دل تمہارے دام سے اوپر حق سبحانہٗ کو دیکھتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ اس کا دام تمہارے پَرِ دل سے لپٹا ہوا ہے اور تم اسکے قبضہ میں ہو پس تم فکرِ صید کو چھوڑ دو اور دامِ حرص و ہوا کو توڑو کیونکہ تم جس طرح صیاد ہو یوں ہی صید بھی ہو۔ پس تمہیں طلبِ صید میں نہایت احتیاط چاہیئے۔ اور ہر وقت ڈرتے رہنا چاہیئے اور ایسا شکار نہ کرنا چاہیئے جس سے تم خود پھنس جاؤ۔ دیکھو تم تو آکل بھی ہو اور ماکول بھی اور صید بھی ہو اور صیاد بھی۔ مگر صیادی کی حرص نے تمہیں اپنے صید ہونے سے غافل کر رکھا ہے کیونکہ حرص صیادیت صیدیت سے غافل کر دیتی ہے ـــــ بنا بریں وہ دلیری کرتا اور لوگوں کو اپنے دام میں لاتا ہے۔ حالانکہ وہ خود بے دل اور دوسرے کے دام میں ہے پس تم ایسا نہ کرو۔ اور وجعلنا من بين ايديهم سدًّا ومن خلفهم سدًّا۔ کا مصداق نہ ہو۔ کہ باوجود دشمن کے ظاہر ہونے کے اسے نہ دیکھ سکو۔ آخر تو طلب میں جانور سے تو کم نہ ہو۔ دیکھ تو سہی کہ چڑیا بھی آگے پیچھے دیکھ لیتی ہے یونہی تو بھی دیکھ لیا کر۔ اور غور تو کر کہ چڑیا بھی آگے پیچھے دیکھتی ہے اور جب وہ دانہ کے قریب آتی ہے تو کیونکہ اس وقت آگے پیچھے سر ہلاتی ہے کہ میرے آگے یا پیچھے کوئی صیاد تو نہیں۔ تاکہ اگر ہو تو میں دانہ سے دست کش ہو جاؤں پس تو چڑیا سے کم نہیں ہے تو بھی آگے پیچھے دیکھ! یعنی پیچھے قصہ فُجّار کو دیکھ کہ اس حرص و ہوا کے سبب ان کی کیا گت بنی۔ اور آگے اپنے دوستوں اور پڑوسیوں کی موت دیکھ اور جان لے کہ حق تعالےٰ نے ان کو بدوں آلہ کے مار ڈالا یونہی وہ حالت

میں تجھ سے بھی مقارن ہے اور تجھے بھی ایک روز یوں ہی مار ڈالے گا

خلاصہ یہ کہ تم دنیا میں یوں منہمک نہ ہو کہ تم کو اپنے ضرر کا بھی خیال نہ رہے اور تم خدا سے بھی غافل ہو جاؤ۔ بلکہ تم کو اس سے تعلق پیدا کرنا چاہیئے تاکہ وہ تم کو نفع پہنچائے تم یہ خیال نہ کرنا کہ وہ بدوں ہاتھ اور آلہ کے کیسے نفع پہنچا سکتا ہے کیونکہ جس طرح حق سبحانہ نے ان کو بے ہاتھ اور بے آلہ سزا دی ہے یوں ہی وہ بدوں ہاتھ اور آلہ کے نفع بھی پہنچا سکتا ہے۔

پس نہ اسے نفع پہنچانے کے لئے ضرورت ہے آلہ کی اور نہ نقصان پہنچانے کے لیے۔ اور یہ بھی نہ کہنا کہ خدا کا وجود کہاں ہے جس سے تعلق پیدا کیا جائے کیونکہ جو لوگ خدا کے منکر تھے اور کہا کرتے تھے کہ خدا کہاں ہے جب وہ شکنجہ میں آئے اس وقت ان کو اقرار کرنا پڑا کہ بے شک وہ ہے اور جو کہتے تھے کہ یہ بات بعید از عقل ہے کہ خدا ہو۔

اور ایک عجیب بات ہے وہ شکنجہ میں آکر روتے تھے اور کہتے تھے کہ ارے وہ تو بہت قریب ہے اور جن لوگوں کا کام انکار خدا کے سوا کچھ نہ تھا اسکو انجام کار حسرت ہوئی مگر بالکل بے سود ـــــ تم فرعون اور قوم ثمود اور قوم لوط اور قوم صالح اور قوم ھود کے حالات میں غور کرو۔ اور نمرود کی حالت کو دیکھو اور قوم نوح کے انجام پر نظر ڈالو۔ تاکہ تمہیں معلوم ہو کہ خدا سمیع بھی ہے اور علیم بھی اور وہ اس قدر زبردست ہے کہ اسے نہ کسی کا ڈر ہے نہ کسی کا خوف۔ کیونکہ جب اس نے زبردست بدکاروں کو سزا دی ہے تو لازم ہے کہ وہ ان کے افعال بد کو دیکھتا ہے اور اقوال ناشائستہ کو سنتا ہے اور ان سے بھی زبردست ہو۔

خیر! تو طاؤس نے کہا کہ میں پروں کو جو کہ میرے لیے منحوس جال ہیں جڑ سے اکھیڑتا ہوں کیونکہ ایک مقصد یعنی حسن کے لیے میں اپنی زندگی کو تلخ

نہیں کر سکتا۔ یہ جواب میں نے تیری عقل کے مطابق دیا ہے تو اسکو سمجھ لے۔ اور سبب دقیق کا جویاں رہ۔ جس کو میں نے بیان نہیں کیا ہے اور اس سے اعراض مت کر (فائدہ : ولی محمد نے کہا ہے کہ سبب دقیق یہ ہے کہ میں بے حجاب جمال حق کا مشاہدہ چاہتا ہوں۔ واللہ اعلم)

سببِ کشتنِ ابراہیم علیہ السّلام زاغ را کہ آں اشارہ

حضرت ابراہیم علیہ السّلام کا کوّے کو مارنے کا سبب کہ وہ مہلک صفات

بقمعِ کدام صفت بُود از صفاتِ مذمومۂ مُہلکہ

میں سے کونسی صفت کو زائل کرنے کی طرف اشارہ تھا

این سخن را نیست پایان و فراغ ۔ اے خلیلِ حق چرا کشتی تو زاغ

اِس بات کا خاتمہ اور فراغ نہیں ہے ۔ اے اللہ کے خلیلؑ! آپ نے کوّے کو کیوں مارا؟

بہرِ فرماں حکمتِ فرماں چہ بود؟ ۔ اندکے زاسرارِ آں باید نمود

حکم کی وجہ ہے، حکم کی حکمت کیا تھی؟ ۔ اس کے رازوں میں سے تھوڑا سا ظاہر کردیجئے

کاغ کاغ[۵۱] و نعرۂ زاغِ سیاہ ۔ دائما باشد بدن را عمر خواہ

کالے کوّے کی کائیں کائیں اور شور ۔ ہمیشہ جسم کی عمر کا خواہاں ہے

ہمچو ابلیس از خدای پاک و فرد ۔ تا قیامت عمرِ تن درخواست کرد

جس طرح شیطان نے خدائے قدوس واحد سے ۔ قیامت تک کے لئے جسم کی عمر کی درخواست کی

گفت اَنْظِرْنِیْ اِلٰی یَوْمِ الْجَزَا ۔ کاشکے گفتے کہ تُبْنَا رَبَّنَا

اس نے کہا مجھے قیامت تک کی مہلت دیدے ۔ کاش وہ کہتا کہ اے ہمارے رب ہماری توبہ قبول کرلے

زندگی بے دوست جاں فرسودن است ۔ مرگِ حاضر غائب از حق بودن است

بغیر دوست کے زندگی، جان کی تباہی ہے ۔ (اللہ تعالیٰ) سے غائب ہونا، فوری موت ہے

عمر[۵۲] و مرگ ایں ہر دو با حق خوش بود ۔ بے خدا آبِ حیات آتش بود

زندگی اور موت، دونوں خدا کیساتھ اچھی ہیں ۔ بغیر خدا کے آبِ حیات، آگ ہے

آں ہم از تاثیرِ لعنت بود کو ۔ در چناں حضرت ہمی شد عمر جو

یہ بھی لعنت کی تاثیر تھی کہ وہ ۔ ایسے دربار میں عمر کا خواہاں بنا

از خدا غیرِ خدا را خواستن ۔ ظنِ افزونی ست کلی کاستن

خدا سے غیر خدا کو مانگنا ۔ بڑھوتری کا گمان اور بالکلیہ گھاٹا ہے

---

۵۱ کاغ: حضرت ابراہیمؑ نے جواب دیا کہ کوّے کی کائیں کائیں کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنی عمر کی درازی کا خواہاں ہے۔ ہمچو ابلیس۔ قرآن پاک میں مذکور ہے اَنْظِرْنِیْ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ یعنی شیطان نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی مجھے قیامت تک کی عمر دیدے۔ تُبْنَا۔ حضرت آدمؑ نے توبہ کی دعا کی تھی۔ زندگی۔ شیطان نے زندگی کی دعا مانگی لیکن وہ زندگی جو بغیر دوست کے ہو محض جان کو گھلنا ہے اور اللہ تعالیٰ سے غفلت فوری موت ہے۔

۵۲ عمر و مرگ۔ موت ہو یا زندگی جو اللہ کے ساتھ بنے ہی بہتر ہے خدا کو چھوڑ کر آبحیات بھی آگ کا کام کرتا ہے۔ آں ہم۔ شیطان کی درازی عمر کی تمنا بھی اس کے ملعون ہونے کا اثر تھی۔ از خدا۔ خدا سے غیر خدا کا مانگنا تباہی ہے۔ خاص طور پر وہ عمر جس میں خدا کی رضا حاصل نہ ہو محض مکاری ہے۔

خاصہ عُمرے غرق در بیگانگی | درحضورِ شیر روبہ شانگی
خصوصًا وہ عُمر جو غیریت میں غرق ہو | شیر کے سامنے لومڑی بن ہے

عُمر بیشم دہ کہ تا پس تر روم | مُہلم افزوں دہ کہ تا کمتر شوم
مجھے زیادہ عمر دے تاکہ زیادہ پیچھے کو جاؤں | مجھے زیادہ مُہلت دے تاکہ کمتر ہو جاؤں

تاکہ لعنت را نشانہ اُو بُود | بدکسے باشد کہ لعنت جُو بُود
تاکہ وہ لعنت کا نشانہ بنے | بدکار وہ ہے جو کہ لعنت کا جویاں ہو

عُمرِ خوش در قربِ جاں پروردنست | عمرِ زاغ از بہرِ سرگیں خوردنست
اچھی عمر قربِ خداوندی میں جان کی پرورش ہے | کوّے کی عمر گوبر کھانے کے لئے ہے

عمر بیشم دہ کہ تا گُہ می خورم | دائم اینم دہ کہ بس بدگوہرم
مجھے زیادہ عمر دے تاکہ گُو کھاؤں | مجھے ہمیشہ یہ دے کیونکہ میں بہت بداصل ہوں

گر نہ[۵] گُہ خوارست آں گندہ دہاں | گویدے کز زاغیم تو وارہاں
اگر وہ گندہ دہن گُو کھانے والا نہ ہوتا | تو کہتا، مجھے کوّے پن سے نجات دیدے

مناجات
دُعا

اے مُبدّل کردہ خاکے را بزر | خاکِ دیگر را بکردہ بُوالبشر
اے وہ جس نے مٹی کو سونا بنا دیا | دوسری مٹی کو ابوالبشر بنا دیا

کارِ تو تبدیلِ اَعیان و عطا | کارِ من سہوست و نسیان و خطا
تیرا کام موجودات کو تبدیل کرنا اور عطا ہو | میرا کام سہو اور بھول اور خطا ہے

سہو و نسیاں را مُبدّل کُن بعلم | من ہمہ خِلمم مرا کُن صبر و حلم
میرے سہو اور بھول کو علم سے تبدیل کر دے | میں مجسّم غصہ ہوں، مجھے صبر اور حلم بنادے

اے کہ خاکِ شورہ را تو ناں کُنی | وے کہ نانِ مُردہ را تو جاں کُنی
اے وہ کہ تو شوریلی زمین کو روٹی بنا دیتا ہے | اے وہ کہ تو مُردہ روٹی کو جان بنا دیتا ہے

اے[۶] کہ جانِ خیرہ را رہبر کُنی | وے کہ بے رہ را تو پیغمبر کُنی
اے وہ کہ تو بہکی ہوئی جان کو رہبر بنا دیتا ہے | اے وہ کہ تو راستہ نہ دیکھے ہوئے کو پیغمبر بنا دیتا ہے

اے کہ خاکِ تیرہ را تو جاں دہی | عقل و حس و روزی و ایماں دہی
اے وہ کہ تو تاریک مٹی کو جان عطا کرتا ہے | عقل اور حس اور روزی اور ایمان دیدیتا ہے

شکر از نے میوہ از چوب آوری | از منی مُردہ بتِ خوب آوری
نے سے شکر اور لکڑی سے پھل پیدا کرتا ہو | مُردہ منی سے حسین معشوق پیدا کر دیتا ہے

---

[۴] عمر بیشم دہ۔ شیطان کی دُعا تو یہ تھی کہ خدا اس کو زیادہ عمر اسلئے دیدے تاکہ وہ اور قعرِ ذلّت میں گرے اور خدا کی لعنت کا نشانہ بنے تو ایسے شخص سے زیادہ بُرا اور کون ہوگا جو لعنتِ خداوندی کا جویاں ہو۔ عمرِ خوش۔ اچھی زندگی تو وہ ہے جس میں قربِ الٰہی میں جان کی پرورش ہو سکے۔ کوّے کی دراز عمر گوبر کھانے کے لئے ہے۔ عمر بیشم۔ کوّے کی عمر کی زیادتی کی تمنا تو گوبر کھانے کیلئے ہو۔

[۵] گرنہ۔ اگر وہ گوبر کھانے والا نہ ہوتا تو یہ دعا کرتا کہ مجھے کوّے پن سے نجات دیدے۔

اے حضرت حق تعالیٰ کی قدرت ہے کہ اُس نے مٹی سے سونا بنادیا اور مٹی سے حضرت آدم ابوالبشر کو پیدا کر دیا۔ کارِ تو۔ اللہ تعالیٰ کا کام تبدیل کرنا اور انسان کا کام بھول اور غلطی ہے۔ سہو۔ لیکن اللہ تعالیٰ میں قدرت ہے کہ وہ ہماری بھول کو علم سے تبدیل کر دے اور ہمارے غصہ کو بُردباری سے بدل دے۔ اے کہ خاکِ شورہ۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت ہے کہ شور زمین سے بھی وہ غلّہ اگا دیتا ہے جس سے روٹی تیار ہوتی ہے اور مُردہ روٹی کو انسان کی جان میں تبدیل کر دیتا ہے۔

[۶] اے کہ۔ خدا کو وہ قدرت ہے کہ گمراہ کو راہبر بنا دیتا ہے اور راستہ نہ دیکھے ہوئے کو پیغمبر بنا دیتا ہے۔ خاکِ تیرہ۔ انسان مٹی سے بنا ہے اور قدرت نے پھر اُس کو دولتِ ایمان سے بہرہ ور بنا دیا ہے۔ از نے۔

نے میں سے شکر پیدا کر دینا اور
شاخ میں سے پھل پیدا کر دینا۔
نطفے سے حسین معشوق پیدا کرنا
قدرت خداوندی ہی کا کام ہے
۳۵ گل زرگل خدا کی قدرت
ہے کہ وہ مٹی سے حسین پھول
اور دل سے خلوص پیدا کر دیتا
ہے اور آنکھ کی چربی میں روشنی
اور چمک پیدا کر دیتا ہے جڑ ذہن۔

گل ۳۵ زرگل صفوت دل پیدائی	**پیہ را بخشی ضیاء روشنی**
مٹی سے پھول، دل میں اخلاص پیدا کر دیتا ہے	چربی کو نور اور روشنی بخش دیتا ہے
میکنی جزوِ زمیں را آسماں	**میفزائی درزمیں از اختراں**
تو زمین کے جزو کو آسمان بنا دیتا ہے	ستاروں سے زمین میں افزائش کر دیتا ہے

اس سے مراد یا وہ انبیاء ہیں جو زمین سے پیدا ہوئے اور پھر انکو آسمان پر اٹھا لیا گیا یا انکو معراج کرا دی گئی یا یہ مقصد ہے
کہ وہ بخارات جو زمین سے اٹھے انسے آسمان پیدا فرمایا میفزائی۔ ستاروں کی تاثیر سے زمین میں پیداوار اگتی ہے۔
ہر کہ۔ جو شخص زیادہ زندگی کو سنبھالنے والا سمجھتا ہے اس کی موت سب سے پہلے آجاتی ہے۔

شرح اچھا یہ گفتگو تو منتہی اور ختم نہ ہو گی۔ اب پوچھنا چاہیے کہ اے خلیل حق! ابراہیم علیہ السلام آپنے کوّے کو کیوں ذبح کیا تھا اس کا جواب آپ یہ ہی دیں گے کہ بحکمِ حق سبحانہٗ ایسا کیا تھا۔ اب سوال یہ ہے کہ حق سبحانہٗ کی اس تخصیص میں حکمت کیا تھی۔ ذرا اس تخصیص کے اسرار بیان فرما دیجئے ـــــ اچھا سنو! وجہ اسکی یہ تھی کہ اس کالے کوّے کی کائیں کائیں اور شور و غوغا درخواست ہوتی ہے اس امر کی کہ اسکو عمر دراز عطا کی جائے جس طرح ابلیس نے خدائے پاک وحدہٗ لاشریک سے قیامت تک حیات جسمانی کی درخواست کی تھی اور کہا تھا کہ مجھے قیامت تک مہلت دیجئے پس چونکہ یہ صفت ابلیسی طول امل رکھتا ہے اسلیے قابل کشتن ہے۔

اب مولانا فرماتے ہیں۔ اے کاش! ابلیس حیات جسمانی کی درخواست نہ کرتا اور بجائے اسکے اپنے قصور کی معافی چاہتا اور توبہ کرتا کیونکہ دوست کے بغیر زندہ رہنا تو مصیبت میں پڑنا ہے اور خدا سے جدا ہو جانا تو فی الحال مرنا ہے

اور اگر حق سبحانہٗ کے ساتھ تعلق ہو تو موت اور زیست دونوں برابر ہیں۔ اور اگر اس سے تعلق نہ ہو تو آبِ حیات بھی آگ کی طرح مہلک ہے پھر خدا سے قطع تعلق کر کے حیاتِ جسمانی چاہتا جو کہ حکم میں موت کے ہے سراسر حماقت ہے لیکن یہ

اثر تھا اس لعنت کا جو اس پر کی گئی تھی اور فرمایا گیا تھا کہ ان علیک لعنتی الی یوم الدین کہ وہ حق سبحانہ، جیسے منعم کی جناب میں حیات جسمانی کی درخواست کرتا تھا کیونکہ خدا سے غیر خدا کو مانگنا گو بظاہر طلب زیادتی ونفع ہو مگر حقیقت میں طلب نقصان وضرر ہے مگر اسے اس لعنت کے اثر سے جو غلط بیں کر دیتی ہے ۔ محسوس یہ ہوا کہ اول تو مطلق غیر خدا کو مانگنے کی یہ حالت ہے ۔ بالخصوص وہ حیات جو حق سبحانہ، سے قطع تعلق کے ساتھ ہو اس کو مانگنا اور شیر کے سامنے لومڑی پن کرنا جیسا کہ ابلیس نے کیا یہ تو بالاولی نقصان اور ضرر ہے ۔

پس اسنے جو کہا تھا کہ مجھے زیادہ عمر دے یہ درخواست اسلئے تھی کہ وہ جلدی موت روحانی میں مبتلا ہو جائے —— اور یہ جو کہا تھا کہ مجھے زیادہ مہلت دے اسکے یہ معنی تھے کہ مجھے حیات روحانی کے لحاظ سے قلیل المہلت کر دے اور یہ معاندانہ درخواست اسلئے تھی کہ وہ لعنت کا نشانہ بنے ۔

اسسے تم سمجھ لو کہ جو حق سبحانہ، سے قطع تعلق کر کے حیات جو ہوا در اس طرح طالب لعنت ہو وہ بہت بُرا شخص ہے کیونکہ عمدہ زندگی تو یہ ہے کہ حق سبحانہ، کے قرب میں جان کو پرورش کرے اور عمر زاغ حیات جسمانی محضہ تو گند کھانے کے لئے ہے ۔ کوّا جو کہتا ہے کہ مجھے عمر زیادہ دے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ میں گند کھاتا رہوں اور وہ کہتا ہے کہ تو مجھے ہمیشہ گوہ دیئے جا ۔ کیونکہ میں بذات ہوں اور اسی کے قابل ہوں کیونکہ اگر وہ گندخوار اور گندہ ذہن نہ ہوتا تو بجائے زیادتی عمر کی درخواست کے جو مآلاً گند کھانے کی درخواست ہے وہ یوں کہتا کہ اے اللہ! تو مجھے صفت زاغی اور طول اَمَل وگندخواری سے نجات دے ۔

اب مولانا مناجات کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اے وہ ذات! جسنے خاک

کے ایک حصّہ کو سونا بنایا اور دوسرے حصہ کو آدم بنایا ـــ اے وہ قادر! جو خاک شور کو روٹی بناتا ہے ۔ اور اے وہ قادر! جو کہ بے جان روٹی کو جان عطا کرتا ہے اور اے وہ قادر! جو کہ جان نابینا کو رہبر بناتا ہے ۔ اور اے وہ قادر! جو کہ گم گشتہ کو پیغمبر بناتا ہے اور کہتا ہے ووجدک ضالًا فهدٰی ۔ اور اے وہ قادر! جو خاک تیرہ کو جان عطا کرتا ہے اور اسے عقل اور حسن اور روزی اور ایمان عطا کرتا ہے اور گنے سے شکر ۔ اور لکڑی سے میوہ پیدا کرتا ہے اور بے جان منی سے خوب صورت معشوق بناتا ہے اور مٹی سے پھول اور دل سے صفا پیدا کرتا ہے اور پھر چشم کو روشنی بخشتا ہے اور جزو زمین کو آسمان کرتا ہے ـــ بایں طور کہ زمین سے دھواں اُٹھاکر اسکو ایک حد خاص پر قائم کر کے متکاثف بنا دیتا ہے اور وہ آسماں میں جاتا ہے ۔ کما قال الشیخ الاکبر علیٰ ما نقلہ بحر العلوم ۔

اور ستاروں کے اثر سے زمین زیادتی کرتی ہے بایں معنیٰ کہ نباتات وغیرہ اُگاتا ہے (یا یوں کہو کہ آسمان میں ستارے پیدا کرتا ہے اور آسمان کو زمین کہنا اس بنا پر ہے کہ وہ فانی اور جزوِ زمین ہے کما قال ولی محمد) ـــ تیرا کام تبدیلی اعیان اور بخشش ہے اور میرا کام سہو و نسیان اور غلطی ہے تو میرے سہو و نسیان کو علم سے بدل دے اور میں سراسر غیظ و غضب ہوں تو مجھے سراپا حلم بنا دے ۔

هر کہ سازد زیں جہاں آبِ حیات / زود ترش از دیگراں آید ممات

جو اس دنیا کو آبِ حیات بناتا ہے / اُس کو دوسروں سے پہلے موت آجاتی ہے

دیدۂ دل کو بگردوں بنگریست[1] / دیدہ کانجا ہر دمے میناگریست

جس دل کی آنکھ نے آسمانوں کو دیکھا / اُس نے دیکھا ہے کہ وہاں ہر وقت نشانی ہے

قلبِ اعیان ست و اکسیرِ محیط / ایتلافِ خرقۂ تن بے مخیط

موجودات کی تبدیلی ہے اور عالمگیر اکسیر ہے / جسم کے چیتھڑوں کو بغیر دھاگے کے سینا ہے

تو ازاں روزے کہ در ہست آمدی / آتشے یا خاک یا بادے بُدی

تو جس دن سے وجود میں آیا ہے / آگ یا خاک یا ہوا تھا

گر بداں حالت ترا بودے بقا / کہ رسیدے مر ترا ایں ارتقا

اگر اُسی حالت پر تیرا بقا ہوتا / تجھے یہ ترقی کب حاصل ہوتی؟

از مُبدِّل ہستیِ اوّل نماند / ہستیِ دیگر بجائے او نشاند

تبدیل کرنیوالے کی وجہ سے پہلا وجود نہ رہا / اس نے دوسرا وجود اس کی بجائے قائم کر دیا

ہمچنیں[2] تا صد ہزاراں ہستہا / بعدِ یک دیگر دوم بہ ز ابتدا

اسی طرح لاکھوں وجود تک / ایک دوسرے کے بعد، دوسرا پہلے سے بہتر

آں مُبدِّل بیں وسائط را بماں / کز وسائط دور گردی ز اصلِ آں

اُس تبدیل کرنیوالے کو دیکھ، واسطوں کو چھوڑ / کیونکہ واسطوں سے تو اصل سے دُور جائے گا

واسطہ ہر جا فزوں شد وصل جست / واسطہ کم ذوقِ وصل افزوں تر ست

جہاں واسطے زیادہ ہوئے، وصل جاتا رہا / واسطے کم ہوں تو وصل کا ذوق زیادہ ہوتا ہے

از سبب دانی شود کم حیرتت / حیرتے کہ رہ دہد در حضرتت

اسباب کے جاننے سے تیری حیرت کم ہو جائے گی / وہ حیرت جو دربار تک تیری رہنما ہے

ایں[3] بقاہا از فناہا یافتی / از فنایش رُو چرا برتافتی

تو نے یہ بقائیں فناؤں سے حاصل کی ہیں / اُس کی فنا سے تو نے کیوں مُنہ موڑا ہے

زاں فناہا چہ زیاں بودت کہ تا / بر بقا چفسیدۂ اے بینوا

اُن فناؤں سے تجھے کیا نقصان پہنچا کہ / تو اے بینوا! بقا سے چمٹا ہوا ہے

چوں دوم از اولینت بہتر ست / پس فنا جوی و مُبدِّل را پرست

جبکہ دوسرا (وجود) تیرے لئے پہلے سے بہتر ہے / تو فنا کی جستجو کر اور تبدیل کرنیوالے کی عبادت کر

---

[1] دیدۂ دل۔ جو شخص قلبی بصیرت سے آسمان کو دیکھے گا اُس کو نظر آئے گا کہ وہاں ہر وقت قدرت کا مظاہرہ ہوتا ہے۔ قلبِ اعیان۔ عالمِ بالا کے تصرفات میں اجسام کی تبدیلی ہے اور ایک عالمگیر کیمیاگری ہے۔ تو ازاں۔ اس تبدیلی کی دلیل یہ ہے کہ انسان ابتداءً عناصرِ اربعہ میں سے کوئی عنصر تھا اگر وہ اسی حالت میں رہتا تو اُس کو احسنِ تقویم کا ارتقائی رتبہ کیسے ملتا۔ از مُبدِّل۔ اللہ تعالیٰ نے اُسکے پہلے وجود کو بدل کر دوسرا وجود عنایت کر دیا۔

[2] ہمچنیں۔ وجود کی تبدیلی کے لاکھوں مرتبے ہیں۔ آں مُبدِّل۔ انسان کی توحید کا تقاضہ ہے کہ وہ تبدیل کرنے والی ذات پر نظر رکھے تبدیلی کے درمیانی واسطوں پر نظر رکھنا انسان کو اُس ذات سے دُور کر دیتا ہے۔ واسطہ۔ محبوب سے ملاقات میں جس قدر وسائل کا اضافہ ہوتا ہے ذوقِ وصل میں کمی آجاتی ہے۔ از سبب۔ اسباب اور علل معلوم کرنے سے وہ حیرت کم ہو جاتی ہے جو انسان کو بارگاہِ خداوندی میں پہنچاتی ہے۔

[3] ایں بقاہا۔ جبکہ ان مراتب میں فنا کے بعد ارتقائی وجود حاصل ہوا ہے تو انسان کو فنا سے نہ گھبرانا چاہیئے۔ زاں۔ پہلے مراتب کے فنا سے اور ارتقاء حاصل ہوا لہٰذا بقا سے چمٹا رہنا عقلمندی نہیں ہے۔ چوں دوم۔ جبکہ تبدیلی کے بعد دوسرا وجود پہلے وجود سے بہتر ملا ہے تو انسان کو فنا کی جستجو کرنی چاہیئے اور تبدیل کرنے والے کا شکرگزار رہنا چاہیئے۔

صد[1] ہزاراں حشر دیدی اے عنود — تاکنوں ہر لحظہ از بدوِ وجود

اے سرکش: تو نے لاکھوں حشر دیکھے ہیں — ہر لمحہ وجود کی ابتداء سے اب تک

از جمادی بے خبر سوئے نما — وز نما سوئے حیات و ابتلا

بے خبری میں جمادیت سے نشو و نما کی جانب — اور نما سے زندگی اور آزمائش کی جانب

باز سوئے عقل و تمییزاتِ خوش — باز سوئے خارجِ ایں پنج و شش

پھر اچھی عقل اور تمیز کی جانب — پھر ان (حواس خمسہ) اور شش (جہات) سے باہر کی جانب

تا لبِ[2] بحر ایں نشانِ پایہاست — پس نشانِ پا درونِ بحر لاست

یہ پاؤں کے نشان سمندر کے کنارے تک ہیں — پھر سمندر کے اندر پاؤں کے نشان معدوم ہیں

زانکہ منزلہائے خشکی ز احتیاط — ہست دہ ہا و وطنہا و رباط

کیونکہ خشکی کے مقامات احاطہ بندی کی وجہ سے — دیہات اور وطن اور سرائے ہیں

باز منزلہائے دریا در وقوف — وقتِ موجش نے جدار و نے سقوف

پھر دریائی مکانات، ٹھکاؤ میں — اُسکے تموج کے وقت نہ دیوار ہے نہ چھتیں

نیست پیدا اندراں رہ پا و گام — نے نشانست آں منازل را نہ نام

اس راستہ میں نہ پاؤں اور نہ قدم نظر آتے ہیں — ان گھروں کا نہ نشان ہے، نہ نام ہے

ہست[3] صد چنداں میانِ منزلین — آں طرف کز ایں تا بالائے ایں

دونوں منزلوں کے درمیان سو گنا فاصلہ ہے — اس جانب مکان سے (لا) مکان کے اوپر تک

در فنا ہا ایں بقا ہا دیدہٗ — بر بقائے جسم چوں چفسیدہٗ

فناؤں میں تو نے یہ بقائیں دیکھی ہیں — جسم کے بقا پر تو کیوں چپک گیا ہے؟

ہیں بدہ اے زاغ ایں جاں باز باش — پیشِ تبدیلِ خدا جانباز باش

ہاں! اے کوے یہ جان دیدے، باز بن جا — خدائی تبدیلی کے سامنے جانباز بن جا

تازہ میگیر و کہن را می سپار — کہ ہر امسالت فزونست از سہ پار

تازہ بن جا، پرانے کو دے دے — کیونکہ تیرا یہ سال گزشتہ تین سالوں سے بڑھا ہوا ہے

گر نباشی نخل وار ایثار کن — کہنہ بر کہنہ نہ و انبار کن

اگر تو کھجور کی طرح ایثار کرنیوالا نہیں ہے — پرانے پر پرانا رکھتا رہ اور جمع کرلے

کہنہ[4] و گندیدہ و پوسیدہ را — تحفہ میبر بہرِ ہر نادیدہ را

پرانے اور گندہ اور سڑے ہوئے کا — ہر ندیدے کے لئے تحفہ لے جا

---

[1] صد ہزاراں۔ انسان کے لاکھوں مراتب ایسے ہیں جو فنا ہوچکے ہیں۔ از جمادی۔ انسان اپنے جمادی وجود سے نباتی وجود کی طرف منتقل ہو گیا اور اس سے وہ لاعلم ہے پھر نباتی وجود سے اٹھ کر حیوانی وجود اور پھر عقل کی بنیاد پر اس کو وہ وجود مل گیا جس میں وہ احکام کا مکلف بنا۔ خارج۔ یعنی پھر اس کا ارتقاء عالم ارواح کی جانب ہوا جو حواس خمسہ اور جہات ستہ سے بالاتر ہے۔

[2] تا لب بحر۔ ان مراتب وجود کے نشانات اس وقت تک ہیں جب تک کہ اس کا وجود، وجود مطلق سے وابستہ نہیں ہوا اور جب اس سمندر میں پہنچ گیا تو پھر ان وجودات کے نشانات غائب ہوجاتے ہیں۔ زانکہ۔ اس مسئلہ کو اس طرح سمجھو کہ خشکی کے منازل کے نشانات ہوتے ہیں انھیں نشانات کے ذریعہ گاؤں اور سرائے اور وطن بنتا ہے لیکن دریا کے منازل کا کوئی نشان نہیں ہوتا ہے دریا کی منزل کی نہ چھت ہوتی ہے نہ دیوار نہ وہاں چلنے کے نشانات پیدا ہوتے ہیں۔

[3] ہست۔ عالم مکان اور عالم لامکان دونوں منزلوں کے درمیان بہت زیادہ فاصلہ ہے۔ آں طرف۔ مکان۔ بالائے ایں لامکان۔ در فنا ہا جسکو پہلے مراتب کے فنا کے بعد بقا حاصل ہوتی ہے تو پھر جسم کی بقا ...

[4] کہنہ۔ اگر پرانا پھل نہ جھڑے تو وہ بوسیدہ اور

...سے انسان کو نہ چمٹنا چاہیئے۔ ہیں۔ جو شخص عمر کی درازی کا متمنی ہے اس کو اس تبدیل میں جان کی بازی لگانی چاہئیے۔ تازہ۔ تو انسان کو تازہ وجود حاصل کرنا چاہیئے کیونکہ اس کو ہر مرتبہ پہلے مرتبہ سے افضل حاصل ہوا ہے۔ گر نباشی۔ کھجور اپنا پھل دوسروں کو دے دیتی ہے تو اس کو قدرت نیا پھل عطا کردیتی ہے۔

آنکہ نو دید او خریدارِ تو نیست　　صیدِ حق ست اُو گرفتارِ تو نیست

جس نے نیا دیکھا ہے وہ تیرا خریدار نہیں ہے　　وہ اللہ (تعالیٰ) کا شکار ہے وہ تجھ میں پھنسا ہوا نہیں ہے

ہر کجا باشند جوقِ مُرغِ کُور　　بر تو جمع آیند اے سیلاب شور

جہاں کہیں اندھے پرندوں کا جمگھٹ ہو　　اے کھاری پانی! تجھ پر جمع ہو جائے گا

تا فزاید کوری از شورابہا　　زانکہ آبِ شور افزاید عمیٰ

تاکہ کھاری پانیوں سے اندھاپن بڑھے　　کیونکہ کھارا پانی اندھاپن بڑھاتا ہے

اہلِ[2] دنیا زاں سبب اعمیٰ دل اند　　شارب شورابۂ آب و گِل اند

دنیادار اسی وجہ سے اندھے دل والے ہیں　　(کیونکہ) وہ آب و گِل کا کھاری پانی پینے والے ہیں

شور میخور کور می چر در جہاں　　چوں نداری آبِ حیواں در نہاں

دنیا میں کھاری پانی پیتا رہ، اندھے پن سے چرتا رہ　　جبکہ تو اندر آبِ حیات نہیں رکھتا ہے

باچنیں حالت بقا خواہی و زیاد　　ہمچو زنگی در سیہ رُوئی تو شاد

اس حالت میں تو بقا اور زیادہ کا رہا چاہتا ہے　　تو حبشی کی طرح کالا منہ ہونے پر خوش ہے

در سیاہی رنگ ازاں آسودہ است　　کوز زاد و اصل زنگی بودہ است

وہ رنگ کے کالے پن پر اس لئے مطمئن ہے　　کیونکہ وہ پیدائش اور اصل سے حبشی ہے

آنکہ زاوّل شاہد و خوش رُو بُود　　گر سیہ گردد تدارک جُو بُود

وہ جو شروع سے معشوق اور خوبصورت ہو　　اگر وہ کالا بن جائے تو تدارک کا طالب ہوگا

مرغِ[3] پرندہ چو ماند بر زمیں　　باشد اندر غصہ و درد و حنیں

اُڑنے والا پرند جب زمین پر رہ جائے　　وہ رنج اور درد اور نقصان میں ہوگا

مُرغِ خانہ بر زمیں خوش میرود　　دانہ چین و شاد و شاطر میدود

پالتو پرند زمین پر خوشی سے چلتا ہے　　دانہ چگتا ہوا اور خوش اور چالاکی سے دوڑتا ہے

زانکہ او از اصل بے پرواز بود　　واں دگر پرندہ و پرباز بود

کیونکہ وہ اصل سے بغیر اُڑان کے تھا　　وہ دوسرا اُڑنے والا اور کھلنے پروں کا تھا

اُس کو کبھی آزادی نصیب نہیں ہوئی تھی اور اُڑنے والا پرند آزاد تھا۔

گندہ ہو جائے گا۔ آنکہ جس نے نیا وجود حاصل کر لیا ہے وہ پرانے وجود کا خریدار نہ بنے گا۔ صیدِ حق۔ وہ ذات حق میں اپنے آپ کو فنا کر چکا ہے۔ ہر کجا۔ تیرے خریدار اندھے ہیں اندھے پرند کھارے پانی پر جمع ہوتے ہیں جو اُن کو اور اندھا بنا رہتا ہے۔

[2] اہلِ دنیا۔ اہلِ دنیا چونکہ پرانے وجود سے چمٹے ہوئے ہیں تو وہ بھی شور کھاری پانی کے پرندوں کی طرح اندھے دلوں والے ہیں۔ شور۔ اگر انسان کے دل میں آبِ حیات جاری نہیں ہے تو وہ کھاری پانی پینے والا اور اندھا دھند کھانے والا ہے۔ باچنیں۔ اگر اس بُری حالت میں تو عمر کی زیادتی کا خواہاں ہے تو تیری مثال اُس حبشی کی سی ہے جو اپنی سیاہ روئی پر مطمئن اور خوش ہو۔ آنکہ۔ اگر کوئی شروع میں خوش رنگ ہو اور پھر وہ سیاہ رُو بن جائے تو وہ اس حالت میں مطمئن نہیں ہو سکتا ہے۔

[3] مُرغ۔ اگر اُڑنے والا پرند پنجرے میں پھنس جائے تو وہ غم و غصہ میں رہتا ہے۔ مُرغِ خانہ۔ پالتو پرند پنجرے میں بھی خوش رہتا ہے کیونکہ

شرح اب مولانا مناجات سے فارغ ہو کر مضمون ارشادی بیان فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جو شخص اس جہاں کو آبِ حیات کی طرح مرغوب سمجھ لے گا اور اسی کی زندگی کو زندگی ماننے گا جیسا کہ ابلیس نے کیا

وہ اوروں سے پہلے مرے گا کیونکہ وہ حالت حیات جسمانی میں بموت روحانی مرجائے گا۔ پس تم کو حیات دنیوی کو مطمح نظر نہ بنانا چاہیئے کیونکہ یہ کوئی قابل قدر نہیں ہے بلکہ عالم غیب کو مطمح نظر بنانا چاہیئے۔ اسلیئے جو لوگ چشمِ بصیرت رکھتے ہیں جب وہ لوگ اپنی چشمِ قلب سے اس عالم کو دیکھتے ہیں تو وہاں انکو عجیب کاریگری نظر آتی ہے اور دیکھتے ہیں کہ وہاں تبدیل ماہیت ہوتی ہے اور اکسیرِ عام موجود ہے جو قلبِ ماہیت کرتی ہے اور شگاف تن کو بدوں سیئے ہوئے جوڑا جاتا ہے پس جبکہ یہ عالم البساعجیب وغریب ہے تو یہ دل لگانے کے قابل ہے نہ کہ عالم ناسوت۔

تم کو فنا سے کیوں نفرت ہے اور تم کیوں حیات کو پسند کرتے ہو۔ دیکھو جب تم اولاً وجود میں آئے ہو تو اس وقت تم خاک تھے یا باد یا آتش یا آب۔ پس اگر تم کو فنا حاصل نہ ہوتی اور تم اسی حالت پر باقی رہتے۔ تو اس معراج ترقی پر کیونکر پہنچ سکتے تھے جو آج تم کو حاصل ہے کہ انسان ہو۔

پس ثابت ہوا کہ فنا قابل نفرت نہیں۔ بلکہ قابلِ رغبت ہے۔ قابلِ نفرت تو اسوقت تھی جبکہ اسکے بعد بقا نہ ہوتی حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ چنانچہ جب مبدل کے ہستی اول نہیں رہتی تو حق سبحانہٗ تعالےٰ بجائے اسکے اسے دوسری ہستی عطا فرماتے ہیں اور اس طرح سینکڑوں ہستیاں عطا فرماتے ہیں جس میں سے ہر ایک ہستی سابق سے بہتر ہوتی ہے پس تم کو فنا سے نفرت نہ چاہیئے اور ہستیوں میں دل نہ لگانا چاہیئے اور حق سبحانہٗ سے تعلق پیدا کرنا چاہیئے مگر تم کو حق سبحانہٗ سے تعلق نہیں ہے اسکی وجہ یہ ہے کہ تم ان تغیرات کو اسباب کا نتیجہ سمجھتے ہو لیکن یہ تمہاری غلطی ہے۔ ہم کو مبدل حقیقی پر نظر کرنی چاہیئے اور اسباب کو چھوڑنا چاہیئے۔

کیونکہ وسائط میں دل لگانے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تم ان وسائط کے سبب اصل مطلوب سے جدا ہو جاؤ گے۔ اسلئے قاعدہ ہے کہ جتنے وسائط زیادہ ہوں گے

اسی قدر اصل مطلوب ہاتھ سے جائے گا۔ اور جس قدر کم ہوں گے اسی قدر لطفِ وصل زیادہ ہوگا اور جب بالکل نہ ہوں گے تو لذت وصل تام ہوگی۔ اور دوسری وجہ یہ ہے کہ جب تم اسباب میں پھنس جاؤ گے اور ان تغیرات کو اسباب کا نتیجہ سمجھو گے تو اس سے تمہاری حیرت کہ مبدل کون ہے جاتی رہے گی اور حیرت ہی تم کو حق سبحانہٗ تک پہنچا سکتی تھی لہٰذا تم وصول الی الحق سے محروم ہوجاؤ گے پس تم ان اسباب و وسائط کو چھوڑ دو تاکہ تم حیرت میں رہو اور وہ حیرت تمہیں حق سبحانہٗ تک پہنچادے ہاں تو ہم کو کہنا یہ ہے کہ جب تم کو بہت سی بقائیں فنا کی بدولت حاصل ہوچکی ہیں تو کیا وجہ ہے کہ تم فنا فی الحق نہیں چاہتے اور بقا جسم پر عاشق ہو۔

آخر اتم سوچو تو کہ تم کو جو پیشتر بہت سی فنائیں حاصل ہوچکی ہیں جس کی تفصیل عنقریب آنے والی ہے ان سے تم کو کیا ضرر ہوا جو تم کو فنا کے نام سے وحشت ہوتی ہے اور بقا کو لپٹ کر رہ گئے ہو جبکہ کوئی ضرر نہ ہوا بلکہ فائدہ ہی ہوا کہ بقائے اوّل سے بہتر بقا حاصل ہوئی۔ جیساکہ آئندہ معلوم ہوگا تو ہم کو ہرگز وحشت نہ چاہیئے بلکہ طالب فنا ہونا چاہیئے۔ اور اس مبدل کی پرستش کرنا چاہیئے جو اس قدر منعم ہے کہ بلا استحقاق تم کو یہ نعمتیں دیتا ہے۔

دیکھو! جب سے تم وجود میں آئے ہو اس وقت سے لاکھوں مرتبہ فنا ہو کر بقا حاصل کرچکے ہو۔ مثلاً اول تم جماد تھے جب تمہاری جمادیت فنا ہوئی تو نما حاصل ہوئی اور نمائی صرف فنا ہوتی تو حیوانیت حاصل ہوئی حیوانیت محضہ گئی تو عقل و تمیز حاصل ہوئی اور تم انسان بنے اب اگر تم انسانیت صرفہ سے فنا ہوگئے تو تم کو مزید ترقی ہوگی اور تم لامکان سے وابستہ ہوجاؤ گے۔ اس کے بعد ہم نہیں کہہ سکتے کہ تم کو کیا کیا ترقیاں ہوں گی۔ کیونکہ قاعدہ ہے کہ لب دریا تک تو پاؤں کے نشان ملتے ہیں مگر دریا میں پاؤں کے نشان نہیں ہوتے۔ نیز خشکی میں تو بنا بر احتیاط گاؤں، شہر اور سرائیں، منزلیں ہوتی ہیں اور دریا میں منزلیں

نہیں بن سکتیں - کیونکہ اگر کوئی دریا میں مکان بنانا چاہے تو جس وقت موج آئیگی نہ دیواریں رہیں گی نہ چھتیں - پس سے دریا میں نہ نشان قدم ہوتے ہیں اور نہ منزلوں کا کا نام ونشان ہوتا ہے ہاں اتنا کہہ دیتے ہیں کہ اسکی منزلوں میں اتنا فصل ہے جتنا کہ مکان اور لامکان میں - خیر، تو جب تم کو فنائے سابق سے ایسی ایسی بقائیں حاصل ہوتی ہیں جن کا ابھی ذکر کیا جا چکا ہے تو پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ تم بقائے جسم کو کیوں لپٹ کر رہ گئے - اور فنا فی مرضیات الحق کیوں نہیں طلب کرتے پس اے زاغ وش اور طالب حیات جسمانی! تو اپنی جان حق سبحانہٗ کے نذر کردے اور اسکی تبدیلی کے آگے سر جھکا دے اور باز کی طرح مقرب بن جا - تو بقائے کہنہ کو اسکے حوالہ کرکے اس سے حیات تازہ لیلے اسلئے کہ تجھے معلوم ہو چکا ہے کہ ہر جدید حیات گذشتہ حیات سے بہتر ہے -

اور اگر تو نخل کی طرح ایثار نہیں کرنا چاہتا تو تو جان! پرانے پر پرانے لادتا ہے اور ان کا ڈھیر لگالے اور جو حیات تازہ سے واقف نہ ہو اسکے سامنے وہ بوسیدہ اور سڑی ہوئی اور پرانی تمام بقائے جا اور ان سے کہہ کہ میری اتنی عمر ہے اور اتنی ہے وہی اسکی قدر کریں گے۔

رہے وہ لوگ جن کو حیات تازہ حاصل ہے تو وہ تیری کچھ بھی قدر نہ کریں گے اور تیرے معتقد و مرید نہ ہوں گے - اسلیے کہ وہ تو حق سبحانہٗ کے دام کے شکار ہیں اور جہاں کہیں اندھے جانور جمع ہوں گے - اے سیلاب شور وہی تیری وقعت و قدر کریں گے - اور تیرے گرد جمع ہوں گے تاکہ تیرے کھاری پانی سے ان کا اندھاپن اور بڑھے اور تیری طول عمر سے انکو اور طولِ عمر کی حرص ہو - کیونکہ آبِ شور سے تو اندھاپن بڑھتا ہے - اہلِ دنیا اسی وجہ سے دل کے اندھے ہیں کہ وہ ناسوت کا کھارا پانی پیتے ہیں یعنی اشیائے ناسوتیہ سے ناجائز طور پر متمتع ہیں - ہم ہی ان سے کہتے ہیں کہ

کم بختو! تم کو آب حیوان عالم غیب تو میسر ہی نہیں تم شور آب ہی پیو۔ اور غذائے شور ہی کھاؤ۔ یہ تو تمہاری حالت ہے کہ کھانے کو غذائے شور ملتی ہے اور پینے کو آب شور۔ جس سے تمہاری نابینائی بڑھتی ہے مگر اس پر بھی تم یہیں رہنا چاہتے ہو؟ اور زنگی کی طرح سیاہ روئی میں خوش ہو۔ مگر تم بھی معذور ہو کیونکہ تم نے عالم غیب کی لذیذ نعمتیں دیکھی نہیں تم ان کو طلب کیسے کر سکتے ہو۔ اور اغذیہ ناسوتیہ کو بُرا کیونکر سمجھ سکتے ہو۔ ان کو تو بُرا وہی سمجھ سکتا ہے جس نے وہ نعمتیں دیکھی ہوں اور پھر اتفاق سے وہ محروم ہو گیا ہو۔ مثلاً زنگی سیاہی میں ہی خوش ہوتا ہے اور اسے اس سیاہی کو دور کرنے کی فکر نہیں ہوتی کیونکہ وہ ابتدا ہی سے سیاہ ہوتا ہے برخلاف ایک حسین معشوق کے کہ اگر اس کے دھبہ بھی لگ جاتا ہے تو اسے دُور کرنیکی فکر ہوتی ہے۔

نیز پرندہ اگر زمین میں محبوس ہو جاتا ہے تو محزون و مغموم ہوتا ہے اور روتا پیٹتا ہے لیکن مرغی کو زمین سے کوئی وحشت نہیں ہوتی اور وہ مزہ سے چُست و چالاک اور خوش و خرم دانہ چُگتی رہتی ہے اور راز اس کا یہ ہے کہ یہ ابتدا ہی سے بے پرواز ہے اسلیئے پرواز کی قدر نہیں جانتی اور سابق الذکر رکھنے والا تھا اسلیے کہ وہ اسکی قدر جانتا تھا۔

قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِرْحَمُوْا ثَلَاثًا عَزِیْزَ قَوْمٍ

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے تین شخصوں پر رحم کرو کسی قوم کا باعزت

ذُلَّ، وَغَنِیَّ قَوْمٍ اِفْتَقَرَ، وَعَالِمًا یَلْعَبُ بِہِ الْجُھَّالُ

جو ذلیل ہو گیا ہو، کسی قوم کا مالدار جو محتاج ہو گیا ہو، وہ عالم جس کا جاہل مذاق اڑائیں

گفت پیغمبر کہ رحم آرید بر — حالِ مَنْ کَانَ غَنِیًّا فَافْتَقَرْ

پیغمبر نے فرمایا ہے کہ رحم کرو اوپر — اُس شخص کے جو مالدار تھا پھر فقیر ہو گیا

لہ قال النبی۔ مولانا کا مقصد یہ ہے کہ اچھی حالت کے بعد جب بُری حالت ہوتی ہے تو وہ انتہائی تکلیف دہ ہوتی ہے۔ مَنْ کَانَ۔ جو شروع سے مفلس ہو وہ اس قدر قابل رحم نہیں ہے جیسا کہ وہ شخص جو مالداری کے بعد مُفلس ہو گیا ہو۔ عزیز ذاہو

وَالَّذِی کَانَ عَزِیزًا فَاحْتُقِر — اَوْ صَفِیًّا عَالِمًا بَیْنَ الْمُضَر
اور اُس پر جو باعزت تھا پھر حقیر ہوگیا ہو — یا منتخب عالم پر جو شرفائی کے درمیان

گفت پیغمبر کہ بر این سہ گروہ — رحم آرید ار ز سنگید و ز کوہ
پیغمبرؐ نے فرمایا کہ ان تین قسموں پر — رحم کرو خواہ تم پتھر کے ہو یا پہاڑ کے

آنکہ[۵] او بعد از عزیزی خوار شد — واں تونگر ہم کہ بے دینار شد
وہ جو عزت کے بعد ذلیل ہوگیا ہو — وہ مالدار بھی جو بے زر ہوگیا ہو

واں سوم آں عالمے کاندر جہاں — مبتلا گردد میانِ ابلہاں
تیسرے وہ عالم جو دنیا میں — بے وقوفوں میں مبتلا ہوجائے

زانکہ از عزت بخواری آمدن — ہمچو قطعِ عضو باشد از بدن
کیونکہ عزت سے ذلت میں آجانا — جسم سے عضو کٹ جانے کی طرح ہے

عضو گردد مردہ کز تن وا برید — نو بریدہ جنبد اما نے مدید
جو عضو بدن سے کٹ گیا وہ مردہ ہوجاتا ہے — نیا کٹا ہوا تڑپتا ہے لیکن زیادہ دیر نہیں

ہر کہ[۶] از جامِ الست او خورد پار — ہستش امسال آفتِ رنج و خمار
جس نے گذشتہ سال، جام الست سے پیا ہو — اسکو اس سال رنج اور اعضا شکنی کی مصیبت ہوگی

وانکہ چوں سگ ز اصل گہدائی بود — کے مر او را حرصِ سلطانی بود
وہ جو کتے کی طرح اصل شناسی کا ہو — اس کو بادشاہت کا لالچ کب ہوتا ہے؟

توبہ او جوید کہ کردہ ست او گناہ — آہ او گوید کہ گم کردہ است راہ
توبہ وہ کرتا ہے جس نے گناہ کیا ہو — آہ وہ کرتا ہے جس نے راستہ گم کردیا ہو

شخص پہلے باعزت تھا پھر ذلیل ہوگیا ہو وہ بہت زیادہ قابل رحم ہے۔ عالما۔ وہ عالم جو جاہلوں میں پھنس گیا ہو بہت زیادہ قابل رحم ہے از ز سنگید۔ خواہ تم پتھر کے بنے ہوئے ہو۔

[۵] آنکہ۔ یہ تینوں شخص بہت زیادہ قابل رحم ہیں، کیونکہ عزت کے بعد ذلت میں مبتلا ہوجانے سے وہی تکلیف پہنچتی ہے جو بدن کا کوئی عضو کٹنے۔ یہ بعضو۔ بدن سے کوئی عضو کٹنے کے بعد مردہ ہوجاتا ہے تھوڑی دیر وہ تڑپتا ہے اور پھر اس پر مردنی چھا جاتی ہے۔

[۶] ہر کہ۔ جو شخص ایک بار کسی چیز کی لذت حاصل کرچکا ہے اس کی یاد اس کو ستاتی ہے وانکہ جس شخص نے کبھی سلطنت کا مزانہ چکھا ہو وہ سلطانی کی حرص سے محروم ہوتا ہے توبہ۔ وہ شخص توبہ کرتا ہے جس کو اپنے گناہ کا احساس ہوتا ہے اور راستہ سے بھٹکا ہوا ہی آہ کرتا ہے۔

شرح

اچھا اب بیان بالا کی مزید تائید سنو! جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ارحموا من کان غنیا فافتقر والذی کان عزیزا فاحتقر وصفیا عالما بین المضر (یہ مضمون ہے حدیث کا) جس کے معنی یہ ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے لوگو! اگر تم پتھر اور پہاڑ کے بنے ہوئے ہی ہو۔ تو بھی ان تین شخصوں پر رحم کرو اول وہ جو عزت کے بعد ذلیل ہوا ہو۔ دوسرے وہ جو دولت مندی کے بعد مفلس

ہوگیا ہو۔ تیسرے وہ عالم برگزیدہ۔ جو احمقوں میں پھنس گیا ہو۔ سو آپ نے اُس شخص پر رحم کرنے کی ہدایت فرمائی ہے۔ جو عزت کے بعد ذلیل ہوا ہو اس کی وجہ یہ ہے کہ عزت کے بعد ذلت ایسی ہے جیسے کسی عضو کا بدن سے جدا ہو جانا۔ کیونکہ جو عضو تن سے جدا ہو جاتا ہے وہ ہی عزت کے بعد ذلیل ہوتا ہے کہ مردار ہوتا ہے

پس جس طرح وہ عضو جو اپنے تن سے جدا ہوتا ہے اسے جُدا ہو کر تڑپتا ہے۔ مگر جب دیر ہو جاتی ہے تو ٹھنڈا ہو جاتا ہے یوں ہی جو شخص عزت کے بعد ذلیل ہوا ہے وہ بھی مضطرب ہوتا ہے مگر ایک عرصہ کے بعد وہ ذلت سے خوگر ہو جاتا ہے اور لطف عزت کو بھول جاتا ہے اور اسے سکون ہو جاتا ہے۔

اس سے ثابت ہوا کہ جو شخص شراب عشق الٰہی پیتا ہے اور پھر ایک وقت میں وہ شراب اسے نہیں ملتی وہ ہی بے قرار ہوتا ہے۔ برخلاف اس مجوب کے۔ جو ابتداء ہی ناسوتی اغذیہ کھاتا ہو۔ وہ کیا بادشاہی معنوی اور قرب حق سبحانہٗ کی آرزو کریگا اور اسکے نہ ہونے سے اسے کیا تکلیف ہوگی۔ نیز توبہ وہی کریگا جس نے گناہ کیا ہو۔ اور گناہ کے سبب وہ ذوقِ طاعت سے محروم ہوگیا ہو اور جو ذوقِ طاعت کو چاہتا ہی نہیں وہ کیا توبہ کریگا —— علیٰ ہٰذا۔ آہ وہی کریگا جسنے راستہ گم کیا ہو۔ اور جو سرے سے بے راہ ہے اور بے راہی کو راہ جانتا ہے وہ کیا آہ کریگا۔

الغرض: عمدہ حالت کی وہی قدر کرسکتا ہے جو اس سے آشنا رہا ہو۔ اور جو اس حالت سے آشنا ہی نہ ہو وہ اسکی قدر نہیں کرسکتا۔

قصہ[1] محبوس شدن آں آہو بچہ در آخرِ خراں و طعنۂ آں خراں بر آں غریب گاہ بجنگ گاہ بہ تسخر و مبتلا شدنِ او بکاہِ خشک کہ غذائے او نیست و ایں صفت بندۂ خاصِ خدای ست عزوجل میانِ اہلِ دنیا و اہلِ شہوت کہ اَلْاِسْلَامُ بَدَأَ غَرِيْبًا وَسَيَعُوْدُ غَرِيْبًا كَمَا بَدَأَ فَطُوْبٰى لِلْغُرَبَاءِ صَدَقَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

ہرن کے بچّہ کا گدھوں کے اصطبل میں قیدی ہونے کا قصہ اور اُس پردیسی پر اُن گدھوں کی طعنہ زنی کبھی لڑائی سے کبھی مذاق سے، اور اُس کا خشک گھاس میں مبتلا ہونا کیونکہ وہ اُسکی غذا نہیں ہے اور یہی حالت خدائے عزوجل کے خاص بندے کی دنیاداروں اور شہوت پرستوں میں ہے کیونکہ اسلام اجنبی بن کر شروع ہوا اور عنقریب اجنبی بن جائیگا جیسا کہ شروع ہوا تو اجنبیوں کیلئے خوشخبری ہے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ فرمایا ہے

آہوئے را کرد صیادے شکار — اندر آخر کرد شں آں بے زینہار
ایک ہرن کا ایک شکاری نے شکار کرلیا — اُس بے امان کو اصطبل میں کردیا

آخرے را پُر ز گاوان و خراں — حبس آہو کرد چوں اِستمگراں
اُس اصطبل کو جو بیلوں اور گدھوں سے بھرا ہوا تھا — ظالموں کی طرح ہرن کا قیدخانہ بنادیا

آہو از وحشت بہر سو میگریخت — او[2] بہ پیشِ آں خراں شب کاہ ریخت
ہرن، وحشت سے ہر جانب کو بھاگتا تھا — اُس (شکاری) نے رات کو گدھوں کے سامنے گھاس ڈالدی

از مجاعت و اِشتہا ہر گاؤ و خر — کاہ را میخورد خوشتر از شکر
بھوک اور خواہش سے ہر بیل اور گدھا — گھاس کو شکر سے بھی زیادہ خوشی سے کھاتا تھا

گاہ آہو می رمید از سو بسو — گہ ز دود و گرد کہ میتافت رو
ہرن، کبھی اِدھر اُدھر دوڑتا تھا — کبھی دھویں اور گھاس کی گرد سے منہ موڑتا تھا

ہر کرا با ضدِ خود بگذاشتند — آں عقوبت را چو مرگ انگاشتند
جس کو اُس کی ضد کے ساتھ چھوڑ دیا ہے — اِس سزا کو اُس نے موت خیال کیا ہے

تا سلیمانؑ[3] گفت کاں ہُدہُد اگر — ہجر را عذرے نگوید معتبر
یہاں تک کہ حضرت سلیمانؑ نے کہا کہ اگر وہ ہُدہُد — جدائی کا معتبر عذر نہ بیان کرے

بکشمش یا خود دہم او را عذاب — یک عذاب سخت بیروں از حساب
میں اُس کو مار ڈالوں گا یا خود اُس کو سزا دونگا — ایک سخت سزا جو اَن گنت ہے

ہاں کدام ست آں عذاب اے معتمد — در قفس بودن بغیرِ جنسِ خود
اے معتمد! ہاں وہ سزا کون سی ہے؟ — پنجرے میں غیر جنس کے ساتھ رہنا

---

[1] قصہ۔ اس قصہ سے یہ بتایا گیا ہے کہ ہرن کا بچہ چونکہ آزادی کے لطف اُٹھائے ہوئے تھا اس لئے اُس کے نہ ہونے کا اُسکو افسوس تھا گدھے اُس سے محروم تھے۔ و ایں صفت۔ جس طرح یہ ہرن کا بچہ گدھوں میں آکر پریشان ہوا ایسی حال عالم کا جاہلوں میں ہوتا ہے۔۔۔۔ الاسلام۔ جس وقت اسلام کی ابتداء ہوئی تب بھی وہ لوگوں کے لئے اجنبی تھا اور عنقریب پھر اجنبی بن جائیگا ان لوگوں کے لئے خوشخبری ہے جو مسلمان ہونے کی وجہ سے اجنبی ہیں۔ آخر۔ اصطبل۔ زینہار۔ پناہ۔ استمگراں۔ ستمگراں۔

[2] او۔ یعنی شکاری۔ مجاعت۔ بھوک۔ ہرکرا۔ سزا یہی اگر کسی چیز کو اُس کے مخالف سے وابستہ کردیا جائے تو یہ سزا موت ہے۔

[3] تا سلیمانؑ۔ حضرت سلیمانؑ نے ہدہد کو جو سخت عذاب دینے کو کہا تھا وہ یہی تھا کہ اس کو ناجنس کے ساتھ پنجرے میں بند کر دیتے۔

زین[1] بدن اندر عذابی اے پسر — مرغ روحت بستہ با جنس دگر

اے بیٹا: اس جسم سے تو بھی عذاب میں ہے — تیری روح کا پرندہ دوسری جنس سے وابستہ ہے

روح بازست وطبائع زاغہا — دارد از زاغان تن بس داغہا

روح باز ہے اور مزاج کوے ہیں — وہ جسم کے کووں کی وجہ سے بہت زخمی ہے

او بماندہ درمیان شان زار زار — ہمچو بوبکرے بشہر سبزوار

وہ اُن کے درمیان تباہ حال ہے — جس طرح کوئی ابوبکر سبزوار شہر میں

[1] زین بدن۔ انسان کے لئے بھی عذاب ہے کہ اس کی روح کو غیر جنس یعنی جسم کے ساتھ مقید کر دیا گیا ہے۔ ترجمہ۔ روح باز ہے اور بدن کی طبیعت کوا ہے۔ بوبکرے۔ یعنی ابوبکر نامی شخص سبزوار۔ ایران کا مشہور شہر ہے جس کے باشندے سخت رافضی تھے

شرح اس قصہ میں چند احتمال ہیں اول یہ کہ اس سے مقصود اہل دنیا کی حالت کے مقابلہ میں جو کہ اب تک بیان کی گئی تھی اہل اللہ کی حالت دکھلانا ہو اور ظاہر کرنا ہو کہ اہل دنیا تو دنیا پر عاشق ہیں مگر اہل اللہ اس سے متوحش ہیں۔ اور دوم یہ کہ یہ تمثیل ہو اس عالم کی جو نا اہلوں میں پھنس گیا ہے۔

جب یہ امر معلوم ہوگیا۔ تو اب حل سنو! ایک ہرن کو کسی شکاری نے گرفتار کیا اور اس بے امان نے اس کو آخور میں باندھ دیا۔ وہ آخور جو بیلوں اور گدھوں سے پُر تھی اسکو ظالمانہ طور پر اس ہرن کا جیل خانہ بنا دیا جب ہرن وہاں بندھا تو گھبرا کر ہر طرف بھاگنے لگا۔ شکاری نے گدھوں وغیرہ کے سامنے رات کو گھاس ڈالا تو مارے بھوک کے تمام گدھے اور بیل اسکو مزہ لے لیکر کھانے لگے۔ مگر ہرن کی یہ حالت تھی کہ وہ ادھر اُدھر بھاگتا تھا اور گھاس کے گرد اور اسکی بو سے ادھر نہ مڑتا تھا۔

اب مولانا فرماتے ہیں کہ جس کو ناجنسوں میں چھوڑ دیا جاتا ہے تو اس کا منشا یہ ہوتا ہے کہ اسکو موت کی مانند سخت سزا دینی مقصود ہوتی ہے کیونکہ اس سزا کو موت کی مانند سمجھا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے، کہ سلیمان علیہ السلام نے

فرمایا تھا کہ اگر ھُدھُد نے اپنی غیبت کا معقول عذر نہ بیان کیا تو یا میں اسے مار ڈالوں گا یا ایسی سخت سزا دوں گا جو بیان سے باہر ہے۔ وہ سزا کون سی ہے؟ پنجرے میں غیر جنس کے ساتھ محبوس ہونا ـــــ تو سلیمان علیہ السلام کا مطلب یہ ہوگا کہ میں اسے غیر جنس کے ساتھ مقید کر دونگا۔

جب یہ معلوم ہوگیا کہ غیر جنس کے ساتھ محبوس ہونا موت کی مانند سخت ہے۔ تو تم عبرت پکڑو! اور سمجھو کہ تم اس بدن کی بدولت سخت ترین عذاب میں ہو کیونکہ تمہاری روح غیر جنس کے ساتھ محبوس ہے، اسلئے کہ روح تو باز اور مقربِ بادشاہِ حقیقی ہے اور نفوس کوے (پابندِ اَمل) اور وہ ان کوّوں کی صحبت سے بہت کوفت اٹھارہی ہے اور ان کے درمیان یوں زار و نزار ہے جیسے شہر سبزوار میں ابوبکر۔ قصہ اس کا حسبِ ذیل ہے۔

حکایت سلطان محمد خوارزم شاہ کہ شہرِ سبزوار را کہ ہمہ اہلِ اُو
سلطان محمد خوارزم شاہ کی حکایت جس نے سبزوار شہر کو جس کے تمام باشندے

رافضی باشند بجنگ بگرفت ایشاں از کشتن امان
رافضی تھے جنگ کرکے لے لیا اُن لوگوں نے قتل سے امان چاہی اُس

خواستند گفت آنگہ اماں دہم کہ پیشِ من ازیں شہر یک
نے کہا میں امان جب دوں گا جبکہ اس شہر میں سے ایک ابوبکر

ابوبکر نامی بیاورید
نامی شخص لے آؤ

شُد محمد اَلپ[52] اُلُغ خوارزم شاہ
بہادر محمد خوارزم شاہ لگا

در قتالِ سبزوارِ پر تباہ
تباہی بھرے سبزوار (شہر) کے قتال میں

تنگ شاں آورد لشکر ہائے اُو
اُس کے لشکروں نے اُن کا محاصرہ کرلیا

اسپہش افتاد در قتلِ عدو
اُس کے سپاہی دشمن کے قتل میں لگ گئے

سجدہ آوردند[53] پیشش کالاَماں
اُنھوں نے اُس کے سامنے سجدہ کیا کہ اُس دے

حلقہ ماں در گوش کُن و بخش جاں
ہمیں حلقہ بگوش بنالے، جان بخش دے

[52] اَلپ۔ بہادر۔ اُلُغ۔ بزرگ۔ خوارزم شاہ۔ یہ ایران کا بادشاہ تھا خراسان سے عراق تک اُس کی خلافت تھی یہ مولانائے روم کے والد خواجہ بہاء الدین محمد کا ماموں تھا۔

[53] سجدہ آوردند۔ سبزوار کے باشندے مطیع ہوگئے اور انھوں نے جان و مال کی امان چاہی۔ بر خراج۔ سبزواریوں نے کہا کہ جو ٹیکس ہم پر لگایا جائیگا ہم ہر فصل میں بڑھا کر ادا کریں گے

ہر خراج و ہر صلہ کہ بایدت — آں زما ہر موسمے افزایدت

جو خراج اور جو بدلہ تجھے چاہیئے — وہ ہر موسم میں ہماری جانب سے تیرے لئے زیادہ کر دیگا

جانِ ما آنِ تو ہست اے شیر خُو — پیشِ ما چندے امانت باش گو

اے شیر دل! ہماری جان تیری ملکیت ہے — کہہ دے، ہمارے پاس کچھ دن امانت میں رہے

گفت نرہانید از من جانِ خویش — تا نیارید م ابوبکرے بہ پیش

اُس نے کہا تم اپنی جان مجھ سے نہیں چھڑا سکتے ہو — جب تک کہ ایک ابوبکر میرے سامنے حاضر نہ کرو

تا مرا بوبکر نام[51] از شہرتاں — ہدیہ نارید اے رمیدہ اُمتاں

جب تک کہ ابوبکر نام کا اپنے شہر سے میرے پاس — ہدیہ نہ لاؤ گے، اے بگڑی ہوئی قوم!

بدر دم تاں ہمچو کشت اے قومِ دُوں — نے خراج استانم و نے ہم فسوں

اے کمینہ قوم! میں کھیتی کی طرح تمہیں کاٹ دونگا — نہ خراج لوں گا اور نہ ہی چکنی چپڑی باتیں سنوں گا

پس جوال[ِ] زر کشیدندش براہ — کز چنیں شہرے ابوبکرے مخواہ

تو انھوں نے اشرفیوں کا بورا اسکے سامنے لا ڈالا — کہ ایسے شہر سے ابوبکر نہ مانگ

کے بُود[52] بوبکر اندر سبزوار — یا کلوخِ خشک اندر جوئبار

ابوبکر، سبزوار میں کہاں ہو سکتا ہے؟ — یا خشک ڈھیلا نہر میں

رُو بتابید از زر و گفت اے مُغاں — تا نیارید م ابوبکر ار مُغاں

اشرفیوں سے منہ پھیر لیا اور کہا اے کافرو! — جب تک کہ تم ابوبکر کا تحفہ میرے پاس لاؤ گے

ہیچ سودے نیست کودک نیستم — تا بزر و سیم حیران بیستم

کوئی فائدہ نہیں ہے، میں بچہ نہیں ہوں — کہ سونے اور چاندی سے حیران رہ جاؤں

تا نیاری سجدہ نہ رہی اے زبوں — گر بہ پیمائی تو مسجد را بکوں

اے حقیر! جب تک تو سجدہ نہ کریگا (فرض ہے) نہ چھوٹے گا — خواہ تو مقعد سے (ساری) مسجد کو ناپ ڈالے

مُنہیاں[53] انگیختند از چپ و راست — کاندریں ویرانہ بوبکرے کجاست

انھوں نے دائیں بائیں جانب جاسوس دوڑائے — کہ اِس ویرانہ میں کوئی ابوبکر کہاں ہے؟

بعد سہ روز و سہ شب کا شتافتند — یک ابوبکرے نزارے یافتند

تین دن اور تین راتیں بعد جبکہ وہ دوڑے پھرے — انھوں نے ایک لاغر ابوبکر پایا

رہگذر بُود و بماندہ از مرض — در یکے گوشہ خرابے پُر حرض

مسافر تھا اور مرض کی وجہ سے پڑا رہ گیا تھا — مریض ہوکر، وہ بازوہ ویرانے کے ایک گوشہ میں

گوہرے اندر خرابہ بے عَرَض — خونِ دل بر رُخ فشاندہ از مرض

ویرانہ میں موتی، بے سروسامان — مرض کی وجہ سے دل کا خون چہرے پر چھڑکے ہوئے

خفتہ بُود اُو در یکے کُنجے خراب — چوں بدیدندش بگفتندش شتاب

وہ ایک اُجڑے ہوئے گوشہ میں سو رہا تھا — جب انھوں نے اُسکو دیکھا فوراً اُس سے کہا

[51] ابوبکر۔ خوارزم شاہ نے کہا امان کی شرط یہ ہے کہ اپنی آبادی میں سے ابوبکر نام کا کوئی شخص لا کر پیش کرو بکلام۔ اگر یہ شرط پوری نہ کروگے تو میں سب کو قتل کرادونگا۔ پس جوال۔ ان لوگوں نے اشرفیوں کا بورا سامنے لاکر ڈال دیا کہ یہ قبول کر لیجئے اور ابوبکر نامی شخص کے لانے کی شرط ختم کر دیجئے۔

[52] کے بود۔ سبزوار میں کسی ابوبکر کی تلاش ایسی ہی ہے جیسے کوئی دریا میں خشک ڈھیلا تلاش کرے۔ مُغاں۔ اُن لوگوں کو رفض کی وجہ سے کفار سے تعبیر کیا ہے۔ تا نیاری۔ اُن لوگوں کا اشرفیاں دے کر نجات حاصل کرنے کی تمنا ایسی ہی تھی جیسا کہ کوئی شخص نماز سے اِس طور پر چھٹکارا حاصل کرنا چاہے کہ پوری مسجد کو سرین سے ناپ ڈالے اور سجدہ نہ کرے۔

[53] مُنہیاں۔ ابوبکر نامی شخص کی تلاش میں سبزوار والوں نے جاسوس چھوڑ دیئے۔ نزار۔ لاغر۔ رہگذر۔ راہگذار، مسافر۔ حرض۔ بیماری۔ گوہر۔ وہ شخص ایک قیمتی جوہر تھا لیکن ان بے قدروں میں پڑا ہوا تھا۔ خفتہ بود۔ وہ ابوبکر نامی مسافر ایک ویرانہ میں پڑا سو رہا تھا۔

خیز کہ سلطاں ترا طالب شدہ است ۔ گز تو خواہد شہر ما از قتل رست[1]

اُٹھو، کہ بادشاہ تیرا طالب ہوا ہے ۔ کیونکہ تیری وجہ سے ہمارا شہر قتل سے بچ جائیگا

گفت اگر پایم بُدے یا مقدمے ۔ خود براہے خود بمقصد رفتمے[2]

اُس نے کہا اگر میرے پاؤں یا چلنا ہوتا ۔ اپنے راستہ پر اپنی منزل کو چل دیتا

اندریں دشمن کدہ کے ماندمے[3] ۔ سوئے شہرِ دوستاں میراندمے

میں اس دشمنستان میں کب ٹھہرتا؟ ۔ دوستوں کے شہر کی جانب سواری ہانک دیتا

تختۂ مُردہ کشاں[4] بفراشتند ۔ بر کتفِ بوبکر را برداشتند

اُنھوں نے ایک تابوت اُٹھایا ۔ کاندھے پر ابوبکر کو سوار کرلیا

جانبِ خوارزم شہ جملہ دَواں ۔ می کشیدندش کہ تا بیند نشاں

سب خوارزم شاہ کی جانب دوڑے ۔ وہ اُس کو لے جارہے تھے تاکہ وہ نشانی دیکھ لے

سبزوار[5] است ایں جہان و مردِ حق ۔ اندریں جا ضائع ست و ممتحق

یہ دنیا سبزوار ہے اور مردِ خدا ۔ اُس میں رائیگاں اور نیست ہے

ہست آں خوارزم شہ یزدانِ جلیل ۔ دل ہمی خواہد ازیں قومِ ذلیل

وہ عطائے بزرگ (بمنزلہ) خوارزم شاہ کے ہے ۔ اِس ذلیل قوم سے دل کا طالب ہے

گفت[6] لَا یَنْظُرُ اِلٰی تَصْوِیْرِکُمْ ۔ فَابْتَغُوْا ذَا الْقَلْبِ فِیْ تَدْبِیْرِکُمْ

(رسول نے) فرمایا ہے وہ (خدا) تمہاری صورتوں کو نہیں دیکھتا ۔ پس اپنی تدبیر میں صاحبِ دل کو تلاش کرو

من ز صاحبدل کُنم دَر تو نظر[7] ۔ نے بنقش و سجدہ و ایثارِ زر

میں صاحبِ دل کے ذریعہ تجھ میں نظر کرتا ہوں ۔ نہ کہ صورت اور سجدہ اور عطائے زر کے ذریعہ

تو دلِ[8] خود را چو دل پنداشتی ۔ جستجوئے اہلِ دل بگذاشتی

چونکہ تو نے اپنے دل کو، دل سمجھ لیا ہے ۔ (اِسلئے) تو نے صاحبِ دل کی جستجو ترک کردی ہے

دل[9] کہ گر ہفصد چو ایں ہفت آسماں ۔ اندر او آید شود یاوہ و نہاں

(وہ) دل کہ اگر سات آسمان جیسے سات سو ۔ اُس میں آئیں تو وہ گم اور پوشیدہ ہو جائیں

ایں چنیں[10] دل ریزہا را دل مگو ۔ سبزوار اندر ابوبکرے مجو

دل کے اس طرح کے ریزوں کو دل نہ کہہ ۔ سبزوار کے اندر ابوبکر کو تلاش نہ کر

صاحبِ دل آئنہ شش رُو بُود ۔ حق درو از شش جہت ناظر شود

صاحبِ دل چھ رُخا آئینہ ہوتا ہے ۔ اللہ (تعالیٰ) چھ جانب سے اُسیں دیکھتا ہے

ہر[11] کہ اندر شش جہت دارد مقر ۔ کے کند در غیرِ حق یک دم نظر

جو شش جہت میں ٹھکانا رکھتا ہو ۔ وہ تھوڑی دیر کیلئے (بھی) ماسوی اللہ کو کب دیکھتا ہے

گر کند او از برائے او کند ۔ در قبول آرد ہمو باشد سَند

اگر وہ (صاحبِ دل) نظر کرتا ہے اُس (اللہ) کیلئے کرتا ہے ۔ اگر قبول کرتا ہے، تو وہی سہارا ہوتا ہے

شش جہت سے مراد ہیں مشرق مغرب شمال جنوب اوپر اور نیچے کی جانب

---

[1] گز تو۔ بادشاہ شرط کے مطابق ہمیں معاف کردیگا۔

[2] بمقصد۔ یعنی اگر چلنے کی طاقت ہوتی تو میں اپنی منزل کی طرف روانہ ہوجاتا تم لوگوں میں نہ ٹھہرتا۔

[3] اندریں۔ رافضی حضرت ابوبکر کے نام کے بھی دشمن ہوتے ہیں۔

[4] تختۂ مُردہ کشاں۔ مُردے کے لے جانے کا تختہ۔

[5] سبزوار۔ مولانا فرماتے ہیں کہ یہ دنیا بھی سبزوار ہے اور یہاں بھی مردِ حق اسی طرح بے یار و مددگار رہتا ہے جس طرح ابوبکر نامی شخص سبزوار میں تھا۔ یزداں۔ اللہ تعالےٰ کی مثال خوارزم شاہ جیسی ہے اللہ تعالیٰ بھی دنیا داروں سے دل کا مطالبہ کرتا ہے۔

[6] گفت۔ حدیث شریف ہے اللہ تعالےٰ تمہاری صورتوں اور مالوں کو نہیں دیکھتا ہے وہ تمہارے دلوں اور کاموں کو دیکھتا ہے۔

[7] من۔ اللہ تعالیٰ خلق اللہ کی طرف کسی صاحبِ دل کی وجہ سے توجہ فرماتا ہے۔

[8] تو دل۔ ہر شخص ایسا صاحبِ دل نہیں ہے جس کی وجہ سے مخلوقِ خدا کا منظورِ نظر بنے۔

[9] دل۔ اللہ تعالیٰ اس دل کو پسند کرتا ہے جس دل میں اسقدر وسعت ہو کہ سات آسمان جیسے سات سو اس میں سما جائیں۔

[10] ایں چنیں۔ عام دلوں میں اس دل کی تلاش ایسی ہی ہے جیسا کہ سبزوار میں ابوبکر نامی کی تلاش۔ صاحبدل۔ صاحبِ دل

[11] ہر کہ۔ جو شخص لامکانی بن چکا ہو وہ غیر اللہ کی طرف نظر اُٹھا کر بھی نہیں دیکھتا ہے۔

چونکہ اُو حق را بُوَد در کُلِّ حال
کیونکہ وہ ہر حالت میں (اللہ تعالیٰ) کیلئے ہوتا ہے

برگزیدہ باشد اُورا ذُوالجلال
اللہ تعالےٰ نے اس کو منتخب کر لیا ہے

ہیچ بے اُو حق بکس ندہد نوال
اللہ (تعالےٰ)، اُسکے بغیر کسی کسی کو عطا نہیں کرتا ہے

شمۂ گفتم من از صاحب وصال
میں نے واصل (بحق) کے بارے میں تھوڑا سا بتا دیا

موہبت [۲] را بر کفِ دستش نہد
وہ (اللہ تعالےٰ) عطیہ اُسکے ہاتھ کی ہتھیلی پر رکھدیتا ہے

وز کفش آں را بمرحوماں دہد
اُسکی ہتھیلی کے ذریعہ اُسکو قابلِ رحم لوگوں کو دیتا ہے

باکفش دریائے کُل را اتصال
اُس کی ہتھیلی کا دریائے کُل سے اِتصال ہے

ہست بے چون و چگونہ پُر کمال
وہ ناقابلِ بیان کمالات سے پُر ہے

اِتصالے کہ نہ گنجد در کلام
وہ اِتصال جو بیان نہیں ہو سکتا ہے

گفتنش تکلیف باشد والسلام
اُس کا بیان کرنا تکلف ہے، والسلام

صد جوالِ زر بیاری اے غنی
اے مالدار! اگر تو سونے کے سو بورے لائیگا

حق بگوید دل بیار اے منحنی
اللہ (تعالےٰ) فرمادیگا اے کُبڑے! دل لا

گر ز تو راضی ست [۳] دل من راضیم
اگر وہ دل تجھ سے راضی ہو میں بھی راضی ہوں

ور ز تو معرض بُوَد اعراضیم
اگر وہ تجھ سے مُنہ پھیرنے والا ہو میں بھی مُنہ پھیرنے والا ہوں

ننگرم در تو دراں دل بنگرم
میں تجھے نہیں دیکھتا ہوں اُس کو دیکھتا ہوں

تحفہ اُورا آر اے جان بر درم
اے جان! میرے در پر اُس کا تحفہ لا

باتو او چونست ہستم من چناں
تیرے ساتھ وہ جیسا ہے میں ویسا ہی ہوں

زیرِ پائے مادراں باشد جناں
جنت ماؤں کے پاؤں کے نیچے ہے

مادر و بابا و اصلِ خلق اوست
مخلوق کی ماں اور باپ اور اصل وہ ہے

اے خُنک آنکس کہ دل داند ز پوست
وہ قابلِ مبارکباد ہے جس نے دل اور چھلکے میں امتیاز کر لیا

تو بگوئی نک دل آوردم بتو
تو کہے گا میں تیرے پاس یہ دل لایا ہوں

گویدت ایں دل نیر زد یک طسو
وہ تجھ سے کہدیگا کہ یہ دل ایک دمڑی کا بھی نہیں ہے

آں دلے آور کہ قطبِ عالم [۴] ست
وہ دل لا جو عالم کا قطب ہے

جانِ جانِ جانِ جانِ آدم ست
(وہ دل) آدمؑ کی جان کی جان کا محبوب ہے

از برائے آں دلِ پُر نور و بر
اُس نیکی اور نور سے بھرے ہوئے دل کا

ہست آں سُلطانِ دلہا منتظر
دلوں کا بادشاہ منتظر ہے

تو بگردی روزہا در سبزوار
تو ایک عرصہ تک سبزوار میں گھومیگا

آنچناں دل را نیابی ز اعتبار
از روئے اعتبار تو ایسے دل کو نہ پائے گا

گر کُنہ۔ اگر صاحب دل کسی کی طرف نظر کرتا ہے تو خدا کیلئے کرتا ہے اور اُس کا رد و قبول سب خدا کے لئے ہوتا ہے۔ چونکہ۔ چونکہ اُس صاحب دل کے جملہ احوال خدا کیلئے ہوتے ہیں لہٰذا وہ خدا کا برگزیدہ ہوتا ہے۔ ہیچ۔ یہ صاحب دل خلیفۃ اللہ ہے اور اللہ تعالیٰ کی جملہ عطا اُس کے واسطے سے ہوتی ہے۔

[۲] موہبت۔ اللہ تعالےٰ اپنے جملہ عطیات اُسکے ہاتھوں مخلوق کو پہنچاتا ہے۔ دریائے کُل۔ حضرت حق تعالیٰ۔ اِتصال اُس کے ہاتھ کا خدا سے جو اِتصال ہے اس کا بیان ممکن نہیں ہے۔ صد جوال۔ اللہ تعالیٰ سونے چاندی سے بے نیاز ہے وہ صرف دل کا اِخلاص قبول کرتا ہے۔

[۳] گر ز تو۔ جس سے وہ صاحب دل راضی ہوتا ہے اُس سے خدا راضی ہوتا ہے جس سے وہ ناراض ہوتا ہے خدا اُس سے ناراض ہوتا ہے۔ مادراں۔ وہ صاحب دل ایسا ہی مربی ہے جس طرح ماں مربی ہوتی ہے۔ مادر۔ وہ صاحب دل مخلوق کیلئے بمنزلہ ماں باپ کے ہوتا ہے۔ تو بگوئی۔ تو خدا کے سامنے اپنا وہ دل پیش کرتا ہے جو ایک دمڑی کا بھی نہیں ہے۔

[۴] قطبِ عالم۔ اِس صاحب دل پر عالم کی بقا کا مدار ہوتا ہے اور یہی دل آدمؑ کے جان کی جان کا محبوب ہے۔ آز برائے۔ اللہ تعالےٰ ایسے دل کا منتظر ہے جو نور اور نیکی سے بھرا ہوا ہے۔ تو بگردی۔

پس دلِ پژمردہ پوسیدہ جاں | بر سرِ تختہ نہی آنسو کشاں
تو ایک مُرجھایا ہوا اور بوسیدہ روح والا دل | تابوت میں رکھ کر، وہاں لے جا

کہ دل آوردم ترا اے شہریار | بہ ازیں دل نبود اندر سبزوار
کہ اے شاہ! میں تیرے لئے دل لایا ہوں | سبزوار میں اس سے بہتر دل نہیں ہے

گویدت[2] ایں گورخانہ است اے جری | کہ دلِ مُردہ بدیں جا آوری
وہ تجھ سے کہدیگا اے بیباک! یہ قبرستان ہے | کہ تو ایک مردہ دل یہاں لایا ہے

رَو بیاور آں دلے کو شاہ خوست | کہ امانِ سبزوارِ کون ازوست
جا، وہ دل لا جو شاہانہ مزاج رکھے | کیونکہ دنیا کے سبزوار کو اسی کی وجہ سے امن حاصل ہے

گوئی آں دل زیں جہاں پنہاں بود | زانکہ ظلمت با ضیا ضدّاں بود
تو کہے گا کہ وہ دل اس دنیا میں مفقود ہے | کیونکہ تاریکی اور نور دو ضد ہیں

دشمنیِ آں دل از روزِ الست | سبزوارِ طبع را میراثی است
ازل سے اس دل کے ساتھ دشمنی | (دنیاوی) طبیعت کی موروثی ہے

زانکہ[3] او باز ست دنیا شہرِ زاغ | دیدنِ ناجنس بر ناجنس داغ
کیونکہ وہ باز ہے، دنیا کوؤں کا شہر ہے | غیر جنس کو غیر جنس کا دیکھنا داغ ہے

ور کند نرمی نفاقے می کند | ز استمالت ارتفاقے می کند
اگر وہ نرمی کرتا ہے تو نفاق برتتا ہے | مائل کر کے، فائدہ حاصل کر رہا ہے

می کند آرے نہ از بہرِ نیاز | تا کہ ناصح کم کند نصحِ دراز
ہاں ہاں کہتا ہے نہ کہ نیازمندی سے | (بلکہ) اسلئے کہ ناصح دراز نصیحت نہ کرے

زانکہ ایں زاغِ خسِ مُردار جو | صد ہزاراں مکر دارد تو بتو
کیونکہ یہ کمینہ کوا، مُردار کا جویاں | تہ بہ تہ لاکھوں مکر رکھتا ہے

گر پذیرند[1] آں نفاقش وارہید | شد نفاقش عینِ صدقِ مستفید
اگر وہ اسکے نفاق کو قبول کرلیں تو اُنسے نجات حاصل کرلی | اُس کا فائدہ مند نفاق عین سچائی بن گیا

زانکہ آں صاحبدلِ با کرّ و فر | ہست در بازارِ ما معیوب خر
کیونکہ وہ شان و شوکت والا صاحب دل | ہمارے بازار میں عیب دار کو بھی خریدنے والا ہے

صاحبِ دل جو اگر بیجاں نۂ | جنسِ دل شو گر ضدِ سلطاں نۂ
صاحب دل کی تلاش کر اگر تو مردہ نہیں ہے | دل کا ہم جنس بنجا اگر تو شاہ کا مخالف نہیں ہے

آنکہ زرقِ او خوش آید مر ترا | او ولیِ تست نہ خاصۂ خدا
جس کا مکر تجھے اچھا لگتا ہے | وہ تیرا ولی ہے، نہ کہ مردِ خدا

دنیا میں ایسے دل کا ملنا ایسا ہی دشوار ہے جس طرح سبزوار میں ابوبکر نامی شخص کا ملنا۔ پس۔ اگر وہ دل تیرے پاس نہیں ہے تو اپنا مردہ دل ہی بارگاہ میں پیش کردے جس طرح سبزوار والوں نے بیمار اور لاغر ابوبکر نامی شخص کو پیش کر دیا تھا۔

[2] گویدت۔ وہ شاہ تجھ سے کہیگا کہ یہاں کوئی قبرستان ہے کہ تو مردہ دل کو یہاں لایا ہے۔ رَو۔ جا اور وہ دل لا جس کی وجہ سے عالم کا بقا ہے۔ گوئی۔ تو اس کے جواب میں کہنا کہ دنیا تاریکی ہے اور وہ دل نور ہے تاریکی میں نور کہاں ہے۔ دشمنی ایسے دل سے دنیا کو روزِ ازل سے دشمنی ہے۔

[3] زانکہ۔ وہ دل باز ہے اور دنیا جہانِ زاغ ہے کوئی اپنے ناجنس کو دیکھنا پسند نہیں کرتا ہے۔ ور کند۔ اگر کوئی دنیادار ایسے صاحب دل کے ساتھ نرمی برتتا ہے تو وہ منافقت پر مبنی ہوتی ہے یا اس سے کسی فائدہ کا امیدوار ہوتا ہے۔ می کند۔ اگر دنیادار ایسے صاحبِ دل کی ہاں میں ہاں ملاتا ہے تو محض اسلئے کہ وہ اسکو زیادہ ...

[1] گر پذیرد۔ بہت سے لوگ منافقانہ حاضر ہوئے ہیں اور مومن کامل بنگئے ہیں۔ معیوب خر۔ صاحب دل اپنی شان و شوکت کی وجہ سے عیبدار کا بھی خریدار بن جاتا ہے۔ صاحبِ دل۔ جب تجھے یہ معلوم ہوگیا کہ صاحبِ دل معیوب کو بھی خرید لیتا ہے

هرکه او برخوی و بر طبع تو زیست ۔ پیشِ طبع تو ولی ست و نبی ست

ہر وہ جو تیری عادت اور مزاج کے مطابق زندگی گذارتا ہے ۔ تیرے نزدیک وہ ولی ہے اور نبی ہے

رو ہوا بگذار تا بوی خدا ۔ در مشامت میرسد اے کدخدا

جا نفسانیت کو چھوڑ، تاکہ خدائی خوشبو ۔ تیری ناک میں پہنچے اے صاحب خانہ!

رو ہوا بگذار تا خوبت شود ۔ واں مشامِ عنبریں بویت شود

جا، نفسانیت کو چھوڑ۔ تاکہ تیری بھلائی ہو ۔ اور تیرا دماغ عنبر کو سونگھنے والا بن جائے

از ہوا رانی دماغت فاسدست ۔ مشک و عنبر پیشِ مغزت کاسدست

نفسانیت سے تیرا دماغ خراب ہے ۔ تیرے دماغ کیلئے مشک اور عنبر بے قدر ہے

عاشقی تو بر نجاست ہمچو زاغ ۔ بوئے مشکت می نگیرد در دماغ

تو کوے کی طرح نجاست پر عاشق ہے ۔ تیرے دماغ میں مشک کی خوشبو نہیں آتی ہے

حد ندارد ایں سخن و آہوی ما ۔ میگریزد اندر آخر جا بجا

اس بات کی حد نہیں ہے اور ہمارا ہرن ۔ اصطبل میں، جابجا بھاگ رہا ہے

تو اب کسی صاحب دل کی تلاش کرے اگر تو خدا کا دشمن نہیں ہے۔ ترجمہ۔ جس کی مکاری تجھے پسند آئے وہ تیرا دوست ہے خدا کا دوست نہیں ہے۔

۲ ہر کہ۔ تو بھی اپنے جیسے نبی کی ولایت اور نبوت کے قائل ہوگا ہے۔ تو خواہش نفسانی کو ترک کر جب تو خدائی خوشبو سونگھ سکے گا اور تیرا دماغ عنبر کو سونگھ سکے گا۔

از ہوا رانی۔ اگر تو نفس کی خواہشات کو پورا کرتا رہے گا تو مشک و عنبر کو تو پہچان سکیگا

۳ عاشقی۔ چونکہ تو نفسانی خواہش میں مبتلا ہے تو تیرا دماغ خدائی خوشبو سے ناآشنا

شرح

محمد الپ الغ خوارزم شاہ نے سبزوار پر فوج کشی کی (سبزوار رافضیوں کا شہر تھا) اسکی فوجوں نے باشندگانِ سبزوار کو تنگ کر دیا اور انکو خوب قتل کیا۔ بالآخر انہوں نے اطاعت قبول کی اور امان مانگی اور کہا کہ آپ ہماری جان بخشی کیجیے اور ہمیں رعایا بنا لیجیے جس قدر خراج وغیرہ آپ کو درکار ہو۔ ہم دینے کو تیار ہیں۔ اور ہر فصل میں اس سے کچھ زیادہ ہی دیں گے۔ کم نہ کریں گے۔ ہماری جانیں تو آپ ہی کی ہیں گو ہمارے پاس کچھ دنوں کے لیے امانت ہیں۔ خوارزم شاہ نے جواب دیا کہ تم مجھ سے اس وقت اپنی جانیں نہیں بچا سکتے۔ تاوقتیکہ تم ابوبکر کو میرے سامنے نہ لاؤ۔ اور جب تک تم مجھے ابوبکر نامی شخص اپنے شہر سے ہدیۃً نہ دوگے اس وقت تک میں تمہیں کھیتی کی طرح کاٹوں گا۔ نہ تم سے خراج لوں گا اور نہ تمہاری

خوشامد سنوں گا۔ اسکے بعد انہوں نے ایک جوالِ زر پیش کی اور کہا کہ یہ لے لیجئے۔ اور رافضیوں کے شہر سے ابوبکر نامی شخص نہ مانگئے پہلا سبزوار میں ابوبکر یا ندی میں خشک ڈھیلا کہیں مل سکتے ہیں اسکے سونے کو نا منظور کیا اور کہا کہ مجوسیو! جب تک تم ہمیں ابوبکر تحفہ میں نہ دوگے اس وقت ہمیں کچھ فائدہ نہ ہوگا۔ میں بچہ نہیں کہ سونے چاندی کو دیکھ کر دنگ ہوجاؤں۔

اب مولانا فرماتے ہیں کہ یوں ہی اگر تو مسجد کو سُرین سے ناپ .... دیگا تب بھی رہائی ناممکن ہے۔ تاوقتیکہ تو پورے طور پر منقاد نہ ہوجائے۔ پس تو انقیاد کامل حاصل کر۔

خیر یہ مضمون تو استطرادی تھا۔ اب سنو! کہ انہوں نے مجبور ہوکر ہر طرف ہرکارے دوڑائے کہ تلاش کرو۔ کہیں ابوبکر نام کوئی شخص ہے یا نہیں۔ آخر تین رات اور تین دن کی کوشش کے بعد انکو ایک دبلا پتلا ابوبکر مل گیا وہ بے چارہ مسافر اور بیمار تھا اور بیماری کے سبب ایک ویرانہ کے گوشہ میں پڑا تھا۔ اس ویرانہ میں وہ ایک موتی مگر بے سروسامان تھا اور بیماری کے سبب خون دل چہرہ پر بہہ رہا تھا۔ اور ایک گوشہ میں سو رہا تھا۔ انہوں نے پہنچکر اس سے کہا کہ جلد چلو تم کو بادشاہ سلامت بلاتے ہیں۔ تم سے ہمارے شہر کو امان مل جاوے گی اور وہ قتل سے بچ جائیگا۔ اس نے کہا کہ اگر میرے پاؤں ہوتے یا میں چل سکتا۔ تو اپنی راہ پر اپنے مقصد ہی کی طرف نہ چلتا۔ اس دشمن کدہ و دفن گڑھ میں کیوں پڑتا۔ میں اپنے دوستوں کے شہر میں نہ جاتا۔ یہ جواب سُنکر وہ گئے اور مردے ڈھونے کا تختہ لائے اور اسکو کندھوں پر رکھ کر چلے وہ اسے خوارزم شاہ کی طرف لئے جارہے تھے۔ تاکہ وہ دیکھ لے کہ میاں ابوبکر ہے یہ تو وہ قصہ تھا جس کی طرف ہم نے اشارہ کیا تھا۔ اب اسکی مناسب

مضمون ارشادی سنو سمجھو! کہ جہاں سبزوار اور اہل اللہ اس میں بے قدر اور تباہ
اور خوارزم شاہ حق سبحانہ' ہیں وہ لوگوں سے دل مانگتے
ہیں چنانچہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ حق سبحانہ' تمہاری
صورتوں کو نہیں دیکھتے بلکہ دل کو دیکھتے ہیں۔ پس تم کوشش کر کے دل حاصل
کرو۔ اور اسکی صورت یہ ہے کہ صاحب دل کو تلاش کرو۔ کیونکہ حق سبحانہ'
فرماتے ہیں کہ میں اصالۃً صاحب دِل پر نظرِ عنایت کرتا ہوں اور اس کے
توسط سے تم پر۔ میں تمہاری صورت اور تمہارے اعمال اور زر بخشی کو نہیں دیکھتا
لہٰذا بدوں قلب خاشع حاصل کئے یہ اعمال کارآمد نہیں۔
[فائدہ] اس سے کسی کو عصاۃ مومنین کے اعمال بے سود ہونے کا شبہ نہ ہونا
چاہیئے کیونکہ قلب خاشع کے درجات متفاوت ہیں اور اس کا کوئی نہ کوئی مرتبہ ہر مسلمان
کو حاصل ہے پس علی تفاوت مراتب خشوع ان کے اعمال کی مقبولیت ہوں گے)
اب مولانا اس کوتاہی کا منشا بیان فرماتے ہیں۔ جو لوگوں کو طلب اہل دل میں
پیش آتی ہے۔ اور فرماتے ہیں کہ تم جو اہل دل کو طلب نہیں کرتے اسکی وجہ یہ ہے
کہ تم اپنے دل کو دل سمجھے ہوئے ہو اور جانتے ہو کہ دل ہمارے پاس ہے لہٰذا
اسکے حاصل کرنے کے لئے ہمیں صاحب دل کی تلاش کی ضرورت نہیں لیکن یہ تمہاری
غلطی ہے کیونکہ دل وہ ہے کہ اگر سات سو آسمان ہی اس میں آجائیں تو اس میں
گم ہو جائیں اور ان کا پتہ ہی نہ چلے۔ تم ان دل کے ٹکڑوں کو دل نہ کہو اور اس
سبزوار (قلوب اہل دنیا) میں ابوبکر (دل) کو تلاش نہ کرو وہ ان میں نہ ملے گا۔
صاحب دل کی تو یہ شان ہے کہ وہ آئینہ شمس ہوتا ہے جس میں حق تعالےٰ
شش جہت سے ناظر ہوتا ہے (یعنی وہ سراسر موردِ عنایات حق سبحانہ' ہوتا ہے)
اور جو کچھ بھی جہات ستہ عالم میں محصور ہے کسی پر بھی بدوں اس کے واسطہ کے

نظر نہیں کرتا۔ بلکہ جس کو وہ رد کرتا ہے اسکو اس کی خاطر رد کرتا ہے اور جس کو قبول کرتا ہے اسی کی خاطر قبول کرتا ہے اور اس قبول کا مدار وہی ہوتا ہے اور چونکہ صاحب دل ہر حالت میں خدا کا ہوتا ہے اسلئے وہ اسے یہ شرف توسط فی الفیض عطا فرماتا ہے اور بدوں اسکے توسط کے کسی کو کچھ نہیں دیتا۔ یہ تو میں نے اس صاحب وصال کی حالت تقرب کا ذرا سا بیان کیا ہے ورنہ اس کا تقرب تو اس سے کہیں بالاتر ہے ـــــ خیر یہ تو جملہ معترضہ تھا۔

اب مضمون سابق سنو! اس کی یہ شان ہوتی ہے جیساکہ ہم نے بیان کیا ہے کہ وہ واسطہ فی الفیض ہوتا ہے اسلئے گویاکہ حق سبحانہٗ اولاً عطیہ کو اسکے ہاتھ میں دیتے ہیں اور اسکے بعد ان کے واسطہ سے اوروں کو دیتے ہیں اور اسکی ہاتھ سے حق سبحانہٗ کو اتصال کامل ہوتا ہے۔ مگر بے کیف اور بے کیف ہے اسلئے کہا کہ جو اتصال احاطۂ عقل سے باہر ہو اس کا بیان تکلیف مالایطاق اور ناممکن ہے (فائدہ: اہل اللہ کے واسطہ فی الفیض ہونے سے یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ وہ خود متصرف فی العالم ہیں اور سب کچھ وہی دیتے ہیں جیساکہ اس زمانہ کے مبتدعین کا خیال ہے۔

بلکہ یہ توسط ایسا ہے جیساکہ آدمی باغ لگاتا ہے اور اسکی حفاظت کے لئے کانٹے لگاتا ہے اور ان کانٹوں کی یوں ہی تربیت کرتا ہے۔ جیسے درختوں کی پس جس طرح مالک باغ باغ کی خاطر کانٹوں کی تربیت کرتا ہے یوں ہی حق سبحانہٗ اہل اللہ کی خاطر عالم کی تربیت کرتے ہیں۔ اور جس طرح اس تربیت میں باغ واسطہ ہیں۔ یوں ہی تربیت عالم میں اہل اللہ واسطہ ہیں فافهم ولا تزل)

خیر! یہ مضمون تو استطرادی تھا۔ اب مضمون سابق سنو! اور جانو کہ حق سبحانہٗ تم سے دل مانگتے ہیں اور کہتے ہیں کہ دل لاؤ۔ ایسی حالت میں اگر تم سو

جواب زر پیش کرو گے تو وہ یہی کہیں گے کہ ہم یہ نہیں چاہتے دل لاؤ اگر وہ تم سے راضی ہوگا تو میں بھی راضی ہوں گا۔ اور اگر وہ تم سے ناخوش ہوگا تو میں بھی ناخوش ہوں ہم تم کو نہیں دیکھتے بلکہ دل کو دیکھتے ہیں لہٰذا دل کو پیش کرو جو اس کا معاملہ تمہارے ساتھ ہوگا وہ ہی ہمارا معاملہ ہوگا کیونکہ ماؤں کے پاؤں کے نیچے جنت ہے اور تمہاری ماں اور تمہارا باپ یعنی تمہارے اصل دل ہے لہٰذا ہماری جنت رضا کا ملنا موقوف ہے اسکی رضا پر۔

اب مولانا جملہ معترضہ کے طور پر فرماتے ہیں کہ ارے! مزہ یہ ہے وہ شخص جو دل کو غیر دل سے تمیز کرے اور دل کی قدر کرے اور اسے خوش کرے۔ اور ایسا نہ کرے جب کہ لوگ غیر دل کو دل سمجھ جاتے ہیں اس سے فارغ ہوکر۔

مولانا پھر مضمون سابق بیان فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جب کہ تم سے دل کا مطالبہ ہوتا ہے تو تم بزبان حال جواب دیتے ہو کہ یہ دل حاضر ہے اور اپنے دل کو پیش کرتے ہو اس پر حکم ہوتا ہے کہ یہ دل تو کوڑے کام کا بھی نہیں وہ دل لاؤ جو مدار عالم ہے اور انسان کا جزو اعلیٰ واشرف ہے (ہٰذا معنی قولہ جان جان جان جان آدم است وفسر بعض المحشین قولہ جان الاول بقولہ ذات حق وقولہ جان الثانی... بقولہ الروح الکلی قولہ جان الثالث بقولہ الروح الجزئی وقولہ جان الرابع بقولہ القوی الحیوانیہ فیکون معنی البیت رح ہات قلبا ہو القلب للعالم والالہ للقوی الحیوانیہ للروح الجزئی الذی ہو للروح الکلی للانسان وفسادہ اظہر من ان یخفی۔)

الغرض! حق سبحانہ اس پر نور و خبر دل کے منتظر ہیں۔ جس کا اوپر ذکر کیا گیا۔ اور تم روز و شب اپنے سبزوار وجود میں اس دل کو ڈھونڈتے ہو مگر وہ دل نہیں ملتا پس تم اپنا مردہ اور بوسیدہ جان دل نعش پر رکھ کر لاتے ہو اور کہتے ہو کہ لیجئے میں دل لے آیا۔ اس سے بہتر دل میرے سبزوار وجود میں۔ نہیں مل سکتا۔ اس پر حکم

ہوتا ہے کہ کیا یہ تکیہ ہے جو دل مردہ یہاں لاتے ہو۔ جاؤ وہ دل لاؤ۔ جو طالب حق ہو۔ اور جو مدار ہو۔ امان سبزوار عالم کا اس پر تم عاجز ہو کر بزبان حال جواب دیتے ہو۔ کہ ایسا دل ہمارے عالم وجود میں نہیں مل سکتا۔ کیونکہ ہمارا وجود مظلم ہے اور وہ دل روشن اور تاریک روشن آپس میں متضاد ہیں والضدان لا یجتمعان۔

اب مولانا فرماتے ہیں کہ ان کا متضاد ہونا بالکل درست ہے کیونکہ سبزوار نفس یعنی دنیا ہمیشہ سے دل کا دشمن ہے کیونکہ وہ باز ہے اور دنیا کو دن کا شہر۔ اور قاعدہ ہے کہ ایک غیر جنس کو دوسری غیر جنس کا دیکھنا ناگوار ہوتا ہے۔ پس اے اہلِ نفس اور دنیا دار دل کو کہیں پسند نہیں کر سکتے۔ اگر کہیں اہل دنیا اہل دل سے نرمی برتتے ہیں تو وہ نرمی منافقانہ ہوتی ہے۔ اور اس خوشامد سے وہ ایک خاص فائدہ حاصل کرنا چاہتے ہیں یعنی چونکہ یہ مُردار خوار اور ذلیل کوّے اہل دنیا ہزاروں مکر اپنے اندر رکھتے ہیں۔ اسلئے وہ نرمی اسلئے کرتے ہیں تاکہ ناصح نصیحت کم کرے۔ ورنہ وہ براہِ نیاز ایسا نہیں کرتے۔ پس اگر یہ حضرات ان لوگوں کو با ایں ہمہ نفاق قبولؒ فرما لیتے ہیں۔ تو وہ اس نفاق سے نجات پا جاتے ہیں اور طالب صادق ہو جاتے ہیں اور ان کا نفاق خلوص سے بدل جاتا ہے ورنہ منافق کے منافق رہتے ہیں اور با ایں ہمہ نفاق ان حضرات کا قبول فرما لینا کچھ بعید نہیں ہے۔ کیونکہ یہ حضرات بڑے کریم النفس ہیں۔ اور اس بازار دنیا میں عیب دار چیزوں کو خرید لیتے ہیں۔ یعنی ناقص کو قبول فرما لیتے ہیں۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اگر تم مردہ نہیں ہو اور حس رکھتے ہو تو صاحبِ دل کو تلاش کرو۔ اور اگر تم حق سبحانہٗ کے دشمن نہیں ہو تو ہم جنس دل بنو اور تضاد کو چھوڑو ہم تمہیں یہ بھی بتلاتے دیتے ہیں کہ جس کا مکر تمہیں پسند ہو یعنی جس کے افعال و اقوال تمہاری مرضی کے موافق ہوں۔ وہ ولی اللہ نہیں ہے۔ بلکہ تمہارے نزدیک ولی ہے کیونکہ تمہاری

حالت یہ ہے کہ جو شخص تمہاری مرضی کے موافق کام کرے تمہارے نزدیک وہی ولی ہے اور وہی نبی... مگر واقع میں ایسا نہیں ہے پس تم دھوکا نہ کھانا اور غیر ولی.. کو ولی نہ سمجھ لینا - اگر تمہیں حقیقی ولی کی ضرورت ہے تو اس کے پہچاننے کا طریق یہ ہے کہ خواہش نفسانی کو چھوڑو - تاکہ تمہارے دماغ میں بوئے خدا پہنچ سکے اور تم حقیقی اہل اللہ کو پہچان سکو - ہم پھر کہتے ہیں کہ ہوائے نفسانی کو چھوڑو تاکہ تمہیں اِس بُو کے سونگھنے کی عادت ہو - اور وہ بوئے عنبریں تمہاری خوشبو ہو - جسے تم سونگھو - خواہش نفسانی نے تمہارے دماغ کی تجویز کو خراب کر دیا ہے اسلئے تمہارے دماغ کے نزدیک مُشک و عنبر (دینداری) خراب ہوگئے ہیں - اور تم کوے کی طرح نجاست دنیا پر عاشق ہو - اسلئے بوئے مُشک دین تمہارے دماغ کو بھلی نہیں معلوم ہوتی -

پس تم ترک ہوا سے اپنے دماغ کا مزاج درست کرو - تاکہ تم بوئے خدا کو علیٰ ما ہی علیہ محسوس کر سکو - اور اہل اللہ اور غیر اہل اللہ میں تمیز کر سکو - یہ گفتگو تو ختم نہیں ہوسکتی اور ہمارا آہو - جس کا ہم اوپر ذکر کر چکے ہیں بے قرار ہے اور آخور میں ادھر ادھر گھبرایا پھرتا ہے - ہمیں اسکی خبر لینی چاہیئے -

بقیہ قصہ آہو در آخورِ خراں

گدھوں کے اصطبل میں ہرن کا بقیہ قصہ

روزہا آں آہوئے خوش ناف نر ... در شکنجہ بود در اصطبلِ خر

وہ نر عمدہ ناف والا، ہرن بہت دن تک ... گدھوں کے اصطبل میں قید میں تھا

مُضطرب در نزع چوں ماہی بخشک ... در یکے حقہ مُعذب پشک و مشک

جان کنی میں بے چین تھا جس طرح مچھلی خشکی پر ... ایک ڈبیہ میں مینگنی اور مُشک عذاب میں ہوتے ہیں

یک[1] خرش گفتے کہ ہاں ابوالوحوش ... طبعِ شاہاں داری و میراں خموش

ایک گدھا اس سے کہتا، ہاں وحشیوں کے ابا ... تو شاہوں اور سرداروں کا مزاج رکھتا ہے اور خاموش ہے

آں دگر تسخر زدے کز جزر و مد ... گوہر آورد ست کے ارزاں دہد

دوسرا مذاق اڑاتا کہ مدو جزر کے ذریعہ سے ... موتی لے آیا ہے سستا کیسے بیچتا ہے؟

ہے ۔ خوش ناف ۔ ہرن کی ناف میں سے مُشک نکلتا ہے شکنجہ ۔ سزا، قید ۔ حُقّہ ۔ ڈبیہ ۔ پشک ۔ مینگنی ۔

[1] یک خرش ۔ ایک گدھے نے ہرن سے تمسخر سے کہا کہ تیرا مزاج تو شاہانہ اور امیرانہ ہے اور تو بالکل خاموش ہے ۔ آں دگر ۔ دوسرا گدھا بولا اس کی بات تو موتی ہے یہ اس کو سستا کب فروخت کر سکتا ہے ۔ واں خرے ۔ ایک گدھا بولا اگر اس قدر نازک مزاجی ہے

واں خرے گفتے کہ با آں نازکی ۔۔۔ بر سریر شاہ شو تو متکی

ایک گدھا کہتا کہ اس نزاکت کے ہوتے ہوئے ۔۔۔ تو شاہی تخت پر تکیہ لگا کر بیٹھ

واں خرے شد تخمہ وز خوردن بماند ۔۔۔ پس برسم دعوت آہو را بخواند

ایک گدھے کو بدہضمی ہو گئی اور نہ کھا سکا ۔۔۔ تو دعوت کے طریقہ پر ہرن کو بلایا

سر چنیں کرد او کہ نے رو اے فلاں ۔۔۔ اشتہایم نیست ہستم ناتواں

اس نے سر ہلایا کہ "نہیں" جا، اے فلاں! ۔۔۔ مجھے بھوک نہیں ہے، میں کمزور ہو گیا ہوں

گفت میدانم کہ نازے می کنی ۔۔۔ یا ز ناموس احترازے می کنی

اس نے کہا (ہاں)، میں جانتا ہوں تو نخرے کر رہا ہے ۔۔۔ یا غرور کی وجہ سے پرہیز کر رہا ہے

گفت با او خور کہ ایں طعمہ تو است ۔۔۔ کہ ازاں اجزائے تو زندہ نو است

اس نے اس سے کہا کہ تو کھا یہ تیری خوراک ہے ۔۔۔ کیونکہ اس سے تیرے اعضاء زندہ اور تازہ ہیں

من الیف مرغزارے بودہ ام ۔۔۔ در ظلال و روضہا آسودہ ام

میں جنگل سے مانوس تھا ۔۔۔ میں نے سایوں اور باغوں میں آرام کیا ہے

گر قضا افگند ما را در عذاب ۔۔۔ کے رود آں خو و طبع مستطاب

اگر تقدیر نے ہمیں عذاب میں مبتلا کر دیا ہے ۔۔۔ وہ عمدہ عادت اور مزاج کہاں جاتا ہے؟

گر گدا گشتم گدارو کے شوم ۔۔۔ ور لباسم کہنہ گردد من نوم

اگر میں فقیر ہو گیا ہوں بے آبرو کب بن سکتا ہوں؟ ۔۔۔ اگر میرا لباس پرانا ہو جائے، میں نیا ہوں

سنبل و لالہ و سپرغم نیز ہم ۔۔۔ با ہزاراں ناز و نخوت خوردہ ام

سنبل اور لالہ اور نازبو بھی ۔۔۔ میں نے ہزاروں ناز و نخوت سے کھائے ہیں

گفت آرے لاف میزن لاف لاف ۔۔۔ در غریبی بس تواں گفتن گزاف

اس نے کہا ہاں گپیں مار، گپیں گپیں ۔۔۔ پردیس میں بہت سی بکواس کی جا سکتی ہے

گفت نافم خود گواہی میدہد ۔۔۔ منتے بر عود و عنبر می نہد

اس نے کہا میرا نافہ خود گواہی دے رہا ہے ۔۔۔ جو عود اور عنبر پر احسان جتاتا ہے

لیک آں را کہ شنود؟ صاحب مشام ۔۔۔ بر خر سرگیں پرست آں شد حرام

لیکن اس کو کون سونگھتا ہے؟ صاحب دماغ ۔۔۔ گوبر کے پجاری، گدھے کے لئے وہ حرام ہے

خر کمیز خر بوید در طریق ۔۔۔ مشک چوں عرضہ کنم با ایں فریق

گدھا، راستہ میں گدھے کا پیشاب سونگھتا ہے ۔۔۔ اس جماعت پر میں مشک کیسے پیش کروں؟

بہر ایں گفت آں نبی مستجیب ۔۔۔ رمز الاسلام فی الدنیا غریب

اسی لئے اس (حق کو) قبول کرنیوالے نبی نے فرمایا ہے ۔۔۔ اشارہ اسلام دنیا میں پردیسی ہے۔

زانکہ خویشانش ہم از وے میرمند ۔۔۔ گرچہ با ذاتش ملائک ہمدم اند

کیونکہ اس کے اپنے بھی اس سے بھاگتے ہیں ۔۔۔ اگرچہ ملائک اس کی ذات کے ساتھی ہیں

تو شاہانہ تخت پر تکیہ لگا کر بیٹھ جا۔ واں خرے۔ ایک گدھے کو بدہضمی ہو گئی تھی اور اس کی گھاس بچ گئی تھی اس نے ہرن کے بچے کو گھاس کھانے کی دعوت دی۔

۲؎ سر چنیں۔ اس نے سر سے انکار کا اشارہ کیا۔ گفت۔ اس گدھے نے کہا کہ تو نخرے کر رہا ہے یا غرور کی وجہ سے پرہیز کر رہا ہے۔ طعمہ۔ خوراک۔ الیف۔ مانوس۔ مرغزار جنگل۔ ظلال۔ ظل کی جمع سایہ۔ گر قضا۔ اگرچہ میں تقدیر خداوندی سے اس عذاب میں پھنس گیا ہوں لیکن وہ مزاج کہاں بدلتا ہے۔

۳؎ گر گدا۔ اگر میں اس وقت فقیر ہوں تو آبرو نہیں بیچ سکتا ہوں شریف انسان پرانے لباس میں بھی نیا رہتا ہے۔ سپرغم۔ ضیمران۔ نخوت۔ تکبر۔ گفت۔ پردیس میں چونکہ نا واقف لوگ ہوتے ہیں لہٰذا شیخی بگھارنے کا بہت موقع ہوتا ہے۔ گفت۔ ہرن بچہ نے کہا کہ میرا نافہ میری بڑائی پر گواہ ہے جو عود و عنبر سے بھی بڑھا ہوا ہے۔

۴؎ لیک۔ لیکن اس ناف کی خوشبو کون سونگھتا ہے؟ وہی سونگھتا ہے جو صاحب دماغ ہو، گوبر سونگھنے والا گدھا اسکو نہیں سونگھ سکتا ہے۔ خر۔ گدھا گدھے کا پیشاب سونگھتا ہے، گدھوں کو مشک کیسے سونگھایا جا سکتا ہے۔ بہر ایں۔ چونکہ صحیح خوشبو صاحب دماغ ہی سونگھ سکتا ہے اسی لیے آنحضور نے فرمایا ہے کہ اسلام نا اہلوں کے لئے اجنبی ہے۔

۵؎ زانکہ۔ مسلمان سے اسکے

صورتش را جنس می بینند انام | لیک از وے می نیابند آں مشام

لوگ اُس کی صورت کو ہم جنس سمجھتے ہیں | لیکن اُس سے وہ خوشبو حاصل نہیں کرتے ہیں

ہمچو شیرے درمیانِ نقشِ گاؤ | دور می بینش وے اُورا مکاؤ

شیر جیسا ہے بیل صورت لوگوں میں | اُس کو دور سے دیکھ لے اُس کی کھود کرید نہ کر

ور[۲] تکاوی ترکِ گاوِ تن بگو | کہ بدرد گاو را آں شیر خو

اگر تو کرید تاہے تو جسم کے بیل سے ہاتھ دھولے | کیونکہ وہ شیر طبیعت بیل کو پھاڑ ڈالے گا

طبعِ گاوی از سرت بیروں کند | خوئے حیوانی زحیوان بر کند

وہ تیرے سر میں سے بیل پن نکال دے گا | حیوان سے حیوانی خصلت دُور کر دے گا

گاؤ باشی شیر گردی نزدِ اُو | گر تو با گاوے خوشی شیری مجو

تو بیل تھا اُس کی صحبت میں شیر بنجائے گا | اگر تو بیل پن پر خوش ہے تو شیر پن نہ چاہ

تفسیر اِنّی اَرٰی سَبعَ بَقَرٰتٍ سِمَانٍ یَاکُلُھُنَّ سَبعٌ عِجَافٌ آں

"بیشک میں سات موٹی گائیں دیکھتا ہوں جن کو سات لاغر کھا رہی ہیں" کی تفسیر ان لاغر

گاوانِ لاغر را خدا بصفتِ شیرانِ گرسنہ آفریدہ بُود تا آں ہفت

گایوں کو خدا نے بھوکے شیروں کی صفت پر پیدا فرمایا تھا یہانتک کہ انھوں نے

گاوِ فربہ را باشتہا می خوردند اگرچہ آں خیالاتِ صورِ گاواں

سات موٹی گایوں کو بھوک سے کھایا اگرچہ خواب کے آئینہ میں وہ خیالات

در آئینہ خواب بنمودند تو بمعنے آں شیر بنگر

گایوں کی صورت میں نمودار ہوئے تو حقیقتاً شیر سمجھ

آں عزیزِ[۱] مصر میدید بخواب | چونکہ چشمِ غیب را شُد فتحِ باب

اُس شاہ مصر نے خواب میں دیکھا | چونکہ غیب کی نظر کا دروازہ کھل گیا

ہفت گاوِ فربہ بس پروَرے | خوردشاں آں ہفت گاوِ لاغرے

سات موٹی بہت پروردہ گائیں | اُن کو سات کمزور گایوں نے کھا لیا

در دروں شیراں بُدند آں لاغراں | ورنہ گاواں را نبودندے خوراں

وہ کمزور حقیقتاً شیر تھیں | ورنہ گایوں کو کھانے والی نہ ہوتیں

بس بشر آمد بصورت مرد کار | لیک رُوے شیر پنہاں مرد خوار

بہت سے بشر ہیں جو کام کرنیوالے انسان کی صورت میں ہیں | لیکن اُنہیں انسان کو فنا کرنے والا شیر پوشیدہ ہے

مرد را خوش وا خورد فردش کند | صاف گردد دُردش ار دردش کند

انسان کو کھا جاتا ہے، اس کو یکتا بنا دیتا ہے | اُس کی تلچھٹ مُصفیٰ ہو جاتی ہے خواہ اسکو تکلیف پہنچا

رشتہ دار بھی بھاگتے ہیں اگرچہ لاکھ اُس سے مانوس ہیں۔ ... صورتش۔ عام خواص کو اپنا جیسا ہی سمجھتے ہیں لیکن اُنکی خوشبو سے ناواقف ہیں۔ ہمچو شیرے۔ مردِ خدا عوام میں ایسا ہی ہے جیسا کہ بیلوں میں شیر ہے اُسکو دور سے دیکھ لے زیادہ چھیڑ چھاڑ نہ کر۔

[۲] ورتکاوی۔ اگر تو اُسکے احوال کی زیادہ جستجو کرتا ہے تو اپنے جسم سے ہاتھ دھولے۔ طبعِ گاوی۔ وہ تیرا بیل پن اور حیوانی خصلت کو ختم کر دے گا۔ گاؤ۔ تو پہلے بیل تھا اب شیر بن جائے گا اگر تجھے اپنا بیل پن پسند ہے تو اُس شیر کی جستجو نہ کر۔ سَبْعَ بَقَرٰتٍ۔ یہ اُس خواب کا قصہ ہے جس کی حضرت یوسفؑ نے تعبیر دی تھی اور فرمایا تھا کہ سات موٹی گایوں سے سات سال اچھی پیداوار کے اور سات دُبلی گایوں سے سات سال قحط کے مُراد ہیں۔ مولانا نے اپنے سابق بیان کے

[۱] عزیز مصر کے بادشاہ کا لقب ہے۔ ہفت گاو۔ اُس نے خواب دیکھا کہ سات دُبلی گائیں سات موٹی گایوں کو کھا گئیں۔ آں لاغراں۔ وہ سات دُبلی گائیں دراصل سات شیر تھے۔ بس بشر بہت سے اولیاء اللہ ایسے ہی دُبلے نظر آتے ہیں لیکن وہ مُرید کی حیوانی صفات کو پھاڑ ڈالتے ہیں۔ صاف گردد۔ وہ حیوانی صفات اُس میں دُور ہو جاتی ہیں خواہ اُن کے ازالے سے اُس کو تکلیف پہنچے۔

زاںؔ یکے دردِ اُو ز جملہ دردہا اُس ایک درد سے وہ تمام دردوں سے	وارہد پا بر نہد اُو بر سما نجات پاجاتا ہے، وہ آسمان پر قدم رکھ دیتا ہے
شاہ گردد وا گذارد بندگی بادشاہ بن جاتا ہے، غلامی چھوڑ دیتا ہے۔	یابد اُو در مُردگی دل زندگی وہ فنا میں، دل کی زندگی حاصل کر لیتا ہے
گاوِ تن قربانیِ شیرِ خداست جسم کی گائے شیرِ خدا کی قربانی ہے	گر تُرا با اُو سرِ صدق و صفاست اگر تجھے اُس سے صدق و خلوص ہے
ور کشی مہماں ہُماں کونِ خری اگر تو مہمان کشی کرے تو تو گدھے کی مقعد ہے	گاوِ تن را خواجہ تا کے پروری اے خواجہ! تو جسم کی گائے کی کب تک پرورش کریگا؟
گاوِ تن مُردار گردد عاقبت انجامِ کار جسم کی گائے مُردار ہو جائیگی	پس پشیمانی بری اے بدنیت اے بدنیت! تو پھر شرمندہ ہوگا

۵۲ زاں یکے درد۔ وہ ایک درد ہے لیکن بہت سے دردوں سے نجات دلا دیتا ہے اور سفل انسان کو علوی بنا دیتا ہے۔ شاہ گردد۔ اب یہ معمولی انسان اُس شیخ کے تصرف سے شاہ بن جاتا ہے اور بدن کی مُردگی سے دل کی زندگی حاصل کر لیتا ہے۔ گاوِ تن۔ اگر تجھے شیخ سے عقیدت ہے تو مجاہدے کرکے جسم کی قربانی اُس کی خدمت میں پیش کر دے۔

شرح

الغرض! بہت دنوں تک وہ خوش ناف اور نر ہرن۔ گدھوں کے طویلہ میں مبتلائے عذاب رہا وہ جان کنی کے عذاب میں گرفتار اور یوں بے قرار رہتا جیسے خشکی میں مچھلی۔ کیونکہ ناجنسوں کی صحبت تھی اور ایک ڈبہ میں مینگنی اور مشک کو بند کر کے تکلیف دی جارہی تھی۔ یہ تو تکلیف کی اجمالی وجہ تھی۔ اب تفصیلی وجہ سُنو! کوئی گدھا تو اُسے کہتا تھا کہ آپ بادشاہوں اور امیروں کا سا مزاج رکھتے ہیں جو کم بولتے ہیں اسلئے آپ بھی خاموش ہیں کوئی مذاق سے کہتا تھا کہ جناب آپ تو بحرِ نغار سے موتی نکال کر لائے ہیں یوں سستے کیوں دیدیں۔ کوئی کہتا تھا کہ جناب اس نزاکت کے ساتھ تو آپ کو تختِ شاہی پر بیٹھنا زیبا ہے۔ ہمارا اصطبل آپکے قابل کب ہے۔ کوئی گدھا جب خوب سیر ہو کر کھا لیتا اور کھانا چھوڑ دیتا۔ تو دعوت کے طور پر ہرن کو بلاتا تھا اور کہتا تھا کہ آج آپ میرے مہمان ہیں آپ میرے یہاں کھانا کھائیں اسکے جواب میں ہرن سر ہلا دیتا تھا اور کہتا تھا کہ مجھے بھوک نہیں ہے کیونکہ میری طبیعت مضمحل ہے اس پر وہ جواب دیتا تھا کہ جناب آپ یا تو نخرے کرتے ہیں یا آپ ہماری دعوت کے قبول کرنے کو موجب ننگ سمجھتے ہیں اسلئے احتراز کرتے ہیں اِس پر

وہ کہتا تھا کہ آپ ہی کھائیں یہ آپ ہی کی غذا ہے کہ آپ کے اجزاء بدن اس سے زندہ اور تازہ ہیں - میں تو گلزار سے مانوس ہوں کیونکہ میں باغوں کے سایہ میں آرام کئے ہوئے ہوں اگر بقضائے الٰہی میں اس مصیبت میں پھنس گیا ہوں تو میری پاکیزہ طبیعت سے وہ خصلت نہیں جا سکتی اور اگر میں فقیر ہو گیا ہوں تو گدا خصلت نہیں ہوا ہوں - اور اگر میرا لباس جسم پرانا اور خستہ ہو گیا ہے تو ــــــــــــ میرا مزاج ہنوز ویسا ہی ہے ــــــ میں نے سنبل و لالہ اور سپر غم بہت ہی ناز و نخوت کے ساتھ کھائے ہیں پس مجھے تمہارا چارہ کیا پسند آ سکتا ہے - اس کا جواب یہ ملتا تھا کہ بجا ہے خوب شیخیاں مار لیجئے! مسافرت میں بہت ہی شیخیاں ماری جا سکتی ہیں - کیونکہ کوئی جاننے والا تو ہوتا نہیں جو قلعی کھولے اسلئے جو چاہو کہہ لو - اس پر وہ کہتا تھا کہ یہ شیخیاں نہیں ہیں - بلکہ واقعی امر ہے - میری ناف خود گواہی دیتی ہے اور عود و عنبر پہ احسان رکھتی ہے -

لیکن پھر سوچتا تھا کہ جو قوت شامہ درست رکھتا ہو وہ اسے سونگھ سکتا ہے - سرگیں پرست گدھوں پر تو اس کی بو حرام ہے گدھوں کا قاعدہ تو یہ ہے کہ دوسرے گدھوں کا رستہ میں پیشاب سونگھتے ہیں ان کے سامنے میں مشک کیونکر پیش کر سکتا ہوں اور وہ اسے کیا سمجھیں گے -

اب مولانا انتقال فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہی وجہ ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ سچا مسلمان دنیا میں کسمپرسی کی حالت میں ہیں کیونکہ باوجودیکہ فرشتے ان کے ہمدم ہیں مگر جو اپنے نہیں ــــــ یعنی اپنے کو مسلمان کہتے ہیں - وہ بھی ان سے بھاگتے ہیں - غیروں کا تو ذکر ہی کیا ہے - اور راز اس کا یہ ہے کہ وہ لوگ ان کی صورت کو تو اپنا ہم جنس پاتے ہیں - مگر ان کے معنی کو مغائر پاتے ہیں اور بوئے جنسیت ان سے ان کو نہیں آتی - اسلئے ان سے وحشت کرتے ہیں -

یہاں سے مولانا مضمون ارشادی کی طرف انتقال فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ چونکہ اہل اللہ صورت میں عوام کے مشابہ ہیں اور معنی میں جدا۔ اسلئے ان کی مثال ایسی ہے جیسے گایوں میں شیر خُو گائے پس تم انہیں دُور ہی سے دیکھنا اور چھیڑنا مت اور اگر چھیڑو تو گاؤ تن سے ہاتھ دھولو۔ کیونکہ وہ شیر خُو اس گائے کو پھاڑ ڈالیگا اور گائے کی خصلت یعنی خواب وخور وغیرہ میں انہماک کو تم سے دور کر دے گا اور تمہارا جانور پن چھڑا دیگا ـــــ اور اب تو تم گائے ہو۔ مگر پھر شیر ہو جاؤ گے۔ پس اگر تم گائے ہی رہنا چاہتے ہو تو شیر کو مت ڈھونڈو۔

خلاصہ یہ کہ اگر تم شہوات و لذات ہی کو پسند کرتے ہو تو اہل اللہ سے واسطہ نہ رکھو۔ کیونکہ ان کا تو کام تو یہ ہے کہ نفس کو ماریں اور شہوات ولذات نفسانیہ کو چھڑائیں۔ پس اگر تم کو شہوات کو چھوڑنا اور نفس کو مارنا مقصود ہے تو ان سے واسطہ رکھو ورنہ نہیں۔ اب اس استبعاد کو دور کرتے ہیں۔ جو صورت میں گائے اور خصلت میں شیر ہونے پر ہوتا ہے اور فرماتے ہیں۔

کہ جب عزیز مصر کی چشم غیب بین کے لیے غیب کا دروازہ کھلا تو اُس نے خواب میں دیکھا کہ سات موٹی گائیں اور بہت فربہ گائیں ہیں اور ان کو سات دُبلی پتلی گائیں کھا رہی ہیں ـــــ اس سے معلوم ہوا کہ وہ ظاہر میں گائیں نہیں اور باطن میں شیر اور اگر باطن میں بھی گائیں ہوتیں تو گایوں کو نہ کھاتیں۔ اس سے وہ استبعاد دور ہو گیا اور ثابت ہو گیا کہ اہل اللہ صورتاً آدمی ہوتے ہیں مگر ان میں شیر چھپا ہوتا ہے جو آدمی کو یعنی اسکی خصائل ذمیمہ کو کھا جاتا ہے اور اسکو چٹ کر کے آدمی کو ان سے بالکل مجرد اور خالی کر دیتا ہے اور اگر وہ اسے تکلیف فنا دیتا ہے تو اس طرح اسکی درد کو صاف اور خصائل ذمیمہ کو مُبدّل بہ خصائل حمیدہ بنا دیتا ہے اور آدمی اسکی اس ایک تکلیف فنا سے تمام تکالیف سے نجات پا جاتا ہے اور اس قدر عالی مرتبہ ہو جاتا ہے

کہ گویا آسمان پہ پاؤں رکھتا ہے اور بندگی نفس کو چھوڑ کر بادشاہ ہو جاتا ہے۔ اور اس مردگی نفس سے دل زندگی پاتا ہے۔ پس اگر تم کو ان سے خلوص اور اعتقاد ہے تو گاؤ تن کو ان کے حوالہ کر دو۔ تاکہ وہ اسے کھا جائیں اور اگر تم مہمان کو بھوکا مارتے ہو اور ان شیروں کو ان کی غذا نہیں دیتے تو تم پاجی اور بے ہودہ ہو۔ آخر سوچو تو سہی اس گلائے کو تم کب تک پالو گے آخر یہ مردار ہو گی اور اس کے بعد خواہ مخواہ تمہیں ندامت ہو گی۔ تم اسے ان شیروں (اہل اللہ) کے سپرد کیوں نہیں کر دیتے۔ تاکہ وہ اسے فنا کر دیں اور تمہیں فائدہ ہو۔

دربیان آنکہ کُشتن خلیل علیہ السلام خروس را اشارت

اس کا بیان کہ (حضرت ابراہیم) خلیل اللہ کا مُرغے کو مارنا

بقمع وقہر کدام صفت بُود از صفاتِ مذمومات مُہلِکات

مرید کے باطن کی مہلک اور بُری صفات میں سے کونسی صفت کو زائل کرنے

در باطن مُرید

اور مغلوب کرنے کا اشارہ تھا

چند گوئی ہمچو زاغِ پُر فسوس ؎ | اے خلیل از بہر چہ کُشتی خروس
تم بڑے کوّے کی طرح کب تک بولے گا؟ | اے خلیل اللہ! آپ نے مُرغے کو کیوں مارا؟

حکمتِ کُشتن چہ بود آخر بگو | تا مُسبّح گردم آں را مُو بمُو
آخر بتائیے مارنے کی کیا حکمت تھی؟ | تاکہ میں رونگٹے رونگٹے سے سبحان اللہ کہوں

گفت فرماں، حکمتِ فرماں بگو | تا مُہلِّل گردم آں را من بجاں
انھوں نے فرمایا اللہ کا حکم، حکم کی حکمت بتا دیجئے | تاکہ میں اس پر دل وجان سے لا الٰہ الا اللہ پڑھوں

شہوتی ہست او وبس شہوت پرست | زاں شرابِ زہرناکِ ژاژ مست
وہ شہوت والا اور شہوت پرست ہے | اس زہر یلی بیہودہ شراب سے مست ہے

گر نہ بہر نسل بودے اے وصی | آدمؑ از ننگش بکردے خود خصی
اے وصی! اگر وہ نسل کے لئے ضروری نہ ہوتی | حضرت آدمؑ اس کے عیب کی وجہ سے اپنے کو خصی کر لیتے

گفت ابلیسِ لعیں دادار را | دام زفتے خواہم ایں اشکار را
ملعون شیطان نے اللہ (تعالیٰ) سے کہا | میں اس شکار کے لئے مضبوط جال چاہتا ہوں

؎ ورکشی۔ اگر تو جسم کی قربانی پیش نہیں کرتا ہے تو گویا تو شیخ کی مہمانی ادا نہیں کرتا ہے۔ گاؤ تن۔ لامحالہ جسم فنا ہو گا تو پھر تو شرمندہ ہو گا۔ دربیان۔ حضرت ابراہیمؑ کا مرغ کو ذبح کرنا اس امر کی طرف اشارہ تھا کہ انسان کو شہوت پرست نہ ہونا چاہیئے۔

؎ فسوس۔ مکر۔ مسبّح۔ سبحان اللہ کہنے والا۔ گفت۔ حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا میں نے خدائی حکم سے مرغ کو ذبح کیا۔ حکمت۔ سوال کرنے والے نے کہا کہ اس خدائی حکم کی کیا حکمت تھی بتلئیے۔ مُہلّل۔ لا الٰہ الا اللہ پڑھنے والا۔ شہوتی۔ مرغ ایک شہوت پرست پرندہ ہے۔ گرنہ۔ چونکہ نسلِ انسانی کی بقا کے لئے شہوت ضروری ہے ورنہ حضرت آدمؑ اپنے آپ کو خصی بنا لیتے۔ دادار۔ منصف: اللہ تعالیٰ۔ دام۔ انسان کو پھانسنے کے لئے مضبوط جال عنایت کر دے۔

زرّ و سیم و گلۂ اسپش نمود
سونا اور چاندی اور گھوڑوں کا گلّہ دکھایا

کہ بدیں تانی خلائق را ربود
کہ تو اس سے لوگوں کو اچک سکے گا

گفت شاباش و تُرش آویخت لنج
بولا، آفریں ہے اور ترش روئی سے تھوتھڑی لٹکائی

شد ترنجیدہ و تُرش ہمچوں ترنج
رنجیدہ اور لیموں کی طرح ترش ہو گیا

پس زر و گوہر ز معدنہائے خوش
تو سونا اور جواہر عمدہ کانوں سے

کرد آں پس ماندہ را حق پیشکش
اللہ (تعالیٰ) نے اس مردود کے آگے کر دئیے

گیر ایں دام دگر را اے لعیں
اے ملعون! یہ دوسرا جال پکڑ لے

گفت زیں افزوں دہ اے نعم المُعیں
بولا، اے عمدہ مددگار! اس سے بڑھ کر دے

چرب و شیریں و شراباتِ ثمیں
چکنے میٹھے (کھانے) اور قیمتی مشروبات

دادش و بس جامۂ ابریشمیں
اور بہت سے ریشمین کپڑے اسکو دیئے

گفت یارب بیش ازیں خواہم مدد
بولا، اے خدا! میں اس سے زیادہ مدد چاہتا ہوں

تا ببندم شاں بحبلٍ من مسد
تاکہ میں ان کو مونج کی رسّی میں باندھ لوں

تاکہ مستانت کہ نرّ و پُردلند
تاکہ تیرے وہ مست جو نر اور بہادر ہیں

مردوار آں بندہا را بگسلند
اُن بندشوں کو مردانہ وار توڑ دیں

تا بدیں دام و رسنہائے ہوا
تاکہ نفسانیت کے اس جال اور رسیوں کی وجہ سے

مردِ تو گردد ز نامرداں جدا
تیرے مرد نامردوں سے جدا ہو جائیں

دامِ دیگر خواہم اے سلطانِ تخت
اے خدا تقدیر! میں دوسرا جال چاہتا ہوں

دامِ مرد انداز حیلت ساز سخت
جو جال، انسان کو پچھاڑنے والا سخت حیلہ ساز ہو

خمر و چنگ آورد در پیش و نہاد
(اللہ تعالیٰ) شراب اور ستار سامنے لایا اور رکھدیا

نیم خندہ زد بداں شد نیم شاد
وہ تھوڑا سا ہنسا اور اُن پر آدھا راضی ہو گیا

سوئے اضلالِ ازل پیغام کرد
اس نے ازلی (صفت) اضلال کو پیغام دیا

کہ برآر از قعرِ بحرِ فتنہ گرد
کہ فتنے کے سمندر کی گہرائی سے گرد نکال لا

نے یکے از بندگانت موسیٰ است
کیا تیرے بندوں میں موسیٰ نہیں ہیں!

پردہا در بحر اُو از گرد بست
انھوں نے سمندر میں گرد کے پردے باندھ دیئے

آب از ہر سو عناں را وا کشید
پانی نے ہر جانب سے اپنی باگ کھینچ لی

از تگِ دریا غبارے بر جہید
دریا کی گہرائی سے غبار اُٹھا

چونکہ خوبیِ زناں با اُو نمود
جب عورتوں کا حسن اس کو دکھایا

کہ قرار و صبرِ مرداں می ربود
جو مردوں کا صبر و قرار لے اڑتا ہے

ؔ زرّ و سیم۔ اللہ تعالیٰ نے اُس کو چاندی سونا دکھایا کہ یہ جال موجود ہے اس سے انسان کو تو پھانس سکتا ہے۔ گفت۔ شیطان اس جال کو ناکافی سمجھ کر رنجیدہ ہو گیا۔ پس۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اُس کو عمدہ قسم کا سونا اور جواہر دکھائے کہ یہ جال کافی ہے۔ از یں افزوں۔ شیطان نے کہا میں اس سے زبردست جال چاہتا ہوں۔

ؔ چرب۔ حضرت حق تعالیٰ نے اُس کو عمدہ غذائیں اور فاخرہ لباس دیئے کہ ان سے انسانوں کو پھانس سکے گفت یارب۔ اس شیطان نے پھر یہی کہا کہ اس سے زیادہ مضبوط جال چاہتا ہوں تاکہ ہر کس و ناکس اُس کو نہ توڑ سکے اور مردانِ خدا غیروں سے ممتاز ہو جائیں۔

ؔ دامِ مرد انداز۔ شیطان نے کہا ایسا سخت جال دے جس میں بڑے سے بڑا بہادر پھنس جائے۔ خمر و چنگ۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو پھانسنے کیلئے شراب اور ستار شیطان کے سامنے رکھے تو کچھ کچھ راضی ہو مسکرایا۔ سوئے اضلال۔ اس شیطان نے اللہ تعالیٰ کی صفت مُضِل کو پکارا کہ فتنے کے سمندر سے گرد اڑا دے۔ نے یکے۔ جبکہ موسیٰؑ اللہ تعالیٰ کی صفت ہادی کے مظہر اتم تھے اور انھوں نے کمال دکھایا کہ دریا میں گرد کے پردے آویزاں کر دیئے تو مجھے بھی صفت مُضِل کا مظہر اتم ہونا چاہیئے۔

ؔ چونکہ۔ اب اللہ تعالیٰ نے عورتوں کے حسن کا فتنہ

پس زد انگشتک برقص اندر شتاب ۔ کہ بدہ زوتر رسیدم بر مراد

تو اس نے چٹکی بجائی اور ناچنے لگا ۔ کہ بہت جلد دیجئے میں مقصد کو پہنچ گیا

چوں بدید آں چشمہائے پرخمار ۔ کہ کنند عقل و خرد را بیقرار

جب اُس نے وہ نشیلی آنکھیں دیکھیں ۔ جو عقل اور سمجھ کو بے قرار بنا دیتی ہیں

واں صفائے عارضِ آں دلبراں ۔ کہ بسوزد چوں سپندایں دل براں

اُن معشوقوں کے رخسار کی وہ صفائی ۔ کہ جس پر یہ دل کالے دانے کی طرح جلتا ہے

روئے و خال و ابرو و لب چوں عقیق ۔ گوئیا خور تافت از پردہ رقیق

چہرہ اور تل اور ابرو اور عقیق جیسے ہونٹ ۔ گویا باریک پردے سے سورج چمک رہا ہے

قد چوں سروِ خراماں در چمن ۔ خد ہمچوں یاسمین و نسترن

ایسا قد جیسا کہ چمن میں سرو خراماں ۔ رخسارہ چنبیلی اور گلِ سیوتی جیسا

دید اُو آں غنج برجست اُو ز تنگ ۔ چوں تجلیِ حق از پردۂ تنگ

اُس نے وہ ناز و ادا دیکھی تو فوراً اچھلا ۔ جو باریک پردے میں سے اللہ (تعالیٰ) کی تجلی کی طرح تھی

عالمے[۶] شد والہ و حیران و دنگ ۔ زاں کرشم و زاں دلال نیک شنگ

ایک جہان سرگشتہ اور حیران اور دنگ ہوگیا ۔ اُس کرشمہ اور اُس شوخ اچھے ناز سے

تفسیر لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سَافِلِیْنَ وَمَنْ نُّعَمِّرْهُ نُنَكِّسْهُ فِی الْخَلْقِ اَفَلَا یَعْقِلُوْنَ

بے شک ہم نے انسان کو بہترین ساخت پر پیدا کیا پھر ہم نے اُس کو کمتروں سے کمتر کی طرف لوٹا دیا اور جس کو ہم (زیادہ) عمر دیتے ہیں اُس کو بناوٹ میں اوندھا کر دیتے ہیں کیا وہ نہیں سمجھتے کی تفسیر

آدم و جن و ملک ساجد شدہ ۔ ہمچو آدم باز معزول آمدہ

(حسینوں کے سامنے) آدمی اور جن اور فرشتے سجدہ کر چکے ۔ پھر وہ (حسین) آدم کی طرح معزول ہوگیا

گفت آوخ بعدِ ہستی نیستی ۔ گفت جرمت اینکہ افزوں زیستی

اُس (حسین) نے کہا آہ وجود کے بعد فنا ۔ اُس نے کہا، تیرا قصور یہ ہے کہ تو زیادہ زندہ رہا

جبرئیلش می کشاند مُوکشاں ۔ کہ بروزیں خلد و ز جوقِ خوشاں

جبرئیل اُس (حسین) کو بال پکڑ کر کھینچ رہے ہیں ۔ کہ اس جنت اور حسینوں کے جھرمٹ سے نکل جا

گفت بعد از عز[۷] ایں اذلال چیست ۔ گفت آں دادست و اینت داوریست

اُس نے کہا عزت کے بعد یہ ذلیل کرنا کیوں ہے؟ ۔ (جبرئیل نے) کہا وہ عطا تھی اور یہ تیرے لئے انصاف ہے

جبرئیلا سجدہ میکر دی بجاں ۔ چوں کنوں میرانیم تو از جناں

اے جبرئیل! تو (دل و) جان سے سجدہ کرتا تھا ۔ تو اب مجھے جنت سے کیوں نکالتا ہے

شیطان کو دکھایا تو وہ چٹکیاں بجانے لگا اور خوشی سے ناچنے لگا کہ اب میرا منشا پورا ہونے کو ہے۔ چلنا بدید۔ اس شعر سے چوتھے شعر تک شرط ہے پانچویں شعر دید برجست اُس کی جزا ہے یعنی ان عورتوں کی ان چیزوں کو دیکھ کر وہ خوشی سے اچھل پڑا۔ چشمہائے۔ جمع شہلا عورتوں کی مست آنکھیں۔ خرد۔ عقل۔ عارض۔ رخسار۔ سپند۔ کالا دانہ جو نظر بد دفع کرنے کیلئے آگ پر ڈالا ہوتا ہے اور وہ چٹختا ہے۔ عقیق۔ عقیق سرخ پتھر جس سے ہونٹوں کو تشبیہ دی جاتی ہے۔

[۵] گویا۔ چہرے کا منظر ایسا تھا جیسا کہ باریک پردے سے سورج نظر آئے۔

[۶] عالمے۔ اب حسینوں کی تمام چیزوں نے دنیا کو دیوانہ بنا رکھا ہے۔ دلال۔ ناز و انداز۔ شنگ۔ شوخ۔ آدم۔ حسینوں کے زوال پذیر حسن کی یہ کیفیت ہے کہ ان کے شباب کے وقت تمام مخلوق انکو سجدہ کرتی ہے اور حسن ڈھل جانے کے بعد اُس کی حالت حضرت آدم کی سی ہوتی ہے جو جنت سے محروم کر دیئے گئے تھے۔ گفت۔ وہ حسین آہیں بھرتا ہے کہ ہائے کمال کے بعد زوال۔ جرمت۔ اُس کو جواب ملتا ہے کہ زیادہ جینے کی سزا ہے۔ جبرئیلش جس طرح حضرت آدم جنت سے نکلے تھے اسی طرح اس حسین کو جبرئیل حسینوں کے زمرے اور حسن کی دولت سے باہر نکال دیتے ہیں۔

حلّہ می پرّد زمن در امتحاں (اس) آزمائش میں میری پوشاک ختم ہوتی جا رہی ہے	ہمچو برگ از نخل در فصلِ خزاں جیساکہ خزاں کے موسم میں کھجور سے پتّے
آں رُخے کہ تابِ اُو بُد ماہ وار وہ رُخ کہ جو چمک میں چاند جیسا تھا	شُد بہ پیری ہمچو پُشتِ سُوسمار بڑھاپے میں وہ گوہ کی پشت کی طرح ہوگیا
واں سرِ آں فرقِ گش شعشع شُدہ وہ سر اور وہ حسین مانگ چمکتی ہوئی	وقتِ پیری ناخوش و اصلع شُدہ بڑھاپے کے وقت بدصورت اور گنجی ہوگئی
واں قدِ رقصانِ نازانِ چوں سناں وہ نیزے جیسا رقص اور ناز کرتا ہوا قد	گشت در پیری دوتا ہمچو کماں بڑھاپے میں کمان کی طرح دُہرا ہوگیا
برف گشتہ موی ہمچوں پرِّ زاغ کوّے کے پروں کی طرح کے بال برف بن گئے	وز تشنّج رُوی گشتہ داغ داغ اور جھرّیوں سے چہرہ داغ داغ ہوگیا
رنگِ لالہ گشتہ رنگِ زعفراں لالہ کا رنگ زعفران بن گیا	زورِ شیرش گشتہ چوں زہرۂ ناں اس کی شیر جیسی طاقت عورتوں کے پتّے کی طرح ہوگئی
چشمِ چوں نرگس شُدہ پژمردہ نرگس جیسی آنکھ مرجھا گئی	گرمیِ اعضا شُدہ افسردہ اعضا کی گرمی ٹھنڈی ہوگئی
آنکہ مردے در بغل کردے بفن جو فن کے ذریعہ بہادر کو بغل میں دبا لیتا تھا	می بگیرندش بغل وقتِ شُدن چلنے کے وقت لوگ اس کی بغلیں تھامتے ہیں
ایں خود آثارِ غم و پژمردگیست یہ خود غم اور پژمردگی کے آثار ہیں	ہر یکے زینہا رسولِ مُردگیست ان میں سے ہر ایک موت کا پیغامبر ہے

تفسیرِ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ

"مگر وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کئے ان کے لئے ختم ہونیوالا اجر ہے" کی تفسیر

لیک اگر باشد قرینش نورِ حق لیکن اگر اللہ (تعالےٰ) کا نور اُس کا ساتھی ہو	نیست از پیری وَرا نقصان و دق بڑھاپے سے اُس کو کوئی نقصان اور پریشانی نہیں ہے
سُستیِ او ہست چوں سُستیِ مست اُس کی سُستی مست کی سی سُستی ہے	کاندراں سُستیش رشکِ رستم ست کیونکہ اُس کی سُستی پر رستم کو رشک ہے
گر بمیرد استخوانش غرقِ ذوق اگر وہ مر جائے تو اس کی ہڈیاں ذوق میں غرق ہیں	ذرہ ذرہ اش در شعاعِ نورِ شوق اُس کا ذرہ ذرہ شوق کے نور کی شعاعوں میں ہے
وانکہ نورش نیست باغِ بے ثمر جس کو نور حاصل نہیں ہے وہ بے پھل کا باغ ہے	کہ خزانش می کُند زیر و زبر اُس کو موسمِ خزاں تہ و بالا کر دیتا ہے

بعد از عز۔ وہ حسین جبرئیلؑ سے کہتا ہے کہ اس عزت کے بعد یہ ذلت کیوں ہوئی۔ آں وا دست۔ جبرئیلؑ جواب دیتے ہیں وہ حسن محض عطا تھی اب یہ ذلت انصاف کا تقاضا ہے۔ جبرئیلا۔ وہ حسین کہتا ہے کہ اے جبرئیلؑ پہلے تو مجھے سجدے کرتا تھا اب تو حسن کی جنت سے مجھے کیوں نکالتا ہے۔

۵۳ حلّہ۔ میں حُسن کے لباس سے ایسا ہی محروم ہوا جا رہا ہوں جیساکہ درخت خزاں میں پتّوں سے۔ نخل۔ عام درخت مراد ہے۔ سوسمار۔ گوہ جس کی کھال کھردری ہوتی ہے فرق۔ سر کی مانگ۔ گش۔ خوش۔ شعشع شدہ چمکیلی۔ اصلع۔ گنجا۔ سناں۔ بھالا۔ معشوق کے قد کو بھالے کی لکڑی سے تشبیہ

۵۴ لالہ۔ سُرخ پھول ہے۔ زعفران۔ زعفران کا رنگ زرد ہوتا ہے۔ زہرۂ زناں۔ عورت نازک ہوتی ہے۔ گرمی۔ بڑھاپے میں حرارتِ غریزی گھٹ جاتی ہے۔ آنکہ۔ جو شخص بڑے بڑے پہلوانوں کو بغل میں دبا لیتا تھا اب اُس کی یہ حالت ہے کہ لوگ اس کی بغل میں ہاتھ دے کر سہارا نہ دیں تو وہ چل بھی نہیں سکتا ہے۔ ایں۔ بڑھاپے کے آثار موت کا پیغام دیتے ہیں۔

۵۵ لیک۔ جس شخص کو نورِ حق حاصل ہوگیا ہو بڑھاپا اُس کے لئے نقصان دہ نہیں ہے۔ سُستی۔ ایسے انسان کے اعضا کی سُستی مست کی سُستی کی طرح ہے جو رستم جیسے پہلوان کے لئے بھی باعثِ رشک ہے۔ گر بمیرد۔ ایسا انسان مرتا ہے تو اُس

گُل نماند خارہا ماند سیاہ　　زرد و بے مغز آمدہ چوں تلِ کاہ؟
پھول ختم ہو جاتے ہیں کانٹے کالے پڑ جاتے ہیں　　پیلا اور بغیر پھل کے ہو جاتا ہے جس طرح گھاس کا ڈھیر

تاچہ زلّت کرد ایں باغ اے خدا　　کہ ازو ایں حُلّہا گردد جُدا
اے اللہ! اس باغ سے کیا غلطی ہوئی　　کہ اُس کا یہ لباس جُدا ہو گیا؟

خویشتن را دید و دیدِ خویشتن　　زہرِ قتّال است ہیں اے ممتحن
اُس نے اپنے آپ کو دیکھا، اور خود بینی　　اے مصیبت کے مارے! قاتل زہر ہے

شاہدے کز عشقِ اُو عالَم گریست　　عالَمش می راند از خود جُرم چیست؟
وہ معشوق جس کے عشق میں دنیا روتی تھی　　اُسکو دنیا اپنے پاس سے بھگاتی ہے، کیا خطا ہے؟

جُرم[۱] آنکہ زیورِ عاریہ بست　　کرد دعویٰ کایں حُلل مِلک من ست
غلطی یہ ہے کہ اُس نے مانگا ہوا زیور پہنا　　دعویٰ یہ کیا کہ یہ میرا لباس ہے

وا ستانیم آنکہ تا داند یقیں　　خرمن آنِ ماست خوباں خوشہ چیں
میں واپس لے لیتا ہوں، تاکہ یقین آ جائے　　کھلیان ہماری ملکیت ہے حسین اُسکے خوشہ چین ہیں

تا بداند کاں حُلَل عاریہ بُود　　پرتوے بُود آں زخورشیدِ وجود
تاکہ وہ جان جائے کہ وہ لباس مانگا ہوا تھا　　وہ وجود کے سورج کا عکس تھا

آں جمال و قدرت و فضل و ہُنر　　زآفتابِ حُسن کرد ایں سو سفر
اُس حُسن اور طاقت اور فضل و ہنر نے　　اِس جانب حُسن کے سورج سے سفر کیا تھا

باز می گردند چوں اِستارہا　　نورِ آں خورشید ازیں دیوارہا
ستاروں کی طرح واپس ہو جاتے ہیں　　اُن دیواروں سے سورج کے نور

پرتوِ خورشید شُد تا جایگاہ　　ماند ہر دیوار تاریک و سیاہ
سورج کا عکس (اپنی) جگہ چلا گیا　　ہر دیوار، کالی اور سیاہ رہ گئی

آنکہ کرد اُو در رُخِ خوبان دُو رنگ　　نورِ خورشیدست از شیشۂ سہ رنگ
وہ حُسن جس نے معشوقوں کے چہرے پر تجھے حیران بنا کر　　وہ سہ رنگے شیشے سے سورج کا نور ہے

شیشہائے[۱] رنگ رنگ آں نور را　　می نمایند ایں چنیں رنگیں بما
رنگ برنگ کے شیشے اُس نور کو　　ہمیں ایسا رنگین دکھاتے ہیں

چوں نماند شیشہائے رنگ رنگ　　نورِ بیرنگت کُند آں گاہ دنگ
جب رنگ برنگ کے شیشے نہ رہیں گے　　اُس وقت وہ بے رنگ نور تجھے حیران کر دیگا

خوی کُن بے شیشہ دیدن نور را　　تا چو شیشہ بشکند نبُود عمیٰ
نور کو بغیر شیشہ کے دیکھنے کی عادت ڈال　　تاکہ جب شیشہ ٹوٹ جائے تو اندھاپن نہ ہو

کی رگ رگ دپے میں خدا سے ملنے کا شوق بھرا ہوا ہوتا ہے۔

۵۳ وآنکہ۔ جو شخص پاس نورِ خداوندی سے محروم ہے اُس کی مثال بے پھل کے باغ کی سی ہے جس کو خزاں تہ و بالا کر دیتی ہے۔ گل۔ ایسے باغ کا خزاں میں یہ حال ہوتا ہے کہ پھولوں کی جگہ سیاہ کانٹے لے لیتے ہیں اور وہ تیلے کی گھاس کی طرح بےجان ہو جاتا ہے۔ تاچہ۔ اِس باغ کا کیا جرم ہے؟ خویشتن۔ اِس باغ میں خود بینی تھی جو بہت بڑا جرم ہے۔ شاہدے جس معشوق کے عشق میں عالم روتا تھا اب ہی عالم اُسکو اپنے پاس سے بھگاتا ہے اُس

۵۱ جرم۔ اُس کا جرم یہ ہے کہ یہ اُس حسن کو اپنی ملکیت سمجھتا تھا۔ وا ستانیم۔ ہم اُس حسن کو اِس لئے واپس لے لیتے ہیں تاکہ سب کو معلوم ہو جائے کہ حُسن دراصل ہماری ملکیت ہے اور دنیا کے حسین ہمارے خوشہ چین ہیں۔ تا بداند۔ تاکہ حسین یہ سمجھ جائے کہ یہ حُسن کا لباس مانگا ہوا اور باری تعالےٰ کی ایک تجلی تھی۔ آں جمال۔ تمام خوبیاں اللہ کی ہیں کائنات اُس کا مظہر ہے۔ باز می گردند یہ تمام خوبیاں کائنات میں عارضی ہیں یہ پھر اپنے مرکز کی طرف واپس ہو جاتی ہیں۔ آنکہ کرد۔ کائنات میں اُن کا جلوہ ایسا ہی ہے جیسے سہ رنگے آئینہ میں سے سورج کی روشنی نظر آئے۔

۵۲ شیشہائے جس طرح وہ نور ایک رنگ کا ہے اور مختلف شیشوں میں سے مختلف

قانعی با دانشِ آموختہ ۔۔۔ وز چراغِ غیر چشم افروختہ
تونے سیکھی ہوئی سمجھ پر اکتفا کر لیا ہے ۔۔۔ اور دوسرے کے چراغ سے تونے آنکھیں روشن کی ہیں

او چراغِ خویش بر بایدکہ تا ۔۔۔ تو بدانی مستعیری نے فتی
وہ اپنا چراغ لے جائے گا تاکہ ۔۔۔ تو جان لے کہ تو مانگا ہوا لینے والا ہے نہ کہ جوانمرد

گر تو کردی شکر و سعیِ مجتہد ۔۔۔ غم مخور کہ صد چناں باز ت دہد
اگر تونے شکر کیا اور پوری کوشش ۔۔۔ تو غم نہ کر کہ وہ اس جیسے سینکڑوں حسن دیگا

ور نکردی شکر اکنوں خوں گری ۔۔۔ کہ شدست آں حسن از کافر بری
اگر تونے شکر ادا نہ کیا تو اب خون کے آنسو روئیگا ۔۔۔ کیونکہ وہ حسن ایک ناشکرے سے چلا گیا ہے

اَمَّتَ الْکُفْرَانِ اَضَلَّ اَعْمَالَهُمْ ۔۔۔ اَمَّۃُ الْاِیْمَانِ اَصْلَحَ بَالَهُمْ
(اللہ تعالیٰ نے) کافروں کے اعمال کو رائگاں کر دیا ہے ۔۔۔ (اور) مومنوں کی جماعت کے اعمال کی اصلاح کر دی ہے

گم شد از بے شکر خوبی و ہنر ۔۔۔ کہ دگر ہرگز نہ بیند زاں اثر
ناشکرے سے اچھائی اور ہنر اس طرح گم ہوا ۔۔۔ کہ وہ دوبارہ کبھی اس کا نشان نہ دیکھے گا

خویشی و بے خویشی و شکر و وداد ۔۔۔ رفت زانساں کہ نیارد شاں بیاد
بھائیت اور غیریت اور شکر اور عطا ۔۔۔ اس طرح سے گئیں کہ وہ انکو یاد (بھی) نہ کرے گا

کہ اَضَلَّ اَعْمَالَهُمْ اے کافراں ۔۔۔ جُستنِ کام ست از ہر کامراں
اے کافرو! اُن کے اعمال کو رائگاں کر دیا ہے ۔۔۔ جستجو کرنا ہر (دنیادار) بامراد کا مقصد ہے

جز زِ اہلِ شکر و اصحابِ وفا ۔۔۔ کہ مر ایشاں راست دولت در قفا
سوائے شکر گذاروں اور باوفا لوگوں کے ۔۔۔ کیونکہ دولت اُن کے پیچھے ہے

دولتِ رفتہ کجا قوت دہد ۔۔۔ دولت آیندہ خاصیت دہد
گذری ہوئی دولت کب طاقت دیتی ہے؟ ۔۔۔ آنیوالی دولت خاصیت دکھاتی ہے

قرض دہ زیں دولت اندر اَقْرِضُوا ۔۔۔ تا کہ صد دولت بہ بینی پیش رو
اس قرض دو کے سلسلہ میں تو اس دولت سے قرض دے ۔۔۔ تاکہ تو (اپنے) سامنے سینکڑوں دولتیں دیکھے

اندکے زیں شرب کم کن بہر خویش ۔۔۔ تا کہ حوضِ کوثرے یابی بہ پیش
اس پینے میں سے کچھ کم کردے ۔۔۔ تاکہ تو آئندہ حوضِ کوثر پائے

جرعہ بر خاک وفا آنکس کہ ریخت ۔۔۔ کے تواند صیدِ دولت زو گریخت
جس شخص نے وفا کی زمین پر ایک گھونٹ بہایا ۔۔۔ دولت کا شکار اس سے کہاں بھاگ سکتا ہے!

خوش کند دلشاں کہ اَصْلَحَ بَالَهُمْ ۔۔۔ رَدَّ مِنْ بَعْدِ التَّوٰی اَنْزَالَهُمْ
(اللہ تعالیٰ) انکا دل خوش کردیگا کیونکہ انکے دل کی ۔۔۔ انکی مہمانی کے کھانے کو ختم ہوجانیکے بعد لوٹا دیا ہے

نظر آتا ہے اسی طرح اس کی صفات ہیں۔ چوں نماند۔ جب وہ مظاہر باقی نہیں رہتے تو صرف یکرنگا نور باقی رہ جاتا ہے جو کہ حق۔ انسان کو صفات خداوندی کا بغیر مظاہر کے مشاہدہ کرنا چاہیئے تاکہ کائنات کی فنا ہوجانے کے بعد بھی وہ اس نور کا مشاہدہ کرسکے قانعی۔ تونے مظاہر کے ذریعہ اس کی صفات کے مشاہدہ کی عادت ڈال رکھی ہے۔

ے او چراغ۔ حضرت حق تعالیٰ اپنی صفت بخشش کو واپس لے لیتے ہیں تاکہ تجھے معلوم ہوجائے کہ۔۔۔

ے ور نکردی۔ اگر حسن کے ازالہ پر تو کفر شروع کردیگا تو پھر خون کے آنسو بہا۔ وہ عوض شکرگذار کو ملتا ہے کافر کو نہیں ملتا۔ اَمَّتَ الْکُفْرَانِ۔ کافروں کے اعمال رائیگاں ہیں اللہ تعالیٰ نے مومنوں کے دل کی اصلاح کردی ہے۔

گم شد۔ ناشکرے سے ہنر اور خوبی اس طرح زائل ہوتی ہے کہ پھر اس کا نشان نہیں ملتا ہے۔ خویشی۔ کافروں سے اوصاف حسنہ اس طرح نادار ہوجاتے ہیں کہ اس کو یاد بھی نہیں آتے ہیں۔

ے جز ز اہل شکر۔ دولتِ رفتہ اور دولتِ آئندہ صرف شکرگذاروں اور وفاداروں کا حصہ ہے۔ قرض دہ۔ قرآن پاک میں ہے اَقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا۔ اللہ خالق کو قرض حسنہ دو کے حکم پر عمل کرو تاکہ تجھے بڑا مراد ملا سکے

حسن تیرے پاس عارضی تھا۔ مستعیر۔ مانگنے والا۔ گر تو کردی۔ اگر تو اس نعمت کے زوال پر بھی اللہ کا شکر ادا کریگا۔ تو وہ تجھے اس سے سینکڑوں گنا زیادہ حسن عطا کردیگا۔

اے اجل وے ترکِ غارت ساز دہ
اے موت ... دیہات کو لوٹنے والے ترک!

ہر چہ بُردی زیں شکوراں باز دہ
ان شکر گزاروں کا جو کچھ تو نے چھینا ہے واپس دیدے

وا دہد ایشاں نہ بیذیر ندہاں
وہ ان کو واپس دیگی وہ اس کو ہرگز قبول نہ کرینگے

زانکہ مُنعِم گشتہ انداز رخت جاں
کیونکہ روح کے سامان سے وہ مالدار بن گئے ہیں

صوفیم و خرقہا انداختیم
ہم صوفی ہیں اور ہم نے چیتھڑے اتار دیئے ہیں

باز نستانیم چوں در باختیم
جبکہ ہم نے ان کو ہار دیا ہے ہم دوبارہ نہیں لینگے

ماعوض دیدیم وانگہ چوں عوض
ہم نے بدلہ پالیا ہے اور پھر بدلہ بھی کیسا؟

رفت از ما حاجت و حرص و غرض
ہم سے ضرورت اور حرص اور غرض روانہ ہو گئی ہے

زآب شورِ مُہلکے بیروں شدیم
ہم مُہلک کھاری پانی سے باہر آگئے ہیں

بر رحیق و چشمۂ کوثر زدیم
شراب اور حوضِ کوثر پر مقیم ہو گئے ہیں

آنچہ کردی اے جہاں با دیگراں
اے دنیا! تونے جو کچھ دوسروں کیساتھ برتی

بیوفائی و فن و نازِ گراں
بے وفائی اور چالاکی اور بھاری ناز

بر سرت ریزیم ما بہرِ خدا
ہم خدا کے لئے، تیرے سر پر مارتے ہیں

کہ شہیدیم آمدہ اندر غزا
کیونکہ ہم تو جہاد کے شہید ہیں

تا بدانی کہ خدائے پاک را
تاکہ تو جان لے، کہ خدائے پاک کے

بندگاں ہستند پُر حملہ و مِرا
حملہ اور جنگ سے پُر (بھی) بندے ہیں

سبلتِ تزویرِ دنیا بر کنند
دنیا کی مکاری کی مونچھیں اکھاڑ دیتے ہیں

خیمہ را بر بارویِ نصرت زنند
مدد (خداوندی) کے قلعہ پر جھنڈا گاڑ دیتے ہیں

ایں شہیداں باز نو غازی شدند
یہ شہید از سر نو غازی بن گئے ہیں

ویں اسیراں باز بر نصرت زدند
یہ قیدی پھر مدد پر آمادہ ہیں

قفلِ مشکلہا ز لطفش حل شدہ
اس کی مہربانی سے مشکلوں کا قفل کھل گیا ہے

نفسِ کافر ناگہاں بسمل شدہ
کافر کا نفس اچانک تڑپنے لگا

ناامیدی رفتہ امید آمدہ
مایوسی ختم ہوئی، امید پیدا ہو گئی

گشت مسجد ناگہاں ایں بتکدہ
یہ بت خانہ، اچانک مسجد بن گیا

سر بر آوروند باز از نیستی
وہ عدم سے پھر موجود ہو گئے

کہ بہ بیں مارا کراکمہ نیستی
ہمیں دیکھ لے تو اندھا (تو) نہیں ہے

تا بدانی در عدم خورشیدہاست
تاکہ تو سمجھ لے کہ عدم میں بہت سے سورج ہیں

وانچہ اینجا آفتاب آنجا سُہاست
جو یہاں سورج ہے وہاں (کا) ستارہ ہے

انسان اپنی ضروریات کو کم کرکے دوسروں پر خرچ کرتا ہے تب آخرت میں اُس کو بدلہ ملتا ہے۔ جزوہ۔ جو ستی دوسروں پر خرچ کرے گا دولتِ آخرت اُس کے ہاتھ آئیگی بخوش کند۔ اللہ تعالیٰ بدلہ دیکر اُنکو خوش کریگا اور جو کچھ اُنھوں نے خرچ کیا ہے اُسکو بڑھا کر واپس کریگا۔

لہ صوفیم وہ کہیں گے ہم صوفی ہیں، ہم گدڑی لٹا چکے ہیں اب اس کو واپس نہیں لیں گے۔ ماعوض۔ اب اللہ تعالیٰ نے ہمیں وہ بدلہ عنایت کر دیا ہے جس کے بعد ہمیں دنیا کی حرص وحاجت نہیں رہی ہے۔ زآبِ شور۔ دنیاوی چیزیں بمنزلہ شور پانی کے ہیں اور آخرت کی نعمتیں چشمۂ کوثر ہیں۔ آنچہ کردی۔ یہ انسان دنیا کو کہہ دیتا ہے کہ ہم شہیدانِ راہِ خدا میں سے ہیں تیری جملہ عنایتوں کو تیرے منہ پر مارتے ہیں۔ تابدانی۔ تاکہ یہ دنیا یہ سمجھ لے کہ خدا کے وہ بندے بھی ہیں جو دنیا کو پرِکاہ سمجھتے ہیں۔

کلہ سبلت۔ یہ مردانِ خدا دنیا کی مونچھیں اکھاڑ پھینکتے ہیں اور اللہ کی مدد کے قلعہ پر جھنڈا لہرا دیتے ہیں۔ ایں شہیداں۔ جو لوگ فنا کے بعد بقا کا درجہ حاصل کر لیتے ہیں وہ از سرِ نو زندہ ہو جاتے ہیں۔ قفلِ مشکلہا۔ اُن کی جملہ مشکلات لطفِ خداوندی سے زندگی نصیب ہوگی۔ اکمہ۔ مادر زاد اندھا۔ تابدانی۔ عالمِ غیب میں ایسے سورج ہیں کہ دنیا کا سورج اُن کے مقابلہ میں سُہا ستارہ ہے۔

در عدم ہستی برادر چوں بود | ضد اندر ضد چوں مکنوں بود
اے بھائی! عدم میں وجود کس طرح ہوتا ہے؟ | ضد، ضد میں کیسے پوشیدہ ہوتی ہے؟

یُخرِجُ الحَیَّ مِنَ المَیِّتِ بداں | کہ عدم آمد اُمیدِ عابداں
سمجھ لے وہ مُردے سے زندہ پیدا کرتا ہے | عدم میں غیب دت گذاروں کی امید ہے

مردِ کارندہ کہ انبارش تہی ست | شاد و خوش نے بر اُمیدِ نیستی ست؟
وہ کاشتکار جس کا کھلیان خالی ہے | کیا وہ عدم کی اُمید پر خوش و خرم نہیں ہے؟

کہ بروید آں زسُوئے نیستی | فہم کن گر واقفِ معنیستی
کہ وہ عدم میں سے اُگ آئے گی | سمجھ لے، اگر تو حقیقت کا جاننے والا ہے

دمبدم از نیستی تو منتظر | کہ بیابی فہم و ذوق آرام و بِرّ
تو ہر وقت عدم کا منتظر رہ | تاکہ تو آرام اور نیکی کا ذوق اور فہم حاصل کرے

نیست دستوری کشاد ایں راز را | ورنہ بغداد ے کُنم انجاز را
اس راز کو کھولنے کی اجازت نہیں | ورنہ میں انجاز کو بغداد بنا دیتا

پس خزانہ صُنعِ حق باشد عدم | کہ بر آرد زو عطاہا دمبدم
اللہ تعالیٰ کی کاریگری کا خزانہ عدم ہے | کیونکہ وہ اس سے پے در پے عطا بر آمد کرتا ہے

مُبدع آمد حق و مُبدع آں بُوَد | کہ بر آرد فرع بے اصل و سند
اللہ (تعالیٰ) ایجاد کرنے والا ہے اور ایجاد کرنے والا وہ ہوتا ہے | جو بغیر جڑ اور اصل کے شاخ پیدا کر دے

کرنے والا یعنی معدوم کو موجود بنانے والا

[illegible]

کسں جاتی ہیں انسان کا نفسِ بسمل ہو جاتا ہے
۵۳ نا اُمیدی۔ فنا سے جو نا اُمیدی پیدا ہوئی تھی وہ سب امید سے بدل گئی اُن کے لئے یہ دنیا پاک جگہ ہو گئی۔ سربرآوردند۔ فنا کے بعد پھر اُن کو ابدی
۵۵ در عدم۔ نیستی میں ہستی مُضمر کیسے ہو سکتی ہے؟ یعنی نیستی اور ہستی دو متضاد چیزیں ہیں ایک دوسرے میں چھپی ہوئی کیسے ہو سکتی ہیں؟ مکنوں۔ پوشیدہ۔ یخرج۔ سوال کا جواب ہے یہ ایسے ہی ممکن ہے جیسا کہ نطفہ سے زندہ بچہ پیدا ہوتا ہے۔ کہ عدم۔ تمام عابدوں کی امیدیں غیب اور عدم سے وابستہ ہیں۔ مرد کارندہ۔ کاشتکار جس نے بیج خرچ کر کے اپنی کوٹھی خالی کر لی وہ اُسی پیداوار پر خوش ہے جو.... فی الحال معدوم ہے اور وہ سمجھتا ہے کہ وہ عدم سے وجود میں آجائے گی۔
۵۶ دمبدم۔ لہٰذا انسان

شرح اچھا! تم کوّے کی طرح کب تک ایک ہی رٹ لگائے جاؤ گے اس گفتگو کو چھوڑو۔ اور پوچھو کہ اے خلیل! آپ نے مُرغ کو کیوں ذبح کیا۔ [فائدہ: ولی محمد نے کہا ہے کہ ہمچو زاغ مصرعِ ثانی سے متعلق ہے اور معنی یہ ہیں کہ اے خلیل! تم نے زاغ کی طرح خروس کو کیوں مارا۔ والراجح عندی ما قلت واللہ اعلم] بتلائیے تو سہی اس میں حکمت کیا تھی۔ تاکہ اس پر مطلع ہو کر میرا بال بال اس خدائے حکیم و علیم کی تسبیح کرے۔ جب پوچھا گیا تو انہوں نے جواب دیا

کہ میرے لحاظ سے تو حکمت یہ تھی کہ مجھے حکم ہوا تھا۔
اس پر یہ سوال ہوا کہ اچھا۔ اس حکم کی حکمت کیا تھی۔ تاکہ میں اس پر مطلع ہو کر بجان و دل کہوں لاالہ الااللہ العلیم الحکیم۔ اس کا جواب یہ ملا کہ وہ شہوت ناک اور بغایت شہوت پرست اور اس زہریلی اور بیہودہ شراب شہوت سے مست تھا بنابریں وہ واجب القتل تھا۔ ان سوالات و جوابات حالیہ سے فارغ ہو کر مولانا شہوت کی مذمت فرماتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ واقعی یہ شہوت ایسی بے ہودہ چیز ہے کہ اگر حق سبحانہ، کو بقائے نسل مقصود نہ ہوتی۔ اور وہ اس کی برائی کو لوگوں سے محجوب نہ کر دیتا تو اس کی شرم سے آدمی خصی ہو جاتا۔ اس کی بُرائی کا تم واقعہ ذیل سے ادراک کر سکتے ہو۔ وہ واقعہ یہ ہے ــــــ شیطان نے حق سبحانہ، سے درخواست کی کہ مجھے شکار انسان کے لیے ایک زبردست جال کی ضرورت ہے لہٰذا عنایت فرمایا جائے اس پر چاندی، سونا اور گھوڑے وغیرہ اسکو دکھلائے گئے اور کہا گیا کہ تم ان سے انکو پھانس سکتے ہو۔ اسکے جواب میں اسنے کہا کہ واہ حضرت واہ! بھلا یہ ان سے کب قابو میں آئے گا ــــــ غرضکہ وہ ناخوش ہوا اور غصہ کے مارے لٹک گیا۔ اسکے بعد اعلیٰ درجہ کی کانوں کے جواہرات اسکے سامنے پیش کیے گئے اور کہا گیا کہ ملعون لے یہ جال لے۔ اس پر بھی اس نے قناعت نہ کی اور کہا کہ اے بہتر مددگار! یہ کافی نہیں ہے اور دے اس پر مرغن و شیریں ... غذائیں قیمتی شربت اور ریشمی کپڑے عطا فرمائیے۔ اسنے اس پر بس نہ کی اور کہا کہ مجھے اس سے بھی زیادہ اعانت کی ضرورت ہے۔ تاکہ میں ان کو جال میں پھانس سکوں اور تاکہ تیرے عشاق جو مرد اور بہادر ہیں اس جال کو توڑ نہ سکیں اور تاکہ تیرے مرد اس جال اور ان خواہش نفسانی کی رسیوں کے ذریعہ سے نامردوں سے ممتاز ہو جائیں۔
پس میں ایک اور جال مانگتا ہوں مگر معمولی جال نہیں۔ بلکہ وہ جال جو مردوں

کو پچھاڑنے والا اور نہایت چالاک ہو - اس پر شراب اور پانی... اس کے سامنے رکھے گئے اسے وہ مسکرایا اور کچھ خوش ہوا - اسکے بعد حق سبحانہ کی صفت اضلال سے درخواست کی - کہ ہنوز امتحان کی تکمیل نہیں ہوئی - آپ بحر امتحان سے گرد نکال دیں یعنی امتحان کو انتہا تک پہنچادیں - آپ کی شان ارفع و اعلیٰ ہے دریا سے گرد تو آپکے بندے نکال سکتے ہیں -

دیکھئے! آپکے بندوں میں ایک موسیٰ ہیں جنہوں نے دریا میں گرد کے پردے باندھ دیئے کہ پانی نے ہر طرف سے اپنی باگ کھینچ لی اور سمٹ گیا اور دریا سے گرد نکل آئی اور وہ خشک ہوگیا - پس آپ ضرور ایسا کیجئے - پس جبکہ حق سبحانہ نے اسکو عورتوں کا حسن دکھلایا جو مردوں کا صبر و سکون کھوئے دیتا ہے تو اس نے چٹکی بجائی اور وجد میں آکر ناچنے لگا اور کہا کہ ہاں اب میرا مقصد حاصل ہوا بس جلدی سے مجھے عنایت فرما دیجئے اور جب کہ اس نے ان نشیلی آنکھوں کو جو عقول کو بے تاب کئے دیتی ہیں - اور ان معشوقوں کے اس صفائے رخسار کو دیکھا جس پر عشاق کے دل سپند کی طرح چلتے ہیں اور ان کے چہرہ اور خال اور ابرو اور ان عقیق کی مانند لبوں کو دیکھا جو ایسے معلوم ہوتے تھے جیسے پردۂ باریک سے آفتاب چمکتا ہو اور اس قد کو دیکھا جو اس سرو خراماں کے مشابہ تھا جو چمن میں موجود اور سرسبز و شاداب ہو اور اس رخسار کو دیکھا جو یاسمین و نسرین کے مشابہ تھا - اور اس ناز کو دیکھا جو ان میں خون چھلکتا تھا جیسے باریک پردہ سے تجلی حق نمودار ہو تو بھڑک گیا - کیونکہ وہ جانتا تھا شہوت سے زیادہ خطرناک کوئی چیز نہیں اور برق حسن سے زیادہ اس میگزین میں آگ لگانے والی دوسری شے نہیں -

اب مولانا فرماتے ہیں کہ حسینوں کے کرشمہ اور ان کے نہایت شوخ ناز سے - ایک عالم سرگشتہ و حیران و دنگ ہے - حتیٰ کہ انسان، جن اور فرشتے مثل

ہاروت وماروت کی طرح بھی اسکے سامنے سر جُھکاتے ہیں۔ مگر وہ آدم علیہ السلام
کی طرح ایک وقت میں اس عزت سے معزول ہوجاتا ہے ـــــ اس پر وہ
کہتا ہے کہ ہائے افسوس! میرا حسن وجود کے بعد معدوم ہوگیا ہے اس کا جواب
یہ ملتا ہے کہ تمہارا جُرم یہ ہے کہ تم زیادہ جئے اس بنا پر یہ نعمت تم سے
چھین لی گئی۔ جبریل اسکو بال پکڑ کر کھینچتا ہے اور کہتا ہے کہ جنت حُسن سے اور
حسینوں کی جماعت سے باہر نکل۔ اس پر وہ کہتا ہے کہ اے جبریل! تو تو مجھے صدق
دل سے سجدہ کرتا تھا۔ اب تو مجھے جنت سے کیوں نکالتا ہے۔ دیکھ تو سہی میرے
جسم سے حصہ حُسن یوں اُترا جاتا ہے جیسے فصلِ خزاں میں درخت سے پتے جھڑتے
ہوں۔ [فائدہ: چونکہ حسین کو معزولی میں حضرت آدم علیہ السلام سے تشبیہ دی
تھی۔ اسلئے لوازم یا مناسبات مشبہ بہ کو اس کیلئے ثابت کیا ہے۔ ورنہ نہ وہاں جنت
ہے۔ نہ جبریل نہ سجدہ۔ نہ سوال نہ جواب۔ اور مقصود صرف اسکے حسن کا زوال
اور اس پر اس کا اظہارِ غم ہے] القصہ وہ اس کا حسن زائل ہوتا ہے اور وہ روتا
پیٹتا ہے۔ اس کا وہ رخسار جس کی چمک چاند کی چمک سے ملتی تھی۔ بڑھاپے سے
گوہ کی پشت کی طرح ہوجاتا ہے اور اس کا سر اور وہ حسین مانگ جو سیاہ بالوں میں
چمکتی تھی۔ بڑھاپے کے وقت ناپسندیدہ ہوجاتے ہیں اور سر کے بال جھڑ جاتے
ہیں اور اس کا لچکدار اور سناں کی طرح حملہ آور قد بڑھاپے میں کمان کی طرح
دوہرا ہوجاتا ہے اور اسکے بال جو کوّے کے پروں کی طرح کالے تھے برف کیطرح
سفید ہوجاتے ہیں اور جھریاں پڑکر منہ خراب ہوجاتا ہے اور اس کی لالہ کی سی رنگت
زعفران کی رنگت ہوجاتی ہے یعنی چہرہ زرد پڑجاتا ہے۔

اور اس کا شیر کا سا زور عورتوں کی کمزوری سے بدل جاتا ہے اور اس کی
نرگس کی مانند آنکھ پژمردہ ہوجاتی ہے اور گرمی اعضا سرد ہوجاتی ہے اور جو کہ چالاکی

سے آدمی کو بغل میں دبالیتا تھا۔ اب اسکی یہ حالت ہوجاتی ہے کہ چلنے کے وقت اور لوگ اسے بغل میں لیتے ہیں۔

مگر یہ باتیں اصلی غم و پژمردگی نہیں ہیں۔ بلکہ یہ تو اسکے آثار ہیں کیونکہ اصلی غم اور پژمردگی موت ہے اور یہ قاصد ہیں اسکے ــــــ الحاصل بڑھاپا حسینوں کو بہت ضرر پہنچاتا ہے لیکن سے اگر بجائے جمال ظاہری کے کسی کو کمال باطنی حاصل ہو اور نورحق سبحانہ اس کے متصل ہو تو اسکو بڑھاپے سے کوئی ضرر اور کوئی تکلیف نہیں ہوتی گو وہ سست ہوتا ہے مگر اسکی سُستی ایسی ہوتی ہے جیسے مست کی سستی کہ وہ اس سُستی میں بھی رشک رستم ہوتا ہے اور گو اسکے اعضا میں ضعف ہوتا ہے مگر اسکے دل میں کمال قوت ہوتی ہے یہ اگر مرتا بھی ہے تو اسکی ہڈیاں ذوق وشوق میں ڈوبی ہوتی ہیں۔ اور اس کا ذرہ ذرہ نور شوق کی شعاعوں میں محو ہوتا ہے۔

برخلاف ان لوگوں کے جن کو نورحق سبحانہ حاصل نہیں ہے بلکہ وہ صرف حُسن ظاہری ہی رکھتے ہیں۔ ان کے بڑھاپے کی ایسی مثال ہوتی ہے جیسے باغ بے ثمر جس کو خزاں نے زیروزبر کردیا ہو اور جس میں گُل نہ رہا ہو۔ اور صرف کالے کانٹے رہ گئے ہوں اور وہ زرد اور بے مغز ہو۔ جیسے گھاس کے ڈھیر کی حالت دیکھ کر تم تعجب سے کہتے ہو کہ اے اللہ اس نے کیا قصور کیا تھا۔ جو یہ پوشاکِ حُسن اس باغ سے جلا کی جاتی ہے۔ اس کا جواب یہ ملتا ہے کہ وہ عجب میں گرفتار ہوگیا۔ اور عجب آدمی کے لیے زہر ہلاہل ہے۔ اسلیے اس کی یہ گت بنی اور تم حیرت سے کہتے ہو کہ وہ معشوق جس کے عشق سے ایک عالم روتا تھا اب کوئی اُس کو پاس نہیں پھٹکنے دیتا۔ آخر اُس نے کیا قصور کیا تھا۔ اس کا جواب یہ ملتا ہے کہ اُس نے مستعار زیورحسن پہن کر دعوائے مِلکیت کیا تھا اسلیے ہم اس کو

واپس لیتے ہیں ۔ تاکہ اُسے یقینی طور پر معلوم ہو جائے کہ خرمن حُسن ہماری ملک ہے ۔ اور حسین لوگ اس سے مستفید ہیں اور تاکہ وہ جان لے کہ یہ لباس مستعار تھا ۔ اور ہم کہ خورشید وجود میں ہمارا پَرتَو تھا ۔

اب مولانا فرماتے ہیں کہ جمال اور فضل و کمال طاقت و قدرت جو تمہارے اندر ہے سب مستعار ہیں اور آفتاب حُسن سے عالم کی طرف آئے ہیں ۔ بالآخر یہ ستاروں کی طرح اپنے مُقر کی طرف لوٹ جائیں گے اور یہ دھوپ ان دیواروں سے آفتاب کی طرف لوٹ جائے گی ۔ اور تم ان سے بے بہرہ ہو جاؤ گے ۔

کیونکہ قاعدہ ہے کہ دھوپ جس وقت اپنے مرکز کی طرف لوٹ جاتی ہے ۔ تو دیواریں تاریک اور سیاہ رہ جاتی ہیں ۔ پس تم سمجھو کہ جس حُسن نے تم کو حیران کر دیا ہے اور جس پر تم عاشق ہو وہ نور خورشید ازلی ہے جو ان مختلف رنگ کے شیشوں سے ظاہر ہو رہا ہے ۔ اور یہ مختلف الالوان شیشے اس نور کو ہم کو رنگین اور متکیف بکیف دکھلاتے ہیں ۔ مگر جب یہ شیشے نہ رہیں گے یعنی یہ اجسام فنا ہو جائیں گے اس وقت وہ تم کو بے رنگ اور بے کیف دکھلائی دیگا ۔ پس تم کو چاہیئے کہ اس نور کو بدوں شیشہ کے دیکھنے کی عادت ڈالو ۔ اور اجسام کا واسطہ چھوڑ دو تاکہ جب یہ عینک ٹوٹ جائے اور تم مر جاؤ تو تم اندھے نہ ہو جاؤ ۔ بلکہ پھر بھی اس نور کو دیکھ سکو ۔ تم علم تقلیدی پر قناعت کئے ہوئے ہو ۔ اور کمالات مستعار پر خوش ہو ۔

لیکن یاد رکھو! کہ ایک روز مالک کمالات اپنے کمالات واپس لیگا ۔ تاکہ تم کو معلوم ہو جائے کہ وہ ہماری ملک نہ تھے بلکہ دوسرے کے ملک تھے اس وقت تمہاری دو حالتیں ہوں گی ۔ یا تو تم نے اس معطی کا شکر ادا کیا ہوگا ۔ یا نہیں! اور اس میں جہد بلیغ کی ہوگی یا نہیں اگر تم نے شکر کیا ہے اور اس میں

جہد بلیغ کی ہے تو ہم کو ان کمالات کے زوال کی کچھ پرواہ نہ کرنی چاہیئے۔ کیونکہ وہ ان سے سینکڑوں کمالات تمہیں عطا فرمادے گا۔

اور اگر تم نے اس کا شکر نہیں کیا ہے تو تم کو خون رونا چاہیئے کیونکہ وہ حسن کمال جو تم کو ان کمالات فانیہ کے معاوضہ میں ملتا ناشکر لوگوں سے بیزار ہے۔ کیونکہ حق سبحانہٗ فرماتے ہیں کہ ہم ناشکر لوگوں کے اعمال کو کھو دیں گے۔ اور شاکرین جو کہ مومن ہیں ان کی حالت درست کریں گے۔ اسلیئے ناشکر لوگوں سے خوبی اور کمالات ضائع ہو گئے ہیں۔ کہ پھر وہ ان کی صورت نہ دیکھیں گے۔ نہ تو یوں کہ وہ کمالات پھر انہیں واپس مل جائیں اور نہ یوں کہ ان کا معاوضہ انہیں مل جائے اور تعلق اور بے تعلقی اور شکر منعمانِ دنیوی اور دوستی مردم۔ غرض تمام اوصاف ان سے یوں رخصت ہو جائیں گے کہ پھر وہ ان کو یاد بھی نہ آسکے۔ کیونکہ اَضَلَّ اعمالھم سے مراد یہ ہے کہ ہم ان لوگوں کو۔ جو دنیا میں کامران اور اپنے مطلوبات سے ہم آغوش ہیں نامراد کر دیں گے۔ اور اس کی یہی صورت ہے کہ نہ تو ان کو وہی کمالات ملیں کیونکہ وہ بھی ان کا ان کا مطلوب ہیں اور نہ ان سے بہتر ان کا معاوضہ ملے کیونکہ وہ بدرجۂ اولیٰ مطلوب ہیں۔ غافل ہیں اسلیئے گویا کہ سو رہے ہیں اور جو آنکھ سوتی ہو وہ تو خیالات اور معدومات ہی کو دیکھتی ہے۔ پس جبکہ ہمارے خوابہا کے سبب حقیقت (عدم) ہماری نظر سے مخفی ہو گئی۔ اور خیال (عالم فانی) ظاہر ہو گیا۔ تو اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہم غلطی میں گرفتار ہو کر سرگشتہ و حیران ہو گئے۔ اور مقصود کو چھوڑ کر غیر مقصود میں پھنس گئے۔

(فائدہ: اس بیان میں مولانا نے عالم حسّی کو معدوم اور خیال قرار دیا ہے یہ بنا بر حقیقت نہیں ہے بلکہ تشبیہاً ہے یعنی یہ عالم وجود اپنے عدم و فرعیت بقا کی وجہ سے ایسا ہے جیسا حقیقت کے مقابلہ میں خیال اور موجود کے مقابلہ میں معدوم

پس اسکو معدوم اور خیال کہنا۔ عدم کی نسبت سے ہے نہ کہ واقع کے لحاظ سے چنانچہ اس کی طرف مولانا نے نظائر سے اشارہ ہی کر دیا ہے۔ اور دریا کی نسبت سے کف کو معدوم اور خیال قرار دیا ہے اور ہوا کی نسبت سے خاک کو اور فکر کی نسبت سے اقوال کو۔ فتدبر]

اب مولانا تعجب سے فرماتے ہیں کہ حق سبحانہ' نے عدم (عالم وجود) کو کیسے مشاہد کر دیا ہے اور حقیقت (عدم) کو کیسے نظروں سے محجوب کر دیا ہے عجیب قدرت اسکی۔ اس کے بعد حق سبحانہ' کو خطاب کرکے فرماتے ہیں اے نظر بندی کرنیوالے کامل القدرت خدا کیا کہنا ہے تیری کمال قدرت کا۔ کہ تو نے محجوبین کی نظر میں درد کو صاف اور اس ذلیل اور محقر عالم کو با وقعت بنا دیا۔ اس کے بعد مضمون ارشادی کی طرف انتقال فرماتے ہیں۔

اور کہتے ہیں کہ دیکھو جادوگر چاندنی کو بجائے کپڑے کے سوداگر کے سامنے ناپ دیتے ہیں اور اسکے سونا نفع میں حاصل کر لیتے ہیں اور وہ اس طرح داؤں پیچ سے ان سے روپیہ وصول کر لیتے ہیں اور ان کے ہاتھ سے روپیہ تو تو نکل جاتا ہے مگر کپڑا ندارد ہوتا ہے۔ جب یہ مقدمہ معلوم ہوگیا۔ تو اب سمجھو! کہ دُنیا جادوگرنی ہے اور ہم تاجر۔ اور وہ ہمارے ہاتھ چاندنی کو ناپ کر بجائے کپڑے کے بیچ رہی ہے۔ اور خواہشات ولذات کو جو فی الحقیقت بے حقیقت ہیں ہماری نظروں میں مؤقر اور قابل تحصیل بنا رہی ہے۔ یعنے وہ اپنا جادو کر کے زور سے ایک گز کپڑے کو چاندنی کے ذریعے سے پانچسو گز بنا رہی ہے اور شہوات ولذات کو جو ایک درجہ میں مقصود ہی ہیں زندگی کا اصلی مقصد ثابت کر رہی ہے اور تم سے تمہارا زر عمر چھین رہی ہے پس تم کو واضح ہو کہ جب یہ روپیہ تمہارے ہاتھ سے نکل جائے گا اور تم مر گئے اس وقت تمہیں معلوم ہو گا کہ تمہارا

زرعمر بھی ضائع ہوگیا اور کپڑا یعنی مقاصد دنیویہ بھی تمہارے قبضہ میں نہ رہے
اس وقت تمہیں بجز حسرت اور افسوس کے کچھ چارہ نہ ہوگا۔
اس لیے تم کو چاہیئے کہ اس جادوگرنی سے بچنے کے لئے حق سبحانہٗ کی جناب میں پناہ لو۔ اور کہو کہ اے اللہ! فریاد ہے ان جادوگروں اور ان کی گرہوں سے
یہ منتر پھونک کر گرہیں لگاتے ہیں اور میرے حواس پر قبضہ کئے لیتے ہیں
پس اے فریادرس خدا میں تجھ سے فریاد کرتا ہوں تو مجھے اس شکست سے بچالے لیکن
یہ بھی نہیں کہ صرف یہ الفاظ زبان سے کہہ لو۔ کیونکہ محض الفاظ بہت کمزور ہیں اسلئے
اثر نہیں کر سکتے بلکہ زبان فعل سے بھی یہ الفاظ کہو اور جو طریقہ عملی اس استعاذہ
کا بتایا گیا ہے یعنی اتباع شریعت اور رضا جوئی حق سبحانہٗ اس کو بھی عمل میں لاؤ
اس وقت تم کو اس جادوگرنی دنیا سے نجات ہو جائے گی۔ اور یہ تم کو نہ ٹھگ
سکے گی ——— دیکھو اعمال صالحہ کی بڑی ضرورت ہے کیونکہ دُنیا میں تمہارے ساتھی
تین ہیں۔ جن میں ایک وفادار ہے اور دو بے وفا ——— اوّل تو مال ہے
اور دوسرا دوست۔ یہ تو بے وفا ہیں اور تیسرا عمل صالح ہے یہ وفادار ہے کیونکہ
مال تو مرنے کے بعد دروازہ تک ہی ساتھ نہیں آتا بلکہ پھونک نکلتے ہی
قطع تعلق کر دیتا ہے۔ ہاں دوست آتا ہے لیکن وہ بھی صرف قبر تک۔ اور جب
تمہیں موت آتی ہے اور تم قبر میں دفن ہوتے ہو تو وہ بزبان حال کہتا ہے کہ میں
اس جگہ سے آگے تمہارا ساتھی نہیں ہوں۔ زیادہ سے زیادہ میں یہ کر سکتا ہوں
کہ تمہاری قبر پر کچھ دیر ٹھہر جاؤں اس سے زیادہ میں اور کچھ نہیں کر سکتا۔ ہاں!
تمہارا عمل صالح تمہارا وفادار ساتھی ہے کہ وہ تمہاری قبر میں بھی تمہارے ساتھ
جائے گا۔ پس تم اسکو اپنا معین بناؤ۔
اسی بناء پر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ راہ موت کے

لیے عمل سے بڑھ کر وفادار کوئی ساتھی نہیں ہے پس اگر اعمال اچھے ہیں تو قبر میں تمہارے دوست اور معین و مددگار ہوں گے اور اگر بُرے ہیں تو تمہیں اذیت پہنچائیں گے۔ اسلئے تم کو اصلاح اعمال کی کوشش کرنی چاہیئے۔ تاکہ تم ان کی مضرتوں سے مامون اور منافع سے منتفع ہو سکو۔

اب مولانا فرماتے ہیں کہ اصلاح اعمال کا مقصود شرعی ہونا تو نص سے ثابت ہو گیا۔ اب سُنو! کہ اصلاحِ اعمال بدوں شیخ کے نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ عالم میں ادنیٰ سے ادنیٰ پیشہ بھی بدوں استاد کے نہیں آسکتا۔ بلکہ ضرورت ہوتی ہے کہ اوّل استاد سے سیکھا جائے پھر مشق کی جائے تاکہ وہ ایک مدت کے بعد تم کو موت کے وقت تک فائدہ دے۔ جب ادنیٰ پیشہ کی یہ حالت ہے تو اصلاح اعمال کا طریقہ جو نہایت ہی مہتم بالشان کام ہے بدوں استاد کے کیسے آسکتا ہے۔

بنا بریں تم کو چاہیئے کہ اصلاح اعمال کے طریقوں کو کریم النفس صالح شخص سے سیکھو۔ جو کہ اس کا اہل ہو۔ اور نااہلوں کے ہاتھ میں ہاتھ نہ دو۔ بلکہ موتی کو صدف میں تلاش کرو جو اس کا محل ہے اور غیر محل میں مت ڈھونڈو۔ علیٰ ھٰذا فن کو اہلِ فن سے سیکھو نہ کہ نااہلوں سے۔ اور اگر تم کو خوش قسمتی سے اہل اللہ مِل جائیں جو علاوہ صاحب فن ہونے کے خیر خواہ بھی ہیں تو تم انصاف سے کام لو اور تعلّم کو ضروری سمجھ کر بے توقف ان سے تعلیم حاصل کرو اور بالکل عار نہ کرو۔ کیونکہ اگر کوئی دباغی کا کام کرے اور اس میں وہ کہنہ لباس پہن لے تو اس سے اسکی آبرو میں ذرا فرق نہ آئے گا۔ علیٰ ھٰذا۔ اگر لوہار اپنے کام کے وقت گدڑی پہن لے تو اسکی عزت مخلوق کی نظر میں کم نہ ہو گی۔ کیونکہ انہوں نے بضرورت ایسا کیا ہے۔ اسی طرح اگر تم بھی تعلم کے لیے اپنے کو ذلیل و خوار بناؤ گے تو اس سے تمہاری آبرو میں بھی فرق نہ آئے گا۔ کیونکہ تم بضرورت ایسا کر رہے ہو۔

پس تم تکبر کے لباس کو اپنے بدن سے اتار ڈالو ۔ اور تعلم کے وقت تذلل کا لباس پہن لو ——— اب ہم تمہیں ایک اور بات بتلاتے ہیں وہ یہ کہ اگر کوئی علم سیکھے تو اس میں زیادہ دخل الفاظ کو ہے کہ الفاظ کے ذریعہ سے اسے مقصود سمجھایا جائے ۔ اور اگر کوئی پیشہ سیکھے تو اس میں بہت بڑا دخل عمل کو ہے اور اسکی ضرورت ہے کہ اسے اس کام کی مشق کرائی جائے ۔ مگر فقر کا طریق ان دونوں سے جدا ہے یہ صحبت و تعلق مرشد کامل سے حاصل ہوتا ہے نہ اس میں ہاتھ کام آتا ہے نہ زبان ۔ اور ہاتھ اور زبان کو جو کچھ بھی دخل ہے وہ استعداد حصول فقر کے لیے ہے کہ اس سے قابلیت پیدا ہو جاتی ہے اور خود فقر ان سے حاصل نہیں ہوتا ہے ۔ کیونکہ علم فقر کی حقیقت تو انوار الٰہیہ ہیں جو اہل اللہ کی ارواح میں موجود ہوتے ہیں ۔ ان کا تعلق کتابوں اور گفتار سے نہیں ہے اور عمل سے تعلق نہ ہوتا تو محتاج بیان ہی نہیں ۔ پس اس علم جان کو تو ایک روح دوسری روح سے بلا توسط حاصل کر سکتی ہے ۔ کتابوں اور گفتار سے نہیں حاصل کر سکتی ۔ کیونکہ الفاظ اور نقوش کتابیہ خود اس نور کو روح تک پہنچانے سے قاصر ہیں ۔

مثلاً آفتاب کا عکس ایک آئینہ میں موجود ہے اس عکس کو دوسرے آئینہ تک پہنچا دے ۔ نہ یہ طاقت تحریر میں ہے نہ تقریر میں ۔ بلکہ اسکی صورت صرف یہ ہے کہ ایک آئینہ دوسرے آئینہ کے مقابل ہو ۔ اور اس سے براہ راست وہ نور حاصل کرے ——— اس سے معلوم ہو گیا کہ اگر کسی سالک کو بذریعہ تقریر یا تحریر کے کچھ اسرار علم فقر کے معلوم ہو جائیں تو اسکو حقیقت اس علم کی حاصل نہیں ہے ۔ تا وقتیکہ نور الٰہیہ .... سینہ کو نہ کھول دے

اب سمجھو ! کہ حق سبحانہ فرماتے ہیں اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ ط

مگر ہر کامران کے عموم سے اہل وفا - اور شاکرین مستثنیٰ ہیں کیونکہ دولت مقصود ان سے وابستہ ہے اور وہ اس سے محروم نہ ہوں گے ـــــــ اس سے تم سمجھو کہ دولت زائد اور کمالات دنیویہ فانیہ کچھ نفع نہیں پہنچا سکتے - ہاں دولت آئندہ جو بصورت شکر ملنے والے ہیں وہ اثر رکھتی ہے اور نفع پہنچاتی ہے پس تم اس دولت کمالات دنیویہ قدرت و اختیار - فضل و کمال وغیرہ کو خدا کی راہ میں صرف کرو - اور اقرضوا اللہ قرضاً حسناً کی تعمیل میں حق سبحانہٗ کو قرض دو ۔ تاکہ تم ایسی سینکڑوں دولتوں کو اپنے سامنے موجود پاؤ - اور اسی شراب دولت کمالات سے خود کم نفع حاصل کرو اور زیادہ حصہ اس کا خدا کی راہ میں صرف کرو - تاکہ اسکے معاوضہ میں حوض کوثر کمالات اخرویہ کو تم اپنے سامنے موجود پاؤ - کیونکہ جو لوگ خاک وفا پر اس شراب کا گھونٹ ڈالتے ہیں یعنی وفاداری کرتے ہیں - اور اس طرح اس شراب کو وفا سے متلبس کرتے ہیں دولت اخرویہ ان سے بچ کر نہیں جا سکتی وہ اسے ضرور حاصل کریں گے اور خدا اسکے دل کو حسب وعدہ خوش کریگا اور جبکہ وہ اپنی ہستی اور اپنے کمالات رضاء حق میں فنا کر دیں گے۔

فنائے سامان کے بعد پھر وہ سامان انکو عطا کریگا اور کہے گا کہ اے موت! .. (مراد فنائے اصطلاحی ہے) اور اے اس گاؤں کے لوٹنے والے ترک (فنا) جو کچھ تو ان شاکرین کا سامان لے گیا ہے ان کو واپس دیدے - بنا بریں وہ ان کو واپس دیگا لیکن شاکرین اسے قبول نہ کریں گے کیونکہ انکو روحانی دولت باقیہ مل چکی ہوگی - اور اس کے ذریعے سے وہ اس دولت فانیہ سے مستغنی ہو چکے ہوں گے - اور وہ کہیں گے کہ ہم صوفی ہیں اور ہم نے لباس ہستی اتار دیا ہے - پس تو جبکہ ہم اسے دے چکے ہیں تو اب واپس نہ لیں گے - نیز ہم کو ان کا معاوضہ مل چکا ہے اور عوض بھی کیسا جس سے ہماری احتیاج اور حرص وغرض مذموم جو ان کمالات فانیہ سے تھی سب جاتی رہی - اسلئے بھی ہم انہیں

واپس نہ لیں گے۔ ہم اس آب شور مہلک کمالات دنیویہ سے نجات پاچکے ہیں اور شراب طہور اور چشمۂ کوثر ہر کمال اخروی ہمیں مل گیا ہے۔ اب ہمیں کیا ضرورت ہے کہ دوبارہ اس آب شور کو لیں ـــــ غرضکہ دولت کمالات دنیویہ جو ان سے فنا ہو چکی ہے وہ اسے واپس نہیں لینا چاہتے۔ اور دنیا کو خطاب کر کے فرماتے ہیں کہ اے دنیا! جو کچھ تو نے دوسروں کے ساتھ بے وفائی اور مکر اور ناز نخرے کئے ہیں۔

اب ہم اسکی معاوضہ میں تجھ سے مقابلہ کرتے ہیں۔ کیونکہ ہم شہید اور فانی فی الحق ہیں اور اب تجھ سے جنگ کے لئے آئے ہیں۔ تاکہ تجھے معلوم ہو جائے کہ بندگان خدا ایسے بھی ہیں جو تجھ پر حملہ کرتے ہیں اور تجھ سے لڑتے ہیں اور تیری اطاعت نہیں کرتے۔ پس وہ دنیا کے مکر کو تہس نہس کر دینگے۔ اور اس جنگ میں فتح حاصل کریں گے اور بعد بقا یہ شہید پھر نئے سرے سے دنیا کا مقابلہ کریں گے اور یہ لوگ جو اول دنیا کے قیدی تھے پھر اسکے مقابلہ میں فتح حاصل کرینگے ان کی مشکلات کا قفل بعنایت حق سبحانہٗ کھل چکا ہوگا اور ان کا نفس کافر قتل ہو چکا ہوگا اور ان سے ناامیدی زائل ہو چکی ہوگی اور آفتاب امید طالع ہو چکا ہوگا اور انکی ہستی جو اول بتکدہ تھی جس میں نفس و شیطان کی پرستش ہوتی تھی اب مسجد ہو گئی ہوگی جس میں صرف خدائے وحدہٗ لاشریک کی پرستش ہوتی ہوگی اور یہ لوگ عدم سے پھر وجود میں آئیں گے۔ اور فنا فی الحق کے بعد بقا بالحق حاصل کریں گے اور کہیں گے کہ لوگو! اگر تم اندھے نہیں ہو۔ تو ہمیں دیکھو۔ تاکہ تمہیں معلوم ہو کہ فنا قابل نفرت نہیں ہے بلکہ قابل تحصیل ہے کیونکہ وہاں خورشید کمال رہتے ہیں۔ اور کاملین دنیا کو ان سے وہی نسبت ہے جو سہا کو آفتاب سے۔ شاید تم پوچھو کہ جناب! وجود و عدم، فنا و بقا ہر دو آپس میں ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ اور ایک ضد میں دوسری نہیں ہو سکتی۔ پس فنا سے بقا، اور عدم سے وجود کیونکر حاصل ہو سکتا ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ خیال بنص قرآنی غلط ہے کیونکہ حق سبحانہٗ فرماتے ہیں یُخْرِجُ الْحَیَّ مِنَ الْمَیِّتِ۔ یعنی حق سبحانہٗ کی قدرت ایسی کامل ہے کہ وہ زندہ کو مُردہ سے نکالتا ہے۔ اسکے ہمارے بیان کی صحت

ظاہر ہو گئی۔ پس تم سمجھ لو کہ عدم اور فنا میں عابدوں کی امید (بقا) ہے۔ اور یہ خیال جس طرح بنصِ قرآنی غلط ہے یوں ہی مشاہدہ بھی اسکی تردید کرتا ہے۔ دیکھو! جو شخص بوتا اور اپنے انبار غلہ کو خالی کرتا ہے کیا وہ عدم کی ہی امید پر شاد اور خوش نہیں ہے اور وہ نہیں جانتا کہ یہ دانہ نیستی اور عدم سے پھر وجود میں آئیں گے۔ پس اگر تم واقف معنی ہو تو اس سے ہمارے بیان کا صدق سمجھ سکتے ہو۔ دور کیوں جاؤ۔ تم اپنے ہی کو دیکھ لو کہ تم عدم سے وجود کے ہر وقت منتظر رہتے ہو۔ اور چاہتے ہو کہ تمہیں فہم اور ذوق اور آرام اور ہر قسم کی بھلائیاں جو معدوم ہیں۔ عدم سے وجود میں آ کر مل جائیں۔

پس ثابت ہوا ہے کہ عدم سے وجود اور فنا سے بقا حاصل ہوتی ہے۔ مجھے اس سے زیادہ اس راز کو کھولنے کی اجازت نہیں۔ ورنہ میں تمام منکرین کو منوا دوں۔ کہ عدم میں ہستی ہے اور فنا میں بقا ہو سکتی ہے۔

[فائدہ: اجازت نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ گو مشیئت تشریعی حق سبحانہ کو ہدایت ہی مقصود ہے۔ مگر مشیئت تکوینی ہدایت و گمراہی دونوں مطلوب ہیں اسلئے وہ بمشیئت تکوینی یہ نہیں چاہتے۔ کہ عالم میں صرف ہدایت ہو۔ نیز چونکہ یہ عالم امتحان ہے اور امتحان کا مدار اختیار پر ہے اسلئے وہ نہیں چاہتے کہ آدمی مجبور ہو کر ہدایت کو قبول کریں کہ اختیار خود ہدایت حاصل کریں]

الحاصل: خزانہ صنع حق سبحانہ عدم ہے جس سے وہ ہر دم بخششیں نکال کر عالم پر فائض کرتا ہے اسکی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ حق سبحانہ مبدع ہیں اور مبدع وہی ہوتا ہے جو بلا مادہ کے اور عدم بحت سے ایک شئی کو وجود میں لائے۔ پس ثابت ہوا کہ حق سبحانہ اشیاء کو عدم صرف سے وجود میں لاتے ہیں اور یہ غلط ہے۔ کہ کوئی شے عدم سے وجود میں نہیں آتی۔

مثالِ عالَمِ ہست نیست نما و عالَمِ نیست ہست نمائے

موجود عالَم جو بظاہر معدوم ہے اور معدوم عالَم جو بظاہر موجود ہے کی مثال

نیست را بنمود ہست آں محتشم	ہست را بنمود بر شکلِ عدم
اُس عزت و جلال والے نے معدوم کو موجود دکھایا	موجود کو معدوم کی شکل میں پیدا کیا ہے
بحر را پوشید و کف کرد آشکار	باد را پوشید و بنمودت غبار
سمندر کو پوشیدہ کر دیا ہے، جھاگ کو رُونما کر دیا ہے	ہوا کو چھپا دیا ہے، غبار کو ظاہر کر دیا ہے
چوں[1] منارہ خاک پیچاں در ہوا	خاک از خود چوں بر آید بر عُلا
ہوا میں چکراتی ہوئی خاک منارہ کی طرح ہے	خاک بلندی پر خود کیسے چڑھ جاتی ہے؟
خاک را بینی بہ بالا اے علیل	باد را نہ جز بتعریف و دلیل
اے بیمار! تو خاک کو اوپر دیکھتا ہے	ہوا کو بتانے اور دلیل کے سوا نہیں دیکھتا ہے
کف ہمی بینی روانہ ہر طرف	کف بے دریا ندارد مُنصرف
تو جھاگ کو ہر طرف جاری دیکھتا ہے	بغیر دریا کے جھاگ نہیں چل سکتا ہے
کف بحس بینی و دریا از دلیل	فکر پنہاں آشکارا قال و قیل
تو جھاگ کو حواس سے دیکھ لیتا ہے اور دریا کو دلیل سے (سمجھتا ہے)	خیال پوشیدہ ہے اور گفتگو واضح ہے
نفی[2] را اثبات می پنداشتیم	دیدۂ معدوم بینی داشتیم
ہم نے معدوم کو موجود سمجھ لیا	ہم معدوم کو دیکھنے والی آنکھ رکھتے ہیں
دیدہ کاندر دے نعاسے شد پدید	کے تواند جز خیال و نیست دید؟
وہ آنکھ جس کو نیند آ رہی ہو	وہ خیال اور معدوم کے سوا کیا دیکھ سکتی ہے؟
لاجرم سرگشتہ گشتیم از ضلال	چوں حقیقت شد نہاں پیدا خیال
لامحالہ ہم گمراہی سے حیران ہو گئے ہیں	چونکہ حقیقت چھپ گئی ہے اور خیال واضح ہے
ایں عدم را چوں نشاند اندر نظر	چوں نہاں کرد آں حقیقت از بصر
اس معدوم کو نظر میں کیسے جما دیا!	اس حقیقت کو نظر سے کیسے چھپا دیا!
آفریں[3] اے اوستادِ سحر باف	کہ نمودی مُعرضاں را درد صاف
اے جادو کرنے والے اُستاد! آفریں ہے	تو نے منہ موڑنے والوں کو تلچھٹ، نیر دکھائی

مثال۔ دنیا درحقیقت غیر موجود ہے اور موجود نظر آتی ہے اور آخرت حقیقتاً موجود ہے لیکن معدوم نظر آتی ہے مولانا نے اس بات کو چند مثالوں سے سمجھایا ہے۔ محتشم۔ معزز۔ نیست یعنی عالم شہود۔ ہست یعنی عالمِ غیب۔ بحر۔ اس شعر میں دو مثالیں ہیں سمندر اور ہوا جو حقیقتاً موجود ہیں ان کو جھاگ اور غبار سے پوشیدہ کر دیا جو غیر واقعی چیزیں ہیں تو جو معدوم ہے وہ نظر آ رہا ہے اور جو موجود ہے وہ مخفی ہے۔

[1] چوں منارہ۔ گرد کا بگولا اٹھتا ہے خاک نظر آتی ہے اور ہوا نظر نہیں آتی۔ باد۔ ہوا نظر نہیں آتی اس کا وجود اس لئے سمجھ میں آجاتا ہے کہ خاک میں ازخود اڑنے کی طاقت نہیں ہے۔ کف۔ سطح آب پر جھاگ بہہ رہے ہیں جھاگ نظر آتے ہیں پانی کا وجود اس لئے سمجھ میں آجاتا ہے کہ جھاگ ازخود نہیں بہہ سکتے۔ فکرِ پنہاں۔ انسان کے افکار پوشیدہ ہیں اور اس کی گفتگو جس کا وجود افکار کے وجود کا پرتو ہے وہ ظاہر ہے یہی حال شئونات اور وجودِ مطلق کا ہے اور وجودِ مطلق جو کہ حقیقت ہے وہ بظاہر غیر موجود ہے شئونات جو کہ حقیقتاً غیر موجود ہیں وہ موجود نظر آتی ہیں۔

[2] نفی را۔ ہم نے معدوم کو موجود اور موجود کو معدوم سمجھ رکھا ہے یہ ہماری آنکھ کا قصور ہے کہ وہ غیر موجود کو موجود دکھا رہی ہے۔ دیدہ۔ جس آنکھ میں نیند ہو وہ محض خیال اور غیر واقعی چیزوں کو موجود دکھا دیتی ہے۔ پیدا خیال۔ یعنی غیر واقعی چیز نظر آ رہی ہے یعنی عدم۔ عالمِ شہود جو کہ معدوم ہے وہ نظر آتا ہے۔ آں حقیقت۔ عالمِ غیب نگاہوں سے پوشیدہ ہو گیا ہے۔

[3] آفریں۔ یہ حضرت حق تعالیٰ کی سحر آفرینی ہے کہ منکر غیر حقیقی چیز کو حقیقی سمجھے

ساحراں مہتاب پیمایند زود | پیشِ بازرگان و زر گیرند سود
جادوگر فوراً چاندنی ناپ دیتے ہیں | سوداگر کے سامنے اور سونا اور نفع حاصل کرتے ہیں

سیم بُربایند زیں گوں پیچ پیچ | سیم از کف رفتہ و کرباس ہیچ
اس پیچ در پیچ معاملہ سے چاندی اڑا لیتے ہیں | چاندی ہاتھ سے گئی اور کپڑا کچھ نہیں

ایں جہاں جادوست ما آں تاجریم | کہ از و مہتاب پیمودہ خریم
یہ دنیا جادو ہے ہم وہ سوداگر ہیں | کہ اس کی نپی ہوئی چاندنی خریدتے ہیں

گز کند کرباس پانصد گز شتاب | ساحرانہ اُو ز نورِ ماہتاب
وہ جلدی سے پانچسو گز کپڑا ناپ دے | جادوگری کے ذریعہ چاند کی چاندنی سے

چوں[1] ستد اُو سیم عمرت اے رہی | سیم شد کرباس نے، کیسہ تہی
اے غلام! جب اس نے تیری عمر کی چاندی لے لی | چاندی گئی، کپڑا ندارد، تھیلی خالی ہوگئی

قُل اَعُوذت خواند باید کا احد | ہیں ز نفاثات افغاں وز عُقد
تجھے قُل اَعُوذ پڑھنی چاہیے کہ اے خدا! | جادوگرنیوں اور گرہوں سے فریاد ہے

مید مند اندر گرہ آں ساحرات | اَلغیاث اے مُستغاث از بُرد و مات
وہ جادوگرنیاں گرہ میں پھونک مارتی ہیں | اے فریادرس! اس شطرنجی چال سے فریاد ہے

لیک برخواں از زبانِ فعل نیز | کہ زبانِ قول سُست است اے عزیز
لیکن عمل کی زبان سے بھی پڑھ | اے پیارے: کیونکہ قول کی زبان کمزور ہے

در[2] زمانہ مر ترا ہمرہ سہ اند | آں یکے وافی و آں دو غدر مند
دنیا میں تیرے تین ساتھی ہیں | ایک وفادار اور دو حیلہ جو ہیں

آں یکے یاران و دیگر رخت و مال | واں سوم وافی ست آں حُسنِ افعال
ایک دوست ہیں اور دوسرا مال واسباب ہیں | تیسرا وفادار نیک عمل ہے

مال ناید با تو بیروں از قصور | یار آید لیک تا بالینِ گور
مال تو محلوں سے باہر (بھی) نہ نکلے گا | دوست آئے گا لیکن قبر کے سرہانے تک

چوں[3] ترا روزِ اجل آید بہ پیش | یار گوید از زبانِ حالِ خویش
جب تجھے موت کا دن درپیش ہوگا | دوست اپنی زبانِ حال سے کہے گا

تا بدیں جا بیش ہمرہ نیستم | بر سرِ گورت زمانے بیستم
اس جگہ سے آگے کا ساتھی نہیں ہوں | تھوڑی دیر تیری قبر پر ٹھہرتا ہوں

[1] چوں ستد۔ دنیادار کی عمر اسی دھوکے میں برباد ہوجاتی ہے، عمر ختم ہوجاتی ہے اور وہ کچھ حاصل نہیں کرپاتا ہے۔ قُل اَعُوذ۔ آنحضورؐ پر یہ سورت جادو کے ازالہ کے لئے نازل ہوئی تھی۔۔۔ نفّاثات۔ وہ جادوگرنیاں جو گرہیں باندھ کر اُن پر جادو پڑھ کر دم کرتی ہیں۔ لیکن۔ یہ اَعُوذ صرف زبانی نہ ہو بلکہ عمل بھی ہو۔

[2] در زمانہ۔ دنیا میں انسان کے تین ساتھی ہیں دوست، مال، نیک عمل اُن میں سے دو مرتے وقت ساتھ چھوڑ دینگے نیک عمل وفاداری کریگا اور ساتھ دے گا۔ قصور قصر کی جمع ہے محل، تلو۔ بالین۔ سرہانا۔

[3] چوں ترا۔ موت کے وقت دوست محض قبر تک ساتھ دیتے ہیں اور واپس ہوجاتے ہیں۔ فقط۔ انسان کے اعمال اس کا قبر میں بھی ساتھ دیتے ہیں۔ ملتحد۔ جائے پناہ۔ قرین۔ ساتھی۔

لگتے ہیں۔ وزر۔ تلبیث۔ ساحراں۔ دنیا میں بھی ایسے جادوگر ہیں جو چاند کی چاندنی کو کپڑا بنا کر فروخت کردیتے ہیں۔ کرباس۔ سوتی کپڑا۔ ایں جہاں۔ دنیا کے بارے میں ہماری بھی یہی حالت ہے کہ ہم چاندنی کو کپڑا سمجھ رہے ہیں۔

فعلِ تو وافی ست زاں کُن ملتحد — کاندر آید با تو در قعرِ لحد
تیرا عمل وفادار ہے اُس میں اپنی پناہ گاہ بنالے — کیونکہ تیرے ساتھ قبر کی گہرائی میں آئے گا

در تفسیر قولہ علیہ السّلام لَابُدَّ مِنْ قَرِیْنٍ یُّدْفَنُ مَعَكَ وَهُوَ حَیٌّ وَتُدْفَنُ مَعَهٗ وَاَنْتَ مَیِّتٌ وَاِنْ كَانَ كَرِیْمًا اَكْرَمَكَ وَاِنْ كَانَ لَئِیْمًا اَسْلَمَكَ وَذٰلِكَ الْقَرِیْنُ عَمَلُكَ فَاَصْلِحْهُ مَا اسْتَطَعْتَ

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلّم کے قول کی تفسیر کہ ایک ساتھی ضروری ہے جو تیرے ساتھ زندہ دفن ہوگا اور تو مردہ اُس کے ساتھ دفن ہوگا تو اگر وہ شریف ہے تو تیری عزّت کریگا اور اگر کمینہ ہے تو تجھے چھوڑ بھاگے گا اور یہ ساتھی تیرا عمل ہے، پس جس قدر ممکن ہو تو اُس کی اصلاح کرلے

پس پیمبر گفت بہرِ ایں طریق — باوفاتر[۱] از عمل نبوَد رفیق
پیغمبر نے فرمایا ہے، اِس راستے کے لئے — کوئی ساتھی عمل سے زیادہ باوفا نہیں ہے

گر بُوَد نیکو ابد یارت شود — ور بُوَد بد در لحد مارت شود
اگر وہ نیک ہوگا، ابد تک تیرا دوست ہوگا — اگر بد ہوگا، تیرے لئے قبر میں سانپ ہوگا

ایں عمل ویں کسب در راہِ سداد — کے تواں کرد اے پدر بے اوستاد
یہ عمل اور یہ کمائی، سچائی کے راستے میں — اے بابا! بغیر اُستاد کے کب کی جاسکتی ہے؟

دُوں تریں کسبے کہ در عالَم رَوَد — ہیچ بے ارشادِ استادے بُوَد؟
کم درجہ کا پیشہ جو دنیا میں چالو ہے — کبھی اُستاد کی راہنمائی کے بغیر ہوا ہے؟

اوَّلش[۲] علم ست و آنگاہے عمل — تا دہد بر بعدِ مہلت یا اجل
اُس پیشہ کی ابتداء جاننا پھر عمل کرنا ہے — تاکہ تھوڑی دیر بعد موت تک پھل دے

اِسْتَعِیْنُوْا فِی الْحِرَفْ یَا ذَا النُّہٰی — مِنْ كَرِیْمٍ صَالِحٍ مِّنْ اَهْلِهَا
اے عقلمندو! پیشوں میں مدد حاصل کرو — کسی شریف نیک سے جو اُن کا اہل ہو

اُطْلُبُ الدُّرَّ اَخِیْ وَسْطَ الصَّدَفْ — وَاطْلُبِ الْفَنَّ مِنْ اَرْبَابِ الْحِرَفْ
اے بھائی! موتی سیپ کے اندر تلاش کر — اور فن کو پیشہ وروں سے طلب کر

اِنْ رَاَیْتُمْ نَاصِحِیْنَ اَنْصِفُوْا — بَادِرُوْا التَّعْلِیْمَ لَا تَسْتَنْكِفُوْا
اگر تم نصیحت کرنیوالوں کو دیکھو خاموشی سے سُنو — تعلیم کی طرف بڑھو، تکبّر نہ کرو

در دباغی گر خلق[۲] پوشید مرد — خواجگیِ خواجہ را آں کم نہ کرد
اگر دباغی میں انسان نے پھٹا پُرانا پہنا — اُس نے شریف کی شرافت کو نہ گھٹایا

وقتِ دم[۳] آہنگر ار پوشید دلق — احتشامِ او نشد کم پیشِ خلق
اگر بھٹی، دھونکنے کے وقت لوہار نے گدڑی پہن لی — تو لوگوں کے سامنے اُس کی عزّت نہیں گھٹی

---

[۱] باوفاتر۔ انسان کے نیک اعمال سے زیادہ بہتر کوئی سفر کا ساتھی نہیں ہے۔ گر بُوَد۔ نیک عمل انسان کا یار بنیگا اور بدعمل اُسکے لئے سانپ اور بچھو بنے گا۔ ایں عمل۔ یہ عمل اور ہنر بغیر اُستاد کے حاصل نہیں ہوتا ہے لہٰذا کسی کو شیخ بنالے۔ اَرشاد۔ راہنمائی۔

[۲] اوّلش۔ ہر چیز کا پہلے علم حاصل کیا جاتا ہے پھر اُس پر عمل کیا جاتا ہے۔ حِرَف۔ حرفہ کی جمع ہے پیشے۔ ذَا النُّہیٰ۔ عقلمند۔ صدف۔ سیپی۔ در دباغی۔ انسان کی ظاہری حیثیت اُس کے باطنی جوہر کو کم نہیں کرتی ہے۔ خلق۔ پرانا کپڑا۔

[۳] وقتِ دم۔ دھونکنے کے وقت۔ آہنگر۔ لوہار۔ دلق۔ گدڑی پستی۔ جبکہ لباس پر بڑائی کا مدار نہیں ہے تو تعلیم حاصل کرنے میں ذلّت اور شکستگی کا لباس اختیار کرنا چاہیئے۔ علم بعلم کتابی زبانی سکھایا جاتا ہے ہنر عملی طور پر سکھایا جاتا ہے۔

پس لباسِ کبر بیروں کُن زتن | مَلبَسِ ذُل پوش دَر آموختن
تو تکبر کا لباس جسم سے اُتار دے | سیکھنے میں ذلت کا لباس پہن لے

عِلم آموزی طریقش قولی ست | حرف آموزی طریقش فعلی ست
تو علم سیکھتا ہے تو اُس کا طریقہ زبانی ہے | دستکاری سیکھتا ہے تو اُس کا طریقہ عملی ہے

فقر[1] خواہی آں بصحبت قائم ست | نے زبانت کار می آید نہ دست
فقر چاہتا ہے، وہ صحبت سے متعلق ہے | نہ تیری زبان کام آتی ہے، نہ ہاتھ

دانش انوارست درجانِ رجال | نے زراہِ دفتر و نے قیل و قال
انوار کا علم (سالک اولیاء) لوگوں کے دل میں ہے | (وہ حاصل نہیں ہوتا ہے) نہ کتاب کے راستہ نہ گفتگو سے

دانشِ آں را ستاند جاں زجاں | نے زراہِ دفتر و نے از زباں
اس کا علم روح، روح سے حاصل کرتی ہے | نہ کتاب کے راستے سے اور نہ زبان سے

در دلِ سالک اگر ہست آں رموز | رمز دانی نیست سالک را ہنوز
اگر سالک کے دل میں وہ رموز (بھی) ہیں | (لیکن) سالک کو ابھی ان کی سمجھ نہیں ہے

تا[2] دلش را شرح آں سازد ضیا | پس الم نشرح بفرماید خدا
جب تک کہ اُسکے دل کیلئے خدا اُسکی تشریح نہ کردے | پھر خدا فرماتا ہے، کیا ہم نے تیرا سینہ نہیں کھولدیا؟

کہ درونِ سینہ شرحت دادہ ایم | شرح اندر سینہ ات بنہادہ ایم
یعنی ہم نے تیرے سینہ میں اسکی شرح عنایت کردی ہے | ہم نے تیرے سینہ میں شرح رکھ دی ہے

تو ہنوز[3] از خارج آں را طالبی | محلبی از دیگراں چوں حالبی
تو ابھی تک باہر سے اُس کا طالب ہے | تو خود دودھ کی جگہ ہے تو دوسروں سے دودھ کیوں دوہتا ہے!

چشمۂ شیرست در تو بے کنار | تو چرا می شیر جوئی از تغار
تیرے اندر دودھ کا لامحدود چشمہ ہے | تو کونڈے سے دودھ کا جویاں کیوں ہے؟

منفذے داری بہ بحر اے آبگیر | ننگ دار از آب جستن از غدیر
اے پانی حاصل کرنیوالے! تیرا سمندر تک راستہ ہے | حوض سے پانی لینے میں شرم کر

کہ الم نشرح نہ شرحت ہست با | چوں شدی تو شرح جوی کدیہ ساز
کیا "ہم نے نہیں کھولا" تیری شرح نہیں ہے پھر | تو شرح کا طالب اور بھکاری کیوں بنا ہے؟

در نگر در شرحِ دل در اندروں | تا نیاید طعنۂ لا یبصرون
دل کی شرح کو باطن میں دیکھ لے | تاکہ "وہ نہیں دیکھتے ہیں" کا طعنہ نہ دیا جائے

---

[1] فقر۔ فقر محض شیخ کی صحبت سے حاصل ہوتا ہے نہ زبان سے نہ عمل سے۔۔۔ دانش انوار۔ انوارِ الٰہی کا علم وہ اولیا کے دلوں میں ہے وہ دل، دل سے حاصل کرسکتا ہے زبان اور کتاب سے حاصل نہیں کرسکتا۔ در دل سالک کے دل میں اگر کچھ اشارے بھی ہیں تو وہ اُن اشاروں کے سمجھنے سے ابھی محروم ہے۔

[2] تا دلش۔ جب سالک کے لئے خود خدا ہی ان۔۔۔ اشاروں کی تشریح کردیتا ہو تو اللہ کی جانب سے الم نشرح والی بشارت ملتی ہے۔۔۔ الم نشرح۔ قرآن میں آنحضورؐ کے لئے فرمایا گیا ہے "کیا ہم نے تمہارا شرح صدر نہیں کر دیا" یعنی ہم نے وہ نور عنایت کردیا ہے جس سے تم رموز اور اشاروں کو سمجھ سکتے ہو۔ کہ۔ الم نشرح میں آنحضورؐ سے فرمایا گیا ہے کہ ہم نے تمہارے سینہ میں وہ استعداد رکھ دی ہے۔

[3] تو ہنوز۔ ایک عام انسان یہ سمجھتا ہے کہ علوم و اسرار کہیں باہر سے حاصل کئے جاتے ہیں یہ غلط ہے وہ علوم خود انسان کے دل اور روح میں موجود ہیں۔ محلب دودھ کی جگہ۔ حالب۔ دودھ دوہنے والا۔ تغار۔ کونڈا۔ غدیر۔ حوض۔ کہ الم نشرح۔ خطاب اگرچہ آنحضورؐ کو ہے لیکن ہر طالب حق اس میں داخل ہے۔ در نگر۔ انسان کا دل ایک جامع حقیقت ہے اُس میں ذات و صفات باری تعالیٰ کا مشاہدہ کیا جاسکتا ہے اگر اس میں مشاہدہ نہیں کرتا ہے تو ایسے شخص پر لا یبصرون "وہ نہیں دیکھتے ہیں" کا طعنہ لگیگا جو کفار کے بارے میں ہے۔

تفسیر قولہٖ عزّ وجلّ وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَمَا كُنْتُمْ

اللہ تعالیٰ کے قول "اور وہ تمہارے ساتھ ہے جہاں بھی تم ہو" کی تفسیر

یک[1] سَبَدِ پُرناں تُرا بر فرقِ سَر — تو ہمی خواہی لبِ ناں دَر بَدَر

روٹیوں کی ایک بھری ٹوکری تیرے سر کی مانگ پر ہے — تو روٹی کا ٹکڑا دَر بدر مانگتا ہے

در سرِ خود پیچ وہل خیرہ سَری — رَو دَرِ دل زن چرا بر ہر دَری

اپنے سر میں لگ اور بیہودہ پن چھوڑ — جا دل کا دروازہ کھٹکھٹا، ہر دروازہ پر کیوں جاتا ہے

تا بزانوئی میانِ آبِ جُو — غافل از خود زین و آں تو آبجو

تو ران تک نہر کے پانی میں ہے — تو خود سے غافل ہے اس اور اس سے پانی کا جویاں ہے

بر سَرت نانست پایت اندر آب — وز عَطش وز جوع گشتستی خراب

تیرے سر پر روٹی ہے (اور) تیرا پاؤں پانی میں ہے — اور تو پیاس اور بھوک سے تباہ ہے

پیش آب و پس ہم آب با مدد — چشمہا را پیش سد و خلف سد

آگے بھی جاری پانی ہے اور پیچھے بھی — چشموں کے آگے بھی دیوار ہے اور پیچھے بھی دیوار ہے

اسپ[2] زیرِ راں و فارس اسپ جُو — چیست ایں گفت اسپ ولیکن اسپ کو

گھوڑا ران کے نیچے ہے اور سوار گھوڑے کا جویاں ہے — یہ کیا ہے؟ گھوڑا ہے، لیکن گھوڑا کہاں ہے؟

ہین نہ اسپ است ایں بزیرِ تو پدید — گفت آرے لیک اسپ خود کہ دید

ہائیں، تیرے نیچے کھلا ہوا یہ گھوڑا ہے — وہ کہتا ہے ہاں لیکن اپنا گھوڑا کس نے دیکھا ہے؟

مستِ آب و پیشِ رُوی اُوست آں — اندر آب و بیخبر ز آبِ رواں

وہ اس پر عاشق ہے اور وہ اس کے منہ کے سامنے ہے — وہ پانی میں ہے اور جاری پانی سے بے خبر ہے

مستِ چیز و پیشِ رُوی اُوست چیز — بیخبر زاں چیز و شرحِ خویش نیز

وہ ایک چیز پر عاشق ہو اور چیز اسکے منہ کے سامنے ہو — وہ اس چیز اور اپنی تفصیل سے بھی بے خبر ہے

چون[3] گوہر در بحر گوید بحر کو — واں خیال چوں صدف دیوار اُو

جیسا کہ موتی سمندر میں کہے، سمندر کہاں ہے؟ — وہ خیال، سیپ کی طرح اس کی دیوار ہے

گفتنِ آں کو حجابش میشود — ابرِ تابِ آفتابش میشود

اس کا کہنا، وہ کہاں ہے؟ اس کا پردہ بنتا ہو — (اور) سورج کی چمک اس کیلئے ابر بنجاتی ہے

بندِ چشمِ اوست ہم چشمِ بدش — عینِ رفعِ سد اُو گشتہ سدش

اس کی بُری آنکھ بھی اس کی آنکھ کا پردہ ہے — بعینہ دیوار کا ہٹانا اس کے لئے دیوار بن گیا

---

[1] یک سبد۔ ان اشعار کا خلاصہ یہ ہے کہ ذاتِ حق ہر انسان کے ساتھ ہے لیکن آڑ حائل ہے تو اب بس اسکے مشاہدہ کی طلب ہونی چاہیئے۔ سَبد ٹوکری۔ دَرِ دل۔ دل میں مشاہدہ کی کوشش کر دربدر اس کو ڈھونڈتا نہ پھر۔ تا بزانو۔ حضرتِ حق کو باہر تلاش کرنے والے کی ایک مثال تو یہ تھی کہ روٹیوں کا طبق سر پر ہو اور وہ دَر بدر روٹی مانگتا پھرے دوسری مثال یہ ہے کہ انسان خود پانی میں کھڑا ہو اور دوسروں سے پانی مانگے۔

[2] اسپ تیسری مثال یہ ہے کہ انسان گھوڑے پر سوار ہو اور اسی گھوڑے کو تلاش کرے لوگ اس سے پوچھیں کہ تو کس چیز پر سوار ہے تو اس کو کہنا پڑے کہ گھوڑے پر لیکن پھر بھی گھوڑے کو تلاش کرے۔ ہین۔ اس گھوڑے سوار سے لوگ کہتے ہیں کہ گھوڑا تو تیرے نیچے موجود ہے وہ کہتا ہے ہاں لیکن مجھے گھوڑا نظر نہیں آرہا ہے۔ مست۔ وہ گھوڑے کی تلاش میں مدہوش بنا ہوا ہے اور گھوڑا اس کے سامنے موجود ہے اس کی مثال تو یہی ہے کہ انسان جاری پانی میں کھڑا ہو اور اس سے بیخبر بھی ہو۔

[3] چون گوہر۔ چوتھی مثال یہ ہے کہ موتی سمندر میں ہو اور سمندر کو تلاش کرے جس طرح موتی کیلئے سیپ سمندر کو دیکھنے سے مانع ہے اسی طرح انسان کے اوہام اور خیالات مانع بنتے ہیں گفتن۔ اور مطلوب کے قریب ہوتے ہوئے اس کا مطلوب کو پوچھنا اس مطلوب کا پردہ اور اس مطلوب کے آفتاب کی چمک اس کیلئے ابر بنجاتی ہے بندِ چشم۔ انکی غلط نظر خود انکی آنکھ کا پردہ بن گئی اور آنکھ کو ہٹانے والی چیز تھی وہ فوراً آڑ بن گئی۔

بندِ گوشِ اُو شدہ ہم گوشِ اُو ۔۔۔ ہوش باحق دار اے مدہوشِ اُو

اُس کا کان بھی اُس کے کان کی رکاوٹ ہوگیا ۔۔۔ اللہ کا ہوش کر، اے اُس کے دیوانے!

ہوش را توزیع کردی بر جہات ۔۔۔ می نیرزد ترّہ آں تُرّہات

تو نے ہوش کو (مختلف) جانبوں میں تقسیم کردیا ہے ۔۔۔ وہ فضول (خیالات) ساگ کی قیمت کے نہیں ہیں

در تفسیر قول نبی علیہ السلام مَنْ جَعَلَ الْهُمُوْمَ هَمًّا وَّاحِدًا كَفَاهُ اللّٰهُ سَائِرَ هُمُوْمِهٖ وَمَنْ تَفَرَّقَتْ بِهِ الْهُمُوْمُ لَا يُبَالِي اللّٰهُ فِيْ أَيِّ وَادٍ مِّنْهَا أَهْلَكَهٗ

آنحضورؐ کے اِس قول کی تفسیر کہ جس نے غموں کو ایک غم بنالیا اللہ تعالیٰ اُسکے سارے غموں کیلئے کافی ہوگیا اور جس کے متفرق غم ہیں تو اللہ اس سے بے نیاز ہے کہ وہ کونسی وادی میں تباہ ہوا

آبِ ہُش را می کشد ہر بیخ و خار ۔۔۔ آبِ ہوشت چوں رسد سُوئے ثمار

ہر جڑ اور کانٹا ہوش کے پانی کو چوس رہا ہے ۔۔۔ پھلوں تک تیرے ہوش کا پانی کیسے پہنچے؟

آبہا را میکشد آں خس گیاہ ۔۔۔ آبِ ہوشت چوں رسد سُوئے اِلٰہ

پانی کو معمولی گھاس پی رہی ہے ۔۔۔ تیرے ہوش کا پانی خدا تک کیسے پہنچے؟

ہیں بزن آں شاخ بد را خو کنش ۔۔۔ آب دہ ایں شاخ خوش را نو کنش

خبردار! اِس شاخ کو کاٹ دے (اور) اُسکو دور کردے ۔۔۔ اِس اچھی شاخ کو پانی دے، اُس کو تازہ کر

ہر دو سبز اند ایں زماں آخر نگر ۔۔۔ کیں شود باطل ازاں روید ثمر

اب دونوں سبز ہیں، انجام کو دیکھ ۔۔۔ یہ خراب ہوجائے گی، اُس سے پھل پیدا ہونگے

آبِ باغ ایں را حلال آں را حرام ۔۔۔ فرق را آخر بہ بینی والسّلام

باغ کا پانی اِس کیلئے حلال اُسکے لیے حرام ہے ۔۔۔ تو اخیر میں فرق کو دیکھے گا، والسلام

عدل چہ بود؟ آب دہ اشجار را ۔۔۔ ظلم چہ بود؟ آب دادن خار را

عدل کیا ہے؟ درختوں کو پانی دے ۔۔۔ ظلم کیا ہے! کانٹے کو پانی دینا

عدل وضعِ نعمتے در موضعش ۔۔۔ نے بہر بیخے کہ باشد آب کش

عدل، جگہ پر نعمت صرف کرنا ہے ۔۔۔ نہ کہ ہر جڑ کو (پانی دینا) جو پانی چوستی ہے

ظلم چہ بود؟ وضع در ناموضعے ۔۔۔ کہ نباشد جز بلا را منبعے

ظلم کیا ہے؟ بے محل صرف کرنا ۔۔۔ جو صرف مصیبت کا چشمہ ہے

نعمتِ حق را بجان و عقل دہ ۔۔۔ نے بہ طبعِ پُر زحیرِ پُر گرہ

اللہ (تعالیٰ) کی نعمت جان اور عقل کو دے ۔۔۔ نہ کہ پیچش اور گرہوں والی طبیعت کو

بار کن بیگارِ غم را بر تنت ۔۔۔ بر دل و جاں کم نہ آنجاں کندنت

غم کی بیگار کو اپنے جسم پر سوار کر ۔۔۔ دل اور جاں پر نہیں، کیونکہ وہ جان کی تباہی ہے

---

۱ بندِ گوش۔ ایسے طلبگار کا کان خود اُس کو بہرا بنادیتا ہے۔ مدہوش۔ بیہوش، بہت دہشت زدہ۔ ہوش۔ انسان کی پراگندہ خیالی کی کوئی قیمت نہیں ہے۔ در تفسیر اس کا خلاصہ یہ ہے کہ انسان کو پراگندہ خیال نہ رہنا چاہیے۔

۲ ہموم۔ ہم کی جمع ہے آنیوالے کام کا غم و فکر۔ آبِ ہش۔ اگر انسان دنیاوی معاملوں کے سوچ بچار میں لگا رہے گا تو آخرت سے غافل ہوجائیگا، جتنی دنیاوی فکروں سے بچیگا تو آخرت کی فکر میں لگیگا۔

۳ ہر دو۔ دنیا اور آخرت کی فکر میں سے آخرت کی فکر اچھے پھل لائے گی۔ آب۔ دنیا کے باغ کو فکر کا پانی دینا درست نہیں ہے۔ عدل۔ انصاف تو یہ ہے کہ انسان پھل دار درختوں کو پانی دے کانٹوں کی جھاڑی کو پانی نہ دے۔ در موضعش۔ بھلائی کی جگہ بھلائی کرنا عدل ہے، ظلم کوئی کام بے موقع کرنا ظلم ہے۔ نعمت حق۔ اللہ کی عطا کردہ نعمتوں سے، روح انسانی کی تربیت کرنی چاہیے نہ کہ روحِ حیوانی کی۔

۴ بار کن۔ دنیا کی مخصوص کو قالب تک محدود رکھو قلب تک نہ پہونچنے دو۔ بر عیسیٰ۔ روح حضرت عیسیٰ جیسی چیز ہے اور جسم خرِ عیسیٰ ہے، بوجھ گدھے پر لادنا چاہیے نہ کہ عیسیٰ پر، یہ حماقت ہے کہ عیسیٰ پر بوجھ لدا ہوا ہو

بر سرِ عیسیٰؑ نہادہ تنگِ بلہ
بوجھ کا گٹھر عیسیٰ کے سر پر رکھے ہوئے ہے

خر سکیزہ میزند در مرغزار
گدھا، چراگاہ میں دولتیاں مار رہا ہے

سُرمہ را در گوش کردن شرط نیست
سُرمہ کو کان میں لگانا مناسب نہیں ہے

کارِ دل را جستن از تن شرط نیست
دل کا کام، جسم سے لینا مناسب نہیں ہے

گر دلی رو ناز کن خواری مکش
اگر تو (بمنزلہ) دل ہے جا فخر کر ذلت نہ اٹھا

در تنی شکر منوش و زہر چش
اگر تو (بمنزلہ) جسم ہے، شکر نہ کھا اور زہر چکھ

زہر تن را نافع ست و قند بد
جسم کے لئے زہر مفید اور شکر مضر ہے

تن ہماں بہتر کہ باشد بے مدد
جسم وہی بہتر ہے، جو بے سہارا ہو

ہیزمِ دوزخ تنست و کم کنش
جسم، دوزخ کا ایندھن ہے اُسکو گھٹا

ور بروید ہیں تو ازبن بر کنش
اگر وہ اُگے خبردار! تو اُس کو جڑ سے اکھاڑ دے

ورنہ حمالِ حطب باشی حطب
ورنہ تو ایندھن ہی ایندھن کا باربردار ہوگا

در دو عالم ہمچو جفتِ بولہب
دونوں جہان میں، ابولہب کی بیوی کی طرح

از حطب[1] بشناس شاخِ سدرہ را[2]
سدرۃ (المنتہیٰ) کی شاخ کو ایندھن کی لکڑی سے

گرچہ ہر دو سبز باشد اے فتیٰ
اے نوجوان! اگرچہ دونوں سبز ہوں

اصلِ ایں شاخ ست از نار و دُخاں
اِس شاخ کی جڑ آگ اور دھواں ہے

اصلِ آں شاخ ست ہفتم آسماں
اُس شاخ کی جڑ، ساتویں آسمان (پر) ہے

ہست ماننداں بصورت پیشِ حس
یہ حس کے سامنے (آپسمیں) مشابہ ہیں

کہ غلط بین ست چشم و کیشِ حس
کیونکہ حس کی آنکھ اور طریقہ غلط بیں ہے

ہست پیدا آں بہ پیشِ چشمِ دل
دل کی آنکھ کے لئے، وہ واضح ہے

جہد کن پیشِ دل آ جہد المقل
کوشش کر نادار کی سی کوشش، دل کے سامنے!

ور نداری پا بجنباں خویش را
تو اگر پاؤں نہیں رکھتا ہے خود کو حرکت دے

تا بہ بینی ہر کم و ہر بیش را
تاکہ تو ہر کم و بیش کو دیکھ لے

کایں تحرک شد تبرک را کلید
کیونکہ یہ حرکت کرنا برکت حاصل کرنے کی کنجی ہے

ور تحرک[3] گردی اے دل مستفید
اے دل! تو حرکت کرنے سے فائدہ مند ہوگا

اور گدھا چمن میں مزے اڑائے۔ شرمہ۔ ہر عمل کا ایک محل ہے۔ سُرمہ کان میں لگانا حماقت ہے۔

[1] گردن۔ اگر تو بمنزلہ روح وقلب بن گیا ہے تو اب مجاہدوں کی تکلیف اٹھانے کی ضرورت نہیں ہے اور اگر تو بمنزلہ جسم ہے تو راحت طلبی چھوڑ کر مجاہدوں کا زہر کھا۔ زہر۔ یہ محنت اور مشقت جسم کے لئے مفید ہے اور راحت طلبی مضر ہے۔ ہیزم۔ انسان کا جسم دوزخ کا ایندھن ہے اس کو ختم کرنا چاہیئے ورنہ تیرا لقب بھی وہی ہے جو ابولہب کی بیوی کا ہے قرآن نے اُس کو حمالۃ الحطب کہا ہے یعنی دوزخ کا ایندھن اٹھانیوالی۔

[2] از حطب۔ جسم دوزخ کا ایندھن اور روح سدرۃ المنتہیٰ کی شاخ ہے دونوں میں فرق کرلے۔ اصل ایں۔ جسم کی شاخ دھوئیں اور آگ کی جڑ ہے اور روح کی شاخ عالم بالا کی چیز ہے۔ ہست مانند۔ یہ دونوں شاخیں یکساں نظر آتی ہیں حس کی وجہ آنکھ کی غلط بینی ہے۔ چشم دل۔ دل کی آنکھ سے دیکھو دونوں میں فرق نظر آئیگا۔ ور نداری۔ انسان کو غلط بینی سے نکلنے کی بہرصورت کوشش کرنی چاہئے اگر پاؤں نہیں ہیں تو جسم کو ہی سرکانا چاہیئے۔

[3] ور تحرک۔ بُرائی سے حتی المقدور بچنا مفید ہے۔ گر زراہ۔ جب انسان راہِ طریقت میں کوشاں ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ راستے دکھاتے ہیں اگر فنا اختیار کرتا ہے تو اُس کو بقا نصیب ہوتی ہے۔ ور کیست۔ انسان جس قدر کسرِ نفسی اختیار کرتا ہے اسی قدر اُس کو بلندی نصیب ہوتی ہے۔

در معنیٰ ایں رباعی

(اس رباعی کے معنیٰ کے بیان میں)

گر راہروی راہ برت بکشایند
اگر تو راہ (طریقت) پر چلیگا تیرے لئے راستہ کھول دینگے

ور نیست شوی بہستیت بگرایند
اگر تو فنا ہو جائیگا تجھے بقا کی طرف مائل کرینگے

ور پست شوی نگنجی اندر عالم
اگر تو پست ہو جائے تو تو عالم میں نہ سمائے گا

وانگاہ ترا بے تو بتو بنمایند
اس وقت تجھے بغیر تیرے (وجود کے) دکھائینگے

گر زلیخا بست درہا ہر طرف [۵۲]
اگرچہ زلیخا نے ہر طرف دروازے بند کر دیئے

یافت یوسفؑ ہم ز جنبش منصرف
یوسفؑ نے بھی حرکت سے واپسی کی جگہ پالی

چوں توکل کرد یوسفؑ بر جہید
جب یوسفؑ نے توکل کیا (اور) کود ے

باز شد قفل در و رہ شد پدید
دروازے کا تالا کھل گیا اور راستہ ظاہر ہو گیا

گرچہ رخنہ نیست عالم را پدید
اگرچہ دنیا کا کوئی شگاف نظر نہیں آتا ہے

خیرہ یوسفؑ وار می باید دوید
یوسفؑ کی طرح اندھادھند بھاگنا چاہیئے

تا کشاید قفل و رہ پیدا شود
تاکہ تالا کھلے اور راستہ ظاہر ہو جائے

سوئے بیجائی شمارا جا شود
لامکاں کی جانب تمہارے لئے جگہ ہو جائے

آمدی اندر جہاں اے ممتحن [۵۳]
اے آزمائش میں پڑے ہوئے تو دنیا میں آیا

ہیچ می بینی طریق آمدن
کچھ تجھے آنے کا راستہ نظر آیا؟

تو ز جائے آمدی وز موطنے
تو ایک جگہ اور ایک وطن سے آیا

آمدن را راہ دانی ہیچ نے
تو آنے کا راستہ جانتا ہے؟ کچھ بھی نہیں

گر ندانی تا نگوئی راہ نیست
اگر تو نہیں جانتا ہے، ہرگز ذکر کر راہ نہیں ہے

زیں رہ بے راہ مارا رفتنی ست
ایس ہی بغیر راستے کے راستے سے جانا ہے

میروی در خواب شاداں چپ و راست
تو خواب میں خوشی خوشی دائیں بائیں جاتا ہے

ہیچ دانی راہ آں میداں کجاست
تو کچھ جانتا ہے کہ اس میدان کا راستہ کدھر ہے!

تو بہ بند آں چشم و خود تسلیم کن
تو اس آنکھ کو بند کر لے اور خود کو سپرد کر دے

خویش را بینی دراں شہر کہن
تو اپنے آپ کو اس قدیم شہر میں دیکھے گا

چشم چوں بندی کہ صد چشم خمار [۵۴]
تو آنکھ کیسے بند کریگا؟ کیونکہ سینکڑوں آنکھیں اور نشہ

بند چشم تست ایں سو از غرار
غفلت کی وجہ سے اس جانب کے لئے تیری آنکھ کا پردہ ہیں

چار چشمی تو ز عشق مشتری
تو (اپنے) خریدار کے عشق میں چار آنکھوں والا ہے

بر امید مہتری و سروری
بڑائی اور سرداری کی امید پر

---

[۵۲] گر زلیخا۔ حضرت یوسفؑ نے زنا سے بچنے کی کوشش کی تو زلیخا کے بند کئے ہوئے دروازے کھل گئے اور حضرت یوسفؑ زلیخا کے پھندے سے نکل گئے۔ گرچہ رخنہ۔ دنیا سے بھاگ نکلنے کے لئے اگرچہ دروازہ نظر نہیں آرہا ہے لیکن جب انسان کوشش کرتا ہے تو راہ پیدا ہو جاتی ہے اور لامکان کا راستہ پالیتا ہے۔

[۵۳] آمدی۔ انسان عالم بالا سے جس راستہ سے آیا ہے وہ بھی اس کی نظروں سے غائب ہے اسی طرح وہ غائب راستہ سے عالم بالا تک جا بھی سکتا ہے۔ تو ز جائے۔ انسان عالم بالا سے آیا ہے اور اس کو آنے کا راستہ معلوم نہیں ہے … گر ندانی۔ مدت نظر نہ آنے کی وجہ سے اس راستہ کا انکار نہ کر اسی راستے سے واپس جانا ہے۔ میروی۔ انسان خواب میں آنے کو بغیر جانے ہوئے چلتا ہے۔ تو بہ بند۔ انسان کو حسی آنکھ کو بند کر کے خود کو خدا کے حوالہ کرنا۔

[۵۴] چشم چوں بندی۔ دنیا سے تو آنکھیں بند نہ کر سکے گا کیونکہ تیری سینکڑوں لالچ سے مست نظروں نے تیری نظر بندی کر دی ہے اور تو دنیا کی مزخرف چیزوں کو دیکھ رہا ہے۔ چار چشمی۔ تو ہر وقت اپنی سرداری اور بڑائی کے خیال سے اپنے معتقدوں کا منتظر بنا ہوا ہے۔ گر تجسّی۔ تجھے سونے میں بھی یہی خواب اسی طرح نظر آتے ہیں جیسے الّو کو خواب میں ویرانہ نظر آتا ہے۔

گر بخسپی مُشتری بینی بخواب | چغدِ بد کے خواب بیند جز خراب
اگر تو سوتا بھی ہے تو خواب میں خریدار کو دیکھتا ہے | منحوس چغد ویرانہ کے سوا کب دیکھتا ہے؟

مُشتری[1] خواہی بہر دم پیچ پیچ | تو چہ داری کہ فروشی؟ ہیچ ہیچ
تو ہر وقت پیچ وتاب میں خریدار کا خواہشمند ہے | تو رکھتا کیا ہے؟ کہ بیچے گا؟ کچھ بھی نہیں

گر ترا نانے بُدے یا چاشتے | از خریداراں فراغت داشتے
اگر تجھے روٹی یا ناشتہ، حاصل، ہوتا | تو خریداروں سے بے نیاز ہوتا

گر در انباں مر ترا نانے بُدے | از خریداراں دلت فارغ شُدے
اگر تھیلے میں تیری روٹی ہوتی | تو تیرا دل خریداروں سے بے نیاز ہوتا

[1] مشتری۔ تو اپنے خریداروں کا تو منتظر رہتا ہے لیکن تیرے پاس اُنکے ہاتھ فروخت کرنے کے لئے کوئی چیز نہیں ہے۔ گر ترا۔ اگر تیرے پتے میں کچھ ہوتا تو پھر تو خریداروں کا منتظر ہی نہ ہوتا، عوام میں مقبولیت اور عوام کو گرویدہ کرنے کی وہی شخص کوشش کرتا ہے جو تہی دست ہوتا ہے آنے والے قصہ سے یہی بتانا مقصود ہے۔

شرح

اس بیان سے معلوم ہوا۔ کہ عدم بھی ایک شے ہے جو کہ صنعت حق سبحانہٗ کا خزانہ اور عالم وجود کی اصل ہے۔ پس عدم عالم وجود کے مقابلہ میں موجود کہلانے کا زیادہ مستحق ہوگا۔ اور عالم وجود عدم کے مقابلہ میں معدوم کہلانے کے زیادہ لائق ہوگا۔ کیونکہ عدم اصل ہے اور عالم وجود اسکی فرع۔ والاصل اقویٰ وجوداً من الفرع۔ دوسری عدم باقی ہے۔ اور عالم وجود فانی۔ اور باقی فانی کے مقابلہ میں موجود کہلانے کا زیادہ مستحق ہے۔ اور فانی باقی کے مقابلہ میں لقب معدوم کے لیے زیادہ زیبا ہے۔

جب یہ تمہیدی مضمون معلوم ہوگیا تو اب سمجھو کہ حق سبحانہٗ کی عجیب شان ہے کہ اُس نے معدوم (اضافی یعنی عالم وجود) کو وجود (حقیقی) دکھلایا۔ اور موجود (اضافی یعنی عدم) کو معدوم (حقیقی) ظاہر فرمایا۔ اور یہ ایسا ہے جیسا کہ اُس نے دریا کو چھپا دیا ہے جو کہ اصل ہے اور کف کو ظاہر فرما دیا ہے جو کہ فرع ہے۔ یا ایسا ہے جیسا کہ اُس نے ہُوا کو چھپا دیا ہے جو کہ اصل ہے اور خاک کو ظاہر فرما دیا ہے جو اُسکے تابع ہے۔ مثلاً بگولہ کہ اس میں ہُوا اصل ہے اور خاک تابع مگر خاک ظاہر ہے اور ہُوا مخفی ——— یہ ہم نے

کیوں کہا۔ کہ ہوا اصل ہے۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ خاک بذاتِ خود اوپر نہیں جاسکتی پس ضروری ہے کہ اس میں ہُوا ہو۔ مگر تم خاک کو تو دیکھتے ہو۔ اور ہُوا کو نہیں دیکھتے۔ بلکہ جس وقت تم کو دلیل سے سمجھایا جاتا ہے اس وقت مانتے ہو۔ علیٰ ہٰذا۔ تم کف کو ہر طرف دوڑتے دیکھتے ہو۔ مگر دریا کو نہیں دیکھتے۔ حالانکہ کف بدوں دریا کے نہیں ٹھہر سکتا۔ پس تم کف کو تو آنکھ سے دیکھتے ہو جو فرع ہے اور دریا کو دلیل سے مانتے ہو۔ جو کہ اصل ہے یا ایسا ہے جیساکہ فکر مخفی ہے جو کہ اصل ہے اور گفت گو ظاہر ہے جو کہ فرع ہے پس گفت گو کو اصل کے ذریعے سے ذریعے جان لیتے ہو۔ اور فکر کی دلیل سے قائل ہوتے ہو اس بیان سے معلوم ہوا کہ ہم معدوم کو موجود سمجھتے ہیں، یعنی ہم نے تمہارے سینہ کو منشرح کر دیا۔ اور اسکو کھول دیا۔ اور اسکو انوار عرفانیہ کا منبع بنا دیا۔ اس سے معلوم ہوا۔ دل خود منبع علوم ہے۔ لیکن افسوس کہ تم ان کو باہر ڈھونڈھتے ہو۔ ارے تم تو اس دودھ کا مخزن ہو۔ پھر دوسروں سے کیوں دوہتے پھرتے ہو اور تمہارے اندر تو خود شیر علوم و معارف کا بہت بڑا چشمہ موجود ہے۔ پھر تم تغاری اور کونڈوں... (کتابوں اور رسمی عالموں) سے اسکے کیوں طالب ہو۔ اور اے تالاب (سالک) تو تو بحرِ حقیقی سے تعلق رکھتا ہے۔ ایسی حالت میں تجھے تالابوں سے پانی لینے سے شرم آنی چاہیئے۔ کیا؟ اَلَمْ نَشْرَحْ سے تیری حالت ظاہر نہیں ہوتی ضرور ہوتی ہے کیونکہ گو شرح صدر مخصوص جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص ہو۔ مگر مطلق شرح صدر آپکے ساتھ خاص نہیں ہے۔ بلکہ اسکی قابلیت علیٰ حسب الاستعداد ہر ایک میں ہے۔ پھر تو دوسروں سے دریافت کرتا اور بھیک مانگتا کیوں پھرتا ہے۔

پس تو تحصیل علم کے لیے اپنے اندر شرح دل کا مطالعہ کر۔ تاکہ تجھ پر اندھے ہونے کا طعنہ ندارد ہو۔ اور تو لَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ کا مصداق نہ بنے۔ بھلے مانس! تیرے سر پہ روٹیوں کا بھرا ہوا ٹوکرا رکھا ہوا ہے اور تو در بدر ٹکڑے مانگتا

پھرتا ہے ۔ یعنی تجھے دل حاصل ہے جو منبع علوم ہے مگر تو اسے نہیں دیکھتا۔ اور علوم رسمیہ کے پیچھے مارا مارا پھرتا ہے نہایت بے حجابات ہے تو اپنے باطن میں مشغول ہو۔ اور پاجی پن ۔۔ چھوڑ دے اور اگر تجھے علم کی طلب ہے تو دل کا دروازہ کھٹکھٹا ہر دروازہ پر مارا مارا کیوں پھرتا ہے ۔ ارے تو ندی میں گھٹنوں گھٹنوں پانی میں کھڑا ہے مگر تجھے اپنی حالت کی خبر نہیں اور اس سے پانی مانگتا ہے اور تیرے سر پر روٹیاں رکھی ہیں اور تیرے پاؤں پانی میں ڈوبے ہوئے ہیں مگر تو پیاس اور بھوک سے خراب ہو رہا ہے یہ تیری بدقسمتی ہی نہیں ہے اور تیرے آگے بھی پانی ہے اور پیچھے بھی ۔ مگر تیری آنکھوں کے سامنے بھی دیوار ہے اور پیچھے بھی ۔ کہ تو اسے دیکھ بھی نہیں سکتا ۔ کتنی بیجا بات ہے۔ تو ان حجابات کو اٹھا اور پانی سے منتفع ہو۔ نیز تیری ایسی مثال ہے جیسے شہسوار کی ران کے نیچے گھوڑا موجود ہے اور وہ پوچھے کہ گھوڑا کہاں ہے جب کوئی اس سے پوچھے کہ ارے یہ تیری رانوں کے نیچے کیا ہے تو کہے گھوڑا ۔ مگر پھر یہی کہے ۔ کہ گھوڑا کہاں ہے پھر اس سے کہا جائے کہ ارے یہ تیرے نیچے گھوڑا نہیں ہے تو کہے ہاں ! مگر کوئی اپنی سواری کا گھوڑا بھی دیکھتا ہو ——— بھلا اس سے بھی زیادہ کوئی احمق ہو سکتا ہے ۔ ہرگز نہیں ۔

بس تیری یہی حالت ہے کیونکہ تو دل رکھتا ہے اور جانتا ہے کہ دل منبع علوم ہے ۔کیونکہ تو مسلمان ہے اور قرآن پر ایمان رکھتا ہے اور قرآن میں یہ مضمون منصوص ہے مگر پھر تحصیل علم کے لئے ادھر اُدھر مارا مارا پھرتا ہے اور جب تجھے متنبہ کیا جاتا ہے تو خود اقرار کرتا ہے مگر پھر اس بیہودگی کو نہیں چھوڑتا ۔

الغرض ! وہ طالب ایسا ہے جیسا کوئی ایک شے پر عاشق ہو اور مطلوب اس کے سامنے موجود ہو۔ اور وہ پھر بھی اس کا طالب ہو۔ یا کوئی پانی کے اندر موجود ہو اور اس بہتے ہوتے پانی کی اسے خبر نہ ہو۔ کیونکہ یہ بھی ایک شے کا طالب ہے اور وہ شے اس کے

پاس موجود ہے مگر یہ اسکو اسسے بے خبر ہے بلکہ اسے خود اپنی ہی خبر نہیں — یا یوں کہو کہ اسکی ایسی مثال ہے جیسے موتی دریا میں موجود ہے اور کہے کہ دریا کہاں ہے کیونکہ وُہ مطلوب کے پاس موجود ہے مگر سمجھتا ہے کہ مطلوب مجھسے دُور ہے اور اس کا یہ خیال انعدام مطلوب سیپ اس کے لیے سیپ کی طرح حجاب ہوگیا ہے اور اس کا یہ کہنا ہے کہ کہاں ہے اُس کے لیے حجاب ہے اور اس کے آفتاب مطلوب کے ظہور و تابش کے لیے اَبَر بن گیا ہے اور یہ اسکی چشم بد (غلط بین ہے) اس کی آنکھ کے لیے آڑ بن گئے ہیں۔ اور اس طرح رفع دیوار خود اس کے لیے دیوار ہو گئی ہے۔ نیز خود اسکے کان غلط سننے والے اس کے کان کی ڈاٹ بن گئے ہیں یعنی اسکے لیے آنکھیں تو ہیں مگر غلط بیں ہیں کہ موجود کو معدوم دیکھتی ہیں اور اسکے کان بھی ہیں مگر غلط سُنتے ہیں کہنے آسمان کی تو سُنیں زمین کی مگر وہ اپنی آنکھوں اور کانوں کو آفت سے محفوظ سمجھتا ہے اسلئے جبکہ آنکھیں موجود کو معدوم دیکھتی ہیں اور کان موجود کو معدوم سُنتے ہیں تو وہ سمجھتا ہے کہ وہ شئے واقع میں معدوم ہے کیونکہ اگر موجود ہوتی تو میں باوجود اسکے کہ میری آنکھیں موجود ہیں اسے کیوں نہ دیکھ سکتا۔ اور دوسرے لوگ اسے معدوم کیوں بتاتے اسلئے یہ آنکھیں اور کان جو کہ اسکے زعم میں رفع سد ہیں۔ خود حجاب اور سد بن گئے واللہ اعلم بالصواب؛

[فائدہ: مولانا کے کلام کا حاصل یہ ہے کہ تم علوم کو اپنے دل میں دیکھو اور غیروں سے طلب نہ کرو اس سے کسی کو عدم ضرورت شیخ کا شبہ نہ ہونا چاہیئے کیونکہ دل میں ڈھونڈنے کے یہ معنی ہیں کہ تم اپنے دل کو اس قابل بناؤ کہ وہ منبع علوم بنے اور مولانا پیشتر فرما چکے ہیں کہ یہ بات بدوں شیخ کے حاصل نہیں ہوسکتی اسلئے ضرورت ہے شیخ کی۔ اور حاصل یہ ہے کہ شیخ حاصل کرو اور اسکے ذریعے سے دل کو اس قابل بناؤ کہ وہ منبع علوم بنے پھر اس میں علوم کا مطالعہ کرو۔ اور کتب و علماءِ رسمیہ کے پیچھے نہ پڑو۔

فائدہ ۲:۔ چونکہ دل کے منبع علوم شرعیہ بننے کی ضرورت ہے اتباع شریعت

کی۔ اور اتباع شریعت موقوف ہے علوم شرعیہ پر اور علومِ شرعیہ حاصل ہوتے ہیں علماء ظاہر سے اسلئے بقدر ضرورت علماء ظاہر کی طرف رجوع بھی لازم ہے اور مقصود مولانا کا یہ ہے کہ بلا ضرورت علوم و علماءِ رسمیہ کے ممنون احسان نہ ہو۔ اور علومِ رسمیہ ہی کو مقصود اصلی نہ بناؤ۔ واللہ اعلم]

خلاصہ یہ ہے کہ اے غافل از حق! تو خدا سے خبردار ہو اور اسکی اطاعت کر۔ اس سے تیرا دل منبع علوم بنے گا۔ اور تجھے کتب علمیہ اور علماء رسمیہ سے استغناء حاصل ہو جائے گا۔ تو نے اپنے ہوش کو مختلف حیات پر منقسم کر دیا ہے حالانکہ ان فضولیات میں ایک شئے بھی کسی کام کی نہیں۔ پس تو ان خرافات کو چھوڑ اور اپنے خیالات کو ایک مرکز پر جمع کر اور صرف حق سبحانہٗ کو مطلوب ٹھہرا۔ اور بدوں اس کے وصول الی اللہ نہایت ہی متعذر ہے۔ کیونکہ تیرے ہوش کا پانی تو کانٹوں (امور دنیویہ) ہی کی جڑوں میں جذب ہو رہا ہے پھر وہ پھلوں (مطلوب حقیقی) تک کیسے پہنچ سکتا ہے اور جبکہ یہ ذلیل گھاس (امور دنیویہ) تیرے ہوش کے پانی کو جذب کر رہے ہیں یعنی تیرے ہوش کو اپنے ہی میں مصروف رکھتے ہیں تو وہ حق سبحانہٗ تک کیسے پہنچ سکتا ہے۔ اور تجھے حق سبحانہٗ کا خیال کیونکر ہو سکتا ہے پس تو اس شاخ بد (تعلقات دنیویہ) کو کاٹ! اور اس شاخ (تعلقاتِ حق سبحانہٗ) کو پانی دے اور تر و تازہ کر۔ یہ ضرور ہے کہ یہ دونوں شاخیں سرسبز اور مرغوب خوشگوار ہیں۔ مگر تم کو انجام پر نظر کرنا چاہیئے۔ انجام اس کا یہ ہوگا کہ شاخ اوّل برباد ہو جائے گی۔ اور شاخ ثانی مثمر اور نتیجہ بخش ہوگی ——— دیکھو! اوّل کی تربیت اور اس کو پانی دینا ناجائز ہے اور ثانی کو پانی دینا واجب اور فرق ان دونوں میں تم کو مرنے کے بعد معلوم ہوگا۔

یہ مضمون تو ختم ہوا اب ہم اس کے مناسب دوسرا مضمون تم کو سناتے ہیں مگر اوّل یہ سمجھ لو کہ عدل کیا ہے؟ عدل کی حقیقت درختوں کو پانی دینا ہے اور ظلم کیا ہے؟ ظلم کی حقیقت کانٹوں کو پانی دینا ہی یا بتبدیل عنوان یوں کہو۔ کہ عدل یہ ہے کہ ہر نعمت کو اسکے موقع پر رکھا جائے اور آب نعمت

ہر اُس جسم کو نہ دیا جائے جو اسکی لیے جاذب ہو۔ اور ظلم یہ ہے کہ کسی نعمت کو ایسے محل میں صرف کیا جائے جو اسکی لائق نہ ہوا ور صرف بلیات کا سر چشمہ ہو۔ اور کسی بھلائی کی اسکے توقع نہ ہو۔ جب یہ معلوم ہوگیا کہ ہم کہتے ہیں کہ تم نعمتِ حق کو تندرستی علم و فضل روح اور عقل پر صرف کرو جو اس کا محل ہیں اور نفس پر صرف نہ کرو جو کہ تکالیف اور مشکلات کا معدن ہے۔ بر خلاف اسکے اقتضاءات نفس کے خلاف کرکے بارِ غم کو نفس پر لادو۔ اور ارتکاب معاصی سے جو کہ موجب تاذّی روح ہے تکلیف کو روح اور دل پر نہ لادو۔ کیونکہ یہ عدل ہے اور اسکے خلاف ظلم۔ مگر تم ایسا نہیں کرتے۔ بلکہ عیسٰی روح کے سر پر تم نے بارِ غم لاد رکھا ہے۔ اور خرِ نفس گلزار میں قلانچیں مارتا پھر رہا ہے تم کو ایسا نہ چاہیئے۔ بلکہ جو جسکے قابل ہو اسکے ساتھ وہی معاملہ کرنا چاہیئے۔

دیکھو! جس طرح سرمہ کان میں ڈالنا مناسب نہیں ہے یوں ہی دل کا کام نفس سے لینا زیبا نہیں ——— پس اگر تم صاحب دل ہو تو تم کو ناز کرنا چاہیئے اور ذلت نہ اٹھانا چاہیئے۔ یعنی دین کا کام کرنا چاہیئے جو موجب عزت و راحت ہے اور دنیا کا کام چھوڑ دینا چاہیئے جو کہ موجب ذلت و تکلیف ہے اور اگر تم اہلِ نفس ہو۔ تو ہم کہتے ہیں کہ خبردار! شکر نہ کھانا اور زہر ہی کھانا۔ یعنی دنیا ہی میں مصروف رہنا اور دین کے کام نہ کرنا۔ کیونکہ نفس کے لیے زہر ہی نافع ہے اور قند مضر ہے اور اسکی لیے موردِ تباہی کے کام مفید ہیں اور دینی کام مضر ہیں۔
[فائدہ: "شکر منوش" اور "زہر چش" امر و نہی تہدیدی ہیں اور طلب فعل و ترک مقصود ہیں] ۔ لیکن ہم تمہیں سمجھاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ نفس وہی بہتر ہے جو بے مدد ہو اور جس کی پرورش نہ کی جائے کیونکہ یہ دوزخ کا ایندھن ہے پس تم اس کو کم کرو۔ اور اگر یہ اُگے اور یہ ترقی کرے تو تم اس کو جڑ سے اُکھیڑ ڈالو۔

ورنہ تم دونوں عالم میں ابولہب کی بیوی کی طرح حَمَّالَۃَ الحَطَب ہوگے جو کہ دوزخ کے لیے ایندھن ڈھورہے ہو۔

ہم پھر کہتے ہیں کہ گو شاخ سدرہ (روح) اور ایندھن (نفس) دونوں سبز ہیں۔ مگر تم ان دونوں میں امتیاز کرو۔ اور جانو! کہ ایندھن (نفس) کا مرجع آگ اور دھواں (دوزخ) ہے اور شاخ سدرہ (روح) کا مرجع آسمان ہفتم (عالمِ بالا اور لامکاں) گو دونوں شاخیں چشم حسی کی نظر یکساں معلوم ہوتے ہیں کیونکہ حِس کا مشرب غلط بینی ہے لیکن چشم بصیرت کی نظر میں فرق ظاہر ہے پس تم سے جس قدر بھی ہوسکے کوشش کرکے دل کی طرف بڑھو اور نفس کو چھوڑو اور اگر تمہارے پاؤں ہی نہ ہوں تو اپنے کو حرکت ہی دیدو۔ یعنی اگر تم پوری کوشش نہیں کرسکتے تو بھی امکن ہی کوشش کرو تاکہ تمہیں اشیاء علی ماہی علیہ نظر آئیں اور تم غلط بینی سے نجات پاؤ۔ کیونکہ مشہور ہے "فی الحرکۃ برکۃ" یعنی حرکت حصول برکت کا ذریعہ ہے۔ پس حرکت سے تمہیں فائدہ حاصل ہوگا۔

دیکھو: زلیخا نے ہر طرف سے دروازے بند کر دیئے تھے مگر یوسف علیہ السلام نے حرکت کی تو انہیں الیسی کا مقام مل ہی گیا۔ اور وہ اس محل خطرے سے بچ گئے اور جبکہ انہوں نے خدا پر بھروسہ کیا اور خدا کا نام لیکے بھاگے تو دروازہ کا قفل حق سبحانہٗ کی تائید سے کھل ہی گیا۔ اور رستہ نکل آیا۔ پس اگرچہ عالم میں کوئی سوراخ نظر نہیں آتا جس سے تم اس کے خدا تک پہنچ جاؤ۔ مگر تم کو یوسف علیہ السلام کی طرح دوڑنا چاہیئے تاکہ قفل کھل جائے اور رستہ نکل آئے اور تمہاری حق سبحانہٗ کی طرف چلنے کے لیے جگہ ہوجائے۔

تم کو راہ کے نظر نہ آنے سے اسکے انعدام کا شبہ نہ ہونا چاہیئے کیونکہ تم دنیا میں آئے ہو اور ضرور کسی رستہ سے آئے ہو۔ اچھا! بتاؤ کہ کس رستہ سے آئے ہو کوئی

رستہ دکھلائی دیتا ہے اور تم کسی جگہ سے اور کسی مقام سے تو آئے ہو تو کیا جانتے ہو کہ کس رستہ سے آئے ہو۔ اگر تم نہیں جانتے تو یہ نہ کہنا کہ رستہ نہیں ہے ضرور ہے ورنہ آئے کیونکر۔ نیز اسی رستہ سے تم کو پھر جانا ہے پس اگر رستہ نہیں ہے تو جاؤ گے کیونکر؟ پس معلوم ہوا کہ رستہ ضرور ہے گو ہمیں معلوم نہیں بس یونہی وصول الی اللہ کے رستہ کو بھی سمجھ لو۔ اچھا اور سنو! خواب کے اندر تم دائیں بائیں خوش خوش دوڑتے ہو کیا تم جانتے ہو کہ اس میدان کا رستہ کہاں کو ہے ہرگز نہیں پس ایسا ہی وصول الی الحق کی راہ کو سمجھ لو۔ جب یہ معلوم ہوگیا کہ رستہ ضرور ہے مگر ہمیں معلوم نہیں۔ تو اب اسکی صورت یہ ہے کہ آنکھ بند کر کے اپنے کو حق سبحانہ کے یا شیخ کے حوالہ کر دو اس طرح تم اپنے کو اسی شہر قدیم یعنی عالم غیب میں پاؤ گے لیکن تم آنکھ کیسے بند کر سکتے ہو کیونکہ سینکڑوں نشیلی آنکھیں تمہاری آنکھ کے لیے بند ہونے سے مانع ہیں۔ یعنی دنیا میں تمہارے مطلوبات اور معشوق بکثرت ہیں وہ تم کو آنکھ کیونکر بند کرنے دیں گے۔ کیونکہ عشق آنکھ بند ہونے سے مانع ہے۔

چنانچہ تم سرداری کی توقع میں خریداروں پر عاشق ہو۔ اور ان کے عشق نے تمہاری دو آنکھوں کو چار بنا دیا ہے یعنی ہر وقت آنکھیں کھولے دیکھتے ہو کہ ادھر سے کوئی آتا ہوگا۔ ادھر سے کوئی آتا ہوگا۔ اور اگر سوتے ہی ہو تو خواب میں ... خریداروں کو دیکھتے ہو۔ اور ہونا بھی یہی چاہیئے کیونکہ اُلو کو خواب میں ویرانہ ہی نظر آتا ہے پس جب تمہاری یہ حالت ہے تو کیا توقع ہو سکتی ہے کہ تم آنکھ بند کر لو گے۔

بھلے مانس! تو جو ہر دم اپنے خریداروں کا طالب ہے، بتا تو سہی تیرے پاس دھرا کیا ہے جو تو اسکے ہاتھ بیچے گا۔ کچھ بھی نہیں۔ کیونکہ اگر تیرے پاس روٹی یا دوپہر کا کھانا ہوتا تو تجھے یہ ڈھونگ بنانے کی ضرورت ہی نہ ہوتی اور تجھے خریداروں کی پرواہ ہی نہ

ہوتی ۔ اور اگر تیرے توشہ دان میں روٹی ہوتی تو خریداروں کی فکر سے تیرا دل مطمئن ہوتا ۔ کیونکہ یہ جو کچھ تو کر رہا ہے ۔ محض پیٹ کے لیے کر رہا ہے پس اگر تو روٹی سے بے فکر ہوتا تو تجھے اس ڈھونگ کی ضرورت نہ ہوتی اور جب کہ ضرورت ہے تو معلوم ہوا کہ تیرے پاس روٹی نہیں ہے اور جب تو اتنا مفلس ہے تو خریداروں کے ہاتھ کیا بیچے گا ۔ اور جبکہ تو اس کے ہاتھ کچھ نہیں بیچ سکتا تو ان کے جمع کرنے کی درد سری بیکار ہے

خلاصہ یہ کہ مولانا طلب جاہ کی مذمت اور اس کا بے سود ہونا بیان فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ طلب جاہ بالکل لغو ہے کیونکہ طلب خریداراں دلیل ہے اس کے عدم کمال کی ۔ کیونکہ صاحب کمال مستغنی ہوتا ہے ۔ پس جبکہ طالب جاہ خود کامل نہیں تو اس کا معتقدین کو جمع کرنا بے کار ہے ۔ کیونکہ جب اس کے اندر کمال ہی نہیں تو انہیں دکھلائے گا کیا ۔ اور قدر کس چیز کی کرائے گا ۔ ہاں یہ ممکن ہے کہ وہ انہیں فریب دے اور دھوکے سے اپنے نقصان کو کمال ظاہر کرے ولا یخفیٰ شناعتہٗ ۔

عارف باللہ حضرت مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ کی نادر روزگار،
اور معرکہ آرا کتاب "مثنوی معنوی" کی جامع اور لاجواب شرح

کلیدِ مثنوی

حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہ

22

یہ وہ مقبول خاص و عام کتاب ہے کہ خواندہ ناخواندہ سب ہی اس سے دلچسپی لیتے ہیں مگر مضامین عالیہ ہونے کی وجہ سے مطالب سمجھنے میں بڑی دقت پیش آتی ہے اور بعض اوقات نوبت الحاد و زندقہ تک پہنچ جاتی ہے، حضرت حکیم الامت نے اشعارِ مثنوی کو واضح کر کے اور مسائل تصوف کو عام فہم بنا کر نہایت خوبی سے سمجھا دیا ہے حقیقت یہ ہے کہ اس سے معتبر اور شریعت و طریقت کا پاس و ادب رکھ کر مضامین کو حل کرنے والی کوئی اور شرح نہیں لکھی گئی

ادارہ تالیفاتِ اشرفیہ
بیرون بوہڑ گیٹ
ملتان

کلید مثنوی

سلسلہ معارف اشرفیہ جلد نمبر ۲۳

یعنی

ایک عظیم اسلامی انسائیکلوپیڈیا

دفتر پنجم جزو دوم

کلید مثنوی

جلد ۲۲

از

حکیم الامۃ مجدد الملۃ حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہٗ

ناشر

ادارۂ تالیفات اشرفیہ

بیرون بوہڑ گیٹ ملتان

قصۂ آں شخصے کہ دعویٰ پیغمبری میکرد گفتندش کہ چہ خوردۂ کہ گیج شدۂ و یاوہ میگوئی گفت اگر چیزے یافتمے کہ خوردمے نہ گیج شدمے و نہ یاوہ گفتمے کہ ہر سخن نیک کہ با غیر اہلش گویند یاوہ گفتہ باشند اگرچہ دراں گفتن مامور باشند

اُس آدمی کا قصہ جو پیغمبری کا دعویٰ کرتا تھا، لوگوں نے اُس سے کہا تو نے کیا کھایا ہے کہ احمق بنا اور بکواس کرتا ہے اُس نے کہا کہ اگر میں کوئی چیز پا لیتا جو کہ میں کھا لیتا نہ احمق ہوتا اور نہ بکواس کرتا کیونکہ ہر بھلی بات جو نا اہلوں سے کہتے ہیں، بکواس کہتے ہیں اگرچہ وہ اس کہنے میں (خدا کی جانب سے) مقرر ہوں

آں یکے می گفت من پیغمبرم
ایک شخص کہتا تھا، کہ میں پیغمبر ہوں

وز ہمہ پیغمبراں فاضل ترم
اور میں تمام پیغمبروں سے بڑھ کر ہوں

گردنش بستند و بُردندش بشاہ
لوگوں نے اُس کی گردن باندھی اور اُس کو بادشاہ کے سامنے لے گئے

کایں ہمی گوید رسولم از الٰہ
کہ یہ کہتا ہے، کہ میں خدا کی جانب سے رسول ہوں

خلق بروے جمع چوں مور و ملخ
لوگ اُس پر چیونٹیوں اور ٹڈیوں کی طرح جمع تھے

کہ چہ مکر ست و چہ تزویر چہ فخ
کہ کیا مکر ہے اور کیا مکاری اور کیا جال ہے؟

گر رسول آنست کاید از عدم
اور اگر رسول وہ ہوتا ہے جو عدم سے آئے

ما ہمہ پیغمبریم و محتشم
تو ہم سب پیغمبر اور معزز ہیں

ما ازانجا آمدیم اینجا غریب
ہم اُس جگہ سے آئے ہیں۔ یہاں مسافر ہیں

تو چرا مخصوص باشی اے ادیب
اے اُستاد! تو کیوں مخصوص ہوگا؟

داد ایشاں را جواب آں خوش رسول
اُس بھلے رسول نے اُن کو جواب دیا

کاے گروہ کور و نادان و فضول
کہ اے اندھو اور بیہودہ اور نادانوں کے گروہ!

ایں ندانستید اے قوم از قضا
اے قوم! تم یہ نہیں سمجھے کہ تقدیر سے

بیخبر اینجا رسید از عمیٰ
تم اندھے پن سے بے خبری میں یہاں آگئے ہو

ہمچو طفلِ خفتہ ایں جا آمدید
تم سوئے ہوئے بچہ کی طرح یہاں آگئے ہو

بیخبر از راہ و از منزل بُدید
تم راہ و منزل سے بے خبر تھے

از منازل خفتہ بگذشتید و مست
تم سوتے ہوئے اور بیہوشی میں منازل سے گذر گئے

بیخبر از راہ و از بالا و پست
راستہ اور نشیب و فراز سے بے خبر

ذ قصہ پیغمبراں۔ دنیا کی ہر چیز کوئی پیام دیتی ہے یہ انسان تھا لہٰذا تمام کائنات سے افضل تھا نیز یہ معنی بھی ہیں کہ میں پیغمبر ہوں اور دنیا کے سب پیغمبروں سے افضل ہوں۔

۱؎ آں یکے۔ یہ ایک مسخرا تھا جس نے افلاس سے مجبور ہو کر نبوت کا دعویٰ کیا تاکہ اُس کے ذریعہ سے کچھ کمائے وہ اپنی گفتگو میں ایسے جملے استعمال کرتا تھا جن کے دو معنی ہو سکتے تھے ایک معنی نبوت کے دعوے پر محمول ہو سکتے تھے دوسرے معنی کا نبوت سے کوئی تعلق

۲؎ فخ۔ جال۔ گر رسول۔ اس مسخرے نے اپنے رسول ہونے کا مطلب یہ بتایا تھا کہ وہ خدا کے پاس سے دنیا میں آیا ہے اور اُس کو اللہ تعالیٰ نے مُلکِ عدم سے دنیا میں بھیجا ہے۔ ما ازانجا۔ لوگوں نے کہا اگر رسول کا مطلب یہ ہے تو ہم سب بھی مُلکِ عدم سے دنیا میں آئے ہیں لہٰذا ہم سب رسول ہیں تیری کیا خصوصیت ہوئی۔ ایں ندانستید۔ اس مسخرے نے اُن کو جواب دیا کہ تم بھی مُلکِ عدم سے آئے ہو۔ لیکن ایسے اندھے پن سے آئے ہو کہ تمہیں راستہ کا پتہ چلا نہ منزل کا۔

۳؎ ہمچو۔ مسخرے نے کہا تم لوگ سوتے ہوئے بچے کی طرح مُلکِ عدم سے راستہ طے کر کے دنیا میں آئے ہو۔ ما بہ بیداری۔ میں مُلکِ عدم سے بیداری کی حالت میں دنیا میں آیا ہوں۔ پنج۔ یعنی پانچوں حواس شش یعنی چھ جانبیں۔ قلاؤوز۔ رہبر

۴؎ شاہ را۔ لوگوں نے شاہ سے اُس کو سزا دینے کا مطالبہ کیا، شاہ نے اُس کو بہت کمزور

ما به بیداری روان گشتیم و خوش
ہم بیداری میں اور خوشی سے چلے

از ورائے پنج و شش تا پنج و شش
بغیر پلک اور چھ کی جگہ سے پانچ اور چھ (والی جگہ) تک

دیده منزل ها ز اصل و از اساس
جڑ اور بنیاد سے منزل کو دیکھا

چون قلاوزان خبیر ره شناس
راہبروں کی طرح باخبر اور رہ شناس بنکر

شاه را گفتند اشکنجش بکن
لوگوں نے بادشاہ سے کہا اسکو شکنجہ میں ڈالدیجئے

تا نگوید جنس اُو هیچ این سخن
تاکہ اس جیسا کوئی ایسی بات نہ کہے

شاه دیدش بس نزار و بس ضعیف
شاہ نے اس کو بہت لاغر اور کمزور دیکھا

که بیک سیلی بمیرد آن نحیف
کہ وہ کمزور ایک طمانچہ سے مرجائیگا

کے تواں اُو را فشردن یا زدن
اس کو کب بھینچا یا مارا جاسکتا ہے

که چو شیشه گشته است اُو را بدن
کیونکہ اس کا بدن شیشہ کی طرح ہوگیا ہے

لیک با اُو گویم از راهِ خوشی
لیکن میں اس کو خوشی سے کہوں گا

که چرا داری تو لافِ سرکشی
کہ تو بیکر اس کی سرکشی کیوں کرتا ہے ؟

که درشتی ناید اینجا هیچ کار
کیونکہ اس جگہ سختی کارآمد نہ ہوگی

که بنرمی سر کند از غار مار
کیونکہ سانپ نرمی سے غار سے باہر آتا ہے

مردماں را دور کرد از گرد وے
لوگوں کو اس کے چاروں طرف سے ہٹا دیا

شه لطیفے بود و نرمی ورد وے
بادشاہ خوش مزاج تھا اور نرمی اسکی عادت تھی

پس نشاندش باز پرسیدش ز جا
تو اس کو بٹھایا، پھر اس سے وطن پوچھا

که کجا داری معاش و ملتجا
کہ تو روزگار اور ٹھکانا کہاں رکھتا ہے ؟

گفت اے شه هستم از دار السلام
اس نے کہا اے بادشاہ! میں دارالسلام کا ہوں

آمده ز انجا بدیں دار الملام
اس جگہ سے اس ملامت کے گھر میں آگیا ہوں

نے مرا خانه ست و نے یک همنشیں
نہ میرا گھر ہے اور نہ کوئی ساتھی ہے

خانه کے کردست ماهے در زمیں
چاند نے زمین پر کب گھر بنایا ہے ؟

پادشاه از روی لاغش گفت باز
بادشاہ نے مذاق میں پھر اس سے کہا

که چه خوردی و چه داری چاشت ساز
کہ تو نے کیا کھایا ہے ؟ اور تیرے پاس ناشتہ کیلئے کیا ہے

اشتها داری چه خوردی بامداد
تجھے بھوک ہے ؟ تو نے صبح کیا کھایا ہے ؟

که چنیں سرمستی و پر لاف و باد
کہ تو اس قدر نشہ میں اور شیخی اور تکبر سے بھرا ہوا ہے

گفت گر نانم بُدے خشک و تری
اسنے کہا اگر میرے پاس باسی یا تازہ روٹی ہوتی

کے کنم من دعوئ پیغمبری
میں پیغمبری کا دعویٰ کب کرتا ؟

دیکھا۔ نیستیل۔ طمانچہ۔ نحیف۔ لاغر۔ کے تواں۔ چونکہ وہ بہت کمزور ہے سزا کو برداشت نہ کرسکے گا۔ لیک۔ شاہ نے سوچا کہ بجائے سزا کے اس کو سمجھا دے۔

[۱] کہ بنرمی۔ میں بجانے سے سانپ سوراغ سے باہر نکل آتا ہے۔ مردماں۔ شاہ نے تنہائی میں اس سے پوچھا کہ کہاں کا رہنے والا ہے اور کیا کام کرتا ہے۔ گفت۔ اس نے کہا دارالسلام سے دارالملام میں آیا ہوں.... دارالسلام سلامتی کا گھر، عالم بالا۔ دارالملام۔ ملامت کا گھر، دنیا۔ نے۔ میں چاند کی طرح ہوں لہٰذا نہ میرا کوئی گھر معین ہے نہ کوئی ہمنشین ہے۔

[۲] پادشاہ۔ بادشاہ نے تفریحاً اس سے کہا کہ تو نے کیا کھایا تھا اور ناشتہ کے لئے تیرے پاس کیا ہے۔ گفت۔ اس نے کہا اگر کچھ ہوتا تو میں پیغمبری کا دعویٰ کیوں کرتا۔ دعویٰ۔ ان لوگوں میں پیغمبری کا دعویٰ ایسا ہی مشکل کام ہے جیسا کہ کوئی پہاڑ میں دل کی تلاش کرے۔

شرح مولانا نے رُبع اوّل کے آخر میں فرمایا تھا - گرد رابنان مرترا نانے بدرے - از خریداران دلت فارغ شدے -

اب اس کے مناسب ایک شخص کا قصہ بیان فرماتے ہیں جس کا حاصل یہ ہے ایک شخص نے دعوائے نبوت کیا - لوگ اسکو بادشاہ کے پاس لے گئے بادشاہ نے اس سے پوچھا کہ تو نے کیا کھایا ہے جو اتنا مدہوش ہوا کہ تجھے یہ بھی خبر نہیں کہ میں کیا کہہ رہا ہوں اور کتنا بڑا دعوائے کر رہا ہوں اس پر اس نے کہا کہ حضور اگر میرے پاس کچھ کھانے کو ہوتا تو میں ایسا دعوائے کیوں کرتا -

تفصیل اسکی یہ ہے کہ ایک شخص نے کہا کہ میں پیغمبر ہوں اور تمام پیغمبروں سے بڑھ کر ہوں - لوگوں نے اسے گرفتار کیا اور بادشاہ کے پاس لے گئے اور کہا کہ یہ دعوائے کرتا ہے کہ میں خدا کا رسول ہوں اور لوگ وہاں چیونٹیوں اور ٹڈیوں کی طرح جمع ہو گئے اور اس سے کہا کہ یہ کیسا مکر اور کیسا فریب اور کیسا جال ہے - تجھ میں رسول کی کوئی بات نہیں بجز اس کے کہ تو عدم سے آیا ہے پس اگر عدم سے وجود میں آنا ہی رسالت ہے تو ہم سب رسول ہیں - کیونکہ ہم بھی عدم سے وجود میں آئے ہیں اور ہمارا وطن اصلی بھی عدم ہے اور عالمِ وجود میں ہم مسافرانہ حیثیت سے ہیں پھر تو رسالت کے ساتھ مخصوص کیسے ہو سکتا ہے -

یہ سنکر اُس قائل مدعی رسالت نے جواب دیا کہ اے اندھے! اور احمق اور بیہودہ لوگو! تقدیر الٰہی نے تمہاری عقلوں پر پردہ ڈال دیا ہے

تم اپنے اور میرے اندر فرق نہیں سمجھتے تم اتنا نہیں سمجھے کہ تم یہاں اپنے اندھے پن کے سبب بے خبر آئے ہو - اور سوئے ہوئے بچے کی طرح آئے ہو کہ نہ تم کو راہ کی خبر تھی نہ منزل کی - تم منزلوں سے سوتے اور بے ہوشی کی حالت میں گذرے ہو - نہ تم نے رستہ کو جانا - اور نہ اس کی اونچ نیچ کو - برخلاف میرے

کہ میں بیداری کی حالت میں ماورائے عالم ناسوت سے چلا۔ اور اسی حالت میں عالم ناسوت میں آیا۔ میں منزلوں کی جڑ بنیاد سے واقف ہوں۔ اور راہبروں کی طرح واقف اور.. راہ شناس ہوں۔ پھر میں اور تم دونوں یکساں کیسے ہوسکتے ہیں اس پر لوگوں نے بادشاہ سے کہا کہ حضور! اسے سزا دیں تاکہ یہ اس قسم کی باتیں نہ کرے۔ جب بادشاہ نے دیکھا کہ وہ بہت دبلا پتلا اور کمزور ہے کہ ایک تھپڑ میں مر جائیگا اور اسلئے وہ شکنجہ میں کسنے یا مار کا تحمل نہ کر سکے گا کیونکہ اس کا جسم شیشہ کی طرح کمزور ہے۔ تو اس نے خیال کیا کہ اسکو سزا نہ دینی چاہیئے۔ ہاں اسکو نرمی سے سمجھانا چاہیئے کہ تو ایسی سرکشی کیوں کرتا ہے کیونکہ اس جگہ سختی کام نہ دیگی۔ بلکہ نرمی کام دیگی اسلئے کہ نرمی مخالف کے قابو میں لانے کے لئے اکسیر ہے چنانچہ نرمی سے سانپ بھی بل سے نکل کر قابو میں آجاتا ہے ــــ یہ خیال کر کے اس نے لوگوں کو اسکے پاس سے ہٹا دیا اور کہہ دیا کہ تم جاؤ ہم خود نبٹ لیں گے۔ بادشاہ چونکہ نرم تھا اور نرمی ہی اس کا شیوہ تھا۔ اس لئے اس نے اسے پاس بٹھلایا اور کہا کہ آپ کا مکان کہاں ہے اور آپ کی بود و باش اور ٹھکانہ کس جگہ ہے۔ اس نے کہا کہ جناب! میں دارالامن عالم غیب کا رہنے والا ہوں اور اس دار ملامت دنیا میں آیا ہوا ہوں۔ یہاں نہ میرا گھر ہے نہ کوئی دوست۔ میں بمنزلہ چاند کے ہوں اور دنیا بمنزلہ زمین کے۔ اور چاند زمین میں گھر نہیں بناتا۔ اسلئے میرا یہاں کوئی گھر نہیں۔ بادشاہ نے دل لگی سے کہا کہ جناب نے کچھ کھایا ہے اور کیا کھانا جناب کو اور دوپہر کو کیا کھانا مرغوب ہے اور اس وقت کچھ بھوک ہے یا نہیں اور صبح آپ نے کیا کھایا تھا کہ اسکے نشہ میں آپ اس قدر مست اور مغرور ہیں اس نے جواب دیا۔ کہ جناب! اگر کسی قسم کی روٹی سوکھی ہوئی یا تر میرے پاس کھانے کو ہوتی تو میں پیغمبری کا دعوٰے ہی کیوں کرتا۔ یعنی اگر میں سچا نبی ہوں جیسا میرا دعوٰے ہے تب تو یہ سوال... لغو بھی ہے لیکن اگر میں جھوٹا ہوں تو بھی یہ سوال لغو ہے کیونکہ اس وقت میرا یہ دعوٰی پیٹ

کے لیے ہوگا۔ پس میرا دعوائے پیغمبری کرنا خود دلیل ہوگا اس کی کہ میں نے کچھ نہیں کھایا۔ اسلئے یہ سوال بالکل لغو ہے۔

اِس قصہ کو یہاں تک پہنچا کر مولانا انتقال فرماتے ہیں اور کہتے ہیں۔

دعویِ پیغمبری با ایں گروہ — ہمچناں باشد کہ دل جُستن ز کوہ
اس جماعت کے سامنے پیغمبری کا دعویٰ کرنا — ایسا ہے جیسا کہ پہاڑ میں سے دل تلاش کرنا

کس ز کوہ و سنگ عقل و دل بجُست[^1] — فہم و ضبطِ نکتۂ مُشکل بجُست
پہاڑ اور پتھر سے کسی شخص نے عقل اور دل کی جستجو نہیں کی ہے — مشکل نکتہ کی سمجھ بوجھ کو نہیں تلاش کیا ہے

ہر چہ گوئی باز گوید کہ ہماں — میکُند افسوس چوں مُستہزیاں
تو جو کچھ کہتا ہے وہ اس کو دُہرا دیتا ہے، کہ وہی — مذاق کرتا ہے جس طرح مذاق اُڑانیوالے

از کجا ایں قوم و پیغام از کجا — از جمادے جاں کرا باشد رجا
کہاں یہ قوم، کہاں پیغام (خداوندی) — پتھر سے کس کو جان کی اُمید ہوتی ہے؟

گر تو پیغامِ زنے آری و زر — پیشِ تو بنہند جُملہ سیم و سَر
اگر تو عورت کا پیغام لائے اور سونا — تیرے سامنے سب چاندی اور سر رکھ دیں گے

کہ فلاں[^2] جا شاہدے می خواندت — عاشق آمد بر تو و می داندت
کہ فلاں جگہ ایک معشوق تجھے بُلاتا ہے — وہ تجھ پر عاشق ہوگیا ہے اور تجھے جانتا ہے

ور تو پیغامِ خدا آری چو شہد — کہ بیا سُوی خدا اے نیک عہد
اور اگر تو شہد جیسا خدا کا پیغام لائے — کہ اے قول و قرار کے سچے! اللہ کی جانب آجا

از جہانِ مرگ سُوی برگ رَو — چوں بقا ممکن بُود فانی مشو
موت کی دنیا سے ساز و سامان کے عالم کی جانب چل — جب بقا ممکن ہو تو ہلاک نہ ہو

قصدِ خونِ تو کنند و جان و سَر — نز[^3] برائے حمیتِ دین و ہُنر
تیرے خون اور جان اور سر کا قصد کریں گے — ہنرمندی اور دین کی حمایت کی وجہ سے نہیں

بلکہ از چفسیدگی بر خانماں — تلخ شاں آید شنیدن ایں بیاں
بلکہ گھر بار کی وابستگی کی وجہ سے — اُن کو یہ بات سُننا کڑوا معلوم ہوتا ہے

سببِ عداوتِ عام و بیگانہ زیستن ایشان با اولیائے خدا کہ بحق
عوام کی عداوت اور اُن کے خدا کے اولیاء سے بیگانہ ہو کر زندگی کا یہ سبب ہوئے کہ وہ

شان میخوانند و بآبِ حیاتِ ابدی ارشاد می نمایند
اُن کو اللہ تعالیٰ کی طرف بلاتے ہیں اور ہمیشگی کے آبِ حیات کیطرف راہنمائی کرتے ہیں

[^1]: کس۔ پہاڑ اور پتھر کا طلب کوئی تلاش نہیں کرتا ہے نہ اُن سے یہ توقع کرتا ہے کہ وہ بایک اور مشکل نکتے سمجھیں گے۔ ہر چہ۔ پہاڑ سے تم جو کچھ کہو گے وہ بازگشت آواز سے تمہارا مذاق ہی اُڑائے گا۔ از کجا۔ یہی حال اِس قوم کا ہے کہ خدا کے پیغام سے اِن کو کوئی مناسبت نہیں ہے۔ گر تو۔ ہاں اگر ان کے پاس کسی حسین عورت کا پیغام لاؤ تو سب کچھ قربان کر دیں گے۔

[^2]: کہ فلاں۔ اگر ان کو یہ پیغام دو کہ فلاں جگہ ایک معشوق ہے وہ تم پر عاشق ہے اور تمہیں خوب جانتا ہے۔ ور تو۔ یعنی اگر انہیں خدا کی طرف بلاؤ تو ناگوار ہوتا ہے۔ از جہاں۔ یہ پیغام دو کہ فانی دنیا سے آخرت کی طرف رجوع کرو۔ قصد۔ تو یہ لوگ اس پیغام پر پیغامبر کی جان کے دشمن بن جاتے ہیں۔

[^3]: نز۔ یہ لوگ اللہ کے پیغام کو جو رد کرتے ہیں تو کسی دین کی حمایت میں نہیں کرتے ہیں بلکہ چونکہ اُن کو اِس فانی دنیا سے دلچسپی ہے اِس لئے رد کرتے ہیں۔ و۔ اُن کو میٹھا پیغام تلخ لگتا ہے اور اُن کی مثال اُس گدھ کی سی ہے جس کا ذکر آگے آرہا ہے جوکہ۔

خرقۂ بر ریش خر چفسیدہ سخت ‌ ‌ ‌ ‌ چونکہ خواہی بر کنی زو لخت لخت

پٹی گدھے کے زخم پر سخت چپکی ہوئی ہے ‌ ‌ ‌ ‌ جب تو اس سے ٹکڑے ٹکڑے اکھاڑے گا

جفتہ اندازد یقیں آں خر ز درد ‌ ‌ ‌ ‌ حبذا آں کس کزو پرہیز کرد

وہ گدھا یقیناً تکلیف کی وجہ سے دولتی مارے گا ‌ ‌ ‌ ‌ خوش نصیب ہے وہ شخص جو اس سے بچ گیا

خاصہ پنجہ ریش و ہر جا خرقۂ ‌ ‌ ‌ ‌ بر سرش چفسیدہ در نم غرقۂ

خصوصاً جبکہ پچاس زخم ہوں اور ہر جگہ پٹی ‌ ‌ ‌ ‌ پیپ کی، نمی میں اس پر چپکی ہوئی ہو

خانماں چوں خرقہ و ایں حرص ریش ‌ ‌ ‌ ‌ حرص ہر کہ بیش باشد ریش بیش

گھر بار پٹی ہے اور یہ حرص زخم ہے ‌ ‌ ‌ ‌ جس کو زیادہ حرص ہوگی اسکے زخم زیادہ ہوں گے

خانمان جغد ویران ست و بس ‌ ‌ ‌ ‌ نشنود اوصاف بغداد و طبس

جغد کا گھر بار صرف ویرانہ ہے ‌ ‌ ‌ ‌ وہ بغداد اور طبس کی خوبیاں نہیں سنتا ہے

گر بیاید باز سلطانی ز راہ ‌ ‌ ‌ ‌ صد خبر آرد بدیں جغدان ز شاہ

اگر شاہی باز راستہ طے کر کے آئے ‌ ‌ ‌ ‌ ان جغدوں کو بادشاہ کی سینکڑوں خبریں سنائے

شرح دار الملک و باغستان و جو ‌ ‌ ‌ ‌ پس برو افسوس دارد ہر عدو

دار السلطنت اور باغ اور نہر کی تفصیل ‌ ‌ ‌ ‌ تو ہر دشمن اس کا مذاق اڑائے گا

کہ چہ باز آورد افسانۂ کہن ‌ ‌ ‌ ‌ کز گزاف و لاف میبافد سخن

کہ باز پرانا قصہ کیوں لایا ‌ ‌ ‌ ‌ کہ بیہودہ اور شیخی کی باتیں کرتا ہے

کہنہ ایشانند و پوسیدہ ابد ‌ ‌ ‌ ‌ ورنہ آں دم کہنہ را نو میکند

پرانے اور ہمیشہ کے لئے سڑے ہوئے وہ ہیں ‌ ‌ ‌ ‌ ورنہ وہ بات پرانے کو نیا کر دیتی ہے

مردگانِ کہنہ را جاں میدہد ‌ ‌ ‌ ‌ تاجِ عقل و نورِ ایماں میدہد

پرانے مُردوں کو جان عطا کر دیتی ہے ‌ ‌ ‌ ‌ عقل کا تاج اور ایمان کا نور دے دیتی ہے

دل مدزد از دلربائے روح بخش ‌ ‌ ‌ ‌ کہ سوارت میکند بر پشتِ رخش

روح بخشنے والے معشوق سے دل نہ چرا ‌ ‌ ‌ ‌ کیونکہ وہ تجھے عمدہ گھوڑے پر سوار کردیگا

سر مدزد از سر فرازِ تاج دہ ‌ ‌ ‌ ‌ کز پائے دل کشاید صد گرہ

سر بلند کرنیوالے تاج بخشنے والے سے سر نہ چھپا ‌ ‌ ‌ ‌ کیونکہ وہ دل کے پاؤں سے سینکڑوں گرہ کھولیگا

با کہ گویم در ہمہ دہ زندہ کو ‌ ‌ ‌ ‌ سوئے آبِ زندگی پوئندہ کو

کس سے کہوں پورے گاؤں میں زندہ کون ہے؟ ‌ ‌ ‌ ‌ آب حیات کی جانب دوڑنیوالا کون ہے؟

تو بیک خواری گریزانی ز عشق ‌ ‌ ‌ ‌ تو بجز نامے چہ میدانی ز عشق

تو ایک ذلت کیوجہ سے عشق سے بھاگ جانیوالا ہے ‌ ‌ ‌ ‌ تو عشق کے نام کے سوا کیا جانتا ہے؟

عشق را صد ناز و استکبار ہست ‌ ‌ ‌ ‌ عشق با صد ناز می آید بدست

عشق کے سینکڑوں ناز اور غرور ہیں ‌ ‌ ‌ ‌ عشق سینکڑوں نازوں سے ہاتھ لگتا ہے

زخمی گدھے کے زخم دھونے کے لئے اگر کوئی شخص اس کے پھاہے اکھاڑتا ہے تو وہ گدھا لاتیں مارتا ہے۔

؎ خاصہ۔ خصوصاً جب زیادہ اور خراب زخم ہوں اور پھاہے انپر چپک گئے ہوں تو گدھا زیادہ لاتیں مارتا ہے۔ خانماں۔ ان دنیاداروں کی حرص انکے زخم ہیں اور گھربار ان زخموں کے پھاہے ہیں۔ جغد۔ الو کا مسکن ویرانہ ہے اگر اس کو کوئی بغداد اور طبس شہروں کی خوبی سنائیگا تو وہ کبھی سننے کے لئے تیار نہ ہوگا۔ گر بیاید۔ اگر کوئی اللہ کا پیغمبر انکو اللہ کی باتیں سناتا ہے تو یہ دنیادار جغد اسکا مذاق اڑاتے ہیں۔

؎ کہ چہ۔ دنیادار پیغمبر کی باتوں پر کہتے ہیں کہ یہ پرانی کہانیاں ہیں۔ کہنہ۔ یہ خود پرانے اور بوسیدہ ہیں ورنہ یہ باتیں تو پرانے کو بھی نیا بنا دیتی ہیں بلکہ مردگاں۔ جن لوگوں کے دل مُردہ ہو چکے ہیں یہ باتیں انکو نئی زندگی بخشدیتی ہیں عقل کا تاج اور ایمان کا نور عطا کر دیتی ہیں۔ دل مدزد۔ اس دلربا کی ان باتوں سے دل نہ چرا وہ تیرے سرکش نفس پر تجھے قابو دیدیگا۔

؎ سر مدزد۔ یہ پیغمبر وقت تجھے تاج پہنا دیگا تیرے دل کی گرہیں کھول دے گا۔ با کہ گویم۔ لیکن ان باتوں کے سننے والے کہاں ہیں آب حیات کے طالب مفقود ہیں۔ تو بیک خواری۔ عشق میں اگر ایک ذلت اٹھانی پڑ جائے تو تو عشق

عشق چوں وافی ست وافی می خرد
عشق چونکہ وفادار ہے، وفادار کا خریدار ہے

در حریفِ بیوفا می ننگرد
بیوفا دوست کی طرف نظر نہیں کرتا ہے

چوں درخت ست آدمی و بیخ عہد
انسان درخت کی طرح ہے اور (وفا، عہد جڑ ہے

بیخ را تیمار می باید بجہد
جڑ کی کوشش سے حفاظت کرنی چاہیئے

عہدِ فاسد بیخِ پوسیدہ بُود
خراب عہد، سڑی ہوئی جڑ ہوتا ہے

وز ثمارِ لطف ببریدہ بُود
اور مہربانی کے پھلوں سے کٹا ہوا ہوتا ہے

شاخ و برگِ نخل اگرچہ سبز بُود
کھجور کی شاخ اور پتے اگرچہ سبز ہوں

با فسادِ بیخ سبزی نیست سُود
جڑ کی خرابی کے ہوتے ہوئے سبزی مفید نہیں ہے

ور ندارد برگِ سبز و بیخ ہست
اور اگر سبز پتے نہ ہوں اور جڑ (صحیح) ہے

عاقبت بیروں کُند صد برگ دست
انجام کار سینکڑوں پتے ہاتھ نکالیں گے

تو مشو غرہ بعلمش عہد جُو
تو اس کے علم سے دھوکا نہ کھا، عہد کی جستجو کر

علم چوں قشر ست عہدش مغز اُو
علم چھلکا جیسا ہے اس کا عہد اس کا مغز ہے

• جس شخص میں وفاداری نہ ہو وہ اس درخت کی طرح ہے جو جڑ گل جانے سے پھلوں سے محروم ہو گیا ہو۔

در بیان آنکہ مردِ بدکار چوں متمکن شود در بدکاری و اثرِ دولتِ

اس کا بیان کہ بدکار انسان جب بدکاری میں لگ جاتا ہے اور نیکوں کی دولت

نیکوکاراں بہ بیند شیطان صفت شود و مانعِ خیر گردد از حسد

کا اثر دیکھتا ہے شیطان جیسا بن جاتا ہے اور حسد سے شیطان کی طرح بھلائی کیلئے مانع

ہمچوں شیطان کہ خرمن سوختہ ہمہ را خرمن سوختہ خواہد

بنتا ہے کیونکہ جس کا کھلیان جل گیا ہو سب کو جلے ہوئے کھلیان والا چاہتا ہے

أَرَأَيْتَ الَّذِي يَنْهَىٰ عَبْدًا إِذَا صَلَّىٰ

کیا تو نے نہیں دیکھا اس کو جو بندے کو منع کرتا ہے جبکہ وہ نماز پڑھے الخ

واقفیاں را چوں بہ بینی کردہ سُود
جب تو عقلمندوں کو سودمند دیکھتا ہے

تو چو شیطانے شوی آنجا حسُود
تو تو شیطان کی طرح اس وقت حاسد بنتا ہے

ہر کرا باشد مزاج و طبع سُست
جس شخص کا مزاج اور طبیعت مریض ہو

او نخواہد ہیچکس را تندرست
وہ کسی کو تندرست دیکھنا پسند نہیں کرتا

گر نخواہی رشکِ ابلیسی بیا
اگر تو شیطان کا سا حسد نہیں کرنا چاہتا ہے تو آ جا

از درِ دعوے بدرگاہِ وفا
دعوے کے دروازے سے ہٹ کر، وفا کی درگاہ میں

کو چھوڑ بھاگتا ہے تو نے عشق کا نام سنا ہے اس کی حقیقت سے آگاہ نہیں ہے عشق بہت متکبر اور نازوں بھرا ہے بہت مصیبتوں سے ہاتھ لگتا ہے

ﷺ عشق۔ عشق وفادار ہے وہ وفادار ہی کو حاصل ہوتا ہے وہ بے وفا کی طرف نظر بھر کر بھی نہیں دیکھتا ہے۔ بیخ عہد۔ انسان کی اصل اور جڑ وفاداری ہے اور درخت کی جڑ کی حفاظت ضروری ہے۔ عہد فاسد

ﷺ شاخ۔ جس درخت کی جڑ گل گئی ہو اسکے پتوں کی سبزہ کچھ مفید نہیں ہے۔ و ر ندارد۔ اگر جڑ درست ہے، پتوں کے جھڑ جانے سے کوئی نقصان نہیں ہے پتے پھر آ جائیں گے۔ تو مشو۔ کسی انسان کے علم سے دھوکہ نہ کھانا چاہیئے یہ دیکھنا چاہیئے کہ اس میں وفاداری کا مادہ ہے یا نہیں وفاداری انسان کا جوہر ہے۔

ﷺ در بیان۔ انسان جب خود بھلائیوں سے محروم ہوتا ہے تو دوسروں کی بھلائیوں سے شیطان کی طرح جلنے لگتا ہے اور چاہتا ہے وہ بھی بھلائی سے محروم ہو جائیں یہی حال ابوجہل کا تھا آنحضور کو نماز پڑھتے نہ دیکھ سکتا تھا۔ واقفیاں۔ ناکام انسان بامراد انسانوں پر شیطان کی طرح حسد کرتا ہے۔ ہر کرا۔ بیمار سب کو بیمار دیکھنا چاہتا ہے۔ گر نخواہی۔ اگر انسان اس ابلیسی صفت سے بچنا چاہے تو خود کو کامیاب بنائے

چون وفا نیست بارے دم مزن — کایں سخن دعویست اغلب ما و من

جبکہ تجھ میں وفا نہیں ہے اس کا نام نہ لے — کیونکہ یہ بات اکثر تکبر کا دعویٰ ہے

ایں سخن در سینہ دخلِ مغزہاست — در خموشی مغزِ جاں را صد نماست

یہ بات سینے میں مغزوں کی آمدنی ہے — چپ رہنے میں جان کے مغز کا بہت نما ہے

چوں بیامد در زباں شد خرجِ مغز — خرج کم کن تا بماند مغزِ نغز

جب وہ بات زبان پر آئی، مغز خرچ ہو گیا — خرچ نہ کر تاکہ عمدہ مغز باقی رہے

مردِ کم گوینده را فکریست زفت — قشرِ گفتن چوں فزوں شد مغز رفت

کم گو انسان کا خیال مضبوط ہوتا ہے — باتیں کرنے کا چھلکا جب بڑھا عمدہ مغز ختم ہو گیا

پوست افزوں گشت و کمتر گشت مغز — پوست کمتر شد فزوں شد مغزِ نغز

چھلکا بڑھا، اور مغز گھٹا — چھلکا گھٹا تو عمدہ مغز بڑھا

بنگر ایں ہر سہ ز خامی رستہ را — جوز را و لوز را و پستہ را

ان تینوں کچے ہروں کو دیکھ لے — اخروٹ کو اور بادام کو اور پستہ کو

ہر کہ او عصیاں کند شیطاں شود — کہ حسودِ دولتِ نیکاں شود

جو نافرمانی کرتا ہے، شیطان بن جاتا ہے — کیونکہ وہ نیکوں کی دولت کا حاسد ہو جاتا ہے

چونکہ در عہدِ خدا کردی وفا — از کرم عہدت نگہدارد خدا

جب تونے خدا کے عہد کی وفا کی — عنایت کر کے، خدا تیرے عہد کی حفاظت کرتا ہے

از وفائے حق تو بستہ دیدہ — اُذْکُرُوا اَذْکُرْکُمْ نشنیدہ

اللہ (تعالیٰ) کی وفاداری سے تونے آنکھ بند کر لی ہے — "تم یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا" تونے نہیں سنا ہے

گوش نہ اَوْفُوا بِعَہْدِیْ گوش دار — تا کہ اُوفِ عَہْدَکُمْ آید زیار

کان لگا "تم میرے عہد کی وفاداری کرو"، کو سن — تاکہ دوست کی جانب سے "میں تمہارا عہد پورا کروں گا" کی آواز آئے

عہد و قرضِ ما چہ باشد اے حزیں — ہمچو دانہ خشک کشتن در زمیں

اے غمگین! ہمارا عہد اور قرض کیا ہوتا ہے؟ — (ایسا ہی ہے) جیسا کہ زمین میں خشک دانہ بونا

نے زمیں را زاں فروغ و لمتری — نے خداوندِ زمیں را تانگری

اس سے زمین کو کوئی اضافہ یا برتری نہیں ہے — نہ زمین کے مالک کے لئے مالداری ہے

جز اشارت کہ ازیں می بایدم — کہ تو دادی اصل ایں را از عدم

سوائے اس اشارے کے کہ مجھے اس میں سے درکار ہے — کیونکہ تونے ہی اس کی اصل کو عدم سے عنایت کیا تھا

خوردم و دانہ بیاوردم نشاں — کہ ازیں نعمت بسوئے ما کشاں

میں نے کھا لیا اور ایک دانہ نشانی کے طور پر لے آیا ہوں — کہ اس نعمت کو ہمارے لئے بھیجو

چوں۔ جب انسان وفا سے خالی ہے تو اسکو خاموش رہنا چاہئے اسلئے کہ اس صورت میں اسکے دعوے میں دو برائیاں ہونگی ایک بے وفائی دوسرے دروغگوئی۔ کایں سخن۔ انسان کی زیادہ باتیں عموماً تکبر پر مبنی ہوتی ہیں۔ دخل۔ آمدنی۔ جب تک بات سینے میں ہے وہ روح کا جوہر ہے اسکو خرچ نہ کرنا چاہئے چوں بیامد۔ بات کرنے سے روح کا جوہر صرف ہوتا ہے تو اسکو خرچ نہ کرنا چاہئے۔

[1] مرد۔ اس خیال مغز ہے اور اس کی تعبیر کے الفاظ چھلکا ہیں جس قدر چھلکا کم ہوگا گودا بڑھے گا۔ بنگر۔ اخروٹ اور بادام اور پستہ کو دیکھ لے ان کا اگر چھلکا موٹا ہے گری کم نکلے گی۔ ہر کہ۔ گنہگار شیطان صفت ہو جاتا ہے۔ چونکہ۔ جب انسان عہدِ الست یا فرائض کے عہد میں وفاداری دکھاتا ہے تو پھر خدا اس کے عہد کی نگہبانی فرماتا ہے اور عہد شکنی سے بچاتا ہے

[2] اُذکروا۔ قرآن پاک میں ہے اُذْکُرُوْنِیْ اَذْکُرْکُمْ وَاشْکُرُوْا لِیْ وَلَا تَکْفُرُوْنِ۔ تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا اور میرا شکر ادا کرو اور کفر نہ کرو۔ اَوْفُوْا قرآن پاک میں ہے اَوْفُوْا بِعَہْدِیْ اُوْفِ بِعَہْدِکُمْ۔ تم میرے عہد کی وفا کرو میں تمہارے عہد کی وفا کروں گا۔ عہد و قرض۔ ہم جو اللہ تعالیٰ سے عہد کرتے ہیں یا اس کو قرض دیتے ہیں اس میں ہمارا ہی فائدہ ہے اس کی مثال یہ ہے کہ ہم زمین میں ایک دانہ بوتے ہیں اس سے زمین کو فائدہ نہیں تو ہمارا فائدہ ہے

[3] لمتری۔ مٹا پا۔ تانگری۔ [illegible]

پس دعائے خشک ہل اے نیک بخت — کہ فشاند دانہ می خواہد درخت
اے نیک بخت! خشک دعا کو چھوڑ دے — جو کہ دانہ بکھیرتا ہے، درخت چاہتا ہے

گر نہ داری دانہ ایزد زاں دعا — بخشدت نخلے کہ نعم ما سعی
اگر تیرے پاس دانہ نہیں ہے اللہ تعالیٰ اس دعا — تجھے کھجور عنایت کر دے گا کیونکہ اپنی جو کوشش کی ہے وہ اچھی ہے

ہمچو مریم[1] درد بودش دانہ نے — سبز کرد آں نخل را صاحب فنے
جس طرح کہ حضرت مریمؑ کے پاس درد تھا دانہ نہ تھا — صاحب تدبیر نے اس کھجور کو سر سبز کر دیا

زانکہ وافی بود آں خاتونِ راد — بے مرادش داد یزداں صد مراد
کیونکہ وہ دانا خاتون وفادار تھیں — اللہ نے ان کے مانگے بغیر سیکڑوں مرادیں دیدیں

آں جماعت را کہ وافی بودہ اند — بر ہمہ اصناف شاں افزودہ اند
جو لوگ وفادار ہوتے ہیں — تمام طبقوں پر ان کو فضیلت دیدی گئی ہے

گشت دریاہا تسخیر پردازِ شاں — صحن میدانہا تا اندرازِ شاں
دریا ان کی پرورش کرنے والے بنے ہیں — میدانوں کی وسعت ان کے رازِ نہ سما سکی

گشت دریاہا مسخر شان و کوہ — چار عنصر نیز بندہ آں گروہ
دریا اور پہاڑ ان کے تابع فرمان بنے — اس جماعت کے چاروں عناصر بھی غلام بنے

ایں[2] خود اکرامیست از بہرِ نشاں — تا ببینند اہلِ انکاراں عیاں
یہ دکھلانے کے لئے اکرام ہے — تاکہ منکرین واضح طور پر دیکھ لیں

آں کراماتہائے پنہاں شاں کہ آں — در نیاید در حواس و در بیاں
ان کی وہ پوشیدہ کرامتیں ہیں کہ وہ — حواس اور بیان میں نہیں آسکتیں

کار آں دارد خود آں باشد ابد — دائما نے منقطع نے مسترد
وہ ایسے کام رکھتی ہیں کہ وہ ابدی ہوتے ہیں — مسلسل، نہ منقطع ہوتے ہیں، نہ مسترد

بلکہ باشد در ترقی دمبدم — ہست آں بخشندہ صاحب کرم
بلکہ وہ ہر لحظہ ترقی میں ہوتے ہیں — وہ عطا کرنے والا کریم ہے

[1] ہمچو مریمؑ۔ حضرت مریمؑ نے کھجور کی گٹھلی نہیں بوئی تھی البتہ ان کو درد تھا اس سے درخت اُگ آیا۔ آں جماعت۔ اللہ کے عہد کو پورا کرنے والے سب افضل ہیں۔ گشت۔ حضرت موسیٰؑ نے تابوت میں دریا میں رہتے ہوئے اور حضرت یونسؑ نے مچھلی کے پیٹ میں دریا میں رہتے ہوئے پرورش پائی۔ چار عنصر۔ مختلف جگہ بتایا گیا ہے کہ آگ، پانی، ہوا، مٹی نے انبیاء کی مدد کی۔

[2] ایں خود۔ یہ معجزے محض لوگوں کو دکھانے کے لئے دیئے جاتے ہیں۔ آں کراماتہائے لیکن باطنی کرامتیں جو عوام کی نگاہوں سے مخفی ہوتی ہیں وہ اصل ہیں اور وہ دمبدم بڑھتی رہتی ہیں جیسی کہ استقامت فی الدین اور اتباعِ سنت وغیرہ

شرح

اوپر ایک شخص کے دعوے نبوت کرنے اور لوگوں کے اس کی تکذیب کرنے کا ذکر تھا۔ اب مولانا مضمون ارشاد کی طرف انتقال فرماتے ہیں اور مناط انتقال مطلق دعوے پیغمبری ہے۔ خصوصیت

کذب دعوے کو اس میں دخل نہیں فیں اس مضمون میں پیغمبری سے مراد مطلق احکام خداوندی کا پہنچانا ہے خواہ پہنچانے والا نبی ہو یا نائب نبی۔ جب یہ معلوم ہو چکا تو اب حل سنو! مولانا فرماتے ہیں کہ لوگوں کا اسکی تکذیب کرنا کچھ بعید نہیں کیونکہ خیر وہ تو جھوٹا تھا یہ تو سچوں کو بھی جھٹلاتے ہیں۔ اسلئے ان کے سامنے پیغام رسانی حق سبحانہٗ کا دعوے کرنا یونہی بے سود ہے۔ جیسے پہاڑ سے طالب تعقّل ہونا۔ بھلا کوئی پہاڑ اور پتھر سے بھی طالب تعقل ہوتا ہے اور چاہتا ہے کہ وہ مسائل دقیقہ کو سمجھے اور یاد رکھے۔ کوئی بھی نہیں۔ کیونکہ اس سے یہ توقع ہی فضول ہے اسلئے کہ اس کا تو یہ کام ہے کہ جو تم کہو گے وہی وہ کہہ دے گا۔ اور یوں دل لگی کریگا جیسے دل لگی باز کیا کرتے ہیں ـــ اسی طرح ان لوگوں سے بھی یہ توقع رکھنا کہ وہ مسائل و احکام الٰہیہ کو سمجھیں گے اور اس بنا پر ان کے سامنے دعوے پیغام رسانی کرنا بے سود ہے کیونکہ یہ بھی ان کو سنکر مسخرہ پن کریں گے۔ پس کجا یہ قوم کجا پیغام خداوندی۔ کیونکہ یہ تو پتھر ہیں اور پتھروں سے توقع فہم و قبول کون رکھ سکتا ہے۔

ان کی یہ حالت ہے کہ اگر تم کسی عورت یا روپے پیسے کا پیغام لاؤ اور یوں کہو کہ فلاں مقام پر ایک پری زاد تمہیں بلاتا ہے اور تم پر عاشق ہو گیا ہے۔ اور گو تم اسے جانتے ہو۔ مگر وہ تمہیں جانتا ہے۔ تو اس کو خوشی سے قبول کر لیں گے اور تمام مال و دولت بلکہ جان تک تمہارے سامنے حاضر کر دیں گے لیکن اگر تم خدا کا شیریں پیغام لاؤ۔ اور کہو کہ خدا تمہیں اپنی طرف بلاتا ہے۔ تم اس جہان فانی و بے سر و سامان سے۔ عالم باقی و با سر و سامان کی طرف چلو۔ اور جبکہ تمہارے لئے بقا ممکن ہے تو خواہ مخواہ فانی نہ بنو۔ تو اس کا یہ نتیجہ ہوگا کہ تمہارے خون کے پیاسے ہو جائیں گے۔ اور تمہارے جان لینے اور سر اتارنے کے درپے ہو جائیں گے۔ اور یہ غیرت دین و ایمان کی بنا پر نہ ہوگا) کیونکہ اگر ایسا ہو۔ تو اسکو صرف مدعی کاذب تک محدود رہنا چاہیئے۔ حالانکہ ایسا نہیں بلکہ مدعیان صادق کے

ساتھ بھی ان کا یہی برتاؤ ہے۔

پس ثابت ہوا کہ اس کا منشا محبت دینی نہیں ہے) بلکہ منشا اس کا حبِ دنیا ہے اور دنیا کیساتھ وابستگی کے سبب انکو یہ بیان اچھا نہیں معلوم ہوتا اور انکی حالت ایسی ہوتی ہے جیسے گدھے کی چنانچہ جب گدھے کے زخم پر کپڑا خوب چپک جاتا ہے تو جس وقت تم اس کو جدا کرنا چاہتے ہو تو وہ یقیناً تکلیف سے دولتی پھینکتا ہے۔ پس وہ شخص بہت ہی اچھا ہے جو اس سے بچے اور اُس کے زخم کو نہ چھیڑے اور اسے اس کی حالت پر چھوڑ دے کیونکہ وہ زخم پر سے کپڑا اکھیڑنے والے پر یقیناً دولتی پھینکتا ہے۔ بالخصوص اس وقت جبکہ پچاس زخم ہوں۔ اور ہر زخم پر کپڑا چپکا ہو۔ اور زخم کی حالت اتنی خراب ہو کہ اس سے خون و پیپ جاری ہو اور کپڑا خون وغیرہ میں ڈوبا ہوا ہو۔ ایسی حالت میں تو بالا والی دولتیاں پھینکے گا۔ پس لوگ گدھے ہیں اور ان کے حرص زخم اور امور دنیویہ کپڑا۔ پس جس کے اندر جس قدر حرص زیادہ ہوگی اسی قدر زخم زیادہ ہوں گے اور اُسی قدر ان سے کپڑا چھڑانا یعنی تعلقات قطع کرانا زیادہ ناگوار ہوگا۔ اور ترک تعلقات دنیویہ اُن کو اسلئے بھی ناگوار ہونا چاہیئے کہ دنیا ایک ویرانہ ہے اور لوگ اُلّو۔ اور اُلوؤں کا گھر بار تو ویرانہ ہی ہوتا ہے۔ وہ بغداد اور طبس کے اوصاف سننا بھی گوارا نہیں کرتے۔ ویرانہ کو چھوڑ کر وہاں جانا۔ تو درکنار۔ ان اُلوؤں (دنیاداروں) کے پاس اگر کوئی شاہی باز (عارف حق) آتا ہے اور بادشاہ کے سینکڑوں عجیب عجیب حالات بیان کرتا ہے اور دارالسلطنت (عالمِ غیب) اور باغ (جنت) اور نہروں (انہارِ جنّت) کے حالات بیان کرتا ہے تو ان میں سے ہر دشمن اس کا مذاق اڑاتا ہے اور کہتا ہے کہ باز (عارف) کیسا پرانا بے بنیاد قصہ لیکر آیا ہے کیونکہ اس میں حقیقت کا پتہ ہی نہیں بلکہ جو کچھ کہتا ہے سب لفاظی اور شیخی سے کہتا ہے۔

اب مولانا فرماتے ہیں کہ ارے کہنہ اور ناکارہ اور ہمیشہ سڑے گلے رہنے والے اور

ناقابلِ اصلاح معترضین ہیں ورنہ اہل اللہ کا کلام تو پُرانوں کو نیا اور ناقصین کو کامل بنا دیتا ہے اور عرصہ دراز کے مردہ دِلوں کو حیاتِ روحانی بخشتا ہے اور انکو تاج عقل اور نورِ ایمان بخشتا ہے۔ جب عارف کی یہ حالت ہے تو اے اہلِ دُنیا! تو تم اس جان بخش دلربا سے اپنا دل نہ چُراؤ۔ بلکہ اُسکو اس کے حوالہ کردو۔ تاکہ وہ تم کو عزت کے گھوڑے پر سوار کرے اور تم مقرب عنداللہ ہوجاؤ۔ اور تم اس عزت بخشنے اور تاج شاہی عطا کرنے والے سے سرکشی نہ کرو۔ کیونکہ وہ تمہارے دل کے پاؤں ان سینکڑوں گرہوں کو کھول دے گا۔ جس سے وہ ناسوت میں محبوس ہورہا ہے۔

مولانا جب اس مقام پر پہنچتے ہیں تو ان کو لوگوں کی نااہلیت سے تنگی لاحق ہوتی ہے اور فرماتے ہیں کہ میں یہ مضامین کس سے بیان کروں اس خراب آباد دنیا میں زندہ اور صاحب دل کون ہے جو میری بات کو سُنے اور سمجھے اور اس آبِ حیات کا طالب کون ہے جو اس کی طرف دوڑے۔ کوئی بھی نہیں پھر میرا کہنا فضول ہے۔ اگر کوئی ناقص کہے کہ میں عاشق حق ہوں۔ اور میں اس کلام کا طالب ہوں۔ تو میں اس سے کہتا ہوں کہ تمہاری حالت تو یہ ہے کہ تم ایک ذلت سے اس عشق کو سلام کروگے اسلئے تم عاشق نہیں ہو اور عشق کی تو تم کو ہوا بھی نہیں لگی بلکہ تم نے عشق کا صرف نام سُن لیا ہے۔ عشق حق یوں آسانی سے حاصل نہیں ہوتا۔ بلکہ وہ سینکڑوں ناز اور بہت کچھ نخوت اپنے اندر رکھتا ہے اسلئے وہ بہت سے ناز کرکے اور خوب آزما کے ہاتھ آتا ہے اور وجہ اسکی یہ ہے کہ وہ خود باوفا ہے اسلئے اپنے طالب کے اندر بھی وفاداری دیکھتا ہے اور وہ وفاداری کو چاہتا ہے۔ بے وفا کو آنکھ اُٹھاکر بھی نہیں دیکھتا۔ پس اگر تم عشق کے طالب ہو۔ تو وفادار بنو ——— یاد رکھو! کہ آدمی بمنزلہ درخت کے ہے اور علم بمنزلہ پتوں کے اور وفائے عہد حق سبحانہٗ بمنزلہ جڑ کے اور الطاف وعنایات حق سبحانہٗ بمنزلہ ثمرات کے۔ پس تم کو چاہیئے کہ پوری کوشش سے جڑ کی حفاظت کرو۔ اور وفائے عہد حق سبحانہٗ یعنی تقویٰ ہیں

خلل نہ آنے دو۔ کیونکہ اگر وفائے عہد میں خلل آئے گا تو جڑ خراب ہو جائیگی۔ کیونکہ عہد فاسد بمنزلہ بوسیدہ جڑ کے ہے **پس** درخت آدمی ثمرات الطافِ حق سے محروم ہو جائیگا

دیکھو! اگر اس درخت کی شاخیں اور پتے سبز ہوں یعنی علم آدمی کو حاصل ہو اور جڑ خراب ہو۔ یعنی تقوے میں خرابی ہو تو یہ سبزی شاخ و برگ مفید نہ ہوگی لیکن اگر سبز پتے نہیں ہیں اور علم دین میں نقصان ہے مگر جڑ یعنی تقوے درست ہے تو اس کے اثر سے سینکڑوں پتے پھوٹ آئیں گے اور سینکڑوں طرح کے علوم اسے حاصل ہونگے پس تم کو کسی کے علم سے دھوکا نہ کھانا چاہیئے بلکہ وفائے عہد یعنی تقوے ڈھونڈنا چاہیئے ایک وجہ تو اسکی وہ تھی جو ابھی بیان کی گئی اور دوسری وجہ یہ ہے کہ صرف علم بمنزلہ چھلکے کے ہے اور وفائے عہد بمنزلہ مغز کے۔ پس وفائے عہد مطلوب ہوگی نفسِ علم مطلوب نہ ہوگا۔ مگر تم خود تو کیا وفا کرتے۔ تمہاری حالت تو یہ ہے کہ جب تم دیکھتے ہو کہ اہلِ وفا نفع اٹھا رہے ہیں اور ان کی وفا کے ثمرات ان کو ملتے ہیں تو تم شیطان کی طرح ان پر حسد کرتے ہو۔ اور ہونا بھی یہی چاہیئے کیونکہ قاعدہ ہے کہ جس کے مزاج اور طبیعت میں خلل ہوتا ہے وہ دوسروں کی تندرستی نہیں چاہتا۔ پس اگر تم اس رشک و حسد... شیطانی سے بچنا چاہتے ہو تو دعوائے خودی کو چھوڑ کر وفا اختیار کرو اور جبکہ تم اپنے اندر وفا نہیں رکھتے تو خاموشی اختیار کرو۔ کیونکہ گفتگو اکثر اوقات دعویٰ ما و من یعنی دعوائے خودی سے خالی نہیں ہوتی۔ اس سے تمہارا دعوے چھوٹے گا اور وفا تمہارے اندر پیدا ہوگی۔ کیونکہ جب تک گفتگو سینہ کے اندر ہوتی ہے تو اس میں یہ خاصیت ہے کہ اس سے کمالات روحانیہ کی جو کہ بمنزلہ مغز کے ہیں آمد ہوتی ہے اور کمالات مذکورہ کو اس سے بہت ترقی ہوتی ہے لیکن جب وہ زبان پر آجاتے ہیں تو وہ کمالات خرچ ہونے لگتے ہیں پس تم خرچ میں کمی نہ کرو۔ تاکہ وہ مغز کمالات باقی رہے۔

یاد رکھو! کم گو شخص کے اندر غور و خوض کا مادہ بہت ہوتا ہے لیکن جب

آدمی زیادہ بولنے لگتا ہے تو وہ مغز فہم وغیرہ رخصت ہوجاتا ہے ۔ کیونکہ قاعدہ ہے کہ جب پوست زیادہ ہوتا ہے تو مغز کم ہوجاتا ہے اور جب پوست کم ہوتا ہے تو مغز زیادہ ہے اسکی تصدیق کے لیے تم پختہ اخروٹ، بادام اور پستہ وغیرہ کی حالت پر غور کرو ۔ اس سے تم کو ہمارے بیان کی تصدیق ہوجائے گی۔

پس تم وفادار بنو اور بے وفائی اور مخالفت کو چھوڑو ۔ کیونکہ جو شخص معاصی کا ارتکاب کرتا ہے وہ شیطان ہوجاتا ہے جو کہ اہل اللہ کی دولت پر حسد کرتا ہے اور جس وقت تم حق سبحانہ کے عہد طاعت کو پورا کرو گے ۔ حق سبحانہ اپنے کرم سے تمہارے عہد جزا کو ملحوظ رکھیں گے اور اسے پورا کریں گے چونکہ تم وفائے حق سے آنکھیں بند کئے ہوئے ہو۔ اسلئے تمہارے گوش جہالت میں اُذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ نہیں پہنچا اور تم جزائے حق سبحانہ سے حالاً نا واقف ہو ۔ پس تم کان لگاؤ اور اوّل اَوْفُوا بِعَهْدِي کو سنو ۔ اور اس حکم پر کاربند ہو ۔ تاکہ حق سبحانہ کی طرف سے اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ پر عمل ہو اور تمہیں اس کا نتیجہ ملے ۔ ہمارے عہد اور ہمارے فرض یعنی طاعت کی ایسی مثال ہے جیسے خشک دانہ زمین میں بونا کہ اس سے نہ زمین کو فائدہ اور زیادتی حاصل ہوتی ہے اور نہ مالک زمین کو اس سے تونگری حاصل ہوتی ہے ۔ بلکہ صرف اس میں یہ اشارہ ہوتا ہے کہ مجھے اس قسم کی چیز کی ضرورت ہے جو کہ تو نے عدم سے دی ہے ۔ یعنی میں اسکے مناسب جزا چاہتا ہوں میں نے وہ تیری نعمت کھالی ۔ اور اب یہ دانہ بطور نشانی کے لایا ہوں اور کہتا ہوں کہ اس قسم کی نعمت ہمیں اور دیجئے پس جس طرح بیج بونے میں خود اپنا ہی نفع ہے یوں ہی طاعت میں بھی خود اپنا ہی فائدہ ہے ۔ جب تمہیں یہ معلوم ہوگیا کہ عمل و طاعت بمنزلہ دانہ کے ہے ۔ تو اب تم کو چاہیئے کہ ثمرات کے لیے صرف دعا نہ کرو کیونکہ درخت مقتضی ہے دانہ افشانی کو اور اس کے بدوں توقع ثمرات لاحاصل ہے لیکن اگر تمہارے پاس دانہ اور طاعت نہیں ہے تو دعا ہی کرو کہ حق سبحانہ اسی دعا ہی سے تمہیں درخت یعنی

نتائج حمیدہ عطا فرمائیں گے کیونکہ یہ بھی ایک قسم کی سعی اور کوشش ہے اور کوشش جو بھی ہو اچھی ہے - چنانچہ مریم علیہا السلام کے پاس دانہ نہیں تھا صرف درد اور سوز تھا - اسی سے حق سبحانہ نے ان کے لیے نخل کو سرسبز کر دیا -

اب مولانا انتقال فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ حضرت مریم علیہا السلام چونکہ وفائے حق سبحانہ میں ثابت قدم تھیں - اس سے حق سبحانہ نے ان کو بدون انکی طلب کے سیکڑوں ...... مُرادیں عطا فرمائیں اور ایک یہ ہی نہیں بلکہ جو لوگ وفائے حق میں ثابت قدم تھے انکو تمام عالم سے بڑھا دیا ہے اور وہ وہ انعامات ...... ان پر کئے گئے ہیں جو اور کسی پر نہیں کئے گئے ــــ چنانچہ دریاؤں نے ان کے لئے اپنا پیٹ خالی کر دیا ہے اور وہ خشک ہو گئے ہیں جیسے موسٰی علیہ السلام کے لئے ہوا - اور ان کی یہ حالت ہے کہ بڑے بڑے میدان ان کے اسرار کا تحمل نہیں کر سکتے -

[فائدہ : "گشتہ دریا ہا مسخر بر داز شان" کو الحاقی شعر سمجھا گیا ہے] نیز ان کے لیے دریاؤں اور پہاڑوں کو مسخر کر دیا گیا ہے - نیز عناصر اربعہ ان کے غلام ہیں یعنی بحکمِ الٰہی اوقات خاصہ میں خرق عادات کے طور پر ان کے تصرفات نافذ ہوتے ہیں ان کی یہ کرامتیں تو بطور نشانی کے ہیں تاکہ اس دریچہ سے منکرین کو آپ کی وہ مخفی کرامتیں مشاہد ہو جائیں جو حواس میں نہیں آسکتیں اور بیان میں نہیں سما سکتیں -

کیونکہ یہ فانی ہیں اور وہ باقی اور کار آمد وہی شے ہے جو ہمیشہ رہے کہ نہ تو ختم ہو - اور نہ واپس لی جائے بلکہ ہمیشہ بڑھتی رہے اسلئے کہ اس کا دینے والا صاحب کرم ہے جو نہ اپنا اکرام روکتا ہے کہ وہ ختم ہو جائے - اور نہ واپس لیتا ہے کہ مسترد ہو جائے - بلکہ ہمیشہ بڑھاتا رہتا ہے جس سے ترقی ہوتی رہتی ہے

در مناجات
دُعا

اے دہندہ قوت و تمکین و ثبات — خلق را زیں بے ثباتی دہ نجات

اے روزی اور استقلال اور پائیداری عنایت کرنیوالے — مخلوق کو اس ناپائیداری سے نجات دیدے

اندراں کاریکہ ثابت بودنی ست — قائمی دہ نفس را کہ منثنی ست

اس کام میں جو پائیداری کے قابل ہے — نفس کو بقا عنایت کردے وہ پلٹ جانیوالا ہے

اندراں کاریکہ دارد آں ثبات — قائمی دہ نفس را بخشش حیات

وہ کام جو پائیدار ہو — نفس کو ٹھکانہ دے، اس کو زندگی بخش

صبرشاں بخش و کفۂ میزاں گراں — وارہاں شاں از دم صورتگراں

ان کو صبر عطا کر اور ترازو کا بھاری پلڑا — بہروپیوں سے ان کو نجات دے

وز حسودی بازشاں خرائے کریم — تانباشد از حسد دیو رجیم

اے کریم! ان کو حسد سے بچالے — تاکہ وہ حسد کی وجہ سے مردود شیطان نہ بنیں

سے اے دہندہ چونکہ پہلے وفاداری اور عہد کی پابندی کا ذکر آیا تھا تو مولانا نے اسکے لئے دعا شروع کردی ہے.... بے ثباتی یعنی عہد پر قائم نہ رہنا. اندر جن کاموں میں استقلال اور پائیداری ضروری ہے ان میں اس منحرف ہوجانیوالے نفس کو پائیداری عطا کردے.

لہ کفہ ترازو کا پلڑا یعنی اس ترازو کا پلڑا جو قیامت میں اعمال کو تولنے کیلئے قائم کی جائے گی. صورتگراں. بہروپیے یعنی جھوٹے پیر. از حسودی. حسد کی وجہ سے انسان شیطانی صفت سے متصف ہوجاتا ہے.

شرح

چونکہ اوپر دوام کرامت و تقرب عنداللہ کا ذکر تھا جو مستلزم تھا دوام طاعت کو۔ اسلئے مولانا دوام طاعت کی توفیق کی مناجات کرتے ہیں اور فرماتے ہیں "اے غذا اور تمکین و ثبات و استقامت دینے والے خدا! مخلوق کو اس ڈھل مِل پن سے چھڑادے اور جس کام میں استقامت ہونی چاہیئے۔ اس پر نفس کو استقامت عطا فرما۔ کیونکہ یہ اُس پر قائم... نہیں رہتا بلکہ اس سے پھر جاتا ہے اور جو کام اپنے بہتر نتیجہ کے لحاظ سے باقی رہنے والا ہو۔ یعنی طاعت۔ تو اس پر نفس کو جمادے۔ اور اس ذریعہ سے اسے حیات بخش انکو صبر علی الطاعۃ نصیب فرما۔ اور ان کی نیکیوں کے پلّہ کو بھاری کر ——— اور تو انہیں صورتگروں یعنی صورت میں مجبوس لوگوں کے پھندوں سے چھڑادے۔ (غالباً مراد صورتگروں سے نفس و شیطان ہیں) اور ان کو اپنے بندگانِ خاص کے حسد سے نجات دے تاکہ یہ لوگ اس حسد کی بدولت شیطان نہ ہوجائیں۔

در نعیمِ فانی و مال و جسد — چوں ہمی سوزند عامہ از حسد

فانی نعمتوں اور مال اور جسم میں — عوام حسد سے کیسے جلتے ہیں؟

بادشاہاں بیں کہ لشکر می کشند — از حسد خویشانِ خود را میکشند

بادشاہوں کو دیکھ کہ لشکرکشی کرتے ہیں — حسد کی وجہ سے اپنوں کو مار ڈالتے ہیں

عاشقانِ لعبتانِ پر قذر — کردہ قصدِ خون و جانِ یکدگر

گندی گڑیوں کے عاشق — ایک دوسرے کا خون اور جان لیتے ہیں

ویس و رامیں خسرو و شیریں بخواں — تا چہ کردند از حسد آں ابلہاں

ویس اور رامیں، خسرو اور شیریں (کا قصہ) پڑھ لے — ان احمقوں نے حسد سے کیا کیا ہے

تا فنا شد عاشق و معشوق نیز — کہ نہ چیزند و ہوا شاں ہم نچیز

یہاں تک کہ عاشق اور معشوق بھی فنا ہو گیا — کیونکہ وہ ناچیز تھے اور ان کی محبت بھی ناچیز تھی

پاک اِلٰہی کہ عدم برہم زند — مر عدم را بر عدم عاشق کند

خدا (فنا سے) پاک ہے کیونکہ وہ عدم کو بگاڑ دیتا ہے — عدم کو عدم پر عاشق بنا دیتا ہے

در دلِ نہ دل حسدہا سر کند — نیست را و ہست را مضطر کند

بے دل کے دل میں حسد پیدا ہو جاتے ہیں — معدوم اور موجود کو بے چین کر دیتا ہے

ایں زنانے کز ہمہ مشفق تر اند — از حسد دو ضرّہ خود را می خورند

یہ عورتیں جو سب سے زیادہ شفقت کرنے والی ہیں — حسد کی وجہ سے دو سوکنیں اپنے آپ کو کھا جاتی ہیں

تا کہ مردانے کہ خود سنگیں دل اند — از حسد اندر کدامیں منزل اند

یہاں تک کہ مرد جو خود سنگدل ہیں — حسد کی وجہ سے کونسی منزل میں ہیں!

گر نکردے شرع افسونِ لطیف — بر دریدے ہر کسے جسمِ حریف

اگر شریعت پاکیزہ منتر (تدبیر) مقرر نہ کرتی — ہر شخص مخالف کا جسم پھاڑ ڈالتا

شرع بہرِ دفعِ شر رائے زند — دیو را در شیشۂ حجت کند

شریعت شر کو دفع کرنے کیلئے ایک تدبیر کرتی ہے — بھوت کو دلیل کی بوتل میں بند کر دیتی ہے

از گواہ و از یمین و از نکول — تا بہ شیشہ در رود دیوِ فضول

گواہ اور قسم اور قسم کے انکار کے ذریعہ — تاکہ بیہودہ بھوت، بوتل میں آ جائے

مثلِ میزانے کہ خوش در دو ضد — جمع می آید یقیں در ہزل و جد

ترازو کی طرح، کہ اس میں دونوں مخالف خوش — یقیناً متفق ہو جاتے ہیں مذاق میں اور سنجیدگی میں

شرع چوں کیل و ترازو داں یقیں — کہ بدو خصماں رہند از جنگ و کیں

شریعت کو یقیناً پیمانہ اور ترازو کی طرح سمجھ — کیونکہ دو جھگڑنے والے اس کے ذریعے لڑائی اور کینہ سے نجات پا جاتے ہیں

گر ترازو نبود آں خصم از جدال — کے رہد از وہم حیف و احتیال

اگر ترازو نہ ہو تو مخالف جھگڑے کی وجہ سے — ظلم اور حیلہ گری کے وہم سے کب چھوٹ سکتا ہے؟

درنعیم: حسد عموماً ایسی چیزوں پر ہوتا ہے جو خود فانی ہیں۔ بادشاہاں: بادشاہ رشتہ داروں کو محض حسد کی وجہ سے قتل کرا دیتے ہیں۔ عاشقاں: فانی اور غیرت کے لوازم سے پُر معشوقوں کے عشق میں، عاشق ایک دوسرے کو قتل کر ڈالتے ہیں۔ ویس یک معشوقہ کے عاشق رامیں نے رقیبوں کو قتل کیا۔ خسرو، شیریں کے عاشق نے فرہاد کو مروایا۔

۵۲ تا فنا شد: اس حسد کے نتیجہ میں عاشق بھی فنا ہوا اور معشوق بھی ہمیشہ زندہ نہ رہا۔ پاک: عشق ہو تو ذات الٰہی سے ہو جو ہمیشہ باقی رہنے والی ہے۔ کہ عدم: فانی معشوق کو فنا کر دیتا ہے، فانی کو فانی پر عاشق بنا دیتا ہے۔ در دل: وہ عاشق جو اپنے آپ کو بے دل کہتا ہے اُسکے دل میں حسد سر ابھارتا ہے۔ ایں زنانے: عورتوں میں شفقت کا مادّہ زیادہ ہے لیکن وہ بھی حسد میں مبتلا ہیں۔ ایک سوکن دوسری سوکن کو کھائے جاتی ہے۔

۵۳ تا کہ مردانے: جب عورت کا یہ حال ہے تو سنگدل مردوں کے احوال کا اندازہ لگاؤ۔ افسون: منتر یعنی قاعدہ، اصول، حکم شرع۔ مشہور ہے کہ جن کو منتر کے ذریعہ

۵۵ از گواہ: اگر مدعی کے پاس گواہ ہوں تو ثبوت کیلئے اس سے گواہ طلب کئے جاتے ہیں ورنہ مدعی علیہ سے قسم لی جاتی ہے اور اس کی قسم اور قسم سے انکار پر فیصلہ کیا جاتا ہے۔ نکول: قسم سے انکار کرنا۔ مثل میزانے: فریقین کو مطمئن کرنے کا یہ طریقہ ایسا ہی ہے جیسا کہ ترازو فریقین کو

پس دریں مُردارِ زشت بے وفا تو اس مُردار، بُری بے وفا (دنیا) میں	ایں ہمہ رشک ست خصمی و جفا پورا رشک اور جھگڑا اور ظلم ہے
پس[1] دراں اقبال و دولت چوں بود تو اس (آخرت کے) اقبال اور دولت میں کیسا ہوگا	چوں شود جنی و انسی در حسد جن اور انسان کیسے حسد میں ہوں گے ؟
آں شیاطیں خود حسودِ کہنہ اند وہ شیطان خود پرانے حاسد ہیں	یک زماں از رہزنی خالی نیند تھوڑی دیر کے لئے بھی رہزنی سے خالی نہیں ہیں
واں بنی آدم کہ عصیاں کشتہ اند وہ بنی آدم جنہوں نے گناہ بوئے ہیں	از حسودی نیز شیطاں گشتہ اند وہ بھی حسد کی وجہ سے شیطان بن گئے ہیں
از نُبی برخواں کہ شیطانانِ انس قرآن میں پڑھ لے کہ انسانی شیطان	گشتہ اند از مسخ حق با دیو جنس اللہ (تعالیٰ) کے مسخ کرنے سے شیطان کے ہم جنس بنے ہیں
دیو چوں عاجز شود از افتناں شیطان جب انسان کے فتنہ میں پڑنے سے عاجز آجاتا ہے	استعانت جوید او از انسیاں وہ انسانوں سے مدد مانگتا ہے
کہ[3] شما یارید با ما، یاریے کہ تم ہمارے دوست ہو، مدد کرو	جانب مائید، جانب داریے ہمارے جانب دار ہو، جانبداری کرو
گر کسے را رہ زنند اندر جہاں اگر وہ دنیا میں کسی کی رہزنی کرتے ہیں	ہر دو گوں شیطاں برآید شادماں تو دونوں قسم کے شیطان خوش ہوتے ہیں
ور کسے جاں برد و شد در دیں بلند اگر کسی نے جان بچالی اور دین میں بلند ہوگیا	نوحہ میدارند آں دو رشک مند دونوں رشک کرنے والے روتے ہیں
ہر دو[4] می خایند دندانِ حسد دونوں حسد سے دانت پیستے ہیں	بر کسے کہ داد ادیب او را خرد اس شخص پر جس کو استاد نے عقل سکھادی ہو

سلطنت کرتی ہے۔ خیرتے۔ یہ شرعی فیصلہ فریقین کیلئے اسی طرح باعث اطمینان ہوتا ہے جس طرح جبر کرنا۔ پر کریا تول کر فیصلہ کرنا باعث اطمینان ہوتا ہے۔ حیف۔ ظلم ہتیا۔ حیلہ گری۔

[1] پس جب دنیا کی ناپائیدار چیزوں میں حسد اور رشک کا یہ حال ہے تو اخروی نعمتوں میں حسد و رشک کا اندازہ خود لگالو۔ آں شیاطین شیطان تو حاسد ہوتا ہی ہے انسان بھی حسد کرکے شیطان بن جاتا ہے۔ از نُبی۔ قرآن میں شیطانوں کی دو قسمیں بتائی گئی ہیں ایک جنی ایک انسی۔ دیو جنی شیطان جب کسی معاملہ میں خود عاجز آجاتا ہے تو پھر انسانوں میں سے شیاطین کو اپنی مدد کیلئے بلاتا ہے۔ افتناں۔ فتنہ میں مبتلا ہونا

[3] کہ شما۔ شیطان مایوس ہوکر انسانی شیطانوں کو پکارتا ہے۔ یاریے یعنی تم ہماری مدد کرو۔ گر کسے۔ اگر کوئی کسی کو گمراہ کرتا ہے تو جنی اور انسانی شیطان اسپر خوشی مناتے ہیں۔ ور کسے۔ اگر کسی سے نیکی صادر ہوتی ہے

شرح

یہاں مولانا اس امر کو ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ اہل اللہ پر حسد ہوتا ہے جس کا انہوں نے شعر "ہر کہ او عصیاں کند شیطاں شود،" کہ حسود دولت نیکاں شود۔ واز حسودی باز رستاں خرائے کریم ..... دعویٰ کیا ہے۔ اور فرماتے ہیں کہ دیکھو ! نعمتہائے فانیہ اور اموال و ابدان کے بارہ میں عام لوگ کیسے چلتے ہیں۔ مثلاً کوئی راحت میں ہے۔ دوسرا اسے دیکھ کر جلتا ہے یا کسی کے

پاس مال ہے اور دوسرا اُسے دیکھ کر جلتا ہے۔ یا کوئی تندرست ہے اور دوسرا اُسے دیکھ کر جلتا ہے وغیرہ وغیرہ۔

اور دیکھو! بادشاہ جو کہ لشکر کشی کرتے ہیں۔ اسکی یہ حالت ہے کہ حسد سے اپنے عزیزوں کو مار ڈالتے ہیں — اور سُنو! جو لوگ ان حسینوں پر عاشق ہوتے ہیں جن کے اندر گوہ بھرا ہوتا ہے۔ وہ ایک دوسرے کا خون کرنے اور اس کی جان لینے کے دَر پے ہوتے ہیں۔ چنانچہ دیس اور رامین۔ خسرو اور شیریں کا قصہ پڑھ لو۔ اور دیکھ لو۔ کہ ان احمقوں نے کیا کیا۔ اور ان کے حسد کا نتیجہ کیا ہُوا یہ ہوا کہ عاشق بھی مٹ گیا اور معشوق بھی۔ حالانکہ نہ ان عاشقوں میں کوئی خوبی تھی اور نہ ان کے معشوق میں کچھ تھی۔ پس سے جبکہ عاشقانِ رسمی بھی کوئی چیز نہیں اور ان کے معشوق بھی لاشے ہیں تو بے ساختہ دل سے نکلتا ہے کہ پاک ہے وہ خدا جو اعدام کو گڈمڈ کرتا۔ یعنی ایک عدم کو دوسرے عدم پر عاشق کرتا ہے اور اسی دل میں جو حقیقت میں دل نہیں ہے حسد پیدا کرتا ہے۔

اسی سے تم حق سبحانہٗ کی قدرت اور قوت کا اندازہ کر لو اور سمجھ لو۔ کہ وہ موجود حقیقی اعدام کو یوں مضطر کر دیتا ہے۔ جیسا کہ تم کو امثلہ بالا سے معلوم ہُوا — خیر یہ تو جُملہ معترضہ تھا۔ اب پھر مضمون سابق سنو — یہ عورتیں جو اپنی نرم دلی کے سبب سب سے مشفق ہیں۔ ان کی یہ حالت ہے کہ حسد سے ایک سوت دوسرے سوت کو کھائے جاتی ہیں اسی سے سمجھ لو کہ مرد جو کہ سنگ دل ہیں ان کا حسد کس مرتبہ پر پہنچا ہوا ہوگا۔ شریعت مطہرہ کا بڑا احسان ہے کہ اس نے قوانین و ضوابط مقرر کر کے اس کے مفاسد کی روک تھام کر دی۔ ورنہ اگر شریعت یہ پاکیزہ تدبیر نہ کرتی تو ہر شخص اپنے مقابل کے ٹکڑے کر ڈالتا۔ لہٰذا شریعت نے اس مفسدہ کا انسداد کیا۔ اور وُہ قوانین و ضوابط پر رائے زنی کرتی ہے۔ اور شیطان یعنی حاسد کو حجت کے شیشہ میں

بند کرتی ہے یعنی اسے قانون سے مغلوب کرتی ہے چنانچہ مدعی سے کہتے ہیں گواہ لاؤ۔ اور اگر وہ گواہ نہیں پیش کرسکتا تو مدعا علیہ سے کہتے ہیں کہ قسم کھاؤ اس پر اگر وہ قسم کھالیتا ہے تو اُسے چھوڑ دیتی ہے اور اگر قسم سے انکار کرتا ہے تو اس پر ڈگری کرتی ہے اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ شیطان شیشہ میں بند ہوجاتا ہے یعنی حاسد مغلوب اور مجبور ہوجاتا ہے۔

اس قانون کی ایسی مثال ہے جیسے ترازو۔ کہ اس کے دو مخالف ہر حالت میں متفق ہوجاتے ہیں مثلاً جب کسی شئے کے وزن میں اختلاف ہوتا ہے تو ترازو کو حکم بناتے ہیں۔ اور جو فیصلہ وہ کرتی ہے اسے فریقین بخوشی تسلیم کرتے ہیں بس یہی حالت قانون شرعی کی ہے کہ جب دو شخصوں میں نزاع ہوتا ہے تو شریعت حکم بنتی ہے اور اس کا فیصلہ ہر دو فریق کو تسلیم کرنا پڑتا ہے۔ اگر ترازو شریعت نہ ہو تو کوئی فریق بھی اپنے جھگڑالو پن کے سبب ظلم اور مکر کے شبہ سے نہیں چھوٹ سکتا اسلئے ضرورت ہے اس ترازو کی۔

خیر! یہ مضمون تو استطرادی تھا کہنا ہم کو یہ ہے کہ جب اس مردار اور مکروہ اور بے وفا دنیا کی یہ حالت ہے کہ اس کے بارہ میں اس قدر رشک اور عداوت اور ظلم ہے تو اس اقبال اور دولت میں تو بالا دلے ہونا چاہیئے۔ جو کہ اہل اللہ کو حاصل ہوتی ہے۔ پس تم سمجھ سکتے ہو کہ اس کے حسد میں جن و انس کی کیا حالت ہوگی پس اہل اللہ کا محسود ہونا ثابت ہوگیا۔

اب سنو! کہ شیاطین تو قدیمی دشمن ہیں اور تھوڑی دیر کے لیے بھی راہزنی سے فارغ نہیں ہوتے۔ ان کا تو ذکر ہی کیا ہے کہنا تو یہ ہے کہ وہ آدمی بھی جو گناہوں کا بیج بو چکے ہیں اور گناہ کرنے کے عادی ہوگئے ہیں حسد سے شیطان ہوگئے ہیں۔

اسلئے شیطان دو قسم کے ہوگئے اول شیطان الجن دوم شیطان الانس۔ چنانچہ

قرآن میں ان کا تذکرہ ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ شیطان انسی مسخ حق سبحانہٗ سے شیاطین الجن کے ہم جنس ہو گئے ہیں [یہ مضمون مستنبط ہے قرآن سے نہ کہ عین ترجمہ آیت] جس وقت شیطان الجن مکر سے عاجز ہو جاتے ہیں تو وہ شیاطین الانس سے مدد لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تم ہمارے مُعین ہو۔ ہماری مدد کرو۔ اور تم ہماری طرف ہو لہٰذا ہماری طرفداری کرو۔ اور اگر وہ کسی کی راہزنی کرتے ہیں تو اس سے دونوں قسم شیاطین کو خوشی ہوتی ہے۔ اور اگر کوئی ان کی گھات سے بچ کر اپنی جان لے جاتا ہے اور گمراہ نہیں ہو سکتا۔ تو یہ دونوں حاسد ماتم کرتے ہیں اور جس کسی کو کوئی مصلح عقل دیتا ہے یعنی اسکی تربیت کر کے نفع و نقصان سمجھتے اور نقصان سے بچ کر نفع حاصل کرنے کے قابل بنا دیتا ہے تو یہ دونوں حاسد حسد سے دانت پیستے ہیں اور کہتے ہیں کہ ایسا کیوں ہوا۔

پرسیدنِ شاہ ازاں مُدّعیِ نبوت کہ آنکہ رسولِ راستیں باشد

بادشاہ کا نبوت کے مدعی سے دریافت کرنا کہ جو سچا رسول ہو اور ثابت

وثابت شود با او چہ باشد کہ کسے را بخشد و یا بصحبت و خدمتِ

ہو جائے تو اس کے پاس کیا ہوتا ہے کہ وہ کسی کو بخشے اور اس کی صحبت و خدمت

اُو چہ بخشش یابند غیرِ نصیحت کہ بزبان میگوید

سے وہ کیا بخشش پائیں گے سوائے اس نصیحت کے جو وہ زبانی کرتا ہے

شاہ پرسیدش کہ بارے وحی چیست · یا چہ حاصل دارد آنکس کو نبیست

بادشاہ نے اس کو پوچھا کہ اچھا بتاؤ کہ وحی سے فائدہ کیا ہے · یا جو نبی ہے اس کو کیا حاصل ہے؟

یا چہ بخشد ہر کسے را در سخن · غیر ایں نصحِ زبان کُن یا مکُن

یا وہ بات کرنے میں کسی کو کیا دیتا ہے؟ · سوائے اس زبانی نصیحت کے کہ کر یا نہ کر

چیست نفع از خدمتش در صحبتش · وانکہ تابع گشت چہ بود رفعتش

اس کی صحبت میں اس کی خدمت سے کیا نفع ہے؟ · اور جو اس کے تابع ہو جائے اس کو کیا بلندی حاصل ہوا

گفت خود آں چیست کش حاصل نشد · یا چہ دولت ماند کو واصل نشد

اس نے کہا وہ کیا چیز ہے جو اس کو حاصل نہ ہوئی! · یا وہ کونسی دولت رہ گئی جو اس کو نہ ملی؟

لہ ہر دو۔ دونوں قسم کے شیاطین نیکی کرنے والے پر غضبناک ہوتے ہیں۔ پرسیدن۔ بادشاہ نے اس مسخرے سے پوچھا کہ وحی سے صاحب وحی اور دوسروں کو کیا فائدہ ہے؟۔ بارے۔ بمعنی اب یا بار بمعنی پھل اور یا اضافت کے کسرے کے عوض میں ہے۔ حاصل۔ پیدا وار۔ آمدنی کُن یا مکُن یعنی امر اور نہی … وانکہ۔ ماننے والوں کو کیا بلندی حاصل ہوتی ہے۔ گفت مسخرہ نے کہا آپ یہ بتائیے کہ وہ کونسا فائدہ ہے جو صاحب وحی کو حاصل نہیں ہوتا ہے۔

گیرم این وحیِ نبی گنجور نیست
میں نے مانا کہ یہ خزانہ کے مالک کی وحی نہیں ہے
ہم کم از وحیِ دلِ زنبور نیست
پھر بھی شہد کی مکھی کے دل کی وحی سے کم نہیں ہے

چونکہ اَوْحَی الرَّبُّ اِلَی النَّحْلِ آمدست
چونکہ اللہ نے شہد کی مکھی کو وحی کی ، نازل ہوا ہے
خانۂ وحیش پُر از حلوا شدست
اُس کی وحی کا گھر شہد سے بھر گیا ہے

او بنورِ وحیِ حق عزّ و جل
اُس نے اللہ عزّ و جل کی وحی کے نور سے
کرد عالم را پُر از شمع و عسل
دنیا کو موم اور شہد سے بھر دیا

این کہ کرّمناست بالا می رود
یہ جو کہ "ہم نے عزت بخشی" ہے اونچا جاتا ہے
وحیش از زنبور کے کمتر بود
اُس کی وحی، شہد کی مکھی سے کب کم ہوگی؟

نے تو اَعْطَیْنَاکَ کوثر خواندہٗ
کیا تونے "ہم نے تجھے کوثر دی ہے" نہیں پڑھا ہے؟
پس چرا خشکی و تشنہ ماندہٗ
پس تو کیوں خشک اور پیاسا ہے؟

یا مگر فرعونی و کوثر چو نیل
یا شاید تو فرعون اور کوثر نیل کی طرح ہے؟
بر تو خون گشتست ناخوش اے علیل
اے بیمار! جو تجھ پر خون اور ناگوار بن گئی ہے

توبہ کن بیزار شو از ہر عدو
توبہ کرلے، (خدا کے) ہر دشمن سے بیزار بن جا
کو ندارد آبِ کوثر در کدو
جس کے کدو میں آبِ کوثر نہیں ہے

ہر کرا دیدی ز کوثر سرخ رو
تو جس کو کوثر سے سرخرو دیکھے
او محمدؐ خوست با او گیر خو
وہ محمدؐ کے مزاج والا ہے، اُس کی عادت اختیار کر

تا اَحَبَّ اللہ آئی در حسیب
تاکہ تو "اس نے خدا سے محبت کی" کی شمار میں آجائے
کز درختِ احمدی با اوست سیب
کیونکہ اس کے پاس احمدیؐ درخت کے سیب ہیں

ہر کرا دیدی ز کوثر خشک لب
تو جس کو کوثر سے خشک لب دیکھے
دشمنش میدار ہمچوں مرگ و تب
اُس کو موت اور بخار کی طرح دشمن سمجھ

زانکہ او بوجہل شد یا بولہب
کیونکہ وہ ابوجہل یا ابولہب ہے
دور شو زو تا نیفتی در کرب
تو اس سے بھاگ جا، تاکہ مصیبت میں نہ پھنسے

گرچہ بابائے تو ہست و مامِ تو
خواہ وہ تیرا باپ یا ماں ہو
کو حقیقت ہست خون آشامِ تو
کیونکہ وہ دراصل تیرا خون پینے والا ہے

از خلیلِ حق بیاموز اے پسر
اے بیٹا! (حضرت) ابراہیمؑ سے سیکھ لے
کہ شد او بیزار اوّل از پدر
کہ وہ پہلے باپ ہی سے بیزار ہوئے

تا کہ اَبْغَضَ لِلّٰہ آئی پیشِ حق
تاکہ تو اللہ کے سامنے "اُس نے خدا کیلئے بغض کیا" بن جائے
تا نگیرد بر تو رشکِ عشق دق
تاکہ تیرے اوپر عشق کا رشک مصیبت نہ ڈالے

تا نخوانی لَا و اِلَّا اللہ را
جب تک تو "لا" "الا اللہ" نہ پڑھ لے گا
در نیابی منہجِ ایں راہ را
اس طریقہ کا راستہ نہ پائے گا

---

۵۷ گیرم۔ اس مصرعے کا یہ مطلب ہے کہ میں نے مانا کہ میری وحی وہ وحی نہیں ہے جو کسی بڑے نبی کے پاس آئی ہو لیکن شہد کی مکھی کو جو وحی آئی تھی اُس سے تو کم درجہ کی نہیں ہے۔ وحی کے دو معنی ہیں، ایک تو وہ کلام خداوندی جو کسی فرشتہ کے ذریعہ کسی نبی پر نازل ہو، دوسرے معنی اشارے اور دل میں کسی بات کے آنے کے ہیں۔ مصرعے نے دوسرے معنی مراد لئے ہیں۔ اَوْحٰی۔ قرآن پاک میں ہے وَاَوْحٰی رَبُّکَ اِلَی النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِیْ مِنَ الْجِبَالِ بُیُوْتًا وَّمِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا یَعْرِشُوْنَ: اور تیرے رب نے شہد کی مکھیوں کو الہام کیا کہ پہاڑوں میں سے اور درختوں سے اور اُن سب چیزوں سے جو یہ چھپر بناتے ہیں۔

۵۸ کوثر۔ قرآن پاک میں آنحضورؐ کو خطاب کرکے فرمایا گیا ہے اِنَّا اَعْطَیْنٰکَ الْکَوْثَرَ ۔ بے شک ہم نے تجھے کوثر عطا کی ہے۔ کوثر حقیقتاً جنت میں ایک حوض ہے یہاں اُس سے آنحضورؐ کے ظاہری اور باطنی فیوض مراد ہیں۔ یا مگر۔ شاید تو فرعون صفت ہے کہ تیرے لئے کوثر، کوثر نہیں رہی جیسا کہ فرعون کے لئے دریائے نیل کا پانی، پانی نہ رہا تھا بلکہ خون بن گیا تھا۔ توبہ کن۔ جو انسان آنحضورؐ کی اُس کوثر سے سیراب نہیں ہوا ہے اُس سے ہر شخص کو بیزار رہنا چاہیے۔ ہر کہ جس شخص نے حضورؐ کی کوثر سے سیرابی حاصل کی ہے تم اُس کی عادت اختیار کرو۔ احب۔ حدیث شریف میں ہے مَنْ

شرح

اب مولانا قصۂ مدعی نبوت کی طرف عود فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ بادشاہ نے اس مدعی نبوت سے پوچھا کہ آپ جو لوگوں کو اپنی اتباع کی دعوت دیتے ہیں اسکے متعلق مجھے یہ دریافت کرنا ہے۔ کہ وحی کیا چیز ہے اور نبوت سے نبی کو کیا چیز حاصل ہوتی ہے اور وہ اپنی باتوں سے لوگوں کو کیا دیتا ہے بجز زبانی نصیحت کے۔ کہ یہ کرو وہ نہ کرو۔ اور اس کی خدمت اور اس کی صحبت سے لوگوں کو کیا نفع ہے۔ اور جو اس کا اتباع کرے اسکو کیا رتبہ ملتا ہے اسنے کہا کہ جناب! آپ یہ پوچھتے ہیں کہ متبعین نبی کو کیا ملتا ہے ـــــ میں کہتا ہوں کہ وہ کیا ہے جو نہیں ملتا اور کون سی دولت ہے جو انہیں حاصل نہیں ہوتی۔ پس پوچھنا ہی بے معنیٰ ہے کہ انہیں کیا ملتا ہے الغرض! متبعین نبی کو سب کچھ ملتا ہے لہٰذا لوگوں کو میرا اتباع کرنا چاہیئے۔ اچھا میں مانتا ہوں کہ میں نبی نہیں ہوں اور میری وحی نبوت نہیں ہے جو کہ نبی پر آتی ہے مگر وہ اس وحی سے تو کم نہیں ہے جو زنبور یعنی شہد کی مکھی پر آئی تھی ـــــ دیکھو! جبکہ حق سبحانہٗ نے شہد کی مکھی پر وحی بھیجی یعنی اس کے دل میں گھر بنانے کا خیال اور اس کا طریق ڈالا۔ تو اسکی برکت یہ ہوئی کہ اس کا گھر جس کے متعلق وحی کی گئی تھی شیرینی سے بھر گیا اور زنبور نے نورِ وحی کے سبب عالم کو موم اور شہد سے پُر کر دیا۔ پس جبکہ مکھی کی یہ حالت ہوئی تو آدمی جو کہ مکرم عنداللہ ہے اور ترقی کرنے والا ہے اس کی وحی زنبور کی وحی سے کم کیسے ہوسکتی ہے۔ کیا تم نے اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ نہیں پڑھی۔ جس میں علوم و معارف کو آبِ کوثر سے تشبیہ دی گئی ہے جب پڑھی ہے تو پھر تم پیاسے اور خشک لب کیوں ہو؟ اور

کیوں اس کوثر سے سیراب نہیں ہوتے یا تم فرعون ہو اور وہ کوثر آبِ نیل ہے جو کہ تمہارے لیے خون ہوگیا ہے اور تم اس سے سیراب نہیں ہوسکے اگر ایسا ہے تو فوراً توبہ کرو اور تمام ان دشمنوں سے بیزار ہو۔ جو یہ آب کوثر اپنی تو ...... نبی میں نہیں رکھی۔ اور معارف الٰہیہ سے بے بہرہ ہیں اور جس کو تم اس آبِ کوثر سے سُرخرو پاؤ اور دیکھو کہ وہ اس آبِ کوثر سے منتفع ہے وہ محمد خصلت ہے اس سے موافقت کرو۔ تاکہ تم خدا کے لئے دوستی کرنیوالوں کے شمار میں داخل ہوجاؤ ۔ کیونکہ ایسے لوگ درخت احمدی سے سبب حاصل کئے ہوئے یعنی آپکے فیض سے مستفیض ہیں۔ ان کے ساتھ دوستی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دوستی ہے۔ اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دوستی خدا کے ساتھ دوستی ہے۔ اور جن کو تم اس آبِ کوثر سے خشک لب، اور بے بہرہ پاؤ ان کو یوں ہی دشمن جانو جیسے موت یا تپ۔ کیونکہ وہ یا ابوجہل ہے یا ابولہب۔ پس ان سے دُور رہنا چاہیئے تاکہ تم تکلیف میں مبتلا نہ ہوجاؤ۔ خواہ وہ تمہارے ماں باپ ہی کیوں نہ ہوں۔ کیونکہ حقیقت میں وہ تمہارے خون پینے والے ہیں۔

اور یہ سبق تم کو خلیل اللہ ابراہیم علیہ السلام سے سیکھنا چاہیئے کہ انہوں نے سب سے پہلے اپنے باپ آذر سے بیزاری کی تھی۔ پس تم بھی ایسا ہی کرو۔ تاکہ حق سبحانہٗ کے سامنے تم یوں آؤ کہ بغض للّٰہ کے ساتھ متصف ہو۔ اور اس بغض کی ضرورت اسلئے ہے کہ تم پر رشک عشق معترض اور طعنہ زن نہ ہو۔ کیونکہ اگر تم خدا کو بھی چاہو گے اور اُس کے دشمنوں کو بھی۔ تو عشق تم پر طعنہ زن ہوگا اور تم کو جھوٹا مدعی قرار دیگا۔

پس حاصل کلام یہ ہے کہ جب تک تم لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ نہ پڑھو گے اور خدا کے سوا سب کو کالعدم نہ سمجھو گے اس وقت تک تم کو راہِ عرفان نہیں مل سکتا ہے۔

داستانِ آں عاشق کہ با معشوق خود بر می شمرد خدمتہائے
اُس عاشق کی داستان جو اپنے معشوق کے سامنے اپنی خدمتیں اور

و وفاہائے خود را و شبہائے دراز تتجافی جنوبہم عن المضاجع
اپنی وفاداریاں اور اپنی دراز راتیں شمار کر رہا تھا کہ اُن کے پہلو بستروں سے دور رہتے ہیں
را و بینوائیِ خود را و جگر تشنگیِ روزہائے دراز و می گفت کہ
کو اور اپنی بے سروسامانی اور عرصہ دراز کی جگر کی پیاس کو اور کہتا تھا کہ مجھے
من جز ایں خدمت ندانم اگر خدمتے دیگر ست مرا ارشاد کن
اِس خدمت کے سوا کچھ نہیں آتا ہے اگر کوئی اور خدمت ہے تو مجھے بتا دیجئے
کہ ہر چہ فرمائی منقادم اگر در آتش رفتن ست چوں خلیل[ل] علیہ
کیونکہ جو آپ کہیں میں تابعدار ہوں خواہ حضرت ابراہیمؑ کی طرح آگ میں گھسنا ہو
السلام و اگر در دہانِ نہنگِ دریا افتادن ست چوں یونس علیہ
خواہ حضرت یونسؑ کی طرح ناکے کے منہ میں جانا ہو خواہ
السلام و اگر ہفتاد بار کشتہ شدن ست چوں جرجیس علیہ السلام و اگر از
حضرت جرجیسؑ کی طرح ستر بار قتل ہونا ہو خواہ حضرت
گریہ نابینا شدن ست چوں شعیب علیہ السلام و وفا و جانبازی
شعیبؑ کی طرح اندھا بننا ہو اور انبیاء کی جاں بازی اور وفا کی تو
انبیا را شمار نیست و جواب گفتنِ معشوق او را
گنتی ہی نہیں ہے اور معشوق کا اُس کو جواب دینا

آں یکے عاشق بہ پیشِ یارِ خود — می شمرد از خدمت و از کارِ خود
ایک عاشق، اپنے معشوق کے سامنے — اپنا کام، اور خدمت گِنا رہا تھا

کز برائے تو چنیں کردم چناں — تیرہا خوردم دریں رزم[ص] و سناں
کہ میں نے تیری خاطر ایسا ایسا کیا — اِس جنگ میں تیر اور بھالا کھایا

مال رفت و زور رفت و نام رفت — بر من از عشقت بسے ناکام رفت
مال گیا اور طاقت گئی اور نام گیا — مجھے تیرے عشق میں بہت سی محرومیاں ہوئیں

ہیچ صبحم خفتہ یا خنداں نیافت — ہیچ شامم با سر و ساماں نیافت
کسی صبح نے مجھے سوتے یا ہنستے نہ پایا — کسی شام نے مجھے با سروسامان نہ پایا

آنچہ او نوشیدہ بود از تلخ و درد — او بتفصیلش یکایک می شمرد
اُس نے جو بھی کڑواہٹ اور تلچھٹ پی تھی — وہ اُس کو ایک ایک کرکے گِن رہا تھا

داستان۔ اِس قصے سے یہ بتانا مقصود ہے کہ عاشق کو معشوق کے سوا ہر چیز سے دست کش ہو جانا چاہئے۔

ل خلیل اللہ حضرت ابراہیمؑ عشقِ خداوندی کی وجہ سے نمرود کی آگ میں گھُسے تھے۔ حضرت یونسؑ عشق کی وجہ سے مچھلی کے پیٹ میں رہے۔ جرجیسؑ۔ جرجیسؑ کو بار بار قوم نے شہید کیا۔ شعیبؑ۔ حضرت شعیبؑ عشقِ خداوندی میں روتے روتے اندھے ہوگئے تھے۔

ص رزم۔ جنگ۔ سنان۔ بھالا۔ کسی صبح کو نہ سو سکا نہ ہنس سکا اور ہر شام کو بے سروساماں رہا۔

زر برائے منتے بل می نمود | بر درستی محبت صد شہود
احسان جتانے کے لئے نہیں، بلکہ ظاہر کر رہا تھا | محبت کی سچائی پر سینکڑوں گواہ

عاقلاں را یک اشارت بس بود | عاشقاں را تشنگی زاں کے رود
عقلمندوں کے لئے ایک اشارہ کافی ہے | اس سے عاشقوں کی پیاس کب بجھتی ہے؟

میکند تکرار گفتن بے ملال | کے باشارت بس کند حوت از زلال
وہ بلا تکلف بات کو دہرا رہا تھا | مچھلی نیر پانی کے بدلے اشارہ پر کب بس کرتی ہے؟

صد سخن میگفت زاں دردِ کہن | در شکایت کہ نگفتم یک سخن
پرانے درد سے متعلق سینکڑوں باتیں کہہ رہا تھا | شکایت میں جو ملے انہیں کہتا کہ ایک بھی نہیں کہی ہے

آتشے بودش نمیدانست چیست | لیک چوں شمع از تفِ آں میگریست
اس کے اندر ایک آگ تھی، وہ نہ جانتا تھا کہ کیا ہے؟ | لیکن شمع کی طرح اس کی سوزش سے رو رہا تھا

بعدِ گریہ گفت اینہا رفت لیک | ایں زماں ارشاد کن تو یارِ نیک
رونے کے بعد اس نے کہا، یہ سب کچھ ہوا لیکن | اب بتا تو اچھا دوست ہے

ہر چہ فرمائی بجاں استادہ ام | بر خطِ تو پا و سر بنہادہ ام
جو کچھ کہے، میں جان سے حاضر ہوں | تیرے حکم پر میں نے سر اور پاؤں رکھ دیئے ہیں

گر در آتش رفت باید چوں خلیل | ور چو یحییٰ میکنی خونم سبیل
اگر حضرت ابراہیم کی آگ میں کودنا ہو | اگر حضرت یحییٰ کی طرح میرا خون بہانا ہو

ور ز گریہ چوں شعیب اعمیٰ شوم | ور چو یونس در شکم ماہی روم
اگر میں روتے روتے حضرت شعیب کی طرح اندھا ہو جاؤں | اگر حضرت یونس کی طرح مچھلی کے شکم میں چلا جاؤں

ور چو یوسف چاہ و زندانم کنی | ور ز فقرم عیسیٔ مریم کنی
اگر حضرت یوسف کی طرح تو مجھے کنویں اور قید خانہ میں | اگر فقر حضرت مریم کے بیٹے کی طرح سے فقیر کرے

سر نگردانم نگردم از تو من | بہرِ فرمانِ تو دارم جان و تن
میں منہ نہ موڑوں گا میں تجھ سے روگردانی نہ کروں گا | میری جان اور جسم تیرے حکم کے لئے ہے

گفت معشوق ایں ہمہ کردی ولیک | گوش بکشا پہن و اندریاب نیک
معشوق نے کہا، یہ سب کچھ تو نے کیا، لیکن | کان کھول لے اور خوب سمجھ لے

کانچہ اصلِ اصلِ عشق ست و ولاست | آں نکردی آنچہ کردی فرعہاست
کہ جو دوستی اور عشق کی جڑ کی جڑ ہے | تو نے وہ نہیں کیا، جو کچھ کیا وہ شاخیں ہیں

گفتش آں عاشق بگو کاں اصل چیست | گفت اصلش مردن ست و نیستی ست
اس سے عاشق نے کہا، فرمایئے وہ جڑ کیا ہے؟ | اس نے کہا، اس کی جڑ مرنا اور فنا ہونا ہے

تو ہمہ کردی نمردی زندہ | ہیں بمیر ار یارِ جاں بازندہ
تو نے سب کچھ کیا، تو مرا نہیں، زندہ ہے | ہاں مر جا! اگر تو جان کو فنا کرنے والا دوست ہے

---

۵۱ زر برائے۔ اپنی تکالیف احسان جتانے کیلئے نہیں گنا رہا تھا بلکہ اپنی محبت کا ثبوت پیش کر رہا تھا۔ عاقلاں عقلمند کے لئے اشارہ کافی ہوتا ہے لیکن عاشق کا مزاج تفصیل کو چاہتا ہے۔ میکند۔ عاشق اپنے شکوے مکرر بیان کرتا ہے مچھلی پانی میں غوطہ لگا کر مطمئن ہوتی ہے۔

۵۲ صد سخن۔ اس عاشق نے اپنے درد سے متعلق سینکڑوں باتیں معشوق کو سنائیں جن میں سے میں نے ایک بھی پوری نہیں بیان کی ہے۔ آتشے۔ اس عاشق میں ایک آگ لگی ہوئی تھی جس کی حقیقت کو وہ نہ سمجھ سکتا تھا اس آگ کی گرمی سے شمع کی طرح آنسو بہا رہا تھا۔ ہر چہ۔ عاشق نے کہا میں یہ مصائب تو برداشت کر چکا ہوں اب جو حکم ہو اس کے لئے میں آمادہ ہوں۔

۵۳ گر در آتش۔ اگر حکم ہو تو حضرت ابراہیم کی طرح آگ میں کود جاؤں تو چاہے تو حضرت یحییٰ کی طرح مجھے قتل کرے۔ ور ز فقرم۔ حضرت عیسیٰ کا فقر مشہور ہے۔ تو۔ میں تیرے کسی حکم سے منہ نہ موڑوں گا۔ گفت۔ معشوق نے عاشق کی تمام تکالیف سنکر کہا کہ تو نے یہ سب کچھ کیا لیکن جو عشق کا اصل تقاضا ہے وہ نہ کیا۔ عاشق نے کہا وہ کیا ہے معشوق نے جواب دیا کہ وہ اپنے آپ کو فنا کر دینا ہے۔ ولا۔ دوستی۔

۵۴ تا قیامت یعنی قیامت قائم ہونے تک۔ شعر
ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوامِ ما

گر بمیری زندگی یابی تمام
اگر تو مر جائے گا مکمل زندگی حاصل کرے گا

نامِ نیکوئے تو ماند تا قیام[1]
حشر تک تیرا نیک نام زندہ رہے گا

چوں شنود آں عاشق بیخویشتن
جب مدہوش عاشق نے یہ سُنا

آہ سردے بر کشید از جان و تن
جان اور جسم سے ایک ٹھنڈی آہ بھری

ہمدراں دم شُد دراز و جان بداد
اُسی وقت لیٹ گیا اور جان دے دی

ہمچو گل در باخت سر خنداں و شاد
ہنسی خوشی پھول کی طرح سر دے دیا

ماند آں خندہ برو وقفِ ابد
وہ مسکراہٹ ہمیشہ کیلئے اُسی پر وقف رہیگی

ہمچو جان و عقلِ عارف بے کبد
جس طرح بلا تکلف عارف کی عقل اور جان

نور مہ آلودہ کے گردد ابد
چاند کی چاندنی آخر کب آلودہ ہوتی ہے؟

گر زند آں نور بر ہر نیک و بد
خواہ وہ چاندنی ہر نیک اور بد پر پڑے

اُو ز جملہ پاک واگردد بماہ[2]
وہ سب سے پاک رہ کر چاند کیطرف لوٹ جاتی ہے

ہمچو نورِ عقل و جاں سُوئے اِلٰہ
جس طرح اللہ (تعالیٰ) کی جانب عقل اور جان کا نور

وصفِ پاکی وقفِ نورِ مہ است
پاکی کی صفت چاند کی روشنی پر وقف ہے

تابشش گر بر نجاساتِ رہ است
اگرچہ اُس کی چمک راستہ کی نجاستوں سے ہے

زاں نجاساتِ رہ و آلودگی
اُن راستہ کی نجاستوں اور گندگی سے

نور را حاصل نگردد بدرگی
نور کو بُرائی حاصل نہیں ہوتی ہے

اِرْجِعِیْ بشنید نورِ آفتاب
"تو لوٹ جا" سورج کی روشنی نے سُنا

سُوئے اصلِ خویش باز آمد شتاب
وہ فوراً اپنی اصل کی طرف لوٹ آئی

نے ز گلخنہا بروننگے بماند[3]
نہ اُس پر بھٹیوں کا عیب رہا

نے ز گلشنہا بروے رنگے بماند
نہ اُس پر باغوں کا رنگ رہا

نورِ دیدہ سُوئے دیدہ بازگشت
آنکھ کی روشنی آنکھ کی طرف لوٹ آئی

ماند در سودائے اُو صحرا و دشت
جنگل اور میدان اُس کے تصور میں رہ گئے

چونکہ زیں ویرانہ نورش بازگشت[4]
جبکہ اُس ویرانے سے اُس کا نور واپس ہو گیا

ماند در صحرائے دیدہ بازگشت
آنکھ کے جنگل میں انتظار رہ گیا

[1] چوں شنود۔ عاشق نے معشوق کی جب یہ باتیں سنیں ایک ٹھنڈی آہ کی اور جان دیدی۔ ماند۔ اُس عاشق کی موت کے وقت کی مسکراہٹ ابدی ہو۔ نور مہ۔ عارف کی روح کی مثال چاند کی چاندنی کی طرح ہے جس طرح چاندنی خواہ وہ گندگیوں پر گرے وہ پاک صاف رہتی ہے یہی حال عارف کی روح کا ہے۔

[2] اُو ز جملہ۔ چاندنی بہر صورت پاک رہ کر چاند کیطرف لوٹ جاتی ہے اسی طرح عارف کی روح پاک صاف رہ کر خدا کی طرف واپس ہو جاتی ہے۔ زاں۔ جن نجاستوں پر سے چاندنی گذری ہے اُن کا وہ کوئی اثر قبول نہیں کرتی ہے۔ ارجعی۔ عارف کی روح نفسِ مطمئنہ ہے جس کے بارے میں قرآن پاک میں آیا ہے یٰۤاَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَىٕنَّةُ ارْجِعِیْۤ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً "اے نفس مطمئنہ تو راضی اور پسندیدہ ہو کر اپنے رب کی طرف لوٹ جا"

[3] نے۔ اُس روح عارف پر دنیا کے اچھے بُرے کا کوئی اثر نہیں رہتا ہے۔ نور دیدہ۔ عارف کی روح کی واپسی کی دوسری تعبیر ہے کہ آنکھ کی روشنی آنکھ میں واپس آجاتی ہے تو اب دیکھنے والی نگاہیں وہ جنگل نہیں رہتا۔

شرح اوپر مولانا نے فنا کی ترغیب دی تھی اب اُسکے مناسب قصہ بیان فرماتے ہیں اور کہتے ہیں ـــــ کہ ایک عاشق اپنے دوست کے سامنے اپنی خدمتیں اور اپنے کارنامے گن رہا تھا اور کہہ رہا تھا کہ میں نے تیرے لیے

یہ کیا اور وہ کیا۔ میں نے اس معرکہ میں نے تیر وں اور سناؤں کے زخم کھائے میرا مال بھی جاتا رہا میری قوت بھی ضائع ہوگئی۔ میری آبرو بھی گئی اور تیرے عشق میں مجھے بہت سی ناکامیاں پیش آئیں۔ کسی نے صبح کو مجھے سوتا یا ہنستا نہیں پایا۔ اور کسی نے شام کو مجھے با سر و سامان نہیں پایا۔

غرض کہ جو کچھ اس نے مصائب جھیلے تھے سب تفصیل وار ایک ایک بیان کئے اس سے مقصود اس کا معشوق پر احسان رکھنا نہیں تھا۔ بلکہ وہ اپنی محبت کے سینکڑوں گواہ پیش کر رہا تھا —— شاید کوئی کہے کہ اس کے لیے اجمال کافی تھا اس قدر تفصیل کی کیا ضرورت تھی تو اس کا جواب یہ ہے کہ اشارہ اور اجمال تو عاقلوں کے لئے ہے عشاق کی پیاس تو اس سے نہیں بجھتی اور ان کو اس وقت تک تسکین نہیں ہوتی۔ جب تک اپنا جوش پورا ختم نہ کرلیں وہ تو بار بار ایک بات کو کہتے ہیں اور اکتاتے نہیں اور اکتائیں کیونکر۔ ان کی حالت تو ایسی ہے جیسے مچھلی اور عرض حال کی ایسی مثال ہے جیسے شیریں پانی ... یہ مچھلی کہیں اشارہ کی بنا پر اس پانی سے سیر ہو سکتی ہے ہرگز نہیں۔

خیر! تو وہ اپنے درد قدیم کے متعلق شکایت میں سینکڑوں باتیں کہہ رہا تھا جن میں سے میں نے ایک بات بھی نہیں کہی اور اس کے دل میں ایک آگ لگی ہوئی تھی جس کو وہ نہیں جانتا تھا۔ کہ کیا شئے ہے۔ ہاں مگر اس کی گرمی سے شمع کی طرح رو رہا تھا جب خوب رو چکا تو کہا کہ اچھا یہ باتیں تو گذر چکیں۔ اب آپ بتلائیں کہ میں کیا کروں آپ جو کچھ بھی کہیں میں اس کے لئے تیار ہوں۔ اور آپ کے حکم کا مطیع ہوں۔ اگر خلیل ؑ کی طرح آگ میں جانا ہو۔ یا یحییٰ علیہ السلام کی طرح آپ میرا خون مباح کریں یا آپ یہ چاہیں کہ میں شعیب علیہ السلام کی طرح اندھا ہو جاؤں۔ یا یونس علیہ السلام کی طرح مچھلی کے منہ میں چلا جاؤں یا آپ مجھے یوسف علیہ السلام کی طرح کنوئیں میں ڈالیں یا قید کریں یا مجھے عیسیٰ ؑ کی طرح نفیر کریں تو میں

ان سب باتوں کے لیے تیار ہوں اور تم سے نہ پھیروں گا - میرا جسم اور میری جان دونوں آپ کے حکم کے لیے ہیں آپ ان میں جس طرح چاہیں تصرف کریں -

یہ سب قصہ سنکر معشوق نے جواب دیا کہ جو کچھ تم نے کہا مجھے سب تسلیم ہے اور یہ کام ضرور تم نے کیئے - مگر خوب کان کھول کر سنو! اور خوب سمجھو! کہ جو کام عشق و محبت کی اصل الاصل ہے وہ تم نے نہیں کیا - اور یہ کام جو تم نے کیئے یہ سب فروع محبت ہیں عاشق نے کہا کہ اچھا فرمایئے کہ وہ اصل الاصل کیا ہے میں اسکے لیے تیار ہوں اس کا جواب یہ ملا مرجانا اور مٹ جانا - تم نے سب کچھ کیا - مگر تم مرے نہیں بلکہ ہنوز زندہ ہو - یہ دلیل ہے تمہاری خامی کی - پس اگر تم عاشق جانباز ہو تو مر جاؤ - اگر تم مر جاؤگے تو کامل زندگی حاصل ہو جائیگی یعنی قیامت تک نیک نام رہوگے جب اس عاشق فانی نے معشوق کا یہ حکم سنا تو ایک سرد آہ بھری اور فوراً چت لیٹ گیا اور جان دیدی اور پھول کی طرح ہنسی خوشی سر دیدیا - اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ خوشی ہمیشہ کے لئے اس پر وقف ہوگئی اور وہ ایسا ہوگیا - جیسے عارف کی بے رنج عقل اور جان کہ ان کو کسی رنج کا سامنا ہی نہیں ہوتا

(فائدہ) اس پر کوئی یہ شبہ کرے کہ اہل اللہ کے رنج کا انکار مشاہدہ کا انکار ہے اسلیئے کہ رنج دو قسم کا ہوتا ہے ایک طبعی دوسرا عقلی جس کو روحانی بھی کہہ سکتے ہیں - سو اہل اللہ کو رنج طبعی ہوتا ہے نہ کہ عقلی - اور مولانا نے رنج طبعی کا انکار نہیں کیا - بلکہ رنج عقلی کا انکار کیا ہے فلا اشکال - اب ہم رنج طبعی اور عقلی کے فرق کو مثال سے سمجھاتے ہیں - سنو! جس شخص کے بہت بڑا دنبل نکلا ہو - اور وہ اسکو بہت تکلیف پہنچا رہا ہو - اس میں جس وقت وہ شگاف دلواتا ہے - اس وقت اسکو شگاف کی تکلیف ہوتی ہے جو کہ طبعی ہے مگر عقلی رنج نہیں ہوتا - بلکہ خوشی ہوتی ہے کیونکہ وہ سمجھتا ہے کہ اس سے مجھے صحت ہو جائیگی (زادفر قاً) ہم نے کہا ہے کہ عارف کی عقل و روح رنج سے آلودہ نہیں ہوتی - اسکی وجہ یہ ہے کہ نور ماہتاب ہر قسم کی اشیاء پر پڑتا ہے مگر ان سے متاثر نہیں ہوتا - بلکہ وہ سب سے پاک

ہوتا ہے اور بحالت پاکی چاند کی طرف لوٹ جاتا ہے اور یہ رجوع ایسا ہی ہے جب نور عقل وجان کا خدا کی طرف رجوع۔ پس جس طرح نور مہ میں تلبّس بآثار اشیاءٗ نہیں ہوتا۔ یوں ہی نور عقل و روح میں بھی نہ ہوگا۔ اور باوجود تعلق باشیار مولمہ ومریحہ کے وہ پاک صاف حق سبحانہٗ کی طرف لوٹ جائے گا۔ وہٰذا ہو المدعیٰ۔

اب مولانا نور حسی کے متعلق مزید تاکیدی گفتگو کرتے ہیں تاکہ اس سے نور عقل و روح کی حالت مؤکد ہو جائے۔ اور فرماتے ہیں کہ وصف پاکی تو نور ماہتاب پر گویا کہ ختم ہے۔ کیونکہ اگر وہ نجاسات راہ پر پڑتا ہے تو رستہ کی ان گندگیوں سے اس نور میں کچھ نقصان اور خرابی نہیں آتی۔ علیٰ ہٰذا القیاس؛ نور آفتاب کی بھی یہی حالت ہے کہ جب وہ حکم رجوع سنتا ہے تو فوراً اپنے اصل کی طرف لوٹ جاتا ہے اور نہ گھبیوں کی عار نجاست اسکو لاحق ہوتی ہے اور نہ باغوں کا رنگ اس میں ہوتا ہے بلکہ جس طرح صاف آیا تھا یوں ہی صاف چلا جاتا ہے۔ علیٰ ہٰذا القیاس آنکھ کا نور بے تلبس شے آنکھ میں واپس ہو جاتا ہے اور صحرا درشت اس کے عشق میں پھنسے ہوئے رہ جاتے ہیں اور جبکہ اس ویرانہ سے اس کا نور واپس ہوتا ہے تو صحرا نے مرنی ہرکا لکارہ جاتا ہے۔

(فائدہ: مانند در صحرائے دیدہ بازگشت میں بازگشت بمعنی کشادگی ہے جو کہ کنایہ ہے تحیتر سے) خلاصہ یہ کہ نور ماہتاب و نور آفتاب و نور چشم گو نجاسات وغیرہ پر پڑتے ہیں مگر ان سے متاثر نہیں ہوتے۔ بلکہ پاک صاف اپنی معدن کی طرف واپس ہو جاتے ہیں پس یہی حالت نور روح و عقل کی ہے کہ وہ بھی رنج و راحت دنیوی سے متاثر نہیں ہوتا۔ اور پاک صاف حق سبحانہٗ کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے۔

یکے پرسید از عالمے عارفے کہ اگر در نماز کسے بگرید بآواز و آہ و نوحہ

کسی شخص نے ایک عارف، عالم سے پوچھا کہ اگر کوئی شخص نماز میں آواز اور آہ سے روئے

کند نمازش باطل شود یا نہ جواب داد کہ نام آن آبِ دیدہ است تا کہ آں

اور نوحہ کرے اس کی نماز باطل ہوگی یا نہیں؟ اس نے جواب دیا کہ اس کا نام دیکھے ہوئے

گرنیدہ چہ دیدہ است اگر شوقِ خدا دیدہ است و میگرید یا از

کا پانی ہے تو یہ کہ رونے والے نے کیا دیکھا ہے؟ اگر اس نے اللہ تعالےٰ کا شوق دیکھا ہے، وہ

پشیمانیِ گناہ نمازش تباہ نشود بلکہ کمال گیرد کہ لَا صَلٰوۃَ اِلَّا بِحُضُوْرِ

روتا ہے یا گناہ کی پشیمانی سے، نماز تباہ نہ ہوگی بلکہ کمال حاصل کریگی کیونکہ نماز نہیں ہوتی مگر

الْقَلْبِ و اگر رنجوریِ تن یا فراقِ فرزند دیدہ است نمازش تباہ شود

حضورِ قلب سے اور اگر اس نے جسمانی تکلیف یا اولاد کی جدائی دیکھی ہے اس کی نماز خراب ہوجائیگی

کہ اصل نماز ترکِ تن است و ترکِ فرزند ابراہیم علیہ السلام وار

کیونکہ اصل نماز حضرت ابراہیمؑ کی طرح جسم اور اولاد کا ترک کرنا ہے کیونکہ وہ نماز کی

کہ فرزند را قربان میکرد از بہرِ تکمیل نماز و تن را باتشِ نمرودی

تکمیل کے لئے لڑکے کو قربان کررہے تھے اور جسم کو نمرود کی آگ کے سپرد کررہے

سپرد و امر آمد پیغمبر مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم را بدیں خصال کہ

تھے اور آنحضورؐ کو انہی خصلتوں کا حکم ہے کیونکہ تم اتباع کرو اور اتباع

فَاتَّبِعُوْا وَاتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ

کرو ابراہیمؑ کی ملت کا جو کہ حنیف ہے بے شک تمہارے لئے

حَسَنَةٌ فِيْ اِبْرٰهِيْمَ

ابراہیمؑ میں اچھا نمونہ ہے

آں یکے پرسید از مفتی براز | گر کسے گرید بنوحہ در نماز
ایک شخص نے چپکے سے مفتی سے دریافت کیا | اگر کوئی نماز میں آواز سے روئے

آں نمازِ او عجب باطل شود | یا نمازش جائز و کامل بود
وہ اس کی عمدہ نماز، باطل ہوجائے گی | یا اس کی نماز جائز اور مکمل ہوگی

گفت آبِ دیدہ نامش بہرِ چیست | بنگرے[1] تا کہ چہ دیدست و گریست
فرمایا اس کا نام "دیکھے ہوئے کا پانی" کیوں ہے؟ | غور کر اس نے کیا دیکھا ہے؟ اور رویا ہے

آبِ دیدہ تا چہ دیدہ است از نہاں | تا بداں شد او ز چشمہ خود رواں
آنکھ کے پانی نے پوشیدہ طور پر کیا دیکھا ہے! | جس سے وہ اپنے چشمے سے رواں ہوا ہے

ملہ بازگشت۔ پہلے مصرع میں واپس شدہ کے معنی میں ہے اور دوسرے مصرع میں بمعنی انتظار ہے۔ کیونکہ مولانا نے پہلے شعر میں آنکھ کی روشنی کا بیان کیا تھا اب آنکھ سے متعلق ایک اور نکتہ سمجھا تے ہیں۔

[2] آب دیدہ۔ یہ مسئلہ پوچھا کہ اگر کوئی نماز میں روئے اور آہ و نوحہ کرے تو نماز فاسد ہوگی یا نہیں جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ گریہ کو آبِ دیدہ کہتے ہیں یعنی دیکھے ہوئے کا پانی تو اب یہ تحقیق کی جائے کہ اس نے کیا دیکھا ہے جس کی وجہ سے آنکھ کا پانی بہا ہے اگر اس نے خدا کا خوف اور شوق دیکھا ہے اور گریہ اور نوحہ ہے تو یہ تو نماز کا کمال ہے اور اگر اس نے مرض یا بیٹے کی جدائی دیکھی ہے اور اس سے پانی آنکھ سے بہا ہے تو نماز خراب ہوجائیگی۔ براز۔ یعنی آہستگی سے۔ نوحہ۔ آواز سے رونا۔

[1] بنگری۔ یہ غور کرو کہ وہ کیوں رو رہا ہے۔ ملامت... شرمندگی۔ نیاز۔ عاجزی۔ آں جہاں یعنی شوق و خوفِ خداوندی کا عالم۔ ور ز رنج۔ اگر رونے کا سبب کوئی بدنی تکلیف یا رنج ہے تو سب کچھ ضائع ہوگیا۔

[3] رلیسماں۔ دھاگا بھی ٹوٹا اور تکلا بھی ٹوٹا یعنی سب کچھ تباہ ہوگیا۔ ماتم۔ سوگ کی مجلس زانکہ۔ کیونکہ اس حالت میں اس کا دل اللہ کے غیر سے وابستہ ہے پس۔ اس آہ و بکا سے نماز بھی ٹوٹی اور اس سے الگ

گر ز شوقِ حق کند گریہ دراز — یا ندامت از گناہے در نیاز

اگر دوران نماز گریہ اللہ (تعالیٰ) کے شوق سے کرتا ہے — یا عاجزی میں کسی گناہ کی شرمندگی سے

خوفِ حق گر باشد آں گریہ خوشست — زانکہ آں آب تو دفعِ آتشست

اگر اللہ کا خوف ہے، تو رونا بہتر ہے — کیونکہ وہ تیرا پانی آگ کو بجھاتا ہے

بیشکے گیرد نمازِ او کمال — قرب یابد در رہِ حق لا محال

اُس کی نماز یقیناً کمال حاصل کرے گی — وہ لامحالہ اللہ (تعالیٰ) کا قرب حاصل کرے گا

آں جہاں گر دیدہ آں پُر نیاز — رونقے یابد ز نوحہ آں نماز

اگر اُس نیازمند نے اُس عالم کو دیکھا ہے — تو رونے سے اُس کی نماز رونق حاصل کرے گی

ور ز رنجِ تن بُود و ز درد و سوگ — ریسماں بگسست و ہم بشکست دوک

اور اگر جسم کی بیماری اور درد اور رنج سے ہے — تو دھاگا ٹوٹا اور تکلا بھی

در فغاں از ماتمِ فرزند کرد — کہ دل و جانش ز ماتم کرد درد

اگر اُس نے اولاد کے رنج میں فریاد کی ہے — کہ رنج سے اس کا دل اور جان دردمند ہوئے تھے

می نیرزد آں نمازِ او دو جَو — زانکہ با اغیار دارد دل گرو

تو اُس کی نماز دو جَو کی قیمت کی نہیں ہے — کیونکہ اُس کا دل غیروں میں پھنسا ہے

پس نمازش بیشکے باطل بود — گریۂ او نیز بے حاصل بود

تو اُس کی نماز بلاشبہ فاسد ہو جائے گی — اُس کا رونا بھی بے نتیجہ ہوگا

زانکہ ترکِ تن بُود اصلِ نماز — ترکِ خویش و ترکِ فرزند از نیاز

کیونکہ نماز کی اصل، جسم کو ترک کرنا ہے — نیازمندی کی وجہ سے اپنے آپ کو اور اولاد کو ترک کرنا ہے

از خلیلؑ آموز قرباں کُن ولد[۲] — تن بنہ بر آتشِ نمرود رد

حضرت ابراہیمؑ سے سیکھ لے اولاد کو قربان کردے — مردود نمرود کی آگ پر جسم کو رکھ دے

حاصل آنکہ تا بدانی اے کیا — کز بکا فرق ست بیحد تا بکا

خلاصہ یہ ہے کہ اے بزرگ! تو سمجھ لے — کہ رونے اور رونے میں بیحد فرق ہے

کوئی فائدہ نہ پہنچا۔ زانکہ۔ اس لئے کہ اصل نماز تو یہ ہے کہ انسان اس میں غیراللہ سے بالکل غافل ہو جائے۔
[۲] از خلیلؑ۔ حضرت ابراہیمؑ نے اللہ کے معاملہ میں اپنی اولاد اور جان کی پرواہ نہ کی۔ حاصل۔ خلاصہ یہ سمجھ لو کہ رونے اور رونے میں بہت فرق ہے۔ ایک رونا نماز کی مدح ہے دوسرا رونا نماز کو فاسد کر دیتا ہے۔

شرح

قصۂ عاشق مولانا نے ترغیب فنا کے لئے تحریر فرمایا تھا۔ سو یہ مضمون بھی اسی کی تائید میں تحریر فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ کسی شخص نے ایک مفتی سے خفیہ طور پر دریافت کیا کہ اگر کوئی نماز میں آواز سے روئے تو اسکی وہ نماز عجیب فاسد ہو جائیگی۔ یا اسکی نماز صحیح اور کامل رہے گی؟

مفتی نے جواب دیا کہ آب دیدہ کے کیا معنی ہیں۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ پانی جو دیکھی ہوئی شے سے بہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ وہ کیا دیکھ کر رویا ہے۔ اور غور کرنا یہ ہے کہ آبِ دیدہ نے خفیہ کیا دیکھا ہے کہ وہ اپنی چشمہ سے روانہ ہوا۔ پس اگر وہ آواز سے رونا خدا کے شوق میں ہے یا اس ندامت کے سبب ہے جو اسکو نماز میں گناہ پر ہوئی ہے یا خدا کے خوف سے ہے۔ تو وہ رونا نہایت عمدہ ہے کیونکہ وہ آتش دوزخ کو دور کرنے والا ہے اور بلاشبہ اسکی نماز کامل ہوگی۔ اور لامحالہ اسے قربِ حق میسر ہوگا۔

حاصل یہ ہے کہ اگر اسنے عالمِ غیب دیکھا ہے یعنی عالمِ غیب اس کے گریہ کا سبب ہوا۔ تو اس کی نماز کو اس سے رونق حاصل ہوگی۔ اور اگر رنج نفسانی اور تکلیف یا غمِ مرگ سے ہو تو سوت بھی ٹوٹ گیا اور تکلا بھی۔ یعنی نماز بالکل تباہ ہوگئی اور کیا دھرا سب غارت ہوگیا۔ اور اگر فغان غم مرگ فرزند سے کی ہے جس سے اُس کے دل اور اسکی جان کو تکلیف اور صدمہ ہوا ہے تو اسکی نماز کچھ بھی قیمت نہیں رکھتی۔ کیونکہ وہ اغیار بے تعلق رکھتا ہے اور اس کا دل ان میں پھنسا ہوا ہے پس اس کی نماز بے شبہ باطل ہوگی اور اس کا رونا بھی بے نتیجہ ہوگا۔ کیونکہ نماز کی حقیقت تو یہ ہے کہ آدمی اپنے نفس کو اپنی خودی کو اپنی آل و اولاد کو چھوڑ دے۔ اور یہ حقیقت صورت مفروضہ میں نہیں پائی گئی اسلئے نماز نہ ہوگی۔

[فائدہ : یہ مضمون خطابی ہے نہ کہ برہانی۔ پس اس پر عدم جامعیت کا شبہ نہیں ہوسکتا] صاحبو! تم خلیل اللہ ابراہیم علیہ السلام سے سبق لو۔ اور اسکی طرح اولاد کو خدا کے لیے قربان کردو۔ اور نمرود مردود کی آگ میں اپنے کو ڈال دو۔ یعنی نفس شیطان کی مخالفت پر صبر کرو۔

خیر تو خلاصہ یہ ہے کہ تم کو جاننا چاہیئے کہ تمام گریہ یکساں نہیں ہیں بلکہ رونے رونے میں فرق ہے۔ اس پر ایک حکایت یاد آگئی سنو!

مُریدے[1] در آمد بخدمتِ شیخ وازیں شیخ پیرِ مُسن نمیخواہم بلکہ پیر

ایک مرید ایک شیخ کی خدمت میں پہنچا اور اس شیخ سے میری مراد دراز عمر بوڑھا نہیں ہے

عقل و معرفت اگرچہ عیسیٰ علیہ السلام است در گہوارہ ویحییٰ

بلکہ عقل و معرفت کا بوڑھا اگرچہ عیسیٰ علیہ السلام گہوارہ میں اور یحییٰ علیہ السلام

علیہ السلام ست در مکتب کودکاں مرید شیخ را گریاں دید او نیز

بچوں کے مکتب میں ہوں مرید نے شیخ کو روتے دیکھا اس نے بھی

موافقت کرد و بگریست چوں فارغ شد و بدر آمد مُریدِ دیگر کہ

موافقت کی اور رو پڑا جب وہ فارغ ہوا اور باہر آیا دوسرا مرید جو

از حالِ شیخ واقف تر بود از سرِ غیرت در عقبِ او نیز بیروں

شیخ کے حال سے زیادہ واقف تھا غیرت کی وجہ سے وہ بھی پیچھے پیچھے باہر آیا

آمد گفتش کہ اے برادر[2] من ترا گفتہ باشم اللہ اللہ تا نیندیشی

اس لئے کہا اے میرے بھائی! میں تجھ سے کہتا ہوں خدا کے لئے نہ سوچنا

و نگوئی کہ شیخ میگریست من نیز میگریستم کہ سی سال ریاضت

اور نہ کہنا کہ شیخ روئے میں بھی رویا کیونکہ تیس سال بغیر ریا کی محنت کرنی

بے ریا باید کرد و از عقبات و دریاہائے پُر نہنگ و کوہہائے

چاہیئے اور گھاٹیوں اور ناکوں سے بھرے دریاؤں سے اور شیر اور

بلند پُر شیر و پلنگ می باید گذشت تا بداں گریۂ شیخ برسی

چیتوں سے بھرے پہاڑوں سے گذرنا چاہیئے پھر شیخ کے اس رونے کو تو پہنچ سکے

یا نہ رسی اگر برسی شکر زُوِیَت[3] لِیَ الۡاَرۡضُ بسیار گوئی کہ

یا نہ پہنچ سکے اگر پہنچ جائے۔ تو میرے لئے زمین سمٹ دی گئی ہے" کا بہت شکر ادا کر

آنجائے شکرست کہ آں گریہ حضورِ قلب باشد

کیونکہ وہ شکریہ کا موقع ہے کیونکہ وہ رونا حضورِ قلب سے ہوگا

یک مُریدے اندر آمد پیشِ پیر | پیر اندر گریہ بود و در نفیر
ایک مرید پیر کے پاس اندر آیا | پیر رونے میں اور فغاں میں تھا

شیخ را چوں دید گریاں آں مُرید | گشت گریاں آب از چشمش دوید
جب اُس مرید نے شیخ کو روتے دیکھا | رونے لگا، آنسو اُس کی آنکھوں سے نکل پڑے

گوش ور[1] یکبار خندد کر دو بار | چونکہ لاغ املا کند یارے بیار
سُننے والا ایک بار اور بہرا دو بار ہنستا ہے | جب کوئی یار، یار سے مذاق کرتا ہے

---

[1] مریدے۔ اس قصہ سے یہ بتانا ہے کہ شیخ کا رونا اور اس مرید کا رونا یکساں نہ تھا۔ شیخ۔ شیخ سے مراد بوڑھا نہیں ہے بلکہ وہ شخص ہے جس کی عقل اور معرفت بڑھی ہوئی ہو خواہ وہ عمر کے اعتبار سے بچہ ہو، جیسے کہ حضرت عیسیٰؑ گہوارہ میں یا حضرت یحییٰؑ بچوں کے مکتب میں تھے۔

[2] اے برادر۔ اس باکمال مرید نے اس کو سمجھایا کہ تو اپنے رونے کو شیخ کے رونے جیسا نہ سمجھنا تیرا رونا تو محض تقلیدی تھا اور شیخ کا رونا ایسا رونا ہے کہ تیس سال مجاہدوں کے بعد بھی یہ میسر آجائے تو غنیمت سمجھنا۔

[3] زُوِیَت۔ آنحضورؐ نے فرمایا زُوِیَتۡ لِیَ الۡاَرۡضُ فَرَاَیۡتُ مَشَارِقَھَا وَمَغَارِبَھَا میرے لئے زمین لپیٹ دی گئی تو میں نے اس کے مشرقوں اور مغربوں کو دیکھ لیا یعنی برسوں کا کام منٹوں میں ہو گیا۔ شیخ را۔ یہ مرید شیخ کی تقلید میں شیخ کو روتے ہوئے دیکھ کر رونے لگا۔

بارِ اوّل از رہِ تقلید و سوم
پہلی بار دیکھا دیکھی اور تکلف سے

کہ ہمی بیند کہ می خندند قوم
کیونکہ وہ دیکھتا ہے کہ لوگ ہنس رہے ہیں

کر بخندد ہمچو ایشاں آں زماں
اُس وقت بہرا اُن کی طرح ہنستا ہے

بیخبر از حالتِ خندیدگاں
(اور) ہنسنے والوں کی حالت سے بے خبر ہے

باز او پرسد کہ خندہ بر چہ بود
پھر وہ پوچھتا ہے، کہ ہنسی کس بات پر تھی؟

پس دوم کرت بخندد چوں شنود
پھر جب سنتا ہے، دوبارہ ہنستا ہے

پس مقلد نیز مانندِ کر ست
تو مقلد بھی بہرے کی طرح ہے

اندراں شادی کہ او را در سر ست
اُس خوشی میں جو اُس کے ذہن میں ہے

پرتوِ شیخ آمد و منہل ز شیخ
شیخ کا عکس اور شیخ کا چشمہ ہے

فیض شادی نز مریداں بل ز شیخ
فیض اور خوشی، نہ کہ مریدوں کا بلکہ شیخ کا ہے

پرتوِ شیخ ست آں تقلیدِ شیخ
شیخ کی تقلید، شیخ کا عکس ہے

چوں بہ بیند شادی و تائیدِ شیخ
جبکہ وہ شیخ کی خوشی اور تائید دیکھ رہا ہے

چوں سبد در آب و نورے بر زجاج
جیسا کہ ٹوکری پانی میں اور چمک شیشہ پر ہے

گر ز خود دانند آں باشد خداج
اگر وہ اُس (خوشی) کو اپنی جانب سمجھیں تو ناقص بات ہے

چوں جدا گردد ز جو داند عنود
جب وہ نہر سے علیحدہ ہو جائیگی تو جھگڑالو جان لیگی

کاندر و آں آب خوش از جوی بود
کہ اُس کے اندر وہ اچھا پانی، نہر کا تھا

آبگینہ ہم بداند از غروب
چاند کے غروب سے شیشہ بھی جان لے گا

کاں لمع بود از مہِ تابانِ خوب
کہ وہ چمک عمدہ روشن چاند کی تھی

چونکہ چشمش را کشاید امرِ قم
جب "اُٹھ کھڑا ہو" کا حکم اُس کی آنکھ کھول دے گا

پس بخندد چوں سحر بارِ دوم
تو وہ صبح کے دوسری بار مسکرانے کی طرح مسکرائے گا

خندہ آید ہم براں خندہ خودش
اُس کو اپنی اُس ہنسی پر بھی ہنسی آئے گی

کہ دراں تقلید بر می آمدش
جو اُس کو تقلید میں آتی تھی

گوید از چندیں رہِ دور و دراز
وہ کہے گا، اتنی دور و دراز مسافت سے

کایں حقیقت بود و ایں اسرار و راز
جبکہ یہ حقیقت اور یہ اسرار اور راز تھے

من دراں وادی چگونہ خود ز دور
میں اُس میدان میں خود فاصلہ سے کس طرح

شادیٔ میکردم از عمیا و سور
اندھے پن سے شادمانی اور خوشی کر رہا تھا؟

من چہ می بستم خیال و آں چہ بود
میں نے کیا خیال کیا اور وہ کیا تھا

درکِ سستم سست نقشے می نمود
میرے سست احساس نے سست نقش دکھا دیا

لہ کر ستور۔ سننے والا۔ کر بہرا۔ بہرا ایک بار تو دوسروں کو ہنستا دیکھ کر ہنستا ہے پھر لوگوں کے ہنسنے کا سبب معلوم کر، دوبارہ ہنستا ہے۔ سوم۔ تکلف۔ یعنی پہلی بار ہنسنے میں بہرے کو ہنسی کے سبب کا علم نہیں ہوتا ہے۔ باز۔ پھر جب وہ لوگوں سے ہنسی کا سبب معلوم کر لیتا ہے تو دوبارہ ہنستا ہے۔

لہ پس مقلد۔ جو شخص کسی کی دیکھا دیکھی کام کرتا ہے اُس کی مثال بہرے کی سی ہے۔ پرتو۔ اُس پر شیخ کے باطن کا اثر پڑتا ہے اور اُس سے اُس کو خوشی یا رنج حاصل ہوتا ہے تو مرید کا تقلیدی فعل بھی شیخ کا اثر ہوتا ہے۔ چوں سبد۔ اگر ٹوکری نہر میں پڑی ہوئی ہو۔ اور اُس میں پانی بھرا ہوا ہو یا آئینہ میں سورج کی چمک پڑ رہی ہو تو اُس پانی یا چمک کو ٹوکری یا آئینہ کا اپنا سمجھنا غلطی ہے۔ خداج۔ ناقص چیز۔ عنود۔ سرکش۔

لہ آبگینہ۔ جب ٹوکری نہر سے باہر نکل جائے گی اور چاند ڈوب جائے گا تو ٹوکری اور آئینہ کو معلوم ہو جائیگا کہ وہ پانی اور چمک اُن کی نہ تھی۔ قم۔ آنحضرتؐ کو حکم ہوا تھا قُمِ اللَّیْلَ اِلَّا قَلِیْلًا "تھوڑی سی رات چھوڑ کر رات میں عبادت کیا کرو"۔ ۔ ۔ ۔ سحر بار دوم۔ پہلے صبح کاذب

لہ گوید۔ اب مرید اپنے سابق احوال کے بارے میں سمجھا ہے کہ وہ جو کچھ حاصل تھا وہ تو محض شیخ کا عکس تھا

آتی ہے پھر دوبارہ صبح صادق نمودار ہوتی ہے۔ خندہ آید۔ اب جب حقائق منکشف ہو جاتے ہیں تو مرید کو اپنی پہلی ہنسی پر ہنسی آتی ہے۔

طفلِ رہ را فکرِ مرداں کجاست … کو خیالِ اُو و کو تحقیق راست

راہ (سلوک) کے بچے میں مردوں کی سمجھ کہاں ہے؟ کہاں اُس کا خیال، اور کہاں صحیح تحقیق

طفل را چہ فکر آید در ضمیر … یا چہ اندیشہ کند ہمچوں کہ پیر

بچے کے دل میں کیا خیال آ سکتا ہے؟ یا وہ بوڑھے کی طرح کیا سوچ سکتا ہے؟

فکرِ طفلاں دایہ باشد یا کہ شیر[53] … یا مویز و جوز یا گریہ و نفیر

بچوں کا فکر دایہ یا دودھ ہوتا ہے … یا منقّی اور اخروٹ یا رونا اور چلّانا

آں مقلّد ہست چوں طفلِ علیل … گرچہ دارد بحثِ باریک و دلیل

مقلّد، بیمار بچے کی طرح ہے … اگرچہ نازک بحث اور دلیل رکھتا ہو

آں تعمّق در دلیل و در شکال … از بصیرت می کند اُو را گسال

اشکال اور دلیل میں غور … اُس کو بصیرت سے رخصت دیدیتا ہے

مایۂ کاں سرمایۂ سرّ ویست … بُرد و در اشکال گفتن کار بست

وہ سرمایہ جو اس کے باطن کا سرمایہ ہے … سب کر دیا اور اشکال بیان کرنے میں لگا دیا

اے مقلّد از بخارا باز گرد[54] … رو بخواری تا شوی تو شیر مرد

اے مقلّد! بخارا سے واپس آجا … ذلت کی جانب جا، تاکہ تو شیر مرد بنے

تا بخارائے دگر بینی درُوں … صفدراں در محفلش لَا یَفْقَهُوْن

تاکہ تو باطن میں دوسرا بخارا دیکھ لے … اُس کی محفل میں بہادر، وہ نہیں سمجھتے ہیں

پیک اگرچہ در زمیں چابک تگ است … چوں بدریا رفت بشکستہ رگ است

قاصد اگرچہ خشکی میں تیز رفتار ہے … جب دریا میں پہنچا، رگ ٹوٹا ہے

اُو حَمَلْنَاهُمْ بُوَد فِی الْبَرِّ و بس[55] … آنکہ محمول ست در بحر اُوست کس

وہ صرف اسی کو ہم نے خشکی میں چلایا ہے … جو سمندر میں چلایا ہوا ہے وہ بہادر ہے

بخششِ بسیار دارد شہ بدو … اے شدہ در وہم و تصویرے دوتو

شاہ، اس پر بہت بخشش کرتا ہے … اے وہ! جو وہم اور تصویر میں دُہرا بنا ہوا ہے

تتمۂ حالِ مریدِ مقلّد

مرید مقلّد کے حال کا بقیہ

آں مریدِ سادہ از تقلید نیز … گریہ میکرد از دقِ آں عزیز

وہ بھولا مرید بھی، تقلید میں … اُس معزز کی طرح رونے لگا

اُو مقلّد وار ہمچو مردِ کر … گریہ می دید و ز موجب بے خبر

اُس نے تقلید میں بہرے شخص کی طرح … رونا دیکھا اور سبب سے بے خبر تھا

اب وہ اور میں اصل سے کس قدر دور تھے۔ بحث دوران میں حقیقت تک نہ پہنچا تھا اور خوشی منا رہا تھا۔ ہیں چہ بستم۔ میرے ناقص علم و ادراک میں ایک خیالی چیز تھی۔ طفلِ رہ۔ جو سالک ابھی راہِ سلوک کا بچہ ہے وہ حقیقت تک کہاں پہنچ سکتا ہے۔

[53] فکرِ طفلاں۔ طفلانہ فکر تو صرف دایہ اور دودھ اور کھانے پینے کی معمولی چیزوں تک محدود ہوتا ہے۔ آں مقلّد۔ مقلّد کی مثال بچہ کی سی ہے گو تعمّق۔ یہ مقلد اگر خود ان ناسمجھی باتوں کی کوشش کرے گا یا دلائل ڈھونڈے گا تو یہ اس کو بصیرت سے اور دور کر دینگے۔ مایہ۔ جو غور و فکر کا اس کے پاس سرمایہ تھا وہ بھی اس نے بیجا صرف کر ڈالا۔

[54] اے مقلد۔ یہ اسرار اور راز عقلی دلائل سے واضح نہ ہوں گے بخارا ظاہری علوم کا مرکز ہے اس کو چھوڑ کر خواری اور مجاہدوں کی ذلت اختیار کر جب تو مردِ میدان بنے گا۔ تا بخارا۔ جب انسان مجاہدے کرے گا تو پھر اس کو ایک بخارا اپنے دل میں نظر آئیگا اور اس بخارا میں علومِ ظاہری سے بحث کرنے والے بالکل

[55] حَمَلْنَاهُمْ قرآن پاک میں ہے۔ وَلَقَدْ کَرَّمْنَا بَنِیْ آدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ۔ ہم نے بنی آدم کو عزت دی اور ان کو خشکی اور سمندر میں سوار کیا۔۔۔۔ حَمَلْنَاهُمْ فِی الْبَرِّ سے علومِ ظاہری کے علماء، اور حَمَلْنَاهُمْ

ناسمجھ ثابت ہوں گے جیسے صفدروں جیسی بخارا میں ظاہری علماء ہیں جو اسرار کو نہیں سمجھتے ہیں۔ پیک۔ مشہور ہے ہر مردے و ہر کارے جو خشکی کا چلنے والا ہے وہ دریا میں نہیں چل سکتا ہے وہاں تیراک کی ضرورت ہے۔

چوں بسے بگریست خدمت کرد و رفت
جب بہت رو چکا اُس نے سلام کیا اور روانہ ہوگیا

از پئش آمد مریدِ خاص تفت
اُس کے پیچھے ایک خاص مُرید تیزی سے چلا

گفت اے گریاں چو ابرِ بیخبر
اُس نے کہا اے بے خبر ابر کی طرح رونیوالے!

بر وفاقِ گریۂ شیخ از نظر
دیکھا دیکھی شیخ کے رونے پر

اللہ اللہ اے وفائی مُرید
اے وفادار مرید! خدا کے لئے

گریہ در تقلید ہستی مُستفید
اگرچہ تو تقلید میں فائدہ اُٹھانے والا ہے

تا نگوئی دیدم آں شہ می گریست
یہ نہ کہنا میں نے دیکھا کہ وہ شاہ رو رہا تھا

من چو او بگریستم کایں منکریست
میں اُنکی طرح رویا، کیونکہ یہ (شیخ کی فضیلت کا) انکار کرنا ہے

گریۂ کز جہل و تقلید ست و ظن
وہ رونا جو لاعلمی اور تقلید اور گمان کی وجہ سے ہے

نیست ہمچوں گریۂ آں مؤتمن
وہ اس امانتدار کے رونے کی طرح نہیں ہے

تو قیاسِ گریہ بر گریہ مساز
تو رونے کو رونے پر قیاس نہ کر

ہست زیں گریہ بداں راہِ دراز
اِس رونے سے اُس رونے تک بہت فاصلہ ہے

ہست آں از بعدِ سی سالہ جہاد
وہ (رونا) تیس سالہ مجاہدہ کے بعد ہے

عقل اینجا ہیچ نتواند فتاد
عقل اِس جگہ کبھی نہیں پہنچ سکتی

ہست زاں سوئے خرد صد مرحلہ
وہاں عقل سے آگے سَو مرحلے ہیں

عقل را واقف مداں از قافلہ
اُس قافلے سے عقل کو واقف نہ سمجھ

گریۂ او نز غم ست و نز فرح
اُس (شیخ) کا رونا نہ غم سے ہے نہ خوشی سے

رُوح داند گریۂ عینُ الملِح
بے نور آنکھ کا رونا، روح جانتی ہے

گریۂ او خندۂ او زاں سریست
اُس کا رونا، اُس کا ہنسنا اُس جانب کا ہے

زانچہ وہم و عقل باشد آں بریست
جو وہم اور عقل کی وجہ سے ہو، وہ اِس سے بری ہے

آبِ دیدہ او چو دیدہ او بود
اُس کا آنسو اُس کی آنکھ کی طرح ہوتا ہے

دیدۂ نا دیدہ دیدہ کے شود
اندھے کی آنکھ، آنکھ کب ہوسکتی ہے؟

آنچہ او بیند نتاں کردن مساس
جو وہ دیکھتا ہے، اُس کو چھوا نہیں جا سکتا ہے

نز قیاسِ عقل و نز راہِ حواس
نہ عقل کے قیاس سے، نہ حواس کی راہ سے

شب گریزد چونکہ نور آید ز دُور
جب روشنی آتی ہے، رات دور سے بھاگ جاتی ہے

پس چہ داند ظلمت از احوالِ نور
تو تاریکی روشنی کے احوال کیا جانے؟

پشہ بگریزد ز بادِ بادہا
مچھر ہوا سے بھاگ جاتا ہے

پس چہ داند پشہ ذوقِ بادہا
تو ہواؤں کا ذوق مچھر کیا جانے؟

فی البحر سے علوم باطنی کے علماء مراد ہیں۔ بخشش یعنی دریا کے جواہر سے اللہ تعالیٰ زیادہ بخشش کرتا ہے۔ اے خدیو۔ اے وہ انسان جو وہم اور خیالی تصور پر جھکا ہوا ہے۔ آں شاہ بزرگ یعنی شیخ۔ زمتوجب۔ یعنی شیخ کے رونے کے سبب سے ناواقف تھا۔

۵۲ گفت۔ اُس خاص مُرید نے رونے والے مرید سے کہا تو بے خبری میں شیخ کی دیکھا دیکھی رویا ہے۔ اللہ خدا کے لئے تو اپنے رونے کو شیخ کے رونے کی طرح سمجھ۔ گریۂ۔ تیرا رونا تو محض تقلید میں تھا اور تو شیخ کے رونے سے بے خبر تھا۔ ایں منکریست۔ تیرا یہ کہنا شیخ کی فضیلت کا انکار ہوگا۔ موتمن۔ امانتدار۔

۵۳ تو قیاس۔ اپنے رونے کو شیخ کے رونے پر قیاس نہ کرلینا دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ ہست۔ شیخ کا رونا مشاہدہ کی بنیاد پر ہے جو تیس سالہ مجاہدہ کے بعد حاصل ہوا ہے محض عقل بنیاد پر یہ مقام حاصل نہیں ہوسکتا۔

۵۴ گریۂ او۔ شیخ کا رونا نہ غم دوزخ سے ہے نہ فرحتِ جنت سے بلکہ اُس کا رونا محض شوقِ خداوندی سے ہے۔ گریۂ او۔ شیخ کا رونا اور ہنسنا منجانب اللہ ہے عقل اور وہمی بنیاد پر رونے سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ آبِ دیدہ۔ شیخ کی جیسی آنکھیں ہیں کہ وہ عالم غیب کا مشاہدہ کرتی ہیں ایسا ہی اسکا رونا ہے اندھے کی آنکھیں آنکھیں

چوں قدیم آید حدث گردد عبث — پس کجا داند قدیمے را حدث

جب قدیم آتا ہے حادث بیکار ہو جاتا ہے — تو حادث قدیم کو کیا جانے؟

بر حدث چوں زد قدم دہشش کند — چونکہ کردش نیست ہم رنگش کند

جب قدیم حادث پر چھا جاتا ہو اسکو حیران کر دیتا ہو — جب اُس کو معدوم کر دیا اسکو ہم رنگ کر لیتا ہو

گر بخواہی تو بیابی صد نظیر — لیک من پروا ندارم اے فقیر

اگر تو چاہے تو سَو مثالیں حاصل کرلے — لیکن اے فقیر! مجھے فرصت نہیں ہے

ایں الٓمٓ و حٰمٓ ایں حروف — چوں عصائے موسیٰ آمد در وقوف

یہ الٓمٓ و حٰمٓ یہ حروف — جاننے میں حضرت موسیٰؑ کے عصا کی طرح ہیں

حرفہا ماند بدیں حرف از بروں — لیک باشد در صفاتِ ایں زبوں

بظاہر حروف ان حروف سے مشابہ ہیں — لیکن اِن کی صفات سے عاجز ہیں

ہر کہ گیر د اُو عصائے ز امتحاں — کے بُود چوں آں عصا وقتِ بیاں

وہ شخص جو آزمائش کے لئے لاٹھی ہاتھ میں لے لے — بیان کے وقت وہ اُس (موسیٰؑ کی) لاٹھی کیطرح کب ہے!

عیسوی ست ایں دم نہ ہر باد و دمے — کہ بر آید از فرح یا از غمے

یہ سانس عیسوی ہے ہر ہوا اور سانس نہیں ہے — جو کہ خوشی یا رنج سے آئے

ایں الٓمٓ و حٰمٓ اے پدر — آمدست از حضرت مولی البشر

اے باوا! یہ الٓمٓ و حٰمٓ — انسانوں کے مولیٰ کے دربار سے آئے ہیں

ہر الف لامے چہ می ماند بدیں — گر تو جاں داری بدیں چشمش مبیں

ہر الف لام ان کے کیا مشابہ ہو سکتا ہے؟ — اگر تو روح رکھتا ہے، ان آنکھوں سے نہ دیکھ

گرچہ ترکیبش حروف ست اے ہمام — می نماند ہم بترکیبِ عوام

اے سردار! اگرچہ اُس کی بناوٹ حروف سے ہو — (لیکن) وہ عوام کی ترکیب کی طرح نہیں ہے

ہست ترکیبِ محمدؐ لحم و پوست — گرچہ در ترکیب ہر تن جنسِ اوست

محمدؐ کی بناوٹ گوشت اور پوست ہے — اگرچہ بناوٹ میں ہر جسم اس جیسا ہے

گوشت دارد پوست دارد استخواں — ہیچ ایں ترکیب را باشد ہماں

(ہر جسم) گوشت رکھتا ہے، کھال رکھتا ہے، ہڈی رکھتا ہے — کبھی اِس بناوٹ میں وہ (آثار) ہوں گے

کاندریں ترکیب آمد معجزات — کہ ہمہ ترکیب ہا گشتند مات

اِس بناوٹ میں ایسے معجزے آئے — کہ تمام بناوٹیں مات ہو گئیں

• حروف قدیم ہیں اور اسی طرح کے حروف انسانی کلام میں بھی ہیں لیکن دونوں میں ایسا ہی فرق ہے جیسا کہ حضرت موسیٰؑ کی لاٹھی اور عام لاٹھی میں۔ حرفہا۔ قدیم اور حادث حروف بظاہر یکساں ہیں لیکن اُنکے اوصاف میں بہت بڑا فرق ہے۔ ہر کہ۔ عام لاٹھی اور موسیٰؑ کے عصا میں بہت فرق ہے۔

نہیں ہیں۔ انچہ۔ شیخ جن چیزوں کا مشاہدہ کرتا ہے وہ عقل نہیں ہیں۔
ـلـہ شب۔ جسطرح رات، دن کے احوال نہیں جان سکتی ہے اسی طرح عقل اور وہم شیخ کے مشاہدات کو نہیں جان سکتے ہیں۔ پشہ۔ مچھر جبکہ ہوا کے پہلے جھونکے سے بھاگ جاتا ہے تو وہ ہوا خوری کے ذوق سے کیسے واقف ہو سکتا ہے یہی حال شیخ کے مشاہدات اور عقل کا ہے۔ چوں قدیم۔ قدیم کے سامنے حادث کا وجود معطل ہو جاتا ہے تو حادث قدیم کی حقیقت کیسے سمجھ سکتا ہو۔
ـلـہ دہشش حیران۔ چونکہ۔ قدیم حادث کو مٹا کر اپنا ہم رنگ بنا لیتا ہے انسان صفاتِ خداوندی سے متصف ہو کر بشریت کو گم کر دیتا ہے صد نظیر۔ اسکی بہت مثالیں ہیں کہ حادث اور قدیم میں فرق ہے۔ ایں۔ حروف مقطعات یا قرآن کے عام •
ـلـہ ایں دم۔ حضرت عیسیٰ کے مریض پر پھونک مارنے اور عام پھونک میں بہت بڑا فرق ہے۔ ہر الف۔ قرآن پاک کے حروف خدائی دربار سے نازل ہوئے ہیں ان کو عام حروف کی طرح نہ سمجھنا چاہئے ان کے جو کلمات مرکب ہوں گے وہ عام کلمات کی طرح نہ ہوں گے۔ ہست۔ ظاہری بناوٹ تو آنحضورؐ کی بھی ایسی ہی تھی جیسی عام انسانوں کی ہوتی ہے۔
ـلـہ گوشت۔ ہر جسم اِنہی اجزا سے بنا ہے جس سے آنحضورؐ

ہمچناں ترکیبِ حٰمٓ از کتیب | ہست بس بالا و دیگر با نشیب
اسی طرح قرآن کے حم کی بناوٹ | بہت بلند ہے اور دوسری نیچی ہیں

زانکہ زیں ترکیب آید زندگی | ہمچو نفخ صور در درماندگی
کیونکہ اس بناوٹ سے زندگی آتی ہے | جیسا کہ عاجزی (قیامت) میں صور کا پھکنا

اژدھا گردد شگافد بحر را | چوں عصا حٰمٓ از دادِ خدا
اژدھا بنجاتے ہیں سمندر کو پھاڑ دیتے ہیں | حم عصا کی طرح خدا کی عنایت سے

ظاہرش ماند بظاہرہا ولیک | قرصِ ناں از قرصِ مہ دور است نیک
اسکا ظاہر (دوسرے الفاظ کے ظاہری احوال کے) مشابہ ہے لیکن | روٹی کی ٹکیا، چاند کی ٹکیا سے بہت دور ہے

گریۂ او خندۂ او نطقِ او | فہمِ او و خلق او و خُلقِ او
اُسکا رونا، اُسکا ہنسنا، اُس کا بولنا | اُسکی فہم، اُس کی ساخت، اور اُسکے اخلاق

عقلِ او وہمِ او و حسِ او | نیست از وے ہست محض صنع ہُو
اُس کی عقل، اور اُس کا وہم اور اُسکا احساس | اُسکا اپنا نہیں ہے وہ محض اللہ کی کاریگری ہے

چونکہ ظاہرہا گرفتند احمقاں | واں دقائق شد ازیشاں بس نہاں
احمقوں نے چونکہ ظاہری احوال کو پسند کیا | وہ باریکیاں اُن سے بہت پوشیدہ ہو گئیں

لاجرم محجوب گشتند از غرض | کہ دقیقہ فوت شد در معترض
وہ یقیناً مقصد سے محجوب ہو گئے | معارض میں نکتہ فوت ہو گیا

ایں سخن پایاں ندارد باز گرد | کاں کنیزک با خرِ خاتوں چہ کرد؟
اس بات کا خاتمہ نہیں ہے واپس چل | اُس باندی نے بی بی کے گدھے سے کیا کیا؟

کا جسم بنا ہے لیکن ہر جسم کی بناوٹ میں وہ آثار کہاں ہیں جو آنحضورؐ کی بناوٹ میں ہیں کا ندر ہیں۔ آنحضورؐ کے جسم کی بناوٹ سے وہ معجزے ظاہر ہوئے کہ تمام بناوٹیں بار مان گئیں۔ ہمچناں۔ اسی طرح اُنہی حروف سے جب قرآنی کلمات مرکب ہوئے تو وہ فصاحت و بلاغت کے اعلیٰ مقام پر پہنچ گئے۔ زانکہ۔ اب اِن کلمات سے دلوں میں ایسی ہی زندگی پیدا ہوتی ہے جسطرح نفخ صور سے قیامت میں جسموں کی زندگی ہوگی۔
سلہ اژدھا۔ خدا نے اِس کلام میں ایسی ہی تاثیر رکھی ہے جیسے حضرت موسیٰؑ کے عصا میں تھی۔ قرص۔ سورج اور روٹی کی ٹکیا بظاہر یکساں ہیں لیکن معنوی بہت فرق ہے۔ گریہ او۔ یعنی شیخ کے افعال کو عام انسانوں کے افعال کیطرح نہ سمجھنا چاہیے اب اُس کے [illegible] انسانوں کے اعمال سے بہت مختلف ہے

شرح ایک مرید شیخ کے پاس آیا کہ شیخ رو رہا ہے پس جبکہ اُس مرید نے شیخ کو روتے دیکھا تو خود ہی رونے لگا اور اسکی آنکھوں سے بھی آنسو جاری ہو گئے ——— یہ تو واقعہ تھا اب اُس کے مناسب مضمون ارشادی سنو! مگر اس سے پہلے ایک مقدمہ سُن لو۔ وہ یہ ہے کہ جس وقت ایک دوست دوسرے دوست سے مذاق کرتا ہے۔ اُس وقت کان والا اگر ایک مرتبہ ہنستا ہے تو بہرا دو دفعہ ہنستا ہے۔ کیونکہ بہرا پہلی دفعہ تو لوگوں کی تقلید میں اور بہ تکلف ہنستا ہے کیونکہ وہ دیکھتا ہے کہ لوگ ہنس رہے ہیں اسوقت جو وہ بہرا ہنستا ہے تو اسکو

کچھ خبر نہیں ہوتی ہے کہ لوگ کیوں ہنس رہے ہیں لیکن اُس کے بعد وہ پوچھتا ہے کہ بھائی تم کیوں ہنستے تھے اُس کے پوچھنے پر لوگ ہنسی کا سبب بتلاتے ہیں۔ پس جبکہ وہ سُنتا ہے تو دوبارہ ہنستا ہے جب یہ مقدمہ معلوم ہوگیا۔ تو اب سمجھو کہ یہی حالت مقلد اور سالک غیر داصل کی ہے کہ جو خوشی اسے حاصل ہوتی ہے اس میں وہ بمنزلہ بہرے کے ہوتا ہے۔ اور یہ خوشی شیخ کا پَرتو ہوتی ہے اور اس کا سرچشمہ شیخ ہوتا ہے۔

الغرض ایسے مریدوں کا غم اور انکی خوشی ان کی ذاتی نہیں ہوتی۔ بلکہ اس کا مبدء شیخ ہوتا ہے اور جبکہ اسکو بتائیدِ شیخ کوئی خوشی حاصل ہوتی ہے۔ تو وہ خوشی شیخ کا پرتو اور اسکی تقلید ہوتی ہے اور اسکی مثال ایسی ہوتی ہے۔ جیسے ندی میں ٹوکرا پڑا ہو اور پانی سے بھرا ہو۔ یا شیشہ پر نور پڑ رہا ہو پس اگر ٹوکرا اور آئینہ پانی اور نور کو اپنا ذاتی سمجھیں تو یہ ان کا نقص ہے جب ٹوکرا ندی سے جدا ہوگا اس وقت اسے معلوم ہوگا کہ وہ پانی ندی کا تھا۔ نہ کہ میرا علیٰ ہٰذا۔ جس وقت ماہتاب غروب ہوگا اس وقت آئینہ کو معلوم ہوگا کہ وہ نور میرا نہ تھا بلکہ روشن ماہتاب کا تھا۔ یوں ہی جس وقت شیخ سے اس مرید کا تعلق منقطع ہوتا ہے اس وقت اسے معلوم ہوتا ہے کہ یہ جو کچھ حال تھا شیخ کا پَرتو تھا۔ اور خود اس کا کمال ذاتی نہ تھا۔ لیکن جس وقت وہ مرتبہ تقلید سے گذر کر مرتبہ تحقیق پر پہنچتا ہے۔ اور حق سبحانہٗ کا زندہ کن اور حیات بخش حکم اسکو حیات رُوحانی عطا فرما کر اس کی آنکھیں کھولتا ہے اور اسکو بصیرت عطا فرماتا ہے۔ اس وقت وہ صبح کی طرح دوبارہ ہنستا ہے اور اس وقت اسکو اپنی اس ہنسی پر ہنسی آتی ہے جو کہ تقلید کی حالت میں اسکو آتی تھی۔ اور وہ کہتا ہے کہ اس قدر دور و دراز راہ سے جہاں یہ حقیقت اور یہ راز اور بھید تھا۔ میں وادی تقلید میں اپنی اندھی پن سے دور ہی دور کیونکر خوش تھا۔

[خلاصہ یہ کہ وہ بصیرت حاصل کرنے کے بعد کہتا ہے کہ جس وقت میں وادیٔ تقلید میں سرگرداں تھا اس وقت اس حقیقت اور راز میں جو مجھے اس وقت حاصل ہے۔ اور مجھ میں

بہت بُعد تھا۔ پھر باوجود اس بُعد کے میں کیونکر ہنستا تھا] میں تو کیا سمجھتا تھا اور بات فی الحقیقت کیا تھی یعنی وہ ہنسی تو شیخ کا پرتو تھا۔ اور میں اسے اپنا کمال سمجھتا تھا۔ اصل بات یہ ہے کہ میری کمزور قوت مُدرکہ غلط تصویر دکھلاتی تھی۔ اب مولانا فرماتے ہیں کہ ہونا بھی یہی چاہیئے تھا۔ کیونکہ مبتدیان راہ سلوک کے لئے ارباب کمال کا سا ادراک کہاں حاصل ہو سکتا ہے اُن کے خیال ہیں اور اہل اللہ کی تحقیق میں بہت بڑا فرق ہوتا ہے بھلا کہیں بچوں کے دل میں بوڑھوں کا سا خیال آ سکتا ہے یا وہ ان کا سا فکر کر سکتے ہیں ہرگز نہیں۔ بچوں کا فکر تو یہ ہوتا ہے کہ وہ دایہ کو طلب کریں یا دودھ مانگیں۔ یا کشمش اور اخروٹ مانگیں یا روئیں دھوئیں۔ ختم شد ــــــ برخلاف بوڑھوں کے کہ ان کا فکر تدبیر منزل و سیاست مُدن وغیرہ ہوتی ہے پس کجا فکر اطفال اور کجا فکر اشیاخ پس تم سمجھو کہ مقلد خواہ کتنا ہی بڑا عالم و متبحر ہو۔ اور کیسے ہی باریک نکات اور دقائق بیان کرتا ہو۔ بمنزلہ ایک ضعیف الفہم لڑکے کے ہے اور دلائل و اشکالات میں اس کا غور و خوض اسکے لیے نافع نہیں ہے۔ بلکہ مضر ہے کیونکہ وہ بصیرت سے اس کا تعلق منقطع کرتا ہے۔ اور اس نے اس سرمایۂ قابلیت و استعداد کو جو کہ اسکی چشم بصیرت کا سرمہ اور اس کو روشن کرنے والا تھا۔ بے محل صرف کر دیا۔ اور اسکو لے جا کر اعتراضات و جوابات میں لگا دیا۔ پس اے مقلد! تو بخارا سے لوٹ! اور ذلت عشق اختیار کر۔ تاکہ تو شیر مرد ہو۔ یعنی تحصیل جاہ بعلم ظاہر کو چھوڑ اور ذلت عشق اختیار کر تاکہ تو عارف کامل ہو جائے اور تاکہ تجھے اپنے باطن میں ایک دوسرا بخارا (معدنِ علم) نظر آئے۔ جس کی محفل کے رہنے والے شراب بے خودی سے مست ہیں۔ اور ماسوی اللہ کے متعلق کچھ نہیں سمجھتے [یا یوں کہا جائے کہ اسکی محفل کے لوگ رسمی فقہاء نہیں ہیں۔ جیسے کہ فقہاء بخارا] علماء ظاہر گو تیز اور ذکی اور ذہین اور دقیقہ رس ہیں۔ مگر صرف علم ظاہر میں۔ رہے معارف اور حقائق سو وہاں ان کی دقیقہ سنجی کام نہیں دیتی۔ چنانچہ قاصد زمین میں تیز چلتا ہے مگر دریا پر

پہنچ کر اس کے جوڑ بند ڈھیلے ہو جاتے ہیں۔ اور وہ کھڑا کا کھڑا رہ جاتا ہے۔
پس علمائے ظاہر غیر عارف محمول نے فی البر اور صرف علوم ظاہر یہ میں تیزی دکھلانے والے ہیں۔ سیر فی اللہ میں ایک قدم نہیں چل سکتے۔ پس یہ لوگ کچھ بھی نہیں ہیں۔ آدمی تو وہی ہیں جو دریا میں چلتے ہوں اور سیر فی اللہ کرتے ہوں۔
اور اے اوہام و خیالات پر جھکے ہوئے شخص تو جان لے! کہ ایسے لوگوں پر حق سبحانہ کی بڑی عنایت ہے پس تو اس کمال کو حاصل کر ـــــ خیر یہ مضمون ارشادی تو ختم ہوا۔ اب سنو! کہ ہم نے کہا تھا کہ وہ عاری عن الکمالات مرید بھی براہ تقلید شیخ کی طرح رونے لگا وہ بہروں کی طرح مقلدانہ روتا تھا۔ اور سبب جانتا نہ تھا پس جبکہ وہ بہت زیادہ رو چکا تو شیخ کی خدمت کی اس کے بعد رخصت ہو گیا۔ اس کے پیچھے پیچھے فوراً ایک مرید خاص چلا اور کہا کہ اے بے شعور! ابر کی طرح شیخ کے اس گریہ کی موافقت میں رونے والے جو کہ بصیرت سے ناشی ہے۔ تو اگرچہ تقلیداً حالت شیخ کو حاصل کئے ہوئے ہے مگر دیکھنا خبردار! یہ نہ کہنا کہ میں نے شیخ کو روتے دیکھا تو جس طرح وہ رو رہے تھے یونہی میں بھی رو رہا تھا۔ کیونکہ یہ انکار ہے شیخ کے کمال کا۔ کیونکہ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ تو شیخ کو بھی اپنا ہی سا سمجھتا ہے ـــــ وہ رونا جس کا منشا جہل اور تقلید اور ظن ہے اُس امین خدا کے رونے کے مماثل نہیں ہو سکتا۔ پس تو اپنے رونے کو اس کے رونے پر قیاس نہ کرنا۔ اور دونوں کو یکساں نہ سمجھنا کیونکہ دونوں کے رونے میں زمین و آسمان کا تفاوت ہے وہ رونا تینتیس ۳۳ سال کے مجاہدات کا نتیجہ ہے اور اس رونے میں عقل کام نہیں کر سکتی چونکہ اس کے اور عقل کے درمیان سینکڑوں منزلیں ہیں اسلئے عقل کو اس آنسوؤں کے قافلہ سے واقف نہ سمجھنا چاہیئے کیونکہ اس کا رونا نہ غم سے ناشی ہے اور نہ خوشی سے اور عقل کی رسائی اسے گریہ تک ہے جس کا سبب غم یا خوشی ہو۔ پس عقل اسکو کیونکر جان سکتی ہے۔ ہاں اس سرچشمہ کمالات (کامل

کے رونے کی حقیقت کو ذوقاً روح جانتی ہے۔

(عین الملح بجائے ضمیر غائب کے لایا گیا ہے اور ملح جمع ہے ملحۃ کی جس کے معنی ہیں سخن خوش ونمکین والمراد ھھنا الکمالات مطلقا) اس کا رونا بھی اور اس کا ہنسنا بھی دونوں غیبی ہیں اور جس عالم سے وہم وعقل ہیں اس سے ان کو تعلق نہیں۔ اسلئے انکی حقیقت مدرک بالوہم والعقل نہیں ہوسکتی ——— اُسکے آنسو جن کا منشا ذات حق سبحانہٗ ہے جس کو وہ بچشم قلب دیکھتا ہے۔ ویسے ہی ہیں جیسے اس کی دیکھی ہوئی ذات جو ان آنسوؤں کا منشا ہے اور وہ دیکھی ہوئی ذات جو دیکھی ہوئی نہیں ہے دیکھی نہیں جا سکتی۔ یعنی ذات حق سبحانہٗ جس کو وہ بچشم قلب دیکھتا ہے اور عقل وحواس جسمانیہ سے وہ ذات اور حواس جسمانیہ سے مدرک نہیں ہوسکتی تو ضرور ہے کہ اسکے آنسو ہی مدرک بوہم وعقل نہ ہوں۔ اب ہم آنچہ او بیند نتاں کردن مساس الخ کو مدلل کرنا چاہتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ قاعدہ ہے کہ جب صبح ہوتی ہے تو رات رفوچکر ہوجاتی ہے اسلئے رات نور صبح کو نہیں جان سکتی۔ نیز جب تیز ہوا آتی ہے تو مچھر رخصت ہوجاتے ہیں پس مچھر ہوا کو کیا جان سکتے ہیں۔ جب یہ مقدمہ ممہد ہوگیا۔ تو اب سمجھو کہ جب تک حق سبحانہٗ کسی کے لیے متجلّی نہ ہوں اس وقت تک کوئی انکو کیسے جان سکتا ہے اور جس وقت وہ متجلّی ہوں گے اس وقت وہ لاشئے ہوجائے گا پس حادث من حیث ھو حادث قدیم کو کیسے جان سکتا ہے کیونکہ جب قدیم جلوہ افروز ہوتا ہے۔ تو حادث کو مبہوت کردیتا ہے اور جبکہ اسکو فنا کردیتا ہے اور اسکی خودی کو کھودیتا ہے تو اسکو اپنے رنگ میں رنگ لیتا ہے اور اس کی شان یہ ہوجاتی ہے کہ بی یسمع وبی یبصر الخ پس حادث من حیث ھو حادث کے لئے حق سبحانہٗ کو دیکھنے کی کوئی صورت نہیں۔ اگر تم چاہو گے تو سینکڑوں مثالیں مل جائیں گی۔ لیکن مجھے فرصت نہیں ہے کہ میں زیادہ مثالیں بیان کروں اسلئے صرف دو مثالوں پر اکتفا کرتا ہوں۔ اور اس مضمون کو ختم کرکے

پھر حالت شیخ کی طرف رجوع کرتا ہوں ۔ ہم نے گریہ و خندۂ شیخ کو باوجود مشابہت باگریۂ مردم کے عقل و وہم سے بالاتر کہا تھا ۔ اور اسکو ثابت بھی کیا تھا ۔

اب ہم اس استبعاد کو دور کرتے ہیں ۔ جو ان کے دیگر گریہ ہا و خندہ ہا کے ساتھ مشابہت صوری کی بناء پر پیدا ہوتا ہے ۔ اور کہتے ہیں کہ الٓمٓ اور حٰمٓ اور دیگر الفاظ قرآنیہ عصائے موسٰے کے مشابہ ہیں ۔ کیونکہ گو صورۃً دیگر حروف ان حروف سے مشابہ ہیں مگر وہ حروف صفات میں ان حروف سے مغلوب ہیں اور ان حروف کی حروف قرآنیہ کے مقابلہ میں وہی حالت ہے جو اور لاٹھیوں کی عصائے موسٰی کے مقابلہ میں ۔

مثلاً جو شخص کہ امتحان کے لئے کوئی لاٹھی ہاتھ میں لے گا تو وہ لاٹھی وقت ظہور اثر عصائے موسٰے کے مانند ثابت نہ ہوگی ۔ پس یہی حالت حروف قرآنیہ اور دیگر حروف کی ہے کہ یہ حروف قرآنیہ اعجاز اثر میں اور ان الفاظ کی مانند نہیں ہیں جو کہ آدمیوں سے خوشی یا غم وغیرہ سے صادر ہوں ۔ کیونکہ یہ الٓمٓ و حٰمٓ وغیرہ کلام خداوندی ہیں اور خدا کی طرف سے آئے ہیں ۔ لہٰذا ہر الف لام وغیرہ جو کلام بشر ہیں ان سے مشابہ نہیں ہو سکتے پس اگر تم روحانیت رکھتے ہو ۔ تو تم ان کو اس نظر سے نہ دیکھو ۔ اور ان کو کلام بشر کی مانند نہ سمجھو ـــــ یہ مسلّم ہے کہ ان کی ترکیب حروف ہی سے ہے مگر پھر بھی ان کی ترکیب عوام کی ترکیب کے مشابہ نہیں ہے ۔

دیکھو ! جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جسم بھی ہڈی اور گوشت اور کھال وغیرہ سے بنا ہے ۔ اور اس ترکیب میں ہر جسم اس کا مجانس ہے ۔ یعنی جس طرح اور اجسام میں گوشت پوست ہڈیاں وغیرہ ہیں یوں ہی اس میں بھی ہیں لیکن کیا کہا جا سکتا ہے کہ یہ ترکیب اوروں کی سی ہے ہرگز نہیں کیونکہ اس ترکیب میں معجزات موجود ہیں جن سے تمام ترکیبات مغلوب ہیں ۔ مثلاً ان کی انگلی چاند کے دو ٹکڑے کر دیتی ہے اوروں کی انگلی ایسا نہیں کر سکتی ۔ نیز ان کی انگلی سے پانی نکلتا ہے اوروں کی انگلی

ہے نہیں نکلتا وغیرہ وغیرہ۔

پس ترکیب جسم احمدی اور ترکیبات دیگر اجسام یکساں نہیں ہوسکتیں بس یہی حالت الٓمٓ و حٰمٓ قرآنیہ کی ترکیب کی ہے کہ ان کی ترکیب سب ترکیبوں سے فائق ہے اور دیگر ترکیبات اسکے نیچے ہیں کیونکہ یہ ترکیبیں حیات روحانی بخشنے والی ہیں اور موت روحانی کی حالت میں ان میں وہی خاصیت ہے جو موت جسمانی کی حالت میں۔ نفخ صور میں۔ نیز حٰمٓ وغیرہ عصائے موسٰے کی طرح کبھی اژدھا بن جاتی ہیں۔ اور کبھی دریا کو خشک کردیتی ہیں۔ یعنی اپنے اعجاز کے سبب دشمنوں کو اپنے معارضہ سے عاجز کرتی ہیں ــــ برخلاف دیگر ترکیبات کے کہ ان میں یہ خاصیت نہیں ہے پس ان کا ظاہر گو اوروں کے ظاہروں سے مشابہ ہے لیکن ان کے باطن میں وہی فرق ہے جو قرص ماہتاب اور قرصِ نان میں۔

جب یہ معلوم ہوگیا تو اب کوئی استبعاد نہ رہا۔ کیونکہ شیخ کا رونا۔ اس کا ہنسنا اس کی گفتگو، اُس کی سمجھ، اسکی خلقت، اُس کا خُلق، اسکی عقل، اُس کا وہم، اسکی حِس اُس کی نہیں ہے۔ بلکہ خدا کی طرف سے ہیں کیونکہ وہ فانی فی الحق اور بی یسمع و بی یبصر وغیرہ کا مصداق ہے ایسی حالت میں اگر اس کا رونا وغیرہ عقل سے بالاتر ہو جیسا کہ ہم نے کیا ہے تو کیا تعجب ہے لیکن چونکہ احمقوں نے ظاہر کو لے لیا اور حقائق ان کی نظر سے مخفی ہوگئیں اسلئے اپنی ہوائے نفسانی کے سبب محجوب ہوگئے اور انکار کر بیٹھے۔ اور اعتراض کے سبب حقائق اُن سے فوت ہوگئیں۔

خیر یہ گفتگو تو ختم نہ ہوگی۔ اب دوسری طرف رُخ کرنا چاہیئے اور دیکھنا چاہیئے کہ لونڈی نے اپنی بی بی کے گدھے کے ساتھ کیا معاملہ کیا۔ اس سے تم کو معلوم ہوگا کہ ظاہر بینی اور دقیقہ ناشناسی کا کیا نتیجہ ہوتا ہے۔

داستانِ آں کنیزک کہ با خرِ خاتونِ خود شہوت میراند و اُو را

اُس باندی کی داستان جو بی بی کے گدھے سے شہوت رانی کرتی تھی اور اُسینے اُس کو

شہوت راندن چوں آدمیاں آموختہ بُود و کدُوئے در قضیبِ خرے

انسانوں کی طرح شہوت پورا کرنا سکھا دیا تھا اور گدھے کی قضیب میں کدو

میکرد تا از اندازہ نگذرد و خاتون بر آں وقوف یافت لیکن دقیقہ

پہنادیتی تھی تاکہ اندازہ سے آگے نہ جائے اور بی بی کو اس کا پتہ لگ گیا لیکن کدو کا نکتہ

کدُو را ندید کنیزک را بہ بہانہ براہ کرد جائے دور دور و آں خر جمع

نہ سمجھی، باندی کو ایک بہانہ سے بہت دور روانہ کردیا اور وہ بغیر کدو کے

شُد بے کدُو و ہلاک شد بفضیحت کنیزک بیگاہ باز آمد و نوحہ

اُس گدھے سے لگ گئی اور رسوائی کے ساتھ ہلاک ہوگئی باندی اچانک واپس آئی اور رونے

کرد کہ اے جانم و اے چشمِ روشنم کیر دیدی و کدُو ندیدی ذکر

لگی کہ اے میری جان اور اے میری روشن آنکھ تونے کیر دیکھا اور کدو نہ دیکھا ذکر

دیدی و آں دگر ندیدی کُلُّ نَاقِصٍ[2] مَلْعُوْنٌ یعنی کُلُّ نَظَرٍ

دیکھا وہ دوسرا نہ دیکھا ہر ناقص ملعون ہے یعنی ہر کوتاہ نظر

وَّ فَہْمٍ نَاقِصٍ مَّلْعُوْنٌ وگرنہ ناقصانِ ظاہرِ جسم مرحوم اند نہ ملعون

اور کوتاہ سمجھ ملعون ہے ورنہ ظاہری جسم کے ناقص قابل رحم ہیں نہ کہ ملعون،

قولہ تعالٰے لَیْسَ[3] عَلَی الْاَعْمٰی حَرَجٌ وَّلَا عَلَی الْاَعْرَجِ حَرَجٌ وَّ لَا

اللہ تعالٰے کے قول نے "نہیں ہے اندھے پر گناہ اور نہ لنگڑے پر گناہ اور

عَلَی الْمَرِیْضِ حَرَجٌ. نفیِ حرج کرد و نہ نفیِ لعنت و نفیِ عتاب و غضب

نہ مریض پر گناہ" گناہ کی نفی کردی نہ کہ لعنت اور عتاب اور غضب کی

یک کنیزک نرخرے[1] بر خود فگند | از وفورِ شہوت و فرطِ گزند

ایک باندی نے ایک گدھا اپنے اوپر ڈال لیا | شہوت کی کثرت اور شہوت کی زیادتی کی تکلیف سے

آں خرِ نر را بگاں خو کردہ بود | خر جماعِ آدمی پے بُردہ بود

اس نر گدھے کو جماع کی عادت ڈالدی تھی | گدھے نے آدمی کا جماع سیکھ لیا تھا

یک کدوِ بُود حیلت سازہ را | در نرش کردہ پئے اندازہ را

اُس حیلہ ساز (باندی) کے پاس ایک کدو تھا | جس کو اُس نے اندازہ کے مطابق اسکے ذکر میں پہنا دیا تھا

در قضیبش آں کدو کردے عجوز | تا رود نیم ذکر وقتِ سپوز

بڑھیا اُس کے ذکر میں کدو پہنا دیتی | تاکہ گھسانے کے وقت آدھا ذکر جائے

[1] چونکہ ظاہر بینوں سے حقائق پوشیدہ رہتے ہیں۔ لاجرم۔ اصلی مقصد اُن کی نگاہوں سے چھپ گیا اور اصل حکمت اس عارض میں مخفی ہوگیا جو انکو پیش آیا۔

[2] کُلُّ نَاقِصٍ مَلْعُوْنٌ ہر ناقص ملعون ہے ناقص سے مراد وہ شخص ہے جس کی عقل اور فہم ناقص ہو کیوں کہ جن کا جسم ناقص ہوتا ہے وہ تو قابل رحم ہیں۔

[3] لَیْسَ عَلَی الْاَعْمٰی حَرَجٌ۔ لنگڑے پر کوئی گناہ نہیں ہے ناقص جسم والے کے لئے گناہ کی نفی کردی لیکن اگر وہ ناقص عقل والا ہے تو لعنت اور غضب اور عتاب کی اُس سے نفی نہیں ہے۔

[1] نر خر۔ خرِ نر۔ فرطِ گزند۔ شہوت کی تکلیف کی زیادتی۔ گاں۔ جماع کرنا۔ نرہ۔ ذکر۔ قضیب۔ شلغ، ذکر۔ کیر۔ ذکر۔

گر ہمہ کیرِ خرے اندر روے رود
اگر گدھے کا پورا ذکر اس میں جائے

آں رحم و آں رودہا ویراں شود
تو رحم اور انتڑیاں تباہ ہو جائیں

خر ہمی شد لاغر و خاتونِ او
گدھا دبلا ہو رہا تھا اور اس کی مالک

ماندہ عاجز کز چہ شد ایں خر چو مو
حیران تھی کہ یہ گدھا بال جیسا کس وجہ سے ہو گیا

نعلبنداں را نمود آں خر کہ چیست
اس نے اس گدھے کو نعلبندوں کو دکھایا کہ کیا ہے؟

علت او کہ نتیجہ اش لاغریست
اس کی بیماری جس کا نتیجہ دبلا پن ہے

ہیچ علت اندرو ظاہر نشد
اس میں کوئی بیماری ظاہر نہ ہوئی

ہیچ کس از سرِ آں مخبر نشد
اس کے راز سے کوئی شخص باخبر نہ ہوا

در تفحص اندر افتاد او بجد
وہ کوشش سے جستجو میں لگ گئی

شد تفحص را دمادم مستعد
اور جستجو کے لئے پے در پے مستعد ہو گئی

جد را باید کہ جاں بندہ بود
جان کو کوشش کا غلام ہو جانا چاہئے

زانکہ جد جوئندہ یابندہ بود
کیونکہ جستجو کرنیوالے کی کوشش پانیوالی ہوتی ہے

چوں تفحص کرد از حالِ اشک
جب اس نے گدھے کے حال کی جستجو کی

دید خفتہ زیرِ آں خر نرگسک
اس کے نیچے نرگس کو پڑا ہوا دیکھا

چوں تفحص کرد از احوالِ خر
جب اس نے گدھے کے احوال کی جستجو کی

آں کنیزک بود زیر و خر زبر
تو وہ باندی نیچے تھی اور گدھا اوپر

از شگافِ در بدید آں حال را
اس نے دروازے کی درز سے وہ حال دیکھا

پس عجب آمد ازاں آں زال را
تو وہ اس بوڑھی کو پسند آ گیا

خر ہمی گاید کنیزک را چناں
گدھا باندی سے اس طرح جماع کر رہا ہے

کہ بعقل و رسمِ مرداں با زناں
جو مردوں کی عورتوں کے ساتھ رسم اور عقل کے مطابق ہے

در حسد شد گفت چوں ایں ممکن ست
وہ حسد میں مبتلا ہو گئی، بولی جب یہ ممکن ہے

پس من اولی ترکہ خر ملکِ من ست
تو میں زیادہ مستحق ہوں، کیونکہ گدھا میرا ہے

خر مہذب گشتہ و آموختہ
گدھا مہذب اور سدھا ہوا

خواں نہادست و چراغ افروختہ
دسترخوان بچھا ہے اور چراغ روشن ہے

کرد نادیدہ درِ خانہ بکوفت
اس نے انجان بن کر دروازہ کھٹکھٹایا

کاے کنیزک چند خواہی خانہ روفت
کہ اے باندی! گھر میں کتنی جھاڑو دیگی

از پئے روپوش میگفت ایں سخن
انجان بن کے لئے یہ بات کہہ رہی تھی

کاے کنیزک آمدم در باز کن
اے باندی! دروازہ کھول میں آ رہی ہوں

کرد خاموش و کنیزک را نگفت
چپ رہی اور باندی سے نہ کہا

راز را از بہرِ طمع خود نہفت
راز، اپنی چھپی ہوئی خواہش کی وجہ سے

---

۴۴ تفحص۔ جستجو۔ اشک۔ ترکی لفظ ہے، گدھا۔ نرگسک۔ کاف تصغیر کا ہے۔ نرگس اس لونڈی کا نام ہے۔ شگاف در۔ کواڑوں کی درز

۴۵ گائیدن۔ جماع کرنا۔ آ۔ چنانکہ۔ خر مہذب۔ یعنی عیش و عشرت کے سب اسباب مہیا ہیں۔ زدمن۔ جھاڑو دینا۔ روپوش۔ باندی نے اپنے آپ کو روزہ دار ظاہر کیا۔ عقل۔ اونٹوں کا باڑا یہاں گدھے کا اصطبل مراد ہے۔

پس کنیزک جملہ آلاتِ فساد
باندی نے خرابی کے سب سامان

کرد پنہاں پیش شُد در را کُشاد
چھپا دیئے، آگے بڑھی، دروازہ کھول دیا

رُو ترش کرد و دو دیدہ پُر زنم
اُس نے مُنہ بنایا اور دو آنکھیں آنسوؤں سے پُر

لب فرو افگندہ یعنی صائمم
ہونٹ لٹکائے ہوئے یعنی میں روزہ دار ہوں

در کفِ اُو نرمہ جاروبے کہ مَن
اُس کے ہاتھ میں نرم جھاڑو کہ میں

خانہ را می روفتم بہرِ عطن
اصطبل کی کوٹھری میں جھاڑو دے رہی تھی

چونکہ با جاروب در را اُو کُشاد
جب اُس نے جھاڑو لئے ہوئے دروازہ کھولا

گفت خاتوں زیرِ لب کاے اُوستاد
بی بی نے مُنہ ہی مُنہ میں کہا، اے اُستاد!

رُو ترش کردی و جاروبے بکف
تو نے مُنہ بنایا اور جھاڑو ہاتھ میں

چیست ایں خر بر گسستہ از عَلَف
یہ گدھا چارے سے ہٹا ہوا کیوں ہے؟

نیم کارہ و خشمگیں جُنباں ذکر
آدھا کام کئے ہوئے اور غصہ میں ذکر کو ہلانے والا

زانتظارِ تو دو چشمش سوئے در
تیرے انتظار میں اُس کی دونوں آنکھیں دروازہ کی جانب ہیں

زیرِ لب گفت ایں نہاں کرد از کنیز
مُنہ ہی مُنہ میں کہا، اُس کو باندی سے چھپایا

داشتش آں دم چو بے جرماں عزیز
اُس وقت اُس کو بے قصور کی طرح پیارا رکھا

بعد ازاں گفتش کہ چادر نہ بسَر
اُس کے بعد اُس سے کہا، سر پر چادر ڈال

رَو فلاں خانہ ز مَن پیغام بَر
فلانے گھر جا، میرا پیغام لے جا

انچنیں گو و آنچنیں گو و آں چناں
ایسا کہہ اور ویسا کہہ

مختصر کردم من افسانہ زناں
میں نے عورتوں کا افسانہ مختصر کر دیا

آں چہ مقصود ست مغزِ آں بگیر
جو مقصد ہے اس کا خلاصہ لے لے

چوں براہش کرد آں زالِ ستیر
جب اُس پردہ نشین بوڑھی نے اُس کو روانہ کر دیا

چوں بدر کردش ز حیلت زاں مکاں
جب اُس کو تدبیر سے اُس مکان سے باہر نکال دیا

در فرو بست و بخلوت شادماں
دروازہ بند کر لیا اور تنہائی میں خوش تھی

بُود از مستیِ شہوت شادماں
وہ شہوت کی مستی سے خوش تھی

در فرو بست و ہمی گفت آں زماں
دروازہ بند کر دیا اور اُس وقت کہہ رہی تھی

یافتم خلوت زنم از شکر بانگ
میں نے تنہائی پالی شکر کا نعرہ لگاتی ہوں

رَستہ ام از چار دانگ و از دو دانگ
چار دمڑی اور دو دمڑی سے مجھے نجات مل گئی ہے

از طرب گشتہ بُزانِ زن ہزار
مستی سے عورت کی شہوت ہزار (گنا) ہو گئی

در شرارِ شہوتِ خر بیقرار
وہ گدھے کی شہوت کی چنگاری سے بیقرار تھی

چہ بُزاں کاں شہوت اُو را بُز گرفت
کیسی شہوت، اُس شہوت نے اُس کو الّو بنا دیا

بُز گرفتن گیج را نبُود شگفت
احمق کو اُلّو بنا دینا تعجب خیز نہیں ہے

---

۵۲ زیرِ لب۔ یعنی بڑبڑا کر بات کہی۔ چیست۔ اگر تو صرف جھاڑو ہی دے رہی تھی تو یہ گدھا اِس حالت میں کیوں ہے۔ داشتش۔ اُس بی بی نے اُس باندی سے ایسا برتاؤ کیا جیسا کہ اُس کا کوئی قصور نہیں ہے۔

۵۳ انچنیں۔ بی بی نے پیغام بر بہت سی باتیں کہلوائیں جن کی تفصیل میں نے چھوڑ دی ہے۔ ستیر۔ پردہ نشین۔ چار دانگ۔ یعنی تھوڑا بہت۔ بزان۔ عورت کی شہوت۔

۵۴ بز گرفت۔ مذاق کیا۔ گرگ۔ یعنی بُری چیز کو بھلا کر کے دکھا دیتی ہے۔ آسے بسا۔ جس طرح اِس بی بی نے باندی سے پوری بات نہ سُنی اِسی طرح بہت سے ناقص لوگ ہیں جو اپنے آپ کو کامل شیخ سمجھ بیٹھتے ہیں۔

میلِ شہوت کر کُند دل را وکور — تا نماید گرگ یوسفؑ نار نور

خواہش اور شہوت، دل کو بہرا اور اندھا بنا دیتی ہے — یہاں تک کہ بھیڑیا، یوسفؑ اور آگ نور نظر آتی ہیں

اے بسا سرمست نار و نار جُو — خویشتن را نورِ مُطلق داند او

بہت سے آگ کے سرمست اور آگ کے جویا — وہ اپنے آپ کو نورِ مطلق سمجھ لیتے ہیں

جز مگر بندہ خدا کز جذبِ حق[۳] — وا رہش آرد بگر داند وَرق

سوائے اُس مردِ خدا کے کہ جذبہ کے ذریعہ اللہ تعالیٰ — اُس کو راستہ پر لے آئے، ورق پلٹ دے

تا بداند کاں خیالِ ناریہ — در طریقت نیست الا عاریہ

تاکہ وہ سمجھ لے کہ وہ آتشیں خیال — طریقت میں عارضی ہی ہیں

زِ شتہا را خوب بنماید شَرہ — نیست از شہوت بتر زآفاتِ رہ

حرص، بُرائیوں کو بھلا دکھا دیتی ہے — راہِ (طریقت) کی آفتوں میں شہوت سے زیادہ بدتر کوئی نہیں ہے

صد ہزاراں نامِ خوش را کردہ ننگ — صد ہزاراں زیرکاں را کردہ دَنگ

لاکھوں نیکناموں کو اُس نے بدنام کر دیا — لاکھوں عقلمندوں کو بے عقل کر دیا

چوں خرے را یوسفِ مصری نمود — یوسفے را چوں نماید آں جہود[۵]

جبکہ اُس نے گدھے کو مصری یوسفؑ کر کے دکھا دیا — وہ یہودی، یوسفؑ کو کیسا دکھائے گا؟

بر تو سرگیں را فسونش شہد کرد — شہد را خود چوں کُند وقتِ نبرد

اُس کے منتر نے تیرے لئے گوبر کو شہد کر دیا — معرکہ میں، وہ شہد کو خود کیسا دکھائے گا؟

شہوت از خوردن بُود کم کُن خور — یا نکاحے کُن گریزاں شو زشر

شہوت کھانے سے (پیدا) ہوتی ہے، کھانے کو کم کر دے — یا نکاح کر لے، شر سے بچ جا

چوں بخوردی میکشد سُوی حرم — دخل را خرجے بباید لاجرم

جب تو نے کھایا وہ تجھے زنانخانہ کی جانب کھینچے گا — لامحالہ آمد کے لئے خرچ ضروری ہے

پس نکاح آمد چو لا حول و لا[۶] — تا کہ دیوت نفگند اندر بلا

تو نکاح لاحول ولا قوۃ کی طرح ہے — تاکہ شیطان تجھے مصیبت میں نہ پھنسائے

چوں حریصِ خوردنی زن خواہ زُود — ورنہ آمد گربہ و دُنبہ ربُود

جبکہ تو کھانے کا حریص ہے، جلد نکاح کر لے — ورنہ بلی آئی اور چکدی لے گئی

بارِ سنگیں بر خرے کاں میجہد — زود بر نہ پیش ازاں کو بر نہد

جو گدھا کود رہا ہے، بھاری بوجھ — جلد رکھ دے، اس سے پہلے کہ وہ پھینکے

فعلِ آتش را نمی دانی تو سرد — گردِ آتش باچنیں دانش مگرد

آگ کے کام کو تو ٹھنڈا نہ سمجھے — ایسی عقل کے ہوتے ہوئے آگ کے گرد چکر نہ کاٹ

---

[۳] جز - اس غلطی سے وہ بچتا ہے جس کی جذبہ رہنمائی کر دے، وہ یہ سمجھ لیتا ہے کہ اُس کو نورِ مطلق حاصل نہیں ہوا بلکہ یہ ناری خیال تھا جو ایک عارضی چیز ہے۔ زشتہا۔ انسان کی حرص برائی کو بھلا کر کے دکھا دیتی ہے شہوت انسان کے لئے سب سے بڑی آفت ہے

[۵] جہود یعنی شہوت۔ بر تو۔ انسان کی شہوت بُری چیز کو جب بھلا دکھا دیتی ہے تو اصلی چیز کو کیا کچھ کر کے نہ دکھائیگی۔ شہوت۔ انسان کی شہوت کھانے پینے سے بڑھتی ہے تو شہوت کو دبانے کے لئے یا کم خوری چاہیئے یا نکاح کر لینا چاہیئے۔ چوں۔ جب انسان قیمتی چیزیں کھائے گا تو اُس کو عورتوں کی طرف زیادہ شہوت ہوگی اس لئے کہ جب پیٹ میں اچھی غذا داخل کر رہا ہے تو اُس کا نکلنا بھی لازمی ہے۔

[۶] پس نکاح شیطان کے پھندے سے بچنے کیلئے مثل لاحول کا کام کرتا ہے۔ ورنہ۔ یعنی تیری ساری نیکی اور تقویٰ تباہ ہو جائیگا۔ بارِ سنگیں جس گدھے میں اُچھل کود کی عادت ہے اُس کو بوجھ سے دبائے رکھنا چاہیئے یہی نفس کی حالت

علمِ دیگ و آتش ار نبوَد ترا ۔۔۔ از شرر نے دیگ ماند نے ابا
اگر تجھے دیگ اور آگ کا ہنر حاصل نہیں ہے ۔۔۔ چنگاریوں سے نہ دیگ رہے گی نہ شوربا

آب حاضر باید و فرہنگ نیز ۔۔۔ تا پزد آں دیگ سالم در اَزیز
پانی موجود رہے اور عقل بھی ۔۔۔ تاکہ اُبال میں، دیگ سالم پک جائے

چوں[23] ندانی دانشِ آہنگری ۔۔۔ ریش و مُو سوزد چو آنجا بگذری
جبکہ تو لوہارپن کا ہنر نہیں جانتا ہے ۔۔۔ جب تو وہاں سے گذرے گا داڑھی اور بال جل جائینگے

در فرو بست آں زن و خر را کشید ۔۔۔ شادمانہ لاجرم کیفر چشید
اُس نے دروازہ بند کیا اور گدھے کو کھینچ ۔۔۔ خوشی سے، لامحالہ بدانجام چکھا

درمیانِ خانہ آوردش کشاں ۔۔۔ خفت[1] اندر زیرِ آں نر خر ستاں
اُس کو کھینچتی ہوئی گھر کے بیچ میں لائی ۔۔۔ اُس گدھے کے نیچے چت لیٹ گئی

ہم برآں کرسی کہ دید او از کنیز ۔۔۔ تا رسد در کامِ خود آں قحبہ نیز
اُسی چوکی پر جو اُس نے باندی کی دیکھی تھی ۔۔۔ تاکہ وہ رنڈی، بھی اپنا مقصد حاصل کرے

پا برآورد و خر اندر وے سپوخت ۔۔۔ آتشے از کیرِ خر در وے فروخت
گدھے نے ذکر نکالا اور اُس کے اندر گھسایا ۔۔۔ اُس میں گدھے کے ذکر سے آگ لگ گئی

خرِ مؤدب گشتہ در خاتوں فشرد ۔۔۔ تا بخایہ در زماں خاتوں بمرد
سکھائے ہوئے گدھے نے بی بی کے اندر دبا دیا ۔۔۔ خصیے تک ۔ بی بی فوراً مرگئی

بر درید از زخمِ کیرِ خر جگر ۔۔۔ رودہا[2] بگسستہ شد از ہمدگر
گدھے کے ذکر کے زخمی کرنے سے جگر پھٹ گیا ۔۔۔ انتڑیاں ایک دوسرے سے جدا ہوگئیں

کرسی از یکسو زن از یکسو فتاد ۔۔۔ دم نزد در حال و آں زن جان بداد
تخت ایک طرف، عورت ایک طرف گر گئی ۔۔۔ اُس حالت میں سانس نہ لیا اور اُس عورت نے جان دیدی

صحنِ خانہ پُر ز خوں شد زن نگوں ۔۔۔ مُرد او و بُرد جاں ریبُ المنوں
گھر کا صحن خون سے بھر گیا، عورت اوندھی ہوگئی ۔۔۔ وہ مرگئی، حوادثِ زمانہ اُس کی جان لے گئے

مرگِ بد با صد فضیحت اے پدر ۔۔۔ تو شہیدے دیدہ از کیرِ خر
اے بابا! سو رسوائیوں کے ساتھ بُری موت ۔۔۔ تو نے گدھے کے ذکر کا کوئی شہید دیکھا ہے؟

تو عذابُ الخزیِ بشنو از نبے ۔۔۔ در چنیں ننگے مکن جاں را فدے
تو قرآن سے رسوائی کا عذاب سُن لے ۔۔۔ ایسی رسوائی میں جان قربان نہ کر

دانکہ ایں نفسِ بہیمی نر خر ست ۔۔۔ زیرِ اُو بودن از آں ننگیں تر ست
جان لے یہ حیوانی نفس، گدھا ہے ۔۔۔ اُس کے نیچے ہونا اس سے (بھی) زیادہ عیب دار ہے

در رہِ[3] نفس از بمردی در منی ۔۔۔ تو حقیقت داں کہ مثلِ آں زنی
اگر تو خودی میں نفس کی راہ میں مرگیا ۔۔۔ تو سمجھ لے کہ تو اُس عورت کی طرح ہے

بے علم دیگ نفس کو قابو میں رکھنے کا ہنر نہیں ہے تو اُس سے بچنا ہی چاہیئے۔ آب حاضر۔ اگر دیگ پکانی ہے تو ہنر ہونا چاہیئے اور اُسکے اُبال کیلئے پانی موجود رہنا چاہیئے تاکہ پانی چھڑک کر اُبال کو روکا جاسکے۔

[23] چوں ندانی۔ جب انسان لوہار کا پیشہ نہ جانتا ہو تو بھٹی کے قریب بھی نہ جائے ورنہ داڑھی مونچھ جلا لے گا۔ دَر فرو بست اُس بی بی نے دروازہ بند کر لیا۔ کیفر۔ انجام بد۔

[1] خفت۔ یعنی لیٹ گئی۔ ستاں۔ چت۔ قحبہ۔ یعنی زانیہ بی بی۔ پا برآورد۔ پا ذکر سے کنایہ ہے۔ مؤدب۔ سکھایا ہوا۔ خایہ۔ خصیے۔

[2] رودہا۔ انتڑیاں۔ ریبُ المنون۔ حوادثِ زمانہ۔ فضیحت۔ رُسوائی۔ عذاب۔ قرآن پاک میں ہے نُذِیقَهُمْ عَذَابَ الْخِزْیِ۔ تاکہ ہم اُن کو ذلت کے عذاب کا مزہ چکھائیں۔ نبے۔ قرآن پاک۔ دانکہ نفس کے نیچے ہونا گدھے کے نیچے ہونے سے بھی زیادہ بُرا اور ذلیل کام ہے۔

[3] در رہ۔ انسان اگر نفس پروری کی حالت میں مرگیا تو اُس کی موت اِس بی بی کی موت سے بھی زیادہ رُسواکن ہے بلکہ جیسا انسان کا باطن ہوگا قیامت میں اللہ تعالےٰ اُسی صورت پر حشر کرے گا۔

نفسِ ما را صورتِ خر بدہد اُو — زانکہ صورتہا کُند بر وفقِ خُو

وہ (اللہ تعالے) ہمارے نفس کو گدھے کی صورت عطا — کیونکہ وہ خصلت کے مطابق صورتیں بنا دیگا

ایں بُوَد اظہارِ سِر در رستخیز — اللہ اللہ از تنِ چوں خر گریز

قیامت میں راز کا یہ اظہار ہوگا — خدا کے لیے گدھے سے جسم سے بھاگ

کافراں را بیم کرد ایزد ز نار — کافراں گفتند نار اولیٰ ز عارؔ

اللہ (تعالیٰ) نے کافروں کو آگ سے ڈرایا — کافروں نے کہا، ذلت سے آگ بہتر ہے

گفت نے آں نار اصلِ عارہاست — ہمچو آں نارے کہ آں زن را بکاست

(اُس نے) کہا نہیں آگ ذلتوں کی جڑ ہے — اُس آگ کی طرح جس نے اُس عورت کو جلا دیا

لُقمہ اندازہ نخورد از حرصِ خود — در گلو بگرفت لُقمہ مرگِ بَد

اُس نے اپنی حرص کی وجہ سے اندازہ سے لقمہ نہ کھایا — بُری موت کا لقمہ گلے میں پھنس گیا

لُقمہ اندازہ خور اے مردِ حریص — گرچہ باشد لُقمہ حلوا و خبیص

اے لالچی انسان! لقمہ اندازے سے کھا — اگرچہ حلوا اور کھجور کے حلوے کا لقمہ ہو

حق تعالیٰ داد میزاں را زباں — ہیں ز قرآں سُورۂ رحمٰن بخواں

اللہ تعالے نے ترازو کو زبان عطا کی ہے — آگاہ، قرآن میں سے سورۂ رحمٰن پڑھ لے

ہیں ز حرصِ خویش میزاں را مہل — آز و حرص آمد ترا خصم و مُضل

خبردار! اپنے لالچ میں ترازو کو نہ چھوڑ — تمنا اور حرص تیرے دشمن اور گمراہ کرنے والے ہیں

حرص جوید کُل برآید او ز کُل — حرص میر است اے قُجُل ابن القُجُل

حرص کل چاہتی ہے، کل سے محروم رہتی ہے — حرص حاکم ہے، اے نامرد نامرد کے بیٹے

آں کنیزک میشد و میگفت آہ — کردی اے خاتوں تو اُستا را براہ

وہ باندی روانہ ہوئی اور کہتی تھی ہائے — اے بی بی! تونے اُستاد کو روانہ کردیا

کار بے اُستاد خواہی ساختن — جاہلانہ جاں بخواہی باختن

تونے بغیر اُستاد کے کام بنانا چاہا — جاہلوں کی طرح جان دینا چاہا

اے زمن دُزدیدہ علمِ ناتمام — ننگت آمد کہ بپرسی حالِ دام

اے! تونے میرا ناقص علم چرایا — تجھے اس سے شرم آئی کہ جال کا حال معلوم کرے

تا بچیدے دانہ مرغ از خرمنش — ہم نیفتادے رسن در گردنش

جبکہ اُس کے کھلیان سے پرند دانہ نہ چگتا — اُس کی گردن میں رسّی بھی نہ پڑتی

دانہ کمتر خور مکُن چندیں رفو — چو کُلُوا خواندی بخواں لَا تُسْرِفُوا

دانہ بہت کم کھا، اِس قدر رفو نہ کر — جبکہ تونے "کھاؤ" پڑھ لیا "زیادتی نہ کرو" پڑھ لے

تا خوری دانہ نیفتی تو بدام — ایں کُند علم و قناعت والسلام

تاکہ تو دانہ چُگ لے (اور) جال میں نہ پھنسے — یہ علم اور قناعت کرتا ہے، والسلام

لہ عار۔ یعنی مسلمان ہونے کی ذلت۔ ہمچو۔ جس طرح نفس کی آگ نے اُس بی بی کو ذلتوں میں مبتلا کیا تمہارے نفس کی آگ جو اسلام کو عار کا سبب بنا رہی ہے سینکڑوں ذلتوں میں مبتلا کردیگی۔ لقمہ۔ اُس بی بی نے اپنے اندازہ کے مطابق کام نہ کیا حرص کی اور وہ ماری گئی۔ خبیص۔ چھوارے کا حلوہ۔ زباں۔ ترازو کا کانٹا جو کمی بیشی کو بتا دیتا ہے۔ سورۃ۔ سورۃ رحمٰن میں ہے وَالسَّمَاءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِيزَانَ أَلَّا تَطْغَوْا فِي الْمِيزَانِ ۔ "اُس اللہ تعالے نے آسمان کو بلند کیا اور ترازو قایم کی تاکہ تم تجاوز نہ کرو"

لہ زکل۔ مشہور مقولہ۔ طَلَبُ الْكُلِّ فَوْتُ الْكُلِّ "کل کا طلب کرنا کل کو ہاتھ سے دینا ہے" قُجُل۔ ڈھیلا، سست۔ کردی۔ وہ باندی کہہ رہی تھی کہ میں اِس فن کی اُستاد تھی تونے مجھے تو روانہ کردیا اور بغیر اُستاد کے کام چلانا چاہا۔ اے زمن۔ تونے مجھ سے آدھی بات سیکھی۔ تا بچیدے۔ اگر پرند جال کا دانہ نہ چُگے تو جال میں نہ پھنسے۔

لہ کُلُوا۔ قرآن پاک میں ہے كُلُوا وَلَا تُسْرِفُوا … "کھاؤ اور اسراف نہ کرو"، تا خوری۔ علم اور قناعت حاصل کرلو تو دنیا سے فائدہ بھی اٹھاؤگے اور مصائب میں بھی گرفتار نہ ہوگے۔

نعمت[1] از دنیا خورد عاقل نہ غم ... جاہلاں محروم ماندہ در ندم

عقلمند، دنیا میں نعمت کھاتا ہے نہ کہ غم ... جاہل، ندامت سے محروم رہتے ہیں

چوں در افتد در گلوشاں حبلِ دام ... دانہ خوردن گشت بر جملہ حرام

جب اُن کے گلے میں جال کی رسّی پھنستی ہے ... سب پر دانہ چگنا حرام ہو جاتا ہے

مُرغ اندر دام دانہ کے خورد ... دانہ چوں زہرست در دام ار چرد

پرند، جال میں سے دانہ کب چگتا ہے ؟ ... جال میں سے اگر دانہ چگے وہ زہر جیسا ہے

مُرغِ غافل[2] میخورد دانہ ز دام ... ہمچو اندر دامِ دنیا ایں عوام

غافل پرند، جال میں سے دانہ چگتا ہے ... جس طرح عوام دنیا کے جال میں سے

باز مُرغانِ خبیرِ ہوش مند ... کردہ انداز دانہ خود را خشک بند

پھر باخبر، ہوشمند پرندوں نے ... اپنے آپ کو دانہ سے روک دیا ہے

کاندرونِ دام و دانہ زہر ہاست ... کور آں مرغے کہ در فخ دانہ خواست

کیوں کہ جال اور دانے میں زہر ہیں ... وہ پرند اندھا ہے جس نے جال میں سے دانہ چاہا

صاحبِ دام ابلہاں را سر برید ... واں ظریفاں را بہ مجلسہا کشید

جال والے نے، بیوقوفوں کا سر قلم کر دیا ... اور خوش گلو پرندوں کو مجلسوں میں لے گیا

کہ ازانہا گوشت می آید بکار ... وز ظریفاں بانگ و نالۂ زیر و زار

کیوں کہ ان کا گوشت کار آمد ہے ... اور خوش گلو پرندوں کی آواز اور رونا، ترنم اور گریہ

پس کنیزک[3] آمد از اشگافِ در ... دید خاتوں را بمُردہ زیرِ خر

تو باندی نے دروازے کی درز سے ... بی بی کو گدھے کے نیچے مُردہ دیکھا

گفت اے خاتونِ احمق اینچہ بُود ... گر ترا اُستاد خود نقشے نمود

اس نے کہا اے بیوقوف بی بی ! یہ کیا تھا ؟ ... اگر اُستاد نے تجھے خود ایک نقش دکھا دیا

ظاہرش دیدی سرش از تو نہاں ... اوستا ناگشتہ بکشادی دکاں

تونے اُسکا ظاہر دیکھ لیا اُسکا راز تجھ سے پوشیدہ رہا ... اُستاد بنے بغیر تونے دکان کھول دی

کیر دیدی ہمچو شہد و چوں خبیص ... آں کدو را چوں ندیدی اے حریص

تونے ذکر کو شہد اور حلوہ جیسا دیکھا ... اے حریص! تونے وہ کدو کیوں نہ دیکھا ؟

یا چو مستغرق شدی در عشقِ خر ... آں کدو پنہاں بماندت از نظر

یا جب تو گدھے کے عشق میں مدہوش ہوگئی ... وہ کدو تیری نظروں سے چھپا رہا

ظاہرِ صنعت بدیدی ز اوستاد ... اوستادی برگرفتی شاد شاد

تونے اُستاد کی ظاہری کاریگری دیکھی ... تونے خوشی خوشی اُستادی اختیار کرلی

اے[4] بسا زراقِ گولِ بیوقوف ... از رہِ مرداں ندیدہ غیرِ صوف

بہت سے احمق بیوقوف مکاروں نے ... سوائے اُون کے مردوں کے راستہ میں کچھ نہ دیکھا

---

[1] نعمت۔ عقلمند آدمی دنیا کو آخرت کیلئے استعمال کرکے فائدہ اٹھا لیتا ہے اور نادان ندامت اور محرومی میں مبتلا ہوتا ہے۔ چوں در افتد۔ جب دنیا دار دنیا کے غم میں مبتلا ہو جاتا ہے تو اُس پر ہر آرام حرام ہو جاتا ہے۔ مرغ۔ جو ہوشیار پرند ہوگا وہ جال کا دانہ کبھی نہ چگے گا۔

[2] مرغ غافل۔ بیوقوف انسان دنیا میں مُبتلا ہو جاتا ہے جو کہ جال کے دانہ کی طرح ہے۔ باز مرغاں۔ جو ہوشیار پرند ہوتے ہیں وہ جال کے دانے سے اپنے آپکو علیحدہ رکھتے ہیں۔ فخ۔ جال۔ صاحب۔ شکاری، بیوقوف پرندوں کو ذبح کر ڈالتا ہے اور خوش گلو پرندوں کو فروخت کر دیتا ہے جو لوگوں کی محفلوں میں پہنچ جاتے ہیں یہی صورت دنیا کے جال میں پھنسنے کے بعد دنیا داروں اور اہل اللہ ذاکر و شاغل لوگوں کی ہوتی ہے۔

[3] پس کنیزک۔ بی بی کے مرنے کے بعد باندی نے کہا بی بی کسقدر احمق تھی مجھ سے تھوڑی سی بات سیکھ کر اپنے آپ کو اُستاد سمجھ بیٹھی اور ہلاک ہوئی۔ ظاہرش۔ فن کا ظاہر دیکھا اور اُس کے رازوں سے ناواقف ہوتے ہوئے دکان کھول بیٹھی۔ خبیص۔ چھوارے کا حلوہ۔

[4] اے بسا۔ یہی حال ان لوگوں کا ہوتا ہے جو کسی شیخ کامل سے تھوڑی سی بات سیکھکر دکان جما لیتے ہیں۔ زراق۔ مکار شیوخ۔ صوف یعنی اُون کی کملی۔

اے بسا شوخاں زاندک احتراف
بہت سے بے حیا ہیں تھوڑے سے ہنر سے

از شہاں ناموختہ جز گفت و لاف
اُنھوں نے شاہوں سے سوائے باتوں اور شیخی کے کچھ حاصل کیا

ہر یکے در کف عصا کہ موسیم
ہر ایک کے ہاتھ میں لاٹھی ہے کہ میں موسیٰ ہوں

می دمد بر ابلہاں کہ عیسیم
بیوقوفوں پر دم کرتا ہے کہ میں عیسیٰ ہوں

آہ از آں روزے کہ صدقِ صادقاں
ہائے وہ دن۔ کہ سچوں کی سچائی

باز خواہد از تو سنگِ امتحاں
امتحان کا پتھر، تجھ سے طلب کرے گی

آخر از استاد باقی را بپرس
آخر باقی (ہنر) اُستاد سے پوچھ لے

کہ حریصاں جملہ کورانند و خرس
کیونکہ لالچی سب اندھے اور گونگے ہیں

جملہ جستی باز ماندی از ہمہ
تونے سب کو ٹٹولا سب سے محروم رہا

صیدِ گرگاں اند ایں ابلہ رمہ
یہ بیوقوف گلّہ، بھیڑیوں کا شکار ہے

صورتے بشنیدی گشتی ترجماں
تونے تھوڑی سی بات سنی ترجمان بن گیا

بیخبر از گفت خود چوں طوطیاں
طوطیوں کی طرح اپنی گفتگو سے بے خبر ہے

ﮯ اے بسا۔ یہ مزدور شیخ سوائے شیخی بگھارنے کے شیوخ سے کچھ حاصل نہ کرسکے اور اپنے آپکو موسیٰؑ و عیسیٰؑ ظاہر کرتے ہیں۔ جملہ جستی۔ یہ یا تو حریص مریدوں کو خطاب ہے یا مزدور شیخ کو جو مریدوں کو پھانسنے کے حریص ہیں۔ طوطیاں۔ طوطی انسان کی بولی بولتی ہے لیکن اُس کو سمجھتی نہیں ہے۔

شرح

ایک لونڈی نے غلبۂ شہوت اور اسکی تکلیف کی زیادتی کے سبب اپنے اوپر گدھا ڈالا۔ اسسے پیشتر وہ اسکو جماع کا عادی کرچکی تھی۔ اور وہ گدھا آدمی کی سی جُفتی سیکھ گیا تھا۔ اُس ہوشیار لونڈی کے پاس ایک کدو تھا۔ اسکو اُسنے گدھے کے عُضوِ تناسل میں اندازہ کے لیے پہنا دیا تھا۔ یعنی اُس بڑھیا نے اُس کدو کو اسکے عُضوِ مخصوص میں اسنے پہنایا تھا۔ تاکہ دخول کے وقت آدھا اندر جائے۔ سارا نہ جاسکے اسلئے کہ وہ جانتی تھی کہ اگر تمام اندر چلا گیا تو رحم اور آنتوں سب کا ستیاناس ہوجائے گا۔ چونکہ وہ لونڈی اسسے ہمیشہ یہ کام لیا کرتی تھی اسلئے وہ گدھا دُبلا ہوتا جاتا تھا اور گدھے کے مالک بی بی پریشان تھی اور سوچتی تھی کہ یہ گدھا اتنا دُبلا کیوں ہوگیا۔ اُسنے نعل بندوں کو بھی دکھلایا اور پوچھا کہ اسے کیا مرض ہے جو یہ یوں دُبلا ہوتا جاتا ہے۔ مگر کسی کو بیماری کا پتہ نہ چلا اور کسی نے اس کا راز نہ بتلایا۔

بالآخر! وہ نہایت کوشش کے ساتھ اسکی تفتیش میں مصروف ہوئی اور تحقیق
کے لئے پورے طور پر تیار ہوئی ـــ آدمی کو چاہیئے کہ جان سے کوشش کا غلام ہو جائے
کیونکہ جو کوشش سے کسی شئے کو طلب کرتا ہے وہ بالآخر اُسے پا لیتا ہے۔ چنانچہ
جب اُس بی بی نے پوری کوشش سے اپنے گدھے کے حال کی تفتیش کی تو بالآخر
اُسے اس کا راز معلوم ہو گیا اور اسنے دیکھا کہ لونڈی اسکے نیچے پڑی ہے اور جب کہ اُسنے
اپنے گدھے کے حال کو تحقیق کیا تو اُس نے دیکھا کہ لونڈی نیچے ہے اور گدھا اوپر۔
اس حالت کو اس نے کواڑ کی درز سے دیکھا تھا ـــ اس بڑھیا کو یہ دیکھ کر
بہت تعجب ہوا کہ گدھا لونڈی سے یوں جماع کر رہا ہے۔ جیسے مرد عورتوں کے ساتھ
عقل اور قاعدہ کے ساتھ کیا کرتے ہیں۔ نہیں اُسکو رشک ہوا۔ اور اُسنے سوچا
کہ جب ایسا ہو سکتا ہے تو میں اس کی زیادہ مستحق ہوں کیونکہ گدھا میرا ہے نیز گدھا بھی۔
سدھایا ہوا اور سکھلایا ہوا ہے اسلئے کوئی دشواری ہی نہیں ہے۔
غرضکہ خوان رکھا ہوا ہے اور چراغ روشن ہے یعنی سامان سب موجود ہے
پھر کیوں محروم رہوں۔ یہ خیال کر کے اسنے اپنے کو ایسا بنا لیا جیسا کہ دیکھا ہی نہیں
اور دروازہ پر تھپکی دی۔ اور کہا کہ اری باندی! آخر کب تک جھاڑو دیگی اب تک
دے نہیں چکی ـــ اور وہ جو یہ کہتی تھی کہ کب تک جھاڑو دیگی۔ میں آگئی اور دروازہ
کھول! یہ محض واقعہ کو چھپانے کے لیے کہتی تھی ورنہ وہ جانتی ہی تھی کہ واقعہ کیا ہے
غرضکہ وہ چپ رہی اور لونڈی سے یہ واقعہ نہیں کہا اور اس راز کو اس نے اپنے
طمع کے لیے چھپا لیا ادھر تو یہ ہوا ادھر لونڈی نے جب دیکھا کہ بی بی آگئی تو اسنے بدمعاشی کا سارا سامان چھپا دیا
اور دروازہ کھول دیا اور منہ بنا لیا اور آنکھوں میں آنسو بھر لائی اور ہونٹ نیچے لٹکا لیا
اسنے اسکو یہ ظاہر کرنا تھا کہ میں روزہ دار ہوں اور اسکے ہاتھ میں ایک نرم جھاڑو تھی۔
جس سے اس کو یہ ظاہر کرنا تھا کہ میں گدھے کے تھان کی صفائی کے لیے گھر میں جھاڑو دے

رہی تھی ۔ پس جبکہ اُسنے ہاتھ میں جھاڑو لیے دروازہ کھولا تو بی بی نے چپکے سے
کہا کہ اری استاد! تونے بھی منہ بھی بنالیا اور ہاتھ میں جھاڑو بھی لے لی ۔ مگر یہ کیا بات ہے
کہ گدھے نے چارہ چھوڑ دیا ہے اور نا فراغت یافتہ اور غصہ میں بھرا ہوا ہے اور عضو تناسل
کو ہلا رہا ہے اور تیرے انتظار میں دروازہ کو تک رہا ہے ۔ یہ اُسنے آہستہ ہی سے
کہا اور لونڈی کو مطلع نہیں کیا ۔ اور اسسے ویسے ہی پیار محبت کی باتیں کیں جیسے بے
قصوروں سے کرتے ہیں ۔ اسکے بعد کہا کہ اچھا سر پر ڈوپٹہ ڈال لے ۔ اور فلاں گھر میرا
یہ پیغام لے جا ۔ وہاں جاکر یوں کہنا وُوں کہنا ۔ ایسا کہنا ویسا کہنا ۔
غرض اسنے بہت لمبا چوڑا کام بتا دیا ۔ میں نے عورتوں کے قصہ کو مختصر کردیا ہے اور
بقدر مقصود بیان کردیا ہے تم اسسے مغز لے لو ۔ اور پوست کو چھوڑ دو ۔ خیر! تو جب
اس پردہ نشین بڑھیا نے اُسے چلتا کردیا ۔ اور جبکہ تدبیر سے اسکو اس مکان سے
نکال دیا تو اسنے دروازہ بند کرلیا ۔ اور خلوت سے خوش ہوئی ۔ چونکہ وہ مستی شہوت سے
خوش تھی اسلئے اسنے دروازہ بند کرلیا اور یہ کہنے لگی اب مجھے خلوت مل گئی ہے اور اب میں
شکر کا نعرہ لگاتی ہوں اور اب مجھے تمام عالم کی کچھ فکر نہیں ہے خوشی سے اس
عورت کی شہوت ہزار گونہ بڑھ گئی تھی اور گدھے کی شہوت کے سبب بے قرار تھی کیسی
شہوت وہ شہوت جسنے اسکو پاگل بنا دیا تھا ۔ اور یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ۔ کیونکہ وہ
پہلے ہی سے احمق تھی اور احمق کو پاگل بنا لینا کون سی بڑی بات ہے ۔ جس پر تعجب ہو
پھر شہوت جیسی چیز کا کسی کو پاگل کر دینا تو اور بھی تعجب خیز نہیں ۔ کیونکہ یہ تو وہ بلا ہے
کہ دل کو بہرا اور اندھا بنا دیتی ہے یہاں تک کہ بھیڑیا یوسف معلوم ہونے لگتا
اور آگ نور معلوم ہونے لگتی ہے ۔ چنانچہ ایسے بہت سے لوگ ہیں جو سراسر آگ
ہیں اور آگ ہی کو ڈھونڈ رہی ہیں ۔ یعنے خواہش نفس اور شہوت میں گرفتار ہیں مگر
ان کو کچھ نہیں دکھلائی دیتا ۔ اور وہ اپنے کو سراسر نور سمجھتے یعنی اپنے کو اچھا جانتے ہیں

ور سمجھتے ہیں کہ ہم جو کچھ کر رہے ہیں بہت اچھا کر رہے ہیں۔
اور عام لوگ اس بلا میں مبتلا ہیں بجز اس بندۂ خدا کے۔ جس کو حق سبحانہٗ اپنے جذب سے راہ پر لوٹا لا دیں اور اس کی حالت بدل دیں۔ یہاں تک کہ وہ جان لے کہ یہ آتشی یعنی دوزخ میں پہنچانے والا خیال طریقت میں نہیں ہے اگر ہے تو محض عارضی ہے جو بہت جلد زائل ہو جاتا ہے۔ یعنی اس خیال کو سلوک سے کوئی تعلق نہیں۔ اور یہ حالت اگر سالکین کو بمقتضائے بشریت پیش آتی ہے تو بہت جلد زائل ہو جاتی ہے۔
خیر! یہ مضمون تو استطرادی تھا۔ کہنا ہم کو یہ ہے کہ شہوت کا غلبہ بُری چیزوں کو اچھی ظاہر کرتا ہے اسلئے شہوت سے زیادہ موانع راہ خدا میں کوئی چیز خطرناک نہیں ہے اسنے سینکڑوں نیک نامیوں کو بدنامیوں سے بدل دیا ہے اور لاکھوں عاقلوں کو متحیر کر دیا ہے جبکہ اسنے گدھے کو لونڈی اور بی بی کے لیے۔ ایسا مرغوب بنا دیا۔ جیساکہ زلیخا کے لیے یوسف علیہ السلام۔ تو اب تم سمجھ سکتے ہو کہ جو حقیقت میں یوسف ہوگا اس کو کیا ظاہر کریگی۔ اور جبکہ اس کا منتر تمہارے لیے گوہ کو شہد بنا دیتا ہے۔ تو اب تم خیال کر سکتے ہو کہ... شہد کو کیا بنا دیگا۔
غرض کہ یہ نہایت ہی خطرناک شئے ہے۔ اسسے احتراز چاہیئے۔ اب ہم اسکی تدبیر بتلاتے ہیں اور وہ تدبیر یہ ہے کہ شہوت کھانے سے پیدا ہوتی ہے پس تم کو کم کھانا چاہیئے تاکہ مادہ منویہ کم پیدا ہو۔ اور شہوت کم ہو۔ لیکن اگر تم کسی وجہ سے ایسا نہیں کر سکتے۔ تو پھر اس کی صورت یہ ہے کہ نکاح کرو۔ اور اس طرح اسکے شر سے بچو۔ کیونکہ جب تم کھاؤ گے تو اس سے مادہ منویہ پیدا ہوگا اور اسسے شہوت کا غلبہ ہوگا اور وہ تمہیں عورت کی طرف مائل کریگا کیونکہ آمدنی کے لئے خرچ کی ضرورت ہے ایسی صورت میں نکاح اس شیطانی شہوت کے لیے لاحول ولاقوۃ ہے پس تم نکاح کر لو تاکہ یہ شیطان تم کو مصیبت میں نہ ڈال دے اور تم اس کی شر سے محفوظ رہو۔ ہم پھر کہتے ہیں کہ اگر تم کو

کھانے کا شوق ہے خواہ بضرورت یا بلاضرورت تو فوراً شادی کرو۔ ورنہ بلی آئے گی اور دنبہ اٹھا لے جائے گی۔ یعنی تمہارا کام خراب ہو جائے گا۔

دیکھو جو گدھا اُچھلتا کودتا ہو اس پر اس سے پیشتر ہی بھاری بوجھ لاد دینا چاہیئے کہ وہ اُچھل کود کر بوجھ کو گرا دے۔ یوں ہی شہوت بھی نہایت خطرناک شئے ہے اس کا پہلے ہی انتظام کر لینا چاہیئے۔ خواہ یوں کہ کھانا کم کیا جائے۔ یا یوں کہ شادی کر لی جائے لیکن اگر شادی کا انتظام نہ ہو سکے تو شہوت کے پاس ہی نہ پھٹکنا چاہیئے اور کھانا کم کرنا چاہیئے دیکھو! اگر تم آگ کا کام نہیں جانتے تو باوجود اس علم کے کہ میں آگ کا کام نہیں جانتا اسکے پاس نہ پھٹکنا چاہیئے کیونکہ اگر تم ہانڈی چولہے کا کام قاعدہ نہیں جانتے ہو اور پھر ہانڈی چولہا کرو گے تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ آگ کے شعلے نہ ہانڈی کو چھوڑیں گے نہ سالن کو بلکہ سب کو تباہ کر دیں گے۔ ہانڈی چولہے کے کام کے لیے ضرورت ہے کہ پانی پاس موجود ہو اور علم و عقل بھی ہو تاکہ جس وقت آگ تیز ہو۔ اور ہانڈی ابلنے لگے فوراً چھینٹا دیکر جوش کو دبا دیا جائے اور ہانڈی کھد کھد پکتی رہے اور پک کر صحیح سالم اُتر آئے۔ یوں ہی آتش شہوت کے لیے ضرورت ہے کہ اسکے جوش کو کم کرنے کا سامان یعنی بیوی.... موجود ہو۔ تاکہ جسوقت شہوت غلبہ کرے۔ فوراً جماع سے اسکے جوش کو کم کر دیا جائے۔ نیز اگر تم لوہاری کا پیشہ نہیں جانتے ہو۔ تو اگر تم ایسی حالت میں آگ کے پاس جاؤ گے تو تمہاری ڈاڑھی اور بال جل جائیں گے ایسی حالت میں چاہیئے کہ تم آگ سے الگ رہو۔ یہی حالت شہوت کی ہے کہ اگر تم اس کو قابو میں رکھنے پر قادر نہیں ہو۔ تو اس سے الگ رہو۔

خیر! یہ مضمون ارشادی تو ختم ہوا ــــ اب سنو کہ اس عورت نے دروازہ بند کر لیا۔ اور خوشی خوشی گدھے کو جماع کے لیئے کھینچا۔ جس کا اس نے خمیازہ بھگتا تفصیل اسکی یہ ہے کہ وہ اس کی رسی پکڑ کر گھر میں لائی۔ اور اسکے نیچے اسی کرسی پر

چت لیٹ گئی۔ جس پر اُس نے لونڈی کو لیٹے دیکھا تھا۔ تاکہ وہ بیوہ بھی اپنا مقصد حاصل کرے اور چت لیٹ کر ٹانگیں اٹھادیں۔ اس پر گدھے نے اسکے اندر دخول کردیا۔ اس کا دخول کرنا تھا کہ اسکے اندر آگ لگ گئی۔ گدھے نے ذرا جھک کر خصیوں تک بی بی کے اندر اتار دیا اور وہ بی بی فوراً مرگئی۔ گدھے کے عضو تناسل کے صدمہ سے اس کا کلیجہ پھٹ گیا اور آنتیں الگ الگ ہوگئیں۔ کرسی الگ گئی عورت الگ گری۔

غرضکہ عورت نے دم ہی نہ لیا اور فوراً جان دیدی۔ گھر کا صحن خون سے لال ہوگیا عورت الٹی ہوگئی اور مرگئی۔ اور موت کی سختی اس کی جان لے گئی۔ غرضکہ بڑی رسوائی کی موت ہوئی۔ کیونکہ آج تک نہیں سنا گیا کہ کوئی گدھے کے ذکر سے مرا ہو۔

اچھا بتلاؤ کیا تم نے کوئی ایسا شخص دیکھا ہے جو گدھے کے ذکر سے شہید ہوا ہو۔ ہرگز نہیں ـــــ اس مضمون کو یہاں تک پہنچا کر مولانا پھر مضمون ارشادی کی طرف انتقال فرماتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ تم اس عورت کی حالت سے عبرت پکڑو اور سمجھو کہ حق سبحانہٗ اپنے نافرمانوں کو رسوائی کا عذاب دیتے ہیں جو کہ نہایت سخت ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيحًا صَرْصَرًا فِي أَيَّامٍ نَّحِسَاتٍ لِّنُذِيقَهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَلَعَذَابُ الْآخِرَةِ أَخْزَىٰ وَهُمْ لَا يُنصَرُونَ ۝ پس تم ایسی شرمناک حالت میں جان نہ دو۔ یعنی معصیت سے بچو تاکہ تم ایسی شرمناک حالت میں جان دینے سے محفوظ رہو ـــــ دیکھو نفس شہوانی ایک گدھا ہے اسکے نیچے آجانا اور اس کا مغلوب ہوجانا خرِ معروف کے نیچے آنے سے زیادہ شرمناک بات ہے کیونکہ گدھے کے نیچے پڑنے میں عار کا منشا انسان کی شرافت اور گدھے کی خست و دنائت ہے اور خست و دنائت نفس میں گدھے سے زیادہ ہے کیونکہ گدھے کی خست اور دنائت کی جو وجہ بھی بتائی جائے گی وہ نفس میں بدرجہ اکمل موجود ہوگی۔ پس نفس گدھے سے زیادہ اخس وارذل ہوگا اور اسکے نیچے پڑنا زیادہ موجب شرم ہوگا۔ پس اگر تم خودی کے سبب نفس کیلیے جان دیدو کہ سمجھو کہ

فی الحقیقت تم اس عورت کی مثل ہو۔

دیکھو! قیامت میں نفس کو گدھے کی صورت میں محشور کیا جائے گا کیونکہ وہاں صورتیں خصائل کے موافق عطا کی جائیں گی اور نفس خصائل میں گدھے سے زیادہ ملتا ہے اسلئے اس کا حشر گدھے کی صورت میں ہوگا۔ یہ معنی ہیں قیامت میں اظہار بواطن کے پس خدا کے لیے اور پھر خدا کے لیے اس گدھے کے مانند نفس سے بھاگو اور اسکے نیچے نہ آؤ اور اسکے مغلوب نہ ہو کیونکہ ہم بتلا چکے ہیں کہ یہ نہایت شرم کی بات ہے اور عار ایسی بری چیز ہے کہ کفار نے عار کو نار پر ترجیح دی تھی۔

چنانچہ جب حق سبحانہ نے انکو آگ کی دھمکی دی تو انہوں نے کہا کہ اخترنا النار علی العار یعنی ہم ننگ کے مقابلہ میں آگ کو قبول کرتے ہیں۔ اسکے جواب میں حق سبحانہ نے فرمایا کہ عار سے بچنے کے لیے آتش دوزخ کو اختیار کرنا تمہاری غلطی۔ کیونکہ اسکی رسوائی تمام رسوائیوں سے بڑھی ہوئی ہے کما قال اللہ تعالیٰ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَخْزٰی۔ بس یہ ننگ سے بچنا۔ بلکہ چھوٹے ننگ سے بچکر بڑی کو اختیار کرنا ہے۔

اب مولانا فرماتے ہیں کہ آتش دوزخ یوں ہی تمام عاروں سے بڑھ کر جیسے وہ آتش شہوت جسنے اس عورت کا خاتمہ کر دیا۔ پس تم نفس کی ماتحتی کی عار اور آتش دوزخ کی رسوائی دونوں کو کیوں گوارا کرتے ہیں۔

اس مضمون ارشادی کو ختم کر کے مولانا پھر قصۂ خاتون کی طرف عود فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اسنے حرص سے کام لیا اور اپنے حرص کے سبب لقمہ اندازہ کے موافق نہ کھایا لہٰذا وہ لقمہ گلے میں اٹک گیا اور سبب مرگ بن گیا —— اسکے بعد پھر مضمون ارشادی کی طرف انتقال فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ حریص لوگو! تم بھی لقمہ اندازہ کے موافق کھاؤ۔ خواہ وہ لقمہ حلوا ہی کیوں نہ ہو۔ یعنی قضائے شہوات استیفائے لذات قانون شرعی کے موافق کرو۔ اور اس طرح نہ کرو کہ وہ تمہارے لئے مضر ہو۔ تم قرآن میں سورۂ رحمٰن پڑھو اور اس میں دیکھو

کہ حق سبحانہ، فرماتے ہیں وَوَضَعَ الْمِیزَانَ اَلَّا تَطْغَوا فِی الْمِیزَانِ - یعنی حق سبحانہ نے ترازو قائم کی ہے جو تم کو ایک شے کی حد اور اس کا اندازہ بتاتی ہے ۔ تاکہ تم اندازہ میں حد سے نہ بڑھ جاؤ اور وہ میزان قانونِ شریعت ہے - پس تم اپنے حرص سے اس میزان کو نہ چھوڑو اور حرص سے کام نہ لو ۔ کیونکہ حرص تمہاری دشمن اور گمراہ کنندہ ہے ۔ حرص تو کل چاہتی ہے - مگر اس کے ہاتھ سے کُل نکل جاتا ہے اور کچھ بھی ہاتھ نہیں آتا پس تم اسے چھوڑو ۔ کیونکہ یہ اُمّ الذمائم اور راس الخطیئات ہے ۔

اس کے بعد پھر اصل قصہ کی طرف عود کرتے ہیں ۔ اور فرماتے ہیں لونڈی خاتون سے رخصت ہو رہی تھی اور بزبان حال کہہ رہی تھی کہ اے خاتون ! تو نے غضب کیا کہ استاد کو رُخصت کر دیا تو بدوں استاد کے کام کریگی - اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ حماقت سے جان کھو دیگی ۔ اے وہ خاتون جس نے مجھ سے علم ناتمام اڑا لیا ہے تجھے عار آئی - کہ اس پھندے کا حال مجھ سے تحقیق کرے - اچھا اس کا نتیجہ دیکھنا ۔

یہاں سے پھر مولانا مضمون ارشادی کی طرف انتقال فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جب تک جانور دانہ کے خرمن سے دانہ نہیں چُنتا ۔ اُس وقت تک اس کے گلے میں رسّی بھی نہیں پڑتی اسلئے اس کی ہلاکت کا باعث اس کی بے احتیاطی ہوتی ہے پس ہم کہتے ہیں کہ تم غذا کو چھوڑ دو اور اسی قدر اصلاح جسم کی فکر نہ کرو ۔ یہ مانا کہ قرآن میں حکم کُلُوا موجود ہے مگر اس میں لَا تُسْرِفُوا بھی ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ اندازہ کو ملحوظ رکھو اور حد سے نہ بڑھو اور احتیاط کو مدنظر رکھو ! اور بے احتیاطی نہ کرو ۔ تاکہ تم دانہ بھی کھالو ۔ اور جال میں بھی نہ پھنسو ۔ یعنی تم کو غذا بھی مل جائے اور تم اس کی مضرت سے بھی محفوظ رہو ۔ اور یہ بات دو چیزوں سے حاصل ہوسکتی ہے اول علم مضار دوم قناعت : پس اس مقصد کے حاصل کرنے کے لئے تم کو ان دونوں کے حاصل کرنے کی ضرورت ہے ۔

دیکھو ! جو غافل ہیں وہ دنیا میں نعمتیں کھاتے ہیں ۔ مگر غم نہیں کھاتے یعنی چونکہ قانع

ہوتے ہیں اسلئے جو کچھ ان کو مِل جاتا ہے بشرطیکہ اس میں مضرت نہ ہو۔ اسکو کھالیتے ہیں اور اشیاء مضرہ کی حرص نہیں کرتے ۔ اس طرح وہ نعمائے الٰہیہ سے متمتع ہوتے ہیں اور کوئی مضرت دینی انکو لاحق نہیں ہوتی ـــــ برخلاف احمقوں کے کہ وہ حریص ہیں اور مضر اور غیر مضر میں تمیز نہیں کرتے ۔ اسلئے جو کچھ ملتا ہے کھالیتے ہیں اور اس طرح اُخروی نعمتوں سے محروم ہوجاتے ہیں اور پچھتاتے ہیں ان کو ایسا نہیں کرنا چاہیئے تھا ۔ کیونکہ جب گلے میں پھندا پڑنے والا تھا تو ان پر حرام تھا کہ وہ دانہ کھاتے ـــــ دیکھو عاقل جانور جال میں سے دانہ نہیں کھاتا ۔ کیونکہ وہ جانتا ہے کہ اگر وہ اس دانہ کو کھالے گا تو وہ اسکے حق میں زہر ہو جائے گا یعنی اسکی جان لے لیگا ۔ ہاں جو جانور غافل ہوتا ہے وہ جال میں سے دانہ کھالیتا ہے جس طرح کہ دامِ دُنیا میں سے عوام غذائیں کھاتے ہیں اور کچھ نہیں دیکھتے کہ اس کا انجام کیا ہوگا ۔

ہاں ! جو لوگ عاقل جانوروں کے مشابہ ہیں یعنی اہل اللہ انہوں نے اپنے کو دامِ دُنیا سے دانہ کھانے کو بالکل روک لیا ہے کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ اس دامِ دنیا اور اس کی غذاؤں میں بہت سے زہر ملے ہوئے ہیں جو کہ حیات روحانی کو سلب کرنیوالے ہیں ـــــ اب مولانا فرماتے ہیں کہ نہایت ہی اندھے ہیں وہ جانور جو جال میں سے دانہ کھانا چاہیں ۔ کیونکہ وہ ذراسی قوت کے لیے جان دینا گوارا کرتے ہیں جس یہی حالت اہلِ دنیا کی ہے کہ وہ بھی لذات فانیہ دنیویہ کے لئے موت روحانیہ کو گوارا کرتے ہیں اور نعمائے اُخرویہ سے ہمیشہ کے لئے محروم ہوجانا ۔ قبول کرتے ہیں ۔ ایک فرق تو احمق جانوروں اور زیرک جانوروں کے درمیان یہ تھا کہ جو بیان کیا گیا کہ عاقل جانور محتاط ہوتے ہیں اور احمق بے احتیاط ۔ اب دوسرا فرق سمجھو ۔ شکاری جب شکار کرتا ہے تو اسکی جال میں جس طرح احمق جانور پھنستے ہیں ۔ یوں ہی کبھی کبھی بقتضائے الٰہی عاقل جانور بھی پھنس جاتے ہیں پس سے شکاری اُن کے ساتھ یہ معاملہ کرتا ہے کہ احمقوں کا تو سر کاٹتا ہے اور عاقلوں کو اپنی مجلس میں لے جاتا ہے اور اپنی مجلس کو ان سے رونق

دیتا ہے کیونکہ وہ جانتا ہے کہ احمقوں کا تو گوشت کام آتا ہے اور عاقلوں کی آواز اور ان کا نالہ اور خوشی و غم مطلوب ہے جیسے بلبل مینا وغیرہ ـــــ یوں ہی حق سبحانہٗ بھی لوگوں کے ساتھ مختلف برتاؤ کرتے ہیں اور جو لوگ حماقت سے دنیا میں گرفتار ہوتے ہیں انکو مقہور کرتے ہیں ۔ اور جو لوگ عقل معاد رکھتے ہیں اور حتی الامکان اس جال میں پھنسنے سے احتراز کرتے ہیں اور با ایں ہمہ کبھی بقضائے الٰہی اس میں پھنس جاتے ہیں تو ان کے جُرم کو معاف فرماتے ہیں اور انکو اپنے تقرب سے سرفراز فرماتے ہیں ۔

خیر یہ ارشادی مضمون تو ختم ہوا ۔ اب اصل قصہ سُنو ! الغرض وہ لونڈی اس کام سے واپس آئی اور شگاف دَر سے جھانک کر دیکھا کہ خاتون گدھے کے نیچے مری پڑی ہے یہ دیکھ کر اس نے کہا کہ ارے احمق بی بی ! یہ کیا حرکت تھی اگر استاد نے تجھے ایک صورت دکھائی تھی تو تو نے صرف اس کا ظاہر دیکھا تھا ۔ مگر اس کا راز تجھ سے مخفی تھا لیکن تو نے سمجھ لیا کہ بس یہ ہی ہے اور کچھ نہیں ۔ اور یہ سمجھ کر بدوں استاد بنے تو نے دوکان کھول لی ۔ تو نے گدھے کے شہد اور حلوے کی مانند خریدار ذکر کو تو دیکھا اس کدو کو کیوں نہ دیکھا جس سے تیری جان بچی رہتی ۔

معلوم ہوتا ہے کہ گدھے کے عشق میں تیری حالت ایسی ہو گئی تھی جیسے کوئی استغراق میں ہو ۔ اسلئے وہ کدو تیری نظر سے مخفی ہو گیا ۔ افسوس ! کہ تو نے استاد کی ظاہری فعل دیکھ لیا اور خوش خوش استاد بن بیٹھی ۔ اس کا یہ نتیجہ ہُوا ۔

یہاں سے مولانا پھر مضمون ارشادی کی طرف انتقال فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ بہت سے دھوکا باز اور احمق لوگ ہیں ۔ جنہوں نے اہل اللہ کے طریق سے سوائے اُونی لباس کے اور کچھ نہیں دیکھا ۔ اور بہت سے ایسے لوگ ہیں جو ذرا سا فن سیکھ کر دلیر بن گئے ہیں اور اہل اللہ سے انہوں نے صرف باتیں بنانا اور دعوٰی کرنا سیکھا ہے اور کچھ نہیں سیکھا یہ تو ان کی حالت ہے اس پر طریق ان کا یہ ہے کہ ہر ایک ہاتھ میں لاٹھی لئے ہوئے موسٰی ہونے

کا مدعی ہے اور احمقوں پر منتر پھونکتا ہے اور کہتا ہے کہ میں عیسٰی ہوں خیر او جعل ساز د!
یہاں جو چاہو کر لو۔ لیکن اُس روز تمہیں حقیقت معلوم ہو گی جس روز امتحان کی کسوٹی تم
سے سچوں کی سی سچائی کی طالب ہو گی اور کہے گی کہ تم اہل اللہ اور شیخ ہونے کے مدعی تھے
اب تم دکھلاؤ کہ تم میں ان کی سی سچائی کہاں ہے۔

ارے احمقو! کیوں فریب کرتے ہو۔ جس قدر تم نے اہل اللہ سے حاصل کیا ہے وہ
تو حاصل ہو ہی گیا جو رہ گیا ہے وہ بھی حاصل کر لو۔ اور اصلی شیخ بن جاؤ۔ تم حرص جاہ نہ کرو۔
کیونکہ جتنے حریص ہیں سب اندھے اور گونگے ہیں نہ ان کو حق دکھلائی دیتا ہے اور نہ حق انکی
زبان سے نکلتا ہے۔ دیکھو اگر کل جاہ طلب کرو گے تو اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ کچھ بھی نہ ملے گا
کیونکہ حریص لوگ جو کہ بمنزلہ بکریوں کے گلہ کے ہیں شیاطین کا شکار ہیں جو کہ ان کے لیے بمنزلہ
بھیڑیوں کے ہیں۔ اور وہ شیاطین انکو ہلاک ..... کر دیتے ہیں پس جبکہ وہ حرص کے
سبب وہ خود ہی برباد ہو جاتے ہیں تو انکو کیا حاصل ہو سکتا ہے لہذا ہمارا یہ کہنا صحیح
ہے کہ جملہ جستی باز ماندی از ہمہ۔ اے تو نے اہل اللہ کے کلام کی صورت یعنی اسکے
الفاظ سن لیے اور تو نقال بن گیا۔ حالانکہ تجھے طوطیوں کی طرح یہ بھی خبر نہیں کہ میں کیا
کہہ رہا ہوں۔

تمثیلِ تلقینِ شیخ مُریداں را و پیغمبر اُمت را کہ ایشاں طاقت

شیخ کی مریدوں کو اور پیغمبر کی امت کو تلقین کرنے کی مثال کیوں کہ وہ اللہ تعالےٰ سے

تلقین حق تعالیٰ ندارند و با حق اُلفت ندارند چنانکہ طوطی

تلقین کی طاقت نہیں رکھتے ہیں اور اللہ تعالےٰ سے انہیں مناسبت نہیں ہے جیسا کہ طوطی

با صورتِ آدمی اُلفت ندارد کہ ازو تلقین تواند گرفت حق

آدمی کی صورت سے مناسبت نہیں رکھتی ہے کہ اس سے تلقین حاصل کر سکے اللہ

تعالیٰ شیخ را چوں آئینہ پیشِ مُرید ہمچو طوطی دارد و از پسِ

تعالےٰ شیخ کو آئینہ کی طرح طوطی جیسے مرید کے سامنے رکھ دیتا ہے اور آئینہ کے پیچھے سے

آئینہ تلقین میکند قولہٗ عزّ وجلّ لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ

تلقین کرتا ہے اللہ عزوجل کا قول ہے آپ اپنی زبان نہ ہلائیے تاکہ اس (وحی) پر جلد کریں

اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی این ست ابتدائے مسئلہ

نہیں ہے وہ مگر وحی جو بھیجی جاتی ہے یہ اس مسئلہ کی ابتداء ہے

بے مُنتہا چنانکہ منقار جُنبانیدنِ طوطی اندرونِ آئینہ کہ خیالش

جسکی کوئی انتہا نہیں ہے چنانچہ آئینہ کے اندر کی طوطی کا چونچ ہلانا جس کو تو عکس

میخوانی بے اختیار و تصرفِ اوست عکسِ خواندنِ طوطیِ

کہتا ہے اس کے اختیار اور تصرف کے بغیر ہے وہ باہر والی طوطی کے پڑھنے کا

بیرونی کہ مُتعلم است نہ عکسِ آں مُعلم کہ پسِ آئینہ ست

عکس ہے جو سیکھنے والی ہے نہ کہ اس سکھانیوالے کا عکس ہے جو آئینہ کے پیچھے ہے

ولیکن خواندنِ طوطیِ بیرونی تصرفِ آں مُعلم ست پس

لیکن باہر والی طوطی کا پڑھنا سکھانے والے کا تصرف ہے تو

ایں مثال آمد نہ مثل

یہ ایک مثال ہے نہ کہ مثل

طوطیِ در آئینہ می بیند اُو ۔۔۔ عکسِ خود را پیش اُو آوردہ رُو

ایک طوطی آئینہ میں دیکھتی ہے ۔۔۔ اپنے عکس کو کہ وہ اُسکے سامنے منہ کئے ہوئے ہے

در پسِ آئینہ آں اُستا نہاں ۔۔۔ حرف میگوید ادیبِ خوش زباں

آئینہ کے پیچھے وہ اُستاد چھپا ہوا ہے ۔۔۔ وہ خوش بیان ادیب بات کر رہا ہے

طوطیک پنداشتہ کیں گفتِ پست ۔۔۔ گفتِ آں طوطیست کاندر آئینہ است

طوطی سمجھتی ہے کہ یہ دھیمی آواز ۔۔۔ اُس طوطی کی گفتگو ہے جو آئینہ کے اندر ہے

سلہ تمثیل۔ طوطی کو جب سکھایا جاتا ہے تو اُسکا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ طوطی کو آئینہ کے بالمقابل کر دیا جاتا ہے اور اُستاد آئینہ کے پیچھے چھپ کر بولنا شروع کرتا ہے۔ آئینہ کے سامنے کی طوطی یہ سمجھتی ہے کہ یہ وہ طوطی بول رہی ہے جو آئینہ میں اُسکو نظر آ رہی ہے جو خود اُسکا عکس ہی ہے لہذا وہ اُسکو اپنی ہم جنس سمجھکر اُس سے بولنا سیکھ لیتی ہے یہی حال اللہ تعالےٰ اور نبی اور نبی کے مخاطبوں کا ہے نبی بمنزلہ آئینہ والے عکس کے ہے اور حضرت حق تعالےٰ

سلہ طوطی۔ اس طوطی کے بالمقابل اُس کا عکس ہوتا ہے۔ اُستا۔ استاد۔ طوطیک آئینہ کے باہر والی طوطی یہ سمجھتی ہے کہ آئینہ کے اندر کی طوطی بول رہی ہے لہذا وہ اُس کی نقل شروع کر دیتی ہے۔

پس زجنسِ خویش آموزد سخن — بیخبر از مکرِ آں گرگِ کہن

تو وہ اپنی ہم جنس سے بات کرنا سیکھتی ہے — اِس پرانے بھیڑیئے کی تدبیر سے بے خبر ہے

از پسِ آئینہ می آموزدش — ورنہ ناموزد جز از جنسِ خودش

وہ آئینہ کے پیچھے سے اُس کو سکھا دیتا ہے — ورنہ وہ اپنی ہم جنس کے سوائے نہ سیکھے

گفت را آموخت زاں مردِ ہُنر — لیک از معنی و سِرّش بے خبر

اُس ہنرمند انسان سے اُس نے بات سیکھ لی — لیکن اُس کے معنی اور راز سے بے خبر ہے

از بشر بگرفت منطقِ یک بیک — از بشر جز ایں چہ داند طوطیک

اُس نے ایک ایک بات انسان سے سیکھ لی — انسان سے، اِس کے سوا طوطی کیا جانے

[1]ہمچُناں در آئینہ جسمِ وَلی — خویش را بیند مُریدِ مُمتلی

اِسی طرح ولی کے جسم کے آئینہ میں — (خامی سے) پُر مرید اپنے آپ کو دیکھتا ہے

از پسِ آئینہ عقلِ کُل را — کے بہ بیند وقت گفت و ماجرا

آئینہ کے پیچھے سے عقلِ کُل کو — کب دیکھ سکتا ہے، گفتگو اور قصہ کے وقت

[2]اُو گماں دارد کہ میگوید بشر — واں دگر سِرّ ست و اُو زاں بیخبر

وہ خیال کرتا ہے کہ انسان کہہ رہا ہے — وہ دوسرا پوشیدہ ہے اور وہ اُس سے بے خبر ہے

حرف آموزد ولے سِرِّ قدیم — می نداند طوطیست اُو یا ندیم

وہ حروف سیکھ جاتا ہے لیکن قدیم راز — نہیں جانتا ہے، کہ وہ (سکھانیوالا) طوطی ہے یا ساتھی ہے

[3]ہم صفیرِ مُرغ آموزند خَلق — کایں سُخن اندر دہاں اُفتاد و حلق

لوگ پرندوں کی بول سیکھ لیتے ہیں — کیونکہ یہ بولی اُن کے مُنھ اور حلق میں آجاتی ہے

لیک از معنیِ مُرغاں بیخبر — جُز سلیمانِ نبی خوش نظر

لیکن پرندوں کے معانی سے بے خبر ہوتے ہیں — سوائے حضرت سلیمانؑ نبی کے جن کی سمجھ خوب تھی

حرفِ درویشاں بسے آموختند — منبر و محفل بداں افروختند

بہت سے لوگوں نے درویشوں کے الفاظ سیکھ لئے ہیں — اُن سے منبر اور مجلس کی رونق بڑھائی ہے

یا بجز آں حرف شاں روزی نبود — یا در آخر رحمت آمد رہ نمود

یا تو اُن کا مقدر حروف کے سوا کچھ نہیں ہے — یا انجام کار (اللہ کی) رحمت آکر رہنمائی کر دیتی ہے

---

[1] ہمچناں۔ اسی طرح مُرید اور اَحمق سمجھتا ہے کہ شیخ اور نبی اُس کی ہم جنس ہے اور اُس سے سیکھتا ہے اور اُستاد، عقلِ کُل اللہ تعالیٰ کو نہیں دیکھ پاتا ہے جو اصل میں مُعلّم ہے۔

[2] او۔ مُرید اور اَحمق سمجھتا ہے کہ شیخ اور نبی کہہ رہا ہے، اِس راز سے وہ بے خبر ہوتا ہے کہ دراصل اُس سے اللہ تعالیٰ کہلوا رہا ہے۔ حرف۔ نبی کی کی بات سُن لیتا ہے لیکن اُس کو معلوم نہیں ہوتا ہے کہ اصل بولنے والا نبی ہے جو بمنزلہ طوطی کے عکس کے ہے یا اللہ تعالیٰ ہے جو بمنزلہ اُس ساتھی کے ہے جو آئینہ کے پیچھے سے بولتا ہے۔

[3] ہم صفیر۔ انسان پرندوں کی بولی بولنا سیکھ جاتا ہے لیکن اُس بولی کے معنی جو پرند مُراد لیتے ہیں اُن سے وہ لاعلم ہوتا ہے۔ حرف درویشاں۔ اسی طرح بہت سے انسان کاملین کی نقل اُتارنے لگتے ہیں۔ یا بجز۔ یہ نقالی کبھی نقالی ہی رہتی ہے اور کبھی حقیقت یک رہنمائی بھی کر دیتی ہے۔

[4] صاحب دلے۔ ایک بزرگ تنہائی میں چلہ کشی کر رہے تھے انھوں نے خواب میں دیکھا کہ ایک حاملہ کُتیا ہے اور اُس کے پیٹ میں بچے بھونک رہے ہیں جس سے اُن کو تعجب ہوا اور سوچنے لگے کہ پیٹ میں بچوں کے بھونکنے میں کیا حکمت

نے دُعا کی کیونکہ اِس حکمت کو سوائے خدا کے کوئی نہیں جان سکتا ہے کہ اے خدا تو اِس کی حکمت کو واضح فرما دے خدا نے اُن کی دعا قبول فرمائی اور بتایا کہ پیٹ کے اندر ان کتّے کے بچوں کا بھونکنا نادانی پہ دون کی لاف زنی کی مثال ہے جس سے نہ خود اُن کو فائدہ حاصل ہوتا ہے نہ دوسروں کو۔

شرح اوپر چونکہ مولانا نے مقلد نقال کو طوطی سے تشبیہ دی تھی اسلئے اب طوطی کی حالت بیان کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ طوطی آئینہ کے اندر اپنے عکس کو اپنی طرف متوجہ دیکھتی ہے اور آئینہ کے پیچھے استاد اور معلم چھپا ہوتا ہے اور وہ ادیب خوش کلام آئینہ کے پیچھے سے گفتگو کرتا ہے یہ طوطی سمجھتی ہے کہ یہ آہستہ گفتگو اس طوطی کی گفتگو ہے جو آئینہ میں ہے اسلئے وہ اپنی جنس سے گفتگو سیکھ لیتی ہے اور اس معلم کی تدبیر سے ناواقف ہوتی ہے۔ وہ استاد اسکو آئینہ کے پیچھے بیٹھ کر تعلیم دیتا ہے ورنہ وہ اسکی تعلیم حاصل نہیں کر سکتی کیونکہ اسکو صرف اس کا ہمجنس ہی تعلیم دے سکتا ہے یہ راز ہے آئینہ کو اسکے سامنے رکھنے اور خود اسکے پیچھے بیٹھنے کا۔ خیر اس طرح وہ طوطی اس استاد کامل سے بولنا سیکھ لیتی ہے مگر اس گفتگو کے معنی اور حقیقت سے واقف نہیں ہوتی۔ وہ طوطی آدمی کی ایک ایک بولی سیکھ لیتی ہے مگر اسکو آدمی کا اسکے زیادہ علم نہیں ہوتا۔ پس یہی حالت اس مقلد نقال کی بھی کہ جس طرح طوطی آئینہ میں اپنا عکس دیکھتی ہے اور اپنے زعم میں اسکے تعلیم حاصل کرتی ہے یوں ہی وہ خودی سے پر مرید آئینہ جسم شیخ میں اپنے کو دیکھتا ہے ـــــ یعنی وہ بزعم خود معلم کو اپنا ہم جنس سمجھتا ہے اور یہ نہیں سمجھتا کہ گفتہ او گفتہ اللہ بود۔

اور وقت تعلیم وہ عقل کل یعنی حق سبحانہٗ کو جو حقیقۃً معلم ہیں اس آئینہ کے پیچھے نہیں دیکھ سکتا۔ اسلئے وہ سمجھتا ہے کہ آدمی بول رہا ہے۔ حالانکہ دوسرا جو اصل میں معلم ہے اس سے مخفی ہوتا ہے اور اسکو اس کی خبر نہیں ہوتی اور وہ گفتگو سیکھ لیتا ہے مگر وہ حق سبحانہٗ کو جو کہ اس پر دہ میں اس کو تعلیم دیتے ہیں نہیں سمجھتا اور وہ نہیں جانتا کہ معلم میرا ہم جنس ہے جو محسوس ہے، یا دوسرا جو اسکے ساتھ اور مخفی ہے۔

غرضکہ وہ شیخ کو بھی اپنا ہی سا سمجھتا ہے اور اسکے نزدیک اس کا کمال صرف وہ الفاظ ہی ہوتے ہیں۔ جس کو وہ سیکھتا ہے۔ اس تشبیہ کی تفصیل تو ختم ہوئی ـــــ اب دوسری

تشبیہ سنو! مقلد نقال کی ایسی مثال ہے جیسے وہ لوگ جو جانوروں کی بولی سیکھ لیتے ہیں۔
سو آدمی جانوروں کی بولی تو سیکھ لیتے ہیں کیونکہ وہ ایک بات ہوتی ہے جو اس کی زبان اور حلق
میں پیدا ہوتی ہے۔ جس کے سیکھ لینے میں کوئی دشواری نہیں لیکن وہ لوگ جانوروں کے
مقصود اور اس کی باطنی حالت سے ناواقف ہوتی ہے بجز سلیمان علیہ السلام کے کہ وہ باطن
مرغاں کو بھی جانتے ہیں یوں ہی بہت سے لوگ اہل اللہ سے گفت گو سیکھ لیتے ہیں
اور اسے معتبر اور محفل کو رونق دیتے ہیں مگر اہل اللہ کے باطن کی انکو خبر نہیں
ہوتی بجز اہلِ کمال کے۔ اس حالت میں ان کا انجام یا تو یہ ہوتا ہے کہ صرف نقالی
ہی میں مرجاتے ہیں اور بجز الفاظ کے ان کی قسمت میں کچھ نہیں ہوتا۔ یا آخر بہ برکت
نقل رحمت الٰہی ان کی طرف متوجہ ہوتی ہے اور ان کی رہنمائی کرتی ہے اور وہ قال ان کا
حال ہو جاتا ہے [فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ خود نقل صلحا بھی مفید ہے لیکن اگر نیت
صحیح ہو تو اسکے فائدہ کی توقع اغلب ہے ورنہ صرف محتمل واللہ اعلم]

تلہ صاحبدلے در چلہ بخواب دید کہ سگے حاملہ در شکمِ آن بچگاں
ایک صاحب دل نے چلہ میں خواب میں دیکھا کہ ایک حاملہ کتیا ہے اس کے پیٹ
بانگ میکردند در تعجب ماند کہ حکمتِ بانگِ سگ پاسبانی
میں بچے بھونک رہے ہیں وہ تعجب میں رہ گیا کہ کتے کے بھونکنے کا فائدہ نگہبانی ہے
ست و بانگ در اندرونِ شکمِ مادر بے پاسبانی ست و نیز
اور ماں کے پیٹ میں بھونکنا نگہبانی کے لئے نہیں ہے اور آواز دودھ چاہنے اور
بانگ جہت یاری خواستن و شیر خواستن باشد وغیرہ و در شکم
دودھ مانگنے کے لئے بھی ہوتی ہے در ماں کے پیٹ میں ان میں سے کوئی
مادر ہیچکدام از ینہا نیست چون بخویش آمد بحضرتِ حق مناجات
بھی (مقصود) نہیں ہے وہ جب بیدار ہوا اللہ تعالیٰ سے دعا کی
کرد وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ جواب آمد کہ آں صورتِ
اور بجز اللہ کے اس کی تاویل کوئی نہیں جانتا ہے۔ جواب آیا کہ یہی صورت حال

خداوندی ہے کتے حفاظت
اور پاسبانی کے لئے بھونکتے
ہیں ماں کے پیٹ میں بھونکنے
سے یہ فائدہ نہیں ہے نیز بچے
کے رونے میں مدد کے لئے یا
دودھ کے لئے فریاد ہوتی ہے
۔۔ بھی یہاں نہیں ہے ۔ ہمو ل

حال قومی ست کہ از حجاب بیروں نیامدہ و چشمِ دل باز نشدہ
اُس قوم کی ہے جو پردے سے نہیں نکلی ہے اور دل کی آنکھ نہیں کھلی ہے

و دعوائے بصیرت کنند و مقالات گویند از آں نہ ایشاں را
اور وہ بصیرت کا دعویٰ کرتی ہے اور تقریریں کرتی ہے جن سے نہ اس کو

قوت و یاری و نہ مستمعاں را ہدایتے و رشدے میرسد
کوئی قوت اور مدد حاصل ہوتی ہے اور نہ سننے والوں کو کوئی ہدایت اور رہنمائی ملتی ہے

آں یکے می دید خواب اندر چلہ[۱] — دَر رہے مادہ سگے بُد حاملہ
ایک شخص نے چلہ میں خواب میں دیکھا — راستہ میں ایک مادہ کتیا حاملہ تھی

ناگہاں آوازِ سگ بچگاں شنید — سگ بچہ اندر شکم بُد ناپدید
اس نے اچانک کتے کے پلّوں کا بھونکنا سنا — کتے کے بچے پیٹ میں چھپے ہوئے تھے

پس عجب آمد ورا زاں بانگہا — سگ بچہ اندر شکم چوں زد ندا
اس کو ان آوازوں سے تعجب ہوا — کتے کے بچے پیٹ میں کیوں بھونکے؟

سگ بچہ اندر شکم نالہ کناں[۲] — ہیچ کس دیدست ایں اندر جہاں
کتے کے پلّوں کو (ماں کے) پیٹ کے اندر روتے ہوئے — کسی نے دنیا میں یہ دیکھا ہے؟

چوں بجست از واقعہ آمد بخویش — حیرتِ اُو دمبدم میگشت بیش
جب وہ خواب سے بیدار ہوا، ہوش میں آیا — اس کی حیرت لمحہ بہ لمحہ بڑھ رہی تھی

در چلہ کس نے کہ گردد عقدہ حل — جز کہ درگاہِ خدائے عزوجل
چلہ میں کوئی نہیں تھا، کہ عقدہ حل ہو — سوائے خدائے عزوجل کی درگاہ کے

گفت یارب زیں شکال و گفتگو — دَر چلہ وا ماندہ ام از ذکرِ تو
اس نے کہا اے اللہ! اس اشکال اور گفتگو کی وجہ سے — چلے میں تیرے ذکر سے قاصر ہو رہا ہوں

پرِ من بکشای تا پرّاں شوم — دَر حدیقہ ذکر و سیبستاں شوم
[illegible]

آمدش آوازِ ہاتف[۳] در زماں — کآں مثالے داں زلافِ جاہلاں
اس کو فوراً غیبی فرشتہ کی آواز آئی — کہ اس کو جاہلوں کے شیخی بگھارنے کی مثال سمجھ

کز حجاب و پردہ بیروں نامدہ — چشم بستہ بیہدہ گویاں شدہ
جو حجاب اور پردے سے باہر نہیں نکلے ہیں — آنکھیں بند کیے ہوئے بکواس کرتے ہیں

بانگِ سگ اندر شکم باشد زیاں — نے شکار انگیز و نے شب پاسباں
کتے کا پیٹ میں بھونکنا بیکار ہے — نہ شکار نکالنے والا ہے اور نہ رات کا محافظ ہے

گرگ نادیدہ کہ دفعِ اُو بُوَد — دُزد نادیدہ کہ منعِ اُو شوَد
اس نے بھیڑیے کو نہیں دیکھا کہ اس کا دفعیہ ہو — اس نے چور کو نہیں دیکھا کہ اس کی روک ہو

[۱] چلہ۔ چلہ کشی جو تنہائی میں ہوتی ہے۔ بانگہا۔ یعنی کتے کے بچوں کی ماں کے پیٹ میں سے بھونکنے کی آواز۔
[۲] نالہ کناں۔ روتے ہوئے۔ واقعہ۔ یعنی خواب۔ عقدہ حل۔ یعنی گرہ کھل جائے۔ معاملہ حل ہو جائے۔ گفت الخ۔ صاحبِ دل نے خدا سے عرض کیا میں اس فکر میں تیری یاد سے غافل ہو رہا ہوں۔
[۳] ہاتف۔ غیبی آواز سگاں۔ کتے کے پلّوں کا پیٹ میں بھونکنا جاہلوں کی لاف زنی کی مثال ہے۔ بانگ۔ کتے کے پلّوں کا پیٹ میں بھونکنا بیکار بات ہے نہ تو اس سے یہی فائدہ ہے کہ کوئی شکار جھاڑی میں سے نکل کر بھاگے اور شکاری اس کا شکار کرے نہ چور کو بھگانے کے لئے ہے۔

از حریصی وز ہوائے سروری
حرص اور سرداری کی خواہش کی وجہ سے

در نظر کُند و بلافیدن جَری
نظر میں کُند ہے اور بکواس کرنے میں جری ہے

از ہوائے مُشتری و گرم دار
حرص اور دوست کی خواہش کی وجہ سے

بے بصیرت پا نہادہ در فشار
بغیر بصیرت کے بکواس میں قدم رکھے ہوئے ہے

ماہ نادیدہ نشانہا میدہد
چاند کو دیکھے بغیر نشانیاں بتاتا ہے

روشنائی را بداں کژمی نہد
اُس کے لئے روشنائی کو ٹیڑھا رکھتا ہے

از برائے مُشتری در وصفِ ماہ
چاند کی صفت بیان کرنے میں، خریدار کے لئے

صد نشاں نادیدہ گوید بہرِ جاہ
مرتبہ کی خاطر بغیر دیکھے ہوئے سیکڑوں نشانیاں بتاتا ہے

مُشتری نادیدہ گوید صد نشاں
خریدار کو بغیر دیکھے سیکڑوں نشانیاں بتاتا ہے

تا از خاید دوغ نوشد کف زناں
بکواس کرتا ہے تالیاں بجاتے ہوئے چھاچ پیتا ہے

مُشتری کو سود دارد خود یکیست
بس خریدار میں فائدہ ہے وہ صرف ایک ہے

لیک ایشانرا دراں ریب و شکیست
لیکن اُن کو اُس میں شک و شبہ ہے

از ہوای مُشتری بے شکوہ
بے حقیقت خریدار کی خواہش میں

مُشتری را باد دادند ایں گروہ
اُس جماعت نے خریدار کو کھو دیا ہے

مُشتری ماست اللہ اشتریٰ
ہمارا خریدار اللہ ہے جس نے خرید لیا ہے

از غمِ ہر مُشتری ہیں بر تر آ
ہر خریدار کے غم سے آگے بڑھ

مُشتری جو کہ جویانِ تو اُست
اُس خریدار کو تلاش کر جو تیرا جویاں ہے

عالمِ آغاز و پایانِ تو اُست
تیرے آغاز اور انجام کا جانکار ہے

ہیں مکش ہر مُشتری را تو بدست
خبردار! ہر خریدار کو تو ہاتھ سے نہ کھینچ

عشقبازی با دو معشوقہ بدست
دو معشوقوں سے عشقبازی بُری ہے

زو نیابی سُود مایہ گر خرد
اگر وہ پونجی کو خریدے گا تو اُس سے فائدہ حاصل نہ کر سکیگا

نبودش خود قیمتِ عقل و خرد
اُس کے پاس (تیری) عقل اور سمجھ کی قیمت ہی نہ ہوگی

نیست اُو را خود بہائے نیم نعل
خود اُسکی قیمت آدھے لعل کی نہیں ہے

تو برو عرضہ کُنی یاقوت و لعل
تو اُس کو یاقوت اور لعل دکھا رہا ہے

حرص کورت کرد محرومت کُند
لالچ نے تجھ کو اندھا کر دیا اور محروم کرے گا

دیو ہمچوں خویش مرجومت کُند
شیطان تجھے اپنی طرح سنگسار بنا دے گا

ہمچناں کاصحابِ فیل و قومِ لوط
جس طرح اصحاب فیل اور لوط کی قوم کو

کردشاں مرجوم چوں خود آں سخوط
اُس مغضوب نے اپنی طرح سنگسار بنا دیا

۵۲ از حریصی۔ جاہل شیخ کی لالچ اور سرداری کی خواہش میں یہ حالت ہوتی ہے کہ اُس کی نظر تو کُند ہو جاتی ہے اور وہ شیخی بگھارنے میں جری ہو جاتا ہے گرم دار دوست۔ فشار۔ بکواس۔ ماہ یعنی ذات حق کے مشاہدہ کے بغیر اس کی سیکڑوں نشانیاں بیان کرتا ہے اور اپنے ... غلط رہنمائی کرتا ہے مُشتری۔ وہ مرید بھی بغیر مشاہدہ کے بکواس شروع کر دیتا ہے ... مستی ظاہر کرنے لگتا ہے۔ دوغ و شد یعنی چھاچ پی کر ذہنی مستی ظاہر کرتا ہے۔

۵۳ مشتری کو۔ ایک مومن کا خریدار دراصل اللہ تعالیٰ ہے قرآن پاک میں ہے۔ إِنَّ اللّٰهَ اشْتَرَىٰ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنفُسَهُمْ "اللہ تعالیٰ نے مومنوں سے اُن کی جانیں خرید لی ہیں"۔ از غم لہٰذا ایک مومن کو کسی اور خریدار کی فکر میں نہ پڑنا چاہیے۔ جو ایں۔ اللہ تعالیٰ تیرا جویاں ہے اور وہ تیرے انجام و آغاز کو جانتا ہے۔

۵۴ بدست (شعر)
ہم خدا خواہی و ہم دنیائے دوں
ایں خیالست و محالست و جنوں
زو۔ اگر خدا کے علاوہ کوئی خریدار ہے گا تو اس سے تجھے کوئی فائدہ نہ ہوگا اُس خریدار کے پاس تجھے خریدنے کی قیمت کہاں ہے۔ نیست وہ خود دو کوڑی کا ہے اُس پر اپنی عقل و خرد کے لعل و یاقوت کو پیش کرنا نادانی ہے۔

مُشتری را صابراں دریافتند
صابر لوگوں نے خریدار پالیا ہے

چوں سُوئے ہر مُشتری نشتافتند
کیونکہ وہ ہر خریدار کی طرف نہیں دوڑے ہیں

واں کہ گردانید رُو زاں مُشتری
جس شخص نے اس خریدار سے منہ موڑا

بخت و اقبال و بقا زو شُد بری
نصیب اور اقبال اور بقا اس سے کنارہ کش ہوگئے

ماند حسرت بر حریصاں تا ابد
لالچیوں کو ہمیشہ حسرت رہی

ہمچو حالِ اہلِ ضرّواں در حسد
جس طرح حسد میں ضروان والوں کا حال

ــه حرص۔ لالچ انسان کو اندھا کر دیتا ہے۔ مرحوم۔ سنگسار۔ اصحاب فیل۔ ابرہہ کا لشکر جس نے خانہ کعبہ کو ڈھانے کے لئے چڑھائی کی تھی۔ ستوہ منضرب یعنی شیطان۔ تو اگر جو شخص اللہ تعالیٰ سے روگردانی کرتا ہے وہ بڑا بدنصیب ہے اور تباہ ہو جاتا ہے۔

شرح یہاں سے مولانا نقال مقلدوں کی تیسری تمثیل بیان فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ایک شخص نے چلّہ کشی کی حالت میں خواب میں دیکھا کہ ایک گاؤں میں ایک کُتیا حاملہ ہے اور اسکے بچے اُس کے پیٹ میں بول رہے ہیں اس شخص نے خواب میں یکایک اس کی آواز سُنی حالانکہ وہ پردہ شکم میں مستور تھے اُن کی آوازیں سنکر اُس کو تعجب ہوا اور اسنے کہا کہ بچوں نے پیٹ کے اندر بولنا کیوں شروع کیا اس کا کیا سبب ہے بچوں کو کتیا کے پیٹ میں بولتے تو دنیا بھر میں کسی نے نہیں دیکھا۔ پھر یہ کیا بات ہے جب وہ بیدار ہُوا اسکی حیرت دمبدم بڑھنے لگی۔ چلّہ میں بجز خدائے عزوجلّ کے کوئی شخص نہ تھا۔ جس سے یہ عقدہ حل ہو جائے اسلئے اسنے حق سبحانہٗ کی جناب میں التجا کی اور کہا کہ اے للہ! اس بول چال کے متعلق جو مجھے اشکال ہے اس میں چلّہ میں تیری یاد سے رُک گیا ہوں۔ کیونکہ میری طبیعت میں الجھن پیدا ہوگئی ہے۔ اور میں اس اشکال میں مصروف اور مشغول ہوگیا ہوں پس تو میرے پر کھول دے اور اس عقدہ کو حل کردے تاکہ میں اُڑوں اور تیری یاد کے باغ اور سیستان میں جاؤں یعنی تیری یاد میں مشغول ہوں۔ جب اُسنے یہ دعا کی تو ہاتف غیبی نے آواز دی اور کہا کہ یہ ان جاہلوں کی حالت کی تمثیل ہے جو حجاب اور پردۂ ناسوت سے ہنوز نہیں نکلے اور آنکھ بند کئے بیہودہ لفّاظی کرنے اور حقائق و معارف بگھارتے ہیں کیونکہ کتے کی آواز پیٹ کے اندر محض فضول ہوتی ہے نہ تو وہ شکار کو

نکلتے ہیں اور نہ رات کو پاسبانی کا کام کرتے ہیں نہ اس بھونکنے والے نے بھیڑیے ہی کو دیکھا ہے کہ اس کی آواز سے بھیڑیا بھاگ جائے اور نہ اس نے چور کو دیکھا ہے کہ اسکو چوری سے روک دے ـــــ غرضیکہ اس کی آواز بالکل بے کار ہوتی ہے یونہی یہ لوگ بھی ہیں کہ حرص اور خواہش سرداری کے سبب بدوں بصیرت کے ڈینگیں مارنے پر جرأت کرتے ہیں ۔ اور خریداروں اور معتقدوں کی خواہش میں بدوں بصیرت کے لغو گوئی میں مصروف ہیں ۔ انہوں نے چاند نہیں دیکھا مگر اسکی علامات بیان کرتے ہیں اور اس سبب سے روشنی کی حقیقت غلط سلط بیان کرتے ہیں ۔

یہ لوگ خریداروں کے لیے چاند کی سینکڑوں علامات بیان کرتے ہیں ۔ اور مقصود یہ ہے کہ لوگ ہم کو عارف سمجھیں اور ہماری قدر کریں ان لوگوں نے ستارہ مشتری کو تو دیکھا نہیں ۔ مگر وہ اس کی سینکڑوں علامتیں بیان کرتے ہیں اور فضول بکواس ہانکتے ہیں اور تالیاں بجاتے ہوئے یا منہ میں جھاگ لائے ہوئے چھاچھ لے رہے ہیں تاکہ لوگ سمجھیں کہ یہ لوگ شراب پی رہے ہیں یعنی لوگوں کو دھوکا دے رہے ہیں اور باوجودیکہ وہ عارف نہیں ہیں ۔ مگر اپنی گفتگو سے اپنے کو عارف ثابت کر رہے ہیں ۔ ارے کم بختو! کس دھوکے میں پڑے ہوئے ہو ۔ ہم نے مانا کہ تم نے خریدار پیدا کر لیے اور لوگوں کو دھوکا دے لیا لیکن کیا نتیجہ ـــــ یاد رکھو ؟ کہ جو خریدار فائدہ پہنچا سکتا ہے وہ صرف وحدہٗ لاشریک ہے لیکن کیا کیجئے ان کو اس کا یقین نہیں یہ اوروں کو نافع سمجھتے ہیں بلکہ صرف ـــــ انہی کو نافع سمجھتے ہیں ۔ اسی لیے انہوں نے ان بے وقعت خریداروں کی خاطر اصلی خریدار کو ہاتھ سے کھو دیا ۔ ارے نادانو! سمجھو کہ ہمارے خریدار تو حق سبحانہٗ ہیں جو کہتے ہیں

اِنَّ اللّٰہَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَھُمْ وَاَمْوَالَھُمْ بِاَنَّ لَھُمُ الْجَنَّۃَ ط

پس تم ان کے سوا ہر خریدار کی فکر چھوڑو اور اس خریدار کو تلاش کرو جو تمہارا طالب ہے اور تمہاری ابتدا اور انتہا سے واقف ہے اور تم ہر خریدار کو قبضہ میں نہ لاؤ کیونکہ

معشوق اور مسلوب صرف ایک ہی بڑا پاپ ہے۔ محبت دو سے بھی بُری ہے چہ جائیکہ تین سے

دیکھو! اگر غیر اللہ نے تمہارے کمال کو خرید بھی لیا اور اسکی قدر بھی کی۔ تو اس سے ہم کو نفع حاصل نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اسکے پاس عقل کی قیمت کہاں ہے۔ عقل تو بڑی چیز ہے اُس کے پاس تو آدھے جوتے کی بھی قیمت نہیں ہے۔ کیونکہ جو کچھ بھی اس کے پاس ہے، وہ تو اُسکے پاس عاریت ہے۔ اصل مالک تو اسکے حق سبحانہٗ ہی ہیں پھر تو ایسے شخص کے سامنے یاقوت اور لعل (کمالات) پیش کرتا ہے۔ حق سبحانہٗ کے پاس کیوں نہیں پہنچاتا جس کے قبضہ میں سب کچھ ہے اور وہ تیرے مال سے زیادہ قیمت دینے کو تیار ہیں۔

اصل بات یہ ہے کہ تجھے حرص نے اندھا کر رکھا ہے کہ تجھے نفع نقصان نہیں سوجھنے دیتی۔ اور یہ حرص ہی تجھے محروم کر رہی ہے اور شیطان نے تجھے اپنی طرح مردود کر رکھا ہے جس طرح کہ اس غصہ والے اصحابِ فیل اور قومِ لوط وغیرہ کو اپنی طرح مردود بنا دیا پس تو حرص اور شیطان کو چھوڑ اور صبر اختیار کر۔ کیونکہ جن لوگوں نے صبر کیا ہے تو جبکہ انہوں نے صرف اسی کو مطمح نظر بنالیا ہے اور ہر مشتری کی طرف دوڑ دھوپ نہیں کی ہے اُس وقت انہوں نے اصل خریدار کو پالیا ہے ــــ اور جس شخص نے اس مشتری حقیقی کو چھوڑا ہے وہ سراسر ٹوٹے میں رہا ہے۔ بخت اقبال بقا اس سے سب بیزار ہو گئے ہیں اور ان حریصوں کو ہمیشہ کے لیے یوں ہی حسرت رہ گئی ہے جس طرح اہلِ ضروت کی حسد میں حالت ہوئی تھی۔ کہ وہ ناکام اور نامراد دُنیا سے رخصت ہو گئے تھے ان کا قصہ حسبِ ذیل ہے۔

قصۂ اہلِ ضرواں وحسدِ ایشاں بر درویشاں کہ پدر ما از سلیمی

ضرواں کے باشندوں کا قصہ اور اُن کا فقیروں پر حسد کرنا کہ ہمارا باپ سادہ پن

اَغلبِ دَخلِ باغ را بمسکیناں بیداد، چوں انگور بودے عُشر
سے باغ کی زیادہ پیداوار مسکینوں کو دیدیتا تھا جب انگور ہوتے دسواں حصہ

دادے وچوں مویز و دوشاب شدے عُشر دادے وچوں حلوا
دیدیتا اور جب کشمش اور انگور کا شیرہ ہوتا دسواں دے دیتا اور جب حلوا یا

ویالودہ کردے عُشر دادے واز فصیل عُشر دادے وچوں
فالودہ بناتا دسواں دے دیتا کچی کھیتی میں سے دسواں دے دیتا اور جب

خرمن میکوفتے از کفِ آمیختہ عُشر دادے وچوں گندم از
کھلیان گہاتا آدمے گہائے ہوئے میں سے دسواں دیدیتا اور جب گیہوں

کہ جُدا شُدے عُشر دادے وچوں آرد کردے عُشر دادے وچوں
بھوسے سے جدا ہوتے دسواں دے دیتا اور جب آٹا کرتا دسواں دیدیتا اور

خمیر کردے عُشر دادے وچوں نان پختے عُشر دادے لاجرم
جب گوندھتا دسواں دیدیتا اور جب روٹی پکاتا دسواں دے دیتا لامحالہ

حق تعالیٰ در باغ وکشت برکتے نہادہ بود کہ ہمہ اصحاب
اللہ تعالیٰ نے باغ اور کھیتی میں برکت عطا کی تھی کہ سب باغ والے

باغہا محتاجِ اُو بودندے ہم بمیوہ وہم بسیم واُو محتاجِ
اُس کے محتاج ہوتے پھل میں بھی اور چاندی میں بھی اور وہ اُن میں سے

ہیچ کس نے از ایشاں، وفرزندانِ اُو خرجِ عشر میدیدند مکرر
کسی کا محتاج نہ ہوتا اُس کی اولاد نے بار بار دسویں کا خرچ دیکھا

وآں برکت نمی دیدند ہمچو آں زنِ بدبخت کہ کیرِ خر دید و
اور وہ برکت نہ دیکھی اُس بدبخت عورت کی طرح جس نے گدھے کا ذکر دیکھا

کدو را ندید
اور کدو نہ دیکھا

لہ ضرواں یمن میں ایک گاؤں تھا سلیمی۔ بیوقوفی بھولا پن۔ دوشاب۔ انگور کا شیرہ فصیل۔ کچی کھیتی۔ کف۔ کاف کے زیر ... کی خفت کے ساتھ میکوفتہ۔

لہ ربّانی۔ اللہ والا کتبہ۔ یعنی فقرا اُس کے گھر کا چکر کاٹتے رہتے تھے۔

بود مردے صالحے ربّانیے	عقلِ کامل داشت و پایاں دانیے
ایک نیک خداپرست شخص تھا	کامل عقل رکھتا تھا اور انجام سے باخبر تھا
در دہِ ضرواں بنزدیکِ یمن	شہرہ اندر صدقہ و خُلقِ حَسَن
یمن کے نزدیک ضرواں گاؤں میں	خیرات کرنے اور اچھے اخلاق میں مشہور تھا

کعبۂ درویش بودے کوئے او — آمدندے مستمنداں سوئے او[۲]

اس کی گلی فقیر کا کعبہ ہوتی — ضرور تمند اس کی جانب آتے

ہم زخوشہ عشر دادے بے ریا — ہم زگندم چوں شدے از کہ جدا

بغیر ریاکاری کے بالوں میں سے دسواں دیتا — گیہوں میں سے بھی جب وہ بھوسے سے جدا ہو جاتے

آرد گشتے عشر دادے ہم ازاں — ناں شدے عشر دگر دادے ز ناں

آٹا بنتا تو اس میں سے بھی دسواں دیتا — روٹی بنتی، روٹی میں سے دوسرا دسواں دیتا

عشر ہر دخلے فرونگذاشتے — چار بارہ دادے زانچہ کاشتے

کسی آمدنی کے دسویں میں فروگذاشت نہ کرتا — جو بوتا اس میں سے چار بار ادا کرتا

از عنب عشرے بدادے وز مویز — عشر ہم دادے وے از دوشاب[۳] نیز

انگوروں سے دسواں دیتا اور کشمش میں سے — وہ انگور کے شیرے میں سے بھی دسواں دیتا

ہم ز حلوا عشر واز پالودہ ہم — می فرونگذاشتے از بیش و کم

حلوے میں سے بھی دسواں اور فالودے میں سے بھی — اور کم اور زیادہ میں سے نہ چھوڑتا

بس وصیتہا بگفتے ہر زماں — جمع فرزندانِ خود را آنجواں

ہر وقت بہت سی وصیتیں کرتا — وہ جوان اپنی سب اولاد کو

اللہ اللہ قسمِ مسکیں بعدِ من — وامگیرید ش زحرصِ خویشتن

خدا کے لئے میرے بعد مسکین کے حصّہ کو — اپنی حرص سے بند نہ کرنا

تا بماند بر شما کشت و ثمار — در پناہِ طاعتِ حق پایدار

تاکہ تم پر کھیتی اور پھل رہیں — مستقل خدا کی اطاعت کی حفاظت میں

دخلہا و میوہا جملہ زغیب — حق فرستادست بے تخمین و ریب

آمدنیاں اور میوے سب غیب سے — بے اندازہ اور بے شک اللہ تعالیٰ نے بھیجے ہیں

در محلِ[۴] دخل اگر خرجے کنی — در گہ سود ست بر سودے زنی

آمدنی کے وقت اگر تو خرچ کرے گا — وہ فائدے کا دربار ہے تو فائدہ اٹھائے گا

ترک اغلب دخل را در کشت زار — باز کارد کہ ویست اصلِ ثمار

کاشتکار، پیداوار کا اکثر حصّہ کھیت میں — پھر بو دیتا ہے کیونکہ وہ فائدوں کی جڑ ہے

بیشتر کارد خورد زاں اندکے — کہ ندارد در بروئیدن شکے

زیادہ بو دیتا ہے، اُس میں سے تھوڑا سا کھاتا ہے — چونکہ اُس کو اُگنے میں کوئی شبہ نہیں ہے

زاں بیفشاند بکشتن ترک دست — کاں غلہ ہم زاں زمیں حاصل شدست

کاشتکار بونے میں ہاتھ اسی لئے جھاڑ لیتا ہے — کیونکہ وہ غلہ اسی زمین سے حاصل ہوا ہے

---

[۲] مستمنداں۔ حاجتمند۔ عشر۔ شرعی اعتبار سے زمین کی پیداوار کا دسواں حصّہ خیرات کرنا ہوتا ہے۔

[۳] دوشاب۔ انگور کا شیرہ۔ اللہ اللہ۔ وہ خدا رسیدہ مرد اپنی اولاد کو وصیتیں کرتا کہ دسواں حصّہ ضرور خیرات کرتے رہنا۔ دخلہا۔ جو کچھ پیداوار حقیقتاً اللہ کی جانب سے ہے۔

[۴] در محل۔ پیداوار کے وقت اگر خرچ کرو گے فائدہ میں رہو گے۔ ترک۔ یعنی کاشتکار پیداوار کا زیادہ حصّہ پھر زمین میں بو دیتا ہے۔ در بروئیدن۔ اس میں "با" زیادہ ہے۔ دست افشاندن۔ یعنی بونا۔

کفشگر[۹۴] ہم آنچہ افزاید ز ناں — میخرد چرم و اَدیم و سُختیاں

روٹی سے جو زائد ہوتا ہے، موچی بھی — چمڑا اور نرمی اور میشہ خرید لیتا ہے

کہ اصولِ دَخلم اینہا بودہ اند — ہم از اینہا می کشاید رزقِ بند

کہ میری آمدنی کی بنیادیں یہ ہی ہیں — انہی سے بند رزق کھلتا ہے

دَخل باز آنجا آمدستش لاجرم — ہم در آنجا میکُند داد و کرم

لامحالہ اُس کی آمدنی اُس جگہ سے ہی ہوئی ہے — اُسی جگہ وہ عطا اور کرم کرتا ہے

ایں[۹۵] زمین و سُختیاں پردہ است و بس — اصلِ روزی از خدا داں ہر نفس

یہ زمین اور کھال بس پردہ ہے — اصل روزی ہر وقت خدا کی جانب سے سمجھ

چوں بکاری در زمینِ اصل کار — تا بروید ہر یکے را صد ہزار

تو جب بوئے اصل زمین میں تو — تاکہ ہر ایک کے لاکھ اُگیں

گیرم اکنوں تخم را گر کاشتی — در زمینے کش سبب پنداشتی

میں نے مانا، اب اگر تو نے بیج بو یا ہو — اُس زمین میں جس کو تو نے سبب سمجھا ہے

چوں[۹۶] دو سہ سال آں نروید چوں کنی — جز کہ در لابہ و دُعا کف بر زنی

اگر وہ دو تین سال نہ اُگے تو کیا کرے گا! — بجز اِس کے کہ خوشامد اور دُعا میں ہاتھ اُٹھائیگا

دست بر سر میزنی پیشِ اِلٰہ — دست و سر بر دادنِ رزقش گواہ

خدا کے آگے سر پر ہاتھ مارے گا — ہاتھ اور سر اُس کے رزق دینے پر گواہ ہیں

تا بدانی اصلِ اصلِ رزق اوست — تا ہم اُو را جوید آں کو رزق جو

تاکہ تو سمجھ لے کہ رزق کی اصل جڑ وہی ہے — جو رزق تلاش کرتا ہے اُسی کو ڈھونڈتا ہے

رزق از وے جو مجو از زید و عمر — مستی از وے جو مجو از بنگ و خمر

رزق اُس سے مانگ، زید اور عمر سے نہ مانگ — مستی اُس سے چاہ، بھنگ اور شراب سے نہ چاہ

مُنعمی زو خواہ نے از گنج و مال — نصرت از وے خواہ نے از عم و خال

خوشحالی اُس سے چاہ نہ کہ خزانے اور مال سے — مدد اُس سے چاہ نہ کہ چچا اور ماموں سے

عاقبت[۹۷] زینہا بخواہی ماندن — ہیں کرا خواہی دراں دم خواندن

انجام کار تو اُن سے (الگ) رہ جائے گا — ہاں، اُس وقت تو کسے پکارے گا!

ایں دم اُو را خوان و باقی را بہل — تا تو باشی وارثِ مُلکِ جہاں

اِس وقت اُس کو پکار اور باقی کو چھوڑ — تاکہ تو دنیا کی سلطنت کا مالک بن جائے

---

۹۴ کفشگر۔ موچی، جفت ساز۔ اَدیم۔ نرمی یعنی وہ کھال جو سرخ رنگی جاتی ہے۔ سُختیان۔ بھیڑ کی دباغت شدہ کھال، میشہ۔ کہ اصول۔ اِن چیزوں میں وہ آمدنی کو صَرف کرتا ہے کیونکہ آمدنی کی اصل و بنیاد یہی چیزیں ہیں۔

۹۵ ایں زمیں۔ پیداوار کے ظاہری اسباب محض ایک پردہ ہیں ورنہ اصل روزی رساں خدا ہے۔۔۔ صد ہزار۔ قرآن پاک میں ہے مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ۗ وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ ۔ اُن لوگوں کی مثال جو اللہ کے راستہ میں صَرف کرتے ہیں ایک دانہ کی سی ہے جس نے سات بالیں اُگائیں ہر بال میں سَو دانے، اور خدا جس کے لئے چاہتا ہے دوگنا کر دیتا ہے۔

۹۶ چوں۔ جب انسان اسباب سے مایوس ہو جاتا ہے تو پھر خدا ہی سوجھتا ہے۔ دست۔ کھیتی کی تباہی کے وقت سر پیٹ کر خدا سے دعا کرنا اِس بات کی دلیل ہے کہ انسان اصل رزق دینے والا خدا ہی کو سمجھتا ہے۔ رزق۔ جب حقیقی رزّاق خدا ہے تو اُس سے رزق مانگنا چاہیئے۔۔۔ مستی۔ اصل مستی بھی خدا کے عشق سے ہی حاصل ہوتی ہے

۹۷ عاقبت۔ انسان اپنے خزانے اور مال کو دنیا میں ہی چھوڑ جاتا ہے، تعلق اُس چیز سے پیدا کرنا چاہیئے جو ساتھ دے سکے۔ چوں۔ قرآن پاک میں ہے يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِيْهِ وَاُمِّهٖ وَاَبِيْهِ وَصَاحِبَتِهٖ وَبَنِيْهِ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَاْنٌ يُّغْنِيْهِ یعنی قیامت کے دن ہر شخص اپنے بھائی، اپنی ماں، اپنے باپ، اپنی بیوی، اپنی اولاد سے بھاگے گا ہر شخص کی اُس دن وہ حالت

چوں یَفِرُّ الْمَرْءُ آید مِنْ اَخِیْه | یَهْرَبُ الْمَوْلُوْدُ یَوْمًا مِنْ اَبِیْه
جب وہ دن آجائے گا کہ انسان اپنے بھائی سے بھاگے گا | وہ دن کہ اولاد اپنے باپ سے بھاگے گی

زاں[لله] شود ہر دوست آں ساعت عَدُوْ | کہ بُتِ تو بُود وازرہ مانع اُو
اِس لئے ہر دوست اُس وقت دشمن بن جائے گا | کیونکہ وہ تیرا بُت تھا، راستہ سے مانع تھا

روئے از نقاش برمی تافتی | چوں زنقشش اُنسِ دل می یافتی
تو نے نقاش سے منہ پھیر لیا | جبکہ اُس کے بنائے ہوئے نقش سے دل کا اُنس ہو گیا

ایں دم ار یارانت با تو ضد شوند | وز تو برگردند و در خصمی روند
گر تیرے دوست اِس وقت تیرے مخالف ہو جائیں | تجھ سے برگشتہ ہو جائیں اور مخالفت میں چلے جائیں

ایں بگو نک روزِ من پیروز شُد | آنچہ فردا خواست شُد امروز شُد
باور کہہ دے کہ اب میرا دن لعیب ور ہے | جو کچھ کل کو ہوتا، وہ آج ہو گیا

ضدِ من گشتند اہلِ ایں سَرا | تا قیامت عین نقد پیشیں مرا
اِس جہاں والے میرے مخالف ہو گئے | یہاں تک کہ قیامت میرے لئے پیشگی نقد بن گئی

[لله]پیش ازاں کہ روزگارِ خود بَرم | عُمر با ایشاں بپایاں آورم
اِس سے قبل کہ میں اپنی عُمر پوری کروں | اُن کے ساتھ زندگی بسر کروں

کالہ معیوب بخریدہ بُدم | شُکر کز عیبش بگہ واقف شُدم
میں نے ایک عیب دار سامان خرید لیا تھا | شکر ہے کہ اُسکے عیب سے صبح سویرے واقف ہو گیا

پیش ازاں کز دست سرمایہ شدے | عاقبت معیوب بیروں آمدے
اِس سے پہلے ہی کہ ہاتھ سے سرمایہ چلا جاتا | آخر میں معیوب ظاہر ہوتا

مال رفتہ عُمر رفتہ اے نسیب | مال و جاں دادہ پئے کالہ معیب
اے شریف! مال گیا، عُمر گئی | عیب دار سرمایہ کے لئے مال اور جان دے دی

[لله]نقد دادم زرِ قلبے بستدم | شاد شاداں سُوئے خانہ می شدم
میں نے نقد دے دیا اور کھوٹا سونا لے لیا | خوشی خوشی گھر کی جانب چل دیا

شُکر کایں زرِ قلب پیدا شد کنوں | پیش ازاں کہ عُمر بگذشتے فزوں
شکر ہے، کہ یہ کھوٹا سونا ابھی واضح ہو گیا | اِس سے پہلے کہ زیادہ عمر گذر جاتی

قلب ماندے تا ابد در گردنم | حَیف بُودے عُمر ضائع کردنم
کھوٹا سونا، ہمیشہ کے لئے میری گردن میں رہجاتا | مجھے عمر ضائع کرنے پر افسوس ہوتا

چوں بگہ تر قلبی اُو رُو نمُود | پائے خود را واکشم من زود زود
چونکہ صبح سویرے اُس کا کھوٹ پن ظاہر ہو گیا | میں بہت جلد واپس ہو جاؤں گا

انسان کو اُس کی چیز چاہیے۔ بھنگ اور شراب کی مستی فنی ہوتی ہے بُنفتی۔ انسان کی اصل مالداری نفس کی مالداری ہے جو علماء عطا فرماتے ہیں۔

[لله] زاں۔ اس حالت کی وجہ سے انسان کے لئے اُس کا ہر دوست اُس کا دشمن ثابت ہوگا کیونکہ وہ دوست بھی اُس کو ایک بُت کی طرح خدا سے غافل بنا رہا تھا۔ رُوئے۔ مصنوع سے دل لگانا صانع سے دل ہٹاتا ہے۔ ایں دم۔ اگر دنیاوی دوست اِس دنیا ہی میں تیرے مخالف ہو جائیں تو یہ تیری خوش قسمتی ہوگی۔ ضدِ من۔ آخرت میں جو تیرے لئے مصیبت تھی وہ تو نے دنیا میں بھگت لی۔

[لله] پیش ازاں — اِن دوستوں کا نقصان دنیا میں برداشت کر لینا آسان ہے۔ پیش ازاں۔ اِس کی یہ مثال ہے کہ خراب سودا خرید لینے پر فوراً اُس کے عیب سے واقفیت ہو جائے تو کچھ تدارک ممکن ہے ورنہ پھر افسوس ہی افسوس کرنا پڑتا ہے۔

[لله] نقد دادم۔ انسان یہی کہتا ہے کہ ہائے افسوس میں کھوٹا سونا خرید کر کیسا خوش خوش گھر آیا تھا۔ شُکر۔ اگر فوراً کھوٹ ظاہر ہو جائے اور انسان اُس کا تدارک کرے تو شکر کرنا ہے۔

یارِ[۱] تو چوں دشمنی پیدا کُند
تیرا دوست جب دشمنی ظاہر کرے

کَرْد حقد و رشک اُو بیروں زند
وہ حملہ اور کینہ اور رشک ظاہر کرے

تو ازاں اِعراضِ اُو افغاں مکُن
تو اُس کے منہ موڑنے سے فریاد نہ کر

خویشتن را اَبلہ و ناداں مکُن
اپنے آپ کو بے وقوف اور نادان نہ بنا

بلکہ شُکرِ حق کُن و ناں بخش کُن
بلکہ اللہ کا شکر کر اور روٹی خیرات کر

کہ نگشتی در جوالِ اُو کہن
کہ تو اُس کے بورے میں پُرانا نہ بنا

از جوالش زود بیروں آمدی
تو اُس کے بورے سے جلد باہر آ گیا

تا بجوئی یار صدق و سرمدی
تاکہ سچے اور دائمی یار کو تلاش کرے

نازنیں یارے کہ بعد از مرگِ تو
وہ نازوں بھرا یار کہ تیرے مرنے کے بعد

رشتۂ یاریِ اُو گردد سہ تُو
اُس کی یاری کا رشتہ تگنا ہو جائے

آں[۲] مگر سُلطاں بُود شاہِ رفیع
وہ یا تو شہنشاہ فرمانروائے برتر ہے

یا بُود مقبولِ سُلطان و شفیع
یا شہنشاہ کا محبوب اور شفیع ہے

رَستی از قُلّابِ سالوس و دَغل
تو مکر اور فریب کے آنکڑے سے نکل گیا

غِرِّ اُو دیدی عیاں پیش از اَجل
تو نے موت سے پہلے اُس کی غفلت دیکھ لی

ایں جفائے خَلق با تو در جہاں
دنیا میں جو تیرے ساتھ لوگوں کا ظلم

گر بدانی گنجِ زر آمد نہاں
اگر تو سمجھے سونے کا چھپا ہوا خزانہ بنا

خَلق را با تو چنیں بدخو کنند
لوگوں کو تیرے ساتھ اس طرح بدعادت کر دیتے ہیں

تا تُرا ناچار رُو آنسو کُنند
تاکہ تجھے مجبور اور اُس جانب کر کر دیں

ایں یقیں داں کاندر آخر جملہ شاں
تو اس کو یقینی سمجھ کہ آخیر میں سب

خصم گردند و عدوّ و سرکشاں
مخالف اور دشمن اور سرکش بن جائیں گے

تو[۳] بمانی با فُغاں اندر لحد
تو لحد میں فریاد کرتا ہوا رہ جائے گا

لَا تَذَرْنِیْ فَرْدًا خواناں اناحد
خدا سے "مجھے اکیلا نہ چھوڑ" کہتے ہوئے

ایں جفایت بہ ز عہدِ وافیاں
تیرے لیے یہ ظلم وفا داروں کے عہد سے اچھا ہو

ہم ز دادِ تُست عہدِ باقیاں
باقی لوگوں کا عہد بھی تیری عطا ہے

بشنو از عقلِ خود اے انباردار
اے کھلیان والے! اپنی عقل سے سُن لے

گندمِ خود را بارضِ اللہ سپار
اپنے گیہوں کو اللہ تعالے کی زمین کے سپرد کرے

تا[۴] شود ایمن ز دُزد و از سپش
تاکہ وہ چور اور سُرسُری سے محفوظ ہو جائے

دیو را با دیو چہ زُو تر بکُش
شیطان کو دیمک کے ذریعہ مار ڈال

کو ہمی ترساندت ہر دم زِ فقر
جو تجھے فقر سے ہر وقت ڈراتا ہے

ہمچو کبکش صید کُن اے نرہ صقر
اے نر شکرے! چکور کی طرح اُس کا شکار کرے

۱؎ یار تو۔ اس طرح اگر دنیا ہی میں تیرا دوست تجھ سے بگڑے تو اُس پر شکوہ نہ کر بلکہ شکر ادا کر۔ بلکہ۔ دنیاوی علائق دنیا میں ہی ٹوٹ جانے پر شکریہ ادا کرنا چاہیے اور صدقہ و خیرات کرنا چاہیے۔ از جوالش۔ تجھے اس بات پر شکر ادا کرنا چاہیے کہ تو اُس کے پھندے سے نکل گیا اور اب سچے دوست کی تلاش میں لگ جائیگا۔ نازنیں۔ وہ نازوں بھرا دوست تجھے مل جائے گا تو آخرت میں تیرا ساتھ دے گا۔

۲؎ آں۔ وہ دوست جو آخرت میں کام آئے وہ خدا یا خدا کا مقبول بندہ ہے۔ ایں جفا۔ دنیاوی دوستوں کی جفاکاری تیرے لئے رحمت خداوندی ہے۔ خلق را۔ جب اللہ تعالیٰ کا کسی پر کرم ہوتا ہو تو وہ ایسے اسباب پیدا کر دیتا ہے کہ انسان دنیوی علائق توڑ دیتا ہے۔

۳؎ تو بمانی۔ اگر یہی دنیاوی دوستیاں باقی رہیں تو قبر میں تو تنہا ہوگا اور پھر پکارے گا کہ اے خدا مجھے تنہا نہ چھوڑ۔ ایں جفایت۔ دنیاوی تعلقات کے ٹوٹنے کو تو کہیگا کہ یہ جفا اُن کی دوستی سے بہتر تھی بشنو۔ مولانا پہلے اللہ کے راستہ میں خرچ کرنے کی خوبیاں بیان کر رہے تھے پھر اُسی مضمون کو شروع کیا ہے۔

۴؎ تا شود۔ یعنی دانہ کو اللہ کی سرزمین میں بو دے تاکہ اُس کو چور چرا سکے نہ اُس کو گھن لگے۔ دیو را۔ شیطان جو فقر کے وسوسے پیدا کرے اُس کو لاحول کی دیمک لگا دے۔

باز سلطانی عزیز و کامیار — ننگ باشد کہ کند کبکش شکار

تو بادشاہ کا پیارا اور کامیاب باز ہے — ذلت ہے کہ تجھے چکور شکار کرے

بس وصیت کرد و تخم وعظ کاشت — چون زمین شان شورہ بد سودے نداشت

اُس نے بہت وصیت کی اور وعظ کا بیج بویا — چونکہ اُن کی زمین شوریلی تھی کوئی فائدہ نہ ہوا

گرچہ ناصح را بود صد داعیہ — پند را اُذنے بباید واعیہ

اگرچہ نصیحت کرنے والے کے سو داعیے ہوں — نصیحت کے لئے، حفاظت کرنیوالا کان چاہیئے

تو بصد تلطیف پندش میدہی — او ز پندت میکند پہلو تہی

تو سیکڑوں نرمیوں کے ساتھ اُسکو نصیحت کرتا ہے — وہ تیری نصیحت سے پہلو تہی کرتا ہے

یک کس نا مستمع ز استیز و رد — صد کس گوینده را عاجز کند

ایک نہ سننے والا شخص، جھگڑے اور انکار سے — سو کہنے والوں کو عاجز کر دیتا ہے

ز انبیا ناصح تر و خوش لہجہ تر — کے بود کہ رفت دم شان در حجر

انبیاء سے زیادہ ناصح اور شیریں زبان — کب ہوا ہے کیونکہ اُن کی بات پتھر میں گھس گئی ہے

زانچہ کوہ و سنگ در کار آمدند — می نشد بدبخت را بکشادہ بند

جن باتوں سے پہاڑ اور پتھر کارآمد بن گئے — بدبخت کی گرہ نہ کھلی

آنچناں دلہا کہ بدشان ما و من — نعت شان شد بل اشد قسوة

وہ دل جو متکبر تھے — اُنکی صفت بلکہ (پتھروں سے بھی زیادہ سخت) بنی

در بیان آنکہ عطائے حق سبحانہ تعالیٰ و قدرت او موقوف قابلیت نیست ہمچوں عطائے خلقاں کہ آنرا قابلیت باید زیرا کہ عطائے حق تعالیٰ قدیم است و قابلیت حادث عطا صفت حق است جل جلالہٗ و

اس بات کے بیان میں کہ اللہ تعالیٰ کی عطا اور قدرت بندوں کی عطا کی طرح قابلیت پر موقوف نہیں ہے، اُس (مخلوق کی عطا) کے لئے قابلیت چاہیئے کیونکہ اللہ تعالیٰ قدیم ہے اور قابلیت حادث ہے عطا اللہ تعالیٰ جل جلالہٗ کی صفت ہے اور

قابلیت صفت مخلوق و قدیم موقوف حادث نباشد

قابلیت مخلوق کی صفت ہے اور قدیم حادث پر موقوف نہیں ہوتا ہے

چارہ آں دل عطائے مبدلیست — داد او را قابلیت شرط نیست

اُس دل کا علاج، بدل دینے والے کی مہربانی ہے — اُس کی عطا کے لئے قابلیت شرط نہیں ہے

بلکہ شرط قابلیت داد اوست — داد لب و قابلیت ہست پوست

بلکہ قابلیت کی شرط، اُس کی عطا ہے — عطا مغز ہے، اور قابلیت چھلکا ہے

حجر شیطاں کو اس طرح شکار کرے جس طرح شکرا چکور کا شکار کرتا ہے۔ باز سلطانی۔ اگر شاہی باز کو چکور مار ڈالے تو بڑے شرم کی بات ہے۔
بس وصیت۔ باپ نے بہت سمجھایا تھا لیکن اُن پر کوئی اثر نہ ہوا۔ پند را۔ نصیحت اُسی پر اثر کرتی ہے جس کے کان اُس کو قبول کریں

۲ تو بصد۔ جس شخص کا ارادہ سننے کا نہ ہو اس کو کیسی ہی نرمی سے سمجھاؤ وہ اعراض ہی کرے گا انبیاء اس قدر محبت اور پیار سے سمجھاتے تھے کہ اُن کی نصیحت پتھر تک قبول کر لیتے تھے لیکن کفار قبول نہ کرتے تھے۔ اَشَدُّ قَسْوَۃً قرآن نے کافروں کے دلوں کو پتھر سے زیادہ سخت اور متاثر نہ ہونے والا قرار دیا ہے۔

۳ در بیان۔ حضرت حق کی عطا کے لئے قابلیت ضروری نہیں ہے جب عطا ہوتی ہے تو قابلیت خود پیدا ہو جاتی ہے عطا اللہ کی صفت ہے جو قدیم ہے قابلیت بندہ کی صفت ہے جو حادث ہے تو قدیم کے لئے حادث کیسے شرط بن سکتا ہے جبکہ شرط پہلے ہوتی ہے۔

۴ چارہ۔ یہ دل جو پتھر سے بھی زیادہ سخت ہے اُسکی اصلاح کی تدبیر یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ اُس میں تبدیلی کر دے۔ داد او را۔ اللہ جب چاہتا ہے تو ایسے دل میں تبدیلی پیدا کر کے اُس میں قبول کرنے کی صلاحیت پیدا فرما دیتا ہے۔ قابلیت۔

اینکہ موسیٰ را عصا ثعبان شود
یہ کہ حضرت موسیٰ کی لاٹھی اژدھا بنے

ہمچو خورشیدے کفش رخشاں شود
اُن کی ہتھیلی سورج کی طرح چمک دار بنے

صد ہزاراں معجزاتِ انبیا
انبیاء کے لاکھوں معجزے

کاں نگنجد در ضمیرِ عقلِ ما
جو ہماری عقل میں نہیں سماتے ہیں

نیست از اسباب تصریفِ خداست
وہ اسباب کے ذریعہ نہیں ہیں، خدا کا تصرف ہے

نیستہا را قابلیت از کجاست
فنا ہونے والوں کے لئے قابلیت کہاں ہے؟

قابلی گر شرطِ فعلِ حق بُدے
(اللہ تعالیٰ) کے کام کیلئے اگر قابل ہونا شرط ہوتا

ہیچ معدومے بہ ہستی نامدے
تو کوئی معدوم موجود نہ ہوتا

سُنّتے بنہادہ و اسباب و طُرُق
(اللہ نے) دستور اور اسباب اور راستے رکھدیئے ہیں

طالباں را زیرِ ایں ازرق تتق
اس نیلے سراپردہ کے نیچے طلبگاروں کیلئے

بیشتر احوال بر سُنّت رود
زیادہ باتیں دستور کے مطابق ہوتی ہیں

گاہ قدرت خارقِ سُنّت شود
کبھی قدرت (الٰہی) دستور کو توڑنے والی بنجاتی ہے

سُنّت و عادت نہادہ با مزہ
پُرلطف دستور اور عادت مقرر کی ہے

باز کردہ خرقِ عادت معجزہ
پھر دستور کے توڑنے کو معجزہ بنا دیا

بے سبب گر عز بما موصول نیست
اگر بغیر سبب کے عزت ہمیں نہیں ملتی

قدرت از عزلِ سبب معزول نیست
قدرت (الٰہی) سبب کو معزول کردینے سے معزول نہیں ہے

اے گرفتارِ سبب بیروں مپر
اے سبب کے پابند رہنے (والے)، باہر پرواز نہ کر

لیک عزلِ آں مسبب ظن مبر
لیکن اُس سبب پیدا کرنیوالے کی معزولی کا گمان کر

ہرچہ خواہد آں مسبب آورد
وہ سبب پیدا کرنے والا جو چاہتا ہے کرتا ہے

قدرتِ مطلق سببہا بر درد
مطلق قدرت، اسباب کو پھاڑ ڈالتی ہے

لیک اغلب بر سبب راند نفاد
لیکن وہ عموماً سبب پر مدار رکھتا ہے

تا بداند طالبے جستن مراد
تاکہ طلبگار، مراد کو تلاش کرنا جان جائے

چوں سبب نبود چہ رہ جوید مرید
جب سبب نہ ہو تو ارادہ کرنیوالا کونسا راستہ ڈھونڈے

پس سبب در راہ می آید پدید
تو سبب راستہ کے بارے میں نمودار ہوتا ہے

ایں سببہا بر نظرہا پردہاست
یہ اسباب نظروں پر پردے ہیں

کہ نہ ہر دیدار صنعش را سزاست
کیونکہ ہر شخص اُس کی کاریگری کے دیکھنے کے لائق نہیں ہے

حضرت حق تعالیٰ کی طرف سے جو فیض اور عطا ہے اُس کی دو قسمیں ہیں فیضِ اقدس اور فیضِ مقدس۔ فیضِ اقدس وہ ہے جو ذات باری تعالیٰ سے اعیانِ ثابتہ میں پہنچتا ہے اُس کے لئے استعداد شرط نہیں ہے اور فیضِ مقدس وہ ہے جو اعیانِ ثابتہ سے ارواح کی طرف آتا ہے یہ بقدر استعداد اور قابلیت پہنچتا ہے۔ اینکہ حضرت موسیٰ کی لاٹھی اور حضرت موسیٰ کا یدِ بیضا، فیضِ اقدس کی مثالیں ہیں اور اسی طرح دیگر انبیاء کے معجزے اُن چیزوں میں سے ہیں جن میں قابلیت شرط نہیں ہے۔

۲ نیست۔ اِن معجزات کا اسباب سے مہیا شدہ قابلیت سے تعلق نہیں ہے بلکہ یہ وہ بطور فیضِ اقدس کے ہے۔ قابلی۔ اگر ہر چیز میں قابلیت شرط ہو تو پھر کوئی معدوم وجود میں نہ آئے اسلئے کہ معدوم میں اسباب سے مہیا شدہ قابلیت کہاں ہے وہ خود ہی معدوم ہیں۔ سُنّتے۔ عام حالات میں سنتِ الٰہی یہی ہے کہ اسباب مہیا ہوں اور

۵ قدرتِ مطلق۔ اللہ تعالیٰ کی علی الاطلاق قدرت اسباب کی محتاج نہیں ہے۔ تا بداند۔ عوام کی مقصد کی تلاش میں اسباب رہنمائی کرتے ہیں۔ ایں سببہا۔ مقاصد کے اسباب اللہ کی قدرت کے لئے حجاب بنا دیئے گئے ہیں اس لئے کہ ہر شخص بلا واسطہ قدرت کے مشاہدہ کا اہل نہیں ہے۔ دیدہ۔ لیکن انسان کو وہ نظر رکھنی

قابلیت ہو تو عطا ہوتی ہے۔ خارق۔ جب فیضِ اقدس کا معاملہ ہوتا ہے تو سنتِ الٰہی کے خلاف ہوتا ہے

۳ معجزہ۔ یہ سنتِ الٰہی کے خلاف ظہور پذیر ہوتا ہے۔ بے سبب۔ عزت اسباب سے حاصل ہوتی ہو لیکن اللہ کی قدرت بے سبب کو بلا سبب عزت عطا فرمائے۔ اے گرفتار۔ عوام کو اسباب اختیار کرنے چاہئیں لیکن مسبب الاسباب سے غفلت نہ برتنی چاہئے

چاہیئے جو اسباب کو چاک کرکے اصل صورت کو دیکھ سکے تاکہ جب مسبب الاسباب کو دیکھ لیگا تو اُسکی نگاہ میں اسباب بے حقیقت بن جائینگے۔
مـلـه از مسبب۔ ہر خیر و شر مسبب الاسباب کی جانب سے ہے اسباب اور وسائل محض خیالی چیزیں ہیں ان کا مقصد یہ ہے کہ انسان پر کچھ زمانہ غفلت کا گذرے اور طیب پلیدوں کے فضائل حاصل ہو سکیں۔

دیدہ باید سبب سوراخ کن
سبب میں سوراخ کر دینے والی نگاہ چاہیئے

تا حجب را بر کند از بیخ و بن
تاکہ وہ جڑ اور بنیاد سے پردوں کو اکھاڑ پھینکے

تا مسبب بیند اندر لامکاں
تاکہ لامکان میں سبب پیدا کرنے والے کو دیکھے

ہرزہ بیند جہد و اسباب و دکاں
کوشش اور اسباب اور دکان کو بیکار سمجھے

از مسبب میرسد ہر خیر و شر
ہر بھلائی اور برائی سبب پیدا کرنیوالے کیطرف سے آتی ہے

نیست اسباب و وسائط اے پدر
اے بابا! اسباب اور واسطے نہیں ہیں

جز خیالِ منعقد بر شاہراہ
سوائے خیال کے جو راستہ پر جما ہوا ہے

تا بماند دورِ غفلت چندگاہ
تاکہ تھوڑی دیر غفلت کا زمانہ رہے

شرح گذشتہ زمانہ میں ایک باخدا اور نیک شخص تھے جو کہ صاحب عقل کامل اور انجام بینی سے موصوف تھے وہ یمن کے خروان نام گاؤں میں رہتے تھے اور خیرات اور حسن خلق میں شہرۂ آفاق تھے ان کی گلی فقراء کا مرجع تھی اور اہلِ حاجت ان کے یہاں آیا کرتے تھے۔ اُن کی خیرات کی یہ حالت تھی کہ اول بالیوں میں سے عُشر دیتے تھے اسکے بعد جب بھُوسے سے گیہوں نکلتے تھے اس وقت عُشر دیتے تھے اُسکے بعد جب گیہوں کو پیسا جاتا تھا تو آٹے میں سے عُشر دیتے تھے اور جب آٹے کو پکا کر روٹیاں بناتے تھے تو روٹیوں میں سے عُشر دیتے تھے۔ غرضیکہ ہر آمدنی میں سے عشر نکالتے تھے اور کسی آمدنی کا عشر بے دیئے نہ چھوڑتے تھے۔ اور جو چیز بھی ہوتی اُس میں سے متعدد مرتبہ عُشر نکالتے تھے۔ چنانچہ وہ اوّل انگوروں سے عشر نکالتے تھے اسکے بعد جب وہ سوکھ کر مویز بنتے تھے تو مویز سے عُشر نکالتے تھے اور اگر انگوروں کا شیرہ نکالتے تھے تو اس شیرہ میں سے عُشر نکالتے تھے۔
غرضکہ جو چیز بھی ہوتی تھی۔ خواہ کم ہو یا زیادہ اس کا عُشر بغیر دیئے نہ چھوڑتے تھے۔ اسکے ساتھ ہی یہی کرتے تھے کہ اپنی اولاد کو بہت کچھ نصیحت کرتے رہتے تھے اور فرماتے رہتے تھے کہ خدا کے واسطے اور پھر خدا کے واسطے میرے بعد اپنی حرص سے فقیروں کا

حق بند نہ کرنا۔ تاکہ طاعت حق کی پناہ میں تمہاری کھیتی اور پھل تمہارے لئے برقرار رہیں

یہاں سے مولانا مضمون ارشادی کی طرف انتقال فرماتے ہیں اور کہتے ہیں

کہ آمدنیاں اور میوہ سب کے سب حق سبحانہٗ نے عالمِ غیب سے بھیجے ہیں اور اس میں کچھ شک و شبہ نہیں اسلئے اگر تم اسکو وہیں خرچ کرو گے جہاں سے وہ آئے ہیں تو تم کو فائدہ ہوگا کیونکہ وہ بڑے نفع کی درگاہ ہے وہاں صرف کرنے والوں کو بہت کچھ نفع ملتا ہے۔

دیکھو! کسان! اکثر آمدنی کو کھیت میں پھر بو دیتا ہے کیونکہ وہ سمجھتا ہے کہ غلہ کا مدار اسی پر ہے اگر یہ نہ ہو تو غلہ حاصل نہیں ہوسکتا۔ اسلئے وہ اکثر حصہ بو دیتا ہے اور کم کو کھا لیتا ہے کیونکہ اُسکو اُس کے اُگنے میں اور اُگ کر زائد غلہ پیدا ہونے میں کچھ شک نہیں ہوتا۔ اور وہ کسان اسلئے اس غلہ سے ہاتھ جھاڑتا ہے اور وہ غلہ بھی اسی زمین سے پیدا ہوا تھا۔ اسلئے وہ سمجھتا ہے کہ اور غلہ بھی ضرور پیدا ہوگا۔ علیٰ ہٰذا۔ موچی اس رقم سے جو روٹی سے بچتی ہے چمڑا اور نری اور میشا خریدتا ہے کیونکہ وہ سمجھتا ہے کہ میری آمدنی کی جڑ یہی تھی اور انہی سے میری بند روزی کھلے گی۔ اسلئے جہاں سے اسے آمدنی ہوتی تھی وہیں دل کھول کر خرچ کرتا ہے۔

جب یہ معلوم ہوگیا کہ لوگ وہیں خرچ کرتے ہیں جہاں سے اُن کو آمدنی ہوتی ہے

تو اب تم سمجھو کہ روزی کی اصل اور اس کا مبدء حق سبحانہٗ ہیں اور زمین اور میشا وغیرہ ایک آڑ ہیں۔ اس بناء پر تم کو راہ خدا میں صرف کرنا چاہیئے اور جب تم کو بونا ہو تو اصل زمین میں بونا چاہیئے تاکہ ایک ایک دانہ کے لاکھ دانے پیدا ہوں۔

اچھا اگر تم نے بیج اس زمین میں بویا جس کو تم سبب سمجھتے تھے اور وہ دو تین سال تک اُگے گا تو جب کہ وہ دو تین سال نہ اُگے گا تو تم بجز اس کے کیا کرو گے کہ دُعا اور تضرع وزاری کو دست آویز بناؤ۔ اور خدا کے سامنے اپنا سر پیٹو۔ پس تمہارا سر اور تمہارے ہاتھ اس امر کے گواہ ہیں کہ رزق دینے والے حق سبحانہٗ ہیں اور یہ شہادت

اسلئے ہے تاکہ تم جان لو کہ اصل میں مبدء رزق حق سبحانہٗ ہیں۔ اور تاکہ جو کوئی رزق کا طالب ہو وہ اسی کو ڈھونڈے۔

خیر تو جب کہ یہ ثابت ہو گیا کہ اصل رزق دینے والے حق سبحانہٗ ہیں اور باقی تمام اسباب و وسائط ہیں تو اب تم کو چاہیئے کہ تم رزق اسی سے طلب کرو۔ نہ کہ زید و عمرو سے۔ اور مستی خود اسی سے چاہو۔ نہ کہ بھنگ اور شراب سے یعنی اگر تم کو مستی مطلوب ہے تو حق سے دعا کرو۔ کہ اے اللہ! تو ہمیں اپنی محبت سے سرشار کر۔ اور مستی کے لیے شراب اور بھنگ نہ پیو۔ اور دولت مندی اسی سے چاہو۔ نہ کہ عزیز و اقارب سے کیونکہ بالآخر ان سے جدائی ہوگی۔ اس وقت بتلاؤ کسے پکارو گے۔ حق سبحانہٗ کو۔ پس اب بھی اسی کو پکارو۔ اور سب کو چھوڑو۔ تاکہ جب وہ تمہارا معین و مددگار ہو جائے تو جس وقت یوم یفرّ المرء من اخیہ متحقق ہو۔ اور آدمی اپنے سالے سے بھاگے اور جس روز کہ بیٹا اپنے باپ سے بھاگے یعنی قیامت میں۔ اس وقت عالم کی سلطنت کے مالک ہیں کیونکہ جب تم خدا کے ہو جاؤ گے۔ خدا تمہارا ہو جائے گا۔ اور جب خدا تمہارا ہو گیا تو ہر چیز تمہاری ہے۔

[فائدہ: فاتضح من ھذا التقریر ان قولہ چوں یفر المرء الخ ظرف لقولہ باشی وارث ملک جہاں۔ ولیس جملہ شرطیہ کما توہم] رہی یہ بات کہ اس وقت ہر دوست دشمن کیوں ہوگا۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ وہ تمہارا بت یعنی راہ حق سے مانع تھا۔ اور چونکہ تم حق سبحانہٗ کی مخلوق سے مانوس ہو گئے تھے اسلئے خالق سے روگردان ہو گئے تھے حاصل یہ ہے کہ قیامت میں دوستوں کی دشمنی کا سبب یہ ہے کہ تم دنیا میں ان سے دل لگا کر حق سبحانہٗ سے غافل ہو گئے تھے۔

پس حق سبحانہٗ تم کو دکھلائیں گے۔ کہ دیکھو! جس کے لیے تم نے ہم کو چھوڑا تھا وہ یہ ہیں [فائدہ: فظہر من ہذا المقال الیٰ ماقال بحر العلوم فی تقریرہ قولہ زاں شود

[بر دوست الخ ہو الحق و ماتوہم من ان قولہ زاں شود صلہ لقولہ عدو والاشارۃ فی قولہ زان الی الشخص المذکور فی البیت السابق منشاہ الجہل باسالیب الکلام ومحاورات اہل اللسان]

جب حالت یہ ہے کہ قیامت میں دوست دشمن ہوجائیں گے ۔ تو اگر دنیا میں تمہارے دوست تمہارے مخالف ہوجائیں ۔ اور تم سے پھر جائیں اور تم سے دشمنی کرنے لگیں تو تم کو کہنا چاہیئے کہ آج مجھے کامیابی حاصل ہوگئی کیونکہ جو کل ہونے والا تھا وہ آج ہی ہوگیا۔ اور اہلِ دنیا میرے دشمن ہوگئے ۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ پہلے ہی قیامت مجھے مشاہد ہوگئی یعنی قبل اسکے کہ میں اپنا زمانہ گزار دوں اور ان کے ساتھ رہ کر اپنی عمر ختم کردوں ۔ میں نے عیب دار سامان خریدا تھا ۔ پس شکر ہے کہ سویرے ہی اس کا عیب معلوم ہوگیا یعنی قبل اسکے کہ میرا سرمایہ عمر میرے ہاتھ سے جاتا رہتا ۔ اور آخر میں وہ عیب دار ثابت ہوتا ۔ اور میرا مال جاچکتا ۔ عمر برباد ہوجاتی ۔ اور میں مال اور جان دونوں ایک عیب دار سامان کے لیے دے چکتا ۔ میں نے کھرا مال دیکر کھوٹا سونا خریدا تھا اور خوش خوش گھر جارہا تھا تو شکر ہے کہ یہ سونا ابھی کھوٹا ثابت ہوگیا ۔ یعنی قبل اسکے کہ زیادہ عمر گذر جاتی اور کھوٹا سونا ہمیشہ میرے گلے کا ہار رہتا ۔ اور اس وقت مجھے اپنی عمر ضائع کرنے پر افسوس تھا ۔ اب چونکہ اس کا کھوٹا پن سویرے ہی ظاہر ہوگیا ۔ تو میں جلد سے جلد اس سے علیحدگی اختیار کرتا ہوں ۔ دیکھو ! ہم پھر کہتے ہیں کہ جب تمہارا کوئی دوست تم سے دشمنی پیدا کرے اور اس کا حملہ اور کینہ اور حسد ظاہر ہو ۔ تو تم اسکی بے رُخی سے رونا ، پیٹنا مت اور اپنے کو احمق اور بے وقوف نہ بنانا ۔ بلکہ خدا کا شکر کرنا ۔ اور شکرانہ میں روٹیاں تقسیم کرنا کہ تم اسکے ہی پھندے میں بڈھے نہ ہوگئے اور اسکے پھندے سے جلد نکل آئے ۔ تاکہ تم اس سے نکل کر سچے اور ہمیشہ رہنے والے دوست کو تلاش کرو ۔ وہ نازنین یار جس کی دوستی کا علاقہ ہمیشہ رہے اور موت سے بھی نہ ٹوٹے ۔ بلکہ موت کے بعد اور مضبوط ہوجائے کون ہے وہ یا تو حق سبحانہٗ ہیں یا اہل اللہ ۔

پس تم ان کو دوست بناؤ۔ شکر ہے کہ تم مکار، فریبی دغاباز دوست کے پنجے سے چھوٹ گئے اور اس کا فریب تم کو موت سے پہلے ہی معلوم ہوگیا۔ دیکھو! دنیا میں مخلوق کی تمہارے ساتھ دشمنی اگر تم غور کرو تو تمہارے لیے ایک مخفی خزانہ ہے کیونکہ حق سبحانہٗ لوگوں کو تمہارا دشمن اسلئے کرتے ہیں کہ تم سب سے مایوس ہوکر مجبوراً حق سبحانہٗ کی طرف متوجہ ہو جاؤ۔ اس سے بڑی دولت کیا ہوسکتی ہے۔

پس ثابت ہُوا کہ مخلوق کی دشمنی اشرفیوں کا مخفی خزانہ ہے جو قابل قدر ہے نہ کہ قابلِ وحشت۔ یہ امر تم یقینی طور پر جان لو۔ کہ آخر میں تمام دوست دشمن ہو جائیں گے اور قبر میں باآہ وزاری تنہا رہ جاؤ گے اور خدا سے ملتجی ہوگے کہ اے وہ ذات جس کی سختی وفاداراں کے وفائے عہد سے بہتر ہے اور اہل اللہ کا وفائے عہد جسکو عطا ہے تو مجھے قبر میں تنہا نہ چھوڑو اور میرا ساتھی ہوجا۔ پس اے دولت مند غلہ والے تو اپنا غلہ خدا کی زمین کے حوالہ کردے۔ اور جو کچھ بھی تو خرچ کرے خدا کے لیے کر۔ تاکہ نہ تجھے چوروں کا کھٹکا رہے اور نہ سُرسُریوں کا۔ اور تو بڑے شیطان اور چھوٹے شیطان یعنی نفس دونوں کو جلد ماردے جو کہ تجھے آخرت کی کھیتی سے مانع ہیں کیونکہ وہ تجھے ہر وقت فقر وفاقہ سے ڈراتے ہیں۔ پس تو اے چرغ نر اس چکور کا شکار کر۔ کیونکہ ایک غالب اور بامقصد بادشاہ کے باز کے لیے بڑی شرم کی بات ہے کہ چکور اس کا شکار کرے۔

خلاصہ یہ کہ تو شیطان اور نفس کو مغلوب کر اور ان سے مغلوب نہ ہو کیونکہ تو حق سُبحانہٗ کا باز ہے اور نفس و شیطان چکور ایسی حالت میں تیرا ان سے مغلوب ہوجانا تیرے لئے بڑی شرم کی بات ہے۔

خیر! یہ مضمون ارشادی تو ختم ہُوا ـــــ اب سُنو! کہ اس بزرگ نے اپنی اولاد کو بہت کچھ نصیحت کی لیکن چونکہ ان کی طبیعت ناقابل تھی اور وہ اپنی استعداد کو خراب کرچکے تھے اس لیے ان کو کچھ بھی فائدہ نہ ہُوا ـــــ اب مولانا پھر مضمون ارشادی بیان

فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ناصح ہزار چاہے مگر کچھ بھی فائدہ نہیں ہوسکتا۔ تاوقتیکہ مستمع کا مقصود قبول نصیحت نہ ہو۔ اسلئے کہ نصیحت کے لیے اس کی ضرورت ہے کہ آدمی اس کو بگوش قبول سے ورنہ اگر سمع قبول نہ ہوگا۔ تم ہزار مہربانی سے نصیحت کرو وہ تمہاری ایک بات نہ سُنے گا۔ ایک تم کیا اگر سو بھی ہُوں تو بھی کچھ فائدہ نہیں کیونکہ ایک نہ ماننے والا شخص اپنی مخالفت اور انکار سے آپکے سَو ناصحوں کو عاجز کر دیتا ہے۔ تم غور کرو کہ انبیاء سے زیادہ ناصح اور خوش گفتار کوئی کب ہوسکتا ہے۔ کیونکہ ان کا کلام پتھر دل تک میں اثر کر گیا ہے لیکن آپکی جس گفت گو کو سنکر پہاڑ اور پتھر کام کرنے لگے۔

اُس سے بدنصیب آدمی کی بیڑی نہ ٹوٹی۔ اور اسکی کام نہ کیا۔ اور وہ دل جو خودی میں گرفتار تھے اس کی نسبت حق سبحانہٗ نے یہی فرمایا کہ وہ تو پتھر سے بھی زیادہ سخت ہیں ایسے قلوب کا علاج کچھ نہیں۔ بجز اس کے کہ حق سُبحانہٗ اپنی قدرت کاملہ سے اُنکی حالت بدل دیں اور ان پر ہدایت کا افاضہ فرمادیں۔ کیونکہ ناصحین کے نصیحت کی تاثیر کے لئے تو علاوہ امکان ذاتی کے ایک اور خاص استعداد کی ہی ضرورت ہے۔ مگر خدا کے دین کے لئے بجز امکان ذاتی کے اور کسی قابلیت کی ضرورت نہیں۔ بلکہ باستثناءِ امکانِ ذاتی پر قابلیت کے لیے خدا کا دین شرط ہے۔ اور جو قابلیت بھی کسی میں ہے وہ حق سبحانہٗ کی بخشی ہوئی ہے۔ اگر وہ عطا نہ کرتا۔ تو قابلیت ہی نہ ہوسکتی لہٰذا عطائے حق اصل ہے اور قابلیت اسکی تابع۔

دیکھو موسیٰ علیہ السلام کی لاٹھی کا اژدھا بن جانا اور اسکی ہاتھ کا آفتاب کی طرح چمکنا۔ ان کے علاوہ انبیاء کے اور لاکھوں معجزات جو ہمارے فہم اور عقل سے بالاتر ہیں۔ وہ اسباب سے پیدا نہیں ہوتے۔ بلکہ وہ محض حق سُبحانہٗ کا تصرف ہیں کیونکہ وہ معدوم تھے اور جب وہی نہ تھے تو ان میں قابلیت کا ہونا چہ معنی دارد۔ پس اگر قابلیت خاصہ فعل حق کے لئے شرط ہوتی تو کوئی معدوم موجود ہی نہ ہوسکتا اسلئے

کہ قابلیت عرض ہے جس کا وجود تابع ہے وجود موضوع کے۔ پس جبکہ موضوع ہی کا وجود نہ ہوگا تو عرض کا وجود کیونکر ہوگا۔

پس ثابت ہوا کہ فعل حق سبحانہٗ کے لئے قابلیت شرط نہیں ہے ہاں اس نے اپنے اختیار سے اس نیلگوں پردہ یعنی آسمان کے نیچے طالبین کے لئے ایک قاعدہ مقرر کر دیا ہے اور اسباب اور طریق مقرر کر دیئے ہیں۔ تاکہ طالبین ان طریقوں سے اپنے مطالب کو طلب کریں لہٰذا اکثر احوال تو ...... تو اس مقررہ قانون کے مطابق ہی ہوتے ہیں۔ مگر کبھی کبھی قدرت الٰہیہ دفع توہم وغیرہ کے لیے اس قانون کو توڑ بھی دیتی ہے۔ اور گو اس نے ایک مزیدار......... قانون مقرر کیا ہے مگر کسی مصلحت کی بنا پر معجزہ اس قانون ..... کو توڑ بھی دیتا ہے۔

اس بنا پر ہم کہتے ہیں کہ اگر عزت وغیرہ ہم کو عادۃً بلاسبب نہیں مل سکتی تو اس کے یہ معنی نہیں کہ خدا کو قدرت ہی نہیں ہے اس پر کہ وہ سبب کو درمیان سے ہٹا دے اور بے سبب کے ہم کو ہمارے مطالب عطا فرمائے بلکہ وہ اس پر قادر ہے اور جب چاہتا ہے ایسا کرتا بھی ہے پس اے محبوس سبب تو اسباب سے باہر نہ جا۔ اور اسباب کو نہ چھوڑ لیکن خدا کو سلطان معزول بھی نہ سمجھ۔ اور یہ خیال نہ کر۔ کہ وہ ایک قانون مقرر کر چکا۔ اب اسکے توڑنے پر اُسے قدرت نہیں ہے۔ [جیسا کہ آجکل کے مادہ پرست وروشن خیال گمان کرتے ہیں] کیونکہ وہ موجد سبب جو چاہے کر سکتا ہے۔ اور اس کی قُدرت کاملہ اسباب کو توڑ پھوڑ سکتی ہے۔ ہاں اکثریتی حالت یہ ہے کہ اسکی احکام اسباب کی بنا پر نافذ ہوتے ہیں۔ اور مقصود یہ ہے کہ طالبین اپنے مقاصد کو طلب کر سکیں۔ کیونکہ اگر سبب نہ ہوگا تو طالب اپنے مطلوب کے حاصل کرنے کے لئے کون سا طریق تلاش کریگا۔ کوئی بھی نہیں کیونکہ اس وقت اس کا کوئی طریق ہی نہ ہوگا۔ لہٰذا رستہ میں سبب ظاہر ہوتا ہے۔ تاکہ وہ تبلائے کہ اسکی تحصیل کا یہ طریق ہے اور یہ اسباب نظروں

کے لیے حجاب ہیں۔ کیونکہ ہر شخص حق سبحانہٗ کے فعل کو بلا توسط دیکھنے کے لائق نہیں اس لیے کہ اس کے لیے ضرورت ہے نظرِ ثاقب کی۔ جو کہ پردوں کو اکھاڑ پھینکے اور لامکان میں حق سبحانہٗ کو تصرّف کرتے دیکھے اور کوشش اور اسباب اور دکان وغیرہ کو لغو سمجھے۔ اور یہ بات ہر ایک کے اندر نہ تھی لہٰذا ہر ایک اس کے فعل کو بلا توسط سبب دیکھنے کے قابل نہ تھا ——— حاصل یہ ہے کہ ہر بھلائی اور بُرائی فی الحقیقت حق سبحانہٗ کی طرف سے پہنچتی ہے اور اسباب و سائط صرف ایسے ہیں جیسے راستہ میں کوئی خیال بندھ جائے۔ جو کہ فی الحقیقت کوئی چیز نہیں مگر آدمی سمجھتا ہے کہ فلاں شے ہے اور اس سے مقصود یہ ہے کہ آدمی ایک وقتِ خاص تک غفلت کے چکّر میں رہے تاکہ امتحان متحقق ہو سکے۔

دَر ابتدائے خِلقتِ جسمِ آدم علیہ السّلام کہ جبرئیل علیہ السّلام [نمبر]

حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش کی ابتدا میں حضرت جبرئیل علیہ السلام کو اشارہ

را اشارت کرد کہ بَرو از زمین مُشتِ خاک برگیر و بَروایتے از

کیا کر جا، زمین کی مٹی سے ایک مٹھی لے لے اور ایک روایت کے مطابق ہر

ہر نواحی مُشتِ خاک برگیر

کہ ہر جانب سے مٹی کی مٹھی اٹھا لے

چونکہ صَانع خواست ایجادِ بشر
جب بنانے والے نے انسان کی پیدائش چاہی

از برائے اِبتلائے خیر و شر
خیر اور شر میں آزمانے کے لئے

جبرئیلِ صدق را فرمود رَو
جبرئیلِ امین سے فرمایا، جا

مُشتِ خاکے از زمین بستاں گرو
ایک مُٹھی مٹی زمین سے قبضہ میں لے لے

اُو میاں بست و بیامد بر زمیں
وہ کمربستہ ہوئے اور زمین پر آئے

تا گذارد اَمرِ ربّ العالمیں
تاکہ ربُّ العالمین کے حکم کو انجام دیں

دَست سُوئے خاک بُرد آں مُؤتمر [نمبر]
اُس فرمانبردار نے زمین کی جانب ہاتھ بڑھایا

خاک خود را در کشید و شد حَذِر
زمین نے اپنے آپ کو ہٹایا اور ڈری

[نمبر] دَر ابتدا: جس وقت حضرت آدمؑ کا پتلا بنایا جانے کا ارادہ تعالیٰ نے حضرت جبرئیلؑ کو حکم دیا کہ زمین سے ایک مشتِ مٹی لے آؤ اور ایک روایت میں یہ ہے کہ زمین کے ہر گوشہ سے ایک ایک مشتِ مٹی لانے کا حکم دیا تھا۔ از برائے ابتلاء۔ انسان کی تخلیق میں آزمائش کی حکمت مضمر ہے اور یہ اسی وقت ہو سکتی ہے جبکہ انسان پر کچھ زمانہ غفلت طاری رہے۔ جبرئیل صدق: یعنی صادق جبرئیلؑ۔

[نمبر] مؤتمر: فرمانبردار خنگ۔ اگر گھوڑے کا سفید رنگ مائل بہ سیاہی یا سبزی ہو تو اُس کو سبزہ خنگ کہا جاتا ہے اگر وہ خالص سفید ہے تو نقرہ خنگ کہتے ہیں۔۔۔ رخش۔ رستم کے گھوڑے کو

پس زباں بکشاد خاک و لابہ کرد
زمین نے زبان کھولی اور خوشامد کی

کز برائے حرمتِ خلاقِ فرد
کہ یکتا خلاق کی عزت کے طفیل

ترکِ من گو و برو جانم بہ بخش
مجھے چھوڑ دو اور چلے جاؤ میری جان بخشی کر دو

رُو بتاب از من عناں خنگ و رخش
گھوڑے اور سواری کی باگ میری جانب سے موڑ دو

در کشاکشہائے تکلیف و خطر
خطروں اور تکلیف کی کشمکش میں

بہرِ اللہ ہِل مرا اندر مبر
خدا کے لئے مجھے چھوڑ دو، اندر نہ لے جاؤ

بہرِ آں لطفے کہ حقت برگزید
اس کرم کے طفیل کہ اللہ (تعالیٰ) نے آپکو برگزیدہ بنایا

کرد بر تو علمِ لوحِ کُل پدید
لوحِ محفوظ کا علم آپ پر ظاہر کر دیا

تا ملائک را معلم آمدی
یہاں تک کہ آپ فرشتوں کے اُستاد بنے

دائما با حق مکلم آمدی
ہمیشہ اللہ (تعالیٰ) سے گفتگو کرنے والے بنے

ہم سفیرِ انبیاء خواہی بُدن
آپ انبیاء کے سفیر بھی بنیں گے

تو حیاتِ جانِ وحی نے بدن
آپ وحی کی جان کی زندگی ہیں نہ کہ بدن کی

بر سرافیلت فضیلت بود ازاں
حضرت اسرافیلؑ پر آپ کو اسی لئے فضیلت ہے

کو حیاتِ تن بود تو آنِ جاں
کہ وہ بدن کی زندگی ہیں آپ جان کی حیات ہیں

بانگِ صورش نشاۂ تنہا بود
اُن کے صور کی آواز جسموں کا زندہ ہونا ہے

نفخِ تو نشوِ دلِ یکتا بود
آپ کا دم کرنا یکتا دل کا نشو و نما ہو گا

مغزِ جانِ تن حیاتِ دل بود
جسم کی جان کا مغز، دل کی زندگی ہے

پس ز دادش دادِ تو افضل بود
اُن کی عطا سے آپ کی عطا بڑھی ہوئی ہے

باز میکائیل رزقِ تن دہد
پھر حضرت میکائیلؑ جسم کا رزق دیتے ہیں

سعیِ تو رزقِ دلِ روشن دہد
آپ کی کوشش، روشن دل کو رزق دیتی ہے

اُو بدادِ کیل پُر کردست ذیل
انھوں نے پیمانہ کی عطا سے دامن بھر دیا ہے

دادِ رزقِ تو نمی گنجد بہ کیل
آپ کے رزق کی عطا پیمانہ میں نہیں سماتی ہے

ہم ز عزرائیل با قہر و عطب
حضرت عزرائیلؑ قہر اور ہلاکت والے سے بھی

تو بہی چوں سبقِ رحمت بر غضب
آپ بہتر ہیں، جیسے کہ رحمت کو غضب پر سبقت ہے

حاملِ عرش ایں چہار اند و تو شاہ
یہ چاروں عرش کے حامل ہیں اور آپ بادشاہ ہیں

بہترینِ ہر چہارے زانتباہ
از روئے آگاہی چاروں سے بہتر ہیں

روزِ محشر ہشت بینی حاملانش
حشر کے دن آپ اس کے اٹھانے والے آٹھ دیکھیں گے

ہم تو باشی افضلِ ہشت آں زماں
اُس وقت آپ آٹھوں سے افضل ہونگے

نام ہے، ہر وہ گھوڑا جس کا رنگ سفید اور سرخ ہو۔

۲ در کشاکشہائے۔ چونکہ زمین کو معلوم تھا کہ اس سے حضرت آدمؑ کا پتلا بنے گا اور امتحان اور آزمائش کی کشمکش میں مبتلا ہوگا لہٰذا وہ گھبرا رہی تھی۔ لوحِ کُل لوحِ محفوظ۔ مکلم۔ حضرت جبرئیلؑ وحی لے کر آتے ہیں، قرآن کو خدا سے کلام ہوتا ہے۔

۳ ہم سفیر۔ حضرت جبرئیلؑ اللہ کا پیغام اور وحی انبیاء کے پاس لے کر آتے ہیں اور وحی روح کی حیات ہے۔ بر سرافیلت۔ حضرت اسرافیلؑ حشر میں صور پھونکیں گے تو سب مُردہ جسم زندہ ہو جائیں گے۔ نشاۃ۔ پیدائش۔ تنہا۔ اجسام۔ پس۔ حضرت جبرئیلؑ کی عطا حضرت اسرافیلؑ کی عطا سے بڑھی ہوئی ہے۔ میکائیلؑ۔ حضرت میکائیلؑ کا کام رزق کی تقسیم ہے۔

۱ عزرائیلؑ۔ اُن کا کام روح کو قبض کرنا ہے لہٰذا صفت قہر کے مظہر ہیں۔ ایں چہار۔ جبرئیلؑ، میکائیلؑ، اسرافیلؑ، عزرائیلؑ۔ معذ محشر قرآن پاک میں ہے وَيَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ يَوْمَئِذٍ ثَمَانِيَةٌ۔ اس دن تیرے رب کے عرش کو آٹھ اٹھائے ہونگے۔ وہ مٹی جو گئی تھی کہ نہ کھودے جانے کا مقصد کیا ہے۔

ہمچنیں برمی شمرد ومی گریست — بوئے میبُرد او کزاں مقصود چیست

وہ اس طرح گنا تی تھی اور روتی تھی — اُس نے بھانپ لیا تھا کہ اس سے مقصد کیا ہے

معدنِ شرم و حیا بُد جبرئیلؑ[1] — بست آں سوگندہا بروے سبیل

(حضرت) جبرئیلؑ شرم اور حیا کی کان تھے — اُن قسموں نے اُن کا راستہ روک دیا

بسکہ لابہ کرد ش و سوگند داد — بازگشت و گفت یارب العباد

زمین نے، اُن کی بہت خوشامدیں کیں اور قسم دی — وہ واپس ہوگئے اور عرض کیا' یارب العباد

کہ نبودم من بکارت سرسری — لیک ازانچہ رفت تو داناتری

میں تیرے کام میں سست نہ تھا — لیکن جو ہوا تو اُس کو خوب جانتا ہے

گفت[2] نامے کہ ز ہولش اے بصیر — ہفت گردوں بازماند از مسیر

اے بصیر! اُس نے آپ کا وہ نام لیا جس کے رعب سے — ساتوں آسمان گردش سے رُک جائیں

چوں بنامِ تو مرا سوگند داد — رحمتت عام ست و احسان و ودا

جب اس نے مجھے تیرے نام کی قسم دی — تیری رحمت اور احسان اور محبت عام ہے

شرمم آمد گشتم از نامت خجل — ورنہ آسان ست نقلِ مشتِ گِل

مجھے شرم آگئی' میں تیرے نام کی وجہ سے شرمندہ ہوگیا — ورنہ ایک مُٹھی مٹی کا منتقل کرنا آسان ہے

کہ تو زورے دادۂ املاک را — کہ بدرّانند ایں افلاک را

کیونکہ تونے فرشتوں کو وہ طاقت عطا کی ہے — کہ وہ ان آسمانوں کو چاک کردیں

مُشتِ خاکے را چہ قدر و قوتست — بر گرفتن لیک غالب رحمت ست

ایک مُٹھی مٹی کا کیا رتبہ اور طاقت ہے — لینے میں، لیکن رحمت غالب

[1] معدن۔ چونکہ حضرت جبرئیلؑ شرم و حیا کی کان ہیں وہ قسموں کی وجہ سے مٹی اُٹھانے سے رُک گئے بسکہ۔ جب زمین نے بہت خوشامد کی وہ دربار حق میں حاضر ہوئے اور عرض کیا میں نے تعمیل حکم میں سستی نہیں برتی لیکن جو کچھ واقعہ ہے وہ تیرے علم میں ہے۔

[2] گفت۔ حضرت جبرئیلؑ نے عرض کیا کہ اُس زمین نے آپ کے اُس نام کا واسطہ دیا جس کی ہول سے آسمان کی گردش رُک جاتے تو مجھے شرم آگئی اور زمین سے مٹی نہ لے سکا ورنہ تو نے مجھے وہ قوت عطا کی ہے کہ زمین تو کیا چیز ہے میں آسمانوں کو چاک کرڈالوں۔

شرح

مقصود مولانا کا اس قصہ سے اس سوال و جواب کا بیان ہے جو آخر میں حضرت عزرائیلؑ اور حق سبحانہٗ کے درمیان ہوئے ہیں اور انہی سوالات و جوابات کا مضمون وجہ ربط بماسبق ہے جب کہ یہ فائدہ ضروری معلوم ہوچکا۔ تو اب حلِ کتاب سُنو جبکہ صانع عالم نے بھلوں اور بُروں کی آزمائش کے لئے انسان کو پیدا کرنا چاہا تو اپنے مخلص فرشتہ جبریل علیہ السلام کو حکم دیا کہ جاؤ زمین سے مُٹھی بھر مٹّی ایک خاص وقت کے لیے لاؤ۔ وہ امتثال امر پہ کمربستہ ہوئے اور زمین پر آئے تاکہ حکم خداوندی

کی تعمیل کریں ۔ پس اس فرماں بردار فرشتہ نے زمین کی طرف مٹی لینے کے لیئے ہاتھ بڑھایا - اس پر زمین نے مٹی دینے سے پہلو تہی کی اور ڈر گئی اور یوں گفتگو اور خوشامد شروع کی ۔کہ وحدہٗ لاشریک پیدا کرنے والے کی عزت کے لیے مجھے معاف کریں اور یہاں سے تشریف لے جائیں اور میری جان بخشی کریں - آپ تشریف لے جاویں اور اپنے .. گھوڑے کی باگ میری طرف سے موڑ دیں - یعنی یہاں سے چلے جائیں اور برائے خدا آپ مجھے چھوڑ دیں اور اس عنایت کے لیۓ جس سے حق سبحانہٗ نے تمکو برگزیدہ اور مقبول بنایا ہے - اور تم پر لوح عالم کا علم روشن کیا ہے حتیٰ کہ آپ فرشتوں کے معلم ہوگئے ہیں - اور حق سبحانہٗ ہمیشہ سے ہمکلام ہوتے ہیں - اور انبیاء کے پاس حق سبحانہٗ کے سفیر ہوکر جایا کریں گے - آپ مجھے تکلیف اوامر و نواہی اور خطر کی کشائش میں نہ ڈالیں یعنی مجھے انسان بننے کے لیے نہ لے جائیں جو کہ اس کشاکش میں مبتلا ہوگا - آپ روح کی جنت کا ذریعہ ہیں جو کہ محل وحی ہے نہ کہ حیات جسم کا - اور اسی لیے آپ کو اسرافیل پر فضیلت ہے کہ وہ حیات جسم کا ذریعہ ہیں اور آپ حیات روح کا اور ان کی صور سے اجسام مست ہوں گے اور آپ کا نفخ دلوں ... کو مست کریگا - اور حیاتِ جسمانی کا مغز حیات دل ہے اسلئے آپ کی عطا ان کی عطا سے بڑھی ہوئی ہے - یہ آپکے اسرافیل پر فضیلت کا بیان ہے - اب میکائیل پر تفضیل کی وجہ سُنئے - میکائیل غذائے جسمانی عطا فرماتے ہیں اور قلوب صافیہ کو غذا دیتے ہیں اور وہ تو اسی عطا سے لوگوں کا دامن بھرتے ہیں جو پیمانہ میں نہیں سماتے ہیں - اور آپ کی عطا رزق کے پیمانہ میں نہیں سما سکتی ــــــ عزرائیل قاہر و مہلک سے بھی آپ فائق ہیں اور یوں فائق ہیں جیسے رحمتِ حق قہر حق پر۔

الحاصل یہ چار فرشتے ہیں جو عرش خداوندی کو تھامے ہوئے ہیں - سو آپ اپنے تیقظ سے چاروں میں افضل ہیں - اور قیامت میں آٹھ فرشتے عرش بردار ہوں گے - اور آپ ان سب میں افضل ہوں گے - [فائدہ: اس مقام پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ مولانا

کے کلام سے مفہوم ہوتا ہے کہ جبرائیل و میکائیل و اسرافیل و عزرائیل حاملانِ عرش ہیں۔ حالانکہ ایسا نہیں۔ سو اس کا جواب یہ ہے کہ غالباً مولانا کو کوئی روایت ملی ہے جس کی بنا پر آپ نے ان کو حاملانِ عرش فرمایا ہے واللہ اعلم! یہ جواب کس وقت ہے جبکہ عرش سے مراد عرش معروف مراد لیا جائے جیسا کہ مولانا کا ظاہر کلام اس کو مقتضی ہے لیکن اگر عرش سے ملک حق سبحانہٗ اور حمل سے تدبیر.... تصرف مراد لیا جائے۔ جیسا کہ ولی محمد اور مولانا بحر العلوم نے کہا ہے۔ تو اس پر یہ شبہ نہ ہوگا۔ لیکن ظاہر کلامِ مولانا اس توجیہ سے آبی ہے

چونکہ وہ تقریر عوام کی فہم سے بالاتر ہے اسلئے ہم نے اسکو ذکر نہیں کیا من شاء فلیرجع الیٰ حواشیھما]

الحاصل زمین جبرائیل علیہ السلام کی ایک ایک صفت گنتی تھی اور روتی تھی۔ کیونکہ اُسے معلوم تھا کہ اس سے مقصود کیا ہے اور وہ باعلامِ حق سبحانہٗ جانتی تھی کہ اُس سے انسان بنایا جائے گا۔ پھر اس کو مکلف کیا جائے گا اُس کے بعد عاصیوں کو سزا اور مطیعوں کو جزا دی جائے گی۔ یہ تو زمین کی حالت کا بیان تھا۔ اب سُنو! کہ جبریل علیہ السلام نے کیا کہا۔ سو چونکہ وہ معدن شرم و حیا تھے اسلئے ان کو شرم آئی کہ حق سبحانہٗ کا واسطہ دینے اور حق سُبحانہٗ کی قسمیں دینے پر بھی اس سے مٹی لے لی جائے۔ اور ان قسموں نے ان کے لیے مٹی لینے کی راہ کو مسدود کر دیا۔ اور چونکہ اسنے بہت سی خوشامدیں کیں اور بہت سی قسمیں دیں۔ اور چونکہ وہ سمجھتے تھے کہ اسی وقت اور میرے ہی ہاتھ سے اس کام کا ہونا ضروری نہیں ہے۔ اس لیے تا حکم ثانی مٹی کا لینا ملتوی کر دیا۔ اور عرض حال کے لیے حق سبحانہٗ کی طرف لوٹ گئے اور جا کر عرض کیا کہ اے اللہ! میں آپ کے کام میں کوتاہی کرنے والا نہ تھا لیکن جو واقعہ پیش آیا ہے اس سے آپ بخوبی واقف ہیں اُس نے وہ نام لیا جس کی ہیبت سے ہفت آسمان بھی گردش سے رُک جائیں۔ اسلئے میں مٹی لینے سے رُک گیا۔ اور چونکہ اُس نے مجھے آپ کے نام کی قسم دی تو مجھے شرم آئی اور میں آپ کے نام سے شرمندہ ہوگیا۔ کیونکہ میں جانتا تھا کہ آپ کی رحمت اور احسان اور محبت

تمام ہے۔ اسلئے کچھ بعید نہیں کہ آپ اپنے اس حکم کو منسوخ فرمادیں۔ بنا برین میں نے مٹی کا لینا سردست ملتوی کیا اور عرض حال کے لئے حضور میں حاضر ہوا ورنہ مٹھی بھر مٹی کا لے آنا بہت معمولی کام تھا کیونکہ آپ نے تو فرشتوں کو وہ قوت عطا فرمائی ہے کہ آسمانوں کو پارہ پارہ کردیں پھر مٹھی بھر خاک کیا چیز ہے اور اسکی کیا طاقت ہے کہ وہ رک جاتے اور نہ آتے۔ لیکن مٹی لینے پر جو کہ قہر تھا۔ بوجود مذکورہ رحم غالب ہوا۔ اسلئے تا حکم ثانی مٹی کا لینا ملتوی کیا۔

اب حکم ثانی کا منتظر ہوں یا یوں کہا جائے کہ چونکہ آپ میں صفت رحم غالب ہے

اس پر نسخ حکم کا احتمال غالب ہوا۔ اور میں نے مٹی لینا حکم ثانی تک ملتوی کردیا پھر جبکہ جبرئیل علیہ السلام سے اس قدر شفقت .... کا ظہور ہوا۔ تو حق سبحانہ نے ...... اس خدمت کو ان سے واپس کر اس کو میکائیل کے سپرد کیا جس کا بیان اشعار آئندہ میں آتا ہے۔

فرستادن میکائیل علیہ السلام را بقبض قبضۂ خاک از زمین

حضرت میکائیل کو بھیجنا زمین کی مٹی کی ایک مٹھی لینے کے لئے انسانوں

جہت ترکیب و ترتیب جسم مبارک ابو البشر خلیفۃ الحق

کے باپ کے مبارک جسم کی ترتیب اور ترکیب کے لئے جو اللہ تعالیٰ

مسجود الملائکۃ و معلمہم حضرت آدم علیٰ نبینا و علیہ

کے خلیفہ اور فرشتوں کے مسجود اور ان کے استاد حضرت آدم علیٰ نبینا و علیہ

الصلوٰۃ والسلام

الصلوٰۃ والسلام ہیں

لہ گفت۔ حضرت جبرئیل کے بعد حضرت میکائیل کو حکم ہوا کہ تم جا کر زمین کی مٹی لے آؤ جب میکائیل زمین کے پاس پہنچے تو وہ لرزنے لگی اور ان کی خوشامد کرنے لگی اور زور دے کر قسمیں دینے لگی۔

گفت میکائیل را رو تو بزیر   مشت خاکے در ربا از وے دلیر

حضرت میکائیل سے فرمایا تو نیچے جا   اے بہادر! اس سے ایک مٹھی مٹی اڑا لا

چونکہ میکائیل شد تا خاکدان   دست کرد او تا کہ برباید ازان

جب حضرت میکائیل زمین پر پہنچے   ہاتھ بڑھایا، تاکہ اس میں سے لے لیں

خاک لرزید و در آمد در گریز ۔۔۔ گشت اُو لابہ کُنان و اشک ریز
زمین کانپی اور اُس نے گریز کیا ۔۔۔ وہ خوشامد کرنے لگی اور اُس نے آنسو بہائے

سینہ سُوزاں لابہ کرد و اجتہاد ۔۔۔ با سرشکِ خونیش سوگند داد
جلے دل سے اُس نے خوشامد اور کوشش کی ۔۔۔ خون کے آنسوؤں کے ساتھ اُن کو قسم دی

کہ [۵۲] بہ یزدانِ لطیفِ بے ندید ۔۔۔ کہ بکردت حاملِ عرشِ مجید
کہ بے مثال، مہربان خدا کے واسطے ۔۔۔ جس نے آپ کو عرشِ مجید کا اُٹھانے والا بنایا ہے

کیلِ ارزاقِ جہاں را مشرفی ۔۔۔ تشنگانِ فضل را تو مغرفی
آپ جہان کے رزقوں کے پیمانہ کے نگران ہیں ۔۔۔ (اللہ کے) فضل کے پیاسوں کو آپ چلو بھر کر دینے والے ہیں

زانکہ میکائیلؑ از کیل اشتقاق ۔۔۔ دارد و کیّال شُد در ارتزاق
کیونکہ میکائیلؑ کیل سے مشتق ۔۔۔ ہے اور وہ رزق حاصل کرنے میں پیمانے سے ناپ کر دینے والا ہے

کہ امانم دہ مرا آزاد کن ۔۔۔ بیں کہ خوں آلودہ میگویم سخن
مجھے امن دیجیے، مجھے آزاد کر دیجیے ۔۔۔ دیکھ لیجیے، کہ خون سے آلودہ ہو کر میں بات کر رہی ہوں

معدنِ [۵۳] رحمِ اِلٰہ آمد مَلَک ۔۔۔ گفت چوں ریزم بر آں ریش ایں نمک
فرشتہ اللہ (تعالیٰ) کی رحمت کی کان ہوتا ہے ۔۔۔ (اسلئے میکائیلؑ نے) کہا کہ میں اس زخم پر یہ نمک کیسے (چھڑکوں)

ہم چناں کہ معدنِ قہر ست دیو ۔۔۔ کہ بر آورد از بنی آدمؑ غریو
جس طرح شیطان قہر کی کان ہے ۔۔۔ جس نے بنی آدمؑ میں شور برپا کر دیا ہے

سَبقِ رحمت بر غضب ہست اے فتا ۔۔۔ لُطف غالب بُود در وصفِ خدا
اے نوجوان: رحمت غضب سے آگے ہے ۔۔۔ خدا کی صفات میں مہربانی غالب تھی

بندگاں [۵۴] دارند لابد خُوی اُو ۔۔۔ مشکہا شاں پُر ز آبِ جُوی اُو
بندے لامحالہ اُس کی عادت رکھتے ہیں ۔۔۔ اُن کی مشکیں اُس کی نہر سے پُر ہیں

آں رسولِ حق قلاوزِ سلوک ۔۔۔ گفت اَلنَّاسُ عَلٰی دِیْنِ الْمُلُوْک
اللہ کے رسولؐ سلوک کے راہنما ۔۔۔ نے فرمایا، لوگ بادشاہوں کے دین پر ہیں

رفت [۵۵] میکائیلؑ سُوی ربِّ دیں ۔۔۔ خالی از مقصود دست و آستیں
(حضرت) میکائیلؑ دین کے رب کی جانب چلے گئے ۔۔۔ ہاتھ اور آستین مقصود سے خالی تھا

گفت اے دانای سِرّ و شاہِ دیں ۔۔۔ کرد خاک لابہ گر نوحہ و آئیں
عرض کیا اے راز کے جاننے والے اور دین کے شاہ! ۔۔۔ خوشامدی زمین نے آہ و بکا شروع کر دی

خاکم از زاری و نوحہ پست کرد ۔۔۔ گریۂ بسیار کرد آں رُوی زرد
زمین نے عاجزی اور رونے کے ذریعہ مجھے زیر کر دیا ۔۔۔ وہ زرد رُو بہت روئی

آبِ دیدہ پیشِ تو با قدر بُود ۔۔۔ من نتانستم کہ آرم ناشنُود
تیرے سامنے آنسو باعزت تھے ۔۔۔ میں اَن سُنی نہ بنا سکا

[۵۲] کہ بہ یزداں: حضرت میکائیلؑ رزقوں کی تقسیم کرتے ہیں مشرف: نگراں مغرف: چلو بھرنے والا۔ زانکہ: مولاناؒ نے میکائیل کو کیل سے مشتق قرار دیا ہے حقیقتاً یہ عربی لفظ نہیں ہے بلکہ عبرانی لفظ ہے کیل عربی لفظ ہے اس سے یہ نہیں بنا ہے۔

[۵۳] معدن: فرشتوں کی فطرت رحم کرنا اور شیطان کی فطرت ظلم کرنا ہے۔ خدا کی صفتِ رحمت صفتِ غضب پر غالب ہے۔

[۵۴] بندگاں: جو اللہ کے خاص بندے ہیں ان میں اپنے مولیٰ کے صفات ہوتے ہیں حدیث شریف میں ہے لوگ بادشاہوں کا دین اختیار کرتے ہیں لہٰذا خدا کے نیک بندے خدائی اخلاق اختیار کرتے ہیں۔

[۵۵] رفت: زمین کے رونے دھونے پر میکائیلؑ بھی خالی ہاتھ واپس ہو گئے اور عرض کیا کہ اے اللہ تیرے دربار میں آنسوؤں کی بڑی قدر و منزلت ہے میں اس رونے کو اَن سُنا نہ بنا سکا۔

آہ[۳] وزاری پیش تو بس قدر داشت
آہ وزاری تیرے سامنے بڑی قدر رکھتی ہے

من نتانستم حقوقِ آں گذاشت
میں اُس کے حقوق کو نظر انداز نہ کرسکا

پیشِ تو بس قدر دارد چشمِ تر
پُرنم آنکھ تیرے سامنے بہت رُتبہ رکھتی ہے

من چگونہ گشتمے اِستیزہ گر
میں کیسے جھگڑالو بنتا؟

دعوتِ زاریست روزے پنج بار
ایک دن میں پانچ مرتبہ رونے کی دعوت ہے

بندہ راکہ در نماز آو بزار
بندے کو، کہ نماز میں آ اور رو

نعرۂ موذن کہ حیَّ علَی الفَلاح
موذن کا نعرہ کہ "فلاح کی جانب آ"

آں فلاح ایں زاریست و اِفتراح
وہ فلاح عاجزی اور گڑگڑانا ہے

آنکہ خواہی کز غمش خستہ کُنی
جس کو تو غم سے نڈھال کرنا چاہتا ہے

راہِ زاری بَر دلش بَستہ کُنی
اُنکے دل پر (آہ و) زاری کا راستہ بند کردیتا ہے

تا فرود آید بَلا بے دافعے
تاکہ بغیر روک، بلا نازل ہو جائے

چوں نباشد از تضرع شافعے
جبکہ (آہ و) زاری کا سفارشی نہ ہوگا

وانکہ خواہی کز بلایش واخری
اور جس کو تو بَلا سے نجات دلانا چاہتا ہے

جانِ اُورا در تضرع آوری
اُس کی جان کو (آہ و) زاری میں مبتلا کردیتا ہے

گفتہ[۱] اندر نُبے کاں اُمتاں
تونے قرآن میں کہا ہے کہ وہ اُمتیں

کہ بَر ایشاں آمد آں قہرِ گراں
جن پر بھاری قہر آیا

چوں تضرع می نہ کردند آں نفس
انھوں نے اسی وقت (آہ و) زاری کیوں نہ کی!

تا بَلا از ایشاں بگشتے باز پس
تاکہ اُن سے بَلا واپس ہوجاتی

لیک دلہا شاں چو قاسی گشتہ بُود
لیکن چونکہ اُن کے دل سخت ہو گئے تھے

آں گنہ ہاشاں عبادت می نمود
وہ گناہ اُن کو عبادت معلوم ہوتے تھے

تا نداند خویش را مُجرمِ عَنید
جب تک سرکش اپنے آپ کو مجرم نہ سمجھے

آب از چشمش کجا داند دوید
آنسو اُس کی آنکھ سے کہاں بہنا جانتا ہے؟

قصۂ یونس علیہ الصلوٰۃ والسلام دربیان آنکہ تضرع وزاری

(حضرت) یونس علیہ السلام کا قصہ۔ اس بارے میں کہ عاجزی اور زاری آسمانی بَلا کے

دافعِ بلائے آسمانی ست وحق تعالیٰ فاعلِ مختارست پس

لئے دافع ہے اور اللہ تعالےٰ فاعلِ مختار ہے تو عاجزی اور

تضرع وزاری[۲] وتعظیم پیش او مفید باشد وفلاسفہ گویند فاعل

زاری اور تعظیم اُس کے سامنے مفید ہوگی اور فلاسفہ کہتے ہیں

بطبع ست وبعلت نہ مختار پس تضرع طبع را نگرداند

کہ وہ طبعاً اور علّت کے طور پر فاعل ہے نہ کہ مختار، تو عاجزی طبیعت کو نہیں بدل سکتی

---

[۳] آہ وزاری۔ اللہ تعالےٰ کے خوف سے رونے کا ایک آنسو شہید کے خون کے قطرہ کی برابر سمجھا گیا ہے۔ دعوت پنجوقتہ اذان گویا اللہ کے دربار میں گریۂ وزاری کی دعوت ہے۔ آنکہ۔ اللہ تعالیٰ جس کو مصیبت میں مبتلا کرتا ہے اُس سے آہ وزاری کی کیفیت سلب کرلیتا ہے آہ زاری ساان کی سفارشی ہے جب سفارشی نہ ہوگا تو گرفتارِ بلا ہو جائے گا

[۱] گفتہ۔ قرآن پاک میں ہے فَلَوْلَآ اِذْ جَآءَھُمْ بَاْسُنَا تَضَرَّعُوْا وَلٰکِنْ قَسَتْ قُلُوْبُھُمْ۔ جبکہ ہمارا عذاب اُن کو پہنچا تھا اُنھوں نے گریۂ وزاری کیوں نہ کی اور لیکن اُن کے دل سخت ہو گئے تھے۔ آں گنہ۔ دل سخت ہوجانے کی وجہ سے وہ گناہ کو گناہ نہیں بلکہ عبادت سمجھتے تھے۔

[۲] زاری۔ اہلِ سنت کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے کاموں میں با اختیار ہے لہٰذا آہ وزاری سے وہ مصیبت کو ٹال دیتا ہے فلاسفہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ سے اُس کے افعال طبعی طور پر بغیر اختیار کے صادر ہوتے ہیں جس طرح کہ آگ سے جلانے کا فعل طبعی طور پر صادر ہوتا ہے لہٰذا آہ وزاری سے کوئی فائدہ نہیں ہے

قومِ یونسؑ را چو پیدا شد بلا
جب (حضرت) یونسؑ کی قوم کیلئے بلا ظاہر ہوئی

ابرِ پُر آتش جُدا شد از سما
آگ بھرا ابر آسمان سے جُدا ہوا

برق می انداخت میسوزید سنگ
بجلی گراتا تھا، پتھر کو جلاتا تھا

ابر می غرید رُخ میریخت رنگ
بادل گرج رہا تھا چہرے کا رنگ اُڑ رہا تھا

جُملہ گاں بر بامہا بُودند شب
رات کو سب بالاخانوں پر تھے

کہ پدید آمد ز بالا آں کُرب
کہ اوپر سے وہ مصیبتیں رُونما ہوگئیں

جُملگاں از بامہا زیر آمدند
بالاخانوں سے سب نیچے اُتر آئے

سر برہنہ جانبِ صحرا شُدند
ننگے سر جنگل کی طرف بھاگے

مادراں بچگاں بروں انداختند
ماؤں نے بچوں کو باہر نکال ڈالا

تا ہمہ نالہ و نفیر افراختند
حتیٰ کہ سب نے گریہ و زاری بلند کی

از نمازِ شام تا وقتِ سحر
شام کی نماز سے صبح کے وقت تک

خاک می کردند بر سر آں نفر
وہ لوگ سر پر خاک ڈالتے رہے

جُملگی آوازہا بگرفتہ شُد
سب کی آوازیں بیٹھ گئیں

رحم آمد بر سرِ آں قومِ لُد
اس جھگڑالو قوم پر رحم آگیا

بعدِ نومیدی و آہِ ناشگفت
ناامیدی اور بے صبری کی آہوں کے بعد

اندک اندک ابر واگشتن گرفت
ابر تھوڑا تھوڑا ہٹنے لگا

قصۂ یونسؑ دراز ست و عریض
حضرت یونسؑ کا قصہ لمبا اور چوڑا ہے

وقتِ خاکست و حدیثِ مُستفیض
مٹی اور مشہور قصہ کا وقت ہے

چوں تضرع را برِ حق قدرہاست
چونکہ آہ وزاری کی خدا کے یہاں بہت قدر ہے

آں بہا کانجاست زاری را کجاست
آہ وزاری کی جو قیمت وہاں ہے اور کہاں ہے؟

ہیں اُمید اکنوں میاں را چُست بند
خبردار! امید رکھو، اب کمر خوب کس لے

خیز اے گرنیدہ و دائم بخند
اے رونے والے! اٹھ اور ہمیشہ کیلئے مسکرا

با تضرع باش تا شاداں شوی
آہ وزاری کر تاکہ تو خوش رہے

گریہ کُن تا بیدہاں خنداں شوی
رو تاکہ بغیر منہ کے ہنسے

کہ برابر می نہد شاہِ مجید
کیونکہ اللہ تعالیٰ نے برابر رکھا ہے

اشک را در فضل با خونِ شہید
فضیلت میں آنسو کو شہید کے خون کے ساتھ

لابہ کرد و اشکِ چشمِ خویش راند
اس (قوم) نے خوشامد کی اور اپنی آنکھ کے آنسو بہائے

رحمت آمد واں غضب را وانشاند
رحمت آگئی اور غضب کو فرو کردیا

قومِ یونس۔ حضرت یونسؑ کی قوم رات کو بالاخانوں پر سورہی تھی اُن پر ایسا ابر آیا جو آگ برسا رہا تھا جس سے اُن کا رنگ فق ہوگیا۔ بامہا۔ بالاخانے۔ کُرب۔ مصائب یعنی آگ برسانیوالا بادل۔

بُروں۔ یعنی گھروں سے باہر۔ از نمازِ شام۔ یعنی مغرب کے وقت سے۔ لُد۔ الدّ کی جمع ہے سرکش۔ بعدِ نومیدی وہ اپنی نجات سے مایوس ہوچکے تھے لیکن اُن کی آہ و زاری سے وہ آتش فشاں ابر ہٹ گیا۔ وقتِ خاک یعنی زمین کی مٹی لینے کے قصہ کے بیان کا وقت ہے۔ حدیثِ مستفیض۔ مشہور بات۔ طویل بات۔

آں بہا۔ آہ و زاری کی جو قیمت خدا کے دربار میں لگتی ہے وہ کہیں نہیں لگتی ہے۔ دائم بخند۔ جو خدا کے دربار میں آہ و زاری کرے اُس کو دائمی مسرت میسر آجاتی ہے۔ با تضرع۔ خدا کے دربار میں رونے سے قلب کو ایک دائمی مسرت حاصل ہوتی ہے۔

کہ برابر۔ حدیث شریف ہے۔ لَیْسَ شَیْءٌ اَحَبَّ اِلَی اللّٰہِ مِنْ قَطْرَتَیْنِ قَطْرَۃِ دُمُوْعٍ مِنْ خَشْیَۃِ اللّٰہِ وَقَطْرَۃِ دَمٍ یُھْرَاقُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ۔ دو قطروں سے زیادہ اللہ کو کوئی چیز محبوب نہیں ہے ایک تو آنسوؤں کا قطرہ جو اللہ کے خوف سے بہا ہو اور ایک خون کا قطرہ جو اللہ کے راستہ میں بہایا جائے۔

شرح جب جبریل علیہ السلام سے اس خدمت کو لے لیا تو میکائیل علیہ السلام کے سپرد کیا اور کہا کہ تم نیچے جاؤ۔ اور زمین سے بہادرانہ ایک مٹھی خاک لے آؤ۔ پس جبکہ میکائیلؑ زمین پر آئے تو آپ نے ہاتھ بڑھایا تاکہ اس سے مٹی لے جائیں۔ یہ دیکھ کر زمین تھرا گئی۔ اور اس نے مٹی دینے سے پہلوتہی کی، اور خوشامد کرنے اور آنسو بہانے لگی اور اُس نے جلے دل سے خوشامد اور سعی کی اور خون رد کر قسم دی اور کہا کہ تمہیں قسم ہے اس خدائے مہربان و بے مثل کی جس نے تم کو حامل عرش مجید بنایا ہے تم ارزاق عالم کے نگران اور تشنگان فضل کے چلو بھرنے والے ہو یعنی طالبان رزق کو رزق تقسیم کرنے والے ہو۔ اب مولانا فرماتے ہیں کہ ان کے نام کا میکائیل ہونا۔ خود اس بات کا ثبوت ہے اسلئے کہ میکائیل کیل سے مشتق ہے اور وہ روزی حاصل کرنے کے باب میں کیال ہیں) تم مجھے امان دو اور اس بلا سے چھڑاؤ۔

دیکھو! میں خون آلود ہو کر گفت گو کرتی ہوں تم اس کا لحاظ کرو۔ زمین کی یہ حالت دیکھ کر میکائیل علیہ السلام نے مٹی لینا سردست ملتوی کر دیا اور کہا کہ یہ تو آپ ہی زخمی ہے اس کے زخم پر نمک کیوں چھڑکوں — اس کی وجہ یہ تھی کہ فرشتے رحمت حق سبحانہٗ کا معدن ہیں جس طرح کہ شیاطین جن کے ظلم سے لوگ چلا اٹھے ہیں قہر حق سبحانہٗ کا معدن ہیں — رہی یہ بات کہ فرشتے معدن رحمت کیوں ہیں اسکی وجہ یہ ہے کہ رحمت حق سبحانہٗ اسکے غضب سے بڑھی ہوئی ہے۔ اور وصفِ خداوندی میں لُطف غالب ہے اسلئے جو اسکے خاص بندے ہیں وہ حق سبحانہٗ ہی کی خصلت رکھتے ہیں اور انکی مشکیں ان کے آبِ جو سے پُر ہوتی ہیں۔ چنانچہ جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو کہ راہِ سلوک کے راہبر ہیں فرماتے ہیں الناسُ علیٰ دین ملوکھم یعنی لوگ اپنے بادشاہوں کے طریق پر ہوتے ہیں پس فرشتے چونکہ حق سبحانہٗ کی سلطنت کو تسلیم کر لیا ہے اور اسکے مطیع ہیں اسلئے ان میں حق سبحانہٗ ہی کی خصلت ہے اور وہ بھی معدنِ رحمت ہیں۔ برخلاف شیاطین کے کہ چونکہ وہ باغی ہیں اسلئے ان میں بجائے رحمت کے قہر غالب ہے۔

غرض میکائیل علیہ السلام نے بھی نہیں لی۔ اور خالی ہاتھ حق سبحانہٗ کی طرف

واپس ہوگئے اور جاکر کہا کہ اے عالم امور مخفیہ اور اے رب دین۔۔ خوشامد کرنے والی زمین روتی بیٹھی اور اسنے مجھے اپنے گریہ وزاری سے مٹی لینے سے روک دیا کیونکہ اسنے بہت گریہ وزاری کی اور چونکہ آنسوؤں کی آپ کے سامنے بہت قدر ہے اور میں آپکے اخلاق سے متخلق ہوں اسلئے میں اسکے گریہ کو نظرانداز نہ کرسکا۔ اور چونکہ آہ وزاری آپکے یہاں بہت باوقعت ہے اسلئے مجھ سے نہ ہوسکا کہ میں اسکے حقوق کو ضائع کردوں۔ اور جبکہ چشم تر کی آپکے یہاں بے حد قدر ہے تو بھلا میں اسکی مزاحمت کیسے کرسکتا تھا۔ پس میں بدیں خیال کہ شاید آپ اس کی گریۂ وزاری پر نظر فرماکر اپنے حکم سابق کو منسوخ فرمادیں جیساکہ آپ ایسی حالت میں کیا کرتے ہیں خالی ہاتھ واپس چلا آیا۔ اور حکم ثانی تک مٹی کا لانا ملتوی کردیا۔

یہاں سے مولانا کا مضمون شروع ہوتا ہے اور فرماتے ہیں کہ اے اللہ! آپکے نزدیک گریہ وزاری کی بہت قدر ہے جیساکہ میکائیل علیہ السلام نے فرمایا ہے چنانچہ ہر روز پانچ مرتبہ بندہ کو آب زاری کی دعوت دیتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ آؤ اور اپنی نماز میں زاری کرو۔ چنانچہ مؤذن جو پانچ وقت حی علی الفلاح کہتا ہے جسکے معنی یہ ہیں کہ آؤ رستگاری کی طرف۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ آؤ تضرع کرو۔ کیونکہ فلاح زاری اور خستگی ہی ہے اور جسکے دل کو آپ غم ابدی کے تیروں سے زخمی کرنا چاہتے ہیں اسکے دل پر آپ راہ تضرع کو بند کردیتے ہیں۔ تاکہ اس وقت جبکہ اسکے لئے تضرع شفاعت کنندہ نہ ہو۔ بلا اسکے بدوں کسی واقع کے نازل ہو۔ اور جس کو آپ بلا سے نجات دینا چاہتے ہیں اسکو تضرع عطا فرماتے ہیں۔ تاکہ اسکی برکت سے وہ بلا اسکے دفع ہوجائے

چنانچہ آپنے قرآن میں فرمایا ہے کہ جن لوگوں پر ہمارا زبردست قہر نازل ہوا تھا انہوں نے اس وقت تضرع کیوں نہ کیا کہ بلا ان سے لوٹ جاتی لیکن وہ ایسا کیوں کرتے کیونکہ اُن کے دل سخت ہوگئے تھے اور جبکہ اُن کے دل سخت ہوگئے تھے تو انکو گناہ عبادت معلوم ہوتے تھے اور جب تک کوئی شخص اپنے کو قصوروار نہ سمجھے اس وقت تک وہ رو نہیں سکتا۔ اور وہ اپنے سنگدل سے اپنے کو مجرم سمجھتے نہ تھے تو روتے

کیونکر۔ اور جبکہ وہ روئے نہیں توان سے بلا بھی دفع نہیں ہوئی لیکن اگر وہ تضرع وزاری کرتے توضرور ان سے بلا دفع ہوجاتی۔ چنانچہ جب قوم یونس علیہ السلام کے لئے بلا ظاہر ہوئی ہے اور ان کی سرکوبی کے لئے آسمان سے آگ سے بھرا ابر چلا ہے جس کی حالت یہ تھی کہ بجلی گرا کر پتھروں کو پھونک دیتا تھا۔ اور گرجتا تھا توچہروں کا رنگ اُڑجاتا تھا تو اس وقت رات کا وقت تھا اور سب لوگ کوٹھوں پر تھے پس جبکہ اوپر یہ بلا ظاہر ہوئی تو سب کوٹھوں سے اتر آئے اور ننگے سر جنگل کو چلدیئے اور عورتوں نے اپنے بچوں کو باہر لے جا ڈالا۔ اور نتیجہ یہ ہُوا کہ سب نے رونا پیٹنا شروع کیا اور مغرب کے وقت سے صبح تک اپنے سر پر خاک ڈالتے رہے اور چیختے چیختے سب کے گلے پڑگئے کہ آوازیں نہ نکلتی تھیں۔ اس پر حق سبحانہٗ کو اس جھگڑالو قوم پر رحم آیا اور ناامیدی اور بے صبرانہ آہ وزاری کے بعد رفتہ رفتہ ابر ہٹنا شروع ہوگیا اور بالآخر تمام ابر صاف ہوگیا۔

خیر! یونس علیہ السلام کا قصہ تو بہت لمبا چوڑا ہے اسکو ختم کرنا چاہیئے اور زمین کی حالت اور اس مشہور قصہ کے بیان کا وقت ہے اس کو بیان کرنا چاہیئے لیکن اتنا ضرور کہہ دینا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ جبکہ حق سبحانہٗ کے نزدیک تضرع و زاری کی بے حد قدر ہے اور جو اسکے یہاں قدر ہے وہ اور کہیں نہیں تو اے رونے والے کی اُمید! اب تو کمر مضبوط باندھلے۔ اور رحمتِ الٰہی کے لیے تیار ہوجا۔ اور اے رونے والے اُٹھ اور ہمیشہ کے لیے ہنس۔ اب تیرے لئے خندہ دائم ہے۔ مطلب ہمارا یہ ہے کہ تم تضرع کرتے رہو۔ تاکہ تمہیں خندہ ابدی حاصل ہو اور خوب روؤ۔ تاکہ تم بے منہ کے ہنسو۔ یعنی تم کو فرحت روحانی حاصل ہو اور تمہاری روح ہنسے جو کہ منہ نہیں رکھتی کیونکہ حق سبحانہٗ کے یہاں رونے کی بڑی قدر ہے اور حق سبحانہٗ آنسوؤں کو خون شہداء کے برابر فضیلت دیتے ہیں اور جوں ہی کسی نے تضرع کیا اور آنسو بہائے فوراً رحمت الٰہی آتی ہے اور قہر حق کو دبا دیتی ہے [فائدہ: محشی نے لابہ کرد کی ضمیر کو قوم یونس کی طرف راجع کیا ہے۔ مگر میرے نزدیک مناسب نہیں ہے] اس مضمون کو ختم کرکے پھر

زمین کے قصہ کی طرف عود فرماتے ہیں اور کہتے ہیں۔

فرستادن اسرافیل را علیہ السلام بخاک کہ برو و قبضہ بر گیر از

حضرت اسرافیل علیہ السلام کو زمین کی جانب بھیجنا، کہ جاؤ اور حضرت آدم

خاک بہر ترکیب جسمِ آدم علی نبیّنا و علیہ الصلوٰۃ والسلام

ہمارے نبی اور ان پر درود و سلام ہو، کے جسم کے بنانے کے لئے ایک مٹھی مٹی لے آؤ

گفت[1] اسرافیل را یزدانِ ما — کہ برو زاں خاک پُر کن کف بیا

ہمارے خدا نے (حضرت) اسرافیلؑ سے فرمایا — کہ جاؤ، اس مٹی سے مٹھی بھر دو، آجاؤ

آمد اسرافیل ہم سوئے زمیں — باز آغازید خاکستاں حنیں

(حضرت) اسرافیلؑ بھی زمین کی جانب آئے — زمین نے پھر رونا شروع کر دیا

کاے فرشتہ صور و اے بحرِ حیات — کہ ز دمہائے تو جاں یابد موات

کہ اے صور کے فرشتے! اور اے زندگی کے سمندر! — کہ آپ کے سانسوں سے مُردے زندہ ہو جاتے ہیں

در دمی در صور یک بانگِ عظیم — پُر شود محشر خلائق از رمیم

آپ صور میں ایک بڑی آواز پھونکیں گے — محشر بوسیدہ ہڈیوں کی (زندہ) مخلوق سے بھر جائیگا

در دمی[2] در صور و گوئی الصلا — بر جہید اے کشتگانِ کربلا

آپ صور میں پھونکیں گے اور کہیں گے، بلاوا ہے — اے کربلا کے شہیدو! اٹھ کھڑے ہو

اے ہلاکت دیدگاں از تیغِ مرگ — بر زنید از خاک سر چوں شاخ و برگ

اے موت کی تلوار سے ہلاک ہونے والو! — شاخ اور پتوں کی طرح زمین سے سر ابھارو

رحمتِ تو واں دمِ گیرای تو — پُر شود ایں عالم از احیای تو

آپ کی رحمت اور آپ کا وہ پُر اثر دم کرنا — یہ عالم آپ کے زندہ کرنے سے بھر جائے گا

تو فرشتہ رحمتی رحمت نما — حاملِ عرشی و قبلۂ داد ہا

آپ فرشتۂ رحمت ہیں، رحمت کو ظاہر کرنے والے ہیں — آپ عرش کے حامل اور انصاف کے قبلہ ہیں

عرش[3] معدنگاہِ داد و معدلت — چار جو در زیرِ او پُر مغفرت

عرش کا انصاف اور عدل کی کان ہے — مغفرت سے پُر چار نہریں اس کے نیچے ہیں

جوئ شیر و جوئ شہدِ جاوداں — جوئ خمر و دجلۂ آبِ رواں

دودھ کی نہر اور نہ ختم ہونے والے شہد کی نہر — شراب کی نہر اور بہتے پانی کا دجلہ

پس ز عرش اندر بہشتاں رود — در جہاں ہم چیزکے ظاہر شود

پھر وہ عرش سے جنت کے اندر پہنچتی ہیں — دنیا میں بھی کچھ ظاہر ہو جاتی رہیں

---

[1] گفت۔ جبرئیلؑ اور میکائیل علیہما السلام کے بعد اللہ تعالیٰ نے اسرافیلؑ سے کہا تم زمین کی ایک مٹھی مٹی لے آؤ۔ حنین۔ رونے کی آواز۔ فرشتۂ صور۔ حضرت اسرافیلؑ محشر میں صور پھونکیں گے جس سے سب مردے زندہ ہو جائیں گے۔ بحرِ حیات۔ حضرت اسرافیلؑ کا صور سب کو زندگی بخش دے گا۔ رمیم۔ بوسیدہ ہڈی۔

[2] در دمی۔ حضرت اسرافیلؑ کا صور پھونکنا مُردوں کو زندگی کی دعوت ہے۔ کربلا۔ موضع کربلا مراد ہے جو عراق میں ہے یا دنیا جو مصائب کی جگہ ہے۔ رحمت۔ اے اسرافیلؑ تمہارے کرم سے پورا عالم زندہ ہوگا۔ حاملِ عرش۔ حضرت اسرافیلؑ بھی عرش کو اٹھائے ہوئے ہیں۔

[3] عرش۔ عرش کے نیچے سے دودھ، شہد، شراب، پانی کی چار نہریں بہتی ہیں۔ پُر مغفرت۔ ان نہروں سے وہ سیراب ہونگے جن کی مغفرت ہو جائیگی۔ در جہاں۔ ان نہروں کے آثار دنیا میں بھی ہیں۔ تنا۔ دنیا میں ان نہروں کے آثار فانی ہیں۔ غرض۔ ان چاروں کے ایک ایک چلو سے آدمؑ کی مٹی کا خمیر بنایا۔

گرچہ آلودست اینجا آں چہار
اگرچہ وہ چاروں یہاں گدلی ہیں

از چہ از زہرِ فنائے ناگوار
کس چیز سے؟ ناگوار فنا کے زہر سے

جرعہ بر خاکِ تیرہ ریختند
انھوں نے تاریک بستی پر ایک گھونٹ بہایا

زاں چہار و فتنہ انگیختند
اُن چاروں سے، اور فتنہ بپا کر دیا۔

تا بجویند[1] اصلِ آں را ایں خساں
تاکہ یہ کمینے اس کی اصل کو تلاش کریں

خود بدیں قانع شدند ایں ناکساں
نالائق خود اس پر قناعت کر بیٹھے

شیر دادہ پرورش اطفال را
بچوں کی پرورش کے لئے دودھ دیا

چشمہ کردہ سینۂ ہر زال را
ہر عورت کے سینہ کو چشمہ بنا دیا

خمر دفعِ غصہ و اندیشہ را
شراب، غصہ اور فکر کو دور کرنے کے لئے

چشمہ کردہ از عنب در باغہا
باغوں میں انگور سے (اس کا) چشمہ جاری کر دیا

انگبیں دارو تنِ رنجور را
شہد، مریض کے جسم کے لئے دوا ہے

چشمہ کردہ باطنِ زنبور را
شہد کی مکھی کے باطن کو (اس کا) چشمہ بنا دیا

آب[2] بہرِ عام اصل و فرع را
پانی عوام کی جڑ اور شاخ کے لئے

از برای طہر و بہرِ کرع را
پاکی اور پینے کے لئے

تا ازینہا پے بری سوی اصول
تاکہ تو اِن سے اصل کا پتہ لگائے

تو بدیں قانع شدی اے بو الفضول
اے لغو! تو نے اس پر قناعت کر لی

بشنو اکنوں ماجرای خاک را
اب مٹی کا قصہ سن

کہ چہ میگوید فسوں محراک را
کہ حرکت دینے والے (اسرافیلؑ) کو کیا منتر سنا رہی ہے!

پیشِ اسرافیلؑ گشتہ او عبوس
وہ حضرت اسرافیلؑ کے سامنے ترش رو بنی

میکند صد گونہ شکلِ چاپلوس
خوشامد کی سینکڑوں قسم کی صورتیں بناتی تھی

کہ[3] بحقِ ذاتِ پاکِ ذو الجلال
کہ اللہ تعالیٰ کی پاک ذات کا واسطہ

کہ مدارا ایں قہر را بر من حلال
یہ ظلم مجھ پر جائز رکھیے

من ازیں تقلید بوی میبرم
میں اس گلے میں پھندا ڈالنے سے تاڑ رہی ہوں

بدگمانی میرود اندر سرم
میرے دماغ میں بدگمانی پیدا ہو رہی ہے

تو فرشتہ رحمتی رحمت نما
آپ رحمت کے فرشتے، رحمت کو ظاہر کرنے والے ہیں

زانکہ مرغے را نیازارد ہما
کیونکہ ہما، پرندہ کو نہیں ستاتا ہے

اے شفا و رحمتِ اصحابِ درد
اے دردمندوں کی شفا اور رحمت!

تو ہماں کن کاں دو نیکو کار کرد
آپ وہی کیجئے جو اُن دو پہلوں نے کیا

زود اسرافیلؑ باز آمد بشاہ
حضرت اسرافیلؑ فوراً شاہ کے پاس واپس آ گئے

گفت عذر و ماجرا نزدِ الٰہ
اللہ تعالیٰ سے عذر اور قصہ بیان کیا

---

[1] تا بجویند۔ یہ اس لئے کہا گیا تاکہ بنی آدمؑ ان اصل نہروں کی تلاش میں لگیں۔ شیر۔ دودھ کی نہر کا اثر ماں کے پستان میں ظاہر ہوا ہے۔ از عنب۔ انگور میں خمر کی نہر کا اثر آیا۔ زنبور۔ شہد کی مکھی شہد کی نہر کا اثر ہے۔

[2] آب۔ دنیاوی پانی میں پانی کی نہر کی اصل ہے۔ محراک۔ حرکت دینے والا یعنی اسرافیلؑ۔ عبوس۔ ترش رو۔

[3] کہ بحق۔ زمین نے چاپلوسی کی یہ صورت اختیار کی کہ حضرت اسرافیلؑ کو اللہ کی قسمیں دینے لگی۔ تقلید۔ گلے میں قلادہ ڈالنا۔ ہما۔ شریف پرندہ ہے کسی جاندار پرندہ کا شکار نہیں کرتا بلکہ سوکھی ہڈیوں پر گذارہ کرتا ہے۔ آنجا۔ یعنی زمین سے اُن کی جوابات چیت ہوئی

کژبروں[1] فرماں بدادی کہ بگیر کہ بظاہر آپ نے حکم فرمایا کہ لے لے	عکسِ آں الہام دادی در ضمیر دل میں اس کے برعکس الہام کر دیا
امر کردی در گرفتن سوی گوش تو نے کان کو لے لینے کا حکم دیا۔	نہی کردی از قساوت سوی ہوش عقل کو سختی کرنے سے منع کر دیا
رحمتِ او بیحد ست و بیکراں اس کی رحمت لاانتہا اور لامحدود ہے	او حکیم ست و کریم و مہرباں وہ دانا اور سخی اور مہربان ہے
سبقِ رحمت گشت غالب بر غضب رحمت کی سبقت غضب پر غالب ہے	اے بدیعِ افعالِ نیکو کار رب اے عجیب افعال اور اچھے کام والے خدا!

[1] کژ بروں حضرت اسرافیلؑ نے خدا سے عرض کیا بظاہر آپ کا یہ حکم ہوا کہ میں مٹی لے آؤں اور میرے دل میں آپ نے ہی یہ بات پیدا کر دی کہ میں اس کی خوشامد پر رحم کروں۔ قساوت سخت دلی۔ رحمتِ او۔ مولانا فرماتے ہیں باطنی الہام رحمت کا مظہر ہے۔

شرح

جب کہ میکائیل علیہ السلام سے بھی یہ خدمت لے لی گئی تو اسرافیل علیہ السلام کو حکم دیا کہ جاؤ اس خاک سے مٹی بھر لاؤ یہ حکم سن کر اسرافیل علیہ السلام بھی زمین کے پاس آئے جب وہ آئے تو زمین نے حسب سابق پھر رونا شروع کیا اور کہا کہ اے فرشتۂ صور! اور اے بحرِ حیات! کہ آپ کے نفخ سے مُردہ زندہ ہوتا ہے اور آپ جب صور پھونکیں گے تو باوجودیکہ ہڈیاں گلی سڑی ہوں گی۔ مگر آپ کے صور سے محشر مخلوق سے بھر جائے گا اور آپ جب صور پھونکیں گے اور کہیں گے اے کشتگانِ کربلا [یا تو مطلق دنیا مراد ہو۔ یا خاص کربلائے معروف والا اول ارجح] تم کو اعلان ہے تم اٹھو۔ تو آپ کی رحمت اور آپ کی مؤثر نفخ سے عالمِ آخرت آپ کے زندہ کئے ہوئے لوگوں سے بھر جائے گا آپ مجھ پر رحم کیجئے کیونکہ آپ فرشتۂ رحمت ہیں اور آپ حاملِ عرش و حاملِ مرجع عطایا ہیں۔

اب مولانا استطرادی طور پر فرماتے ہیں کہ عرش معدن بخشش و عدل ہے اور اس کے نیچے چار نہریں ہیں جو معرفت سے لبریز ہیں ایک دودھ کی نہر ہے دوسری شہد دائم کی۔ تیسری شراب کی۔ چوتھی آبِ جاری کی ——— یہ چاروں عرش سے نکل کر بہشت میں جاتی ہیں اور اس عالم میں بھی اپنے مظاہر ہیں ان کا کسی قدر ظہور ہے گو یہاں وہ اپنی حرافت پر باقی نہیں ہیں۔ بلکہ آلودہ ہیں کس چیز سے فنا سے .. ناخوش زہر سے۔ قضا و قدر نے ان چاروں کا چھینٹا اس مکدر خاک پر ڈال دیا۔

اور صورت امتحان پیدا کر دی ہے تاکہ لوگ ان کی اصل کو تلاش کریں اور وہ تدبیر.. کریں جس سے وہ حاصل ہو سکیں۔

مقصود تو ان کی دنیا میں ظاہر کرنے سے یہ تھا۔ مگر یہ ذلیل لوگ انہیں پر قانع ہو گئے اور انہی کو اصل سمجھ کر انہی میں منہمک ہو گئے اور پھر تم سے کہا ہے کہ ان چاروں کو دنیا میں بھی کسی قدر ظاہر فرمایا ہے۔

سو اس کی تفصیل یہ ہے کہ بچوں کی پرورش کے لیے ماؤں کو دودھ دیا ہے اور ہر اس عورت کے سینہ کو اس کا چشمہ بنایا ہے یعنی اس میں چشمہ بننے کی قابلیت رکھی ہے جو کہ اگر زندہ رہے تو بڑھیا ہو جائے [والشاذ کالمعدوم فلم یعتد بالعواقر۔ ففی قولہ زال مجاز باعتبار مایؤول الیہ الامر۔ وفی قولہ ہر مجاز ثان وفی قولہ چشمہ کردہ مجاز ثالث۔ فتدبر] اور اس نفس افکار و ہموم کے دفع کے لئے شراب عطا کی ہے یعنی اس میں ان کے دفع کرنے کی خاصیت رکھی ہے تاکہ اس سے معلوم ہو جائے کہ شراب جنت کے پینے والوں کو رنج و فکر اصلاً نہ ہوگا اور پینا تو درکنار خود جنت میں جہاں وہ جاری ہے رنج و غم کا نام نہ ہوگا اور اس کا چشمہ باغوں میں.. انگوروں کو بنایا ہے [فائدہ: یہاں یہ شبہ نہ ہونا چاہیئے کہ جب شراب کے پیدا کرنے میں یہ حکمت ہے تو پھر اس کے پینے کی ممانعت کیوں ہے اسلئے کہ اوّل تو شراب ایک عرصہ تک حلال رہی ہے اور اسکی خاصیت سے لوگ بخوبی واقف ہو گئے ہیں۔ پھر کسی شئے کی خاصیت کا معلوم ہونا اسکی اباحت استعمال پر موقوف نہیں کیونکہ عاصین بکثرت ہیں ان کے ذریعہ سے اس کی خاصیت کا علم ہو سکتا ہے پس جبکہ یہ مصلحت اسکی عدم جواز کی صورت میں بھی حاصل ہے تو اب ضرورت نہیں ہے کہ اس مصلحت کو نظر انداز کر دیا جائے جو اسکی حرمت کے لئے مقتضی ہے] اور اس نے جسم بیمار کی دوا کے لئے شہد عطا فرمایا ہے اور اس کا چشمہ باطن مگس کو قرار دیا ہے اور اس نے عام طور پر اصول و فروع کو پانی دیا ہے کہ وہ اس سے پاکی حاصل کریں۔ اور پئیں۔ اور یہ تمام اسلئے کیا ہے کہ تم ان سے ان کے اصلوں کا پتہ چلاؤ اور ان کے

حاصل کرنے کی تدبیر کرو۔ لیکن تم نے یہ بیہودگی کی کہ انہی پر قانع ہو گئے اور انہی کو مقصود سمجھ بیٹھے۔

افسوس ہے۔ خیر یہ مضمون تو استطرادی تھا اب زمین کا قصہ سنو! کہ وہ اسرافیل علیہ السلام سے کیا جادو کی باتیں کرتی ہے۔ ہاں تو۔ زمین اسرافیل علیہ السلام کے سامنے منہ بگاڑ کر سینکڑوں صورت سے خوشامد کرتی ہے اور کہتی ہے کہ خدائے ذوالجلال اور پاک کے لیے۔ تم قہر کو مجھ پر جائز نہ رکھو۔ بلکہ مجھ پر رحم کرو۔ مجھے اس کارروائی سے پتہ چلتا ہے کہ مجھے مکلف بنایا جائے گا اور اسی سے میرے دماغ میں بدگمانی پیدا ہوتی ہے۔ آپ فرشتہ رحمت ہیں آپ کا کام رحم ہے لہٰذا مجھ پر رحم فرمائیے اور مجھے نہ ستائیے کیونکہ تمھاری کسی جانور کو نہیں ستاتا۔ اور اے ارباب تکلیف کے لئے موجب شفا اور سراپا رحمت۔ آپ بھی وہی کریں جو آپکے دونکوکار بیشتروں نے کیا ہے۔

یہ سن کر اسرافیل علیہ السلام فوراً لوٹ آئے۔ اور زمین کی معذرت اور پورا واقعہ حق سبحانہٗ سے عرض کر دیا اور کہا کہ اے بدیع افعال اور نکوکار پروردگار! آپ نے ظاہر میں تو یہ حکم دیا کہ مٹی لے آؤ۔ اور میرے قلب میں القا فرمایا کہ اچھا جانے دو اور کان میں حکم دیا کہ مٹی لے آؤ۔ اور دل میں سنگدلی سے ممانعت فرمادی اور فرمادیا کہ اسکی رحمت بے حد اور بے انتہا ہے وہ حکیم اور کریم اور مہربان ہے اسکی رحمت غضب سے فائق ہو کر اس پر غالب ہو گئی ہے۔ لہٰذا میں خالی ہاتھ واپس چلا آیا [خلاصہ یہ کہ جب زمین نے گریہ وزاری کی۔ تو مجھ پر یہ خیال غالب ہوا کہ حق سبحانہٗ کریم و رحیم و رؤف ہیں وہ اس گریہ زاری کو نظر انداز نہ کریں گے۔ اور ضرور اپنے حکم کو منسوخ فرمائیں گے نیز اس کی حالت قابل رحم ہے اس پر رحم کرنا چاہیئے۔ اور سنگدلی سے کام نہ لینا چاہیئے اور چونکہ میں نفس سے منزہ اور شیطان کے تسلط سے بالاتر تھا اسلئے میں نے آپکے اس مخفی حکم کو ناسخ حکم ظاہر سمجھا۔ اور واپس لوٹ آیا۔

فرستادنِ عزرائیل علیہ السلام مَلِکُ العزم وَالحزم را بگرفتن

ارادہ کی پختگی اور پختہ کاری کے فرشتے (حضرت) عزرائیل علیہ السلام کو مٹی پر

قبضۂ خاک تا ساختہ شود جسمِ آدم علیٰ نبیّنا و علیہ الصلوٰة

بضہ لینے کے لئے بھیجنا تاکہ حضرت آدم (اُن پر اور ہمارے نبی پر درود اور سلام ہو)

والسّلام چالاک و راست کار و التفات ناکردنِ عزرائیل

کا چالاک اور درست کام کرنے والا جسم بنایا جائے اور حضرت عزرائیلؑ کا زمین

علیہ السّلام بر تضرّعِ خاک

کی آہ وزاری کی طرف دھیان نہ دینا

گفت یزداں زود عزرائیل را | کہ ببیں آں خاکِ پُر تخییل را
اللہ (تعالیٰ) نے فوراً عزرائیلؑ سے فرمایا | کہ اُس خیالات سے بھری، زمین کو دیکھ

آں ضعیفِ زالِ ظالم را بیاب | مشتِ خاکے زو بیاور ہیں شتاب
کمزور ظالم، بڑھیا کے پاس پہنچ | خبردار! جلد اُس میں سے ایک مٹھی مٹی لے آ

رفت عزرائیلؑ سرہنگِ قضا | سوئے کرۂ خاک بہرِ اقتضا
موت کے سپاہی (حضرت) عزرائیلؑ روانہ ہوگئے | تقاضہ کرنے کے لئے زمین کے کرہ کی جانب

خاک بر قانون نفیر آغاز کرد | داد سوگندش بسے سوگند خورد
مٹی نے پہلے کے مطابق چلانا شروع کر دیا | اسکو قسم دی، بہت سی قسمیں کھائیں

کاے غلامِ خاص و حمالِ عرش | اے مطاع الامر اندر عرش و فرش
اے خاص بندے اور اے عرش کے اٹھانے والے | اے فرش اور عرش کے اندر مخدوم و سردار!

رو بحقِ رحمتِ رحمٰنِ فرد | رو بحقِ آنکہ با تو لطف کرد
یکتا رحمان کی رحمت کے طفیل چلے جائیے | اُس ذات کے طفیل چلے جائیے جس نے آپ پر مہربانی کی

حقِ شاہے کہ جز او معبود نیست | پیشِ او زاریِ کس مردود نیست
اُس شاہ کے طفیل جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے | اُس کے دربار میں کسی کی (آہ و) زاری مردود نہیں ہے

حقِ حق حق کہ دست از من بدار | اے ترا از حق فضیلت بے شمار
اللہ (تعالیٰ) کے حق کے طفیل مجھ سے دستبردار ہو جائیے | اے وہ کہ آپ کے لئے اللہ (تعالیٰ) کی جانب سے بے شمار فضیلت ہے

گفت نتوانم بدیں افسوں کی من | رو بتابم زامرِ او سِرّ و علن
اُن (عزرائیلؑ) نے کہا میں اس منتر سے نہیں کر سکتا ہوں زیر | اُس کے حکم سے ظاہر و باطن میں منہ موڑوں

گفت آخر امر فرمود او بحلم | ہر دو امر اند ایں بگیر از راہِ علم
اُس نے کہا آخر اُس (اللہ تعالیٰ) نے نرمی کا بھی حکم دیا ہے | دونوں حکم ہیں از روئے علم اس حکم کو اختیار کر لیجئے

---

۲ فرستادن۔ حضرت اسرافیلؑ کے ناکام ہو جانے پر اللہ تعالیٰ نے عزرائیل کو مٹی لینے کیلئے بھیجا۔ حزم۔ پختہ ارادہ عزم پختہ کاری۔ چالاک و راست کار۔ یہ جسم کی صفت ہے۔

۳ گفت۔ اللہ تعالیٰ نے عزرائیل کو حکم دیا کہ زمین کی مٹی لاؤ۔ پُر تخییل۔ چونکہ زمین طرح طرح کے عذر کر رہی تھی۔ سرہنگ۔ سپاہی۔ اقتضا۔ وصول کرنا۔ بر قانون۔ یعنی جس طرح اس نے جبرئیلؑ وغیرہ کی خوشامد کی تھی۔ مطاع الامر۔ وہ شخص جس کا حکم مانا جائے۔

۵ رو بحق۔ زمین نے ان کو خدا اور اس کی صفات کی قسمیں دینی شروع کر دیں۔ پیش او۔ اللہ تعالیٰ آہ و زاری پر ضرور رحم فرماتا ہے۔ حق پہلا حق قسم کے معنی میں ہے دوسرا بمعنی حق حق تعالیٰ۔ افسوں۔ یعنی زمین کی باتیں۔

۶ گفت۔ زمین نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں میری مٹی لے جانے کا بھی حکم دیا ہے اور بردباری برتنے کا بھی حکم ہے لہٰذا ان میں سے بردباری کو اختیار کر لیجئے اور مجھے معاف کر دیجئے۔ گفت حضرت عزرائیلؑ نے کہا کہ امر صریح کے مقابلہ میں حلم اختیار کرنا بالکل غلط تاویل اور غلط قیاس ہے تاویل یعنی صریح حکم چھوڑ کر یعنی آنسو۔

اب مجھے جسم میں نہ لے جا۔ اور یہیں رہنے دے تاکہ میں اس باغ میں گل چھرے اڑاؤں اور اس کے جواب میں حق سبحانہٗ فرمائیں کہ اچھا تمہاری دعا ہم نے قبول فرمائی تم واپس نہ جاؤ۔ اب تم سمجھو کہ یہ سونا اسکو کس قدر اچھا معلوم ہوگا۔

یقیناً یہ سونا اسکو نہایت آرام دہ ہوگا اور ایسا ہوگا جیسے کوئی بے موت جنت میں چلا جائے۔ ایسی حالت میں کیا وہ جاگنے اور اس جسم کی خواہش کریگا جو کنوئیں میں زنجیروں میں جکڑا پڑا ہے ہرگز نہیں۔ پس یہی حالت اہل اللہ کی سمجھ لو۔ کہ موت اُن کے لیے نہایت آرام دہ ہے اور وہ کسی زندگی کی ہوس نہیں کرتے اور جسم کے چھوٹنے کا انکو بالکل ہی رنج نہیں ہوتا۔

یہاں تک مضمون تائیدی کو ختم کر کے مضمون ارشادی شروع کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ جب تجھے اہل اللہ کی حالت معلوم ہوگئی کہ وہ عقبیٰ کے طالب اور دنیا سے ہارب۔ اور عالم سفلی سے متنفر اور عالم علوی کے شائق ہیں تو آخر تم بھی تو مومن ہو۔ تم بھی مرد بنو۔ اور میدانِ کارزار میں آؤ۔ اور نفس و شیطان جو کہ تم کو دنیا ہی میں محبوس رکھنا چاہتے ہیں ان سے مقابلہ کرو اور انہیں مغلوب کر کے عالم بالا کے طالب بنو۔ کیونکہ تم اصالۃً علوی ہو اور ایک وقت میں تم عالم بالا میں رہتے تھے پس تمکو اپنے وطن اصلی کی طرف لوٹنا چاہیئے اور جو تمہیں دار الغربت میں محبوس رکھنا چاہیں انکو مغلوب کرنا چاہیئے۔ پھر اسکی صورت یہ ہے کہ اس توقع پر کہ عالم بالا کا رستہ تمہارے لیئے کھول دیا جائے تم کو نوافل میں رات بھر یوں کھڑا رہنا چاہیئے جیسے شمع محراب کے سامنے کھڑی ہوتی ہے اور فرطِ شوق عالم بالا سے تمام شب یوں جلتے رہنے اور روتے رہنا چاہیئے جیسا کہ شمع سر بریدہ کرتی ہے اور کھانے پینے سے منہ بند کر کے یعنی بکثرت روزہ رکھ کر خوانِ آسمانی (غذاءِ روحانی) کی طرف دوڑنا چاہیئے۔ اور عالم بالا کے شوق میں بید کی طرح جھومتے ہوئے آسمان سے غذائے روحانی کا منتظر رہنا چاہیئے اگر تم ایسا کرو گے تو تم پر عالم بالا کا رستہ کھل جائے گا اور تم بہ سیر روحانی معنوی عالم بالا پر پہنچ جاؤ گے۔

شاید تم خیال کرو کہ بھلا ایسا کیونکر ہو سکتا ہے اسلئے ہم کہتے ہیں کہ دیکھو!
ہر دم عالمِ بالا سے پانی اور گرمی آتی ہے اور تمہارا رزق بڑھاتی ہے کیونکہ پانی سے نباتات
پیدا ہوتے ہیں اور گرمی سے غلہ وغیرہ پکتے ہیں —— پس جبکہ عالم بالا سے
پانی اور آگ کا آنا ممکن ہے تو اگر تمہیں عالمِ بالا پر لے جائیں تو کوئی تعجب کی بات نہیں
پس تم اپنے عجز کو نہ دیکھو اور یہ نہ سمجھو کہ ہم وہاں کیسے پہنچ سکتے ہیں بلکہ تم تو طلب
پر نظر کرو۔ اور جہاں تک ممکن ہو اسے قوت دو۔ کیونکہ یہ طلب تمہارے اندر خدا کی
رکھی ہوئی امانت ہے جو اس بات کا پتہ دیتی ہے کہ حق سبحانہٗ تم کو اپنے پاس بلانا
چاہتے ہیں کیونکہ ہر طالب مطلوب کے لیے زیبا ہے۔

پس جبکہ خدا نے تمہارے اندر طلب پیدا کی ہے تو یہ علامت ہے اس بات کی
کہ ایک وقت میں تم مطلوب حق ہو گے اور جب تم مطلوب ہو گے تو اس وقت تمہارا
حق سبحانہٗ تک پہنچ جانا کچھ بھی دشوار نہ ہوگا۔ پس تم کوشش کرو کہ تمہاری طلب بڑھے
اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ حق سبحانہٗ تمہیں اپنی طرف کھینچ لیں گے اور تمہارا دل اس
چاہِ تن سے نکل جائے گا اور تم عالمِ بالا پر پہنچ جاؤ گے یعنی تم کو حق سبحانہٗ اور عالمِ بالا
سے تقرب معنوی اور تعلق خاص ہو جائے گا اس وقت تمہاری یہ حالت ہوگی کہ جب
تم مر جاؤ گے تو لوگ کہیں گے کہ فلاں شخص بے چارہ مر گیا اور تم کہو گے کہ ارے بیخبرو!
میں مرا نہیں بلکہ زندہ ہوں کیونکہ جو حقیقت حیات ہے یعنی حیاتِ روحانی وہ مجھے
حاصل ہے اور اگر میرا جسم اور جسموں کی طرح مردہ ہے تو کچھ پرواہ نہیں ہے کیونکہ مجھے
تعلیم دائم کے سبب کمال خوشی حاصل ہے اور جب کہ مجھے لذت و عیش روحانی حاصل
ہے تو اگر میرا جسم مردود ہے تو کچھ بات نہیں کیونکہ اگر سونے کی حالت میں کسی کی جان گلگشت

نسرین میں ہو تو اس وقت اگر اس کا جسم گوبر میں بھی پڑا ہو۔ تو بھی اسے کچھ پرواہ نہیں
ہوتی۔ کیونکہ سونے والے کی روح کو یہ پتہ ہی نہیں ہوتا کہ اس کا جسم باغ میں سو رہا ہے
یا کوڑی پر۔ بلکہ اسکی جان عالم سوگ یعنی عالمِ ارواح میں "یالیت قومی یعلمون" کا نعرہ مارتی

ہوتی ہے اور کہتی ہوتی ہے کہ اے کاش! یہ لوگ جو میرے جسم کی خستہ حالت پر کڑھ رہے ہیں میرے عیش اور کامرانی کو دیکھیں اور اپنی جہالت پر متنبہ ہوں۔

اس مقام پر استطراداً ایک شبہ کا دفع کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے تقریرِ شبہ یہ ہے کہ حیاتِ جسمانی تو بے شک ایک شے ہے لیکن حیاتِ روحانی جو حیاتِ جسمانی سے بڑھ کر ہے اور جس کے حصول کے بعد حیاتِ جسمانی کی پرواہ نہیں ہوتی وہ ہماری سمجھ میں نہیں آتی۔ اور ہم نہیں سمجھ سکتے کہ بدوں جسم کے روح کیونکر زندہ رہ سکتی ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حق سبحانہٗ نے فرمایا ہے کہ فی السماء رزقکم یعنی آسمان میں تمہارا رزق ہے۔ اور ظاہر ہے کہ جسم آسمان پر نہیں جا سکتا۔

تو اب ہم کہتے ہیں کہ اگر جان بدوں اس جسم کے زندہ نہیں رہ سکتی تو آسمان کس کا محل ہوگا۔ اور وہاں رزق کس کو ملے گا۔ ضرور اس کا یہی جواب ہوگا کہ روح کو پس جبکہ آسمان میں غذا روح کو ملے گی اور غذا بدوں حیات کے متصور نہیں تو حیاتِ روحانی ثابت ہو گئی خیر! تو ہم نے کہا تھا کہ اگر تم ایسی حالت میں مر جاؤ گے تو لوگ تمہیں مردہ سمجھ کر تم پر افسوس کریں گے مگر تم کو اس وقت ایک نئی حیات حاصل ہوگی اور تم اپنی مردہ سمجھنے والوں کی حالت پر افسوس کرو گے۔

اب ہم کہتے ہیں کہ اس وقت تم اس غذائے قلیل و کثیف سے نکل کر اعلیٰ درجہ کی غذا میں پہنچ جاؤ گے جس کی یہ حالت ہوگی کہ اگر اس میں سے ہزاروں رطل کھا جاؤ تو نہ تم آلودۂ نجاست ہو اور نہ طبیعت پر کچھ گرانی ہو۔ بلکہ پاک صاف اور پری کی طرح ہلکے پھلکے چلے جاؤ اور یہ حالت ہوگی کہ باؤ رک کر تم کو مبتلائے قولنج نہ کریگی۔

سو یہ تمہاری جان کے درپے ہو جاویگی کیونکہ اگر تم کم کھاؤ گے تو کتے کی طرح بھوکے رہو گے اور بھوک تمہیں تکلیف دیگی اور اگر پیٹ بھر کر کھاؤ گے تو ڈکاریں تمہارا دماغ... پریشان کریں گی۔ نیز کم کھاؤ گے تو بھوک سے بدمزاجی اور خشکی اور گرمی پیدا ہوگی جس سے دق ہو جائے گی اور زیادہ کھاؤ گے تو جسم بدہضمی کا مستحق ہوگا۔

غرض کہ غذائے جسمانی ہر طرح موجبِ تکلیف ہے پس جبکہ بھوکا رہنا بھی موجب

تکلیف ہے اور پیٹ بھرنا بھی۔ تو اس تکلیف سے نجات کی کیا صورت ہے ــــ سو اس کا جواب یہ ہے کہ تم حق سبحانہٗ کا کھانا اور وہ زود ہضم غذا یعنی غذائے روحانی کھا کر ایسے خطرناک دریا یعنی دریائے تکلیف پر کشتی کی طرح سوار ہو جاؤ۔ اور بے خطر اس دریا کو طے کر جاؤ یعنی اس تکلیف سے بچنے کی صورت یہ ہے کہ غذائے روحانی کے عادی ہو جاؤ اور غذائے جسمانی کو چھوڑ دو۔

فائدہ: اس تدبیر سے بدہضمی کی تکالیف سے نجات پانا تو ظاہر ہے مگر بھوک کی تکالیف سے نجات پانے میں شبہ ہو سکتا ہے۔ سو اس کا جواب یہ ہے کہ جب رفتہ رفتہ آدمی بھوک کا عادی ہو جائے گا تو پھر بھوک اسکو تکلیف نہ دیگی لان العادۃ کالطبیعۃ الثانیہ چنانچہ جو لوگ سنکھیا کھانے کے عادی ہو جاتے ہیں وہ تولوں سنکھیا کھا جاتے ہیں مگر وہ انہیں تکلیف نہیں دیتا۔ پھر غذائے روحانی سے روح کو قوت ہوگی اور روح کی قوت سے طبیعت کو قوت ہوگی اور قوت طبیعت امراض کو دفع کرے گی۔ اور باایں ہمہ اگر کوئی مرض پیدا ہوا تو گو اس سے طبعی تکلیف ہو۔ مگر وہ تکلیف اس لئے غیر معتد بہ ہوگی کہ اس سے پریشانی نہ ہوگی۔ اور اصل موذی پریشانی ہے نہ کہ تکلیف پس یہ تکلیف کالمعدوم ہوگی۔ ہذا عندنا واللہ اعلم)

جب تکلیف غذائے جسمانی سے بچنے کی تدبیر معلوم ہو گئی تو اب یہ معلوم ہونا چاہیئے کہ طعام اللہ کیونکر ملے۔ سو اس کی تدبیر یہ ہے۔ غذائے حق سبحانہٗ کے منتظر رہتے ہوئے روزوں کی تکلیف پر صبر اور ان پر ملادمت کرو کیونکہ حق سبحانہٗ جو کہ حکیم اور حلیم ہیں اپنے عطایا انتظار کی حالت میں دیتے ہیں اور قاعدہ ہے کہ روٹی کا انتظار پیٹ بھرنے کو نہیں ہوتا اور اسکو اس کی کچھ پرواہ نہیں ہوتی کہ خوراک مقرر سویرے آئے گی یا دیر میں۔ برخلاف بھوکے کے کہ وہ ہر وقت یہی کہتا ہے کھانا کہاں ہے اور بھوک کے سبب وہ ہر دم اس کا منتظر رہتا ہے اسلئے ضرورت ہے بھوک اور روزہ کی۔ تاکہ تم کو خوراک کا انتظار ہو اور وہ غذائے روحانی تم کو ملے ورنہ جبکہ تم بھوکے نہ ہوگے اور اسلئے تم کو انتظار نہیں ہوگا تو وہ کثیر المقدار غذا تم کو نہ ملے گی پس تم مردانہ خوان آسمان کے منتظر بنو۔ اور روزہ

پر ملادمت کر کے بھوکے رہو کیونکہ ہر بھوکے کو انجام کار غذا مل جاتی ہے اور آفتاب دولت اس پر تاباں ہوتا ہے۔

نیز قاعدہ ہے کہ جب کوئی عالی ہمت مہمان کھانا کم کھاتا ہے تو میزبان اس کے لیے بہتر سے بہتر کھانا لاتا ہے بجز فقیر یا بخیل میزبان کے وہ تو ضرور ایسا نہیں کرتا پس تم غذائے جسمانی سے نفرت پیدا کرو۔ تاکہ تم کو بہتر غذا یعنی غذائے روحانی ملے اور حق سبحانہ، کی نسبت جو کہ رازق کریم ہیں۔ مفلسی یا بخل کا گمان بدنہ کرو اور تم پہاڑ کی طرح سر اُٹھاؤ۔ تاکہ سب سے پہلے آفتاب رحمت کا نور تم پر پڑے کیونکہ پہاڑ کی چوٹی خورشید سحر کی منتظر ہوتی ہے تو سب سے پہلے آفتاب اسی کو اپنے فیض سے بہرہ ور کرتا ہے۔

غرضکہ تم اپنے اندر غذائے روحانی کی طلب اور اس کا انتظار پیدا کرو۔ (فائدہ قولہ کہ "نہ حبس باد قولنجت کند۔ چار میخ معدہ آہسخت کند" کی شرح میں محمد رضا نے کہا ہے۔ حاصل آنکہ ترا غذائے روحانی نہ حبس باد و قولنج کند و نہ بپایئے بند معدہ کشیدن گرداند۔ و معدہ کشیدن درزیر بار طبل شکم و برآمدن باشد انتھی اور ولی محمد نے بھی اسی مضمون کو قائم کر رکھا ہے لیکن یہ مضمون ایک حد تک اس وقت صحیح ہو سکتا ہے جبکہ نسخہ کہ نہ حبس باد و قولنجت بواؤ عاطفہ ہو اور ہمارے نسخہ میں ایسا نہیں ہے اسلئے ہم نے شرح میں بیت مذکورہ کے مصرع اول کو مضمون بالا سے مرتبط قرار دیا ہے اور مصرع ثانی کو علیحدہ مضمون اور مابعد سے مرتبط ٹھہرایا ہے اور یہ ہی مضمون ہم کو اچھا معلوم ہوتا ہے۔

فائدہ ۲: قولہ کم خوری خوئے بدو خشکی و دق میں ولی محمد نے دق کو مجازاً بمعنی لاغری قرار دیا ہے مگر ہم نے تنگ حقیقت کی ضرورت نہیں خیال کی۔

فائدہ ۳: قولہ باش در دروزہ شکیبا و مصر الی قولہ آفتاب دولتی بر سے بتافت پر بادی النظر میں ایک شبہ ہوتا ہے وہ یہ کہ ترک غذائے جسمانی سے اور بھوکا رہنے سے تو غذائے جسمانی کی خواہش اور اسی کا انتظار بڑھے گا۔ نہ کہ غذائے روحانی کا

پھر اس خواہش اور انتظار پر غذائے روحانی کا ترتب کیونکر ہوگا۔

سو حل اس شبہ کا یہ ہے کہ اس ترک اکل کا منشا غذائے جسمانی سے نفرت اور غذائے روحانی کی رغبت ہے کیونکہ وہ وسیلہ ہے حصول غذائے روحانی کا۔ پس اسکے غذائے جسمانی کا انتظار نہ بڑھے گا۔ بلکہ اسکے غذائے روحانی کی خواہش اور اسی کا انتظار بڑھے گا۔ کیونکہ اختیار وسیلہ میں جس قدر مشقت اور زحمت کا سامنا ہوتا ہے اسی قدر مطلوب کی خواہش اور اس کا اشتیاق اور انتظار بڑھتا ہے مثلاً جب کوئی مسافر کسی مقام کے قصد سے چلتا ہے تو جس قدر سفر کی تکان زیادہ ہوتی ہے اسی قدر وصول کی خواہش اور اس کا اشتیاق اور انتظار بڑھتا ہے۔

پس جبکہ آدمی اس غرض سے بھوکا رہے گا کہ شوکت و صولت نفس ٹوٹے اور ہم میں غذائے روحانی کی قابلیت و استعداد قریب پیدا ہو۔ اور اس طرح ہم کو غذائے روحانی مل جائے تو جس قدر بھوک سے اُسے تکلیف ہوگی اسی قدر اسکی یہ خواہش بڑھے گی اور اتنا ہی غذائے روحانی کا انتظار بڑھے گا۔ فاندفع الاشکال۔

دَرجوابِ آں مغفل کہ گفتہ است کہ خوش بُودے ایں جہاں اگر
اُس بیوقوف کا جواب جس نے کہا ہے کہ یہ جہان کیا ہی اچھا ہوتا اگر

مرگ نبودے وخوش بُودے مُلکِ دنیا اگر زوالش نبودے
موت نہ ہوتی اور دنیا کی سلطنت اچھی ہوتی اگر اس کا زوال نہ ہوتا

وَعَلٰی هٰذِهِ الْوَتِيْرَةِ مِنَ الْفُشَارَاتِ
اور اسی طرح کی بکواسیں

آں یکے میگفت خوش بودے جہاں
ایک شخص کہتا تھا دنیا اچھی ہوتی

گر نبودے پائے مرگ اندر میاں
اگر موت کا پاؤں درمیان میں نہ ہوتا

آں دگر گفت ار نبودے مرگ ہیچ
دوسرے شخص نے کہا اگر موت بالکل نہ ہوتی

کہ نیرزیدے جہانِ پیچ پیچ
تو پیچ در پیچ دنیا ایک تنکے کی نہ ہوتی

خرمنے بودے بدشت افراشتہ
جنگل میں ابھرا ہوا ایک کھلیان ہوتا

مُہمل و ناکوفتہ بگذاشتہ
بیکار بغیر گہائے ہوئے چھوڑا ہوا

لے آں یکے۔ یہ بیوقوف تھا کی ابدی زندگی کا مشتاق تھا۔ آں دگر۔ دوسرا شخص جو عقلمند تھا اس نے کہا کہ دنیا کی زندگی تو محض اس لئے ہے کہ یہاں آدمی کچھ اچھے کام کرے تو آخرت کی ہمیشہ کی زندگی میں کام آئیں اگر موت نہ ہو اور آخرت تک نہ پہنچا جائے تو پھر دنیا کے اعمال کی شان تو ایسی کھلیان کی سی ہے جو بغیر قابلِ نفع بنائے جنگل میں چھوڑ دیا جائے۔

مرگؔ را تو زندگی پنداشتی — تخم را در شورہ خاکے کاشتی
تونے موت کو زندگی سمجھ — بیج کو شور زمین میں بو دیا

عقلِ کاذب ہست خود معکوس بیں — زندگی را مرگ بیند آں غبیں
جھوٹی عقل خود الٹا دیکھنے والی ہے — وہ پاگل، زندگی کو موت سمجھتی ہے

اے خدا بنمای تو ہر چیز را — آنچنانکہ ہست در خدعہ سرا
اے خدا! تو ہر چیز کو دکھا دے — جس طرح کہ وہ دھوکے کے گھر میں ہے

ہیچ مُردہ نیست پُر حسرت زِ مرگ — حسرتش آنست کش کم بُود برگ
کوئی مرنے والا موت پر حسرت سے پُر نہیں ہو — اس کی یہ حسرت ہے کہ اس کا توشہ کم ہے

ورنہ از چاہے بصحرا اُو فتاد — در میانِ دولت و عیش و گشاد
ورنہ وہ کنوئیں سے جنگل میں آگیا — دولت اور عیش اور خوشی میں

زیں مقامِ ماتمؔ و تنگیں مناخ — نقل اُفتادش بصحرائے فراخ
اس غم کی جگہ اور تنگ باڑے سے — وہ وسیع جنگل میں منتقل ہوگیا

مقعدِ صدقے نہ ایوانِ دروغ — بادۂ خاصی نہ مستیِ زدوغ
سچائی کا ٹھکانا، نہ جھوٹ کا قلعہ — خصوصی شراب، نہ کہ بھانگ کی مستی

مقعدِ صدق و جلیسِ حق شدہ — رَستہ زیں آب و گِل آتشکدہ
سچائی کی مجلس اور اللہ (تعالیٰ) کا ہم نشین ہوگیا — آتشکدہ کے اس آب و گل سے چھوٹا ہوا

ورنہ کردی زندگانیٔ منیر — یکدو دم ماندست مُردانہ بمیر
اگر تونے منور زندگی بسر نہیں کی ہے — ایک دو سانس باقی رہے ہیں مردانہ موت اختیار کر

لے مرگ۔ اخروی زندگی کے مقابلہ میں دنیاوی زندگی بمنزلہ موت ہے جس کو زندگی سمجھنا بے وقوفی ہے۔ غبیّ وہ شخص جس کے حواس سلیم نہ ہوں۔ دستے خدا۔ خدا تعالیٰ حق تعالیٰ دنیا کی چیزوں کو برعکس دکھاتی ہے۔ •

لے ماتم۔ دنیا ماتم کدہ ہے نقل۔ مرنے کے بعد انسان آخرت کے وسیع مقام پر منتقل ہو جاتا ہے۔ مقعد صدق۔ قرآن پاک میں ہے اِنَّ الْمُتَّقِیْنَ فِیْ جَنّٰتٍ وَّنَہَرٍ فِیْ مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِیْکٍ مُّقْتَدِرٍ۔ جو لوگ پرہیزگار ہیں وہ باغوں اور نہروں میں سچی جگہ میں قادر بادشاہ کے مقرب ہوں گے۔ ورنہ کردی۔ اگر تو اب تک آخرت کی تیاری نہیں کر سکا اب کر لے اور موت سے پہلے مردانہ موت اختیار کر لے۔ جلیسِ حق۔ اب یہ بتانا مقصود ہے کہ حضرت حق کے قرب میں کیا کیا نعمتیں حاصل ہوں گی۔

بقیہ صد ۱۲۲

لے شہر آور۔ ظاہری گھٹیا روزی پر اکتفا نہ کر، بلند ہمت رکھ، بلند سر پر آفتاب کا نور جلد پہنچتا ہے۔ آفتاب کی روشنی سب سے پہلے پہاڑ کی بلند چوٹی پر پڑتی ہے۔ در حجاب۔ اس سے یہ سمجھانا مقصود ہے کہ معنوی روزی عالم بالا سے متعلق ہے اور اس دنیا کی روزی بہت گھٹیا چیز ہے عالم بالا اور معنوی روزی کو چھوڑ کر دنیا کی زندگی اور یہاں کی روزی کو پسند کرنا حماقت کی بات ہے۔ تشار۔ بکھیس۔

شرح

جب تم کو مضمون بالا سے معلوم ہوگیا کہ دنیا ہیچ ہے اور اصل شے آخرت ہے اور انقطاع تعلق دنیا اور موت جسمانی پر افسوس نہ ہونا چاہیئے۔

تو اب ایک واقعہ سُنو۔ جس سے مضمون بالا کا مزید ثبوت ہو وہ یہ کہ ایک شخص

لے خدا تو ان کو صحیح حالت میں ہمیں دکھا دے۔ نتیجہ جب مرنے پر دنیا اور عقبیٰ کی حقیقت کھل جاتی ہے تو مرد مرنے پر افسوس نہیں کرتا بلکہ اپنے اعمال حسنہ کی کمی پر افسوس کرتا ہے۔

کہہ رہا تھا کہ دنیا بڑے مزے کی چیز ہوتی بشرطیکہ موت کو اس سے تعلق نہ ہوتا چونکہ اس بیان سے حیات جسمانی کی فضیلت اور موت کی برائی ظاہر کی گئی تھی جو کہ خلاف واقع تھی اسلئے دوسرے شخص نے اس کہنے والے کو اس کی غلطی پر متنبہ کیا اور کہا کہ یہ تمہاری غلطی ہے کیونکہ دنیا اور جسمانی زندگی میں اگر کوئی خوبی ہے تو وہ موت ہی کے سبب ہے

ورنہ اگر موت بالکل نہ ہوتی۔ تو دنیا کوڑی کے کام کی نہ تھی۔ کیونکہ دنیا میں خیر و شر مخلوط ہیں ان کا امتیاز موت سے ہوگا اور اعمال حسنہ اسی وقت قابل انتفاع ہوں گے جب آدمی مریگا اور اس عالم سے اس کا تعلق منقطع ہوگا۔ ایسی صورت میں اگر موت نہ ہوتی اور دنیا میں خلود ہوتا تو اسکی ایسی مثال ہوتی جیسے کھیت میں غلہ کا انبار لگا ہوا ہو۔ اور وہ بے کار اور بے گاہا ہوا پڑا ہو۔ جس میں گیہوں اور بھوسہ ہر دو مخلوط ہوں اور اس وجہ سے گیہوں ناقابل انتفاع ہوں اسلئے دنیا بالکل لغو اور بیکار شے ہوتی۔ پس ثابت ہوا کہ موت دنیا کے اندر خوبی پیدا کرنے والی ہے نہ کہ اسکے خوبی کو کھونے والی۔ تم جو حیات دنیوی کو جو کہ حقیقت موت ہے زندگی سمجھ رہے ہو۔ یہ ایک فعل عبث اور حرکت لایعنی کرتے ہو اور گویا کہ زمین شور میں بیج بوتے ہو۔

(فائدہ مرگ را تو زندگی پنداشتی الخ کی تقریر یوں بھی کہی جا سکتی ہے کہ تم چونکہ حیات جسمانی کو جو کہ فی الحقیقت موت ہے زندگی سمجھتے ہو اور اسلئے اس کی بقا کی تمنا اور موت سے نفرت کرتے ہو اسلئے لازم ہے کہ جو اعمال تم کرو۔ وہ محض فضول کرتے ہو کیونکہ نتیجہ تو ان کا موت سے ظاہر ہوگا اور موت تم چاہتے نہیں تو ان کا عبث ہونا لازم اس تقدیر پر یہ دوسرا عنوان ہوگا قائل کی تحمیق و تجہیل کا۔ ہذا ہو الاوجہ عندی واللہ اعلم بالصواب)

یہاں تک اس مضمون کو ختم کرکے مولانا فرماتے ہیں کہ اس قائل کو حقیقی عقل حاصل نہیں جو اشیاء کو علیٰ ما ہی علیہ دکھلاتی تھی بلکہ اسکو عقل کاذب حاصل ہے یعنی ایک ایسی حس اسکو حاصل ہے جو حقیقت میں عقل نہیں بلکہ عقل کے مشابہ ہے اور عقل

کاذب کا خاصہ ہے کہ وہ اشیاء کو الٹی دیکھتے ہیں اسلئے وہ مُبتلائے خسارہ۔ شخص زندگی کو موت اور موت کو زندگی سمجھتا ہے۔ یہ وجہ ہے اسکی اس غلط خیال کی۔

اُس کے بعد مناجات فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اے اللہ تو ہم کو حقیقی عقل عطا فرما۔ اور اس فریب کے گھر دنیا میں جو کچھ بھی ہے اس کو ایسا دکھلا جیسے کہ وہ واقع میں ہے تاکہ ہم اس شخص کی طرح غلطی میں پڑکر خسارہ میں مبتلا نہ ہو جائیں۔

مناجات سے فارغ ہو کر پھر مضمون سابق کی طرف عود فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ شاید کسی کو یہ خیال ہو کہ اگر واقع میں موت حیات ہے اور حیات موت تو مُردوں کو زندگی کی حسرت کیوں ہوگی۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ مردوں کو زندگی کی حسرت موت کے سبب نہ ہوگی اور اس کا منشاء یہ نہ ہوگا کہ موت بُری شے ہے اور زندگی اچھی چیز۔ بلکہ اسکی وجہ یہ ہوگی کہ مرنے کے بعد اُسے موت کی خوبی ظاہر ہوگی اور اسکے اعلیٰ ثمرات کا حصول اعمال حسنہ پر موقوف ہوگا۔ پس اس کو اپنے اعمال کی کمی پر افسوس ہوگا اور وہ کہے گا کہ اگر کچھ اور دنوں زندہ رہتے تو ہمیں مرکر زیادہ فائدہ ہوتا۔ لیکن اگر یہ افسوس نہ ہو تو صرف حیات جسمانی کے زوال اور دنیا کے چھوٹنے کا کچھ بھی غم نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ تو کنوئیں سے نکل کر لق و دق میدان میں دولت اور عیش اور خوشی میں پہنچا ہے اور تو مقام رنج و غم اور جائے تنگ سے ایک وسیع جنگل میں منتقل ہوا ہے جو کہ اس کا اصلی اور باقی رہنے والا ٹھکانہ ہے اور دنیا کی طرح جھوٹا گھر نہیں ہے اور جو کہ اصلی شراب کی طرح مستی واقعیہ رکھتا ہے اور مٹی کی طرح اس کی مستی بے حقیقت نہیں اور وہ تو اصلی اور واقعی مقام میں خدا کا مقرب ہے۔ اور اس آب و گل (عالمِ ناسوت) سے جس کو محل آلام و تکالیف ہونے کی وجہ سے آتش کدہ کہنا مناسب ہے، چھوٹا ہے پھر اسے جینے کی حسرت اور موت کا رنج کیونکر ہو سکتا ہے۔

پس تم کو دنیا پر خاک ڈال کر اپنی آخرت سنوارنا چاہیئے۔ اگر تم اب تک دُنیا میں اعلیٰ درجہ کی زندگی نہیں جیے ہو تو خیر کچھ سانس باقی رہ گئے ہیں انہی میں اپنی

حالت درست کرلو۔ اور اہل اللہ کی موت مرو۔ حق سبحانہٗ کی رحمت بہت وسیع ہے وہ اس حالت میں بھی تم پر رحمت کریں گے پس تم کو مایوس نہ ہونا چاہیئے اور اسلئے رحمت کا امیدوار رہنا چاہیئے اس وقت تم کو ایک واقعہ سُناتے ہیں جس سے حق سبحانہٗ کی رحمت کی وسعت اور امید رحمت کی فضیلت ظاہر ہوگی، سُنو!

فِیمَا یُرْجیٰ مِنْ رَحْمَۃِ اللہِ تَعَالیٰ مُعْطِی النِّعَمِ قَبْلَ اِسْتِحْقَاقِہَا
اس اللہ تعالیٰ کی رحمت کی اُمید کے بیان میں جو استحقاق سے پہلے ہی نعمتیں عطا کرتا ہے
وَھُوَ الَّذِی یُنَزِّلُ الْغَیْثَ مِنْ بَعْدِ مَا قَنَطُوْا وَرُبَّ بُعْدٍ
وہ وہی ہے جو بارش برساتا ہے لوگوں کی مایوسی کے بعد اور بہت سی دوریاں ہیں
یُوْرِثُ قُرْبًا وَرُبَّ مَعْصِیَۃٍ مَیْمُوْنَۃٍ وَرُبَّ سَعَادَۃٍ تَاْتِیْ
جو قرب پیدا کر دیتی ہیں اور بہت سے گناہ ہیں جو مبارک ہیں اور بہت سی سعادتیں ہیں
مِنْ حَیْثُ یُرْجَی النِّقَمُ لِیَعْلَمَ اَنَّ اللہَ یُبَدِّلُ سَیِّاٰتِہِمْ حَسَنَاتٍ
جو اس جگہ سے حاصل ہو جاتی ہیں جہاں سے عذاب کی توقع ہوتی ہے تاکہ جان لے بیشک اللہ تعالیٰ انکی برائیوں کو بھلائیوں سے بدلدیتا ہے

در حدیث آمد کہ روزِ رستخیز
حدیث شریف میں آیا ہے کہ قیامت کے دن

امر آید ہر یکے تن را کہ خیز
ہر جسم کو حکم ہوگا کہ اُٹھ

نفخِ صُور امرست از یزدانِ پاک
صُور کا پھکنا خدائے پاک کا حکم ہے

کہ برآرید اے ذرائر سر ز خاک
کہ اے چیونٹیو! مٹی سے سر ابھارو

باز آید جانِ ہر یک در بدن
ہر ایک جان جان میں واپس آجائے گی

ہمچو وقتِ صبح ہوش آید بتن
جس طرح صبح کے وقت جسم کو ہوش آجاتا ہو

جانِ تن خود را شناسد وقتِ روز
دن کے وقت روح اپنے جسم کو پہچان لیتی ہے

در لباسِ خود درآید با فروز
رونق کے ساتھ اپنے لباس میں آجائے گی

جسمِ خود را شناسد و در وے رود
اپنے جسم کو پہچان لیتی ہے اور اسمیں چلی جاتی ہے

جانِ زرگر سوئے درزی کے رود
سونار کی روح، درزی کی جانب کب جاتی ہے؟

جانِ عالم سوئے عالم میرود
عالم کی روح عالم کی جانب جاتی ہے

روحِ ظالم سوئے ظالم میرود
ظالم کی روح ظالم کی جانب جاتی ہے

کہ شناسا کرد شاں علمِ اِلٰہ
کیونکہ اُن کو علم خداوندی نے شناسا بنادیا ہے

چونکہ برہ و میش وقتِ صبحگاہ
جس طرح کہ بھیڑ کا بچہ اور بھیڑ صبح کے وقت

پائے کفشِ خود شناسد در ظُلَم
اندھیروں میں پاؤں اپنے جوتے کو پہچان لیتا ہے

چوں نداند جانِ تن خود اے صنم
اے صنم! روح اپنے جسم کو کیوں نہ پہچانے گی؟

---

۲ ورُبَّ بُعْدٍ۔ یعنی بعض دفعہ فراق وصال کا سبب بن جاتا ہے۔ ورُبَّ مَعْصِیَۃٍ۔ بہت سے گناہ بابرکت ثابت ہوجاتے ہیں۔ اِنَّ اللہ۔ اللہ تعالیٰ نیک لوگوں کی برائیوں کو بھلائیوں میں تبدیل کردیگا۔ رستخیز۔ یعنی روز قیامت و برخاستن۔ نفخ صور سے نفخ صور سے مُردے زندہ ہوجائیں گے۔ ذرائر۔ ذرّہ کی جمع ہے چھوٹی چیونٹی۔

۴ ہمچو۔ جس طرح نیند سے انسان بیدار ہوتا ہے سب زندہ ہوجائیں گے۔ جان۔ صبح ہوتے ہی روح جسم میں آجاتی ہے اور جسم کا لباس پہچانتی اور اپنے جسم کو خوب پہچان لیتی ہے کبھی ایسا نہیں ہوتا کہ کسی کی روح کسی دوسرے کے جسم میں آجائے۔

۵ جانِ عالم۔ عالم کی روح عالم میں ظالم کی روح ظالم میں پہنچ جاتی ہے۔ کہ شناسا۔ ہر روح اپنے جسم کو اس علم کے ذریعہ پہچان لے گی جو خدا نے اس کو عطا کیا ہے جس طرح کہ بھیڑ اور اس کا بچہ ایک دوسرے کو پہچان لیتے ہیں۔ پائے۔ پاؤں اندھیرے میں اپنے جوتے کو پہچان لیتا ہے۔ صبح۔ انسان کا نیند سے صبح کو بیدار ہوکر اٹھنا چھوٹا حشر ہے اسی سے بڑے حشر کو سمجھ لو۔

صبحِ حشرِ کوچک است اے مستجیر — حشرِ اکبر را قیاس از وے بگیر

اے پناہ کے طالب! صبح چھوٹی قیامت ہے — بڑی قیامت کو اُس پر قیاس کر لے

آنچناں[۵۲] کہ جاں بپرد سوئے طیں — نامہ پرّد از یسار و از یمیں

جس طرح روح جسم کی (مٹی کی) طرف پرواز کرتی ہے — اعمالنامہ بائیں اور دائیں جانب سے پرواز کریگا

در کفش بنہند نامہ بخل وجود — فسق و تقویٰ آنچہ وے خو کردہ بود

اُس کے ہاتھ میں دیدیں گے بخل اور سخاوت کا اعمالنامہ — بدکاری اور تقویٰ جس کی اُس کو عادت تھی

چوں شود بیدار از خواب اُو سحر — باز آید سوئے اُو آں خیر و شر

جب وہ صبح کے وقت بیدار ہوگا — وہ بھلا اور بُرا اس کی جانب واپس آجائے گا

گر ریاضت[۵۳] دادہ باشد خوئے خویش — وقتِ بیداری ہماں آید بہ پیش

اگر اُس نے اپنی عادت کی اصلاح کرلی ہوگی — بیداری کے وقت وہی سامنے آئے گی

ور بُد اُو دی خام و زشت و در ضلال — چوں عزا نامہ سیہ یابد شمال

اگر وہ کل کچا اور بھدا اور گمراہی میں تھا — تو اُس کا بایاں ہاتھ تعزیت نامہ جیسا سیاہ اعمالنامہ پائیگا

ور بُد اُو دی پاک و باتقویٰ و دیں — چوں شود بیدار یابد در یمیں

اور اگر وہ کل پاک اور متقی اور دیندار تھا — جب بیدار ہوگا، دائیں ہاتھ میں پائے گا

ہست ما را خواب و بیداریِ ما — بر نشانِ مرگ و محشر دو گوا

ہمارا سونا اور جاگنا ہمارے لئے — دو گواہ ہیں موت اور محشر کی علامت پر

حشرِ اصغر[۵۴] حشرِ اکبر را نمود — مرگِ اصغر مرگِ اکبر را ز دود

چھوٹی قیامت نے بڑی قیامت دکھادی — چھوٹی موت نے بڑی موت کو مانجھ دیا

لیک ایں نامہ خیال است و نہاں — واں شود در حشرِ اکبر بس عیاں

لیکن یہ اعمالنامہ خیالی اور پوشیدہ ہے — اور وہ بڑی قیامت میں واضح ہوگا

ایں خیال[۵۵] ایں جا نہاں پیدا اثر — زیں خیال آنجا برویاند صُوَر

یہ خیال یہاں چھپا ہوا ہے، اثر پیدا ہوگا — اِس خیال سے اُس جگہ صورتیں اُگیں گی

در مہندس بیں خیالِ خانۂ — در دلش چوں در زمینے دانۂ

انجینیر میں کسی گھر کا تصور دیکھ — اُس کے دل میں اس طرح ہے جیسے زمین میں دانہ

آں خیال[۵۶] از اندروں آید بروں — چوں زمیں کہ زاید از تخمِ دروں

وہ خیال اندر سے باہر آجائے گا — جس طرح زمین اندر کے بیج اُگا دیتی ہے

ہر خیالے کو کُند در دل وطن — روزِ محشر صورتے خواہد شدن

جو خیال دل میں وطن بناتا ہے — قیامت کے دن ایک صورت بنے گا

---

۵۲ آنچناں۔ قیامت میں جس طرح روح جسم کی جانب پرواز کرکے آئے گی اِسی طرح اعمالنامے دائیں اور بائیں جانب سے پرواز کرکے انسانوں کے پاس آجائینگے۔ در کفش۔ فرشتے ہر انسان کے ہاتھ میں اُس کی نیکیوں اور گناہوں کے اعمالنامے پکڑادیں گے۔ چوں شود۔ جب صبح محشر کو انسان موت کی نیند سے بیدار ہوگا اُس کی ہر خیر و شر اُس کے پاس پہنچ جائے گی۔

۵۳ گر ریاضت۔ اگر اُس نے مجاہدہ کرکے نیک عادت بنالی ہوگی تو صبح محشر میں وہ اُس کے سامنے آئے گی اور اگر وہ کل یعنی دنیا میں خام اور بدبخت اور گمراہ تھا تو اُس کا سیاہ اعمالنامہ اُس کے بائیں ہاتھ میں آجائے گا۔ ور بُد۔ اگر انسان نیک تھا•

۵۴ حشرِ اصغر یعنی سوکر بیدار ہونا۔ حشرِ اکبر یعنی قیامت میں زندہ ہونا۔ مرگِ اصغر یعنی سونا۔ مرگِ اکبر یعنی مرنا۔ لیک۔ دنیا میں جو اعمالنامہ فرشتے تیار کر رہے ہیں وہ ہم سے پوشیدہ ہے قیامت میں وہ ظاہر ہوجائے گا۔

۵۵ ایں خیال۔ یہ اعمال نامہ یہاں پوشیدہ ہے لیکن اُس کا اثر ظاہر ہوکر رہیگا۔ در مہندس۔ اُس کی یہ مثال ہے کہ انجنیر کے دل کے خیالات آخر میں صورتیں اختیار کرلیتے ہیں

۵۶ آں خیال۔ انسان کے اندرونی خیالات ظاہری صورت اختیار کریں گے

• تو اُس کا اعمالنامہ دائیں ہاتھ میں دے دیا جائے گا۔ ہست۔ ہمارا سونا اور پھر بیدار ہونا ہمارے مرنے اور پھر قیامت میں زندہ ہوجانے کے گواہ ہیں۔

چوں خیالے آں مُہندس در ضمیر
جیسا کہ اُس انجینیر کے دل کا خیال

چوں نبات اندر زمینِ دانہ گیر
جس طرح کہ دانہ قبول کرنے والی زمین میں پودا

مخلصم زیں ہر دو محشر قصہ ایست
ان دونوں محشروں (کے بیان) میں میرا مقصد قصہ (نقل) ہے

مؤمناں را در بیانش حصہ ایست
مومنوں کے لئے اُس کے بیان میں ایک حصہ ہے

چوں بر آید آفتابِ رستخیز
جب قیامت کے دن سورج طلوع کرے گا

بر جہند از خاک خوب و زشت نیز
اچھے اور بُرے بھی مٹی سے اُٹھ کھڑے ہونگے

سوئے دیوانِ قضا پویاں شوند
فیصلہ کی کچہری کی طرف دوڑیں گے

نقدِ نیک و بد بکورہ در روند
نیک اور بد کی نقدی بھٹی میں چلی جائے گی

نقدِ نیکو شادمان و ناز ناز
نیک کی نقدی خوش اور پُر ناز ہو گی

نقدِ قلب اندر زحیر و در گداز
کھوٹی نقدی پیچ و تاب اور پگھلنے میں ہو گی

لحظہ لحظہ امتحانہا می رسد
دم بدم امتحانات ہوں گے

سرِ دلہا می نماید در جسد
دلوں کا راز جسم میں نمایاں ہو جائے گا

چوں قندیلِ آب و روغن گشتہ فاش
جس طرح لالٹین کا تیل اور پانی واضح ہو جاتا ہے

یا چو خاکے کہ بروید سبز باش
یا وہ زمین جو سبزے اُگا دیتی ہے

از پیاز و زعفران و کوکنار
پیاز اور زعفران اور خشخاش

سبزی پیدا کند دشتِ بہار
(موسم) بہار کا جنگل سبزی اُگا دیتا ہے

آں یکے سر سبز نحن المتقون
ایک سرسبز ہوگا (کیونکہ وہ) ہم پرہیزگار ہیں (کہتے ہیں)

واں دگر ہم چوں بنفشہ سرنگوں
دوسرا بھی بنفشہ کی طرح سر جھکائے ہوگا

چشمہا بیروں جہیدہ از خطر
خطرے سے آنکھیں باہر نکلی ہوئی ہونگی

گشتہ دہ چشمہ ز بیمِ مستقر
ٹھکانے کے ڈر سے آنکھ (دس آنکھیں) بنی ہوئی ہوگی

باز ماندہ دیدہا در انتظار
انتظار میں آنکھیں پھٹی رہ جائیں گی

تا کہ نامہ ناید از سوئے یسار
تاکہ اعمالنامہ بائیں جانب سے نہ آجائے

چشم گرداں سوئے چپ و سوئے راست
آنکھیں بائیں جانب اور دائیں جانب گھومتی ہونگی

زانکہ نبود بخت نامہ راست کاست
اس لئے کہ دائیں اعمالنامہ کا نصیب گھٹا ہوا نہ ہو

چشم گرداں سوئے راست و سوئے چپ
آنکھیں دائیں جانب اور بائیں جانب گھومتی ہونگی

زانکہ نبود بخت نامہ راست زپ
تاکہ دائیں اعمالنامہ کا نصیب رائیگاں نہ ہو

نامہ آید بدستِ بندہ
ایک بندہ کے ہاتھ میں اعمالنامہ آئے گا

سر سیہ از جرم و فسق آگندہ
جو جُرموں سے کالا اور فسق سے پُر ہوگا

اندر و یک خیر و یک توفیق نے
اس میں ایک بھلائی اور ایک توفیق نہ ہوگی

جز کہ آزارِ دلِ صدیق نے
سوائے سچے بندے کی دل آزاری کے کچھ نہ ہوگا

جس طرح زمین کے اندر کا بیج درخت کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ ہر خیالے انسان کے خیالات اور اعراض نیات میں صورتیں اختیار کریں گے اور جوہر بن جائیں۔ مخلصم یہ دونوں محشروں کا محض قصہ بیان نہیں کیا جا رہا ہے بلکہ مومنوں کے لئے بطورِ عبرت ان کو ذکر کیا گیا ہے۔

سوئے۔ ہر نیک و بد زندہ ہو کر عدالت میں بھاگ کر پہنچ جائے گا۔ کورہ۔ بھٹی۔ زحیر۔ پیچش۔ لحظہ۔ عدالت میں پہنچنے کے بعد امتحانات شروع ہو جائیں گے اور چھپے ہوئے راز ظاہر ہو جائینگے چونکہ دل کے راز اسی طرح ظاہر ہو جائینگے جس طرح لالٹین کے اندر کے تیل یا پانی کا پتہ

آں یکے۔ اگر انسان میں تقویٰ ہے تو اس پر سرسبزی نمودار ہو جائے گی اور اگر بدکار ہے تو بنفشہ کی طرح سرنگوں ہو جائے گا۔ چشمہا خوف سے آنکھیں دس جیسے ہی جائینگی ہونے کے بعد بُرا اعمالنامہ بائیں ہاتھ میں دے دیا جائے گا چشم گرداں ہر شخص دائیں بائیں نظریں گھمائیگا کہیں اس کا اعمالنامہ بائیں ہاتھ والا نہ ہو جو مجرموں کا ہوگا۔ نامہ۔ کسی شخص کے ہاتھ ایسا اعمالنامہ آئے گا تو پورا سیاہ ہوگا جس میں برائی کے علاوہ کوئی بھلائی نہ ہوگی تصفیق زدن۔ تالی بجانا۔

آں وقت۔ اس گنہگار نے جو چوریاں اور مکاریاں کی ہیں وہ سب اس اعمالنامے میں درج ہوں گی اور اس کا

پُر زِ سر تا پائے زشتی و گناہ
شروع سے آخر تک بُرائی اور گناہ سے بھرا ہوا
تسخر و خنبک زدن بر اہلِ راہ
راہ (طریقت) کے اہل کا مذاق اُڑانے اور تالیاں پیٹنے

آں دغل کاری و دزدیہائے اُو
اُس کی مکاری اور چوریوں سے
واں چو فرعوناں اَنا و اَنائے اُو
اُس کی فرعونوں کی سی انانیت اور تکبر سے

چوں بخواند نامۂ خود آں ثقیل
جب وہ بوجھل اپنے اعمالنامہ کو پڑھے گا
داند اُو کہ سوئے زنداں شد رحیل
وہ جان جائے گا کہ قیدخانہ کی جانب کوچ ہوا

پس رواں گردد چو دُزداں سوئے دار
تو وہ ڈاکوؤں کی طرح سولی کی جانب روانہ ہوجائیگا
جرم پیدا بستہ راہِ اعتذار
قصور کھلا ہوا اور معذرت کی راہ بند ہو گی

آں ہزاراں حجت و گفتارِ بد
وہ ہزاروں دلیلیں اور بُرے بول
بر دہانش گشتہ چوں مسمارِ بد
بُری کیل کی طرح اُس کے منہ پر ہو گئے

رختِ دُزدی در تن و در خانہ اش
چوری کا سامان، بدن پر اور اُس کے گھر میں
گشتہ پیدا گم شدہ افسانہ اش
کھل گیا، اُس کا قصہ ختم ہو گیا

پس رواں گردد بزندانِ سعیر
تو وہ دوزخ کے قیدخانہ کی جانب روانہ ہوگا
کہ نباشد خار را زآتش گزیر
کیونکہ کانٹے کے لئے آگ کے سوا چارہ نہیں

چوں موکل آں ملائک پیش و پس
فرشتے سپاہی کی طرح آگے اور پیچھے
بودہ پنہاں گشتہ پیدا چوں عسس
چھپے ہوئے تھے، کوتوال کی طرح ظاہر ہو گئے

میبرندش میسپارندش بہ نیش
اُس کو لے جائیں گے اُس کو عذاب کے سپرد کر دیں گے
کہ برو اے سگ بکہدانہائے خویش
کہ اے کتے! اپنے پاخانوں میں جا

میکشد پا بر سرِ ہر راہ اُو
وہ ہر راستہ پر پاؤں کھینچتا ہے
تا بُود کہ بر جہد زاں چاہ اُو
شاید کہ وہ اس کنوئیں سے کود بھاگے

منتظر می ایستد تن میزند
انتظار میں کھڑا ہو جاتا ہے چپ سادھ لیتا ہے
بر امیدے روئے واپس می کند
کسی اُمید پر مُڑ کر دیکھتا ہے

اشک میبارد چو بارانِ خزاں
(موسم) خزاں کی بارش جیسے آنسو بہاتا ہے
خشک اُمیدے چہ دارد اُو جز آں
وہ سوائے اُس کے اور کیا خشک اُمید رکھتا ہو؟

ہر زمانے روئے واپس میکند
وہ ہر وقت مڑ کر دیکھتا ہے
رو بدرگاہِ مقدس میکند
درگاہِ مقدس کی طرف رجوع کرتا ہے

پس زحق امر آید از اقلیمِ نور
نور کے عالم سے اللہ کی جانب سے حکم آئیگا
کہ بگوئیدش کہ اے بطالِ عور
اُس سے کہدو کہ اے جھوٹے، ننگے!

انتظارِ چیستی اے کانِ شر
اے شر کی کان! کاہے کا انتظار ہے؟
رو چہ واپس میکنی اے خیرہ سر
اے بیہودہ! مڑ کر کیوں دیکھتا ہے؟

تکبر و غرور بھی لکھا ہوا ہوگا۔ ثقیل۔ یعنی گناہوں سے بھاری رحیل۔ کوچ۔ جرم۔ اُس کے تمام گناہ، کھلے ہوئے ہوں گے اور معذرت کا راستہ بند ہوگا۔
آں ہزاراں۔ گنہگاروں کے بارے میں قرآن میں ہے اَلْیَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰٓی اَفْوَاهِهِمْ وَتُكَلِّمُنَآ اَيْدِيْهِمْ وَتَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۰ آج ہم اُن کے منہ پر مہر لگا دیں گے اور ہم سے اُن کے ہاتھ گفتگو کریں گے اور اُن کے کارناموں پر اُن کے پاؤں گواہی دیں گے؛
رختِ دزدی۔ جب جہنمی کے گھر میں سے چوری کا سامان برآمد ہو جائے تو ثبوت مکمل ہو جاتا ہے۔ سعیر۔ جہنم۔ کہ نباشد خاردار جھاڑی جلانے ہی کے کام آتی ہے۔ چوں موکل۔ جو فرشتے پہلے اُس سے پوشیدہ تھے اب کوتوال کی طرح اُس پر مسلط ہوں گے۔
می برندش۔ وہ فرشتے اُس کو جہنم کی طرف لیجائیں گے نیش۔ یعنی عذاب۔ کہدانہائی۔ یعنی جہنم میں جو اُس کا مقام ہے۔ می کشد۔ وہ جہنم کی طرف جانے سے رکے گا اور کسی اُمید پر مڑ مڑ کر دیکھے گا۔ باران خزاں۔ موسم خزاں کی بارش بے کار ہوتی ہے۔ رو بدرگاہ۔ وہ مڑ مڑ کر اللہ تعالیٰ کے دربار کو دیکھے گا۔
پس۔ اُس گنہگار کے لئے عالم قدس سے خطاب ہوگا کہ اے جھوٹے! اعمالِ صالحہ سے ننگے مڑ مڑ کر کیوں دیکھتا ہے کس چیز کا انتظار ہے تیرا اعمالنامہ تیرے ہاتھ میں آچکا

نامہات آنکست کت آمد بدست
تیرا وہی اعمالنامہ ہے جو تیرے ہاتھ میں آگیا

اے خدا آزار و اے شیطاں پرست
اے خدا دشمن اور اے شیطان کے پجاری!

چوں بدیدی نامۂ کردار خویش
جبکہ تو نے اپنے عمل کا اعمالنامہ دیکھ لیا

چہ نگری پس بیں جزای کار خویش
پیچھے کیا دیکھتا ہے؟ اپنے کام کی جزا دیکھ

بیہدہ چہ مول مولے میزنی
بیکار بیہودہ ٹال مٹول کرتا ہے

در چنیں چہ کو امید روشنی
ایسے کنوئیں میں روشنی کی کیا امید ہے؟

نے ترا از روئے ظاہر طاعتے
نہ تیرے پاس ظاہر کے اعتبار سے کوئی عبادت ہے

نے ترا در ستر و باطن نیتے
نہ تیرے پاس پوشیدہ اور چھپی ہوئی کوئی نیت ہے

نے ترا در شب مناجات و قیام
نہ تیرے پاس رات کی سرگوشی اور کھڑا رہنا ہے

نے ترا در روز پرہیز و صیام
نہ تیرے پاس دن کی پرہیزگاری اور روزہ رکھنا ہے

نے ترا حفظ زباں ز آزار کس
نہ تیرے پاس کسی کو ستانے سے زبان کو محفوظ رکھنا ہے

نے نظر کردن بعبرت پیش و پس
نہ عبرت کے لئے آگے اور پیچھے دیکھنا ہے

پیش چہ بود یاد مرگ و نزع خویش
آگے کیا ہوتا ہے؟ موت اور اپنی جاں کنی

پس چہ باشد مردن یاراں ز پیش
پیچھے کیا ہوتا ہے؟ پہلے سے دوستوں کا مرنا

نے ترا بر ظلم توبہ پر خروش
نہ تیرے پاس ظلم سے آہ بھری توبہ ہے

اے دغا گندم نمائے جو فروش
اے دغاباز، گیہوں دکھانے والے اور جَو بیچنے والے

چوں ترازوئے تو کژ بود و دغا
جبکہ تیری ترازو کج اور پُر (دغا) تھی

راست چوں جوئی ترازوئے جزا
تو جزا کی صحیح ترازو کو تو کیوں تلاش کرتا ہے؟

چونکہ پائے چپ بدی در غدر و کاست
جبکہ تو غداری اور گھٹانے میں بایاں پاؤں بنا ہوا ہے

نامہ چوں آید ترا در دست راست
تیرا اعمالنامہ تیرے دائیں ہاتھ میں کیسے آئیگا؟

چوں جزا سایہ است اے قد تو خم
اے ٹیڑھے قد والے! جبکہ جزا تیرا سایہ ہے

سایۂ تو کج فتد در پیش ہم
سامنے تیرا سایہ بھی ٹیڑھا پڑے گا

زیں قبل آید خطابات درشت
اس طرح کے سخت خطابات آئیں گے

کہ شود کہ را از آں ہم کوژ پشت
کہ اس سے پہاڑ بھی کبڑا ہو جائے گا

بندہ گوید آنچہ فرمودی بیاں
بندہ کہے گا جو کچھ آپ نے بیان فرمایا

صد چناںم صد چناںم صد چناں
میں اس سے سو گنا ہوں سو گنا ہوں سو گنا ہوں

خود تو پوشیدی بتر ہا را بحلم
تو نے خود بردباری سے اس سے بدتر کو چھپایا تھا

ورنہ میدانی فضیحتہا بعلم
ورنہ تو رسوائیوں کو علم کے ذریعہ جانتا ہے

لیک بیروں از جہاد و فعل خویش
لیکن کوشش اور اپنے فعل کے علاوہ

از ورائے خیر و شر و کفر و کیش
بھلائی اور برائی اور کفر و مذہب کے علاوہ

ہے اب بیکار ٹال مٹول ہو کوئی فائدہ نہیں ہے اب تجھے عذاب کے گڑھے میں جانا ہے وہاں روشنی کی کوئی امید نہیں ہے۔

[1] نے ترا۔ اللہ تعالیٰ اس گنہگار سے فرمائیگا کہ تیرے پاس کوئی عمل خیر ہے نہ عبادت نہ عبادات کی نماز، نہ دن کا روزہ، تو نے لوگوں کو زبان سے بھی ستایا اور ظالموں کے انجام سے عبرت حاصل کرنے کی کوشش۔ آگے سے عبرت کا مطلب یہ ہے کہ تو اپنے مرنے اور نزع کی کیفیت کا تصور کرکے عبرت حاصل کرتا اور پیچھے سے عبرت کا مطلب یہ ہے کہ جو تجھ سے پہلے مرے ہیں ان سے عبرت حاصل کرتا۔

[2] نے ترا۔ اگر گناہوں کا صدور بھی ہوا تھا تو ان سے توبہ کر لی جاتی۔ جب تیرے عمل کی ترازو غلط تھی تو اب بدلے کی ترازو کیسے صحیح ہو سکتی ہے چونکہ برائی بائیں جانب منسوب ہوتی ہے۔ چوں جزا۔ جزا کی مثال سایہ کی سی ہے جب قد ٹیڑھا ہے تو سایہ ضرور ٹیڑھا ہوگا۔

[3] زیں قبل۔ اللہ تعالیٰ کی جانب سے اس گنہگار کو ایسے سخت جواب ملیں گے کہ ان سے پہاڑ بھی جھک جائے۔ بندہ گوید۔ اب یہ گنہگار جناب باری میں عرض کریگا کہ جو میری خطائیں بیان کی گئی ہیں میں ان سے بھی سو گنا خطاوار ہوں لیکن تیری رحمت ان گناہوں سے بھی بڑھی ہوئی ہے اور پوشی

[illegible]

وز نیازِ عاجزانہ خویشتن — وز خیال و وہم من یا صد چو من

اپنی عاجزانہ نیازمندی کے علاوہ، اپنے یا اپنے جیسے سیکڑوں کے خیال اور وہم کے

بُودم[1] اُمیدے بمحضِ لطفِ تو — از ورائے راست باشی یا عتو

مجھے تیری مہربانی سے اُمید تھی، صحیح زندگی یا سرکشی کے علاوہ

بخششِ محضے ز لطفِ بے عوض — بُودم اُمید اے کریمِ بے غرض

بغیر بدلے کی مہربانی سے خالص بخشش، اے بے غرض سخی! مجھے اُمید تھی

رُو پسِ کردم بداں محضِ کرم — سُوئے فعلِ خویشتن می ننگرم

میں اُس خالص کرم کی طرف مڑا، میں اپنے عمل کو نہیں دیکھ رہا ہوں

سُوئے آں اُمید کردم رُوئے خویش — کہ وجودم دادۂ از پیش بیش

اُس کرم کی جانب میں نے اپنا چہرہ کیا ہے، کہ تو نے مجھے پہلے وجود سے زیادہ، وجود عنایت کیا

خلعتِ ہستی بدادی رائگاں — من ہمیشہ معتمد بُودم براں

تو نے مفت وجود کا لباس عطا کیا، میں ہمیشہ اُس پر بھروسہ رکھتا تھا

چوں[2] شمارد جرم خود را و خطا — محض بخشایش درآید در عطا

جب وہ اپنے جرم اور خطا گِنائے گا، خالص بخشش، عطا میں لگ جائیگی

کاے ملائک باز آریدش بما — کہ بدستش چشم و دل سُوئے رجا

کہ اے فرشتو! اُس کو ہمارے پاس واپس لے آؤ، کیونکہ اُس کی آنکھ اور دل اُمیدوار (عطا) ہیں

لاابالی وار آزادش کنیم — واں خطاہا را ہمہ خط بر زنیم

بے پروائی سے ہم اُس کو آزاد کر دینگے، اور اُن سب خطاؤں پر قلم پھیر دیں گے

لاابالی مر کسے باشد مباح — کش زیاں نبود ز جرم و از صلاح

بے پروائی اُس کے لئے مناسب ہے، جس کو نیکی اور بدی سے کوئی نقصان نہ پہنچے

آتشِ[3] خوش بر فروزیم از کرم — تا نماند جرم و زلّت بیش و کم

ہم کرم سے ایک اچھی آگ روشن کرینگے، تاکہ جرم اور لغزش نہ تھوڑی رہے نہ زیادہ

آتشے کز شعلہ اش کمتر شرار — می بسوزد جرم و جبر و اختیار

وہ آگ جس کے شعلے کی چھوٹی سی چنگاری، خطا اور جبر اور اختیار کو جلا ڈالے

شعلہ در بُنگاہِ انسانی زنیم — خار را گلزارِ روحانی کنیم

ہم انسانی خیمہ گاہ میں آگ لگا دیں گے، کانٹے کو روحانی چمن بنا دیں گے

ما فرستادیم از چرخِ نہم — کیمیا یُصْلِحْ لَکُمْ اَعْمَالَکُمْ

ہم نے نویں آسمان سے بھیجی ہے، وہ تمہارے لئے تمہارے اعمال کی اصلاح کرتا ہے

خود[4] چہ باشد پیشِ نورِ مستقر — کر و فرِّ اختیارِ بوالبشر

مستقل نور کے سامنے خود کیا ہے! ابوالبشر کے اختیار کی شان و شوکت

---

[1] بُودم: میری اُمید تیرے اُس کرم سے وابستہ ہے جو کسی بھی بدلے اور غرض سے بے نیاز ہے میں صرف تیرے اس کرم کو دیکھتا ہوں اپنے اعمال و افعال کو نہیں دیکھ رہا ہوں۔ خلعتے۔ تو نے ہمیں وجود عطا کیا تھا وہ تیرا محض کرم تھا ورنہ اس سے پہلے نیک اعمال کہاں تھے۔

[2] چوں شمارد: جب یہ گنہگار اپنی خطائیں گِنائیگا تو خالص بخشش عطا شروع کر دے گی۔ کا ے۔ اللہ تعالیٰ ملائکہ کو حکم فرمائے گا کہ چونکہ اُس گنہگار نے ہماری بخشش سے امید وابستہ کی ہے لہٰذا اُس کو جہنم کی جانب سے واپس لے آؤ۔ لاابالی۔ ہم اُس کی تمام خطائیں معاف کرتے ہیں اور ہمیں کوئی پرواہ نہیں ہے کیونکہ ہم بے پروا ہیں۔ بے پروا وہ ہوتا ہے جس کو کسی کی نیکی اور بدی سے کوئی نقصان نہ پہنچ سکے۔

[3] آتش خوش: ہم اپنے کرم کی وہ آگ جلائینگے جو تمام جرموں اور خطاؤں کو جلا کر خاکستر بنا دیگی۔ بنگاہ: خیمہ گاہ۔ یصلح۔ قرآن پاک میں ہے يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا يُصْلِحْ لَكُمْ أَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ۔ اے مومنو اللہ سے پرہیزگاری حاصل کرو اور ٹھیک بات کہو وہ تمہارے اعمال کو سدھار دیگا اور تمہارے گناہوں کو بخش دیگا۔

گوشت پارہ آلتِ گویائے اُو
گوشت کا ایک ٹکڑا اس کے بولنے کا آلہ ہے

پیہٖ پارہ منظرِ بینائے اُو
چربی کا ٹکڑا اُس کے دیکھنے کا آلہ ہے

مسمعِ اُو آں دو پارہ استخواں
ہڈی کے دو ٹکڑے اُس کے سننے کا آلہ ہیں

مُدرِکش دو قطرہ خوں یعنی جناں
خون کے دو قطرے یعنی دل اُسکے علم کا آلہ ہیں

کِرمکیؔ وازقذر آگندۂ
تو گندگی سے بھرا ہوا ایک کیڑا ہے

طمطراقے در جہاں افگندۂ
تونے دنیا میں دُھوم مچا رکھی ہے

از منی بُودی منی را واگذار
تو منی سے پیدا ہوا تھا، خودی کو چھوڑ

اے ایاز آں پوستیں را یاد دار
اے ایاز! اُس پوستین کو یاد رکھ

لہ خُرد چہ باشد جس قدر افعالِ انسانی ہیں وہ مظہر صفات و اسماءِ باری تعالیٰ ہیں اور اس اعتبار سے اُن میں ایک نور ہے لیکن چونکہ اُن کا صدور بندہ کے اختیار سے ہوا ہے اِس عارض کی وجہ سے اُن میں جُرم و خطا کی صفت پیدا ہو گئی ہے جب حضرت حق تعالیٰ اپنے کرم سے اُس اختیار کی نسبت کو محو فرما دیگا تو اُن کا نور واضح ہو جائیگا اور اُن افعال میں جُرم و خطا کی صفت باقی نہ رہے گی۔ گوشت۔ مولانا بندہ کے اِس اختیار کی حقارت اور صفت کو ظاہر فرماتے ہیں اقوال میں بندہ کا اختیار محض ایک زبان کی وجہ سے ہے۔ پیہٖ۔ نظر کے گناہوں میں اختیار کا تعلق آنکھوں کی معمولی چربی سے ہے۔ مسمع۔ مسموعات میں اختیار محض کان کی دو ہڈیوں کی وجہ سے ہے۔ مُدرِکش۔ معلومات میں اختیار کا تعلق دل کے خون کے دو قطروں سے ہے یہ ہے بندہ کے اختیار کی حقیقت۔
لہ کِرمکی۔ انسان منی جیسی نجس چیز سے بنا ہے جس نے دنیا میں اپنی طمطراق و شوکت بنا رکھی ہے۔ از منی جبکہ انسان اس قدر ناچیز ہے تو غرور و تکبر اُس کے مناسب نہیں اُس کو ایاز کی طرح اپنی اصل پر نگاہ رکھنی چاہیئے۔

شرح حدیث شریف میں آیا ہے کہ قیامت میں ہر جسم کو حق تعالیٰ کا حکم ہوگا کہ اٹھو اور محاسبہ کے لیے تیار ہو۔ یعنی بروز قیامت نفخ صور ہوگا جس سے مردے اُٹھیں گے اور یہ نفخ صور میں خدا کا حکم ہے کہ اے منتشر ذرّو تم مجتمع ہو کر اپنی قبروں سے اٹھو۔ خیر تو اس وقت ہر ایک کی جان اپنے قالب میں چلی جائیگی اور یوں چلی جائیگی جیسے صبح کے وقت جسم میں ہوش آجاتا ہے جو کہ نیند کے سبب سے اس سے دُور ہو گیا تھا۔

دیکھو! جب دن ہوتا ہے تو جان اپنے جسم کو پہچان لیتی ہے اور اس میں چلی جاتی ہے وہ اپنے جسم کو پہچانتی اور اسی میں جاتی ہے نہ کہ دوسرے میں۔ چنانچہ سنار کی جان درزی کے قالب میں نہیں جاتی اور عالم کی جان عالم ہی کے جسم میں جاتی ہے اور ظالم کی روح ظالم ہی کے قالب میں جاتی ہے۔ کیونکہ حق سبحانہٗ کو ہر جسم اور ہر روح کا علم ہے اور اس نے اپنے علم سے ارواح کو بھی حصہ دیا ہے اور انکو ان کے اجسام سے واقف کر دیا ہے۔

اسلئے روح اور قالب کی ایسی مثال ہوگئی ہے جیسے بھیڑ کا بچہ اور بھیڑ کہ جب صبح ہوتی ہے تو ہر بچہ اپنی ہی ماں کی طرف دوڑتا ہے دوسری بھیڑ کی طرف نہیں جاتا۔ اجی گھپ اندھیرے میں پاؤں اپنے جوتے کو پہچان لیتا ہے تو روح اپنے جسم کو کیوں نہ پہچانے گی خود پہچانے گی ـــــ پس تم کو حشر اجساد پر کوئی اشکال نہ ہونا چاہیئے کیونکہ دنیا میں اسکے نظائر مشاہد ہیں چنانچہ صبح جس کو ہم ہر روز دیکھتے ہیں قیامت صغریٰ ہے پس قیامت کو بھی یوں ہی سمجھنا چاہیئے اور جاننا چاہیئے کہ جس طرح ہم اپنی خوابگاہوں سے اُٹھتے ہیں یوں ہی قبروں سے اٹھیں گے اور جس طرح صبح کیوقت ہماری ارواح پر اجسام ملتبس نہیں ہوتیں یوں ہی قیامت میں بھی ملتبس نہ ہوں گی۔

القصہ قیامت ہوگی اور مُردوں کی ارواح اپنے اپنے جسم میں جائیں گی۔ اب ہم کہتے ہیں کہ جُوں ہی آدمی کی روح اپنے قالب میں آئیگی اس کا نامۂ اعمال بائیں جانب سے یا دائیں جانب سے اڑکر اُسکے ہاتھ میں آجائے گا۔ اور بخل یا سخاوت، فسق یا پرہیزگاری ـــــ غرض کہ جو کچھ بھی وہ دنیا میں کرتا تھا اسکی مکمل اور مفصل فہرست اس کے ہاتھ میں دیدی جائے گی ــ اور یہ امر بھی ناقابل استبعاد وانکار ہے کیونکہ اسکی نظائر بھی دنیا میں مشاہد ہیں۔

دیکھو! جب آدمی صبح کو سونے سے اُٹھتا ہے تو اسکی بھلائی بُرائی اسکے سامنے آجاتی ہے مثلاً اگر وہ ریاضت کا خوگر تھا تو وہ بیداری کے وقت ریاضت کو اپنے سامنے پاتا ہے اور اگر ناقص اور برا اور مبتلائے گمراہی تھا تو ماتم کی طرح سیاہ نامۂ اعمال اُسکی بائیں ہاتھ میں آتا ہے اور اگر وہ پاک اور متقی اور دیندار تھا تو جب وہ بیدار ہوتا ہے تو اس کو اپنے دائیں ہاتھ میں پاتا ہے ـــــ القصہ آدمی جس بات کا عادی ہوتا ہے جب سو کر اٹھتا ہے تو اُسی بات کا خیال اُس پر مسلّط ہوجاتا ہے اور یہ گویا کہ اُس کا نامۂ اعمال ہے جو اُسکے دائیں یا بائیں ہاتھ میں آجاتا ہے۔ پس

ہماری نیند اور ہماری بیداری۔ موت اور قیامت کے دو گواہ ہیں اور حشر اصغر یعنی بیداری۔ حشر اکبر یعنی قیامت کو ظاہر کرتا ہے اور مرگ اصغر یعنی نیند۔ مرگ اکبر۔ یعنی موت کو ظاہر کرتی ہے یہ سب کچھ ہے۔

لیکن یہ واضح رہے کہ اشیاء مذکورہ بالا امثال نہیں ہیں بلکہ مثالیں ہیں یعنی ان میں مماثلت ومشابہت تام نہیں بلکہ فی الجملہ مماثلت ومشابہت ہے۔ اسلئے کہ نامۂ اعمال جو قیامت میں ہاتھ میں آئے گا۔ اسکی نظیر میں ہم نے وہ نامۂ اعمال... پیش کیا ہے جو بیداری کے وقت میں آدمی کے ہاتھ میں آتا ہے مگر دونوں یکساں نہیں ہیں بلکہ ان میں بہت بڑا فرق ہے چنانچہ بیداری کے وقت جو نامۂ اعمال ہاتھ میں آتا ہے وہ محض خیال اور مخفی ہوتا ہے ــــ اور قیامت میں جو نامۂ اعمال ہاتھ میں آئے گا وہ وہاں خوب ظاہر ہوگا کیونکہ جو خیال یہاں اپنی ذات سے مخفی اور اپنے اثر کے ذریعے سے ظاہر ہے اس خیال سے وہاں صُوَر جوہریہ پیدا ہو جائیں گے۔ خیال کا صورت جوہریہ بن جانا کوئی تعجب کی بات نہیں۔ انجنیئر کے اندر عمارت کا خیال دیکھ لو جو کہ اسکے دل میں یوں چھپا ہوتا ہے جیسے زمین میں دانہ کہ وہ خیال اندر سے یوں باہر آتا ہے جیسے زمین اندر سے دانہ سے گھاس اگاتی ہے اور اس طرح ایک خیال صورت جوہریہ بن جاتا ہے پس اسی طرح سمجھ لو کہ جو خیال آدمی کے دل میں گھر کرتا ہے قیامت میں وہ صورت جوہریہ بن جائے گا۔ جس طرح کہ انجینئر کا دل خیال وجود خارجی اختیار کرنیکی صورت میں صورت جوہریہ ہو جاتا ہے یا جیساکہ بیج قبول کرنے والی زمین میں نبات دانہ سے پیدا ہوتا ہے یہاں تک کہ ہر دو محشر کی تحقیق ختم ہوئی۔ اور میرا مقصد ان دونوں محشروں کی تفصیل سے تذکیر و پند تھا۔ مسلمانوں کو ان کی تفصیل سے کوئی حصہ ضرور ملے گا اور ان کو کچھ نہ کچھ فائدہ ہوگا ــــ اب ہم پھر حصہ کی طرف عود کرتے ہیں۔

اور کہتے ہیں کہ جس وقت ...... ــ آفتاب محشر طلوع ہوگا تو اس وقت اچھے برے لوگ اپنی اپنی قبروں سے اٹھیں گے اور عدالت محشر کی طرف دوڑیں گے اور اس طرح گویا کہ کھرا اور کھوٹا سونا دونوں بھٹی میں جا دیں گے اور ۔ دمبدم ان

کا امتحان ہو رہا ہوگا اور قلوب کی حالت جسم میں تو یوں چمکتی ہوگی جیسے کہ قندیل میں سے
پانی کا پانی ہونا اور تیل کا تیل ہونا ظاہر ہو ۔ یا خاک سے سبزہ اُگے ہوں اور صحرائے
بہار پیازا اور زعفران اور پوست وغیرہ سے سرسبز ہو۔ پس ان میں سے کوئی یہ خیال
کرکے کہ ہم متقی ہیں آج ہم کو کچھ خوف اور غم نہیں ۔ خوش و خرم ہوں گے اور کچھ بنفشہ
کی طرح ندامت سے سر جھکائے ہوں گے اور مارے خوف سے آنسوؤں کے نالے
بہتے ہوں گے اور پائدار خوف کے سبب سخت انتظار میں ہوں گے اُن کی آنکھیں انتظار
میں کھلی کی کھلی رہ گئی ہوں گی کہ ایسا نہ ہو کہ نامۂ اعمال بائیں طرف سے آجائے ۔ یہ لوگ دائیں
بائیں دیکھتے ہوں گے کیونکہ وہ سمجھتے ہوں گے کہ صحیح نوشتہ تقدیر میں کوئی کمی نہیں ہو سکتی
(خلاصہ یہ کہ وہ جانتے ہوں گے کہ تقدیر کا لکھا پورا ہوگا اسلئے وہ سخت پریشان ہونگے
کہ دیکھئے کیا ہوتا ہے اور اسی وجہ سے وہ حیران و پریشان دائیں بائیں دیکھتے ہوں گے)
اسی حالت میں ایک شخص کے ہاتھ میں نامۂ اعمال آئے گا جس کا دل جرائم سے سیاہ اور
جو کہ فسق و فجور سے لبریز ہوگا اس میں کوئی بھلائی اور کوئی خوبی نہ ہوگی اور اس میں بجز
اہل اللہ کے دل کے ستانے یعنی اُن کی مخالفت کرنے کے اور کوئی بات نہ ہوگی ۔ اور وہ
سر سے پاؤں تک برائیوں اور گناہوں یعنی اہل اللہ کا مذاق اڑانے اُن پر تالیاں بجانے،
دغا بازی، چوری اور فرعون کی سی خودی وغیرہ سے بھرا ہوگا یہ شخص جب اپنا نامۂ اعمال پڑھے
گا تو سمجھے گا کہ بس اب جیل خانہ جانا ہوگا اسکے بعد یہ شخص بحکم الٰہی دوزخ کی طرف یوں
روانہ ہوگا جیسے چور سولی کی طرف جاتے ہیں اس کا جرم ظاہر ہوگا اور معذرت کی راہ
مسدود ہوگی ـــــ اور اس کی وہ ہزاروں حجتیں اور بیہودہ گفتگوئیں جو وہ دنیا میں
کیا کرتا تھا اسکے منہ پر میخ کا کام دیتے ہوں گے اسکو لب کشائی کا موقع نہ دیتے
ہوں گی اور چوری کا مال اسکے جسم اور گھر سے برآمد ہو چکا ہوگا یعنی جُرم اس پر بخوبی
ثابت ہو چکا ہوگا اسلئے اس کا افسانہ بریت و صفائی معدوم ہو چکا ہوگا۔
لہٰذا وہ جیل خانہ کی طرف روانہ ہو گیا ہوگا کیونکہ وہ کانٹا ہوگا اور کانٹا لامحالہ
آگ میں جلتا ہے فرشتے سپاہیوں کی طرح اسکے آگے اور پیچھے ہوں گے جو کہ پہلے مخفی

تھے اوراب ظاہر ہوں گے جیسے کہ کوتوال کی حالت ہوتی ہے کہ وہ ملزموں کی گرفتاری کے وقت اول جھپٹتا ہے اور جب وہ اسکی زد میں آجاتے ہیں تو فوراً بکل پڑتا ہے الغرض وہ اسے لے جاتے اور تکلیف کے حوالہ کرتے ہوں گے اور کہتے ہوں گے کہ او کتے! اپنے گھدان کو چل مگر وہ شخص رستہ میں پاؤں ملتا چلتا ہوگا۔ بدیں امید کہ شاید وہ اس کنوئیں (مصیبت) سے نکل جائے۔ کسی انتظار میں خاموش کھڑا ہو جائے گا اور کسی توقع پر پیچھے مڑکر دیکھنے لگے گا۔ اور موسم خزاں کی طرح بے سود آنسو بہاتا ہوگا کیونکہ اسکے پاس بجز خالی پھیکی امید کے اور کچھ نہ ہوگا ——— غرضکہ وہ ہر وقت منہ موڑ کر دیکھتا ہوگا اور درگاہ حق سبحانہٗ کی طرف منہ کرتا ہوگا پس حق سبحانہٗ کی طرف سے یعنی اقلیم نور سے فرشتوں کو حکم ہوگا کہ تم اسے کہو کہ او بطال اور کسوتِ اعمال حسنہ سے ننگے اور برائیوں کی معدن تجھے کس بات کا انتظار ہے اور او بے ہودہ تو بار ... بار پیچھے مڑ کر کیا دیکھتا ہے۔ اے دشمن خدا او مطیع شیطان! تیرا نامۂ اعمال تو وہ ہے جو تیرے ہاتھ میں آچکا ہے اور جس کو تو دیکھ چکا ہے پس جبکہ تو اپنے نامۂ نامۂ اعمال کو دیکھ چکا ہے جس میں کوئی بھلائی ہے ہی نہیں تو پھر مڑ کر کیا دیکھتا ہے اب تجھے اپنا اعمال کا بدلہ دیکھنا چاہیئے۔ اور فضول بار بار کیوں بھٹکتا ہے۔ اس کنوئیں میں روشنی کی توقع کہاں ہے کیونکہ نہ تو ظاہری ہی تیرے کوئی طاعت ہے اور نہ تیرے باطن میں کسی اچھے کام کا عزم مصمم ہے اور نہ رات میں تونے مناجات اور قیام کیا ہے اور نہ دن میں معاصی سے پرہیز اور روزے رکھے ہیں اور نہ تونے اپنے زبان کو لوگوں کی دل آزاری سے روکا ہے اور نہ تونے آگے پیچھے عبرت سے نظر کی ہے آگے سے کیا مراد ہے اپنی موت کو یاد کرنا اور پیچھے سے کیا مقصود ہے یاروں کا پہلے مرجانا یعنی نہ تونے کبھی موت کو بطور خود یاد کیا ہے کہ ایک روز ہمیں مرنا ہے اس کے لیے کچھ سامان کرنا چاہیئے اور نہ تونے دوسروں کی موت سے عبرت پکڑی ہے اور نہ تونے کبھی ظلم سے تضرع وزاری کے ساتھ توبہ کی ہے۔

پس اے دغاباز گندم کا جو فروش! جبکہ تیرے ترازوئے عمل میں کمی اور دھوکا

تھا۔ تو تو ترازوئے عوض کو راست کیسے چاہتا ہے اور جبکہ تو بے وفائی اور کمی طاعت میں بایاں پاؤں یعنی ناقص تھا۔ تو نامۂ اعمال تیرے داہیں ہاتھ میں کیونکر آئے اور تو منصور کیونکر ہو۔ اور جبکہ جزا کو اعمال سے وہی نسبت ہے جو قد کو سایہ سے تھا اے ٹیڑھے قد والے اور بد عمل! تیرا سایہ تیرے آگے ٹیڑھا ہی پڑیگا اور تجھے جزا اعمال کے موافق ہی ملے گی۔

غرضکہ اسی قسم کے سخت سخت خطاب ہوں گے جس کی ہیبت سے پہاڑ بھی جھک جائے اس کے جواب میں وہ شخص عرض کریگا کہ جو کچھ ارشاد ہوا ہے میں اس سے بھی سو گنا بُرا ہوں اور آپنے اب تک میری برائیوں کو اپنے حلم سے چھپایا تھا۔ ورنہ میرے عیوب کو آپ اپنے علم کامل سے بخوبی جانتے تھے۔ لیکن اے کوشش اور اپنے فعل سے الگ اور اپنی برائی بھلائی اور کفر و ایمان اور اپنے عاجزانہ نیاز اور اپنے بلکہ مجھ سینکڑوں کے وہم و خیال سے باہر۔ مجھے آپ کی عنایت محسنہ کی امید تھی خواہ یہ میری امید بجا ہو یا سرکشی۔ اور اے کریم بے غرض! مجھے آپکی بے عوض عنایت سے بخشش محسنہ متعلّنہ علی العمل کی توقع تھی۔ پس میں اس کرم خالص کی طرف منہ موڑتا ہوں اور اپنے افعال کو نہیں دیکھتا اور میں اس امید کی طرف رُخ کرتا ہوں جو آپ کی اس عنایت سے ناشی ہے کہ آپنے مبدأ مجھے وجود اور خلعت ہستی مفت، اور بے عوض عطا فرمائی تھی اور جس پر میں ہمیشہ سے بھروسہ کیے ہوئے تھا ــــــ غرض کہ جب وہ اپنے جرائم اور خطائیں گنائے گا اور ان کا اعتراف کریگا۔ تو حق سبحانہٗ بخشش صرف دینے پر آمادہ ہونگا اور حکم ہوگا کہ اے فرشتو! اسے ہمارے پاس واپس لے آؤ کیونکہ اسکی آنکھ اور اس کا دل دونوں امید رحمت کی طرف متوجہ تھے ہم اسکو آزادانہ اپنے اختیار شاہی سے آزاد کرتے ہیں اور اس کے جرائم کو اور جس کو نہ جرم سے ضرر ہو۔ اور نہ صلاح سے فائدہ۔ ایسی کو آزادی جائز ہے اور جو کچھ وہ کرے اسکو حق ہے اور ہماری شان یہ ہے لہٰذا آپکو آزادی جائز ہے اگر ہم ایک سراپا جُرم و گناہ کو بالکل معاف کردیں اور سراپا طاعت کو جہنم میں بھیجدیں

تو ہم کو حق ہے۔ اور ہمارا یہ فعل بالکل ٹھیک ہے اور مجھ پر کچھ اعتراض نہیں ہو سکتا۔
لا یُسْئَلُ عَمَّا یفعل وہم یُسْئَلُون ۔ ہم اپنے کرم کی آتش کو سو یہاں تک مشتعل کر سکتے ہیں کہ خطا و قصور کا نام و نشان نہ رہے اور ایک قلم سب کو معاف کر سکتے ہیں اور ہم وہ آگ مشتعل کر سکتے ہیں جس کا ادنیٰ شعلہ تمام جرائم اور جبر و اختیار کو بھسم کر دے
(فائدہ: جبر سے مراد جرم ناشی از جبر اور اختیار سے مراد جرم ناشی از اختیار ہے اور یہ تشریح ہے جُرم کی یعنی ہم تمام جرائم کو معاف کر سکتے ہیں خواہ وہ عقیدہ جبر سے ناشی ہوں یا عقیدہ اختیار سے واللہ اعلم)

اور ہم خانۂ انسانی میں آگ لگا سکتے ہیں اور خار کو گلزار روحانی بنا سکتے ہیں یعنی ہم آدمی کی قلب ماہیت کر کے اسکی صفات ذمیمہ کو مبدل بہ صفات حمیدہ کر سکتے ہیں چنانچہ ہم نے بالائے عرش سے ایک ایسی کیمیا بھیجی تھی جو بندوں کے اعمال کے نقصان کی اصلاح کر کے انکو کامل بنا سکتی تھی اور ہم نے کہہ دیا تھا یا ایھا الذین اٰمنوا اتقوا اللہ وقولوا قولاً سدیداً ۝ یصلح لکم اعمالکم ویغفر لکم ذنوبکم

اب مولانا فرماتے ہیں کہ حق سبحانہٗ کا ارشاد نہایت بجا ہے اور وہ یقیناً کایا پلٹ کر سکتے ہیں کیونکہ اس نور دائم کے۔ یعنی حق سبحانہٗ کے سامنے آدمی کے اختیار کی شان و شوکت کیا حیثیت رکھتی ہے کچھ بھی نہیں کیونکہ جس زبان سے وہ بولتا ہے وہ ایک گوشت کا ٹکڑا ہے جس میں گویائی کی قوت حق سبحانہٗ نے عطا فرمائی ہے۔ اور جس آنکھ سے وہ دیکھتا ہے وہ ایک چربی کا ٹکڑا ہے جس میں دیکھنے کی قوت حق سبحانہٗ نے رکھی ہے۔ اور جس کان سے وہ سنتا ہے وہ ہڈیوں کے ٹکڑے ہیں جس کو قوت سامعہ حق سبحانہٗ نے عطا فرمائی ہے اور جس دل سے وہ ادراک کرتا ہے وہ چند خون کے قطرے ہیں۔ جس میں قوت ادراک حق سبحانہٗ نے ودلیعت رکھی ہے پس وہ جب چاہیں زبان سے قوت گویائی آنکھوں سے قوتِ بینائی۔ کانوں سے قوتِ شنوائی دل سے قوتِ مدرکہ سلب کر سکتے ہیں۔ چلیئے خاتمہ ہوا اختیار انسانی کا۔ بس جب اختیار انسان حق سبحانہٗ کے سامنے کوئی حقیقت نہیں رکھتا اور آدمی اپنے اختیار ہی سے برا یا بھلا

بنتا ہے تو پھر اسکے قلبِ ماہیت کر دینا - اُس کے نزدیک کون سی بڑی بات ہے -
اس مضمون کو ختم کر کے مولانا مضمونِ ارشادی کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اے انسان! تیری یہ تو حالت ہے کہ تو ایک معمولی کیڑا اور وہ بھی گندگی سے بھرا ہوا ہے مگر تو نے جہاں میں اپنی دھوم مچا رکھی ہے اور تو ایسا بنا ہوا ہے جیسا کہ نعوذُ باللہ تو ہی خُدا ہے -

یہ حرکت تیری نہایت نازیبا ہے تو منی سے گندہ اور ناپاک چیز سے پیدا ہُوا ہے - پس تو خودی کو چھوڑ! اور اے ایاز! تو اپنا پُرانا پوستین یاد رکھ یعنی اے انسان! تو اپنی حالت سابقہ کو نہ بھُول - اور حق سبحانہٗ کے سامنے تذلّل اور تمسکن اختیار کر اور خودی و سرکشی کو چھوڑ! جو کہ ہمارے قول! اے ایاز آں پوستیں را یاد دار - اشارہ تھا ایک قصہ کی طرف اسلیئے اب ہم اس قصہ کو بیان کرتے ہیں اور حسبِ توقع اس سے مفید نتائج بھی استنباط کریں گے اور وہ قصہ سُنو -

قصۂ ایاز و حُجرہ داشتنِ اُو جہتِ چارق و پوستین و
ایاز اور اُس کے چپّل اور پوستین کے لئے حُجرہ رکھنے کا قصہ اور اُس کے

گمان بُردنِ خواجہ تاشاں کہ اُورا دراں حجرہ دفینہ است
ساتھیوں کا گمان کرنا کہ اُس حجرے میں اُس کا خزانہ ہے دروازہ

بسببِ محکمیِ دَر و گرانیِ قفل و رفتنِ اُو بداں جا
کی مضبوطی اور تالے کے بھاری پن اور اُس کے وہاں جانے کی وجہ سے

آں ایاز از زیرکی انگیختہ
ایاز ذہانت سے بھڑکا ہوا تھا

پُوستین و چارقش آویختہ
اس نے اپنی پوستین اور چپّل لٹکا رکھی تھی

میرود ہر روز در حجرہ خلا
علیحدہ حُجرے میں وہ روزانہ جاتا تھا

چارقت اینست منگر در علا
تیری یہ چپّل ہے بلندی پر نظر نہ کر

شاہ را گفتند اُورا حجرہ ایست
انھوں نے بادشاہ سے کہا اس کا ایک حجرہ ہے

اندر آنجا زر و سیم و خمرہ ایست
وہاں سونا چاندی اور مٹکا ہے

قصۂ ایاز ایک انسان کی اپنی اصل حقیقت کو ہمیشہ پیش نظر رکھنا چاہئے

جس طرح ایاز اپنے عروج کے زمانہ میں اپنی اصل حقیقت کو فراموش نہ کرتا تھا - آں یاد - ایاز جو سلطان محمود کا ایک ادنیٰ غلام تھا اور پھر ترقی کر کے اُس کا محبوب ترین وزیر بن گیا تھا چونکہ عقل کا پتلا تھا اُس نے اپنی غلامی کی حالت کی پوستین اور چپلیں ایک حجرے میں لٹکا رکھی تھیں - چارق - ایک قسم کی چپل تھی جو جنگلی لوگ پہنتے تھے -

رادمی ندہد کسے را اندرو | بستہ میدارد ہمیشہ آں در او
وہ اس کے اندر جانے کی کسی کو اجازت نہیں دیتا ہے | وہ ہمیشہ اُس دروازے کو بند رکھتا ہے

شاہ[1] فرمود اے عجب آں بندہ را | چہ بود پنہان و پوشیدہ زما
شاہ نے کہا تعجب ہے اُس غلام کا | ہم سے چھپا اور ڈھکا کیا ہوگا؟

پس اشارت کرد میرے را کہ رو | نیم شب بکشائے درِ در حجرہ شو
پھر اُس نے ایک سردار کو اشارہ کیا کہ جا | آدھی رات کو دروازہ کھول حجرے میں چلا جا

ہر چہ یابی مر ترا یغماش کن | سرِّ او را بر ندیماں فاش کن
تو جو کچھ پائے تیرا ہے اُس کو لوٹ لے | اُس کے راز کو ساتھیوں پر فاش کر دے

باچنیں اکرام و لطفِ بے عدد | از لئیمی سیم و زر پنہاں کند
ایسے اعزاز اور بے شمار مہربانیوں کے باوجود | کمینہ پن سے چاندی اور سونا چھپاتا ہے

می نماید او وفا و عشق و جوش | وانگہ او گندم نمائے و جو فروش
وہ وفا اور عشق اور جوش دکھاتا ہے | پھر وہ گیہوں دکھانے والا اور جو بیچنے والا ہے

ہر[2] کہ اندر عشق یابد زندگی | کفر باشد پیشِ او جز بندگی
جو شخص عشق میں زندگی حاصل کرے | اُس کے نزدیک غلامی کے علاوہ کفر ہے

نیم شب آں میر با ثقہ معتمد | در کشادِ حجرۂ او رائے زد
اُس امیر نے آدھی رات کو معتمد آدمیوں کے ساتھ | اُس کے حجرے کو کھولنا طے کیا

مشعلہ بر کردہ چندیں پہلواں | جانبِ حجرہ روانہ شادماں
چند بہادر، مشعلیں لئے ہوئے | خوشی خوشی حجرے کی جانب روانہ ہوگئے

کامرِ سلطانست بر حجرہ زنیم | ہر یکے ہمیانِ زر در کش کنیم
کہ بادشاہ کا حکم ہے کہ ہم حجرہ لوٹ لیں | ہم میں سے ہر ایک سونے کی تھیلی بغل میں دبالے

آں یکے میگفت ہے چہ جائے زر | از عقیق و لعل گوی و از گہر
ایک کہتا تھا، سونا کیا ہوتا ہے | عقیق اور لعل اور موتی کی بات کر

خاصِ[3] خاصِ مخزنِ سلطان و یست | بلکہ اکنوں شاہ را خود جان ویست
وہ شاہی خزانہ کا خاص الخاص ہے | بلکہ اب تو وہ خود شاہ کی جان ہے

چہ محل دارد بپیشِ آں عشیق | لعل و یاقوت و زمرد یا عقیق
اُس معشوق کے آگے کیا وقعت رکھتا ہے؟ | لعل اور یاقوت اور زمرد یا عقیق

شاہ[4] را بر وے نبودے بدگماں | تسخرے میکرد بہرِ امتحاں
بادشاہ کو اُس پر بدگمانی نہ تھی | وہ آزمائش کے لئے مذاق کر رہا تھا

پاک میدانستش از ہر غش و غل | با نازو ہمش ہمی لرزید دل
وہ اُس کو ہر کھوٹ اور فریب سے پاک سمجھتا تھا | پھر وہم سے اُس کا دل لرزتا تھا

[1] شاہ۔ بادشاہ نے کہا تعجب ہے اُس نے ہم سے چھپا کر یہ دولت کیوں جمع کی ہے۔ پس۔ بادشاہ نے ایک وزیر کو اشارہ کیا کہ رات میں جا کر اُس حجرے کا دروازہ توڑ کر اندر گھس جاؤ۔ ہر چہ۔ اُس حجرہ میں جو کچھ ملے وہ تیرا ہے۔ یغما: لوٹ۔ سرِّ او۔ ایاز کے اس راز کو لوگوں سے کہہ دینا۔ باچنیں۔ ہمارے اِس کرم کے ہوتے ہوئے اُس نے ہم سے چھپا کر مال کیوں جمع کیا ہے۔ می نماید۔ ہم سے وفاداری اور عشق کا دم بھرتا ہے اور پھر گیہوں دکھا کر جو فروخت کرتا ہے یعنی دھوکہ بازی کرتا ہے۔

[2] ہر کہ۔ جو عشق کا دعوے کرے پھر محبوب کی غلامی کے علاوہ اُس کے لئے ہر چیز کفر ہوتی ہے۔ نیم شب۔ اُس وزیر نے طے کیا کہ آدھی رات کو ثقہ بھروسے کے آدمی لیکر اُس حجرہ پر دھاوا بول دیگا۔ پہلواں۔ یعنی وہ ثقہ معتمد کش۔ گوشۂ بغل۔ چہ جائے زر۔ یعنی اِس حجرہ میں سونا در کنار عقیق اور لعل اور موتی ملیں گے۔

[3] خاص۔ چونکہ ایاز شاہ کا خاص خزانچی ہے اور شاہ کی جان بنا ہوا ہے اور شاہ کا معشوق ہے تو اُس کے خزانہ میں تو عقیق اور جواہر کی بھی کیا قدر ہے۔ عشیق۔ معشوق یعنی ایاز۔

[4] شاہ۔ شاہ نے ایاز کا حجرہ توڑنے کے بارے میں جو حکم دیا تھا وہ اِس بنا پر نہ دیا کہ ان لوگوں کی باتوں کی وجہ سے شاہ ایاز سے بدگمان ہوگیا تھا بلکہ اُس نے یہ حکم

کہ مبادا کایں بُوَد خستہ شود
کہ وہ خدانخواستہ رنجیدہ ہو

من نخواہم کہ بَرو خجلت رَوَد
میں خواہاں نہیں ہوں کہ اُس کو شرمندگی ہو

این ؎ نہ کردست اُو، ور کرد اُو رَواست
اُس نے یہ نہ کیا ہوگا اور اگر کیا ہے تو جائز ہے

ہرچہ خواہد گو بکُن محبوبِ ماست
کہہ دے وہ جو چاہے کرے، ہمارا پیارا ہے

ہرچہ محبوبم کُند من کردہ اَم
میرا پیارا جو کرے، وہ میں نے کیا ہے

اُو منم من اُو چہ گر در پَردہ اَم
وہ میں ہوں میں وہ، اگرچہ میں پردے میں ہوں

باز گفتے دُور ازاں خوئے و خصال
پھر کہتا اِس خصلت اور عادت سے بعید ہے

اینچنیں تخلیط ژاژست و خیال
اس طرح کی گڑبڑ بکواس اور وہم ہے

از ایاز ایں خود محال ست و بعید
ایاز سے یہ خود ناممکن اور بعید ہے

کو یکے دریاست قعرش ناپدید
کیونکہ وہ ایک ایسا دریا ہے جس کی تھاہ نہیں ہے

ہفت ؎ دریا اندر و یک قطرہ
ساتوں سمندر اُس کے اندر ایک قطرہ ہیں

جُملہ ہستیہا ز مہرش ذرّہ
تمام ہستیاں اُس کی محبت کا ایک ذرہ ہیں

جُملہ پاکیہا ازاں دریا بَرند
سب اُس دریا سے پاکی حاصل کرتے ہیں

قطرہایش یک بیک مینا گرند
اُس کا ایک ایک قطرہ مینا بنانے والا ہے

شاہِ شاہانست و بلکہ شاہ ساز
وہ شاہنشاہ بلکہ شاہ گر ہے

وز برائے چشمِ بَد نامش ایاز
نظرِ بد کی وجہ سے اُس کا نام ایاز ہے

چشمہائے نیک ہم بر وے بَدست
بھلی نگاہیں بھی، اُس پر بُری ہیں

از رہِ غیرت کہ حُسنش بیحدست
غیرت کی وجہ سے کیونکہ اُس کا حُسن بیحد ہے

یک دہاں خواہم بپہنائے فلک
آسماں کی چوڑائی والا ایک مُنہ چاہتا ہوں

تا بگویم وصفِ آں رشکِ مَلک
تاکہ اُس رشکِ مَلک کی تعریف کر سکوں

ور ؎ دہاں یابم چنیں و صد چنیں
اور اگر میں ایسا اور اُس جیسے سیکڑوں مُنہ پاؤں

تنگ آید در بیانِ آں امیں
اُس امانت دار کے بیان میں تنگ ہو جائیں

اینقدر ہم گر نگویم اے سَنَد
اے معتمد! اگر میں اتنا بھی نہ کہوں

شیشۂ دل از ضعیفی بشکند
کمزوری سے، دل کا شیشہ ٹوٹ جائے

شیشۂ دل را چو نازک دیدہ اَم
چونکہ میں نے دل کے شیشے کو نازک سمجھا

بہرِ تسکیں بس قبا بدریدہ اَم
تسکین کے لئے میں نے بہت سی قبائیں چاک کی ہیں

من ؎ سَرِ ہر ماہ سہ روز اے صنم
اے محبوب! میں ہر مہینے کے شروع میں تین دن

بے گماں باید کہ دیوانہ شوم
یقیناً، دیوانہ بن جاتا ہوں

عبدیت مُراد ہے۔ از رہِ غیرت۔ شعر:

غیرت از چشمم برم روئے تو دیدن ندہم | گوش را نیز حدیثے تو شنیدن ندہم

یک دہاں میرا یہ چھوٹا سا مُنہ تعریف سے قاصر ہے۔

کے ذریعہ اُن لوگوں کو آزمانے کے لئے مذاق کیا تھا۔ پاک۔ بادشاہ ایاز کو اِس تہمت سے پاک سمجھتا تھا لیکن پھر بھی شاہ کا دل لرز رہا تھا کہ اگر خدانخواستہ ان لوگوں کی یہ تہمت صحیح نکلی تو ایاز کو رنج ہوگا۔

؎ این نہ کردست۔ شاہ یہی سمجھتا تھا کہ ایاز نے حجرہ میں خزانہ جمع نہیں کیا ہے اور اگر کیا بھی ہے تو چونکہ وہ میرا محبوب ہے اُس کا جو جی چاہے کرے۔ ہرچہ۔ اگر اُس نے خزانہ بھی جمع کیا ہے تو گویا میں نے ہی جمع کیا ہے جبکہ اُس میں اور مجھ میں دوئی نہیں ہے۔ تخلیط۔ گڑبڑ جو یہ لوگ کہہ رہے ہیں۔ از ایاز۔ ایاز اخلاص و محبت کا دریائے ناپیداکنار ہے۔

؎ ہفت دریا۔ ہو سکتا ہے کہ یہ اشعار آخر تک شاہ کی زبانی ایاز کی تعریف ہوں یا مولانا نے ایاز کی محبوبیت سے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوبیت کی طرف منتقل ہو کر آنحضورؐ کی مدح شروع کر دی ہو۔ جملہ ہستیہا یعنی تمام موجودات۔ ایاز۔ اگر شاہ کا مقولہ ہے تو ایاز غلام مراد ہے اگر آنحضورؐ کی تعریف ہے تو ایاز سے آنحضورؐ کی

؎ ور دہاں۔ اس طرح کی سیکڑوں تعریفیں بھی اُس امین کی خوبیوں کو ادا بیان نہیں کر سکتی ہیں۔ من سر ماہ۔ اگر شاہ کا مقولہ ہے تو ایاز مراد ہے اگر مولانا کا مقولہ ہے تو آنحضورؐ مراد ہیں۔ اینقدر۔ معشوق کی تعریف کرنے سے عاشق کو تسلی ہوتی ہے شیشۂ دل۔ قبا چاک کرنے سے دل کو تسلی ہو جاتی ہے۔

هین که امروز اوّلِ سه روزه است
خبردار! آج تین دن کا پہلا دن ہے

روزِ پیروزیست نے پیروزه است
کامیابی کا دن ہے، نہیں فیروزہ ہے

هر دلے کاندر غمِ شاهے بُود
جو دل شاہ کے عشق میں مبتلا، ہو

دمبدم اُو را سرِ ایں مه بُود
اس کا ہر وقت اِس مہینہ کا شروع ہوتا ہے

سلہ متن۔ مجنوں کا جنون مہینہ کے ابتدائی تین دنوں میں جوش پر ہوتا ہے، یہ بھی مشہور ہے کہ حجاج ظالم نے اجنبی حالت میں ایک چرواہے سے دریافت کیا کہ حجاج کے بارے میں تیری کیا رائے ہے تو اُس نے حجاج کو بددعائیں دیں اور ظالم بتایا اِس پر حجاج نے کہا تو نہیں جانتا کہ میں خود حجاج ہوں تو اُس چرواہے نے گھبرا کر کہا تو نہیں جانتا کہ میں ایک دیوانہ ہوں اور مجھے ہر مہینہ میں تین دن جنون کا دورہ پڑتا ہے اور آج اُن دنوں کا پہلا دن ہے اِس پر حجاج ہنس پڑا اور اُس کو انعام دیا ممکن ہے کہ اِس لطیفہ کے تین دن کی طرف اشارہ ہو

متن کر۔ مولانا فرماتے ہیں محبت میں دیوانگی کا میرا ابھی پہلا روز ہے ہر دلے۔ جس کے دل میں معشوقِ حقیقی کا عشق ہو اُس کے لئے تو ہر لحظہ مہینہ کے اوّل کے تین دن ہیں۔

شرح وہ ایاز! جو کہ دانائی سے نشو و نما پائے ہوئے اور سراپا دانائی تھا۔ اس کا تقرب سلطانی سے پیشتر کا پوستین اور اُسے زمانہ کی جوتیاں حجرہ میں لٹکی ہوئی تھیں اور وہ ہر روز حجرۂ خلوت میں جاتا اور اپنے نفس سے کہتا کہ دیکھ تیری یہ حقیقت ہے اور تیرا یہ جوتا موجود ہے اسے دیکھ لے اور خبردار! اس علوِ مرتبت پر نظر نہ کرنا جو تجھ کو محض عنایت شاہی سے ملی ہے۔

اصل واقعہ تو یہ تھا۔ مگر جب لوگوں نے دیکھا کہ ایاز نے ایک خاص حجرہ پر قبضہ کر رکھا ہے جس میں وہ کسی کو نہیں جانے دیتا تو اسکے ان کو شبہ ہو گیا اور انہوں نے بادشاہ سے کہا کہ حضور! ایاز کے پاس ایک حجرہ ہے اور اس میں اس نے سونے، چاندی اور مال کا مٹکا رکھ رکھا ہے چنانچہ وہ اس میں کسی کو نہیں گھسنے دیتا اور اس کا دروازہ ہمیشہ مقفّل رکھتا ہے بادشاہ نے اوّل اپنے دل میں تعجب سے کہا کہ ہمارے اس غلامِ خاص کے پاس ایسی کیا چیز ہوگی جسے وہ ہم سے بھی چھپاتا ہے اسکے بعد اس نے ایک سردار کو حکم دیا کہ اچھا تم آدھی رات کے وقت جبکہ ایاز سوتا ہو۔ دروازہ.. کھول کر اس میں گھس جاؤ اور تلاشی لو۔ اس میں جو کچھ تمہیں ملے وہ تمہارا ہے لوٹ لو۔ اور اس کی حقیقت کو اہلِ دربار سے بیان کر دو۔

غضب ہے کہ ہم اس پر اس قدر عنایت کرتے ہیں اور وہ اپنے ہاتھ میں سے اموالِ شاہی چُراتا ہے اور ہم سے وفاداری و عشق و محبت کا دعوٰے کرتا ہے۔ حالانکہ

وہ گندم نما اور جو فروش ہے یہ حرکت اسکی نہایت نازیبا ہے کیونکہ جو شخص عاشق ہو اور عشق اسکی حیات کا ذریعہ ہو اسکے نزدیک بجز اطاعت محبوب کے دوسری روش کفر ہے خیر جب آدھی رات ہوئی تو اس معتمد سردار نے اس کے حجرہ کے کھولنے کی رائے قائم کی۔ چنانچہ چند زبردست سپاہی مشعل روشن کرکے اُسکے حجرہ کی جانب خوش خوش یہ کہتے ہوئے روانہ ہوئے کہ اب تو حکم شاہی ہو چکا ہے۔ اب ہم حجرہ پر حملہ کریں گے اور ہم میں سے ہر ایک اشرفیوں کی تھیلی بغل میں دبائے گا۔ دوسرا کہتا تھا ارے اشرفیاں کیسی! عقیق ولعل وگوہر کہو۔ کیونکہ وہ تو سلطان کا خاص الخاص خزانچی ہے بلکہ یوں کہو کہ آجکل تو وہی سلطان کی جان ہے پس اسکے نزدیک لعل ویاقوت وزمرد وعقیق بھی کیا حقیقت رکھتے ہیں۔ ایسی حالت میں نہیں معلوم اس میں کیا دولت ہوگی یہ تو ان لوگوں کی حالت تھی۔ اب سلطان کی حالت سُنو! اسکو ایاز کی نسبت کوئی بدگمانی نہ تھی اور تلاشی کا حکم جو اس نے دیا تو وہ اظہارِ حقیقت کے لیے دل لگی کے طور پر دیا تھا اور اسکی امیروں کو بتانا مقصود تھا وہ اسکو ہر غدر و خیانت سے پاک جانتا تھا۔ مگر اسکے ساتھ ہی وہم سے اس کا دل لرزتا ہی تھا اور وہ یہ کہتا تھا کہ مبادا واقعہ یوں ہی ہو جیسا کہ امیروں نے بیان کیا ہے اور ایاز کو صدمہ پہنچے مَیں نہیں جانتا کہ وہ شرمندہ ہو اوّل تو اس نے ایسا کیا نہیں لیکن اگر کیا ہے تو اسے اختیار ہے جو چاہے کرے وہ ہمارا محبوب ہے۔ جو میرا محبوب کرے وہ میرا ہی کیا ہوا ہے۔ کیونکہ وہ میں ہُوں اور میں وہ یعنی میں کچھ نہیں جو کچھ ہے وہی ہے۔ اور میں اس کا حجاب ہُوں پس جبکہ میں حقیقتاً کچھ ہوں ہی نہیں۔ تو اگر مرتبہ حجاب میں ہوں — تو کیا ہے کیونکہ یہ وجود ایسا ہے۔ جو عدم ترتب آثار غیریت کے سبب مثل عدم کے ہے

[فائدہ: او منم من او ایک جملہ ہے جس سے جسطرح فنائے عاشق فی المحبوب ظاہر ہوتی ہے یوں ہی فنائے محبوب فی المحب بھی ظاہر ہوتی ہے وہو خلاف المقصود۔ اسلئے اس کی تشریح کی ضرورت ہے۔ سو واضح ہو کہ فنا کی حقیقت

یہ نہیں ہے کہ فانی کی ذات مفنی فیہ کی ذات کی ساتھ متحد ہو جائے۔ بلکہ اسکی حقیقت یہ ہے کہ فانی بقائے ذات کے ساتھ ...... اپنی صفات کو چھوڑ کر مفنی فیہ کی صفات اختیار کرے پس فنا سے قبل چار چیزیں تھیں ذات مفنی فیہ اور اسکے صفات خاصہ۔ ذات فانی اور اس کی صفات خاصہ اور تحقق فنا کے بعد تین چیزیں رہ گئیں ذات مفنی فیہ اور اسکی صفات اور ذات فانی متصف بصفات مفنی فیہ۔ جب یہ مقدمہ معلوم ہو چکا تو اب سمجھو کہ "او منم من او" میں "او" سے ذات مفنی فیہ متصف بصفاتہا مراد نہیں۔ بلکہ ذات فانی متصف بصفات مفنی فیہ مراد ہے اور چونکہ اس ذات میں دو حیثیتیں ہیں ذاتیہ اور وصفیہ اسلئے حیثیت اولیٰ سے اس کو میں سے تعبیر کیا ہے اور حیثیت ثانیہ سے او سے۔ اور او منم من او کہا ہے فاندفع الاشکال وللہ الحمد۔

فائدہ ۲: درپردہ ام کے معنی یہ نہیں ہیں کہ میں پردہ میں ہوں بلکہ مراد اسکی یہ ہے کہ میں پردہ کے مرتبہ میں ہوں ــــ اور تفصیل اسکی یہ ہے کہ فنا کے بعد ذات فانی باقی رہتی ہے۔ مگر اسکی صفات زائل ہو جاتے ہیں اور ان کی جگہ اس میں مفنی فیہ کی صفات آجاتی ہیں کما سبق فی الفائدۃ الاولیٰ اس طرح دونوں ذاتیں صفات کے لحاظ سے متحد ہو جاتی ہیں لیکن چونکہ ذات فانی مغائرۃ لذات المفنی فیہ موجود ہوتی ہے اور صفات مفنی فیہ کا ظہور اسی ذات مغائرہ سے ہوتا ہے اسلئے ظاہر بیں ان صفات کو ذات فانی کی طرف منسوب کرتے ہیں اور فانی کو ذات مفنی فیہ کے مغائر سمجھتے ہیں ــــ اس طرح ذات فانی اس اتحاد کا حجاب بن جاتی ہے جو کہ ہر دو ذاتوں میں اتحاد صفات کے سبب پیدا ہو گیا تھا۔ فتدبر واللہ اعلم بالصواب) پھر کہنا کہ خدا نہ کرے کہ اسکی ایسی بے ہودہ خصلت ہو۔ میں نے جو حکم عقلی میں حکم وہم کی آمیزش کردی ہے یہ میری بے ہودگی اور ..... بے اصل بات ہے۔ ایاز سے یہ حرکت ناممکن اور نہایت بعید ہے کیونکہ وہ تو خصال حمیدہ کا ایک سمندر ہے جس کی تہہ معلوم ہی نہیں اور جس کے اندر سات سمندر ایک قطرہ ہیں۔ اور وہ ایک ایسا آفتاب کمالات ہے جس کے مقابلہ میں تمام مخلوقات ایک

ذرّہ ہیں اور وہ نجاست نقص سے اس درجہ پاک ہیں کہ تمام مخلوق پاکی کو اسی دریا سے
لے جاتی ہے اور اس کے قطرہ سراسر ... ناقص کو کامل بنا دینے والے ہیں
وہ ایک شہنشاہ بلکہ شاہ گر ہے ایاز تو اسکو نظر بد کے دفع کے لیے کہتے ہیں چشم بد
تو چشمِ بد - یعنی میرے نزدیک تو اچھی نظر میں اس پر چشم بد ہی ہے کیونکہ اُس کا
حُسن بے حد ہے پس مجھے رشک آتا ہے کہ کوئی اُسے دیکھے ایسی صورت میں جس طرح
میں یہ چاہتا ہوں کہ کوئی اِسے بُری نظر سے نہ دیکھے - یوں ہی چاہتا ہوں کہ کوئی اسکو
اچھی نظر سے بھی نہ دیکھے ومن لم یفھم قال ماقال میں اس منہ سے اسکی تعریف نہیں
کر سکتا اسلئے مجھے ایسے منہ کی ضرورت ہے جو آسمان کے برابر وسیع ہو تاکہ میں اس
رشک ملک کی کچھ تعریف بیان کروں اور اگر مجھے ایسا بلکہ اس سے سو گنا منہ مل جائے تو اُس
کے اوصاف پورے طور پر اس وقت بھی بیان نہیں ہو سکتی - باوجودیکہ میں جانتا ہوں
کہ جس قدر میں نے اسکی تعریف کی ہے یہ کسی درجہ میں بھی کافی نہیں ہے لیکن کیا کروں اگر
اتنی بھی تعریف نہ کروں تو شیشۂ دل ... اپنی کمزوری کے سبب پھٹ جائے (یہاں تک
مولانا نے محمودؒ و ایاز کا قصہ بیان کیا ہے محشین کو ہفت دریا اندر دیک قطرہ اور جملہ پاک
بازاں دریا بُرند وغیرہ صفات کے ایاز پر منطبق نہ ہونے سے شُبہ ہو گیا ہے اور انہوں
نے اسکو انتقال قرار دیکر حق سبحانہٗ یا عارف کی تعریف قرار دیا ہے لیکن میرے
نزدیک اس مقام پر انہوں نے اس دقیقہ کو نظر انداز کر دیا ہے
کہ یہ تعریف محمود کی زبانی ہے جو ایاز پر عاشق تھا اور عشاق کا مذاق اپنے معشوقوں
کی نسبت معلوم ہے کہ وہ انکو کیا اور کیسا سمجھتے ہیں واللہ اعلم)

چونکہ مولانا نے عاشق و معشوق کا قصہ بیان کیا تھا اسلئے مولانا پر جنونِ عشق
کا غلبہ ہو گیا - اب اس کا بیان فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جس طرح محمودؒ نے اپنے دل کی
تسکین کے لیے ایاز کی تعریف کی تھی جوں ہی میں نے بھی اپنے دل کو نازک پایا اور اس
کے جوش کو فرو کرنے کے لئے کپڑے پھاڑ ڈالے ـــــ بات یہ ہے کہ جس طرح

دیوانوں کی دیوانگی ہر مہینہ کے اوّل تین دن میں جوش پر ہوتی ہے۔ (کما قیل) یونہی مجھ پر بھی ہر مہینہ کے پہلے تین دنوں میں جنون کا غلبہ ہونا چاہیئے پس یہ دن اُن تین دنوں میں پہلا دن ہے اور یہ دن میرے لیے روز فیروزی ہے نہیں بلکہ فیروزہ ہے یعنی فیروزی کے تو تمام ہی دن ہیں مگر یہ ان میں نہایت ہی اعلیٰ ہے۔

میں نے جو کہا تھا کہ میرے جوش جنون کے لیے بھی ہر مہینہ کے شروع میں تین دن ہونے چاہئیں اور آج ان میں کا پہلا دن ہے یہ تو عام جنون پر قیاس کر کے کہا تھا ورنہ اصل بات یہ ہے کہ جس کو کسی محبوب کا غم ہو اس کے لیے تو ہر لمحہ مہینہ کے ابتدائی ایّام ہیں اور آپ کو ہر وقت وہی جوش ہوتا ہے جو عام دیوانوں کو ان دنوں میں ہوتا ہے۔

(فائدہ: اشعار این قدر ہم گر نگویم الخ سرخی کے حل میں سے محشی نے غلط کیا ہے

بعض نے تو تمام اشعار کو مولانا کا مقولہ قرار دیا ہے اور بعض نے اول کے دو شعروں کو محمود کا اور آخر کے تین اشعار کو مولانا کا مقولہ کہا ہے مگر میرے نزدیک صرف شعر اوّل محمود کا مقولہ ہے اور باقی اشعار مقولہ مولانا ہیں فتدبر)

در بیانِ آنکہ آنچہ بیان کردہ میشود صورتِ قصہ است و آنکہ

اِس بیان میں کہ جو کچھ بیان کیا جائے گا وہ قصہ کا ظاہر ہے اور

آں صورتیست درخورِ ایں صورت گراں است و درخورِ

یہ کہ وہ ظاہر، ظاہر پرستوں کے لائق اور اُن کی تصویر کے آئینہ کے لائق ہے

آئینۂ تصویر ایشانست و از قدوسی کہ حقیقتِ ایں قصہ راست

اور وہ لطافت جو اِس قصہ کی حقیقت ہے میری گویائی کو

نطقِ مرا ازیں تنزل شرم می آید و از خجالت سر و ریش

اُس کے بیان کرنے سے شرم آتی ہے اور شرمندگی سے سر اور داڑھی اور

و قلم گم میکند والعاقل تکفیہ الاشارۃ

قلم کو گم کیے دیتی ہے اور عقلمند کے لئے اشارہ کافی ہے

قصۂ محمود و اوصافِ ایاز ‌ ‌ چوں شدم دیوانہ رفت اکنوں زساز

محمود کا قصہ اور ایاز کے اوصاف ‌ ‌ اب ترتیب سے باہر ہو گئے چونکہ میں دیوانہ بن گیا ہوں

؎ در بیان۔ محمود و ایاز کا عنوان تو قصہ کی ظاہری صورت ہے مگر اصل مقصود اپنے عشقِ خداوندی کو بیان کرنا ہے۔ قصۂ محمود چونکہ اب مجھ میں عشقِ حقیقی کی دیوانگی پیدا ہو گئی ہے لہٰذا یہ قصہ بھی اب بے ربط ہو کر رہ گیا ہے۔

زانکہ پیلم دید ہندستان بخواب — از خراجِ اُمید بُردہ شد خراب

کیونکہ میرے ہاتھی نے ہندوستان کو خواب میں دیکھ لیا — آمدنی سے اُمید منقطع کرنے، گاؤں تباہ ہوگیا ہے

کَیْفَ یَأْتِی النَّظْمُ لِیْ وَالْقَافِیَهْ — بَعْدَ مَا ضَاعَتْ اُصُوْلُ الْعَافِیَهْ

مجھے نظم اور قافیہ کیسے دستیاب ہو! — جبکہ عافیت کی جڑیں برباد ہوگئی ہیں

مَا جُنُوْنٌ وَّاحِدٌ لِّیْ فِی الشُّجُوْنِ — بَلْ جُنُوْنٌ فِیْ جُنُوْنٍ فِیْ جُنُوْنٍ

غموں کی وجہ سے مجھے ایک ہی جنون نہیں ہے — بلکہ جنون در جنون در جنون ہے

ذَابَ جِسْمِیْ مِنْ اِشَارَاتِ الْکُنیٰ — مُنْذُ عَانَیْتُ الْبَقَاءَ فِی الْفَنَا

کنیتوں کے اشاروں سے میرا بدن گُھل گیا — جب سے میں نے فنا میں بقا کی تکلیف اُٹھائی ہے

اے ایاز از عشقِ تو گشتم چو موئے — ماندم از قصہ تو قصہ من بگوئے

اے ایاز! میں تیرے عشق میں بال جیسا ہوگیا ہوں — میں تیرے قصہ سے تھک گیا تو میرا قصہ بیان کر

بس فسانہ عشقِ تو خواندم بجاں — تو مرا کافسانہ گشتستم بخواں

میں نے تیرے عشق کا افسانہ (دل و) جان سے پڑھا — میں جو افسانہ بن گیا ہوں تو مجھے پڑھ

خود تو میخوانی یقیں اے مُقتدا — من کُہِ طورم تو موسیٰ ویں صدا

اے مقتدا! یقیناً تو خود پڑھ رہا ہے — میں (کوہ) طور ہوں تو موسیٰ ہے اور یہ صدا (بازگشت) ہے

کوہ بیچارہ چہ داند گفت چیست — زانکہ بیچارہ زگفتنہا تہی ست

بیچارہ پہاڑ کیا جانے گفتگو کیا ہوتی ہے؟ — کیونکہ وہ بے چارہ گفتگوؤں سے خالی ہے

لیک موسیٰ فہم گفتنہا کند — کوہِ عاجز خود چہ داند اے سند

لیکن موسیٰ گفتگوئیں سمجھتے ہیں — اے معتمد! عاجز پہاڑ کیا جانے

کوہ میداند بقدرِ خویشتن — اندکے دارد ز لُطفِ روح تن

اپنی بقدر پہاڑ بھی جانتا ہے — جسم، روح کا تھوڑا سا لُطف رکھتا ہے

تن چو اُصطرلاب باشد زاحتساب — آیتے از روح ہمچوں آفتاب

جسم، حساب لینے میں اُصطرلاب کی طرح ہے — روح کی نشانی سورج کی طرح ہے

آں منجم چوں نباشد چشمِ تیز — شرط باشد مردِ اُصطرلاب ریز

جب وہ نجومی تیز نگاہ نہ ہو — اُصطرلاب بنانے والے انسان کی ضرورت ہوتی ہے

تا صُطرلابے کُند از بہرِ اُو — تا برد از حالتِ خورشید بُو

تاکہ وہ اُس کے لئے اصطرلاب بنا دے — تاکہ وہ سورج کی حالت معلوم کرسکے

ہوتی ہے جسم بھی اُس سے بہرہ اندوز ہوجاتا ہے یہی حال حضرت موسیٰ اور پہاڑ کا ہے۔ تن۔ اب مولانا نے جسم اور روح کا مستقل بیان شروع کردیا ہے فرماتے ہیں جسم سے روح کے منازل اور مراتب کا اسی طرح پتہ لگتا ہے جس طرح اُصطرلاب سے سورج کے احوال کا پتہ چلتا ہے۔ اُصطرلاب۔ ایک آلہ ہے جس سے سورج چاند وغیرہ کے فاصلوں کا اندازہ لگایا جاتا ہے۔

لے زانکہ۔ ہاتھی ہندوستان کا جانور ہے غیر ملک میں جاکر جب کبھی وہ خواب میں ہندوستان کو دیکھتا ہے تو اُس پر مستی طاری ہوجاتی ہے۔ کیف۔ ایک مجنون نظم اور قافیہ پر قادر نہیں رہتا۔ ما جنون میرا صرف ایک جنون نہیں ہے جنون در جنون در جنون ہے۔ ذاب جسمی۔ چونکہ عشق کی داستان بیان نہیں کرسک رہا ہوں، لہٰذا اُس کا اثر میرے جسم کو گھلا رہا ہے۔ منذ۔ جب سے میں اپنے آپ کو فنا کر کے مقامِ مشاہدہ میں پہنچ گیا ہوں۔

ے اے ایاز۔ اے محبوب اب مجھ میں یہ طاقت نہیں ہے کہ تیرے عشق کا قصہ بیان کرسکوں اب میرا وجود خود قصہ بن کر رہ گیا ہے تو اس قصہ کو بیان کر۔ بس فسانہ۔ میں تیرے عشق میں فنا ہو کر خود افسانہ بن گیا ہوں۔ خود طور میں کی صدا خود طور کی نہ تھی وہ تو حضرت موسیٰ کی صدائے بازگشت تھی اب میں طور ہوں تو موسیٰ ہے لہٰذا میری آواز دراصل تیری آواز ہے۔ کوہ۔ پہاڑ خود اُس آواز کو کچھ نہیں سمجھتا موسیٰ نے سمجھا۔

سے کوہ میداند پہلے شعر سے یہ نہ سمجھنا کہ پہاڑ بالکل بے شعور ہے پہاڑ میں بھی شعور ہے لیکن حضرت موسیٰ جیسا شعور نہیں ہے۔ اندکے۔ اصل لذت روح کو حاصل

لے آں منجم جو نجومی براہِ راست ستاروں کے احوال نہیں دیکھ سکتا اُسکے لئے اُصطرلاب ذریعہ بنتا ہے۔ جاں۔ جو نجومی براہِ راست چاند اور سورج کے فاصلوں کو

جاں کز اصطرلاب جوید او صواب
جو جان اصطرلاب کے ذریعہ ٹھیک بات معلوم کرے

چہ قدر داند ز چرخ و آفتاب
وہ آسمانوں اور سورج کی کیا قدر جان سکتی ہے؟

تو کز اصطرلاب دیدہ بنگری
تو جو کہ آنکھ کے اصطرلاب سے دیکھتا ہے

در جہاں دیدن یقیں بس قاصری
عالم دیکھنے میں یقیناً بہت عاجز ہے

تو جہاں را قدر دیدہ دیدۂ
تونے جہان کو آنکھ کی بقدر دیکھا ہے

کو جہاں سبلت چرا مالیدۂ
جہان کہاں ہے؟ مونچھوں کو تاؤ کیوں دیا ہے؟

عارفاں را سرمۂ ہست آں بجوے
عارفوں کے پاس سرمہ ہے وہ طلب کر

تا کہ دریا گردد ایں چشمِ چو جوے
تاکہ یہ نہر جیسی آنکھ سمندر بن جائے

ذرۂ از عقل و ہوش ار بامن ست
اگر عقل اور ہوش کا ایک ذرہ بھی میرے پاس ہے

ایں چہ سودا و پریشاں گفتن ست
تو یہ دیوانگی اور بے ترتیب باتیں کرنا کیوں ہے؟

چونکہ مغزِ من ز عقل و ہش تہی ست
چونکہ میرا دماغ عقل اور ہوش سے خالی ہے

پس گناہِ من دریں تخلیط چیست
تو اس خلط ملط میں میرا کیا قصور ہے؟

نے گناہ اوراست کو عقلم ببرد
نہ اُس کا گناہ ہے جو میری عقل لے گیا

عقلِ جملہ عاقلاں پیشش بمرد
تمام عقلمندوں کی عقلیں اُسکے آگے مُردہ ہیں

یَا مُحِیْرَ الْعَقْلِ فَتَّانَ الْحِجٰی
اے عقل کو حیران کرنے والے سمجھ کو فتنہ میں مبتلا کرنیوالے

مَا سِوَاکَ لِلْعُقُوْلِ مُرْتَجٰی
تیرے سوا عقلوں کی اُمید گاہ نہیں ہے

مَا اشْتَهَیْتُ الْعَقْلَ مُذْ جُنِّنْتَنِیْ
تونے جب سے مجھے جنون عطا کیا ہرگز عقل کی خواہش نہیں کی ہے

مَا حَسَدْتُ الْحُسْنَ مُذْ زُیِّنْتَنِیْ
جب سے تو نے مجھے زینت بخشی ہے میں نے حسن پر حسد نہیں کیا

بَلْ جُنُوْنِیْ فِیْ هَوَاکَ مُسْتَطَابٌ
بلکہ تیرے عشق میں میرا جنون بھلا ہے

قُلْ بَلٰی وَاللّٰهُ یَجْزِیْکَ الصَّوَابَ
کہدے "ہاں" اللہ تجھے ٹھیک بدلہ دے

گر بتازی گوید او ور پارسی
اگر وہ عربی میں بولے یا فارسی میں

گوش و ہوشت کو کہ در فہمش رسی
تیرا کان اور ہوش کہاں ہے کہ تو اسکو سمجھے

بادۂ او درخورِ ہر ہوش نیست
اُس کی شراب ہر ہوش کے مناسب نہیں ہے

حلقۂ او سخرۂ ہر گوش نیست
اُس کا حلقہ ہر کان کے لائق نہیں ہے

بارِ دیگر آمدم دیوانہ وار
میں دیوانہ وار دو بارہ آگیا

رو رو اے جاں زود زنجیرے بیار
اے جان! جا جا، جلد زنجیر لا

غیرِ آں زنجیرِ زلفِ دلبرم
میرے معشوق کی زنجیر کے علاوہ

گر دو صد زنجیر آری بر درم
اگر تو دوسو زنجیریں لائے گا میں توڑ دوں گا

ہست بر پائے دلم از عشق بند
میرے دل کے پاؤں میں عشق کی بیڑی ہے

سود کے دارد مرا ایں وعظ و پند
مجھے یہ وعظ اور نصیحت کہاں مفید ہوسکتی ہے؟

سمجھ سکے محض اصطرلاب کے ذریعہ حقیقت تک نہ پہنچ سکیگا۔ تو کز۔ اگر انسان محض آنکھ کے اصطرلاب کے ذریعہ عالم کی حقیقت کو سمجھنے کی کوشش کریگا تو وہ حقیقت تک نہ پہنچ پائیگا۔ تو جہاں۔ آنکھ کے ذریعہ سمجھنے والا اپنی آنکھ کے بقدر سمجھ سکیگا۔ عارفاں۔ عارفوں سے سرمہ حاصل کرنا چاہیے جس سے حقائق واضح ہوں گے۔ [۵] ذرۂ۔ اگر مجھ میں تھوڑی بھی عقل ہو تو میں ژولیدہ بیانی نہ کروں لیکن چونکہ میری عقل اور حواس گم ہو گئے ہیں لہٰذا بے ترتیب بیان کر رہا ہوں۔ نے گناہ۔ وہ معشوق جس کی وجہ سے ہوش و حواس گم ہوئے ہیں اس کا کوئی قصور نہیں ہے اس کی شان یہی ہے کہ اُس کے سامنے عاقلوں کی عقلیں گم ہو جاتی ہیں۔ مُحِیر۔ حیران کرنے والا۔ فتّان۔ فتنہ میں مبتلا کرنے والا۔ حِجٰی۔ عقل۔ مرتجٰی۔ اُمید گاہ۔ [۵] مَا اشْتَهَیْتُ۔ یعنی تیرے عشق کے جنون کے بعد مجھے عقل کی تمنا نہیں۔ جُنِّنْتَنِیْ۔ تو نے مجھے جنون میں مبتلا کیا ہے۔ زُیِّنْتَنِیْ۔ تو نے مجھے زینت دی ہے۔ مُسْتَطَاب۔ پسندیدہ۔ قُلْ بَلٰی۔ یعنی تو میری ان باتوں کی تصدیق کر دے۔ گر بتازی۔ معشوق کا بولنا عربی میں ہو یا فارسی میں اور اس کے سمجھنے کیلئے [۱] بادہ۔ اس کی شراب کو صاحب ہمت ہی برداشت کر سکتا ہے اس کی غلامی کے حلقہ کا ہر کان اہل نہیں ہے۔ بارِ دیگر۔ اب مجھے جنون کا پھر دورہ پڑنے لگا جلد زنجیر لا لیکن وہ زنجیر اپنی زلف کی لا، لوہے کی زنجیر میری پاگلی کی تاب نہ لا سکے گی۔ ہست۔ جس شخص کے پاؤں میں عشق کی بیڑی پڑی ہوئی ہو اس پر نصیحت اثر نہیں کرتی۔

قصۂ عشقش ندارد مطلع اُس کے عشق کا قصہ کوئی مطلع نہیں رکھتا	ہم ندارد ہیچو مطلع مقطعہ مطلع کی طرح مقطع بھی نہیں رکھتا	۵۲ قصہ عشق کے قصہ کی نہ ابتدا ہوتی ہے نہ انتہا۔ مطلع۔ غزل کا پہلا شعر۔ مقطع۔ غزل کا آخری شعر

شرح چونکہ مولانا پر جنون عشق کا غلبہ ہوگیا تھا جس کا اوپر بیان ہوچکا ہے اور اسکی وجہ سے قصہ محمود و ایاز ناتمام رہ گیا تھا اب اُس ناتمامی کی معذرت کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ چونکہ میں دیوانہ ہوگیا ہوں کیونکہ میرے ہاتھی کو خواب میں ہندوستان نظر آگیا ہے اور میری روح عالمِ غیب کی طرف متوجہ ہوگئی اسلئے اب مجھے محمود اور ایاز کے اوصاف بھی نہیں آتے۔ گاؤں اجڑ گیا پس تم مجھے معذور کہو اور خراج قصہ گوئی کی امید سردست چھوڑ دو کیونکہ میرے عقل کا گاؤں اُجڑ گیا ہے تم غور تو کرو کہ جب اصول عافیت یعنی عقل و ہوش جاتی رہی تو مجھے نظم اور قافیہ قصہ جس میں آورد کی ضرورت ہے کیونکر درست ہوسکتا ہے کیونکہ غمہائے عشق میں مجھے ایک جنون تھوڑا ہی ہے بلکہ جنون در جنون ہے ایسی حالت میں قصہ کیونکر بیان کرسکتا ہوں رہی یہ نظم سو یہ تو آمد ہے جس میں غور و فکر کی ضرورت نہیں۔

یہاں تک پہنچکر مولانا کو دل تنگی لاحق ہوتی ہے کیونکہ جوشِ عشق چاہتا ہے کہ خوب دل کھول کر بھڑاس نکالو۔ اور جو منہ پر آئے کہو۔ اور اطاعت محبوب اسکی اجازت نہیں دیتی اسلئے مولانا پریشان ہوتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ بھائی! جب سے میں نے فنا میں بقا کی مشقتیں جھیلی ہیں۔ اس وقت سے اشارات مخفیہ سے میرا تو جسم گھل گیا کیونکہ جی بے اختیار یہ چاہتا ہے کہ اسرار عشق خوب جی کھول کر بیان کردں اور اجازت ہی نہیں اسلئے ضبط کرتا ہوں۔ اور ضبط کی تکلیف سے گھلتا ہوں۔

(فائدہ: منذ عاینت البقار فی الفنار کے اندر دو احتمال ہیں اول تو یہ کہ لفظ عاینت معائنہ سے مشتق ہو دوسرا یہ کہ معاناۃ سے مشتق ہو جسکے معنی ہیں رنج کشیدن یعنی مصیبت جھیلنا اور میرے نزدیک مقام کے مناسب احتمال ثانی ہے گو محشی نے احتمال اول کو اختیار کیا ہے) اسکے بعد فرط ضبط سے تنگ آکر بے اختیارانہ

کہتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اے میرے ایاز! یعنی محبوب حقیقی! میں تیرے عشق میں گھل گھل کر مثل بال کے دبلا ہوگیا ہوں اور قصہ بیان کرنے سے بھی عاجز ہوگیا ہوں اور قصہ محمود ایاز جو حقیقت میں آپ کا اور میرا قصہ ہے اور محمود و ایاز برائے نام اور پردہ پوشی کے لیے ہیں۔ بیان کرنے سے عاجز ہوگیا ہوں۔

پس اب آپ میرا قصہ جو میں کہہ رہا تھا کہیے اور میں آپ کے عشق کا افسانہ بہت کچھ جان و دل سے کہہ چکا ہوں۔ پس اب کہ میں خود افسانہ ہوگیا ہوں آپ مجھے پڑھیے یعنی میں تو فنا ہوکر آپ کے ذکر کے قابل نہیں رہا۔ اب آپ بمقتضائے اذکرونی اذکرکم میرا ذکر کیجئے اور یہ جو میں کہتا ہوں کہ میں نے یہ کیا وہ کیا اور میں ایسا ہوگیا ویسا ہوگیا اب آپ یہ کیجئے وہ کیجئے یہ میں نہیں کہتا بلکہ آپ ہی کہتے ہیں کیونکہ میں تو بمنزلہ کوہ طور کے ہوں اور آپ بمنزلہ موسٰے کے۔ جو کہ کوہ طور پر کلام کرتے تھے اور میرا کلام بمنزلہ طور کے اس صدائے بازگشت کے ہے جو کہ موسٰے علیہ السلام کی آواز سے اس میں پیدا ہوتی تھی وہ آواز گو بظاہر طور سے پیدا ہوتی تھی مگر حقیقت میں وہ کلام موسٰے علیہ السلام کا تھا۔ ورنہ بے چارہ طور کیا جانے کہ گویائی کیا چیز ہے کیونکہ وہ تو کلاموں سے عاری ہے ہاں موسٰے علیہ السلام ضرور بولنا جانتے ہیں اور لیتے ہیں اور پہاڑ جو کہ عاجز ہے وہ کیا بولنا جانے وہ تو اپنی حیثیت کے موافق ہی بولنا جانتا ہے۔

اور وہ یہ ہے کہ جو کچھ موسٰے علیہ السلام کہیں اُسے دُہرائے سو اس قدر گویائی بھی موسٰے علیہ السلام کا فیض ہے اسلئے موسٰے اور طور کی ایسی مثال ہے جیسے روح اور جسم کہ جسم فی حد ذاتہ معطل محض ہے۔ ہاں روح کی عنایت سے کچھ حصہ اسکو بھی مل گیا ہے اس لئے اگر خیال کیجئے تو جسم کو روح سے وہی نسبت ہے جو اصطرلاب کو آفتاب سے کیونکہ وہ روح کی حالت کے اظہار کا ایک ذریعہ ہے، جیسے اصطرلاب آفتاب کی حالت کے اظہار کا۔

یہاں تک مولانا نے جسم کو اصطرلاب اور روح کو آفتاب قرار دیا تھا اب مولانا ایک دوسری تشبیہ کی طرف انتقال فرماتے ہیں اور جہان کو مثل آفتاب کے قرار دیکر

اس کے متعلق مضمون ارشادی بیان فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ دیکھو! جب ستارہ شناس تیز نظر نہیں ہوتا تو اُسکو ایک ایسے شخص کی ضرورت ہوتی ہے جو اُصطرلاب قائم کرنا جانتا ہو۔ تاکہ وہ اسکے لیے اصطرلاب قائم کرے اور وہ ستارہ شناس اُس کے ذریعہ سے آفتاب کی حالت معلوم کرے ــــ اب تم سمجھو کہ جو شخص اصطرلاب کے ذریعے سے حالت واقعیہ کو جان سکتا ہے اور اسکی بدوں نہیں تو وہ آسمان اور آفتاب کے متعلق کس قدر علم رکھ سکتا ہے یقیناً تم یہ کہوگے کہ بہت کم۔ اب ہم کہتے ہیں کہ تم جو اصطرلاب چشم کے ذریعے سے عالم کو دیکھتے ہو تو یقیناً تم کو بھی جہاں کی حالت بہت کم معلوم ہو سکتی ہے۔

ایسی حالت میں تمہارا یہ دعوٰے کہ ہم نے عالم کو دیکھ لیا۔ اور اس کی حالت کما حقہ معلوم کرلی بالکل غلط ہے تم نے جہاں کو اس قدر دیکھا ہے جس قدر آنکھ سے معلوم ہو سکتا ہے اور حقیقت وسر جہاں یہ نہیں ہے پس فضول مونچھوں پر تاؤ کیوں دیتے ہو۔ اور کیوں کہتے ہو کہ ہم نے جہان کو دیکھ لیا ہاں اگر تم جہاں کو یوں دیکھنا چاہتے ہو۔ جیساکہ وہ ہے اور جیساکہ اسکو دیکھنا چاہیئے ــــ تو ہم اس کا طریقہ بتلاتے ہیں اور وہ طریقہ یہ ہے کہ اہل اللہ کے پاس ایک سُرمہ ہے جس سے اشیاء کی حقیقت معلوم ہو جاتی ہے تم وہ سرمہ تلاش کرو تاکہ تمہاری یہ آنکھ جو بمنزلہ ایک ندی کے ہے ایک سمندر ہو جائے اور تمہاری نظر اس قدر ثاقب ہو جائے کہ صورت سے گذر کر حقیقت تک پہنچ جائے۔

اس مضمون کو یہاں تک پہنچا کر ہوش آتا ہے اور فرماتے ہیں کہ صاحبو! میں نہ کہتا تھا کہ میں دیوانہ ہو رہا ہوں اب تو تمہیں اسکی تصدیق ہو گئی کیونکہ اگر مجھے کچھ بھی عقل اور ہوش ہوتی تو یہ جنون اور پریشان گوئی کیوں ہوتی کہ کیا کہہ رہا تھا اور کیا کیا کہنے لگا۔ مگر چونکہ میرے دماغ میں عقل و ہوش نہیں اسلئے اگر میں خلط بحث کروں تو اس میں میرا کیا قصور ہے کچھ بھی نہیں۔ قصور تو اس کا ہے جس نے میری عقل کھوئی یعنی میرے محبوب کا۔ جسکے سامنے تمام عقلاء کی عقول ہیچ اور معطل ہیں۔

(فائدہ: گناہ اور ابین لفظ گناہ بنا بر مشاکلت استعمال ہوا ہے جیسے ومکروا ومکراللہ میں ومکراللہ)

چونکہ اس مضمون سے شکایت محبوب کی بو آتی تھی کہ اسنے مجھے دیوانہ کر دیا اسلیئے مولانا اپنے محبوب کو خطاب فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اے عقول کو پناہ دینے والے اور انکو فتنہ میں مبتلا کرنے والے محبوب عقول کی امید فلاح آپسے وابستہ ہے اور آپ ہی انکو فتنوں سے بچا سکتے ہیں پس اگر میرے عقل نے بیان مذکور میں غلطی کی ہو تو آپ معاف کیجیو۔ اور اسے فتنہ سے بچائیے۔ میرا مقصود اس بیان سے شکایت نہیں ہے اور جب سے آپنے مجھے دیوانہ کیا ہے میں انے کسی عقل کی خواہش نہیں کی اور جب سے آپنے مجھے دیوانگی سے زینت بخشی ہے میں نے حسن عقل پر کبھی رشک نہیں کیا۔ بلکہ مجھے تو آپ کی محبّت میں جنون ہی اچھا معلوم ہوتا ہے۔

اے مخاطب! تو بھی کہہ کہ جی ہاں! بخدا یہ ہی بات ہے کیونکہ یہ بات حق ہے اور حق تیرے لیے کافی ہے۔ [فائدہ: واللہ میں واو قسمیہ ہے اور بجزیک الصواب علت ہے قل کی۔ محشی نے واللہ کو مبتدا قرار دیا ہے اور جملہ کو دعائیہ یا حالیہ قرار دیا ہے لیکن یہ میرے نزدیک صحیح نہیں) چونکہ مولانا نے فارسی کو چھوڑ کر عربی بولنا شروع کر دی تھی جس سے عوام کو وحشت ہو سکتی تھی۔ اسلیئے مولانا اپنے کلام کو محبوب کا کلام قرار دیکر فرماتے ہیں کہ خواہ وہ عربی بولے یا فارسی تجھے کیا؟ اور تو عربی سے کیوں وحشت کرتا ہے۔ اسلیئے کہ تیرے کان اور ہوش کہاں ہیں کہ ان کے ذریعے سے تو اس گفت گوئے عشق کو سمجھ سکے۔ اسلیئے کہ اس کی شراب سخن ہر عقل کے مناسب نہیں ہے اور اس کا حلقہ کلام ہر گوش کا مسخر نہیں ہے پس جب تو اسکو سمجھ ہی نہیں سکتا تو تیرے نزدیک عربی وفارسی دونوں برابر ہیں پھر تو عربی سے کیوں وحشت کرتا ہے

"مادہ او درخور الخ" سے مولانا پر پھر جنون کا غلبہ ہو گیا اسلیئے فرماتے ہیں کہ میں پھر دیوانہ وار آیا ہوں۔ جاؤ جاؤ میرے لیے زنجیر لاؤ۔ اسکے بعد فرماتے ہیں کہ جی زنجیروں سے

کیا ہوتا ہے ایک چھوڑ تم دو سو زنجیریں لاؤ تو میں توڑ ڈالوں گا۔ اور کسی سے مقید نہ ہونگا اِلّا زُلفِ یار کہ وہ مجھے مقید کر سکتی ہے اور اسکو میں نہیں توڑ سکتا پس مجھے کوئی زنجیر نہیں روک سکتی نہیں مجھے وعظ و نصیحت بھی فائدہ نہیں دے سکتی کیونکہ میرے دل کے پاؤں میں عشق کی بیڑی پڑی ہے جو کہ اسکو ہر نصیحت کے قبول کرنے سے مانع ہے اچھا اب اس ذکر کو چھوڑنا چاہیئے کیونکہ اس عشق کے قصہ کی ابتدا نہیں اور جس طرح اُسکی ابتدا نہیں یوں ہی انتہا بھی نہیں پس اس کا پورا بیان کر دینا ناممکن ہے۔

حکمتِ نظر کردن در چارق و پوستین کہ فَلْیَنظُرِ

چپل اور پوستین کو دیکھنے کی حکمت کیونکہ پس انسان دیکھے

الْاِنسَانُ مِمَّا خُلِق

کس چیز سے پیدا کیا گیا ہے

بازگرداں قصۂ عشقِ ایاز — کاں یکے گنجے ست مالامالِ راز
ایاز کے عشق کا قصہ لوٹا — کیونکہ وہ راز سے بھرا ہوا ایک خزانہ ہے

میرود ہر روزہ در حجرہ بدیں — تا بہ بیند چارقے با پوستیں
وہ ہر روز حجرہ میں اس لئے جاتا تھا — تاکہ چپل مع پوستین کے دیکھے

زانکہ ہستی سخت مستی آورد — عقل از سر، شرم از دل میبرد
کیونکہ وسعت بہت مستی لاتی ہے — سر سے عقل کو (اور) دل سے شرم کو نکال دیتی ہے

صد ہزاراں[a] قرن پیشیں را ہمیں — مستیِ ہستی بزد رہ زیں کمیں
اس لئے کہ لاکھوں سال پہلے اسی — وسعت کی مستی نے اسی گھات سے ڈاکہ زنی کی ہے

شُد عزازیلے ازیں مستی بلیس — کہ چرا آدم شود بر من رئیس
اسی مستی کی وجہ سے عزازیل ابلیس بنا — کہ آدم میرے سردار کیوں ہوں!

خواجہ ام من نیز و خواجہ زادہ ام — صد ہنر را قابل و آمادہ ام
میں سردار ہوں اور سردار زادہ بھی ہوں — لاکھوں ہنروں کے قابل اور آمادہ ہوں

در ہنر من از کسے کم نیستم — تا بخدمت پیشِ دشمن[b] بیستم
میں ہنر میں کسی سے کم نہیں ہوں — پھر کیوں دشمن کے سامنے دربار میں کھڑا ہوں؟

من ز آتش زادہ ام اُو از وَحَل — پیشِ آتش مَر وَحَل را چہ محل
میں آگ سے پیدا ہوا ہوں وہ کیچڑ سے — آگ کے سامنے کیچڑ کا کیا رُتبہ؟

بازگرداں — ایاز کا قصہ پھر شروع کر کیونکہ اس میں بہت سی حکمتیں پوشیدہ ہیں۔ ہستی یعنی عیش و عشرت کے سامان کے ہوتے ہوئے انسان میں نہ عقل رہتی ہے نہ شرم۔

[a] صد ہزاراں۔ قدیم زمانے سے یہ فراوانی قوموں اور لوگوں کی تباہی کا سبب بنی ہے۔ شد عزازیل۔ شیطان کو ہر طرح کا عیش و عشرت اور مرتبہ کی بڑائی حاصل تھی وہی اس کی گمراہی کا سبب ہوئی۔ خواجہ۔ شیطان، ملائکہ کا معلم تھا اور آگ سے پیدا ہوا تھا جو کہ مٹی سے اعلیٰ ہے اس لئے اس نے آپ کو سردار، سردار زادہ کہا۔

[b] دشمن۔ یعنی حضرت آدمؑ۔ وَحَل۔ کیچڑ۔ پیش یعنی رتبہ میں آگ سے گھٹی ہوئی ہے۔ آو کجا۔ حضرت آدمؑ کی پیدائش سے پہلے شیطان کی بہت عزت تھی۔ خلق۔ دو آیتوں سے ثابت ہوا کہ شیطان جنوں میں سے تھا اور جنوں کی پیدائش آگ سے ہوئی ہے مشتعل۔ چونکہ شیطان آتشی ہے تو اس کا مزاج

اُو کجا بود اندراں دورے کہ من — صدرِ عالم بودم و فخرِ زمن

اُس زمانہ میں وہ کہاں تھا؟ جبکہ میں — عالم کا صدر اور زمانہ کا فخر تھا

دربیانِ آیۂ کریمہ خَلَقَ الْجَانَّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ وَقَولُهٗ تَعَالٰی

آیۂ کریمہ کے بیان میں جنوں کو آگ کی لپٹ سے پیدا کیا اور اللہ تعالیٰ کا

فِیْ حَقِّ اِبْلِیْسَ عَلَیْهِ اللَّعْنَةُ۔ اِنَّهٗ کَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ

ابلیس (اُس پر لعنت ہو) کے بارے میں بیشک وہ جنوں میں سے تھا پھر بھاگ نکلا

عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ

اپنے رب کے حکم سے

شعلہ میزد آتشِ جانِ سفیہ — کآتشی بُود الولد سرُّ ابیہ

نالائق کی جان شعلہ مارتی تھی — کیونکہ وہ آگ کا (بنا ہوا) تھا لڑکا باپ کا راز ہے

نے غلط گفتم کہ بُد قہرِ خدا — علتے را پیش آوردن چرا

نہیں میں نے غلط کہا بلکہ وہ خدا کا قہر تھا — کوئی علت پیش کرنا کیسا؟

کارِ بے علت مبرا از علل — مستمر و مستقر ست از ازل

(خدا کا) کام بے علت، علتوں سے پاک ہے — ازل سے، دائم اور قائم ہے

در کمالِ صُنعِ پاکِ مستحث — علتِ حادث چہ گنجد با حدث

قابلِ توجہ، پاک کام کے کمال میں — حدوث کے ہوتے ہوئے حادث کی علت کی کیا گنجائش؟

سرِّ اَب چہ بُود اَب ما صُنعِ اوست — صُنع مغز ست و اَب صورت چو پوست

باپ کا راز کیا ہوتا ہے؟ ہمارا باپ اُس کی صنعت ہے — صنعت مغز ہے اور باپ چھلکے کی طرح صورت ہے

عشق داں اے فندقِ تن دوستت — جانت جوید مغز و کوبد پوستت

اے فندق جیسے جسم (والے) عشق کو اپنا دوست سمجھ — جو تیری جان کو مغز بنانا چاہتا ہو تیرے چھلکے کو کوٹتا ہو

دوزخی کہ پوست باشد دوستش — داد بدّلنا جلودا پوستش

وہ دوزخی کہ کھال جس کی دوست ہو — ہم نے کھالوں کو بدل دیا۔ کی کھال اُس کو دیدی ہے

معنی و مغزت بر آتش حاکم ست — لیک آتش را قشورت ہیزم ست

تیرا جوہر اور مغز آگ پر حکمراں ہے — لیکن تیرے چھلکے آگ کا ایندھن ہیں

کوزۂ چوبیں کہ در وے آب جوست — قدرتِ آتش ہمہ بر ظرفِ اوست

لکڑی کا پیالہ جس میں نہر کا پانی ہے — آگ کا پورا قابو اُس کے برتن پر ہے

بھی آتشی ثابت ہوا۔ الولد جیسا باپ ویسا بیٹا۔
نے غلط گفتم۔ میں نے اُس کی نافرمانی کی علت آگ کو قرار دیا اصل علت قہرِ خدا ہے۔
کار۔ اللہ تعالیٰ کا کام علت پر مبنی نہیں ہوتا ہے۔ در کمال۔ اللہ تعالیٰ کے کمالات اور صفات ازلی ہیں کوئی امر حادث اس کی علت کیسے بن سکتا ہے تو شیطان کی نافرمانی کی علت اُس کے آتشی ہونے کو قرار دینا صحیح نہیں ہے جبکہ قدرِ ازلی میں اُس کو نافرمان قرار دیا گیا تھا اُس وقت نہ آگ تھی نہ شیطان کا آتشی ہونا تھا۔
سرِّ اَب چہ بُود۔ کہا تھا اَلْوَلَدُ سِرٌّ لِاَبِیْهِ یعنی بیٹے کے اوصاف کے لئے باپ کے اوصاف علت ہیں۔ اب فرماتے ہیں کہ باپ خود اللہ کا بنایا ہوا ہے وہ کیا علت بن سکے گا۔ اصل اللہ کی صنعت ہے باپ اُس کا ظاہری چھلکا
دوزخی۔ جو جسم و پوست کی بالیدگی کرتا ہے وہ دوزخی ہے اور اللہ تعالیٰ اُس کو دوزخ میں نئی نئی کھالیں دیگا قرآن پاک میں ہے کُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُوْدُهُمْ بَدَّلْنٰهُمْ جُلُوْدًا غَیْرَهَا لِیَذُوْقُوا الْعَذَابَ .. اُن دوزخیوں کی جب جب کھالیں پک جائیں گی ہم اُن کی کھالیں تبدیل کردیں گے تاکہ وہ عذاب کا مزہ چکھیں۔ معنی و مغزت۔ انسان کی روح، روح کامل کا پر تو ہے لہٰذا وہ آگ پر حاکم ہے آگ کا ایندھن انسان کا جسم ہے۔ کوزہ جس لکڑی کے

ہے تو اصل علت اور سبب خدا کی کارگری ہے۔ عشق داں۔ عشق روح میں بالیدگی پیدا کرتا ہے اور جسم کو گھٹاتا ہے۔ فندق۔ عناب کی طرح کا ایک پھل ہے

معنیِ انساں بر آتش مالکست ۞ مالکِ دوزخ درو کے ہالکست

انسان کا جوہر آگ کا مالک ہے ۞ دوزخ کا مالک اُس میں کب ہلاک ہونے والا ہے

معنیِ ہیزم بر آتش حاکم ست ۞ لیک آتش را تنِ اُو ہیزم ست

ایندھن کا جوہر آگ پر حاکم ہے ۞ لیکن اُس کا جسم آگ کا ایندھن ہے

پس میفزا تو بدن معنیٰ فزا ۞ تا چو مالک باشی آتش را کیا

پس تو جسم کو نہ بڑھا، رُوح کو بڑھا ۞ تاکہ تو مالک کی طرح آگ کا حاکم بنے

پوستہا بر پوست می افزودۂ ۞ لاجرم چوں پوست اندر دُودۂ

تو نے چھلکے پر چھلکا بڑھایا ہے ۞ لامحالہ تو چھلکے کی طرح دھوئیں میں ہے

زانکہ آتش را علف جُز پوست نیست ۞ قہرِ حق آں کبر را گردن زن نیست

آگ کی خوراک چھلکے کے علاوہ نہیں ہے ۞ اللہ (تعالیٰ) کا قہر اُس تکبر کی گردن کاٹنے والا ہو

ایں تکبر از نتیجہ پوست ست ۞ جاہ و مال آں کبر را زاں دوست ست

یہ تکبر، پوست کا نتیجہ ہے ۞ اس لئے تکبر کو رُتبہ اور مال محبوب ہے

ایں تکبر چیست غفلت از لباب ۞ مُنجمد چوں غفلتِ یخ زآفتاب

یہ تکبر کیا ہے؟ جوہر سے غفلت ۞ جمی ہوئی جیسا کہ برف کی سورج سے غفلت

چوں خبر شُد زآفتابش یخ نماند ۞ نرم گشت و گرم گشت و تیز راند

جب اُس کو سُورج کا پتہ چلا، برف نہ رہا ۞ نرم ہوگیا اور گرم ہوگیا اور تیزی سے بہہ گیا

شُد ز دیدِ لُب جُملہ تن طمع ۞ خوار و عاشق شد کہ ذُلَّ مَن طَمِع

جوہر کے دیکھ لینے سے پورا جسم لالچ بن گیا ۞ ذلیل اور عاشق بن گیا کیونکہ جس نے لالچ کیا وہ ذلیل ہوا

چوں نہ بیند مغز قانع شُد بپوست ۞ بندِ عَزَّ مَن قَنَع زندانِ اُوست

جب جوہر کو نہیں دیکھتا ہے، چھلکے پر قانع ہوجاتا ہے ۞ جس نے قناعت کی اُس نے تکبر کیا" کی بیڑی اس کا قید خانہ ہے

عزّت اینجا گبریست و ذُل دیں ۞ سنگ تا فانی نشُد کے شُد نگیں

اِس جگہ عزّت کافری ہے اور ذلت دیں ۞ پتھر جب تک فانی نہ ہوا، نگینہ کب بنا؟

در مقامِ سنگی وانگاہ انا ۞ وقتِ مسکیں گشتنِ تُست و فنا

تو پتھر کی جگہ ہے اور پھر تکبر ۞ (حالانکہ) تیرے مسکین بننے اور فنا کا وقت (قریب) ہے

کبر زاں جوید ہمیشہ جاہ و مال ۞ کہ ز سرگین ست گلخن را کمال

تکبر ہمیشہ رُتبہ اور مال کا جویاں اسلئے ہے ۞ کہ بھٹی کو گوبر سے کمال (حاصل) ہے

پیالے میں پانی ہو اگر اس کو آگ پر رکھو تو پیالہ پر آگ کا اثر آئے گا۔

۲ ؎ معنیِ انسان۔ رُوحِ انسانی آگ کی مالک ہے تو مالک فرشتہ جہنم کا داروغہ اور حاکم ہے وہ آگ سے کیسے تباہ ہو سکتا ہے۔ مالک۔ اُس فرشتہ کا نام ہے جو آگ کا حاکم اور داروغہ ہے۔ پوستہا۔ جبکہ تو مجسم پوست بن گیا ہے اور پوست جہنمی چیز ہے تو تو بھی جہنم کے دھوئیں میں ہے۔ زانکہ۔ جسم پروری سے تکبر پیدا ہوتا ہے اور اللہ کا قہر اس کا قاتل ہے۔

۳ ؎ ایں تکبر۔ جسم پروری کا نتیجہ تکبر ہوتا ہے اسی لئے تکبر مال اور رتبہ کو بہت پسند کرتا ہے چونکہ یہ چیزیں تن پروری کا سبب ہیں۔ ایں تکبر۔ انسان کا تکبر اس کی ذات صفات ... سے غفلت کا نتیجہ ہے وہ

۴ ؎ چوں نہ بیند۔ جب تک انسان کو ایک حقیقت کا مشاہدہ نہیں ہوتا وہ ظاہر پر قناعت کرتا ہے اور قناعت کی بیڑی اس کو تکبر اور غرور میں مبتلا کر دیتی ہے۔ عزّ من قنع اِس محاورے کے عام معنی تو یہ ہیں کہ جو شخص دنیاوی معاملات میں قناعت اختیار کرتا ہے وہ باعزت رہتا ہے مولانا نے اِس محاورے کے بھی یہ معنی مراد نہیں لئے ہیں۔ عزّت۔ مولانا فرماتے ہیں تن پروری کفر ہے اور دین ذلت کا اختیار کرنا ہے۔ سنگ۔ جسم کے پتھر کو جب تک مجاہدوں کے ذریعہ فنا نہ کیا جائیگا وہ نگ نہ بن سکے گا۔

اُس کا جماؤ ایسا ہی ہے جیسا کہ برف کا جماؤ سورج سے غفلت کی بنا پر ہے۔ لُباب خلاصہ جوہر یعنی ذاتِ باری۔ شد ز دیدِ لب۔ جب اُسکو ذات و صفات کا مشاہدہ حاصل ہو جاتا ہے تو انسان میں انکے حصول کا لالچ پیدا ہوتا ہے ورلالچی ہمیشہ ذلت اختیار کرتا ہے ذل من طمع۔ مولانا نے اِس محاورے کے عام معنی سے ہٹ کر دوسرے معنی مراد لئے ہیں عام معنی تو یہ

کایں دو دایہ پوست را افزوں کنند — شحم و لحم و کبر و نخوت آگنند

کیونکہ یہ دونوں بعدہ دایہ پوست کو بڑھاتی ہیں — چربی اور گوشت اور تکبر اور غرور بھرتی ہیں

دیدہ را بر لب لُب نفراختند[١] — پوست را زاں روئے لب پنداختند

لوگوں نے مغز کے مغز پر نظر نہ اُٹھائی — اس سبب سے چھلکے کو مغز سمجھ گئے

پیشوا ابلیس بُود ایں راہ را — کو شکار آمد شبیکہ جاہ را

اس راستے کا پیشوا ابلیس تھا — جو رُتبہ کے جال کا شکار بنا

مال چوں مارست و آں جاہ اژدہا — سایۂ مرداں زمرّد ایں دو را[٢]

مال سانپ جیسا ہے اور رُتبہ اژدہا ہے — اِن دونوں کا زمرّد، مردوں کا سایہ ہے

زاں زمرّد مار را دیدہ جہد — کور گردد مار و رہرو وا رہد

اس زمرّد سے سانپ کی آنکھیں نکل جاتی ہیں — سانپ اندھا ہو جاتا ہے اور سالک نجات پا جاتا ہے

چوں علی بدیں رہ خار بنہاد آں رئیس — ہر کہ خست اُو گفت لعنت بر بلیس

جبکہ اُس پیشوا نے اِس راستہ پر کانٹے بچھائے — جو بھی زخمی ہوا اُس نے کہا شیطان پر لعنت

یعنی ایں غم بر من از غدرِ وے است — غدر را آں مقتدا سابق پے است

یعنی مجھے یہ تکلیف اُس کی غداری سے پہنچی — غداری کا وہ مقتدا اور پیشوا ہے

بعد ازاں خود قرن بر قرن آمدند — جملگاں بر سُنّتِ اُو پا زدند

اُس کے بعد صدیوں پر صدیاں آئیں — سب اُس کے طریقہ پر چل پڑے

ہر کہ بنہد سُنّتِ بد اے فتیٰ[٣] — تا در اُفتد بعد از و خلق از عمیٰ

اے نوجوان! جس نے بُرا راستہ قائم کیا — اُسکے بعد جبکہ بھی مخلوق اندھے پن سے اُس پر چلتی ہے

جمع گردد بر وے آں جملہ بزہ — کو سرے بُود است و ایشاں دُم غزہ

وہ سب گناہ، اُس پر جمع ہو جاتا ہے — کیونکہ وہ سر تھا اور وہ دُم کی جڑ تھے

لیک آدمؑ چارق و آں پوستیں — پیش می آرد کہ ہستم من زطیں

لیکن آدمؑ چپل اور وہ پوستین — سامنے لاتا ہے، کہ میں مٹی کا ہوں

چوں ایاز آں چارقش مورود بُود — لاجرم اُو عاقبت محمود بُود

جیساکہ ایاز، چپل اُس کا ورد تھی — لامحالہ اُس کا انجام، قابلِ ستائش تھا

ہستِ مُطلق[٤] کارسازِ نیستی ست — کارگاہِ ہست کُن جز نیست چیست

مُطلق وجود، نیستی کا کارنامہ ہے — موجود ہونے کا کارخانہ نیستی کے سوا کیا ہے!

• وہ شیطان پر لعنت کرتا ہے۔ آں مقتدا۔ یعنی شیطان۔ بعد ازاں۔ اب جس قدر گمراہ ہیں اُسی شیطان کی پیروی کرتے ہیں۔

---

[١] دیدہ را۔ چونکہ ان لوگوں نے اصل جوہر کو نہ دیکھا اِس لئے وہ چھلکے کو مغز سمجھ بیٹھے۔ پیشوا۔ اِن گمراہوں کا پیشوا شیطان ہے جو خود جاہ اور مرتبہ کے جال کا شکار بن گیا۔ مال۔ مال اور رتبہ کی محبت انسان کیلئے سانپ اور اژدھا ہے بزرگوں کی محبت اِن دونوں کے لئے زمرد ہے۔ زاں زمرّد۔ مشہور ہے کہ زمرد کی تاثیر سے سانپ اندھا ہو جاتا ہے اور وہ انسان پر حملہ کرنے کے قابل نہیں رہتا۔

[-] چوں۔ راہ ہدایت پر چونکہ شیطان نے کانٹے بچھائے ہیں۔ اب جس کسی کو بھی اُس راہ میں اُن سے تکلیف پہنچتی ہے •

[٣] ہر کہ۔ حدیث شریف ہے مَنْ سَنَّ سُنَّۃً سَیِّئَۃً فَعَلَیْہِ وِزْرُھَا وَوِزْرُ مَنْ عَمِلَ بِھَا اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَۃ۔ جس شخص نے کوئی بُری راہ قائم کی اُس پر اُس کا اور اُن لوگوں کا گناہ ہے جو قیامت تک اُس پر عمل کریں گے۔ بزہ۔ گناہ۔ دُم غزہ۔ دُم کی جڑ۔ لیک آدمؑ۔ آدم علیہ السلام نے اپنی اصل کو دیکھا اور رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا کہدیا۔ چوں ایاز۔ ایاز کا بھی اِسی طرح سے اپنی غربت کی پوستین اور چپل کو دیکھنے کا معمول تھا اسی لئے اُس کی عاقبت بھی پسندیدہ ہوئی۔

[٤] ہستِ مطلق۔ انسان اپنے آپ کو نیست کرے گا تب ہی اُس میں صنعت خداوندی کارفرما ہوگی۔ بر نوشتہ۔ لکھے ہوئے کاغذ پر کوئی نہیں لکھتا ہے جس تحار ہے

بر نوشتہ ہیچ بنویسد کسے ۔۔۔ یا نہالے کارد اندر مغرسے

کبھی کوئی لکھے ہوئے پر لکھتا ہے؟ ۔۔۔ یا ایک پودے کے تھانولے میں کوئی دوسرا پودا لگاتا ہے

کاغذے جوید کہ آں بنوشتہ نیست ۔۔۔ تخم کارد موضعے کہ کشتہ نیست

وہ کاغذ تلاش کرتا ہے جو لکھا ہوا نہیں ہے ۔۔۔ اس جگہ بیج بوتا ہے جو بوئی ہوئی نہیں ہے

تو برادر موضعِ ناکشتہ باش ۔۔۔ کاغذِ اسپید نابنوشتہ باش

اے بھائی! تو نہ بوئی ہوئی جگہ بن جا ۔۔۔ تو نہ لکھا ہوا سفید کاغذ بن جا

تا مشرف گردی از نون والقلم ۔۔۔ تا بکارد در تو تخم آں ذوالکرم

تاکہ تو نون اور قلم سے مشرف ہو جائے ۔۔۔ تاکہ وہ صاحبِ کرم تجھ میں بیج بوئے

خود ازیں پالودہ نالیسیدہ گیر ۔۔۔ مطبخے کہ دیدہ نادیدہ گیر

خود اس فالودے کو نہ چکھا ہوا بنا لے ۔۔۔ جو مطبخ تو نے دیکھا ہے اس کو بن دیکھا بنا لے

زانکہ زیں پالودہ مستیہا بود ۔۔۔ پوستین و چارق از یادت رود

کیونکہ اس فالودے سے مستیاں (پیدا) ہوتی ہیں ۔۔۔ پوستین اور چپل تیری یاد سے نکل جاتے ہیں

چوں در آید نزع و مرگ آہے کنی ۔۔۔ ذکرِ دلق و چارق آنگاہے کنی

جب نزع اور موت آتی ہے تو آہ کرتا ہے ۔۔۔ تب پرانی گدڑی اور چپل کو یاد کرتا ہے

تا نگردی غرقِ موجِ زشتیے ۔۔۔ کہ نباشد از پناہت کشتیے

جب تک تو کسی برائی کی موج میں غرق نہ ہوگا ۔۔۔ جس میں تیری پناہ کے لئے کوئی کشتی نہ ہوگی

یاد ناری از سفینہ راستیں ۔۔۔ ننگری در چارق و در پوستیں

تو سچائی کی کشتی کو یاد نہ کرے گا ۔۔۔ چپل اور پوستین کو نہ دیکھے گا

چونکہ در مانی بغرقابِ بلا ۔۔۔ پس ظلمنا ورد سازی بر ولا

جب تو مصیبت کے بھنور میں پھنس جائیگا ۔۔۔ پھر پے در پے "میں نے ظلم کیا" کو ورد بنائے گا

دیو گوید بنگرید ایں خام را ۔۔۔ سر برید ایں مرغِ بے ہنگام را

شیطان کہتا ہے اس بے وقوف کو دیکھو ۔۔۔ اس بے وقت کے (اذان دینے والے) مرغے کو ذبح کر دو

دور ایں خصلت ز فرہنگِ ایاز ۔۔۔ کہ پدید آید نمازش بے نیاز

یہ خصلت ایاز کی ذہانت سے بعید ہے ۔۔۔ کہ اس کی نماز بغیر عاجزی کے ہو

او خروسِ آسماں بودہ زپیش ۔۔۔ نعرہائے او ہمہ در وقتِ خویش

وہ پہلے سے آسمانی مرغ تھا ۔۔۔ اس کے سب نعرے اپنے وقت پر تھے

میں درخت پہلے سے لگا ہوا ہو اس میں نیا پودا نہیں بویا جاتا ہے لہٰذا اپنے آپ کو فنا کر تب بقا حاصل ہوگا۔ کاغذے۔ خوشنویس سادہ کاغذ تلاش کرتا ہے، باغ بنجر زمین میں لگایا جاتا ہے۔ تو برادر۔ انسان کو اپنے آپ کو نہ لکھے ہوئے کاغذ اور بنجر زمین کی طرح بنا لینا چاہیئے

۵۴ تا مشرف۔ پھر قدرت قلم قدرت سے اس پر نقش و نگار کرے گی اور اس میں معرفت نئے پودے لگا دے گی۔ خود۔ اپنے آپ کو دنیاوی لذتوں *

۵۵ تا نگردی۔ تیری یہ حالت ہے کہ جب تک تو بالکل تباہ نہ ہو جائیگا اپنی اصل حقیقت کو نہ دیکھے گا۔ چونکہ۔ جب مصیبت کے بھنور میں پھنسے گا تب توبہ کرے گا۔ دیو۔ پھر شیطان تجھ پر ہنسے گا اور کہے گا کہ اب بے وقت کی توبہ اور ندامت سے کیا فائدہ ہے اس کو ذبح کر ڈالو جو مرغ بے وقت اذان دیتا ہے اس کو ذبح کر دیا جاتا ہے۔ دور۔ ایاز کی یہ عادت نہ تھی کہ اس کو وقت گذر جانے پر تنبیہ ہو اس کی ہر نماز عجز و انکساری سے تھی اور وہ آسمانی مرغ تھا اس کی تمام عاجزی بر وقت تھی۔

* سے خالی کرے پھر غیب کی لذتیں حاصل ہوں گی۔ زانکہ۔ انسان دنیاوی لذتوں میں پھنس کر شکستہ بن جاتا ہے اور اپنی اصل حقیقت کو فراموش کر دیتا ہے۔ چوں در آید۔ پھر ایسے وقت میں ندامت کا اظہار کرتا ہے کہ اس کو اس کا اظہار مفید نہیں ہوتا۔

در معنیٔ آنکہ اَرِنَا الْاَشْیَاءَ کَمَا ھِیَ و معنیٔ آنکہ لَوْ کُشِفَ الْغِطَاءُ مَا ازْدَدْتُّ یَقِیْنًا و معنیٔ ایں بیت

اس معنی کے بیان میں کہ ہمیں چیزوں کو ایسا دکھا جیسی وہ ہیں اور اس کے معنی کہ اگر پردہ ہٹا دیا جائے تو میرے یقین میں اضافہ نہ ہو اور اس بیت کے معنی

در ہر کہ تو از دیدۂ بد می نگری ‌‌ ‌‌ از چنبرۂ وجودِ خود می نگری

جس شخص کو تو بری نظر سے دیکھتا ہے ‌‌ ‌‌ اپنے وجود کے حلقہ سے دیکھتا ہے

و در بیانِ ایں مصرع ‌‌ ‌‌ پایۂ کژ کژ فگند سایہ

اور اس مصرع کے بیان میں ‌‌ ‌‌ ٹیڑھا قد ٹیڑھا سایہ ڈالتا ہے

اے خروساں از وے آموزید بانگ ‌‌ ‌‌ بانگ بہرِ حق کند نے بہرِ دانگ

اے مرغو! اُس سے اذان دینا سیکھو ‌‌ ‌‌ وہ اللہ کے لئے اذان دیتا ہے، نہ کہ پیسے کے لئے

صبحِ کاذب آید و نفریبدش ‌‌ ‌‌ صبحِ کاذب عالمِ نیک و بدش

صبح کاذب آتی ہے اور اُسکو فریب نہیں دیتی ‌‌ ‌‌ صبح کاذب اپنے نیک و بد کے جاننے والے کو

اہلِ دنیا عقلِ ناقص داشتند ‌‌ ‌‌ تا کہ صبحِ صادقش پنداشتند

دنیا والے ناقص عقل رکھتے تھے ‌‌ ‌‌ حتیٰ کہ اُس کو صبح صادق سمجھ بیٹھے

صبحِ کاذب کاروانہا را زدست ‌‌ ‌‌ کہ بہ بوئے روز بیروں آمدست

صبح کاذب نے دن، قافلوں کو تباہ کیا ہے ‌‌ ‌‌ جو دن کی اُمید پر باہر آ گئے ہیں

صبحِ کاذب خلق را رہبر مباد ‌‌ ‌‌ کو دہد بس کاروانہا را بباد

خدا کرے صبح کاذب مخلوق کی راہنما نہ بنے ‌‌ ‌‌ جو قافلوں کو برباد کر دیتی ہے

اے شدہ تو صبحِ کاذب را رہیں ‌‌ ‌‌ صبحِ صادق را تو کاذب ہم مبیں

اے وہ شخص کہ تو صبح کاذب کا پابند ہے ‌‌ ‌‌ صبح صادق کو بھی تو کاذب نہ سمجھ

گر نداری از نفاقِ بد اماں ‌‌ ‌‌ از چہ داری بر برادر ظن ہماں

اگر تجھے بُرے نفاق سے امن نہیں ہے ‌‌ ‌‌ تو تو بھائی پر اُس کا گمان کیوں کرتا ہے

بدگماں باشد ہمیشہ زشت کار ‌‌ ‌‌ نامۂ خود خواند اندر حقِ یار

بدگمان ہمیشہ بدکار ہوتا ہے ‌‌ ‌‌ دوست کے بارے میں اپنا خط پڑھتا ہے

آں خساں کاندر کژیہا ماندہ اند ‌‌ ‌‌ انبیا را ساحر و کژ خواندہ اند

وہ کمینے جو کجی میں پھنسے ہوئے ہیں ‌‌ ‌‌ انھوں نے انبیا کو جادوگر اور ٹیڑھا کہا ہے

---

۲۵ ارِنَا۔ یہ دعا امام ابوحنیفہؒ کی طرف منسوب ہے مولانا نے اس مناسبت سے اُسکو یہاں ذکر کیا ہے کہ ایاز کے مخالفوں کو اُسکے حجرہ میں جانے کی حقیقت معلوم نہ تھی اسی لئے انھوں نے اُس کو متہم کیا۔ لَوْ کُشِفَ الْغِطَاءُ۔ یہ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کا مقولہ ہے کہ میرا ایمان بالغیب اس درجہ کا ہے کہ اگر غیب سے پردے بھی ہٹ جائیں تو میرے یقین میں کوئی اضافہ نہ ہوگا پردوں کے ہوتے ہوئے میں ایمان اور یقین کے آخری مرتبہ پر ہوں۔ در ہر کہ۔ اس شعر کا مطلب یہ ہے کہ انسان دوسروں کو اپنے اوپر قیاس کرتا ہے جیسا خود ہوتا ہے ویسا ہی دوسرے کو سمجھتا ہے ۔

۲۶ اہلِ دنیا۔ دنیادار توبہ کا صحیح وقت نہیں پہچانتے ہیں ایسے وقت توبہ کرتے ہیں جبکہ توبہ مفید نہیں رہتی۔ صبحِ کاذب۔ صحیح وقت کو نہ پہچاننے سے بہت سی قومیں تباہ ہوئی ہیں، قافلہ اگر کاذب صبح میں نکل پڑتا ہے تو لوٹ لیا جاتا ہے۔ صبحِ کاذب خدا کرے کاذب صبح کسی کی رہبر نہ بنے ورنہ وہ تباہ ہو جائے گا۔

۲۷ اے شدہ۔ جو شخص خود غلطی میں مبتلا ہے وہ دوسرے کو غلطی پر نہ سمجھے۔ گر نداری۔ اگر انسان خود منافق ہے تو اس کو دوسروں کو منافق نہ سمجھنا چاہیئے۔ بدگماں۔ بدگمان بہت بدکار ہے ... وہ اپنی ... کو دوسروں کا اعمالنامہ سمجھ کر

۲۵ پایۂ کژ۔ اگر انسان کا خود ٹیڑھا قد ہے تو اُس کا سایہ یقیناً ٹیڑھا پڑیگا۔ اے خروساں۔ جو لوگ اپنی اصلاح کرنا چاہیں اُن کو اسی طرح بروقت اصلاح کرنی چاہیئے جس طرح ایاز نے بروقت اپنی اصلاح کرلی تھی اُس میں اخلاص تھا اور کوئی ریاکاری نہ تھی۔ صبحِ کاذب۔ وہ وقت کو صحیح پہچانتا تھا لہٰذا اُس کو دھوکا نہ دے سکتا تھا۔

واں امیرانِ خسیسِ قلب ساز
آں کمینے دھوکے باز سرداروں نے

ایں گماں بردند بر حجرہ ایاز
ایاز کے حجرے پر یہی گمان کیا

کو دفینہ دارد و گنج اندراں
کہ وہ دفینہ رکھتا ہے اور اس میں خزانہ ہے

زآئینہ خود منگر اندر دیگراں
اپنے آئینہ میں دوسروں کو نہ دیکھ

شاہ میدانست خود پاکیِ او
شاہ خود اس کی پاکی کو جانتا ہے

بہرِ ایشاں کرد آں جست و جو
اس نے وہ جستجو ان کے لئے کی تھی

کاے امیراں حجرہ بکشائید در
کہ اے سردارو! حجرے کا دروازہ کھول دو

نیم شب کہ باشد او زاں بیخبر
آدھی رات کو کیونکہ وہ اس سے لاعلم ہوگا

تا پدید آید سگالشہائے او
تاکہ اس کی تدبیریں ظاہر ہو جائیں

بعد ازاں بر ماست مالشہائے او
پھر اس کی سزا ہمارے ذمہ ہے

مر شما را دادم آں زر و گہر
میں نے وہ زر و جواہر تمہیں دیا

من ازاں زر ہا نخواہم جز خبر
میں اس زر کے بارے میں سوائے خبر کے کچھ نہیں چاہتا ہوں

ایں ہمی گفت و دلِ او می طپید
وہ یہ کہہ رہا تھا اور اس کا دل تڑپ رہا تھا

از برائے آں ایازِ بے ندید
اس بے نظیر ایاز کی وجہ سے

کہ منم کایں بر زبانم میرود
کہ میں ہوں کہ میری زبان سے جاری ہو رہا ہے

ایں جفا گر بشنود او چوں شود
یہ ظلم اگر وہ سنے گا، اس کا کیا حال ہوگا!

باز میگوید بحقِ دینِ او
پھر کہتا ہے اس کے دین کی قسم

کہ ازیں افزوں بود تمکینِ او
اس کا رتبہ اس سے بڑھ کر ہے

کہ بقذفِ زشتِ من طیرہ شود
کہ وہ میرے بری تہمت لگانے سے ناراض ہو

وز غرض وز سرِ من غافل بود
اور میری غرض اور راز سے غافل ہو

مبتلا چوں دید تاویلاتِ رنج
مبتلا (انسان) جب رنج کی توجیہ سمجھ لیتا ہے

بُرد بیند کے شود او ماتِ رنج
کامیابی دیکھتا ہے، وہ رنج سے ہار نہیں دیکھتا ہے

صاحبِ تاویل ایاز صابر است
توجیہ کرنے والا، صابر، ایاز ہے

کہ بحرِ عاقبتہا ناظر است
کیونکہ وہ نتائج کے سمندر کو دیکھنے والا ہے

ہمچو یوسف خوابِ ایں زندانیاں
(حضرت) یوسف کی طرح ان قیدیوں کا خواب

ہست تعبیرش بہ پیشِ او عیاں
اس کی تعبیر ان کے سامنے ظاہر ہے

پڑھتا ہے۔ آں خساں سنگسار ہیں چونکہ خود بھی تھی وہ ابنیا کو جادوگر وغیرہ سمجھتے تھے۔

۵۳ واں امیراں۔ سلطان محمود کے دربار کے دوسرے اُمراء جنھوں نے ایاز کی شکایت کی تھی خود مکّار تھے اُنھوں نے حجرے کے بارے میں ایاز پر بھی مکّاری کا خیال کیا۔ شاہ۔ سلطان محمود کو ایاز کی پاکی کا یقین تھا اور حجرے کی تلاشی کا حکم اُن امیروں کو اُس کی پاکی کا یقین دلانے کے لئے دیا تھا۔ کاے امیراں بسلطاں

۵۵ تا شما۔ بادشاہ نے یہ بھی کہہ دیا تھا کہ جو جواہرات ملیں وہ تمہارے ہیں مجھے صرف بتا دینا۔ ایں ہمی گفت۔ بادشاہ نے یہ حکم تو دے دیا تھا لیکن وہ اس لئے بے چین تھا کہ اگر اس کے مخلص ایاز کو اس کا علم ہوگا کہ میں نے بدگمانی کی بنیاد پر اس کے حجرہ کی تلاشی کا حکم دیا ہے تو اُس کو کس قدر رنج ہوگا۔ باز میگوید۔ پھر بادشاہ دل میں کہتا تھا کہ ایاز کے خلوص پر یقین ہے کہ وہ اس حکم کے بارے میں مجھ سے بدگمان نہ ہوگا بلکہ یہی سمجھے گا کہ دشمنوں پر حقیقت حال واضح کرنے کیلئے میں نے یہ حکم دیا ہے۔

۵۶ مبتلا۔ مصیبت زدہ جب اپنی مصیبت کی کوئی بہتر توجیہ کر لیتا ہے تو وہ رنج اور غم میں شکست خوردہ نہیں ہوتا ہے۔ صاحب تاویل۔ بادشاہ نے خیال کیا کہ ایاز اس کام کی کوئی بہتر توجیہ کریگا۔ ہمچو۔

محمود نے اُن امیروں سے کہا کہ تم شب میں ایاز کی لاعلمی میں حجرے کا دروازہ کھول لو تاکہ اُس کے پوشیدہ حالات ظاہر ہو جائیں پھر میں اُس کو اُس کی سزا دوں گا۔ سگالشہا یعنی ایاز کے خیالات اور مال جمع کرنے کی تدبیریں۔

خواب خود را چوں نداند مردِ خیر	**کے بُوَد واقف زِ سِرِّ خوابِ غیر**
جب بھلا آدمی اپنے خواب کو نہیں جانتا	وہ دوسرے کے خواب کے راز سے کب واقف ہوگا؟
گر زنم صد تیغ اُو را زامتحاں	**کم نگردد وَصلتِ آں مہرباں**
میں اگر آزمائش کی سو تلواریں اس کے ماروں	اُس مہربان کا تعلق کم نہ ہوگا
داند اُو کاں تیغ بر خود می زنم	**من وَیَم اندر حقیقت اُو منم**
وہ جانتا ہے کہ وہ تلوار میں اپنے مار رہا ہوں	حقیقت میں میں وہ ہوں، وہ میں ہے

● تو اُس کا تعلق کمزور نہ پڑے گا کیونکہ وہ جانتا ہے کہ میرا اُس کے تلوار مارنا اپنے تلوار مارنا ہے

حضرت یوسفؑ نے اپنے ساتھی قیدیوں کے خواب کی صحیح تعبیر دی تھی جس نے یہ دیکھا تھا کہ وہ انگور نچوڑ رہا ہے اس کو کہہ دیا تھا کہ تعبیر یہ ہے کہ تو پھر بادشاہ کا ساقی بنے گا اور جس نے دیکھا تھا کہ پرندے اس کے سر پر کی روٹیاں کھاتے ہیں اُسے کہا تھا کہ تو سولی پر چڑھایا جائیگا۔ ابن زندانیاں جیلخانہ والے اُس کے ساتھی۔

۳ گر زنم سلطان محمود نے سوچا کہ اگر میں ایاز کو سو بھی ماروں ●

شرح اچھا اب قصہ ایاز کی طرف لوٹنا چاہیئے کیونکہ وہ ایک خزانہ ہے جو اسرار سے لبریز ہے پس اُس کو بیان کر کے حسب موقع اُس کے اسرار کا استخراج کرنا چاہیئے ہاں تو وہ ہر روز اپنے حجرہ میں جاتا تھا تاکہ اپنا قدیم جوتا اور پوستین دیکھے اور غرض اسکی یہ تھی کہ مبادا میں الطاف خسروانہ سے مغرور ہو کر اپنی حقیقت کو بھول جاؤں اور خودی اور تکبر میں مبتلا ہو جاؤں جس سے بچنے کی سخت ضرورت ہے کیونکہ خودی کا نشہ بے ڈھب ہوتا ہے نہ اسکے آدمی کے دماغ میں عقل رہتی ہے اور نہ دل میں شرم اور عقل و شرم ہی اوصاف انسانیہ کا عطر ہیں پس اگر یہ نہ ہوں گے تو انسانیت ہی ختم ہو جائے گی۔

اب مولانا فرماتے ہیں کہ واقعی مستی، خودی بری بلا ہے اسلئے کہ اس نے لاکھوں امم ماضیہ کا راہ مارا ہے۔ چنانچہ عزازیل اسی مستی کے سبب ابلیس سے ملقب ہوا کیونکہ اس نے کہا کہ آدم مجھ پر کیوں سردار ہو میں خود بھی سردار ہوں اور آگ سے پیدا ہوا ہوں جو کہ جملہ عناصر پر فائق ہے اسلئے میں سردار زادہ بھی ہوں نیز ہزاروں کمالات کے مجھ میں استعداد و قابلیت بھی ہے پس میں اپنے ذاتی اور اوصافی کمالات میں کسی سے کم نہیں ہوں کہ میں ایک دشمن کے

سامنے خادمانہ کھڑا ہوں اور کیوں کھڑا ہوں میں آگ سے پیدا ہوا ہوں اور آدم خاک سے۔ گارے کا آگ کے سامنے کیا رتبہ ہے نیز جس زمانہ میں مجھے عزت حاصل تھی اور میں صدر عالم اور فخر زماں تھا اس وقت آدم کا نام و نشان بھی نہ تھا۔ والفضل للمتقدم۔ پس اس لحاظ سے بھی مجھے رئیس ہونا چاہیئے

اور آدم کو مرؤوس! پھر یہ قلب موضوع کیا کہ وہ سردار ہوا اور میں خادم۔ غرض کہ آتش غصہ سے اس احمق کی جان کباب ہو رہی تھی اور اسکے غضب شعلہ بلند ہو رہے تھے کیونکہ وہ آتشی تھا۔ اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے الولد سِرٌّ لِاَبِیہِ۔ اسلیئے اس میں اپنے باپ کی جلنے کی صفت موجود تھی۔ نہیں میں نے غلط کہا بلکہ قہر خدا تھا جو اسے پھونک رہا تھا۔ اصلی اور سچی بات یہ ہے۔ پھر بہانہ کیوں کیا جائے اور سچی بات کیوں نہ کہی جائے۔ ہم نے سببیت فعل حق کو سچی اور صحیح اور سببیت آتش زادگی کو غلط اور بہانہ اسلیئے کہا ہے کہ حق سبحانہٗ کے افعال صحیحہ غیر سقیمہ احتیاج بہ علل حادثہ سے منزہ ہیں اور ازل سے دائم و برقرار ہیں۔ جبکہ حوادث کا نام و نشان بھی نہ تھا۔ پس علل حادثہ کو باوجود اپنے حدوث کے حق سبحانہٗ کے افعال پاک ناشئہ عن ذات الحق وصفاتہ من الارادہ وغیرھا کی تکمیل میں کیا دخل ہو سکتا ہے۔

پس ثابت ہوا کہ سراب ہونا کوئی چیز نہیں۔ ہمارا باپ یعنی وہ شئے جس سے ہم میں صفات حمیدہ یا ذمیمہ کا ظہور ہوتا ہے حق سبحانہٗ کا فعل ہے اور اصل شئے اور مغز اس کا فعل ہی ہے اور ظاہری باپ پوست کی طرح نظر انداز کرنے کے قابل ہے جب گفتگو ذکر مغز و پوست مکمل ہو گئی تو اب ہم اس کے مناسب ایک دوسرا مضمون بیان کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اے تن جو مثل فندق کے مغز یعنی روح اور پوست یعنی لحم و شحم وغیرہ پر مشتمل ہے تو عشق الٰہی کو اپنا دوست جان کہ وہ تیری جان کا طالب ہے جو کہ تیرا مغز ہے اور تیرے جسم کو گھلاتا ہے جو کہ تیرا پوست ہے یعنی عشق تجھے گھلا کر تیرے آثار جسمانیہ کو مضمحل کرتا اور آثار روح کو ظاہر کرتا ہے۔ اسلیئے وہ تیرا دوست ہے

پس تو اس سے نفرت مت کر۔ بلکہ اسکے حاصل کرنے کی فکر کر۔

اس بیان سے یہ امر معلوم ہوگیا کہ عشق طالب مغز اور معنی پوست ہے۔ اب ہم کہتے ہیں کہ دوزخ جس کا مطلوب پوست ہے۔ حق سبحانہٗ کا حکم متعلق بہ تبدیل جلود۔ اس کو پوست ہی عطا کرتا ہے۔ جب یہ بھی معلوم ہوگیا تو اب ہم کہتے ہیں کہ تمہارا مغز اور تمہارے معنی دوزخ پر حاکم ہیں۔ کمایظہر من قولہ صلی اللہ علیہ وسلم حاکیا عن جہنم جُزْ یَا مُؤْمِنُ فَاِنَّ نُوْرَکَ اَطْفَأَ نَارِیْ۔ لیکن تمہارا پوست لحم و شحم وغیرہ آگ کا ایندھن ہے اور اسکی ایسی مثال ہے جیسے ایک لکڑی کا پیالہ جس میں پانی بھرا ہو کہ مظروف تو آگ پر حاکم ہے اور ظرف پر آگ کی حکومت ہے۔ علیٰ ہٰذا انسان کے معنی اور اس کا مغز آگ کے مالک ہیں اور دوزخ انکو صدمہ نہیں پہنچا سکتی ہے کیونکہ مالک دوزخ دوزخ میں نہیں جل سکتا اسکی مثال ایسی ہے جیسے کاسۂ چوبیں پُرآب کہ اسکی معنی یعنی پانی آگ پر حاکم ہیں اور اس کا جسم آگ کا ایندھن ہے [فائدہ : ہم نے معنی ہیزم الخ کو اعادۂ مضمون کوزہ چوبیں الخ قرار دیا ہے جب کہ معنی انسان الخ اعادہ ہے معنی و مغزت الخ کا۔ اور بعض محشی نے معنی ہیزم سے اسکے اجزاء مائیہ مراد لیے ہیں اور تن ہیزم سے اجزاء خاکیہ وہو ایضاً اقرب اور بعض نے ہیزم سے مراد انسان لیا ہے اور اسکی معنی سے روح اور تن سے گوشت پوست وغیرہ وہو البعد واللہ اعلم) جب امور مذکورہ ذہن نشین ہو چکے۔ تو اب ہم کہتے ہیں کہ تم اپنے معنی یعنی روحانیت بڑھاؤ۔ تاکہ تم کو آتشِ دوزخ ضرر نہ پہنچا سکے اور تم مالکِ دوزخ کی طرح اس پر حاکم ہو۔ لیکن اب تک تم نے ایسا نہیں کیا اور پوست پر پوست بڑھایا ہے۔

سو اگر یہی حالت رہی تو تم ضرور یوں ہی دوزخ میں ہوگے جیسے پوست آگ میں ہوتا ہے کیونکہ آگ کا چارہ تو پوست ہی ہے پس اسکو آگ میں جانا چاہیئے ـــــ دوسری وجہ یہ ہے کہ حق سبحانہٗ تکبر کی گردن مارنے والے ہیں اور تکبر پیدا ہوتا ہے پوست سے۔ یہی وجہ ہے کہ تکبر کا مطلوب جاہ اور مال ہے جو کہ سامان ہیں تن پروری و نفس پروری کا۔ پس حق سبحانہٗ اس کی یوں بیخ کنی کرتے ہیں کہ پوست کو جو کہ منشا تھا کبر کا۔ آگ میں جھونک دیتے ہیں ـــــ اس سے معلوم ہوا کہ تکبر نہایت بُری خصلت ہے جس سے بچنا ضروری ہے

اب ہم اس سے بچنے کی تدبیر بتلاتے ہیں سنو!

تکبر کا منشا کیا ہے۔ مُغِزِ موجودات یعنی حق سبحانہٗ سے غفلت جو غافل کے جمود کا یوں سبب ہے۔ جیسے برف کی آفتاب سے غفلت برف کے لیے موجبِ جمود ہوتی ہے۔ پس اس کا علاج یہ ہے کہ غفلت کو دور کیا جائے کیونکہ قاعدہ ہے کہ جب برف کو آفتاب کی خبر ہوتی ہے تو پھر وہ افسردہ نہیں رہتا۔ بلکہ نرم اور گرم اور سیال ہو کر تیز رفتار ہو جاتا ہے۔ یونہی جب کسی کو حق سبحانہٗ کی معرفت حاصل ہو جاتی ہے تو وہ از سرتاپا خواہش بن کر متذلل اور عاشق ہو جاتا ہے۔ کیونکہ قاعدہ ہے کہ جو کسی چیز کا خواہاں ہوتا ہے اسکے اندر تذلل اور تکسر پیدا ہو جاتا ہے اور تذلل اور تکسر منافی تکبر ہے پس تکبر جاتا رہتا ہے لیکن جب کہ مُغِز (حق سبحانہٗ) کو نہیں دیکھا تو وہ پوست یعنی غیر اللہ پر قانع ہوتا ہے۔ اور غیر اللہ قید خانہ اس کا جیل خانہ بن جاتا ہے یعنی قناعت از حق اور اسکے عدم طلب کے سبب وہ خود ہی پھنس جاتا ہے۔

جب کہ تکبر کا علاج معلوم ہو گیا تو اب یہ سنو۔ کہ دنیا میں عزت تمہارے تکبر اور ذلت کا سبب ہے اور ذلت دینداری اور عزت کا۔ پس تم عزت دنیا کو چھوڑو اور ذلت حاصل کرو تاکہ تم کو عزت حاصل ہو۔ کیونکہ جب تک کوئی اپنے کو مٹا نہیں دیتا اُسے عزت حاصل نہیں ہوتی۔

دیکھو: پتھر نے جب تک اپنی خودی کو نہیں چھوڑا اس وقت تک نگین خاتم ہونے کا شرف اسکو حاصل نہیں ہوا۔ اور جب اپنی خودی کو چھوڑ کر آفتاب کے رنگ میں رنگ گیا اس وقت اسکو یہ شرف حاصل ہو گیا ——— افسوس! کہ تم ہنوز پتھر اور عاری عن الکمالات ہو مگر اس پر بھی خودی کو نہیں چھوڑتے اور فانی ہو کر عزت حاصل نہیں کرتے ——— صاحبو! یہ وقت تذلل اور فنا کا ہے نہ کہ تکبر اور خودی کا۔ پس تم فانی ہو جاؤ۔ تاکہ تم کو عزت حاصل ہو۔

خیر! یہ تو ہو چکا اب سنو! کہ ہم نے اوپر کہا تھا کہ تکبر طالب ہے جاہ و مال کا اب اسکی وجہ سنو وہ یہ ہے کہ وہ بمنزلہ گھوڑے کے ہے اور جاہ و مال بمنزلہ پاخانہ کے

اور قاعدہ ہے کہ گھوڑے کا کمال پاخانہ سے ہوتا ہے یوں ہی کبر کا کمال جاہ و مال سے ہوتا ہے کیونکہ یہ دونوں دابہ ہیں جو کہ آدمی کے اندر پوست یعنی چربی اور گوشت اور کبر و نخوت بڑھاتے اور ان سے اسکو پُر کرتے ہیں اسلئے وہ ان کا طالب ہے اچھا اب یہ سُنو کہ جب تکبر اتنی بُری چیز ہے تو لوگ تکبر کیوں کرتے ہیں۔

وجہ اسکی یہ ہے کہ انہوں نے لُب لُب یعنی مقصود حقیقی حق جل مجدہٗ کو نہیں دیکھا اسلئے انہوں نے پوست کی طرح نکمے اور غیر مقصود تکبر کو مغز یعنی... کار آمد اور مقصود سمجھ لیا اور اسکی طالب ہوگئے۔ اس راہ کا مقتدا ابلیس ہے کیونکہ وہ ہی اول دامِ جاہ کا شکار ہوا تھا اور اسی نے اوّل تکبر کیا تھا۔

صاحبو! مال اور جاہ دونوں نہایت بُری بلا ہیں اور جاہ مال سے زیادہ خطرناک ہے کیونکہ مال تو بمنزلہ سانپ کے ہے اور جاہ بمنزلہ اژدھے کے۔ لیکن سایۂ اہل اللہ ان دونوں کے لیے زمرد ہے کیونکہ اس زمرد یعنی سایہ اہل اللہ سے ان سانپوں کی آنکھیں نکل جاتی ہیں اور وہ اندھے ہو جاتے ہیں۔ یعنی ان کا خطرہ دور ہو جاتا ہے اور اس طرح سالک ان کے ضرر سے بچ جاتا ہے۔

خیر یہ مضمون تو استطرادی تھا۔ اب سُنو کہ چونکہ اس سردار یعنی ابلیس نے لوگوں کی راہ میں کانٹے رکھ دیئے اور تکبر کرکے ان کو تکبر کا طریقہ بتلا دیا۔ اور اس طرح ان کے لیے خطرہ پیدا کر دیا ہے اسی لیے جو شخص زخمی ہوتا ہے یعنی تکبر کرکے نقصانات اٹھاتا ہے تو وہ شیطان پر لعنت کرتا ہے اور مقصود اس کا یہ ہوتا ہے کہ مجھے یہ صدمہ اُسکی دغابازی کی بدولت پہنچا ہے کیونکہ وہ پیشوا دغابازی میں سابق الاقدام ہے۔ نہ وہ یہ رستہ نکالتا نہ مجھے تکلیف اٹھانی پڑتی۔

الحاصل: طریق تکبر کا موجد ابلیس ہے اسکے بعد زمانے گذرتے رہے اور تمام متکبرین اسی کی روش پر چلتے رہے۔ اس کا وبال ہی ابلیس کی ہی گردن پر رہے گا۔ کیونکہ جب کوئی بُری راہ قائم کرتا ہے تاکہ لوگ اسکے بعد اندھے پن سے ٹھوکریں کھا کر گریں تو ان تمام لوگوں کا وبال اس راہ کو قائم کرنے والے کی گردن پر ہوتا ہے

کیونکہ وہ پیشوا تھا اور لوگ اسکی متبع - خیر! ابلیس نے تکبر کیا- مگر اُسکے برخلاف
آدم علیہ السلام نے اپنے پُرانے جوتے اور پوستین یعنی اپنی حقیقت کو پیش نظر رکھا اور
سمجھا کہ میں گارے سے بنا ہوں - اور ایاز کی طرح وہ اپنے پرانے جوتے کے پاس
برابر آتے رہے یعنی اپنی حقیقت کو نہیں بھولے - اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ تعریف کیے گئے
یہ بیان تھا آدم علیہ السلام کی ترک خودی کا -

اب مولانا ترک خودی اور فنا کی ترغیب دیتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ حق سبحانہٗ نیستی
اور عدم وفنا ہی میں تاثیر کرنے والے اور اسی میں کام کرنے والے ہیں اور کچھ حق سبحانہٗ ہی
کی تخصیص نہیں بلکہ جو کوئی بھی کسی شے کو وجود میں لاتا ہے - وہ اسکی صنعت کا کارخانہ
عدم ہی ہے - عدم کے سوا اور کیا ہوسکتا ہے - کیونکہ وجود میں تاثیر ایسی ہے - جیسے
لکھے ہوتے پر لکھنا - جہاں کوئی پودا لگا ہو وہاں پودا لگانا پس کیا کوئی لکھے ہوئے
پر لکھتا ہے - یا جہاں کوئی پودا لگا ہو کوئی پودا لگاتا ہے ہرگز نہیں - بلکہ وہ ایسا کاغذ..
تلاش کرتا ہے جو لکھا ہوا نہ ہو - اور ایسی جگہ پودا لگاتا ہے جہاں کچھ بویا ہوا نہ ہو -

یونہی حق سبحانہٗ اور دیگر موجد بھی اپنی تاثیر کے لئے عدم چاہتے ہیں - جب یہ
معلوم ہوگیا تو اب ہم کہتے ہیں کہ تم ہی اپنی صفات کو فنا کرکے ایسے ہوجاؤ جیسے
بغیر بوئی ہوئی زمین - یا بے لکھا کاغذ - تاکہ حق سبحانہٗ کی تحریر اور اس کی قلم سے عزت
حاصل کرو - اور وہ کریم تمہارے اندر اپنی صفات کا بیج بوئے -

حاصل یہ کہ تم خودی کو مٹاؤ - تاکہ تمہارے اندر اخلاق الٰہیہ اور علوم معارف
پیدا ہوں - اور تم فالودہ خودی جس کو تم مزہ سے کھاتے ہو - نہ کھایا سمجھو اور یہ
مطبخ جو تم نے دیکھا ہے نہ دیکھا سمجھو - کیونکہ یہ فالودہ بہت سی سستیاں پیدا کرتا ہے -
جن سے تم اپنے پوستین اور لیتھڑوں کو بھول جاؤ گے یعنی تم کو اپنی حقیقت یاد
نہ رہے گی لیکن جب جان کنی اور موت کا وقت ہوگا - اس وقت افسوس
کرو گے اور اپنے گدڑی اور لیتڑوں یعنی اپنی حقیقت کو اس وقت یاد کرو گے اور
جب تک تم برائی کی موج میں یوں غرق نہ ہوگے کہ تمہاری لیے کشتی پناہ نہ دے

اس وقت تک تم اس واقع کشتی کو یاد نہ کروگے - یعنی تم اپنے پوستین اور لیتھڑوں کو نہ دیکھوگے - اور اپنی اصلیت کو یاد نہ کروگے - ہاں! جبکہ تم مصیبت کے ڈباؤ پانی میں پھنس جاؤگے اس وقت ظلمنا کو شوق سے اپنا وظیفہ بناؤگے لیکن اس وقت تم پر شیطان ہنسے گا - اور کہے گا کہ اس ناقص کو دیکھو کہ کس وقت یہ اپنی اصلیت کو یاد کرتا ہے - اس مرغ بے ہنگام کا سر اڑا دینا چاہیئے مگر یہ خصلت کہ وہ مصروف خودی رہیں - اور ان کی طاعات سے خشوع ہوں - خاصانِ حق کی دانش مندی سے بعید ہے - وہ تو پیشتر ہی سے آسمانی مُرغ کی مانند ہیں اور انکی اذانیں اپنے وقت پر ہیں -

خلاصہ یہ کہ اہل اللہ کی حالت اہل دنیا کے خلاف ہے کیونکہ وہ بے وقت اپنی حقیقت کو یاد کرتے ہیں اور اہل اللہ بر وقت - [فائدہ : ولی محمد نے در ایں خصلت الخ کو مقولۂ محمود قرار دیا ہے اور ایاز سے ایاز مراد لیا ہے مگر یہ ان کی غفلت ہے - اگر وہ مولانا کے شعر اے خروساں از وے آموزید بانگ - بانگ بہر حق کند نے بہر دانگ ...... میں تامل کرتے تو اس غلطی میں مبتلا نہ ہوتے)

اب مولانا فرماتے ہیں کہ اے مرغو! (اہلِ دنیا) خاصانِ حق سے اذان سیکھو کہ وہ خدا کے لئے اذان دیتے ہیں نہ کہ روپے کے لیے یعنی اہل اللہ کی روش اختیار کرو کہ وہ فانی فی اللہ ہیں - نہ کہ مبتلائے خودی اور پابند نفس - اور صبح کاذب آکر انکو دھوکا نہیں دے سکتی - صبح کاذب سے ہماری مراد دنیا ہے - جو کہ ان کی بھلائی اور برائی کا عالم ہے یعنی وہ لوگ مغرور دنیا نہیں ہیں - برخلاف اہلِ دنیا کے - کہ وہ عقل ناقص رکھتے ہیں اسلئے انہوں نے اس دار الغرور کو اصلی گھر سمجھ لیا ہ

صبح کاذب نے بہت سے قافلوں کو غارت کیا ہے کیونکہ وہ جن کے مشابہ ہوکر ظاہر ہوئی ہے - یونہی اس دنیا نے اپنی طول بقا کے سبب عالمِ باقی سے مشابہت پیدا کر کے بہت سے آدمیوں کو تباہ کیا ہے - خدا نہ کرے کہ صبح کاذب مخلوق کی رہبر ہو - کیونکہ وہ بہت سے قافلوں کو تباہ کر دیگی - یوں ہی خدا نہ کرے - نہ دنیا سے لوگ دھوکا کھائیں

ورنہ بہت سے غارت ہو جائیں گے۔

اس مضمون کو یہاں تک پہنچا کر مولانا دوسرے مضمون کی طرف انتقال فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اے وہ شخص جو صبح کاذب یعنی دنیا کا محبوس ہے تو صبح صادق یعنی حقیقی اہل اللہ کو۔ صبح کاذب۔ یعنی بنی ہوئی نہ سمجھ۔ کیونکہ اگر تیرا ظاہر و باطن یکساں نہیں اور تو ریا سے خالی نہیں تو دوسروں کو ایسا نہ سمجھ۔ تیری یہ بدگمانی دلیل ہے اِس بات کی کہ تو خود بدکار ہے کیونکہ بدگمان ہمیشہ بدکار ہوتا ہے اور وہ اپنی حالت کو دوسروں کی طرف منسوب کرتا ہے۔ چنانچہ جو ذلیل لوگ خود گمراہیوں میں بتلا تھے۔ وہ انبیا کو ساحر اور گمراہ کہتے تھے۔ نیز ان ذلیل اور دغاباز امیروں نے ایاز کے حجرہ پر بھی یہی بدگمانی کی تھی کہ اس میں خزانہ مخفی ہے پس تم اپنے آئینہ سے دوسروں کو نہ دیکھو۔ اور جیسے خود ہو دوسروں کو بھی ویسا ہی نہ سمجھو۔ خیر! یہ گفتگو تو ہو چکی اب قصہ کی طرف عود کرنا چاہیئے۔ اچھا سنو

بادشاہ کو جانتا تھا کہ ایاز اس جرم سے بری ہے۔ مگر امرار کی وجہ سے اس نے خانہ تلاشی کا حکم دیا اور کہا کہ اے امیرو! آدھی رات جبکہ ایاز غافل ہو۔ اس وقت حجرہ کا دروازہ کھولو۔ تاکہ اسکے خیالات ظاہر ہو جائیں اگر اس کا جرم ثابت ہوگیا تو پھر سزا ہمارے ذمہ ہے ہم اسے سزا دیں گے اور سونا موتی جو کچھ ملے سب تمہارا۔ میں تو اطلاع چاہتا ہوں۔ وہ یہ کہہ رہا تھا مگر اس کا دل بے مثل ایاز کی طرف بے قرار تھا اور کہا کہ ارے میرے منہ سے یہ الفاظ نکل رہے ہیں۔ اگر ایاز کو اس زیادتی کا علم ہو جائے تو کیا ہو۔ پھر کہتا تھا کہ اسکی اطاعت کی قسم۔ اسکی کوہ وقاری اس سے بالاتر ہے کہ وہ میری تہمت سے برانگیختہ ہو جائے اور میری غرض اور باطنی خیال سے غافل رہے وہ ہرگز غافل نہیں ہوسکتا۔ اور جب غافل نہیں ہوسکتا تو خفا بھی نہیں ہوسکتا۔

کیونکہ قاعدہ ہے کہ کسی مصیبت زدہ کو اسکی مصیبت کی مصلحت معلوم ہوتی ہے تو وہ اسکو اپنی کامیابی سمجھتا ہے اور اس سے شکستہ نہیں ہوتا۔ پس چونکہ ایاز صابر اس واقعہ کی مصلحت سے واقف ہے کیونکہ وہ مستانجام نہیں ہے اسلئے وہ خفا نہ ہوگا ہم نے

یہ کیوں کہا کہ ایاز واقف ہے اسکی وجہ یہ ہے۔ کہ وہ یوسف کی طرح ان قیدیوں یعنی امیروں کے خواب یعنی کارروائی کی تعبیر یعنی حقیقت سے واقف ہے اور وہ جانتا ہے کہ حقیقت اسکی حسد یا بدگمانی ہے تو وہ اپنے خواب (معاملہ) کی تعبیر (حقیقت) سے کیوں نہ واقف ہوگا اور کیوں نہ سمجھے گا کہ محمودؒ کے یہ کارروائی بنا پر مصلحت ہے کیونکہ جو شخص اپنے خواب کی تعبیر یعنی اپنے حاسد کی حقیقت نہ جانتا ہو تو وہ دوسروں کے خواب کی تعبیر اور دوسروں کے معاملہ کی حقیقت کیا جان سکتا ہے اور ایاز دوسروں کے معاملہ کی حقیقت سے تو بخوبی واقف ہے پس وہ ضرور اپنے معاملہ کی حقیقت بھی جانتا ہوگا اور جبکہ وہ سمجھتا ہوگا کہ یہ ایک امتحان ہے تو پھر وہ ناخوش نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اگر امتحان میں اسکی سو تلواریں بھی ماروں تب بھی اس شفیق کا تعلق کم نہ ہوگا کیونکہ وہ جانتا ہے کہ یہ تلواریں میں اپنے مار رہا ہوں اسلئے کہ حقیقت میں میں وہی ہوں اور وہ ہیں پس ان کی تلوار مارنا اپنے مارنا ہے

درزبان ادب مولانا نے اسی مناسبت سے عاشق اور معشوق کے اتحاد کو رکھا ہے۔

دَر بیانِ اِتّحادِ عاشق و معشوق از رُوئے حقیقت اگرچہ
حقیقت کے اعتبار سے عاشق اور معشوق کے اتحاد کے بیان میں اگرچہ

مُتضادؔ[1] اند از رُوئے آنکہ نیاز ضدِ بے نیازی ست چنانکہ آئینہ
وہ اس اعتبار سے متضاد ہیں کہ نیاز، بے نیازی کی ضد ہے جیسا کہ آئینہ

بے صورت و سادہ است و بیصُورتی ضدِ صورت ست لیکن
بغیر صورت کا اور سادہ ہے اور صورت کا ہونا صورت کی ضد ہے لیکن

میانِ ایشان اِتّحادے ست دَرحقیقت کہ شرحِ آن دراز ست
درحقیقت ان میں ایسا اتحاد ہے جس کی شرح دراز ہے

وَالعَاقِلُ تَکفِیہِ الاِشَارَۃُ
اور عقلمند کے لئے اشارہ کافی ہے

جسمِ مجنوں را ز رنجِ دوریے — اندر آمد ناگہاں رنجوریے
فراق کی تکلیف سے مجنوں کے جسم میں اچانک بیماری پیدا ہوگئی

[1] متضاد۔ بظاہر عاشق و معشوق میں تضاد ہے ایک طرف نیاز ہے دوسری طرف بے نیازی ہے جیسا کہ آئینہ بے صورت ہے اور جو صورت اس کے اندر آتی ہے بظاہر ان دونوں میں تضاد ہے لیکن حقیقتاً دونوں میں اتحاد ہے اس کی مجنوں کے قصہ سے تشریح کرتے ہیں۔ مجنوں۔ ایک بار مجنوں بیمار ہوگیا عشق کی شدت نے اس کے خون میں جوش پیدا کر دیا جس سے اس کے گلے میں خناق (گلے کا ورم) پیدا ہوگیا۔

خون بجوش آمد ز شعلۂ اشتیاق
شوق کی چنگاری سے خون جوش میں آگیا

تا پدید آمد بداں مجنوں خُناق
عشق کے اس سے مجنوں کے گلے میں خُناق پیدا ہوگیا

پس[٢] طبیب آمد بدار و کردنش
اس کا علاج کرنے کے لئے طبیب آیا

گفت چارہ نیست ہیچ از رگ زنش
اس نے کہا فصد کرنے کے علاوہ کوئی علاج نہیں ہے

رگ زدن باید برائے دفعِ خوں
خون کے دفع کرنے کیلئے فصد کرنی چاہیئے

رگ زنے آمد بدانجا ذو فنوں
چنانچہ وہاں ایک ہوشمند نقاد آیا

بازوش بست و گرفت آں نیشِ او
اس نے اس کا بازو باندھا اور اسکو انکے سامنے پکڑا

بانگ بر زد در زماں آں عشق خو
فوراً وہ عشق مزاج چیخا

مُزدِ خود بستان و ترکِ فصد کُن
اپنی فیس لے لے، اور فصد نہ کر

گر بمیرم گو برو جسمِ کہن
اگر میں مر جاؤں، کہدے پرانا جسم چلا جائے

گفت[٣] آخر از چہ می ترسی ازیں
اس نے کہا آخر تو اس سے کیوں ڈرتا ہے؟

چوں نمی ترسی تو از شیرِ عریں
جبکہ تو بھار کے شیر سے نہیں ڈرتا ہے

شیر و گرگ و خرس و ہر یوز و دَدَہ
شیر اور بھیڑیا اور ریچھ اور ہر چیتا اور درندہ

گرد بر گردِ تو شب گرد آمدہ
تیرے چاروں طرف رات کو چکر لگاتا ہے

می نیابد شاں ز تو بوئے بشر
تجھ میں سے انھیں انسان کی بو نہیں آتی ہے

ز انبہیِ عشق و وجد اندر جگر
تیرے جگر کے اندر عشق اور غم کی کثرت سے

گرگ[١] و خرس و شیر داند عشق چیست
بھیڑیا اور ریچھ اور شیر جانتا ہے کہ عشق کیا ہے

کم ز سگ باشد کہ از عشق او عمیست
جو شخص عشق سے خالی ہے وہ کُتے سے کم ہے

گر رگِ عشقے نبودے کلب را
اگر کُتے میں عشق کی رگ نہ ہوتی

کے بجُستے کلبِ کہف قلب را
تو کتا اہلِ دل کے غار کو کب ڈھونڈتا

ہم ز جنسِ او بصورت چوں سگاں
اُس کے ہم جنس بھی کتوں کی صورت میں

گر نشد مشہور ہست اندر جہاں
دنیا میں ہیں اگرچہ مشہور نہیں ہوئے ہیں

تو نبُردی بوئے دل از جنسِ خویش
تو نے اپنی (ہم) جنس کے دل کی خوشبو نہ پائی

کے بری تو بوئے دل از گرگ و میش
تو بھیڑئیے اور بھیڑ کے دل کی خوشبو کب حاصل کر سکتا ہے؟

گر نبودے[٤] عشق ہستی کے بُدے
اگر عشق نہ ہوتا، تو وجود کب ہوتا؟

کے زدے ناں بر تو و تو کے شُدے
روٹی تجھ سے کب ملتی اور تو کب ہوتا؟

نانِ تو شد از چہ ز عشق و اشتہے
تیری روٹی کس چیز سے بنی؟ عشق اور خواہش سے

ورنہ ناں را کے بُدے تا جاں رہے
ورنہ روٹی کا راستہ جان تک کب ہوتا؟

---

٢ پس طبیب۔ طبیب نے کہا خون کو کم کرنے کیلئے فصد کرنا ضروری ہے لہٰذا فصد کرنے والے کو بُلایا جائے۔ بازوش۔ فصد کرنے کیلئے جب اُس کا بازو باندھا تو مجنوں شور مچانے لگا اور کہا کہ خواہ میں مر جاؤں فصد نہ کرو۔

٣ گفت۔ نقاد نے کہا تو جنگلوں میں مارا مارا پھرتا ہے اور درندوں سے بھی نہیں ڈرتا ایک نشتر سے کیوں ڈر رہا ہے۔ عریں۔ شیر کی کچھار۔ یوز۔ چیتا۔ دَدَہ۔ درندہ۔ می نیابد۔ چونکہ عشق اور غم نے تیرا جگر جلا دیا ہے ان درندوں کو تجھ میں سے انسان کی بو نہیں آتی ہے اور وہ تجھے اپنا دشمن سمجھ کر تجھ پر حملہ نہیں کرتے ہیں۔

١ گرگ۔ مولانا فرماتے ہیں جبکہ حیوانات بھی عشق سے آشنا ہیں تو اگر انسان میں یہ جذبہ نہ ہو تو وہ کُتے سے بھی بدتر ہے۔ گر رگے۔ اصحاب کہف کے کُتے قطمیر کو عشق ہی غار میں لے گیا تھا۔ قلب یعنی اہلِ دل اصحابِ کہف۔ ہم زجنس۔ اور کُتے بھی قطمیر کی طرح ہیں، مشہور نہیں ہوئے ہیں۔ تو نبردی۔ تو نے انسان کے، اس کے عشق کو نہ پہچانا تو درندوں کے دل کی حالت کیا جان سکتا ہے۔

٤ گر نبودے۔ مولانا کے نزدیک عالم کے وجود کی بنیاد عشق ہے اور پوری کائنات میں باہمی عشق اور جذب و انجذاب ہے۔ ناں۔ اگر روٹی اور انسان میں باہمی تعلق نہ ہوتا تو روٹی زندہ انسان کا جزو کیسے بنتی۔ عشق ہی نے

عشق نانِ مُردہ را جاں می کُند
عشق ہی مُردہ روٹی کو جاں (دار) بناتا ہے

جاں کہ فانی بُود جاوِیداں کُند
جو جان فانی تھی اُس کو جاودانی بنا دیتا ہے

گفت مجنوں من نمی ترسم زِ نیش
مجنوں نے کہا میں نشتر سے نہیں ڈرتا ہوں

صبرِ من از کوہِ سنگیں ہست بیش
میرا صبر پتھریلے پہاڑ سے بڑھا ہوا ہے

مَنبلم بے زخم ناسَاید تنم
میں مصیبت کا مارا ہوں بغیر زخم کے میرے جسم کو آرام نہیں ملتا ہے

عاشقم بر زخمہا بَرمی تنم
میں عاشق ہوں زخموں کا چکر لگاتا ہوں

لیک از لیلیٰ وجودِ مَن پُرست
لیکن میرا وجود لیلیٰ سے بھرا ہوا ہے

ایں صدف پُر از صفاتِ آں دُرست
یہ سیپ اُس موتی کی صفات سے پُر ہے

ترسم اے فصّاد! اگر فصدم کُنی
اے فصّاد! اگر تو میرے فصد لگائیگا میں ڈرتا ہوں

نیش را ناگاہ بر لیلیٰ زَنی
اچانک تو لیلیٰ کے نشتر مارے گا

داند آں عقلے کہ اُو دل روشنے ست
وہ عقل جس کا دل روشن ہے سمجھتی ہے

درمیانِ لیلیٰ و من فرق نیست
(کہ) مجھ میں اور لیلیٰ میں فرق نہیں ہے

مَن کیم لیلیٰ و لیلیٰ کیست مَن
میں کون! لیلیٰ، اور لیلیٰ کون ہے! میں

ما دُو رُوحیم آمدہ دَر یک بَدن
ہم دو روحیں ہیں جو ایک جسم میں آگئی ہیں

اُس مُردہ روٹی کو زندہ انسان کا جزو بنا دیا گیا۔ مجنوں۔ مجنوں نے فصّاد سے کہا میں نشتر لگنے سے نہیں ڈرتا ہوں میرا صبر پہاڑ سے بھی زیادہ ہے اور زخم کھانا میری عادت ہے اسی سے میرے جسم کو آرام ملتا ہے لیکن۔ چونکہ اب میں اپنے آپ کو فنا کرچکا ہوں اور میرے اس جسم میں صرف لیلیٰ ہے تو یہ نشتر میرے نہ لگے گا بلکہ لیلیٰ کے لگے گا۔ دانا عقلمند سمجھ سکتا ہے کہ اب لیلیٰ میں اور مجھ میں کوئی فرق نہیں ہے میں لیلیٰ ہوں اور لیلیٰ میں ہوں۔ دو روحیں ایک بدن میں ہیں

شرح

اچھا اب سُنو! جس سے مصرعِ بالا "من دیم اندر حقیقت او منم" کی تائید ہو۔ وہ یہ ہے کہ رنجِ فراق سے مجنوں کے جسم میں ایک بیماری پیدا ہوگئی۔ جس کی تفصیل یہ ہے ـــــ کہ جوشِ اشتیاق سے خون میں جوش آگیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مجنوں کو خناق ہوگیا جب وہ بیمار ہوگیا تو ایک طبیب اُس کے معالجہ کے لئے آیا اور اس نے تجویز کیا کہ بجز فصد کے اس کا کچھ علاج نہیں پس اخراجِ خون کے لیے فصد لینا چاہیئے اس تجویز پر ایک ہوشیار جراح کو بلایا گیا بس وہ آیا۔ اور آکر اُس نے حسبِ قاعدہ بازو پر پٹی باندھی اور ہاتھ کو اپنی طرف بڑھایا جب مجنوں نے یہ دیکھا تو فوراً اُس نے کہا کہ تم اپنی مزدوری لے لو۔ اور فصد نہ کرو اگر مر جاؤں تو کیا ہے ایک بوسیدہ جسم جاتا رہے گا۔ بلا سے جاتا رہے۔
جرّاح یہ سُنکر متحیّر ہُوا اور اُس نے سوال کیا کہ تم جبکہ شیر ببر سے بھی نہیں

ڈرتے تو فصد سے کیوں ڈرتے ہو۔ نیز شیر بھیڑیا، ریچھ اور ہر قسم کے درندے رات کو تمہارے گرداگرد جمع ہوتے ہیں مگر وہ تم کو نہیں کھاتے کیونکہ وہ اس وجہ سے کہ تمہارے اندر آدمی کی بُو نہیں پاتے کہ تمہارے جگر میں عشق و شوق کا ہجوم ہے اور اسلیئے گویا کہ تم مجسّم عشق و شوق ہو پس جبکہ تم مجسّم عشق ہو تو تم ڈرتے کیوں ہو

اب مولانا انتقال فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ بھیڑیا، ریچھ اور شیر وغیرہ جانتے ہیں کہ عشق کیا چیز ہے اور اس کا ادب کرتے ہیں اسلیئے انہوں نے مجنوں کو ضرر نہیں پہنچایا پس جو شخص عشق بالخصوص عشق الٰہی سے ناواقف اور اس کی قدر جانتا ہو اور اُسے حاصل نہ کرے

وُہ کتے سے بدتر ہے۔ کیونکہ کتا صرف عشق الٰہی سے واقف ہی نہیں بلکہ وہ اسکو حاصل بھی ہے کیونکہ اگر اس میں عشق الٰہی کی آگ نہ ہوتی تو سگ اصحاب کہف پناہ دل کا طالب کیوں ہوتا اور اہلِ دل کے ساتھ کیوں رہتا۔ ایک اُسی پر کیا انحصار ہے اس کی ہمجنس عاشق حق اور صورت میں کتوں کے مشابہ جہاں میں اور بھی کتے ہیں گو مشہور نہیں ہیں۔ اگر تم کہو کہ ہمیں تو ایک ہی نظر نہیں آتا تو اس کا جواب یہ ہے کہ تمہیں اپنے ہمجنسوں میں تو اہل دل کا پتہ ہے ہی نہیں۔ ایسے حالت میں تمہیں بھیڑیوں اور بھیڑوں وغیرہ میں ان کا کیا پتہ لگ سکتا ہے۔ الغرض تم کو کا عشق الٰہی حاصل کرنا چاہیئے۔ کیونکہ مطلق عشق عجیب چیز ہے۔ کیونکہ اگر عشق نہ ہوتا تو عالمِ نیست سے ہست نہ ہوتا۔ پس وہ عشق ہی ہے جس سے وجود عالم ہے۔

(فائدہ: مولانا نے اس مقام پر حدیث کنت کنزاً مخفیاً فاحببت ان اعرف فخلقت الخلق کی طرف اشارہ فرمایا ہے)

نیز اگر عشق نہ ہوتا۔ تو نہ تم سے روٹئے اتصال پیدا کرتے۔ اور نہ جزو انسان بن کر انسان بنتی پس روٹی جو انسان بنی ہے تو کیوں عشق یعنی بھوک کی بدولت ورنہ روٹی کی روح تک رسائی کیونکر ہو سکتی تھی۔ پس ثابت ہوا کہ عشق نہایت عجیب شے ہے کہ وہ بے جان روٹی کو جان بنا دیتا ہے اور جان جو کہ بدوں عشق کے فانی تھی اور اس کو دائم البقا کر دیتا ہے اور جب مطلق عشق کی یہ حالت ہے تو عشق الٰہی کا تو کہنا ہی کیا ہے۔

ختیں یہ مضمون استطرادی تو ہو چکا۔ اب سنو! کہ مجنوں نے جراح کے سوال کے جواب میں کہا کہ مجھے نشتر سے ڈر نہیں لگتا کیونکہ میرا صبر تو پہاڑ سے زیادہ وزنی ہے میں تو مثل مرہم کے ہوں کہ بدوں زخم کے مجھے چین ہی نہیں آتا اور میں تو عاشق ہوں اور زخموں سے مجھے کام ہے مگر میرا وجود لیلٰے سے پُر ہے اور یہ صدف جسم لالے موتی .... لیلیٰ کی صفات سے لبریز ہے۔ پس لے جراح! اگر تو میری فصد کریگا۔ تو مجھے ڈر ہے کہ تو لیلٰے کے نشتر نہ مار دے۔ کیونکہ وہ عقل جو دل روشن رکھتے ہیں جانتے ہیں کہ مجھ میں اور لیلیٰ میں کچھ فرق نہیں ہے۔ میں کون ہوں؟ لیلیٰ۔ اور لیلیٰ کون ہے؟ میں اور گویا کہ ہم دو روحیں ہیں جو ایک قالب میں اکٹھے.. ہیں

معشوقے[1] از عاشق پرسید کہ خود را دوست تر میداری یا مرا

ایک معشوق نے عاشق سے دریافت کیا تو اپنے آپ کو دوست رکھتا ہے یا مجھے

گفت من از خود مردہ ام وبتو زندہ ام از خود واز صفاتِ خود

اس نے کہا میں اپنے اعتبار سے مردہ ہوں اور تیرے ذریعہ سے زندہ ہوں اپنے آپ سے اور اپنی

نیست شدہ ام وبتو ہست شدہ ام علمِ خود را فراموش کردہ ام و

صفات کے اعتبار سے معدوم ہوگیا ہوں اور تیرے ذریعہ سے موجود ہوا ہوں میں نے اپنا علم بُھلا دیا ہے اور

از علمِ تو عالم شدہ ام قدرتِ خود را بباد دادہ ام واز قدرتِ

تیرے علم کے ذریعہ عالم بن گیا ہوں میں نے اپنی قدرت کو برباد کردیا ہے اور تیری قدرت

تو قادر شدہ ام اگر خود را دوست دارم ترا دوست داشتہ

کے ذریعہ صاحب قدرت ہوگیا ہوں اگر اپنے آپ کو دوست رکھتا ہوں تو تجھے دوست

باشم واگر ترا دوست داشتہ باشم خود را دوست داشتہ باشم

رکھتا ہوں اور اگر تجھے دوست رکھتا ہوں تو اپنے آپ کو دوست رکھتا ہوں

ہر[2] کرا آئینۂ یقیں باشد

جس کو یقین کا آئینہ حاصل ہو

گرچہ خود بیں خدائے بیں باشد

اگرچہ وہ خود بین ہے وہ خدا بین ہوگا

أُخْرُجْ بِصِفَاتِيْ إِلَىٰ خَلْقِيْ مَنْ رَأَكَ فَقَدْ رَأٰنِيْ وَمَنْ

میری مخلوق کی طرف میری صفات میں نکل جس نے تجھے دیکھا تو بیشک اس نے مجھے دیکھا اور جس نے

قَصَدَكَ قَصَدَنِيْ وَمَنْ اَحَبَّكَ اَحَبَّنِيْ وَقِسْ عَلٰى هٰذَا

تیرا قصد کیا اس نے میرا قصد کیا اور جس نے تجھ سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی اور اسی پر قیاس کر لے

[1] معشوقے۔ اب لانا عاشق و معشوق کے اتحاد کی مزید وضاحت کرتے ہیں۔ کسی معشوق نے عاشق سے دریافت کیا کہ تو مجھ سے زیادہ محبت کرتا ہے یا اپنے آپ سے، اس نے کہا میں اپنی تمام صفات گم کرچکا ہوں اب تیرے علم سے عالم، تیری قدرت سے قادر ہوں۔ لہٰذا اگر تجھے دوست رکھتا ہوں تو اپنے آپکو دوست رکھتا ہوں اور اپنے آپکو دوست رکھتا ہوں تو تجھے دوست رکھتا ہوں اب دوئی ختم ہوگئی ہے لہٰذا یہ سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔

[2] ہر کہ۔ جسکو ذات و صفات باری پر یقین کامل حاصل ہوگیا چونکہ وہ خودی کو ختم کرچکا ہے لہٰذا اُسکی خود بینی بھی خدا بینی ہے۔ اُخرج۔ جب ایک انسان فرائض و نوافل کے ذریعہ خدا کا قرب حاصل کرتا ہے اور خدائی اخلاق سے متخلق ہوجاتا ہے تو اُس انسان کو دیکھنا خدا کو دیکھنا ہے۔

گفت معشوقے بعاشق زامتحاں ۔۔۔ در صبوحی کاے فلاں ابنِ فلاں

امتحاناً، ایک معشوق نے عاشق سے کہا ۔۔۔ صبح کی شراب کے وقت اے فلاں، فلاں کے بیٹے

مر مرا تو دوست تر داری عجب ۔۔۔ یا کہ خود را راست گو یا ذا الکرب

تو مجھے عجیب زیادہ دوست رکھتا ہے ۔۔۔ یا اپنے آپ کو، سچ بتا اے غمزدہ!

گفت من در تو چناں فانی شدم ۔۔۔ کہ پُرم من از تو از سر تا قدم

اُس نے کہا میں تجھ میں ایسا فنا ہو گیا ہوں ۔۔۔ کہ سر سے پاؤں تک تجھ سے پُر ہوں

بر مَن از ہستیِ من جز نام نیست ۔۔۔ در وجودم جز تو اے خوش کام نیست

مجھ میں میرے وجود کا سوائے نام کے کچھ نہیں ہے ۔۔۔ اے خوش نصیب! میرے وجود میں تیرے سوا کچھ نہیں ہے

زاں سبب فانی شدم من ایں چنیں ۔۔۔ ہمچو سرکہ در تو بحرِ انگبیں

اس لئے میں ایسا فانی ہو گیا ہوں ۔۔۔ جیسا کہ سرکہ اے شہد کے سمندر! تجھ میں

ہمچو سنگے کو شود کُل لعلِ ناب ۔۔۔ پُر شود اُو از صفاتِ آفتاب

اُس پتھر کی طرح جو مجسم خالص لعل بن گیا ہو ۔۔۔ وہ سورج کی صفات سے پُر ہو جاتا ہے

وصفِ آں سنگی نماند اندرو ۔۔۔ پُر شود از وصفِ خور اُو پشت و رُو

اُس میں پتھر پن کی صفت نہیں رہتی ہے ۔۔۔ وہ آگے اور پیچھے سورج کے وصف سے پُر ہو جاتا ہے

بعد ازاں گر دوست دارد خویش را ۔۔۔ دوستیِ خور بُود آں اے فتی

اُس کے بعد اگر وہ اپنے آپکو دوست رکھتا ہے ۔۔۔ اے نوجوان! وہ سورج سے دوستی ہوتی ہے

ور کہ خور را دوست دارد او بجاں ۔۔۔ دوستیِ خویش باشد بیگماں

اگر وہ (دل و) جان سے سورج کو دوست رکھتا ہو ۔۔۔ بے شک اپنے دوستی ہوتی ہے

خواہ خود را دوست دارد لعلِ ناب ۔۔۔ خواہ یا اُو دوست دارد آفتاب

خالص لعل، خواہ اپنے آپ کو دوست رکھے ۔۔۔ یا خواہ وہ سورج کو دوست رکھے

اندریں دو دوستی خود فرق نیست ۔۔۔ ہر دو جانب جز ضیائے شرق نیست

اِن دونوں دوستیوں میں فرق نہیں ہے ۔۔۔ دونوں جانب سورج کی روشنی کے علاوہ کچھ نہیں ہے

تا نشد اُو لعل خور را دشمن ست ۔۔۔ زانکہ یک من نیست اینجا دو من ست

جب تک وہ لعل نہیں بنا، سورج کا دشمن ہے ۔۔۔ کیونکہ ایک وجود نہیں ہے یہاں دو وجود ہیں

زانکہ ظلمانی ست سنگ اے باحضور ۔۔۔ ہست ظلمانی حقیقت ضدِ نور

اِس لئے کہ اے باشعور! پتھر تاریک ہے ۔۔۔ تاریک حقیقتاً نور کی ضد ہے

خویش را گر دوست دارد کافر ست ۔۔۔ زانکہ اُو مَنّاعِ شمسِ اکبر ست

اگر اپنے آپکو دوست رکھتا ہے تو کافر ہے ۔۔۔ کیوں کہ وہ شمس اکبر کا مُنکر ہے

---

۵۳ صبوحی۔ صبح کے وقت کی شراب۔ گفت۔ عاشق نے کہا کہ میں تجھ میں اپنے آپ کو فنا کر چکا اب تو اور میں دو شخص نہیں ہیں کہ اُن کے بارے میں محبت کی کمی اور زیادتی کا سوال ہو سکے۔

۵۴ بر مَن۔ میرے وجود کا نام ہی نام ہے ورنہ اُس وجود میں دراصل تو ہے۔ سرکہ۔ سرکہ کو اگر شہد کے سمندر میں ڈال دیا جائے تو سرکہ کا محض نام ہی نام رہجائیگا ورنہ وہ سب شہد میں مل کر شہد بن گیا ہے۔ ہمچو۔ جس جسم میں کسی دوسرے جسم کی پوری صفات آجائیں تو اب اُس پہلے جسم کا نام ہی نام باقی رہیگا پتھر نے جب سورج کی صفات کو اس درجہ قبول کر لیا کہ اُس میں پتھر پن نہ رہا اور وہ سورج کی صفات کو قبول کر کے لعل بن گیا تو اب وہ صرف نام کا پتھر ہے اُس میں پتھر کی صفت باقی نہیں ہے۔

۵۵ بعد ازاں۔ لعل اگر اپنے آپ سے محبت کرے تو وہ سورج ہی سے محبت کہلائیگی۔ ور۔ اگر وہ لعل، سورج سے محبت کرے گا تو اُس کی وہ محبت خود اُس کی اپنی ذات سے محبت کہلائے گی۔ اب اُس کی اپنی ذات سے دوستی اور سورج سے دوستی میں کوئی فرق نہیں ہے اِسلئے کہ اُس میں اور سورج میں صفات کی یکسانیت ہے۔

۵۶ تا نشد۔ ہاں اگر وہ پتھر ابھی لعل نہیں بنا ہے تو اُس میں اور سورج میں تضاد ہے پتھر میں تاریکی ہے اور سورج میں صفائی اور روشنی ہے۔ خویش را اگر اس حالت میں وہ پتھر اپنے آپ سے محبت کریگا تو وہ سورج کا کافر ہے، اُس کا اپنے وجود کا اقرار سورج کے غیر کے وجود کا اقرار ہے۔

پس نشاید کہ بگوید سنگ اَنا — اُو ہمہ تاریکی ست و دَر فنا
پس مناسب نہیں ہے کہ پتھر "انا" کہے — وہ مجسم تاریکی اور فنا میں ہے

گفت[۱] فرعونے اَنا الحق گشت پست — گفت منصورے اَنا الحق و بَرَست
کسی فرعون نے اَنا الحق کہا وہ پست ہوا — کسی منصور نے اَنا الحق کہا وہ بالا ہے

آں اَنا را لعنۃ اللہ در عقب — وِیں اَنا را رحمۃ اللہ اے محب
اُس اَنا کے لئے اللہ (تعالیٰ) کی لعنت در پے ہے — اور یہ اَنا اے دوست! اللہ (تعالیٰ) کی رحمت ہے

زانکہ اُو سنگِ سیہ بُد ایں عقیق — آں عدوئے نور بُود و ایں عشیق
کیونکہ وہ سیاہ پتھر تھا، یہ عقیق ہے — وہ نور کا دشمن تھا اور یہ عاشق ہے

ایں اَنا ہُو بُود در سِرّ اے فضول — ز اتحادِ نور نَز راہِ حُلول
اے بیہودہ! یہ "اَنا" درحقیقت "ہو" تھی — نور کے اتحاد کی وجہ سے، نہ کہ حلول کے طور پر

جَہد[۲] کُن تا سنگیت کمتر شود — تا بلعلی سنگِ تو اَنور شود
تو کوشش کرتا کہ تیرا پتھر پن کم ہو جائے — تاکہ تیرا پتھر لعل بننے سے روشن ہو جائے

صبر کُن اندر جہاد و در عنا — دمبدم می بیں بقا اندر فنا
مجاہدہ اور مشقت میں صبر کر — لمحہ بہ لمحہ فنا میں بقا دیکھ

وصفِ سنگی ہر زماں کم میشود — وصفِ لعلی در تو محکم میشود
پتھر پن کی صفت ہر لمحہ کم ہوگی — تجھ میں لعل پن کی صفت مضبوط ہو جائے گی

وصفِ ہستی میرود از پیکرت — وصفِ مستی میفزاید در سرت
تیرے جسم میں سے وجود کی صفت نکل جائیگی — تیرے باطن میں مستی کی صفت بڑھ جائے گی

سمع شو یکبارگی تو گوشوار — تا ز حلقہ لعل یابی گوشوار
تو کان کی طرح فوراً سماعت بن جا — تاکہ تجھے لعل کے حلقہ کا گوشوارہ مل جائے

ہمچو[۳] چہ کَن خاک می کَن گر کسی — زیں تنِ خاکی کہ در آبے رسی
اگر تو مرد ہے تو کنواں کھودنے والے کی طرح مٹی کھود — اس مٹی کے جسم کی، تاکہ تو پانی تک پہنچ جائے

گر رسد جذبِ خدا آبِ مَعیں — چاہ ناکندہ بجوشد از زمیں
اگر خدا کا جذب آ گیا، تو جاری پانی — کنواں کھودے بغیر زمین سے جوش مارے گا

کارکے میکُن تو و کاہل مباش — اندک اندک خاکِ چہ را میتراش
کچھ کام کر، اور کاہل نہ بن — تھوڑی تھوڑی کنویں کی مٹی کھود

---

[۱] گفت. کسی فرعون کا "انا الحق" کہنا اس وجہ سے کفر ہے اور منصوری کا یہ کلمہ کہنا عینِ ایمان ہے۔ آں انا۔ اگر کوئی فرعونی صفت والا شخص انا الحق کہے تو وہ ملعون ہے اور کوئی منصور (حلاج) کی صفات والا انسان یہی کلمہ کہے تو اس پر خدا کی رحمت ہے۔ زانکہ۔ جبکہ انسان اللہ کی صفات سے متصف نہیں ہے تو اس میں اور اللہ تعالیٰ میں تضاد ہے۔ ایں انا۔ متصف بصفاتِ خداوندی کا انا الحق کہنا درحقیقت ہو الحق کہنا ہے۔ اس "انا" اور "ہو" میں کوئی فرق نہیں ہے کیونکہ نور اور صفات کے اعتبار سے دونوں میں اتحاد ہے۔ حلول۔ ذاتِ باری کو کسی انسانی شکل میں ماننا حلول ہے جو کفر ہے۔

[۲] جہد کن۔ مجاہدوں کے ذریعہ اپنے پتھر پن کو دور کر کے لعل بننے کی کوشش کر پھر تجھے رفتہ رفتہ اپنی صفات کو فنا کر کے اللہ کی صفات کے ذریعہ بقا حاصل ہوگا۔ وصف۔ تیرے وجود کے اوصاف رفتہ رفتہ فنا ہو جائیں گے صفاتِ خداوندی کا تیرے اندر جماؤ ہو جائے گا۔ سمع۔ تو کان کی طرح مجسم سماعت بن جا اور ان نصیحتوں کو قبول کر کے صفاتِ خداوندی کو حلقہ بگوش بنا لے۔

[۳] ہمچو۔ اگر انسان میں انسانیت ہے تو اس کو کنواں کھودنے والے کی طرح مجاہدے کے ذریعہ اپنے جسم کی کھدائی کرنی چاہئے تاکہ وہ آبِ حیات تک پہنچ سکے۔ گر رسد۔ مجاہدے کے ساتھ اگر حضرت حق کی جانب سے جذب شروع ہو جاتا ہے تو پھر مقصد تک پہنچنے کے لئے زیادہ مجاہدوں کی ضرورت نہیں رہتی۔

کارِمیکن گوشِ ماں از بہرِ آب	اَندک اَندک می کُن خاک و تُراب
پانی کے لئے کام کر، کان بن جا	تھوڑی تھوڑی خاک اور مٹی ہٹا
ہر کہ رنجے دید گنجے شُد پدید	ہر کہ جِدّے کرد در جَدّے رسید
جس نے تکلیف اُٹھائی، خزانہ ظاہر ہوا	جس نے کوشش کی، نصیبہ کو پہنچ گیا
گفت پیغمبر رکوع ست و سجود	بر درِ حق کوفتن حَلقہ وجود
پیغمبر نے فرمایا ہے رکوع اور سجدہ	اللہ (تعالیٰ) کے در پر مراد کی کنڈی کھٹکھٹانا ہے
حلقہ آں در ہر آنکو می زند	بہرِ اُو دولت سرے بیروں کُند
جو شخص اُس دروازہ کی کنڈی کھٹکھٹاتا ہے	اُس کے لئے دولت باہر آتی ہے

[1] کاری کُن۔ انسان کو بجائے شروع کرنا چاہیے اور مقصد کے حصول کا منتظر رہنا چاہیے۔ ہر کہ خدمت کو رائیگاں نہیں کرتا ہے جو کوشش کرتا ہے وہ پالیتا ہے۔ گفت۔ عبادتیں اس لئے کی جاتی ہیں تاکہ در حق کھلے اور انسان کو تقرب حاصل ہو زنجیر بجا کر دروازہ کھلوایا جاتا ہے۔ عبادت بھی زنجیر بجاتا ہے۔

[2] حلقہ۔ مشہور مقولہ ہے مَنْ دَقَّ بَابَ الکَرِیْمِ انْفَتَحَ

جس نے کریم کے دروازہ کا حلقہ کھٹکھٹایا اُس کے لئے کھل گیا

شرح

ایک معشوق نے ایک روز صبح کے وقت امتحاناً اپنے عاشق سے دریافت کیا کہ تم مجھے زیادہ چاہتے ہو (اگر یہ ہے تو تعجب کی بات ہے) یا اپنے کو اے مُبتلائے رنج جو بات ہو سچ سچ کہدو! اُس نے جواب دیا کہ میں آپ کے اندر اس قدر فنا ہوں کہ میں سر سے پاؤں تک آپ کی صفات سے لبریز ہوں میرے اندر میری ہستی کا صرف نام باقی ہے اور کچھ نہیں اور میرے اندر سوائے آپ کے اور کچھ نہیں۔ لہٰذا میں آپ کے اندر یوں فنا ہوں جیسے کہ آپ جو کہ بھرا انگبیں ہیں۔ سرکہ کھائیں اور وہ جزوِ بدن بن کر آپ کے اندر فنا ہو جاتے۔

اب مولانا ایک اور مثال سے مقولہ عاشق کی تائید فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اسکی مثال ایسی ہے جیسے کہ ایک پتھر جو کہ سراسر خالص لعل ہو جائے اور صفات آفتاب سے پُر ہو جائے اور وصفِ حجریت اسکے زائل ہو جائے اور اوپر نیچے غرض کہ ہر طرف صفات آفتاب سے پُر ہو جائے اسکے بعد اگر وہ اپنے کو دوست رکھے گا تو وہ آفتاب ہی کی دوستی ہوگی۔ اور اگر آفتاب کو دوست رکھے گا تو وہ اپنی دوستی ہوگی۔

الحاصل خاص لعل خواہ اپنے کو چاہے یا آفتاب کو۔ ان دونوں چاہتوں میں کچھ فرق نہیں کیونکہ گو ذاتیں ہر دو کے متبائن ہیں مگر صفت دونوں کی ایک ہے اسلئے کہ دونوں جگہ آفتاب ہی کی روشنی ہے جو منشاء ہے ماہیت کا۔ لیکن جب تک پتھر لعل نہ ہو اس وقت

تک وہ آفتاب کا دشمن ہے کیونکہ یہاں ایک ہستی نہیں بلکہ دو ہستیاں ہیں اسلئے کہ پتھر ظلمانی ہے اور آفتاب سراپا نور لہٰذا دونوں میں تضاد ہے اسلئے ظلماتی نور کی ضد ہے ایسی حالت میں اگر وہ اپنے کو دوست رکھے تو وہ بمنزلہ کافر کے ہے کیونکہ وہ جلیل القدر آفتاب کا مزاحم ہے کہ وہ اس کو اپنے میں فنا کرنا چاہتا ہے اور یہ فنا ہونا نہیں چاہتا اور اس طرح اسکی مزاحمت اور مقابلہ کرتا ہے ـــــ جب یہ معلوم ہوگیا تو اب سمجھو کہ جو شخص فنافی الحق نہیں ہے اسکو انا الحق نہ کہنا چاہیئے کیونکہ وہ سراسر ظلمت اور فانی ہے نہ کہ باقی ببقاء الحق۔ لیکن اگر کوئی فانی فی الحق اور باقی ببقاء حق ہو۔ تو اس کا انا الحق کہنا فی نفسہٖ صحیح ہے (گو شریعت حالت صحو میں اسکی اجازت نہیں دیتی) یہی وجہ ہے کہ فرعون نے انا الحق کہا تو وہ ذلیل ہوا۔ اور منصور نے حالت سُکر میں انا الحق کہا تو وہ ناجی ہوئے اور اُس اَنا پر لعنت الٰہی مرتب ہوئی اور اس پر رحمتِ الٰہی۔ کیونکہ فرعون غیر فانی اور بمنزلہ کالے پتھر کے تھا جو کہ اپنے لیے آفتابِ حقیقی ہونے کا دعوٰی کرتا تھا اور منصور فانی اور بمنزلہ عقیق کے تھا جو کہ نعرہ انا الشمس لگاتا اور وہ دشمن آفتابِ حقیقی تھا اور یہ عاشق آفتاب حقیقی۔

پس مقولہ فرعون کے یہ معنی ہیں کہ میں ہی آفتاب حقیقی اور خدا ہوں اور آفتاب حقیقی اور خدا کوئی چیز نہیں۔ اور مقولہ منصور کے یہ معنیٰ ہیں کہ میں کچھ نہیں جو کچھ ہے وہ آفتاب حقیقی اور خدا ہے لہٰذا فرعون مستحق لعنت تھا۔ اور منصور مستحق رحمت۔ کیونکہ منصور حقیقت میں خدا ہی تھا اس کی معنیٰ یہ نہیں کہ خدا منصور میں نعوذ باللہ حلول کر گیا تھا۔ بلکہ یہ اتحاد باین معنی تھا کہ وہ متخلق باخلاق اللہ اور متصف بصفاتِ حق اور فانی فی الحق و باقی ببقائہٖ تھا۔ پس یہ اتحاد حقیقی نہ تھا۔ بلکہ عرفی تھا۔ جیسے کہ اہل محاورہ کہتے ہیں کہ فلاں اور فلاں دو تھوڑا ہی ہیں وہ دونوں ایک ہیں۔ فافہم ولاتزل۔

یہاں سے مولانا مضمون ارشادی کی طرف انتقال فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تم کوشش کرو کہ تمہاری حجریت اور ظلمانیت کم ہو اور صفت لعلیت و تنور اور آفتاب حقیقی کے ساتھ ہم رنگی تم میں زائد ہو اور اسی سے تم منور ہو جاؤ اور صورت اس کی یہ ہے کہ تم مجاہدات

ومشاق میں صبر کرو۔ اور استقلال کے ساتھ مخالفت نفس پر کمربستہ ہو جاؤ پھر دیکھنا کہ اس فنا میں تمہیں لحظہ بلحظہ ایک نئی بقا حاصل ہوگی اور تمہارے اندر سے صفت نقص ہر وقت نکل رہی ہوگی اور صفت کمال پختہ ہو رہی ہوگی اور صفت خودی جو تم میں ہے زائل ہوتا ہوگا اور وصف عشق الٰہی اور اسمیں سرشاری کی کیفیت تمہارے سر میں بڑھتی ہوگی۔ بس سے تم کان کی طرح سراسر سماعت بن جاؤ یعنے جو کچھ تم سے شیخ کہے اُس کو بدوں چون وچرا کے مان لو۔ اس سے تم لعل کی بالی کان میں پہنو گے یعنی تم صفت کمال سے ملتبس ہوگے اور اگر تم آدمی ہو تو چاہ کن کی طرح اپنے جسم خاکی سے مٹی کھودتے رہو۔ تاکہ ایک روز تم پانی تک پہنچ جاؤ یعنی تم مجاہدات و ریاضات سے اپنے جسم کو گھلاتے رہو تاکہ ایک چشمہ معرفت الٰہی تمہارے اندر سے پھوٹے اور تمہاری مطلوب تم کو مل جائے۔ یہ امور گو موقوف علیہ بمعنی لولاہ لا متنع نہیں ہیں کیونکہ اگر جذبۂ خداوندی پہنچ جائے تو چشمۂ معرفت بدوں مجاہدات و ریاضات کے بھی مل سکتا۔ مگر اکثر عادت اللہ یوں ہی جاری ہے کہ بدوں ریاضات و مجاہدات کے وہ ایسا کرتے نہیں اسلئے تم کچھ نہ کچھ کرتے رہو اور ہاتھ پاؤں توڑ کے نہ بیٹھو اگر زیادہ نہ ہو سکے تھوڑا تھوڑا ہی مجاہدات کرتے رہو۔ غرض تم کام کرتے رہو اور چشمۂ رحمت کے منتظر رہو۔ اور تھوڑے تھوڑے مجاہدات کرتے رہو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ایک روز تم کو تمہارا مطلوب حاصل ہوگا کیونکہ عادت اللہ جاری ہے کہ جو شخص تکلیف اُٹھاتا ہے اس کو حصول مطلوب کا خزانہ مل جاتا ہے اور جو شخص کوشش کرتا ہے دولت اسکو مل جاتی ہے۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ خدا کے دروازہ پر زنجیر وجود کھڑکھڑانا۔ رکوع اور سجدہ (کثرات نوافل مع پابندی فرائض) ہے۔ پس کثرت صلوٰۃ کو اپنا دستور العمل بناؤ۔ اس طریقہ سے تم حق سبحانہٗ کے دروازہ پر زنجیر کھڑکھڑاؤ گے اور تم کو ایک عظیم الشان دولت ملے گی کیونکہ جو کوئی اس دروازہ کی زنجیر کھڑکھڑاتا ہے اسکو ایک عظیم الشان دولت حاصل ہوتی ہے۔

اب سمجھو! کہ اس زنجیر کے کھڑکھڑانے کا کیا قاعدہ ہے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ رکوع وسجود یعنی کثرت صلوٰۃ حق سبحانہٗ کے دروازہ پر طلب بقاء روحانی کے لیے زنجیر کھڑکھڑانا ہے پس تم کثرت صلوٰۃ کرو تاکہ تم کو بقاء روحانی حاصل ہو۔

آمدنِ آں امیرانِ نمّام با سرہنگاں نیم شب وکُشادنِ
اُن چغلخور امیروں کا سپاہیوں کے ساتھ آدھی رات کو آنا اور ایاز کا حجرہ

حُجرۂ ایاز و دیدن چارق و پوستین را آویختہ وگمان
کھولنا اور چپل اور پوستین کو لٹکا ہوا دیکھنا اور خیال کرنا کہ یہ

بُردن کہ آں مکریست و رُوپوش وخانہ را حُفرہ کردن ہر
مکاری اور آڑ ہے اور گھر کے ہر اُس گوشہ کو کھودنا جس کا

گوشہ کہ گمان آمد وچاہ کُناں آوردن و دیوار ہا را سُوراخ
انھیں خیال آیا اور کنواں کھودنے والوں کو لانا اور دیواروں میں سُوراخ

کردن وچیزے نایافتن وخجل و نومید شُدن چنانکہ ۵۳
کرنا اور کسی چیز کو نہ پانا اور شرمندہ اور نااُمید ہونا جیسا کہ انبیاء

بدگمانان وخیال اندیشاں درکارِ انبیا و اولیا کہ میگفتند کہ
اور اولیاء کے معاملہ میں بدگمانوں اور سوچنے والوں جو کہتے تھے کہ

ساحراند وخویشتن ساختہ اند وتصدّر میجویند بعد از
جادوگر ہیں اور اپنے آپ کو بنائے ہوئے ہیں اور بڑائی چاہتے ہیں جستجو کے

تفحّص خجل شدنِ ایشاں سود ندارد
بعد اُن کا شرمندہ ہونا مفید نہیں ہے

آں امیراں بر درِ حُجرہ شدند — طالبِ گنج و زر و خمرہ شدند
وہ امیر حجرے کے دروازہ پر آئے — خزانہ اور سونے اور مٹکی کے طلبگار بنے

قفل را بر میکشادند از ہوس — با دو صد فرہنگ و دانش چند کس
ہوس سے اُنھوں نے تالا کھولا — چند اشخاص کی سینکڑوں عقلوں اور سمجھ کے ساتھ

زانکہ قفلِ صعب و پیچیدہ بُود — از میانِ قفلہا بگزیدہ بُود
کیونکہ اُس نے مضبوط تالا لگا رکھا تھا — تالوں میں سے منتخب کیا تھا

نے ز بخلِ سیم و مال و زرِ خام — از برائے کتمِ آں سرّ از عوام
چاندی اور مال اور خالص سونے کے بخل کی وجہ سے نہیں — (بلکہ) اُس راز کو عوام سے چھپانے کے لئے

کہ گروہے بر خیالِ بد تنند — قومِ دیگر نام سالوسم کنند
کہ ایک جماعت بُرے خیال پر قائم ہو جائیگی — دوسری قوم میرا نام مکّار رکھے گی

پیشِ با ہمت بُود اسرارِ جاں — از خساں محفوظ تر از لعلِ کاں
ہمت والے کے سامنے جان کے راز — کمینوں سے، کان کے لعل سے زیادہ محفوظ ہوتے ہیں

رُوپوش یعنی ایاز نے چپل اور پوستین اس لئے لٹکا دی ہے کہ مخفی خزانہ کی جانب لوگوں کا دھیان نہ جائے۔

۵۳ چنانکہ۔ یہ لوگ ایاز کے معاملہ میں ایسے ہی شرمندہ ہوئے جس طرح انبیاء اور اولیاء کے منکر آخر میں ایسے وقت شرمندہ ہوئے ہیں جبکہ اُن کی شرمندگی اُن کے لئے مفید نہیں ہوتی ہے۔ تصدّر۔ صدر کا مقام حاصل کرنا خود بینی۔

۵۴ زانکہ۔ ایاز نے حجرہ پر ایسا سخت قفل لگایا تھا جس کا کھلنا آسان نہ تھا۔ نے ز بخل۔ مضبوط قفل کسی بخل کی وجہ سے نہ لگایا تھا بلکہ اپنا یہ راز چھپانے کیلئے لگایا تھا۔ قوم دیگر۔ اگر لوگوں کو چپل اور پوستین کا حال معلوم ہوگا تو اُسکو مکاری پر محمول کرینگے۔ پیش۔ باہمت لوگ اپنے باطنی احوال کی لعل و جواہر سے بھی زیادہ حفاظت کرتے ہیں۔ ۵۵ زر۔ بیوقوفوں کے نزدیک سونا جان سے بہتر ہے عقلمند روپے پیسے کو جان کی خیرات سمجھتے ہیں۔

زر به از جان ست پیشِ ابلهاں
بیوقوفوں کے نزدیک سونا جان سے بہتر ہے

زر نثارِ جاں بُوَد پیشِ شہاں
شاہوں کے نزدیک سونا جانوں کی خیرات ہے

می شتابیدند تفا از حرصِ زر
وہ سونے کے لالچ میں تیز دوڑتے تھے

عقلِ شاں میگفت نے آہستہ تر
اُن کی عقل کہتی تھی "نہیں" بہت آہستہ

حرص تازد بیہدہ سُوئے سراب
سراب کی جانب لالچ بیکار دوڑتا ہے

عقل گوید نیک بیں کاں نیست آب
عقل کہتی ہے اچھی طرح دیکھ وہ پانی نہیں ہے

حرص غالب بُود و زر چوں جاں شدہ
لالچ غالب تھا اور سونا جان کی طرح بن گیا تھا

نعرۂ عقل آں زماں پنہاں شدہ
اُس وقت عقل کی آواز دب گئی تھی

حرص غالب بُود بر زر ہمچو جاں
جان جیسے سونے پر حرص غالب تھی

گفت ایں ست ایں متاعِ رائگاں
اُس نے کہا یہی ہے یہ بیہودہ چیز

گشتہ صد تو حرص و غوغائے اُو
حرص اور اُس کا شور تہ گنا بن گیا

گشتہ پنہاں حکمت و ایمائے اُو
دانائی اور اُس کا اشارہ چھپ گیا

تاکہ در چاہِ غرور اندر فتد
تاکہ دھوکے کے کنوئیں کے اندر گرے

آنکہ از حکمت ملامت نشنود
وہ جو دانائی کی ملامت نہیں سنتا

چوں ز بندِ دام بادِ اُو شکست
جب جال کے پھندے کی وجہ سے اُسکی غرور ٹوٹا

نفسِ لوّامہ بر و یابید دست
لوامہ نفس نے اُس پر قابو پایا

تا بدیوارِ بلا ناید سرش
جب تک اُسکا سر مصیبت کی دیوار تک نہیں آتا ہے

نشنود پندِ دل آں گوشِ کرش
اُسکا بہرا کان دل کی نصیحت نہیں سنتا ہے

کودکاں را حرصِ لوزینہ و شکر
بادام کے حلوے اور شکر کا لالچ بچوں کے

از نصیحتہا کُند دو گوش کر
دونوں کان کو نصیحتوں سے بہرا بنا دیتا ہے

چونکہ دردِ دُنبلش آغاز شد
جب اُس کے پھوڑے کا درد شروع ہوا

در نصیحت ہر دو گوشش باز شد
اُس کے دونوں کان نصیحت کے لئے کھلے

حجرہ را با حرص و صد گونہ ہوس
حجرہ کو سیکڑوں ہوس اور حرص سے

باز کردند آں زماں آں چند کس
اُن چند شخصوں نے اُس وقت کھولا

اندر افتادند بر ہم ز ازدحام
ازدحام سے اکٹھے اندر گھسے

ہمچو اندر دوغ گندیدہ ہوام
جس طرح بھنگے سڑی ہوئی چھاچھ میں

عاشقانہ در فتند با کر و فر
شان و شوکت سے، عاشقانہ گرتا ہے

خوردن امکاں نے و بستہ ہر دو پر
کھانے کا امکان نہیں اور دونوں پر بندھے ہوئے ہیں

بنگریدند از یسار و از یمیں
اُنھوں نے بائیں اور دائیں جانب دیکھا

چارقے بدریدہ بُود و پوستیں
پھٹی ہوئی چپل اور پوستیں تھی

۱۲؎ می شتابید۔ لالچ اُن کو دوڑا رہا تھا اور عقل آہستہ روی کی تعلیم دے رہی تھی۔ حرص تازد۔ حرص انسان کو غیر واقعی نفع کی طرف دوڑاتی ہے عقل اسکو سمجھاتی ہے سراب۔ وہ ریت جو دور سے پانی نظر آئے۔ حرص۔ اُنپر حرص کا غلبہ تھا اور عقل کی آواز دب گئی تھی۔ غالب بود۔ سونا جو اُن کیلئے جان کی طرح تھا اُنپر حرص غالب تھی اُسنے عقل کی آواز کو بیکار بتایا۔ حکمت عقل کی دانائی اور اُسکے اشارے اُن لوگوں سے مخفی ہوگئے تھے۔

۱۳؎ تاکہ۔ حکمت کے اشارے اسلئے پوشیدہ ہو جاتے ہیں کہ یہ شخص دھوکے میں مبتلا ہو چکے۔ یہ لالچی شخص جب پھنس جاتا ہے تو اُس کا غرور ٹوٹتا ہے اور پھر اُسکا نفس اُسکو ملامت کرتا ہے نفسِ لوامہ۔ نورِ دل کی روشنی

۱۴؎ تا بدیوار۔ جب تک مصائب کی دیوار سے اُسکا سر نہیں ٹکراتا ہے اُس وقت تک یہ دل کی نصیحت نہیں سنتا ہے۔ کودکاں۔ اُس شخص کی مثال بچوں کی سی ہے جو مٹھائی کے لالچ میں کوئی نصیحت نہیں سنتے ہیں۔ چونکہ۔ جب مٹھائی کھانے سے پھوڑے اور پھنسیاں نکلتی ہیں تب بچے کے کان کھلتے ہیں۔ حجرہ۔ اب پھر ایاز کے حجرے کے کھولنے کا ذکر شروع کیا ہے۔

۱۵؎ ہمچو۔ وہ لوگ ازدحام کرکے ایاز کے حجرہ میں اسطرح گھسے جس طرح بھنگے لسی چھاچھ میں گرتے ہیں کہ وہ نہ اُس میں سے کچھ کھا سکتے ہیں اور نہ صحیح سالم باہر نکل سکتے ہیں۔ یہی حال اُن لوگوں کا تھا کہ اُنکو

بازگفتند این مکاں بے نوش نیست — چارق اینجا جز پئے روپوش نیست

انھوں نے پھر کہا یہ جگہ بغیر شہد کے نہیں ہے — اس جگہ چپل آڑ کے سوا نہیں ہے

ہیں بیاور سیخہائے تیز را — امتحاں کن حفرہ و کاریز را

خبردار! تیز سلاخیں لاؤ — گڑھے اور نالی کا امتحان لے

ہر طرف کندند و جستند آں فریق — حفرہا کردند و گوہائے عمیق

اُن لوگوں نے ہر طرف کھودا اور تلاشی لی — گڑھے اور گہرے غار ڈال دیئے

حفرہاشاں بانگ میداد آں زماں — کندہائے خالیم اے گندگاں

اُن کو اُس وقت گڑھوں نے پکارا — اے گندو! ہم خالی خندقیں ہیں

زاں سگالش شرم ہم میداشتند — کندہا را باز می انباشتند

اس بدگمانی سے اُن کو شرم بھی آرہی تھی — انھوں نے خندقوں کو دوبارہ بھر دیا

باز در دیوارہا سوراخہا — ہمچنیں کردند از جہل و عمیٰ

پھر دیواروں میں سوراخ — نادانی اور اندھے پن سے اسی طرح کئے

بے عدد لا حول در ہر سینۂ — ماند مرغ حرص شاں بے چینۂ

ہر سینہ میں بے شمار "لاحول" تھی — اُن کی حرص کا پرند بغیر گسنگی کے رہ گیا

زاں ضلالتہائے یاوہ تاز شاں — حفرہ و دیوار و در غماز شاں

اُن کی بیہودہ دوڑ کی گمراہیاں — گڑھا اور دیوار اور دروازہ اُنکے چغلخور

ممکن اندائے آں دیوار نے — با ایاز امکان ہیچ انکار نے

اُس دیوار کی لپائی ممکن نہ تھی — ایاز کے سامنے انکار کا کوئی امکان نہ تھا

گر فداع بیگناہی میدہند — حائط و عرصہ گواہی میدہند

اگر وہ اپنی بے گناہی کا دعویٰ دیں — دیوار اور صحن گواہی دے رہے ہیں

جملہ در حیرت کہ چہ عذر آورند — تا ازیں گرداب جاں بیروں کنند

سب حیرت میں تھے کہ کیا عذر کریں — تاکہ اس بھنور سے جان کو باہر نکالیں

عاقبت نومید دست و لب گزاں — چوں زناں دو دست بر سر ہا زناں

انجام کار ناامید اور ہاتھ اور ہونٹ کاٹتے ہوئے — عورتوں کی طرح دو ہتڑ سر پہ مارتے ہوئے

باز گردیدند سوئے شہریار — پُر ز گرد و روئے زرد و شرمسار

شاہ کی طرف واپس ہو گئے — گرد سے بھرے ہوئے، چہرے زرد اور شرمندہ

وہاں مال بھی ہاتھ نہ آیا اور رُسوا ہوگئے۔

سلہ بازگفتند۔ حجرے میں مال نہ پانے کے باوجود انھوں نے کہا کہ یہ جگہ مال سے خالی نہیں ہوسکتی چپل اور پوستین تو مال کو چھپانے کے لئے ایک آڑ ہے۔ سیخہای۔ یعنی کھودنے کے لئے گدالیں۔ کاریز۔ نالی۔ گوہای۔ گڑھے۔ حفرہا۔ گڑھے ان سے کہہ رہے تھے کہ اے ناپاک خیالات والو ہم خالی گڑھے ہیں۔ زاں۔ اب وہ اپنے خیالات پر شرمندہ تھے انھوں نے گڑھوں کا پاٹنا شروع کردیا۔

سلہ لاحول۔ وہ اپنے کام پر لاحول پڑھ رہے تھے۔ غماز۔ اُن کو اپنے کاموں کو چھپانا ممکن نہ تھا دیواروں کے سوراخ اور زمین کے گڑھے اُن کی چغلی کھا رہے تھے۔ ممکن۔ ان گڑھوں اور سوراخوں کو اس طرح اب بند بھی نہیں کیا جاسکتا کہ ایاز کے سامنے ان حرکتوں کا انکار ممکن ہو لہٰذا وہ سب حیران تھے اور در و دیوار کی گواہی سے ڈر رہے تھے۔

سلہ عاقبت۔ انجام کار وہ محروم واپس ہوئے اور عورتوں کی طرح سروں پر دوہتڑ مار رہے

بازگشتنِ نمّاماں از حُجرۂ ایاز بسوئے شاہ توبرہ تہی و خجل ہمچو

چغلخوروں کا ایاز کے حجرے سے بادشاہ کی طرف خالی توبرہ اور شرمندہ ہو کر واپس جانا جیسا

بدگمانان در حقِ انبیا علیہم السلام در وقفِ ظہورِ براءت و

کہ انبیاء علیہم السلام سے بدگمانی کرنے والے اُن کی براءت اور پاکی کے ظاہر

پاکیِ ایشاں کہ یَوْمَ تَبْیَضُّ وُجُوْهٌ وَّتَسْوَدُّ وُجُوْهٌ وَ

ہو جانے کے وقت کہ اس دن جبکہ کچھ چہرے سفید اور کچھ چہرے کالے ہو جائیں گے اور

قولہٗ تعالٰی یَوْمَ الْقِیَامَۃِ تَرَی الَّذِیْنَ کَذَبُوْا عَلَی اللّٰہِ وُجُوْهُهُمْ مُّسْوَدَّةٌ

اللہ تعالٰی کا قول قیامت کے روز تو دیکھیگا ان لوگوں کو جنہوں نے خدا پر جھوٹ بولا تھا انکے چہرے کالے ہونگے

شاہ[۱] قاصد گفت ہیں احوال چیست | کہ بغلتاں از زر و ہمیاں تہیست
بادشاہ نے قصداً کہا ہاں کیا احوال ہیں؟ | کہ تمہاری بغلیں ہمیانی اور سونے سے خالی ہیں

ور نہاں کردید دینار و تسو | فرِ شادی در رخ و رخسار کو
اگر تم نے اشرفیاں اور دمڑیاں چھپا رکھی ہیں | تو مُنہ اور رُخسار پر شان اور خوشی کہاں ہے؟

گرچہ[۲] پنہاں بیخ ہر بیخ آورست | برگ سِیمَاھُمْ وُجُوْھُھُمْ اَخضرست
اگرچہ ہر جڑدار (درخت) کی جڑ پوشیدہ ہے | سبز پتے "ان کے چہروں پر نشان ہے" کا مصداق ہیں

آنچہ خورد آں بیخ از زہر و ز قند | نک منادی میکند شاخِ بلند
جو کچھ زہر اور شکر اس جڑ نے کھایا ہے | اب بلند شاخ پکار رہی ہے

بیخ[۳] اگر بے برگ و از مایہ تہیست | برگہائے سبز بر اشجار چیست
جڑ اگر بغیر پتے کے اور سرمائے سے خالی ہے | درختوں پر سبز پتے کیسے ہیں؟

بر زبانِ بیخ گِل مُہرے نہد | شاخ دست و پا گواہی میدہد
جڑ کی زبان پر مٹی مُہر لگا دیتی ہے | شاخ، ہاتھ پاؤں ہیں جو گواہی دیتے ہیں

آں امیراں جملہ در عذر آمدند | ہمچو سایہ پیشِ مہ ساجد شدند
اُن سب سرداروں نے معذرت کی | سایہ کی طرح چاند کے سامنے سجدہ کرنے والے بن گئے

عذرِ آں گرمی و لاف و ما و من | پیشِ شہ رفتند با تیغ و کفن
اُس جوش اور شیخی اور انانیت سے عذر کے لئے | تلوار اور کفن لے کر شاہ کے سامنے گئے

از خجالت[۴] جملہ انگشتاں گزاں | ہر یکے میگفت کے شاہِ جہاں
شرمندگی سے اُنگلیاں کاٹتے ہوئے | ہر ایک کہہ رہا تھا، کہ اے شاہجہاں!

گر بریزی خوں حلالستت حلال | ور بہ بخشی ہست انعام و نوال
اگر تو خون بہائے تیرے لئے حلال ہی حلال ہے | اگر تو معاف کر دے انعام اور عطا ہے

تھے۔ بازگشتن۔ وہ لوگ خالی ہاتھ اور شرمندہ اسی طرح تھے جس طرح کفار ہونگے جبکہ انبیا اور رسولوں کی براءت ظاہر ہوگی اور بداعمالوں کے چہرے سیاہ اور نیکوکاروں کے سفید ہو جائیں گے۔

[۱] شاہ۔ شاہ نے قصداً ان سے دریافت کیا کہ تمہاری بغلیں۔ ہمیانی زر و جواہر سے کیوں خالی ہیں اگر تم یہ بھی کہو کہ وہ ہم نے چھپا لئے ہیں تو بھی اُن کے آثار چہروں پر ضرور ہونے چاہئیں تھے۔

[۲] گرچہ۔ جڑ زمین میں چھپی ہوئی ہوتی ہے لیکن اس کے آثار پتوں پر ظاہر ہوتے ہیں۔ برگ۔ چھپے ہوئے اعمال کے اثرات نیکوں کے چہروں پر ظاہر ہوں گے کلام پاک میں ہے۔ سِیْمَاھُمْ فِیْ وُجُوْھِھِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ یعنی سجدوں کے آثار انکے چہروں سے نمایاں ہیں۔ آنچہ۔ پتوں سے جڑ کی حقیقت واضح ہو جاتی ہے:

[۳] بیخ۔ جڑ میں اگر زندگی نہ ہو تو درخت پر سبز پتے نہیں آ سکتے ہیں۔ بر زبان۔ مٹی نے جڑ کے منہ پر مہر لگا دی ہو لیکن اس کی شاخیں جو اس کے ہاتھ پاؤں ہیں گواہی دے رہے ہیں۔ عذر۔ مجرم کے لئے قاعدہ تھا کہ تیغ و کفن لے کر بادشاہ کے سامنے جاتا تھا اور اس طور پر سزا پر اپنی آمادگی ظاہر کرتا تھا۔

[۴] از خجالت۔ ہر شخص شرمندگی سے انگلیاں کاٹ رہا تھا۔ اور بادشاہ سے کہہ رہا تھا کہ اگر

کردہ ایم آنہا کہ از ما می سَزید ‏— تا چہ فرمائی تو اے شاہِ مجید

ہم نے وہ کیا جو ہمارے لائق تھا ‏— اے بزرگ بادشاہ! اب آپ کیا فرماتے ہیں؟

گر بہ بخشی جرمِ ما اے دلفروز ‏— شب شبیہا کردہ باشد روز روز

اے دل کو روشن کرنے والے! اگر تو ہمارا جرم بخش دے ‏— (تو ایسا ہوگا) کہ رات نے رات پن کیا، دن نے دن پن

گر بہ بخشی یافت نومیدی کُشاد ‏— وَرنہ صد چوں ما فدائے شاہ باد

اگر تو بخش دیگا تو مایوسی نے کشادگی حاصل کی ‏— ورنہ ہم جیسے سینکڑوں بادشاہ پر قربان ہیں

گفت شہ نے ایں نوازو ایں گداز ‏— من نخواہم کرد ہست آنِ ایاز

بادشاہ نے کہا نہیں یہ نوازش اور یہ سزا ‏— میں نہ کروں گا یہ ایاز کی ملکیت ہے

اُمید سے بدل جائے گی ورنہ ہماری جان آپ پر قربان ہے۔ گفت۔ بادشاہ نے کہا اس معاملہ میں سزا و عطا میرا کام نہیں ہے، ایاز کا کام ہے۔

حوالہ کردنِ بادشاہ قبولِ توبۂ نماماں وحُجرہ کُشایاں وسزا دادن وادب کردنِ ایشاں با ایاز کہ یعنی ایں جنایت بر عرضِ اُو رفتہ است عُذر را او پذیرد

بادشاہ کا چغلخوروں اور حجرہ کھولنے والوں کی توبہ کو قبول کرنا اور سزا دینا اور اُن کو تنبیہ کرنا، ایاز کے سپرد کرنا کیونکہ یہ زیادتی اُس کی آبرو پر ہوئی تو اس کا عذر وہ قبول کرے

ایں جنایت بر تن و عرض ویست ‏— زخم بر رگہائے آں نیکو پے ست

یہ ظلم اُس پر اور اُس کی آبرو پر ہوا ہے ‏— زخم اُس نیک خصلت کی رگوں پر لگا ہے

گرچہ نفسِ واحدیم از روئے جاں ‏— ظاہر اُو دُریم ازیں سُود و زیاں

اگرچہ جان کے اعتبار سے ہم ایک ذات ہیں ‏— اس نفع اور نقصان کے اعتبار سے بظاہر ہم دور ہیں

تہمتے بر بندہ شہ را عار نیست ‏— جز مزیدِ حِلم و استظہار نیست

غلام پر تہمت، شاہ کی ذلت نہیں ہے ‏— مزید حلم اور بھروسہ کے سوا کچھ نہیں ہے

مُتہم را شاہ چوں قاروں کُند ‏— بیگنہ را تو نظر کن چوں کند

جبکہ شاہ تہمت کردہ کو قارون بنا دیتا ہے ‏— تو غور کر بے قصور کو وہ کیا بنائے گا؟

شاہ را غافل مداں از کارِ کس ‏— مانعِ اظہارِ آں حِلم ست و بس

شاہ کو کسی کے کام سے غافل نہ سمجھ ‏— اُسکے ظاہر کرنے کے لئے فقط حلم مانع ہے

مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ بہ پیشِ عِلمِ اُو ‏— لاأبالی وار اِلّا حِلمِ اُو

اُسکے علم کے آگے وہاں کون ہے جو سفارش کرسکے؟ ‏— لاپرواہی کے ساتھ سوائے اُس کے حلم کے

ہیں قتل کردیا جائے تو ہم اسی کے قابل ہیں اگر آپ معاف کردیں تو آپ کا کرم ہے۔ شب شبیہا۔ رات اپنا کام کرتی ہے اور دن اپنا۔ ہمارے تاریک کارنامے ہیں اور آپ کی صفائی پُر نور ہے۔ گر بہ بخشی۔ اگر آپ معاف کردیں گے تو ہماری مایوسی

ملہ حوالہ۔ بادشاہ نے ایاز کو بلا کر اُن امیروں کو اُسکے حوالہ کردیا۔ ایں جنایت۔ بادشاہ نے کہا تمہارا ظلم و زیادتی ایاز کے جسم اور آبرو پر ہوئی ہے۔ گرچہ۔ اگرچہ ایاز اور میں دو نہیں ہیں لیکن اس معاملہ میں یگانگت نہیں ہے۔ تہمتے۔ اگر بادشاہ کے غلام پر کوئی تہمت لگائے تو بادشاہ ذلیل نہیں ہوتا ہے، غلام ذلیل ہوتا ہے لہٰذا اس معاملہ کا تعلق باوجود یگانگت کے ایاز ہی سے ہے۔

ملہ جز۔ اگر کوئی شاہ کا جرم بھی کرتا ہے تو وہ اُس کے حلم کے بھروسہ پر کرتا ہے۔ شاہ۔ شاہ کو جرم کا علم بھی ہوتا ہے تو اپنے حلم کی وجہ سے اُس کا اظہار نہیں کرتا ہے۔ من ذا۔ چونکہ بادشاہ کو مجرم کا پورا علم ہوتا ہے تو سفارش صرف اُس کے حلم کی چلتی ہے تاکہ شاہ کے حلم کی وجہ سے خطاکار کو ہمت ہوجاتی ہے ورنہ ہیبت اُس کو خطا کرنے کا موقع نہ دے۔

آں گنہ اوّل زِحلمش میجہد ‌ ‌ ‌ ‌ ورنہ ہیبت آں مجالش کے دہد

خطا، پہلے پہل اُسکے حلم کی بنیاد پر صادر ہوئی ہے ‌ ‌ ورنہ خوف اُس کو کب گنجائش دیتا؟

خونبہائے[۳] جرم نفسِ قاتلہ ‌ ‌ ‌ ‌ ہست بر حلمش دیت بر عاقلہ

قاتل نفس کے جرم کا خونبہا ‌ ‌ اُسکی بُردباری پر ہے (جیساکہ) عاقلہ پر دیت

مست و بیخود نفسِ ما زاں حلم بُود ‌ ‌ ‌ ‌ دیو در مستی کلاہ از وے ربُود

ہمارا نفس اس حلم سے مست اور بیخود تھا ‌ ‌ مستی میں، شیطان اُس کی ٹوپی لے بھاگا

گر نہ ساقیِ حلم بودے بادہ ریز ‌ ‌ ‌ ‌ دیو با آدم کجا کردے ستیز

اگر حلم کا ساقی شراب چھلکانے والا نہ ہوتا ‌ ‌ شیطان، آدمؑ سے کب جھگڑا کرتا؟

گاہ[۵] علمِ آدمؑ ملائک را کہ بُود ‌ ‌ ‌ ‌ اُوستادِ علم و نقّادِ نقود

ملائکہ کے اعتبار سے آدمؑ کے علم کا جو مرتبہ تھا ‌ ‌ علم کے اُستاد، اور نقدوں کو پرکھنے والے تھے

چونکہ در جنت شرابِ حلم خورد ‌ ‌ ‌ ‌ شُد زیک بازیِ شیطاں رُو بزرد

چونکہ انھوں نے جنت میں حلم کی شراب پی ‌ ‌ شیطان کے ایک داؤں سے شرمندہ ہوگئے

آں بلاذرہائے تعلیمِ ودود ‌ ‌ ‌ ‌ زیرک و دانا و چستش کردہ بُود

اللہ (تعالے) کی تعلیم کے بھلانووں نے ‌ ‌ اُنکو ذہین اور عقلمند اور چست کردیا تھا

باز آں افیونِ حلمِ سختِ اُو ‌ ‌ ‌ ‌ دُزد را آورد سوئے رختِ اُو

پھر اُس کے انتہائی حلم کی افیون نے ‌ ‌ اُنکے سامان کی جانب چور کو روانہ کردیا

عقل آمد سوئے حلمش مستجیر ‌ ‌ ‌ ‌ ساقیم تو بُودہ دستم بگیر

عقل، اُسکے حلم کی جانب پناہ پکڑتی ہوئی آئی ‌ ‌ میرا ساقی تو تھا میری دستگیری کر

فرمودنِ[۶] شاہ ایاز را کہ اختیار کن از عفو و مکافات کہ از عدل

بادشاہ کا ایاز سے فرمانا کہ بدلے اور معاف کرنے میں سے جو بھی پسند کرے اختیار کر کیونکہ انصاف

و لُطف ہر چہ کُنی اینجا صوابست و در ہر یکے را مصلحتہاست

اور مہربانی میں سے جو بھی تو کریگا اس مقام پر درست ہے اور ہر ایک میں مصلحتیں ہیں

کہ در ہر عدل ہزار لطف درجست و لکم فی القصاص حیاۃ

اسلئے کہ انصاف میں ہزاروں مہربانیاں درج ہیں اور تمہارے لئے بدلہ لینے میں زندگی ہے

آنکس کہ کراہت میدارد قصاص را در یں یک حیاتِ

جو شخص بدلہ لینے کو ناپسند کرتا ہے اُس میں قاتل کی ایک زندگی

قاتل نظر میکند و در صد ہزار حیات کہ معصوم و محفوف

پر نظر کرتا ہے اور وہ اُن لاکھوں زندگیوں کو جو سزا کے خوف کے

خواہد شُدن در حصنِ بیم سیاست نمی نگرد

قلعے میں محفوظ اور مامون ہوگی، نہیں دیکھتا ہے

---

[۳] خونبہائے۔ اگر کوئی قتل میں خطا کرتا ہے تو اُس کے رشتہ داروں کو دیت دینی پڑتی ہے چونکہ قاتل انہی رشتہ داروں کے سہارے کی امید پر قتل کرتا ہے۔ اسی طرح خطاکار شاہ کے حلم کے سہارے خطا کرتا ہے تو اسکی خطا کی ذمہ داری بھی شاہ کے حلم پر آتی ہے۔ مست شاہ کے حلم کی مستی خطاکار پر طاری ہوجاتی

[۵] گاہ۔ آدمؑ کو ملائکہ سے زیادہ علم حاصل تھا لہٰذا شیطان اُنکو دھوکہ نہ دے سکتا تھا لیکن چونکہ آدمؑ نے جنت میں اللہ کے حلم کا جام پی لیا تھا تو اُن سے خطا سرزد ہوگئی۔ بلاذر۔ بھلانوا اُس کو مذبّر کرکے کھانا ذہن کے لئے بہت مُفید ہے۔ باز آں۔ حضرت آدمؑ نے اللہ تعالے کے حلم کی افیون کھائی جس سے اُن پر غفلت طاری ہوگئی۔ عقل۔ پھر اُس غلطی سے اُن کی عقل نے اللہ کی بُردباری سے پناہ پکڑلی۔

[۶] فرمودن۔ بادشاہ نے ایاز سے کہا اب تو جو چاہے کر۔ معاف کردے یا بدلہ لے لے عدل کر یعنی بدلہ لے لے یا مہربانی کر اور یہ بھی سمجھ لے کہ عدل یعنی بدلہ لینے میں سیکڑوں مہربانیاں پوشیدہ ہیں اس لئے کہ قصاص کے ڈر سے جانیں محفوظ ہوجاتی ہیں اسی لئے قرآن نے قصاص کو حیات قرار دیا ہے جو شخص معاف کرتا ہے وہ قاتل کی ایک جان کی طرف تو دھیان دیتا ہو

کُن میانِ مُجرماں حکم اے ایاز ۔۔۔ اے ایازِ پاک با صد احتراز

اے ایاز! مجرموں کا فیصلہ کر ۔۔۔ سیکڑوں پرہیزگاریوں کے ذریعہ پاک! اے ایاز!

گر دو صد بارت بجوشم در عمل[۵۳] ۔۔۔ در کفِ جوشت نیابم یک دغل

اگر میں تجھے دو سو بار (بھی) کام میں جوش دلاؤں ۔۔۔ تیرے جوش کے جھاگ میں ایک خرابی (بھی) نہ پاؤں

زامتحاں[۵۴] شرمندہ خلقے بے شمار ۔۔۔ زامتحانہا جملہ از تو شرمسار

آزمائش سے بے شمار مخلوق شرمندہ ہوئی ہے ۔۔۔ آزمائشوں کی وجہ سے سب تجھ سے شرمندہ ہیں

بحرِ بے قعر ست تنہا علم نیست ۔۔۔ کوہ و صد کوہ است ایں خود حلم نیست

صرف علم ہی نہیں ہے، بلکہ اتھا سمندر ہے ۔۔۔ یہ حلم ہی نہیں ہے، پہاڑ اور سیکڑوں پہاڑ ہے

گفت من دانم عطاے تست ایں ۔۔۔ ورنہ من آں چارقم واں پوستیں

اُس نے کہا میں جانتا ہوں یہ آپکی دین ہے ۔۔۔ ورنہ میں تو وہی چپل اور وہی پوستین ہوں

بہرِ ایں[۵۵] پیغمبر ایں را شرح ساخت ۔۔۔ ہر کہ خود بشناخت یزداں را شناخت

اسی لئے پیغمبرؐ نے اِس کی شرح کی ہے ۔۔۔ جس نے اپنے آپ کو پہچانا اُس نے خدا کو پہچان لیا

چارقت نطفہ است و خونت پوستیں ۔۔۔ باقی اے خواجہ عطاے اوست ایں

تیرا چپل نطفہ ہے اور تیرا خون پوستین ہے ۔۔۔ اے جناب! باقی یہ اس کی دین ہے

بہرِ آں دادست تا جوئی دگر ۔۔۔ تو مگو کہ نیستش جز ایں قدر

تجھے اسلئے دیا ہے تاکہ تو اور طلب کرے ۔۔۔ تو نہ کہہ کہ اسکے پاس اِسکے سوا نہیں ہے

زاں نماید چند سیب آں باغباں ۔۔۔ تا بدانی دخل و نخلِ بوستاں

باغباں چند سیب اِس لئے دکھاتا ہے ۔۔۔ تاکہ تو باغ کی آمدنی اور درختوں کو سمجھ سکے

کفِ[۵۶] گندم زاں دہد خریار را ۔۔۔ تا بداند گندمِ انبار را

ایک مٹھی گیہوں خریدار کو اِس لئے دیتا ہے ۔۔۔ تاکہ وہ ڈھیر کے گیہوں کو سمجھ جائے

نکتۂ زاں شرح گوید اُوستاد ۔۔۔ تا شناسی علمِ اُو را مستزاد

اُستاد اُس شرح میں سے ایک نکتہ بیان کردیتا ہے ۔۔۔ تاکہ تو اُس کے علم کو مزید سمجھ جائے

ور بگوئی خود ہمینش بود و بس ۔۔۔ دورت اندازد چناں کز ریش خس

اگر تو کہے، کہ اُس کے پاس بس یہی تھا ۔۔۔ تجھے اِس طرح دور پھینک دیگا جسطرح داڑھی سے تنکا

اے ایاز اکنوں بیا و داد دہ ۔۔۔ دادِ نادر در جہاں بنیاد نہ

اے ایاز! اب آ اور انصاف کر ۔۔۔ دنیا میں عجیب انصاف کی بنیاد رکھدے

مُجرمانت مستحقِ کُشتنند ۔۔۔ در طمع بر عفو و حلمت می تنند

تیرے مجرم گردن زدنی ہیں ۔۔۔ اور تیری معافی اور حلم کے لالچ پر قایم ہیں

لیکن ان جانوں کی طرف نظر نہیں کرتا ہے جو قصاص کے ڈر سے محفوظ رہتی ہیں۔

[۵۳] گر دو صد۔ انسان جوش میں راہ اعتدال چھوڑ بیٹھتا ہے لیکن ایاز سے یہ ممکن نہیں ہے۔

[۵۴] زامتحاں۔ غلطیات کا امتحان کرکے بہت سے لوگ شرمندہ ہوئے ہیں اب یہ لوگ بھی اسی طور پر شرمندہ ہیں۔ بحر۔ ایاز صرف دریائے علم ہی نہیں ہے بلکہ وہ علم کا بے تھاہ دریا ہے وہ صرف بُردباری ہی نہیں ہے بلکہ بُردباری کا پہاڑ در پہاڑ ہے۔ گفت۔ ایاز نے شاہ کی باتوں پر کہا کہ میرا ہر رتبہ آپکی عطا اور دین ہے ورنہ میری حقیقت تو وہی چپل اور پوستین ہے۔

[۵۵] بہرِ ایں۔ حدیث شریف ہے مَنْ عَرَفَ نَفْسَہٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّہٗ، جس نے اپنے آپ کو پہچان لیا اُس نے اپنے خدا کو پہچان لیا۔ چارقت۔ جس طرح ایاز کی چپل اور پوستین اُسکی ابتدا تھی اور بقیہ عروج شاہی عطیہ تھا اسی طرح انسان کی اصل مرد کا نطفہ اور عورت کے رحم کا خون ہے۔ بہرِ آں۔ یہ دنیاوی عطا اس لئے کی ہے تاکہ تو انکو دیکھکر اخروی عطا کا طلبگار بنے۔ زاں۔ دنیاوی عطا آخرت کا نمونہ ہے جس طرح چند سیب باغ کے نمونے کے طور پر دکھلائے جاتے ہیں۔

[۵۶] کف۔ گیہوں کے ڈھیر کی بانگی دکھا دی جاتی ہے۔ نکتہ۔ اُستاد ایک معمولی نکتہ بیان

تاکہ[۵۱] رحمت غالب آید یا غضب تاکہ (دیکھیں) کہ رحمت غالب آتی ہے یا غصہ	**آبِ کوثر غالب آید یا لہب** آبِ کوثر غالب آتا ہے یا لپٹ
از پئے مردم رُبائی ہر دو ہست انسانوں کی کشش کے لئے دونوں ہیں	**شاخِ حِلم و خشم از عہدِ اَلَسْت** حِلم اور غصہ کی شاخ عہدِ اَلَسْت (کے وقت) کی
بہرِ ایں لفظِ اَلَسْتُ مُستبیں اسی لئے واضح لفظ اَلَسْتُ میں	**نفی و اِثبا تست دَر لفظے قریں** نفی اور اِثبات ایک لفظ میں ملا ہوا ہے
زانکہ اِستفہام اِثبا تست ایں کیونکہ استفہام یہ اِثبات ہے	**لیک در وے لفظِ لَیْس شُد دفیں** لیکن اُس میں لَیْسَ کا لفظ چھپا ہوا ہے
ترک کُن تا ماند ایں تقریرِ خام رہنے دے، تاکہ یہ تقریر ناقص رہے	**کاسۂ[۵۲] خاصاں مَنہ بر خوانِ عام** خواص کا پیالہ عوام کے دسترخوان پر نہ رکھ
قہر و لُطفے چوں صبا و چوں وَبا قہر اور مہر صبا اور وبا کی طرح ہے	**آں یکے آہن رُبا دیں کہربا[۵۳]** ایک مقناطیس اور یہ کہربا ہے
میکشد حق راستاں را تا رشد اللہ (تعالےٰ) سچوں کو ہدایت کیجانب کھینچتا ہے	**قِسمِ باطِل باطِلاں را میکشد** باطل فریق، بُرے لوگوں کو کھینچتا ہے
معدہ حلوائی بُوَد حلوا کَشد حلوے والا معدہ ہو تو حلوے کو کھینچتا ہے	**معدہ صفرائی بُوَد سِرکا کَشد** صفرے والا معدہ ہو تو سرکہ کو کھینچتا ہے
فرشِ سُوزاں سردی از جالش بَرَد گرم فرش بیٹھنے والے کی ٹھنڈک دور کر دیتا ہے	**فرشِ افسُردہ حرارت را خورد** ٹھنڈا فرش، گرمی کو کھا جاتا ہے
دوست بینی از تو رحمت می جہد تو دوست کو دیکھتا ہے تو تجھ سے رحمت ٹپکتی ہے	**خصم بینی از تو سطوت می جہد** تو دشمن کو دیکھتا ہے تو تجھ میں سے دبدبہ ٹپکتا ہے

کرتا ہے تاکہ شاگرد اُسکے علوم کو جان کر اُن کا طالب بنے۔ قد۔ اگر شاگرد اُستاد کے نکتہ کو سُن کر یہ کہدے کہ بس اُستاد کے پاس اِس نکتہ کے علاوہ اور کوئی علم نہیں ہے تو اُستاد اُس کو درس سے نکال دیتا ہے۔ اے ایاز۔ بادشاہ نے ایاز سے کہا۔ مجرمانت۔ یہ چغلخور قتل کے مستحق ہیں لیکن تیری بردباری اور عفو کے طالب ہیں۔

۵۱ تاکہ۔ اب یہ دیکھنا ہے تو اُن پر رحم کرتا ہے یا عتاب نازل کرتا ہے، رحم آبِ کوثر اور عتاب لپٹ ہے۔ از پے۔ روزِ ازل سے حِلم و غصہ دونوں صفتیں لوگوں کو اللہ تعالےٰ کی جانب متوجہ کرتی ہیں۔ بہرِ ایں۔ حِلم اور خشم کی صفت کی طرف اشارے کے لئے اَلَسْتُ بِرَبِّکُم میں نفی بھی ہے اور اِثبات بھی ہے۔ زانکہ۔ اَلَسْتُ میں ہمزۂ استفہام انکار کے لئے جو اَلَسْتُ بِرَبِّکُم میں داخل ہے جو خود انکار کے معنی میں ہے اور انکار کا انکار اثبات ہوتا ہے لہٰذا اِس سے اللہ کی ربوبیت ثابت ہو گئی جس کا مقتضیٰ حِلم ہے اور لَسْتُ بِرَبِّکُم کے معنیٰ ہیں "میں تمہارا رب نہیں ہوں" تو ربوبیت کے انکار کا مقتضیٰ غصہ ہے لہٰذا یہ اَلَسْتُ بِرَبِّکُم کا جملہ دونوں صفتوں کیطرف اشارہ ہے۔

۵۲ کاسۂ خاصاں۔ اب یہ بات کہ ربوبیت کا نہ ہونا وحدتِ احدیت محض کی بات ہے تو یہ خواص کو بھلنے کی ہے عوام کے سامنے اِس کی تقریر مناسب نہیں ہے۔ قہر و لطفے۔ اللہ تعالیٰ کی یہ دونوں صفتیں صبا اور وبا کی طرح ہیں صبا پرورش کرتی ہے، وبا فنا کرتی ہے اِن میں سے ایک مقناطیس ہے جو لوہے کو کھینچتا ہے یعنی صفتِ قہر سنگ دلوں کے لئے ہے اور دوسری صفت حِلم اور لطف یہ کہربا کیطرح

ہے جو نرم قلوب کو اپنی طرف مائل کرتی ہے۔ آہن رُبا۔ مقناطیس پتھر کو کھینچتا ہے۔

۵۳ کہربا وہ پتھر جو تنکے کو اپنی طرف کھینچتا ہے۔ میکشد۔ دنیا میں حضرتِ حق کی دونوں صفتوں کا ظہور ہے اُسکا ہادی ہونا راست بازوں کی کشش کرتا ہے اور اُسکا مُضِل ہونا غلطکاروں کی کشش کرتا ہے، غرض کہ اَعیانِ ثابتہ علمیہ جیسی جسکی استعداد ہے اُسکے مطابق اسکا میلان ہے۔ معدہ۔ دنیا میں ہر چیز کی کشش اپنی ہم جنس کیطرف ہے۔ معدہ کا یہی حال ہے فرش کا یہی حال ہے دوست اور دشمن کا یہی حال ہے نور و نار کا بھی حال ہے۔

نور بینی روشنی بیروں جہد — نار بینی یا دُخاں ظلمت دہد

تو نور دیکھتا ہے، تو روشنی باہر آتی ہے — تو آگ یا دھواں دیکھتا ہے تو تاریکی پیدا ہوتی ہے

خصمؔ و یار و نور و نار و فخر و عار — تخت و دار و بَرد و حار و وَرد و خار

دشمن اور دوست، نور اور ناز، فخر اور ذلت — تخت اور سولی، ٹھنڈا اور گرم، پھول اور کانٹا

مور و مار و پود و تار و زیر و زار — ہر یکے با جنسِ خود بر می شمار

چیونٹی اور سانپ، تانا اور بانا، گانا اور رونا — ہر ایک کو اپنی جنس کے ساتھ گن لے

تعجیل فرمودنِ بادشاہ ایاز را کہ زود ایں حُکم را بہ فیصل رساں

بادشاہ کا ایاز کو جلدی کرنے کا حکم دینا کہ جلد اس حکم کا فیصلہ کردے

و منتظر مدار و اَلْاَیَّامُ بَیْنَنَا مگو کہ اَلْاِنْتِظَارُ مَوْتٌ اَحْمَرُ و جواب

اور منتظر نہ رکھ اور "ہمارے پاس بہت وقت ہے" نہ کہہ کیونکہ انتظار سرخ موت ہے اور ایاز

گفتنِ ایاز بادشاہ را و عجز آوردنِ اُو

کا بادشاہ کو جواب دینا اور اس کا معذوری ظاہر کرنا

اے ایاز ایں کار را زُود تر گذار — زانکہ نوعِ انتقام ست انتظار

اے ایاز! یہ کام جلد کرے — کیونکہ انتظار (بھی) ایک قسم کا بدلہ ہے

گفتؔ اے شہ جملگی فرمانِ تُراست — با وجودِ آفتاب اختر فناست

اُس نے کہا اے بادشاہ! سب حکم آپکا ہی ہے — سورج کے ہوتے ہوئے، ستارہ معدوم ہے

زُہرہ کہ بُود یا عُطارِد یا شہاب — کہ بروں آید بہ پیشِ آفتاب

زُہرہ یا عُطارِد یا شہاب کون ہوتا ہے؟ — کہ سورج کے سامنے باہر آئے

گر ز دلق و پوستیں بگذشتمے — کے چنیں تخمِ ملامت کِشتمے

اگر میں گدڑی اور پوستین سے (آگے) بڑھتا — تو ملامت کا ایسا بیج کب بوتا؟

قفل کردن بَر درِ حجرہ چہ بُود — درمیانِ صد خیالاتِ حسُود

حجرہ کے دروازے پر قفل لگانا کیا تھا؟ — حاسد کے سیکڑوں خیالات کے درمیان

دستؔ در کردہ درونِ آبجُو — ہر یکے زیشاں کلوخِ خشک جو

نہر کے پانی میں ہاتھ ڈبوئے ہوئے — اُن میں سے ہر ایک خشک ڈھیلا تلاش کرنیوالا ہے

پس کلوخِ خشک در جُو کے بُود — ماہیِ با آب عاصی کے شود

تو نہر میں خشک ڈھیلا کہاں ہوتا ہے؟ — مچھلی، پانی کی نافرمان کب ہوتی ہے؟

بر منِ مسکیں جفا دارند ظن — کہ وفا را شرم می آید ز من

مجھ ایسے عاجز پر ناحق بدگمانی کرتے ہیں — کہ وفا کو مجھ سے شرم آتی ہے

لہ خصم۔ غرض کہ کائنات میں سے ہر ایک چیز اپنی جنس کی کوشش کر رہی ہے۔ تعجیل فرمودن۔ شاہ نے ایاز سے کہا کہ مجرموں کا جلد فیصلہ کر، انتظار کی تکلیف موت سے زیادہ ہے مشہور مقولہ ہے اَلْاِنْتِظَارُ اَشَدُّ مِنَ الْمَوْتِ والایام۔ معاملہ کو ٹالنے کا داعیہ بھی ہوتا ہے کہ انسان سوچتا ہے کہ اس کام کے کرنے کا بہت وقت ہے۔ زانکہ۔ مجرم کو انتظار میں رکھنا بھی ایک قسم کی سزا ہے۔

سلہ گفت۔ ایاز نے عذر کیا کہ مجرموں کا فیصلہ کرنا شاہ کا کام ہے، شاہ کے سامنے میری مثال ایسی ہی ہے جیسی زُہرہ اور عُطارد، اور شہاب ثاقب کی سورج کے سامنے کوئی حقیقت نہیں ہے۔ گر ز دلق۔ اگر میں اپنی حقیقت چپل اور گدڑی سے زیادہ سمجھتا تو اس چپل اور گدڑی کی حفاظت کر کے اس حالت میں کیوں مبتلا ہوتا کہ دشمن مجھے ملامت کریں اور حاسد طرح طرح خیالات قائم کریں۔

سلہ دست در کردہ۔ ان حاسدوں کی حالت تو اُس شخص کی سی ہے جو نہر میں ہاتھ ایسے ڈالے کہ اُسمیں سے خشک ڈھیلا نکال لے گا۔ نہر میں خشک ڈھیلا تلاش کرنا اور مچھلی کو خشک زمین میں تلاش کرنا یکساں ہے۔ بر منِ مسکیں۔ اِن حاسدوں نے مجھ کو صاحبِ جفا سمجھا اور ایسا بے وفا سمجھا جس سے وفا کو شرم آئے۔

گر نبودے[۱] زحمتِ نا محرمے ۔ چند حرفے از وفا واگفتمے

اگر نامحرم کی پریشانی نہ ہوتی ۔ تو میں وفا کے بارے میں چند باتیں کہتا

چوں جہانے شبہت و اشکال جوست ۔ حرف میرانیم ما بیروں زپوست

چوں کہ دنیا شبہ اور اشکال کی طلبگار ہے ۔ ہم چھلکے سے باہر کی گفتگو کرتے ہیں

گر تو خود را بشکنی مغزے شوی ۔ داستانِ مغزِ نغزے بشنوی

اگر تو اپنے آپ کو شکست کریگا، مغز بنجائیگا ۔ تو عمدہ مغز کی باتیں سنے گا

جوز[۲] را در پوستہا آوازہاست ۔ مغز و روغن را خود آوازے کجاست

اخروٹوں کے چھلکوں میں رہتے ہوئے آوازیں ہیں ۔ مغز اور روغن کی خود آواز کہاں ہے

دارد آوازے نہ اندر خوردِ گوش ۔ ہست آوازش نہاں در گوشِ ہوش

وہ آواز رکھتا ہے لیکن کان کے لائق نہیں ہے ۔ اس کی آواز ہوش کے کان میں پوشیدہ ہے

گر نہ خوش آوازیِ مغزے بود ۔ ژغژغِ آوازِ قشری کہ شنود

اگر مغز کی خوش آوازی نہ ہوتی ۔ چھلکے کا کھڑکا کون سنتا!

ژغژغِ آں زاں تحمل میکنی ۔ تا کہ خاموشانہ بر مغزے زنی

اس کی کھٹ کھٹ کو تو اسلئے برداشت کرتا ہے ۔ تاکہ چھلکے سے مغز تک پہنچ جائے

چند گاہے[۳] بے لب و بے گوش شو ۔ وانگہاں چوں لب حریفِ نوش شو

کچھ مدت تک بغیر ہونٹ اور کان کے بن جا ۔ پھر ہونٹ کی طرح شہد کا ساتھی بن

چند گفتی نظم و نثر و راز فاش ۔ خواجہ یک روز امتحاں کن گنگ باش

تو نے نظم اور نثر اور راز کھل کر بہت کہے ۔ صاحب! ایک روز آزمالے، گونگا بن جا

چند پختی تلخ و تیز و شور گز ۔ ہم یکے بار امتحاں شیریں بپز

تو نے کڑوی اور تیز اور کھاری اور کسیلی بہت پکائی ۔ ایک دن امتحان کے لئے میٹھی (بھی) پکالے

چند خوردی چرب و شیریں از طعام ۔ امتحاں کن چند روزے در صیام

تو نے میٹھا اور روغنی بہت کھانا کھایا ۔ چند دن روزے میں آزمالے

چند شبہا خواب را گشتی اسیر ۔ یک شبے بیدار شو دولت بگیر

تو بہت سی راتوں میں نیند کا قیدی بنا ۔ ایک رات بیدار رہ، دولت حاصل کرلے

روزہا[۵] بردی بسر در ہزل و جد ۔ روزکے دو جہد را شو مستعد

تو نے بہت سے دن سنجیدہ بات اور مذاق میں گذارے ۔ دو روز کوشش کے لئے مستعد بن جا

---

[۱] گر نبودے ۔ مولانا فرماتے ہیں سننے والے اہل نہیں ہیں ورنہ میں وفا کے مضمون کو واضح کرکے بیان کرتا۔ چوں جہانے۔ چونکہ عوام حقائق کے بیان میں شبہے اور اشکالات پیش کرنے لگے ہیں اس لئے ان کو وہ سمجھانا مشکل ہے لہٰذا ہم معمولی باتیں اُن کو سنا دیتے ہیں۔ گر تو۔ اگر تم مجاہدوں کے ذریعہ اپنے جسم کے چھلکے کو توڑ دوگے تو مغز بن جاؤگے پھر مغز کی بات سمجھ لوگے۔

[۲] جوز۔ جب تک اخروٹ کی گری چھلکے میں ہے تو وہ بجتا ہے جب چھلکا ٹوٹ جائے تو پھر وہ کھڑکھڑاہٹ ختم ہو جاتی ہے۔ دارد۔ مغز میں بھی آواز ہے لیکن جسم کے کان سے سننے کی نہیں ہے وہ عقل کے کان سے سننے کی ہے گرنہ۔ اگر مغز میں آواز نہ ہو تو چھلکے کی آواز کو سننا کون پسند کرے۔ ژغژغ۔ چھلکے کی آواز اس لئے برداشت کی جاتی ہے کہ مغز تک رسائی ہو جائے۔

[۳] چند گاہے۔ انسان مجاہدوں سے لب و گوش بن جائے تب اُس کا لب اسرار کا شہد چکھتا ہے۔ چند گفتی۔ انسان ہر وقت بولتا ہے کبھی نظم کہتا ہے کبھی نثر، کسی دن آزمائشی طور پر وہ خاموش بھی ہو کر دیکھے تو خاموشی کے فوائد سامنے آئیں گے۔

چند پختی۔ روزمرہ کی عادت کے خلاف کچھ مجاہدہ کر، لذیذ کھانے بہت کھائے ہیں کچھ دن روزے رکھکر دیکھ، راتوں کو خوب سویا ہے کبھی بیداری کی دولت بھی حاصل کر

[۵] روزہا۔ عمر کا زیادہ حصہ جد و ہزل میں گذارا ہے اب کچھ مجاہدہ کرکے دیکھ

شرح

اب مولانا پھر قصہ ایاز کی طرف عود فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ امراء ایاز کے حجرہ کے دروازہ پر گئے اور خزانہ اور زر اور مال کے مٹکے کے متلاشی ہوئے ان میں سے چند آدمیوں نے بہت ہوشیاری سے مال کی ہوس میں قفل کھولا۔ "بہت ہوشیاری سے" ہم نے اسلئے کہا کہ حجرہ کو بہت مضبوط قفل لگا ہوا تھا جو کہ بہت سے قفلوں میں چھانٹا گیا تھا۔ اس استحکام کا منشأ چاندی، سونے اور مال و دولت کے متعلق بُخل نہ تھا۔ بلکہ اس کا سبب راز کا عوام سے چھپانا تھا کیونکہ اُس کو خیال تھا کہ افشائے راز کی صورت میں کچھ لوگ مجھ پر دنائت طبع کا الزام لگائیں گے اور کہیں گے کہ اس ریاست پر بھی یہ پُرانے لیھڑوں اور پوستین کو اپنے سے جُدا کرنا نہیں چاہتا اور کچھ لوگ مجھے مکّار کہیں گے اور کہیں گے کہ یہ عجز و انکسار اس کا محض دکھاوے کے لیے ہے ــــ اب مولانا فرماتے ہیں کہ ارباب ہمت اسرار کی جو کہ منزلہ جان کے ہیں لعل کانی سے زیادہ حفاظت کرتے ہیں کیونکہ احمق لوگ مال کو جان سے اچھا سمجھتے ہیں اور عالی ہمت لوگ مال کو جان کا صدقہ جانتے ہیں اسکے بعد مولانا پھر قصہ کی طرف عود کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ لوگ مال کی طمع میں سرگرم سعی تھے مگر ان کی عقل کہہ رہی تھی کہ اتنی جدوجہد نہ کرو۔ کیونکہ تمہاری محنت تمام برباد جائے گی۔ قاعدہ ہے کہ حرص تو سراب اور بے حقیقت اشیاء کے لئے فضول جدوجہد کرتی ہے اور عقل اُس سے کہا کرتی ہے کہ غور سے دیکھ یہ مال ... اور مطلوب واقعی نہیں ہے محض دھوکا ہے پس تو فضول کوشش نہ کر مگر ان پر حرص کا غلبہ تھا اور مال فرطِ محبوبیت سے بمنزلہ جان کے ہوگیا تھا اسلئے عقل کی آواز مخفی ہوگئی تھی اور سنائی نہ دیتی تھی اور جان کی مانند عزیز سونے کی حرص غالب تھی اور کہہ رہی تھی کہ ارے مال مفت یہ موجود ہے جلد لو۔

الغرض : حرص اور اس کا شور بہت بہت بڑھ گیا اور عقل اور اس کا فتوٰے اس شور میں دب گیا تھا۔ اور وہ اسکو نہ سنتے گو اس وقت وہ عقل کی نصیحت نہیں سنتی مگر جب ان کی جان پر بنے گی اسوقت اُس کی ملامت سنیں گے کیونکہ قاعدہ ہے کہ جب آدمی دھوکے کے کنوئیں میں گرتا ہے اس وقت وہ عقل کی ملامت

(جوکہ وہ اس کو کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ارے کمبخت! میں تجھے روکتی نہ تھی مگر تو نے میری ایک نہ سُنی) سنتا ہے اور جبکہ جال کے پھندے میں پھنس کر اس کا جوش و خروش ختم ہو جاتا ہے اس وقت عقل کی طرح نفس لوّامہ ہی اس پر قابو پاتا ہے اور اسے ملامت کرتا ہے اور کہتا ہے کہ تو نے بہت بُرا کیا کہ ایسا کام کیا لیکن جب تک اس کا سر مصیبت کی دیوار سے نہیں ٹکراتا اس وقت تک اس کے بہرے کان دل کی نصیحت نہیں سنتے اسلئے اسکی ایسی مثال ہوتی ہے جیسے بے سمجھ بچے کہ ان کو بادام کی مٹھائی اور شکر کی حرص دونوں بہرا بنا دیتی ہے اور اسلئے وہ ماں باپ کی نصیحت نہیں سُن سکتے مگر جب کہ اُس کو پھوڑے پھنسی کی تکلیف شروع ہوتی ہے اور اُس وقت نصیحت کے باب میں ان کے کان کھُلتے ہیں اور تب وہ نصیحت سنتے ہیں۔

خیر یہ مضمون تو ہو چکا اب قصہ سُنو! اُن چند شخصوں نے جنہوں نے قُفل کھولا تھا بہت کچھ حرص و ہوس کے ساتھ حجُرہ کھولا اور بھیڑ کے سبب حجُرہ میں یوں اُوپر تلے گرے جیسے چھاچھ پر مکھیاں گرتی ہیں کہ وہ بہت زور کے ساتھ عاشقانہ اس میں گرتی ہیں اور کھا سکتی نہیں اور پَر بھی بندھ جاتے ہیں اسلئے اڑ بھی نہیں سکتے۔ یوں ہی وہ لوگ شوق سے حجرہ میں داخل ہوئے مگر ملا کچھ بھی نہیں اور جان کے لالے پڑ گئے انہوں نے حجرہ میں گھُس کر دائیں بائیں غرض ہر طرف نظر کی مگر ان کو کچھ نظر نہ آیا۔ صرف پھٹے جوتے اور پوستین رکھا ہوا تھا اُس کے بعد انہوں نے کہا کہ اس میں دولت ضرور ہے اور یہ لیتھڑے اور پوستین اس کے اخفاء کے لیے ہیں تاکہ اگر کوئی دیکھے تو سمجھے کہ یہاں کیا ہوگا یہاں تو لیتھڑے اور پوستین پڑا ہُوا ہے ارے کوئی پھالیاں لاؤ اور کھود کر گڑھوں کو دیکھو ان میں مال بھرا ہوگا اسکے بعد پھالیاں آئیں اور ہر طرف انہوں نے کھودا اور گہرے گڑھے کر دیئے۔ مگر یہ گڑھے بزبانِ حال ان سے کہہ رہے تھے کہ ارے خبیثو! ہم تو خالی گڑھے ہیں یہ دیکھ کر ان کو افسوس بھی ہوتا تھا اور ندامت بھی ہوتی تھی اور گڑھوں کو پاٹ دیتے تھے اسکے بعد انہوں نے اپنے نادانی سے دیواروں کو کھودا اور ان میں گڑھے کر دیئے لیکن وہاں سے اُن کو کچھ نہ ملا۔ غرض کہ جب انکو کچھ نہیں ملا تو

دل ہی دل میں بہت کچھ لاحول ولاقوۃ کر رہے تھے کیونکہ ان کے مرغ حرص کو خوراک نہ ملی تھی یہ مصیبت تو تھی ہی اس سے بڑھ کر مصیبت یہ تھی کہ گڑھے اور دیوار و در ان کے لاحاصل غلط کاریوں کے چغلیاں کھا رہی تھیں۔

اور وہ نہ دیوار وغیرہ کے گڑھوں کو پر کر کے ان کو بحالہا کر سکتے تھے اور نہ ایاز کے سامنے منہ کر سکتے تھے کیونکہ اگر وہ اپنی بے گناہی ظاہر کر کے اُسے فریب دیتے تھے تو صحن حجرہ اور اسکی دیواریں ان کے خلاف شہادت دینے کو موجود ہیں لہٰذا وہ سب متحیر تھے کہ کیا بہانہ کریں کہ اس گرداب بلا سے جان بچالیں جب کوئی صورت نظر نہ آئی تو ناامید ہو گئے اور حسرت افسوس کرتے ہوئے اور سروں پر عورتوں کی طرح دو ہتھڑیں مارتے ہوئے گرد میں بھرے ہوئے۔ منہ پر زردیاں چھائی ہوئیں نادم و شرمندہ بادشاہ کی جانب لوٹے۔ بادشاہ گو ان کی ناکامی سے پہلے ہی سے واقف تھا۔ مگر جب اس نے ان کو خالی ہاتھ دیکھا تو جان بوجھ کر ان کی تجہیل و تحمیق کے لئے دریافت کیا کہ کیا بات ہے کہ تمہاری بغلیں اشرفیوں اور ان کی تھیلیوں سے خالی ہیں۔ اگر تم نے اشرفیاں اور تسو (ایک سکہ ہے) چھپا لئے ہیں تو چہرہ اور رخساروں پر خوشی کی رونق اور بشاشت کیوں نہیں۔

معلوم ہوتا ہے کہ تم کو کچھ ملا ہی نہیں۔ ورنہ تم لاکھ چھپاتے مگر وہ چھپ نہیں سکتا تھا اور تمہارا چہرہ کہہ دیتا کہ ان کے پاس مال ہے۔ دیکھو! اگرچہ ہر جڑدار کی جڑ زمین میں چھپی ہوتی ہے مگر اس کے پتے جو کہ سِیْمَاهُمْ فِي وُجُوهِهِمْ کا مصداق ہیں سبز ہوتے ہیں اور وہ جڑ کی حالت ظاہر کرتے ہیں۔ ایضاً۔ جڑ نے جو کچھ موافق یا مخالف غذا کھائی ہے اسکی اونچی شاخ ببانگ دہل اس کا اعلان کرتے ہیں۔ کیونکہ اگر وہ ہری بھری ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ جڑ کو غذائے موافق ملی ہے ورنہ ثابت ہوتا ہے کہ جڑ نے غذائے ناموافق کھائی ہے۔ غرضکہ پتوں کے سرسبزی سے معلوم ہوتا ہے کہ جڑ ہری ہے اور اسکو غذائے موافق ملی ہے ورنہ اگر جڑ بے سامان اور بے بضاعت ہو۔ تو یہ ہرے بھرے پتے درختوں پر کیسے ہیں۔ حاصل یہ ہے گو مٹی جڑ کے منہ پر مُہر کر دیتی ہے یعنی گو مٹی میں مخفی ہونے کے سبب اسکی حالت نہیں معلوم ہو سکتی۔ مگر اس کی شاخ اس کے لئے بمنزلہ ہاتھ پاؤں

سکے ہے گواہی دیتی ہے کہ جڑ کی حالت اچھی ہے پس یوں ہی اگر تمہارے پاس بھی مال ہوتا تو تمہارے حالت اسکو ظاہر کرتی یہ سنکر ان تمام امیروں نے معذرت کی اور سایہ کی طرح بادشاہ کے سامنے خاک مذلت پر گر گئے اور اپنے جوش و خروش اور لاف وگزاف اور تکبر کی معذرت میں شرم کے دانتوں میں انگلیاں منہ میں دبائے ہوئے بادشاہ کے سامنے تیغ و کفن لے کر حاضر ہوئے ان میں سے ہر ایک یہ کہتا تھا کہ اے شاہ ہفت کشور! اگر آپ ہمارا خون بہائیں تو آپکے لیے جائز ہے۔ کیونکہ ہم نے جرم ہی ایسا کیا ہے اور اگر آپ معاف کر دیں تو یہ آپ کا احسان اور بخشش ہے ہم جس لائق تھے وہ ہم نے کیا اب جو حضور کا حکم ہو۔ اگر حضور ہمارا قصور معاف فرمادیں تو یہ آپ کی شایان شان ہے کیونکہ ہم بمنزلہ رات کے اور آپ بمنزلہ دن کے۔ رات تاریکی پھیلاتی ہے کیونکہ جو اسکو یہ ہی شایاں ہے اور دن تمام تاریکیوں کو دور کرکے دھودیتا ہے اسلئے کہ اسکو یہ ہی زیبا ہے پس اگر آپ معاف فرمادیں تو ہماری ناامیدی دور ہو جائے گی۔ ورنہ ایک ہم کیا ہم جیسے سینکڑوں حضور پر قربان ہم جان دینے کو تیار ہیں اسکے جواب میں بادشاہ نے کہا کہ یہ نوازش اور یہ رحم میں نہ کروں گا کیونکہ یہ ایاز کا حق ہے یہ تعدی تم نے اسکی جان اور اسکی آبرو پر کی ہے اور یہ زخم اسکی رگوں پر ہے گو جان کے لحاظ سے ہم دونوں ایک جان ہیں اور اس کا نقصان میرا نقصان ہے اور اس کا نفع میرا نفع۔ میرا عفو اس کا عفو ہے اور میری سزا اسکی سزا۔

مگر باعتبار ظاہر کے نفع ونقصان میں ایک دوسرے سے دور ہیں لہٰذا جو کچھ کریگا ایاز کرے گا ــــــ اب مولانا فرماتے ہیں کہ کیا غلام خاص سلطانی پر تہمت لگانا بادشاہ کے لئے موجب عار نہیں ہے ضرور ہے لان ضرب الغلام اہانۃ المولیٰ، مگر باایں ہمہ محمود جو انتقام نہیں لیتا اور اس معاملہ کو ایاز کے سپرد کرتا ہے۔ اس کا منشا بجز حلم اور ظہور حقیقت ایاز کی خواہش کے اور کچھ نہیں۔ یعنی ایک سبب تو اس کا بادشاہ کا نہایت درجہ حلیم ہونا ہے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ وہ چاہتا ہے کہ اس واقعہ سے ایاز کی خصوصیت اور اس کا فانی فی السلطان ہونا ظاہر ہو جائے (فائدہ

کہتے ہیں بندہ اللہ کی مجشیں نے عجیب عجیب تقریریں کی ہیں مگر میرے نزدیک یہ مطلب ٹھیک اور بے تکلف اور چسپاں ہے جو میں نے عرض کیا ہے واللہ اعلم)

یہاں سے مولانا حق سبحانہ کے حلم اور کرم کی طرف انتقال فرماتے ہیں کہ سلطان محمود کا حلم تو تم کو معلوم ہوگیا اب تم حق سبحانہ کے حلم کی کیفیت سنو! اس کا حلم اس درجہ ہے کہ وہ مجرموں کو دولت کثیر عطا فرماتا ہے پس جبکہ مجرموں کے ساتھ اس کا یہ برتاؤ ہے کہ وہ انکو دولت مند بناتا ہے تو اب تم غور کرلو کہ پاکبازوں کے ساتھ اس کا کیا برتاؤ ہوگا اور ان کو کیا کچھ عطا نہ فرمائے گا تم یہ نہ سمجھنا کہ مجرموں کو جو اس نے دولت مند بنایا ہے تو شاید اسلئے بنایا ہو کہ اُس کو ان کے جرائم کا علم نہ ہو کیونکہ وہ کسی کے کام سے غافل نہیں ہے (وَمَا اللّٰہُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْن) لیکن وہ جو لوگوں کے جرائم کو ظاہر نہیں کرتا اسکی وجہ صرف یہ ہے کہ اُس کا حلم اُسے ایسا کرنے سے روکتا ہے پس جبکہ وہ ایسا علیم ہے تو یہاں کس کی مجال ہے کہ اس کے علم محیط کے سامنے بے باکانہ کسی کی سفارش کرے کیونکہ ایسا وہ کرسکتا ہے جو خود مجرم نہ ہو یا اُسکی جرم کا علم حق سبحانہ کو نہ ہو اور ایسا کوئی ہے نہیں۔ لہذا کوئی سفارش ہی نہیں کرسکتا۔ بجز اس کے حلم کے وہ بے شک سفارش کرسکتا ہے اور وہی کرتا ہے اور کریگا۔ کیونکہ ابتدا میں گناہ حلم ہی کے سبب صادر ہوتا ہے۔ ورنہ ہیبت حق سبحانہ کسی کو گناہ نہیں کرنے دے سکتے۔ پس نفس قاتل یعنی مجرم کے جرم کا خون بہا اور اس کی تلافی یوں ہی اسکے حلم کے ذمہ ہے دیت عاقلہ پر ہوتی ہے اور وہ خون بہا اور تلافی شفاعت ہے پس شفاعت اُسکی ذمہ ہوگی۔

[فائدہ: آن گنہ اوّل زحلمش می جہد ورنہ ہیبت آں بحالش کے دہد
خون بہائے جرم نفس قاتلہ ٭ ہست بر حلمش دیت بر عاقلہ — یہ دونوں شعر مولانا کے ایسے ہیں جیسے کوئی قصوروار کسی سے اپنے قصور کی معافی چاہتا ہے تو کہتا ہے۔ کرم ہائے تو مارا کرد گستاخ۔ پس جس طرح اس قصوروار کا مقصود اس مقولہ سے اپنی براءت ظاہر کرنا۔ اور گناہ کو مخاطب کے سر رکھنا نہیں ہوتا۔ بلکہ اپنے

قصور کا اقرار اور مخاطب کے مزید کرم کا بیان کر کے اسکو مہربان کرنا ہوتا ہے یوں ہی مولانا کا مقصود بھی یہ نہیں ہے کہ بندہ کو بے قصور قرار دیکر اسکے جرم کا بار حلم حق سبحانہٗ پر رکھ دیا جائے۔ بلکہ مقصود اس سے حق سبحانہ کے حلم بے غایت کا بیان اور اس امر کا اظہار ہے کہ ذنوب عباد کی معافی حلم حق ہی سے ہوسکتی ہے ورنہ نہ حلم حق سبحانہٗ اس درجہ میں گناہ کا سبب ہے کہ بندہ بے قصور قرار پا جائے اور گناہ کا بار حلم پر جا پڑے اور نہ تلافی کا بار حلم کے ذمہ ہے کیونکہ گو حلم حق سبحانہٗ ایک درجہ میں گناہ کا سبب ہے مگر اس کا اختیار عبد پر کچھ اثر نہیں پڑتا۔ جو کہ مناط جرم ہے۔ اور جبکہ حلم حق ملجی نہیں ہے تو معافی اس کے ذمہ بھی نہیں ہے۔

رہی یہ بات کہ ملجی تو عاقلہ قاتل بھی نہیں ہیں پس جس طرح ان کے ذمہ دیت اسلئے ہوتی ہے کہ وہ فی الجملہ معین جرم ہیں کہ انہوں نے سہل انکاری سے کام لیا اور قاتل کی حفاظت نہ کی۔ یوں ہی حلم حق بھی فی الجملہ معین ہے اسلئے تلافی اس کے ذمہ ہونی چاہیئے اس کا جواب یہ ہے کہ عاقلہ مکلف ہے اسکی کہ وہ ترک حفاظت سے قتل پر اسکی اعانت نہ کریں۔ بس جبکہ انہوں نے حفاظت نہ کی اور اس طرح جرم پر قاتل کی اعانت کی تو وہ بھی شریک جرم ہوئے پس خون بہا انکے ذمہ ہوا۔

رہا حلم حق سبحانہٗ سو اسکے ذمہ ترک اعانت نہیں ہے کیونکہ اگر حلم نہ ہو تو عباد طاعت پر مقسور ہو جائیں اور امتحان عباد جو مقصود تھا وہ فوت ہو جائے اسکو خوب سمجھ لینا چاہیئے اور دھوکا نہ کھانا چاہیئے ——— یہ تقریر تو اس تقدیر پر تھی کہ آں گنہ اول الخ الی البیت الثانی۔ علت ہوں شفاعت حلم کی۔ کما اختارہ بعض المحشین۔ اور اگر ان دونوں شعروں کو مضمون مستقل کہا جائے اور یوں کہا جائے کہ بیت اول سے مولانا کا مقصود حق سبحانہٗ کے حلم کا مزید بیان ہے اور مطلب یہ ہے کہ اوپر ہم نے مجرموں کو دولت دینے سے حق سبحانہٗ کے علم پر استدلال کیا تھا۔ اب ہم نفس صدور معصیت سے حق سبحانہٗ کے حلم پر استدلال کرتے ہیں

اور بیت ثانی سے مقصود اظہار رجار رحمت ہے اور مطلب یہ ہے کہ خونیوں کے عزیز واقارب خون بہا ادا کر کے ان کو رہائی دلا دیتے ہیں اور گنہگاروں کو نجات دلانے والا حلم حق سبحانہٗ ہے اور کوئی نہیں لہٰذا وہ مجرموں کے لیے ایسا ہے جیسے خونیوں کے لئے ان کے عزیز واقارب۔ پس گنہگاروں کے جرم کا خون بہا یوں ہی حلم حق پر ہے جیسے خونیوں کے قتل کی دیت ان کے عزیز واقارب پر ہوتی ہے یعنی جس طرح خونیوں کے عزیز واقارب ان کو رہائی دلاتے ہیں یوں ہی گنہگاروں کو حلم حق سبحانہٗ نجات دلائے گا۔ تو اب کچھ اشکال نہ ہوگا۔ واللہ اعلم)

بات یہ ہے کہ حلم حق سبحانہ نے ہمارے نفس کو مست اور بے خود کر رکھا ہے اسلئے شیطان نشہ میں اسکے سر سے ٹوپی اُتار لیتا ہے یعنی حلم حق سبحانہٗ کے سبب ہم پر غفلت طاری ہوتی ہے اور اس غفلت میں شیطان کو اپنی کارروائی کا موقع مل جاتا ہے اور وہ اپنا کام کر گزرتا ہے۔ چنانچہ آدم علیہ السلام کو اس نے دھوکا دیا تھا وہ بھی اسے نشۂ غفلت کی حالت میں دیا تھا ورنہ اگر ساقی حلم خداوندی انکو شراب غفلت نہ پلاتا ہوتا تو شیطان کی کیا مجال تھی کہ وہ آدم علیہ السلام سے برسر جنگ ہوتا۔

پس سمجھنا چاہیئے کہ وہ شراب غفلت جو کہ حلم خداوندی پلاتا ہے نہایت خطرناک ہے۔ دیکھو آدم علیہ السلام جو کہ علم کے موقع پر فرشتوں کے استاد اور کھرے کھوٹے کے پرکھنے والے تھے جبکہ انہوں نے حلم حق کے ہاتھ سے شراب غفلت پی تو شیطان کے ایک جھٹکے کے بھی نہ ہوئی اور ایک ہی چال میں آزردہ ہوگئے۔ حق سبحانہٗ کی تعلیم کے بہلاؤوں نے انکو ہوشیار اور دانا اور چُست کر دیا تھا۔ مگر اس کے بعد اسکے حلم کے نعیز افیون نے ان کو مست کر دیا جس سے چور یعنی شیطان کو اسکے سامان طاعت کے اڑانے کا موقع مل گیا اور وہ اڑا لے گیا۔ ان واقعات سے متاثر ہو کر عقل اس کے حلم سے پناہ مانگتی ہے اور کہتی ہے کہ میرا ساقی اور مجھے غفلت کی شراب پلانیوالا تو ہی ہے۔ پس حالت مستی وغفلت میں تو ہی میرا ہاتھ پکڑا کر اور میری مدد کر۔ کہ لغزش نہ کھاؤں۔

خیر یہ مضمون تو استطرادی تھا۔ اب سُنو! کہ محمود نے عذر خواہوں کو جواب دیکر ایاز سے کہا کہ اے پاکباز اور نہایت محتاط ایاز تو ان مجرموں کے متعلق جو چاہے حکم صادر کر۔ انہوں نے تجھ پر خیانت کا الزام لگایا ہے حالانکہ تو نہایت باوفا ہے اگر میں تجھے عمل کے بارہ میں دو سو بار بھی جوش دُوں۔ تو تیرے کف جوش میں ایک مرتبہ بھی دھوکا نہ پاؤں گا۔ یعنی اگر میں تیرا دو سو مرتبہ بھی امتحان کروں گا تو ایک مرتبہ بھی میں کھوٹ نہ ظاہر ہوگا اسلئے کہا جاتا ہے کہ بے شمار مخلوق کو امتحان سے شرمندگی حاصل ہوتی ہے کیونکہ جانچنے کے بعد ان میں کھوٹ نکلتا ہے مگر میں جس قدر تیری آزمائشیں کرتا ہوں سب کی سب کو تجھ سے شرمندگی حاصل ہوتی ہے تیرا علم علم نہیں بلکہ ایک سمندر ہے جس کی تہہ نہیں اور تیرا حلم حلم نہیں بلکہ ایک پہاڑ۔ بلکہ سو پہاڑ ہے۔ غرضکہ تو اوصاف کمال کا مجموعہ ہے، تیرے اوصاف کہاں تک بیان کروں یہ سنکر آیاز نے عرض کیا کہ یہ سب حضور کا فیض صحبت ہے میری حقیقت تو پھٹے لیتھڑے اور پرانا پوستین ہے۔

دیکھو! چونکہ آیاز اپنی حقیقت کو جانتا تھا اس نے اس محمود کو پہچانا اور سمجھا کہ وہ میرا منعم اور محسن ہے اسلئے جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ من عرف نفسہ فقد عرف ربہٗ یعنی جس نے اپنے کو جان لیا اُس نے خدا کو پہچان لیا کیونکہ جب وہ سمجھے گا کہ میری حقیقت چند قطرہ منی اور کچھ خون حیض ہے تو وہ سمجھے گا کہ میرے کمالات موہوب حق سبحانہٗ ہیں لہٰذا وہ حق سبحانہٗ کی عظمت اور وقعت کریگا اور اپنے کو اس کے سامنے ہیچ سمجھے گا۔ پس اے لوگو! تم بمنزلہ ایاز کے ہو اور حق سبحانہٗ بمنزلہ محمود کے تمہارا جوتا نطفہ ہے اور تمہارا پوستین خون حیض۔ اور جو کچھ وہ حق سبحانہٗ کا دیا ہوا ہے [فائدہ: کہ خون اور نطفہ بھی عطائے حق سبحانہٗ ہے۔ مگر انکی خست اور دنائت کی وجہ سے ان کو حق سبحانہٗ کی طرف نسبت نہیں کیا گیا اور یہ کمالات اس نے تمہیں اسلئے دیے ہیں کہ تمہیں اس کا خزانہ قدرت معلوم ہو جائے اور تم اس سے دیگر کمالات کے طالب ہو بس تم بزبان قال یا بزبان حال نیہ کہنا کہ اسکے سوا اس کے پاس کچھ نہیں ہے یعنی تم طلب کو ترک

نکرنا - دیکھو! باغبان چند سیب اسی لیے دکھلاتا ہے - کہ باغ کے درختوں اور اسکی پھلوں کی حالت معلوم ہو جائے اور تاجر گدھے والے خریدار کو اسلئے مٹھی بھر گیہوں دکھلاتا ہے کہ اس سے اسے گیہوں کا ڈھیر معلوم ہو جائے اور استاد تمہارے سامنے اسلئے ایک نکتہ بیان کرتا ہے کہ اس سے تمہیں اس کا علم زائد معلوم ہو جائے - ایسی حالت میں اگر تم یہ کہو کہ بس اسکے پاس یہ ہی تھا تو وہ تم کو یوں الگ کر دیگا جیسے ڈاڑھی سے تنکا -

پس حق سبحانہ نے بھی تمہیں اپنے کمالات مقدورہ کا نمونہ دکھلایا ہے تاکہ تم اور کمالات کو اس سے طلب کرو - ایسی حالت میں اگر تم یہ سمجھو - کہ اور اسکے پاس ہے ہی کیا جس کو طلب کیا جائے تو اس کا نتیجہ لامحالہ محرومی ہوگا -

خیر یہ مضمون استطرادی تو ختم ہوا - اب قصہ سنو! محمود نے کہا کہ اے ایاز آؤ اور اور انصاف کرو - اور عالم میں ایک عجیب انصاف کی بنیاد قائم کرو تمہارے مجرم مستحق قتل ہیں مگر وہ تم سے امیدوار حلم و معافی ہیں - اب دیکھیں تمہارا رحم غضب پر غالب آتا ہے یا غضب رحم پر - اور آبِ کوثر رحمت شعلہ غضب کو فنا کرتا ہے - یا شعلہ غضب آب کوثر رحمت کو -

اب مولانا رحم و قہرِ حق کے بیان کی طرف انتقال فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ عہد الست سے حق سبحانہ کی دونوں صفتوں حلم و غضب کا ظہور ہے تاکہ کچھ لوگ رغبتاً اس کی طرف منجذب ہوں اور کچھ لوگ رہبتاً ـــــ چنانچہ لفظ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ جو کہ عہد الست میں استعمال کیا گیا تھا - اسلئے ظاہر ہوا تھا کہ اس سے اسکی صفت حلم اور صفتِ قہر دونوں ظاہر ہوں کیونکہ ایک فقرہ میں نفی و اثبات دونوں مجتمع ہیں اسلئے کہ استفہام دال بر اثبات ہے اور اس میں لفظ لَیْسَ بھی موجود ہے جو کہ دال بر نفی ہے - پس مدلول استفہام اثباتِ الوہیت ہے جو کہ دلالت کرتا ہے خوشنودی اور رضا پر - اور لَیْسَ کا مدلول نفی ربوبیت ہے جو کہ دلالت کرتا ہے ناخوشی اور قہر پر کیونکہ اصل جملہ لَسْتُ بِرَبِّكُمْ تھا جو نفی ربوبیت پر دلالت کرتا تھا اسکے بعد حرف اس پر استفہام داخل ہوا جس نے اسے منفی سے مثبت بنا دیا -

توضیح اسکی یہ ہے کہ قاعدہ ہے کہ جب باپ اپنے بیٹے سے یا بھائی اپنے بھائی

سے یا استاد اپنے شاگرد سے نہایت ناخوش ہوتا ہے تو وہ مجازاً اپنے اس تعلق کی نفی کر دیتا ہے جو ان دونوں میں آپس میں ہوتا ہے۔ مثلاً باپ کہتا ہے کہ میں تیرا باپ نہیں وغیرہ وغیرہ - اور مقصود اس سے کمال ناخوشی کا اظہار ہوتا ہے یوں ہی حق سبحانہ نفی ربوبیت کے لیے لَسْتُ بِرَبِّكُمْ فرمانا اس کے کمال ناخوشی پر دال ہوگا اور چونکہ انا ربکم ضد ہے لست بربکم کی اسلئے وہ اس کی ضد پر دلالت کریگا (ہذا ماعندی و للمحشین تقریرات اخر ان شئت فارجع الی الحواشی) اچھا اس تقریر کو چھوڑو کیونکہ یہ دقائق خواص کے سمجھنے کے ہیں نہ کہ عوام کے۔ پس تم اس خواص کے پیالہ کو عام دسترخوان پر نہ رکھو۔ اور حلم و قہر کے متعلق عام فہم مضمون کہا کرو۔

اچھا سنو! قہر اور لطف ایسے ہیں جیسے صبا اور وبا۔ یعنی ایک ان میں سے خوش کن ہے اور دوسرا تباہ کن اور ایک ان میں سے لوہا ہے یعنی سرکشوں کو جذب کرتا ہے اور دوسرا گھاس یعنی عاجزوں اور مسکینوں کو۔ اور وجہ اس تفرقہ کی اختلاف مناسبت ہے پس جو جس کی مناسب ہے وہ اسی کو کھینچتا ہے اس بنا پر قہر لوہے کو کھینچتا ہے اور لطف گھاس کو۔ اور جذب مناسب للمناسب کچھ قہر و لطف ہی کے ساتھ مخصوص نہیں۔ بلکہ عام ہے چنانچہ حق ٹھیک لوگوں کو کھینچکر ہدایت تک پہنچاتا ہے۔ اور باطل اہلِ باطل کو کھینچتا ہے اور معدہ اگر مناسب شیرینی ہے تو شیرینی کو کھینچتا ہے اور اگر اس میں صفرا کا اثر ہے تو سکبا کو کھینچتا ہے (فائدہ: سکبا ایک قسم کا سالن ہے جو کہ سرکہ میں بھگوئے ہوئے دلیہ اور گوشت اور میوہ جات سے تیار کیا جاتا ہے۔ اور فرش گرم آدمی سے سردی کو کھاجاتا ہے اور ٹھنڈا فرش آدمی کی حرارت کو کھاجاتا ہے اور اگر تم کو دوست نظر پڑتا ہے تو تم سے عنایت اور مہربانی کا ظہور ہوتا ہے اور اگر مخالف نظر آتا ہے تو تم سے حملہ کا ظہور ہوتا ہے اور اگر تم نور دیکھو اس سے روشنی نکلے گی اور اگر آگ اور دُھواں دیکھو تو اس سے تاریکی پیدا ہوگی۔ (دھوئیں سے تو تاریکی پیدا ہونا ظاہر ہے رہی آگ سو اس سے تاریکی کا پیدا ہونا بواسطہ دُخان ہے)

الحاصل دشمن اور دوست، نور اور نار۔ شق اور ثمار۔ تخت اور سولی سرد اور گرم گلی اور خار چیونٹی اور سانپ۔ تانا بانا، خوشی و غم۔ غرضکہ جو کچھ بھی ہے سب کو ان کے مجانسات

کے ساتھ شمار کرلو ــــــ یہ مضمون استطرادی تھا اب قصہ سُنو! محمودؒ نے کہا کہ اے ایاز! اس کام کو جلد کردو۔ کیونکہ انتظار بھی گونہ انتقام ہے پس اگر تم نے ان کو بالکل معاف کرنا چاہا تو ایسا کرنا ناممکن ہوجائے گا کیونکہ ایک حد تک ..... یہ لوگ سزا بھگت چکے ہونگے۔ ایاز نے کہا کہ آپ کو اختیار کلی ہے آپ کے سامنے میں کیا چیز ہوں کیونکہ آفتاب کے سامنے ستارے فانی ہوتے ہیں اور ان کے آثار کا ظہور نہیں ہوسکتا۔ زہرہ یا عطارد یا شہاب کی کیا مجال ہے کہ وہ آفتاب کے سامنے طلوع ہوسکے۔ حضور والا اگر میں ایسا کرتا اور اپنے چیتھڑوں اور پوستین کو چھوڑ دیتا تو میں یہ ملامت کا بیج ہی کیوں بوتا اور حجرہ کے دروازہ پر ان حسّاد کے گوناگوں خیالات کے۔ درمیان جس کی حالت بیان ہوگئی قفل ہی کیوں لگاتا اور ان کو بدظنی کا موقع کاہےکو دیتا۔ اُن حاسدوں کی حالت یہ ہے کہ وہ ندی میں ہاتھ ڈال کر اس میں خشک ڈھیلا ڈھونڈتے ہیں یعنی وہ میرے اندر نافرمانی شاہ عالی جاہ کو فضول تلاش کرتے ہیں کیونکہ ندی میں خشک ڈھیلا اور مجھ میں نافرمانی کہاں۔ میں تو مچھلی ہوں اور آپ پانی۔ بھلا مچھلی بھی پانی کی نافرمانی کرتی ہے۔ یہ لوگ مجھ غریب پر بے وفائی کا گمان رکھتے ہیں۔ حالانکہ میری وفا کی یہ حالت ہے کہ خود وفا مجھ سے شرماتی ہے اور کہتی ہے کہ میں اس شخص کے حوصلہ کے مطابق نہیں ہوں۔ اگر نامحرموں کے مصیبت نہ ہوتی تو میں وفا کا کچھ بیان کرتا لیکن نامحرم نہیں اسلیے میں اس کا بیان ترک کرتا ہوں۔

اب مولانا فرماتے ہیں کہ چونکہ ایک عالم اس بلا میں مبتلا ہے کہ وہ اپنی نافہمی کے سبب اہلِ حقائق کے ذہن ... میں شبہات اور اعتراضات پیدا کرتا ہے اسلئے ہم بھی ظاہر بیں یعنی لوگوں کے سامنے پوست کا ذکر کرتے ہیں اور بیان مغز کو ترک کرتے ہیں۔ اگر تم شکستگی حاصل کرلو اور اس طرح مغز ہوجاؤ یعنی نفس کو مغلوب کرکے روح کو غالب کرلو تو اس وقت تم مغز اور حقیقت کا بیان سُن سکتے ہو اور راز اس کا یہ ہے کہ حقائق ذوقی چیزیں ہیں نہ کہ قالی۔ کیونکہ آوازیں چھلکوں میں ہوا کرتی ہیں نہ کہ مغز .. اور مغز مغز یعنی روغن میں۔ پس اصوات سے ظاہری باتوں سے تعلق ہوگا نہ کہ حقائق کو۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ مغز میں بالکل آواز نہیں ہوتی اُن میں آواز ہوتی ہے مگر وہ کان سے سُننے

کے لائق نہیں ہوتے بلکہ وہ عقل کے کان میں مخفی ہوتی ہے اور اس آواز کو عقل کے کان سنتے ہیں۔ وہ آواز نہایت دل کش ہوتی ہے جو عقل کے کان میں پہنچتی اور آدمی کو چھلکے کی چٹاچٹ سننے پر مجبور کرتی ہے۔ ورنہ اگر مغز کے رسیلی آواز نہ ہو تو پھر چھلکوں کی بیہودہ چٹ چٹ کون سُنے۔ پس مغز بزبان حال اپنی خوبی بیان کرتا ہے اور عقل اس کا احساس کرے اور مغز کو حاصل کرنا چاہتا ہے۔ اور طریق حصول یہ ہوتا ہے کہ چھلکے کو توڑا جائے اور اس میں سے مغز نکالا جائے پس آدمی چھلکے کو توڑتا ہے اور اسکے آواز سنتا ہے۔ پس ثابت ہوا کہ مغز میں بھی آواز ہے اور اسی آواز کے سبب آدمی چھلکے کی چٹ چٹ سنتا ہے۔ پس اگر تم مغز حاصل کرنا چاہو تو اس کا طریق یہ ہے کہ کچھ دنوں ایسے ہو جاؤ جیسے کہ نہ تمہارے ہونٹ ہیں نہ کان یعنی خلوت اختیار کرو نہ کسی سے کچھ کہو نہ کسی کی سُنو۔ جب ایک معتد بہ زمانہ تک ایسا کر لو تو پھر مزے سے غذائے روحانی یوں کھاؤ جیسے لب غذائے جسمانی کھاتا ہے۔

دیکھو! تم بہت عرصہ تک نظم اور نثر اور اسرار کو واضح طور پر بیان کر چکے ہو اب کچھ عرصہ کے لئے گونگے بھی ہو جاؤ اور خاموشی کا بھی امتحان کر لو اور تم بہت کچھ کڑوے اور تیز اور کھاری اور کسیلے کھانے پکا چکے ہو۔ ایک بار امتحان کے لیے میٹھا ہی پکا لو یعنی تم بہت کچھ باتیں کر چکے ہو۔ جو کہ فی الحقیقت بد ذائقہ ہیں۔ اب ذرا سکوت بھی اختیار کر کے دیکھ لو جو کہ نہایت لذیذ شے ہے اور تم نہایت مرغن اور شیریں کھانے کھا چکے ہو کچھ دنوں روزے بھی رکھ کر دیکھ لو۔ دیکھو تو سہی ان میں کیا لطف ہے اور تم بہت راتوں میں سو چکے ایک رات جاگ کر ہی دولت حاصل کر لو۔ اور بہت سے دن تم نے ہزل وجد میں بسر کر دیئے ہیں اب ذرا دو ایک دن مجاہدہ کے لئے بھی تیار ہو جاؤ۔

ختم شد ربع ثانی کلید مثنوی

عارف باللہ حضرت مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ کی نادر روزگار،
اور معرکہ آرا کتاب "مثنوی معنوی" کی جامع اور لاجواب شرح

کلیدِ مثنوی

حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہٗ

23

یہ وہ مقبول خاص و عام کتاب ہے کہ خواندہ ناخواندہ سب ہی اس سے دلچسپی لیتے ہیں مگر مضامین عالیہ ہونے کی وجہ سے مطالب سمجھنے میں بڑی دقت پیش آتی ہے اور بعض اوقات نوبت الحاد و زندقہ تک پہنچ جاتی ہے۔ حضرت حکیم الامت نے اشعارِ مثنوی کو واضح کر کے اور مسائل تصوف کو عام فہم بنا کر نہایت خوبی سے سمجھا دیا ہے حقیقت یہ ہے کہ اس سے معتبر اور شریعت و طریقت کا پاس و ادب رکھ کر مضامین کو حل کرنے والی کوئی اور شرح نہیں لکھی گئی

اِدارہ تالیفاتِ اشرفیہ
بیرون بوہڑ گیٹ
ملتان

کلید مثنوی

سلسلہ معارف اشرفیہ جلد نمبر ۲۴

یعنی

ایک عظیم اسلامی انسائیکلوپیڈیا

دفتر پنجم جزو سوم

کلید مثنوی

جلد ۲۳

از حکیم الامۃ مجدد الملۃ حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہ

ناشر

ادارۂ تالیفات اشرفیہ

بیرون بوہڑ گیٹ ملتان

حکایت در تقریر ایں سخن کہ چندیں گاہ گفتگو را آزمودیم مدتے

اس بات کو واضح کرنے کے لئے ایک حکایت کہ اتنے وقت ہم نے گفتگو کو آزمایا، کچھ مدت

صبرِ خاموشی نیز بیاز ماییم

تک خاموشی کے صبر کو بھی ہم آزماتے ہیں

آں یکے را در قیامت ز انتباہ — در کف آمد نامۂ عصیاں سیاہ

تنبیہ حاصل کرنے کیلئے قیامت میں ایک شخص کے — ہاتھ میں گناہوں کا سیاہ اعمالنامہ آگیا

سر سیہ چوں نامہائے تعزیہ — پُر معاصی متنِ نامہ و حاشیہ

تعزیت کے خطوں کی طرح اسکی پیشانی کالی تھی — اعمالنامہ کا متن اور حاشیہ گناہوں سے پُر تھا

جملہ فسق و معصیت آں یکسری — ہمچو دار الحرب پُر از کافری

وہ پورا کا پورا فسق اور گناہ تھا — دار الحرب کی طرح کفر سے پُر تھا

آنچناں نامہ پلید و پُر وبال — در یمیں ناید در آید در شمال

ایسا اعمالنامہ ناپاک اور وبال سے بھرا ہوا — دائیں ہاتھ میں نہیں آتا، بائیں ہاتھ میں آتا ہے

خود ہم اینجا نامۂ خود را بہ بیں[۲] — دستِ چپ را شاید آں یا در یمیں

اس جگہ خود اپنے اعمالنامہ کو دیکھ لے — وہ بائیں ہاتھ کے لائق ہے، یا دائیں کے

موزۂ چپ کفشِ چپ ہم در دکاں — آں چپ دانیش پیش از امتحاں

بائیں موزے، بائیں جوتے کو بھی دکان میں — تو آزمانے سے پہلے ہی اسکو بایاں سمجھ لیتا ہے

چوں نباشی راست میداں کہ چپی — ہست پیدا نعرۂ شیر و کپی

جب تو دایاں نہیں ہے، سمجھ لے بایاں ہے — شیر اور بندر کا نعرہ واضح ہے

آنکہ گل را شاہد و خوشبو کند — ہر چپے را راست فضلِ او کند

وہ جو پھول کو محبوب اور خوشبودار بنا دیتا ہے — اُس کی مہربانی بائیں کو دایاں کر دیتی ہے

ہر شمالے را یمینی[۳] او دہد — بحر را ماءِ معینے او دہد

وہ ہر بائیں کو دایاں پن دے دیتا ہے — سمندر کو بہتا پانی وہ عنایت کرتا ہے

گر چپی با حضرتِ او راست باش — تا بہ بینی دستبردِ لطفہاش

اگر تو بایاں ہے اُسکے دربار میں دایاں بنجا — تاکہ تو اُس کی مہربانیوں کا غلبہ دیکھے

تو روا داری کہ ایں نامہ مہیں[۱] — بگذرد از چپ در آید در یمین

کیا تو مناسب سمجھتا ہے کہ یہ ذلیل اعمالنامہ — بائیں ہاتھ سے گزر کر دائیں میں آئے!

ایں چنیں نامہ کہ پُر ظلم و جفاست — کے بود خود در خورِ آں دستِ راست

ایسا اعمالنامہ جو ظلم اور زیادتی سے پُر ہو — دائیں ہاتھ کے مناسب کب ہوگا!

حکایت۔ پہلے اشعار میں خاموشی اور صبر اختیار کرنے کی تلقین تھی۔ اِس حکایت میں بھی خاموشی اور صبر کے ساتھ اعمالنامہ پر غور کرنے کی ہدایت ہے۔ تعزیت۔ کسی کے مرنے پر تعزیت کا جو خط لکھا جاتا تھا اُسکے اطراف کو سیاہ کر دیا جاتا تھا، اب بھی اخبارات میں موت کی خبر کو سیاہ بوڈر کے اندر شائع کیا جاتا ہے۔ دار الحرب۔ وہ ملک جہاں کفر کے احکام جاری ہوں۔ در یمیں۔ دایاں ہاتھ بابرکت ہے اچھا اعمالنامہ دائیں ہاتھ میں آئے گا۔

[۲] خود ہم۔ انسان کو صبر و خاموشی سے اپنے اعمالنامہ پر اس دنیا میں غور کر لینا چاہئے۔ موزۂ چپ۔ دکان میں موزہ اور جوتہ دیکھ کر پہننے سے پہلے ہی پہچان لیتے ہو ایسی طرح اعمالنامہ کو قبل از وقت پہچان لو۔ ہست۔ جسطرح بندر اور شیر کی آواز جداگانہ ہیں اسی طرح اچھے برے اعمالناموں کے آثار بھی جداگانہ ہیں۔ گل۔ اللہ کی قدرت میں ماہیت کو بدل دینا ہے وہ بُرے کو بھلا بنا سکتا ہے۔

[۳] ہر شمالے۔ وہ برائی کو بھلائی میں تبدیل کر دیتا ہے۔ گر چپی۔ اگر انسان اسکے

[۱] مہیں۔ ذلیل۔ قصہ۔ پہلے بتایا تھا کہ ظلم و جفا سے پُر اعمالنامہ دائیں ہاتھ کے قابل نہیں اب بتاتا ہے کہ نجاست سے ملوث اعضا نماز کے لائق نہیں ہیں۔

قصۂ زاہد و زنِ غیور و جفت شدنِ زاہد با کنیزک با کسے مانند

زاہد اور غیرتمند بیوی اور زاہد کا لونڈی سے ہمبستری کرنا ایسا ہی ہے

کہ سخن گوید کہ حالِ او مناسب آں سخن وآں سخن مناسب

کہ کوئی شخص ایسی بات کہے کہ اسکی حالت اُس بات کے مناسب اور وہ بات اُس کے

دعویٰ او نباشد چنانکہ کفرہ وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ

دعوے کے مناسب نہ ہو جیسا کہ کفار، اور اگر تو اُن سے دریافت کرے کہ آسمانوں

وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ خدمت بُتِ سنگیں کردن وجان و

اور زمین کو کس نے پیدا کیا وہ ضرور کہیں گے اللہ نے، پتھر کے بُت کی خدمت کرنا اور جان

زر فدائے او نمودن چہ مناسب باشد با جانیکہ داند کہ خالقِ

ومال کو اُس پر قربان کرنا کیا مناسب ہوگا اُس جان کیلئے جو جانتی ہے کہ

سمٰوات وارضین آلہیست سمیعے وبصیرے حاضرے

آسمانوں اور زمینوں کا پیدا کرنے والا سمیع اور بصیر، حاضر

ومراقبے مستولئے وغیورے الخ

اور نگہبان غالب اور غیرتمند خدا ہے

زاہدے را بُد یکے زن ہمچو حور ۔۔۔ رشکناک اندر حقِ او بس غیور

ایک زاہد کی بیوی حور جیسی تھی ۔۔۔ اُسکے بارے میں رشک کرنے والی اور بہت غیرتمند تھی

زانکہ بُد زن را کنیزے مہوشے ۔۔۔ در دلِ زاہد بُد از وے آتشے

کیونکہ بیوی کی ایک چاند جیسی لونڈی تھی ۔۔۔ زاہد کے دل میں اُس (کے عشق) کی آگ تھی

زن ز غیرت پاسِ شوہر داشتے ۔۔۔ با کنیزک خلوتش نگذاشتے

بیوی غیرت کیوجہ سے شوہر کی نگرانی کرتی ۔۔۔ اُسکو تنہائی میں لونڈی کے پاس نہ چھوڑتی

مدتے زن شد مراقب ہر دو را ۔۔۔ تا کہ شاں فرصت نیفتد در خلا

ایک مدت تک بیوی دونوں کی نگران رہی ۔۔۔ تاکہ انہیں تنہائی میں موقع نہ ملے

تا در آمد حکم و تقدیرِ الٰہ ۔۔۔ عقلِ حارس خیرہ سرگشت و تباہ

یہاں تک کہ اللہ کا حکم اور تقدیر آپہنچی ۔۔۔ نگہبان (بیوی) کی عقل ناکارہ اور تباہ ہوگئی

حکم و تقدیرش چو آید بیوقوف ۔۔۔ عقل کہ بود در قمر افتد خسوف

اطلاع کے بغیر جب اُسکا حکم اور تقدیر آتی ہو ۔۔۔ عقل کیا چیز ہے؟ چاند میں گرہن آجاتا ہے

بود در حمام آں زن ناگہاں ۔۔۔ یادش آمد طشت و در خانہ بُد آں

وہ بیوی حمام میں تھی، اچانک ۔۔۔ اُس کو طشت یاد آیا اور وہ گھر میں تھا

با کنیزک گفت رو ہیں مرغ وار ۔۔۔ طشتِ سیمیں را ز خانہ ما بیار

لونڈی سے کہا، خبردار! پرندکی طرح جا ۔۔۔ ہمارے گھر سے چاندی کا طشت لے آ

سخن۔ انسان وہ بات کہے جس کی تائید اُس کا عمل کرے کفار زبان سے خدا کے وجود کا اقرار کرتے ہیں عمل یہ ہے کہ بُتوں کے سامنے سجدے کرتے ہیں۔

زاہد۔ زاہد سے مراد وہ متقی ہے جس میں زہد نہ ہو۔ زانکہ۔ یہ پہلے شعر کے دوسرے مصرع کی علت ہے۔ آتشے یعنی وہ زاہد اُس لونڈی پر عاشق تھا۔ مراقب۔ نگراں۔ خلا۔ خلوت، تنہائی۔

تا در آمد۔ تقدیر اور حکم خداوندی کے بالمقابل عقل ناکارہ ہوجاتی ہے۔ حارس۔ نگراں۔ خیرہ سر۔ بیہودہ بیوقوف۔ بغیر اطلاع۔ مرغ وار۔ پرندکی طرح۔

آں[۵۲] کنیزک زندہ شد چوں ایں شنید — کو بخواجہ ایں زماں خواہد رسید
جب اُس لونڈی نے یہ سنا اُس میں جان پڑ گئی — کہ وہ اسوقت آقا کے پاس پہنچ جائیگی

خواجہ در خانہ ست خلوت ایں زماں — پس رواں شد سوئے خانہ شادماں
آقا گھر میں ہے اور اس وقت تنہائی ہے — تو خوشی خوشی گھر کی طرف دوڑی

عشقِ شش سالہ کنیزک را بُد ایں — کہ بیابد خواجہ را خلوت چنیں
لونڈی کی چھ سال سے یہ خواہش تھی — کہ وہ آقا کو ایسی تنہائی میں پالے

گشت[۵۳] پرّاں جانبِ خانہ شتافت — خواجہ را در خانہ خوش خلوت بیافت
گھر کی جانب جلد دوڑ پڑی — آقا کو گھر میں اچھی تنہائی میں پایا

ہر دو عاشق را چناں شہوت رُبود — کاحتیاط و یادِ در بستن نبود
دونوں عاشقوں کو شہوت نے ایسا غافل کیا — کہ دروازہ کی کُنڈی لگانا اور احتیاط یاد نہ رہی

ہر دو باہم در خزیدند از نشاط — جاں بجاں پیوست آندم ز اختلاط
خوشی سے دونوں ایک دوسرے میں گھس گئے — اُس وقت وصل سے جان بجان سی پیوستہ ہوگئی

یاد آمد در زماں زن را کہ من — چوں فرستادم ورا سوئے وطن
اس وقت بیوی کو یاد آیا کہ میں نے — اُس کو وطن کی جانب کیوں بھیجا؟

پنبہ در آتش نہادم من بخویش — اندر افگندم قچ نر را بمیش
میں نے خود روئی کو آگ میں رکھ دیا — میں نے نر مینڈھے کو بھیڑ پر ملا دیا

گِل فرو شُست از سر و بیجاں دوید — در پے او رفت و چادر می کشید
سر سے مٹی دھوئی اور بدحال ہو کر دوڑی — اسکے پیچھے روانہ ہوئی اور چادر گھسیٹتی تھی

آں[۵۴] ز عشقِ جاں دوید و ایں ز بیم — عشق کو و بیم کو فرقِ عظیم
وہ دل کے عشق سے دوڑی اور یہ خوف سے — کہاں عشق اور کہاں خوف، بڑا فرق ہے

سیرِ عارف ہر دمے تا تختِ شاہ — سیرِ زاہد ہر مہے یکروزہ راہ
عارف کی سیر، ہر منٹ شاہ کے تخت تک ہر — زاہد کی سیر ہر مہینہ ایک دن کے راستے پر ہے

گرچہ زاہد را بود روزے شگرف — کے بود یک روز او خمسین الف
اگر چہ زاہد کا ایک دن بھی غنیمت ہے — اُسکا ایک روز پچاس ہزار سال کا کہاں ہوسکتا ہے

قدر[۵۵] ہر روزے ز عمرِ مردِ کار — باشد از سالِ جہاں پنجہ ہزار
کام کے انسان (عارف) کے ہر دن کی مقدار — زمانہ کے سال سے پچاس ہزار (سال) کی ہے

عقلہا زیں سر بود بیرونِ در — زہرۂ وہم ار بدرّد گو بدر
عقلیں اِس جانب سے دروازہ کے باہر ہیں — وہم کا پتہ اگر پھٹے تو کہدے پھٹ جا

ترس موئے نیست اندر پیشِ عشق — جملہ قربانند اندر کیشِ عشق
عشق میں بال برابر (بھی) ڈر نہیں ہے — عشق کے مذہب میں سب قربان ہیں

---

[۵۲] آں کنیزک۔ اُس لونڈی کو بھی اپنے آقا سے چھ سال سے عشق تھا اور تنہائی کی جویاں تھی اِس موقع کو غنیمت سمجھ کر اُس میں جان پڑ گئی اور اِس خیال سے کہ آقا سے تنہائی میں مل لے گی گھر کی جانب دوڑ پڑی۔

[۵۳] گشت۔ وہ لونڈی گھر پہنچی تو آقا کو خلوت میں پایا۔ در بستن یعنی دروازے کی کُنڈی لگانا۔ نشاط۔ خوشی۔ اختلاط میل جول۔ وطن یعنی گھر پہنچے۔ لونڈی اور آقا کا تنہائی میں ملنا ایسا ہی ہے جیسا کہ روئی میں چنگاری ڈال دینا۔ قچ۔ مینڈھا۔ میش۔ بھیڑ۔ گل یعنی وہ ملتانی مٹی جو بالوں کو صاف کرنے کے لئے اُس نے سر پر لگا رکھی تھی۔

[۵۴] آں۔ بی بی اور لونڈی کی روش میں بہت فرق تھا۔ بی بی ڈر سے بھاگ رہی تھی اور لونڈی عشق کی وجہ سے۔ سیرِ عارف۔ یہی حال عارف اور زاہد کی سیر الی اللہ کا ہے عارف کی سیر عاشقانہ ہے اور زاہد کی سیر جہنم کے ڈر سے۔ گرچہ۔ زمان و مکان کا قبض اور بسط اللہ تعالےٰ کی قدرت میں ہے عارف کے لئے تھوڑا سا وقت پھیل کر اس قدر وسیع ہو جاتا ہے کہ وہ بڑے سے بڑا کام اُس تھوڑے وقت میں کر گذرتا ہے عارف کا ایک روز پچاس ہزار سال کی برابر بن جاتا ہے اور وہ قرب کے اُن مقامات کو جو زاہد پچاس ہزار سال میں

عشق وصفِ ایزدست اما کہ خوف ‏ وصفِ بندہ مُبتلائے فرج وجوف
عشق، اللہ کی صفت ہے لیکن خوف ‏ شرمگاہ اور پیٹ میں مبتلا بندے کی صفت ہے

چون یُحِبُّونَہٗ بخواندی از نُبے ‏ با یُحِبُّہُم شو قرین در مطلبے
جب تونے قرآن میں یُحِبُّونَہٗ پڑھا ‏ مطلب کے بارے میں یُحِبُّہُم کا ساتھی بن

پس محبت وصفِ حق دان عشق نیز ‏ خوف نبود وصفِ یزدان اے عزیز
پس محبت کو اللہ (تعالیٰ) کی صفت سمجھ عشق کو بھی ‏ اے پیارے! خوف اللہ (تعالیٰ) کی صفت نہیں ہے

وصفِ حق کو وصفِ مشتِ خاک کو ‏ وصفِ حادث کو و وصفِ پاک کو
کہا اللہ (تعالیٰ) کی صفت کہا خاک کی مٹھی کی صفت ‏ کہاں حادث کا وصف کہاں پاک کا وصف

شرحِ عشق ار من بگویم بر دوام ‏ صد قیامت بگذرد و آن ناتمام
میں اگر مسلسل عشق کی شرح کروں ‏ سو قیامتیں گذر جائیں اور نا تمام رہے

زانکہ تاریخِ قیامت را حدست ‏ حد کجا آنجا کہ وصفِ ایزدست
کیوں کہ قیامت کی تاریخ محدود ہے ‏ اُس کی انتہا کہاں، جو خدا کی صفت ہے

عشق را پانصد پرست و ہر پرے ‏ از فرازِ عرش تا تحت الثرےٰ
عشق کے پانچسو پر ہیں اور ہر پر ‏ عرش کی بلندی سے زمین کے نیچے تک ہے

زاہدِ با ترس می تازد بپا ‏ عاشقان پرّان تر از برق و ہوا
خوف زدہ زاہد پاؤں سے دوڑتا ہے ‏ عاشق بجلی اور ہوا سے زیادہ تیز اڑنے والے ہیں

چہ مجالِ باد یا برق اے پسر ‏ چونکہ او در راہِ حق بکشاد پر
اے بیٹا! ہوا یا بجلی کی کیا مجال ‏ جبکہ وہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں پر کھولے

کے رسند این خائفان در گردِ عشق ‏ کاسمان را فرش سازد دردِ عشق
یہ ڈرنیوالے عشق کی گرد تک کہاں پہنچ سکتے ہیں ‏ کیونکہ عشق کا درد آسمان کو فرش بنا دیتا ہے

جز مگر آید عنایتہائے ضو ‏ کز جہان و زین روش آزاد شو
اس کے سوا کہ نور کی عنایتیں آجائیں ‏ کہ دنیا اور اس روش سے آزاد ہو جا

از قشِ خود و ز دشِ خود باز رہ ‏ کہ سوئے خضیافت آن شہباز رہ
اپنے مٹاپے اور اپنی آرائش سے باز رہ ‏ کیونکہ اسی شہباز نے شاہ کی جانب راستہ پایا ہے

طے کرے ایک دن میں طے کرلیتا ہے۔

۲؎ قدر۔ عارف اپنے ہر دن میں وہ کام کرتا ہے جو زاہد پچاس ہزار سال میں کر پاتا ہے۔ فقلبا۔ یہ زمانہ کے بسط اور قبض کا معاملہ عقل اور وہم نہیں سمجھ سکتے ہیں۔ ترس۔ عشق اور خوف کا فرق پھر بیان کیا ہے۔ مُبتلای۔ انسان شہوت اور بھوک کا غلام ہے لہٰذا اُس کی صفت خوف ہے، اللہ کی صفت عشق ہے۔ چوں یُحِبُّونَہٗ۔ قرآن پاک میں ہے یُحِبُّہُم وَیُحِبُّونَہٗ "وہ اللہ تعالیٰ اُن سے محبت کرتا ہے اور وہ ●

۱؎ عشق را۔ جس قدر زیادہ پر ہوں گے اسی قدر پرواز زیادہ ہوگی۔ زاہد۔ زاہد کے خوف کی سیر پاؤں کے ذریعہ ہے، عارف کی پرواز پانچسو پروں والے عشق کے ذریعہ ہے۔ چہ مجال۔ ہوا اور بجلی کی پرواز راہ خدا میں ممکن نہیں ہے۔ کے رسند۔ زاہد جو خائف ہے عشق کی گرد تک بھی نہیں پہنچ سکتا ہے۔

۲؎ جز مگر۔ اگر اللہ کا نور زاہد کی دستگیری کرے تو پھر اس کو بھی عاشقانہ سیر حاصل ہو سکتی ہے۔

● اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہیں" اِس آیت سے معلوم ہوا کہ محبت اللہ تعالیٰ کی صفت ہے۔
۳؎ پس محبت۔ جب محبت اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اور اللہ تعالیٰ کی ہر صفت کمال سے متصف ہے اور محبت کے کمال کو ہی عشق کہا جاتا ہے لہٰذا عشق اللہ تعالیٰ کی صفت ہوا، انسان میں اگر عشق ہے تو وہ اسی صفت خداوندی کا پرتو ہے اصل نہیں ہے۔ وصفِ حق۔ عشق اور خوف میں بہت فرق ہے۔ شرحِ عشق۔ اللہ کی صفتِ عشق غیر محدود ہے اور قیامت تک کا زمانہ محدود ہے، غیر محدود، محدود میں نہیں سما سکتا لہٰذا عشق خداوندی کا بیان قیامت تک بھی ممکن نہیں ہے۔

این قش و دش هست جبر و اختیار — از ورای این دو آمد جذب یار

یہ نشا پا اور خود آرائی جبر اور اختیار ہے — دوست کی کشش ان دونوں سے بالا ہے

رسیدن زن بخانه و جدا شدن زاهد از کنیزک و رسوا شدن

بیوی کا گھر میں پہنچ جانا اور زاہد کا لونڈی سے علیحدہ ہو جانا اور رسوا ہونا

چون[۵۳] رسید آن زن بخانه در گشاد — بانگ در در گوش ایشان در فتاد

جب بیوی پہنچی اس نے گھر کا دروازہ کھولا — دروازے کی آواز ان کے کان میں پڑی

آن کنیزک جست آشفته ز ساز — مرد بر جست و در آمد در نماز

وہ لونڈی پریشان حال ساز (وسامان) سے بھاگی — مرد کودا اور نماز میں لگ گیا

زن کنیزک را پژولیده بدید — درہم و آشفته و دنگ و مرید

بیوی نے، لونڈی کو پریشان حال دیکھا — گڑبڑ اور برہم اور حیران اور سرکش

شوی خود را دید قائم در نماز — در گمان افتاد زن زان اهتزاز

اس نے اپنے شوہر کو نماز میں کھڑے دیکھا — اس حرکت سے بیوی شبہ میں پڑ گئی

شوی را برداشت دامن[۵۴] بیخطر — دید آلوده منی خصیه و ذکر

اس نے بے کھٹکے شوہر کا دامن ہٹایا — خصیہ اور شرمگاہ کو منی سے سنا ہوا دیکھا

از ذکر باقی نطفه می چکید — ران و زانو گشته آلوده و پلید

شرمگاہ سے باقی نطفہ ٹپک رہا تھا — ران اور زانو آلودہ اور ناپاک ہو گئے تھے

بر سرش زد سیلی و گفت ای مهین — خصیهٔ مرد نمازی باشد این

اس نے اس کے سر پر دھتر مارا اور بولی اے ذلیل! — نمازی انسان کے خصیے ایسے ہوتے ہیں

لائق ذکر و نماز است این ذکر — وین چنین ران و زهار پر قذر

یہ شرمگاہ ذکر (خداوندی) اور نماز کے لائق ہے — اور ایسی گندی ران اور شرمگاہ

نامهٔ پر ظلم و فسق و کفر و کین — لائق است انصاف ده اندر یمین

ظلم اور فسق اور کفر اور کینہ سے بھرا ہوا اعمالنامہ — انصاف کر، داہیں ہاتھ کے لائق ہے

گر بپرسی[۵۵] گبر را کاین آسمان — آفریده کیست وین خلق جهان

اگر تو کافر سے دریافت کرے کہ یہ آسمان — اور یہ جہان کی مخلوق کس کی پیدا کی ہوئی ہے؟

گوید او کین آفریده آن خداست — کافرینش بر خدائیش گواست

وہ کہے گا کہ یہ اس خدا کا پیدا کیا ہوا ہے — جس کی خدائی پر اس کی خلاقی گواہ ہے

کفر و فسق و استم بسیار او — هست لائق با چنین اقرار او

اس کا کفر اور فسق اور بھاری ظلم — اس کے ایسے اقرار کے مناسب ہے؟

هست لائق با چنین اقرار راست — آن فضیحتها و آن کردار کاست

ایسے سچے اقرار کے ساتھ کیا مناسب ہے؟ — وہ رسوائیاں اور گھٹیا کام

قش - لاغری کے بعد کا نشا پا۔ دش - آرائش قش و دش سے جبر و اختیار مذموم مراد ہے، عشق سے جذب پیدا ہوتا ہے اور جذب جبر و اختیار سے بالا ہے۔

[۵۳] چون رسید - بی بی نے گھر پہنچ کر دروازہ کھولا جس کی آواز آقا اور لونڈی تک پہنچی۔ مرد - آقا اپنی حالت چھپانے کے لئے نماز کی نیت باندھ کر کھڑا ہو گیا۔ شوی - بی بی نے لونڈی کو پریشان حال دیکھا ادھر آقا کو نماز میں دیکھا تو بی بی کشمکش میں پڑ گئی اور صحیح صورت حال نہ جان سکی۔

[۵۴] دامن یعنی لنگی کا دامن۔ بر سرش - بی بی نے آقا کے سر پر دھتر مارا۔ مہین - ذلیل۔ نامۂ پر ظلم - جس طرح انسان کا نجاستوں سے آلودہ بدن نماز کے لائق نہیں ہے اسی طرح برا اعمالنامہ داہیں ہاتھ کے لائق نہیں ہے۔

[۵۵] گر بپرسی - کافر سے اگر دریافت کیا جائے کہ آسمان اور زمین کو کس نے پیدا کیا تو زبان سے یہی کہے گا کہ اللہ نے، لیکن کام شرکیہ کرے گا تو یہ اس کے کام اس کے اقرار سے مناسبت نہیں رکھتے ہیں۔

فعلِ اُو کردہ دروغ آں قول را
اس کے عمل نے اس کی بات کو جھٹلا دیا
تا شُدا اُو لائق عذاب و ہَول را
یہاں تک کہ وہ عذاب اور ڈر کا مستحق ہو گیا

پس دروغ آمد ز سَر تا پائی اُو
وہ سر سے پاؤں تک ایسا جھوٹا ثابت ہوا
کہ اگر شرحش دہم اے وائی اُو
کہ میں اُس کی شرح کروں تو اُس پر افسوس ہے

روزِ محشر ہر نہاں پیدا شود
محشر کے دن ہر چھپی ہوئی چیز ظاہر ہو جائیگی
ہم ز خود ہر مجرمے رُسوا شود
ہر خطا کار، خود رُسوا ہو جائے گا

دست و پا بدہد گواہی بابیاں
اُسکے ہاتھ اور پاؤں وضاحت کیساتھ گواہی دینگے
بر فسادِ اُو بہ پیشِ مُستعاں
خدا کے سامنے اُس کی خرابی پر

دست گوید من چنیں دُزدیدہ اَم
ہاتھ کہے گا میں نے اس طرح چوری کی ہے
لب بگوید من چنیں بوسیدہ اَم
ہونٹ کہے گا میں نے اس طرح بوسہ لیا ہے

پائی گوید من شدستم تا مُنیٰ [14]
پاؤں کہے گا میں مقاصد کی جانب گیا ہوں
فرج گوید من بکردستم زِنا
شرمگاہ کہے گی میں نے زنا کیا ہے

چشم گوید کردہ اَم غمزہ حرام
آنکھ کہے گی میں نے حرام اشارہ کیا ہے
گوش گوید چیدہ اَم سُوءُ الکلام
کان کہے گا میں نے بُری بات چُنی ہے

پس دروغ آمد ز سَر تا پائی خویش
تو وہ سر سے پاؤں تک جھوٹا نکلے گا
کہ دروغش کردہ ہم اعضائے خویش
کیونکہ اُس کے اعضا نے اُس کو جھٹلا دیا

آنچناں کہ در نمازِ با فروغ
جس طرح پُرنور نماز میں
از گواہی خُصیہ شد زرقش دروغ
خصیہ کی گواہی سے اُس کا مکر جھوٹ ثابت ہو گیا

پس چُناں کُن فعل کاں خود بے زباں
تو ایسا عمل کر کہ خود بغیر زبان کے
باشد اَشْہَدُ گفتن و عینِ بیاں
اَشْہَدُ کہنا اور بعینہ بیان بنے

تا ہمہ تن عضو عضوت اے پسر
اے بیٹا! تاکہ تیرا عضو عضو
گفتہ باشد اَشْہَدُ اندر نفع و ضَر
نفع اور نقصان میں اَشْہَدُ کہدے

رفتنِ [15] بندہ پئے خواجہ گواست
غلام کا آقا کے پیچھے چلنا، گواہ ہے
کہ منم محکوم وایں مُولائے ماست
کہ میں محکوم ہوں اور یہ میرا آقا ہے

گر سیہ کردی تو نامہ عُمرِ خویش
[16] اگر تونے اپنی زندگی کا اعمالنامہ کالا کر دیا ہے
توبہ کُن زانہا کہ کردستی تو پیش
جو تونے پہلے کیا ہے اُس سے توبہ کرلے

عُمر گر بگذشت بیخش اینَدم است
اگر عمر گزر گئی ہے، اُس کی جڑ ابھی ہے
آب توبہ اش دِہ اگر اُو بے نم است
اگر وہ خشک ہے، اُسکو توبہ کا پانی دیدے

---

[13] فعلِ اُو۔ وہ کافر جس کا عمل اُس کے قول کو جھٹلا رہا ہے وہ یقیناً عذاب کے لائق ہے۔ روزِ محشر۔ حشر کے دن ہر ڈھکی چھپی بات ظاہر ہو جائے گی خود مجرم کے ہاتھ پاؤں اس کے خلاف تمام باتیں ظاہر کر دیں گے۔

[14] مُنیٰ۔ آرزوئیں۔ غمزہ۔ اشارہ۔ سوءُ الکلام۔ بُری بات۔ آنچناں۔ جس طرح زاہد نما کے اعضاء نے اُس کے نماز پڑھنے کو جھٹلا دیا اسی طرح قیامت میں ہر گنہگار کے اعضاء اُس کو جھٹلا دیں گے۔ پس۔ ایک مسلمان کا فرض ہے کہ اُس کا فعل خود اُس کا اقرار بن جائے۔

[15] رفتن۔ غلام کا آقا کے پیچھے چلنا غلامی کا اقرار ہے۔ گر سیہ۔ اگر انسان گنہگار ہے تو اُس کو ہمیشگی توبہ کرینی چاہیئے۔

بیخ عمرت را بدہ آبِ حیات	**تا درختِ عمر گردد با ثبات**
اپنی عمر کی جڑ میں آبِ حیات ڈال دے	تاکہ تیری عمر کا درخت جم جائے
جملہ ماضیہا ازیں نیکو شوند	**زہرِ پارینہ ازیں گردد چو قند**
سب گزشتہ اس سے بھلا ہو جائے گا	گزشتہ زہر اس سے شکر بن جائے گا
سیآتت را مبدّل کرد حق	**تا ہمہ طاعت شود آں ماسبق**
اللہ (تعالیٰ) نے تیرے گناہوں کو تبدیل کر دیا	تاکہ وہ پچھلا سب عبادت بن جائے
خواجہ بر توبہ نصوحی خوش بتن	**کوششے کن ہم بجان و ہم بتن**
اے خواجہ! نصوح والی توبہ پر عمل کر	جان اور جسم سے بھی کوشش کر
شرح ایں توبہ نصوح از من شنو	**بگرویدستی ولے از نو گرو**
اِس نصوح کی توبہ کی شرح مجھ سے سن لے	تو (اس کا) گرویدہ ہے لیکن از سرِ نو گرویدہ بن جا

سے عمر۔ انسان کو یہ خیال کرنا چاہیئے کہ آخری عمر میں توبہ بیکار ہے درخت کے پتے اگر جھڑ جائیں اور اس درخت کی جڑ کو پانی دیا جائے تو مفید ہوتا ہے۔ جملہ ماضیہا۔ اگر نیکو کار بن جاتا ہے تو اس کی پہلی خطائیں صرف معاف نہیں بلکہ نیکیوں میں تبدیل ہو جاتی ہیں۔

شرح اس مضمون کی سرخی "حکایت در تقریر ایں سخن کہ چندیں گاہ گفتگو را آزمودیم مدّتے صبر و خاموشی نیز بیازمائیم" ہے مگر بظاہر نہ اس سرخی کو مضمون سے ربط ہے اور نہ مضمون لاحق کو مضمون سابق سے جو کہ آخر ربع ثانی میں گزرا ہے لہٰذا ضرورت ہے کہ وجہ ربط بیان کیا جائے۔ محشین نے جو کچھ اس کے متعلق لکھا ہے اسکی تفصیل یہ ہے ایک صاحب کہتے ہیں۔ وجہ تقریر این سرت کہ چوں در قیامت چناں و چنیں او خواہد داد۔ باید کہ انچہ بالائے ایں سرخی حضرت مولانا قدس سرہٗ نصیحت فرمودہ اند بر آں عمل نمایند انتھی۔ ولی محمد نے لکھا ہے ربط ایں حکایت با بیات سابقہ است کہ چند گاہے بے لب بے گوش شو۔ تا اینجا کہ چند گفتے نظم و نثر دراز... فاش الخ بمناسبت بیت آئندہ سے گر چپی باحضرت او راست بکش الخ انتھیٰ۔ محمد افضل نے لکھا ہے۔ بمناسبت ایں عنوان باآنچہ بعد ازیں مذکور است۔ بایں دستور ست کہ چنانچہ حالت اعمال زشت را باید کہ نامۂ خود را ہم درینجا بہ بیند۔ وایں امید کہ نامۂ او بدست راست خواہد آید ندارد ہمچنیں صاحب گفتگو را باید کہ گفتگوئی خود را آزمودہ صبر و خاموشی گزیند۔

ایوبؔ نے لکھا ہے ایں حکایت مربوط با بیات بالاست کہ چند گاہے بے لب الخ
با ایں بیت چند پختی تلخ و تیز و شور و کز الخ ... بمناسبت ابیات آئندہ کہ آنکہ
گل را شامد و خوشبو کند الخ تا آنجا کہ گر چنپے ... باحضرت او راست باش انتہی۔
مگر میرے نزدیک محشیٔ اوّل کا بیان زیادہ اقرب ہے لیکن وہ مجمل ہے اسلئے
اس کی توضیح کرتا ہوں ـــــ حکایت سے مراد صرف بیان واقعہ ہے نہ کہ
قصہ و افسانہ۔ کما ہو الظاہر۔ لانہ رحمہ اللہ لم یبین القصہ ـــــ اور مطابق عنوان یہ ہے
کہ اب ہم ایک واقعہ بیان کرتے ہیں۔ جس سے مضمون چند گاہے بے لب بے گوش باش
آخر سرخی کی بھی تاکید ہو جائے گی کیونکہ اسی مضمون کا حاصل یہ تھا کہ تم اپنی اصلاح کر لو۔
اور اس واقعہ سے بھی یہی نتیجہ نکلتا ہے۔ جس کو ہم نے سہ خود ہیں جا نامۂ خود را بہ ہیں
سے کیا ہے واللہ اعلم۔
یہ گفتگو تو سرخی کے متعلق تھی اب حل ابیات سنو ـــــ کہ قبر سے اٹھنے کے
بعد قیامت میں ایک شخص کے ہاتھ میں گناہوں سے پُر اور سیاہ نامۂ اعمال آئے گا وہ اوپر
سے سیاہ ہوگا جیسے تعزیت کے خطوط سیاہ ہوا کرتے ہیں۔ سرنامہ کے سیاہ ہونے
سے حقیقت مراد نہیں ہے بلکہ مراد یہ ہے کہ وہ نہایت موجب الم ہوگا۔
اور متن اور حاشیہ تمام گناہوں سے سیاہ ہوگا اور جس طرح دار الحرب کفر سے بھرا ہوتا
ہے یوں ہی وہ سراسر بدکاری اور گناہ سے پُر ہوگا۔ رہی یہ بات کہ وہ کون سے ہاتھ میں
آئے گا۔ سو اسکی بابت یہ ہے کہ ایسا ناپاک اور گناہ سے پر نامۂ اعمال دائیں ہاتھ میں
نہیں آسکتا۔ لہٰذا بائیں میں آئے گا۔
یہ تو ایک واقعہ تھا اب تم اس سے عبرت حاصل کرو اور اپنے نامۂ اعمال کو دُنیا
میں ہی دیکھ لو کہ وہ بائیں ہاتھ کے لائق ہے یا دائیں کے۔ شاید تم کہو کہ جب تک ہاتھ
میں نہ آئے اس وقت تک ہم کیسے جانیں اسلئے ہم کہتے ہیں کہ تم دکان کے اندر ہی
بدوں پاؤں میں ڈالے جان لیتے ہو کہ یہ دایاں موزہ اور بایاں جوتا ہے اور بائیں پاؤں کا ہے
یوں ہی نامۂ اعمال کی حالت ہو سکتی ہے اور حقیقت صورت اسکی یہ ہے کہ تم اپنی حالت

کا اندازہ کرو کہ ہم دائیں میں یا بائیں - یعنی ہماری حالت حق سبحانہٗ کے مرضی کے موافق ہے یا خلاف اگر موافق نہ ہو تو سمجھ لو تم بائیں ہو اور تمہارا نامۂ اعمال تمہارے بائیں ہاتھ کے لائق اور اپنی بھلائی اور بُرائی کا حال معلوم کرنا کچھ مشکل نہیں - بھلے اور بُروں میں یوں ہی امتیاز ہے جیسے شیر اور بندر کی آوازوں میں —— اگر تم محاسبہ کے بعد بائیں یعنی بُرے ثابت ہو تو مایوس نہ ہو - کیونکہ جو ذات کامل الصفات مٹی کو معشوق اور خوشبودار کرتے ہیں وہی اپنے فضل سے بائیں کو دایاں یعنی بُرے کو اچھا کر سکتے ہیں وہ ہر بُرے کو اچھا کر سکتا ہے اور پتھر کو آب جاری عطا کر سکتا ہے - پس اگر تم بائیں اور بُرے ہو تو مایوس نہ ہو حق سبحانہٗ کے ساتھ اپنا معاملہ ٹھیک کر لو - پھر اسکے الطاف کی سخاوت دیکھنا کہ وہ تمہیں کیا سے کیا کر دیتے ہیں اور جب تک حق سبحانہٗ کے ساتھ معاملہ ٹھیک نہ کیا جائے اس وقت تک اسکی توقع رکھنا کہ ہمارا نامۂ اعمال ہمارے دائیں ہاتھ میں آئے گا -

اچھا تم ہی بتلاؤ فضول ہے کیا تم جائز رکھتے ہو کہ یہ ذلیل نامۂ اعمال جو اس وقت ہے بائیں ہاتھ کو چھوڑ کر دائیں ہاتھ میں آجائے ایسا نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ نامۂ اعمال جو کہ ظلم و جفا بر نفس خود و بر خلق خدا سے پُر ہے —— دایاں ہاتھ اس کے قابل نہیں ہو سکتا —— اس مضمون کی تائید کے لئے اب ہم تمہیں ایک حکایت سناتے ہیں - اچھا سُنو!

ایک زاہد کے ایک حور کی مانند خوب صورت بیوی تھی جو کہ اس کے بارہ میں نہایت رشک کرنے والی اور بہت غیرت دار تھی وجہ اس رشک و غیرت کی یہ تھی کہ اس عورت کے پاس ایک ماہوش کنیزک تھی اور زاہد کے دل میں اسکی عشق کی آگ لگ رہی تھی وہ عورت رشک کے سبب اپنے شوہر کی نگرانی کیا کرتی اور کنیزک کے ساتھ خلوت میں اُسے نہ چھوڑتی - ایک عرصہ تک وہ دونوں کی نگرانی کرتی رہی تاکہ انکو خلوت میں صحبت کا موقع نہ ملے تا آنکہ حکم و تقدیر الٰہی آپہنچی اور عقل زن جو کہ ان کی نگرانی کرتی تھی بیہودہ اور برباد ہو گئی اور ہونا بھی چاہیئے کیونکہ جب یکایک حکم و تقدیر الٰہی آتی ہے تو عقل تو کیا چیز ہے کہ اس کا نور باقی رہے کہ چاند میں بھی گہن لگ جاتا ہے اور اس کا نور زائل ہو جاتا ہے تفصیل اسکی یہ ہے کہ ایک روز وہ عورت حمام میں تھی کہ دفعتاً اسکو طشت یاد آیا اور وہ طشت گھر میں رہ گیا تھا اُس نے لونڈی سے کہا کہ اری دوڑ کر جا اور

گھر سے چاندی کا طشت لے آئیوں اس نے یہ حکم سنا اس کے سنتے ہی جی اٹھی کیونکہ اس نے سمجھا کہ اب میں میاں کے پاس بے مزاحمت پہنچ جاؤں گی اسلئے کہ میاں اس وقت گھر میں اور خلوت بھی ہے مزے سے دل کی آرزوئیں نکالیں گے۔ یہ سوچ کر وہ خوش خوش گھر کی طرف دوڑی ...... لونڈی کو چھ برس سے آرزو تھی کہ میاں کو تنہائی میں پائے لہٰذا وہ گھر کی جانب نہایت تیزی سے دوڑی۔ اور میاں کو گھر میں تنہا پایا اور اس نے اسے ـــ اسلئے دونوں پر شہوت کا غلبہ ہوگیا اور اس قدر غلبہ ہوا کہ ان کو دروازہ بند کرنا بھی یاد نہ رہا اور کوئی احتیاط نہ کی اور دونوں خوش خوش گھر میں گھس گئے اور اختلاط کے سبب جان سے جان مل گئی۔ یعنی مجامعت شروع کردی ادھر یہ ہوا ادھر عورت کو

خیال ہوا کہ ارے میں نے لونڈی کو گھر کیوں بھیجدیا میں نے اپنے ہاتھ سے روئی میں آگ لگادی اور مینڈھے کو بھیڑ پر مسلط کردیا۔ یہ خیال کرکے اس نے فوراً اپنے سر سے ملتانی مٹی دھوئی اور بے تحاشا دوڑی اور چادر کھینچتے ہوئے اسکے پیچھے گئی لیکن وہ عشق سے دوڑی تھی اور یہ خوف سے۔ کجا عشق کجا خوف۔ دونوں میں زمین آسمان کا فرق ہے اسلئے وہ اس کہیں پہلے پہنچ کر مشغول کار ہو چکی تھی اور یہ ... اسکو پکڑ سکے۔ چونکہ اس رفتار میں جس کا منشا عشق ہو اور اس رفتار میں جس کا منشا خوف ہو زمین آسمان کا فرق ہے اسلئے عارف کی رفتار ہر دم تخت شاہی تک ہوتی ہے اور زاہد کی رفتار ہر مہینہ ایک روز کی منزل ہوتی ہے اسلئے کہ زاہد جو کہ خوف کے سبب راہ سلوک طے کرتا ہے اس کا دن خواہ کیسا ہی عجیب ہو۔ مگر وہ پچاس ہزار برس کے برابر نہیں ہوسکتا۔ برخلاف عارف کے کہ اسکی عمر کا ایک دن دنیا کے پچاس ہزار برس کے برابر ہوتا ہے لہٰذا عارف کا ایک دن کا سلوک زاہد کے پچاس ہزار برس کے سلوک کے برابر ہوگا۔

عقول ناقصہ جو کہ حقیقت میں اوہام ہیں اسلئے اس سے ناواقف اور اجنبی ہیں اسلئے یہ مضمون ان کی سمجھ میں نہ آئے گا اور اسکے خیال سے ان کا پتہ چھٹ جائے گا بس اگر اسکے ان کا پتہ پھٹ جائے تو بلا سے پھٹ جائے حقیقت یہی ہے کہ جو ہم نے بیان کی۔ اور فی الحقیقت عشق کے مقابلہ میں خوف کوئی وقعت نہیں رکھتا اور راز اس کا یہ ہے کہ عشق کے سامنے بجز مطلوب کے سب فانی ہیں اسلئے کوئی چیز ان کے معاون نہیں برخلاف

خوف کے کہ وہاں سینکڑوں معاون ہو سکتے ہیں۔ پس رفتار مع العاوقات اور رفتار بدُوں عوائق میں کیا نسبت ہو سکتی ہے۔ ایک وجہ تو عشق و خوف کے درمیان فرق کی یہ تھی۔ دوسری وجہ فرق یہ ہے کہ عشق وصف خداوندی ہے برخلاف خوف کے کہ وہ بندہ کا وصف ہے جو کہ شکم پروری اور شہوت رانی میں منہمک ہے۔

رہی یہ بات کہ عشق وصف خداوندی ہے اسکی دلیل یہ ہے کہ حق سبحانہٗ قرآن پاک میں فرماتے ہیں یُحِبُّھُمْ وَ یُحِبُّوْنَہٗ پس جب تم قرآن میں یُحِبُّوْنَہٗ پڑھو تو جستجو میں یُحِبُّھُمْ تک ہی پہنچو۔ جس میں حق سبحانہٗ نے محبت کو اپنی طرف منسوب کیا ہے اور اسکو اپنا وصف بتلایا ہے اس سے ثابت ہُوا کہ محبت و عشق صفت حق سبحانہ ہے اور ظاہر ہے کہ خوف حق سبحانہٗ کی صفت نہیں ہو سکتا۔ پس کجا وصف حق سبحانہٗ اور کجا وصف عبد جو کہ مُشتِ خاک ہے اور کجا وصف حادث اور کجا وصف پاک از حدوث۔ دونوں میں زمین آسمان کا تفاوت ہے۔

یہ اجمالی بیان ہے عشق کی فضیلت کا۔ لیکن اگر میں اس کی تفصیل کروں اور برابر کرتا رہوں تو سینکڑوں جماعتیں گذر جائیں اور اس کا بیان ختم نہ ہو۔ یہ مبالغہ نہیں ہے بلکہ حقیقت ہے کیونکہ زمانہ قیامت کے لیے ایک حد ہے اور عشق نامحدود ہے کیونکہ وہ صفت حق سبحانہٗ ہے اور صفات حق سبحانہٗ نامحدود ہیں پس بیان عشق نامحدود ہوگا۔

خلاصہ یہ ہے کہ عشق کے پانچ سو پَر ہیں اور ہر پَر عرش سے تحت الثریٰ تک ہے اور عرفا ان پَروں سے اُڑتے ہیں۔ پس تم خیال کرو کہ مبتلائے خوف زاہد تو پیدل چلتا ہے اور عشاق بجلی اور ہَوا سے زیادہ تیز رفتار ہیں اور جبکہ وہ راہ حق میں پر کھول کر اُڑیں اور عشق سے اس راہ کو قطع کریں تو بجلی اور ہَوا کی مجال نہیں ہے کہ ان سے لگا ؤ کھاسکیں ایسی حالت میں یہ خائف لوگ عشاق کی برابری کیونکر کر سکتے ہیں۔ یہ تو ان کی گرد کو بھی نہیں پہنچ سکتے کیونکہ دردِ عشق میں تو وہ قوت ہے کہ آسمان کو زمین بنا دیتا ہے یعنی جتنے میں اور لوگ زمین سے قدم اٹھائیں اتنی دیر میں عشاق آسمان پر پہنچ جاتے ہیں۔ پس عابدین بالخوف عشاق تک کیسے پہنچ سکتے ہیں ہرگز نہیں ہاں ان کے عشاق تک پہنچنے کی ایک صورت ہے وہ یہ کہ عنایت وفضل خداوندی ان کے شامل حال ہو جائے۔ اور وہ ان کو کہدے کہ اس جہان اور اس رفتار کو

خیرباد کہو اور اپنے قش ودش کو چھوڑ دو۔

اس صورت میں وہ بھی عشاق کے ساتھ ملحق ہوجائیں گے کیونکہ اب وہ واصل بحق سُبحانہٗ ہوگئے ہیں۔ قش ودش سے ہماری مراد جبر واختیار ہے اور اسکے سوا جو روش ہے وہ جذب حق سُبحانہٗ ہے اور خلاصہ یہ ہے کہ زہاد بھی عشاق کے ساتھ ملحق ہوسکتے ہیں اور صورت اسکی یہ ہے کہ بفضل حق سُبحانہٗ ان کو فنا کا مرتبہ حاصل ہوجائے اور وہ اپنی ذاتی روش سے خواہ وہ باعتقاد جبر ہو یا باعتقاد اختیارًا طے منازل نہ کریں بلکہ بجذب حق سُبحانہٗ چلیں

خیر یہ مضمون تو استطرادی تھا اب سُنو! کہ جب وہ عورت مکان پر پہنچی ہے تو اُس نے دروازہ کھولا اور دروازہ کے کھلنے کی آواز ان کے کانوں میں پڑی اس پر کنیزک حالت پریشانی کود کر آغوش خواجہ سے الگ ہوگئی اور مرد نے کود کر نماز کی نیت باندھ لی۔ جب عورت آئی تو اُس نے کنیزک کو دیکھا کہ خستہ حال اور پریشان اور متحیّر ہے اور اپنے شوہر کو دیکھا کہ کھڑا ہوا نماز پڑھ رہا ہے اور ایک قسم کا لرزہ سا اس پر طاری ہے اس حرکت سے عورت کو شبہ ہوگیا اس نے بے کھٹکے شوہر کا دامن اٹھالیا اور دیکھا کہ خصیہ اور ذکر منی سے لتھڑے ہوئے ہیں اور عضوِ تناسل سے منی کا بقیہ حصہ ٹپک رہا ہے۔ رانیں اور گھٹنے منی میں لتھڑ کر ناپاک ہوگئے ہیں۔ یہ دیکھ کر اُس نے اسکے ایک چپت لگایا اور کہا کہ پاجی نمازیوں کے خصیہ ایسے ہی ہوتے ہیں؟ اور یہ عضوِ تناسل اور یہ ناپاک رانیں اور عانہ ذکر الٰہی اور نماز کے قابل ہے۔

یہ تو قصہ تھا۔ اب ہم تم سے پوچھتے ہیں انصاف سے کہنا کہ جو نامۂ اعمال ظلم فسق کفر اور عداوت وغیرہ معاصی سے پُر ہو کیا وہ دائیں ہاتھ میں آنے کے قابل ہے ہرگز نہیں اگر تم کافر سے پوچھو کہ یہ آسمان اور مخلوق کس کی پیدا کی ہوئی ہے تو وہ یہی کہے گا کہ اُس خدا کی پیدا کی ہوئی ہے۔ جس کی خدائی کی شہادت خود یہ پیدا کرنا دیتا ہے کما قال اللّٰہ تعالےٰ وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ۔ اب ہم تم سے پوچھتے ہیں کہ اس کا کفر اور فسق اور ظلم بے حد کیا اسکے اس اقرار کے مناسب ہے اور وہ رسوائیاں اور بدفعلیاں کیا اسکے اس سچے اقرار کے لائق ہیں کبھی نہیں۔ اسلئے اس کا فعل اُس کے قول کا

مکذب ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ وہ عذاب ابدی اور خوف شدید کا مستحق ہے۔ الحاصل اس کے سراپا سے اُس کا جھوٹ ثابت ہے۔ اگر میں اس کی تفصیل کروں تو اس کی بڑی خرابی ہے کیونکہ اس میں اس کی بہت رسوائی ہے لہٰذا میں اس کی تفصیل کو چھوڑتا ہوں اسی سے یہ تو معلوم ہوا کہ اسکی تکذیب خود اعضا کرتے ہیں مگر یہ تکذیب دنیا میں مخفی ہے جس کو ہر ایک نہیں جانتا۔ مگر قیامت میں مخفیات کا ظہور ہوگا اور ہر مجرم خود اپنے کو رسوا کرے گا کیونکہ اسکی ہاتھ پاؤں حق سبحانہٗ کے سامنے اس کی خرابی کی صاف صاف شہادت دیں گے مثلاً ہاتھ کہے گا کہ میں نے فلاں شئے چُرائی ہے ہونٹ کہے گا کہ میں نے فلاں کو چُوما ہے، پاؤں کہے گا کہ میں مطلوبات نفس تک چلا ہوں ---- پیشاب گاہ کہے گی کہ میں نے زنا کیا ہے آنکھ کہے گی کہ میں نے ناجائز اشارہ کیا ہے کان کہے گا کہ میں نے بری باتیں سُنی ہیں۔

غرضکہ اسکی سراپا سے اس کا جھوٹ ثابت ہوگا کیونکہ اس کے اعضاء خود اسے جھٹلائیں گے اور اس کا مکر یوں ہی جھوٹ ثابت ہوگا جیسا کہ باردنق نماز کے باب میں زاہد کے خصیوں سے اس کا فریب اور جھوٹ ثابت ہوا تھا۔ جب حالت یہ ہے تو اب تم کو ایسے کام کرنے چاہییں جو کہ بدوں زبان کے اشہد کہنا اور عین بیان ہوں یعنی تم کو ایسے کام کرنے چاہئیں کہ وہ تمہاری ... اشہد ان لا الٰہ الا اللہ مصدق ہوں اسلئے وہ خود بجائے خود توحید کی شہادت ہوں تاکہ اس طرح تمہارا ہر ہر عضو ہر حالت میں توحید کا شاہد بن جائے۔

دیکھو! غلام کا اپنے آقا کے پیچھے چلنا شہادت ہے اس بات کی کہ میں غلام ہوں اور یہ آقا۔ پس یوں ہی تم خدا کی الوہیت کے اپنے افعال سے شہادت۔ اور اگر اب تک تم نے اپنے افعال ناشائستہ سے اپنے نامۂ اعمال کو سیاہ کیا ہے تو خیر اب بھی کچھ نہیں گیا تم اپنے گذشتہ افعال سے توبہ کر لو۔ اور اگر تمہاری عمر گذر گئی ہے تو کیا مضائقہ ہے۔ ہنوز اس کی جڑ موجود ہے اسے ترقی دو اور اگر اس میں تری نہیں ہے تو توبہ کے پانی سے اسکو سینچو یعنی اپنے عمر کی جڑ کو توبہ کا آب حیات دو۔ تاکہ تمہاری عمر کا درخت پائیدار ہو جائے تمہاری اس وقت توبہ کرنے سے تمہارے تمام افعال گذشتہ حسنات ہو جائیں گے اور جو زہر تم پیشتر کھا چکے ہو۔ توبہ سے وہ اب قند کے مثل ہو جائے گا یعنی حق سبحانہٗ تمہاری برائیوں کو نیکیوں سے

بدل دیں گے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تمہاری افعال گذشتہ تمام نیکیاں بن جائیں گی مثلاً
پہلے تم نے زنا کیا تھا اور اب تم نے اسکی توبہ لی۔ تو وہ گناہ تو مٹ گیا اور توبہ کی نیکی اسکی
جگہ لکھی گئی۔ اس طرح گویا کہ وہ زنا اب نیکی ہوگیا۔ دیکھو! پس تمہارا نامۂ اعمال جو گناہوں سے
پُر تھا۔ اب نیکیوں سے بھر جائے گا (یہ معنی ہیں تبدیلی سیئات کے اور یہ مراد نہیں ہے
کہ گناہ خود نیکیاں بن جائیں گے۔ فافہم) پس تم نصوح کی سی اچھی توبہ کرلو اور آئندہ
کے لیے جان اور جسم دونوں سے طاعت میں کوشش کرو۔ اب ہم تم سے نصوح کی توبہ کا قصہ
بیان کرتے ہیں تم اسکو سُنو اور گو تم کو پیشتر سے ایمان حاصل ہے مگر اس کو سُنکر نئے سر سے ایمان لاؤ

حکایت در بیانِ توبۂ نصوح کہ چنانکہ شیر از پستان بیرون آید

نصوح کی توبہ کے بیان میں حکایت کہ جس طرح دودھ پستان سے باہر آجاتا ہے تو پھر

باز در پستان نرود آنکہ توبۂ نصوحی کرد ہرگز ازاں گناہ یاد

پستان میں نہیں جاتا جس شخص نے نصوح والی توبہ کرلی وہ ہرگز گناہ کو رغبت

نکند بطریقِ رغبت بلکہ ہر دم نفرتش افزوں باشد و آں

کے طور پر یاد نہیں کرتا ہے بلکہ ہر لمحہ اُس کی نفرت بڑھتی ہے اور وہ نفرت

نفرت دلیلِ آں باشد کہ لذتِ قبول یافت آں شہوت

اس کی دلیل ہوتی ہے کہ اُس نے (توبہ کی) قبولیت کی لذت حاصل کرلی ہے

اوّل بے لذت و ایں بجائے آں نشست

وہ شہوت اوّل بے لذت بنی اور یہ اُس کی جگہ بیٹھ گئی

نبرد[2] عشق را جز عشقِ دیگر — چرا یارے نگیری زو نکوتر

عشق کو دوسرے عشق کے سوا کوئی چیز نہیں کاٹتی ہو — تو اس سے بہتر معشوق کیوں نہیں بنا لیتا

و آنکہ دلش باز بداں گناہ رغبت میکند علامت آنست

اور جس کا دل پھر اُس گناہ کی طرف رغبت کرتا ہے یہ اس کی علامت ہے کہ اُس کو

کہ لذتِ قبول نیافتہ است و قبول بجائے آں لذتِ گناہ

(توبہ کی) قبولیت کی لذت حاصل نہیں ہوئی ہے اور قبولیت اس گناہ کی لذت کی جگہ

نشستہ است فَسَنُیَسِّرُهٗ لِلْیُسْرٰی[3] نشدہ است لِلّت

نہیں بیٹھی ہے اور وہ اُسکو ہم عنقریب سہولت کیلئے آسانی دینگے۔ اکا مصداق نہیں بنا ہو

فَسَنُیَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰی باقیست برو پس مہیا گردانیم مرا او

"پس ہم اُس کو تنگی کی سہولت دینگے" کی لذت اُس کے لئے باقی تو ہم اُس کیلئے وہ صفتیں

را برائے صفتے کہ اُو را بدوزخ برد

مہیا کردیں گے جو اُس کو دوزخ میں لے جائینگی

بود مردے پیش ازیں نامش نصوح — بُد ز دلّاکی[1] زناں اُو را فتوح

اب سے پہلے ایک مرد تھا جس کا نام نصوح تھا — عورتوں کو (حمام میں) ملنے سے اس کی آمدنی تھی

بود روئے اُو چو رخسارِ زناں — مردیِ خود را ہمیکرد اُو نہاں

اُس کا چہرہ عورتوں کے چہرے کی طرح تھا — اُس نے اپنا مردانہ پن چھپا رکھا تھا

اُو بحمامِ زناں دلّاک بود — در دغا و حیلہ بس چالاک بود

وہ عورتوں کے حمام میں مالش کرنے والا تھا — دغا بازی اور مکاری میں چالاک تھا

---

[1] قرآن پاک میں ہے تُوْبُوْا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا یعنی اللہ تعالیٰ سے مخلصانہ توبہ کرو۔ مولانا نے نصوح کو ایک شخص قرار دیا ہے اُس نے جو توبہ کی اُس کو توبۂ نصوح فرماتے ہیں۔ توبۂ نصوح۔ جو شخص نصوح والی توبہ کرلیتا ہے اُس سے اُس گناہ کا دوبارہ صادر ہونا ایسا ہی محال ہے جیسا کہ دودھ کا پستان سے باہر آجانے کے بعد پستان میں لوٹنا۔

[2] نبرد۔ یعنی عشق کو عشق ہی کاٹ سکتا ہے اگر کوئی کسی معشوق کا عشق ختم کرنا چاہے تو دوسرے معشوق سے عشق پیدا کرلے۔ آں نفرت۔ گناہ سے توبہ کرنے کے بعد اگر اُس گناہ سے نفرت ہوگئی ہے تو یہ توبہ کے قبول ہوجانے کی علامت ہے۔

[3] فَسَنُیَسِّرُهٗ۔ انسان جب نیکی کرتا ہے تو اُس کے لئے نیکی کی راہیں کھول دی جاتی ہیں اور جب بدی کرتا ہے تو اُس کے لئے بدی کی راہیں کھل جاتی ہیں۔

[1] دلّاکی۔ یعنی وہ نصوح شخص عورتوں کو نہلا کر روزی کماتا تھا۔ بود۔ اُس نصوح کا چہرہ زنانہ تھا اور اُس نے اپنی مردانہ قوت کو چھپا رکھا تھا۔ اُو۔ اُس نصوح نے اپنے آپ کو عورت ظاہر کرکے زنانہ حمام میں نوکری کرلی تھی۔

سالہا میکرد دلاّکی و کس　　بُو نبُرد از حالتِ آں بُوالہوس
اُس نے سالوں نہلانے کا پیشہ کیا اور کوئی　　اُس بُوالہوس کی حالت سے باخبر نہ ہوا

زانکہ آواز و رخش زن وار بُود　　لیک شہوت کامل و بیدار بُود
کیونکہ اُس کی آواز اور چہرہ زنانہ تھا　　لیکن شہوت پوری اور بیدار تھی

چادر و سَربَند پوشیدہ و نقاب　　مَردِ شہوانی و در غُرّہ شباب
اُس نے چادر اور دوپٹہ اور نقاب پہن لیا تھا　　شہوت والا مرد اور جوانی کے غرور میں تھا

دختران خُسرواں را زیں طریق　　خوش ہمی مالید و می شُست آں عشیق
اِس طریقہ پر بادشاہوں کی لڑکیوں کو　　وہ عاشق عمدہ طریقہ پر مَلتا اور نہلاتا

توبہا می کرد و پا در می کشید　　نَفسِ کافر توبہ اَش را می دَرید
وہ بہت توبہ کرتا اور پیچھے ہٹتا　　کافر نفس اُس کی توبہ کو توڑ دیتا

رفت پیشِ عارفے آں زشت کار　　گفت مارا در دُعائے یاد دار
وہ بدکار ایک عارف کے پاس گیا　　کہا ہمیں دُعا میں یاد رکھیے

سِرِّ اُو دانست آں آزاد مَرد　　لیک چوں حلمِ خدا پیدا نکرد
وہ آزاد مرد اُس کا راز جان گیا　　لیکن اُس نے خدائی حلم کی طرح ظاہر نہ کیا

بر لبش قفل ست و در دل رازہا　　لَب خموش و دل پُر از آوازہا
اُس کے ہونٹ پر تالا ہے اور دل میں راز ہیں　　ہونٹ خاموش اور دل آوازوں سے بھرا ہے

عارفاں کہ جامِ حق نوشیدہ اَند　　رازہا دانستہ و پوشیدہ اَند
وہ عارف جنہوں نے اللہ تعالیٰ کا جام پی لیا　　اُنہوں نے رازوں کو جانا اور چھپا لیا ہے

ہر کرا اَسرارِ حق آموختند　　مُہر کردند و دہانش دوختند
جن کو اللہ تعالیٰ کے راز بتائے گئے ہیں　　اُن کے مُنہ پر مُہر لگا دی ہے اور لب سی دیئے ہیں

سُست خندید و بگفت اے بَدنہاد　　زانکہ دانی ایزدت توبہ دہاد
وہ تھوڑا سا مسکرایا اور کہا اے بد اصل　　جو کچھ تجھے معلوم ہے خدا اُس سے تجھے توبہ کی توفیق دے

دَربیانِ آنکہ دُعائے عارفِ واصل و درخواستِ اُو از حق

اس کا بیان کہ عارفِ واصل (الحق) کی اللہ تعالیٰ سے دعا اور درخواست ایسی ہی ہے

ہمچو درخواستِ حقست از خویشتن کہ کُنتُ لَہٗ سَمعًا وَّ بَصَرًا وَّلِسَانًا وَّیَدًا وقولہٗ تعالیٰ وَمَا رَمَیتَ اِذ رَمَیتَ

جیسی کہ اللہ تعالیٰ کی خود اپنے آپ سے درخواست، کیونکہ "میں اس کے لئے کان اور آنکھ اور زبان اور ہاتھ ہوجاتا ہوں" (فرمایا ہے) اور اللہ تعالیٰ کا قول "تو نے نہیں پھینکا جبکہ تو

بُوالہوس۔ وہ عورتوں کے بدن مَل کر مردانہ لذت میں رہتا تھا۔ چادر۔ لباس زنانہ پہنتا تھا لیکن اُس کی مردانہ شہوت کمل تھی۔

سے دختراں۔ اِس حمام میں شہزادیاں نہانے آتی تھیں۔ توبہا۔ نصوح نے اِس کام سے کئی بار توبہ کی لیکن وہ توبہ پر قائم نہ رہا۔ رفت۔ نصوح نے اُس عارف سے دُعا کی فرمائش کی وہ عارف اُس کے گناہ سے واقف تھا لیکن اُس نے ظاہر نہ کیا۔

سے بر لبش۔ اولیاء لوگوں کی قلبی کیفیات سے واقف ہوجاتے ہیں لیکن ظاہر نہیں کرتے ہیں۔ ہر کرا۔ جو شخص اَسرا سے واقف ہوجاتا ہے اُس کے مُنہ پر قفل لگ جاتا ہے۔

لے زانکہ۔ اِس عارف نے کہا نصوح جس گناہ سے تو خود واقف ہے خدا تجھے اُس سے توبہ کرنے کی توفیق دے۔ دربیان۔ اولیاء اللہ کو اللہ تعالیٰ سے پورا قرب حاصل ہوتا ہے تو اُن کا اللہ تعالیٰ سے دعا کرنا ایسا ہی ہے جیسے خود خدا اپنے آپ سے دُعا کرے تو اُس کے مقبول نہ ہونے کے کوئی معنی نہیں ہیں۔ کُنتُ۔ حدیث قدسی ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا جب ایک انسان نوافل کے ذریعہ مجھ سے قُربت حاصل کرلیتا ہے تو میں اُس انسان کے اعضا بن جاتا ہوں۔ وَمَا رَمَیتَ۔ حضورؐ کے مٹی پھینکنے کو اللہ تعالیٰ نے اپنا پھینکنا قرار دیا۔

وَلٰکِنَّ اللّٰہَ رَمٰی ۔ وآیات و اخبار و آثار دریں بسیارست و شرح

نے پھینکا، لیکن اللہ تعالیٰ نے پھینکا" اور آیتیں اور حدیثیں اور صحابہ کے اقوال اس بارے میں

سبب سازیِ حق تا نصوح را گوش گرفتہ بتوبہ آورد

بہت ہیں اور اللہ تعالیٰ کی سبب سازی کی شرح یہاں تک کہ نصوح کے اس نے کان پکڑ کر توبہ کرادی

آں دعا از ہفت گردوں در گذشت — کار آں مسکیں بآخر خوب گشت

وہ دعا ساتوں آسمانوں کو پار کر گئی — بالآخر اس مسکین کا کام بھلا ہو گیا

کاں دعائے شیخ نے چوں ہر دعاست — فانی ست و گفتِ او گفتِ خداست

کیونکہ وہ شیخ کی دعا، ہر دعا کی طرح نہیں ہے — وہ فانی ہے اور اس کی بات خدا کی بات ہے

چوں خدا از خود سوال و کد کند — پس دعائے خویش را چوں رد کند

جب خدا اپنے آپ سے سوال کرے اور مانگے — تو وہ اپنی دعا کو کیسے رد کرے گا؟

یک سبب انگیخت صنعِ ذوالجلال — کہ رہانیدش ز نفرین و وبال

اللہ تعالیٰ کی کاریگری نے ایک سبب پیدا کر دیا — جس نے اس کو نفرت اور وبال سے رہائی دی

اندراں حمام پر میکرد طشت — گوہرے از دخترِ شہ یاوہ گشت

وہ اس حمام میں طشت بھر رہا تھا — بادشاہ کی لڑکی کا ایک موتی گم ہو گیا

گوہرے از حلقہائے گوشِ او — یاوہ گشت و ہر زنے در جستجو

اس کے کان کے بندے کا موتی — گم ہو گیا اور ہر عورت تلاش کرنے لگی

پس درِ حمام را بستند سخت — تا بجویند اولش در پیخ رخت

پھر انھوں نے مضبوطی سے حمام کا دروازہ بند کیا — تاکہ پہلے اس کو سامان رکھنے کی جگہ میں تلاش کریں

رختہا جستند و آں پیدا نشد — دزدِ گوہر نیز ہم رسوا نشد

سامانوں میں ڈھونڈا وہ نظر نہ آیا — موتی کا چور بھی رسوا نہ ہوا

پس بجد جستن گرفتند از گزاف — در دہان و گوش و اندر ہر شگاف

انھوں نے حد سے زیادہ کوشش سے ڈھونڈنا شروع کیا — منہ میں اور کان میں اور ہر شگاف میں

در شگافِ تحت و فوق و ہر طرف — جستجو کردند دُرّ از ہر صدف

نیچے اور اوپر کے شگاف میں اور ہر جانب — ہر صدف سے موتی کی انھوں نے جستجو کی

مرد و زن جویاں شدند از ہر طرف — جملگاں از بہرِ دُرِّ خوش صدف

مرد اور عورت ہر جانب جویاں ہوئے — سب، اچھے جیب کے موتی کے لئے

بانگ آمد کہ ہمہ عریاں شوید — ہر کہ ہستید از عجوز و از نوید

اعلان ہوا کہ سب ننگے ہو جائیں — جو بھی بوڑھی اور جوان ہیں

یک بیک را حاجبہ جستن گرفت — تا بدید آید گہر دانہ شگفت

ایک ایک کر کے دربان عورت نے تلاش کرنا شروع کیا — تاکہ عجیب موتی کا دانہ نظر آ جائے

---

۵۲ آں دعا۔ نصوح کے لئے اس عارف کی دعا نے اپنا کام کر دیا۔ فانی ست۔ شیخ اگرچہ فانی ہے لیکن اس کی بات خدا کی بات ہے۔ کد کردن۔ سوال کرنا۔ یک سبب یعنی موتی کا گم ہونا اس کی توبہ کا سبب بنا۔

۵۳ اندراں۔ نصوح حمام میں کام کر رہا تھا اس دوران میں شہزادی کا ایک موتی گم ہو گیا۔ گوہرے۔ وہ موتی کان کے بالے کا تھا۔ پیخ رخت۔ یعنی حمام میں جس جگہ کپڑے اتار کر رکھتے ہیں۔

۵۴ ہر شگاف۔ یعنی بدن کے ہر سوراخ میں تلاش شروع کر دی۔ ہر صدف یعنی بدن کے ہر سوراخ میں موتی ڈھونڈنا شروع کر دیا۔ صدف سیپ۔ حاجبہ۔ وہ عورت جو حمام کی دربان تھی۔

آں[4] نصوح از ترس شد در خلوتے | روی زرد و لب کبود از خشیتے

وہ نصوح خوف سے تنہائی میں چلا گیا | خوف سے چہرہ زرد اور ہونٹ نیلے تھے

پیشِ چشمِ خویشتن میدید مرگ | سخت می لرزید او مانندِ برگ

وہ اپنے سامنے موت کو دیکھ رہا تھا | وہ پتے کی طرح بہت لرز رہا تھا

گفت یارب بارہا برگشتہ ام | توبہا و عہدہا بشکستہ ام

اس نے کہا، اے خدا! میں نے بہت انحراف کیا ہے | توبہ اور عہد توڑے ہیں

کردہ ام آنہا کہ از من می سزید | تا چنیں سیلِ سیاہی در رسید

میں نے وہ کیا جو میرے لائق تھا | یہاں تک کہ سیاہی کا ایسا بہاؤ آگیا

نوبتِ[5] جستن اگر در من رسد | وہ کہ جانِ من چہ سختیہا کشد

تلاشی کی نوبت اگر مجھ تک پہنچی | ہائے میری جان کیسی سختیاں برداشت کرے گی!

در جگر افتادہ استم صد شرر | در مناجاتم ببیں بوئے جگر

میرے جگر میں سینکڑوں چنگاریاں لگی ہیں | میری دعا میں میرے جگر کی بو سونگھ لے

ایں چنیں اندوہ کافر را مباد | دامنِ رحمت گرفتم داد داد

اس طرح کا غم کافر کو بھی نہ ہو | میں نے رحمت کا دامن تھاما ہے فریاد ہے فریاد ہے

کاشکے[6] مادر نزادے مر مرا | یا مرا شیرے بخوردے در چرا

کاش مجھے ماں نہ جنتی | یا جنگل میں مجھے شیر کھا جاتا

اے خدا آں کن کہ از تو می سزد | کہ ز ہر سوراخ مارم میگزد

اے خدا! وہ کر جو تیرے لائق ہے | کیونکہ ہر سوراخ سے مجھے سانپ ڈس رہا ہے

جانِ[7] سنگیں دارم و دل آہنیں | ورنہ خوں گشتے دریں رنج و حنیں

میں پتھر کی جان اور لوہے کا دل رکھتا ہوں | ورنہ اس رنج اور گریہ میں خون بن جاتے

وقت تنگ آمد مرا و یک نفس | بادشاہی کن مرا فریاد رس

میرا وقت تنگ ہوگیا، تھوڑی دیر کیلئے | شاہی برت، میری فریاد رسی کر

گر مرا ایں بار ستاری کنی | توبہ کردم من ز ہر ناکردنی

اگر اب کی دفعہ تو میری پردہ پوشی کرے | میں نے ہر نہ کرنے کے کام سے توبہ کی

توبہ ام بپذیر ایں بارِ دگر | تا بہ بندم بہر توبہ صد کمر

اس بار پھر میری توبہ قبول کرلے | تاکہ میں توبہ کے لئے سو کمریں کس لوں

من اگر ایں بار تقصیرے کنم | پس دگر مشنو دعا و گفتنم

میں اگر اس دفعہ کوتاہی کروں | پھر کبھی میری دعا اور بات نہ سننا

---

[4] آں نصوح۔ نصوح کو یہ ڈر تھا کہ اگر اس کو ننگا کیا گیا تو اس کا راز کھل جائیگا جس کے نتیجہ میں اس کی موت آجائے گی۔ گفت۔ اب اس نے خدا سے گریہ و زاری شروع کردی۔

[5] نوبت۔ نصوح کہہ رہا تھا کہ اگر میری جامہ تلاشی لی گئی تو سخت مصیبت آجائیگی۔ در جگر۔ اس غم کی آگ جگر میں لگی ہے اس کے جلنے کی خوشبو آرہی ہے۔ دامن۔ وہ خدا سے کہہ رہا تھا کہ میں نے تیری رحمت کا دامن تھاما ہے۔

[6] کاشکے۔ وہ نصوح تلاشی کے دوران کہہ رہا تھا کاش میں پیدا نہ ہوتا اور اگر پیدا ہوگیا تھا تو جنگل میں کوئی شیر کھا جاتا۔ چرا۔ چراگاہ۔ ز ہر۔ یعنی میں ہر طرف سے مصیبت میں ہوں۔

[7] جانِ سنگیں۔ میں پتھر کا ہوں ورنہ اس پریشانی سے مجھے مرجانا چاہیے تھا۔ ستاری۔ پردہ پوشی۔ ناکردنی۔ یعنی گناہ۔ تقصیر۔ کوتاہی، قصور۔ جلاد۔ کوڑے مارنے والا، سزا دینے والا۔ قزنگی۔ نصرانی۔

این همی زارید صد قطره رواں	کاندر افتادم بجلاد و عواں
وہ یہ زاری کر رہا تھا اور سیکڑوں آنسو جاری تھے	کہیں جلاد اور سپاہی کے (ہاتھوں) پھنسا ہوں

تا نمیرد ہیچ افرنگی چنیں	ہیچ ملحد را مبادا این چنیں
کوئی فرنگی بھی اس طرح نہ مرے	کسی بددین کا بھی ایسا نہ ہو

نوحہا میکرد او بر جانِ خویش	روئے عزرائیل دیدہ پیش پیش
وہ اپنی جان پر نوحے کرتا تھا	سامنے ملک الموت کا چہرہ دیکھ کر

اے خدا و اے خدا چنداں بگفت	کاں در و دیوار با او گشت جفت
اے خدا! اے خدا! اتنا کہا	کہ در و دیوار اُس کے ساتھی ہو گئے

نوبتِ جستن رسیدن بنصوح و آواز آمدن کہ ہمہ را جستیم نصوح را بجوئید و بیہوش شدنِ نصوح ازاں ہیبت

نصوح کی تلاشی کی نوبت آنا اور آواز آنا کہ ہم نے سب کی تلاشی لے لی، نصوح کی تلاشی لو اور اس خوف سے نصوح کا بیہوش ہو جانا اور انتہائی

و کشادہ شدنِ کار بعد از نہایتِ بستگی کما کان یقول

بندش کے بعد معاملہ کا حل ہو جانا جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت فرمایا کرتے

رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا اَصَابَہٗ مَرَضٌ اَوْ ھَمٌّ اِشْتَدِّیْ

تھے جب ان کو کوئی مرض یا غم ہوتا تھا مصیبت تو سخت ہو جا

اَزِمَّۃُ تَنْفَرِجِیْ

کھل جائے گی۔

در میانِ یا رب و یا رب بُد او	بانگ آمد از میانِ جستجو
وہ یا رب، یا رب میں لگا تھا	تلاشی کے درمیان آواز آئی

جملہ را جستیم پیش آ اے نصوح	گشت بیہوش آں زماں پرید روح
ہم نے سب کی تلاشی لے لی، اے نصوح! آگے آ	اس وقت وہ بے ہوش ہو گیا اور روح پرواز کر گئی

ہمچو دیوارِ شکستہ در فتاد	ہوش و عقلش رفت شد او چوں جماد
وہ شکستہ دیوار کی طرح ڈھے گیا	اُسکے ہوش و حواس چلے گئے اور وہ پتھر کی طرح ہو گیا

چونکہ ہوشش رفت از تن آں زماں	سرِ او با حق بپیوست از نہاں
جب جسم سے اُس کا ہوش روانہ ہو گیا، اُس وقت	آہستگی سے اُس کا باطن حق (تعالیٰ) سے وابستہ ہو گیا

چوں تہی گشت و وجودِ او نماند	باز جانش را خدا در پیش خواند
جب وہ خالی ہو گیا اور اُس کا وجود نہ رہا	اُس کی جان کے باز کو خدا نے سامنے بُلا لیا

سے ملحد۔ بددین۔ عزرائیل۔ ملک الموت۔ اتنے خدا۔ اُس نے خدا کو اس قدر پکارا کہ در و دیوار گونج اٹھے۔

لے کما کان یقول۔ یعنی آنحضرتؐ نے فرمایا جب مصیبت انتہا کو پہنچ جاتی ہے تو رحمتِ خداوندی متوجہ ہو جاتی ہے، یہ حدیث سندا کمزور ہے۔ ازمّۃ۔ شدت، گرہ، قحط۔

ے پرید روح۔ روح جسم سے پرواز کر گئی۔ چونکہ اس بیہوشی میں اُس کو قربِ حق میسر آگیا۔ چوں شکست۔ اُس کی انتہائی مایوسی نے اُس کو دریائے رحمت کے ساحل پر پہنچا دیا۔ چونکہ روح جسم سے پاک ہو کر دربارِ خداوندی میں پہنچ گئی۔

چوں شکست آں کشتیِ او بے مراد | در کنارِ رحمتِ دریا فتاد
جب بے مرادی میں اس کی کشتی ٹوٹ گئی | دریائے رحمت کے ساحل سے جا لگی

جاں بحق پیوست چوں بیہوش شد | بحرِ رحمت آں زماں در جوش شد
جب وہ بیہوش ہوا، جان اللہ سے وابستہ ہوگئی | رحمت کا سمندر اس وقت جوش میں آگیا

چونکہ جانش وارہید از ننگِ تن | رفت شاداں پیشِ اصلِ خویشتن
جب اُس کی روح جسم کے عیب سے نجات پاگئی | اپنی اصل کی جانب خوشی خوشی روانہ ہوگئی

جاں چوں باز و تن مرا او را کُندہ | پای بستہ پر شکستہ بندہ
روح باز کی طرح ہے، جسم اُس کیلئے کاٹھ ہے | پاؤں بندھا ہوا، پر ٹوٹے ہوئے ایک غلام ہے

چونکہ ہوشش رفت پایش بر گشاد | می پرد آں باز سوی کیقباد
جب اُس کے ہوش چلے گئے، پاؤں کھل گیا | وہ باز شاہ کی جانب اُڑ رہا ہے

۵۱ چونکہ دریاہای رحمت جوش کرد | سنگہا ہم آبِ حیواں نوش کرد
جب رحمت کے سمندروں نے جوش مارا | پتھروں نے بھی آبِ حیات پی لیا

ذرۂ لاغر شگرف و زفت شد | فرشِ خاکی اطلس و زربفت شد
کمزور ذرہ عجیب اور موٹا ہوگیا | خاکی فرش، اطلس اور زربفت بن گیا

مُردۂ صد سالہ بیروں شد ز گور | دیوِ ملعوں شد بخوبی رشکِ حور
سو سال کا مُردہ قبر سے باہر آگیا | ملعون شیطان، حسن میں حور بن گیا

۵۲ ایں ہمہ روئے زمیں سرسبز شد | شاخِ خشک اشگوفہ کرد و نغز شد
یہ سب روئے زمین سرسبز ہوگئی | خشک شاخ نے کلی کھلائی، عمدہ ہوگئی

گرگ با برہ حریفِ مے شدہ | نا اُمیداں خوش رگ و خوش پے شدہ
بھیڑیا بکری کے بچہ کے ساتھ شراب نوش بنا | مایوس، اچھے رگ پٹھوں کے بن گئے

یافت شُدنِ گوہر و حلالی خواستنِ حاجباں کنیزکانِ شاہزادہ
موتی کا مل جانا اور شہزادی کے دربانوں اور لونڈیوں کا نصوح سے معافی چاہنا

از نصوح و بر سر و دستِ او بوسہ دادن و عذر خواستن
اور اُس کے سر اور ہاتھ کو چومنا اور عذر خواہی کرنا

بانگ آمد ناگہاں کہ رفت بیم | شد پدید آں گم شدہ دُرِّ یتیم
اچانک آواز آئی کہ خوف ختم ہوگیا | وہ نایاب گمشدہ موتی، مل گیا

۵۳ بعد آں خوف و ہلاکِ جاں بُدہ | مژدہا آمد کہ اینک گم شُدہ
اِس کے بعد کہ جان کا ڈر اور ہلاکت تھی | خوشخبری آئی کہ یہ گمشدہ (موتی) ہے

---

۵۳ جان۔ روح جسم میں اسی طرح مقید ہے جس طرح انسان کاٹھ میں مقید کردیا جاتا ہے۔ چونکہ۔ جب جسم بے ہوش ہوجاتا ہے روح پرواز کرکے شاہ کے پاس پہنچ جاتی ہے۔

۵۱ چونکہ۔ جب دریائے رحمت جوش میں آتا ہے تو جس پر بھی چھینٹا پڑجاتا ہے اُس میں زندگی پیدا ہوجاتی ہے۔ ذرّہ۔ ابرِ رحمت سے ذرہ موتی بن جاتا ہے، وہ بے رونق مٹی سے پھول اور پتیاں اُگا دیتا ہے، پُرانے مُردے زندہ ہوجاتے ہیں، بُرا بھلا بن جاتا ہے۔

۵۲ ایں ہمہ۔ خشک زمین سرسبز بن جاتی ہے۔ گرگ۔ بغض و کینہ ختم ہوجاتا ہے بھیڑ اور بھیڑیا ملکر پانی پینے لگتے ہیں۔ حلالی۔ معافی۔ بانگ آمد۔ اب یہ اعلان ہوگیا کہ ڈر اور خوف کا وقت ختم ہوگیا موتی مل گیا ہے۔

۵۳ بعد آں۔ جب موتی مل گیا تو اس کے مل جانے کی خوشخبری دے دی گئی۔

حزن شد و اندر فرج در تافتیم
غم ختم ہوا اور ہم خوشی میں چمک اٹھے

مژدگانی دہ کہ گوہر یافتیم
انعام دے، کیونکہ ہم نے موتی پالیا ہے

از غریو و نعرہ و دستک زدن
شور اور نعرے اور ہتھیلیاں بجانے سے

پر شدہ حمام قد زال الحزن
حمام گونج گیا، رنج زائل ہو گیا

آں نصوحِ رفتہ باز آمد بخویش
بیہوش نصوح پھر ہوش میں آگیا

دیدہ چشمش تابش صد روزہ بیش
اسکی آنکھ نے سورجوں (کے نور) سے زیادہ نور دیکھا

می حلالی خواست از وے ہر کسے
ہر شخص اس سے معافی چاہ رہا تھا

بوسہ می دادند بر دستش بسے
اس کے ہاتھ بہت چومتے تھے

بدگماں بودیم مارا کن حلال
ہم بدظن ہو گئے تھے، ہمیں معاف کر دیجئے

لحم تو خوردیم اندر قیل وقال
بات چیت میں ہم نے آپ کا گوشت کھایا

زانکہ ظن جملہ بروے بیش بود
کیونکہ سب کا اس پر زیادہ گمان تھا

زانکہ در قربت ز جملہ پیش بود
کیونکہ وہ قرب میں سب سے آگے تھا

خاص دلاکش بد و محرم نصوح
نصوح اس کا خاص حامی اور محرم تھا

بلکہ ہمچوں دو تن و یک گشتہ روح
بلکہ دو جسم اور ایک روح بنا ہوا تھا

گوہر ار بردست او بردست و بس
اگر موتی چرایا ہے تو بس اسی نے چرایا ہے

زو ملازم تر بخاتوں نیست کس
بیگم سے اس سے زیادہ کوئی قریب نہیں ہے

اول او را خواست جستن در نبرد
مگر کہیں پہلے اس کی تلاشی لینی چاہی

بہر حرمت داشتش تاخیر کرد
لیکن، اس کی عزت رکھنے کے لئے تاخیر کی

تا بود کاں را بیندازد بجا
تاکہ ہوسکے کہ وہ اس کو کہیں ڈال دے

اندریں مہلت رہاند خویش را
اس فرصت میں وہ اپنے آپ کو بچالے

بس حلالیہا ازو میخواستند
وہ اس سے بہت معافیاں چاہ رہے تھے

وز برائے عذر بر میخاستند
عذر خواہی کے لئے کھڑے ہو ہو جاتے تھے

گفت بد فضل خدائے دادگر
اس نے کہا منصف خدا کا کرم تھا

ورنہ زانچہ گفتہ شد ہستم بتر
ورنہ جو کچھ کہا گیا میں اس سے (بھی) برا ہوں

چہ حلالی خواست میباید زمن
مجھ سے کیا معافی چاہی جائے؟

کہ منم مجرم تر از اہل زمن
میں زمانہ کے لوگوں سے زیادہ مجرم ہوں

آنچہ گفتندم ز بد از صد یکیست
جو کچھ انھوں نے میری برائی میں کہا ہو ایک فیصد ہے

بر من ایں کشف است اگر کس را شکیست
اگر کسی کو شک ہے تو مجھ پر واضح ہے

مژدگانی۔ تمام متعلقین نے شہزادی سے انعام کی درخواست کی۔ از غریو۔ حمام میں خوشی کے نعرے بلند ہو رہے تھے کہ غم دور ہو چکا ہے۔ آں نصوح۔ اب وہ نصوح بیہوشی سے ہوش میں آیا تو اس پر نور کی وہ کیفیت تھی جو سینکڑوں روزوں کے چلّے کے بعد ہوتی ہے۔ می حلالی خواست یعنی حلالی می خواست۔

ل بدگماں سب نے نصوح سے کہا ہم نے آپ پر بدگمانی کی تھی ہمیں معاف کر دیجئے۔ لحم غیبت کو گوشت خوری سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ زانکہ نصوح پر زیادہ بدگمانی اسلئے تھی کہ اسی کو شہزادی سے زیادہ قرب حاصل تھا۔ خاص۔ شہزادی کا جسم ملنے دھونے کیلئے نصوح مخصوص تھا دونوں ایک روح دو جسم بنے ہوئے تھے۔ اوّل۔ اس بدگمانی کا تقاضا تو یہ تھا کہ سب سے پہلے نصوح کی جامہ تلاشی لیں لیکن انکی عزت بچانے کیلئے اس کو موقع دے رہے تھے کہ اگر موتی انکے پاس ہے تو اسکو کسی جگہ رکھ دے اور الزام سے بچ جائے۔

ع بس حلالیہا۔ حمام کے متعلقین کھڑے ہوئے نصوح سے معافیاں مانگ رہے تھے اور نصوح کہہ رہا تھا کہ یہ اللہ کا کرم تھا ورنہ جو کچھ تم لوگوں نے کہا میں اس سے بدتر ہوں میں دنیا میں سب سے زیادہ گنہگار ہوں تم نے جو کچھ کہا وہ تو ایک فیصد ہے اس بارے میں خواہ کسی کو شک ہو لیکن مجھے اپنی برائی کا یقین ہے میری بداعمالیوں کو میرے سوا اور کون جان سکتا ہے۔

کس چہ میداند ز من جز اندکے
تھوڑے سے کے علاوہ کوئی میرے بارے میں کیا جانتا ہے؟

وز ہزاراں جرم و بد فعلی یکے
ہزاروں جرم اور بدکاریوں میں سے ایک

من ہمی[۴۳] آں دانم و ستّارِ من
وہ میں جانتا ہوں اور میرا ستّار

جرمہا و زشتیِ کردارِ من
اپنی خطاؤں اور بدکاری کو

اوّل ابلیسے مرا استاد بود
شروع میں شیطان میرا استاد تھا

بعد ازاں ابلیس پیشم باد بود
اس کے بعد شیطان میرے آگے ہوا تھا

حق بدید آں جملہ و نادیدہ کرد
اللہ تعالیٰ نے وہ سب کچھ دیکھا اور ان دیکھا بنا دیا

تا نگردم در فضیحت روئے زرد
تاکہ میں رسوائی میں زرد رُو نہ بنوں

تا ز رحمت پوستیں دوزیم کرد
یہاں تک کہ اس نے رحمت سے میری پردہ پوشی کی

توبۂ شیریں چو جاں روزیم کرد
جان جیسی شیریں توبہ مجھے عطا کر دی

ہر چہ[۴۴] کردم جملہ ناکردہ گرفت
میں نے جو کچھ کیا اُس کو نہ کیا ہوا ٹھہرایا

طاعتِ ناکردہ را کردہ گرفت
نہ کی ہوئی عبادت کو کیا ہوا ٹھہرایا

ہمچو سرو و سوسنم آزاد کرد
اس نے مجھے سرو اور سوسن کی طرح آزاد کر دیا

ہمچو بخت و دولتم دل شاد کرد
مجھے نصیبہ اور دولت کی طرح خوش دل کر دیا

نامِ من در نامۂ پاکاں نوشت
میرا نام پاک لوگوں کی فہرست میں لکھ دیا

دوزخی بودم بہ بخشیدم بہشت
میں دوزخی تھا، مجھے بہشت بخش دی

عفو کرد آں جملگی جرم و گناہ
اس نے وہ سارے جرم اور گناہ معاف کر دیے

شد سپید آں نامہ و روئے سیاہ
وہ کالا اعمال نامہ اور چہرہ سفید ہو گیا

آہ کردم[۴۵] چوں رسن شد آہِ من
میں نے آہ کی، میری آہ رسّی کی طرح ہو گئی

گشت آویزاں رسن در چاہِ من
رسّی میرے کنویں میں لٹک گئی

آں رسن بگرفتم و بیروں شدم
میں نے وہ رسّی پکڑ لی اور باہر نکل آیا

شاد و زفت و فربہ و گلگوں شدم
خوش اور موٹا تازہ اور سرخ ہو گیا

در بنِ چاہے ہمی بودم اسیر
میں کنویں کی تہ میں قیدی تھا

روز و شب اندر فغان و در نفیر
دن رات فریاد اور رونے میں تھا

از ہوس در تنگنا بودم زبوں
ہوس کی وجہ سے میں تنگ کوچہ میں عاجز تھا

در ہمہ عالم نمی گنجم کنوں
اب میں پورے عالم میں نہیں سماتا ہوں

آفرینہا بر تو بادا اے خدا
اے خدا! تجھ پر آفریں ہے

ناگہاں کردی مرا از غم جدا
تو نے مجھے اچانک غم سے جدا کر دیا

گر[۴۶] سرِ ہر موئے من گردد زباں
اگر میرے ہر بال کا سرا زبان بن جائے

شکر ہائے تو نیاید در بیاں
تیرے شکریے بیان نہیں ہو سکتے ہیں

---

۴۳ من ہمی۔ نصوح نے کہا اپنی برائیوں کو میں جانتا ہوں یا میرا خدا جانتا ہے ابتداءً شیطان میرا استاد تھا لیکن پھر میں برائی کرنے میں شیطان کا بھی استاد بن گیا، یہ اللہ کا کرم ہے کہ وہ میری پردہ پوشی کرتا ہے اور میرے پھٹے ہوئے کو سی دیتا ہے۔

۴۴ ہر چہ۔ یہی نہیں کہ اس نے میرے گناہوں سے قطع نظر کی بلکہ میری برائیوں کو بھلائیوں سے بدل دیا۔ اب میں تمام دنیاوی علائق سے سرو اور سوسن کی طرح آزاد ہوں۔ نامِ من۔ اب اس نے میرا نام نیکوں میں لکھ لیا ہے اور مجھ دوزخی کو جنتی بنا دیا ہے۔

۴۵ آہ کردم۔ میں نے اپنی خطاکاری پر آہ کی اس آہ نے رسّی کا کام دیا اور گناہوں کے کنویں سے باہر نکل آیا۔ از ہوس۔ دنیا کی ہوس کی تنگی میں تھا اب میں پورے عالم میں نہیں سما رہا ہوں۔

۴۶ گر۔ اگر میرا رُواں رُواں اللہ کا شکر ادا کرنا چاہے تو ممکن نہیں ہے۔ یا لیت۔ مغفرت کے بعد جنتی کہے گا، یَا لَیْتَ قَوْمِیْ یَعْلَمُوْنَ بِمَا غَفَرَ لِیْ رَبِّیْ وَجَعَلَنِیْ مِنَ الْمُکْرَمِیْنَ یعنی کاش میری قوم اس بات کو جان لے کہ مجھے خدا نے میری بخشش کر دی ہے اور مجھے باعزت لوگوں میں سے بنا دیا ہے۔

میزنم نعرہ دریں روضہ عیون ... خلق را یا لیت قومی یعلمون
اس باغیچہ اور چشموں میں میں صدائیں دے رہا ہوں ... لوگوں کو، کاش میری قوم جان لے

بازخواندن شاہزادی نصوح را از بہر دلاکی بعد از استحکام
شہزادی کا نصوح کو توبہ کے مستحکم ہو جانے کے بعد مالش کے لئے دوبارہ بلانا

توبہ بہانہ کردن او و دفع گفتن او و عذر آوردن او
اور اس کا بہانہ کرنا اور دفع کرنا اور عذر کرنا

بعد ازاں آمد کسے کز مرحمت ... دختر سلطان ما میخواندت
اس کے بعد کوئی آیا، کہ مہربانی سے ... ہمارے بادشاہ کی لڑکی تجھے بلا رہی ہے

دختر شاہت ہمی خواند بیا ... تا سرش شوئی کنوں اے پارسا
بادشاہ کی لڑکی تجھے بلا رہی ہے، آجا ... تاکہ اے نیک! تو اس کا سر دھودے

جز تو دلاکے نمی خواہد دلش ... کہ بمالد یا بشوید با گِلش
اس کی دل خواہش تیرے علاوہ کسی مالش کرنے والے کی ہے ... کہ جو مالش کرے یا مٹی سے اس کو نہلائے

گفت رو رو دستِ من بیکار شد ... ویں نصوح تو کنوں بیمار شد
اس نے کہا جا جا میرا ہاتھ بیکار ہوگیا ہے ... تیری یہ نصوح اب بیمار ہوگئی ہے

رو کسے دیگر بجو اِشتاب و تفت ... کہ مرا واللہ دست از کار رفت
جلد جلد تیزی سے، دوسری کو ڈھونڈ لے ... کیونکہ خدا کی قسم ہاتھ بیکار ہے

بادلِ خود گفت کز حد رفت جرم ... از دلِ من کے رود آں ترس و گرم
وہ اپنے دل میں کہتا تھا کہ جرم حد سے گزرگیا ... میرے دل سے وہ ڈر اور گرمی کہاں جاسکتی ہے؟

من بمردم یکرہ و باز آمدم ... من چشیدم تلخیٔ مرگ و عدم
میں ایک بار مرچکا ہوں اور پھر واپس آیا ہوں ... میں نے موت اور عدم کی تلخی چکھ لی ہے

توبہ کردم حقیقت باخدا ... نشکنم تا جاں شود از تن جدا
میں نے اللہ سے حقیقی توبہ کی ہے ... جب تک جان جسم سے جدا ہو، میں نہ توڑوں گا

بعد ازیں محنت کرا بارِ دگر ... پا رود سوئے خطر الا کہ خر
اس مصیبت کے بعد کس کا دوبارہ ... گدھے کے علاوہ خطرے کی جانب پاؤں چلیگا؟

۱؎ بازخواندن۔ اس توبہ کے بعد شہزادی نے پھر نصوح کو بلایا لیکن اس نے معذرت کردی۔ بعد ازاں۔ ان تمام واقعات کے بعد نصوح کے گھر پیغام آیا کہ شہزادی بلاتی ہے اس کا دل تجھی سے بدن ملانے کو چاہتا ہے۔ گلش۔ یعنی تیری ملتانی مٹی سے سر دھلائے گفت۔ نصوح نے کہا اب میرے ہاتھ بیکار ہیں اور میں بیمار ہوں۔

۲؎ بادلِ خود۔ نصوح دل دل میں کہہ رہا تھا کہ گناہ کا ڈر میرے دل سے کب نکل سکتا ہے۔ توبہ۔ اب میں نے اس کام سے ایسی توبہ کرلی ہے جو مرتے دم تک نہ ٹوٹے گی۔ بعد۔ ایک دفعہ کسی مصیبت سے نجات پا جانے کے بعد احمق ہی اس مصیبت میں پھنسنے کو تیار ہوتا ہے

شرح گذشتہ زمانہ میں ایک شخص تھا جس کا نام نصوح تھا اس شخص کی آمدنی کا ذریعہ عورتوں کو نہلانا تھا اس کا چہرہ عورتوں کے چہرہ کی مانند تھا اور وہ اپنے مرد ہونے کو چھپاتا تھا وہ زنانہ حمام میں عورتوں کے ملنے دلنے اور نہلانے کا کام کرتا تھا اور دغا و فریب میں نہایت ہوشیار تھا اسنے برسوں ملنے دلنے کی خدمت کو انجام دیا مگر کسی کو اسکی حالت کا پتہ نہ چلا اسلئے کہ اسکی آواز بھی زنانہ تھی اور صورت بھی زنانہ تھی۔ مگر شہوت اسکی پوری اور متعش تھی پس اسنے زنانہ چادر اور سربند اور نقاب پہن لیا کیونکہ وہ ایک پُرشہوت آدمی اور جوانی کے غرہ میں تھا۔ اور عورت بن کر شہزادیوں کو ملنے دلنے اور نہلانے لگا وہ توبہ بھی کرتا تھا اور اس کام سے چند روز علیحدہ بھی رہتا تھا مگر نفس کافر اسکی توبہ توڑ دیتا تھا۔

ایک روز وہ بدکار ایک بزرگ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا کہ حضور مجھے بھی دُعا میں یاد رکھیں۔ ان بزرگ نے اس کا راز سمجھ لیا لیکن حلم خداوندی کی طرح اسکو پوشیدہ رکھا ان کے لبوں پر قفل تھا اور دل میں راز بھرے ہوئے تھے اور ان کے لب خاموش تھے مگر دل میں بہت سی گفتگوئیں تھیں۔

یاد رکھو! کہ عرفا جو کہ جام حق سبحانہٗ پی لیتے ہیں بعض اسرار سے واقف ہوتے ہیں مگر ان کو چھپاتے ہیں۔ کیونکہ جن کو اسرار خداوندی سے آگاہی دی جاتی ہے ان کے منہ پر مہر کردی جاتی ہے اور ان کا منہ سی دیا جاتا ہے مقصود شدت اخفار ہے یعنی وہ ان کو بہت چھپاتے ہیں ——— اسی بنا پر وہ بزرگ بھی خاموش تھے اور انہوں نے نصوح کا راز نہیں بیان کیا مگر اتنا کہا کہ اسکی درخواست پر کسی قدر تبسم فرمایا کہ او بدذات! خدا تجھے اس فعل سے توفیق توبہ عطا فرمائے جس کو تو جانتا ہے یہ دعا اُسکی ساتوں آسمانوں سے گزر کر درگاہ رب العلا میں پہنچی اور وہاں اس نے درجہ قبول حاصل کیا۔ اور آخر میں نصوح کی حالت ٹھیک ہو گئی کیونکہ اہل اللہ کی دعا عام دعاؤں کے مثل نہیں ہوتی اسلئے کہ وہ فانی ہوتے ہیں اور ان کا کلام خدا کا کلام ہوتا ہے اور اسکی دعا خود خدا کی دعا ہوتی ہے پس جبکہ خدا خود اپنے

سے سوال کرے اور مانگے تو وہ رد کیونکر ہوسکتا ہے کیونکہ وہ اپنی دعا کو کیونکر رد کریگا۔

(فائدہ اس مقام پر عوام کی غلط فہمی اور ان کی گمراہی کا سخت اندیشہ ہے اسلئے ضرورت ہے کہ اس مضمون کی توضیح کر کے مولانا کے مدعا کو واضح کر دیا جائے۔)

پس جاننا چاہیئے کہ فنا کی معنی یہ نہیں ہے کہ بندہ خدا بن جائے۔ اسلئے اس کا کلام ہو جائے بلکہ اسکی حقیقت یہ ہے کہ بندہ اپنے کو رضائے حق کا تابع کر دے اور اپنی خواہشات کو چھوڑ دے ایسا کرنے سے اسکو حق سبحانہٗ کی مزاج شناسی اور ایک خاص تعلق پیدا ہو جاتا ہے جب یہ امر معلوم ہو گیا تو اب سمجھو کہ کوئی شخص گو کتنا ہی مقرب اور محبوب حق سبحانہٗ ہو جائے مگر وہ حق سبحانہٗ کا پورا اور کامل مزاج شناس کہ کوئی بات بھی اسکی مرضی حق سبحانہٗ کے خلاف نہ ہو نہیں ہو سکتا اسلئے وہ کتنے ایسے افعال بھی کر لیتا ہے جو کہ واقع میں مرضیٔ حق سبحانہٗ کے خلاف ہوتے ہیں لیکن کبھی تو وہ اپنے افعال کو مرضے حق سبحانہٗ کے خلاف نہیں سمجھتا اور اسلئے وہ کام کرتا ہے اور کبھی تقاضائے نفس سے مغلوب ہو کر یا سہواً و خطأً وہ کام کر لیتا ہے اور یہ مخالفت کبھی معصیت سے ہوتی ہے اور کبھی غیر معصیت۔ معصیت اس وقت ہوتی ہے جبکہ مخالفت کرنے والے کو علم ہو ــــ کہ یہ فعل منہی عنہ ہے اور غیر معصیت اس وقت ہوتی ہے جبکہ یہ صورت نہ ہو۔ انبیار و تعمد معصیت سے معصوم ہیں مگر اولیار نہیں ـ مگر اغلب احوال میں محفوظ وہ بھی ہیں پس اہل اللہ کے افعال دو قسم کے ہوئے ایک وہ جو مرضی حق سبحانہٗ کے مطابق ہوں دوسرے وہ کہ جو مرضیٔ حق کے خلاف ہوں خواہ معصیت ہوں یا غیر معصیت مع التعمد ہوں یا بلا تعمد۔ پس ان کے وہ افعال جو مرضی حق سبحانہٗ کے مطابق ہوتے ہیں انکو اس مطابقت کے سبب مجازاً حق سبحانہٗ کا فعل کہدیا جاتا ہے لیکن چونکہ وہ مزاج شناس ہوتے ہیں اسلئے اکثر کام ان کی مرضی حق سبحانہٗ کے مطابق ہی ہوتے ہیں اور مخالفت شاذ نادر ہوتی ہے اسلئے اس بنار پر کثرت اور بفحوائے النادر کالمعدوم۔ انکے افعال کو مطلقاً خدا کا فعل کہدیا جاتا ہے اور قید و شرط عدم مخالفت کو بیان نہیں کیا جاتا ــــ جب کہ یہ امر ذہن نشین ہو گیا اور معلوم ہو گیا کہ اہل اللہ سے افعال خلاف مرضی حق سبحانہٗ بھی صادر ہو سکتے ہیں۔ تو اب سمجھو کہ جس وقت ان سے کوئی فعل

مخالف مرضی حق سبحانہٗ صادر ہو - اس وقت حق سبحانہٗ کا ان کے ساتھ بمقتضائے حکمت و مصلحت مختلف برتاؤ ہوتا ہے - کبھی تو حق سبحانہٗ اس مخالفت کو نظر انداز فرماکر انکی تشریف واکرام کے لیے اپنی مرضی کو ان کی مرضی کے موافق کردیتے ہیں ویشہد له الحدیث لواقسم علی اللّٰہ لابرہ اور کبھی اس مخالفت پر مناسب تنبیہ فرماکر ان سے موافقت فرماتے ہیں - ویشہد له - قوله عز مجدہ - ما کان لنبی ان یکون له اسریٰ الآیۃ اور کبھی اس فعل سے موافقت نہیں فرماتے اور صرف اسکو رد کردیتے ہیں ویشہد له ردہ عز مجدہ دعاء النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم - اللّٰھم لا تجعل باسھم بینھم اور کبھی اس فعل پر مناسب عتاب فرماتے ہیں ویشہد له حکایۃ آدم علیہ السلام وغیرہ من الانبیاء - اس تفصیل سے معلوم ہوگیا کہ مولانا کا ارشاد فانی سراست وگفت او گفت خداست الخ گو بظاہر مطلق ہے مگر واقع میں مقید بقید عدم مخالفت مرضی حق سبحانہٗ ہے یہ اسکے دلائل خود مولانا ہی کے کلام میں موجود ہیں مثلاً مولانا اکثر جگہ زلت آدم علیہ السلام کا ذکر فرماتے ہیں اور اسکو فعل حق سبحانہٗ نہیں قرار دیتے نیز انہوں نے حضرت موسٰے علیہ السلام کے چرواہے پر اعتراض نقل فرمایا ہے اور اس کو حق سبحانہٗ کا فعل نہیں بنایا کیونکہ اس پر حق سبحانہٗ کا عتاب نقل فرمایا ہے - نیز انہوں نے شیخ اقطع کا واقعہ بیان کیا ہے اس میں ان کے فعل پر حق سبحانہٗ کا عتاب نقل فرمایا ہے الیٰ غیر ذالک من الشواہد فافہم ولا تزل)

القصہ شیخ کی دعا مقبول ہوئی اور حق سبحانہٗ نے اپنی کارسازی سے ایک سبب کھڑا کردیا - جس نے نصوح کی اس فعل شنیع اور گناہ سے نجات دیدی -

تفصیل اسکی یہ ہے کہ نصوح حمام میں شہزادی کے نہلانے کے طشت میں پانی بھر رہا تھا کہ یکایک شہزادی کا موتی گم ہوگیا یعنی اسکے کان کی بالی کا موتی کھویا گیا اور جس قدر عورتیں وہاں موجود تھیں سب تلاش میں مصروف ہوگئیں - تلاش کے لیے اول انہوں نے یہ تدبیر کی کہ حمام کا دروازہ مضبوط بند کردیا - تاکہ نہ کوئی اندر آسکے اور نہ باہر جاسکے اور وہ اطمینان کے ساتھ اول اسکو سامان میں تلاش کریں اور اگر سامان میں نہ ملے تو پھر دوسری صورت

کرلیں۔ پس انہوں نے اسباب میں خوب تلاش کیا مگر موتی نہ ملا۔ اور نہ چرانے والے کا پتہ لگا۔ اسکے بعد انہوں نے نہایت کوشش کے ساتھ ہر سوراخ میں منہ میں کان میں۔ نیچے کے سوراخ میں اوپر کے سوراخ میں۔ غرض ہر طرف ڈھونڈنا شروع کیا۔ اور مرد اور عورتیں ہر طرف اسے تلاش کرتے اور اسکی لیے صدف بنے ہوئے تھے یعنی نہایت رغبت کے ساتھ اس کے طالب تھے پس دفعتاً آواز آئی کہ جس قدر لوگ یہاں موجود ہیں خواہ وہ معمر ہوں یا نوعمر سب ننگے ہوجائیں اور ایک متلاشی نے سب کی تلاشی لینی شروع کی تاکہ کسی سے وہ عجیب موتی مل جائے۔ جب نصوح نے یہ حالت دیکھی تو ڈر گیا اور ڈرکر ایک تنہا مکان میں گیا اس کا چہرہ خوف سے زرد تھا اور ہونٹ پتلے ہو گئے تھے کیونکہ وہ اپنے سامنے بھوت دیکھ رہا تھا اور اسلیے پتے کی طرح کانپ رہا تھا اس نے خلوت میں جاکر مناجات شروع کی اور کہا کہ اے اللہ! میں بہت دفعہ اپنے عہد سے پھر گیا ہوں اور میں نے بہت سی توبہ اور عہد توڑے ہیں اور میں نالائق جس لائق تھا وہ میں نے کیا ہے اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مصیبت کا سیاہ سیلاب آپہنچا۔ اب اگر تلاشی کی نوبت مجھ تک پہنچی تو پھر مجھے کیسے سختیاں برداشت کرنی پڑتی ہیں اسلئے میرے جگر میں... سینکڑوں شعلے لگے ہوئے ہیں۔ دیکھئے میری دعامیں جلی ہوئے جگر کی بو آرہی ہے جو غم مجھ پر پڑا ہے ایسا غم تو کسی کافر کو بھی نصیب نہ ہو۔

یہ میری حالت ہے اور اس حالت میں میں نے تیری رحمت کا دامن پکڑا ہے پس تو مجھ پر کرم کر۔ اے کاش! میری ماں مجھے نہ جنتی۔ یا کوئی شیر مجھے کھا جاتا اے اللہ تو وہ کر جو تجھ سے کریم کے لئے زیبا ہے کیونکہ اب میں ہر طرف سے مصیبت میں گرفتار ہوں اور گویا کہ مجھے ہر سوراخ سے ایک سانپ ڈس رہا ہے۔ میری جان پتھر کی اور دل لوہے کا ہے ورنہ اس رنج اور مصیبت میں خون ہوکر بہہ جاتا وقت تنگ ہے اب ذرا آپ مجھ پر مہروانہ عنایت فرمایئے اور میری فریادرسی کیجیئو — اے اللہ! اگر تواب کے میری پردہ پوشی کرے تو اب میں توبہ کرتا ہوں کہ کوئی برا کام نہ کروں گا اس دفعہ آپ میری توبہ کو قبول کرلیں تاکہ میں اس مصیبت سے نجات پاکر نہایت مستعدی سے اس توبہ کو نبھاؤں

اگر میں اب کے کوتاہی کروں تو پھر آپ میری دعا اور بات نہ سنیں۔
غرضکہ اس کے آنسو بہہ رہے تھے اور وہ رو رہا تھا اور کہتا تھا کہ اب میں جلاد اور کوتوال کے پنجہ میں پھنس گیا کیونکہ جب میرے چالاکی ظاہر ہوگی تو میں حراست میں لے لیا جاؤں گا اور گردن زنی کے لیے جلاد کے حوالہ کردیا جاؤں گا ارے ایسی موت تو کوئی فرنگی بھی نہ مرے اور یہ غم تو کسی ملحد کو بھی نصیب نہ ہو۔ غرضکہ وہ اپنی جان کو رو رہا تھا کیونکہ وہ اپنے سامنے حضرت عزرائیل علیہ السلام کی صورت دیکھ رہا تھا۔ اور اس نے اس قدر اے خدا یہ کردے اور اے خدا! وہ کردے کہا۔ کہ در و دیوار بھی اسکے غم سے متاثر ہوکر شریک دعا ہوگئے۔ وہ دعا ہی میں مصروف تھا کہ یکایک تلاش کرنے والوں میں سے کسی نے آواز دی کہ ہم سب کی تلاشی لے چکے ہیں نصوح اب تم آؤ۔ یہ سنتے ہی وہ بے ہوش ہو گیا اور اس کی روح پرواز کر گئی اور وہ یوں گر پڑا جیسے کوئی ٹوٹی ہوئی دیوار گرتی اور اس کے ہوش و حواس سب رفو چکر ہوگئے اور وہ پتھر کی مانند بے حس و حرکت ہوگیا۔ پس جبکہ اس کے جسم سے اس کے ہوش و حواس جاتے رہے تو اب وہ معاوقت جو کہ بقائے ہوش کے سبب باقی تھی اور جس کے سبب روح پورے طور پر حق سبحانہٗ کی طرف متوجہ نہ ہوسکتی تھی اٹھ گئی اور روح کو توجہ کامل کا موقع مل گیا اور اس کو حق سبحانہٗ سے اتصال بے کیف حاصل ہوگیا۔ اور جبکہ وہ خودی سے خالی ہوگیا اور اس کی ہستی نہ رہی تو حق سبحانہٗ نے اسکی روح کو جو کہ بمنزلہ باز شاہی کے ہے اپنے پاس بلالیا اور جبکہ روح کی کشتی ٹوٹ گئی۔ یعنی جسم پر فنا طاری ہوگئی تو اب وہ دریائے رحمت کے آغوش میں ہوگئی۔ اور جبکہ نصوح بے ہوش ہوگیا تو اس کی جان واصل بحق سبحانہٗ ہوگئی اور اس وقت بحرِ رحمت کو جوش آگیا اور جبکہ اس کی جان نے قیدِ جسم سے جو کہ اسکے لیے موجب شرم ہے نجات پائی تو وہ اپنے اصل یعنی عالمِ غیب کی طرف لوٹ گئی۔ کیونکہ جان بمنزلہ باز کے ہے اور جسم اسکے لیے بمنزلہ اس لکڑی

کے جیسے باز کا پاؤں باندھا جائے اور وہ جسم میں پاشکستہ اور مغلوب ہے پس جبکہ اسکے ہوش وحواس جاتے رہے تو اس کی روح کے پاؤں کھل گئے اور وہ اپنے بادشاہ کی طرف اڑ گئی۔

یہ مرتبہ جو نصوح جیسے فاسق و فاجر کو حاصل ہُوا تو کیوں! محض رحمت رحمت حق سبحانہٗ سے اُس دریائے رحمت نے اُسکو اس نعمت سے سرفراز کیا خیر وہ تو پھر بھی آدمی تھا۔ حق سبحانہٗ کے دریائے رحمت کی تو یہ حالت ہے کہ جب اسے جوش ہو تو جماد بھی آبِ حیات پی کر ——— جاندار ہو جاتے ہیں [چنانچہ انسانوں اور حیوانوں کی پیدائش شاہد ہے کیونکہ وہ اول منی اور جماد تھے۔ پھر جاندار ہو گئے] اور ایک بہت کم مقدار ذرہ قابل تعجب اور بڑا ہو جاتا ہے (اشجار عظیمہ اسکے مشاہد ہیں) اور زمین اطلسی اور زربفت ہو جاتی ہے (جو کہ مشاہد ہے کیونکہ اطلس اور زربفت کی اصل خاک ہی ہے) اور سَو برس کا مردہ قبر میں سے نکل آتا ہے (قصہ عُزیر علیہ السلام کا گواہ ہے) اور شیطان مردود بھی اپنی برائی کو چھوڑ کر متصف بکمال ہو سکتا ہے اور اتنا حسین ہو سکتا ہے کہ حوروں کو بھی اس کی حالت پر رشک ہوتا ہے (بڑے بڑے سرکش کفار کا کامل الایمان بن جانا اس کا مؤید ہے) اور یہ زمین سراسر سبز ہو جاتی ہے اور خشک مٹی کلیا جاتی اور عمدہ بن جاتی ہے اور بھیڑیا بکری کے بچے کے ساتھ شراب خواری کرتا ہے یعنی دشمنوں میں نہایت اتفاق ہو جاتا ہے۔

كَمَا قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا۔

اور ناامید لوگ سرسبز ہو جاتے ہیں (کما ہو المشاہد) خیر جب نصوح کی حالت وہ ہوئی۔ جس کا اوپر ذکر ہُوا اور اس کی دعا مقبول ہو گئی تو دفعتًا آواز آئی کہ اب خطرہ جاتا رہا کیونکہ وہ بیش بہا موتی مل گیا اسکے بعد خوف اور ہلاکت کا اندیشہ زائل ہو گیا۔ اور ہر طرف سے خوش خبریاں آنے لگیں اور لوگ کہنے لگے کہ گمشدہ

موتی یہ موجود ہے اور اب غم زائل ہوگیا ہے اور خوشی سے ہم کو راہ مل گئی ہے۔ لائیے انعام دلوائیے کہ ہم نے موتی پا دیا۔

غرضکہ خوشی کے نعروں اور شور و شعب اور تالیوں کی آوازوں سے حمام گونج اٹھا۔ کیونکہ اب خوف زائل ہوچکا تھا جب یہ حالت ہوئی تو نصوح کو بھی ہوش آگیا۔ اس وقت خوشی کے سبب اس کی آنکھوں کے سامنے اس قدر روشنی تھی جیسے سو دِن کی ہوتی ہے اور ہر شخص اس سے معافی چاہتا تھا اور اس کا ہاتھ چومتا تھا اور کہتا تھا کہ ہم کو آپ کے نسبت بدگمانی تھی آپ ہمیں معافی دیجئے ہم نے آپ کی بہت غیبت کی ہے۔ اور اس طرح گویا کہ آپ کا بہت گوشت کھایا ہے سبب اس گفتگو کا یہ تھا کہ سب کا گمان زیادہ تر نصوح ہی پر تھا کیونکہ وہ تقرب میں سب سے بڑھا ہوا تھا اور شاہ زادی کا خاص نہلانے والا اور اس کا محرم راز تھا۔ بلکہ یوں کہئے کہ شہزادی اور نصوح ایک جان دو قالب تھے اس وجہ سے لوگ کہتے تھے کہ اگر موتی کسی نے لیا ہے تو صرف نصوح نے لیا ہے کیونکہ شہزادی کا.. مقرب اس سے بڑھ کر کوئی نہیں ہے۔

اس خیال کی بنا پر انہوں نے اوّل نصوح کی تلاشی لینی چاہی تھی مگر اسکی عظمت قائم رکھنے کے لئے اسکو مؤخر کردیا۔ تاکہ اگر اس نے لیا ہو تو کہیں ڈال دے اور اس فرصت کو غنیمت جان کر اپنے کو آفت سے بچالے۔ خیر! وہ لوگ اس سے بہت کچھ معافی چاہتے تھے اور معذرت کے لئے اٹھتے تھے۔ یہ باتیں سنکر نصوح نے اپنے دل میں کہا کہ یہ محض حق سبحانہٗ کی عنایت تھی ورنہ جو کچھ میری نسبت کہا جاتا تھا میں اس سے کہیں برا ہوں۔ ایسی حالت میں مجھ سے کیا معافی چاہی جاتی ہے کیونکہ میں تو زمانہ بھر سے زیادہ گنہگار ہوں۔ میری جو کچھ برائی لوگوں نے بیان کی ہے وہ تو میری اصلی برائی کا سواں حصہ ہے اگر کسی کو شک ہو تو مجھے اپنی حالت خوب معلوم ہے کسی کو میری حالت کیا معلوم۔ ان کو جو کچھ معلوم ہے وہ بہت تھوڑا اور ہزاروں،

بدکاریوں میں سے ایک بدکاری معلوم ہے۔ پس اپنی برائیوں اور گناہوں کو میں
جانتا ہوں یا میرا ستارِ عیوب ہی جانتا ہے۔ پہلے ابلیس میرا استاد تھا جس نے مجھے
معصیت کا طریق سکھلایا اسکے بعد میں اس فن میں اتنا ہوشیار ہو گیا کہ ابلیس میرے
سامنے گرد ہو گیا۔ مگر حق سبحانہٗ نے میرے تمام برائیاں دیکھیں۔ مگر ان کے ساتھ
ایسا معاملہ کیا کہ گویا دیکھا ہی نہیں۔ تاکہ میں رسوا ہو کر شرمندہ نہ ہوں اور مجھے جان کی
مانند شیریں توبہ کی توفیق عطا فرمائی۔ تاکہ وہ اپنی رحمت سے میری حالت کی اصلاح
کرے اور جو کچھ میں نے کیا تھا سب کو ایسا کر دیا کہ گویا میں نے کیا ہی نہیں یعنی معاف
کر دیا۔ اور جو طاعت میں نے نہیں کی تھی اسکو ایسا کر دیا جیسا کہ میں نے کیا ہے۔
یعنی میرے ساتھ وہ معاملہ کیا جو مطیعین کے ساتھ کیا جاتا ہے اسلئے مجھے سرو
اور سوسن کی طرح آزاد کر دیا۔ اور بختِ دولت کی طرح میرا دل خوش کیا اور اسنے
میرا نام اچھے لوگوں کی فہرست میں لکھ لیا۔ اور میں دوزخی بنا مگر اسنے مجھے جنت عطا فرمائی
اور میرے تمام جرائم اور گناہ معاف کر دیئے اور اب میرا سیاہ نامۂ اعمال بھی سفید ہو گیا اور کالا
منہ بھی روشن ہو گیا۔ میں نے آہ کی تو وہ آہ میرے لیے رسی ہو گئی اور وہ رسی
میرے کنوئیں میں لٹک گئی اور میں وہ رسی پکڑ کر نکل آیا اور خوش و خرم اور موٹا تازہ اور
سرخ سفید ہو گیا۔ یعنی میری آہ میری خوشی اور نجات کا ذریعہ بن گئی۔ میں گویا کہ ایک
کنوئیں کے اندر مقید تھا۔ اور رات دن نالہ وزاری کرتا تھا اور خواہش نفس کی بدولت
ایک تنگ جگہ میں محبوس تھا۔ مگر اب میری یہ حالت ہے کہ عالم میں بھی نہیں سماتا
اَللّٰھُمَّ لکَ الحمد والمنۃ کہ تو نے مجھے غم سے نجات دیدی۔ ایسی
حالت میں اگر میرا ہر بال زبان بن جائے تب بھی تیرا شکر بیان میں نہیں آسکتے
اب میں اس خوشی کے باغ اور اسکے چشموں میں بیٹھا ہوا آوازیں لگا رہا ہوں
کہ اے کاش! لوگ میری راحت کو جانیں اور اس دولت کو حاصل کریں۔
یہ واقعہ تو ہو چکا۔ اب سنو کہ نصوح کے پاس ایک ہرکارہ آیا اور کہا کہ ہماری

شاہزادی آپ کو یاد کرتی ہیں تاکہ آپ ان کا سر دھو دیں اور آپ کے سوا کوئی نہلانے والی جو کہ اس کو مل دلے یا مٹی سے ان کا سر دھوئے مطلوب نہیں ہے۔ نصوح نے اس کے جواب میں کہا کہ میرا ہاتھ بیکار ہو گیا ہے اور تمہاری نصوح بیمار ہو گئی ہے اسلئے میں حاضر نہیں ہو سکتی تم جلدی جا کر کسی اور کو تلاش کر لو۔ کیونکہ بخدا میرا ہاتھ کام کا نہیں رہا۔ یہ تو بلانے والے کو جواب دیا۔ اور اپنے دل میں کہا کہ معصیت حد سے بڑھ گئی ہے اب ایسا نہیں کرنا چاہیئے اور نہ میں ایسا کر سکتا ہوں۔ کیونکہ وہ خوف اور انقباض دل کیسے جا سکتا ہے جو کہ میں اِس جُرم کی بدولت جھیل چکا ہوں۔ ایک دفعہ تو مر چکا تھا۔ اب دوبارہ زندہ ہوا ہوں۔ پس میں موت کی تلخی چکھ چکا ہوں۔ اب میں اپنے کو معرضِ ہلاک میں نہ ڈالوں گا۔ نہیں میں نے خدا سے سچی توبہ کی ہے۔ اب تا دم مرگ اسے نہ توڑ دوں گا۔ کیونکہ اس مصیبت کے بعد کوئی گدھا ہو گا جو خطرہ کی طرف قدم اٹھائے۔ آدمی تو ایسا نہیں کر سکتا۔۔۔۔ اس کے بعد مولانا اُس گدھے کا قصہ بیان فرماتے ہیں جو ایک مرتبہ مصیبت میں مبتلا ہو کر دوبارہ پھر اسی مصیبت میں مُبتلا ہُوا تھا۔

حکایت[50] در بیانِ آں کسے کہ توبہ کند و پشیمان شود و باز

اس بیان میں حکایت کہ کوئی شخص توبہ کرے اور شرمندہ ہو اور پھر اُن

آں پشیمانیہا را فراموش کند و آزمودہ را باز آزماید در

شرمندگیوں کو بھلادے اور آزمائے ہوئے کو دوبارہ آزمائے۔ اور مستقل

خسارتِ ابد در افتد کہ مَنْ جَرَّبَ الْمُجَرَّبَ حَلَّتْ بِہِ النَّدَامَۃُ

ٹوٹے میں مبتلا ہو جائے کیونکہ جس شخص نے آزمائے ہوئے کو آزمایا اُس کو ندامت ہوئی

و چوں[51] توبۂ او را ثباتے و قوتے و حلاوتے و قبولے و

اور جب اُس کی توبہ کا ٹِکاؤ اور قوت اور شیرینی اور قبولیت اور مدد اُس کو

مددے بود نرسد چوں درختے بے بیخ ہر روز زرد تر

حاصل نہ ہو تو وہ بغیر جڑ کے درخت کی طرح ہے جو روزانہ زیادہ زرد اور خشک ہوتا ہے

و خشک تر نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ ذٰلِکَ

ہم اس بات سے خدا کی پناہ چاہتے ہیں

گازرے[52] بود و مر او را یک خرے — پشت ریش اشکم تہی تن لاغرے

ایک دھوبی تھا جس کا ایک گدھا تھا — زخمی کمر، خالی پیٹ، کمزور جسم

درمیانِ سنگلاخِ بے گیاہ — روز تا شب بینوا و بے پناہ

بغیر گھاس کی پتھریلی زمین میں — شب و روز بے سروسامان اور بے پناہ

بہرِ خوردن غیرِ آب آنجا نبود — روز و شب بُد خر دراں کور و کبود

وہاں کھانے کیلئے پانی کے سوا نہ تھا — گدھا وہاں دن رات اندھا اور تاریک چشم تھا

آں حوالی نیستان و بیشہ بود — شیرے بود آنجا کہ صیدش پیشہ بود

اطراف میں بنسیل اور جنگل تھا — وہاں ایک شیر تھا جس کا پیشہ شکار کرنا تھا

شیر را با پیلِ نر جنگ اوفتاد — خستہ شد آں شیر و ماند از اصطیاد

شیر کی نر ہاتھی سے لڑائی ہوئی — وہ شیر زخمی ہوگیا اور شکار کرنے سے عاجز ہوگیا

مدتے[53] واماند زاں ضعف از شکار — بینوا ماندند دد از چاشت خوار

ایک عرصہ تک کمزوری کی وجہ سے شکار سے عاجز رہا — درندے ناشتہ سے محروم ہو گئے

زانکہ باقی خوارِ شیر ایشاں بُدند — شیر چوں رنجور شد تنگ آمدند

کیونکہ وہ شیر کا بچا ہوا کھانے والے تھے — جب شیر بیمار ہوگیا، وہ پریشان ہو گئے

شیر یک روباہ را فرمود رو — مر خرے را بہرِ من صیاد شو

شیر نے ایک لومڑی سے کہا، جا — میرے لئے گدھے کی شکاری بن

گر خرے یابی بگردِ مرغزار — رو فسونش خواں فریبانش بیار

اگر تو جنگل کے اطراف میں گدھا پائے — جا اس پر منتر پڑھ، اُس کو قریب لے آ

---

[50] حکایت۔ اس حکایت سے یہ بتانا مقصود ہے کہ ایک بار مصیبت سے نجات پا جانے کے بعد دوبارہ مصیبت میں پھنسنے کا بہت بُرا انجام ہوتا ہے۔

[51] چوں۔ اگر توبہ میں ٹکاؤ نہ ہوا اور اس کی خوبی اُس پر واضح نہ ہو تو توبہ کرنے والے شخص کی مثال بے جڑ کے درخت کی سی ہے جو روز بروز خشک ہوتا جاتا ہے اور اس کے پتے جھڑتے رہتے ہیں۔

[52] گازرے۔ ایک دھوبی کا ایک گدھا تھا جس کی کمر زخمی تھی اور پیٹ خالی رہتا تھا جس کی وجہ سے وہ کمزور ہو گیا تھا۔ سنگلاخ۔ پتھریلی زمین۔ کور و کبود۔ یعنی تباہ اور بدحال۔ حوالی۔ اطراف۔ نیستاں۔ بنسیل کا جنگل۔ بیشہ۔ جھاڑی۔ شیر۔ وہ شیر کسی ہاتھی سے لڑ کر زخمی اور لاغر ہو گیا اور جنگلی جانوروں کا شکار کرنے کے قابل نہ رہا۔

[53] مدتے۔ ایک عرصہ سے وہ شکار کرنے کے قابل نہ تھا اور دوسرے درندے جو اس کا بچا کھچا کھاتے تھے وہ بھی بھوکے تھے۔ چاشت خوار۔ ناشتہ۔ شیر۔ شیر نے لومڑی سے کہا کسی گدھے کو پھسلا کر میرے پاس لے آنا۔ مرغزار۔ سبزہ زار۔ فسون۔ منتر۔

یا خرے یا گاؤ بہرِ من بجُو | زاں فسونہائے[1] کہ میدانی بگو
یا گدھا یا بیل میرے لئے تلاش کر | جو منتر تو جانتی ہے، وہ پڑھ

چوں بیابم قوّتے از لحمِ خر | پس بگیرم بعد ازاں صیدِ دگر
جب میں گدھے کے گوشت سے طاقت پکڑ لونگا | اس کے بعد میں دوسرا شکار کرونگا

اندکے من میخورم باقی شُما | من سبب باشم شُمارا در نوا
میں تھوڑا سا کھا لوں گا، باقی بیشک تم | میں توشہ میں تمہارے لئے سبب بناؤنگا

از فسون واز سخنہائے خوشش | نرم گرداں زود تر اینجا کشش
اُس کو منتر اور اچھی باتوں سے | نرم کر، جلد یہاں لے آ

[1] فسونہا۔ لومڑی مکر وحیلہ کیا مشہور ہیں۔ نرم گرداں۔ یعنی۔ آز فسوں۔ یعنی گدھے کو بہکا کر میرے پاس لے آنا۔ تشبیہ جس طرح شیر شکار کرتا ہے اور باقی درندے اس کا بچا ہوا کھا کر پیٹ بھرتے ہیں اسی طرح قطب زمانہ اسرار و معارف الٰہی کا شکار کرتا ہے اور اولیاء اس کے ذریعہ اپنی خوراک حاصل کرتے ہیں۔

شرح

ایک دھوبی تھا اور اسکے پاس ایک گدھا تھا جس کی کمر زخمی اور پیٹ خالی اور جسم دبلا تھا اور ایک پتھریلی زمین میں رہتا تھا جس میں گھاس نہ تھا وہ وہاں رات دن بے گھاس اور بے پناہ رہتا تھا کیونکہ کھانے کے لئے وہاں پانی کے سوا کچھ نہ تھا۔ لہذا وہ گدھا وہاں رات دن مبتلائے مصیبت رہتا تھا وہ صحرا ایک نیستان اور بن کے قریب تھا جہاں کہ ایک شیر رہتا تھا جس کا کام شکار تھا ــــ اتفاقاً اس شیر کی ہاتھی سے لڑائی ہو گئی اس میں شیر زخمی ہو گیا۔ اور شکار کرنے سے عاجز ہو گیا اور ایک عرصہ تک ضعف کے سبب شکار سے عاجز رہا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اور درندے بھی غذا سے محتاج ہو گئے کیونکہ وہ سب شیر کا بچا کھچا کھانے والے تھے پس جبکہ شیر بیمار ہو گیا تو وہ بھی تنگ ہو گئے آخر شیر نے لومڑی سے کہا کہ تو جا اور میرے لئے کسی گدھے کو شکار کر کے لائے اگر اس مرغزار کے آس پاس سے کوئی گدھا مل جائے تو اسکو باتیں بنا کے اور اسے دھوکا دے کے یہاں لے آ۔ خواہ گدھا ہو یا گائے۔ جو کچھ بھی ملے تو میرے لئے ڈھونڈ۔ اور جو تجھے باتیں بنانی آتی ہیں تو اسکو بنا اور اسے دھوکا دے کے یہاں لے آ۔ جب میں گدھے وغیرہ کے گوشت سے کسی قدر طاقت حاصل کر لوں گا اس میں سے کچھ میں کھاؤں گا اور

جو بچے گا وہ تمہارا ہوگا۔ اسی طرح میں تمہارے سامان خورش کا سبب بن جاؤں گا۔ پس تو اپنے افسوں اور اچھی باتوں سے اسے نرم کر کے جلدی سے یہاں لے آ۔ آگے مولانا مضمون ارشادی کی طرف انتقال فرماتے ہیں اور کہتے ہیں

تشبیہ کردنِ قطب کہ عارفِ واصل ست در اجرائے

قطب یعنی عارف واصل بالحق، کی مخلوق کو رحمت اور مغفرت کی ان مراتب کے اعتبار

دادنِ خلق از قوتِ رحمت و مغفرت بر مراتبے کہ حقش

سے روزی دینے کی تشبیہ بیان کرنا جو اللہ نے اس کو الہام کیا ہے اور شیر سے

الہام داد و تمثیل بشیر کہ اجرے خوار و باقی خوارِ وے اند

مثال دینا کیونکہ وہ اس کے روزی خوار اور بچا کھچا کھانے والے ہیں غیر

بر مراتب قربِ ایشاں بشیر نہ قربِ مکانی بلکہ از قربِ

سے نزدیکی کے اعتبار سے مکانی قرب کے اعتبار سے نہیں بلکہ صفاتی قرب کے اعتبار

صفتی و تفاصیلِ ایں بسیار ست واللہ الہادی

سے اور اس کی بہت تفاصیل ہیں اور خدا ہدایت کرنے والا ہے

قطب شیر و صید کردن کارِ او[1]

قطب شیر ہے اور شکار کرنا اس کا کام ہے

باقیاں ایں خلق باقی خوارِ او

باقی یہ مخلوق اس کا بچا ہوا کھانے والی ہے

تا توانی در رضائے قطب کوش

تجھ سے جب تک ہو سکے قطب کو راضی رکھنے کی کوشش کر

تا قوی گردد کند صیدِ وحوش

تاکہ وہ قوی ہو جائے اور وحشی جانوروں کا شکار کرے

چوں[2] برنجد بینوا مانند خلق

جب وہ رنجیدہ ہو جائیگا، مخلوق بے سر و سامان رہ جائیگی

کز کفِ عقلست جملہ رزقِ خلق

کیونکہ تمام لوگوں کی روزی عقل کے ہاتھوں سے ہے

زانکہ وجدِ خلق باقی خوردِ اوست

کیونکہ مخلوق کی روزی اس کا پس خوردہ ہے

ایں نگہدار ار دلِ تو صید جوست

اگر تیرا دل شکاری ہے تو اس کا خیال رکھ

او[3] چو عقل و خلق چوں اعضائے تن

وہ عقل کی طرح اور مخلوق جسم کے اعضاء کی طرح ہے

بستہ عقل ست تدبیرِ بدن

جسم کی تدبیر عقل سے وابستہ ہے

ضعفِ قطب از تن بود از روح نے

قطب کی کمزوری جسم کی ہوتی ہے نہ کہ روح کی

ضعف در کشتی بود در نوح نے

کمزوری کشتی میں ہوتی ہے نہ کہ نوح میں

قطب آں باشد کہ گردِ خود تند

قطب وہ ہوتا ہے جو اپنے گرد گھومتا ہے

گردشِ افلاک گردِ او بود

آسمانوں کی گردش اس کے گرد ہوتی ہے

---

[1] قطب۔ جو شخص اپنے دور کا قطب ہوتا ہے وہ اسرار و معارف کا براہ راست استفادہ کرتا ہے اور دوسرے اولیاء، اوتاد، نجباء اور نقباء اس کے واسطے سے فیضیاب ہوتے ہیں۔ تا آنکہ۔ ہر فرض ہے کہ وہ قطب زمانہ کی خوشنودی حاصل کرے اور اس کو خوش رکھے۔

[2] چوں برنجد۔ اگر قطب رنجیدہ ہوتا ہے تو بقیہ لوگ بے سر و سامان رہ جاتے ہیں۔ وجد خلق۔ بقیہ لوگوں کی روزی اس کا پس خوردہ ہے۔

[3] او چو عقل۔ قطب اور بقیہ مخلوق کی وہی نسبت ہے جو عقل اور بقیہ اعضا میں، اعضا عقل کے ذریعہ خوراک حاصل کرتے ہیں۔ ضعف قطب۔ پر روحانی ضعف طاری نہیں ہو سکتا گزشتہ اشعار میں اس کے جس ضعف کا ذکر ہے وہ محض جسمانی ضعف ہے اس کی روح اور جسم کی وہی نسبت ہے جو حضرت نوح اور کشتی کی تھی۔ یار بیہ۔ قطب کو جس مدد کی ضرورت ہے وہ اس کی جسمانی مدد ہے۔

یار بیے دہ در مرمت کشتیش اس کی کشتی کی مرمت میں مدد کر	**گر غلامِ خاص و بندہ گشتیش** اگر تو اس کا خاص غلام اور بندہ ہو گیا ہے
یاریت در تو فزاید نے درو تیری مدد، تجھ میں اضافہ کرے گی نہ کہ اسمیں	**گفت حق اِن تَنصُرُوا اللہ یَنصُرہ** اللہ (تعالیٰ) نے فرمایا ہے اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تمہاری مدد کرے گا
ہمچو روبہ صید گیر و کن فدیش لومڑی کی طرح شکار کر اور اس پر قربان ہو جا	**تا عوض گیری ہزاراں صید بیش** تاکہ تو ہزاروں سے زیادہ شکار بدلے میں حاصل کرے
روبہانہ باشد آں صیدِ مُرید مرید کا شکار لومڑی کی طرح کا ہوتا ہے	**مُردہ گیرد صید کفتارِ مَرید** سرکش بجو مُردے کا شکار کرتا ہے
مُردہ پیشِ اُو کشی زندہ شود تو اسکے سامنے مُردہ پھینکے گا وہ زندہ ہو جائے گا	**چرک در پالیز روئندہ شود** کھاد، فالیز میں اُگانے والا بن جاتا ہے

۵ یاریت۔ تو جو کچھ قطب کی بدنی خدمت کریگا وہ تیرے لئے ہی مفید ہے۔ گفت آنحضرتؐ کے ساتھ مل کر جہاد کرنے کو اللہ تعالیٰ نے اپنی مدد قرار دیا ہے اور فرمایا کہ اس مدد کا فائدہ تمہیں بصورت مدد خداوندی حاصل ہوگا۔ ہمچو کہ۔ جس طرح لومڑی شیر کے لئے شکار لاتی ہے اور اس سے خود فائدہ اُٹھاتی ہے اسی طرح تم جو بھی قطب کی بدنی خدمت کروگے خود فائدہ اُٹھاؤ گے۔ مُرید۔ قطب کا ارادتمند جو کچھ قطب کو دے گا وہ لومڑی کے شکار کی طرح ہوگا کہ خود اسکو مفید پڑیگا۔ مَرید۔ قطب کا منکر بجو ہے جس کی کمائی مُردار ہوتی ہے لیکن قطب کے پاس پہنچ کر اس کا مُردار بن زندہ ہو جاتا ہے جس طرح گوبر کا کھاد فالیز میں جا پڑتا ہے تو اس کی خاصیت بدل جاتی ہے۔

شرح قطب شیر ہے اور اس کا کام شکار کرنا ہے اور باقی لوگ اس کا بچا ہوا کھانے والے ہیں یعنی قطب حقائق و معارف کو حق سبحانہٗ سے حاصل کرتا اور دوسروں پر افاضہ کرتا ہے۔ پس تم سے جہاں تک ہو سکے قطب کو خوش رکھو اور ان کی مالی خدمت کرتے رہو تاکہ وہ قوی ہو جائے اور وحوش معارف و حقائق کا شکار کرے اور اس میں سے تمہیں بھی دے اس کی قوت کی اسلئے ضرورت ہے کہ جب وہ ضعیف و بیمار ہوتا ہے اور طاعات جسمانیہ پر قادر نہیں ہوتا تو مخلوق ان فیوض و برکات سے محروم ہو جاتے ہیں جبکہ وہ بذریعہ طاعات جسمانیہ کے حاصل کر کے مخلوق کو ان سے مستفیض کرتا کیونکہ وہ بمنزلہ عقل کے

ہے اور مخلوق بمنزلہ حلق کے اور حلق کو جس قدر غذا ملتی ہے وہ بتوسط عقل کے ملتی ہے پس مخلوق کو جس قدر غذائے روحانی ملتی ہے وہ بتوسط قطب ملتی ہے اور بصورت ضعف قطب اسکی اکتساب سے عاجز ہے اسلئے مخلوق کا حرمان لازم ہے کیونکہ مخلوق کو جو کچھ ملتا ہے وہ اس کا پس ماندہ تھا۔

اور صورت مذکورہ میں اس کو وہ غذائے خاص حاصل ہی نہیں ہوئی تو مخلوق کو کیا ہے پس اگر تمہارا دل صید معارف کا شائق ہے تو اس نکتہ کا لحاظ رکھو! اور شیخ کی خوب خدمت کرو تاکہ وہ کمزور نہ ہونے پائے اور پوری قوت کے ساتھ... طاعات جسمانیہ میں مصروف ہوکر خوب غذائے معارف حاصل کرے اور مخلوق کو اس سے بہرہ مند کرے اسی لئے کہ وہ بمنزلہ عقل کے ہے اور مخلوق بمنزلہ اعضائے جسمانیہ کے اور تدبیر و تربیت اعضا عقل سے وابستہ ہے لہٰذا عقل کی صحت ضروری ہے۔

ہم نے جو کہا تھا کہ قطب کو راضی کرو اور اسکی خوب خدمت کرو تاکہ وہ قوی ہو جائے ــــ اس سے معلوم ہوا تھا کہ قطب ضعیف بھی ہوجاتا ہے پس تم سمجھو کہ اس کا ضعف صرف جسمانی ہوتا ہے نہ کہ روحانی۔ اور ضعف اس کی کشتیٔ تن میں آتا ہے نہ کہ نوح روح میں۔ کیونکہ قطب تو وہ ہوتا ہے جو اپنا مدار خود ہو۔ اور افلاک اسکے گرد گھومتے ہیں پس جو عالم کا محتاج الیہ ہو وہ کیونکر ضعیف اور محتاج تقویت ہوگا۔ ہاں اسکی کشتی تن میں ضعف اور شکستگی آسکتی ہے پس تم اگر اس کے غلام خاص ہو تو اسکو کشتی تن کی اصلاح میں مدد دو اور یہ نہ سمجھو کہ ہم شیخ کو نفع پہنچا رہے ہیں کیونکہ اس خدمت میں خود تمہارا فائدہ ہے نہ کہ اس کا۔ کیونکہ اسکی اعانت حق سبحانہٗ کی اعانت ہے اور حق سبحانہٗ کی اعانت میں حق سبحانہٗ کا کچھ فائدہ نہیں۔ بلکہ خود تمہارا فائدہ ہے کہ حق سبحانہٗ تمہاری اعانت کرتے ہیں ــــ چنانچہ فرماتا ہے ان تنصروا اللّٰہ ینصرکم۔

پس حاصل یہ ہے کہ تم شکار کرو اور کماؤ اور شیخ پر قربان کردو۔ اسکی

معاوضہ میں تم کو ہزاروں صید معارف ملیں ــــ یاد رکھو ! کہ مُرید خاص کی کمائی شیخ کے لیے ہوتی ہے جیساکہ اس لومڑی کا شکار شیر کے لیے ــ اسلئے اس کی کمائی دنیا نہیں ہوتی ۔ جس کو حدیث میں جیفہ اور مُردار کہا گیا ہے برخلاف اسکے جو شخص اپنے نفس کے لیے کماتا ہے اس کی مثال ہنڈار کی سی ہے اور اسکی کمائی دنیا اور مردار ہے لیکن ــ اگر تم نے اپنے ہی نفس کے لیے کمایا تھا اور اب تم اُسے شیخ کی خدمت کرو ۔ تو گو وہ اول مُردار یعنی دنیا تھا مگر اب وہ زندہ یعنی دین ہو جائے گا اور اسکی مثال ایسی ہو گئی جیسے کہ کھیت میں کھاد ڈالا جاتے اور وہاں وہ نبات بن جائے اور کھانے کے قابل بن جائے ۔

(فائدہ : قال مجدد الملۃ والدین افاض اللہ علینا من برکاتہ فی تقریر المقام قولہ "ناتوانی در رضائے قطب کوش الخ اس کا یہ مطلب نہیں کہ خود اس پر معارف کا فیضان تمہاری ارضا اور خدمت پر موقوف ہے ۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ فیضان للافاضۃ علیک موقوف ہے اس پر ۔ راز اس میں یہ ہے کہ وہ راضی ہو کر تمہارے افاضہ کی طرف متوجّہ ہو گا ۔

اور اس توجہ و جوش کے وقت عادۃ اللہ یہ ہے کہ اس پر خاص اسرار نفع خلق کے لیے فائض ہوتے ہیں ۔ بخلاف خلوت کے کہ اس وقت اکثر فیضان خود اسکے انتفاع کے لیے فائض ہوتے ہیں ۔ اسلئے آگے فرماتے ہیں ؎

مادیت در تو خزاید نے درو الخ انتہی لفظہ الشریف)

جواب گفتن روباہ شیر را
لومڑی کا شیر کو جواب دینا

گفت[۳] روبہ شیر را خدمت کنم — حیلہا سازم ز عقلش بر کنم
لومڑی نے شیر سے کہا میں خدمت بجالاؤں گی — تدبیریں کروں گی اسکو عقل سے بیگانہ کردوں گی

حیلہ و افسوں گری کارِ من است — کارِ من دستاں و از رہ بردن است
حیلہ اور منتر پڑھنا میرا پیشہ ہے — میرا پیشہ، مکر اور دھوکا دینا ہے

از سرِ کہ جانبِ جو می‌شتافت — یک خرِ مسکینِ لاغر را بیافت
پہاڑ پرسے، نہر کی جانب دوڑ رہی تھی — ایک کمزور مسکین گدھے کو پالیا

پس سلامے گرم کرد و پیش رفت — پیشِ آں سادہ دلے درویش رفت
گرم جوشی سے سلام کیا اور سامنے آگئی — اُس سیدھے اور غریب کے سامنے آگئی

گفت[۵] چونی اندریں صحرائے خشک — درمیانِ سنگلاخ و جائے خشک
بولی، اس خشک میدان میں آپ کیسے ہیں — پتھریلی زمین اور خشک جگہ میں

گفت خر گر در غمم ور در ارم — قسمتم حق کرد و من زاں شاکرم
گدھے نے کہا میں خواہ غم میں ہوں یا جنت میں — اللہ نے میرا حصہ بنایا ہے میں اس پر شکرگزار ہوں

شکر گویم دوست را در خیر و شر — زانکہ ہست اندر قضا از بد بتر
اچھائی اور برائی میں دوست کا شکر ادا کرتا ہوں — کیونکہ حکم خداوندی میں برے سے بھی زیادہ برا ہے

چونکہ قسام اوست کفر آمد گلہ — صبر باید صبر مفتاح الصلہ
جبکہ وہ تقسیم کرنے والا ہے تو شکوہ کفر ہے — صبر کرنا چاہئے، صبر عطیہ کی کنجی ہے

باز گفت الصبر مفتاح الفرج — صابراں را کے رسد جور و حرج
پھر اُس نے کہا صبر کشادگی کی کنجی ہے — صبر کرنے والوں کو سختی اور تنگی کب آتی ہے؟

راضیم[۶] من قسمتِ قسام را — کہ خداوند است خاص و عام را
میں تقسیم کرنے والے کی تقسیم پر راضی ہوں — کیونکہ وہ خاص و عام کا آقا ہے

بہرہ ور از نعمتِ او خاص و عام — می‌رساند روزیِ وحش و ہوام
اس کی نعمت سے خاص و عام فائدہ اٹھاتے ہیں — وہ وحشی جانوروں اور کیڑے مکوڑوں کو روزی پہنچاتا ہے

مرغ و ماہی قسمتِ خود می‌خورند — مور و مار از نعمتِ او می‌چرند
پرند اور مچھلیاں اپنا حصہ کھاتے ہیں — چیونٹیاں اور سانپ اس کی نعمت کھاتے ہیں

[۵] گفت۔ لومڑی نے گدھے سے کہا آپ اس خشک پتھریلے جنگل میں کیوں پڑے ہوئے ہیں۔ گفت خر۔ گدھے نے کہا یہ خدائی تقسیم ہے جو میرا حصہ ہے میں اس پر راضی ہوں۔ زانکہ۔ انسان کو ہر حالت میں شکر ادا کرنا چاہئے۔ اور سوچنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو اس سے بدتر حالت میں نہیں کیا۔ چونکہ۔ اللہ کی تقسیم پر شکوہ کفر ہے۔ الفرج۔ صبر کرنے سے کشادگی پیدا ہو جاتی ہے۔

[۶] راضیم۔ رزق خدا کا تقسیم کردہ ہے جبکہ وہ سب کا مالک ہے تو اس کی تقسیم پر راضی رہنا ضروری ہے۔ ہوام۔ کیڑے مکوڑے۔ ترغ۔ جس قدر جاندار ہیں سب اس کی ہی نعمتوں سے رزق حاصل کر رہے ہیں دنیا کی ساری مخلوق اس کے ہی خوانِ نعمت سے روزی حاصل کر رہی ہے

[۳] گفت روبہ۔ لومڑی نے شیر سے کہا میں حکم کی تعمیل کروں گی اور اپنی تدبیر سے شکار کو بے وقوف بنا دوں گی۔ دستاں۔ مکر۔ خرِ مسکیں۔ یعنی وہی دھوبی کا گدھا لومڑی اس کے پاس پہنچی اور اس کو گرم جوشی سے سلام کیا۔

خوانِ اُو سر تا سرِ عالم گرفت
بر سرِ خوانش خلائق در شگفت

اُس کے دسترخوان نے پورے عالم کو گھیر لیا ہے
مخلوق اُس کے دسترخوان پر تعجب میں ہے

می خورند و ہیچ کم ناید ازاں
کیست بے روزی بگو اندر جہاں

وہ کھا رہے ہیں اور اُس میں کوئی کمی نہیں آتی ہے
بتا، دنیا میں بے روزی کون ہے؟

باش راضی گر توئی دل زندہ
کو رساند روزیِ ہر بندہ

اگر تو زندہ دل ہے، راضی رہ
وہ ہر بندہ کو روزی پہنچاتا ہے

غیرِ حق جملہ عدو اند اُوست دوست
با عدو از دوست شکوہ کے نکوست

اللہ (تعالیٰ) کے علاوہ سب دشمن ہیں وہ دوست ہے
دشمن سے دوست کا شکوہ، کب بھلا ہے؟

شکر کن تا نایدت از بد بتر
ورنہ مانی ناگہاں در گل چو خر

شکر ادا کرتا رہ، تاکہ تجھے بد سے بدتر نہ ملے
ورنہ تو کیچڑ کے گدھے کی طرح رہ جائے گا

تا دہد دو غم نخواہم انگبیں
زانکہ ہر نعمت غمے دارد قریں

جب تک وہ مجھے چھاچھ پلائیگا میں شہد نہ مانگونگا
کیونکہ ہر نعمت اپنے ساتھ کوئی غم رکھتی ہے

گنج بے مار و گل بے خار نیست
شادیِ بے غم دریں بازار نیست

خزانہ بغیر سانپ کے اور پھول بغیر کانٹے کے نہیں ہے
بغیر غم کی خوشی اس بازار میں نہیں ہے

یک حکایت یاد دارم از پدر
در نصیحت گفت روزے کاے پسر

مجھے باوا کی ایک کہانی یاد ہے
اُس نے ایک روز نصیحت میں کہا اے بیٹا!

حکایت دیدن خرِ سقائے بانوائے اسپان تازی را در آخرِ خاص و تمنا بردن آں دولت را، در موعظہ آنکہ تمنا نباید بردن الا بمغفرت و عنایت

سقے کے گدھے کا، خاص اصطبل میں سازوسامان کے ساتھ عربی گھوڑوں کو دیکھنے کی حکایت اور اُس دولت کی تمنا کرنا اِس نصیحت کے بارے میں کہ سوائے مغفرت اور مہربانی کے تمنا کرنی چاہیئے

کہ اگرچہ صد گوں رنجے بود
چوں لذتِ مغفرت بود ہمہ شیریں شود

خواہ سینکڑوں تکالیف ہوں جب مغفرت کی لذت حاصل ہو جائیگی وہ (تکالیف) سب شیریں ہو جائینگی

باقی ہر دولتے کہ آں را نا آزمودہ تمنا میبری باآں رنجے قرین ست

بقیہ ہر دولت کی بغیر آزمائے تو تمنا کرے تو اُس کے ساتھ کوئی تکلیف ہوگی جس کو تو

کہ آں را نمی بینی چنانکہ از ہر دامے دانہ پیدا شود و

نہیں دیکھ رہا ہے، جیساکہ ہر جال کا دانہ کھلا ہوا ہوتا ہے اور جال پنہاں ہوتا ہے

می خورند۔ ساری مخلوق کو وہ روزی پہنچا رہا ہے کوئی جاندار روزی سے محروم نہیں ہے۔ غیرِ حق۔ اللہ کے علاوہ سب دشمن ہیں وہ سب کا دوست ہے تو دوست کا شکوہ دشمن سے کرنا بیوقوفی ہے۔

شکر کن۔ جس حالت میں بھی جو ہے اس کو شکر گزار ہونا چاہیئے کہ اس سے بدتر حالت میں نہیں ہے۔ تا دہد۔ جب تک مجھے معمولی روزی حاصل ہے میں بڑھیا روزی کی خواہش نہ کرونگا کیونکہ ہر بڑھیا نعمت کے ساتھ کوئی نہ کوئی تکلیف وہ بات ضرور لگی ہوئی ہے، خزانہ کے ساتھ سانپ ہے پھول کے ساتھ کانٹا ہے۔

حکایت۔ اس حکایت سے یہ سمجھانا ہے کہ شاہی اصطبل کے گھوڑوں کو اچھی خوراک ملتی تھی تو اس کے ساتھ انھیں جنگ میں تیر بھی کھانے پڑے۔ در موعظہ۔ انسان کو چاہیئے کہ وہ مغفرت اور اللہ کی عنایت کا طالب بنے اگر اس کو یہ چیز حاصل ہوجائیگی تو مصائب کی تلخی شیرینی سے بدل جائے گی اگر انسان نہ آزمائی ہوئی نعمت کی تمنا کرے گا تو اس کے ساتھ کی مصیبت سے پریشان ہوجائے گا۔

چنانکہ۔ دنیا کی ہر لذت کے ساتھ کوئی مصیبت وابستہ ہے دانہ ہے تو اس کے ساتھ جال بھی ہے انسان دانہ کی تمنا کرتا ہے لیکن وہ جال سے غافل ہوتا ہے۔

فتح پنہاں تو دریں یک دام ماندہ و تمنا میبری

تو اس جال میں رہنے ... تمنا کرتا ہے کہ کاش کہ اس دانے

کہ کاشکے با آں دانہا رفتمے پنداری کہ آں دانہا

تک پہنچ جاتا تو سمجھتا ہے کہ وہ دانے

بیدام است

بیر جال کے ہیں

بود سقائے مر اورا یک خرے
ایک سقہ کا ایک گدھا تھا

گشتہ از محنت دوتا چوں چنبرے
مشقت کی وجہ سے حلقہ کی طرح دوہرا ہو گیا تھا

پشتش از بارِ گراں دہ جا ریش
بھاری بوجھ کی وجہ سے اس کی کمر دس جگہ سے زخمی تھی

عاشق و جویائے روزِ مرگ خویش
وہ اپنی موت کے دن کا جویاں اور عاشق تھا

جو کجا از کاہِ خشک او سیر نے
جو کہاں! وہ خشک گھاس سے بھی پیٹ بھرا نہ تھا

در عقب زخمے و سیخ آہنے
پیچھے زخم اور لوہے کی سیخ

میر آخر دید او را رحم کرد
اصطبل کے داروغہ نے اس کو دیکھا، رحم کیا

کاشنائے صاحب خر بود مرد
کیونکہ وہ گدھے کے مالک کا شناسا تھا

پس سلامش کرد و پرسیدش ز حال
اس کو سلام کیا اور اس سے حال پوچھا

کز چہ ایں خر گشت دوتا ہمچو دال
کہ یہ گدھا دال کی طرح کیوں دوہرا ہو گیا؟

گفت از درویشی و تقصیر من
اس نے کہا میری مفلسی اور کوتاہی سے

کہ نمی یابد جو ایں بستہ دہن
کیونکہ اس بے زبان کو جو نہیں ملتے ہیں

گفت بسپارش بمن تو روز چند
اس نے کہا اس کو چند دن کیلئے میرے سپرد کر دے

تا شود در آخرِ شہ زورمند
تاکہ شاہی اصطبل میں طاقتور بن جائے

خر بدو بسپرد و از زحمت برست
اس نے گدھا اس کے سپرد کر دیا اور زحمت سے چھوٹ گیا

درمیانِ آخرِ سلطانش بست
اس نے اس کو شاہی اصطبل میں باندھ دیا

خر ز ہر سو مرکب تازی بدید
گدھے نے ہر جانب عربی گھوڑے دیکھے

با نوا و فربہ و خوب و جدید
با سر و سامان اور موٹے اور عمدہ اور نئے

زیر پاشاں روفتہ و آبے زدہ
ان کے پاؤں کی زمین جھاڑو دی ہوئی اور پانی چھڑکی ہوئی

کہ بوقت و جو بہنگام آمدہ
گھاس اور جو بروقت حاضر

خارش و مالش مر ایشاں را بدید
گھوڑوں کی مالش اور کھریرا دیکھا

پوز بالا کرد کاے ربِ مجید
اس نے تھوتھنی اوپر اٹھایا کہ اے بزرگ پروردگار!

۱؎ عاشق۔ اس گدھے کو مصیبتوں کی وجہ سے موت کی تمنا تھی۔ جو کجا۔ اس گدھے کو جو تو درکنار خشک گھاس بھی پیٹ بھر نہ ملتی تھی اور ہر وقت لوہے کی سیخ سے چبھتا تھا جس سے اس کی پشت زخمی تھی۔ میر آخر۔ داروغہ اصطبل۔ دال۔ حرف دال مڑی ہوئی شکل کا ہوتا ہے۔ بستہ دہن۔ بے زبان۔ آخر شہ۔ شاہی اصطبل۔

۲؎ خر۔ دھوبی کے گدھے نے شاہی اصطبل میں عربی گھوڑے دیکھے جو بہت عمدہ حالت میں تھے۔ زیر پا۔ اصطبل کی زمین پر چھڑکاؤ ہوتا اور گھاس اور دانہ بروقت سب گھوڑوں کو ملتا۔ خارش۔ ان کے بدن پر کھریرا پھرتا اور مالش ہوتی۔ پوز۔ اس گدھے نے آسمان کی طرف منہ کرکے دعا شروع کر دی کہ اللہ میاں میں بھی تیری مخلوق ہوں میں اس مصیبت میں کیوں ہوں۔

نہ کہ مخلوقِ تو اَم گیرم خرم | از چہ زار و پُشت ریش و لاغرم
کیا میں تیری مخلوق نہیں ہوں، مانا کہ میں گدھا ہوں | میں کس وجہ سے عاجز اور زخمی کمر اور لاغر ہوں

شب ز دردِ پُشت و از جوعِ شکم | آرزو مندم بمُردن دمبدم
رات کو کمر کے درد اور پیٹ کی بھوک سے | لمحہ بہ لمحہ میں مرنے کا آرزومند ہوں

حالِ ایں اسپاں چنیں خوش با نوا | من چہ مخصوصم بتعذیب و بلا
ان گھوڑوں کی ایسے ساز و سامان کے ساتھ عمدہ حالت | میں عذاب اور مصیبت کے ساتھ مخصوص کیوں ہوں؟

ناگہاں آوازۂ پیکار شُد | تازیاں را وقتِ زین و کار شُد
اچانک جنگ کا اعلان ہو گیا | عربی گھوڑوں کی زین اور کام کا وقت آگیا

زخمہائے تیر خوردند از عدُو | رفت پیکانہا در ایشاں سُو بسُو
اُنھوں نے دشمنوں کے تیروں کے زخم کھائے | جگہ جگہ ان میں تیر گھس گئے

از غزا باز آمدند آں تازیاں | اندر آخُر جملہ اُفتادہ ستاں
وہ عربی گھوڑے جنگ سے لوٹے | اصطبل میں سب چت پڑے ہوئے تھے

پایہاشاں بستہ محکم با نوار | نعلبنداں ایستادہ در قطار
نوار سے اُن کے پاؤں مضبوط بندھے ہوئے تھے | نعلبند قطار میں کھڑے تھے

می شگافیدند تنہاشاں بہ نیش | تا بروں آرند پیکانہا ز ریش
اُنھوں نے نشتر سے اُن کے بدنوں میں چیرا دیا | تاکہ زخم سے تیر باہر نکالیں

چوں خر آں را دید میگفت اے خدا | من بفقر و عافیت دادم رضا
جب گدھے نے انھیں دیکھا کہہ رہا تھا اے خدا! | میں نے مفلسی اور آرام پر رضامندی دی

زاں نوا بیزارم و زیں زخمِ زشت | ہر کہ خواہد عافیت دنیا بہشت
میں اُس سر و سامان سے اور اس بُرے زخم سے بیزار ہوں | جس نے عافیت چاہی اُس نے دنیا چھوڑ دی

۵۴ شب۔ دن کی پیٹھ کی ذات بھر درد میں اور بھوک میں گذارتا ہوں اور ہر وقت موت کی تمنا کرتا ہوں یہ عربی گھوڑے کس قدر عیش و عشرت میں ہیں تو نے مجھے [illegible] کیلئے کیوں مخصوص [illegible] ہے۔

۵۵ ناگہاں۔ کچھ ہی دن بعد جنگ کا اعلان ہو گیا اور ان عربی گھوڑوں پر زین کسے جانے کا موقع آگیا۔ زخمہا۔ یہ گھوڑے فوج کے ساتھ میدان جنگ میں گئے اور وہاں دشمنوں کے نیزوں اور تیروں سے زخمی ہوئے۔ از غزا۔ جنگ سے واپس آکر یہ گھوڑے اصطبل میں چت گر گئے ... پایہای۔ نعلبندوں نے اُن کے پاؤں نوار سے کسے اور تیر نکالنے کے لئے اُن کے بدنوں میں شگاف کرنے شروع کر دیئے۔

۵۶ چوں خر۔ دھوبی کے گدھے نے جب عربی گھوڑوں کی یہ حالت دیکھی تو دعا کرنے لگا کہ میں فقر اور عافیت پر راضی ہوں ساز و سامان کے ساتھ یہ زخم خوری مجھے منظور نہیں ہے۔ گفت۔ گدھے کی تقریر سن کر لومڑی نے کہا اللہ تو کا حکم ہے کہ رزق تلاش کرو لہٰذا حلال رزق کی طلب فرض ہے۔

شرح

لومڑی نے شیر سے کہا کہ میں حضور کی خدمت کروں گی اور میں ایسی تدبیریں کروں گی کہ شکار کو احمق بنا دوں گی۔ چالاکی اور منتر پھونکنا تو... میرا خاص کام ہے کیونکہ میرا کام ہی فریب دینا اور بے راہ کرنا

ہے - یہ کہہ کر وہ روانہ ہوگئی - وہ پہاڑ پر سے ندی کے طرف جا رہی تھی کہ ایک بے
چارہ گدھا راہ میں اُسے مل گیا اُس نے اُسے نہایت تپاک سے سلام کیا اور آگے
بڑھ کر اس احمق نقیت کے پاس گئی وہاں جاکر اُس نے کہا کہ آپ اس خشک جنگل
میں پتھریلی زمین اور خشک مقام میں کیوں رہتے ہیں - گدھے نے جواب دیا کہ میں
مصیبت میں ہوں یا راحت میں - جس حال میں بھی ہوں اس پر خدا کا شکر ادا کرتا
ہوں کیونکہ میرا یہ حصہ اسی نے مقرر کیا ہے - اور میں اس دوست کا بھلائی،
بُرائی ہر دو حالت میں شکر ادا کرتا ہوں - بھلائی میں شکر کرنا تو ظاہر ہے برائی
میں شکر اُس سے کرتا ہوں کہ تقدیر الٰہی میں بُری حالت سے بھی زیادہ میری حالت ہے
پس میں اس کا شکر کرتا ہوں کہ اُس نے مجھے زیادہ بُرائی سے بچا لیا اور چونکہ
تقسیم کرنے والا وہ ہے اسلئے میں گلہ نہیں کرتا کیونکہ خدا کی شکایت کفر ہے بلکہ شکر
کرتا ہوں - اور صبر بھی جانتے ہیں کیونکہ صبر انعام خداوندی کا ذریعہ ہے یہ جواب
اس نے لومڑی کو دیا اور یہ بھی کہا کہ صبر فراخی کا ذریعہ ہے، اسلئے میں صبر کرتا ہوں کیونکہ
صابروں کو تکلیف اور تنگی نہیں ہوتی - بلکہ ان کا صبر تکلیف کو کالعدم کر دیتا ہے -

الغرض! میں قسام ازل کی تقسیم پر راضی ہوں کیونکہ وہ عوام و خواص سب کا
مالک ہے اور سب کی خبر لیتا ہے اسکے انعام سے عوام و خواص سب متمتع ہیں اور وہ
وحوش اور کیڑوں سے مکوڑوں تک کو روزی دیتا ہے - ہوا میں پرندے اور پانی
میں مچھلیاں اپنا حصہ کھاتے ہیں اور چیونٹی اور سانپ تک اسکی نعمت کھاتے ہیں
اس کا خوان عالم کے اس سرے سے دوسرے سرے تک پھیلا ہوا ہے اور
اس خوان پر مخلوق بیٹھی ہوئی متعجب ہے کیونکہ وہ اس میں سے کھاتے ہیں اور اس
میں ذرہ برابر کمی نہیں آتی - اب مولانا مضمون ارشادی بیانہ فرماتے ہیں کہ تم بتلاؤ کہ —

جہاں میں کون ہے جسے رزق نہیں ملتا - لامحالہ - تم یہی کہوگے کہ کوئی نہیں
تو جب حق سبحانہٗ ایسے منعم اور ایسے محسن ہیں کہ ہر کسی کو لامحالہ رزق پہنچاتے ہیں
تو اگر تم زندہ ولی ہو تو تم کو خوش رہنا چاہیئے کیونکہ وہ ہر بندے کو روزی پہنچاتا ہے

لہٰذا تم کو بھی پہنچائے گا اور ہرگز شکایت نہ کرنی چاہیئے کیونکہ جس سے تم شکایت کروگے وہ غیر خدا ہوگا اور غیر خدا دشمن ہے۔ پس یہ شکایت ہوگی دوست کی دشمن سے اور دوست کی شکایت دشمن سے کب اچھی بات ہے اور جو حالت بھی ہو۔ اس پر تم کو شاکر رہنا چاہیئے۔ تاکہ اس سے زیادہ برائی تم کو لاحق نہ ہو۔ ورنہ تم مصیبت میں یوں پھنس کر رہ جاؤ گے جیسے گدھا دلدل میں۔

اس مضمون کو ختم کر کے گدھے کے بیان کی طرف عود کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ گدھے نے کہا کہ میری تو یہ حالت ہے کہ جب تک مجھے چھاچھ (قوت لایموت) ملے میں شہد (عمدہ غذا) نہیں مانگتا۔ اسلیئے کہ ہر نعمت کے ساتھ ایک مصیبت ہوتی ہے اور جس طرح کوئی خزانہ بے سانپ کے اور کوئی گل بے خار کے نہیں ہے یوں ہی دنیا میں کوئی خوشی بے غم کے نہیں ہے پس بیرا نعمت کی خواہش کرنا تمنا ہے اُس مصیبت کے جو اس کے ساتھ ہوتی ہے۔

اسکے متعلق مجھے اپنے باپ سے ایک حکایت ہے سُنو! انہوں نے نصیحت کرتے ہوئے کہا تھا کہ بلٹیا ایک سقہ تھا اور اسکے پاس ایک گدھا تھا وہ گدھا تکلیف کے سبب حلقہ کی طرح ٹیڑھا ہوگیا تھا اور بھاری بوجھ کے سبب اس کی کمر متعدد مقامات سے زخمی تھی اور وہ مصیبت کے سبب اپنی موت کے دن کا عاشق اور اس کا طالب تھا۔ اُسے قوت کہاں نصیب تھی!..... گھاس بھی پیٹ بھر کر نہ ملتا تھا۔ اس پر طرہ یہ کہ آر کے کوچوں سے.. پیٹھ زخمی ہو رہی تھی اسکی یہ حالت دیکھ کر داروغہ اصطبل نے اس پر رحم کیا۔ کیونکہ وہ گدھے والے کا دوست تھا۔

تفصیل اس کی یہ ہے کہ ایک روز داروغہ مذکور سقے کے پاس آیا اور سلام کیا اور حالت دریافت کی اور کہا کہ یہ گدھا حرف دال کی طرح خمیدہ کیوں ہو رہا ہے اسنے جواب دیا کہ میری مفلسی ہے اور کمی معاش کے سبب۔ کیونکہ۔۔ اس بے زبان کو جو نہیں ملتے اس نے کہا کہ اچھا چند روز کے لیے ------

تم اسے میرے حوالہ کر دو تاکہ یہ شاہی اصطبل میں رہ کر قوی ہو جائے اُنہوں نے گدھا اسکے حوالے کر دیا۔ اور خود مصیبت سے چھوٹ گیا۔ داروغہ نے اسے لے جاکر شاہی اصطبل میں باندھ دیا۔ گدھے نے وہاں پہنچکر دیکھا کہ ہر طرف عربی گھوڑے کھڑے ہیں جو کہ باسامان اور موٹے تازے اور عمدہ اور نئے ہیں ان کا تھان صاف اور چھڑکاؤ کیا ہوا ہے اور وقت پر گھاس ملتا ہے اور وقت پر جَو آتے ہیں نیز اُس نے دیکھا کہ ... گھوڑوں کے کھرا کیا جاتا ہے اور ان کو مَلا دلا جاتا ہے۔ یہ حالت دیکھ کر اُس نے آسمان کی طرف منہ کیا۔ اور... کہا کہ اے اللہ! رب مجید! مانا کہ میں گدھا ہوں مگر کیا تیری مخلوق نہیں ہوں۔ پھر کیا بات ہے کہ میں مصیبت زدہ ہوں اور میری کمر زخمی ہے اور دُبلا ہوں۔ اور رات کو پیٹھ کی تکلیف اور پیٹ کی بھوک سے ہر دم مرنے کا متمنی ہوں۔ مگر گھوڑوں کی جگہ ایسی اچھی اور باسامان ہے۔ پس میں اس عذاب اور مصیبت کے ساتھ کیوں مخصوص کیا گیا ہوں اسکے بعد دفعۃً اعلان جنگ ہو گیا اور گھوڑوں پر زین کسنے اور ان سے کام لینے کا وقت آگیا اور وہ دشمن کے مقابلہ پر بھیج دیے گئے وہاں انہوں نے دشمن کے ہاتھ سے تیر کھائے اور ان کے جسموں میں ہر طرف پیکانیں گھس گئیں۔ آخر کار وہ جنگ سے واپس آئے اور اصطبل میں ان کو چت لٹایا گیا اور ان کے پاؤں نوار سے مضبوط باندھے گئے اور نعلبند قطار و قطار کھڑے ہوئے۔ ان کے جسموں کو نشتر سے چیرتے تھے تاکہ ان کے زخموں سے پیکانیں نکالیں .... جب گدھے نے یہ حالت دیکھی تو کہا کہ اے اللہ! میں فقر اور عافیت پر راضی ہوں اور انہیں ساز و سامان اور زخم سے بیزارت ظاہر کرتا ہوں۔

خلاصہ یہ کہ جو شخص عافیت چاہے اس کو چاہیئے کہ دنیا کو چھوڑ دے اور تلذذات و نعمات کے پیچھے نہ پڑے۔ فائدہ؛ ہر کہ خواہد عافیت مولانا کا مقولہ ہے جو بطور انتقال کے ہے۔ واللہ اعلم)

جوابِ گفتنِ رُوباہ خر را
لومڑی کا گدھے کو جواب دینا

گفت رُوبہ جُستنِ رزقِ حلال
لومڑی نے کہا، حلال رزق کا تلاش کرنا

فرض باشد از برائے امتثال
حکم بجا لانے کے لئے فرض ہوتا ہے

عالَمِ اسباب و رزقے بے سبب
یہ عالم اسباب ہے اور بغیر سبب کے رزق

می نیاید پس مُہم باشد طلب
حاصل نہیں ہوتا ہے، تو طلب کرنا ضروری ہے

وَابْتَغُوا مِنْ فَضْلِ اللهِ است امر
"اور اللہ کا فضل طلب کرو" حکم ہے

تا نیاید غصب کردن ہمچو نمر
تاکہ چیتے کی طرح چھیننا نہ پڑے

گفت پیغمبر کہ بر رزق اے فتیٰ
پیغمبرؐ نے فرمایا ہے کہ اے نوجوان! رزق کا

در فرو بست است و بر در قفلہا
دروازہ بند ہے اور دروازے پر تالے ہیں

جُنبش و آمد شدِ ما و اکتساب
ہماری حرکت اور آنا جانا اور کمانا

ہست مفتاحے بر آں قفل و حجاب
اُس تالے اور پردے کی کنجی ہے

بے کلید ایں در گشادن راہ نیست
بغیر کنجی کے اس دروازے کے کھلنے کی راہ نہیں ہے

بے طلب ناں سُنّتِ اللہ نیست
بغیر جستجو کے روٹی اللہ کی سنت نہیں ہے

گر تو بنشینی بچاہے اندرون
اگر تو کنویں میں جا بیٹھے

رزق کے آید برت اے ذو فنون
تیرے پاس رزق کب آئیگا اے صاحب تدابیر

---

۵۲ عالمِ اسباب۔ دنیا عالمِ اسباب ہے یہاں بلا تدبیر اور سبب اختیار کئے کوئی مقصد پورا نہیں ہوتا ہے۔ وَابْتَغُوا۔ قرآن میں حکم ہے کہ جمعہ کی نماز سے فارغ ہو کر اللہ کا فضل یعنی رزق طلب کرو۔ گفت۔ آنحضورؐ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے رزق کے دروازے بند کر دیئے ہیں اور دروازوں کو مقفل کر دیا ہے انسان کی کوشش اور کمانا ان تالوں کی کنجی ہے

۵۳ بے کلید۔ چابی کے بغیر کوئی تالا نہیں کھلتا ہے لہٰذا رزق حاصل کرنے کے لئے کمانا ضروری ہے۔ گر تو۔ لومڑی نے گدھے سے کہا اگر تو کنویں کے اندر جا کر بیٹھ جائے تو تیرے پاس رزق خود چل کر نہ آئے گا۔ گفت۔

شرح

لومڑی نے جواب دیا کہ روزی حلال کا تلاش کرنا اطاعت امر خداوندی کے لیے فرض ہے نیز عالم اسباب ہے اور رزق بے سبب کے حاصل ہو جائے ہو نہیں سکتا۔ لہٰذا طلب ضروری ہے اسی لئے حق سبحانہٗ کا حکم ہے کہ وابتغوا من فضل اللہ جس کے معنی ہیں۔۔ روزی تلاش کرو۔ پس تم کو روزی تلاش کرنا چاہیئے، اور چیتے کی طرح دوسروں کے مال پر خواہ مخواہ قبضہ کرنا نہیں چاہیئے۔

دیکھو! جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ رزق کا دروازہ بند ہے اور اس پر قفل لگے ہوئے ہیں اور ہماری حرکت اور دوڑ دھوپ۔۔۔۔

اور ہمارا کسب اس قفل کی کنجی ہے جس سے وہ کھلتا ہے اور بدوں طلب کے روزی ملنا خدا کی عادت نہیں ہے۔ دیکھو! اگر تم ایک کنوئیں میں بیٹھ جاؤ تو رزق تمہارے پاس کہاں سے آجائے گا۔ پس ان امور پر نظر کر کے تم کو رزق طلب کرنا چاہیئے۔

جوابِ گفتنِ آں خر روباہ را

اُس گدھے کا لومڑی کو جواب دینا

گفت از ضعفِ توکل باشد آں — ورنہ بدہناں کسے کو داد جاں

اُس نے کہا توکل کی کمزوری سے یہ ہوتا ہے — ورنہ وہ روٹی (بھی) دیتا ہے جس نے جان دی ہے

ہر کہ جوید بادشاہی و ظفر — کم نیاید لقمۂ ناں اے پسر

جو شخص شاہی اور کامیابی چاہتا ہے — اے بیٹا! (پہلے ہی) اُسکے لئے روٹی کا لقمہ کم نہیں ہے

دامؔ و دد جملہ شدہ اکال رزق — نے پئے کسب اند و نے حمال رزق

چرندے اور درندے سب رزق کھانے والے ہیں — نہ وہ کمائی کے درپے ہیں، نہ رزق کو لادنے والے ہیں

جملہ را رزّاق روزی می دہد — قسمتِ ہر یک بہ پیشش می نہد

سب کو رزق دینے والا روزی دیتا ہے — ہر ایک کا حصّہ اُس کے سامنے رکھ دیتا ہے

رزق آید پیش ہر کہ صبر جست — رنج و کوششہا ز بے صبری تست

جس نے صبر اختیار کیا رزق اُسکے سامنے آجاتا ہے — محنت اور کوششیں تیری بے صبری کی وجہ سے ہیں

گدھے نے کہا کہ سبب کے بغیر رزق کا نہ آنا توکل نہ ہونے کی وجہ سے ہے ورنہ اگر خدا پر پورا توکل کیا جائے تو رزق خود آتا ہے۔ ہر کہ۔ دنیا طلبی کے لئے جستجو کرنی پڑتی ہے ورنہ رزق تو خود پہنچتا ہے۔ دامؔ۔ چرنے والے جانور۔ اکال۔ زیادہ کھانے والا۔ رنج۔ چونکہ انسان بے صبر ہے اس لئے رزق کی تلاش میں مارا مارا پھرتا ہے۔

شرح اسکے جواب میں گدھے نے کہا کہ یہ باتیں توکل کی کمزوری کے سبب ہیں ورنہ جو بے طلب جان دیتا ہے وہ ہی بے طلب روٹی بھی دیگا۔ پس ہم کو توکل کو قوی کرنا چاہیئے۔ اور روٹی کی فکر میں نہ پڑنا چاہیئے کیونکہ توکل اعلیٰ ہے اور جستجوئے رزق ادنیٰ۔ طلب اعلیٰ کی ہونی چاہیئے ادنیٰ خود مل جاتی ہے۔ مثلاً جو کوئی سلطنت اور فتح کا طالب ہوگا۔ روٹی اسے خواہ مخواہ مل جائیگی پس ہم کو پست ہمت کیوں بننا چاہیئے اور سلطنت کیوں نہ طلب کرنی چاہیئے۔
دیکھو! چرندے، درندے سب اپنی اپنی روزی کھاتے ہیں حالانکہ نہ وہ کسب کے درپے ہیں اور نہ روٹی پٹلے باندھے پھرتے ہیں۔ پس خدا سب کو روزی دیتا ہے

اور جس قدر اسکی لیے مقدر ہے اتنا اس کے سامنے رکھتا ہے اور جو شخص صبر اختیار کرتا ہے اسکو روٹی ضرور ملتی ہے۔ پس یہ زحمت کسب اور رزق کے لیے کوششیں یہ سب تمہاری بے صبری کا نتیجہ ہیں؛

جواب گفتن روباہ خر را کہ من راضیم بہ قسمت خود

لومڑی کا گدھے کی اس بات کا جواب دینا کہ میں اپنے حصہ پر راضی ہوں

گفت روبہ آں توکل نادرست
لومڑی نے کہا، یہ توکل نایاب ہے

کم کسے اندر توکل ماہرست
بہت کم ہیں، جو توکل میں ماہر ہیں

گرد نادر گشتن از نادانی ست
نایاب کا چکر لگانا نادانی ہے

ہر کسے را کے رہ سلطانی ست
ہر شخص کو شاہی کرنے کا راستہ کب میسر ہے؟

چوں قناعت را پیمبر گنج گفت
جب کہ قناعت کو پیغمبر نے خزانہ کہا ہے

ہر کسے را کے رسد گنج نہفت
ہر شخص کو چھپا ہوا خزانہ کب ملتا ہے؟

حد خود بشناس و بر بالا مپر
اپنا رتبہ پہچان اور اونچا نہ اڑ

تا نیفتی در نشیب شور و شر
تاکہ تو شور و شر کے گڑھے میں نہ گرے

جہد کن و اندر طلب سعیے نما
محنت کر اور طلب میں کوشش کر

چوں نداری در توکل صبر را
جبکہ تو توکل میں صبر نہیں کر سکتا ہے

ــــــــــــــــــــ

گفت روبہ۔ لومڑی نے گدھے سے کہا اس قدر توکل کو رزق خود آئے بہت کمیاب ہے ہر کسے۔ توکل کا یہ مرتبہ صرف شاہوں کو حاصل ہے۔ قناعت۔ آنحضورؐ نے قناعت اور صبر کو خزانہ سے تعبیر کیا ہے خزانہ ہر شخص کے ہاتھ نہیں آتا۔

حد خود۔ انسانوں کو اپنے رتبہ پر رہنا چاہیئے ورنہ مصیبت میں مبتلا ہو جائے گا جبکہ توکل کا مرتبہ حاصل نہیں ہے تو انسان کو رزق کی تلاش کرنی چاہیئے۔ گفت خر۔ گدھے نے لومڑی سے کہا تو الٹی بات کرتی ہے توکل سے نہیں بلکہ لالچ سے انسان شور و شر میں مبتلا ہوتی ہے۔

شرح

لومڑی نے کہا کہ جو حقیقی توکل ہے وہ شاذ و نادر ہے اور بہت کم لوگ ہیں جو توکل کے ماہر ہیں۔ پس جبکہ توکل بہت کمیاب ہے تو اس کا متلاشی ہونا حماقت ہے کیونکہ ہر کسی کو بادشاہی نہیں ملتی اور چونکہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قناعت کو خزانہ فرمایا ہے اسلیے یہ خود دلیل ہے اسکی کمیابی کی۔ کیونکہ مخفی خزانہ ہر کسی کو نہیں ملتا۔ پس تم کو اپنے مرتبہ پر رہنا چاہیئے اور زیادہ بلند پروازی نہ کرنی چاہیئے۔ تاکہ تم شور و شر کے گڑھے میں نہ گرو۔ اور چونکہ تم توکل کی حالت میں صبر نہیں کر سکتے۔ جس کی اس میں ضرورت ہے۔ لہٰذا تم کو کوشش کرنی چاہیئے اور طلب رزق میں سرگرم ہونا چاہیئے

باز جواب گفتنِ خر روباہ را
گدھے کا دوبارہ لومڑی کو جواب دینا

گفت خر معکوس میگوئی بداں — شور و شر از طمع آید سوئے جاں
گدھے نے کہا، ہمبرے تو نے اُلٹی بات کہہ دی ہے — جان کی جانب شور و شر لالچ سے آتا ہے

ازقناعت[۵۲] ہیچ کس بے جاں نشد — از حریصی ہیچکس سلطاں نشد
قناعت سے کوئی شخص نہیں مرا ہے — لالچ کرنے سے کوئی شخص بادشاہ نہیں بنا ہے

ناں ز خوکان و سگاں نبود دریغ — کسب مردم نیست ایں باران و میغ
رزق سوروں اور کتوں سے (بھی) رُکا ہوا نہیں ہے — بارش اور ابر انسانوں کی کمائی نہیں ہے

آنچنانکہ عاشقی بر رزق زار — ہست عاشق رزق ہم بر رزق خوار
جس طرح تو رزق کا عاشق زار ہے — رزق بھی، رزق کھانے والے کا عاشق ہے

گر تو نشتابی بیاید بر درت — ور تو بشتابی دہد دردِ سرت
اگر تو نہ دوڑے گا وہ تیرے در پر آئے گا — اگر تو دوڑے گا وہ تیرے سر میں درد کردے گا

در تقریر[۵۳] معنی توکل و حکایتِ آں زاہد کہ توکل را امتحان میکرد و از اسباب منقطع شد و از شہر بیرون آمد و از شوارع و رہگذرِ خلق دور شد و بس بن کوہے مہجور در غایتِ گرسنگی سر بر سنگے نہاد و با خود گفت توکل کردم بر سبب سازی و رزاقیِ تو و از اسباب منقطع شدم تا ببینم سببیت توکل را

توکل کے معنی کی تقریر اور اس زاہد کا قصہ جو توکل کا امتحان کرتا تھا اور اسباب سے جدا ہوگیا تھا اور شہر سے باہر آگیا تھا اور راستوں اور لوگوں کی رہگذر سے دور ہوگیا تھا اور بے آباد پہاڑ کی جڑ کے نیچے انتہائی بھوک کی حالت میں ایک پتھر پر سر رکھے ہوئے پڑا تھا اور اپنے آپ سے کہتا تھا کہ (اے خدا) میں نے تیری سبب سازی اور رزاقی پر توکل کیا ہے اور اسباب سے علیحدہ ہوگیا ہوں تاکہ میں توکل کے سبب بنانے کو دیکھوں

آں یکے زاہد شنید از مصطفےٰ — کہ یقیں[۵۴] آید بجاں رزق از خدا
ایک زاہد نے مصطفےٰ (کی جانب) سے سنا — کہ جان کو رزق یقیناً پہنچتا ہے

گر بخواہی ور نخواہی رزقِ تو — پیشِ تو آید دواں از عشقِ تو
خواہ تو چاہے، یا نہ چاہے، تیرا رزق — تیرے عشق میں دوڑتا ہوا تیرے سامنے آجاتا ہے

از برائے امتحاں آں مرد رفت — در بیاباں نزدِ کوہے خفت تفت
امتحان کے لئے وہ شخص روانہ ہوا — جنگل میں پہاڑ کے پاس، جلد جا سویا

---

[۵۲] از قناعت۔ قناعت مُضر نہیں ہے اور حرص مفید نہیں ہے۔ ناں۔ رزق سوروں اور کتوں کو بغیر کمائے ملتا ہے بارش اور ابر انسانوں کی محنت کے بغیر ہوتی ہے۔ آنچناں۔ جس طرح انسان رزق پر عاشق ہے رزق بھی انسان پر عاشق ہے انسان صبر کرے تو وہ خود دروازے پر آجاتا ہے۔

[۵۳] در تقریر۔ ایک زاہد نے توکل کے سبب رزق ہونے کو آزمایا وہ شہر سے بہت دور ایک پہاڑ کے نیچے جا بیٹھا شوارع۔ شارع کی جمع ہے، راستہ۔ مہجور۔ یکہ و تنہا۔

[۵۴] کہ۔ اس نے آنحضورؐ کی یہ بات سُنی تھی کہ رزق لامحالہ پہنچتا ہے رزق بھی انسان کا عاشق ہے۔ از برائے۔ آزمائش کے لئے یہ زاہد جنگل میں ایک پہاڑ کے پاس جا لیٹا۔

کہ ببینم رزق مے آید بمن
کہ میں دیکھتا ہوں رزق میرے پاس آتا ہے!

تاقوی گردد مرا در رزق ظن
تاکہ رزق کے بارے میں میرا خیال مضبوط ہو جائے

کاروانے راہ گم کرد و کشید
ایک قافلہ نے راستہ گم کر دیا اور آگیا

سوئے کوہ آں ممتحن[۵۲] را خفتہ دید
پہاڑ کی جانب اُس آزمائش کرنیوالے کو سوتا دیکھا

گفت ایں مرد ایں طرف چونست عور
بولا یہ شخص اس طرف اکیلا کیوں ہے!

در بیاباں از رہ و از شہر دور
جنگل میں، راستہ اور شہر سے دور

اے عجب مردہ است یا زندہ کہ او
تعجب ہے، یہ مردہ ہے یا زندہ کہ وہ

می نترسد ہیچ از گرگ و عدو
بھیڑیئے اور دشمن سے بالکل نہیں ڈرتا ہے

آمدند[۵۳] و دست بروے میزدند
وہ آئے اور ہاتھ اُس پر دھرا

قاصداً چیزے نگفت آں ارجمند
اُس نیک بخت نے جان کر کچھ نہ کہا

ہم نجنبید و نجنبانید سر
ہلا بھی نہیں اور نہ سر ہلایا

وانکرد از امتحاں ہیچ او بصر
آزمانے کیلئے اُس نے بالکل آنکھ نہ کھولی

پس بگفتند ایں ضعیف بے مراد
پھر انھوں نے کہا، یہ بے مراد کمزور

از مجاعت سکتہ اندر او فتاد
بھوک کی وجہ سے بے ہوش ہو گیا ہے

ناں بیاوردند و در دیگے طعام
وہ روٹی اور دیگچی میں کھانا لائے

تا بریزندش بحلقوم و بکام
تاکہ اُس کے حلق اور تالوے میں ڈالدیں

پس بقاصد مرد دنداں سخت کرد
تو اُس شخص نے جان بوجھ کر دانت بند کرلئے

تا ببیند صدق آں میعاد مرد
تاکہ وہ شخص وعدہ کی سچائی دیکھ لے

رحم شاں آمد کہ ایں بس بینواست
اُن کو رحم آیا کہ بہت بے سروسامان ہے

وز مجاعت ہالک مرگ و فناست
اور بھوک سے موت اور فنا میں تباہ ہے

کارد[۵۴] آوردند و قوم اشتافتند
وہ چھری لائے اور لوگ دوڑ پڑے

بستہ دندانہاش را بشگافتند
انھوں نے اُس کے بند دانتوں کو کھولا

ریختند اندر دہانش شوربا
انھوں نے شوربا اُس کے منہ میں ڈالا

می فشردند اندرو ناں پارہا
اُس کے اندر انھوں نے روٹی کے ٹکڑے کئے تھے

گفت اے دل گرچہ خود تن میزنی
اُس نے کہا اے دل! اگرچہ تو خاموش ہے

راز میدانی و نازے می کنی
تو راز جان گیا ہے اور ناز کر رہا ہے

گفت دل دانم بقاصد می کنم
دل نے کہا میں جانتا ہوں اور قصداً کر رہا ہوں

رازق اللہ است بر جان و تنم
میری جان اور جسم کا رزق دینے والا اللہ ہے

[۵۲] ممتحن یعنی وہ زاہد جو توکل کی آزمائش کر رہا تھا۔ عور۔ ننگا، اکیلا۔

[۵۳] آمدند۔ وہ قافلہ والے اُس کے پاس آئے اور اُس کو ہلایا لیکن اُس نے جان بوجھ کر خاموشی اختیار کرلی۔ از مجاعت یعنی فاقہ کشی کی وجہ سے بیہوش ہو گیا ہے۔ قاصد۔ قصداً۔

[۵۴] کارد۔ چونکہ زاہد نے دانت بھینچ لئے تھے اُنھوں نے چھری کے ذریعہ اُس کا منہ کھولا اور شوربے میں روٹی کے ٹکڑے بھگو کر اُسکو کھلائے۔ گفت۔ اُس زاہد نے اپنے دل سے کہا کہ تو راز کو جانتا ہے اور یہ آزمایش بطور ناز کے کر رہا ہے۔ گفت دل۔ دل نے جواب دیا کہ ہاں مجھے اس کا علم ہے کہ جان و جسم کا رازق اللہ ہی ہے۔ امتحان۔ مولانا فرماتے ہیں اس سے بہتر امتحان اور کیا ہوگا اس سے معلوم ہو گیا کہ صابروں کے پاس رزق خود چل کر آتا ہے۔ تا بدانی۔ یقیناً توکل اختیار کرنا چاہیئے حرص کرنا گدھا پن ہے۔

امتحاں زیں بیشتر خود چوں بُوَد	رزق سوئے صابراں خوش میرسد
اس سے زیادہ کیا آزمائش ہوگی ؟	صابروں کی جانب رزق اچھی طرح آتا ہے
تا بدانی وز توکل نگذری	حرص آوردن چہ باشد از خری
تاکہ تو سمجھ لے اور توکل سے درگذر نہ کرے	حرص کرنا کیا ہوتا ہے ؟ گدھے پن سے ہے
بعد ازاں بکشاد آں مسکیں دہن[2]	گفت کردم امتحانِ رزق من
اس کے بعد اس مسکین نے منہ کھول دیا	کہا میں نے رزق کا امتحان کر لیا
ہر چہ گفتست آں رسولِ پاک جیب	ہست حق نیست درو یے ہیچ ریب
جو کچھ اس پاک دل رسول ؐ نے فرمایا	برحق ہے اور اس میں کوئی شبہ نہیں ہے

[2] بعد ازاں۔ جب قافلہ والے جبراً اس زاہد کو کھانا کھلا چکے تو اس زاہد نے منہ کھولا اور کہا میں نے رزق کے معاملہ میں آنحضور ؐ کے فرمان کو آزمایا وہ بالکل سچ ہے۔ تحریض۔ برانگیختہ کرنا۔ جُہدُ المُقِل۔ نادار کی کوشش۔ دست۔ خدا نے تجھے ہاتھ اس لئے دیئے ہیں کہ اُنہی سے کام کر اپنا بھی پیٹ بھر اور کما کر دوسروں کی بھی مدد کر۔

شرح گدھے نے کہا کہ دیکھ! تو الٹی گفتگو کر رہی ہے۔ کہ قناعت کو موجب وقوع در فتنہ و فساد کہہ رہی ہے کیونکہ فتنہ و فساد طمع سے آدمی کو لاحق ... ہوتے ہیں نہ کہ قناعت سے اور تو جو مجھے ترک قناعت و اختیار حرص کے ترغیب دیتے ہیں اسکے متعلق میں کہتا ہوں کہ قناعت سے کوئی شخص مرتا نہیں اور محض حرص کے بدوں اعانتِ تقدیرِ الٰہی کوئی شخص بادشاہ نہیں ہوا۔ ایسی حالت میں قناعت کو کیوں چھوڑا جائے اور حرص کو کیوں اختیار کیا جائے۔ روٹی تو سوروں اور کتوں کو بھی ملتی ہے پھر اس کے لیے دوڑ دھوپ کیوں کی جائے۔ اور بالفرض طلب رزق کے لیے کوشش بھی کی جائے تو اس میں بھی آخر میں توکل کی ضرورت ہے کیونکہ مبادی رزق غیر اختیاری ہیں مثلاً بارش اور ابر میں بندوں کے کسب کو کچھ دخل نہیں تو جبکہ کسب کا مآل بھی توکل ہی ہے۔ تو کسب کیوں گوارا کی جائے ابتدا ہی سے توکل کیوں نہ کر لیا جائے۔ جو ہمارے لئے رزق کا سامان کرتا ہے وہ پہنچا بھی دیگا

یاد رکھو! جس طرح تم رزق پر عاشق ہو یونہی رزق ہی تم پر عاشق ہے۔ پس اگر تم اسکی طرف نہ دوڑو گے۔ تو وہ تمہاری طرف خود دوڑے گا اگر تم اسکی طرف دوڑو گے تو وہ تمہیں پریشان کریگا کیونکہ اس حالت میں وہ مطلوب ہے۔

عشق رزق کے ثبوت کے لیے ہم ایک واقعہ تم سے بیان کرتے ہیں سُنو اکسی زاہد نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا کہ حق سبحانہٗ کی جانب سے رزق جاندار کو یقیناً پہنچتا ہے۔ پس خواہ تم چاہو یا نہ چاہو۔ تمہارا رزق تمہارے عشق سے ضرور تمہارے پاس آئے گا۔ یہ سُنکر وہ شخص آزمائش کے لیے چلدیا اور جنگل میں ایک پہاڑ کے پاس جاکر لیٹ رہا۔ بدیں خیال کہ دیکھوں میرا رزق میرے پاس بھی آتا ہے تاکہ اگر وہ مجھے مل جائے تو میرا عقیدہ اور پختہ ہو جائے۔ اتفاق سے ایک قافلہ راستہ بھول گیا اور پہاڑ پر پہنچ گیا اور وہاں پہنچکر آزمائش کرنیوالے کو سوتا پایا اُس وقت انہوں نے کہا کہ یہ آدمی یہاں جنگل میں؟ رستہ اور شہر سے دور بے سر و سامان کیوں پڑا ہے نہیں معلوم کہ یہ مردہ ہے یا زندہ۔ اگر زندہ ہے تو تعجب ہے کہ وہ بھیڑیے اور دشمن سے بھی نہیں ڈرتا۔ یہ خیال کر کے وہ لوگ آئے اور اُسے ٹٹولنا شروع کیا اس نے قصداً کچھ نہ کہا۔ اور خاموش رہا نہ اس نے حرکت کی اور نہ سر ہلایا اور آزمائش کے سبب اس نے آنکھ بھی نہ کھولی۔ جب انہوں نے دیکھا کہ زندہ تو ہے مگر حرکت نہیں کرتا تو انہوں نے کہا کہ یہ بے مراد ناتواں بھوک کے سبب بے حس و حرکت ہو گیا ہے۔ یہ خیال کر کے وہ ایک دیگچی میں کھانا لائے تاکہ اس کے حلق میں ٹپکا دیں۔

یہ حالت دیکھ کر اس نے قصداً دانت بھینچ لئے تاکہ اُس وعدہ کی سچائی اُس پر پورے طور پر روشن ہو جائے اس سے انکو اور بھی رحم آیا اور انہوں نے خیال کیا کہ بیچارہ بہت ہی ناتواں ہے اور بھوک کے سبب لبِ دم ہے پس وہ لوگ دوڑ کر چھری لائے اور اس کے بند دانتوں کو کھولا۔ اور اس کے منہ میں شوربا ٹپکا دیا اور روٹی کے ٹکڑے اس میں ٹھونس دیے یہ حالت دیکھ کر اس نے اپنے دل سے کہا۔ کہ اے دل! اب کیوں خاموش ہے تو راز جانتا ہے اور ناز کرتا ہے تجھے ایسا نہ چاہیئے دل نے کہا کہ جی ہاں! میں جانتا ہوں مگر قصداً ایسا کرتا ہوں اور دیکھ رہا ہوں کہ خدا مجھے روزی پہنچا رہا ہے۔ اب تم سمجھو کہ اس سے زیادہ امتحان کیا ہو سکتا ہے۔ پس ثابت ہُوا کہ صابروں

کے پاس رزق خود آتا ہے - یہ قصہ ہم نے اسلئے بیان کیا ہے کہ تم سمجھو! اور توکّل کو نہ چھوڑو - کیونکہ ایسے واقعات کے ہوتے ہوئے روٹی کے لیے حرص کرنا محض بے معنی ہے - خیر اس کے بعد اس نے منہ کھولا اور کہا کہ میں نہ بھوکا ہوں نہ کمزور! میں نے اپنے رزق کا امتحان کیا تھا - پس ثابت ہوا کہ جو کچھ اس پاک دامن رسول نے کہا تھا بالکل سچ ہے اور اس میں کچھ شک نہیں ہے -

باز جواب گفتنِ روباہ خر را و تحریض کردنِ او خر را بکسب

لومڑی کا پھر گدھے کو جواب دینا اور اس کو کمائی کی رغبت دلانا

گفت روبہ ایں حکایت را بہل — دستہا در کسب زن جُہدِ المقل

لومڑی نے کہا اس قصہ کو چھوڑ — غریبانہ کوشش سے کمائی کے لئے ہاتھ چلا

دست داد ستت خدا کارے بکُن — مکسبے کُن یاریِ یارے بکُن

خدا نے ہاتھ دیئے ہیں، کچھ کام کر — کما، کسی دوست کی مدد کر

ہر کسے در مکسبے پا می نہد[۱] — یاریِ یارانِ دیگر میکند

ہر شخص کمائی میں قدم دھرتا ہے — دوسرے دوستوں کی مدد کرتا ہے

زانکہ جُملہ کسب ناید از یکے — ہم در و گر ہم سقا ہم حائکے

اسلئے کہ سارے پیشے ایک شخص سے نہیں ہوتے ہیں — بڑھئی بھی ہو، سقا بھی، بُننے والا بھی

چوں[۲] بانباز یست عالم برقرار — ہر کسے کارے گزیند ز افتقار

دنیا شرکت سے قائم ہے — ضرورت کی وجہ سے ہر شخص ایک پیشہ کرتا ہے

طبلخواری در میانہ شرط نیست — راہِ سنّت کار و مکسب کردنیست

لوگوں میں پیٹو پن مناسب نہیں ہے — سنّت کا راستہ کام اور کمائی کرنا ہے

جواب گفتنِ خر روباہ را کہ توکّل بہترین کسبہا کہ ہر کسے محتاج ست

گدھے کا لومڑی کو جواب دینا کہ توکّل بہترین کمائی ہے کیونکہ ہر شخص توکّل کا محتاج ہے

بتوکّل کہ اے خدا ایں کار مرا راست دار و دُعا متضمّنِ توکّل ست و

کہ اے خدا میرے اس کام کو سیدھا رکھ اور دعا توکّل پر مشتمل ہے اور

توکّل کسبے ست کہ بہیچ کسبے دیگر محتاج نیست

توکّل وہ کمائی ہے جو کسی دوسری کمائی کی محتاج نہیں ہے

---

[۱] ہر کسے. معاشرے میں ہر شخص دوسرے کی کمائی کا محتاج ہے ہر پیشہ ہر شخص نہیں کر سکتا ہر پیشہ ور کما کر دوسرے کی مدد کرتا ہے - دنداں ہر شخص اپنے پیشے سے اُن لوگوں کی مدد کرتا ہے جن سے یہ کام نہیں آتا

[۲] چوں - دنیا کا معاشرہ باہمی امداد سے قائم ہے - طبلخواری - پیٹو پن شکم پروری - راہ - سنّت طریقہ بھی ہے کہ انسانوں کو کسب کرنا چاہیئے - جواب گفتن - گدھے نے کہا توکّل بھی ایک پیشہ ہے اور ایسا پیشہ ہے کہ دوسرے پیشے اس کے محتاج ہیں اس لئے کہ ہر پیشہ ور اپنے اسباب ختم کرکے دعا کے لئے ہاتھ اُٹھاتا ہے اور یہ دعا توکّل پر مبنی ہے اور توکّل خود ایسی چیز ہے کہ اس میں کسی دوسری چیز کی ضرورت نہیں ہے -

گفت من به از توکّل بر ربے
اُس نے کہا میں خدا پر توکل سے بہتر

می ندانم در دو عالم مکسبے[۲]
دونوں جہان میں کوئی کمائی بہتر نہیں جانتا ہوں

کسب شکرش را نمی دانم ندید
اُسکا شکر یہ ادا کرنے کی کمائی کی میں کوئی نظیر نہیں جانتا ہوں

تا کشد شکرِ خدا رزقِ مزید
حتّٰی کہ اللہ کا شکر مزید رزق کو کھینچ لاتا ہے

خود توکّل بہترینِ کسبہاست
خود توکل بہترین کمائیوں میں سے ہے

زانکہ در ہر کسب دستت بر خداست
کیونکہ ہر کمائی میں تو خدا کی جانب ہاتھ اٹھائے ہوئے ہے

کاے خدا کارِ مرا تو راست آر
کہ اے خدا! تو میرے کام کو درست کر دے

ویں دعا ہست از توکّل در سرار
دراصل یہ دعا توکل ہی ہے، سمجھ لے

در توکّل ہیچ نبود احتیاج
توکل میں کسی چیز کی ضرورت نہیں ہوتی ہے

فارغی از نقصِ ریع[۳] و از خراج
تو پیداوار اور آمدنی کے گھاٹے سے فارغ ہے

بحثِ شاں بسیار شد اندر خطاب
بات چیت میں ان کی بہت بحث ہوئی

ماندہ گشتند از سوال و از جواب
وہ سوال اور جواب سے تھک گئے

جوابِ گفتنِ روباہ خر را

لومڑی کا گدھے کو جواب دینا

بعد ازاں گفتش کہ اندر تہلکہ
اسکے بعد اُس نے اُس سے کہا کہ ہلاکت میں ڈالنے کے بارے میں

نہیِ لَا تُلْقُوا بِاَیْدِیْ تُہلکہ
"اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو" کی نہی وارد ہوئی ہے

صبر در صحرائے خشک و سنگلاخ
خشک اور پتھریلے جنگل میں صبر کرنا

احمقی باشد جہانِ حق فراخ
حماقت ہے، اللہ کی دنیا وسیع ہے

نقل کن زیں جا بسوئے مرغزار
اس جگہ سے سبزہ زار میں منتقل ہو جا

می چرا آنجا سبزہ گردِ جوئبار[۴]
وہاں چشمے کے کنارے پر سبزہ چر

مرغزارِ سبز مانندِ جناں
جنتوں کی طرح کا سبزہ زار

سبزہ رستہ اندر آنجا تا میاں
وہاں کمر تک سبزہ اُگا ہوا ہے

خرّم آں حیواں کہ او آنجا رود
وہ جانور خوش نصیب ہے جو وہاں چلا جائے

اشتر اندر سبزہ ناپیدا شود
(اُس) سبزہ میں اونٹ چھپ جاتا ہے

ہر طرف در وے یکے چشمہ رواں
اس میں ہر جانب ایک چشمہ جاری ہے

اندرو حیوان مرفہ در اماں
وہاں حیوان امن میں خوش عیش ہے

از خری او را نمی گفت اے لعیں
گدھے پن سے اسکو نہیں کہتا تھا کہ اے ملعون!

چوں از آنجائی چرا زاری چنیں
جبکہ تو اُس جگہ کی ہے، ایسی کمزور کیوں ہے؟

۲ مکسب۔ پیشہ۔ ندید۔ نظیر، مثال۔ تاکشد۔ قرآن میں فرمایا گیا ہے۔ اگر تم شکر کروگے تو ہم اور زیادہ دیں گے۔ خود توکل۔ توکل بھی کمائی کا ایک طریقہ ہے اور ایسا طریقہ ہے کہ دوسرے طریقوں میں اُس کی ضرورت پڑتی ہے اور اس میں کسی دوسرے پیشہ کی ضرورت نہیں انسان جو بھی طریقہ اختیار کرتا ہے اُس میں دعا کرتا ہے اور خدا پر بھروسہ کا اظہار کرتا ہے۔

۳ ریع۔ پیداوار۔ خراج۔ آمدنی۔ بستاناں۔ لومڑی نے کہا ہاتھ پاؤں توڑ کر بیٹھنا اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا ہے اور اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنے کی ممانعت ہے۔

۴ جوئبار۔ چشمہ۔ مرغزار۔ وہاں ایسا سبزہ زار ہے جیسا جنت میں ہوگا، کمر کمر تک سبزہ اُگا ہوا ہے۔ اشتر۔ اتنا اونچا سبزہ ہے جس میں اونٹ غائب ہو جاتا ہے۔ مرفہ۔ خوش عیش۔ از خری۔ گدھا بہرحال گدھا تھا مولانا فرماتے ہیں اس سے یہ نہ ہوا کہ لومڑی سے کہتا کہ اگر تیرا بیان صحیح ہے تو تو کیوں بدحال ہے۔

کو نشاطِ فربہی و فرِّ تو ... چیست ایں لاغر تنِ مضطرِ تو
تیری شان و شوکت اور موٹاپے کی خوشی کہاں ہے؟ ... تیرا پریشان اور کمزور جسم کیوں ہے؟

شرح روضہ گر دروغ و زور نیست ... پس چرا چشمت ازاں مخمور نیست
اگر باغیچہ کی تفصیل جھوٹ اور فریب نہیں ہے ... تو تیری آنکھیں اُس سے مست کیوں نہیں ہیں؟

ایں گدا چشمی و ایں نادیدگی ... از گدائی تست نز بگلربگی
یہ بھکاری پن اور ندیدہ پن ... بھکاری ہونے کی وجہ سے ہے نہ کہ سرداری سے

چوں ز چشمہ آمدی چونی تو خشک ... گر تو نافِ آہوئی کو بوئے مشک
جبکہ تو چشمہ پر سے آئی ہے تو خشک کیوں ہے؟ ... اگر تو ہرن کا نافہ ہے تو مشک کی خوشبو کہاں ہے؟

گر تو می آئی ز گلزارِ جناں ... دستۂ گل کو برائے ارمغاں
اگر تو جنتوں کے باغیچہ سے آرہی ہے ... تحفہ کے لئے گلدستہ کہاں ہے؟

زانچہ میگوئی و شرحش میکنی ... چوں نشانے در تو نامد اے سنی
تو جو کچھ کہہ رہی ہے اور اُس کی تفصیل کر رہی ہے ... اے بھلی! تجھ میں اُس کی کوئی نشانی کیوں نہیں ہے؟

۱۰۰ کو تو۔ گدھا لومڑی سے کہتا کہ اگر وہ جنگل ایسا عمدہ ہے جو تو بیان کر رہی ہے تو اس جنگل کے اچھے آثار تجھ پر کیوں نہیں ہیں اور تو کیوں لاغر اور کمزور ہے۔ پس چرا۔ اُس جنگل کی نعمتوں سے تیری نگاہیں مست ہونی چاہئیں۔ ایں۔ تیرا ندیدہ پن تو گداگری کی وجہ سے ہے سرداری کی وجہ سے نہیں ہے۔ بگلربگی۔ امیر الامرائی۔

۱۰۳ گر تو۔ گدھا لومڑی سے کہتا کہ اگر تو جنت کے باغیچہ سے آرہی ہے تو تیرے ہاتھ میں تحفہ کے لئے گلدستہ ہونا چاہئے تھا۔ زانچہ۔ تو نے جو باتیں بتائیں اُن سے تیرے اندر نشاط کیوں نہیں ہے

شرح لومڑی نے گدھے کی گفتگو سُن کر جواب دیا کہ اس حکایت کو چھوڑنا چاہیئے ـــــ اور گو تھوڑا ہی سہی مگر جس قدر بھی قدرت ہے کسب کرنا چاہیئے۔ خدا نے ہاتھ دیئے ہیں سو اسی لئے کہ کام کرو۔ اور کسب کر کے اپنے ابنائے جنس کی مدد کرو۔ دیکھو! ہر کوئی ایک جداگانہ کام کرتا ہے اور اپنے دوسرے ابنائے جنس کی مدد کرتا ہے اسکی وجہ یہ ہے کہ ہر ایک کو دوسرے کی ضرورت ہے کیونکہ تمام کام ایک شخص نہیں کر سکتا اور یہ نہیں ہو سکتا کہ وہ بڑھئی ہی ہو جائے اور سقا بھی اور جولاہا بھی وغیرہ وغیرہ اور چونکہ عالم مشارکت فی الکسب اور ایک دوسرے کی اعانت سے قائم ہے لہٰذا ہر کوئی ایک جداگانہ کام اور پیشہ اختیار کرتا ہے مثلاً کوئی بڑھئی کا پیشہ کرتا ہے کوئی لوہار کا وغیرہ وغیرہ۔ ایسی حالت میں تم کو بیٹھے بٹھائے کھانا مناسب نہیں ہے پس تم کو کوئی نہ کوئی کام ضرور کرنا چاہیئے کیونکہ طریق سنت کام کرنا اور کمانا ہے۔

شرح لومڑی کے جواب میں گدھے نے کہا کہ توکّل خود ایک کسب ہے اور میں اس سے بہتر دنیا میں کوئی کسب نہیں دیکھتا کیونکہ کسب کا حاصل

اختیار طریق رزق ہے۔ اور توکل خود بھی حصولِ روزی ---------- کا ایک ذریعہ ہے۔ اسلئے یہ بھی ایک کسب ہے اور چونکہ اس میں براہِ راست استعانت من اللہ ہے اور دیگر مکاسب میں بواسطہ اس لیے یہ اُن سے ... بڑھ کر ہی ہے دوسری بات یہ ہے کہ میں تمام جھگڑوں سے فارغ ہوکر طاعت حق میں مصروف ہوں جوکہ اس کا شکر ہے۔ پس سے میں بحالت توکّل کسب شکر میں مصروف ہوں اور اسکے برابر کوئی کسب نہیں سمجھتا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ بحکم لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ میرا شکر خدا بہت سا رزق میرے پاس لائے گا۔ اچھا اسکو بھی جانے دیجئے۔ اب میں کہتا ہوں کہ تمام مکاسب میں سب سے بڑھ کر اور سب سے بہتر توکل ہے کیونکہ ہر کسب میں تم خدا کے سامنے ہاتھ پھیلاتے ہو اور کہتے ہو کہ اے اللہ! تو میرے کام کو درست کر دے۔ اور دعا حقیقت میں توکل ہے پس ہر کام کا مدار توکل پر ہُوا۔ پس جبکہ ہر کام کا مدار توکل ہی پر ہے تو میں کام کرکے توکل کیوں کروں اور اسلیے ہاتھ سے ناک کیوں نہ کروں بلکہ براہِ راست ہی توکل کیوں نہ کروں بالخصوص کہ توکل میں کسی چیز کی ضرورت ہی نہیں ہے اور نہ اس میں کمی پیداوار کی فکر ہے اور نہ ادائیگی خراج کی۔ الغرض ان کی بہت کچھ بحث ہوئی حتٰی کہ سوال و جواب سے تھک گئے

شرح جبکہ بہت کچھ بحث ہو چکی اور ہر دو فریق تھک گئے تو اس کے بعد لومڑی نے آخری تقریر کی اور کہا کہ ہلاکت کے باب میں تم حق سبحانہٗ کی ممانعت اور ارشاد لَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ پر غور کرو۔ اور سمجھو کہ اپنے کو ہلاکت میں ڈالنا حرام ہے پس سے اس خشک جنگل اور پتھریلی زمین میں صبر کرنا جو کہ اپنے کو ہلاکت میں ڈالنا ہے سخت حماقت ہوگا۔ خدا کی زمین وسیع ہے پھر کیا ضرورت ہے کہ اس قدر وسعت کے ہوتے ہوئے اس مقام پر اپنے کو محبوس

کر دیا جائے۔ تم کو یہاں سے فلاں سبزہ زار میں چلنا چاہئیے اور وہاں ندی کے کنارے سبزہ چرنا چاہئیے وہ سر سبز سبزہ زار ہے جو کہ جنت کے مشابہ ہے اور وہاں کمر کمر تک سبزہ اگا ہوا ہے بڑی خوشی ہے اس جانور کے لیے جو وہاں جائے کیونکہ وہاں سبزہ میں اونٹ گم ہوجاتا ہے۔ اس قدر کثرت ہے اور ہر طرف چشمے جاری ہیں غرضکہ وہاں جانور خوشحال اور تکالیف سے بالکل مامون ہوتا ہے یہاں تک لومڑی کی گفتگو ختم ہوئی۔

اب مولانا فرماتے ہیں کہ گدھے نے اپنے گدھے پن سے اس سے یہ نہ کہا کہ مردود جب تو ایسے سبزہ زار میں رہتی ہے تو پھر تو اس قدر تباہ حال کیوں ہے تیری فربہی کی نشاط اور تیری شان و شوکت کہاں ہے اور یہ ڈگمگاتا ہوا جسم لاغر کیوں ہے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جو کچھ تو اس چمنستان کے حالات بیان کرتی ہے سب جھوٹ اور فریب ہیں کیونکہ اگر باغ کی یہ تفصیل واقعی ہے اور جھوٹ اور فریب نہیں ہے تو سمجھ میں نہیں آتا کہ تیری آنکھوں میں اس کا نشہ کیوں نہیں ہے یہ گدا چشمی اور ندیدہ پن۔ تو مفلسی ہی سے ہوسکتا ہے نہ کہ ریاست و امارت سے پس میں پوچھتا ہوں کہ جب تو چشمہ میں سے آئی ہے تو سوکھی کیوں ہے اور اگر تو نافہ ہے تو بتا بوئے مشک کہاں ہے اور اگر تو باغ جنت سے آئی ہے تو تحفہ کے لیے تیرے پاس گلدستہ کہاں ہے۔ غرضکہ جس سبزہ زار کی تو حالت بیان کرتی اور جس کی تو شرح کرتی ہے اسکے آثار تیرے اندر کیوں نہیں ہیں۔ کسی نے اونٹ سے کہا تھا کہ اے مبارک قدم تو کہاں سے آرہا ہے اسنے جواب دیا کہ تمہاری گلی کے گرم حمام سے۔ اس نے سنکر کہا کہ بجا ارشاد ہے خود آپکے گھٹنے ہی کہہ رہے ہیں کہ آپ حمام سے آرہے ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ تو جھوٹا ہے اور تیرا حال تیرے قال کو جھٹلا رہا ہے۔

مَثَل آوردنِ اُشتر در بیانِ آنکہ در مُخبرِ دولتے فرّ و اثرِ آں چوں

اونٹ کی مثال لانا، اس بارے میں کہ اقبالمندی کی بات کرنے والے میں اُس کی شان و شوکت

نہ بینی جائے مُتّہم داشتن باشد کہ اُو مقلد ست دراں

اور اثر اگر تو نہ دیکھے تو تہمت لگانے کا موقع ہوگا کہ وہ اس بارے میں مقلد ہے

آں یکے میگفت اُشتر را کہ ہے — از کجا می آئی اے اقبال پے

ایک نے اونٹ سے کہا کہ ہاں — اے مبارک قدم! تو کہاں سے آرہا ہے؟

گفت^۱ از حمامِ گرمِ کوئے تو — گفت خود پیداست از زانوئے تو

اس نے کہا، تیری گلی کے گرم حمام میں سے — اُس نے کہا، کہ تیری ران سے خود ظاہر ہے

مارِ موسیٰؑ دید فرعونِ عنود — مُہلتے میخواست نرمی می نمود

سرکش فرعون نے (حضرت) موسیٰؑ کا سانپ دیکھا — مُہلت چاہنے لگا اور نرمی برتتا تھا

زیرکاں گفتند بایستے کہ ایں — تُند تر گشتی چو ہست اُو ربِّ دیں

عقلمندوں نے کہا، چاہیئے تھا کہ یہ — زیادہ برہم ہوجاتا اگر مذہب کا خدا ہے

معجزہ گر اژدہا گر مار بُد — نخوت و خشمِ خدائیش چہ شُد

معجزہ خواہ اژدھا یا سانپ تھا — اُس کا خدائی غصہ اور تکبر کہاں گیا؟

ربِّ اعلیٰ گر ویست اندر جلوس — بہر یک کرمے چہ ست ایں چاپلوس

اگر وہ تخت پر بلند خدا ہے — تو ایک کیڑے کی وجہ سے یہ خوشامد کیسی ہو؟

نفسِ^۲ تو تا مستِ نُقلست و نبید — دانکہ رُوحت خوشۂ غیبی ندید

تیرا نفس جب تک چبینے اور شراب کا مست ہے — سمجھ لے کہ تیری روح نے غیبی خوشہ نہیں دیکھا ہے

کہ علامات ست زاں دیدارِ نُور — التجافی منک عن دار الغرور

کیونکہ اُس نور کے دیدار کی علامتیں ہیں — دھوکے کے جہان سے تیرا بچاؤ

مُرغ چوں بر آبِ شورے می تند — آبِ شیریں را ندید ست اُو مدد

پرند جب کھاری پانی کا چکر لگائے — اُس نے میٹھے پانی کی مدد نہیں دیکھی ہے

بلکہ^۳ تقلید ست آں ایمانِ اُو — رُوئے ایماں را ندیدہ جانِ اُو

بلکہ اُس کا وہ ایمان نقلی ہے — اُس کی جان نے ایمان کا چہرہ نہیں دیکھا ہے

پس خطر باشد مُقلّد را عظیم — از رہ و رہزن زِ شیطانِ رجیم

لہٰذا مقلد کے لئے بڑا خطرہ ہے — راستہ اور ڈاکو کا ملعون شیطان کی جانب سے

چوں بہ بیند نورِ حق ایمن شود — زاضطراباتِ شک اُو ساکن شود

جب وہ اللہ (تعالیٰ) کا نور دیکھ لیتا ہے مطمئن ہوجاتا ہے — وہ شک کی پریشانیوں سے سکون پالیتا ہے

مثل۔ اس مثال کا خلاصہ یہ ہے کہ بسا اوقات انسان کی حالت اُس کے قول کی تردید کر دیتی ہے۔

۱ گفت۔ ایک شخص نے اونٹ سے دریافت کیا آپ کہاں سے آرہے ہیں اُس نے کہا تیرے محلہ کے حمام میں سے غسل کر کے آرہا ہوں اُس اونٹ کی رانیں سُنی ہوئی تھیں وہ طنزاً بولا ہاں تمہاری رانیں تمہاری بات کی تصدیق کر رہی ہیں۔ مارِ موسیٰ حضرت موسیٰؑ کی لاٹھی کے اژدھے کو دیکھ کر فرعون کی جو حالت ہوئی اُس نے خود بنے خدائی کے دعوے کی تردید کر دی۔ جلوس یعنی تختِ شاہی پر جلوس کے وقت۔

۲ نفسِ تو۔ جب تک انسان دنیاوی لذتوں کی طرف مائل ہے تو اُس نے اُخروی نعمتوں کی لذت نہیں چکھی ہے اب اگر وہ اس حالت میں کمال کا مدعی ہو تو خود اُس کا عمل اُس کی تکذیب کر دیگا اور اُس کا دعویٰ فرعونی دعویٰ ہوگا۔ کہ۔ آخرت کے نور کے دیدار کی علامت یہی ہے کہ انسان دنیا سے بیزار ہوجاتا ہے۔ مُرغ۔ جو پرند کھارے پانی کا چکر کاٹتا ہے یقیناً اُس نے میٹھا پانی نہیں دیکھا ہے۔

۳ بلکہ۔ دنیادار کا ایمان محض تقلیدی ہے، مشاہدہ پر مبنی نہیں ہے۔ پس خطر۔ تقلیدی ایمان والا بہت جلد شیطان کے بہکانے میں آجاتا ہے۔ چوں بہ بیند۔ تحقیقی ایمان کے بعد شکوک و شبہات زائل ہوجاتے ہیں۔

تا کفِ[1] دریا نیاید سُوئے خاک　　کاصلِ اُو آمد بُوَد در اصطکاک

جب تک دریا کا جھاگ زمین پر نہیں آجاتا　　جو اُس کی اصل ہے، وہ اضطراب میں رہتا ہے

خاکی ست آں کف غریبست اندر آب　　در غریبی چارہ نبوَد ز اضطراب

وہ جھاگ خاکی ہے، پانی میں بے وطن ہے　　بے وطنی میں اضطراب سے چھٹکارا نہیں ہے

چونکہ چشمش باز شُد آں نقش خواند　　دیو را بر وے دگر دستے نماند

جب اُس کی آنکھ کھلی، اُس نے وہ نقش پڑھ لیا　　شیطان کا پھر اُس پر قابو نہ رہا

گرچہ با روباہ خر اسرار گفت　　سرسری گفت و مُقلد وار گفت

اگرچہ گدھے نے لومڑی کو اسرار سنائے　　سرسری طور پر، کہے اور مقلدانہ کہے

آب[2] را بستود اُو تائق نبُود　　رُخ درید و جامہ، اُو عاشق نبُود

اُس نے پانی کی تعریف کی، مشتاق نہ تھا　　منہ نوچا اور کپڑے پھاڑے، عاشق نہ تھا

از منافق عُذر رد آمد نہ خوب　　زانکہ در لب بُود آں نے در قلوب

منافق کا عذر مردود ہے، بھلا نہیں ہے　　کیونکہ وہ لبوں پر ہے، دلوں میں نہیں ہے

بُوی سیبش ہست و جزوِ سیب نے　　بُود را اُو جز ازپئے آسیب نے

اس میں سیب کی خوشبو ہے، اور سیب کا جزو نہیں ہے　　اس میں خوشبو، ستانے کے سوا نہیں ہے

حملۂ زن[3] درمیانِ کارزار　　نشکند صف بلکہ گردد کار زار

میدانِ جنگ میں عورت کا حملہ　　صف شکن نہیں ہے، بلکہ کام بگڑ جاتا ہے

گرچہ می بینی چو شیر اندر صفش　　تیغ بگرفتہ ہمی لرزد کفش

اگر تو اس کو صف میں شیر کی طرح دیکھے　　اُس نے تلوار پکڑ لی ہے (لیکن)، اُس کا ہاتھ لرز رہا ہے

وایِ آنکہ عقلِ اُو مادہ بُوَد　　نفس زِشتش نر و آمادہ بُوَد

اُس پر افسوس ہے جس کی عقل، مادہ ہو　　اُس کا بُرا نفس، نَر اور آمادہ ہو

لاجرم مغلوب باشد عقلِ اُو　　جز سُویِ خسران نباشد نقلِ اُو

لامحالہ اُس کی عقل مغلوب ہوگی　　ٹوٹے کے سوا اُس کی منتقلی نہ ہوگی

حملۂ مادہ بصورت ہم جریست　　آفتِ اُو ہم چو آں خر از خریست

مادہ کا حملہ دیکھنے میں ہی بہادرانہ ہے　　اُسکی مصیبت بھی اُس گدھے کی طرح گدھے پن کی ہے

وصفِ[4] حیوانی بُوَد بر زن فزوں　　زانکہ سُویِ رنگ و بُو دارد رکُوں

عورت پر حیوانی وصف غالب ہوتا ہے　　کیونکہ اس کا میلان رنگ اور بُو کی طرف ہوتا ہے

---

[1] کفِ دریا۔ دریا کی سطح پر جو خشکی کی چیزیں ہوتی ہیں جب تک وہ دریا میں رہتی ہیں انپر اضطراب طاری رہتا ہے جب وہ ساحل سے لگ جاتی ہیں جو اُن کی اصل ہے تو ساکن ہو جاتی ہیں۔ چونکہ۔ جب مشاہدہ حاصل ہوجاتا ہے اور وہ اپنی آنکھ سے دیکھ لیتا ہے تو پھر اُس پر شیطان قابو نہیں پاتا ہے۔ گرچہ۔ گدھے نے لومڑی سے حقائق پر مبنی تقریریں کیں لیکن اُسکی ساری باتیں تقلیدی تھیں لہٰذا لومڑی کے جھانسے میں آگیا۔

[2] آب۔ گدھے کی باتیں ایسی ہی تھیں جیسے کوئی شخص پانی کی تعریفیں کرے لیکن خود پیاسا نہ ہو، عاشق کا حلیہ بنائے اور حقیقتاً عاشق نہ ہو۔ از منافق۔ منافقین عذر پیش کرتے تھے لیکن وہ عذر حقیقت پر مبنی نہ ہوتے تھے لہٰذا مردود تھے۔ بوئے۔ منافقین مومنین کی خو بُو پیدا کر لیتے تھے لیکن اُن میں ایمان نہ ہوتا تھا اور خو بُو مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کے لئے اختیار کر لیتے تھے۔

[3] حملۂ زن۔ لومڑی اور گدھے کے معرکہ میں گدھے کے حملے ایسے ہی تھے جس طرح میدانِ جنگ میں عورت کا حملہ۔ تیغ بگرفتہ۔ عورت ہاتھ میں تلوار تو لے لیتی ہے لیکن اُس کا دل لرزتا ہے۔ وائی۔ جس شخص کی عقل مادہ ہو اور نفس نَر ہو اس کی تباہی لازمی ہے۔ لاجرم۔ زنانہ عقل لامحالہ مردانہ نفس سے مغلوب ہو جائے گی۔ حملۂ مادہ۔ عورت کے حملہ کا انجام وہی ہوتا ہے جو گدھے کے حملوں کا تھا کہ آخر میں لومڑی نے اُس کو پھنسا لیا۔

اے خنک آنکس کہ عقلش نر بود
وہ شخص قابلِ مبارکباد ہے جس کی عقل نر ہو

نفسِ زشتش مادہ و مضطر بود
اس کا بُرا نفس مادہ اور بے چین ہو

عقلِ جزویش نر و غالب بود
اُس کی جزوی عقل نر اور غالب

نفسِ اُنثیٰ را خرد سالب بود
مادہ نفس کو عقل مسلوب کر نیوالی ہوتی ہے

رنگ و بوی سبزہ زار آں خر شنید[1]
اُس گدھے نے سبزہ زار کے رنگ و بو کو سونگھا

جملہ مجتہاز طبعِ او رمید
اُس کی طبیعت میں سے ساری دلیلیں بھاگ گئیں

تشنہ محتاجِ مطر شد و ابر نے[2]
پیاسا بارش کا محتاج ہو گیا اور ابر نہیں ہے

نفس را جوعُ البقر بد صبر نے
نفس کو انتہائی بھوک تھی، صبر نہ تھا

اِسپر آہن بود صبر اے پدر
اے باوا! صبر لوہے کی ڈھال ہوتی ہے

حق نوشتہ بر سپر جاءَ الظفر
اللہ تعالیٰ نے ڈھال پر لکھ دیا ہے فتح ہوئی

صد دلیل آرد مقلِّد در بیاں
مقلد سو دلیلیں بیان کرتا ہے

از قیاسے گوید آں را نز عیاں
وہ قیاس سے بتاتا ہے، نہ کہ مشاہدہ سے

مشک آلودست اما مشک نیست
مشک آلودہ ہے، لیکن مشک نہیں ہے

بوی مشکستش ولے جز پشک نیست
اُس میں مشک کی بو ہے لیکن مینگنی کے سوا کچھ نہیں ہے

تا کہ پشکے مشک گردد اے مرید[3]
اے مرید! تاکہ مینگنی مشک بنے

سالہا باید دراں روضہ چرید
سالوں اِس باغیچہ میں چرنا چاہیئے

کہ نباید خورد و جو ہمچو خراں
گدھوں کی طرح جو نہ کھانے چاہئیں

آہوانہ در ختن چر ارغواں
ہرنوں کی طرح ختن میں گل ارغواں چر

جز قرنفل یاسمن یا گل مچر
لونگ یا چنبیلی یا گلاب کے سوا نہ چر

رو بصحرائے ختن با آں نفر
اُن لوگوں کے ساتھ ختن کے جنگل میں چلا جا

معدہ را خو کن بداں ریحان و گل
اس ریحان اور گلاب کا معدہ کو عادی بنا لے

تا بیابی حکمت و قوتِ رسل
تاکہ تو رسولوں کی روزی اور حکمت حاصل کرے

خوی معدہ زیں کہ و جو باز کن
اس گھاس اور جو سے معدے کی عادت چھڑا

خوردنِ ریحان و گل آغاز کن
ریحان اور گلاب، کھانا شروع کرے

معدۂ تن سوئی کہداں میکشد[4]
جسم کا معدہ، چرنے کی طرف لے جاتا ہے

معدۂ دل سوئی ریحاں میکشد
دل کا معدہ ریحان کی طرف کھینچتا ہے

ہر کہ کاہ و جو خورد قرباں شود
جو گھاس اور جو کھاتا ہے وہ ذبح ہو جاتا ہے

ہر کہ نورِ حق خورد قرآں شود
جو اللہ کا نور کھاتا ہے، قرآن بن جاتا ہے

---

[1] وصف حیوانی سے ہم جیسا تھا رنگ و بو کا تو احساس کرتے ہیں لیکن ان میں عقل کا مادہ نہیں ہے کہ حقیقت تک پہنچ سکیں صورت ہی ظاہر پر رکھی جاتی ہے عقل سے کام لیکر حقیقت تک نہیں پہنچتی ہے۔ عقل اگر انسان میں نر عقل ہوتی ہو تو وہ نفس پر غلبہ حاصل کر لیتی ہے۔

[2] رنگ و بو۔ اس گدھے نے رنگ و بو کو دیکھا عقل سے کام نہ لیا۔ تشنہ۔ وہ گدھا راحت و آرام کا محتاج تھا جس کے اسباب وہاں مہیا نہ تھے یہ ایسا ہی ہوا جیسا کہ کوئی پیاسا بارش کا منتظر بن بیٹھے اور ابر موجود نہ ہو۔ جوع البقر ایک بیماری ہے جس میں انسان کھاتا رہتا ہے لیکن اس کا پیٹ نہیں بھرتا۔ اسپر مشہور ہے الصبر مفتاح الفرج۔ صبر کشادگی کی کنجی ہے۔ مقلد۔ مقلد کے دلائل سب سنے سنائے ہوتے ہیں۔ مشک۔ مقلد کے دلائل کا یہی حال ہوتا ہے جیسا کہ مینگنی پر مشک مل دیا جائے۔

[3] تاکہ۔ مشاہدہ کیلئے سالوں مجاہدے کی ضرورت ہے۔ ... کہ نباید۔ نیکی حاصل کرنے کے لئے روحانی خوراک کی ضرورت ہے۔ جز قرنفل۔ جس قسم کی روحانی غذائیں کھانے کے بعد مشاہدہ کا مرتبہ حاصل ہوتا ہے۔ متعہ۔ رسولوں کی روزی اور حکمت جب حاصل ہوتی ہے جبکہ سالہا مجاہدہ ... کی ... خوی معدہ ...

[4] معدہ جسمانی معدہ حیوانی غذاؤں کی طرف رغبت کرتا ہے روحانی معدہ اسرار

نیمِ تو مُشک ست نیمی پُشک ہیں — ہیں میفزا پُشک اَفزا مُشکِ چیں

خبردار! تیرا آدھا مشک (اور) آدھا مینگنی ہے — خبردار! مینگنی نہ بڑھا چین کا مشک بڑھا

آں مقلِّد صد دلیل و صد بیاں — در زباں آرد ندارد ہیچ جاں

وہ مقلد سَو دلیلیں اور سَو بیان — زبان پر لاتا ہے، کوئی جان نہیں رکھتا ہے

جانِ اُو خالی ازاں گفتارِ اُو — کہ آتش بے مغز زاں اسرارِ اُو

اُس کی جان اُس کی گفتگو سے خالی ہے — اُس کے اسرار سے اُس کا دماغ بے مغز ہے

چونکہ گوینده ندارد جان و فر[2] — گفت اُو را کے بُوَد برگ و ثمر

چونکہ کہنے والا جان اور شان و شوکت نہیں رکھتا ہو — اُس کی گفتگو میں پھل اور پتے کب ہونگے!

میکند گستاخ مردم را براه — اُو بجاں لرزاں ترست از برگِ کاه

وہ انسانوں کو راستہ (چلنے) میں دلیر بناتا ہے — وہ گھاس کے پتے سے زیادہ جان سے لرزنے والا ہے

پس حدیثش گرچہ بس با فر بُوَد — در حدیثش لرزه ہم مُضمر بُوَد

اُس کی بات اگرچہ بہت شان و شوکت والی ہو — لیکن، اُس کی بات میں کپکپاہٹ پوشیدہ ہو گی

فرقِ میانِ دعوتِ شیخِ کاملِ واصل و میانِ سخنِ

کامل شیخ واصل (بحق) کی دعوت اور اُن ناقصوں کی بات کے درمیان فرق جو فضل

ناقصانِ فاضل کہ فضلِ تحصیلی برخود بستہ اند

کے مدعی ہیں اور جنھوں نے دوسروں سے فضل لیکر اپنے آپ سے وابستہ کر لیا ہے

شیخِ نُورانی ز رَه آگہ کند — با سخن ہم نور را ہمره کند

نورانی شیخ راہ (حق) سے آگاہ کرتا ہے — بات کے ساتھ نور ہمراہ کرتا ہے

جہد کُن[3] تا مست و نورانی شوی — تا حدیثت را شود نورش رَوی

تو کوشش کر تاکہ مست اور صاحبِ نور بنجائے — تاکہ اس کا نور تیری بات کے ساتھ ہو

ہر چہ در دوشاب جوشیده شود — در عقیده طعمِ دوشابش شود

جو چیز انگور کے شیرے میں جوش دیدی جائے — عقیدہ میں اُس کا مزہ انگور کے شیرے کا ہوجاتا ہے

از جزر و ز سیب و بہ وز گِردگاں — لذتِ دوشاب یابی تو ازاں

گاجر اور سیب اور بہی یا اخروٹ — تو اُن میں انگور کے شیرے کا مزہ پائیگا

علم[4] اندر نور چوں فرغوده شد — پس ز علمت نور یابد قومِ لُد

علم، جب نور سے گھُل مل گیا — تو تیرے علم سے سرکش قوم نور حاصل کرتی ہے

ہر چہ گوئی باشد آں ہم نورِ پاک — کاسماں ہرگز نبارد غیرِ پاک

تو جو کچھ کہے وہ بھی نورانی ہوگا — کیونکہ آسمان پاک کے علاوہ نہیں برساتا ہے

کی غذا چاہتا ہے۔ ہر کہ۔ جو شخص حیوانی غذاؤں کا عادی ہوتا ہے وہ ہلاک ہو جاتا ہے، نورانی غذا سے انسان قرآن کی طرح متبرک بن جاتا ہے۔ نیمِ تو۔ انسان میں دو قوتیں ہیں حیوانی بھی اور ملکوتی بھی۔ آں مقلد۔ وہ شخص جو سُنی سنائی باتیں بیان کرتا ہے اُس کی صرف زبانی تقریر ہوتی ہے اُس میں کوئی جان نہیں ہوتی ہے نہ اُس کے دماغ میں اُس کے اسرار ہوتے ہیں۔

[2] چونکہ۔ جب کہنے والے میں کوئی جان نہ ہو تو اُس کی بات بے نتیجہ ہوتی ہے۔ می کند۔ دوسروں کو تو وہ بہادر بناتا ہے لیکن خود لرزتا ہے۔ پس۔ اِس مقلد کی تقریر اگرچہ پُرشوکت ہوتی ہے، لیکن اُس میں خوف بھی پوشیدہ ہوتا ہے۔ فرق۔ شیخ کامل اور ناقص انسان کی رہنمائی میں بڑا فرق ہے۔ شیخ نورانی۔ صاحبِ نور شیخ صحیح رہنمائی کرتا ہے اور اُس کی بات پُرتاثیر ہوتی ہے۔

[3] جہد کُن۔ انسان کو خود صاحبِ نور بننا چاہیئے تاکہ بات میں تاثیر ہو۔ نور اُس کی بات کے لئے بمنزلہ حرفِ روی کے ہو جو شعر کے آخر میں لازمی ہے اور اُسی حرف پر قافیہ کا مدار ہوتا ہے۔ ہرچہ۔ بات میں نور اِسی طرح پیوست ہو جاتا ہے جس طرح

[4] علم اندر نور۔ جب علم کا نور میں مربّیٰ بن جاتا ہے تو پھر اُس علم کی تاثیر سرکش قوم پر ہوتی ہے۔ فرغوده۔ آمیختہ و پیچیدہ۔ ہر چہ۔ اب نورانی شخص جو بات بھی کہیگا اس میں نور اور پاکیزگی ہوگی۔

آسماں شو ابر شو باراں ببار ناوداں بارش کند نبود بکار
آسمان بن جا، اَبر بن جا، بارش برسا — پرنالہ بارش برساتا ہے، وہ کارآمد نہیں

آب اندر ناوداں عاریت ست آب اندر ابر و دریا فطرت ست
پرنالہ میں پانی مانگا ہوا ہے — اَبر اور دریا میں اصل پانی ہے

فکر و اندیشہ ست مثلِ ناوداں وحی مکشوف ست ابر و آسماں
فکر اور خیال، پرنالہ جیسا ہے — کھُلی ہوئی وحی، اَبر اور آسمان ہے

آبِ باراں باغ صد رنگ آورد ناوداں ہمسایہ در جنگ آورد
بارش کا پانی باغ کو سَو رنگ کا بنا دیتا ہے — پرنالہ پڑوسی کو جنگ پر آمادہ کر دیتا ہے

باز گردم سوی آں روباہ و خر تا چساں از راہ بُرد آں خر نگر
میں لومڑی اور گدھے کی طرف لَوٹتا ہوں — دیکھ اُس گدھے کو کس طرح راستے سے بھٹکا دیا

آسماں۔ آسمان اور اَبر کا اپنا ذاتی پانی ہے، پرنالہ کا پانی اپنا نہیں ہے آسمان کا ہے۔ ۵۳ فکر و اندیش۔ فکر اور خیال کی مثال پرنالہ کے پانی کی سی ہے اور وحی کی مثال ابر کی سی ہے آبِ باراں۔ بارش کا پانی سینکڑوں فائدے کا سبب ہے، پرنالہ کا پانی عموماً پڑوسی سے جھگڑے کا سبب بنتا ہے۔

شرح

بیان بالا سے معلوم ہوا کہ جب حال قال کے مخالف ہوتا ہے تو وہ قال کے جھوٹ ہونے کو ظاہر کرتا ہے اس کے لیے ہم ایک اور نظیر تم کو سُناتے ہیں سُنو! جبکہ فرعون نے جو کہ مدعی الوہیت اور قائل **انا ربکم الاعلیٰ** تھا موسیٰ علیہ السلام کے اژدہے کو دیکھا تو وہ ڈر گیا اور جنگ کے لیے مہلت مانگی اور نرمی کرنے لگا۔ اس وقت کے عقلاء نے یہ حالت دیکھ کر کہا کہ اگر یہ خدا ہوتا تو اسکو تو اور سخت ہونا چاہیئے تھا۔ معجزۂ موسیٰ خواہ اژدہا تھا یا سانپ اس کا تو مملوک اور مخلوق تھا۔ پھر اس کی خدائی نخوت و قہر کو کیا ہوا کہ وہ یہ گستاخی اور مقابلہ دیکھ کر جنبش میں نہیں آتا۔ پس معلوم ہوا کہ اس کا دعویٰ بالکل جھوٹا ہے۔ کیونکہ اگر بالفرض ربِ اعلیٰ یہ ہی ہے جیسا کہ اس کا دعوے ہے تو ایک کیڑے کے سبب یہ خوشامد کیوں ہے۔ انھیں واقعات سے تم یہی سمجھ لو کہ جب تک تمہارا نفس مقل و نیند ... وغیرہ ماکولات و مشروبات میں مست اور ان میں منہمک ہے اس وقت تک خواہ وہ کتنا ہی دعوے ولایت کرے بالکل غلط ہے۔ اور اس نے خوشۂ غیبی (غذائے رُوحانی) کا مشاہدہ نہیں کیا ہے۔ کیونکہ نورِ حق (جو کہ غذائے رُوح) ہے اسکے دیکھنے کی یہ علامت ہے۔ کہ تم کو دنیا سے بُعد اور نفرت

ہو۔ اور یہ بات تم میں پائی نہیں جاتی ۔ پس یہ دعوائے ولایت سراسر غلط ہے کیونکہ
قاعدہ ہے کہ اگر کوئی جانور آب شور پر گرے تو سمجھا جاتا ہے کہ آب شیریں کی روانی
نہیں دیکھی علیٰ ہٰذا جبکہ اسکو غذائے جسمانی کی طرف رغبت ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس نے
غذائے روحانی نہیں دیکھی ۔ بلکہ ہنوز اس کا ایمان تقلیدی ہے اور اسکی روح نے حقیقی
ایمان کی صورت نہیں دیکھی ایسی حالت میں اسکے لیے سخت خطرہ ہے کیونکہ مقلد کو راہ اور
راہزن یعنی شیطان رجیم کا سخت خطرہ ہوتا ہے ۔ لیکن جبکہ وہ نور حق سبحانہٗ دیکھ
لے گا اسوقت بے کھٹکے ہو جائے گا اور شکوک کے باعث جو اسے اضطرابات لاحق ہوتے
ہیں وہ جاتے رہیں گے اور اسے بالکل سکون ہو جائے گا ۔ کیونکہ قاعدہ ہے کہ جب تک
خس و خاشاک دریا زمین پر نہیں آتے جو کہ ان کی اصل ہے اس وقت تک وہ پانی کے
ٹکڑوں میں مضطرب رہتے ہیں کیونکہ وہ خاکی ہیں اور پانی میں مسافرت کی حالت میں نہیں
اور مسافرت میں اضطراب اور خلق لازمی ہے لیکن جبکہ وہ خشکی میں پہنچ جاتے ہیں
جو کہ ان کا وطن اصلی ہے ۔ تو انہیں سکون ہو جاتا ہے ۔ علیٰ ہٰذا جبکہ اس کو عالم غیب سے
تمکن ہو رہا ہے اس وقت اسکے تمام اضطرابات فنا ہو جاتے ہیں اور جبکہ اسکی آنکھیں
کھل جاتی ہیں اور اس تحریر غیبی کو پڑھ لیتا ہے جو کہ اس کی روح پر لکھی جاتی ہے تو اب
شیطان کو اس پر تسلط نہیں رہتا اور وہ اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَکَ عَلَیْهِمْ سُلْطٰنٌ کا
مصداق ہو جاتا ہے خیر تو گدھے نے گو لوڑی سے اسرار بیان کئے تھے ۔ مگر چونکہ وہ
مقلد بنا ۔ اور یہ امور اسکو ذوقاً معلوم نہ تھے بلکہ سُنی سُنائی کہتا تھا ۔ اسلئے اس نے
جو کچھ کہا وہ اوپرے دل سے اور مقلدانہ کہا اور اسنے گویائی کی تعریف کی ۔ مگر اسکے دل
میں اسکی وقعت نہ تھی اور وہ اس کا مشتاق نہ تھا ۔ اور گو اسنے منہ نوچا اور گریبان پھاڑا
مگر وہ عاشق نہ تھا ۔ خلاصہ یہ کہ یہ فعل اس کا محض بناوٹ سے ناشی تھا اور دل سے
نہ تھا ۔ پس چونکہ اس کے الفاظ باوجود پر مغز ہونے کے محض زبان سے تھے نہ کہ
دل سے ۔ اسلئے وہ محض بے حقیقت تھے ۔

یہی وجہ ہے کہ منافقین کا عُذر نشھد انك لرسول اللہ مردود قرار پایا اور پسندیدہ نہ ہُوا۔ چنانچہ اسکے جواب میں فرمایا گیا واللہ یشھد ان المنٰفقین لکٰذبُون ہ کیونکہ وہ منہ ہی منہ میں تھا۔ دلوں میں نہ تھا اور اسکے پاس بوئے سیب تو تھی مگر سیب نہ تھا اور محض بوئے سیب بجُز موجب مضرت ہونے کے اور کیا ہو سکتی ہے کیونکہ جس چیز میں بوئے سیب ہو۔ اور کوئی اسکو سیب سمجھ کر کھائے تو وہ خواہ مخواہ اسے نقصان کریں گے۔ کیونکہ اس میں سیب کے خواص و فوائد نہ ہوں گے۔ جس کی اُسے ضرورت نہ تھی۔ بلکہ اور خواص ہوں گے جن کی اسے ضرورت نہ تھی فینی اس کا یہ جملہ محض فرقا نہ تھا۔ اور جنگ میں عورت کا حملہ دشمن کی صف کو تو درہم برہم نہیں کرتا۔ بلکہ اس سے خود اپنی فوج کی حالت تباہ ہو جاتی ہے کیونکہ اگرچہ تم اسکو صف میں شیرانہ تلوار لئے ہوئے دیکھ رہے ہو۔ مگر بُزدلی سے اس کا ہاتھ کانپ رہا ہے پس وہ دشمن کے حملہ کی تاب نہ لائیں گے اور بھاگے گی اور دوسری فوج پر اس کا بُرا اثر پڑے گا۔ جبکہ تم کو جنگ میں عورت کی حالت معلوم ہوگی۔ تو اب ہم کہتے ہیں کہ افسوس ہے! اس شخص کی حالت پر جس کی عقل مادہ ہو اور اس کا نفس زشت نر اور اسکے مغلوب کرنے پر مستعد ہو۔ کیونکہ اس حالت میں عقل لامحالہ مغلوب ہوں گے اور اس طرح... خسارہ کی طرف جائے گی۔ کیونکہ وہ مادہ ہے اور مادہ کا حملہ بھی اگرچہ بظاہر بہادرانہ ہو

مگر تاہم بیکار ہے کیونکہ اس گدھے کی طرح یہ بھی احمق ہے اور جس طرح گدھے کی حماقت نے اسکے حملہ کو بے کار کر دیا تھا اور اس طرح اسے نقصان پہنچایا تھا۔ یوں ہی حماقت عقل عقل کو بھی نقصان پہنچاتا ہے اور راز اس کا یہ ہے کہ وہ عورت ہے اور عورت پہ وصف حیوانی غالب ہوتا ہے کیونکہ وہ زنگ دبو اور تلذذ و تنعم کیطرف مائل ہوتی ہے اور تلذذ و تنعم میں انہماک صفت حیوانات ہے لہٰذا عورت پر غلبہ حیوانیت لازم ہے اور غلبہ حیوانیت کیلئے حماقت لازم ہے پس عقل مغلوب نفس ضرور احمق ہوگی اور اسکی حماقت اسے یونہی نقصان پہنچائیگی جیسے گدھے کی حماقت نے گدھے کو نقصان پہنچایا تھا جبکہ عقل کے مادہ ہونیکی برائی معلوم ہوگئی تو اب ہم کہتے ہیں کہ بڑے مزہ میں ہے وہ شخص جسکی عقل نر ہو اور اس کا نفس مادہ و مجبور اور اسکی عقل

جری نر اور غالب ہوا در اس نے نفس مادہ کی عقل کو چھین لیا اور اس پر قبضہ کر لیا ہو اسلئے نفس اس کا تابع ہو۔
خیر یہ مضمون تو استطرادی تھا - اب سمجھو! کہ گدھے نے جبکہ سبزہ زار کی رنگ
اور بُو کا حال سُنا تو تمام دلائل اسکی طبیعت ---- سے کافور ہو گئے اور وہ پیاسا
اور ابر کا محتاج ہوا مگر وہاں ابر نہ تھا - یعنی وہ سبزہ زار کا طالب ہُوا - حالانکہ وہاں
سبزہ زار نہ تھا - اور نفس کو سخت بھوک لاحق ہوئی اور وہ بے صبر ہو گیا اور وہ جبکہ بے صبر
ہو گیا تو سارا کام بگڑ گیا - کیونکہ صبر ایک لوہے کی ڈھال ہے جو سختی سے سخت کو
برداشت کرا دیتی ہے اسلئے کہ حق سبحانہٗ نے صبر پر فتح لکھ دی ہے پس صبر کی سپر
سے مصائب پر فتح حاصل ہوتی ہے۔
الغرض گدھا لغزش کھا گیا اور منشا لغزش تقلید تھا - کیونکہ مقلد گو سینکڑوں
دلائل بیان کرے مگر وہ صرف عقلی گدے لگاتا ہے اور معائنہ و مشاہدہ یعنی ذوق اور
حال سے نہیں کہتا - اسلئے اس کا بیان مُشک آلود ہو جاتا ہے - مگر مشک نہیں ہوتا
اور وہ بوئے مُشک رکھتا ہے - مگر واقعی میں مینگنی کے سوا اور کچھ نہیں سمجھتا - یعنی مقلد کی
گفتگو کا ظاہر اچھا ہوتا ہے مگر باطن خراب! پس اگر تم اپنی مینگنی کو مُشک
بنانا چاہتے ہو یعنی اپنے بظاہر اچھی اور بباطن بُری گفتگو کو ظاہر و باطن دونوں حالتوں
میں اچھی کرنا چاہتے ہو - تو تم کو گلزار معرفت میں برسوں تک چرنا اور اس سے مستفید
ہونا چاہیئے - کیونکہ اس مینگنی کے مُشک بننے کے لئے ضرورت ہے کہ برسوں تک اس
باغ میں چرا جائے لہٰذا تم گدھوں کی طرح کاہ و جو یعنی غذائے جسمانی ... نہ کھاؤ۔
بلکہ ختن یعنی عالمِ غیب میں جاکر ارغوان ...... یا قرنفل یا سمین یا گل چرو اور اہل
اللہ کے ساتھ صحرائے ختن یعنی عالمِ غیب میں جاؤ اور اپنے معدہ روحانی کو ریحان و
گل کا عادی بناؤ - تاکہ تم کو ادراک حقائق علی ما ہی علیہ خاص ہو جو کہ پیغمبروں کی غذا ہے
اور تم اپنے معدہ کو کاہ ... و جو یعنی غذائے جسمانی سے الگ کرو اور ریحان و گل
یعنی غذائے روحانی کھانا شروع کرو - کیونکہ معدہ جسمانی پاخانہ میں لے جاتا ہے اور معدہ

روحانی غذائے روحانی کی طرف سے جاتا ہے جوکہ ریحان ہے فیز جو کاہ وجو کھاتا ہے وہ فنا ہوتا ہے اور جوکہ نور حق کھاتا ہے قرآن کی طرح باقی اور معدن اسرار الٰہیہ اور معظم و مکرم ہوتا ہے۔ ہاں تم کاہ وجو نہ کھاؤ اور نور حق کھاؤ۔

دیکھو! تم آدھی مُشک ہو اور آدھی مینگنی یعنی ایک جزُ تمہارا روح ہے جوکہ عمدہ ہے اور ایک جزُ جسم! جوکہ بُرا ہے۔ سو تم مشک کو ترقی دو اور مینگنی کو نہ بڑھاؤ یعنی روحانیت کو بڑھاؤ اور جسمانیت کو ترقی نہ دو۔ خیر حاصل یہ ہے کہ مقلد سو دلیلیں بیان کرتا اور سو تقریریں کرتا ہے۔ مگر اس میں روحانیت بالکل نہیں ہوتی اور اس کے روح میں ان کا کچھ بھی اثر نہیں ہوتا اور اس کی کھوپڑی ان کے اسرار سے بالکل خالی ہوتی ہے اسی لیے ان دلیلوں اور تقریروں کا اثر بھی نہیں ہوتا کیونکہ جب کہنے والے میں روحانیت اور باطنی شان وشوکت نہ ہو۔ تو اس کی گفتگو بھی بے نتیجہ ہوا کرتی ہے وہ آدمیوں کو راہ چلنے پر دلیر کرتا ہے مگر بوجہ عدم یقین کے ......
خود اس کی جان پتّے سے زیادہ کانپتی ہے اور اس کی گفتگو نہایت ہی پُرشوکت ہو۔ مگر روح کے اثر سے اس میں بھی لرزہ اور تھراہٹ مُستتر ہوتی ہے پس یہ لرزہ مخفیہ قبول سے مانع ہوتا ہے۔ برخلاف عارف کامل کے کہ وہ ہدایت اور راہنمائی کرتا ہے تو اس کے ساتھ نور بھی بجتا ہے ——— جس سے سامعین کے دل میں سکون اور طمانیت پیدا ہوتی ہے اور اسلئے وہ اسے قبول کرتے ہیں بس تم اس کی کوشش کرو کہ شراب معرفت سے مست اور نورِ معرفت سے منور ہو جاؤ۔ تاکہ

تاکہ نور تمہاری گفتگو کے تابع ہو۔ دیکھو قاعدہ ہے کہ جو چیز شیرۂ انگور میں عقیدہ (ایک قسم کا کھانا ہے) کے اندر پکائے جاتے ہیں اس میں شیرہ کا مزہ آجاتا ہے اور خواہ وہ گاجر ہو یا سیب یا بہی اخروٹ اس سے تم کو شیرہ انگور کا مزہ آتا ہے یوں ہی جب علم نور میں لتھڑ جاتا ہے تو اس ذہنت تمہارے علم سے معاندین تک کو نور حاصل ہوتا ہے خواہ وہ اپنے عناد سے اس کو رد کر دیں۔ یہ دوسری بات ہے اور جو کچھ تم کہتے ہو

وہ ایک نور اپنے اندر رکھتا ہے کیونکہ اُس وقت تمہاری حالت آسمان کی سی ہوتی ہے اور آسمان سے جو کچھ برستا ہے وہ میل کچیل اور نجاستوں سے پاک ہوتا ہے یوں ہی جو کچھ تم کہتے ہو وہ بھی ظلمت شکوک سے پاک صاف ہوتا ہے۔ پس تم آسمان اور اَبر بن جاؤ اور مینہ برساؤ اور پرنالہ نہ بنو۔ کیونکہ پرنالہ کی بارش کسی کام کی نہیں اسلئے کہ اس میں مَنوں کدورتیں اور نجاستیں شامل ہوتی ہیں۔ نیز پرنالہ کا پانی عاریتی ہوتا ہے اور اَبر و دریا کا پانی فطری جو خود اسی سے پیدا ہوتا ہے۔

مطلب ہمارا یہ ہے کہ عقل و قیاس کو چھوڑ دو اور کشف و الہام حاصل کرو۔ کیونکہ عقل و فکر کی مثال پرنالہ کی سی ہے۔ جسکے مدرکات میں کدورات و شکوک و اوہام شامل ہوتے ہیں۔ اور وحی کشفی اَبر و آسمان کے مشابہ ہے چونکہ صافی عن الغبار ہوتی ہے۔ نیز بارش کا قاعدہ ہے کہ وہ باغ صد رنگ تیار کرتی ہے اور پرنالہ پڑوسی کو لڑائی پر آمادہ کرتا ہے۔ پس وحی کشفی روح میں سینکڑوں معرفت کے پھول کھلائیگی اور گفتگوئے قیاسی جنگ و جدل پیدا کریگی۔ خیر اب ہم لومڑی اور گدھے کیطرف لوٹتے ہیں دیکھیں اُسنے اسے کیونکر گمراہ کیا ہے۔

زبوں شُدنِ خر در دستِ روباہ از حرصِ عَلف

گھاس کی حرص کی وجہ سے گدھے کا لومڑی کے ہاتھوں مغلوب ہوجانا

خَر دو سہ حملہ برد بہ سخت کَرد
گدھے نے لومڑی پر دو تین سخت حملے کیئے

چوں مقلِّد بُد فریبِ اُو بخورد
چونکہ مقلِّد تھا اُسکا فریب کھا گیا

طنطنہ ادراک و بینائی نداشت
وہ علم اور بصیرت کا کروفر نہ رکھتا تھا

دمدمہ روبہ بُرد سکتہ گماشت
لومڑی کے مکر نے اُس پر سکتہ طاری کردیا

حرصِ خوردن آنچناں کردش ذلیل
کھانے کی حرص نے اُس کو ایسا ذلیل کیا

کہ زبونش کرد با پانصد دلیل
کہ پانچ سو دلیلیں ہوتے ہوئے اُسکو مغلوب کردیا

۴۵ بازگردم۔ اب گدھے کا قصّہ سُن لومڑی نے اُسکو کس طرح گمراہ کردیا۔ خَر۔ گدھے نے لومڑی پر جوابی حملے کیئے لیکن چونکہ مقلّد تھا آخر میں خود پسپا ہوگیا بلکہ چونکہ گدھے کو نور باطنی حاصل نہ تھا لومڑی کا مکر اُس پر غالب آگیا اور گدھے کی حرص نے دلیلوں کے ہوتے ہوئے اُس کو ذلیل کردیا۔ حکایت۔ اس حکایت سے یہ بتایا ہے کہ مقلّد کی دلیل ایسی ہی ہے جیسے ہیجڑے کی تلوار۔

حکایت آں مُخنّث و پرسیدن لُوطی ازُو در حالتِ لواطت

ہیجڑے کا قصہ اور لوطی کا لواطت کی حالت میں اُس سے دریافت کرنا

کہ ایں خنجر از بہرِ چیست گفت از بہرِ آنکہ ہر کہ با من بد اندیشد

یہ خنجر کس کام کے لئے ہے اُس نے کہا اس لئے کہ جو میرے ساتھ بُری بات

اِشکمش بشگافم لوطی بر سرِ اُو آمد و شُد میکرد و میگفت

سوچے گا میں اُس کا پیٹ پھاڑ دوں گا لوطی اُس پر چڑھتا اور اُترتا تھا

اَلْحَمْدُ لِلّٰہ کہ من با تو بد نمی اندیشیم [۵۱]

اور کہہ رہا تھا خدا کا شکر ہے کہ میں تجھ سے بُرے کام کی نیت نہیں رکھتا ہوں

بیت من بیت نیست اقلیمست ہزلِ من ہزل نیست تعلیمست

میرا شعر کوٹھری نہیں ہے ایک خطہ ہے میرا مذاق مذاق نہیں ہے تعلیم ہے

قولہ تعالیٰ اِنَّ اللّٰہَ لَا یَسْتَحْیٖۤ اَنْ یَّضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوْضَۃً فَمَا فَوْقَھَا

اللہ تعالیٰ کا قول ہے بیشک اللہ حیا نہیں کرتا اس بارے میں کہ وہ مچھر کی مثال بیان کرے

اے فَمَا فَوْقَھَا فِیْ تَغْیِیْرِ النُّفُوْسِ بِالْاِنْکَارَاتِ مَاذَآ اَرَادَ اللّٰہُ

پس اس سے بھی زیادہ (چھوٹی چیز کی) جو انکار کی وجہ سے نفوس میں تغیر پیدا کرنے کیلئے اس

بِھٰذَا مَثَلًا و آنکہ جواب میفرماید کہ ایں خواستم یُضِلُّ بِہٖ کَثِیْرًا

سے بڑھی ہوئی ہوں (انھوں نے کہا)، اس مثال سے اللہ کا کیا ارادہ ہے اور یہ کہ جواب فرماتے ہیں کہ میں نے یہ چاہا

وَّیَھْدِیْ بِہٖ کَثِیْرًا کہ ہر فتنہ ہمچو میزانست کہ بسیار ازو سُرخ رُو

اس سے بہت گمراہ ہوں اور بہت سے ہدایت پائیں کیونکہ ہر آزمائش ایک ترازو ہے کہ بہت اُس سے

شوند و بسیاراں بے مُراد شوند وَلَوْ تَاَمَّلْتَ فِیْہِ قَلِیْلًا

سُرخرو ہوجاتے ہیں اور بہت سے بے مُراد ہوجاتے ہیں اور اگر تو اس میں تھوڑا سا بھی غور

لَوَجَدْتَ فِیْ نَتَائِجِہِ الشَّرِیْفَۃِ کَثِیْرًا

کرے تو اُس میں بہت سے عمدہ فوائد پائے گا

کونِ دہے را لُوطیے در خانہ بُرد [۵۳] سرنگوں افگندش و در وے فشرد

ایک غلام کرانے والے کو ایک اغلام کرنے والا گھر لے گیا اُس کو اوندھا گرایا اور اس میں گھسیڑ دیا

بر میانش خنجرے دید آں لعیں پس بگفتش در میانت چیست ایں

اُس ملعون نے اُس کی کمر پر خنجر دیکھا تو اُس سے کہا تیری کمر میں یہ کیا ہے؟

گفت آنکہ با من ار یک بد منش بد بیندیشد بدرّم اِشکمش

اُس نے کہا یہ کہ اگر کوئی بدطینت میرے ساتھ بُرے کام کا ارادہ کرے تو میں اُس کا پیٹ پھاڑ دوں

---

[۵۱] اَلْحَمْدُ لِلّٰہ - اُس لوطی نے طنزاً کہا۔ بیت - پہلا بیت شعر کے معنی میں اور دوسرا بیت کوٹھری کے معنی میں ہے یعنی میرے اشعار میں بہت سے معانی ہیں۔ ہزل میں چونکہ مولانا نے یہاں بہت فحش قصہ نقل کیا ہے اس کی توجیہ کرتے ہیں۔

[۵۲] اِنَّ اللّٰہ - قرآن نے سمجھانے کیلئے جب مچھر اور اُس کے پر کی مثالیں دیں تو کُفار نے اعتراض کیا کہ قرآن میں ایسی چھوٹی چھوٹی مثالیں کیوں دی جاتی ہیں تو قرآن نے اُس کے جواب میں کہا کہ فہمائش کیلئے اس طرح کی مثالیں دینا کوئی بُری بات نہیں ہے اور ایک آزمائش بھی ہے کہ اس قسم کی مثالوں پر کچھ اعتراض کرکے گمراہ ہوں اور کچھ صحیح مقصد سمجھ کر ہدایت یاب ہوں۔

[۵۳] کونِ دہے - اغلام کرانے والا اسی سے کندہ اور گندہ بنا ہے بیان کر۔ بد منش۔ بدطینت۔

گفت لوطی حمد للہ را کہ من — بد نیندیشیدہ ام با تو بفن

اغلام کرنے والے نے کہا اللہ کا شکر ہے کہ میں نے — کسی فریب سے تیرے ساتھ بُرا ارادہ نہیں کیا

[1]چونکہ مردی نیست خنجرہا چہ سود — چوں نباشد دل ندارد سود خود

جبکہ بہادری نہیں ہے، خنجروں سے کیا فائدہ؟ — جب دل نہ ہو، خود فائدہ نہیں دیتی

از علیؓ میراث داری ذوالفقار — بازوی شیر خدا ہستت بیار

حضرت علیؓ سے تجھے ذوالفقار میراث میں ملگئی — تیرے پاس شیر خدا کا بازو ہے تو لا

[2]گر فسونے یاد داری از مسیحؑ — کو لب و دندان عیسیٰؑ اے وقیح

اگر تو (حضرت) عیسیٰؑ کی دُعا یاد رکھتا ہے — اے بے شرم! (حضرت) عیسیٰؑ کا ہونٹ اور دانت کہاں؟

کشتی سازی ز توزیع و فتوح — کو یکے ملاح کشتی ہمچو نوحؑ

تو چندے اور نذرانوں سے کشتی بناتا ہے — (حضرت) نوحؑ جیسا کوئی ایک ملاح کہاں ہے!

بت شکستی گیرم ابراہیمؑ وار — کو بت تن را فدا کردن بنار

مانا، تو نے حضرت ابراہیمؑ کی طرح بت توڑ ڈالا — جسم کے بت کو آگ میں فنا کرنا کہاں ہے؟

گر دلیلت ہست اندر فعل آر — تیغ چوبیں را بداں کن ذوالفقار

اگر کام میں تیرے پاس دلیل ہے، لا — اس کے ذریعہ لکڑی کی تلوار کو ذوالفقار بنالے

آں دلیلے کو ترا مانع شود — از عمل آں نقمت صانع شود

وہ دلیل جو تیرے لئے مانع ہے — عمل سے، وہ خدا کا عذاب ہے

[3]خائفان راہ را کردی دلیر — از ہمہ لرزاں تری تو زیر زیر

تو نے راستے میں ڈرنے والوں کو بہادر بنا دیا — چپکے چپکے تو سب سے زیادہ لرزنے والا ہے

بر ہمہ درس توکل می کنی — در ہوا تو پشہ را رگ میزنی

تو سب کو توکل کا درس دیتا ہے — تو ہوا میں مچھر کی رگ پر (نشتر) مارتا ہے

اے مخنث پیش رفتہ از سپاہ — بر دروغ و ریش تو کیرت گواہ

اے ہیجڑے، تو لشکر سے آگے ہوا — تیرے جھوٹ اور داڑھی پر تیرا خایہ گواہ ہے

چوں زنامردی دل آگندہ بود — ریش و سبلت موجب خندہ بود

جب نامردی سے دل پُر ہو — داڑھی اور مونچھیں ہنسی کا سبب ہوتی ہیں

توبہ کن اشکباراں چوں مطر — ریش و سبلت را ز خندہ باز خر

توبہ کر، بارش کی طرح آنسو بہا — داڑھی اور مونچھ کو مذاق سے بچا

داروی مردی بجو را اندر عمل — تا شوی خورشید گرم اندر حمل[4]

عمل میں مردانگی کی دوا کھا — تاکہ تو (برج) حمل میں گرم سورج بن جائے

داروی مردی کن و عنّیں مشوی — تا بروں آیند صد گوں خوبروی

مردانگی کی دوا کر اور نامرد نہ بن — تاکہ سیکڑوں قسم کے خوبصورت پیدا ہوں

---

[1] چونکہ۔ جب انسان میں بہادری نہ ہو تو اس کے لئے خنجر اور ترکی ٹوپی کی جنگی ٹوپی بیکار ہے۔۔۔۔ ذوالفقار۔ آنحضورؐ کی مشہور تلوار جو حضرت علیؓ کے پاس تھی۔ شیر خدا۔ حضرت علیؓ کا لقب اسد اللہ ہے۔

[2] گر فسونے۔ اگر کوئی حضرت مسیحؑ کی طرح دم کر سکے جس سے مُردے زندہ ہو جاتے تھے، تو وہ حضرت مسیحؑ کے ہونٹ اور دانت کہاں سے لائے گا۔ توزیع۔ چندہ۔ فتوح۔ نذرانہ۔ کو۔ حضرت ابراہیمؑ نے اپنے جسم کو آگ میں ڈال دیا تھا۔ گر دلیل۔۔۔ دلیل دراصل عمل ہے۔ مانع۔ جو دلیل عمل سے مانع ہے وہ عذاب الٰہی ہے۔

[3] خائفان۔ بے عمل انسان دوسروں کو وعظ کہہ کر بہادر بناتا ہے، خود بزدلی دکھاتا ہے۔ در ہوا۔ ایسا لالچی ہے کہ ہوا میں مچھر کے نشتر مار کر اس کا خون پینا چاہتا ہے۔ کیر۔ آلۂ تناسل جس سے ہیجڑا محروم ہوتا ہے۔ ریش۔ ہیجڑے کی داڑھی ایک مذاق ہے۔ توبہ کن۔ راہِ سلوک کے ہیجڑے کا یہ علاج ہے کہ وہ اللہ کے دربار میں گریہ و زاری کرے۔

[4] حمل۔ سورج جب برجِ حمل میں ہوتا ہے اس کی شعاعیں زمین پر بہت تیز گرم پڑتی ہیں۔ عِنّین۔ نامرد۔ تابروں۔ مرد کے حسین اولاد پیدا ہوتی ہے۔

معدہ را بگذار و سوئے دل خرام | تا کہ بے پردہ ز حق آید سلام
معدہ کو چھوڑ اور دل کی جانب چل | تاکہ اللہ (تعالیٰ) کی جانب سے بغیر حجاب کے سلام آئے

رستمی گر بایدت خنجر بگیر | ور بخیزی مائلی چادر بگیر
اگر تجھے رستم بننا چاہیے، خنجر پکڑ | اگر تو ہیجڑے پن کی جانب مائل ہے چادر اوڑھ لے

رستمی گر بایدت جوشن بپوش | ور بخیزی مائلی رو کون فروش
اگر تجھے رستم بننا چاہیے، زرہ پہن لے | اگر تو ہیجڑے پن کی جانب مائل ہے جا مقعد بیچ

یکدو گامے رو تکلف ساز خوش | تا ترا عشقش کشد اندر برش
ایک دو قدم چل، خوب تکلف کر | تاکہ تجھے عشق، اپنی آغوش میں کھینچ لے

بر سر میداں چو مرداں پائیدار | تا نگردی مبتلا در پائے دار
میدان میں مردوں کی طرح جم | تاکہ تو سولی کے نیچے مبتلا نہ ہو

تا کے از جامہ زناں ہمچو زناں | در صف مرداں درآ ہمچوں سناں
عورتوں کی طرح زنانہ لباس سے کب تک (تعلق رکھیگا) | نیزے کی طرح مردوں کی صف میں آجا

بینشہ۔ مجاہدے کرے اور دلّے رکھے تو قرب خداوندی میسّر آجائے گا۔
سلہ رستمی۔ اگر تو راہِ سلوک کا رستم بننا چاہتا ہے تو مجاہدے کے خنجر سے نفس کشی کر ورنہ عورتوں کی طرح چادر اوڑھ کر خانہ نشین بن جا۔ یکدو۔ راہِ سلوک بے تکلف ہے ہی آگے قدم رکھو پھر خود بخود شروع ہوگا۔ دار سولی۔ سناں۔ بھالا

شرح

گدھے نے لومڑی پر دو تین حملے سخت کئے لیکن چونکہ مقلّد تھا۔ اسلئے آخر کار لومڑی کے دھوکے میں آگیا اور چونکہ وہ شوکت ادراک و بصیرت نہ رکھتا تھا اسلئے لومڑی کے فریب نے اسے دم بخود کر دیا اور کھانے کی حرص نے اسے اس قدر ذلیل کیا کہ باوجود پانچ سو دلیلوں کے اُسے مغلوب کر دیا اس مقام پر ہمیں ایک حکایت یاد آگئی۔ گو ہے تو فحش مگر ہمیں اس سے نصیحت مقصود ہے اسلئے ہم اسکے فحش ہونے کی پرواہ نہیں کرتے۔

کیوں کہ حق سبحانہٗ فرماتے ہیں ان اللہ لا یستحی ان یضرب مثلاً ما بعوضۃ فما فوقھا ط یعنی لوگ جو مچھر کی مثال بیان کرنے پر اعتراض کرتے ہیں سو اُن کو واضح ہو کہ حق سبحانہٗ کسی مثال کے بیان کرنے سے نہیں شرماتے خواہ وہ مچھر ہو۔ یا معترضین کی نظر میں اس سے بھی بڑھ کر قابل انکار و اعتراض ہو۔ ماذا اراد اللہ بھٰذا مثلاً۔ یعنی حق سبحانہٗ کا ایسی مثال سے کیا مقصود ہے اس کا جواب یہ ہے یضل بہ کثیرا ویھدی بہ کثیرًا۔ یعنی اس سے وہ بہت سوں کو گمراہ کرتے ہیں

اور بہت سوں کو ہدایت فرماتے ہیں ۔۔۔ گمراہ وہ لوگ ہوتے ہیں جو اُس کے ظاہر کو دیکھ کر۔۔۔ اعتراض کرتے ہیں اور ہدایت وہ پاتے ہیں جو اُس سے نصیحت حاصل کرتے ہیں اور اس ۔۔۔۔۔۔ کو قابل اعتراض نہیں جانتے - پس یوں ہی ہم نصیحت کے لئے ایسی مثالیں بیان کرتے ہیں جو کہ بظاہر قابل انکار ہیں اور بباطن پر نصیحت - تاکہ بُروں کی بُرائی اور اَچھوں کی اچھائی ظاہر ہو جائے -

اچھا اب حکایت سُنو ! ایک اغلام کرنے والے کو ایک مغلم اپنے گھر لے گیا اور اسکو اوندھا لٹا کر اسس سے بدفعلی کرنے لگا - اسی اثنار میں اس نے اس کی کمر میں خنجر لگا دیکھا اس پر اس نے کہا کہ تیری کمر میں یہ کیا ہے اُس نے جواب دیا کہ یہ وہ ہے کہ اگر کوئی بدطینت میری نسبت شرارت کا خیال کرے تو میں اس سے اُس کا پیٹ چاک کر دوں - یہ سنکر اغلام باز نے کہا کہ خدا کا شکر ہے کہ میں نے تیری نسبت برائی کا خیال نہیں کیا - اس سے تم یہ نتیجہ نکالو کہ جب مردانگی بھی نہ ہو تو خنجر بے کار ہیں -

اور جب دل ہی نہ ہو تو خود سے کیا فائدہ - علیٰ ہٰذا جب عمل ہی نہ ہو تو محض دلائل کیا کام دے سکتے ہیں - ہم نے مانا کہ تمہارے پاس علیؑ کی ذوالفقار ہے مگر بازوئے شیرِ خدا بھی ہے یا نہیں - اگر ہے تو وہ لاؤ - اور ہم نے مانا کہ تم کو مسیح علیہ السلام کا افسوں یاد ہے مگر لب و دندان عیسیٰ کہاں! ضرورت تو اسکی ہے -

علیٰ ہٰذا ! ہم نے مانا کہ تم چندے اور دیگر آمدنی سے نوح علیہ السلام کی سی کشتی بنا سکتے ہو - مگر نوح کا سا ملاح کہاں ہے - نیز ہم نے فرض کیا کہ تم نے ابراہیم علیہ السلام کی طرح بُت توڑ دیئے مگر اُن کی طرح بُت جسم کو آگ میں جھونکنا - یہ بات تم میں کہاں ہے پس جس طرح تم ذوالفقار سے علی - اور افسوں سے مسیح اور کشتی سے نوح اور بُت شکنی سے ابراہیم نہیں ہو سکتے - یوں ہی محض دلائل سے ولی اور صاحب کمال نہیں ہو سکتے - اگر تمہارے پاس دلائل ہیں تو اُنکو عمل میں لاؤ اور اس طرح اپنے ۔۔۔۔۔ غیر مؤثر دلائل کو ذوالفقار اور مؤثر بناؤ - ورنہ محض دلائل کس کام کے - بلکہ وہ تو بجائے مفید ہونے کے اُلٹا مضر ہیں کیونکہ جو دلیل عمل سے مانع ہو یعنی جس دلیل پر عمل نہ ہو وہ تو عذاب الٰہی کا ذریعہ ہے

کیونکہ یہ دلیل خدا کی حجت ہے بندہ پر۔ جس کی بنا پر وہ اسکو سزا دیگا۔ اور کہے گا کہ جب تو جانتا تھا تو تُو نے عمل کیوں نہیں کیا۔ تم راہِ خدا سے ڈرنے والوں کو تو جرأت دلاتے ہو لیکن درپردہ تم سب سے زیادہ ڈرتے ہو۔ اور تم سب کے سامنے توکل کا وعظ کہتے ہو۔

مگر تمہارے حرص کی یہ حالت ہے کہ ہوا میں مچھر کے فصد کھولتے ہو۔ بدیں خیال کہ شاید اس میں سے خون مِل جائے۔ یعنی جہاں کہیں تم کو نفع کا دھوکا بھی ہوتا ہے تم وہیں سے نفع حاصل کرنا چاہتے ہو۔ ارے ہیجڑے جوکہ فوج کے آگے آگے ہے تیری دھوکا دینے والی داڑھی کے دھوکا پر تیرا ذکر شاہد ہے۔ ہم نے مانا کہ تیری داڑھی مونچھ ہے اور تیری صورت مردانہ ہے لیکن یہ امر تیرے لئے کوئی فخر کی بات نہیں کیونکہ تو بزدل ہے اور قاعدہ ہے کہ جب دل بزدلی سے پُر ہو تو داڑھی اور مونچھ موجب تمسخر ہوتے ہیں کہ موجب فخر یعنی اے بنے ہوئے شیخ اور مدعی کمال جوکہ مریدوں کی رہنمائی کرتا ہے۔ تیری حالت خود تیرے فریب کو ظاہر کرتی ہے۔ اور یہ وضع صوفیانہ تیرے لیے کچھ مفید نہیں کیونکہ اگر ظاہری حالت مشائخ کی سی ہو۔ اور باطن پلید تو یہ وضع اہلِ فہم کے نزدیک موجب تمسخر ہے نہ کہ قابل وقعت۔ پس تو اس حرکت سے توبہ کر اور مینہ کی طرح آنسو برسا۔ تاکہ تو آفتاب حمل کی طرح دوسروں کی روحانی سرسبزی و شادابی کا باعث اور خود شاندار اور بابرکت ہو جائے۔

دیکھ تو نامرد مت بن۔ بلکہ رجولیت کا علاج کر تاکہ ہر طرف سے سینکڑوں قسم کے حسین تیرے لیے نکل آئیں۔ یعنی تو اپنی اصلاح کر تاکہ تو فیوض ربانیہ کا مرجع بن جائے اور تو پُری معدہ کے فکر چھوڑ کر پُری دل کی فکر کر! تاکہ حق سبحانہٗ کی طرف سے بے حجابانہ تجھ پر سلام ہو۔

[فائدہ: بے حجابانہ سے رفع حجاب خاص مراد ہے جوکہ عوام اور حق سبحانہٗ کے درمیان ہے۔ ورنہ مطلق حجاب مرتفع نہیں ہوسکتا]

ہم تم کو نصیحت کر چکے اب تم کو اختیار ہے اگر تم کو رستمی درکار ہے تو خنجر لو

اور اگر ہیجڑے پن کی طرف رغبت ہے تو اوڑھنا اوڑھو۔ اور اگر تمہیں رستمی درکار ہے تو جوشن پہنو۔ اور اگر ہیجڑے پن کی خواہش ہے تو جاؤ اغلام کراتے پھرو۔

خلاصہ یہ کہ ہم تم کو مشیخیت اور رجال کا طریق بتا چکے اب تمہیں اختیار ہے خواہ شیخ بنو اور اُس کا طریق اختیار کرو اور خواہ دنیا دار بنو اور اُن کی وضع اختیار کرو ــــ آگے پھر جوش شفقت ہوتا ہے اور فرماتے ہیں کہ تم طول راہ اور اُس کی صعوبتوں سے خوف زدہ نہ ہو جاؤ اور ہمت نہ ہارنا۔ اسلئے کہ اس راہ کو طے کرنا کچھ مشکل نہیں تم دو ایک قدم بہ تکلف چلو تاکہ آئندہ تمہارے لیے سہولت ہو جائے اور عشق تم کو اپنے آغوش میں لیکر مطلوب تک پہنچا دے اور تم کو کچھ بھی زحمت نہ ہو۔ اور تم مردوں کی طرح معرکۂ نفس و شیطان میں قدم جماؤ۔ تاکہ تم سولی کے پاؤں میں نہ الجھ جاؤ اور ہلاکتِ ابدی میں مبتلا نہ ہو جاؤ۔ تم عورتوں کی طرح زنانہ لباس میں کب تک رہو گے اسے چھوڑ دو اور سناں کی طرح مردوں کی صف میں آکر شامل ہو اور مردوں کی طرح جد و جہد کرو۔ اور عورتوں کی طرح ہمت نہ ہارو۔

غالب شدن حیلۂ روباہ بر استعصام و تعفّفِ خر و کشیدن

گدھے کے بچاؤ اور حفاظت پر لومڑی کے حیلہ کا غالب آجانا اور لومڑی کا

روباہ خر را بسوئے بیشۂ شیر

گدھے کو شیر کی کچھار کی جانب کھینچ لے جانا

روبہ اندر حیلہ پائے خود فشرد ✱ ریشِ خر بگرفت و آں خر را بہ بُرد

لومڑی نے مکاری میں قدم رکھا ✱ گدھے کی داڑھی پکڑی اور اُس گدھے کو لے گئی

مُطربِ آں خانقہ کوتا کہ تفت ✱ دَف زند کہ خر برفت و خر برفت

اُس خانقاہ کا قوال کہاں ہے؟ کہ جلد ✱ دَف بجائے، کہ گدھا گیا، گدھا گیا

چونکہ خرگوشے برد شیرے بچاہ ✱ چوں نیارد روبہے خر تا گیاہ

جب خرگوش شیر کو کنوئیں میں پہنچا دے ✱ تو لومڑی گدھے کو گھاس کے پاس کیوں نہ لے آئیگی!

گوش را بر بند و افسونہا مخور ✱ جز فسونِ آں ولیِ داد گر

کان بند کرلے اور منتر نہ سُن ✱ اُس فریاد رس ولی کے منتر کے سوا

استعصام۔ حفاظت چاہنا۔ تعفف۔ پاکدامنی دیکھو۔ جھاڑی۔

۵۳ پائے خود فشرد یعنی کھڑی ہو گئی۔ ریش خر گرفت۔ یعنی غالب آگئی۔ مطرب پہلے قصہ گذر چکا ہے کہ "خر برفت" کی دُھن میں دوسرے صوفیوں نے ایک صوفی کا گدھا بیچ کھایا تھا۔ چونکہ پہلے قصہ گذر چکا ہے کہ خرگوش نے دھوکے سے شیر کو کنوئیں میں گرا دیا تھا

۵۶ گوش۔ مولانا سالک کو نصیحت کرتے ہیں کہ صرف شیخ کے قول پر عمل کر

آں فسونہا خوشتر از حلوائے اُو
اُس (فیردی) کے حلوے سے یہ منتر بہتر ہیں

آنکہ صد حلواست خاکِ پائے اُو
کیونکہ سینکڑوں حلوے اُس کے پاؤں کی خاک ہیں

خُمہائے خُسروانی پُر زمے
شراب سے پُر شاہی مٹکوں نے

مایہ بُردہ از مے لبہائے وے
اُس کے ہونٹوں سے سرمایہ حاصل کیا ہے

عاشقِ مے باشد آں جانِ بعید
وہ (اُس سے) دور جان شراب کی عاشق ہو گئی

کو مے لبہائے لعلش را ندید
جس نے اُس کے لعل جیسے ہونٹوں کی شراب دیکھی

آبِ شیریں چوں نہ بیند مُرغ کور
اندھا پرند جب میٹھا پانی نہیں دیکھے گا

چوں نگردد گرد چشمہ آبِ شور
وہ کھاری پانی کا چکر کیوں نہ کاٹے گا؟

موسیِ جاں سینہ را سینا کُند
روحانی موسیٰؑ، سینہ کو سینا بنا دیتا ہے

طوطیانِ کور را بینا کُند
اندھی طوطیوں کو بینا بنا دیتا ہے

خسروِ شیرینِ جاں نوبت زدست
روح کے شیریں شاہ نے ڈنکا بیٹ دیا ہے

لاجرم در شہر قند ارزاں شدست
لامحالہ شہر میں شکر سستی ہو گئی ہے

یوسفانِ غیب لشکر میکشند
غیبی یوسف لشکر کشی کر رہے ہیں

تنگہائے قند مصری میرسند
مصری شکر کے بورے پہنچ رہے ہیں

اُشترانِ مصر را رُو سوئے ما
مصری اونٹوں کا رُخ ہماری جانب ہے

بشنوید اے طوطیاں بانگِ درا
اے طوطیو! گھنٹے کی آواز سنو

شہرِ ما فردا پُر از شکر شود
کل کو ہمارا شہر شکر سے بھر جائے گا

شکر ارزان ست ارزاں تر شود
شکر سستی ہے (اور) زیادہ سستی ہو جائیگی

در شکر غلطید اے حلوائیاں
اے حلوائیو! شکر میں لوٹو

ہمچو طوطی کوریِ صفرائیاں
طوطی کی طرح، صفرائی لوگوں کے اندھے پن کے باوجود

نیشکر کوبید کار اینست و بس
گنا کھوندو، بس کام یہی ہے

جاں بر افشانید یار اینست و بس
جان چھڑک دو، بس دوست یہی ہے

یک تُرش در شہرِ ما اکنوں نماند
ہمارے شہر میں اب کوئی کھٹا نہیں رہا

چونکہ شیریں خسرواں را بر نشاند
چونکہ شیریں نے بہت سے خسرو بٹھا دیے ہیں

نُقل بر نُقل ست و مے بر مے ہلا
آگاہ، نُقل پر نُقل، شراب پر شراب ہے

بر منارہ رو بزن بانگِ صلا
منارہ پر چڑھ جا، بلاوے کا اعلان کر دے

سرکہ نُہ سالہ شیریں میشود
نو سال کا سرکہ میٹھا ہو جائے گا

سنگِ مرمر لعل و زریں میشود
سنگِ مرمر لعل اور سنہرا ہو جائے گا

۵۱ منارہ۔ بلند جگہ پر چڑھ کر اعلان کیا جاتا ہے۔ تیرا۔ یعنی پھونکنے بیکار۔ آفتاب۔ یعنی شیخ کامل۔ زرہا۔ یعنی مستعدین۔ چشمہا۔ اب سالکوں کی نگاہیں مُنوّر ہیں۔ منصور۔ حلاج نے فنا کے بعد بقا باللہ حاصل کر کے انا الحق کا نعرہ لگا دیا تھا۔

۵۲ نوجوان۔ مشہور ہے کہ زلیخا حضرت یوسفؑ کی دعا سے نوجوان بن گئی تھی۔ مُراد یہ ہے کہ روح کی کمزوری کے بعد اُس کو نوجوانی حاصل ہو گئی۔ چشمِ بد۔ مشہور ہے کہ کالا داد کی دھونی سے نظرِ بد زائل ہو جاتی ہے۔ تو جہاں۔ یہ احوال جو ذکر کیے گئے ہیں خود تیرے ہیں تو اُن سے خوش رہ تاکہ دنیا اصل مُراد حاصل کر لے۔ گر خرے۔ اگر لوفری گدھے کو ہلاک کر رہی ہے کرنے دے تو گدھا نہ بن اور پھر بے فکر زندہ رہ۔

۵۳ حکایت۔ اس حکایت سے یہ بتانا ہے کہ اگر انسان انسان بن جائے تو پھر گدھا پکڑنے والے سے اُسے کوئی خطرہ نہیں جب تک انسان گدھا ہے وہ فریب کھاتا ہے۔

آفتاب اَندر فلک دستک زناں | ذرّہا چوں عاشقاں بازی کُناں
سورج آسمان میں دستک دے رہا ہے | ذرّے، عاشقوں کی طرح رقص کر رہے ہیں

چشمہا مخمور شُد از سبزہ زار | گُل شگوفہ میکُند بر شاخسار
سبزہ زار سے آنکھیں نشیلی ہو گئی ہیں | شاخوں پر، پھول کھل رہے ہیں

چشمِ دَولت سحرِ مُطلَق میکُند | رُوح شد منصور اَنَا الحق میزند
دولت کی آنکھ، پورا جادو کر رہی ہے | روح منصور بن گئی ہے اَنَا الحق کا نعرہ لگا رہی ہے

شُد ز یوسف آں زلیخا نوجواں[۱] | عِشرت از سر گیر خوش خوش دَماں
یوسفؑ کی وجہ سے زلیخا جوان ہو گئی | خوشی خوشی مسرت سے از سر نو عیش منا

آتشے اندر دلِ خود بر فروز | دفعِ چشمِ بَد سپندانے بسوز
اپنے دل میں آگ روشن کرلے | نظرِ بد کے دفع کرنے کے لئے کالا دانہ جلا

تو بحالِ خویشتن میباش شاد | تا بیابی در جہانِ جاں مُراد
تو اپنے حال پر خوش رہ | تاکہ تو جان کے جہان میں مراد حاصل کرلے

گر خرے را می بُرد روبہ ز سَر | گو بُبُر تو خر مباش و غم مخور
اگر لومڑی گدھے کا سر کاٹ دیتی ہے | کہہ دے کاٹ دے، تو گدھا بن اور غم نہ کھا

حکایتِ[۲] آں شخص کہ از ترس خویشتن را در خانہ انداخت
اُس شخص کی حکایت جس نے خوف سے اپنے آپ کو گھر میں جا ڈالا، رُخساروں

رُخہا زرد کردہ چوں زعفران و لبہا کبود چوں نیل و دست
کو زعفران کی طرح زرد کئے ہوئے، اور ہونٹوں کو نیل کی طرح نیلا کئے ہوئے، ہاتھ درخت

لرزاں چوں برگِ درخت خداوندِ خانہ پُرسید کہ خیر ست
کے پتوں کی طرح کپکپاتے ہوئے، گھر کے مالک نے دریافت کیا خیر ہے

و چہ واقعہ است گفت از بیروں خر می گیرند سُخرہ گفت
اور کیا واقعہ ہے؟ اُس نے کہا، باہر بیگار میں گدھے پکڑ رہے ہیں اُس نے کہا

تو خر نیستی چہ میترسی گفت بجدّ می گیرند و تمیز برخاستہ است
تو تو گدھا نہیں ہے کیوں ڈرتا ہے؟ اس نے کہا کوشش کر کے پکڑ رہے ہیں، اور تمیز اٹھ گئی ہے

امروز ترسم کہ مرا خر گیرند
اب میں ڈرتا ہوں کہ مجھے گدھا سمجھ لیں

آں[۳] یکے از ترس در خانہ گریخت | زرد رُو و لب کبود و رنگ ریخت
ایک شخص خوف سے گھر میں بھاگ آیا | چہرہ زرد، ہونٹ نیلے، رنگ فق

آں نفسہا:
دوسرے بزرگوں کی چکنی چپڑی باتوں سے شیخ کی بات بدرجہا بہتر ہے۔ عباسی شاہی شراب میں مستی شیخ کی باتوں کی مستی سے آتی ہے۔ عاشق جو شخص شیخ سے دور ہوگا اور اُس نے شیخ کی باتوں کی مستی نہ حاصل کی ہوگی وہ شراب کی مستی سے محبت کرسکیگا۔

[۱] آپ شیر ہیں۔ چونکہ یہ شیخ کی باتوں کی مستی سے محروم ہے اس لئے دوسروں کی باتوں پر دھیان دیتا ہے۔ مُرتسی جاں۔ شیخ کا فیض سینہ کو کوہِ طور بنا دیتا ہے۔ خسرو۔ شیخ نے صلائے عام دے دی ہے اسی لئے اس وقت شہر میں قند ارزاں ہے۔ ترسغاں بے۔ اس سے مراد روحانی شیوخ ہیں۔ حضرت یوسفؑ کی مناسبت سے قندِ مصری کا ذکر کیا ہے جس سے روحانی اسرار مراد ہیں۔

[۲] اشتراں مصر یعنی روحانی شیوخ۔ قرار جرس گھنٹہ۔ حلوائیاں۔ وہ سالک جو اسرار کے طالب ہیں۔ صفرائیاں۔ جس شخص میں خلط صفراء کا غلبہ ہوتا ہے اُس کو شکر اچھی نہیں لگتی اس سے مراد منکرین ہیں۔ نیشکر۔ اس سے مراد روحانی اسرار ہیں۔ آں یکے یعنی شیخ کامل ایک ترش بات سے مراد منکر ہے شیریں۔

صاحبِ خانہ بگفتش خیر ہست ۔ کہ ہمی لرزد ترا چوں بید دست

گھر کے مالک نے اُس سے کہا خیر ہے؟ کہ تیرا ہاتھ بید کی طرح لرز رہا ہے

واقعہ چونست چوں بگریختی ۔ رنگِ رخسارہ چنیں بہ چوں ریختی

کیا واقعہ ہے، تو کیوں بھاگا؟ رخسار کا رنگ کیوں فق ہو گیا؟

گفت بہرِ سخرۂ شاہِ حروں ۔ خر ہمی گیرند امروز از بروں

اس نے کہا ظالم بادشاہ کی بیگار کے لئے آج باہر سے گدھے پکڑ رہے ہیں

گفت[۲] میگیرند خر اے جانِ عم ۔ چوں نہ خر رو نزا زیں چیست غم

اس نے کہا اے چچا کی جان! وہ گدھے پکڑ رہے ہیں، جبکہ تو گدھا نہیں ہے جا تجھے اس سے کیا غم ہے؟

گفت بس جِدّند و گرم اندر گرفت ۔ گر خرم گیرند ہم نبود شگفت

اس نے کہا وہ پکڑنے میں سخت اور سرگرم ہیں، اگر مجھے بھی گدھا سمجھ لیں تو تعجب نہیں ہے

بہرِ خرگیری بر آوردند دست ۔ جدِّ جد تمییز ہم برخاستہ است

گدھے پکڑنے میں اُنھوں نے ہاتھ نکالے ہیں، بہت کوشش میں تمیز بھی اٹھ گئی ہے

چونکہ بے تمییز یانمان سرورند ۔ صاحبِ خر را بجائے خر برند

چونکہ بے تمیز لوگ ہمارے سردار ہیں، گدھے کی بجائے گدھے والے کو پکڑ لے جائیں گے

نیست[۳] شاہِ شہرِ ما بیہودہ گیر ۔ ہست تمییزش سمیع ست و بصیر

ہمارے شہر کا بادشاہ خواہ مخواہ پکڑنے والا نہیں ہے، اس کو تمیز ہے، وہ سننے والا اور دیکھنے والا ہے

آدمی باش و ز خرگیراں مترس ۔ خر نۂ اے عیسیٰ دوراں مترس

تو آدمی بن جا اور گدھا پکڑنے والوں سے نہ ڈر، تو گدھا نہیں ہے اے دور کے عیسیٰ تو نہ ڈر

چرخِ چارم ہم ز نورِ تو پُرست ۔ حاش للہ کہ مقامت آخرست

چوتھا آسمان بھی تیرے نور سے پُر ہے، خدا بچائے کہ تیرا مقام اصطبل ہو

تو ز چرخ و اختراں ہم برتری ۔ گرچہ[۴] بہرِ مصلحت در آخری

تو آسمان اور ستاروں سے بھی بالاتر ہے، اگرچہ مصلحت تو اصطبل میں ہے

میر آخر گرچہ در آخر بود ۔ ہر کہ او را خر بگوید خر بود

اصطبل کا داروغہ اگرچہ اصطبل میں ہوتا ہے، جو اُس کو گدھا کہے، وہ گدھا ہے

میر آخر دیگر و خر دیگرست ۔ نے ہر آنکو اندر آخر شد خرست

داروغۂ اصطبل دوسری چیز ہے اور گدھا دوسری، یہ نہیں ہے کہ جو اصطبل میں ہے وہ گدھا ہے

چہ در افتادیم در دنبالِ خر ۔ از گلستاں گوئی و ز گلہائے تر

ہم گدھے کے پیچھے کیا پڑ گئے، چمن اور تر پھولوں کی بات کر

از انار و از ترنج و شاخِ سیب ۔ وز شراب و شاہدانِ بے حسیب

انار کی اور لیموں کی اور سیب کی ٹہنی کی، اور شراب کی اور بے حساب معشوقوں کی

---

۱ آن: ایک شہر میں گدھے بیگار میں پکڑے جا رہے تھے۔ ایک شخص ڈر کر ایک گھر میں گھس گیا۔ بید۔ بید کے درخت کا ہوا میں ہلنا (لچک) مشہور ہے۔ سخرہ۔ بیگار۔ حروں۔ سرکش، ظالم۔

۲ گفت۔ صاحب خانہ نے کہا گدھا نہیں ہے تو کیوں ڈرتا ہے۔ جدِّ جد۔ کوشش کی زیادتی۔ سلطان کے لئے گدھے کی تمیز ... چونکہ جب بے تمیز سردار ہیں تو گدھے کی بجائے یہ لوگ گدھے والے کو بھی پکڑ سکتے ہیں۔

۳ نیست۔ اس شعر کا تعلق اس حکایت کی شرح کے پہلے شعر "خر نہٴ چوں" سے ہے۔ آدمی۔ انسان بن جا۔ عیسیٰ۔ انسان کو عیسیٰ صفت ہونا چاہیے خرِ عیسیٰ نہ ہونا چاہیے۔ چرخ چارم۔ جبکہ انسان کو عیسیٰ صفت ہونا چاہیے۔ تو جیسا کہ حضرت عیسیٰ چوتھے آسمان پر ہیں اسی طرح انسانِ کامل کا مقام بھی چوتھا آسمان ہے۔

۴ گرچہ۔ ہدایت دینے اور پالنے کے لئے انسان کو دنیا میں بھیجا گیا ہے۔ میر آخر۔ اصطبل میں ہونے سے گدھا ہونا ضروری نہیں ہے داروغۂ اصطبل، اصطبل میں ہے لیکن گدھا نہیں ہے..... اسی طرح اہل اللہ دنیا میں رہتے ہوئے دنیادار نہیں ہیں۔ چہ۔ مولانا کا اپنے آپ کو خطاب ہے کہ گدھے کے قصّہ کو چھوڑ کر عالمِ آخرت

یا ازاں دریا کہ موجش گوہرست — گوہرش گویندہ و بینا ورست

یا اُس دریا کی، جس کی موج موتی ہے — اُس کا موتی گویا اور بینا ہے

یا ازاں مرغاں کہ گلچیں میکنند — بیضہا زریں و سیمیں می کنند

یا اُن پرندوں کی، جو پھول چُنتے ہیں — سونے اور چاندی کے انڈے دیتے ہیں

یا ازاں بازاں کہ کبکاں پرورند — ہم نگوں اِشکم ہم اِستاں میپرند

یا اُن بازوں کی، جو چکوریں پالتے ہیں — پیٹ کے بل بھی اور چت بھی اُڑتے ہیں

نردبانہائیست پنہاں در جہاں — پایہ پایہ تا عنانِ آسماں

دنیا میں مخفی سیڑھیاں ہیں — درجہ بدرجہ، آسمان کی بلندی تک

ہر گروہ را نردبانے دیگرست — ہر روش را آسمانے دیگرست

ہر گروہ کی ایک دوسری سیڑھی ہے — ہر رفتار کے لئے ایک دوسرا آسمان ہے

ہر یکے از حالِ دیگر بے خبر — مُلک با پہنا و بے پایان و سر

ہر ایک دوسرے کی حالت سے بے خبر ہے — مُلک وسیع ہے اور بے ابتدا اور بے انتہا ہے

ایں دراں حیراں کہ او از چیست خوش — واں دریں خیرہ کہ حیرت چیستش

یہ اُسکے بارے میں حیران کہ وہ کس چیز سے خوش ہے — وہ اِسکے بارے میں حیران ہے کہ اُسکی حیرت کس وجہ سے ہے

صحنِ ارضُ اللہ واسع آمدہ — ہر درختے از زمینے سر زدہ

اللہ کی زمین کا صحن وسیع ہے — ہر درخت ایک زمین سے اُگا ہے

بر درختاں شکر گویاں برگ و شاخ — کہ زہے مُلک و زہے عرصہ فراخ

درختوں پر پتے اور شاخیں شکر ادا کرتی ہیں — کہ عجب مُلک ہے اور عجب وسیع میدان ہے

بُلبلاں گردِ شگوفہ پُر گرہ — کازاں چہ میخوری ما را بدہ

بلبلیں تہ بہ تہ شگوفے کے چاروں طرف (کہتی ہیں) — کہ اُس میں سے کیا کھا رہا ہے؟ ہمیں دے

ایں سخن پایاں ندارد کُن رجوع — سوئے آں رُوباہ و شیر و سقم و جوع

یہ بات خاتمہ نہیں رکھتی ہے، واپسی کر — اُس لومڑی اور شیر اور بیماری اور بھوک کی جانب

۵۲ ازکفستاں۔ یہ سب جنت کی چیزیں ہیں۔ دریا۔ اس سے مراد ذاتِ حق ہے۔ مُرغاں۔ یعنی اولیاء اللہ۔ بازاں۔ یعنی ملائکہ۔ کبکاں۔ یعنی نفوسِ قدسیہ۔ نردبانہا۔ یعنی عروج کے مختلف راستے ہیں مشہور ہے کہ اللہ تعالےٰ کی جانب جانیوالے راستے انسانوں کے سانسوں کی تعداد کی بقدر ہیں۔ عناں۔ فضا جو نظر آتی ہے۔ روش یعنی سلوک۔

۵۳ ہر یکے۔ ہر سالک پر جو تجلی ہے دوسرا اُس سے بیخبر ہے حتّٰی کہ بسا اوقات مرید پر جو تجلی ہوتی ہے شیخ اُس سے بے خبر ہوتا ہے۔ ایں۔ ہر سالک چونکہ دوسرے سالک کی تجلی سے بے خبر ہے اِسلئے وہ دوسرے پر حیران ہوتا ہے۔ صحن۔ قربِ الٰہی اِسقدر وسیع ہے کہ اُسمیں طرح طرح کے معارف کے گل اُگے ہیں۔

۵۵ بر درختاں۔ ہر درخت کی شاخ و برگ خدا کی تسبیح میں مصروف ہے۔ بُلبلاں۔ یعنی سچے عاشق۔ ایں سخن۔ یہ عالمِ غیب کا بیان نہ ختم ہونے والا ہے۔

شرح

لومڑی دھوکا دینے پر جم گئی اور بالآخر اسکو دھوکا دے لیا اور گدھے کی ڈاڑھی پکڑ کر لے گئی۔ کہاں ہے اس خانقاہ کا قوال جس کا قصّہ دفترِ دوم میں مذکور ہُوا۔ تاکہ وہ تیزی کے ساتھ گائے، گدھا چل دیا۔ گدھا چل دیا۔ کیونکہ یہ بہت اچھا ہو

سچ ہے کہ فریب بُری بلا ہے اس کے ذریعہ سے ایک خرگوش شیر کو کنوئیں پر لے جاکر ہلاک کر دیتا ہے جیسا کہ تم کو دفتر اوّل میں معلوم ہُوا اور جبکہ خرگوش شیر کو کنوئیں میں ڈال کر ہلاک کر سکتا ہے تو ایک بوڑھے گدھے کو سبزہ تک کیوں نہ لے جاسکے گی خود لے جاسکے گی۔ اور لے گئی۔ بس تم اپنے کان بند کرو۔ اور بجز افسونِ ولی حق کے کسی کا افسوں نہ سُنو! ولی حق کا کون سا افسون! اس کا وہ افسون جوکہ شیرینی اور مفید ہونے میں حلوے سے بڑھ کر ہے اور اس کا وہ افسوں کہ سینکڑوں حلوے اس کے پاؤں کی خاک ہیں۔ اُس ولی حق کی یہ شان ہے کہ شراب سے بھرے ہوئے شاہی مٹکے اس کے برتنوں کے شراب سے کب انکار کرتے ہیں اور ایسی حالت میں اس شراب معرفت کا وہی عاشق ہو سکتا ہے جس نے اُس کے لب لعل کی شراب نہیں دیکھی اور ایسے کو اس پر عاشق ہونا بھی چاہیئے۔ کیونکہ جب کوئی اندھا جانور آبِ شیریں کو نہ دیکھے گا تو وہ چشمہ آبِ شور کا طواف کیوں نہ کریگا ضرور کرے گا پس جو اسکی شراب لب لعل نہ دیکھے گا وہ ضرور اسی شراب پر عاشق ہوگا۔

صاحبو! وہ موسی رُوح سینہ کو طور سینا کی طرح مہبط انوار الٰہیہ بنا دیتا ہے اور اندھی طوطیوں یعنی محجوبین کو بینا اور صاحبِ بصیرت کر دیتا ہے اس رُوح کے شیریں خسرو نے جو نقارہ بجایا ہے تو ہمارے شہر میں شکر سستی ہوگئی ہے کیونکہ شاہدان غیبی کثرت سے آ رہے ہیں اور قند مصری کی گونوں پر گونیں چلی آ رہی ہیں۔ ایسی حالت میں شکر کو کون پوچھتا ہے۔ ارے طوطیو! مصر کی قند سے لدے ہوئے اونٹ ہماری طرف آ رہے ہیں۔ دیکھو! وہ گھنٹی کی آواز آ رہی ہے۔ پھر کل کو ہمارا شہر شکر سے بھر جائے گا اور کچھ تو شکر سستی ہے کل اور بھی سستی ہو جائیگی اور اے شیریں کے شائقو! تم طوطی کی طرح لوٹو۔ گو مبتلائے صفرا ... لوگوں کو اسسے ناگواری لاحق ہو اور اب تم گنے چوسو۔ کیونکہ اب اس کے سوا کچھ کام نہیں ہے۔ اور بس معشوق پر جان فدا کرو۔ کیونکہ صرف یہ ہی ایک شخص ہے جو معشوقی کے قابل ہے۔ جب سے اس شیریں خسرو نے شکر افشانی شروع کی ہے اس وقت

سے ہمارے شہر میں ایک چیز کھٹی نہیں رہی۔ سب میٹھی ہوگئیں۔
نقل پر نقل اور شراب پر شراب ہے۔ دیکھو! تم منارہ پر کھڑے ہوکر اعلان کردو!
کہ آؤ جیسی شراب پیتے ہو نبیذ اب تو سال کا پرانا سرکہ شیریں ہوگیا ہے اور سنگ
مرمر، لعل اور زرّیں ہو رہا ہے۔ آفتاب فلک پر تالیاں بجا رہا ہے اور ذرے شوق
میں اُچھل کود کر رہے ہیں۔ سبزہ کی یہ حالت ہے کہ سبزہ زار کے دیکھنے سے آنکھوں میں
نشہ آتا ہے اور شاخوں پر پھول کھل رہے ہیں اور چشم دولت کا غضب کا جادو
کر رہی ہے کسی کو پانی میں نہیں چھوڑا۔ سب پر اپنا تسلط جما لیا اور ان کو مدہوش
کر دیا۔ اور روح منصور بن کر..... أنا الحق کہہ رہے ہیں اور اس یوسف نے زلیخا
کو نوجوان کر دیا ہے پس تم اب نئے سرے خوش خوش عیش و عشرت میں مصروف اور اپنے سینہ
میں عشق کی آگ جلاؤ اور رفع چشم بد کے لیے یہ سپندان روشن کرو اور اپنی حالت
میں خوش رہو۔ تاکہ عالمِ روح میں تمہارا مقصد حاصل ہو۔ اگر گدھے کو لومڑی سر
پکڑ کر لے جاتی ہے تو لے جانے دو۔ تم گدھے نہ بنو اور پرواہ نہ کرو (خلاصہ یہ کہ عارف
کامل ہی مطلوب ہے لوگوں کو اسی کا طالب ہونا چاہیئے اس کے وقت میں فیض ربانیہ
کی کثرت ہوتی ہے۔ اور اہل معنی کے لیے وہ نہایت عیش کا زمانہ ہوتا ہے اور اس وقت
بہت دلوں کی بگڑی ہوئی سنور جاتی ہے اور جو لوگ ان کی صحبت سے آدمی ہو جاتے
ہیں ان کو شیطان اور نفس کا خطرہ نہیں رہتا) ایک شخص خوف سے ایک گھر میں بھاگا۔
خوف کے مارے چہرے کا رنگ زرد تھا۔ ہونٹ نیلے تھے اور منہ پر ہوائیاں اُڑ رہی تھیں
اسکی یہ حالت دیکھ کر صاحب خانہ نے پوچھا کہ میاں خیر تو ہے۔ تمہارا جسم بید کی طرح کانپ
رہا ہے۔ بات کیا ہے اور تم کیوں بھاگتے ہو اور تمہارے چہرہ کا رنگ کیوں اُڑ گیا ہے
اس نے جواب دیا کہ بادشاہ کے بیگار کے لیے لوگ باہر گدھے پکڑ رہے ہیں یہ سُنکر اس
نے جواب دیا کہ میاں گدھے ہی تو پکڑ رہے ہیں جبکہ تم گدھے نہیں ہو۔ تو تمہیں کیا فکر ہے
تم جاؤ اپنا کام کرو اس نے کہا کہ جناب! وہ اس کام میں نہایت سرگرم ہیں۔ ایسی حالت
میں اگر وہ مجھے بھی گدھا ہی سمجھ لیں تو کچھ تعجب نہیں کیونکہ انہوں نے گدھوں کے پکڑنے پر سخت دست

درازی کی ہے اور تمیز اُٹھ گئی ہے اور چونکہ ہمارے سرِدار بے تمیز ہیں اسلئے وہ گدھے والے کو بھی بجائے گدھے کے لیجاتے ہیں۔ سو صاحبو! ــــــــــ

ہمارے ملک کا بادشاہ اس بیہودگی سے نہیں پکڑتا۔ اُس کو آدمیوں اور گدھوں میں امتیاز ہے وہ سنتا ہے اور دیکھتا ہے بس تم آدمی ہو جاؤ اور گدھا پکڑنے والوں۔۔ (نفس و شیطان) سے نہ ڈرو کیونکہ اگر انہوں نے تم پر دست درازی کی ہے تو وہ بادشاہ انکو روک دیگا۔ تم گدھے نہیں ہو بلکہ عیسٰی دوراں ہو پھر کیوں ڈرتے ہو بالکل خوف نہ کرو تمہارے نور سے تو چرخ چہارم پر ہے کیونکہ تمہاری خلقت ہی اسکی خلقت اور اسکے نور کا سبب ہے پھر اصطبل تمہاری جگہ کیوں ہونے لگا تھا۔ حاش للہ ایسا نہو ۔۔۔۔۔ کہ تم مصلحۃً اصطبل (دُنیا) میں رکھے گئے ہو مگر تم تو آسمان اور ستاروں سے بھی رفیع القدر ہو اور ہرگز گدھے نہیں ہوا اور نہ تمہارے اصطبل دنیا میں ہونے کے لیے تمہارا گدھا ہونا لازم ہے کیونکہ۔۔ ۔۔۔۔ داروغہ اصطبل ہی اصطبل میں ہوتا ہے مگر گدھا نہیں ہوتا جو اسے گدھا کہے وہ خود گدھا ہے داروغہ اصطبل اور چیز ہے گدھا اور چیز۔ اُسکے اصطبل میں ہونے سے اس کا گدھا ہونا لازم نہیں آتا۔ کیونکہ کچھ ضرور نہیں ہے اگر کوئی اصطبل میں ہو گدھا ہو۔ لاحول ولا قوۃ۔ ہم کیا گدھے کے پیچھے پڑے ہیں۔ ابھی اس کا ذکر چھوڑو۔ اور گلستان۔ گل تر۔ انار، ترنج۔ شاخ سیب شراب، بے شمار معشوقوں کا ذکر کرو۔ اور فیوض عالمِ غیب کو بیان کرو یا اس دریا کا ذکر کرو جس کی موج موتی ہے اور جس کا موتی ۔۔۔۔۔۔۔ بولنے والا اور دیکھنے والا ہے یعنی حق سبحانہٗ، کا ذکر کرو جسنے انسان کو پیدا کیا جو اپنی گرانی قدر کے سبب بمنزلہ موتی کے ہے یا اُن جانوروں کا ذکر کرو جو گل چینی کرتے اور سونے چاندی کے انڈے دیتے ہیں یعنی اُن مُقدّس لوگوں کا ذکر کرو جو خود عالمِ غیب سے فیض یاب ہوتے اور اعمال صالحہ کرتے ہیں مگر خدمتِ خلق اُن سے متعلق نہیں ہے یا اُن بازوں کا ذکر کرو جو کہ چکوروں کی تربیت کرتے ہیں اور اوندھے بھی اڑتے ہیں اور سیدھے بھی یعنی اُن اہل اللہ کا ذکر کرو جو کہ لوگوں کی تربیت کرتے اور حسب قوت و استعدا بعنوان مختلف ترقی کرتے ہیں۔ بعنوان مختلف

ہم نے اس لیے کہا کہ آسمان تک درجہ بدرجہ مخفی سیڑھیاں لگے ہوئے ہیں اور ہر گروہ کے لیے ایک جداگانہ سیڑھی ہے اور ہر رفتار کے لئے ایک دوسرا آسمان مرتبت ہے اور ان لوگوں میں اس قدر تفاوت ہے کہ ایک کے حال کی دوسرے کو خبر نہیں کیونکہ ملک معنی نہایت وسیع اور بے حد و نہایت ہے اور ان کے احوال میں اس قدر تفاوت ہے کہ ایک دوسرے کو جوش دیکھ کر حیران ہے کہ یہ جوش کیوں ہے دوسرا اسکی حیرت سے متحیر ہے کہ یہ حیران کیوں ہے اس میں تحیر کی بات کیا ہے نہیں صحن ارض اللہ اور سرزمین قلب نہایت وسیع ہے اور ہر درخت معرفت ایک جداگانہ زمین سے پیدا ہوا ہے اور ان درختوں کی شاخیں اور پتے (آثار و نتائج) بونے والے کا شکر کر رہے ہیں کہ عجیب فراخ زمین ہے اور... بلبلیں (طالبین) شگوفوں کے گرد مجتمع ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ جو غذا تم نے کھائی ہے جس سے تم کو یہ حسن و لطافت حاصل ہوئے ہیں اس سے تم ہم کو بھی دو۔ خیر یہ بات تو انتہا نہیں رکھتی اس سے لومڑی اور شیر اور اسکی بیماری اور بھوک کی طرف لوٹنا چاہیئے اور ان کا بیان کرنا چاہیئے۔

بُردنِ روباہ آں خر را پیشِ شیر و جستنِ خر از شیر و عتاب کردنِ

لومڑی کا اس گدھے کو شیر کے سامنے لے جانا اور گدھے کا شیر سے کود بھاگنا اور لومڑی

روباہ با شیر کہ ہنوز خر دور بود کہ تعجیل کردی و عذر گفتنِ شیر و

کا شیر پر غصہ کرنا کہ گدھا ابھی دور تھا، کہ تو نے جلدی کردی اور شیر کا معذرت کرنا

لابہ کردنِ شیر روباہ را کہ برو بارِ دیگرش بفریب

اور شیر کا لومڑی کی خوشامد کرنا کہ جا دوبارہ اس کو فریب دے

چونکہ روباہش بسوئے مرج برد
لومڑی جب اس کو چراگاہ کی جانب لے گئی

تا کند شیرش بحملہ خرد مرد
تاکہ شیر حملے سے اس کو خورد برد کر دے

دور بود از شیر و آں شیر از نبرد
وہ شیر سے دور تھا اور شیر نے جنگ کی وجہ سے

تا بہ نزدیک آمدن صبرے نکرد
اس کے نزدیک آجانے تک صبر نہ کیا

گنبدی[۲] کرد از بلندی شیر ہول
ہولناک شیر نے اونچائی سے چھلانگ لگائی

خود نبودش قوت و امکان حول
اس میں خود قوت اور طاقت کا امکان نہ تھا

[۱] بُردن۔ لومڑی گدھے کو بہکا کر شیر کے پاس لیگئی، گدھا قریب نہ پہنچا تھا کہ شیر نے ناکام حملہ کر دیا اور گدھا بھاگ گیا۔ شیر نے لومڑی کی خوشامد کی کہ دوبارہ گدھے کو لا۔ مرج۔ چراگاہ۔ دور۔ گدھا ابھی شیر سے دور تھا شیر نے حملہ کر دیا۔

خر ز دورش دید و برگشت و گریخت — تا بزیرِ کوہ تازاں نعل ریخت

گدھے نے اُس کو دور سے دیکھا اور پلٹ گیا اور بھاگ گیا — پہاڑ کے نیچے تک بھاگا چلا گیا

گفت روبہ شیر را اے شاہِ ما — چوں نکردی صبر در وقتِ وغا

لومڑی نے شیر سے کہا "اے ہمارے بادشاہ! — تو نے معرکے کے وقت صبر کیوں نہ کیا؟

تا بہ نزدیکِ تو آید آں غوی — تا بہ اندک حملۂ غالب شوی

تاکہ وہ گمراہ تیرے قریب آ جاتا — تاکہ تو تھوڑے سے حملے سے غالب ہو جاتا

مکرِ شیطان ست تعجیل و شتاب — لطفِ رحمان ست صبر و احتساب

عجلت اور جلدبازی شیطان کا مکر ہے — صبر اور اپنے آپ کو قابو میں رکھنا خدا کی مہربانی ہے

دور بود و حملہ را دید و گریخت — ضعفِ تو ظاہر شد و آبِ تو ریخت[۵۴]

وہ دور تھا اور حملہ دیکھا اور بھاگ گیا — تیری کمزوری ظاہر ہو گئی اور تیری آبروریزی ہو گئی

گفت من پنداشتم برجاست زور — خود ندم زیں ضعفِ خود نادان و کور

اُس نے کہا، میں سمجھا طاقت بحال ہے — اپنی اِس کمزوری سے میں خود نادان اور اندھا تھا

لیک گفتم زورِ من برجا بود — نے کہ در من ضعفِ دست و پا بود

لیکن میں نے کہا، میری طاقت بحال ہو گی — نہ کہ مجھ میں ہاتھ اور پاؤں کی کمزوری ہو گی

نیز جوع و حاجتم از حد گذشت — صبر و عقلم از تجوع یاوہ گشت

لیکن میری بھوک اور ضرورت حد سے گذر گئی — بھوک کی وجہ سے میرا صبر اور عقل بیکار ہو گئی

گر توانی بارِ دیگر از خرد — باز آوردن مر او را می سزد

اگر تو عقلمندی سے دوبارہ — اُس کو پھر لا سکے تو مناسب ہے

منتِ بسیار دارم از تو من — جہد کن باشد بیاریش بفن

مجھ پر تیرا بہت احسان ہے — کوشش کر شاید مکر سے تو اُس کو دوبارہ لے آئے

گر خدا[۵۵] روزی کند آں خر مرا — بعد ازاں بس صید ہا بخشم ترا

اگر اللہ تعالیٰ اُس گدھے کو میری روزی بنا دیگا — اُس کے بعد تجھے بہت شکار بخشوں گا

گفت آرے گر خدا یاری دہد — بر دلِ او از عمی مُہرے نہد

اُس نے کہا ہاں اگر خدا مدد کرے گا — اُس کے دل پر اندھے پن کی مُہر لگا دے گا

پس[۵۶] فراموشش شود ہولے کہ دید — از خریِ او نباشد ایں بعید

تو وہ اُس خوف کو بھول جائیگا جو اُس نے دیکھا — اُس کے گدھے پن سے یہ بعید نہیں ہے

لیک چوں آرم من او را بر متاز — تا ببادش ندہی از تعجیل باز

لیکن جب میں اُس کو لے آؤں دوڑ نہ پڑنا — تاکہ تو پھر جلدی کی وجہ سے اُسکو برباد نہ کرے

---

[۵۳] گُندی کردن۔ چوکڑی بھرنا۔ حاق۔ طاقت۔ نعل ریختن۔ تیز دوڑنا۔ وَغا۔ جنگ۔ لڑائی۔ گمراہ یعنی گدھا۔ مکرِ شیطان۔ حدیث شریف ہے جلدبازی شیطانی ہے اور آہستگی خدا کی جانب سے ہے۔

[۵۴] آب ریختن۔ بے آبرو ہونا۔ گفت۔ شیر نے کہا میں سمجھا تھا کہ میری قوت بحال ہے اور میں اپنی کمزوری سے ناواقف تھا۔ لیک۔ شیر نے کہا میں سمجھا تھا کہ مجھ میں قوت ہے اور میرے ہاتھ پاؤں کمزور نہیں ہیں۔ نیز۔ دوسری وجہ جلد حملہ کی یہ بھی ہوئی کہ بھوک بہت لگ رہی تھی اور بھوک میں عقل گم ہو گئی تھی۔ گر توانی۔ تیری عقلمندی کا تقاضہ ہے کہ تو اُس کو دوبارہ لے آ۔ منت۔ تیرا مجھ پر بہت احسان ہے مزید کرم ہو گا کہ دوبارہ لے آئے۔

[۵۵] گر خدا۔ اگر خدا نے مجھے گدھے کی روزی دے دی تو میں کھا کر قوی ہو جاؤں گا پھر بہت شکار کر کے تجھے کھلایا کروں گا۔ گفت۔ لومڑی نے کہا اگر خدا کی مدد شاملِ حال رہی تو پھر گدھے کے دل پر اندھے پن کی مُہر لگ جائے گی۔

[۵۶] پس۔ پہلے حملہ کا خوف وہ بھول جائیگا۔ لیک۔ لیکن اگر اِس بار میں اُس کو لے آؤں، تو جلدی کر کے اُسکو برباد نہ کر دینا۔

گفت آرے تجربہ کردم کہ من
اس نے کہا، ہاں میں نے تجربہ کر لیا ہے کہ میں

سخت رنجورم مخلخل گشتہ تن
سخت بیمار ہوں، جسم ڈھیلا ہو گیا ہے

تا بہ نزدیکم نیاید خر تمام
جب تک گدھا بالکل میرے پاس نہ آ جائیگا

من نہ جنبم خفتہ باشم بر قوام
میں حرکت نہ کروں گا، سوتا رہونگا طریقے کے مطابق

رفت روبہ گفت اے شہ ہمتے
لومڑی روانہ ہوئی، بولی اے شاہ!

تا بپوشد عقل او را غفلتے
تاکہ غفلت اُس کی عقل کو چھپا دے

توبہا کردست خر با کردگار
گدھے نے خدا سے بہت توبہ کر لی ہو گی

کہ نگردم غرۂ ہر نابکار
کہیں ہر نالائق کے دھوکے میں نہ آؤں

عقلِ خر بازیچۂ دستانِ ماست
گدھے کی عقل ہمارے مکر کا کھلونا ہے

فکرتش کبادۂ طفلانِ ماست
اُس کی سمجھ ہمارے بچوں کی نرم کمان ہے

توبہایش را بفن بر ہم زنیم
ہم مکر سے اُس کی توبہ کو توڑ دیں گے

ما عدوے عقل و عہدِ روشنیم
ہم عقل اور روشن عہد کے دشمن ہیں

گلۂ خر گوئے فرزندانِ ماست
گدھوں کا گلہ ہماری اولاد کی گیند ہے

فکرتش بازیچۂ دستانِ ماست
اس کی سمجھ ہمارے مکر کا کھلونا ہے

عقل کاں باشد ز دورانِ زحل
وہ عقل جو زحل کی رفتار سے (پیدا) ہو

پیشِ عقلِ کل ندارد آں محل
عقلِ کل کے سامنے وہ مرتبہ نہیں رکھتی ہے

از عطارد وز زحل دانا شد او
وہ عطارد اور زحل سے عقلمند بنا ہے

ما ز دادِ کردگار لطفِ خو
ہم مہربان خدا کی عنایت سے

علّم الانساں خمِ طغرائے ماست
"علّم الانسان" ہمارے طغرا کا دائرہ ہے

علم عند اللہ مقصدہائے ماست
اللہ کا علم ہمارے مقاصد ہیں

تربیہ آں آفتابِ روشنیم
ہم اُس روشن سورج کی تربیت ہیں

ربی الاعلیٰ ازاں رو میزنیم
ہی لئے ہم رَبِّیَ الاَعلیٰ کا نعرہ لگاتے ہیں

تجربہ گر دارد او با ایں ہمہ
اگر وہ تجربہ رکھتا ہے تو اس سب کے ہوتے ہوئے

بشکند صد تجربہ زیں دمدمہ
سینکڑوں تجربے اس مکر سے ٹوٹ جائیں گے

بو کہ توبہ بشکند آں سست خو
ہو سکتا ہے کہ وہ کاہل توبہ توڑ دے

در رسد شومیِ اشکستن در او
(توبہ) توڑنے کی بدبختی اُس میں اثر کرے

مخلخل۔ ڈھیلا۔ تا بہ نزدیکم۔ شیر نے کہا بس بار جب وہ قریب آ جائیگا تو حملہ کرونگا ورنہ قاعدہ کے مطابق سوتا رہوں گا۔ ہمت۔ باطنی توجہ۔

؎ نابکار۔ نالائق۔ بازیچہ۔ کھلونا۔ دستاں۔ مکر۔ کبادہ۔ بچوں کے کھیلنے کی نرم کمان۔ توبہایش۔ لومڑی نے کہا ہم اُس کی توبہ کو توڑ دیں گے۔ گلۂ خر۔ گدھے ہمارے بچوں کا کھلونا ہیں اور اُن کی عقل ہمارے مکر کا کھلونا ہے یہی حال شیطان اور عوام کا ہے۔ زحل۔ زحل ستارے کی تاثیر سے بچہ کی عقل میں ذہانت پیدا ہوتی ہے لیکن زحل کی عطا کردہ عقل، عقلِ کل کے مقابلہ میں ہیچ ہے۔ از عطارد۔ عوام کی عقول عطارد اور زحل ستاروں کی تاثیر سے ہیں شیطان کی عقل خداداد ہے۔

؎ علّم الانسان۔ ان اشعار میں مولانا نے لومڑی کی زبان سے عقلِ کامل کے صفات بیان فرمائے ہیں قرآن پاک میں ہے عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ انسان کو وہ سکھایا جو وہ نہ جانتا تھا۔ دوسری جگہ قرآن پاک میں مذکور ہے قُلْ اِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰہِ آپ کہہ دیجئے علم اللہ ہی کے پاس ہے۔ تربیہ۔ عقلِ کامل کو اللہ کی تربیت حاصل ہوتی ہے اس لئے وہ خداوند قدوس کی ربوبیت کا اقرار کرتا ہے۔ تجربہ۔ لومڑی نے کہا بزرگ ہو سکتا ہے کہ وہ گدھا اپنی توبہ توڑ ڈالے اور توبہ شکنی کی بدبختی میں مبتلا ہو جائے۔

دربیانِ آنکہ نقضِ عہد و توبہ موجبِ بلا بُود بلکہ موجبِ مسخ

اس کا بیان کہ توبہ اور عہد کو توڑنا مصیبت کا سبب ہوتا ہے بلکہ مسخ کا

ست چنانکہ درحقِ اصحابِ سبت و اصحابِ مائدہ عیسیٰ

سبب ہے، چنانچہ سبت والوں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دسترخوان والوں کے

علیہ السلام کہ وَجَعَلَ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيرَ واندریں

بارے میں ہے اور کردیا اُن میں سے بندر اور سُور اور اس اُمّت میں

اُمّت مسخِ دل باشد نَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْ ذٰلِكَ و روزِ قیامت

دل مسخ ہوگا ہم اس سے اللہ کی پناہ چاہتے ہیں اور قیامت کے

تن را صورتِ دل دہند

دن بدن کو دل کی صورت دے دینگے

نقضِ میثاق و شکستِ توبہا — موجبِ لعنت شود در انتہا

عہد کا توڑنا اور توبہ کا توڑنا — انجام کار لعنت کا سبب ہوتا ہے

نقضِ عہد و توبۂ اصحابِ سبت — موجبِ مسخ آمد و اہلاک و مقت

سبت والوں کا توبہ اور عہد کو توڑنا — مسخ اور ہلاکت اور عتاب کا سبب بنا

پس خدا آں قوم را بوزینہ کرد — چونکہ عہدِ حق شکستند از نبرد

تو خدا نے اس قوم کو بندر بنا دیا — چونکہ انھوں نے ضد سے اللہ کا عہد توڑا

اندریں اُمّت نہ بُد مسخِ بدن — لیک مسخِ دل بُود اے ذوالفطن

اس اُمّت میں جسمانی مسخ نہ تھا — لیکن اے سمجھدار! دل کا مسخ ہوتا ہے

چوں دلِ بوزینہ گردد آں دلش — از دلِ بوزینہ شد خوار آں گلش

جب اس کا دل، بندر کا دل ہوگیا — اس کی مٹی، بندر کے دل سے زیادہ ذلیل ہوگئی

گر ہنر بودے دلش را ز اختیار — خوار کے بودے بصورت آں حمار

اگر اس کے دل میں کوئی اختیاری ہنر ہوتا — تو صورت کے اعتبار سے وہ گدھا ذلیل کیوں ہوتا؟

آں سگِ اصحاب خوش بُد سیرتش — ہیچ بودش منقصت زاں صورتش

اصحاب (الکہف) کے کتے کی سیرت اچھی تھی — اس صورت سے اسکو کوئی نقصان تھا!

مسخِ ظاہر بود اہلِ سبت را — تا بہ بیند خلق ظاہر کبت را

سبت والوں کا مسخ ظاہر تھا — تاکہ کھلے ہوئے اوندھے مُنہ ہونے کو مخلوق دیکھ لے

از رہِ سِر صد ہزاراں دگر — گشتہ از توبہ شکستن خوک و خر

باطنی طور پر دوسرے لاکھوں — توبہ توڑنے کی وجہ سے سُوّر اور گدھے بنے ہیں

---

۵۰ نقصان۔ اب مرہ تا سمجھاتے ہیں کہ اللہ کے عہد اور توبہ کو توڑنے سے بڑی مصیبت آتی ہے پہلی قوموں تو عہد شکنی کی وجہ سے سؤر اور بندر بنائی گئیں آنحضور کی اُمت میں یہ صوری مسخ تو نہیں ہے لیکن باطنی مسخ ہوتا ہے یعنی دل سؤر اور بندر بن جاتا ہے اور قیامت میں یہ انسان اُس دل کی صورت اختیار کرے گا۔

۵۱ نقض۔ یہود نے عہد کیا تھا کہ وہ ہفتہ کے روز مچھلی کا شکار نہ کھیلا کریں گے لیکن انھوں نے اس عہد کو توڑا اور اس کے نتیجہ میں ان کو مسخ کر کے بندر اور سؤر بنا دیا گیا۔ سبت۔ ہفتہ کا دن۔ مقت۔ غصہ، عتاب۔ بوزینہ۔ بندر شکستند عہد کے باوجود ہفتہ کے روز مچھلی کا شکار کھیلنے لگے۔

۵۲ اندریں۔ اُمتِ محمدیہ میں صوری مسخ نہ ہوگا باطنی مسخ ہوگا۔ چوں دل بوزینہ۔ جب انسان کا دل بندر کا دل بن جائے تو اس کا جسم بندر کے دل سے بھی بدتر ہے۔ گر ہنر۔ حسن و خوبی میں صورت سے زیادہ دل معتبر ہے۔۔۔ اصحاب۔ اصحاب کہف کے کتے کا دل بھلا تھا صورت کی برائی سے اس پر کوئی عیب نہ آیا۔

۵۳ مسخ ظاہر۔ جسمانی مسخ میں یہ حکمت ہے کہ لوگ عبرت حاصل کریں۔ از رہ سر۔ باطنی طور پر لاکھوں مسخ ہیں جو عہد شکنی کی وجہ سے گدھے اور سؤر بنے ہوئے ہیں۔

شرح

جبکہ لومڑی گدھے کو چراگاہ کی جانب اسلئے لے گئی کہ شیر اُسے حملہ کر کے چٹ کر جائے تو اس وقت یہ واقعہ پیش آیا کہ گدھا ہنوز دُور تھا۔ شیر نے اسکے پاس آنے تک صبر نہ کیا اور اس ہولناک شیر نے اونچے سے جست کی۔ مگر اس میں جست کی قوت اور طاقت نہ تھی اسلئے وہ گدھے تک پہنچ سکا گدھے نے دُور سے یہ واقعہ دیکھا اور وہیں سے لوٹ گیا اور دامن کوہ تک اتنا بھاگا کہ بھاگتے ہوئے نعل بھی ٹوٹ کر گر پڑی۔ یہ حالت دیکھ کر لومڑی نے شیر سے کہا کہ حضور! آپنے معرکہ میں اس قدر صبر کیوں نہ کیا کہ وہ آپکے قریب آجاتا۔ تاکہ معمولی سے حملہ میں آپ اس پر غالب ہوجاتے ـــــ یہ بات نہایت نامناسب تھی۔ آپ کو واضح ہو کہ عجلت شیطانی فریب ہے اور صبر اور عجلت سے پرہیز عنایت حق سبحانہٗ ہے (کما قال صلی اللہ علیہ وسلم العجلۃ من الشیطان والتأنی من الرحمٰن) وُہ ہنوز دُور تھا آپنے اس پر حملہ کر دیا اسنے حملہ کو دیکھا اور بھاگ گیا اس سے آپ کی کمزوری ظاہر ہوئی اور آبرو جاتی رہی۔ شیر نے جواب دیا کہ میں سمجھا تھا کہ اس قدر میری قوت قائم ہے اور مجھے اپنے اتنے ضُعف کی خبر نہ تھی۔ میں واقع میں نہایت کمزور تھا۔ مگر میں نے اپنے دل میں کہا کہ اس قدر میری قوت ضرور قائم ہوگی اور مجھ میں ہاتھ پاؤں کی اتنی کمزوری نہ ہوگی۔ ایک وجہ تو میرے حملہ کی یہ تھی دوسری وجہ یہ تھی کہ میری بھوک اور احتیاج غذا حد سے بڑھ گئی تھی اور بھوک کے سبب میرا صبر اور میری عقل سب جاتے رہے تھے اگر تجھ سے اپنے عقل کے زور سے اس کو دوبارہ ... لانا ممکن ہو تو بہت مناسب ہے میں تیرا بہت ممنون ہوں گا پس تو کوشش کر۔ ممکن ہے کہ تو کامیاب ہو اور اسے حیلے سے لے آ۔ اگر خدا نے مجھے وہ گدھا دیدیا۔ تو میں تجھے سینکڑوں شکار دوں گا اس نے کہا اچھا! میں اُسے لاؤں گی بشرطیکہ خدا میری مدد کرے اور اسکے دل پر اندھے پن کی مُہر کردے اور جس خوف کو وہ دیکھ چکا ہے اسکو بھول جائے اور یہ امر اُسکے گدھے پن سے کچھ بعید نہیں ہے لہذا کامیابی کا ظن غالب ہے لیکن جب میں اُسے لے آؤں تو

دوڑنہ پڑنا ورنہ عجلت کی بدولت وہ پھر ہاتھ سے جاتا رہے گا اس نے کہا کہ بہت اچھا! اب مجھے تجربہ ہوگیا ہے کہ میں بہت بیمار ہوں اور میرا جسم بہت ڈھیلا ہوگیا ہے جب تک وہ گدھا پورے طور پر میرے قریب نہ آجائے گا۔ میں حرکت نہ کروں گا بلکہ ٹھیک طور پر لیٹا رہوں گا۔ یہ سنکر لومڑی چلدی۔ اور کہا کہ حضور دعا فرمائیں کہ انکی عقل کو غفلت چھپالے اسنے خدا سے بہت توبہ کی ہے کہ اب میں کسی نالائق کے دھوکا میں نہ آؤں گا۔ لیکن وہ کیا چیز ہے اور اسکی توبہ کیا ہے گدھوں کی عقل تو ہمارے مکر کا کھلونا ہے ان کی فکر ہمارے بچوں کی چکنی ہیسزم ہے پس ہم اس میں جس طرح چاہیں تصرف کر سکتے ہیں کہ ہم اسکی توبہ کو اپنی چالاکی سے درہم برہم کردیں گے۔ کیونکہ ہم تو عقل اور جان روشن کے دشمن ہیں۔ گدھوں کی کھوپڑی ہمارے بچوں کے گیند ہے اور ان کی عقل ہمارے مکر کا کھلونا ہے یعنی گدھوں کے دماغ اور اسکی عقل میں تو ہمارے بچے بخوبی تصرف کر سکتے ہیں پھر میں تو بالاولیٰ کر سکتی ہوں۔ عقل خر و عقل روباہ سے مولانا۔ عقل جزوی و عقل کلی۔ یعنی عقل معاش اور عقل معاد کی طرف انتقال فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ عقل جو زحل کی گردش کا نتیجہ ہو۔ عقل کُل کے سامنے کچھ وقعت نہیں رکھتی کیونکہ اس میں تو عطارد اور زحل کے اثر دانائی آئی ہے اور ہم اہل اللہ کو حق سبحانہٗ کی خاص عنایت سے دانائی حاصل ہوئی ہے پس کجا تاثیر زُحل اور کجا تاثیر خالقِ زُحل۔ ہمارے طغرا کا خم علم الانسان ہے یعنی ہم کو تعلیم حق کا شرف حاصل ہے اور علم خداوندی وہبی ہمارا مقصود ہے اور ہم اس آفتاب روشن کی تربیت یافتہ ہیں اسی لیے ہم خاص اُسی پروردگار کی تعظیم کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ ہمارا رب وہ ہے جو سب سے بالاتر ہے ایسی حالت میں ارباب عقل معاش ہمارے برابر کیونکر ہو سکتی ہیں۔

خیر تو لومڑی نے کہا کہ گو اسکو تجربہ ہو چکا ہے مگر بااین ہمہ ہمارا فریب ایک تجربہ تو کیا اُسکے سو تجربوں کو پاش پاش کردیگا ——— الغرض امید ہے کہ اس سُست طبع کی توبہ ٹوٹ جائیگی اور اسکی توبہ توڑنے کی نحوست اسے لاحق ہوگی۔

اب مولانا فرماتے ہیں کہ عہدوں کا توڑ دینا اور توبہ کی شکست آخر میں موجب لعنت ہو جاتی ہے۔ چنانچہ اصحاب سبت ؏ کا عہد اور توبہ کو توڑ دینا انکی مسخ اور ہلاکت اور مبغوضیت کا سبب ہو گیا اور جبکہ انہوں نے معاہدہ کو توڑ دیا تو حق سبحانہٗ نے اسکو بندر بنا دیا تم یہ نہ سمجھنا کہ یہ امت مسخ سے مامون ہے اسلئے نقض عہود کا وبال ہم پر نہ ہوگا کیونکہ اس آیت میں مسخ ابدان ضرور نہیں ہے مگر مسخ قلوب تو ہے پس توبہ شکن کا دل بندر کے دل کی مانند ہو جاتا ہے اور اس بندر کے سے دل کے سبب اس کی مٹی خراب ہو جاتی ہے۔ واضح ہو کہ اصل چیز دل ہے۔ نہ کہ جسم۔ پس اگر اس گدھے کے دل کے لیے اسکی اختیار سے کمال و انائی وغیرہ حاصل ہوتا تو وہ اپنے صورت خرانہ کے سبب ذلیل نہ ہوتا۔ دیکھو سگ اصحاب کہف کی سیرت اچھی تھی تو کیا صورت سگ سے .... اسکے رتبہ میں کچھ کمی آگئی ہرگز نہیں پس معلوم ہوا کہ اصل چیز دل ہے اسکی درستی درستی ہے اور اس کا فساد فساد۔ پس تم عدم مسخ صورت سے مغرور نہ ہونا۔ کیونکہ نہ صلاح ظاہر کوئی وصف ہے نہ مسخ ظاہر کوئی عیب۔

رہی یہ بات کہ جب مسخ ظاہر منقصت نہیں ہے تو مسخ ظاہر سے اہل سبت کو کیوں سزا دیگئی اس کا جواب یہ ہے کہ وہ مسخ ظاہر اسلئے تھا کہ لوگ اس قہر حق کا مشاہدہ کرلیں اور عبرت پکڑیں۔ ورنہ مسخ ظاہر تو فی نفسہٖ کوئی سزا نہیں تھی۔ **الحاصل** توبہ توڑنے کی بدولت لاکھوں آدمی سور اور گدھے ہو گئے ہیں پس تم کو عہد شکنی سے نہایت احتراز چاہیئے۔

؏ یہ لقب ہے، اُن لوگوں کا جن پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں ہفتہ کی تعظیم فرض ہوئی تھی مگر انہوں نے اسکی بے حرمتی کی تھی۔ ۱۲ منہ۔

دوم بار آمدنِ روباہ بران خرِ گریختہ تا بازش بفریبد

بھاگے ہوئے گدھے کے پاس لومڑی کا دوبارہ آنا تاکہ اس کو پھر فریب دے

پسں[1] بیامد زود روبہ سوئے خر — گفت خر از چوں تو یارے الحذر

پھر بہت جلد لومڑی گدھے کی جانب آئی — گدھے نے کہا، تم جیسے دوست سے پناہ ہے

ناجواں مردا چہ کردم با تو من — کہ مرا با شیر کردی پنجہ زن

اے بزدل! میں نے تیرے ساتھ کیا کیا؟ — کہ تو نے مجھے شیر سے بھڑا دیا

ناجواں مردا چہ کردم من ترا — کہ بہ پیشِ اژدہا بردی مرا

اے نامرد! میں نے تیرے ساتھ کیا کیا! — کہ تو مجھے اژدہے کے سامنے لے گئی

موجبِ[2] کینِ تو با جانم چہ بود — غیر خبثِ جوہرِ تو اے عنود

میری جان سے تیرے کینہ کی کیا وجہ تھی؟ — اے سرکش سوائے تیری طبیعت کی خباثت کے

ہمچو کژدم کو گزد پائے فتے — نارسیدہ از وے اورا آفتے

بچھو کی طرح جو جوان کے پاؤں میں کاٹتا ہے — بغیر اس کے کہ کوئی تکلیف اس کو اس سے پہنچے

یا چو دیوے کو عدوئے جانِ ماست — نارسیدہ زحمتش از ما و کاست

یا شیطان کی طرح جو ہماری جان کا دشمن ہے — ہماری جانب سے اس کو زحمت اور نقصان پہنچے بغیر

بلکہ طبعاً خصمِ جانِ آدمی ست — از ہلاکِ آدمی در خرمی ست

بلکہ وہ فطرت سے آدمی کی جان کا دشمن ہے — آدمی کی تباہی سے خوشی میں ہے

از پئے ہر آدمی او نگسلد — خو و طبعِ زشتِ خود را کے ہلد

وہ ہر آدمی کا پیچھا کرنے سے باز نہیں آتا ہے — وہ اپنی بری عادت کب چھوڑتا ہے؟

زانکہ[3] خبثِ ذاتِ او بے موجبے — ہست سوئے ظلم و عدواں جاذبے

کیونکہ اس کی ذاتی خباثت بغیر کسی سبب کے — ظلم اور زیادتی کی جانب کھینچنے والی ہے

ہر زماں خواند ترا تا خرگہے — کہ دراندازد ترا اندر چہے

وہ تجھے ہر وقت خوشی کی جگہ بلاتا ہے — کہ تجھے کسی کنویں میں ڈال دے

کہ فلاں جا حوضِ آب ست و عیوں — تا دراندازت بحوضت سرنگوں

کہ فلاں جگہ پانی کی حوض اور چشمے ہیں — تاکہ تجھے حوض میں اوندھا گرا دے

آدمی را با ہزاراں کر و فر — اندر افگند آں لعیں در شور و شر

آدمی کو باوجود ہزاروں شان و شوکت کے — اس ملعون نے شور و شر میں ڈال دیا ہے

آدمی را با ہمہ وحی و نذیر — اندر افگند آں لعیں بر دخنِ بیر

باوجود ہر طرح کی وحی اور ڈراوے کے آدمی کو — وہ ملعون کنویں پرنے گیا (اور) اندر گرا دیا

---

[1] پس بیامد۔ جب لومڑی دوبارہ گدھے کے پاس آئی تو اس نے اس سے پناہ مانگی۔ ناجواں۔ گدھے نے لومڑی کو کہا اے بزدل میں نے تیرا کیا بگاڑا تھا کہ تو نے مجھے شیر کے بالمقابل جا کھڑا کیا۔ اژدہا۔ یعنی شیر۔

[2] موجب۔ گدھے نے لومڑی سے کہا تو میری جان کی دشمن محض باطنی خباثت کی وجہ سے بنی۔ کژدم۔ بچھو بغیر کسی وجہ کے محض بدطینتی کی وجہ سے ڈنک مارتا ہے۔ یا چو دیو۔ شیطان بھی انسان کو بغیر کسی وجہ کے ہلاک کرتا ہے۔ بلکہ۔ شیطان کو انسان سے طبعی خصومت ہے اسی لئے وہ ہر آدمی کے درپے ہے۔

[3] زانکہ۔ شیطان کی ذاتی عداوت بغیر کسی وجہ کے اس کو انسان پر ظلم کرنے کو آمادہ کرتی ہے۔ خرگہ۔ ہر زماں۔ انسان کو خوش کن جگہ کی طرف بلا کر کنویں میں دھکا دیدیتا ہے۔ کہ فلاں۔ لاکر ڈال کر تباہ کر دیتا ہے۔ آدمی۔ شاندار آدمی کو بھی شور و شر میں مبتلا کر دیتا ہے۔

بیگناہے[1] بیگزندِ سابقے
بغیر کسی پہلی خطا اور تکلیف کے

کے رسید او را ز آدم ناخقے
کب اُس پر آدم سے ظلم ہوا ہے؟

کے رسید او را ز مردم زشتیے
انسان سے اُس کو برائی کب پہنچتی ہے!

کو دمادم آرد از غم پشتیے
کہ وہ ہر وقت غم کے پشتے لگا رہا ہے

گفت رُوبہ آں طلسمِ سحر بُود
لومڑی نے کہا، وہ جادو کا طلسم تھا

کہ ترا در چشم چوں شیرے نمود
جو تجھے شیر جیسا دکھائی دیا

ورنہ[2] من از تو بتن مسکیں ترم
ورنہ میں تو جسم میں تجھ سے زیادہ کمزور ہوں

لیک شب و روز اندر آنجا میچرم
لیکن دن رات اُس جگہ چرتی ہوں

گر نہ زاں گونہ طلسمے ساختے
اگر اُس جگہ ایسا طلسم نہ بنا تا

ہر شکم خوارے بدانجا تاختے
ہر پیٹو، وہاں دوڑ جاتا

یک جہانِ بینوا چوں پیل و ارج
ہاتھی اور گینڈے جیسے بھوکوں کا ایک عالم ہے،

بے طلسمے کے بماند سبز مرج
بغیر طلسم کے چراگاہ سبز کہاں رہ سکتی ہے؟

من ترا خود خواستم گفتن بدرس
میں تجھے سکھانے میں خود کہنا چاہتی تھی

کہ چناں ہولے اگر بینی مترس
کہ اگر تو اس طرح ڈر دیکھے تو نہ ڈرنا

لیک رفت از یادِ علم آموزیت
لیکن تجھے علم سکھانا بھول گئی

کہ بُدم مستغرقِ دل سوزیت
کیونکہ میں تیرے فکر میں ڈوبی ہوئی تھی

دیدمت در جوعِ[3] کلب و بینوا
میں نے تجھے جوع الکلب میں اور بے سروسامان دیکھا

می شتابیدم کہ آئی تا دوا
میں دوڑ پڑی کہ تو دوا تک آجائے

ورنہ با تو گفتمے شرحِ طلسم
ورنہ میں تجھ سے طلسم کی شرح کر دیتی

کاں خیالے می نماید نیست جسم
کہ وہ ایک خیال نظر آتا ہے، جسم نہیں ہے

شد فراموشش آنکہ گویم مر ترا
میں بھول گئی کہ تجھ سے یہ کہوں

حلِ آں مشکل مہیبِ دل ربا
اُس خوفناک دل کو اڑانے والی مشکل کا حل

---

[1] بیگناہے۔ انسان کی کوئی خطا نہیں نہ انسان نے شیطان کا کچھ بگاڑا ہے۔ گفت۔ لومڑی نے گدھے سے کہا تجھے جو شیر نظر آیا وہ کوئی حقیقتاً شیر نہ تھا بلکہ ایک طلسم تھا طلسم۔ وہ موہوم خیال جو عجیب شکل میں نظر آنے لگے، وہ بھیانک تصویر جو کسی دفینہ وغیرہ پر بنا دی جاتی ہے۔

[2] ورنہ۔ اگر حقیقی شیر ہوتا تو میں جو تجھ سے بھی کمزور جسم کی ہوں وہاں کیسے بچ سکتی تھی۔ گرنہ۔ طلسم بنانے کی وجہ یہ ہے کہ ہر پیٹو وہاں نہ پہنچ سکے۔ یک جہاں۔ بیل اور گینڈے بھوکے پھرتے ہیں اگر طلسم نہ ہوتا تو وہ چراگاہ کو کھا جاتے۔ ارج۔ گینڈا۔ من ترا۔ میں تجھے پہلے ہی اس طلسم کی حقیقت بتانا چاہتی تھی لیکن میں بھول گئی۔ کہ بُدم۔ چونکہ میں تیرے غم میں تھی اس لئے طلسم کی حقیقت بتانا بھول گئی۔

[3] جوعِ کلب۔ جوع البقر وہ بیماری جس میں ہر وقت بھوک لگی رہتی ہے۔ دوا یعنی غذا کا۔ میں بتا دیتی کہ وہ طلسم خیالی چیز ہے کوئی حقیقی شیر نہیں ہے مشکل۔ یعنی وہی شیر۔ گفت۔ گدھے نے لومڑی سے کہا میں تیری بُری صورت دیکھنا نہیں چاہتا میرے سامنے سے چل جا تجھے خدا نے بدبخت بنایا ہے اور وہ تیرے چہرے کو بھی بے شرم اور سخت بنایا ہے۔

شرح

شیر کے کہنے سے لومڑی گدھے کے پاس آئی۔ گدھے نے اس کو دیکھتے ہی کہا کہ تجھ جیسے دوست سے بچنا چاہیئے تو ہرگز دوستی کے قابل نہیں ہے۔ ارے ناجوان مرگ۔ میں نے تیرے ساتھ کیا کیا تھا کہ تو نے میرا شیر سے مقابلہ کرادیا۔ تجھے جوانی سے پہلے موت آئے تو بول تو سہی میں نے کیا بگاڑا تھا کہ تو نے کسی اژدھے کے سامنے لیجا کھڑا کیا۔ آخر تیری اس عداوت اور غصہ کا سبب کیا تھا کچھ بھی نہیں بجز اسکے کہ تو خبیث الطینۃ ہے ـــــ اب مولانا نظائر سے اُسکے خبث طینت کی تائید فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ یونہی خبیث الطینت تھی جیسے بچھو جوکہ آدمی کے پاؤں میں ڈنگ مارتا ہے حالانکہ اس سے اسکو کوئی صدمہ نہیں پہنچا ہوتا۔ یا جیسے شیطان جوکہ ہماری جان کا دشمن ہے حالانکہ مجھ سے اسکو کوئی تکلیف یا نقصان نہیں پہنچا وہ طبعًا آدمی کی جان کا دشمن ہے اور اسکی ہلاکت سے خوش ہے اور کسی شخص کا پیچھا نہیں چھوڑتا۔ چھوڑے تو جب جبکہ اپنی خصلت کو چھوڑے اور اپنی خصلت و طبیعت کو کیسے چھوڑ سکتا ہے پس آدمی کا پیچھا بھی نہیں چھوڑ سکتا چونکہ اس کا خبث ذاتی بدوں کے سبب کے اسکو ظلم و تعدی کی طرف کھینچتا ہے اسلئے وہ ہر وقت تمہیں خیمہ کی طرف بلاتا ہے۔ تاکہ اس ساتھ سے تمہیں کوئیں میں لے جا ڈالے۔ اور کہتا ہے کہ فلاں جگہ پانی کا حوض اور چشمے ہیں وہاں چلو! اور مقصد یہ ہے کہ تمہیں حوض میں سر کے بل گرا دے۔ چنانچہ اس شیطان مردود نے باوجود آدم علیہ السلام کی شان و شوکت کے انکو فتنہ و فساد میں ڈال دیا اور باوجود وحی الٰہی اور دھمکی کے۔ اس ملعون نے انہیں لے جاکر کنوئیں میں دھکا دیدیا۔ حالانکہ انہوں نے بیشتر اس کا کوئی قصور کیا تھا اور ان سے اسکو کوئی نقصان پہنچا تھا۔ آخر کوئی بتلائے کہ ان کی طرف سے اسکو کوئی ناحق تکلیف کب پہنچی تھی اور انہی کے کیا تخصیص ہے ہم تو کہتے ہیں کہ نوع انسان کی جانب سے کب اسے کوئی برائی پہنچی ہے کہ وہ دمبدم اس کے لیئے غم کی ڈھیر لاتا ہے اور لاکر انکو پہناتا ہے یعنی غمگین کرتا ہے کہیں بھی نہیں۔ پس ثابت ہوا کہ مقتضائے طبیعتش اینست وہٰذا ہوالمدعی۔ خیر تو لومڑی نے

اس کے جواب میں کیا جو کہ تمہیں شیر دکھائی دیتا تھا۔ وہ درحقیقت شیر نہ تھا طلسم شیر تھا۔ ورنہ اگر وہ فی الحقیقت شیر ہوتا تو میں کیسے بچتے۔ میں تو تم سے زیادہ ضعیف ہوں۔ حالانکہ میں رات دن وہیں چرتی ہوں۔

دیکھو! اگر ایسا طلسم نہ بنایا جاتا تو ہر حریص وہاں دوڑ جاتا کیونکہ ایک عالم محتاج ہے مثلاً ہاتھی گینڈا[2] وغیرہ۔ ایسی حالت میں وہ سبزہ زار سرسبز کیسے رہ سکتا تھا جانور دو ہی دن میں اسے اُجاڑ دیتے۔ میں تو اول ہی تم کو یہ سبق پڑھا دینا چاہتا تھا کہ دیکھو! اگر اس قسم کی کوئی ہیبت ناک چیز تمہیں نظر آئے تو ڈرنا مت لیکن یہ تعلیم میری یاد سے جاتی رہی کیونکہ میں تمہاری دل سوزی میں مستغرق تھی۔ بدیں وجہ کہ میں نے تم کو بھوک میں مبتلا اور بے سر و سامان پایا۔ اسلئے میں جلدی کرتی تھی۔ کہ تم جس قدر جلد ممکن ہو۔ اپنی مرض کی دوا تک پہنچ جاؤ اس وجہ سے مجھے تم سے کہنا یاد نہ رہا۔ ورنہ میں تجھے اُس طلسم کی حالت ضرور بیان کر دیتی۔ اور کہہ دیتی کہ ایک خیالی صورت دکھلائی دیتی ہے اور جسم نہیں ہے مگر کیا کروں۔ میں تم سے اُس ہیبت ناک اور دل .... اڑا دینے والی شکل کا قصہ بیان کر دینا بالکل بھول گئی۔

جوابِ گفتن خر روباہ را
گدھے کا لومڑی کو جواب دینا

گفت رَو رَو ہیں زِ پیشم اے عدو
اُس نے کہا اے دشمن میرے سامنے سے دُور ہو

تا نہ بینم رُوئے تو اے زشت رُو
اے بدصورت! تاکہ میں تیرا منہ نہ دیکھوں

آں خدائے کہ ترا بدبخت کرد
جس خدا نے تجھے بدبخت بنایا ہے

رُوئے زشتت را وقیح و سخت کرد
تیری بھدی صورت کو بے شرم اور سخت بنایا ہے

باکدامیں رُوی می آئی بمن
تو کس منہ سے میرے سامنے آ رہی ہے

ایں چنیں سغری[1] ندارد کرگدن
ایسی بے حیائی گینڈا (بھی) نہیں رکھتا ہے

رفتۂ در خون و جانم آشکار
تو کھلم کھلا میرے خون اور جان کے درپے ہوئی

کہ ترا من رہبرم تا مرغزار
کہ میں تیری جنگل کے لئے رہبر ہوں

[1] سغری: سخت روئی، بے حیائی۔ کرگدن۔ گینڈا۔ رفتۂ: تو میرے خون اور جان کے درپے تھی۔

تا بدیدم رُوی عزرائیل را
یہاں تک کہ میں نے ملک الموت کا منہ دیکھ لیا

باز آوردی فن و تسویل را
تو پھر مکاری اور حیلہ لائی ہے

گرچہ من ننگِ خرانم یا خرم
اگرچہ میں گدھوں کے لئے موجبِ شرم یا گدھا ہوں

جانورم جاندارم این را کے خرم
میں جانور ہوں میں جاندار ہوں اسکو میں کب پسند کرتا ہوں

آنچہ من دیدم ز ہولِ بے اَمان
جو میں نے بے پناہ ڈر دیکھا ہے

طفل دیدے پیر گشتے در زمان
(اگر) بچہ دیکھ لے تو فوراً بوڑھا ہو جائے

بیدل و جاں از نہیبِ آں شکوہ [52]
اُس خوف کے ڈر سے بے دل اور بے جان ہو کر

سرنگوں خود را درافگندم ز کوہ
میں نے اپنے آپ کو پہاڑ سے اوندھا گرا لیا

بستہ شد پایم در آندم از نہیب
اُس وقت ڈر سے میرے پاؤں بندھ گئے

چوں بدیدم آں عذابِ بے حجیب
جب میں نے کھلم کھلا وہ عذاب دیکھا

عہد کردم با خدا کاے ذوالمنن
میں نے اللہ (تعالیٰ) سے عہد کیا کہ اے احسانوں والے!

برگشا زیں بستگی تو پای من
اس قید سے میرے پاؤں کھولدے

تا ننوشم وسوسہ کس بعد ازیں
اس کے بعد میں کسی کے بہکانے میں نہ آؤں گا

عہد کردم نذر کردم اے مُعین
اے مددگار! میں نے عہد کر لیا میں نے منت مانی

حق گشادہ کرد آندم پای من [53]
اللہ (تعالیٰ) نے اُس وقت میرے پاؤں کھول دیئے

زاں دعا و زاری و ہیہائے من
میری دعا اور عاجزی اور ہائے ہائے سے

ورنہ اندر من رسیدے شیرِ نر
ورنہ وہ نر شیر مجھ پر آپڑا تھا

چوں بُدے در زیرِ پنجہ شیر خر
گدھے کا شیر کے پنجہ میں کیا حال ہوتا!

باز بفرستادت آں شیرِ عریں
اُس کچھار کے شیر نے پھر تجھے بھیجا ہے

سُوئے من از مکر اے بئس القریں
مکر سے میری جانب اے بُرے ساتھی!

حق ذاتِ پاکِ اللہ الصمد
اللہ پاک بے نیاز کی قسم

کہ بُوَد بہ مارِ بد از یارِ بد [54]
کہ بُرے ساتھی سے بُرا سانپ بہتر ہوتا ہے

مارِ بد جانے ستاند اے سلیم
اے بیوقوف! بُرا سانپ جان لے لیتا ہے

یارِ بد آرد سُوی نارِ جحیم
بُرا ساتھی دوزخ کی جانب لاتا ہے

از قرین بیقول و گفت و گوئے اُو
ساتھی سے اُس کی گفتگو اور بات کے بغیر

خُو بدزدد دل نہاں از خوئے اُو
دل خفیہ طور پر عادت اُس کی عادت سے چُرا لیتا ہے

چونکہ اُو افگند بر تو سایہ را
جب وہ تجھ پر سایہ ڈالتا ہے

دُزد آں بے مایہ از تو مایہ را
وہ بے مایہ تیرا سرمایہ چُرا لیتا ہے

تا بدیدم۔ گدھے نے لومڑی سے کہا تو نے ملک الموت کے سامنے لے جا کھڑا کیا۔ تسویل۔ حیلہ سازی۔ کے خرم۔ اگرچہ میں جانور اور گدھا ہوں لیکن ہلاک ہونا کیسے پسند کر سکتا ہوں۔ طفل۔ مصائب سے بچہ بوڑھا بن جاتا ہے۔

[52] بیدل۔ اُس شیر کے خوف سے میں نے اپنے آپ کو پہاڑ پر سے اوندھا گرا دیا۔ بستہ۔ اُس خوف سے میرے پاؤں کام نہ دیتے تھے۔ عہد کردم۔ اُس وقت میں نے خدا سے عہد کیا تھا کہ اگر میرے پاؤں کھول دے تو میں پھر کسی کے بہکانے میں نہ آؤنگا۔

[53] حق گشادہ۔ اُس عہد اور دعا کی برکت سے میرے پاؤں کھل گئے اور میں بھاگا ورنہ شیر دبوچ لیتا اور پھر ظاہر ہے شیر کے پنجہ میں میرا کیا حال ہوتا۔ باز۔ اب مکر کرنے کے لئے شیر نے تجھے دوبارہ بھیجا ہے۔ عریں۔ شیر کی جھاڑی۔ بئس القرین۔ بُرا ساتھی۔

[54] کہ بُوَد۔ شریر ساتھی سے شریر سانپ بھلا، سانپ تو محض ارڈالتا ہے لیکن بُرا ساتھی تو جہنم میں پہنچا دیتا ہے۔ از قرین۔ ساتھی کی خو بو انسان میں مخفی طور پر اثر کر جاتی ہے۔ چونکہ او۔ جب بُرے ساتھی کا سایہ پڑتا ہے تو وہ تیرا سارا سرمایہ چُرا لیتا ہے۔

عقلِ تو گر اژدہائے گشت مست — یارِ بد اُو را زمرد داں کہ ہست

تیری عقل اگر مست اژدہا ہے — بُرے دوست کو اُس کا زمرد سمجھ

دیدۂ عقلت بدو بیروں جہد — طعنِ اُو اندر کفِ طاعوں نہد

اُس سے تیری عقل کی آنکھیں باہر نکل پڑیں گی — اُس کا نیزہ مارنا تجھے طاعون کے ہاتھوں میں دے دیگا

درجہاں نبود بتر از یارِ بد — دیں مرا عین الیقیں گشتست خود

دنیا میں بُرے دوست سے بدتر کوئی نہیں ہے — یہ تیرے لئے خود آنکھوں دیکھی یقینی بات ہوگئی ہے

عقل خواہ انسان کتنا ہی عقلمند ہو لیکن بُرے دوست کی صحبت اُس کو اندھا کر دیتی ہے۔

۹۵ درجہاں۔ دنیا میں بُرے یار سے بُری کوئی چیز نہیں ہے اب تو تیرے مقابلہ کی وجہ سے اس بارے میں مجھے عین الیقین کا مرتبہ حاصل ہوگیا ہے

شرح گدھے نے جواب دیا کہ ارے دشمن! جا میرے سامنے سے چلی جا کہ مجھے تیری صورت نہ دکھائی دے جس خدا نے تجھے بدبخت بنایا ہے اُسی نے تیرے بھونڈے منہ کو بے حیا اور سخت بھی بنایا ہے کہ باوجود اس قدر سخت عداوت کے پھر تو میرے سامنے موجود ہے اور ذرا نہیں چھپتی، ۔ ارے تجھے شرم نہیں آتی تو کیا منہ لے کر میرے سامنے آتی ہے سچ تو یہ ہے کہ بڑی ہی بے حیا ہے ایسی سخت روئی تو گینڈے میں بھی نہیں کیونکہ تو نے یہ کہہ کر کہ میں تجھے سبزہ زار میں لے جاتی ہوں میرے مار ڈالنے کی صریح تدبیر کی تھی حتیٰ کہ میں نے عزرائیل کی صورت بھی دیکھ لی تھی ــــ اس کا مقتضیٰ یہ تھا کہ تو مجھے صورت نہ دکھاتی مگر اب تو پھر مکر و فریب لے کر آئی ہے۔ سو میں گو ننگ خراں یا خر ہوں لیکن جانور اور جاندار تو ہوں تھوڑا بہت حس و شعور بھی رکھتا ہوں پھر میں اس بات کو کیوں ماننے لگا ہوں۔ اسلئے کہ جو بے اماں خوف میں دیکھ چکا ہوں وہ اس قدر سخت تھا کہ اگر بچہ دیکھتا تو شدت خوف سے بوڑھا ہو جاتا۔ اور میں نے اس خوف کی عظمت کے سبب بے دل اور بے جان ہو کر اپنے کو پہاڑ سے سر کے بل گرا دیا تھا۔ اور جبکہ میں نے اس بے حجاب عذاب کو دیکھا تھا تو اس وقت خوف سے میرے پاؤں سُن ہوگئے تھے اور میں نے خدا سے عہد کیا تھا کہ اے ذوالمنن تو اس بستگی سے میرے پاؤں

کھول دے تاکہ اب میں کسی کا فریب نہ کھاؤں۔ اب میں تجھ سے اس بات کا عہد اور نذر کرتا ہوں کہ میں اُس کی باتوں میں نہ آؤں گا۔ سو اس وقت خدا نے میری اس دعا اور تضرّع اور ہائے ہائے کے سبب میرے پاؤں کشادہ کر لئے تھے ورنہ شیر مجھ تک پہنچ جاتا۔ پھر وہ اگر شیر مجھ پر قابو پالیتا تو اس وقت میری کیا حالت ہوتی۔ یہ واقعہ تو گذر گیا تھا۔ اب اس شیر بیشہ نے مکر سے تجھے میری طرف پھر بھیجا ہے سو اب میں اس بات میں نہ آؤں گا کیونکہ تو یار بد ہے اور میں خدائے بے نیاز کی ذات پاک کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ یار بد سے خبیث سانپ بہتر ہے۔

اب مولانا اس مقولہ کو موجہ فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ خبیث سانپ تو فقط جان ہی لیتا ہے یار بد تو جہنم میں لے جاتا ہے کیونکہ دل چپکے چپکے قرین بد کی خصلت بدوں اسکی تعلیم کے بھی اُڑا لیتا ہے پس اگر ساتھ میں تعلیم بھی ہو تب تو بالا ولیٰ اڑ لئے گا نیز جبکہ وہ تم پر سایہ ڈالتا ہے تو وہ تمہارے خصائل حمیدہ کو دور کر دیتا ہے اور اس طرح اس میں برائیاں آجاتی ہیں کیونکہ تمہاری عقل اگر اژدھا سے مست ہو تو تم سمجھو کہ یار بد اس کے لیے زمرّد ہے اُس سے تمہاری عقل کی آنکھیں نکل پڑتی ہیں اور وہ اندھی ہو جاتی ہے اور نیک و بد میں اسکو تمیز نہیں رہتی اسلئے وہ اچھائیوں کو چھوڑ کر برائیاں اختیار کر لیتے ہیں اور اس طرح وُہ شیطان کا کُوجا تم کو طاعون روحانی کے پنجہ میں پھنسا دیتا ہے اور موت روحانی میں مبتلا کر کے جہنّم میں پہنچا دیتا ہے۔

خیر! یہ مضمون تو استطرادی تھا اب سُنو! کہ گدھے نے کہا کہ دنیا میں یار بد سے بدتر اور خطرناک کوئی شے نہیں ہے اور مجھے تو مشاہدہ کی بنا پر اس کا حق الیقین ہو گیا ہے۔ فائدہ: طعن او اندر کف طاعون سند میں ایک حدیث کی طرف اشارہ ہے جس کا مضمون یہ ہے کہ طاعون جنّات کے کوچے کا اثر ہے۔

جواب گفتن روباه خر را

لومڑی کا گدھے کو جواب دینا

گفت روبہ صافِ ما را دُرد نیست ۔ لیک تخیلاتِ وہمی خُرد نیست

لومڑی نے کہا ہمارے نیر میں کوئی تلچھٹ نہیں ہے ۔ لیکن وہمی تخیلات (بھی) چھوٹی چیز نہیں ہیں

ایں ہمہ وہمِ تو است اے سادہ دل ۔ ورنہ بر تو نے غشی دارم نہ غِل

اے بھولے! یہ سب تیرا وہم ہے ۔ ورنہ میں تجھ سے نہ کھوٹ رکھتی ہوں نہ کینہ

از خیالِ زشتِ خود منگر بمن [2] ۔ بر محبّاں از چہ داری سوئے ظن

اپنے بُرے خیال سے مجھے نہ دیکھ ۔ دوستوں پر تو کیوں بدظنی کرتا ہے!

ظنِ نیکو بر برادرانِ صفا ۔ گرچہ آید ظاہراً از ایشاں جفا

مخلصوں پر نیک گمان کر ۔ اگرچہ بظاہر اُن سے ظلم سرزد ہو

ایں خیال و وہمِ بد چوں شد پدید ۔ صد ہزاراں یار را از ہم بُرید

جب یہ بُرے خیال اور وہم ظاہر ہوئے ہیں ۔ لاکھوں دوستوں کو ایک دوسرے سے کاٹ دیا ہے

مُشفقے [3] کو کرد جور و امتحاں ۔ عقل باید کہ نباشد بدگماں

جس مہربان نے زیادتی اور امتحان کیا ہو ۔ عقل کو چاہیئے کہ بدگمان نہ ہو

خاصہ من بدرگ نبودم زشتِ قسیم ۔ آنکہ دیدی بد نہ بد بود آں طلسم

خصوصاً میں بُری قسم کی بدفطرت نہیں ہوں ۔ جو تو نے دیکھا، وہ بُرا نہ تھا وہ طلسم تھا

ور بُدے بد آں سگالش قدر را ۔ عفو فرمایند از یاراں خطا

اگر (بالفرض) والتقدیر وہ خیال بُرا تھا ۔ (تو) دوستوں کی غلطی معاف کر دیتے ہیں

عالمِ [4] وہم و خیال و طمع و بیم ۔ ہست رہرو را یکے سدِّ عظیم

وہم اور خیال اور حرص اور خوف کی دنیا ۔ سالک کے لئے ایک بڑی رکاوٹ ہے

نقشہائے ایں خیالِ نقشبند ۔ چوں خلیلے را کہ کوہ بُد شد گزند

اس نقش بنانے والے خیال کے نقوش ۔ (حضرت ابراہیم) خلیل (اللہ) جیسے کیلئے جو پہاڑ تھے نقصان دہ ہے

گفت ہٰذا ربی ابراہیمؑ راد ۔ چونکہ اندر عالمِ وہم اوفتاد

عقلمند (حضرت) ابراہیمؑ نے کہا یہ میرا رب ہے ۔ چونکہ وہ وہم کے عالم میں مبتلا ہو گئے

ذکرِ کوکب را چنیں تاویل گفت ۔ آنکسے کو گوہرِ تاویل سُفت

ستارے کے بارے میں ایسی تاویل کی ۔ اُس ذات نے جس نے تفسیر کے موتی پروئے

عالمِ وہم و خیالِ چشم بند ۔ آنچناں کُہ را ز جائے خویش کند

وہم کی دنیا اور آنکھوں کو بند کر دینے والے خیال نے ۔ ایسے پہاڑ کو اپنی جگہ سے ہلا دیا

---

[1] گفت۔ لومڑی نے کہا میری شراب میں کوئی تلچھٹ نہیں یعنی میں صاف اور غلطی سے بَری ہوں لیکن وہم بھی کوئی معمولی چیز نہیں صحیح بات کو غلط دکھا دیتا ہے ورنہ مجھ میں کوئی کھوٹ نہیں ہے۔

[2] از خیال۔ وہم کی بنیاد پر دوستوں سے بدظنی مناسب نہیں ہے مخلصوں کے بارے میں بہتر خیال رکھنا چاہیئے خواہ اُن سے بظاہر کوئی غلطی بھی سرزد ہو جائے۔ اسی خیال بدگمانی سے بہت سے دوستیاں ٹوٹ جاتی ہیں۔

[3] مشفقے۔ دوست آزمائش کیلئے کچھ زیادتی بھی کرتا ہے تو عقلمندی یہی ہے کہ اُس سے بدگمانی نہ کی جائے۔ قدرا۔ ہم نے اس کا قافیہ پہلے مصرع سے قرار دے کر بالفرض والتقدیر کے معنی کئے ہیں بعض نسخوں میں "قدرا" ہے تو اس کا تعلق دوسرے مصرع سے کیا جائے اور یہ معنی کئے جائیں کہ بے مقدور کی اس غلطی کو معاف کر دیا جائے۔

[4] عالم۔ وہم اور خیال راہرو کے لئے مانع بنتے ہیں ان وہمی خیالات سے حضرت ابراہیمؑ کو بھی تکلیف پہنچی اور انھوں نے وہم کی بنیاد پر ستارے کو کہہ دیا کہ یہ میرا خدا ہے اور پھر اس غلطی کا احساس کر کے اُس سے رجوع کیا۔ ہٰذا ربی۔ یہ میرا خدا ہے۔ مولانا نے حضرت ابراہیمؑ کے اس قول کی بنیاد اُن کا وہم قرار دیا دوسرے مفسرین کے نزدیک اُن کا یہ قول قوم کو اُن کی غلطی

تا لہ ھٰذا ربی آمد قالِ او
یہاں تک "یہ میرا خدا ہے" اُن کا قول ہوا

خر بط و خر را چہ باشد حالِ او
احمق اور گدھے کو کیا حال ہوگا؟

غرق گشتہ عقلہای چون جبال
پہاڑوں جیسی عقلیں ڈوب گئیں

در بحارِ وہم و گردابِ خیال
وہم کے سمندروں اور خیال کے بھنور میں

عقلِ ثابت تر ز کہ را وہم بیں
دیکھ وہم نے بہت جمی ہوئی عقل کو

کہ چہ فرمودست گفتن اے امیں
کیا کہہ دینے کو کہا ۔ اے امین!

کوہہا راہست زیں طوفاں فضوح
اس طوفان سے پہاڑوں کی رسوائیاں ہیں

کو امانے جز کہ در کشتیِ نوح
نوح کی کشتی کے سوا امن کہاں ہے؟

زیں خیالِ رہزنِ راہِ یقیں
یقین کے راستہ کو ڈاکو کے اس خیال کی وجہ سے

گشت ہفتاد[۵۱] و دو ملتِ اہلِ دیں
دیندار بہتّر فرقے بن گئے

مردِ ایقاں رست از وہم و خیال
صاحب یقین وہم اور خیال سے نجات پا گیا

موی ابرو را نمی گوید ہلال
وہ ابرو کے بال کو چاند نہیں کہتا ہے

واں کہ را نورِ عمر نبود سند
جس کا سہارا عمر کا نور نہ ہو

موے ابروے کجے راہش زند
ابرو کا ٹیڑھا بال اُس کو بھٹکا دیتا ہے

صد ہزاراں کشتی با ہول و سہم
لاکھوں کشتیاں خوف اور ڈر سے

تختہ تختہ گشتہ در دریائے وہم
وہم کے دریا میں تختہ تختہ ہو گئی ہیں

کمتریں فرعون چست فیلسوف
کم از کم فرعون، چالاک اور فلسفی

ماہِ او در برج وہمی در خسوف
اُس کا چاند وہم کے برج میں گرہن میں ہے

کس نداند رسپی[۵۲] زن کیست آں
کوئی نہیں جانتا وہ رنڈی عورت کون ہے!

وانکہ داند نیستش بر خود گماں
اور جو جانتا ہے اُس کو اپنے بارے میں گمان نہیں آتا

چوں ترا وہمِ تو دارد خیرہ سر
جبکہ تیرا وہم تجھے حیران بنا دیتا ہے

از چہ گردی گردِ وہمِ آں دگر
تو دوسرے کے وہم کے کیوں چکر کاٹتا ہے؟

عاجزم من از منیِ خویشتن
میں اپنی خودی سے عاجز ہوں

چہ نشینی پر منی تو پیشِ من
تو خودی سے بھرا ہوا میرے سامنے کیوں بیٹھتا ہے؟

از من[۵۳] و ما ہر کہ ایں در میزند
جو خودی اور انانیت کے ساتھ اس دروازہ کو کھٹکھٹاتا ہے

عاشقِ خویش ست بر لا می تند
وہ اپنا عاشق ہے، فنا کا چکر کاٹتا ہے

بے من و مائی ہمی جوئیم بجاں
میں (دل و) جان سے بے خود اور بے انانیت والے کو ڈھونڈتا ہوں

تا شوم من گوئیِ آں خوش صولجاں
تاکہ میں اُس اچھے بلّے کی گیند بن جاؤں

ہر کہ بے من شد ہمہ منہا خود اوست
جو بے خود ہو گیا، تمام خودیاں وہ خود ہے

یارِ جملہ شد چو خود را نیست دوست
وہ سب کا دوست بن گیا جبکہ اپنا دوست نہیں ہے

کا احساس دلانے کے لئے تھا۔ وہم کی بنیاد پر عقیدہ کا اظہار نہ تھا۔ تاویل۔ دوسرے مصرع میں تاریک سے صحیفوں کی تفسیر مراد ہے۔

۵۱ ہفتاد و دو۔ امت کے بہتر فرقے اسی وہم کی بنیاد پر بن گئے حدیث شریف ہے کہ میری امت بہتر فرقوں میں بٹ جائیگی جن میں سے ایک نجات پائیگا اور وہ وہ فرقہ ہوگا جو میری اور اصحاب کی سنت پر عمل کریگا بقیہ اکہتر فرقے جہنمی ہونگے مردِ ایقاں۔ پہلے ایک قصہ گزرا ہے جسمیں بیان کیا گیا تھا ایک صاحب کی ابرو کا بال مڑا ہوا تھا اور وہ اُنکی آنکھ کے سامنے آگیا تھا وہ چاند دیکھنے کی کوشش کر رہے تھے تو انھوں نے اُس ابرو کے بال کو چاند سمجھ لیا اور کہنے لگے کہ چاند نظر آرہا ہے جس کی تصحیح حضرت عمرؓ نے کی اور جب وہ مڑا ہوا بال ہٹا دیا گیا تو وہ چاند غائب ہو گیا لیکن دنیا کے اور واقعات سے قطع نظر فرعون ہی کو دیکھو اُسنے وہم کی بنیاد پر کیا دعویٰ کر دیا۔

۵۲ زن رسپی۔ یعنی وہ دیوث جسکی بیوی زانیہ ہے وہ بیوی کو زانیہ نہیں سمجھتا ہے اور اگر سمجھتا ہے تو اپنے آپ کو دیوث نہیں سمجھتا یہ بھی سب وہم کی کارفرمائی ہے چونکہ انسان کیلئے اپنے وہم کا علاج بھی مشکل ہے تو دوسرے کے وہم کا کیا علاج کر سکتا ہے۔ عاجزم چونکہ انسان خود خودی میں مبتلا ہو تو دوسرے کی خودی کا علاج نہیں کر سکتا۔

۵۳ از من۔ جو انسان خودی میں مبتلا ہے وہ تو خود اپنا عاشق ہے اُس کو مقام فنا حاصل نہیں

آئینہ بے نقش شُد یابد بہا   زانکہ شُد حاکیِ جُملہ نقشہا

وہ بے نقش کا آئینہ بن گیا، قیمت پائے گا   کیونکہ وہ تمام نقشوں کا مظہر بن گیا

ہر کہ جو شخص خودی فنا کر دے اب اُس میں اپنی خودی نہیں ہے اُس میں مخلوقِ خدا کی خودی ہے اور وہ جملہ خلق اللہ کا دوست ہے۔ آئینہ جب انسان کے دل میں خود اپنا نقش نہیں ہے تو اس دل کی قدر و قیمت ہے اس میں دوسروں کی تصویریں نمایاں ہو سکتی ہیں۔

ہو سکتا۔ تب من۔ ایسے شیخ کی تلاش کرنی ضروری ہے جو انانیت اور خودی کو فنا کر چکا ہو پھر اس کی اطاعت ضروری ہو

شرح لومڑی نے کہا کہ ہماری صاف دوستی میں تو فریب کی تلچھٹ کی آمیزش نہیں ہے مگر وہم کی تخیلات ---- معمولی نہیں ہیں انہوں نے تم کو بدظن کر دیا ہے اور جو کہ تم کو میری نسبت خیال ہے یہ سب تمہارا وہم ہے ورنہ میں نہ تم سے دھوکا کرتی ہوں نہ خیانت۔ تم کو اپنے برے خیال سے مجھے نہ دیکھنا چاہیئے۔ دوستوں سے کیوں بدگمانی کرتی ہو ہم کو یہ بات مناسب نہیں ہے بلکہ تم کو چاہیئے کہ اگر دوستوں سے بظاہر کوئی زیادتی بھی ہو جائے تو اس کو اچھے [illegible] ل پر عمل کرنا چاہیئے کیونکہ بدگمانی نہایت بُری شے ہے۔

دیکھو! جب یہ خیال اور وہم جلوہ گر ہوا ہے تو سینکڑوں دوستوں کے تعلقات کو اس نے منقطع کر دیا ہے بالخصوص مجھ پر تو بدگمانی ہونی ہی نہ چاہیئے کیونکہ نہ میں بدذات ہوں اور نہ بدجنس۔ میں سچ کہتی ہوں کہ جو کچھ تم نے دیکھا تھا وہ فی الحقیقت کوئی بُری شے نہ تھی بلکہ محض طلسم تھا لیکن اگر مان لیا جائے کہ میں نے تمہاری نسبت برا ہی خیال کیا تھا تو آخر خطا بھی ہو جاتی ہے اور خطا کو معاف بھی کر دیا کرتے ہیں۔ یہاں سے مولانا مذمت وہم و خیال کی طرف انتقال فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ عالم وہم و خیال اور عالم نفس و طمع اور عالمِ خوف بے جا سالک کے لیے ایک زبردست رکاوٹ ہے کیونکہ قوت خیالیہ مصورہ کی بنائی ہوئی تصویریں۔ خلیل اللہ جیسے شخص کے لئے جو کہ پہاڑ کی طرح غیر متزلزل تھے مُضر ثابت ہوئیں ہیں چنانچہ جس وقت وہ عالمِ وہم میں پھنسے ہیں اور وہم کا ان پر غلبہ ہوا ہے اور عقل عارضی طور پر مغلوب ہو گئی ہے تو انہوں نے حق سبحانہٗ کو طلب

کرتے ہوئے شمس و قمر اور دیگر ستارہ کی نسبت ھٰذا رَبّی کہدیا۔
جس کسی نے ھٰذا رَبّی کی توجیہ کی ہے اس نے اسکی یہ بھی وجہ بیان کی ہے۔ واللہ اعلم بحقیقۃ الحال ـــــ پس تم غور کرو کہ اس نظر بندی کرنے والے عالم وہم و خیال نے اپنے غیر متزلزل پہاڑ کو اپنے مقرِّ اصلی سے تھوڑی دیر کے لیے ہٹا دیا۔ حتیٰ کہ انہوں نے ایک ستارہ کی نسبت ھٰذا رَبّی کہہ دیا پھر اس عالم میں احمق اور گدھے کی کیا حالت ہو گی۔
جناب من! وہم کے سمندر اور خیال کے بھنور میں پہاڑوں جیسی عظیم الشان ڈوب گئی ہیں دیکھ: ابراہیم علیہ السلام کی پہاڑ سے زیادہ نہ جنبش کرنے والے عقل کو وہم نے کیا کہنے کو کہا اور اس نے کیا کہہ دیا۔
الغرض! یہ طوفان وہم و خیال پہاڑوں کو ذلیل کر دیتا ہے ایسی حالت میں یقین کے سوا جو کہ بمنزلہ کشتی نوح کے ہے اور کہیں امان نہیں اور اس سے نجات دلانے والا صرف یقین ہے صاحب یقین شخص وہم و خیال سے نجات پا جاتا ہے اور وہ موئے ابرو کو ہلال نہیں کہتا اور نور عمرؓ جس کا مستند نہیں ہوتا۔ یعنی جو کہ وہ نور بصیرت نہیں رکھتا۔ جو کہ حضرت عمرؓ کو حاصل تھا۔ موئے ابروِ کج اِس کا راہ مارتا ہے۔ اور خیال اسکو گمراہ کرتا ہے۔
القصہ وہم نہایت خطرناک چیز ہے۔ عقل کی ہزاروں ہولناک اور عظیم الشان کشتیاں جن کو دیکھنے سے ڈر لگے دریائے وہم میں پاش پاش ہو گئیں ان میں ادنیٰ درجہ کا آدمی فرعون تھا۔ جو کہ نہایت ہوشیار اور فلسفی تھا۔ مگر اس کی عقل کا چاند بھی بُرج وہمی میں آکر گہن میں آگیا تھا۔
آگے ایک دوسرے مضمون کی طرف انتقال فرماتے ہیں ـــــ اور چونکہ لومڑی گدھے کو یوں نصیحت کر رہی تھی جیسے کوئی ولی کسی دنیادار کو نصیحت کرتا ہے اور باوجودیکہ خود بھی دنیادار ہونے کے سبب مبتلائے وہم تھی۔ مگر گدھے کو وہم سے روک رہی

تھی ـــــ اسلئے مولانا اس کے مناسب مضمون ارشادی بیان فرماتے ہیں
اور کہتے ہیں کہ لومڑی گدھے کو مبتلائے وہم کہتی تھی حالانکہ خود بھی مبتلائے وہم تھی
اصل بات یہ ہے کہ واقع میں کوئی نہیں جانتا کہ کس کی عورت فاحشہ ہے ہاں
بنا پر وہم اس کا علم ہوتا ہے سو جس کو بنا پر وہم اس کا علم ہوتا ہے اسکو دوسروں
ہی کے سبب وہم ہوتا ہے۔ اپنی نسبت اسے وہم بھی نہیں ہوتا۔
پس خلاصہ یہ ہے کہ حقیقتاً تو بندوں کی بُرائی کا خدا ہی کو علم ہے لیکن
لوگوں کو جو ان کا علم ہے وہ بنا بر وہم ہے مگر انکو برائی کا وہم دوسروں کی...
نسبت ہوتا ہے اور اپنی نسبت نہیں ہوتا۔ اسی بنا پر لومڑی نے گدھے کو
مبتلائے وہم کیا اور اپنے کو مبتلائے وہم نہ جانا۔
اب ہم ان لوگوں کو خطاب کرتے ہیں جو دوسروں کی نسبت وہم کا الزام
لگاتے ہیں اور انکو نصیحت کرتے ہیں حالانکہ خود بھی مبتلائے خودی ہیں اور کہتے
ہیں کہ جب تیرا وہم خود تجھ کو پریشان کرتا ہے تو تو اپنے وہم کی فکر کیوں نہیں کرتا
دوسروں کے وہم کے پیچھے کیوں پڑتا ہے وہ تو بے چارہ اپنی مصیبت میں خود گرفتار
ہے تو اسکے پاس ہٹ کر اس کی مصیبت میں اور اضافہ کرتا ہے کیونکہ ہر ہمنشیں
دوسرے ہمنشیں سے کچھ نہ کچھ چرُاتا ہے پس جبکہ تو بھی مبتلائے وہم ہے تو اگر
اسکے پاس بیٹھے گا۔ گو بفرض نصیحت ہی ہو تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ تجھ سے صفت
وہم چرائے گا اور اسکی مصیبت میں اور اضافہ ہوگا پس جبکہ وہ اپنی خودی سے
خود پریشان اور مجبور ہے تو کیا ضرور ہے کہ تم بھی خودی سے پُر ہو کر اُس کے پاس
بیٹھو۔ اور اسکی مصیبت میں اضافہ کرو۔
یاد رکھو! کہ جو شخص مبتلائے خودی ہو کر طالب حق بنتا اور مسندِ مشیخیت و
ارشاد پر جلوہ گر ہوتا ہے وہ درحقیقت خود اپنے اوپر عاشق اور لاشے کا طالب ہے
ہم تو دل سے ترک خودی اور فنا چاہتے ہیں۔ تاکہ ہم ترک خودی کے سبب اس۔
خوش چوگاں یعنی حق سبحانہٗ کی گیند بن جائیں اور وہ جس طرف ہم کو لے جائے اس

طرف جائیں کیونکہ فنا عجیب چیز ہے جو شخص فانی ہوجاتا ہے وہ سب سے متحد باتحاد و توافق ہوجاتا ہے اور جبکہ وہ اپنا دوست نہیں رہتا اور اسلئے اپنے کو مٹا دیتا ہے تو وہ سب کا دوست ہوجاتا ہے

دیکھو! آئینہ جب حصول صفا کے سبب بے نقش یعنی بے رنگ ہوجاتا ہے تو لوگوں میں اس وقت وقعت اور قدر و قیمت حاصل ہوجاتی ہے اسلئے کہ اس وقت اس میں سب کی صورتیں منقش ہوتی ہیں اور ہر ایک اس کو اپنے موافق جانتا ہے اسلئے اس کا کوئی مخالف نہیں ہوتا۔

(فائدہ ۱: اس پر اگر کسی کو یہ شبہ ہو کہ یہ بیان خلاف واقع ہو کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو لازم تھا کہ انبیاء و اولیاء کا کوئی دشمن نہ ہوتا حالانکہ اُن کے دشمن ہوتے ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ خود مولانا نے دفتر دوم بہ ذیل سرخی ملامت کردن مردماں شخصے راکہ   یہ تہمت کشت۔ یہی سوال قائم کر کے اس کا مفصل جواب دیا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ یہ لوگ درحقیقت انبیاء و اولیاء کے دشمن نہیں ہیں بلکہ خود اپنے دشمن ہیں۔

۲: اگر یوں سوال کیا جائے کہ اس سے لازم ہے کہ انبیاء و اولیاء کسی کے دشمن نہ ہوں حالانکہ وہ بھی لوگوں کے دشمن ہوتے ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ ان کی دشمنی ان کی ذاتی دشمنی نہیں ہوتی۔ بلکہ ان کی دشمنی خدا کے لیے ہوتی ہے اسلیے کہ وہ خدا کے دشمن ہوتے ہیں۔

حکایتِ شیخ محمد سررزی غزنوی قدس اللہ روحہ العزیز

شیخ محمد سررزی غزنوی کی حکایت خدا اُن کی معزز روح کو پاک کرے

زاہدے در غزنی از دانش مزی
غزنی میں ایک زاہد عقل سے پروردہ

بُد محمد نام و کنیت سررزی
نام محمد اور کنیت سررزی تھی

بود افطارش سررز ہر شبے
ہر شام کو اُن کا افطار انگور کی کونپل تھی

ہفت سال او دائم اندر مطلبے
سات سال وہ ہمیشہ (حصول) مقصد میں تھے

بس عجائب دید از شاہِ وجود
موجودات کے شاہ کے اُنھوں نے بہت سے عجائب دیکھے

لیک مقصودش جمالِ شاہ بود
لیکن اُن کا مقصد شاہ کا جمال تھا

بر سرِ کُہ رفت آں از خویش سیر
وہ اپنے آپ سے بیزار ہو کر پہاڑ کی چوٹی پر گئے

گفت بنما یا فتادم من بزیر
عرض کیا دکھا دے، ورنہ میں نیچے کود دوں گا

گفت نامد نوبتِ آں مکرمت
فرمایا اُس اعزاز کا موقع نہیں آیا ہے

ور فرو افتی نمیری نکشمت
اگر تم نیچے گر دو گے، نہ مرو گے میں تمہیں ماروں گا

او فرو افگند خود را از وِداد
اُنھوں نے عشق میں اپنے آپ کو نیچے پھینک دیا

درمیانِ عُمقِ آبے اوفتاد
ایک پانی کی گہرائی میں جا پڑے

چوں نمُرد از نکس آنجاں سیر مرد
جب اندھا گرنے سے نہ مرے وہ جان سے بیزار آدمی

از فراقِ مرگ بر خود نوحہ کرد
اپنی موت کے فراق پر رونے لگے

کایں حیات او را چو مرگے می نمود
کیونکہ یہ زندگی اُن کو موت کی طرح نظر آتی تھی

کار پیشش باژگونہ گشتہ بود
معاملہ اُن کے لئے اُلٹا ہو گیا تھا

موت را از غیب می کرد او گدے
موت کی وہ غیب سے بھیک مانگتے تھے

اِنَّ فِی مَوْتِی حَیَاتِی میزدے
بیشک میری موت میں میری زندگی ہے کا نعرہ لگاتے تھے

موت را چوں زندگی قابل شدہ
موت کو زندگی کی طرح قبول کرنے والے بن گئے تھے

با ہلاکِ جانِ خود یک دل شدہ
اپنی جان کی ہلاکت پر مطمئن ہو گئے تھے

سیف و خنجر چوں علیؓ ریحانِ او
(حضرت) علیؓ کی طرح تلوار اور خنجر اُن کا ریحان تھا

نرگس و نسریں عدوِّ جانِ او
نرگس اور نسرین اُن کے جان کے دشمن تھے

ﮯ۱ حکایت - چونکہ پہلے ایسے شیخ کی ضرورت کا اظہار کیا تھا جس میں خودی اور انانیت نہ ہو اس کے مناسب محمد سررزی غزنوی رح کا ذکر کیا ہے جو اس صفت کے ساتھ موصوف تھے سررزی - سررز انگور کی بیل کی کونپل چونکہ یہ روزہ اُسی سے افطار کرتے تھے اسلئے اُن کا لقب سررزی پڑ گیا تھا - غزنوی غزنی کا رہنے والا غزنی اور غزنین بھی شہر ہے جس میں سلطان محمود غزنوی پیدا ہوئے تھے - مطلبے - یعنی وصول الی اللہ شاہِ وجود - اللہ تعالیٰ جمال یعنی اُن کا مقصد عجائب دیکھنا نہ تھا بلکہ دیدار خداوندی تھا -

ﮯ۲ خویش سیر - یعنی اُن کا بغیر دیدار خداوندی کے زندگی سے دل بھر گیا تھا وہ زندہ رہنا نہ چاہتے تھے - گفت - دیدار جمال کی درخواست پر اُن کو جواب ملا ابھی تمہیں وہ مقام حاصل نہیں ہے جس میں دیدار ہو سکے ورنہ اگر تم پہاڑ سے گر کر بھی اپنے آپ کو ہلاک کرنے کی کوشش کرو گے تو تمہیں مرنے نہ دیا جائے گا اور گرنے سے تمہارا بدن شکستہ نہ ہوگا درمیان - وہ پہاڑ سے کود ے تو پانی میں جا گرے - نکس - اوندھا - از فراق - چونکہ اُن کا زندگی سے دل بھر چکا تھا اور اوندھا گرنے سے بھی نہ مرے تو رونے لگے

ﮯ۳ کایں - لوگوں کو زندگی محبوب ہے اُن کے لئے اُلٹی بات ہو گئی اُن کو اپنی موت پیاری تھی - موت - وہ موت کی تمنا کرتے تھے اسلئے کہ اُن کو یقین تھا کہ موت کے بعد دیدارِ جمال ہو جائے گا - یک دل شدہ - یعنی وہ مطمئن تھے - چوں علیؓ - پہلے مولانا بیان کر چکے ہیں کہ حضرت علیؓ کے لئے اسبابِ موت دنیا کی لذتوں سے زیادہ پیارے تھے -

بانگ[1] آمد روز صحرا سوئے شہر ۔ بانگِ طرفہ از ورائے سرّ و جہر
آواز آئی، جنگل سے شہر کی جانب جاؤ ۔ عجیب آواز، آہستہ اور زور کی آواز کے علاوہ

گفت اے دانائے رازم موبمو ۔ چہ کنم در شہر از خدمت بگو
عرض کیا، اے میرے تمام رازوں کے جاننے والے! ۔ شہر میں کیا خدمت کروں، فرمایئے

گفت خدمت آنکہ بہرِ ذُلِّ نفس ۔ خویشتن سازی تو چوں عباسِ دِبس
فرمایا خدمت، یہ ہے کہ نفس کو ذلیل کرنے کیلئے ۔ تو اپنے آپ کو عباس دبس کی طرح بنا لے

مُدّتے از اغنیا زر می ستاں ۔ پس بدرویشانِ مسکیں می رساں
ایک مدت تک، مالداروں سے روپے لے ۔ پھر مسکین درویشوں کو پہنچا

خدمتت اینست تا یکچند گاہ ۔ گفت[2] سمعاً طاعۃً اے جاں پناہ
ایک وقت تک تیری یہی خدمت ہے ۔ عرض کیا، اے جاں پناہ! میں نے سنا، قبول کیا

بس سوال و بس جواب و ماجرا ۔ بُد میانِ زاہد و ربُّ الوریٰ
بہت سے سوال، بہت سے جواب اور قصہ ۔ زاہد اور مخلوق کے رب کے درمیان ہوا

کہ زمین و آسماں پُر نور شُد ۔ در مقالات آں ہمہ مذکور شُد
کہ زمین اور آسمان نور سے بھر گئے ۔ مقالات میں وہ سب مذکور ہیں

لیک کوتہ کردم آں گفتار را ۔ تا ننوشد ہر خسے اسرار را
لیکن میں نے وہ گفتگو مختصر کر دی ۔ تاکہ ہر کمینہ اسرار کو نہ سنے

شرح

غزنی میں ایک درویش تھے جو کہ علم یا عقل میں بہت بڑھے ہوئے تھے ان کا نام محمد تھا اور لقب سرازی۔ کیونکہ وہ ہر شام کو سراز یعنی انگور کے پتوں سے روزہ کھولتے تھے وہ سات سال سے حق سبحانہٗ کی طلب میں تھے اور انہوں نے حق سبحانہٗ کی طرف سے بہت کچھ عجائب و غرائب دیکھے تھے لیکن ان کی طرف انہوں التفات نہیں کیا کیونکہ ان کا مقصود جمال حق سبحانہٗ کا مشاہدہ تھا۔ ایک روز کا واقعہ ہے کہ وہ جان سے بیزار درویش پہاڑ پر چڑھے

[1] بانگ۔ چونکہ مرد اللہ کو اس مرتبہ پر پہنچانا تھا جس میں دیدار جمال ہو تو غیبی آواز نے ان کو ہدایت کی کہ وہ شہر میں جائیں زنبیل گردانی کریں اور بھیک مانگیں۔ گفت۔ ان بزرگ نے سوال کیا کہ شہر میں جا کر کیا کروں تو جواب ملا اپنے آپ کو عباس دبس بنا لو۔۔۔ عباس دبس۔ یہ ایک بھکاری تھا جو طرح طرح کے حیلوں سے گداگری کرتا تھا کبھی ہیجھ کو رُلا دیتا تھا کبھی ہنسا دیتا تھا اور مختلف طریقوں سے بھیک مانگتا تھا "جامع الحکایات" میں اس کے قصے ذکر ہیں بعض لوگوں نے اس گداگر کا نام عباس ودس لکھا ہے اور کہا ہو کہ یہ ودس قبیلہ کا تھا۔

[2] گفت۔ ان بزرگ نے عرض کیا کہ اس حکم کو بجا لاؤں گا۔ کہ زمین۔ ان بزرگ اور اللہ تعالیٰ کی وہ باتیں ہوئیں جن سے آسمان اور زمین منور ہو گئے۔ مقالات۔ یہ کتاب کا نام ہے جس میں شیخ محمد سرزی کے قصے ذکر ہیں۔ بعض لوگوں نے اس کو مولانا روم کی تصنیف قرار دیا ہے۔

اور جوش و غلبۂ عشق میں عرض کیا کہ اپنا جمال دکھلا دیجئے ورنہ میں نیچے گر کر اپنی جان دے دوں گا حکم ہوا کہ ابھی اس شرف کا وقت نہیں آیا۔ اگر گرو گے تو مرو گے نہیں اور ہم تمہیں نہ ماریں گے۔ عشق کا غلبہ تھا لہٰذا بیتاب ہو کر پہاڑ کے نیچے گر پڑے مگر وہ زمین پر نہ گرے بلکہ ایک پانی کے اندر جا پڑے اور اس طرح مرنے سے بچ گئے پس جبکہ وہ جان سے آزردہ درویش گر کر بھی نہ مرے تو ان کو موت کی جدائی کا صدمہ ہوا اور اپنی حالت پر خوب روئے کیونکہ ان کو یہ زندگی موت دکھائی دیتی تھی اور ان کے نزدیک معاملہ الٹا ہو گیا تھا۔ اسلئے وہ حق سبحانہٗ سے موت کی درخواست کرتے تھے اور کہتے تھے کہ مر جانے ہی میں میری زندگی ہے انہوں نے موت کو یوں قبول کیا تھا جیسے اور لوگ زندگی کو قبول کرتے ہیں اور وہ موت پر عاشق ہو گئے تھے۔

حضرت علی کی طرح سیف و خنجر انکو ریحان معلوم ہوتے تھے اور نرگس و نسرین ان کے دشمن جانتے تھے یہ واقعہ بھی ہو چکا اسکے بعد انکو آواز آئی کہ جنگل سے شہر کی طرف جاؤ۔ یہ آواز عجیب تھی کہ نہ آہستہ تھی اور نہ زور سے۔ کیونکہ یہ صفات حروف و صوت کے ہیں۔ اور آواز حق سبحانہٗ حرف و صوت سے منزہ ہے۔

اس پر انہوں نے عرض کیا کہ اے میرے تمام اسرار کے جاننے والے خدا! مجھے حکم دیجئے کہ میں شہر میں جا کر کیا کام کروں حکم ہوا کہ ذلت نفس کے لیے تم اپنے کو عباس کی طرح گداگر بنا لو۔ تمہارا یہ کام ہے اور کچھ نہیں۔ تم ایک وقت معین تک امراء سے مال لے کر فقراء کو دو۔ کچھ دنوں تک تمہارا یہی کام ہے انہوں نے عرض کیا کہ میں نے سن لیا اور میں تعمیل کروں گا۔ حق سبحانہٗ اور ان درویش کے درمیان اور بھی بہت سے سوال و جواب اور بہت کچھ گفت و شنید ہوئی۔ جن سے زمین و آسمان نور سے بھر گئے وہ سب کتاب مقالات یا مقامات شیخ سرزنی میں مذکور ہے۔ مگر میں نے اس گفتگو کو مختصر کر دیا تاکہ ہر نا اہل اسرار پر مطلع نہ ہو۔ (فائدہ: یہ گفتگو الہامی تھی)

آمدنِ شیخ بعد از چندیں سال از بیابان بشہرِ غزنین و زنبیل گردانیدن باشارتِ غیبی و تفرقہ کردن آنچہ جمع آمدہ بر فقرا ۵

شیخ کا بہت سے سالوں کے بعد جنگل سے غزنی میں آنا اور غیبی اشارے سے جھولی گھمانا اور جو کچھ جمع ہوتا اُس کو فقراء میں تقسیم کر دینا

هر کرا جاں زعزِ لبیک ست — نامہ بر نامہ پیک بر پیک ست
جس شخص کی جان لبیک کی عزت سے وابستہ ہے — (اس کیلئے) خط پر خط، و قاصد پر قاصد ہے

رُو بشہر آورد آں فرماں پذیر[1] — شہرِ غزنیں گشت از رُویش مُنیر
اُس حکم ماننے والے نے شہر کا رُخ کیا — غزنی شہر اُن کے چہرے سے منور ہو گیا

از فرح خلقے باستقبال رفت — اُو در آمد از رہِ دُزدیدہ تفت
مخلوق خوشی سے استقبال کیلئے روانہ ہوئی — وہ جلدی چور راستے سے اندر آگئے

جملہ اعیان و مہاں برخاستند — قصرہا از بہرِ اُو آراستند
سب بڑے اور سردار کھڑے ہو گئے — اُن کی وجہ سے مکانات کو آراستہ کیا

گفت[2] من از خود نمائی نامدم — جز بخواری و گدائی نامدم
اُنھوں نے کہا میں خود نمائی کے لئے نہیں آیا ہوں — ذلت اور بھکاری پن کے سوا کے لئے نہیں آیا ہوں

نیستم در عزمِ قال و قیلِ من — دربدر گردم بکف زنبیلِ من
میں بات چیت کے ارادہ میں نہیں ہوں — میں ہاتھ میں جھولی لے کر دربدر گھوموں گا

بندہ فرمانم کہ اَمرست از خدا — کہ گدا باشم گدا باشم گدا
میں حکم کا غلام ہوں، کیونکہ خدا کا حکم ہے — میں بھکاری بنوں، میں بھکاری بنوں، بھکاری

در گدائی لفظ نادر ناورم — جز طریقِ خس گدایاں نسپرم
میں بھکاری پن میں نیا لفظ نہ لاؤں گا — کمینہ فقیروں کے سوا طریقہ نہ اختیار کروں گا

تا شوم غرقِ مذلت من تمام — تا سقطہا بشنوم از خاص و عام
تاکہ میں پوری طرح ذلت میں ڈوب جاؤں — تاکہ خاص و عام سے بُرا بھلا سُنوں

اَمرِ حق[3] جانست من آں را تبع — اُو طمع فرمود ذل من قنع
خدا کا حکم جان ہے، میں اُس کے تابع ہوں — اُس نے لو کا حکم دیا اور جس نے قناعت کی وہ ذلیل ہوا

چوں طمع خواہد ز من سلطانِ دیں — خاک بر فرقِ قناعت بعد ازیں
جبکہ دین کا شاہ مجھ سے طمع چاہتا ہے — اس کے بعد قناعت کے سر پر دھول

---

[4] زنبیل گردانیدن۔ مجھے تو نیز میں معلوم ہوا تھا کہ مولوی فرقہ میں یہ ریاضت اب بھی باقی ہے ان کا شیخ کسی کو اپنے حلقہ میں جب داخل کرتا ہے تو مختلف ریاضتیں کراتا ہے اور اس میں یہ ریاضت بھی داخل ہے کہ ہر مرید کو چالیس روز گداگری کرنی پڑتی ہے

[1] رُو بشہر۔ ان غیبی اشارے کے بعد محمد سرزری غزنی میں پہنچے لوگوں نے انکے استقبال کے لئے شہر کو سجایا لیکن وہ بغیر اطلاع خفیہ راستے سے شہر میں داخل ہو گئے اور اپنے لئے اس اعزاز کو پسند نہ کیا۔

[2] گفت۔ خفیہ طور پر غزنی میں پہنچنے کے بعد انھوں نے لوگوں سے کہا میں غزنی میں خود نمائی کے لئے نہیں آیا ہوں میں تو اپنے آپ کو ذلیل کرنے اور بھیک مانگنے کے لئے آیا ہوں۔ زنبیل کاسۂ گدائی، کشکول۔ گدائی بھیک بھی عام فقیروں کی طرح مانگوں گا تاکہ اچھی طرح ذلیل ہوں اور لوگوں سے بُرا بھلا سُنوں۔

[3] امرِ حق۔ خدا جب لالچ اور طمع کا حکم دے تو پھر قناعت ذلت ہے اور ذلت میں عزت ہے۔ لو ذلت جب خدا کسی سے ذلت کا طالب ہو تو طالب خدا عزت کو پسند نہیں کر سکتا ہے۔ بیت۔ یعنی میں خبیث دنیس کبھی نہیں گنا بھکاری بنوں گا لسی تہنہ۔ فقیروں کی صدا ہوتی ہے اگر توفیق ہے تو کچھ خدا کے لئے دو۔

اُو مذلت خواست کے عزت تنم — اُو گدائی خواست کے میری کنم

اُس نے ذلت چاہی! میں کب عزت کے درپے ہونگا! — اُس نے بھکاری پن چاہا! میں کب امیری کروں گا!

بعد ازیں کدیہ و مذلت جانِ من — بیست عبّاس اندر انبانِ من

اس کے بعد بھیک اور ذلت میری جان ہے — میری جھولی میں بیس عباس ہیں

شیخ برمیگشت و زنبیلے بدست — شئ للہ خواجہ توفیقیت ہست

شیخ گھومتے تھے اور جھولی ہاتھ میں — اے خواجہ بزرگ! تجھے کچھ توفیق ہے تو کچھ [illegible] دے

برتر از کرسی و عرش اسرارِ اُو — شیئًا للہ شیئًا للہ کارِ اُو

اُن کے باطنی احوال کرسی و عرش سے برتر تھے — کچھ خدا کے لئے، کچھ خدا کیلئے اُن کا کام تھا

انبیا ہر یک ہمیں فن میزنند — خلق مفلس کدیہ ایشاں میکنند

ہر ایک نبی اِسی طرح نعرہ لگاتا ہے — مخلوق مفلس ہے، اُن سے بھیک مانگتے ہیں

اَقْرِضُوا اللہ اَقْرِضُوا اللہ میزنند — باژگوں بر اُنْصُرُوا اللہ می تنند

اللہ کو قرض دو، اللہ کو قرض دو، کہتے ہیں — اُلٹا ۔۔ اللہ کی مدد کرو، پر عمل کرتے ہیں

در بدر ایں شیخ می آرد نیاز — بر فلک صد در برائے شیخ باز

یہ شیخ در بدر، عاجزی کرتے ہیں — شیخ کیلئے آسمان پر سینکڑوں دروازے کھلے ہوئے ہیں

آں گدائی کہ بجِدّ میکرد اُو — بہرِ یزداں بُود نے بہرِ گلو

وہ بھکاری پن جو وہ کوشش سے کرتے تھے — خدا کے لئے تھا نہ کہ حلق کے لئے

ور بکردے نیز از بہرِ گلو — آں گلو از نورِ حق دارد غُلو

اگر وہ حلق کے لئے بھی کرتے — وہ حلق خدا کے لئے نور سے پُر تھا

در حقِ اُو خوردِ نان و شہد و شیر — بہ ز چلّہ و ز سہ روزہ صد فقیر

اُن کیلئے روٹی اور شہد اور دودھ کی خوراک — سینکڑوں فقیروں کے چلّے اور سہ روزے سے بہتر تھی

نور مینوشد مگو ناں می خورد — لالہ میکارد بصورت می چرد

نور پی رہے ہیں، حلق روٹی کھا رہا ہے — لالہ بو رہے ہیں بظاہر چر رہے ہیں

چوں شرارے کو خورد روغن ز شمع — نور افزاید ز خوردش بہرِ جمع

جیساکہ وہ آگ جو شمع کا روغن کھاتی ہے — اُس کے کھانے سے لوگوں کیلئے نور بڑھتا ہے

نان خورے را گفت حق لاتسرفوا — نور خوردن را نگفتست اکتفوا

اللہ (تعالیٰ) نے روٹی کھانیوالے کیلئے فرمایا اسراف نہ کرو — نور کھانے کے لئے "بس کرو" نہیں فرمایا

ایں گلوئے ابتلا بُد ویں گلو — فارغ از اسراف و ایمن از غلو

یہ حلق آزمائش تھا اور یہ حلق — اسراف سے بے نیاز ہے اور غلو سے محفوظ ہے

---

۱ برتر۔ شیخ کا مقام عرش و کرسی سے بلند تھا لیکن اُنھوں نے بھکاری پن اختیار کر لیا۔ انبیاء۔ انبیاء کا بھی طریق کار یہی ہے کہ باوجود ہر قسم کے غنیٰ کے مفلس مخلوق سے بھیک مانگتے ہیں۔ اقرضوا۔ انبیاء کہتے ہیں کہ خدا کو قرض دو اور اللہ کی مدد کرو حالانکہ مخلوق خود قرض اور مدد کی محتاج ہے۔ دربدر۔ شیخ در بدر مارے پھرتے تھے حالانکہ آسمان کے سینکڑوں دروازے اُن کے لئے کھلے ہوئے تھے۔

۲ آں گدائی۔ شیخ کا یہ بھکاری پن اپنے لئے نہ تھا خدا کے حکم کے مطابق تھا اور اگر وہ اپنے لئے بھی کرتے تو وہ اُس مقام پر پہنچ چکے تھے کہ اُن کا کھانا پینا اُن کے لئے نور بنتا تھا اور اُن کے لئے دنیا کی لذتیں دوسرے سالکوں کے مجاہدوں سے بہتر تھیں۔ سہ روزہ۔ تین دن کا صوم وصال۔ نور۔ ایسے بزرگ کھانا کھاتے ہیں تو وہ نور بن جاتا ہے۔

۳ چوں۔ بزرگ کے لئے دنیا کی لذتیں بھی دوسروں کے لئے باعث افادہ بنتی ہیں جس طرح آگ موم بتی کو کھاتی ہے تو دوسروں کو نور حاصل ہوتا ہے۔ ناں خورے۔ جن کی غذائیں محض بدنی ہیں ان کے لئے قرآن کا حکم ہے کُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا کھاؤ اور پیو لیکن حد سے تجاوز نہ کرو لیکن جن کی غذا نور بنتی ہے اُنکو اِکْتَفُوْا یعنی کفایت کرو کا حکم نہیں ہے وہ جو چاہیں

اور جس قدر چاہیں کھائیں۔ ایں گلو۔ عام انسان کا حلق اُس کے لئے ابتلا کا سبب ہے۔ اُس شیخ کا کھانا

امر و فرماں بود نے حرص و طمع
حکم اور فرمان تھا نہ کہ لالچ اور طمع

آنچناں جان حرص را نبود تبع
ایسی جان حرص کے تابع نہیں ہوتی ہے

گر بگوید کیمیا مس زا بدہ[1]
اگر کیمیا تانبے سے کہے کہ دے

تو یمین خود را کامع نبود فرہ
تو اپنے آپ کو بھی (توبہ)، زیادتی اور لالچ نہ ہوگا

آں گدائی کہ بجد میکرد او
وہ بھکاری پن جو وہ کوشش سے کر رہے تھے

بود از آثار حکمتہائے ہو
وہ اللہ کی حکمتوں کا نتیجہ تھا

گنجہائے خاک تا ہفتم طبق
زمین کے خزانے ساتویں طبقہ تک

عرضہ کردہ بود پیش شیخ حق
اللہ تعالیٰ نے شیخ کے سامنے پیش کر دیئے تھے

شیخ گفتا خالقا من عاشقم
شیخ نے کہا اے خالق! میں تو عاشق ہوں

ور بجویم غیر تو من فاسقم
اگر میں تیرے غیر کی جستجو کروں تو میں فاسق ہوں

ہشت جنت گر در آرم در نظر
اگر میں آٹھوں جنتوں کو نظر میں لاؤں

ور کنم خدمت من از خوف سقر
اگر میں دوزخ کے ڈر سے عبادت کروں

مومنے باشم سلامت جوئے من
میں سلامتی کا طالب ہوں ایک مومن بنوں گا

زانکہ ایں ہر دو بود حظ بدن
کیونکہ یہ دونوں چیزیں بدن کا حصہ ہیں

عاشقے[2] کز عشق یزداں خورد قوت
وہ عاشق جس نے خدا کے عشق کی روزی کمائی

صد بدن پیشش نیرزد ترہ توت
اسکے آگے سینکڑوں بدن شہتوت کے تنکے کی قیمت نہیں رکھتے ہیں

ویں بدن کہ دارد آں شیخ فطن
وہ سمجھدار شیخ جو یہ بدن رکھتے ہیں

چیز دیگر گشت کم خوانش بدن
وہ دوسری چیز ہو گیا اس کو بدن نہ کہہ

عاشق عشق خدا وانگاہ مزد
عشقِ خدا کا عاشق اور پھر مزدوری

جبرئیل مؤتمن آنگاہ دزد
امانتدار جبرئیل، اور پھر چور

عاشق[3] آں لیلی کور و کبود
اندھی، نیلی، لیلیٰ کا عاشق

ملک عالم پیش او یک ترہ بود
دنیا کی سلطنت اس کے سامنے ایک پتہ تھی

پیش او یکساں شدہ بد خاک و زر
اُس کے لئے مٹی اور سونا یکساں ہوگیا تھا

زر چہ باشد کہ نہ بد جاں را خطر
سونا کیا ہوتا ہے اُس کو جان کا خطرہ نہ تھا

شیر و گرگ و ددان زو واقف شدہ
شیر اور بھیڑیا اور درندہ اُس سے واقف ہوگیا تھا

ہمچو خویشاں گرد او گرد آمدہ
اپنوں کی طرح اُسکے چاروں طرف جمع ہوگئے تھے

کایں شدست از خوئے حیواں پاک پاک
کہ یہ حیوان کی خصلت سے بہت پاک ہوگیا ہے

پر ز عشق و لحم و شحمش زہرناک
عشق اور زہریلے گوشت اور چربی سے پُر ہے

---

[1] گر بگوید۔ اگر کیمیا تانبے کو کہے کہ تو اس میں تانبے ہی کا فائدہ ہے۔ آں گدائی۔ شیخ جو بھیک مانگ رہے تھے اس میں خدائی حکمتیں پنہاں تھیں۔ گنجہائی۔ خدا نے شیخ کے سامنے زمین کے سارے خزانے پیش کر دیئے تھے، لیکن شیخ نے عرض کر دیا تھا کہ اگر میں زر کا طالب بنوں تو عاشق نہیں بلکہ فاسق ہوں۔ ہشت۔ اگر کوئی جنت کے شوق یا دوزخ کے ڈر سے عبادت کرتا ہے تو وہ مومن تو ہے عاشق نہیں ہے کیونکہ دوزخ اور جنت کا تعلق بدن سے ہے۔

[2] عاشقے۔ جس عاشق نے خدا کے عشق کی روزی کھا لی اس کے لئے بدن ہیچ ہو جاتا ہے اور جنت و دوزخ کا تعلق بدن سے ہے لہٰذا وہ جنت کی تمنا کرتا ہے اور اس سے دوزخ کا خوف عبادت کراتا ہے۔ ویں بدن۔ شیخ کا بدن، بدن تو تھا لیکن اس میں جسمانی صفات نہ تھے۔ عاشق عشق۔ مزدوری نہیں چاہتا ہے جنت اور دوزخ عبادت کی مزدوری ہے جس طرح جبرئیلؑ امین سے چوری کا تصور نہیں ہو سکتا اسی طرح عاشق سے مزدوری کی خواہش کا تصور غلط ہے۔

[3] عاشق۔ عاشقِ خدا تو بڑی چیز ہے لیلیٰ کے عاشق کے لئے بھی دنیا کی سلطنت ہیچ تھی مجنوں کے نزدیک سونے اور مٹی میں فرق نہ تھا نہ اس کو جان کا خطرہ تھا۔

زہرِ دد باشد شکر ریزِ خرد ‏ ‏ زانکہ نیکِ نیک باشد ضدِ بد

عقل کا شکر کا بکھاور، درندہ کا زہر ہوتا ہے ‏ ‏ کیونکہ اچھا نیک، بد کی ضد ہوتا ہے

لحمِ عاشق را نیارد خورد دد ‏ ‏ عشق معروفست پیشِ نیک و بد

درندہ، عاشق کا گوشت نہیں کھا سکتا ‏ ‏ ہر نیک و بد کے لئے عشق پہچانی ہوئی چیز ہے

ور خورد فی المثل دام و دد اش ‏ ‏ لحمِ عاشق زہر گردد بکشدش

بالفرض اگر اُس کو جانور اور درندہ کھالے ‏ ‏ عاشق کا گوشت زہر بن جائے، اُسکو ہلاک کردے

ہر چہ جز عشق ست شد ماکولِ عشق ‏ ‏ دو جہاں یکدانہ پیشِ نولِ عشق

جو عشق کے سوا ہے، وہ عشق کی غذا ہے ‏ ‏ عشق کی چونچ کے لئے دونوں جہاں ایک دانہ ہیں

دانہ مر مرغ را ہرگز خورد ‏ ‏ کاہداں[5] مر اسپ را ہرگز چرد

دانہ مرغ کو کبھی کھاتا ہے! ‏ ‏ آخور کبھی گھوڑے کو کھاتا ہے!

بندگی کن تا شوی عاشق لعل ‏ ‏ بندگی کسب ست آید در عمل

عبادت کر، تاکہ تو شاید عاشق بن جائے ‏ ‏ عبادت کسب ہے، عمل میں آجاتی ہے

بندہ آزادی طمع دارد ز جد ‏ ‏ عاشق آزادی نخواہد تا ابد

بندہ قسمت سے آزادی کا لالچ رکھتا ہے ‏ ‏ عاشق کبھی آزادی نہیں چاہتا

بندہ دائم خلعت و ادرار جوست ‏ ‏ خلعتِ عاشق ہمہ دیدارِ اوست

بندہ ہمیشہ خلعت اور انعام کا جویاں ہے ‏ ‏ عاشق کی سب خلعت اُس کا دیدار ہے

در[4] نگنجد عشق در گفت و شنید ‏ ‏ عشق دریائیست قعرش ناپدید

عشق کہنے اور سننے میں نہیں سماتا ‏ ‏ عشق وہ دریا ہے جس کی گہرائی معلوم نہیں ہے

قطرہ ہائے بحر را نتواں شمرد ‏ ‏ ہفت دریا پیشِ آں بحر ست خرد

سمندر کے قطروں کو شمار نہیں کیا جا سکتا ‏ ‏ اُس سمندر کے سامنے ساتوں دریا چھوٹے ہیں

ایں سخن پایاں ندارد اے فلاں ‏ ‏ باز رو در قصۂ شیخِ زماں

اے فلاں! اس بات کا خاتمہ نہیں ہے ‏ ‏ شیخِ زمانہ کے قصہ کی طرف واپس چل

در معنیِ لَوْلَاکَ لَمَا خَلَقْتُ الْأَفْلَاک

اگر آپ نہ ہوتے تو میں آسمانوں کو پیدا نہ کرتا کے معنی

شد[1] چنیں شیخے گدائے کو بکو ‏ ‏ عشق آمد لاابالی اتقوا

ایسے شیخ، گلی گلی کے بھکاری بن گئے ‏ ‏ عشق، لاپروا ہے

عشق جوشد بحر را مانندِ دیگ ‏ ‏ عشق ساید کوہ را مانندِ ریگ

عشق سمندر کو دیگ کی طرح کھولا دیتا ہے ‏ ‏ عشق پہاڑ کو ریت کی طرح پیس دیتا ہے

---

[5] کاہداں۔ مجنوں میں حیوانی صفات ختم ہوگئی تھیں اور ملکوتیت پیدا ہوگئی تھی اُس کا گوشت و پوست عشق سے زہرناک ہوگیا تھا۔ زہرِ عشق عقل کے لئے شکر کا بکھاور ہے اور درندوں کے لئے زہر۔ شکر ریز۔ وہ شکر جو دلہن پر نچھاور کی جاتی تھی۔ لحمِ عاشق۔ عاشق کا گوشت عشق سے زہریلا ہوجاتا ہے اگر درندہ اُس کو کھالے تو مرجاتا ہے۔ ہرچہ۔ ہر چیز عشق کی خوراک ہے۔ دو جہان اُس کے لئے ایک دانہ ہے دانہ پرندکو نہیں کھاتا پرند دانہ کو کھاتا ہے۔

[5] کاہداں۔ گھوڑا آخور کی گھاس کھاتا ہے آخور گھوڑے کو نہیں کھاتا۔ بندگی۔ عبادت کسبی چیز ہے عمل میں آسکتی ہے عشق محض عطایہ خداوندی ہے۔ بندہ۔ عبادتگزار آزادی چاہتا ہے عاشق گرفتاری چاہتا ہے عبادت گزار انعام کا خواہاں ہے عاشق صرف دیدار کا طالب ہے۔

[4] درنگنجد۔ عشق کی حقیقت ناقابلِ بیان ہے وہ دریائے ناپیداکنار ہے۔ قطرہ سمندر کے قطرے شمار کرنا ناممکن ہے دریائے عشق تو وہ دریا ہے کہ اُسکے بالمقابل دنیا کے سات سمندر ایک چھوٹا سمندر ہیں۔ تو اُس کی باتیں کس طرح بیان ہوسکتی ہیں۔ شیخ زماں۔ شیخ محمد سرزری

عشق بشگافد فلک را صد شگاف
عشق آسمان میں سو شگاف ڈال دیتا ہے

عشق لرزاند زمیں را از گزاف
عشق زمین کو آسانی سے لرزا دیتا ہے

با محمدؐ بود عشقِ پاک جفت
پاک عشق محمدؐ کا ساتھی تھا

بہرِ عشق اُو را خدا لولاک گفت
عشق کی وجہ سے خدا نے آپکے بارے میں لولاک فرمایا

منتہی در عشق چوں اُو بود فرد
عشق میں چونکہ وہ منتہی اور یکتا تھے

پس مر اُو را ز انبیاء تخصیص کرد
تو انبیاء میں سے اُن کو مخصوص کر لیا

گر نبودے بہرِ عشقِ پاک را
اگر آپ پاک عشق کے لئے نہ ہوتے

کے وجودے دادمے افلاک را
تو میں آسمانوں کو وجود کب عطا کرتا!

من بداں افراشتم چرخِ سنی
میں نے اونچے آسمان کو اسی لئے بلند کیا

تا عُلُوِّ عشق را فہمی کنی
تاکہ آپ عشق کی بلندیوں کو سمجھ لیں

منفعتہائے دگر آید ز چرخ
آسمان کے دوسرے فوائد (بھی) ہیں

آں چو بیضہ تابع آید ایں چو فرخ
وہ انڈے کی طرح تابع ہیں، یہ مرغی کے بچے کی طرح ہیں

خاک را من خار کردم یکسری
میں نے مٹی کو بالکل مٹی بنایا

تا ز ذُلِّ عاشقاں بوئے بری
تاکہ آپ عاشقوں کی ذلّت کا پتہ لگالیں

خاک را دادیم سبزی و نوی
مٹی کو ہم نے تازگی اور سبزی بخشی

تا ز تبدیلِ فقیر آگہ شوی
تاکہ آپ فقیر کی تبدیلی سے آگاہ ہو جائیں!

با تو گویند ایں جبالِ راسیات
یہ جمے ہوئے پہاڑ آپ کو بتاتے ہیں

وصفِ حالِ عاشقاں اندر ثبات
عاشقوں کی حالت جماؤ میں

گرچہ آں معنیست و ایں نقش اے پسر
اے بیٹا! اگرچہ وہ معنی ہیں اور یہ صورت ہے

تا بفہمِ تو کند نزدیک تر
تاکہ (یہ تشبیہ) تیری سمجھ کے زیادہ قریب کردے

غصہ را با خار تشبیہے کنند
غصہ کو کانٹے سے تشبیہ دیتے ہیں

آں نباشد لیک تنبیہے کنند
وہ وہ نہیں ہوتا لیکن تنبیہ کرتے ہیں

آں دلِ قاسی کہ سنگیں خوانند
وہ سخت دل جس کو پتھر کا کہتے ہیں

نامناسب بُد مثالے راندند
مناسب نہیں ہے، ایک مثال دیتے ہیں

در تصور در نیاید عینِ آں
اگر وہ بعینہٖ تصور میں نہ آئے

عیب بر تصویر نہ تفتیش مداں
اتنی مثال پر عیب لگا اُس کا انکار نہ کر

۱؎ شد چنیں۔ اس قدر بزرگ شیخ اور عشق اُس سے گداگری کرا رہا ہے عشق لاابالی جو چاہے کراتا ہے اُس سے ڈرتے رہو۔ عشق۔ عشق کے کارنامے یہ ہیں کہ وہ سمندر کو دیگ کی طرح اُبال دیتا ہے پہاڑ کو ریت کی طرح پیس دیتا ہے عشق آسمان میں شگاف کر دیتا ہے زمین کو لرزا دیتا ہے۔

۲؎ با محمدؐ۔ عشق کی عظمت یہ بھی ہے کہ وہ آنحضورؐ کو لگا تو اللہ نے اُنکے بارے میں فرمایا کہ اگر تو نہ ہوتا تو میں آسمانوں کو نہ پیدا کرتا۔ منتہی۔ اور انبیاء میں بھی عشق تھا لیکن آنحضورؐ میں درجۂ اتم تھا۔ من بداں۔ آسمان کی بلندی عشق کی بلندی سمجھانے کے لئے ہے۔۔۔ منفعتہائے۔ آسمان کی بلندی میں اصل منفعت یہی ہے منفعتوں کی مثال انڈے کی اور اس منفعت کی خیال چوزے کی سی ہے، جو اصل ہے۔

۳؎ خاک۔ زمین اور مٹی پیدا کرنے کی منفعت یہ ہے کہ عاشقوں کی ذلت کو اس سے سمجھو۔ خاک زمین خشک ہوتی ہے پھر اس میں سبزہ زار اُگ جاتا ہے اس سے عاشقوں کی تبدیلی کو سمجھو۔ با تو۔ پہاڑوں کا جماؤ عاشقوں کا جماؤ سمجھانے کے

شرح

خیر تو جب اُن کو گداگری کا حکم ہوا تو وہ مطیع فرمانِ درویش متوجہ شہر ہوئے اور شہر غزنی ان کے روئے منور سے منور ہوا لوگ تو خوش خوش ان کے استقبال کو گئے مگر وہ خفیہ راستے سے شہر میں آپہنچے اس کے بعد تمام امراء ان کی خدمت پر کمر بستہ ہوئے اور محلات ان کے لیے سجائے مگر انہوں نے کہا کہ میں خود نمائی کی غرض سے نہیں آیا بلکہ میں تو صرف گداگری کے لیے آیا ہوں اور میرا عزم لوگوں کو تعلیم و تلقین کا نہیں ہے بلکہ میں ہاتھ میں جھولے لیے ہوئے دربدر پھروں گا۔ کیونکہ مجھے حق سبحانہٗ کا یہ حکم ہے کہ میں فقیر بنوں میں اس کا مطیع ہوں پس سے میں فقیر ہی بنوں گا اور فقیری مجھے مہذب طریق سے نہ کروں گا اور سوال میں شاندار الفاظ استعمال نہ کروں گا۔ بلکہ معمولی فقیر بنوں گا اور ذلیل فقیروں کی روش کے سوا اور کوئی روش اختیار نہ کروں گا۔ تاکہ میں سر سے پاؤں تک ذلت میں ڈوب جاؤں اور تاکہ میں ہر خاص عام سے سخت سست سنوں گا خدا کا حکم جان کے برابر ہے اور میں اس کا متبع ہوں پس سے چونکہ اس نے طمع کا حکم دیا ہے لہٰذا میں طامع اور گداگر بنوں گا کیونکہ ایسی حالت میں جو قناعت و ترک گداگری کرے وہ ارتکاب معصیت کے سبب ذلیل ہے جبکہ خدا خود مجھ سے طمع اور گداگری چاہتا ہے تو قناعت کے سر پر خاک جب وہ ذلت چاہتا ہے تو میں کب عزت کے درپے ہوں گا اور جب وہ گداگری چاہتا ہے تو میں کب رئیس بنوں گا۔ میں تو ایسے دھڑلے کی گداگری کروں گا کہ اس گداگری اور ذلت جان کے بعد بیس[۲۰] عباس میرے قبیلے میں ہوں گے۔

الغرض انہوں نے گداگری اختیار کی اور جھولے ہاتھ میں لئے پھرتے تھے اور کہتے تھے "جناب کچھ توفیق ہے اچھا خدا کے لیے کچھ دیجئے حالت تو انکی یہ تھی کہ ان کے اسرار عرش و کرسی سے بالاتر تھی اور کام ان کا یہ کہ خدا کے لیے کچھ دو۔ خدا واسطے کچھ دو۔ کیوں اسلئے کہ وہ انبیاء کے قدم پر تھے اور انبیاء بھی یہی کام کرتے ہیں اور مخلوق خود مفلس ہے مگر وہ اس سے مانگتے ہیں اور کبھی اقرضوا اللّٰہ اقرضوا اللّٰہ

کے نعرہ لگاتے ہیں اور کبھی انصروا اللہ کہتے ہیں جو کہ اُلٹی ... بات ہے کیونکہ خدا تو خود سب کی مدد کرتا ہے اسکو مدد کی کیا حاجت ہے اور جو خود محتاج مدد ہیں اُس کی کیا مدد کر سکتے ہیں مگر یہ حق سبحانہٗ کی عنایت ہے کہ اُن کی خود اپنی مدد کو حق سبحانہٗ نے اپنی مدد قرار دیا ہے اور خود ان کے اپنے لیے خرچ کرنے کو خدا کا قرض دینا ٹھہرایا ہے۔

خیر یہ درویش جو در بدر گداگری کرتے ہیں حالانکہ آسمان پر سو دروازہ ان کے لیے کھلے ہوئے ہیں پھر وہ ایسا کیوں کرتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ انکو خدا کا حکم ہے اور خدا کے لیے وہ گداگری کرتے ہیں نہ کہ خود اپنے کھانے کے لیے۔ لیکن اگر بالفرض وہ اپنے ہی کھانے کے لیے کرتے تب بھی کوئی بری بات نہیں کیونکہ ان کا حلق نور حق سے لبریز ہے اسلئے ان کے لئے کھانا برا نہیں ہے بلکہ ان کے حق میں روٹی، شہد، دودھ وغیرہ سینکڑوں فقیروں کے چلہ اور صیام ایام بیض سے بڑھ کر ہے کیونکہ وہ روٹی نہیں کھاتے بلکہ نور کھاتے ہیں اور گو بظاہر چرتے ہیں مگر فی الحقیقت لاالہ کا ری ر. کرتے اور روح میں صفات حمیدہ بڑھاتے ہیں ان کے کھانے کی ایسی مثال ہے جیسے شعلۂ چراغ تیل پیتا ہے مگر اس کھانے سے لوگوں کے لیے نور بڑھتا ہے جب یہ حالت ہے تو ان کے لیے زیادہ کھانے کی ممانعت نہیں ہے اسلئے کہ حق سبحانہٗ نے روٹی کھانے کے لئے لاتسرفوا کہا ہے نور کھانے کو نہیں کہا کہ بس کرو۔ روٹی کھانے والا حلق زیر امتحان ہے اسکو ضرورت ہے اسراف سے ممانعت کی۔ اور نور کھانے والا حلق اس مرتبہ کو طے کر گیا ہے اور اسلئے وہ اسراف اور غلو سے بے تعلق ہو گیا ہے۔ اب نہ وہاں اسراف ہے اور نہ حد سے تجاوز۔ لہٰذا اسراف کی ممانعت بھی نہیں ہے (فائدہ: ابن گلوی ابتلا ر بدالخ سے کسی کو شبہ نہ ہونا چاہیئے کہ اہل اللہ حد تکلیف سے خارج ہو جاتے ہیں اور مکلف نہیں رہتے بلکہ تحقیق اسکی یہ ہے کہ اوامر الٰہیہ مقید بقیود۔ اور مبنی بر مصالح خاصہ ہوتے ہیں اسلئے وہ اپنے مواقع کے ساتھ مخصوص ہوتے ہیں نہ کہ عام مثلاً حکم ہے کہ زکوٰۃ دو مگر یہ مقید ہے اس قید کے

ساتھ کہ مال نامی ہو حوائج ضروریہ سے فارغ ہو، حولانِ حول ہوچکا ہو۔ پس جہاں یہ قید پائی جائے گی وہیں یہ حکم بھی ہوگا اور جہاں یہ قید نہ پائی جائے گی وہاں یہ حکم نہ ہوگا۔ علیٰ ہٰذا القیاس امر لاتسرفوا مقید ہے اس قید کے ساتھ کہ غذا موجب تقویت نفس ہو۔ پس جہاں غذا موجب تقویت دفع ہوگی وہاں کثرت اکل کی ممانعت نہ ہوگی اسلئے جو لوگ اس حکم کے مخاطب ہوں گے وہ اس حکم کے لحاظ سے زیر امتحان ہوں گے اور جو لوگ مخاطب نہ ہوں گے وہ فارغ از امتحان ہوں گے پس شعر مذکور میں اہل اللہ سے امتحان خاص کی نفی کی گئی ہے نہ کہ امتحان عام کی لیکن یہ امر بھی واضح رہے کہ اہل اللہ کا نفس گو نہایت مضمحل ہوجاتا ہے مگر بالکل مردہ نہیں ہوجاتا ــــــ دلیل اسکی خود مولانا کا ارشاد یک قدم زو آدم اندر ذوق نفس الخ۔ اور حق سبحانہ کا ارشاد حکایت عن یوسف علیہ السلام مَآ اُبَرِّئُ نَفْسِيْ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌ بِالسُّوْٓءِ ہے اسلئے یہ حکم مبنی بر اغلب احوال ہوگا نہ کہ کلی۔ پس ثابت ہوا کہ کوئی شخص خواہ وہ کتنا ہی بڑا ہو۔ بحالت صحت عقل مرفوع القلم اور مطلق العنان نہیں ہوسکتا ــــــ اس مقام پر یہ بھی تبلا دینا ضروری ہے کہ گو احکام شرعیہ مقید بقیود و شروط بشرائط خاصہ ہوتے ہیں۔ مگر ہر کسی کو اس کی گنجائش نہیں ہے کہ اپنے عقل سے مقید کرے۔ بلکہ یہ کام یا خود شارع کرسکتا ہے یا وہ لوگ جو رمز شناس مثلاً مجتہدین وغیرہ ہیں۔ واللہ اعلم)

غرضکہ وہ گداگری بحکم و فرمان الٰہی تھی نہ کہ حرص و طمع سے کیونکہ یہ مقدس لوگ تابع حرص نہیں ہوتے۔ نیز یہ گداگری خود ان لوگوں کی منفعت کے لیے تھی اسلئے بھی حرص نہ تھی۔ مثلاً کیمیا تانبے سے کہے کہ تو اپنے کو مجھے دیدے تو یہ حرص نہ ہوگی۔ بلکہ خود کیمیا کا احسان ہوگا۔ پس ان وجوہ سے یہ گداگری ممنوع اور قبیح نہ تھی اور جو گداگری وہ کرتے تھے وہ حکمت الٰہیہ کے آثار نامتناہیہ کا ایک اثر تھی نہ کہ عام گداگری وہ عام گداگری کیسے کرسکتے تھے کہ حق سبحانہ نے ساتوں... زمینوں کے خزانے ان کے سامنے پیش کیے تھے۔ مگر شیخ نے کہا کہ اے اللہ! میں تو عاشق ہوں میں خزانے کیا کروں گا۔ اگر میں تیرے سوا اور کا طالب ہوں تو عاشق

کا ہے کو ہوں گا۔ میں تو نفس پرست عاشق ہوں گا اور اگر میں طاعت میں آٹھوں جنتوں کو پیش نظر رکھوں یا خوف دوزخ سے عبادت کروں تو اس وقت میں عامی مومن اور سلامتی کا طالب ہوں گا۔ کیونکہ ان دونوں کا تعلق جسم سے ہے نہ کہ روح سے پس اس وقت میں اپنے جسم کو مضرت سے بچانے والا اور اسکو نفع پہنچانے والا ہوگا جوکہ عامۂ مومنین کے شان ہے نہ کی عاشق کی۔

اب مولانا فرماتے ہیں کہ جو عاشق غذائے عشق خداوندی کھاتا ہے اسکے سامنے ایک جسم کیا، سو جسم توت کے پتے کے برابر بھی نہیں ہوتے پھر وہ بدن کی کیا فکر کرتا۔ شاید کوئی کہے کہ بزرگ کھاتے تھے پیتے تھے اسکو گرمی سردی سے بچاتے تھے وغیرہ وغیرہ اور عاشق الٰہی بھی تھے ——— پھر کیسے کہا جاتا ہے کہ عشاق الٰہی کو بدنوں کی ذرا بھی پرواہ نہیں ہوتی اسلئے اس کا جواب دیا جاتا ہے

اور کہا جاتا ہے کہ جو بدن شیخ کو حاصل ہے وہ بدن نہیں رہا۔ بلکہ کچھ اور ہی ہوگیا ہے تم اسے بدن نہ کہو کیونکہ وہ روح ہوگیا ہے (فائدہ: تفصیل اسکی یہ ہے کہ جسم میں ذاتی دو قسم کی صفات ہیں ذمیمہ و غیر ذمیمہ۔ مثلاً حرص کینہ وغیرہ صفات ذمیمہ ہیں۔ لون تحیز وتشکل وغیرہ غیر ذمیمہ ہیں۔ علی ہذا روح میں بھی دو قسم کے اوصاف ہیں حمیدہ و غیر حمیدہ صبر قناعت وغیرہ صفات حمیدہ ہیں۔ جوہریت لطافت، بدنیت وغیرہ غیر حمیدہ پس ارباب تصوف جب روح اور جسم کا ذکر کرتے ہیں تو ان کے صفات حمیدہ و ذمیمہ کے لحاظ سے کرتے ہیں۔

مثلاً جب کہتے ہیں کہ روح جسم ہوگئے تو اس سے اسکی مراد یہ ہوتی ہے کہ اس نے جسم کی صفات ذمیمہ اختیار کرلیں اور جب کہتے ہیں کہ جسم روح ہوگیا تو اس سے مقصود یہ ہوتا ہے کہ اسکے نفس اپنی صفات ذمیمہ کو چھوڑ دیا اور صفات حمیدہ سے متصف ہوگیا پس جب یہ معلوم ہوگیا تو اب سمجھو کہ جب جسم صفات ذمیمہ سے خالی ہوگیا تو اب اس کی خدمت جسم بمعنی مراد ارباب تصوف جسم کی خدمت نہیں ہے۔ بلکہ اب وہ

روح کی خدمت ہے۔ فاتفضح المسرام وللہ الحمد) ہاں تو ہم یہ کہہ رہے تھے کہ عاشق
خدا حظوظِ جسمانیہ کی پرواہ نہیں کرتے اسلئے وہ جنت و دوزخ کے لئے طاعت
نہیں کرتے اب اسکی وجہ سنو۔ وجہ یہ ہے کہ یہ طاعت باجرت ہے اور عاشق خدا
ہو اور مزدوری چاہے۔ ناممکن ہے۔ جبرائیل امین ہو اور چور ہو محال ہے عاشق خدا تو
بڑی چیز ہے۔ ایک ذلیل لیلیٰ کے عاشق کی یہ حالت تھی کہ سلطنت عالم اس کے
سامنے ہیچ تھی اور مٹی اور سونا اس کے نزدیک برابر ہو گئے تھے سونا تو کیا چیز ہے۔
اسکے نزدیک خود جان کی کوئی وقعت نہ رہی تھی اور عشق نے اسکے یوں قلب ماہیت
کردی تھی۔ کہ شیر اور لومڑے اور دیگر درندے اسکے واقف ہو گئے تھے اور عزیزوں
کی طرح اس کے گرد جمع ہوتے تھے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ اب عام جانداروں کا سا نہیں
رہا۔ بلکہ ان کی خصلت و طبیعت سے پاک صاف ہو گیا ہے اب یہ عشق سے پُر ہے اور اس کا
گوشت اور اسکی چربی زہر آلود ہو گئے ہیں۔ کوئی یہ نہ سمجھے کہ جب عشق زہر ہے تو بری چیز ہے
کیونکہ وہ درندوں کے لئے زہر ہے اور جو چیز درندوں کے حق میں زہر ہو وہ عقلاء کے
حق میں شکر ریز ہوتی ہے کیونکہ ان دونوں کے طبائع میں تضاد ہے پس جو چیز
ایک طبیعت کے لیے مُضر ہو گی۔ اسکی ضد کے لئے خواہ مخواہ مفید ہو گی مثلاً جو چیز
اچھے کے حق میں اچھی ہے وہ بُرے کے حق میں ضرور بُری ہو گی۔
خیر تو وہ درندوں کے حق میں زہر ہے لہٰذا درندے عاشق کا گوشت
نہیں کھا سکتے۔ کیونکہ عشق کو بری اور بھلی درندے اور عقلاء سب جانتے ہیں اور اپنے
اپنے موافق خواص سے واقف ہو۔ اسلیے درندے بھی جانتے ہیں کہ وہ ہمارے لیے
زہر ہے اور اسلئے وہ عاشق کا گوشت نہیں کھاتے اور اگر بالفرض اُسے کھا بھی لیں تو وہ
ہضم نہیں ہو سکتا۔ بلکہ انکے حق میں زہر ہو جائے گا اور انہیں مار ڈالے گا۔
دوسری وجہ اس کی یہ ہے کہ عشق آکل ہے اور تمام جہان ماکول۔ اور ہر دو عالم
اس کی چونچ کے سامنے ایک دانہ ہیں جب یہ معلوم ہو گیا تو اب سمجھو کہ ماکول آکل کو نہیں
کھا سکتا ـــــ بتلاؤ کبھی دانہ بھی جانور کو کھاتا ہے اور سمجھو کہ کبھی گھاس بھی گھوڑے

کو چرتا ہے ہرگز نہیں پس یونہی عشق کو بھی کوئی چیز نہیں کھاسکتی اور جب عشق کو کوئی چیز نہیں کھاسکتی تو اس گوشت کو بھی نہیں کھاسکتے جس میں عشق ساری ہے۔ وھوالمدعی۔ پس اگر تم درندوں (نفس و شیطان) سے بچنا چاہتے ہو اور چاہتے ہو کہ وہ تمہیں نہ کھا جائیں۔ تو تم عاشق حق سبحانہٗ ہو جاؤ۔ تم یہ کہو گے کہ ہم عاشق کیسے ہو جائیں عشق تو اختیاری شے نہیں ہے کہ جو چاہے عاشق ہو جائے۔

سو اس کا جواب یہ ہے کہ اس کے مبادی تو اختیاری ہیں۔ تم ان مبادی کو اختیار کرو اور بتکلف طاعت حق سبحانہٗ کرو امید ہے کہ تم کو عشق حاصل ہو جائے گا۔ گو عشق اختیاری اور کسبی نہیں۔ مگر اطاعت تو کسبی ہے اور وہ تو عمل میں آسکتی ہے پس تم طاعت کرو۔ اس طرح تم کو عشق حاصل ہو جائے گا۔ عشق بڑی چیز ہے اور اس میں اور بندگی میں بہت فرق ہے۔ بندہ اور غلام کی تو دلی خواہش آزادی ہوتی ہے اور عاشق کبھی آزادی نہیں چاہتا۔ نیز بندہ ہمیشہ خلعت اور وظیفہ چاہتا ہے۔

برخلاف عاشق کے کہ اس کی خلعت صرف دیدار یار ہے۔ پس بندہ اور غلام کی طاعت اور عاشق کی طاعت میں زمین و آسمان کا فرق ہے اور اس کا خلوص اس کے خلوص سے کہیں ارفع و اعلیٰ ہے۔ عشق کی حالت میں کیونکر بیان کروں یہ مضمون گفت و شنید میں نہیں آسکتا۔ کیونکہ عشق ایک دریا ہے جس کی تہہ ہی معلوم نہیں اور معلوم ہے کہ کوئی دریا کے قطرے نہیں گن سکتا۔ پھر عشق کا بیان مکمل اور مفصل کوئی کیونکر کرسکتا ہے۔ کیونکہ اس کے سامنے تو ساتوں سمندر چھوٹے ہیں۔

خیر یہ گفتگو تو ختم نہیں ہوسکتی۔ اب لوٹنا چاہیئے اور شیخ سرازی کا قصہ بیان کرنا چاہیئے۔ تم غور کرو کہ ایسا عظیم المرتبہ شیخ گلی گلی بھیک مانگتا پھرتا ہے۔ کیوں محض اسلئے کہ وہ عاشق ہے۔ سو عشق بھی عجیب بے نیاز ہے نہ یہ کسی کی عزت کا لحاظ کرتا ہے نہ کسی کی عظمت کا۔ پس اے خواستگاران عزت و جاہ! تم اس سے بچتے رہنا۔ عشق وہ شے ہے کہ دریا کو ہانڈی کی طرح ابالتا ہے اور پہاڑ کو پیس کر ریت بنا دیتا ہے۔ عشق آسمان کے سو ٹکڑے کردیتا ہے اور عشق زمین کو سخت متزلزل کردیتا ہے یہ تو اس کی سختی کی حالت تھی اب کی

برکات سُنو! عشق منشأ وجود عالم ہے کیونکہ حق سبحانہٗ کو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عشق تھا اُس عشق کے سبب اسکو لولاک لما خلقت الافلاک فرمایا۔ یعنی اگر مجھے تم سے محبت نہ ہوتی اور اسلیے تمہیں پیدا نہ کرتا تو عالم کو پیدا نہ کرتا۔ پس عالم کو میں نے تمہاری خاطر پیدا کیا ہے۔ اسکے یہ معنی نہیں ہیں کہ حق سبحانہٗ کو اور انبیاء اور صلحاء سے محبت نہیں ہے بلکہ وجہ یہ ہے کہ آپ محبوبیت میں خرد اور کامل ہیں ـــــ۔ اسلئے انبیاء وصلحاء میں سے آپ کو مخصوص بالذکر کیا گیا۔ خیر یہ تو جملہ معترضہ تھا۔ اب مضمون سابق سُنو۔ حق سبحانہٗ بھی فرماتے ہیں کہ اگر عشق کی وجہ نہ ہوتی اور مجھے اسکی حالت کا اظہار مقصود نہ ہوتا تو میں عالم کو پیدا نہ کرتا۔ میں نے آسمان کو اسلئے رفعت دی ہے کہ تم اس سے عشق کی رفعت سمجھو اور خیال کرو کہ جس سبب کا مسبب اتنا رفیع ہے اُس مسبب کی رفعت کس قدر ہوگی۔ گو آسمان سے اور منفعتیں بھی حاصل ہوتی ہیں۔ مگر وہ بیضہ کی طرح غیر مقصود ہیں اور یہ بچہ کی طرح مقصود ہے اور میں نے زمین کو اسلئے متذلل پیدا کیا ہے کہ تم عاشقوں کے تذلل کو سمجھو۔ اور میں نے اسکو اسلئے سرسبز کیا ہے تاکہ تم فقراء کے تبدل وتغیر حالت سے واقف ہو جاؤ۔ اور سمجھو کہ جس طرح زمین کو اسکے تذلل کا یہ ثمرہ ملا کہ وہ سرسبز وشاداب ہوگئی۔ یوں ہی فقراء کے تذلل سے اُن کو سرسبزی وشادابی روحانی حاصل ہوتی ہے اور یہ جمے ہوئے اور مضبوط پہاڑ، عشاق کی ثابت قدمی کی حالت بتاتی ہے۔

غرضکہ ہر چیز سے مقصود عشق اور عشاق کے حال پر دلالت ہے۔ اب مولانا فرماتے ہیں کہ گو رفعت آسمان اور تذلل وشادابی زمین اور قرار جبال امور حسیہ ہیں اور رفعت عشق وتذلل وشادابی وثبات عشاق امر معنوی وعقلی اسلئے کہ یہ ان کی صحیح نظیر نہیں ہو سکتے مگر مقصود محض تقریب فہم ہے اور محاورات میں ایسا کہا جاتا ہے چنانچہ غصہ کو خار سے تشبیہ دیتے ہیں گو غصہ خار نہیں ہوتا۔ مگر اسسے غصہ کی حالت بتلائی جاتی ہے۔ علیٰ ھذا قلب قاسی اور سخت دل کو پتھر کا دل کہتے ہیں گو یہ ٹھیک نہیں ہے لیکن تقریب فہم کے لیے تشبیہ دیتے ہیں اور وجہ ان تقریبی مثالوں کے اختیار کی یہ ہے کہ بیان میں عین حالت عشق وعشاق کی تصویر نہیں کھینچی جاسکتی اس لئے اگر بیان میں کچھ نقص ہو تو اسکو تصور

کا نقصان سمجھو اس حقیقت کو منتفی اور معدوم نہ سمجھو۔

رفتنِ شیخ در خانۂ امیرے بہرِ گدیہ روزے چہار بار با زنبیل

شیخ کا ایک امیر کے گھر پر غیبی اشارے سے چار مرتبہ مع زنبیل کے بھیک

باشارتِ غیب و عتاب کردنِ امیر او را بداں وقاحت

مانگنے جانا اور امیر کا اُن پر اِس بے شرمی کے لئے ناراض ہونا اور

و عذر گفتنِ او امیر را

اُن کا امیر سے معذرت کرنا

شیخ روزے چار کرت چوں فقیر ‏ ‏ بہرِ گدیہ رفت در قصرِ امیر

شیخ ایک دن میں فقیر کی طرح چار مرتبہ ‏ ‏ بھیک کے لئے امیر کے محل میں گئے

در کفش زنبیل و شیٔ للہ زناں ‏ ‏ خالقِ جاں می بجوید تائے ناں

انکے ہاتھ میں زنبیل اور کچھ اللہ کیلئے کا نعرہ لگاتے ہوئے ‏ ‏ جان کا پیدا کرنے والا، ایک روٹی مانگتا ہے

نعلہائے باژگونہ است اے پسر ‏ ‏ عقلِ کُلی را کُند ہم خیرہ سر

اے بیٹا! اُلٹی نعل بندیاں ہیں ‏ ‏ جو کُلی عقل کو بھی حیران کر دیتی ہیں

چوں امیرش دید گفتش اے وقیح ‏ ‏ گویمت چیزے مَنہ نامم شیخ

جب امیر نے اُس کو دیکھا اُس نے کہا، اے بے شرم ‏ ‏ میں تجھ سے ایک بات کہتا ہوں میرا نام بخیل نہ رکھ

اے خسِ بے شرم چندیں جست و جوئے ‏ ‏ تا کے و تا چند بارِ رزق دو توئے

اے کمینہ بے شرم! اتنی بھاگ دوڑ ‏ ‏ کب تک اور کتنی دو گنے رزق کے لئے؟

ایں چہ سغری و چہ رو لیست و چہ کار ‏ ‏ کہ بروزے اندر آئی چار بار

یہ کیا ذِشانی اور کیا مُنہ اور کیا کام ہے؟ ‏ ‏ کہ تو ایک دن میں چار بار آتا ہے

کیست اینجا شیخ اندر بندِ تو ‏ ‏ مَن ندیدم نر گدا مانندِ تو

بڈھے! یہاں تیری قید میں کون ہے؟ ‏ ‏ میں نے تجھ جیسا بُرا فقیر نہیں دیکھا

حُرمت و آبِ گدایاں بُردہ ‏ ‏ ایں چہ عباسیِ زشت آوردہ

تُو نے فقیروں کی عزت اور آبرو برباد کر دی ‏ ‏ یہ کیا بُری عباسیت تو نے اختیار کی

غاشیہ بر دوشِ تو عباس و بس ‏ ‏ ہیچ ملحد را مبادا ایں نفسِ نحس

عباس دبس تو تیرا غلام ہے ‏ ‏ یہ منحوس نفس کسی بے دین کا نہ ہو

گفت امیرا بندہ فرمانم خموش ‏ ‏ نا آتشم آگہ نہ چندیں مجوش

انہوں نے کہا اے امیر! میں حکم کا غلام ہوں، چپ رہ ‏ ‏ تو میری آگ سے آگاہ نہیں ہے اسقدر جوش میں نہ آ

لہ غفتہ۔ انسان کا غُصّہ ایک معنوی چیز ہے لیکن اُس کو کلنے سے تشبیہ دی جاتی ہے دلِ قاسی سخت دل کو پتھر سے تشبیہ دی جاتی ہے اگر مشبّہ بہ سے مشبّہ پورا سمجھ میں نہ آئے تو یہ تشبیہ کا نقصان ہے اس سے مشبّہ کا انکار نہ کرنا چاہئے

لہ رفتنِ شیخ۔ اشارۂ غیبی سے ایک امیر کے گھر پر ایک دن میں چار مرتبہ بھیک مانگنے گئے جس پر اس امیر نے اُن کو بُرا بھلا کہا۔ کرت۔ مرتبہ۔ قصر۔ محل۔ در کفش۔ اُن کے ہاتھ میں زنبیل تھی اور وہ شیٔ للہ کی صدا لگا رہے تھے اور کہہ رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ ایک عدد روٹی مانگتا ہے۔

لہ نعلہائے۔ یہ عجب اُلٹے معاملے ہیں خدا خود غنی اور شیخ مستغنی اور مخلوق محتاج لیکن اللہ کا حکم ہوا کہ شیخ ان محتاجوں سے روٹی مانگیں۔ وقیح بے شرم۔ منہ۔ امیر نے کہا کہ مجھے بخیل نہ کہنا مجھ کو یہ باتیں کہنی پڑ رہی ہیں۔۔۔۔ خس۔ اس امیر نے شیخ کو کہا کمینے روٹی کیلئے بار بار اس قدر تگ و دو کیوں ہے۔۔۔ سغری۔ سخت رُوئی۔ بے حیائی بند تو یہاں کوئی تیرا قیدی اور غلام ہے جو بار بار تیری خدمت کرے۔ نر گدا۔ بڑا بھکاری۔

لہ عباسی۔ عباس دبس مشہور بھکاری تھے اسلئے عباسی کے معنی بھکاری پن ہو گئے غاشیہ گھوڑے کی زین کا نمدہ غاشیہ بر دوش یعنی خادم تجھ۔ بدبخت گفت شیخ نے فرمایا میں یہ

بہرِ ناں در خویش حرص ار دیدمے — اشکمِ نانخوارہ را بدریدمے

اگر میں اپنے اندر روٹی کی حرص دیکھتا — روٹی کھانے والے پیٹ کو پھاڑ ڈالتا

ہفت سال از سوزِ عشقِ جسم پز — در بیاباں خوردہ ام من برگِ رز

جسم کو پکا دینے والی عشق کی گرمی سے سات سال — بن کے جنگل میں انگور کے پتے کھائے ہیں

تا[2] ز برگِ خشک و تازہ خوردنم — سبز گشتہ بود ایں رنگِ تنم

یہاں تک کہ خشک اور تر پتے کھانے سے — میرے جسم کا یہ رنگ سبز ہو گیا

تا تو باشی در حجابِ بوالبشر — سرسری در عاشقاں کمتر نگر

جب تک تو آدمیت کے پردے میں ہے — عاشقوں کو سرسری نظر سے نہ دیکھ

زیرکاں کہ موی بہا بشگافتند — علمِ ہیئت را بجاں در یافتند

ذہین لوگ جنھوں نے موشگافیاں کی ہیں — انھوں نے علمِ ہیئت کو (دل و) جان سے دریافت کرلیا

علمِ نیرنجات[3] و سحر و فلسفہ — گرچہ نشناسند حق المعرفہ

شعبدوں اور جادو اور فلسفہ کا علم — اگرچہ پورے طور پر وہ نہ جان سکے

لیک کوشیدند تا امکانِ خود — برگذشتند از ہمہ اقرانِ خود

لیکن اپنے مقدور بھر انھوں نے کوشش کی — اپنے تمام ساتھیوں سے آگے بڑھ گئے

عشقِ غیرت کرد و زایشاں در کشید — شد چنیں خورشید زایشاں ناپدید

عشق نے غیرت کی اور اُن سے جدا رہا — ایسا سورج اُن سے پوشیدہ ہو گیا

نورِ چشمے کہ بروز استارہ دید — آفتابے چوں ازو رو در کشید

آنکھ کی وہ روشنی جس نے دن میں ستارہ دیکھ لیا — ایسا سورج اُس سے کیوں چھپ گیا!

زیں گذر کن پندِ من بپذیر ہیں — عاشقاں را تو بچشمِ عشق بیں

اس کو چھوڑ، ہاں میری نصیحت مان لے — تو عاشقوں کو عشق کی نظر سے دیکھ

وقتِ[4] نازک گشتہ و جاں در لحد — با تو نتواں گفت ایں دم عذرِ خود

وقت نازک ہو گیا اور جان اختصار میں ہے — اس وقت تجھ سے اپنا عذر نہیں بیان کیا جا سکتا

فہم کن موقوف آں گفتن مباش — سینہائے عاشقاں را کم خراش

سمجھ لے، کہنے پر موقوف نہ رہ — عاشقوں کے سینے کو زخمی نہ کر

نے گمانے بردۂ تو زیں نشاط — حزم را مگذار و میکن احتیاط

نہیں، تو نے عیش و عشرت میں بدگمانی کی ہے — پختہ کاری کو نہ چھوڑ اور احتیاط کر

واجب[5] ست و جائز ست و مستحیل — ایں قسط را گیر در حزم اے جلیل

فرض ہے اور جائز ہے اور حرام ہے — اے دوست! احتیاط میں کیا اس درمیانہ کو اختیار کرلے

بیشک اللہ کے حکم سے مانگتا ہوں میرے دل میں عشق کی آگ لگی ہے۔ بہرِ ناں۔ اگر میں اپنے اندر روٹی کی حرص دیکھوں تو اپنا پیٹ پھاڑ دوں ہفت۔ میں نے سات سال تک جنگل میں انگور کے پتوں پر گزارہ کیا ہے۔

[2] تا ز برگ۔ یعنی سبز پتے کھانے سے بدن کا رنگ سبز ہوگیا یا بدن میں خوشحالی ہوگئی۔ ابوالبشر۔ حضرت آدم یہاں مطلقاً انسان مراد ہے۔ زیرکاں۔ ذہین لوگ جو بال کی کھال نکالتے ہیں انھوں نے بہت دنیوی علم حاصل کئے لیکن انکو عشق کا علم حاصل نہ ہوسکا۔

[3] نیرنجات۔ شعبدے۔ اقران۔ ساتھی۔ عشق۔ عشق کی غیرت کا تقاضہ ہوا اور ان کی آنکھوں سے پوشیدہ رہا تعجب حیرت یہ ہے کہ یہ لوگ بڑے بلیک بین تھے لیکن انکو عشق نظر نہ آیا۔ زیں۔ یعنی اسلئے۔

[4] وقتِ نازک۔ شیخ نے امیر سے کہا میں اپنے عشق کی پوری کیفیت بیان نہیں کرسکا۔ فہم کن۔ سمجھ لے یہ بھکاری ہیں مجھ سے عشق کا کلام ہے سے کہلانے۔ تو نے اپنی عیش و عشرت کی زندگی کی وجہ سے مجھ پر بدگمانی کی ہے تجھے اس میں احتیاط برتنی چاہیئے۔

[5] واجب۔ حزم۔ احتیاط کے مختلف مرتبے ہیں ایک فرض ہے مثلاً اگر کوئی فاسق اور کاذب خبر دے تو احتیاط فرض ہے اگر کوئی نیک آدمی خبر دے تو احتیاط جائز ہے، اگر خدا اور رسول کوئی خبر دے

تو اس میں احتیاط برتنا حرام ہے۔ مستحیل۔ ناممکن یعنی حرام۔ جلیل یعنی دوست۔ قسط۔ حصہ۔ درمیانہ۔ تصرف۔ غرض کرنا۔

شرح ایک روز کا واقعہ ہے کہ شیخ مذکور ایک امیر کے مکان پر چار مرتبہ فقیرا سوال کرنے گئے ان کے ہاتھ میں جھولے تھے اور وہ کہہ رہے تھے کہ خدا کے لیے کچھ دلوائیے۔ اب مولانا تعجب فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ دیکھو! کیسی عجیب بات ہے کہ روٹی کا پیدا کرنے والا روٹی مانگ رہا ہے۔ صاحبو! یہ اُلٹی باتیں ہیں جو کہ عقل کل کو بھی مخبوط الحواس کر دیتی ہیں (فائدہ: یہاں چند امور توضیح طلب ہیں امر اوّل یہ کہ شیخ کے فعل کو حق سبحانہٗ کی طرف کیوں منسوب کیا اس کی وجہ یہ ہے کہ شیخ فانی تھے اسلئے ان کا فعل گویا کہ حق سبحانہٗ کا فعل تھا یعنی چونکہ یہ گدائی بامر حق سبحانہٗ تھی اسلئے گویا کہ خدا ہی مانگ رہا تھا۔ دوم یہ کہ عقل کل سے اس مقام پر عقل معاش کامل مراد ہے اور مقصود یہ ہے کہ دنیا میں بہت سی ایسی الٹی باتیں ہیں جن کی حقیقت اہل دنیا کو خواہ وہ کتنی ہی بڑی عاقل ہوں نہیں معلوم ہو سکتی)

خیر جبکہ امیر نے اُسے دیکھا تو کہا کہ ارے بے حیا! میں تجھ سے ایک بات کہتا ہوں مگر تو مجھے کنجوس نہ کہنا کیونکہ اس کا منشا کنجوسی نہیں ہے بلکہ تیری خیر خواہی ہے وہ بات یہ ہے کہ ارے ذلیل اور بے شرم تو رزق کی اس قدر تلاش المضاعف فریب کے ساتھ کب تک کرے گا یہ کیا بے حیائی اور کیا منہ اور کیا حرکت ہے کہ دن میں چار مرتبہ آئے۔ یہاں کون آپکے فکر میں ہے اور کون روٹی لئے ہوئے بیٹھا ہے کہ جس وقت آپ آئیں کھانا آپکو تیار ملے [فائدہ: کیست اینجا شیخ اندر بند تو" کے بعض محشیں نے یہ معنی لکھے ہیں کہ یہاں آپ کا کون مرید اور معتقد ہے واللہ اعلم) میں نے اپنی عمر میں تجھ سا بڑا بھکاری نہیں دیکھا تو نے بھکاریوں کی آبرو خاک میں ملادی۔ ارے تو نے یہ کیا بری گداگری اختیار کی ہے عباس دُبسی جو کہ گداگری میں ضرب المثل تھا تو تو اس سے بھی بڑھ گیا اور وہ بھی تیرا غلام ہو گیا خدا نہ کرے کہ کسی کا فر کا بھی ایسا منحوس نفس ہو — یہ ملامت سنکر شیخ نے فرمایا کہ اے امیر! خاموش رہ۔ میں بحکم خداوندی ایسا کرتا ہوں اور تم میرے آگ سے واقف نہیں ہو۔ پس اس قدر غصہ نہ کرو اگر میں اپنے اندر روٹی کی حرص دیکھتا تو بجائے اسکے بھیک مانگوں۔ میں اس روٹی کھانے والے پیٹ ہی کو پھاڑ ڈالتا۔ جناب!

میری تو یہ حالت ہے کہ جسم کو پگھلا دینے والے عشق کے جلن کے سبب میں نے سات برس تک جنگل میں انگور کے پتے کھائے ہیں۔ یہاں تک کہ خشک اور سبز پتوں کے کھانے سے میرے جسم کا رنگ سبز ہو گیا تھا۔ پھر میں کیا روٹی کی حرص کروں گا پس جب تک تو انسانیت کے جامہ میں ہے (تاکہ تو انسانیت کے جامہ میں رہے) عشاق کو سرسری نظر سے نہ دیکھنا۔ کیونکہ ان کی حالت کا معلوم ہونا سخت دشوار ہے چنانچہ وہ عقلاء جنہوں نے موشگافیاں کیں۔ اور علم ہیئت اور علم نیرنجات اور علم سحر اور علم فلسفہ کو دل و جان سے دریافت کیا اور گو وہ ان کو جیسا جاننا چاہیئے ویسا نہ جان سکے مگر انہوں نے اس کے جاننے میں امکانی کوشش کی اور اپنے اقران پر فائق ہو گئے عشق نے غیرت کی ...... اور ان سے کھینچ لیا اور ایسا آفتاب تاباں ان کی نظر سے مخفی ہو گیا۔ نیز بوعلی سینا کی وہ آنکھ جو دن کو ستارہ دیکھتی تھی تو دیکھ لے تو ایک آفتاب نے اس کے کیسے منہ پھیر لیا اور اس کو محسوس نہ ہوا۔ پھر تیری تو کیا حقیقت ہے پس تو اپنی اس روش کو چھوڑ! میرا کہنا مان اور عاشقوں کو عشق کی نظر سے دیکھ! یعنی جس طرح عشق ان کی قدر و منزلت کرتا ہے تو بھی ان کی وقعت کر۔ یا یہ کہ تو بھی عشق حاصل کر اور پھر ان کو دیکھ! عشاق پر وقت نازک ہوتا ہے اس کی جان جلوۂ جاناں کی مترصد و منتظر ہوتی ہے اسلئے وہ اس وقت اپنا عذر نہیں بیان کر سکتے پس تم قرائن و احوال سے اس کو سمجھ لیا کرو اور خود ان کے کہنے پر نہ رہا کرو کہ وہ بھی اپنی حالت بیان کریں اور معذوری ظاہر کریں تو سمجھو ورنہ نہیں۔ ایسا نہ کیا کرو۔ اور عشاق کے سینوں کو طعن ملامت سے زخمی نہ کیا کرو جیسا.. اس وقت تم نے کیا ہے۔ اچھا بتلاؤ کیا تم نے میری گداگری سے طلب عیش و عشرت کا خیال نہیں کیا اور یہ نہیں سمجھا کہ مجھے اس سے تعیش و تلذذ مقصود ہے ضرور کیا ہے۔ اور یہ ایک بدگمانی ہے جو کہ حزم کے خلاف ہے پس تم حزم کو ہاتھ سے نہ دو اور احتیاط رکھو۔ تم کو واضح ہو کہ امور تین قسم کے ہوتے ہیں۔ واجب، ممکن، ممتنع۔ پس باب حزم میں تم نیچ کا درجہ لے لو .... مثلاً اگر کوئی گدا تمہارے پاس آئے تو اس وقت تین صورتیں ہیں اول یہ کہ اس کا کامل ہونا واجب ہو۔ دوم یہ کہ اس کا کمال

ممکن ہو۔ سوئم یہ کہ اس کا کمال محال ہو۔ پس احتیاط یہ ہے کہ تم اوسط درجہ لے لو اور سمجھو کہ ممکن ہے کہ کامل ہو اور ممکن ہے کہ نفس پرست ہو اور اس بنا پر تم اس کی تذلیل اور توہین نہ کرو (ھٰذا ھو المرام والمحشون خبطوا فی ھذا المقام)

گریاں شدن امیر از نصیحت شیخ و عکس صدق او و ایثار
شیخ کی نصیحت اور ان کی سچائی کے پرتو سے امیر کا رو پڑنا اور جرأت

کردن مخزن بعد ازاں جرأت و گستاخی و استعصام شیخ
اور گستاخی کے بعد خزانہ پیش کر دینا اور شیخ کا بچنا اور شیخ کا

و قبول ناکردن شیخ و گفتن کہ من بے اشارت نیارم
قبول نہ کرنا اور فرمانا کہ میں بغیر اشارے خرچ نہیں کر سکتا ہوں

تصرف کردن کہ بے امر غیب نستانم
کیونکہ میں بغیر غیبی حکم کے نہیں لے سکتا ہوں

ایں[5] بگفت و گریہ در شد ہائے ہائے
یہ فرمایا اور ہائے ہائے کر کے رونے لگے

اشک غلطاں بر رخ او جائے جائے
جگہ جگہ ان کے چہرے پر آنسو بہ رہے تھے

صدق او ہم بر ضمیر میر زد
ان کی سچائی نے امیر کے دل پر بھی اثر کیا

عشق ہر دم طرفہ دیگے میپزد
عشق ہر وقت ایک عجیب رنگ پکاتا ہے

صدق عاشق بر جمادے می تند
عاشق کی سچائی پتھر پر اثر کرتی ہے

چہ عجب گر بر دل دانا زند
کیا تعجب ہے اگر عقلمند کے دل پر اثر کرے

صدق موسیٰ بر عصا و کوہ زد
حضرت موسیٰ کی سچائی نے لاٹھی اور پہاڑ پر اثر کیا

بلکہ بر دریائے پر اشکوہ زد
بلکہ ہیبتناک دریا پر اثر کیا

صدق احمد بر جمال ماہ زد
حضرت احمد کی سچائی نے چاند کے حسن کو متاثر کیا

بلکہ بر خورشید رخشاں راہ زد
بلکہ روشن سورج کا راستہ روک دیا

رو[6] برو آوردہ ہر دو در نفیر
آمنے سامنے دونوں رونے (اور) فریاد کرنے لگے

گشتہ گریاں ہم امیر و ہم فقیر
امیر اور فقیر بھی رو پڑا

ساعتے بسیار چوں بگریستند
جب بہت دیر تک روئے

گفت میر او را کہ خیز اے ارجمند
امیر نے ان سے کہا اے اقبالمند اٹھو

ہر چہ خواہی از خزانہ برگزیں
جو چاہو خزانے سے لے لو

گرچہ استحقاق داری صد چنیں
اگرچہ ایسے سو گنے کے مستحق ہو

---

[5] ایں بگفت۔ شیخ نے امیر کو نصیحت کی اور پھر زار زار رونے لگے۔ صدق او۔ ان کی سچائی نے امیر پر اثر کیا۔ صدق عاشق۔ عاشق کی سچائی غیر جاندار کو بھی متاثر کر دیتی ہے امیر تو پھر جاندار تھا۔ صدق موسیٰ۔ حضرت موسیٰ کی سچائی نے لاٹھی اور پہاڑ کو متاثر کر دیا لاٹھی اژدہا بنی کوہ طور میں زلزلہ آ گیا۔ بلکہ بر دریا نیل نے راستہ دے دیا۔ صدق احمد۔ حضور کی سچائی سے شق القمر ہوا اور سورج واپس ہو گیا۔

[6] رو برو۔ اب شیخ بھی رو رہے تھے اور امیر بھی رو رہا تھا سامنے۔ جب بہت دیر تک دونوں رو چکے تو امیر نے شیخ سے کہا کہ اگرچہ آپ میرے خزانہ سے سو گنے کے مستحق ہیں لیکن بہر حال میرا خزانہ حاضر ہے اس میں سے جو چاہیں لے لیں۔ خانہ۔ امیر نے کہا میرے گھر کو اپنا گھر سمجھیں جو چاہے لیں آپ کیلئے تو دونوں جہاں حقیر ہیں۔ گفت۔ شیخ نے فرمایا مجھے خدا کا یہ حکم نہیں ہے کہ میں اپنے ہاتھ سے خود لوں۔ خیلتانہ۔ دستانہ۔

خانہ آنِ تست ہر چت مَیل ہَست
آپ کا گھر ہے، جو آپ کی خواہش ہے

بَرگزیں خود ہَر دو عالم اندکست
خود پسند کر لیجئے، دونوں جہان تھوڑے ہیں

گفت دستوری نداد ندم چُنیں
فرمایا، اُنھوں نے ایسی اجازت نہیں دی ہے

کہ بدستِ خویش چیزے برگزیں
کہ اپنے ہاتھ سے کوئی چیز لے لینا

من زخود نتوانم ایں کردن فضول
میں یہ بیہودہ بات اپنی جانب سے نہیں کرسکتا

کہ کُنم من ایں دخیلانہ دخول
کریں دوستانہ دخل دوں

ایں[۲] بہانہ کرد و مُہرہ دَر رَبود
یہ بہانہ کیا اور وہ بازی جیت گئے

مانعِ آں بُد کاں عطا صادق نبُود
مانع یہ تھا کہ وہ بخشش پُر خلوص نہ تھی

گرچہ صادق بُود بے غل بُود و خشم
اگرچہ وہ سچا، بے کھوٹ اور بغیر غصہ کے تھا

شیخ را ہر صدق می ناید بچشم
لیکن، ہر سچ شیخ کی نظر میں نہیں آتا

گفت فرمانم چُنیں داد ست آکہ
فرمایا، مجھے خدا نے یہی حکم دیا ہے

کہ گدایانہ برو نانے بخواہ
کہ فقیرانہ جا، روٹی مانگ

ماگدایانہ ازاں درخواستیم
ہم نے اسی وجہ سے فقیروں کی طرح درخواست کی

ورنہ از اَموال بے پَروائیم
ورنہ ہم مالوں سے بے پروا ہیں

[۲] ایں بہانہ۔ شیخ نے یہ بہانہ کیا شیخ کو دراصل لینا ہی منظور نہ تھا اسلئے کہ طلب امیر کی عطا اسکے لئے نہ تھی بلکہ شیخ کی غفلت کی وجہ سے شیخ کیلئے تھی۔ مُہرہ در رَبود یعنی وہ شطرنج کی چال چلے جس سے مخالف مات کھاجائے۔ گرچہ۔ امیر اگرچہ اپنے قول میں سچا تھا لیکن شیخ نے اس سچائی کو پسند نہ کیا اسلئے کہ اسمیں غیر اللہ کی بو تھی۔ ماگدایانہ۔ شیخ نے کہا ہم خدائی حکم سے صرف بھیک مانگتے ہیں ورنہ ہم مالوں سے بے نیاز ہیں

شرح

شیخ نے یہ تقریر کی اور امیر نے ہائے ہائے کرکے رونا شروع کیا اور اسکے رخساروں پر جگہ جگہ آنسو ڈھل رہے تھے۔

بات یہ تھی کہ شیخ کے خلوص نے امیر کے دل پر اثر کیا تھا۔ واقعی عشق بھی عجیب چیز ہے کہ یہ ہر دم ایک عجیب ہانڈی پکاتا اور ہر وقت ایک نیا گُل کھِلاتا ہے۔ دیکھو! امیر دو منٹ پہلے کیا تھا اور اب کیا ہوگیا تم اس سے متعجب نہ ہونا۔ کیونکہ سچائی اور خلوص کا اثر تو جمادات پر ہوتا ہے۔ پھر اگر وہ اس نے ایک ذی شعور کے دل پر اثر کیا تو تعجب کی کیا بات ہے۔ دیکھو! موسیٰ علیہ السلام کے صدق نے لاٹھی اور پہاڑ پر اثر کیا۔ چنانچہ لاٹھی اژدہا بن گئی اور سرکشوں کی سرکوبی کے لئے پہاڑ اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔ کما قال اللہ تعالیٰ ورفعنا فوقھم الطور۔ بلکہ اس کا اثر پرشکوہ سمندر پر ہُوا کہ وہ خشک ہوگیا نیز جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلوص نے چاند کے حُسن پر اثر کیا۔ کہ چاند ٹکڑے ہوگیا بلکہ آفتاب رخشاں کا راہ ماردیا کہ اسکو آگے چلنے سے روک کر پیچھے ہٹادیا۔ (فائدہ

اس میں اشارہ ہے ایک روایت کی طرف جس کا مضمون یہ ہے کہ ایک روز جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے زانو پر سر رکھے سوئے ہوئے تھے کہ آفتاب غروب ہوگیا اور حضرت علیؓ کی نماز عصر کی نماز قضا ہوگئی - جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی کہ اے اللہ! تو آفتاب کو لوٹا دے اس پر آفتاب لوٹ آیا۔

یہ واقعہ گو فی نفسہ ممکن ہے۔ مگر محققین نے اسکے موضوع ہونے کی تصریح کی ہے گو بعض محققین نے تعدد طرق سے دھوکا کھا کر اسکو صحیح یا حسن بھی کہا ہے مگر میرے نزدیک یہ واقعہ حضرات شیعہ کا تراشا ہوا ہے جو لباس سنن پہن کر ابن سبا کے اختراعی دین کی ترویج من ہمہ تن کوشاں تھے۔ واللہ اعلم) خیر وہ آپس میں ایک دوسرے کی طرف منہ لئے ہوئے رو رہے تھے اور امیر بھی رو رہا تھا اور شیخ بھی۔ جب ایک عرصہ تک رو چکے تو امیر نے ان سے کہا گو میرا خزانہ آپکے قابل نہیں ہے اور آپ اسکے مستحق ہیں کہ ایسے سینکڑوں خزانہ آپ کو دیے جائیں مگر آپ تشریف لے چلیں اور جس قدر آپ چاہیں۔ میرے خزانہ سے لے لیں میرا مکان آپ ہی کا مکان ہے پس آپ تکلف کو کام نہ فرمائیں اور وہاں چلکر آپ جو چاہیں لے لیں گو میرا خزانہ آپکے لائق نہیں ہے کیونکہ آپکے سامنے ہر دو عالم بے حقیقت ہیں انہوں نے جواب دیا کہ مجھے اسکی اجازت نہیں ہے اور مجھ سے یہ نہیں کہا گیا کہ جو چاہو لے لو۔ اسلئے میں یہ بیہودگی نہیں کر سکتا۔ کہ مداخلت بیجا کروں۔ یہ عذر کیا اور بچ گئے اور اس طرح اس معرکہ میں بازی جیت ... لینے سے مانع یہ تھا کہ وہ عطا صدق کامل کا ناشی نہ تھی اسلئے کہ وہ غلبہ حال میں تھی پس ممکن تھا کہ بعد کو پچتانا گو اسوقت وہ عطا صدق دل سے تھے اور اسوقت دل میں کوئی کھوٹ یا ناخوشی نہ تھی مگر ہر صدق شیخ کی نظر میں نہیں آتا۔ بلکہ وہ صدق کامل دیکھتا ہے بنا بریں انہوں نے عذر کر دیا اور کہدیا کہ مجھے تو حق سبحانہٗ کا یہ حکم ہے کہ فقیرانہ جاؤ اور روٹی مانگو اور اسی لیے ہم گدایانہ سوال کرتے ہیں ورنہ ہمیں مال کی ضرورت نہیں ہے۔

اِشارت آمدن از غیب شیخ کہ ایں دُو سال بفرمان

شیخ کو غیب سے اشارہ ہونا کہ ہمارے حکم کے مطابق ان دو سال میں تم

مابستدی وبدادی[۵۳] بعد ازیں بدہ و مستاں دست در

نے لیا اور دیا اس کے بعد دو اور لو نہیں بوریئے کے نیچے ہاتھ

زیرِ حصیر میکن کہ آنرا چوں اَنبانِ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ

ڈالو کیونکہ ہم نے اس کو تمہارے لئے (حضرت) ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے

کردیم درحقِ تو ہرچہ خواہی بیابی تا یقین شود عالمیاں راکہ

تھیلے کی طرح کر دیا ہے، تم جو چاہو گے لے لو گے تاکہ دنیا والوں کو یقین آجائے کہ اس

ورائے ایں عالم عالمے[۵۴] ست کہ خاک بکف گیری زر شود و

عالم کے علاوہ کوئی عالم ہے جس میں تم مٹی ہاتھ میں لو تو سونا ہو جائے اور

مُردہ در و آید زندہ شود و نحسِ اکبر دُرو آید سعدِ اکبر شود و کفر

مُردہ اُس میں آجائے تو زندہ ہو جائے نحس اکبر اُس میں آئے تو سعد اکبر بن جائے کفر

دُرو آید ایمان شود و زہر دُرو آید تریاق شود نہ داخلِ ایں

اُس میں آئے تو ایمان بن جائے زہر اُس میں آئے تو تریاق بن جائے وہ نہ اس عالم میں

عالم است نہ خارجِ ایں عالم نہ فوق نہ تحت نہ متصل

داخل ہے، نہ اس عالم سے خارج نہ اوپر نہ نیچے نہ ملا ہوا نہ جُدا

نہ منفصل بیچوں و بیچگونہ — ہردم ازو ہزار اثر و نمونہ

بے مثال اور بے کیف ہے ہر وقت اُس سے ہزاروں اثر اور نمونے

ظاہر میشود چنانکہ صنعتِ دست با صورتِ دست و غمزہ

ظاہر ہوتے رہتے ہیں جیسے کہ ہاتھ کی دستکاری ہاتھ کی صورت کے ساتھ اور آنکھ

چشم با صورتِ چشم و فصاحتِ زبان با صورتِ زبان نہ

کی ادا، آنکھ کی صورت کے ساتھ اور زبان کی فصاحت، زبان کی صورت کے ساتھ نہ

داخل ست نہ خارج نہ متصل و نہ منفصل والعاقل تکفیہ الاشارۃ

داخل ہے نہ خارج ہے نہ متصل ہے نہ جدا ہے اور عقلمند کے لئے اشارہ کافی ہے

تا[۵۵] دو سال ایں کار کرد آں مردِ کار — بعد ازاں امر آمدش از کردگار

اُن کارگزار نے دو سال تک یہ کام کیا — اُس کے بعد اُن کو خدا کا حکم پہنچا

بعد ازیں می دہ ولے از کس مخواہ — ما بدادیمت زغیب ایں دستگاہ

اس کے بعد دے، لیکن کسی سے نہ مانگ — ہم نے تجھے غیب سے یہ قدرت دی ہے

---

۵۳ و بدادی۔ دو سال بھیک منگوانے کے بعد شیخ کو حکم ہوا کہ اب تک تو تم نے مانگا اور فقیروں کو دیا اب بغیر مانگے فقیروں کو دو بوریئے کے نیچے ہاتھ ڈال کر نکال لیا کرو اور بانٹ دیا کرو۔ انبان۔ تھیلا۔ بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضور نے حضرت ابوہریرہ کو کھجوروں کا ایک تھیلا عنایت فرما دیا تھا وہ انہیں سے بے حساب کھاتے اور خرچ کرتے رہتے تھے وہ تھیلا اُن سے حضرت [illegible]

۵۴ عالمے ست۔ عالم اسباب کے علاوہ ایک دوسرا عالم ہے جہاں اشیاء کا وجود بغیر کسی سبب عادی کے ہو جاتا ہے اور اُس کا ظہور اس عالم میں ہو جاتا ہے معجزوں کا تعلق اُسی عالم سے ہے اور اس عالم میں بھی اس کا ظہور ہو جاتا ہے۔ نحسِ اکبر زحل ستارہ اس کے اثرات منحوس مانے گئے ہیں۔ سعدِ اکبر مشتری ستارہ اس کے اثرات اچھے مانے گئے ہیں۔

۵۵ تا دو سال۔ دو سال تک شیخ محمد سرزی کا یہ طریقہ کار رہا کہ وہ بھیک مانگتے تھے اور اُس کو غریبوں اور محتاجوں میں تقسیم کر دیتے تھے بعد کو دو سال بعد اُن کو حکم ہوا کہ اب تم لوگوں سے نہ مانگو بلکہ تمہیں خود دیں گے تم فقیروں محتاجوں میں وہ تقسیم کر دیا کرو۔

هر کہ خواہد از تو[۵۳] از یک تا ہزار — دست در زیرِ حصیرے کُن بر آر
جو تجھ سے ایک سے ہزار تک مانگے — بوریئے کے نیچے ہاتھ ڈال، نکال لے

ہیں ز گنجِ رحمتِ بے مر بدہ — در کفِ تو خاک گردد زر بدہ
رحمت کے بے حساب خزانہ سے دے — تیرے ہاتھ میں مٹی سونا بن جائیگی، دے

ہر چہ خواہندت بدہ مندیش ازاں — دادِ یزداں را تو بیش از بیش داں
جو تجھ سے مانگیں دے، اُس کی فکر نہ کر — تو خدا کی عطا کو بیش از بیش سمجھ

در عطائے ما نہ تخسیر[۵۴] و نہ کم — نے پشیمانی نہ حسرت زیں کرم
ہماری عطا میں نہ ٹوٹا ہے اور نہ کمی — اس عطا میں نہ شرمندگی ہے، نہ حسرت

دست زیرِ بوریا کن اے سند — از برائی روئے پوشِ چشمِ بد
اے معتمد! بوریے کے نیچے ہاتھ کر — بُری نظر سے پردے کے لئے

پس ز زیرِ بوریا پُر کن تو مشت — دہ بدستِ سائلِ بشکستہ پشت
پھر تو بوریے کے نیچے سے مٹھی بھرے — کمر ٹوٹے ہوئے مانگنے والے کے ہاتھ میں دیدے

بعد ازیں از اجرِ ناممنوں بدہ — ہر کہ خواہد گوہرِ مکنوں بدہ
اس کے بعد ختم نہ ہونے والا اجر دے — جو چاہے اُس کو اچھوتا موتی دے

رو، یَدُ اللّٰہِ فَوْقَ اَیْدِیْھِمْ تو باش — ہمچو دستِ حق گزافہ رزق پاش
جا ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ بن — اللہ کے ہاتھ کی طرح مفت رزق بانٹ

وام داران[۵۵] را ز عہدہ وا رہاں — ہمچو باراں سبز کن فرشِ جہاں
قرض داروں کو ذمہ داری سے چھڑا — دنیا کی زمین کو بارش کی طرح سبز کر دے

بُود یک سال دگر کارش ہمیں — کہ بدادے زر ز کیسہ ربِّ دیں
ایک سال اور اُن کا یہی کام رہا — دین کے رب کی تھیلی میں سے سونا بانٹتے

زر شدے خاکِ سیہ اندر کفش — حاتمِ طائی گدائے در صفش
کالی مٹی اُن کے ہاتھ میں سونا بن جاتی — حاتم طائی اُنکے بھیک مانگنے والوں کی صف میں تھا

۵۳ ہر کہ۔ اللہ تعالے نے شیخ سے فرمایا کہ تم اپنے بوریے کے نیچے سے جو چاہو اور جس قدر چاہو نکال کر تقسیم کر دیا کرو۔ در کف تو۔ تم مٹی ہاتھ میں لوگے تو سونا بن جائیگی۔

۵۴ تخسیر ٹوٹا۔ دست بوریے کے نیچے ہاتھ ڈالنے کا حکم محض نظر بد سے بچانے کے لئے ہے ناممنون۔ جو منقطع نہ ہو۔ مکنون۔ چھپا ہوا۔ تو باش تیرا ہاتھ خدا کا ہاتھ ہے جو مفت عطایا کرتا ہے

۵۵ وام داراں۔ مقروضوں کا قرض ادا کر۔ بود۔ ایک سال تک شیخ کا یہی کام تھا کہ بوریئے کے نیچے سے نکال کر ضرورتمندوں کو دیتے رہتے تھے۔ حاتم۔ حاتم طائی جیسا سخی بھی اُن کے بھکاریوں کی صف میں ہوتا تھا۔

۵۶ دانستن۔ شیخ فقیر کی ضرورت خود بخود جان جاتے تھے اور حسب ضرورت اسکو دیدیتے تھے اور اُس کی وجہ تھی کہ وہ اللہ تعالٰے کی صفات سے متصف ہو چکے تھے۔ نا گفتہ۔ خود سائل اپنی حاجت نہ بیان کرتا وہ اُس کے دل کی بات جان جاتے تھے جس قدر قرض ہوتا وہ ادا کر دیتے جتنی رقم میں کوئی قید ہوتا اسکو دیدیتے۔

دانستنِ[۵۶] شیخ ضمیرِ سائل را بے گفتن و دانستن قدرِ وامِ وامداراں

بغیر کہے شیخ کا سائل کے دل کی بات جان لینا اور مانگے بغیر قرض خواہوں اور قرض کی مقدار

بے گفتنِ ایشاں و گفتن کہ نشانِ ایں باشد کہ اُخرُجْ

کو جان لینا اور کہنا کہ علامت یہ ہوتی ہے کہ میری مخلوق کی جانب میری

بِصِفَاتِیْ اِلٰی خَلْقِیْ فَمَنْ رَاٰکَ فَقَدْ رَاٰنِیْ

صفات کے ساتھ نکل جس نے تجھے دیکھا اُس نے مجھے دیکھ

حاجتِ خود گر نگفتے آں فقیر   اُو بدادے و بدانستے ضمیر
اگر فقیر اپنی ضرورت نہ بتاتا   وہ دے دیتے اور دل جان جاتا

پیشِ اُو روشن ضمیرِ ہر کسے   از فقیر و وام دار و محتسبے[1]
اُن کے لئے ہر شخص کے دل کی بات روشن تھی   فقیر اور قرض خواہ اور فسیدی کی

آنچہ در دل داشتے آں پشت خم   قدرِ آں دادے بدونے بیش و کم
وہ ڈبری کمر والا جو دل میں رکھتا   اُس کی بقدر اُس کو دیدیتے نہ زیادہ نہ کم

پس بگفتندے چہ دانستی کہ اُو   ایں قدر اندیشہ دارد اے عمو
تو بزرگوں نے اُن سے کہا آپ کیسے جان لیتے ہیں   اے چچا! کہ وہ اس قدر سوچتا ہے؟

اُو بگفتے خانۂ دل خلوت ست   خالی از کدیہ مثالِ جنت ست
وہ فرماتے، کہ دل کا گھر خالی ہے   جو سوال سے خالی ہو وہ جنت کی طرح ہے

اندرو جز عشقِ یزداں کار نیست   جز خیالِ وصلِ اُو دیار نیست
اُس میں خدا کے عشق کے سوا کام نہیں ہے   وصل کے خیال کے سوا اُس میں کوئی رہنے والا نہیں ہے

خانہ را من روفتم از نیک و بد   خانہ ام پُرست از عشقِ احد
میں نے اچھے بُرے سے گھر کو صاف کر لیا ہے   میرا گھر خدا کے عشق سے پُر ہے

ہرچہ[2] بینم اندرو غیرِ خدا   آں من نبود بود عکسِ گدا
میں اس میں خدا کے علاوہ جو کچھ دیکھتا ہوں   وہ میرا نہیں ہوتا، فقیر کا عکس ہوتا ہے۔

گر در آبے نخل یا عرجوں نمود   جز ز عکسِ نخلۂ بیروں نبود
اگر پانی میں کھجور کا درخت یا شاخ نظر آئی   باہر کے کھجور کے درخت کے عکس کے سوا نہ تھا

در تگِ آب ار بہ بینی صورتے   عکسِ بیروں باشد آں نقش اے فتے
پانی کی تہہ میں اگر تو کوئی صورت دیکھے   اے نوجوان! وہ نقش باہر کا عکس ہوگا

لیک تا آب از قذی خالی شدن   تنقیہ شرط ست در جوئے بدن
لیکن پانی کے کوڑے کرکٹ سے خالی ہونے تک   بدن کی نہر کی صفائی ضروری ہے

تا[3] نماند تیرگی و خس درو   تا امیں گردد نماید عکسِ رو
تاکہ اس میں کدورت اور گھاس (پھونس) نہ رہے   حتیٰ کہ وہ امین بن جائے (اور) چہرے کا عکس دکھائے

جز گلابہ در تنت کو اے مُقل   آب صافی کن ز گل اے خصمِ دل
اے مفلس! کیچڑ کے سوا تیرے بدن میں کیا ہے؟   اے دل کے دشمن! پانی کو مٹی سے صاف کرنے

تو بر آنی ہر دمی کز خواب و خور   خاک ریزی اندریں جو بیشتر
تیرا یہ حال ہے کہ سونے اور کھانے سے   اس نہر میں اور زیادہ مٹی ڈالتا ہے

---

[1] محتسب، مصدر بمعنی مفعول قرار دے کر ہم نے تیدی کا ترجمہ کیا ہے۔ پشت خم یعنی بوجھ سے دبا ہوا۔ پس بگفتندے۔ لوگوں نے اُن سے معلوم کیا کہ آپ دل کی بات کیسے جان لیتے ہیں۔ او بگفتے۔ وہ شیخ جواب میں کہتے کہ ہم لوگوں کا دل جنت کی طرح احتیاج سے خالی ہے اُس میں سوائے عشقِ خداوندی کے کوئی چیز نہیں ہے ہم نے اپنے دل کو عشقِ خداوندی کے سوا سے بالکل خالی کر لیا ہے۔

[2] ہرچہ۔ اب ہمارے دل میں جو کچھ ہوتا ہے وہ فقیر کا عکس ہوتا ہے اس وجہ سے ہم اس کی سب ضرورت جان لیتے ہیں۔ گر در آب۔ پانی صاف چیز ہے اُس میں اگر کھجور کا درخت نظر آئے گا تو وہ باہر کا عکس ہوگا اور پانی میں جو تصویر بھی دیکھو گے وہ باہر کا عکس ہوگی لیکن دل کو صاف کرنے کیلئے مجاہدات کے ذریعہ اس کا تنقیہ ضروری ہے۔

[3] تا نماند۔ جب اُس میں خود گدلا پن نہ رہے گا تب اُس میں بیرونی عکس نظر آسکے گا۔ جز گلابہ۔ انسان کا بدن کیچڑ سے بنا ہے اُس کی صفائی کے لئے بہت محنت درکار ہو۔ تو بر آنی۔ تو ہر وقت خواب و خور میں لگا ہوا ہے جس سے اُس کی کدورت میں اور اضافہ ہوتا ہے

سببِ دانستنِ ضمیر ہائے خلق

لوگوں کے دل کی بات جاننے کا سبب

چوں دلِ آں آب ازیںہا خالیست[1] | عکسِ رُوہا از بروں در آب جست
جب اس پانی کا دل ان سے خالی ہے | تو باہر سے چہروں کا عکس پانی میں جا پڑا

پس مُصفا کُن درونِ خویش را | تا بدانی سرِ ہر درویش را
تو اپنے باطن کو صاف کرے | تاکہ تو ہر فقیر کے دل کی بات جان لے

پس تُرا باطن مُصفا ناشُدہ | خانہ پُر از دیو و نسناس و دَدہ
تیرا باطن مُصفّیٰ نہیں ہوا | بھوت اور بن مانس اور درندوں سے بھرا گھر ہے

اے خرے[2] زاستیزہ ماندہ در خری | کے ز اَرواحِ مسیحا بُو بری
او گدھے! تو جھگڑے کی وجہ سے گدھے پن میں رہا | حضرت عیسٰی کی روحوں سے تو کب واقف ہوگا!

کے شناسی گر خیالے سر کُند | کز کدامیں مکمنے سر بر کُند
اگر کوئی خیال نمودار ہوا تو کب پہچانے گا | کہ کس نہاں خانہ سے وہ ابھرا!

چوں خیالے میشود در زہد تن | تا خیالات از درونہ روفتن
زہد میں جسم خیال کی طرح ہو جاتا ہے | باطن نے خیالات کو صاف کرنے میں

ایں خیال کز بروں[3] از اندرُوں | تا نگرداند تُرا نا اہلِ بروں
باطن میں سے یہ ٹیڑھا خیال نکال دے | تاکہ وہ تجھے باہر والوں میں سے نہ بنا دے

[1] چوں۔ جب آبِ دل میں صفائی پیدا ہو جائیگی ہر خارجی چیز کا عکس اس میں نظر آنے لگے گا۔ تا بدانی۔ جب تو اُس کو شش کرے گا پھر ہر سائل کا عکس تیرے دل میں نمودار ہو جائے گا۔

[2] اے خرے۔ جب انسان گدھے پن میں مبتلا رہے گا تو وہ خر عیسٰی کو کیسے نہ ہوگا۔ مکمن۔ چھپنے کی جگہ۔ چوں۔ جب انسان زہد اختیار کرتا ہے اور خیالات سے دل کو پاک کرتا ہے تو اُس کا جسم خیال کی طرح لطیف ہو جاتا ہے۔

[3] زاہلِ بروں۔ یعنی اہلِ بروں۔

شرح شیخ نے دو سال تک یہ خدمت انجام دی اُسکے بعد ان کو حق سبحانہٗ کا حکم ہُوا۔ کہ جب تم لوگوں کو دو اور کسی سے نہ مانگو۔ لو ہم نے تم کو یہ قدرت عطا کر دی کہ جو کوئی بھی ایک سے لے کر ہزار تک تم سے مانگے تم بوریے کے نیچے ہاتھ ڈالو۔ اور نکال لو۔ پس تم اس بے مشقت خزانۂ رحمت میں سے لوگوں کو دو اور ضرور دو۔ تمہارے ہاتھ میں مٹی سونا ہو جائے گی۔ ہم لوگ جو کچھ بھی تم سے مانگیں تم بے کھٹکے دو اور کچھ خیال نہ کرو کہ کہاں سے آئے گا۔ بلکہ تم عطاءِ حق سُبحانہٗ کو بیش از بیش سمجھو۔ اسکے نزدیک کسی کا مطلوب خواہ وہ کتنا ہی بڑا ہو۔ کچھ حقیقت نہیں رکھتا۔ پس تم فکر کو اصلاً دل میں راہ نہ دو۔ کیونکہ ہمارے خزانہ میں کمی نہیں۔

اور نہ ہم کو دیکھ کر پچھتاوا یا افسوس ہوتا ہے۔ بلکہ چشم بد کی روپوشی کے لیے بوری کے نیچے ہاتھ لے جاؤ۔ اور وہاں سے مٹھی بھر کر شکستہ سائل کے حوالہ کردو بس اب تم یہی کرو کہ تمہاری خدمات کا جو نا منقطع اجر ہے اس میں سے تم لوگوں کو دو اور اگر کوئی گوہر مکنون بھی مانگے تو بھی دے دو۔ اچھا اب جاؤ! ہم تمہارے ہاتھ کو اپنا ہاتھ بناتے ہیں بس تم ید اللہ فوق ایدیہم کا مصداق بنو اور حق سبحانہٗ کے ہاتھ کی طرح بے حساب صرف کرو۔ قرض داروں کے قرضہ کے بار سے سبکدوش کرو اور ابر کی طرح جہان کو سرسبز و شاداب کردو۔ خیر تو تیسرے سال ان کا یہی کام تھا کہ حق سبحانہٗ کے تھیلے میں سے لوگوں کو روپیہ دیتے تھے اور راکھ ان کے ہاتھ میں سونا ہوتی تھی اور بخشش کی یہ حالت تھی کہ حاتم طائی اسکی گداؤں کی صف میں ایک گدا تھا نیز یہ بات بھی تھی اگر کوئی اپنی حاجت شرم کے مارے نہ کہتا تو وہ اسکے مقصد دلی پر مطلع ہوجاتے اور اسے دیدیتے خواہ کوئی فقیر ہو۔ خواہ قرض دار۔ یا قیدی خواہ اور کچھ۔ وہ ہر کسی کے خیال پر مطلع ہوجاتے اور جس قدر حال اسکے دل میں ہوتا اتنا اسے دیدیتے تھے نہ کم ہوتا تھا نہ زیادہ۔ اس پر لوگ استفسار کرتے کہ آپ کو کیا معلوم کہ اسکو اتنے روپوں کا خیال ہے اسکے جواب میں فرماتے کہ میرا دل تو خالی ہے اور اس میں گداگری کو دخل نہیں ہے۔ بلکہ وہ جنت کی مثل ہے جہاں گداگری کا نام نہیں ہے اور اس میں عشق حق سبحانہٗ کے سوا اور کچھ ہے ہی نہیں اس میں جو کچھ ہے وہ اس صاحب خانہ کے وصل کا خیال ہے میں نے ہر بھلی بری بات سے اپنے دل کو صاف کر دیا ہے۔ اور میرا خانۂ دل عشق واحد حقیقی سے بھرا ہوا ہے ایسی حالت میں اگر میں اسکے اندر غیر کو دیکھتا ہوں تو اسکے میں دوسروں کے مقصد پر استدلال کرتا ہوں کیونکہ وہ میرا خیال نہیں ہوتا۔ بلکہ فقیر کا عکس ہوتا ہے مثلاً اگر پانی میں کھجور کا درخت یا اسکی شاخ دکھائی دے تو وہ درخت اور شاخ پانی کی نہ ہوگی۔ بلکہ نخلۂ بیرونی کا عکس ہوگا۔ یا پانی میں کوئی صورت دیکھو تو وہ صورت پانی کی نہ ہوگی۔ بلکہ وہ بیرونی شے کی صورت ہوگی بس یہی حالت میرے دل کی ہے۔ اب مولانا فرماتے ہیں کہ قلب مصفّا تو ضرور ہوجاتا ہے اور اس میں اشیاء خارجیہ کا عکس بھی ضرور پڑتا ہے۔ مگر اس پانی کی خس و خاشاک سے خالی ہونے کے لئے جوئے بدن کا تنقیہ ضروری ہے۔ تاکہ وہ پانی بالکل صاف ہوجائے اور اس میں کدورت

اور خس و خاشاک نہ رہیں اور تاکہ آبِ دل معکوس کے قابل ہو جائے اور عکوس اس میں نمایاں ہوں
تم کو یہ بات حاصل نہیں اُسکی وجہ یہ ہے کہ تمہارے جسم میں سوائے گلہ بہ اخلاق رذیلہ و خیالات
لایعنی کے اور کیا ہے کچھ بھی نہیں۔ پھر انعکاس کے لیے ہو ہاں تم اپنے آب قلب کو گل اخلاق
رذیلہ و خیالات لایعنی سے پاک صاف کرو۔ تمہارے اندر انعکاس بھی ہونے لگے گا۔ مگر تم تو
بجائے تصفیہ کے اور اسکو مکدّر کر رہے ہو اور اس نہر میں خواب و خورد و تلذذات
جسمانیہ کی خاک ڈال رہے ہو پھر انعکاس کی کیا صورت ہے۔ چونکہ اس پانی یعنی شیخ کا دل
ان خس و خاشاک خواب و خور سے پاک ہے اسلیئے اس میں مقاصد فقراء کے چہروں کا عکس پڑتا
ہے۔ پس تم بھی اپنے دل کو پاک صاف کرو۔ تاکہ تم کو بھی فقراء کے باطن کا حال
معلوم ہو جائے۔ تمہارا باطن تو ہنوز صاف نہیں اور یہ گھر شیاطین اور بن مانس
اور ددوں یعنی اخلاقِ رذیلہ و خیالات لایعنی سے پُر ہے اور اے گدھو! تم تعنّت
و عناد سے گدھے پن میں پھنسے ہوئے ہو۔ ایسی حالت میں تم کو ارواح مسیحا اور حقیقی
اہل اللہ کا کیا پتہ چل سکتا ہے اور اگر ان کے عکس سے کوئی خیال تمہارے دل میں
آئے بھی جس سے تم اُنکے حسنِ جمال پر استدلال کر سکو۔ تو تم کو کثرت خیالات لایعنی کے
سبب یہ پتہ کیسے چل سکتا ہے کہ یہ کس کمین گاہ سے آیا ہے اور کس کا عکس ہے پس
تم اپنے دل کو تمام خیالات سے پاک صاف کرو۔ لیکن خیالات کا نکال دینا کوئی
کھیل نہیں ہے۔ ریاضات و مجاہدات سے جسم دُبلا ہو کر مثل ایک خیال کے ہو جاتا ہے
جب یہ بات حاصِل ہوتی ہے مگر تم ہمت نہ ہارو۔ اور جس طرح بھی ہو۔ ان خیالات
فاسدہ کو دل سے نکالو۔ تاکہ تم مردود درگاہ رب العزت نہ ہو جاؤ۔

اس مضمون کو ختم کر کے مولانا پھر قصہ شیر و خر کی طرف لوٹتے ہیں اور کہتے
ہیں:

غالب شُدن مکرِ روباہ بر استعصامِ خر

لومڑی کے مکر کا گدھے کے بچاؤ پر غالب آجانا

خر بسے کوشید و اُو را دفع گفت — لیک جوعُ الکلب با خر بُود جفت

گدھے نے بہت کوشش کی اور اُسکی مدافعت کی — لیکن گدھے میں جوع الکلب تھی

غالبؔ آمد حرص و صبرش شد ضعیف — پس گلوہا کہ بُرد عشقِ رغیف

حرص غالب آگئی اور صبر کمزور ہوگیا — روٹی کے عشق نے بہت سے گلے کاٹے ہیں

زاں سُوئے کش خقائق داد دست — کاد فقرا ان یکون کفر آمدست

اُس رسول سے جن کو حقائق حاصل تھے — "فقر قریب ہے کہ کفر بنادے" منقول ہے

گشتہ بُود آن خر مجاعت را اسیر — گفت اگر مکرست یکرہ مُردہ گیر

وہ گدھا، بھوک کا قیدی بن گیا تھا — سوچا اگر مکر ہے، ایکدم سے مُردہ سمجھ لے

زیں عذابِ جوع بارے وا رہم — گر حیات این ست مَن مُردہ بہم

بھوک کے عذاب سے تو نجات پا جاؤں گا — اگر زندگی یہ ہے تو میں مُردہ بہتر ہوں

گر خر اوّل توبہ و سوگند خورد — عاقبت ہم از خری خبطےؔ بکرد

گدھے نے اگرچہ پہلے توبہ کی اور قسم کھائی — انجام کار گدھے پن سے، گڑبڑ بھی کردی

حرص کور و احمق و ناداں کُند — مرگ را بر احمقاں آساں کُند

لالچ اندھا اور احمق اور بیوقوف بنا دیتا ہے — احمقوں پر موت کو آسان کر دیتا ہے

ہست آساں مرگ بر جانِ خراں — کہ ندارند آبِ جانِ جاوداں

گدھوں کی جان پر مرنا آسان ہے — کیونکہ وہ ابدی جان کی رونق نہیں رکھتے ہیں

چوں ندارد جانِ جاوید آن شقیست — جرأتِ اُو بر اجل از احمقی ست

چونکہ وہ اَبدی جان نہیں رکھتا ، بدبخت ہے — موت پر اُس کی جرأت حماقت سے ہے

جہد کُن تا جاں مُخلّد گرددت — تا بروزِ مرگ بَرگے باشدت

کوشش کر تاکہ تیری جان اَبدی بن جائے — تاکہ موت کے دن تیرا توشہ ہو

اعتمادش نیز بر رازق نبُود — کہ بر افشاند بر و از غیب جُود

اُس کو رزق دینے والے پر بھروسہ نہ تھا — جو اُس پر غیب سے سخاوت کرتا تھا

تاکنونش فضل بے روزی نداشت — گرچہ گہ گہ بر تنش جُوعے گماشت

اُس کو اللہ کے فضل نے ابتک بے رزق کے نہیں رکھا — اگرچہ کبھی کبھی اُس پر بھوک کو مسلط کر دیا

دربیانِ فضیلت جُوع و احتماء

پرہیز اور بھوک کی فضیلت کے بیان میں

گر نباشد جُوع صد رنجِ دگر — از پئے ہیضہ بر آرد از تو سر

اگر بھوک نہ ہو، دوسری سینکڑوں بیماریاں — ہیضہ کے بعد تجھ میں پیدا ہوجائیں گی

استعصام ۔ بچاؤ ۔ جوع الکلب یعنی جوع البقر۔

؎۵ غالب ۔ گدھے کی حرص صبر پر غالب آگئی روٹی کے عشق نے بہت سوں کو ہلاک کیا ہے ۔ کاد حدیث شریف ہے کَادَ الْفَقْرُ اَنْ یَّکُوْنَ کُفْرًا "فقر قریب ہے کہ کفر بن جائے" یعنی انسان کا فقر اُس کو کافر بنا دیتا ہے ۔ مجاعت ۔ بھوک ۔ گفت ۔ گدھے نے سوچا اگر یہ لومڑی کا مکر ہی ہے اور میرے مارنے کی ترکیب ہے تو بھوک کے ذریعہ بار بار کی موت سے ایک بار موت اچھی ہے۔

؎۶ خبط ۔ گڑبڑ ۔ حرص نے انسان کو اندھا بہرا بنا دیا ہے اور موت کو آسان کر دیتا ہے جس طرح گدھے نے اپنی موت کو پسند کر لیا ۔ کہ ندارند ۔ احمقوں اور گدھوں کی زندگی اَبدی نہیں ہے اور انسان شقاوت اور حماقت کی وجہ سے مرنا پسند کرتا ہے ۔ جہد کن ۔ انسان کو ابدی زندگی حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

؎۷ اعتمادش ۔ بس گدھے کو اللہ کی رزاقی کا یقین نہ تھا ۔ تاکنونش ۔ جتنے دن زندہ رہا بغیر رزق کے زندہ نہیں رہا لیکن پھر بھی اُس کو خدا کی رزاقی پر بھروسہ نہ تھا ۔ جوع ۔ بھوک ۔ ور تہیان ۔ خدا بھوک میں مبتلا کرتا ہے تو اُس میں بھی بہت سی مصلحتیں ہیں۔

؎۸ گر نباشد ۔ بغیر بھوک کے اگر آدمی کھا کھاتا ہے تو ہیضہ ہو جاتا ہے پھر اُس کے بعد اور بیماریاں پیدا ہوجاتی

رنجِ جوع اولیٰ بود خود زاں علل
ان بیماریوں سے بھوک کی تکلیف زیادہ بہتر ہے

ہم بلطف و ہم بخفت، ہم عمل
پاکیزگی کے اعتبار سے بھی ہلکے پن کے اعتبار سے بھی اور عمل کے (اعتبار سے بھی)

رنجِ جوع از رنجہا پاکیزہ تر
بھوک کی تکلیف بیماریوں سے زیادہ پاکیزہ ہے

خاصہ در جوع ست صد نفع و ہنر
خصوصاً بھوک میں سینکڑوں فائدے اور ہنر ہیں

جوع خود سلطانِ داروہا ست ہیں
آگاہ! بھوک خود دواؤں کی بادشاہ ہے

جوع در جاں نہ چنیں خوارش مبیں
بھوک کو جان میں جگہ دے، اسکو ذلیل نہ سمجھ

جملہ ناخوش از مجاعت خوش شدست
سب بے مزا بھوک کی وجہ سے خوشذائقہ ہو گئے ہیں

جملہ خوشہا بے مجاعت ہا ردست
تمام خوش مزہ، بغیر بھوک کے مردود ہیں

آں یکے میخورد نانِ فخفزہ
ایک شخص جو کی روٹی کھا رہا تھا

گفت سائل چوں بدیں ستت شرہ
سوال کرنیوالے نے پوچھا تجھے اس کا شوق کیوں ہے؟

گفت جوع از صبر چوں دو تا شود
اس نے کہا جب بھوک صبر سے دوہری ہو جاتی ہے

نانِ جو در پیشِ من حلوا شود
میرے لئے جو کی روٹی حلوا بن جاتی ہے

پس توانم کہ ہمہ حلوا خورم
تو میں کر سکتا ہوں کہ سب حلوا کھاؤں

چوں کنم صبرِ ضروری لاجرم
جب لامحالہ ضروری صبر کروں

خود نباشد جوع ہر کس را زبوں
بھوک ہر شخص کے قابو میں نہیں آتی ہے

کایں علف زار یست زاندازہ بروں
کیونکہ گھاس کی چراگاہ اندازے سے زیادہ ہے

جوع مر خاصانِ حق را دادہ اند
بھوک خاصانِ خدا کو دی ہے

تا شوند از جوع شیرِ زورمند
تاکہ وہ بھوک سے شیر اور طاقتور بنیں

جوع ہر جلفِ گدا را کے دہند
بھوک ہر کمینہ بھکاری کو کب دیتے ہیں؟

چوں علف کم نیست پیشِ او نہند
چونکہ چارہ کم نہیں ہے اس کے سامنے رکھ دیتے ہیں

کہ بخور تو ہم بدیں ارزانیے
کہ تو کھا تو اسی کے لائق ہے

تو نہ مرغِ آب مرغِ نانیے
تو پانی کا پرندہ نہیں ہے تو روٹی کا پرندہ ہے

نبود اندر دل ترا جز فکرِ ناں
تیرے دل میں روٹی کے فکر کے علاوہ کچھ نہیں ہوتا

باید اندر خاطرت جز ذکرِ ناں
تیرے دل میں روٹی کے ذکر کے سوا کچھ نہیں آتا ہے

بعد چندیں سال حاصل چیست
اتنے سال کے بعد تجھے کیا ملا؟

جوع مردن بہ بود زیں زیستت
مرنے کی بھوک تیرے اس جینے سے بہتر ہے

ہیں۔ رنج۔ بھوک کی تکلیف اور بیماریوں کی تکلیف سے بہت بہتر ہے اس میں جسم میں پاکیزگی اور ہلکا پن اور کارکردگی رہتی ہے اور بھوک میں بہت منافع ہیں بجوع۔ فاقہ سے بہت سی بیماریاں خود دور ہو جاتی ہیں۔

لہ جملہ بھوک میں جو کی روٹی بھی پلاؤ قورمے کا مزہ دیتی ہے بغیر بھوک کے لذیذ کھانے بھی بدمزہ معلوم ہوتے ہیں۔ فخفزہ۔ بوزن مسخرہ، جو کی روٹی۔ شرہ۔ حرص۔ گفت۔ اس نے جواب دیا جب انسان کو بھوک لگتی ہے اور وہ صبر سے کام لیتا ہے تو جو کی روٹی بھی حلوے کا مزہ دیتی ہے۔ پس۔ میں بھوک لگا کر اور صبر سے کام لے کر جو کی روٹی کو حلوا بنا لیتا ہوں۔ خود نباشد۔ یہ بھوک وہ نعمت ہے جو ہر شخص کو میسر نہیں آتی کیونکہ یہ دنیا وسیع چراگاہ ہے اس میں انسان کچھ نہ کچھ کھا لیتا ہے۔ جوع۔ بھوک صرف خاصانِ خدا کا حصہ ہے جس سے وہ روحانی شیر بن جاتے ہیں۔

لہ ہر جلف۔ ہر کمینہ گداگر بھوک کی نعمت عطا نہیں کی جاتی اس کے لئے عام خوراک مہیا کر دی جاتی ہے اور اس کو کہہ دیا جاتا ہے کہ تو دریائے معرفت کا پرندہ نہیں ہے روٹی کھانے والا پرندہ ہے۔ بعد چندیں۔ حریص پیٹو کما پی کر مر جاتا ہے اور اس کی لاحاصل زندگی ختم ہو جاتی ہے اس زندگی سے بھوک کی موت بدرجہا بہتر ہے۔

حکایت مریدے کہ شیخ از حرصِ ضمیرِ او واقف شد و او را

اس مرید کی حکایت جس کے دل کی حرص سے شیخ واقف ہو گیا اور اس کو

نصیحت کرد بزبان و در ضمنِ نصیحت قوّتِ توکل

زبان سے نصیحت کی اور نصیحت کے دوران اللہ تعالیٰ کے حکم سے

بخشیدش بامرِ حق عزّ و جل

اس کو توکل کی قوت بخش دی

شیخ میشد با مریدے بیدرنگ ۔۔۔ سوی شہرے ناں درانجا بود تنگ[1]

شیخ ایک مرید کے ساتھ بغیر توقف کے رواں ہوئے ۔۔۔ شہر کی جانب جہاں روٹی کمیاب تھی

ترسِ جوع و قحط در فکرِ مرید ۔۔۔ ہر دمے میگشت از غفلت مزید

مرید کے فکر میں قحط اور بھوک کا خوف تھا ۔۔۔ جو غفلت کی وجہ سے، ہر لمحہ بڑھ رہا تھا

شیخ آگہ بود و واقف از ضمیر ۔۔۔ گفت اورا چند باشی در زحیر

شیخ باخبر تھے اور دل سے واقف تھے ۔۔۔ انہوں نے اس سے کہا کب تک پریشانی میں رہیگا؟

از برائے غصۂ ناں سوختی ۔۔۔ دیدۂ صبر و توکل دوختی

تو روٹی کی فکر میں جلا جاتا ہے ۔۔۔ تو نے صبر اور توکل کی آنکھ بند کر لی ہے

تو نۂ زاں نازنینانِ عزیز ۔۔۔ کہ ترا دارند بے جوز و مویز

تو ان پیارے ناز پروردوں میں سے نہیں ہے ۔۔۔ کہ تجھے بغیر اخروٹ اور منقّی کے رکھیں

جوع رزقِ جانِ خاصانِ خداست ۔۔۔ کے زبونِ ہمچو تو گیجِ گداست

بھوک، خاصانِ خدا کا رزق ہے ۔۔۔ وہ تجھ جیسے احمق فقیر کے قابو میں کہاں ہے؟

باش فارغ تو ازانہا نیستی ۔۔۔ کاندریں مطبخ تو بے ناں باستی

تو مطمئن رہ، تو ان میں سے نہیں ہے ۔۔۔ کہ تو اس مطبخ میں بغیر روٹی کے ٹھہرے

کاسہ[2] بر کاسہ ست ناں بر ناں مدام ۔۔۔ از برائے ایں شکم خوارانِ عام

ہمیشہ پیالہ پر پیالہ روٹی پر روٹی ہے ۔۔۔ ان عام پیٹوؤں کے لئے

چوں بمیرد میرود ناں پیش پیش ۔۔۔ کز ہمِ بے نوائی کشتہ خویش

جب مرتا ہے تو روٹی آگے آگے جاتی ہے ۔۔۔ کہ بے سروسامانی کے ڈر سے اپنے آپ کو مارا ہے

تو برفتی ماند ناں برخیز و گیر ۔۔۔ اے بکشتہ خویش را اندر زحیر

تو چلا، روٹی رہ گئی کھڑا ہو لے لے ۔۔۔ اے وہ کہ جس نے اپنے آپ کو پریشانی میں مار ڈالا

ہیں[3] توکل کن ملرزاں پا و دست ۔۔۔ رزقِ تو بر تو ز تو عاشق ترست

خبردار! توکل کر ہاتھ پاؤں نہ لرزا ۔۔۔ تیرا رزق تجھ پر تجھ سے زیادہ عاشق ہے

عاشق ست و میزند او مول مول ۔۔۔ کہ ز بے صبریت داند اے فضول

وہ عاشق ہے اور آواز دے رہا ہے، ٹھہر ٹھہر ۔۔۔ کیونکہ اے بیہودہ! وہ تیری بے صبری کو جانتا ہے

۵٣ حکایت - ایک شیخ ایک مرید کے ساتھ اس شہر کی طرف جا رہے تھے جہاں قحط تھا مرید روٹی کی حرص کی وجہ سے پریشان تھا شیخ پر اسکی دلی کیفیت... منکشف ہوئی شیخ نے اس کو نصیحت کی اور اسمیں اپنے تصرف سے توکل کی طاقت پیدا کردی۔

[1] تنگ۔ یعنی وہ شہر قحط زدہ تھا روٹی گراں اور کمیاب تھی۔ از غفلت۔ یعنی خدا کی رزاقی کی غفلت سے۔ زحیر۔ پیچش، پیچ و تاب۔ از برائے۔ تو روٹی کی فکر میں جل رہا ہے تجھے خدا پر بھروسہ نہیں ہے۔ تو نۂ۔ تو ان خاصانِ خدا میں سے نہیں ہے جن کو جوع کا تحفہ دیا جاتا ہے تجھے اسکا دنیاوی غذا میسر آجائے گی۔ گیج۔ احمق۔

[2] کاسہ۔ دنیاداروں کے لئے بکثرت کھانا پینا موجود ہے۔ چوں بمیرد۔ جب مرجاتا ہے تو بھی روٹی آگے آگے جاتی ہے جو قبرستان میں غریبوں کو تقسیم کردی جاتی ہے اور وہ روٹی مُردے سے کہتی ہے کہ تو روٹی کی فکر میں مرا ہے اٹھ اب روٹی لے لے۔

[3] ہیں۔ شیخ نے مرید سے کہا انسان رزق کا اتنا عاشق نہیں ہے جتنا رزق انسان کا عاشق ہے اللہ کا وعدہ ہے لہٰذا لامحالہ رزق انسان کو تلاش کر کے اس کے پاس پہنچتا ہے۔ عاشق ست۔ رزق انسان پر عاشق ہے اور وہ اس کو کہتا ہے ٹھہر جا میں تیرے پاس پہنچتا ہوں کیونکہ وہ انسان کی بے صبری

گر ترا صبرے بُدے رزق آمدے　　خویشتن چوں عاشقاں بر تو زدے

اگر تجھے صبر ہوتا تو رزق آ جاتا　　عاشقوں کی طرح اپنے آپ کو تجھ پر لا ڈالتا

ایں تپ و لرزہ ز خوفِ جوع چیست　　در توکّل سیر می تانید زیست

بھوک کے ڈر سے یہ جاڑا اور بخار کیوں ہے؟　　توکّل میں پیٹ بھرا ہو کر زندہ رہ سکتے ہو

حکایتِ[1] آں گاؤ کہ تنہا در جزیرہ ایست بزرگ حق تعالیٰ

اُس بیل کی حکایت جو ایک بڑے جزیرہ میں اکیلا ہے اللہ تعالیٰ اُس بڑے جزیرے

آں جزیرہ بزرگ را ہر روز پُر کند از نبات و ریاحین[2] کہ

کو روز گھاس اور خوشبودار پودوں سے بھر دیتا ہے تاکہ رات تک

تا علفِ آں گاؤ باشد تا بشب آں گاؤ ہمہ را بچرد و فربہ

اُس بیل کے لئے چارا رہے وہ بیل سب کو چر لیتا ہے اور پہاڑ کی

شود چوں کوہ پارہ چوں شب شود خوابش نبرد از غصہ و

طرح موٹا ہو جاتا ہے جب رات ہو جاتی ہے اُس کو رنج اور ڈر سے نیند

خوف کہ ہمہ صحرا را چریدم فردا چہ خورم تا ازیں غصہ لاغر

نہیں آتی ہے کہ میں نے تمام جنگل چر لیا کس کو کیا چروں گا یہاں تک کہ وہ اس

شود ہمچوں خلال روز بر خیزد ہمہ صحرا را سبز تر و انبوہ تر بیند

رنج سے تنکے کی طرح لاغر ہو جاتا ہے ہر روز اُٹھتا ہے تمام جنگل کو زیادہ سبز اور

از دے باز بخورد و فربہ شود باز شبش ہماں غم بگیرد سالہاست

زیادہ گھنا دیکھتا ہے اُس میں سے پھر کھاتا ہے اور موٹا ہو جاتا ہے پھر رات کو اسے وہی غم

کہ او ہمچنیں مے بیند و اعتماد نمی کند

آپکڑتا ہے سالوں گذر گئے ہیں کہ وہ یہی دیکھ رہا ہے اور بھروسہ نہیں کرتا ہے

یک جزیرہ سبز ہست اندر جہاں　　اندرو گاویست تنہا خوش دہاں

دنیا میں ایک سبز جزیرہ ہے　　اُس میں ایک اکیلا بیل عمدہ گھاس چرنے والا ہے

جملہ صحرا را چرد او تا بشب[3]　　تا شود زفت و عظیم و منتجب

وہ رات تک تمام جنگل کو چر لیتا ہے　　حتیٰ کہ موٹا اور بڑا اور بزرگ بن جاتا ہے

شب ز اندیشہ کہ فردا چہ خورم　　گردد او چوں تارِ مو لاغر ز غم

رات میں اس ڈر سے کہ کس کو کیا کھاؤں گا!　　وہ غم سے بال کی طرح کمزور ہو جاتا ہے

چوں بر آید صبح گردد سبز دشت　　تا میاں رستہ قصیلِ سبز و کشت

جب صبح ہوتی ہے جنگل سبز ہو جاتا ہے　　سبز چارا اور کھیتی کمر تک ہوتی

---

[1] حکایت۔ اس حکایت کو یہ بتانا مقصود ہے کہ جس طرح اس بیل کی بے صبری تھی اور رزق کے فکر میں گھلا جاتا تھا یہی حال انسان کا ہے۔

[2] ریاحین۔ خوشبودار نباتات۔ خلال۔ دانت کریدنے کا تنکا۔ خوش دہاں۔ عمدہ خوراک کھانے والا۔

[3] جملہ صحرا۔ بڑا سبزہ زار ہر بیل اکیلا ہے دن بھر خوب کھاتا اور موٹا تازہ بن جاتا۔ منتجب۔ نجیب۔ بزرگ۔ شب۔ رات بھر اس غم میں رہتا کہ میں نے سب چراگاہ کھالی اب کس کو کیا کھاؤں گا۔ قصیل۔ سبز جو، خوید۔

اندر افتد گاؤ با جوع البقر[1] ‏ تا بشب آں را چرد او سر بسر
بیل جوع البقر کے ساتھ اس میں گھس جاتا ہے ‏ رات تک وہ اس کو چر جاتا ہے

باز زفت و فربہ و لمتر شود ‏ آں تنش از پیہ و قوت پر شود
پھر موٹا اور تازہ اور بھاری بن جاتا ہے ‏ اس کا بدن چربی اور طاقت سے بھر جاتا ہے

باز شب اندر تپ افتد از فزع ‏ تا شود لاغر ز خوفِ منتجع
وہ پھر رات کو گھبراہٹ کے بخار میں مبتلا ہو جاتا ہے ‏ چراگاہ کے ڈر سے لاغر ہو جاتا ہے

کہ چہ خواہم خورد فردا وقتِ خور ‏ سالہا این ست کارِ آں بقر
کہ کھانے کے وقت میں کل کو کیا کھاؤں گا؟ ‏ اس بیل کی سالوں یہی حالت رہی

ہیچ نیندیشد کہ چندیں سال من ‏ میخورم زیں سبزہ زار و زیں چمن
وہ کبھی نہ سوچتا کہ اتنے سال سے میں ‏ اس سبزہ زار اور اس چمن کو چر رہا ہوں

ہیچ روزے[2] کم نیاید روزیم ‏ چیست ایں ترس و غم و دلسوزیم
کسی دن بھی میرا رزق کم نہیں ہوتا ہے ‏ پھر میرا یہ خوف اور غم اور دل سوزی کیوں ہے؟

باز چوں شب میشود آں گاو زفت ‏ میشود لاغر کہ آوہ رزق رفت
پھر جب رات ہوتی وہ موٹا بیل ‏ لاغر ہو جاتا کہ ہائے رزق ختم ہو گیا

نفس آں گاو ست و آں دشت ایں جہاں ‏ کو ہمی لاغر شود از خوفِ ناں
نفس وہ بیل ہے اور یہ دنیا وہ جنگل ہے ‏ جو روٹی کے ڈر سے لاغر ہوا جاتا ہے

کہ چہ خواہم خورد مستقبل عجب ‏ لوتِ فردا از کجا سازم طلب
کہ حیرت ہے میں آئندہ کیا کھاؤں گا؟ ‏ کل کی خوراک کہاں سے طلب کروں گا؟

سالہا خوردی و کم نامد ز خور ‏ ترکِ مستقبل کن و ماضی نگر
تو نے سالوں کھایا اور وہ کھانے سے کم نہ ہوا ‏ آئندہ کو چھوڑ اور ماضی پر غور کر

لوت[3] پوتِ خوردہ را ہم یاد آر ‏ منگر اندر غابر و کم باش زار
کھائے ہوئے مرغن کھانوں کو یاد کر ‏ مستقبل کو نہ دیکھ اور بدحال نہ بن

قصۂ آں گاو را یکسوے نہ ‏ زاں خر و زاں شیرِ نر پیغام دہ
اس بیل کا قصہ ایک طرف رکھ ‏ اس گدھے اور نر شیر کا پیغام دے

---

[1] جوع البقر۔ وہ مرض ہے جس میں انسان کا کسی حالت میں پیٹ نہیں بھرتا ہے۔ لمتر۔ موٹا۔ فزع۔ گھبراہٹ۔ منتجع۔ چراگاہ۔ سالہا۔ ایک عرصہ دراز تک اس بیل کی یہی حالت رہی کہ دن کو کھا کر موٹا ہو جاتا اور رات کو کل کی فکر میں دُبلا ہو جاتا اور کبھی یہ نہ سوچا یہ خوف بیجا ہے اتنے سال گزر گئے اور مجھے بہرحال روز خوراک حاصل ہو رہی ہے۔

[2] ہیچ۔ وہ کبھی یہ نہیں سوچتا کہ کسی روز بھی روزی کم نہیں مل رہی ہے تو میں فکر کیوں کروں۔ نفس۔ انسان کے نفس کو یہ بیل سمجھ اور دنیا کو یہ جنگل۔ کہ چہ۔ انسان اسی فکر میں گھلتا ہے کہ کل کو کیا کھاؤں گا۔ ترک۔ انسان کو چاہیئے کہ ماضی پر نظر رکھ کر مستقبل کی فکر چھوڑ دے۔

[3] لوت۔ یہ یاد رکھ کہ کس قدر لذیذ غذائیں کھاتا رہا ہے ضرور اسی طرح سے ملا آئندہ کی فکر میں نہ پڑ۔ حیلہ گری دان۔ شیر نے گدھے کو شکار کر لیا اس حالت میں شیر کو پیاس لگی تو وہ پانی پینے چلا گیا لومڑی نے اس وقفہ میں گدھے کا دل جگر گردہ کھا لیا شیر نے آکر دریافت کیا کہ دل گردہ کہاں ہے تو لومڑی نے جواب دیا اگر گدھے کے دل گردہ ہوتا ہے تو وہ تیرے پہلے حملے کے بعد دوبارہ بہکانے سے تیرے پاس کیسے آ جاتا۔

شرح گدھے نے بہت کچھ کوشش کی اور بہت کچھ ٹالا لیکن بالآخر مغلوب ہو گیا کیونکہ اس کو بھوک لگی ہوئی تھی جس سے حرص غالب ہو گئی اور صبر و تحمل کمزور ہو گیا

اور نتیجہ یہ ہوا کہ جان دیدی - واقعی روٹی کی محبت بھی بہت بُری چیز ہے کہ یہ سینکڑوں گلے کاٹ دیتی ہے اور لاکھوں جانوں کو تباہ کردیتی ہے - اسی بنا پر اس حقائق شناس رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے کاد الفقران یکون کفرا مروی ہے - کیونکہ بسا اوقات آدمی فقر و فاقے سے تنگ ہو کر ایمان کھو بیٹھتا ہے اور دین بیچ دیتا ہے - خیر تو وہ گدھا بھوک کی تکلیف میں مبتلا تھا اسلئے اس نے کہا کہ اچھا اگر لومڑی کا مکر بھی ہے تو جان بھی تو جائے گی بلا سے جائے - روز کی مصیبت سے تو چھوٹیں گے - ایسی زندگی سے تو مرجانا بہتر ہے -

اب مولانا فرماتے ہیں کہ گدھے نے اگرچہ اوّل میں توبہ کی تھی اور قسم کھائی تھی مگر آخر میں اس نے اپنے گدھے پن سے حماقت بھی کی کہ لومڑی کے ساتھ پھر چل دیا - حالانکہ وہ ایک مرتبہ خطرہ کا مشاہدہ کرچکا تھا - وجہ اسکی کیا تھی محض حرص - یہ حرص ایسی بُری بلا ہے کہ اندھا اور احمق اور نادان بنادیتی ہے اور احمقوں پر موت کو آسان کردیتی ہے حالانکہ ایسا نہ ہونا چاہیئے - اب سُنو کہ موت احمقوں کی نظر میں بے وقعت کیوں ہوتی ہے وجہ اسکی یہ ہے کہ ان کو روح باقی کی چمک حاصل نہیں ہوتی - جس سے ان کو موت کے آثار و نتائج کا علم ہو - ورنہ وہ ہرگز ایسا نہ کرتے کیونکہ جب ان کو روح باقی حاصل نہیں تو وہ شقی ہیں اور اشقیار کے لیے موت ہرگز مفید نہیں - پس ایسی حالت میں ان کا موت پر جرأت کرنا سراسر حماقت ہے پس تم کوشش کرو کہ تمہاری روح فنا فی اللہ ہو کر باقی ببقاءِ حق اور اس طرح سے مخلّد ہو جائے - تاکہ تم کو موت کے دن کے لئے سامان حاصل ہوجائے اور تم صحیح طور پر موت کے خطرہ سے آزاد ہوجاؤ اور موت واقع میں تمہارے لئے آسان ہوجائے خیر ایک وجہ تو اسکے جانے کی یہ تھی کہ وہ بھوک سے بے تاب تھا - دوسری وجہ یہ تھی کہ اسکو رازق مطلق پر اعتماد نہ تھا اور نہ سمجھتا تھا کہ خدا غیب سے اس پر بخشش کریگا - حالانکہ حق سبحانہٗ نے اب تک اسکو اپنے فضل سے بے روزی کے نہیں رکھا تھا گو کبھی کبھی اس پر بھوک کو بھی مسلط کردیتا تھا اور یہ کوئی بُری بات نہ تھی کیونکہ اگر بھوک نہ ہو اور ہمیشہ سیری ہو تو کبھی نہ کبھی ہیضہ ہو جاویگا اور ہیضہ کے بعد سینکڑوں تکلیفیں پیدا ہوجائیں گی -

پس بھوک کی تکلیف ان بیماریوں سے اچھی ہے - لُطف میں بھی، کمی میں بھی اور اثر میں بھی یعنی بھوک کی تکلیف میں لطف و عنایت حق سبحانہٗ زیادہ ہے بہ نسبت اور تکلیفوں کے - نیز بھوک

میں بہ نسبت اور امراض کے تکلیف بھی کم ہوتی ہے اور بہ نسبت اور امراض کے بھوک کے نتائج بھی اچھے ہیں پس بھوک اور بیماریوں سے اچھی ہے بالخصوص اسلئے کہ اس میں بہت سی منفعتیں اور خوبیاں ہیں چنانچہ ایک بہت بڑا نفع تو یہ ہے کہ وہ سب سے بڑی دوا ہے اسی بناء پر اطباءؑ نے کہا ہے کہ اگر کوئی اس امر کا التزام کرلے کہ جب خوب بھوک لگے۔ تو کھانا کھائے اور جب کچھ بھوک باقی ہو تو کھانا چھوڑ دے ایسا شخص تندرست رہے گا۔ اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ بھوک موت کے سوا ہر مرض کی دوا ہے پس تم بھوک کو جان میں جگہ دو اور اسے اس قدر ذلیل نہ سمجھو ایک خوبی بھوک کی یہ بھی ہے کہ تمام نامرغوب کھانے اس سے مرغوب ہو جاتے ہیں برخلاف سیری کے کہ اس سے تمام مرغوبات مکروہ بن جاتے ہیں۔

ایک شخص کا واقعہ ہے کہ وہ جو کی روٹی کھا رہا تھا کسی نے پوچھا "کہ او میاں! اس کے کھانے کو تمہارا جی کیسے چاہتا ہے" اس نے جواب دیا کہ "جناب جب صبر کے سبب بھوک بڑھ جاتی ہے تو پھر مجھے یہ جو کی روٹی نہیں معلوم ہوتی۔ بلکہ میرے نزدیک حلوا ہو جاتی ہے پس جبکہ بھوک میں یہ صفت ہے تو آدمی اگر چاہے کہ بالکل حلوا ہی کھائے تو وہ صبر کرکے ایسا کر سکتا ہے۔

اب ہم ان خوبیوں سے قطع نظر کرکے کہتے ہیں کہ بھوک ہر شخص کو تو دی بھی نہیں جاتی کیونکہ جانوروں کے لیے تو بہت وسیع چراگاہ موجود ہے یعنی شکم خواروں کے لیے حق سبحانہٗ کے یہاں غذا کی کمی نہیں۔ پھر ان کو کیوں بھوکا رکھا جائے گا۔ بھوک تو خاصانِ حق کو دی جاتی ہے کہ وہ بمقتضائے الجوع طعام الصدیقین اس سے غذائے روحانی حاصل کرکے شیر اور زور آور ہو جائیں۔ اور ہر کمینہ بھکارے کو بھوک نہیں دیتے اور چونکہ چارہ کی کمی نہیں ہے اسلئے اسکو اس جانور کے آگے ڈال دیتے ہیں کہ لے کھا۔ کیونکہ تو اسی قابل ہے کیونکہ تو آبِ حیات کا طالب جانور نہیں۔ بلکہ روٹی کا طالب جانور ہے اب ہم کہتے ہیں کہ اے طالبِ نان ——— تیرے دل میں روٹی کی فکر کے سوا اور کچھ بھی ہی نہیں اور مجھے روٹی کے سوا کچھ یاد ہی نہیں آتا لیکن تو یہ تو بتا کہ اتنے دنوں تک تو نے کھایا تو اس کا نتیجہ کیا ہوا کچھ بھی نہیں پس ایسی لاحاصل زندگی سے بھوکا مر جانا بہتر ہے اچھا ہم تمہیں ایک حکایت سناتے ہیں جس سے تم کو توکل کی ضرورت معلوم ہو سنو! ایک بزرگ اپنے ایک مرید کے ساتھ شہر کو جا رہے تھے اور وہاں روٹیوں کی کمی تھی جنابہ میں مرید کو بھوک اور قحط کا خوف اسکی غفلت کے سبب ہر دم زیادہ ہوتا جاتا تھا۔ شیخ صاحب کشف تھے

انکو اسکی اندرونی حالت پر اطلاع تھی لہٰذا انہوں نے فرمایا کہ ارے تو کب تک پریشان رہیگا بھلے مانس! تو روٹی کے غم میں فنا ہو گیا اور صبر توکل کی طرف سے تو نے بالکل آنکھیں بند کرلیں۔ تجھ کو ایسا نہ چاہیئے بھائی تو عزیز نازنینوں سے نہیں ہے کہ تجھے بے جوز و مویز یعنی بے غذائے جسمانی رکھیں گے بھوک تو خواص اہل اللہ کی ارواح کا رزق ہے وہ تجھ سے پریشان خاطر گدا گر کو کب ملے گا پس تو اطمینان رکھ تو ان لوگوں میں سے نہیں ہے کہ اس مطبخ میں بدوں روٹی کے کھڑا رہے ——— اسلئے تجھے روٹی خود ضرور ملے گی۔

اب مولانا فرماتے ہیں کہ صاحبو! شکم خوار عوام کے لیے پیالوں پر پیالے اور روٹی پر روٹی چلی آرہی ہے یعنی شکم پروروں کو بکثرت غذا مل رہی ہے حتٰی کہ جب ان میں سے کوئی مر جاتا ہے تو اس کے آگے روٹی چلتی ہے کیونکہ وہ روٹی ہی کے فکر میں جان دیدیتا ہے اسلیے یوں کہا جاسکتا ہے کہ اسنے خوفِ فقر سے اپنے کو ہلاک کر دیا لہٰذا حق سبحانہٗ کے حکم تکوینی سے اسکے آگے آگے روٹی چلتی ہے جس میں اشارہ ہوتا ہے اس طرف کہ اے اپنے کو پریشانی سے مار ڈالنے والے شخص تو تو چل دیا حالانکہ تو تو بزبانِ حال خلود کا مدعی تھا اور روٹی ہنوز باقی ہے حالانکہ تو اسکو ختم ہو جانے والا سمجھتا تھا لے اٹھ کر لے لے (فائدہ: میرود نان پیش پیش میں اشارہ ہے ایک رسم کی طرف اور وہ رسم یہ ہے کہ جب کوئی مر جاتا ہے تو اسکی قبر پر جنازہ کے ساتھ روٹیاں اور اناج وغیرہ صدقہ کے لیے لے جاتے ہیں یہ رسم چونکہ بدعت ہے اسلئے ہم نے شرح میں حکم حق سبحانہٗ کو تکوینی کے ساتھ مقید کیا ہے۔ واللہ اعلم) پس جبکہ حالت یہ ہے کہ تو تم کو خدا پر بھروسہ چاہیئے اور خوفِ فقر سے تھرانا نہ چاہیئے۔ اسلئے کہ جس قدر تم رزق پر عاشق ہو اس سے زیادہ خود رزق تم پر عاشق ہے۔ شاید تم کہو کہ عاشق ہے تو ملتا کیوں نہیں۔ سو بات یہ ہے کہ وہ عاشق ضرور ہے مگر تمہاری بے صبری کا اسے علم ہے اسی لیے وہ توقف کرتا ہے لیکن اگر تمہیں صبر ہوتا تو وہ خود آتا اور عاشقوں کی طرح اپنے کو تمہارے اوپر ڈالتا پس تم کیوں بے صبر ہو اور فقر و فاقہ سے کیوں ڈرتے ہو۔ تم توکل کرو۔ توکل میں تم مستغنیانہ زندگی بسر

کر سکتے ہو - اب ہم تمہیں ایک حکایت سُناتے ہیں - جس سے تم کو بے صبری کا
لا یعنی ہونا معلوم ہو اور تمہاری توکل کو قوت ہو - دنیا میں ایک سر سبز جزیرہ ہے اور ایک
تنہا گائے ہے وہ شام تک تمام جنگل چر لیتی ہے - یہاں تک کہ وہ خوب موٹی تازی ہوجاتی
ہے لیکن رات کو اس خیال سے کہ کل کو کہاں سے کھاؤں گی نہایت دبلی ہوجاتی ہے
پس جبکہ اگلا دن ہوتا ہے تو جنگل ہرا ہو جاتا ہے اور خوید اور کھیتی کمر کمر تک ہوجاتی ہے
اس میں گائے بے تابانہ گھُستی ہے اور شام تک سب کو صاف کر دیتی ہے اور پھر خوب موٹی
تازی ہوجاتی ہے اور اس کا جسم چربی اور قوت سے بھر جاتا ہے مگر رات کو پھر وہ ڈرتی ہے
تا آنکہ وہ اس خوف سے کہ کل کو گھاس کہاں سے ملے گا دبلی ہو جاتی ہے -

غرضکہ برسوں سے اس کا یہی کام ہے اور وہ ہرگز نہیں خیال کرتی کہ میں اس سبزہ
زار اور اس چمن میں اتنے دنوں سے گھاس کھا رہی ہوں اور میری روزی اصلاً کم نہیں ہوتی پھر
یہ خوف اور غم اور دل سوزی کیوں ہے اور جب رات ہوتی ہے تو وہ موٹی تازی گائے خواہ
مخواہ دُبلی ہوجاتی ہے اور کہتی ہے کہ ہائے میرا رزق جاتا رہا -

یہ قصہ تو سُن چکے اب سُنو کہ نفس اُس گائے کے مانند ہے اور دنیا اس جنگل کے
مُشابہ کیونکہ وہ ہر روز کھاتا ہے مگر پھر روٹی کے خوف سے گھُلا جاتا ہے اور کہتا ہے کہ ہائے
میں کل کو کیا کھاؤں گا اور کل کو روٹی کہاں سے حاصل کرونگا اس سے کوئی کہے کہ ارے احمق! تونے
برسوں کھایا اور کھانے میں کمی نہیں آئی تو آئندہ کی فکر چھوڑ - اور گذشتہ زمانہ پر نظر کر اور
جس قدر تو غذا کھا چکا ہے اس میں غور کر کہ وہ کہاں سے آئی تھی جہاں سے وہ آئی تھی وہیں سے
اور آئیگی پس تو آئندہ کی فکر چھوڑ اور دُبلا مت ہو - اچھا اب گائے کے قصہ کو الگ
کرنا چاہیئے اور گدھے اور شیر کی حالت بیان کرنی چاہیئے -

صَید کردنِ شیر آں خَر را و تشنہ شُدنِ شیر از کوشش و رفتن

شیر کا اُس گدھے کو شکار کر لینا اور محنت کی وجہ سے شیر کا پیاسا ہو جانا اور چشمہ پر جانا

بہ چشمہ تا آب خورد تا باز آمدنِ شیر روباہ جگر بند و دل و گردہ

تاکہ پانی پئے، شیر کے واپس آنے تک لومڑی گدھے کا جگر اور دل اور گردہ کھا چکی

خَر را خوردہ بُود کہ لطیف تر است شیر طلب کرد دل و

تھی کیونکہ عمدہ تھا شیر نے تلاش کیا تو دل اور جگر نہ پایا

جگر نیافت، از روبہ پرسید کہ دل و جگر و گردہ کجاست

لومڑی سے دریافت کیا کہ دل اور جگر اور گردہ کہاں ہے!

روبہ گفت اگر او را دل و جگر بودے آنچناں سیاستے کہ

لومڑی نے کہا، اگر اس کے دل و جگر ہوتا تو وہ سختی جو اُس نے اُس دن دیکھی سہ تھی

دیدہ بُود آں روز بہزار حیلہ جان بُردہ بُود کے بر تو باز آمدے

جس سے ہزار حیلہ سے جان بچائی تھی تو تیرے پاس کب آتا؟

لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا مِنْ اَصْحَابِ السَّعِیْرِ [1]

اگر ہم سُنتے اور سمجھتے تو دوزخ والوں میں سے نہ ہوتے

بُرد خَر را روبہ تا پیشِ شیر
لومڑی گدھے کو شیر کے سامنے لے گئی

پارہ پارہ کردش آں شیرِ دلیر
اُس بہادر شیر نے اُس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دئیے

تشنہ شد از کوششِ آں سُلطانِ دد
محنت کی وجہ سے وہ درندوں کا بادشاہ پیاسا ہو گیا

رفت سُوئے چشمہ تا آبے خورد
چشمہ کی جانب گیا تاکہ پانی پی لے

روبہک [2] خورد آں جگر بند و دلش
لومڑی اُس کا جگر اور دل کھا گئی

آں زماں چوں فرصتے شد حاصلش
اُس وقت چونکہ اُس کو موقع ملا

شیر چوں وا گشت از چشمہ بخور
شیر جب چشمہ سے خوراک کی جانب واپس آیا

جُست در خر دل نہ دل بُد نے جگر
گدھے میں دل ڈھونڈا، نہ دل تھا نہ جگر

گفت [3] روبہ را جگر کو دل چہ شُد
لومڑی سے کہا جگر کہاں ہے، دل کیا ہوا

کہ نباشد جانور را زیں دو بُد
جانور میں یہ دونوں لازمی ہوتے ہیں

گفت اگر بودے ورا دل یا جگر
اُس نے کہا اگر اس کے دل یا جگر ہوتا

کے بدیں جا آمدے بارِ دگر
وہ دوبارہ اس جگہ کب آتا؟

آں قیامت دیدہ بود و رستخیز
اُس نے قیامت اور حشر دیکھا تھا

واں ز کوہ افتادن و ہول و گریز
وہ پہاڑ سے گرنا اور خوف اور بھاگ دوڑ

[1] لو کنّا۔ دوزخی دوزخ میں کہیں گے اگر ہم صحیح بات سُن لیتے اور سمجھ جاتے تو آج دوزخ میں نہ ہوتے۔ روبہک۔ ذلیل لومڑی۔ سلطانِ دد۔ درندوں کا بادشاہ، شیر۔

[2] روبہک۔ جب شیر پانی پینے چلا گیا تو لومڑی کو موقع مل گیا وہ گدھے کا دل اور جگر کھا گئی۔ شیر نے واپس آکر دیکھا تو گدھے کا دل و جگر موجود نہ تھا۔

[3] گفت۔ شیر نے لومڑی سے کہا دل اور جگر تو ہر جانور میں موجود ہوتے ہیں وہ اس گدھے کے کہاں ہیں۔ اگر بودے۔ لومڑی نے کہا اگر اس گدھے کے دل و جگر ہوتا تو یہ دوبارہ تیرے پاس کیسے آتا۔ آں قیا۔ اُس گدھے نے تیرا قیامت خیز حملہ دیکھا تھا اور پہاڑ پر سے منہ کے بل گرا تھا۔

[1] گر جگر بودے ورا یا دل بُدے — بارِ دیگر کے برِ تو آمدے

اگر اُس کے جگر ہوتا، یا دل ہوتا — دوبارہ تیرے پاس کب آتا!

چوں نباشد نورِ دل، دل نیست آں — چوں نباشد روح جز گِل نیست آں

جب دل میں نور نہ ہو تو وہ دل نہیں ہے — جب روح نہ ہو تو مٹی کے سوا کچھ نہیں ہے

آں زجاجے کو ندارد نورِ جاں — بول و قارورہ است قندیلش مخواں

وہ شیشہ، جو جان کا نور نہیں رکھتا — اُس کو قندیل نہ کہہ وہ پیشاب کی شیشی ہے

نورِ مصباح ست داد ذوالجلال — صنعتِ خلقت آں شیشہ و سفال

چراغ کا نور خدا کی عطا ہے — شیشہ اور دیلا مخلوق کی کاریگری ہے

[2] لاجرم در ظرف باشد اعتداد — در لہب ہا نبود اِلّا اتحاد

لامحالہ ظرف میں تعدد ہے — روشنیوں میں اتحاد کے سوا کچھ نہیں ہے

نورِ شش قندیل چوں آمیختند — نیست اندر نورِ شاں اعداد و چند

جب چھ قندیلوں کا نور ملا دیا — اُن کے نور میں تعدد اور شمار نہیں ہے

آں جہود از ظرفہا مشرک شدست — نور دید آں مومن و مدرک شدست

یہودی ظرفوں کی وجہ سے مشرک بن گیا — مومن نے نور دیکھا وہ شناسا بن گیا

چوں نظر بر روح افتد مرورا — پس یکے بیند خلیل و مصطفےٰ

چونکہ اُس کی نگاہ روح پر پڑتی ہے — اس لئے خلیلؑ اور مصطفیٰؐ کو ایک دیکھتا ہے

چوں نظر بر ظرف افتد روح را — پس دو بیند شیثؑ او نوحؑ را

جب روح کی نظر ظرف پر پڑتی ہے — وہ شیثؑ اور نوحؑ کو دو دیکھتا ہے

[3] جُو کہ آبش ہست جُو خود آں بُود — آدمی آنست کو را جاں بُود

جس نہر میں پانی ہے، نہر وہی ہے — آدمی وہی ہے، جس میں جان ہو

ایں نہ مرد انند اینہا صورت اند — مُردہ نانند و کُشتہ شہوتند

یہ مرد نہیں ہیں، یہ مورتی ہیں — روٹی پر جان دینے والے ہیں اور شہوت پر قربان ہیں

---

[1] گر جگر بودے۔ اگر دل وہ جگر ہوتا تو یہ دوبارہ نہ آتا۔ چوں نباشد جس عضو کا جو کام ہے اگر وہ عضو اپنا کام نہیں کرتا تو گویا وہ عضو ہی نہیں ہے دل میں جب نور نہ ہو تو وہ دل نہیں۔ انسان میں روح نہ ہو تو وہ محض مٹی کا پتلا ہے۔ آں زجاج جس شیشہ میں روشنی نہیں وہ قندیل نہیں بلکہ پیشاب کی شیشی ہے شیشہ یعنی قندیل کا شیشہ۔ سفال۔ یعنی مٹی کا چراغ۔

[2] لاجرم۔ چراغوں اور قندیلوں میں تعدد اور دوئی ہے اُن کی روشنی جو پھیلتی ہے اُس میں وحدت ہے۔ آں جہود۔ یہود نے انبیاء کے اجسام پر نظر کی تو ان میں تعدد سمجھا بعض پر ایمان لائے اور بعض کا کفر کر دیا۔ مومن نے اجسام اور ظروف پر نظر نہ کی بلکہ روح اور نور کو دیکھا جس میں وحدت ہے تو اُس کا عقیدہ ہوا کہ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ۔ ہم اُن کے رسولوں میں سے کسی میں تفریق نہیں کرتے ہیں۔

[3] جُو۔ نہر تو وہی ہے جس میں پانی ہو آدمی وہی ہے جس میں روح ہو۔ ایں۔ عوام انسان نہیں ہیں مورتیں ہیں ان کو زندہ بھی نہ سمجھو یہ شہوت اور روٹی کے مقتول ہیں

شرح

القصہ لومڑی گدھے کو شیر کے پاس لے گئی اور شیر نے اُسے چیر پھاڑ ڈالا چونکہ ضعیف تو تھا ہی اس کے ساتھ مشقت کی۔ اس سے اس پر حرارت کا غلبہ ہوا اور پیاس لگ گئی پیاس بجھانے کے لیے وہ چشمہ پر گیا لومڑی کو موقع ملا اس نے دل اور جگر کو کھا لیا۔ جب شیر پانی پی کر کھانے کے لیے لوٹا تو اس نے دل تلاش کیا مگر اس کو نہ اس میں

دل ملا نہ جگر ملا۔ اس نے لومڑی سے کہا کہ آخر دل کہاں گیا اور جگر کیا ہُوا۔ کیونکہ جانوروں میں ان دونوں کا ہونا تو ضروریات سے ہے۔ لومڑی نے جواب دیا کہ حضور اگر اس کے اندر دل یا جگر ہوتا تو یہ یہاں دوبارہ آتا ہی کیوں۔ کیونکہ وہ قیامت اور محشر کا نمونہ جو گذر چکا ہے اور وہ پہاڑ سے گرنا اور خوف اور بھاگڑ وہ خود اپنی آنکھ سے دیکھ چکا تھا پس اگر اس کے اندر دل یا جگر ہوتا تو دوسری دفعہ آپ کے پاس آتا ہی کیوں۔

اب مولانا انتقال فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ صاحبو! جب دل میں نور نہ ہو جو دل کی روح ہے تو وہ دل نہیں ہے اور جبکہ اس میں روح نہ ہو تو وہ محض ایک گوشت پارہ اور مٹی ہے۔ دیکھو: جو شیشہ کہ اپنے اندر نور نہیں رکھتا جو کہ اس کی جان ہے۔ وہ قارورہ کا شیشہ ہے اُسے قندیل نہ کہنا چاہیئے کیونکہ جو کمال کی چیز ہے تو اس میں نور چراغ ہے کیونکہ وہ عطائے کردگار ہے باقی رہا شیشہ قندیل یا چراغ کا ٹھیکرا سو وہ تو کچھ بھی نہیں کیونکہ مخلوق کی بنائی ہوئی چیزیں ہیں پس جبکہ اس میں وہی شے نہیں جس سے اس کا کمال ہے تو گویا کہ وہ بمنزلہ لاشے کے ہے اس مقام پر ہم کو ایک اور مناسب مضمون یاد آگیا پس ہم اس کو بیان کرتے ہیں سنو! چونکہ نور و شعلہ چراغ کامل ہے اور سفال و شیشہ ناقص۔ یہی وجہ ہے کہ ظروف یعنی سفال و شیشہ میں تعدد ہوتا ہے اور شعلوں میں صرف اتحاد ہوتا ہے چنانچہ جب قندیلوں کے انوار مل جائیں تو وہ سب ایک ہوتے ہیں اور ان میں تعدد و تفرق نہیں ہوتا۔ پس یہی حالت ارواح و اجسام انبیاء کی سمجھو کہ ان کی ارواح کے انوار متحد ہیں اور اجسام مختلف۔ پس چونکہ کفار مکہ نے اجسام پر نظر کی اور ابراہیم علیہ السلام اور مصطفیٰ علیہ السلام کو دو سمجھا اور اپنے شرک کو دین ابراہیمی خیال کیا اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سے مانع پایا تو وہ مشرک رہے اور مومنین نے ان کے انوار کو دیکھا اور دونوں کو ایک جانا۔ تو وہ حقیقت شناس ہوئے اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کو انہوں نے ابراہیم علیہ السلام کا حکم سمجھا اور بُت پرستی کو ترک کر دیا۔

پس خلاصہ یہ نکلا کہ جب آدمی کی نظر روح پر پڑتی ہے تو وہ ابراہیم اور مصطفیٰ یعنی انبیاء کو ایک سمجھتا ہے اور جبکہ اس کی روح کی نظر اجسام پر پڑتی ہے

تو وہ شیث علیہ السلام اور نوح علیہ السلام یعنی انبیاء کو دو سمجھتا ہے چنانچہ کفار نے اجسام پر نظر کی تو نؤمن ببعض و نکفر ببعض کہا اور مومنین نے ارواح کو دیکھا۔ تو لا نفرق بین احد من رسلہ کہا۔

خیر یہ مضمون تو لطیفہ تھا کہنا ہم کو یہ ہے کہ دیکھو جس ندی میں پانی ہوتا ہے ندی حقیقی وہی ہے علیٰ ہٰذا آدمی وہی ہے جس میں حق شناس روح ہو۔ رہے یہ لوگ جو تم کو دکھائی دیتے ہیں یہ آدمی نہیں ہیں بلکہ آدمیوں کی تصویریں ہیں کیونکہ یہ حق شناس نہیں ہیں بلکہ عاشق نان اور مغلوب شہوت ہیں اس پر ہمیں ایک حکایت یاد آگئی سنو۔

حکایتِ آں راہب کہ روز با چراغ میگشت درمیانِ

اس درویش کی حکایت جو دن میں چراغ لئے ہوئے بازار میں چکر لگاتا تھا اس

بازار از سرِ حالتے کہ او را بود

باطنی حالت کی وجہ سے جو اس کو حاصل تھی

آں[1] یکے با شمع بر میگشت روز ۔۔۔ گرد بازار و دلش پُر عشق و سوز

ایک شخص دن میں چراغ لئے ہوئے گھومتا تھا ۔۔۔ بازار میں، اور اس کا دل عشق و سوزش سے پُر تھا

بوالفضولے گفت او را کا فلاں ۔۔۔ ہیں چہ میجوئی بسوئے ہر دکاں

ایک بیہودہ نے اس سے کہا کہ اے فلاں! ۔۔۔ ہر دکان کے پاس تو کیا ڈھونڈتا ہے؟

ہیں چہ میگردی تو جویاں با چراغ ۔۔۔ درمیانِ روزِ روشن چیست لاغ

ارے تو چراغ لئے ہوئے کیوں گھومتا ہے؟ ۔۔۔ روشن دن میں (یہ)، کیا مذاق ہے!

گفت میجویم بہر سو آدمے ۔۔۔ کہ بود حے از حیاتِ آں دمے

اس نے کہا میں ہر جانب انسان تلاش کرتا ہوں ۔۔۔ جو اس سانس کی زندگی سے زندہ ہو

گفت من جویائے انساں گشتہ ام ۔۔۔ می نیابم ہیچ و حیراں گشتہ ام

اس نے کہا میں انسان کا جویاں بنا ہوں ۔۔۔ میں کسی کو نہیں پاتا ہوں اور حیران ہو گیا ہوں

گفت مردے ہست ایں بازار پُر ۔۔۔ مرد مانند آخر اے دانائے حُر

(فضولی) نے کہا، یہ بازار بھرا ہوا ہے ۔۔۔ اے عقلمند آزاد! آخر انسان ہی ہیں

گفت خواہم[2] مرد بر جادہ دو رہ ۔۔۔ در رہِ خشم و بہنگامِ شرہ

اس نے کہا میں دو راہے پر انسان چاہتا ہوں ۔۔۔ غصہ کے راستہ میں اور حرص کے وقت

حکایت۔ اس حکایت کا خلاصہ یہ ہے کہ بظاہر انسان بہت ہیں لیکن وہ انسان جن میں انسانیت ہو کمیاب ہیں۔

[1] آں یکے۔ ایک خدا کا عاشق دن میں چراغ جلائے ہوئے کچھ ڈھونڈتا پھرتا تھا یعنی دن میں چراغ کی روشنی سے تلاش کرنا مذاق اور دل لگی کی بات ہے تو چراغ لئے کیا تلاش کر رہا ہے۔ گفت۔ اس عاشق خدا نے کہا میں ہر جانب ایسے آدمی کی تلاش میں ہوں جو اللہ کی عطا کردہ زندگی سے زندہ ہو اور مجھے کوئی انسان نہیں ملتا ہے۔ مردے ہست۔ اس بیہودہ شخص نے کہا کہ یہ سارا بازار انسانوں سے پٹا پڑا ہے اور تجھے کوئی انسان نظر نہیں آتا۔

[2] خواہم مرد۔ اس عاشقِ خدا نے کہا میں ایسے انسان کی تلاش میں ہوں جو دو حالتوں یعنی غصہ اور حرص کے وقت سیدھے راستہ پر چلتا ہوا

وقتِ خشم و وقتِ شہوت مرد کُو
غصہ کے وقت اور شہوت کے وقت انسان کہاں ہے؟
طالبِ مردے دوانم کُو بکُو
میں ایسے انسان کی طلب میں کوچہ بکوچہ دوڑتا ہوں

کُو دریں دو حال مردے در جہاں
دنیا میں ان دو حالتوں میں انسان کہاں ہے؟
تا فدائے اُو کنم امروز جاں
تاکہ آج میں اُس پر جان قربان کر دوں

گفت[۳] نادر چیز میجوئی ولیک
اُس نے کہا تو کمیاب چیز تلاش کرتا ہے لیکن
غافل از حکمِ قضائی نیک نیک
تو (اللہ کی) قضا کے حکم سے بالکل غافل ہے

ناظرِ فرعی ز اصلے بے خبر
تو شاخ کو دیکھنے والا ہے اصل سے بے خبر ہے
فرع مائیم اصل احکامِ قدر
ہم شاخ ہیں، تقدیر کے احکام اصل ہیں

چرخِ گرداں را قضا گمرہ کند
قضا گھومنے والے آسمان کو گمراہ کر دیتی ہے
صد عطارد را قضا ابلہ کند
قضا سینکڑوں عطارد کو بے وقوف بنا دیتی ہے

تنگ[۴] گرداند جہانِ چارہ را
وہ تدبیر کی دنیا کو تنگ کر دیتی ہے
آب گرداند حدید و خارہ را
وہ لوہے اور (سنگِ) خارہ کو پانی بنا دیتی ہے

اے قرارے دادہ رہ را گام گام
اے (وہ کہ) تو نے (قدم بقدم راستہ طے کرنا) قرار دیا
خام خامی خام خامی خام خام
تو کچا ہی کچا ہے، کچا ہی کچا ہے، کچا، کچا

چوں بدیدی گردشِ سنگِ آسیا
جبکہ تو نے پن چکی کے پتھر کے چکر کو دیکھا ہے
آبِ جُو را ہم ببیں آخر بیا
آ، بالآخر نہر کے پانی کو بھی دیکھ لے

خاک را دیدی برآمد بر ہوا
تو نے ہوا پر گرد کو دیکھا ہے
درمیانِ خاک بنگر باد را
گرد کے درمیان ہوا کو دیکھ لے

دیگہائے[۲] فکر می بینی بجوش
تو نے فکر کی دیگوں کو جوش میں دیکھا ہے
اندر آتش ہم نظر می کُن بہوش
ہوش سے آگ کو بھی دیکھ لے

گفت حق ایوبؑ را در مکرمت
اعزاز میں اللہ (تعالیٰ) نے (حضرت) ایوبؑ سے فرمایا
من بہر موئیت صبرے دادمت
میں نے تجھے ہر ہر بال کی برابر صبر دیا ہے

ہیں بصبرِ خود مکُن چندیں نظر
خبردار! اپنے صبر پر زیادہ نظر نہ کر
صبر دیدی صبر دادن را نگر
تو نے صبر دیکھا ہے، صبر دینے کو دیکھ لے

چند بینی گردشِ دولاب را
رہٹ کی گردش کو کب تک دیکھے گا؟
سر بروں کن ہم ببیں میراب را
سر باہر کو نکال، پانی والے کو بھی دیکھ لے

چرخ - تقدیر خداوندی آسمان کو بھی راستہ سے بھٹکا دیتی ہے عطارد ستارہ جو آسمان کا منشی ہے اُس کو تقدیر احمق بنا دیتی ہے۔

وقتِ خشم - (شعر) ظفر آدمی اُسکو نہ جانیے گا ہو وہ کیسا ہی صاحب فہم و ذکا۔ جسے عیش میں یادِ خدا نہ رہی جسے طیش میں خوفِ خدا نہ رہا۔ کو - اگر ایسا آدمی مجھے مل جائے تو میں اُسپر جان قربان کر دوں۔

[۳] گفت - اُس شخص نے کہا ایسا انسان نادر اور کمیاب ہے اسکا ملنا دشوار ہے تو تقدیر خداوندی کے حکم سے غافل ہے اور انسان کے افعال کو اس کا اختیاری فعل سمجھتا ہے۔ ناظر - انسان کا اپنا اختیار کہاں ہے اصل تو تقدیر خداوندی ہے۔

[۱] تنگ - تقدیر کے سامنے تدبیر ہیچ ہے لوہے اور سنگِ خارہ کو تقدیر پانی کر دیتی ہے۔ اے - تو نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ راستہ تیرے قدم طے کر آتے ہیں یہ تیری خام کاری ہے سب کچھ تقدیر کرتی ہے۔ چون بدیدی - تو ظاہری اسباب پر نگاہ رکھتا ہے اور حقیقی سبب سے غافل ہے۔ خاک - تو ظاہر پر نظر رکھتا ہے حقیقت اور باطن تجھ سے پوشیدہ ہے۔

[۲] دیگہائی - جس طرح دیگ بغیر آگ کے جوش نہیں کھاتی اسی طرح اسبابِ ظاہری بغیر مؤثرِ حقیقی کے کچھ اثرات نہیں رکھتے ہیں۔ گفت - حضرت ایوبؑ کا صبر مشہور ہے خدا نے انکو بھی یہ حکم دیا تھا کہ اپنے صبر کو نہ دیکھ صبر دینے والے کو دیکھو۔ چند بینی - رہٹ کو نہ دیکھ رہٹ چلانے والے کو دیکھ

تو ہمی گوئی کہ می بینم ولیک | دیدِ آں را بس علامتہاست نیک
تو کہتا ہے میں دیکھ رہا ہوں، لیکن | اُس کے دیکھنے کی بہت سی علامتیں ہیں

گردشِ[۳] کف را چو دیدی مختصر | حیرتت باید بدریا درنگر
جب تو نے دریا کے مختصر جھاگ دیکھے | تجھے حیرت درکار ہے، دریا کو دیکھ

آنکہ کف را دید سر گویاں بُوَد | وآنکہ دریا دید اُو حیراں بُوَد
جس نے جھاگ کو دیکھا اُس نے سر پیٹا | جس نے دریا دیکھا وہ حیران ہے

آنکہ کف را دید نیتہا کُند | وآنکہ دریا دید دل دریا کُند
جس نے جھاگ کو دیکھا وہ نیتیں کرتا ہے | اور جس نے دریا دیکھا وہ دل کو دریا بنا لیتا ہے

آنکہ[۵] کفہا دیدہ باشد در شمار | وآنکہ دریا دیدہ شُد بے اختیار
جس نے جھاگوں کو دیکھا، وہ گنتی میں ہے | اور جس نے دریا کو دیکھا وہ بے اختیار ہو گیا

آنکہ کف را دید در گردش بُوَد | وآنکہ دریا دید اُو بے غش بُوَد
جس نے جھاگ کو دیکھا وہ چکر میں ہے | اور جس نے دریا کو دیکھا وہ بے کھوٹ ہے

آنکہ کف را دید بیگارش کُند | وآنکہ دریا دید بردارش کُند
جس نے جھاگ کو دیکھا وہ اُس سے بیگار لیتا ہے | اور جس نے دریا کو دیکھا وہ اُسکو سولی پر چڑھا دیتا ہے

آنکہ کف را دید گردد مستِ[۶] اُو | وآنکہ دریا دید باشد غرق ہُو
جس نے جھاگ کو دیکھا وہ اُس کا مست بنجاتا ہے | اور جس نے دریا کو دیکھا وہ خدا میں غرق ہو جاتا ہے

آنکہ کف را دید آید در سخن | وآنکہ دریا دید شُد بے ما و من
جس نے جھاگ کو دیکھا وہ باتیں بناتا ہے | اور جس نے دریا کو دیکھا وہ بیخود اور بے انانیت کے ہو جاتا ہے

آنکہ کف را دید پالودہ شود | وآنکہ دریا دید آسودہ شود
جس نے جھاگ کو دیکھا وہ صاف کیا جاتا ہے | اور جس نے دریا کو دیکھا وہ آرام سے ہو جاتا ہے

تو ہمی۔ تیرا دعویٰ تو یہ ہے کہ تو حقیقی سبب کو دیکھتا ہے لیکن حقیقی سبب کو دیکھنے والوں کی ایک علامت بھی تیرے اندر نہیں ہے۔

[۳] گردش۔ یعنی اِن تعینات کی جو بہت تھوڑے ہیں تو نے یہ چہل پہل دیکھی ہے اگر مقامِ حیرت میں پہنچنا تو دریائے حقیقت ذاتِ باری تعالیٰ پر نظر کرنا۔ آنکہ۔ جو صرف تعینات پر نظر رکھتا ہے اور اُنکو دریا سے جدا چیز سمجھتا ہے وہ لاحاصل سجدے کرتا ہے جو شخص دریائے وحدت پر نظر رکھتا ہے اُس کو محمود حیرانی حاصل ہوتی ہے●

[۵] آنکہ کفہا۔ جو شخص دریائے حقیقت سے غافل ہے اور محض بلبلوں اور جھاگوں کو دیکھ رہا ہے وہ اپنے افعال کو شمار کرتا ہے کہ کچھ اختیاری اور کچھ اضطراری ہیں اور وہ شخص جس کی دریا پر نظر ہے اپنے اختیاری افعال کو بھی سمجھتا ہے کہ یہ اختیار بھی خدا کا عطا کردہ ہے۔ گردش بُود یعنی ایسے شخص کو سکون حاصل نہیں ہوتا۔ بے غش بُود۔ یعنی اِس کو اطمینان حاصل ہو جاتا ہے۔ بیگارش۔ یعنی دنیا کے دھندوں سے لگتا ہے اور اُخروی اجر سے محروم رہتا ہے۔ بردارش کُند۔ وہ مخلوق کو فنا کر کے خالق کی خدمت میں لگ جاتا ہے۔

[۶] مستِ اُو۔ مخلوق میں مست ہو کر خدا سے غافل ہو جاتا ہے۔ غرق ہو یعنی فنا فی اللہ۔ در سخن۔ مصرع
آنرا کہ خبر شد خبرش باز نیامد

پالودہ یعنی مجاہدوں کے ذریعہ صاف کیا جاتا ہے۔ جمع آتش پرست۔

● آنکہ۔ جو شخص تعینات کو دیکھتا ہے اور اپنے آپ کو بالکل دریائے حقیقت سے جدا سمجھتا ہے اپنے عمل کو اپنی طرف منسوب سمجھ کر مختلف نیتیں اچھی بُری کرتا ہے۔ وآنکہ دریا۔ جس نے بحرِ حقیقت کو دیکھ لیا ہے اُس کا دل اس قدر وسیع ہے کہ وہ سب کچھ منجانب اللہ سمجھتا ہے۔

شرح ایک شخص دن کے وقت شمع لئے ہوئے کسی مطلوب کے عشق اور سوز سے بھرا ہوا بازار میں گھوم رہا تھا ایک فضول نے کہا کہ جناب آپ ہر دکان کے سامنے کیا ڈھونڈتے ہیں ارے آپ روز روشن میں چراغ سے کیا تلاش کرتے پھرتے ہیں یہ کیا مذاق ہے اسنے جواب دیا کہ میں ہر طرف ایک ایسے آدمی کو تلاش کرتا ہوں جو حق سبحانہٗ کے نفخ رُوح سے زندہ ہو یعنی عارف ہو اسنے یہ بھی کہا کہ میں ہر طرف آدمی کو تلاش کرتا ہوں مگر مجھے بالکل نہیں ملتا اور اسلئے میں حیران ہوں اسنے کہا کہ صاحب! آدمیوں سے تو بازار بھرا ہوا ہے آخر یہ بھی تو آدمی ہیں اسنے کہا کہ میں ایسے آدمی تلاش نہیں کرتا مجھے تو ایسے آدمی کی ضرورت ہے جو دُو رستوں پر مرد ثابت ہو ان میں سے ایک راہ غضب ہے اور دوسرا راہِ حرص اور میں یہ دیکھتا ہوں کہ غصہ اور خواہشِ نفس کے وقت مرد کہاں ہے۔ اور میں ان دونوں صفتوں کے مرد کو کوچہ بکوچہ تلاش کرتا ہوں اور دیکھتا ہوں کہ جوان دو حالتوں میں مرد ہو۔ ایسا شخص دنیا میں کہاں ہے تاکہ اس پر آج ہی جان قربان کردوں چونکہ اس گفتگو سے مقصود اس شخص کا لوگوں کو نصیحت کرنا اور یہ کہنا تھا کہ تم کو ایسا ہونا چاہیئے چنانچہ طریق جستجو اس پر شاہد ہے اسلئے مجیب نے جواب میں جبر سے تمسک کیا۔ اور یوں جواب شروع کیا۔ آپ واقعی ایک عجیب چیز تلاش کرتے ہیں جو کہ دستیاب نہیں ہوتی۔ مگر یہ آپ کی غلطی ہے کہ اس میں بندوں کو مُجرم ٹھہراتے ہیں۔ جیساکہ آپ کی حالت اس پر شاہد ہے اور یہ آپکے حکم قضا سے نہایت سخت غفلت ہے آپ فرع کو دیکھتے ہیں مگر اصل کو نہیں دیکھتے اصل تو احکام قدر ہیں۔ رہے ہم! سو ہم تو اسکے تابع ہیں پس جیسا حکم قضا و قدر ہوتا ہے ہم ویسے ہی بن جاتے ہیں پھر اگر ہم میں ایسا آدمی نہیں ہے جیسا آپ چاہتے ہیں تو الزام کی کیا بات ہے، بدوں حکم الٰہی کے ہم ایسے بن کیسے سکتے ہیں پس یہ آپکی نصیحت فضول ہے انسان تو کیا چیز ہے قضا و قدر میں تو وہ قوت ہے کہ اس وضع خاص سے پھرنے والے آسمان کو اس روش سے پھیر دے اور عطارد جو کہ دُبیرِ فلک ہے اس جیسے سینکڑوں کو احمق کر دے اور عالمِ تدبیر کو بالکل تنگ کر دے کہ کسی کو تدبیر ہی نہ بن پڑے اور لوہے اور سنگ خارا کو پانی بنا دے پس اے شخص جس نے راہ خدا کو

اقدام انسان اور اس کی سعی سے طے ہونے الاقرار دے رکھا ہے تو ہنوز خام ہے۔ خام ہے خام ہے خام ہے تو نے انسانی تصرفات کو دیکھ لیا اور اسکو مختار سمجھ لیا اور مختار سمجھ کر اسے ملزم ٹھہرا دیا اور نصیحت پر آمادہ ہوگیا۔ آخر تجھے اس پر تو نظر کرنی چاہیئے جو اس مشین کو چلا رہا ہے اور جبکہ تو نے پن چکی کے پتھر کو گھومتے دیکھا ہے تو تجھے پانی کو بھی تو دیکھنا چاہیئے جو اس کو گردش دے رہا ہے نیز تو نے خاک کو ہوا میں حرکت کرتے دیکھا ہے مگر تجھے خاک کے اندر ہوا کو بھی تو دیکھنا چاہیئے نیز تو افکار کی ہانڈیاں پکتے دیکھا ہے۔ مگر تجھے تصرف حق سبحانہٗ کو بھی تو عقل سے دیکھنا چاہیئے جو انہیں پکا رہی ہے۔ غرضکہ آدمی مجبور اور تابع اختیار خداوندی ہے پس وہ قابل ملامت نہیں ہے۔

میرے اس بیان کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ حق سبحانہٗ نے ایوب علیہ السلام سے فرمایا تھا کہ ہم نے تمہارے بال بال کو صبر عطا کیا ہے پس تم اپنے صبر پر نظر نہ کرنا تم نے صبر ضرور کیا ہے۔ مگر یہ تو دیکھو کہ صبر دیا کس نے ہے پس تم اپنے صبر پر گھمنڈ نہ کرنا۔ بلکہ ہمارے ممنون ہونا۔ پس اے شخص تو گردش دولاب پر کب تک نظر کرے گا اور کب تک اسکو اس حرکت میں مختار سمجھے گا۔ ذرا سر باہر نکال اور دولاب چلانے والے کو دیکھ کہ وہ چلا رہا ہے ورنہ دولاب کیا چیز ہے تو کہتا ہے کہ میں دیکھتا ہوں اور میں قضا و قدر کا منکر نہیں ہوں لیکن جناب دیکھنے کی بہت سی علامتیں ہیں جو تم میں نہیں پائی جاتیں اس لیے یہ محض تمہارا زبانی دعوٰی ہے۔ اچھا۔ جبکہ حرکت خس و خاشاک۔ یعنی مساعی انسانیہ کو ناچیز سمجھا ہے جیسا کہ تمہارا دعوٰی ہے تو تم کو حیرت چاہیئے اور صفت تعطل تم پر غالب ہونے چاہیئے حالانکہ ایسا نہیں ہے جیسا کہ خود تمہارے اس وعظ سے ظاہر ہے پس تم کو دریا (متصرف حقیقی) پر نظر کرنی چاہیئے اور مساعی انسانیہ کو نظر انداز کر دینا چاہیئے۔

دیکھو جو شخص صرف کف پر نظر کرتا ہے اور انسان کو فاعل مختار سمجھتا ہے وہی سر مارتا اور مساعی میں سرگرم ہوتا ہے۔ اور وہ شخص جو کہ دریا کو دیکھتا ہے اور حق سبحانہٗ کو متصرف سمجھتا ہے وہ تو حیران اور معطل ہوتا ہے اور جو کف کو دیکھتا ہے وہی ارادہ کرتا ہے کہ میں آج یہ کروں گا اور کل وہ کروں گا اور جو شخص دریا کو دیکھتا ہے وہ اپنے دل کو دریا کر لیتا ہے یعنی نہایت وسیع

الاخلاق ہو جاتا ہے کہ نہ کسی پر طعن و تشنیع کرتا ہے اور نہ کسی کو پند و نصیحت کرتا ہے کیونکہ وہ سمجھتا ہے کہ جو کچھ ہو رہا ہے بقضائے الٰہی ہو رہا ہے اور جو کوئی کف کو دیکھتا ہے وہ ہی کہتا ہے کہ ہم بھی قابل شمار ہیں یعنی اپنے کو ہی فاعل مختار سمجھتا ہے۔ رہا وہ شخص جو دریا کو دیکھتا ہے وہ اپنے کو جماد محض جانتا ہے اور تعطل اس پر غالب ہوتا ہے اور جو کوئی کف کو دیکھتا ہے وہی گردش میں ہوتا ہے۔ رہا وہ شخص جو دریا کو دیکھتا ہے وہ اس نقص سے منزہ ہوتا ہے اور جو کوئی کف دیکھتا ہے وہی اسکی بیگار کرتا ہے یعنی استرضائے خلق کے لئے ان کی خدمت کرتا ہے رہا وہ شخص جو دریا کو دیکھتا ہے وہ انکو سولی دیتا ہے اور سب کو آگ لگاتا ہے اور جو شخص کف کو دیکھتا ہے وہ اسی پر عاشق ہوتا ہے رہا وہ شخص جو دریا کو دیکھتا ہے وہ سراسر اس میں مشغول ہوتا ہے اور جو شخص کف کو دیکھتا ہے وہی گفتگو کرتا ہے رہا وہ شخص جو دریا کو دیکھتا ہے وہ اپنے کو مٹا دیتا ہے اور جو کوئی کف کو دیکھتا ہے اسکو انکار گھلائے ڈالتے ہیں۔ رہا وہ شخص جو دریا کو دیکھتا ہے وہ چین سے ہوتا ہے۔

یہ علامتیں ہیں حق سبحانہٗ پر نظر کرنے والے اور مخلوق پر نظر کرنے والے کی۔ اور ان علامتوں میں سے تمہارے اندر وہی علامتیں پائی جاتی ہیں جو کہ مخلوق پر نظر کرنے والی کی ہیں پس تم حق سبحانہٗ پر نظر کرنے والے نہیں ہو۔ اور تمہارا دعوای حق بینی محض غلط ہے یہ جواب تھا اس مجیب کا۔ جس کی بنا اعتقاد جبر ہے۔ اب ہم تم کو ایک جبری اور ایک سنی کا... مناظرہ سناتے ہیں تاکہ تم کو اس مجیب کی تلمیع و تلبیس پر اطلاع ہو جائے اچھا سنو۔

دعوت کردن مسلمان مرمغے را با سلام وجواب او

مسلمان کا ایک آتش پرست کو اسلام کی دعوت دینا اور اس کا جواب

مرمغے را گفت مردے کاے فلاں ۔۔۔ ہیں مسلماں شو بباش از مومناں

ایک شخص نے ایک آتش پرست سے کہا اے فلاں ۔۔۔ خبردار! مسلمان ہو جا، مومنوں میں سے بنجا

گفت اگر خواہد خدا مومن شوم ۔۔۔ ور فزاید فضل ہم موقن شوم

اس نے کہا اگر خدا چاہے گا میں مومن بنجاؤنگا ۔۔۔ اگر زیادہ مہربانی کرے گا صاحب یقین بنجاؤنگا

گفت میخواہد خدا ایمان تو ۔۔۔ تا رہد از دستِ دوزخ جانِ تو

اس نے کہا خدا تیرے ایمان کا خواہشمند ہے ۔۔۔ تاکہ تیری جان دوزخ کے ہاتھ سے نجات پاجائے

۵۳ گفت۔ اس آتش پرست نے کہا اگر خدا چاہے گا تو میں مومن بن جاؤں گا اور اگر مزید مہربانی ہوئی تو پھر موقن یعنی وہ مومن جس کو عین الیقین کا درجہ حاصل ہو بن جاؤنگا۔ میخواہد۔ مسلمان نے کہا۔ خدا تجھے مومن بنانا چاہتا

لیک نفسِ نحس و آں شیطانِ زشت — می کشندت سوئے کفران و کنشت

لیکن منحوس نفس اور بد شیطان — تجھے کفر اور بت خانہ کی طرف کھینچتے

گفت[1] اے مُنصِف چو ایشاں غالب‌اند — یارِ او باشم کہ باشد زورمند

اُس نے کہا اے منصف! جب وہ غالب ہیں — میں اُس کا دوست بنوں گا جو طاقت ور ہو

یارِ آں تانم بُدن کو غالب ست — آں طرف اُفتم کہ غالب جاذب ست

میں اُس کا یار بنوں گا جو غالب ہے — میں اُس طرف جھکوں گا جو زیادہ کھینچنے والا ہے

چوں خدا میخواست از من صدقِ زفت — خواستش چہ سُود چون پیشش نرفت

جب خدا مجھ سے پختہ سچائی چاہتا ہے — اُسکے چاہنے کا کیا فائدہ جبکہ اُس کی نہیں چلتی ہے؟

نفس و شیطاں خواہشِ خود پیش بُرد — واں عنایت قہر گشت و خرد و مُرد

نفس اور شیطان کی اپنی خواہش چلی — وہ مہربانی مغلوب اور ریزہ ریزہ ہو گئی

تو یکے قصر و سرائے ساختی — اندرو صد نقشِ خوش افراختی

تو نے ایک محل اور سرائے بنائی — اُس میں تو نے اچھے نقش بنائے

خواستی مسجد شود آں جائے خیر — دیگرے آمد مر آنرا ساخت دیر

تو نے چاہا وہ اچھی جگہ مسجد بنے — دوسرا آیا اُس نے اُس کو بت خانہ بنا لیا

یا[2] تو بافیدی یکے کرباس تا — خوش بسازی بہرِ پوشیدن قبا

یا تو نے سُوت بُنا تاکہ — پہننے کے لئے اچھی قبا بنائے

تو قبا میخواستی خصم از نبرد — رغمِ تو کرباس را شلوار کرد

تو نے قبا (بنانی) چاہی دشمن نے مخالفت سے — تیرے برخلاف کپڑا کو شلوار کر دیا

چارہ کرباس چہ بُود جانِ من — جز زبونِ رائے آں غالب شدن

اے میری جان! کپڑے کے لئے کیا چارہ ہوگا؟ — غالب آنے والے کے تابع بن جانے کے سوا

اُو زبوں شد جرم ایں کرباس چیست — آنکہ اُو مغلوبِ غالب نیست کیست

وہ مغلوب ہو گیا اُس کپڑے کی کیا خطا ہے؟ — جو غالب سے مغلوب نہیں ہے وہ کون ہے؟

چوں کسے ناخواہِ او بر وے براند — خار بُن در مِلک و خانہ اُو نشاند

جب کسی نے اُس کے خلاف اُس پر حملہ کیا — اُس کی ملکیت اور گھر میں کانٹوں کی جھاڑی لگا دی

صاحبِ[3] خانہ بدیں خواری بُود — کایں چنیں بر وے خلافت میرود

گھر والا اِس ذلت میں ہو — کہ اِس طرح کی اُس پر حکومت ہو

ہم خَلَق گردم من ار تازہ و نَوم — چونکہ یارِ ایں چنیں خوارے شوم

میں بھی بوسیدہ بن جاؤں گا خواہ تازہ اور نیا ہوں — جبکہ میں ایسے کمزور کا دوست بن جاؤں

چونکہ خواہِ نفس آمد مُستعاں — تسخر آمد ایش شاءاللہ کاں

[1] یار۔ آتش پرست نے کہا۔ جبکہ نفس اور شیطان کا چاہا ہوا ہو رہا ہے تو وہ تگڑے ہیں اور مجھے قوی کا ساتھ دینا چاہیئے۔ چوں خدا۔ اگر خدا مجھ سے سچائی چاہتا ہے اور نفس و شیطان کے مقابلہ میں اُس کی کچھ نہیں چلتی ہے تو اُسکے چاہنے کا کیا فائدہ ہے۔ خرد و مُرد۔ ریزہ ریزہ۔ تو یکے۔ اگر کوئی ایک اچھا مکان بنا کر اُس کو مسجد بنانا چاہے اور کوئی دوسرا اُس پر غالب آکر اُس کو بت خانہ بنا دے تو مسجد بنانے والے کی خواہش کا کیا فائدہ ہوا۔

[2] یا تو۔ اگر تو نے کپڑا اِس لئے بنا کر تو اُس کی قبا بنائے اور تیرا مخالف آکر اُسکو شلوار بنا دے تو کپڑے کیلئے اِس کے سوا اور کیا چارہ ہے کہ غالب کے سامنے مغلوب ہو جائے۔ چارہ۔ کپڑے کے لئے اِس کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے کہ غالب کے سامنے مغلوب ہو جائے اور وہ جو کچھ اُس کا بنانا چاہے بنجائے۔ چوں کسے جب کوئی شخص کسی پر غالب ہوتا ہے تو اُس کا سب کچھ بگاڑ دیتا ہے۔

[3] صاحب خانہ۔ غاصب کے مقابلہ میں گھر کا مالک عاجز ہو جاتا ہے اور اُس پر دوسرا حکمرانی کرتا ہے۔ ہم خلق۔ کمزور کا ساتھی بھی ذلیل ہوتا ہے۔ چونکہ۔ جب نفس اور شیطان غالب ہو تو یہ کہنا کہ جو اللہ چاہتا ہے وہ ہوتا ہے ایک مذاق کی بات ہے۔

من[1] اگر ننگِ مُغاں یا کافرم | آں نیم کہ بَر خدا ایں ظن بَرم
میں اگر آتش پرستوں کے لئے ننگ یا کافر ہوں | میں وہ نہیں ہوں کہ خدا پر اس طرح کا گمان کروں

گر کسے ناخواہِ اُو در غمِ اُو | گرددا اندر مُلکتِ اُو حکم جُو
اگر کوئی اُسکی خواہش کے بغیر اور اسکی قوت کے ساتھ | اُس کی ملک میں حاکم ہو

مُلکت اُو را فرو گیرد چنیں | کہ نیارد دَم زدن دَم آفریں
اُس کی مملکت پر اس طرح قبضہ جمالے | کہ دم کو پیدا کرنے والا، دم نہ مار سکے

دفعِ اُو میخواہد و می بایدش | دیو ہر دم غصہ می افزایدش
وہ اُس کو دفع کرنا چاہے اور اُسکو کرنا چاہیے | شیطان ہر وقت اُس کا غصہ بڑھائے

بندۂ ایں دیو میباید شُدن | چونکہ غالب اُوست در ہر انجمن
اُس شیطان کا بندہ ہونا چاہیئے | جبکہ ہر مجلس میں وہ غالب ہے

تا مبادا[2] کیں کشد شیطان زِ من | پس چہ دستم گیرد آنجا ذُوالمنن
تاکہ ایسا نہ ہو کہ شیطان مجھ سے کینہ وری کرے | تو اُس جگہ خدا میری دستگیری کرے گا،

آنکہ اُو خواہد مُرادِ اُو شوَد | از کہ کارِ من دگر نیکو شوَد
جو وہ (شیطان) چاہتا ہے وہ ہو جاتا ہے۔ | پھر کس دوسرے سے میرا کام اچھا ہوگا

مثلِ شیطان بر درِ رحمٰن

رحمٰن کے دربر شیطان کی مثال

حاش لِلہ ایش شاء اللہ کاں | حاکم آمد در مکان ولامکاں
اللہ پاک ہے، جو اُس نے چاہا ہوا | وہ مکان اور لامکان میں حاکم ہے

ہیچکس در ملکِ اُو بے امرِ اُو | در نیفزاید سرِ یک تارِ مُو
کوئی شخص اُس کے حکم کے بغیر اُسکی ملک میں | ایک بال برابر زیادتی نہیں کرسکتا ہے

مُلک[3] مُلکِ اُوست فرماں آنِ اُو | کمتریں سگ بَر درِ آں شیطانِ اُو
سلطنت اُسی کی سلطنت ہے، حکم اُس کا ہے | اُس کا شیطان اُس کے دروازے پر ادنیٰ کتا ہے

ترکماں را گر سگے باشد بدَر | بَر درش بنہادہ باشد رُوے وسَر
اگر ترکمان کے دروازے پر کتا ہو | اُس کے دروازے پر منہ اور سر رکھے ہوتا ہے

کودکانِ خانہ دُمش میکشند | باشد اندر دستِ طفلاں خوارمند
گھر کے بچے اُس کی دُم کھینچتے ہیں | وہ بچوں کے ہاتھوں ذلیل ہوتا ہے

---

[1] من اگر۔ میں خواہ کافر یا آتش پرست ہوں تو میں یہ خیال نہیں کرسکتا کہ اللہ کا چاہا ہوا نہ ہو اور شیطان اور نفس کی خواہش پوری ہو۔ گر کسے۔ آتش پرست کہتا ہے کہ میں عقیدہ نہیں رکھ سکتا کہ کوئی شخص خدا کی ملکیت میں اُس کے برخلاف حکمرانی کرسکے اور خدا اُس کے سامنے دم بھی نہ مار سکے اور خدا دشمن کو دفع کرنا چاہے اور دشمن دفع نہ ہو اور خدا کا غصہ اور بڑھتا رہے۔ بندہ۔ اگر خدا اور شیطان کی یہی حالت ہے تو پھر خدا کی بجائے شیطان کا بندہ بن جانا چاہیئے کیونکہ خدا مغلوب اور شیطان غالب ہے۔

[2] تا مبادا۔ اس حالت میں اگر شیطان کی بجائے خدا کی بندگی کی جائے تو شیطان دشمن بن جائے گا اور خدا کوئی مدد نہ کرسکے گا۔ آنکہ جب شیطان کا منشا پورا ہوتا ہے تو پھر شیطان کے علاوہ میرا بھلا اور کون کرسکتا ہے۔ حاش للہ۔ اللہ تعالیٰ اس سے پاک ہے کہ اُس کا ارادہ پورا نہ ہو۔ ہیچکس۔ اُس کی خدائی میں ایک ذرہ اُس کے حکم کے خلاف نہیں ہوسکتا۔

[3] ملک۔ دنیا اور آخرت اُس کا ملک ہے شیطان اُس کے در کا معمولی کتا ہے۔ ترکمان۔ یہ خانہ بدوش قوم تھی غارتگری اس کا پیشہ تھا

حفاظت کے لئے یہ عمدہ کتے بھی پالتے تھے گھر کے بچے اُن کتوں کی دُمیں کھینچتے تھے لیکن اجنبی انسان پر وہی کتے شیر کی طرح حملہ کر دیتے تھے۔

بازاگر بیگانہ مُعبر کُند — حملہ بروے ہمچو شیرِ نر کُند

پھر اگر کوئی اجنبی گذرتا ہے — نرشیر کی طرح اُس پر حملہ کرتا ہے

کہ اَشِدَّاءُ عَلَی الْکُفَّارِ شُد — با ولی گُل با عدو چوں خار شُد

کیونکہ "وہ کفار پر سخت ہیں" بن گیا — دوست کیساتھ پھول اور دشمن کیساتھ کانٹا بن گیا

[۵۱] زآبِ تتماجے کہ دادش ترکماں — آنچناں وافی شدست و پاسباں

چلے حریرے کی وجہ سے جو ترکمان نے اُسے دیا — ایسا وفادار اور محافظ بن گیا

پس سگِ شیطاں کہ حق ہستش کُند — اندرو صد فکرت و حیلت تنَد

تو شیطان کتا جس کو اللہ (تعالیٰ) پیدا کرتا ہے — اُس میں سینکڑوں خیال اور حیلے ڈالتا ہے

آبروہا را غذائے اُو کُند — تا بَرد اُو آبروئے نیک و بد

آبروؤں کو اُس کی غذا بناتا ہے — تاکہ وہ بھلے اور بُرے کی آبرو اُڑا لے جائے

آبِ تتماج ست آبِ رُوئِ عام — کہ سگِ شیطاں ازاں یابد طعام

عوام کی آبرو پتلا حریرہ ہے — کہ شیطان کتا اُس سے غذا حاصل کرتا ہے

[۵۲] بر درِ خرگاہِ قُدرت جانِ اُو — چوں نباشد حکم را قرباں بگو

اُس کی جان قدرت کے خیمہ کے دروازے پر — حکم پر قربان کیسے نہ ہوگی! بتا

گر گلہ از مُرید و از مَرید — چوں سگِ باسط ذراعے بالوصید

مُرید اور سرکش جماعت در جماعت — کُتّے کی طرح چوکھٹ پر بازو پھیلائے ہوئے ہے

بر درِ کہفِ الوہیت چو سگ — ذرہ ذرہ امر جو برجستہ رگ

الوہیت کے غار کے دروازے پر کُتّے کی طرح — ذرہ ذرہ بھڑکتی ہوئی رگ کیساتھ حکم کا طالب ہے

[۵۳] اے سگِ دیو امتحاں میکن کہ تا — چوں دریں رہ می نہند ایں خلق پا

اے شیطانی کُتّے! امتحان کر کہ تب تک — اس راستہ میں کس طرح یہ مخلوق پاؤں رکھتی ہے

حملہ میکن منع میکن می نگر — تا کہ باشد مادہ اندر صدق و نر

حملہ کر، روک، دیکھ — کہ سچائی میں کون مادہ اور کون نر ہے!

[۵۴] پس اعُوذ از بہر چہ باشد چو سگ — گشتہ باشد از تر فع تیز تگ

تو اعوذ کس لئے ہوتی ہے؟ جب کُتّا — بڑائی کی وجہ سے تیز دوڑتا ہے

ایں اعُوذ آنست اے ترکِ خطا — بانگ بر زن بر سگ و رہ برکشا

یہ اعوذ اِس لئے ہے کہ اے خطا کے تُرک! — کُتّے کو دھمکا اور راستہ کھول دے

تا بیایم بر درِ خرگاہِ تو — حاجتے خواہم ز جود و جاہِ تو

تاکہ میں تیرے خیمہ کے در پر آ جاؤں — تیری سخاوت اور رُتبہ سے حاجت طلب کروں

---

[۵۱] ز آب۔ انکے کتوں کی یہ حالت تھی کہ مخالفوں اور اجنبیوں کے لئے سخت تھے دوستوں کے لئے پھول اور دشمنوں کے لئے کانٹا تھے۔ زآب۔ ترکمان اُس کتے کو پتلا دلیا پلاتا تھا تو وہ اُس کا اس قدر وفادار اور محافظ بن گیا۔ پس۔ جب معمولی غذا پانے پر کتا ترکمان کا ایسا فرمانبردار ہے تو شیطان جس کو خدا نے پیدا کیا اور طرح طرح کی غذائیں اُس کو عطا کرتا ہے۔ وہ شیطان لوگوں کی آبرو سے غذا حاصل کرتا ہے۔

[۵۲] بر درِ خرگاہ۔ اللہ تعالےٰ کے دربار میں شیطان اُس کے حکم پر کیوں قربان نہ ہوگا.... گر گلہ۔ خدا کے دربار میں ہر ارادتمند اور ہر سرکش کتے کی طرح اگلے ہاتھ بچھائے ہوئے بیٹھا ہے۔ وصید۔ چوکھٹ صحن۔ مَرید۔ سرکش۔ بر در کہف۔ اللہ کے دربار کے غار کے سامنے شیطان کتے کی طرح بیٹھا ہے جس کا ذرہ ذرہ اللہ کے حکم کا منتظر ہے۔

[۵۳] اے سگ۔ اللہ نے شیطان کو اِس لئے بٹھا رکھا ہے تاکہ وہ دربار میں پہنچنے والوں کا امتحان کرے اور سچائی کے دعویدار کو پہچان لے اور جو سچائی میں مکمل نہیں ہیں اُن کو دربار تک نہ پہنچنے دے۔ لہٰذا شیطان

[۵۴] پس اعوذ۔ تو اعوذ باللہ کی تعلیم اسی لئے دی گئی ہے کہ دربار میں پہنچنے والوں پر اگر شیطان کتا بھونکے تو وہ

چونکہ تُرک از سطوتِ سگ عاجز ست — ایں اَعُوذ و ایں فغاں نا جائز ست

جبکہ تُرک (بھی) کُتّے کے حملے سے عاجز ہے — یہ اَعُوذ اور یہ فریاد بیکار ہے

تُرک ہم گوید اَعُوذ از سگ کہ مَن — ہم ز سگ دَر ماندہ ام اندر وَطن

ترک بھی کہے کہ میں کُتّے سے پناہ چاہتا ہوں کیونکہ میں — بھی گھر میں کُتّے سے عاجز ہوں

تو نمی یاری بدیں دَر آمدن — من نمی یارم ز دَر بیروں شُدن

تو اِس دروازے تک نہیں آ سکتا — میں دروازے سے باہر نہیں نکل سکتا

خاک اکنوں بر سَرِ تُرک و وثق — کہ یکے سگ ہر دو را بندد عنق

اب تُرک اور مہمان کے سر پر خاک — کہ ایک کتا دونوں کی گردنیں پکڑ دے

حاش لِلّٰہ تُرک بانگے بَر زَند — سگ چہ باشد شیرِ نر خوں قے کُند

خدا پاک ہے، تُرک ایسی ڈانٹ پلائے گا — کُتّا کیا ہوتا ہے؟ نر شیر خون کی قے کر دے

اے کہ خود را شیرِ یزداں خواندہٗ — سالہا شُد با سگے دَر ماندہٗ

اے وہ! کہ تو اپنے آپ کو خدا کا شیر کہتا ہے — سالوں گذر گئے تو کُتّے سے عاجز ہے

چوں کُند ایں سگ برائے تو شکار — چوں شکارِ سگ شُدستی آشکار

یہ کُتّا تیرے لئے شکار کب کرے گا؟ — جبکہ تو کُھلے بندوں کُتّے کو شکار بن گیا

اَعُوذ کے مالک کو پکار کر کہیں کہ وہ اپنے کُتّے کو راستے سے ہٹا دے تاکہ وہ دربار تک پہنچ سکیں۔ چونکہ جب ترک خود کُتّے سے عاجز ہو تو پھر اَعُوذ پڑھنا بالکل بیکار ہے۔
ترک۔ وہ تُرک خود کُتّے سے پناہ مانگتا ہے۔
۵۵ تو نمی۔ تُرک یہ کہے کر کُتّے کے ڈر سے تو اندر نہیں آسکتا اور میں باہر نہیں نکل سکتا۔ خاک۔ ایسے تُرک اور مہمان کے سر پر خاک ہو....
حاش لِلّٰہ۔ تُرک سے یہ بات بہت بعید ہے کہ وہ کُتّے سے ڈرے کُتّا تو درکنار اُس کی ڈانٹ سے شیر خون کی قے کر دے تاکہ۔ انسان جو خلیفۃ اللہ ہے وہ شیطان کے ڈر سے اور مغلوب ہو جائے یہ بُری بات ہے۔
۵۵ چوں کُند۔ جب مالک خود کُتّے سے ڈرے تو کُتّا اُس کے لئے کیا شکار کریگا۔

شرح

ایک شخص نے کسی کافر سے کہا کہ اے فلانے! تو مسلمان ہو جا اور مومن بن جا اُس نے جواب دیا کہ ہاں اگر خدا چاہے گا تو مومن ہو جاؤں گا اور اگر اس کا فضل اور زیادہ ہو گا تو عارف ہو جاؤں گا۔ اس پر مومن نے کہا کہ خدا تو چاہتا ہے کہ تو مومن ہو جائے تاکہ دوزخ کے پنجہ سے تیری جان چھوٹے مگر نفس و شیطان تجھے کفر اور بت خانہ کی طرف کھینچتے ہیں اُس نے جواب دیا کہ اب آپ ہی انصاف سے کہہ دیجیے کہ جب نفس و شیطان خدا سے زور دار ہیں؟ تو مجھے کیا کرنا چاہیئے میں تو اسی کا ساتھ دوں گا جو طاقتور ہو گا اور اسی کا ساتھی ہو سکتا ہوں جو غالب ہے اور اسی طرف جاؤں گا۔ کیونکہ قاعدہ ہے کہ جو زور دار ہوتا ہے اپنی طرف کھینچ لیتا ہے۔

اچھا تبلاؤ جبکہ خدا مجھ سے صدق و خلوص عبودیت چاہتا ہے تو اس کی چاہنے سے کیا فائدہ جبکہ اسکی خواہش چلتی ہی نہیں برخلاف اسکے نفس و شیطان اپنے خواہش چلا لیتے ہیں اور ان کے سامنے خدا کا ارادہ مغلوب اور فنا ہوجاتا ہے۔ پھر میں خدا کا طرف دار کیسے ہوسکتا ہوں۔ دیکھو! تم نے ایک محل اور مکان بنایا اور اس میں عمدہ عمدہ نقش و نگار بنائے اور تم نے چاہا کہ تم اس کو مسجد بناؤ۔ دوسرا آیا اور اس نے اسکو بت خانہ کردیا۔ تو اب بتلاؤ کہ اس مکان کا کیا قصور ہے وہ تو غالب کی اطاعت کے لئے مجبور ہے یا یوں کہو کہ تم نے ایک کپڑا تیار کیا تاکہ تم پہننے ... کے لیے اسکو عمدہ قبا بناؤ۔ پس تم تو اس کو قبا بنانا چاہتے تھے۔ مگر دوسرا شخص آیا اور اس نے تمہاری خواہش کے خلاف اُسے پاجامہ بنادیا۔ ایسی حالت میں کپڑا بجز اس کے کیا کرسکتا ہے کہ وہ غالب کی رائے سے مغلوب ہوجائے اور جو وہ چاہے وہ بن جائے اور اگر اس حالت میں وہ مغلوب ہوگیا تو اس کا کیا قصور ہے کیونکہ وہ کون ہے جو غالب سے مغلوب نہیں ہوتا۔ مغلوب غالب ہونا تو لازمی امر ہے پس جبکہ کوئی شخص خدا کی مرضی کے خلاف اس پر حملہ کرے اور اس کے ملک اور گھر میں کانٹے بودے اور خدا اس قدر کمزور رہیں کہ اس پر دوسروں کی یوں حکومت چلے تو میں اس کا ساتھ کیسے دے سکتا ہوں۔ جبکہ میں ایسے کمزور کا ساتھ دوں گا۔ تو لامحالہ میری گت بنے گی۔ اور میں اچھی حالت سے بُری حالت میں ہوجاؤں گا۔ نیز جبکہ نفس و شیطان خدا پر اس درجہ تسلط حاصل کئے ہوئے ہیں جیساکہ تمہاری بات سے ظاہر ہے۔ تو خواہش نفس و شیطان ہی قابل استطاعت ہوئے اور یہ کہنا کہ جو خدا چاہتا ہے وہی ہوتا ہے محض بے معنی اور مضحکہ خیز امر ٹھہرا۔ سو جناب! خواہ میں کافر ہوں اور خواہ کافر سے بھی بڑھ کر ہوں۔ میں تو خدا کی نسبت ایسا نہیں خیال کرسکتا۔ اگر یہی اسلام ہے تو یہ اسلام آپ ہی کو مبارک رہے اور اگر بالفرض خدا مجبور ہے ہی تو میں کہتا ہوں کہ جب خدا کی یہ حالت کہ دوسرے اس کی منشا کے خلاف اس کی حکومت میں اپنے احکام نافذ کریں اور اسکے ملک پر یوں تسلط حاصل کرلیں کہ خدا دم نہ مار سکے اور وہ اسکو نکالنا چاہے مگر نکال نہ سکے اور نفس و شیطان اپنی سرکشی سے ہر وقت اس کا رنج

بڑھاتے رہیں تو ہرگز ایسے خدا کی غلامی نہ کرنی چاہیئے۔ بلکہ شیطان و نفس کا بندہ ہونا چاہیئے
کیونکہ ہر مقام پر وہی غالب ہیں لہٰذا انہی کی اطاعت ضروری ہے تاکہ مبادا خلاف ورزی
کی صورت میں مجھ سے انتقام لیں۔ کیونکہ اگر میں نے اس کی مخالفت کی اور انہوں نے
مجھ سے انتقام لیا تو اس وقت خدا مجھے کیا سہارا لگائے گا اور جبکہ نفس شیطان کی یہ حالت
ہے کہ جو وہ چاہتے ہیں وہی ہوتا ہے تو پھر اسکی کسی سے برا کام بنے گا۔

اب مولانا فرماتے ہیں کہ حقیقت یہ ہے کہ جو خدا چاہتا ہے وہی ہوتا ہے اور وہ
ضعف و مغلوبیت سے منزّہ ہے وہ مکان اور لامکان ہر دو جگہ حاکم ہے کوئی شخص اس
کے ملک میں بدوں اسکی حکم کے بال برابر تغیر نہیں کر سکتا۔ ملک اس کا ہے اور حکم اس کا۔
شیطان اسکی در کا ایک کتا ہے اسکی کیا مجال ہے کہ وہ خدا کی مرضی کے خلاف کوئی کارروائی
کرے اور خدا کسی کی ہدایت چاہے اور شیطان اسے گمراہ کردے ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا۔

دیکھو! ایک ترک کے دروازہ پر کتا ہوتا ہے جو کہ اسکی ہی در پر پڑا ہوتا ہے اس کی یہ حالت
ہوتی ہے کہ گھر کے لونڈے اسکی دم کھینچتے ہوتے ہیں اور وہ بچوں کے ہاتھ میں ذلیل اور
کمزور ہوتا ہے۔ مگر اسکی ساتھ ہی اسکی یہ حالت ہوتی ہے کہ اگر کوئی بیگانہ گذرنا چاہے تو وہ اس
پر شیر کی طرح حملہ کرتا ہے کیونکہ وہ مخالفین کے مقابلہ میں سخت اور موافقین کے مقابلہ میں نرم ہوتا
ہے اور دوست کے حق میں گل اور دشمن کے حق میں خار ہوتا ہے۔ یہ کتا اس قدر وفادار ہوتا ہے
اسکی وجہ صرف یہ ہوتی ہے کہ ترک اسے شوربا پلاتا کھلاتا ہے پس جبکہ ایک کتے کی ترک
کے سامنے یہ حالت ہے تو سگ شیطان جس کو خدا وجود عطا کرتا ہے اور اسکی اندر سینکڑوں
خیالات اور تدابیر پیدا کرتا ہے۔ اور لوگوں کی آبروؤں کو اسکی غذا بناتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ وہ
بھلے بروں کی آبرو لے اڑتا ہے کیونکہ عوام کی آبروی اس کا شوربا ہے جس سے وہ غذا حاصل
کرتا ہے اور بارگاہ قدرت پر پڑا ہوا ہے ایسی حالت میں وہ خدا پر کیوں نہ قربان ہوگا اور
اس کا مخالف کیسے ہوگا۔ خدا کی تو یہ حالت ہے کہ مطیعین اور نافرمانوں کے گروہ کے گروہ
اسکی آستانہ پر یوں پڑے ہیں جیسا کتا آستانہ غار پر ہاتھ پھیلائے ہوئے پڑا ہے اور الوہیت
کی غار پر ہر ذرہ کتے کی طرح حکم کا منتظر اور چوکنا پڑا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ ہر چیز خدا کے حکم کی مطیع ہے اور کوئی مخالفت نہیں کر سکتا خواہ وہ شیطان ہو یا نفس یا اور کوئی۔ پس شیطان جو کچھ کرتا ہے اسکے حکم سے کرتا ہے کیونکہ اسکو حکم ہے کہ اے شیطان! ذرا جانچ لینا کہ اس راہ میں لوگ کیسے پاؤں رکھتے ہیں تو حملہ کیا کر اور اسکو روکا کر۔ تاکہ معلوم ہو جائے کہ کون خلوص میں پُر ہے اور کون بے خلوص ورنہ اگر شیطان مطیع نہ ہوتا اور بحکم خدا ایسا نہ کرتا بلکہ مخالفانہ کرتا تو اَعُوذُ کے کیا معنیٰ اعوذ کے تو یہی معنیٰ ہیں کہ اے ترک اس کتے کو ڈانٹ دے اور میرے لیے رستے کھول دے۔ تاکہ میں تیری بارگاہ تک آجاؤں اور تیری سخاوت اور تیرے منصب سے اپنی حاجت کا سوال کروں پس جبکہ ترک سطوت سگ سے عاجز ہوگا تو یہ اَعُوذُ اور یہ فغاں ناجائز ہوگا کیونکہ ترک کہے گا کہ میں خود کتے سے پناہ مانگتا ہوں کیونکہ میں خود اسکے خوف سے گھر میں بند ہوں تو اسکے خوف سے دروازہ پر نہیں آسکتا۔ میں اسکے ڈر سے باہر نہیں نکلتا۔ پس میں اور تو دونوں برابر ہیں پس اس ترک کے سر پر بھی خاک پڑے اور اس مہمان کے سر پر بھی کہ ایک کتے نے دونوں کو محبوس کر رکھا ہے توبہ توبہ کہیں ترک کی یہ حالت ہو سکتی ہے اس کی حالت تو یہ ہے کہ اگر وہ ڈانٹ بتا دے تو کتا تو کیا ہے شیر خون اگل دے ارے تو اپنے کو شیر یزداں یعنی مؤمن اور محب خدا کہتا ہے اور برسوں کتے کے ساتھ الجھا ہوا ہے پس جبکہ تو خود کسی کا شکار ہو رہا ہے۔ تو کتا تیرے لئے شکار کیونکر کر سکتا ہے اور تجھ سے مغلوب کیونکر ہو سکتا ہے۔

(فائدہ: میرے خیال میں حاش للہ ؟ ما شاء اللہ کان سے آخر سرخی تک خود مولانا کا کلام ہے اور ان ابیات میں مولانا استطراداً چند مضامین بیان کئے ہیں۔ حاش للہ سے حق سبحانہ کا اپنی مخلوقات پر تسلط دکھلایا ہے اور "اے سگ" الخ سے حملہ میکن تک وجود شیطان کی حکمت بیان کی ہے اور پس اعوذ الخ سے "حاش للہ ترک بانگے بر زند" تک اسکا حق سبحانہ کے سامنے مغلوب ہونا بیان کیا ہے اور ایکہ خود را شیر یزداں سے آخر سرخی تک مضمون ارشادی بیان فرمایا ہے۔ واللہ اعلم)

جواب گفتنِ مومن سُنّی مر کافرِ جبری را در اثباتِ اختیارِ بندہ

بندہ کا اختیار کے ثابت کرنے میں سنّی مومن کا جبری کافر کو جواب دینا

ودلیل گفتن کہ سُنّت راہے باشد کوفتہ اقدام انبیا علیہم السلام

اور دلیل بیان کرنا کہ سنّت وہ راستہ ہے جو انبیاء علیہم السلام کے پاؤں کا روندا

بر یمین آں راہ بیابانِ جبرست کہ خود را اختیار نہ بیند و

ہوا ہے اُس کے دائیں جانب جبر کے جنگل کا راستہ ہے جو کہ اپنا اختیار نہیں

امر و نہی را منکر شود و تاویل کند و از منکر شدنِ امر و نہی

سمجھتا ہے اور امر و نہی کا منکر ہو جاتا ہے اور تاویل کرتا ہے اور امر و نہی کے منکر ہونے سے بہشت

لازم آید انکار بہشت و دوزخ کہ بہشت جزائے مطیعانِ

اور دوزخ کا انکار لازم آتا ہے کیونکہ بہشت فرمانبرداروں کی جزاء ہے

امر ست و دوزخ جزائے مخالفانِ امر و دیگر نگوییم کہ بچہ انجامد

اور دوزخ حکم کے مخالفوں کی جزا ہے اور مزید نہیں کہتا کہ کیا نتیجہ

کہ العاقل تکفیہ الاشارۃ و بر یسارِ آں راہ بیابانِ قدرست

نکلتا ہے عقلمند کے لئے اشارہ کافی ہے اور اُسکے بائیں جانب قدر کا جنگل ہے

کہ قدرتِ خالق را مغلوب قدرتِ خلق داند و از آں فسادہا

جو اللہ کی قدرت کو مخلوق کی قدرت سے مغلوب سمجھتے ہیں اور اس سے وہ

زاید کہ آں مغ جبری بر شمرد

خرابیاں پیدا ہوتی ہیں جنکو وہ جبری آتش پرست گنا آیا ہے

گفت[1] مومن بشنو اے جبری خطاب ‖ آں خود گفتی نک آوردم جواب

مومن نے کہا اے جبری! بات سُن ‖ تو نے اپنی بات کہہ لی اب میں جواب دیتا ہوں

بازیِ خود دیدی اے شطرنج باز ‖ بازیِ خصمت بہ بیں پہن و دراز

اے شطرنجی! تو نے اپنی چال دیکھ لی ‖ مخالف کی لمبی چوڑی چال بھی دیکھ لے

نامۂ عذرِ خودت بر خواندی ‖ نامۂ سُنّی بخواں چہ ماندی

تو نے اپنے عذر کی کتاب پڑھ دی ‖ سُنّی کی کتاب (بھی) پڑھ (کر) تیرا کیا حال ہے

نکتہ گفتی جبریانہ در قضا ‖ سِرِ آں بشنو ز من در ماجرا

قضا کے بارے میں تو نے جبریوں کا نکتہ بیان کر دیا ‖ معاملہ میں مجھ سے اس کا راز سُن لے

اختیارے[2] ہست ما را بے گماں ‖ حِس را منکر نتانی شد عیاں

یقیناً ہمارے لئے (بھی) اختیار ہے ‖ تو آنکھوں دیکھی حِس کا انکار نہیں کر سکتا

اختیارِ خود بہ بیں جبری مشو ‖ رہ رہا کردی براہ آ کج مرو

اپنے اختیار کو دیکھ، جبری نہ بن ‖ تو نے راستہ چھوڑ دیا، راستہ پر آجا، ٹیڑھا نہ چل

سُنّت۔ جبر و قدر کے معاملہ میں جو صحیح مسلک ہے وہ بین بین ہے اُسکی ایک جانب جبر ہے اس عقیدہ کی رُو سے انسان کا کوئی اختیار نہیں ہے جب انسان کو اختیار نہ ہو تو پھر اسکو اللہ کا حکم دینا اور منع کرنا درست نہ ہوگا لہٰذا اُس عقیدہ کے مطابق انہیں تاویل کرنی ہوگی اور پھر ان، طاعت گزاروں کے لئے جنت اور دوزخ کا انکار لازم آئیگا کیونکہ جنت تو اختیاری طور پر عمل کرنے والے کا انعام ہے اور دوزخ نافرمانوں کی سزا ہے اور بائیں سمت کی بائیں جانب قدر کا عقیدہ ہے جس کی بنیاد پر انسان کو اپنے افعال کا خالق جانتے اور اللہ کی قدرت کو انسان کی قدرت سے مغلوب سمجھنا لازم آتا ہے اور اسکے نتائج جبر کے عقیدے کے نتائج سے بھی

[1] گفت۔ سُنّی مسلمان نے جبر کے عقیدے والے کو جواب دیا۔ جبری۔ وہ شخص جو جبر کا عقیدہ رکھتا ہو۔

[2] اختیارے۔ جبر کے عقیدے میں انسان کے اختیار کا بالکل انکار ہے مولانا انسان کے اختیار کو ثابت کرتے ہیں۔

سنگ[1] را ہرگز نگوید کس بیا / از کلوخے کس کجا جوید وفا

پتھر سے کوئی نہیں کہتا تو آجا / ڈھیلے سے وفاداری کون چاہتا ہے؟

آدمی را کس نگوید ہیں بپر / یا بیا اے کور خوش در من نگر

انسان سے کوئی نہیں کہتا، ہاں اُڑ / یا اے اندھے! آ مجھے غور سے دیکھ

گفت یزداں ما علی الاعمیٰ حرج / کے نہد بر کس حرج ربّ الفرج

اللہ تعالیٰ نے فرمایا اندھے پر تنگی نہیں ہے / کشادگی کا پروردگار کسی پر تنگی نہیں ڈالتا ہے

کس نگوید سنگ را دیر آمدی / یا کہ چوبا تو چرا بر من زدی

پتھر سے کوئی نہیں کہتا کہ تو تاخیر سے آیا / یا اے لکڑی! تو نے مجھے کیوں مارا؟

ایں چنیں[2] واجستہا مجبور را / کس نگوید یا زند معذور را

مجبور سے ایسی جواب طلبیاں / کوئی نہیں کرتا ہے، یا مجبور کو مارے

امر و نہی و خشم و تشریف و عتیب / نیست جز مختار را اے پاک جیب

حکم دینا اور روکنا اور غصہ اور اعزاز اور عتاب / اے پاک دل! مختار کے سوا کے لئے نہیں ہے

اختیارے ہست در ظلم و ستم / من ازیں شیطان و نفس ایں خواستم

ظلم اور ستم میں اختیار ہے / میری مُراد نفس اور شیطان سے یہی تھی

اختیار اندر درونت ساکن ست / تا ندید او یوسفے کف را نخست

تیرے اندر اختیار باقی ہے / جب تک اُس نے یوسف کو نہیں دیکھا ہاتھ کو زخمی نہیں کیا

اختیار و داعیہ در نفس بود / روش دید آنگہ پر و بالے کشود

اختیار اور داعیہ نفس میں تھا / اُس کا چہرہ دیکھا پھر بال اور پر کھولے

سگ[3] بخفتہ اختیارش گشتہ گم / چوں شکنبہ دید جنبانید دُم

سوتے ہوئے کتے کا اختیار گم ہو گیا ہے / جب معدہ دیکھا اُس نے دُم ہلائی

اسپ ہم حوحو کند چوں دید جو / چوں بجنبد گوشت گربہ گفت مو

گھوڑا بھی جوجو کرنے لگتا ہے جب جَو دیکھتا ہے / جب گوشت ہلتا ہے، بلّی میاؤں کہتی ہے

دیدن آمد جنبشِ آں اختیار / ہمچو نفخے ز آتش انگیزد شرار

دیکھنا اُس اختیار کی حرکت بنا / اُس پھونکنے کی طرح جو آگ سے چنگاریاں اڑاتا ہے

پس[4] بجنبد اختیارت چوں بلیس / شد دلالہ آردت پیغام ویس

تو تیرا اختیار حرکت میں آ جاتا ہے جب شیطان / دلّال بنتا ہے، تیرے پاس ویس کا پیغام لاتا ہے

---

[1] سنگ۔ انسان کو حکم دیا جاتا ہے پتھر کو کوئی حکم نہیں دیتا ہے معلوم ہوا کہ انسان میں قدرت اور اختیار ہے۔ آدمی را جس چیز کی انسان میں قدرت اور اختیار نہیں ہے اُس کے بارے میں کوئی اُس کو حکم نہیں دیتا ہے انسان سے کوئی نہیں کہتا کہ تو اُڑ۔ کس نگوید۔ پتھر سے کوئی کسی طرح مطالبہ نہیں کرتا ہے اس لئے کہ جانتا ہے اُس میں کوئی قدرت اور اختیار نہیں ہے۔

[2] ایں چنیں۔ جس قدر مطالبات ہیں وہ صاحب اختیار قدرت سے ہیں، امر و نہی غضب حکم اور معاملت وغیرہ صاحب اختیار سے متعلق ہے۔ اختیار۔ انسان ظلم اور ستم کرنے اور نہ کرنے میں با اختیار ہے جب ظلم کرتا ہے تو خود اپنے ارادہ اور اختیار سے کرتا ہے نفس اور شیطان خود انسان کا اپنا ارادہ ہے۔ ساکن۔ جب تک کسی طرح کا داعیہ پیدا نہیں ہوتا ہے تو انسان کا اختیار خوابیدہ رہتا ہے۔ تا ندید۔ اس سے حضرت یوسفؑ اور مصری عورتوں کے واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔

[3] سگ بخفتہ۔ جب تک کتا ہڈی نہیں دیکھتا تو سوتا رہتا ہے ہڈی دیکھ کر دُم ہلانا شروع کر دیتا ہے یہی حال انسان کے اختیار اور قدرت کا ہے جب تک کوئی داعیہ نہیں ہے وہ خوابیدہ ہے جب کوئی داعیہ ہوگا تو بیدار ہو جائے گا۔ حوحو کند یعنی گھوڑا ہنہناتا ہے۔ مو یعنی بلی میاؤں میاؤں کرتی ہے۔ دیدن۔ اِس داعیہ کو دیکھنا اختیار کو بیدار اور متحرک بنا دیتا ہے۔

[4] پس بجنبد۔ شیطان تیرے معشوق کا پیغام لاتا ہے تو دلّال کا کام کرتا ہے اور تیرا خوابیدہ اختیار حرکت میں آ جاتا

چونکہ مطلوبے بریں کس عرضہ کرد	اختیارِ خفتہ بگشاید نبرد

جب اس شخص پر مطلوب پیش کیا	سویا ہوا اختیار جنگ شروع کر دیتا ہے

واں فرشتہ خیرہا بر رغمِ دیو	عرضہ دارد میکُند در دل غریو

فرشتہ، شیطان کے برخلاف بھلائیاں	پیش کرتا ہے، دل میں شور برپا کر دیتا ہے

تا بجنبد اختیارِ خیرِ تو	زانکہ پیش از عرضہ خفتہ است این دو خو

تاکہ تیرا بھلائی کا اختیار حرکت میں آئے	کیونکہ پیش کرنے سے پہلے یہ دونوں خصلتیں سوئی ہوئی ہیں

پس فرشتہ و دیو گشتہ عرضہ دار	بہرِ تحریکِ عروقِ اختیار

تو فرشتہ اور شیطان پیش کرنیوالے ہنے	اختیار کی رگوں کو حرکت میں لانے کے لئے

می فزود ز الہامہا و وسوسہ[۵۲]	اختیارِ خیر و شرت دہ کسہ

وسوسے اور الہاموں کی وجہ سے بنجاتا ہے	تیرا خیر اور شر کا اختیار دس گروں والا

وقتِ تحلیلِ نماز اے بانمک	زاں سلام آورد باید بر ملک

اے ملیح! نماز ختم کرنے کے وقت	اسی لئے فرشتوں کو سلام کرنا چاہیے

کہ ز الہام و دعائے خوبِ تاں	اختیارِ ایں نمازم شد رواں

کہ تمہاری اچھی دعا اور الہام سے	اس نماز کا (بجا) اختیار ختم ہو گیا

باز از بعدِ گنہ لعنت کنی[۵۳]	بر بلیس ایرا کہ از وے منحنی

پھر گناہ کے بعد تو لعنت کرتا ہے	شیطان پر، کیونکہ تو اسی وجہ سے کُبڑا بنا

ایں دو ضد عرضہ کنندہ در سِرار	در حجابِ غیب آمد عرضہ دار

در پردہ یہ دو متضاد پیش کرنے والے	غیب کے پردے میں پیش کرنیوالے ہیں

چونکہ پردۂ غیب برخیزد ز پیش	تو بہ بینی روئے دلالانِ خویش

جب غیب کا پردہ سامنے سے اٹھ جائیگا	تو اپنے دلالوں کا چہرہ دیکھ لے گا

وز سخن شاں واشناسی بے گزند	کاں سخن گو در حجاب اینہا بُدند

اور تو بلا تکلف اُن کی گفتگو کو پہچان لے گا	کہ پردے میں گفتگو کرنے والے یہی تھے

دیو گوید[۵۴] اے اسیرِ طبع و تن	عرضہ میکردم نہ کردم زورِ من

شیطان کہے گا اے طبیعت اور جسم کے قیدی!	میں نے پیش کیا تھا، میں نے مجبور نہ کیا تھا

واں فرشتہ گویدت من گفتمت	کہ ازیں شادی فزوں گردد غمت

اور وہ فرشتہ تجھ سے کہے گا میں نے تجھ سے کہا تھا	کہ اس خوشی سے تیرے رنج میں اضافہ ہوگا

آں فلاں روزت نگفتم من چناں	کہ ازاں سو لیست رہ سوئے جناں

کیا میں نے فلاں روز تجھ سے ایسا نہ کہا تھا؟	کہ جنتوں کا راستہ اُس جانب ہے

ہے اور جنگ شروع کر دیتا ہے۔ واں فرشتہ۔ اللہ تعالیٰ کا فرشتہ شیطان کے برخلاف خیریں پیش کر کے دل میں غلیان پیدا کرتا ہے تاکہ شر کی بجائے خیر والا اختیار بیدار ہو جائے بس۔ غرضیکہ فرشتہ اور شیطان تو تیرے اندرونی اختیار کو متحرک کرتے ہیں اختیار تیرے اندر موجود ہوتا ہے

[۵۲] می شود۔ جو اختیار خود انسان میں موجود ہوتا ہے وہ فرشتوں کے الہام اور شیطانوں کے وسوسوں کے ذریعہ قوی ہو جاتا ہے۔ وقتِ تحلیل۔ جس وقت نمازی سلام پھیرتا ہے تو فرشتوں کی بھی نیت کرتا ہے اس لئے کہ انہی کی ترغیب اور الہام سے اُس نے نماز ادا کی ہے۔

[۵۳] باز۔ گناہ کے بعد انسان شیطان پر اسی وجہ سے لعنت بھیجتا ہے کہ اُس کے وسوسہ کی وجہ سے وہ گناہ میں مبتلا ہوا اور اُس نے کجروی اختیار کی۔ اتی دو یعنی فرشتہ اور شیطان۔ چونکہ۔ حشر میں جبکہ دنیوی زندگی کا یہ حجاب ختم ہو جائے گا تو فرشتہ اور شیطان کو خود دیکھ لے گا اور جو پس پردہ اُن کی باتیں تھیں

[۵۴] دیو۔ وہاں شیطان تجھ سے کہہ دے گا کہ میں نے دل میں وسوسہ ہی تو ڈالا تھا تجھے مجبور تو نہ کیا تھا مگر فرشتہ تجھ سے کہے گا کہ میں نے تیرے دل میں یہ بات ڈال دی کہ اس گناہ کی لذت اور خوشی بہت سے غموں کا سبب

ما محبِّ جان و روح افزایِ تو | ساجدانِ مخلصِ بابایِ تو

ہم جان کو پیار رکھنے والے اور تیری رُوح کو بڑھانے والے ہیں | تیرے باوا کے مخلص اور سجدہ کرنے والے ہیں

ایں زمان ہم خدمتے ہم میکنیم | سُوئے مخدومی صلایت میزنیم

میں اس وقت بھی تیری خدمت کر رہا ہوں | مخدوم بننے کی جانب تجھے بُلاتا ہوں

آں گرُوہ بابات را بُودہ عدُو | وز خطابِ اُسجُدُوا کردہ اِبا

وہ گروہ تیرے باوا کا دشمن تھا | اور "سجدہ کرو" کے حکم سے اُس نے انکار کیا تھا

آں گرفتی دانِ ما انداختی | حقِّ خدمت ہائے ما نشناختی

تونے وہ لے لیا اور ہماری بات کو نظر انداز کیا | تو ہماری خدمتوں کے حق کو نہ پہچانا

ایں زماں مارا و ایشاں را عیاں | در نگر بشناس از لحن و بیاں

اب ہمیں اور اُن کو آنکھ سے | دیکھ لے، لہجے اور گفتگو سے پہچان لے

نیم شب چوں بشنوی رازی ز دوست | چوں سخن گوید سحر دانی کہ اوست

جب تو آدھی رات کو دوست کی آواز، راز سنتا ہے | جب وہ صبح کو بات کرتا ہے تو جان لیتا ہے کہ وہ وہی ہے

ور دو کس در شب خبر آرد ترا | روز از گفتن شناسی ہر دو را

اگر رات میں دو شخص تیرے پاس خبر لائیں | دن میں بات کرنے سے تو دونوں کو پہچان لیتا ہے

بانگِ شیر و بانگِ سگ شب در رسید | صورتِ ہر دو ز تاریکی ندید

رات کو شیر کی آواز اور کتے کی آواز آئی | تونے اندھیرے کی وجہ سے دونوں کی صورت نہ دیکھی

روز شد چوں باز در بانگ آمدند | پس شناسد شاں ز بانگ آں ہوشمند

دن نکلا، پھر جب وہ بولے | تو وہ ہوشمند آواز سے اُن کو پہچان لیتا ہے

مخلص اینکہ دیو و روح عرضہ دار | ہر دو ہستند از تتمہ اختیار

خلاصہ یہ ہے کہ شیطان اور فرشتہ پیش کرنے والے | دونوں اختیار کا تکملہ ہیں

اختیارے ہست در ما ناپدید | چوں دو مطلب دید آید در مزید

ہم میں چھپا ہوا اختیار ہے | جب دو مطلب دیکھتا ہے جوش میں آتا ہے

اوستاداں کودکاں را میزنند | آں ادب سنگِ سیہ را کے کنند

استاد بچّوں کو پیٹتے ہیں | یہ سزا کالے پتھر کو کب دیتے ہیں!

ہیچ گوئی سنگ را فردا بیا | ور نیائی من دہم بد را سزا

تو کبھی پتھر کو کہتا ہے، کل آنا | اگر تو نہ آئے گا، تو میں بُرے کو سزا دوں گا

بنے کی۔ آں فلاں۔ فرشتہ یہ بھی کہے گا کہ فلاں روز میں نے تجھے جنت کا راستہ بتایا تھا اور یہ بھی کہا تھا کہ ہم تمہارے خیر خواہ ہیں اور تمہارے باپ حضرت آدمؑ کو سجدہ کرنے والے ہیں۔ آیں زمانت۔ فرشتہ یہ بھی کہتا ہے کہ جس طرح ہم نے تمہارے باپ کی خدمت کی تمہاری خدمت کرتے ہیں اور نیک راستہ بتا کر تجھے مخدوم بنانا چاہتے ہیں۔ آں گرُوہ۔ فرشتہ نے یہ بھی کہا کہ یہ شیاطین کی جماعت تمہارے باپ کی بھی دشمن تھی اور اُن کو سجدہ کرنے سے اس نے انکار کیا تھا۔

۵ آں۔ فرشتہ کہہ دے گا کہ تونے ہمارا کہنا نہ مانا اور شیطان کا کہنا مانا۔ آیں زماں۔ پہلے تونے ہمیں دیکھا نہ تھا آواز سُنی تھی اب آواز سے آواز ملا کر ہمیں پہچان لے ہم وہی ہیں یا نہیں ہیں۔ نیم شب۔ اندھیرے میں اگر کوئی تم سے بات کرتا ہے تو دن میں اس کی آواز سے پہچان جاتے ہو کہ رات میں بات کرنے والا شخص یہی تھا۔

۶ مخلص۔ بات کا خلاصہ یہ نکلا کہ انسان نیکی اور بدی کرنے میں با اختیار ہے مجبور نہیں ہے وہ اختیار پوشیدہ ہوتا ہے متعدد کے سامنے آجانے پر اس اختیار میں طاقت آجاتی ہے۔ اوستاداں۔ اُستاد بچّہ کو مختار سمجھ کر غلطی پر مارتا ہے پتھر چونکہ مجبور محض ہے اس کو کوئی نہیں مارتا ہے۔ ہیچ۔ پتھر کو مجبور مان کر نہ کوئی شخص اس کو حکم دیتا ہے نہ اسکو سزا کا مستحق سمجھتا

---

۳ ور دو کس۔ رات میں جو شخص باتیں کرتے ہیں دن میں ان کی آواز پہچان کر تم متعین کر لیتے ہو کہ ان دونوں میں سے فلاں بات فلاں شخص نے کہی اور فلاں بات فلاں شخص نے کہی تھی رات میں اگر کُتّے اور شیر کی آواز سُنی تھی تو دن میں جب دونوں کی آوازوں کو سنتا ہے تو جان جاتا ہے کہ رات کی فلاں آواز شیر کی تھی اور فلاں کُتّے کی تھی۔

ہیچ عاقل مر کلوخے را زند — ہیچ با سنگے عتابے کس کند

عقلمند انسان کبھی ڈھیلے کو مارتا ہے — کوئی کبھی پتھر پر غصہ کرتا ہے

در خرد جبر از قدر رسواتر ست — زانکہ جبری حس خود را منکر ست

عقلاً جبر قدر سے زیادہ بُرا ہے — کیونکہ جبری اپنے حس کا منکر ہے

منکرِ حس نیست آں مردِ قدر — فعلِ حق حسی نباشد اے پسر

قدری انسان، حس کا منکر نہیں ہے — اے بیٹا! اللہ (تعالیٰ) کا کام حس میں نہیں آتا

منکرِ فعلِ خداوندِ جلیل — ہست در انکار مدلولِ دلیل

خداوندِ جلیل کے فعل کا منکر — دلیل کے نتیجہ کے انکار میں (مبتلا) ہے

آں بگوید دود ہست و نار نے — نورِ شمعے بے ز شمع روشنے

وہ کہتا ہے، دھواں ہے اور آگ نہیں ہے — شمع کی روشنی، بغیر شمع کے روشن ہے

ویں ہمیں بیند معین نار را — نیست میگوید پئے انکار را

اور یہ (جبری) آگ کو موجود دیکھتا ہے — انکار کے لئے "نہیں ہے" کہتا ہے

جامہ اش سوزد بگوید نار نیست — جامہ اش دوزد بگوید تار نیست

اس کا کپڑا جلتا ہے، کہتا ہے آگ نہیں ہے — اس کا کپڑا سیتا ہے، کہتا ہے دھاگا نہیں ہے

پس تسفسط آمد ایں دعوئ جبر — لاجرم بدتر بود زیں روز گبر

یہ جبر کا دعوٰے سوفسطائیت ہے — اس اعتبار سے وہ لامحالہ دہریہ سے بدتر ہے

گبر گوید ہست عالم نیست رب — یا ربے گوید کہ نبود مستجب

دہریہ کہتا ہے عالم موجود ہے، خدا نہیں ہے — یارب کہتا ہے، جو قبول نہیں ہوتا ہے

ایں ہمی گوید جہاں خود نیست ہیچ — ہست سوفسطائی اندر پیچ پیچ

یہ کہتا ہے کہ دنیا خود کچھ نہیں ہے — سوفسطائی، پیچ و تاب میں ہے

جملہ عالم مقر در اختیار — امر و نہیِ ایں بیار و آں میار

اختیار کا سارا جہاں مقر ہے — حکم دینا اور منع کرنا، یہ لاؤ اور وہ نہ لاؤ

او ہمی گوید کہ امر و نہی لاست — اختیارے نیست ایں جملہ خطاست

وہ کہتا ہے کہ حکم دینا اور منع کچھ نہیں ہے — کوئی اختیار نہیں ہے، یہ سب غلط ہے

حس را حیواں مقر ست اے رفیق — لیک ادراکِ دلیل آمد دقیق

اے دوست! حس کا حیوان مقر ہے — لیکن دلیل کا ادراک دقت طلب ہے

ہے۔ در خرد۔ غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جبر کا عقیدہ تو قدر کے عقیدہ سے بھی بدتر ہے کیونکہ جبر کے عقیدہ کی بنیاد پر انسانی فعل کا انکار لازم آتا ہے جو محسوس چیز ہی ہے تو گویا جبری اپنے ایک محسوس کا منکر ہے۔

ملہ مرد قدر۔ قدری شخص جو اپنے آپ کو خود مختار مانتا ہے اللہ تعالیٰ کا بندے کو اختیار عطا کرنے کا منکر ہے وہ اللہ کے ایک فعل کا منکر ہے جو حسی چیز نہیں ہے جبکہ قدری شخص جو اللہ تعالیٰ کے بندے کو اختیار عطا کرنے کا منکر ہے وہ صرف ایک نظری دلیل کے نتیجہ کا منکر ہے۔ آں بگوید جبری عقیدے کا نتیجہ تو یہ ہے کہ وہ کہتا ہے دھواں موجود ہے مگر آگ کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ خود بخود پیدا ہو گیا ہے اور موم بتی کا نور ہے لیکن موم بتی کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ خود بخود موجود ہو گیا ہے۔

ملہ ویں۔ جبری محسوس کا انکار کرتا ہے تو گویا آگ کو دیکھتے ہوئے آگ کے وجود کا انکار کرتا ہے

ملہ گبر گوید۔ دہریہ اختیاری حالت میں عالم کو موجود مانتا ہے خدا کا منکر ہے لیکن اضطراری حالت میں خدا کو بھی پکارنے لگتا ہے اور سوفسطائی عالم کے وجود ہی کا منکر ہے۔ جملہ عالم۔ دنیا کے سب انسان، انسان کے اختیار کے قائل ہیں اسی لئے ایک دوسرے کو حکم دیتا ہے اور منع کرتا ہے اگر مخاطب کو مختار نہ سمجھتے تو نہ حکم دیتے نہ منع کرتے۔

کپڑا آگ سے جل رہا ہے اور آگ کا انکار کرتا ہے دھاگے سے کپڑا سِل رہا ہے اور دھاگے کا انکار کرتا ہے۔

پس تسفسط۔ جبر کا عقیدہ تو سوفسطائی عقیدہ پر مبنی ہے جو اشیاء کو موجود نہیں مانتا بلکہ اشیاء کے وجود کو وہم اور خیال کہتا ہے اور یہ سوفسطائی عقیدہ دہریہ کے عقیدہ سے بھی بدتر ہے۔

زانکہ محسوس ست مارا اختیار ۔۔۔ خوب می آید برو تکلیف کار
کیونکہ ہمارا اختیار محسوس ہے ۔۔۔ اسکی بناء پر کام کا مکلف بنانا مناسب ہے

درکِ وجدانی چوں اختیار و اضطرار و خشم و اصطبار و
باطنی احساس جیسے کہ اختیار اور اضطرار اور غصہ اور صبر کرنا اور
سیری و ناہار بجائے حس ست کہ زرد از سرخ بداں فرق
پیٹ بھرنا اور بھوک، حس کے قائم مقام ہے جو کہ زرد کو سرخ سے
کنند و خرد از بزرگ و تلخ از شیریں و مشک از سرگیں و درشت
اور چھوٹے کو بڑے سے اور کڑوے کو میٹھے سے اور مشک کو گوبر سے اور سخت
از نرم و سرد از گرم و سوزاں ز شیر گرم و تر از خشک و لمس
کو نرم سے سرد کو گرم اور جلانے والے کو نیم گرم سے اور تر کو خشک سے اور دیوار
دیوار از لمس درخت پس منکر وجدانی منکر حس باشد و زیادہ
کے چھونے کو درخت کے چھونے سے فرق کرتی ہے تو باطنی احساس کا منکر حس کا منکر ہوگا
کہ وجدان از حس ظاہر تر ست زیرا کہ حس را تواں بستن و
اور اس سے بھی بڑھ کر کیونکہ باطنی احساس حس سے بڑھ کر ہے کیونکہ حس کو احساس کرنے سے باندھا
منع کردن از احساس و بستن راہ و مدخل وجدانیات
اور روکا جاسکتا ہے اور باطنی احساسات کے راستہ اور مدخل کو بند کرنا ممکن نہیں ہے

ناممکن نیست والعاقل تکفیہ الاشارۃ
ممکن نہیں ہے اور عقلمند کے لئے اشارہ کافی ہے

درکِ وجدانی بجائے حس بود ۔۔۔ ہر دو در یک جدول اے عم میرود
باطنی احساس حس کی جگہ ہے ۔۔۔ اے چچا! دونوں ایک گول میں جاتے ہیں

نغز می آید برو کن یا مکن ۔۔۔ امر و نہی و ماجراہا و سخن
اس پر بھلا لگتا ہے کر یا نہ کر ۔۔۔ حکم دینا اور منع کرنا اور باتیں اور واقعات

ایں کہ فردا ایں کنم یا آں کنم ۔۔۔ ایں دلیلِ اختیارست اے صنم
یہ کہ کل یہ کروں گا یا وہ کروں گا ۔۔۔ اے پیارے! یہ اختیار کی دلیل ہے

واں پشیمانی کہ خوردی زاں بدی ۔۔۔ ز اختیارِ خویش گشتی مہتدی
اور وہ شرمندگی جو تونے بدی سے اٹھائی ۔۔۔ اپنے اختیار سے تو ہدایت یاب بنا

جملہ قرآں امر و نہی ست و وعید ۔۔۔ امر کردن سنگِ مرمر را کہ دید
سارا قرآن امر اور نہی اور ڈراوا ہے ۔۔۔ سنگِ مرمر کو حکم کرنا، کس نے دیکھا ہے؟

---

۵۲ آو۔ جبری یہ کہتا ہے کہ حکم دینا اور روکنا سب غلط ہے انسان کو کرنے نہ کرنے میں کوئی اختیار حاصل نہیں ہے۔ جبّش۔ حیوانات تک جس کے قائل ہیں لیکن جبری اس کا انکار کرتا ہے۔

۵۳ یکت۔ قدری جو بندہ کو مختار مطلق قرار دیتا ہے وہ دلیل جیسی دقیق چیز کا منکر ہے لہٰذا جبری، قدری سے بے عقلی میں بڑھا ہوا ہے۔ آنکہ۔ انسان کا مختار ہونا بالکل حسّی چیز ہے اسی بناء پر مکلف قرار دیا گیا ہے۔

۵۴ درک۔ علم وجدانی۔ وہ علم جو وجدان کے ذریعہ حاصل ہو وجدان نفس اور اس کی باطنی قوتوں کو کہا جاتا ہے۔ مولانا کے فرمانے کا حاصل یہ ہے کہ کچھ معلومات تو وہ ہیں جو بذریعہ وجدان انسان کو حاصل ہوتی ہیں جیسا کہ مجبور ہونا مضطر ہونا یا غصہ اور صبر کرنا اور کچھ معلومات وہ ہیں جو بذریعہ حواس حاصل ہوتی ہیں جیسا کسی چیز کا چھوٹا بڑا ہونا یا کڑوا میٹھا ہونا وغیرہ تو وجدانی معلومات ایسی ہی ہیں جیسا کہ وہ معلومات جو حواس کے ذریعہ ہوتی ہیں بلکہ وجدانیات، محسوسات سے زیادہ بڑھی ہوئی ہیں کیونکہ محسوسات کا ذریعہ حواس ہیں اور حواس انسان معطل کر سکتا ہے لیکن وجدان کو معطل کرنا ممکن نہیں ہے تو جو شخص کسی وجدانی معلوم کا انکار کرے تو وہ محسوس کے منکر کی طرح ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ

هیچ دانا هیچ عاقل ایں کُند | با کلوخ و سنگ خشم و کیں کُند
کوئی سمجھدار کوئی عقلمند یہ کرتا ہے | ڈھیلے اور پتھر سے غصہ اور کینہ کرتا ہے؟

کہ بگفتم کہ چنیں کُن یا چناں | چوں نکردید اے موات و عاجزاں
کہیں نے کہا تھا ایسا کر یا ویسا | اے مُردو اور عاجزو! تم نے کیوں نہ کیا؟

عقل[۳] کے حکمے کُند بر چوب و سنگ | مردِ چنگی کے زند بر نقش چنگ
لکڑی اور پتھر کو عقل کب حکم دیتی ہے! | چنگ بجانے والا چنگ کی تصویر کو کب بجاتا ہے؟

کاے غلامِ بستہ دست اشکستہ پا | نیزہ برگیر و بیا سوئے وغا
کہ اے ہاتھ بندھے، پاؤں ٹوٹے ہوئے غلام! | نیزہ تھام اور جنگ کی جانب آ

خالقے کو اختر و گردوں کُند | امر و نہیِ جاہلانہ چوں کُند
وہ خالق جس نے ستارے اور آسمان بنایا | جاہلوں کا سا حکم دینا اور منع کرنا کب کرتا ہے؟

اِحتمالِ[۴] عجز از حق راندی | جاہل و گیج و سفیہش خواندی
تو نے اللہ (تعالیٰ) سے عاجزی کا احتمال رفع کیا | (اور) اس کو جاہل اور احمق اور بیوقوف کہہ دیا

عجز نبود در قدر ور خود شود | جاہلی از عاجزی بدتر بود
قدر کے عقیدہ میں عجز لازم نہیں آتا ہے اور اگر آئے | جہالت، عجز سے بدتر ہے

تُرک[۵] میگوید قنق را از کرم | بے سگ و بے دلق آ سوئے درم
مہربانی سے تُرک مہمان سے کہتا ہے | میرے دروازے کی جانب بغیر کتے اور گدڑی کے آ

وز فلاں سو اندر آ ہیں با ادب | تا سگم بندد ز تو دندان و لب
خبردار! فلانے دروازے سے ادب کے ساتھ اندر آجا | تاکہ میرا کُتّا تجھ سے ہونٹ اور دانت بند رکھے

تو بعکس آں کُنی بر در روی | لاجرم از زخمِ سگ خستہ شوی
تو اس کا اُلٹا کرتا ہے، دروازے پر جاتا ہے | لامحالہ کتے کے زخم سے خستہ ہو جاتا ہے

آنچناں[۶] رو کہ غلاماں رفتہ اند | تا سگش گردد حلیم و مہرمند
وہ روش اختیار کر جو غلام اختیار کرتے ہیں | تاکہ اس کا کتا بُردبار اور مہربان بن جائے

تو سگے با خود بری یا روبہے | سگ بشورد از بنِ ہر خرگہے
تو اپنے ساتھ کتا یا لومڑی لے جاتا ہے | ہر خیمہ میں سے کتا بھونک جاتا ہے

غیرِ حق گر نباشد اختیار | خشم چوں می آیدت بر جرم دار
(اگر) خدا کے علاوہ (کسی کو) اختیار نہ ہو | تو تجھے مجرم پر غصہ کیوں آتا ہے؟

احمق ہے تو اس لحاظ سے جبریہ فرقہ جو انسان کے اختیار کا منکر ہے جو کہ ایک وجدانی چیز ہے قدریہ فرقہ سے زیادہ احمق ہے جو دل۔ گُل۔ پس کہ۔ انسان کا یہ کہنا کہ کل یہ کروں گا اختیار کی دلیل ہے۔

۲ جلد قرآن۔ قرآن میں جس قدر اوامر و نواہی ہیں وہ سب انسان کے اختیار کی بنیاد پر ہیں۔ پتھر، ڈھیلا جن میں کوئی اختیار نہیں ہے اُن کو نہ کوئی حکم دیتا ہے نہ اُن کو کسی کام سے منع کرتا ہے۔

۴ احتمال۔ جبری کا یہ خیال ہے کہ اگر نفس و شیطان کو مشیتِ خداوندی کے تابع نہ مانا جائے تو پھر اللہ تعالیٰ کا عجز اور منلوبیت تسلیم کرنی پڑے گی لیکن انسان کو مجبور قرار دیکر اُس نے اللہ تعالیٰ کو جاہل اور احمق ٹھہرایا کہ اختیار کے نہ ہوتے ہوئے وہ امر و نہی کرتا ہے۔ عجز نبود۔ اگر انسان کو مختار مانا جائے تو اللہ تعالیٰ کا عجز لازم نہیں آتا اس لئے کہ بندہ کا اختیار مشیت کے تابع ہے اگر بالفرض لازم بھی آئے تو بندہ کے غیر مختار ہونے کی صورت میں خدائی امر و نہی سے جو خدا کا جہل اور سفاہت لازم آتی ہے وہ اس سے بھی بدتر ہے۔

۵ تُرک۔ مولانا نے تُرک اور کتے اور آنے والے مہمان کی تشبیہ دے کر بتایا ہے کہ حضرت حق تعالیٰ نے بندہ کو ایسے راستے بتا دیئے ہیں کہ شیطان کا اُن میں کوئی دخل نہیں ہے۔ بندہ اُن راستوں کو اپنے اختیار سے چھوڑتا ہے

---

۳ عقل۔ جن چیزوں میں اختیار نہیں ہے اُن کو کوئی حکم نہیں دیا جاتا ہے چنگ کی تصویر میں چونکہ بجنے کا اختیار نہیں ہے اس کو کوئی نہیں بجاتا ہے۔ کاے۔ جس غلام کے ہاتھ پاؤں بندھے ہوئے ہیں اس کو جنگ میں جا کر نیزہ بازی کا کوئی حکم نہیں دیتا ہے۔ خالقے۔ اللہ تعالیٰ جس کی حکمت سے ستارے اور آسمان بنا اُس سے یہ جاہلانہ فعل کیسے صادر ہو سکتا ہے کہ وہ غیر مختار کو حکم دے، یا منع کرے۔

چوں ہمی خائی تو دنداں بر عدو
تو دشمن پر دانت کیوں پیستا ہے؟

چوں ہمی بینی گناہ و جرم ازو
تو اُس کی خطا کیوں سمجھتا ہے؟

گر ز سقفِ خانہ چوبے بشکند
اگر گھر کی چھت کی کوئی کڑی ٹوٹ جائے

بر تو افتد سخت مجروحت کند
تجھ پر گرے، تجھے بہت زخمی کر دے

ہیچ خشمے آیدت بر چوبِ سقف
تجھے چھت کی کڑی پر کوئی غصہ آتا ہے؟

ہیچ اندر کینِ او باشی تو وقف
تو کبھی اس سے کینہ کرنے میں مبتلا ہوگا؟

کہ چرا بر من زد و دستم شکست
کہ وہ میرے کیوں لگی اور میرا ہاتھ توڑ دیا؟

یا چرا بر من فتاد و کرد پست
یا وہ مجھ پر کیوں گری اور گرا دیا!

او عدو و خصمِ جانِ من بدست
وہ میری جان کی دشمن اور مخالف تھی

قاصداً در بندِ خونِ من شدست
قصداً میرے خون کی درپے ہوئی ہے

کودکانِ خرد را چوں میزنی
تو چھوٹے بچوں کو کیوں پیٹتا ہے؟

چوں بزرگاں را منزہ میکنی
جبکہ تو بڑوں کو (اختیار سے) مبرا سمجھتا ہے

آنکہ دزدد مالِ تو گوئی بگیر
جو شخص تیرا مال چُراتا ہے تو کہتا ہے پکڑ لے

دست و پایش را ببر سازش اسیر
اُسکے ہاتھ پاؤں کاٹ ڈال اُسکو قید کرے

وانکہ قصدِ عورتِ تو می کند
جو تیری بیوی کا قصد کرتا ہے

صد ہزاراں خشم از تو میدمد
(اُبھر) تیرے لاکھوں غصے پھوٹ پڑتے ہیں

گر بیاید سیل و رختِ تو برد
اگر سیلاب آئے اور تیرا سامان (بہا) لے جائے

ہیچ با سیل آورد کینے خرد
کوئی عقل سیلاب سے کینہ وری کرتی ہے

در بیاید باد و دستارت ربود
اگر ہوا آئے اور تیری پگڑی (اڑا) لیجائے

کے ترا با باد دل خشمے نمود
تیرا دل، ہوا پر کب غصہ کرتا ہے

خشم در تو شد بیانِ اختیار
تیرا غصہ کرنا اختیار کا بیان بنا

تا نگوئی جبریانہ اعتذار
تاکہ تو جبریوں کی طرح بہانہ نہ کر سکے

گر شتربان اشترے را میزند
اگر اونٹ والا اونٹ کو مارتا ہے

آں شتر قصدِ زنندہ میکند
تو وہ اونٹ مارنے والے کا قصد کرتا ہے

خشمِ اشتر نیست باں چوبِ او
اونٹ کا غصہ اُس کی لاٹھی پر نہیں ہے

پس ز مختاری شتر بردست بو
تو اونٹ نے بھی مختار ہونے کا پتہ لگا لیا ہے

ہمچنیں سگ گر بروسنگے زنی
اسی طرح کتا اگر تو اس کے پتھر مارے

بر تو آرد حملہ گردد منثنی
تیرے اوپر حملہ کرتا ہے، پلٹتا ہے

سنگ را گر گیرد از خشمِ تو است
وہ اگر پتھر کو پکڑتا ہے تو تیرے اوپر غصہ کی وجہ سے

کہ تو دوری و ندارد بر تو دست
کیونکہ تو دُور ہے اور وہ تجھ پر قابو نہیں پا سکتا

تو شیطان کی مداخلت شروع ہوجاتی ہے اس صورت میں انسان پر نہ اللہ کی جانب سے جبر ہے نہ شیطان کی جانب سے اور نہ شیطان پر جبر ہے شیطان اللہ کا ایک کتا ہے اور وہ انکو ستاتا ہے جو اللہ کے بتائے ہوئے راستہ پر نہیں چلتے ہیں

سلہ آنچناں۔ انسان اللہ کے بتائے ہوئے راستہ پر چلے گا تو شیطان اُس کا کچھ نہ بگاڑ سکے گا مہمان، ملاموں کی طرح ترک کے خیمہ میں آئے گا تو کتا اس کو نہ کاٹے گا۔

گناہ۔ انسان غلط روی اختیار کرکے شیطان سے تکلیف اٹھاتا ہے۔ فرق۔ جبریہ کے عقیدہ کے مطابق اگر انسان مجبور محض ہے تو پھر خطاوار پر غصہ کیوں کرتا ہے۔ گر ز سقف۔ اگر چھت کی کڑی سے تکلیف پہنچی ہے تو انسان اُس کو غیر مختار سمجھ کر کبھی اُس پر غصہ نہیں کرتا ہے۔ ہیچ۔ جس چیز میں اختیار نہیں ہے اگر اُس سے کوئی نقصان پہنچتا ہے تو انسان کو کبھی غصہ نہیں آتا ہے۔

سلہ کودکاں۔ جبری انسان بچوں کو تعلیم و تربیت کے لئے پیٹتا ہے۔ بزرگاں۔ وہی جبری انسان بڑوں کو اجبار سے منزہ سمجھتا ہے۔ آنکہ۔ جبری انسان کا جب مال چوری ہوتا ہے تو وہ چور کو پکڑواتا ہے۔ وانکہ۔ جبری انسان کی بیوی پر اگر کوئی بدنظر ڈالتا ہے تو اس کو غصہ آتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ وہ چور کو اور اس بدنظر کو مختار سمجھتا ہے۔

عقلِ حیوانی چو دانست اختیار — این مگو اے عقلِ انسان شرمدار

حیوانی عقل نے جب اختیار کو سمجھ لیا — اے انسانی عقل! شرم کر تو اس (جبر) کی قائل نہ ہو

روشن ست این لیک از طمعِ سحور — آن خورندہ چشم می بندد ز نور

یہ (بات) واضح ہے لیکن سحری کے لالچ میں — وہ کھانے والا روشنی سے آنکھ بند کر لیتا ہے

چونکہ کلی میلِ او نان خوردنیست — رو بتاریکی کند کہ روز نیست

چونکہ اس کی پوری خواہش روٹی کھانے کی ہے — اندھیرے کی طرف منہ کر لیتا ہے کہ دن نہیں ہے

حرص چون خورشید را پنہان کند — چہ عجب گر پشت بر برہان کند

لالچ جب سورج کو چھپا دیتا ہے — کیا تعجب ہے اگر دلیل کی طرف پشت کرے

این مثل بشنو مشو منکر بدان — اختیارِ خویش را در امتحان

یہ مثل سن لے اس کے باوجود منکر نہ بن — امتحان کے وقت، اپنے اختیار کا

حکایتِ دزد کہ با شحنہ گفت کہ آنچہ کردم تقدیرِ خدا بود و جوابِ شحنہ و ہم در بیانِ تقریرِ اختیارِ خلق و ہم بیانِ آنکہ تقدیر و قضا سبب کنندہ اختیارست و سلب کنندہ اختیار نیست

حکایت اس چور کی جس نے کوتوال سے کہا کہ جو کچھ میں نے کیا خدائی تقدیر تھی اور کوتوال کا جواب نیز مخلوق کے اختیار کو ثابت کرنے کے بیان میں نیز اس کا بیان کہ تقدیر اور قضا اختیار کو سبب بنانے والے ہیں اور اختیار کو سلب کرنے والے نہیں ہیں

گفت دزدے شحنہ را کاے پادشاہ — آنچہ کردم بود آن حکمِ آلہ

ایک چور نے کوتوال سے کہا اے حاکم! — جو کچھ میں نے کیا، وہ خدا کا حکم تھا

گفت شحنہ آنچہ من ہم میکنم — حکمِ حق ست اے دو چشم روشنم

کوتوال نے کہا میں بھی جو کر رہا ہوں — اے میرے پیارے! خدا کا حکم ہے

از دکانے گر کسے تربے برد — کاین ز حکمِ ایزدست اے باخرد

کسی دکان سے اگر کوئی شخص مولی لے جائے — کہ اے عقلمند! یہ خدا کے حکم سے ہے

بر سرش کوبی دو سہ مشت اے کرہ — حکمِ حق ست این کہ اینجا باز نہ

دو تین گھونسے اس کے سر پر مار کر لے نادان! — خدا کا حکم ہے کہ اس جگہ واپس رکھ

در یکے ترہ چو این عذر اے فضول — می نیاید پیشِ بقالے قبول

اے بیوقوف! ایک ترکاری کے بارے میں چونکہ یہ عذر — سبزی فروش کے لئے قابلِ قبول نہیں

تو بدین عذر اعتمادے می کنی — گردِ مار و اژدہائے میتنی

تو اس عذر پر بھروسہ کرتا ہے — سانپ اور اژدہے کے گرد چکر لگاتا ہے

۲؎ گرتیا ہو۔ پانی کے سیلاب اور ہوا پر اس جبری کو غصہ نہیں آتا ہے چونکہ سمجھتا ہے کہ یہ چیزیں اختیار سے خالی ہیں جتقم۔ جبری کا دوسروں پر غصہ کرنا اس کی دلیل ہے کہ وہ اس کو مختار سمجھتا ہے۔

۳؎ گرشتربان۔ اونٹ تک یہ سمجھتا ہے کہ لاٹھی میں اختیار اور ارادہ نہیں ہے مارنے والے میں ہے لہٰذا اس پر حملہ کرتا ہے۔ سگ۔ کتا بھی ڈھیلے پر غصہ نہیں کرتا ڈھیلا مارنے والے پر غصہ کرتا ہے اگر ڈھیلے پر اس کا غصہ ہے تو درحقیقت وہ مارنے والے پر غصہ ہے جو اس کی دوری کی وجہ سے ڈھیلے پر اتارتا ہے۔ عقلِ حیوانی۔ جبکہ اونٹ اور کتا بھی انسان کو مختار سمجھتا ہے تو جبری کو اس عقیدے سے شرم کرنی چاہیے۔

۱؎ روشن۔ جبری کی مثال اس شخص کی سی ہے جو سحری کھانے کے لالچ میں صبح صادق اور سورج سے منہ موڑے۔ حرص۔ انسان کی حرص سورج کو مخفی کر دیتی ہے تو دلیل کو مخفی کر دینا تو سہل ہے۔

۲؎ حکایت۔ اس حکایت کا مقصد یہ ہے کہ بندہ کو اپنے افعال کا اختیار حاصل ہے۔ شحنہ۔ کوتوال۔ تقدیر۔ تقدیر خداوندی انسانی اختیار کو فعل کا سبب بناتی ہے، اختیار کو سلب نہیں کرتی ہے۔ پادشاہ یعنی کوتوال۔ حکمِ آلہ یعنی تقدیر خداوندی۔ میکنم۔ یعنی میں تجھے جو سزا دے رہا ہوں۔ ترب۔ مولی۔

از چنیں عذر اے سلیم نانبیل — خون و مال و زن ہمیکردی سبیل

اے بیوقوف، کمینے! ایسے عذر سے — تو نے جان اور مال اور بیوی کو قربان کر دیا

ہر کسے پس سبلت تو بر کند — عذر آرد خویش را مضطر کند

پھر تو ہر شخص تیری مونچھیں نوچے گا — عذر کرے گا اپنے آپ کو مجبور ٹھہرائے گا

حکم حق گر عذر می شاید ترا — پس بیاموز و بدہ فتویٰ مرا

اگر اللہ (تعالیٰ) کے حکم کا عذر تیرے لئے مناسب ہے — تو مجھے سکھا دے اور فتویٰ دیدے

کہ مرا صد آرزو و شہوت ست — دست من بستہ ز بیم و ہیبت ست

کیونکہ میری بھی سینکڑوں آرزوئیں اور خواہشیں ہیں — خوف اور ہیبت سے میرے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں

پس کرم کن عذر را تعلیم دہ — بر کشا از دست و پائے من گرہ

تو مہربانی سے مجھے عذر کرنا سکھا دے — مجھ مجبور کے ہاتھ اور پاؤں کھول دے

اختیارے کردہ تو پیشۂ — کا ختیارے دارم و اندیشۂ

تو نے ایک پیشہ اختیار کیا ہے — (اور تو سمجھتا ہے) کہ میں اختیار اور سمجھ رکھتا ہوں

ورنہ چوں بگزیدہ آں پیشہ را — از میان پیشہا اے کدخدا

ورنہ تو نے وہ پیشہ کیوں اختیار کیا! — اے صاحب! سب پیشوں میں سے

چونکہ آید نوبت نفس و ہوا — بیست مردہ اختیار آید ترا

جب نفس اور خواہش کی نوبت آتی ہے — تجھ میں بیس مردوں کا اختیار آ جاتا ہے

چوں برد یک حبہ از تو یار سود — اختیار جنگ در جانت کشود

جب دوست تجھ سے ایک رتی کا فائدہ اٹھا لیجاتا ہے — تو تیری جان میں لڑائی کا اختیار کشادہ ہو جاتا ہے

چوں بیاید نوبت شکر نعم — اختیارت نیست از سنگے تو کم

جب شکر اور نعمتوں کی باری آتی ہے — تجھے اختیار نہیں ہے تو پتھر سے کم ہے

دوزخت را عذر ایں باشد یقیں — کاندریں سوزش مرا معذور بیں

تیرے لئے دوزخ کا بھی یہ عذر یقینی ہے — کہ اس جلانے میں مجھے معذور سمجھ

کس بدیں حجت چو معذورت نداشت — وز کف جلاد ایں دورت نداشت

اس دلیل سے تجھے کسی نے معذور نہ رکھا — اور جلاد کے ہاتھ سے تجھے اس نے دور نہ رکھا

پس بدیں داور جہاں منظوم شد — حال آں عالم ہمت معلوم شد

تو اس منصف (حاکم) سے دنیا کا کام منظم ہو گیا — اس عالم کا حال بھی تجھے معلوم ہو گیا

کہ اس عذر کو دنیا میں کسی نے تسلیم نہیں کیا اور (سزا کے وقت جلاد کے ہاتھ سے اس عذر کی بناپر
نہ چھوٹ سکا اور دنیا کا نظم اسی انصاف سے قائم ہے کہ جبری کا عذر قبول نہ کیا جائے تو آخرت کو
بھی اسی پر قیاس کر لینا چاہیئے۔

---

۵۳ ترشش - یعنی چقندر اور کہہ دے کہ یہ بھی خدا کی تقدیر ہے مولی اسی جگہ پر رکھ دے۔ کبن۔ کمرہ۔ تو پھر جب سبزی فروش کے یہاں بھی عذر مقبول نہیں ہے تو اس بھروسہ پر گناہوں کا ارتکاب کس قدر حماقت ہے۔ بقال۔ سبزی فروش۔ مار۔ یعنی گناہ جس کے نتیجہ میں سانپ اور بچھو ڈسیں گے۔

۵۱ سلیم۔ احمق نانبیل۔ کمینہ۔ خرتن۔ یعنی جبر کے عقیدہ کے مطابق تیرا سب کچھ لیکر عذر کیا جاسکتا ہے اور لینے والا اپنے آپ کو مجبور ظاہر کرکے بری ہو سکتا ہے۔ حکم حق یعنی گناہ کے سلسلہ میں اگر حکم حق کہہ کر عذر کیا جاسکتا ہے تو مجھے بھی یہ عذر سکھا دے میرے دل میں بھی بہت سے گناہوں کی تمنا ہے اور اللہ تعالیٰ کے ڈر اور خوف سے میں نہیں کر سک رہا ہوں۔

۵۲ پس۔ تیری بڑی مہربانی ہوگی اور مجھ مجبور کو آزادی حاصل ہو جائے گی۔ اختیار۔ انسان اپنے لئے کوئی پیشہ اختیار کرتا ہے یہ اس کے اختیار کی دلیل ہے۔ چونکہ۔ جبری انسان خواہش نفسانی کا ارادہ کرتا ہے تو بیس انسانوں کا اختیار اس میں آ جاتا ہے اگر اس کا ایک رتی کا کوئی نقصان کر دیتا ہے تو لڑائی کا اختیار پھوٹ پڑنے پھیل جاتا ہے۔

۵۳ چوں بیاید۔ جس وقت خدا کی اطاعت و عبادت

حکایت ہم درجوابِ جبری واثباتِ اختیار وصحتِ امرو

نیز حکایت جبری کے جواب میں اور اختیار ثابت کرنے اور حکم دینے اور روکنے کی

نہی ودربیانِ آنکہ عذرِ جبری درہیچ ملتے ودینے مقبول

صحت کے بارے میں اور اس بیان میں کہ جبری کا عذر کسی ملت اور دین میں مقبول

نیست وموجبِ خلاص نیست ازسزائے آں کارکہ

نہیں ہے اور اُس کام کی سزا سے جو اُس نے کیا ہے ، چھٹکارے کا سبب

کردہ است چنانکہ خلاص نیافت ابلیس بداں کہ گفت

نہیں ہے چنانچہ شیطان اِس قول کی وجہ سے کہ

رَبِّ بِمَآ اَغْوَيْتَنِیْ وَالْقَلِیْلُ یَدُلُّ عَلَی الْکَثِیْرِ

"خدا تُونے مجھے گمراہ کیا" چھٹکارا نہ پاسکا اور تھوڑا بہت پر دلالت کرتا ہے

آں یکے میرفت بالائے درخت | می فشاند اُو میوہ را دُزدانہ سخت

ایک شخص درخت پر چڑھا | چوروں کی طرح بہت پھل جھاڑنے لگا

صاحبِ باغ آمد و گفت اے دَنی | از خدا شرمیت کو چہ میکنی

باغ والا آیا اور اُس نے کہا اے کمینے! | خدا سے تیری شرم کہاں گئی، تو کیا کررہا ہے؟

گفت[۲] از باغِ خدا بندہ خدا | گر خورد خرما کہ حق کردش عطا

اُس نے کہا اللہ تعالےٰ کے باغ سے خدا کا بندہ | اگر کھجوریں کھا رہا ہے جو کہ اُسکو خدا نے دی ہیں

عامیانہ چہ ملامت میکنی | بُخل بَر خوانِ خداوندِ غنی

جاہلوں کی طرح تو کیا ملامت کررہا ہے | بے نیاز خدا کے دسترخوان پر بخل کررہا ہے

گفت[۳] اے ایبک بیاور آں رَسَن | تا بگویم من جوابِ بوالحسن

اُس نے کہا اے غلام! رَسّی لے آ | تاکہ میں (اس) بھلے کا جواب دوں

پس بہ بستش سخت آندم بر درخت | میزد اُو بر پشت و ساقش چوب سخت

پھر اُسوقت اُس نے اُسکو درخت سے کس کر باندھ دیا | اُس کی کمر اور پنڈلی پر سخت لاٹھی مارنے لگا

گفت آخر از خدا شرمے بدار | می کشی ایں بیگنہ را زار زار

اُس نے کہا آخر خدا سے شرم کر | تو اس بے قصور کو بُری طرح سے ماررہا ہے

گفت[۴] کز چوبِ خدا ایں بندہ اش | میزند بر پشتِ دیگر بندہ خوش

اُس نے کہا خدا کی لاٹھی سے یہ اُس کا بندہ | دوسرے بندے کی کمر پر خوب ماررہا ہے

چوبِ حق و پشت و پہلو آنِ اُو | من غلام و آلت و فرمانِ اُو

لاٹھی اللہ تعالیٰ کی، کمر اور پہلو اللہ تعالیٰ کا | میں اُس کے آلے اور حکم کا غلام ہوں

گفت توبہ کردم از جبر اے عیار | اختیارست اختیارست اختیار

اُس نے کہا اے خالص! میں نے جبر سے توبہ کی | اختیار ہے، اختیار ہے، اختیار

کا مسالہ آتا ہے پھر جبری کہتا ہے کہ میں مجبور ہوں اور اپنے آپ کو پتھر سے بھی زیادہ غیر مختار ظاہر کرتا ہے تو آخرت جب جہنم کی آگ میں جلنے لگا تو وہ بھی یہی کہے گا کہ میں جلانے میں مجبور ہوں۔ کسی۔ جبری

[۱] ابلیس۔ شیطان نے بھی اپنی گمراہی پر اپنے جبر کا عذر پیش کیا تھا اور کہا تھا کہ میری گمراہی میری اختیاری نہیں ہے لیکن اُس کا عذر مقبول نہ ہوا۔ تو زوانہ چور کی طرح۔ دَنی۔ کمینہ۔

[۲] گفت۔ پھل جھاڑنے والے نے کہا کہ باغ خدا کا ہے اور میں خدا کا بندہ ہوں اللہ نے مجھے پھل عطا کئے ہیں تو جاہلوں کی طرح مجھے کیوں ملامت کرتا ہے تو خدائی دسترخوان پر بخل کرتا ہے۔

[۳] گفت۔ باغ والے نے اپنے نوکر کو بلایا کہ رسّی لے آ، میں اِس کا جواب اِس کو دے دوں گا اور رسّی سے اُس نے اُس کو درخت سے باندھ کر مارنا شروع کر دیا۔ گفت۔ پھل چرانے والے نے کہا کہ تو خدا سے شرم کر مجھ بے گناہ کو کیوں مارے ڈالتا ہے۔

[۴] گفت۔ باغ والے نے کہا لاٹھی بھی خدا کی ہے میں بھی خدا کا بندہ ہوں تیری کمر اور پہلو بھی خدا کا ہے میں تجھے اللہ کے حکم سے ماررہا ہوں تو اس میں کیا برائی ہے۔ گفت۔ اب پھر وہ جبری جبر سے توبہ کرنے لگا اور بندے کے اختیار کا قائل

اِختیارت اِختیارش ہست کرد ‌ ‌ ‌ اِختیارش چوں سوارے زیرِ گرد

تیرے اِختیار کو اُس کے اختیار نے پیدا کیا ‌ ‌ ‌ اُس کا اختیار گرد کے نیچے کے سوار کی طرح ہے

اِختیارش اِختیارِ ما کُند ‌ ‌ ‌ امر[2] شُد بر اِختیارے مُستند

اُس کا اختیار ہمارے اختیار کو پیدا کرتا ہے ‌ ‌ ‌ حکم کا مدار اختیار پر ہے

حاکمی بر صورتِ بے اختیار ‌ ‌ ‌ ہست ہر مخلوق را در اقتدار

بے اختیار صورت پر حکومت کرنا ‌ ‌ ‌ قادر ہونے میں ہر مخلوق کو حاصل ہے

تا کَشد بے اختیارے صَید را ‌ ‌ ‌ تا بَرد بگرفتہ گوشِ اُو زید را

حتٰی کہ وہ بے اختیار شکار کو کھینچ لیجاتا ہے ‌ ‌ ‌ حتٰی کہ زید کا کان پکڑ کر لے جاتا ہے

لیک بے ہیچ آلتے صُنعِ صَمد ‌ ‌ ‌ اِختیارش را کمندِ اُو کُند

لیکن اللہ (تعالٰی) کی کاریگری بغیر کسی آلہ کے ‌ ‌ ‌ اُسکے اختیار کو اُس کا پھانسہ بنا دیتی ہے

اِختیار[3]ش زید را قیدش کُند ‌ ‌ ‌ بے سگ و بے دام چوں صَید[4]ش بُود

زید کا اختیار اُسی کو قید کر دیتا ہے ‌ ‌ ‌ وہ بغیر کُتے اور جال کے شکار جیسا بنجاتا ہے

آں دَرودگر حاکمِ چوبے بُوَد ‌ ‌ ‌ واں مُصوِّر حاکمِ خوبے بُوَد

بڑھئی، لکڑی پر حاکم بن جاتا ہے ‌ ‌ ‌ مصوّر، حَسین کا حاکم بن جاتا ہے

ہست آہنگر بر آہن قیّمے ‌ ‌ ‌ ہست بَنّا ہم بَر آلت حاکمے

لوہار، لوہے پر حاکم ہے ‌ ‌ ‌ معمار بھی اوزار پہ حاکم ہے

نادرا باشد کہ چندیں اختیار ‌ ‌ ‌ ساجد آید ز اختیارش بندہ وار

عجب بات ہے کہ اِس قدر اختیار ‌ ‌ ‌ اُس (اللہ تعالٰی) کے اختیار سے غلام کیطرح سجدہ کرنے والے ہیں

قدرت[5]ِ تو بَر جمادات از نَبرد ‌ ‌ ‌ کے جمادی را از آنہا نفی کرد

صورت کی وجہ سے بے جان چیزوں پر تیری قدرت ‌ ‌ ‌ اُن کے بے جان ہونے کی کب نفی کرتی ہے؟

قُدرتش بر اختیارات آنچناں ‌ ‌ ‌ نفی نکُند اختیارے را ازاں

اُس (اللہ تعالٰی) کی قدرت اختیارات پر بھی طرح ‌ ‌ ‌ اُس سے اختیار کی نفی نہیں کرتی ہے

خواستش میگوئی بر وجہِ کمال ‌ ‌ ‌ کہ نباشد نسبتِ جبر و ضلال

اُس (اللہ تعالٰی) کے ارادہ کا اہلِ کمال کے طریقہ پر قائل بن ‌ ‌ ‌ تاکہ (اللہ تعالٰی کی جانب) جبر اور گمراہی کی نسبت نہ ہو

چونکہ گفتی کفرِ من خواہِ وَیست ‌ ‌ ‌ خواہِ خود را نیز ہم میدانکہ ہست

جب تو نے یہ کہا کہ میرا کفر اُس کی منشا ہے ‌ ‌ ‌ تو اپنی منشا کو بھی سمجھ لے کہ وہ ہے

زانکہ[1] بیخواہِ تو خود کفرِ تو نیست ‌ ‌ ‌ کفر بیخواہش تناقض گفتنی ست

کیونکہ تیری منشا کے بغیر خود تیرا کفر ہی نہیں ہے ‌ ‌ ‌ "بغیر منشا کے کفر کرنا" متضاد بات کہنا ہے

ہو گیا سا اختیارت۔ قدریہ کے عقیدہ کے خلاف مولانا فرماتے ہیں کہ بندہ کا اختیار بھی اختیارِ خداوندی کا عطا کردہ ہے بندہ کا اختیار ظاہر ہے اور حضرت حق تعالٰے کا اختیار پوشیدہ ہے۔

[2] امر شد۔ جبریہ کے عقیدے کے خلاف مولانا فرماتے ہیں کہ تمام احکام اور نواہی کا مدار اختیار پر ہے جو بندہ کو حاصل ہے اسی لئے امام جعفر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے "لَا جَبْرَ وَلَا قَدَرَ وَلٰکِنْ اَمْرٌ بَیْنَ اَمْرَیْنِ" یعنی نہ تو انسان مجبور ہے نہ مختار محض بلکہ معاملہ بین بین ہے۔

حاکمی۔ بے اختیار پر تو ہر مخلوق حکمرانی کرتی ہے لہٰذا اللہ کی صفت خاصہ نہیں ہے۔ لیکن اللہ تعالٰی کی صفت خاصہ ہے کہ وہ مختار پر بغیر کسی آلہ کے خود اُس کے اختیار کو اُس کی کمند بنا دیتا ہے اور اُس کو پھانس دیتا ہے۔

[3] اختیارش۔ اللہ تعالٰی کی صفتِ خاصہ ہے کہ وہ انسان کو خود اُس کے اختیار سے بغیر کسی آلہ کے شکار کر دیتا ہے۔

[4] دَرودگر۔ بڑھئی۔ خوبے۔ یعنی

[5] قدرت۔ جو چیز ماہیت کے لوازم میں سے ہے وہ ماہیت سے جدا نہیں ہوتی ہے جماد کا بے اختیار ہونا اُس کی ماہیت کے لئے لازم ہے اسی طرح انسان کا با اختیار ہونا اُس کی ماہیت کے لئے لازم ہے انسان کی جمادات پر قدرت جمادات کے بے اختیار ہونے کو سلب نہیں کرتی ہے اسی طرح اللہ کا اختیار اور قدرت انسان کے اختیار کو فنا نہیں کرتا ہے۔

کسی حسین کی تصویر۔ جبّار۔ معمار۔ نادرا۔ اگر غیر مختار بندوں پر اللہ کی حکومت ہو تو اس میں کوئی ندرت نہیں ہے ندرت تو یہی ہے کہ بندہ مختار ہوتے ہوئے اُس کے اختیار کا غلام ہے۔

امرِ عاجز را قبیح ست و ذمیم
عاجز کو حکم دینا بُرا اور ناپسند ہے

خشم بدتر خاصہ از ربِّ رحیم
غصہ کرنا زیادہ بُرا ہے خصوصاً رحیم پروردگار کی جانب سے

گاو گر یوغے نگیرد میزنند
بیل اگر جُوا نہیں لیتا ہے مارتے ہیں

ہیچ گاوے کو نپرّد شد نژند
بیل نہ اُڑے تو وہ عاجز ہے

گاو چوں معذور نبود در فضول
بیکار (معاملہ) میں جب بیل معذور نہ ہوا

صاحبِ گاو از چہ معذورست دول
(تو) بیل والا کس وجہ سے معذور اور احمق ہے!

چوں نۂ رنجور سر را بر مبند
جبکہ تو بیمار نہیں ہے سر کو نہ کس

اختیارت ہست بر سبلت مخند
تجھے اختیار ہے مذاق نہ اُڑا

جہد کن کز جامِ حق یابی نوی
کوشش کر تاکہ خدائی جام سے تر و تازگی حاصل کرے

بیخود و بے اختیار آنگہ شوی
پھر تو بے خود اور بے اختیار ہو جائیگا

آنگہ آں مے را بود کُل اختیار
تب اُس شراب کو پورا اختیار ہوگا

تو شوی معذورِ مطلق مست وار
تو مدہوش کی طرح بالکل معذور ہو جائے گا

ہرچہ گوئی گفتۂ مے باشد آں
تو جو کچھ کہے گا وہ شراب کا کہا ہوا ہوگا

ہرچہ روبی رُفتۂ وے باشد آں
تو جو کچھ جھاڑے گا اُس کا جھاڑا ہوا ہوگا

کے کند آں مست جز عدل و صواب
وہ مست انصاف اور صواب کے علاوہ کب کچھ کرتا ہے!

کہ ز جامِ حق کشیدست او شراب
کیونکہ اُس نے خدائی جام سے شراب پی لی ہو

جادواں فرعون را گفتند بیست
جادوگروں نے فرعون سے کہہ دیا، ٹھہر جا

مست را پروائے دست و پا نیست
مست کو ہاتھ اور پاؤں کی پروا نہیں ہے

دست و پائے ما مئے آں واحد ست
ہمارے ہاتھ اور پاؤں اُس خدا کی شراب بجستہ ہو

دستِ ظاہر سایہ است و کاسد ست
ظاہری ہاتھ سایہ ہے اور کھوٹا ہے

چوں بسر بر شد ز جامِ او مدام
جب اُس کے جام کی شراب سر میں بھر جاتی ہے

خانۂ دل را فرو گیرد تمام
دل کے گھر کو پوری طرح گھیر لیتی ہے

خواہش ۔ انسانی افعال میں انسان کی مشیت اور ارادہ کو بھی دخل ہے جو مشیت خداوندی کے تابع ہے وَمَا تَشَاؤُنَ اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰهُ اور تم نہیں چاہتے مگر وہ جو اللہ چاہے اگر تم ایسا نہ ہوگے تو اللہ تعالیٰ کی طرف جبر اور گمراہ کرنے کی نسبت ہو جائے گی۔ چونکہ ۔ جب جبری انسان یہ کہتا ہے کہ میرا کفر کرنا اللہ کی مشیت سے ہے تو کفر کرنے کا اُس نے اقرار کیا اور کفر وہ ہر جو انسان اپنے ارادہ اور اختیار سے کرے تو گویا اس جبری نے اپنے اختیار کا اقرار کر لیا
سے آنکہ ۔ اپنے ارادے اللہ کا انکار کرنا کفر ہے بلا اختیار کے انکار کرنا کفر نہیں ہے تو انسان اپنے کفر کا اقرار کرے اور پھر اپنا اختیار نہ مانے یہ دو متضاد باتیں ہیں ۔ امر عاجز کو حکم دینا بُری بات ہے خدا اس سے منزہ ہے۔ گاو ۔ بیل کو جُوا کھینچنے کا اختیار حاصل ہو

معنیٔ[۵۲] ماشاء اللہ کان یعنی خواستِ خواستِ اُوست ورضا

جو اللہ (تعالیٰ) نے چاہا ہوا کے معنی یعنی مشیت، اسی ہی کی مشیت ہے اور رضامندی،

رضائے اُو واز خشم ورَدِّ دیگراں دل تنگ نباشید کاں

اُسی کی رضامندی ہے تم دوسروں کے غصہ اور رَدّ سے رنجیدہ نہ ہو (لفظ) کان

اگرچہ لفظِ ماضی ست لیکن در فعلِ خدا ماضی و مستقبل

اگرچہ ماضی کا صیغہ ہے لیکن اللہ کے فعل میں ماضی اور مستقبل نہیں ہوتا ہے

نباشد کہ لَیْسَ عِنْدَ رَبِّنَا صَبَاحٌ وَّلَا مَسَاء

کیونکہ ہمارے پروردگار کے یہاں صبح اور شام نہیں ہوتی ہے

قولِ[۵۳] بندہ ایش شاء اللہ کاں — بہرِ آں نبوَد کہ مُنبل شو دراں

بندہ کا یہ کہنا، جو خدا نے چاہا وہ ہوا — اس لئے نہیں ہے کہ تو اُس میں کاہل بنے

بلکہ تحریض ست بر اخلاص و جِد — کاندراں خدمت فزوں شو مستعِد

بلکہ اخلاص اور کوشش پر برانگیختہ کرتا ہے — کہ تو اُس دربار میں زیادہ مستعد بنے

گر بگویند آنچہ میخواہی تو راد — کارِ کارِ تُست بر حَسبِ مُراد

اگر وہ کہہ دیں، اے جوانمرد! تو جو چاہے — کام تیرا ہی کام ہے منشاء کے مطابق

آنگہاں تنبل کُنی جائز بُوَد — کانچہ خواہی وانچہ گوئی آں شود

اُس وقت تو کاہلی برتے، جائز ہوگا — کیونکہ جو تو چاہے گا اور جو تو کہے گا، وہ ہوگا

چوں بگویند ایش شاء اللہ کان — حکم حکمِ اُوست مُطلق جاوداں

جب وہ کہیں، جو اللہ نے چاہا ہوا — ہمیشہ اور مطلقاً اُس کا حکم، حکم ہے

پس[۵۴] چرا صد مَردہ اندر وِردِ اُو — بر نگردی بندگانہ گردِ اُو

تو پھر کیوں سَو انسانوں کی برابر اسکے گھاٹ میں — غلاموں کی طرح اُس کے گرد چکر نہ لگائے گا

گر بگویند آنچہ می خواہد وزیر — خواستِ آنِ اُوست اندر دار و گیر

اگر کہہ دیں کہ وزیر جو چاہے — پکڑ دھکڑ میں وہ منشاء کا مالک ہے

گردِ اُو گرداں شوی صد مَردہ زُود — تا بریزد بر سَرت احسان و جود

تو سَو انسانوں کی طاقت سے اسکے گرد چکر لگائے گا — تاکہ وہ تیرے سر پر احسان اور سخاوت بہادے

یا گریزی از وزیر و قصرِ اُو — ایں نباشد جُستجوی و نصرِ اُو

یا تو وزیر اور اُس کے محل سے بھاگے گا — یہ اُس کی مدد اور جستجو نہ ہوگی

باز[۵۵] گونہ زیں سخن کاہل شُدی — مُنعکسِ ادراک و خاطر آمدی

تو اس بات سے اُلٹا کاہل بنا — تو اُلٹی سمجھ اور رائے والا ثابت ہوا

اگر انسان سے یہ کہہ دیا جاتا کہ ہر کام تیری منشاء کے مطابق ہو جائے گا تو اُس وقت انسان خدا کی اطاعت اور بندگی میں سستی کرتا۔

---

[۵۲] معنی۔ جو اللہ نے چاہا ہوا کے معنی یہ ہیں کہ اصل مشیت خداوندی اور رضا دراصل رضائے خداوندی ہے دوسروں کی ناراضی سے انسان کو رنجیدہ نہ ہونا چاہیے۔ کان۔ ہوا یہ ماضی کا صیغہ ہے جس میں گزرا ہوا زمانہ پایا جاتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے لئے یہ لفظ بولا جائے تو اس میں ماضی، مضارع کی بحث نہیں ہے اس لئے کہ اللہ کی نسبت سے نہ کوئی زمانہ گذرا ہوا ہے نہ آنے والا ہے۔

[۵۳] قولِ بندہ۔ پہلے بیتایا تھا کہ بندہ کے فعل میں اُس کی مشیت کا دخل ہے بظاہر ماشاء اللہ کان "جو اللہ نے چاہا ہوا" اس کے مخالف ہوتا ہے لہٰذا اس بات کے معنی سمجھاتے ہیں۔ ایش یعنی شیٔ یا جو چیز۔ تنبل۔ کاہل۔ تحریض۔ برانگیختہ کرنا۔ خدمت۔ یعنی بارگاہ خداوندی۔ گر گویند

[۵۴] پس۔ جب یہ کہا گیا کہ جو خدا چاہتا ہے وہ ہوتا ہے تو انسان اُس کے دربار کے چکر کاٹتا ہے۔ وِرد۔ گھاٹ۔ گر بگویند۔ اگر شاہی یہ اعلان ہو جائے کہ ہر معاملہ میں وزیر خود مختار ہے تو تمام انسان اُس کے گرد چکر کاٹیں گے اُس کے محل سے گریز کرنا اُس کی مدد کی طلب نہ ہوگی۔

[۵۵] باز گونہ۔ جبر والے اِس کا اُلٹا مطلب سمجھا اور عبادت میں سست پڑ گیا۔

امر امر آں فلاں خواجہ است ہیں — چیست یعنی با جز او کمتر نشیں

خبردار! حکم فلاں خواجہ کا حکم ہے — کیا ہے؟ یعنی اُس کے سوا کے ساتھ نہ بیٹھ

گردِ خواجہ گرد چوں امرِ آنِ اوست — کو کُشد دشمن رہاند جانِ دوست

خواجہ کے گرد چکر کاٹ جبکہ حکم اُسکی ملکیت ہے — کیونکہ وہ دشمن کو مارے گا دوست کی جان چھڑا دیگا

ہرچہ او خواہد ہماں یابی یقیں. — یاوہ کم رو خدمتِ او برگزیں

جو وہ چاہے گا وہ یقیناً تو حاصل کرے گا — بیہودہ روی نہ کر اُس کا دربار منتخب کرلے

نے[۵] چو حاکم اوست گردِ او مگرد — تا شوی نامہ سیاہ و روی زرد

نہ کہ چونکہ وہ حاکم ہے اُس کے گرد چکر نہ کاٹ — تاکہ تو سیاہ اعمال نامہ والا، زرد چہرے والا بنے

چونکہ حاکم اوست او را گیر و بس — غیرِ او را نیست حکم و دسترس

چونکہ حاکم وہی ہے اُس کو پکڑ اور بس — اُس کے غیر کے لئے حکم اور قدرت نہیں ہے

حق بود تاویل کاں گرمت کند — پُر امید و چست و باشرمت کند

وہ تاویل صحیح ہے جو تجھے سرگرم کر دے — تجھے پُر امید اور چست اور باحیا بنا دے

ور کند سستت حقیقت ایں بداں — ہست تبدیل و نہ تاویلست آں

اور اگر تجھے سست بنائے، یہ حقیقت سمجھ لے — وہ تحریف ہے تاویل نہیں ہے

ایں[۱] برائے گرم کردن آمدست — تا بگیرد نا امیداں را دو دست

یہ سرگرم کرنے کے لئے آیا ہے — تاکہ وہ مایوسوں کی دستگیری کرے

معنیِ قرآں ز قرآں پرس و بس — وز کسے کآتش زدست اندر ہوس

قرآن کے معانی قرآن سے دریافت کر اور بس — اور اُس شخص سے جس نے ہوس کو پھونک دیا ہے

پیشِ قرآں گشت قربانے و پست — تا کہ عینِ روحِ او قرآں شدہ ست

جو قرآن کے سامنے قربان اور فرمانبردار بن گیا ہو — ہستی کہ اُس کی روح بعینہٖ قرآن بن گئی ہو

روغنے کو شد فدائے گُل بکُل — خواہ روغن بوئے کن خواہی تو گُل

جو تیل پھول پر بالکل فدا ہوگیا ہے — (اب) تو خواہ تیل کو سونگھ لے یا پھول کو

گر نمیدانی بجو تاویلِ آں — تا بتابد بر دلت آں راعیاں

اگر تو نہیں سمجھتا ہے تو اُسکا مصداق تلاش کرلے — تاکہ تیرے دل پر اُس کا فائدہ ہر چمک اُٹھے

ہمچنیں[۲] قد جف القلم و کتب ان لا یستوی

اور اسی طرح اس کی تاویل ہے کہ قلم (تقدیر) خشک ہو چکا ہے اور اُس نے لکھ دیا ہے کہ

الطاعۃ والمعصیۃ ولا یستوی الامانۃ والسرقۃ جف القلم ان لا

طاعت اور نافرمانی برابر نہیں ہے اور نہ امانت اور چوری یکساں ہے قلم خشک ہوگیا ہے کہ شکر

یستوی الشکر والکفران جف القلم ان اللہ لا یضیع اجر المحسنین

اور کفر برابر نہیں ہے. قلم خشک ہوگیا ہے، بیشک اللہ نیکوں کا اجر ضائع نہیں کرتا ہے

امر امر آں. اگر یہ اعلان ہو کہ فلاں سردار کا حکم چلے گا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ صرف اُس کی صحبت اختیار کر اُس کا چکر کاٹ وہ تجھے دشمن سے بچائے گا جو وہ چاہیگا تجھے ملے گا.

[۵] نے. اِس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ چونکہ وہ حاکم ہے لہٰذا اُس کے قریب نہ جا.

حق بود. قرآن و حدیث کے وہ معنیٰ معتبر ہیں جو بندہ کو سرگرم عمل بنائیں اگر وہ معنیٰ سست اور کاہل بناتے ہیں تو وہ تحریف ہے.

[۱] ایں. یعنی یہ اشارا فرمان سرگرم عمل کرنے کیلئے ہے معنیِ قرآن. قرآن کا بعض بعض کی تفسیر کرتا ہے آیت کی تفسیر دوسری آیت کی روشنی میں ہونی چاہئے یا اُس عالم سے کرائی جائے جس نے ہوا و ہوس کو جلا ڈالا ہو. پیشِ قرآں. وہ عالم قرآن پر قربان ہوگیا ہو اور اُس کی روح مجسم قرآن بن گئی ہو.

روغنے. اب اُس عالم اور قرآن میں وہی نسبت ہوگی جو پھول کے روغن اور پھول میں ہے کہ دونوں کو سونگھنا یکساں ہے.

گر نمیدانی. اگر سرگرم عمل کرنے والے معنیٰ تجھ پر ظاہر نہیں ہوئے ہیں تو اُن کی تلاش کر.

[۲] ہمچنیں. یہ حدیث شریف ہے اور حدیث میں ہے جف القلم بما ہو کائن قلم لکھ کر خشک ہوگیا ہے ہر اُس چیز کو جو ہونے والی ہے. اِس پر صحابہؓ نے سوال کیا پھر عمل کس بات کے لئے آنحضورؐ نے فرمایا ہر انسان کو اُس چیز کی سہولت دے دی گئی ہے جس کے لئے وہ پیدا

همچنیں تاویلِ قد جفَّ القلم | بہرِ تحریض ست بر شغلِ اہم
اسی طرح بیشک قلم خشک ہوگیا ہے کی تاویل | اہم کام کی مشغولیت پر برانگیختہ کرنے کیلئے ہے

پس قلم بنوشت کہ ہر کار را | لائقِ آں ہست تاثیر و جزا
قلم نے لکھ دیا، کہ ہر کام کی | تاثیر اور جزا اُس کے مناسب ہے

کژ روی جفَّ القلم کژ آیدت | راستی آری سعادت زایدت
ٹیڑھا چلے گا تجھ میں کجی آئیگی (لکھکر قلم خشک ہوگیا) | تو سیدھا پن اختیار کریگا تیرے لئے نیک بختی پیدا ہوگی

ظلم آری مُدبری جفَّ القلم | عدل آری بر خوری جفَّ القلم
تو ظلم کرے گا تو تو بدبخت ہے لکھکر قلم خشک ہوگیا ہو | تو انصاف کریگا پھل کھائیگا قلم لکھکر خشک ہوگیا ہو

چوں بدزدد دست شد جفَّ القلم | خوردہ بادہ مست شد جفَّ القلم
جب چوری کرے گا ہاتھ کٹا قلم لکھکر خشک ہوگیا ہو | شراب پی کر مست ہوگیا قلم لکھکر خشک ہوگیا ہے

توروا داری روا باشد کہ حق | ہمچو معزول آید از حکمِ سبق
تو جائز سمجھتا ہے، مناسب ہوگا کہ اللہ تعالیٰ | ازلی حکم کی وجہ سے معزول کی طرح ہو جائے

کہ ز دستِ من بروں رفتست کار | پیشِ من چندیں میا چندیں مزار
کہ معاملہ میرے قابو سے باہر ہوگیا | میرے سامنے اتنا نہ آ، اتنی عاجزی نہ کر

بلکہ معنی آں بود جفَّ القلم | نیست یکساں پیشِ من عدل و ستم
بلکہ معنی یہ ہیں کہ قلم (لکھکر) خشک ہوگیا ہے | میرے سامنے انصاف اور ظلم یکساں نہیں ہیں

فرق بنہادم میانِ خیر و شر | فرق بنہادم ز بد ہم از بتر
میں نے خیر و شر میں فرق رکھا ہے | میں نے بُرے اور بدتر میں فرق رکھا ہے

ذرہ گر در تو افزاید ادب | باشد از یارت بداند فضلِ رب
اگر تجھ میں ادب کی ایک ذرہ بڑھوتری | ہو، دوست سے خدا کا فضل جانتا ہے

قدرِ آں ذرہ ترا افزوں دہد | ذرہ چوں کوہے قدم بیروں نہد
اُس ذرّے کی بقدر تجھے زیادہ دے گا | (وہ) ذرہ پہاڑ کی طرح رونما ہوگا

پادشاہے کہ بہ پیشِ تختِ او | فرق نبود از امین و ظالم جو
وہ بادشاہ کہ اُس کے تخت کے روبرو | امانت دار اور ظالم میں فرق نہ ہو

آنکہ می لرزد ز بیمِ ردِّ او | وانکہ طعنہ میزند بر جدِّ او
وہ شخص جو اُس کے جواب سے لرز رہا ہو | اور وہ شخص جو اس کی بڑائی پر طعنہ زن ہو

ہوا ہے اگر وہ سعادت اور جنت کیلئے پیدا کیا گیا ہے تو اُس سے سعادت اور جنت کے اعمال سرزد ہونگے اور اگر وہ شقاوت کیلئے پیدا کیا گیا ہے تو اُس سے شقاوت اور جہنم کے اعمال سرزد ہونگے خلاصہ یہ ہے کہ قلم نے سعید کی سعادت اور شقی کی شقاوت لکھدی ہے اس طریقہ پر کہ یہ اعمال سعادت کے اعمال ہیں اور یہ اعمال شقاوت کے اعمال ہیں۔

سلہ تو روا داری۔ اگر جفَّ القلم کے یہ معنی ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے سب کچھ ازل میں لکھ دیا ہے اور اب اُس کی قدرت کے تحت کچھ نہیں ہے تو گویا اب خدا، خدائی سے معزول ہوگیا ہے۔ کہ ز دست۔ تو نتیجہ یہ نکلے گا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے کہ اے بندے اب تو میرے پاس نہ آ اب کام میرے قابو سے باہر ہے۔

سلہ بلکہ۔ جفَّ القلم کے صحیح معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے لکھدیا ہے کہ انصاف اور ظلم یکساں نہیں ہیں فرق۔ اور یہ معنی ہیں کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں نے خیر اور شر میں بد اور بدتر میں فرق کر دیا ہے۔ ذرہ۔ اگر تجھ میں تیرے دوست کے اعتبار سے ایک ذرہ بھی نیکی زیادہ ہے تو اُس کو خدا جانتا ہے اور وہ اُس ذرّے کا بدلہ دے گا جو پہاڑ جیسا ہوگا۔

سلہ بادشاہ ہے جس بادشاہ کے دربار میں امین اور ظالم میں فرق نہ ہو یا وہ شخص جو اُس کے خوف سے لرزتا ہے اور وہ شخص جو اُس کی بڑائی پر طعنہ زنی کرتا ہے اُسکے دربار میں یکساں ہوں تو ایسے بادشاہ

سلہ پس قلم۔ یعنی کے معنی یہ ہیں کہ ہر کام کی تاثیر اُسکی مناسبت سے تحریر کر دی ہے۔ کژ روی۔ قلم نے یہ لکھ دیا ہے کہ اگر تو کجی اختیار کرے گا تو نتیجہ کجی ہوگا۔ اور سچائی اختیار کرے گا تو اُس سے سعادت پیدا ہوگی قلم نے لکھدیا ہے ظلم کا نتیجہ بدبختی ہے۔ عدل کا نتیجہ راحت ہے چوری کا نتیجہ ہاتھ کٹنا ہے شراب پینے کا نتیجہ مستی ہے۔

فرق نبود ہر دو یک باشد برش — شاہ نبود خاکِ تیرہ بر سرش

وہ دونوں میں فرق نہ کرے اُنکے نزدیک دونوں یکساں ہوں — وہ بادشاہ نہ ہوگا اُس کے سر پر کالی مٹی ہو

ذرہ گر جہدِ تو افزوں شود — در ترازوئے خدا موزوں شود

اگر تیری کوشش میں ایک ذرہ بڑھے — وہ خدا کی ترازو میں تولا جائے گا

پیشِ ایں شاہاں ہمارہ جانکنی — بیخبر ایشاں ز غدر و روشنی

اِن بادشاہوں کے سامنے تو ہمیشہ مصیبت بھرتا ہے — وہ غداری اور نورِ (قلب) سے غافل ہیں

گفتِ غمازے کہ بد گوید ترا — ضائع آرد خدمتت را سالہا

اُس چغلخور کی بات جو تجھے بُرا کہتا ہے — وہ تیری سالوں کی خدمت کو ضائع کرا دیتا ہے

پیشِ[1] شاہے کو سمیع ست و بصیر — گفتِ غمازاں نباشد جائے گیر

اُس بادشاہ کے سامنے جو کہ سمیع و بصیر ہے — چغلخوروں کی بات نہیں ٹھہرتی ہے

جملہ غمازاں از و آیس شوند — سوئے ما آیند و افزایند بند

سب چغلخور اُس سے مایوس ہو جاتے ہیں — ہمارے پاس آتے ہیں اور رکاوٹیں اضافہ کرتے ہیں

بس جفا گویند شہ را پیشِ ما — کہ برو جفّ القلم کم کن وفا

اللہ (تعالیٰ) کا ہم سے بہت ظلم بیان کرتے ہیں — کہ جا قلم (لکھکر) خشک ہو گیا ہے وفاداری نہ کر

معنیِ[2] جفّ القلم کے آں بود — کہ جفا ہا با وفا یکساں بود

قلم لکھکر خشک ہو گیا کے یہ معنی کب ہو سکتے ہیں! — کہ ظلم، وفاداری کے برابر ہوتا ہے

بل جفا را ہم جفا جفّ القلم — واں وفا را ہم وفا جفّ القلم

بلکہ ظلم کے لئے (بدلہ) ظلم ہو قلم لکھکر خشک ہو گیا ہے — اور وفا کیلئے (بدلہ) وفا ہے قلم (لکھکر) خشک ہو گیا ہے

عفو باشد لیک کو فرِ امید — کہ بود بندہ ز تقویٰ رو سپید

معافی ہوگی لیکن امید کی وہ شان و شوکت کہاں؟ — کہ بندہ پرہیزگاری کی وجہ سے سُرخرو ہو

دزد را گر عفو باشد جاں برد — کے وزیر و خازنِ مخزن شود

چور کو اگر معاف کیا جاتا ہے تو جان بچا لیتا ہے — وزیر اور خزانہ کا خزانچی کب بنتا ہے؟

اے[3] امین الدینِ ربانی بیا — کز امانت رُست ہر تاج و لوا

اے امین الدین "اللہ والے": آجا — کیونکہ امانت کی وجہ سے تاج اور جھنڈا اُگا ہوا ہے

پورِ سلطاں گر برو خائن شود — آں سرش از تن بداں مایہ شود

شہزادہ اگر بادشاہ کا خائن بن جائے — اُس کی وجہ سے اُس کا سر تن سے جدا ہو جائے

در غلامے ہندوے آرد وفا — دولت اُو را میزند طالَ بقا

اگر ہندوستانی غلام وفا برتے — نصیب اُس کیلئے زندہ باد کا اعلان کر دے

چہ غلام ار بر درے سگ با وفا ست — در دلِ سالار او را صد رضا ست

غلام کیا، اگر دروازے پر کتا وفادار ہے — آقا کے دل میں اُس کی جانب سے سینکڑوں خوشنودیاں ہیں

کے سر پر خاک۔ (ذرہ) حقیقی خدا تو وہی ہے جس کی ترازو میں ایک ایک ذرہ تولا جائے پیش یہ تو دنیاوی بادشاہوں کا طور طریقہ ہے کہ تو تمام عمر اطاعت کرتا ہے اور ایک چغلخور تیری ساری بھلائی برباد کرا دیتا ہے۔

[1] پیشِ شاہے۔ دانا و بینا خدا کے دربار میں یہ ممکن نہیں ہے کہ کوئی چغلخور چغلخوری کر سکے، وہاں سے چغلخور شیطان وغیرہ مایوس ہو کر ہمارے پاس آ کر ہمیں بہکاتے اور خدا کا ظلم بیان کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اُس نے سب کچھ پہلے ہی لکھ دیا ہے اب اُس کے ساتھ وفاداری کیوں کرتے ہو۔

[2] معنی۔ یہ چغلخور شیطان کا جواب ہے کہ جفّ القلم کے یہ معنی نہیں ہیں کہ جفا اور وفا یکساں ہے وفاداری سے کوئی فائدہ نہیں ہے بلکہ معنی یہ ہیں کہ جفا کا بدلہ جفا ہے اور وفا کا بدلہ وفا ہے۔ عفو باشد یہ شبہ ہوتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ گنہگاروں کو بھی معاف کر دے گا تو پھر اطاعت اور نافرمانی یکساں ہو گئی مولانا نے جواب دیا ہے کہ معافی تو ہو جائے گی لیکن وہ انعامات حاصل نہ ہوں گے جو نیکو کار حاصل کریں گے۔ (دزد) چور کی معافی کا یہی مطلب ہوتا ہے کہ اُس کی جان بچ گئی لیکن اُس کو وزیر اور خزانچی کا رتبہ تو حاصل نہیں ہوتا۔

زین[1] چو سگ را بوسہ بر پوزش دہد ... گر بود شیرے چہ پیروزش کند

اس (وفا) کی وجہ سے جب کتے کی تھوتھنی چومتا ہے ... اگر وہ شیر ہو تو اس کو کس قدر کامیابی عنایت کرے گا!

چہ مگر دزدے کہ خدمتہا کند ... صدق او بیخ جفا را بر کند

سوائے اس چور کے جو خدمتیں کرے ... اس کی سچائی ظلم کی جڑ اکھاڑ دے

چوں فضیلِ رہزنے کو راست باخت ... زاں کہ دہ مردہ بسوئے تو بتاخت

جیسا کہ ڈاکو (حضرت فضیلؒ) جنھوں نے سچائی کی بازی ... کیونکہ دس انسانوں کی طاقت سے تیری جانب دوڑے

وانچناں[2] کہ ساحراں فرعون را ... رو سیہ کردند از صبر و وفا

اور جس طرح کہ جادوگروں نے فرعون کا ... منہ کالا کر دیا صبر اور وفاداری سے

دست و پا دادند در جرمِ وقود ... آں بصد سالہ عبادت کے شود

قصور اور بدلے میں ہاتھ پاؤں دے دیئے ... وہ سو سال کی عبادت سے کب ہوتا ہے؟

تو کہ پنجہ سال خدمت کردہ ... کے چنیں صدقے بدست آوردہ

تو جس نے پچاس سال عبادت کی ہے ... ایسی سچائی کب حاصل کی ہے؟

[1] زین - وفاداری اگر کتا بھی کرتا ہے تو آقا اس کا منہ چومتا ہے اور اگر شیر وفاداری کرے تو پھر اس کی کامیابی کا کیا ٹھکانا ہے۔ چہ مگر پہلے فرمایا تھا کہ چور کو معاف تو کر دیا جائے گا لیکن اس کو اونچے مقامات حاصل نہ ہوں گے اب اس سے استثناء کرتے ہیں اس لئے کہ بعض ڈاکو لوگوں کو بڑے مقامات حاصل ہو گئے ہیں۔ چون فضیل: حضرت فضیلؒ بن عیاض ڈاکو تھے پھر تائب ہوئے اور اولیاء اللہ میں ان کا شمار ہوا۔

[2] وانچناں یعنی اسی طرح فرعون کے جادوگر توبہ کے بعد کامل بنے۔ رو سیہ کردند۔ یعنی فرعون کو روسیاہ کیا۔ دست و پا۔ اللہ کی محبت میں ہاتھ پاؤں کٹوا دیئے یہ مقام سو سال عبادت سے بھی مشکل حاصل ہوتا ہے۔ تو کہ۔ عام انسان پچاس سال عبادت کرتا ہے لیکن ان ساحروں کی سی سچائی اس کو حاصل نہیں ہوتی ہے۔

حکایتِ آں درویش کہ در ہرات غلامانِ عمیدِ خراسانی را

اس فقیر کی حکایت جس نے عمید خراسانی کے غلاموں کو ہرات میں دیکھا

آراستہ دید بر اسپانِ تازی با قباہائے زربفت و کلاہ لے معرق وغیرہ آں پرسید کہ اینہا کدام امیراند و چہ شاہانند گفتند او را کہ اینہا امیراں نیستند اینہا غلامانِ عمیدِ خراسان اند رو بآسمان کرد کہ اے خداوند غلام پروردن از عمید بیاموز آنجا مستوفی را عمید گویند

بنا ٹھنا، عربی گھوڑوں پر زربفت کی قبائیں پہنے ہوئے اور اکڑھائی سے (ٹوپی) مرصع وغیرہ پہنے ہوئے اس نے پوچھا یہ کونسے سردار ہیں؟ اور کیسے بادشاہ ہیں؟ لوگوں نے اس سے کہا کہ یہ سردار نہیں ہیں، یہ عمید خراسانی کے غلام ہیں اس نے آسمان کی طرف منہ کیا کہ اے اللہ تعالیٰ غلاموں کو پرورش کرنا عمید سے سیکھ لے۔ وہاں وزیر اعظم کو عمید کہتے ہیں۔

آں یکے گستاخ رو اندر ہرے ... چوں بدیدے او غلامِ مہترے

ایک منہ پھٹ نے ہرات میں ... جب اس نے ایک سردار کے غلام کو دیکھا

جامۂ اطلس کمر زریں رواں[3] ... روئے کردے سوئے قبلۂ آسماں

اطلس کا لباس سونے کی پیٹی پہنے ہوئے جا رہا ہے ... اس نے آسمان کی جانب منہ کیا

کاے خدا! زیں خواجۂ صاحب منن
کہ اے خدا! اِس احسانوں والے آقا سے

چوں نیاموزی تو بندہ داشتن
تو غلام رکھنا کیوں نہیں سیکھ لیتا

بندہ پروردن بیاموز اے خدا
اے خدا! بندہ پروری سیکھ لے

زیں رئیس و اِختیارِ شہرِ ما
ہمارے شہر کے اِس رئیس اور برگزیدہ سے

بُود محتاج و برہنہ بینوا
وہ محتاج اور ننگا بے سروساماں تھا

در زمستاں لرزلرزاں از ہوا
جاڑے میں ہوا سے کانپ رہا تھا

اِنبساطے کرد آں از خود بری
اُس بے خود نے بے تکلفی برتی

جُراتے بنمود اُو از لمترے
اور پھکڑپن سے اُس نے جرأت کی

اِعتمادش ۲؎ بر ہزاراں موہبت
ہزاروں بخششوں پر اُس کو بھروسہ (تھا)

کہ ندیمِ حق شُد اہلِ معرفت
کیونکہ معرفت والا اللہ (تعالٰے) کا مصاحب ہوتا ہے

گر ندیمے شاہ گستاخی کُند
اگر بادشاہ کا مصاحب گستاخی کرے

تو مکُن چوں تو نداری آں سند
تو نہ کرنا، کیونکہ تو وہ سہارا نہیں رکھتا ہے

حق میاں داد و میاں بہ از کمر
اللہ (تعالےٰ) نے کمر عطا کی اور کمر پیٹی سے بہتر ہے

گر کسے تاجے دہد اُو داد سر
اگر کوئی تاج دیتا ہے تو اُس نے سر دیا ہے

تا یکے ۳؎ روزے کہ شاہ آں خواجہ را
یہاں تک کہ ایک دن بادشاہ نے اُس سردار پر

مُتہم کرد و بہ بستش دست و پا
تہمت لگا دی اور اُس کے ہاتھ پاؤں باندھ دیئے

آں غلاماں را شکنجہ می نمُود
اُن غلاموں کو سزا دی

کہ دفینہ خواجہ بنمائید زُود
کہ آقا کا خزانہ جلد دکھاؤ

سِرِّ اُو با من بگوئید اے خساں
اے کمینو! اُس کا راز مجھے بتا دو

ورنہ بُرّم از شما حلق و لساں
ورنہ میں تمہارا حلق اور زبان کاٹ ڈالوں گا

مُدتِ یک ماہ شاں تعذیب کرد
ایک مہینہ تک اُن کو ستایا

روز و شب اِشکنجہ و اِفشار و درد
دن، رات شکنجہ اور دباؤ اور تکلیف تھی

پارہ پارہ کردشان و یک غلام
اُنکے ٹکڑے ٹکڑے کردیئے اور ایک غلام نے (بھی)

رازِ خواجہ وانگفت از اِہتمام
ہمت کرکے، آقا کا راز نہ کھولا

گفتش ۴؎ اندر خواب ہاتف کے کیا
غیبی آواز نے اُس سے خواب میں کہا کہ اے سردار!

بندہ بُودن ہم بیاموز و بیا
غلام بننا بھی سیکھ لے اور آجا

اے دریدہ پوستینِ یوسفاں
اے یوسفوں کی پوستین پھاڑنے والے!

گر بدرّد گرگت آں از خویش داں
اگر تجھے بھیڑیا پھاڑے، تو وہ اپنے سبب سمجھ

زانکہ می بافی ہمہ سالہ بپوش
کیونکہ جو تو سارے سال بُنتا ہے، وہ پہن

زانکہ می کاری ہمہ سالہ بنوش
جو سارے سال بوتا ہے، وہ کھا

۱؎ کرزنتیں۔ سونے کا پٹکا۔ خواجہ۔ یعنی عمید خراسانی بخشی۔ احسانات۔ اختیار۔ یعنی مختار، برگزیدہ۔ جود یعنی وہ درویش اگرچہ اہل اللہ میں سے تھا لیکن اُس کی حالت نے اُس کو مجبور کیا کہ وہ اللہ کے تقرب کے بھروسہ پر یہ کہہ گزرا۔ فقر۔ قوی، مرد اُس درویش کی حالت ہے۔

۲؎ اِعتمادش۔ بعض مقربین بارگاہ، خصوصی رحم و کرم کی بنیاد پر ایسی گستاخی کر بیٹھتے ہیں، عوام کے لئے اِس طرح کی بات مناسب نہیں ہے۔ ندیم مصاحب۔ حق میاں۔ عمید کی عطاء سے اللہ تعالیٰ کی عطا کی افضلیت بتاتے ہیں۔

۳؎ تا یکے۔ اللہ تعالیٰ نے اُس درویش کو اُس وقت جواب نہ دیا جب وہ عمید بادشاہ کا معتوب بنا تو ہاتف غیبی نے جواب دیا۔ آں غلاماں۔ عمید کے غلام عمید کے اِس قدر وفادار ثابت ہوئے کہ سزائیں برداشت کیں لیکن عمید کا راز نہ کھولا۔

۴؎ گفتش۔ اب اللہ کی جانب سے اُس درویش کو جواب ملا کہ اللہ تعالیٰ تو عمید سے غلام پروری کیا سیکھے گا تو عمید کے غلاموں سے بندگی سیکھ لے۔ لے دریدہ۔ انسان جیسا کرے گا ویسا بھرے گا۔ زانکہ۔ انسان کے جیسے اعمال ہوتے ہیں ویسے ہی نتائج سامنے آتے ہیں۔

فعلِ تُست ایں غُصّہائے دمبدم — ایں بُود معنیٔ قَدْ جَفَّ الْقَلَم

یہ ہر وقت کے رنج، تیرا کارنامہ ہے — قلم (لکھ کر) خشک ہوگیا کے یہ معنی ہیں

کہ نگردد سُنّتِ ما از رَشَد — نیک را نیکی بُود بد راست بد

کیونکہ ہماری سنت بھلائی سے منحرف نہیں ہوتی ہے — نیک کے لئے نیکی ہوتی ہے بُرے کیلئے بُرائی ہے

کار کُن ہیں کہ سلیماں زندہ است — تا تو دیوی تیغ اُو بُرّندہ است

کام میں لگا رہ، کیوں کہ سلیمان زندہ ہے — جب تک تو دیو ہے اُس کی تلوار کاٹ کرنے والی ہے

چوں فرشتہ گشت از تیغ ایمن است — از سُلیماں فارغ و از خوف رَست

جب فرشتہ بن گیا تلوار سے محفوظ ہے — سلیمان سے فارغ اور ڈر سے نجات پاگیا ہے

از سُلیماں ہیچ اُو را خوف نیست — دشمنِ دیو است و از وے ایمن است

سلیمان سے اُسے کوئی ڈر نہیں ہے — کیونکہ وہ دیو کا دشمن ہے اور اس سے (فرشتہ کو) امن حاصل ہے

حکمِ اُو بر دیو باشد نے مَلَک — رَنج در خاک است نے فوق فلک

(سزا کا) حکم دیو پر لگتا ہے، نہ کہ فرشتہ پر — تکلیف زمین پر ہے، نہ کہ آسمان پر

ترک کُن ایں جبر را کہ بس تہیست — تا بدانی سِرِّ سِرِّ جبر چیست

اس جبر کے عقیدے کو چھوڑ کیونکہ خالی (ڈھول) ہے — تاکہ تو سمجھ جائے کہ جبر کے راز کا راز کیا ہے؟

ترک کُن ایں جبرِ جمعِ مبتلاں — تا خبر یابی ازاں جبر چو جاں

کاہلوں کی جماعت کے جبر کو چھوڑ دے — تاکہ تجھے اس جبر کا پتہ لگ جائے جو جان جیسا ہے

ترکِ معشوقی کُن و کُن عاشقی — اے گماں بُردہ کہ خوب و فائقی

معشوقی چھوڑ اور عاشقی کر — اے وہ شخص جس نے گمان کرلیا ہے کہ تو حسین اور بڑھا ہے

اے کہ در معنیٰ ز شب خامُش تری — گفتِ خود را چند جُوئی مشتری

اے وہ کہ معانی میں رات سے بھی زیادہ خاموش ہے — اپنی گفتگو کا خریدار کب تک تلاش کرے گا؟

سر بجُنبانند پیشت بہرِ تو — رفت در سودائے ایشاں عمرِ تو

تیرے سامنے تیری خاطر سے وہ جھومتے ہیں — اُن کے شوق میں تیری عمر برباد ہوگئی

تو مرا گوئی حسد اندر مپیچ — چہ حسد آرد کسے بر فوتِ ہیچ

تو مجھ سے کہتا ہے کہ حسد کرنے میں نہ لگ — ناچیز کے فوت ہوجانے پر کوئی کیا حسد کرے؟

ہست تعلیمِ خَساں اے بار سوخ — ہمچو نقشِ خوب کردن بر کلوخ

اے بار سوخ! کمینوں کو تعلیم دینا — ڈھیلے پر اچھے نقش بنانا ہے

فعلِ تُست۔ قرآنِ پاک میں ہے۔ وَمَا اَصَابَکُمْ مِنْ مُّصِیْبَۃٍ فَبِمَا کَسَبَتْ اَیْدِیْکُمْ وَیَعْفُوْا عَنْ کَثِیْرٍ یعنی جو مصیبت تم پر آتی ہے وہ تمہاری لائی ہوئی ہے۔ کہ نگردد۔ سنتِ الٰہی میں تبدیلی نہیں ہوسکتی ہے۔ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّۃِ اللّٰہِ تَبْدِیْلًا۔ نیک۔ قرآنِ پاک میں ہے ھَلْ جَزَاءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ۔

۵۲ کار کن۔ سلیمان سے مراد شاہِ حقیقی ہے اور دیو سے مراد نفسِ امّارہ ہے۔ چوں فرشتہ۔ قرآنِ پاک میں ہے اِنَّ اَوْلِیَاءَ اللّٰہِ لَا خَوْفٌ عَلَیْہِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ۔ جو اللہ کے دوست ہیں اُن پر نہ کوئی خوف ہے نہ غمگین ہونگے۔ از سلیماں۔ نیکوں کو عذاب سے امن حاصل ہے۔ حکمِ او۔ سزا کا حکم شیطان صفت کے لئے ہے۔ رنج۔ جب انسان ملکوتی بن جائے تو پھر راحت ہی راحت ہے۔

۵۳ ترک کن۔ یہ جبرِ مذموم کا عقیدہ جو ترکِ اطاعت پیدا کرتا ہے اُس کو چھوڑ کر خالص درجہ اختیار کر جب تجھے جبرِ محمود کا پتہ چلے گا اور معلوم

۵۵ اے کہ۔ تو اپنی لچھے دار تقریروں پر نازاں ہے۔ جو معانی سے بالکل خالی ہیں اور تو اپنی ان تقریروں سے خریدار ڈھونڈتا ہے۔ سر بجنبانند۔ یہ تیری تقریریں سننے والے محض تیرے لحاظ میں جھوم رہے ہیں اور تو ان کے عشق میں عمر برباد کرتا ہے۔ تو مرا۔ جب میں تجھے ان لچھے دار تقریروں سے روکتا ہوں تو تو مجھ پر حسد کا الزام لگاتا ہے حالانکہ ان لچھے دار

ہوگا کہ تجھے اختیار خداوندی حاصل ہے اور تیرا ہر عمل اختیارِ خداوندی سے صادر ہوتا ہے۔ مبتلاں۔ کاہل لوگ۔ چو جان۔ جبرِ محمود بڑی قیمتی چیز ہے۔ ترک کن۔ معشوقوں کا سا ناز ــــــــ چھوڑ کر عاشقوں کا سا نیاز پیدا کر۔

خویش را تعلیم کن عشق و نظر — کاں بُوَد کالنقش فی جرم الحجر
اپنے آپ کو عشق اور نظر کی تعلیم دے — کیونکہ وہ پتھر کی لکیر کی طرح ہے

نفسِ تو با تُست شاکر در وفا — غیر فانی شُد کجا جوئی کجا
تیرا نفس وفا داری میں تیرا شکر گذار ہے — غیر فنا ہو گیا کہاں ڈھونڈتا ہے کہاں؟

تا کُنی مر غیر را حبر و سَنی[52] — خویش را بد خُو و خالی میکنی
جب تک تو دوسرے کو بڑا عالم اور اونچا بنا تا رہیگا — اپنے آپ کو بدعادت اور خالی کرتا رہے گا

مُتّصل چوں شُد دلت باآں عدن — ہیں بگو مہراس از خالی شُدن
جب تیرا دل عدن سے وابستہ ہو گیا — ہاں کہتا رہ، خالی ہونے سے ہراساں نہ ہو

اَمرِ قُل زیں آمدش کاے راستیں — کم نخواہد شُد بگو دریاست ایں
قُل کا حکم اُن کو اسی لئے آیا کہ اے راست رَو! — کہیئے، کمی نہ ہوگا، یہ دریا ہے

اَنْصِتُوا[53] یعنی کہ آبت را بلاغ — ہیں تلف کم کُن کہ اُب خشک ست باغ
تم خاموشی سے سنو، یعنی کہ اپنے پانی کو لٹنے والوں سے — خبردار! تباہ نہ کر، کیونکہ باغ پیاسا ہے

ایں سخن پایاں ندارد اے پدر — ایں سُخن را ترک کُن پایاں نِگر
اے بابا! اس بات کا خاتمہ نہیں ہے — اِس بات کو چھوڑ، انجام پر نظر کر

غیرتم[54] آید کہ پیشت بیستند — بَر تو می خندند و عاشق نیستند
مجھے شرم آتی ہے کہ تیرے سامنے کھڑے ہوتے ہیں — تیری ہنسی اُڑاتے ہیں اور وہ عاشق نہیں ہیں

عاشقانت دَر پسِ پَردہ کَرم — بہرِ تو نعرہ زناں بیں دَمبدم
تیرے عاشق کرم کے پسِ پردہ — اُن کو تو لمحہ بلمحہ اپنے لئے نعرے لگاتے ہوئے دیکھ

عاشقِ آں عاشقانِ غیب باش — عاشقانِ پنج روزہ کم تراش
تو اُن غیب کے عاشقوں کا عاشق بن — چند روزہ عاشق، نہ بنا

کہ بخوردندت[55] زخُدعہ و جَذبہ — سالہا زیشاں ندیدی حَبّہ
دھوکے اور کشش سے اُنھوں نے تجھے کھایا — سالوں تو نے اُن کی جانب سے ایک رتی نہ دیکھی

چند ہنگامہ نہی بر راہِ عام — کام جُستی بر نیامد ہیچ کام
عام راستہ پر تو کب تک مجمع لگائے گا؟ — تو نے مقصد کی تلاش کی کوئی مقصد پورا نہ ہوا

وقتِ صحت جملہ یارند و حَریف — وقتِ درد و غم بجُز حق کو الیف
تندرستی میں سب دوست اور ساتھی ہیں — درد و غم کے وقت سوائے خدا کے کون دوست ہے؟

تقریروں کے حاصل نہونے پر کوئی کیا حسد کرے گا یہ خود بیکار ہیں۔ نقش۔ عوام میں تقریریں کر کے واہ وا کرانا مٹی کے ڈھیلے پر باریک نقش و نگار کرنا ہے جو قائم نہیں رہ سکتا۔ خویش۔ اپنی اصلاح کر اور اپنے آپ کو عشق کی تعلیم دے یہ باقی رہنے والی چیز ہے۔

[52] تاکُنی۔ دوسروں کو وعظ و تلقین سے اپنی اصلاح بہتر ہے۔ حبر۔ بڑا عالم۔ سنی۔ بلند۔ متصل۔ یہ شبہ ہوا کہ بہت سے حقیقی بزرگ مُریدوں کی تعلیم و تربیت کرتے ہیں تو اس سے کیوں روکا جا رہا ہے مولانا نے فرمایا کہ جو بزرگ ایسے ہیں کہ اُن کا اتصال دریائے وحدت سے ہو گیا ہے وہ تعلیم دیں تو کچھ مضائقہ نہیں ہے۔ عدن۔ دال کے سکون سے، اقامت اسی سے جنات عدن ہیں یعنی اقامت کی جنتیں اور دال کے زبر سے شہر کا نام ہے جہاں سے عقیق

[54] غیرتم۔ اے لچھے دار تقریر کرنے والے یہ سامعین تیرے حقیقی عاشق نہیں ہیں یہ تو تیرا مذاق اُڑاتے ہیں۔ عاشقانت۔ تیرے عاشق تو وہ ہیں جو تیری اصلاح کی دعائیں کرتے ہیں تو اُن عاشقوں کا عاشق بن اور چند دنوں کی واہ واہ کرنے والوں سے گریز کر۔

[55] کہ بخوردندت۔ اِن چند روزہ عاشقوں نے تجھے ضائع کر رکھا ہے اُن سے تجھے کوئی فائدہ نہیں پہنچا۔ چند ہنگامہ۔ عوام کا مجمع لگانے سے تیرا کوئی صحیح مقصد پورا نہ ہوا۔ وقتِ صحت۔ یہ تیرے عاشق

آتا ہے یہاں مراد دریائے وحدت ہے۔ امر قُل۔ قرآن پاک میں ہے قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمَاتِ رَبِّي لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ أَن تَنفَدَ كَلِمَاتُ رَبِّي آپ کہدیجے کہ خدا کے کلمات کے لئے اگر سمندر روشنائی بنیں تو وہ اس سے پہلے ختم ہو جائیں گے کہ خدا کے کلمات ختم ہوں ——— [53] اَنْصِتُوا۔ قرآن پاک میں ہے وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنصِتُوا "اور جب قرآن پڑھا جائے تو کان دھرو اور خاموش رہو" الآیۃ۔ بیہودہ گفتگو۔ ایں سخن یعنی لچھے دار تقریروں کی بُرائی۔ پایاں۔ یعنی اپنے انجام کی فکر کر۔

وقتِ دردِ چشم و دندان ہیچکس
دانتوں اور آنکھ کے درد کے وقت کوئی شخص

دستِ تو گیرد بجز فریاد رس
تیری دستگیری کرتا ہے! سوائے خدا کے

پس ہماں درد و مرض را یاد دار
تو اسی درد اور مرض کو یاد رکھ

چوں ایاز از پوستیں گیر اعتبار
ایاز کی طرح پوستین سے عبرت حاصل کر

پوستیں آں حالتِ دردِ تو است
پوستین تیرے درد کی حالت ہے

کہ گرفتہ است آں ایاز آنرا بدست
جو اس ایاز نے ہاتھ سے پکڑی ہے

راحت کے ساتھی ہیں مصیبت کے وقت کا ساتھی صرف خدا ہے۔ الیف۔ دوست۔
فریاد رس۔ اللہ تعالیٰ۔ درد۔ یعنی اس درد کے وقت کو بھی طرح پیش نظر رکھ جس طرح ایاز اپنی پرانی پوستین کو پیش نظر رکھتا اور اس سے عبرت حاصل کرتا رہتا تھا۔ پوستین۔ ایاز پوستین سے عبرت حاصل کرتا تھا ز مصیبت کے وقت سے عبرت حاصل کرے

شرح

مومن نے جواب دیا کہ اے معتقد جبر کافر! اب تو میری گفتگو سن! تو نے اپنی تو کہہ لی اب میں اس کا جواب دیتا ہوں اور اے شطرنج باز! تو نے اپنی چال تو چل لی اب تو اپنے حریف کی لمبی چوڑی چال دیکھ اور تو نے اپنا معذرت نامہ تو پڑھ لیا۔ اب تو ایک سنی کا جواب نامہ پڑھ اور اس عقیدہ کو چھوڑ! اس میں کیا الجھ کر رہ گیا ہے تو نے باب قضا میں جبریانہ گفتگو کی اب مجھ سے اسکی حقیقت سن! اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ہم کو فی الجملہ اختیار حاصل ہے اور یہ ایک امر محسوس اور بدیہی بات ہے اور یہ کھلی ہوئی بات ہے کہ تم حس و بداہت کا انکار نہیں کر سکتے پس تم اپنے اختیار کو دیکھو اور جبری نہ بنو۔ تم نے اس عقیدہ میں صراط مستقیم کو چھوڑ دیا ہے پس تم صراط مستقیم پر آؤ اور ٹیڑھے نہ چلو ـــــ تفصیل اسکی یہ ہے کہ آدمی مکلف ہے اور اس کا مکلف ہونا اسکے اختیار کی واضح دلیل ہے کیونکہ پتھر کو کوئی نہیں کہتا کہ آ۔ اور ڈھیلے سے کوئی وفاداری کا.. طالب نہیں ہوتا۔ کیونکہ ان میں ان امور کی قدرت ہی نہیں ہے۔

علیٰ ھٰذا آدمی کو اُڑنے کا حکم کوئی نہیں دیتا کیونکہ اس میں اُڑنے کی قدرت ہی نہیں ہے یا یوں سمجھو کہ اندھے سے کوئی نہیں کہتا کہ تو مجھے دیکھ! وجہ اسکی یہی ہے کہ وہ عاجز ہے حق سبحانہٗ نے اسے جہاد سے مستثنیٰ کر دیا کہ لیس علی الاعمیٰ حرج اور کرنا بھی چاہیئے کیونکہ حق سبحانہٗ تو اپنے بندوں کو فراخی عطا فرماتے ہیں وہ کسی پر تنگی کیوں رکھیں گے۔ اور سنو! پتھر سے کوئی یہ نہیں کہتا کہ تو دیر میں آیا۔ یا یوں کہو کہ لکڑی سے کوئی یہ نہیں کہتا کہ اے لکڑی!

تو میرے کیوں لگی۔ غرض کہ مجبور سے اس قسم کے سوالات کوئی نہیں کرتا اور نہ کوئی معذور کو زنا ہے۔ بلکہ امر اور نہی یا اکرام اور عتاب صرف صاحب اختیار کے لیے ہوتے ہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ ہم کو فی الجملہ اختیار ہے اور ہم ظلم وستم وغیرہ اپنے اختیار سے کرتے ہیں اور میں نے جو کہا ہے کہ نفس شیطان مجھے کفر اور بت خانہ کی طرف کھینچتے ہیں اس کا یہی مطلب تھا کہ تم امور کو اپنے اختیار سے کرتے ہو۔ مگر یہ تمہارے معین ہوتے ہیں۔

توضیح اسکی یہ ہے کہ تم کو اختیار حاصل ہے مگر وہ ساکن ہوتا ہے اور جب تک وہ کسی یوسف کو نہیں دیکھتا اس وقت تک اپنے ہاتھ کو زخمی نہیں کرتا۔ مطلب یہ ہے کہ اختیار اور داعیہ معصیت نفس میں ساکن ہوتا ہے مگر جب وہ کسی مغلوب کو دیکھتا ہے اس وقت وہ ہر پر وے پھاڑ کر لپیٹتا ہے اس کی ایسی مثال ہے جیسے کتا جس وقت سوتا ہوتا ہے اس وقت اس کا اختیار مخفی ہوتا ہے مگر جب کہ وہ اوجڑی کو دیکھتا ہے تو اسکے اختیار کو حرکت ہوتی ہے اور وہ دم ہلاتا ہے یا یوں سمجھو! کہ گھوڑا سکون کی حالت میں کھڑا ہوتا ہے اور اسوقت اسی کا اختیار مستور ہوتا ہے مگر جس وقت وہ جو دیکھتا ہے اس وقت اسکے اختیار کو حرکت ہوتی ہے اور وہ ہنہناتا ہے۔

یا یوں سمجھو کہ بلی خاموش ہوتی ہے مگر جس وقت وہ گوشت کو دیکھتی ہے اسوقت اسکے اختیار کو حرکت ہوتی ہے اور وہ میاؤں میاؤں کرتی ہے —— پس ان مثالوں سے معلوم ہو گیا کہ کسی مطلوب کو دیکھنا اختیار کو حرکت میں لاتا ہے جیسے آگ کہ جس وقت اس میں پھونک ماری جاتی ہے اس وقت اس سے شعلہ اُٹھتے ہیں جبکہ یہ تمہیدی مضمون معلوم ہو گیا تو اب سمجھو! کہ جس وقت ابلیس دلال... منکر تمہارے پاس کسی مطلوب کا پیغام لاتا ہے اس وقت تمہارے اختیار کو حرکت ہوتی ہے اور جبکہ وہ کسی مطلوب کو کسی عباد کے سامنے پیش کرتا ہے اس وقت اس کا سویا ہوا اختیار شور و شر کرتا ہے مگر برخلاف شیطان کے فرشتے اس کے سامنے اچھے مطلوبات پیش کرتے ہیں اور اسکے دل میں شورش پیدا کرتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ تمہارے اختیار خیر کو حرکت ہوتی ہے۔ شیطان اور فرشتوں کے مطلوبات خیر و شر کو پیش کرنے کی ضرورت

اسلئے ہے کہ تمہاری ہر دو خصلتیں یعنی اختیار خیر و اختیار شر سوئے ہوتے ہیں لہذا ضرورت ہوتی ہے کہ اسکو جگایا جائے تاکہ معنی امتحان متحقق ہوں۔ پس خلاصہ یہ نکلا کہ شیطان اور فرشتے ہر دو فریق مطالب خیر و شر کو برگہائی اختیار کو جنبش دینے کے لئے پیش کرتے ہیں اور الہامہائے ملائک اور وساوس شیاطین سے آدمی کا اختیار خیر و شر ظہور میں بہت کچھ بڑھ جاتا ہے۔ اسی لئے حکم ہے کہ تحلیل نماز یعنی ختم نماز کے وقت فرشتوں کو سلام کرو۔ جسکی معنی یہ ہیں کہ تمہارے الہام اور دعوت الی اللہ فرشتے سے تیرا نماز کا اختیار جاری ہوگیا پھر جبکہ تم سے کوئی معْصیت صادر ہوتی ہے تو تم شیطان پر لعنت کرتے ہو۔ کیونکہ تم پر گناہ بار لاد کر... تمہاری کمر اسی نے جھکائی ہے لیکن یہ خفیہ مقاصد کو پیش کرنے والے پردۂ غیب میں رہ کر مقاصد کو پیش کرتے ہیں اور تم کو نظر نہیں آتے مگر جس وقت پردۂ غیب آگے سے اُٹھ جائے گا اور قیامت میں مخفیات کا ظہور ہوگا اس وقت تم اپنے دلالوں کے مُنہ دیکھوگے اور اس کی باتوں سے پہچان لوگے کہ پردہ میں باتیں کرنیوالے فی الحقیقت یہی تھے کیونکہ شیطان کہے گا کہ اسے پابند نفس و جسم میں نے برائیوں کو صرف تیرے سامنے پیش کیا تھا میں نے تجھے مجبور نہ کیا تھا۔ فلا تلوموني ولوموا انفسكم۔ اور فرشتے کہیں گے کہ ہم نے تو تجھ سے کہہ دیا تھا کہ اس کام کو نہ کر۔ گو اس وقت تجھے خوشی ہوگی۔ مگر آخر میں اس سے تیرا غم بڑھے گا اچھا بتلا! کہ کیا فلاں دن ہم نے تجھ سے نہیں کہا تھا کہ جنت کا رستہ یہ ہے تو ہمارا کہنا مان۔ ہم تیرے جانی دوست اور تیری روح کو بڑھانے والے اور تیرے جدامجد کو سجدہ کرنے والے اور آپکے مخلص ہیں اور جس طرح ہم ہمیشہ سے اس خاندان کے خادم ہیں یوں ہی اب بھی خدمت کرتے ہیں اور نیک مشورہ دیکر تجھے مخدومی کی طرف بلاتے ہیں اور یہ جماعت جو تجھے برائیوں کی ترغیب دیتی ہے یہ تیرے جدامجد کی دشمن اور ان کے سجدہ سے انکار کرنے والی ہے مگر تو نے ان کی بات مانی اور ہماری نہ مانی اور ہماری خدمات کا حق نہ پہچانا۔ اب تو تقریر اور لہجہ سے ہم کو اور ان کو پہچان لے کہ ہم وہی ہیں یا نہیں جو تجھے بھلائیوں کی ترغیب دیتے تھے اور یہ جماعت وہی ہے یا نہیں جو تجھے برائیوں کی طرف بُلاتی تھی۔ آواز اور لہجہ سے پہچاننا کوئی بڑی بات نہیں۔

دیکھو! جب تم رات کے وقت کسی دوست کا تضرع سنتے ہو تو جب وہ صبح کو بولتا ہے تو تم جان لیتے ہو کہ یہ وہی ہے جو رات کو گڑگڑا رہا تھا۔ علیٰ ہذا اگر رات کو دو شخص کوئی خبر لادیں تم صبح کے وقت گفتگو سے دونوں کو پہچان سکتے ہو اور سمجھ سکتے ہو کہ یہ وہی ہے جس نے رات یہ بات کہی تھی اور یہ وہ جس نے یہ کہا تھا۔ علیٰ ہذا رات کے وقت شیر اور کتے کی آواز آتی ہے اور اندھیرے کے سبب صورت دونوں کی غیر محسوس ہوتی ہے مگر جس وقت صبح ہوتی ہے اور دونوں پھر بولتے ہیں تو تم دونوں کو آواز سے پہچان لیتے ہو۔ پس اسی طرح آواز سے فرشتے اور شیاطین بھی پہچانے جائیں گے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ شیاطین اور ملائک جو کہ مطالب خیر وشر کو پیش کرتے ہیں وہ اختیار کو حرکت دے کر اس کی تکمیل کرتے ہیں اسلئے میں نے تیرے افعال کو ان کی طرف نسبت کر دیا تھا اور کہا تھا کہ نفس شیطان تجھے کفر اور بُت خانے کی طرف لے جاتے ہیں۔

غرضکہ ہم کو اختیار حاصل ہے جو کہ ایک عرصہ تک غیر محسوس ہوتا ہے مگر جبکہ آدمی کو دو مطلوب نظر آتے ہیں تو وہ اختیار ظہور اور اثر میں پڑھتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ استاد بچوں کو مارتے ہیں تاکہ ان کے اختیار کو حرکت ہو اور پتھر کو سزا نہیں دیتے۔ اچھا بتلاؤ! کیا تم پتھر سے کہتے ہو کہ کل آنا ورنہ میں تجھے سزا دوں گا۔ یا کوئی عاقل ڈھیلے کو مارتا ہے یا پتھر پر غصّہ ہوتا ہے ہرگز نہیں۔ برخلاف آدمیوں کے کہ انکو مکلف بھی بنایا جاتا ہے اور خلاف ورزی کی صورت میں ان کو سزا بھی دیجاتی ہے اور ان پر عتاب بھی کیا جاتا ہے اس سے صاف ظاہر ہے کہ آدمی کی حالت جمادات کے خلاف ہے اور وہ جمادات کی طرح مجبور نہیں ہے پس تو اعتقاد جبر کو چھوڑ۔ کیونکہ گو انکار تقدیر بھی برا اعتقاد ہے مگر جبر اس سے بھی زیادہ ذلیل عقیدہ ہے، کیونکہ جبری اپنے مشاہدہ کا انکار کرتا ہے۔ برخلاف قدری کے کہ وہ امر حسی کا انکار نہیں کرتا۔ کیونکہ وہ افعال کو مخلوق عباد کہہ کر فعل حق کا انکار کرتا ہے اور فعل حق امر محسوس نہیں ہے پس جو شخص فعل حق کا انکار کرتا ہے وہ کسی امر حسی کا انکار نہیں کرتا۔ بلکہ ایک ایسے امر کا انکار کرتا ہے جو برہان و دلیل عقلی سے ثابت ہے اسلئے ان دونوں کی ایسی مثال ہے جیسے ایک شخص کو دھوآں دکھلائی دیتا ہے اور آگ اسکی نظر سے مخفی ہو یا روشنی دکھلائی دیتی ہو

اور شمع اسکی نظر سے اوجھل ہو اور وہ شخص کہے کہ دھواں تو ہے مگر آگ نہیں۔ یا نور تو ہے مگر شمع نہیں اور دوسرا آگ کو شخص اور معین دیکھ رہا ہے اور اسکی وجود سے انکار کرتا ہے اس کا کپڑا جل رہا ہے اور کہتا ہے کہ آگ ہی نہیں اور اس کا کپڑا جل رہا ہے اور کہتا ہے کہ تار ہے ہی نہیں اسسے ثابت ہوا کہ دعوٰی جبر فی الحقیقت انکار حساب ہے اسسے لازم آیا کہ جبری دھری سے بھی بدتر ہو کیونکہ دھری کہتا ہے کہ عالم ہے مگر اس کا خالق اور اس میں متصرف کوئی نہیں اور اسلئے وہ گویا کہ ایسے دعا کرتا ہے جس کو کوئی قبول کرنے والا نہیں مگر جبری کہتا ہے کہ خود جہان ہی کوئی چیز نہیں پس یہ شخص سوفسطائی یعنی منکر بدیہیات اور مبتلائے ضلال ہے کیونکہ تمام عالم باب اختیار میں امر و نہی یعنی یہ لاؤ وہ نہ لاؤ۔ وغیرہ کا اقرار کرنا اور جائز کہتا ہے مگر جبری کہتا ہے کہ امر و نہی کوئی چیز نہیں اور کسی کو کچھ اختیار نہیں لہٰذا یہ سب غلط ہیں ـــــ خیر انسان تو بڑی چیز ہے ہم کہتے ہیں کہ محسوسات تو حیوانات کو بھی اعتراف ہے۔ ہاں ادراک دلیل دقیق ہے اسلئے حیوانات کو دلائل کا احساس نہیں ہوسکتا پس جبری جو کہ منکر اختیار محسوس ہے جانور سے بھی بدتر ہے پس حاصل یہ ہے کہ ہم کو اختیار حاصل ہے اور وہ ایک امر محسوس ہے لہٰذا اس کی بنار پر مکلف بنانا بالکل درست ہے۔

شاید کوئی کہے کہ حس اختیار کو محسوس کیونکر کہا جاتا ہے آخر وہ کونسے حاسہ سے محسوس ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ اختیار حقیقیہ حسی نہیں ہے۔ بلکہ مجازاً حسّی ہے کیونکہ وہ ایک وجدانی اور ذوقی امر ہے اور وجدانیات و حسیات ہر دو ایک ہی فہرست میں داخل ہیں کیونکہ دونوں بدیہیات میں سے ہیں خیر یہ تو جملہ معترضہ تھا اب ہم کہتے ہیں کہ چونکہ اختیار ایک بدیہی امر ہے لہٰذا اسکی بنار پر حکم فعل و ترک اور امر و نہی وغیرہ واقعات مثلاً عتاب و تشریف وغیرہ بالکل ٹھیک اور عمدہ ہیں اور ان میں کسی قسم کا قبح اور کوئی برائی نہیں اور یہ ارادہ کہ میں کل یہ کروں گا اور وہ کروں گا۔ یہ اختیار کی واضح دلیل ہے کیونکہ اگر اختیار ہی نہیں تو قصد و ارادہ چہ معنی دارد۔ نیز کسی برائی پر نادم ہونا یہ بھی اختیار کے وجود کی دلیل ہے کیونکہ یہ راہ اُسی نے دکھائی ہے ورنہ فعل غیر اختیاری پر ملامت کیسے نیز یہ امر کہ قرآن اوامر و نواہی سے پر ہے یہ بھی ثبوت اختیار کی دلیل ہے کیونکہ مجبور کو امر نہیں کیا

جاسکتا۔ بھلا کسی نے دیکھا ہے کہ کوئی پتھر کو حکم بالمعنی الحقیقی کرتا ہو۔ اور کوئی دانا کوئی عاقل ایسا کرتا ہے یا پتھر اور ڈھیلے پر غصہ کرتا ہے اور ان سے کہتا ہے کہ میں نے تم سے یہ کہا تھا اور وہ کہا تھا۔ ارے بے جانو!! اور عاجزو! تم نے ایسا کیوں نہیں کیا ہرگز نہیں بھلا کہیں عقل پتھروں اور لکڑیوں کو بھی حکم کرتی ہے اور چنگ نواز کہیں تصویر چنگ کو بھی بجاتا ہے جو کہ بجنے کی قابلیت نہیں رکھتی یا کوئی کہتا ہے کہ اے ہاتھ پاؤں بندھے ہوئے غلام! نیزہ اُٹھا اور معرکہ جنگ میں چل۔ ہرگز نہیں۔ پس جبکہ عام عقلاء ایسا نہیں کرتے تو حق سبحانہ، جو خالق نجوم وسما ہیں یہ احمقانہ امرونہی کیسے کرسکتے ہیں۔

پس ثابت ہوا کہ بندہ کو ضرور اختیار ہے جس کی بنا پر وہ مکلف ہے اور اس سے باز پرس ہوگی تم نے قدر کو چھوڑ کر جبر کو اختیار کیا اور اس طرح گویا کہ اپنے زعم میں ایک اچھی بات کی کہ الزام عجز کو کہ جو تمہارے زعم میں بنا بر اعتقاد وقدر حق سبحانہ، پر عائد ہوتا ہے اس سے دفع کیا مگر تم اعتقاد جبری اس سے بڑی بلا میں مبتلا ہو گئے۔ کیونکہ تم نے جہل و حماقت وسفہ کو اس کی طرف نسبت کیا نیز اول اعتقاد وقدر پر نسبت عجز الی اللہ لازم نہیں آتی کیونکہ اس کا حاصل یہ ہے کہ بندہ اپنے افعال کا خود خالق ہے اور صرف اتنی بات سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ مقدور حق نہ ہوں لیکن اگر ہم تھوڑی دیر کے لئے یہ بات مان لیں کہ واقع اس میں نسبت عجز بسوئے قادر مطلق ہے۔ تب بھی معتقد قدر تم سے اچھے ہیں کیونکہ وہ اگر عجز کو اس کی طرف نسبت کرتے ہیں تو تم جہل وحماقت کو اس کی طرف نسبت کرتے ہو اور جہل عجز سے بُرا ہے کیونکہ عجز میں تخلی عن الفضائل ہے اور جہل میں تحلی بالرذائل۔ وبینہما بون بعید واستوضح ذلک من امر الجماد العاجز والشیطان الجاھل۔ شاید تمہیں تسلط شیطان سے عجز انسان کا شبہ ہو لہٰذا اس کا جواب یہ ہے کہ حق سبحانہ، کو تمثیل کے لیے ایسا سمجھو جیسا ترک وَلِلّٰہِ المثل الاعلیٰ اور شیطان کو اس کا کتا پس تسلط شیطان کی حالت ایسی ہے جیسے ترک اجنبی مہمان کو اپنی عنایت سے مطلع کردے اور کہہ دے کہ میرے دروازہ پر تم نہ تو کتا لے کر آنا اور نہ گدڑی پہن کر آنا اور ادب کے ساتھ فلاں جانب سے میرے پاس آنا۔ تاکہ میرا کتا تمہیں نہ کاٹ لے۔ مگر وہ مہمان جس طرح

ترک نے کہا تھا اس کی خلاف صورت میں جائے اس کا لامحالہ یہ نتیجہ ہوگا کہ کتا اُسے کاٹے گا اور وہ زخمی ہوگا ـــــ پس اسے یوں جانا چاہیئے جیسے غلام جاتے ہیں تاکہ اس کا کتا حلیم اور شفیق ہو جائے لیکن جبکہ وہ اپنے ساتھ کتا یا لومڑی لے جائے گا تو لامحالہ ہر خیمہ سے ایک کتا بھڑکے گا اور اسے صدمہ پہنچائے گا۔

خلاصہ اس کا یہ ہے کہ گو حق سبحانہٗ نے شیطان کو مسلط کیا ہے مگر اسکے ساتھ اس سے بچنے کے طریق بھی بتا دیئے ہیں پس اگر کوئی ان طریقوں سے کام نہ لے اور اسلئے وہ شیطان کے پنجہ میں پھنس جائے تو یہ خود اس کا قصور ہے جو کہ خود اس نے اپنے اختیار سے کیا ہے پس تسلط شیطان سے بھی آدمی کا عاجز اور مجبور ہونا لازم نہ آیا ـــــ اچھا یہ تو بتاؤ اگر خدا کے سوا کسی کو کچھ اختیار نہیں تو پھر قصورواروں پر تمہیں غصہ کیوں آتا ہے اور دشمن پر تم دانت کیوں پیستے ہو اور اسکی افعال کو تم اس کا قصور اور جرم کیوں سمجھتے ہو۔ دیکھو اگر چھت میں سے کوئی کڑی ٹوٹ جائے اور تمہارے اوپر گر کر تمہیں سخت زخمی کردے تو کیا تمہیں کڑی پر غصہ آئے گا اور تم اسکی دشمن ہو جاؤ گے اور یہ کہو گے کہ یہ مجھ پر کیوں گری اور اس نے میرا ہاتھ کیوں توڑا۔ یا پھر مجھ پر کیوں گری اور مجھے کیوں دبا دیا یہ میری دشمن جانی ہے اور اس نے قصداً میری جان لینے کا ارادہ کیا ہے تم ہرگز ایسا نہ کرو گے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ جب آدمی ایسا ہی ہے جیسے کڑی تو تم اسکے دشمن ہوتے ہو۔ نیز ہم پوچھتے ہیں کہ جب آدمی مجبور ہے تو پھر کیا وجہ ہے کہ تم افعال ناشائستہ کی بنا پر بچوں کو مارتے ہو اور افعال حمیدہ کی بنا پر بزرگوں کو زدوکوب سے منزہ کرتے ہو اور دونوں میں فرق کیا ہے اور جو شخص تمہارا مال چرالے اسکو کہتے ہو۔ لینا پکڑنا اسکے ہاتھ پاؤں کاٹ ڈالو اسے قید کردو۔ وغیرہ وغیرہ اور جو تمہاری بی بی کے درپے ہوتا ہے اس پر بے حد ونہایت تم کو غصہ آتا ہے۔ لیکن اگر رَد آکر تمہارے تمام اسباب کو بہالے جائے تو کیا اس پر بھی تمہیں غصہ آئے گا۔ یا اگر ہوا آئے اور تمہاری پگڑی اڑالے جائے تو تمہارے دل میں ہوا کے اوپر غصہ نہیں آتا یہ امتیاز اور تفرقہ کیوں ہے

پس ثابت ہوا کہ تمہارا غصہ خود اختیار کو ثابت کر رہا ہے تاکہ تم جبریانہ معذرت نہ کرسکو

اور خود اپنے افعال سے ملزم ہو جاؤ۔ اور سنو۔ دیکھو اگر کوئی شخص اونٹ کو مارتا ہے تو اونٹ مارنے والے کے درپے ہوتا ہے اسکو لکڑی پر غصہ نہیں آتا۔ اس سے ثابت ہوا کہ اختیارِ عبد کا اونٹ کو بھی احساس ہے۔ علیٰ ہٰذا اگر تم کتے کے ڈھیلا مارو تو وہ پلٹ کر تم پر حملہ کرے گا اور پتھر کو کچھ نہ کہے گا لیکن اگر وہ کسی پتھر کو ہی پکڑے اور چبا لے تو اسکی وجہ بھی تمہارا غصہ ہے کیونکہ تم دور ہو اور اسلئے وہ تم پر قابو نہیں پاتا لہٰذا وہ پتھر کو چباتا ہے پس جبکہ عقول حیوانیہ کو بھی اختیار کا پتہ ہے تو اے عقلِ انسانی تجھے شرم کرنی چاہیئے اور یہ نہ کہنا چاہیئے کہ بندہ مجبور ہے۔ رہی یہ بات کہ جب اختیار اتنا واضح ہے تو پھر لوگ اس کے منکر کیوں ہیں سو اسکی وجہ یہ ہے کہ امر اختیار سفیدیٔ صبح کی طرح روشن ہے۔

لیکن قاعدہ ہے کہ سحری کی طمع سے کھانے والا روشنی سے آنکھ بند کر لیتا ہے اور چونکہ اُسے روٹی کھانے کی پوری خواہش ہوتی ہے اسلئے اندھیرے کی طرف منہ کر کے کہتا ہے کہ ابھی تو رات ہے ابھی دن نہیں نکلا پس جبکہ حرص خود آفتاب کو نظر سے مخفی کر دیتی ہے تو کیا عجب ہے اگر ہوائے نفس کی بنا پر وہ دلیل کی طرف سے منہ موڑ لے اور اس پر نظر نہ کرے۔

اچھا یہ حکایت سُنو اور اس سے تم اپنے اختیار کو عالم امتحان میں محسوس کرو۔ ایک چور نے کوتوال سے کہا کہ میرا کچھ قصور نہیں ہے۔ میں نے جو کچھ کیا ہے وہ بقضاء و بحکم الٰہی کیا ہے کوتوال نے جواب دیا کہ میں جو کچھ کرتا ہوں وہ بھی حکم خدا ہی ہے پس جبکہ تو اپنے کو چوری میں معذور سمجھتا ہے تو مجھے سزا میں معذور سمجھ یہ تو واقعہ تھا اس سے تم سمجھ سکتے ہو کہ بندہ مجبور نہیں ہے بلکہ مختار ہے کیونکہ چور کوتوال کو معذور نہ سمجھتا تھا۔ پس وہ خود ہی معذور نہ ہوگا اور اس کا اپنے کو معذور نہ سمجھنا کید نفس ہوگا اور سنو۔ اگر کوئی شخص کسی دکان سے مولی اٹھالے اور کہے کہ یہ بحکم خدا ہے اور میں معذور ہوں تو تم اس کے عذر کو قبول نہ کرو گے اور دو تین گھونسے اسکے سر میں لگاؤ گے اور کہو گے کہ اگر چوری حکم حق ہے تو یہ بھی حکم خدا ہے کہ یہیں رکھ دے پس جبکہ ایک مولی کے بارے میں بقال کے

نزدیک عذر جبر مقبول نہیں ہے تو بڑے غضب کی بات ہے کہ تم اس لچر اور بیہودہ عذر کے بھروسہ پر سانپ اور بچھوؤں کے پاس جاتے ہو اور اپنے کو خطرہ میں مبتلا کرتے ہو۔ اسے بھولے نادان! اگر تو ایسے عذروں سے لوگوں کے خون اور مال اور عورتوں کو اپنے لیے حلال کریگا تو ہر شخص تیری مونچھیں اکھیڑے گا اور یہی عذر کریگا اور اپنے کو مجبور قرار دیگا اور کہے گا کہ اگر قضائے الٰہی تیرے لیے عذر ہے تو یہ عذر تو ہمیں بھی سکھا دے اور فتوٰے دیدے کہ جو کچھ میں کروں ہیں اس میں معذور ہوں کیونکہ میرے دل میں بہت سی آرزوئیں اور خواہشات ہیں

پس تو عنایت کر اور مجھے بھی یہ عذر سکھا دے اور اس طرح میرے ہاتھ اور پاؤں سے گرہ کھول دے۔ اس کی اس بات کو تو ہرگز نہیں مان سکتا پس معلوم ہوا کہ تیرا عذر جبر غلط ہے اور تو مختار ہے اور سنو! تم ایک پیشہ اختیار کرتے ہو جن کے معنی یہ ہیں کہ میں اختیار اور غور و فکر رکھتا ہوں۔ ورنہ بتلاؤ کہ تم نے اس پیشہ کو اور پیشوں کو درمیان میں سے کیوں انتخاب کیا ہے۔ پس ثابت ہوا کہ تم مختار ہو۔ اصل بات یہ ہے کہ جب نفس اور خواہش کی نوبت آتی ہے تو بیس آدمیوں کا اختیار تمہارے اندر آجاتا ہے اور تم نہایت کوشش سے اس کام کو انجام دیتے ہو اور اگر کوئی نفع نفس تم سے ایک جبہ لے جاتا ہے تو جنگ کا اختیار تمہارے اندر پیدا ہو جاتا ہے لیکن جب انعامات الٰہیہ کے شکر کا موقع آتا ہے تو پھر تمہیں اختیار نہیں رہتا۔ اور تم پتھر سے بھی زیادہ کم رتبہ ہو جاتے ہو لیکن یہ واضح رہے کہ دوزخ کو بھی تیرے لیے یقیناً یہی عذر ہوگا کہ تو معاصی کے لیے مجبور تھا ——— میں جلانے میں معذور ہوں پس تو جس طرح اپنے کو معذور سمجھتا تھا مجھے بھی معذور سمجھ کیونکہ جب یہاں کوئی تجھے اس دلیل کی بنا پر معذور نہیں سمجھتا اور یہ دلیل یہاں تجھے جلاد کے ہاتھ سے دور نہیں رکھتی تو چونکہ مدبر عالم ایک ہی ہے اور جو یہاں کا حاکم ہے وہی وہاں کا ہے اور جس کا قانون یہاں جاری ہے اسی کا وہاں ہے لہٰذا اس عالم کا حال بھی معلوم ہو گیا۔ اور معلوم ہو گیا کہ وہاں بھی کوئی تجھے معذور نہ رکھیگا اور یہ دلیل تجھے دوزخ سے نہ بچا سکے گی۔

اب ہم تجھے ایک اور حکایت سناتے ہیں جس سے اختیار کا ثبوت ہو اچھا سُن!
ایک شخص درخت پر چڑھ گیا اور چوری سے خوب میوہ گرلئے اتنے میں باغ والا آگیا اس نے کہا کہ ارے ذلیل آدمی تجھے خدا سے بھی شرم نہیں آتی یہ کیا حرکت کرتا ہے اس نے کہا اس میں شرم کی کیا بات ہے باغ خدا کا ہے اگر خدا کے باغ میں ایک خدا کا بندہ چھوہارے کھائے جو کہ اسکو خدا نے دیئے ہیں تو تو جاہلانہ ملامت کیوں کرتا ہے ارے خدا کے دسترخوان پر بخل کرتا ہے یہ سنکر اس نے کہا کہ ارے غلام! ذرا اسے لانا کہ میں اسے ایک عمدہ جواب دوں۔ یہ سنکر غلام اسکو لایا اور اسنے اُسے درخت سے خوب جکڑ دیا اور اس کی پنڈلی پر اور کمر پر سخت ڈنڈے مارنے شروع کئے اس پر اس نے کہا کہ ارے خدا سے شرما کہ تو ایک خدا کے بندہ کو بے قصور مارے ڈالتا ہے اس نے کہا کہ خدا کا ایک بندہ خدا کی لکڑی سے۔ خدا کی دوسرے بندہ کی کمر کوٹ رہا ہے بس جبکہ لکڑی بھی خدا کی ہے اور کمر اور پسلیاں بھی اسی کی اور میں اس کا غلام اور اس کے حکم کا آلہ ہوں تو مجھ پر کیا ملامت ہے۔ یہ سُن کر اس نے کہا۔ کہ میں نے جبر کو عذر بنایا تھا یہ میری غلطی تھی اب میں جبر سے توبہ کرتا ہوں اور کہتا ہوں کہ ضرور بندہ کو اختیار ہے اور چوری میرا قصور تھا تو مجھے چھوڑ دے اس سے ثابت ہوا کہ تم کو بھی اختیار ہے اب سمجھو کہ تمہارا اختیار خدا کے اختیار کو ثابت کرتا ہے۔
اور حق سبحانہٗ کے اختیار اور تمہارے اختیار کی ایسی مثال ہے جیسے سوار اور گرد کیونکہ جس طرح گرد سوار کی برانگیختہ کی ہوئی ہوتی ہے اور وہ برانگیختہ ہوکر خود ظاہر ہوتی ہے اور سوار کو چھپالیتی ہے یوں ہی تمہارا اختیار ناشی ہے اختیار حق سے مگر اس نے اختیار حق کو چھپالیا ہے۔
پس حاصل یہ ہے کہ حق سبحانہٗ کو اختیار حاصل ہے اور اسکے اختیار نے تم کو اختیار دیا ہے اور تکالیف شرعیہ اسی اختیار پر مبنی ہیں جبکہ تم کو معلوم ہوگیا کہ حق سبحانہٗ کو بھی اختیار ہے اور تم کو بھی۔ اب اپنے اور اسکے اختیار کا فرق سمجھو! تفصیل اس کی یہ ہے کہ ہر مخلوق کو ایک بے اختیار صورت پر حکومت حاصل ہے۔ یہاں تک کہ وہ شکار کو بدون اختیار کے کھینچتا ہے اور زید کو کان پکڑ کر کھینچ لاتا ہے مگر حق سبحانہٗ کی کاریگری

کو دیکھو کہ اُس نے اختیار عبد کو اس کے کمند بنایا ہے اور اس کا اختیار خود اسے قید کرتا ہے اور حق سبحانہٗ بے کتے اور بے جال کے اس کا شکار کرتے ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ...
مقدورات عبد نا خواہ اور اضطرارا اس کا انقیاد کرتی ہیں۔ مگر حق سبحانہٗ بندوں سے اس کے اختیار سے اپنی خواہش کے موافق کام لیتے ہیں دیکھو بڑھئی کو لکڑی پر حکومت حاصل ہے مصوّر کو صورت جمیلہ پر اقتدار حاصل ہے۔ لوہار لوہے پر حکومت کرتا ہے۔ معمار کو کرنی بسولے پر حکومت حاصل ہے وغیرہ وغیرہ۔ لیکن یہ عجیب بات ہے کہ یہ تمام اختیارات اور اقتدار حق سبحانہٗ کے اختیار اور اس کے اقتدار کے غلامانہ مطیع اور محکوم ہیں۔ شاید تم یہ کہو کہ جب اختیار عبد محکوم اختیار حق ہے تو وہ اختیار ہی کہاں رہا [illegible] کا جواب یہ ہے کہ کسی کا محکوم ہونا اس کی حقیقت کو نہیں بدلتا۔

دیکھو! کیا تمہاری قدرت پر جمادات نے ان سے جمادیت کو سلب کر دیا ہرگز نہیں پس جس طرح تمہارے جمادات پر قدرت ان سے جمادیت کو سلب نہیں کرتی یونہی تمہارے اختیارات کا محکوم حق ہونا اُن سے اختیاریت کو مسلوب نہ کرے گا پس گو ہر چیز بمشیت حق سبحانہٗ ہے مگر تم اس مشیت کو اس طرح سے کہو کہ وہ کامل ہے اور نقص جبر وہ میرا ہے اس کی طرف منسوب نہ ہو یعنی جبکہ تم یہ کہو کہ میرا کفر بمشیت حق سبحانہٗ ہے تو خود اپنی خواہش کو بھی سمجھو کہ وہ ہے اور اسے معدوم نہ بتاؤ کیونکہ واقع میں تمہاری خواہش کے بغیر تمہارا کفر نہیں ہو سکتا پس کفر کا اقرار ہو اور اپنی خواہش کا انکار۔ یہ واقع میں متناقض کلام ہے کیونکہ کفر کو اپنی طرف منسوب کرنا نفس الامر میں اقرار ہے۔ اپنی خواہش اور اپنے ارادہ اور اپنے اختیار کا اسلئے کہ فی الواقع کفر ایک امر اختیاری ہے۔ گو قائل کو ان کا اقرار نہ ہو۔ اور افعال اختیاریہ بدون مشیت و ارادہ واختیار کے صادر نہیں ہو سکتے پس اقرار کفر خود من حیث لا یعلم المقر اقرار ہے۔ ان سب امور کا۔ پس ان امور کا اقرار کر کے ان کی نفی کرنا واقع میں متناقض کلام بولنا ہے خواہ قائل کو اس تناقض کا ادراک نہ ہو۔

خلاصہ یہ ہے کہ تم اپنے فعال میں مختار ہو نہ کہ مجبور۔ اب ہم اس کا مزید ثبوت

دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ عبد مکلف ہے اور اسکو کہا گیا ہے کہ تم یہ کام کرو اور یہ نہ کریں۔ اور یہ امر بدون اختیار کے نہیں ہو سکتا کیونکہ عاجز کو حکم کرنا عام عقلاء سے قبیح اور مذموم ہے اور کوئی عاقل اسکو جائز نہیں رکھ سکتا پھر اسکے عدم امتثال پر غصہ کرنا اور بھی برا ہے اسکو تو عقلاء بالاولیٰ جائز نہ رکھیں گے۔ پس جبکہ عاجز کو حکم کرنا اور عدم امتثال پر اس پر غصہ ہونا ہی عقلاء سے مذموم ہے تو حق سبحانہٗ سے تو بالاولیٰ قبیح ہوگا اور حق سبحانہٗ قبائح سے منزہ ہیں۔ پس وہ اس کا ارتکاب نہ کریں گے۔ حالانکہ انہوں نے بندوں کو مکلف ہی بنایا ہے اور عدم امتثال پر عتاب بھی فرمایا ہے پس لازم ہے کہ یہ افعال قبیح نہ ہوں اور قبیح اسی وقت نہ ہوں گے جبکہ اختیار ہو۔ پس اختیار ثابت ہو گیا۔ تم غور تو کرو۔ اگر بیل جوا نہیں لیتا۔ تو اُسے مارتے ہیں۔ بھلا کسی بیل کو اسلئے ہی مارتے ہیں کہ وہ اڑتا نہیں۔ ہرگز نہیں۔ پس یہ فرق کیوں ہے اسی لیے وہ جوا لینے میں مختار ہے اور اڑنے میں مجبور۔ جس میں وہ مجبور ہے اس پر وہ قابل عتاب نہیں ہے اور جس میں مختار ہے اس میں مستحق عتاب ہے اب تم اس واقعہ سے نصیحت حاصل کرو اور سمجھو کہ جب بیہودگی میں بیل معذور نہیں ہے۔ چنانچہ تم خود انکو معذور نہیں جانتے تو بیل والا کیسے معذور ہو سکتا ہے۔

الحاصل جب کہ تم بیمار نہیں ہو تو سر میں پٹی نہ باندھو یعنی جب تم مجبور نہیں ہو تو خواہ مخواہ مجبور نہ بنو۔ تم کو اختیار حاصل ہے پس تم اس کا انکار کرکے اپنا مضحکہ نہ اڑاؤ۔ اور اختیار سے کام لو۔ اور طلب حق میں امکانی کوشش کرو۔ تاکہ تجھے جام محبت حق سبحانہٗ ملے اور اسکے تیری کایا پلٹ ہو جائے اور اس وقت تو بے خود اور بے اختیار ہو جائے اور کل اختیار سے عشق کو حاصل ہو جائے اور تو مستوں کی طرح معذور مطلق ہو جائے اور تو جو کچھ کہے وہ مئے عشق ہی کا کیا ہوا ہو۔ اور جس کو تو صاف کرے وہ مئے عشق کا ہی صاف کیا ہوا ہو خلاصہ یہ کہ تم کوشش کرو۔ تاکہ تم کو عشق حق سبحانہٗ حاصل ہو جائے اور تم فنا فی المحبوب ہو جاؤ۔ جب تم کو یہ بات حاصل ہو جائے گی اس وقت تمہاری حالت یہ ہو گی کہ مستوں کی طرح بے اختیار ہو گے اور تمہارے افعال و اقوال عشق کی طرف منسوب ہوں گے جو کہ منشا

ہے ان اقوال وافعال کا۔ تم تشبیہ بسکاری سے یہ نہ سمجھنا کہ سب عشق حق سبحانہٗ کے افعال و اقوال عام مستوں کی طرح مضطرب ہوں گے کیونکہ ایسا نہیں ہے بھلا جو مست کہ جامِ حق سے شرابِ محبت پی چکا ہے اور فنا فی الحق ہوکر متخلق باخلاق اللہ ہو چکا ہے۔ وہ کہیں عدل اور صواب کے بعد کوئی حرکت کریگا ہرگز نہیں۔

(فائدہ: ہم پہلے بتلا چکے ہیں کہ فنائے تام اور اتحادِ محض ناممکن ہے پس اس کلام کو اغلب احوال پر محمول کیا جائے گا۔ اور کہا جائے گا کہ فانی من حیث ہو فانی عدل صواب کے سوا کچھ نہیں کرتا اور جو اس سے لغزشیں ہوتی ہیں وہ من حیث الفنا نہیں ہوتیں۔ بلکہ فی الجملہ بقاء خودی کے سبب ہوتی ہیں)

خیر یہ تو جملہ معترضہ تھا جو دفع دخل مقدر کے لیے لایا گیا تھا۔ اب پھر مضمون سابق کی طرف عود کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ دیکھو جب فرعون نے جادوگروں سے کہا لَأُقَطِّعَنَّ أَيْدِيَكُمْ وَأَرْجُلَكُم مِّنْ خِلَافٍ تو انہوں نے اسکی جواب میں کہا تھا کہ بس کر۔ ہم مست شراب عشق حق سبحانہٗ ہیں اور مستوں کو ہاتھ پاؤں کی پرواہ نہیں ہوتی۔ ہمارے اصلی ہاتھ پاؤں تو شراب عشق حق سبحانہٗ ہے۔ رہے ہاتھ پاؤں ظاہری سو یہ تو محض بے حقیقت اور نکمے ہیں ہم ان کو رکھ کر کیا کریں گے۔ تم سمجھتے کیا یہ الفاظ وہ اپنے اختیار سے کہہ رہے تھے نہیں! بلکہ وہ شراب اور مستی عشق تھی جو ان سے یہ الفاظ کہلوا رہی ہے۔ کیونکہ قاعدہ ہے کہ جب سر میں جام حق کی شراب بھر جاتی ہے تو پھر وہ تمام دل پر تسلط کر لیتی ہے۔ اور کچھ نفع و نقصان دنیاوی نہیں سوچنے دیتی پس ایسی حالت میں آدمی جو کچھ کرتا ہے وہ بالاضطرار کرتا ہے اور مستی بھی اس سے کراتی ہے یہاں تک ہم نے اختیار کو ثابت کیا تھا۔

اب ہم ان نصوص کی توضیح کرتے ہیں۔ جن سے جبر کا شبہ ہوتا ہے منجملہ ان کے ایک ما شاء اللہ کان ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ جو کچھ خدا چاہتا ہے وہی ہوتا ہے پس ہم کہتے ہیں کہ آدمی جو کہتا ہے کہ جو خدا چاہتا ہے وہی ہوتا ہے اسکے معنی یہ نہیں ہیں کہ آدمی مجبور ہے اور یہ اسکو اس سے تعلیم نہیں کیا گیا ہے کہ وہ سعی چھوڑ دے بلکہ اس کی

تعلیم میں ترغیب ہے خلوص اور سعی زائد کے اور کنایہ ہے کہ تم طاعت پر بہت زیادہ مستور ہو جاؤ۔ کیونکہ اگر یہ کہیں کہ جو بندہ چاہتا ہے وہی ہوتا ہے اور زمام اُمور اسی کے قبضہ میں ہے جو وہ چاہے وہی ہوگا۔ ایسی حالت میں اگر وہ کچھ نہ کرے تو جائز ہے کیونکہ تمام امور اسی کے قبضہ و قدرت میں ہوں گے اور جو وہ چاہے گا۔ اور جو وہ کہے گا وہ ہی ہوگا اسکے خلاف ہو سکتا ہے نہیں تو اس کو کسی ضرر کا اندیشہ ہی نہیں ہو سکتا۔ اور جب اسے کسی ضرر کا اندیشہ نہیں تو اسکو اختیار ہے جو چاہے کرے اور جو چاہے نہ کرے۔ لیکن جب کہ اسکے یہ نہیں کہا جاتا۔ بلکہ یہ کہا جاتا ہے کہ جو خدا چاہتا ہے وہی ہوتا ہے اور حکم فی الحقیقت اور ہمیشہ اسی کا حکم مطلق ہے۔

ایسی حالت میں کون سی وجہ ہے کہ آدمی پوری کوشش سے غلامانہ اسکے گرد نہ گھومے اور اسکو اپنا مطاع اور مقصود نہ بنائے۔ دیکھو! اگر لوگ یہ کہیں کہ جو وزیر چاہے وہی ہوتا ہے اور معاملات حکومت میں اسی کی خواہش معتبر ہے تو تم .... انتہائی کوشش کے ساتھ اس کا طواف کروگے اور حتی الامکان اسکی رضاجوئی میں کوشش کروگے تاکہ وہ تم سے خوشنود ہو کر تم پر انعام و احسان کا مینہ برسادے۔ یا تم وزیر اور اسکے محل سے بھی بھاگوگے؟ یقیناً تم پہلے بات کروگے اور اسکے بھاگوگے نہیں کیونکہ اسکے بھاگنا۔ اس کی جستجو اور اسکی اعانت نہیں ہے۔ جس کی بنا پر تم انعام و احسان کے مستحق ہو۔ پس اس قاعدہ کی بنا پر تم کو چاہیئے یہی تھا کہ تم ماشاء اللہ کان کو سنکر اسکی طاعت میں اور سرگرم ہوتے۔ مگر تم نے الٹا یہ کیا کہ اس کو سن کر اور کاہل ہوگئے اور .... الٹی سمجھ اور لمبلٹے خیال کے آدمی بن گئے۔ دیکھو یہ جو کہتے ہیں کہ حکم تو اصل فلاں صاحب کا ہے اسکے کیا معنی ہیں اسکے معنی یہ ہیں کہ تم اسی سے تعلق رکھو اور اسکے سوا کسی سے ربط ضبط نہ رکھو اور کوئی کچھ فائدہ نہیں پہنچا سکتا پس جبکہ اسی کی چلتی ہے تو اسی سے تعلق رکھنا چاہیئے کیونکہ وہ دشمنوں کو ہلاک کرنا اور دوستوں کو مصیبت سے چھڑاتا ہے لہذا اسکی مخالفت اور اس سے تعلق نہ رکھنا موجب خطرہ ہے اور اس سے تعلق رکھنا باعث نفع اور فائدہ ہے اور جو کچھ وہ چاہیے گا وہی تم کو ملے گا اسکے سوا کچھ نہیں مل سکتا پس تم ادھر ادھر کہیں نہ بھٹکو اور اسی کی خدمت کرو اسکے معنی

ہیں کہ چونکہ وہ حاکم ہے اسلئے اس کے پاس نہ بھٹکو ۔ تاکہ ایسا کرنے سے تم بداعمال اور زرد رُو ہوجاؤ ۔ اور اس طرح اس کے قہر و غضب کے مستحق ہو جاؤ بلکہ اسکے معنی یہی ہیں لہٰذا اسی کو پکڑ لینا چاہیئے اور کسی طرف نہ جانا چاہیئے کیونکہ اور کسی کو کوئی اختیار اور کوئی قدرت نہیں ہے پس اسی طرح ماشاءاللہ کان کے معنی سمجھ لو کیونکہ معنی صحیح وہی ہیں جو کہ تم کو طلب حق میں سرگرم کریں اور پرامید اور چست اور باحیا بنا دیں ۔ اور جو معنی تمہیں سست اور کاہل بنا دیں وہ حقیقت میں تحریف کلام ہے نہ کہ اسکے صحیح معنی ۔ اس کو خوب سمجھ لو پس یہ کلام ماشاءاللہ کان اسلئے وارد ہوا ہے کہ لوگ اور زیادہ کوشش کریں اور اس سے مقصود ناامیدوں کی دستگیری ہے تاکہ وہ یہ سمجھ کر کہ حق سبحانہٗ قادر مطلق ہیں جو چاہیں کر سکتے ہیں ۔ ناامیدی کو چھوڑ دیں اور سعی میں مصروف رہیں ۔ تم نصوص قرآنیہ کے معنی اپنے جی سے نہ گھڑو ۔ بلکہ یا قرآن سے اسکی توضیح ڈھونڈو ۔ یا اُن سے پوچھو جنہوں نے خواہشات نفسانیہ کو آگ لگا دی ہے اور اپنے کو قرآن کا تابع محض بنا دیا ہے ۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ قرآن ان کا عین روح ہو گیا ہے کیونکہ ایسے لوگوں سے پوچھنا بھی قرآن ہی سے پوچھنا ہے مثلاً جو روغن اپنے کو گل میں فنا کر چکا ہو ۔ اور یہی گل کے حکم میں ہو جاتا ہے اور اس کا سونگھنا اور پھول کا سونگھنا دونوں یکساں ہو جاتے ہیں ۔

خلاصہ یہ ہے اگر تم کو اس نص کے صحیح معنی معلوم نہیں ہیں تو تم ان کو تلاش کرو تاآنکہ وہ معنی تم کو مشاہد ہو جاویں اور ذوقاً تم کو ان کی صحت معلوم ہو جائے اور یہی توجیہ جف القلم کی بھی ہے کہ وہ بھی مشاغل ضروریہ اور امور دینیہ کی طرف رغبت دلانے کے لیے ہیں اور معنی جف القلم بما ہو کائن کے یہ ہیں کہ حق سبحانہٗ نے ہر کام میں اسکے مناسب ایک خاص اثر رکھا ہے اور اس پر خاص نتیجہ مرتب کیا ہے ۔ قلم اُن تمام کاموں کو ان کے آثار و نتائج سمیت لکھ کر خشک ہو چکا ہے اب اس کے خلاف نہ ہو گا ۔ پس اگر کجروی اختیار کرو گے تو اس کا نتیجہ بد تم کو بھگتنا ہو گا کیونکہ جف القلم بہٰذا الامر ۔ اور اگر تم ٹھیک ٹھیک چلو گے تو اس سے تمہارے لیے سعادت پیدا ہو گی ۔ کیونکہ جف القلم بہٰذا الامر ۔ اور اگر تم ظلم کرو گے تو بُرا نتیجہ بھگتو گے کیونکہ جف القلم بہٰذا ۔ اور انصاف کرو گے تو اس کا پھل پاؤ گے

کیونکہ جف القلم بہذا۔ اور جب کوئی چوری کریگا تو ہاتھ کٹے گا لانہ جف القلم بہذا۔ اور اگر کوئی شراب پیئے گا تو مست ہوگا کیونکہ جف القلم بہذا۔

تم ہی بتاؤ کیا تم جائز رکھتے ہو۔ یا یہ امر فی نفسہٖ جائز ہے کہ حق سبحانہٗ حکم سابق کی بنا پر بمنزلہ معزول کے ہوجائیں۔ اور کہیں کہ اب معاملہ میرے ہاتھ سے نکل چکا ہے کیونکہ جف القلم بما ہو کائن۔ لہٰذا اب میں کچھ نہیں کرسکتا۔ پس تم نہ میرے پاس آؤ اور نہ روؤ پیٹو۔ امید ہے کہ تم یہی کہو گے کہ ایسا نہیں ہوسکتا۔ پس جبکہ ایسا نہیں ہوسکتا تو اس نص کے یہ معنی بھی نہیں ہوسکتے کہ جو تقدیر میں ہے وہ ہو کر رہے گا پس ہمیں کچھ نہ کرنا چاہیئے۔ بلکہ جف القلم بما ہو کائن کے معنی یہ ہیں کہ ہمارے نزدیک عدل اور ستم دونوں یکساں نہیں ہیں بلکہ ہم نے بھلائی اور برائی کے درمیان امتیاز رکھا ہے فیق ہم نے بدا ور بدتر میں بھی امتیاز رکھا ہے اور اگر تمہارے اندر اپنے بارے ایک ذرہ برابر بھی ادب اور خوبی زائد ہوگی تو حق سبحانہٗ کو اس زیادتی کا بھی علم ہوگا۔ بلکہ بقدر اُس ذرہ کے تم کو اجر زیادہ دیں گے اور وہ ذرہ پہاڑ کی طرح ظاہر ہوگا یعنی جس طرح بڑی بڑی نیکیاں قیامت میں محسوب ہوں گی یوں ہی وہ ذراسی نیکی بھی محسوب ہوگی اور نظر انداز نہ کی جائے گی اور ہونا بھی ایسا ہی چاہیئے کیونکہ جس بادشاہ کی عدالت میں امین اور ظالم میں فرق نہ ہو۔ اور جو شخص کہ مردود بارگاہِ سلطانی ہوجانے کے خوف سے کانپتا ہو۔ اور جو شخص کہ اقبال شاہی پر طعنہ زن ہو۔ ان دونوں میں اسکے نزدیک کچھ فرق نہ ہو اور اسکی نظر میں دونوں یکساں ہوں اسکے سر پر خاک سیاہ پڑے۔ وہ بادشاہ نہیں ہوسکتا۔ وتعالیٰ اللہ عن ذلک علواً کبیراً۔ حق سبحانہٗ اس اندھیر کھاتے سے منزّہ ہیں اسکی تو یہ حالت ہے کہ اگر تمہاری کوشش میں دوسروں کی سعی سے ذرہ برابر بھی زیادتی ہے تو وہ بھی میزانِ عدل خداوندی میں تولی جائے گی اور اتنا ہی اجر تم کو اوروں سے زائد دیا جائیگا۔

دیکھو! تم ان بادشاہوں کی جان توڑ کر خدمت کرتے ہو۔ حالانکہ ان کی حالت یہ ہے کہ انکو معلوم نہیں کہ کون غدار ہے اور کون صاف باطن اور مخلص! اس بنا پر اگر کوئی شکایت کردے کہ فلاں شخص حضور کو برا کہتا تھا تو وہ تمہاری برسوں کی خدمت کو ملیامیٹ کردیتے

ہیں اور تمہیں سزا دیتے ہیں۔ مگر حق سبحانہٗ جو کہ اپنے باوفا غلاموں اور بے وفاؤں کو پہچانتے ہیں تم ان کی خدمت سے جی چراتے ہو اور حیلہ بہانہ کرتے ہو اور کہتے ہو کہ خدمت سے کیا فائدہ جو مقدر میں ہے وہ ہو کر رہے گا۔ کتنی بے انصافی کی بات ہے نیز ان بادشاہوں کی تو یہ حالت ہے کہ اگر کوئی چغل خور کہہ دے کہ حضور فلاں شخص آپ کو برا کہتا تھا تو تمہاری برسوں کی خدمت کو ملیامیٹ کر دیں گے اور فوراً تمہیں سزا دیدیں گے۔ مگر حق سبحانہٗ کی یہ حالت ہے کہ اس کے یہاں کسی چغل خور کی بات مؤثر نہیں ہوتی۔

بنا بریں تمام غماز ادھر سے مایوس ہو کر ہماری طرف آتے ہیں اور ہم کو سمجھاتے ہیں اور بادشاہ حقیقی کی برائیاں ہم سے بیان کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اجی وہ تمہاری جانفشانیوں پر کب نظر کرتے ہیں اسکو تو جو کرنا تھا وہ پہلے ہی لکھ چکے ہیں اور وہی کریں گے پس تمہاری اطاعت فضول ہے تم اپنے کو خواہ مخواہ مصیبت میں پھنساتے ہو تم بھی طاعت چھوڑ دو۔ جو ہوتا ہے وہ ہو رہے گا۔ پس تم ان چغل خوروں شیاطین الجن والانس کی بات نہ سنو اور طاعت حق میں جدوجہد کرو۔ جف القلم کے معنی یہ نہیں ہیں کہ طاعت و معصیت دونوں یکساں ہیں۔ جیسا کہ یہ چغل خور کہتے ہیں۔ بلکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ معصیت کے لیے سزا مقرر ہو چکی ہے اور طاعت کے لیے انعام مقرر ہو چکا ہے۔ مگر ہر دو تقدیروں میں یہ فرق ہے کہ تقدیر اوّل معلق بشرط مشیئت ہے اور تقدیر ثانی حتمی اور لازم۔ اس بنا پر جرائم معاف ہو سکتے ہیں لیکن اگر جرائم معاف بھی ہو جائیں تو وہ امید درجات عالیہ کہاں جو نیکوں کو ہوتی ہے کیونکہ آدمی روشن چہرہ تو تقوٰے سے ہی ہوتا ہے مثلاً اگر چور کو اگر معاف بھی کر دیا جائے تو اس کا زیادہ سے زیادہ نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ اپنی جان بچالے گا۔ یہ تو نہ ہوگا کہ اسکو امین اور خزانہ شاہی کا خزانچی بنا دیا جائے و علیٰ ہذا گنہگاروں کو بخش ہی دیا جائے تو زیادہ سے زیادہ یہ ہوگا کہ وہ دوزخ سے بچ کر جنت میں پہنچ جائیں گے مگر ان پر وہ انعام و افضال کب ہو سکتے ہیں جو بندگانِ خاص پر ہونگے پس اے خدا کے دین کے میوو! یعنی مکلفو آؤ۔ اور اپنی وفاداری کا ثبوت دیکر مراتب رفیعہ حاصل کرو کیونکہ مراتب رفیعہ کا منشا وفاداری ہی ہے نہ کہ بے وفائی۔

دیکھو! اگر شاہزادہ بھی خیانت شاہی کرے تو اس کا سر بھی اس کے جسم سے جدا کر

کردیا جائے گا۔ اور اگر کوئی غلام ہندی بھی وفا کرے جو گورنمنٹ اس پر مہربان ہوگی۔ اور اس کیلیے طال بقاک کے نعرے لگائے گی۔ خیر غلام تو پھر بھی بڑی چیز ہے۔ اگر دروازہ پہ کتا بھی وفادار ہو تو اسکی آقا کے دل میں اسکی بھی بہت جگہ ہوتی ہے اور وہ اس سے بہت خوش ہوتا ہے۔ اب تم غور کرو کہ جب وفا کی بدولت کسی کی یہ حالت ہوتی ہے کہ مالک اس کا منہ چومتا ہے تو اگر شیر باوفا ہو تو اسکو کس قدر کامیابی ہوگی۔

کہ اگر چور بھی چوری سے توبہ کرکے طاعت سلطانی میں مصروف ہوجائے تو اس کا یہ خلوص اسکے جرم سابق کو جڑ سے اُکھیڑ پھینکتا اور کالعدم کردیتا ہے۔

مثال کے طور پر فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھ لو جو کہ ابتدا میں ڈاکو تھے مگر بعد کو صحیح چال چلے کیونکہ پوری کوشش سے حق سُبحانہٗ کی طرف دوڑے اور غور کرو کہ اس خدمت کی بدولت درگاہ حق سبحانہٗ میں ان کا کیا مرتبہ ہوگیا۔ علیٰ ہذا۔ جادوگروں کو دیکھ لو کہ جنہوں نے اپنے صبر اور وفا سے فرعون کا منہ کالا کردیا۔ اور اس جُرم اور اسکی انتقام میں ہاتھ پاؤں بھی دیدیے اور دیکھو کہ اس تبہ سے ان کا کیا رتبہ ہوگیا یہ وہ خلوص تھا جو سو برس کے عابدانہ عبادت سے بھی حاصل نہیں ہوتا۔ چنانچہ اپنے کو دیکھ لو کہ تم نے پچاس سال یا زائد از پچاس سال عبادت کی ہے مگر تم کو وہ صدق حاصل نہیں ہُوا جو انکو ذرا سی دیر میں حاصل ہوگیا تھا۔

اب ہم تمہیں ایک حکایت سُناتے ہیں جس سے تم کو معلوم ہو کہ صدق اور وفا نہایت ضروری چیز ہے۔ اچھا سُنو: ہرات میں ایک بزرگ تھے جو کہ بظاہر گستاخ[ع] اور بےباک تھے۔ ان کی حالت یہ تھی کہ جب وہ ایک رئیس کے غلاموں کو دیکھتے اور دیکھتے کہ اطلس

ع مولانا نے ان کو گستاخ رو۔ یعنی بظاہر گستاخ فرمایا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ فرماتے ہیں ؎

نبض عاشق بے ادب بر می جہد
خویش را در کفۂ شہ می نہد بے ادب تر نیست زوکس در جہاں۔

کے کپڑے پہنے ہوئے اور کمر پر زریں پٹکا باندھے ہوئے جارہے ہیں تو وہ آسمان کی طرف منہ کرکے یہ کہتے کہ اے اللہ! آپ اس محسن سردار سے غلام رکھنا کیوں نہیں سیکھتے آپ ہمارے شہر کے رئیس اور حاکم سے بندہ پروری سیکھیئے۔

وجہ اس گفتگو کی یہ تھی کہ یہ بزرگ محتاج اور ننگے اور بالکل بے ساز و سامان تھے اور ہوا کی سردی سے جاڑے کے موسم میں تھر تھر کانپ رہے تھے پس جبکہ اس رئیس ہرات کا اپنے غلاموں کے ساتھ یہ برتاؤ دیکھا اور اپنے بادشاہ کا اپنے ساتھ یہ سلوک مشاہدہ کیا تو اس فانی فی اللہ نے ذرا بے تکلفی سے کام لیا اور اپنی عظمت شان کے سبب حق سبحانہٗ کی جناب میں جرأت کر بیٹھے اور ایک فقرہ کس دیا۔ اور منشا اس بے تکلفی کا یہ تھا کہ ان کو حق سبحانہٗ کی ہزاروں عنایتوں پر بھروسہ تھا۔ اور جانتے تھے کہ حق سبحانہٗ کی مجھ پر اس قدر عنائتیں ہیں کہ وہ اس بے تکلفی سے ناخوش نہ ہوں گے۔ اور وجہ اسکی یہ تھی کہ وہ عارف تھے اور عرفا حق سبحانہٗ کے ندیم اور مزاج شناس ہوتے ہیں۔

بنا بریں وہ بھی مصاحب اور مزاج شناس تھے اس مقام پر تم کو سمجھ لینا چاہیئے کہ گو ان بزرگ نے گستاخی کی تھی مگر تمہارے لیے ان کی تقلید جائز نہیں پس تم ان کی دیکھا دیکھی گستاخی نہ کرنا کیونکہ وہ تو حق سبحانہٗ کے مصاحب اور مزاج دان تھے مگر تم ایسے نہیں ہو۔ اور اگر بادشاہ کا کوئی مصاحب بادشاہ کی جناب میں کوئی گستاخی کرے جس بادشاہ برا نہ مانے تو تم کو وہ بات نہ کرنی چاہیئے کیونکہ جس اعتماد پر ندیم یہ جرأت کرتا ہے وہ اعتماد تم کو حاصل نہیں ہے اب سمجھو! کہ جس طرح ان بزرگ کا کلام حق سبحانہٗ کی جناب میں گستاخی تھا۔ یوں ہی فی نفسہٖ غلط بھی تھا کیونکہ اس میں اس رئیس کے انعامات کو انعام خداوندی سے بڑھ کر بتلایا گیا تھا اور یہ صحیح نہیں کیونکہ اس رئیس نے غلاموں کو پٹکا دیا تھا اور ان بزرگ کو حق سبحانہٗ نے کمر دی ہے ... اور یہ یقینی بات ہے کہ کمر پٹکے سے بہتر ہے نیز اس نے انکو تاج دیا تھا اور حق نے ان بزرگ کو سر دیا ہے اور یہ کھلی ہوئی بات ہے کہ سر تاج سے افضل ہے۔ پس ضروری ہے کہ حق سبحانہٗ کا انعام ان بزرگ پر بہ نسبت اس انعام کے جو رئیس ہرات نے اپنے غلاموں پر کیا تھا بہت زائد ہو نہ کہ کم۔ جیسا کہ ان

بزرگ نے ظاہر کیا ہے۔ ایک جواب ان بزرگ کے کلام کا یہی تھا مگر حق سبحانہٗ نے انکو تحقیقی یہ جواب نہیں دیا۔ بلکہ اس الزامی جواب کے لیے جو اس سے زیادہ دلچسپ تھا۔ مگر ایک واقعہ پر موقوف تھا۔ سردست کچھ جواب نہ دیا۔ تاآنکہ یہ واقعہ پیش آیا کہ ایک روز بادشاہ نے اس رئیس پر کوئی جرم قائم کیا اور اس کے ہاتھ پاؤں باندھ دیئے اور اس کے غلاموں کو بھی شکنجہ میں دیدیا۔ اور کہا کہ اس رئیس کا خزانہ بتلاؤ۔ اور اس کا راز ہم سے کہہ دو۔ ورنہ ہم تمہاری زبان اور تمہارا گلہ کاٹ ڈالیں گے ایک ہفتہ تک برابر انکو تکلیف دی۔ اور رات دن ان کے لیے شکنجہ اور دباؤ اور ایذا رکھی اور مارتے مارتے ان کے ٹکڑے اڑا دیئے تھے۔ مگر کسی نے بھی اس رئیس کا راز ظاہر نہیں کیا۔ اس پر ہاتف غیبی نے خواب میں ان بزرگ سے کہا کہ جناب آپ اس رئیس کے غلاموں سے غلامی سیکھئے اور آجائیے ہم ویسے ہی انعامات کرنے کو تیار ہیں جیسے وہ آقا کرتا تھا تم تو اس کے غلاموں کی سی وفاداری نہ سیکھو اور مجھ سے اس کا سلوک چاہو۔ کتنی بڑی بے انصافی کی بات ہے۔

یہاں سے مولانا مضمون ارشادی کی طرف انتقال فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اے وہ شخص جس نے گناہوں پر زیادتی کی ہے تو حق سبحانہٗ کے اس جواب سے سبق حاصل کر اور سمجھ کہ تجھ کو اگر کسی سے تکلیف پہنچے تو اس کا سبب خود تو ہے کیونکہ تو نے اوروں پر ظلم کیا تھا۔ اوروں نے تجھ پر ظلم کیا پس جو کچھ تو بنے اسی کو سال بھر پہن اور جو کچھ تو بوئے اسی کو سال بھر کھا۔ یعنی جو کچھ تو کرے اس کا خمیازہ بھگت۔

یاد رکھ کہ تجھ کو جو ہر وقت رنج پہنچتے رہتے ہیں یہ سب تیرے کرتوتوں کے نتائج ہیں اور جف القلم کے معنی یہی ہیں کہ ہماری عادت راستے سے نہیں ہٹتی اسلئے اچھے کو اچھائی ملتی ہے اور بُرے کو بُرائی۔ پس اگر تم کو مضار سے بچنا مقصود ہے تو اطاعت حق سبحانہٗ کرو۔ کیونکہ وہ حیٔ قیوم موجود ہے اور افعال کی نگرانی کر رہا ہے ایسی حالت میں اگر تم سرکشی کروگے تو یاد رکھو کہ اس کا قہر تمہارے لیے موجود ہے۔ دیکھو جب آدمی مطیع ہو جاتا ہے تو پھر اسکو قہر حق سبحانہٗ کا کھٹکا نہیں رہتا اور وہ عتاب حق سبحانہٗ سے

واقع میں مطمئن ہو جاتا ہے اور خوف سے نجات پا جاتا ہے (مگر خود اسکو مطمئن نہ ہونا چاہیئے) اور واقع میں اسکو حق سبحانہٗ سے کوئی خوف نہیں رہتا (مگر اسے یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ اب میرے لئے کوئی خطرہ نہیں ہے۔) کیونکہ دشمنی وعتاب سرکشوں کی طرف سے ہے اور حق سبحانہٗ کی طرف سے تو بے خوفی ہے یعنی عتاب سرکشی سے پیدا ہوتا ہے۔ ورنہ وہ تو نہایت رحیم ہیں اور حق سبحانہٗ کا تشدد تو نافرمانوں اور سرکشوں پر ہوتا ہے نہ کہ مطیعین پر اور تکلیف تو۔ اسی وقت تک رہتی ہے جب تک آدمی محبوس ناسوت رہے ورنہ جبکہ وہ بذریعۂ طاعت کے ملحق بہ ملکوت ہو گیا اس وقت اسکو کچھ تکلیف نہیں ہوتی جبکہ یہ معلوم ہو گیا تو اب تمکو چاہیئے کہ طاعت میں مشغول ہو۔ اور جبر میں کچھ نہیں دھرا اُسے چھوڑو۔ جب تم جبر کو چھوڑ دو گے تو اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ تم کو معلوم ہو جائے گا کہ اصل حقیقت جبر کیا ہے پس تم اس جبر کو جس کو کاہل لوگوں نے کام نہ کرنے کا حیلہ بنا رکھا ہے چھوڑ دو۔ تاکہ تم اس جبر سے آگاہ ہو۔ جو جان کی طرح عزیز ہے وہ جبر یہ ہے کہ آدمی اپنے اختیار کو حق سُبحانہٗ کی مرضی کے تابع کر دے اور اپنے کو اس کی خواہش کا آلہ بنا کر خود معطل ہو جائے۔ یہ جبر محمود ہے اور قابل تحصیل ہے۔

برخلاف جبر سابق الذکر کے۔ جس کو کاہل لوگ اپنے کام نہ کرنے کا حیلہ بناتے ہیں ـــــ یہاں تک تو مولانا نے عوام کو نصیحت فرمائی تھی جو کہ کچھ کام نہیں کرنا چاہتے اور عذر یہ کرتے ہیں کہ ہم مجبور ہیں۔ اب ان ناقصین کی اصلاح فرماتے ہیں۔ جو مشائخ یا معلم بنے ہوئے ہیں اور اپنی اصلاح کی فکر نہیں کرتے۔

چنانچہ فرماتے ہیں کہ اے وہ لوگو! جو اپنے کو اچھا اور بڑھیا سمجھتے ہو اور اسلئے طالبین کے فکر میں منہمک ہو۔ تم مطلوبی خلق کو چھوڑو اور طالب حق بنو اور اے وہ لوگ! جن کے باطن میں رات سے زیادہ سناٹا ہے۔ تم اپنی گفتگو کے خریدار کب تک تلاش کرو گے۔ اس لغو حرکت کو چھوڑو اور کمال حاصل کرو۔ لوگ تمہاری باتیں سُن سُن کے جھومتے ہیں۔ تم اس کو پسند کرتے ہو۔ اور ایسے لوگوں کو تلاش کرتے ہو۔ سو ان کی تلاش ہی میں تمہارا وقت ضائع ہو گیا۔ اور

نہ حاصل کیا۔ شاید تم میری نصیحت کو رشک اور حسد پر محمول کرو۔ اور کہو کہ تم ہمارے اوپر حسد نہ کرو۔ اسلیے میں کہتا ہوں کہ بھلے مانسو! یہ کچھ چیز بھی ہو جس کے حاصل نہ ہونے پر کوئی رشک کریگا۔ تم سوچو تو سہی کہ ایک لاشے کے فوت ہونے پر کوئی کیا رشک کر سکتا ہے پس تم میری گفتگو کو حسد پر محمول نہ کرو اور سمجھو کہ تم جو عوام کی تعلیم و تلقین میں مصروف ہو۔ اس کا کوئی معتدبہ نتیجہ نہیں ہے کیونکہ ان کی تعلیم ایسی ہے جیسے ڈھیلے پر عمدہ نقش بنانا کہ ذرا سی ٹھیس لگی ڈھیلا ٹوٹ گیا اور تمہاری ساری محنت اکارت ہوگئی پس تم اس دھندے کو چھوڑ دو۔ اور خود اپنے کو عشق و معرفت حق سبحانہ سکھلاؤ کیونکہ یہ پتھر کی لکیر اور پائدار ہے اسلئے اس کا نفع بھی دائم ہوگا۔

دیکھو! تمہاری ہستی جو کہ ایک وفادار شاگرد ہو کر ہمیشہ تمہارے پاس رہے گا۔ تم اسے کیوں نہیں تعلیم کرتے۔ اغیار تو فانی اور بے وفا ہیں انہیں کہاں ڈھونڈتے ہو بس ان کو چھوڑ دو اور اپنے کو تعلیم دو۔ دیکھو! جب تک تم دوسروں کو فاضل اور لائق بنانے کی کوشش کرتے ہو اس وقت تک اپنے کو بدخوا ور خالی کرتے ہو۔ اس کی دو وجہ ہیں اوّل یہ کہ عوام کے ساتھ اختلاط ہوگا۔ ان کے اختلاط سے تمہارے اندر سے صفات حمیدہ زائل ہوں گی اور صفات ذمیمہ جائے گیر ہوں گی۔ دوسری یہ کہ گفتگو میں یہ خاص اثر ہے کہ اس سے کیفیات قلبیہ میں فتور واقع ہوتا ہے۔ لہذا ضرورت ہے کہ تعلیم عوام کو ترک کیا جائے۔ ہاں جب تمہارا قلب عالم غیب سے تعلق پیدا کرلے جو کہ جواہر معارف کا معدن ہے تو اس وقت خوب گفتگو کرو اور خالی ہونے سے نہ ڈرو کیونکہ جس قدر ذخیرہ خرچ ہوگا۔ اس قدر یا اس سے زائد آمد ہو جائیگی پس خالی ہونے کا اندیشہ نہ رہے گا۔

یہی وجہ ہے کہ حق سبحانہ نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ کہو اور لوگوں کو حکم دیا ہے کہ خاموش رہو۔ کیونکہ قل کا مطلب یہ ہے کہ تمہارا باطن مثل دریا کے ہے اس میں کمی نہ آئے گی پس خوب کہو اور اَنْصِتُوا کے معنی یہ ہیں کہ تمہارا پانی ختم ہو جانے والا ہے پس تم اسے برباد نہ کرو۔ کیونکہ خود تمہارے باغ دل کو اس کی ضرورت ہے خیر یہ بات تو ختم نہ ہوگی لہذا ہم اسے مختصر کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ با تم گفتگو

چھوڑو!! اور اپنے انجام پر نظر کرو۔ مجھے غیرت آتی ہے کہ لوگ تمہارے سامنے کھڑے ہیں اور بزبانِ حال تمہارا مذاق اُڑا رہے ہیں اور کہہ رہے ہیں دیکھو ہم نے کیا اسے احمق بنایا ہے۔ یہ لوگ تمہارے سچے عاشق نہیں ہیں تمہارے سچے عاشق پردۂ کرم کے پیچھے برابر آوازیں دے رہے ہیں اور تمہیں اپنی طرف بلا رہے ہیں پس تم اپنے ان غیبی عاشقوں پہ عاشق ہو۔ اور عاشقاں پنجروزہ نہ بناؤ۔ جنہوں نے تم کو فریب اور کشش سے چٹ کر لیا ہے اور بس ہو گئے مگر تم کو ان سے ذرا سا ہی حقیقی نفع حاصل نہیں ہوا۔

خلاصہ یہ کہ معارف الٰہیہ یا ملائکہ جو شاہدانِ غیبی ہیں وہ تمہارے طالب اور تم کو اپنی طرف بلاتے ہیں پس تم ان کے طالب بنو اور عام خریداروں کو اپنا مطلوب نہ بناؤ کیونکہ یہ فانی ہیں۔ اور تم کو حقیقی نفع نہیں پہنچا سکتے بلکہ الٹا ضرر پہنچاتے ہیں کہ تم کو اپنے میں مشغول کر کے تجارت آخرت سے روکتے ہیں۔

دیکھو تم کب تک شاہراہ عام پر تماشہ کرو گے اور اپنے کمال کی شہرت دیگر لوگوں کو اپنی طرف مائل کرو گے آخر اس کا کچھ نتیجہ بھی۔ اب تک تم نے اس طریق سے اپنا مقصد حاصل کرنا چاہا اور وہ حاصل بھی ہوا۔ اور لوگ تمہارے معتقد بھی ہو گئے۔ مگر آخرت کا مقصود جو کہ اصل مقصود ہے کچھ حاصل نہ ہوا۔ پس تم کو چاہیئے کہ ان کو چھوڑو اور حق سبحانہٗ کے ساتھ مشغولیت پیدا کرو۔ یہ لوگ صرف تندرستی کے یار ہیں۔ اور تکلیف کے وقت خدا کے سوا کوئی تمہارا دوست نہیں ہے۔

اچھا بتلاؤ! جب کہ تمہاری آنکھ میں یا دانت میں درد ہوتا ہے تو اس وقت کیا ان میں سے کوئی تمہاری دستگیری کرتا ہے اور تمہاری تکلیف کو دور کر دیتا ہے کوئی نہیں کرتا۔ بجز حق سبحانہٗ کے۔ پس تم اپنے اسے زمانۂ تکلیف اور مرض کو یاد رکھو! جس میں تم خدا سے مدد چاہتے ہو اور وہ تمہاری مدد کرتا ہے اور ایاز کی طرح پوستین سے عبرت حاصل کرو۔ پوستین جس کو ایاز ہاتھ میں لیے ہوئے ہے اس سے ہماری مراد تمہاری حالت مرض ہے۔ اور خلاصہ یہ ہے کہ حالتِ مرض جو بمنزلہ پوستین ایاز کے ہے تم اسکو پیش نظر رکھو اور خدا کو نہ بھولو۔

بازجواب گفتنِ آں کافرِ جبری آں مومنِ سنّی را کہ باسلام و

اس جبری کافر کا دوبارہ اس سنّی مومن کو جواب دینا جو اسکو اسلام اور

ترکِ اعتقادِ جبرش دعوت میکرد و دراز شدنِ مناظرہ از طرفین

جبر ترک کرنے کی دعوت دے رہا تھا اور دونوں طرف سے مناظرے کا دراز ہونا

کہ مادۂ اشکال و جواب را نبُرد الّا عشقِ حقیقی کہ او را پروائے

کیونکہ اعتراض اور جواب کے مادے کو سوائے حقیقی عشق کے کوئی چیز ختم نہیں کرتی ہے کیونکہ

آں نماند و ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَّشَاءُ

اس کو اس کی پروا نہیں رہتی اور یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے وہ جسکو چاہے عطا کرتا ہے

کافرِ جبری جواب آغاز کرد | کز ازاں حیراں شد آں منطیق[1] مرد

جبری کافر نے جواب دینا شروع کیا | جس سے وہ زیادہ بولنے والا شخص حیران ہوگیا

لیک گر من آں جوابات و سوال | جملہ وا گویم بمانم زیں مقال

لیکن اگر میں وہ جوابات اور سوال | سب بیان کروں، اس بات سے رہ جاؤں گا

زاں مہم تر گفتنیہا ہست ماں | کہ بداں فہمِ تو بہ یابد نشاں

ہیں اس سے زیادہ اہم باتیں کہنی ہیں | جن سے تیری سمجھ بہتر نشانی حاصل کرے گی

اندکے گفتیم زاں بحث اے عُتُل | زاندکے پیدا بود قانونِ کل

اے سنگدل! اس بحث میں سے ہم نے تھوڑا سا کردیا | تھوڑے سے سب قاعدہ کھل جاتا ہے

درمیانِ جبری و اہلِ قدر | ہمچنیں بحث ست تا حشر و نشر

جبری اور قدریوں کے درمیان | حشر و نشر تک ایسی ہی بحثیں ہیں

گر فرو ماندے ز دفعِ خصمِ خویش | مذہبِ ایشاں برافتادے ز پیش

اگر اپنے مخالف کی مدافعت سے عاجز آجاتے | تو اُن کا مذہب باطل ہو جاتا

چوں بروں شو شاں نبودے در جواب | پس رمیدندے ازاں راہِ تباب

اگر جواب میں ان کا مخلص نہ ہوتا | تو اس ہلاکت کے راستہ سے بھاگ جاتے

چونکہ مقضی بُد دوامِ آں روش | میدہد شاں از دلائل پرورش

چونکہ اس روش کی ہمیشگی کا فیصلہ ہوچکا تھا | تو اُن کو دلائل سے (خدا) پرورش کرتا ہے

تا[2] نگردد ملزم از اشکالِ خصم | تا بود محجوب از اقبالِ خصم

تاکہ مخالف کے اعتراض سے ملزم نہ بنے | تاکہ مخالف کے اقبال سے محفوظ رہے

تاکہ ایں ہفتاد و دو ملت مدام | در جہاں ماندے الیٰ یوم القیام

تاکہ یہ بہتّر فرقے، ہمیشہ | قیامت کے دن تک دنیا میں باقی رہیں

ف: جب تک عشقِ خداوندی حاصل نہیں ہوتا انسان کی زبان بہت چلتی ہے اور اشکال و جواب میں زبان درازی کرتا رہتا ہے۔

[1] منطیق۔ بہت بولنے والا۔ زیں مقال۔ یعنی نصیحت کی باتیں۔ کہ بداں۔ اِن نصیحت کی باتوں سے فہم میں روشنی پیدا ہوگی۔ عُتُل۔ سنگدل۔ زاندکے۔ مُشتے نمونہ از خروارے کافی ہوتا ہے۔ درمیاں مختلف فرقوں کی یہ بحثیں قیامت تک ختم نہ ہوں گی کیونکہ دنیا میں یہ سب فرقے باقی رہنے ہیں بروں شو نکلنے کا راستہ، مخرج۔ تباب ہلاکت، تباہی۔ مقضی۔ یعنی قضا و قدر کا فیصلہ۔

[2] تا نگردد۔ ہر فرقہ والے کو ایسے دلائل عطا کردیئے گئے ہیں کہ مخالف سے عاجز نہ آجائے۔ ملزم۔ یعنی لاجواب۔ از اقبال۔ یعنی مخالف اُس پر غلبہ حاصل نہ کرسکے۔ زتیں۔ جب سورج غروب کرجاتا ہے تو زمین کے جس رُخ سے اُس نے غروب کیا ہے اُس کا سایہ فضائے آسمانی تک پھیل جاتا ہے، دنیا میں ظلمت اور تاریکی ہے یہاں حق اس قدر واضح نہیں ہے باطل دلائل سے حق پوشیدہ ہوجاتا ہے۔

چوں جہانِ ظلمت و غیب ایں	از برائے سایہ می باید زمیں
چونکہ یہ تاریکی اور غیب کی دنیا ہے	سایہ کے لئے زمین درکار ہے

تا قیامت ماند ایں ہفتاد و دو	کم نیاید مبتدع را گفتگو
تاکہ یہ بہتر فرقے قیامت تک رہیں	بدعتی کی گفتگو کم نہ پڑے

عزتِ مخزن بود اندر بہا	کہ برو بسیار باشد قفلہا
قیمت کے اعتبار سے اس خزانہ کی عزت ہوتی ہے	جس پر بہت سے قفل ہوں

عزتِ مقصد بود اے ممتحن	پیچ پیچ راہ عقبہ و راہزن
اے مصیبت زدہ! مقصد کی عزت ہے	گھاٹی کا خمدار راستہ اور ڈاکو

عزتِ کعبہ بود آں ناحیہ	دزدیِ اعراب و طولِ بادیہ
وہ گوشہ، کعبہ کی عزت ہے	(اور) بدوؤں کی چوری اور صحرا کا طول

ہر روش ہر رہ کہ آں محمود نیست	عقبہ و مانع و رہزن نیست
جو روش (اور) راہ قابلِ ستائش نہیں ہے	وہ گھاٹی اور مانع اور ڈاکو ہے

ایں روش خصم و حقودِ آں شدہ	تا مقلد در دو رہ حیراں شدہ
یہ روش اس کی مخالف اور کینہ ور بنی	یہاں تک کہ مقلد دونوں راستوں میں حیران ہو گیا

صدق ہر دو ضد بیند در روش	ہر فریقے در رہِ خود خوش منش
روش میں ہر دو ضدوں کی سچائی خیال کرتا ہے	ہر فریق اپنی راہ پر خوش طبع ہے

گر جوابش نیست می بند ستیز	بر ہماندم تا بروزِ رستخیز
اگر اس کے پاس جواب ہو تو جھگڑا ختم ہو جائے	اسی وقت سے قیامت کے دن تک کیلئے

کہ مہانِ ما بدانند ایں جواب	گرچہ از ما شد نہاں وجہِ صواب
کہ ہمارے بڑے اس جواب کو جانتے ہیں	اگرچہ درست بات ہم سے مخفی ہو گئی ہے

پوز بندِ وسوسہ عشق ست و بس	ورنہ کے وسواس را بستہ است کس
وسوسے کے لئے پوز بند عشق ہی ہے اور بس	ورنہ وسوسہ کو کس نے بند کیا ہے؟

عاشقے شو شاہدِ خوبے بجو	صیدِ مرغابی ہمی کن جو بجو
عاشق بن حسین معشوق تلاش کر	نہر در نہر مرغابی کا شکار کرتا رہ

کے بری زاں آب کاں آبت برد	کے کنی زاں فہم کہ فہمت خورد
تو اس پانی سے کیا فائدہ اٹھائیگا جو تیری آبرو برباد کرے	تو اس سے کیا سمجھ سکتا ہے جو تیری سمجھ کو کھا لے

غیرِ ایں معقولہا معقولہا	یابی اندر عشق با فر و بہا
ان عقلی باتوں کے علاوہ معقول باتیں	تو عشق میں شوکت والی اور قیمتی پائے گا

٤٩ مبتدع یعنی باطل فرقہ۔ عزتِ مخزن جس قدر قیمتی خزانہ ہوتا ہے اتنے ہی اس پر قفل زیادہ ہوتے ہیں اسی لئے حق مذہب جو قیمتی چیز ہے اس پر باطل فرقوں کے قفل لگ ہوئے ہیں۔

٥٠ عزتِ مقصد۔ مقصد... جسقدر عزیز ہوگا اسیقدر اس تک پہنچنے کا راستہ پیچ در پیچ ہوگا اور راہزن کا خوف ہوگا۔ عقبہ۔ پہاڑ کی گھاٹی۔ عزتِ کعبہ۔ کعبہ کا دور دراز گوشہ میں ہونا اور پھر وہاں بدوؤں کی ڈاکہ زنی اور صحرا کا طول کعبہ کے باعزت ہونے کی دلیل ہے۔ ناحیہ۔ گوشہ۔ اعراب۔ بدو۔ بادیہ۔ صحرا۔ ہر روش۔ باطل فرقوں نے جو روش اور راہ اختیار کر رکھی ہے وہ سیدھے راستہ کے لئے گھاٹی اور مانع اور ڈاکو ہے۔

٥١ ایں روش۔ باطل فرقوں کی روش صحیح راستہ کی روش کے مخالف ہے اس کی وجہ سے تقلید کرنیوالا حیران ہو جاتا ہے کہ کس راستہ کو اختیار کرے۔ صدق۔ وہ سمجھتا ہے کہ دونوں راستے درست ہیں۔ گر جوابش۔ اگر باطل فرقہ والا لاجواب ہو جائے تو جھگڑا ختم ہو جائے۔ لیکن وہ یہ کہدے کہ اس سوال کا جواب مجھے نہیں آتا میرے بڑے جانتے ہوں گے۔ پوزبند۔ اس طرح کے وساوس صرف عشقِ خداوندی سے مٹ سکتے ہیں۔

٥٢ عاشقے۔ وساوس ایسی طریقہ پر مٹیں گے کہ راہِ عشق

غیرِ ایں عقلِ تو حق را عقلہاست | کہ بداں تدبیر اسبابِ سماست
اس تیری عقل کے سوا اللہ کے پاس عقلیں ہیں | جن سے آسمان کے اسباب کی تدبیر ہوتی ہے

تا بدیں عقل آوری ارزاق را | زاں دگر مفرش کنی اطباق را
تو اس عقل کے ذریعہ رزقوں کو حاصل کرے گا | تو اس دوسری سے (آسمانی) طبقوں کو بستر بنائیگا

عشر امثالت دہد تا ہفت صد | چوں ببازی عقل در عشقِ صمد
تجھے دس گنے سے سات سو گنے تک عطا کر دے | جب تو اللہ (تعالیٰ) کے عشق میں عقل کی بازی لگا دے

آں زناں چوں عقلہا درباختند | بر رواقِ عشقِ یوسفؑ تاختند
ان عورتوں نے جب عقلیں ہار دیں | دربار یوسفؑ کے عشق کے چھجے پر چڑھ گئیں

عقلِ شاں یکدم ستد ساقیِ عمر | سیر گشتند از خرد باقیِ عمر
عمر کے ساقی نے ایکدم ان کی عقل لے لی | باقی عمر کے لئے ان کا عقل سے پیٹ بھر گیا

اصلِ صد یوسفؑ جمالِ ذوالجلال | اے کم از زن شو فدای آں جمال
سینکڑوں یوسفوں کی اصل اللہ (تعالیٰ) کا حسن ہے | اے عورت سے کم! اس حسن پر قربان ہو جا

عشق ببرد بحث را اے جان و بس | کو ز گفت و گو شود فریاد رس
اے جان! عشق بحث کو کاٹ دیتا ہے اور بس | کیونکہ وہ گفتگو کے معاملہ میں فریاد رس بنجاتا ہے

حیرتے آید ز عشق آں نطق را | زہرہ نبود کہ کند او ماجرا
عشق سے گویائی پر حیرت طاری ہو جاتی ہے | اس کا پتہ نہیں رہتا کہ وہ گفتگو کرے

کہ بترسد گر جوابے وا دہد | گوہرے از لنجِ او بیروں جہد
کیونکہ وہ ڈرتی ہے کہ اگر جواب دے | موتی اس کے ہونٹ سے باہر نکل پڑے گا

لب ببندد سخت او از خیر و شر | تا نباید کز دہاں افتد گہر
بھلے اور برے سے ہونٹ خوب بالکل بند کر لیتی ہے | تاکہ ایسا نہ ہو کہ منہ میں سے موتی گر جائے

ہمچناں کہ گفت آں یارِ رسولؐ | چوں نبی بر خواندے بر ما فصول
جیسا کہ ان صحابی نے فرمایا ہے | جب نبی ہم ناکاروں کو سناتے

آں رسولِ مجتبیٰ وقتِ نثار | خواستے از ما حضور و صد وقار
بکھاور کرنے کے وقت وہ برگزیدہ رسولؐ | ہم سے سینکڑوں وقار اور حضور قلب چاہتے

آنچناں کہ بر سرت مرغے بود | کز فواتش جانِ تو لرزاں شود
جس طرح کہ تیرے سر پر پرندہ ہو | جس کے اڑ جانے سے تیری جان لرزتی ہو

پس نیاری ہیچ جنبیدن ز جا | تا نگیرد مرغِ خوبِ تو ہوا
تو جگہ سے ہل نہ سکے گا | تاکہ تیرا حسین پرند، ہوا نہ پکڑ لے

اختیار کر۔ وہ اسکا ما بہتر تلاش کرنے کے تیزی۔ جن دلائل عقلیہ سے تو دساوس کو دور کرنا چاہتا ہے وہ بیکار ہیں۔

۵ عشر۔ عقل معاد نیکی کراتی ہے جس کا ثواب دس گنے سے سات سو گنے تک ملتا ہے۔ صمد۔ اللہ تعالیٰ۔ آں زناں۔ یعنی مصری عورتیں۔ رواق۔ محل، چھجہ۔ ساقیِ عمر۔ یعنی عشق۔ اصل۔ حضرت یوسفؑ کا جمال اللہ تعالیٰ کے جمال کا پرتو تھا۔ عشق ببرد۔ مشہور مقولہ ہے مَنْ عَرَفَ رَبَّهٗ كَلَّ لِسَانُهٗ جس شخص نے اپنے خدا کو پہچان لیا اس کی زبان کند ہو گئی۔ حیرتے۔ عشق ایسی حیرت پیدا کر دیتا ہے جس سے گویائی عاجز آجاتی ہے۔

۵۲ کہ بترسد۔ عاشق ڈرتا ہے کہ اگر وہ زبان کھولے گا عشق کا راز ظاہر ہو جائے گا۔ لنج۔ لام کے زبر کے ساتھ گوشت کا ٹکڑا جس میں ہڈی نہ ہو، ہونٹ بعض نسخوں میں "لُنج" لام کے پیش کے ساتھ ہے اس کے معنی بھی ہونٹ ہیں بعض... نسخوں میں "کام" ہے جس کے معنی تالو کے ہیں۔ ہمچناں۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم جس وقت کچھ بیان فرماتے تھے صحابہ کو ہدایت تھی کہ وہ خاموشی سے سنیں اور صحابہؓ خاموشی اور سکون سے اس طرح بیٹھے سنتے رہتے تھے کہ گویا انکے سروں پر کوئی پرندہ ہے اور انکو ڈر ہے کہ اگر وہ بولے یا ہلے تو وہ پرندہ اڑ جائے گا۔

۵۳ فصول۔ بعض لوگوں نے اسکو ناکارہ کا بیان قرار دیا ہے۔ اعتبار سے ہم نے ناکارہ ترجمہ

دم نیاری زد بہ بندی سرفرا | تا نباید کہ بپرد آں ہما
تو سانس نہ لے سکے گا۔ کھانسی کو روک لیگا | تاکہ وہ ہما نہ اڑ سکے

ور کست شیریں بگوید یا ترش | بر لب[1] انگشتے نہی یعنی خمش
اگر تجھ کو کوئی شخص میٹھی بات کہے یا کڑوی | تو ہونٹ پر انگلی رکھے گا یعنی چپ رہ

حیرت آں مرغست خاموشت کند | بر نہد سر دیگ و پر جوشت کند
حیرت وہ پرندہ ہے جو تجھے خاموش کر دیتا ہے | دیگ کا ڈھکنا ڈھک دیتا ہے اور تجھے جوشیلا بنا دیتا ہے

[1] بر لب۔ اپنے ہونٹ پر انگلی رکھنا دوسرے کو چپ رہنے کا اشارہ ہے۔ حیرت جس طرح شریر کا پرندہ بات کرنے سے روکتا ہے مقام حیرت بھی روکتا ہو سالک جب اس مقام پر پہنچ جاتا ہے تو اس کی زبان بند ہو جاتی ہے اور دل میں جوش و خروش ہوتا ہے

شرح

اب ہم اصل قصہ کی طرف لوٹتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جب سنی اپنی گفتگو کو ختم کر چکا۔ تو کافر جبری نے جواب دینا شروع کیا جس سے وہ پر گو شخص دنگ ہو گیا لیکن میں ان سوالات اور جوابات کو جو ان دونوں کے درمیان اسکے بعد ہوئے ہیں بیان نہیں کرنا چاہتا کیونکہ اگر میں ان تمام سوالوں اور جوابوں کو بیان کروں تو میں اس بات سے رہ جاؤں گا جو میں زیادہ ضروری سمجھ کر کہنا چاہتا ہوں۔ مجھے ان سوالوں اور جوابوں سے زیادہ ضروری کچھ اور باتیں کہنی ہیں۔ جن سے تمہارے فہم کو ان سے بہتر... مضامین کا پتہ چلے گا۔

رہی اس مجادل کی گفتگو سو اس کا کچھ حصہ تو ہم نے بیان کر ہی دیا ہے۔ رہی اسکی گفتگو سو اسے مختصر گفتگو سے تم کو اس کا طریق بھی معلوم ہو سکتا ہے۔ پس اسکو چھوڑ کر ہم زیادہ ضروری باتیں بیان کرتے ہیں اور کہتے ہیں۔ کہ جو زیادہ ضروری بات اس وقت ہم کو کہنی ہے اسکی تفصیل یہ ہے کہ اہل جبر و اہل قدر و غیرھم کے درمیان قیامت تک یوں ہی گفتگو جاری رہے گی اور اس کا کبھی خاتمہ نہ ہو گا کیونکہ اگر ان میں سے کوئی بھی اپنے حریف کے جواب سے عاجز ہو جاتا تو اس کا مذہب ساقط ہو جاتا اسلئے کہ جب اس فریق کو کوئی جواب ہی نہ بن پڑتا۔ تو لامحالہ وہ اس تباہ رستہ کو چھوڑ دیتا۔ اور اس طرح اس مذہب کا خاتمہ ہو جاتا۔ لیکن چونکہ یہ امر مقدر ہو چکا ہے کہ یہ مذہب ہمیشہ قائم رہے گا اسلئے حق سبحانہٗ ان لوگوں کو دلائل سے قوت پہنچاتے رہتے ہیں اور دلائل کا القا ان کے دل

میں کرتے رہتے ہیں۔ تاکہ یہ گروہ اپنے مقابل سے الزام نہ کھائے اور اس طرح اپنے حریف کی سعادت واقعیہ یا متوہمیہ سے محجوب اور محروم رہے (یعنی وہ اس سے مغلوب ہو کر اس کی اس مذہب کو قبول نہ کرے جس کو وہ اپنے زعم میں دولت اور سعادت سمجھتا ہے) اور تاکہ اس طرح یہ بہتر ان باطل مذہب۔ مذہب حق کے ساتھ دنیا میں قیامت تک باقی رہیں اور راز اس کا یہ ہے کہ حق سبحانہ نے امتحان کی غرض سے دنیا کو عالمِ ظلمت و تستر حقائق بنایا ہے کیونکہ اگر اس میں حقائق بالکل بے حجاب ہوتیں۔ تو پھر امتحان بھی نہ ہوسکتا تھا اور جبکہ یہ عالم ظلمت و تستر حقائق ہے لہٰذا اس میں تاریکی و خفا کی ضرورت ہے اور تاریکی و خفا اس وقت ہوسکتا ہے

جبکہ حق کے ساتھ باطل بھی ہو۔ تاکہ وہ حق کو چھپا سکے۔ اسلئے باطل کا وجود ضروری ہوا اور بنا بریں یہ بہتر باطل فرقے قیامت تک قائم رہیں گے اور اہلِ بدعت و ہوا کا منہ بند نہ ہوسکے گا (فائدہ: تقریر بالا سے معلوم ہوا کہ قولہ "از برائے سایہ می باید زمیں" اھ زمین سے مراد باطل ہے) شاید کسی کو شبہ نہ ہو کہ آخر اس ستر کی کیا ضرورت تھی اسلئے ہم اس کا جواب دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ قاعدہ ہے کہ جس مطلوب کے حصول کے بہت سے موانع ہوتے ہیں وہ اسی قدر گرامی قدر سمجھا جاتا ہے اور اس کی عزت اسی میں ہے کہ اس کے لیے بہت سے موانع ہوں۔ چنانچہ خزانہ کی گراں قدری اسی میں ہے کہ اس پر بہت سے قفل ہوں اور مقصد سفر کی گراں قدری اسی میں ہے کہ راہ پیچ در پیچ ہو اور اس میں خطرات اور ڈاکو بہت ہوں اور کعبہ و ما یتعلق بہا کی عزت اسی میں ہے کہ بدو چوری کریں اور اس کے اور زائر کے درمیان لق و دق صحرا واقع ہو۔ بنا بریں حق سبحانہ نے اپنی دین کی عزت کے اظہار کے لیے طالب اور دین حق کے درمیان گھاٹیاں اور موانع اور ڈاکو قائم کر دیئے ہیں کیونکہ ہر نا محمود مذہب اسکے لیے گھاٹی اور مانع اور راہزن ہے۔

اور مذہب باطل۔ مذہب حق کا دشمن اور مخالف ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مقلد ناحقیقت شناس اس دوراہہ پر حیران کھڑا ہوا ہے اور وہ احتمالاً حق و باطل دونوں کو حق سمجھتا ہے اور جو جس راستہ پر پڑ گیا ہے اور جس نے جو مذہب اختیار کر لیا ہے وہ اسی کو

حق سمجھ کر اسی سے خوش ہے اور جو کوئی اسکو سمجھاتا ہے اور دلائل سے اسکے بطلان کو واضح کرتا ہے تو جہاں تک اس سے ہوسکتا ہے اس کا رد کرتا ہے اور اگر اس سے رد نہیں ہوسکتا تو فوراً یہ کہہ کر قیامت تک کے لیے اس جھگڑے کو ختم کر دیتا ہے کہ ہمارے علما اس کا جواب جانتے ہیں۔ گو ہم کو اس کا صحیح جواب معلوم نہیں اور اسکو اس مذہب کے بطلان کا وسوسہ تک نہیں ہوسکتا۔ جانتے ہو اسکی کیا وجہ ہے؟ اس کی وجہ صرف یہ ہی ہے کہ وہ اس مذہب پر عاشق ہے۔

پس سے ثابت ہوا کہ وساوس کا منہ بند کرنے والا صرف عشق ہے ورنہ وساوس کو کوئی نہیں روک سکتا ــــ جب تم کو یہ معلوم ہوگیا تو اب تم کو چاہیئے کہ تم اس دین پر عاشق ہو۔ جو کہ واقع میں اچھا ہے اور مذاہبِ باطلہ پر عاشق نہ ہو۔ اور ندیوں میں مرغابی کا شکار کرو۔ صحرا میں سور کا شکار نہ کرو۔ یعنی دین حق کے طالب ہو۔ باطل کے پیچھے نہ پڑو۔ تم باطل کو اسلئے اختیار کرتے ہو کہ اس سے ہم کو نفع ہوگا اور فہم حقائق حاصل ہوگی لیکن یہ تمہاری غلطی ہے اسلئے کہ جو مذہب انجام کار تم کو ذلیل کرنے والا ہے اس سے تم کو کوئی نفع حاصل نہیں ہوسکتا اور جو کہ تمہاری رہی سہی سمجھ کو بھی چٹ کر جانے والا ہے لان حبك الشئ يعمى ويصم اس سے تم کو سمجھ حاصل نہیں ہوسکتی۔ اگر تم کہو کہ مذہب حق کو اختیار کرنے سے بھی تو عقل جاتی رہے گی۔ کیونکہ حبك الشئ يعمى ويصم اس پر صادق ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ گو مذہب حق پر عاشق ہو کر بھی تمہاری عقل جاتی رہے گی۔ مگر اس کے بعد تمہیں اور نہایت باشان وشوکت عقل ملے گی جو اس عقل سے کہیں بڑھ کر ہوگی۔ کیونکہ حق سبحانہ کے پاس اس عقل کے سوا جس سے تم اپنے اسباب معاش مہیا کرتے ہو اور بھی بڑی بڑی عقلیں ہیں یہاں تک کہ اس عقل سے تو تم رزقوں ہی ـــ کو مہیا کرتے ہو اور وہ عقل جو کہ حق سبحانہ کے خزانہ عقول میں محفوظ ہے اور جو تم کو اس عقل کے کھونے کے بعد ملے گی اس سے تم آسمانوں کو زمین بنا سکتے ہو۔ یعنی اسکی ذریعے سے تم اتنی روحانی بلند پروازی کرسکتے ہو کہ آسمان تمہاری بلندی اور عروج روحانی کے مقابلہ میں انہیں زمین معلوم ہوں گے۔

الغرض! جب تم حق سبحانہ کے عشق میں اپنی عقل کو کھو دو گے تو وہ تم کو اسکے معاوضہ

میں دس گنا سے لیکر سات سو گنا تک عقل عطا فرما دیں گے کیونکہ جب مال خرچ کرنیوالوں کے لئے اس قدر انعام کا وعدہ فرمایا ہے تو جو عقل خرچ کردے گا وہ تو اس انجام کا بالاولی مستحق ہے۔ دیکھو جبکہ زنانِ مصر نے یوسف علیہ السلام پر عاشق ہو کر اپنی عقلیں کھودی تھیں اور اس بھولے ساقی نے ان کی عقلیں سلب کر لی تھیں تو انکو تمام عمر اپنے عقول رفتہ کا افسوس نہیں ہوا تھا۔ اور وہ عمر بھر کے لیے اُن سے سیر ہو گئیں تھیں۔ پس جبکہ جمال یوسف کے لئے عقل کا کھویا جانا باعث افسوس نہیں ہے تو حق سبحانہٗ کا جمال جو کہ سیکڑوں یوسفوں کے جمال کا منبع ہے اس لئے عقل کا کھویا جانا کیوں باعث افسوس ہوگا۔

ارے تم تو عورتوں سے بھی کم عقل اور کم ہمت ہو تم کو چاہیئے کہ مرد بنو اور جمالِ حق پر

پر قربان ہو جاؤ۔ ہم پھر کہتے ہیں کہ عشق جو کہ گفت گو کے نرغہ سے چھڑاتا ہے۔ وہ ہی بحث و مباحثہ کو ختم کرتا ہے۔ اسکے بغیر اعتراضات وجوابات کا ختم ہونا ناممکن ہے۔ جب عشق آجاتا ہے تو اسکے اہلِ نطق پر حیرت طاری ہو جاتی ہے اور ان کی مجال نہیں ہوتی۔ کہ بات کرسکیں۔ کیونکہ وہ ڈرتے ہیں کہ اگر معترض کا جواب دیا جاتا ہے تو ان کے منہ سے ایک موتی نکلا جاتا ہے (فائدہ) مولانا نے خیال یار کے ہٹ جانے موتی کا ضائع ہونا قرار دیا ہے، اور چونکہ کلام اسکے ضائع ہونے کا سبب ہوا ہے اسلئے کلام کے منہ سے نکلنے کو اس موتی کا نکلنا قرار دیا ہے۔ واللہ اعلم) عاشق کی حالت یہی ہوتی ہے جس کا نقشہ ایک صحابی نے یوں کھینچا کہ جس وقت جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم کو قرآن وغیرہ سناتے تو ہم سے ایسا حضور اور ایسا سکون چاہتے جیسے کسی کے سر پر جانور بیٹھا ہو۔ جسکی ضائع ہو جانے کا اس کو نہایت خوف ہو اور اسلئے وہ اپنے جگہ سے حرکت بھی نہ کرسکتا ہو۔ تاکہ اسکے سر سے وہ عمدہ جانور اُڑ نہ جائے اور سانس بھی نہ لے سکتا ہو اور کھانسنے کو بھی روکتا ہو۔ تاکہ وہ مبارک جانور پرواز نہ کر جائے اور اگر ایسی حالت کوئی اسے بُرا بھلا بھی کہے تو وہ بھی اسکو بھی جواب نہ دے اور منہ پر انگلی رکھ کر کہہ دے کہ بھائی ذرا خاموش رہو۔ ایسا نہ ہو میرا اسکا

جاتا رہے۔

القصہ حیرت عشق ہی وہ جانور ہے جو تم کو خاموش کرسکتا ہے اور تم پر چپنی رکھ کر پکا سکتی ہے یعنی تمہارا منہ بند کرکے اندر ہی اندر تم کو کامل بنا سکتی ہے **پس** تم حیرت عشق حاصل کرو اور قیل وقال کو چھوڑ دو۔ کیونکہ اس سے تم مقصود تک ہرگز نہیں پہنچ سکتے **تم الربع الثالث بعون اللہ تعالیٰ۔**

نوٹ، ربع ثانی میں محمود اور ایاز کا قصہ واقع ہوا تھا جو کہ ان میں تمام نہ ہوا تھا ربع رابع میں اسکو تمام کیا جائے گا۔ ۱۲ منہ

عارف باللہ حضرت مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ کی نادرِ روزگار،
اور معرکہ آرا کتاب "مثنوی معنوی" کی جامع اور لاجواب شرح

کلیدِ مثنوی

حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہٗ

24

یہ وہ مقبول خاص و عام کتاب ہے کہ خواندہ ناخواندہ سب ہی اس سے دلچسپی لیتے ہیں مگر مضامین عالیہ ہونے کی وجہ سے مطالب سمجھنے میں بڑی دقت پیش آتی ہے اور بعض اوقات نوبت الحاد و زندقہ تک پہنچ جاتی ہے، حضرت حکیم الامت نے اشعارِ مثنوی کو واضح کر کے اور مسائل تصوف کو عام فہم بنا کر نہایت خوبی سے سمجھا دیا ہے حقیقت یہ ہے کہ اس سے معتبر اور شریعت و طریقت کا پاس و ادب رکھ کر مضامین کو حل کرنے والی کوئی اور شرح نہیں لکھی گئی

ادارہ تالیفاتِ اشرفیہ
بیرون بوہڑ گیٹ
ملتان

سلسلہ معارف اشرفیہ جلد نمبر ۲۵

یعنی

ایک عظیم اسلامی انسائیکلوپیڈیا

کلیدِ مثنوی

جلد ۲۴

از حکیم الامۃ مجدد الملۃ حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہ

ناشر

ادارۂ تالیفاتِ اشرفیہ

بیرون بوہڑ گیٹ ملتان

پرسیدنِ بادشاہ قاصداً ایاز را کہ چندیں غم و شادی با چارق

بادشاہ کا ایاز سے قصداً دریافت کرنا کہ رنج اور خوشی کی اس قدر باتیں تو چپل

و پوستین کہ جمادست بچہ میگوئی تا ایاز را در سخن درآرد و

اور پوستین سے جو کہ بے روح ہیں کیوں کرتا ہے؟ تاکہ ایاز سے بات کہلائے

سوالِ سلطان از و

اور بادشاہ کا اُس سے دریافت کرنا

۵۲ اے ایاز ایں مہرہا بر چارقے	چیست آخر ہمچو بر بت عاشقے
اے ایاز! چپل سے اس قدر محبتیں	آخر کیوں ہیں! جیسا کہ بت پر عاشق
ہمچو مجنوں از رخِ لیلیٰ خویش	کردۂ تو چارقے را دین و کیش
مجنوں کی طرح اپنی لیلیٰ کے رُخ کو	تُو نے چپل کو دین اور مذہب بنا لیا ہے
بادو کہنہ مہرِ جاں آمیختہ	ہر دو را در حجرہ آویختہ
دو پرانی چیزوں سے جان کی محبت وابستہ کرکے	دونوں کو حجرے میں ٹکا لیا ہے
چند گوئی با دو کہنہ تو سخن	در جمادے می دمی سرِّ کہن
تو دو پرانی چیزوں سے کتنی باتیں کرے گا!	تو پرانا راز پتھر میں پھونکتا ہے
۵۳ چوں عرب با ربع و اطلال اے ایاز	میکشی از عشق گفتِ خود دراز
اے ایاز! عربوں کی طرح منزل اور ٹیلوں سے	عشق کی وجہ سے تو بات کو لمبا کرتا ہے
چارقت ربع کدامیں آصفست	پوستیں گوئی قمیصِ یوسفست
تیری چپل کونسے آصف کی منزل ہے؟	گویا پوستین یوسفؑ کی قمیص ہے
ہمچو ترسا کو شمارد با کشش	جرمِ یکسالہ زنا و غل و غش
عیسائی کی طرح جو پادری کے سامنے گنتا ہے	ایک سال کے زنا اور کھوٹ اور دھوکے کے جرم
۵۵ تا بیامرزد کشش آں گناہ	عفو او را عفو داند از الٰہ
تاکہ پادری اس کا وہ گناہ بخش دے	اسکے معاف کر دینے کو خدا کا معاف کرنا سمجھتا ہے
نیست آگہ آں کشش از جرم و داد	لیک بس جادوست عشق و اعتقاد
وہ پادری جرم اور انصاف سے واقف نہیں	لیکن عشق اور اعتقاد بہت بڑا جادو ہے
دوستی در وہم صد یوسف تند	اسحر از ہاروت و ماروتست خود
عشق وہم میں سینکڑوں یوسف بنا لیتا ہے	وہ خود ہاروت اور ماروت سے زیادہ جادوگر ہے

یہاں سے مولانا نے محمود ایاز کا نامتمام قصہ دوبارہ شروع کیا ہے۔ ایاز۔ ایاز کوٹھری میں جا کر اپنے پرانے چپلوں اور پوستین سے باتیں کرتا تھا۔

۵۲ اے ایاز۔ محمود نے ایاز سے کہا کہ تو اپنی چپل کا عاشق کیوں ہے؟ جس طرح مجنوں نے لیلیٰ کو اپنا دین و مذہب بنایا تھا تو نے چپل کو بنا لیا ہے۔ دو کہنہ۔ یعنی پرانی چپل اور پوستین۔ چند گوئی۔ ایاز اپنے چپل اور پوستین سے اپنی غربت اور بے کسی کے سابق واقعات دہراتا تھا۔

۵۳ چوں عرب۔ عربی شعراء اپنے اشعار میں محبوبہ کی منزل اور اس کے پڑاؤ کے ٹیلوں کا بہت ذکر کرتے ہیں۔ ربع۔ موسم ربیع گذارنے کا مکان، مطلقاً مکان۔ اطلال۔ طلل کی جمع ہے، ٹیلہ۔ آصف۔ ابن برخیا حضرت سلیمانؑ کے وزیر تھے یہاں مطلقاً سردار مراد ہے۔ قمیص حضرت یوسفؑ کی قمیص سے حضرت یعقوبؑ بینا ہو گئے تھے...

۵۵ کشش کشیش، قسیس نصرانی عالم نیست۔ نصرانی عالم سے گناہ کا تعلق نہ معاف کرنے کا لیکن نصرانی کا عشق اور اعتقاد یہ سب کچھ اس سے کراتا ہے دوستی، عشق، محبت عاشق کے ذریعہ معشوق میں حضرت یوسفؑ سے سو گنا حسن دکھا دیتا ہے۔ اسحر۔ زیادہ جادوگر ہوتے۔ عشق معشوق کی فرضی تصویر سامنے کرتا

ہمچو ترسا۔ نصاریٰ اپنے پیشواؤں کے سامنے اپنے گناہوں کا اعتراف کرتے ہیں اور اُن کے معاف کر دینے کو خدا کا معاف کر دینا سمجھتے ہیں۔ کشش۔ کشیش۔

صورتے پیدا کند بر یادِ او — جذبِ صورت آردت در گفتگو
وہ (عشق) اُسکی یاد پر ایک صورت پیدا کر دیتا ہے — صورت کی کشش تجھے گفتگو پر آمادہ کر دیتی ہے

رازگوئی پیشِ صورت صد ہزار — آنچناں کہ یار گوید پیشِ یار
تو صورت کے سامنے ہزاروں راز بیان کرتا ہے — جس طرح دوست، دوست کے سامنے بیان کرتا ہے

نے بد انجا صورتے نے ہیکلے — زادہ از وے صد الست و صد بلے
نہ وہاں کوئی تصویر ہے، نہ بُت — اُس (عشق) سے سینکڑوں سوال جواب پیدا ہو جاتے ہیں

آں چناں کہ مادرِ دل بُردہ — پیشِ گورِ بچۂ نو مُردہ
جیسا کہ غمگین ماں — نئے مرے ہوئے بچہ کی قبر کے سامنے

رازہا گوید بجد و اجتہاد — می نماید زندہ اُو را آں جماد
کوشش اور محنت سے راز کہتی ہے — وہ بے روح اُس کو زندہ نظر آتا ہے

حی و قایم داند او آں خاک را — خوش نگر ایں عشق ساحرناک را
وہ اُس مٹی کو زندہ اور قائم سمجھتی ہے — اِس جادوگر عشق پر غور کرے

پیشِ او ہر ذرۂ آں خاکِ گور — گوش دارد ہوش دارد وقتِ شور
اُس کے نزدیک قبر کی مٹی کا ہر ذرہ — شور کے وقت کان رکھتا ہے، ہوش رکھتا ہے

مستمع داند بجد آں خاک را — چشم و گوشے داند او خاشاک را
وہ واقعی طور پر اُس مٹی کو سننے والا سمجھتی ہے — وہ مٹی کے کان اور آنکھ سمجھتی ہے

آں چناں بر خاکِ گورِ تازہ او — دمبدم خوش می نہد با اشک رُو
وہ نئی قبر کی مٹی پر اِس طرح — لمحہ بہ لمحہ اشک آلود چہرہ مستعدی سے رکھتی ہے

کہ بوقتِ زندگی ہرگز چناں — رُوئے ننہادہ است بر پُورِ چو جاں
کہ زندگی کے وقت اِس طرح کبھی بھی — جان جیسے بیٹے پر چہرہ نہیں رکھا

از عزا چوں چند روزے بگذرد[لـه] — آتشِ آں عشقِ او ساکن شود
جب سوگ کے چند روز گزر جائیں — اُس کی محبت کی آگ ٹھنڈی پڑ جاتی ہے

عشق بر مُردہ نباشد پائدار — عشق را بر حیِّ جاں افزائے دار
مُردے سے عشق پائدار نہیں ہوتا ہے — زندہ، جان بڑھانے والے سے عشق کر

بعد از آں زاں گور خود خواب آیدش — از جمادے ہم جمادی زایدش
اُس کے بعد خود اُس کو اُس قبر سے نیند آنے لگتی ہے — اُس بے روح سے بے حسی پیدا ہو جاتی ہے

زانکہ عشق افسونِ خود بر بود و رفت — ماند خاکستر چو آتش رفت تفت
کیونکہ عشق اپنا منتر لے گیا اور چل دیا — جب آگ تیزی سے جل گئی، راکھ رہ گئی

لغه راز. عاشق اپنے درد کے سینکڑوں راز اُس فرضی تصویر سے اِس طرح بیان کرتا ہے جیسا کوئی دوست دوست سے بیان کرے۔ تے نفس الامر میں کچھ بھی نہیں ہے اور یہ عاشق کی فرضی تصویر سے سینکڑوں سوال و جواب کرتا ہے۔ الست. یعنی عہد۔ بلیٰ یعنی اقرار۔ آنچناں۔ اگر کسی عورت کا بچہ مر جائے تو وہ اُس کی قبر سے باتیں کرتی ہے۔ حی۔ ماں کا عشق اُس بچہ کو زندہ اور تندرست دکھاتا ہے یہ بھی عشق کی جادوگری ہے۔

سے پیش او۔ ماں جب بچہ کی قبر پر جا کر نالہ و شیون کرتی ہے تو وہ سمجھتی ہے کہ قبر کا ذرہ ذرہ سُن رہا ہے۔ چشم۔ یہ بھی سمجھتی ہے کہ قبر کی مٹی کے آنکھ اور کان بھی ہیں اور قبر سے اِس طرح چمٹتی ہے کہ بچہ سے زندگی میں ایسی کبھی نہ چمٹی ہوگی۔

سله از عزا۔ سوگ، مصیبت، صبر یعنی چند دن کے اندر وہ جوش ٹھنڈا پڑ جاتا ہے۔ عشق۔ مولانا فرماتے ہیں یہ اُس عشق کی کیفیت ہے جو مُردے سے ہو خدا کے عشق کی آگ کبھی ٹھنڈی نہیں ہوتی ہے۔ بعد ازاں۔ کچھ دن بعد یہ حالت ہوتی ہے وہ ماں اُسی قبر کے پاس آکر آرام سے سو جاتی ہے۔ زانکہ۔ وہ اُس کی حالت عشق کی جادوگری تھی عشق ختم ہوا تو آگ ختم ہو کر راکھ رہ گئی۔ آنچہ۔ جماد سے مراد وہ شخص ہے جو حقائق تک نہ پہنچا ہو اور یہاں سے مراد حضرت حق تعالیٰ کی جانب

آنچہ بیند آں جواں در آئینہ — پیر اندر خشت بیند آں ہمہ

جوان جو کچھ آئینہ میں دیکھتا ہے — پیر اینٹ میں وہ سب کچھ دیکھتا ہے

پیر عشقِ تست نے ریشِ سپید[2] — دستگیرِ صد ہزاراں نا اُمید

عشق تیرا پیر ہے، نہ سفید داڑھی — جو لاکھوں مایوسوں کا دستگیر ہے

عشق صُوَرتہا بسازد در فراق — تا مُصَوَّر سر کند وقتِ تلاق

عشق، جدائی میں تصویر بناتا ہے — یہاں تک کہ ملاقات کے وقت تصویر رُونما ہوجاتی ہے

کہ منم آں اصلِ اصلِ ہوش و مست — بر صُوَرہا عکسِ حُسنِ ما بُدست

کہ ہوش اور مست کا اصلِ اصول میں ہوں — صورتوں پر ہمارے ہی حُسن کا عکس تھا

پردہا را ایں زماں برداشتم — حُسن را بے واسطہ بفراشتم

اب میں نے پردے اُٹھا دیئے ہیں — میں نے حُسن کو بے واسطہ جلوہ گر کر دیا ہے

زانکہ[3] بس با عکسِ من دریافتی — قُوّتِ تجریدِ ذاتم یافتی

کیونکہ تو نے مجھے عکس کے ساتھ بہت پا لیا ہے — (اب) تو نے میری ذات کو مجرّد کرنے کی قُوّت حاصل کرلی ہے

چوں ازیں سو جذبۂ من شُد رواں — او کشش را می نہ بیند درمیاں

جب اِس جانب سے میرا جذبہ روانہ ہوا — وہ کشش کو درمیان میں نہیں دیکھتا ہے

مَغفرت[4] میخواہد از جُرم و خطا — از پسِ آں پردہ از لُطفِ خدا

وہ جرم اور خطا کی معافی چاہتا ہے — خدا کی مہربانی سے اُس پردے کے بعد

چوں ز سنگے چشمہ جاری شود — سنگ اندر چشمہ مُتواری شود

جب کسی پتھر سے چشمہ بہہ پڑتا ہے — پتھر چشمہ میں چھپ جاتا ہے

کس نخواند بعد ازاں آں را حجر — زانکہ جاری شُد ازاں سنگ آں گہر

اس کے بعد اس کو کوئی پتھر نہیں کہتا — کیونکہ اِس پتھر سے وہ موتی بہہ پڑا ہے

کاسہا[6] داں ایں صُوَر را اندرو — آنچہ حق ریزد بداں گیرد گُلو

اِن شکلوں کو پیالے سمجھ اور اُن میں — حق (تعالیٰ) جو ڈالتا ہے اس سے وہ سیرابی حاصل کرتے ہیں

وہ شخص ہے جس کو حق کا کشف حاصل ہوگیا ہو پہلے نظر آتا تھا عشق حق وغیرہ سے کرو ابتدا تے ہیں کہ جس کو عشق حاصل ہوجاتا ہے اُسکو کشفی علوم ہوجاتے ہیں اُس کے کشف کی حالت یہ ہوتی ہے کہ جو سے آئینہ بننے کے بعد عوام کو جو کچھ اس میں نظر آتا ہے اُس کو وہ ہے کی اینٹ میں نظر آجاتا ہے۔

[2] پیر: پہلے شعر میں پیر کا لفظ آیا تھا اُس کی تشریح کرتے ہیں کہ پیر سے مراد عشق ہے سفید داڑھی والا مراد نہیں ہے۔ عشق: یہ عشق کی کارفرمائیاں ہیں کہ وہ فراق کی حالت میں معشوق کی تصویر دکھاتا ہے پھر ملاقات کے وقت صاحبِ تصویر سامنے آجاتا ہے ابتداءً سالک صورتوں سے دو چار ہوتا ہے پھر ذات کا مشاہدہ حاصل ہوتا ہے۔ آخر میں جب ذات

[5] حسنات الابرار سیّئات المقربین۔ نیک لوگوں کے حسنات مقربین بارگاہ کے اعتبار سے سیئات ہیں۔ پہلے چونکہ عبادت میں احسان کا اعلیٰ درجہ نہ تھا اُس نے مشاہدہ کے بعد اُس عبادت پر معافی کا خواستگار ہوتا ہے۔ چوں ز سنگے۔ جذب کشش کے ختم ہونے کی یہ مثال ہے کہ جس پتھر سے چشمہ جاری ہوتا ہے اور وہ پتھر پانی میں ڈوب جاتا ہے تو لگا ہوں سے اوجھل ہوجاتا ہے اور اب لوگ اس کو پتھر نہیں کہتے بلکہ پانی کا چشمہ کہتے ہیں۔

[6] کاسہا۔ عبادت میں ابتدائی صُوَر کے مشاہدہ کو بمنزلہ پیالوں کے سمجھانی ہیں

کا مشاہدہ ہوجاتا ہے تو وہ کہتی ہے کہ میں سب کی اصل ہوں اور صورتوں پر میرا عکس پڑ گیا تھا اب میں نے پردے اُٹھا دیئے ہیں اور بغیر کسی واسطے کے حسن کا مشاہدہ کرا دیا گیا ہے کیونکہ عکوس میں مشاہدہ کے بعد پھر درجہ تمامیں یہ طاقت ہوجاتی ہے کہ وہ بغیر واسطہ کا مشاہدہ کر سکے حدیث شریف میں ہے اَلْاِحْسَانُ اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ فَاِنْ لَّمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَاِنَّهٗ يَرَاكَ صوفیاء کے نزدیک اس حدیث کے معنی یہ ہیں کہ احسان یہ ہے کہ تو عبادت اس طریقہ پر کرے گویا تو ذات کا مشاہدہ کر رہا ہے اگر تو اول درجہ یعنی فانی ہی گیا تو اُس ذات کو دیکھے گا وہ بیشک تجھے دیکھتا ہے وہ اگر چہ تیری شفاعت کرتا ہے پھر اُس عبادت میں جدائی مراتب بھی جذب و کشش خاندانی سے ہوا کیونکہ یہ جذب و کشش بھی عابد کی

شرح

یہاں سے مولانا قصۂ ایاز کی طرف پھر رجوع فرماتے ہیں جو کہ ربع ثانی میں گذر چکا ہے اور کہتے ہیں کہ بادشاہ نے ایاز سے دریافت کیا کہ اے ایاز! تیری جوتیوں سے ایسی محبت! جیسے کہ کوئی معشوق پر عاشق ہوتا ہے کیوں ہے؟ اور اس کا سبب کیا ہے تو نے تو ان لیتروں کو یوں اپنا دین و مذہب بنالیا ہے جیسے مجنوں نے رخ لیلیٰ کو۔ کہ تو نے ان سے بجان و دل محبت کر کے ان کو اپنے حجرہ میں لٹکا رکھا ہے آخر یہ بات کیا ہے۔ آخر تو ان پرانے لیتروں سے کب تک گفتگو کرتا رہے گا اور ایک بے حس و حرکت شے سے کب تک اپنے اسرار بیان کرتا رہے گا۔ جس طرح عرب منازلِ محبوب اور اسکی کھنڈروں سے گفتگو کیا کرتے ہیں۔ تو اپنی عشق کی بناپر ان سے گفتگو کو طول دیتا ہے تو بتلا تو سہی یہ تیرے لیترے کس باعظمت شخص کی یادگار ہیں اور تیرا پوستین کس یوسف کا کرتہ ہے تیری حالت تو ایسی ہے جیسے کوئی نصرانی جو کہ اپنے پادری کے سامنے اپنے سال بھر کے گناہوں زنا، چوری اور دیگر نقصانات کو بیان کرتا ہو۔ تاکہ وہ اس کے گناہوں کو معاف کر دے۔

اب مولانا فرماتے ہیں کہ وہ اسلئے کرتا ہے کہ وہ اس کی معافی کو خدا کی معافی سمجھتا ہے حالانکہ اسکو نہ اسکی نیکیوں کی خبر ہوتی ہے نہ بدیوں کی۔ مگر عشق و اعتقاد بُری بلائیں وہ اسکو عالم الغیب وغیرہ ظاہر کرتے ہیں اور اسکو مجبور کرتے ہیں کہ وہ اسکے سامنے اپنے گناہوں کا اعتراف کرے اسکی معافی کا خواستگار ہو ــــ بات یہ ہے کہ محبت عجیب چیز ہے کہ یہ ایک نہایت ہی مکروہ شے کو خیال میں سینکڑوں یوسفوں کے برابر حسین ظاہر کرتی ہے اور وہ ہاروت و ماروت سے بھی زیادہ جادوگر ہے اور ان سے زیادہ اشیائے غیرواقعیہ کو واقعیہ دکھلاتی ہے۔ محبت محبوب کے خیال میں تمہارے سامنے ایک صورت بنادیتی ہے اور وہ صورت اپنی کشش سے تمہیں گویا کرتی ہے۔ بنا بریں تم اس صورت کے سامنے لاکھوں اسرار یوں بیان کرتے ہو جیسے عاشق اپنے معشوق کے سامنے کیا کرتا ہے حالانکہ نہ وہاں واقع میں کوئی صورت ہوتی ہے نہ جسم۔ اور اسکی تمہارے خیال میں سینکڑوں سوالات مع جوابات پیدا ہوتے ہیں اور تم اسے واقع میں سائل اور محبت سمجھتے ہو۔ اور تم اسکی یوں سوال و جواب کرتے ہو جیسے کہ

ایک مادر مشفقہ اپنے عنقریب مرے ہوئے بچے کی گور پر گیا کرتی ہے وہ وہاں جا کر اپنی پوری کوشش سے اسرار بیان کرتی ہے اور وہ بے حس و حرکت شے اُسے زندہ معلوم ہوتی ہے اور وہ اس خاک کو حی و قائم سمجھتی ہے۔ اب تم اس جادوگر عشق کی حالت کو غور سے دیکھو کہ یہ کیا جادو کرتا ہے اور کس طرح آدمی کی عقل کو معطل اور وہم کو غالب کرتا ہے۔ اس ماں کے نزدیک قبر کی مٹی کا ہر ذرہ اسکی آہ و زاری کے وقت سامع اور فہیم ہوتا ہے اور وہ واقع میں اس خاک کو سامع سمجھتی ہے اور اس خاشاک کو وہ ہمہ تن چشم و گوش جانتی ہے۔ بنابریں وہ اپنے بچہ کی نئی قبر کی مٹی پر رو کر یوں متوجہ ہوتی ہے کہ اسنے اس کی زندگی کی حالت میں اس کیطرف کبھی یوں توجہ نہ کی تھی۔ لیکن جب اس سانحہ کو کچھ دن ہو جاتے ہیں تو اسکے عشق کی آگ ٹھنڈی ہو جاتی ہے اور یہ شور و شر اور غلبۂ خیال سب رفوچکر ہو جاتا ہے!

پس تم اس واقعہ سے سبق لو اور سمجھو کہ مُردوں (خواہ حالاً مُردے ہوں یا مآلاً) کا عشق قائم نہیں رہتا۔ پس تم ان سے دل نہ لگاؤ اور اسسے لو لگاؤ جو آئندہ رہے گا۔ نہ صرف خود ہی زندہ رہے گا۔ بلکہ تمہارے اندر حیات بڑھائے گا۔ خیر یہ تو جملہ معترضہ تھا اب سمجھو! کہ جب اس سانحہ کو زیادہ دن ہو جاتے ہیں تو ماں پر غفلت طاری ہو جاتی ہے اور اس جماد سے اس میں جمادیت پیدا ہو جاتی ہے اور وہ بے حس ہو جاتی ہے کیونکہ یہ شور و شر عشق کا اثر تھا۔ عشق اپنا کرشمہ دِکھلا گیا اور چلتا ہُوا۔ اور جب آگ جاتی رہے تو اب ٹھنڈی راکھ رہ گئی۔

اب سمجھو! کہ جوان (ناتجربہ کار) جس چیز کو آئینہ میں دیکھتا ہے (پیر و تجربہ کار) اسکو اسی وقت دیکھ لیتا ہے جبکہ آئینہ مکمل بھی نہیں ہوتا یعنی ناقصین تو عشق فانیات کی برائی اسکے زوال کے بعد معلوم ہوتی مگر اہلِ کمال کو اس کا قبح اسکے وجود سے معلوم ہوتا ہے اور اس بنا پر وہ فانیات سے دل ہی نہیں لگاتے۔

اس مضمون کو یہاں تک پہنچا کر آگے بمناسبت پیر اندر خشت بیند الخ ایک دوسرے مضمون کی طرف انتقال فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اصل پیر تو تمہارا عشق ہے جو کہ سینکڑوں ناامیدوں کی دستگیری کرتا اور ان کو مطلوب حقیقی تک پہنچاتا ہے نہ کہ

سفید ڈاڑھی والا شخص۔ پس تم عشق حق سبحانہٗ اختیار کرد۔ یاد رکھو کہ عشق حقیقی کی حالت یہ ہوتی ہے کہ جب تک محبوب حقیقی تک رسائی نہیں ہوتی اس وقت تک تو وہ مطلوب حقیقی کو طالب کے سامنے مختلف صورتوں میں جلوہ گر کرتا ہے (جو کہ اس کے لئے ایسے ہوتے ہیں جیسے نصاریٰ کے لیے قِسّیسین) یہاں تک کہ ایک وقت اس کو وصال ہوتا ہے اور مطلوب حقیقی جس کی صورتیں اس نے اپنے خیال میں تراش رکھی تھیں۔ اس کے سامنے جلوہ گر ہوتا ہے اور کہتا ہے کہ ہر ہوش اور بے ہوشی کی اصل الاصل میں ہوں۔ اور ان صورتوں میں جس قدر بھی حُسن ہے وہ میرے ہی حُسن کا پرتو ہے اب میں نے حجابات اُٹھا دیئے ہیں اور تمہارے سامنے حُسن کو بے پردہ جلوہ گر کر دیا ہے چونکہ تم میرے خیال میں اپنی خیالی صورتوں پر بہت کچھ عاشق رہ چکے ہو۔ اسلئے اب تمہارا عشق پختہ ہو گیا ہے اور میری ذات مجردہ کے مشاہدہ کی استعداد تم میں پیدا ہو گئی ہے۔

لو اب دیکھو! القصہ جب جذبۂ حق سبحانہٗ اپنا کام کرتا ہے تو پھر وہ اپنے صُوَرِ خیالیہ کو جو کہ غیریت حق سبحانہٗ فی الواقع اور الوہیت فی الخیال میں بمنزلہ قسیسین کے تھیں۔ درمیان سے اُٹھ جاتی ہیں اور طالب ان کو درمیان میں نہیں دیکھتا اس وقت وہ رفع حجابات کے بعد براہِ راست حق سبحانہٗ سے اپنے جرائم کی معافی چاہتا ہے جیساکہ اس سے قبل وہ ان صور خیالیہ سے چاہتا تھا جو کہ اس کے لیے بمنزلہ قسیسین کے تھیں۔

اب ہم ایک شُبہ کا ازالہ ضروری سمجھتے ہیں۔ تقریر شُبہ یہ ہے کہ جب یہ عاشق قبل وصال صورِ غیر خدا کی پرستش کرتا تھا تو اس کو مُشرک ہونا چاہیئے یہ تو شبہ تھا اب ہم جواب دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جب کسی پتھر سے چشمہ جاری ہوتا ہے اور وہ پتھر اس میں مستور ہو جاتا ہے تو پھر اسے کوئی نہیں پتھر کہتا۔ بلکہ چشمہ کہتے ہیں کیونکہ اس سے پانی جاری ہو گیا ہے جس نے اُسے چُھپا لیا ہے۔ جب یہ امر معلوم ہو گیا تو اب سمجھو کہ یہ صُورِ خیالیہ تو بمنزلہ پیالے کے ہے۔ حق سبحانہٗ ان میں جس قدر اپنا حُسن ڈالتے ہیں اس سے انکے

علو مرتبت حاصل ہوتا ہے اور اسی حسن کی بنا پر وہ مطلوب ہوتے ہیں نہ کہ من حیث ھی، اور اس حیثیت سے وہ غیر خدا نہیں ہیں۔

[فائدہ: اس پر اگر یہ شبہ کیا جائے کہ مشرکین کی طرف سے بھی یہی جواب ہو سکتا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ ان کی طرف سے یہ جواب نہیں ہو سکتا وجہ اسکی یہ ہے کہ اصل تو یہ ہے کہ ذات حقہ حقیقیہ کی پرستش کی جائے اور کسی ایسی شے کی پرستش نہ ہو جس میں یہی وجہ بھی غیریت ہو اسی لیے حق سبحانہ نے پرستش اغیار کی ممانعت فرمائی ہے۔ مگر حق سبحانہ کی صور خیالیہ سے ناقصین کے لیے احتراز ناممکن تھا و لایکلف اللہ نفسا الا وسعھا۔ بنا بریں اس نے اپنے صور خیالیہ کے پرستش کو اپنی پرستش قرار دیا اور ان کو معذور سمجھا۔ اور بتوں وغیرہ کی پرستش سے اجتناب ممکن تھا اسلیے ان کی پرستش کی ممانعت علیٰ حالہا باقی رہی اور عبدۃ اصنام کو معذور نہ قرار دیا۔ واللہ اعلم)

گفتنِ خویشاوندانِ مجنوں را کہ حسنِ لیلیٰ باندازہ ایست،

رشتہ داروں کا مجنوں سے کہنا کہ لیلیٰ کا معمولی حسن ہے زیادہ نہیں ہے ہمارے

چنداں نیست از و نغز تر در شہرِ ما بسیار ست یکے و دو و دہ

شہر میں اس سے بہتر بہت ہیں ہم ایک اور دو اور دس

بر تو عرضہ کنیم اختیار کن و ما را و خود را وا رہاں و جواب

تیرے سامنے پیش کرتے ہیں تو ان میں سے پسند کرلے اور ہمیں اور اپنے آپ کو نجات دے

گفتنِ مجنوں ایشاں را

اور ان کا مجنوں کو جواب دینا

ابلہاں گفتند مجنوں را ز جہل

بیوقوفوں نے نادانی سے مجنوں سے کہا

حسنِ لیلیٰ نیست چنداں ہست سہل

لیلیٰ کا حسن زیادہ نہیں ہے، معمولی ہے

بہتر از وے صد ہزاراں دلربا

اس سے زیادہ حسین لاکھوں معشوق

ہست ہمچوں ماہ اندر شہرِ ما

ہمارے شہر میں چاند جیسے ہیں

نازنیں تر زو ہزاراں حور وش

حوروں جیسے اس سے زیادہ نازو انداز والے

ہست بگزیں زاں ہمہ یکیارِ خوش

موجود ہیں، ان سب میں ہر ایک حسین یار منتخب کرلے

گفتنی

مجنوں کی اس گفتگو سے یوں سمجھا ہے کہ بظاہر ظاہر کے شخص کے اعتبار سے نام اور ننگ اختیار کرتے ہیں۔ ا... [illegible] کچھ بیوقوفوں نے مجنوں کو ملامت کرنی شروع کردی اور کہا کہ لیلیٰ کا معمولی حسن ہے تو اس پر اس قدر فریفتہ کیوں ہے سہل بمعنی معمولی۔

کہ نازنیں۔ دوسرے سے مخفی نازو انداز اور حسن میں پہلے سے بہت بڑھے ہوئے ہیں۔

دارہاں خود را و مارا نیز ہم — **از چنیں سودای زشتِ متہم**

اپنے آپ کو اور ہمیں بھی نجات دے — ایسے بُرے متہم عشق سے

گفت صورت کوزہ است و حُسن مے — **مے خدایم میدہد از ظرفِ وے**

اُس نے کہا صورت پیالہ ہے اور حسن شراب ہے — مجھے اُس کے پیالے سے خدا شراب پلاتا ہے

مر شمارا سرکہ داد از کوزہ اش — **تا نباشد عشقِ اُو تاں گوش کش**

اُس کے پیالے سے تمہیں سرکہ دیا ہے — تاکہ اُس کا عشق تمہارے کان نہ کھینچے

از یکے کوزہ دہد زہر و عسل — **ہر یکے را دستِ حق عزّ و جل**

ایک ہی پیالے سے زہر اور شہد — اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ہر ایک کو عطا کرتا ہے

کوزہ می بینی و لیکن آں شراب — **رُوی ننماید بچشمِ ناصواب**

تو پیالہ دیکھتا ہے، لیکن وہ شراب — غلط آنکھ کو چہرہ نہیں دکھاتی ہے

قاصراتُ الطّرف باشد ذوقِ جاں — **جز بخصمِ خویش ننماید نشاں**

طبیعت کا ذوق نظر کو روکنے والیوں میں ہے — اپنے اہل کے سوا چہرہ نہیں دکھاتا ہے

قاصراتُ الطّرف باشد آں مُدام — **ویں حجابِ ظرفہا ہمچوں خیام**

وہ شراب نظر کو روکنے والیوں میں سے ہے — اور یہ پیالوں کا پردہ خیموں کی طرح ہے

ہست دریا خیمۂ در وے حیات — **بط را لیکن کلاغاں را ممات**

دریا ایک خیمہ ہے، اُس میں زندگی ہے — بطخ کی، لیکن کووں کی موت ہے

زہر باشد مار را ہم قوت و برگ — **غیر اُو را زہر اُو درد ست و مرگ**

زہر سانپ کی روزی بھی ہے اور ساز و سامان بھی — اُس کے غیر کے لئے اُس کا زہر درد اور موت ہے

صورتِ ہر نعمتے و محنتے — **ہست ایں را دوزخ آں را جنتے**

ہر نعمت اور محنت کی صورت — اِس کے لئے دوزخ ہے، اُسکے لئے جنت ہے

پس ہمہ اجسام اشیا تبصِرُوْن — **اندرو قوت ست و سم لا تبصِرُوْن**

پس تم تمام چیزوں کے جسم دیکھتے ہو — ان کے اندر روزی ہے اور زہر تم نہیں دیکھتے ہو

ہست ہر جسمے چو کاسہ و کوزہ — **اندرو ہم قوت و ہم دل سوزہ**

ہر جسم پیالے اور کٹورے کی طرح ہے — اُس میں روزی بھی ہے اور دل کا جلاوا بھی

کاسہ پیدا اندرو پنہاں رَغَد — **طاعمش داند کزاں چہ می خورد**

پیالہ ظاہر ہے، اُسمیں خوش عیشی پوشیدہ ہے — اُس کا کھانے والا جانتا ہے کہ اُس میں سے کیا کھاتا ہے

صورتِ یوسفؑ چو جامے بود خوب — **زاں پدر می خورد صد بادہ طرب**

(حضرت) یوسفؑ کی صورت ایک عمدہ جام تھی — باپ اُس سے سیکڑوں مست کرنیوالی شرابیں پیتے تھے

زہر چھپا ہوا ہے جس کو تم نہیں دیکھ پاتے ہو۔ ہر جسم کو اسی طرح سمجھو کہ کاسہ ظاہر ہوا ہے اُس کے باطن میں نعمت ہے جس کا نتیجہ استعمال کرنیوالا سمجھے گا۔ رغد۔ دست بیش صورت۔ حضرت یوسفؑ کی صورت ایک

دارہاں۔ تو دوسرے شہر اور قبیلہ کی لڑکی پر عاشق ہے جس کی وجہ سے تو اور ہمارا خاندان بدنام ہو رہا ہے۔ گفت۔ مجنوں نے کہا کہ لیلیٰ کی صورت تو ایک پیالہ ہے اور اُس سے خدا مجھے اپنی شراب پلا رہا ہے۔

سلہ مر شمارا۔ اسی پیالہ سے تمہیں سرکہ پلا رہا ہے تاکہ تمہیں اُس کے عشق کی فضیلت حاصل نہ ہو۔ از یکے۔ یہ عجائب قدرت میں سے ہے کہ قدرت ایک ہی پیالہ سے کسی کو زہر اور کسی کو شہد پلاتی ہے۔ کوزہ۔ تم لوگوں کو صرف صورت اور کوزہ نظر آرہا ہے چونکہ تمہاری نظریں صحیح نہیں ہیں تمہیں وہ شراب نظر نہیں آرہی ہے..... قاصراتُ الطّرف۔ جنتی حوروں کے بارے میں مذکور ہے... فِیْھِنَّ قَاصِرَاتُ الطَّرْفِ اور مذکور ہے حُوْرٌ مَّقْصُوْرَاتٌ فِی الْخِیَامِ یعنی وہ حوریں بجز شوہروں کے کسی دوسرے کی طرف نگاہ بھر کر بھی نہیں دیکھتی ہیں یہی حال عشق کا ہے وہ اہل کیطرف متوجہ ہوتا ہے۔ خصم۔ یعنی صاحب اہل۔

سلہ مُدام یعنی شرابِ عشق۔ حوریں خیموں کے اندر رہتی ہیں باہر نہیں نکلتی ہیں پس شرابِ عشق کے لئے برتن بمنزلہ حوروں کے خیموں کے ہیں۔ ہست دریا۔ ان اشعار کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک ہی چیز کسی شخص کے اعتبار سے مفید ہے کسی کے اعتبار سے مضر ہے۔ دریا بطخ کے لئے زندگی حیات ہے اور کوّے کی موت کا سبب ہے۔ زہر۔ سانپ کا زہر سانپ کے لئے زندگی کا اور

بازِ اِخواں را ازاں زہراب بُود — کاندر ایشاں زہرِ کینہ میفزُود

پھر بھائیوں کے لئے اُس میں زہریلا پانی تھا — جوان کے اندر کینے کا زہر بڑھا رہا تھا

بازؔ[1] از وَے مَر زلیخا را شکر — می کشید از عشق افیونِ دگر

پھر اُس میں سے زلیخا کے لئے شکر — عشق کے ذریعہ دوسری افیون نکالتی تھی

غیرِ آں چہ بُود مَر یعقوبؑ را — بُود از یوسفؑ غذا آں خوب را

اُس کے سوا جو (حضرت) یعقوبؑ کے لئے تھی — اُس حسین کے لئے یوسفؑ میں سے غذا تھی

گونہ گونہ شربت و کوزہ یکے — تا نماند در مئے غیبت شکے

طرح طرح کی شرابیں ہیں اور پیالہ ایک ہے — تاکہ تجھے غیب کی شراب میں شک نہ رہے

بادہ از غیبست و کوزہ زیں جہاں — کوزہ پیدا بادہ دروَے بس نہاں

شراب غیب کی ہے اور پیالہ اس جہان کا ہے — پیالہ ظاہر ہے اُس میں شراب بہت مخفی ہے

بسؔ[2] نہاں از دیدۂ نامحرماں — لیک بر محرم ہویدا و عیاں

نامحرموں کی آنکھ سے بہت پوشیدہ ہے — لیکن محرم پر ظاہر اور کھلی ہوئی ہے

یَا اِلٰھِیْ سُکِّرَتْ اَبْصَارُنَا — فَاعْفُ عَنَّا اُثْقِلَتْ اَوْزَارُنَا

اے میرے خدا ہماری بینائیاں مدہوش کر دی گئی ہیں — ہمیں معاف کر، ہمارے (گناہوں کے) بوجھ بھاری ہو گئے ہیں

یَا خَفِیًّا قَدْ مَلَاْتَ الْخَافِقَیْن — قَدْ عَلَوْتَ فَوْقَ نُوْرِ الْمَشْرِقَیْن

اے پوشیدہ! تو نے مشرق و مغرب کو پُر کر دیا ہے — تو دونوں مشرقوں کے نور سے بڑھ گیا ہے

اَنْتَؔ[3] سِرٌّ کَاشِفٌ اَسْرَارَنَا — اَنْتَ فَجْرٌ مُفْجِرٌ اَنْھَارَنَا

تو راز ہے، ہمارے بھیدوں کو کھولنے والا ہے — تو صبح کا سفیدہ ہے، ہماری نہروں کو جاری کرنے والا ہے

یَا خَفِیَّ الذَّاتِ مَحْسُوْسَ الْعَطَا — اَنْتَ کَالْمَاءِ وَنَحْنُ کَالرَّحَا

اے مخفی ذات والے، محسوس عطا والے — تو پانی کی طرح اور ہم پن چکی کی طرح ہیں

اَنْتَ کَالرِّیْحِ وَنَحْنُ کَالْغُبَار — تَخْتَفِی الرِّیْحُ وَغَبْرَاہُ جِھَار

تو ہوا کی طرح، اور ہم غبار کی طرح ہیں — ہوا پوشیدہ رہتی ہے اور اُس کا غبار ظاہر ہے

تو بہاری ما چو باغِ سبز و خوش — اُو نہان و آشکارا بخشش

تو موسم بہار ہے ہم سبز اور خوش باغ کی طرح ہیں — وہ پوشیدہ اور اس کی عطا کھلی ہوئی ہے

تو چو جانے ما مثالِ دست و پا — قبض و بسطِ دست از جاں شُد روا

تو جان کی طرح ہے ہم ہاتھ اور پاؤں کی طرح ہیں — ہاتھ کا بند ہونا اور کھلنا، جان سے ممکن ہوا

تو چوؔ[1] عقلی ما مثالِ ایں زباں — ایں زباں از عقل دارد ایں بیاں

تو عقل کی طرح ہے، ہم اس زبان جیسے ہیں — اس زبان کو عقل سے بیان حاصل ہوا ہے

تو مثالِ شادی و ما خندہ ایم — کہ نتیجہ شادیِ فرخندہ ایم

---

[1] باز۔ پھر زلیخا کو یوسفؑ سے شراب ملی وہ اس شراب کے علاوہ تھی جو حضرت یعقوبؑ نے پی۔ موتب۔ یعنی زلیخا۔ گرتہ۔ ایک پیالے سے مختلف قسم کی شرابیں حاصل ہوتی ہیں تاکہ غیبی شراب کے بارے میں کوئی شبہ نہ رہے۔

[2] بس نہاں پیالی شراب نامحرموں سے پوشیدہ ہے۔ سُکِّرَتْ۔ بند کر دی گئی ہیں یعنی ہماری نگاہیں صحیح کام نہیں کر رہی ہیں۔ اَبْصَار۔ بصر کی جمع ہے، بینائی۔ اَوْزَار۔ وزر کی جمع ہے، بوجھ گناہ۔ یَا خَفِیًّا۔ حضرت حق تعالیٰ کی ذات مخفی ہے لیکن کائنات کو محیط ہے۔ اَلْخَافِقَیْن۔ مشرق و مغرب۔ اَلْمَشْرِقَیْن۔ یعنی جاڑوں کے زمانے کی مشرق اور گرمیوں کے زمانے کی مشرق۔

[3] اَنْتَ۔ اے خدا تو مخفی اور راز ہے لیکن ہمارے راز تجھ سے چھپے ہوئے نہیں ہیں۔ اَنْتَ فَجْرٌ۔ فجر صبح کا سفیدہ، پانی کو جاری کرنا۔ رَحَا۔ پن چکی۔ غَبْرَاہ۔ غبار۔ تو بہاری۔ باغ کی بہار دراصل موسم بہار کی وجہ سے ہے۔ اُو نہان۔ اسی لئے حدیث میں آیا ہے تَفَکَّرُوْا فِی آلَاءِ اللّٰہِ وَلَا تَتَفَکَّرُوْا فِیْ ذَاتِہٖ۔ اللہ کی نعمتوں میں غور کیا کرو اس کی ذات میں غور نہ کیا کرو۔ تو چو جانے جس طرح جان اور روح مخفی ہے لیکن ہاتھ پاؤں کے لئے وہ محرک ہے یہی صورت حضرت حق تعالیٰ اور کائنات کی ہے۔

[1] تو چو عقلی۔ زبان کو عقل گویا بناتی ہے۔ تو مثال جس

خوشی کی طرح ہے اور ہم ہنسی ہیں — کیونکہ ہم مبارک خوشی کا نتیجہ ہیں

جنبشِ ما ہر دمے خود اشہدست — **کو گواہِ ذو الجلالِ سرمدست**

ہماری حرکت ہر وقت خود بڑا گواہ ہے — کیونکہ وہ ہمیشہ رہنے والے ذو الجلال کی گواہ ہے

گردشِ سنگِ آسیا در اضطراب — **اشہد آمد بر وجودِ جوئے آب**

پن چکی کے پتھر کی گردش، بے قراری میں — نہر کے پانی پر بڑا گواہ ہی

اے[۱] بروں از وہم و قال و قیلِ من — **خاک بر فرقِ من و تمثیلِ من**

اے وہ! جو کہ میرے وہم اور بات چیت سے باہر ہے — میری سر کی مانگ اور مثال دینے پر خاک

بندہ نشکیبد ز تصویرِ خوشت — **ہر دمے گوید کہ جانم مفرشت**

تیرے حسین تصور پر بندہ صبر نہیں کر سکتا ہے — ہر لمحہ کہتا ہے کہ میری جان تیرا فرش ہو

ہمچو آں چوپاں کہ میگفت اے خدا — **پیشِ چوپانِ محبِ خود بیا**

اس گڈریے کی طرح جو کہہ رہا تھا اے خدا! — اپنے عاشق گڈریے کے سامنے آجا

تا شپش جویم من از پیراہنت — **چارقت دوزم ببوسم دامنت**

تاکہ میں تیرے کپڑوں میں سے جوئیں پاؤں — تیرا چپل سی دوں، تیرا دامن چوموں

کس[۲] نبودش در ہوا و عشق جفت — **لیک قاصر بود از تسبیح و گفت**

محبت اور عشق میں کوئی اس جیسا نہ تھا — لیکن تسبیح اور گفتگو میں کوتاہ تھا

عشقِ او خرگاہ بر گردوں زدہ — **جاں سگِ خرگاہِ آں چوپاں شدہ**

اس کے عشق نے آسمان پر خیمہ گاڑ رکھا تھا — جان، اس گڈریے کے خیمہ کا کتا بن گئی تھی

چونکہ بحرِ عشقِ یزداں جوش زد — **بر دلِ او زد ترا بر گوش زد**

جب اللہ (تعالیٰ) کے عشق کے سمندر نے جوش مارا — اس کے دل سے ٹکرایا، تیرے کان سے ٹکرایا

طرح مسکراہٹ خوشی کا نتیجہ ہے اسی طرح ہم سب حضرت حق تعالیٰ کی شئوں کے مظاہر ہیں۔ جنبش۔ ہماری حرکات حضرت حق تعالیٰ کے وجود کی گواہ ہیں۔ گردش۔ پن چکی کے پاٹ کی حرکت نہر کے پانی کے وجود کی گواہ ہے۔ اشہد۔ زیادہ گواہ۔

[۱] اے بروں۔ حضرت حق تعالیٰ کی ذات وہم و قیاس سے بالاتر ہے لہٰذا اسکی کوئی مثال اس کے مطابق نہیں ہے۔ بندہ۔ مثالیں دینے کی مجبوری یہ ہے کہ بندہ محض تصور پر صبر نہیں کرتا ہے مزید وضاحت چاہتا ہے۔ ہمچو۔ حق تعالیٰ کے لئے مثالوں کی یہی حقیقت ہے جس طرح گڈریئے نے حق کی ذات کی تعبیر کی تھی شپش۔ جوں۔ چارق۔ چپل۔

[۲] کس نبودش۔ اس گڈریئے کی تعبیرات اگرچہ غلط تھیں لیکن اللہ تعالیٰ سے اس کا عشق بے مثال تھا۔ عشق او کے عشق کا مقام عالی بالا تھا اور جان جیسی معزز چیز اس کے خیمہ کا کتا بنی ہوئی تھی چونکہ عشق کا اثر اس کے دل پر تھا تیرے صرف کان پر ہے۔

شرح اب مولانا کا سہادا ان این صور الخ کی مناسبت سے مجنون کا قصہ بیان کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ احمقوں نے اپنی حماقت سے مجنوں سے کہا کہ لیلیٰ کا حسن تو اس قدر نہیں ہے کہ اس کے لیے آدمی یوں دیوانہ ہو جائے وہ تو بہت معمولی ہے اس سے بہتر ہمارے یہاں سینکڑوں معشوق ہیں جو کہ حسن میں چاند کے مثل ہیں اور اس سے زیادہ نازنین ہزاروں حوروش ہیں تو ان میں سے کسی کو چھانٹ لے اور اس بے ہودہ جنون سے جو بدنامی کا باعث ہے اپنے کو بھی نجات

سے اور ہمیں بھی اس نے جواب دیا کہ صاحبو سنو! صورت ایک پیالہ ہے اور حسن شراب خدا مجھے اسی کے پیالہ سے شراب پلاتا ہے اور مجھے اسی کے حسن سے لذت ملتی ہے تم کو اس کے حسن سے لذت حاصل نہیں ہوتی ۔ اسلئے یوں کہا جائے گا کہ تمہیں خدا اس پیالہ سے بجائے شراب کے سرکہ پلاتا ہے اس کا نتیجہ ہے کہ اس کا عشق تمہارے کان پکڑ کر اس کی طرف نہیں لے جاتا۔

اب مولانا فرماتے ہیں کہ حق سبحانہٗ بڑے کامل القدرت ہیں وہ اپنی قدرت کاملہ سے مختلف لوگوں کو ایک ہی پیالہ سے شراب بھی پلاتے ہیں ۔ اور سرکہ بھی یعنی کوئی مخلوقات میں تجلیات حق کا مشاہدہ کرلیتا ہے اور کوئی اس کا مشاہدہ نہیں کرسکتا چنانچہ تم پیالہ تو دیکھتے ہو مگر شراب حسن الٰہی تمہاری غلط بیں آنکھ سے مخفی ہے اور اُسے دکھلائی نہیں دیتی ۔ اسلئے تمہیں ان سے لطف روحانی حاصل نہیں ہوتا۔

اصل بات یہ ہے کہ لطف روحانی ان حوروں کے مشابہ ہے جو کہ اپنی نظر صرف اپنے شوہروں تک محدود رکھتی ہیں اور اجنبی آدمی پر نظر نہیں ڈالتیں ۔ بنا بریں وہ اپنے اہل کے سوا دوسرے کو اپنا پتہ نہیں دیتا۔ نیز شراب حسن الٰہی بمنزلہ اُنہی حوروں کے ہے جو کہ اپنی نظر کو صرف شوہروں تک محدود رکھتی ہیں ۔ اور ظروف صور اس کے لیے بمنزلہ خیموں کے ہیں۔

بنا بریں نا اہلوں کی اس شراب تک رسائی نہیں ہوتی اور خیمہ ہائے صور دریا کے مشابہ ہیں جو کہ بطون کے لیے موجبِ حیات ہوتا ہے اور کودن کے لیے موت ۔ اسلئے صور محسوسات اہل اللہ کے لیے حیات روحانی ہیں اور محجوبوں کے لیے موت روحانی کا سبب ہیں ۔ اور یہ کچھ بعید نہیں ۔ دیکھو! زہر سانپ کے لیے غذا اور سامانِ عیش ہوتا ہے مگر دوسروں کے لیے موجب تکلیف و موت ہوتا ہے ۔

علیٰ ہٰذا ہر نعمت اور ہر تکلیف کسی کے لیے دوزخ اور موجبِ اذیت ہے اور کسی کے لیئے جنت اور موجبِ راحت ۔ القصہ تم جس قدر اجسام یا اشیاء دیکھتے ہو ۔ ان میں غذا بھی ہے اور زہر بھی ۔ مگر تمہیں ان میں دو چیزیں

نظر نہیں آتیں۔

اب ہم اس مضمون کو ثابت کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ دیکھو! ہر جسم بمنزلہ ایک پیالہ اور کے ہے۔ جس میں غذا بھی ہے اور اذیت قلبی بھی اور کاسہ تو ظاہر ہے۔ مگر شراب یا نعمت وغیرہ اس میں پوشیدہ ہے جس کو ہر ایک نہیں دیکھ سکتا جو اسکو کھاتا ہے وہ جانتا ہے کہ اس میں کیا ہے اور وہ کیا کھا رہا ہے پس جو ان سے لذت حاصل کرتا ہے وہ جانتا ہے کہ اس میں لذت ہے اور جو اس سے تکلیف اُٹھاتا ہے وہ سمجھتا ہے کہ اس میں اذیت ہے چنانچہ صورت یوسف علیہ السلام ایک عمدہ پیالہ کے مثل تھی پس ان کے باپ تو اس سے سینکڑوں مست کُن شرابیں پیتے تھے۔ اب بھائیوں کی حالت سُنو۔ بھائیوں کو اس سے زہریلا پانی ملتا تھا جو کہ ان کے اندر زہر کینہ بڑھاتا تھا۔

اچھا اب زلیخا کی حالت سُنو۔ زلیخا کو اس پیالہ سے شکر ملتی تھی۔ اور وہ اس کے عشق سے ایک اور ہی افیون کھاتی تھی اور اس سے اس کے اندر ایک اور ہی نشہ پیدا ہوتا تھا جو کہ اس نشہ کے مغائر تھا جو اس سے یعقوب علیہ السلام کو حاصل ہوتا تھا (کیونکہ زلیخا کا عشق شہوانی تھا برخلاف یعقوب علیہ السلام کے) اور یوسف علیہ السلام سے اس کو بھی ایک طرح کی غذا ملتی تھی۔ (گو وہ اس غذا کے مغائر تھی جو ان سے یعقوب علیہ السلام کو ملتی تھی) پس کوزہ ایک تھا مگر اس سے مختلف لوگوں کو مختلف شربت ملتے تھے۔ اب تم کو شراب پینے کے بارہ میں شک نہ رہنا چاہیئے اور تم کو خیال نہ کرنا چاہیئے کہ اس کے آثار کیونکر مختلف ہوسکتے ہیں۔

الغرض کوزہ تو ناسوتی ہیں مگر ان میں شراب غیبی بھری ہوئی ہے اور کوزہ محسوس ہیں۔ مگر شراب ان میں نہایت مخفی ہے۔ یعنی نامحرموں کی آنکھوں سے مخفی ہے لیکن محرموں کے لیے نہایت واضح اور ظاہر ہے۔ بنا بریں وہ بے تکلف ان میں تجلیات حق سبحانہٗ کا مشاہدہ کرتے ہیں ــــ اب مولانا مناجات فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اے اللہ! ہماری آنکھیں سست اور بے ہوش ہوگئیں ہیں کہ اسلئے تیرے جمال کا مشاہدہ نہیں

کرسکتیں پس ہمیں معاف کر دے ہمارے گناہوں کا بوجھ بہت ہوگیا ہے تاکہ یہ مانع دور ہوکر ہم کو تیرے جمال کا مشاہدہ نصیب ہوسکے اے خفی الذات ! تونے اپنے نور سے مشرق و مغرب کو پُر کر دیا ہے اور تو ظہور میں نور مشرقین سے بھی بڑھ گیا ہے تو ذات کے لحاظ سے پوشیدہ ہے مگر ہمارے اسرار کو ظاہر کرنیوالا ہے اور تو آثار کے لحاظ سے صبح روشن ہے اور ہماری خشک نہروں کو اپنے کمالات کے آب سے جاری کرنیوالا ہے اے خفی الذات ! اور محسوس العطاء تو مثل پانی کے ہے اور ہم مثل چکّی کے پاٹوں کے ہیں اور تو مثل ہوا کے ہے اور ہم بمنزلہ غبار کے ہیں کیونکہ ہوا مخفی ہوتی ہے مگر اسکا غبار ظاہر ہوتا ہے۔ علیٰ ہٰذا جو کہ ہم مثل غبار کے ہیں ظاہر ہیں۔ اور تو جو کہ مثل ہوا کے ہے مخفی ہے۔ یا یوں کہو کہ تو بمنزلہ بہار کے ہے اور ہم بمنزلہ سرسبز اور شاداب باغ کے۔ کیونکہ بہار غیر ظاہر ہوتے ہیں اور اس کی عطا ظاہر۔ یوں ہی تو مخفی ہے اور ہم جو کہ تیرے عطا ہیں ظاہر ہیں۔ یا یوں کہو کہ تو بمنزلہ جان کے ہے اور ہم مثل ہاتھ پاؤں کے۔ کیونکہ ہاتھ پاؤں کا کھلنا اور ان کا بند ہونا روح کے ہی سبب ہوتا ہے یوں ہی ہماری حرکات بھی تیرے ہی ذریعہ سے ہیں۔ یا یوں کہو کہ تو بمنزلہ عقل کے ہے اور ہم مثل زبان کے اسلئے کہ زبان کو گویائی عقل ہی سے حاصل ہوتی ہے۔ یوں ہی ہمارے آثار بھی تیرے ہی ذریعہ سے ہیں۔ یا یوں کہو کہ تو بمنزلہ خوشی کے ہے اور ہم بمنزلہ ہنسنے کے۔ کیونکہ جس طرح ہنسی سے معلول ہوتی ہے خوشی کا۔ یوں ہی ہم تیرے معلول ہیں اور ہماری حرکات ہر وقت بزبانِ حال اشہد کہتی ہیں کیونکہ وہ گواہ ہیں ایک صاحبِ عظمت خدا کے وجود وغیرہ کے جس طرح کہ چکّی کے پتھر کی مضطربانہ حرکات شاہد ہوتی ہے وجود جوئے آب کی۔

یہاں تک بیان کرکے مولانا کو سُکر سے صحو ہوتا ہے اور فرماتے ہیں کہ اے میں کیا کہہ رہا ہوں۔ اے اللہ ! تو تو میرے وہم اور میری گفتگو کے احاطہ سے بالاتر ہے۔ میرے سر پر اور میرے مثالوں کے سر پر خاک پڑے۔ کجا ہیں اور میری مثالیں اور کجا تو۔ مگر اے اللہ ! غلام سے تیرے عمدہ تصوّر کے بغیر

صبر نہیں ہو سکتا۔ وہ تو ہر وقت یہی کہتا ہے کہ میری جان تیرا فرش ہو جس طرح وہ چوپاں کہتا تھا کہ اے اللہ! اپنے عاشق چوپاں کے پاس آ۔ تاکہ میں تیرے کرتہ میں جوئیں دیکھوں اور تیرے جوتے سیئوں۔ اور تیرا دامن چوموں اور یہ گفتگو اس کی بنا پر عشق و محبت تھی نہ کہ بغرض توہین و تنقیص۔ یوں ہی میں بھی جوش محبت میں اپنے حوصلہ کے مطابق تیری تصویر کھینچتا ہوں تو معاف کرنا۔ یہاں سے خطاب کا رُخ بدلتے اور فرماتے ہیں کہ عشق و محبت میں کوئی شخص اس چوپاں کا ہمسر نہ تھا۔ مگر بے چارہ تسبیح و تقدیس اور گفتار مناسب ذات پاک سے قاصر تھا اس کے عشق نے آسمان پر خیمہ گاڑا تھا اور وہ چوپاں بارگاہ حق سبحانہٗ کا یوں ہی مقرب ہو گیا تھا۔ جیسے کتا اُمراء کے خیموں کا مقرب ہوتا ہے۔ حالانکہ وہ فی نفسہٖ ایک ذلیل جانور ہوتا ہے جب یہ معلوم ہو گیا تو اب سمجھو جو کچھ وہ چوپاں کہتا تھا اُس کا منشا بھی عشق حق سبحانہٗ تھا اور جو تسبیح و تقدیس تم کرتے ہو۔ اس کا منشا بھی عشق الٰہی ہی ہے۔ مگر بات یہ ہے کہ جب بحرِ عشق حق سبحانہٗ جوش زن ہوا تو اُس نے اس کے دل پر اثر کیا اور تمہارے کانوں پر اثر کیا بنا بریں وہ وہی الفاظ کہتا تھا جو اس کے دل سے بے ساختہ اور بے تکلف اور جوش محبت سے نکلتے تھے اور تم وہ الفاظ کہتے ہو۔ جو تمہارے کانوں کو بھلے معلوم ہوں۔ دل سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہے پس چونکہ اُس کی تعریف دل سے تھی اور تمہاری زبان سے اسلئے وہ مقرب ہوا۔ اور تم دور رہے۔

حکایت جوحی کہ چادر پوشیدہ در وعظ میان زنان نشست و حرکتے کرد زنے او را بشناخت کہ مرد ست و نعرہ بزد

جوحی کا قصہ جو کہ چادر اوڑھ کر وعظ میں عورتوں کے درمیان بیٹھ گیا اور اُس نے ایسی حرکت کی کہ ایک عورت نے اُس کو پہچان لیا کہ مرد ہے اور اُس نے نعرہ مارا

حکایت۔ اس حکایت سے یہ سمجھانا ہے کہ دل پر اور کسی دوسرے عضو پر اثر میں بہت بڑا فرق ہے۔ جوحی۔ ایک شخصیت ہے جس کی طرف بہت سے پُر مذاق لطیفے منسوب ہیں جیسی کہ اُردو ادب میں ملا دو پیازہ یا شیخ چلی۔

واعظے بد بس گزیدہ در بیاں

ایک واعظ تقریر میں بہت منتخب تھا

زیرِ منبر جمع مردان و زناں

(اسکے) منبر کے پاس مرد اور عورتیں جمع تھیں

رفت جوحی چادر و روبند ساخت — درمیانِ آں زناں شد ناشناخت

جوحی چلا، چادر اور نقاب پہنا — اُن عورتوں میں اَن جان ہو گیا

سائلے پرسید واعظ را براز — مُوئے عانہ ہست نقصانِ نماز

ایک سوال کرنے والے نے آہستہ سے واعظ سے دریافت کیا — زیرِ ناف کے بال نماز کے نقصان کا باعث ہیں؟

گفت[1] واعظ چوں شود عانہ دراز — پس کراہت باشد از وے در نماز

واعظ نے کہا جب زیرِ ناف کے بال بڑھ جائیں — تو اس سے نماز میں کراہت پیدا ہو جاتی ہے

یا بنورہ یا بُسترہ بسترشش — تا نمازت کامل آید خوب و خوش

چونے سے یا اُسترے سے اُن کو مونڈ دے — تاکہ تیری نماز بھلی اچھی مکمل ہو

گفت سائل آں درازی تا چہ حد — شرط باشد تا نمازم اکمل بود

سوال کرنے والے نے کہا، لمبائی کس حد تک — مناسب ہے تاکہ نماز مکمل ہو جائے؟

گفت چوں قدرِ جوے گردد بطول — پس ستردن فرض باشد اے سئول

اُس نے کہا، اگر جَو کی بقدر لمبے ہو جائیں — اے بھکڑ! مونڈنا فرض ہو جائے گا

پیشِ جوحی یک زنے بنشستہ بود — ہوش را بر وعظِ واعظ بستہ بود

جوحی کے آگے ایک عورت بیٹھی تھی — جس نے ہوش کو واعظ کے وعظ سے وابستہ کر دیا تھا

گفت جوحی زود اے خواہر ببیں — عانۂ من گشتہ باشد ایں چنیں

جوحی نے کہا، اے بہن! جلد دیکھ لے — میرے زیرِ ناف بال ایسے ہو گئے ہونگے

بہرِ خوشنودیِ حق پیش آر دست — کاں بمقدارِ کراہت آمدست

اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کیلئے ہاتھ بڑھا — کہ وہ کراہت کی بقدر ہو گئے ہیں!

دستِ زن در کرد در شلوارِ مرد — کیرِ اُو بر دستِ زن آسیب[3] کرد

عورت نے مرد کے شلوار کے اندر ہاتھ ڈالدیا — اُس کے خایہ نے عورت کے ہاتھ پر اثر کیا

نعرہ زد سخت اندر حالِ زن — گفت واعظ بر دلش زد گفتِ من

عورت نے فوراً ایک نعرہ مارا — واعظ نے کہا میری بات نے اُسکے دل پر اثر کیا ہے

صدق را زیں زن بیاموزید ہیں — چونکہ بر دل زد ورا گفتِ چنیں

ہاں، تم سچائی اِس عورت سے سیکھ لو — جبکہ ایسی گفتگو نے اُسکے دل پر اثر کیا ہے

گفت[4] نے بر دل نزد بر دست زد — وائے گر بر دل زدے اے پُر خرد

اُس (جوحی) نے، کہا دل پر نہیں ہاتھ پر اثر کیا ہے — اے عقلمند! کیا کہنا تھا اگر دل پر اثر کرتا

بر دلِ آں ساحراں زد اندکے — شد عصا و دستِ ایشاں را یکے

اُن جادوگروں کے دل پر تھوڑا سا اثر کیا — اُن کے لئے لکڑی اور ہاتھ یکساں ہو گیا

---

[1] گرفت۔ بنتنب۔ روبند۔ نقاب۔ موئے عانہ۔ زیرِ ناف کے بال۔ عانہ۔ یعنی جب زیرِ ناف بال بڑھ جائیں تو نماز میں کراہت آجاتی ہے۔ نورہ۔ چونا۔ سترہ۔ اُسترہ۔ تاچہ حد۔ درازی کس تعین کر دیجئے کہ بال کس قدر بڑھ جانے سے نماز مکروہ ہوتی ہے۔

[2] گفت۔ واعظ نے کہا۔ سئول۔ بہت زیادہ سوال کرنے والا۔ ہوش۔ یعنی واعظ کے وعظ کی جانب پوری متوجہ تھی۔ مرد۔ یا شلوار کا مضاف الیہ یا کرد کا فاعل ہے دونوں صورتوں میں ترجمہ جداگانہ ہے۔

[3] آسیب۔ اثر۔ گفت۔ واعظ نے کہا کہ میرے وعظ کا اس کے دل پر اثر ہوا ہے اسی لئے اُس نے نعرہ مارا ہے ..... صدق۔ واعظ نے مردوں سے کہا تم لوگ اِس عورت سے نصیحت حاصل کرلو۔

[4] گفت۔ جوحی نے کہا دل پر نہیں بلکہ ہاتھ پر اثر ہوا ہے اپنے کہ اُس کا ہاتھ جوحی کی شرمگاہ پر لگا تھا۔ بردل۔ فرعون کے جادوگروں کے دل پر اثر ہوا تھا تو موسیٰ الٰہی میں اُن کے لئے ہاتھ پاؤں کا کٹنا ایسا ہی تھا جیسا کہ کسی لکڑی کا کٹنا۔ گر۔ اگر تو بڑھے کی باتیں جیسے تو اس کو اس سے زیادہ رنج ہوگا جیسا کہ اُن کو ہاتھ پاؤں کٹنے پر ہوا تھا۔

گر ز پیرے در ربائی تو عصا
اگر تو کسی بڈھے کی لاٹھی اُڑا لے

پیش رنجد کاں گروہ از دست و پا
وہ اس سے زیادہ رنجیدہ ہو گا جتنا کہ وہ (فرعونی) جادوگر ہاتھ پاؤں کٹ جانے سے ہوئے

نعرۂ[1] لاضیر بر گردوں رسید
کوئی ہرج نہیں کا نعرہ آسمان پر پہنچا

ہیں ببُر کہ جاں ز جاں کندن رہید
ہاں کاٹ لے، جان، جاں کنی سے نجات پا گئی

چوں بدانستیم ما کیں تن نہ ایم
چونکہ ہم جان گئے، کہ ہم یہ جسم نہیں ہیں

از ورای تن بیزداں می زییم
جسم کے سوا ہم خدا کے ذریعہ جی رہے ہیں

اے خنک آں را کہ ذات خود شناخت
قابل مبارکباد ہے وہ جس نے اپنی ذات کو پہچان لیا

اندر امنِ سرمدی قصرے بساخت
ہمیشگی کے امن میں اُس نے محل بنا لیا

کودکے گرید پئے جوز و مویز
بچہ جس اخروٹ اور منقّی کے لئے روتا ہو

پیشِ عاقل باشد آں بس سہل چیز
عقلمند کے لئے وہ آسان چیز ہے

پیشِ دل جوز و مویز آمد جسد
دل کے لئے، جسم، اخروٹ اور منقّی ہے

طفل کے در دانشِ مرداں رسد
بچہ، مردوں کی عقل کو کب پہنچتا ہے!

ہر[2] کہ محجوب ست او خود کودکیست
جو پردے میں ہے، وہ بچہ ہے

مرد آں باشد کہ بیروں از شکیست
مرد وہ ہے جو شک سے باہر ہے

گر بریش و خایہ مردستے کسے
اگر کوئی داڑھی اور خایہ کی وجہ سے مرد ہے

ہر بزے را ریش و خصیہ استے بسے
تو ہر بکرے کے داڑھی اور خصیہ ہے

پیشوای بد بود آں بز شتاب
وہ بکرا بُرا پیشرو ہے، جلد

میبرد اغنام را پیشِ قصاب
بکریوں کو قصاب کے آگے لیجاتا ہے

ریش شانہ کردہ کہ من سابقم
داڑھی کو کنگھی کئے ہوئے کہ میں راہنما ہوں

سابقی لیکن بسوئے درد و غم
تو راہنما ہے، لیکن درد اور غم کی جانب

ہیں روشِ بگزین و ترکِ ریش کن
خبردار! روش اختیار کر اور داڑھی کو چھوڑ

ترکِ ایں ما و من و تشویش کن
اِس تکبر و غرور اور پریشانی کو ترک کر

ریشِ[3] خود را خندہ زارے کردہ
تو نے اپنی داڑھی کو مضحکہ بنا لیا ہے

ناز کم کن چونکہ ریش آوردہ
جبکہ تیرے داڑھی نکل آئی ہے، نخرے نہ دکھا

تا شوی چوں بوئے گُل بر عاشقاں
تاکہ تو پھول کی خوشبو کی طرح، عاشقوں کیلئے بن جائے

پیشوا و رہنمای گلستاں
باغ کا رہنما اور پیشوا

چیست بوئے گُل دمِ عقل و خرد
پھول کی خوشبو کیا ہے؟ عقل اور سمجھ کی بات

خوش قلاوز رہ باغِ ابد
جو ابدی باغ کے لئے بہترین راہنما ہے

---

[1] نعرۂ۔ جس وقت فرعون نے جادوگروں سے کہا تھا کہ تمہارے ہاتھ پاؤں کاٹ ڈالوں گا تو انہوں نے جواب میں کہا تھا۔ لاضیر۔ کوئی نقصان نہیں۔ چوں۔ جادوگروں نے کہا کہ ہمیں معلوم ہو چکا ہے کہ اصل زندگی جسم کی نہیں ہے بلکہ روح کی ہے۔ اے خنک۔ حدیث شریف ہے جس نے اپنی حقیقت سمجھ لی اُس نے خدا کو پہچان لیا۔ کودکے۔ بچے کے لئے اخروٹ اور منقّی عزیز ہیں عقلمند کے لئے وہ حقیر ہیں۔ پیش دل۔ اہل دل کیلئے ہاتھ پاؤں اخروٹ اور منقّی کی جگہ ہیں۔

[2] ہر کہ۔ جو شخص اپنی حقیقت نہیں سمجھا، بچہ ہے۔ گر ریش۔ اگر مرد ہونا داڑھی اور خصیہ کی وجہ سے ہو تو یہ چیزیں بکرے کے بھی ہوتی ہیں۔ پیشوا۔ بکرے میں عقل خام ہے اس لئے ذبح کو جاتے وقت وہ بکروں کا پیشوا بن جاتا ہے۔ ریش۔ بناوٹی پیر

[3] ریش۔ تو نے تو اپنی داڑھی کا بھی مذاق اُڑوا لیا ہے، تیرے داڑھی نکل آئی ہے اب ناز و انداز مناسب نہیں ہے، راہِ سلوک اختیار کر ورنہ داڑھی کی مذاق اُڑے گی۔ تا شوی۔ پھر تو خوشبو کی طرح عاشقوں کے لئے باغ کا رہنما بن جائیگا۔ چیست۔ خوشبو سے مُراد عقلمندی کی باتیں کرنا ہے۔

شرح "بُرّد دل او زد ترا بر گوش زد" کی مناسبت سے مولانا ایک مذاقیہ حکایت بیان فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ایک نہایت عمدہ واعظ وعظ میں مصروف تھا اور پیڑ کے نیچے بہت سے مرد اور عورتیں بیٹھی تھیں اس مجمع میں جوجی (ایک مسخرہ کا نام ہے) بھی پہنچ گیا اُسنے اوڑھنا اوڑھ لیا اور منہ کو چھپا لیا۔ اس طرح زنانہ بھیس بدل کر عورتوں کے مجمع میں بیٹھ گیا اور کسی نے اُسکو نہ پہچانا کہ یہ مرد ہے۔ اتفاقاً ایک سائل نے واعظ سے پوچھا کہ حضرت کیا موئے زیر ناف سے نماز میں نقصان آتا ہے اُسنے کہا ہاں! جب وہ بڑھ جائیں تو ان سے نماز مکروہ ہوتی ہے ایسی حالت میں تم کو یا تو چونے سے یا اُسترہ سے ان کو صاف کر دینا چاہیئے تاکہ تمہاری نماز کامل اور عمدہ ہو۔ اس پر اس نے سوال کیا کہ حضرت اس درازی کی حد کیا ہے جہاں تک نماز کامل ہو اور اسکے بعد مکروہ اسنے جواب دیا کہ جب جَو برابر ہو جائیں تو ان کا صاف کرنا ضروری ہو جاتا ہے اس سے کم میں مضائقہ نہیں۔

یہ سوال و جواب سُنکر جوجی کو مسخرہ پن سوجھا۔ اسکے پاس ایک عورت نہایت خوب صورت بیٹھی ہوئی تھی۔ جسنے واعظ کو دنگ کر رکھا تھا۔ اور جس کی وجہ سے اُس سے وعظ بھی ٹھیک نہ کہا جاتا تھا اسنے اُس سے کہا کہ بہن ذرا دیکھنا میرے موئے زیر ناف تو اس قدر نہیں بڑھ گئے ہیں۔ خدا کے لئے ذرا ہاتھ بڑھا کر دیکھنا کہ کہیں میرے بال کراہت کی حد تک تو نہیں پہنچ گئے اس عورت نے اس مرد کے پاجامہ میں ہاتھ ڈالا اور اس کا اعضاءِ تناسل اسکے ہاتھ میں لگا اس پر اُس نے چیخ ماری۔ واعظ نے سمجھا کہ اسکے دل پر میرے وعظ سے چوٹ لگی ہے۔ اور کہا کہ لوگو خلوص اس عورت سے سیکھو کہ میرے... بیان سے اس کے دل پر چوٹ لگی ہے اور تم پر کچھ بھی اثر نہیں ہوتا۔ جوجی نے کہا جناب! اسکے دل پر چوٹ نہیں لگی بلکہ صرف ہاتھ میں ٹکر لگی ہے اس کا یہ اثر ہے اگر دل پر چوٹ لگتی تو خدا جانے کیا حال ہوتا۔ یہ مذاقیہ حکایت بیان فرما کر پھر اپنے رنگ کی طرف عود کرتے ہیں اور مضمون سابق کی تکمیل فرماتے ہوئے کہتے ہیں۔

شرح

ہم نے کہا تھا کہ عشق الٰہی نے چوپان کے دل پر اثر کیا ہے مگر تمہارے دل پر اثر نہیں کیا۔ یہ ایک واقعی بات ہے اور دلیل اس کی یہ ہے کہ تم ہنوز تن پروری میں مشغول ہو۔ پس اگر تمہارے دل پر اثر ہوتا تو تمہارا یہ اشتغال ناممکن تھا۔ دیکھو۔ اس نے ساحرانِ فرعون کے دل پر ذرا سا اثر کیا تھا تو اس کا نتیجہ یہ ہوا تھا کہ لاٹھی اور ہاتھ پاؤں ان کے نزدیک برابر ہوگئے تھے۔ بلکہ یوں کہیئے کہ ان کے ہاتھ پاؤں ان کی نظر میں لاٹھی سے کم وقعت رکھتے تھے اسلئے کہ اگر تم کسی بڈھے کے ہاتھ سے لاٹھی چھین لو۔ تو جس قدر اسے لاٹھی کا رنج ہوگا ان کو اپنے ہاتھ پاؤں کے کٹنے کا اتنا بھی رنج نہ تھا۔ چنانچہ جب فرعون نے انکو ہاتھ پاؤں کاٹنے کی دھمکی دی ہے تو انہوں نے نہایت زور سے کہا کہ اس سے ہم کو کچھ بھی نقصان نہیں تو شوق سے کاٹ ڈال۔ کیونکہ اب ہماری جان فکرِ جسم سے چھوٹ گئی ہے جو کہ واقع میں جان کنی اور سخت موجبِ اذیت ہے اسلئے کہ اب ہمکو معلوم ہوگیا ہے کہ ہم یہ جسم نہیں ہیں بلکہ ہماری حقیقت روح ہے اور ہم بحکم الروح میں امرِ ربّی بحکم وقدرت الٰہی جیتے ہیں نہ کہ اس جسم کے ذریعے ایسی حالت میں اگر جسم فنا ہوجائے تو ہم میں کچھ بھی کمی نہ آئے گی۔

اب مولانا فرماتے ہیں کہ ارے! بڑے مزہ ہیں اُس شخص کے جو اپنی حقیقت پہچان لے۔ اور اس طرح رنج وراحت دنیوی سے بے پرواہ ہوکر راحت روحانی حاصل کرے اور اس ہمیشہ رہنے والے محل میں گھر بنالے۔

صاحبو! دیکھو! جوز ومویز کے لیے لونڈے رویا کرتے ہیں۔ اے اہلِ عقل سو وہ انکی کچھ بھی وقعت نہیں کرتے پس جو حالت عقلاء کے سامنے جوز ومویز کی ہے وہی حالت اہلِ دل کے سامنے جسم کی ہے لہٰذا وہ جسم کو کوئی چیز بھی نہیں سمجھتے اور اسکی رنج وراحت کی ذرا بھی پرواہ نہیں کرتے۔ مگر لونڈوں کو مردوں کے برابر سمجھ نہیں ہوسکتی اسلئے محجوبین اس پر مٹے ہوئے ہیں۔

یاد رکھو! کہ جو کوئی محجوب ہے وہ لونڈا ہے۔ مرد وہ ہے جو عارف ہو اور صاحبِ یقین! اور شک کی حد سے گذر چکا ہو — رہی یہ بات کہ ان کی ڈاڑھی اور اعضاء

تناسل ہے سو یہ ان کے مردمی اور کمال کی دلیل نہیں۔ کیونکہ اگر کوئی ڈاڑھی اور اعضاء تناسل سے مرد (صاحب کمال) ہوسکتا تو ہر بکرے کی ڈاڑھی اور بڑے بڑے خصیہ اور ذکر ہوتے ہیں۔ اس بناء پر ہر بکرا مرد (صاحب کمال) ہوتا۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے اور اسکو تم ہی مانتے ہو پس معلوم ہوا کہ مردی اور کمال ریش اور خصیوں وغیرہ سے نہیں ہے بلکہ کمال اور ہی چیز ہے اس مقام پر یہ بھی بتلا دینا ضروری ہے کہ بنے ہوئے پیر واقعی مرد (صاحب کمال) نہیں ہیں۔ بلکہ بکرے یعنی شبیہ اہل اللہ ہیں اور بکریوں یعنی اپنے مریدوں اور معتقدوں کو قصاب لعینی شیطان کیطرف لیجاتے ہیں یہ لوگ داڑھی میں کنگھی کرکے اور اپنی صورت اہل اللہ کی سی بنا کر دعوے کرتے ہیں کہ کہ ہم پیشوا ہیں اسکو ہم بھی تسلیم کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ آپ ضرور پیشوا ہیں اور اپنی بکریوں کو لئے جارہے ہیں مگر رنج و تکلیف کی طرف نہ کہ راحت و آرام کی جانب! ارے بھلے مانس! تو کیا ڈاڑھی بیگھار رہا ہے۔ اسے چھوڑ! اور صحیح روش اختیار کر اور تو خودی اور دعوی اور پریشانیوں کو چھوڑ کر فنا اور طمانینت حاصل کر۔ تو نے اپنی ڈاڑھی کو اہل اللہ کا مضحکہ بنا رکھا ہے تو اس روش تصنع کو چھوڑ اور ندامت کر کیونکہ تیرے ڈاڑھی آگئی ہے۔ اسلئے تو ناز کے قابل نہیں ہے۔ مطلب یہ ہے کہ تو ناقص ہے اسلئے مشیخت کے قابل نہیں ہے پس تو مخدومی کو چھوڑ کر خدمت اہل اللہ اختیار کر۔ تاکہ تو عشاق کے لیے بمنزلہ بوئے گل کے ہوجائے اور باغ عالم محبت کا حقیقی پیشوا اور رہنما بن جائے تو جانتا ہے کہ بوئے گل اور رہنمائے راہ حقیقت کیا چیز ہے۔ یہ تیرے مشائخانہ صورت اور مکاری کی گفتگو نہیں ہے بلکہ وہ کلام ہے جو عقل وہبی سے ناشی ہو جو کہ اہل اللہ کو حاصل ہوتا ہے پس تو اسے حاصل کر۔ اور صورت اور تزویر... کو چھوڑ۔

اب مولانا فرماتے ہیں کہ واقعی وہ کلام باغ ابدی (عالم غیب یا علوم و معارف) کا عجیب اور نہایت نفیس رہنما ہے

فرمودنِ شاہ با ایاز بارِ دیگر کہ شرحِ چارق و پوستین را

بادشاہ کا ایاز کو دوبارہ حکم دینا کہ چپّل اور پوستین کی تشریح کو واضح طور پر بتا

آشکارا بگو تا خواجہ تاشانت ازاں اشارت پند

تاکہ تیرے آقا شریک اس اشارے سے نصیحت حاصل کریں

گیرند کہ اَلدِّیْنُ النَّصِیْحَۃُ

چونکہ دین نصیحت ہے

سِرِّ چارق را بیاں کن اے ایاز | پیشِ چارق چیستت چندیں نیاز
اے ایاز! چپّل کا راز بتا | چپّل کے سامنے تیری اسقدر نیازمندی کیوں ہے؟
تا نیوشد سُنقر و بگیارقت | سِرِّ سِرِّ پوستین و چارقت
تاکہ سنقر اور تیرے ساتھی سُن لیں | تیرے پوستین اور چپّل کے راز کا راز
اے ایاز از تو غلامی نور یافت | نورت از پستی سوئے گردوں شتافت
اے ایاز! تجھ سے غلامی نے نور حاصل کیا | تیرا نور پستی سے آسمان کی جانب دوڑ گیا
حسرتِ آزادگاں شد بندگی | بندگی را چوں تو دادی زندگی
غلامی آزادوں کے لئے باعثِ حسرت بنگئی | جبکہ تو نے غلامی کو زندگی بخشی
مؤمن آں باشد کہ اندر جزر و مد | کافر از ایمانِ او حسرت خورد
مومن وہ ہوتا ہے کہ جوار بھاٹے میں | کافر اس کے ایمان پر حسرت کرے

قلاوز۔ رہنما۔ اَلدِّیْنُ النَّصِیْحَۃ۔ دین اخلاص ہی ہے بجز چارق۔ محمود نے ایاز سے کہا جوتی کا راز بیان کر اس کے ساتھ تیری نیازمندی کیوں ہے۔

۵۲ سُنقر۔ غلام کا نام ہے۔ بگیارُق۔ خواجہ تاش۔ اے ایاز تیرے غلام ہونے نے غلامی کو منور کر دیا ہے۔ حسرت۔ تیرے وجود سے آزاد لوگ غلامی کی حسرت کرنے لگے ہیں چونکہ غلامی کو تو نے ایک زندگی عنایت کر دی ہے۔

۵۳ مؤمن۔ جس طرح ایاز کی غلامی آزادوں کے لئے باعث حسرت تھی اسی طرح مومن وہ ہے جس کے ایمان کو دیکھ کر کافر حسرت کرے جیسا کہ حضرت بایزید کا ایمان تھا کہ ایک کافر اس کا ایسا ایمان ہو جو لوگوں کا ایمان لوٹنے سے روکے جیسا کہ مومن تھا۔

شرح اب پھر ہم قصۂ ایاز کی طرف رجوع کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ بادشاہ نے کہا کہ اے ایاز تو ان جوتوں کے اسرار کو بیان کر دے اور بتلادے کہ کیا وجہ ہے کہ تو ان جوتوں کے سامنے اتنی عاجزی کرتا ہے تاکہ سنقر اور تیرے خواجہ تاشان تیرے پوستین اور چارق کے اسرار کو سُن لیں۔ اور اس سے سبق حاصل کریں۔

(فائدہ: سنقر ایک خاص غلام کا نام ہے) مگر یہاں مطلق غلام مراد ہے۔ اور بمعنی خواجہ تاش ہے واللہ اعلم) آگے بادشاہ ایاز کی تعریف کرتا ہے اور کہتا ہے کہ اے ایاز تو نے غلامی کو رونق دیدی ہے۔ اور تیرا نور نیک نامی زمین سے آسمان تک پہنچ گیا اور جبکہ تو نے غلامی کے قالب میں روح پھونک دی ہے۔ تو اس سے غلامی کو یہ شرف حاصل ہوا ہے کہ احرار غلامی کی تمنا کرتے ہیں۔

حکایت گبرے کہ در عہدِ شیخ بایزید قدس سرہٗ گفتندش

اُس کافر کا قصہ کہ بایزید قدس سرہٗ کے زمانے میں لوگوں نے اُس سے کہا

کہ مسلمان شو وجواب اُو ایشان را

کہ مسلمان ہو جا اور اُس کا اُن کو جواب دینا

بُود گبرے[1] در زمانِ بایزیدؒ — گفت اُو را یک مسلمانِ سعید

(حضرت) بایزیدؒ کے زمانے میں ایک کافر تھا — اُس سے ایک نیک بخت مسلمان نے کہا

کہ چہ باشد گر تو اسلام آوری — تا بیابی صد نجات و سروری

اگر تو اسلام لے آئے تو کیا اچھا ہو — تاکہ تو سینکڑوں نجاتیں اور سرداریاں حاصل کرلے

گفت ایں ایماں اگر ہست اے مرید — آنکہ دارد شیخِ عالم بایزیدؒ

اُس نے کہا اے مرید! اگر ایمان وہ ہے — جو کہ دنیا بھر کے شیخ بایزیدؒ رکھتے ہیں

من ندارم طاقتِ آں تابِ آں — کاں فزوں آمد ز کوششہائے جاں

میں اُس کی طاقت اُس کی قوت نہیں رکھتا ہوں — کیونکہ وہ جان کی کوشش سے بالاتر ہے

گرچہ در ایمان و دیں ناموقنم — لیک در ایمانِ اُو بس مؤمنم

اگرچہ میں مسلمانوں کے ایمان اور دین پر اعتقاد نہیں رکھتا ہوں — لیکن اُن کے ایمان کے بارے میں میرا ایمان ہے

دارم[2] ایماں کاں ز جملہ برترست — بس لطیف و با فروغ و با فرست

میرا ایمان ہے کہ وہ سب سے بڑھ کر ہیں — بہت پاکیزہ اور بارونق اور شان وشوکت والے ہیں

مؤمنِ ایمانِ اُویم در نہاں — گرچہ مُہرم ہست محکم بر دہاں

میں پوشیدہ طور پر اُن کے ایمان کا مومن ہوں — اگرچہ میرے منہ پر سخت مُہر ہے

باز ایمانِ خود گر ایمانِ شماست — نے بداں میلیستم و نے اشتہاست

پھر اگر ایمان تمہارا ایمان ہے — نہ اُس کی طرف میرا جھکاؤ ہے نہ خواہش ہے

آنکہ صد میلش سوئے ایماں بود — چوں شما را دید آں فاتر شود

جس کو ایمان کی جانب سینکڑوں میلان ہوں — جب اُس نے تمہیں دیکھا وہ سست پڑ گیا

زانکہ[3] نامے بیند و معنیش نے — چوں بیاباں را مفازہ گفتنے

کیونکہ وہ (صرف) نام دیکھے گا، اور اُس کی حقیقت کچھ نہیں — جس طرح بیابان کو مفازہ کہہ دینا ہے

چوں بایمانِ شما اُو بنگرد — عشقِ اُو ز آوردِ ایماں بفسرد

جب وہ تمہارے ایمان کو دیکھے گا — اُس کا عشق ایمان لانے میں ٹھٹھر جائے گا

ایں حکایت یاد گیر اے تیز ہوش — صورتش بگذار و معنی را بنوش

اے تیز ہوش! اِس حکایت کو یاد کرلے — اِس کی صورت کو چھوڑ اور معنیٰ کو سن لے

---

[1] گبر۔ کافر۔ کہ چہ باشد۔ مسلمان نے اُس کافر سے کہا اگر تو مسلمان ہو جائے تو تجھے نجات حاصل ہو جائے گی۔ گفت۔ اُس کافر نے کہا کہ اگر ایمان وہ ہوتا ہے جو بایزیدؒ رکھتے ہیں تو مجھ میں اُس کی طاقت نہیں ہے کیونکہ وہ انسان کی طاقت سے بالاتر ہے۔ گرچہ۔ اگرچہ میں اسلام کے ایمان اور دین کا قائل نہیں ہوں لیکن اُن کے ایمان پر میرا ایمان ہے۔

[2] دارم۔ اُس کافر نے مسلمان سے کہا کہ میرا یقین ہے کہ وہ بایزیدؒ سب سے بڑھ کر ہیں اور میرا اُن کے ایمان پر ایمان ہے لیکن زبان سے ظاہر نہیں کر سکتا ہوں۔ باز۔ اور اگر ایمان سے مراد تمہارا والا ایمان ہے تو مجھے ایسے ایمان کی نہ خواہش ہے نہ اُس کی طرف میرا میلان ہے۔ آنکہ۔ تم تو ایسے مومن ہو کہ اگر کسی کو ایمان کی خواہش بھی ہو تو تمہیں دیکھ کر وہ سست پڑ جائے گا۔

[3] زانکہ۔ اسلئے کہ تمہارا ایمان تو برائے نام ہے جس کی کوئی حقیقت نہیں ہے اور تم برعکس نام نہند زنگی کافور کا مصداق ہو۔ بیابان جنگل اور ہلاکت کی جگہ ہے لیکن اُس کو لوگ مفازہ یعنی کامیابی کی جگہ کہتے ہیں۔ حکایت۔ اِس قصہ سے یہ بتانا ہے کہ بعض مومن ایسے ہیں کہ کافر

حکایتِ آں مُوذّنِ زشت آواز کہ در کافرستان بانگ زد

اُس بھدی آواز والے مؤذن کی حکایت۔ جس نے نماز کے لئے کفرستان میں اذان

برای نماز و مردِ کافر اُورا ہدیہ ہا داد

دی اور ایک کافر شخص نے اُس کو بہت سے تحفے دیئے

یک مُوذّن داشت بس آوازِ بد — شب ہمہ شب میدریدے حلقِ خود[1]

ایک مؤذن کی بُری آواز تھی — وہ پوری پوری رات اپنا حلق پھاڑتا تھا

خوابِ خوش بر مردماں کردہ حرام — در صُداع افتادہ از وے خاص و عام

اُس نے انسانوں پر میٹھی نیند حرام کر دی تھی — اُس کی وجہ سے عوام و خواص دردِ سر میں مبتلا تھے

کودکاں ترساں ازو در جامۂ خواب — مرد و زن ز آوازِ او اندر عذاب

بچے بستروں میں اُس سے ڈرتے تھے — مرد و عورت اُس کی آواز سے عذاب میں تھے

مجتمع گشتند مر توزیع را — بہرِ دفعِ زحمت و تصدیع را

وہ لوگ چندہ جمع کرنے کیلئے اکٹھے ہوگئے — دردِ سر اور تکلیف کو رفع کرنے کیلئے

پس طلب کردند اُو را در زماں — اُقچہا دادند و گفتند اے فلاں

انہوں نے اُس کو فوراً طلب کیا — نقدیاں دیں اور انہوں نے کہا اے فلاں!

از اذانت جملہ آسودیم[2] ما — بس کرم کردی شب و روز اے کیا

ہم سب نے تیری اذان سے راحت پائی — اے جناب! آپ نے دن اور رات بڑا کرم کیا

چوں رسید از تو بہریک دولتے — خواب رفت از ما کنوں ہم مدتے

چونکہ آپ کی وجہ سے ہر ایک کو دولت میسر آگئی ہے — اب کچھ مدت کے لئے ہماری نیند اُڑ گئی ہے

بہرِ آسائش زباں کوتاہ کن — در عوض ما ہمتے ہمراہ کن

آرام کی خاطر آپ زبان بند کر لیجئے — اس کے بدلے میں باطنی توجہ فرمایئے

قافلہ می شد بکعبہ از ولہ[3] — اُقچہ بستد شد رواں با قافلہ

شدتِ شوق کی وجہ سے ایک قافلہ کعبہ کو روانہ ہوا — اُس نے نقدی لے لی، قافلہ کیساتھ روانہ ہوگیا

شب گہے کردند اہلِ کارواں — منزل اندر موضعِ کافرستاں

قافلہ والوں نے رات کے وقت کیا — کفرستان کے مقام پر پڑاؤ

واں مُوذّن عاشقِ آوازِ خود — درمیانِ کافرستان بانگ زد

اُس اپنی آواز کے عاشق مؤذن نے — کفرستان میں اذان دی

چند گفتندش مگو بانگِ نماز — کہ شود جنگ و عداوتہا دراز

بہت سے لوگوں نے اُس سے کہا نماز کی اذان نہ دے — ورنہ جنگ اور لمبی دشمنیاں ہو جائیں گی

---

[1] حلقِ خود۔ چونکہ اس کو اپنی خوش الحانی پر عقیدہ تھا رات میں مناجات اور ذکر بآواز بلند کرتا ہوگا۔ صُداع۔ دردِ سر۔ عذاب ہونے کا افترا۔ توزیع۔ چندہ۔ تصدیع۔ دردِ سر میں مبتلا کرنا، تکلیف۔

[2] آسودیم۔ اُن لوگوں نے طنزاً کہا۔ دولت۔ یعنی شب بیداری کی دولت۔ خواب۔ اب اس دولت کی خوشی میں ہم رات بھر نہیں سو سکتے ہیں۔ در عوض۔ جو نقدی ہم تجھے دے رہے ہیں اُس کے بدلے میں ہمارے لئے دل سے دعائیں کر دینا۔

[3] ولہ۔ شدتِ عشق۔ قافلہ یعنی حاجیوں کا قافلہ۔ کافرستان۔ وہاں کے باشندے سب کافر تھے۔ بانگ زد۔ اذان دی۔ چند گفتندش۔ ساتھیوں نے اس کو کافرستان میں اذان دینے سے روکا اور کہا کہ یہ کافر ذرا ذرا سی بات پر دنگا کریں گے ایسا نہ کر لیکن وہ نہ مانا اور اس نے اذان دے دی۔

اُو ستیزہ کرد و بس بے احتراز
اُس نے جھگڑا کیا اور بہت لاپرواہی سے

گفت در کافرستاں بانگِ نماز
کفرستان میں اذان دے دی

خلق[1] خائف شُد ز فتنۂ عامّہ
عام فتنے سے لوگ ڈر گئے

خود بیامد کافرے با جامۂ
ایک کافر کپڑے لئے ہوئے خود آیا

شمع و حلوا و یکے جامہ لطیف
شمع اور حلوا اور ایک عمدہ لباس

ہدیہ آورد و بیامد چوں الیف
تحفہ لایا اور دوست کی طرح آیا

پُرس پُرساں کایں مؤذن کو کجاست
پوچھتے ہوئے کہ یہ مؤذن کہاں ہے؟

کہ صلای و بانگِ اُو راحت فزاست
جس کی اذان کی آواز راحت بڑھانے والی ہے

ہیں چہ راحت بُود زاں آوازِ زشت
ہیں، اُس بھدی آواز سے کیا راحت ملی؟

کُو فتاد از وے بناگہ در کُنشت
جو اچانک اُس سے مندر میں پہنچی

دخترے دارم لطیف و بس سَنی
میرے ایک لڑکی ہے پاکیزہ اور بہت خوبصورت

آرزو می بُود اُو را مُومنی
اُس کو مؤمن بننے کی آرزو تھی

ہیچ[2] ایں سودا نمیرفت از سَرِش
یہ جنون اُس کے سر سے کبھی نکل نہیں ہوتا تھا

پند ہا می داد چندیں کافرش
بہت سے کافر اُس کو نصیحتیں کرتے تھے

دردِلِ اُو مہرِ ایماں رُستہ بُود
اُس کے دل میں ایمان کی محبت پیدا ہو گئی تھی

ہمچو مجمر بُود ایں غم من چو عُود
یہ فکر انگیٹھی کی طرح اور میں اگر کی لکڑی کی طرح تھا

در عذاب و درد و اشکنجہ بُدم
میں مصیبت اور شکنجہ اور درد میں تھا

کہ بجُنبد سلسلۂ اُو دمبدم
کیونکہ اُس کا یہ سلسلہ ہر وقت حرکت میں تھا

ہیچ[3] چارہ می ندانستم دراں
میں اُس کا کوئی علاج نہ سمجھ پا رہا تھا

تا فرو خواند ایں مُؤذن اِں اذاں
یہاں تک کہ اس مؤذن نے وہ اذان دی

گفت دختر چیست ایں مکروہ بانگ
لڑکی نے دریافت کیا کہ یہ ڈراؤنی آواز کیسی ہے؟

کہ بگوشم آمد ایں دو چار دانگ
جس کے دو چار ٹکڑے میرے کان میں آئے ہیں

من ہمہ عمر ایں چنیں آوازِ زشت
میں نے تمام عمر اس طرح کی بھدی آواز

ہیچ نشنیدم دریں دَیر و کُنشت
اس مندر اور بُت خانہ میں کبھی نہیں سُنی

خواہرش گفتہ کہ ایں بانگِ اذاں
اُس کی بہن نے کہا، کہ یہ اذان کی آواز

ہست اِعلام و شعارِ مُومناں
مؤمنوں کا اِعلان اور علامت ہے

باورش نامد بپرسید از دِگر
اُس کو یقین نہیں آیا، اُس نے دوسرے سے پوچھا

آں دِگر ہم گفت آرے اے قمر
دوسرے نے بھی کہا، ہاں اے چاند!

---

[1] خلق۔ یہ لوگ تو کافروں کے حملہ سے خائف تھے لیکن کیا دیکھتے ہیں کہ ایک کافر تحفہ میں کپڑے، حلوہ وغیرہ لئے آرہا ہے۔ الیف۔ دوست۔ پُرس۔ اُس مؤذن کو پوچھ رہا تھا اور کہہ رہا تھا کہ مؤذن کی اذان نے بہت راحت پہنچائی ہے۔ ہیں چہ۔ اُس کافر سے کسی نے کہا کہ اس بھدی آواز سے جو مندر میں پہنچی کیا راحت ملی ہے.... دخترے۔ اُس کافر نے کہا کہ میرے ایک بہت خوبصورت لڑکی ہے وہ اسلام لانے پر آمادہ ہو رہی تھی۔

[2] ہیچ۔ ہم لوگوں نے اُسکو بہت سمجھایا لیکن وہ اپنے ارادہ سے باز نہ آرہی تھی۔ مجمر۔ انگیٹھی۔ عُود۔ اگر کی لکڑی جس کی دھونی دی جاتی ہے۔ در عذاب۔ اُس لڑکی کے ارادہ سے میں مصیبت میں تھا اور وہ اس ارادہ میں پختہ ہوتی جا رہی تھی۔

[3] ہیچ۔ اُس کو اس ارادہ سے روکنے کی کوئی تدبیر نہ تھی حتیٰ کہ اُس مؤذن نے اذان دی تو لڑکی نے دریافت کیا کہ یہ بھیانک آواز کیسی ہے میں نے ایسی بھدی اور خوفناک آواز کبھی نہیں سُنی۔ خواہرش۔ اُس لڑکی کی بہن نے اُسکو بتایا کہ یہ مسلمانوں کی اذان کی آواز تھی۔ اِعلام۔ اعلان تھا۔ وہ علامت جس سے کوئی چیز پہچانی جائے۔ اُسکو بہن کی بات کا اعتبار نہ ہوا تو اس نے دوسرے سے پوچھا۔ اُس نے بھی اس کی تصدیق کر دی۔

چوں[1] یقیں گشتش رخِ اُو زرد شُد
جب اُس کو یقین ہو گیا تو اُس کا چہرہ زرد پڑ گیا

از مسلمانی دلِ اُو سرد شُد
مسلمانی سے اُس کا دل افسردہ ہو گیا

باز رستم من ز تشویش و عذاب
میں پریشانی اور عذاب سے چھوٹ گیا

دوش خوش خفتم دراں بیخوف خواب
گذشتہ رات بغیر ڈر کی نیند خوب سویا

راحتم ایں بُود از آوازِ اُو
مجھے اُس کی آواز سے یہ راحت پہنچی

ہدیہ آوردم بشکر آں مرد کُو
میں شکرانہ میں تحفہ لایا ہوں وہ شخص کہاں ہے؟

چوں[2] بدیدش گفت ایں ہدیہ پذیر
جب اُس نے اسکو دیکھا کہا یہ ہدیہ قبول کر لیجیے

کہ مرا گشتی مجیر و دستگیر
کیونکہ آپ میرے پناہ دینے والے اور دستگیر ہیں

آنچہ کردی با من از احسان و بر
آپ نے جو احسان اور بھلائی مجھ سے کی

بندۂ تو گشتہ ام من مستمر
میں ہمیشہ کے لئے آپ کا غلام ہو گیا ہوں

گر بمال و ملک و ثروت فردمے
اگر میں مال اور سلطنت اور مالداری میں یکتا ہوتا

من دہانت را پُر از زر کردمے
میں سونے سے آپ کا منھ بھر دیتا

ہست ایمانِ شما زرق و مجاز
تمہارا ایمان مکر اور مجاز ہے

راہزن ہمچوں کہ آں بانگِ نماز
اسی طرح کا ڈاکو ہے جس طرح کہ وہ اذان

رجوع بحکایتِ گبر با مسلمان در ایمان

ایمان کے بارے میں کافر کی مسلمان سے حکایت کی جانب رجوع

لیک[3] از ایمان و صدقِ بایزیدؒ
لیکن بایزیدؒ کے ایمان اور سچائی سے

چند حسرت در دل و جانم رسید
میرے دل اور جان میں بہت سی حسرتیں آئی ہیں

ہمچو آں زن کو جماعِ خر بدید
اُس عورت کی طرح جس نے گدھے کی جفتی دیکھی

گفت آوہ چیست ایں فحلِ فرید
بولی، آہ کیسا یکتا نر ہے

گر جماع این ست کاید از خراں
اگر جفتی یہ ہے، جو گدھے کرتے ہیں

بر کُسِ ما میرینداں شوہراں
تو یہ شوہر ہماری شرمگاہ پر ہگتے ہیں

داد جملہ دادِ ایماں بایزیدؒ
بایزیدؒ نے ایمان کا پورا حق ادا کر دیا

آفرینہا بر چنیں شیرِ فرید
ایسے یکتا شیر کو آفرین ہے

قطرۂ[1] ز ایمانش در بحر ار رود
اُن کے ایمان کا ایک قطرہ اگر سمندر میں چلا جائے

بحر اندر قطرہ اش غرقہ شود
اُس کے قطرے میں سمندر ڈوب جائے

ہمچو آتش ذرہ در بیشہا
جیسا کہ آگ کا ایک ذرہ جنگلوں میں

کاندراں ذرہ شود بیشہ فنا
کہ اُس ذرہ میں جنگل فنا ہو جائیں

---

[1] چوں یقین۔ جب اُسکو یقین آ گیا تو مایوسی سے اُس کا چہرہ زرد پڑ گیا اور اسلام لانے کا ارادہ ٹھنڈا ہو گیا۔ باز رستم۔ جب اُس کا دل اسلام سے برگشتہ ہو گیا تو میری مصیبت ختم ہوئی اور رات کو آرام سے سو سکا مؤذن کی آواز سے مجھے اس طرح راحت ملی لہٰذا میں اُس کے لئے تحفہ لایا ہوں۔

[2] چوں بدیدش۔ جب اُس کافر نے اُس مؤذن کو دیکھا تو کہا کہ یہ تحفے لے لے تو میرا پناہ دہندہ اور دستگیر ہے۔ بر نیکی۔ مستمر ہمیشہ۔ گر بمال۔ میں زیادہ مالدار نہیں ہوں ورنہ تیرا منھ سونے سے بھر دیتا۔ ہست۔ اُس کافر نے اسلام کی دعوت دینے والے مسلمان سے کہا تمہارا ایمان بھی مؤذن کی طرح انسانوں کو ایمان سے روکنے والا ہے۔

[3] لیک۔ اُس کافر نے یہ بھی کہا کہ بایزیدؒ کے ایمان اور سچائی کو دیکھ کر مجھے بھی حسرت ہوتی ہے کہ ایسا ایمان مجھے کیوں میسر نہ آیا۔ ہمچو۔ اُس کافر کو بایزیدؒ کے ایمان پر ایسی ہی حسرت تھی جیسی کہ ایک عورت نے گدھے کو جفتی کرتے دیکھ کر حسرت کی تھی اور کہنے لگی تھی کہ اگر جفتی یہ ہے تو مرد ہمارے ساتھ جو کچھ کرتے ہیں وہ ہگنا ہے۔ داد۔ حضرت بایزیدؒ نے ایمان کا حق ادا کر دیا۔ فرید۔ بے مثال۔

[1] قطرہ۔ اُنکے ایمان کی یہ وسعت تھی کہ اگر اُس کا ایک قطرہ سمندر میں گر جائے تو

چوں خیالے در دلِ شہ باسپاہ
جیسا کہ ایک خیال لشکر والے بادشاہ کے دل میں

میکند در جنگ خصماں را تباہ
جنگ میں دشمنوں کو تباہ کر دیتا ہے

یک[۲۵] ستارہ در محمد رُو نمود
ایک ستارہ محمد میں رونما ہوا

تا فنا شد کفرِ ہر گبر و جہود
یہاں تک کہ ہر کافر اور منکر کا کفر فنا ہو گیا

یک ستارہ در محمد شد سطرب
ایک ستارہ محمد میں پھیلا

تا فنا شد کفرِ کُل شرق و غرب
یہاں تک کہ مشرق و مغرب کا سارا کفر فنا ہو گیا

آنکہ ایماں یافت رفت اندر اماں
جس نے ایمان حاصل کر لیا وہ امن میں آگیا

کفر ہائے باقیاں شد در گماں
بقیہ کا کفر مشکوک ہو گیا

کفرِ صرفِ اوّلیں بارے نماند
اب پہلوں کا سا خالص کفر نہ رہا

یا مسلمانی و یا بیمے نشاند
یا مسلمان اور یا خوف بٹھا دیا

ایں بحیلہ آب و روغن کردنیست
یہ تدبیر سے پانی اور تیل ملاتا ہے

ایں مثلہا کفوِ ذرّہ نور نیست
یہ مثالیں نور کے ذرّے کی ہمسر نہیں ہیں

ذرّہ[۲۶] نبود جز زِ چیزِ منجسم
ذرّہ جسم بن جانے والی چیز کے علاوہ کچھ نہیں ہے

ذرّہ نبود شارقِ لا ینقسم
ذرّہ، روشن تقسیم نہ ہونے والا نہیں ہوتا ہے

گفتنِ ذرّہ مرادے داں خفی
ذرّہ کہنے کا مقصد پوشیدہ سمجھ

محرمِ دریا نہ ایں دم کفی
تو اس وقت دربار کا رازداں نہیں ہے تو جھاگ ہے

آفتابِ نیرِ ایمانِ شیخ
شیخ کے ایمان کا روشن سورج

گر نماید رُخ زِ شرقِ جانِ شیخ
اگر شیخ کی جان کی مشرق سے رونما ہو جائے

جملہ پستی گنج گیرد تا ثرے
تمام پست حصہ تحت الثریٰ تک خزانہ بن جائے

جملہ بالا خلد گردد اخضرے
تمام بالائی حصہ سرسبز جنت بن جائے

او یکے جاں دارد از نورِ منیر
وہ روشن کرنے والے نور کی ایک جان رکھتا ہے

او یکے تن دارد از خاکِ حقیر
وہ حقیر مٹی کا ایک جسم رکھتا ہے

اے[۲۷] عجب اینست او یا آں بگو
تعجب ہے: وہ یہ ہے یا وہ وہ ہے، بتا

کہ بماندم در اِشکال و جستجو
کیونکہ میں اشکال اور جستجو میں پڑ گیا ہوں

گر وے اینست اے برادر چیست آں
اگر وہ یہ ہے اے بھائی! وہ کیا ہے؟

پُر شدہ از نورِ او ہفت آسماں
کہ جس کے نور سے ساتوں آسمان لبریز ہیں

ور وے آنست ایں بدن اے دوست چیست
اور اگر وہ وہ ہے، تو اے دوست! یہ بدن کیا ہے؟

اے عجب زیں دو کدامین ست وے کیست
اے تعجب! ان دونوں میں سے وہ کون ہے اور کیا ہے؟

سمندر کو ڈبو دے۔ تجھو اُن کے ایمان کا قطرہ سمندر پر اسی طور پر حاوی ہو جائے جس طرح آگ کا ایک ذرہ جنگلوں پر حاوی ہو جاتا ہے اور اُس کو جلا کر راکھ بنا دیتا ہے۔ یا جس طرح شاہ کا ایک معمولی خیال دشمنوں میں تباہی مچا دیتا ہے۔

۲۵ یک ستارہ۔ آنحضورؐ کی تائید کے لئے خدائی تائید کا ایک ستارہ نمودار ہوا جس سے سب کافروں کا کفر فنا ہو گیا۔ آنکہ۔ سب کافروں کا کفر اس طور پر فنا ہوا کہ کچھ تو مسلمان ہی ہو گئے باقی کفر کے معاملہ میں مشکوک ہو گئے اور خالص کفر بالکل ہٹ گیا اگر مسلمان بھی نہ ہوئے تو ذمی بن کر مسلمان نما کافر رہ گئے۔ ایں بحیلہ۔ ہم نے بایزیدؒ کے ایمان کے ذرّے کی مثالیں دی ہیں یہ محض تکلف ہے اور یہ اس ذرّے کی صحیح مثالیں نہیں ہیں یہ آب و روغن کردن۔ بیکار کوشش کرنا۔

۲۶ ذرّہ۔ شیخ کے نور کو ذرہ سے تشبیہ دی تھی اب فرماتے ہیں کہ یہ تشبیہ مناسب نہیں ہے منجسم جسم اختیار کرنے والا شارق روشن۔ لا ینقسم۔ جو چیز تقسیم نہ ہو سکے کفی۔ تو جھاگ ہے۔ نیر۔ روشن چمکتی۔ زمین کا پست حصہ خزانہ بن جائے اور بالائی حصہ

۲۷ اے عجب۔ اب ہم حیران ہیں کہ شیخ جسم کو کہیں یا روح کو۔ اینست۔ یعنی شیخ اگر جسم ہے۔ چیست آں۔ تو روح کیا ہے۔ آنست۔ یعنی شیخ روح ہے۔

حکایتِ[1] آں زن کہ گفت شوہر را کہ گوشت را گربہ خورد،
اُس بیوی کا قصہ جس نے شوہر سے کہا کہ گوشت بلّی کھا گئی

شوہر گربہ را بترازو برکشید گربہ نیم من برآمد گفت اے
شوہر نے بلّی کو ترازو میں رکھا، بلّی آدھا من نکلی، شوہر نے اُس سے

زن گوشت نیم من بُود و افزوں اگر ایں گوشت ست
کہا اے بیوی! گوشت آدھا من تھا اور کچھ زیادہ اگر یہ گوشت ہے تو

گربہ کُو و اگر ایں گربہ ست گوشت کُو
بلّی کہاں ہے اور اگر یہ بلّی ہے تو گوشت کہاں ہے؟

بُود مردے کدخدا[2] او را زنے — سخت طنّاز و پلید و رہزنے
ایک گھر والے مرد کی ایک بیوی تھی — سخت نخرے باز اور ناپاک اور لٹیری

ہر چہ آوردے تلف کردیش زن — مرد مضطر بُود اندر تن زدن
وہ جو کچھ لاتا بیوی اُسکو برباد کردیتی — شوہر چُپ رہنے سے عاجز آگیا تھا

بہرِ مہماں گوشت آورد آں معیل — سوی خانہ با دو صد جہدِ طویل
وہ بال بچوں والا، مہمان کے لئے گوشت لایا — گھر، دو سو طویل مشقتوں کے ساتھ

زن بخوردش با شراب و با کباب — مرد آمد گفت دفعِ ناصواب
بیوی نے اُس کو شراب کباب کیساتھ کھالیا — شوہر آیا، اُس نے اُس کو غلط جواب دیا

مرد گفتش گوشت کو مہماں رسید — پیشِ مہماں لوت می باید کشید
شوہر نے اُس سے کہا گوشت کہاں ہے؟ مہمان آگیا — مہمان کے سامنے لذیذ کھانا رکھنا چاہیئے

گفت زن کیں گربہ خورد آں گوشت را — گوشتِ دیگر خر گرت باید ترا
بیوی نے کہا یہ بلّی وہ گوشت کھا گئی — اگر تجھے چاہیئے اور گوشت خرید لا

گفت اے ایبک[1] ترازو را بیار — گربہ را من برکشم اندر عیار
اُس نے کہا، او نوکر! ترازو لا — میں بلّی کا وزن کروں گا

برکشیدش بُود گربہ نیم من — پس بگفت آں مرد کاے محتال زن
اُس نے اُسکو تولا، بلّی آدھا من تھی — تو اُس شوہر نے کہا اے حیلہ گر عورت!

گوشت بُد شش اوقیہ افزوں ز نیم — گربہ ہم شش اوقیہ ست اے حیلہ داں
گوشت چھ اوقیے سے بڑھا ہوا تھا — اے حیلہ باز! بلّی بھی چھ اوقیے ہے

گوشت نیمن بُود افزوں یک ستیر — ہست گربہ نیم من ہم اے ستیر
گوشت نصف من سے ایک استار بڑھا ہوا تھا — اے پردہ نشین: بلّی بھی نصف من ہے

---

[2] حکایت۔ جس طرح شیخ کے بارے میں حیرانی ہے کہ اگر وہ جسم ہے تو روح کو کیا کہیں اگر روح ہے تو جسم کو کیا کہیں اِسی طرح اُس شوہر کو حیرانی تھی کہ ترازو میں جو تولا ہے اگر وہ بلّی ہے تو گوشت کہاں ہے اور اگر گوشت ہو تو بلّی کہاں گئی۔

[3] کدخدا۔ صاحب خانہ۔ مرد۔ یعنی شوہر چُپ رہتے رہتے عاجز آگیا تھا۔ معیل۔ بال بچوں والا۔ دفعِ ناصواب۔ غلط جواب۔ لوت۔ عمدہ کھانا۔ گفت زن۔ بیوی نے شوہر کو جواب دیا۔

[1] ایبک۔ غلام۔ من۔ دو رطل کا ہوتا ہے رطل آدھ سیر کا ہوتا ہے تو من ایک سیر ہوا اور نیم من آدھ سیر ہوا۔ محتال۔ حیلہ گر۔ اوقیہ۔ چالیس درہم کا ہوتا ہے اور ایک درہم ساڑھے تین ماشے کا ہوتا ہے۔ اوقیہ۔ اوقیہ۔ نیمن۔ آدھا من۔ ستیر پہلے مصرع کے قافیہ میں اِستار کے معنیٰ میں ہے وستار ایک ہم وزن کو کہتے ہیں دوسرے مصرع میں پردہ نشین کے معنیٰ میں ہے۔

ایں[۲] اگر گربہ است پس آں گوشت کو
اگر یہ بلی ہے تو پھر گوشت کہاں ہے؟

ور بود ایں گوشت بنما گربہ تو
اور اگر یہ گوشت ہے، تو تو بلی دکھا

بایزیدؒ ار ایں بود آں روح چیست
بایزیدؒ اگر یہ ہے، وہ روح کیا ہے؟

ور وے آں روح ست ایں تصویر کیست
اگر وہ، وہ روح ہیں، یہ صورت کس کی ہے!

حیرت اندر حیرت ست اے یارِ من
اے میرے دوست! حیرت در حیرت ہے

ایں نہ کارِ تست نے ہم کارِ من
یہ نہ تیرا کام ہے، نہ میرا کام ہے

ہر دو او باشد ولیک از ریع و زرع
وہ دونوں ہیں، لیکن پیداوار اور کھیتی میں

دانہ باشد اصل و آں کہ ہست فرع
دانہ اصل ہے، اور بھوسا فرع ہے

حکمت[۳] ایں اضداد را باہم بہ بست
حکمت (خداوندی) نے اِن دو ضدوں کو باہم باندھ دیا ہے

اے قصاب ایں گرد راں با گردن ست
اے قصائی! یہ ران کا گردہ گردن سے وابستہ ہے

روح بے قالب نتاند کار کرد
روح بغیر جسم کے کوئی کام نہیں کرسکتی ہے

قالب بیجاں فسردہ بود و سرد
بے روح جسم، ٹھٹھرا ہوا اور ٹھنڈا ہوتا ہے

قالب بے جاں کم از خاک ست دوست
اے دوست! بے روح جسم مٹی سے بھی کم ہے

روح چوں مغز ست و قالب ہمچو پوست
روح گری کی طرح ہے اور جسم چھلکے کی طرح ہے

قالب بے جاں نمی آید بکار
بے روح جسم، کسی کام نہیں آتا ہے

سعی کن جانے بدست آرائے عیا
اے مکرے! کوشش سے جان حاصل کرلے

قالبت پیدا و آں جانت نہاں
تیرا جسم ظاہر ہے اور وہ روح بہت پوشیدہ ہے

راست شد زیں ہر دو اسباب جہاں
دنیا کے کام اِن دونوں سے درست ہوئے ہیں

خاک[۴] را بر سر زنی سر نشکند
خاک کو سر پر مارے گا وہ سر کو نہ توڑے گی

آب را بر بر زنی بر نشکند
تو پانی کو جسم پر مارے گا وہ جسم کو نہ توڑے گا

گر تو میخواہی کہ سر را بشکنی
اگر تو چاہتا ہے سر کو توڑ دے

آب را و خاک را برہم زنی
پانی اور مٹی کو آپس میں ملالے

چوں شکستی سر رود آبش باصل
جب تو نے سر پھوڑ دیا اُس کا پانی اصل کی طرف چلا جاتا ہے

خاک سوی خاک آید روزِ فصل
جدائی کے دن مٹی، مٹی کی جانب آجاتی ہے

حکمتے کہ بود حق را ز ازدواج
باہم ملنے میں اللہ (تعالیٰ) کی جو حکمت تھی

گشت حاصل از نیاز و از لجاج
وہ عاجزی اور سرکشی سے حاصل ہوگئی

باشد[۵] آنگہ ازدواجاتِ دگر
وہاں دوسرے ملاپ ہوں گے

لَا سَمِعَ اُذُنٌ وَّلَا عَیْنٌ بَصَرْ
جن کو نہ کان نے سنا نہ آنکھ نے دیکھا

---

[۲] ایں۔ یہ جو کچھ تولا ہے اگر بلی ہے تو گوشت کہاں گیا اور اگر گوشت ہے تو بلی کہاں گئی اِس لئے کہ یہ تو ایک چیز کا وزن ہے۔ بایزیدؒ اگر ہم بایزیدؒ جسم کو قرار دیں تو روح کو کیا کہیں اور اگر روح کو بایزیدؒ کہیں تو جسم کو کیا کہیں۔ ہر دو۔ جسم اور روح کے مجموعہ کو بایزیدؒ کہیں گے ریع۔ پیداوار۔ دانہ۔ روح بمنزلہ دانہ کے اور جسم بمنزلہ بھوسے کے ہے۔

[۳] حکمت۔ اللہ تعالیٰ نے روح اور جسم کو باہمی حکمت کیلئے ملا دیا ہے۔ روح … روح جسم کے بغیر بیکار ہے، جسم روح کے بغیر مردہ ہے۔ قالب۔ جسم روح کا قالب ہے روح مغز ہے اور جسم اس کا چھلکا ہے سعی کن۔ انسان کو روح حاصل کرنی چاہیئے قالبت۔ جسم ظاہر ہے روح مخفی ہے دونوں ہی سے دنیا کا نظام چل

[۴] خاک۔ آمیزش سے مقصد براری ہوتی ہے مرف خاک سر نہ پھوڑے گی اس میں پانی کی آمیزش کرکے ڈھیلا بنالو تو سر پھوڑ دیگی۔ بر۔ پہلو، سینہ، بغل۔ روزِ فصل یعنی جب روح جسم سے جدا ہوگی، قرآن پاک میں ہے۔ اِنَّ یَوْمَ الْفَصْلِ کَانَ مِیْقَاتًا۔ بیشک جدائی کا دن مقرر ہے۔ ازدواج۔ یعنی روح اور جسم کا باہمی جوڑ جو دنیا میں لگا ہے اُس کی حکمت یہ ہے کہ نیازمندوں اور سرکشوں کا امتیاز ہوجائے۔

[۵] باشد آنگہ۔ عالم آخرت میں روح کا جو جوڑ لگے گا وہ نہ

گر شنیدے اُذن کے ماندے اُذن | یا کُجا کردے دگر ضبطِ سخن

اگر کان سنتا، کان کب رہتا؟ | یا پھر دوسری بات کہاں محفوظ رکھتا؟

گر بدیدے برف و یخ خورشید را | از یخی بر داشتے اُمّید را

اگر برف اور یخ، سورج کو دیکھ لیتا | یخ پن سے اُمید ہٹا لیتا

آب گشتے بے عروق و بے گرہ | کز لطف از باد میگشتے زرہ

بغیر رگوں اور بغیر گرہ کا پانی بن جاتا | جو ہوا کی لطافت سے زرہ (کی طرح) بنجاتا

پس شدے درمانِ جانِ ہر درخت | ہر درختے از قدومش نیکبخت

پھر وہ ہر درخت کی جان کا علاج بن جاتا | اس کی آمد سے ہر درخت نیک بخت ہو جاتا

واں یخے بفسردہ در خود ماندہ | لامساسے با درختاں خواندہ

ٹھٹھرے ہوئے عاجز یخ نے | نہ چھوؤ درختوں پر پڑھ دیا ہے

لیس یالف لیس یولف جسمہٗ | لیس الا شح نفس قسمہٗ

اس کا جسم نہ محبت کرتا ہے نہ محبت کیا جاتا ہے | اس کا حصہ سوائے نفس کے بخل کے کچھ نہیں ہے

نیست ضائع زو شود تازہ جگر | لیک نبود پیکِ سلطانِ خضر

وہ بیکار نہیں ہے اس سے جگر تازہ ہوتا ہے | لیکن وہ سبزی کے شہنشاہ کا قاصد نہیں ہے

کان نہ سنتا ہے نہ آنکھ نے دیکھا ہے۔ گر شنیدے۔ اگر کان اس کی حقیقت سن لے تو فنا ہو جائے یا اتنی قوت سماعت باقی رہے گر بدیدے۔ کان اسی طرح فنا ہو جائے جس طرح برف از یخ سورج سے فنا ہو جاتا ہے۔ برف۔ برفانی ممالک میں جاڑے میں دو چیزیں آسمان سے گرتی ہیں ایک روئی کے گالوں کی طرح کی چیز ہے اس کو برف کہتے ہیں اور ایک کانچ جیسی اولہ کی طرح کی ہے اس کو یخ کہتے ہیں۔ بے عروق۔ یخ کی لڑیاں جیسی ہیں۔ ز لطف باد۔ ہوا کی لہریں پانی کی سطح کو موجوں کے زرہ کی طرح بناتی ہیں۔ [۳] پس شدے۔ برف اور یخ سے درخت جل جاتے ہیں پانی سے پرورش پاتے ہیں۔ یخ۔ یخ سلسری کی طرح درخت کو کہتا ہے مجھے نہ چھونا۔ لیس۔ نہ معدنیات کا جزو بنتا ہے نہ نباتات کو وہ خوشگوار لگتا ہے۔ شح۔ بخل یعنی برف اور یخ درختوں کو فائدہ نہیں پہنچاتا ہے۔ نیست ضائع لیکن کوئی شخص برف اور یخ کو بیکار نہ کہے اس سے ٹھنڈا کر کے پانی پیا جائے تو جگر میں تازگی پیدا ہوتی ہے۔ خضر۔ سبزی۔

شرح اوپر بیان تھا کہ ایاز کی غلامی پر احرار کو رشک ہوتا ہے۔ اب مولانا اس مضمون سے دوسرے مضمون کی طرف انتقال فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جس طرح ایاز حقیقی بندہ تھا۔ اور اس کا یہ نتیجہ تھا کہ احرار کو اس کی بندگی پر رشک ہوتا تھا۔ اور وہ آزادی کو چھوڑ کر غلامی چاہتے تھے۔ یوں ہی مومن اور حق سبحانہٗ کا عبد حقیقی وہ ہے جس کی ہر اچھی اور بری حالت میں یہ حالت ہو کہ کفار جو کہ حق سبحانہٗ کے نافرمان بندہ ہیں ان کو بھی.... ان کے ایمان اور ان کی بندگی پر رشک آئے اور ان کو اس کی آرزو ہو۔ شاید تم کہو کہ ایسا کون ہو سکتا ہے۔ سو اس کا جواب یہ ہے کہ تمہارا یہ استبعاد صحیح

نہیں - کیونکہ یہ ایک واقعہ ہے کہ حضرت بایزید بسطامیؒ کے زمانہ میں ایک کافر تھا اس سے کسی نیک بخت مسلمان نے کہا کہ تمہارا کیا نقصان ہے اگر تم مسلمان ہو جاؤ اور اس ذریعہ سے تم نجات اُخروی اور شرف عنداللہ حاصل کرو۔ اس نے جواب دیا کہ جناب اگر ایمان اور اسلام اسے کہتے ہیں۔ جو بایزید کو حاصل ہے تو واقعی بات یہ ہے کہ اسلام اچھی چیز ہے اور مجھے مسلمان ہو جانا چاہیئے لیکن میں اپنے اندر اس کی طاقت نہیں دیکھتا۔ کیونکہ وہ ہمارے مساعی سے بالاتر ہے۔ لہٰذا میں معذور ہوں - یہ ضرور ہے کہ میں مسلمان نہیں لیکن مجھے ان کے ایمان کا اعتقاد ہے اور میں اسکی تصدیق رکھتا ہوں کہ اس زمانہ میں وہ سب سے فائق ہے۔ اور نہایت پاکیزہ اور بارونق اور باشان و شوکت ہے۔ اور میں دل سے ان کے ایمان کی تصدیق کرتا ہوں اور جانتا ہوں کہ ان کا دین نہایت سچا ہے۔ گو میرے منہ پر مضبوط مہر ہے اور میں زبان سے اس دین کی حقانیت کا اعتراف نہیں کرتا۔ اور اگر ایمان یہ ہے جو تم کو حاصل ہے اور جس کو تم ایمان کہتے ہو۔ سو جناب مجھے اس ایمان کی خواہش ہے اور نہ اسکی طرف رغبت۔ آپ مجھے معاف رکھیئے۔

سو صاحبو! ایمان اسے کہتے ہیں جس کو کافر بھی تسلیم کرلیں کہ یہ ایمان ہے اور اس کے آرزومند ہوں نہ کہ تمہارا ایمان۔ تمہارے ایمان کی تو یہ حالت ہے کہ اگر کسی کو ایمان کی طرف بہت کچھ میلان ہو تو تمہارے ایمان کو دیکھ کر اس کا دل بھی بُجھ جائیگا۔ اور کسی کو رغبت پیدا ہونا تو درکنار۔ کیونکہ وہ تمہارے اندر صورت ایمان تو پائے گا مگر حقیقت نہ پائے گا۔ لہٰذا وہ اس لفظ کو بے معنی اور برعکس نہند نام زنگی کافور کا مصداق سمجھے گا۔ اور ایسا پائیگا جیساکہ بیابان (مقام خالی عن فوز المرام) کو مفازہ (محل فوز) کہا جاتا ہے۔ لہٰذا جب وہ تمہارے ایمان پر نظر کریگا۔ تو اسکی ایمان لانے کے شوق کا جوش فوراً ٹھنڈا ہو جائے گا۔ اب ہم تمہیں اس کے مناسب ایک حکایت سُناتے ہیں۔ تم اس کو سُنو اور اس کی صورت کو چھوڑ کر معنی اور مقصود کو لے لو۔

ایک مؤذن کریہہ الصوت تھا وہ رات کو تمام رات چلاتا رہتا تھا۔ اُس نے لوگوں پر سونا حرام کر دیا تھا۔ اور اس کی آواز سے تمام لوگوں کے سر میں درد رہنے لگا تھا۔ بچوں

کی یہ حالت تھی کہ رات کو بستر پر پڑے ہوئے ڈرتے تھے اور مرد اور عورتیں سب اُس
کے ہاتھوں مصیبت میں تھیں۔ آخر وہ لوگ چندہ کے لئے اکٹھے ہوئے۔ تاکہ اس زحمت اور دردسری
کو دور کیا جائے اور انہوں نے چندہ کر لیا۔ جب ایک معقول رقم اکٹھی ہوگئی تو انہوں نے
اس مؤذن کو بُلایا اور اسکو وہ روپے دیدے اور کہا کہ جناب! آپ کی اذان سے ہم سیر
ہوگئے ہیں۔ آپنے رات دن ہم پر بہت کرم کیا ہے۔ پس جبکہ آپ کی جانب سے
ہم سب کو یہ دولت ملی ہے کہ ہماری نیند جاتی رہی۔ تو اب گذارش ہے کہ آپ براہ مہربانی
کچھ دنوں کے لیے زبان کو بند رکھیئے۔ تاکہ ہم کو کسی قدر راحت نصیب ہو۔ اور اس کے
عوض میں ہم سے یہ روپے لیجئے۔ اور ہمارے لیے یہ دعا کرتے رہیئے۔ یہ سُنکر اُس نے
روپے لئے اور خاموش ہو رہا ــــ اتفاقًا ایک قافلہ حج کے لیے کعبہ کو جا رہا تھا وہ
بھی اس قافلہ کے ہمراہ چلدیا۔ رات کے وقت اس قافلہ نے کافروں کے ایک شہر میں
قیام کیا۔ اس مؤذن نے جو کہ اپنی آواز کا عاشق تھا وہاں اذان دینی شروع کی لوگوں نے
اُس سے بہت کچھ کہا کہ میاں یہاں اذان نہ کہو خواہ مخواہ جنگ و جدل برپا ہو جائے گی اور طول
طویل دشمنی کا سلسلہ شروع ہو جائے گا یہ سُنکر وہ لڑنے لگا اور بے کھٹکے اذان کہہ
دی۔ لوگوں کو ڈر ہوا کہ مبادا کوئی فتنہ برپا ہو لیکن شور و شر کچھ بھی نہ ہوا۔ بلکہ ایک کافر
کپڑے وغیرہ لیے ہوئے آیا وہ شمع اور کچھ شیرینی اور کچھ عمدہ کپڑے ہدیۃً لے کر دوستانہ
پوچھتا ہوا آیا کہ صاحبو! ذرا یہ بتلادو کہ وہ مؤذن کہاں ہے جس کی آواز سے ہمیں بیحد
راحت پہنچی۔ لوگوں نے تعجب سے کہا کہ جناب! اُس بھدی آواز سے کون سی راحت ہو گی
جو اس بُت خانہ میں پہنچی ہو گی۔ یعنی نہ تو اس کی آواز ہی اچھی ہے جس سے کسی کو راحت
ہو اور نہ یہاں کے لوگ ہی ایسے ہیں جن کو اللہ کے نام سے راحت ہو۔ پھر وہ کیا راحت
ہے جو تم کو پہنچی اسنے جواب دیا کہ میری ایک لڑکی ہے جو نہایت پاکیزہ اور اعلیٰ درجہ کی
ہے۔ اسکو مسلمان ہونے کی خواہش تھی اور یہ خیال کسی طرح اُس کے دل سے نہ نکلتا
تھا۔ لوگ اسکو بہت کچھ سمجھاتے تھے مگر وہ کسی طرح نہ مانتی تھی کیونکہ اس کے دل میں
ایمان کی محبت پیدا ہو چکی تھی اس کا مجھے نہایت رنج تھا اور یہ غم گویا کہ میرے لیئے

انگیٹھی تھا اور میں اسکے لیے عود۔ پس میں بہت کچھ تکلیف اور مصیبت میں تھا
کیونکہ میں دیکھتا تھا کہ اسکے خیالات میں یومًا فیومًا ترقی ہوتی جاتی ہے اور مجھے اس کی
کوئی تدبیر نہ سوجھتی تھی۔ تاآنکہ اس مؤذن نے اذان کہی اس کو اس لڑکی نے سُنا۔
اور کہا کہ یہ مکروہ آواز کیسی ہے جس کی کچھ بھنک میرے کانوں میں پڑی ہے میں نے
تو تمام عمر ایسی مکروہ آواز اپنے بت خانہ میں نہیں سُنی اُس کی بہن نے کہا کہ یہ اذان کی
آواز مسلمانوں کے دین کا طریقہ ہے اور اسکے وہ لوگوں کو نماز کے وقت کی اطلاع کرتے
ہیں اُس کو اس کہنے کا یقین نہ آیا۔ اسلئے اس نے کسی اور سے پوچھا اسنے کہا میرے
چاند! یہ بات بالکل ٹھیک ہے جب کہ اسکو یقین ہوگیا تو اس کا چہرہ زرد ہوگیا اور اسلام
کی طرف سے اس کا دل سرد ہوگیا۔ اس طرح مجھے اس پریشانی اور تکلیف سے نجات
ہوئی اور رات میں خوب چین سے سویا۔ یہ وہ راحت تھی جو مجھے اسکی آواز سے پہنچی
اور اسلئے میں اُس کے لیے ہدیہ لایا ہوں تم بتاؤ کہ وہ کہاں ہے آخر کار لوگوں نے
اسے بتلا دیا ہے کہ وہ حضرت یہ ہیں۔

جب اسنے اسے دیکھا تو کہا کہ جناب! یہ ہدیہ قبول فرمائیے کیونکہ آپ نے
مجھے اس غم سے پناہ دی ہے اور اس مصیبت میں میری دستگیری فرمائی ہے
آپنے جو مجھ پر احسان اور میرے ساتھ سلوک کیا ہے اسکی میں ہمیشہ کے لیے آپکا
غلام ہوگیا ہوں۔ اگر میں مال اور ملک اور دولت میں یکتا ہوتا تو تمہارا منہ اشرفیوں
سے بھر دیتا۔ مگر کیا کیجئے کہ غریب ہوں۔ اور اسلئے اسسے زیادہ خدمت نہیں
کر سکتا۔ پس صاحبو! جس طرح اس مؤذن کی اذان اس لڑکی کے لئے
راہزن ہوگئی تھی یوں ہی تمہارا ایمان بھی کفار کے لیے راہزن ہے کیونکہ وہ ایک
دھوکا اور مجازًا ایمان ہے نہ کہ اصلی اور حقیقی۔

خیر تو اس کافر نے کہا کہ مجھے تمہارے ایمان کی طرف تو میلان نہیں ہے
ہاں بایزیدؒ کے ایمان اور ان کی سچائی سے میرے دل وجان میں یہ آرزو ہے کہ
ایسا ایمان مجھے حاصل ہوجائے اس کافر کا یہ کہنا اس عورت کے مقولہ کے

مشابہہ تھا جس نے گدھے کو جماع کرتے ہوئے دیکھ کر کہا تھا کہ ارے واہ کیا کہنا ہے اس یکتا نر کا۔ اگر جماع یہ ہے جو گدھے کرتے ہیں تو میں کہتی ہوں کہ ہمارے شوہر ہم سے جماع نہیں کرتے۔ بلکہ ہمارے فرج پر تھوکتے ہیں۔

القصہ میں کہتا ہوں کہ بایزیدؒ ایمان کا کما حقہ حق ادا کردیا شاباش ہے اس یکتا شیر خدا کو۔ ان کے ایمان کا اگر ایک قطرہ سمندر میں گر جائے تو سمندر اس قطرہ میں غرق ہو جائے۔ جیسے کہ آگ کی ایک چنگاری بن میں جا پڑتی ہے تو سارا بن بھسم ہو جاتا ہے۔ یا جیسا کہ بادشاہ یا فوج کے دل میں ایک خیال آتا ہے۔ تو وہ خیال جنگ میں دشمنوں کو تباہ و برباد کر دیتا ہے۔

دیکھو! آفتاب ایمان کا ایک ستارہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اندر رونما ہوا تھا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تمام کفار کا کفر فنا ہو گیا۔

(فائدہ: اس پر اگر کسی کو یہ شبہ ہو کہ اس شعر سے معلوم ہوتا ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نور ایمان نعوذ باللہ کامل نہ تھا تو اس کا جواب یہ ہے کہ عدم کمال سے کیا مراد ہے آیا یہ کہ دوسری مخلوق انسان یا جنات یا ملائکہ سے کم تھا۔ تو یہ مضمون نہ اس شعر سے مفہوم ہوتا ہے۔ نہ واقع میں ایسا تھا۔ بلکہ آپ کا ایمان تمام مخلوق کے ایمان سے اکمل تھا۔ اور اگر یہ مراد ہے کہ گو آپ کا نور ایمان تمام مخلوق کے نور ایمان سے بڑھا ہوا تھا مگر وہ کُل نورِ ایمان کا ایک قلیل حصہ تھا تو اس کے تسلیم کر لینے میں کوئی قباحت نہیں کیونکہ نور ایمان کے مراتب غیر متناہی ہیں۔ اور جو نور آپ کو حاصل تھا وہ اس کا ایک خاص مرتبہ تھا جس سے اوپر مراتب غیر متناہیہ ہیں۔

اور اس آفتاب کا ایک ستارہ جو کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب میں واقع ہوا تھا اتنا بڑھا تھا جس سے تمام مشرق اور مغرب کی ظلمتِ کُفر فنا ہو گئی تھی کیونکہ جو لوگ مسلمان ہو گئے تھے ان کا کُفر تو فنا ہی ہو گیا تھا اور وہ تو اس سے مامون ہی ہو گئے تھے رہ گئے اور لوگ سو اُن کے کفر بھی تذبذب میں آ گئے

تھے کیونکہ کم سے کم حقیقتِ اسلام کا شبہ تو ہر ایک کو پیدا ہو ہی گیا تھا۔
الغرض؛ وہ پہلا کفر محض باقی نہ رہا تھا۔ بلکہ اس کی جگہ یا اسلام آگیا تھا یا یہ کھٹکا کہ شاید اسلام ہی حق ہو جائے گیر ہو گیا تھا۔ ہماری تشبیہات سے کسی کو یہ شبہ نہ ہو کہ یہ نورِ ایمان کی مثلیں ہیں۔ نہیں بلکہ تمثیلات اور تشبیہات ہیں۔ اور محض تقریبِ فہم کے لیے یہ تکلف کیا گیا ہے اور کبھی اسکو آگ سے تشبیہ دیگئی ہے۔ کبھی پانی سے اور کبھی خیال سے اور کبھی آفتاب اور ستارہ سے یہ اشیا، نورِ ایمان کے تو کیا برابر ہوتیں۔ یہ تو اسکی ذرہ کے برابر بھی نہیں۔
اور ہم نے جو اسکے لیے ذرہ قرار دیا ہے یہ بھی محض تقریبِ فہم کے لیے ہے ورنہ ذرہ تو جسم کے لیے ہوتا ہے جو کہ قابل انقسام ہے۔ اور ناقابلِ انقسام شئے کے لیے ذرہ نہیں ہوسکتا۔ اور نورِ ایمان ناقابلِ انقسام ہے تو اس کے لئے ذرہ نہیں ہوسکتا۔ پس ذرہ نور ایمان سے ہمارے مراد اس کا ایک ضعیف اور خفی مرتبہ ہے مگر تو مچھلیوں کی طرح بحرِ معرفت کا محرم راز نہیں بلکہ اس کے لیے بمنزلہ خس و خاشاک کے ہے اسلئے ان تمثیلات کی ضرورت پڑتی ہے۔
خیر یہ مضمون تو استطرادی تھا۔ اب ہم پھر حالت شیخ بایزید رحمۃ اللہ علیہ کا بیان کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ان کا ایمان اتنا کامل ہے کہ اگر وہ آفتاب روشن (ایمان شیخ) مشرق جان شیخ سے طالع ہوا اور عالم پر اپنا اثر ڈالے تو تمام عالم سفلی تحت الثریٰ تک گنج معرفت سے مملو ہو جائے اور تمام علوم علوی معارف کی ایک سر سبز جنت بن جائے۔ اسکی اندر دو چیزیں ہیں۔ ایک نور روشن کی بنی ہوئی روح۔ اور ایک ناچیز مٹی کا بنا ہوا جسم۔
میں شیخ کی تعریف کرتا ہوں مگر میں حیران ہوں کہ بایزید کون ہے آیا روح یا جسم؛ اور میں اس اشکال اور اسکی حل کی فکر میں پڑ گیا ہوں۔ اچھا تم بتلاؤ کہ بایزید کون ہے اگر وہ جسم ہے تو پھر روح کیا چیز ہے جسکی نور نے

ہفت آسمان کو پُر کر دیا ہے اور اگر وہ روح ہے تو پھر جسم کیا ہے۔

غرضکہ میں حیران ہوں کہ ان دونوں میں سے بایزید کون ہے اور یہ میرا سوال ایسا ہے جیسا ایک شخص نے اپنی بیوی سے کہا تھا۔ تفصیل اسکی یہ ہے کہ ایک شخص کی شادی ہو چکی تھی اور اسکی بیوی نہایت نخرہ باز اور گندی اور غارت گر تھی۔ چنانچہ وہ جو کچھ لاتا وہ اسے ضائع کر دیتی تھی اور وہ شخص مجبوراً خاموش ہو جاتا تھا۔ اتفاقاً وہ عیالدار شخص ایک مہمان کے لیے بڑی کوشش سے گھر میں گوشت لایا اور کہا کہ اسے پکا دینا عورت نے اسے شراب کباب میں اڑا دیا جب مرد آیا اور گوشت مانگا تو اس نے ایک غلط جواب دیدیا۔ یعنی جب اس نے کہا کہ مہمان آگیا ہے لاؤ وہ گوشت کہاں ہے کیونکہ اب ضرورت ہے کہ مہمان کے سامنے کھانا لے جایا جائے تو عورت نے ایک بلی کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ گوشت تو یہ بلی کھا گئی اگر ضرورت ہو تو اور گوشت لے آؤ۔ اس نے غلام کو حکم دیا کہ ذرا ترازو لانا۔ میں بلی کو تولوں وہ ترازو لے آیا اور بلی کو تولا۔ تو بلی آدھ سیر کی اُتری۔ اس پر اس نے کہا کہ اے مکار عورت، گوشت چھ اوقیہ بلکہ اس سے زیادہ تھا اور بلی صرف چھ اوقیہ ہے اور گوشت ایک استار اوپر آدھ سیر تھا۔ اور بلی صرف آدھ سیر ہے اب اگر یہ بلی ہے تو بتلا گوشت کہاں ہے اور اگر یہ گوشت ہے تو بلی دکھا کہاں ہے۔ پس میں بھی یہی کہتا ہوں کہ اگر بایزیدؒ جسم ہے تو بتلاؤ روح کیا ہے اور اگر بایزید روح ہے تو یہ پیکر جسمانی کون ہے۔

غرضکہ یہ سخت حیرت کا مقام ہے اور اس عقدہ کو حل کرنا نہ تمہارا کام ہے نہ میرا کام۔ بلکہ یہ کام حق سبحانہٗ کا ہے جو کہ حقائق اشیاء کو جانتے ہیں پورے طور پر تو اسکو وہی حل کر سکتے ہیں مگر جس قدر بھی علم عطا کیا گیا ہے اسکے موافق میں بھی کچھ کہتا ہوں اور کہتا ہوں کہ میرے نزدیک بایزید دونوں کا مجموعہ ہے مگر فرق اتنا ہے کہ روح جزو مقصود ہے اور جسم جزو غیر مقصود۔ جیسا کہ پیداوار اور کھیتی میں دانہ مقصود ہوتا ہے اور بھوسہ تابع ہے۔ رہی یہ بات کہ روح اور جسم اپنے صفات کے لحاظ سے متضاد ہیں تو انکو

یکجا کیوں کیا گیا تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس اجتماع میں ایک خاص حکمت ہے اور وہ حکمت ان کے تعلق باہمی کو مقتضی ہوتی ہے۔

شرح اس حکمت کی یہ ہے کہ روح بدون جسم کے کام نہیں کر سکتی اور جسم بے جان کے جماد محض ہے۔ پس ضرور ہوا کہ ان دونوں کو یکجا جمع کیا جائے تاکہ اعمال کا وجود ہو سکے اور امتحان متصور ہو۔ اب ہم تم سے کہتے ہیں کہ دیکھو! قالب بے جان مٹی سے بھی بدتر ہے اور روح اسکی لیے بمنزلہ مغز کے ہے اور وہ بمنزلہ پوست کے۔ اور جس جسم میں جان نہ ہو وہ کسی کام کا ہی نہیں پس تم کوشش کر کے جان حاصل کرو (فائدہ: مقصود یہ ہے کہ تمہاری جان غلبہ صفات جسمانیہ و نفسانیہ کے سبب حکم میں جسم کے ہو گئی ہے اسلئے اب تم بمنزلہ جسم کی جان کے ہو پس تم اوصاف جسمانیہ کو مغلوب کر کے صفاتِ روحانیہ کو غالب کرو۔ تاکہ تم جاندار اور زندہ کہلا سکو۔

خیر یہ مضمون تو استطرادی تھا۔ اب سنو! کہ حق سبحانہ نے باقتضاءِ حکمت تمہارے اندر روح اور جسم دونوں کو جمع کر دیا ہے اور جسم تمہارا ظاہر ہے مگر روح نہایت مخفی اس سے دین و دنیا کے کام درست ہو گئے اگر ایسا نہ کیا جاتا تو پھر یہ کام نہ ہو سکتے تھے۔ کیونکہ ہم بتلا چکے ہیں کہ نہ ان کاموں کا سرانجام صرف روح سے ہو سکتا ہے نہ صرف جسم سے اسلئے روح اور جسم کی ایسی مثال ہے جیسے پانی اور مٹی کی۔ کہ اگر تم صرف خاک کو سر پر مارو۔ تو اس سے سر نہ پھوٹے گا اور اگر صرف پانی کو پہلو پر مارو تو اس سے پہلو نہ ٹوٹے گا۔ بلکہ اگر تم سر کو پھوڑنا چاہتے ہو تو پانی اور مٹی کو ملا لو۔ اس سے سر ٹوٹ جائے گا۔ اسی طرح اگر تم چاہو۔ کہ کام کرو۔ تو یہ نہ صرف روح سے ہو سکتا ہے نہ صرف جسم سے۔ بلکہ اسکے لیے ضرورت ہے دونوں کے ملانے کی۔ تاکہ اعمال متصور ہو سکیں اب سنو! کہ جب تم پانی اور مٹی کو ملا کر سر پھوڑ دو گے تو اس وقت اس کے اجزاء جدا ہو جائیں گے اور پانی اپنے کرہ میں چلا جائے گا اور مٹی اپنے کرہ میں پہنچ جائے گی۔ یوں ہی جب اعمال مقدرہ ختم ہو جائیں گے اس وقت روح اور جسم میں افتراق ہو جائے گا۔ اور ان میں سے ہر ایک اپنے مسکن کی طرف لوٹ جائیگا

کیونکہ جو حکمت حق سبحانہٗ کے ملاپ میں تھی وہ حاصل ہو گئی ہیں اور جس کو طاعت اور معمولی منافع لوگوں کو پہنچتے ہیں اسلئے بیکار ان کا وجود بھی نہیں ہے۔

اےؔ ایاز استارۂ تو بس بلند — نیست ہر برجے عبورش راپسند
اے ایاز! تیرا ستارہ بہت بلند ہے — ہر برج اس کے عبور کا پسندیدہ نہیں ہے

ہر وفا را کے پسندد ہمتت — ہر صفا را کے گزیند صفوتت
تیری ہمت ہر وفا کو کب پسند کرتی ہے؟ — تیری صفائی ہر صفائی کو کب منتخب کرتی ہے؟

لہ لۂ ایاز۔ یہاں سے پھر ایاز کے قصہ کی جانب رجوع کیا ہے۔ برج۔ ستارے کا محور۔ ہر وفا۔ ایاز میں خاص وفاداری اور خاص تسلیم کا خلوص تھا

شرح

یہ اشعار حسرت آزادگاں شد بندگی الخ سے مرتبط ہیں جوکہ بذیل سُرخی فرمودن شاہ با ایاز۔ بار دیگر الخ واقع ہے اور تتمہ ہے تعریف محمود کا۔ اور حل اشعار یہ ہے کہ ایاز! تیرا ستارہ بہت بلند ہے جو اپنے عبور کے لیے ہر بُرج کو پسند نہیں کرتا یعنی تو اور لوگوں سے بہت ممتاز ہے اور تیرا طالع ان ستاروں میں سے کوئی ستارہ نہیں ہے جو اوروں کے لیے طالع ہیں بلکہ وہ ان سے بہت اونچا ہے اور وہ ایسے ویسے برجوں میں گذرنا بھی پسند نہیں۔ بلکہ اُس کے عبور کے لیے کوئی اور بھی بُرج ہیں جو بُروج متعارفہ سے جُداگانہ ہے (خلاصہ یہ ہے کہ تو اپنے اوصاف خلقیہ و خلفیہ میں دوسرے لوگوں سے نہایت ممتاز ہے اسلئے کہ گویا کہ تیرا طالع ولادت ہی کچھ اور ہے اور وہ نہیں ہے جو اوروں کا ہوتا ہے۔) تیری ہمت عالی ہر وفا کو کب پسند کرتی ہے اور تیرا انتخاب ہر صفا کو قبول نہیں کرتا۔ بلکہ اس کی لیے خاص وفا اور خاص صفا کی... ضرورت ہے اور تیری مثال ایسی ہے جیسے اُس زاہد کی جوکہ حضرت عیسٰی علیہ السلام کے زمانہ میں تھا۔ جس میں شراب حلال تھی۔ لیکن وہ باوجود حکمت کے شراب خواری کو پسند نہ کرتا تھا۔ قصہ اس کا حسب ذیل ہے۔

حکایتِ آں امیر کہ غلام را گفت مے بیار غلام رفت و سبوئے

اُس امیر کی حکایت۔ جس نے غلام سے کہا شراب لے آ غلام گیا اور شراب

مے آورد در راہ زاہدے بُود امرِ معروف کرد سنگے بزد و سبو

کی ٹھلیا لا رہا تھا راستہ میں ایک زاہد تھا جس نے بھلائی کا حکم کیا، پتھر مارا

را بشکست امیر بشنید قصدِ ہلاک و گوشمالِ زاہد کرد زاہد

اور ٹھلیا کو توڑ دیا، امیر نے سُنا زاہد کو ہلاک کرنے اور سزا دینے کا ارادہ کیا

گریخت ایں قضیہ در عہدِ عیسیٰ علیہ السلام بُود کہ ہنوز

زاہد بھاگ گیا، یہ معاملہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے کا تھا کہ اُس وقت تک

مے حرام نشدہ بُود لیکن زاہد تقذرے[2] میکرد و از لذت

شراب حرام نہ ہوئی تھی، لیکن زاہد گھن کرتا تھا اور مزے اُڑانے اور

و تنعم منع می کرد

عیش پرستی سے روکتا تھا

بُود امیرے خوشدلے مے بارۂ[3]
ایک امیر خوش دل، شراب دوست تھا

کہفِ ہر مخمور و ہر بیچارۂ
ہر شرابی اور ہر بے کس کا سہارا تھا

مشفقے مسکیں نوازے عادلے
مہربان، غریب پرور، منصف تھا

گوہرے زر بخشے و دریا دلے
سخی، سونا عطا کرنے والا اور دریا دل تھا

شاہِ مردان[4] و امیر المؤمنیں
بہادروں کا شاہ، مؤمنوں کا امیر تھا

راہ بان[5] و رازدان و دُور بیں
راستہ کا محافظ اور بھیدوں سے واقف اور دور بین تھا

دورِ عیسیٰ بود و ایامِ مسیحؑ
حضرت عیسیٰؑ کا دور تھا اور حضرت مسیحؑ کا زمانہ تھا

خلق دلدار و کم آزار و ملیح
لوگ دلدار اور نہ ستانے والے اور خوش مزاج تھے

آمدش مہماں بناگاہاں شبے
ایک رات اچانک اُس کے پاس مہمان آیا

ہم امیرِ جنسِ او خوش مذہبے
جو اُسی جیسا حاکم اور دیندار تھا

بادہ[6] میبایست شاں در نظمِ حال
اُن کو حالت کی باقاعدگی کے لئے شراب درکار تھی

بادہ بُود آنوقت ماذون و حلال
اُس وقت شراب جائز اور حلال تھی

بادہ شاں کم بُود گفتا اے غلام
اُن کی شراب کم تھی اور اُس نے کہا اے غلام!

رو سبو پُر کن بما آور مُدام
جا ٹھلیا بھر، ہمارے پاس شراب لے آ

از فلاں راہب کہ دارد خمرِ خاص
فلاں راہب کے پاس سے کیونکہ وہ مخصوص شراب رکھتا ہے

تا ز خاص و عام یابد جان خلاص
تاکہ عوام و خواص سے جان کو چھٹکارا حاصل ہو

۔ حکایت۔ جس طرح ایاز کا خلوص اور دوسرا عام خلوص اور وفا سے برتر تھا اِس حکایت سے یہ جتاتا ہے کہ مختلف پرہیزگاروں کی پرہیزگاری میں بھی بڑا فرق ہے۔

[2] تقذر۔ گھن آنا سمجھنا۔ تنعم۔ عیش پرستی۔

[3] بارہ۔ شراب کو محبوب رکھنے والا۔ کہف۔ غار، جائے پناہ۔ گوہر۔ سخی۔ شاہِ مرداں۔ بہادر۔

[5] راہ بان۔ راستہ کا محافظ۔ دورِ عیسیٰ۔ حضرت عیسیٰ مسیحؑ کا زمانہ پیار و محبت کا زمانہ تھا۔ ہم جنس یعنی وہ بھی اسی طرح کا امیر اور مذہبی تھا جیسا کہ میزبان تھا۔

[6] بادہ۔ وہ لوگ دیندار تھے اور شراب استعمال کرتے تھے چونکہ حضرت عیسیٰؑ کے دور میں شراب حلال تھی۔ ماذون۔ جس کی اجازت حاصل ہو۔ مُدام۔ شراب۔ راہب۔ نصرانی عبادت گزار جس نے دنیا ترک کر کے گرجا گھر میں اقامت کر لی ہو۔ رہبان اس کی جمع ہے۔ خلاص۔ یعنی اور دوسرے خریدنے کی ضرورت نہ پڑے۔

جرعۂ زاں جامِ راہب آں کند
اُس راہب کے جام کا ایک گھونٹ وہ کرتا ہے

کہ ہزاراں جرّہ و خمداں کند
جو ہزاروں ٹھلیاں اور مٹکے کرتے ہیں

اندراں مے مایۂ پنہانی ست
اُس شراب میں ایک سرمایہ پوشیدہ ہے

آنچناں کاندر عبا سلطانی ست
جس طرح چوغہ میں شہنشاہی ہے

تو بدلقِ پارہ پارہ کم نگر
تو پھٹی پرانی گدڑی کو نہ دیکھ

کز سیہ کردند از بیرونِ زر
کیونکہ اوپر سے سونے کو کالا کر دیا ہے

از برائے چشمِ بد مردود شد
بد نظری کی وجہ سے وہ ناپسند بنا ہے

در برون آں لعل دُود آلود شد
اور باہر سے وہ لعل دھوئیں سے آلودہ ہے

گنج و گوہر کے میانِ خانہاست
خزانہ اور گوہر گھروں میں کہاں ہے!

گنجہا پیوستہ در ویرانہاست
خزانے ویرانوں سے وابستہ ہیں

گنجِ آدمؑ چوں بویراں بُد دفیں
(حضرت) آدمؑ کا خزانہ چونکہ ویرانہ میں دفن تھا

گشت طینش چشم بندِ آں لعیں
اس کی مٹی اُس لعین کی آنکھ کا پردہ بن گئی

اُو نظر میکرد در طین مست سست
وہ مٹی کو حقارت سے دیکھتا تھا

جاں ہمی گفتش کہ طینم سدِّ تست
روح اُس سے کہتی تھی کہ میری مٹی تیری روک ہے

دو سبو بستد غلام و خوش دوید
غلام نے دو ٹھلیاں لیں اور تیز دوڑا

در زماں در دیرِ رہباناں رسید
فوراً راہبوں کے گرجا گھر میں پہنچ گیا

زر بداد و بادۂ چوں زر خرید
سونا دیا اور سونے جیسی شراب خرید لی

سنگ داد و در عوض گوہر خرید
پتھر دیا اور بدلے میں گوہر خرید لیا

بادۂ کاں بر سرِ شاہاں جہد
وہ شراب جو بادشاہوں کے سر میں اثر کرتی ہے

تاجِ زر بر تارکِ ساقی نہد
ساقی کے سر پر سونے کا تاج رکھ دیتی ہے

فتنہا و شورہا انگیختہ
فتنے اور شور برانگیختہ کر دیتی ہے

بندگان و خسرواں آمیختہ
غلاموں اور شاہوں کو ملا دیتی ہے

استخوانہا رفتہ جملہ جاں شدہ
ہڈیاں ختم ہو جاتی ہیں سب کچھ جان بنتا ہے

تخت و تختہ آں زماں یکساں شدہ
اُس وقت تخت اور تختہ یکساں ہو جاتا ہے

وقتِ ہشیاری چو آب و روغن اند
(انسان) جو ہوش کے وقت پانی اور تیل کی طرح ہیں

وقتِ مستی ہمچو جاں اندر تن اند
مستی کے وقت جسم میں جان کی طرح ہیں

چوں ہریسہ لحم و گندم غرق ہم
جیسا کہ ہریسہ، گوشت اور گیہوں باہم غرق ہیں

ہیچ سبقے نے درایشاں فرق ہم
انہیں کوئی دوئی نہیں، نہ انہیں باہمی فرق ہے

جرعہ۔ ایک گھونٹ۔ جرّہ۔ ٹھلیا۔ خمداں۔ اُس راہب کی شراب میں ایک مخفی سرمایہ ہے، جس طرح عبا میں سلطانی مخفی ہوتی ہے۔

۲ تو بدلق۔ فقرا کی گدڑی کو حقارت سے نہ دیکھنا چاہیئے فقرا کی گدڑی میں وہ سلطانی ہوتی ہے جو شاہوں کو بھی نصیب نہیں ہے۔ کز سیہ۔ سونے کو اوپر سے کالا کر دیا جاتا ہے تاکہ اُسکو کوئی نہ چرائے۔ مردود۔ نظر بد سے بچانے کے لئے سونے کو اوپر سے کالا کر دیا جاتا ہے لعل۔ لعل کو بھی دھوئیں سے آلودہ کر دیا جاتا ہے۔ گنج۔ حضرت آدمؑ کی روح چونکہ جسم کی مٹی میں تھی وہ مٹی شیطان کی آنکھ کا پردہ بن گئی۔

۳ اُو نظر۔ شیطان کی نظر صرف مٹی پر تھی سست۔ روک۔ دیر۔ یعنی گرجا گھر۔ زر بداد۔ اشرفیوں سے عمدہ قسم کی شراب خرید لی سنگ داد۔ سونا پتھر میں سے نکلتا ہے۔ بادہ۔ شاہ جہد۔ اس قسم کی شراب سے مست

۴ فتنہا۔ شراب شور و شر پیدا کرتی ہے اور آقا اور غلام کا امتیاز مٹا دیتی ہے استخوانہا۔ شراب پی کر انسان مجسم جان بن جاتا ہے۔ تخت۔ یعنی شاہی تخت۔ تختہ۔ یعنی پھانسی کا تختہ۔ وقتِ ہشیاری۔ ہوش کے وقت آدمیوں میں ایسا بیر ہوتا ہے جیسا کہ تیل اور پانی میں اور مستی کے وقت سب ایک جان ہو جاتے ہیں۔ ہریسہ۔ حلیم کی طرح کا کھانا ہے جس میں گوشت اور

چوں ہریسہ گشت آنجا فرق نیست — نیست فرقے کاندر آنجا غرق نیست

جب ہریسہ بن گیا وہاں کوئی فرق نہیں ہے — کوئی ایسا فرق نہیں ہے جو وہاں غرق نہ ہو گیا ہو

ایں چنیں بادہ ہمی بُرد آں غلام — سُوی قصرِ آں امیرِ نیک نام

وہ غلام اس طرح کی شراب لے جا رہا تھا — نیک نام امیر کے محل کی جانب

پیش آمد زاہدے غم دیدہ — خشک مغزے در بلا پیچیدہ

ایک غموں کا مارا زاہد سامنے آگیا — جس کا دماغ خشک ہو گیا تھا مصیبت میں پھنسا ہوا تھا

تن ز آتشہای دل بگداختہ — خانہ از غیرِ خدا پرداختہ

جسم دل کی آگوں سے پگھل گیا تھا — اس نے دل کو خدا کے سوا سے خالی کر دیا تھا

گوشمالِ محنتِ بے زینہار — داغہا بر داغہا چندیں ہزار

بے پناہ مشقت کی گوشمالی کی وجہ سے — داغوں پر داغ کئی ہزار تھے

دیدہ ہر ساعت خلش در اجتہاد — روز و شب چفسیدہ اُو بر اجتہاد

وہ ہر وقت مجاہدے میں تکلیف اٹھاتا تھا — وہ دن رات مجاہدے سے چپٹا ہوا تھا

سال و مہ در خاک و خوں آمیختہ — صبر و حلمش نیم شب بگریختہ

سالوں اور مہینوں خاک اور خون میں لتھڑا تھا — اس کا صبر اور بُردباری آدھی رات کو بھاگ چکی تھی

دید در شب یک غلام نیک پے — در شتابش اُو زمیں میکرد طے

اس نے ایک نیک خصلت غلام کو رات میں دیکھا — وہ اپنی جلدی میں زمین طے کر رہا تھا

گفت زاہد در سبوہا چیست آں — گفت بادہ گفت آنِ کیست آں

زاہد نے کہا مٹکیوں میں کیا ہے؟ — اس نے کہا شراب، اس نے کہا کس کی ہے؟

گفت ایں آنِ فلاں میرِ اجل — گفت طالب را چنیں باشد عمل

اس نے کہا یہ فلاں بڑے سردار کی ملکیت ہے — اس نے کہا طلبگار کا یہ کام ہوتا ہے؟

طالبِ یزداں و آنگہ عیش و نوش — بادۂ شیطان و آنگہ تیز ہوش

خدا کا طلبگار، اور پھر عیش اور پینا — شیطانی شراب اور پھر ہوش کی تیزی؟

ہوشِ تو بے مے چنیں پژمردہ است — ہوشہا باید بر آں ہوشِ تو بست

تیرا ہوش بغیر شراب کے ایسا اثر چھایا ہوا ہے — تیرے ہوش سے بہت سے ہوش وابستہ کرنے چاہئیں

تا چہ باشد ہوشِ تو ہنگامِ سُکر — اے چو مرغے گشتہ صیدِ دامِ مکر

پھر نشہ کے وقت تجھے ہوش کہاں ہوگا؟ — اے وہ! جو پرندہ کی طرح فریب کے جال میں ہے

گیہوں کا دلیہ ہوتا ہے جب ہریسہ تیار ہو جاتا ہے تو گوشت اور دلیہ میں امتیاز نہیں رہتا۔ فرق۔ اب دونوں کا فرق ختم ہو جاتا ہے۔

۲ ایں چنیں۔ وہ غلام ان اوصاف کی شراب امیر کے محل کی طرف لے کر چلا۔ غم دیدہ یعنی جس پر قبض کی کیفیت طاری تھی۔ خشک مغز۔ مجاہدہ کی کثرت سے اس کا دماغ خشک ہو گیا تھا۔ تن۔ اس زاہد کا جسم عشق کی آگ سے پگھل گیا تھا اور اس کے دل میں صرف حق تعالیٰ کا خیال تھا۔

۳ گوشمال۔ مجاہدوں کی بے پناہ مشقت نے اس کے دل پر ہزاروں داغ لگا دیئے تھے۔ دیدہ۔ اس کا شغل شب و روز مجاہدہ تھا۔ نیم شب یعنی اس کو رتہ نہ چلا اور اس میں صبر اور حلم کی طاقت نہ رہی تھی۔ دید۔ اس نے دیکھا غلام بہت تیز جا رہا تھا۔

۴ گفت ایں۔ غلام نے زاہد کے جواب میں کہا کہ یہ شراب امیر عظیم کی ہے زاہد نے کہا کہ طالب حق کے یہ کام ہوتے ہیں اس کو تو اور زیادہ عیش سے بچنا چاہیئے شیطانی شراب پی کر ہوش کہاں رہتا ہے۔ ہوش۔ انسان بغیر شراب کے بھی غافل ہے جبکہ یہ بیکار ہوش دیکھا رہی تو پھر نشہ میں کیا ہوش رہ سکتا ہے۔ اے۔ شہوت میں تو ایسا ہی پھنستا ہے جس طرح پرندہ جال میں۔

حکایتِ ضیائے بلخ کہ دراز بالا بوُد و برادرش شیخ الاسلام

ضیاء بلخ کا قصہ جو دراز قد تھے اور اُن کے بھائی شیخ الاسلام

تاجِ بلخ بغایت کوتاہ بالا بوُد و ایں شیخ الاسلام از

تاج بلخ بہت چھوٹے قد کے تھے اور یہ شیخ الاسلام اپنے

برادرش ننگ داشت، روزے ضیا در آمد بدرسِ اُو و ہمہ

بھائی سے ذلت محسوس کرتے تھے ایک روز ضیا اُن کے درس میں پہنچ گئے

صدورِ بلخ حاضر بوُدند بدرسِ اُو ضیا خدمتے کرد و بگذشت

اور بلخ کے تمام صدر اُن کے درس میں حاضر تھے، ضیا نے حاضری دی اور چل دیئے

شیخ الاسلام نیم قیام کرد سَرسَری ضیا گفت آرے

شیخ الاسلام معمولی طور پر آدھے کھڑے ہو گئے ضیا نے کہا بیشک آپ

سخت درازی پارہ دَر دُزداز خود

بہت لمبے ہیں کہ اپنے میں سے ایک حصہ چرا لیا

آں ضیائے بلخ خوش[۵۳] الہام بوُد ۔۔۔ وا در آں تاجِ شیخ اسلام بوُد

ضیا بلخی خوش طبع تھے ۔۔۔ تاج شیخ الاسلام کے بھائی تھے

از برائے علم خلقے پیشِ اُو ۔۔۔ گشتہ دائم در ملازم دَرس جُو

علم کی وجہ سے لوگ اُن کے سامنے ۔۔۔ ہمیشہ رہتے تھے، صحبت میں درس کے طالب

تاجِ شیخ اسلام دار الملک بلخ ۔۔۔ بوُد کوتہ قد و کوچک ہمچو فرخ

دار الخلافہ بلخ کے شیخ الاسلام تاج ۔۔۔ پست قد اور چوزے کی طرح چھوٹے تھے

گرچہ[۵۴] فاضل بوُد و فحل و ذو فنوں ۔۔۔ ایں ضیا اندر ظرافت بُد فزوں

اگرچہ فاضل تھے اور یکتا اور فنون والے ۔۔۔ یہ ضیا مذاق میں بڑھے ہوئے تھے

اُو بسے کوتہ ضیا بے حد دراز ۔۔۔ بوُد شیخ اسلام را صد کبر و ناز

وہ بہت ٹھگنے، ضیا بہت لمبے ۔۔۔ شیخ الاسلام میں سینکڑوں تکبر اور ناز تھے

زیں برادر عار و ننگش آمدے ۔۔۔ آں ضیا ہم واعظے بُد باہُدے

اِن بھائی سے، اُن کو عار اور ذلت آتی ۔۔۔ وہ ضیا بھی باہدایت واعظ تھے

روزِ محفل اندر آمد آں ضیا ۔۔۔ بارگہ پُر قاضیان و اصفیا

مجلس کے دن ضیا اندر آئے ۔۔۔ دربار قاضیوں اور منتخب لوگوں سے بھرا ہوا تھا

کرد شیخ اسلام از کبرِ تمام ۔۔۔ ایں برادر را چنیں نصف[۵۶] القیام

شیخ الاسلام نے پورے غرور سے کیا ۔۔۔ اس بھائی کے لئے، ایسے ہی آدھا قیام

پس ضیا چوں دید کبر اندر سَرش ۔۔۔ انفعالے داد حالے در خورش

جب ضیا نے اُن کے سر میں غرور دیکھا ۔۔۔ اُن کے مناسب فوراً اُن کو شرمندہ کیا

---

۵۲ حکایت۔ یہ بتایا تھا کہ انسان خود ہی مدہوش ہے، شراب پی کر تو اور بدحال ہوگا اس حکایت سے بھی یہی بتایا ہے کہ شیخ الاسلام کا محدود قد چھوٹا تھا نیم قد کھڑے ہونے پر اور چھوٹا ہو گیا۔

۵۳ خوش الہام۔ ظرافت مزاج۔ وادر۔ برادر۔ ملازم۔ ملازمت۔ دار الملک۔ دار الخلافہ۔ فرخ۔ پرندکا بچہ۔

۵۴ گرچہ۔ تاج شیخ الاسلام اگرچہ بڑے صاحب علم تھے لیکن ضیاء خوش طبعی میں اُن سے بڑھے ہوئے تھے۔ آں ضیا۔ ضیا ہدایت یافتہ واعظ تھے، شیخ الاسلام کا اُن کی بھائی بندی سے ذلت محسوس کرنا غیر مناسب تھا۔ اصفیاء۔ برگزیدہ۔

۵۶ نصف القیام۔ یعنی تعظیم کے لئے آدھے کھڑے ہوئے۔ پس ضیا۔ چونکہ ضیا کو محسوس ہوا کہ دماغ میں تکبر ہے اس لئے فوراً اُن کو شرمندہ کیا۔

گفت آرے بس درازی بہر مزد ۔ اندکے زاں قدِ سروت ہم بدزد

انھوں نے کہا، جی ہاں آپ بہت لمبے ہیں مزدوری کیلئے ۔ اپنے سرو جیسے قد سے بھی تھوڑا سا چرا لیا۔

رجوع بحکایت زاہد با غلامِ امیر

امیر کے غلام کے ساتھ زاہد کی حکایت کی طرف واپسی

پس ترا خود ہوش کو و عقل کو ۔ تا خوری مَے اے تو دانش را عدو

پھر تجھے خود ہوش کہاں اور عقل کہاں ہے؟ ۔ تاکہ تو شراب پیئے، اے عقل کے دشمن!

روت بس زیباست نیلی ہم بکش ۔ ضحکہ باشد نیل بر روی حبش

تیرا چہرہ بہت حسین ہے، نیل بھی لگا لے ۔ حبشی کے چہرے پر نیل مذاق ہوتا ہے

در تو نورے کے درآمد اے غوی ۔ تا تو مَے نوشی و ظلمت جو شوی

اے گمراہ! تیرے اندر نور ہی کب آیا ہے؟ ۔ کہ تو شراب پیئے اور ظلمت کا طالب بن جائے

سایہ در روزست جستن قاعدہ ۔ در شبِ ابرے تو سایہ جو شدہ

سایہ تلاش کرنے کا قاعدہ، دن میں ہے ۔ تو ابر والی رات میں سایہ کا طالب بنا ہے

گر حلال آمد پئے قوتِ عوام ۔ طالبانِ دوست را آمد حرام

اگر وہ (شراب) عوام کی خوراک کیلئے حلال ہے ۔ دوست کے طلبگاروں کے لئے حرام ہے

عاشقاں را بادہ خونِ دل بود ۔ چشمِ شاں بر راہ و بر منزل بود

عاشقوں کی شراب، خونِ دل ہوتا ہے ۔ اُن کی نگاہ، راہ اور منزل پر رہتی ہے

در چنیں راہ و بیابانِ مخوف ۔ اے قلاوزِ خرد با صد کسوف

ایسے راستے اور خوفناک جنگل میں ۔ (اور) اے عقل کے رہنما سینکڑوں گہن میں

خاک در چشمِ قلاوزاں زنی ۔ کارواں را ہالک و گمرہ کنی

تو رہنماؤں کی آنکھ میں دھول جھونکتا ہے ۔ قافلہ کو تباہ اور گمراہ کرتا ہے

نانِ جو حقا حرام ست و فسوس ۔ نفس را در پیش نہ نانِ سبوس

جَو کی روٹی (بھی) حرام اور باعثِ افسوس ہے ۔ نفس کے سامنے بھوسی کی روٹی رکھ

دشمنِ راہِ خدا را خوار دار ۔ دزد را منبر منہ بر دار دار

(اللہ تعالیٰ) کے راستہ کے دشمن کو ذلیل کر ۔ چور کے لئے منبر نہ بچھا، سولی پر چڑھا

دزد را تو دست بریدن پسند ۔ از بریدن عاجزی دستش بہ بند

تو چور کے ہاتھ کاٹ ڈالنے کو پسند کر ۔ (اگر) تو کاٹنے سے عاجز ہے اسکے ہاتھ باندھ دے

گر نہ بندی دستِ او دستِ تو بست ۔ گر تو پایش نشکنی پایت شکست

اگر تو اسکے ہاتھ نہ باندھے گا وہ تیرے ہاتھ باندھ دیگا ۔ اگر تو اس کا پاؤں نہ توڑے گا وہ تیرا پاؤں توڑ دیگا

بہ تجر

گردو پیش لوگوں کو مستعد بنا کر نذرانہ وصول کرنے کے لئے۔ بہ تجر ریت۔ طنز کہا۔

[a] پس ترا۔ زاہد کے قصہ کی طرف رجوع کیا ہے۔ روت۔ حسین چہرے پر نظر بد سے بچانے کے لئے ماتھے پر نیل لگا دیا جاتا ہے اب اگر کوئی بد صورت نیل لگائے تو اس کا مزید مذاق بنے گا یعنی کہ ہنسی کی چیز۔ گر حلال۔ شراب اگرچہ عوام کی تقویت کیلئے حلال ہے لیکن نفس کی لذت کے لئے حلال چیز بھی پرہیزگاروں کے لئے ممنوع ہوتی ہے۔

[b] عاشقاں۔ عاشق شراب کی بجائے خونِ دل پیتے ہیں اور وہ راہ و منزل کی فکر میں لگے رہتے ہیں ان کو عیش پرستی کی فرصت کہاں ہے۔ در چنیں۔ راہ طریقت، خوفناک راستہ ہے اس میں تو بہت سے حواس کی ضرورت ہے عقل جب شراب کے گہن میں ہو تو کیا راہنمائی کر سکتی ہے۔ .... خاک۔ مدہوش کی عقل کیا راہنمائی کرے گی وہ تو قافلہ کو گمراہ کر دے گی۔ نانِ جو۔ اگر جَو کی روٹی سے بھی حظِ نفس حاصل ہو تو بھوسی کی روٹی کھانا چاہیئے۔

[c] دشمن۔ نفس راہِ خدا کا دشمن ہے اس کو ہر وقت ذلیل رکھو اس کی عزت نہ کرو، پھانسی پر چڑھا دے۔ دزد۔ چور کا ہاتھ کاٹنا چاہیئے یعنی

زہر ترا تو باندھ بیچے بابیں۔ گرہ بندی۔ اگر تونے چور کو آزاد چھوڑا تو وہ تجھے تباہ کردے گا۔ بہتر یہ ۔ اس کو راحت سے کیوں رکھتا ہے۔ شکست زد۔ لاجرم غیرت آئی اور اس نے شراب کی ٹھلیا پر پتھر مارا

تو عدو رامے دہی و نیشکر
تو دشمن کو شراب اور گنا دیتا ہے

زد ز غیرت بر سبو سنگ و شکست
اس نے غیرت سے ٹھلیا پہ پتھر مارا اور توڑ دیا

بہرچہ گو زہر نوش و خاک خور
کسلئے؟ کہہ دے زہر پیئے اور خاک پھانکے

او سبو انداخت از زاہد بجست
اس (غلام) نے (دوسری) ٹھلیا پھینکدی (اور) زاہد سے بھاگ ملا

شرح ایک امیر تھا جو کہ خوش دل۔ اور شراب دوست اور مستوں اور عاجزوں کی جائے پناہ اور مشفق اور غریب نواز اور منصف اور صاحبِ کرم اور لوگوں کو مال دینے والا اور دریا دل اور بڑا مرد اور مسلمانوں کا حاکم اور راہنما اور واقف اسرار، اور دُور بین تھا اور عیسیٰ علیہ السلام کا زمانہ تھا جو کہ مخلوق کی دل داری کرنے والا اور کسی کو دُکھ نہ دینے والے اور پسندیدہ شخص تھے۔

اتفاق سے ایک رات اس کے یہاں ایک صاحب مہمان ہوئے جو کہ امیر اور اس کے ہم جنس اور اچھے مسلک کے آدمی تھے۔ ان صاحبوں کو درستی حالت کے لیے شراب سُبحانہٗ کرنی تھی وہ طاعت کرچکا ہے اور جس کو مخالفت کرنی تھی وہ مخالفت کرچکا غرضکہ یہ ترکیب تو ختم ہوئی۔ اسکے بعد روح کو عقوبات اور انعامات الٰہیہ کے ساتھ اور بہت سے اتصال ہونگے جن کو نہ کسی کان والے نے سُنا ہے اور نہ کسی آنکھ والے نے دیکھا ہے۔ جبکہ وہ ہنوز کتم غیب میں مستور ہیں۔

یہاں سے مولانا مضمون ارشادی کی طرف انتقال کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر کوئی کان والا یعنی غافل ان کو یوں سُن لیتا۔ جیسا کہ سُننے کا حق ہے تو وہ کان والا یعنی غافل ہی نہ رہتا۔ لیکن اس وقت وہ فرط اشتغال آخرت کے سبب کوئی لایعنی بات ہی نہ سُن سکتا۔ اسلئے کہ ان امور کی ایسی مثال ہے جیسے خورشید اور کان والے یعنی غافل کی ایسی مثال ہے جیسے برف۔ پس اگر یہ برف (کان والا) آفتاب (احوال اُخرویہ) کا مشاہدہ کرلیتا تو اسکو اپنی برفیت اور غفلت سے

امید کو منقطع کر دینا پڑتا۔ اور وہ خالص مسار کی مانند ہو جاتا جو کہ لطف ہوا سے بل کھاکر ذرہ کی مانند ہو جاتا۔ یعنی اس وقت وہ مطیع محض ہوتا حق سبحانہٗ کے حکم پر چلتا اور خودی میں محبوس نہ رہتا۔ اور اسکے بعد وہ آبِ حیات بن جاتا اور درختوں یعنی طالبوں کے جان کی دَوَا ہو جاتا۔ اور ہر درخت (طالب) اس کی آمد سے خوش قسمت ہو جاتا وہ خود کامل اور دوسروں کے لیے مکمل ہو جاتا۔ اسے وہ لوگ جو ٹھٹھرے ہوئے برف کی مانند اور احوال آخرت سے متحیر ہیں انکی یہ حالت ہے کہ وہ خودی میں محبوس ہیں اور درختوں کے ساتھ میل نہیں کھاتے یعنی دوسروں کو ان سے فائدہ نہیں پہنچتا۔ اور نہ تو وہ خود کسی سے میل کھاتے ہیں اور نہ ان سے کوئی میل کھاتا ہے۔ بلکہ ان کے حصہ میں بخل آگیا ہے کہ وہ کسی کو فائدہ نہیں پہنچاتے۔ لیکن تاہم وہ بیکار نہیں ہیں۔ بلکہ جس طرح برف سے کلیجہ ٹھنڈا ہوتا ہے یوں ہی ان سے بھی کچھ نہ کچھ فائدہ دوسروں کو ضرور ہوتا ہے۔ مگر وہ سبزہ کے بادشاہ یعنی حق سبحانہٗ کا قاصد نہیں بن سکتے اور حق سبحانہٗ کے فیوض کو سبزہ تک نہیں پہنچا سکتے۔ یعنی وہ شیخ بن کر طالبین کی تربیت روحانی نہیں کر سکتے جو کہ صفت ہے کاملین کی۔ ہاں ان سے

درکار تھی۔ کیونکہ اس زمانہ میں شراب حلال تھی۔ اسکے پاس شراب نہ تھی اسلیئے آقا نے کہا کہ اے غلام جا۔ اور فلاں راہب کے پاس جو کہ خاص شراب رکھتا ہے گھڑا بھر کے ہمارے لیے شراب لے آ۔ تاکہ خاص عام کے خیالات سے ہماری جان کو نجات ہو جائے اور ہم اسکو پی کر مست اور بے خود ہو جائیں۔

یہاں سے مولانا شراب معروف سے شراب عشق الٰہی کی طرف انتقال فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تارک الدنیا لوگوں کی جام محبت کا ایک گھونٹ وہ کام کرتا ہے جو کہ ہزاروں گھڑے اور خم کرتے ہیں۔ اور ان کے اندر وہ شراب یونہی باطنی دولت ہے جیسے کمبل میں سلطنت ہو تم ان کی ظاہری خستگی اور اس کی پھٹی ٹوٹی گدڑی کو نہ دیکھنا۔ اسلیئے کہ یہ ان کے کمال باطنی کے منافی نہیں ہے۔ کیونکہ قاعدہ

ہے کہ سونے کو اوپر سے کالا کر دیا کرتے ہیں تاکہ چوروں اور ڈکیتوں سے محفوظ رہے اور نظر بد سے حفاظت کے لیے وہ بظاہر قابل رد ہوتا ہے اور صرف باہر سے وہ بیش قیمت مال دود آلود ہوتا ہے اور اندر سے نہایت عمدہ ہوتا ہے۔

نیز خزانہ اور جواہرات لوگ گھروں میں نہیں رکھتے۔ بلکہ ویرانوں میں رکھتے ہیں۔ جہاں کسی کو ان کے وجود کا شبہ بھی نہ ہو۔ یونہی دولت باطنی بھی خستہ حالوں کو دی جاتی ہے تاکہ بیگانوں کی نظر بد سے محفوظ رہے۔

چنانچہ آدم علیہ السلام کی دولت باطنی ویرانہ یعنی ان کے جسم خاکی میں مستور تھی اسلیئے ان کی مٹی نے ابلیس ملعون کی آنکھ بند کردی اور وہ اس دولت کو نہ دیکھ سکا۔ اور مٹی پر حقارت سے نظر کرتا تھا۔ مگر ان کی جان بزبان حال کہہ رہی تھی کہ یہ میری مٹی میرے لیے اس خزانہ تک پہنچنے سے مانع ہے اور تو اپنی محرومی وشقاوت کے سبب اس تک نہیں پہنچ سکتا۔

خیر یہ مضمون استطرادی تو ختم ہُوا ۔۔۔ اب قصہ سُنو! غلام نے آقا کا حکم سُنکر دو گھڑے لیئے اور تیز رفتاری کے ساتھ گیا اور راہبوں کے دیر میں پہنچ گیا۔ وہاں پہنچکر اشرفی روپیہ اُن کے حوالہ کیا اور سونے کی مثل روشن شراب

شراب خرید لی اور اس طرح اسے گویا کہ پتھر دے کر موتی خرید لیے یعنی شراب لے لی جس کی یہ شان ہے کہ بادشاہوں کے سر پر چڑھتی اور ساقی کے سر پہ تاج زر رکھتی ہے۔ اور جوکہ بہت سے فتنہ اور شور وشغب پیدا کرتی اور غلاموں اور بادشاہوں کو یک رنگ کردیتی ہے۔ اور جسکی ان کی ہڈیاں نکال کر ان کی جانیں ایک ہوجاتی ہیں یعنی ان کے امتیازات مٹ کر اتحاد پیدا ہوجاتا ہے۔ اور جسکی تخت اور تختہ دونوں یکساں ہوجاتے ہیں اور جو لوگ بھلے تیل اور پانی کی طرح آپس میں نہ نکلنے والے تھے ان کی حالت مستی میں ایسی ہوجاتی ہے جیسے جان کی جسم میں اور جس طرح ہریسہ میں گیہوں اور گوشت ایک دوسرے میں فنا ہوجاتے ہیں یوں ہی وہ

سب یکساں ہو جاتے ہیں۔ اور ان میں کوئی تفوق اور فرق باقی نہیں رہتا۔
کیونکہ قاعدہ ہے کہ جب گوشت اور گیہوں ہریسہ بن جاتے ہیں تو پھر گیہوں اور گوشت میں کوئی فرق نہیں رہتا۔ اور اس وقت کوئی امتیاز ایسا نہیں رہتا جو کہ مٹ نہ گیا ہو۔ غرضکہ وہ غلام ایسی شراب اس امیر کی دولت سرا کی طرف لئے جاتا تھا۔ اتفاق سے رستہ میں ایک زاہد مل گیا جو کہ محزون اور خشک مغز۔ اور مصیبت عشق میں مبتلا تھا اس کا جسم دل کی آگ سے گھل گیا تھا اور اس کا خانۂ دل غیر خدا کی محبت سے خالی ہو چکا تھا۔ عشق کی بے پناہ مصیبت اسکی گوشمالی کر رہی تھی اور اسکے دل پر اوپر تلے ہزاروں داغ تھے۔ وہ مجاہدہ و ریاضت میں ہر وقت اپنے اندر محبت کی ایک نئی خلش پاتا تھا۔ اور رات دن ریاضت کو لپٹا ہوا تھا۔ تمام سال اور تمام مہینہ خون میں لتھڑا ہوا تھا اور آدھی رات کے وقت تو اس کا صبر اور تحمل بالکل ہی فنا ہو جاتا تھا کیونکہ وہ وقت بالکل یکسوئی کا ہوتا ہے اور اس وقت خیال یار پوری طور پر اپنا کام کرتا ہے اسنے رات کے وقت ایک غلام کو دیکھا کہ وہ اپنی جلدی میں زمین کو طے کرتا تھا یعنی تیز جا رہا تھا اس پر زاہد نے اسے ٹوکا اور کہا کہ گھڑوں میں کیا ہے اسنے جواب دیا کہ شراب! اس پر اس نے پوچھا کہ کس کی ہے اسنے کہا کہ فلاں صاحب کی ہے جو کہ بڑے عالی رتبہ امیر ہیں اس پر اس زاہد نے کہا کہ کیا طالب خدا کا یہ کام ہوتا ہے؟ طالب خدا ہو کر تعیش و شراب نوشی؟ اور شیطان کی شراب پی کر عقل تیز ہو؟ ناممکن ہے۔ اس سے کوئی کہے کہ ارے جانور کی طرح نشہ کے جال میں گرفتار جبکہ شراب کے بغیر تیری عقل اس قدر پژمردہ ہے کہ.. اس میں اور بہت سی عقلوں کے ملانے کی ضرورت ہے۔ تو نشہ کے وقت تیری عقل کی کیا حالت ہوگی پس تجھے ہرگز زیبا نہیں ہے کہ تو شراب کا شغل کرے اس پر ہمیں ایک حکایت یاد آگئی وہ یہ ہے
کہ ضیائے بلخ نہایت خوش الہام شخص تھے اور ان کے سائے تاج شیخ الاسلام تھے تحصیل علم کے لیے بہت سے لوگ ان کے یہاں حاضر خدمت رہتے تھے

اور ان کی حالت یہ تھی کہ وہ اپنے ملازمین خدمت سے ہمیشہ سبق کے طالب رہتے
تھے یعنی ہر وقت تعلیم میں مصروف رہتے تھے یہ تاج دار السلطنت بلخ کے شیخ الاسلام
بہت کوتہ قد اور صغیر الجثہ تھے اور اگرچہ وہ بہت بڑے فاضل اور متبحر اور صاحب
علوم کثیرہ تھے اور ان کے سائے ضیا علم میں ان کے مرتبہ کے نہ تھے۔ مگر وہ ظرافت
میں اُن سے بڑھے ہوئے تھے نیز وہ بہت چھوٹے تھے اور ضیا بہت لمبی۔
اور شیخ الاسلام کو بہت کچھ غرور اور ناز تھا اسلئے انکو اپنے ان سائے سے بہت عار
اور ننگ تھی۔ حالانکہ یہ بھی کچھ معمولی آدمی نہ تھے بلکہ بڑے صاحب ہدایت و اعظ تھے
ایک روز اتفاق سے ضیا ان کی مجلس میں پہنچ گئے اس وقت ان کی بارگاہ قاضیوں
اور منتخب لوگوں سے پُر تھی ایسی حالت میں نہ انکو پوری تعظیم ہی کرتے ہیں اور نہ
انہوں نے بالکل ترک تعظیم کو مناسب سمجھا۔ اسی لیے انہوں نے اپنے سائے کی تعظیم کے
لئے آدھا قیام کیا پس جبکہ ضیا نے ان کے اندر اتنا تکبر دیکھا تو ان کو فوراً ایک پھبتی
کہہ کر شرمندہ کیا جس کے وہ مستحق تھے اور انہوں نے ان پہ ایک پھبتی کہی یعنی
انہوں نے کہا کہ جی ہاں آپ بہت لمبے ہیں ..... ذرا اپنے سرو کی مانند
لمبے قد میں سے کچھ اور بھی کم کر لیجیۓ۔ مطلب ان کا یہ تھا کہ ایک تو ماشاءاللہ آپ کا
قد ہی ایسا ہے کہ آپ کا قیام بھی مثل اوروں کے قعود کے ہے اس پر آپنے یہ کیا کہ

نصف قیام کیا جس سے وہ قیام اور بھی کالعدم ہوگیا۔ بس اس قد کے ساتھ اتنا قیام
نامناسب تھا۔ اب ہم کہتے ہیں کہ ارے عقل کے دشمن! تجھے ہوش اور عقل ہی
کہاں ہے کہ تو شراب پیئے۔ تیرا منہ خوب صورت بھی تو بہت ہے اس پر کالا...
ٹیکا بھی لگ لے۔ تیری یہ حرکت نہایت نازیبا ہے کیونکہ حبشیوں کے چہرہ پر کالا
ٹیکا اچھا نہیں معلوم ہوتا۔ بلکہ موجب تمسخر ہوتا ہے۔
خلاصہ یہ کہ بے عقل ہوکر شراب پینا ہرگز مناسب نہیں پس تجھے
شراب خواری ترک کرنی چاہیئے کیونکہ اگر تو شراب پیئے گا اور اس طرح ظلمت کا طالب

ہو گا تو تیرے اندر نور پیدا نہیں ہو سکتا۔ خیر اگر عقل وافر ہو اور ایسی حالت میں شراب پی لی جائے تو کچھ مضائقہ نہیں۔ کیونکہ قاعدہ ہے کہ دن کے وقت سایہ تلاش کرتے ہیں مگر تو بے عقلی کی حالت میں شراب پیتا اور گویا کہ شب ابر میں سایہ ڈھونڈتا ہے کس قدر حماقت کی بات ہے۔

میرا مطلب یہ نہیں کہ شراب حرام ہے نہیں بلکہ وہ حلال ہے لیکن اگر عوام کے لیے حلال ہو تو طالبان خدا کے لیے حرام ہی ہوگی۔ (فائدہ: اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ شریعت نے اسکے اندر یہ تفصیل کی ہے کہ عوام کے لیے حلال اور خواص کے لئے حرام ہے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ گو شریعت نے اسے مطلقاً حلال کیا ہے مگر خواص کو چاہیئے کہ با وجود اعتقاد حلت کے اسکے ساتھ وہ معاملہ کریں جو حرام کے ساتھ کرتے ہیں۔ اور اس کو نہایت سختی اور اہتمام کے ساتھ ترک کریں کیونکہ وہ عقل کو کھو کر حق سبحانہٗ سے غافل کرنے والی چیز ہے) عاشقوں کی شراب تو خونِ دل ہوتا ہے اور ان کی نظر تو بجائے ساغر کے راہ اور منزل محبوب پر ہوتی ہے ایسے رستہ اور اس قدر خوفناک سامان یعنی راہ آخرت میں اور ایسی ناقص عقل رہنما اور اس پر طرہ یہ کہ تو اس ناقص رہنما کی آنکھیں میں اور خاک جھونکتا ہے اور قافلہ کو بالکل ہی تباہ اور اسکو راہ راست سے گمراہ کرتا ہے۔ یہ امر نہایت ہی نازیبا ہے ارے شراب تو بڑی چیز ہے۔ میں تو خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ جو کی روٹی کھانا بھی حرام اور قابل افسوس ہے نفس کے سامنے تو بھوسے کی روٹی رکھنی چاہیئے اور اس دشمن راہ خدا کو خوب ذلیل کرنا چاہیئے کیونکہ چور کے لیے منبر مناسب نہیں ہے۔ بلکہ اس کو تو سولی پر چڑھانا چاہیئے اور چور کا تو ہاتھ کاٹنا پسند ہونا چاہیئے اور اسکو کاٹنا چاہیئے لیکن اگر تو اس کا ہاتھ نہ کاٹ سکے تو کم از کم اسکے ہاتھ باندھ دینے چاہئیں کیونکہ اگر تو اسکے ہاتھ نہ باندھے گا تو وہ تیرے ہاتھ باندھ دیگا اور اگر تو اسکے پاؤں نہ توڑے گا تو وہ تیرے پاؤں توڑ دے گا پس اپنے ہاتھ پاؤں

بچانے کے لیے اسکے ہاتھ باندھنا اور پاؤں توڑنا لازم قرار پایا۔
بھلے مانس! تو دشمن کو شراب پلاتا اور رگنے کھلاتا ہے یہ کیوں! ارے اس سے کہہ۔ کہ کیسے شراب اور کیسے گنے۔ زہر پی اور خاک کھا۔ یہ کہہ کر اسنے جوشِ غیرت سے گھڑے میں پتھر مارا۔ اور وہ ٹوٹ گیا اس پر غلام گھڑا پھینک کر بھاگ گیا۔ اور اس طرح زاہد کے قبضہ سے نکل گیا۔

رفتنِ امیرِ خشم آلودہ برای گوشمالِ زاہد

امیر کا غصہ میں بھر کر، زاہد کو سزا دینے کے لئے جانا

رفت پیشِ میر و گفتش بادہ کو ۔۔۔ ماجرا را گفت یک یک پیشِ او

وہ (غلام) امیر کے پاس پہنچا امیر نے کہا شراب کہاں ہے؟ ۔۔۔ اس نے ایک ایک کر کے اسکے سامنے قصہ کہہ دیا

میر چون آتش شد و برجست راست ۔۔۔ گفت بنما خانۂ زاہد کجاست

امیر آگ جیسا ہو گیا اور سیدھا اٹھا ۔۔۔ بولا دکھا، زاہد کا گھر کہاں ہے؟

تا بدیں گرزِ گراں کوبم سرش ۔۔۔ آں سرِ بے دانشِ مادر غرش

تاکہ میں اس بھاری گرز سے اس کا سر توڑ دوں ۔۔۔ وہ سر جو بے عقل، مادر بخطا کا ہے۔

اُو[1] چہ داند امرِ معروف از سگی ۔۔۔ طالبِ معروفی ست و شہرگی

وہ بھلائی کا حکم کرنا کیا جانے؟ کتے پن سے ۔۔۔ نام آوری اور شہرت کا طالب ہے

تا بدیں سالوس خود را جا کُند ۔۔۔ تا بچیزے خویشتن پیدا کُند

تاکہ اِس مکر سے اپنی جگہ بنائے ۔۔۔ تاکہ کسی طرح سے اپنے آپ کو نمایاں کرے

کو ندارد خود ہنر اِلّا ہماں ۔۔۔ کہ تسلّس میکند با این و آں

وہ خود ہنر نہیں رکھتا ہے، بجز اس کے ۔۔۔ کہ ہما شما سے مکاری کرتا ہے

اُو اگر دیوانہ است و فتنہ کاو ۔۔۔ دارُوی دیوانہ باشد کیرِ گاؤ

وہ اگر دیوانہ ہے اور فتنہ انگیز ۔۔۔ دیوانہ کی دوا، بیل کا آلۂ تناسل ہے

تا کہ شیطاں از سرش بیروں رَوَد ۔۔۔ بے لتِ خربندگاں خر چوں رَوَد

تاکہ اس کے سر سے شیطان باہر نکل جائے ۔۔۔ گدھا کمہاروں کی مار کے بغیر کب چلتا ہے!

میر[2] بیروں جست دبوسے بدست ۔۔۔ نیم شب آمد بزاہد نیم مست

امیر باہر نکلا، اور گرز ہاتھ میں تھا ۔۔۔ زاہد کے پاس آدھی رات کو آدھوری مستی میں پہنچا

رفت۔ غلام بھاگا بھاگا امیر کے پاس پہنچا اور اس نے اس کو سارا قصہ سنا دیا۔ مادر غر۔ زانیہ ماں۔

[1] اوچہ۔ امیر نے غصہ سے کہا وہ زاہد خود کتا ہے اس کو امر بالمعروف سے کیا واسطہ وہ محض شہرت کا طالب ہے۔ جا کُند۔ مرتبہ بنائے۔ کو۔ اس کا ہنر صرف لوگوں سے مکر کرنا ہے۔ فتنہ کاو۔ فتنہ برپا کرنے والا۔ کیرِ گاؤ۔ بیل کا عضو سکھا کر اس کا دُرہ بنا لیا جاتا تھا۔ بے لت۔ گدھا لاتوں کے بغیر کب چلتا ہے۔

[2] میر۔ امیر غصہ میں پاگل ہو رہا تھا۔ دبوس۔ تازیانہ۔

خواست کشتن مردِ زاہد را زِ خشم — مردِ زاہد گشت پنہاں زیرِ پشم
غصہ سے زاہد کو مار ڈالنا چاہا — زاہد انسان، اُون کے نیچے چھپ گیا

مردِ زاہد می شنود از میرِ آن — زیرِ پشمِ آن رسن تاباں نہاں
زاہد انسان، امیر سے وہ سُن رہا تھا — رسّی بٹنے والوں کی اُون کے نیچے چھپا ہوا

گفت در رُو گفتنِ زشتیِ مرد — آئینہ تاند کہ رُو را سخت کرد
بولا انسان کی بُرائی منہ در منہ — آئینہ کر سکتا ہے جس نے منہ کو سخت کر لیا ہے

رُویِ باید آئینہ وار آہنیں — تات گوید روی زشتِ خود ببیں
آئینہ جیسا رہے سامنے چاہیے — تاکہ تجھ سے کہے کہ اپنا بھدا چہرہ دیکھ

حکایت[٣] مات کردنِ دلقک سیّد شاہِ ترمذ را

ایک مسخرے کی سیّد شاہِ ترمذ کو مات دینے کی حکایت

شاہ با دلقک ہمی شطرنج باخت — مات کردش زود خشمِ شہ بتاخت
بادشاہ نے مسخرے کیساتھ شطرنج کی بازی لگائی — اُسنے اس بادشاہ کو مات دیدی بادشاہ کا غصہ جلد دوڑ پڑا

گفت شہ شہ واں شہِ کبر آورش — یک یک آں شطرنج میزد بر سرش
اُس نے شہ شہ کہا اور وہ متکبر بادشاہ — شطرنج کا ایک ایک مہرہ اُس کے سر پر مارتا تھا

کہ[٤] بگیر اینک شہت اے قلتباں — صبر کرد آں دلقک و گفت الاماں
کہ اے دیّوث! لے یہ تیری شہ ہے — اس مسخرے نے صبر کیا اور پناہ چاہی

دستِ دیگر باختن فرمود میر — او چناں لرزاں کہ عور از زمہریر
امیر نے دوسری بازی لگانے کو کہا — وہ اس طرح کانپا جیسے کہ ننگا جاڑے سے

باخت دستِ دیگر و شہ مات شد — وقتِ شہ شہ گفتن و میقات شد
اس نے دوسری بازی کھیلی اور بادشاہ کو مات ہو گئی — شہ شہ کہنے کا وقت اور جگہ آ گئی

بر جہید آں دلقک و در کُنج رفت — شش نمد بر خود فگند از بیم تفت
وہ مسخرا کودا اور گوشہ میں چلا گیا — فوراً خوف سے چھ نمدے اپنے اوپر ڈال لئے

زیرِ بالشہا و زیرِ شش نمد — خفت پنہاں تا ز زخمِ شہ رہد
تکیوں کے نیچے اور چھ نمدوں کے نیچے — چھپ کر لیٹ گیا تاکہ بادشاہ کی مار سے نجات پائے

گفت[٥] شہ ہے ہے چہ کردی چیست ایں — گفت شہ شہ شہ شہ اے شاہِ گزیں
بادشاہ نے کہا ہائیں ہائیں تو نے کیا کیا، یہ کیا ہے؟ — بولا اے منتخب شاہ! شہ شہ شہ شہ

کے تواں حق گفت جز زیرِ لحاف — با چو تو خشم آورِ آتش سجاف
حق بات، لحاف کے نیچے کے علاوہ کب کہی جا سکتی ہے؟ — آپ جیسے غصیلے آگ کے اُسترواے کے سامنے

زیرِ پشم۔ زاہد بھاگ کر اُون کی رسّی بانٹنے والوں کی اُون میں چھپ گیا اور وہاں امیر کی بُری بھلی باتیں سنتا رہا۔ گفت۔ زاہد نے اپنے دل میں کہا کہ کسی کے منہ پر بُرائی کرنے کے لئے آئینہ کا سا لوہے کا چہرہ ہونا چاہیئے تاکہ مار کھا سکے، آئینہ لوہے سے بنتا تھا۔

[٣] حکایت۔ اس حکایت میں یہ بتایا ہے کہ مسخرے نے نمدوں میں لپٹ کر بادشاہ کو شہ شہ کہا تاکہ چوٹ سے بچ سکے۔ دلقک۔ مسخرہ.... مات کردش۔ مسخرے نے بادشاہ کو ہرا دیا۔ گفت شہ شہ۔ ہرانے والے کی تحقیر کے لئے لفظ شہ شہ کہہ دیا جاتا ہے تن شطرنج۔ یعنی شطرنج کے مہرے۔

[٤] کہ بگیر۔ بادشاہ مسخرے کے سر پر شطرنج کے مہرے مارتا تھا اور کہتا تھا کہ لے یہ تیری شہ ہے۔ قلتبان۔ دیّوث۔ دستِ دیگر۔ دوسری بازی۔ عور۔ ننگا۔ وقتِ شہ۔ اب مسخرے کے لئے شہ کہنے کا وقت آ گیا۔ بر جہید۔ مسخرہ بھاگ کر ایک گوشہ میں چھ نمدے اپنے اوپر ڈال کر لیٹ گیا۔

[٥] گفت شہ۔ بادشاہ نے دریافت کیا یہ کیا حرکت ہے۔ گفت۔ مسخرے نے کہا شہ شہ کہنے کے لئے نمدوں میں چھپ گیا ہوں۔ کے تواں۔ غصہ ور آدمی سے حق بات لحافوں میں گھس کر ہی کہی جا سکتی ہے ورنہ زخم برداشت کرنے پڑتے ہیں۔

اے تو مات و من ز زخمِ شاہ مات — میز نم شہ شہ ز زیرِ رختہات

آپ ہارے اور میں شاہ کی مار سے ہارا — میں کپڑوں کے نیچے سے آپکو شہ شہ کہتا ہوں

آمدنِ امیر بدر خانۂ زاہد و بہ لگد کوفتنِ در

امیر کا زاہد کے دروازے پر آنا اور لاتوں سے دروازے کو پیٹنا

چوں محلہ پُر شد از ہیہایِ میر[1] — وز لگد بر در زدن و زدار و گیر

جب امیر کی ہا ہو سے محلہ بھر گیا — دروازے پر لاتیں مارنے سے اور پکڑ دھکڑ سے

خلق بیروں جست زود از چپ و راست — کاے مقدم وقتِ عفوست و رضاست

دائیں اور بائیں سے لوگ باہر نکل آئے — کہ اے پیشرو! معافی اور راضی ہوجانے کا وقت ہے

مغزِ او خشک ست و عقلش ایں زماں — کمترست از عقل و فہمِ کودکاں

اس کا دماغ خشک ہوگیا ہے اور اب اُس کی عقل — بچوں کی عقل اور سمجھ سے کم تر ہے

زہد و پیری ضعف بر ضعف آمدہ — و اندراں زہدش کشادے نا شدہ

زہد اور بڑھاپا، کمزوری پر کمزوری آ گئی — اور اس زہد میں اُس کو بسط حاصل نہ ہوا

رنج دیدہ[2] گنج نا دیدہ ز یار — کارہا کردہ ندیدہ مزدِ کار

اس نے تکلیف برداشت کی، یار کا خزانہ نہ دیکھا — کام کئے، کام کی مزدوری نہ دیکھی

یا نبود آں کارِ او را خود گہر — یا نیامد وقتِ پاداش از قدر

یا تو اس کے کام میں خود جوہر نہ تھا — یا تقدیر (خداوندی) سے بدلے کا وقت نہیں آیا ہے

یا کہ بود آں سعی چوں سعیِ جہود — یا جزا وابستۂ میقات بود

یا اس کی کوشش، یہود کی کوشش کی طرح تھی — یا بدلہ، وقتِ مقررہ سے وابستہ تھا

مرد را درد و مصیبت ایں بس ست — کاندریں وادیِ پُر خوں بیکس ست

اس کے لئے یہ درد اور مصیبت کافی ہے — کہ وہ اس خوفناک وادی میں بیکس ہے

چشم پُر درد و نشستہ او بہ کنج[3] — رو تُرش کردہ فرو افگندہ لنج

آنکھ درد سے پُر ہے اور وہ گوشہ نشین ہے — منھ بنائے ہوئے ہے ہونٹ نکالے ہوئے ہے

نے یکے کحال کو را غم خورد — نیش عقلے کو بکحلے پے برد

نہ کوئی آنکھوں کا معالج ہے کہ اس کی فکر کرے — نہ اس کو عقل ہے، کہ وہ سرمہ کی تلاش کرے

اجتہادے میکند با وہم و ظن — کار در بوک ست تا نیکو شدن

وہم اور گمان کے ساتھ کوشش کر رہا ہے — معاملہ ٹھیک ہونے تک وہ وہم میں ہے

زاں رہش دورست تا دیدارِ دوست — کز نجویدش مغزِ سر از عشقِ پوست

اسی لئے دوست کے دیدار تک کا راستہ اسکے لئے دور ہے — کیونکہ چھلکے کے عشق سے اسکے سر میں گودا نہیں رہا

---

[1] چوں محلہ۔ امیر کے شور و غوغا اور زاہد کے کواڑوں پر لاتیں مارنے سے محلہ کے آدمی جمع ہوگئے۔۔۔ مقدم۔ پیشرو۔ مغز او۔ زاہد کا دماغ خشک ہوگیا ہے ایک تو بڑھاپا پھر زہد جس نے اسکو مزید کمزور کر دیا اور پھر اُس پر کشادگی یعنی بسط کی کیفیت طاری نہیں ہوئی ہے۔

[2] رنج۔ زاہد نے تکلیفیں اُٹھائیں اور ابھی تک کچھ فیض نہ پایا ہے محنت کی ہے اور ابھی تک کوئی مزدوری نہیں ملی ہے۔ خود گہر یعنی اس کی عبادت میں خلوص نہ تھا۔۔۔ یا نیامد۔ یا عبادت تو مقبول ہوئی ہے اور اجر کا وقت نہیں آیا ہے۔ سعی جہود۔ یہود کی عبادت بیکار ہے مرد را۔ اس زاہد کو تو اپنی ہی مصیبتیں کافی ہیں آپ اور کس مصیبت میں پھانستے ہیں۔ وادی پُر خون راہِ عشق۔

[3] چشم۔ وہ مایوسی کی حالت میں گوشہ نشین ہے۔ لنج ہونٹ۔ کحال معالج چشم۔ بوک۔ بود کہ "ہوسکتا ہے کہ" یہ کسی معاملہ میں شک کی صورت میں بولا جاتا ہے۔ زاں رہ۔ چونکہ ابھی اس کا اپنی ہستی سے تعلق ہے اس لئے مشاہدہ کی منزل اس سے دور ہے۔

ساعتے او با خدا اندر عتاب
کسی وقت وہ خدا سے خفا ہوتا ہے
کہ نصیبم رنج آمد زیں جناب
کہ اس درگاہ سے مجھے غم کا حصہ ملا ہے

ساعتے با بختِ خود اندر جدال
کسی وقت اپنے مقدر سے لڑائی میں ہے
کہ ہمہ پرّاں و ما بریدہ بال
کہ سب پرواز میں ہیں اور ہم بال کٹے ہیں

ہر کہ محبوس ست اندر بو و رنگ
جو شخص بُو اور رنگ میں مقید ہے
گرچہ در زہدست باشد خوش تنگ
اگرچہ وہ زہد میں ہے، بہت تنگ ہوگا

تا برون نایدازیں تنگیں مناخ
جب تک وہ اس تنگ پڑاؤ سے باہر نہ نکلے
کے شود خوئیش خوش و صدرش فراخ
اس کی عادت بھلی اور اس کا سینہ فراخ کب ہوگا!

زاہداں را در خلا پیش از کشاد
(اسی لئے) زاہدوں کو بسط سے پہلے تنہائی میں
تیغ و اُسترہ نشاید ہیچ داد
تلوار اور اُسترہ کبھی نہ دینا چاہیئے

کز ضجر خود را بدراند شکم
کیونکہ تنگدلی کی وجہ سے وہ اپنا پیٹ پھاڑ دیگا
غصۂ آں بے مرادیہا و غم
اُن ناکامیوں کے غصہ اور غم (سے)

بے مرادی ہای ایں دنیا خوش ست
اس دنیا کی ناکامیاں بھلی ہیں
بامرادی تند خوی و سرکش ست
مرادمندی، بدمزاج اور سرکش ہے

انداختن مصطفٰی علیہ الصلوٰۃ والسلام خود را از کوہ حرا از
آنحضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا دیدار میں تاخیر ہونے کی وجہ سے اپنے آپ کو حرا پہاڑ پر

وحشت و دیر نمودنِ دیدار و نمودنِ جبرئیل علیہ السلام
سے گرا دینے کا ارادہ کرنا اور جبرئیل علیہ السلام کا اپنے آپ کو اُن پر ظاہر

خود را بوے کہ میند از کہ ترا دولتہا و سعادتہا در پیش ست
کرنا کہ نہ گرائیے کیونکہ آپ کو دولتیں اور سعادتیں درپیش ہیں۔

مصطفٰے را ہجر چوں بفراختے
حضرت مصطفٰے ؐ پر جب فراق غلبہ پاتا
خویش را از کوہ می انداختے
اپنے آپ کو پہاڑ سے گرانے کا ارادہ کرتے

تا بگفتے جبرئیلش ہیں مکن
حتیٰ کہ اُن کو جبرئیل ؑ کہتے خبردار! یہ نہ کیجئے
کہ ترا بس دولت ست از امرِ کن
کیونکہ امرِ کُن کی وجہ سے آپ کے لئے بہت دولتیں ہیں

مصطفٰے ساکن شدے ز انداختن
حضرت مصطفٰے ؐ گرانے سے رُک جاتے
باز ہجراں آوریدے تاختن
پھر، فراق حملہ کرتا

باز خود را سرنگوں از کوہ او
پھر خود کو وہ پہاڑ سے اوندھا
میفگندے از غم و اندوہ او
غم اور رنج کی وجہ سے گرانے کا ارادہ کرتے

ساعتے۔ وہ کسی وقت تو خدا سے بھی لڑنے لگتا ہے۔
[۳] ساعتے کبھی وقت خود اپنے آپ کو بُرا بھلا کہنے لگتا ہے۔ ہر کہ جس میں خودی باقی ہے خواہ وہ زاہد ہی کیوں نہ ہو وہ تنگی میں رہتا ہے تا برآں جب تک خودی کے تنگ مقام کو فنا نہ کرے[۵] اسکو بسط کی کیفیت حاصل نہ ہوگی۔ زاہداں بسط کی کیفیت طاری ہونے سے پہلے قبض کی حالت میں بسا اوقات سالک خودکشی کرتا ہے لہٰذا اسکو تنہائی میں کبھی تلوار اُسترہ دینا چاہیئے۔

[۱] کز ضجر۔ قبض کی حالت میں اس قدر دل تنگ ہوتا ہے کہ ناکامی کے رنج میں سالک اپنے آپ کو ہلاک کر دیتا ہے۔ مرادی۔ دنیا کی ناکامی انسان کے لئے بہتر ہے۔ بامراد، بدمزاج اور سرکش ہو جاتا ہے۔ انداختن کیونکہ جب وحی کا انقطاع ہوا تو قبض کی ایک کیفیت ہوئی، آنحضور ؐ نے کئی بار اپنے آپ کو پہاڑ سے گرا دینے کا ارادہ کیا حضرت جبرئیل ؑ آکر تسلی دیتے تھے تب آپ کو سکون ہوتا تھا۔
[۲] ہجر۔ یعنی قبض کی کیفیت جو مزید مشاہدہ نہ ہونے سے پیدا ہوئی تھی ورنہ ذات اقدس کو ایک گونہ مشاہدہ ہر وقت حاصل تھا۔ امرِ کن یعنی اختر کے حکم سے۔ بے بدیل۔ بے نظیر۔

بازخود پیدا شدے آں جبرئیل
پھر وہ جبرئیلؑ خود رونما ہوتے

کہ مکُن ایں اے تو شاہے بے بدیل
کہ اے بے مثال شاہ! یہ نہ کیجئے

ہمچنیں[ن] می بُود تا کشفِ جیب
پردہ کھلنے تک یہی ہوتا رہتا

تا بیابید آں گہر را اُو ز جیب
یہاں تک کہ انھوں نے جیب میں سے وہ موتی پایا

بہرِ ہر محنت چو خود را می کُشند
جبکہ ہر مصیبت کی وجہ سے اپنے آپکو مار ڈالتے ہیں

اصلِ محنتہاست ایں چونش کشند
یہ مصیبتوں کی جڑ ہے اسکو کیسے برداشت کریں

از فدائی مرداں را حیرتیست
قربان ہونے پر لوگوں کو حیرت ہے

ہر یکے از ما فدائے سیرتیست
(حالانکہ) ہم میں سے ہر ایک ایک خصلت پر قربان ہے

اے[ل] خنک آنکو فدا کرد ست تن
وہ قابلِ مبارکباد ہے جس نے جسم کو قربان کر دیا

بہرِ آں کارِ زد فدائی آں فُلاں
اس کام پر جو قربان ہو جانے کے لائق ہے

مردِ حق بارے فدائی ایں فن ست
بہر حال مردِ خدا اس فن پر قربان ہے

کاندرو صد زندگی در کُشتن ست
جس میں فنا ہو جانے میں سینکڑوں زندگیاں ہیں

عاشق و معشوق و عشقش بر دوام
عاشق اور معشوق اور اس کا عشق ہمیشہ

در دو عالم بہرہ مند و نیکنام
دونوں جہان میں نصیبہ ور اور نیکنام ہیں

در جہاں ہر کس فدائی آں فنے ست
دنیا میں ہر شخص اس فن پر قربان ہے

کاندراں رہ صرفِ عمر و کشتنے ست
کہ اس راہ میں عمر کا خرچ ہوتا اور مرجانا ہے

کشتنی اندر غروبی یا شروق
غروبی یا شروق میں مرجانا (بہا ہے)

کہ نہ شائق ماند آنجا نے مشوق
کیونکہ وہاں نہ عاشق رہتا ہے، نہ معشوق

یا کرامی اِرحموا اَھلَ الھویٰ
اے میرے مہربانو! اہلِ عشق پر رحم کرو

شانُھُم وِردُ التّویٰ بعدَ القویٰ
انکی حالت ہلاکت کے بعد ہلاکت کے گھاٹ پر اترنا ہے

عفو کُن اے میر بر سختیِ اُو
اے امیر! اس کی سختی کو معاف کر دے

در نگر در درد و بدبختیِ اُو
اُس کے درد اور بدبختی پر نظر کر

تا ز جرمت ہم خدا عفوے کُند
تاکہ خدا تیری خطا بھی معاف کر دے

زلّتت را مغفرت درآگند
تیری لغزش کو معافی سے بھر دے

تو[ن] ز غفلت بس سبو بشکستۂ
تو نے غفلت سے بہت سی ٹھلیاں توڑی ہیں

بر امیدِ عفو دل دربستۂ
معافی کی امید سے دل وابستہ کیا ہے

عفو کُن تا عفو یابی در جزا
معاف کرتا کہ بدلے میں تو معافی حاصل کرے

می شگافد مُو قَدَر اندر سزا
تقدیر (خداوندی) سزا میں موشگافی کرتی ہے

[ن] ہمچنیں۔ آنحضورؐ پر جب تک مزید مشاہدہ کا پردہ نہ ہٹ جاتا اور گوہرِ مقصود جیب میں سے نہ پالیتے یہی کیفیت رہتی۔ بہرِ ہر محنت۔ انسان دنیا کی مصیبت کی وجہ سے اپنے آپ کو ہلاک کر ڈالتا ہے تو نفس کی یہ کیفیت تو تمام مصائب کی جڑ ہے۔ از فدائی۔ انبیا اور بزرگ جو راہِ حق میں فدا ہوتے ہیں اس پر لوگوں کو تعجب ہوتا ہے حالانکہ ہر انسان اُس سیرت پر جان دیتا ہے جو اس کی ہے۔

[ل] اے خنک۔ راہِ حق میں فدا ہو جانا قابلِ مبارکباد ہے۔ راہِ حق اس کے سزاوار ہے کہ اس پر قربان ہو جانا چاہیے… مردِ حق۔ اس راستہ پر قربان ہونے سے سینکڑوں زندگیاں حاصل ہوتی ہیں۔ معشوق یعنی حق تعالیٰ۔ در جہاں۔ دنیا میں ہر شخص کسی نہ کسی مشغلہ پر ایسا فریفتہ ہوتا ہے جس میں عمر صرف کر دیتا ہے اور اپنے آپ کو فنا کر دیتا ہے سب سے بہتر یہ ہے کہ انسان اپنے آپ کو غروبی یعنی ہجرِ حق میں فنا کر دے یا وصل میں فنا کر دے۔ وصل میں فنا کر دینے تو نہ پھر عاشق باقی ہے نہ معشوق یعنی ذاتِ باری معشوق کی حیثیت سے باقی نہ رہیگی بجز ذاتِ حق باقی رہیگی۔ غروبی یعنی ہجر۔ شروق۔ یعنی حالتِ مشاہدہ۔

[ن] اھل الھویٰ۔ محبت کرنے والے عاشق۔ شانھم۔ عاشق پر حیرت طاری رہتی ہے اور وہ ہمیشہ فنا ہوتا رہتا ہے۔ عفو کُن۔ مسجد والوں نے ناحق پر

وَمَن یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا یَّرَہٗ یعنی جو ایک ذرہ خیر کرے گا اُس کو دیکھے گا اور جو ایک ذرہ شر کریگا اُس کو دیکھے گا۔ باز بشنو۔ دوسرے ظالم امیروں کے انجام کے قصّے سُن کر عبرت حاصل کرے۔

غضبناک امیر نے کہا۔ ورنہ اگر
وہ خود بدبختی میں مبتلا ہے تو پھر
اور کیا سزا دیتا ہے تا زعبرت۔
حدیث شریف ہے اِرْحَمُوْا مَنْ
فِی الْاَرْضِ یَرْحَمْکُمْ مَنْ فِی السَّمَاءِ
تم زمین والوں پر رحم کرو آسمان
والا تم پر رحم کرے گا۔
تو از غفلت یعنی تو نے
بھی غفلت سے بہت سے
قصور کئے ہیں۔ حق تعالیٰ فرماتے
یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَیْرًا یَّرَہٗ

شرح

وہ غلام زاہد کے پاس سے بھاگ کر امیر کے پاس پہنچا۔ امیر نے کہا کہ شراب کہاں ہے اس نے الف سے لیکر "ی" تک سارا قصہ مفصل کہہ دیا یہ واقعہ سنکر امیر غصے سے آگ ہوگیا اور بے تابانہ کھڑا ہوگیا اور کہا کہ چل بتا اس زاہد کا مکان کہاں ہے۔ تاکہ میں اس سارے گُرز سے اس کا سر یعنی وہ سر کوٹوں جو عقل سے خالی اور بدمعاش ہے (مادر غر ایک گالی ہے اور غیر زن فاحشہ کو کہتے ہیں) وہ اپنے کتے پن کے سبب امر بالمعروف کیا جانے اور وہ کسی کی اصلاح کیا کریگا وہ تو خود قابل اصلاح ہے کیونکہ ریاکار اور طالب شہرت و نام ہے اور مقصود اس کا یہ ہے کہ اس فریب سے لوگوں کے دلوں میں گھر کرلے اور لوگوں پر ظاہر کردے کہ میں کچھ ہوں حالانکہ واقع میں اس میں کوئی خوبی بھی نہیں بجز اسکے کہ وہ لوگوں سے دھوکہ بازی اور بناوٹ کرتا ہے وہ اگر دیوانہ ہوگیا ہے اور خواہ مخواہ فتنہ اٹھاتا ہے۔ تو میں اس کا کیر گاؤ سے علاج کروں گا کیونکہ دیوانوں کا علاج کیر گاؤ ہی سے ہوتا ہے (فائدہ: کیر گاؤ سے مراد بیل کا عضوِ تناسل ہے جو کہ بجائے کوڑے اور ہنٹر کے استعمال کیا جاتا تھا) تاکہ شیطان اس کے سر سے بالکل نکل جائے۔ وہ بدون سزا کے ٹھیک نہ ہوگا۔ کیونکہ قاعدہ ہے کہ گدھے بدوں گدھے والوں کی لاتوں کے نہیں چلتے۔

الغرض وہ امیر باہر نکلا۔ گرز اسکے ہاتھ میں تھا اور آدھی رات کے وقت شراب سے کسی قدر مخمور زاہد کے مکان پر آیا۔ اور چاہا کہ مرد زاہد کو مارے غصہ کے مار ڈالے لیکن وہ خوف سے اُون کے نیچے چھپ گیا اور رسّی بٹنے والوں کی اُون کے تلے چھپا ہُوا امیر کی گفتگو سُن رہا تھا اور دل ہی دل میں کہہ رہا تھا کہ آدمی کی بُرائی کو اسکے منہ پر کہہ دینا آئینہ کا کام ہے جو نہایت بیباک اور دلیر ہے اور آئینہ کی طرح لوہے کے منہ کی ضرورت ہے کہ مجھ سے کہے کہ اپنا برا منہ دیکھ یعنی اس کام کے لیے بے باکی اور جرأت کی ضرورت ہے اور مجھ میں یہ بات ہے نہیں۔ اسلئے میں معذور ہوں۔

اب مولانا اسکی مناسب ایک حکایت بیان فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس زاہد کی ایسی مثال تھی جیسے دلقک کی اور قصہ اس کا یہ ہے کہ بادشاہ دلقک کے ساتھ شطرنج کھیل رہا تھا۔ دلقک نے بادشاہ کو مات کردی اسسے بادشاہ کو غصہ آگیا۔ دلقک نے حسب عادت شطرنج بازاں شہ شہ کہنی شروع کی۔ یہ سُنکر مغرور بادشاہ نے شطرنج کے مہرہ لے کر ایک ایک کو مہرہ ان کے سر میں ٹھونکنا شروع کیا اور یہ کہتا جاتا تھا کہ لے یہ ہے تیری شہ۔

دلقک نے اس مصیبت پر صبر کیا اور کہا کہ حضور مجھے امان دیں۔ خیر یہ قصہ ختم ہوگیا اور بادشاہ کا غصہ جاتا رہا۔ اسکے بعد بادشاہ نے کہا کہ اچھا اب کے پھر کھیلو۔ وہ یہ سُنکر یوں کانپنے لگا جیسے سخت جاڑے میں ننگا آدمی کانپتا ہے لیکن مجبورًا اُسے کھیلنا پڑا اور بادشاہ کو پھر مات ہوگئی اور شہ شہ کہنے کا وقت آیا اس وقت وہ اُچھل کر ایک کونہ میں گیا اور وہاں جاکر خوف سے اسنے اپنے اوپر چھ نمدے ڈال لیے اور وہ بادشاہ کی مار سے چھپنے کے لیے چھ نمدہ کے فرشوں کے نیچے چھپ رہا۔ بادشاہ نے کہا کہ ارے یہ کیا حرکت! اسنے کہا کہ حضور والا شہ شہ شہ شہ۔ جناب اصل بات یہ ہے کہ آپکے غصہ ور اور آتش لباس شخص کے سامنے حق بدوں لحاف کے نہیں کہا جاسکتا۔ پس چونکہ میں نے آپکو مات کی ہے

اور آپکے مار سے مجھے اسلئے میں آپکو۔ فروش کے نیچے سے شہ شہ کرتا ہوں۔

[فائدہ: محشین نے شہ شہ کو بضم شین منضبط کہا ہے۔ مگر ہمارے نزدیک یہ لفظ بفتح شین بمعنی مات ہے۔)

خیر یہ قصہ تو ختم ہوا۔ اب سنو! کہ جب امیر نے بہت کچھ شور و شغب کیا تو اسکے شور و شغب سے لوگ اکٹھے ہو گئے اور محلہ لوگوں سے بھر گیا۔ اور انہوں نے خوشامد کرنی شروع کی اور کہا کہ حضور یہ موقع معافی اور رضا مندی کا ہے آپ اسے معاف کر دیجئے کیونکہ اسکی دماغ میں خشکی آگئی ہے اور اس زمانہ میں اس کو اتنی بھی سمجھ نہیں ہے جتنی کہ بچوں کو ہوتی ہے اسلئے کہ اول تو وہ زاہد ہے اور دوسرے بڈھا ہے اسلیے اس میں دو دنا ضعف آگیا ہے پھر ایک بات یہ بھی ہے کہ اس زہد میں اسکو بسط نہیں ہوا ہے بلکہ ہنوز قبض میں مبتلا ہے کیونکہ تکلیف تو اسنے اٹھائی مگر دولت وصال اسے ہنوز میسر نہیں ہوئی اور اسنے کام تو کیا مگر صلہ اسے نہیں ملا، خواہ اس کی وجہ یہ ہو کہ وہ اس قابل ہی نہیں ہے اور یا یہ وجہ ہو کہ ابھی ثمرہ مرتب ہونے کا وقت نہیں آیا بنا بریں یا تو اس کی سعی کوشش کفار کی طرح بے سود ہے یا بے سود تو نہیں مگر اس کی جزا ایک وقت خاص سے متعلق ہے خیر کچھ بھی ہو وہ اس وقت ناکام ضرور ہے اور یہ تکلیف اور یہ مصیبت ہی اسکے لیے کافی ہے کہ وہ اس وادی پر خون میں بیکس ہے۔ اور اس کی آنکھیں درد سے پر ہیں۔ اور وہ ایک گوشہ میں بیٹھا ہوا ہے اور غم سے منہ چڑھائے ہوئے اور ہونٹ لٹکائے ہوئے ہے اور نہ کوئی اسکی آنکھوں میں سرمۂ بصیرت لگانے والا ہے کہ اسکے اس کی باطنی آنکھیں کھلیں اور نہ اسے اتنی عقل ہے کہ وہ خود کوئی سرمہ معلوم کرے۔ غرضکہ وہ محض وہم اور ظن کی بنا پر مجاہدات کر رہا ہے اور جب تک اسکی حالت درست نہ ہو جائے اس وقت تک وہ لیت و لعل میں گرفتار رہے اور اسلئے ہنوز اسکی لیے حصول وصال کی کوئی توقع ہی نہیں ہے کہ عشق پوست (راحت ولذت میں ان کا مغز سرختم ہو گیا ہے کیونکہ کبھی تو وہ خدا سے شکایت کرتا ہے اور کہتا ہے کہ بس ہمارے حصہ میں تو آپکے یہاں سے

صرف رنج آیا ہے اور خوشی ہماری قسمت ہی میں نہیں ہے اور کبھی اپنی قسمت سے لڑتا ہے اور کہتا ہے کہ لوگ تو عروج کر رہے ہیں اور ہم لاچار اور مجبور ہیں۔

اب مولانا فرماتے ہیں کہ صاحبو! جو شخص بُو و رنگ (راحت و لذت) میں گرفتار ہوتا ہے خواہ وہ زاہد ہی کیوں نہ ہو۔ ہمیشہ پریشان رہتا ہے اور جب تک وہ اس تنگ مقام سے باہر نہیں نکلتا۔ اس وقت تک وہ خوش خلق اور عالی حوصلہ نہیں ہوتا۔ اسی لیے ضرورت ہے کہ حل مشکل اور حصول مقصود سے پہلے زاہدوں کو تلوار یا استرہ کچھ نہ دیا جائے کیونکہ وہ دل تنگی اور پریشانی کے سبب اور اپنی ناکامیوں کے رنج و غم میں اپنا پیٹ پھاڑ لے گا اسلئے اسکو اپنی ناکامی کا سخت صدمہ ہوتا ہے حتیٰ کہ اپنی جان سے بیزار ہوتا ہے اور ایسا ہونا بھی چاہیئے کیونکہ اخروی ناکامی ضرور رنج کے قابل ہے مگر بشرطیکہ واقعی ہو اور مثل عدم حصول کشف وغیرہ امور غیر مقصودہ خیالی نہ ہو۔ لیکن دنیاوی ناکامیاں اور رنج بری چیز نہیں ہیں بلکہ وہ اچھی ہیں۔ کیونکہ ان سے تذلل اور تمسکن اور افتقار کی شان پیدا ہوتی ہے اور جو کوئی کامیاب ہوتا ہے۔ وہ تند خُو اور سرکش ہو جاتا ہے۔

[فائدہ: یہ بھی ممکن ہے کہ بے مرادہائے ایں دنیا سے عدم حصول کشف وغیرہ مراد ہو۔ اور مقصود یہ ہو کہ ان امور غیر مطلوبہ کا حاصل نہ ہونا ہی اچھا ہے کیونکہ ان سے نایداز ین تنگیں مناخ کے دعویٰ اور غرور پیدا ہو جاتا ہے و یؤید ہذا الاحتمال قولہ ہر کہ محبوس ست اندر بو و رنگ۔ گرچہ در زہد ست باشد خوش بہ تنگ۔ تا بروں نایداز یں کے شود خویش خوش و صدرش فراخ

خیر! یہ جملہ تو معترضہ تھا۔ اب ہم زاہدوں کے دل تنگی اور ان کی جان سے بیزاری کی تائید ایک واقعہ سے کرتے ہیں اور واقعہ یہ ہے کہ جب صدمہ فراق جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہاڑ پر لے جاتا۔ تو آپ وہاں پہنچ کر اپنے کو پہاڑ سے گرا دینے کا ارادہ کرتے تھے حتیٰ کہ جبرائیل علیہ السلام آپ کی تسکین فرماتے اور کہتے تھے کہ آپ ایسا نہ کریں۔ آپ کو بحکم خداوندی بہت سی دولتیں ملنے والی ہیں مگر ہنوز ان کا وقت نہیں ہے آپ گھبرائیں نہیں اور صبر فرمائیں۔ اس تسکین

سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے کو گرانے سے رُک جاتے تھے۔ پھر بحر یورش کرتا تھا تو پھر آپ رنج وغم سے اپنے کو گرانے کا ارادہ کرتے تھے لیکن پھر جبرئیل علیہ السلام ظاہر ہوتے اور فرماتے تھے کہ یہ مناسب نہیں ہے ایسا نہ کیجئے۔

غرضکہ جب تک حسب دل خواہ کشف حجاب نہیں ہوگیا۔ اور گوہر مقصود جیب قلب سے نہیں پالیا۔ اس وقت تک آپ کی یہ حالت رہی اور یہ کچھ تعجب کی بات نہیں۔ کیونکہ جب آدمی عام مصیبتوں کے سبب اپنے کو ہلاک کر دیتے ہیں۔ تو مصیبت فراق حق سبحانہ، تو تمام مصائب سے بڑھ کر ہے اسکو وہ کیونکر جھیل سکتے ہیں۔ لوگوں کو حیرت ہے کہ زاہد لوگ کیونکر اپنی جان دیدیتے ہیں لیکن ہمیں حیرت ہے کہ ان کو یہ حیرت کیوں ہے اسلیے کہ ہر ایک کی یہ حالت ہے کہ وہ کسی نہ کسی بات پر جان دے رہا ہے اور کسی کو مال مطلوب ہے وہ مال کے لیے جان دے رہا ہے اور کسی کو جاہ مطلوب ہے وہ جاہ کے لیے جان دے رہا ہے۔ ہکذا پھر زاہدوں کے جان... دینے پر کیوں تعجب کیا جاتا ہے۔ پس جبکہ یہ ثابت ہوگیا ہے کہ ہر شخص کسی نہ کسی مقصود کے لیے جان دے رہا ہے۔ تو اب ہم کہتے ہیں کہ بڑے مزہ میں ہے وہ شخص جو اپنے جسم کو ایسے مقصود کے لیے فنا کر دے جو فدا کرنے کے قابل ہے اور وہ اہل اللہ ہیں جو کہ ایسے مقصود کے لیے فنا کرتے ہیں جس کے لیے جان دینے میں سینکڑوں زندگیاں ہیں۔

اور یہ عشاق اور ان کا معشوق اور ان کا عشق سب کے سب باقی ہیں اور یہ لوگ دین اور دنیا دونوں میں نیک نام ہیں۔ رہے اہلِ دنیا سو ان کی یہ حالت ہے کہ ان میں سے ہر شخص ایک مقصود پر قربان ہے جس کی راہ میں عمر کھونا اور جان دینا ہے اور یہ جان دنیا غروب آفتاب یا شرق آفتاب کے اندر ہے جہاں کہ نہ مطلوب رہے گا اور نہ طالب (مطلب یہ ہے کہ ان کے عشق کا تعلق عالم ناسوت سے ہے۔ جو محل طلوع وغروب آفتاب اور فانی ہے اور اسلئے خود وہ بھی فانی ہیں اور ان کے معشوق بھی اور ان کا عشق بھی (واللہ اعلم) خلاصہ یہ ہے کہ عشق بُری بلا ہے اور عشاق کا کام پیہم بلائیوں میں پڑنا ہے لہذا

ان کی حالت قابلِ رحم ہے پس لوگو! تم ان پر رحم کرو۔

اب مولانا بنا بر استحضار واقعہ امیر کو خطاب فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہاں اے امیر آپ بھی اس کی مصیبت پر رحم کریں اور اس کی تکلیف اور بدقسمتی پر نظر کریں تاکہ حق سبحانہٗ آپ کے قصور بھی معاف فرمائیں اور آپ کی لغزش کو مغفرت سے بھر دیں آپ نے بھی اپنی غفلت کے سبب امرِ حق کے بہت سے گھڑے توڑے ہیں اور تاہم آپ عفوِ الٰہی کی توقع رکھتے ہیں پس آپ بھی اس کا قصور معاف کر دیجیے، تاکہ اس کے معاوضہ میں حق سبحانہٗ آپ کے قصور کو معاف کر دیں کیونکہ جس طرح آپ اس غریب کے مقابلہ میں بال کی کھال نکالتے ہیں یوں ہی حکمِ الٰہی آپ کے مقابلہ میں بھی بال کی کھال نکالے گا۔ پس آپ موشگافانِ تقدیر کو نظر انداز نہ کیجیے اور ان کا لحاظ رکھیئے اور ہماری نصیحت کو خوب اچھی طرح سُن لیجیے!

اس گفتگو کو ختم کر کے مولانا پھر قصہ کی طرف لوٹتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اچھا! اب پھر اس امیر کا قصہ سنو کہ اس نے انہیں کیا جواب دیا۔ تاکہ اس واقعہ کی تم کو بخوبی اطلاع ہو جائے۔

(فائدہ: واضح ہو کہ ہم نے ؎ عفو کن اے میر بر سختی او الخ کو خود مولانا کی سفارش قرار دیا ہے اور اس کے تین قرینہ ہیں قرینہ اوّل سفارش عام ہے جو مولانا نے ؎ یا کرامی ارحموا اہل النوی الخ سے فرمائی ہے اور قرینہ دوم اختلاف طرزِ سفارش ہے کہ لوگوں کی سفارش میں خوشامد کا رنگ ہے۔ اور اس سفارش میں شانِ ارشاد غالب ہے اور تیسرا قرینہ مولانا کا قول باز بشنو قصۂ میر آں دگر الخ سے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں تک گفتگو خود مولانا کی تھی واللہ اعلم)

جوابِ گفتنِ امیر مرآں شفیعانِ زاہد را کہ گستاخی چرا کرد

امیر کا اُن زاہد کے سفارشیوں کو جواب دینا کہ اس نے گستاخی کیوں کی؟

سبوی مارا چرا بشکست من درین باب شفاعت قبول

اور ہماری ٹھلیا کیوں توڑی؟ میں اس سلسلے میں سفارش قبول

نخواہم کرد کہ سوگند خوردہ ام کہ سزای او بدہم

نہ کروں گا کیوں کہ میں نے قسم کھائی ہے، کہ اُس کو سزا دوں گا

میر گفت آں کیست تا سنگے زند ... بر سبوی ما سبو را بشکند[1]

امیر نے کہا وہ کون ہوتا ہے، کہ پتھر مارے ... ہماری ٹھلیا پر، ٹھلیا کو پھوڑ دے؟

چوں گذر سازد ز کویم شیرِ نر ... ترس ترساں بگذرد با صد حذر

جب میرے کوچہ سے نر شیر گذرتا ہے ... سینکڑوں بچاؤ کے ساتھ ڈرتا ڈرتا گذرتا ہے

بلکہ بگذارد ز ہیبت پنجہ را ... مور گردد پیشِ قہرم اژدہا

بلکہ خوف سے پنجہ کو چھوڑ بھاگتا ہے ... اژدھا میرے غصہ کے سامنے چیونٹی بن جاتا ہے

بندۂ ما را چرا آزرد دل ... کرد ما را پیشِ مہماناں خجل

اُس نے ہمارے غلام کا دل کیوں دکھایا؟ ... اُس نے ہمیں مہمانوں کے سامنے شرمندہ کیا

شربتِ کاں بہ ز خونِ او دست ریخت[2] ... ایں زماں ہمچوں زناں از ما گریخت

وہ شراب جو اس کے خون سے بہتر تھی اس نے بہادی ... اب عورتوں کی طرح ہم سے بھاگ گیا

لیک جاں از دست من او کے برد ... گرچہ ہمچوں مرغ بر بالا پرد

لیکن وہ میرے ہاتھ سے جان کہاں بچا سکے گا؟ ... اگرچہ پرندے کی طرح اوپر کو اڑ جائے

تیرِ قہرِ خویش بر پرش زنم ... پر و بالِ مُردہ ریگش بر کنم

میں اپنے قہر کا تیر اس کے پروں پر ماروں گا ... اُس کے ورثہ کے بال اور پر نوچ دوں گا

در شود چوں ماہی اندر آب در ... از نہیبِ من شود زیر و زبر

اگر وہ مچھلی کی طرح پانی میں گھس جائے ... میرے خوف سے تہ و بالا ہو جائے گا

جاں نخواہد برد[3] از شمشیرِ من ... ور کند صد حیلہ و تدبیر و فن

وہ میری تلوار سے جان نہ بچا سکے گا ... خواہ سینکڑوں حیلے اور تدبیر اور فن کرلے

گر رود در سنگِ سخت از کوششم ... از دلِ سنگش کنوں بیروں کشم

اگر وہ میری کوشش سے بچ کر سخت پتھر میں گھس جائے گا ... اس کو پتھر کے اندر سے، باہر نکال لوں گا

من برانم بر تنِ او ضربتے[4] ... کہ بود مر دیگراں را عبرتے

میں اس کے جسم پر ایسی ضرب دکھاؤں گا ... جو دوسروں کے لئے (باعث) عبرت ہوگی

---

[1] میر گفت۔ سفارشیوں کے جواب میں امیر نے کہا کہ اس زاہد کی کیسے ہمت ہوئی کہ میری ٹھلیا پھوڑ دی میری گلی ہر نر شیر بھی گذرتا ہے تو ڈرتا ہوا گذرتا ہے بلکہ خوف سے اپنے پنجے چھوڑ بھاگتا ہے، میرے سامنے اژدھا بھی چیونٹی بن جاتا ہے۔ بندہ۔ اس نے میرے غلام کو ستا کر مہمانوں کے سامنے شرمندہ کیا۔

[2] شربت۔ ایسی قیمتی شراب بہادی جو اسکے خون سے بھی زیادہ قیمت کی تھی اور اب ڈر کر عورتوں کی طرح گھر میں گھس گیا۔ لیک۔ لیکن یہ میرے ہاتھ سے کہاں بچیگا اگر یہ پرندہ بن کر اڑے گا تو بھی تیر چلا کر ہلاک کردوں گا۔ در شود۔ اگر مچھلی بن کر پانی میں گھسے گا میرا قہر وہاں بھی اس کو تہ و بالا کردے گا۔

[3] جاں نخواہد۔ وہ خواہ کتنی تدبیر کرے مجھ سے بھی نہ بچا سکے گا۔ گر رود۔ اگر وہ پتھر کے دل میں گھسے گا میں اس کو وہاں سے بھی نکال لاؤں گا۔

[4] ضربت۔ مار۔ کہ بود۔ اس کو پٹتا دیکھ کر دوسرے عبرت حاصل کریں گے اور ان کو ایسی گستاخی کی جرأت نہ ہوگی۔ مکار اگو۔ اس زاہد کا کام مکاری اور حیلہ بازی ہے

اور یہ فرنگیہ اس نے اپنی شہرت کا فاش کیا ہے سب سے تو مکر کرتا تھا مجھ سے بھی اس نے مکاری برتی اب اس کو اور اس جیسے سینکڑوں کو سزا دونگا۔ خشم: اس امیر کو اس قدر غصہ آرہا تھا کہ اس کے منہ سے آگ کے شعلے نکل رہے تھے۔

کارِ اُو سالوس و زرق و حیلت است اس کا کام مکر اور فریب اور حیلہ ہے	**لیک مقصودش بیانِ شہرت است** لیکن اس کا مقصد شہرت ظاہر کرنا ہے
باہمہ سالوس و با ما نیز ہم سب کے ساتھ مکر اور ہمارے ساتھ بھی	**دادِ اُو و صد چو اُو ایں دم دہم** میں اس کا اور اس جیسے سینکڑوں کا ابھی انصاف کرونگا
بر سرش چنداں زنم گرزِ گراں بھاری گرز اس کے سر پر اتنے ماروں گا	**کز تنش بیروں رود جان و رواں** کہ اس کے جسم سے روح اور جان باہر نکل پڑے
خشمِ خونخوارش فُزودہ بد سرکشے اس (امیر) کا خونخوار غصہ بے قابو ہو گیا تھا	**از دہانش می برآمد آتشے** اس کے منہ سے آگ نکل رہی تھی

شرح امیر نے جواب دیا کہ وہ ہمارے گھڑے کو پتھر مار کر توڑ دینے والا کون ہوتا تھا اور اس نے کیوں توڑا۔ ہماری تو یہ حالت ہے کہ جب ہمارے کوچے سے شیر نر گذرتا ہے تو وہ بھی بہت ڈرتا ڈرتا گذرتا ہے۔ بلکہ ہیبت سے اپنا پنجہ ہمارے کوچہ میں چھوڑ جاتا ہے یا یوں کہو کہ اپنا زور اور سرکشی چھوڑ دیتا ہے اور اژدہا ہمارے قہر کے سامنے چیونٹی ہو جاتا ہے اور باوجود اس کے اس نے میری گستاخی کی پس وہ ضرور قابل سزا ہے آخر اس نے ہمارے غلام کو کیوں ستایا۔ جس کا اثر یہ ہوا کہ ہم کو اپنے مہمانوں کے سامنے شرمندہ ہونا پڑا۔ ہم اسے ضرور سزا دیں گے اس نے وہ شراب گرائی جو کہ اس کے خون سے بہتر تھی۔ پھر اس کا خون کیوں نہ بہایا جائے اس نے یہ گستاخی کی۔ مگر اب عورتوں کی طرح ہمارے سامنے سے بھاگ گیا لیکن وہ اس تدبیر سے بچ نہیں سکتا۔ وہ اگر پرندہ بن کر ہوا میں اُڑ جائے گا تب بھی ہم سے جانبر نہ ہوگا ہم اپنے قہر کا تیر اس کے پَر پَر ماریں گے اور اس کے ذلیل پر و بازو توڑ ڈالیں گے اور اگر وہ مچھلی بن کر پانی میں چلا جائے گا تب بھی وہ نجات نہ پائے گا کیوں کہ میرے خوف سے وہاں بھی وہ برباد ہو جائے گا۔

الغرض! وہ میری تلوار سے نجات نہیں پا سکتا خواہ وہ سینکڑوں تدبیریں کر لے اگر وہ پتھر میں بھی گھس جائے گا۔ تب بھی میں اپنی کوشش سے اسے پتھر میں

سے نکال لوں گا اور اسکے جسم پر ایسی کاری ضرب لگاؤں گا کہ دوسروں کو عبرت ہو اور پھر کوئی ایسی حرکت نہ کرے۔ اس کا کام مکر اور فریب اور حیلہ ہے جس کا مقتضی یہ ہے کہ وہ برا ہو۔ مگر بایں ہمہ اس کا مقصود یہی نیکنامی کا ظہور ہے غیروں کے ساتھ تو وہ مکر کرتا ہی تھا۔ ہم سے بھی فریب کرتا ہے پس میں اس کی اور ایسے سینکڑوں کی بھی گت بناؤں گا اور اسکے سر پر اتنے گرز ماروں گا کہ اسکے جسم سے جان نکل جائے۔ الغرض اس کا خونخوار غصہ سرکش ہو گیا تھا جو کہ کسی طرح قابو میں نہ آتا تھا اور اسکے منہ سے آگ نکل رہی تھی۔

دوم بار دست و پائے امیر را بوسہ دادن ولابہ کردنِ شفیعان و ہمسایگانِ زاہد

اس زاہد کے پڑوسیوں اور سفارشیوں کا امیر کے ہاتھ پاؤں کو دوبارہ بوسہ دینا اور خوشامد کرنا

آں شفیعاں از دمِ ہیہائے او [1] | چند بوسیدند دست و پای او

اُن سفارشیوں نے اسکے شور و غوغا اور دھمکی کی وجہ سے | اس کے ہاتھ پاؤں بہت چومے

کاے امیر از تو نشاید کیں کشی | گر شد بادہ تو بے بادہ خوشی

کہ اے امیر بدلہ لینا آپ کے مناسب نہیں ہے | اگر شراب جاتی رہی تو آپ بغیر شراب کے اچھے ہیں

بادہ سرمایہ ز لطفِ تو برد | لطفِ آب از لطفِ تو حسرت خورد

شراب آپکے سرور سے سرمایہ حاصل کرتی ہے | پانی کا لطف آپ کے لطف پر حسرت کرتا ہے

بادشاہی کن بہ بخشش اے رحیم | اے کریم ابن الکریم ابن الکریم

اے رحم کرنیوالے! بادشاہی کر اسکو بخش دے | اے داتا! داتا کے بیٹے، داتا کے پوتے

ہر شرابے بندۂ ایں قد و خد [2] | جملہ مستاں را بود بر تو حسد

ہر شراب اس قد اور رخسار کی غلام ہے | تمام مستوں کو آپ پر حسد ہے

ہیچ محتاجِ مئے گلگوں نہ | ترک کن گلگونہ تو گلگونہ

تو کسی گلابی شراب کا محتاج نہیں ہے | تو گلگوں کو چھوڑ، تو خود گلگوں ہے

اے رخ چوں زہرہ ات شمس الضحیٰ [3] | اے گدای رنگِ تو گلگونہا

تیرا زہرہ جیسا رخ دن چڑھے کا سورج ہے | گال تیرے رنگ کے بھکاری ہیں

[1] آں شفیعاں۔ سفارشیوں نے دوبارہ اس امیر کے ہاتھ پاؤں خوب چومے۔ کیں کشی۔ بدلہ لینا۔ گر شد۔ امیر سے کہا اگر آپ کی شراب ضائع ہو گئی ہے تو کیا مضائقہ ہے، آپ بغیر شراب کے بھی خوب بھلے ہیں۔ بادہ۔ شراب تو آپ کے سرور سے فیضیاب ہے اور پانی کی پاکیزگی آپ کی پاکیزگی کے سامنے ہیچ ہے۔

[2] ہر شرابے۔ آپ کا قد اور رخسار بغیر شراب کے حسین اور خوبصورت ہے اور آپ میں بغیر شراب کے روشنی ہر کو مست اس پر حسد کرتے ہیں۔ ہیچ۔ آپ کا رنگ خود گلگون ہے آپ کو گلگوں شراب کی اور گلگاں کی کیا ضرورت ہے

[3] اے۔ جبکہ آپ کا رخ خود منور ہے اور گال آپ کے رنگ کا محتاج ہے تو آپکو شراب درکار ہے نہ گال۔

بادہ کاندر خُم ہمی جوشد نہاں
چھپی ہوئی شراب جو مٹکے میں جوش مار رہی ہے

زاشتیاقِ رُوی تو جوشد چُناں
تیرے چہرے کے شوق میں اس طرح جوش مار رہی ہے

اے ہمہ دریا چہ خواہی کرد نم
اے مجسم دریا! تو شبنم کا کیا کرے گا!

وے ہمہ ہستی چہ می جوئی عدم
اے مجسم ہستی! تو عدم کا جویاں کیوں ہے؟

اے مہِ تاباں چہ خواہی گرد کرد
اے چمکدار چاند! تو گرد کا کیا کرے گا!

اے کہ خور در پیشِ رویت رُوی زرد
اے وہ کہ تیرے چہرے کے سامنے سورج کا چہرہ زرد ہے

تو خوشی و خوب و کانِ ہر خوشی
تو بھلا ہے اور خوبصورت اور تو ہر بھلائی کی کان ہے

تو چرا خود منتِ بادہ کشی
تو کیوں شراب کا احسان لیتا ہے؟

تاجِ کرّمناست بر فرقِ سرت
تیرے سر پر "ہم نے مکرم بنایا" کا تاج ہے

طوقِ اَعطیناکَ آویزِ برت
"ہم نے آپ کو دیا" کا ہار تیرے سینے کا آویزہ ہے

جوہرست انسان و چرخ او را عرض
انسان جوہر ہے اور آسمان اُس کا عرض ہے

جملہ فرع و سایہ اند و او غرض
سب سایہ اور فرع ہیں اور وہ مقصود ہے

اے غلامت عقل و تدبیرات و ہوش
اے وہ کہ عقل اور تدبیریں اور ہوش تیرے غلام ہیں

چون چنینی خویش را ارزاں فروش
تو اپنے آپ کو اتنا سستا بیچنے والا کیوں ہے؟

خدمتت بر جملہ ہستی مفترض
تمام موجودات پر تیری خدمت فرض ہے

جوہرے چون نُزد خواہد از عرض
جوہر، عرض سے کیسے مزدوری چاہے گا؟

علم جوئی از کتبہا اے فسوس
اے افسوس تو کتابوں سے علم حاصل کرتا ہے

ذوق جوئی تو ز حلوای سبوس
تو بھوسی کے حلوے سے لطف حاصل کرتا ہے

بحرِ علمی در نمے پنہاں شدہ
تو قطرے میں چھپا ہوا علم کا سمندر ہے

در سہ گز تن عالمے پنہاں شدہ
تین گز کے جسم میں عالم پنہاں ہو گیا ہے

مے چہ باشد یا جماع و یا سماع
شراب، یا جماع، یا سماع کیا ہوتا ہے!

تا بجوئی زو نشاط و انتفاع
کہ تو اُس سے نشاط اور نفع اندوزی چاہتا ہے

آفتاب از ذرہ کے شد وام خواہ
سورج، ذرے سے قرض مانگنے والا کب بنا ہے؟

زہرہ از خمرہ کے شد کام خواہ
زہرہ، مٹکے سے کب مقصد کا خواہاں ہوا ہے؟

جان بے کیفے شدہ محبوسِ کیف
بے کیف جان، کیف میں مقید ہو گئی

آفتابے حبسِ عقدہ اینت حیف
سورج عقدہ میں پھنس گیا یہ افسوس ہے

انسان کو علم کی ترقی حاصل کرنا چاہیئے۔ حلوای سبوس۔ یعنی گھٹیا چیز۔ بحر علمی۔ انسان علم کا سمندر ہے اس کو معمولی علوم میں منہمک نہ ہونا چاہیئے۔ نم۔ قطرہ۔ در سہ۔ صوفیا کے نزدیک انسان عالم اکبر ہے۔ مے چہ باشد۔ دنیا کی لذتیں فانی ہیں۔ انتفاع۔ نفع حاصل کرنا۔

بادہ۔ شراب میں جو جوش ہے وہ آپ کے چہرے کے شوق کی وجہ سے ہے۔ اے ہمہ۔ سمندر کو قطرے کی کیا ضرورت ہے۔ وے۔ آپ مجسم وجود ہیں زاہد کو معدوم کر کے کیا کریں گے۔ تو خوشی۔ آپ خود مجسم خوشی ہیں شراب سے خوشی حاصل کر کے کیا کریں گے۔

۲ تاجِ کرّمنا۔ کائنات پر انسانی فضیلت کے بیان میں قرآن پاک میں ہے وَلَقَدْ کَرَّمْنَا بَنِیْٓ اٰدَمَ "اور البتہ ہم نے آدم کی اولاد کو عزت بخشی ہے" قرآن پاک میں ہے اِنَّآ اَعْطَیْنٰکَ الْکَوْثَرَ "بیشک ہم نے آپ کو کوثر عطا کی ہے" اگرچہ یہ آنحضور کی خصوصیت ہے لیکن یہ فضیلت آنحضور کو انسان کامل ہونے کی وجہ سے حاصل ہوئی ہے۔ بر۔ سینہ، بغل۔ جوہرست۔ انسان بمنزلہ جوہر کے ہے اور تمام کائنات بمنزلہ عرض کے ہے قرآن پاک میں ہے خَلَقَ لَکُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا "جو کچھ زمین میں ہے وہ تمہارے لئے پیدا کیا گیا ہے" جبکہ جبکہ انسان کے یہ فضائل ہیں تو اُس کو اپنے آپ کو رائیگاں نہ کرنا چاہیئے۔

۳ خدمتت۔ کائنات انسان کی خادم ہے۔ تم۔

۴ آفتاب۔ انسان آفتاب ہے اور کائنات ذرات ہے۔ زہرہ۔ یہ ستارہ خود چمکدار ہے۔ جان۔ روح مجرد وہ کم اور کیف سے منزہ ہے۔ عقدہ۔ وہ برج جس میں پہنچ کر سورج گہن میں آجاتا ہے۔

شرح

ان سفارشی لوگوں نے اس کی گفتگو اور شور و شغب کے سبب بہت کچھ اسکے ہاتھ پاؤں چومے اور کہا کہ اے امیر آپ کو اس سے انتقام لینا مناسب نہیں کیونکہ اگر شراب جاتی رہی تو اسکی جلنے سے آپکے اندر کوئی نقص واقع نہیں ہوا۔ اور اس سے آپکے کمال میں فرق نہیں آیا۔ بلکہ آپ تو بدوں اس کے بھی اسی طرح اچھے ہیں جیسے پہلے تھے تو جبکہ اس کے جلنے سے آپ کا کچھ ضرر نہیں ہوا تو آپ انتقام کی فکر کیوں کرتے ہیں۔ آپ کے خوبی کی تو یہ حالت ہے کہ خود شراب اس سے خوبی حاصل کرتی ہے اور آپ کی پاکیزگی کی تو یہ حالت ہے کہ اس پر پانی کی پاکیزگی کو حسرت ہوتی ہے۔ پس اے رحیم اور کریم کے بیٹے اور کریم کے پوتے آپ بادشاہی کو کام فرمایئے اور اس کا قصور معاف کیجیے — صاحب شراب کی تو یہ حالت ہے کہ وہ آپکے قد اور رخسار کی لونڈی ہے اور تمام مستوں کو آپ پر رشک ہوتا ہے کہ آپ ایسی شراب رکھتے ہیں جس کی شراب معروف لونڈی ہے یعنی شراب حسن۔ پس آپکو بادۂ گلگوں کی اصلاً ضرورت نہیں ہے آپ اسکی جانے کا افسوس نہ کریں۔ اے امیر! آپ کا زہرہ کی مانند چہرہ خود آفتاب چاشت کی مانند ہے اور گلگونہ آپکے رنگ کے گدا ہیں۔ آپ کو چاہیئے کہ اسکو بالکل ترک فرمادیں کیونکہ آپ تو خود گلگوں ہیں۔ آپ کو شراب پی کر چہرہ کو گلگوں بنانے کی کیا حاجت ہے۔

شراب جو خم میں جوش کھاتی ہے تو یہ اس کا اس طرح جوش کھانا آپکے چہرہ کے اشتیاق میں ہے — اجی آپ تو سراسر دریائے خوبی ہیں پس آپ تم یعنی اس معمولی خوبی کو کیا کریں گے جو کہ شراب سے حاصل ہوتی ہے۔ اور آپ تو سراپا ہستی و کمال ہیں۔ آپ کمال شراب کو کیوں طلب کرتے ہیں جو کہ آپکے کمال کی مقابلہ میں بمنزلہ عدم کے ہے اور آپ عقل کے لحاظ سے ماہ تاباں ہیں۔ آپ نشہ شراب کو کیا کریں گے جو کہ اس لئے بمنزلہ گرد کے ہے اور آپ کی تو یہ حالت ہے کہ آپ کے حسن کے مقابلہ میں آفتاب شرمندہ ہے۔ اور آپ تو سراپا خوبی۔ اور سراسر خوب اور ہر خوبی کی کان ہیں آپ شراب کا احسان کیوں لیتے ہیں۔ آپکے سر پر کرمنا کا تاج ہے اور اعطیناک الکوثر

کا طوق آپکے سینہ پر لٹکتا ہے یعنی معظم و مکرم ہیں اور خدا نے آپ کو بہت کچھ کمالات عطا فرمائے ہیں ۔ پھر آپ اپنے کو ایک ذلیل اور خسیس شے شراب کا محتاج کیوں سمجھتے ہیں ۔

یہ باتیں آپکے شایاں نہیں ہیں آپ شراب کا خیال چھوڑیں اور زاہد کو معاف فرما دیں

آگے مولانا مطلق انسان کی حالت کی طرف انتقال فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ انسان متبوع ہے اور آسمان وجود میں اس کا تابع اسلئے وہ بمنزلہ جوہر کے ہے اور آسمان بمنزلہ عرض کے ۔ اور آسمان ہی کی تخصیص نہیں ۔ بلکہ تمام ممکنات خلقت ہیں اسکے تابع ہیں اور وہ مقصود بالخلقت پس ہم اسکو کہتے ہیں کہ اے وہ شخص جو کہ اس قدر عالی رتبہ ہے کہ عقول و تدبیرات اور ہوش تیرے خادم ہیں ۔ تونے اپنے کو اس قدر معمولی قیمت میں کیوں بیچ... رکھا ہے کہ ادنیٰ اور معمولی لذت کے لیے ہر خسیس شئے کا غلام بنا ہوا ہے ارے تیری خدمت تو تمام کائنات پر لازم ہے پھر تو اپنے غلاموں کا غلام کیوں بنا ہوا ہے اور ان سے اپنے خدمتوں کا صلہ کیوں چاہتا ہے بھلا کہیں جوہر بھی اعراض سے خدمت کرتا ۔ اور ان سے کوئی منفعت چاہتا ہے ہرگز نہیں ۔ پس تو کیوں چاہتا ہے ۔

ہائے افسوس تو کتابوں سے علم چاہتا ہے اور بھوسے کے حلوے سے لذت چاہتا ہے کس قدر غضب کی بات ہے ۔ ارے تیرا مقصود اصلی تو صرف علم لدُنّی اور لذتِ وصال حق سبحانہٗ ہونا چاہیئے ۔ اور کتب اور حلوے اسبوس وغیرہ کو خدمتگاروں کے درجہ میں رکھنا چاہیئے اور ان سے یوں کام لینا چاہیئے جیساکہ خدمتگاروں سے لیتے ہیں مگر تونے خود ان کو مقصود اصلی بنالیا ہے اور ان کی خدمت کو اپنا فرض منصبی سمجھ لیا ہے تو تو علم حقیقی کا ایک سمندر ہے جو کہ تری یعنی علم ظاہری میں مستور ہوگیا ہے اور گو تیرا قد تین گز کا ہے مگر تیری جامعیت کمالات میں جو کہ درجہ استعداد میں تیرے لیے حاصل ہے ۔ ایک عالم حیران ہے پس جبکہ تیری حالت یہ ہے تو شراب یا جماع یا راگ باجے کیا چیز ہیں کہ تو ان سے تفریح اور نفع کا طالب ہو ۔ تو تو ایسا ہے جیسا آفتاب ! اور دیگر اشیاء ایسی ہیں جیسے ذرہ ! بھلا کہیں آفتاب بھی ذرہ سے کمال کا طالب ہوتا ہے ہرگز نہیں تو پھر تو ان سے کیوں طالب ہوتا ہے نیز تیری ایسی مثال ہے جیسے زہرہ اور دوسری اشیاء کی ایسی

مثال ہے جیسے چنگاری ۔ پھر کہیں زہرہ بھی چنگاری سے کوئی مقصود حاصل کرتا ہے جبکہ نہیں کرتے تو تو کیوں کرتا ہے ۔ افسوس کہ تیری روح جو خود بے کیف اور عالمِ ناسوتی سے خارج تھی ۔ کیف یعنی عالم ناسوت میں گرفتار ہوگئی ہے اور اس طرح اُس کے کمالات مخفی ہوگئے ہیں اور اس لیے یوں کہا جاسکتا ہے کہ آفتاب گرہ میں آکر گہن میں پڑ گیا ہے ۔ نہایت افسوس کی بات ہے (فائدہ: علم ہیئت میں یہ امر مقرر ہے کہ جب آفتاب اور ماہتاب عقدہ راس یا ذنب پر مجتمع ہوتے ہیں تو سورج گہن ہوتا ہے پس آفتاب حبس عقدہ میں اسی امر کی طرف اشارہ ہے اور حبس عقدہ کہنا یہ ہے کسوف آفتاب سے ۔)

بازجواب گفتنِ امیر مر شفیعاں را

امیر کا سفارشیوں کو پھر جواب دینا

گفت نے نے من حریفِ آں مَیم	من بذوقِ این خوشی قانع نیم
اُس نے کہا نہیں نہیں میں اُس شراب کا دوست ہوں	میں اِس خوشی کے ذوق پر قانع نہیں ہوں
وارہیدہ از ہمہ خوف و اُمید	کژ ہمی گردم بہر سو ہمچو بید
میں سب خوفوں اور امیدوں سے نجات پائے ہوئے ہوں	بید کی طرح ہر جانب کو جھومتا ہوں
من چناں خواہم کہ ہمچوں یاسمیں	کژ شوم گاہے چناں گاہے چنیں
میں ایسا چاہتا ہوں، کہ یاسمین کی طرح	جھوموں، کبھی یوں کبھی یوں
ہمچو شاخِ بید گرداں چپ و راست	کہ ز بادش گونہ گونہ رقصہاست
بائیں اور دائیں جانب کو بید کی شاخ کی طرح جھومتا	جس کے ہوا کی وجہ سے طرح طرح کے رقص ہیں

گفت ۔ امیر نے کہا میں اس شراب کا دوست نہیں ہوں بلکہ میں شراب معرفت کا دوست ہوں ۔ بید ۔ بید کا درخت پابند نہیں ہے ہر طرف کو جھومتا ہے

۵۲ من چناں ۔ میں ہر طرح سے آزاد ہوں ۔ آنکہ ۔ جس کو معنوی شراب حاصل ہو گئی وہ اس شراب سے مستی کیوں حاصل کریگا ۔ انبیا ۔ انبیاء کو معنوی شراب حاصل ہے ان کی فطرت میں اس سے محبت کرنا ہے ۔

شرح — امیر نے جواب دیا کہ ہم ان باتوں کو نہیں سُنتے ہم کو شراب سے تعلق ہے جس کا تم نے ذکر کیا ہے ۔ ہم تو یہ چاہتے ہیں کہ ہر امید و بیم سے جدا ہو کر ہر طرف بید کی طرح جھومیں ۔ اور ہم کو تو بس یہ مطلوب ہے کہ یاسمین کی طرح کبھی ادھر جھک جائیں اور کبھی اُدھر ۔ اور اس شاخ بید کی طرح جو کہ ہوا کے سبب طرح طرح رقص کرتی ہے ۔ ہم بھی کبھی بائیں جانب حرکت کریں اور کبھی دائیں جانب ۔ اور یہ بات سوائے شراب کے اور شے میں نہیں ہے لہٰذا ہم کو شراب کے سوا کوئی چیز مطلوب نہیں ہے

آنکه خو کرد ست با شادیِ مے — ایں خوشی را کے پسندد خواجہ کے

جس نے شراب مسرت ہی کی خوشی کی عادت ڈال لی ہو — اس خوشی کو کب پسند کرتا ہے اے صاحب کب؟

انبیا زاں زیں خوشی بیروں شدند — کہ سرشتہ در خوشیِ حق بدند

انبیاء اس خوشی سے اسی لئے علیحدہ ہو گئے — کیونکہ وہ اللہ (تعالیٰ) کی خوشی میں گندھے ہوئے تھے

زانکہ جاں شاں آں[۵۳] خوشی را دیدہ بود — ایں خوشیہا پیشِ شاں بازی نمود

کیونکہ اُن کی جان نے اُس خوشی کو دیکھا ہے — یہ خوشیاں اُن کے لئے کھیل نظر آتی ہیں

ہر کہ را نورِ حقیقی رو نمود — کے شود قانع بتاریکی و دود

جس کے لئے حقیقی نور نمودار ہو گیا ہو — وہ اندھیرے اور دھوئیں پر کب قناعت کرتا ہے؟

وانکہ در جوعِ اُو طعام اللہ خورد — کے زنان و شوربا حسرت برد

اور جو شخص بھوک میں خدا کا کھانا کھائے — وہ روٹی اور شوربے کی تمنا کب کرتا ہے؟

وانکہ باشد خفتہ اندر گلستاں — میلِ گلخن کے کند چوں ابلہاں

اور جو شخص گلستاں میں سویا ہوا ہو — وہ بیوقوفوں کی طرح بھٹی کی خواہش کب کرتا ہے؟

چوں[۵۱] کند مستسقی از آب اجتناب — چوں کند مخمور دوری از شراب

استسقا کا مریض پانی سے کیسے پرہیز کرے؟ — شرابی، شراب سے کیسے دور ہو؟

سیر نبود ہیچ عاشق از حبیب — صبر نکند ہیچ رنجور از طبیب

عاشق، معشوق سے کبھی سیر نہیں ہوتا ہے — کوئی بیمار، طبیب سے صبر نہیں کرتا ہے

بابتِ[۵۲] زندہ کسے چوں گشت یار — مُردہ را چوں در کشد اندر کنار

جو شخص زندہ معشوق کا دوست ہو گیا ہو — وہ مُردے سے بغل گیر کب ہوگا؟

مُردہ را کس در کنار آرد مگر — کو ندارد در جہاں از دل خبر

ہاں، مُردے کو وہ بغل میں لے گا — جس کو دنیا میں دل کا پتہ نہ چلے

---

۵۳ آں خوشی۔ اللہ کی خوشی۔ ایں خوشیہا۔ ظاہری خوشیاں۔ ہر کہ۔ حقیقی نور کے بالمقابل ہر چیز تاریک ہے۔ وانکہ۔ حدیث شریف ہے۔ اَلْجُوْعُ طَعَامُ اللّٰهِ يُرْزِقُ بِهِ الصَّادِقِيْنَ ۔ بھوک اللہ کا کھانا ہے جس کے ذریعہ سچوں کو رزق دیتا ہے۔ گلستاں۔ اللہ کی خوشی۔ گلخن۔ بھٹی یعنی ظاہری خوشی۔

۵۱ چوں کند۔ جس طرح استسقاء کا مریض پانی سے سیر نہیں ہوتا اور شرابی شراب سے کنارہ کش نہیں ہوتا یہی حال نورِ حقیقی کے عاشق کا ہے۔

۵۲ بابت زندہ یعنی عالمِ آخرت کا عاشق۔ مُردہ یعنی یہ دنیا۔ کنار۔ بغل۔ تفسیر۔ اس آیت میں عالمِ آخرت کی زندگی اور دنیا کی مُردگی بتائی ہے۔

تفسیر ایں آیہ کہ وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ

اِس آیت کی تفسیر کہ اور بیشک آخرت کا گھر ہی زندہ ہے کاش وہ جان لیتے،

کہ در و دیوار و عرصۂ آں عالم — و آب و کوزہ و میوہ و درخت

کیونکہ اُس عالم کے درو دیوار اور صحن اور پانی اور پیالہ اور پھل اور درخت

ہمہ زندہ اند و سخن گو و سخن شنو جہت آں فرمودہ مصطفیٰ

سب زندہ ہیں اور بات کرنے والے اور بات سننے والے، اسی لئے حضرت مصطفیٰ

صلی اللہ علیہ وسلم کہ اَلدُّنْيَا جِيْفَةٌ وَطَالِبُهَا كِلَابٌ

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دنیا مُردار ہے اور اس کے طلبگار کتے ہیں

اگر آخرت را حیات نبودے آخرت ہم جیفہ بودے جیفہ
اگر آخرت کے لئے زندگی نہ ہوتی آخرت بھی مُردار ہوتی، مُردار کو

را ازبرائے مُردگیش جیفہ[۵۳] گویند نہ برائے بوئی زشت
اِس کے مُردہ ہونے کی وجہ سے، مُردار کہتے ہیں، نہ کہ بدبو کی وجہ سے

آں جہاں چوں ذرّہ ذرّہ زندہ اند — نکتہ دانند و سخن گوینده اند
جبکہ اُس جہان کا ذرّہ ذرّہ زندہ ہے — وہ نکتہ کو سمجھنے والے اور بات کرنے والے ہیں

در جہانِ مُردہ شاں آرام نیست — کایں عَلَف جز لائقِ انعام نیست
مُردہ جہاں میں اُن کو راحت نہیں ہے — کیونکہ یہ چارہ چوپاؤں ہی کے لائق ہے

ہر کرا گلشن بُوَد بزم و وطن — کے خورد او بادہ اندر گولخن
جس شخص کی مجلس اور وطن چمن ہو — وہ بھٹی میں شراب کب پیتے ہو؟

جایِ رُوحِ پاک علیّین[۱] بُوَد — جایِ رُوحِ ہر نجس سجّیں بُوَد
پاک روح کا مقام علیّین ہے — ہر ناپاک روح کا مقام سجّین ہے

جایِ بُلبل گُلبن و نسریں بُوَد — کِرم باشد کِش وطن سرگیں بُوَد
بلبل کا مقام، بوٹا اور نسرین ہے — کیڑا ہوتا ہے، جس کا وطن گوبر ہوتا ہے

بہرِ مخمُورِ خدا جامِ طہُور — بہرِ ایں مُرغانِ کور ایں آبِ شور
خدا کے مست کے لئے (شراب) طہور کا جام ہو — اِن اندھے پرندوں کے لئے کھاری پانی ہے

ہر کرا عدلِ عمرؓ ننمود دست — پیشِ او حجّاجِ خونی عادل ست
جس کے لئے عمرؓ کا انصاف نمودار نہ ہوا — اُس کے لئے خونی حجاج منصف ہے

دختراں را لُعبتِ مُردہ دہند — کز لعبِ زندگاں بے آگہند
لڑکیوں کو مُردہ گڑیاں دیتے ہیں — کیونکہ وہ زندوں کے کھیل سے واقف نہیں ہیں

چوں ندارند از فُتوّت زور دست — کودکاں را تیغِ چوبیں بہتر ست
جبکہ جوانی کی قوت بازو نہیں رکھتے ہیں — بچوں کے لئے لکڑی کی تلوار بہتر ہے

کافراں قانع بہ نقشِ انبیا — کہ نگاریدہ ست اندر دیرہا
کافر انبیاء کی تصویروں پر قانع ہیں — جو کہ انھوں نے گرجا گھروں میں بنا رکھی ہیں

واں[۵۴] جہاں مارا چو روزِ روشنے ست — ہیچ ماں پروایِ نقش و سایہ نیست
وہ جہان ہمارے لئے روشن دن کی طرح ہے — ہمیں تصویر اور سایہ کی کچھ پروا نہیں ہے

واں یکے نقشش نشستہ در جہاں — واں دگر نقشش چو مہ بر آسماں
اُن کا ایک نقش دنیا میں بیٹھا ہوا ہے — اور اُن کا دوسرا نقش چاند کی طرح آسمان پر ہے

ایں دہانش نکتہ گویاں با جلیس — واں دگر با حق بگفتار و انیس
اُن کا یہ منہ، ہم نشین سے نکتے کہتا ہے — اور وہ دوسرا اللہ (تعالیٰ) کا ہمکلام اور دوست ہے

---

[۵۳] جیفہ۔ مُردار۔ شاں۔ یعنی اہلِ آخرت۔ عَلَف جیفہ ہے چارہ۔ انعام۔ چوپائے۔ گولخن۔ بھٹی۔

[۱] علیّین۔ جنّت کا اعلیٰ مقام ہے۔ سجّین جہنّم کا بُرا مقام ہے۔ کِرم۔ کیڑا۔ سرگین۔ گوبر۔ طہور۔ جو خاصانِ خدا ہیں وہ شرابِ طہور پیتے ہیں۔ مُرغانِ کور۔ دنیا دار۔ حجّاج۔ یعنی یوسف ثقفی کا بیٹا۔ لُعبت۔ کھلونا گڑیا۔ لعبِ زندگاں۔ یعنی شادی بیاہ۔ فتوّت۔ جوانی۔ نقش یعنی بُت تصویر۔

[۵۴] واں جہاں۔ چونکہ ہمارے لئے عالمِ آخرت۔ روزِ روشن کی طرح ہے لہٰذا ہمیں تصاویر کی کوئی پروا نہیں ہے۔ نقش و سایہ۔ تصویر نقوش سے اور عکس سے بنتی ہے۔ یکے نقشش۔ انبیا کا ایک نقش دنیا میں ہوتا ہے اور ایک نقش عالمِ بالا پر ہوتا ہے۔ ایں و آں۔ ظاہری نقش کے اعضا دنیا کے کاموں میں ہوتے ہیں اور دوسرے اعضا حضرتِ حق کے ساتھ معروف رہتے ہیں۔

گوشِ ظاہر ضبطِ ایں افسانہ کُن [۳] — گوشِ جانش جاذبِ اسرارِ کُن

ظاہری کان اِس افسانے کو سننے والا ہے — اُس کی جان کا کان "کُن" کے رازوں کو جذب کرنے والا ہے

چشمِ ظاہر ضابطِ حُلیہ بَشر — چشمِ سِر حیرانِ مَازَاغَ الْبَصَرُ

ظاہری آنکھ انسان کے حُلیے کو محفوظ رکھنے والی ہے — باطنی آنکھ "مَازَاغَ الْبَصَرُ" میں حیران ہے

دَستِ ظاہر میکُند داد و سِتَد — دستِ باطن بَر درِ فردِ صَمَد

ظاہری ہاتھ لین دین کرتا رہتا ہے — باطنی ہاتھ، یکتا بے نیاز کے دَر پر ہے

پایِ ظاہر در صفِ مسجد صواف [۱] — پایِ معنیٰ فوقِ گردوں دَر طواف

ظاہری پاؤں مسجد کی صف میں صف باندھنے والوں میں ہے — باطنی پاؤں آسمان پر طواف میں ہے

جُزو جُزوش را تو بشمر ہمچنیں — ایں درونِ وقت و آں بیرونِ حِیں

تو اُس کے جُزو جُزو کو اسی طرح گن لے — یہ زمانہ کے اندر ہے اور وہ وقت سے باہر ہے

اینکہ در وقتست باشد تا اَجل — واں دگر یارِ اَبد قرنِ ازل

یہ جو وقت میں ہے موت تک ہے — اور وہ دوسرا اَبد کا یار، ازل کا ساتھی ہے

ہست [۲] یک نامش ولیّ الدولتین — واں دِگر نامش امامُ القبلتین

اُس کا ایک نام "دونوں دولتوں کا والی" ہے — اور اُس کا دوسرا نام "دونوں قبلوں کا امام" ہے

خلوت و چلّہ برو لازم نماند — ہیچ غیمے مرورا غامُم نماند

تنہائی اور چلّہ کشی، اُس کے لئے ضروری نہ رہی — کوئی ابر اُس پر چھانے والا نہ رہا

قرصِ خورشید ست خلوت خانہ اش — کے حجاب آرد شبِ بیگانہ اش

اُس کا تنہائی کا گھر، سورج کی ٹکیا ہے — اجنبی رات اس کے لئے کب پردہ ڈال سکتی ہے؟

علت [۳] و پرہیز شُد بُحراں نماند — کفرِ او ایماں شُد و کُفراں نماند

بیماری اور پرہیز ختم ہو گیا، بُحران نہ رہا — اُس کا کفر ایمان بن گیا ناشکری نہ رہی

چوں الف از استقامت شُد بہ پیش — اُو ندارد ہیچ از اوصافِ خویش

اَلِف کی طرح راستی سے وہ پیشی میں پہنچ گیا — اُس کا اب کوئی اپنا وصف نہ رہا

گشت فرد از کسوتِ خوہائے خویش — شُد برہنہ جاں بجاں افزایِ خویش

وہ اپنی عادتوں کے لباس سے برہنہ ہو گیا — ننگی جان کیساتھ اپنی جان بڑھانے والے کی جناب روانہ ہو گیا

چوں برہنہ رفت پیشِ شاہِ فرد — شاہ ش از اوصافِ قُدسی جامہ کرد

جب یکتا شاہ کے پاس، وہ ننگا پہنچا — شاہ نے اُس کو قدسی اوصاف کا لباس پہنا دیا

خلعتے پوشید از اوصافِ شاہ — بر پرید از چاہ تا ایوانِ جاہ

اُس نے شاہ کے اوصاف کا لباس پہن لیا — کنوئیں سے مرتبہ کے محل پر اُڑ کر چلا گیا

۳ہ گوشِ ظاہر۔ ظاہری کان انسانوں کی باتیں سنتا ہے باطنی کان اللہ تعالےٰ کے اسرار سنتا ہے۔ چشمِ ظاہر۔ ظاہری آنکھوں سے انسانوں کے حلیے دیکھتے ہیں۔ مَازَاغَ الْبَصَرُ حضورؐ کے بارے میں ہے کہ آپ کی آنکھ نے نہ کجی برتی اور نہ سرکشی کی بلکہ صحیح دیکھا یعنی اولیاء مشاہدۂ حق میں حیران رہتے ہیں۔

۱ہ صواف۔ صف بندی کرنیوالے نائیں۔ یعنی جسمِ ظاہری زمان و مکان کا پابند ہے۔ واں۔ یعنی جسمِ نوری زمان اور مکان سے پاک ہے۔ اینکہ۔ یعنی جسمِ عنصری۔ اجل۔ موت۔ قرن۔ قرین۔ ساتھی یعنی جسمِ نوری اَبدی اور ازلی ہے۔

۲ہ ہست۔ جس طرح اُس کے دو جسم ہیں اسی طرح نام بھی دو ہیں۔ وَلِیُّ الدَّوْلَتَیْن۔ دنیا اور آخرت کے سلطنت کا والی۔ امامُ القبلتین۔ یعنی بیت اللہ اور بیت المقدس کا امام۔ خلوت۔ اب اُس کو نہ تنہائی کی ضرورت ہے نہ چلّہ کشی کی وہ ہر حالت میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے دنیا اُس کے لئے حجاب نہیں ہو سکتی۔ شبِ بیگانہ۔ یعنی اُس کے لئے ہر وقت دن ہے رات کی تاریکی اُس کے لئے حجاب نہیں ہے۔

۳ہ علت۔ یعنی نہ اُس میں مرض ہے نہ پرہیز کی ضرورت ہے۔ بُحران۔ مرض کی شدت میں کمی۔ درگاہ اُلوہیت۔ گشت۔ وہ اپنے اوصافِ بشری سے برہنہ ہو کر بارگاہِ خداوندی میں پہنچا لہٰذا اُس کے مراتب بہت بلند ہو گئے۔ ایں چنیں۔ جب تلچھٹ صاف ہو جاتی ہے تو طشت کے بالائی حصہ میں آجاتی ہے۔

اینچنیں باشد چو دردے صاف گشت — از بُنِ طشت آمد اُو بالائے طشت
یہی ہوتا ہے جب تلچھٹ صاف ہو جاتی ہو — طشت کی تہ سے طشت کے اوپر آ جاتی ہے۔

دُر بُنِ طشت ار چہ بُود اُو درد ناک — شومیِ آمیزشِ اجزایِ خاک
طشت کی تہ میں وہ درد مند کیوں تھی؟ — خاک کے اجزاء کی آمیزش کی بدبختی اس کی وجہ ہے

یارِ ناخوش پَر و بالش بستہ بُود — وَرنہ اُو در اصل بس برجستہ بُود
بُرے دوست نے اس کے پَر و بال باندھ دیئے تھے — ورنہ وہ اصل میں بہت تیز تھی

چوں عتابِ اِھبِطُوا انگیختند — ہمچو ہاروتش نگوں آویختند
جب انہوں نے "نیچے اُترو" کا عتاب برپا کیا — اُس کو ہاروت کی طرح اُلٹا لٹکا دیا

بُود ہاروت از ملائک بیگماں — از عتابے شُد معلق ہمچناں
ہاروت یقیناً فرشتوں میں سے تھا — وہ عتاب کی وجہ سے اس طرح لٹکا دیا گیا

سَر نگوں زاں شُد کہ از سَر دور ماند — خویش را سَر ساخت تنہا پیش راند
وہ اوندھا اس لئے ہوا کیونکہ وہ اصل سے دور ہو گیا — اُس نے اپنے آپ کو سَر بنایا، تنہا آگے چل رہا

آں سبد خود را چو پُر از آب دید — کردِ استغنا و از دَریا بُرید
ٹوکری نے جب اپنے آپ کو پانی سے بھرا دیکھا — اُس نے بے نیازی برتی اور دریا سے جُدا ہو گئی

دَر جگر چوں قطرۂ آبش نماند — بحرِ رحمت کرد اُو را باز خواند
جب اُس کے جگر میں پانی کا ایک قطرہ نہ رہا — سمندر نے رحم کیا، اُس کو واپس بلا لیا

رحمتِ بے علتے بے خدمتے — آید از دریا مبارک ساعتے
بغیر سبب، بغیر تکلیف کے رحمت — دریا سے مبارک وقت میں آتی ہے

اللہ اللہ گِرد دریا باز گرد — گرچہ باشند اہلِ دریا بار زرد
خدا کے لئے، دریا کی جانب واپس ہو — اگرچہ دریا والے زرد ہوں

تا کہ آید لُطفِ بخشایش گری — سُرخ گردد رُوی زرد از گوہری
حتیٰ کہ بخشش کی مہربانی آ پہنچے — جو ہر بنتا ہے زرد چہرہ سُرخ ہو جائے

زردیِ رُو بہترینِ رنگہاست — زانکہ اندر انتظارِ آں لقاست
چہرے کی زردی رنگوں میں سب سے بہتر ہے — کیونکہ وہ اُس ملاقات کے انتظار میں ہے

لیک سُرخی بر رُخے کاں لامعت — بہر آں آمد کہ جانش قانع ست
لیکن اُس چہرے پر سُرخی جو چمکدار ہے — اس لئے آئی ہے کہ اُس کی جان قانع ہے

جو غم و اندوہ سے زرد ہے اُس میں جوہر پیدا ہو جائے گا اور وہ سُرخرو ہو جائے گا۔ زردی۔ اہل اللہ کا چہرہ زرد، اللہ کی ملاقات کے انتظار کی وجہ سے ہوتا ہے۔ لیکن سُرخی۔ جو ایک مقام پر پہنچ کر ٹھہر جاتا ہے اُس کا چہرہ سُرخ رہتا ہے۔

تو حضرت حق تعالیٰ نے اپنے اوصاف کا جامہ اس کو پہنا دیا۔ اب وہ خدائی اخلاق والا ہے۔ طشت۔ جب چونکہ وہ صاحب عناد نہیں ہے منکشف ہے۔
لے دُر بُنِ۔ طشت کی تہ میں اس وقت تک ہے جب تک کہ اس میں خاک کی آمیزش ہے۔ روح جب جسمانی عوارض سے پاک ہو جاتی ہے عالمِ بالا میں پہنچ جاتی ہے۔ یارِ ناخوش۔ جسمانی علائق نے اس روح کو روک رکھا تھا ورنہ وہ پرواز میں چالاک ہے۔ چوں عتاب۔ حضرت آدم کو نیچے اُترنے کا حکم گندم کھا لینے کی وجہ سے ہوا اسی لئے روح کو جسم کے کنوئیں میں آویزاں کر دیا گیا۔
لے بُود ہاروت۔ ہاروت ملائکہ میں سے تھا اللہ تعالیٰ کی ناراضی کی وجہ سے وہ کنوئیں میں لٹکا دیا گیا۔ سر نگوں۔ وہ اس لئے سرنگوں ہوا کہ اُس نے سرکشی کی اور اصل سے دور ہوا۔ آں سبد۔ ٹوکری جو دریا میں ہے اپنے پانی پر گھمنڈ کر کے دریا سے دور ہوئی تو پانی سے خالی ہو گئی اُس پر سمندر نے رحم کیا اور اُس کو دوبارہ بلا لیا۔ روح کو جب ذلتِ افتقار بدرجۂ اتم محسوس ہوئی اور فنائیت کبریٰ ختم ہوا تو بغیر سبب اور بغیر محنت کے دریائے وحدت کی رحمت آ پہنچی اور اُس کو واپس بلا لیا۔
لے اللہ اللہ۔ انسان کو قربِ الٰہی کی جستجو کرنی چاہیئے اہلِ دریا یعنی اہل اللہ۔ بار۔ کثرت کے لئے ہے جس طرح زنگبار۔ رودبار۔ سُرخ۔ وہ چہرہ

کہ طمع لاغر کند زرد و ذلیل ۔ نے ز درد و علت آید آں علیل

کیونکہ لالچ کمزور، زرد اور ذلیل کرتا ہے ۔ وہ درد اور بیماری کا مریض نہیں ہوتا ہے

چوں بہ بیند روی زرد بے سقم ۔ خیرہ گردد عقلِ جالینوس ہم

جب بغیر بیماری کا زرد چہرہ دیکھتی ہے ۔ جالینوس کی عقل بھی حیران ہو جاتی ہے

چوں طمع بستی تو در انوارِ ہُو ۔ مصطفٰے گوید کہ ذلّت نفسہٗ

جب تو نے اللہ تعالیٰ کے انوار سے طمع وابستہ کر لی ۔ مصطفٰے فرماتے ہیں کہ اُس کا نفس ذلیل ہوگیا

نورِ بے سایہ لطیف و عالیست ۔ آں مشبّک سایۂ غربالیست

بے سایہ نور، پاکیزہ اور بلند ہے ۔ جالیدار سایہ، چھلنی والا ہے

عاشقاں عریاں ہمی خواہند تن ۔ پیشِ عِنّیناں چہ جامہ چہ بدن

عاشق ننگے بدن کے خواہاں ہیں ۔ نامردوں کے لئے کیا کپڑا، کیا بدن؟

روزہ داراں را بود آں نان و خواں ۔ خرمگس را چہ ابا چہ دیگ داں

وہ روٹی اور خوان، روزہ دار کے لئے ہے ۔ بڑی مکھی کے لئے کیا شوربا، کیا چولھا؟

ف۱ کہ طمع۔ جو مزید درجات کے لالچ میں رہتے ہیں وہ لاغر اور زرد رُو رہتے ہیں۔ نے ز درد۔ اہل اللہ کے چہرے کی زردی درد اور بیماری کی وجہ سے نہیں ہوتی ہے چوں بہ بیند۔ اہل اللہ کے چہروں کی زردی جبکہ کسی بیماری کی وجہ سے نہیں ہے تو اطباء ظاہری اُس سے حیران ہوتے ہیں چوں طمع۔ جب سالک اللہ تعالیٰ کے انوار سے اپنی طمع وابستہ کر دیتا ہے تو اُسکے نفس کو ذلت حاصل ہوتی ہے۔ نورِ بے سایہ جب بشری صفات بالکل فنا ہو جاتی ہیں تو سالک کو نورِ بے سایہ حاصل ہو جاتا ہے اور اگر صفاتِ بشری کچھ باقی رہتی ہیں تو نورِ بے سایہ حاصل نہیں ہوتا ہے بلکہ ایسا نور حاصل ہوتا ہے جیسے کہ چھلنی میں سے گذر کر نور آئے اُس میں کچھ نور ہوگا کچھ سایہ ہوگا۔ عاشقاں جو عاشق ہیں وہ بالکل بشری صفات سے عاری ہونا چاہتے ہیں نامرد کو اِس کی کوئی پروا نہیں ہوتی روزہ دار جو مجاہدے کرتے ہیں وہ بشری صفات سے خالی ہو جاتے ہیں تو یہ خوانِ نعمت اُن روزہ داروں کیلئے ہے دنیا دار جو بڑی مکھی جیسے ہیں اُنکے لئے شوربا اور چولہا یکساں ہے وہ انہی کو چاٹتے ہیں۔ تاویل۔ مصداق۔ ایں سخن۔ یعنی محبوب کی باتیں۔

شرح یہاں سے مولانا انتقال فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ امیر کا عذر بھی ایک حد تک صحیح ہے کیونکہ جو شراب کی خوشی کا عادی ہو وہ اس خوشی خوشامد وغیرہ کو کب پسند کر سکتا ہے پس اس سے معلوم ہوا کہ اعلیٰ خوشی کے مقابلہ میں ادنیٰ خوشی نظر انداز کر دی جاتی ہے اور اسی سے انبیاء کی ترکِ تنعم کا راز معلوم ہو گیا یعنی یہ کہ انہوں نے خوشی دنیاوی کو اس وجہ سے چھوڑا ہے کہ خوشی وصالِ حق ان کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی اور چونکہ انہوں نے اس خوشی کو دیکھا تھا جو کہ تمام خوشیوں سے اعلیٰ ہے اسلئے یہ خوشیاں ان کی نظر میں کھیل معلوم ہوتی ہیں تم غور تو کرو کہ جس کو نورِ حقیقی دکھائی دیگا وہ کہیں ظلماتِ ناسوتیہ پر قناعت کر سکتا ہے اور جو بھوک میں طعام اللہ اور غذائے روحانی کھائے گا اسکو روٹی اور شوربے کی حسرت ہو سکتی ہے؟ اور جو باغ میں سو رہا ہے کیا وہ احمقوں

کی طرح کوڑی کی طرف مائل ہوگا؟ بھلا مستسقی پانی سے کیسے پرہیز کر سکتا ہے اور شرابی شراب سے کیونکہ دور رہ سکتا ہے اور کوئی عاشق اپنے معشوق سے سیر نہیں ہو سکتا۔ اور کوئی بیمار طبیب کے بغیر صبر نہیں کر سکتا اور جب کوئی کسی زندہ معشوق کا ندیم ہو جائے تو پھر وہ مردہ کو بغل میں کیسے لے سکتا ہے۔ مُردہ کو تو وہ ہی بغل میں لے گا جس کو عالم میں دل کی خبر نہ ہو۔ پس انبیا جو کہ بھوک میں طعام اللہ کھاتے تھے اور نورِ حقیقی کو دیکھتے تھے اور گلزارِ روحانی میں آرام کر رہے تھے اور عشقِ الٰہی سے انکو وہی نسبت تھی جو مستسقی کو پانی سے۔ اور شرابِ عشق اُن کے لیے ایسے تھی جیسے مستوں کے لیے شراب معروف اور حق سبحانہٗ سے انکو وہ تعلق تھا جو کہ عاشق کو معشوق سے اور بیمار کو طبیب سے اور وہ حق سبحانہٗ کے ندیم تھے۔ ایسی حالت میں وہ اشیائے ناسوتیہ کی طرف کیسے مائل ہو سکتے تھے۔ اور لذاتِ روحانیہ کو کیسے چھوڑ سکتے تھے چونکہ عقبیٰ زندہ ہے اور اسکی ہر چیز میں حیات ہے اور وہ نکتہ داں اور سخن گو ہے اسلیے ان کو اسی سے لذت حاصل ہوتی ہے اور اس مُردار دنیا میں اسلئے ان کو آرام نہ ملتا تھا کہ اس کی اشیا تو جانوروں کا چارہ ہیں اور آدمیوں کی غذا نہیں ہیں۔

پس انکو اس میں کیسے آرام حاصل ہو سکتا تھا پس وہ دنیا میں مصروف تنعم اسلئے نہ ہوتے تھے کہ عقبیٰ جو کہ اپنی خوبی میں بمنزلہ باغ کے ہے اور جسکے مقابلہ میں دنیا بمنزلہ کوڑی کے ہے۔ ان کا وطن اور ان کی محفل تھی۔ اور قاعدہ ہے کہ جس کا وطن اور جس کی بزم باغ ہو وہ کوڑی پر مصروف تنعم نہیں ہو سکتا لہٰذا ضروری تھا کہ وہ بھی دنیا میں مصروف تنعم نہ ہوں۔ اس میں مصروفِ تنعم ہونا اہلِ دنیا کا کام ہے نہ کہ اہل اللہ کا۔ کیونکہ ان کا وطن عقبیٰ ہے اور ان کا وطن دنیا۔ اور ہر کوئی اپنے وطن میں مصروف تنعم ہوتا ہے اور اسکو ایسے تنعم میں مزہ آتا ہے جو اسکے وطن میں ہو ہم نے یہ کیوں کہا کہ ان کا وطن عقبیٰ ہے اور اہلِ دنیا کا وطن دنیا۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ ہر ایک کا وطن اسکے مناسب ہوتا ہے مثلاً ارواحِ پاک کا وطن علیین ہے اور ارواحِ خبیثہ کا وطن سجین۔ اور بلبل کا وطن گل اور نسرین وغیرہ ہیں۔ اور جعل کا وطن سرگین۔ اور چونکہ

اہل اللہ مستی عشق الٰہی میں چور ہیں اسلئے ان کے حصہ میں شراب طہور عقبیٰ ہے اور اہل دنیا مثل اندھے جانوروں کے ہیں اسلئے ان کے حصہ میں آب شور دنیا ہے مگر وہ اس سے اسلئے خوش ہیں کہ انہوں نے اس شراب طہور کو نہیں پیا۔ اور قاعدہ ہے کہ جب کوئی اعلیٰ شئے سے ناواقف ہوتا ہے تو وہ ادنیٰ ہی کو اعلیٰ سمجھتا ہے۔

چنانچہ جس نے عدل عمر رضی اللہ عنہ کو نہیں دیکھا وہ حجاج خونیں ہی کو عادل سمجھے گا۔ اور لڑکیوں کو بے جان گڑیا اسلیے دیتے ہیں کہ وہ زندوں کے کھیل سے ناواقف ہوتی ہیں نیز چونکہ بچوں میں مردانگی کا زور بازو نہیں ہوتا اسلئے اُن کے لیے لکڑی کی تلوار ہی اچھی ہوتی ہے۔ نیز کفار چونکہ عقبیٰ سے ناواقف ہوتے ہیں اسلیئے وہ انبیار کی صرف ان تصاویر پر قناعت کرتے ہیں جو کہ ان کے معبدوں میں منقوش ہوتے ہیں لیکن چونکہ ہم کو عقبیٰ کا علم ہے اور پھر عقبیٰ روزِ روشن کی طرح ظاہر ہے اسلئے ہم ان نقوش کی پرواہ نہیں رکھتے۔

پس ان واقعات کی بنا پر ضروری ہے کہ وہ آب شور دنیا ہی کو نعمت عظمیٰ سمجھیں اگر کوئی کہے کہ اہل دنیا ہی کی کیا تخصیص ہے اہل اللہ بھی تو لذاتِ دُنیا سے متمتع ہوتے ہیں تو ہم کہیں گے کہ یہ صحیح ہے لیکن دونوں کے تمتع میں فرق ہے اہل دنیا نے ان کو مقصود سمجھ رکھا ہے اور وہ عقبیٰ سے غافل ہیں مگر اہل اللہ نے ان کو مقصود نہیں سمجھا اور وہ عقبیٰ سے غافل ہیں۔ بلکہ ان کی حالت یہ ہے کہ ان کی ایک تصویر (جسم) دنیا میں ہے اور دوسری تصویر (روح) چاند کی طرح آسمان پر ہے۔ اور ان کا جسمانی ذہن اپنے ہم نشین سے نکات بیان کر رہا ہے اور روحانی و قلبی منہ حق تعالےٰ سے ہم کلام اور اس کا انیس ہے اور ان کا جسمانی کان عام گفتگوئیں سن رہا ہے۔ اور گوش قلب اسرار خداوندی کھینچ رہا ہے اور ان کی ظاہری آنکھ آدمیوں کی صورتیں دیکھ رہی ہے اور چشم باطن مشاہدۂ حق میں مصروف دوڑ تگ ہے اور اس سے ہٹتی نہیں ہے اور ان کا ظاہری ہاتھ لین دین کرتا ہے لیکن ان کا باطنی ہاتھ خدا کے سامنے پھیلا ہوا ہے اور ان کے ظاہری پاؤں مسجد میں صف بستہ ہیں مگر ان کے باطنی پاؤں عالم بالا کا چکر لگا رہے ہیں

غرضکہ تم ان کے ایک ایک جزو کو یوں ہی گن جاؤ۔ اور سمجھو کہ ان کا ایک جزو زمانہ میں محبوس ہے، اور دوسرا زمانہ سے خارج لیکن جو جزو ان کا زمانہ میں محبوس ہے وہ ان کا اصلی جزو نہیں ہے بلکہ وہ تو اس کے ساتھ صرف موت تک ہے۔ رہا دوسرا جزو جو زمانہ سے خارج ہے وہ ان کا اصلی جزو اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ان کے ساتھ رہنے والا ہے۔ اب سمجھو کہ جن لوگوں کی یہ حالت ہے ان کا نام ولی الدولتین اور امام القبلتین ہے۔ کیونکہ وہ دولت دینی و دنیوی دونوں سے بہرہ مند ہیں اور دین و دنیا دونوں کے بادشاہ ہیں اور جب آدمی اس مرتبہ پر پہنچ جاتا ہے تو پھر اس پر خلوت اور چلہ لازم نہیں ہوتا۔ کیونکہ خلوت اور چلہ کی غرض یہ ہے کہ ان امور سے انقطاع ہو جو کہ توجہ الی الحق سے مانع ہیں۔ اور ایسے لوگوں کے لیے کوئی چیز مانع نہیں رہتی اور کوئی امیر دنیاوی آفتاب حقیقی کو ان کی نظر سے مخفی نہیں کرسکتا اور قرص خورشید (روز روشن) ان کا خلوت خانہ ہے۔ یعنی ان کو دن کے وقت جلوت میں بھی وہی بات حاصل ہے جو کہ رات کے وقت خلوت میں اور اغیار جو کہ ستر آفتاب حقیقی میں بمنزلہ شب کے ہیں۔ آفتاب حقیقی کو ان کی نظر سے مخفی نہیں کرسکتے بس انکو خلوت اور چلہ کی ضرورت نہیں کیونکہ ان کی مرض اور پرہیز کا زمانہ ختم ہوگیا۔ اور بحران یعنی روح اور نفس و شیطان کی جنگ کا خاتمہ ہوگیا ہے اور اس میں روح کو کامل فتح حاصل ہوچکی ہے۔ اور ان کا کفر مبدل بہ ایمان حقیقی ہوگیا ہے اور کفر ان کا نام تک باقی نہیں رہا ہے اور خلوت و چلہ کی ضرورت مرض اور پرہیز اور تحصیل ایمان کے لیے تھی تو جب مرض جاتا رہا اور پرہیز کا زمانہ ختم ہوگیا اور ایمان حقیقی۔ حاصل ہوگیا تو اب ان کی ضرورت نہ رہی۔

(فائدہ: واضح ہو کہ مولانا نے یہ فرمایا ہے کہ اشخاص مذکورہ پر خلوت اور چلہ لازم نہیں رہتا۔ اور ان کا تکلیف احکام شرعیہ کے احاطہ سے خارج ہو جانا اور غیر مکلف بن جانا لازم نہیں آتا۔ کیونکہ خلوت اور چلہ کا لزوم عارضی تھا نہ کہ اصلی۔ پس وہ تو زوال عارض سے ساقط ہوسکتے ہیں لیکن عبادات اصلیہ چونکہ کسی

عارضی پر مبنی نہ تھیں اسلئے وہ کسی وقت میں ساقط نہیں ہو سکتیں اسکو خوب سمجھ لینا چاہیئے۔

بعض لوگ ایسے مضامین یہ سمجھ بیٹھتے ہیں کہ کاملین پر نہ کوئی طاعت لازم ہے اور نہ انکو کوئی معصیت مضر ہے۔ یہ خیال بالکل اسلام کے خلاف اور سراسر الحاد ہے اعاذنا اللہ منہ)

(فائدہ ۲ کفر او ایمان شد الخ میں کفر سے مراد عدم ایمان کامل ہے جو شامل ہے۔ کفر محض اور نقص ایمان دونوں کو۔ اور معنی یہ ہیں کہ پہلے جو اسکو کمال ایمان حاصل نہ تھا۔ اب وہ بات نہ رہی۔ بلکہ اب وہ مومن کامل ہو گیا۔ اور اب نہ اس میں کفر حقیقی رہا اور نہ کفر مجازی یعنی نقص ایمان واللہ اعلم)

وہ درست اور سیدھا ہو کر الف خالی کی طرح حق سبحانہ کے سامنے گیا ہے اور اپنے اوصاف میں سے کچھ بھی اپنے اندر نہیں رکھتا یعنی وہ خودی کو بالکل ہٹا چکا ہے اور اپنے خصائل کا لباس بالکل اتار چکا ہے اور اپنے جان افزا محبوب کے پاس اس لباس سے بالکل ننگا ہو کر گیا ہے پس جبکہ وہ اپنے لباس سے ننگا ہو کر حق سبحانہ کے سامنے گیا ہے۔ تو حق سبحانہ نے اسکو اپنے اوصاف قدسیہ کا لباس پہنایا ہے اور اسکی اوصافِ خداوندی کی خلعت زیب تن کر لی ہے۔ یعنی وہ متخلق باخلاق اللہ ہو گیا ہے۔ اور اس طرح وہ چاہ ناسوت سے نکل کر دیوان تقرب من اللہ تک پہنچ گیا ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے۔ جیسے کہ تلچھٹ کے اجزاءِ لطیفہ جس وقت اجزاءِ ارضیہ سے جدا ہو جائیں تو پھر وہ طشت کی تہ میں نہیں رہتے بلکہ اوپر آجاتے ہیں۔

اچھا اب اسکی وجہ سمجھو کہ وہ دردی کی طرح غیر مصفا شخص طشت ناسوت کی تہ میں کیوں تھا۔ اسکی وجہ اجزائے ارضیہ یعنی جسم ناسوتی کی نحوست تھی اور ناپسندیدہ ساتھی نے اسکی پر و بال باندھ رکھے تھے یعنی ناسوتی جسم نے اس کے قوای عروج روحانی کو معطل کر رکھا تھا۔ اور اس کو عروج روحانی نہ کرنے دیتے تھے

ورنہ وہ اپنی ذات سے نہایت ترقی کرنے والا - اور بلند پرواز تھا - تفصیل اس کی یہ ہے
کہ جس وقت قضا وقدر نے معاتبانہ حکم اھبطو کیا - یعنی اسکو تسفل ... کا حکم دیا -
تو وہ جاہ ناسوت میں ہاروت کی طرح سے الٹا لٹکا ... دیا گیا یعنی اس کا رُخ تعلی
سے تسفل کی طرف کر دیا گیا - ہاروت کی طرح ہم نے اسلئے کہا کہ وہ بھی اصل میں فرشتہ
اور تعلی طلب تھا - مگر عتاب خداوندی سے یوں ہی لٹکا دیا گیا - جیساکہ شخص
مذکور لٹکا دیا گیا - اچھا اب یہ سُنو! اس پر عتاب کیوں ہُوا - اور وہ الٹا کیوں ہُوا - اس
کی وجہ یہ تھی کہ وہ اپنے سردار (حق سبحانہٗ) سے دُور رہ گیا - اور اسنے خود اپنے کو
سردار بنالیا اور تنہاروئی اختیار کی - اور جب اس ٹوکری کی طرح مُشبک اور سوراخ
دار یعنی فی نفسہٖ معرا عن الکمال شخص نے اپنے آپ کو آب کمال مثل قدرت و احتیاء و علم و سمع و بصر وغیرھا
سے پُر دیکھا - تو اسنے اپنے کو دریائے حقیقی (حق سبحانہٗ) سے مستغنی سمجھا اور اس سے
قطع تعلق کر دیا - جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس کا کمال روحانی سب جاتا رہا اور وہ خالی
رہ گیا لیکن جبکہ پھر اُسے ہوش آیا اور وہ منفعل ہُوا - اور روتے روتے اس کے
جگہ میں قطرۂ اشک باقی نہ رہا تو پھر دریائے حقیقی نے رحم کیا اور اسکو واپس بُلالیا -
اس سے تم یہ نہ سمجھنا کہ اس کی رحمت پابند ہے رونے دھونے کے - نہیں - بلکہ ایسا ہی
ہوتا ہے کہ کسی نیک ساعت میں اس کی رحمت بلا کسی سبب اور بلا کسی خدمت کے
متوجہ ہو جاتی ہے - عبد کی طرف متوجہ ہو جاتی ہے اور اسے کھینچ لیتی ہے -
(خلاصہ اس کا یہ ہے) کہ روح اپنی ذات سے متوجہ الی الحق تھی - مگر جبکہ اس کا تعلق
جسم سے ہو گیا تو وہ حق سبحانہٗ سے غافل ہو کر لذات جسمانیہ میں مصروف ہو گئی -
گو یا کہ اسنے اپنے کمال کو ذاتی سمجھا - اسلئے اپنے کو مستقل خیال کیا -
اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ معتوب ہوئی - اور معتوب ہو کر سرنگوں ہو گئی اور بجائے
اوپر کی طرف جانے کے نیچے کی طرف چلے گئے اور روز بروز اس کی حالت رَدی
ہوتی گئی اور اس کا تسفل بڑھتا گیا لیکن جبکہ اس کو ندامت ہوئی اور وہ خوب
روئے دھوئے اور اشتغال بالجسم کو چھوڑا اور خصائل ذمیمہ جو اس اندر اشتغال

بالجسم سے پیدا ہو گئی تھی ان کو دور کیا۔ تو حق سبحانہٗ نے اس پر پھر رحم کیا اور اسکو اپنے قرب سے سرفراز فرمایا۔ پس اسکو عروج سے روکنے والے اور ناسوت کی تہہ میں مقید کرنے والے اجزاءِ عروضیہ تھے)۔

ہاں اے مخاطب! گو یہ ضرور ہے کہ ساحل کے رہنے والوں کا رنگ زرد ہوتا ہے اسلئے اگر تو دریائے حقیقی سے قرب حاصل کریگا تو ریاضات و مجاہدات کے سبب تیری رنگت بھی زرد ہو جائے گی۔ مگر تو اس کی پرواہ نہ کر۔ اور قرب دریائے حقیقی ضرور حاصل کر۔ تاکہ ایسا کرنے سے کسی نہ کسی وقت اس جواد و کریم کی تجھ پر نظرِ عنایت ہو جائے اور تجھے دولت وصال میسّر ہو جائے جس کی خوشی سے تیری زردی رنگ سرخی سے بدل جائے۔ اور اگر بالفرض اگر یہ رنگ نہ بھی بدلے تب بھی مضائقہ نہیں کیونکہ خود یہ زردئ رنگ بھی تمام رنگوں سے بہتر ہے کیونکہ اس کا سبب دیدار حق سبحانہٗ کا انتظار ہے رہی سُرخی جو کہ کسی تمتماتے ہوئے چہرہ پر ہے۔ سو اس کا سبب یہ ہے کہ اس کی جان کے اندر طلب حق سبحانہٗ نہیں ہے اور وہ اسکے فراق پر قناعت کئے ہوئے ہے کیونکہ اسکو طلب ہوتی تو سرخی رنگ ناممکن تھی اسلئے کہ طلب کا خاصہ ہے کہ وہ دُبلا اور زرد اور مسکین طبیعت بنا دیتی ہے اور وہ کسی بیماری اور تکلیف سے بیمار نہیں ہوتا کہ زردئ رنگ اس بیماری اور تکلیف کے سبب ہو۔ بلکہ یہ صرف اس طلب اور انتظار کا اثر ہوتا ہے اور اسکی یہ حالت ہوتی ہے کہ اگر جالینوس بھی اس کا بدن کھلا مرض کے زرد چہرہ دیکھ لے تو اس کی عقل بھی دنگ ہو جائے اور کہے کہ یہ شخص بیمار تو ہے نہیں پھر کیا وجہ ہے کہ اس کا چہرہ زرد ہے۔

المقصد! تم کو زردی رنگ سے خوف نہ کرنا چاہیئے (کیونکہ اوّل تو وہ عارضی ہے اور وصال کے بعد سرخی سے بدل جائے پھر اگر نہ بھی بدلے تو وہ زردی جو انتظار دیدارِ حق سبحانہٗ میں ہو۔ اس سرخی سے بہتر ہے جو استغناء

عن الحق کے سبب ہو) اور طلب حق سبحانہٗ میں مصروف ہونا چاہیئے۔

دیکھو! جب تم انوار حق سبحانہٗ کے طالب ہوگے تو تمہاری سرکشی فانی رہے گی۔ کیونکہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ دل میں طمع اور جس قدر تمہاری طلب بڑھے گی اسی قدر تمہاری سرکشی فنا ہوگی اور جس قدر تمہاری.. سرکشی فنا ہوگی اُسی قدر صفائی باطن حاصل ہوگی۔ پس تم کو طلب کامل حاصل کرنی چاہیئے۔ تاکہ تم کو صفائی کامل حاصل ہو۔ اور حجابات تمام مرتفع ہو جائیں اور نور بے سایہ تم کو حاصل ہو۔ اور تم بلا حجاب دیدار حق سبحانہٗ سے مشرف ہو۔ کیونکہ جس نور میں سایہ کی آمیزش نہ ہو وہ نہایت عمدہ اور اعلیٰ درجہ کی چیز ہے۔ رہا شبک یعنی نور و تاریکی آمیختہ۔ سو وہ چھلنی کا سایہ ہوتا ہے سو وہ ایسا اچھا نہیں ہے جیساکہ وہ نور جس میں سایہ کی بالکل آمیزش نہ ہو پس تم طلب ناقص اور تصفیہ ناقص پر اکتفا نہ کرو۔ بلکہ اسکو کامل کرو۔ نور بے سایہ اور مشاہدہ بلا حجاب کی قدر اہل اللہ جانتے ہیں عوام اسکی قدر نہیں جان سکتے کیونکہ عشاق چاہتے ہیں کہ اُن کا اور ان کے محبوب کا جسم بالکل ننگا ہو اور ان کے اور ان کے محبوب کے درمیان کپڑا بھی حائل نہ ہو۔ تاکہ انہیں وصل عُریان حاصل ہو جائے۔

رہے نامرد۔ سو ان کے نزدیک کپڑا اور بدن دونوں برابر ہیں علیٰ ہٰذا۔ روٹی اور خوان روزہ داروں کے لیے ہوتے ہیں۔ رہے زخموں پر بیٹھ کر ان میں کیڑے ڈالنے والی مکھی ——— سوئے نہ شوربے سے واسطہ ہے اور نہ چولہے سے (فائدہ: واضح ہو کہ حجابات کا بالکلیہ مرتفع ہو جانا اور فنا کے تمام مدارج کا طے ہو جانا ناممکن ہے پس اس مقام پر تمام حجابات کے مرتفع ہونے اور حصول فنائے تام سے مراد استغراق حقیقی نہیں ہے بلکہ مقصود محض کثرت ہے۔ واللہ اعلم۔

دیگر بار استدعای شاه از ایاز که تاویلِ کارِ خود بگو و مشکلِ منکران

شاہ کا ایاز سے دوبارہ کہنا کہ اپنے کام کا مطلب بتا اور منکروں اور

وطاعنان حل کن که ایشان را در التباس رها کردن مروت نیست

معترضوں کی مشکل کو حل کردے، کیوں کہ ان کو شبہ میں مبتلا چھوڑ دینا مروت نہیں ہے

این سخن از حد و انداز است بیش — اے ایاز اکنوں بگو احوالِ خویش

یہ بات حد اور اندازہ سے زیادہ ہے — اے ایاز! اب تو اپنے احوال بتا

هین بگو احوالِ خود را اے ایاز — گرچه تصویرِ حکایت شد دراز

ہاں اے ایاز! اپنے احوال بتا — اگرچہ حکایت کا نقشہ دراز ہو گیا ہے

هست احوالِ نواز کانِ نوی — تو بدیں احوال کے راضی شوی

تیرے احوال، نئی کان کے ہیں — تو ان احوال پر کب راضی ہوتا ہے؟

هین حکایت کن ازاں احوالِ خوش — خاک بر احوالِ درسِ پنج و شش

ہاں اپنے اچھے احوال بیان کر — پانچ چھ کے سبق کے احوال پر خاک پڑے

حالِ باطن گر نمی آید بگفت — حالِ ظاهر گویمت در طاق و جفت

باطن کا حال اگر کہنے میں نہیں آسکتا — میں تجھ سے طاق اور جفت میں ظاہر کا حال بیان کر دیتا ہوں

که ز لطفِ یار تلخیهای مات — گشت بر جاں خوشتر از قند و نبات

کیونکہ شکست کی تلخیاں یار کی مہربانی سے — جان کیلئے قند و شکر سے زیادہ اچھی ہو گئی ہیں

زاں نبات ار گرد در دریا رود — تلخیِ دریا همه شیریں شود

اگر اس شکر کی گرد بھی سمندر میں پہنچ جائے — سمندر کا کھاراپن سب میٹھا ہو جائے

صد هزار احوالِ عالم این چنیں — باز سوی غیب رفتند اے امیں

اسی طرح، عالم کے لاکھوں احوال — اے امانتدار! پھر غیب کی جانب چلے گئے

حالِ هر روزے بدی مانند نے — همچو جو اندر روش کش بند نے

ہر روز کا حال کل کی مانند نہیں ہے — جیسے کہ جاری ہونے میں وہ نہر جس پر کوئی بند نہیں ہے

شادیِ هر روز از نوعِ دگر — فکرتِ هر روز را دیگر اثر

ہر روز کی خوشی ایک دوسری قسم کی ہے — ہر روز کے فکر کا اثر دوسرا ہے

له حالِ باطن۔ ایاز نے کہا اگر باطنی احوال ناقابلِ بیان ہیں تو ظاہری احوال خاص طور تشبیہات کیساتھ سنائے دیتا ہوں۔ طاق۔ یعنی خاص حال۔ جفت۔ یعنی تشبیہات کے ساتھ حال سنانا۔ کز لطف۔ اگر یار کی مہربانی ہو تو امتحان کی تلخیاں خوشگوار ہو جاتی ہیں۔ زاں۔ اُن تلخیوں کا اسقدر شیریں ہوتی ہے کہ اگر اُسکا ایک قطرہ سمندر میں گر جائے تو سمندر کا کھاراپن ختم ہو جائے۔ صد ہزاراں۔ احوال کا بقا نہیں ہے وہ طاری ہوتے ہیں اور پھر عالمِ غیب کیطرف چلے جاتے ہیں۔ حال۔ ہر روز کا حال کل کو معدوم ہو جاتا ہے اور دوسرا حال آجاتا ہے جسطرح نہر کا پانی گذرتا رہتا ہے اور اُس کی جگہ نیا پانی لیتا رہتا ہے۔ شادی۔ ہر روز ایک نئی خوشی حاصل ہوتی ہے اور ہر روز کے فکر کا نیا اثر ہوتا ہے۔

له احوال۔ وہ کیفیات جو سالک پر طاری ہوتی ہیں۔ کانِ نوی۔ تیرے اوپر نئے نئے احوال طاری ہوتے ہیں۔ بدین احوال۔ یعنی جو کیفیات سے حاصل ہو چکی ہیں۔ ہیں۔ اپنی اچھی کیفیات کی بات سنا، شش جہات اور پنج حواس کی باتوں پر خاک ڈال۔

شرح اچھا مذکورہ بالا گفتگو تو ختم نہیں ہوسکتی کیونکہ وہ حد اور اندازہ سے خارج ہے اسلئے اسے چھوڑ دو اور سُنو کہ محمودؔ نے ایاز سے کیا کہا۔ اسنے کہا کہ اے ایاز! تو اپنے احوال بیان کر۔ اب ہم کہتے ہیں کہ ہاں اے ایاز! گو قصہ کو طول ہوگیا ہے مگر اسکی کچھ پرواہ نہیں تم اپنی حالت ضرور بیان کرو۔ بھائی! تمہارے احوال تو نہایت تر و تازہ اور پسندیدہ اور گویا کہ جدت کی کان سے نکلے ہیں۔ پس تم ان احوال کو کیوں پسند کروگے جو میں تمہارے بیان کرتا ہوں لہٰذا تم خود اپنے ان پاکیزہ اور نفیس حالات کو بیان کرو۔ اور ان احوال پر خاک ڈالو۔ جو اس بیان سے تعلق رکھتے ہیں جس کا علاقہ عالم ناسوت سے ہے لیکن تم تو بیان نہیں کرتے اسلئے مجبوراً میں ہی بیان کرتا ہوں اور اگر تمہارے باطنی احوال بعینہا بیان میں نہیں آسکتے کیونکہ وہ وجدانی ہیں — جس کا ادراک وجدان سے ہوسکتا ہے۔ تو تمہارے ظاہری اور سرسری احوال ہی خلاوبلا میں بیان کرتا ہوں اور کہتا ہوں کہ تمہاری یہ حالت ہے کہ تمہارے یار کی خوبی اور پاکیزگی نے تمہارے ناگاہوں کی تلخیوں اور ناگواریوں کو اس قدر گوارا اور شیریں بنادیا ہے کہ وہ قند اور نبات سے بڑھ گئی ہیں اور وہ اس قدر شیریں ہوگئی ہیں۔ کہ اگر ان کی گرد بھی سمندر میں پڑجائے تو سمندر کی تمام تلخی شیرینی سے بدل جائے یعنی تم اپنے محبوب سے اس قدر محبت کرتے ہو۔ اور وہ تمہاری نظر میں اس درجہ محبوب اور مرغوب ہے کہ اسکے عشق میں جو مصیبت بھی تم پر پڑتی ہے اور جو ناکامی بھی تم کو پیش آتی ہے تم اپنے محبوب کی خاطر اسکو نہایت فراخ حوصلگی اور کشادہ روئی کے ساتھ قبول کرتے ہو (فائدہ: ہم نے ہیں بگوا احوال خود ر اے ایاز الخ کو مولانا کا مقولہ قرار دیا ہے۔ چنانچہ شعر مذکور کا مصرع ثانی اور اشعار آئندہ باواز بلند اس امر کو ظاہر کرتے ہیں۔ شُراح نے اس مقام پر بہت خبط کیا ہے۔ منہ لہٗ)

یہاں تک اس مضمون کو بیان فرما کر انتقال فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم نے اوپر تلخی دریا کے فنا ہونے کا ذکر کیا ہے۔ سُنو بھائی! ایک تلخی دریا کیا چیز ہے عالم

میں لاکھوں احوال آئے اور پھر غیب کو سدھار گئے چنانچہ ہر روز کی حالت اس سے پہلے دن کی حالت کے مشابہہ نہیں ہوتی۔ جیسے ندی کا بہتا ہوا پانی جس کے لیے کوئی روک نہیں ہے کہ وہ ہر دم نیا ہوتا ہے اور جو ایک دفعہ آچکا وہ پھر نہیں آتا۔ اور ہر روز کی خوشی پہلے دن کی خوشی سے مختلف ہوتی ہے اور ہر روز کے خیال کا اثر پہلے دن کے خیال کے اثر سے جدا ہوتا ہے۔ اس بیان سے ایک نتیجہ پیدا ہوتا ہے جس کی تفصیل حسبِ ذیل ہے۔

تمثیلِ تنِ آدمی بمہمانخانہ واندیشہائے مختلف ہمچوں
آدمی کے جسم کی مثال مہمان خانہ سے ہے اور مختلف فکریں مہمانوں کی طرح

مہماناں وعارفِ صابر دراں اندیشہا چوں مردِ مہمان
ہیں اور عارف، صابر اُن فکروں کے معاملہ میں مہمان

دوست غریبے از خلیل وار
دوست غریب نواز ابراہیم خلیل اللہ کی طرح ہے

ہست مہمان خانہ ایں تن اے جواں
اے جوان! یہ جسم مہمان خانہ ہے

ہر صباحے ضیفِ نو آید دواں[۱]
ہر صبح کو نیا مہمان دوڑتا آتا ہے

نے غلط گفتم کہ آید دمبدم
نہیں میں نے غلط کہا، لمحہ بہ لمحہ آتا ہے

ضیفِ تازہ فکرتِ شادی و غم
خوشی اور رنج کے فکر کا نیا مہمان

میزبانِ تازہ رُو شو اے خلیل[۲]
اے خلیل! خندہ پیشانی والا میزبان بن

در مبند و منتظر شو در سبیل
دروازہ بند نہ کر اور راستہ میں منتظر رہ

ہر چہ آید از جہانِ غیب وش
غیب جیسے جہان سے جو آئے

در دلت ضیفست او را دار خوش
وہ تیرے دل میں مہمان ہے اُسکو خوش رکھ

ہیں مگو کیں ماند اندر گردنم
خبردار! نہ کہہ کہ یہ میرے گلے کا ہار بن گیا

کو ہم اکنوں باز پرد در عدم
کیونکہ وہ ابھی اب عدم کیجانب پرواز کر جائیگا

تمثیل۔ جو عارف صابر ہیں وہ اپنے احوال کو اسی طرح نوازتے ہیں جس طرح کوئی معزز مہمان کو نوازتا ہے۔

[۱] ہر صباحے جب انسان صبح کو سو کر اٹھتا ہے تو اس کے ذہن میں ایک نیا خیال آتا ہے نے غلط۔ میں نے یہ غلط کہا کہ صبح کو خیال مہمان بنکر آتا ہے صحیح بات یہ ہے کہ صبح ہی کو نہیں بلکہ ہر وقت خوشی اور غم کا خیال انسان کے ذہن میں آتا رہتا ہے۔

[۲] اے خلیل۔ حضرت ابراہیم خلیل اللہؑ کی مہمان نوازی مشہور ہے۔

حکایتِ آں مہمان وزنِ خداوند خانہ کہ آہ باراں گرفت

مہمان اور گھر کے مالک کی بیوی کی حکایت، کہ ہائے بارش جم گئی

ومہمان در گردنِ ما ماند

اور مہمان ہماری گردن میں پڑ گیا

آں یکے را بیگہاں آمد قُنُق ساخت اُو را ہمچو طوق اندر عُنُق
ایک (میزبان) کے یہاں بے وقت مہمان آگیا اُس نے اسکو گلے کے طوق کی طرح بنالیا

خوان کشید اُو را کرامتہا نمُود آں شب اندر کوئی ایشاں سُور بُود
اُسکے لئے دسترخوان بچھایا، تواضع کی اُس رات میں اُن کی گلی میں شادی تھی

مرد زن را گفت پنہانی سخن کامشب اے خاتون دو جامہ خواب کُن
شوہر نے بیوی سے آہستہ سے کہا اے خاتون! آج رات کو دو بستر بچھانا

بسترِ ما را بگستر سوئے در بہرِ مہماں گستراں سوئے دگر
ہمارا بستر، دروازے کی جانب بچھا مہمان کے لئے دوسری جانب بچھا

گفت زن خدمت کنم شادی کنم سمع و طاعت اے دو چشمِ روشنم
بیوی نے کہا خدمت بجالاؤنگی، خوش ہونگی اے میری دو روشن آنکھیں! سنا اور مانا

ہر دو بستر گسترید و رفت زن سوئے خانہ سُور کرد آنجا وطن
بیوی نے دونوں بستر بچھائے اور چلی گئی شادی کے گھر کی جانب وہاں ٹھہر گئی

ماند مہمانِ عزیز و شوہرش نُقل بنہادند از خشک و ترش
مہمان عزیز اور اس کا شوہر رہ گئے خشک اور کھٹا چبینا انہوں نے (سامنے) رکھا

در سمر گفتند ہر دو منتخب سرگذشت نیک و بد تا نیمشب
دونوں شریفوں نے کہانی میں ذکر کیا آدھی رات تک، نیک اور بد کا قصہ

بعد ازاں مہماں ز خواب و از سمر شد دراں بستر کہ بُد آں سوئے در
اُسکے بعد نیند اور کہانی کی وجہ سے مہمان اُس بستر میں چلا گیا جو دروازے کی جانب تھا

شوہر از خجلت بدو چیزے نگفت کہ ترا ایں سوست اے جاں جائے خفت
شوہر نے شرمندگی کیوجہ سے اُس سے کچھ نہ کہا کہ اے جان! تیرے سونے کی جگہ اس جانب ہے

کہ برائے خوابِ تو اے بُوالکرم بستر آں سوئے دگر افگندہ ام
کہ اے بزرگ! تیرے سونے کے لئے میں نے بستر دوسری طرف بچھوایا ہے

آں قرارے کہ بزن اُو دادہ بُود گشت مُبدل واں طرف مہماں غنُود
وہ بات جو اُس نے بیوی سے طے کی تھی بدل گئی، اور اُس جانب مہمان سوگیا

ھ۱ بیں۔ کسی مہمان خیال کو یہ نہ کہہ کر یہ میری گردن کا ہار بن گیا۔ حکایت۔ بیوی نے مہمان کو گلے کا ہار بنایا۔ خداوندِ خانہ۔ گھر والا۔ بیگہاں بے وقت۔ قنق۔ مہمان۔ عنق۔ گردن۔ سُور۔ شادی بیاہ۔

ھ۲ مرد۔ شوہر نے بیوی سے کہا کہ آج چونکہ مہمان بھی ہے دو بستر بچھانا۔ جامہ خواب۔ سونے کا بستر۔ بسترِ ما۔ میرا بستر دروازہ کے قریب بچھانا اور مہمان کا بستر اندر کو بچھانا۔ سمع و طاعت۔ سُننا اور کرنا۔

ھ۳ خانہ سُور۔ شادی والا گھر۔ نُقل۔ چبینا۔ سمر۔ رات کی کہانی۔ منتخب۔ میزبان اور مہمان دونوں برگزیدہ شخص تھے۔ بعد ازاں۔ کھانے اور کہانیوں کے بعد مہمان میزبان کے بستر پر لیٹ گیا۔ شوہر شوہر نے مہمان سے یہ نہ کہا کہ آپ کے سونے کے لئے دوسرا بستر ہے۔

ھ۴ بوالکرم۔ مہربان۔ آں قرارے۔ جو بات بیوی کو طے ہوئی تھی وہ الٹی ہوگئی۔

آنشب آنجا سخت باران درگرفت ۔۔ کز شکوهِ ابرشان آمد شگفت

اس رات کو وہاں سخت بارش ہونے لگی ۔۔ کہ ابر کی ہیبت سے وہ حیران ہوگئے

زن بیامد بر گمانِ آنکه شو ۔۔ سوی در خفته است و آنسو آن عمو

بیوی آئی، اس گمان سے کہ شوہر ۔۔ دروازے کی جانب سویا ہوا ہے اور اس جانب وہ چچا

رفت عریان در لحاف آن دم عروس ۔۔ داد مهمان را برغبت چند بوس

دلہن ننگی ہوکر فوراً لحاف میں گھس گئی ۔۔ اور رغبت سے مہمان کے چند بوسے لئے

گفت می ترسیدم ای مرد کلان ۔۔ خود همان آمد همان آمد همان

اس نے کہا اے بزرگ میاں! میں ڈرتی ہوں ۔۔ وہی ہوا، وہی ہوا، وہی

مرد مهمان را گل و باران نشاند ۔۔ بر تو چون صابونِ سلطانی بماند

مہمان شخص کو کیچڑ اور بارش نے بٹھادیا ۔۔ آپ پر شاہی ٹیکس کی طرح ہوگیا

اندرین باران و گل او کی رود ۔۔ بر سر و جانِ تو او تاوان شود

اس بارش اور کیچڑ میں وہ کب جائے گا ۔۔ آپ کے سر اور جان پر وہ تاوان بنے گا

زود مهمان جست و گفت ای زن بهل ۔۔ موزه دارم من ندارم غم ز گل

جلدی سے مہمان اٹھا اور بولا اے عورت! جانے دے ۔۔ میرے پاس موزہ ہے مجھے کیچڑ کا فکر نہیں ہے

من روان گشتم شما را خیر باد ۔۔ در سفر یکدم مبادا روح شاد

میں چل دیا، تم سلامت رہو ۔۔ خدا کرے سفر میں تھوڑی دیر کیلئے بھی روح خوش نہ ہو

تا که زوتر جانبِ معدن رود ۔۔ کاین خوشی اندر سفر رهزن شود

تاکہ بہت جلد کان کی جانب چل جائے ۔۔ کیونکہ یہ خوشی سفر میں رہزن بنجاتی ہے

زن پشیمان شد ازان گفتارِ سرد ۔۔ چون رمید و رفت آن مهمان فرد

عورت اس سرد (جھری) کی بات سے شرمندہ ہوگئی ۔۔ جبکہ وہ یکتا مہمان بھڑک گیا اور چلا گیا

زن بسی گفتش که آخر ای امیر ۔۔ گر مزاحے کردم از طیبت مگیر

عورت نے اس سے بہت کہا کہ اے سردار! آخر ۔۔ میں نے مذاق کیا ہے، مذاق سے رنجیدہ نہ ہو

سجده و زاری زن سودے نداشت ۔۔ رفت و ایشان را دران حسرت گذاشت

عورت کے سجدے اور عاجزی نے فائدہ نہ دیا ۔۔ وہ چلا گیا اور ان کو اس حسرت میں چھوڑ گیا

جامه ازرق کرد زان پس مرد و زن ۔۔ صورتش دیدند شمع بے لگن

میاں بیوی نے اس کے بعد کپڑے نیلے کرلئے ۔۔ انہوں نے اسکی صورت بے شمعدان کی شمع دیکھی

میشد و صحرا ز نورِ شمع مرد ۔۔ چون بهشت از ظلمتِ شب گشت فرد

وہ جارہا تھا اور جنگل، مرد کی شمع کے نور سے ۔۔ بہشت کی طرح رات کی تاریکی سے جدا ہوگیا

کرد مهمانخانه خانهٔ خویش را ۔۔ از غم و از خجلت این ماجرا

اس نے اپنے گھر کو مہمان خانہ بنادیا ۔۔ اس قصہ کے رنج اور شرمندگی کی وجہ سے

آنشب۔ اس رات ایسی بارش ہوئی کہ اسکے ابر کو دیکھکر ڈر لگتا تھا۔ عریان۔ ننگا۔ مہمان۔ مہمان کو شوہر سمجھکر اسکے بوسے لینے لگی۔ گفت۔ پھر مہمان کو شوہر سمجھکر کہنے لگی کہ جس چیز کا مجھے ڈر تھا وہی ہوئی

۵ مرد مہمان۔ اب کیچڑ اور بارش کیوجہ سے مہمان روانہ نہ ہوگا۔ صابون سلطانی۔ کسی شخص کے لئے ایک رقم پر کوئی چیز بادشاہ کیجانب سے مقرر ہونا۔ گل۔ کیچڑ۔ موزہ دارم۔ میرے پاس چمڑے کے موزے ہیں مجھے کیچڑ کی فکر نہیں ہے۔

۱۰ من روان گشتم۔ چلتے وقت مہمان نے میزبانوں کو دعا دی۔ در سفر۔ دنیا کی زندگی سفر کی حالت ہے اور منزل آخرت ہے سفر میں خوشی اور آرام رہزن بنتا ہے

۱۵ جامۂ ازرق۔ رنج میں نیلے کپڑے پہنے جاتے ہیں۔ صورت۔ اس مہمان سے جنگل روشن ہوا تھا اور جنت کا نمونہ بن گیا کرد۔ اس میزبان نے اس شرمندگی میں اپنے گھر کو مہمان خانہ بنادیا۔

در درونِ ہر دو از راہِ نہاں — ہر زماں گفتے خیالِ میہماں

مخفی راہ سے، دونوں کے باطن میں — ہر وقت مہمان کا خیال کہتا

کہ بُدم[۲] یارِ خضر صد گنجِ جُود — می فشاندم لیک روزی تاں نبُود

کہ میں خضر یار تھا، بخشش کے سیکڑوں خزانے — میں نے بکھیرے لیکن تمہارا حصہ نہ تھے

تمثیلِ فکرِ ہر روز ینہ کہ اندر دل آید بمہمانِ نو کہ از اوّل روز

ہر روز جو خیال دل میں آتا ہے اس کی مثال دینا اُس نئے مہمان کیساتھ جو پہلے ہی دن

در خانہ فرود آید و تحکّم و بدخوی کُند و فضیلتِ مہمانداری

گھر میں آتا ہے اور حکم چلاتا ہے اور بدمزاجی کرتا ہے اور مہمانداری کی فضیلت

و نازِ مہمان کشیدن

اور مہمان کی ناز برداری کرنا

ہر دمے فکرے چو مہمانِ عزیز — آید اندر سینہ ہر روز نیز

ہر وقت عزیز مہمان کی طرح ایک فکر — ہر روز، سینہ میں بھی آتا ہے

فکر را اے جاں بجائے شخص داں — زانکہ[۳] شخص از فکر دارد قدرِ جاں

اے جان! فکر کو انسان کی طرح سمجھ — کیونکہ انسان فکر ہی سے جان کی قدر کرتا ہے

فکرِ غم گر راہِ شادی میزند — کارسازیہائے شادی میکند

غم کا فکر، اگر خوشی کی رہزنی کرتا ہے — وہ خوشی کے سامان مہیا کرتا ہے

خانہ می روبد بہ تُندی اُو ز غیر — تا در آید شادیِ نو ز اصلِ خیر

وہ سختی سے غیر سے گھر کو صاف کر دیتا ہے — تاکہ اصلِ خیر سے، نئی خوشی آئے

میفشاند[۴] برگِ زرد از شاخِ دل — تا بروید برگِ سبزِ متّصل

دل کی شاخ سے زرد پتے جھاڑ دیتا ہے — تاکہ مسلسل سبز پتے اُگ آئیں

می کَنَد اُو بیخِ سَروِ کُہنہ را — تا خرامد سروِ نو از ما وَرا

وہ پُرانے سرو کی جڑ اُکھاڑ دیتا ہے — تاکہ عالمِ غیب سے نیا سرو جلوے

غم کَنَد بیخِ کژِ پوسیدہ را — تا نماید بیخِ رُو پوشیدہ را

غم، ٹیڑھی سڑی ہوئی جڑ کو اکھاڑتا ہے — تاکہ جڑ، چھپے رُخ کو رونما کر دے

غم ز دل ہر چہ بریزد یا بَرد — در عوض حقّا کہ بہتر آوَرد

غم، دل سے نکالتا یا گراتا ہے — یقیناً بدلے میں بہتر لاتا ہے

خاصہ آں را کہ یقینش باشد ایں — کہ بُوَد غم بندۂ اہلِ یقیں

خصوصاً اس کے لئے جس کو یہ یقین ہو — کہ غم اہلِ یقین کا غلام ہوتا ہے

گر ترش[۵] رُوئی نیارد ابر و برق — رز بسوزد از تبسّمہائے شرق

اگر ابر اور بجلی بدمزاجی نہ کرے — مشرق کی مسکراہٹوں سے انگور کی بیل جل جائے

---

[۲] کہ بُدم۔ دونوں میاں بیوی کے دل میں مہمان کا تصوّر یہ کہتا تھا کہ میں تمہیں فائدہ پہنچانے آیا تھا لیکن تمہارے مقدر میں نہ تھا۔ یارِ خضر۔ ہم نے ترجمہ خضر یار کیا ہے یعنی وہ خیال کہتا تھا کہ میں تمہارا دوست خضر تھا یہ معنی بھی ہوسکتے ہیں کہ میں خضر کا ایک دوست تھا اور اگر خضر خاء کے زیر اور ضاد کے زبر سے پڑھا جائے تو سبزی و شادابی کے معنی میں ہے۔ تحلیل۔ فکر خواہ ناخوشگوار ہو اس کو بہ مزاج مہمان سمجھ جس کی لحاظ خدمت کرنی ہے۔ تحکّم۔ حکم چلانا۔

[۳] زانکہ۔ جان کی قدر اسی لئے ہے کہ اس میں قوتِ فکریہ ہے۔ فکرِ غم۔ غم کا فکر سکڑوں خوشیوں کا پیش خیمہ ہے۔ خانہ۔ غمگین فکر میں انسان دوسرے افکار بھول جاتا ہے۔ اصلِ خیر اللہ تعالیٰ۔

[۴] می فشاند۔ غم انگیز فکر تمام افکار کو ختم کر دیتا ہے تاکہ دل میں خوشی اُگے۔ ما وَرا۔ عالمِ غیب۔ غم۔ غم پرانے افکار کی بوسیدہ جڑیں اکھاڑ پھینکتا ہے تاکہ چھپی ہوئی نئی جڑ برگ و بار لائے۔ بہتر آورد یعنی روح کی صفائی الٰہی کا خیال۔ اہلِ یقین۔ غم ان کی منفعت کے لئے ان کے پاس آتا ہے۔

[۵] گر ترش روئی۔ بجلی اور ابر کی ترشروئی انگور کی بیل کی حیات ہے محض سورج کی مسکراہٹیں اس کو جلا ڈالتی ہیں۔ شرق۔ مشرق۔

سعد و نحس اندر دلت مہماں شود ... چوں ستارہ خانہ خانہ میرود

تیرے دل میں اچھا اور برا مہمان ہوتا ہے ... ستارے کی طرح خانہ بخانہ چلتا ہے

آں زماں کہ اُو مقیمِ برجِ تست ... باش ہمچوں طالعش شیرین و چست

جس زمانے میں وہ تیرے برج میں مقیم ہے ... تو اس کے عروج کی طرح شیریں اور چست بن

تا کہ با مہ چوں شود اُو متصل ... شکر گوید از تو با سلطانِ دل

تاکہ جب وہ سورج سے ملے ... دل کے شاہ (خدا) سے تیرا شکریہ ادا کرے

ہفت سال ایوبؑ با صبر و رضا ... در بلا خوش بود با ضیفِ خدا

(حضرت) ایوبؑ صبر اور خوشی کیساتھ سات سال ... خدا کے مہمان کے ساتھ مصیبت میں خوش تھے

تا چو وا گردد بلای سخت رُو ... پیشِ حق گوید بصد گوں شکرِ اُو

تاکہ جب سخت مصیبت واپس ہو ... اللہ (تعالیٰ) کے سامنے سیکڑوں طرح اسکا شکریہ ادا کرے

کز محبت با منِ محبوب کُش ... رُو نکرد ایوبؑ یک لحظہ تُرش

کہ مجھ دوست کُش کے ساتھ محبت سے ... (حضرت) ایوبؑ نے ایک لمحہ کیلئے بھی منہ نہ بنایا

از وفا و خجلتِ حکمِ خدا ... بود چوں شیر و عسل اُو با بلا

وفاداری اور اللہ (تعالیٰ) کے حکم کے لحاظ سے ... وہ مصیبت میں دودھ اور شہد کی طرح تھے

فکر در سینہ در آید نو بنو ... خند خنداں پیشِ اُو تو باز رو

فکر سینہ میں تازہ بتازہ آتا ہے ... تو ہنستا ہنستا پھر اس کے سامنے جا

کہ اعذنی خالقی من شرہٖ ... لا تحرمنی انل من برہٖ

کہ اے میرے پیدا کرنے والے مجھے اسکے شر سے پناہ دے ... مجھے محروم نہ کر، مجھے اس کی بھلائی عطا کر

ربِّ اوزعنی ان اشکر ما اری ... لا تعقب حسرۃً لی ان مضی

اے رب! میرے دل میں ڈال کہ میں جو دیکھتا ہوں اس کا شکر ادا (کروں) ... اگر وہ چلا جائے، اس کے بعد تو حسرت پیدا نہ فرما

آں ضمیرِ رُو تُرش را پاسدار ... آں تُرش را چوں شکر شیریں شمار

ترشرو خیال کا تو لحاظ کر ... تو اس ترش کو شکر شمار کر

ابر را گر ہست ظاہر رُو تُرش ... گلشن آرندہ ست ابر و شورہ کُش

ابر اگرچہ بظاہر ترش رُو ہے ... وہ چمن پیدا کرنے والا ہے اور شور کو مٹانے والا ہے

فکرتِ غم را مثالِ ابر داں ... با تُرش تو رُو تُرش کم کن چناں

تو غم کے فکر کو ابر کی طرح سمجھ ... اس طرح تو ترش کے ساتھ ترشروئی نہ کر

بو کہ آں گوہر بدستِ اُو بود ... جہد کن تا از تو او راضی رود

ہو سکتا ہے کہ کوئی گوہر اس کے ہاتھ میں ہو ... کوشش کر تاکہ وہ تجھ سے خوش جائے

ور نباشد گوہر و نبود غنی ... عادتِ شیریں خود افزوں کنی

اگر گوہر (بھی) نہ ہو اور وہ مالدار بھی نہ ہو ... تو اپنی شیریں عادت بڑھالے گا

سعد نحس۔ رنج و خوشی اسی طرح دل کے خانوں کو طے کرتے ہیں جس طرح سعد و نحس ستارے آسمان میں اپنے منازل کو طے کرتے ہیں۔ آد۔ یعنی خیال۔ برج یعنی دل۔ تاکہ۔ وہ فکر بارگاہِ خداوندی میں تمہاری شکر گذاری کا ذکر کرے۔

۲ ایوب۔ حضرت ایوبؑ کا صبر مشہور ہے۔ ضیف خدا۔ خدائی مہمان یعنی مصیبت۔۔ محبوب کش۔ فکر و غم جس سے تعلق پیدا کرتے ہیں اس کو مار ڈالتے ہیں۔ خجلت۔ یعنی حضرت ایوبؑ اس کا لحاظ رکھتے تھے کہ یہ مصیبت اللہ کے حکم سے آئی ہے۔

۳ فکر۔ جو نئے نئے افکار دل میں آئیں انکو ہنسی خوشی قبول کر۔ ج۔ خوشی سے قبول کرنا ہے کہ تو یہ دعا کر کہ اللہ تعالیٰ اس فکر کے شر سے مجھے محفوظ رکھ اور مجھے اس کی بھلائی سے محروم نہ کر جو میں تیری جانب سے دیکھوں اس پر شکر کروں اور اسکے چلے جانے کے بعد مجھے یہ حسرت نہ ہو کہ میں نے اس پر صبر کیوں نہ کیا۔ آبر۔ زمین کے لئے ابر ترشرو ہے لیکن وہی چمن پیدا کر دیتا ہے اور اس کے شور پن کو زائل کر دیتا ہے۔

۴ فکرت۔ اپنے غم کو ابر کی طرح سمجھ اور اسکے فوائد پر غور کر۔ بو۔ ہو سکتا ہے کہ اس فکر میں تیری خیر مضمر ہو۔ ور نباشد۔ اگر خیر بھی مضمر نہیں ہے تو تیرے صبر میں اور اظہار اضافہ کا سبب ہے۔ جائیگی۔ یہ صبر کی عادت دوسری جگہ بھی

جایِ دیگر سُود دارد عادتت
تیری عادت، دوسری جگہ مفید ہوگی

ناگہاں روزے بَرآید حاجتت
اچانک کسی روز تیری مُراد برآئے گی

فِکرتے[۳] کز شادیت مانِع شود
وہ فکر جو تیرے لئے خوشی سے مانع ہو

آں باَمرِ و حِکمتِ صانِع شود
وہ خدا کے حکم اور حکمت کی بنا پر ہوتا ہے

تو مخواں دو چار دانگش اے جواں
اے جوان: تو اس کو حقیر نہ سمجھ

بُو کہ نجمے باشد و صاحبقراں
ہوسکتا ہے، کہ وہ ستارہ اور سعادت مند ہو

تو مگو فرع ست اُورا اصل گیر
تو (اس کو) شاخ نہ کہہ اس کو جڑ سمجھ

تا شوی پیوستہ بر مقصود چیر
تاکہ ہمیشہ مقصود پر غالب رہے

وَر تو آں را فرع گیری و مُضِر
اگر تو اس کو شاخ اور مُضر سمجھے گا

چشمِ تو دَر اصل باشد مُنتظر
تیری آنکھ جڑ کے لئے منتظر رہے گی

زہر[۵] آمد انتظار اندر چشش
انتظار، ذائقہ میں زہر ہے

دائما در مرگ باشی زاں رَوِش
اس رَوِش سے تو ہمیشہ موت میں رہیگا

اصل داں آنرا بگیرش در کنار
اس کو جڑ سمجھ، اس کو بغل میں لے لے

بازرہ دائم ز مرگِ انتظار
موت کے انتظار سے ہمیشہ نجات حاصل کر

[۳] فکرتے۔ جو غم شادی سے مانع ہوتا ہے وہ بھی اللہ کے حکم سے ہوتا ہے اور اس میں کوئی حکمت پوشیدہ ہوتی ہے۔ دو چار دانگ۔ دو چار دانگ یعنی حقیر۔ صاحبقراں۔ خوش نصیب ہے جس کی ولادت یا نطفہ کے استقرار کے وقت زحل اور مشتری ایک برج میں ہوں۔ تو مگو۔ اس فکر کو اصل سمجھ اور اسی کو مقصود بنا تاکہ مقصود رسی ہو ورنہ تو مقصود سے محروم اور اسکا منتظر رہیگا۔

[۵] زہر آمد۔ صوفی ابن الوقت ہوتا ہے جو کچھ وقت سے آتا ہو اس کو خدا کے اسماء میں سے کسی اسم کا مظہر سمجھتا ہے یہی اسماء وصفات کے عشق کا اثر ہے۔

شرح یعنی تمہارا دل ایک مہمان خانہ ہے جس میں ہر روز ایک نیا مہمان آتا ہے۔ نہیں۔ میں نے غلط کہا۔ بلکہ ہر دم آتا ہے اس نئے مہمان سے مراد ہماری کیا ہے؟ خوش کن یا رنجدہ خیال۔ پس تم کو چاہیے کہ تم کشادہ رُو میزبان بنو۔ اور نہایت خوشی کے ساتھ اسکو اپنے یہاں ٹھہراؤ۔ اور اسکی لئے دروازہ بند نہ کرو۔ بلکہ ابراہیم علیہ السلام کی طرح راہ میں اسکے منتظر رہو۔

حاصل یہ ہے کہ عالم علوی سے (جوکہ عوام سے غائب اور خواص کے سامنے حاضر ہے جس کو غیب وَش اور مثل غیب کہا جاسکتا ہے) تمہارے دل میں خیالات مہمانان خداوندی ہوکر آتے ہیں پس تم کو چاہیئے کہ ان کو راضی رکھو۔ دیکھنا تم یہ نہ کہنا کہ یہ میرے گلے کا ہار اور وبالِ جان ہوگئے ہیں کیونکہ وہ رہنے والے نہیں ہیں۔ بلکہ جہاں سے آئے تھے وہیں پھر لوٹ جائیں گے یعنی عدم سے آئے تھے اور عدم کو واپس ہوجائیں

گے اور ان کے چلے جانے کے بعد ممکن ہے کہ تمہیں افسوس ہو! جیسا کہ ان خاوند اور بیوی کو ہُوا تھا۔ جن کا قصہ یہ ہے۔

ایک صاحب ایک شخص کے یہاں بے وقت مہمان ہوئے اسنے انکو یوں عزیز رکھا جیسا کہ گلے میں طوق ہوتا ہے اور اسنے اُن کے سامنے کھانا رکھا۔ اور بھی اُن کی بہت کچھ خاطر کی۔ اتفاق سے اس روز ان کے محلہ میں کوئی محفل شادی تھی اور عورت کو وہاں جانا تھا اسلیے اس مرد نے اپنی عورت سے چپکے سے کہا کہ آج دو بستر بچھا دینا اور ہمارا بسترہ دروازہ کی طرف کرنا اور مہمان کا بستر دوسری طرف رکھنا۔ عورت نے کہا بہت اچھا! میں ایسا ہی کرونگی۔ بنا بریں اسنے دو بستر بچھا دیئے اور عورت تقریب میں چلی گئی ـــــ اب وہ شوہر اور مہمان رہ گئے انہوں نے اپنے سامنے کچھ کھانے پینے کی چیزیں رکھ لیں اور کھاتے رہے اور آدھی رات تک اِدھر اُدھر کی باتوں میں مشغول رہے۔ اس حالت میں مہمان کو نیند آگئی اور وہ گفتگو کو ختم کر کے اس بستر پر آلیٹا جو کہ دروازہ کی طرف تھا۔ میزبان کو یہ کہتے ہوئے شرم آئی کہ یہ بستر میرا ہے آپ دوسرے بستر پر تشریف رکھئے اسلیئے وہ خاموش ہو رہا۔ اب وہ قرارداد جو عورت اور مرد کے درمیان ہو چکی تھی بدل گئی اور جو جانب شوہر کے لیے تجویز ہوئی تھی اس طرف مہمان سو رہا۔ اتفاق سے اس رات کو بارش بکثرت ہوئی اور یہ حالت تھی کہ اَبر کو دیکھ کر لوگوں کو تعجب ہوتا تھا۔ خیر عورت بدیں خیال کہ شوہر دروازہ کی طرف سو رہا ہے اور مہمان دوسری جانب۔ ننگی ہو کر لحاف میں آ داخل ہوئی اور مہمان کے چٹاچٹ بوسے لینے لگی اور یہ کہا کہ دیکھو جس بات کا مجھے کھٹکا تھا وہ ہو کر رہا یعنی اَبر اور بارش نے مہمان کو روک لیا اور وہ شاہی ٹیکس کی طرح تم پر وبال ہو گیا۔ بھلا اس گارے پانی میں وہ کیونکر جاوے گا اسلیئے تجھ ہی پر ڈنڈ ہو گا یہ سُنتے ہی مہمان اُٹھ بیٹھا اور کہا کہ بی بی مجھے چھوڑ! میرے پاس جوتا ہے۔ مجھے گارے کی پرواہ نہیں ہے۔ اچھا لو! میں جاتا ہوں اور تم کو خیرباد کہتا ہوں اور یہ ناگواری جو سفر میں مجھے پیش آئی ہے میں اسکو غنیمت سمجھتا ہوں اور کہتا ہوں کہ خدا کرے سفر میں

آدمی کو راحت نہ ملے۔ تاکہ وہ جلد اپنے وطن کی طرف لوٹ جائے کیونکہ سفر میں خوشی راہزن ہوجاتی ہے اور وطن کا خیال بُھلا دیتی ہے۔

(فائدہ: اس میں اشارہ ہے اِس طرف کہ طالب آخرت کے لیے تنعم دنیاوی سخت خطرہ کی خبر ہے، کیونکہ اس میں اندیشہ ہے اس کا کہ وہ دنیا میں مشغول ہوکر آخرت سے غافل ہوجائے) اور اگر در سفر یکدم مبادا فرح شاد کو مولانا کا مضمون ارشادی کہا جائے تو پھر یہ اس مدعا میں نص ہوگا۔ واللہ اعلم)

خیر جبکہ وہ چلنے لگا تو عورت کو اپنی بے مروّتی کی گفتگو پر سخت ندامت ہوئی اور اسکی بہت کہا کہ میں نے تو محض خوش طبعی سے مذاق میں یہ بات کہی تھی آپ اس پر گرفت نہ کیجیے مگر اسکی منت و خوشامد نے کچھ بھی فائدہ نہ دیا اور وہ مہمان... رخصت ہوگیا اور ان کو حسرت میں چھوڑ گیا اس پر انہوں نے اسی غم میں ماتمی لباس پہن لیا کیونکہ انہوں نے اس کی صورت ایک شمع کی صورت میں دیکھی۔ اور دیکھا کہ وہ جارہا ہے اور اسکی نور سے تمام جنگل بہشت کی طرح جگمگا رہا ہے اور تاریکی کا اس میں نام نہیں ہے۔ اب انہوں نے اس واقعہ سے مغموم اور شرمندہ ہوکر اپنے گھر کو مہمان خانہ بنالیا۔ اور جو مسافر آتا اسکو اپنے یہاں ٹھہراتے اور اس کی خوب خاطر کرتے ان کے دل میں اس مہمان کا خیال خفیہ خفیہ یہ کہہ رہا تھا کہ میں خضر تھا اور چاہتا تھا کہ تم کو بہت کچھ دولت دوں گا لیکن کیا کیجیے کہ تمہاری قسمت میں نہ تھا۔ پس تم اس واقعہ سے عبرت پکڑو اور سمجھو کہ ہر وقت خیال ایک گرامی قدر مہمان کی طرح تمہارے دل میں بھی ہر روز آتا ہے۔

تم کو چاہیئے کہ اس خیال کو بمنزلہ آدمی کے سمجھو اور اس کی قدر کرو۔ کیونکہ آدمی کی وقعت خیال ہی کی بنا پر ہوتی ہے پس جبکہ خیال کے سبب آدمی قابل رفعت ہے تو خود خیال بالاولیٰ قابل وقعت ہوگا۔

یہ ضرور ہے کہ رنجدہ خیال تمہاری خوشی کو کھوتا ہے لیکن وہ تمہارے لیے خوشی کا

انتظام بھی کرتا ہے کیونکہ وہ غیر اللہ کو تمہارے دل سے نکالتا اور فانیات کو تمہاری نظر میں محقر کرکے اور ان سے تمہاری توجہ کو ہٹا کر حق سبحانہٗ کی طرف پھیرتا ہے تاکہ حق سبحانہٗ کی جانب سے تم کو ایک نئی خوشی حاصل ہو جو اب تک کبھی نہ حاصل ہوئی تھی اور وہ شاخ دل سے خزاں رسیدہ تھی (خیالات بیہودہ) کو دور کرتا ہے تاکہ اس کی بجائے سبز پتے (اعلیٰ خیالات) پیدا ہوں اور وہ پرانی سرو (دنیاوی خوشی) کی جڑ اکھاڑتا ہے تاکہ اس کی جگہ ماورائے ناسوت سے ایک نیا سرو (خوشی دینی) آکر قائم ہو۔ اور وہ بری امد بوسیدہ جڑ کو اکھیڑتا ہے تاکہ وہ ایک ایسی جڑ کو ظاہر کرے جو ہنوز مخفی تھی۔ یعنی فساد عارضی کو دور کرکے صلاحیت اصلیہ کو ظاہر کرتا ہے الخ پس بہ قسم کہتا ہوں کہ غم دل سے جو چیز بھی کھوتا ہے اسکے عوض میں اس سے بہتر عطا کرتا ہے بالخصوص اس شخص کو جس کو امر مذکور متیقن ہو کیونکہ غم اہل یقین کا خادم ہوتا ہے اور ان کے لیے سامان راحت مہیا کیا کرتا ہے۔

شاید غم کی ترشروئی سے کسی کو خیال ہو کہ وہ سامان راحت وخوشی کیونکر مہیا مہیا کرتا ہے۔

اسلئے ہم اس مضمون کو ایک نظیر سے سمجھاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر ابر اور برق ترشروئی نہ دکھلائیں تو آفتاب کی چمک کی تبسم سے انگور جل کر بھسم ہو جائے پس انگور کی سرسبزی اور شادابی کا مدار ابر و برق ترشرو ہوئی۔ اور ثابت ہو گیا کہ ہر ترش رو مُضر نہیں ہے اور وہ استبعاد جاتا رہا۔

خلاصہ یہ ہے کہ اچھے اور برے ہر طرح کے خیالات تمہارے دل میں آتے ہیں اور ستاروں کی طرح گھر گھر پھرتے ہیں۔ پس جس وقت وہ تمہارے برج قلب میں آئیں تو تم ان کے لیے طالع کی طرح شیریں اور چست ہونا چاہیئے تاکہ وہ جب ماہِ حقیقی یعنی حق سبحانہٗ سے ملاقی ہوں تو وہ اس مالک اور بادشاہ دل سے تمہاری تعریف کریں۔ [فائدہ: باش ہمچوں طالعش شیریں وچست کی۔ تفصیل یہ ہے کہ اہل نجوم نے بارہ برجوں کو کواکب سبعہ پر یوں تقسیم کیا ہے کہ چاند

اور سورج کو ایک ایک بُرج دیا ہے اور باقی پانچ کو دو دو۔ اور کہا ہے کہ ہر ستارہ کو اپنے گھر میں قوت حاصل ہوتی ہے اسلئے اس کا گھر اسکے موافق ہوگا۔

پس تم کو چاہیئے کہ تم بھی خیالات کے موافق رہو۔ واللہ اعلم دیکھو! ایوب علیہ السلام ساٹھ برس تک صبر اور رضا کے ساتھ مصیبت کی حالت میں مہمان خداوندی یعنی رنج و غم سے خوش رہے تاکہ جب وہ شدید مصیبت واپس ہو۔ تو حق سبحانہٗ سے ان کی بہت کچھ تعریف کرے اور کہے کہ اپنی محبت کے سبب انہوں نے مجھ محبوب کش سے ایک دم کے لیے بھی منہ نہیں چڑھایا فسین وہ اپنی وفاداری اور ناخوشی حکم خدا سے شرمندگی کے سبب ساٹھ برس تک مصیبت کے ساتھ یوں ملے جلے رہے جیسے دودھ اور شہد۔ پس تم کو بھی ایسا ہی کرنا چاہیئے۔ خلاصہ اس کا یہ ہے کہ خیالات دل میں نئے نئے آتے رہتے ہیں۔ پس تم کو ان کے ساتھ ہنسی خوشی جانا چاہیئے اور یہ دعا کرنی چاہیئے کہ الٰہی جو کچھ اس کی آمد میں میرے لیے برائی ہو تو مجھے اس سے بچانا اور جو کچھ اس میں بھلائی ہو اس سے مجھے کامیاب کرنا اور اے اللہ تو مجھے توفیق عطا کرنا کہ میں تیری اس نعمت کا شکر ادا کروں جس کو میں دیکھ رہا ہوں یعنی عطائے غم کا۔ اور اگر یہ نعمت مجھ سے زائل ہو جائے تو اسکے پیچھے تو میرے لیے حسرت نہ چھوڑنا۔ یعنی تو صبر اور شکر عطا کرنا۔ تاکہ اسکے زوال کے بعد مجھے افسوس نہ ہو کہ میں نے اس وقت صبر اور شکر کیوں نہ کیا اور تم کو چاہیئے کہ اس ترش رو خیال کا لحاظ کرو۔ اور اس ترش رُو کو شیریں... سمجھو اور اس کے ترش روئی سے متوحش نہ ہو۔ کیونکہ اُسکی مثال ابر کی سی ہے اور ابر اگر بظاہر ترش رُو ہوتا ہے تو اس میں ایک بڑی خوبی تھی وہ یہ کہ وہ گلشن پیدا کرنے والا اور شورہ کو فنا کرنے والا ہے پس تم غم کو ابر کی مانند سمجھو اور اس ترش رُو کے ساتھ ترش روئی نہ کرو کیونکہ ممکن ہے کہ اسکے اندر کوئی مخفی دولت ہو جس کا ملنا موقوف ہو صبر اور شکر پر۔ اور شکر و صبر کرنے

سے تم اس سے محروم ہو جاؤ لہذا کوشش کرو کہ وہ تم سے راضی جائے اور وہ دولت تمہیں دیتا جائے اور اگر اس میں کوئی دولت مخفی نہ ہو تب بھی شکر مفید ہے کیونکہ اس سے تمہاری عادت درست ہوگی اور یہ تمہاری اچھی عادت تم کو اور جگہ.. فائدہ دیگی اور ایک نہ ایک دن تمہارا مقصود حاصل ہو جائے گا۔ کیونکہ تمام غم خالی نہیں ہو سکتے لہٰذا کوئی غم ایسا بھی ہوگا جو دولت لئے ہوئے ہوگا اور تم حسب عادت اس کے ساتھ اچھا برتاؤ کروگے تو وہ تمہیں دولت دے جائے گا۔

نیز خیال غم سے ناخوش ہونے کی کوئی وجہ بھی نہیں ہے کیونکہ وہ جو تمہاری خوشی کو روکتا ہے تو از خود نہیں روکتا۔ بلکہ بحکم اور باقتضائے حکمت الٰہی روکتا ہے ایسی حالت میں اس سے ناخوش ہونے کی کیا وجہ ہو سکتی ہے۔

الحاصل تم غم کو حقیر نہ سمجھو! کیونکہ ممکن ہے کہ وہ کوئی نہایت باسعادت ستارہ ہو اور بہت بڑی دولت اپنے ساتھ رکھتا ہو اور تم اس سے ناخوشی کے سبب اس سے محروم ہو جاؤ۔ یہ گفتگو تو تمہاری تسلی کے لیے ہے ورنہ ہم کو چاہیئے کہ اسکو مقصود اور وسیلۂ دولت نہ سمجھو۔ بلکہ خود اسی کو مقصود سمجھو۔ تاکہ تم ہمیشہ کامیاب ہو۔ کیونکہ جب خود غم ہی مقصود ہوگا اور وہ حاصل ہوگا تو کامیابی ظاہر ہے۔

اور اگر تم اسکو غیر مقصود اور مضر لذاتہ مفید لغیرہ سمجھوگے تو اس وقت تمکو اصل مقصود کا انتظار رہے گا۔ اور انتظار کا مزہ نہایت تلخ ہے اسلئے تم اپنی اس طرز عمل سے ہمیشہ موت کی مصیبت میں مبتلا رہو گے۔ پس تم کو چاہیئے کہ خود اسی کو اصل مقصود سمجھ کر بغل میں لو۔ اور اس طرح انتظار کی موت کی مانند تکلیف سے بچ جاؤ۔ ایسا کرنے سے تم کو تکلیف بھی نہ ہوگی اور منافع غم بھی حاصل ہو جائیں گے۔

نواختنِ سلطان محمود ایاز را

سلطان محمود کا ایاز کو نوازنا

اے ایازِ پُر نیازِ صدق کیش ‏ صدقِ تو از بحر و از کوہ ست بیش

اے نیاز مند، سچائی کے طریقہ والے ایاز! ‏ تیری سچائی سمندر اور پہاڑ سے زیادہ ہے

نے بوقتِ شہوتت باشد عثار ‏ کہ رود عقلِ چو کوہت کاہ وار

نہ شہوت کے وقت تیرے لئے لغزش ہے ‏ کہ تیری پہاڑ جیسی عقل تنکے کی طرح ہو جائے

نے[1] بوقتِ خشم و کینہ صبرِ ہات ‏ سست گردد در قرار و در ثبات

نہ غصہ اور کینہ کے وقت تیرے صبر ‏ ٹھکاؤ اور جماؤ میں سست ہوتے ہیں

ہست مردی این نہ آں ریش و ذکر ‏ ورنہ بودے میرِ میراں کیرِ خر

مردانگی یہی ہے، نہ وہ داڑھی اور شرمگاہ ‏ ورنہ گدھے کی شرمگاہ سرداروں کی سردار ہوتی

حق کرا خواندست در قرآں رجال ‏ کے بود ایں جسم را آں جا مجال

حق کو اللہ تعالیٰ نے قرآن میں مرد کہا ہے ‏ وہاں اس جسم کی کہاں گنجائش ہے؟

روحِ حیواں را چہ قدرست اے پسر ‏ آخر از بازارِ قصاباں گذر

اے بیٹا! حیوانی روح کی کیا قدر ہے؟ ‏ آخر قصائیوں کے بازار سے گذر

صد[2] ہزاراں سر نہادہ بر شکم ‏ ارزِ شاں از دنبہ و از دم کم

لاکھوں سر یاں، پیٹ پر رکھی ہوئی ہیں ‏ جن کی قیمت چکدی اور دُم سے سستی ہے

تا توانی بندۂ شہوت مشو ‏ در پے شہوت مکن دل را گرو

جب تک تجھ سے ہو سکے شہوت کا غلام نہ بن ‏ شہوت کے پیچھے دل کو گروی نہ کر

ورنہ شہوت خانمانت بر کند ‏ زندہ ات در گورِ تاریک افگند

ورنہ شہوت تیرا گھر بار اکھاڑ دے گی ‏ تجھے زندہ، اندھیری قبر میں پھینک دے گی

روسپی باشد کہ از جولانِ کیر ‏ عقلِ او موشے شود شہوت چو شیر

رنڈی ہوگی کہ (مرد کی) شرمگاہ کی حرکت سے ‏ اُس کی عقل چوہے جیسی اور شہوت شیر جیسی ہو جاتی ہے

وصیت[3] پدر دختر را کہ خود را نگاہ دار تا حاملہ نشوی ازیں شوہر

باپ کی بیٹی کو نصیحت کہ اپنی حفاظت کر، تاکہ تو اس شوہر سے حاملہ نہ ہو جائے

خواجہ بودست او را دخترے ‏ زہرہ خدے مہ رخے سیمیں برے

ایک صاحب کے ایک لڑکی تھی ‏ زہرہ جیسے رخسار والی، چاند جیسے چہرے والی، چاندی کے جسم والی

گشت بالغ داد دختر را بشو ‏ شو نبود اندر کفایت کفوِ او

وہ بالغ ہو گئی اُس نے وہ شوہر کو دے دی ‏ شوہر حیثیت میں اُس کا ہمسر نہ تھا

صدق کیش۔ وہ جس نے سچائی کو مذہب بنایا ہو۔ عثار۔ لغزش۔ کہ رود۔ یعنی پہاڑ جیسی عقل تنکے کی طرح ہو جائے۔ [1] نے۔ عام طور پر انسان غصہ میں صبر و ثبات کو چھوڑ دیتا ہے۔ ہست۔ اصل مردانگی یہی ہے کہ غصہ کے وقت انسان اپنے آپ پر قابو پالے۔ داڑھی اور آلۂ تناسل پر مردانگی کا اطلاق نہیں ہے ورنہ گدھا سب سے بڑا مرد ہوتا۔ حق۔ اللہ تعالیٰ نے رجال ان لوگوں کو کہا ہے جن کی روح منقیٰ ہو چکی ہے اور روح سے مراد روح حیوانی نہیں ہے۔

[2] صد ہزاراں۔ روح حیوانی کی ذلت کا منظر دیکھنا ہو تو قصائیوں کے بازار میں جاکر دیکھ لے۔ ارز۔ قیمت۔ شہوت۔ شہوت پرستی انسان کی بربادی کا باعث ہے اور انسان کو زندہ درگور کر دیتی ہے۔ روسپی۔ فاحشہ عورت شہوت میں اندھی ہو جاتی ہے۔

[3] وصیت پدر۔ اس قصہ کا خلاصہ یہ ہے کہ لڑکی شہوت سے مغلوب ہو گئی تھی۔ سیمیں بر۔ چاندی جیسے جسم والی۔ کفو۔ ہمسر۔ آبناک۔ پانی والا۔ تخریب۔ فساد یعنی جوان لڑکی ہے کوئی خرابی نہ کر بیٹھے۔

خربزہ چوں دررسد شد آبناک — گر نہ بشگافی تبہ گشت و ہلاک

خربوزہ جب پک جاتا ہے رسیلا ہو جاتا ہے — اگر تو اس کو نہ چیرے گا، تباہ اور برباد ہو جائیگا

چوں ضرورت بود دختر را بداد — او بنا کفوے ز تخویفِ فساد

چونکہ مجبوری تھی، لڑکی دے دی — اُس نے فساد کے ڈر سے غیر ہمسر کو

گفت[2] دختر را کزیں داماد تو — خویشتن پرہیز کن حامل مشو

اُس نے لڑکی سے کہا کہ تو اِس داماد سے — اپنے آپ کو بچا، حاملہ نہ ہو

کز ضرورت بود عقدِ ایں گدا — ایں غریبِ خوار را نبود وفا

اِس لئے کہ اِس فقیر سے شادی مجبوری سے تھی — اِس ذلیل، فقیر میں وفاداری نہ ہوگی

ناگہاں بجہد کند ترکِ ہمہ — بر تو طفلِ او بماند مظلمہ

اچانک بھاگ جائیگا، سب کو چھوڑ دے گا — اُس کا بچہ تیرے ذمہ پاداش بن جائے گا

گفت دختر اے پدر خدمت کنم — ہست پندت دلپذیر و مغتنم

لڑکی نے کہا اے آبا! تعمیل کروں گی — آپ کی نصیحت دل کو لگنے والی اور غنیمت ہے

ہر دو روزے ہر سہ روزے آں پدر — دختر خود را بفرمودے حذر

ہر دوسرے اور تیسرے دن وہ باپ — لڑکی کو بچنے کا حکم دیتا

ایں[3] چنیں قومے بعالم ہم بدند — کز چنیں نوعے نصیحت گر شدند

دنیا میں ایسے لوگ بھی تھے — کہ اِس طرح کی نصیحت کرنیوالے ہوئے ہیں

حاملہ شد ناگہاں دختر ازو — چونکہ بد ہر دو جواں خاتون و شو

اچانک لڑکی اُس سے حاملہ ہو گئی — چونکہ شوہر اور بیوی دونوں جوان تھے

از پدر آں را نہاں میداشتش — پنج ماہہ گشت کودک یا کہ شش

اُس نے اُس کو باپ سے چھپائے رکھا — بچہ پانچ یا چھ مہینے کا ہو گیا

گشت پیدا گفت بابا چیست ایں — من نہ گفتم کہ ازو دوری گزیں

وہ ظاہر ہو گیا، بابا نے کہا یہ کیا ہے؟ — میں نے تجھے نہیں کہا تھا اُس سے دوری اختیار کر

آں وصیتہائے من خود باد[4] بود — کہ نکردت پند و وعظم ہیچ سود

وہ میری نصیحتیں خود باد ہوائی ہوئیں — کیونکہ میرے وعظ اور نصیحت نے کوئی فائدہ نہ دیا

گفت بابا چوں کنم پرہیز من — آتش و پنبہ است بیشک مرد و زن

اُس نے کہا آبا! میں کیسے بچتی؟ — مرد و عورت آگ اور روئی ہیں

پنبہ را پرہیز از آتش کجاست — یا در آتش کے حفاظ ست و تقاست

روئی کو آگ سے کہاں بچاؤ ہے؟ — یا آگ میں نگہداشت اور بچاؤ کہاں ہے؟

---

[2] گفت۔ باپ نے اس لڑکی کو حاملہ نہ بننے کی ہدایت کی۔ عقد یعنی نکاح۔ بجہد یعنی چھوڑ کر بھاگ جائیگا۔ مظلمہ ظلم کی پاداشت۔ حذر۔ بچاؤ۔

[3] ایں چنیں۔ مولانا کہتے ہیں کہ ایسے بیوقوف بھی دنیا میں ہیں جو اس طرح کی بیہودہ نصیحتیں کرتے ہیں۔ کودک۔ یعنی پیٹ کا بچہ۔

[4] باد۔ یعنی میری نصیحت ہوا کی طرح اڑ گئی۔ گفت۔ لڑکی نے باپ سے کہا پنبہ۔ اگر آگ اور روئی ایک جگہ ہو تو روئی کب بچاؤ کر سکتی ہے۔ حفاظ۔ نگہداشت۔ تقا۔ بچاؤ۔

گفت کے گفتم کہ سوی اُو مرو — تو پذیرای منیّ اُو مشو

اُس نے کہا میں نے کب کہا تھا کہ تو اسکے پاس جا؟ — (یہ کہا تھا) کہ تو اُسکی منی کو قبول کرنے والی نہ بن

در زمانِ حال وانزال وخوشی — خویشتن باید کہ از وے درکشی

کیفیت اور انزال اور لذت کے وقت — چاہیے (تھا) کہ اُس سے اپنے آپ کو کھینچتی

گفت کے دانم کہ انزالش کیست — ایں نہانست وبغایت دُور دست

اُسنے کہا مجھے کب معلوم تھا، کہ اُسکو انزال کب ہوگا؟ — یہ پوشیدہ اور انتہائی بعید ہے

گفت چوں چشمش کلاپیسہ شود — فہم کن کاں وقتِ انزالش بُود

اُس نے کہا، جب اُس کی آنکھیں چڑھیں — سمجھ لیتی کہ اُس کے انزال کا وقت ہے

گفت تا چشمش کلاپیسہ شدن — کور میگردد ز شہوت چشمِ من

اُس نے کہا، اُس کی آنکھیں چڑھنے تک — شہوت سے میری آنکھیں اندھی ہوجاتی ہیں

نیست ہر عقلِ حقیرے پائدار — وقتِ حرص ووقتِ جنگ وکارزار

ہر حقیر عقل، مضبوط نہیں ہے — حرص کے وقت اور جنگ وکارزار کے وقت

گفت۔ ماں نے کہا کہ میں نے شوہر کے پاس جانے کو منع نہیں کیا تھا۔ خوشی یعنی انزال کے وقت اپنے آپ کو علیحدہ کرلینے کو کہا تھا۔

۹۵ گفت۔ لڑکی نے کہا مجھے کیسے معلوم ہوسکتا ہے کہ اُس کو انزال کس وقت ہورہا ہے۔ دور دست۔ وہ مقام جہاں پہنچنا مشکل ہے۔ کلاپیسہ۔ آنکھوں کا چڑھ جانا کہ پُتلی نظر نہ آئے۔ گفت۔ لڑکی نے کہا اُس وقت تو میں خود شہوت سے اندھی ہوتی تھی۔ وقتِ حرص۔ لالچ اور جنگ میں بہت کم عقلیں قائم رہتی ہیں۔

شرح اب ہم پھر قصہ ایاز کی طرف رجوع کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ محمود نے کہا کہ اے منکسر المزاج اور مخلص ایاز تیرا صدق نہ سمندر میں سما سکتا ہے اور نہ لوٹے میں اور نہ تجھے شہوت کے وقت لغزش ہوتی ہے جس کہ تیرے کوہ کی مانند غیر متزلزل عقل کاہ کی طرح اڑ جائے اور نہ غصہ اور کینہ کے وقت۔ تیرے صبر دن کے ثبات اور قرار میں خلل آتا ہے۔

اب مولانا فرماتے ہیں کہ صاحبو! مردانگی اس کا نام ہے کہ آدمی نہ شہوت سے مغلوب ہو اور نہ غصہ اور عداوت سے اور مردی اس کا نام نہیں ہے کہ کسی کے عُضوِ تناسل ہو یا ڈاڑھی ہو کیونکہ اگر عُضوِ تناسل پر مردی کا مدار ہوتا تو گدھے کا عُضوِ تناسل کو امیر الامراء ہونا چاہیئے تھا۔ اسلئے کہ جب عُضوِ تناسل میں یہ... خاصیت ہے کہ وہ دوسروں کو عزت اور شرف بخشتا ہے تو خود اسکو بالا و لے معظم اور مکرم ہونا چاہیئے اور جبکہ عضوِ تناسل خود مکرم اور معظم ہُوا۔ تو لازم ہے کہ اُن

لوگوں سے زیادہ معظم ہو جن کو اسکی جہت سے شرف حاصل ہوا ہے اور جبکہ وہ اوروں سے زیادہ معظم ہوا تو اسکے افراد میں جو سب سے بڑا ہو گا وہ اپنے سے چھوٹوں سے ضرور معظم تر ہوگا۔ و ہو ذکر الحمار فثبت انہ امیر الامراء و اعظم الاعاظم اللازم باطل۔ فالملزوم مثلہٗ۔ تم غور تو کرو کہ حق سبحانہٗ نے قرآن میں رجال کن کو کہا ہے۔ کیا اہلِ ذکر کو ہرگز نہیں۔ بلکہ جن کو ۔۔۔۔ رجال کہا ہے ان کو تو جسمیت سے کچھ بھی علاقہ نہیں۔ بلکہ وہ تو غلبۂ روحانیت سے سراسر روح ہیں۔ چنانچہ حق سبحانہٗ نے فرمایا ہے۔

فی بیوت اذن اللّٰہ ان ترفع و یذکر فیہا اسمہ یُسبح لہٗ فیہا بالغدوۃ والاٰصال ۙ رجال لا تلہیہم تجارۃ و لا بیع عن ذکر اللّٰہ و اقام الصلوٰۃ و ایتاء الزکوٰۃ ۠ یخافون یومًا تتقلب فیہ القلوب والابصار۔

پس مرد وہ ہیں جن کو خدا مرد کہتا ہے کہ جن کے یہ صفات بیان کرتے ہیں کہ ان کو تجارت اور بیع وغیرہ ذکر اللہ اور اقامت صلوٰۃ و اعطار زکوٰۃ سے غافل نہیں کرسکتی۔ اور وہ قیامت کا خوف رکھتے ہیں۔ اور جس کیلیے مالک شہوت و غضب ہونا لازم ہے نہ کہ اہلِ ریش و ذکر (یہ استدلال شعری ہے) تم غور تو کرو کہ روح حیوانی کی قدر و قیمت ہی کیا ہے جو مناط مردی ہوسکے اسکی حیثیت تو وہ ہے جو تم کو قصائیوں کے بازار میں معلوم ہوگی تم جاؤ اور دیکھو۔ کہ ہزاروں سر جانور مذبوح پڑے ہوں گے اور ان کے سر ان کے پیٹ پر رکھے ہوئے ہوں گے اور ان کی قدر و قیمت دنبہ اور دم سے بھی کم ہوگی۔ یہ حیثیت ہے روح حیوانی کی تو وہ کیا خاک مناط مردی و عظمت و جلالت قدر ہوسکتی ہے پس تم کو چاہیئے کہ جہاں تک ہوسکے شہوت کے غلام نہ بنو اور شہوت میں دل کو نہ ... پھنساؤ۔ ورنہ یہ شہوت تمہارا خانہ خراب کردے گی۔ اور تم کو زندہ درگور کردیں گے کیونکہ اسکے تمہاری حیات روحانی کا خاتمہ ہوجائے گا۔ اور اس طرح گویا کہ تم زندہ

درگور ہو جاؤ گے مردوں کا کام یہ نہیں ہے کہ وہ مغلوب شہوت ہو جائیں وہ تو رنڈی ہوتی ہے جو مغلوب شہوت ہوتی ہے اور ذکر کی آمد و شد سے اسکی عقل مغلوب اور شہوت غالب ہو جاتی ہے مردوں کا یہ کام نہیں ہے کہ شہوت سے مغلوب ہو جائیں۔

اچھا اب ہم تمہیں ایک واقعہ سُناتے ہیں جس سے تم کو شہوت کی قوت کی حالت معلوم ہو۔ اور تم اس سے عبرت حاصل کر سکو۔ سُنو!

ایک شخص تھے جس کی ایک نہایت حسین لڑکی تھی وہ بالغ ہو گئی اور انہوں نے اس کی شادی کر دی لیکن اتفاق سے اس کا خاوند دولت مند نہ تھا۔ بلکہ ایک غریب آدمی تھا۔ اس پر شاید یہ سوال ہو کہ ایسے سے شادی کیوں کی تو اس کا جواب یہ ہے کہ جب تربوز پک جاتا ہے اور پانی سے بھر جاتا ہے تو اگر اسے چیرا نہ جائے تو خراب ہو جاتا ہے یہی حالت لڑکی کی ہے کہ اگر وہ بالغ ہو جائے اور اسکی شادی نہ کی جائے تو خطرہ ہوتا ہے کہ کہیں بگڑ نہ جائے اسلئے شادی کی ضرورت تھی اور چونکہ ضرورت تھی اور کوئی مناسب لڑکا ملا نہیں اسلیے مجبوراً اسکو غریب ہی کے پلہ باندھنا پڑا۔ تاکہ کوئی خرابی نہ ہو جائے لیکن اس نے لڑکی کو وصیت کر دی کہ تو اس شوہر سے الگ رہنا اور حاملہ نہ ہونا کیونکہ اس مفلس سے یہ شادی بضرورت کر دی گئی ہے۔

یہ بے چارہ ذلیل آدمی نباہ نہ سکے گا۔ بلکہ دفعتہً سب کو چھوڑ بیٹھے گا اور اس کا بچہ تیرے گلے پڑے گا۔ لڑکی نے کہا بہت خوب! میں ایسا ہی کروں گی کیونکہ آپ کی نصیحت جی لگتی اور قابلِ قدر ہے خیر لڑکی رخصت ہو گئی اور شوہر کے ساتھ رہنے سہنے لگی۔ باپ کا یہ معمول تھا کہ ہر دوسرے تیسرے دن لڑکی کو احتراز کی ہدایت کر دیتا تھا۔

اب مولانا تعجب سے فرماتے ہیں کہ اے اللہ! کہ دنیا میں ایسے احمق لوگ بھی ہوتے ہیں جو اس قسم کے ناممکن العمل نصیحت کیا کرتے تھے۔ خیر اتفاقاً اس کو اس شخص کا

حمل رہ گیا۔ کیونکہ دونوں جوان تھے ۔ خاوند بھی اور بیوی بھی ۔ ایسی حالت میں حمل رہ جانا کون سی بڑی بات ہے لیکن وہ لڑکی اسکو باپ سے چھپاتی تھی ۔ اسی عرصہ میں وہ حمل پانچ چھ مہینہ کا ہوگیا اور معاملہ کھل گیا ۔ اس پر باپ نے کہا کہ بیٹی یہ کیا بات ہے کیا میں نے تجھے نہ روکا تھا۔ کہ تو اس سے الگ رہنا۔ میری وصیتیں تمام بے سود ثابت ہوئیں کیونکہ انہوں نے تجھ پر کچھ اثر نہ کیا۔ اب لڑکی نے کہا کہ ابا جان۔ آخر میں بچ کیونکر سکتی ہوں۔ عورت اور مرد کا تو آگ اور روئی کا میل ہے بھلا روئی آگ سے کہیں بچ سکتی ہے یا وہ آگ میں پڑکر جلنے سے محفوظ رہ سکتے ہیں۔ باپ نے کہا کہ میں نے یہ کب کہا تھا کہ تو اس کے پاس نہ جانا۔ میں نے تو یہ کہا تھا کہ اس کی منی کو قبول نہ کرنا اور تجھے چاہیئے کہ جب اسے انزال ہونے لگے تو تو الگ ہو جائے اس پر اس نے کہا کہ میں یہ کیسے سمجھ سکتی ہوں کہ اسے کب انزال ہوگا۔ یہ تو ایک مخفی امر اور میری آنکھوں سے نہایت دُور ہے اس نے کہا کہ جب اس کی آنکھوں میں تغیر آجائے اور آنکھیں چڑھ جائیں تو سمجھ لینا چاہیئے کہ اب اسے انزال ہوگا۔ لڑکی نے جواب دیا کہ جب تک اسکی یہ حالت ہو۔ میری آنکھیں پہلے شہوت سے اندھی ہو جاتی ہیں۔ پھر میں کیسے معلوم کر سکتی ہوں

یہ واقعہ تھا اس سے تم کو سمجھنا چاہیئے کہ ہر معمولی عقل کا کام نہیں ہے کہ وہ جنگ اور شہوت کے وقت قائم رہ سکے ۔ اس سے تم کو شہوت کی برائی معلوم ہوگئی ہوگی پس تم کو اس سے نہایت احتراز چاہیئے۔ شہوت کے وقت عقل کے قائم نہ رہنے کا بیان تو سن چکے ۔ اب جنگ کے وقت اس کے قائم نہ رہنے کا بیان سنو۔

وصفِ ضعفِ دلی و سستیِ صوفیِ سایہ پروردہ مجاہدہ[۱] ناکردہ، دردِ داغِ عشق ناچشیدہ، بسجدہ و دست بوسِ عام و بحرمتِ نظر کردن و بانگشت نمودنِ ایشاں کہ

اُس صوفی کے دل کی کمزوری اور سستی کا بیان جو سائے میں پلا تھا، مجاہدہ نہ کیے ہوئے تھا، عشق کا درد اور داغ نہ چکھے ہوئے تھا، سجدے اور عوام کی دست بوسی اور احترام سے دیکھنے، اور اُن کی اُنگلی اُٹھانے سے

امروز در زمانہ صوفی اُوست غرّہ شُدہ و بوَہم بیمار شُد چو[۱]

کہ آجکل دنیا میں وہی صوفی ہے، وہ دھوکے میں آگیا تھا اور وہم کی بیماری میں مبتلا ہوگیا تھا

آں مُعلِم کہ کودکاں گفتند کہ رنجوری، و بایں وہم کہ من مجاہدم

اُس اُستاد کی طرح جس کو بچّوں نے کہا تھا کہ آپ بیمار ہیں اور اِس وہم سے کہ میں مجاہد ہوں

مرا دریں راہ پہلوان میدانند با غازیاں بغزا رفتہ کہ بظاہر

لوگ مجھے اِس راہ کا پہلوان سمجھتے ہیں، غازیوں کے ساتھ جہاد میں چلا گیا کہ میں ظاہری

نیز بنمایم جہاد کہ در جہادِ اکبر مُستثنیٰ اَم جہادِ اصغر خود پیشِ

جہاد بھی کروں گا، کیونکہ میں بڑے جہاد میں ممتاز ہوں، چھوٹا جہاد میرے سامنے کیا

من چہ محل دارد و خیالِ شیر دَر دیدہ و دلیریہا کردہ و مُست

وقعت رکھتا ہے؟ اور شیر ہونے اور بہادریوں کا نقشہ آنکھ میں جما کر اور ان

ایں دلیریہا شُدہ و رُوی بہ بیشہ نہادہ بقصدِ شیر و

بہادریوں میں مست ہوکر اور شیر کے ارادے سے جنگل کا رُخ کیا اور

شیر بزبانِ حال گفتہ کہ کَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ثُمَّ

شیر نے زبانِ حال سے کہا کہ ہرگز نہیں، تم عنقریب جان لوگے، پھر

کَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ

ہرگز نہیں، تم عنقریب جان لوگے

رفت یک صوفی بہ لشکر در غَزا — ناگہاں آمد قطار یق و وَغا

ایک صوفی جہاد میں لشکر کے ساتھ چلا گیا — اچانک جنگ کا شور و غوغا اٹھا اور جنگ شروع ہوگئی

ماند صوفی با بُنہ و خیمہ وضِعاف — فارساں راندند تا صفِّ مَصاف

صوفی سامان اور خیمہ اور کمزوروں کیساتھ رہ گیا — شہسواروں نے میدانِ جنگ کی صف کیطرف گھوڑے دوڑائے

مُثقلانِ خاک برجا ماندند — سابِقُوْنَ السَّابِقُوْن دَر راندند

مٹی کے بوجھل، (اپنی) جگہ پر رہ گئے — سبقت کرنیوالے پیش قدم آگے دوڑ گئے

---

[۱] وصف۔ اِن صوفی صاحب کے قصہ سے یہ بتایا ہے کہ جنگ کے وقت اُن کی عقل بیکار ہوگئی تھی یہ صوفی صاحب خانقاہ کے سایہ میں پلے تھے مجاہدے کی مشقتیں نہ اٹھائی تھیں عوام کی دست بوسی سے اپنے آپ کو کامل انسان سمجھ بیٹھے تھے۔ انگشت۔ مشہور آدمی کی طرف لوگ انگلیوں سے اشارے کرتے

[۱] چوں معلم۔ پہلے مولانا نے قصہ سنایا تھا کہ مکتب کے بچّوں نے اُستاد کو بلا وجہ بیمار بنا دیا تھا۔ جہادِ اکبر یعنی نفس کے ساتھ جہاد مستثنیٰ۔ ممتاز۔ جہادِ اصغر کافروں سے جہاد کرنا۔

[۲] کلّا سوف۔ قرآن نے کافروں کے غلط خیالات کی تردید کی ہے اور کہا ہے کہ عنقریب حقیقتِ حال سامنے آجائے گی۔ غزا۔ جہاد۔ قطاریق۔ جنگ کا شور و غل۔ وغا جنگ۔ بنہ۔ سامان۔ مصاف۔ مصف کی جگہ میدانِ جنگ۔ مثقل۔ سست۔ بوجھل۔

جنگہا کردہ مظفر آمدند
جنگ کرکے کامیاب واپس آگئے

باز گشتہ با غنائم سودمند
مالدار ہوکر غنیمتوں کے ساتھ لوٹ آئے

ارمغاں دادند کاے صوفی تو نیز
انہوں نے تحفہ دیا کہ اے صوفی تو بھی (لے)

او بروں انداخت نستد ہیچ چیز
اس نے باہر پھینک دیا، کوئی چیز نہ لی

پس بگفتندش کہ خشمینی چرا
پھر انہوں نے کہا کہ تو غصہ میں کیوں ہے؟

گفت من محروم ماندم از غزا
اس نے کہا، میں جہاد سے محروم رہ گیا

زاں تلطف ہیچ صوفی خوش نشد
اس مہربانی سے صوفی کچھ بھی خوش نہ ہوا

کو میانِ غزو خنجر کش نشد
کیونکہ وہ جہاد میں خنجر چلانے والا نہ بنا

پس بگفتندش کہ آوردیم اسیر
تو انہوں نے اس سے کہا، ہم قیدی لائے ہیں

آں یکے را بہرِ کشتن تو بگیر
اس ایک کو تو قتل کرنے کے لئے لے لے

سر ببرش تا تو ہم غازی شوی
اس کا سر قلم کردے تاکہ تو بھی غازی بن جائے

آمدکے خوش گشت صوفی دل قوی
صوفی تھوڑا خوش ہوا اور مضبوط دل بن گیا

کاب را گر در وضو صد روشنی ست
کہ اگرچہ وضو میں پانی کے سیکڑوں نور ہیں

چونکہ آں نبود تیمم کردنیست
جب وہ نہ ہو تو تیمم کرنا ہی ہے

برد صوفی آں اسیرِ بستہ را
اس بندھے ہوئے قیدی کو صوفی لے گیا

در پسِ خرگہ کہ آرد او غزا
خیمہ کے پیچھے، کہ وہ جہاد کرے

دیر ماند آں صوفی آنجا با اسیر
صوفی قیدی کے ساتھ وہاں بہت دیر رہا

قوم گفتند اے عجب چوں مند فقیر
لوگوں نے کہا تعجب ہے، صوفی کو کیا ہوا

کافرِ بستہ دو دست او کشتنی ست
دونوں ہاتھ بندھا کافر، قتل ہوجانے والا ہے

بسملش را موجبِ تاخیر چیست
اس کے ذبح کرنے میں تاخیر کا کیا سبب ہے

رفت آں یک در تفحص در پیش
جستجو میں، ایک اس کے پیچھے چلا

دید کافر را بہ بالای ویش
اس نے کافر کو اس کے اوپر دیکھا

ہمچو نر بالای مادہ آں اسیر
وہ قیدی، مادہ پر نر کی طرح تھا

ہمچو شیرے خفتہ بالای فقیر
وہ فقیر پر شیر کی طرح پڑا تھا

دستہا بستہ ہمی خائید او
ہاتھ بندھے ہوئے، وہ چبا رہا تھا

از سرِ استیزہ صوفی را گلو
صوفی کا گلا، کینہ وری کی وجہ سے

گبر میخائید با دنداں گلوش
کافر دانتوں سے اس کا گلا چبا رہا تھا

صوفی افتادہ بزیر و رفتہ ہوش
صوفی نیچے پڑا تھا اور ہوش اڑ گئے تھے

دست بستہ گبر ہمچوں گربہ
ہاتھ بندھے ہوئے کافر نے، بلی کی طرح

خستہ کردہ حلقِ او بے حربہ
بغیر نیزے کے اس کے گلے کو زخمی کردیا

٤٩ جنگہا۔ مجاہد جہاد میں کامیاب ہوکر مالِ غنیمت کے ساتھ واپس آئے۔ ارمغاں۔ یعنی مالِ غنیمت میں سے تحفہ۔

٥٠ خشمینی۔ تو غصہ میں کیوں ہے۔ تلطف۔ مہربانی۔ اسیر۔ قیدی۔ غازی۔ یعنی اس قیدی کا سر قلم کرکے غازی بن جا۔ کاب۔ صوفی نے کہا وضو ممکن نہ ہو تو تیمم سے کام چل جاتا ہے، اصل جہاد تو میدانِ جنگ میں تھا یہ بھی مجبوری کا جہاد ہے۔ خرگہ۔ خیمہ۔

٥١ دیر ماند۔ صوفی کی واپسی میں دیر ہوئی تو لوگ حیران ہوئے۔ کافر۔ ہاتھ بندھے ہوئے قیدی کو قتل کرنے میں اس قدر دیر کا کیا کام ہے۔ تفحص۔ جستجو۔

٥٢ دستہابستہ۔ وہ دونوں ہاتھ بندھا ہوا کافر صوفی کے گلے کو دانتوں سے چبا رہا ہے۔ گبر۔ اس کافر نے اس صوفی کا گلا اس قدر چبایا کہ صوفی بیہوش ہوگیا۔ حربہ۔ نیزہ۔

نیم کُشتش کرد با دنداں اسیر[1] ریشِ اُو پُرخوں زِحلقِ آں فقیر

قیدی نے دانتوں سے اُس کو ادھ موا کر دیا اُس فقیر کے حلق کے خون سے اُس کی داڑھی بھری ہوئی

ہمچو تو کز دستِ نفسِ بستہ دست ہمچو آں صوفی فتادستی بہ پست

تیری طرح، کہ ہاتھ بندھے نفس سے اُس صوفی کی طرح نیچے گرا پڑا ہے

اے شُدہ عاجز زتلِ کیشِ تو صد ہزاراں کوہہا در پیشِ تو

اے وہ کہ تو اپنے مذہب کے ٹیلے سے عاجز ہے تیرے سامنے لاکھوں پہاڑ ہیں

زینقدر خرپشتہ مُردی از شکوہ چوں روی بر عقبہائے ہمچو کوہ

تو ٹوٹ رہے، اِس قدر ڈھلوان ٹیلے سے مر گیا تو پہاڑ جیسی گھاٹیوں پر کیسے گذرے گا؟

غازیاں کُشتند کافر را بہ تیغ ہمدراں ساعت زحمیت بیدریغ

غازیوں نے کافر کو تلوار سے مار ڈالا بے دریغ اُسی وقت غصہ سے

بر رُخِ صُوفی زدند آب و گلاب تا بہوش آید زبیہوشی و خواب

صوفی کے چہرے پر پانی اور گلاب چھڑکا تاکہ وہ بیہوشی، اور غفلت سے ہوش میں آجائے

چوں[2] بخویش آمد بدید آں قوم را پس بپرسیدند چوں بُد ماجرا

وہ جب ہوش میں آیا اُس نے قوم کو دیکھا تو انھوں نے پوچھا کیا قصہ ہوا؟

اللہ اللہ اینچہ حالست اے عزیز اینچنیں بیہوش گشتی از چہ چیز

اللہ اللہ اے پیارے! یہ کیا حال ہے! تو کس چیز سے ایسا بے ہوش ہو گیا؟

از اسیرِ نیم کُشتہ بستہ دست اینچنیں بیہوش اُفتادی و پست

ادھ موئے، ہاتھ بندھے، قیدی سے اس طرح بے ہوش اور پست ہو کر گر پڑا

گفت چوں قصدِ سرش کردم بخشم طُرفہ در من بنگریداں شوخ چشم

اُس نے کہا جب میں نے غصہ سے اُسکے سر کا ارادہ کیا اُس بے حیا نے مجھے عجیب طرح پر گھورا

چشم را وا کرد پہن اُو سوی من چشم گردانید و شُد ہوشم زتن

اُس نے میری جانب آنکھیں پھاڑیں آنکھوں کو گھمایا اور میرے ہوش بدن سے اُڑ گئے

گردشِ[3] چشمش مرا لشکر نمود می ندانم گفت چوں پُرہول بُود

اُس کی آنکھوں کا گھومنا مجھے لشکر نظر آیا میں بتا نہیں سکتا کہ کس قدر خوفناک تھیں

قصہ کوتہ کُن کزاں چشم اینچنیں رفتم از خود اُوفتادم بر زمیں

قصہ مختصر کر، کہ اُن آنکھوں سے میں ایسا بے ہوش ہوا، زمین پر گر پڑا

فتنہ کوتہ کُن کزاں غمزہ گراں رفتم از خود اوفتادم من دراں

فتنہ کو مختصر کر، کہ اُس کی تیکھی نظروں سے میں بے ہوش ہو گیا، میں اس میں گر پڑا

---

[1] نیم کُشتش۔ اُس کافر نے صوفی کو نیم مُردہ بنا دیا اور اُس کی داڑھی اُس صوفی کے خون میں لتھڑ گئی۔ ہمچو تو۔ اُس صوفی کا ہاتھ بندھے کافر سے جو حال ہوا وہی نفس کے ہاتھوں تیرا حال ہے۔ تل۔ ٹیلہ۔ خرپشتہ۔ وہ ٹیلہ جس کے کنارے ڈھلواں ہوں۔ عقبہ۔ پہاڑ کی گھاٹی۔ حمیت۔ عار کی وجہ سے غصہ کرنا۔

[2] چوں۔ جب صوفی کو ہوش آیا تو اُس سے بیہوش ہونے کا قصہ پوچھا کہ ہاتھ بندھے ہوئے قیدی کے نیچے پڑے ہوئے بے ہوش کیوں ہوئے۔ طرفہ۔ اُس کافر نے عجب طرح پر گھور کر دیکھا بڑی بڑی آنکھیں نکالیں اور اُن کو گھمایا تو میں بے ہوش ہو گیا۔

[3] گردش۔ اُس کے آنکھیں چلانے سے مجھے ایسا معلوم ہوا کہ کوئی لشکر آگیا ہے میں اُس کی خوفناکی کا بیان نہیں کر سکتا ہوں۔

نصیحت کردنِ مبارزاں اُو را کہ با ایں دل و زہرہ کہ تو داری

اُس کو جنگ جویوں کا نصیحت کرنا کہ اس دل اور پتّے کے ساتھ جو کہ تو رکھتا ہے،

ازکلا پیسہ شدنِ چشمِ کافرِ اسیرِ دست بستہ بیہوش و دشنہ

ہاتھ بندھے ہوئے قیدی، کافر کی پُتلیاں چڑھنے سے بے ہوش ہو گیا اور تیشہ

از دست بیفگندی زینہار ہزار زینہار کہ ملازمِ مطبخِ خانقاہ

ہاتھ سے گرا دیا، خبردار، خبردار، کہ خانقاہ کے مطبخ میں بیٹھا رہ

باش و سُوی پیکار مرو تا رُسوا نشوی

اور جنگ کی طرف نہ جا تا کہ رُسوا نہ ہو

قوم گفتندش بہ پیکار و نبرد
لوگوں نے اُس سے کہا لڑائی اور جنگ میں

با چنیں زہرہ کہ تو داری مگرد
اس پتّے سے جو تو رکھتا ہے، نہ جا

گِردِ مطبخ گرد و اندر خانقاہ
مطبخ اور خانقاہ کے اندر چکر کاٹ

تا دِگر رُسوا نگردی در سپاہ
تاکہ لشکر میں دوبارہ رُسوا نہ ہو

چوں زِ چشمِ آں اسیرِ بستہ دست
جب اُس ہاتھ بندھے ہوئے قیدی کی آنکھ سے

غرقہ گشتی کشتیِ تو در شکست
تو ڈوب گیا، تیری کشتی ٹوٹ گئی

پس میانِ حملۂ شیرانِ نر
تو نر شیروں کے حملہ کے دوران

کہ بُود با تیغِ شاں چوں گوی سر
جن کی تلواروں کے سامنے سر گیند کی طرح ہیں

کہ ز طاقا طاقِ گردن ہا زدن
کہ اُن کے گردن کاٹنے کی تڑاخ پڑاخ سے

طاق طاقِ جامہ کوباں ممتہن
دھوبیوں کی چھوا چھو کمتر ہے

کہ ز فشا فاشِ تیرِ جاں ستاں
کہ مار ڈالنے والے تیروں کے زناٹے سے

اَبرِ آذاری خجل در امتحاں
موسمِ بہار کا ابر آزمائش میں شرمندہ ہے

کے توانی کرد در خوں آشنا
تو خون میں کیسے تیراکی کر سکے گا؟

چوں نہ با جنگِ مرداں آشنا
جبکہ تو بہادروں کی جنگ سے آشنا نہیں ہے

بس تنِ بے سر کہ دارد اضطراب
بہت سے بے سر کے دھڑ تڑپتے ہیں

بس سرِ بے تن بخوں بر چوں حباب
بہت سے بے دھڑ کے سر خون پر حبابوں کی طرح ہیں

زیرِ دست و پایِ اسپاں در غزا
جہاد میں گھوڑوں کے ہاتھ پاؤں کے نیچے

صد فنا کُن غرقہ گشتہ در فنا
سینکڑوں قاتل فنا میں غرق ہیں

ایں چنیں ہوشے کہ از مُوشے پرید
ایسا ہوش، جو چوہے سے اُڑا

اندراں صف تیغ چوں خواہد کشید
اُس صف میں تو تلوار کیسے سونت سکے گا؟

چالش ست ایں خمر خوردن نیست ایں
یہ جنگی تگ و دو ہے، یہ شراب نوشی نہیں ہے

تا تو بر مالی بخوردن آستیں
تاکہ تو پینے کے لئے آستین چڑھائے

---

[1] زہرہ۔ آنکھ کا اشارہ۔ زہرہ۔ پتّہ۔ کلاپیسہ شدنِ چشم۔ آنکھوں کی پُتلیاں چڑھنا۔ گِرد مطبخ۔ خانقاہ کے مطبخ کے چکر لگایا کرتا کہ پھر شرمندہ نہ ہو۔ کہ بود۔ جو ایسے بہادر ہیں۔ زان کی تلوار کے سامنے ... دوں کے سر بچے کی گیند کی طرح ہیں۔

[2] طاقا طاق۔ تلواروں کی آواز۔ طاق طاق۔ دھوبی کے کپڑوں کو پٹڑے پر پٹخنے کی آواز۔ فشا فاش۔ تیروں کے چلنے کی آواز۔ خجل۔ شرمندہ۔

[3] آشنا۔ پہلے مصرع کے آخر میں بمعنی تیرنا اور دوسرے مصرع میں بمعنی واقف ہے۔ بس۔ بہت سے دھڑ بغیر جسم کے ہیں اور بہت سے سر بغیر دھڑ کے ہیں۔ حباب۔ بلبلہ۔

نیست حمزہ خوردن اینجا تیغ بیں یہ جگہ تر و تیز کھانا نہیں ہے، تلوار دیکھ	**حمزۂ باید دریں صف آہنیں** اس صف میں لوہے جیسا (حضرت) حمزہؓ درکار ہے
نیست لوت چرب تیغ و خنجر ست لذیذ کھانا نہیں ہے، تلوار اور خنجر ہے	**جاں بباید باختن چہ جای سر ست** سر کا کیا ہے؟ جان کی بازی لگانی چاہیئے
کار ہر نازک دلے نبود قتال ہر نازک دل کا کام، جنگ کرنا نہیں ہے	**کہ گریزد از خیالے چوں خیال** جو ایک وہم سے خیال کی طرح بھاگ جائے
کار ترکان ست نے ترکاں برو بہادروں کا کام ہے، بزدلوں کا نہیں ہے، جا	**جای ترکاں ہست خانہ خانہ شو** بزدلوں کی جگہ گھر ہے، گھر میں جا بیٹھ
قصہ کوتہ کن کزاں چشم اینچنیں قصہ مختصر کر، کہ ان آنکھوں ... سے اس طرح	**رفتی از دست وفتادی بر زمیں** تو بے قابو ہوگیا، اور زمین پر گر پڑا

لغات غزا۔ جہاد۔ فنا کن۔ فنا کر دینے والا۔ جاش۔ رفتار یعنی جنگی رفتار۔ بر تاں آستین۔ تو آستین بہ چڑھائے حمزہ۔ مصرع اول، بمعنی تارا میرا کا پتہ دوسرے مصرع میں آنحضور کے چچا کا نام ہے جن کی بہادری مشہور ہے۔

شرح

ایک صوفی لشکر کے ہمراہ جہاد میں گئے وہاں دفعۃً شورِ جنگ برپا ہوگیا اور لڑائی ٹھن گئی۔ بس یہ صوفی تو اسباب اور خیموں اور عورتوں وغیرہ کی حفاظت کے لیے رہ گئے اور شہسوار صفِ جنگ میں شریک ہوگئے۔ اب مولانا فرماتے ہیں کہ یہی حالت جہادِ باطنی کی ہے کہ اس میں بھی جو لوگ غلبۂ خاک سے گراں بار تھے پیچھے رہ گئے اور آگے بڑھنے والے تیز دوڑ گئے۔ خیر یہ تو جملہ معترضہ تھا۔ اب تم اصل قصہ سنو!

لوگ جہاد کر کے فتح حاصل کیے ہوئے اور اموالِ غنیمت لیے ہوئے سود مند لوٹ آئے اور اس میں سے صوفی کو بھی تحفہ دیا اور کہا کہ آپ بھی لیجیے: اس نے اسے پھینک دیا اور کچھ نہ لیا۔ یہ دیکھ کر لوگوں نے کہا کہ آپ ناخوش کیوں ہیں اس نے کہا کہ میں ناخوش نہ ہوں کہ جہاد سے محروم رہ گیا۔ تم کو واضح ہو کہ کوئی صوفی جو کہ جہاد میں خنجر کش نہ ہوا ہو۔ ایسی عنایت سے خوش نہیں ہو سکتا۔ اس پر لوگوں نے کہا کہ آپ ناخوش نہ ہوں ہم ایک قیدی لائے ہیں آپ اس قیدی کو مارنے کے لیے لے لیجیے اور اس کا سر کاٹ دیجیے تاکہ آپ بھی غازی ہو جائیں یہ سنکر صوفی کسی قدر خوش ہوا اور اس کی دل شکنی کم ہوئی کیونکہ اس نے اپنے دل میں

کہا کہ گو وضو کے باب میں پانی نہایت خوب ہے لیکن جب پانی نہ ہو تو ناچار تیمم کرنا ہوگا۔ اسی طرح گو صفِ جنگ میں شرکت نہایت اعلیٰ تھی مگر جبکہ وہ ناممکن ہے تو اب مجبوراً قتلِ اسیر ہی پر قناعت کرنی پڑے گی۔

یہ خیال کرکے وہ اپنی مشکیں کسی ہوئے قیدی کو خیمہ کے پیچھے اسلئے لے گیا کہ وہاں اس پر جہاد کرے۔ وہ لے تو گیا۔ مگر واپس نہ آیا اور بہت دیر ہوگئی لوگوں نے کہا کہ ارے صوفی کیا ہوا۔ کافر مشکیں کسا ہُوا اور واجب القتل تھا پھر اب تک اسنے اسے قتل کیوں نہیں کیا ــــــ القصہ! جب یہ تحیّر بڑھا تو ایک شخص تفتیش حال کے لیے گیا اُسنے وہاں جاکر دیکھا کہ کافر صوفی کے اوپر سوار ہے اور جس طرح کہ نر مادہ پر سوار ہوتا ہے یوں وہ قیدی شیر کی طرح صوفی پر پڑا ہے اور مشکیں کسی ہوئی ہونے کی حالت میں مخالفت سے صوفی کا گلہ چبا رہا ہے وہ کافر تو اس کا گلہ چبا رہا ہے اور صوفی بے ہوش نیچے پڑا ہُوا ہے اور مشکیں کسی ہوئی کافر نے بلی کی طرح بدوں کسی ہتھیار کے صوفی کو زخمی کر رکھا ہے اور اس قیدی نے دانتوں سے اسکو ادھ مُوا بنا دیا ہے اور صوفی کے حلق کے خون سے اسکی ڈاڑھی رنگی ہوئی ہے۔

اب مولانا مضمون ارشادی کی طرف انتقال فرماتے ہوئے یہ کہتے ہیں کہ اُس صوفی کی ایسی ہی حالت تھی جیسے تیری کہ تو بھی مشکیں کسے ہوئے نفس کے ہاتھ سے اُس صوفی کی طرح مغلوب ہوکر نیچے پڑا ہُوا ہے۔

ارے تو ایک ٹیلے یعنی اپنے ظاہر مذہب سے عاجز ہوگیا ہے اور اسکی پابندی نہیں کر سکتا۔ ابھی تو تیرے سامنے لاکھوں پہاڑ یعنی دقائق مذہب ہیں پس جبکہ تو اتنے بڑے ٹیلے کے خوف سے مرگیا ہے۔ تو تو ان پہاڑ کی طرح دشوار گذار گھاٹیوں سے کیونکر عبور کریگا۔ مرد خدا اتنا کمزور نہ بن اور ہمت سے کام لے کر نفس کو مغلوب کر۔ اس کا مغلوب کرنا کچھ مشکل نہیں ہے کیونکہ وہ فی نفسہٖ

بہت کمزور ہے۔ مگر ہمت کی ضرورت ہے

خیر یہ مضمون تو استطرادی تھا۔ اب سُنو کہ جب غازیوں نے صوفی کی یہ حالت دیکھی تو جوشِ غیرت سے فوراً اس کافر کو تہ تیغ کر دیا۔ اور صوفی کے منہ پر پانی اور گلاب کے چھینٹے دیئے تاکہ وہ بے ہوشی اور بے خودی سے ہوش میں آئے۔ پس جبکہ وہ اس تدبیر سے ہوش میں آگیا۔ تو اس نے آنکھ کھولی اور لوگوں کو اپنے پاس جمع دیکھا۔ اس پر لوگوں نے اسکی واقعہ پوچھا اور کہا کہ میاں تمہاری کیا حالت ہوگئی۔ اور تم اس طرح کیوں بے ہوش ہو گئے۔ تعجب ہے کہ تم اس ادھ موئے اور مُشکیں کسی ہوئی قیدی سے یوں بے ہوش ہو کر گر پڑے اور مغلوب ہو گئے اس نے جواب دیا کہ صاحبو! بات یہ ہے کہ جب میں نے غصّہ سے اسکی گردن مارنے کا ارادہ کیا تو اس دیدہ دلیر نے میری طرف عجیب طرح سے دیکھا یعنی اس نے مجھ پر آنکھیں نکالیں اور مجھے گھُورا۔ یہ دیکھ کر میرے حواس غائب ہو گئے۔ اسکی گردشِ چشم مجھے ایک لشکر معلوم ہوتی تھی اور میں نہیں بیان کر سکتا کہ وہ کس قدر ہولناک تھی۔

قصہ مختصر اسکی اس خوفناک آنکھ سے میں بے ہوش ہوا اور زمین پر گرا ہوں اور اسکے سخت اشارہ چشم سے میں آپ میں نہیں رہا اور زمین پر گر پڑا یہ سُنکر اسکے لوگوں نے کہا کہ میاں! ہم تمہیں نصیحت کرتے ہیں کہ اس کمزور ہمت کے ساتھ جو کہ تم کو حاصل ہے لڑائی کے پاس بھی نہ پھٹکنا۔ بلکہ باورچی خانہ اور خانقاہ ہی میں رہنا۔ تاکہ پھر اہل لشکر کے سامنے تمہیں ذلت نہ اٹھانی پڑے کیونکہ جب کہ ایک مشکیں کسی ہوئے قیدی کی آنکھ سے تم ڈوب گئے اور تمہاری کشتی ٹوٹ گئی۔ تو شیران نر کے حملہ میں۔ جہاں کہ تلواروں سے سروں کی وہ حالت ہوتی ہے جو کہ گیند کی۔ اور جہاں کہ گردن زنی کی آوازیں کے مقابلہ میں دھوبیوں کے کپڑے پھیٹنے کی آوازیں محض ہوتی ہیں اور جہاں کہ جان لیوا تیروں کی شائیں شائیں سے ابر آذری کی شائیں شائیں شرمندہ ہوتی ہے تم کب خون میں تیر سکتے

ہو۔ جبکہ تم مردوں کی جنگ سے بالکل ہی ناآشنا ہو۔ وہاں تو یہ حالت ہوتی ہے کہ بہت سے بے سر لاشے تڑپتے ہوتے ہیں۔ اور بہت سے سر خون پر بلبلوں کی طرح تیرتے ہوتے ہیں اور گھوڑوں کے سموں کے نیچے سینکڑوں بہادر فنا ہوجاتے ہیں۔ ایسی صف میں ایسا ہوش جو کہ چوہے سے رخصت ہوگیا کیسے تلوار کھینچ سکتا ہے۔ جناب یہ تو معرکہ ہے۔ شراب خواری نہیں ہے کہ تم بھی آستین چڑھا کر پینے کے لئے تیار ہوجاؤ۔ اور یہ کوئی تیرہ تبرک کا کھانا نہیں کہ خود سے پہلے کھانے کے لیے تیار ہوجاؤ۔ یہاں تلوار کا سامنا ہے اور اس صف میں حمزہ سے بہادر اور لوہے کے کلیجے والے کی ضرورت ہے یہ کوئی مرغن کھانا نہیں ہے کہ جھٹ سے کھالیا جائے۔ یہاں تلوار اور خنجر کا مقابلہ ہے۔ سر کیا چیز ہے۔ یہاں جان سے ہاتھ دھونا پڑتا ہے اس لیئے جنگ میں ان نازک دلوں کا کام نہیں ہے جو کہ ایک خیال سے خیال کی طرح رفو چکر ہوجائیں۔ بس جائیے۔ آپ کیا جہاد کریں گے۔ جہاد کام بہادروں کا ہے نہ کہ عورتوں کا۔ عورتوں کی جگہ تو گھر ہے۔ گھر میں جاکر بیٹھئے۔ قصہ مختصر! تم اس کافر کی آنکھ سے یوں بے خود ہوگئے اور زمین پر گر گئے پس تم جنگ کے قابل نہیں ہو —— یہ تو ایک نام کے صوفی کی حالت تھی۔ اب ہم اصلی صوفیوں کی حالت دکھلاتے ہیں۔ تاکہ کسی کو صوفیوں کی بزدلی کا شبہ نہ ہو۔ اور وہ یہ نہ سمجھے کہ بس تمام صوفی ایسے ہی ہوتے ہیں اچھا سنو!

حکایت عیاضی رحمۃ اللہ علیہ کہ نود بار بغزوہ رفتہ بود سینہ برہنہ و غزاہا کردہ بامیدِ شہید شدن و چوں نومید شد از جہادِ اصغر رُوی بجہادِ اکبر آورد و خلوت گزید ناگہاں آوازِ طبلِ غازیاں شنید نفس از اندروں رنجہ می داشتش سوی غزا و متہم داشتنِ او نفسِ خود را دریں رغبت کہ کرد

حضرت عیاضی رحمۃ اللہ علیہ کی حکایت کہ وہ نوّے بار جہاد میں گئے تھے کُھلے سینے، اور شہید ہو جانے کی امید پر جہاد میں گئے اور جب جہادِ اصغر سے مایوس ہو گئے، تو جہادِ اکبر کا رُخ کیا اور خلوت اختیار کر لی، انھوں نے اچانک غازیوں کے نقارے کی آواز سنی نفس اندر سے جہاد کی جانب مجبور کرنے لگا اور اُن کا نفس کو اس رغبت کے بارے میں متہم بنانا جو اُس نے کی

گفت عیاضی نود بار آمدم — تن برہنہ بوکہ زخمے آیدم

(حضرت) عیاضی نے فرمایا کہ میں نوّے بار پہنچا ننگے بدن، شاید میرے جسم پر کوئی زخم لگے

تن برہنہ می شدم درپیشِ تیر — تا یکے تیرے خورم من جائی گیر

میں تیر کے سامنے ننگے بدن گیا تاکہ کوئی گھس جانے والا تیر کھاؤں

تیر خوردن بر گلو یا مقتلے — در نیابد جز شہیدے مقبلے

گلے یا مقتل پر تیر کھانا سوائے نصیبہ ور شہید کے کوئی نہیں پاتا ہے

بر تنم یک جائگہ بے زخم نیست — ایں تنم از تیر چوں پرویزنیست

میرے جسم پر کوئی جگہ بغیر زخم کے نہیں ہے میرا یہ جسم تیروں کی وجہ سے چھلنی کی طرح ہے

لیک بر مقتل نیامد تیرہا — کارِ بخت است ایں نہ چلدی و دہا

لیکن تیر، مقتل پر نہ پہونچے یہ مقدر کی بات ہے نہ کہ بہادری اور ہوشیاری کی

چوں شہیدی روزیِ جانم نبود — رفتم اندر خلوت و در چلہ زود

چونکہ شہادت، میری جان کی روزی نہ تھی میں جلد خلوت اور چلّہ میں چلا گیا

در جہادِ اکبر افگندم بدن — در ریاضت کردن و لاغر شدن

میں نے جہادِ اکبر میں جسم ڈال دیا محنت کرنے اور لاغر ہونے میں

بانگِ طبلِ غازیاں آمد بگوش — کہ خرامیدند جیشِ غزو کوش

غازیوں کے نقارے کی آواز کان میں آئی کہ جہاد کا کوشاں لشکر روانہ ہو گیا

نفس از باطن مرا آواز داد — کہ بگوشِ حس شنیدم بامداد

میرے نفس نے مجھے اندر سے آواز دی حس کے کان سے صبح کو سُنی

۵۴ عیاضی۔ مشہور بزرگ صوفی ہیں اُن کا نام ابوبکر محمد بن احمد ہے اپنے کسی دادا عیاض کی طرف منسوب ہیں۔ مولانا نے اُن کا قصہ سنا کر سمجھایا ہے کہ ہر صوفی کو اُن صوفی صاحب کی طرح نہ سمجھنا جو ہاتھ بندھے قیدی کی آنکھیں دیکھ کر بے ہوش ہو گئے تھے۔ جہادِ اصغر۔ کافر سے جہاد۔ جہادِ اکبر۔ نفس سے جہاد۔

۵۵ جائگیر۔ گھس جانے والا۔ مقتل۔ بدن کا وہ عضو جس پر چوٹ لگنے سے انسان مرجائے۔ مقبلے۔ با نصیبہ۔ پرویزن۔ چھلنی۔ چلدی۔ بہادری۔ دہا۔ تدبیر۔

۵۶ چوں شہیدی۔ حضرت عیاضی فرماتے ہیں جب مجھے یقین ہو گیا کہ شہادت میرے مقدر میں نہیں ہے تو میں نے خلوت میں چلہ کشی شروع کر دی۔ جیش۔ لشکر۔ غزو۔ گروہ۔

خیز ہنگامِ غزا آمد برو ۔۔۔ خویش را در غزو کردن کن گرو
اٹھ جہاد کا وقت آگیا، جا ۔۔۔ اپنے آپ کو جہاد میں معروف کردے

گفتم[1] اے نفسِ خبیثِ بے وفا ۔۔۔ از کجا میلِ غزا تو از کجا
میں نے کہا، اے بے وفا خبیث نفس! ۔۔۔ تجھے جہاد کی خواہش کہاں سے، کہاں یہ

راست گو اے نفس کایں حیلت گریست ۔۔۔ ورنہ نفسِ شہوت از طاعت بریست
اے نفس! سچ بتا یہ تیری حیلہ بازی ہے ۔۔۔ ورنہ شہوانی نفس عبادت سے بیگانہ ہے

گر نگوئی راست حملہ آرمت ۔۔۔ در ریاضت سخت تر افشارمت
اگر تو سچ نہ کہے گا، میں تجھ پر حملہ کردوں گا ۔۔۔ میں تجھے ریاضت میں سخت دباؤں گا

نفس[1] بانگ آورد آندم از دروں ۔۔۔ با فصاحت بے دہاں اندر فسوں
نفس نے اندر سے آواز دی ۔۔۔ بغیر منہ کے، فصاحت کے ساتھ، جادوگری میں

کہ مرا ہر روز ایں جا می کشی ۔۔۔ جانِ من چوں جانِ گبراں می کشی
کہ تو مجھے ہر روز اس جگہ کھینچ لاتا ہے ۔۔۔ میری جان کو کافروں کی جان کی طرح قتل کرتا ہے

ہیچ کس را نیست از حالم خبر ۔۔۔ کہ مرا تو می کشی بے خواب و خور
کسی کو میری حالت کی خبر نہیں ۔۔۔ کہ تو مجھے بغیر سونے اور کھانے قتل کر رہا ہے

در غزا بجہم بیک زخم از بدن ۔۔۔ خلق بیند مردی و ایثارِ من
میں جہاد میں ایک زخم سے بدن سے بھاگ نکلوں گا ۔۔۔ لوگ میری بہادری اور قربانی دیکھیں گے

گفتم[2] اے نفسک منافق زیستی ۔۔۔ ہم منافق میمری تو چیستی
میں نے کہا اے ذلیل نفس! تو منافق جیا ۔۔۔ منافق ہی مر رہا ہے تو کیا ہے؟

در دو عالم تو چنیں بیہودۂ ۔۔۔ خوار و خود رای و مرائی بودۂ
دونوں جہاں میں تو اس قدر بیہودہ ہے ۔۔۔ تو ذلیل، خود سر اور ریاکار رہا ہے

نذر کردم کہ ز خلوت ہیچ من ۔۔۔ سر برُوں نارم چو زندہ است ایں بدن
میں نے منت مان لی ہے کہ میں خلوت سے کبھی ۔۔۔ باہر نہیں نکلوں گا، جب تک یہ بدن زندہ ہے

زانکہ در خلوت ہر آنچہ تن کند ۔۔۔ نز برای روی مرد و زن کند
اس لئے کہ خلوت میں بدن جو کچھ کرتا ہے ۔۔۔ وہ مرد و عورت کے دکھاوے کیلئے نہیں کرتا ہے

جنبش و آرامش اندر خلوتش ۔۔۔ جز برای حق نباشد نیتش
خلوت میں اس کی حرکت اور سکون ۔۔۔ اللہ (تعالیٰ) کے سوا کیلئے اس کی نیت نہیں ہوتی ہے

این جہادِ اکبرست آں اصغرست[3] ۔۔۔ ہر دو کارِ رستم ست و حیدرست
یہ بڑا جہاد ہے، وہ چھوٹا جہاد ہے ۔۔۔ دونوں کام، رستم اور حیدر کے ہیں

کارِ آنکس نیست کو را عقل و ہوش ۔۔۔ پرد از تن چون بجنبد دمِ موش
اس شخص کا کام نہیں ہے کہ جس کی عقل اور ہوش ۔۔۔ بدن سے پرواز کر جائے جب چوہے کی دم ہلے

---

[2] گفتم۔ میں نے نفس سے کہا، خبیث تجھے جہاد کی رغبت کیوں پیدا ہوئی ہے سچ بتادے ورنہ تجھے بہت کچلوں گا۔

[1] نفس۔ نفس نے جواب دیا تو مجھے یہاں چلہ کشی میں روز کافروں کی طرح قتل کرتا ہے۔ ہیچ کس۔ یہاں تنہائی میں میرے قتل سے کوئی واقف نہیں ہوتا ہے۔ در غزا۔ جہاد میں مروں گا تو یکبارگی مر جاؤں گا اور لوگ بھی میری جان نثاری کو دیکھ لیں گے۔

[2] گفتم۔ میں نے نفس سے کہا تو نفاق کے ساتھ جیا اور اب لوگوں کے دکھاوے کے لئے جہاد کر کے منافق کی موت مرنا چاہتا ہے۔ خوار۔ تو دونوں جہانوں میں ذلیل ہوگا۔ مرائی۔ ریاکار۔ خلوت۔ تنہائی کی جگہ ریاکاری سے خالی ہوتی ہے۔ ایں جہاد اکبر۔ خلوت میں چلہ کشی جہادِ اکبر ہے جو جنید یا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا کام ہے۔

[3] جہادِ اصغر۔ دشمن سے لڑنا، یہ بہادر اور رستم کا کام ہے

کارِ آں کس نیست ایں سودا و جوش — کو ز مُوش و جنبشش گم کرد ہوش

یہ جنون اور جوش اُس کا کام نہیں ہے — جو چوہے اور اُسکے ہلنے سے ہوش گنوادے

آنچناں کس را بباید چوں زناں — دُور بودن از مصاف و از سناں

ایسے شخص کو عورتوں کی طرح چاہئے — میدانِ جنگ اور نیزے سے دور رہنا

صوفیے آں صوفیِ ایں است حیف — آں سوزن کشتہ ایں اطعمہ سیف

ایک صوفی وہ ہے ایک صوفی یہ ہے، عجب افسوس آئے — وہ سُوئی کا مقتول، اِس کی خوراک تلوار ہے

نقشِ صوفی باشد او را نیست جاں — صوفیاں بدنام ہم زیں صوفیاں

وہ صوفی کی تصویر ہے، اُسمیں جان نہیں ہے — اِن صوفیوں سے، صوفی بھی بدنام ہیں

بر در و دیوارِ جسمِ گِل سرشت — حق ز غیرت نقشِ صد صوفی نوشت

مٹی کے بنے ہوئے جسم کے در و دیوار پر — اللہ تعالٰی نے غیرت سے سیکڑوں صوفیوں کی تصویریں بنادیں

تا ز سحر آں نقشہا جنباں شود — تا عصای موسوی پنہاں شود

تاکہ وہ تصویریں جادو سے متحرک رہیں — جب تک موسوی عصا مخفی رہے

نقشہا را می خورد صدقِ عصا — چشمِ فرعونی ست پُر گرد و حصا

ان تصویروں کو لاٹھی کی سچائی نگل جاتی ہے — فرعونی آنکھ ہے جو گرد اور کنکریوں سے پُر ہے

حکایتِ مجاہدِ دیگر و جانبازیِ او در غزا

دوسرے مجاہد، اور جہاد میں اُس کی جان بازی کی حکایت

صوفیِ دیگر میانِ صفِ حرب — اندر آمد بست بار از بہرِ ضرب

جنگ کی صف میں ایک دوسرا صوفی — تلوار بازی کے لئے بیس بار آیا

با مسلماناں بکافر وقتِ کرّ — وانگشت او با مسلماناں بفرّ

مسلمانوں کیساتھ (ہوتا تھا) کافر پر حملہ کیوقت — فرار کے وقت وہ مسلمانوں کیساتھ نہ پلٹتا تھا

زخم خورد و بست زخمے را کہ خورد — بارِ دیگر حملہ آورد و نبرد

زخم کھاتا اور جو زخم کھاتا اُس کی بندش کرتا — دوسری بار حملہ اور جنگ شروع کرتا

تا نمیرد تن بیک زخم از گزاف — تا خورد او بست زخم اندر مصاف

تاکہ جسم ایک زخم سے خواہ مخواہ نہ مرجائے — یہانتک کہ وہ جنگ میں بیس زخم کھائے

حیفش آمد کہ بزخمے جاں دہد — جاں ز دستِ صدقِ او آساں رہد

اُسکو افسوس ہوتا کہ وہ ایک زخم سے جان دیدے — جان اسکی سچائی کے ہاتھ سے آسانی سے چھوٹ جائے

کارِ آں کس۔ جہادِ اکبر اور جہادِ اصغر اُس بُزدل کا کام نہیں ہے جو چوہے کی دُم سے ڈرے۔ آنچناں۔ اُس شخص کو عورتوں کی طرح خانہ نشیں ہوجانا چاہیے۔

۱۵ آں۔ یعنی وہ صوفی جو دست بستہ کافر سے مغلوب ہوگیا۔ ایں۔ یعنی حضرت عیاضی۔ ۱۶ نقش۔ وہ بُزدل صوفی صوفیوں کو بدنام کرنے والا ہے۔ بر در۔ انسانی جسم کی دیوار پر اللہ تعالٰی نے غیرت کیوجہ سے بہت سے صوفیوں کی تصویریں بنادی ہیں تاکہ اسکے محبوب صوفی اِن تصویروں میں مخفی رہیں۔

۱۷ تا ز سحر۔ یہ تصویریں بعض جادوگری سے متحرک رہیں اور صوفیانہ حرکات کررہی ہیں یہ اسی وقت تک ہے جب تک حقیقی صوفی جلوہ گر نہیں ہوتا ہے اُس کی جلوہ گری اِن سب کو ہضم کرجائے گی۔

حکایت۔ اس میں بھی ایک صوفی کی بہادری کے کارنامے ذکر کئے ہیں۔ ضرب۔ تلوار بازی کرنا اقدامی حملہ۔ فر۔ پسپائی۔

۱۸ زخم۔ اس کے ایک زخم لگتا تو فوراً مرہم پٹی کرکے حملہ آور ہوجاتا تاکہ ایک ہی زخم سے موت نہ آجائے۔

حکایتِ آں مجاہد کہ از ہمیانِ سیم ہر روز یک درم در خندق

اُس مجاہد کی حکایت جو چاندی کی تھیلی سے، ہر روز ایک درہم خرچ بناکر خندق میں

انداختے بتفاریق از بہرِ ستیزۂ حرص و آرزوی نفس

پھینک دیتا نفس کی آرزو اور لالچ سے جنگ کے لئے

و وسوسۂ نفس کہ چوں می اندازی بخندق بارے یک بار

اور نفس کی تمنا یہ کہ تو جب کہ خندق میں پھینکتا ہے، اب ایک بار

بینداز تا خلاص یابم کہ[1] اَلْیَاسُ اِحْدَی الرَّاحَتَیْن و او

پھینک دے تاکہ میں چھٹکارا پا جاؤں، کیونکہ مایوسی بھی دو راحتوں میں سے ایک راحت ہے اور وہ

میگفت مر نفس را کہ ترا ایں راحت ہم ندہم

نفس سے کہتا تھا، کہ میں تجھے یہ راحت بھی نہ دوں گا

آں یکے بُودش بکف چِل درم — **ہر شب افگندے یکے در آبِ یم**

ایک (صوفی) کے ہاتھ میں چالیس درہم تھے — وہ ہر رات کو ایک دریا کے پانی میں پھینک دیتا

تا کہ گردد سخت بر نفسِ مجاز — **در تانّی دردِ جاں کندن دراز**

تاکہ جھوٹے نفس پر سخت بن جائے — جان کنی کا دراز درد، سست روی میں

نفسِ اُو فریاد کردے ہر شبے — **در فتادے زار در تاب و تبے**

اُس کا نفس ہر رات کو فریاد کرتا — تکلیف اور مصیبت میں لاغر ہوتا

کیں[2] چرا می نفگنی یک بارگی — **کُشتیم در غُصّہ و بیچارگی**

کہ تو ایک بار کیوں نہیں پھینک دیتا ہے؟ — تونے مجھے رنج اور مجبوری میں مار ڈالا

بہرِ حق یکبارگی بگذار دین — **نفس را اَلْیَاسُ اِحْدَی الرَّاحَتَیْن**

خدا کے لئے ایک مرتبہ میں قرض اتار دے — نفس کا، کیونکہ مایوسی دو راحتوں میں سے ایک ہے

اُو نگشتے ملتفِت مر نفس را — **ہمچنیں کُشتے مر اُو را در عنا**

وہ نفس کی جانب متوجہ نہ ہوتا — اُس کو اسی طرح مصیبت میں مارتا

ہمچنیں آں صوفی اندر صفِ جنگ — **بہرِ حق بگرفتہ بُد بر نفس تنگ**

اسی طرح اُس صوفی نے جنگ کی صف میں — اللہ (تعالٰی) کیلئے نفس پر سخت گرفت کر رکھی تھی

با[3] مسلماناں بکرّ اُو پیش رفت — **وقتِ فرّ اُو وا نگشت از خصم تفت**

حملے کے وقت مسلمانوں کے ساتھ وہ آگے بڑھتا — پسپائی کے وقت دشمن سے جلد پیچھے نہ ہٹتا

زخمِ دیگر خورد آں را ہم بہ بست — **بیست کرّت رُمح و تیر از وے شکست**

دوسرا زخم کھایا اُس کو بھی باندھا — بیس مرتبہ نیزے اور تیر اُس پر ٹوٹے

بعد ازاں قوّت نماند افتاد پیش — **مقعدِ صدق اُو ز صدقِ عشقِ خویش**

اُسکے بعد طاقت نہ رہی، سامنے گر گیا — اپنی سچائی کی جگہ میں، اپنے عشق کی سچائی کی وجہ سے

حکایت۔ جس طرح پہلے مجاہد یکبارگی مرنا نہ چاہتے تھے بلکہ بار بار زخم کھاکر جان دینا چاہتے تھے اسی طرح یہ مجاہد یکبارگی سرمایہ تلف نہ کرتے تھے بلکہ نفس کو بار بار تکلیف پہنچانے کے لئے روز مرہ ایک درہم تلف کرتے تھے۔

[1] اَلْیاس۔ مقصد پورا ہونے سے بھی راحت ملتی ہے اور مقصد سے بالکل مایوس ہونے سے بھی نفس کو راحت ملتی ہے۔ یَم۔ دریا مجاز۔ یعنی حقیقت سے غافل تانّی۔ آہستہ روی۔ نفس۔ اس صوفی کا نفس درہم کو دریا میں پھینکنے کی وجہ سے ہر شب فریاد کرتا۔

[2] کیں۔ اور یہ کہتا کہ درہموں کو پھینکنا ہے تو ایک دفعہ پھینک دے۔ کُشتیم۔ تو مرا کشتی۔ کہ الیاس۔ اگر یکبارگی مایوسی ہو جائے تو سکون مل جاتا ہے۔ ملتفت۔ متوجہ۔ عنا۔ مشقت۔ ہمچنیں۔ اسی طرح اُس صوفی نے نفس کی گرفت کر رکھی تھی ایک زخم کھاکر شہید نہ ہونا چاہتا تھا۔

[3] با مسلماناں۔ مسلمانوں کے حملہ کے وقت آگے بڑھتا لیکن پسپائی کے وقت جلد پسپا نہ ہوتا دشمن کے مقابلے میں جما رہتا۔ کرّت۔ مرتبہ۔ رُمح۔ نیزہ۔ مقعدِ صدق۔ قرآن پاک میں نیکوں کی روحوں کے بارے میں ہے وہ سچائی کی جگہ ہوں گی صاحبِ قدرت خدا کے پاس۔

صدقِ[1] جاں دادن بود ہیں سابقوا | انفِ برخواں رجالٌ صدقوا

سچائی، جان دیدینا ہوتی ہے، خبردار! آگے بڑھو | قرآن میں سے رجالٌ صدقوا پڑھ لے

ایں ہمہ مُردن نہ مرگِ صورتست | ایں بدن مر روح را چوں آلتست

یہ کامل موت نہ صرف جسم کی موت ہے | یہ بدن، روح کے لئے آلہ کی طرح ہے

اے بسا خامے کہ ظاہر خونش ریخت | لیک نفسِ زندہ آں جانب گریخت

بہت سے ناقص ہیں کہ انھوں نے اپنا ظاہر (جسم) بہا دیا | لیکن زندہ نفس اُس جانب بھاگ گیا

آلتش[2] بشکست رہزن زندہ ماند | نفس زندہ است ارچہ مرکب خوں فشاند

اُس کا آلہ ٹوٹا اور ڈاکو زندہ رہا | نفس زندہ ہے اگرچہ سواری نے خون چھڑک دیا

اسپ کشتہ و رہ نرفت آں خیرہ سر | ماند خام و زشت و از حق بے خبر

گھوڑا مار ڈالا اور اس بیوقوف نے راستہ طے نہ کیا | اللہ تعالیٰ سے بے خبر کچا اور بھدا رہ گیا

گر بہر خونریزیِ گشتے شہید | کافرِ کشتہ بُدے ہم بوسعید

اگر ہر خون بہانے سے شہید بنا کرتا | مقتول کافر بھی بوسعید ہوتا

اے[3] بسا نفسِ شہیدِ معتمد | مُردہ در دنیا چو زندہ میرود

بہت سے بھروسے کے شہید نفس ہیں | مرے ہوئے، دنیا میں زندہ کی طرح چلتے پھرتے ہیں

روحِ رہزن مُرد و تن کہ تیغ اوست | ہست باقی در کفِ آں غزو دوست

ڈاکو نفس مرگیا اور جسم جو کہ اس کی تلوار ہے | جہاد کے شائق کے ہاتھ میں باقی ہے

تیغ آں تیغست مرد آں مرد نیست | لیک ایں صورت ترا حیراں کنیست

تلوار وہی تلوار ہے، مگر وہ مرد نہیں ہے | لیکن یہ صورت تجھے حیران کرنیوالی ہے

نفس چوں مبدل شود ایں تیغ تن | باشد اندر دستِ صنعِ ذوالمنن

نفس جب بدل جاتا ہے، یہ جسم کی تلوار | اللہ تعالیٰ کی کاریگری کے ہاتھ میں ہوتی ہے

آں یکے مردیست قوتش جملہ درد | ویں دگر مردے میاں تی ہمچو گرد

ایک وہ مرد ہے جسکی ساری خوراک درد ہے | اور یہ دوسرا مرد ہے جسکی کمر گرد کی طرح خالی ہے

---

[1] صدق. پہلی آیت میں جو صدق آیا ہے اُسکا مطلب اللہ کے راستہ میں جان دینا ہے. صدقوا قرآن پاک میں ہے مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ یعنی بعض مومن وہ ہیں جنھوں نے اس معاہدہ کو سچ کر دکھایا جو انھوں نے اللہ تعالیٰ سے کیا یعنی راہِ خدا میں شہید ہوگئے۔ ایں ہمہ. راہِ خدا میں مرنا، جسم کا مرنا نہیں ہے کیونکہ یہ تو روح کا ایک آلہ ہے بلکہ اوصافِ رذیلہ کا ازالہ اور نفس کو مٹانا ہے۔ اے بسا. بہت سے ایسے لوگ ہیں جو جہاد میں مرتے ہیں لیکن اُن کا نفس زندہ رہتا ہے تو وہ راہِ خدا میں نہیں مرے.

[2] آلتش. نفس کا زندہ رہنا اور جسم کا مرجانا تو ایسا ہی ہے جیسے ڈاکو زندہ رہے اور اُس کا ہتھیار یا گھوڑا فنا ہوجائے۔ اسپ. اس شخص کی مثال تو اُس شخص کی سی ہے جو منزل پر پہنچنے سے پہلے گھوڑے کو مار ڈالے۔ گر بہر خونریزی. اگر محض خون بہا دینا شہادت ہو تو ہر کافر جو جنگ میں مرے اسکو شہید کہو. بوسعید نیک بخت یا حضرت ابوسعید ابوالخیرؒ.

[3] اے بسا. جن لوگوں نے نفس کشی کرلی ہے اُنکا نفس مُردہ ہوچکا ہے لیکن وہ دنیا میں زندہ چلتے پھرتے ہیں۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا، جو کسی مُردہ کو چلتا پھرتا دیکھنا چاہے وہ ابوبکرؓ کو دیکھ لے۔ روح. جو نفس راہزن تھا وہ مرگیا ہے اُسکی جو تلوار تھی یعنی جسم وہ اس مجاہد کے ہاتھ میں باقی ہے۔ تیغ. یعنی جسم تو وہی ہے لیکن اب وہ شخص نہیں ہے وہ اپنے آپکو فنا کر کے بقا باللہ حاصل کرچکا ہے. نفس. اگرچہ وہ شخص نہیں رہا لیکن اب یہ تلوار اللہ تعالیٰ کے دستِ قدرت کا کام کرتی ہے.

شرح ابو بکر محمد بن احمد عیاضی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نوے مرتبہ جہاد میں تن برہنہ شریک ہوا۔ تاکہ شاید میرے کوئی زخم کاری لگ جائے اور میں شہید ہو جاؤں اور میں بالکل ننگا تیر کے سامنے چلا جاتا تھا تاکہ کوئی تیر میرے کاری لگ جائے لیکن امر مقدر نہ تھا کہ میرے گلے پر کسی ایسی جگہ تیر لگے جس سے میں مر جاؤں اسلئے کسی ایسی جگہ نہ لگا ــــ بات یہ ہے کہ شہادت کسی صاحب اقبال شخص کو ہی ملتی ہے ہر ایک کو نہیں ملتی۔ چنانچہ میرے جسم میں ایک جگہ بھی ایسی نہیں ہے جہاں تیر نہ لگا ہو اور یہ میرا جسم تیروں سے چھلنی ہو رہا ہے لیکن کسی ایسی جگہ تیر نہیں لگا جہاں لگنے سے میں مر جاتا۔

پس معلوم ہوا کہ شہادت قسمت سے ملتی ہے اور شجاعت دلیری سے نہیں ملتی (فائدہ: جلدی جلادت سے ماخوذ ہے نہ کہ بمعنی عجلت واللہ اعلم) پس جبکہ شہادت مجھے میسر نہ ہوئی تو اس وقت میں نے یہ کیا کہ خلوت اور چلہ کشی اختیار کی اور میں نے جہاد اکبر میں مشغول ہو کر جسم کو مشقت ریاضت میں ڈال دیا اور اسے گھلانا شروع کیا اسکے بعد یہ واقعہ پیش آیا کہ ایک روز غازیوں کے نقارہ کی آواز میرے کان میں آئی جس سے میں سمجھا کہ لشکر مجاہدین جہاد کے لیے جا رہے ہیں اس وقت نفس نے میرے اندر سے مجھے آواز دی جس کو میں نے بوقت صبح اپنے گوش حس سے سنا (فائدہ: واضح ہو کہ نفس کی آواز گوش حس سے محسوس نہیں ہوتی اسلئے بگوش حس شنیدم محمول بر مجاز ہوگا۔ یعنی وہ آواز اتنی صاف تھی کہ اگر میں اسکی نسبت یہ دعوی کروں کہ میں نے اسکو گوش حس سے سنا تو کر سکتا ہوں) اور یہ کہا کہ جہاد کا وقت آگیا ہے اٹھ اور چل اور اپنے کو جہاد میں محبوس کر۔ اس پر میں نے اسے کہا کہ او بے وفا اور خبیث نفس کہاں تو اور کہاں رغبت جہاد۔ سچ بتا کہ اس میں تیری کیا شرارت ہے کیونکہ یقیناً اس میں تیری کوئی چال ہے۔

ورنہ نفس شہوت پرست کو اطاعت حق سے کیا علاقہ۔ دیکھ اگر تو سچ سچ نہ کہے گا تو میں تجھ پر حملہ کروں گا۔ اور ریاضت میں تجھے خوب دباؤں گا۔

یہ سُنکر نفس کی اندر سے بدوں منہ کے صاف الفاظ میں یہ جادو بھری بات کہی کہ تو مجھے ہر روز یہاں مارتا ہے اور میری جان کو کافروں کی طرح ہلاک کرتا ہے اور عالم میں میری حالت کی کسی کو خبر نہیں کہ تو مجھے بے خواب و خور کے مارتا ہے پس میں نے سوچا کہ جہاد میں میرے لیے دو فائدہ ہیں اوّل یہ کہ میں ہر روز کی مصیبت سے چھوٹ جاؤں گا اور صرف ایک زخم سے جسم سے الگ ہو جاؤں گا۔ اور دوسرے یہ کہ ایسا کرنے سے لوگ میری مردانگی اور میرا موت کو حیات پر ترجیح دینا دیکھیں گے جس سے میرا نام ہوگا۔

اس پر میں نے کہا کہ او پاجی نفس! تو زندہ بھی رہا تو نفاق کی حالت میں اور مرتا بھی ہے تو نفاق میں۔ کم بخت تو کون بلا ہے۔ تو سراسر ذلیل اور خود رائے اور ریاکار ہے اور حالت حیات و حالت موت دونوں حالتوں میں تو اس قدر بیہودہ ہے۔ اچھا اب میں عہد کرتا ہوں کہ جب تک حیات جسمانی باقی ہے میں بلا ضرورت شرعیہ خلوت سے نہ نکلوں گا کیونکہ خلوت میں جو کچھ آدمی کرتا ہے وہ لوگوں کے دکھاوے کی وجہ سے نہیں کرتا۔ اور حرکت یا سکون خلوت میں جو کچھ بھی ہوتا ہے اس میں اس کی نیت بجز رضائے حق کے اور کچھ نہیں ہوتی اسلیے یہ جہاد اکبر ہے اور جہاد معروف جہاد اصغر۔ لیکن یہ دونوں کام ارباب ہمت عالیہ مثل رستم و حیدر سے تعلق رکھتے ہیں اور جہاد اصغر کا اصغر ہونا بہ نسبت جہادِ اکبر کے ہے نہ یہ کہ وہ فی نفسہٖ کوئی معمولی چیز ہے) اور ان لوگوں کا کام نہیں ہے جن کی عقل اور ہوش چوہے کی دم کی حرکت سے رفوچکر ہو جائے۔ اور یہ خیال و جوشش ان لوگوں کا کام نہیں ہے جو چوہے کی حرکت سے حواس کھو بیٹھیں۔ اسلیے ایسے لوگوں کو چاہیئے کہ وہ معرکہ اور سنان و خنجر وغیرہ سے الگ رہیں۔

اس واقعہ سے تم سمجھو کہ ایک تو وہ نامرد صوفی تھا اور ایک یہ صوفی ہیں اور یہ تفاوت نہایت قابل افسوس ہے وہ تو سوئی سے مرگیا اور یہ تلواریں کھاتے ہیں۔ بہ بیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا۔ اصل بات یہ ہے کہ وہ جسم صوفی تھا اور جان صوفی

اُس میں نہ تھی۔ ایسے ہی صوفیوں نے صوفیوں کو بدنام کیا ہے اور ایسے ہی لوگوں کے سبب صوفی لوگ بدنام نہیں۔ تم کو واضح ہو کہ حق سبحانہٗ نے جسم خاکی کی دیواروں پر باقتضائے غیرت صوفیوں کے سینکڑوں تصویریں بنا دی ہیں۔ تاکہ وہ تصویریں جادو سے حرکت کریں اور عصائے موسوی مخفی ہو جائے (یعنی غیرت خداوندی نے نہ چاہا کہ حقیقی صوفیوں کو بالکل ممتاز کر دیا جائے اسلئے اس نے بہت سے مصنوعی صوفی بنائے اور اصلی صوفیوں کو ان میں چھپا دیا۔ تاکہ ہر شخص بدوں طلب کے ان کو نہ پا سکے اور طالبین اور غیر طالبین میں امتیاز ہو جائے) یہ ضروری بات ہے کہ عصائے موسوی (حقیقی صوفی) ان جادو کے پتلوں (مصنوعی صوفیاں) میں مخفی ہے لیکن اس کا خفا تلبیس کی حد تک نہیں پہنچا۔ بلکہ اسکی اصلیت ظاہر ہے کیونکہ اس عصا کا صدق ان جادوں کے پتلوں کو کھا رہا ہے یعنی اہل اللہ کی حقانیت دھوکہ بازوں کے فریب کو ظاہر کر رہی ہے۔

اب رہی یہ بات کہ پھر لوگوں کو ان کا صدق کیوں نہیں دکھلائی دیتا سو اسکی وجہ یہ ہے کہ وہ چشم فرعونی یعنی غیر طالب حق آنکھ رکھتے ہیں جو کہ تعصب و عناد و تقلید آبائی وغیرہ کی گرد اور کنکریوں سے پر ہے اسلئے وہ آنکھ کھول کر دیکھتے ہی نہیں تاکہ اُنہیں ان کا صدق دکھلائی دے۔

اچھا اب اصلی صوفیوں کی ایک اور حکایت سُنو۔ ایک اور صوفی بیس دفعہ صف جنگ میں بوقت حملہ ضرب کفار کے لیے مسلمانوں کے ساتھ گیا مگر واپسی کے وقت وہ ان کے ساتھ نہیں لوٹا بلکہ برابر لڑتا رہا اور جب کوئی زخم اس کے لگتا تھا تو وہ اسے باندھ کر پھر حملہ کرتا تھا۔

حاصل یہ ہے کہ وہ جنگ میں اپنے بچاؤ کے پہلو کو مدنظر نہ رکھتا تھا بلکہ خوب دل کھول کر لڑتا تھا اور مقصود اس کا یہ تھا کہ میں ایک زخم سے نہ مروں بلکہ مجھ پہ بہت سے زخم لگیں اور اس وقت مروں کیونکہ اسنے اس امر کو قابل افسوس سمجھا کہ ایک زخم سے جان دیدے اور جان اسکی ہاتھ سے یوں آسان

نکل جائے۔ ایک شخص کا قصہ ہے کہ اسکے پاس چالیس روپیہ تھے اور وہ رات کو ایک روپیہ کنوئیں میں ڈال دیتا تھا تاکہ نفس گرفتار مجاز پر اس توقف میں خوب سختی ہو اور اسکو جانکنی کی مصیبت خوب جھیلنی پڑے اس سے اسکا نفس فریاد کرتا تھا۔ اور ہر رات پیچ و تاب میں گرفتار ہوتا تھا اور کہتا تھا کہ ارے تو سب کو ایک مرتبہ ہی کیوں نہیں ڈال دیتا تو نے مجھے رنج اور سختی سے مار ڈالا۔ خدا کے لیے تو ایک مرتبہ یہ ہی قرض اتار دے اور سب کو ایک دفعہ ہی کنوئیں میں ڈالدے کیونکہ میرے لیے ناامیدی بھی ایک راحت ہے پس ایسا کرنے سے مجھے روپیوں سے ناامیدی ہوجائے گی اور راحت حاصل ہوجائے گی مگر وہ نفس کی بات نہ سنتا تھا اور یوں ہی اسے تکلیف سے مارتا تھا پس یونہی وہ صوفی جنگ میں خدا کے لیے نفس پر سختی کر رہا تھا کہ مسلمانوں کے ساتھ یہ حملہ کے لئے آگے بڑھتا تھا لیکن واپسی کے وقت دشمن کی فوج سے جلدی نہ لوٹتا تھا اور جب کوئی اور زخم اس کے لگتا تھا تو اسکو بھی باندھ لیتا تھا۔

قصہ مختصر اسکے بیس مرتبہ نیزہ اور تیر ٹوٹے اسکے بعد اس میں قوت نہ رہی اور آگے کی جانب گر گیا اور اپنے عشق صادق کی بدولت مقعد صدق میں یعنی ایسی جگہ پہنچ گیا جو صدق کے لیے مخصوص ہے۔.....

تم سمجھتے ہو کہ صدق کیا چیز ہے۔ اچھا لو ہم بتلاتے ہیں صدق کی حقیقت ہے جان نثاری اور جانبازی۔ اگر اسکی تصدیق چاہتے ہو تو قرآن میں من المؤمنین رجال صدقوا ما عاھدوا اللہ علیہ فمنھم من قضٰی نحبہ ومنھم من ینتظر پڑھو جس کا حاصل یہ ہے کہ مسلمانوں میں کچھ ایسے لوگ ہیں جو اپنے اس عہد میں سچے اترے۔ جو انہوں نے خدا سے کیا تھا یعنی خوب داد جانبازی دی۔

اب وہ دو قسم کے ہیں کچھ لوگ تو شہید ہوگئے اور کچھ منتظر شہادت ہیں

پس اس آیت میں حق سبحانہ نے جان بازی کو صدق اور وفا سے تعبیر فرمایا ہے اس سے صدق کی حقیقت معلوم ہوگئی پس لوگو تم جان بازی کی طرف سبقت کرو اور خدا کی راہ میں جان دیدو لیکن یہ یاد رہے کہ خدا کی راہ میں جان دینا اس کا نام نہیں ہے کہ اس کا جسم فنا ہوجائے جس کو مرگ صوری اور ظاہری کہنا چاہیئے۔ کیونکہ اصل چیز تو روح ہے۔ رہا بدن سو وہ تو اس کا آلہ ہے پس بدن کا فنا ہونا مرنا نہیں ہوسکتا مرنا تو روح کا ہے جب روح مرجائے یعنی خودی کو چھوڑدے اس وقت کہا جائے گا کہ یہ شخص مرگیا۔ پس بہت سے احمق تو ایسے ہوتے ہیں کہ وہ اپنے جسم کو فنا کردیتے ہیں مگر ان کا نفس زندہ ہوتا ہے اور بچ کر نکل جاتا ہے اور راہزن کا آلہ ٹوٹ جاتا ہے مگر اصل راہزن زندہ ہوتا ہے اور نفس زندہ ہوتا ہے مگر اس کی سواری یعنی جسم اپنا خون بہادیتی ہے اور وہ اپنا گھوڑا تو ماردیتا ہے مگر منزل طے نہیں کرتا۔

یعنی وہ ناقص اور بُرا اور خدا سے بے خبر ہوتا ہے اور وہ آلہ جس سے وہ اپنی اصلاح کرسکتا تھا۔ کھو بیٹھتا ہے سو اس سے زیادہ کیا حماقت ہوگی اور ایسے مرنے سے کیا فائدہ ہوسکتا ہے اگر ہر قتل ہونے میں آدمی شہید ہوا کرتا تو کافر مقتول بھی سعید ہوتا۔ اور شقی نہ ہوتا۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے۔

پس ثابت ہوا کہ صرف جسم کا فنا کرنا شہادت نہیں ہے اور بہت سے شہید لوگ دنیا میں مرچکتے ہیں مگر زندوں کی طرح چلتے پھرتے ہیں یعنی ان کی روح راہزن مرجاتی ہے اور جسم جو کہ اسکی تلوار ہے وہ ایک غازی کے ہاتھ میں ہوتی ہے پس تلوار تو وہی ہوتی ہے لیکن آدمی وہ نہیں ہوتا۔ مگر یہ بات تمہاری سمجھ میں نہ آئے گی اور اسکو سُن کر تمہیں حیرت ہوگی۔ اسلئے ہم اس کی توضیح کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جب آدمی کی صفات ذمیمہ فنا ہوجاتی ہے اور وہ متخلق باخلاق اللہ ہوجاتا ہے تو اس وقت وہ شخص وہ نہیں رہتا

جو پہلے تھا بلکہ اسکی کایا پلٹ ہو جاتی ہے اور اسوقت اس کا ہاتھ گویا کہ خدا کا ہاتھ ہو جاتا ہے۔ اور وہ تلوار (جسم) جو اس وقت اسکے ہاتھ میں ہوتی ہے وہ گویا کہ خدا کے ہاتھ میں ہوتی ہے اس سے تم کو سمجھنا چاہیئے کہ اصل شہادت ترک خودی اور فنا فی اللہ ہے اور اسکو حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔

خیر یہ مضمون تو استطرادی تھا اب ہم قصہ ہائے سابق کی طرف عود کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ صوفیوں کے قصوں سے یہ نتیجہ نکلا کہ کچھ مرد تو ایسے ہوتے ہیں جس کی غذا راہ خدا میں تکلیف اٹھانا ہوتا ہے جیسے عیاضی وغیرہ اور کچھ مرد ایسے ہوتے ہیں دیکھنے میں مرد معلوم ہوتے ہیں۔ مگر اندر سے خالی اور مثل گرد بے حقیقت ہوتے ہیں جیسے کہ وہ صوفی غازی جو بے ہوش ہو کر گر پڑا تھا اس پر ہم کو قصہ یاد آگیا۔ سنو!

صفت کردنِ مردِ غمّاز و نمودنِ صورتِ کنیزکِ مصوّر

ایک چغلخور کا خوبی بیان کرنا اور کاغذ پر بنی ہوئی ایک لونڈی کی تصویر دکھانا

در کاغذ و عاشق شدنِ خلیفۂ مصر بر نقشِ آں کاغذ و فرستادنِ

تصویر دکھانا اور اس کاغذ کی تصویر پر مصر کے خلیفہ کا عاشق ہو جانا اور خلیفہ کا ایک

خلیفہ امیرے با سپاہِ گراں بدرِ موصل و قتل و ویرانی

سردار کو بھاری لشکر کے ساتھ موصل کے دروازے پر بھیجدینا اور اس مقصد کیلئے بہت

بسیار کردن بہرِ ایں غرض

قتل اور تباہی کرنا

مر خلیفۂ مصر را غمّاز[1] گفت ۔ کہ شہِ موصل بحورے گشت جفت
چغلخور نے مصر کے خلیفہ سے کہا ۔ کہ موصل کے بادشاہ کو ایک حور مل گئی ہے

یک کنیزک دارد او اندر کنار ۔ کہ بعالم نیست مانندش نگار
وہ آغوش میں ایک کنیز رکھتا ہے ۔ اُس جیسی حسینہ دنیا میں نہیں ہے

در بیاں ناید کہ حُسنش بیحد ست ۔ نقشِ او اینست کاندر کاغذ ست
بیان نہیں ہو سکتا کیونکہ اُس کا حسن بیحد ہے ۔ اُس کی تصویر یہ ہے جو کاغذ پر ہے

[1] غمّاز: چغلخور۔ بحورے۔ یعنی موصل کے بادشاہ کے پاس ایک حور صفت لونڈی ہے۔ کنار۔ پہلو۔ نگار: حسین۔ کیقباد: کے معنی مالک قباد۔ بمعنی برحق۔ شاہ ایران کا نام ہے جو بڑا عیاش تھا اور سو سال اُس نے حکومت کی اب مطلقاً منصف بادشاہ کے معنی میں بولا جاتا ہے۔

[2] پہلوانے۔ شاہ مصر نے بہادر سردار کو بھاری لشکر دے کر موصل روانہ کر دیا موصل صاد کے زیر کے ساتھ عراق اور جزیرہ کے درمیان ایک شہر ہے۔ آں ماہ: حسین لونڈی۔

نقش دُرکاغذ چو دید آں کیقباد | خیرہ گشت و جام از دستش فتاد

اُس بادشاہ نے کاغذ پر اُسکی تصویر دیکھی | حیران ہوگیا اور اُسکے ہاتھ سے جام گرگیا

پہلوانے را فرستاد آں زماں | سُوئے موصل با سپاہ بس گراں

فوراً ایک بہادر کو بھیج دیا | بہت بھاری لشکر کے ساتھ موصل کی جانب

گفت اگر ندہد بتو آں ماہ را | برکن از بن آں در و درگاہ را

کہا اگر وہ اُس چاند کو تیرے حوالے نہ کرے | اُس در اور درگاہ کو جڑ سے اُکھاڑ ڈال

ور دہد ترکش کن و مہ را بیار | تا کشم[1] من بر زمیں مہ در کنار

اور اگر دیدے اُس کو چھوڑ اور چاند کو لے آ | تا کہ میں چاند کو زمین پر بغل میں لوں

پہلواں شد سُوئے موصل با حشم | با ہزاراں رستم و طبل و علم

بہادر خادموں کے ساتھ موصل کیجانب روانہ ہوا | ہزاروں بہادروں اور نقارے اور جھنڈے کیساتھ

چوں ملخہائے عدد بر گرد کشت | قاصدِ اہلاکِ اہلِ شہر گشت

کھیتی کے چاروں طرف کی اَن گنت ٹڈیوں کی طرح | شہریوں کے ہلاک کرنے کا ارادہ کرنیوالا بنگیا

ہر نواحے منجنیقے از نبرد | ہمچو کوہِ قاف اُو بر کار کرد

جنگ کے لئے ہر جانب ایک گوپھن | کوہ قاف جیسی اُس نے کام پر لگا دی

زخمِ تیر و سنگہائے منجنیق | تیغہا در گرد چوں برق از بریق[1]

تیروں کے زخم اور گوپھن کے پتھر | غبار میں تلواریں چمک رہی جیسے بجلی کی طرح

ہفتۂ کرد ایں چنیں خونریز گرم | بُرجِ سنگیں سست شد چوں مومِ نرم

ایک ہفتہ اُس نے اِسی طرح خونریزی گرم رکھی | پتھریلا برج، نرم موم کی طرح کمزور پڑگیا

شاہِ موصل دید پیکارِ مہول | پس فرستاد از دروں پیشش رسول

موصل کے بادشاہ نے خوفناک جنگ دیکھی | تو اندر سے اُس کے پاس قاصد بھیجا

کہ[2] چہ میخواہی زخونِ مومناں | کشتہ میگردند زیں حربِ گراں

کہ مومنوں کی خونریزی سے تو کیا چاہتا ہے؟ | جو ایں بھاری جنگ سے مر رہے ہیں

گر مرادت مُلک و شہرِ موصل ست | بے چنیں خونریز اینت حاصل ست

اگر تیرا مقصود مُلک اور موصل شہر ہے | بغیر خونریزی کے یہ تجھے حاصل ہے

من رَوَم بیرونِ شہر اینک دَر آ | تا نگیرد خونِ مظلوماں تُرا

میں شہر سے باہر چلا جاتا ہوں لے تو اندر آجا | تا کہ مظلوموں کا خون تجھے نہ پکڑے

ور مرادت مال و زر و گوہر ست | ایں ز مُلک و شہر خود آساں تر ست

اگر تیرا مقصد مال اور سونا اور جواہر ہیں | یہ سلطنت اور شہر سے خود آسان ہیں

ہر چہ می باید تُرا از سیم و زر | میفرستم چیست ایں آشوب[3] و شر

تجھے جو چاندی اور سونا چاہئے | میں بھیجتا ہوں یہ فتنہ اور شر کیا ہے؟

---

[1] تاکشم۔ وہ آسمان کا چاند ہے لیکن میں اُس سے زمین پر بغلگیر ہوں گا۔ رستم مطلقاً پہلوان۔ بہترینا ہے۔ اُس سردار نے موصل کے چاروں طرف گوپھنیں قائم کردیں جو کوہ قاف کی طرح بلند تھیں۔

[1] بریق چمک۔ ہستہ سنگیں۔ یعنی اُس موصل کے بادشاہ کا قلعہ موم کی طرح بن گیا۔ مہول۔ خوفناک۔ رسول قاصد

[2] کہ چہ۔ موصل کے بادشاہ نے قاصد کے ذریعہ پہلوان سے کہلایا کہ حملے سے تیرا کیا مقصد ہے۔ اینت۔ ایں تُرا۔ ایں زملک۔ جب میں سلطنت چھوڑنے کو تیار ہوں تو روپیہ پیسہ دینا تو بہت آسان ہے

[3] آشوب۔ فتنہ ہلاکت۔ یعنی موصل کا بادشاہ۔ گفت۔ پہلوان نے کہا۔ صاحب جمال۔ یعنی لونڈی۔

ایثار کردنِ صاحبِ موصل آں کنیزک خود را بخلیفۂ مصر تا خوں ریزیِ مسلماناں زیادہ نہ شود

موصل کے حاکم کا اپنی لونڈی کو خلیفۂ مصر کو دے دینا تاکہ مسلمانوں کی خونریزی زیادہ نہ ہو

چوں رسول آمد بہ پیشِ پہلواں — گفت پیغامِ ملک اندر زماں

جب قاصد، پہلوان کے سامنے آیا — اس نے فوراً بادشاہ کا پیغام پہنچا دیا

گفت من نے ملک میخواہم نہ مال — لیک میجویم یکے صاحب جمال

اس نے کہا نہ میں ملک چاہتا ہوں، نہ مال — لیکن ایک حسین کا جویاں ہوں

داد کاغذ اندرو نقش و نشاں — گفت پیشش بر بگو او را عیاں

اس نے کاغذ دیا جس میں تصویر اور علامت تھی — کہا اسکے سامنے اسکو صاف بتا دے

کاندریں کاغذ نگر چہ صورتست — زود بفرستش کہ ملک و جانت رست

کہ اس کاغذ میں دیکھ کیا تصویر ہے — اسکو جلد بھیج دے تاکہ تیری سلطنت اور جان بچ جائے

بنگر اندر کاغذ ایں را طالبم — ہیں بدہ ورنہ کنوں من غالبم

کاغذ میں دیکھ لے، میں اس کا طلبگار ہوں — خبردار! دیدے ورنہ اب میں غالب ہوں

چوں رسولش بازگشت و گفت حال — داد کاغذ را و بنمود آں مثال

جب اس کا قاصد واپس ہوا اور حالت بتائی — اس نے کاغذ دیا اور وہ تصویر دکھائی

گشت معلومش چہ گفت آں شاہِ نر — صورتے کم گیر زود ایں را ببر

اس کو معلوم ہو گیا تو اس بہادر شاہ نے کیا کہا؟ — مان لے ایک (حسین) صورت نہ رہی اور جلد اسکو لیجا

من نیَم در عہدِ ایماں بت پرست — بت برآں بت پرست اولیٰ ترست

میں ایمان کے عہد میں، بت پرست نہیں ہوں — بُت اُس بُت پرست کی بغل میں زیادہ بہتر ہے

باتبرک داد دختر را و بُرد — سوئے لشکرگاہ و در ساعت سپرد

اس نے لونڈی مع تحفہ کے دی، اور وہ لے گیا — لشکرگاہ کی جانب، اور فوراً سپرد کر دی

چونکہ آوردش رسول آں پہلوا — گشت عاشق بر جمالش آں زماں

جب قاصد اُس کو لایا، وہ سردار — فوراً اُس کے حسن پر عاشق ہو گیا

عشق بحرے آسماں بر وے کفے — چوں زلیخا در ہوائے یوسفے

عشق ایک سمندر ہے آسمان اُس پر ایک جھاگ ہے — جیسے کہ زلیخا، یوسف کے عشق میں تھی

دورِ گردونہا ز موجِ عشق داں — گر نبودے عشق بفسردے جہاں

آسمانوں کی گردش عشق کی موج سے سمجھ — اگر عشق نہ ہوتا تو جہان ٹھٹھر جاتا

کے جمادے محو گشتے در نبات — کے فدائے روح گشتے نامیات

جماد، نباتات میں کب فنا ہوتا! — نمو پانے والیاں، روح پر کب فدا ہوتیں؟

لہ کاندریں۔ یعنی اپنے بادشاہ سے کہہ دے کہ اس کاغذ پر جس کی تصویر ہے اس کو ہمیں دیدے تب تیری نجات ہوگی۔ آں مثال۔ یعنی لونڈی کی تصویر گشت معلومش الخ۔ جب شاہِ موصل کو بہادر کی خواہش کا علم ہوگیا تو اس نے کہا۔ شاہِ نر یعنی شاہِ موصل۔ صورتے۔ یعنی اگر ایک لونڈی نہ رہی تو کیا ہوا۔

٢ه من نیم۔ شاہِ موصل نے کہا میں بت پرست نہیں ہوں لہٰذا یہ بت لونڈی شاہِ مصر بت پرست کے لئے مناسب ہے۔ چونکہ۔ جب قاصد لونڈی کو لے کر آیا تو یہ پہلوان اس پر عاشق ہوگیا۔ عشق۔ عشقِ الٰہی، صوفیا ذاتِ الٰہی مراد لیتے ہیں۔ زلیخا۔ آسمان کی تشبیہ ہے۔ یوسف۔ حضرتِ حق کی تشبیہ ہے۔ دورِ گردوں۔ تمام کائنات کی حرکت کا سبب عشق ہے جو اس میں پنہاں ہے ورنہ کائنات درجۂ کمال کو نہ پہنچتی۔

٣ه جمادے۔ جماد اپنے آپ کو نباتات میں فنا کرتا ہے۔ یعنی پانی سے نباتات غذا حاصل کرکے بڑھتی ہیں۔

روح کے گشتے فدای آں دمے
روح اُس دَم پر کب فدا ہوتی!

کز نسیمش حاملہ شُد مریمے
جس کی نسیم سے مریم حاملہ ہوئیں

ہر یکے بر جا ترنجیدے چو یخ
ہر ایک اپنی جگہ برف کی طرح سکڑ جاتا

کے بُدیے پرّاں و جویاں چوں ملخ
ٹڈی کی طرح کب پرواز اور جستجو میں ہوتا!

ذرہ ذرہ عاشقانِ آں جمال
ذرہ ذرہ، اُس حسن کا عاشق ہے

می شتابد در عُلو ہمچوں نہال
پودے کی طرح بلندی کی جانب دوڑتا ہے

سبّح اللہ[1] ہست اشتابِ شاں
اُن (ذروں) کی تیز روی اللہ کی تسبیح ہے

تنقیہ تن می کنند از بہرِ جاں
جو جان کے لئے جسم کو صاف کرتے ہیں

پہلواں چَہ را چو رہ پنداشتہ
سردار نے جب کنوئیں کو راستہ سمجھ لیا

شورہ اش خوش آمد و حَب کاشتہ
شوریلی زمین اُس کو بھلی معلوم ہوئی اور دانہ بو دیا

چوں[2] خیالے دید آں خفتہ بخواب
جیسا کہ سونے والے نے نیند میں ایک خیال دیکھا

جمع شُد با آں و از وے رفت آب
اُس کے ساتھ جماع کیا اور اُس کی منی بہہ نکلی

چوں بجست از خواب و شُد بیدار زود
وہ جب نیند سے اُٹھا اور جلد بیدار ہو گیا

دید کاں لُعبت بہ بیداری نبود
دیکھا کہ وہ گڑیا بیداری میں (موجود) نہ تھی

گفت بر ہیچ آبِ خود بُردم دریغ
اُس نے کہا افسوس ہے، میں نے معدوم پر اپنی منی بہائی

عشوۂ آں عشوہ دہ خوردم دریغ
افسوس ہے اِس فریب دینے والی کا میں نے فریب کھایا

پہلوانِ تن بُد آں مردی نداشت
جسم کا پہلوان تھا، انسانیت نہ رکھتا تھا

تخمِ مردی در چناں ریگے بکاشت
اُس نے انسانیت کا بیج ایسے ریت میں بو دیا

مرکبِ عشقش دریدہ صد لگام
اُس کے عشق کی سواری نے سو لگام توڑ دیئے

نعرہ میزد لا اُبالے کالحِمام
وہ نعرہ مارتا تھا، میں موت کی پرواہ نہیں کرتا ہوں

ایش[3] اُبالی بالخلیفۃ فی الھویٰ
میں محبت کے معاملہ میں خلیفہ کی کیا پرواہ کرتا ہوں

استویٰ عندی وجودی والتویٰ
میرے نزدیک میرا وجود اور ہلاکت یکساں ہو

ایں چنیں سوزان و گرم آخر مکا
ایسی سوزش اور گرمی سے ہیچ و بر

مشورت کُن با یکے دانستہ کار
کسی جانکار سے مشورہ کرے

مشورت کو عقل کو سیلابِ آز
مشورہ کہاں، عقل کہاں، حرص کے سیلاب نے

در خرابی کرد ناخنہا دراز
تباہی کے لئے ناخن دراز کرنے ہیں

بَینَ اَیدِی سَدّ و سُوئے خَلف سد
سامنے دیوار ہے اور پیچھے کی جانب دیوار ہے

پیش و پس کے بیند آں مفتونِ خد
وہ رخسار کا عاشق آگے پیچھے کب دیکھتا ہے!

آمدہ در قصدِ جاں سیلِ سیاہ
کالا سیلاب، جان کے ارادہ سے آچکا ہے

تا کہ روبہ افگند شیرے بچاہ
تاکہ لومڑی شیر کو کنوئیں میں گرا دے

روح - سانس لفظ بر قربان ہوتی جس سے حضرت مسیحؑ کی پیدائش ہوئی۔ ہر یکے۔ اگر عشق کی تحریک نہ ہو تو ہر چیز ٹھٹھر کے رہ جائے۔ ذرہ ذرہ کا مطلب ہر ذرہ کمال کا خواہاں ہے۔

[1] سبّح اللہ۔ قرآن پاک میں ہے: یُسَبِّحُ لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ یعنی آسمان اور زمین کا ذرہ ذرہ اللہ کا تسبیح خواں ہے یہ اُس کی تسبیح اُن کے عشق کی دلیل ہے اور اس کے ذریعہ وہ جان کے لئے جسم کو صاف کرتے ہیں۔ پہلوان۔ پہلوان حقیقی عشق کو نہ سمجھا اور لونڈی پر عاشق ہو گیا اُس نے کنوئیں کو صاف راستہ سمجھ لیا۔

[2] چوں خیالے۔ وہ پہلوان غیر حقیقت کو حقیقت سمجھ بیٹھا جس طرح انسان خواب میں بے حقیقت حسین سے جماع کرتا ہے اور اپنا مادہ ضائع کرتا ہے اور بیدار ہو کر پھر افسوس کرتا ہے۔ تخم مردی یعنی عشق۔ ریگے۔ یعنی لونڈی۔ نعرہ۔ یعنی اگرچہ لونڈی سے عشق کرنے میں اندیشہ ہے کہ شاہ مصر قتل کرا دیگا لیکن مجھے موت کی پرواہ نہیں ہے۔

[3] ایش۔ ای شی اُبالی۔ الھویٰ۔ عشق۔ التویٰ۔ ہلاکت۔ مکار یعنی بُت کاری نہ کر۔ مشورت کو۔ پہلوان پر تو عشق سوار تھا وہ کہاں مشورہ کر سکتا تھا۔ مفتون خد۔ رخسار کے عاشق کو کچھ نظر نہیں آتا۔ آمدہ۔ جب تباہی آتی ہے تو لومڑی شیر کو کنوئیں میں گرا دیتی ہے جیسا کہ پہلے دفتر میں بیان ہو چکا ہے۔ آز چہ پہلے دفتر میں لومڑی اور شیر کے قصہ میں گذرا ہے کہ

از چہ بنمود معدومے خیال
تا در اندازد اسودا کالجبال

ایک معدوم خیال کنویں سے نمودار ہوا
تاکہ پہاڑ جیسے شیروں کو اندر گرا دے

ہیچ[1] کس را با زناں محرم مدار
کہ مثالِ ایں دو پنبہ است و شرار

کسی کو عورتوں کا محرم نہ بنانا
کہ ان دونوں کی مثال روئی اور چنگاری کی ہے

آتشے باید نشستہ زآبِ حق
ہمچو یوسف معتصم اندر رہق

خدا کے پانی سے آگ بجھی ہوئی ہونی چاہیئے
جیسے کہ معصوم یوسفؑ جوانی میں

کز زلیخائے لطیفِ سرو قد
ہمچو شیراں خویشتن را وا کشد

کہ حسین سرو قد زلیخا سے
شیروں کی طرح اپنے آپ کو کھینچ لیا

نفس[2] خود را کے تواں کردن زبوں
جز بامدادِ عقولِ ذوفنوں

اپنے نفس کو مغلوب کب کیا جاسکتا ہے
اہل کمال کی عقلوں کی امداد کے بغیر

جانبِ اتمامِ قصہ باز راں
کایں سخن پایاں ندارد پہلواں

قصہ کو پورا کرنے کی جانب چل
اے پہلوان! اس بات کا خاتمہ نہیں ہے

مراجعت کردنِ پہلوان از موصل بجانبِ مصر و صحبتِ او در راہ با کنیزک

پہلوان کا موصل سے، مصر کی جانب واپس ہونا اور راستہ میں اس کا لونڈی سے ہمبستر ہونا

باز گشت از موصل و میشد براہ
تا فرود آمد بہ بیشہ و مرجگاہ

وہ موصل سے لوٹا اور راستہ پر روانہ ہوا
یہاں تک کہ اس نے جنگل اور چراگاہ میں پڑاؤ کیا

آتشِ عشقش فروزاں آں چناں
کہ ندانست او زمیں از آسماں

اس کے عشق کی آگ اس طرح بھڑک رہی تھی
کہ وہ زمین اور آسمان میں فرق نہ کرسکتا تھا

قصدِ آں مہ کرد اندر خیمہ او
عقل کو و از خلیفہ خوف کو

اس نے خیمہ میں چاند کا قصد کیا
عقل کہاں تھی (اور) خلیفہ کا ڈر کہاں؟

چوں[3] زند شہوت دریں وادی شرار
عقل را سوزد دراں شعلہ چو خار

جب شہوت اس میدان میں آگ لگا دیتی ہے
عقل کو کانٹے کی طرح اس شعلے میں جلا دیتی ہے

چوں زند شہوت دریں وادی دہل
چیست عقلِ تو فجل ابن الفجل

جب شہوت اس میدان میں ڈھول بجا دیتی ہو
تو اے ذلیل، ذلیل کے بیٹے! تیری عقل کیا ہے؟

صد خلیفہ گشتہ کمتر از مگس
پیشِ چشمِ آتشینش آں نفس

سیکڑوں خلیفہ، مکھی سے کم بن گئے
اس وقت اس کی شعلہ بار آنکھوں کے سامنے

شیر کو اپنا عکس کنویں میں نظر آیا اور وہ اس سے لڑنے کیلئے کنویں میں کود گیا۔

[1] ہیچ کس۔ یہ خرابی اس لئے آئی کہ شاہ مصر نے پہلوان کو لونڈی کا محرم بنایا۔ آتشے۔ یہ آگ صرف اللہ تعالیٰ کے آب رحمت بجھا سکتا ہے۔ یوسفؑ۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسفؑ کو بچایا۔ معتصم۔ معصوم۔ رہق۔ بلوغ کا زمانہ۔ شیراں۔ حضرت یوسفؑ شیر مردوں کی طرح زلیخا سے بچ نکلے۔

[2] نفس۔ نفس کو کسی شیخ کے مشورے سے مغلوب کیا جاسکتا ہے۔ بازگشت۔ پہلوان لونڈی کو لے کر موصل سے چلا تو ایک جنگل اور چراگاہ میں اس کا پڑاؤ ہوا۔ آتشش۔ اس کے عشق کی آگ اس قدر بھڑک رہی تھی کہ وہ اندھا ہو رہا تھا۔ قصدِ آں۔ وہ عشق سے مجبور ہو کر لونڈی کے خیمہ میں گھس گیا۔ اب نہ اس میں عقل تھی نہ خلیفہ کا ڈر۔

[3] چوں زند۔ جب شہوت آگ لگاتی ہے تو عقل خس و خاشاک کی طرح جل جاتی ہے۔ فجل۔ ذلیل۔ صد خلیفہ۔ شاہ مصر کیا سیکڑوں شاہ اس کی نظر میں مکھی سے کم تھے۔

چوں بروں انداخت شلوار و نشست
درمیانِ پائے زن آں زن پرست

جب پاجامہ اتار دیا اور بیٹھ گیا
وہ عورت پرست، عورت کی ٹانگوں کے درمیان

چوں ذکر سوئے مقر میرفت راست
رستخیز و غلغل از لشکر بخاست

جب ذکر سیدھا ٹھکانے کی طرف گیا
قیامت اور شور و غل لشکر سے اٹھا

بر جہید او کون برہنہ سوئے صف
ذوالفقارِ ہمچو آتش او بکف

وہ ۔ صف کی جانب دوڑا
آگ جیسی تلوار ہاتھ میں لئے

دید شیرِ نر سیہ از نیستاں
بر زدہ بر قلبِ لشکر ناگہاں

اس نے دیکھا، کالے نر شیر نے جنگل سے
اچانک وسطِ لشکر پر حملہ کر دیا ہے

تازیاں چوں دیو در جوش آمدہ
صد طویلہ و خیمہ اندر ہم زدہ

عربی گھوڑے دیو کی طرح جوش میں آ گئے ہیں
سیکڑوں پچھاڑیاں اور خیمے درہم برہم کر دیئے

شیرِ نر گنبد ہمیکرد از لغز
در ہوا چوں موجِ دریا بیست گز

نر شیر گھسنے کے لئے جست لگا رہا تھا
فضا میں بیس گز دریا کی موج کی طرح

پہلواں مردانہ بود و بے حذر
پیشِ شیر آمد چو شیرِ مستِ نر

پہلوان بہادر تھا اور بغیر خوف
مست نر شیر کی طرح، شیر کے سامنے آ گیا

زد بشمشیر و سرش را بر شگافت
زود سوئے خیمۂ مہرو شتافت

تلوار ماری اور اس کا سر پھاڑ دیا
حسینہ کے خیمہ کی طرف جلد دوڑ گیا

چونکہ خود را او بداں حور نمود
مردیِ او ہمچناں بر پائے بود

جب اس نے اپنے آپ کو اس حور کو دکھایا
اس کی مردی اسی طرح قائم تھی

باچناں شیرے بچالش گشتہ جفت
مردیِ او ماند بر پای و نخفت

ایسے شیر کے ساتھ مقابلہ میں شریک ہوا
اس کی مردی قائم رہی اور نہ سوئی

آں بتِ شیریں لقائے ماہرو
در عجب درماند از مردیِ او

وہ بتِ شیریں دیدار چاند سے مکھڑے والی
اس کی مردی سے تعجب میں پڑ گئی

جفت شد با او بشہوت آں زماں
متحد گشتند حالی آں دو جاں

وہ فوراً شہوت سے اس سے جڑ گیا
فوراً وہ دو جانیں ایک ہو گئیں

ز اتصالِ ایں دو جاں باہمدگر
میرسد از غیب شاں جانِ دگر

ان دونوں جانوں کے باہم پیوست ہونے سے
غیب سے ایک دوسری جان پہنچ جاتی ہے

رو نماید از طریقِ زادنے
گر نباشد از علوقش رہزنے

جننے کے طریق پر رونما ہوتی ہے
اگر حمل کے لئے کوئی رہزن نہ ہو

ہر کجا دو کس بمہرے یا بکیں
جمع آید ثالثے زاید یقیں

جب دو انسان محبت یا کینہ سے
جماع کرتے ہیں، یقیناً تیسرا پیدا ہوتا ہے

---

۵۱ زن پرست - یعنی پہلوان۔ مقر - یعنی لونڈی کی شرمگاہ۔ کون برہنہ - یعنی اسی حالت میں جس میں وہ لونڈی سے مصروف تھا۔ ذوالفقار - دو دھاری تلوار۔ دید - اس پہلوان نے دیکھا کہ ایک کالا نر شیر لشکر کے درمیانی حصہ پر حملہ آور ہے۔ تازیاں - عربی گھوڑے۔ طویلہ - پچھاڑی، اصطبل۔ گنبد میکرد - چھلانگ لگا رہا تھا۔ لغز لغزیدن یعنی لغزیدن۔

۵۲ زد - پہلوان نے شیر پر تلوار کا وار کیا اور اس کا سر پھاڑ دیا اور بہت جلد اس لونڈی کے خیمہ میں چلا گیا چونکہ جب اس لونڈی کے پاس پہنچا تو اس کی شہوت میں کمی نہ آئی تھی۔

۵۳ چالش - جنگی رفتار۔ مردی - اس کی شہوت سرد نہ پڑی تھی وہ لونڈی اس کی مردانگی کی اس طاقت سے حیرت میں پڑ گئی۔ جفت شد - ہم نے اس کا فاعل پہلوان کو قرار دیکر ترجمہ کیا ہے اگر فاعل لونڈی کو قرار دیا جائے تو ترجمہ دوسرا ہو گا۔ جانِ دگر - یعنی جننے والا بچہ۔

۵۵ گر نباشد - اگر نطفہ کے استقرار سے کوئی مرض وغیرہ مانع نہ ہو۔ ہر کجا - جب مرد و عورت جفتی کرتے ہیں خواہ محبت سے خواہ کینہ سے تو حمل ٹھہر جاتا ہے اسی طرح دو شخص کوئی اور معاملہ کرتے ہیں یا کوئی شخص کسی عمل کے ساتھ جفت بنتا ہے تو اس کے نتائج صورِ معنویہ میں ظاہر ہوتے ہیں۔

لیک اندر غیب ناید آں صُوَر
لیکن (عالم) غیب میں وہ صورتیں جنتی ہیں
چوں رَوی آں سُو بہ بینی در نظر
جب تو اُس جانب جائیگا، آنکھ سے دیکھ لیگا

آں نتائج کز قرانات تو زاد
اُن نتیجوں کو جو تیرے ملاپ سے پیدا ہوگئے ہیں
ہیں مگرد از ہر قرینے زود شاد
خبردار! ہر ساتھی سے جلد خوش نہ ہو

منتظر بمباش آں میقات۵۲ را
تو اُس وعدہ گاہ کا منتظر رہ
صدق داں الحاق ذُرّیات را
ذُرّیات کے ملا دینے کو سچا سمجھ

کز عمل زایندہ اند و از عِلَل
کہ وہ عمل اور علتوں سے پیدا ہوئے ہیں
ہر یکے را صورتِ نُطق و کَلَل
ہر ایک کو گویائی اور گونگے پن کی صورت ملی ہے

بانگِ شاں میرسد زاں خوش شمال
اُن حسینوں سے اُنھیں آواز آرہی ہے
کاے زما غافل ہلا زُو تر تعال
کہ اے ہم سے غافل! خبردار، جلد آجا

منتظر۵۳ در غیب جانِ مرد و زن
ہر عورت مرد کی جان (عالمِ) غیب میں منتظر ہے
مُول مُولت چیست زو تر گام زن
تیرا آہستہ آہستہ چلنا کیوں ہے، جلد قدم اُٹھا

راہ گم کرد او ازاں صبحِ دروغ
اُس نے صبح کاذب کی وجہ سے راستہ گم کردیا
چوں مگس افتاد اندر دیگِ دوغ
مکھی کی طرح چھاچھ کی دیگ میں گرگیا

پشیماں شدنِ آں سرِ لشکر از خیانتے کہ کردہ بُود و سوگند دادنِ او آں کنیزک را کہ بخلیفہ باز نگوید آنچہ رفت

اُس لشکر کے سردار کا اُس خیانت سے شرمندہ ہونا جو اُس نے کی تھی اور اُس کا اُس لونڈی کو قسم دینا کہ جو کچھ ہوا ہے وہ خلیفہ سے نہ کہے

چند روزے ہم بر آں بُد بعد از آں
وہ چند روز اُسی (حالت) پر رہا اسکے بعد
شد پشیماں او ازاں جُرمِ گراں
وہ اُس بھاری جُرم سے شرمندہ ہوا

داد سوگندش کہ اے بدرِ منیر
اُس نے اُس کو قسم دی کہ اے روشن چودھویں
کُن حذر تا شہ نگردد زیں خبیر
احتیاط برت تاکہ بادشاہ اِس سے خبردار نہ ہو

داد سوگندش کہ اے خورشید رُو
اُس نے اُس کو قسم دی کہ اے سورج جیسے چہرہ والی
با خلیفہ زانچہ شُد رمزے۵۵ مگو
جو کچھ ہوا خلیفہ سے اُس کا اشارہ نہ کرنا

مختصر گویم ببُرد آں پہلواں
میں مختصر بتاتا ہوں، وہ پہلوان لے گیا
مر کنیزک را سُوئے شاہِ جہاں
شاہِ جہاں کی جانب لونڈی کو

چوں بدید او را خلیفہ مست گشت
جب خلیفہ نے اُس کو دیکھا مست ہوگیا
پس ز بام افتاد او را نیز طشت
تو اُس کا طشت بھی بالاخانے سے گرگیا

دید صد چنداں کہ وصفش شنیدہ بُود
جو تعریف اس نے سُنی تھی اس کو سو گنا دیکھا
کے بُوَد خود دیدہ مانندِ شنُود
دیکھا ہوا، سُنے ہوئے کی برابر کب ہوتا ہے

بکت معالیہ ہوگی تو نظر آجاتے ہیں لیکن یہ موالید معنوی عالمِ آخرت میں نظر آئیں گے۔ ہیں۔ تو اب انسان کا فرض ہے کہ اپنے اُس قرین کو خوب دیکھ لے جس کے ملاپ سے نتیجہ برآمد ہوگا کہ وہ کس قسم کا ہے۔

۵۲ میقات۔ عالمِ آخرت۔ الحاق ذریات۔ قرآن پاک میں ہے ہم قیامت میں مومنین کی مومن ذریت یعنی اولاد کو اُس کے ساتھ کردینگے مولانا نے یہاں ذریت سے اعمال کے نتائج مراد لئے ہیں۔ علل یعنی نیک۔ عمل علل۔ یعنی بُرے کاموں کے اسباب مثبت کے۔ آخرت میں ہر عمل گویا بنے کا نشان۔ یعنی عمل کرنے والے۔ خوش جمال۔ یعنی اعمال کے نتائج۔

۵۳ منتظر۔ عالمِ غیب میں ہر شخص کے اعمال اُس کے منتظر ہیں۔ مول مول یعنی نہتر عمل راکم کرو۔ یہ شعر پہلوان سے متعلق ہے کہ اُس نے غلطی کی اور نقصان اُٹھایا صبحِ دروغ۔ صبح کاذب جس سے دھوکہ کھاکر مسافر چل پڑتا ہے اور لٹ جاتا ہے۔

۵۵ رمزے۔ کوئی اشارہ۔ پس ز بام۔ یعنی لڑکی کے عشق میں بدنام ہوگیا۔ کے بود خود دیدہ۔ وصف۔ کسی چیز کے اوصاف سننے سے اُس کی تصویر ذہن میں پیدا ہوتی ہے اور اُس کی صورت آنکھ سے نظر آتی ہے۔

وصفِ تصویرست بہرِ چشمِ ہوش ۔۔۔ صورتِ آں چشم داں نے آں گوش
تعریف ہوش کی آنکھ کے لئے تصویر کھینچتا ہے ۔۔۔ صورت آنکھ کی ملکیت سمجھ، نہ کہ کان کی

یک مثالے گویم اکنوں گوش دار ۔۔۔ فہم کن امثالِ معنیٰ ہوش دار
میں ایک مثال کہتا ہوں، اب سُن ۔۔۔ مثالوں کا مطلب سمجھ، ہوش کر

حکایت

حکایت

کرد مردے از سخندانے سوال ۔۔۔ حق و باطل چیست اے نیکو مقال
ایک شخص نے ایک سخندان سے دریافت کیا ۔۔۔ اے نوش بیان! حق اور باطل کیا ہے؟

گوش را بگرفت و گفت ایں باطل ست ۔۔۔ چشم حق ست و یقینش حاصل ست
اُس نے (اپنا) کان پکڑا اور کہا یہ باطل ہے ۔۔۔ آنکھ حق ہے اور اُس کو یقین حاصل ہے

آں بہ نسبت باطل آمد پیشِ ایں ۔۔۔ نسبت ست اغلب سخنہا اے امیں
وہ (کان) اِس (آنکھ) کے مقابلہ میں نسبت کے اعتبار سے ۔۔۔ اے امین! اکثر باتوں میں نسبت ہے

ز آفتاب ار کرد خفاش احتجاب ۔۔۔ نیست محجوب از خیالے آفتاب
اگر چمگادڑ نے سورج سے پردہ کر لیا ہے ۔۔۔ سورج خیال سے پردے میں نہیں ہے

خوف اُو را خود خیالش میدہد ۔۔۔ آں خیالش سوئے ظلمت میکشد
(روشنی کا) ڈر اُس کو خود اِس (سورج) کا خیال دے رہا ہے ۔۔۔ وہ خیال اُس کو تاریکی کی جانب کھینچ رہا ہے

آں خیالِ نور می ترساندش ۔۔۔ بر شبِ ظلمات می چفساندش
روشنی کا خیال اُس کو ڈرا رہا ہے ۔۔۔ تاریکیوں کی رات سے اُس کو چپٹا رہا ہے

از خیالِ دشمن و تصویرِ اُوست ۔۔۔ کہ تو بر چفسیدۂ بر یار و دوست
دشمن کے خیال اور اُس کی تصویر کی وجہ سے ہے ۔۔۔ کہ تو یار اور دوست سے چپٹا ہوا ہے

موسیا کشفِ لمع بر کُہ فراشت ۔۔۔ آں مخیل تابِ تحقیقت نداشت
اے موسیٰ! تجلی کا کشف پہاڑ پر پڑا ۔۔۔ وہ خیال کرنے والا آپ کی تحقیق کی طاقت نہیں رکھتا تھا

ہیں مشو غرہ بداں کہ قابلی ۔۔۔ مر خیالش را و زیں رہ واصلی
خبردار! تو اِس میں دھوکا نہ کھا کہ تو قبول کرنے والا ہے ۔۔۔ اُس کے خیال کو، اور تو اُس راہ سے واصل (بحق) ہے

از خیالِ حرب نہراسید کس ۔۔۔ لا شجاعۃ قبل حرب ایں دان و بس
جنگ کے خیال سے کوئی خوفزدہ نہیں ہوتا ۔۔۔ جنگ سے پہلے شجاعت نہیں ہے اِسکو سمجھ لے اور بس

بر خیالِ حرب حیز اندر فکر ۔۔۔ میکند چوں رستماں صد کر و فر
نامرد، لڑائی کے خیال سے فکر میں ۔۔۔ رستموں کی طرح سیکڑوں کرّ و فر کرتا ہے

نقشِ رستم کاں بحمامے بُود ۔۔۔ قرنِ حملۂ فکرِ ہر خامے بُود
رستم کی تصویر جو کسی حمام میں ہوتی ہے ۔۔۔ ہر ناقص کے فکر کے حملہ کی حریف ہو سکتی ہے

---

۲ یک مثالے۔ اِس مثال اور حکایت سے یہی سمجھایا ہے کہ علم شنیدہ کا مرتبہ علم دید سے کمتر ہے۔ کرد۔ ایک صاحب نے ایک صاحب سے حق اور باطل کی حقیقت کے بارے میں سوال کیا۔ گوش۔ اُس نے اپنا کان پکڑ کر بتایا کہ اِس کے ذریعہ جو علم حاصل ہوتا ہے باطل ہے آنکھ کے ذریعہ جو علم ہوتا ہے وہ صحیح اور یقینی ہوتا ہے۔

۳ آں بہ نسبت۔ ہم نے سنی ہوئی بات کو دیکھی ہوئی کے مقابلہ میں جو باطل کہا ہے وہ کوتاہی کے اعتبار سے ہے یعنی اکثر یہی صورت ہوتی ہے۔ ز آفتاب۔ ورنہ چمگادڑ کو سورج کا علم مشاہدہ سے اگرچہ حاصل نہیں ہے لیکن وہ پھر بھی درست اور صحیح ہے۔ خوف۔ روشنی کا خوف اُس کو سورج کا خیال دلاتا ہے اور وہ خیال اُس کو تاریکی میں لے جاتا ہے۔

۵ از خیال۔ دشمن کا خیال اور تصور انسان کو دوست پیدا کرنے اور اُن سے ملنے پر مجبور کرتا ہے۔ جو تیا حضرت موسیٰ کو مشاہدہ کے درجہ کا علم تھا کوہِ طور کو اُس درجہ کا علم نہ تھا لیکن پھر بھی وہ پہاڑ پر متاثر ہوا۔ لمع۔ چمک، تجلی۔ کُہ۔ کوہ۔ مخیل۔ یعنی پہاڑ جس کو مشاہدہ حاصل نہ تھا صرف خیال حاصل تھا۔ ہیں۔ لیکن انسان کو حق تعالیٰ کے خیال پر اکتفا نہ کرنا چاہیے وہ محض خیال سے واصل بحق نہ ہوگا۔

۶ از خیال۔ لڑائی کا محض خیال اور تصور کوئی چیز نہیں

ایں خیالِ سمع چوں مُبصر شود
جب کان کا یہ خیال دیکھے ہوئے کی طرح ہو جائے
خیز چہ بُوَد رُستمے مُضطر شود
نامرد کیا ہوتا ہے ایک رستم بھی مجبور ہو جاتا ہے

جہد کُن کز گوشش در چشمت رسد[۵۳]
تو کوشش کر کہ وہ کان تیری آنکھ میں آ جائے
آنچہ آں باطل بُدست آں حق شود
جو باطل (نظر آتا) تھا وہ حق ہو جائے

زاں سپس گوشت شود ہم طبعِ چشم
اسکے بعد تیرا کان بھی آنکھ کا ہم مزاج بن جائیگا
گوہرے گردد دو گوشت ہمچو پشم
تیرے پشم جیسے دونوں کان گوہر بن جائیں گے

بلکہ جملہ تن چو آئینہ شود
بلکہ پورا جسم آئینہ کی طرح ہو جائے گا
جملہ چشم و گوہرِ سینہ شود
سب آنکھ اور سینہ کا جوہر ہو جائے گا

گوش انگیزد خیال و آں خیال
کان ایک خیال پیدا کرتا ہے اور وہ خیال
ہست دلالۂ وصالِ آں جمال
اُس حُسن کے وصال کی مشاطہ بن جاتا ہے

جہد کُن تا ایں خیال افزوں شود
کوشش کر تاکہ یہ خیال بڑھے
تا دلالۂ رہبرِ مجنوں شود
تاکہ مجنوں کے لئے مشاطہ رہبر بن جائے

آں[۵۴] خلیفہ گول ہم یک چند نیز
اُس احمق خلیفہ نے بھی کچھ دن
ریش گاوی کرد خوش باآں کنیز
اُس لڑکی کے ساتھ حماقت برتی

مُلک را تو مُلکِ غرب و شرق گیر
تو سلطنت کو مغرب اور مشرق کی سلطنت فرض کرلے
چوں نمی ماند تو آں را برق گیر
جبکہ وہ باقی نہیں رہتی تو اسکو بجلی (کی کوند) سمجھ

مملکت کاں می نماند جاوداں
وہ سلطنت جو ہمیشہ نہ رہے
اے دلت خفتہ تو آں را خواب دے
اے کہ تیرا دل سویا ہوا ہے تو اسکو خواب سمجھ

تا چہ خواہی کرد آں بادِ بروت
تو اُس غرور کا کیا کرے گا؟
کہ بگیرد ہم چو جلادے گلوت
جو جلاد کی طرح تیرا گلا پکڑ لے

ہم[۵۵] دریں عالم بداں کہ مامنے ست
اسی دنیا میں جان لے کہ امن کی جگہ ہے
از منافق کم شنو کہ گفت نیست
منافق سے نہ سُن جس نے کہا کہ نہیں ہے

حُجّت منکران آخرت وبیانِ ضُعفِ آں حُجّت

آخرت کے منکروں کی دلیل اور اُس دلیل کی کمزوری کا بیان

حُجّتش ایں ست گوید ہر دمے
اُس کی یہ دلیل ہے اور ہر وقت کہتا ہے
گر بُدے چیزے دگر من دیدمے
اگر کوئی اور چیز ہوتی تو مجھے نظر آتی

گر نہ بیند کودکے احوالِ عقل
اگر کوئی بچہ عقل کے احوال نہیں دیکھتا ہے
عاقلے ہرگز کُند از عقل نقل
(تو) عقلمند کبھی عقل کو ترک کرے گا

ہے بلکہ مشاہدہ اصل ہے۔ خیز۔ مخنث اور بزدل بھی خیالی لڑائی میں بہت کر دفر دکھاتا ہے۔ نقش۔ رستم کی خیالی تصویر سے تو بڑا حریف بنتا ہے۔ ایں خیال۔ خیال بیکار ہے لیکن اگر خیال مشاہدہ کے درجے میں آجائے تو پھر مفید ہو جاتا ہے۔

[۵۳] جہد کُن۔ انسان کو کوشش کرنی چاہیے کہ اس کا مسموع مشہود بن جائے اور اُس میں کسی باطل کا احتمال نہ رہے۔ زاں سپش۔ اس کے بعد کان آنکھ کا رتبہ حاصل کریگا۔ پشم معمولی بیشتر ہے یعنی کان جو کم قیمت چیز ہے اب وہ گوہر بیش قیمت بن جائیگا۔ بلکہ۔ کوشش سے ●

[۵۴] آں خلیفہ۔ خاد معری اُس لڑکی سے احمقانہ عشق کرنے لگا۔ ملک۔ یہ اُس کی خرمستی سلطنت کی وجہ سے تھی سلطنت خواہ مشرق و مغرب کی ہو وہ بجلی کی کوند سے زیادہ نہیں ہے۔ مملکت۔ انسان جس کو سلطنت سمجھتا ہے اُس کی حقیقت خواب سے زیادہ نہیں ہے۔ تا چہ۔ یہ سلطنت کا گھمنڈ انسان کے لئے جلاد کا کام کرتا ہے۔

[۵۵] ہم دریں عالم۔ اس دنیا کو اور اُس کی سلطنت کو امن کی جگہ نہ سمجھ امن کی جگہ عالم آخرت ہے۔ حجتش۔ عالم آخرت کے منکر کی دلیل یہ ہے کہ اگر عالم آخرت ہوتا تو میں اُس کو دیکھ سکتا۔ گر نہ بیند۔ لیکن کسی کے نہ دیکھ سکنے سے اس چیز کا انکار کیسے ہو سکتا

● صرف کان ہی نہیں تمام جسم آنکھ کا رتبہ حاصل کرے گا۔ گوہر سینہ یعنی دل۔ گوش۔ حسن کی بات سُن کر انسان وصالِ محبوب تک پہنچ جاتا ہے۔ ایں خیال۔ سننے سے جو خیال پیدا ہوا ہے اُس کو وصال کا راہبر بنالے۔

وَرنہ بیند عاقلے اَحوالِ عشق ؎ | کم نگردد ماہِ نیکو فالِ عشق
اگر کوئی عقلمند عشق کے احوال نہیں دیکھتا ہو | (تو) عشق کا نیک فال چاند نہیں گھٹتا ہے

حُسنِ یوسفؑ دیدۂ اِخواں ندید | از دلِ یعقوبؑ کے شُد ناپدید
یوسفؑ کے حُسن کو بھائیوں کی آنکھ نے نہ دیکھا | (حضرت) یعقوبؑ کے دل سے کب غائب ہوا؟

مر عصا را چشمِ موسیٰؑ چوب دید | چشمِ قبطی افعیؔ و آشوب دید
(حضرت) موسیٰؑ کی آنکھ نے عصا کو لکڑی دیکھا | قبطی کی آنکھ نے (اسکو) اژدھا اور مصیبت دیکھا

چشمِ سِر با چشمِ سَر در جنگ بُود | غالب آمد چشمِ سِر حُجت نمُود
باطن کی آنکھ سَر کی آنکھ سے جنگ میں تھی | باطن کی آنکھ غالب ہو گئی، ثبوت پیش کر دیا

چشمِ موسیٰؑ دستِ خود را دست دید ؎ | پیشِ چشمِ غیب نُورے بُد پدید
(حضرت) موسیٰؑ کی آنکھ نے اپنے ہاتھ کو ہاتھ دیکھا | غیب کی آنکھ کے سامنے ایک نور ظاہر تھا

ایں سخن پایاں ندارد ہر کمال | پیشِ ہر محروم باشد چوں خیال
اِس بات کا خاتمہ نہیں ہے، ہر کمال | ہر محروم کے سامنے خیال کی طرح ہوتا ہے

چوں حقیقت پیشِ اُو فرج و گلوست | کم بیاں کُن پیشِ اُو اسرارِ دوست
جبکہ اُس کے سامنے حقیقت شرمگاہ اور حلق ہے | دوست کے راز اُس کے سامنے بیان نہ کر

پیشِ ما فرج و گلو باشد خیال | لاجرم ہر دم نماید جاں جمال
ہمارے سامنے شرمگاہ اور حلق خیال ہے | لامحالہ جان ہر وقت جمال دکھاتی ہے

ہر کرا فرج و گلو آئین و خُوست | آں لکُم دِینُ وَلِی دِین بہرِ اوست ؎
جس شخص کا طریقہ اور عادت شرمگاہ اور حلق ہے | تمہارے لئے تمہارا دین اور میرے لئے میرا دین اسکے لئے ہے

باچناں اِنکار کوتہ کُن سخن | احمدا کم گوے با گبرِ کہن
ایسے انکار کے ہوتے ہوئے بات مختصر کر | اے احمدؐ! پرانے کافر سے بات نہ کر

ہے، بجز عقل کے احوال کو نہیں دیکھ سکتا لیکن عقلمند تو اس کا انکار نہ کرے گا۔

؎ ورنہ بیند۔ اگر کوئی صاحبِ عقل عشق کے احوال نہیں دیکھ سکتا ہے تو اس کے نہ دیکھنے سے عشق میں کوئی نقصان نہیں آتا ہے جیسے یوسفؑ کا حسن بھائیوں کو نظر نہ آیا تو اس سے اُس کا انکار نہیں کیا جا سکتا تھا۔ حضرت موسیٰؑ ابتداءً عصا کی حقیقت نہ دیکھ سکے لیکن اُس کا وجود تھا تب ہی قبطی نے اس کو دیکھ لیا۔

؎ چشمِ موسیٰ۔ ایک ہی چیز ایک کے لئے خیال ہے دوسرے کے لئے یقینی۔ ایں سخن ایک ہی چیز کی مختلف نگاہوں میں مختلف حیثیت کا بیان فرج و گلو۔ جو شخص پیٹ اور شرمگاہ کی شہوت کو ہی حقیقت سمجھے اس کو اسرار کی باتیں سنانا بیکار ہے۔ پیشِ ما۔ جو لوگ پیٹ اور شرمگاہ کی شہوت سے بری ہیں اُن کو نورِ باطن حاصل ہوتا ہے۔

؎ لکم دینکم۔ سورۃ الکافرون میں آنحضورؐ کو خطاب ہے کہ ان کافروں سے کہہ دیجئے تمہارے

شرح

خلیفۂ مصر سے ایک غماز نے کہا کہ بادشاہ موصل ایک حُور سے ہم آغوش ہے یعنی اسکے پہلو میں ایک کنیزک ہے جس کی نظیر عالم میں نہیں ملتی اور چونکہ وہ بیحد حسین ہے اسلئے اس کا حُسن بیان سے باہر ہے اگر آپ کو میرے بیان میں کچھ مبالغہ معلوم ہو۔ تو لیجئے یہ اسکی تصویر ہے جو اس کاغذ میں موجود ہے آپ اسکے میرے بیان کی تصدیق فرمائیں۔ جب ——— خلیفہ نے کاغذ میں اسکی تصویر کا مطالعہ کیا تو مبہوت ہو گیا اور

جام شراب اسکے ہاتھ سے گر گیا جب حواس درست ہوئے نوابش ایک نہایت بہادر افسر کو بہت بڑی فوج کے ساتھ شاہ موصل کی طرف روانہ کیا اور اسکو ہدایت کردی کہ اگر وہ اس کنیزک کو دینے سے انکار کرے تو موصل کو تہس نہس کردو اور اگر وہ اس کو تمہارے حوالہ کردے تو اسے کچھ تعرض نہ کرنا اور صرف اس چاند کو لے آؤ۔ تاکہ میں زمین پر ہی چاند کو بغل میں لینے کا فخر حاصل کروں۔

یہ ہدایت سُنکر وہ پہلوان لاؤ لشکر اور ہزاروں شجاعان جنگی اور طبل وعلم کے ساتھ موصل کو روانہ ہو گیا۔ اور جس طرح بہت بڑا ٹڈی دل ..... کھیت کے گرد جمع ہوکر اسکو تباہ کرنا چاہتا ہے یوں ہی یہ ٹڈی دل سپاہ اہلِ موصل کے تباہ کرنے پر آمادہ ہوگئی اور ہر طرف کوہ قاف کی مانند بڑے بڑے منجنیق قائم کر کے ان سے کام لینا شروع کردیا۔ اور یہ حالت تھی کہ تیر اور منجنیقوں سے پتھر برس رہے تھے اور لوگوں کو زخمی کر رہے تھے اور تلواریں اپنی چمک کے سبب گرد میں ایسی معلوم ہوتی ہیں جیسے ابر میں بجلیاں کوندرہی ہوں۔

القصہ ایک ہفتہ تک انہوں نے یوں ہی خون ریزی کا بازار گرم رکھا اور قلعہ سنگین موم کی طرح نرم یعنی قابل تسخیر ہو گیا۔ پس جبکہ شاہ نے اس خوفناک جنگ کا مشاہدہ کیا تو اس نے اپنے یہاں سے ایک قاصد روانہ کیا اور پوچھا کہ ان مسلمانوں کے خون سے ... جو کہ اس شدید جنگ کے سبب شہید ہو رہے ہیں۔ تمہارا کیا مقصد ہے اگر تمہارا مقصود ملک اور شہر پر قبضہ کرنا ہے تو میں یہ تم کو بدون اس خونریزی کے دے سکتا ہوں۔ لو میں جاتا ہوں تم آجاؤ اور جنگ کو چھوڑ دو۔ تاکہ مظلوموں کا خون تمہارا دامن گیر نہ ہو۔ اور اگر مال اور دولت حاصل کرنا مقصود ہے تو یہ تو ملک اور شہر سے بھی زیادہ معمولی ہے جو کچھ اور جس قدر مال تمکو مطلوب ہو میں تمہارے پاس بھیجدوں۔ پھر یہ شور وشر کیوں ہے یہ پیغام لے کر قاصد روانہ ہو گیا اور جبکہ وہ اس افسر کے حضور میں حاضر ہوا تو اسکو پیغام شاہی اس سے

بیان کردیا اسنے اس کے جواب میں کہا کہ نہ مجھے ملک مطلوب ہے اور نہ مال۔ میں تو ایک حسین کا طالب ہوں یہ کہہ کر رقعہ اسکے حوالہ کردیا جس میں اسکی تصویر تھی اور یہ کہہ دیا کہ اپنے بادشاہ سے میرا یہ پیغام صاف صاف کہہ دینا کہ غور سے دیکھ لو کہ کس کی صورت ہے اور جس کی یہ صورت ہے اسکو ہمارے حضور میں روانہ کردو ہم نہ تمہیں کچھ کہیں گے نہ تمہارے ملک کو۔ میں محرّر کہتا ہوں کہ اس مرقع کو دیکھ لو۔ میں اس کا طالب ہوں اور اسے میرے حوالہ کردو۔ ورنہ میں ملک پر قبضہ کرتا ہوں۔ جب قاصد شاہی یہ پیغام لیکر لوٹا۔۔ تو اس نے اس کو بادشاہ کے حضور میں عرض کردیا اور مرقع ان کے حوالہ کردیا اور تصویر دکھلادی اور بادشاہ نے پیغام کا مدعا سمجھ لیا۔ اب سنو! کہ اس مرد بادشاہ نے اس کا کیا جواب دیا۔ اسنے نہایت بے پرواہی کے ساتھ کہا کہ اچھا! ایک تصویر نہ سہی اسے تم لے جاؤ۔ میں اپنے زمانہ ظہور اسلام میں بت پرست نہیں ہوں کہ بت پرستی کروں وہ بت پرست ہے۔ اسلئے بت کا اسی کے پاس ہونا زیادہ مناسب ہے یہ کہہ کر اپنی لڑکی کو بڑے ساز وسامان کے ساتھ قاصد کے حوالہ کیا۔ اور قاصد اسکو لیکر لشکر گاہ کو روانہ ہوگیا اور افسر کے حوالہ کردیا جبکہ وہ قاصد کنیزک کو افسر کے پاس لے گیا تو وہ اسے دیکھتے ہی اس پر عاشق ہوگیا۔ یہاں تک اس واقعہ کو پہنچا کر آگے مولانا منتقل فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ عشق ایک سمندر ہے اور آسمان اس پر مثل خس و خاشاک کے ہے۔ یعنی گردش فلک کا منشا عشق ہے جس طرح کہ گردش خس و خاشاک کا سبب متلاطم سمندر ہے اور وہ زلیخا کی طرح ایک ایک یوسف کی محبت میں سرگردان ہے خلاصہ یہ ہے کہ تم گردش کا سبب۔ موج عشق کو سمجھو

اور ایک آسمان ہی کی ... کیا تخصیص ہے ہم تو کہتے ہیں کہ نظام عالم ہی عشق پر مبنی ہے کیونکہ اگر عشق نہ ہوتا تو اجزائے عالم ایک دوسرے سے کشیدہ رہتے اور جماد۔ نبات میں فنا نہ ہوسکتا۔ اور مٹی اور پانی نبات نہ بن سکتی۔ اور نباتات حیوان پر قربان نہ ہوسکتی اور اغذیہ جزو حیوان ہوکر اس کی تربیت

نہ کر سکتیں ۔ اور روح اس صاحب نفخ (حق سبحانہٗ) پر قربان نہ ہوتی ۔ جس کی نسیم فیض سے
مریم بے شوہر کے حاملہ ہو گئیں تھیں ۔ بلکہ ہر چیز اپنی جگہ پر برف کی طرح اکڑ کی رہ جاتی ۔

اور ملخ کی طرح دوسری چیز کی طالب اور جویاں نہ ہوتی ۔ پس جو اتساق و انتظام
ان کی آپس کے تعلق سے مشاہد ہے وہ اتساق و انتظام ناممکن ہو جاتا ۔ شاید کسی کو ہمارے
بیان سے شبہ ہو کہ حق سبحانہٗ پر صرف روح ہی عاشق ہے اسلئے اس کا دفع کرنا ...
مناسب معلوم ہوتا ہے سنو! یہ بات نہیں ہے بلکہ ہر ذرہ اصالۃً حق سبحانہٗ کے جمال
پر عاشق ہے اور اس بنا پر وہ پودے کی طرح علو معنوی حاصل کرتا ہے اس ترقی
سے ہماری مراد وہ ترقی ہے جو ان کو تسبیح حق سبحانہٗ سے حاصل ہے (جس کو حق سبحانہٗ
نے سبح للہ مافی السمٰوٰت ومافی الارض سے بیان فرمایا ہے) اور اس طرح
وہ اپنی جان کی حفاظت کے لیے اپنے جسم کا تنقیہ کرتے ہیں ۔

(فائدہ : تفصیل اس کی یہ ہے کہ تسبیح کے معنی ہیں حق سبحانہٗ کی شوائب
نقص سے پاک ہونے کا اظہار ۔ اور یہ اظہار دو طرح کا ہوتا ہے اوّل تکوینی اور دوسرے
تشریعی پس چونکہ ہر چیز سے حق سبحانہٗ کا کمال علم و قدرت و حکمت وغیرہ ظاہر
ہوتا ہے اور ہر چیز مسخر امر الٰہی ہے اسلئے تسبیح تکوینی تو ---- ہر چیز کے
لئے ثابت ہو گی ۔ اور تسبیح تشریعی سو اس کا تعلق صرف مکلفین سے ہو گا ۔ اور
وہ دو قسم کی ہو گی ... اوّل وہ جو موافق امر الٰہی ہو جیسے تسبیح طائعین ۔ دوسری
وہ جو خلاف امر الٰہی ہو جیسے تسبیح عاصین مثل کفار کہ ان کی تسبیح غیر اللہ بھی مآلاً تسبیح
حق سبحانہٗ ہے کیونکہ وہ جو غیر اللہ کی پرستش کرتے ہیں تو یا ان کمالات کی بنا پر کرتے ہیں جو
کہ ان کے لیے ثابت نہیں ہیں بلکہ حق سبحانہٗ کے لیے ثابت ہیں جیسے ان کا بالذات نافع یا ضار ہونا یا
ان کمالات کی بنا پر کرتے ہیں جو کہ ان کے لیے بعطاء حق ثابت ہیں جیسے آگ یا ستاروں کا روشن ہونا وغیرہ
اور ہر صورت میں یہ تسبیح راجع بحق سبحانہٗ ہے گو مسبحین کا مقصود نہیں تسبیح اوّل مقبول ہے اور تسبیح ثانی مردود
اس سے ثابت ہوا کہ عالم میں ہر چیز خدا کی تسبیح کرتی ہے خواہ وہ تسبیح تکوینی ہو یا تشریعی اور مقبول حق سبحانہٗ ہو

یا مردود حق سبحانہ۔ اسلیئے یہ کہنا صحیح ہے کہ ہر چیز عاشق حق سبحانہ ہے کیونکہ اس مقام پر عشق سے مراد مطلق منشأ ومبدأ تسبیح ہے۔ خواہ وہ عشق متعارف ہو یا غیر متعارف۔

جب یہ معلوم ہوگیا تو اب سمجھو کہ مولانا نے تسبیح کی علتِ غائی تنقیہ تن فرمایا ہے

پس چونکہ تسبیح دو قسم کی تھی اسلئے تنقیہ بھی دو قسم کا ہوگا ایک عام جس کی تفصیل یہ ہے کہ چونکہ ہر چیز تکوینی طور پر مسخر امر الٰہی ہے اور اطاعت حق کے لیے اس نے اپنے جسم کو مشقت طاعت میں ڈال رکھا ہے۔ اسلئے کہ گویا کہ وہ اس طرح اپنے جسم کا تنقیہ کر رہے ہیں تاکہ مادۂ عصیان اس کی جان کو ہلاک نہ کر دے۔ یہ تنقیہ تو تکوینی ہوگا جو کہ تسبیح تکوینی سے متعلق ہوگا۔ اور دوسرا تنقیہ خاص۔ یہ تنقیہ تسبیح تشریعی کی طرح صرف مکلفین کے ساتھ مخصوص ہوگا۔ اور تسبیح تشریعی کی طرح وہ بھی دو قسم کا ہوگا۔ ایک واقعی اور دوسرا خیالی۔ تنقیہ واقعی طائعین کا ہے۔ اور تنقیہ خیالی عاصین کا۔

حاصل کلام یہ ہے کہ ہر چیز خدا پر عاشق ہے خواہ بعشق تکوینی ہو یا بعشق تشریعی۔ اور ہر چیز کے لیے ہر قسم کے عشق سے اس عشق کے مناسب ایک تسبیح ثابت ہوتی ہے اور ہر تسبیح پر اسکے مناسب ایک تسبیح ثابت ہوتی ہے اور ہر تسبیح پر اسکے مناسب تنقیہ تن مرتب ہوتا ہے۔ واللہ اعلم)

خیر: یہ مضمون تو استطرادی تھا۔ اب سنو کہ ہم نے اوپر کہا تھا کہ وہ افسر اس کنیزک پر عاشق ہوگیا۔ اب ہم کہتے ہیں کہ اسکو ایسا نہ کرنا چاہیئے تھا۔ بلکہ اسکو دیکھنا چاہیئے تھا کہ یہ کمال اس میں کہاں سے آیا ہے اور اسکے مبدأ پر عاشق ہونا چاہیئے تھا۔ لیکن اسنے ایسا نہیں دیکھا۔ اسنے کنوئیں کو رستہ اور ایک مضر شے کو اپنے لیئے مفید سمجھا۔ اسلئے وہ اس پر عاشق ہوگیا۔ اور ایک زمین شور اور بے نتیجہ شئے اُسے پسند آگئی۔ اور اسی میں اپنا تخم عشق بو دیا۔ اسلئے اسکی ایسی مثال ہوئی جیسے ایک شخص سو رہا ہو اور اسکو خواب میں ایک خیالی صورت دکھلائی دے

اور وہ اس سے ہمبستر ہوا اور اپنی منی گرادے۔ اور جب ایسا شخص جب خواب سے بیدار ہو گا تو دیکھے گا کہ وہ معیت چین بیداری کے وقت نہیں ہے اس پر وہ افسوس کریگا اور کہے گا۔ کہ افسوس! میں نے اپنی منی کو ایک بے حقیقت چیز پر ضائع کر دیا۔ اور اس دھوکہ باز کا دھوکہ کیا گیا ـــــ پس یہی حالت اس افسر کی ہے اور اس کو بھی اپنے اس فعل پر ایک وقت میں ندامت ہوگی۔ اچھا اب سنو! کہ اس بیہودگی کا منشا کیا تھا جو اس افسر نے کی۔ سو بات یہ ہے کہ بس وہ جسم ہی کا پہلوان تھا۔ اور حقیقت مردے (یعنی قوت و کمال ایمانی) اسے حاصل نہ تھی اسلئے اس نے مردانگی کا بیج (یعنی عشق جو کہ جڑ ہے قوت و کمال ایمانی کی) ریت میں بو دیا۔ یعنی ایک فانی پر عاشق ہو کر یہ اپنے عشق کو بے نتیجہ بنا دیا۔ خیر اس کا تو عشق... سرکش اور بے قابو ہو گیا تھا۔ اور وہ جوشِ عشق سے فاختہ کی طرح نعرہ لگا رہا تھا۔ اور کہہ رہا تھا کہ مجھے خلیفہ کی کچھ پرواہ نہیں ہے میں عشق میں بادشاہ کی کیا پرواہ کروں گا۔ میرے نزدیک تو زندگی اور موت دونوں برابر ہیں پس مجھے خلیفہ سے کس بات کا خوف ہو سکتا ہے۔

اب مولانا فرماتے ہیں کہ اس بے باک افسر سے کوئی کہے کہ میاں! تخم... عشق کے بونے میں اس قدر جانفشانی نہ کرو۔ ذرا اس معاملہ میں کسی جاننے والے سے بھی مشورہ کر لو۔ تاکہ وہ اسکے نشیب و فراز سے تمہیں واقف کرے اور تمہارے فعل کی خرابی تم کو سمجھاوے مگر کجا صلاح و مشورہ اور کجا عقل۔ اسکے سیلابِ حرص نے تو عقل کے پرخچے اُدھیڑ دیئے ہیں پھر وہ صلاح و مشورہ کیونکر کرے گا اور اسکی تو آگے بھی دیوار ہے اور پیچھے بھی دیوار ہے پھر وہ مفتونِ رخسار آگا پیچھا کیسے دیکھے گا اور اسکی قصر جان میں تو عشق کا سیلاب عظیم آچکا ہے۔ اب وہ کیونکر بچے گا۔ اس کا نتیجہ تو یہ ہو گا۔ کہ ایک لومڑی (کمزور عورت) ایک شیر (اتنے بڑے بہادر) کو تباہی کے کنوئیں میں گرا دیگی۔ اور اب تو کنوئیں سے ایک معدوم شے محسوس نظر آنے لگی ہے لہٰذا اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ وہ خیالی شے پہاڑوں کی طرح غیر متزلزل شیروں

کو اس میں گرادیگی۔ پھر وہ افسر کیسے بچ سکے گا۔

الحاصل وہ حسنِ فانی سے دھوکا کھاکر عشق کے پنجہ میں گرفتار ہوگیا ہے اب اسکی نجات کی کوئی سبیل نہیں نظر آتی۔ خیر! اس واقعہ کو تو ہم یہیں چھوڑتے ہیں اور کہتے ہیں کہ لوگو! تم اس واقعہ سے عبرت پکڑو۔ اور کسی شخص کو عورتوں کا محرم نہ بناؤ۔ کیونکہ عورت اور مرد کی مثال روئی اور آگ کی سی ہے پس جبکہ ان میں اتصال اور اختلاط ہوگا تو نتیجۂ بد کا پیدا ہونا ضروری ہے ـــــ مرد کا عورت کے ساتھ اختلاط ہو اور معصیت سے ملوّث نہ ہو اسکے لیے ضرورت ہے کہ آبِ رحمت حق سے آتشِ شہوت دبی ہوئی ہو۔ جیسے کہ حرام کاری کے مقابلہ میں حضرت یوسف علیہ السلام معصوم تھے کہ وہ زلیخا سے خوب صورت اور سرو قد عورت سے اپنے کو شیروں کی طرح الگ کھینچتے ہیں اور باوجود اسکے خواہش اور اصرار شدید کے معصیت میں ملوّث نہیں ہوتے۔

اچھا اب سمجھو! کہ وہ آگ کیونکر دب سکتی ہے اس کا طریقہ یہ ہے کہ نفس کو کچل دیا جائے اور نفس کو بدوں امداد عقول کاملہ (اہل اللہ) کے نہیں کچلا جا سکتا اسلیئے اس آگ کو دبانے کے لیے ضرورت ہے امداد و تربیت اہل اللہ کاملین کی۔ پس اگر تم اس آگ کو دبانا چاہتے ہو۔ تو ان سے مدد لو۔ اور اپنے کو ان کے سپرد کر کے ان سے تربیت حاصل کرو۔

(فائدہ: واضح ہو کہ مولانا کا مقصود یہ نہیں ہے کہ نفس کشی اور تہذیب اخلاق کے بعد آدمی کو اختلاط با زناں کی اجازت ہو جاتی ہے اور ایسا کرنا اس کے لیے مباح ہو جاتا ہے۔ بلکہ مولانا کا مقصود صرف اس قدر ہے کہ اگر شخص مذکور کو کسی مجبوری سے عورتوں کے ساتھ اختلاط ہو جائے تو وہ خود اسکے ضرر سے محفوظ رہ سکتا ہے جیسے کہ یوسف علیہ السلام کو زلیخا کے ساتھ غیر اختیاری اختلاط ہوگیا تھا۔ تو وہ بچ گئے تھے اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ انکو باختیار خود ایسا کرنا جائز ہو جائے راز اس کا یہ ہے کہ گو کسی کا نفس کتنا ہی مُردہ ہو جائے مگر وہ اس مرتبہ کو نہیں پہنچا

کہ اسکے اندر تقاضائے معصیت بالکل نہ رہے بلکہ فی الجملہ تقاضائے نفس سب میں ہوتا ہے خواہ وہ انبیاء ہوں یا غیر انبیاء ـــــــــ جیساکہ مولانا کے کلام سے ظاہر ہوتا ہے چنانچہ وہ فرماتے ہیں " یک قدم زد آدم اندر ذوق نفس شد فراق صدر جنت طوق نفس (اسکی شرح شروع دفتر دوم میں گذر چکی ہے اسکو دیکھ لو)

مگر انبیاء اور غیر انبیاء میں اتنا فرق ہوتا ہے کہ انبیاء کو تقاضائے نفس کو مغلوب کرنے کی پوری قوت حاصل ہوتی ہے اور حق سبحانہ کی جانب سے ان کی حفاظت کا وعدہ بھی ہوتا ہے اسلئے وہ تقاضائے نفس پر اسکو خلاف مرضی الٰہی سمجھ کر عمل نہیں کرتے اور صدور گناہ ان سے ناممکن ہوتا ہے۔

اور غیر انبیاء کو نہ تقاضائے نفس کے مغلوب کرنے پر وہ قوت حاصل ہوتی ہے جو انبیاء کو ہوتی ہے اور نہ حق سبحانہ کی طرف سے ان کی حفاظت کا وعدہ ہوتا ہے اسلئے وہ نفس کو مخالف مرضی حق جان کر اس پر عمل کر سکتے ہیں یعنی ایسا کرنا ان کے لیے ناممکن نہیں ہے۔ اب غیر انبیاء کے احوال مختلف ہوتے ہیں بعض تو ایسے ہوتے ہیں جو مغلوب نفس اور اسکے ہاتھ میں کھلونا ہوتے ہیں کہ وہ جدھر چاہتا ہے ان کو پھیر دیتا ہے پس یہ لوگ تو اہل ہوٰی کہلاتے ہیں۔ اور بعض ایسے ہوتے ہیں کہ ان کا نفس مغلوب ہوتا ہے اور وہ اس پر غالب ہوتے ہیں ایسے لوگ اہل اللہ کہلاتے ہیں اور چونکہ غلبہ قابل شدت وضعف ہے اسلئے اسکی درجات متفاوت ہوتے ہیں اور اسکی ان کے مراتب میں تفاوت ہوتا ہے اور بعض دوسرے بعض سے اکمل ہوتے ہیں۔ پس چونکہ غیر انبیاء معصوم نہیں ہیں اسلئے انکو ہر وقت خطرہ ہے معصیت میں مبتلا ہو جانے کا۔ لہٰذا انکو قصداً اختلاط با زناں کی اجازت نہیں ہو سکتی۔ اور اگر کوئی اپنے کو اپنے نفس پر بالکل قابو یافتہ یا اسکو بالکل مُردہ سمجھ کر عورتوں کے ساتھ اختلاط کو اپنے لیے مُضر نہ سمجھے تو یہ اسکی غلطی ہے۔ اور خود اس کا ایسا سمجھنا ہی دلیل ہے اس بات کی کہ اس کا نفس زندہ ہے جو کہ اسکو اس دھوکہ میں ڈال کر اس سے اپنا کام نکالنا چاہتا ہے۔

اور مولانا کے الفاظ آتشی باید نشستہ زاب حق۔ اور نفس خود را کے تواں کردن زبوں میں ہمارے مضمون بالا کی صریح تائید ہے کیونکہ انہوں نے آتش کو نشستہ اور نفس کو زبوں کہا ہے اور مردہ نہیں کہا جس میں اشارہ ہے اسکے زندہ اور منکسر السورۃ ہونے اور معدوم محض نہ ہونے کی طرف ــــ اور جہاں کہیں الفاظ مردہ وغیرہ لقا معشوق اسکی رجولیت کو دیکھ کر دنگ رہ گئی۔ اب وہ شہوت سے اسکے ساتھ ہمبستر ہوا وہ دونوں ایک دوسرے پر عاشق ہو کر ایک جان ہو گئے اور ان دونوں کے اتصال سے ان کو غیب سے ایک اور جان عطا ہو رہی تھی ان دونوں کو ایک بنا رہی تھی۔ اگر وہاں مانع حمل نہ موجود ہوتا تو طریق ولادت سے اس کا ظہور ہوتا۔

اب سمجھو کہ یہ کچھ انہیں کے اتصال کی خصوصیت نہیں ہے بلکہ جب کبھی ۲ دو شخصوں کا محبت یا عداوت سے اجتماع ہوتا ہے تو یقیناً وہاں ایک تیسری شی پیدا ہوتی ہے لیکن وہ صورتیں عام طور پر دنیا میں ظاہر نہیں ہوتیں بلکہ وہ عالم غیب میں پیدا ہوتی ہیں۔ جب تم وہاں جاؤ گے اسوقت وہ تمہیں دکھلائی دیگی۔

ہماری مراد ان صورتوں سے وہ نتائج ہیں جو کہ تمہارے اقترانات و اتصالات یا افعال وغیر افعال سے پیدا ہوتے ہیں۔ پس تم کو چاہیئے کہ ہر مقارن کے اقتران سے تم کو فوراً خوش نہ ہو جانا چاہیئے کیونکہ تمہیں کیا معلوم کہ اسکے اقتران سے کیسی صورت پیدا ہوگی۔ بلکہ خوب سوچ سمجھ کر کسی فعل یا غیر فعل کی مقارنت پیدا کرنی چاہیئے تاکہ اس اقتران سے برے نتائج پیدا نہ ہوں۔

(مطلب یہ ہے کہ جو کام بھی تم کرو اور جس شخص کے ساتھ اختلاط کرو اسکے متعلق یہ سوچ لو۔ کہ اس کوئی برا نتیجہ تو نہ پیدا ہوگا۔ اگر برا نتیجہ پیدا ہو تو اسکو چھوڑ دو۔ اور اگر اچھا نتیجہ پیدا ہو تو اس کو اختیار کرو)

تم اس وقت کے منتظر رہو جبکہ وہ تم کو دکھلائی دیں گے اور ان ذریات کو کے الحاق کو حق سمجھو۔ جو کہ ہر ایک کے لیے اسکی اعمال سے جو کہ ان کے لیے علتیں ہیں یوں ہی پیدا ہوتے ہیں جیسے کہ اپنی علتوں سے گویائی اور گونگا پن پیدا ہوتی ہیں۔ یا جیسے کہ گویائی اور گونگے پن سے ان کے آثار پیدا ہوتے ہیں۔ ان خوش جمال نتائج

اعمال) کی طرف سے لوگوں کو ہر دم یہ آواز پہنچ رہی ہے کہ ارے غافلو! ہم سے جلدی آکر ہم سے ملو۔ ہم کہ مردوں اور عورتوں کی جان اور ان کے نیچے ہیں تمہارے منتظر ہیں پس تم کو توقف کیوں ہے جلدی آؤ اور ہم سے ملو۔

[فائدہ: نتائجِ اعمال کو باوجودیکہ ان میں اچھے اور بُرے دونوں ہیں استعمال کیئے ہیں وہاں مُردہ سے یہی معنی مراد ہیں۔ پس اس مضمون کو خوب سمجھ لینا چاہیئے۔ اور دھوکا نہ کھانا چاہیئے واللّٰہ اعلم)

اچھا اب اس مضمون استطرادی کو ختم کرکے اتمام قصہ کی طرف لوٹنا چاہیئے کیونکہ یہ گفت گو تمام نہیں ہوسکتی۔ اچھا سُنو! افسر مذکور موصل سے روانہ ہوگیا اور چلتے چلتے وہ ایک بن میں پہنچا۔ جہاں اُسنے پڑاؤ ڈال دیا چونکہ اس کی آتشِ عشق اس قدر بھڑک رہی تھی اور وہ اسقدر بے خود ہوگیا تھا کہ زمین اور آسمان میں اسکو امتیاز نہ رہا تھا۔ اسلئے اسنے خیمہ کے اندر اس کنیزک سے ہمبستری کا قصد کیا عقل کہاں اور خلیفہ کا خوف کہاں۔ جو اسکو ایسا کرنے سے باز رکھے کیونکہ جب شہوت آدمی کے اندر شعلہ زن ہوتی ہے تو عقل کو یونہی بھسم کردیتی ہے جیسے شعلہ آتش کانٹوں کو۔ اور جبکہ وہ آدمی پر اپنا تسلّط کرتی ہے تو پھر بے چارے عقل کی کیا حقیقت ہوتی ہے کہ اسکی مزاحم ہو۔ اس وقت اس کی دہکتی ہوئی آنکھوں کے سامنے سینکڑوں خلیفہ مکھی سے زیادہ بے وقعت ہوتے ہیں اسلئے وہ اس فعل پر آمادہ ہوگیا اور جبکہ وہ زن پرست پاجامہ اُتار کر کنیزک کے پاؤں کے درمیان بیٹھا ہے اور جبکہ عضو تناسل اپنے مقام کی طرف سیدھا جارہا تھا اس وقت لشکر میں ایک شور قیامت برپا ہوا اس شور کو سُنکر وہ ننگا ہی صف لشکر کی طرف یوں دوڑا کہ شعلہ آتش کی طرح چمکتی ہوئی تلوار اسکے ہاتھ میں تھی اور اس طرح وہ وہاں پہنچا اور جاکر دیکھا کہ ایک کالا شیر بن سے نکل کر دفعتہً قلب لشکر پر آپڑا ہے اور گھوڑے جو شان دخر دشاں ہیں اور انہوں نے طویلوں اور خیموں کو تہس نہس کردیا ہے اور شیر ہوا میں موج دریا کی طرح بلیس بلیس گزاونچی اُچھل رہا ہے۔ یہ افسر چونکہ نہایت بہادر اور نڈر تھا اسلئے وہ شیر مست

اور نر کی طرح اُس کے سامنے آیا اور اس پر تلوار کا وار کیا اور سر کے دو ٹکڑے کر دیئے اس کا کام تمام کر کے فوراً خیمہ کی طرف چل دیا۔ جبکہ وہ اس حوروش کے سامنے گیا ہے تو اس کا عضو تناسل اسی طرح کھڑا تھا۔ اور باوجودیکہ اسنے ایسے خطرناک شیر سے مقابلہ کیا۔ مگر اس کا عضو تناسل اسی طرح قائم رہا اور بیٹھا نہیں اور وہ شیریں مطلقاً خوش جمال کہنے کی یہ وجہ معلوم ہوتی ہے کہ ان کی بُرائی ذاتی نہیں ہے بلکہ ان میں جو کچھ بُرائی ہے وہ عکس ہے زشتی افعال اختیاریہ مکلفین کا۔ پس ان کی مثال ایسی ہوگی جیسے آئینہ جو کہ اپنی ذات سے بُرا نہیں ہے بلکہ عکس روئے زشت سے بُرا معلوم ہوتا ہے واللہ اعلم)

ہاں تو وہ افسر صبح کاذب کو دیکھ کر مغالطہ میں پڑ گیا اور مکھی کی طرح میٹھے کی ہانڈی میں گر گیا (یعنی وہ کنیزک کے حسنِ فانی کو حسن باقی اور اسکے حسنِ مستعار کو حسنِ ذاتی سمجھ کر اسکے عشق میں مبتلا ہو گیا۔ اسلئے اسکی ایسی مثال ہوئی۔ جیسے کوئی صبح کاذب کو صبح صادق سمجھ کر مغالطہ میں پڑ جائے یا مکھی لسی کو دودھ سمجھ کر اس میں.. گر جائے)

چند روز تک وہ افسر اسی تعیش و کامرانی پر قائم رہا لیکن اسکے بعد جبکہ نشۂ شہوت اُترا تو اُسے اس بھاری جرم پر ندامت ہوئی اور اس نے خیال کیا کہ میں نے بڑی غلطی کی کہ بادشاہ کی محبوبہ پر دست اندازی کی۔ اسکے لیے اسنے یہ تدبیر کی کہ کنیزک کو قسم دیکر کہا کہ دیکھو! ان واقعات کی بادشاہ کو اطلاع نہ ہو اور اسنے اسے قسم دیدی کہ دیکھو جو معاملہ ہوا ہے بادشاہ کو اسکی ہوا بھی نہ دینا۔ خیر! میں اس قصہ کو مختصر کرتا ہوں اور کہتا ہوں کہ وہ افسر اس کنیزک کو بادشاہ کی حضوری میں لے گیا جب بادشاہ نے اسکو دیکھا تو مست ہو گیا اور اس طرح وہ بھی مبتلائے ذلت ہو گیا کیونکہ جس قدر اسنے اس کی تعریف سُنی تھی اسکو اس سے سو گنا پایا پھر خود سُننے اور دیکھنے میں بھی فرق ہے اور شنیدہ کے بود مانند دیدہ۔ معلوم ہے۔ کیونکہ تعریف تو صرف چشم خیال کے لیے ایک نقشہ کھینچتی ہے اور آنکھ اس کا ادراک

نہیں کر سکتی اور صورت حسیّہ مبصرہ آنکھ کا حصّہ ہے کان سے اسے علاقہ نہیں
پس جبکہ یہ امر معلوم ہوگیا تو مشاہدہ کا سماع پر تفوق ظاہر ہوگیا کیونکہ مشاہدہ
عین شے مدرک ہوتی ہے اور وصف میں اسکی تصویر۔ اور ایک شے کا بلا واسطہ
ادراک لامحالہ اسکے ادراک بواسطہ تصویر سے بڑھا ہوا ہوگا۔

اب ہم تم سے اس مضمون کی تائید کے لیے ایک واقعہ بیان کرتے ہیں اسکو غور
سے سنو۔ اور اس کا ہمیشہ لحاظ رکھو کہ جب کسی مقصود کو مثالوں کے ذریعہ سے بیان
کیا جائے ——— تو ان مثالوں کو خوب سمجھو! تاکہ مقصود خوب ذہن نشین
ہوجائے اور اسکی سمجھنے میں غلطی نہ ہو۔

ایک شخص نے کسی سخن دان سے سوال کیا کہ جناب حق کیا ہے اور باطل کیا اسکے
جواب میں اسنے کان پکڑا اور کہا کہ یہ تو باطل ہے اور آنکھ کی نسبت کہا کہ یہ حق ہے
اور اسکو یقین حاصل ہے یعنی سنی سنائی بات کا کچھ اعتبار نہیں ٹھیک اور سچی بات
وہ ہے جو آنکھ سے دیکھ لی جائے اس سے معلوم ہوگیا کہ سنی ہوئی بات دیکھی ہوئی
شے کے برابر نہیں ہو سکتی۔ یہاں تک تو مضمون بالا کی تائید تھی۔

اب ہم ایک غلطی کا ازالہ مناسب سمجھتے ہیں جو اس حکایت کے سننے سے پیدا
ہو سکتی ہے اور کہتے ہیں کہ سنی ہوئی بات کو باطل کہنے سے یہ مطلب نہیں کہ وہ واقع
میں غلط اور ناقابل اعتبار ہوتی ہے۔ بلکہ اسکے یہ معنی ہیں کہ چونکہ سنی ہوئی بات
دیکھے ہوئے کے برابر نہیں ہوتی۔ اسلئے وہ اسکے مقابلہ میں باطل ہے خواہ وہ فی نفسہٖ
ٹھیک ہو۔ چنانچہ اکثر باتوں میں نسبت کا لحاظ ہوتا ہے جن میں تم بھی نسبت کا اعتبار کرتے
ہو۔ پس تم حق سبحانہٗ کے غیر مبصر ہونے کی بنا پر اسکے علم سماعی کو... بے حقیقت
اور باطل محض نہ سمجھنا۔ کیونکہ حق سبحانہٗ واقع میں موجود ہے اور گو تم ان کا مشاہدہ نہیں
کرتے مگر تم کو ان کے وجود کا جو علم ہے وہ واقعیت رکھتا ہے اسلئے حق سبحانہٗ کی
اور تمہاری ایسی مثال ہے جیسے آفتاب اور خفاش کی کہ آفتاب واقع میں موجود ہے
اور گو خفاش نے اس سے روپوشی اختیار کی ہے۔ اور اسلئے وہ اسکو دکھلائی نہیں

دیتا مگر جو اس کا علم ہے وہ واقعی ہے اور وہ اس کے خیال صحیح اور علم واقعی سے بے بہرہ نہیں ہے۔ چنانچہ اس کا یہ خیال واقعی ہی اسے ڈراتا ہے اور وہ خیال واقعی ہے اسکو ظلمات کی طرف لے جاتا ہے اور اسکی نور کا خیال واقعی ہی اسکو خوف زدہ کرتا اور اسکو شب تاریک سے وابستہ کرتا ہے نیز دوست اور دشمن کا جو علم خیالی تم کو حاصل ہے ۔ وہ بھی غیر واقعی نہیں ہے بلکہ ان کا وہ خیال واقعی اور علم صحیح ہی ہے جس کی بنا پر تم دوستوں سے تعلق دوستی اور دشمنوں سے علاقہ دشمنی رکھتے ہو پس ایسا ہی تم حق سبحانہٗ کو سمجھ لو۔ اور جان لو۔ کہ گو وہ ہمیں دکھلائی نہیں دیتا مگر ہے ضرور۔ اور ہم کو جو اس کا علم ہے وہ ٹھیک ہے۔

اس مضمون کو یہاں تک پہنچا کر آگے تحصیل مشاہدہ حق کی ترغیب دیتے ہیں۔ اور اسکی لیے اول مشاہدہ حق اور اس کے علم خیالی کا فرق بیان کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اے موسٰے گو کوہ طور پر حق سبحانہٗ کے نور کی ایک جھلک پڑی تھی۔ مگر اس سے جو کوہ طور کو حق سبحانہٗ کا علم ہوسکا وہ تو اس قدر کمزور تھا جس کو آپکے مشاہدۂ قلبی کے مقابلہ میں مثل خیال کے کہا جائے اسلئے اس کا وہ علم تخئیلی آپکے علم تحقیقی کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔ کیونکہ تخئیل اور تحقیق میں جو تفاوت ہے وہ ظاہر ہے اس فرق کو بیان کرکے اب ترغیب تحصیل مشاہدہ شروع کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ گو تم کو حق سبحانہٗ کا علم خیالی واقعی حاصل ہے مگر تم اس سے دھوکا نہ کھانا۔ اور یہ نہ سمجھنا کہ ہم صرف اس خیال کی بنا پر وصال حق سبحانہٗ کے قابل ہیں۔ کیونکہ یہ ضرور نہیں ہے کہ جو کوئی کسی شے کے علم خیالی کے قابل ہو وہ اس تک وصول کے بھی قابل ہو۔

چنانچہ خیال جنگ سے کسی کو خوف نہیں ہوتا۔ لیکن اس سے اس کا قابل جنگ ہونا بھی ظاہر نہیں ہوتا۔ اسلئے کہا جاتا ہے کہ جنگ سے پہلے کی شجاعت اور قول فعل ہرگز قابل اعتبار نہیں کیونکہ جنگ سے پیشتر اور عالم خیال کے اندر نامرد بھی رستموں کی طرح فوفاں کیا کرتے ہیں اور رستم کی تصویر جو حمام میں منقوش ہو اس کے مقابلہ کا خیال ہر نا بکار پکا سکتا ہے لیکن جب یہ خیال مسموع مبصر ہوتا ہے اور جنگ یا

رستم کا سامنا ہوتا ہے تو پھر کسی نامردگی تو کیا مجال ہے۔ بڑے بڑے بہادروں کے حواس باختہ ہوجاتے ہیں۔ پس تم حق سبحانہٗ کے علم خیالی پر قناعت نہ کرو۔ بلکہ کوشش کرو کہ جس کو تم اب تک کان سے سنتے ہو اس کو اپنی آنکھ (چشم قلب) سے دیکھ لو اور جو چیز کہ اب تک مشاہدہ کے اعتبار سے بے حقیقت ہے گو فی نفسہٖ بے حقیقت نہیں ہے۔ اب مشاہدہ قلبی کے سبب اسکی واقفیت یقینی طور پر حاصل ہوجائے جس وقت یہ بات تم کو حاصل ہوجائیگی اس وقت تمہارے کان ہی ہم طبع چشم ہوجائیں گے اور تم کو اس کی خبر سے بھی وہی اطمینان حاصل ہوگا۔ جو دیکھنے سے ہوتا ہے اور اس وقت تمہارے کان یشب کی طرح بیش قیمت اور قابل قدر ہوجائیں گے اور صرف کانوں کی تخصیص نہیں۔ بلکہ حصول مشاہدہ کے بعد تمہارا سارا جسم مثل آئینہ کے ہوجائے گا۔ اور سب کا سب وہی کام دے گا جو آنکھ اور گوہر سینہ یعنی قلب دیتا ہے یعنی تم اپنے تمام جسم سے حق سبحانہٗ کے جمال کا یوں ہی مشاہدہ کروگے۔ جیسا کہ آنکھ یا دل سے کرتے ہو جب یہ امر ذہن نشین ہوگیا۔

تو اب سمجھو کہ گو تمہارا علم سماعی۔ بے کار ہے مگر بالکل بے کار نہیں۔ کیونکہ سُننے سے خیال پیدا ہوتا ہے اور وہ خیال مشاہدہ جمال حق کا ذریعہ بنتا ہے پس تم اس کو بالکل بے حقیقت نہ سمجھو۔ بلکہ اس سے کام لو اور کوشش کرو۔ تاکہ تمہارا یہ خیال ترقی کرے اور پختہ ہوکر تم کو تمہارے مطلوب تک پہنچادے۔

خیر! یہ مضمون تو استطرادی تو ختم ہُوا۔ اب سُنو کہ اس افسر کی طرح بادشاہ نے بھی ایک عرصہ تک اس کنیز کے ساتھ احمقانہ برتاؤ یعنی تعیش و تلذذ کیا۔ لیکن جس طرح اس افسر کے لیے اس کا کوئی نتیجہ حاصل نہ ہُوا۔ تھا۔ یوں ہی اسکو بھی کچھ حاصل نہ ہُوا۔ خیر! وہ تو ایک کنیز تھی ہم تو کہتے ہیں اگر کتے کو مملکت شرق و غرب بھی حاصل ہوجائے اس کا بھی کوئی نتیجہ نہیں کیونکہ جب وہ باقی بھی نہیں ہے تو پھر اس میں اور برق خاطف میں کوئی معتدبہ فرق نہیں ہے اور ظاہر ہے کہ برق دل لگانے کی چیز نہیں ہے پس یوں ہی ملک شرق و غرب بھی دل لگانے کی شے نہ ہوگی۔ پس جو سلطنت

کہ ہمیشہ نہ رہے ہے تم اسکو بمنزلہ خواب کے سمجھو اور اس سے دل نہ لگاؤ۔

بھلا ! تم اس جاہ کو کیا کرو گے جو آخرت میں جلاد کی طرح تمہاری گردن پکڑیگی پس تم تلذذات دنیا کو چھوڑ دو اور اسے عالم میں اس بات کو یقین کامل کے ساتھ جان لو کہ کوئی جائے امن ہے اور اپنے کو اس جائے امن کے قابل بناؤ۔ اور دھری کی یہ بات نہ سنو کہ دنیا کے علاوہ کوئی جائے امن نہیں ہے کیونکہ اسکے پاس اس کی کوئی دلیل نہیں ہے۔ بلکہ اسکی دلیل اور جو وہ کہتا ہے اس کا حاصل صرف یہ ہے کہ اگر اور کوئی مامن ہوتا تو میں ضرور اسے دیکھتا لیکن یہ اسکی غلطی ہے کسی کی ایک شئے کو نہ دیکھنے سے اس کا عدم لازم نہیں آتا پس تم اسکی تلبیس سے دھوکہ میں نہ پڑو اور مامن غیبی کا انکار نہ کرو کیونکہ اگر بچہ احوال عقل سے ناواقف ہو اور اسلئے وہ عقل کا انکار کرے تو عاقل آدمی اس کی بات پر اعتماد کر کے عقل سے دست بردار نہیں ہوجاتا اور اگر کوئی عاقل احوال عشق سے ناواقف ہو تو اس ماہ نیک خال عشق معدوم نہیں ہوجاتا۔ اور اگر حسن یوسف کو بھائیوں کی آنکھوں نے نہ دیکھا تو وہ اس سے یعقوب علیہ السلام کے دل سے نہیں مٹ گیا۔ غرض کہ ایسا بہت ہوتا ہے کہ ایک شے ایک شخص کو دکھلائی نہیں دیتی اور دوسرے کو دکھلائی دیتی ہے اور ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک شخص ایک شئ کو کچھ دیکھتا ہے اور دوسرا کچھ اور چنانچہ موسیٰ علیہ السلام کو عصا ایک لکڑی معلوم ہوتی تھی یعنی وہ اس سے کچھ خوف نہ کرتے تھے لیکن فرعونیوں کو وہ ہی لاٹھی اژدھا اور ان کی پریشانی کا سبب دکھلائی دیتی ہے۔ اور اسلئے اس سے ان کا وہم فنا ہوتا تھا اور ایسا بھی ہوتا ہے کہ خود ایک ہی شخص کے چشم قلب اور چشم ظاہر میں مخالفت ہوتی ہے۔ مگر آخر کار چشم باطن کو غلبہ ہوتا ہے اور وہ چشم ظاہر کو مغلوب کردیتی ہے چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ظاہر آنکھ ان کے ہاتھ کو عام ہاتھوں کی طرح ایک ہاتھ دیکھتی تھی مگر انکی غیب بین آنکھ کے سامنے وہ کھلا ہوا نور تھا چنانچہ جب حضرت موسےٰ علیہ السلام کو حکم ہوا ہے کہ فَاسْلُكْ يَدَكَ فِي جَيْبِكَ تَخْرُجْ بَيْضَاءَ مِنْ غَيْرِ سُوْءٍ تو اسوقت اس کا نور ہونا ظاہر ہوگیا جس کو چشم ظاہری نے بھی دیکھ لیا اور اس طرح اسکو چشم باطن کے مقابلہ

میں مغلوب ہونا پڑا۔

خیر! یہ گفت گو تو ختم نہ ہوگی اس کو چھوڑ دو اور حاصل اتنا سمجھ لو کہ جو شخص جس کمال سے محروم ہوتا ہے وہ اس کی نظر میں معدوم ہوتا ہے۔ چونکہ یہ خطاب ایک محجوب کو تھا جو کہ اہلِ اسرار نہ تھا۔ اسلئے مولانا فرماتے ہیں کہ اجی اس کے نزدیک تو واقعی چیزیں کھانا پینا..... اور جماع وغیرہ تلذذات دنیویہ ہیں اور اس کے سوا جو کچھ بھی ہے سب بے حقیقت اور باطل و معدوم ہیں پس تم اس کے اسرار خداوندی نہ بیان کرو کیونکہ وہ ان کا اہل نہیں اور ذَرْهُم فِی خَوضِهِم يَلعَبُون ۰ پر عمل کرو۔ اس کے نزدیک تلذذات نفسانیہ امور واقعیہ میں اور نعمائے روحانیہ بے حقیقت۔ اسلئے وہ لذاتِ نفسانیہ سے متمتع اور لذاتِ روحانیہ سے بے بہرہ ہیں۔

اور ہمارے نزدیک لذات دنیویہ بے حقیقت ہیں اسلئے ہم ان کی طرف التفات نہیں کرتے اور حق سبحانہ ہم کو اپنے جمال کے دیدار سے شرف فرماتے ہیں پس جس کا دین وایمان لذات نفسانیہ ہوں اس کو اس کا دین مبارک رہے اور ہم کو ہمارا دین مبارک رہے اور ہم یوں ہی اس سے لکم دینکم ولی دین کہتے ہیں جیساکہ حق سبحانہ نے اپنے رسول کو کفار سے کہنے کی ہدایت فرمائی تھی اور کہا تھا کہ جب یہ معاندین مانتے ہی نہیں تو ان سے کچھ نہ کہیئے اور فرما دیجیے۔

يَا أَيُّهَا الْكٰفِرُونَ ۰ لَآ أَعْبُدُ مَا تَعْبُدُونَ وَلَآ أَنتُمْ عٰبِدُونَ مَآ أَعْبُدُ ۰ وَلَآ أَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدتُّمْ ۰ وَلَآ أَنتُمْ عٰبِدُونَ مَآ أَعْبُدُ ۰ لَكُمْ دِينُكُمْ وَلِيَ دِينِ ۰

آمدنِ آں خلیفہ نزدِ آں خوبرو از برائے جماع

ہمبستری کے لئے خلیفہ کا اُس حسینہ کے پاس آنا

آں خلیفہ کرد رایِ اجتماع ۔۔۔ سُوی آں زن رفت از بہرِ جماع

خلیفہ نے اکٹھا ہونے کی سوچی ۔۔۔ ہمبستری کے لئے اُس لونڈی کے پاس گیا

ذکرِ اُو کرد و ذکر برپایِ کرد ۔۔۔ قصدِ خُفت و خیز مہر افزایِ کرد

اُس کی یاد کی اور عضو تناسل کو کھڑا کیا ۔۔۔ اُس محبت بڑھانے والی کیساتھ سونے اور جاگنے کا ارادہ کیا

چونکہ میانِ پایِ آں خاتون نشست ۔۔۔ پس قضا آمد رہِ عیشش ببست

جب اُس خاتون کے پاؤں کے بیچ میں بیٹھا ۔۔۔ تو تقدیر آ پہنچی، اُس کے عیش کا دروازہ بند کردیا

خشت خشتِ مُوش در گوشش رسید ۔۔۔ خُفت کیرش شہوتش کُلّی رمید

اُس کے کانوں میں چوہے کی کھٹ کھٹ آئی ۔۔۔ اُسکا آلۂ تناسل سو گیا۔ اُسکی شہوت بالکلیہ بھاگ گئی

وہم آں کز مار باشد ایں صریر ۔۔۔ کہ ہمی جُنبد بہ تُندی از حصیر

یہ وہم ہوا کہ یہ آواز سانپ کی ہوگی ۔۔۔ جو تیزی سے چٹائی میں سے حرکت کررہا ہے

خندہ گرفتنِ آں کنیزک را از ضُعفِ شہوتِ خلیفہ و قوتِ شہوتِ آں امیر و فہم کردنِ آں خلیفہ خندۂ کنیزک را

اُس سردار کی شہوت کی طاقت اور خلیفہ کی شہوت کی کمزوری پر لونڈی کا ہنس پڑنا اور لونڈی کے ہنسنے کو خلیفہ کا سمجھ جانا

زن بدید آں سُستیِ او از شگفت ۔۔۔ آمد اندر قہقہہ خندش گرفت

عورت نے حیرانی سے اُس کی سستی کو دیکھا ۔۔۔ وہ قہقہہ مارنے لگی، اُس پر ہنسی طاری ہوگئی

یادش آمد مردیِ آں پہلواں ۔۔۔ کو بکشت او شیر و اندامش چناں

اُس کو اُس پہلوان کی مردانگی یاد آگئی ۔۔۔ کہ اُس نے شیر کو مار ڈالا اور اُس کا عضو ایسا تھا

غالب آمد خندۂ زن شُد دراز ۔۔۔ جہد میکرد و نمی شُد لب فراز

عورت کی ہنسی غالب آگئی، لمبی ہوگئی ۔۔۔ وہ کوشش کرتی تھی اور ہونٹ بند نہ ہوتا تھا

سخت[1] می خندید ہمچوں بنگیاں ۔۔۔ غالب آمد خندہ بر سُود و زیاں

وہ بھنگڑوں کی طرح بہت ہنسی ۔۔۔ نفع اور نقصان پر ہنسی غالب آگئی

ہر چہ اندیشید خندہ می فزود ۔۔۔ ہمچو بندِ سیلِ ناگاہاں کشود

جتنا بھی سوچتی، ہنسی بڑھتی تھی ۔۔۔ بہاؤ کے بند کی طرح جو اچانک کھل گیا ہو

گریہ و خندہ غم و شادیِ دل ۔۔۔ ہر یکے را معدنے داں مستقل

رونا اور ہنسنا، دل کی خوشی اور غم ۔۔۔ ہر ایک کو مستقل کان سمجھ

[ ] چونکہ۔ جب بالکل تیار ہو گیا تو قضا نے راہ روک دی اور ایک چوہے کی کھٹ کھٹ کی آواز آئی جس سے وہ خوفزدہ ہو گیا اور اُس کی شہوت ختم ہو گئی۔ وہم۔ اُس چوہے کی کھٹ کھٹ کے بارے میں اُس کو یہ خیال آیا کہ یہ سانپ کے چلنے کی آواز ہے جو بستر کے نیچے ہے۔ خندہ۔ خلیفہ کی نامردی اور پہلوان کی مردانگی کو یاد کر کے لونڈی ہنسنے لگی۔

[1] سخت۔ اس کو ایسی ہنسی چھوٹی جیسی بھنگڑوں کو چھوٹتی ہے اور اُس ہنسی میں اُس کو یہ خیال بھی نہ رہا کہ بادشاہ کی ناگواری اُس کو نقصان پہنچائے گی۔ گریہ و خندہ۔ ہنسی اور رونے کے خزانے اللہ تعالیٰ کے قبضہ میں ہیں۔ جس کو اللہ تعالیٰ چاہے ہنساتا ہے جس کو چاہے رلاتا ہے۔

هر یکے را مخزن و مفتاحِ آں — اے برادر در کفِ فتّاح داں

ہر ایک کا خزانہ ہے اور اس کی کنجی — اے بھائی! کھولنے والے (خدا) کے ہاتھ میں سمجھ

ہیچ ساکن می نشد آں خندہ زو — پس خلیفہ تیرہ گشت و تُند خو

اس کی ہنسی کسی طرح نہ تھمتی تھی — تو خلیفہ ناراض اور غضبناک ہو گیا

زود شمشیر از غلافش بر کشید[54] — گفت سرِّ خندہ وا گو اے پلید

اس نے فوراً غلاف میں سے تلوار سونت لی — کہنے لگا اے ناپاک! ہنسی کا راز بتا

در دلم زیں خندہ ظنّی اوفتاد — راستی گو عشوہ نتوانیم داد

اس ہنسی سے میرے دل میں بدگمانی پیدا ہو گئی ہے — سچ بتا دے، تو مجھے فریب نہیں دے سکتی ہے

ور خلافِ راستی بفریبیم — یا بہانہ چرب آری تو برم

اگر تو سچائی کے خلاف مجھے فریب دے گی — یا میرے سامنے چکنا چپڑا بہانہ لائے گی

من بدانم در دلِ من روشنی ست — بایدت گفتن ہر آنچہ گفتنی ست

میں سمجھ جاؤں گا میرے دل میں روشنی ہے — تجھے کہنے کے لائق، بات کہہ دینی چاہیئے

در دلِ شاہاں تو ماہے داں سطبر — گرچہ گہ گہ شد ز غفلت زیرِ ابر

تو بادشاہوں کے دل میں ایک بڑا چاند سمجھ — اگرچہ وہ کبھی کبھی غفلت کی وجہ سے ابر کے نیچے آ جاتا ہے

یک چراغے ہست در دل وقتِ گشت — وقتِ خشم و حرص آید زیرِ طشت

چلنے پھرنے کے وقت دل میں ایک چراغ ہے — جو غصہ اور حرص کے وقت طشت کے نیچے ہو جاتا ہے

آں فراست[55] ایں زماں یارِ من ست — گر نگوئی آنچہ حقِ گفتن ست

اس وقت وہ شناخت میری دوست ہے — اگر تو وہ نہ کہے گی جو بتانے کا حق ہے

من بدیں شمشیر بُرّم گردنت — سُود نبود خود بہانہ کردنت

میں اس تلوار سے تیری گردن اڑا دوں گا — تیرا بہانہ کرنا کچھ مفید نہ ہو گا

ور نمایی راست ایں کار، ہیچ شک — تیغ را کرد او حوالہ گفت بک

اب میں تجھے یقیناً قتل کر دوں گا — اس نے تلوار اس کے سامنے کی کہا بتا

ور بگوئی راست آزادت کنم — حقِ یزداں نشکنم شادت کنم

اگر تو سچ کہہ دے گی میں تجھے آزاد کر دوں گا — خدا کی قسم نہ توڑوں گا، تجھے خوش کر دوں گا

ہفت مصحف آں زماں بر ہم نہاد — خورد سوگند و چنیں تقریر داد

اس نے سات قرآن اوپر نیچے رکھے — قسم کھائی اور یوں عہد کیا

فاش کردنِ آں کنیزک آں راز را با خلیفہ از بیمِ زخمِ شمشیر و

تلوار کے زخم سے ڈر کر اس لونڈی کا خلیفہ سے راز فاش کر دینا

اکراہِ خلیفہ کہ راست بگو سببِ ایں خندہ را و گرنہ بکُشتمت

اور خلیفہ کا مجبور کرنا کہ اس ہنسی کا سبب سچ بتا ورنہ میں تجھے مار ڈالوں گا

---

[54] زود - رنڈی کی بے تحاشا ہنسی پر شاہ کو غصہ آ گیا اور تلوار سونت لی اور کہنے لگا ہنسی کا راز صحیح بتا دے غلط بات سے تو مجھے مطمئن نہ کر سکے گی میرے دل میں عقل کی روشنی ہے

[55] آں فراست - وہ نورِ روشنی اس وقت میرے ساتھ ہے اگر تو صحیح بات نہ کہے گی میں فوراً سمجھ جاؤں گا اور تجھے مار ڈالوں گا اور یہ کہہ کر تلوار اس کے سامنے کر دی اور سات قرآن اوپر نیچے رکھ کر قسم کھائی کہ اگر تو سچ بتا دے گی تو تجھے آزاد کر دوں گا۔

زنؔ چو عاجز شد بگفت احوال را	مردی آں رستمِ صد زال را
عورت جب عاجز آگئی اُس نے حالات بتادیئے	سیکڑوں زال والے رستم کی مردانگی کے

شرح آں گردک کہ اندر راہ بود	یک بیک باآں خلیفہ وانمود
اُس خیمہ کی تفصیل جو راستہ میں تھا	وہ اُس نے ایک ایک کرکے خلیفہ پر کھولدی

شیر کشتن سوی خیمہ آمدن	واں ذکر قائم چو شاخِ کرگدن
شیر کا قتل کرنا خیمہ میں آنا	اور اسکے ذکر کا گینڈے کے سینگ کیطرح کھڑا رہنا

او بداں قوت کہ از شیر شکار	ہیچ تغیر ش نشد بد برقرار
وہ اُس طاقت کے ساتھ کہ شکاری شیر سے	اُس میں کوئی تغیر نہ ہوا برقرار تھا

توبدیںؔ سستی کہ چوں کردی بگوش	خشت خشتِ موشکے رفتی زہوش
تو اس سستی میں کہ جب تونے سُنی	چوہیا کی کھٹ کھٹ بے ہوش ہوگیا

من چو دیدم از تو ایں و از وے آں	زاں سبب خندیدم اے شاہِ جہاں
میں نے جب تجھے یہ دیکھا اور اُس سے وہ	اے شاہجہاں! میں اِس سبب سے ہنسی

رازہا را میکند حق آشکار	چوں بخواہد رُست تخمِ بد مکار
اللہ (تعالیٰ) بھیدوں کو ظاہر کردیتا ہے	جبکہ اُگ کررہے گا، بُرا بیج نہ بو

آب و ابر و آتش ایں آفتاب	رازہا را می برارند از تراب
پانی اور ابر اورگرمی اور یہ سورج	مٹی سے بھیدوں کو برآمد کردیتے ہیں

ایں بہارِ نو زبعدِ برگ ریز	ہست برہانِ وجودِ رستخیز
یہ نئی بہار، پتے جھڑنے کے بعد	قیامت کے وجود پر دلیل ہے

دربہاراںؔ سر ہا پیدا شود	ہر چہ خوردست ایں زمیں رُسوا شود
بہاروں میں راز ظاہر ہوجاتے ہیں	اس زمین نے جو کھایا ہے، ظاہر ہوجاتا ہے

بر دمد آں از دہان و از لبش	تا پدید آید ضمیر و مذہبش
اُس کے ہونٹ اور مُنہ سے وہ اُگ پڑتا ہے	یہاں تک کہ اُس کا مذہب اور ضمیر کھل جاتا ہے

سرِ بیخِ ہر درختے و خورش	جملگی پیدا شود آں بر سرش
ہر درخت کی جڑ کا راز اور اُس کی خوراک	سب اُس کے سر پر پیدا ہوجاتا ہے

ہر غمے کز وے تو دل آزردہ	از خمارِ مے بود کاں خوردہ
ہر وہ غم جس سے تو دل آزردہ ہے	اُس شراب کا خمار ہوتا ہے جو تونے پی ہے

لیکؔ کے دانی کہ آں رنجِ خمار	از کدامیں مے برآمد آشکار
لیکن تو کب جان سکتا ہے کہ خمار کی تکلیف	کونسی شراب سے ظاہر ہوئی ہے

ایں خمار اشکوفۂ آں دانہ ست	آں شناسد کاگہ و فرزانہ است
یہ خمار اُس دانہ کا شگوفہ ہے	وہ جانتا ہے جو آگاہ اور ذہین ہے

ؔ زن۔ لونڈی جب عاجز آگئی تو اُس نے پہلوان کا سارا قصہ سنا دیا اور کہا کہ اُس نے شیر کو بھی قتل کیا اور پھر خیمہ میں واپس آیا اور اُس کی شہوت میں کوئی کمی نہ آئی تھی۔

ؔ تو بدیں سستی۔ لونڈی نے کہا لیکن تیری یہ حالت ہے کہ چوہے کی کھٹ کھٹ سے شہوت کافور ہوگئی میرے ہنسنے کا یہ سبب ہے۔ رازہا۔ مولانا فرماتے ہیں کہ ہر راز ظاہر ہو کر رہتا ہے لہٰذا بدی کا بیج نہ بونا چاہیئے اِس لئے کہ وہ اُگے گا۔ آب۔ پانی، گرمی اور سورج زمین میں چھپے راز ظاہر کردیتے ہیں اور زمین کی ہر پوشیدہ چیز اُگ آتی ہے۔ ایں بہار۔ موسم بہار میں اُجڑے ہوئے چمن پھر زندگی حاصل کرلیتے ہیں جو حشر و نشر کے لئے ایک دلیل ہے۔

ؔ دربہاراں۔ موسم بہار میں زمین سے ہر وہ بیج اُگ پڑتا ہے جو زمین میں چھپا ہوا تھا اور اُس سے اُس بیج کی حقیقت کھل جاتی ہے۔۔۔ بر سرش۔ یعنی پھلوں کی صورت میں۔ ہر غمے۔ انسان پر جو مصیبت آتی ہے وہ اُس کے کسی عمل کا ثمرہ ہوتی ہے۔

ؔ لیک۔ لیکن انسان نہیں سمجھ سکتا ہے کہ یہ تکلیف اور رنج کس گناہ کا نتیجہ ہے۔ ایں خمار۔ اہلِ باطن یہ سمجھ لیتے ہیں۔ شاخ۔ گناہ اور اُس کے ثمرہ میں کوئی ظاہری مشابہت نہیں ہوتی ہے جس طرح بیج اور پھل میں۔ نطفہ۔ منی سے

شاخ و اشکوفہ نماند دانہ را | نطفہ کے ماند تنِ مردانہ را
شاخ اور شگوفہ دانہ کے مشابہ نہیں ہوتے | نطفہ انسانی جسم کے مشابہ کب ہے؟

نیست مانندِ ہیولا با اثر | دانہ کے مانند آید با شجر
مادّہ، نتیجہ کے مشابہ نہیں ہے | دانہ، درخت کے مشابہ کب ہوا ہے؟

نطفہ از نانست کے ماند بناں | مردم از نطفہ است کے باشد چناں
نطفہ، روٹی سے (بنا) ہے روٹی کے مشابہ کب ہے؟ | انسان نطفہ سے ہے ویسا کب ہوتا ہے؟

جنی از نارست کے ماند بنار | از بخارست ابر و نبود چوں بخار
جن آگ سے ہے، آگ سے مشابہ کب ہے | ابر، بخار سے ہے اور بخار جیسا نہیں ہوتا ہے

از دمِ جبریل عیسیٰ شد پدید | کے بصورت ہمچو او بُد ناپدید
(حضرت) عیسیٰ جبرئیل کی پھونک سے پیدا ہوئے | صورت کے اعتبار سے انہی طرح مخفی کب ہوئے؟

آدم از خاکست کے ماند بخاک | ہیچ انگورے نمی ماند بتاک
(حضرت) آدم مٹی سے ہیں، مٹی کے مشابہ کب ہیں | کوئی انگور، انگور کے درخت کے مشابہ نہیں ہے

کے بُوَد طاعت چو خلدِ پائیدار | کے بُوَد دزدی بشکلِ پائیدار
عبادت، مستقل جنت کی طرح کب ہے؟ | چوری، سولی کے ستون کی شکل کی کب ہے؟

ہیچ اصلے نیست مانندِ اثر | پس ندانی اصلِ رنج و دردِ سر
کوئی اصل نتیجہ کے مشابہ نہیں ہے | تو تو رنج اور دردسر کی اصل نہیں جان سکتا

لیک بے اصلے نباشد ایں جزا | بیگناہے کے برنجاند خدا
لیکن یہ جزا بغیر اصل کے نہیں ہوتی ہے | خدا بے گناہ کو کب رنج دیتا ہے؟

آنچہ اصلست و کشندہ آں شئی ست | گر نمی ماند بوے ہم از وے ست
وہ جو اصل ہے اور اس چیز کا سبب ہے | اگرچہ وہ اس کے مشابہ نہیں ہے تاہم وہ اسی کی وجہ سے ہے

پس بداں رنجت نتیجہ زلتے ست | آفتِ ایں ضربتت از شہوتے ست
پس سمجھ لے کہ تیری تکلیف کسی لغزش کا نتیجہ ہے | تیری اس چوٹ کی آفت، کسی شہوت کی وجہ سے ہے

گر ندانی آں گنہ را ز اعتبار | زود زاری کن طلب کن اغتفار
اگر عبرت کے لئے تو اس گناہ کو نہ پہچان سکے | بہت جلد عاجزی کر اور معافی چاہ

سجدہ کن صد بار میگو اے خدا | نیست ایں غم غیر در خوردِ سزا
سو بار سجدہ کر اور کہہ اے خدا! | یہ غم سزا کی پاداش کے سوا نہیں ہے

اے تو سبحان پاک از ظلم و ستم | کے دہی بے جرم جاں را درد و غم
اے سبحان تو ظلم وستم سے پاک ہے | تو جان کو درد و غم بغیر جرم کے کب دیتا ہے؟

من معین می ندانم جرم را | لیک ہم جرمے بباید کرم را
میں جرم کو معین کرکے نہیں جانتا ہوں | لیکن بخشش کے لئے جرم بھی چاہیے

بچہ پیدا ہوتا ہے لیکن بچہ اور منی میں مشابہت نہیں ہے۔ ہیولا۔ مادہ۔ اثر۔ جو چیز مادہ سے بنی ہے۔

[1] نطفہ۔ منی روٹی سے بنی لیکن آپس میں کوئی مشابہت نہیں ہے۔ جنی۔ جن آگ سے پیدا ہوا ابر بخارات سے پیدا ہوا لیکن آپس میں مشابہت نہیں ہے۔ دمِ جبرئیل۔ حضرت مسیح حضرت جبرئیل کے دم سے پیدا ہوئے دونوں میں کوئی مشابہت نہیں ہے۔

[2] آدم۔ آدم مٹی سے پیدا ہوئے، انگور بیل سے پیدا ہوا، ان میں بھی کوئی مشابہت نہیں ہے۔ خلد۔ جنت، عبادت کا ثمرہ ہے، چوری کا نتیجہ سولی ہے لیکن باہمی مشابہت نہیں ہے۔ آنچہ۔ اصل اور نتیجہ میں اگرچہ کوئی مشابہت نہیں ہوتی لیکن نتیجہ کو اصل سے ہی سمجھو۔ پس بداں۔ لہٰذا مصیبت کو گناہ کا ثمرہ سمجھنا چاہیئے۔

[3] گر ندانی۔ خواہ انسان عبرت حاصل کرنے کے لئے اس گناہ کو نہ سمجھ سکے جس کے نتیجہ میں مصیبت میں گرفتار ہوا ہے لیکن اس کو گناہ کی معافی کی درخواست کرنی چاہیئے۔ سجدہ کن۔ سجدہ کرکے کہنا چاہیئے کہ یہ میرے گناہ کی سزا ہے۔ اے سبحان۔ اللہ تعالیٰ سے عرض کرنا چاہیئے کہ تیری ذات ظلم و ستم سے پاک ہے بغیر خطا کے سزا نہیں دیتا ہے۔ کرم۔ بخشش، گناہ کی متقاضی ہے۔

چونکہ پوشیدی سبب را زاعتبار — دائما آں جرم را پوشیدہ دار
جبکہ تو نے سبب کو عبرت حاصل کرنے سے چھپا دیا — اس خطا کو بھی ہمیشہ پوشیدہ رکھ

کہ جزا اظہارِ جرمِ من بود — کز سیاست دزدیم ظاہر شود
کیونکہ بدلہ میری خطا کا اظہار بن جائے گا — کیونکہ سزا سے میری چوری کھل جائے گی

باز گردم سوئے توبہ شاہ باز — تا شود معلوم اسرارِ نیاز
میں بادشاہ کی توبہ کی طرف پھر لوٹتا ہوں — تاکہ عاجزی کے اسرار معلوم ہو جائیں

عزم کردنِ شاہ چوں واقف شد براں خیانت کہ بپوشاند و عفو کند و او را با او دہد و دانست کہ آں فتنہ جزائے قصدِ او بود و ظلمِ او بر صاحبِ موصل کہ مَنْ اَسَاءَ فَعَلَیْهَا وَاِنَّ رَبَّکَ لَبِالْمِرْصَاد و ترسید کہ اگر ایں انتقام کشد آں انتقام باز ہم بر سرِ او آید چنانکہ ایں ظلم و طمع بر سرش آمد

جب بادشاہ اس خیانت سے واقف ہوا تو اس کا ارادہ کرنا کہ وہ چشم پوشی کرلے اور معاف کر دے اور اس کو اس ہی کو دیدے اور سمجھ گیا کہ یہ فتنہ موصل کے بادشاہ پر اس کے ظلم اور ارادہ کی سزا ہے کیونکہ جس شخص نے برائی کی تو وہ اس پر ہے اور بیشک تیرا رب گھات کی جگہ میں ہے اور وہ ڈرا کہ اگر یہ بدلے گا تو بدلہ بھی اسی کے سر پر آئے گا جیسا کہ یہ ظلم اور حرص اس کے سر پر آیا

شاہ باخود آمد استغفار کرد — یادِ جرم و زلت و اصرار کرد
شاہ ہوش میں آیا اس نے توبہ کی — جرم اور لغزش اور اصرار کی یاد کی

گفت باخود آنچہ کردم باکساں — شد جزائے آں بجائے من رساں
اپنے آپ سے بولا میں نے جو کچھ لوگوں کے — اس کی سزا مجھ پر پہنچنے والی بن گئی

قصدِ جفتِ دیگراں کردم زجاہ — بر من آمد آں و افتادم بچاہ
میں نے مرتبہ کی وجہ سے دوسروں کی بیویوں کا — وہی مجھے پیش آیا اور میں کنوئیں میں گر گیا

من درِ خانہ کسِ دیگر زدم (قصد کیا) — او درِ خانہ مرا زد لاجرم
میں نے کسی دوسرے کے گھر کا دروازہ پیٹا — اس نے لامحالہ میرا دروازہ پیٹا

ہر کہ با اہلِ کساں شد فسق جو — اہلِ خود را داں کہ قواد ست او
جو شخص لوگوں کے اہل کے ساتھ فسق کا طلبگار بنا — سمجھ لے کہ وہ اپنے اہل کا دیوث ہے

زانکہ مثلِ آں جزائے آں شود — چوں جزائے سیئہ مثلش بود
کیونکہ اس کی جزا اس کی مثل ہوتی ہے — جبکہ برائی کا بدلہ اس جیسا ہوتا ہے

۱؎ چوں۔ اے صاحب تو نے میری خطا کو اس بارے میں پوشیدہ کر دیا ہے کہ میں نہیں بھر سکتا کہ یہ مصیبت کس خطا کی وجہ سے آئی ہے تو اب ہمیشہ کے لئے میری اس خطا کو چھپا دے۔ کہ جزا۔ سزا جرم کے اظہار کا سبب بن جاتی ہے جب چور کی پٹائی ہوتی ہے تو لوگ سمجھ جاتے ہیں کہ اس نے چوری کی ہے۔ تا شود۔ عاجزی اور نیازمندی بہت سے اسرار پر مشتمل ہے۔

۲؎ عزم کردن۔ بادشاہ سمجھ گیا کہ پہلوان کی خیانت میرے ظلم کی سزا ہے لہٰذا اس نے طے کیا کہ اب پہلوان پر ظلم نہ کرے ورنہ اور سزا ملے گی بلکہ یہ لونڈی اسی کو دیدے۔ زلت۔ لغزش۔ باقتراء یعنی گناہ پر جمنا۔

۳؎ گفت۔ بادشاہ نے کہا یہ سب کچھ میرے ظلم کی سزا ہے۔ قصد جفت۔ میں نے شاہ موصل کی لونڈی پر نظر بد ڈالی تو اس کے بدلے میں میری لونڈی پر نظر بد پڑی۔ من در خانہ۔ میں نے دوسرے کی پردہ دری کی تو میری پردہ دری ہوئی۔

۴؎ ہر کہ۔ جو شخص دوسروں کی بیویوں سے فسق کرتا ہے وہ دیوث ہے دراصل وہ اپنی بیوی کے بارے میں چاہتا ہے کہ لوگ اس سے فسق و فجور کریں۔ زانکہ۔ جیسے کہ برائی کا بدلہ اسی جیسی برائی ہوتی ہے۔

چون سبب گردی کشیدی سوی خویش — مثل آں را پس تو دو توی ز پیش

جب تو سبب بنا، تو نے اپنی جانب کھینچا — اس جیسا پس تو پہلے سے دیوث ہے

غصب کردم از شہِ موصل کنیز — غصب کردند از من او را زود نیز

میں نے شاہِ موصل کی لونڈی غصب کی — انہوں نے اس کو میرے پاس سے بھی فوراً غصب کر لیا

او امینِ من بُد و لالائے من — خائنش کرد آں خیانتہائے من

وہ میرا امین تھا اور میرا غلام — اس کو میری خیانتوں نے خیانت کرنے والا بنا دیا

نیست وقتِ کین گذاری و انتقام — من بدستِ خویش کردم کارِ خام

کینہ وری اور بدلہ کا وقت نہیں ہے — میں نے بُرا کام اپنے ہاتھ سے کیا

گر کشم کینہ ازاں میر و حرم — آں تعدی ہم بیاید بر سرم

اگر میں اس لونڈی اور سردار سے بدلہ لوں — وہ ظلم بھی میرے سر پڑ آئے گا

ہمچناں کیں یک بیامد در جزا — آزمودم باز نزمایم ورا

جیسا کہ یہ ایک، بدلے میں آیا — میں نے آزما لیا پھر میں اس کو نہ آزماؤں گا

دردِ صاحب موصلم گردن شکست — من نیارم ایں دگر را نیز خست

موصل کے بادشاہ کے درد نے میری گردن توڑ دی — میں اس کو دوبارہ نہیں توڑ سکتا ہوں

داد حق ماں از مکافات آگہی — گفت اِن عُدتُّم بہ عُدنا بہ

بدلے سے خدا نے ہمیں خبردار کر دیا — فرمایا اگر تم دوبارہ (یہ عمل) کرو گے ہم دوبارہ (یہ سزا) دیں گے

چونکہ فزونی کردن اینجا سود نیست — غیر صبر و مرحمت محمود نیست

چونکہ اس جگہ زیادتی کرنا مفید نہیں ہے — سوائے صبر اور رحم کے کچھ اچھا نہیں ہے

رَبَّنَا اِنَّا ظَلَمْنَا سہو رفت — رحمتے کن اے رحیمیہات زفت

اے ہمارے رب بیشک ہم نے ظلم کیا بھول ہوئی — رحمت کر اے وہ کہ تیری رحمتیں بڑی ہیں!

عفو کردم تو ہم از من عفو کن — از گناہانِ نو و جرمِ کہن

میں نے معاف کیا تو بھی مجھے معاف کر دے — نئے گناہوں اور پرانی خطاؤں کو

گفت اکنوں اے کنیزک وامگو — ایں سخن را کہ شنیدم من ز تو

کہا اے لونڈی! اب نہ کہنا — یہ بات جو میں نے تجھ سے سنی

پاس دار و با کسے عرضہ مکن — آنچہ گفتی اے کنیزک زیں سخن

محفوظ رکھ اور کسی سے نہ کہہ — اے لونڈی! تو نے جو یہ بات کہی

با امیرت جفت خواہم کرد من — اللہ اللہ زیں حکایت دم مزن

میں امیر سے تیرا نکاح کر دوں گا — خدا کے لئے اس قصہ کو نہ کہہ

تا نگردد او ز رویم شرمسار — کو یکے بد کرد و نیکی صد ہزار

تاکہ وہ میرے سامنے شرمندہ نہ ہو — کیونکہ اس نے ایک برائی اور لاکھوں بھلائیاں

چون سبب۔ جب تیرا فسق و فجور اپنی بیوی کے فسق و فجور کا سبب بنا تو معلوم ہوا کہ تو دیوث تھا۔ غصب۔ میں نے شاہِ موصل کی لونڈی غصب کی میرے سردار نے میری لونڈی غصب کر لی۔ لالای۔ غلام۔

۵۲ نیست۔ تو میں دوسرے سے کیا بدلہ لوں یہ تو میرا خود کردہ ہے۔ گر کشم۔ اب اگر میں پہلوان کو سزا دوں گا تو اس کا خمیازہ بھی مجھے بھگتنا پڑے گا۔ ہمچناں۔ ایک دفعہ میں آزما چکا کہ برائی کا بدلہ برائی سے ملا ہے اب میں ایسا نہ کروں گا۔ اِنْ عُدتُّم۔ قرآن پاک میں فرمایا گیا ہے کہ اگر تم پھر اسی شرارت میں کرو گے تو ہم بھی پھر وہی کریں گے۔

۵۳ چون۔ اب اس پہلوان پر کوئی ظلم و زیادتی مناسب نہیں ہے صبر اور رحم سے کام لینا ہی مناسب ہے۔ ربنا۔ اب تو بارگاہِ خداوندی میں یہی دعا کرنی چاہیے کہ ہم سے ظلم ہوا غلطی ہوئی تو معاف کر دے۔ عفو کردم۔ شاہِ مصر نے دعا میں کہا اے خدا میں نے

۵۴ گفت۔ شاہِ مصر نے لونڈی کو ہدایت دی کہ پہلوان کا قصہ اب کسی سے نہ کہنا۔ با امیرت۔ میں نے طے کر لیا ہے کہ پہلوان سے تیری شادی کر دوں گا تو اب پہلوان کی حالت کا قصہ کسی سے نہ کہنا۔ تا نگردد۔ اس لئے کہ ایک برائی کی ہے تو سینکڑوں بھلائیاں بھی کی ہیں میں اس کو شرمندہ کرنا نہیں چاہتا۔

بارہا من امتحانش کردہ ام
میں نے اُس کو بارہا آزمایا ہے

خوب تر از تو بدو بسپردہ ام
تجھ سے زیادہ حسین اُس کے سپرد کئے ہیں

در امانت یافتم اُورا تمام
میں نے اس کو امانت میں مکمل پایا ہے

ایں قضائے بُود ہم از کردہ ام
یہ بھی میرے کاموں کی سزا تھی

کنیزک بخشیدن شاہ بحیلت بہ پہلوان
بادشاہ کا پہلوان کو ایک تدبیر سے لونڈی بخش دینا

پس بخود خواند آں امیرِ خویش را
پھر اس نے اس اپنے امیر کو بلایا

کُشت دَر خود خشمِ قہر اندیش را
قہر ڈھانے والے غصہ کو اپنے اندر دبا دیا

کرد با اُو یک بہانہ دلپذیر
اُس نے دل کو لگنے والا ایک بہانہ کیا

کہ شُدستم زیں کنیزک بس نفیر
کہ میں اِس لونڈی سے بہت متنفر ہو گیا ہوں

زاں سبب کز غیرت و رشکِ کنیز
اِس لئے کہ لونڈی کی غیرت اور رشک سے

مادرِ فرزند دارد صَد ازیز
لڑکے کی ماں بہت فریاد کر رہی ہے

زاں سَبب کز غیرتِ اُو دائما
اِس لئے کہ اُس کی غیرت سے مستقلاً

مادرِ فرزند ہست اندر عَنا
لڑکے کی ماں مصیبت میں ہے

مادرِ فرزند را بَس حقہاست
لڑکے کی ماں کے بہت حقوق ہیں

اُو نہ دَر خوردِ چنیں جور و جفاست
وہ اِس طرح کی ظلم و زیادتی کے لائق نہیں ہے

رشک و غیرت میبرد خوں میخورَد
رشک اور غیرت کرتی ہے خون پیتی ہے

زیں کنیزک سخت تلخی می بُرد
اِس لونڈی سے سخت کڑواہٹ محسوس کرتی ہے

چوں کسے را داد خواہم ایں کنیز
چونکہ یہ لونڈی میں کسی کو دوں گا

پس تُرا اَولیٰ ترست ایں اے عزیز
اے پیارے! تجھے دینا زیادہ بہتر ہے

کہ تو جانبازی نمُودی بہرِ اُو
کیونکہ تو نے اُس کے لئے جانبازی دکھائی ہو

خوش نباشد دادنِ آں جز بتُو
تیرے سوا کسی کو اُسکا دینا اچھا نہ ہو گا

عَقد کردش با امیر اُو را بَداد
اُس کا نکاح امیر سے کر دیا اور اُسکو دیدی

خشم را و حرص را یکسو نہاد
غصہ اور لالچ کو ایک طرف رکھ دیا

عَقد کردش با امیر اُو را سپُرد
اُس کا نکاح امیر سے کر دیا، اُسکو سپرد کر دی

کرد خشم و حرص را او خورد مُرد
اُس نے غصہ اور لالچ کو ریزہ ریزہ کر دیا

بیان آنکہ نحنُ قسمنا کہ یکے را قوّت و شہوتِ خراں دہد
اِس کا بیان کہ ہم نے تقسیم کیا ہے کہ وہ کسی کو گدھوں کی سی قوت اور شہوت

و یکے را کیاست و قوّتِ انبیا و فرشتگاں دہد
دیدیتا ہے اور کسی کو فرشتوں اور نبیوں کی سی قوت اور ذہانت دیدیتا ہے

---

۲ خوب تر۔ میں نے تجھ سے بھی زیادہ حسین لونڈیاں اُس کے سپرد کی ہیں لیکن اُس نے خیانت نہیں کی۔ ایں قضائے۔ یہ میری برائیوں کی سزا مجھے ملی ہے۔ پس۔ اِس کے بعد شاہ نے اُس امیر پہلوان کو بلایا اور اُس سے یہ بہانہ کیا کہ میں اِس لونڈی سے متنفر ہوں۔

۳ زاں۔ اور میری نفرت کا سبب یہ ہے کہ میری بیوی بہت نالاں ہے۔ آزیز۔ ہانڈی کے پکنے کی آواز۔ زاں سبب۔ میرا لونڈی سے متنفر ہونے کا سبب یہ ہے کہ میرے بچہ کی ماں کو اِس سے تکلیف پہنچتی ہے۔ عَنا۔ مشقت۔ درخورد۔ لائق۔

۱ چوں کسے۔ اب جبکہ یہ لونڈی مجھے کسی کو دینی ہے تو تو زیادہ مستحق ہے۔ کہ تو۔ کیونکہ تو نے اُس کے لانے میں جانبازی کی ہے۔ عقد۔ شاہِ مصر نے اُس لونڈی کا اُس پہلوان سے نکاح کیا اور اپنے غصہ کو ختم کر دیا۔ بیان۔ حضرت حق تعالیٰ نے جسمانی طاقتوں کی تقسیم ہر ایک کے مناسب حال کی ہے کسی کو تو گدھوں کی سی قوتِ شہوانی دی ہے کسی کو فرشتوں اور نبیوں کی ذہانت اور ذکاوت عطا کی ہے۔

سَرکشی از هوا تافتن از سروریست
خواہشِ نفسانی سے سرتابی کرنا سرداری ہے

ترکِ ہوا قوتِ پیغمبری ست
خواہشِ نفسانی کو چھوڑ دینا پیغمبری طاقت ہے

تخمہائے کشہوتی نبود
وہ بیج جو شہوت والے نہ ہوں

بَرِ اُو جُز قیامتی نبود
اُن کا پھل قیامت کے سوا (ظاہر) نہ ہوگا

گر بُدش سستی ز نرّیِ خراں
اگر اُس میں گدھوں کی سی شہوت سے سستی تھی

بُود اُو را مردیِ پیغمبراں
تو اُس میں پیغمبروں کی سی مردانگی تھی

ترکِ خشم و شہوت و حرص آوری
غصہ اور شہوت اور لالچ کرنے کو چھوڑنا

ہست مردی و رگِ پیغمبری
مردانگی اور پیغمبری رَگ ہے

نرّیِ خر گو مباش اندر رگش
گو اُس کی رگ میں گدھے کا سا نرپنا نہ ہو

حق ہمی خواند اُلغ بگلربگش
اللہ (تعالیٰ) اُسکی امیرالامرائی کرچاہتا ہے

مردہ باشم بمن حق بنگرد
(اگر) میں مُردہ ہوں (اور) حق (تعالیٰ) کی نظر ہو

بہ ازاں زندہ کہ باشم دور رَد
اِس سے بہتر ہے کہ میں زندہ ہوں (اور) دور اور

مغزِ مردی ایں شناس و پوست آں
اس کو مردانگی کا مغز سمجھ اور وہ چھلکا ہے

آں بَرد در دوزخ وایں در جناں
وہ دوزخ میں لے جائیگی اور یہ جنتوں میں

حُفّتِ الجنّۃ مکارہ را رسید
"جنت گھیر دی گئی ہے" ناپسندیدہ چیزوں کو ملا

حُفّتِ النّار از ہوا آمد پدید
"دوزخ گھیر دی گئی ہے" خواہشِ نفسانی سے ظاہر ہوا

سلہ سرکشی ہوا۔ خواہشات پر قابو پالینا سرداری کی دلیل ہے اور یہ پیغمبری صفت ہے یہ شعر مولانا کا نہیں ہے بلکہ حکیم سنائی کا ہے۔ تخمہائے۔ جو شخص شہوت کی تخم ریزی کرے گا وہ قیامت میں اپنی تخم ریزی کا پھل پائیگا یہ شعر بھی مولانا کا نہیں ہے حکیم سنائی کا ہے۔ گر بدش۔ شاہِ مصر میں گدھوں کی سی شہوت نہ تھی اُس میں معنوی مردی تھی۔

سلہ ترکِ خشم۔ نفسانی رذائل کو ترک کرنا پیغمبری مردی ہے۔ اُلغ۔ بزرگ۔ بگلر بگ ۔۔۔۔ امیرالامراء۔ مُردہ باشم۔ وہ مُردگی جو خدا کی منظورِ نظر ہو اُس زندگی سے بہتر ہے جو مردود بارگاہ ہو۔ مغز۔ مردی اصل وہ ہے جو پیغمبروں میں ہے وہی جنت

[illegible]

شرح

خیر: جب وہ کنیز بادشاہ کے پاس پہنچ گئی تو اس نے اس کے ساتھ ہمبستری کا قصد کیا اور جماع کے لیے اس کے پاس گیا اس نے جماع کا خیال کیا اور عضوِ تناسل کو استادہ کیا اور روح افزا عیش ونشاط کا ارادہ کیا پس جبکہ وہ اسکے دونوں پاؤں کے درمیان بیٹھا تو تقدیرِ الٰہی نے اس کے عیش و نشاط کا راستہ بند کر دیا۔

تفصیل اسکی یہ ہے کہ چوہے کی حرکت کی آواز اس کے کانوں میں آئی اور اس سے اس کے شہوت بالکل منقطع ہو گئی اور اس کا ذکر استادہ بیٹھ گیا کیونکہ اُسے خیال ہُوا کہ یہ آواز سانپ کی ہے جو کہ تیزی کے ساتھ بوری کے نیچے سے گذرا ہے جب عورت نے اسکی اس کمزوری کا مشاہدہ کیا تو وہ تعجب سے قہقہہ مار کر ہنسنے لگی کیونکہ اس

وقت اس کو اس افسر کی مردانگی یاد آگئی جس نے شیر کو مارا تھا اور باوجود اس کے اس کا عضوِ مخصوص اسی طرح اِستادہ تھا۔ اس خیال سے اس پر ہنسی کا غلبہ ہوا اور دیر تک ہنستی رہی وہ کوشش بھی کرتی تھی کہ ہنسی بند ہو جائے مگر وہ رُکتی نہ تھی اور اس کا منہ بند نہ ہوتا تھا۔ اور بھنگڑوں کی طرح بے خود ہو کر خوب ہنس رہی تھی اور وہ ہنسی نفع و نقصان کے خیال پر غالب آرہی تھی اور جو کچھ بھی سوچتی تھی اس سے بجائے اس کے کہ ہنسی رُکے اور ہنسی آتی تھی۔

اس کی ہنسی کی یہ حالت تھی جیسے کہ سیلاب کا بند دفعتہً کاٹ دیا جائے اور اس وقت وہ جاری ہو۔ تم سمجھتے ہو کہ اس غیر اختیاری ہنسی کا راز کیا تھا؟ اس کی وجہ یہ تھی کہ ہنسی اور رونے اور رنج اور خوشی کا ایک مخفی اور مستقل معدن اور گودام ہے اور اس کی کنجی حق سُبحانہٗ کے ہاتھ میں ہے پس وہ جس وقت چاہتے ہیں اس وقت اس کا دروازہ کھول دیتے ہیں اور رنج اور خوشی خندہ وگریہ آدمی پر ٹوٹ پڑتی ہیں جس کو وہ دفع نہیں کر سکتا۔

اس بنا پر اس کنیز کی ہنسی نہ رکتی تھی اور وہ برابر ہنس رہی تھی اس سے بادشاہ کی طبیعت مکدر ہو گئی اور اسے غصہ آگیا اور اس نے فوراً میان سے تلوار کھینچ لی اور کہا کہ او خبیثہ! اس ہنسی کا راز بتلا۔ میرے دل میں تیری ہنسی سے شبہ پیدا ہو گیا ہے دیکھ سچ سچ کہنا اور دھوکا نہ دینا۔ کیونکہ تو مجھے دھوکا نہیں دے سکتی۔ اور اگر تو جھوٹ بول کر مجھے دھوکا دیگی۔ یا کوئی دل خوش کُن بہانہ پیش کریگی تو میں تیرے فریب کو سمجھ لوں گا کیونکہ میرے دل میں روشنی اور نُورِ فراست ہے پس جو کچھ کہنے کے لائق ہو وہ ہی کہنا۔ اور جھوٹ نہ بولنا۔

اب مولانا فرماتے ہیں کہ بادشاہوں کے دل میں فی الحقیقت ایک عظیم الشان چاند (نورِ فراست) ہوتا ہے۔ جس سے وہ صحیح اور غلط اور جا اور بے جا میں تمیز کر لیتے ہیں لیکن کبھی وہ اَبرِ حرص و خشم کے نیچے مستور ہو جاتا ہے۔ اور ان کے دل میں تفریح کے وقت ایک چراغ ہوتا ہے اور غصہ اور حرص کے وقت وہ طشت کے نیچے مخفی

ہو جاتا ہے اور روشنی نہیں دیتا۔

اب اس جملہ معترضہ کو تمام کر کے پھر قصہ بیان فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ بادشاہ نے کہا کہ وہ فراست اس وقت میرے ساتھ ہے اور میں اس سے تیرے صدق اور کذب میں تمیز کر لوں گا۔ اسلئے سچ کہنا اگر تو سچ سچ نہ کہے گی تو میں اس تلوار سے تیری گردن اڑا دوں گا اور حیلہ بہانہ کرنے سے تجھے کچھ فائدہ نہ ہوگا۔ اور میں تجھے ابھی مار ڈالوں گا تجھے اس میں کچھ شبہ نہ کرنا چاہیئے۔ یہ کہہ کر تلوار اس کے حوالہ کر دیگی اور کہا کہ لے دیکھ لے یہ تلوار موجود ہے لیکن اگر تو سچ سچ کہہ دے گی تو میں تجھے چھوڑ دوں گا۔ اور خدا کی قسم میں تجھے نہ مارونگا بلکہ خوش کرونگا۔

اس نے اسے یقین دلانے کے لیے اس وقت سات قرآن اوپر تلے رکھے اور قسم کھائی اور اس طرح اپنے عہد کو پختہ کر دیا۔ خیر جب عورت مجبور ہوگئی اور اُسے کچھ بن نہ آیا تو واقعہ کہہ دیا اور اس بہادر کی مردانگی کو بیان کر دیا۔ اس نے اس واقعہ کی جو کہ رستہ میں واقع ہوا تھا پوری تفصیل بادشاہ سے بیان کر دی کہ یوں اس نے شیر مارا اور یوں واپس آیا اور جب واپس آیا تو اس کا ذکر گینڈے کے سینگ کی طرح کھڑا تھا وغیرہ وغیرہ اور اس نے کہا کہ اُس کی قوت کی تو یہ حالت تھی کہ شیر سے اس میں کچھ تغیر نہ آیا اور اسی طرح قائم رہی اور تمہاری کمزوری کی یہ حالت ہے کہ چوہے کی رفتار کی آواز سے تمہارے حواس جاتے رہے۔ پس جبکہ میں نے اس کی وہ حالت اور تمہاری یہ حالت دیکھی تو مجھے ہنسی آگئی۔

اس واقعہ سے تم سبق حاصل کرو اور سمجھو کہ حق سبحانہٗ یوں اسرار کو ظاہر کر دیتے ہیں اور جبکہ تم نے سمجھ لیا کہ جو بیج بویا جائے وہ اُگے گا تو تم کو احتیاط چاہیئے اور بُرا بیج نہ بونا چاہیئے ورنہ اس کے ظہور کے بعد تم کو رُسوائی کا سامنا ہو گا۔
اب ہم تمہیں اس مضمون کو دوسرے نظائر حسیہ سے سمجھاتے ہیں اچھا سُنو! پانی اور ابر اور گرمی اور آفتاب سب کے سب مٹی سے امور مخفیہ کو ظاہر کرتے ہیں بس یونہی حق سبحانہٗ بھی آدمیوں کے اسرار مخفیہ کو ظاہر فرماتے ہیں۔

یہ پت جھڑ کے بعد درختوں کی سرسبزی قیامت کے وجود کی اعلیٰ درجہ کی دلیل
یعنی قیامت کے متعلق جو استبعاد ہے جس کی بناء پر اس کا انکار کیا جاتا ہے
اس کو بالکل دور کر رہی ہے۔ کیونکہ موسم بہار میں اسرار مخفیہ بداہتہ ظاہر ہوتے ہیں اور
جو کچھ زمین نے کھایا ہے وہ ظاہر ہوتا اور اسکے منہ سے نکلتا ہے۔ تا آنکہ اس کی
باطنی حالت ظاہر ہو جاتی ہے اور ہر درخت کی جڑ کی باطنی حالت اور اس کی غذا
سب کی سب اسکے سر پر ظاہر ہو جاتی ہے۔
جبؔ واقعات مشاہد اور ناقابل انکار ہیں تو قیامت کا وقوع مستبعد نہیں رہتا
کیونکہ وہاں بھی یہی ہوگا کہ ہر شخص کی حالت مخفیہ ظاہر ہوگی۔ اور اس پر اس کے موافق
نتیجہ مرتب ہوگا۔ واقعات مذکورہ سے تم کو یہ بھی نتیجہ نکالنا چاہیئے کہ جو غم تم کو لاحق
ہوا اور تم اسسے پریشان ہو وہ اس شراب کا خمار ہے جو تم نے پی ہے اور ان
افعال بدکا نتیجہ ہے جو تم نے کیے ہیں لیکن تم کو کیا معلوم ہو سکتا ہے کہ وہ رنج خمار
کس شراب سے پیدا ہوا ہے اور تم کیا جان سکتے ہو کہ یہ خمار فلاں دانہ کا شگوفہ اور
یہ رنج فلاں عمل کا اثر ہے۔ ہاں ایک حقائق شناس عارف اُس کو سمجھتا ہے تمہارے
نہ جاننے کا سبب یہ ہے کہ تم اشیاء اور ان کے نتائج ہیں۔ مشابہت کو ضروری
سمجھتے ہو اور افعال اور ان کے آثار میں مشابہت نہیں دیکھتے۔ اشیاء اور ان کے
نتائج ہیں کسی ایسے مشابہت کا ہونا خود ضرور نہیں ہے۔ جس کو ہر شخص سمجھ سکے
دیکھو! شاخیں اور شگوفے بیج سے پیدا ہوتے ہیں۔ مگر ان میں ایسی مشابہت
نہیں ہوتی۔ جس کو ہر شخص مان لے۔ علیٰ ہذا آدمی نطفہ سے پیدا ہوتا ہے۔ مگر نطفہ
کو آدمی سے کون سی واضح مشابہت ہوتی ہے۔
غرض کہ تمام مادہ اپنے آثار کے ساتھ کھلی ہوئی مشابہت نہیں رکھتے۔ چنانچہ دانہ درختوں
کے مشابہہ نہیں ہوتے اور منی روٹی سے پیدا ہوتی ہے مگر اسکو روٹی سے مشابہت نہیں
ہوتی۔ آدمی نطفہ سے پیدا ہوتا ہے مگر نطفہ کے مشابہہ نہیں ہوتا۔ جنات آگ سے پیدا ہوتے
ہیں مگر آگ کے مشابہ نہیں ہوتے۔ ابر بخار سے پیدا ہوتا ہے مگر بخار کے مشابہ نہیں ہوتا

عیسٰی علیہ السلام نفخۂ جبریلی سے پیدا ہوئے مگر جس طرح نفخہ غیر محسوس تھا یوں حضرت عیسٰی علیہ السلام غیر محسوس نہ تھے۔ نیز آدم علیہ السلام خاک سے پیدا ہوئے تھے مگر وہ خاک کے مشابہ نہ تھے۔ انگور اپنی بیل سے پیدا ہوتا ہے مگر وہ بیل سے مشابہ نہیں ہوتا۔ جنت نتیجۂ اعمال حسنہ ہے (بایں معنی کہ جنت اعمال صالحہ کے بدلے میں ملیگی نہ بایں معنی کہ جنت اعمال صالحہ سے پیدا ہوئی ہے) مگر اعمال حسنہ سے اُسے کیا مناسبت اور چوری کا نتیجہ سولی ہے۔ مگر چوری کو اس سے کیا مشابہت ہے۔ پس سے خلاصہ یہ نکلا کہ عام طور پر کسی اصل کو اپنے اثر سے مشابہت نہیں ہوتی۔ اور چونکہ تم سمجھے ہوئے ہو کہ ہر اصل کو اپنے اثر کے مشابہ ہونا چاہئیے۔ اسلیئے تم ان رنجوں اور تکلیفوں کا منشا نہیں سمجھ سکتے جو تم کو گناہ کے عوض میں دی جاتی ہے۔ واقع میں وہ سزا بلاوجہ نہیں ہوتی۔ کیونکہ حق سُبحانہٗ بدون گناہ کے تکلیف اور سزا نہیں دیتے پس جو چیز کسی سزا کی اصل اور اسکو کھینچنے والی ہے۔ گو وہ سزا اپنے اصل کے مشابہ نہ ہو۔ مگر وہ پیدا اسی سے ہوئی ہے۔ اس سے تم سمجھ لو کہ تمہاری تکلیف ضرور تمہاری غلطی کا نتیجہ ہے اور اس سزا کا منشأ ضرور کوئی خواہش نفسانی ہو۔ اگر تم اس گناہ کو خصوصیت کے ساتھ نہ جان سکو تو عبت سے فوراً حق سُبحانہٗ کے سامنے تضرع کرو اور اس سے معافی چاہو۔ اور سو دفعہ سجدہ کرو اور کہو کہ اے اللہ! یہ غم اور سزا ضرور اسی لیے ہے کہ مَیں مستحق سزا ہوں کیونکہ اے سُبحان! اور اے ظلم و ستم سے پاک تو بے قصور جان کو تکلیف اور سزا نہیں دیتا۔ اور گو میں خصوصیت کے ساتھ اس جُرم کو نہیں جانتا۔ مگر اتنا ضرور جانتا ہوں کہ سزا کے لیے کسی مجرم کی ضرورت ہے۔ پس ضرور مجھ سے کوئی قصور ہوا ہے جس کی یہ سزا ہے۔ اب میں آپ سے التجا کرتا ہوں۔ کہ جب آپ نے میرے جرم کو میرے علم سے مخفی کیا ہے تو اس کو آپ ہمیشہ کے لیئے پوشیدہ رکھیئے یعنی مجھے سزا سے معافی دیجیئے اسلیئے کہ سزا دینا میرے جُرم کا اظہار ہے۔ کیونکہ عقوبت سے میری چوری ظاہر ہوگی

(فائدہ: اس مقام پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ایلام حق سُبحانہٗ کی ضروری تفصیل کردی جائے۔ تاکہ مضمون مثنوی کی توضیح ہو جائے اور کسی کو مغالطہ نہ ہو۔ سو واضح ہو کہ حق سُبحانہٗ کو اپنی مخلوق پر مختلف قسم کے حقوق حاصل ہیں وہ ان کا مالک بھی ہے اور مُربّی بھی۔

اور بادشاہ حاکم بھی۔ پس اگر وہ کسی کو بحیثیت مالکانہ تکلیف پہنچادے۔ یا اس میں کوئی اور تصرف کرے تو چونکہ وہ اس حق کی بنا پر ہے جو اس کو حاصل ہے تو یہ تصرف کی حالت میں ظلم نہیں کہلا سکتا لیکن چونکہ وہ حکیم بھی ہیں اسلئے اس تصرف میں کسی حکمت کا ہونا ضروری ہے مگر یہ ضروری نہیں کہ اس حکمت کا علم مخلوق کو بھی ہو۔ بلکہ اس حکمت کا خدا کو علم ہونا کافی ہے اور اگر وہ کسی کو مربیانہ حیثیت سے تکلیف پہنچادے تو چونکہ وہ بنا بر مصالح مخلوق ہے خواہ بنا بر مصلحت مُولَم ہو۔ یا بنا بر مصالح مخلوق دیگر اسلئے اس کو بھی ظلم نہیں کہا جاسکتا۔
مثلاً ڈاکٹر کسی مریض کی مصلحت کا لحاظ رکھ کر اُس کا کوئی عضو کاٹ ڈالے یا کسی جگہ شگاف دیدے۔ یا کوئی حاکم بنا پر رعایت مصلحت عامہ بشرائط مخصوصہ ؏ کوئی ایسا فعل کرے جو بعض رعایا کے لیے موجب تکلیف ہو تو اس ڈاکٹر یا حاکم کے فعل کو ظلم نہ کہا جائے گا اور اگر وہ کسی کو حاکمانہ حیثیت سے اور بطور سزا کے کوئی تکلیف دے تو اس کے لیے ضرورت ہے کہ مُولَم کسی جُرم کا مرتکب ہوا ہو۔ کیونکہ سزا بلا جرم ظلم ہے اور حق سُبحانہٗ ظلم سے منزہ ہیں۔ اِنَّ اللّٰہَ لَا یَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّۃٍ۔
جب یہ معلوم ہوگیا تو اب سمجھو کہ غیر مکلّفین کو جو تکلیفیں ہوتی ہیں ان کا منشا یا حق مالکانہ ہوتا ہے یا حق مربیانہ۔ اور ان کے لیے کسی جُرم کی ضرورت نہیں ہوتی اور جو تکلیفیں کہ مکلّفین کو ہوتی ہیں ان میں تینوں احتمال ہوتے ہیں یہ بھی کہ بحق مالکانہ ہوں اور یہ بھی کہ بحق مربیانہ ہوں۔ اور یہ بھی کہ بحق حاکمانہ اور بطور سزا ہوں۔ تیسرے صورت میں تقدم جُرم لازمی ہے اور پہلی دو صورتوں میں جُرم کی ضرورت نہیں ——— پس خلاصہ یہ نکلا کہ جو تکلیف

؏ ؛ شرائط مخصوصہ کی قید ہم نے اسلئے بڑھائی ہے کہ ہر حاکم کو ہر مصلحت عامہ کا لحاظ کر کے ایسا فعل کرنا جو بعض رعایا کے لیے موجب تکلیف ہو جائز نہیں ہے بلکہ خاص شرائط کے ساتھ جائز ہے مثلاً یہ کہ وہ فعل کسی اور اہم مصلحت کے معارض نہ ہو۔ نیز اس میں کسی حاکم بالادست . . . . کے حکم کی خلاف ورزی نہ ہوتی ہو وغیرہ وغیرہ ۱۲ منہ۔

سزا کے طور پر ہو فقط۔ اسکے لیے تقدم جرم کی ضرورت ہے اور کسی تکلیف کے لیے تقدم جرم کی ضرورت نہیں لیکن چونکہ مکلف یہ نہیں جان سکتا کہ جو تکلیف مجھے پہنچی ہے اس کا منشا کیا ہے اسلئے اس کا فرض ہے کہ وہ اپنے کو متہم کرے اور سمجھے کہ یہ میرے کسی جرم کا نتیجہ ہے اور حق سبحانہ سے استغفار کرے کیونکہ اگر وہ کسی تکلیف کو اپنے گناہ کا اثر نہ سمجھے گا اور اسلئے استغفار نہ کرے گا۔ اور واقع میں وہ اسکے گناہ کا نتیجہ ہوگی تو اسکے ایسا کرنے میں فرزند خور کا اندیشہ ہے۔

اس تفصیل سے ما اصابکم من مصیبۃ فبما کسبت ایدیکم کا مطلب بھی واضح ہوگیا اور معلوم ہوگیا کہ اس آیت میں مصیبت سے ہر تکلیف مراد نہیں ہے۔ بلکہ وہ تکلیف مراد ہے جو سزا کے طور پر ہو۔ اور جس طرح دلائل عقلیہ اس تخصیص پر دلالت کرتے ہیں یوں ہی دلائل نقلیہ بھی اس پر دلالت کرتے ہیں۔ مثلاً خود حق سبحانہ فرماتے ہیں ولنبلونکم بشئ من الخوف والجوع الخ یہ آیت دلیل ہے اس امر کی کہ ہر تکلیف کا منشا جرم نہیں ہوتا کیونکہ اس آیت میں حق سبحانہ نے بعض تکالیف کا منشا محض امتحان قرار دیا ہے اور انکو کسی جرم کا نتیجہ قرار نہیں دیا نیز دوسرے مقام پر فرماتے ہیں کتب علیکم القتالُ وھو کُرہٌ لکم وعسیٰ ان تکرھوا شیئا وھو خیر لکم۔ اور یہ ظاہر ہے کہ جنگ ایک مصیبت ہے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ لوگوں کو اس مصیبت میں پھنسانا کسی جرم کا سبب نہیں ہے۔ بلکہ اس کا منشا رحمت ہے جس کی طرف ھو خیر لکم میں اشارہ ہے پس ضرور ہوا کہ آیۂ مذکورہ بالا میں مصیبت سے مراد ہر مصیبت نہ ہو۔ بلکہ خاص مصیبت ہو وہو المدعیٰ۔ پس آریوں کا آیۂ مذکورہ میں مصیبت سے ہر تکلیف مراد لینا مقصود متکلم کے خلاف ہے اور اسسے تناسخ پر استدلال صحیح نہیں)

اچھا اب ہم بادشاہ کی توبہ کی طرف لوٹتے ہیں تاکہ اسکے تم کو اس کی توبہ کے اسرار معلوم ہوں۔ اچھا سنو! کنیزک کے منہ سے واقعہ خیانت افسر سنکر اس کی آنکھیں کھل گئیں اور اسنے فوراً توبہ کی اور اپنے جرم اور اپنی لغزش اور ضد کو یاد کیا اور اپنے دل میں کہا کہ جو کچھ میں نے دوسروں کے ساتھ کیا تھا۔ وہ میرے آگے آیا۔ میں نے دوسرں

کے محبوبوں پر ہاتھ ڈالا تھا۔ اس کا وبال مجھ پر پڑا اور جو کنواں میں نے اوروں کے لیے کھودا تھا اُس میں میں خود گر گیا۔ میں نے دوسروں کے دروازہ کو کھٹکھٹایا تھا میرے افسر نے میرا دروازہ کھٹکھٹایا۔

اب مولانا انتقال فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ دیکھو! جو کوئی دوسروں کی عورتوں کے ساتھ بدفعلی کا قصد کرتا ہے وہ گویا کہ اپنی بیوی کی بےحرمتی کرتا ہے کیونکہ جس جرم کا وہ ارتکاب کرتا ہے وہ بدلالت حال اس کی مثل سزا پر رضامند ہے کیونکہ قاعدہ ہے کہ جیسا جرم ہوتا ہے اسی قسم کی اس کی سزا ہوتی ہے پس جبکہ تم نے دوسروں کی عورتوں کے ساتھ بدفعلی کا ارتکاب کیا تو حالاً تم نے ویسی ہی سزا کو قبول کر لیا۔ اس سے تمہارا دیوث ہونا خود ظاہر ہو گیا۔ خیر یہ مضمون تو استطرادی تھا۔ اب سنو کہ بادشاہ نے کہا کہ میں نے شاہ موصل سے کنیز غصب کی تھی اوروں نے مجھ سے چھین لیا۔ وہ افسر میرا معتمد اور غلام خاص تھا۔ وہ ہرگز خیانت نہ کر سکتا تھا اُسکو خائن خود میری خیانتوں نے بنایا ہے۔

اچھا اب اس کا وقت نہیں ہے کہ اس سے دشمنی نکالی جائے اور بدلہ لیا جائے بلکہ خاموشی اور عفو ہی مناسب ہے کیونکہ میں نے اپنا کام خود خراب کیا ہے اس کا کیا قصور ہے۔ ایسی حالت میں اگر میں اس افسر اور کنیز سے انتقام لیتا ہوں تو اس ظلم کا وبال بھی مجھ ہی پر پڑے گا جیسا کہ اُس جرم کا وبال پڑا ہے پس مجھے انتقام کا خیال نہ کرنا چاہیئے۔ اور جب مجھے ایک بار تجربہ ہو چکا ہے تو پھر دوبارہ اُس قسم کی حرکت کر کے دوسری دفعہ اس کا تجربہ نہ کرنا چاہیئے۔ صاحبِ موصل کی تکلیف نے میری گردن توڑ دی ہے۔ اب مجھ میں ہمت نہیں ہے کہ دوسرے وبال کا طالب ہوں۔ حق سبحانہٗ نے ہم کو بدلے کی اطلاع کر دی ہے اور فرما دیا ہے کہ اگر تم پھر ویسی ہی حرکت کرو گے تو ہم پھر اسی قسم کی سزا دیں گے۔ اس بنا پر دوبارہ سزا ضرور ملے گی پس جبکہ اس موقعہ پر زیادتی کرنا بے فائدہ ہے تو اب صبر اور شفقت ہی بہتر ہے۔ اے اللہ! ہم نے ظلم کیا اور ہم سے غلطی ہوئی پس اے بڑی رحمتوں والے

تو ہم پر رحم کر۔ میں نے اپنے مجرموں کو معاف کیا تو مجھے معافی دے اور میرے نئے اور پرانے گناہ بخش دے۔ اسکے بعد اس نے کنیزک سے خطاب کیا اور کہا کہ اے کنیزک جو بات تو نے مجھ سے کہی ہے اسکو کسی اور سے نہ کہنا۔ دیکھ میں پھر کہتا ہوں کہ اس بات کا خیال رکھنا۔ اور جو کچھ تو نے مجھ سے کہا ہے اس کو کسی اور کے سامنے بیان نہ کرنا۔ میں امیر سے تیری شادی کردوں گا۔ مگر خدا کے لئے اس واقعہ کو اس سے بھی ذکر نہ کرنا۔ تاکہ وہ مجھ سے شرمندہ نہ ہو۔ کیونکہ اس نے اگر ایک برائی کی ہے تو لاکھوں بھلائیاں کی ہیں ایسی حالت میں اسے شرمندہ کرنا مناسب نہیں ہے۔ میں بارہا اس کا امتحان کر چکا ہوں اور تجھ سے بڑھ کر حسین حسین عورتیں اسکے سپرد کر چکا ہوں لیکن اس نے خیانت نہیں کی اور ہمیشہ میں نے اسے نہایت امین پایا ہے ـــــ یہ واقعہ محض بتقدیر الٰہی اور میرے افعال کی بدولت پیش آیا۔ بادشاہ نے کنیز کو یہ ہدایت کر کے افسر کو طلب کیا۔ اور غصہ جو کہ قہر کو مقتضی تھا اسکو اس نے دبایا اور اسکے ایک جی لگتا بہانہ کیا اور یہ کہا کہ مجھے اس لونڈی سے سخت نفرت ہو گئی ہے کیونکہ اسکے رشک سے بیگم کی ماں بہت کڑھتی ہے اور اسکے رشک سے وہ ہمیشہ مبتلائے رنج رہتی ہے اور چونکہ وہ قدیم الصحبت ہے اسلئے اس کے حقوق مجھ پر بہت ہیں اور وہ اس قسم کی تکالیف کی مستحق نہیں ہے پس چونکہ وہ نہایت رشک کرتی ہے اور اپنا خون جگر کھاتی ہے اور اس کنیزک سے اسکو بہت تکلیف ہوتی ہے۔ اسلئے میں چاہتا ہوں کہ اسکو الگ کر دوں۔ پھر خیال کرتا ہوں کہ جب الگ کروں گا تو آخر کسی کو دوں گا۔ ایسی حالت میں بہتر یہی معلوم ہوتا ہے کہ تمہیں کو دے دوں کیونکہ تم اسکی زیادہ مستحق ہو۔ اس لیئے کہ تم اسکے لئے جان پر کھیل گئے ہو۔ اور اس کو اپنی جان بیچ کر لائے ہو۔ پس مناسب نہیں ہے کہ تمہارے سوا کسی اور کو دی جائے۔

یہ کہہ کر اس کا امیر سے نکاح کر دیا اور اس کو امیر کے حوالہ کر دیا اور غضب اور حرص کو بالائے طاق رکھ دیا اور اس کا امیر سے نکاح کر کے اسکو امیر کے سپرد کر دیا اور اپنے غضب اور حرص کو چکنا چور کر دیا۔

اب مولانا فرماتے ہیں کہ گو اس بادشاہ میں مستی حیوانی کی تھی مگر اس میں پیغمبروں کی

مردانگی تھی۔ کیونکہ اس نے اپنے غضب اور شہوت اور حرص کو چھوڑ دیا۔ اور ان کا چھوڑ دینا پیغمبروں کی مردی اور رگِ پیغمبری ہے پس اگر اس میں گدھوں کی مستی نہ ہو۔ نہ سہی خلا سے عظیم الشان خانِ خاناں کہتا ہے اور یہی درکار بھی ہے کیونکہ اگر ہم عورتوں کی نظر میں بالکل مردہ ہوں مگر ہم پر حق سبحانہٗ کی نظرِ عنایت ہو یہ ہزار درجہ بہتر ہے اسلئے کہ ہم لوگوں کی نظر میں زندہ ہوں۔ مگر حق سبحانہٗ سے دُور اور اسکی درگاہ سے مردود ہوں۔ تم سمجھ لو کہ حقیقت مردی ترک غضب و شہوت و حرص ہے اور غلبۂ شہوت مردی نہیں ہے بلکہ یہ محض بے وقعت چیز ہے۔

کیونکہ غلبۂ شہوت تو دوزخ میں لے جانے والی چیز ہے اور ترک شہوت وغیرہ جنت میں پہنچانے والا ہے کیونکہ غلبۂ شہوت موجب تلذذ و تنعم ہے اور ترکِ خشم وغیرہ موجبِ اذیت اور نہایت ناگوار۔ اور جنت ناگواریوں سے گھری ہوئی ہے اور دوزخ خواہشاتِ نفسانیہ سے۔ پس ناگواریوں کے تحمّل سے آدمی جنت میں پہنچا ہے اور خواہشاتِ نفسانیہ کے اتباع سے دوزخ میں ـــــ اس قصہ کو ختم کر کے پھر مولانا خطابِ محمود کی طرف عود کرتے ہیں اور فرماتے ہیں۔

دیگربار خطابِ پادشاہ با ایاز و امتحان کردنِ ارکانِ دولت را و نمودنِ فرمانبرداریِ ایاز بایشاں

بادشاہ کا ایاز کو دوبارہ خطاب کرنا اور ارکانِ دولت کا امتحان لینا اور ایاز کی فرمانبرداری اُن کو دکھانا

اے ایازِ شیر نرِ دیو کُش
اے ایاز! نر شیر، دیو کو مار ڈالنے والے

مردیِ خر کم فزوں مردیِ ہُش
گدھے کی مردانگی کم ہے ہوش کی مردانگی بڑھی ہوئی ہے

آنچہ چندیں صدر آں ادراکش نکرد
جس چیز کو اتنے صدروں نے نہ سمجھا

لعبِ کودک بود پیشت ایں مرد
تیرے سامنے بچوں کا کھیل تھا، زہے مردانگی

اے[2] بدیدہ لذّتِ امرِ مرا
اے وہ! جس نے میرے حکم کا مزا چکھا ہے

جاں سپردہ بہرِ امرم در وفا
وفاداری میں میرے حکم پر جان فدا کر دی

اے کہ از تعظیمِ امرش آگہی
اے وہ (کہ تو اس (شاہ) کے حکم کی تعظیم سے واقف ہے،

ایں حکایت گوش کن تا داری
یہ حکایت سن لے تاکہ تو نجات پا جائے

---

[1] چیز۔ اس کا ترجمہ بعض شارحین نے یہ کیا ہے کہ یہ بات پہنچی ہے کہ جنت کراہت سے گھیر دی گئی ہے اور دوسرے مصرع کا ترجمہ بھی یہ کیا ہے کہ آگ خواہشِ نفس سے گھیر دی گئی ہے ظاہر ہوا ہے۔ یعنی یہ بات حدیث کی ہمیں پہنچی ہے اور یہ بات حدیث سے ظاہر ہوئی ہے۔ دیگر بار۔ سلطان محمود نے ایاز کو دوبارہ خطاب کیا اور ان کو ایاز کی فرمانبرداری دکھائی۔ مردی بش۔ یعنی پیغمبروں کی مردی۔ آنچہ۔ یہ دوسرے سردار وہ نہ سمجھے جو تو باسانی سمجھ گیا۔

داستانِ ذوقِ امر و چاشنیش — بشنو اکنوں دَر بیانِ معنویش

حکم کے ذوق اور اس کی چاشنی کی داستان — اب اس (حکایت) معنوی بیان کو سن لے

دادنِ شاہ گوہر را در میانِ دیوان و مجمع بدستِ وزیر

کچہری اور مجمع میں بادشاہ کا ایک وزیر کو موتی دینا کہ یہ کس

ایں چند ارزد و مبالغہ کردنِ وزیر در قیمت فرمودن

قیمت کا ہے؟ اور قیمت میں وزیر کا مبالغہ کرنا اور بادشاہ

شاہ کہ اکنوں ایں را بشکن و گفتنِ وزیر کہ ایں گوہرِ

کا حکم دینا کہ اب اس کو توڑ دے اور وزیر کا کہنا کہ اس عمدہ

نفیس را چگونہ بشکنم

موتی کو کیسے توڑوں؟

گفت روزے شاہ محمودِ غنی — آں شہِ غزنی و سلطانِ سنی

کہا ہے کہ بے نیاز شاہ محمود نے ایک دن — جو غزنی کا بادشاہ اور بزرگ شاہ تھا

شاہ روزے جانبِ دیواں شتافت — جملہ ارکاں اندراں دیواں بیافت

ایک دن، بادشاہ کچہری کی جانب گیا — اس کچہری میں سب ارکان کو (موجود) پایا

گوہرے بیروں کشید او مستنیر[۵۱] — پس نہادش زود در کفِ وزیر

اس نے ایک روشن موتی باہر نکالا — پھر اس کو جلد وزیر کی ہتھیلی پر رکھا

گفت چون ست و چہ ارزد ایں گہر — گفت بہ ز ارزد ز صد خروارِ زر

کہا کیسا ہے؟ اور یہ موتی کس قیمت کا ہے؟ — اس نے کہا سونے کے سیکڑوں بوروں سے زیادہ قیمت کا ہے

گفت بشکن گفت چونش بشکنم — نیک خواہِ مخزن و مالت منم

کہا توڑ دے اس نے کہا اسکو کیسے توڑوں؟ — میں آپ کے مال اور خزانہ کا خیر خواہ ہوں

چوں روا دارم کہ مثلِ ایں گہر — کہ نیاید در بہا گردد ہدر

میں کیسے روا رکھوں کہ اس جیسا موتی — جس کی قیمت کا اندازہ نہیں ہو سکتا رائگاں ہو جائے

گفت شاباش و بدادش خلعتے — گوہر از وے بستد آں شاہِ فتے

کہا شاباش ہے اور خلعت عطا کی — اس جوانمرد شاہ نے موتی اس سے لے لیا

کرد ایثارِ وزیر آں شاہِ جود — ہر لباس و حُلّہ کو پوشیدہ بود

اس شاہِ سخی نے وزیر کو عطا کر دیا — جو لباس اور جوڑا وہ پہنے ہوئے تھا

ساعتے شاں کرد مشغولِ سخن — از قضیہ تازہ و رازِ کہن

ان کو تھوڑی دیر باتوں میں لگایا — نئے معاملہ اور پرانے راز میں

---

۵۲ اے بریدہ۔ اے ایاز تو میرے حکم کی لذت سے واقف ہے اس لئے تو میرے حکم پر جان بھی قربان کرتا ہے۔ آگے یہ مولانا کا کلام ہے امرش میں ش کی ضمیر شاہ کی جانب ہے چاشنیش کی ضمیر امر کی جانب اور معنویش کی ضمیر حکایت کی جانب لوٹتی ہے

۵۳ دیوان۔ دفتر، دربار۔ چند ارزد کس قیمت کا ہے۔ گفت یعنی بیان کرنیوالے نے کہا ہے۔ سنی۔ بلند۔

۵۱ مستنیر۔ روشن۔ خروار۔ گدھے پر لادنے کا بورا مخزن۔ خزانہ۔ نیاید در بہا جس کی قیمت کا اندازہ نہیں لگایا جاسکتا۔ ہدر۔ رائگاں۔ خلعتے۔ شاہی لباس فتے۔ فتی کا امالہ ہے نوجوان۔

۵۲ حُلّہ۔ کپڑوں کا جوڑا۔ مشغولِ سخن۔ چونکہ بادشاہ کو سب کا امتحان لینا تھا تو بات کاٹ دی تاکہ از سر نو دوسروں سے سوال و جواب کرے۔ حاجب۔ چوبدار جو پیشی کا وزیر ہوتا تھا۔

بعد ازاں دادش بدستِ حاجبے — کہ چہ ارزد ایں بہ پیشِ طالبے
اسکے بعد اُس کو حاجب کے ہاتھ میں دیا — کہ خریدار کے لئے یہ کس قیمت کا ہے؟

گفت ارزد ایں بہ نیمہ مملکت — کش نگہدارد خدا از مہلکت
اُس نے کہا یہ آدھی سلطنت کی قیمت کا ہے — خدا اُس کو بربادی سے بچائے

گفت بشکن گفت اے خورشیدِ تیغ — بس دریغ ست ایں شکستن بس دریغ
کہا تو اسکو توڑ دے اُس نے کہا اے سورج کی تلوار والے! — اِسکا توڑنا بہت قابلِ افسوس ہے بہت قابلِ افسوس

قیمتش بگذار بیں تاب و لمع — کہ شدست ایں نورِ روز اُو را تبع
اُسکی قیمت کو رہنے دیجئے چمک اور روشنی کو دیکھئے — کہ دن کی روشنی اسکے تابع بن گئی ہے

دست کے جنبد مرا در کسرِ اُو — کہ خزینہ شاہ را باشم عدو
اسکے توڑنے میں میرا ہاتھ کب ہلے گا؟ — ، بادشاہ کے خزانہ کا دشمن کب ہوں؟

شاہ خلعت داد و ادرارش فزود — پس دہاں در مدحِ عقلِ او کشود
شاہ نے اُسکو خلعت دی اُسکی تنخواہ بڑھادی — پھر اُس کی عقل کی تعریف میں مُنہ کھولا

بعد یک ساعت بدستِ میر داد — دُر را آں امتحاں کُن باز داد
تھوڑی دیر کے بعد ایک امیر کے ہاتھ میں دیا — اُس امتحان کرنے والے نے موتی پھر دیا

او ہمی گفت و ہمہ میراں ہمیں — ہر یکے را خلعتے داد اُو ثمیں
اُس نے وہی کہا اور سب امیروں نے وہی — اُس نے ہر ایک کو قیمتی خلعت عطا کی

جامگیہا شاں ہمی افزود شاہ — آں خسیساں را ببُرد از رہ بچاہ
بادشاہ اُنکے دکپڑوں کے جوڑے بڑھا رہا تھا — اُن کمینوں کو راستہ سے کنویں میں لے گیا

اینچنیں گفتند پنجہ شصت امیر — جملہ یک یک ہم بتقلیدِ وزیر
پچاس ساٹھ امیروں نے یہی کہا — وزیر کی تقلید میں ایک ایک کرکے سب نے

گرچہ تقلید ست اُستونِ جہاں — ہست رسوا ہر مقلد ز امتحاں
اگرچہ تقلید دنیا کا ستون ہے — آزمائش سے ہر مقلد رسوا ہوتا ہے

شاہ چوں کرد امتحانِ جملگاں — مال و خلعت بُرد ہر یک بیکراں
شاہ نے جب سب کا امتحان لیا — ہر ایک نے لاتعداد مال اور خلعت حاصل کیا

ہمچنیں در دور گرداں شد گہر — تا بدستِ آں ایازِ دیدہ ور
موتی اِسی طرح گردش کے چکر میں رہا — یہانتک دیدہ ور ایاز کے ہاتھ میں (آیا)

آخریں بنہاد در کفِ ایاز — گفت اُو را کاے حریفِ دیدہ باز
بالآخر اُس کو ایاز کی ہتھیلی پر رکھا — اُس سے کہا اے صاحب نظر دوست!

یک بیک دیدند ایں گوہر تو ہم — در شعاعش در نگر اے محترم
انھوں نے ایک ایک کرکے اِس موتی کو دیکھا تو بھی — اے محترم! اِس کی چمک کو دیکھ لے

---

۵۵ گفت۔ حاجب نے کہا یہ آدھی سلطنت کی قیمت کا ہے۔ خورشیدِ تیغ۔ یعنی وہ جس کی تلوار سورج جیسی چمکدار ہے۔ لمع۔ چمک۔ کہ شدست۔ دن کی روشنی اس کے سامنے ماند ہے۔

۵۶ ادرار۔ ماہواری تنخواہ۔ کشود۔ اُسکی تعریف اسلئے کی تاکہ دوسروں کا امتحان کریکے بعد تھوڑی دیر کے بعد شاہ نے وہ موتی ایک دوسرے امیر کے ہاتھ میں دیا۔ ثمیں۔ قیمتی۔ جامگیہا۔ وہ لباس جو ملازمین کو سالانہ ملتے ہیں۔ آں خسیساں۔ یہ داد و دہش اُن سب کیلئے گمراہی کا سبب تھی چونکہ وہ سمجھ رہے تھے کہ شاہ کو جواب پسند آرہا ہے اسلئے وہ انعام دے رہا ہے۔

۵۷ اینچنیں۔ جو جواب پہلے امیر نے دیا اُس کی تقلید میں سب امیروں نے وہی جواب دیا۔ گرچہ۔ دنیا کا کام تقلید سے ہی چل رہا ہے۔ در دور۔ وہ موتی یکے بعد دیگرے اسی طرح امیروں کے ہاتھ میں جاتا رہا اخیر میں شاہ نے ایاز کے ہاتھ میں دیدیا۔

۵۸ یک بیک۔ شاہ نے ایاز سے کہا اِس موتی کو سب سردار دیکھ چکے اب تو بھی دیکھ لے۔ رسیدن۔ موتی ایاز کے ہاتھ میں جب پہنچا تو اُس نے پہلے سرداروں کی تقلید میں جواب نہ دیا اور بادشاہ کے اُنکو خلعت وغیرہ دینے سے دھوکے میں نہ آیا۔

رسیدنِ گوہر از دست بدست آخرِ دور بایاز و کیاستِ

موتی کا دست بدست آخری دور میں ایاز کے ہاتھ میں پہنچنا اور ایاز کی

ایاز و مقلِّد ناشُدنِ اُو ایشاں را و مغرور ناشُدن او

ذہانت اور اس کا ان کا مقلد نہ ہونا اور اسکا دھوکے میں نہ پڑنا

بمال دادنِ شاہ و خلعتہا و جامگیہا افزوں کردنِ

بادشاہ کے مال اور خلعت دینے سے اور کپڑے بڑھانے سے اور

مدحِ عقلِ ایشاں کردن گُگُنِ کز نشاید مقلِّد را مسلمان دانستن

اُن کی عقل کی تعریف کرنے سے، بقدر امکان مقلّد کو مسلمان نہ سمجھنا چاہئے

مسلمان باشد امّا نادر باشد کہ مقلّد ثبات کند بر آں اعتقاد و

مسلمان ہوتا ہے لیکن بہت کم ہوتا ہے کہ اُس اعتقاد پر وہ جماؤ کرے اور

مقلِّد ازیں امتحانہا بسلامت بیروں آید کہ ثبات بینایان ندارد

مقلّد ان امتحانات سے سلامتی کیساتھ عہدہ برآ ہو کیونکہ وہ دور اندیشیوں کی سی ثابت قدمی نہیں رکھتا ہے

اے ایاز اکنوں بگوئی کایں گہر | چند می ارزد بدیں تاب و ہُنر
اے ایاز! اب تو بتا کہ یہ موتی | اِس چمک اور خوبی کے ساتھ کس قیمت کا ہے؟

گفت افزوں زانچہ تانم گفت من | گفت اکنوں زود خردش در شکن
اُس نے کہا جتنا میں کہہ سکتا ہوں اُس سے بڑھا ہوا ہے | اُس نے کہا اب اُسکو فوراً ریزہ ریزہ کردے

سنگہا در آستیں بُودش شتاب | خُرد کردش پیش اُو آں بُد صواب
پتھر اُس کی آستین میں تھے، جلد | اُس کو توڑ دیا اُسکے نزدیک یہ درست تھا

زاتفاقِ طالعِ با دولتش | دست داد آں لحظہ نادر حکمتش
اُس کے با اقبال نصیبہ کے اتفاق سے | اُس وقت نادر حکمت اُسکے ہاتھ آگئی

یا بخواب ایں دیدہ بُود آں پُر صفا | کردہ بُود اندر بغل دو سنگ را
یا اُس روشن دل نے خواب میں یہ دیکھا تھا | اُس نے دو پتھر بغل میں دبا لئے تھے

ہمچو یوسفؑ کاندرونِ قعرِ چاہ | کشف شُد پایانِ کارش از اِلٰہ
یوسفؑ کی طرح کہ کنوئیں کی گہرائی میں | اُسکے لئے انجام کار اللہ تعالیٰ کیجانب سے کھل گیا تھا

ہر کرا فتح و ظفر پیغام داد | پیشِ اُو یک شُد مراد و بے مُراد
جس کو فتح اور کامیابی نے پیغام دیا | اُسکے لئے مراد اور نامراد یکساں ہے

ہر کہ پایندانِ وے شُد وصلِ یار | اُو چہ ترسد از شکستِ کارزار
یار کا وصل جس کا ضامن ہوگیا | وہ جنگ کی شکست سے کیا ڈرے گا؟

۱۵ ہمچنں۔ تقلیدی ایمان معتبر نہیں ہے ایمان کا تعلق یقین سے ہے اور مقلد کو عموماً یقین حاصل نہیں ہوتا ہے معمولی شکوک سے اُس کا علم زایل ہوجاتا ہے۔ بینایاں۔ وہ لوگ جن کو عین الیقین کا درجہ حاصل ہوتا ہے۔ اے ایاز۔ بادشاہ نے موتی کی قیمت ایاز سے لگوائی اُس نے جواب دیا کہ یہ اسقدر بیش قیمت ہے کہ اُسکی قیمت کا بیان کرنا ممکن نہیں ہے، بادشاہ نے کہا اُسکو توڑ ڈال اُسکی آستین میں پتھر تھا اُس نے اُس کے ذریعہ فوراً اُسکو توڑ ڈالا اُسکا نصیبہ تھا کہ دانائی نے اُسکا ساتھ دیا۔ ممکن ہے کہ اُس نے خواب میں یہ قصہ دیکھا ہو اور اسی لئے وہ آستین میں پتھر لیکر مجلس میں آیا ہو۔

۵۲ ہمچو۔ حضرت یوسفؑ نے قید ہی میں خواب میں آنے والے واقعات دیکھ لئے تھے۔ ہر کرا۔ جس شخص کو فتح اور کامیابی کی خوشخبری مل چکی ہو اُسکے لئے فتح وشکست کے اسباب یکساں ہوجاتے ہیں۔

۵۳ پایندان۔ ضامن۔ چوں جب بازی کی کامیابی پر یقین ہوجاتا ہے تو اُس کو اپنے اسپ اور فیل کے پٹ جانے کی کوئی پروا نہیں ہوتی گر برد۔ اُسکا حریف اگر اُسکے اسپ کو مارے تو اسپ کا پٹنا اُسکی کامیابی کا پیش خیمہ ہوگا۔

چوں یقین گشتش کہ خواہد کرد مات — فوتِ اسپ و فیل پیشش ترہات

جب اسکو یقین ہو گیا کہ وہ مات دے گا — اسپ اور فیل کا مارا جانا اسکے لئے بکواس ہے

گر بُرد اسپش ہر آنکہ اسپ جُوست — اسپِ اُو گوئی کہ پیش آہنگِ اوست

جو شخص اسپ کا طالب ہے اگر اُسکا اسپ مار لیجائے — تو گویا اسپ اُس کا پیشرو ہے

مُرد[1] را با اسپ کے خویشی بُود — عشقِ اسپش از پئے پیشی بُود

انسان کی گھوڑے سے رشتہ داری کب ہوتی ہے؟ — گھوڑے سے اُسکا عشق آگے بڑھنے کیلئے ہوتا ہے

بہرِ صورتہا مکش چندیں زحیر — بے صُداعِ صورتے معنیٰ بگیر

صورتوں کے لئے استدر پیچ و تاب نہ اٹھا — صورت کا دردِ سر اٹھائے بغیر معنیٰ حاصل کر

ہست زاہد را غمِ پایانِ کار — تا چہ باشد حالِ اُو روزِ شمار

زاہد کو انجام کا غم ہے — کہ قیامت کے دن اُسکا کیا حال ہوگا؟

عارفاں ز آغاز گشتہ ہوشمند — از غم و احوالِ آخر فارغ اند

عارف شروع ہی سے ہوشمند ہیں — آخرت کے احوال اور غم سے بے نیاز ہیں

بُود عارف را ہمیں خوف و رجا — سابقہ دانیش خورد آں ہر دو را

عارف کو یہی خوف اور امید تھی — اگلی پیشگی دانش نے ان دونوں کو ختم کر دیا ہے

دید[2] کو سابق زراعت کرد ماش — اُو ہمی داند چہ خواہد بُود چاش

وہ جانتا ہے جس نے پہلے ماش کی کاشت کی ہے — وہ جانتا ہے کہ اُس کی پیداوار کیا ہوگی

عارف ست اُو باز رست از خوف و بیم — ہائے و ہُو را کرد تیغِ حق دو نیم

وہ عارف ہے وہ خوف اور ڈر سے چھوٹ گیا ہے — اللہ تعالیٰ کی تلوار نے شور و فغاں کے دو ٹکڑے کر دیئے ہیں

بُود اُو را بیم و امید از خدا — خوف فانی شد عیاں گشت آں رجا

اُس کو خدا سے خوف اور امید تھی — خوف فنا ہو گیا وہ امید ظاہر ہو گئی

خوف[3] طے شد جملگی امید شد — نور گشت و تابعِ خورشید شد

خوف لپٹ گیا، وہ مجسم امید ہو گیا — نور بنگیا اور سورج کے تابع ہو گیا

ز امتحانِ شاہ بُود آگہ ایاز — وز فریبِ شہ نشد گمرہ ایاز

ایاز، بادشاہ کے امتحان سے آگاہ تھا — شاہ کے فریب سے ایاز گمراہ نہ ہوا

خلعت و ادرارہا از راہش نبرد — کرد اُو گوہر ز امرِ شاہ خرد

خلعت اور وظیفے نے اسکو گمراہ نہ کیا — اُس نے بادشاہ کے حکم سے موتی توڑ ڈالا

چوں شکست اُو گوہرِ خاص آں زماں — زاں امیراں خاست صد بانگ و فغاں

جب اُس نے خاص موتی توڑا، اُس وقت — امیروں سے بہت شور اور فریاد بلند ہوئی

کایں چہ بیباکیست واللہ کافر ست — ہر کہ ایں پُر نور گوہر را شکست

کہ یہ کیا بے باکی ہے؟ خدا کی قسم کافر ہے — جس نے اِس منور موتی کو توڑا

---

[1] مُرد را۔ شطرنج کو اسپ سے کوئی محبت نہیں ہوتی وہ تو جیتنے کا خواہاں ہوتا ہے۔ زحیر۔ پیچ و تاب۔ صداع۔ دردِ سر۔ صورت۔ یعنی اسپ۔ معنیٰ۔ یعنی کامیابی۔ ہست۔ معنیٰ کے ادراک کے بھی مراتب مختلف ہیں زاہد کو انجام کا غم رہتا ہے کہ دیکھئے کیا ہوتا ہے۔ عارفاں۔ جو لوگ کامل ہیں انکو ابتداء سے ہی انجام کا علم ہو جاتا ہے اور اُنکا علم خوف اور امید کو ختم کر دیتا ہے۔

[2] دید۔ عارف جان لیتا ہے جو بویا ہے اُسکی پیداوار کیا ہوگی چونکہ اُسکو پیشگی ہی علم حاصل ہو گیا ہے لہٰذا انجام کے فکر کا شور و غل ختم ہو گیا ہے۔ بُود۔ اُسکو بھی انجام کے بارے میں خوف اور امید کی کشمکش تھی لیکن اس پر حقیقت واضح ہو جانے کی وجہ سے اب خوف ختم ہو گیا ہے اور امید باقی رہ گئی ہے۔

[3] خوف۔ اُس کے لئے اب خوف ختم ہو گیا اور وہ نور بنکر نورِ مطلق کے تابع ہو گیا۔ ز امتحان۔ ایاز بھی انہی میں سے تھا جن کو انجام کی خبر ہو جاتی ہے لہٰذا وہ بادشاہ کے انعام وغیرہ سے دھوکے میں نہ پڑا۔ گوہر۔ اُس نے موتی کو شاہ کے حکم کے مطابق فوراً توڑ ڈالا۔ کایں چہ۔ امیروں نے شور کیا اور ایاز سے کہا کہ یہ کیسی بے باکی ہے کہ ایسے عمدہ موتی کو تو نے توڑ ڈالا۔

واں جماعت جملہ از جہل و عمیٰ — در شکستہ دُرِّ امرِ شاہ را

اور اس جماعت نے نادانی اور اندھے پن سے — بادشاہ کے حکم کے موتی کو توڑا تھا

قیمت گوہر نتیجہ مہر و وُد — بر چناں خاطر چرا پوشیدہ شد

دوستی اور محبت کے نتیجہ کے موتی کی قیمت — ایسی طبیعت پر کیوں پوشیدہ ہوئی؟

تشنیع زدن اُمرا بر ایاز کہ چرا شکستی و جواب دادن ایاز ایشاں را

امیروں کا ایاز کو ملامت کرنا کہ تونے کیوں توڑا اور ان کو ایاز کا جواب دینا

گفت ایاز اے مہترانِ نامور — امرِ شہ بہتر بقیمت یا گہر

ایاز نے کہا اے نامور سردارو! — قیمت میں بادشاہ کا حکم بہتر ہے یا موتی

امرِ سلطاں بہ بُود پیشِ شما — یا کہ ایں نیکو گہر بہرِ خدا

تمہارے نزدیک بادشاہ کا حکم بہتر ہے — یا یہ اچھا موتی! خدا کے لئے بتاؤ

اے نظرتاں بر گہر بر شاہ نے — قبلہ تاں غولست جادہ راہ نے

اے تمہاری نظر موتی پر ہے شاہ پر نہیں ہے — تمہارا قبلہ چھلاوا ہے سیدھا راستہ نہیں ہے

من ز شہ بر می نگردانم بصر — من چو مشرک روئے نارم در حجر

میں شاہ سے نظر نہیں پھیرتا ہوں — میں مشرک کیطرح پتھر کیجانب رُخ نہیں کرتا ہوں

بے گہر جانے کہ رنگیں سنگ را — بر گزیند پس نہد اُو امرِ شاہ

وہ بے گوہر جان جو راستہ کے رنگین پتھر — پسند کرے، وہ شاہ کا حکم پیچھے ڈال دے گی

پشت سوی لعبتِ گلرنگ کن — عقل در رنگ آورندہ دنگ کن

پھول جیسے رنگ کی گڑیا کی جانب پُشت کرے — عقل، رنگ دینے والے میں حیران کردے

اندر آ در جو سبو بر سنگ زن — آتش اندر بُو و اندر رنگ زن

نہر میں آجا، ٹھلیا کو پتھر پر ماردے — بُو اور رنگ میں آگ لگادے

گر نۂ در راہِ دیں از رہزناں — رنگ و بُو مپرست مانند زناں

اگر تو دین کی راہ میں راہزنوں میں سے نہیں ہو — عورتوں کی طرح رنگ و بُو کی پرستش نہ کر

گوہر امرِ شہ بُود اے ناکساں — جملہ بشکستید گوہر را عیاں

اے نالائقو! موتی بادشاہ کا حکم ہوتا ہے — تم سب نے علانیہ موتی کو توڑا

چوں ایاز ایں راز بر صحرا فگند — جملہ ارکاں خوار گشتند و نژند

جب ایاز نے اس راز کو میدان میں ڈال دیا — سب ارکان خوار اور ذلیل ہوگئے

سر فرو انداختند آں سروراں — عذر گویاں گشتہ زاں نسیاں بجاں

اُن سرداروں نے سر نیچے جھکالئے — (دل و) جان سے اس بھول پر عذرخواہ بن گئے

از دلِ ہر یک دو صد آہ آں زماں — ہمچو دُودے میشُدے تا آسماں

اس وقت سیکڑوں آہیں ہر ایک کے دل سے — دھوئیں کی طرح آسمان تک جاتی تھیں

---

۵۱ واں جماعت: سرداروں کی جماعت اپنے جہل سے یہ نہ سمجھی کہ ایاز نے تو موتی توڑا اور اُن لوگوں نے بادشاہ کا حکم توڑا۔ قیمت۔ محبت اور دوستی کے موتی کو اُنھوں نے اُس موتی سے زیادہ قیمتی نہ سمجھا۔ امرِ شہ۔ ایاز نے اُن امیروں سے کہا یہ بتاؤ کہ موتی زیادہ قیمتی تھا یا بادشاہ کا حکم!

۵۲ اے نظر۔ تم لوگوں کا منظورِ نظر موتی تھا بادشاہ کا حکم نہ تھا۔ تم نے اپنا قبلہ سیدھا راستہ چھوڑ کر چھلاوے کو بنالیا۔ من زشہ۔ بادشاہ کو چھوڑ کر موتی کی طرف توجہ کرنا محبت کا شرک ہے۔ بے گہر۔ جو شخص راستہ کے رنگین پتھر کو بہتر سمجھے اور شاہ کے حکم کو پس پشت ڈال دے وہ خود بے جوہر ہے۔

۵۳ پشت۔ مصنوعات سے روگردانی کرکے صانع کی جانب توجہ کرنی چاہئے۔ اندر۔ ظاہر کی طرف رُخ کرکے مظاہر پر اکتفا نہ کر۔ رنگ و بُو۔ دنیا کی خوشنمائی راہ کی رکاوٹ ہے۔ گوہر۔ اصل موتی شاہ کا حکم تھا نافرمانی کرکے تم نے اُس کو توڑ ڈالا ہے۔ ایاز کی یہ تقریر سن کر سب امیر شرمندہ اور حیران ہوگئے۔

شرح

واضح ہو کہ اس قصہ میں محمود وایاز محض روپوشی کے لیے ہیں اور اصل مقصود اس معاملہ کا بیان کرنا ہے جو اہل اللہ اور حق سبحانہٗ کے درمیان ہوتا ہے۔ اسلئے اس قصہ میں بعض الفاظ و مضامین تو ایسے واقع ہوئے ہیں جن میں ظاہر قصہ کا لحاظ کیا گیا ہے جیسے "ای تو سلطان و خلاصہ امرکنی" وغیرہ اور بعض ایسے جن میں مقصود کی رعایت کی گئی ہے۔ جیسے انچہ معلوم تو نبود چیست آں وغیرہ جیسا کہ مضامین آئندہ سے آپ کو معلوم ہوگا اور بعض خطابات وعنوانات تو ایسے آئیں گے جن میں صاف طور پر مقصود کی تصریح ہو گا ان سے یہ امر صاف طور پر کھل جاویگا۔ کہ مولانا نے ایاز سے عبدِ حقیقی مراد لیا ہے اور محمود سے شہنشاہِ حقیقی۔ جب یہ امر ذہن نشین ہوگیا تو اب مضمون اول سے آخر تک منسق و منظم ہوگیا اور انتشارِ کلام جو بادی النظر ہیں۔ معلوم ہوتا ہے دفع ہوگیا اور تکلف انتقالات کی ضرورت نہ رہی۔ محشّین چونکہ اس دقیقہ سے غافل تھے اسلئے انکو

شرح کلام و تعیین انتقالات میں سخت دقت پیش آئی ہے فتنبہ لہ۔ جب یہ مضمون تمہیدی معلوم ہوگیا تو اب حل اشعار سنو مولانا فرماتے ہیں کہ محمود نے ایاز کو پھر خطاب کیا اور کہا کہ اے مُشتبہ نژاد و شیطان کش ایاز جس میں مردی حیوانی کم اور مردی عقلی زیادہ ہے۔ تیری کمال عقل کی یہ حالت ہے کہ جس امر کو اتنے امرا نہ سمجھ سکے وہ تیرے نزدیک ایک بچوں کا کھیل اور نہایت معمولی شے تھا اور اے وہ شخص جو میرے حکم کی لذت سے آشنا ہے اور جس باب وفا میں یہ حالت ہے کہ میرے حکم کے لیے جان دینے میں بھی دریغ نہیں ہے تو نہایت ہی عجیب شخص ہے — [فائدہ : اس مضمون کے الفاظ بھی صاف پکار رہے ہیں کہ ایاز سے عبدِ حقیقی مراد ہے] محمود کے خطاب کو ختم کرکے مولانا انتقال فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اے وہ شخص! جو کہ محمود کے ایاز کی اتنی تعریف کرے اور اسکی اتنے بڑھانے چڑھانے سے واقف ہے تو یہ حکایت سن! تاکہ تو شک و شبہ سے چھوٹ جائے اور ایاز کو امر سلطانی میں جو مزہ آتا تھا اسکا بیان تو ایک پرمعنی بیان کے اندر سن! تاکہ تجھے معلوم ہوجائے کہ یہ تعریف بالکل صحیح اور بلا مبالغہ ہے — ایک روز سلطان محمود شاہ غزنی اور عالیجاہ بادشاہ نے کہا۔ کیا کہا اسکو تو ہم آگے بیان کرینگے پہلے یہ سن لو کہ ایک روز محمود اپنے دربار میں آیا۔ اور ارکین دولت کو لیے حاضر دربار پایا۔ اس وقت اس نے ایک روشن موتی نکالا اور وزیر کے ہاتھ

پر رکھا جب یہ معلوم ہوگیا تو اب سُنو کہ اُس نے کیا کہا اُس نے کہا کہ اے وزیر یہ موتی کیسا ہے اور کس قیمت کا ہوگا وزیر نے جواب دیا کہ حضور والا! یہ موتی اشرفیوں کے سو گونوں سے بھی زیادہ قیمت کا ہے جب اس نے یہ کہا کہ تو محمود نے حکم دیا کہ اچھا اسے توڑ دو اس نے کہا کہ حضور بھلا میں کیسے توڑ دوں۔ میں خزانہ سلطانی اور دولت شاہی کا خیر خواہ ہوں۔ ایسی حالت میں میں کیسے جائز رکھ سکتا ہوں کہ ایسا انمول موتی ضائع ہو جائے محمود نے اُسے شاباش دی اور خلعت سے سرفراز کیا اور موتی اس کے ہاتھ سے لے لیا اور وہ اُس وقت جو کچھ پہنے ہوئے تھا اُس نے وہ سب وزیر کو دیدیا۔

اس کے بعد اس نے لوگوں کو ادھر اُدھر کی باتوں میں لگایا تاکہ یہ واقعہ انکے ذہنوں سے نکل جائے اس کے بعد اُسکو دربان کے ہاتھ میں دیدیا اور کہا کہ خریدار کی نظر میں یہ کتنے کا ہوگا؟ اس نے جواب دیا کہ حضور والا کی سلطنت کا نصف اسکی قیمت ہوگی یہ سُنکر محمود نے کہا کہ اچھا اسے توڑ ڈالو اس نے عرض کیا کہ اے وہ بادشاہ! جس کی تلوار آفتاب کی طرح چمکدار اور عالمگیر ہے اس کا توڑنا نہایت ہی قابل افسوس ہے، اچھا! آپ اسکی قیمت کو جانے دیجئے اسکی چمک دمک ہی دیکھ لیجئے کہ روز روشن کا نور اس کے تابع ہے ایسی حالت میں میرا ہاتھ اس کے توڑنے کے لیے کیسے ہلے گا اور میں اسے کیسے توڑوں گا میں خزانہ شاہی کے ساتھ دشمنی نہیں کرسکتا بادشاہ نے اسکو خلعت دیا اور اس کا وظیفہ بڑھا دیا اور اس کے عقل کی بہت کچھ تعریف کی۔ تھوڑی دیر کے بعد اسکو داروغہ عدالت کے ہاتھ میں دیا اُس نے بھی یہی جواب دیا جو اوروں نے دیا تھا اور دیگر اُمراء نے بھی۔ ایسا ہی کیا اس نے سب کو بیش بہا خلعتیں عطا کیں اور تنخواہیں بڑھا دیں اور اس طرح ان ذلیلوں کو راہِ راست سے ہٹا کر کنوئیں میں گرا دیا۔

خیر خلاصہ یہ ہے کہ پچاس ساٹھ اُمراء نے وزیر کی تقلید میں موتی کے توڑنے سے انکار کردیا۔ اس موقع پر استطراداً اتنا سمجھ لو کہ گو عالم تقلید سے پُر ہے اور اس سے چارہ بھی نہیں ہے کیونکہ تحقیق کے لیے بھی اوّل تقلید کی ضرورت ہے۔ اور اسلئے کہ گویا کہ عالم ستون تقلید ہی پر قائم ہے لیکن ہر مقلّد کو امتحان میں ذلت اٹھانا پڑتی ہے اسلئے تقلید پر اکتفا نہ کرنا چاہیئے۔ بلکہ اسکو تحقیق کا ذریعہ بنا کر درجہ تحقیق حاصل کرنا چاہیئے۔

جب یہ مضمون استطرادی ختم ہُوا تو اب سمجھو کہ جب بادشاہ نے تمام ارکین دولت کا امتحان کیا تو ہر ایک بہت کچھ مال و دولت اور خلعت لے گیا اور اس طرح وہ موتی

تمام حلقۂ ارکینِ دولت میں گشت کر گیا۔ یہاں تک کہ وہ آخر میں حقیقت شناس ایاز کے ہاتھ میں آیا اور بادشاہ نے اس سے کہا کہ اے صاحب بصیرت ندیم! اِن سب نے ایک ایک کرکے موتی دیکھ لیا۔ اب تم بھی اس کی شعاع کو دیکھ لو۔ اور یہ بتلاؤ کہ یہ موتی اس چمک اور کمال کے ساتھ کس قیمت کا ہوگا اس پر ایاز نے جواب دیا کہ میں جو کچھ بھی ہوں اس سے اس کی قیمت زائد ہوگی۔ جب اسنے یہ کہا تو بادشاہ نے کہا کہ اچھا اسے توڑ دو۔ اس کی آستین میں پتھر موجود تھے اسنے نکالتے ہی اس موتی کو وہیں چور چور کردیا۔ اور ایسا کرنا ہی ٹھیک بھی تھا اب یا تو یوں کہا جائے کہ اسکی یا دولت طالع کے موافقت سے اُس کو یہ نادر حکمت سوجھ گئی یا یوں کہا جائے کہ اسنے خواب میں یہ واقعہ دیکھ لیا تھا۔ غرض کچھ بھی ہو۔

واقعہ یہ ہے کہ اسنے آستین میں دو پتھر چھپا رکھے تھے۔ اور اس واقعہ میں اسکی حالت یوسف علیہ السلام کے مُشابہ تھی جن کو اپنے معاملہ کا نتیجہ خدا کی طرف سے کنوئیں کے اندر ہی معلوم ہوگیا تھا۔ یہاں سے مولانا فضیلت مآل والے کا بیان فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ حسن مآل کا علم ہوجانا نہایت عجیب چیز ہے کیونکہ جس کسی کو فتح و ظفر پیغام دیدیتی ہے یعنی اسکو اپنی فتح کا علم ہوجاتا ہے اُسکے نزدیک کامیابیاں اور عارضی ناکامیاں سب برابر ہوجاتی ہیں اور جس کو وصل یار کا اطمینان ہوچکا ہے اور گویا کہ اس طرح وصلِ یار اسکے پاس رہن ہوجاتا ہے اُسکو اپنی عارضی ناکامیوں کا کچھ خوف نہیں ہوتا اور جس کو یہ اطمینان ہوجائے کہ بازی میں ہی جیتوں گا اُس کے نزدیک گھوڑے یا خیل کا مارا جانا کچھ بھی حقیقت نہیں رکھتا اگر طالبِ اسپ اس کا گھوڑا لے جائے تو یہ سمجھنا چاہیئے کہ وہ مقدمہ ہے اسکی فتح کا۔ کیونکہ اس سے اس کے لئے اس بازی کا رستہ کھلتا ہے جس سے وہ اپنے حریف کو شکست دے گا۔ ایسی حالت میں اسکو گھوڑے کے مرنے کا کیا رنج ہوسکتا ہے کیونکہ آدمی کو گھوڑے سے رشتہ داری کا تعلق نہیں ہے بلکہ اسکو جو کچھ تعلق ہے وہ اسلئے ہے کہ وہ اس کی ترقی کا ذریعہ ہے۔ پس جبکہ ترقی اس کے مرنے کی صورت

میں بہی حاصل ہے تو اس کا مرنا اسکو کچھ صدمہ نہیں پہنچا سکتا۔

جب یہ مضمون معلوم ہوگیا۔ تو اب تم کو چاہیئے کہ تم صورتوں کے لئے زحمت نہ اٹھاؤ اور صوتوں کے لئے درد سر کیئے بغیر معنی حاصل کرو۔ کیونکہ مقصود صورتیں نہیں ہیں بلکہ اصل مقصود حقیقت ہے جیسے کہ شطرنج میں اصل مقصود ہاتھی گھوڑا نہیں ہے۔ بلکہ اصل مقصود مات دینا ہے پس جس طرح شطرنج باز حصول فتح کے لیے ہاتھی گھوڑے کی پرواہ نہیں کرتا اور ان کو مروا دیتا ہے یونہی تم بھی حقیقت پر صورتوں کو قربان کردو اور لذات روحانیہ کے لیے لذاتِ جسمانیہ کو چھوڑ دو اور آخرت کے لئے دنیا کو وغیرہ وغیرہ۔ ہاں تو ہمنے اوپر کہا تھا کہ مآل بین اپنی عارضی ناکامیوں کا کچھ خیال نہیں ہوتا اور اس مضمون کو ہم نے واقعات سے ثابت کیا تھا۔ اب ہم کہتے ہیں کہ زاہد خشک چونکہ مآلِ کار سے ناواقف ہوتا ہے اسلئے اُسے نتیجہ کی فکر ہوتی ہے اور وہ کہتا ہے کہ دیکھئے کہ قیامت میں ہمارا انجام کیا ہوتا ہے مگر عارف آغاز سے واقف ہوتے ہیں اسلئے اُنکو نتیجہ کے متعلق کوئی فکر نہیں ہوتی۔ یہ ضرور ہے کہ پہلے اہلِ عرفان بھی امید و بیم کی حالت میں ہوتے ہیں مگر اسکے آغاز دانی اس امید و بیم کو چٹ کر جاتی ہے دیکھ ا جو شخص ہوتا ہے وہ مآل کار کو دیکھتا ہے اور جانتا ہے کہ انبار غلہ کیا ہوگا اسلئے اسکو اس کے متعلق کوئی فکر نہیں ہوتی پس چونکہ عرفا بھی آغاز دانی کے سبب مآل کار سے واقف ہوتے ہیں اسلئے وہ بھی امید و بیم کے مخمصہ سے نجات پا جاتے ہیں اور تیغ حق اس کے شور و شغب اور ھاتے واتے کا خاتمہ کردیتی ہے اور گو ابتدا میں ان کو بھی خدا سے امید و بیم دونوں ہوتے ہیں۔ مگر آخر میں خوف فنا ہو جاتا ہے اور صرف امید ظاہر ہو جاتی ہے اور خوف کا خاتمہ ہو جاتا ہے اور وہ بتمامہ اُمید ہو جاتا ہے اور خوف سراپا نور بن کر تابع خورشید امید ہو جاتا ہے۔

(فائدہ: تفصیل اس مقام کی یہ ہے کہ جب تک آدمی محجوب ہوتا ہے اُس وقت تک اسکو نجات و عدم نجات کے بارے میں خلجان رہتا ہے اور وہ کہتا ہے کہ دیکھئے نجات ہوگی یا نہیں لیکن جب وہ عارف ہو جاتا ہے تو اُس وقت اُسکو نجات کی

طرف سے اطمینان ہو جاتا ہے اور وہ خلجان جو پیشتر تھا دفع ہو جاتا ہے۔ اطمینان سے مراد ہماری یقین نہیں ہے بلکہ محض سکون قلب مراد ہے) اور وجہ اس اطمینان کی یہ ہوتی ہے کہ اس کو حق سبحانہٗ کے وعدہ پر اطمینان ہوتا ہے اور وہ جانتا ہے کہ حق سبحانہٗ بدون جُرم کے سزا نہ دیں گے پس وہ نجات کی طرف سے تو بے فکر ہو جاتا ہے اب جو کچھ فکر ہوتی ہے وہ اس کی ہوتی ہے کہ اعمال میں کوئی خرابی نہ آئے اور وہ اپنے اعمال کو درست رکھتا ہے اور انکی درستی کی خود بھی کوشش کرتا ہے اور حق سبحانہٗ سے اس میں مدد لیتا ہے اور جبکہ وہ حق سُبحانہٗ کی عنایات کا مشاہدہ کرتا ہے اور ان کی توفیق اور امداد کو اپنے شامل حال پاتا ہے تو اسکو اعمال کی طرف سے بھی اطمینان ہو جاتا ہے اور اب اسکو نجات کے متعلق بالکل خلجان نہیں رہتا لیکن چونکہ عقلاً وہ یہ جانتا ہے کہ نہ فی نفسہٖ مجھ سے صدورِ معصیت کُفر وغیرہ ناممکن ہے اور نہ حق سبحانہٗ پر میری حفاظت واجب ہے اور نہ انہوں نے میری حفاظت کا قطعی طور پر وعدہ کیا ہے اسلئے عقلی خوف اسکو ضرور ہوتا ہے پس اس تقریر پر مولانا کا کلام خلافِ حدیث الایمان بین الخوف والرّجاء نہ ہوگا۔ واللہ اعلم)

خیث: ایاز امتحانِ شاہ سے واقف تھا اسلئے اُس نے وہی کیا جو بادشاہ چاہتا تھا اور اسکے دھوکہ سے مغالطہ میں نہیں پڑا۔ اور خلعت اور وظیفہ نے اُسے گمراہ نہ کیا بلکہ اُس نے بحکمِ شاہی موتی کو توڑ دیا۔ جب اُسنے وہ خاص موتی توڑا تو امیروں نے چلّانا شروع کیا کہ ارے یہ کیا بے باکی ہے کہ ایسا بیش بہا موتی توڑ دیا گیا۔ واللہ وہ شخص نہایت کافر نعمت شاہی ہے جسنے ایسے بیش بہا موتی کو توڑ دیا۔

اس پر مولانا فرماتے ہیں کہ یہ لوگ ایاز کے خلاف شور و شر کرتے ہیں جسنے کہ حکمِ شاہی سے ایک موتی کو توڑ دیا تھا۔ حالانکہ خود انہوں نے اپنی جہالت اور اندھے پن سے امرِ سلطانی کے موتی کو توڑ دیا ہے یہ روِش انکی نہایت غلط ہے کیا مہر و محبت اور خلوصِ وفا کا نتیجہ فی الواقع قیمت گوہر ہے۔ جس کی رعایت کو وہ اپنی محبت و وفا کا۔

اور جس کا خیال نہ کرنے کو ایاز کے نمک حرامی کا شاہد بناتے ہیں ہرگز نہیں پس سمجھ میں نہیں آتا کہ ایسے زیرک طبیعتوں پر اتنی کھُلی ہوئی بات کیسے مخفی رہی۔

اسکو ختم کرکے مولانا ایاز کے جواب کی طرف انتقال فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ایاز نے کہا کہ اے معزز سردارو! تم بتلاؤ کہ کیا امر شاہی زیادہ قیمتی ہے یا موتی اور خدا کے لیے تم مجھے بتلاؤ کہ تمہارے نزدیک امر سلطانی اچھا ہے یا یہ عمدہ موتی۔ صاحبو! تمہاری نظر موتی پر ہے اور بادشاہ پر نہیں ہے اور تمہارا قبلہ توجہ راہِ راست نہیں ہے بلکہ وہ ہے جو کہ تم کو راہِ راست سے ہٹاتا ہے مگر میں تو بادشاہ ہی پر نظر رکھوں گا اور اس سے اپنی نظر نہ ہٹاؤں گا اور مشرکین کی طرح ایک پتھر کی طرف رُخ نہ کروں گا۔

اب مولانا انتقال فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ بے کمال ہے وہ شخص جو کہ رنگین پتھر (حطامِ دنیا) کو قبول کرے۔ اور امر حق سُبحانہٗ کو پسِ پُشت ڈال دے اس کوئی کہے کہ اے بے وقوف تو حسین معشوقوں وغیرہ کی طرف سے منہ موڑ لے اور اپنے عقل کو رنگ پیدا کرنے والے کے مشاہدۂ جمال میں متحیر کر۔ اور گھڑے کو توڑ کر ندی میں گھس جا یعنی مطلوبات خسیسہ کے بُو د رنگ کو آگ لگا۔ اور ان کی معدن کو مطمح نظر بنا۔ اور اگر تو راہِ دین کا ڈاکو نہیں ہے تو مرد بن اور عورتوں کی طرح رنگ بُو کو مقصود نہ بنا۔

اس مضمون کو ختم کرکے پھر مقولہ ایاز کی طرف عود کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ایاز نے کہا۔ کہ اصل گوہر تو امرِ شاہ ہے لیکن تم نے کھُلم کھُلا اس موتی کو توڑ دیا اور تمہیں اس کا کچھ بھی خیال نہ ہُوا۔ میں نے ایک پتھر کو توڑا وہ بھی حکمِ شاہی سے تو تم مجھ پر ملامت کرتے ہو کتنی ناانصافی کی بات ہے پس جبکہ ایاز نے اس راز کو کھولا ہے تو تمام امیر ذلیل اور پریشان ہو گئے اور دل سے اپنی بھول کا عذر کرتے ہوئے سب نے مارے شرم کے سر جھکا لئے۔ اور ہر شخص کے دل سے اس وقت مارے غم کے سینکڑوں آہیں دھوئیں کی طرح آسمان پر جا رہی تھیں۔

قصد کردن شاہ بقتلِ اُمرا و شفاعت کردنِ ایاز پیشِ

بادشاہ کا امیروں کو قتل کرنے کا ارادہ کرنا اور تخت کے سامنے ایاز کا سفارش

تخت کہ اَلْعَفْوُ اَوْلٰے

کرنا کہ معاف کر دینا زیادہ بہتر ہے

کرد[2] اشارت شہ بجلادِ کہن
شاہ نے پُرانے جلّاد کو اشارہ کیا

کہ زصدرم ایں خساں را پاک کُن
کہ اِن کمینوں کو میرے دربار سے صاف کر دے

ایں خساں چہ لائقِ صدرِ منند
یہ کمینے کیا میرے دربار کے لائق ہیں؟

کز پئے سنگ امرِ ما را بشکنند
جو پتھر کی خاطر ہمارے حکم کو توڑتے ہیں

امرِ ما پیشِ چنیں اہلِ فساد
ایسے مفسدوں کے نزدیک ہمارا حکم

بہرِ رنگیں سنگ شد خوار و کساد
رنگین پتھر کی وجہ سے ذلیل اور کھوٹا ہو گیا

پس ایازِ مہر افزا بر جہید
پھر محبت بڑھانے والا، ایاز اُٹھا

پیشِ تخت آں اُلغ سلطاں دوید
سلطانِ اعظم کے تخت کے سامنے دوڑ کر گیا

سجدۂ کرد و گلوئے خود گرفت
سجدہ کیا اور اپنا گلا پکڑا

کاے قبادے[3] کز تو چرخ آرد شگفت
کہ اے شاہ! کہ تجھ سے آسمان تعجب میں ہے

اے[4] ہمای کہ ہمایاں فرّخی
اے ہُما! کہ سب ہما برکت۔

از تو دارند و سخاوت ہر سخی
اور تمام سخی سخاوت تجھ سے حاصل کرتے ہیں

اے کریمے کہ کرمہائے جہاں
اے وہ کریم! کہ جہان کے کرم

محو گردد پیشِ ایثارت نہاں
تیرے مخفی ایثار کے آگے محو ہو جاتے ہیں

اے لطیفے کہ گلِ سُرخت چو دید
اے وہ صاحبِ لُطف کہ جب گلِ سُرخ نے تجھے دیکھا

از خجالت پیرہن را بر درید
شرمندگی سے لباس چاک کر ڈالا

از غفوریِ تو غفراں چشم سیر
تیری مغفرت سے، مغفرت سیر چشم ہے

رُوبہاں بر شیر از عفوِ تو چیر
تیری معافی سے، لومڑیاں شیر پر غالب ہیں

جز[5] کہ عفوِ تو کرا دارد سند
تیری معافی کے سوا کس پر سہارا رکھتا ہے؟

ہر کہ با امرِ تو بیباکی کُند
جو شخص تیرے حکم پر بیباکی کرے

غفلت و گستاخیِ ایں مجرماں
اِن خطاواروں کی غفلت اور گستاخی

از وفورِ عفوِ تست اے عفوراں
اے معافی دینے والے! تیری معافی کی کثرت کی وجہ سے ہے

---

[1] مُقتد۔ منّت کرنے لگے کہ ہم سے بھول ہو گئی اور ہر ایک آہیں بھرنے لگا۔

[2] کرد۔ شاہ نے اِن سرداروں کی نافرمانی پر اُن کے قتل کا حکم دے دیا اور کہا کہ یہ کمینے میری مجلس کے لائق نہیں ہیں اِن سے مجلس کو پاک کرنا چاہیئے اُنھوں نے ایک پتھر کی خاطر حکم عدولی کی اِس پر ایاز شاہی تخت کی طرف دوڑا اور اُس کے سامنے سجدہ کر کے سفارش کرنے لگا۔

[3] قباد۔ نوشیرواں کے باپ کا نام ہے پھر ہر بڑے بادشاہ کو کہہ دیا جاتا ہے۔

[4] اے ہُمای۔ ایاز نے بادشاہ سے کہا آپ ہُما ہیں دنیا کے جس قدر ہما ہیں اُن میں آپ کی وجہ سے برکت آئی ہے آپ ایسے کریم ہیں کہ دنیا کے کریموں نے آپ سے کرم حاصل کیا ہے آپ اِس قدر حسین ہیں کہ گلاب نے شرمندگی سے اپنا لباس چاک۔ آپ کا عفو اِس قدر ہے کہ مغفرت آپ سے سیر چشم ہو رہی ہے اور لومڑیاں آپ کے عفو کی بنیاد پر شیروں پر غالب ہیں۔

[5] جز۔ جو شخص آپ کی حکم عدولی کرتا ہے وہ آپ کے عفو کو سہارا لے کر کرتا ہے۔

شرح بادشاہ نے جلاد کو حکم دیا کہ ان نااہلوں کو میرے دربار سے صاف کر دے۔ یہ نااہل میرے دربار کے کیا قابل ہو سکتے ہیں؟ کہ ایک پتھر کے لیے ہمارے حکم کو توڑتے ہیں اور ہمارا حکم ان خراب لوگوں کے نزدیک ایک رنگین پتھر کے لیے بے وقعت اور ناقابل قبول ہو گیا جب بادشاہ نے یہ حکم دیا۔ تو ایاز مشفق اپنی جگہ سے فوراً اٹھا۔ اور دوڑا ہوا اس عظیم الشان بادشاہ کے تخت کے سامنے آیا۔ اور آدابِ شاہی بجالایا اور مطابق رسمِ دربار اپنے گلے پر ہاتھ رکھا اور کہا کہ اے وہ کیقباد جس کی رفعت و علو مرتبت سے آسمان بھی متعجب ہے اور اے وہ ہُما جس سے اور ہُما سعادت حاصل کرتے ہیں اور جس سے ہر سخی سخاوت حاصل کرتا ہے اور اے وہ کریم! جس کی بخشش کے سامنے تمام عالم کے کرم محو اور مخفی ہو جاتے ہیں۔ اور اے وہ پاکیزہ! جس کو گُل سُرخ نے دیکھا تو شرمندگی سے اپنا پیراہن سُرخ و لطیف پھاڑ ڈالا۔ آپ کی بخشش سے۔ خود بخشش سیر چشم ہے کہ وہ کسی کے جُرم کو خواہ کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو۔ نظر میں نہیں لاتے

شیر پر غالب ہیں یعنی یہ مجُرم خود حضور والا کے سامنے گستاخی کرتے ہیں آپ ان مجرموں کا قصور معاف فرما دیجئے اور ان کی جان بخشی کیجئے۔ بھلا جو حضور کے حکم ساتھ گستاخانہ برتاؤ کریگا وہ حضور کے عفو کے سوا کس پر بھروسہ کر سکتا ہے کسی پر نہیں پس ان مجرموں کی غفلت اور گستاخی۔ حضور ہی کے عفو سے ناشی ہے۔

(فائدہ: ان اشعار میں صورت قصہ کا لحاظ رکھا گیا ہے۔

دائماً غفلت زگستاخی دمد
غفلت ہمیشہ گستاخی سے پیدا ہوتی ہے

کہ برد تعظیم از دیدہ رمد
کیونکہ آنکھیں دکھنا آنکھوں سے تعظیم کو ختم کر دیتا ہے

غفلت ونسیانِ بدآموختہ
سیکھی ہوئی بُری غفلت اور بھول

زآتشِ تعظیم گردد سوختہ
تعظیم کی آگ سے جل جاتی ہے

ہیبتش بیداری وفطنت دہد
اس کی ہیبت بیداری اور سمجھ عطا کرتی ہے

سہو ونسیاں ازدلش بیروں جہد
بھول اور نسیان اس کے دل سے نکل جاتا ہے

غفلت۔ آقا کی رحم دلی اور عفو کی صفت غلاموں کو گستاخ اور غافل بنا دیتی ہے، جب انسان کی آنکھیں دکھ رہی ہوں تو وہ تعظیم سے غافل ہو جاتا ہے۔ ہیبتش۔ آقا کی ہیبت اور خوف غلاموں میں بیداری پیدا کر دیتا ہے

وقتِ غارت خواب ناید خلق را
لوٹ کے وقت لوگوں کو نیند نہیں آتی ہے

تا نبر باید کسے زُود دلق را
تاکہ کوئی اُس کی گُدڑی نہ لے اُڑے

خواب چوں در میرمد از بیمِ دلق
جب گدڑی کے ڈر سے نیند بھاگ جاتی ہے

خواب و نسیاں کے بود با بیمِ حلق
گلے کے ڈر سے نیند اور بھول کب ہوتی ہے؟

لَا تُؤاخِذْ اِن نَّسِیْنَا شُد گواہ
اگر ہم بھول گئے تو تو پکڑ نہ کر، گواہ ہے

کہ بُود نسیاں بوجہے ہم گناہ
کہ بھول بھی ایک طرح سے گناہ ہے

زانکہ استکمالِ تعظیم اُو نہ کرد
کیونکہ اس نے تعظیم کی تکمیل نہ کی

ورنہ نسیاں درنیاوردے نبرد
ورنہ بھول، مصیبت نہ لاتی

گرچہ نسیاں لابُد و ناچار بُود
اگرچہ بھول ضروری اور لا علاج ہے

در سبب ورزیدن اُو مختار بُود
(لیکن) سبب اختیار کرنے میں وہ صاحبِ اختیار ہے

چوں تہاون کرد در تعظیمہا
جب اُس نے عظمتوں میں سستی برتی

تا کہ نسیاں زاد یا سہو و خطا
یہاں تک کہ سہو اور غلطی سے نسیان پیدا ہوا

ہمچو مستے کو جنایتہا کُند
اُس مست کی طرح جو ظلم کرے

گوید اُو معذور بُودم من ز خُود
اور کہے، میں اپنے بارے میں معذور تھا

گویدش لیکن سبب اے زشت کار
اُس کو (حاکم) کہے گا، اے بدکار! لیکن سبب

از تو بُد در رفتنِ آں اختیار
تیری جانب سے تھا اُس اختیار کے چھے جانے میں

بیخودی نامد بخود تش خواندی
بیخودی خود نہیں آئی تو نے خود اُس کو بُلایا

اختیارت خود نشد تش راندی
تیرا اختیار خود ختم نہ ہوا تو نے اُس کو بھگایا

گر رسیدے مستیِ بے جہدِ تو
اگر تیری کوشش کے بغیر مستی پیدا ہو جاتی

حفظ کردے ساقیِ جاں عہدِ تو
تو روح کا ساقی تیرے عہد کی حفاظت کرتا

پشت دارت اُو بُدے عُذر خواہ
وہ تیرا عذر خواہ ہوتا (اور) مددگار ہوتا

من غلامِ زلتِ مستِ الٰہ
میں خدائی مست کی لغزش کا غلام ہوں

اور بھول کو ختم کر دیتا ہے۔

۵۲ وقتِ غارت۔ جب غنیم لوٹ رہا ہو تو کوئی نہیں سوسکتا اس لئے ہر شخص اپنی گدڑی بچانے کی فکر کرنے لگتا ہے یہ تو گدڑی کا ڈر تھا اب اگر جان کا ڈر ہو تو پھر نیند کیسے آسکتی ہے۔

لاتواخذ۔ قرآن پاک میں ہے۔ اللہ ہماری بھول پر ہماری گرفت نہ کر۔ اس سے معلوم ہوا کہ بھول بھی گناہ ہے ورنہ گرفت نہ کرنے کی دعا کیوں سکھائی جاتی۔ زانکہ۔ وہ بھول جو بے پرواہی سے ہو مواخذہ کے قابل ہے البتہ اگر بچنے کی ساری تدبیریں کرلی ہوں اور پھر بھول ہو جائے تو اس پر گرفت نہیں ہے اس لئے کہ پہلی صورت میں اس نے وہ اسباب نہ اختیار کئے جو وہ کرسکتا تھا۔

۵۳ چل تہاون۔ جب یاد رکھنے کے ذرائع اور اسباب کو ترک کرتا ہے اور اس سے بھول سرزد ہوتی ہے تو قابلِ مواخذہ

۵۱ گر رسیدے۔ اگر تو اپنے طور پر مست نہ ہوا ہوتا تو اللہ تعالےٰ تیری پشت پناہی کرتا اور تیرا عذر خواہ ہوتا ایسے خدائی مست کی لغزش کے تو ہم غلام ہیں:

ہوتا ہے ——— جیحو۔ جو شخص بھول کے اسباب اختیار کرے اور پھر بھول کو عذر بنائے اس کی مثال تو اس شخص کی سی ہے جو شراب میں مست ہو کر جرم کرے اور پھر کہے کہ میں بیخود تھا لہٰذا معذور ہوں حاکم اس سے بھی کہے گا کہ بدبخت بیخودی کا سبب تو نے خود اختیار کیا تھا تو نے خود اپنا اختیار ختم کیا تھا لہٰذا تو معذور نہیں ہے۔

شرح

اب مولانا فرماتے ہیں کہ ہمیشہ غفلت ترک تعظیم سے پیدا ہوتی ہے کیونکہ لحاظ عظمت کا خاصہ ہے کہ وہ آنکھ کی بیماری کو کھو دیتا اور نظر کو تیز کر دیتا ہے اور خوف آدمی کو بیداری اور سمجھ عطا کرتا ہے اور اسکی سبب سہو اور نسیان دل سے بالکل نکل جاتا ہے۔ دیکھو! لُوٹ کے وقت لوگوں کو نیند نہیں آتی بدیں خیال کہ کوئی ہماری گدڑی نہ اُتار لے جائے پس جبکہ گدڑی کے خوف سے نیند اُڑ جاتی ہے۔ تو جان کے خوف کے ساتھ نیند یا بھول کیسے ہو سکتی ہے یہ دلیل تو عقلی تھی اب ہم اس کا ثبوت قرآن سے دیتے ہیں اور کہتے ہیں لَا تُؤَاخِذْنَا اِنْ نَّسِيْنَا اَوْ اَخْطَأْنَا شاہد ہے اس بات کا کہ خطا و نسیان ہی ایک حیثیت سے گناہ ہیں۔ ورنہ.. درخواست معافی کے کیا معنی اور راز اس کا یہ ہے کہ ناسی اور خاطی نے عظمت حق سبحانہٗ کا لحاظ کامل نہیں رکھا۔ ورنہ خطا و نسیان اس پر حملہ نہ کرتے۔

یہ ضرور ہے کہ خطا و نسیان اضطراری ہیں مگر اختیار سبب یعنی ترک تعظیم میں تو وہ مختار تھا پھر اس نے تعظیم میں کیوں کوتاہی کی جس کا اثر یہ ہوا کہ نسیان یا سہو خطا پیدا ہوئے ـــــ اسکی مثال ایسی ہے جیسے وہ مست جو مستی میں جرائم کا ارتکاب کرے اور کہے کہ میں معذور تھا کیونکہ اس کا جواب صاحب حق یہ دے گا کہ ہم نے مانا کہ مستی کی حالت میں تو مجبور تھا لیکن اس اختیار کے زوال کا سبب تیری طرف سے تھا پھر تو نے اس کا ارتکاب کیوں کیا۔ بیخودی خود نہیں آئی تھی۔ بلکہ تو نے خود اسے بُلایا تھا اور تیرا اختیار خود نہ زائل ہوا تھا۔ بلکہ تو نے خود اسے زائل کیا تھا لہٰذا تو معذور نہیں ہو سکتا۔ ہاں اگر مستی بلا تیری کوشش کے طاری ہوتی تو حق سبحانہٗ جو کہ روح کو مست کرنے والے ہیں تیرے عہد کا لحاظ رکھتے۔ اور اسکی تجھ پر عہد شکنی کا الزام نہ لگاتے اور خود تیرے حامی اور تیری طرف سے معذرت کرنے والے ہوتے۔ لیکن ایسا نہیں ہوا۔ اسلئے تو معذور نہیں ہے۔

اب مولانا فرماتے ہیں کہ میں مست حق کی لغزش کا قائل ہوں کہ اسکی خطا بھی صواب ہے۔

عفوہائے جملہ عالم ذرہ — عکسِ عفوت اے ز تو ہر بہرہ

تمام جہان کی معافیاں ایک ذرہ ہیں — اے وہ ذات! کہ ہر حصہ تیری معافی کا عکس ہے

عفوہا گفتہ ثنای عفوِ تو — نیست کفوش اَیُّھَا النَّاسُ اتَّقُوا

تمام معافیوں نے تیری معافی کی تعریف کی ہے — اُس کا کوئی ہمسر نہیں ہے اے لوگو! ڈرو

جانِ شاں بخش و ز خود شاں ہم مراں — کام شیرینِ تو اند اے کامراں

اُنکی جان بخشدے اور اپنے آپ سے اُنکو علیحدہ نہ کر — اے مُرادمند! وہ تیرے شیریں مقاصد ہیں

رحم کن بر وے کہ روئے تو بدید — فُرقتِ تلخِ تو چوں خواہد چشید

اُس پر رحم کر جس نے تیرا دیدار کر لیا ہے — وہ تیری جدائی کی تلخی کیسے چکھے گا؟

از فراق و ہجر میگوئی سخن — ہر چہ خواہی کُن ولیکن ایں مکن

تو فراق اور جدائی کی بات کرتا ہے — جو چاہے کر، لیکن یہ نہ کر

در جہاں نبود بتر از ہجرِ یار — ایں سخن از عاشقِ خود گوشدار

دنیا میں دوست کی جدائی سے بدتر کوئی چیز نہیں ہے — اپنے عاشق کی یہ بات یاد رکھ

صد ہزاراں مرگِ تلخ شصت تو — نیست مانندِ فراقِ شستِ تو

ساٹھ درجے کی لاکھوں کڑوی موتیں — تیرے حلقۂ (زُلف) سے فراق کے مانند نہیں ہیں

تلخیِ ہجر از ذکور و از اناث — دور دار اے مجرماں را مستغاث

مردوں اور عورتوں سے جدائی کی تلخی کو — اے خطاکاروں کے فریادرس! دور رکھ

بر امیدِ وصلِ تو مُردن خوش ست — تلخیِ ہجرِ تو فوقِ آتش ست

تیرے وصل کی اُمید پر مرنا بھلا ہے — تیری جدائی کی تلخی آگ سے زیادہ ہے

عفوہای. ایاز نے کہا اے شاہ آپ کے عفو کے مقابلہ میں تمام جہاں کی معافیاں ذرہ ہیں اور دنیا کی سب معافیاں تیرے عفو کی ثناگو ہیں، اے انسانوں اُس کا کوئی ہمسر نہیں ہے اُس کا ہمسر قرار دینے سے بچتے رہو۔ جانِ شاں. ایاز نے بادشاہ سے کہا ان کی جان بخشی کر دیجئے اور ان کو اپنے سے جدا نہ کیجئے آپ کے مقاصد بڑے شیریں ہیں۔
۲ رحم کن جس نے ایکبار بھی تیرا چہرہ دیکھ لیا ہے وہ جدائی کی تلخی کیسے برداشت کرے گا اُس پر رحم کر دیجئے آپ ہجر و فراق کی بات کر رہے ہیں ان کے ساتھ یہ نہ کیجئے اور جو چاہے کر دیجئے عاشق کے لئے یار کی جدائی سے بدتر کوئی سزا نہیں ہے۔
۳ شصت. ہم نے عدد کے معنی میں لیا ہے اس صورت میں اس کا املا شصت ہونا چاہیئے مصرع اوّل میں تو معنی درجہ ہے دوسرے مصرع میں شست سے مراد زلف کا حلقہ لیا جائے۔ تلخی۔ آپ خطاکاروں کے فریادرس ہیں کسی شخص کو بھی فراق کی سزا نہ دیں یہ ایاز کا شاہ کیلئے مقولہ ہے۔ بر امید وصل کی امید میں جان دے دینا

شرح

یہاں سے پھر شفاعت ایاز کی طرف انتقال فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ایاز نے کہا کہ تمام عالم کی معافیاں آپ کی عفو کے مقابلہ میں بالکل ہیچ اور آپ کی عفو کا عکس ہیں اور جو کچھ کسی کو ملا ہے وہ آپ ہی سے ملا ہے اور تمام عفو آپ کی عفو کے مداح ہیں (پس لوگو چونکہ عالم میں اس کی عفو کا کوئی ہمسر نہیں ہے اسلئے تم اپنے عفو کو اسکے عفو کے برابر کہنے سے بچنا) آپ ان کی جان بخشی فرمائیں

اور انکو اپنے دربار سے نکالیں ہی نہیں کیونکہ یہ آپکے ارکان دولت اور آپ کی ... کامیابی کا ذریعہ ہیں۔ جن لوگوں نے آپ کا روئے مبارک دیکھا ہے۔ آپ ان پر رحم فرمائیں۔ اور آپکو اپنے سے جدا نہ کریں۔ کیونکہ وہ آپ کی ناگوار جدائی کا مزہ کیسے چکھ سکیں گے۔ آپ مفارقت اور جُدائی کا نام لیتے ہیں۔ آپ ایسا نہ کریں اور اسکے سوا آپ جو کچھ چاہیں کریں مگر یہ نہ کریں۔ اور آپ اپنے عاشق کی اس بات کا خیال رکھیں کہ دُنیا میں کوئی چیز دوست کی جدائی سے بدتر نہیں ہے۔ لاکھوں نہایت ناگوار موتیں آپکے پھندے سے جدائی کے برابر ناگوار نہیں ہوسکتیں پس اے مجرموں کے فریادرس! آپ مردوں اور عورتوں سے تلخیٔ ہجر کو دور رکھیئے اور انکو اپنے وصال سے بہرہ مند رکھیئے کیونکہ آپ کا وصل اتنا مرغوب اور محبوب ہے کہ اس کی اُمید میں مرجانا بھی بہتر ہے اور آپ کا فراق اتنا ناگوار ہے کہ اُسکی ناگواری آتشِ دوزخ سے بڑھی ہوئی ہے۔

(فائدہ: ان اشعار میں مولانا نے ایسے الفاظ استعمال فرمائے ہیں جو اشارہ کرتے ہیں اس طرف کہ اس قصہ میں محمود سے مراد حق سبحانہٗ ہیں اور ایاز سے عبد حقیقی۔ اور اس قصہ سے مولانا کا مقصود یہ ہے کہ اہل اللہ اور حق سبحانہٗ کا آپس کا تعلق ظاہر ہو۔

گر میگوید میانِ آں سقر ¹ | چہ غمم بودے گرم کردے نظر
دوزخ کے درمیان کا ذکر کہہ رہا ہے | اگر وہ مجھ پر نظر کر لیتا، مجھے کیا غم ہوتا

کاں نظر شیریں کنندہ رنجہاست | ساحراں را خونبہائے دست و پاست
کیونکہ وہ نظر غموں کو شیریں بنا دینے والی ہے | جادوگروں کے ہاتھ پاؤں کا خونبہا ہے

تفسیر گفتنِ ساحراں فرعون را در وقتِ سیاست کہ

سزا کے وقت فرعون سے ساحروں کے "کوئی نقصان نہیں بیشک ہم اپنے

لَاضَيْرَ اِنَّا اِلٰى رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْن

رب کی طرف لوٹنے والے ہیں" کہنے کی تفسیر

نعرۂ لاضیر بشنید آسماں | چرخ گوئے شد پئے آں صولجاں
آسمان نے "کوئی ضرر نہیں" کا نعرہ سُنا | اُس بَلّے کے لئے آسمان گیند بن گیا

ضربتِ فرعون ما را نیست ضیر | لطفِ حق غالب بود بر قہرِ غیر
فرعون کی سزا ہمارے لئے نقصان نہیں ہے | دوسرے کے قہر پر اللہ تعالیٰ کا کرم غالب ہے

¹ گر۔ کا فر بھی جہنم میں یہ کہے گا کہ آپ کی نظر کرم ہو تو جہنم بھی گوارا ہے.... ساحراں۔ آپ کی نظرِ کرم نے فرعون کے جادوگروں کے لئے ہاتھ پاؤں کٹوا دینا آسان کر دیا اور انھوں نے آپ کی شیریں نظر کو اپنے ہاتھ پاؤں کے خون کا بدلہ دیکھا۔ تفسیر۔ جب فرعون نے ساحروں کو قتل کرنے کی دھمکی دی تو انھوں نے کہا ہاتھ پاؤں کٹنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہم اپنے رب کی طرف لوٹ رہے ہیں۔ چرخ۔ اِس نعرہ سے آسمان بھی رقص کرنے لگا۔

گر بدانی سرِّ ما را اے مُضِل — مہربانی ماں ز رنج اے کور دل

اے گمراہ کرنے والے! اگر تو ہمارا راز جان لے — اے دل کے اندھے! ہمیں تکلیف سے نجات دیدیتا

ہیں بیا ایں سُو ببیں کایں ارغنوں — میزند یا لَیتَ قَومِی یَعلَمُون

خبردار! ادھر آ، دیکھ یہ باجا — "کاش میری قوم جان لیتی" بجا رہا ہے

داد مارا فضلِ حق فرعونیے[۵۳] — نے چنیں فرعونیے بے عونیے

اللہ (تعالےٰ) کے فضل نے ہمیں فرعونی عطا کردی ہے — وہ فرعونی نہیں، جو بغیر مدد (خداوندی) کے ہو

سر برآوردہ مُلک بیں زندہ جلیل — اے شُدہ غِرّہ بمصر و رودِ نیل

سر اُٹھا، زندہ اور عالیشان سلطنت کو دیکھ — اے، مصر اور دریائے نیل پر مغرور

گر تو ترکِ ایں نجس خرقہ کُنی — نیل را در نیلِ جاں غرقہ کُنی

اگر تو اس ناپاک چیتھڑے کو چھوڑ دے — تو نیل کو، جان کے نیل میں ڈبو دے

ہیں بدار از مصر اے فرعون دست — درمیانِ مصرِ جاں صد مصر ہست

خبردار! اے فرعون! مصر سے ہاتھ اٹھالے — جان کے مصر میں سیکڑوں مصر ہیں

تو "اَنَا رَبّ"[۵۴] را ہمی گوئی بعام — غافل از ماہیتِ ایں ہر دو نام

تو عوام سے "میں خدا ہوں" کہتا ہے — (حالانکہ) تو ان دونوں ناموں کی ماہیت سے غافل ہے

رَبّ بر مربوب کے لرزاں بُود — کے اَنا داں بندِ جسم و جاں بُود

پروردگار زیرِ پرورش سے کب لرزتا ہے — "انا" کو جاننے والا جسم اور جان کا پابند کب ہوتا ہے

نک اَنا مائیم رستہ از اَنا — از اَنائے پُر بلائے پُر عنا

دیکھ! "انا" ہم ہیں "انا" سے چھوٹے ہوئے — اس "انا" سے جو مصیبت (اور) مشقت سے پُر ہے

آں اَنائے[۵۵] بر تو اے سگ شوم بُود — در حقِ ما دولتِ محتوم بُود

اے کتّے! وہ "انا" تیرے لئے منحوس تھی — ہمارے حق میں یقینی دولت تھی

گر نبودے ایں اَنائے کینہ کش — کے زدے بر ما چنیں اقبال خوش

اگر یہ کینہ نکالنے والا "انا" تیرے اندر نہ ہوتا — تو ایسا اچھا نصیبہ ہمیں کب حاصل ہوتا

شکر آں کز دارِ فانی میرہیم — بر سرِ ایں دار پندت میدہیم

اس کا شکر ہے کہ ہم دارِ فانی سے چھوٹ رہے ہیں — اس سولی پر ہم تجھے نصیحت کر رہے ہیں

دارِ قتلِ ما براقِ رحلت ست — دارِ مُلکِ تو غرور و غفلت ست

ہمارے قتل کی سولی سفر کا براق ہے — تیرا دار السلطنت، غرور اور غفلت ہے

[۵۲] سرّ بت۔ ماراگر بدانی۔ اگر تو ہمارے اس جذبہ کو سمجھ جاتا تو ہمیں تکلیف نہ دیتا۔ ہیں۔ انطاکیہ والوں نے جب حبیب نجار حضرت عیسیٰؑ کے حواری کو شہید کیا تو انہوں نے فرمایا کاش میری قوم اس بات کو جان لیتی کہ میرے ربّ نے میری مغفرت فرمادی اور مجھے معزز بنادیا۔ ارغنوں مشہور باجا ہے جس کو افلاطون نے ایجاد کیا تھا۔

[۵۳] فرعونیے یعنی شہنشاہی۔ نے چنیں۔ وہ شہنشاہی۔۔۔ فرعون کی سی شاہی نہیں ہے۔ سر برآور — ان جادو گروں نے کہا تھا کہ خوابِ غفلت سے سر اٹھا اور ہماری پائندہ اور عظیم سلطنت

[۵۴] تو انا۔ فرعون قوم سے کہتا تھا کہ میں تمہارا رب ہوں ساحروں نے کہا تو انا اور رب دونوں کی حقیقت سے بے بہرہ ہے انا وہ ہے جو فنا کے بعد حاصل ہو تو اس سے ناواقف ہے۔ ربّ۔ تو رب کی حقیقت سے بھی ناواقف ہے جو اپنی رعایا کے بگڑ جانے سے خوفزدہ ہو وہ رب کیسے ہوسکتا ہے۔ انا مائیم۔ اصل انانیت تو جب حاصل ہوتی ہے جب انسان اپنی انانیت اور خودی کو چھوڑ چکے جو مصیبت اور مشقت سے پُر ہے۔

[۵۵] آں انا۔ تیری انانیت خودی لئے ہوئے ہے تو منحوس ہے ہم فنا کا درجہ حاصل کرچکے ہیں لہٰذا ہماری انانیت ایک دولت ہے۔ گر نبودے۔ تیری

گو دیکھ لے مصر اور نیل کی سلطنت پر غرور نہ کر۔ گر تو۔ اگر تو اس حقیر سلطنت کو ٹھکرا دے گا تو تیری روح میں اس قدر وسعت پیدا ہو جائے گی کہ یہ دریائے نیل اس میں غرق ہو جائے گا۔ ہیں بدار۔ ساحروں نے فرعون سے کہا کہ اس مصر کی حکومت سے دست کش ہو جا پھر روحانی دنیا کے سیکڑوں مصر ہاتھ آجائیں گے۔

ایں حیاتِ خفیہ در نقشِ ممات
یہ خفیہ زندگی ہے، جو موت کی صورت میں ہے
واں مماتِ خفیہ در قشرِ حیات
وہ خفیہ موت ہے، جو زندگی کے چھلکے میں ہے

می نماید نور نار و نار نور
نور، آگ اور آگ نور نظر آتی ہے
ورنہ دنیا کے بُدے دارالغرور
ورنہ دنیا دارالغرور کب ہوتی؟

ہیں مکن تعجیل اول نیست شو
خبردار! جلدی نہ کر پہلے نیست بن
چوں غروب آری برار از شرق ضو
جب تو غروب کر گیا مشرق سے روشنی لا

آں انائے در ازل دل تنگ شُد
وہ "انا" ازل میں دل تنگ ہے
زیں انا جاں بیخود و دل دنگ شُد
اس "انا" سے جان بیخود اور دل حیران ہوگیا

آں انائے سرد گشت و تنگ شد
وہ "انا" سرد اور تنگ ہے
ایں انا خم دادہ ہمچو چنگ شد
یہ مست "انا" چنگ کی طرح ہے

زاں انائے بے انا خوش گشت جاں
اس بے "انا" کے "انا" کہنے سے جان خوش ہوگئی
شد جہان او از انائے ایں جہاں
وہ اس جہاں سے کود جانے والی ہوگئی

از انا چوں رَست اکنوں شد انا
جب "انا" سے چھوٹ گئی اب "انا" ہوگئی
آفرینہا بر انائے بے عنا
بے مشقت کی "انا" کو شاباش ہے

او گریزان و انائے در پئش
وہ بھاگ [illegible] ہے اور "انا" اُسکے در پے ہے
می دَوَد چوں دید وے را بے ویش
وہ "انا" دوڑتی ہے جب وہ اُسکو اپنے بغیر دیکھتی ہے

طالبِ اُوئی نگردد طالبت
تو اُسکا طلبگار ہے وہ تیری طلبگار نہ بنے گی
چوں بمُردی طالبت شُد مطلبت
جب تو مرگیا تیرا مطلوب تیرا طالب بن گیا

زندہ کے مُردہ شو شوید ترا
تو زندہ ہے، مردے کو نہلانے والا تجھے کب نہلائیگا؟
طالبی کے مُطلبت جوید ترا
تو طلبگار ہے، مطلوب تجھے کب ڈھونڈے گا؟

اندریں بحث ار خرد رہ بیں بُدے
اس بحث میں اگر عقل راستہ دیکھنے والی ہوتی
فخرِ رازی رازدارِ دیں بُدے
(تو) فخر (الدین) رازی دین کے رازدار ہوتے

لیک چوں مَن لم یذق لم یدر بود
لیکن چونکہ جس نے نہ چکھا اُس نے نہ جانا ہے
عقل و تخییلاتِ او حیرت فزود
اُنکی عقل اور تخیلات نے حیرت میں اضافہ کردیا

کے شود کشف از تفکر ایں انا
غور کرنے سے یہ "انا" کب کھلتی ہے
ایں انا مکشوف شد بعد الفنا
یہ "انا" فنا کے بعد کھلی ہے

انانیت ہماری خوش بختی کا سبب بن گئی ہے۔ بشکر۔ تیری انانیت نے ہمیں اِس فانی دنیا سے نجات دیدی ہے اب ہم سولی پر چڑھ کر تجھے نصیحت کر رہے ہیں۔ دار۔ یہ سولی ہمارے لئے قُربِ خداوندی کا بُراق بن گئی ہے۔

۵۳ ایں۔ یعنی بُراق رحلت حیات بصورت ممات ہے۔ واں۔ تیرا دار نمک موت بصورت حیات ہے۔ دارالغرور دھوکے کا گھر دنیا کو اسی لئے کہا جاتا ہے کہ یہ حقائق برعکس نظر آتے ہیں۔ چوں۔ پہلے نیست ہو کر پھر غروب کے بعد سورج طلوع ہوگا۔ آتی ہے۔

۵۵ زاں۔ جس انا میں بشری انانیت نہ ہو اُس سے روح خوش ہوتی ہے اور انسان اُس انا کے ذریعہ اس دنیا کی انا سے نجات پا جاتا ہے، پہلے مصرع کے شروع میں جہاں جہندہ کے معنی میں ہے دوسرا جہاں دنیا کے معنی میں ہے۔ از انا۔ جب انسان بشری انانیت سے چھوٹ جاتا ہے تو حقیقی انا اُس کو حاصل ہو جاتی ہے۔ او گریزاں۔ فانی حقیقت کیلئے گریزاں ہے اور بقا اُسکے درپے ہے اور اس مظہر میں صفاتِ الٰہی اپنا ظہور چاہتے ہیں اور جب تک انسان اپنی انا کا طالب ہے فنائے حقیقی اُسکو حاصل نہ ہوگی جب اپنی صفاتِ بشری سے مُردہ ہو جائیگا تو فنا خود اُس کی طالب بن جائے گی۔

۵۶ زندہ۔ جب تک انسان اپنی انا سے زندہ ہے تو اس مُردے کو نہلانے والا یعنی فنا اُس کیساتھ معروف عمل نہ

اوصافِ بشری فنا کرنے سے پہلے انا کہنا ازل سے مردود ہے۔ زہی انا۔ فنا کے بعد انا کہنا محمود ہے۔ چنگ سے ایک باجا ہے جس کی آواز خوش کن ہے۔

می نتد ایں عقلہا در افتقاد	در مغاکے وحلول و اتحاد
جستجو میں یہ عقلیں جا گرتی ہیں	گڑھے اور حلول و اتحاد میں

ہوگی۔ انتدیں۔ اس بحث میں کہ فنا اپنی انا ختم کرنے کے بعد حاصل ہوتی ہے عقل رہنمائی نہیں کرتی ہے ورنہ... امام فخر الدین رازی جو دلایل عقلی پر ہر چیز کا مدار رکھتے ہیں دین کے اسرار کے سب سے بڑے عالم ہوتے۔ لیکن یہ مسائل ذوقی ہیں جس نے انکا مزا چکھا وہ انکی حقیقت تک نہیں پہنچ سکتا ان مسائل میں دلائلِ عقلیہ حیرت میں اور اضافہ کردیتے ہیں۔ ایں انا۔ حقیقی انا کا علم فنا کے بعد واضح ہوتا ہے۔

۴۳ در افتقاد۔ اگر محض عقل کے ذریعہ ان مسائل کو حل کیا جائیگا تو انسان حلول اور اتحاد جیسے عقیدوں میں مبتلا ہوجائیگا یعنی یہ سمجھ جائیگا کہ بقا بعد فنا جس میں ایک انسان وجودِ عبد کے بغیر صفاتِ رب کیساتھ متصف ہوتا ہے حلول کی صورت میں ہے یعنی حضرت حق تعالیٰ وجودِ عبد کو اپنا محل بنا لیتے ہیں یا عبد اور رب میں اتحاد ہوجانے کی صورت سے ہے۔

شرح یہاں سے مولانا اپنے مقصود کی تصریح فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ مضمون بالا سے کنایۃً تم کو حق سبحانہٗ کے فراق کی سختی معلوم ہوئی ہے اور اس میں دعوٰے کیا گیا ہے کہ اسکی ہجر کی سختی آتشِ دوزخ سے بڑھ کر ہے اب اس کنایہ کی توضیح اور اس دعوٰی کی دلیل سنو! کفار دوزخ میں کہیں گے کہ اگر آپ ہم پر نظرِ عنایت کرتے تو پھر ہمیں دوزخ کا بھی ملال نہ ہوتا وجہ اسکی یہ ہے کہ نظرِ عنایت تکالیف کو خوشگوار بنا دینے والی اور ساحروں کے ہاتھ پاؤں کا خون بہا ہے۔ چنانچہ جب فرعون نے جادوگروں کو سولی دینے اور پاؤں کاٹنے کی دھمکی دی تو انہوں نے آپ کی نظر کے شوق میں اس کی کچھ پرواہ نہیں کی۔ اور انھوں نے اس قدر زور سے نعرہ لگایا کہ اسکو گوشِ فلک نے بھی سن لیا اور اس بلا کے سامنے آسمان بھی گیند ہوگیا (یعنی یہ نعرہ آسمان سے یوں ٹکرایا جیسے بلّا گیند سے ٹکراتا ہے یا یہ کہ اس کو سنکر آسمان یوں رقص کرنے لگا۔ جیسا کہ گیند بلے سے رقص کرتی ہے واللہ اعلم) اور انہوں نے نہایت زور سے کہا کہ فرعون کی مار سے ہمارا کچھ نقصان نہیں ہے کیونکہ حق سبحانہٗ کی ہم پر عنایت ہے اور خدا کی عنایت دوسروں کے غصہ پر غالب ہے اسکے بعد انہوں نے فرعون کو خطاب کیا اور کہا کہ او گمراہ کرنے والے فرعون! اگر تجھے ہماری

باطنی حالت معلوم ہو۔ تو تو بھی یقین کرلے کہ تو ہم کو تکلیف نہیں دے رہا ہے بلکہ ہم کو تکلیف سے نجات دے رہا ہے۔

دیکھ! ادھر آ اور سن! کہ ہماری ارواح کا ارگن یا لیت قومی یعلمون کا راگ گا رہا ہے اور کہہ رہا ہے کہ کاش لوگوں کو معلوم ہو کہ ہمیں اس تکلیف میں کس قدر راحت ہے خدا نے ہم کو اپنے فضل سے روحانی بادشاہت عطا کی ہے جو کہ اس سلطنت جسمانی سے بڑھ کر ہے جو تجھ کو عنایت ہوئی ہے کیونکہ ہماری سلطنت باقی ہے اور تیری سلطنت فانی نیز ہماری سلطنت رنج وغم سے پاک صاف ہے اور تیری سلطنت میں ان کی آمیزش ہے ارے مصر اور رود نیل سے دھوکا کھائے ہوئے تو ذرا ظلمات ناسوت سے سر تو باہر نکال اور دیکھ تو سہی کہ اقلیم روحانی کس قدر عظیم اور زندہ ہے اور پائیدار ہے اسکے بعد تجھے اپنی بادشاہی کی حقیقت معلوم ہوگی۔ اگر تو اس ناپاک لباس تن کو چھوڑ دے تو پھر تو رود نیل کو روح کے دریائے معرفت میں ڈبو دے یعنی اس دریا کے سامنے اس دریا کو بے قدر سمجھ کر چھوڑ دے۔

دیکھ فرعون! کہنا مان! اور ملک مصر کو چھوڑ کر سلطنت روحانی حاصل کر۔ اسلئے کہ اس سلطنت میں ایسی ایسی سینکڑوں سلطنتیں ہیں۔ احمق تو لوگوں سے کہتا ہے کہ میں تمہارا بڑا خدا ہوں۔ یہ تیری کتنی بڑی حماقت ہے کیونکہ نہ تو انا اور میں کے حقیقت جانتا ہے اور نہ رب کی اسلئے کہ تجھے اپنی سلطنت کے متعلق اندیشہ ہے اور تو ڈرتا ہے کہ کہیں موسیٰ (علیہ السلام) اپنا اثر جما کر میری سلطنت نہ چھین لے اور لوگوں کو مجھ سے نہ توڑ لے حالانکہ جب تو رب اعلیٰ ہے تو ملک وغیرہ سب تیرے مربوب ہیں پھر تجھے کیا خوف ہے بھلا کبھی رب کو اپنے مربوب کے متعلق کوئی اندیشہ ہوتا ہے اور کیا وہ ڈرتا ہے کہ کہیں کوئی میرا ملک نہ چھین لے وغیرہ وغیرہ ہرگز نہیں۔ پس ثابت ہوا کہ تو رب کی حقیقت نہیں جانتا۔

اچھا اب سن کہ تو انا اور میں کی حقیقت بھی نہیں سمجھا کیونکہ جو اپنے کو جانتا ہے وہ ہرگز تن پروری میں مشغول نہیں ہوتا۔ بلکہ وہ سمجھتا ہے کہ میرا خالق اور میرا مالک اور میرا حاکم اور مربی خدا ہے اسلئے میرا فرض ہے کہ میں اسکے احکام بجالاؤں۔ پس ثابت ہوا کہ

تو اُنَا کی حقیقت بھی نہیں سمجھتا ۔ دیکھ! اَنَا کے معنی جاننے والے ہم ہیں کہ ہم نے خودی
یعنی تکلیف کی بھری ہوئی خودی ۔۔۔۔۔ کو چھوڑ دیا اور اپنے کو خدا کا مطیع بنا دیا
یہ تیری اَنانیت گو تیرے لئے منحوس ثابت ہوئی ۔ مگر ہمارے لئے اعلیٰ دولت ہو گئی ۔
کیونکہ اگر تیرے کینہ کش انانیت نہ ہوتی تو ہمیں یہ خوش قسمتی شہادت کیسے میسّر ہوتی ۔
خیر الحمد للہ ! کہ اب ہم اس دار فانی سے رخصت ہوتے ہیں ۔ مگر سُولی پر چڑھے ہوئے
محض خیر خواہی سے تجھے بھی نصیحت کرتے ہیں کہ تو اس جہالت کو چھوڑ اور طاعت و عبودیت
حق کو اختیار کر ۔ تو ہماری سُولی کو حقیر اور اپنی سلطنت کو وقیع سمجھ کر ہماری نصیحت کو
نظر انداز نہ کرنا ۔ کیونکہ معاملہ بالعکس ہے ۔ اسلیئے کہ ہمارے قتل کی سولی ہمارے سفرِ
آخرت کا بُراق ہے جو کہ ہم کو ہمارے محبوب اور بادشاہ تک پہنچائے گا اور تیرا دار الحکومت
تیری غفلت اور تیرے غرور اور بُعد عن الحق کا ذریعہ ہے اور گو ہم مُردہ ہیں اور تو زندہ مگر
تو اس مغالطہ میں نہ پڑنا کیونکہ ہماری حیات روحانی موت جسمانی کی صورت میں مخفی ہے
اور تیری موت روحانی بے وقعت حیاتِ جسمانی میں مستور ہے اسلئے یوں کہہ سکتے ہیں کہ
نور آگ اور آگ نور دکھلائی دیتی ہے یعنی موت حیات معلوم ہوتی ہے اور حیات موت ۔
اب مولانا جملہ معترضہ کے طور پر فرماتے ہیں ـــــ ہونا بھی یہی چاہیئے
ورنہ دنیا دھوکے کا گھر ـــــ کہلاتا ہے یہ جملہ معترضہ ختم کر کے پھر مضمون سابق کی طرف
عود کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ـــــ ساحروں نے کہا کہ دیکھ! ہم کہتے ہیں کہ تو دعوائے اَنا میں
جلدی نہ کر ۔ بلکہ اوّل اپنی خودی کو فنا کر ۔ پس جب تو مٹ جائے اور آفتاب کی
طرح غروب ہو جائے اس وقت مشرق روحانی سے آفتاب کی طرح چمکتا ہوا اور شاندار ہو کر
نکل ۔ اس وقت اگر تو اَنا کہے گا تو یہ اَنا برمحل ہو گی کیونکہ اس وقت تجھے بقا باللہ حاصل
ہو جائے گی ۔ اور تو خدا کے رنگ میں رنگ جائے گا ۔ اور ایسی حالت میں تیرا اَنا کہنا
ایسا ہو گا جیسا کہ لوہے کا آگ سے سُرخ ہو کر اَنَا النَّار کہنا وغیرہ وغیرہ ! اور تیرا یہ کہنا
ایک حد تک صحیح ہو گا ۔

اب مولانا انائے فرعون اور اَنائے فانین کا فرق دکھلاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ انائے فرعونی تو ازل میں بھی دلتنگ ہے۔ اور اَنائے فانین کی جان بے خود اور دل دنگ ہے (مطلب یہ ہے کہ اشخاص مبتلائے خودی کے راحت کے لئے وسعتِ ازل بھی کافی نہیں اور اَنائے بے خودی نہایت آرام دہ اور راحت بخش ہے۔) اور وہ اَنا بالکل بے مزہ اور پھیکی اور موجب دل تنگی وتکلیف ہے اور یہ اَنا چنگ کی طرح خم دی ہوئی اور مبنی برانکسار وفنا اور موجب لذّت وراحت ہے۔

اور اس اَنا سے جو کہ خودی سے خالی ہے جان خوش ہوتی ہے اور وہ اسکے ذریعہ سے اس اَنا ناسوتی جس کا منشا خودی ہے چھوٹ جاتی ہے اور جب کہ وہ اس اَنائے مذموم سے چھوٹ جاتی ہے تو اس کو.... انا کہنے کا منصب حاصل ہوجاتا ہے۔ سو کیا کہنا ہے اِس اَنا کا جو مصائبِ خودی سے خالی ہو۔

دیکھو: جب آدمی اپنے کو مرضیاتِ حق میں فنا کردیتا ہے اس وقت اسکی یہ حالت ہوتی ہے کہ وہ اَنا سے بھاگتا ہے لیکن جبکہ اَنائے محمود اس کو فانی محض پاتی ہے تو وہ اسکے پیچھے پیچھے دوڑتی ہے اور اسے نہیں چھوڑتی۔ مطلب یہ ہے کہ آدمی اپنی ہستی کو فنا کرتا ہے اور حق سُبحانہٗ اسی کو اپنی طرف سے ایک نئی ہستی جس کو بقا باللہ کہتے ہیں عطا فرماتے ہیں لیکن جب کہ تم خود ہستی اور خودی کے طالب ہو تو اس وقت وہ تم سے بھاگتی ہے اور تمہاری طالب نہیں ہوتی۔ ہاں جب تم اپنے کو فنا کرو اور اپنی خودی کو مٹادو اس وقت وہ تمہاری مطلوب ہستی تمہاری طالب ہوتی ہے اور تم کو لپٹتی ہے کیونکہ اُس کے طلب کی شرط فناءِ طالب ہے اور جبکہ شرط مفقود ہوگئی تو مشروط بھی مفقود ہوگئی۔ **دیکھو:** جب تک تم نہ مرو۔ اُس وقت تک تمہیں مردہ شو کیسے نہلا سکتا ہے اور جبکہ تم خود طالب ہو اس وقت تک مطلوب تمہارا طالب کیونکر ہوسکتا ہے اور جبکہ نہیں ہوسکتا۔ تو عدمِ فنا کی صورت میں ہستی بھی تمہاری طالب نہیں ہوسکتی۔

اس مقام پر چونکہ مولانا نے فنا اور بقا اور دعوٰی انا کے متعلق بحث فرمائی

ہے اور چونکہ مسئلہ فنا و بقا ایک وجدانی مسئلہ ہے جس کو ارباب احوال ہی خوب سمجھ سکتے ہیں اور جو لوگ صاحب حال نہیں ہیں وہ اس کی حقیقت کو نہیں سمجھ سکتے جس طرح کہ لذت جماع کو کما حقہٗ وہی سمجھ سکتا ہے جسے جماع کا اتفاق ہوا ہو اور جس کو اتفاق نہیں ہوا وہ نہیں سمجھ سکتا اور ایسی حالت میں کچھ بعید نہیں تھا کہ لوگ اس بیان کو جو کہ پورے طور پر حقیقت فنا و بقا کو ظاہر نہیں کرتا کافی سمجھ جائیں اور گمراہ ہو جائیں۔

اسلئے مولانا لوگوں کو متنبہ فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ صاحبو! بحث فنا و بقار عقل کے ادراک سے باہر ہے اور یہ ایک امر ذوقی ہے جس کو صاحب حال ہی سمجھ سکتے ہیں۔ اور غیر صاحب حال عقل سے اس کی حقیقت تک نہیں پہنچ سکتا کیونکہ اگر مجرد عقل اس بحث کا پتہ چلا لیتی تو امام فخرالدین رازی کو دین کا راز دار اور حامل اسرار شریعت ہونا چاہیئے تھا لیکن چونکہ امام موصوف صاحب حال نہ تھے اور اسلئے وہ ان معاملات کی حقیقت کو نہ جانتے تھے۔ بنابریں وہ عقلی تکے چلاتے تھے اور ان کی عقل اور تخیلات بجائے حل مشکل کے اُن کو اور حیرت میں ڈالتی تھیں پس اگر تمہیں اس ہستی اور بقا کی حقیقت معلوم کرنی ہے جو کہ فنا کے بعد حاصل ہوتی ہے تو فنا حاصل کرو۔ کیونکہ اس ہستی اور بقا کی حقیقت غور اور فکر سے معلوم نہیں ہو سکتی۔ بلکہ اس کی حقیقت حصول فنا سے معلوم ہوتی ہے عقلیں جب اس بحث میں پڑتی ہیں تو راہِ راست سے ہٹ کر گمراہی کے گڑھے اور حلول و اتحاد کے شبہ میں پڑ جاتی ہیں۔ نعوذ باللہ من سوء الاعتقاد۔

اے ایاز گشتہ فانی ز اقتراب اے ایاز! تو قرب میں فانی بنگیا ہے	ہمچو اختر در شعاع آفتاب جیسا کہ ستارہ سورج کی شعاع میں
بلکہ چوں نطفہ مبدّل تو بتن بلکہ جیسا کہ تیرا نطفہ جسم میں تبدیل ہوا	نز حلول و اتحادِ مُفتتن نہ کہ حلول اور پُر فتنہ اتحاد سے
عفو کن اے عفو در صندوقِ تو معاف کردے اے وہ کہ معافی تیرے صندوق میں ہے	سابقِ لطفی ہمہ مسبوقِ تو تو مہربانی میں سابق ہے سب تیرے پیچھے ہیں

اے ایاز۔ بقا اور فنا کی صحیح مثال اگر ہے تو یہ ہے کہ جسطرح ستارہ شعاع شمس میں گم ہو جاتا ہے اسی طرح عبد حادث اپنے آپ کو رب قدیم میں گم کر دیتا ہے یہ تو صفات کی تبدیلی کی مثال ہے یا یہ سمجھو کہ نطفہ منی جسم انسانی میں تبدیل ہو جاتا ہے یہ تبدیل ذاتی کی مثال ہے۔

شرح بعض محشین نے ان ابیات کو سلطان محمود کا مقولہ قرار دیا ہے اور بعض نے مولانا کا۔ محمود کا مقولہ ہونے پر یہ شبہ ہوتا ہے کہ جب محمود نے عفو کو ایاز کے سپرد کر دیا۔ تو اب ایاز کی اس معذرت کا کوئی موقع نہیں رہتا جو وہ آئندہ اپنے مطاعت کے متعلق کرتا ہے۔ بلکہ اس کا موقعہ اس سے پہلے اور شفاعت کے ساتھ ہے اس کا جواب یوں دیا جاسکتا ہے کہ معذرت از شفاعت کے معنی یہ ہیں کہ میرا تو شفاعت کرنا بھی گستاخی ہے۔ چہ جائیکہ خود عفو کرنا۔ مگر یہ توجیہ جی کو نہیں لگتی۔ اسلئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان اشعار کو مولانا کا مقولہ کہا جائے اور یوں کہا جائے کہ چونکہ مولانا ابھی فنا کی بحث کر چکے ہیں۔ اسلئے وہ اس فنائے ایاز کی طرف انتقال فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اے ایاز جو کہ قرب شاہی کے سبب یوں فنا ہو گیا ہے جیسے خورشید کے نور میں ستارہ۔ بلکہ جس کی یوں کایا پلٹ ہو گئی ہے۔ جیسے نطفہ کی جسم بن کر۔ مگر نہ اس میں حلول کو دخل ہے اور نہ اتحاد کو۔ تو شفاعت کیوں کرتا ہے اور محمود سے کیوں درخواست کرتا ہے تو خود معاف کر دے اسلئے کہ عفو تیرے قبضہ میں ہے کیونکہ تو محمود سے جدا نہیں اور مہربانی میں اور سب سے بڑھا ہوا ہے اور دوسرے لوگ سب اس صفت میں تجھ سے پیچھے ہیں کیونکہ تجھ میں یہ صفت خود تیری نہیں ہے۔ بلکہ محمود کی ہے جو کہ اس صفت میں سب سے بڑھا ہوا ہے (فائدہ: تم کو معلوم ہو چکا ہے کہ مسئلہ بقا و فنا۔ ایک ایسا مسئلہ ہے جو صرف عقل سے بخوبی سمجھ میں نہیں آتا۔ بلکہ جس پر یہ حال طاری ہو کماحقہ اسکو وہی سمجھ سکتا ہے۔ لہٰذا ارباب حال جب اس مسئلہ کو دوسروں کو سمجھانا چاہتے ہیں تو اسکے لیے تقریبی مثالیں اختیار کرتے ہیں جو پورے طور پر تو ممثل لہٗ پر منطبق نہیں ہوتیں۔ ہاں کچھ کچھ اس سے مناسبت رکھتی ہیں۔ اسلئے کبھی وہ اسکو لوہے اور آگ سے تشبیہ دیتے ہیں اور کبھی ستارہ اور آفتاب سے اور کبھی سرکہ اور شہد سے اور کبھی نطفہ اور جسم سے۔ وغیرہ وغیرہ لیکن چونکہ یہ مثالیں تقریب فہم کے ساتھ مغالطہ میں بھی ڈالنے والی بھی ہوتی ہیں اسلئے وہ مغالطہ سے بچانے کے لئے کہیں کہیں تنبیہ بھی کر دیتے ہیں اور کہدیتے ہیں کہ یہ مثالیں تقریبی ہیں نہ کہ تحقیقی۔

چنانچہ مولانا نے ابیات سابقہ میں فرمادیا ہے کہ یہ مسئلہ ذوقی اور وجدانی ہے
جو کہ کماحقہ ذوق سے سمجھ میں آسکتا ہے نہ کہ عقل سے۔ چنانچہ فرمایا ہے۔ اندریں بحث ار خرد
راہ بیں بدے اس سے یہ امر واضح ہوگیا کہ جس قدر مثالیں اس مسئلہ کی بیان کی جاتی
ہیں وہ تقریبی ہوتی ہیں نہ کہ تحقیقی۔ جب یہ مقدمہ ذہن نشین ہوگیا تو اب سمجھو کہ مولانا نے
اس مقام پر مسئلہ فنا کو اولاً تمثیل ستارہ و آفتاب سے بیان فرمایا تھا۔ مگر چونکہ یہ مثال اسلئے ناقص
تھی کہ اس میں بعد فنا عود الی الحالۃ الاولیٰ ہوتا ہے جیسا کہ غروب آفتاب کے بعد ہوتا
ہے مگر ممثل لہٗ میں عود نہیں ہوتا۔ اس لیے اس سے ترقی کی اور اسکی تمثیل نطفہ اور تن
سے بیان فرمائی لیکن یہ مثال بھی ممثل لہٗ کے بالکل مطابق نہیں ہے کیونکہ اس
مثال میں بعض باتیں ایسی ہیں جو ممثل لہٗ میں نہیں مثلاً مثال مذکور میں نطفہ کی صورت
نوعیہ بدل جاتی ہے اور ممثل لہٗ میں ایسا نہیں ہوتا۔ بلکہ انسان بعد فنا بھی انسان
ہی رہتا ہے۔ نیز مثال مذکور میں مفنی فیہ یعنی جسم خود فانی سے پیدا ہوا ہے
اور ممثل لہٗ میں مفنی فیہ کی یہ حالت نہیں ہوتی۔ بلکہ وہ پہلے سے ہوتا ہے اسلئے
یہ مثال بھی تقریبی ہے اور مقصود صرف یہ ہے کہ جیسے مثال مذکور میں نطفہ بلاحلول
اور اتحاد کے فنا ہوجاتا ہے۔ اور فنا کے بعد حالت اولیٰ کی طرف عود نہیں کرتا یونہی
ایاز بھی عمود میں بلاحلول و اتحاد اور بدوں عود الی الحالۃ الاولیٰ فنا ہوگیا واللہ اعلم

مجرم داشتن ایاز خود را دریں شفاعت گری و عذر ایں جرم

اس سفارش کرنے میں ایاز کا اپنے آپ کو مجرم سمجھنا اور اس خطا کی معافی

خواستن و دراں عذر گوئی ہم خود را مجرم داشتن و ایں شکستگی

چاہنا اور اس عذر گوئی میں بھی اپنے آپ کو مجرم قرار دینا اور یہ کسر نفسی

از شناخت و عظمت شاہ خیزد و انا اعلمکم باللہ

شاہ کی عظمت اور پہچان سے پیدا ہوتی ہے "اور میں تم سے زیادہ اللہ کو جاننے والا ہوں اور

واخشاکم و قال اللہ تعالیٰ انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء

تم سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہوں" اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اللہ تعالیٰ سے اسکو جاننے والے ڈرتے ہیں

من کہ باشم کہ بگویم عفو کن ـــ اے تو سلطان و خلاصہ امر کن

میں کون ہوتا ہوں جو کہوں کہ معاف کر دیجئے؟ ـــ اے وہ کہ آپ بادشاہ اور "کن" کے امر کے خلاصہ ہیں

من کہ باشم کہ بوم من با تو منت ـــ اے گرفتہ جملہ منہا دامنت

میں کون ہوتا ہوں کہ میں تیری ہستی کے سامنے موجود رہوں؟ ـــ اے وہ کہ تمام ہستیوں نے تیرا دامن تھاما ہے

منؔ کہ آرم رحم حلم آلود را ـــ رہ نمایم حلم علم اندود را

میں غضب آلود رحم کب کر سکتا ہوں؟ ـــ میں تو حلم سے بھرے ہوئے علم کی رہنمائی کرتا ہوں

صد ہزاراں صفع را ارزانیم ـــ گر زبون صفعہا گردانیم

میں لاکھوں طمانچوں کے لائق ہوں ـــ اگر آپ مجھے طمانچوں کا مغلوب بنالیں

من کیم تا پیشت اعلامے کنم ـــ یا کہ وایادت دہم شرط کرم

میں کون ہوں کہ آپ کے سامنے اعلان کروں؟ ـــ یا کہ آپ کو کرم کی شرط یاد دلاؤں

آنچہ معلوم تو نبود چیست آں ـــ وانچہ یادت نیست کو اندر جہاں

جو تجھے معلوم نہیں وہ کیا ہے؟ ـــ جو تجھے یاد نہیں وہ جہاں میں کہاں ہے؟

اےؔ تو پاک از جہل و علمت پاک از آں ـــ کہ فراموشی کند ویرا نہاں

اے وہ کہ تو نادانی سے پاک ہے اور تیرا علم اس سے پاک ہے ـــ کہ بھول اس کو چھپا دے

ہیچکس را تو کسے انگاشتی ـــ ہمچو خورشیدش بنور افراشتی

تو نے ناچیز کو چیز ٹھہرایا ـــ تو نے اس کو سورج کی طرح نور سے بلند کر دیا

چوں کسم کردی اگر لابہ کنم ـــ مستمع شو لابہ ام را از کرم

جب تو نے مجھے کچھ بنا دیا، اگر میں عاجزی کروں ـــ تو کرم کر کے میری خوشامد کو سن لے

زانکہؔ از نقشم چو بیروں بردہ ـــ آں شفاعت ہم تو خود را کردہ

اسلئے کہ جب تو نے مجھے ہستی سے باہر نکال دیا ہے ـــ تو وہ سفارش بھی تو نے خود ہی سے کی ہے

لہ خواستن ایاز نے اس سفارش کے بارے میں بھی اپنے آپ کو قصوروار سمجھا اور معذرت خواہی کرنے لگا اور یہ صورت جب پیدا ہوتی ہے جبکہ انسان شاہ کی عظمت کو سمجھ چکا ہو چنانچہ آنحضورؐ نے ارشاد فرمایا ہے کہ میں خدا کو تم سے زیادہ جانتا ہوں اور خدا سے تم سے زیادہ ڈرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اللہ کے جاننے والے ہی اللہ سے ڈرتے ہیں۔ من کہ باشم۔ میرا تیرے سامنے سفارش کرنا اپنی ہستی کا اقرار کرنا ہے جو غیر مناسب ہے۔

لہ من۔ میرے رحم میں تو خلوص نہیں ہے میں تو صرف آپکے علم کی راہنمائی کر رہا ہوں صد ہزاراں۔ اگر تو مجھے سزا دینا پسند کرے تو میں لاکھوں طمانچوں کا مستحق ہوں، سفارش کرنا میری گستاخی ہے۔ من کیم میں کون ہوتا ہوں کہ آپ کو بتاؤں اور کرم کی شرط یاد دلاؤں جب کہ آپ کو ہر چیز معلوم ہے اور ہر بات یاد ہے۔

لہ اے تو پاک۔ آپ خود جہل سے پاک ہیں اور کوئی بھول کسی چیز کو آپ سے پوشیدہ نہیں کر سکتی ہے۔ ہیچکس۔ آپ نے معافی کا اختیار مجھے دیکر مجھے کسی قابل بنا دیا اب جب کہ آپ نے مجھے کسی قابل بنا دیا ہے تو کرم کر کے میری خوشامد کو بھی سن لیجئے۔

لہ زانکہ۔ اب میں میں نہیں ہوں لہذا میری یہ سفارش میری نہیں ہے آپ کی ہے۔

چوں زرختِ من تہی گشت ایں وطن — تر و خشکِ خانہ نبود آنِ من
جب یہ وطن میرے سامان سے خالی ہوگیا — تو گھر کا تر اور خشک میرا نہیں ہے

ہم دعا از من رواں کردی چو آب — ہم ثباتش بخش و گرداں مستجاب
تونے ہی دعا مجھ میں سے پانی کی طرح جاری کردی — تو ہی اسکو جماؤ عطا کر اور قبول فرما

ہم تو بودی اوّل آرندہ دعا — ہم تو باش آخر اجابت را رجا
تو ہی ابتداءً مجھ سے دعا کرانے والا ہے — تو ہی اخیر میں قبولیت کی امید بن

تا زنم من لاف کاں شاہِ جہاں — بہرِ بندہ عفو کرد از مجرماں
تاکہ میں شیخی بگھاروں کہ اُس شاہجہاں نے — ان خطا کاروں کو غلام کی خاطر معاف کردیا

دردِ بودم سر بسر من خود پسند[۲] — کرد شاہم داروی ہر دردمند
میں متکبر سراسر درد تھا — شاہ نے مجھے ہر دردمند کی دوا بنا دیا

دوزخے بودم پُر از شور و شرے — کرد دستِ فضلِ اُو یم کوثرے
میں شور و شر سے پُر ایک دوزخ تھا — اُسکی مہربانی کے ہاتھ نے مجھے کوثر بنادیا

ہر کہ را سوزید دوزخ در قوَد — من بروِیانم دگر بار از جسَد
جس شخص کو دوزخ نے سزا میں جلادیا ہے — میں اُسکے جسم کو دوبارہ اُگا دیتا ہوں

چوں جبکہ میرے پاس اپنا کچھ نہیں ہے تو گھر میں جو کچھ ہے میری ملکیت نہیں ہے تونے ہی مجھے سفارش کی توفیق دی ہے اب تو ہی اُسکو قبول فرمالے ہم تو۔ دعا کرنے والا تو ہی ہے تو تجھی سے قبول کرلینے کی امید وابستہ ہے۔ تا زنم جبکہ میرا کوئی حصہ نہیں تو مجھے تو خواہ مخواہ کا فخر ہوگا کہ بادشاہ نے میری سفارش پر خطاکاروں کو معاف کیا ہے۔
۲ درد۔ میں تو خود مرض تھا شاہ نے مجھے دوا بنادیا۔ میں دوزخ تھا جو دوسروں کو جلاتا ہے اُس شاہ کے فضل نے مجھے کوثر بنادیا جو جلے ہوؤں کو زندگی بخش دیتی ہے۔ ہر کہ۔ اب چونکہ میں کوثر ہوں دوزخ نے سزا میں جنکا جسم جلاکر فنا کردیا ہے اُن کو دوبارہ جسم دے دیتا ہوں

شرح

چونکہ محمود نے اُمرار کے قتل کا حکم دیا تھا اور ایاز نے اُمرار کی شفاعت کی تھی اور یہ شفاعت بادی النظر میں فنا تام کے منافی تھی۔ اسلئے ایاز اپنے اس فعل پر ندامت ظاہر کرتا ہے اور کہتا ہے کہ اے بادشاہ اور خلاصہ مخلوقات! میں کون ہوں کہ آپ سے کہوں کہ آپ معاف کردیں۔ اور اے مرجع جملہ ہستیاں! میں کون ہوتا ہوں کہ آپ کی ہستی کے سامنے اپنی ہستی ثابت کروں اور آپ کی خواہش کے خلاف اپنی خواہش پیش کروں اور اپنے غیر خالص اور خشم آلود رحم کو کام میں لاؤں اور آپ کے علم حلم آمیز کو مصلحت سمجھاؤں پس میں نے جو کچھ کیا مجھ سے غلطی ہوئی۔

اب اگر آپ میرے چپت لگائیں تو میں لاکھوں چپتوں کا مستحق ہوں کیونکہ میں نے

سخت گستاخی کی۔ اسلئے کہ میری کیا مجال ہے کہ حضور والا کے سامنے کسی مصلحت
کو ظاہر کروں یا کسی شرط کرم کو یاد دلاؤں۔ کیونکہ وہ کون سی بات ہے جو آپکے علم سے
باہر ہے اور ایسی چیز عالم میں کہاں ہے جو کہ آپ کو یاد نہ ہو۔ یہاں تک بیان تھا...
معذرت کا۔ جس کا منشاء نظر برظاہر حال تھی۔

اب ایاز کی نظر حقیقت حال تک پہنچتی ہے اور وہ سمجھتا ہے کہ یہ شفاعت
میری ذاتی خواہش سے نہ تھی بلکہ پرتو تھی محمود کی خواہش کا۔ اسلئے وہ اب اپنے
کو اس معذرت میں مجرم قرار دیتا ہے اور پھر شفاعت کرتا ہے اور کہتا ہے کہ اے
وہ بادشاہ جو کہ میل سے پاک۔ اور جس کا علم اسکے منزہ ہے کہ نسیان اس پر پردہ
ڈالے۔ آپنے ایک نااہل (مجھ) کو اہل سمجھا۔ اور آفتاب کی طرح اسکو نور سے
سرفراز فرمایا ہے پس جبکہ آپنے مجھے لائق کیا ہے تو اگر میں کوئی درخواست
کروں تو آپ اپنی عنایت سے اسے قبول فرمادیں۔ اسلئے کہ جب آپ نے
مجھے میری ہستی سے خارج کر دیا ہے اور اپنی ہستی کا خلعت عنایت فرمایا ہے
تو اب میں آپ کا غیر نہیں ہوں اور میری شفاعت جداگانہ نہیں ہے بلکہ میری
شفاعت وہ شفاعت ہے جو کہ آپ خود اپنے سے کرتے ہیں کیونکہ جب میری
ذاتی اوصاف سے میری روح خالی ہوگئی ہے تو اب اس میں جو صفت ہی ہوگی وہ
میری نہ ہوگی بلکہ آپ کی ہوگی۔

بنابریں یہ شفاعت بھی آپ کی ہوگی پس اس بنا پر میں عرض کرتا ہوں کہ
جب یہ دعا آپ نے مجھ سے کرائی ہے تو آپ اس کو پروان چڑھائیے؛ اور اسے
قبول فرمائیے! تاکہ میں فخریہ یہ کہہ سکوں کہ حضور والا نے ایک غلام کی خاطر مجرموں
کا قصور معاف فرمادیا۔ اور میں خود پسند سر بسر مرض تھا۔ مگر حضور والا نے مجھے ہر
مریض کی دوا بنادیا۔ اور میں شور و شر سے پر دوزخ تھا۔ مگر حضور کے دست فضل
نے مجھے حوض کوثر بنادیا۔ اسلئے اب اگر کسی کو دوزخ قہر سلطانی کسی جرم کے معاوضہ
میں جلادے تو میں دوبارہ اس کا جسم درست کر سکتا ہوں۔

کارِ کوثر چیست کہ ہر سوختہ	گرد داز وے نابت و اندختہ
کوثر کا کام کیا ہے؟ یعنی ہر جلا ہوا	اس سے لگ جانے والا اور مجتمع ہوجائے
قطرہ قطرہ او منادیِ کرم	کانچہ دوزخ سوخت من باز آورم
اس کا قطرہ قطرہ کرم کا منادی ہے	کہ جو دوزخ نے جلایا ہے میں لوٹا دوں گا
ہمچو مرہم بر سرِ زخمِ عفن	یُنبِتُ لَحْمًا جَدِیدًا خَالِصًا
جس طرح سڑے ہوئے زخم پر مرہم	خالص نیا گوشت اگا دیتا ہے
ہست دوزخ ہمچو سرمائے خزاں	ہست کوثر چوں بہار و گلستاں
دوزخ جاڑوں کی خزاں کی طرح ہے	کوثر بہار اور چمن کی طرح ہے
ہست دوزخ ہمچو مرگ و چوں فنا	ہست کوثر نفخِ صُور از کبریا
دوزخ، موت اور فنا کی طرح ہے	کوثر، اللہ تعالیٰ کی جانب سے صور کا پھونکنا ہے
ہست دوزخ ہمچو مرگ و خاکِ گور	ہست کوثر بر مثالِ نفخِ صُور
دوزخ، موت اور قبر کی مٹی کی طرح ہے	کوثر، صور پھونکنے کی طرح ہے
اے زِ دوزخ سوختہ اجسامِ تاں	سُوئے کوثر میکشد اکرامِ تاں
اے وہ کہ تمہارے جسم دوزخ سے جل چکے ہیں	(اللہ کا) کرم تمہیں کوثر کی جانب کھینچتا ہے

نابت۔ اگنے والا۔ اندوختہ۔ جمع شدہ۔

۱۵ قطرہ۔ کوثر کا ایک ایک قطرہ پکار کر کہتا ہے کہ میرے قریب آجاؤ میں جلے ہوئے کو دوبارہ جسم عطا کر دوں گا یہ مثال مرہم کی سی ہے جو سڑے ہوئے زخم پر دوبارہ عمدہ گوشت پیدا کر دیتا ہے۔ دوزخ۔ دوزخ موسم خزاں کی طرح اور کوثر موسم بہار کی طرح ہے دوزخ موت ہے کوثر نفخ صور ہے جس سے مردے زندہ

۱۵ اے۔ جو لوگ دوزخ کی آگ سے جل گئے ہیں ان کو اللہ کا کرم کوثر کی جانب بلاتا ہے

شرح

اوپر مولانا نے ایاز کو کوثر سے تشبیہ دی تھی اور مقصود ایاز سے عبدِ حقیقی تھا پس یہ تشبیہ بکوثر حقیقت میں عبدِ حقیقی کی تھی۔ اسلئے اب اس کوثر یعنی عبدِ حقیقی کی کچھ تعریف کرتے ہیں۔ اور لوگوں کو اس سے تعلق پیدا کرنے کی ترغیب دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ کوثر (عبدِ حقیقی) کا کام کیا ہے اس کا کام یہ ہے کہ ہر سوختہ دوزخ (آتش حرص و ہوا) اس سے تعلق پیدا کر کے صحیح الجسم اور مجتمع الاجزاء ہو جائے یعنی اس کے روحانی حالات درست کر دے اور اس کا قطرہ قطرہ (جزو جزو) وفورِ کرم سے ندا کر رہا ہے کہ جو کچھ اس دوزخ نے جلا دیا ہے۔ میں اسکو دوبارہ پیدا کر سکتا ہوں (جس قدر تم کو آتش حرص و ہوا سے نقصان پہنچا ہے میں اسکی تلافی کر سکتا ہوں) جس طرح مرہم سڑے ہوئے زخم پر لگ کر نیا اور خالص گوشت پیدا کر دیتا ہے پس دوزخ [آتش حرص و ہوا] کی ایسی مثال ہے جیسے سڑے خزاں اور کوثر [عبدِ حقیقی] کی ایسی مثال ہے جیسے بہار گلستاں اور دوزخ مذکور کی ایسی مثال ہے جیسے مرگ اور فنا اور کوثر مذکور کی ایسی مثال ہے

جیسے حق سبحانہٗ کا نفخ صور سو اور دوزخ مذکور کی ایسی مثال ہے جیسے گگ اور خاک گور اور کوثر مذکور کی ایسی مثال ہے جیسے نفخ صور۔ پس اے وہ لوگو! جس کے اجسام دوزخ سے جل چکے ہیں اور جو کہ حرص و ہوا سے تباہ ہو چکے ہوں۔ تم اس کوثر (عبدِ حقیقی) سے تعلق پیدا کرو اس کا تم پر کرم تم کو اپنی طرف بلا رہا ہے۔ اس مضمون ارشادی کو ختم کرکے پھر مضمون سابق کی طرف عود فرماتے ہیں مگر عنوان بدل دیا ہے کیونکہ مضمون سابق میں صورت قصہ کا لحاظ تھا گو اس میں بھی حقیقت کا رنگ بہت کچھ تھا۔ اور اس مضمون میں صاف طور پر حقیقت کا رنگ غالب ہے یعنی وہ مضمون بلسان ایاز معروف تھا اور یہ مضمون بلسان عبد حقیقی ہے اور اس میں مخاطب محمود تھا اور اس میں مخاطب حضرت حق ہیں۔

چوں خلقت الخلق کے یربح علیَ ۔۔۔ لطف تو فرمود اے قیوم و حی

جبکہ میں نے مخلوق پیدا کی تاکہ مجھ سے نفع اٹھائے ۔۔۔ اے حی قیوم تونے مہربانی فرمائی ہے

لا لان اربح علیہم جودِ تست ۔۔۔ کہ شود زو جملہ ناقصہا درست

"نہ یہ کہ میں ان سے نفع کماؤں" تیری عطا ہے ۔۔۔ تاکہ اس سے سب ناقص مکمل بن جائیں

عفو کن زیں ناقصانِ تن پرست ۔۔۔ عفو از دریائے عفو اولیٰ ترست

ان ناقص تن پرستوں کو معاف فرمادے ۔۔۔ معافی کے سمندر کیطرف سے معاف کرنا ہی بہتر ہے

عفوِ خلقاں ہمچو جُوی و ہمچو سیل ۔۔۔ ہم بداں دریائے خود تازند خیل

مخلوق کی معافی، نہر کی طرح اور بہاؤ کیطرح ۔۔۔ اسی ہی اپنے دریا کی جانب گھوڑا دوڑاتی ہے

عفو ہا ہر شب ازیں دل پارہا ۔۔۔ چوں کبوتر سوئے تو آید شہا

معافیاں ہر شب کو ان دل کے ٹکڑوں سے ۔۔۔ اے شاہ! آپ کی جانب کبوتر کی طرح آتی ہیں

بازشاں وقتِ سحر پراں کنی ۔۔۔ تا بشب محبوسِ ایں ابداں کنی

تو ان کو پھر صبح کے وقت اڑا دیتا ہے ۔۔۔ رات تک کیلئے ان جسموں میں قید کردیتا ہے

پرزناں بارِ دگر در وقتِ شام ۔۔۔ می پرند از عشق آں ایوان و بام

دوبارہ، شام کے وقت پر پھڑپھڑاتے ہوئے ۔۔۔ عشق کیوجہ سے اس محل اور بالاخانے پر پرواز کرتی ہیں

تاکہ از تن تارِ وصلت بگسلند ۔۔۔ پیشِ تو آیند کز تو مقبلند

یہانتک کہ وہ جسم سے جوڑ کا تار توڑ دیتی ہیں ۔۔۔ آپکے پاس آجاتی ہیں کیونکہ وہ آپکے پاس آنیوالی ہیں

پرزناں ایمن ز رجع سرنگوں ۔۔۔ در ہوا کانا الیہ راجعوں

سرنگوں (جماعت کی) واپسی سے مطمئن ہوکر اڑتی ہیں ۔۔۔ ہوا میں کہ ہم اسی طرف لوٹنے والی ہیں

چون. حدیث قدسی ہے کہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے کہ میں نے مخلوق اس لئے پیدا کی ہے تاکہ وہ مجھ سے فائدہ اٹھائے نہ کہ اس لئے کہ میں اس سے فائدہ اٹھاؤں۔ کہ شود۔ یہ فرمانِ خداوندی اسی لئے ہے کہ اس کی ذات سے ناقص درست ہوجائیں۔

۵۲ عفو خلقاں. مخلوق کا معاف کرنا بھی اسی دریائے عفو کا ایک حصہ ہے۔ عفوہا. مخلوق کی معافیاں اپنی اصل کیطرف پرواز کرتی ہیں. کل شئی یرجع الی اصلہ ہر چیز اپنی اصل کی طرف لوٹتی ہے۔ بازشاں۔ پھر اللہ تعالےٰ انکو دن بھر کے لئے انسانی بدنوں میں محبوس کردیتا ہے اور پھر شام کے وقت اسی محل کیطرف پرواز کرجاتی ہیں۔

۵۳ تاکہ۔ یہ ان کی آمدورفت اس وقت تک ہے جب تک کہ زندگی مقدر ہے۔ پرزناں۔ انکی پرواز فساق اور کفار کی پرواز کی طرح اوندھے منہ نہیں ہے۔

بانگ می آید تعالَوا زاں کرم — بعد ازاں رجعت نماند درد و غم

اُس کرم کیجانب سے "آؤ" کی آواز آتی ہے — اُس واپسی کے بعد رنج اور غم باقی نہیں رہے گا

بس غریبیہا کشیدید از جہاں — قدرِ من دانستہ باشید اے مِہاں

تم نے دنیا میں بہت سے پردیسی پن برداشت کئے — اے رسیدا تم نے میری قدر جان لی ہے

زیرِ سایہ ایں درختم مستِ ناز — ہیں بیفگنید پاہا را دراز

میرے اِس درخت کے سایہ میں ناز سے مست ہوکر — آگاہ اپنے پاؤں کو [illegible] پھیلا دو

پایہائے پُر عناں از راہِ دیں — بر کنار و دست حوراں خالدیں

وہ پاؤں جو دین کے راستہ میں تھکے ہوئے ہیں — ہمیشہ رہنے والی حوروں کی گود اور ہاتھوں میں

حوریاں گشتہ مغمِّز مہرباں — کز سفر باز آمدند ایں صوفیاں

غمزہ کرنے والی حوریں، مہربان ہوگئیں — کہ یہ صوفی سفر سے واپس آئے ہیں

صوفیانِ صافیاں چوں نورِ خور — مدتے افتادہ بر خاک و قذر

ایسے صاف صوفی جیسا کہ سورج کا نور — جو ایک مدت تک مٹی اور پلیدی میں پڑے رہے

بے اثر پاک از قذر باز آمدند — ہمچو نورِ خور سوئے قرصِ بلند

بغیر کسی نشان کے پلیدی سے پاک واپس آئے ہیں — جس طرح کہ سورج کا نور بلند ٹکیہ کی جانب

ایں گروہِ مجرماں ہم اے مجید — جملہ سر ہاشاں بدیوارے رسید

اے بزرگ! خطاکاروں کا یہ گروہ بھی — اِن سب کا منہ دیوار کی جانب میں پہنچ گیا

بر خطا و جرمِ خود واقف شدند — گرچہ ماتِ کعبتینِ شہ بُدند

اپنے جرم اور خطا سے واقف ہوگئے ہیں — اگرچہ وہ شاہ کی کعبتین سے مات کھائے ہوئے تھے

رُو بتو کردند اکنوں آہ کناں — اے کہ لطفت مجرماں را رہ کناں

اب آہیں بھرتے ہوئے انھوں نے تیری جانب رُخ کیا ہے — اے وہ کہ تیری مہربانی خطاکاروں کو راستہ دکھانیوالی ہے

راہ دہ آلودگاں را العجل — در فُراتِ عفو و عینِ مُغتسل

آلودہ ہوجانیوالوں کو بہت جلد راستہ عطا کر — معافی کی نہر اور نہانے کے چشمہ کا

تا کہ غسل آرند زاں جرمِ دراز — در صفِ پاکاں روند اندر نماز

تاکہ اُس لمبی خطا سے غسل کرلیں — نماز میں پاکوں کی صف میں شامل ہوجائیں

اندراں صفہا ز اندازہ بروں — غرقگانِ نورِ نحنُ الصّافُّون

اُن صفوں میں اندازے سے زیادہ — ہم صف باندھنے والے ہیں کے نور میں غرق ہیں

شریک ہوسکیں۔ اندراں۔ اُن صفوں میں اندازے سے زیادہ نمازی ہیں۔ وَاِنَّا لَنَحْنُ الصَّافُّونَ قرآن کا مقولہ ہے اور بیشک ہم صفیں باندھنے والے ہیں۔

بانگ۔ اُن کی واپسی پر اللہ کا کرم آواز دیتا ہے کہ آجاؤ اب اِس واپسی کے بعد دنیا کا درد اور رنج ختم ہوجائے گا۔

۵۱ بس غریبیہا۔ اُن سے کرمِ خداوندی کہتا ہے تم نے مسافر کی تکلیفیں اٹھائی ہیں اب کرم کے سایہ میں پاؤں پھیلا کر سو جاؤ۔ پایہای۔ اب اُن پاؤں کو جنھوں نے اللہ کی عبادتوں میں بڑی مشقتیں اٹھائی ہیں حوروں کے ہاتھوں اور پہلوؤں میں پھیلا دو۔ مغمِّز۔ غمزہ کرنے والا۔ صوفیاں۔ اِن لوگوں کی حالت سورج کی روشنی کی سی ہے جو مٹی اور نجاستوں پر سے بھی گذرتی ہے لیکن پاک و صاف سورج کی طرف لوٹ آتی ہے یہ صوفی بھی دنیا کی نجاستوں پر سے پاک و صاف گذر کر واپس آتے ہیں۔

۵۲ ایں گروہ۔ خطاوار بھی اب شرمندہ ہیں۔ سر بدیوار شدن۔ شرمندہ ہونا۔ بر خطا۔ اگرچہ وہ قدرت سے مغلوب تھے لیکن اپنے جرم و خطا سے واقف ہیں۔

شعر

[illegible]

کعبتین۔ دو نردیں ہوتی ہیں جنمیں سے ہر ایک کی چھ سطحیں ہوتی ہیں اور ہر سطح پر عدد کندہ ہوتا ہے اُن سے بازی کھیلی جاتی ہے۔

۵۳ عینِ مغتسل۔ وہ چشمہ جس میں حضرت ایوبؑ کو غسل کرایا گیا تھا۔ تاکہ۔ پاک ہوکر نماز میں

چوں سخن در وصفِ ایں حالت رسید[1] | ہم قلم بشکست وہم کاغذ درید
جب بات اِس حالت کے بیان میں پہنچی | قلم بھی ٹوٹ گیا اور کاغذ بھی پھٹ گیا

بحر را پیمودہ ہیچ اُسکرہ | شیر را بر داشت ہرگز برہ
کسی سکورے نے سمندر کو ناپا ہے؟ | کسی بکری کے بچہ نے شیر کو اٹھایا ہے؟

گر حجابستت بروں رو زاحتجاب | تا بہ بینی بادشاہیِ عجاب
اگر تیرے لئے پردہ ہے' پردہ پوشی سے باہر نکل | تاکہ تو عجب بادشاہی دیکھے

[1] سخن یعنی اسرارِ شفاعت کا بیان۔ بحر۔ اسرار کا ایک بے پایاں سمندر ہے اور ہماری مثال اس پر تیرنے والے سکورے کی سی ہے سکورہ سمندر کو نہیں ناپ سکتا نہ بکری کا بچہ شیر کو اٹھا سکتا ہے۔ گر حجابست۔ اگر اسرار تجھے نظر نہیں آتے تو حجاب سے باہر نکلنے کی کوشش کر پھر عجیب بادشاہی دیکھے گا

شرح یعنی عبد حقیقی اپنے بادشاہ حقیقی سے بوقت سفارش مخلوق کہتا ہے کہ اے قیوم حی۔ جبکہ آپ نے مخلوق کو اسلئے پیدا کیا ہے کہ وہ آپ سے نفع حاصل کریں اور اسلئے پیدا نہیں کیا کہ آپ کو ان سے نفع ہو۔ چنانچہ آپنے اپنی عنایت سے فرمایا ہے کہ خلقت الخلق کی یربحو علیّ۔ لا لان اربح علیھم اور یہ خلقت الخلق الخ آپ کی ایک ایسی سخاوت ہے جس سے تمام ناقصین کامل ہوسکتے ہیں تو آپ ان تن پرست ناقصین کا قصور معاف فرمایئے کیونکہ دریائے عفو سے عفو ہی زیادہ مناسب ہے آپ دریائے عفو ہیں اور تمام مخلوق کی عفو ندی نالوں کی طرح سب کی سب اپنے اپنے اسی دریا کی طرف لوٹ جاتے ہیں جس سے وہ نکلے ہیں۔ چنانچہ ہر رات کو جس وقت سب لوگ سو جاتے ہیں اور ان کے قلوب عفو سے خالی ہوجاتے ہیں۔ اس وقت وہ آپ ہی کی طرف لوٹ جاتے ہیں اور آپ ہی... کے قبضہ میں آجاتے ہیں لیکن جب صبح ہوتی ہے تو پھر آپ انکو آزاد کردیتے ہیں اور وہ پھر اپنی اپنی جگہ آجاتے ہیں اور رات تک آپ ان کو ابدان میں محبوس رکھتے ہیں مگر پھر شام کے وقت اپنے مقر اصلی کے عشق میں پھڑپھڑاتے ہوئے اڑجاتے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ موت کے وقت جسم سے بالکل تعلق منقطع کردیتے ہیں اسوقت وہ بالکل آپکے پاس آجاتے ہیں۔ کیونکہ ان کو جو کچھ سعادت حاصل ہے آپ کی ہی جانب سے اور آپ کی ہی عطا کی ہوئی ہے اسلئے ان کا ملجا و ماوٰے آپ ہی ہیں۔ ——— یہ طائرانِ گلشنِ قدس اور یہ اڑنے والے جو کہ رجعت

نامحمود سے امن ہیں اور جن کی رجعت فساق کی طرح نامحمود نہیں ہے یعنی اہل اللہ تو ہوا میں یہ کہتے ہوئے لوٹتے ہیں کہ اب ہم اپنے مالک کی طرف لوٹتے ہیں اور انکو آپ کے کرم سے آؤ آؤ کی آواز پہنچ رہی ہے اور ان سے کہا جا رہا ہے کہ تم کو دنیا میں بہت تکلیف اٹھانی پڑی لیکن وہ تکلیف بھی فائدہ سے خالی نہ تھی کیونکہ اسکی سبب اس وقت تمہیں میری قدر معلوم ہوئی ہوگی پس اگر وہ تکلیف نہ ہوتی تو تم کو اس راحت کی قدر نہ ہوسکتی تھی خیر "گذشت آنچہ گذشت"

اب تم میرے ظلِ عاطفت میں چین سے پاؤں پھیلا کر سوؤ۔ اور ان کے وہ پاؤں جو سلوک راہِ دین۔ سے چور چور ہو گئے ہیں کہ ہمیشہ کے لئے حوروں کی بغل اور ان کے ہاتھوں میں ہیں اور وہ نہایت محبت سے آپکے پاؤں دبا رہی ہیں اور کہہ رہی ہیں کہ صوفی سفر سے واپس آئے ہیں۔ صوفی جو کہ نورِ آفتاب کی طرح پاک صاف ہیں ایک عرصہ تک خاک اور گندگی پر پڑکر بلا اثر کدورت اور پاک از گندگی یوں واپس آئے ہیں جیسے نورِ خورشید قرصِ خورشید کی طرف واپس آتا ہے لہٰذا ان کے پاؤں دبانا ضروری ہیں۔ لیکن اے شہنشاہ عالیجاہ! اس مجرم جماعت کی حالت بھی قابلِ رحم ہے کیونکہ اب یہ اپنے قصور پر نادم ہیں اور اپنے سروں کو دیوار سے ٹکراتے ہیں۔ اور گو آپکے امتحان میں انکو ناکامی ہوئی ہے لیکن اب یہ اپنی خطا پر مطلع ہو گئے ہیں اور روتے پیٹتے آپ کی طرف آئے ہیں پس اے مجرموں کے لیے نجات کی سبیل پیدا کرنے والے بادشاہ آپ جلدی سے ان گندوں کو بھی فراتِ عفو اور چشمۂ غسل میں داخل ہونے کی اجازت دیجئے تاکہ یہ لوگ اس میں نہا کر اپنے بے حد گناہوں سے پاک صاف ہو جائیں اور پاکوں کی صف میں داخل ہوکر ان کے ساتھ نماز میں شریک ہو جائیں یعنی ان صفوں میں داخل ہو جائیں جو کہ حد قیاس سے باہر اور نور میں غرق اور انا لنحن الصافون، انا لنحن المسبحون کا مصداق ہیں ــــ اب مولانا کی نظروں میں اس ہولناک حالت ــــ اور اس کا نقشہ کھینچ جاتا ہے اور وہ مرعوب ہوکر فرماتے ہیں کہ جب اس حالت کے بیان تک نوبت پہنچی تو قلم بھی ٹوٹ گیا اور کاغذ بھی پھٹ گیا۔ کیونکہ وہ تو ایک سمندر ہے اور کاغذ

ایک سکورہ۔ پس بھلا سکورہ کہیں سمندر کو اپنے اندر سما سکتا ہے اور وہ ایک شیر ہے اور قلم بجرے کا بچہ۔ پھر کہیں بجرے کا بچہ شیر کو اٹھا سکتا ہے جب نہیں اٹھا سکتا تو قلم اس کا تحمل کیونکر کر سکتا ہے پس تم خود اسکو دیکھ لو۔ اور اگر تم محجوب ہو تو حجاب سے نکلو تاکہ تم اس عجیب بادشاہی کو دیکھ سکو۔ جس کا نقشہ ہم تمہارے سامنے کھینچ رہے ہیں۔ مگر پورے طور پر کھینچنے سے قاصر ہیں۔

اسکے بعد مولانا پھر عنوان بیان کو بدلتے ہیں اور بیان میں صورت قصہ کی رعایت رکھتے ہوئے کہتے ہیں۔

گرچہ بشکستند جامت قومِ مست | آنکہ مست از تو بُوَد عذرش ہست
اگرچہ مست قوم نے تیرے جام کو توڑا ہے | جو تیرا مست ہو اُس کے لیے یک عذر ہے

مستیِ ایشاں باقبال و کمال | نے زیادہ تست اے شیریں فعال
اُن کی اقبال اور کمال کی مستی | (کیا) اے شیریں کارناموں والے تیری شراب نہیں ہے!

اے شہنشہ مست تخصیصِ تو اند | عفو کُن از مستِ خود اے عفومند
اے شہنشاہ! وہ تیرے خاص کر دینے کی وجہ سے مست ہیں | اے معافی دینے والے! اپنے مست کو معاف کر دے

لذتِ تخصیصِ تو وقتِ خطاب | آں کُند کہ ناید از صد خُمِ شراب
خطاب کے وقت، تیرے خاص کرنے کی لذت | وہ کرتی ہے جو شراب کے سیکڑوں مٹکوں سے نہیں ہوتا

چونکہ مستم کردہ حدم مزن | شرعِ مستاں را نیارد حد زدن
جب تو نے مجھے مست کر دیا، مجھ پر حد جاری نہ کر | شریعت مستوں پر حد جاری نہیں کرتی ہے

چوں شوم ہشیار آنگاہم بزن | کہ نخواہم گشت خود ہشیار من
جب میں ہوشیار ہو جاؤں اُس وقت مارنا | کیونکہ میں ہوشیار ہی نہ ہوں گا

گرچہ۔ ایاز کا مقولہ ہے کہ اگرچہ اس مست قوم نے آپ کے حکم کا جام توڑا ہے لیکن چونکہ یہ آپ کے مست ہیں لہذا معذور ہیں۔

[۵] مستی۔ ان کی مستی اس رتبہ اور مال کی وجہ سے ہے جو آپ نے اُن کو دیا ہے۔ تخصیص۔ یعنی چونکہ تو اُن سے خصوصیت برتتا ہے اس لئے یہ مست ہو گئے ہیں۔۔۔ وقتِ خطاب۔ جب تو اُن سے خاص طور پر خطاب کرتا ہے تو اُن پر شراب کے سیکڑوں خموں کی مستی طاری ہو جاتی ہے۔ چونکہ شرعی حکم ہے کہ مست پر نشہ کی حالت میں شراب پینے کی حد یعنی کوڑے نہیں لگائے جاتے ہیں دیکھو جب مست کا نشہ دور ہو جاتا ہے تب اس کے کوڑے مارے جاتے ہیں۔

شرح

یعنی ایاز نے کہا کہ اگرچہ اس قوم مست نے آپ کا جام امر توڑا ہے لیکن ان کو آپ نے مست کیا ہے اور جو آپکے مست کرنے سے مست ہو وہ معذور ہے۔ پس یہ لوگ معذور ہیں آپ ان کا قصور معاف فرما دیجئے اگر یہ کہا جائے

کہ ان کی مستی جاہ و مال سے ناشی ہے تو کیا وہ آپ کے شراب سے نہیں ہے ضرور ہے کیونکہ وہ بھی آپ کا ہی دیا ہوا ہے پس یہ کہنا صحیح ہے کہ ان کو آپ نے مست کیا ہے خیر اگر اس کو بھی جانے دیجئے! تب بھی یہ کہنا صحیح ہے کہ انکو آپ نے مست کیا ہے کیونکہ وہ آپ کی... تخصیص بالخطاب سے مست ہیں یعنی آپنے جو ہر ایک شخص کو خصوصیت کے ساتھ موتی دکھلایا اور کہا کہ اسے توڑ دو۔ اس تخصیص نے انہیں اس قدر خود رفتہ کر دیا کہ ان کو کچھ بھی ہوش نہ رہا اور ان سے قصور ہو گیا ایسی حالت میں آپ انکو معاف کر دیجئے کیونکہ آپ کی تخصیص بوقت خطاب کے لذت وہ کام کرتی ہے جو سَو مٹکے بھر شراب نہیں کر سکتی۔ نیز جبکہ آپنے ان کو مست کیا ہے اور وہ مست ہیں تو اس حالت میں ان کو سزا نہ دیجئے کیونکہ شریعت بحالتِ مستی مستوں پر حد نہیں قائم کرتی ہاں! جب وہ ہوش میں آجائیں اس وقت شوق سے سزا دیجئے۔ لیکن وہ قیامت تک ہوشیار نہ ہوں گے پس جبکہ سزا مقدر ہے تو.. معافی مناسب ہے۔

(فائدہ: ان اشعار میں یہ بھی احتمال ہے کہ بلسان عبد حقیقی ہوں اور خطاب سے مُراد خطاب اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ ہو۔ یا خطابات ہوں جو کہ احکام عامہ کے ضمن میں ہیں جیسے اقیموا الصلوٰۃ وغیرہ والظاہر عندی ہو الاول۔ واللہ اعلم) اس مقام پر چونکہ مولانا نے محمود کے پردہ میں یا بلسان عبد حقیقی براہِ راست حق سبحانہٗ کی تعریف کی تھی اسلئے اس سے مولانا پر وجد کا غلبہ ہوتا ہے اور فرماتے ہیں۔

ہر کرا از جامِ تو خورد اے ذُوالمِنَن	تا ابد رست از ہش و از خَد زدن
اے احسانوں والے جس نے تیرے جام سے پیا	وہ ہمیشہ کیلئے ہوش سے اور معد جاری کرنے سے بچ گیا
خَالِدِیْنَ فِیْ فَنَاءِ سُکْرِھِمْ	مَنْ یُّفَانِیْ فِیْ ھَوَاکُمْ لَمْ یَقُمْ
وہ اپنے نشہ کی فنا میں ہمیشہ رہنے والے ہیں	جو تمہاری محبت میں فنا ہوا وہ کھڑا نہیں ہوا
فضلِ تو گوید دلِ مارا کہ رَو	اے شدہ در دوغِ عشقِ ما گرو
تیری مہربانی، ہمارے دل سے کہتی ہے، کہ جا	اے وہ کہ ہمارے عشق کی چھاچھ میں گروی ہو گیا ہو

۵۳ کرکھا ہم۔ لیکن ہر ایسا مست ہوں کہ ہیں کی مستی تیرے جام کی مستی ہے جو قیامت تک زائل نہیں

جو سکتی۔ خالدین۔ جو تیرے عشق میں فنا ہو گیا وہ پھر کبھی نہیں سنبھلا۔ فضلِ تو۔ تیری مہربانی ہماری مستی کے عذر پر کہتی ہے کہ تو اگرچہ ہمارے جام کا مست نہیں ہے بلکہ چھاچھ پی کر مستی کا اظہار کر رہا ہے لیکن پھر بھی تیرا عذر قبول کرتے ہیں۔

چوں نگس در دو شغ ما افتادہ — تو نہ مست اے نگس تو بادہ

تو نگس کی طرح ہماری ... میں پڑا ہے — اے نگس! تو مست نہیں ہے تو ایسی شراب ہے

گر گساں مست از تو گردند اے نگس — چونکہ بر بحرِ عسل رانی فرس

اے نگس! اگر وہ تجھ سے مست ہو جائیں گے — جب تو شہد کے سمندر پر گھوڑا دوڑائے گی

کوہہا چوں ذرّہا سرمستِ تو — نقطہ و پرکار و خط در دستِ تو

ذروں کی طرح پہاڑ، تیرے مست ہیں — نقطہ اور پرکار اور خط تیرے ہاتھ میں ہیں

فتنہ کہ لرزند زو لرزانِ تست — ہر گراں قیمت گہر ارزانِ تست

وہ فتنہ جس سے لرزتے ہیں تجھ سے لرزتا ہے — ہر گراں قیمت موتی، تیرے لئے سستا ہے

گر خدا دادے مرا پانصد دہاں — گفتمے شرحِ تو اے جانِ جہاں

اگر خدا مجھے پانچ سو منہ دیتا — تو اے جانِ جہاں! میں تیری شرح کرتا

یک زباں دارم من آنہم منکسر — در خجالت از تو اے دانائے سر

میں ایک زبان رکھتا ہوں وہ بھی ٹوٹی ہوئی — اے راز کو جاننے والے! تجھ سے شرمندگی میں

منکسر تر خود نباشم از عدم — کز دہانش آمدستند ایں امم

میں خود عدم سے زیادہ ٹوٹا ہوا نہیں ہوں — جس کے منہ سے یہ امتیں آئی ہیں

صد ہزار آثارِ غیبی منتظر — کز عدم بیروں جہد بالطف و بر

لاکھوں غیبی آثار منتظر ہیں — کہ پاکیزگی اور بھلائی کیساتھ عدم سے باہر کود پڑیں

از تقاضائے تو میگردد سرم — اے بمردہ من بہ پیشِ آں کرم

تیرے ہی تقاضے سے میرا سر گردش کرتا ہے — اے کہ میں اس کرم کے سامنے جان دیچکا ہوں

رغبتِ ما از تقاضائے تو است — جذبۂ حق ست ہر جا رہرو ست

ہمارا راغب ہونا تیرے تقاضے سے ہے — جہاں کہیں رہرو ہے اللہ (تعالیٰ) کا جذبہ ہے

خاک بے بادے بہ بالا کے جہد — کشتیِ بے بحر پا در رہ نہد

غبار بغیر ہوا کے اوپر کب جاتا ہے؟ — بغیر دریا کی کشتی راہ میں پاؤں رکھتی ہے؟

پیشِ آبِ زندگانی کس نمرد — پیشِ آبت آبِ حیوانست درد

آبِ حیات کے سامنے کوئی نہیں مرا — تیرے پانی کے سامنے آبِ حیات تلچھٹ ہے

آبِ حیواں قبلۂ جاں دوستاں — ز آب باشد سبز و خنداں بوستاں

آبِ حیات جان سے دوستی رکھنے والوں کا قبلہ ہے — پانی سے باغ سبز و خنداں ہوتا ہے

---

۵۱ تو بادہ۔ اس کا تعلق آئندہ شعر سے ہے یعنی باایں ہمہ تو ایسی شراب ہے کہ نرگس یعنی اہلِ دل تجھ سے مستی حاصل کرتے ہیں۔ بحرِ عسل۔ یعنی اسرارِ حقیقت۔ کوہہا۔ اب تیری مستی کا یہ حال ہے کہ جملہ کائنات تیرے تصرف میں ہے۔ فتنہ۔ دنیا کے مصائب تجھ سے لرزہ بر اندام ہیں اور دنیا کی ہر قیمتی چیز تیرے لئے بے قیمت ہے۔

۵۲ گر خدا۔ یہ بھی ایاز کا مقولہ ہے اور جانِ جہاں سے مراد سلطان ہے یا یہ مولانا کا مقولہ ہے اور جانِ جہاں سے سلطانِ حقیقی مراد ہے۔ یک۔ ایک زبان ہے اور وہ بھی شرمندگی سے شکستہ ہے تو میں کیسے تیری تعریف کا حق ادا کر سکتا ہوں۔ از عدم۔ لیکن باایں ہمہ کچھ نہ کچھ مجھے تعریف کرنی ہے اس لئے کہ میں عدم سے تو گیا گذرا نہیں ہوں اس سے بھی غیبی آثار ظاہر ہوئے ہیں جو تجھ سے فیض حاصل کر رہے ہیں۔

۵۳ از تقاضائے۔ تیری ہی ذات کا تقاضہ ہے کہ میں اس کے اوصاف بیان کروں اس کرم پر میں قربان ہوں۔ رغبت۔ تعریف کی طرف ہماری رغبت تیرے تقاضے اور جذبے کی وجہ سے ہے۔ خاک۔ غبار ہوا کے سہارے اُڑتا ہے کشتی دریا کے سہارے چلتی ہے، اسی طرح ہمارا ہر کام تیرے جذبہ سے ہے۔ پیش۔ آبِ حیات ہر چیز کی زندگی کا سبب ہے لیکن تیرے آبِ رحمت کے مقابلہ میں وہ گندہ پانی ہے۔

مرگِ آشاماں ز عشقش زندہ اند	**دل ز جان و آبِ جاں بر کندہ اند**
موت کو پی جانے والے اُس کے عشق سے زندہ ہوئے ہیں	جان اور آبِ حیات سے دل برداشتہ ہیں
آبِ عشقِ تو چو ما را دست داد	**آبِ حیواں شد بہ پیشِ ما کساد**
جب تیرے عشق کا پانی ہمارے ہاتھ آگیا	ہمارے سامنے آبِ حیات بیکار ہوگیا
زابِ حیواں ہست ہر جاں را نوی	**لیک آبِ آبِ حیوانی توئی**
آبِ حیات سے ہر جاں کو تازگی ہے	لیکن آبِ حیات کی زندگی تو ہے
ہر دمے مرگے و حشرے دادیم	**تا بدیدم دستبردِ آں کرم**
تونے مجھے ہر لمحہ موت اور زندہ ہوجانا عطا کیا ہے	یہاں تک کہ میں نے اس کرم کا غلبہ دیکھ لیا ہے
ہمچو خفتن گشت ایں مُردن مرا	**ز اعتمادِ بعث کردن اے خدا**
یہ مرنا میرے لئے سونے کی طرح بن گیا ہے	اے خدا! حشر کے بھروسہ پر
ہفت دریا ہر دم ار گردد سراب	**گوش گیری آوریش اے آب آب**
ساتوں سمندر اگر ہر وقت ریت بن جائیں	تو ان کا کان پکڑ کر لے آئیگا اے پانی کی جان!
عقل لرزاں ز اجل و اں عشق شوخ	**سنگ کے ترسد ز باراں چوں کلوخ**
عقل موت سے لرزتی ہے اور وہ عشق بیباک ہے	پتھر ڈھیلے کی طرح بارش سے کب ڈرتا ہے؟

لے آبِ حیواں۔ آبِ حیات کا تلچھٹ ہونے کی یہ دلیل ہے کہ اسکو وہ پسند کرتے ہیں جو اپنی جان کو بچانا چاہتے ہیں مرگ۔ لیکن جو لوگ فنا کو پسند کرتے ہیں وہ تیرے آبِ عشق سے زندہ ہیں اسی کیلئے آبِ حیات ہیچ ہے۔ ز آبِ حیواں۔ آبِ حیات سے ہر جان کو تازگی حاصل ہوتی ہے لیکن اس آبِ حیات کی زندگی تو ہے۔ ہر دمے۔ شعر

کشتگانِ خنجرِ تسلیم را
ہر زماں از غیب جانے دیگر است

لے ہمچو خفتن چونکہ مجھے موت کے بعد کی زندگی کا یقین ہے لہٰذا میرے لئے موت کی حقیقت نیند سے زیادہ نہیں ہے۔ ہفت۔ تیرے دوبارہ زندگی عطا کرنے کا یہ حال ہے کہ اگر ساتوں سمندر خشک ہوکر ریت بن جائیں تو ان کا کان پکڑ کر کہدیگا پانی بنجاؤ تو وہ پانی بن جائیں گے۔ عقل۔ عقل موت سے ڈرتی ہے اور عشق اس کے معاملہ میں لاپرواہ ہے کیا ڈھیلا بارش سے ڈرتا ہے پتھر کبھی نہیں ڈرتا۔

شرح اے اللہ! جو کوئی آپ کا جامِ محبت پی لے وہ قیامت تک کے لیے عقل اور سزا سے نجات پا جاتا ہے اور ایسے لوگ ہمیشہ آپکے سکر کی... بے خودی میں رہتے ہیں کیونکہ آپ کی محبت کا خاصہ ہے کہ جو ایک مرتبہ اس میں محو ہوگیا پھر اسے ہوش نہیں آتی۔ اور آپ کا کرم ہمارے دل سے کہتا ہے کہ اے ہمارے عشق کی بھٹی میں گرفتار دل چونکہ تو مکھی کی طرح ہمارے عشق کی بھٹی میں گر گیا ہے اور اس میں پھنس کر رہ گیا ہے اسلئے اب تیرا کمال بہت ترقی کر گیا ہے اور اس وقت تو مست ہی نہیں ہے بلکہ شراب یعنی دوسروں کو مست کرنے والا بھی ہے اور اے مکھی! جب تو... دریائے شہد پر گھوڑا دوڑائے گی یعنی اسرارِ الٰہیہ بیان کریگی تو کرگس یعنی صاحبِ دل تجھ سے مست ہوں گے۔ (ہکذا قیل۔ مگر میرے نزدیک مناسب تقریر یہ ہے کہ اے مکھی چونکہ تو بحرِ عسل پر گھوڑا دوڑاتی یعنی حق سبحانہٗ سے ملابست رکھتی ہے جو کہ معدنِ

لذت ہیں اسلئے تیرے ذریعہ سے کرگس یعنی ناقصین جو کہ اس لذت سے آشنا نہیں ہیں اس سے آشنا ہوں گے اور اُس سے آشنا ہو کر مست ہوں گے۔ پس تو سبب ہو گی ان کی مستی کا۔ وہٰذا ہوالحق انشاءاللہ تعالیٰ)

اور اے اللہ ذرّوں کی طرح پہاڑ بھی۔ اور معمولی ہستیوں کی طرح عظیم الشان ہستیاں بھی تجھ پر عاشق اور تیرے تابع فرمان ہیں اور نقطہ و پرکار اور خط۔ غرضکہ اسباب و مسببات جس قدر بھی ہیں سب تیرے قبضہ میں ہیں اور تیری یہ شان ہے کہ جس فتنہ سے لوگ کانپتے ہیں وہ خود تجھ سے کانپتا ہے اور جو گراں قیمت موتی اور جو اعلیٰ درجہ کا کمال رکھنے والی مئے ہے وہ تیرے سامنے بالکل بے وقعت ہے اگر میرے منہ میں پانسو زبانیں ہوتیں تو میں اپنے حوصلہ کے مطابق آپکی تعریف کرتا اب تو میرے ایک منہ ہے اور وہ بھی آپ سے شرمندگی کے سبب شکستہ ہے ایسی حالت میں میں آپ کی کیا تعریف کر سکتا ہوں۔ ارے میں یہ کیا کہہ رہا ہوں اور کس کی تعریف سے گریز کر رہا ہوں۔ ایسا کرنا ہرگز ٹھیک نہیں کیونکہ گو میں شکستہ دہن ہوں مگر عدم سے زیادہ شکستہ نہیں ہوں جس کے منہ سے اتنی مخلوق نکل چکی ہے اور لاکھوں آثار غیبی ہنوز اس کے منہ سے نکلنے کے لئے تیار ہیں پھر میں کیوں ہمت ہاروں۔ اور گو شکستہ دہن ہوں مگر شکستہ ہمت کیوں بنوں اسلئے مجھے برابر اُسکی تعریف کرنی چاہیئے اور ہمت نہ ہارنی چاہیئے۔

اس کے بعد پھر حق سبحانہٗ کو خطاب کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اے اللہ! میں کیا اور میری ہمت کیا یہ جو کچھ میں کرتا ہوں یا کرنے کا حوصلہ کرتا ہوں یہ سب آپ کا کرم ہے کہ آپنے میرے اندر تقاضائے حمد پیدا کیا اور یہ جو میرے خیالات گردش کرتے ہیں اور مجھے آپ کی تعریف کے متعلق خیالات پیدا ہوتے ہیں یہ سب آپکے تقاضے کا اثر ہے۔ اور میں تو آپکے کرم کے سامنے مردہ ہوں کہ اپنی طرف سے کچھ بھی نہیں کر سکتا۔ بلکہ جو کچھ کرتا ہوں آپکے فضل و کرم سے کرتا ہوں۔ رغبت آپکے تقاضے کا اثر ہے اور جو کوئی بھی کسی راہ پر چلتا ہے وہ آپ کا ہی جذب ہوتا ہے کیونکہ اسکی مثال ایسی ہے

جیسے خاک اور آپ کی مثال ایسی ہے جیسے ہوا - یا یوں کہیئے کہ اُسکی مثال ایسی ہے جیسے کشتی اور آپکی مثال ایسی ہے جیسے دریا - پس جس طرح خاک بدوں ہوا کے نہیں اُڑ سکتی اور کشتی بدوں دریا کے حرکت نہیں کر سکتی - یوں ہی کوئی سالکِ راہ بدوں .. آپکے جذب کے نہیں چل سکتا۔

ارے! میں نے غضب کیا کہ اپنے کو مُردہ کہہ دیا - بھلا میں آپ سے تعلق رکھتے ہوئے مردہ کیسے ہو سکتا ہوں - کیونکہ قاعدہ ہے کہ آبِ حیات کے ہوتے ہوئے کوئی نہیں مرتا پس میں آپکے ہوتے ہوئے کیسے مر سکتا ہوں کیونکہ آپکے آبِ حیات کے سامنے تو آبِ حیات معروف ایک بے حقیقت شے ہے اسلئے کہ آبِ حیات معروف سے جان حیوانی حاصل ہوتی ہے اور اسلئے وُہ ...... مقصود ہے - اہل دنیا کا جن کو جان پیاری ہے اور آپ کے آبِ حیوان سے گلشن روح سرسبز و شاداب ہوتا ہے پس وہ مطلوب ہے اہل اللہ کا - اور یہ مرگ آشام لوگ یعنی اہل اللہ اسی کے عشق سے زندہ ہیں اور اسی کے عشق میں نہ ان کو جان سے تعلق رہا ہے اور نہ آبِ حیوان سے - اور اے اللہ! جب سے کہ ہم کو آپکے عشق کا آبِ حیات ملا ہے اس وقت سے آبِ حیات ہماری نظروں میں حقیر ہو گیا ہے کیونکہ یہ ضرور ہے کہ آبِ حیات سے ہر جان کو تازگی حاصل ہوتی ہے - مگر جس سے آبِ حیات کو یہ صفت حاصل ہوتی ہے وہ تو آپ ہی ہیں پھر آپکے سامنے ہم آبِ حیات کو کیا خاطر میں لا سکتے ہیں - اور اے اللہ! آپنے ہر دم مجھے ایک تازہ موت اور ایک جدید حیات عطا کی ہے یہاں تک کہ مجھے آپکے کرم کی سخاوت معلوم ہو گئی - اور اب مرنا میرے نزدیک بمنزلہ سونے کے ہو گیا کہ جس طرح آدمی کو سونے سے وحشت نہیں ہوتی یونہی اب مجھے موت سے وحشت نہیں ہوتی - کیونکہ مجھے اعتماد ہے کہ اگر تو مجھے ماریگا تو پھر زندہ کر دے گا کیونکہ تجھے زندہ کر دینا آپکے نزدیک کوئی بڑی بات نہیں اسلئے کہ آپ کی قدرت کی تو یہ حالت ہے کہ اگر ساتوں سمندر معدوم ہو جائیں تو پھر آپ اُن کو کان پکڑ کر لا سکتے ہیں اور موجود کر سکتے ہیں نیز

میں موت سے ڈر کیسے سکتا ہوں اسلئے کہ موت سے عقل ڈرتی ہے۔ رہا عشق سو وہ موت پہ دلیر ہوتا ہے کیونکہ عشق کی مثال ایسی ہے جیسے پتھر اور عقل کی مثال ایسی ہے جیسے ڈھیلا۔ اور موت کی مثال ایسی ہے جیسے بارش۔ پس جس طرح کہ بارش سے پتھر نہیں ڈرتا۔ مگر ڈھیلا ڈرتا ہے یوں موت سے عقل ڈرتی ہے اور عشق نہیں ڈرتا۔ اور میں عاشق ہوں نہ کہ عاقل۔ اسلئے مجھے موت سے کچھ خوف نہیں ہوتا

(فائدہ: ہر دمے مرگے و حشرے دادیم میں مرگ و حشر سے روح کی حالت اولیٰ کا زوال۔ اور اس میں نئی حالت بہتر از سابق کا پیدا ہونا ہے۔
اور مطلب یہ ہے کہ ہر وقت مجھے ترقی روحانی حاصل ہوتی ہے جس سے میری پہلی حالت زائل ہوتی۔ اور جدید حالت اس سے بہتر حاصل ہوتی ہے) اور ممکن ہے کہ اس میں مسئلہ تجدد امثال کی طرف اشارہ ہو۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ عالم ہر دم فنا ہوتا ہے اور اسکے بعد فوراً ہی موجود ہو جاتا ہے۔ واللہ اعلم)

از صحافِ مثنوی ایں پنجم ست	در بروجِ چرخِ جاں چوں انجم ست
مثنوی کے دفتروں میں سے یہ پانچواں ہے	جان کے آسمان کے برجوں میں ستاروں کی طرح ہے
رہ نیابد از ستارہ ہر حواس	جز کشتیبانِ اشارہ شناس
ہر حواس ستارے سے راستہ نہیں پا سکتا ہے	ملاح ستارے کو پہچاننے والے کے سوا
جز نظارہ نیست قسمِ دیگراں	از سعودش غافل اند واز قراں
دوسروں کا حصہ سوائے نظارہ کے نہیں ہے	وہ اس کی نیک بختی، اور میل سے غافل ہیں
آشنائی گیر شبہا تا بروز	باچنیں استارہائے دیو سوز
راتوں اور دنوں سے دوستی رکھ	اس طرح کے شیطان کو جلانے والے ستاروں سے
ہر یکے در دفعِ دیوِ بدگماں	ہست نفط انداز قلعۂ آسماں
بدگمان شیطان کے دفع کرنے میں ہر ایک	آسمان کے قلعہ سے، نفط پھینکنے والا ہے
اختر ار با دیو ہمچوں عقرب ست	مشتری را او ولیّ الاقرب ست
ستارہ اگرچہ شیطان کے لئے بچھو کی طرح ہے	خریدار کے لئے وہ قریبی دوست ہے

صحاف۔ صحف کی جمع ہے بمعنی پیالہ بعض نسخوں میں صحائف ہے جو صحیفہ بمعنی کتاب کی جمع ہے مراد مثنوی کے دفتر ہیں۔ رہ نیابد۔ جس طرح ستاروں سے ہر شخص رہنمائی حاصل نہیں کر سکتا اسی طرح مثنوی سے ہر شخص مستفید نہیں ہو سکتا سعودش۔ یعنی ستاروں کے نیک اثرات۔ اقتراں۔ دو ستاروں کا باہم ملنا۔ آشنائی۔ مثنوی سے شغل رکھو، شیطان سے نجات حاصل کرو گے۔

ہر یکے۔ ستارے شیطان کو جلا دیتے ہیں۔ نفط۔ ایک آتشگیر مادہ ہے۔ آخر۔ مولانا نے مثنوی کے دفاتر کو برج، ستاروں کے قرار دیا ہے اور جان کیلئے وہ برج ثابت کئے ہیں جو آسمان میں برج ہیں لہذا ایسے الفاظ استعمال کئے ہیں جنکے مثنوی معنی ہی مراد لئے جا سکیں اور وہ ستاروں اور برجوں کے

قوس اگر از تیر دوزد دیو را
کمان اگر شیطان کے تیر چھید دینے والی ہے

دلو پُر آب ست زرع و میوه را
ڈول، کھیتی اور میوے کے لئے پانی سے بھرا ہے

حوت اگرچه کشتیِ غی بشکند
مچھلی اگرچہ گمراہی کی کشتی کو شکستہ کرتی ہے

دوست را چوں ثور کشتے میکند
دوست کے لئے بیل کی طرح کھیتی بوتا ہے

شمس اگر شب را بدرد چوں اسد
سورج اگر رات کو شیر کی طرح پھاڑ دیتا ہے

لعل را ازو خلعتِ اطلس رسد
لعل کو اس سے اطلسی خلعت ملتی ہے

صورتِ خرچنگ اگرچه کجرو ست
کیکڑے کی صورت اگرچہ ٹیڑھی چال کی ہے

هیئتِ میزاں ازو بیروں شو
ترازو کی ہیئت اس سے الگ ہے

پیشهٔ مریخ اگر خونریزی ست
مریخ کا پیشہ اگرچہ خونریزی ہے

او زبونِ شمسیِ تبریزی ست
وہ تبریزی سورج سے مغلوب ہے

گرچه در تاثیر نحس آمد زحل
زحل اگرچہ تاثیر میں منحوس ثابت ہوا ہے

دقتِ فکر آید ازوے در عمل
عمل میں اس سے فکر کی باریکی پیدا ہوتی ہے

ماه هم از مهر او دو کف برهم زند
میرا چاند سورج کی وجہ سے اگر دونوں ہتھیلیاں بجا رہا ہے

زهره نبود زهره را تا دم زند
زہرہ کا پتہ نہیں ہے کہ دم مارے

بل عطارد خانهٔ خود گم کند
بلکہ عطارد اپنا گھر گم کر دیتا ہے

وز جنوں او جوزِ جوزا بشکند
اور دیوانہ پن سے جوزا کا اخروٹ توڑ دیتا ہے

مشتری را دست لرزد دل طپد
مشتری کا ہاتھ لرزتا ہے، دل تڑپتا ہے

بر سرِ آب اوفتد مه چوں سبد
چاند ٹوکری کی طرح پانی پر پڑا ہے

نسرِ طائر را بریزد پر ز شرم
نسر طائر کے شرم سے پر جھڑتے ہیں

وز طمع سنبل شود چوں موم نرم
اس لالچ سے موم کی طرح نرم ہو جاتا ہے

دختران نعش آبستن شوند
بنات النعش حاملہ ہو جاتی ہیں

مجتمع گردند و دستک زن شوند
اکٹھی ہو جاتی ہیں اور تالیاں بجاتی ہیں

در گذر زیں رمزها بیگاه شد
ان اشاروں سے درگذر کر، بے وقت ہو گیا

کهکشاں از سنبله پر کاه شد
کہکشاں سنبلہ کی وجہ سے تنکوں بھری ہو گئی

آفتاب از کوه سر زد اتقوا
سورج پہاڑ سے طلوع ہو گیا، بچو

لیک تلخ آمد ترا ایں گفتگو
لیکن تجھے یہ گفتگو کڑوی لگی

تو عدوی وز عدو شهد و لبن
تو دشمن ہے اور مخالف سے شہد اور دودھ

بے تکلف زهر گردد در بدن
بے تکلف بدن میں زہر بن جاتا ہے

نام بھی ہیں جو شیطان کے لئے بچھو کا کام کرتے ہیں اور ستارہ شناس اُن سے فائدہ اٹھاتے ہیں یہی حال مثنوی کا ہے۔ عقرب۔ بچھو، ایک برج کا نام بھی ہے۔ مشتری۔ خریدار، ایک ستارہ کا نام بھی ہے۔ قوس۔ کمان، ایک برج کا نام بھی ہے۔ دلو۔ ڈول، ایک برج کا نام بھی ہے۔ حوت۔ مچھلی، ایک برج کا نام بھی ہے۔ ثور۔ بیل، ایک برج کا نام بھی ہے۔ اسد۔ شیر، ایک برج کا نام بھی ہے۔ اطلس۔ غیر منقش ریشمین کپڑا، نویں آسمان پر بھی اطلاق کرتے ہیں۔ خرچنگ۔ کیکڑا۔ برج سرطان کو بھی کہتے ہیں۔ میزان۔ ترازو، ایک برج کا نام بھی ہے۔

۴ مریخ۔ مشہور ستارہ ہے اس کو آسمان کا جلاد بھی کہا جاتا ہے۔ مولانا نے منکر اسرار مراد لیا ہے۔ شمس تبریزی۔ سورج کو تبریزی اس لئے کہا ہے کہ تبریز آذربائیجان کا ایک شہر ہے جو جانب مشرق واقع ہے اور اس سے شمس تبریزی کا بھی تعلق ہے جو مولانا کے پیر ہیں۔ زحل۔ مشہور ستارہ ہے جس شخص کا ستارہ

۵ دختران نعش۔ بنات تین ستارے ہیں اور نعش چار ستاروں کا مجموعہ ہے بنات النعش ان سات ستاروں کے مجموعہ کو کہا جاتا ہے جو چارپائی کی صورت میں نظر آتے ہیں۔ کہکشاں۔ ایک لمبی سفیدی ہے جو رات کی صورت میں نظر آتی ہے موسم برسات میں سرِ شام نظر آنے لگتی ہے اس کا ایک سرا جنوب کی جانب اور دوسرا شمال کی جانب ہوتا ہے... سنبلہ۔ گیہوں کی بال، ایک

اتقوا: بچو۔ اُن دماغی خشکی والوں [illegible]

زحل ہوتا ہے اُسمیں قوت فکریہ بہت ہوتی ہے۔ ۳ یعنی اگر میری مثنوی سرد رُشی کرے تو زہرہ جو رقاصۂ فلک ہے وہ دم بخود رہ جائے ۵ عطارد۔ ستارہ جس کو دبیرِ فلک بھی کہا جاتا ہے۔ جوزا۔ ایک برج کا نام ہے۔ مشتری ستارے کا نام ہے۔ نسرِ طائر۔ اُڑنے والا گدھ ستاروں کا ایک مجموعہ ہے جو اُڑنے والے گدھ کی طرح ہے

ہر وجودے کز عدم بنمود سر جس وجود نے عدم سے سر ابھارا	بر یکے زہر است و بر دیگر شکر ایک پر وہ زہر ہے اور دوسرے پر شکر ہے
دوست شو وز خوئ ناخوش شو بری دوست بنجا اور بُری عادت سے خالی ہو جا	تا ز خمرۂ زہر ہم شکر خوری تاکہ زہر کے مٹکے سے بھی تو شکر کھائے
زاں نشد فاروق را زہرے گزند اسی لئے عمرؓ فاروق کے لئے زہر مضر نہ ہوا	کہ بد آں تریاقِ فاروقیش قند کیونکہ اُن کا فاروقی تریاق شکر تھا
ہیں بجو تریاقِ فاروق اے غلام اے لڑکے! فاروقی تریاق تلاش کرے	تا شوی فاروقِ دوراں والسّلام تاکہ تو فاروقِ دوراں بن جائے ، والسّلام

برج کا نام بھی ہے۔ پر ختم شد۔ اب اس مثنوی کے رموز کے بیان کو ختم کر دو بیان کے طول کی وجہ سے اس کے صاف مضامین بھی سمجھنا مشکل ہو رہے ہیں۔

۵۲ آفتاب۔ مثنوی کا سورج طلوع کر آیا ہے جس کی روشنی پھیل گئی ہے لیکن منکر کو یہ بھی ناگوار ہے۔ تو ضدی۔ عادت کی وجہ سے دشمن شہد اور دودھ کو بھی زہر سمجھتا ہے۔ ہر وجودے۔ یہ شہد اور زہر ہونا مثنوی کی خصوصیت نہیں ہے بلکہ ہر چیز کا یہی حال ہے۔ تمرہ۔ مٹکی زاں نشد۔ حضرت عمرؓ کے لئے

تو کا فاروق بن جائے گا
اگر تو عمل کرے گا تو بن جائیگا
نبلیغ کر۔ وہی تریاق فاروق
اٹھانے آئی کیلئے وہ زہر مضر نہ رہا
بالخصوص کا زہر اثر نہ کر سکا بن گیا تھا
ان کیلئے فاروق تریاق کی وجہ

شرح

مثنوی کے دفتروں میں سے یہ پانچواں دفتر ہے اور اگر روح کو آسمان فرض کیا جائے اور اس کے لیے برج مانے جائیں تو یہ ان برجوں میں بمنزلہ ستاروں کے ہے اور سمار روح کے لیے موجب زینت۔ اور طالبین ہدایت کے لیے راہنما ہے لیکن اتنا خیال رہے کہ جس طرح ہر آنکھ والے کو ستاروں سے رستہ نہیں معلوم ہو سکتا۔ بلکہ رستہ صرف اسی کشتیاں کو معلوم ہوتا ہے جو کہ ستاروں کے متعلق واقفیت رکھتا ہو۔ یونہی مثنوی سے ہر شخص کو ہدایت نہیں ہو سکتی۔ بلکہ اس سے صرف اسی کو ہدایت ہو سکتی ہے جو کہ اسکو صحیح طور پر سمجھتا ہو۔ رہے ناواقف لوگ سو ان کے حصہ میں تو اس کا صرف دیدار رہے کیونکہ نہ وہ اس کی خوبی سے واقف ہیں اور نہ کمال سے۔ پس اگر تم کو اس سے فائدہ حاصل کرنے کی خواہش ہے تو تم کو چاہیئے کہ اپنی ظلمت جہل کے زمانہ میں طلوعِ آفتاب معرفت تک ایک ایسا شخص ساتھ رکھو جو کہ ان شیطان سوز ستاروں یعنی مضامین مثنوی سے واقفیت رکھتا ہو یعنی تم کو مثنوی سے اس وقت فائدہ ہو سکتا ہے جبکہ تم کسی شیخ کامل اور محقق سے تعلق پیدا کر کے اسکی توسط سے اس سے فائدہ حاصل کرو۔ ورنہ اگر بطور خود اسکو دیکھو گے تو بجائے فائدہ کے ضرر کا

اور بجائے ہدایت کے گمراہی کا اندیشہ ہے کیونکہ گو یہ کتاب فی نفسہٖ تو ہادی ہے
اور اس کا ہر مضمون دفع شیطان کے بارہ میں ان فرشتوں کی خاصیت رکھتا ہے
جو کہ قلعہ آسمان سے شیاطین پر فقط چڑھکتے اور انہیں بذریعہ شہاب ثاقبیہ کے
آگ لگاتے ہیں۔ مگر تفاوت طبائع واحوال کے سبب اس سے ناظرین ہر دونوں قسم
کے اثر ہوتے ہیں پس بعض کو اس سے ہدایت ہوتی ہے۔ اور بعض اس سے گمراہ ...
ہوتے ہیں۔ اور یہ ستارہ (مثنوی) اگر شیطان کے لیے عقرب (بچھو) کی طرح ضرر
رساں ہے۔ تو مشتری (طالب صادق) کے لیے ولی اقرب (نہایت مشفق) ہے
اور یہ قوس (مثنوی) اگر شیطان کو تیر سے چھید دیتی ہے تو کھیتی اور میووں کے لئے
دَلو پُر آب ہے (یعنی اہل فساد کے لئے مضر اور اہل صلاح کے لیے نافع ہے)
اور یہ حوت (مچھلی) اگر گمراہی کی کشتی توڑتی اور اسکو صدمہ پہنچاتی ہے تو دوستوں کے
لئے ثور (بیل) کی طرح کشت روحانی بھی کرتی ہے اور یہ شمس (مثنوی) اگر شب
(ظلمت جہل) کو اسد (شیر) کی طرح چیرتا پھاڑتا ہے۔ تو لعل (ارباب صلاح) کو
اطلس روحانی بھی پہناتا ہے اور یہ مثنوی اگرچہ سرطان (کیکڑے) کی طرح بظاہر
کج رو ہے۔ یعنی اسکے بعض مضامین بظاہر خلاف شریعت معلوم ہوتے ہیں لیکن
درحقیقت میزان (ترازو) کی طرح کجی سے الگ ہے اور اس کے تمام مضامین مطابق
شریعت حقہ ہیں۔ اور اگر اس مریخ (مثنوی) تمام کام دشمنوں کا خون بہانا ہے خواہ
وہ مظہر عداوت ہوں جیسے منکرین یا مدعی محبت جیسے جاہل غیر محققین۔ تو وہ
شمس تبریز سے کاملین و محققین کے آگے پانی بھی بھرتی ہے۔ اور اگرچہ اس زحل
(مثنوی) کے بعض آثار نحس ہیں جیسے نااہلوں کو ضرر پہنچانا۔ مگر اس کے بعض دوسرے
آثار اہلوں کے لیے مفید بھی ہیں کہ اس سے وقت نظر اور شان تحقیق پیدا ہوتی ہے
اور میرے اس چاند (مثنوی) کی طرب انگیزی کی یہ حالت ہے کہ اگر وہ جوش
محبت سے تالیاں بجائے تو زہرہ کی مجال نہیں ہے کہ اس کے سامنے دم مار سکے
بلکہ میں تو کہتا ہوں کہ عطارد جو کہ دبیر فلک ہے شدت وجد میں اپنا گھر بھول جائے

اور جوشِ جنون سے جوزا کو درہم برہم کر دے اور مشتری کے ہاتھوں میں رعشہ پڑ جائے اور اس کا دل بے قرار ہو جائے اور چاند پانی پر ٹوکرے کی طرح گر پڑے اور اسکے مضامین کے عروج کی یہ حالت ہے کہ نسر طائر شرم سے اپنے پر گرا دے اور اسکی دلفریبی کی یہ کیفیت ہے کہ تنین فلک اسکی رغبت میں موم کی طرح نرم ہو جائے اور اسکے فیض کی یہ حالت ہے کہ بنات النعش بھی حاملہ ہو جائیں۔ اور اسکے مضامین کو سنکر سب اکٹھی ہو کر تالیاں بجانے لگیں۔

اچھا اب ان اشاروں کنایوں کو چھوڑو۔ اسلئے کہ وقت ناوقت ہو گیا ہے اور کہکشاں سنبلہ سے پر کاہ ہو گیا ہے یعنی راہِ فہم مقصود ان اشاروں کنایوں سے مخفی ہو گیا ہے۔ اچھا اب ہم اس بحث کو چھوڑتے ہیں۔ لیکن آخر میں اتنا کہہ دینا مناسب سمجھتے ہیں کہ آفتاب معرفت کوہ حجاب سے برآمد ہو گیا ہے۔ دیکھنا تم اس کا انکار نہ کرنا۔ اور اسکے انکار سے بچتے رہنا۔ لیکن اے منکرین تمہیں میرا یہ کہنا ناگوار ہوگا۔ کیونکہ تم دشمن ہو۔ اور مجھے اپنا دشمن سمجھتے ہو۔ اور قاعدہ ہے کہ دشمن کا خواہ وہ واقع میں دشمن نہ ہو۔ بلکہ اسکی دشمنی محض خیالی ہو۔ شہد اور دودھ بھی زہر معلوم ہوتا ہے اور منہ میں ایسا ہی کڑوا معلوم ہوتا ہے جیساکہ زہر۔ گو وہ واقع میں ایسا نہیں ہوتا اور یہ کچھ دودھ اور شہد کے ساتھ مخصوص نہیں۔ بلکہ جو جو بھی عدم سے ظاہر ہوتا ہے اس کی یہی حالت ہے کہ وہ ایک کے لیے ناگوار ہے اور دوسرے کو مرغوب۔ اور یہ اختلاف اثر اختلاف احوال اشخاص سے پیدا ہوتا ہے چنانچہ جو دوست ہوتا ہے اسکو ناگوار بھی گوارا ہوتا ہے اور جو دشمن ہوتا ہے اسکو گوارا بھی ناگوار ہوتا ہے۔ پس اگر تم چاہتے ہو کہ تم کو کسی چیز سے ناگواری نہ ہو تو تم حق سبحانہٗ کے دوست ہو جاؤ۔ اور اس کی مخلوقات میں اسکے خیال کا مشاہدہ کرو۔ اور اپنی خصلت بد کو چھوڑ دو۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تم کو زہر میں بھی شکر کا مزہ آئے گا۔ اور کوئی چیز تم کو ناگوار نہ معلوم ہوگی۔

ایسا کرنے سے روحانی ناگواری تو دور ہوتی ہے مگر بعض احوال میں اسکے جسمانی

ضرر بھی دور ہوجاتا ہے۔ چنانچہ امیر المومنین عمر بن الخطاب کو زہر نے اسی لئے نقصان نہیں پہنچایا کہ ان کے پاس ایسی تریاق فاروقی کی قند موجود تھی۔ اور وہ اپنے اخلاق درست کر چکے تھے اور انکو خدا اور رسول ؐ کے ساتھ محبت ہوگئی تھی اور اسلئے انکو ان پر اور ان کی باتوں پر اعتماد ہوگیا تھا۔ پس تم بھی وہی تریاق فاروقی تلاش کرو۔ تاکہ تم بھی اپنے زمانہ کے فاروق ہو جاؤ۔ اور تم کو بھی زہر سے ضرر نہ پہنچے والسلام۔

فائدہ ۱ ؛ مولانا نے جو مضمون از صحاف مثنوی ایں پنجم رفت سے شروع کرکے گرچہ در تاثیر نحس آمد زحل پر ختم کیا ہے اس سے چند باتیں ظاہر ہوتی ہیں۔ اول یہ کہ مثنوی سے وہ شخص منتفع ہوسکتا ہے جو کہ خود عارف محقق ہو یا اگر خود عارف نہ ہو تو مستقیم الطبع اور صاحبِ استعداد علمی ہو۔ اور اسکو کسی شیخ سے سمجھے اور بدون ان دونوں باتوں کے مثنوی کا مطالعہ کرنا موجبِ خطرہ ہے پس لوگ آجکل سخت غلطی کرتے ہیں کہ بدوں شرائط مذکورہ کے مثنوی کا مطالعہ کرتے ہیں کیونکہ جس ان کو بجائے نفع کے نقصان ہوتا ہے اور یہ نقصان کئی طرح سے ہوتا ہے یا تو اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ مطالعہ کرنے والا متبع شریعت ہوتا ہے اور اپنے قصور فہم و عدم قابلیت کے سبب مثنوی کے مضامین کو شریعت پر منطبق نہیں کرسکتا اسلئے مولانا اور مثنوی سے بدظن ہوجاتا ہے اور ان کی برکات سے محروم ہوجاتا ہے اور یا یہ صورت ہوتی ہے کہ وہ مولانا کا معتقد ہوتا ہے اور ان کو حامل اسرار شریعت سمجھتا ہے لیکن چونکہ وہ اہل نہیں ہوتا اسلئے اس کے مضامین کو غلط طور پر سمجھ جاتا ہے اور ان غلط مضامین کو جو کہ واقع میں مولانا سے تعلق نہیں رکھتے مولانا کی طرف منسوب کرتا۔ اور ان کو اسرارِ شریعت سمجھ کر۔ یا ظاہر شریعت کا انکار کرتا ہے یا اس میں تاویل کرتا ہے۔ اور بعض مرتبہ گمراہی یہاں تک پہنچ جاتی ہے کہ نفسِ شریعت مصطفویہ کا بھی انکار کر دیتا ہے اور کہتا ہے کہ صوفیوں کے لیے کسی مذہب کی ضرورت نہیں ہے اسکی ضرورت صرف عوام کے لیے ہے اور عوام کو بھی خاص دین اسلام کی

ضرورت نہیں - بلکہ دین کی ضرورت صرف تہذیب اخلاق کے لیے ہے۔ سو وہ اگر کسی اور طریقہ سے حاصل ہو جائے تو کافی ہے نعوذ باللہ من فتنۃ سوء الفہم - ایسی حالت میں لوگوں کو مثنوی کے مطالعہ میں نہایت احتیاط سے کام لینا چاہیئے اور اسکے مضامین کے سمجھنے کے لیے ان لوگوں کی طرف رجوع کرنا چاہیئے جو کہ جامع من الشریعت و الطریقۃ ہیں - ورنہ الحاد اور زندقہ کا خطرہ ہے - اعاذنا اللہ منہ -

دوم یہ کہ مثنوی کے بعض مضامین بظاہر خلاف شریعت اور گمراہی میں ڈالتے ہیں مگر حقیقت ہیں وہ مضامین مطابق شریعت حقہ مصطفویہ ہیں ایسے مضامین جہاں کہیں مثنوی میں آئے ہیں - ہم نے انکی توضیح کر دی ہے - اور توضیح میں حتی الامکان خود مولانا کے کلام سے مدد لی ہے کیونکہ ہم نے جہاں تک تتبع کیا ہے ہم کو معلوم ہوا ہے کہ اگر کسی موقع پر مولانا اپنے کلام اجمال سے کام لیتے ہیں تو دوسرے موقع پر خود ہی اسکی تشریح فرما دیتے ہیں پس مثنوی کے مطالعہ کرنے والے کو چاہیئے کہ وہ اسکے تمام مضامین کو پیش نظر رکھ کر مولانا کے مقصود کو متعین کرے اور صرف ایک ہی مقام پر نظر کو مقصور نہ کرے ورنہ مغالطہ کا خطرہ ہے سوم یہ کہ مثنوی بعض کو نقصان پہنچاتی ہے بعض کو نفع -

اسکی تفصیل یہ ہے کہ اس کا نقصان اعدائے دین یا منکرین یا نااہل معتقدین کو ہوتا ہے اور نفع ان مخلصین کو ہوتا ہے - جو کہ اسکے مضامین کے سمجھنے کی قابلیت رکھتے ہیں خواہ بطور خود سمجھ سکتے ہوں یا بتوسط عارف محقق - پس منشاء ضرر کا خود دوسروں کی ناقابلیت ہے نہ کہ مثنوی کا نقصان - کیونکہ وہ خود کامل اور سراسر نافع ہے اور اس کی مثال ایسی ہے جیسے بارش سے باراں کہ در لطافت طبعش خلاف نیست ۔ در باغ لالہ روید و در شورہ بوم خس -

فائدہ ۲۷ : زاں نشد فاروق را زہرے گزند الخ میں ایک قصہ کی طرف اشارہ ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ امیر المومنین عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے پاس ایک بادشاہ نے تحفہ کے طور پر زہر ہلاہل کی شیشی پہنچی تھی اور یہ کہا تھا کہ آپ اس سے اپنے دشمنوں کو ہلاک کر سکتے ہیں - اس کو آپ نے یہ کہہ کر نوش فرما لیا تھا کہ نفس سے زیادہ میرا کوئی دشمن نہیں ہے اس لیے میں اسے پلاتا ہوں - اور اس سے آپ کو کچھ ضرر نہیں ہوا تھا اس واقعہ کی صحت کا علم نہیں ہے

لیکن اگر یہ واقعہ صحیح ہو تو اس پر اوّلاً شبہ یہ ہوتا ہے کہ امیرالمومنین نے اوّل خودکشی کا اقدام کیا۔ اور ثانیاً یہ کہ اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو نفس کشی کی حقیقت معلوم تھی اس کا جواب یہ ہے کہ امیرالمومنین کو اس واقعہ سے قاصد پر حقیت اسلام کو ظاہر کرنا تھا۔ اور چونکہ آپ کو جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد پر کامل وثوق تھا کہ جو چیز بسم اللہ الذی لایضر مع اسمہ شیٔ فی الارض ولا فی السماء پڑھ کر کھائی جائے گی وہ ضرر نہ پہنچائیگی اسلئے آپنے بے تکلف پی لیا۔

فائدہ ۳: چونکہ مولانا نے مثنوی کو ستاروں سے تشبیہ دی تھی اسلئے آپنے اس بیان میں ایسے الفاظ سے کام لیا ہے جو کہ فلکیات اور دیگر معانی میں مستعمل ہیں۔ اور کہیں ان الفاظ سے ستارہ اور برج مراد لئے ہیں اور کہیں دیگر معانی۔

فائدہ ۴: عقرب، قوس، دلو، حوت، اسد، میزان، سنبلہ، ثور، سرطان، جوزا، بُرجُوں کے نام ہیں اور شمس، مریخ، زہرہ، مشتری، قمر، عطارد، شیر، نسرطائر، بنات النعش کہکشاں ستاروں کے۔ اور تنین سے مراد مابین عقدۂ راس و ذنب ہے (واللہ اعلم)

ہذا آخر ماتیسر لنا فی حل المثنوی المعنوی افاض اللہ علینا من برکاتہ آمین والحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین وآلہ واصحابہ اجمعین۔

آخر میں یہ عرض کردینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ احقر نے جو کچھ حل مثنوی کے لکھا ہے وہ اس کی ذاتی قابلیت کا نتیجہ نہیں ہے بلکہ جو کچھ میں نے عرض کیا ہے وہ حضرت مولانا مدظلہم العالی کا یا روحانی فیض ہے۔ اور احقر اس میں بمنزلہ ایک آلہ کے ہے لیکن اگر اس میں کسی مقام پر کوئی لغزش ہو تو اسکو میرا قصور قابلیت خیال کیا جائے۔ اور حضرت مولانا کے دامن کو اس سے پاک سمجھا جائے کیونکہ تلقی فیض میں قابلیت مستفیض کو بھی دخل ہے ؎

باراں کہ در لطافت طبعش خلاف نیست ٭ در باغ لالہ روید و در شورہ بوم خس۔

والسلام

تنبیہات برائے

کلیدِ مثنوی

(دفتر پنجم)

جس میں عسیر المفہوم مضامین کو نہایت آسان طریقہ سے بیان کیا گیا ہے۔ اور خاص خاص اصطلاحاتِ مثنوی پر نشان دہی کی گئی ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حامداً و مصلیاً و مسلماً

اما بعد: جبکہ بفیض ظاہری و باطنی حضرت مجدد الملۃ والدین مولانا محمد اشرف علی صاحب تھانوی اطال اللہ بقائہم علیٰ رؤس المسلمین مجھ نااہل کے ہاتھوں مثنوی کی چار دفتروں کی شرح کا کام تمام ہوگیا۔ تو خیال ہوا کہ اس عرصہ میں مثنوی کے متعلق جو کچھ مفید معلومات مجھے حاصل ہوئے ہیں ان میں سے جس قدر مستحضر ہوں ان کو ایک جگہ جمع کردوں۔ تاکہ مثنوی کے پڑھنے اور پڑھانے اور مطالعہ کرنے والوں کے لئے کار آمد ہوں۔ واللہ الموفق وہو المستعان:

میں ان مضامین کو بعنوانِ تنبیہات ذکر کروں گا اور ان تنبیہات کو دو قسم پر منقسم کروں گا۔ قسم اوّل میں وہ تنبیہات ہیں جو راجع ہیں ناظر مثنوی کی طرف۔ اور قسم ثانی میں وہ تنبیہات ہیں جو راجع ہیں اسلوب بیان و معانی و مضامین مثنوی کی طرف۔

تنبیہات قسم اوّل

تنبیہ ۱ ناظرین مثنوی کے لیے ضروری ہے کہ وہ سلیم الطبع اور صحیح العقیدہ اور صاحبِ استعداد علمی ہوں۔ جسمیں بقدر ضرورت معقول بھی دخل ہے اور زبانِ فارسی اور علم دین سے کافی واقفیت اور مذاق سخن رکھتے ہوں۔ اور علم تصوف میں اگر ماہر نہ ہوں تو کم از کم اس سے مناسبت ضرور رکھتے ہوں۔ اور اگر خود محقق نہ ہوں تو کسی محقق کی صحبت میں ایک معتدبہ مدت تک رہ کر اس سے مستفید ہوئے ہوں اور اگر صاحب حال بھی ہوں تو نور علیٰ نور ہے کیونکہ مثنوی کے مضامین کو صاحبِ حال ہی بخوبی سمجھ سکتا ہے اور غیر صاحبِ حال اس قدر نہیں سمجھ سکتا۔ بلکہ بعض مقام پر اس کے گمراہ ہوجانے کا خطرہ ہوتا ہے۔ اِلّا اَن یعصمہ اللہ۔ چنانچہ مولانا دفتر پنجم ۵ میں فرماتے ہیں ؎

اندریں بحث از خرد رہ بیں بدی ❊ فخر رازی راز دار دین بدے

لیک چوں من لم یذق لم یدراو ؛ عقل و تخیلات او حیرت فزود
کے شود کشف از تفکر این انا ؛ این انا مکشوف شد بعد الفنا
می فتد این عقلہا در افتقاد ؛ در مغاکے و حلول و اتحاد

نیز فرماتے ہیں ؎

از صحاف مثنوی این پنجم است ؛ در بروج چرخ جاں چوں انجم است
رہ نیابد از ستارہ ہر حواس ؛ جز کہ کشتی باں استارہ شناس
جز نظارہ نیست قسم دیگراں ؛ از سعودش غافل اند واز قراں
آشنائی گیر شبہا تا بروز ؛ باچنیں استارہ لے دیو سوز۔ الخ

تنبیہ ۲:

یعنی مثنوی کے بعض مضامین گو بظاہر مخالف شریعت معلوم ہوتے ہیں مگر وہ حقیقت میں مخالف نہیں ہیں۔ پس ناظرین کو چاہیئے کہ ایسے مضامین کو دیکھ کر نہ مولانا پر مخالفت شریعت کا طعن کریں اور نہ اُن کی ظاہری گمراہی میں مبتلا ہوں بلکہ ایسے مضامین کے متعلق انکو چاہیئے کہ خود مثنوی میں اُن کی تفسیر اور تشریح تلاش کریں اغلب ہے، کہ انکو اس کی تشریح خود مثنوی میں مل جائے گی۔ کیونکہ جہاں تک ہم نے تتبع کیا ہے۔ ہم کو معلوم ہوا ہے کہ گو مولانا غلبہ حال اور حالت سکر میں ایسے مضامین بیان کر جاتے ہیں جو بظاہر خلاف شریعت ہیں مگر دوسرے مقام پر ان کی توضیح فرما دیتے ہیں۔ لیکن اگر کسی کو مثنوی میں اس کی توضیح نہ ملے تو اپنے زمانہ کے محققین سے اسکی تفسیر دریافت کرلے۔ یا محققین کے شروح و حواشی سے اس مقام کو حل کرلے

تنبیہ ۳ مثنوی میں مولانا بعض ایسے مضامین بیان فرمائے ہیں جو فحش ہوتے ہیں مگر ان سے فحش گوئی مقصود نہیں ہوتی بلکہ مقصود ہدایت ہوتی ہے وسیاق تفصیلہ پس کسی کو مولانا پر فحش گوئی کا شبہ نہ ہونا چاہیئے ؎

کارِ پاکاں را قیاس از خود مگیر ﴿ گرچہ ماند در نوشتن شیر و شیر
آں یکے شیرے کہ جاں می پرورد ﴿ واں دگر شیرے کہ مردم می رود
اے تو گشتہ صبح کاذب را رہین ﴿ صبح صادق را تو کاذب ہم مبین

تنبیہات قسمِ ثانی

تنبیہ ۱ مولانا کے کلام میں بعض مقام پر بندش و ترکیب کلام خلاف بندش و ترکیب متعارف واقع ہوتی ہے۔ مثلاً

وہ صیغہ صفت کو کبھی بمعنی مصدر استعمال کرتے ہیں۔ اور خوارمند، ساحرناک، منکر ناک، نقاش گر وغیرہ استعمال کرتے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں ؎

کودکاں خانہ دمش می کشند ﴿ باشد اندر دست طفلاں خوارمند

اور فرماتے ہیں ؎

حی و قائم دانداو آں خاک را ﴿ خوش نگر ایں عشق ساحرناک را

وغیرہ وغیرہ — اور کبھی وہ پیشؑ کا قافیہ زیر سے اور زبر کا زیر سے کرتے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں ؎

ہیں ز گنجِ رحمت بے مر بدہ ﴿ در کفِ تو خاک گردد زر بدہ

نیز فرماتے ہیں ؎

ہر کسے را ہست امیدے برے ﴿ کہ کشادندش دراں روزے درے

اس شعر میں لفظ "برے" مرکب ہے بائے ظرفیہ اور لفظ "رے" بفتح را سے جو کہ نام ہے شہر کا۔ اور کبھی روابط مثل از د ور د بر و بائے ظرفیہ درست وغیرہ کو حذف کر دیتے ہیں۔

چنانچہ فرماتے ہیں ؏
با کنیزک خلوتش بگذاشتی۔ ای بخلوتش یا در خلوتش
نیز فرماتے ہیں
"او مذلت خواست کے عزت تنم" ای عزت

نیز فرماتے ہیں ؎ ع

"عشق وسودا چونکہ بر بودش بدن" ای از عشق وسودا۔

اور کبھی حق سبحانہ کا یا کسی اور کا مقولہ بیان فرماتے ہیں اور گفت وغیرہ کو محذوف فرما دیتے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں ؎

پیش با فرج وگلو باشد خیال ؛ لاجرم بردم نماید جاں جمال

ہر کرا فرج وگلو آئین وخوست ؛ اِنَّ لکم دِین وَلی دِین بہر اوست

با چناں انکار کوتہ کن سخن ؛ احمدا کم گوئی با گبر کہن

شعر ثالث کے شروع میں گفت خدا برائے رسولِ خود مقدر ہے اور نیز فرماتے ہیں

پرس پرساں کیں موذن گو کجاست ؛ کہ صلاد بانگ او راحت فزاست

ہین چہ راحت بود زاں آواز زشت ؛ کو فتادا ز وے بناگہ در کنشت

دختری دارم لطف وبس سنے ؛ آرزو می بود او را مومنی اھ

ان اشعار میں شعر ثانی کے شروع میں "مردماں پرسیدند" مقدر ہے اور شعر ثالث کے شروع میں او جواب داد مُقدر ہے

اور بعض مقام پر بقرینہ مقام دوسری عبارتوں کو محذوف فرما دیتے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں ؎

گرچہ آں معنی ست ایں نقش اے پسر ؛ تا بفہم تو بود نزدیک تر۔

تقدیر عبارت یوں ہے گرچہ آں معنی است ویں نقش اے پسر۔ لہٰذا ایں نظیر آں نمے تواند شد لیکن با ایں ہمہ من ایں مثال را آوردہ ام تا بفہم تو بود نزدیک تر

اور کبھی وہ را کو زائد استعمال کرتے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں ؎

گر نبودے بہر عشق پاک را ؛ کے وجودے دادمے افلاک را

نیز فرماتے ہیں ؎

گفت طوطی حمد للہ را کہ من ؛ بذ نیسند شیدہ ام با تو بفن

اور کبھی وہ ایسے الفاظ استعمال فرماتے ہیں۔ جس کے ایک معنی معروف ہیں اور دوسرے

معنی غیر معروف اور وہ ان سے معانی غیر معروفہ مراد لیتے ہیں۔

جیسے پایاں بمعنی پایندہ غیر معروف ہے اور بمعنی انتہا و حد۔ معروف۔ مگر وہ فرماتے ہیں ؎

نور حس و جان ناپایاں ما۔ ٭ نیست کلی فانی و لاچوں گیا

اس جگہ ان کی مراد ناپایاں سے ناپائدار ہے نہ کہ بے حد۔ علی ہذا بعض نسخوں میں شعر مذکور میں ..... بجائے ناپایاں کے بے پایاں ہے اور بے پایاں کے معروف معنی بے حد ہیں مگر اُن کی مراد اس سے ناپائدار ہے اور انہوں نے "بے" کو بمعنی "نا" استعمال فرمایا ہے جیساکہ اس شعر میں ؎

دختراں را معیت مردہ دہند ٭ کہ زلعب کودکاں بے آگہہ اند

اور از پے کے معنی معروف از جہت ہیں مگر انہوں نے اپنے قول ؎

گر نباشد صدر رنج دگر ٭ از پے ہیضہ برآود از تو سر۔

میں اس سے معنی از عقب ہیضہ مُراد لئے ہیں اور کبھی وہ شب در اور روز در وغیرہ تراکیب استعمال کرتے ہیں ایسی تراکیب میں دو احتمال ہیں۔ اوّل یہ کہ بائے ظرفیہ محذوف ہو اور در زائد۔ اور اصل میں بشب در وغیرہ ہو۔ اور دوم یہ کہ مجرور جار پر مقدم ہو یہ نظائر بطور نمونہ کے ہیں پس ناظر مثنوی کو چاہیئے کہ حل ابیات میں فہم سلیم سے کام لے اور چستی بندش کی خاطر حسنہ الۃ معنی کو ہاتھ سے نہ دے۔

تنبیہ ۲ کبھی مولانا ترتیب مضمون کو بدل دیتے ہیں اور مقدم کو موخر اور موخر کو مقدم کر دیتے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں ؎

چوں ضیاء الحق حسام الدین عنان

باز گردانید ز اوج آسمان

چوں بمعراج حقائق رفتہ بود ٭ بے بہارش غنچہ نشگفتہ بود

چوں ز دریا سوئے ساحل بازگشت ٭ چنگ شعر مثنوی باساز گشت

ان اشعار میں مضمون شعر اوّل شعر ثانی سے موخر اور شعر ثالث سے مقدم ہے

تنبیہ ۳: کبھی مولانا اپنے سیاق کلام کو بدل دیتے ہیں۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں ؎

گفت روزے شاہ محمود غنی ؛ آں شہ غزنی و سلطان منے

اس کا مقتضا یہ تھا کہ آئندہ وہ مقولہ بیان فرماتے مگر انہوں نے اس کو چھوڑ دیا۔ اور فرمایا ؎ شاہ روزے جانب ایوان شتافت ؛ جملہ ارکاں را درآں ایواں بیافت

گوہرے بیروں کشید او مستنیر ؛ پس نہادش زود در کف وزیر

گفت چونست و چہ ارزد ایں گہر الخ

پس یہاں انہوں نے سیاق اوّل کو چھوڑ کر دوسرا سیاق اختیار فرمایا ہے۔

تنبیہ ۴: مولانا کی عادت ہے کہ وہ ایک مضمون سے دوسرے مضمون کی طرف انتقال فرماتے ہیں اور کبھی اس انتقال پر تنبیہ فرماتے ہیں اور کبھی تنبیہ نہیں فرماتے پھر جب انتقال پر تنبیہ فرماتے ہیں تو کبھی فوراً ہی انتقال فرماتے ہیں اور کبھی کوئی اور مضمون بیان فرمانے لگتے ہیں اور اس سے فارغ ہو کر مضمون ثانی کی طرف انتقال فرماتے ہیں۔

چنانچہ دفتر سوم میں فرماتے ہیں ؎

شمع مریم واللیل افروختہ ؛ کہ بخارا میرود آں سوختہ

سخت بے صبر و در آتش دان تیز ؛ او سوئے صدر احسان کن می گریز

ایں بخارا منبع دانش بود ؛ پس بخارائیست ہر کانش بود

پیش شیخے در بخارا اندری ؛ تا بخواری در بخارا ننگری۔

جز بخواری در بخارائے دلش ؛ راہ ندہد جزر و مد مشکلش

اے خنک آں را کہ ذلت نفسہ وائے آنکس را ؛ کہ یرذی رغشہ فرقت صدر جہاں الخ

نیز کبھی وہ انتقال کی مناسبت سے ہوتا ہے اور کبھی بلا مناسبت۔ چنانچہ... فرماتے ہیں ؎

پیش ازاں کایں قصہ تا مخلص رسد ؛ دود و گندے آمد از اہل حسد الخ

نیز فرماتے ہیں ؎ ع اے سگ طاعن تو عوعو می کنی الخ وغیرہ وغیرہ۔

تنبیہ ۵: عام کتابوں کا قاعدہ ہے کہ ایک سُرخی سے دوسری سرخی تک ایک مضمون ہوتا ہے اور دوسری سُرخی سے دوسرا مضمون شروع ہوتا ہے لیکن مثنوی میں یہ طریقہ نہیں ہے۔ کیونکہ مولانا کا کلام مصنفین کے طرز پر نہیں ہے۔ جو کہ ہر ہر مبحث کو جدا جدا اور مرتب طور پر بیان کرتے ہیں۔ اور ہر ہر مبحث کے لئے ایک ایک سرخی قائم کرتے ہیں۔ بلکہ ان کا بیان واعظانہ ہے۔ جس میں جذبے رنگ کی آمیزش ہے۔ پس وہ ایک مضمون شروع کرتے ہیں پھر اس سے دوسرے مضمون کی طرف انتقال فرماتے ہیں اس سے تیسرے مضمون کی طرف انتقال کرتے ہیں۔ وہکذا الیٰ ماشاء اللہ! اس کے بعد کسی مضمون سابق کی طرف لوٹ آتے ہیں۔ اور کبھی مضمون سابق بالکل چھوٹ جاتا ہے۔ اس طرح ایک مضمون کے ضمن میں بہت سے انتقالات۔ اور مضامین مختلفہ آجاتے ہیں۔ ان میں سے بعض انتقالات یا مضامین پر سُرخی ہوتی ہے اور بعض پر سُرخی نہیں ہوتی۔ پس سُرخیوں کو دیکھ کر یہ رائے قائم نہ کر لینی چاہئیے کہ مضمون سابق ختم ہو چکا۔ اور اب جو کچھ اس سُرخی کے تحت میں مذکور ہوگا وہ اسی سرخی سے متعلق ہوگا۔

کیونکہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ سرخی ایک مسلسل مضمون کے درمیان میں واقع ہو جاتی ہے جیسے سرخی "باز و کم پیرزن۔ کہ درخانۂ او بود۔ واقعہ دفتر چہارم۔ آسیہ امرأۃ فرعون کی مسلسل گفتگو کے درمیان واقع ہے۔ اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ سرخی کے بعد مضمون سرخی بیان فرماتے ہیں۔ اور اس سے فارغ ہو کر مضمون سابق کی طرف عود کرتے ہیں اور اس عود کے لیے کوئی سرخی نہیں قائم کرتے۔ دیکھو قصۂ ایاز واقعہ دفتر پنجم وغیرہ۔

اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ایک سرخی قائم کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ مضمون سُرخی بیان کریں۔ لیکن پھر کوئی اور مضمون ذہن میں آجاتا ہے اور اسے بیان کرنے لگتے ہیں اور مضمون سرخی بالکل چھوٹ جاتی ہے مثلاً دفتر چہارم میں مولانا نے تجاذب جذب وانجذاب اشیاء کا بیان فرمایا۔ اور جبکہ اس شعر تک پہنچے ؎

آدمی را شیر از سینہ رسد ؛ شیر خر از نیم زیرینہ رسد

تو چاہا کہ اس مقام پر غذائے اہل اللہ کا بیان فرمائیں۔ اسلئے انہوں نے سرخی قائم کی "بیان آنکہ عارف را غذا ئیست از نور حق" الخ اسکے بعد ان کو خیال ہوا کہ آدمی شیر از سینہ رسد الخ سے جو شبہ جور حق سبحانہ کا ہوتا ہے اسکو دفع کر دیا جائے اسکے بعد اس مضمون کو بیان کیا جائے اسلئے انہوں نے سرخی کے بعد فرمایا عدل قسام ست وقسمت کردنی ست۔ جب اس مضمون کو ختم کر چکے تو باقی گفت گو کو روز آئندہ پر رکھا۔ اور فرمایا روز آخر شد سبق فردا بود الخ لگلے دن اس سرخی کا خیال نہ رہا۔ اور اس کا مضمون بالکل چھوٹ گیا۔

تنبیہ ۶: مثنوی میں جو سرخیاں واقع ہیں ان کی نسبت قطعی طور پر نہیں کہا جا سکتا کہ مولانا ہی کی قائم کی ہوئی ہیں۔ ہاں بعض سرخیوں سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ سرخیاں مولانا کی قائم کی ہوئی ہیں۔ جیساکہ سرخی مذکورہ بالا یعنی بیان آنکہ عارف را غذا نیست از نور حق الخ اور سرخی حکایت لوطی ومخنث مذکورہ بالا جو کہ دفتر پنجم میں واقع ہے جس میں یہ شعر بھی ہے ؎

بیت من بیت نیست اقلیم ست ؛ ہزل من ہزل نیست تعلیم ست

مگر بشرطیکہ یہ شعر مولانا ہی کا ہو ؎

تنبیہ ۷: خواہ سرخیاں مولانا کی قائم کی ہوں یا کسی اور نے ہر حالت میں اس کا خیال رکھنا چاہیئے کہ سرخی کی بنا پر مضمون ذیل سرخی کو توڑا مروڑا نہ جائے بلکہ اس کو اس طرح سمجھا جائے کہ گویا کہ سرخی ہی نہیں اسلئے کہ سرخیاں مثنوی میں مختلف قسم کی ہیں بعض تو ایسے ہیں جو کہ مضمون کے ساتھ یوں مطابق ہیں کہ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اجمال ہیں اور مضمون ذیل اسکی تفصیل۔ اور بعض سرخیاں ایسی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ مضمون کے نتائج قریبہ اور بعیدہ ہیں۔

نیز مضمون سرخی کو وہاں سے شروع سمجھنا چاہیئے جہاں سے اس کا شروع ہونا مناسب ہو۔ کیونکہ ناسخین کی بداحتیاطیوں سے بعض سرخیاں اپنے مقام سے ہٹ گئی ہیں۔ چنانچہ دفتر پنجم مطبوعہ محمود المطابع صہ ۲۴۴ پر جو سرخی "رسیدن گوہر از دست بدست آخر دور بایاز الخ واقع ہے اس کا مضمون ؎ ہمچنیں در دور گرداں شد گہر الخ سے شروع

ہوا ہے۔ لیکن سرخی مذکور تین شعر بعد قائم کی گئی ہے۔

تنبیہ ۸ مولانا کے کلام میں جس قدر نظم کے متعلق بے ترتیبیاں ہیں۔ یا اُن کے کلام میں جو مضامین بظاہر خلاف شریعت ہیں۔ ان کا منشأ۔ غلبۂ عشق وفکر اور مضامین کی آمد اور ان کا ہجوم اور بیان کی بے ساختگی ہے۔ چنانچہ خود مولانا ان امور کی تصریح فرماتے ہیں مثلاً وہ فرماتے ہیں ؎

بیں سہ ہر ماہ سہ روز اے صنم ٭ بے گمان باید کہ دیوانہ شوم
ہیں کہ امروز اوّل سہ وزہ است ٭ روز پیروزی ست نے پیرزہ است
ہر دلے کاندر غم شاہی بود ٭ دمبدم اورا سر ماہے بود۔

کیف یاتی النظم لی والقافیہ بعد ما ضاعت اصول العافیہ۔ ما جنون واحدلی فی الشجون بل جنون فے جنون فی جنون۔ الی غیر ذالک من التصریحات۔

تنبیہ ۹: مولانا اواخر مصاریع میں الفاظ بضرورت قافیہ بھی استعمال کرتے ہیں جیسے ای عمو اے پدر، اے پسر۔ اے عنل وغیرہ۔ ایسے الفاظ کو نظرانداز کردینا چاہیئے۔ اسی بنا پر ہم نے اپنی شرح میں ان الفاظ کی پرواہ نہیں کی ہے۔

تنبیہ ۱۰: مولانا اپنے کلام میں تشبیہات وتمثیلات کا بکثرت استعمال کرتے ہیں اور کبھی وہ تشبیہات وتمثیلات مشبہ بہ وممثل لہٗ پر پورے طور پر منطبق نہیں ہوتیں۔ اس کی وجہ یا تو محض تقریب فہم ہوتی ہے یا جوشِ عشق — چنانچہ فرماتے ہیں ؎

ای بروں از وہم وقال وقیل من ٭ خاک بر فرق من وتمثیل من
بندہ نشکیبد ز تصویر خوشت ٭ ہر زبان گوید کہ جانم نوشت
ہمچوں آں چوپاں کہ میگفت اے خدا ٭ پیش چوپاں محب خود بیا۔

نیز فرماتے ہیں۔ ؎

گرچہ آں معنی ست ویں نفس اے پسر ٭ تا بفہم تو بود نزدیک تر

الی غیر ذالک من التصریحات۔

تنبیہ ۱۱: مثنوی میں مولانا کے بعض بیانات حد فحش تک پہنچے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔ مگر ان سے ان کا مقصود وہ عمدہ نتائج ہوتے ہیں جو ان سے پیدا ہوتے ہیں نہ کہ صورت مضمون۔ چنانچہ دفتر چہارم میں بذیل سُرخی حکایت آں زن پلید کہ شوہر را گفت کہ ایں خیالات از سر امرود بن می نماید چشم آدمی را۔ از سر امرود بن فرود آ۔ تا آں خیالات برود الخ فرماتے ہیں ؎

هزل تعلیم ست آں را جد شنو ❊ تو مشو بر ظاہر ہزلش گرو

ہر جدے ہزلست پیش ہازلاں ❊ ہزلہا جد ست پیش عاقلاں

اور دفتر پنجم حکایت لوطی و مخنث کی سرخی میں فرماتے ہیں۔

حکایت آں مخنث و پرسیدن لوطی ازو درحالت لواطت کہ ایں خنجر از بہر چیست۔ گفت از بہر آنکہ ہر کہ بایں بد اندیشد اشکمش بشگافم لوطی بر سر او آمد و شد می کرد و می گفت الحمد للہ کہ من باتو بد نمی اندیشم ؎

بیت من بیت نیست اقلیم ست ❊ ہزل من ہزل نیست تعلیم ست

قولہ تعالیٰ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَحْيِیٓ اَنْ يَّضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوْضَةً فَمَا فَوْقَهَا ای فما فوقھا فی تغیر النفوس بالانکارات۔ ماذا اراد اللّٰہُ بھٰذا مثلاً۔ و آنکہ جواب میفرماید کہ ایں خواستم۔ يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا وَّيَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا کہ ہر فتنہ ہمچو میزان ست کہ بسیار از وسرخرو شوند و بسیاراں بے مراد ..... و لو تاملت فیہ قلیلا۔ لوجدت من نتائجہ الشریفۃ کثیرا انتہی۔

تنبیہ ۱۲: مولانا قصہ نوح واقعہ دفتر پنجم میں فرماتے ہیں ؎

آں دعا از ہفت گردوں در گذشت ❊ کار آں مسکیں بآخر خوب گشت

کاں دعائے شیخ نے چوں ہر دعاست ❊ فانی ست او گفت او گفت خداست

اور اس قسم کے مضامین مثنوی میں اور مقامات پر بھی ہیں۔ ایسے مضامین سے جہلاء اور غلاۃ کو بہت بڑا دھوکا ہوتا ہے اور وہ ایسے مضامین سے مختلف قسم کی

گمراہیوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں مثلاً بعض تو اہل اللہ کو خدا سمجھ جاتے ہیں اور اس بنا پر اُن کے لیے خواص الوہیت مثلاً علم غیب محیط۔ عموم قدرت وتصرف کیف ماشاؤا وغیرہ وغیرہ ثابت کرتے ہیں۔

اور بعض انکو معصوم اور قید شرع سے آزاد سمجھ جاتے ہیں وغیرہ وغیرہ اسلئے ضرورت ہے کہ ایسے مضامین کی حقیقت واضح کردی جائے تاکہ لوگ گمراہی سے محفوظ رہیں ـــــ سو واضح ہو کہ اتحاد اہل اللہ مع الحق کے معنی یہ نہیں ہیں کہ وہ حقیقتاً خدا ہو جاتے ہیں یا خدا ان میں حلول کر جاتا ہے نعوذ باللہ منہ،

بلکہ مولانا کی مراد صرف توافق فی اکثر الامور ہوتا ہے جیسے روزمرہ کی بول چال میں اتحاد کہتے ہیں مثلاً دو شخصوں میں دوستی بہت بڑھ جاتی ہے تو ایک دوسرے سے کہتا ہے کہ ہم تم تو ایک ہی ہیں دو تھوڑا ہی ہیں۔ علیٰ ہٰذا۔ دوسرے لوگ کہتے ہیں کہ فلاں اور فلاں دو تھوڑا ہی ہیں وہ تو دونوں ایک ہی ہیں۔ حالانکہ وہاں یقیناً ایسا اتحاد نہیں ہوتا جیسا کہ گمراہ لوگ اہل اللہ اور خدا کے درمیان سمجھتے ہیں۔

اور یہ حقیقت اتحاد مولانا کے مجموعی کلام سے اس قدر واضح ہے کہ منصف کو اس میں اصلاً شبہ کی گنجائش نہیں، چنانچہ وہ خود اہل اللہ سے لغزشوں کا صدور اور ان پر حق سبحانہٗ کی تنبیہ نقل فرماتے ہیں مثلاً وہ فرماتے ہیں ؎

یک قدم زد آدم اندر ذوق نفس ۞ شد فراق صدر جنت طوق نفس

اور حضرت موسٰے علیہ السلام پر حق سبحانہٗ کی تنبیہ ان الفاظ سے نقل فرماتے ہیں ؎

وحی آمد سوئے از خدا۔ ۞ بندہ ما را چرا کردی جدا۔

تو برائے وصل کردن آمدی ۞ نے برائے فصل کردن آمدی

اور دفتر چہارم قصہ بنائے مسجد اقصیٰ میں فرماتے ہیں ؎

چوں درآمد عزم داؤدے بتنگ ۞ کہ بسازد مسجد اقصیٰ بسنگ

وحی کردش حق کہ ترک ایں بخواں ۞ کہ ز دستت برنیاید ایں مکان

نیست در تقدیر ما آنکہ تو ایں ۞ مسجد اقصیٰ برآرے اے گزیں

گفت جرمم چیست اے املئے راز ؛ کہ مرا گوئی کہ مسجد را مساز
گفت ... جرمی تو خونہا کردہ ؛ خون مظلوماں بگردن مردہ۔
کز آواز تو خلقے بے شمار ؛ جان بداو بندہ شدند آنرا شکار
خون بسے رفت ست بر آواز تو ؛ بر صدرے خوب جاں پرداز تو
گفت مغلوب تو بودم مست تو ؛ دست من بر بستہ بود از دست تو
نے کہ ہر مغلوب شہ مرحوم بود ؛ نے کہ المغلوب کالمعدوم بود
گفت اے مغلوب معدومیت کو ؛ جز بہ نسبت نیست معدوم القتو
ایں چنیں معدوم کو از خویش رفت ؛ بقرین ہستیہا افتاد و رفت
او بہ نسبت با صفات حق فناست ؛ درحقیقت در فنا او را بقاست الخ

الیٰ غیر ذلک من التصریحات۔

یہ واقعات اور اس قسم کے اور واقعات جو اہل اللہ کے خود مثنوی میں منقول ہیں صاف صاف ظاہر کرتے ہیں کہ کوئی شخص خواہ وہ کسی رتبہ کا ہو نہ خدا ہو سکتا ہے اور نہ اس کے لیے خواص الوہیت ۔ مثل علم محیط کاملہ و قدرت و تصرف و اختیار کامل و شامل ثابت ہو سکتے ہیں اور نہ خدا پر ان کا قبضہ ہو سکتا ہے کہ وہ جو چاہیں اس سے کام لیں۔ اور نہ اس کے تمام کام خدا کی مرضی کے موافق ہوتے ہیں بلکہ بعض امور میں ان سے لغزش ہو جاتی ہے جس پر حق سبحانہٗ کی طرف سے ان کو مناسب تنبیہ ہوتی ہے پس وہ محکوم ہوتے ہیں اور خدا ان پر حاکم۔ اور وہ بندہ ہوتے ہیں۔ اور خدا ان کا خدا۔ اور وہ شرائط تکلیف کے پائے جانے کی حالت میں کسی وقت میں بھی حد تکلیف سے خارج نہیں ہوتے بلکہ وہ عوام سے زیادہ مکلف ہوتے ہیں۔ کیونکہ ان سے ایسی باتوں پر بھی مؤاخذہ ہوتا ہے جن پر عوام سے مؤاخذہ نہیں ہوتا جیساکہ واقعات منقولہ سے ظاہر ہے۔

تنبیہ ۱۳: مولانا حق سبحانہٗ کے لیے لفظ عشق کا استعمال کرتے ہیں مگر عوام کو ان کی تقلید نہ چاہیئے اور حق سبحانہٗ کے لئے اس لفظ کا استعمال نہ کرنا چاہیئے کیونکہ اگر وہ اس لفظ کو بالمعنی المعروف حق سبحانہٗ کے لیے استعمال کریں جیساکہ ان کی حالت سے

ظاہر ہے۔ تو اس لفظ کا استعمال حق سبحانہٗ کے لئے کُفر ہے اسلئے کہ عشق بمعنی معروف قسم ہے جنون کی اور مستلزم ہے اضطرار اور اضطراب کو۔ تعلی اللہ عن ذالک عُلُوًّا کَبِیرًا ہ اور اگر بمعنی مطلق محبت استعمال کریں جیساکہ مولانا کرتے ہیں تب بھی ان کو ایسا نہ چاہیئے کیونکہ یہ لفظ موہم سوءِ ادب اور ناواقفوں کو مغالطہ میں ڈالنے والا ہے اور ایسے معاملات میں عوام کو خواص کی تقلید جائز نہیں۔

چنانچہ مولانا نے دفتر پنجم میں غلامان عمیر خراسانی کے قصہ میں ایک بزرگ کا واقعہ بیان فرمایا ہے اور کہا ہے ؎

آں یکے گستاخ او اندرہرے ؎ چوں بدیدی او غلام مہترے
جامۂ اطلس کمر زریں رواں ؎ روئے کردی سوئے قبلہ آسماں
کاے خدا زیں خواجہ صاحب منن ؎ چوں بنا موزی تو بندہ داشتن
بندہ پروردن بیاموز اے خدا ؎ زیں رئیس و اختیار شہر ما
بود محتاج و برہنہ بے نوا ؎ در زمستاں لرز لرزاں از ہوا
انبساطے کرد آں از خود بری ؎ جرأتے بنمود او از ملتمری
اعتمادش بر ہزاراں موہبت ؎ کہ ندیم حق شد اہلِ معرفت
گر ندیم شاہ گستاخی کند ؎ تو مکن چوں تو نداری آں سند

اس سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ آج کل جاہل صوفی جو بے تکلف ان شطحیات کو زباں پر لاتے ہیں جو اہل اللہ سے غلبۂ سکر میں یا اور کسی وجہ سے صادر ہوگئی ہیں ان کو ایسا کرنا ہرگز جائز نہیں۔ اور ان پر صرف علمار ظاہر ہی انکار نہیں کرتے بلکہ خود صوفیا رکرام بھی انکار کرتے ہیں۔ اور ان کو ایسا کرنے کی ممانعت کرتے ہیں۔

تنبیہ ۱۴: مولانا کی عادت ہے کہ کسی ایک مضمون کو مختلف عنوانوں سے بیان فرماتے ہیں اور کبھی ایک عنوان سے مختلف معنون کو تعبیر فرماتے ہیں۔ بعض جگہ اس دقیقہ پر اطلاع نہ ہونے کے سبب حل مطلب میں دقت پیش آتی ہے مثلاً کبھی وہ عقل کل سے مراد شیخ لیتے ہیں اور کبھی حق سبحانہٗ اور کبھی عقلِ معاد اور کبھی عقل معاش کاہل

کامل - اور لوگوں کو اختلاف معنوں پر اطلاع نہیں ہوتی - اسلئے وہ دھوکے میں پڑ جاتے ہیں :-

تنبیہ ۱۵: مولانا کے بعض اطلاقات کسی اور اہلِ تصوف کے خلاف ہوتے ہیں مگر ناظرین ان کو مصطلح اہلِ تصوف پر محمول کر کے دھوکا کھاتے ہیں مثلاً وہ عقلِ کل یا عقل کلی سے معانی مذکورہ بالا مراد لیتے ہیں اور محشین ان کی شرح میں فتوحاتِ مکیّہ کی ورق گردانی کرتے ہیں اور دھوکا کھاتے ہیں - علیٰ ہٰذا وہ عین الیقین کو حق الیقین کے معنی میں استعمال کرتے ہیں اور ناظرین کو اسکے معنی معروف کا دھوکا ہوتا ہے -

تنبیہ ۱۶: مولانا کبھی جسم بولتے ہیں اور اس سے مراد ان کی معنیٰ معروف ہوتے ہیں اور کبھی وہ جسم بولتے ہیں اور مراد ان کی نفس ہوتا ہے چنانچہ جب وہ جسم کا روح ہونا یا روح کا جسم ہونا بیان کرتے ہیں تو ان کی مراد غلبہ صفات روح بر نفس یا غلبۂ صفات نفس بر روح ہوتا ہے -

تنبیہ ۱۷: جب مولانا کبھی مضمون کی تائید کسی حکایت وغیرہ سے کرتے ہیں تو اس سے کبھی اور نتائج بھی نکالتے ہیں اس لیے ایسی حکایات وغیرہ کو ایک اعتبار سے ماقبل سے تعلق ہوتا ہے اور دوسری جہت سے مابعد سے اور وہ حکایات وغیرہ من وجہ اصل ہوتی ہیں - اور من وجہ تابع -

تنبیہ ۱۸: کبھی مولانا بعض معاملات مثل معاملہ اہل اللہ با حق سبحانہٗ و معاملہ اہلِ دنیا یا اہل اللہ کو صراحتاً بیان فرماتے ہیں - اور کبھی کسی قصہ وغیرہ کے پردہ میں - جب کسی پردہ میں بیان کرتے ہیں تو کبھی وہ قصہ وغیرہ کو بیان کر کے اپنے مدعا کی تصریح کر دیتے ہیں - اور کبھی خود قصہ وغیرہ ہی میں ایسے الفاظ داخل کر دیتے ہیں جو مقصود کو ظاہر کرتے ہیں - یعنی وہ اس مضمون میں بعض الفاظ تو ایسے استعمال کرتے ہیں جو صورت قصہ کے مناسب ہیں - اور بعض الفاظ ایسے لاتے ہیں جو مقصود قصہ کے موافق ہیں -

دیکھو! قصہ گرفتار شدن باز میان چغداں واقعہ دفتر دوم و قصہ باز و پیرزن

واقعۂ دفتر چہارم وقصۂ ایاز واقعہ دفتر پنجم وغیرہ ۔ جو لوگ اس دقیقہ سے آگاہ نہیں ہوتے ۔ ان کو حلِ ابیات میں وقت پیش آتی ہے اور وہ مختلف قسم اوہام میں گرفتار ہو جاتے ہیں ۔

تنبیہ ۱۹: مولانا اپنی مثنوی میں روایات و واقعات ضعیفہ یا غیر ثابتہ کا بھی ذکر کرتے ہیں ۔ مگر ان کا ذکر کبھی مدعا کے اثبات کے لیے نہیں ہوتا ۔ اسلئے کہ اصل مدعا دوسرے دلائل سے ثابت ہوتا ہے ۔ بلکہ ان سے اس کو بنا بر احتمال امکان وقوع محض تائید مقصود ہوتی ہے اور چونکہ ان کا اصل مقصود ان واقعات و روایات کی صحت پر موقوف نہیں ہوتا اسلئے وہ ان میں تنقید و تحقیق محدثانہ سے کام نہیں لیتے ۔ بلکہ بنا بر احتمال مذکور ان کو ذکر فرما دیتے ہیں ۔

چنانچہ انہوں نے دفتر دوم میں حضرت یحییٰ علیہ السلام کے شکم مادر میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعظیم کرتے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے شکم مادر میں حضرت یحییٰ علیہ السلام کی تعظیم کرنے کے واقعہ پر طاعنین کا اعتراض نقل فرما کر اس کا جو جواب دیا ہے اسکے اس سے یہ مضمون صاف طور پر ظاہر ہے ۔

حاصل شبہ یہ ہے کہ یہ قصہ غلط ہے تم کو اسی مثنوی میں درج نہ کرنا چاہیئے اور حاصل جواب یہ کہ یہ واقعہ فی نفسہٖ ممکن ہے اسلئے قطعی طور پر اسکے غلط ہونے کا دعوٰے صحیح نہیں اور اگر غلط بھی ہو تو ہم کو صورت واقعہ مقصود نہیں بلکہ مقصود مقصود ہے اور وہ صحیح ہے عبارت اشکال یہ ہے ؎

ابلہاں گویند ایں افسانہ را ٭ خط بکش زیرا دروغ ست و خطا
زانکہ مریم وقت وضع حمل خویش ٭ بود از بیگانہ دور و ہم ز خویش
مریم اندر حمل جفت کس نہ شد ٭ از بروں شہر او واپس نہ شد
مادر یحییٰ کجا دیدش کہ تا ٭ گوید او را در سخن ایں ماجرا

اور عبارت جواب یہ ہے ؎

ایں بداند کانکہ اہل خاطر ست ٭ غائب آفاق او را حاضر ست

پیش مریم خاطر آید در نظر ✤ مادر یحییٰ کہ دو رست از بصر
دیدہا بستہ بہ بند دوست را ✤ چوں شبک کردہ باشد پوست را
در نیدیش نیز بروں و نیز بروں ✤ از حکایت گیر معنی اے زبوں
الیٰ آخرہ ما قال رضی اللہ عنہ۔

تنبیہ ۲۰: مولانا جب کسی مضمون کو بیان فرماتے ہیں تو اسکو دلائل سے ثابت کرتے ہیں۔ ان میں بعض استدلالات برہانی اور مفید یقین ہوتے ہیں اور بعض خطابی مفید ظن اور بعض شعری جو محض تقویت تاثیر وعظ کے لئے استعمال کئے جاتے ہیں۔ بس مولانا کے ہر استدلال میں دقت فلسفیہ کو دخل نہ دینا چاہیئے

تنبیہ ۲۱: مولانا کے کلام میں کہیں عموم و استغراق حقیقی مراد ہوتا ہے اور کہیں عرفی اور کہیں عموم و استغراق سے محض کثرت مراد ہوتی ہے پس ہر جگہ مولانا کی تعمیم ظاہری کو استغراق حقیقی پر محمول کرکے دھوکا نہ کھانا چاہیئے اور ان کی بعض تعمیمات ظاہری اہل اللہ کے احاطہ علم اور عموم قدرت اور عصمت غیر معصومین وغیرہ کا شبہ نہ ہونا چاہیئے

تنبیہ ۲۲: مثنوی میں مولانا نے علوم معاملہ و ما یتعلق بہا بیان فرماتے ہیں اور جس مسئلہ کو علوم معاملہ سے کچھ بھی تعلق نہ تھا انہوں نے اسکو بیان نہیں فرمایا۔ اسی بنا پر مولانا نے مسئلہ وحدۃ الوجود بالمعنی المعروف عند الصوفیاً سے نفیا یا اثباتا تعرض نہیں فرمایا۔ اور جن اشعار کو وحدۃ الوجود پر محمول کیا جاتا ہے احقر کے نزدیک ان کا محمل دوسرا ہے مثلاً مولانا دفتر اوّل میں کہتے ہیں ؎

جملہ معشوق است عاشق پردۂ ✤ زندہ معشوق است و عاشق مردۂ

احقر کی رائے میں یہ مسئلہ فنا و بقا کا بیان ہے نہ کہ وحدۃ الوجود بالمعنی المعروف کا اور مولانا نے جو ارشاد فرمایا ہے چونکہ بیرنگے اسیر رنگ شد۔ موسیٰ با موسیٰ در جنگ شد

چوں بہ بیرنگے رسی کاں داشتی ✤ موسیٰ و فرعون دارند آشتی

ان کا مطلب احقر کے نزدیک یہ ہے کہ جب روح پر فی الجملہ صفات نفسانیہ کا

غلبہ ہوتا ہے تو اس وقت اہل حق میں بھی ایک حد تک تنازع و تخالف پیدا ہو جاتا ہے اور جب کسی پر بعد فنائے صفات نفسانیہ صفات روحانیہ کا غلبہ ہوتا ہے اور اس کی حالت حالت اصلیہ کی طرف عود کر آتی ہے تو پھر اہل حق اور اہل باطل سے بھی اتفاق و اتحاد ہو جاتا ہے اور یہ وہ مضمون ہے جس کو مولانا نے دفتر چہارم میں یوں بیان فرمایا ہے

؎ جان حیوانی ندارد اتحاد ✤ تو مجو ایں اتحاد از روح باد
چوں نماند جانہارا قاعدہ ✤ مومناں باشند نفس واحدہ

پس اس وقت ان اشعار کو وحدۃ الوجود بالمعنی المتعارف سے کوئی تعلق نہ ہوگا واللہ اعلم بالصواب :

تنبیہ ۲۳: مولانا کبھی ایسا بھی کرتے ہیں کہ وہ ایک واقعہ ماضیہ بیان کرتے ہیں لیکن بنا پر استحضار اس کو فی الحال واقع مان کر گفتگو کرتے ہیں چنانچہ دفتر پنجم میں ایک زاہد اور ایک شراب خور امیر کا قصہ بیان فرماتے ہیں جو کہ زمانہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام میں واقع ہوا تھا۔

مگر بنا بر استحضار مولانا امیر سے زاہد کی سفارش کرتے ہیں اور فرماتے ہیں

؎ عفو کن اے میر بر سختی او ✤ درنگر در درد و بدبختی او۔ الخ

محشیں نے تو اسکو رجوع بقصہ قرار دیا ہے مگر ہم کو بقرینہ سیاق و سباق و طرز بیان خود مولانا کی سفارش کہنا ذوقاً صحیح معلوم ہوتا ہے چنانچہ ایک قرینہ اس پر یہ ہے کہ مولانا نے اول عشاق کی سفارش کے لئے خطاب عام فرمایا ہے اور کہا ہے ؎

یا کرامی ارجموا اہل الہوا ✤ شانہم ورد التوے بعد التوی

اسکے بعد فرمایا ہے ؎ ع

عفو کن اے میر بر سختی او۔ الخ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا نے خطاب عام کے بعد خطاب خاص فرمایا ہے اور سفارش عام کے بعد سفارش خاص فرمائی ہے۔ دوسرا قرینہ یہ ہے اس سفارش میں اور لوگوں کی سفارش میں بہت فرق ہے چنانچہ لوگوں کی سفارش میں خوشامد کا رنگ ہے اور سفارش میں شان ارشاد

غالب ہے۔ تیسرا قرینہ یہ ہے کہ مولانا اس سفارش کے بعد فرمایا ہے ؎
بازبشنو قصۂ میر آں دگر۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں تک
گفت گو خود مولانا کی تھی اور یہاں سے مولانا قصہ کی طرف انتقال فرماتے ہیں۔
واللہ اعلم۔

علیٰ ہذا مولانا دفتر مذکور میں ایاز کو خطاب فرماتے ہیں اور کہتے ہیں
من بگو احوال خود را اے ایاز ∴ گرچہ تصویر حکایت شد دراز الخ
اس شعر میں مصرع ثانی و اشعار آئندہ باواز بلند کہہ رہے ہیں کہ یہ خود مولانا کا
خطاب ہے نہ کہ محمود کا۔

تنبیہ ۲۴: مولانا اپنے کلام میں مجازات لغویہ کا بکثرت استعمال کرتے ہیں چنانچہ
وہ اکثر نفس کو مردہ کہتے ہیں مگر مراد ان کی اس سے بغایت ضعیف
اور مضمحل ہوتی ہے نہ کہ حقیقتاً مُردہ۔ ناواقف مردہ سے معنی حقیقی مراد لیکر دھوکا
کھاتے ہیں اور اولیاء اللہ کو معصوم سمجھ بیٹھتے ہیں یہ ان کی بہت بڑی غلطی ہے
واضح ہو کہ نفس حقیقتاً تو انبیاء کا بھی مردہ نہیں ہوتا اولیاء اللہ کا تو کیا مردہ ہوتا
چنانچہ مولانا فرماتے ہیں ؎

یک قدم زد آدم اندر ذوق نفس ∴ شد فراق صدر جنت طوق نفس

لیکن چونکہ انبیاء کے اندر دو خصوصیتیں ایسی ہوتی ہیں جو اولیاء کے اندر نہیں ہوتیں اسلئے
انبیاء حقیقی گناہ سے معصوم ہوتے ہیں اور اولیاء معصوم نہیں ہوتے۔ خصوصیت اوّل
یہ ہے کہ انبیاء کو اپنے نفس پر خلقی طور پر اولیاء سے زیادہ قابو ہوتا ہے اسلئے جب
ان کو نفس کے کسی تقاضا کے متعلق یہ علم ہوتا ہے کہ یہ تقاضائے نفس ہے تو پھر وہ اسکی
مطاوعت نہیں کرتے۔ برخلاف اولیاء اللہ کے کہ انکو اپنے نفس پر اتنا قابو نہیں ہوتا
جتنا کہ انبیاء کو ہوتا ہے اسلئے کبھی کبھی وہ تقاضائے نفس کو تقاضائے نفس جان کر بھی
اسکے حقیقی پر عمل کر بیٹھتے ہیں۔ مگر یہ امر شاذ و نادر ہوتا ہے جس کو کالمعدوم سمجھنا چاہیئے
دوسری خصوصیت انبیاء میں یہ ہوتی ہے کہ حق سبحانہٗ کی طرف سے ان کی حفاظت کا

وعدہ ہوتا ہے۔ برخلاف اولیاء کے۔ کہ گو حق سبحانہٗ ان کی بھی حفاظت فرماتے ہیں مگر اس کا ان سے وعدہ نہیں ہوتا۔ اسلئے کبھی کبھی وہ اپنی حفاظت کو کسی مصلحت سے ان سے بھی اٹھا لیتے ہیں اور یہ بھی اتفاقی اور شاذ نادر ہوتا ہے۔ ان وجوہ سے انبیاء کی نسبت یہ اعتقاد رکھنا لازم ہے کہ وہ حقیقی گناہ سے معصوم ہیں۔ اور اولیاء کی نسبت یہ رکھنا ضروری ہے کہ وہ حقیقی گناہ سے معصوم نہیں ہیں۔ مگر غالب احوال میں بتائید حق سبحانہٗ اس سے محفوظ ہوتے ہیں اور اس بناء پر ضروری ہے کہ جس بزرگ کی مقبولیت عنداللہ قرائن صحیحہ معتبر عندالشرع سے معلوم ہو جائے اس کے کسی نا شروع فعل کو حتی الامکان معصیت حقیقیہ پر محمول نہ کیا جائے بلکہ بنا بر حسن ظن انکو معذور سمجھا جائے اور ان کے فعل کی کوئی تاویل مناسب کر لی جائے لیکن ایسے افعال میں دوسروں کے لیے ان کی تقلید جائز نہ ہوگی۔

تنبیہ ۲۵: مولانا مثنوی میں آیات قرآنیہ واحادیث نبویہ سے جو استدلال فرماتے ہیں اُن میں بعض تو ایسے ہیں جن پر تحریف کا شبہ نہیں ہو سکتا۔ اور بعض استدلات ایسے ہیں جن پر تحریف معنوی کا شبہ ہوتا ہے اسلئے ضرورت ہے کہ ایسے استدلالات کی حقیقت ظاہر کر دے۔

سو واضح ہو کہ استدلالات مذکورہ میں بعض استدلالات تو ایسے ہوتے ہیں جن کا مبنی مجتہدانہ استنباط ہو سکتا ہے جیسا کہ انہوں نے مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ الخ سے بضم مقدمات خارجیہ یقینیہ۔ یہ نتیجہ نکالا ہے کہ اصل جانبازی وصدق ووفا وشہادت نفس مقتول ہونا نہیں ہے بلکہ اطاعت حق سبحانہٗ ومخالفت نفس ہے۔ پس ایسے استدلالات پر تو تحریف کا شبہ سراسر وہم ہے۔ رہے وہ استدلالات جن کا منشا نہ استنباط مجتہدانہ ہے اور نہ نصوص ان کے مدعا پر دلالت کرتے ہیں۔ سو ایسے استدلالات کی نسبت یہ گذارش ہے کہ مولانا کا ان استدلالات سے یہ دعویٰ نہیں ہوتا کہ یہ مضمون نصوص کا مدلول اور صاحب

شرع کا مقصود ہے۔ بلکہ ان کا مقصود ان نصوص کے ساتھ استدلال سے محض اعتبار ہوتا ہے یعنی ان نصوص کو اس مدعا سے فی الجملہ مناسبت ہوتی ہے اور اس مناسبت کی بنا پر وہ ان سے استدلال کرتے ہیں اور ایسے استدلال اشبہ باستدلالات شعراء و تعبیرات معبرین ہوتے ہیں پس ان پر تحریف کا شبہ بالکل بیجا ہے۔

اب ہم مولانا کے بعض استدلالات کو ان کی توضیحات کے ساتھ درج رسالہ کرتے ہیں۔ تاکہ ناظرین پر اصل مقصود پورے طور پر منکشف ہو جائے سنیے!

مولانا نے دفتر پنجم میں بذیل سرخی نواختن سلطان محمود ایاز را الخ ارشاد فرمایا ہے

اے ایاز پر نیاز صدق کیش ۔ ؎ صدق تو از بحر و از کوزہ است بیش
نے بوقت شہوتت باشد عثار ؎ کہ رود عقل چو کوہت کاہ دار
نے بوقت خشم و کینہ صبر ہات ؎ سست گردد در قرار و در ثبات

اس کے بعد فرمایا ہے ؎

ہست مردے این بہ آں ریش و ذکر ؎ ورنہ بودے میر میران کیر خر

ان ابیات میں مولانا نے دعوے فرمایا ہے کہ مناط رجولیت مردے۔ جسم نہیں ہے بلکہ روح ہے پس جس کی روح نفس پر غالب ہوگی وہ مرد ہوگا خواہ اس کا جسم زنانہ ہو اور جس کا نفس روح پر غالب ہوگا وہ عورت ہوگا خواہ اس کا جسم مردانہ ہو۔

اس دعوے پر مولانا نے یوں استدلال فرمایا ہے ؎

حق کرا خواندست در قرآن رجال ؎ کے بود این جسم را آنجا مجال
روح حیواں را چہ قدر ست اے پسر ؎ آخر از بازار قصاباں گذر۔
صد ہزاراں سر نہادہ پر شکم ؎ ارزشاں از دنبہ و از دنب ست کم

حاصل اس استدلال کا یہ ہے کہ قرآن میں جن کو رجال کہا گیا ہے وہ وہی لوگ ہیں جن کی روح نفس پر غالب ہے، چنانچہ فرمایا ہے۔

رِفِیْہِ رِجَالٌ یُّحِبُّوْنَ اَنْ یَّتَطَهَّرُوْا۔ اور فرمایا ہے رِجَالٌ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ الآیۃ۔ اور فرمایا ہے مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا

مَا عَاهَدُوا اللّٰہ۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ ان کو رجال صفات جسمانیہ وحیوانیہ کے لحاظ سے کہا گیا یا صفات روحانیہ کے اعتبار سے۔ سو ہم کہتے ہیں کہ صفات جسمانیہ وحیوانیہ کے لحاظ سے نہیں کہا جا سکتا۔ کیونکہ یہ لفظ موقع مدح میں واقع ہے اور حیوانیت کوئی قابل مدح شے نہیں ہے پس ضرور ہے کہ یہ لفظ صفات روحانیہ کے اعتبار سے اطلاق کیا گیا ہو۔ وہو المدعیٰ ـــــ یہ حاصل تھا استدلال کا۔ اس پر تحریف کا شبہ ہو سکتا ہے کیونکہ نصوص مذکورہ میں لفظ رجال اپنے معنی لغوی میں مستعمل ہے۔ اور مولانا کا یہ مقدمہ کہ لفظ رجال مدح کے طور پر استعمال کیا گیا ہے ممنوع ہے لیکن اس کو تحریف کہنا سراسر غلطی ہے کیونکہ یہ تحریف نہیں ہے بلکہ مجتہدانہ استدلال ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ لفظ رجال آیت میں بنا بر قرائن مخصوصہ مصروف عن المعنی الحقیقی اور محمول بر معنی مجازی ہے اور اس پر یہ اعتراض ہو سکتا ہے کہ جو قرائن مولانا نے صرف عن المعنی الحقیقی کے لیے قائم کیے ہیں وہ ناکافی ہیں اسلئے ان کی بنا پر معنی حقیقی کو نہیں چھوڑا جا سکتا۔ یہ مجتہدانہ اعتراض ہے پس یہ اختلاف رائے ہو گا جو کہ مجتہدین میں ہوا کرتا ہے لہذا اس کی بنا پر مولانا کے استدلال کو تحریف نہیں کہا جا سکتا۔

(۲) نیز وہ فرماتے ہیں ؎

صدق جان دادن بود ہیں سابقوا ؛ از نبی برخواں رِجَالٌ صَدَقُوا
ایں ہمہ مردن نہ مرگ صورت ست ؛ ایں بدن مر روح را چوں آلتست
اے بسا خامیکہ ظاہر خویش ریخت ؛ لیک نفس زندہ آں جانب گریخت
آلتش بشکست و رہزن زندہ ماند ؛ نفس زندہ است ارچہ مرکب خون فشاند
اسپ کشت و رہ نرفت آں خیرہ سر ؛ ماند خام و خیرہ سر آں بے خبر
گر بہر خونریز تے گشتے شہید ؛ کافر کشتہ بدے ہم بوسعید
اے بسا نفس شہید معتمد ؛ مردہ در دنیا چو زندہ میرود
روح راہزن مرد و تن کہ تیغ او ست ؛ ہست باقی در کف آں غزو دوست

تیغ آں تیغ ست مرد آں مرد نیست ❊ لیکن ایں صورت ترا حیران کنی ست

نفس چوں مبدل شود ایں تیغ تن ❊ باشد اندر دست صنع ذو المنن

ان ابیات میں مولانا نے دعوے کیا ہے کہ صدق اور وفا حقیقت میں جان بازی ہے اور دلیل اسکی یہ بیان فرمائی ہے کہ حق سبحانہ نے قرآن میں جاں بازی کو صدق فرمایا ہے چنانچہ فرمایا ہے مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ۔ یعنی مسلمانوں میں کچھ لوگ ایسے ہیں جو صادق العہد اور وفا دار ہیں۔سو ان میں کچھ لوگ تو ایسے ہیں جو شہید ہو چکے۔اور کچھ ایسے ہیں جو منتظر شہادت ہیں پس اس سے معلوم ہوا کہ صدق و وفا جان بازی کا نام ہے اس کے بعد فرمایا ہے کہ جانبازی کے یہ معنی نہیں ہیں کہ آدمی مقتول ہو جائے کیونکہ بدن روح کا آلہ ہے جس کے ذریعے سے وہ اعمال صالحہ کر کے تقرب عنداللہ حاصل کر سکتے ہیں اور اسی لیے وہ اسکو عطا کیا جاتا ہے پس اسکو کھو دینا نہ فی نفسہ کوئی کمال ہو سکتا ہے اور نہ وہ شرعاً مطلوب ہو سکتا ہے لہٰذا اس کا ضائع کرنا موجب مدح اور مسمیٰ بہ صدق و وفا نہیں ہو سکتا اور نہ اسکو جانبازی کہا جا سکتا ہے بلکہ اصل جان بازی جو موجب مدح اور فی نفسہ کمال اور مسمیٰ بہ صدق و وفا اور شرعاً مطلوب ہے وہ ترک خودی اور اطاعت کاملہ اور نفس کشی ہے۔

اور چونکہ صحابہ مذکورین فی الآیہ میں یہ معنی جانبازی کامل طور پر متحقق تھے اور انہوں نے حق سبحانہ کی اس درجہ اطاعت کی تھی کہ اسکے اطاعت میں جان تک دیدی تھی یا جان دینے پر آمادہ تھے اسلیے آیت میں ان کی تعریف کی گئی۔اور ان کو صادق العہد اور وفا کہا گیا۔

خلاصہ اس کا یہ ہے کہ جان بازی کی ایک صورت ہے اور ایک حقیقت۔صورت تو مقتول ہونا ہے اور حقیقت ترک خودی و اطاعت حق سبحانہ۔اور صورت جانبازی نہ فی نفسہ کمال ہے اور نہ شرعاً مطلوب۔لہٰذا اسکو صدق و وفا نہ کہا جائے گا پس صدق و وفا حقیقت جانبازی ہوگی اور اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ اگر کوئی بذریعہ نفس کشی ترک خودی اور اطاعت کاملہ کرے تو اسکو صادق العہد اور جانباز اور وفادار اور شہید کہا جائے خواہ وہ

زندہ ہو یا مقتول یا مُردہ بغیر قتل - اور اگر کوئی نفس کشی نہ کرے بلکہ خودی اور مخالفت میں منہمک رہے لیکن مقتول ہو جائے جیسے کفار مقتول ہوتے ہیں یا بعض مسلمان - ریاو سمعہ کے لیے مقتول ہوتے ہیں تو ان کو جانباز یا صادق العہد یا شہید وغیرہ نہ کہا جائے یہ استدلال استنباط مجتہدانہ پر مبنی ہے اور تمام مقدمات اسکی واجب التسلیم ہیں۔

(۳) نیز فرماتے ہیں ؎

تو نمی دانی کہ دایہ دائگان ٭ کم دہد بے گریہ شیر او رائگاں

گفت ولیبکوا کثیراً گوش دار ٭ تا بریزد شیر فضل کردگار

مولانا نے اس استدلال میں ولیبکوا کثیرا کو طلب گریہ پر محمول کیا ہے جو کہ آیت میں مقصود نہیں ہے اسلئے یہ استدلال مشابہ ہوگا۔ مومن خاں کے اس استدلال کے

؎ حسن انجام کا مومن میری بابت ہے خیال ٭ یعنی کہتا ہے وہ کافر کہ تو مارا جائے

کیونکہ مومن خاں نے محبوبہ کے خیال حسن انجام پر محمول کیا۔ جو کہ اسکے کلام کا مدلول نہیں ہے۔

(۴) نیز فرماتے ہیں ؎

تو ستوری ہم کہ نفست غالبست ٭ حکم غالب را بود اے خود پرست

خر نخواندت اسپ خواندت ذوالجلال ٭ اسپ تازی را عرب گوید تعال

اس استدلال میں مولانا نے لفظ تعالوا سے آدمیوں کے گھوڑا یعنی صالح الاستعداد ہونے پر استدلال فرمایا ہے۔ اور وجہ یہ بیان فرمائی ہے کہ عرب جب گھوڑے کو بلاتے ہیں تو تعال کہتے ہیں اور گدھے کو اس لفظ سے نہیں بُلاتے۔ یہ استدلال ایسا ہے جیسا مومن خاں کا یہ استدلال ہے ؎

پرہیز سے اسکی گئی ہمارے دل آہ ٭ بیگانگیوں میں بھی عجب ربط رہا ہے

توضیح اسکی یہ ہے۔ کہ جب معشوق کی طرف سے اعراض ہوتا ہے اور جذب نہیں رہتا تو عاشق کی محبت کا بھی خاتمہ ہو جاتا ہے ـــــ جب یہ امر معلوم ہو گیا تو اب یہ سمجھو کہ لفظ پرہیز جس طرح معشوق کے اجتناب پر بولا جاتا ہے یونہی بیمار کے ناموافق غذا

وغیرہ سے بچنے پر بھی بولا جاتا ہے اور یہ قاعدہ ہے کہ جو شخص پرہیز کرتا ہے اسی کی بیماری جاتی ہے اور ایک کے پرہیز سے دوسرے کی بیماری نہیں جاتی۔ پس مومن کہتا ہے کہ معشوق کے پرہیز سے میری بیماری جاتی رہی۔

یہ دلیل ہے۔ میری اور اسکی اتحاد کی۔ کیونکہ اگر مجھ میں اور اس میں اتحاد نہ ہوتا تو اسکی پرہیز سے میری بیماری کاہے کو جاتی پس ثابت ہوا کہ جس زمانہ میں مجھ میں اور اس میں ناموافقت تھی اس وقت بھی ہم میں اتحاد تھا پس جس طرح اس استدلال کا مبنی اشتراک لفظ پرہیز ہے یوں ہی مولانا کے استدلال کا بھی یہی اشتراک لفظ تعالوا ہے۔ واللہ اعلم۔

تنبیہ: آخر میں ہم ناظرین شرح حبیبی کو تنبیہ کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر شرح مذکور میں ہم سے تنبیہات مذکورہ میں سے کسی تنبیہ کی صریح مخالفت ہوئی ہو تو وہ ہمیں معذور سمجھیں کیونکہ معلومات مذکورہ ہم کو ابتدا میں حاصل نہ تھے تاکہ ابتدا سے ان کا لحاظ رکھا جاتا۔ بلکہ ان کے ضبط کا خیال اس وقت پیدا ہوا جبکہ دفتر پنجم کے نصف ثانی۔ پھر نظر ثانی کا قصد ہو کر اور اس پر نظر ثانی کرنے کے زمانہ میں انکو مرتب کیا گیا۔ اسلئے ان کا تفصیلی علم اسوقت ہوا جبکہ ہم دفتر پنجم کے نصف ثانی پر نظر ثانی کر رہے تھے۔ والسلام۔

و اخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ خیر خلقہ محمد و الہ و اصحابہ و ازواجہ و ذریاتہ اجمعین

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سلسلۃ التبلیغ کا چھبیسواں وعظ مسمی بہ

شکر المثنوی

یعنی

تقریر حضرت مجدد الملۃ والدین مولانا محمد اشرف علی صاحب جو کہ آپ نے اس جلسہ میں فرمائی جو کہ بتقریب اختتام کتاب شرح مثنوی مدرسہ امداد العلوم میں بتاریخ ۴ر شعبان المعظم ۱۳۳۶ھ منعقد ہوا تھا اور جس کو احقر العباد حبیب احمد کیرانوی نے ضبط کیا۔

امابعد فاعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم مَا يَفْتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا وَمَا يُمْسِكْ فَلَا مُرْسِلَ لَهُ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۔

سبب وعظ

ایک عرصہ سے احباب کا تقاضا تھا کہ مثنوی کی شرح کی ضرورت ہے۔ اس لئے اس کے تمام دفتروں کی شرح ہونی چاہیئے اس لئے میں نے اس کا کام شروع کیا۔ اور جس طرح ہو سکا دفتر اول اور دفتر ششم کی شرح کی باقی دفتروں کی شرح کا سرانجام چونکہ بعض عوائق کی وجہ سے مجھ سے بلا استعانت نہ ہو سکتا تھا اس لئے میں نے اس کی تکمیل میں اپنے بعض احباب سے مدد لی اور بحمد اللہ اب مکمل ہو گئی چونکہ یہ انعام تھا حق سبحانہٗ کی طرف سے اور ہر نعمت شکر کو مقتضی ہوتی ہے اس لئے ضرورت تھی کہ حق سبحانہٗ کے اس انعام کا شکر یہ ادا کیا جاوے پس یہ جلسہ اس کے شکر کے لئے منعقد کیا گیا ہے (جس میں تداعی و اہتمام وغیرہ کو دخل نہیں) لیکن جو آیت اس وقت اختیار کی گئی ہے اس پر بادی النظر

میں عدم مناسبت بمقصود جلسہ کا شبہ ہو سکتا ہے کیونکہ اس میں بیان ہے حق سبحانہ کے تفرد بالغلبۃ والقدرۃ والحکمۃ کا جس کو شکر سے بظاہر کچھ مناسبت نہیں معلوم ہوتی اس لئے قبل اس کے کہ نفس آیت کے متعلق کچھ بیان کیا جاوے یہ بتلا دینا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آیت متلوہ مقصود جلسہ سے بے تعلق نہیں ہے بلکہ اس کو اس سے ایک غامض اور باریک تعلق ہے۔

شکر کا مفہوم

تفصیل اس کی یہ ہے کہ شکر کے معنی ہیں منعم کے۔ انعام کے جواب میں منعم کا دل سے یا زبان سے یا ہاتھ پاؤں سے کوئی ایسا فعل کرنا جس سے منعم کی عظمت ظاہر ہوتی ہو پس اس وقت ہمارا حق سبحانہٗ کے انعام کے جواب میں اس آیت کا تلاوت کرنا جو کہ اس کی توحید صفاتی پر دلالت ہے اور اس کی تفرد بالقھر والغلبۃ والقدرۃ والحکمۃ کا دل اور زبان سے اقرار کرنا اس کلیے کا ایک فرد اس مقسم کی ایک قسم ہوگا۔ اس سے یہ بھی ظاہر ہو گیا کہ صرف اسی آیت کا نہیں بلکہ ہر ایسی آیت جس سے حق سبحانہٗ کی توحید اور عظمت و جلالت شان ظاہر ہو اس کا تعلق شکر سے ہے۔ اس سے نہایت واضح طور پر آیت متلوہ کا تعلق مقصد جلسہ سے ظاہر ہو گیا اب نفس آیت کے متعلق کچھ بیان کیا جاتا ہے۔
اس آیت کا تعلق توحید سے ہے اپنی ذات سے بھی کیونکہ اس میں بیان ہے تفرد بالقدرۃ والغلبۃ والحکمۃ جو کہ توحید صفاتی کا فرد اور اپنے سیاق و سباق کے لحاظ سے بھی۔

توحید ذاتی، صفاتی اور افعالی

کیونکہ اس سے قبل حق سبحانہٗ نے فرمایا ہے
اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ جَاعِلِ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا اُولِیْۤ اَجْنِحَةٍ مَّثْنٰى وَ ثُلٰثَ وَ رُبٰعَ یَزِیْدُ فِی الْخَلْقِ مَا یَشَآءُ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ۔ اس میں انہوں نے اپنی ان صفات و افعال کا بیان کیا ہے جو

ان کی ذات کے ساتھ مخصوص ہیں پس اس کا تعلق توحید صفاتی و توحید افعالی دونوں سے ہوگا۔ اس کے بعد فرمایا ہے یَا اَیُّہَا النَّاسُ اذْکُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰہِ عَلَیْکُمْ ھَلْ مِنْ خَالِقٍ غَیْرُ اللّٰہِ یَرْزُقُکُمْ مِنَ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ لَا اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ فَاَنّٰی تُؤْفَکُوْنَ۔ اس میں توحید ذاتی و توحید صفاتی و توحید افعالی تینوں کا بیان ہے پس ان تینوں کا تعلق توحید سے ہے۔ یہاں توحید کے بعد حق سبحانہ نے مسئلہ رسالت کو بیان فرمایا ہے۔ اور ارشاد فرمایا ہے۔ اِنْ یُّکَذِّبُوْکَ فَقَدْ کُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِکَ وَاِلَی اللّٰہِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ (اس کے بعد معاد کا بیان فرمایا ہے۔

تین امہات مسائل

اور ارشاد فرمایا ہے یَا اَیُّہَا النَّاسُ اِنَّ وَعْدَ اللّٰہِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّکُمُ الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَا وَلَا یَغُرَّنَّکُمْ بِاللّٰہِ الْغَرُوْرُ) یہ تینوں مسئلے امہات مسائل میں سے ہیں یہی وجہ ہے کہ حق سبحانہٗ نے قرآن پاک میں ان تینوں کو نہایت شرح وبسط کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔ اور ان پر زبردست براہین قائم کی ہیں امام رازیؒ نے اس پر جا بجا تنبیہ کی ہے اور انہوں نے ثابت کیا ہے کہ تینوں مسئلے اصل ہیں اور باقی مسائل ان کی فروع اور یہ مضمون بالکل ٹھیک ہے جو شخص بامعان نظر قرآن کریم کا مطالعہ کرے گا اس کو اس کی قدر ہوگی اور وہ اس کی تصدیق کرے گا ان تینوں میں سب سے اہم مسئلہ توحید ہے اس کے بعد مسئلہ رسالت اس کے بعد مسئلہ معاد اس لئے حق سبحانہٗ نے اس مقام پر اول مسئلہ توحید کو بیان فرمایا اس کے بعد مسئلہ رسالت کو اس کے بعد مسئلہ معاد کو۔ اس گفتگو کا تعلق تو نوعیت مضمون آیت سے تھا اب اس کا مضمون شخصی بیان کیا جاتا ہے اس آیت میں جو حق تعالیٰ شانہٗ نے مَا یَفْتَحِ اللّٰہُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَۃٍ فرمایا ہے جس میں انہوں نے کلمہ ما استعمال فرمایا ہے جو ابہام کے ساتھ عموم کا فائدہ دیتا ہے پھر اس ابہام کی توضیح میں من رحمۃ فرماتی ہے۔

پس حاصل اس جملہ کا یہ ہوگا کہ حق سبحانہٗ جس رحمت کو بھی کھول دیں اس کا کوئی روکنے

والا نہیں۔

اللہ تعالیٰ کا کمال غلبہ وقدرت

اس سے حق سبحانہٗ کا کمال قدرت وغلبہ ظاہر ہوا اور معلوم ہو گیا کہ اس سے بڑھکر کوئی قوت اور قدرت والا نہیں جو اس کا مزاحم ہو سکے اور گو واقعی طور پر اس پر کوئی شبہ نہیں ہو سکتا مگر سطح نظر میں اور محض احتمال عقلی کے طور پر شبہ ہو سکتا تھا اس سے صرف اتنا معلوم ہوا کہ فتح حق سبحانہٗ کے بعد کوئی روکنے والا نہیں لیکن اس سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ اس کے روکنے کے بعد کوئی کھول بھی نہیں سکتا اس لئے حق سبحانہٗ نے اس احتمال کو بھی دفع کر دیا اور فرمایا وَمَا يُمْسِكْ فَلَا مُرْسِلَ لَهٗ یعنی جس کو وہ روک لیں اس کو کوئی چھوڑنے والا بھی نہیں۔ اب یہی ایک احتمال عقلی باقی تھا وہ یہ کہ اس سے تو معلوم ہوا کہ اس کے فتح اور امساک کے بعد اس کی کوئی مزاحمت نہیں کر سکتا لیکن یہ نہیں معلوم ہوتا کہ خود فتح و امساک کی حالت میں بھی اس کا کوئی مزاحم ہو سکتا ہے یا نہیں اس احتمال کے اٹھانے کے لئے فرمایا وھو العزیز یعنی عزت وغلبہ عین منحصر ہیں اس کی ذات میں۔ اور وہی ہر حیثیت سے سب پر غالب ہے اس پر کسی طرح بھی کوئی غالب نہیں اب تمام احتمالوں کا خاتمہ ہو گیا اور اس کا تفرد بالغلبۃ باکمل وجہ ظاہر ہو گیا۔ یہ تو ہو گیا مگر اس پر ایک شبہ اور ہو سکتا تھا وہ یہ کہ جب اس کو ایسی قدرت اور قوت حاصل ہے اور اس کی کوئی مزاحمت نہیں کر سکتا تو شاید اس کی بھی وہی حالت ہو جو با اقتدار انسانوں کی ہوتی ہے کہ بلا لحاظ مصلحت ومنفعت جو جی میں آیا کر بیٹھے اس کے دفع کے لئے الحکیم بڑھا دیا اور ظاہر کر دیا کہ ہمارے افعال لا ابالی حکام وسلاطین کے سے نہیں بلکہ ہم جو کچھ کرتے ہیں اس میں ہم کو مصلحت وحکمت ملحوظ ہوتی ہے سبحان الذی تکلم بھذا الکلام البلیغ الدقیق الاسرار۔

آیت مبارکہ کے دقیق نکات

اس بیان سے معلوم ہوگیا کہ جملہ مَا يُمْسِكْ فَلَا مُرْسِلَ لَهٗ اور وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ یہ دونوں جملہ تاکید ہیں مضمون مَا يَفْتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهٗ کی کہ جس سے مقصود تمام اوہام و شکوک کو زائل کر کے اپنی کمال قدرت و حکمت کا ظاہر کرنا ہے جو اصل مقصود ہے اس آیت کا تو یہ بیان تھا حق سبحانہ کے عموم وکمال قدرت کا جو کہ اس آیت سے مقصود ہے اب سنئے کہ رحمت کے لغوی معنے رقت قلب اور نرم دلی ہیں حق سبحانہ چونکہ دل اور نرمی سے جو کہ ایک خاص قسم کا تاثر اور انفعال ہے پاک اور منزہ ہیں اس لئے یہ لفظ اس مقام کیا جہاں کہیں وہ حق سبحانہٗ کے لئے استعمال کیا جاوے جیسے رحمٰن رحیم وغیرہ اپنے معنی لغوی میں مستعمل نہیں ہوسکتا بلکہ مجازًا بعلاقہ سببیت اثر رقت قلب یعنی فضل و انعام احسان مراد ہوگا۔ اس مقام پر یہ نکتہ بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ حق سبحانہٗ نے مَا يَفْتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَةٍ فرمایا اور من خیر نہیں فرمایا حالانکہ مطلب من خیر کا بھی وہی ہے جو من رحمة کا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ رحمت میں اشارہ ہے اس طرف کہ حق سبحانہٗ کے تمام انعامات بلا استحقاق منعم علیہم ہیں اور یہ اشارہ لفظ خیر میں نہ تھا اس لئے اس کے بجائے اس کو اختیار کیا چونکہ اس مضمون کو سن کر کہ حق سبحانہٗ کے تمام احسانات بلا استحقاق منعم علیہم ہیں کسی کو خلجان ہوتا اس لئے میں اس کو بھی زائل کئے دیتا ہوں یہ شبہ اس وجہ سے پیدا ہوتا ہے کہ حق سبحانہٗ کے انعامات کو بندوں کے انعامات کے مماثل سمجھا گیا ہے اور اپنی طاعت کو طاعت عباد کی مانند خیال کیا گیا لیکن خود یہ قیاس ہی غلط ہے کیونکہ آدمی جب بندہ کی خدمت کرتا ہے تو وہ اپنے قویٰ اور اعضاء وغیرہ کو ایک ایسے شخص کے کام میں لگاتا ہے جو اس کے مملوک و مصنوع ہیں اور اس لئے اس کو ان سے انتفاع کا کوئی حق بھی نہیں ہے اس بنا پر خادم مخدوم سے معاوضہ

کا مستحق ہوتا ہے بخلاف اس کے کہ جب وہ سبحانہٗ کی خدمت اور اطاعت کرتا ہے تو وہ خود حق سبحانہٗ کی مملوک چیزوں کو اس کے کام میں لگاتا ہے اور وہ خود بھی حق سبحانہٗ کا مملوک ہے ایسی صورت میں وہ اپنی خدمت کے کسی معاوضہ کا مستحق نہیں ہو سکتا کیونکہ مملوک من حیث ہو مملوک کا مالک پر کوئی حق نہیں یہ مضمون آپ کی سمجھ میں یوں آسانی سے آجائے گا کہ جب کوئی شخص کسی کی ملازمت کر لیتا ہے تو اب وہ من حیث الخدمت اس کا مملوک ہو جاتا ہے خواہ عارضی ہی طور پر سہی پس جب وہ کوئی اپنا فرض منصبی انجام دیتا ہے تو اس کے معاوضہ میں وہ کسی معاوضہ کا مستحق نہیں سمجھا جاتا ایسی حالت میں اگر آقا اس کی خدمت کا کوئی صلہ دے تو وہ اس کا انعام اور احسان سمجھا جاتا ہے اور اپنی خدمت کو اپنا فرض منصبی خیال کیا جاتا ہے پس جب کہ اس کمزور اور برائے نام ملک کا یہ اثر ہے تو آپ خیال کر سکتے ہیں کہ ملک حقیقی پر اپنی خدمت کے کسی معاوضہ کا کیا حق رکھ سکتا ہے اب ہم کو یہ ثابت کرنا رہ گیا کہ بندہ حق سبحانہٗ کا مملوک محض ہے اس کی تفصیل یہ ہے کہ یہ تو ظاہر ہے کہ کسی شخص کی کوئی چیز کسی کی ذاتی نہیں بلکہ عطائی ہے کیونکہ وہ ابتدا میں معدوم محض اور اپنے تمام کمالات حتیٰ کہ اپنی ہستی سے بھی عاری تھا ایسی حالت میں اس کی کوئی چیز خود اس کی ذاتی کیسے ہو سکتی ہے پس لامحالہ اس کی تمام چیزیں کسی دوسرے کی مملوک ہیں اور خدا کے سوا اگر کوئی اس کے مالک ہونے کا مستحق ہو سکتا ہے تو اس کے ماں باپ ہو سکتے ہیں کیونکہ ان سے زیادہ اس کے ہستی میں کسی کو دخل نہیں ہے حتیٰ کہ اسی دخل کی بنا پر بعض لوگوں کو شبہ ہو گیا اور وہ اپنا خالق اپنے ماں باپ کو سمجھ بیٹھے ہیں ۔

اللہ تعالیٰ کی ہستی کی دلیل

چنانچہ جس زمانہ میں میرے ماموں منشی شوکت علی صاحب مدرسہ سرکاری میں مدرس تھے اس زمانے میں ایک انسپکٹر مدارس مدرسہ میں امتحان کے لئے آئے اثنائے امتحان میں انہوں نے لڑکوں سے اپنے منصب کے خلاف سوال کیا کہ بتلاؤ خدا کی ہستی کی کیا دلیل ہے لڑکے بیچارے کیا جواب دیتے

وہ تو خاموش رہے ماموں صاحب نے فرمایا کہ جناب مجھ سے پوچھئے میں جواب دوں گا۔ انسپکٹر صاحب اپنی افسری کے گھمنڈ میں تھے انہوں نے ناخوشی کے لہجہ میں فرمایا کہ اچھا آپ ہی جواب دیجئے ماموں صاحب نے فرمایا کہ خدا کی ہستی کی دلیل یہ ہے کہ پہلے تم معدوم تھے اور اب موجود ہوا اور ہر حادث کے لئے کوئی علت ہونی چاہئے وہ علت خدا ہے۔ اس نے جواب دیا کہ ہم کو تو ہمارے ماں باپ نے پیدا کیا ہے نہ کہ خدا نے ماموں صاحب نے فرمایا کہ آپ کے ماں باپ کو کس نے پیدا کیا اس نے کہا کہ ان کے ماں باپ نے ماموں صاحب نے فرمایا کہ دو حال سے خالی نہیں یا توالی غیر النہایہ یوں ہی سلسلہ چلا جاویگا یا کہیں جاکر ختم ہوگا پہلی صورت میں تسلسل لازم آتا ہے جو کہ محال ہے دوسری صورت میں خدا کا وجود ماننا پڑے گا اس کا اس سے کچھ جواب نہ آیا اور اس نے کہا کہ آپ تو منطق کی باتیں کرتے ہیں لوگوں کا مذاق بگڑ گیا ہے کہ دقیق اور گہرے مضامین کو ناقابل التفات سمجھتے ہیں اور سطحی اور پیش پا افتادہ باتوں کو دلائل خیال کرتے ہیں۔ غرض کہنے لگا کہ ہم ان منطقی باتوں کو نہیں جانتے وہ یہ کہ اچھا اگر خدا ہے تو آپ اپنے خدا سے کہئے کہ ہماری آنکھ درست کر دے یہ انسپکٹر کانا تھا ماموں صاحب نہایت ظریف تھے انہوں نے کہا بہت بہتر ہے ابھی کہتا ہوں یہ کہکر انہوں نے آنکھیں بند کر کے آسمان کی طرف منہ کیا اور تھوڑی دیر کے بعد انہوں نے انسپکٹر صاحب سے کہا کہ میں نے عرض کیا تھا مگر وہاں سے یہ جواب ملا ہے کہ ہم نے اس کو دو آنکھیں عطا کی تھیں اس نے ہماری نعمت کی ناشکری کی اور کہا کہ ہمارے ماں باپ نے ہمیں پیدا کیا ہے ہمیں اس پر غصہ آیا ہم نے اس کی ایک آنکھ پھوڑ دی اب اس سے کہو کہ اس آنکھ کو اپنے انہیں ماں باپ سے بنوا جنہوں نے تجھے پیدا کیا ہے۔ اس جواب پر اس کو بہت غصہ آیا اس کا اور تو کچھ بس نہ چلا مگر معائنہ خراب لکھ گیا اس گستاخی کا نتیجہ یہ ہوا کہ تھوڑے سے ہی عرصہ کے اندر درد اٹھا اور ہلاک ہوگیا۔

قہر کی دو قسمیں

یاد رکھو کہ حق سبحانہٗ کا قہر دو طرح کا ہوتا ہے کبھی تو صورتًا بھی قہر ہوتا ہے اور کبھی قہر بصورت لطف ہوتا ہے یہ قہر قہر اول سے زیادہ خطرناک ہوتا ہے۔ (اعاذنا اللہ منہ)

کیونکہ اس میں توبہ اور انابت الی الحق کی طرف توجہ بہت کم ہوتی ہے اس لئے کہ انابت الی الحق اور توبہ تو اس وقت ہو جب کہ آدمی اس کو قہر سمجھے اور جبکہ لطف سمجھتا ہے تو وہ توبہ کیسے کرے گا اور حق سبحانہٗ کی طرف کیسے رجوع ہوگا بعض مرتبہ بعض سالکین کو یہ واقعہ پیش آتا ہے کہ وہ معاصی کا ارتکاب کرتے ہیں اور ان کے ذوق وشوق و احوال و مواجید میں کچھ فرق نہیں آتا وہ سمجھتے ہیں کہ ہماری نسبت مع اللہ بہت قوی ہے کہ معصیت سے اس کو صدمہ نہیں پہنچتا اس سے وہ معاصی پر اور دلیر ہو جاتے ہیں واضح ہو کہ یہ قہر بصورت لطف ہے اور قہر بصورت قہر سے زیادہ خطرناک ہے سالکین کو اس سے نہایت ہوشیار رہنا چاہیئے اور یاد رکھنا چاہیئے کہ نسبت احوال مواجید کا نام نہیں ہے بلکہ وہ ایک خاص تعلق ہے جو کہ عبد طائع کو حق سبحانہٗ سے اور حق سبحانہٗ کو اپنے مطیع بندہ سے ہوتا ہے۔ احوال و مواجید سو یہ غالب احوال میں اس تعلق کی امارات ہوتی ہیں نہ وہ عین تعلق خاص ہیں اور نہ اس تعلق کو مستلزم ہیں اور اگر بالفرض احوال و اذواق ہی کو تعلق مع اللہ یا اس کو مستلزم کہا جاوے۔ تو اس سے صرف یہ لازم آتے گا کہ اس کو خدا کے ساتھ تعلق ہے اس سے یہ کب لازم آتا ہے کہ خدا کو بھی اس سے تعلق ہو پس ایسے سالک کی بالکل ایسی مثال ہے جیسے طالب علم سے کسی نے پوچھا تھا کہ تمہاری شادی ہوگئی یا نہیں اس نے جواب دیا آدھی ہوگئی اور آدھی نہیں ہوئی اس نے کہا کہ اس کا کیا مطلب ہے اس نے جواب دیا کہ میں فلاں شہزادی سے شادی کرنا چاہتا ہوں اور اس کے لئے تراضی طرفین کی ضرورت ہے سو میں تو رضامند ہوں مگر وہ رضامند نہیں پس جس طرح اس طالب علم کی رضامندی بغیر شاہزادی کی رضامندی کے بے سود اور کالعدم تھی یونہی اس سالک کا تعلق بغیر حق سبحانہٗ کے تعلق کے بے کار ہے۔

مستی روحانی اور مستی شہوانی میں فرق

پس خوب سمجھ لینا چاہئے کہ اصرار بر معصیت کے ساتھ نسبت مع اللہ ہرگز باقی نہیں رہ سکتی ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ میں ایک مقام پر مہمان گیا میرے ساتھ ایک اور صاحب بھی تھے ہم نے ایک مسجد میں سونے کا ارادہ کیا اتفاق سے اس روز محلہ میں گانا بجانا بھی ہو رہا تھا مجھ کو آواز پہنچی میں نے سونے کے لئے دوسری جگہ تجویز کی مگر میرے ساتھی مسجد ہی میں رہے صبح کو ان صاحب نے مجھ سے کہا کہ رات جس قدر میرا نوافل میں جی لگا ہے اور جس قدر مجھے مزہ آیا ہے اتنا کبھی نہیں آیا محلہ سے گانے بجانے کی آوازیں آرہی تھیں جس سے ذوق وشوق کو حرکت ہو رہی تھی اور میں اسی ذوق وشوق میں نماز پڑھ رہا تھا اور مجھ پر ذوق وشوق کا ایسا غلبہ تھا کہ خطرات بالکل دفع ہو گئے تھے میں نے کہا کہ جناب یہ تو صحیح ہے کہ خطرات بالکل دفع ہو گئے تھے مگر یہ بھی تو دیکھئے کہ وہ کس چیز سے دفع ہوئے تھے اور مستی ذوق وشوق کس چیز کا تھا یہ مستی روحانی نہ تھی بلکہ شہوانی تھی جو راگ باجے سے منبعث ہوتی تھی پس دافع خطرات خود خطرات سے زیادہ خطرناک تھا ایسی حالت میں یہ اندفاع خطرات کیا قابل قدر ہو سکتا ہے اس کی تو ایسی مثال ہے جیسے کسی کے بچھو کاٹ لے اور وہ رفع تکلیف کے لئے سانپ سے کٹوالے ایسا کرنے سے وہ تکلیف تو ضرور جاتی رہیگی مگر جان کے لالے پڑ جائیں گے۔ پس یہ کہنا کہ گانے سے خطرات دفع ہو گئے تھے عذر گناہ بدتر از گناہ کا مصداق ہے۔

عذر گناہ بدتر از گناہ کا مفہوم

اسی مثل پر ایک حکایت یاد آئی وہ ہے تو غیر مہذب مگر موضع خوب ہے وہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ ملا دو پیازہ سے بادشاہ نے پوچھا کہ عذر گناہ بدتر از گناہ کے کیا معنی ہیں انہوں نے اس وقت اس کا جواب نہیں دیا اور موقع کے منتظر رہے ایک روز بادشاہ آگے آگے جا رہے تھے پیچھے سے ملا نے ان کی پشت میں انگلی سے اشارہ کر دیا اس نے منہ موڑ کر دیکھا اور تیز لہجہ میں کہا یہ کیا

نالائق حرکت ملا نے جواب دیا کہ قصور معاف ہو میں سمجھا کہ بیگم صاحبہ ہیں اس پر وہ اور بھی
برافروختہ ہوا تب ملا نے کہا کہ یہ معنی ہیں عذر گناہ بدتر از گناہ کے اس طرح ان صاحب
کا یہ عذر کہ مجھ کو خطرات بند ہو گئے اسی مثل کا مصداق ہے ۔

اصرارِ معصیت کے ساتھ نسبت مع اللہ باقی نہیں رہتی

خلاصہ یہ ہے کہ اصرار بر معصیت کے ساتھ نسبت مع اللہ باقی نہیں رہ سکتی اور
ذوق و شوق کسی معصیت سے پیدا ہو یا معاصی کی حالت میں باقی رہے وہ قہر
بصورت لطف ہوتا ہے جو قہر بصورت قہر سے زیادہ خطرناک ہے خوب سمجھ لینا چاہئے
اور کبھی یہ قہر بصورت قہر ہوتا ہے ۔

موثر حقیقی اللہ تعالیٰ ہیں

جیسے اس منکر توحید کو پیش آیا ۔ ہاں
ہم نے یہ کہا تھا کہ اگر خدا کے سوا کسی پر مالک ہونے کا شبہ ہوتا ہے تو ماں باپ
ہو سکتا ہے جیسے اس منکر نے اپنی بکواس میں کہا تھا لیکن ماں باپ بھی مالک نہیں
ہو سکتے کیونکہ گو ان کو ان کی ہستی میں گو نہ دخل ضرور ہے مگر وہ اس کے خالق نہیں ہو سکتے
اس لئے کہ یہ امر مشاہد ہے کہ اس کے وجود میں ان کے اختیار کو کچھ دخل نہیں چنانچہ
بہت لوگ عمر بھر اولاد کے متمنی رہتے ہیں اور اولاد نہیں ہوتی اور بہت سے لوگ
چاہتے ہیں کہ ہمارے اولاد نہ ہو مگر ہوتی ہے پس معلوم ہوا کہ ماں باپ کو بچے
کی ہستی میں محض برائے نام دخل ہے اور موثر حقیقی اور مفیض وجود فقط حق سبحانہٗ
ہیں پس وہ ہی اس کی تمام چیزوں کے مالک ہوں گے اور جب وہ مالک ہیں تو بندہ
کو اپنی خدمت کے کسی معاوضہ کا کچھ استحقاق نہیں ہے جیسا کہ ہم پیشتر اس کی تفصیل
کر چکے اور جب کہ اس کا کوئی استحقاق نہیں تو حق سبحانہٗ کے انعامات اس کا فضل محض
ہوں گے اس لئے بجائے من خیر کے من رحمۃ فرمایا ہے ۔ یہاں تک معلوم
ہو گیا کہ رحمت سے مراد انعام خداوندی اور اس کا فضل و احسان ہے اور یہ بھی

معلوم ہو گیا کہ لفظ رحمت کو لفظ خیر پر کیوں ترجیح دی گئی۔

لفظ رحمت کا مفہوم

اب ہم رحمت و فضل و احسان و انعام وارد فی الآیہ کی شرح کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ مفسرین نے بیان کیا ہے کہ یہاں رحمت عام ہے صحت۔ امن۔ علم۔ عمل۔ غرض کہ ہر مفید چیز کو خواہ چھوٹی ہو یا بڑی حتی کہ روح المعانی نے عروہ بن الزبیر سے نقل کیا ہے کہ شغدف بھی رحمت ہے کیونکہ اس سے سفر میں راحت پہنچتی ہے مگر لوگ معمولی چیزوں کو نعمت نہیں سمجھتے بلکہ صرف بڑی چیزوں کو نعمت سمجھتے ہیں جو کہ بڑی مشقتوں کے بعد ملتی ہیں اسی لئے وہ چھوٹی نعمتوں پر شکر بھی نہیں کرتے یہ ایک بہت بڑی غلطی ہے۔ میں جس زمانہ میں تفسیر لکھ رہا تھا اسی زمانہ میں شاید سہارنپور ریلوے تیار ہو رہی تھی حسن اتفاق سے جس روز میں اس آیت کی تفسیر لکھ رہا تھا اسی روز ہماری عیدگاہ کے سامنے پٹڑی بچھائی جا رہی تھی اس وقت مجھے عروہ کا قول دیکھ کر خیال ہوا کہ ریل بھی خدا کی نعمت اور وہ بھی رحمت میں داخل ہے۔

تھانہ بھون میں ریل جاری ہونے کی تاریخ

پس میں نے اس مقام پر اس واقعہ کا بھی تذکرہ حاشیہ میں کر دیا اور ریل کے تھانہ بھون پہنچنے کی تاریخ بھی لکھ دی تاکہ بیک کرشمہ دو کار ہو جاوے۔ آیت کی تفسیر بھی ہو جاوے اور تاریخ بھی منضبط ہو جاوے اب اگر کوئی مجھ سے پوچھتا ہے کہ ریل تھانہ بھون میں کب جاری ہوئی ہے تو میں کہتا ہوں کہ میری تفسیر دیکھ لو وہ متحیر ہوتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس واقعہ کو تفسیر سے کیا مناسبت ہے تو میں ان سے واقعہ بیان کر دیتا ہوں میں ریل کے نعمت ہونے کی ایک سند ایک بڑے شخص سے بھی رکھتا ہوں جب میری عمر ۱۴ برس کی ہوگی اس زمانہ میں مولانا شیخ محمد صاحب کے وعظ میں حاضر ہوتا تھا ایک وعظ میں آپ نے فرمایا کہ ریل بھی خدا کی نعمت ہے۔

بعض اوقات کفار کے ہاتھ سے نعمت پہنچنا

گو دوسروں کی بنائی ہوئی ہے کیونکہ نعمت بعض اوقات کفار کے ہاتھ سے پہنچتی ہے شاید کسی کو سنکر استعجاب ہو اس لئے میں کہتا ہوں کہ حدیث شریف میں آیا ہے ۔ اِنَّ اللّٰہَ لَیُؤَیِّدُ ھٰذَا الدِّیْنَ بِالرَّجُلِ الْفَاجِرِ پس جب کہ کافر کے ہاتھ سے دین کی تائید واقع ہے تو کفار کے ہاتھ سے دنیوی نعمت کا پہنچنا کیوں مستبعد ہے اس مقام پر ایک حکایت یاد آگئی ایک شیعی نے ایک عالم سے کہا آپ لوگ حضرت عمرؓ کی اشاعت اسلام پر فخر کرتے ہیں اور اس کو ان کے کامل مسلمان ہونے کی دلیل بتاتے ہیں حالانکہ اس سے ان کا اسلام بھی ثابت نہیں ہوتا کیونکہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اِنَّ اللّٰہَ لَیُؤَیِّدُ ھٰذَا الدِّیْنَ بِالرَّجُلِ الْفَاجِرِ اس کے جواب میں انہوں نے فرمایا کہ اس سے اتنا تو ثابت ہوا کہ جس دین کی وہ مدد کرے گا وہ دین اسلام اور دین حق ہوگا اب اگر تم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس کا مصداق بناتے ہو تو اس سے اتنا تو لازم آیا کہ انہوں نے دین الٰہی میں مدد کی ہے اب یہ دیکھ لو کہ جس دین کی انہوں نے مدد کی ہے وہ شیعوں کا دین ہے یا سنیوں کا تم ضرور یہی کہو گے کہ سنیوں کا پس سنیوں کے مذہب کا حق ہونا ثابت ہوگیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا دین بھی یہی تھا لہٰذا ان کا مسلمان اور کامل الایمان ہونا بھی ثابت ہوگیا یہ سنکر وہ شیعی صاحب مبہوت ہو گئے۔ خیر تو ہم نے کہا تھا کہ ریل بھی رحمت میں داخل ہے ۔

قرآن میں ریل کا ذکر

اب ہم کہتے ہیں کہ اس بنا پر اگر یوں کہا جاوے کہ منجملہ اور نعمتوں کے ریل کا ذکر بھی قرآن میں ہے تو ایک حد تک صحیح ہے اور یہ امر کوئی قابل اعتراض نہیں ہے اجمالی ذکر کا انکار محض بلاوجہ ہے اس کا اجمالی ذکر صرف اسی آیت میں نہیں ہے بلکہ دوسرے علماء نے اور آیات میں بھی اس کو داخل کیا ہے مثلاً حق سبحانہٗ

مراکب کے ذکر کے بعد فرماتے ہیں وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُونَ اس آیت کے عموم میں ریل بھی داخل ہے کیونکہ اوپر سے سواری اور بار برداری کے جانوروں کا تذکرہ آرہا ہے چنانچہ فرمایا ہے۔ وَلَكُمْ فِيهَا جَمَالٌ حِينَ تُرِيحُونَ وَحِينَ تَسْرَحُونَ وَتَحْمِلُ أَثْقَالَكُمْ إِلَى بَلَدٍ لَمْ تَكُونُوا بَالِغِيهِ إِلَّا بِشِقِّ الْأَنْفُسِ إِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوفٌ رَحِيمٌ وَالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيرَ لِتَرْكَبُوهَا وَزِينَةً وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُونَ ۔ پس گویا حق سبحانہٗ تعالیٰ نے ایجاد ریل کی خوش خبری بھی سنادی اور حاصل یہ ہوا کہ مذکورہ بالا سواری اور بار برداری کے جانور تو ہم نے تمہارے لئے پیدا کئے ہی ہیں ان کے علاوہ ہم ایک اور بار برداری کی (ریل) پیدا کریں گے جس کا اب تم کو علم بھی نہیں ہے اس سے کسی قدر زیادہ واضح طور پر اس کو ایک مقام پر ذکر فرمایا ہے چنانچہ فرمایا ہے وَآيَةٌ لَهُمْ أَنَّا حَمَلْنَا ذُرِّيَّتَهُمْ فِي الْفُلْكِ الْمَشْحُونِ وَخَلَقْنَا لَهُمْ مِنْ مِثْلِهِ مَا يَرْكَبُونَ کیونکہ ریل بہ نسبت چوپاؤں کے کشتی سے زیادہ مشابہت رکھتی ہے (ولکن لایناسب ھذ المحمل قولہ تعالیٰ وخلقنا الا ان یؤول والتاویل بعید فلیتامل) خیر تو جبکہ ریل اور شغدف وغیرہ نعمائے دنیویہ بھی رحمت میں داخل ہیں تو نعمائے اخرویہ مثل علم وغیرہ بالاولے اس رحمت میں داخل ہوں گے خصوص علم کا عموم رحمت میں داخل ہونا ایک دوسری آیت سے بھی ثابت ہوتا ہے چنانچہ حق سبحانہٗ تعالیٰ حضرت خضر علیہ السلام پر اپنے انعام واحسان کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں ۔ فَوَجَدَا عَبْدًا مِنْ عِبَادِنَا آتَيْنَاهُ رَحْمَةً مِنْ عِنْدِنَا وَعَلَّمْنَاهُ مِنْ لَدُنَّا عِلْمًا ۔ اس سے علم کا ایک رحمت کبریٰ اور موہبت عظمیٰ ہونا ظاہر ہے ۔

پس حاصل کلام یہ ہے کہ لفظ رحمت ہر مفید چیز کو شامل ہے خواہ دنیوی ہو یا دینی اور چھوٹی ہو یا بڑی اسی بنا پر حق سبحانہٗ نے بعض جگہ اپنے کلام میں نبوت کو کہ اکمل فرد ہے علم کی رحمت سے تعبیر فرمایا ہے چنانچہ فرمایا ہے ۔

رحمت کا اطلاق نبوت پر بھی ہے

اَهُمْ يَقْسِمُوْنَ رَحْمَةَ رَبِّكَ نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَعِيْشَتَهُمْ۔ تفصیل اس مضمون کی یہ ہے کہ جب جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی نبوت کا اعلان فرمایا تو علاوہ اور اعتراضوں کے کفار نے کہا تھا کہ قرآن مکہ اور طائف کے کسی بڑے شخص پر کیوں نہ نازل کیا گیا اور اس کو کیوں نہ نبی بنایا گیا حق سبحانہٗ ان کے اس قول کو نقل فرما کر اس کا جواب دیتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ خدا کی رحمت یعنی نبوت کو کیا یہ لوگ اپنی تجویز سے تقسیم کرتے ہیں حالانکہ ان کو یہ حق نہیں ہے کیونکہ سامان معیشت سی ادنی چیز کو تو ہم تقسیم کرتے ہیں اور اس کے تقسیم کا ان کو اختیار نہیں دیا ہے نبوت سی عظیم الشان شے کو یہ خود کیوں کر تقسیم کریں گے اور ان کو اس کے تقسیم کا کیا حق ہوگا۔ جب یہ معلوم ہوگیا کہ رحمت کا اطلاق نبوت پر بھی ہوا ہے تو اس سے ایک دوسری آیت کی تفسیر بھی ہوگئی اور ایک بڑا معرکۃ الآرا مقام حل ہوگیا تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ حق سبحانہٗ نے فرمایا ہے قُلْ لَّوْ اَنْتُمْ تَمْلِكُوْنَ خَزَآئِنَ رَحْمَةِ رَبِّیْٓ اِذًا لَّاَمْسَكْتُمْ خَشْيَةَ الْاِنْفَاقِ وَكَانَ الْاِنْسَانُ قَتُوْرًا۔ اس پر یہ شبہ ہوتا ہے کہ اس آیت سے پہلے بھی رسالت کا ذکر ہے اور بعد کو بھی یہ بیچ میں انسان کے بخل کا ذکر کیسے آگیا مفسرین نے اس کے متعلق کوئی تسکین بخش بات نہیں لکھی۔ امام رازی نے گو اس کے متعلق بہت کچھ لکھا ہے مگر انہوں نے بھی کوئی شافی بات نہیں لکھی لیکن جب کہ رحمت سے نبوت مراد لی جاوے اس وقت آیت مذکورہ بے تکلف اپنے ماقبل و مابعد سے مرتبط ہو جاوے گی۔

حافظ قرآن ہونا علم تفسیر میں معین ہے

اس بیان سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ مفسر کے لئے علاوہ دیگر شرائط کے حافظ ہونا بھی بہت معین ہے کیونکہ القرآن یفسر بعضہ بعضًا۔ مسلم ہے پس حافظ کی نظر چونکہ پورے قرآن پر ہوتی ہے اس لئے جس قدر آسانی اور صحت کے ساتھ مقصود آیت کی توضیح وہ کر سکتا ہے اس

قدر آسانی اور صحت کے ساتھ غیر حافظ نہیں کر سکتا کیونکہ وہ تفسیر کے وقت ایک مضمون کی تمام آیتوں کو ذہن میں مستحضر کرے گا اس کے بعد تفسیر کرے گا برخلاف غیر حافظ کے کہ اس کی نظر صرف ایک ہی آیت تک محدود ہوگی اور وہ جو کچھ سمجھے گا اسی ایک آیت سے سمجھے گا البتہ غیر حافظ مولویوں کے لئے تفسیر ابن کثیر زیادہ مفید ہے کیونکہ وہ جس آیت کی تفسیر کرتے ہیں اس مضمون کی تمام آیتوں کو ایک جگہ جمع کرتے ہیں اس کے بعد تفسیر کرتے ہیں لیکن جس قدر تفسیر ابن کثیر سے غیر حافظ مولویوں کے لئے آسانی ہوتی ہے اسی قدر بخاری کی کتاب التفسیر سے ان کو پریشانی بھی ہوتی ہے کیونکہ انہوں نے اس کا اہتمام نہیں کیا ہے کہ جس صورت یا آیت کی تفسیر کے لئے انہوں نے باب منعقد کیا ہے بعنوان صریح اس کی تفسیر کریں بلکہ وہ ایسا بھی کرتے ہیں کہ ایک سورۃ کے ذیل میں بلا تصریح دوسری سورۃ کے کسی لفظ کی تفسیر کر جاتے ہیں طالب علم اس لفظ کو اس سورۃ میں تلاش کرتے ہیں جب وہ نہیں ملتا تو پریشان ہوتا ہے لیکن اگر وہ حافظ ہو تو اس کو یہ پریشانی نہیں ہو سکتی میں اس کو ایک مثال سے سمجھاتا ہوں سنو امام بخاری نے باب منعقد کیا ہے باب ماجاء فی فاتحۃ الکتاب اور اس باب میں لکھا ہے الدین الجزاء فی الخیر والشر کما تدین تدان قال مجاھد بالدین بالحساب مدینین محاسبین۔ پس جب طالب علم قال مجاھد بالدین بالحساب پر پہنچتا ہے تو وہ سوچتا ہے کہ بالدین سورۃ فاتحہ میں کہاں ہے لیکن اگر وہ حافظ ہو تو اس کا ذہن فوراً ارأیت الذی یکذب بالدین کی طرف منتقل ہو جائے گا اور سمجھ لے گا یہ لفظ فلاں سورت میں واقع ہوا ہے اور وہاں اس کی تفسیر منقول ہے اس تفسیر سے مالک یوم الدین کی تفسیر ہے علیٰ ہذا جب وہ مَدِیْنِیْنَ محاسبین پر پہنچے گا اور مدینین کو سورۃ فاتحہ میں نہ پائے گا تو متحیر ہوگا لیکن حافظ کا ذہن فوراً لَوْلَا اِنْ کُنْتُمْ غَیْرَ مَدِیْنِیْنَ الخ کی طرف جو کہ سورۃ واقعہ میں ہے منتقل ہوگا اور وہ سمجھ لے گا کہ یہ تفسیر دوسری سورۃ سے متعلق ہے اس سے آپ کی سمجھ میں آگیا ہوگا کہ مولویوں اور طالب علموں کے لئے حفظ قرآن کی نہایت

شدید ضرورت ہے اسی واسطے حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے
جب کوئی شخص عربی پڑھنے کا ارادہ ظاہر کرتا تو آپ فرماتے تھے کہ بتلاؤ کہ تم حافظ بھی ہو
یا نہیں اس کے جواب میں اگر وہ یہ کہتا کہ جی ہاں میں حافظ ہوں تو آپ فرماتے تھے
کہ میں تمہارے مولوی ہونے کا ذمہ کرتا ہوں اور کہتا کہ حافظ تو نہیں ہوں تو فرماتے
اچھا کوشش کرو میں بھی دعا کروں گا اور تم بھی دعا کرنا چونکہ اوپر رحمت کی تفسیر میں
نبوت و مطلق علم کا فرد رحمت ہونا مذکور تھا جس سے علم کا نبوت کی ساتھ ملابس
ہونا معلوم ہوتا ہے۔

نبوّت ناقابلِ انقسام منصب ہے

اس لئے مناسب
معلوم ہوتا ہے کہ اس کے متعلق ایک کام کی بات بتلا دی جاوے نبوت ایک
منصب خاص ہے جو حق سبحانہٗ کی طرف سے اس کے خاص بندوں کو بالتخصیص
عطا ہوتا ہے بعض چیزیں اس کے لوازم یا مناسبات میں سے ہوتی ہیں جو حقیقۃً
نہ عین نبوت ہوتی ہیں نہ جزو نبوت مثلاً علم یا رویائے حقہ وغیرہ بعض لوگوں کو دھوکا
ہو جاتا ہے اور وہ نبوت کو قابل انقسام سمجھ کر اور اس کے حصے اور اجزاء متعین کر کے
اپنے کو جزوی نبی کہنے لگتا ہے یہ ایک سخت مغالطہ ہے اس سے آگاہ رہنا چاہئے۔

رویائے صالحہ کے نبوت کے چالیسواں جزو ہونے کا مفہوم

اور حدیث میں جو آیا ہے کہ رویائے صالحہ نبوت کا چالیسواں جزو ہے وہ محمول
بر حقیقت نہیں ہے بلکہ شدت ملابست کی وجہ سے اس کو جزو کہدیا
گیا ہے اور اگر مان بھی لیا جاوے کہ نبوت قابل انقسام ہے تب بھی ایسے شخص
کو دعوت نبوت کا حق نہیں ہے کیونکہ بعض چیزیں تو ایسی ہوتی ہیں جن کے اجزاء نام
میں اپنے کل کے شریک ہوتے ہیں ہوا پانی اور بعض ایسی ہوتی ہیں جن کے اجزاء
نام میں اپنے کل کی شریک نہیں ہوتی مثلاً اینٹ اور گھر تو رویائے صالحہ وغیرہ کے

اجزاء نبوت ہونے سے یہ کیسے ثابت ہوا کہ جس میں کوئی جزو نبوت پایا جاوے وہ نبی کہلا سکتا ہے یہ تفصیل تھی اس آیت کے متعلق جس کو شکر کے لئے اس جلسہ میں تلاوت کیا گیا تھا اب مناسب معلوم ہوتا ہے کہ خود مثنوی کے متعلق بھی کہ علم نافع کا ایک مادہ تحقیق ہے اور اس کی شرح اور اس کی شرح اور شاحین کے وشرکاء جلسہ کے متعلق بھی کچھ بیان کر دیا جاوے۔

مثنوی مولانا روم مضامین حقہ سے لبریز ہے

مثنوی ایک ایسی کتاب ہے جو مضامین حقہ سے لبریز مولوی جامی نے اس کی نسبت فرمایا ہے۔

ہست قرآن در زبان پہلوی　　　مثنوی مولوی معنوی۔

اس کے دو معنی ہو سکتے ہیں ایک تو یہ کہ اس میں اسرار و دقائق قرآنیہ کو بیان فرمایا ہے یہ معنی ایسے ہیں جن سے عوام کو وحشت نہیں ہو سکتی اور دوسرے معنی وہ جن میں عوام کے توحش کا خطرہ ہے اور وہ وہ ہیں جو حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے غلبہ حال میں بیان فرمائے ہیں یعنی مثنوی حق سبحانہٗ کا الہامی کلام ہے۔ اور اس مقام پر قرآن سے کلام معروف حق سبحانہٗ مراد نہیں ہے بلکہ مطلق کلام حق مراد ہے گو بالوحی نہو بالالہام ہو حق سبحانہٗ کا کلام فی نفسہ تو حرف وصوت سے پاک ہے مگر جس طرح وہ لباس عربیت میں جلوہ گر ہوا ہے یوں ہی لباس فارسی میں بھی جلوہ گر ہو سکتا ہے اس سے کسی کو یہ شبہ ہو کہ جب یہ کلام حق ہے تو اس کے لئے بھی وہی احکام ثابت ہوں گے جو قرآن کے ہیں کیونکہ قرآن کا کلام الٰہی ہونا قطعی ہے اور مثنوی کا کلام الٰہی ہونا قطعی نہیں ہے اس لئے دونوں کا حکم ایک نہیں ہو سکتا قرآن اپنے مرتبہ میں رہے اور مثنوی اپنے مرتبہ میں بلکہ دوسری کتب سماویہ خود کلام قطعی بھی ہیں ان کے لئے بھی کسی حکم کا ہونا محتاج دلیل مستقل ہو گا غیر یہ دو معنی ہیں جو حضرت حاجی صاحب نے غلبہ حال میں بیان فرمائے ہیں۔

اہل کمال اور غیر اہل کمال کے غلبہ حال میں فرق

اور یہاں کسی کو یہ شبہ نہ ہو کہ اہل کمال مغلوب الحال نہیں ہوتے پھر حاجی صاحب کیسے مغلوب ہوئے کیونکہ یہ خود قاعدہ ہی صحیح نہیں کہ اہل کمال مغلوب الحال نہیں ہوتے ضرور ہوتے ہیں مگر ان میں اور غیر اہل کمال میں فرق یہ ہوتا ہے کہ جن احوال سے غیر اہل کمال مغلوب ہو جاتے ہیں اہل کمال ان سے مغلوب نہیں ہوتے بلکہ ان کے مغلوب کرنے والے احوال دوسروں کے احوال سے اقویٰ ہوتے ہیں دوسرا فرق یہ ہے کہ اہل کمال کی مغلوبیت کم ہوتی ہے اور غیر اہل کمال کی زیادہ مگر ان کی نفس مغلوبیت کا انکار مشکل ہے انبیاء سے زیادہ کون صاحب کمال ہو سکتا ہے لیکن جب ان کے حالات میں غور کیا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ تاثر من الحال وہاں بھی ہے چنانچہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ بدر میں ان الفاظ سے دعا فرمائی تھی اللھم ان تھلك ھذہ العصابۃ لم تعبد بعد الیوم۔

اب آپ خیال کر لیجئے کہ اگر غلبہ حال نہ ہوتا تو کیا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس عنوان سے دعا فرماتے جس میں ابہام ہے حق سبحانہ کی احتیاج الی العبادات کا گو آپ کا مقصود یہ نہیں بلکہ آپ کا مقصود یہ ہے کہ اے اللہ آپ نے انسانوں کو اپنی عبادت کے لئے پیدا فرمایا ہے گو آپ کو ان کی احتیاج نہیں ہے اور نہ آپ کا کچھ نفع ہے پس اگر تیرے بندوں کی یہ قلیل جماعت ہلاک ہو گئی تو میرے خیال میں پھر حق کی اشاعت نہ ہو سکے گی اور انسانوں کی پیدائش سے جو مقصود ہے وہ فوت ہو جاوے گا اس لئے آپ اس جماعت کو بچا لیجئے علی ہذا موسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں رَبِّ لَوْ شِئْتَ اَهْلَكْتَهُمْ مِّنْ قَبْلُ وَاِيَّايَ اَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ السُّفَهَاءُ مِنَّا اِنْ هِيَ اِلَّا فِتْنَتُكَ تُضِلُّ بِهَا مَنْ تَشَاءُ وَتَهْدِيْ مَنْ تَشَاءُ۔ یہ اگر غلبہ حال نہ تھا تو کیا تھا یہ واقعات محض تائید کے درجے میں ہیں اگر ان کو کوئی نہ مانے تو اس کو خود

غیر انبیاء اہل کمال کا اعتراف تو ماننا ہی پڑے گا۔

عارف رومی اور ان پر غلبہ حال

حضرت مولانا مثنوی معنوی میں جگہ جگہ اپنی مغلوبیت کا اظہار فرماتے ہیں ایک جگہ فرماتے ہیں۔

چوں بگوشم تا سرش پنہاں کنم　　سر برآرد چوں علم کا نیک منم
غم انغم گیردم ناگہ دو گوشش　　کائے مدمغ چوں ہمی پوشی بپوش

دوسری جگہ کہتے ہیں ؎

اے بروں از وہم وقال وقیل من　　خاک بر فرق من تمثیل من
بندہ نشکیبد ز تصویر خوشت　　ہر زماں گوید کہ جانم مفرشت

علیٰ ہذا اور بہت سے مقامات پر مولانا نے خود اعتراف فرمایا ہے اس تقریر سے من عرف کل لسانہ کے معنی بھی ظاہر ہو گئے اور معلوم ہو گیا کہ اس کلل میں کلال سے کلال اضافی مراد ہے نہ کہ عدم افشاء مطلقاً۔ اس مقام پر یہ بھی جان لینا چاہئے کہ یہ مقولہ دو طرح سے منقول ہے اول یوں کہ من عرف کل لسانہٗ اور دوسرے یوں کہ من عرف طال لسانہ ان دونوں میں بظاہر تعارض معلوم ہوتا ہے مگر حقیقت میں تعارض نہیں کیونکہ من عرف طال لسانہ ابتدائی حالت پر محمول ہے اور من عرف کل لسانہ انتہائی حالت یعنی عارف ابتداء میں ضبط اسرار پر قادر نہیں ہوتا اس لئے اس وقت اس کی زبان کشادہ ہوتی ہے لیکن جب وہ پختہ ہو جاتا ہے اس وقت اس کی زبان گنگی ہو جاتی ہے مگر مطلقاً نہیں بلکہ غالب اوقات میں۔ ہاں تو مثنوی مضامین حقہ سے لبریز ہے مگر وہ عوام کی کام کی نہیں ہے کیونکہ اس کے مضامین دقیق ہیں اور مولانا کا کلام ذو وجوہ ہے ہر خیال کا آدمی اس کے مضامین کو اپنے خیالات پر منطبق کر سکتا ہے اس لئے اس میں یضل بہ کثیرا ویھدی بہ کثیرا۔ کی شان ہے اسلئے

مولانا فرماتے ہیں ؎

نکتہا چوں تیغ پولاد ست تیز | چوں نداری تو سپر واپس گریز
پیش ایں الماس بے اسپر میا | کز بریدن تیغ را نبود حیا

مثنوی کا ایک خاص کمال

مثنوی میں ایک خاص بات یہ ہے کہ اس کے مضامین حافظہ میں ضبط نہیں ہو سکتے حالانکہ میں اس کی شرح بھی لکھ چکا ہوں اور متعدد بار پڑھنے پڑھانے کا بھی اتفاق ہوا ہے لیکن جب اٹھا کر دیکھتا ہوں تو ہر مرتبہ وہ مجھے نئی معلوم ہوتی ہے اور جن اشعار کے جو مضامین میں نے پہلے سمجھے تھے وہ یاد نہیں آتے بلکہ نئے مضامین یاد آتے ہیں کبھی کچھ بھی سمجھ میں نہیں آتا اور خود اپنی شرح کو دیکھنا پڑتا ہے یہ ہی حالت قرآن شریف کی ہے کہ جب دیکھئے نیا معلوم ہوتا ہے اور اس کے مطالب سمجھنے کے لئے ہی مجھے اپنی تفسیر دیکھنی پڑ جاتی ہے مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ قرآن شریف مثنوی شریف بخاری شریف یہ تینوں کتابیں الیلی ہیں یعنی ان تینوں کتابوں کا کوئی ضابطہ نہیں ہے جس کا احاطہ ہو سکے مثنوی اور قرآن کے اس تشابہ طرز بیان سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کہ مثنوی الہامی کلام حق ہے مثنوی میں ایک خاص بات یہ ہے کہ وقت و علو صولت و شوکت معانی کی طرح اس میں شوکت و صولت الفاظ بھی ہے جو اور کتابوں میں نہیں دیکھے جاتے اور اس کا فیصلہ ذوق صحیح کر سکتا ہے کیونکہ یہ ایک ذوقی بات ہے نہ کہ استدلالی دیکھو ایک بلغاء عرب تھے جن پر قرآن کریم کی بلاغت نے وہ اثر کیا ہے کہ باوجود کمال مخالفت و عناد و حق پوشی کے ان کو جرات نہ ہو سکی وہ جھوٹوں بھی کوئی کلام بنا کر اس کے مقابلہ میں لے آئیں اور کہدیں کہ یہ اس کے ہم پلہ ہے اور ایک آج کل کے حمقاء ہیں جو مقامات حریری کو بلکہ خود اپنے کلام کو قرآن کے برابر بتاتے ہیں یہ تفاوت کیوں ہے محض اس لئے کہ بلغاء عرب کا ذوق صحیح تھا اور ان کا ذوق فاسد ہے ان کا ذوق صحیح ان کو اعتراف اعجاز پر مجبور کرتا تھا اور ان کا فساد مذاق اس بیہودہ دعوے پر جرات

دلالت ہے دیکھو بلغاء تصریح کرتے ہیں کہ قرآن میں ابلغ الآیات یہ آیت ہے قِيلَ يَا أَرْضُ ابْلَعِي مَاءَكِ وَيَا سَمَاءُ أَقْلِعِي وَغِيضَ الْمَاءُ وَقُضِيَ الْأَمْرُ وَاسْتَوَتْ عَلَى الْجُودِيِّ وَقِيلَ بُعْدًا لِلْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ۔

صحت وفساد مذاق

مولوی فیض الحسن صاحب سہارنپوری کی نسبت سنایا گیا ہے کہ جب وہ اس آیت کو پڑھتے تھے تو ان پر وجد کی کیفیت طاری ہو جاتی تھی حالانکہ ہم لوگوں کو کچھ بھی لطف نہیں آتا یہ فرق کیوں ہے صحت وفساد مذاق کے سبب مجھے جس قدر لطف ایک مرتبہ اس آیت میں آیا ہے فَلِذَٰلِكَ فَادْعُ وَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ وَقُلْ آمَنتُ بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ مِن كِتَابٍ وَأُمِرْتُ لِأَعْدِلَ بَيْنَكُمُ اللَّهُ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ لَنَا أَعْمَالُنَا وَلَكُمْ أَعْمَالُكُمْ لَا حُجَّةَ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ اللَّهُ يَجْمَعُ بَيْنَنَا وَإِلَيْهِ الْمَصِيرُ ۔ اتنا عمر بھر میں کسی آیت میں نہیں آیا لیکن اگر پوچھے کہ کیوں تو میں اس کی وجہ نہیں بیان کر سکتا کہ اس لئے کہ یہ ذوقی امر ہے اور امر ذوقی بیان میں نہیں آسکتا ۔

حسن معنوی ایک ذوقی امر ہے

چنانچہ اگر کوئی کسی پر عاشق ہو اور اس سے پوچھا جاوے کہ تو اس پر کیوں عاشق ہے تو وہ اس کی پوری اور مفصل وجہ نہیں بیان کرتا وہ یہ کہہ سکتا ہے کہ اس میں فلاں خوبی ہے مثلاً اس کی آنکھ اچھی ہے یا بال اچھے ہیں وغیرہ مگر جب اس سے پوچھا جاوے کہ اس میں کیا اچھائی ہے اور وہ کیوں اچھی ہے تو وہ اس کی وجہ بیان کرنے سے عاجز ہے اس سے معلوم ہوا کہ حسن معنوی کی طرح حسن صوری بھی درحقیقت ذوقی ہے نہ کہ مدرک بالبصر ہاں حسن صوری کو معلوم کرنے کے لئے حسن ظاہر شرط بے شک ہے مگر شرط ہونا اور چیز ہے اور مدرک ہونا اور شئے ۔ اس بیان سے معلوم ہوا کہ حسن

دو قسم کا ہے حسن صوری اور حسن معنوی۔ اور یہ بھی معلوم ہوگیا کہ مدرک دونوں کے لئے ذوق ہے فرق اتنا ہے کہ حسن معنوی کے ادراک کیلئے حسن ظاہر شرط نہیں ہے۔ اور حسن ظاہر کے ادراک کے لئے شرط ہے۔

ادراک حسن کے لئے بصارت شرط نہیں

اور اسی سے اس کا راز بھی معلوم ہوگیا کہ اندھے کسی پر کیوں عاشق ہوجاتے ہیں اس لئے کہ اس سے معلوم ہوا ہے کہ ادراک حسن کا مدار آنکھ پر نہیں ہے بلکہ بعض خوبیاں بدوں آنکھ کے بھی معلوم ہوسکتی ہیں پس اندھے ان پر ان خوبیوں کی بنا پر عاشق ہوتے ہیں جو بلا توسط آنکھ کے مدرک ہوسکتے ہیں جیسے آواز ہے یا کوئی عادت وخصلت ہے وغیرہ وغیرہ اندھوں کے عاشق ہونے پر ایک اندھے کا قصہ یاد آگیا لڑکوں کو پڑھاتا تھا ایک لڑکے کی ماں خوشامد میں اس اندھے معلم کے پاس اپنے بچہ کے ہاتھ کبھی کبھی کھانا وغیرہ بھیج دیا کرتی تھی کبھی سلام کہلا بھیجتی اندھے نے سمجھا کہ عورت مجھ سے محبت کرتی ہے اس لئے اس کو بھی اس سے محبت ہوگئی۔

ایک روز اس نے اس لڑکے کے ہاتھ اس کی ماں کے پاس اظہار عشق کے ساتھ درخواست ملاقات کا پیام کہلا بھیجا عورت پارسا تھی اسے ناگوار ہوا اس نے اپنے خاوند سے تذکرہ کیا ان دونوں میں یہ طے ہوگیا کہ اندھے کو اس کا مزہ چکھانا چاہئے اور اس کی صورت بھی تجویز کرلی گئی اس کے بعد اس عورت نے حافظ جی کو لڑکے کے ہاتھ بلوا بھیجا حافظ جی وقت معہود پر پہنچ گئے۔

اتنے میں باہر سے آواز آئی کواڑ کھولو حافظ جی یہ سنکر گھبرائے عورت نے کہا کہ گھبراؤ نہیں میں ابھی انتظام کئے دیتی ہوں تم یہ دوپٹہ اوڑھ کر چکی پیسنے لگو حافظ جی نے ایسا ہی کیا اس نے جا کر کواڑ کھول دیئے خاوند اندر آیا ملی بھگت تو تھی ہی۔ پوچھا یہ کون عورت ہے کہا ہماری لونڈی ہے آٹے کی ضرورت تھی اس لئے بے وقت چکی پیس رہی ہے۔ وہ

خاموش ہو رہا حافظ جی نے کیوں چکی پیسی تھی آخر تھک گئے اور ہاتھ سست چلنے لگا یہ دیکھ کر خاوند اٹھا اور کہا مردار سوتی ہے پیستی کیوں نہیں یہ کہکر چند جوتے رسید کیے اور آکر اپنی جگہ لیٹ رہا حافظ جی نے قہر درویش بر جان درویش پھر پیسنا شروع کیا تھوڑی دیر پیسنے کے بعد پھر ہاتھ سست چلنے لگا خاوند نے پھر وہی کیا جو پہلے کیا تھا غرض صبح تک حافظ جی سے خوب چکی پسوائی اور خوب جوتہ کاری کی جب یہ دیکھا کہ حافظ جی کو کافی سزا مل چکی ہے تو حسب قرارداد خاوند وہاں سے ٹل گیا عورت نے کہا حافظ جی اب موقعہ ہے آپ جلدی سے تشریف لے جائیں. ایسا نہ ہو وہ ظالم پھر آجاوے حافظ جی وہاں سے بھاگ گئے اور مسجد میں آکر دم لیا یہ قصہ تو رفت گذشت ہوا اس کے بعد عورت کو شرارت سوجھی اور اس نے لڑکے کے ہاتھ پھر سلام کہلا بھیجا حافظ جی نے کہا ہاں ہاں سمجھ گیا آٹا نہیں رہا ہوگا خیر یہ مضمون تو استطرادی تھا۔

مثنوی سمجھنے کے لئے ذوق سلیم کی ضرورت

کہنا ہم کو یہ ہے کہ مثنوی میں حسن صوری بھی ہے اور معنوی بھی مگر اس کے سمجھنے کے لئے ذوق سلیم کی ضرورت ہے یہ سب کچھ ہے مگر اس کے مضامین کی وقت اور اس کے ذو وجوہ ہونے نے اس کو اس قابل نہیں رکھا کہ وہ عوام کے ہاتھوں میں رہے کیونکہ اس سے لوگوں کی گمراہی کا سخت اندیشہ ہے اس بنا پر جی یوں چاہتا ہے کہ اس کو یوں پردہ میں چھپایا جاوے کہ کسی کو اس کی ہوا بھی نہ لگے کیونکہ گو مثنوی اپنی ذات سے ایک کتاب ہدایت ہے اور اس سے جو گمراہی پھیلتی ہے اس کی ذمہ دار خود لوگوں کی نااہلیت ہے مگر جس وقت کہ اس کی اشاعت میں ایک مفسدہ ہے گو خارجی ہے اور شیوع اس کا ضروری نہیں تو اس وقت ضروت اس کی ہے کہ اس کو شائع نہ کیا جاوے اس لئے کہ یہ شرعی قاعدہ ہے کہ جس بات سے کوئی خرابی پیدا ہوتی ہے اور وہ خود ضروری نہ ہو تو اس کو روک دیا جاتا ہے ہاں اگر وہ امر خود ضروری ہو اور اس میں کوئی مفسدہ بھی ہو تو خود اس کو نہ روکا جاوے گا بلکہ اس وقت خود مفاسد کو روکا جاوے گا لیکن اس وقت اس کے

اشاعت کا بند ہونا تو ناممکن ہے کیونکہ اس کے لئے ضرورت ہے حکومت کی اور حکومت ہے نہیں تو اشاعت کیونکہ رکے۔ پس دو صورتیں ہیں یا تو مثنوی سے بالکل تعرض نہ کیا جاوے اور اس پر جو مفاسد مرتب ہوں ہونے دیا جاوے یا ان مفاسد کو دور کرنے کی کوشش کی جاوے پہلے صورت کچھ اچھی نہ معلوم ہوتی تھی اس لئے جی چاہتا تھا کہ مثنوی کی کوئی ایسی شرح ہو جاوے جو اس کے مضامین کو شریعت پر منطبق کر دے مگر اس طرح کہ حق بھی نہ چھوٹنے پائے تاکہ ایک حد تک مفاسد کا انسداد ہو جاوے۔

کلام کی شرح لکھنے کے لئے مذاق سخن شرط ہے

اب تک جو لوگوں نے حواشی و شروح لکھے وہ فرداً فرداً تو کافی نہیں کیونکہ بعض تو فن کو چھوڑ دیا ہے جیسے محض اہل علم ظاہر اور بعض نے شریعت کو چھوڑ دیا جیسے ولی محمد اور بعض ایسے ہیں جن کو مذاق سخن حاصل نہیں ہے اور جب تک مذاق سخن نہ ہو اس وقت تک کسی کے کلام کی شرح ناممکن ہے غرض کہ جہاں تک ہم نے غور کیا ہم کو کوئی شرح یا حاشیہ ایسا نہ ملا جو ان تمام باتوں کا جامع ہو یہ ممکن ہے کہ ان سب کے مجموعہ سے مقصود حاصل ہو جاوے مگر اس میں اول تو یہ دقت ہے کہ ہر شخص کے پاس اتنا ذخیرہ جمع ہونا مشکل پھر اگر جمع بھی ہو جاوے تو ہر شخص میں تنقید کی قابلیت کب ہے۔

کلید مثنوی لکھنے کا سبب

اس بنا پر جی چاہتا تھا کہ کوئی ایسی شرح ہو جاوے جس میں ان تمام باتوں کا حتی الامکان لحاظ رکھا گیا ہو۔ لیکن احباب کے اصرار سے یہ بار خود مجھ ہی کو اٹھانا پڑا اور میں نے دفتر اول کی شرح پوری کر دی اس کے بعد کئی سال تک ہمت پست رہی پھر احباب کی طرف سے بھی اصرار ہوا کچھ آمادگی ہوئی لیکن یہ امید نہ ہوتی کہ میں اس کو پورا کر سکوں گا اسلئے

خیال ہوا کہ کچھ اور لکھدیا جاوے اور میں نے حاجی صاحب سے سنا تھا کہ دفتر ششم میں اسرار بہت ہیں اس لئے خیال ہوا کہ دفتر ششم کی شرح بھی ہو جاوے تو اچھا ہے اس بنا پر میں نے دفتر ششم کی شرح شروع کی اور بدقت تمام اس کو ختم کیا اب تو ہمت بالکل ہی پست ہو گئی لیکن احباب کا اصرار کسی طرح ہوا تب خیال ہوا کہ اس کو پورا ہونا چاہئے اور ہمت تھی نہیں اس لئے اس کے لئے یہ تدبیر بتلائی کہ میں پڑھا دوں اور پڑھنے والے ضبط کریں چنانچہ دفتر ثالث ۔ نصف اول دفتر رابع ربع اول دفتر خامس کی شرح اس طرح تحریر مولوی حبیب احمد و مولوی شبیر علی تمام ہو گئی ۔

مولانا حبیب احمد صاحب کو مثنوی سے مناسبت

اس کے بعد بعض عوارض کی وجہ سے اس کے درس کا سلسلہ موقوف ہو گیا مگر اس کی تحریر موقوف نہیں ہوئی یعنی میں نے مولوی حبیب احمد کو بوجہ اس کے کہ میرے خیال میں ما شاء اللہ ان کو مثنوی سے پوری مناسبت تھی اجازت دے دی کہ تم خود لکھ لو اور جو مقام حل نہ ہو یا جہاں کہیں کوئی شبہ ہو مجھ سے پوچھ لو نصف ثانی دفتر رابع ربع ثانی و ثالث و رابع دفتر خامس کی شرح اس طرح تمام ہوئی ۔ غرض چار دفتر تو یوں تمام ہوئے اور دو دفتر میں خود لکھ چکا تھا اس لئے اب بفضلہ تعالیٰ پوری مثنوی کی شرح ہو گئی چونکہ حق سبحانہ، کا یہ ایک بہت بڑا انعام اور احسان تھا اس لئے جی چاہا کہ اس کے ادائے شکر کے لئے بے تکلف و اہتمام خاص ایک جلسہ کیا جاوے جس میں حق سبحانہ، کی اس نعمت کو ظاہر کیا جاوے کیونکہ اظہار نعمت بھی شکر ہے اگر بہ نیت تفاخر نہ ہو چونکہ بعض وہ احباب موجود نہ تھے جن کے شریک کرنے کو جی چاہتا تھا اس لئے اس میں ذرا تاخیر ہو گئی آج وہ بھی اتفاقاً آ گئے اور احباب غیر متوقع بھی آ گئے اس لئے خیال ہوا کہ یہ کام آج ہی ہو جاوے تو اچھا ہے اس لئے یہ مختصر اور بے تکلف جلسہ منعقد کیا گیا گو شرح مثنوی کا کام ہمارے کئی کے ہاتھوں انجام پایا ہے ۔

چھوٹی اور بڑی ہر نعمت پر اظہار شکر کی ضرورت

مگر ہمیں اس پر ناز نہ ہونا چاہیئے کیونکہ حق سبحانہٗ فرماتے ہیں ۔ مَا يَفْتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا وَمَا يُمْسِكْ فَلَا مُرْسِلَ لَهٗ مِنْ بَعْدِهٖ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۔

یعنی حق سبحانہٗ جس چھوٹی یا بڑی نعمت کو کھولدیں اس کو کوئی روکنے والا نہیں اور جس کو وہ بند کر دیں اس کو کوئی چھوڑنے والا نہیں اور وہی غالب مطلق اور حکیم مطلق ہیں نیز فرماتے ہیں مَا اَصَابَكُمْ مِنْ نِعْمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ۔ یعنی جو نعمت تم کو ملی وہ حق سبحانہٗ کی طرف سے ہے ان نصوص میں تصریح ہے کہ ہر نعمت خواہ علم ہو یا کچھ اور اسی کے اختیار میں ہے اور بدوں اس کے دیئے کسی کو نہیں مل سکتے پس بجائے اس کے ناز کیا جاوے ہم کو حق سبحانہٗ کا شکر کرنا چاہئے کہ اس نے ہم پر انعام کیا اور ہم سے یہ خدمت لی ہم کو ناز کا کیا حق ہو سکتا ہے جب کہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کے لئے ارشاد ہوتا ہے ۔ لَئِنْ شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِيْ اَوْحَيْنَا اِلَيْكَ

شارحین مثنوی کی شکر گذاری اور انہیں ہدیہ سے نوازنا

پس ہم کو خدائے تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہئے یہ مضمون تو حق سبحانہٗ کے شکر سے متعلق تھا اب میں کہتا ہوں کہ حدیث میں من لم یشکر الناس لم یشکر اللہ اس لئے مجھے شارحین کی شکر گذاری کی بھی ضرورت ہے کیونکہ ان سے مجھے اس مقصد میں مدد ملی ہے سو ایک تو ان کی شکر گذاری کی یہ ہی صورت ہے کہ ان کی ثنا کی ساتھ ذکر ہو رہا ہے اور دوسری صورت ان کی شکر گذاری کی یہ کہ میں اُن کے لئے دعا کرتا ہوں کہ ان پر حق تعالیٰ اپنی رحمت فرماویں اور ان کو تقویٰ حقیقی نصیب فرمائیں ۔ اور تیسری صورت یہ ہے کہ میں ان کے لئے کوئی ہدیہ تجویز

کروں سو مولوی شبیر علی تو میری مثل جز کے ہیں ان کے لئے کوئی ہدیہ تجویز کرنا تو خود اپنے لئے تجویز کرنا ہے اور مولوی حبیب احمد میرے دوست ہیں گو وہ بھی میرے لئے من وجہ جز وہی کی مثل ہیں مگر پھر بھی دونوں میں بہت فرق ہے اس لئے میں ہدیہ رسم صالحہ کے طور پر صرف مولوی حبیب احمد کے لئے تجویز کرتا ہوں اس تفریق کی تائید اس واقعہ سے بھی ہوتی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے لوکان بعدی نبی لکان عُمرًا اور یہ نہیں فرمایا لکان ابوبکر اس کی وجہ استادی علیہ الرحمتہ نے یہ بیان فرمائی ہے کہ ابوبکر صدیق ؓ بوجہ شدت تعلق بر سول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ملحق بر سول صلی اللہ علیہ وسلم اور حکماً بعد کے مضاف الیہ میں داخل ہیں گو حیثیات الحاق دونوں واقعوں میں جداگانہ ہیں مگر اس سے اصل مقصود پر اثر نہیں پڑتا دوسری وجہ فرق یہ بھی ہے کہ (یہ ہنسکر فرمایا) کہ مولوی حبیب احمد نے شرح کو پورا کیا ہے اور مولوی شبیر علی نے پورا نہیں کیا اس کی ساتھ ہی یہ بات بھی ہے کہ جو بات محبت سے ہو وہ خود بھی محبوب ہے خواہ فعل ہو خواہ ترک ہو کیونکہ کبھی فعل مودی ہوتا ہے معنی کی اور کبھی ترک ۔

مولانا حبیب احمد صاحب کو مفتاح مثنوی کے لقب سے نوازنا

خیر جو تحفہ میں نے مولوی حبیب احمد کے لئے تجویز کیا ہے وہ اب میں پیش کرتا ہوں برگ سبز ست تحفہ درویش اس تحفہ کو حقیر نہ سمجھئے یہ میری ٹوپی ہے جس میں یہ شعر لکھا ہوا ہے ؎

گشتہ مفتاح باب مثنوی　　　　اے حبیب مولوی معنوی

اس میں لفظ حبیب مضاف ہے مگر بشکل موصوف اس کو عربی میں یوں پڑھا جا سکتا ہے ۔

صرت مفتاحا الباب المثنوی　　٭　　یا حبیب المولوی المعنوی

میں نے اس پر ۱۳۳۶ھ بھی یادداشت کے لئے لکھدیا ہے اور میں حبیب احمد کو مفتاح المثنوی کا لقب دیتا ہوں اور صلاح اعمال کی دعا کرتا ہوں (اس کے بعد اتمام ذرہ نوازی کے لئے اس نااہل کو اپنے دست مبارک سے ٹوپی اڑھا دی حبیب احمد) میں شارحین کو حق سبحانہٗ کا ارشاد مَا یَفْتَحِ اللّٰہُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَۃٍ فَلَا مُمْسِکَ لَھَا وَمَا یُمْسِکْ فَلَا مُرْسِلَ لَہٗ۔ پھر یاد دلاتا ہوں اور کہتا ہوں کہ وہ اس پر ناز نہ کریں بلکہ خدا کا شکر ادا کریں کیونکہ یہ ان کا انعام ہے جو ان پر کھولا گیا ہے اگر وہ بند کر لیتے تو پھر اس کا کوئی کھولنے والا نہ تھا۔

وعظ کا نام شکر المثنوی تجویز فرمانا

اس لئے میں اس وعظ کا نام شکر المثنوی رکھتا ہوں۔ اور حاجی صاحب نے فرمایا تھا کہ مثنوی کے سبق کے بعد یہ دعا کیا کرو کہ اے اللہ جو کچھ اس میں ہے ہمیں بھی نصیب ہو سبحان اللہ کیسی مختصر اور جامع دعا ہے اور ایک دفعہ اس دعا کے بعد فرمایا تھا کہ جو لوگ اس وقت موجود ہیں انشا اللہ تعالیٰ سب کو ایک ذرہ محبت عطا ہوگا آپ نے تو یہ بشارت دی تھی کہ جتنے لوگ اس جلسہ میں شریک ہیں سب کو اس میں سے حصہ ملے گا۔ ہم بشارت کے قابل نہیں۔ ہاں ہم کو حق سبحانہٗ کے فضل سے امید ہے کہ جتنے اس جلسہ میں شریک ہیں ان کو بھی انشاللہ تعالیٰ اس سے حصہ ملے گا۔

کلید مثنوی کی تکمیل پر تقسیم مٹھائی

اس جلسہ میں تقسیم کے لئے مٹھائی بھی منگائی گئی ہے جو تقسیم ہونے والی ہے جو لوگ اس تقسیم میں ایسے ہیں جن کو مٹھائی دینے سے ثواب ملے اے اللہ اس کا ثواب حضرت مولانا رومی کو پہنچے یہ فاتحہ مروجہ نہیں ہے کیونکہ اس میں اور فاتحہ

مروجہ میں بہت فرق ہے اہل بدعت کی شیرینی وغیرہ ان کے آگے ہوتی ہے ہماری مٹھائی باتیں طرف رکھی ہے وہ کسی شی پر فاتحہ دے کر خود ہی کھا لیتے ہیں۔ اور نہ سمجھتے ہیں کہ اس شے کا ثواب مردہ کو پہنچ جاوے گا ہمارے یہاں ایسا نہیں ہے ایک عورت کا قصہ ہے کہ جب وہ کوئی چیز پکاتی تو اس کو چند پیالوں میں اتارتی اور کہتی کہ یہ فلانے کے نام کا ہے اور یہ فلانے کے نام کا اس کا ثواب فلانے کو پہنچے اور اس کا فلانے کو کہکر خود کھا جاتی سو ہمارے فاتحہ تو ایسی نہیں اہل بدعت کے یہاں ثواب کی تین قسمیں ہیں ایک مستحقین کو دینے کا اور ایک غیر مستحقین کو دینے کا ایک خود کھانے کا اس لئے ان کے مردوں کو ثواب بھی کم پہنچتا ہے کیونکہ جو غیر مستحقین کو دیدیا گیا یا خود کھا لیا گیا اس کا ثواب تو کیوں ہی پہونچے گا رہا وہ جو مستحقین کو دیا گیا ہے اس میں اگر خلوص نہ تھا جو کہ اغلب ہے کیونکہ انکے ایصال ثواب میں یا ریا و تفاخر ہوتا ہے یا محض پابندی رسم و تقلید آباء۔ تو وہ یوں اکارت گیا اب بتلا یئے مردوں کو کیا پہنچا برخلاف اہل حق کے کہ جب وہ ایصال ثواب کریں گے تو اس میں اس کی شرائط کا لحاظ رکھیں گے اس لئے سارا ثواب مردوں کو پہنچے گا ایک قصہ ہے کہ ایک شخص نے منت مانی تھی منت کا کھانا جن لوگوں کو کھلایا گیا ان میں کوئی تحصیلدار تھا کوئی پیش کار غرض کہ سب اغنیا تھے ایک شخص نے کہا بھائی جس نے مساکین نہ دیکھے ہوں اس جلسہ میں دیکھ لے اگر کسی کو ہمارے مولانا کو ثواب پہنچانے پر یہ شبہ ہو کہ وہ تو خود بزرگ ہیں ان کو ثواب پہنچانے سے کیا فائدہ اس کا جواب یہ ہے کہ اس میں دو فائدے ہیں ایک فائدہ تو خود بزرگوں کا ہے وہ یہ کہ مراتب بلند ہوں گے اور ان کے تقرب خداوندی میں اضافہ ہوگا جس کے وہ ہم سے زیادہ طالب ہیں دوسرا فائدہ خود ہمارا ہے کہ ان کے تعلق سے حق سبحانہٗ کو ہم سے تعلق ہوگا کیونکہ وہ خدا کے دوست ہیں اور دوست کا دوست دوست ہوتا ہے۔

آیت متلوہ کی عجیب و غریب تفسیر

اب میں آیت متلوہ کے متعلق تھوڑا سا مضمون اور بیان کرتا ہوں اس کے بعد اس بیان کو ختم کردونگا وہ یہ ہے کہ حق سبحانہ، نے جس طرح اس آیت میں اپنے عموم قدرت و قہر غلبہ کو صراحتًا بیان فرمایا ہے یوں ہی انہوں نے اس میں اپنے کمال جود و کرم کی طرف بھی اشارہ فرمایا ہے تفصیل اس کی یہ ہے کہ آیت میں جملہ اولیٰ میں فتح کے مقابلہ میں امساک لاتے ہیں اور امساک کے مقابلہ میں فتح اور جملہ ثانیہ میں امساک کے مقابلہ میں ارسال لائے ہیں اور ارسال کے مقابلہ میں امساک ۔

پس اس میں دو امر خلاف ظاہر ہیں ایک تو جملہ اولیٰ میں فتح کے مقابلہ میں امساک اور امساک کے مقابلہ میں فتح لانا کیونکہ فتح کا مقابلہ غلق ہے نہ کہ امساک اور امساک کا مقابلہ ارسال ہے نہ کہ فتح اور دوسرا یہ کہ جملہ ثانیہ مقابل ہے جملہ اولیٰ کا اور یہ معلوم ہوچکا ہے کہ فتح کا مقابلہ غلق ہے نہ کہ امساک ۔

پس جملہ اولیٰ میں ما یفتح اللہ فرمایا اور اس کے مقابلہ میں جملہ ثانیہ میں ما یمسك فرمانا خلاف مقتضائے تقابل ہے اس بنا پر آیت مذکورہ پر شبہ ہوتا ہے کہ اس میں رعایت نہیں رکھی گئی ہے اس کا جواب یہ ہے کہ رعایت معنوی چونکہ رعایت لفظی پر مقدم ہے اور رعایت معنوی عدم لحاظ تقابل میں تھی اس لئے اس کا لحاظ نہیں کیا گیا تفصیل اس کی یہ ہے کہ اس آیت سے جس طرح اظہار کمال قدرت مقصود ہے یوں ہی اس میں غایت کرم اور کمال جود کی طرف بھی اشارہ ہے پس جملہ اولیٰ میں بجائے لفظ ارسال کے فتح کا لفظ اس واسطے استعمال کیا گیا ہے کہ گویہ دونوں لفظ اطلاق پر دلالت کرتے ہیں مگر جو دلالت اطلاق پر لفظ فتح کرتا ہے وہ دلالت لفظ ارسال نہیں کرتا اس لئے ما یفتح اللہ میں اشارہ ہوگا اس طرف کہ جب حق سبحانہ کسی پر رحمت کرتے ہیں تو بہت اور بیدریغ کرتے ہیں اور یہ اشارہ ارسال میں نہ تھا اس لئے بجائے ارسال کے فتح لایا گیا اور بجائے غلق کے امساک

کا لفظ استعمال کیا گیا ہے کہ جس قدر کمال قدرت نفی ممسک سے ظاہر ہوتا ہے اس قدر نفی غالق سے ظاہر نہیں ہوتا کیونکہ غلق خاص ہے اور امساک عام اور نفی عام تو نفی خاص کو مستلزم ہے مگر نفی خاص نفی عام کو مستلزم نہیں اور جملہ ثانیہ میں لفظ امساک بجائے غلق کے اس لئے لایا گیا ہے کہ وہ دلالت کرتا ہے کرم پر کیونکہ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حق سبحانہ جب کسی پر انعام نہیں کرتے تو یہ اس کا بند کرنا نہیں ہوتا کہ نہر جاری نہ ہو بلکہ کسی وجہ سے عارضی طور پر روک لینا ہوتا ہے اور زوال عارض کے بعد پھر اس کا اجراء ہو جاتا ہے۔

مَا يَفْتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ من رحمة فلا غالق لها اس لئے نہیں کہا کہ اس میں گو کثرت جود کی طرف اشارہ ہے مگر اس سے کمال قدرت کا اظہار نہیں ہوتا کیونکہ نفی غالق کے لئے نفی ممسک لازم نہیں اور ما یرسل الله للناس من رحمة فلا ممسك لها اس واسطے نہیں فرمایا گو اس میں کمال قدرت کا اظہار ہے مگر اس سے کمال جود مفہوم نہیں ہوتا اور ما یرسل الله للناس من رحمة فلا غالق اس واسطے نہیں فرمایا کہ نہ اس میں کمال قدرت کا اظہار ہے اور نہ کمال جود کی طرف اشارہ اور ما یغلق فلا فاتح له اس واسطے نہیں فرمایا کہ حق سبحانہ کی طرف سے غلق رحمت نہیں ہوتا بلکہ فقط امساک ہوتا ہے جو کہ ادنی ہے غلق سے نیز اس میں کمال قدرت پر بھی دلالت نہیں ہے کیونکہ نفی فاتح مستلزم نفی مرسل نہیں ہے

ما يغلق فلا مرسل له اس واسطے نہیں نہیں فرمایا گو اس میں کمال قدرت پر دلالت ہے مگر حق سبحانہ غلق رحمت نہیں فرماتے اور ما یمسك فلا فاتح له اس واسطے نہیں فرمایا فرمایا کہ اس میں کمال قدرت پر دلالت نہیں ہے۔ اس تفصیل کے بعد آیت کا حاصل یہ نکلا کہ حق سبحانہ جب کسی پر کوئی عنایت کرتے ہیں تو بیدریغ کرتے ہیں اور خود ان کی طرف سے کوئی روک نہیں ہوتی اور جس کسی پر وہ عنایت کرتے ہیں اس کا کوئی بند کرنے والا تو در کنار روکنے والا

بھی نہیں ہوتا اور جس پر وہ رحمت نہیں کرتے تو وہ اس کو بند نہیں کرتے بلکہ کسی عارض کی وجہ سے روک لیتے ہیں اور اگر وہ عارض زائل ہو جاوے تو پھر جاری فرما دیتے ہیں اس سے اہل سلوک کو خاص طور پر سبق لینا چاہئے اور اگر کسی وقت احوال و مواجید اور ذوق شوق میں کمی آجاوے یا وہ بند ہو جاویں تو مایوس نہ ہوں کیونکہ حق سبحانہ نہایت کریم ہیں اس لئے کسی نعمت کو خود نہیں روکتے بلکہ کسی عارض کی وجہ سے روکتے ہیں اور عارض کبھی معصیت ہوتا ہے اور کبھی غیر معصیت پس اگر معصیت ہو تو اس کا توبہ و استغفار سے تدارک کرنا چاہئے حق سبحانہ پھر اس کو جاری فرمادیں گے اور غیر معصیت ہو تو سمجھنا چاہئے کہ یہ روکنا کسی خاص مصلحت سے ہے اور مفید ہے نہ کہ مضر اس لئے اس کی کچھ پرواہ نہ کرنی چاہئے اور اپنا کام کرتے رہنا چاہئے اور پریشان نہ ہونا چاہئے کیوں حق تعالیٰ حکیم ہے یا نہیں ۔

حق تعالیٰ شانہ کے ہر امر میں حکمت و مصلحت ہوتی ہے

چنانچہ اسی آیت میں وھو العزیز الحکیم فرمایا ہے اسی لئے ان کی کسی نعمت کے روکنے میں کوئی مصلحت ہوتی ہے خود میرا واقعہ ہے کہ ابتدا میں جب کہ جوش زیادہ تھا ایک مرتبہ خیال ہوا کہ ہم کو طلب بھی ہے اور یہ بھی مسلم ہے کہ حق سبحانہ کو ہماری حالت کا علم ہے اور یہ بھی مسلم ہے کہ ان کو قدرت تامہ بھی حاصل ہے اور کریم بھی ہیں پھر ان باتوں کے ہوتے ہوتے دیر کیوں ہے اس کا جواب میری سمجھ میں کچھ نہ آیا جب بہت پریشانی بڑھی تو خیال ہوا کہ مولانا رومیؒ سے مشورہ لو یہ خیال کر کے مثنوی کھولی تو پہلے ہی صفحہ پر اشعار نکلے جن میں چاروں مقدمے وہ تھے جو میں نے قائم کئے تھے اور پانچواں مقدمہ اور تھا جو کہ میرے ذہن میں نہ تھا جس کے نہ ہونے کی سبب میری سمجھ میں جواب نہ آتا تھا یعنی یہ کہ وہ حکیم بھی ہیں اور اس تاخیر میں حکمت ہے اشعار مذکورہ

یہ ہیں۔

چارہ میجوید پئے من درد تو	می شنودم دوش آہ سرد تو
می توانم ہم کہ بے ایں انتظار	رہ نمایم داد ہم راہ گذار
تاازیں طوفاں دوراں وارہی	برسر گنج وصالم پانہی ۔
لیک شیرینی ولذات مقر	ہست براندازۂ رنج سفر
انگہ از فرزند و خویشاں برخوری	کز غریبی رنج محنتہا بری

حاصل اشعار یہ ہے کہ یہ مسلم ہے کہ تمہاری درد عشق میرے وصال کی تدبیر کا طالب ہے (اس میں میرا مقدمہ اولی تسلیم کیا ہے) اور میں کل رات تمہاری آہ سرد کو سنتا بھی تھا (اس میں میرے مقدمہ ثانیہ کو مانا گیا ہے) اور میں یہ بھی کر سکتا ہوں کہ تم کو اپنے وصال کی طرف رہنمائی کروں اور تمہیں آنے کے لئے رستہ دے دوں تاکہ تم گردش کے طوفان سے نجات پا جاؤ اور میرے گنج وصال پر پہنچ جاؤ (اس میں میرے مقدمہ ثالثہ کو تصریحًا اور رابعہ کو اشارۃً تسلیم کیا ہے) لیکن کسی قدر تاخیر کے بعد کیونکہ قاعدہ ہے کہ گھر کا مزہ اور اس کی لذت اسی قدر حاصل ہوتی ہے جس قدر کہ سفر میں تکلیف اٹھائی ہو اور تم کو اپنے بال بچوں اور عزیز و اقارب سے ملکر لطف تام اسی وقت حاصل ہوتا ہے جب کہ سفر میں بہت کچھ تکلیفیں اور زحمتیں اٹھانی پڑی اس مضمون میں ایک مقدمہ خامسہ بتلایا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ہم حکیم بھی ہیں اور ہمارے کام مصلحت سے ہوتے ہیں۔ اس توقف میں یہ مصلحت ہے کہ جب تمہیں ہمارا وصال نصیب ہو تو تمہیں اس کی قدر ہو واقعی بات یہ ہے کہ جو راحت بہت سی تکالیف کے بعد حاصل ہوتی ہے اس میں نہایت ہی لطف آتا ہے۔ ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ مجھے مولوی ناظر حسن کی بارات میں شریک ہونے کا اتفاق ہوا (پہلے تو میں بارات میں شریک ہو جاتا تھا اب شریک ہونا چھوڑ دیا ہے) بارات دیر میں رخصت ہوئی اور راستہ ہی میں رات ہو گئی مینہ اور آندھی رعد و برق کے ساتھ جو آئی لوگ اپنی اپنی گاڑیاں اڑا

لے گئے ہماری گاڑی بھی اکیلی رہ گئی غرض بے حد تکلیف ہوئی الحمد للہ کر کے تھانہ بھون آیا جب میں گھر پہنچا ہوں میں نہیں کہہ سکتا کہ اس وقت مجھے کس قدر لطف آیا ہے اور کس قدر راحت حاصل ہوئی ہے اسی پر ان سالکین کی حالت کو قیاس کر لینا چاہیئے جو بہت سی تکالیف برداشت کرنے کے بعد مقصود تک پہنچتے ہیں۔ اب ایک بات اور بیان کرتا ہوں اس کے بعد بیان کو ختم کرتا ہوں وہ یہ کہ حق سبحانہ نے فرمایا ہے ۔ وَمَا يُمْسِكْ فَلَا مُرْسِلَ لَهُ مِنْ بَعْدِهِ من بعدہ میں مضاف محذوف ہے اے من بعد امساکہ ۔ چونکہ مضاف بلا ذکر بھی سمجھا جاتا تھا اس لئے اس کو حذف کر دیا گیا غرضکہ قرآن میں لفظی اور معنوی دقائق و محاسن بے انتہا ہیں مگر جس قدر ان کو اہل زبان سمجھ سکتے ہیں غیر اہل زبان نہیں سمجھ سکتے ایک شاعر کا واقعہ ہے کہ اس نے بڑی محنت اور دماغ سوزی کے بعد ایک شعر کہا اور اس پر بہت خوش ہوا شعر یہ تھا ؎

سیہ چوری بدست آں نگاری نازنین دیدم ؛ بشاخ صندلیں پیچیدہ مار آتشیں دیدم

اور بہت فخر کے ساتھ ایک اہل زبان شاعر کو سنایا۔ اس نے سنتے ہی ناک چڑھائی اور بجائے اس کے کہ تعریف کرتا یہ کہا کہ تم نے شعر کا ناس کر دیا ۔ نازنین دیدم آتشیں دیدم کیا کہو ؎

سیہ چوری بدست آں نگارے ؛ بشاخ صندلیں پیچیدہ مارے

اس اصلاح نے شعر کو کہیں پہنچا دیا ۔ واقعی زبان کا لطف اہل زبان ہی کو حاصل ہوتا ہے غیر اہل زبان کو وہ لطف نہیں آتا ۔

خاتمہ بر دُعائے خیر

اچھا اب دعا کرو مولانا رومی کے لئے اور وعظ لکھنے والوں کے لئے بھی اور تمام مسلمانوں کے لئے بھی اور شارحوں کے لئے بھی کہ خداوند تعالیٰ ہر غلطی سے بچائیں ۔ آمین ۔